مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح (مکمل 8 جلدیں)

مشکوٰۃ المصابیح

مصنف

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

مشکوٰۃ المصابیح

مصنف

جلد (اول)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینه و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل له و من یضلل فلا ھادی له واشھد ان لا اله الا اللہ شھادۃ تکون للنجاۃ وسیلة

ترجمہ:

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں ۱؎ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں،اُسی سے مدد مانگتے ہیں،اُسی سے معافی چاہتے ہیں ۲؎ اور اپنے نفسوں کی شرارت اور اپنے اعمال کی برائیوں سے رب کی پناہ مانگتے ہیں ۳؎ جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں،جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۴؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۵؎ ایسی گواہی جو نجات کا وسیلہ اور بلندیٔ درجات

تشریح:

۱؎ یعنی ہر حامد کی محمود پر،ہر وقت،ہر نعمت پر،ہر طرح کی ہر حمد اللہ تعالٰی ہی کی حمد ہے کیونکہ جسے جو ملا اسی کے دین سے ملا،لہذا وہ ہی ہر حامد کا محمود،ہر ساجد کا مسجود،ہر عابد کا معبود،ہر شاہد کا مشہود،ہر قاصد کا مقصود ہر طرح موجود ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی حقیقی وکامل حمد وہ جو اس نے اپنی کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ" لہذا وہ خود ہی حامد ہے،خود ہی محمود،یا اس کی مقبول حمد وہ ہے جو اس کے بندۂ خاص محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی،یا محمد مصطفیٰ کی کامل حمد وہ ہے جو ان کی ان کے رب نے کی،وہ اپنے رب کے احمد ہیں رب ان کا محمود،اور رب ان کا حامد وہ رب کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم،غرض کہ **الحمد** کا الف لام یا استغراقی یا عہدی۔

۲؎ تمام دنیاوی حاجات بلکہ خود حمد کرنے میں حقیقی مدد اسی سے مانگتے ہیں،اور حمد وغیرہ میں جو کوتاہی ہم سے ہوجائے اس کی معافی کے خواستگار ہیں۔خیال رہے کہ اللہ کے مقبولوں کی مدد حقیقتًا رب ہی کی مدد ہے۔

۳؎ نفس کی شرارتوں سے اپنی خفیہ برائیاں مراد ہیں،اعمال کی برائیوں سے ظاہر خرابیاں مراد ہیں۔ہم ظاہر و باطن عیبی ہیں ان عیبوں کو خود دفع نہیں کرسکتے،نفس و شیطان سخت دشمن،بڑے دشمن کے مقابلہ میں بڑے مددگار کی پناہ درکار،ان دشمنوں سے رب کی پناہ،شیطان کے شر سے نفس امارہ کا شر قوی تر ہے کہ یہ مار آستین ہر وقت گھات میں ہے اس لیئے خصوصیت سے نفس کا ذکر ہوا۔

۴؎ ہدایت کے دو معنی ہیں:راہِ خیر دکھانا،منزل مقصود پر پہنچادینا۔ایسے ہی اس کے مقابل ضلالت کے دو معنی ہیں:راہ شر دکھانا،شر تک پہنچا دینا۔پہلے معنی سے ہدایت کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مرشد کامل یا قرآن کی طرف،یونہی ضلالت کی نسبت شیطان جن وانس یا نفس امارہ کی طرف ہوتی ہے۔مگر دوسرے معنی سے ہدایت وضلالت کی نسبت صرف اللہ تعالٰی کی طرف،یہاں دوسرے معنی مراد ہیں،یعنی اے مولٰی جسے تو منزل مقصود تک پہنچادے اسے پھر کوئی راہِ شر نہیں دکھا سکتا کہ وہ تو راستوں سے گزر گیا اور جسے تو اس کی بدکاریوں،بداعمالیوں کی وجہ سے کفر قطعی تک پہنچادے پھر اسے کسی کی راہبری کام نہیں دیتی۔لہذا اس خطبہ پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ گمراہی کی نسبت رب کی طرف کیسی!نہ یہ کہ جب خدا نے بندہ کو گمراہ کردیا تو بندے کا کیا قصور،کاسِب بندہ ہے خالق مولٰی۔

۵؎ گواہئ توحید ساری مخلوق نے عقلی یا سمعی دی، مگر ہمارے حضور نے شہودی لہٰذا تمام مخلوق ثانوی گواہ ہے اور حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم اوّلی یا حقیقی گواہ اسی لیے رب نے فرمایا: "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا" یعنی حضور نے اللہ تعالٰی کی ذات و صفات،جنت دوزخ وغیرہ کو دیکھ کر گواہی دی،چونکہ عینی گواہ پر گواہی مکمل ہوجاتی ہے اسی لیے رب نے فرمایا: "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ"، "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کے معنی ہیں: "لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا الله" یا "لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا الله" مگر ارباب شہود کہتے ہیں: "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللهُ"۔ غرض کہ جیسا کلمہ پڑھنے والا ویسے اس کے معنی،کلمہ ایک ہے مگر زبانیں مختلف اس لیئے تاثیریں جداگانہ

ولرفع الدرجات کفیلة و اشهد ان محمدا عبده ورسوله الذی بعثه و طرق الایمان قد عفت اٰثارها و خبت انوارها و وهنت ارکانها

ترجمہ:

کی ضامن ہو ۱؎ اور گواہی دیتا ہوں کہ یقینًا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں ۲؎ جنہیں اللہ تعالٰی نے جب بھیجا،جب کہ ایمان کے راستوں کی نشانیاں مٹ چکی تھیں ۳؎ اور اُن کی روشنیاں بجھ گئی تھیں ۴؎ اور ان کے کنارے کمزور

تشریح:

۱؎ یعنی منافقوں کی سی گواہی نہیں دیتا جو زیادتی کفر کا سبب ہو،بلکہ اخلاص و صدق سے گواہی دیتا ہوں جس سے کافر مؤمن ہوجاتا ہے اور مؤمن عارف بن کر بلند درجے پاجاتا ہے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول اور رسول (پیغمبر) بھی ہیں اور ساری مخلوق کے رسول بھی،یعنی اللہ کے پیغام لانے والے،مخلوق کو پیغام پہنچانے والے،رب سے لینے والے،مخلوق کو دینے والے،لہٰذا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول اور یہ بھی کہ ہمارے رسول۔ پھر حضور کفار کو عذاب کا پیغام دیتے ہیں،مؤمنوں کو ثواب کا،عاشقوں کو وصال کا،غرض حضور کی رسالت مختلف ہے۔ نبی اور رسول کبھی ہم معنی ہوتے ہیں کبھی مختلف کہ نبی عام رسول خاص۔

۳؎ کیوں کہ عرب میں اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی تشریف نہ لائے تھے۔اس چار ہزار سال کے عرصہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعلیم لوگ بھول چکے تھے۔خیال رہے کہ عرب میں اور اولاد اسماعیل میں ہمارے حضور کے سوا کوئی نبی نہ آئے کہ جس آسمان پر سورج ہے اس پر کوئی تارا نہیں۔

۴؎ اس طرح کہ بنی اسرائیل جو دیگر ممالک میں جلوہ گر ہوئے ان کی ہلکی روشنیاں عرب میں پہنچیں مگر عیسٰی علیہ السلام کے بعدوہ بھی گل ہوکر رہ گئیں کہ انجیل مسخ کردی گئی،راہبوں پادریوں نے ان کی تعلیم بدل دی۔اگر کچھ بچے کھچے اصلی عیسائی تھے بھی تو وہ غاروں پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔اب دنیا میں اندھیرا ہی رہ گیا،اسی دور کو جاہلیت کا دور کہا جاتا ہے۔

و جهل مکانها فشید صلوات الله علیه و سلامه من معالمها ماعفا و شفا من العلیل فی تائید کلمة التوحید من کان علی شفا و اوضح سبیل الهدایة لمن اراد ان یسلکها و اظهر کنوز السعادة لمن قصد ان یملکها۔

ترجمہ:

اور انکی جگہیں نامعلوم ہوچکی تھیں ١؎ حضور پر الله کی رحمتیں اور سلام ہوں ٢؎ کہ آپ نے اسلام کے مٹے ہوئے نشان اونچے کردیئے،اور کلمۂ توحید کو تقویت دے کران بیماروں کو شفادے دی جو کنارہ پر تھے، ٣؎ اور راہِ ہدایت کا راستہ اُن کے لیے صاف فرمادیا جو اس پر چلنا چاہے،اور خوش نصیبی کے خزانے اس کے لیے ظاہر فرمادیئے جو اُن کا مالک ہونا چاہے ٤؎

تشریح:

١؎ اس طرح کہ اصلی عقائد کے ساتھ صحیح عبادات بھی گم ہوکر رہ گئیں تھیں پتہ نہ لگتا تھا کہ ان بیماریوں کی دوا کہاں ملتی ہے اور ان کا حکیم کہاں ہے۔غرضکہ دنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا کیوں نہ ہوتا کہ ہدایت کا سورج نکلنے والا تھا۔جس سے عالم میں نور اور ظلمت کافور ہونے والی تھی۔

٢؎ درود شریف میں صلوۃ وسلام دونوں عرض کرنا چاہئیں کہ قرآن کریم نے دونوں کا حکم دیا صرف صلوۃ یا صرف سلام بھیجنے کی عادت ڈال لینا ممنوع ہے۔(از مرقات)اسی لیے درودِ ابراہیمی صرف نماز کے لیے ہے کیونکہ اس میں صرف صلوۃ ہے سلام نہیں۔سلام التحیات میں ہوچکا نماز کے علاوہ یہ درود مکمل نہیں کہ سلام سے خالی ہے۔اس کی پوری بحث درود شریف کی بحث میں آئے گی۔

٣؎ اس طرح کہ حضور نے دنیا کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا،بت پرستی دفع کی،کلمۂ توحید کا اعلان فرمادیا اور جو دوزخ کے کنارے پہنچ چکے تھے انہیں بازو پکڑ کے ہٹالیا،ہر روحانی بیمار کو ہر طرح شفا دی،کسی سے یہ نہ فرمایا کہ تیری دوا میرے دارالشفاء میں نہیں۔ایسا کامل اکمل ہادی نہ آیا تھا نہ آئے۔خیال رہے کہ یہاں پہلا شفا شفاءٌ کا ماضی ہے یعنی حضور نے تندرستی وصحت بخشی،اور دوسرا شفا اسم جامد ہے بمعنی کنارہ یعنی جو ہلاکت یا جہنم کے کنارہ پر تھے انہیں صحت بخشی کہ کفار کو ایمان،فساق کو تقویٰ عطا کیا۔مصنف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور شفا بخشتے ہیں یہ کہنا شرک نہیں۔

٤؎ ظاہر یہ ہے کہ ہدایت سے مراد شریعت ہے،سعادت سے مراد طریقت۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت وطریقت دونوں بخشیں،قلب وقالب دونوں کا انتظام فرمایا۔کسی نے انکار کرکے دائمی بدبختی حاصل کرلی،کسی نے قبول کرکے دارین کی خوش نصیبی کمائی۔حضور نے انہیں مکہ والوں میں سے صدیق فاروق بنائے،رہزنوں کو راہبر،گمراہوں کو ہادی،بے علموں کو دنیا بھر کا معلم بنادیا۔حضور کا فیض کعبہ کی دیواروں سے پوچھو،مکہ کے بازاروں سے پوچھو،منٰی ومزدلفہ کے کوچوں سے پوچھو،عرفات کی بلندچوٹیوں سے معلوم کرو کہ لوگوں نے کعبہ کو بت خانہ بنادیا تھا،حضور نے خانۂ خدا بنا کر تمام عالم کا مسجود الیہ بنادیا۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

اما بعد! فان التمسك بهديه لا يستتب الا بالاقتفاء لما صدر من مشكوٰته والاعتصام بحبل الله لا يتم الا ببيان كشفه و كان كتٰب المصابيح الذى صنفه الامام محى السنة قامع البدعة ابو محمد الحسين ابن مسعود الفراء البغوى رفع الله درجته اجمع كتاب صنف

ترجمہ:

حمدوصلوۃ کے بعد جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مضبوطی سے حاصل کرنا ناممکن ہے بغیر اتباع کئے ان احادیث کے جو آپ کے سینہ سے صادر ہوئیں ۱؎ اور اللہ کی رسّی کا مضبوطی سے تھامنا مکمل نہیں بغیراس کے واضح بیان کے ۲؎ اور کتاب مصابیح جو سنت زندہ کرنے والے،بدعت اکھیڑنے والے امام ابو محمد حسین ابن مسعود فرّاء بغوی کی تصنیف ہے۔اللہ تعالٰی اُن کا درجہ بلند کرے تمام ان کتب میں جامع تر تھی جو اس بارے میں لکھی گئیں ۳؎

تشریح:

۱؎ یعنی ہرانسان پر حضورعلیہ السلام کی اطاعت فرض ہے اوریہ اطاعت بغیرحدیث و سنت جانے ناممکن ہے۔مشکوٰۃ یعنی طاق حضور انور کا سینہ مبارک ہے اور حضور علیہ السلام کے اقوال و احوال اس طاق کے چراغ ہیں،اگر روشنی چاہتے ہوتو اس سینے اور ان الفاظ طیبہ سے حاصل کرو،قرآن کتاب ہے حضور علیہ السلام چراغ اور چراغ کے بغیر کتاب پڑھی نہیں جاتی۔حضور علیہ السلام کے بغیر قرآن سمجھا نہیں جاتا،ہر آیت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تفسیر کی حاجتمند ہے ورنہ ہمیں کیا خبر کہ اَقِیۡمُوۡا کے کیا معنی اور صلوٰۃ و زکوۃ کسے کہتے ہیں۔

۲؎ اللہ کی رسی قرآن کریم ہے جو ہم نیچوں کو غارسے نکال کر اوپر پہنچانے آئی۔لیکن اس مضبوط رسی سے فائدہ وہی اٹھائے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسے پکڑے گا۔اس رسی کے لانے والے بھی حضور ہیں،پھر ہمیں پکڑانے والے بھی حضور،پھرپکڑنے کےبعدچھوٹ جانے سےبچانے والے بھی حضور،کہ حضور کےذریعہ مخلوق کو قرآن ملا،حضور ہی کے سمجھائے قرآن سمجھاگیا۔حضورہی کی نگاہ کرم سےان شاءاللہ مرتے دم تک اس پر عمل کیا اور انہیں کےکرم سے مرتے وقت بفضلہٖ کلمہ نصیب ہوگا۔جو حدیث کا انکاری ہے وہ صرف دو رکعت نمازپڑھ کریا ایک بار ایسی زکوۃ دےکر دکھادےجس میں حدیث کی مدد نہ ہو۔غرض کہ نماز وزکوۃ وغیرہ سنائی قرآن نے،سکھائی حضور نے،قرآن روحانی کھاناہے،حدیث اس کا پانی،پانی کے بغیرنہ کھانا تیار ہو نہ کھایا جاسکے۔

۳؎ یعنی فن حدیث میں بہت کتب لکھی گئیں،مگر کتاب مصابیح تمام کتب کی جامع کتاب ہے،اس کے مصنف حسین ابن مسعود ہیں۔آپ کی کنیت ابومحمدہے،لقب فراءکیونکہ پوستین کی تجارت کرتے تھے(فراءنحوی اور ہیں)ہرات وسرخس کے درمیان ایک بستی ہے بغو۔وہاں کے رہنے والےتھے لہذا بغوی کہلاتے ہیں۔خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونے میری سنت زندہ کی اللہ تجھے زندہ رکھے،لہذا خطاب ہوامحی السنہ۔شافعی المذہب ہیں،بڑے متقی،عالم،زاہد،تارک الدنیابزرگ تھے،ہمیشہ روکھی روٹی،یا زیتون یا کشمش سے روٹی کھائی،اسی برس سے زیادہ عمر پا کر ۵۱۶ھ مقام کرد میں وفات پائی،اپنے استاذ قاضی حسین کے پہلو میں دفن ہوئے۔آپ نے"مصابیح شرح السنۃ"،"تفسیر معالم التنزیل"،"کتاب التہذیب"،"فتاویٰ بغوی"وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں۔خیال رہے کہ مصابیح میں چار ہزار چارسوچونتیس حدیثیں تھیں صاحب مشکوۃ نے ایک ہزار پانچسو گیارہ احادیث کا اضافہ کیا لہذامشکوٰۃشریف میں پانچ ہزار نو سو پینتالیس احادیث ہیں۔(ازمرقاۃ)

فی بابه و اضبط لشوارد الاحادیث و اوابدها و لما سلك رضی الله طریق الاختصار و حذف الاسانید تکلم فیه بعض النقاد و ان کان نقله و انه من الثقات کالاسناد لکن لیس ما فیه اعلام کالاغفال فاستخرت الله

ترجمہ:

اور شوار دواوابد حدیثوں کی محافظ تھی ۱؎ چونکہ مصنّف نے طریقۂ اختصار اختیار کیا ۲؎ اور اسنادوں کو چھوڑ دیا،اس بارے میں بعض ناقدین نے چہ میگوئیاں کیں ۳؎ اگرچہ مصنف کا نقل فرمادینا ہی اسناد کی مثل ہے ۴؎ کیونکہ وہ معتبر ہیں مگر نشانیوں والا راستہ بے نشان راہ کی طرح نہیں ۵؎ اس لیے میں نے اللہ سے خیر اور توفیق

تشریح:

۱؎ شوارد شاردہ کی جمع بمعنی نافرہ(بھڑکا ہوا جانور)یعنی وہ حدیثیں جو لوگوں کے ذہنوں سے قریبًا جاچکی تھیں،لوگ انہیں قریبًا بھول چکے تھے۔جیسے بھڑکا ہوا جانور اپنی جگہ سے بھاگ جاتا ہے۔اوابد آبدہ کی جمع ہے بمعنی وحشی جانور جو انسان سے نفرت کرے یعنی وہ احادیث جن کے مضامین فہم سے بالاتر ہیں سمجھ میں نہیں آتے جیسے وحشی جانور قبضہ میں نہیں ہوتا یعنی مصابیح ان احادیث کی جامع ہے جنہیں لوگ بھول چکے تھے یا ان کی تخریج یا مضامین سے قریبًا مایوس ہوچکے تھے۔

۲؎ اسی طرح کہ نہ تو احادیث کی اسناد میں بیان کیں نہ ان کا مخرج کہ کس کتاب کی یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ اسناد حدیث مجتہدین کو مفید ہے جس سے وہ حضرات حدیث کا مرتبہ،ناسخ منسوخ ہونا،تعارض کے وقت کسی کا رائج ہونا،کسی حدیث کا مثبت استحباب ہونا،کسی کا مثبت وجوب ہونا معلوم فرماتے ہیں۔مقلدین حضرات ان کاوشوں سے آزاد ہیں ان کے لیئے قول امام دلیل ہے اور حدیث امام کی دلیل،پولیس کے لیے حاکم کا فیصلہ دلیل ہے اور حاکم کے لیے تعزیرات ہند کے دفعات دلیل ہیں۔اس لیے صاحب مصابیح نے صرف متن حدیث نقل فرمایا اسنادیں چھوڑدی تھیں۔(از مرقات)خیال رہے کہ عبارتِ حدیث کو متن کہتے ہیں،راویوں کے سلسلہ کو اسناد اور اصل کتاب کا ذکر جہاں سے حدیث لی گئی ہو تخریج کہلاتا ہے۔

۳؎ اس طرح کہ مصابیح کی احادیث پر شبہ کرنے لگے،کہنے لگے کہ جب نہ اسنادوں کا ذکر ہے نہ تخریج معلوم،تو کیا معلوم اس کی احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ناقدین وہ حضرات کہلاتے ہیں جو صحیح اور ضعیف حسن وغیرہ میں امتیاز کریں،راویوں کے حالات سے خبر رکھیں،ان کی توثیق تعدیل وجرح کرسکیں۔

۴؎ یعنی امام محی السنۃ اس پایہ کے محدث ہیں کہ ان کا کسی حدیث کو بغیر جرح نقل فرمادینا اس حدیث کی قوت کی دلیل ہے،ان کی نقل گویا اسناد ہے۔اس عبارت سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقلد کو امام کی حدیث پر اعتماد کرلینا درست ہے،اسے حدیث کی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں،مریض طبیب کے نسخے پر اعتماد کرے،اسے کتب طب کی تحقیقات ضروری نہیں۔دوسری یہ کہ ضعیف احادیث پر فقہاء کا عمل فرمالینا اس حدیث کو قوی کردیتا ہے۔

۵؎ لہذا تخریج بیان کردینے سے لوگوں کو طعن کا موقع نہ ملے گا اور صاحب مصابیح پر اعتراض نہ کرسکیں گے۔سبحان اللہ!کیسا ادب ہے کہ فرمایا نشانیوں والا راستہ یعنی مشکوٰۃ شریف بے نشان والے راہ یعنی مصابیح کی طرح نہیں۔مصابیح بہت اعلیٰ ہے یہ ہے انکسارِ نفس۔

و استوفقت منه فاعلمت ما اغفله فاودعت کل حدیث منه فی مقره کما رواه الائمة المتقیون و الثقات الراسخون مثل ابی عبد الله محمد بن اسمٰعیل البخاری و ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری و ابی عبد الله

ترجمہ:

مانگی ۱؎ اور ان کے بے نشانوں کو نشاندار بنادیا ۲؎ کہ اس کی ہر حدیث اپنے ٹھکانے میں ویسے ہی رکھی ۳؎ جیسے ماہر عادل حافظ اماموں نے روایت فرمائی جیسے ابوعبداللہ محمد ابن اسمٰعیل بخاری ۴؎ اور ابوالحسین مسلم ابن حجاج قشیری ۵؎ اور ابوعبداللہ

تشریح:

۱؎ اس طرح کہ مشکوۃ شریف لکھنے سے پہلے باقاعدہ استخارہ کیا،جیسا کہ طبرانی نے حضرت انس سے روایت کی:"مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ"استخارہ کرلینے والا نقصان نہیں اٹھاتا،مشورہ سے کام کرنے والا شرمندہ نہیں ہوتا،اوردرمیانِ تصنیف میں اللہ سے توفیقِ اتمام مانگتا رہا۔فقیر احمدیار بھی بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ مولٰی بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس بڑے کام کو بخیر و خوبی انجام دینے کی توفیق دے،اسے قبول فرما کر صدقہ جاریہ اور میرے گناہوں کا کفارہ بنا۔آمین یارب العالمین!

۲؎ اس طرح کہ ہر حدیث کے اول صحابی،راوی کا نام شریف اور آخر میں کتاب حدیث کا نام صراحۃً بتادیا۔

۳؎ یعنی جوحدیث مصابیح میں جس جگہ تھی میں نے بھی مشکوۃ میں وہاں ہی بیان کی،بلاوجہ آگے پیچھے نہ کی اور ہر حدیث میں محدثین کی روایات کی پیروی کی،جس طرح ان اماموں سے منقول تھی ویسے ہی میں نے نقل کی۔

۴؎ آپ کا نام شریف محمد،والد کا نام اسمٰعیل ہے،بخارٰی جو ماوراءالھند میں بہت بڑا شہر ہے وہاں آپ کی پیدائش ہوئی،اس لیئے آپ کو بخاری کہا جاتا ہے۔امت محمدیہ کے بڑے عالم،محدث،فقیہ،مجتہد تھے،آپ کے والد بڑے عالم اور حماد ابن زید و امام مالک کے شاگرد تھے،والدہ ماجدہ وَلِیَّہ،مستجاب الدعوات تھیں۔آپ بچپن شریف میں نابینا ہوگئے تھے،علاج سے اطباء عاجز ہوگئے،آپ کی والدہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا،فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے تیری دعاقبول کی تیرے بچہ کو انکھیارہ کیا،صبح کو آپ کی آنکھیں روشن تھیں،آپ نے خواب میں دیکھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مکھیاں اڑا رہا ہوں۔تعبیر دی گئی کہ تم احادیث کی خدمت کرو گے،صحیح سے ضعیف کو دور کرو گے۔آپ کو ۳ لاکھ حدیثیں یاد تھیں،ایک لاکھ غیر صحیح،دو لاکھ صحیح،مسجد حرام شریف میں سولہ ۱۶ سال میں صحیح بخاری شریف تالیف فرمائی،ہمیشہ غسل فرماکردونفل پڑھ کرلکھتے تھے،آپ کی ولادت ماہ شوال جمعہ کا دن بعدعصر ۱۹۴ھ (ایکسو چورانوے) میں بخارٰی میں ہوئی،عمر شریف باسٹھ ۶۲ سال پائی، ۲۵۶ھ مقام خرتنگ میں وفات پائی،آپ نے بادشاہ وقت کی طرف سے تنگ ہوکرخودہی اپنی وفات کی دعا کی،تہجدکودعا کی دوسرے دن وصال ہوگیا،خواب میں دیکھا گیا کہ حضور مع جماعت صحابہ کسی کا انتظار فرمارہے ہیں،پوچھنے پر ارشادہوا ہم محمد ابن اسماعیل کو لینے آئے ہیں۔عرصہ تک آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی،مٹی بھی مہکتی ہوئی تھی،بخاری شریف میں کل احادیث نوہزار بیاسی ہیں،جن میں مکررات اور تعلیقات سب شامل ہیں،مکررات کو نکال کر کل دو ہزار چھ سوتئیس ۲۶۲۳ احادیث ہیں،جن میں سے بائیس حدیثیں ثلاثی ہیں،اگر مکررات نکال دی جاویں توسولہ یعنی جن میں امام بخاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف تین واسطے ہیں۔بعد قرآن شریف صحیح تر کتاب بخاری مانی گئی ہے۔مصیبتوں میں ختم بخاری کیا جاتا ہے،جس سے بفضلہٖ تعالٰی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔(مرقاۃ)امام بخاری نے علاوہ بخاری شریف حسب ذیل کتب لکھیں۔

(۱)ادب المفرد(۲)رفع الیدین(۳)قراۃ خلف الامام(۴)برالوالدین(۵)التاریخ الکبیر(۶)الاوسط(۷)الصغیر (۸)خلق افعال العباد(۹)کتاب الضعفاء(۱۰)جامع کبیر(۱۱)مسند کبیر(۱۲)تفسیر کبیر(۱۳)کتاب الاشربہ (۱۴)کتابہ الھیہ(۱۵)اسامی الصحابہ(۱۶)کتاب الوجدان(۱۷)کتاب العلل(۱۸)کتاب الکنٰی(۱۹)کتاب المبسوط

(۲۰)کتاب الفوائد۔مگر بخاری شریف زیادہ مشہور و معتبر ہے،آپ نے اٹھارہ ہزار محدثین سے احادیث نقل کیں،ایک لاکھ محدثین آپ کے شاگرد ہیں۔جن میں امام مسلم،ترمذی،ابن خزیمہ۔ابی زرعہ ابو حاتم،نسائی زیادہ مشہور ہیں۔امام محمد ابن احمد مروزی فرماتے ہیں:کہ میں بیت اللہ شریف سے متصل سورہا تھا کہ میں نے حضور کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں:تم میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے پوچھا حضور آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا:محمد ابن اسمٰعیل بخاری کی کتاب "صحیح بخاری"۔

۵؎ آپ کانام شریف مسلم ابن حجاج نیشاپوری ہے،بنی قشیرہ قبیلہ کے ہیں،آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ مسلم،مسند کبیر،جامع کبیر،کتاب العلل،اوھام المحدثین،کتاب التمییز،طبقات التابعین،کتاب المخضرمین وغیرہ۔مگر ان سب میں مسلم شریف زیادہ مشہورومعتبر ہے،تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کرکے چار ہزار حدیثیں اس میں جمع کی گئیں۔مسلم شریف میں اسی۸۰ سے کچھ زیادہ حدیثیں رباعی ہیں جس کی اسناد میں صرف چار راوی ہیں۔آپ کی ولادت ۲۰۴ھ میں حضرت شافعی کی وفات کے کچھ عرصہ بعدہوئی،وفات ماہ رجب ۲۶۱ھ میں ہوئی،ستاون سال عمر شریف ہوئی،ایک دفعہ آپ سے کوئی حدیث دریافت کی گئی آپ نے تمام رات وہ حدیث تلاش کرنے کے لیئے کتب کا مطالعہ شروع کیا،کسی نے کھجوروں کی ٹوکری برابر میں حاضر کردی،ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور حدیث ڈھونڈتے رہے،صبح کو حدیث مل گئی،ٹوکری ختم ہوگئی۔اسی وجہ سے وفات ہوئی،نیشاپور میں قبرشریف ہے۔

مالك بن انس الاصبحی و ابی عبد الله محمد بن ادريس الشافعی

ترجمہ:

مالک ابن انس اصبحی ۱؎ اور ابو عبداللہ محمد ابن ادریس شافعی ۲؎

تشریح:

۱؎ آپ مذہب مالکی کے امام ہیں،تبع تابعین میں سے ہیں۔اگرچہ آپ امام بخاری و مسلم سے پہلے گزرے اور آپ کی کتاب "مؤطا امام مالک" ان دونوں کتب سے پہلے لکھی گئی مگر چونکہ بخاری ومسلم کا رتبہ فن حدیث میں اعلیٰ مانا گیا ہے اس لیے مصنف نے ان دونوں کے بعد آپ کا ذکر کیا۔بڑے محدث،فقیہ،اور عاشق رسول ہیں،مدینہ منورہ میں رہے،سوائے ایک بار حج کے کبھی مدینہ شریف سے باہر نہ گئے،اس شہر پاک میں کبھی خچریا گھوڑے پرسوار نہ ہوئے حالانکہ آپ کے ہاں بہت گھوڑے تھے،بہت ادب سے باوضو حدیث بیان فرماتے تھے،تین سو تابعین چارسوتبع تابعین سے حدیثیں حاصل کیں،آپ کی ولادت ۱۰۳ھ ربیع الاول میں ہوئی،وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔(یہ مرقاۃ کی روایت ہے)شامی میں ہے کہ امام مالک کی ولادت ۹۰ھ اور وفات ۱۷۹ھ میں،عمر ۸۹سال ہے۔واللہ اعلم! آپ کا مزار جنت البقیع مدینہ منورہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔فقیر نے زیارت کی ہے آپ کی کتاب حدیث مؤطا امام مالک مشہور ہے۔

۲؎آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،نام محمد ابن ادریس ابن عباس ابن عثمان ابن شافعی ابن سائب ابن عبید ابن عبدِ یزید ابن ہاشم ابن عبدالمطلب ابن عبدمناف ہے،لہذا آپ مطلبی ہاشمی ہیں۔شافعی ابن سائب کی نسبت سے آپ کا لقب شافعی ہے اور آپ کے سلسلۂ مذہب کا نام بھی شافعی،اورشافع کی والدہ خلدہ بنت اسد حضرت علی مرتضٰی کی خالہ ہیں یعنی فاطمہ بنت اسد کی

ہمشیرہ۔سائب جنگ بدرمیں کفار مکہ کے علمبردار تھے جو مسلمانوں کی قیدمیں آئے اور فدیہ دے کررہائی پائی،بعدمیں اسلام لائے، امام شافعی اسلام کے مایہ ناز امام،مجتہد، صاحبِ مذہب عابد،زاہد،بڑے باادب بزرگ ہیں۔اصول دین میں آپ نے چودہ ضخیم کتاب تصنیف فرمائیں،اورفروعات میں سو سے زیادہ،جب آپ کسی مصیبت میں ہوتے تو بغداد شریف حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر حاضر ہو کر دو رکعت نفل ادا کرکے حضور امام ابوحنیفہ کے توسل سے دعا فرماتے،رب تعالٰی مصیبت رفع فرماتا،خودفرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی قبر قبول دعا کے لیے تریاق ہے،آپ کی ولادت ۱۸۰ھ میں عین امام اعظم کی وفات کے دن مقام عسقلان یا مقام منٰی میں ہوئی،مکہ معظّمہ میں پرورش پائی،۵۴ سال عمر شریف پاکر ۲۰۴ھ مصر میں وفات پائی۔قرافہ مصر میں مزار پرانوار ہے،امام مالک کے شاگرد ہیں اور امام محمد کی تصنیفات سے کسب علم فرمایا،رمضان شریف میں ہر شب ایک قرآن ختم فرماتے تھے۔رضی اللہ عنہ۔

و ابی عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی و ابی عیسٰی محمد بن عیسٰی

ترجمہ:

اور ابو عبداللہ احمد ابن محمد ابن حنبل شیبانی[1]اور ابو عیسٰی محمد ابن عیسٰی ترمذی[2]

تشریح:

[1]آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،نام شریف احمد ابن محمد ابن حنبل ابن بلال ابن ادریس ابن عبداللہ ابن جتان ابن اسد ابن نزار ابن معد ابن عدنان ہے،بڑے محدث،فقیہ ومجتہدہیں۔امام مذہب ہیں،بغدادشریف میں ولادت ہوئی،طالبِ علمی میں کوفہ،بصرہ،شام،مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ گئے،آئمہ حدیث سے ملاقاتیں کیں،امام بخاری و مسلم ابوداؤد وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کرکے مسنداحمدابن حنبل تصنیف فرمائی۔آپ کی بڑی عظمت یہ ہے کہ حضور غوث الثقلین سید شیخ محی الدین عبدالقادربغدادی رضی اللہ عنہ آپ کے مذہب حنبلی کے پیرو ہیں،ہمیشہ فقر وفاقہ میں گزاری۔مسئلہ خلق قرآن پر شاہ بغداد مامون رشید آپ کا مخالف ہوگیا،آپ کو تیں کوڑے لگائے،ہرکوڑے پر آپ فرماتے کہ قرآن کلام اللہ قدیم ہے،آپ کی ولادت بغداد شریف میں ۱۶۴ھ میں ہوئی،۷۷ سال عمر پائی اور جمعہ کے دن بوقت چاشت ۲۴۱ھ میں بمقام بغداد وفات ہوئی،وہاں ہی آپ کا مزار پر انوار ہے۔آپ پر پچیس لاکھ مسلمانوں نے نماز پڑھی،وفات کے دن بیس ہزار کافر مسلمان ہوئے،آپ کی قبر انور سے مخلوق برکتیں حاصل کرتی ہے۔حضرت امام شافعی نے آپ کی وہ قمیض دھوکرپی جس میں آپ کوکوڑے مارے گئے تھے۔دوسوتیں برس کے بعد آپ کی قبرکھل گئی تو آپ کا جسم شریف و کفن مبارک بعینہٖ محفوظ تھا۔رضی اللہ عنہ (مرقاۃ و اشعہ وغیرہ)

[2]آپ کانام محمدابن عیسٰی ابن صورہ ابن موسٰی ابن ضحاک سلمی ہے،کنیت ابو عیسٰی نہربلخ جیجون کے کنارے مقام ترمذ ولادت ہے،وہاں ہی وفات ہوئی۔شافعی مذہب ہیں،بڑے محدث،عالم وعابدبزرگ ہیں،آپ کی کتاب ترمذی شریف جرح حدیث،بیان مذاہب میں بےمثال ہے،جس میں ایک حدیث ثلاثی ہےجو امام ترمذی تک صرف تین واسطوں سے حضور علیہ السلام سے پہنچی،آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں اوروفات ۲۷۹ھ میں ہوئی،عمرشریف پچاس سال ہوئی۔

رواہ الترمذی و ابی داؤد سلیمان ابن اشعث السجستانی و ابی عبد الرحمن احمدبن شعیب النسائی و ابی عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجۃ القزوینی و ابی محمدعبداللہ بن عبد الرحمن الدارمی ابی الحسن علی بن عمر الدارقطنی

ترجمہ:

اورابوداؤدسلیمان ابن اشعث سجستانی ١؎ اور ابوعبدالرحمٰن احمد ابن شعیب نسائی ٢؎ اور ابو عبداللہ محمد ابن یزید ابن ماجہ قزوینی ٣؎ اور ابو محمد عبداللہ ابن عبدالرحمٰن دارمی ٤؎ اور ابوالحسن علی ابن عمردارقطنی ٥؎

تشریح:

١؎ آپ کا نام شریف سلیمان ابن اشعث ابن اسحاق ابن بشیر ہے،کنیت ابوداؤد،وطن مالوف،علاقہ خراسان میں ہرات کے قریب مقام سجستان ہے جسے سجستان کہا جاتا ہے،ولادت ۲۰۲ھ،وفات ۲۷۵ھ مقام بصرہ میں ہوئی،وہاں ہی مزارشریف ہے،عمر شریف ۷۳ سال، آپ نے پانچ لاکھ احادیث سے چارہزار آٹھ سو ۴۸۰۰ احادیث جمع فرمائیں۔بڑے عالم،فقیہ،محدث،عابدوزاہد،متقی و پرہیزگار تھے رضی اللہ عنہ

٢؎ آپ کانام ابوعبدالرحمان ابن احمدابن شعیب ابن بحرابن سنان نسائی ہے،علاقہ خراسان میں ایک بستی ہے نساءقریب مردوہاں کے متوطن ہیں،آپ نے اولًا ایک حدیث کی بڑی کتاب لکھی جس کا نام نسائی تھاکسی نے آپ سےپوچھا کہ کیا نسائی میں تمام احادیث صحیح ہیں؟فرمایا نہیں،اس نےعرض کیا کہ احادیث صحیحہ جمع کرو،تب آپ نے اس سے صحیح احادیث منتخب کیں جس کا نام رکھا مجتبیٰ نسائی۔اب یہ ہی کتاب مروج ہے۔طلبِ علم کے لیے بہت سفر کیئے۔جب دمشق پہنچے تو کسی نے پوچھا کہ امیرمعاویہ افضل ہیں یاعلی مرتضی،تو فرمایا کہ امیرمعاویہ کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ ان کی نجات ہوجاوے،اس پر وہاں کے لوگوں نے بہت مارا وہاں کے زخموں سے جانبر نہ ہوسکے،بعض نے فرمایا کہ بیت المقدس پہنچ کروفات پائی،بعض نے کہا مکہ معظّمہ میں وفات ہوئی،اور صفا مروہ کے درمیان دفن ہوئے۔بڑے آئمہ حدیث آپ کے شاگردہیں جیسے امام طحاوی،ابو القاسم طبرانی وغیرہ۔علی العموم مصر میں رہتے تھے،آپ کی ولادت ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی،بعض نے لکھا ہے کہ آپ کے زمانہ میں خوارج کا بہت زور تھا،آپ ہمیشہ فضائل اہل بیت بیان فرماتے تھے،اس پرخوارج نے آپ کی پشت میں نیزہ مارا جو آپ کے سینہ سے نکلا اور یہ کہتے گرے "فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ"یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔

٣؎ آپ کا نام محمدابن یزید ابن ماجہ ربیعی ہے،کنیت ابوعبداللہ،قزوین کے رہنے والے،آپ کی کتاب ابن ماجہ ہے،احادیث غیرصحیح زیادہ ہیں،اسی وجہ سےبعض لوگوں نے ابن ماجہ شریف کےبجائے دارمی یا مؤطاکو صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں،وفات رمضان ۲۷۳ھ میں ہوئی،عمر شریف ۶۴ سال ہوئی۔

٤؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن افضل ابن بہرام ہے،کنیت ابو محمد،قبیلۂ دارم ابن مالک سے ہیں،اسی لیےدارمی کہلاتے ہیں۔ سمرقندوطن شریف ہے،اپنے زمانے کے بڑے محدث،مفسر،فقیہ تھے،آپ کی وفات کی خبر پر امام بخاری بہت روئے،آپ کے شاگرد امام مسلم،ابوداؤد،و ترمذی وغیرہ ہیں،آپ کی ولادت ۱۸۱ھ اور وفات شریف ۲۵۰ھ ۸ ذی الحجہ کو ہوئی،۷۴ سال عمر شریف ہوئی،آپ کی کتاب دارمی شریف مشہور ہے۔

٥؎ آپ کا نام ابوالحسن ابن علی ابن عمر ہے،بغداد کے ایک محلّہ قطن کے رہنے والے ہیں،آپ اپنے زمانہ کے محدث امام اسماءالرجال کے حافظ تھے،آپ کی کتاب دارقطنی مشہورومعروف ہے،آپ کے شاگرد بڑے بڑے محدثین ہیں جیسے ابونعیم،حاکم،امام اسفرائینی وغیرہم۔آپ کی ولادت ۳۰۵ھ،اور وفات ۳۸۵ھ میں بغداد شریف میں ہوئی،وہاں آپ کا مزارمبارک ہے۔

و ابی بکر احمد بن حسین البیھقی و ابی الحسن رزین بن معاویۃ العبدری

ترجمہ:

اور ابوبکر احمد ابنِ حسین بیہقی [1] اور ابوالحسن رزین ابن معاویہ عبدری [2]

تشریح:

[1] آپ کانام احمدابن حسین ہے،کنیت ابوبکر،نیشاپور کے علاقہ بیہق کے قریب قریہ جزر میں ولادت ہوئی،آپ اپنے زمانہ کے جلیل القدرمحدث حاکم رضی اللہ عنہ کے تلمیذ اعلیٰ ہیں،آپ نے علاوہ بیہقی شریف کے اوربہت کتب لکھیں:"دلائل النبوۃ"،"کتاب البعث والنشور"،"کتاب الاداب"،"کتاب فضائل الاوقات"،"شعب الایمان"،"کتاب الخلافیات"وغیرہ۔آپ ان سات مصنفین میں سے ہیں جن کی تصنیفات سے مسلمانوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔تاریک الدنیا،قلیل الغذا،بہت عابد تھے،تیس سال مسلسل روزہ داررہے،شافعی المذہب ہیں۔آپ کی ولادت نیشاپور میں ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں ہوئی،وفات بھی نیشاپور ۴۵۸ھ میں،عمرشریف ۷۴ سال پائی،آپ کا تابوت شریف آپ کے وطن خرجر علاقہ بیہق میں پہنچایاگیا،وہاں ہی دفن کیا گیا جمادی اولیٰ میں۔

[2] آپ کا نام رزین ابن معاویہ،کنیت ابوالحسن،قبیلہ عبدر سے ہیں،جو عبدالدارابن قصیٰ کی اولاد سے ہے،آپ کی کتاب"النجریہ" مشہورہے، ۵۳۰ھ میں وفات ہوئی،قریشی النسل ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ!رضی اللّٰہ عنہ

ہم بزرگان دین کے تذکرہ کو اس ذاتِ گرامی کے ذکر پاک پر ختم کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ اُمت مصطفویہ کا روشن چراغ،قریبًاسارے محدثین وفقہاءکا استاد،دین متین کا مجتہداول ہے،جن کے فضائل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نےبیان فرمائے کہ فرمایا اگر دین ثریا تارے کے پاس بھی ہوتا تو فارس کا ایک شخص وہاں سے لے آتا،آپ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوقی ہے،حضرت زوقی یعنی امام صاحب کے دادا فارسی النسل ہیں۔حضرت امام کی کنیت ابوحنیفہ،لقب امام اعظم،آپ کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زاراورآپ کےخاص مقربین میں سے تھے،آپ ہی کی محبت میں فارس چھوڑکر کوفہ میں آپ کے پاس قیام کیا،حضرت زوقی اپنی بچے ثابت کو دعا کے لیے علی مرتضٰی کے پاس لائے،آپ نے دعا فرمائی اور بشارت دی کہ اس فرزند کے بیٹے سے عالم میں علم بھرجائے گا۔امام اعظم کی پیدائش کوفہ شہر ۸۰ھ میں ہوئی یعنی تمام آئمہ مجتہدین سے پہلے ۷۰ سال عمر شریف پاکر۱۵۰ھ میں بغدادمیں وفات ہوئی اوربغداد کے قبرستان خیرزان میں دفن ہوئے،آپ کی قبر شریف زیارت گاہ خاص وعام ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ کی قبر قبول دعا کےلیے اکسیر ہے،آپ نے بہت صحابہ کا زمانہ پایاجن میں سے چارصحابہ سےملاقات کی انس ابن مالک،عبداللہ ابن ابی اوفی،سہل ابن سعدساعدی،ابوطفیل عامرابن واصلہ۔آپ حضرت حماد کے شاگرد اور حضرت امام جعفر صادق کے تلمیذخاص ہیں کہ دوسال تک آپ کی صحبت میں رہے۔جلیل القدرتابعی ہیں،آپ اسلام کے سب سے پہلے مجتہداعظم ہیں،آپ کامذہب دنیا میں بہت پھیلا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ سارے جنتیوں میں دوتہائی جنتی حضور کی امت ہیں اور سارے مسلمانوں میں دو تہائی مؤمن حنفی ہیں،اکثراولیاءاللہ حنفی ہوئے،چالیس سال عشاء کے وضوءسے فجرکی نمازپڑھی،ہرشب پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کرتے

تھے،شب میں آپ کے رونے کی آواز گھر سے باہر سنی جاتی تھی،آپ کی وفات کے وقت سات ہزار قرآن مجید ختم ہوئے،سارے محدثین وفقہاء بالواسطہ یابلاواسطہ امام اعظم کے شاگرد ہیں۔اس کی پوری تحقیق کے لیے ہماری کتاب"جاء الحق"حصہ دوم دیکھو۔

وغیرهم وقلیل ما هو وابی اذا نسبت الحدیث الیهم کانی اسندت الی النبی صلی الله علیه وسلم لانهم قد فرغوا منه واغنونا عنه وسردت الکتب والابواب کما سردها واقتفیت اثره فیها وقسمت کل باب غالبا علی فصول ثلثة اولها ما اخرجه الشیخان او احدهما واکتفیت بهما وان اشترك فیه الغیر لعلو درجتهما فی الروایة وثانیها ما اورده غیرهما من الائمة

ترجمہ:

اور اُن کے ماسوا مگر ماسوا تھوڑے ہیں ۱؎اور مَیں نے جب ان بزرگوں کی طرف حدیث منسوب کردی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف اسنادکردی۲؎کیونکہ ان بزرگوں نے اسناد سے فارغ ہو کر ہم کو بے نیاز کردیا۳؎اور مَیں نے کتابیں اور باب ویسے ہی مرتب کئے جیسے انہوں نے کئے تھے۔اس میں مَیں اُنہی کے قدم پر چلا۴؎مَیں نے اکثر ہر باب کو تین فصلوں پر تقسیم کیا۵؎پہلی فصل میں وہ احادیث جنہیں شیخین یا اُن میں سے ایک نے روایت کیا مَیں نے انہی دونوں پر کفایت کی اگرچہ اس کی روایت میں دوسرے بھی شریک ہوں شیخین کی بلندیٔ درجہ کے سبب ۶؎دوسری فصل میں وہ

تشریح:

۱؎یعنی وہ حدیثیں جو مذکورہ بزرگوں کے علاوہ کی ہیں وہ تھوڑی ہیں۔"**ھو**"کا مرجع **غیرھم** ہے۔

۲؎**سبحان اللہ**!کیا ایمان افروز بات کہی،مطلب یہ ہے کہ میں مشکوۃمیں حدیثوں کا صرف متن بیان کرونگا نہ کہ اسنادکیونکہ میں آخر میں کہہ دونگا کہ اسےمسلم بخاری یا فلاں کتاب نے روایت کیا،میری یہ نسبت گویا اسناد ہے۔کسی حدیث کوان بزرگوں کا قبول فرمالینا اس کے صحیح قوی ہونے کی دلیل ہے،یہی ہم حنفی کہتے ہیں کہ کسی حدیث کو امام ابوحنیفہ کا قبول فرمالینا اور اس پر عمل کرلینا اس حدیث کے قوی ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہے،امام صاحب کی طرف حدیث کی نسبت گویا حضور کی طرف نسبت ہے،بلکہ امام صاحب کی کوئی حدیث ضعیف نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ زمانہ حضور کے زمانہ سے بہت ہی قریب ہے۔اس وقت اسنادوں میں ضعیف راوی شامل نہیں ہوئے تھے۔

۳؎مرقاۃ میں اس جگہ فرمایا کہ ان کتب احادیث میں کسی حدیث کا مطالعہ کرکے یہ کہناجائزہےکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کیونکہ ان مصنفین پر بھی اعتماد ہے اور ان کتابوں پر بھی بھروسہ۔

۴؎یعنی جس ترتیب سے صاحب مصابیح نے مسائل کی کتابیں اور ان کتابوں کے باب بیان کیئے ہیں،میں نے بھی اسی طرح بغیر تقدیم و تاخیر بیان کیئے اور کتابوں اور بابوں کے وہی عنوان رکھے جو انہوں نے رکھے تھے۔مثلًا "**کتاب الطھارت**"اس میں وضو کا،پھر غسل کا،اور پھر تیمّم کا باب ہوگا۔

۵؎یعنی اگرچہ بعض بابوں میں دو۲ ہی فصلیں ہوں گی مگر یہ بہت کم،اکثر تین ہی ہوں گی۔

۶؎ یعنی چوں کہ فن حدیث میں بخاری و مسلم کا درجہ بہت بلند ہے حتی کہ ان کو حدیث کا شیخین کہا جاتا ہے۔جیسے فقہ میں امام ابوحنیفہ وابویوسف کو،اورمنطق میں فارابی اوربوعلی سیناکو۔اس لیئے پہلی فصل میں میں ان بزرگوں کی روایتیں لاؤں گا اوراگرکسی حدیث کوشیخین کے علاوہ محدثین نے بھی نقل کیا ہو تو میں وہ حدیث صرف شیخین ہی کی طرف نسبت کروں گا۔مثلًا اگر کوئی حدیث بخاری اورترمذی کی ہے تو میں صرف بخاری کا نام لوں گا اور کہوں گا "رواہ البخاری"کہ ان کے ذکر کے ہوتے کسی کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

المذکورین و ثالثھا ما اشتمل علی معنی الباب من ملحقات مناسبة مع محافظة علی الشریطة و ان کان ماثورا عن السلف و الخلف ثم انك ان فقدت حدیثا فی باب فذلك عن تکریر اسقطه و ان وجدت اخر بعضه متروکا علی اختصاره او مضموما الیه تمامه فعن داعی اھتمام اترکه و الحقه و ان عثرت علی اختلاف فی الفصلین من ذکر غیر الشیخین فی الاول و ذکرھما فی الثانی فاعلم انی بعد تبتعی کتابی الجمع بین الصحیحین للحمیدی

ترجمہ:

احادیث جوان کے علاوہ دوسرے مذکورہ اماموں نے روایت کیا۱؎ تیسری فصل میں وہ مناسب ملحقہ حدیثیں جو باب کے معنی پرشامل ہیں شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ۲؎ اگرچہ متقدمین و متاخرین سے منقول ہوں ۳؎ پھر اگر تم کسی باب میں مصابیح کی کوئی حدیث نہ پاؤ تو وہ تکرار کی وجہ سے ہوگا جسے میں نکال دوں گا۴؎ اور اگر تم دوسری حدیث کو ایسا پاؤ کہ جس کا بعض حصہ اختصارًا چھوڑ دیا گیا ہے یا اس کا تتمہ شامل کردیا گیا ہے تو یہ کسی اہتمام کے باعث ہوگا کہ کچھ چھوڑدو ں گا کچھ ملادوں گا۵؎ اور اگر تم دو فصلوں میں کسی اختلاف پر مطلع ہو مثلًا یوں کہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی اور دوسری میں شیخین کی حدیث مذکور ہو۶؎ تو جان لینا یہ اس لئے ہے کہ میں نے حمیدی کی اور جامع اصول کی کتابیں جو شیخین کی

تشریح:

۱؎ جیسے ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ وغیرہ دوسری فصل میں ان کی احادیث ذکرکی **جائینگی۔**

۲؎ یعنی ہر باب کی دوفصلوں میں مصابیح کی احادیث ہوں گی اورتیسری فصل صاحب مشکوٰۃ کی طرف سے زیادہ کی جائینگی،اوراس میں جوحدیثیں بیان ہوں گی ان میں انہی باتوں کالحاظ ہوگا کہ اولًاحدیث کےراوی کانام،پھر آخر میں کتاب کا حوالہ۔

۳؎ یعنی میں نے اپنی تیسری فصل میں یہ التزام کیا کہ حدیث مرفوع ہی لاؤں بلکہ قول صحابہ و تابعین اور ان کے افعال کریمہ کی روایت بھی نقل کرونگاکیونکہ اصطلاح محدثین میں اسے بھی حدیث کہتے ہیں۔سلف کے معنی ہیں گزرے ہوئے لوگ یعنی متقدمین،خلف کے معنی ہیں پیچھے والے یعنی متاخرین۔یہاں سلف سے مراد صحابہ ہیں،خلف سے مراد تابعین،چونکہ صحابہ کا درجہ غیرصحابہ سےکہیں زیادہ ہے اس لیئے ان کا نام پہلےلیا تابعین کا بعدمیں۔

۴؎ اگرکسی باب میں کوئی حدیث مصابیح میں تو تھی مگرمشکوٰۃ میں نہیں تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں وہ حدیث دو جگہ آئی تھی،میں نے ایک جگہ رکھی دوسری جگہ سے ساقط کردی۔

۵؎ یعنی اگر کوئی حدیث مصابیح میں تو مختصرًا مذکور تھی،مگرمشکوٰۃ میں پوری دراز یا اس کے برعکس مصابیح میں مکمل و دراز تھی،مگر میں نے اس کو مختصرکرکے نقل کیاتو اس کی کوئی حکمت اور وجہ ہوگی،میں نے بلاوجہ یہ فرق نہ کیا مثلًا ایک دراز

حدیث کا ایک جز باب کے مناسب ہے باقی نہیں تو میں صرف وہ مناسب جز ہی نقل کروں گا مختصرًا اور اگرکسی حدیث کے دو جز مصابیح کے دوبابوں میں منقول ہوئے تو میں پوری حدیث ایک باب میں طویل ذکر کروں گا۔

٦؎یعنی صاحب مصابیح کا طریقہ تو یہ ہے کہ فصل اول میں شیخین کی احادیث لاتے ہیں اور فصل دوم میں ان کے علاوہ کی،لیکن اگر مشکوٰۃمیں تم کو اس کے خلاف ملے کہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی کوئی روایت آگئی ہو یا دوسری فصل میں شیخین کی تو اس کی وجہ وہ ہے جو آگے مذکورہے۔

و جامع الاصول اعتمدت علی صحیحی الشیخین و متنیھماو ان رایت اختلافاً فی نفس الحدیث فذلك من تشعب طرق الاحادیث و لعلی ما اطلعت علی تلك الراویة التی سلکھا الشیخ رضی اللہ عنه و قلیلا ما تجد اقول ما وجدت

ترجمہ:

احادیث کی جامع ہیں،کے تلاش کے بعد صحیح مسلم وبخاری اوران کے متون ۱؎ پراعتماد کیا اور اگرتم اصل حدیث میں فرق پاؤ تویہ فرق حدیثوں کی اسنادوں کے فرق کی وجہ سے ہوگا۲؎اور شایدمیں اس روایت پرخبردار نہ ہوا ہوں جدھر حضرت شیخ گئے۔تم بہت کم یہ بھی پاؤ گے کہ مَیں کہوں گا۔

تشریح:

۱؎یعنی اس اختلاف کی وجہ یہ ہوگی کہ میں نے مشکوٰۃ کی تالیف کے دوران میں امام حمیدی کی کتاب "**جمع بین الصحیحین**" اور امام مجدالدین کی کتاب "جامع الاصول" بھی دیکھیں اور اصل کتاب یعنی بخاری و مسلم کا بھی مطالعہ کیا اگر ان دونوں جامع کتب اوراصل بخاری ومسلم میں اختلاف پایا تو میں نے ان جامع کتب کا اعتبار نہ کیا بلکہ مسلم و بخای کا اعتبار کیا۔مثلًا ایک حدیث جامع الاصول میں شیخین کی روایت سے منقول ہے اور صاحب مصابیح نے فصل اول میں بیان کی مگرمسلم و بخاری میں وہ روایت نہیں تو اگر میں وہ حدیث لاؤنگا تو فصل اول ہی میں مگر اس کی نسبت مسلم و بخاری کی طرف نہ کرونگا،ایسے ہی برعکس کہ اگر ان جامع کتب میں کسی حدیث کی نسبت مسلم و بخاری کے علاوہ کسی اور کتاب کی طرف ہے،مگر وہ حدیث مسلم وبخاری میں مجھے مل گئی،صاحب مصابیح اسے دوسری فصل میں لائے تو میں بھی لاؤنگا دوسری فصل میں ہی،مگرنسبت مسلم وبخاری کی طرف کروں گا۔خیال رہے کہ کتاب **جمع بین الصحیحین** کے مصنف حافظ ابوعبداللہ محمدابن ابی النصر ابن حمیداندلسی **قرطبی** ہیں جو دارقطنی کے شاگردوں سے ہیں،آپ بغداد میں رہے وہاں ہی ۴۸۰ھ میں وفات پائی،آپ نے اپنی اس کتاب میں مسلم وبخاری کی احادیث جمع فرمائیں اور جامع الاصول کے مصنف امام مجدد الدین ابوالعادات مبارک ابن محمد جزری ہیں جنہیں ابن اثیر کہا جاتا ہے۔آپ موصل میں رہے وہاں ہی ۶۰۶ھ میں وفات پائی،آپ نے جامع الاصول میں صحاح ستہ کی احادیث نقل فرمائیں،صاحب مصابیح نے ان ہی کتب سے مصابیح تالیف فرمائی،صاحب مشکوٰۃ نے ان دونوں کتب کا بھی مطالعہ کیا اور اصل کتب حدیث کا بھی،ہماری اس تقریر سے یہ جملہ **بفضلہٖ تعالٰی** واضح ہوگیا اورمعلوم ہوگیا کہ صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ لکھنے میں کتنی محنت کی ہے۔

۲؎یعنی اگر کہیں ایسا ہو کہ مصابیح کی حدیث کے الفاظ وعبارت کچھ اور ہیں،مشکوٰۃ کی حدیث کی عبارت کچھ اور،تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی حدیث مختلف اسنادوں سے مختلف عبارتوں میں مروی ہوتی ہے۔صاحب مصابیح کو کسی اسناد سے وہ الفاظ

ملے جو انہوں نے مصابیح میں لکھے،مجھے وہ اسناد اور وہ الفاظ نہ ملے بلکہ دوسری اسناد میں دوسرے الفاظ ملے،تو میں نے اپنی تحقیق شدہ عبارت نقل کی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی محدث یا فقیہ کی حدیث ہم کو نہ ملے تو اس میں ہمارا اپنا قصور ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس بزرگ نے غلطی کی،دیکھو صاحب مشکوٰۃ نے مصابیح کی نقل کردہ حدیث کو غلط نہ فرمایا بلکہ اپنے قصور علم کا اقرار کیا یہ ہی ہم حنفی کہتے ہیں کہ اگر امام ابوحنیفہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے مسلک کی کوئی حدیث ہم کو نہ ملے یا ضعیف ملے تو اس میں ہمارا قصور ہے نہ کہ حضرت امام کا،صاحب مشکوٰۃ نے یہ ہی سبق دیا۔

هذه الرواية فی کتب الاصول او وجدت خلافها فيها فاذا و قفت عليه فانسب القصور الی لقلة الدراية لا الی جناب الشيخ رفع الله قدره فی الدارين حاشا لله من ذلك رحم الله من اذا وقف علی ذلك نبهنا عليه وارشدنا نقلت ذلك الاختلاف کما وجدت و ما اشار اليه رضی الله عنه من غريب او ضعيف او غيرهما بينت وجهه غالبا و ما لم يشر اليه مما فی الاصول فقد

ترجمہ:

میں نے یہ روایت اصول کی کتابوں میں نہ پائی۔یا ان میں اس کے خلاف پائی تو جب تم اس پر مطلع ہو تو میری کم علمی کی بناءپر قصور کو میری طرف منسوب کرنا نہ کہ حضرت شیخ کی بارگاہ کی طرف،اللہ دونوں جہانوں میں اُن کی عزت بڑھائے ؎۱اس نسبت سے خداکی پناہ خدا اس پر رحمت کرے جواس حدیث پر واقف ہوتو ہمیں متنبہ کردےاور ہم کو سیدھے راستہ کی راہبری کرے؎۲ میں نے حتی الوسع حدیثوں کی تلاش اور کرید میں کوتاہی نہیں کی اوراس اختلاف کوویسے ہی نقل کردیاجیساپایا؎۳ اورجب کبھی شیخ نے غریب ضعیف وغیرہ کی طرف اشارہ کیا تو اکثر مَیں نے اُس کی وجہ بیان کردی؎۴ اور اصولِ احادیث میں سے جہاں اس

تشریح:

؎۱یعنی مصابیح میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جو مجھے کسی کتاب میں ملی ہی نہیں یا اس کے خلاف ملیں تو میں نے وہ حدیث مشکوٰۃشریف میں لکھ تو دی مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے یہ حدیث نہ ملی یا اس کے خلاف ملی تو تم اس سے حضرت شیخ سےبدگمان نہ ہونا بلکہ مجھےقصورمند سمجھنا کہ میراعلم کم ہے۔**سبحان الله**!یہ ہے ادب۔اے حنفیو!تم بھی یہ ادب سیکھواگرتمہیں کوئی ایسی حدیث نہ ملے جوحضرت امام کی سند ہے تو سمجھو کہ بے علم یا کم علم ہم ہیں،ہماری تلاش میں قصور ہے،حضرت امام کی حدیث صحیح ہے۔

؎۲یعنی ایسی حدیث پر جو مجھے نہ ملی یا خلاف ملی اگر کسی صاحب کو مل جاوے تو مجھے براہ مہربانی فوًرا اطلاع دے تاکہ میں اس جگہ حوالہ لکھ دوں۔**الحمدلله**! فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تائید میں جواحادیث نقل فرمائیں اگرچہ تمام دنیا انہیں ضعیف یاغریب کہے،حضرت امام کے مسائل کی احادیث کسی کو نہ ملیں لیکن حضرت امام کے مسائل کی احادیث صحیح ہیں اگرچہ ہم کو نہ ملیں یا ضعیف ہوکر ملیں اسی لیے فقیر نے "**جاء الحق**" حصہ دوم[۲] تصنیف کی اس کا مطالعہ کرو۔

۳؎ یعنی یہ نہ سمجھنا کہ میں نے احادیث مصابیح کی تلاش میں کوتاہی کی یونہی دفع الوقتی کرکے لکھ دیا کہ مجھے نہ ملی بلکہ میں نے بقدر طاقت بہت تلاش کی نہ ملنے پر مجبورًا یہ لکھا۔سبحان اللہ!

۴؎ یعنی جن احادیث کے متعلق شیخ نے مصابیح میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف یا غریب یا منکر یا معلل ہے،میں نے مشکوٰۃ میں اکثر اس کے ضعف وغیرہ کی وجہ بیان کردی،ہاں کبھی ایسا ہوگا کہ وجہ بیان نہ کرسکا اس کی وجہ بھی میری معلومات کی کمی ہے کہ مجھے اس کے ضعف وغرابت کی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔

قفیته فی ترکه الا فی مواضع لغرض و ربما تجد مواضع مهملة و ذلك حیث لم اطلع علی روایة فترکت البیاض فان عثرت علیه فالحقه به احسن الله جزاك و سمیت الکتب بمشکوٰة المصابیح و اسئل الله التوفیق و الاعانة

ترجمہ:

طرف اشارہ نہ کیا وہاں میں ان کے نقش قدم پر چلا ۱؎ سواء چند جگہ کے وہ بھی کسی غرض سے ۲؎ بسااوقات تم کچھ جگہ چھوٹی ہوئی پاؤ گے یہ وہاں ہوگا جہاں میں روایت پر مطلع نہ ہوا وہاں میں نے سفید جگہ چھوڑدی ۳؎ تو اگر تم اس پر مطلع ہو تو وہاں ملادو۔اللہ تمہیں جزائے خیر دے،میں نے اُس کا نام "**مشکوٰۃ المصابیح**" رکھا ۴؎ اللہ تعالٰی سے توفیق،مدد،ہدایت،

تشریح:

۱؎ یعنی ایسا اکثر ہوا کہ کتب اصول نے کسی حدیث کے ضعف یا غرابت کی تصریح کی مگر صاحب مصابیح نے اس کا ذکر نہ کیا تو ایسی جگہ میں نے صاحب مصابیح کی پیروی کی اور اس کا ذکر نہیں کیا۔

۲؎ وہ غرض یہ ہے کہ بعض طاعنون نے مصابیح کی بعض احادیث کو موضوع کہہ دیا حالانکہ ترمذی وغیرہ نے صحیح یا حسن کہا ہے تو میں نے صاحب مصابیح سے طعن اٹھانے کے لیے اس کی تصریح کردی کہ فلاں کتاب نے اسے صحیح کہا ہے یا یہ وجہ ہوگی کہ صاحب مصابیح کے مقدمہ میں فرمایا کہ میں نے اپنی اس کتاب میں کوئی منکرروایت درج نہیں کی حالانکہ اس کی کوئی حدیث منکَر بھی تھی تو میں نے اسکی تصریح کردی تاکہ کوئی اس حدیث کو مصابیح میں دیکھ کر صحیح نہ سمجھے۔(اشعۃ اللمعات)

۳؎ یعنی مشکوٰۃ شریف میں کہیں حدیث کے بعد تھوڑی سی خالی جگہ چھوٹی پاؤ گے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں تو وہ حدیث موجود تھی لیکن مجھے کسی کتاب میں نہ ملی،اور مجھے پورا اعتماد ہے کہ صاحب مصابیح علامہ بغوی نے کہیں دیکھ کر ہی لکھی ہوگی اس لیے میں نے مشکوٰۃ میں حدیث تو لکھ دی مگر کتاب کے نام کے لیے جگہ چھوڑ دی تاکہ اگر کسی کو اس پر اطلاع ہوجائے تو وہ یہاں لکھ دے چنانچہ علامہ شمس الدین محمد جزری وغیرہم علماء نے ایسا کیا کہ وہ جگہ سفید ہی رکھی مگر اس کتاب کا نام بیان کردیا تاکہ دیکھنے والے کو پتہ لگے کہ یہ نقل صاحب مشکوٰۃ کی نہیں ہے کسی اور کی ہے

۴؎ کیونکہ مشکوٰۃ کے معنی ہیں طاق۔**مصابیح مصباح** کی جمع بمعنی چراغ،معنی ہوئے چراغوں کا طاق کیونکہ ہر حدیث نورانیت اورہدایت میں چراغ کی طرح ہے اور یہ کتاب ان احادیث کے ملنے کی جگہ۔نیز مصابیح اصل کتاب کا نام بھی ہے وہ ساری کتاب مشکوٰۃ میں موجود ہے۔بہرحال یہ نام مسمّٰی کے مطابق ہے۔

فقیر حقیر "احمدیار" نے اپنی اس شرح کا نام مراٰۃ رکھا یعنی چراغوں کے طاق کے سامنے لگا ہوا شیشہ جو بیرونی ہوا کو اندر نہ پہنچنے دے۔فقیر کی نیت یہی ہے کہ اس شرح سے منکرین حدیث اور ناسمجھ لوگوں کے اعتراضات دفع ہوں،احادیث کا

تعارض دور کیا جائے۔رب العزت قبول فرمائے۔یا مشکوٰۃ کی حدیثوں کو دیکھنے کا آئینہ کہ اس کی حدیثیں اس شرح سے دیکھو اور سمجھو۔

و الهداية و الصيانة و تيسير ما اقصده و ان ينفعني في الحيوة و بعد الممات و جميع المسلمين و المسلمات حسبي الله و نعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العزيز الحكيم

ترجمہ:

حفاظت کا طلبگارہوں اور اپنے مقصود کی آسانی کا جویاں اور یہ کہ اللہ زندگی و بعدموت مجھے اور تمام مسلمان مرد وعورتوں کو نفع دے [1] مجھے اللہ کافی ہے وہ ہی اچھا وکیل ہے(بھروسہ کے لائق)اورنہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر غالب حکمت والے اللہ سے۔

تشریح:

[1] اس طرح کہ میری زندگی اتنی درازہو کہ تصنیف کے بعد پڑھ بھی سکوں،پڑھابھی سکوں اوراس کی برکت سے زندگی ایمان اور تقویٰ میں بسرہو،مرتے وقت کلمہ نصیب ہو،اور یہ کتاب قبر وحشر میں کام آئے کہ میرے بعد بار بار شائع ہوتی رہے،مسلمان فائدے اٹھاتے رہیں اور مجھے اس کا ثواب ملتا رہے۔**الحمدللہ**!مصنف کی یہ دعا قبول ہوئی کہ **بفضلہٖ تعالٰی** دنیا کے ہر خطہ میں جہاں مسلمان ہیں یہ کتاب موجود ہے،ہر جگہ اس کے درس دیئے جارہے ہیں،مختلف زبانوں میں اس کی شرحیں کی جاچکی ہیں،چنانچہ عربی میں مرقاۃ اور لمعات فارسی میں اشعۃ اللمعات اردو میں،نہ معلوم کتنی شرحیں ہوچکی ہوں گی،یہ بندہ گنہگارشرمسار احمدیار بھی مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کے ساتھ یہی دعا کرتا ہے اور انہیں کی طفیل قبولیت کا امیدوار ہے۔اللہ تعالٰی اس ناچیزشرح کوحقیقتًامشکوٰۃ کا مرآۃ بنائےاورقبول فرماکرمیرے لیئے کفارۂ سیئات اورصدقۂ جاریہ بنائے۔**آمین یارب العلمین**!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى علٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُورِعَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَولَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۰

بشارت عظمٰی

الحمدللہ! فقیرنے حضرت مولانا افسرصاحب صابری مقیم کراچی کی خدمت میں اس شرح کے تاریخی نام کے متعلق عریضہ لکھا تھا۔کچھ عرصہ کے بعد یعنی ۲۰/ذیقعد ۱۳۷۸ھ جمعہ کو آل ممدوح کا خط آیا جس میں تحریر تھا کہ میں بوجہ علالت تاریخی نام میں غور نہ کرسکا۔آخر ایک شب خواب میں مجھے اس شرح کا تاریخی نام بتایا گیا۔ملاحظہ ہو!

ذوالمرآت ۱۳۷۸ھ

سبحان اللہ!کیسا سادہ نام ہے اورمشکوٰۃ کاہم وزن ہے،فقیرحقیر مولانا کی اس خواب کوایک غیبی بشارت سمجھتاہے اورنہایت فخرسے اس کا تاریخی نام"ذوالمرآت" ۱۳۷۸ھ شرح مشکوٰۃہی رکھتا ہے۔**فالحمدللہ**!

"اَحْمَدْ یَار"

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمہ گجرات پاکستان

	روایت ہے عمر ابن خطاب سے ا؎ فرماتے ہیں (راضی ہو اللہ ان پر) فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال نیّتوں سے ہیں ۲؎ ہر شخص کے لئے وُہ ہی ہے جو نیّت کرے ۳؎ بس جس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہو تو اُس کی ہجرت اللہ ورسول ہی کی طرف ہوگی ۴؎ اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو ۵؎ اس کی ہجرت اس طرف ہوگی جس کے لئے کی ۶؎

ا؎ آپ کا نام شریف عمر ابن خطاب ابن نفیل ہے، کنیت ابو حفص، لقب فاروق اعظم، خطاب امیر المؤمنین۔ آپ قرشی عدوی ہیں، کعب ابن لوی میں حضور سے مل جاتے ہیں، آپ کے فضائل بے حد و بیشمار ہیں۔ جلیل القدر صحابی، قدیم الاسلام مؤمن ہیں، آپ کے ایمان سے مسلمانوں کا چالیس کا عدد پورا ہوا، آپ کے ایمان لانے پر فرشتوں میں مبارکباد کی دھوم مچی اور یہ آیت اُتری: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" ابوبکر صدیق کے بعد ۱۳ھ میں آپ کی بیعت کی گئی، آپ کے زمانہ میں اسلام بہت پھیلا، بہت ممالک فتح ہوئے، قرآن کریم کی بہت سی آیتیں آپ کی رائے کے مطابق اتریں، دس سال چھ مہینے خلافت کی تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی، ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ بدھ کے دن مسجد نبوی محراب النبی میں مصلاء مصطفٰی پر نماز فجر پڑھاتے ہوئے شہید کیئے گئے، مغیرہ ابن شعبہ کے یہودی غلام ابولؤلؤ نے خنجر کا وار کیا، آپ کی شہادت پر درودیوار سے اسلام کے رونے کی آواز آتی تھی کہ آج اسلام و مسلمین یتیم ہوگئے، حضرت صہیب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، گنبد خضری میں پہلوئے مصطفٰے میں دفن ہوئے، آپ کی روایتیں پانچ سو سینتیس ۵۳۷ ہیں۔ رضی اللہ تعالٰی عنہ

۲؎ نیت ارادۂ عمل کو بھی کہتے ہیں اور اخلاص کو بھی، یعنی اللہ رسول کو راضی کرنے کا ارادہ، یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی اعمال کا ثواب اخلاص سے ہے، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے، اس صورت میں یہ حدیث اپنے عموم پر ہے، کوئی عمل اخلاص کے بغیر ثواب کا باعث نہیں، خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے نماز، روزہ وغیرہ یا عبادات غیر مقصودہ جیسے وضو، غسل، کپڑا، جگہ، بدن کا پاک کرنا وغیرہ کہ ان پر ثواب اخلاص سے ہی ملے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اخلاص اور نیتِ خیر ایسی نعمتیں ہیں کہ ان کے بغیر عبادات محض عادتیں بن جاتی ہیں، اور اس کی برکت سے کفر شکر بن جاتا ہے، اور گناہ ومعصیت اطاعت۔ حضرت ابوامیہ ضمیری نے ایک موقعہ پر کفریہ الفاظ بول لیئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات غار ثور میں ایک قسم کی خودکشی کرلی، سیدنا علی المرتضی نے خندق میں عمدًا نماز عصر چھوڑ دی، مگر چونکہ نیتیں خیر تھیں، اس لیئے ان حضرات کے یہ کام ثواب کا باعث بنے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر ؎

ہرچہ گیرد علّتی علّت شود　　　　کفر گیرد ملّتی ملّت شود

شوافع کہتے ہیں کہ یہاں نیت پہلے معنی میں ہے، یعنی ارادۂ فعل ان کے نزدیک جو بغیر ارادہ وضو اعضاء دھولے تو اس سے وضو نہ ہوگا جیسے بلا ارادہ نماز نہیں ہوتی مگر یہ تفسیر مقصد حدیث کے خلاف ہے اور پھر حدیث کا عموم باقی نہیں رہتا کیونکہ آگے ہجرت کا ذکر ہے۔ جو دنیوی غرض سے

ہجرت کرے شرعًا مہاجر ہوگا اگرچہ ثواب نہ ہوگا۔نیز جو بغیر ارادہ جواز نماز،گندا کپڑا،گندا جسم،گندی زمین دھو ڈالے تو ان کے ہاں بھی یہ چیزیں پاک ہوجاتی ہیں،اور نماز اس سے جائز ہوتی ہے یہ معنی ان کے بھی خلاف ہیں۔خیال رہے کہ ارکان اسلام یعنی کلمہ،نماز،روزہ،حج،زکوۃ میں نیت یعنی ارادہ فعل فرض ہے،باقی جہاد،ہجرت وضوء وغیرہ میں یہ نیت فرض نہیں۔ہاں اخلاص کے بغیر ان میں ثواب نہ ملے گا۔لہذا احناف کے معنی نہایت صحیح ہیں اور حدیث نہایت جامع۔نماز میں زبان سے نیت کے الفاظ کہنا بدعت حسنہ ہے کیونکہ حضور نے کل ۳۰ ہزار نمازیں پڑھیں ہیں مگر کبھی زبان سے نیت نہ کی،بعض علماء نے نماز کو حج پر قیاس کیا اور فرمایا کہ جیسے احرام کے وقت زبان سے حج کی نیت کی جاتی ہے ایسے ہی نماز میں کرنی چاہیئے مگر یہ صحیح نہیں۔دیکھو مرقات۔

۳؎ ہجرت کے لغوی معنی ہیں چھوڑنا۔شریعت میں رب کو راضی کرنے کے لیئے وطن چھوڑنے کا نام ہجرت ہے۔ہجرت بوقت ضرورت اعلٰی درجہ کی عبادت ہے،اسلامی سنہ حضور کی ہجرت کی یادگار ہے۔

۴؎ یعنی جو ہجرت میں اللہ اور رسول کی خوشنودی کی نیت کرے،اس کی ہجرت واقعی اللہ اور رسول کی طرف ہی ہوگی لہذا حدیث میں دور نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں رضاءِ رب کے ساتھ حضور کی رضا کی نیت شرک نہیں بلکہ عبادت کو کامل کرتی ہے۔دیکھو ہجرت عبادت ہے،مگر فرمایا گیا: "**اِلیَ اللہِ ورسولہ**"۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کے پاس جانا اللہ کے دربار میں حاضری ہے کہ مہاجرین مدینہ جاتے تھے،جہاں حضور تشریف فرما تھے،وہاں جانے کو اللہ کے پاس جانا قرار دیا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر جگہ حضور ہی کے دم کی بہار ہے،ان کے بغیر اجڑا دیا رہے۔دیکھو مکہ معظّمہ میں رہنا عبادت ہے،مگر جب حضور وہاں سے مدینہ منورہ چلے گئے تو اگرچہ وہاں کعبہ وغیرہ سب کچھ رہا مگر وہاں رہنا گناہ قرار پایا،وہاں سے ہجرت ضروری ہوگئی،پھر جب وہاں حضور کی تجلی ہوگئی،پھر وہاں رہنا عبادت قرار پایا۔

۵؎ انصارِ مدینہ نے مہاجرین کی ایسی دائمی شاندار مہمانی کی کہ سبحان اللہ ! انہیں اپنے گھروں، باغوں، زمینوں میں برابر کا حصہ دار بنالیا، حتی کہ اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی، اندیشہ تھا کہ کوئی زمین، مکان یا عورت کی لالچ میں ہجرت کرے اسی لیئے حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔اس مضمون سے معلوم ہوا کہ یہاں اَلنِّیّاَت میں نیت بمعنی ارادہ فعل نہیں ہے بلکہ بمعنی اخلاص ہے۔ریاکار مہاجر بھی مہاجر کہلائے گا مگر ثواب نہ پائے گا جیسا کہ ھِجرَتُہٗ سے معلوم ہو رہا ہے۔

٦؎ صاحبِ مشکٰوۃ ولی الدین محمد علیہ الرحمۃ نے شروع کتاب میں یہ حدیث ہم کو سمجھانے کے لیئے لکھی کہ میری کتاب اخلاص سے پڑھنا، محض دنیا کمانے کے لیے نہ پڑھنا،اپنی دلی کیفیت پر ہم کو مطلع فرمایا کہ میں نے یہ کتاب اخلاص سے لکھی ہے، شہرت یامال مقصود نہ تھا،یہ حدیث میرے پیش نظر تھی۔

کتاب الایمان

ایمان کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ایمان کے لغوی معنی ہیں امن دینا۔شریعت میں ایمان اُن اسلامی عقائد کا نام ہے جنہیں مان کر انسان عذابِ الٰہی سے امن میں آجاتا ہے،یعنی تمام ان چیزوں کو ماننا جو حضور رب کی طرف سے لائے،چونکہ ایمان محض ماننے اور تصدیق کا نام ہے اس لیئے اس میں مقدار ناممکن ہے،ہاں کیفیت کی زیادتی و کمی ممکن ہے،چونکہ ایمان عبادت کی اصل ہے اس لیئے پہلے اسے بیان فرمایا۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک صاحب ہمارے سامنے نمودار ہوئے ۱؎ جن کے کپڑے بہت سفید اور بال خوب کالے تھے ۲؎ اُن پر آثارِ سفر ظاہر نہ تھے اور ہم سے کوئی اُنہیں پہچانتا بھی نہ تھا ۳؎ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے اور اپنے گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں شریف سے مَس کردیئے ۴؎ اور اپنے ہاتھ اپنے زانو پر رکھے ۵؎ اور عرض کیا اَے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)مجھے اسلام کے متعلق بتایئے ۶؎ فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۷؎ اور نماز قائم کرو،زکوۃ دو،رمضان کے روزے رکھو،کعبہ کا حج کرو اگر وہاں تک پہنچ سکو ۸؎ عرض کیا کہ سچ فرمایا ہم کو ان پر تعجب ہوا کہ حضور سے پوچھتے بھی ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں ۹؎ عرض کیا کہ مجھے ایمان کے متعلق بتایئے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخری دن کو مانو ۱۰؎ اور	

	اچھی بُری تقدیر کو مانو۱۱؎ عرض کیا آپ سچے ہیں عرض کیامجھےاحسان کے متعلق بتایئے۱۲؎ فرمایا اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا اُسے دیکھ رہے ہو۱۳؎ اگر یہ نہ ہوسکے تو خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہاہے۱۴؎ عرض کیا کہ قیامت کی خبر دیجئے۱۵؎ فرمایا کہ جس سے پوچھ رہے ہو وہ قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ خبردار نہیں ۱۶؎ عرض کیا کہ قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتادیجئے ۱۷؎ فرمایا کہ لونڈی اپنےمالک کوجنے گی۱۸؎ اور ننگے پاؤں ننگے بدن والے فقیروں،بکریوں کے چرواہوں کومحلوں میں فخر کرتے دیکھو گے ۱۹؎ راوی فرماتے ہیں کہ پھرسائل چلے گئے میں کچھ دیر ٹھہراحضورصلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اےعمرجانتے ہویہ سائل کون ہیں مَیں نےعرض کیااللہ اوررسول جانیں۲۰؎ فرمایا یہ حضرت جبریل تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے ۲۱؎(مسلم)

۱؎ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے،جو شکل انسانی میں حاضرہوئے تھے،جیسے بی بی مریم کے پاس مرد کی شکل میں گئے۔فرشتہ وہ نورانی مخلوق ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرسکتی ہے۔جن وہ آتشی مخلوق ہے جو ہرقسم کی شکل بن جاتی ہے مگر روح وہ ہی رہتی ہے لہٰذا یہ اواگون نہیں۔

۲؎ یعنی وہ مسافر نہ تھے ورنہ ان کے بال و لباس غبار میں اٹے ہوتے۔خیال رہے کہ حضرت جبریل کے بال کالے،کپڑے سفید(چٹے)ہونا شکل بشری کا اثرتھا ورنہ وہ خودنوری ہیں،لباس اورسیاہ بالوں سے بری۔ہاروت ماروت فرشتے شکل انسانی میں آکر کھاتے پیتے بلکہ صحبت بھی کرسکتے تھے۔عصاموسوی سانپ کی شکل میں ہو کرسب کچھ نگل گیا تھا،ایسے ہی ہمارے حضور نوری بشر میں کھانا، پینا،نکاح اس بشریت کے احکام تھے،روزہ وصال میں نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تھی،بغیر کھائے پیئے عرصۂ دراز گزار لیتے تھے،آج صد ہا سال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر کھائے پیئے آسمان پر جلوہ گر ہیں یہ نورانیت کا ظہور ہے۔

۳؎ یعنی وہ مدینہ کے باشندے نہ تھے ورنہ ہم انہیں پہچانتے ہوتے،حضور تو انہیں خوب پہچانتے تھے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ یعنی حضور سے بہت قریب بیٹھے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے حضرت جبریل کو پہچان لیا تھا ورنہ پوچھتے کہ تم کون ہو اور اس طرح ملکر مجھ سے کیوں بیٹھتے ہو۔

۵؎ جیسے نمازی التحیات میں دوزانو بیٹھتا ہے۔آج کل زائرین روضۂ مطہرہ پر نماز کی طرح کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں اس ادب کی اصل یہ حدیث ہے۔حضرت جبریل نے قیامت تک کے مسلمانوں کو حضور کی بارگاہ میں حاضری کا ادب سکھادیا اور بتادیا کہ نماز کی طرح یہاں کھڑا ہونا یا بیٹھنا حرام نہیں،ہاں سجدہ یا رکوع حرام ہے۔

۶؎ اسلام کبھی ایمان کے معنی میں ہوتا ہے،کبھی اس کے علاوہ یہاں دوسرے معنی میں ہے،یعنی ظاہر کا نام اسلام ہے،باطنی عقائد کا نام ایمان اسی لیے یہاں شہادۃ و اعمال کا ذکر ہوا۔خیال رہے کہ اب حضور کو صرف "یا محمد" کہہ کر پکارنا حرام ہے،رب فرماتا ہے:"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ "الخ۔واقعہ غالبًا اس آیت کے نزول سے پہلے ہوایافرشتے اس آیت سے علیحدہ ہیں۔(مرقاۃ)

۷؎ کلمہ پڑھنے سے مراد سارے اسلامی عقائد کا مان لینا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں"الحمد"پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۃ فاتحہ لہٰذا اس حدیث کی بنا پراب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام اسلامی فرقے مرزائی، چکڑالوی وغیرہ مسلمان ہیں کیونکہ یہ لوگ اسلامی عقائد سے ہٹ گئے۔

۸؎ اس میں بظاہرحضرت جبریل سے خطاب ہے اوردرحقیقت مسلمان انسانوں سے ورنہ فرشتوں پر نماز،روزہ،حج وغیرہ اعمال فرض نہیں،رب فرماتاہے:"وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیۡتِ"۔خیال رہے کہ یہ اعمال اسلام کا جزو نہیں کہ ان کا تارک کافر ہوجائے،یہاں کمال اسلام کا ذکر ہے،تارکِ اعمال مسلمان تو ہے مگر کامل نہیں۔

۹؎ کیونکہ پوچھنا نہ جاننے کی علامت ہے اورتصدیق کرنا جاننے کی علامت۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تمام آسمانی کتابوں سے واقف ہیں کہ رب نے حضور کے بارے میں فرمایا:"مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ "۔

۱۰؎ خیال رہے کہ **عن الایمان** میں ایمان اصطلاحی مراد ہے،اور **ان تؤمن** میں ایمان لغوی یعنی ماننا،لہٰذا یہ **تعریف الشی بنفسہ** بھی نہیں اور اسمیں دور بھی نہیں۔تمام فرشتوں،نبیوں، کتابوں پر اجمالی ایمان کافی ہے،گو قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیلی ایمان لازم ہے۔

۱۱؎ اس طرح کہ ہربری بھلی بات جوہم کررہے ہیں،اللہ کے علم میں پہلے ہی سے ہے اور اس کی تحریر ہوچکی ہے،تقدیرکے معنی ہیں۔اندازہ۔تقدیردوقسم کی ہے:مبرم اورمعلق مبرم میں تبدیلی نہیں ہوسکتی،معلق دعاء،اعمال وغیرہ سے بدل سکتی ہے،ابلیس کی دعا سے اس کی عمر بڑھ گئی"فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنۡظَرِیۡنَ" حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو برس ہوگئی۔تقدیر کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے میں ملاحظہ کریں۔

۱۲؎ یعنی رب نے فرمایا:"لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الْحُسْنٰی"وغیرہ ان آیات میں احسان سے کیا مراد ہے جواب ملاکہ اخلاص عمل۔

۱۳؎ اگر تو خدا کو دیکھتا ہے تو تیرے دل میں کس درجہ اس کا خوف ہوتا اور کس طرح توسنبھال کر عمل کرتا،ایسے ہی خوف کیسا تھ دل لگا کر درست عمل کر۔

۱۴؎ یوں تو ہر وقت ہی سمجھو کہ رب تمہیں دیکھ رہا ہے مگر عبادت کی حالت میں تو خاص طور پر خیال رکھو،تو ان شاءاللہ عبادت آسان ہوگی،دل میں حضور وعاجزی پیدا ہوگی،آنکھوں میں آنسو آئیں گے،اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔**آمین !**

۱۵؎ کہ کس دن کس تاریخ اور کس مہینہ کس سال ہوگی۔معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل امین کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کو اللہ تعالٰی نے قیامت کا علم دیا ہے کیونکہ جاننے والے سے ہی پوچھا جاتا ہے۔یہاں جبرئیل امین حضور کے امتحان یا اظہار عجز کے لیے تو سوال کر نہیں رہے ہیں،بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تو ہے مگر اس کا اظہار نہ فرمایا۔خیال رہے کہ حضور نے دوسرے موقعوں پر قیامت کا دن بھی بتادیا مہینہ بھی تاریخ بھی کہ فرمایا جمعہ کو ہوگی،دسویں تاریخ محرم کے مہینہ میں ہوگی۔

۱۶؎ یہاں علم کی نفی نہیں ورنہ فرمایا جاتا"**لا اعلمُ**"میں نہیں جانتا بلکہ زیادتی علم کی نفی ہے،یعنی اس کا مجھے تم سے زیادہ علم نہیں،مقصد یہ ہے کہ اے جبرائیل! یہاں لوگوں کا مجمع ہے اور قیامت کا علم اسرارالہٰیہ میں سے ہے یہ راز مجھ سے کیوں فاش کراتے ہو۔حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم بھی دیا(تفسیر صاوی وغیرہ)اسی لیے حضرت جبرئیل نے حضور سے یہ سوال کیا،علم قیامت کی تحقیق ہماری کتاب "**جاء الحق**"حصہ اول میں ملاحظہ کرو،حضور کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ حضور نے یہاں حضرت جبرئیل کو پہچان لیا تھا۔

۱۷؎ یعنی اگر قیامت کی خبر دینا خلاف مصلحت ہے تو اس کی خصوصی علامت ہی بتادیجئے۔اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا،علامتیں واقف ہی سے پوچھی جاتی ہیں۔

۱۸؎ یعنی اولاد نافرمان ہوگی،بیٹا ماں سے ایسا سلوک کرے گا جیسا کوئی لونڈی سے تو گویا ماں اپنے مالک کو جنے گی،اس کی اور بھی تفسیریں ہیں۔

۱۹؎ یعنی دنیا میں ایسا انقلاب آوے گا کہ ذلیل لوگ عزت والے بن جائیں گے اور عزیز لوگ ذلیل ہوجائیں گے جیسا آج دیکھا جارہا ہے۔سکندر ذوالقرنین نے حکم دیا تھا کہ کوئی پیشہ ور اپنا موروثی پیشہ نہیں چھوڑ سکتا تاکہ عالم کا نظام نہ بگڑ جائے۔(اشعۃ اللمعات)معلوم ہوا کہ کمینوں کا اپنا پیشہ چھوڑ کر اونچا بن جانا علامت قیامت ہے۔اور اس سے نظام عالم کی تباہی ہے۔

۲۰؎ یہ صحابہ کا ادب ہے کہ علم اللہ اور رسول کے سپرد کرتے ہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور کا ذکر اللہ کے ساتھ ملاکر کرنا شرک نہیں بلکہ سنتِ صحابہ ہے،یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ اور رسول جانیں،اللہ اور رسول فضل کریں،اللہ

اور رسول رحم فرمادیں،اللہ اور رسول بھلاکرے۔دوسرے یہ کہ حضور کو خبر تھی کہ یہ سائل جبریل تھے ورنہ آپ فرمادیتے کہ مجھے بھی خبر نہیں یہ کون تھے۔

۱۲؎یعنی اس لیے آئے تھے کہ تمہارے سامنے مجھ سے سوالات کریں تم جوابات سن کر دین سیکھ لو۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان پر حضور کی اطاعت واجب ہے نہ کہ جبریل کی کہ یہاں جبریل نے حاضرین سے خود نہ کہہ دیا کہ لوگو! میں جبریل ہوں مجھ سے فلاں فلاں بات سیکھ لو بلکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا تاکہ لوگوں کے لیے قابل قبول ہو۔جبریل کے معنی ہیں " عبداللہ" جبر بمعنی عبد،ایل اللہ بزبان عبرانی۔

	اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تھوڑے اختلاف سے روایت کی ان کی روایت میں ہے کہ جب تم ننگے پاؤں،ننگے بدن والے،بہروں،گونگوں کو زمین کا بادشاہ دیکھو قیامت ان پانچ میں سے ہے جنہیں خدا کے سواکوئی نہیں جانتاپھر یہ آیت تلاوت کی کہ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے وہ ہی مینہ برساتا ہے ا؎(مسلم و بخاری)

ا؎یعنی پانچ چیزیں رب تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتاقیامت کب ہوگی،بارش کب آویگی،ماں کے پیٹ میں کیا ہے،اور میں کل کیاکروں گا،اور میں کہاں مروں گا۔اس میں سورۂ لقمان کی آخری آیت کی طرف اشارہ ہے۔اس آیت وحدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے کسی کو یہ علم دیئے بھی نہیں،کاتب تقدیر فرشتہ اور ملک الموت کو یہ علوم بخشے گئے،ہمارے حضورنے بدر کی جنگ سے پہلے زمین پر خطوط کھینچ کر بتایاکہ کل یہاں فلاں فلاں کافر ماراجاوے گا،بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ علوم خمسہ قیاس تخمینہ حساب سے معلوم نہیں ہوسکتے صرف وحی الٰہی سے ان کا پتہ لگ سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمرسے ا؎فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پانچ چیزوں پرقائم کیا گیا۲؎ اس کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)اس کےبندےاور رسول ہیں۳؎اور نماز قائم کرنا۴؎زکوۃ دینا اور حج کرنا۵؎ اور رمضان کے روزے۔(بخاری و مسلم)

ا؎آپ کا نام عبداللہ بن عمر ہے،ظہور نبوت سے ایک سال پہلے پیداہوئے، ۷۳ھ میں شہادت ابن زبیر سے تین ماہ بعد وفات پائی، ذی طوٰی کے مقبرہ مہاجرین میں دفن ہوئے،چوراسی سال عمر شریف پائی،بڑے متقی اور اعمل بالسنۃ تھے۔رضی اللہ عنہ۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲؎ یعنی اسلام مثل خیمہ یا چھت کے ہے اور یہ پانچ ارکان اس کے پانچ ستونوں کی طرح کہ جو کوئی ان میں سے ایک کا انکار کرے گا وہ اسلام سے خارج ہوگا،اور اس کا اسلام منہدم ہوجاویگا۔خیال رہے کہ ان اعمال پر کمال ایمان موقوف ہے اور ان کے ماننے پر نفس ایمان موقوف،لہذا جو صحیح العقیدہ مسلمان کبھی کلمہ نہ پڑھے یا نماز روزہ کا پابند نہ ہو،وہ اگرچہ مؤمن تو ہے مگر کامل نہیں،اور جو ان میں سے کسی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،نہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں۔

۳؎ اس سے سارے عقائد اسلامیہ مراد ہیں جو کسی عقیدے کا منکر ہے وہ حضور کی رسالت ہی کا منکر ہے۔حضور کو رسول ماننے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی ہر بات کو مانا جاوے۔

۴؎ ہمیشہ پڑھنا،صحیح پڑھنا،دل لگا کر پڑھنا،نماز قائم کرنا۔

۵؎ اگر مال ہو تو زکوۃ و حج ادا کرنا فرض ہے ورنہ نہیں مگر انکا ماننا بہرحال لازم ہے۔نماز ہجرت سے پہلے معراج میں فرض ہوئی،زکوۃ وروزہ ۲ھ میں،اور حج ۹ھ میں فرض ہوئے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی چند اور ستّر شاخیں ہیں ۲؎ ان سب میں اعلیٰ یہ کہنا ہے ۳؎ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹانا ہے ۴؎ اور غیرت بھی ایمان کی شاخ ہے ۵؎

۱؎ آپ کا نام کفر میں عبدالشمس اور اسلام میں عبدالرحمٰن ابن صخر دوسی ہے،خیبر کے سال اسلام لائے،چار سال سفر و حضر میں حضور کے ہمراہ سایہ کی طرح رہے،آپ کو بلی بڑی پیاری تھی،حتی کہ ایک بار اپنی آستین میں بلی لیے ہوئے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابوہریرہ یعنی بلیوں والے ہو،تب آپ اس کنیت سے مشہور ہوگئے،مدینہ منورہ میں ۵۷ھ میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئے ۸۷ سال عمر ہوئی،غضب کا حافظہ تھا،آپ سے چار ہزار تین سو چونسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔

۲؎ شعبہ درخت کی شاخ کو کہتے ہیں،یہاں خصلت مراد ہے یعنی معمولی کام سے لے کر اعلیٰ کام تک سب اسلامی خصلتیں ہیں کسی کو نہ چھوڑو۔

۳؎ یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے رہنا اس کی عادت ڈال دینا۔مردے کو کلمہ طیبہ کا ثواب پہنچانا،تیجہ وغیرہ کرنا اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ افضل عبادت کا ثواب بھی افضل ہے یہ ہی بخشنا چاہیئے۔

۴؎ پتھر واینٹ،لکڑی وغیرہ جس سے لوگ الجھیں یاٹھوکر کھائیں دور کردینا ثواب ہے۔ایسے ہی مخلوق کو فائدہ پہنچانا بڑا ثواب ہے۔حتی کہ پانی پلانا اسی لئے بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں۔

۵؎ غیرت سے ایمانی غیرت مراد ہے،جو گناہوں سے روک دے۔بندہ مخلوق سے،اللہ کے رسول سے،فرشتوں سے،اللہ تعالٰی سے شرم کرے گناہ نہ چھپ کرکرے کہ اللہ،رسول،فرشتے دیکھتے ہیں،نہ علانیہ کرے کہ مسلمان بھی دیکھ رہے ہیں۔نفسانی یا شیطانی غیرت مرادنہیں جیسے نمازیاغسل سے شرماتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان وہ ہےجس کی زبان و ہاتھ سےمسلمان ۲؎ محفوظ رہیں اورمہاجر وہ جوممنوع چیزوں کوچھوڑدے۳؎ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اورمسلم میں ہے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون مسلمان بہترہےفرمایاجس کی زبان وہاتھ سےمسلمان امن میں رہیں۔

۱؎ آپ عمرو ابن عاص ابن وائل کے بیٹے ہیں،اپنے والد سے پہلے ایمان لائے،آپ نے ہی حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے احادیث لکھیں،جن کی تعداد سات سوہے۔بڑے عالم،بڑے متقی عابد تھے،آخرمیں نابینا ہوگئے تھے،۶۳ھ؁ طائف یا مصر میں وفات ہوئی۔(مرقات)

۲؎ یعنی کامل مسلمان جو لغۃً شرعًا ہر طرح مسلمان ہو،وہ مؤمن ہے جو کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے،گالی،طعنہ،چغلی وغیرہ نہ کرے،کسی کو نہ مارے پیٹے،نہ اس کے خلاف کچھ تحریر کرے،یہ حدیث اخلاق کی جامع ہے۔مسلمانوں کی سلامتی کا ذکرخصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ بعض صورتوں میں کفار سے لڑنا بھڑنا،انہیں برا کہنا عبادت ہے۔یہاں ظلمًا غیبت واذیت مراد ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ظالم مسلمان کافر ہے،یا رحم دل کافر مسلمان ہے۔

۳؎ یعنی کامل مہاجروہ مسلمان ہے جو ترک وطن کے ساتھ ترک گناہ بھی کرے یاگناہ چھوڑنا بھی لغۃً ہجرت ہے جوہمیشہ جاری رہے گی۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا تا آنکہ میں اُسے ماں باپ اولاداورسب لوگوں سےپیاراہوجاؤں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ انس بن مالک ابن نضر انصاری خزرجی ہیں،حضور کے خادم خاص دس سال صحبت پاک میں رہے،سو برس سے زیادہ عمر پائی،عہد فاروقی میں بصرہ چلے گئے تھے،وہاں سے قریب ہی ۹۳ھ؁ میں آپ کا انتقال ہوا،بصرہ میں آخری صحابی کی وفات آپ کی ہوئی،آپ کی قبر انور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۲؎ یہاں پیارے سے مراد طبعی محبوب ہے نہ کہ صرف عقلی کیونکہ اولاد کو ماں باپ سے طبعی الفت ہوتی ہے یہ ہی محبت حضور سے زیادہ ہونی چاہئیے اور بحمدہٖ تعالٰی ہر مؤمن کو حضور جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔عام مسلمان بھی مرتد اولاد،بیدین ماں باپ کو چھوڑ دیتے ہیں،حضور کی عزت پر جان نچھاور کردیتے ہیں۔غازی عبدالرشید،غازی علم دین،عبدالقیوم وغیرہ کی زندہ جاوید مثالیں موجود ہیں۔

	روایت ہے اُنہی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پالے گا۱؎ اللہ و رسول تمام ماسواء سے زیادہ پیارے ہوں۲؎ جو بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۳؎ جو کفر میں لوٹ جانا جب کہ رب نے اس سے بچالیا ایسا بُرا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا۴؎

۱؎ جیسے جسمانی غذاؤں میں مختلف لذتیں ہیں،ایسے ہی روحانی غذاؤں،ایمان و اعمال میں بھی مختلف مزے ہیں،اور جیسے ان غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کرسکتا ہے جس کے حواس ظاہری درست۔ایسے ہی ان ایمانی غذاؤں کی لذتیں وہ ہی محسوس کرسکتا ہے جس کی روح درست ہو اور جیسے ظاہری حواس درست کرنے کی مختلف دوائیں ہیں،ایسے ہی ان حواس کے درست کرنے والی روحانی دوائیں ہیں۔اس حدیث میں ان ہی دواؤں کا ذکر ہے۔حضور جسمانی و روحانی حکیم مطلق ہیں۔جو ایمان کی حلاوت پالیتا ہے وہ بڑی بڑی مشقتیں خوشی سے جھیل لیتا ہے۔جاڑوں کی نماز،جہاد خنداں پیشانی سے ادا کرتا ہے،کربلا کا میدان اس حدیث کی زندہ جاوید تفسیر ہے،یہ لذت ہی ہر مشکل کو آسان کردیتی ہے،اسی سے رضا بالقضاء نصیب ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی مال و دولت،زن فرزند وغیرہ تمام دنیاوی نعمتیں،اس میں قرآن،کعبہ و مدینہ منورہ وغیرہ داخل نہیں کہ ان کی محبت عین اللہ رسول کی محبت ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سے اللہ والی محبت چاہئیے۔محبت کی بہت قسمیں ہیں:ماں سے محبت اور قسم کی ہے،بیوی سے اور طرح کی،اولاد سے اور طرح کی،بہن بھائی سے اور نوعیّت کی۔حضور سے محبت اسی نوعیت کی چاہئیے جس نوعیت کی اللہ سے ہو،یعنی محبت ایمانی وعرفانی۔ھُمَا فرمانے سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کے لیے ایک ضمیر تثنیہ آسکتی ہے۔جہاں ممانعت ہے وہاں برابری کے احتمال کے موقعہ پر ہے۔لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔خیال رہے کہ یہاں محبت سے طبعی محبت مراد ہے نہ کہ محض عقلی۔

۳؎ یعنی بندوں سے محض اس لیے محبت کرے کہ رب راضی ہوجاوے،دنیاوی غرض اس میں شامل نہ ہو۔استاذ،شیخ،حتی کہ ماں باپ اولاد سے اس لئے محبت کرے کہ رضاء الٰہی کا ذریعہ ہیں اور سنت اسلام۔یہ محبت دائمی ہے،دنیاوی محبتیں جلد ٹوٹ جانے والی ہیں۔رب فرماتا ہے:"اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ"۔

۴؎ یعنی کفر اور کفار سے طبعی نفرت ہوجاوے۔اسلام کی توفیق کو رب کی نعمت جانے،کفار سے ایسے بچے جیسے سانپ سے کہ سانپ دشمن جان ہے اور یہ لوگ دشمن ایمان۔

	روایت ہے عباس ابن عبدالمطلب ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیاجواللہ کے رب ہونے،اسلام کے دین ہونے،محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کے نبی ہونے سے راضی ہوگیا ۲؎

۱؎ آپ حضور کے حقیقی چچا ہیں،حضور سے دو برس عمر میں زیادہ تھے۔فرماتے تھے بڑے حضور ہیں،عمر میری زیادہ ہے،آپ کی والدہ نے کعبہ معظّمہ پراوّلًا حریرودیباج کا ریشمی غلاف ڈالا۔آپ واقعۂ فیل سے پہلے پیدا ہوئے اور ۱۲رجب جمعہ کے دن ۳۲ھ بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی،جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔اسلام پہلے لاچکے تھے،بدر میں مجبورًا کفار کے ساتھ آئے تھے،اپنی ہجرت کے دن اسلام ظاہر کیا،آپ آخری مہاجر ہیں۔

۲؎ اللہ کی ربوبیت سے راضی ہونا یہ ہے کہ راضی بقضاء ہے،بیمار طبیب کی کڑوی دوا اور آپریشن سے بھی راضی ہوتا ہے۔اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ احکام اسلام بخوشی قبول کرے،کسی حکم پر زبان طعن نہ کھولے۔حضورعلیہ السلام کی نبوت پر رضا یہ ہے کہ آپ کی سنتوں سے محبت کرے،آپ کی اولاد،مدینہ منورہ،بلکہ جس چیز کو حضورسے نسبت ہو اس سے محبت کرے۔یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں۔جسے یہ تین اوصاف نصیب ہوں گے اسے گزشتہ تین چیزیں بھی مل جائیں گی۔

	روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اُس کی قسم،اس امت میں سے ۱؎ کوئی یہودی عیسائی میرا نام سُن لے پھر ایمان لائے بغیرمرجائے اس پر جو مجھے دے کر بھیجا گیامگر وہ دوزخی ہوگا ۲؎

۱؎ امت سے مراد امت دعوت ہے،یعنی سارے انسان یہودی عیسائی اس کا بیان ہے مشرکین وغیرہ کفارہ خود بخود اس میں داخل ہوگئے کہ جب یہودونصاریٰ پر بھی اسلام لانا ضروری ہوا،جو پہلے پیغمبروں پرایمان لاچکے ہیں تو جو سرے سے کسی نبی کو مانتے ہی نہیں ان پر یقینًا اسلام لانا ضروری ہے۔

۲؎ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تمام مخلوق پر حضور کی اطاعت لازم ہے کسی ملک،کسی قبیلہ،کسی زمانہ کا ہو جو خدا کا بندہ ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم۔دوسرے یہ کہ جسے حضور کی نبوت کی اطلاع نہ پہنچے وہ معذور ہے اس کی نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی ہے۔لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مغفور وجنتی ہیں کہ وہ حضرات مؤحد تھے اور حضور کی نبوت سے پہلے وفات پاگئے۔اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہماری"تفسیر نعیمی"پارہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص وہ ہیں جنہیں ڈبل ثواب ملتا ہے وہ کتابی جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ۲؎ غلام مملوک جب اللہ کا حق بھی اداکرے اور اپنے مولاؤں کا بھی۳؎ اور وہ شخص جس کے پاس لونڈی تھی جس سے صحبت کرتا تھا اُسے اچھا ادب دیا اور اچھی طرح علم سکھایا پھر اُسے آزاد کرکے اس سے نکاح کر لیا اُس کے لیے دوہرا ثواب ہے۴؎	

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،نام عبداللہ ابن قیس ہے،قبیلہ بنی اشعرسے ہیں،یمن سے مکہ معظّمہ آکر مسلمان ہوئے،اوّلًا حبشہ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی،بصرہ کے حاکم رہے،علی مرتضٰی نے آپ کو اپنا پنچ بنایا،صلح امیر معاویہ کے موقعہ پر ۵۲ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی۔(رضی اللہ عنہ)آپ کے بہت مناقب ہیں،نجف اشرف میں آپ کی قبر کی زیارت کرائی جاتی ہے میں بھی حاضر ہوا،مگر یہ درست نہیں۔

۲؎ یعنی اہلِ کتاب اگر حضور پر ایمان لے آویں تو انہیں اوّلًا اہل کتاب ہونے پر بھی ثواب ملے گا۔اگرچہ اس حالت میں وہ اپنے نبیوں پر غلط طریقوں سے ایمان لائے تھے کہ عیسائی حضرت مسیح کو یہود،حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔مگر چونکہ ان نبیوں کو سچا،ان کی کتابوں کو برحق تو مانتے تھے۔اس کا ثواب اب پالیں گے،جیسے عبداللہ بن سلام و کعب احبار وغیرہ یہ حکم تا قیامت ہے۔

۳؎ اس طرح کہ اگرچندمولاؤں کا مشترکہ غلام تھا،پھر ان سب کے حقوق و خدمات بھی ادا کرتا رہا اور فرائض اسلام بھی بجالاتا رہا،غرضکہ جس قدر دنیا میں پھنساوا زیادہ،اسی قدر عبادت پر اجر زیادہ۔

۴؎ ایک تو لونڈی کو ادب وتعلیم دینے اور آزاد کرنے کا ثواب،اوردوسرا اس سے نکاح کرلینے کا اجر۔

	روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نےکہ مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے جنگ کروں تاکہ گواہی دیں ا؎کہ رب کے سواکوئی معبودنہیں اورمحمداللہ کے رسول ہیں اورنماز قائم کریں زکوۃ دیں ۲؎ جب یہ کرلیں گے تو مجھ سے اپنے خون و مال بچالیں گے۳؎سواءاسلامی حق کے ۴؎ اُن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ۵؎ اس میں بخاری مسلم کا اتفاق ہےمگرمسلم نے اسلامی حق کا ذکر نہ کیا۔

ا؎ یہاں حَتّٰی بمعنی کہ ہے جیسے"اسلمتُ حتی ادخل الجنة"یعنی مجھے حکم الٰہی ہے کہ ملک گیری یا مال گیری کی نیت سے جہاد نہ کروں بلکہ لوگوں کو ہدایت دینے کی نیت سے کروں۔اس صورت میں حدیث پر نہ کوئی اعتراض ہے کہ یہ آیت قرآنیہ کے خلاف ہے اور النّاس سے مراد سارے کفار ہیں۔لہذا یہ حتی انتہاء کا نہیں۔خیال رہے کہ مشرکین عرب کے لئے حکم جزیہ نہیں یا وہ ایمان لاویں یا قتل و قید و عبدیت وغیرہ۔رب فرماتا ہے:"وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ"عرب کے اہل کتاب اور عجم کے تمام کفار کے لئے یا ایمان یا جزیہ ورنہ قتل و قید وغیرہ رب فرماتا ہے:"حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ "مرتد کے لئے یا اسلام یا قتل ہے نہ جزیہ نہ قید رب فرماتا ہے:"تُقٰتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ يُسۡلِمُوۡنَ "۔باغیوں کے لیے یاقتل یا بغاوت سے توبہ،رب فرماتاہے:"فَقٰتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ"لہذا آیات و احادیث متفق ہیں۔

۲؎ چونکہ اس وقت تک روزہ،جہاد وغیرہ کے احکام نہ آئے تھے،اسی لئے ان کا ذکر نہ ہوا اگر کوئی نماز یا زکوۃکا انکارکرے تو کافر ہے اس پر کفار کا سا جہاد ہوگا۔تارکین نماز و زکوۃ کی گو شمالی کرنی ہوگی۔

۳؎چونکہ اس زمانہ مبارک میں اسلام میں نئے فرقے نہ بنے تھے،کلمہ،نماز و زکوۃ ایمان کی علامت تھی،اس لئے فرمایا کہ جو یہ تین کام کرے اس کا جان و مال محفوظ ہے،اب بہت مرتد فرقے کلمہ،نماز،زکوۃ پر کاربند ہیں مگر مرتد ہیں ان پر ارتداد کا جہاد ہوگا۔جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے معتقدین پر جہاد کیا اب بھی قادیانیوں وغیرہ مرتدین کا یہ ہی حکم ہے۔

۴؎یعنی اگر اسلام لاکر قتل،زنایا ڈکیتی وغیرہ کریں تو قتل کے مستحق ہوں گے کہ یہ اسلام کا حق ہے یہ قتل کفر نہ ہوگا۔

۵؎ یعنی اگر کوئی زبانی کلمہ ظاہری نماز و زکوۃ ادا کرے تو ہم اس پر جہاد نہ کریں گے،اگر منافقت سے یہ کام کرتا ہے تو رب اسے سزا دے گا۔اسلامی جہاد منافقوں پر نہیں۔

	روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوہماری سی نمازپڑھے،ہمارے قبلہ کو منہ کرے،ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ وہ مسلمان ہے ۱؎جس پر اللہ رسول کی ذمہ داری ہے لہذا تم اللہ کا ذمہ نہ توڑو۲؎ (بخاری)

۱؎ خیال رہے کہ مؤمن کی علامات مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں،اس لحاظ سے ان کے متعلق مختلف احادیث وارد ہوئیں،ایک وقت صرف کلمہ پڑھنا مؤمن کی علامت تھی،نماز وغیرہ کوئی احکام نہ آئے تھے تب ارشادہوا"من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ"جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہوگیا،پھر وہ وقت آیا جب نماز وغیرہ بھی آگئی تو ارشادہوا جو یہاں مذکورہے۔مدینہ منورہ میں منافقین بھی تھے جو کلمہ نماز وغیرہ ادا کرتے ہوئے بھی بے ایمان رہے،تب اللہ رسول کی محبت علامت ایمان قرار پائی کہ ارشاد ہوا:"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اکون"الخ۔آیندہ کے متعلق خبردی گئی کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جوتم سے زیادہ عابد و زاہد ہوں گے مگر اسلام سے خارج ہوں گے۔غرضکہ جیسے حالات ویسے علامات،آج مرزائی روافض وغیرہم یہ کام کرتے ہیں مگرمؤمن نہیں۔

۲؎یعنی یہ مؤمن اللہ اور رسول کی امن میں ہے تم اسے نہ ستاؤ ورنہ اللہ رسول کے خائن ٹھہرو گے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی پناہ اور ذمہ لینا شرک نہیں ایمان کا رکن ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ متقی مسلمان کو ستانا فاسق کو ستانے سے زیادہ بُرا ہے کہ اس میں ظلم بھی ہے اور اللہ اور رسول کی خیانت بھی۔

	روایت ہےحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتےہیں کہ ایک دیہاتی حضورعلیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کرنے لگے کہ مجھے ایسے کام کی ہدایت فرمایئے کہ میں وہ کروں تو جنتی ہوجاؤں فرمایا اللہ کو پوجو اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نماز قائم کرو،زکوۃ فرض دو،رمضان کے روزے رکھو۱؎ وہ بولے قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کبھی اس سے کچھ گھٹاؤں بڑھاؤں گا نہیں۲؎ پھرجب وہ چل دیئے تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جنتی مردکو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۳؎

۱؎یہ جملہ عبادت کی تفسیر ہے،چونکہ اس وقت تک جہاد وغیرہ احکام آئے نہ تھے یا اس پر جہاد فرض نہ تھا اس لیے جہاد کا ذکر نہ فرمایا۔

۲؎یعنی ان فرائض میں اپنی طرف سے زیادتی کمی نہ کروں گا کہ فجر چار یا چھ پڑھوں اور ظہردویاتین یا روزے چالیس رکھ لوں،یا اپنی قوم تک بعینہٖ یہ ہی احکام پہنچا دوں گا،تبلیغ میں زیادتی کمی نہ کروں گا یا اب سوال میں زیادتی کمی نہ کروں گا،لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ فطرہ،قربانی،نماز عیدین،روزہ،نذر،وتر ضروری نہ ہوں۔احکام اسو قت تک آئے ہی نہ تھے بعد میں خود حضور نے احکام میں زیادتی فرمائی لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنتی آدمی کو دیکھنا بھی ثواب،بزرگوں کے دیدار سے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اُٹھ جاگ فریدا ستیادل مسجدے جا　　　　مت کوئی بخشیا مل پوے تو بھی بخشیا جا

دوسرے یہ کہ حضورکو لوگوں کے انجام نیک بختی،بدبختی کا علم ہے،جانتے ہیں کہ جنتی کون ہے دوزخی کون،حضور کو خبر تھی کہ یہ بندۂ مؤمن تقویٰ پر قائم رہے گا،ایمان پر مرے گا،جنت میں جائے گا۔

	روایت ہے حضرت سفیان ابن عبداللہ ثقفی سے ۱؎ کہ میں نے عرض کیایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتائیں کہ آپ کے بعداس کے متعلق کسی سے نہ پوچھوں۔دوسری روایت میں ہے(کہ آپ کے سوا)فرمایا کہ کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اُس پر قائم رہو ۲؎

۱؎آپ کا نام سفیان ابن عبداللہ ابن ربیعہ ہے،کنیت ابو عمرو قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،اہل طائف میں سے ہیں،زمانۂ فاروقی میں طائف کے حاکم رہے،کل پانچ حدیثیں آپ سے مروی ہیں،بڑے متقی عابد تھے۔

۲؎اللہ پرایمان لانےسےمرادسارے عقائد اسلامیہ ماننا ہیں۔لہٰذا اس میں توحیدورسالت،حشرونشر،ملائکہ،جنت ودوزخ سب پر ایمان لاناداخل ہے۔جیسےکسی کو اپنا باپ مان کر اس کے سارے اہل قرابت کو اپنا عزیز ماننا پڑتاہے کہ اس کا باپ ہمارا دادا ہے،اس کی اولاد ہمارے بھائی بہن،اس کے بھائی ہمارے چچا تائے اور استقامت سے مراد سارے اعمال اسلامیہ پر سختی وپابندی سے عمل کرنا ہے۔لہٰذا یہ حدیث ایمان وتقویٰ کی جامع ہے اور اس پر عامل یقینًا جنتی ہے،رب فرماتا ہے:" اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسۡتَقٰمُوۡا "الخ۔یہ کلمات جامع میں سے ہیں۔

	روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبداللہ سے ۱؎کہ ایک نجدی شخص ۲؎حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بال

	بکھیرے حاضر ہوا جس کی گنگناہٹ توہم سنتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے کہ کیا کہتاہے یہاں تک کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا تو اسلام کے بارے میں پوچھنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں ہیں بولا ان کے سواء میرے ذمہ اور نماز بھی ہے فرمایا نہیں ۳؎ ہاں چاہو تو نفل پڑھو۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماہ رمضان کے روزے بولا کیا مجھ پر اس کے سواءاور بھی ہیں فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے فرمایا اُس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نےزکوۃ کا ذکر فرمایا بولا کیا میرے ذمہ کچھ اور بھی ہے فرمایا نہیں مگرنفل ادا کرے ۵؎فرمایا اس نے پیٹھ پھیرلی یہ کہتا جاتا تھا کہ مَیں اِس سے نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص سچا ہے تو کامیاب ہوگا ۶؎

۱؎ آپ کی کنیت ابومحمدہے،قرشی ہیں،ابوبکرکے بھتیجے،قدیم الاسلام ہیں،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،جنگ احدمیں حضور کے لیے ڈھال بنے اور چوبیں زخم کھائے،آپ کے جسم پرکل ۷۵ زخم تھے جو غزوات میں کھائے تھے،جنگ جمل ۳۶ھ میں بصرہ میں شہید ہوئے،وہاں ہی آپ کا مزار پر انوار ہے،فقیر نے مزارپاک کی زیارت کی ہے،حضور کی دعوت اور دعوت کے معجزات آپ کے ہاں ظاہر ہوئے جو مشہور ہیں۔

۲؎ نجدعرب کا ایک صوبہ ہے جو مکہ معظّمہ اور عراق کے درمیان واقع ہے۔اس صوبہ کے متعلق حضور نے دعاء خیر نہ فرمائی اوروہاں سے وہابی فرقے کے نکلنے کی خبر دی جو آخر کتاب میں ان شاءاللہ ذکر ہوگا۔

۳؎ یعنی ان پانچ نمازوں کے سوا اور نماز اسلام کا فرض نہیں،عیدین اور وتر واجب ہے،نماز جمعہ ظہر کی قائم مقام ہے لہذا یہ ان ہی پانچ میں شامل ہے۔

۴؎ نفل سے لغوی معنی مراد ہیں فرض پر زائد،رب فرماتا ہے:"فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ"لہذا اس میں وتر وعیدین داخل ہیں۔یا اس وقت تک یہ نماز اسلام میں آئی نہ تھیں،بہرحال یہ حدیث وتر وعیدین کے وجوب کے خلاف نہیں احناف کے مخالف نہیں۔

۵؎ یہ جملہ بھی فطرے اور قربانی کے وجوب کے خلاف نہیں جیسا کہ ۴؎ کی تقریر سے واضح ہے۔

۶؎ یعنی اگر صدق دل سے وعدہ کیا ہے تو کامیاب ہوگا یا اگر اس وعدے کو پورا کر دکھائے تو کامیاب ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ نجدیوں کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اس سے پہلے ایک سائل کے ان ہی الفاظ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاح و کامیابی کا قطعی حکم دے دیا،اس نجدی کے ان ہی الفاظ پر مشکوک طریقہ سے کامیابی بیان فرمائی۔

روایت ہے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کا نمایندہ وفد ۲؎ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کون قوم یا کون وفد ہو عرض کیا ہم ربیعہ ہیں ۳؎ فرمایا یہ وفد یا قوم خوب اچھے آگئے کہ نہ رسوا ہوئے نہ شرمندہ ۴؎ عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ تک صرف محترم مہینہ میں آسکتے ہیں ۵؎ کیونکہ ہمارے آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے ۶؎ لہٰذا ہمیں فیصلہ کُن خبر فرمادیں جس کی خبر ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی دے دیں اور ہم جنت میں بھی پہنچ جائیں ۷؎ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرابوں کے متعلق پوچھا تو حضور نے انہیں چارچیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔ا للہ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا کیا جانتے ہو صرف اللہ پر ایمان لانا کیا ہے وہ بولے اللہ اور رسول جانیں ۸؎ فرمایا یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۹؎ اور نماز قائم رکھنے زکوۃ دینے رمضان کے روزے کا ۱۰؎ اور فرمایا کہ غنیمت میں سے پانچواں حصہ حاضر کرو ۱۱؎ اور چار چیزوں سے منع فرمایا ٹھلیا سے،تونبی سے،لکڑی کی دوری سے اور تارکول والے پیالے سے ۱۲؎ فرمایا یہ خود بھی یاد کرلو دوسروں کو اس کی خبر دے دو ۱۳؎ (مسلم و بخاری)لفظ بخاری کے ہیں۔	

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عباس ابن عبدالمطلب ہے،حضور کے چچازاد ہیں،آپ کی والدہ لبابہ بنت حارث یعنی امیرالمؤمنین میمونہ کی ہمشیرہ ہیں،آپ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے،جب تیرہ سالہ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی،آپ کا لقب حبرامت ہے یعنی امت اسلامیہ کے بڑے عالم،تفسیر قرآن کے امام ہیں،آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، ۶۸ھ میں بمقام طائف ۷۱ برس عمر شریف میں وصال ہوا،طائف میں مزار شریف ہے فقیر نے زیارت کی ہے۔

۲؎ وفد قوم کے وہ نمائندے کہلاتے ہیں جو اپنی قوم کی طرف سے سلطان یا امیر کی خدمت میں کچھ پیام سلام لے کر حاضر ہوں یا ان کی طرف سے عہد وفاداری کریں۔یہ چودہ حضرات تھے جو قبیلہ عبدالقیس کی طرف سے ایمان لائے اورحضورسے احکام اسلام معلوم کرنےحاضرہوئے تھے یہ قبیلہ بحرین،قطیف،ہجروغیرہ بستیوں میں آباد تھا،عبدالقیس ان کے جد کا نام تھا۔جن کا سلسلہ نسب ربیعہ ابن نزار ابن معدابن عدنان تک پہنچتا ہے،اس لیے اس قبیلہ کو عبدالقیس بھی کہتے ہیں اور ربیعہ بھی۔

۳؎ یہ سوال و جواب لوگوں کو سنانے کے لئے ہے حضور تو واقف تھے۔مرقات میں اسی جگہ ہے کہ یہ وفد جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو حضور نے حاضرین کو خبر دی کہ وفد عبدالقیس آرہا ہے جو مشرق کے بہترین لوگوں میں سے ہے،ان میں اشج بھی ہے جس کا نام منذر ہے۔پوچھنا بے علمی سے ہی نہیں ہوتا رب نے پوچھا تھا:"وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی"۔

۴؎ یہ کلمات یا دعائیہ ہیں یعنی خدا کرے تمہیں کبھی رسوائی و شرمندگی نہ ہو یا خبر ہے یعنی اچھا ہوا تم خوشی سے اسلام لاکر حاضر ہوگئے،ورنہ کچھ عرصہ بعدلشکر اسلام تمہارا ملک فتح کرتا پھر تمہیں شرمندگی اور رسوائی ہوتی،اب عزت سے ایمان لے آئے۔

۵؎ یہاں جنسی مہینہ مراد ہے یعنی ہم سال میں صرف ۴ محترم مہینوں میں ہی سفر کرکے آپ تک پہنچ سکتے ہیں۔ماہ حرام ۴ تھےرجب، ذیقعدہ،ذی الحجہ،محرم۔ان مہینوں میں کفار بھی قتل و غارت نہیں کرتے تھے،راستوں میں امن رہتی تھی،سفر بآسانی ہوتے تھے،اس لیے یہ عرض کررہے ہیں۔

۶؎ جو باقی مہینوں میں لوٹ مار کرتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے سفر بند رہتے ہیں۔

۷؎ یعنی ان عقائد و اعمال کی وجہ سے ہم پر اللہ فضل کرے،جنت بخشے۔خیال رہے کہ جنت اللہ کے فضل سے ملے گی،یہ اعمال اسی فضل کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

۸؎ یہ ادبًا عرض کیا ورنہ یہ لوگ ایمان لاچکے تھے،مؤمن ایمان سے بے خبر نہیں ہوتا۔(مرقات)صحابہ کا یہ ادب تھا کہ ان کو علم بھی ہوتا مگر حضور پر پیش قدمی نہ کرتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ نے بہت علم بخشا۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالٰی پر ایمان غیرممکن ہیں،ایمان باللہ کی تفسیر میں رسالت کا ذکر بھی ہوا۔شہادۃ سے مراد دل کی گواہی ہے،یعنی ماننا و قبول کرنا ورنہ زبانی اقرار ایمان کا جزو نہیں،بلکہ احکام اسلامی جاری ہونے کی شرط ہے۔

۱۰نماز،روزہ وغیرہ ایمان کی تفسیر نہیں بلکہ ایمان پر معطوف ہے،یعنی انہیں ایمان کا بھی حکم دیا اور نماز روزے وغیرہ کا بھی۔لہذا اقام وغیرہ جر سے پڑھنا چاہیئے،چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے،اس لئے ایمان کے بعد ان کا ذکر ہوا،چونکہ ابھی حج نہ ہوا تھا اس لئے اس کا ذکر نہیں،حج ۹ھ میں فرض ہوا ہے۔

۱۱چونکہ اس وقت جہاد فرض ہوچکا تھا اور یہ لوگ اہل جہاد سے تھے،اسی لئے انہیں جہاد کے احکام ارشاد فرمائے کہ اگر تم کفار مضر سے جہاد کرو تو جو غنیمت کامال حاصل ہوا اس کا پانچواں حصہ یہاں بھیج دیا کرو،چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیا کرو،رب فرماتاہے:"وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ "الخ۔

۱۲یہ شراب کے چار،برتن ہیں:حِنتُم،شراب کی چھوٹی گھڑی،دُبّا کھکل کیا ہوا پکا کدُو جو جگ کی طرح استعمال کیا جاتاتھا،نقیر درخت کی جڑجسے کھکل کرکے اس میں شراب رکھتے تھے،مزفت شراب پینے کا پیالہ۔چونکہ اس وقت شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی،اگر یہ برتن استعمال ہوتے رہتے تو ممکن تھا کہ انہیں چھوٹی ہوئی شراب پھریاد آجاتی،اس لئے ان کا استعمال بھی حرام کردیا گیا،پھر کچھ عرصہ بعد یہ حرمت منسوخ ہوگئی جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔

۱۳یعنی تم عالم و عامل بھی بنو اور مبلغ بھی،تبلیغ کے لیے کامل عالم ہونا شرط نہیں،جو صحیح مسئلہ ہو اس کی تبلیغ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام سے بچانے کے لیے اسباب حرام روکنا ضروری ہیں،نزلہ روکو تاکہ بخار سے بچو،چوہے فناکرو تاکہ طاعون نہ پھیلے،گانا اور بیہودگی روکو تاکہ زنا بند ہو۔

روایت ہے عبادہ ابن صامت سے ۱ فرماتے ہیں کہ فرمایانبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالانکہ آپ کے آس پاس صحابہ کی جماعت ۲ تھی کہ مجھ سے اس پر بیعت کرو ۳ کہ اللہ کےساتھ کسی کو شریک نہ کرنا،نہ چوری کرنا اور نہ زنا،نہ اپنی اولاد کو قتل کرنا،نہ اپنے سامنے گھڑا ہوا بہتان لگانا ۴ اور کسی اچھی بات میں نافرمانی نہ کرنا ۵ تم میں سے جو وفائے عہد کرے گا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے ۶ اور جوان میں سے کچھ ۷ کر بیٹھے اور دنیا میں سزا پالے تو وہ سزا کفارہ ہے ۸ اور جو ان میں سے کچھ کرلے،پھر رب اُس کی پردہ پوشی کرے ۹ تو وہ اللہ کے سپرد ہے۔اگر چاہے معافی دے دے چاہے سزا دے ۱۰ لہذا ہم نے اس پر آپ سے بیعت کی۔(مسلم،بخاری)	

1؎ آپ کا نام عبادہ،کنیت ابوالولید ہے،آپ نقیب الانصار ہیں،پہلی اور دوسری بیعت عقبہ میں شامل ہوئے،جمع قرآن کرنے والوں میں آپ بھی تھے،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،عہدِ فاروقی میں شام کے قاضی رہے،حمّص مقام تھا،فلسطین کے مقام رملہ میں ۷۲ سال کی عمر پاکر ۳۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

2؎ عصابہ عصبہ سے بنا بمعنی مضبوطی۔اب دس سے چالیس تک کی جماعت کو عصابہ کہا جاتا ہے۔

3؎ یہ بیعت تقویٰ ہے،یعنی آیندہ شرک،چوری،زنا وغیرہ نہ کرنا،ورنہ یہ جماعت صحابہ بیعت اسلام تو پہلے ہی کرچکی تھی۔آج کل جو مشائخ کے ہاتھ پر بیعت تقویٰ کی جاتی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے حضور نے صحابہ سے جہاد پر بھی بیعت لی ہے۔

4؎ چونکہ عرب میں یہ گناہ زیادہ مروج تھے،بلکہ زنا اور لڑکیوں کے زندہ دابنے پر فخر کیا کرتے تھے اس لئے حضور نے ان کی تاکیدی ممانعت فرمائی،چونکہ بہتان سن کر بھی لگایا جاتا ہے اور گڑھ کر بھی،گڑھا ہوا زیادہ جرم ہے اس لئے حضور نے ان کی تاکیدی ممانعت فرمائی۔بعض عورتیں دوسروں کا بچہ لے کر اپنے خاوند سے کہتی تھیں کہ یہ تیرا بچہ ہے جو میں نے جنا ہے۔اس فرمان میں اس جانب بھی اشارہ ہے تو سامنے سے مراد شرمگاہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ نسب بدلنا سخت جرم ہے۔

5؎ نہ میری نہ علماء کی نہ حکام نہ ماں باپ نہ شیخ کی جو بھی اچھی بات کا حکم دے اس کی بات مانو۔خیال رہے کہ حضور جو بھی حکم دیں وہ اچھا ہے،اگر نماز چھوڑنے کا حکم دیں تو اس وقت نماز پڑھنا حرام ہوجاتی ہے۔حضور کے احکام کی اطاعت مطلقًا واجب ہے،حضور کے مشورہ اور رائے پر عمل بہتر ہے لازم نہیں۔یہاں معروف کی قید حضور کے لئے واقعی ہے اور دوسروں کے لئے احترازی کیونکہ بُری بات میں بادشاہ وغیرہ کسی کی اطاعت نہیں۔

6؎ اس میں ارشارۃً فرمایا گیا کہ ان اطاعتوں کا بدلہ دنیا میں ہی لوگوں سے نہ چاہو،اخلاص اختیار کرو ان شاء اللہ دنیا اور آخرت میں اجر پاؤ گے۔

7؎ کفر کے سوا کوئی اور جرم جس کی سزا شرعًا مقرر ہو جیسے زنا،چوری،شراب خوری یا مقرر نہ ہو تعزیر بھی ہو جیسے لواطت وغیرہ یا نہ ہو جیسے ترک نماز وغیرہ۔

8؎ اکثر علماءفرماتے ہیں کہ حدود اور تعزیرات گناہ کا کفارہ بن جاتے ہیں جس کے بعد اس جرم کی سزا ان شاء اللہ آخرت میں نہ ملے گی۔بعض نے فرمایا یہ سزائیں حق عبد کا کفارہ ہیں،حق اللہ توبہ سے ہی معاف ہوگا،رب فرماتا ہے:"وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ" مگر حق یہ ہے کہ مجرم کا اپنے کو سزا کے لیے پیش کردینا ہی توبہ اور کفارہ ہے۔

9؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ کوئی شخص اپنے چھپے گناہ کو ظاہر نہ کرے حق عبد ضرور ادا کردے۔

۱۰؎ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ"یعنی کفر پر مرنے والی کی بخشش نہیں باقی تمام گنہگاروں کے لیے گنجائش ہے۔

روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقرعید یاعید الفطرمیں عید گاہ۲؎تشریف لے گئےعورتوں کی جماعت پر گزرے۳؎ تو فرمایا کہ اے بیبیو!خوب خیرات کرو ۴؎ کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے ۵؎کہ تم زیادہ دوزخ والی ہو انہوں نے عرض کیا حضور یہ کیوں؟ فرمایا تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو ۶؎ خاوند کی ناشکری ۷؎ہو تم سے بڑھ کر کوئی کم عقل دین پر کم عاقل عقلمند آدمی کی مت کاٹ دینے والی میں نے نہیں دیکھی۸؎عورتوں نے عرض کیاحضور ہمارے دین و عقل میں کمی کیونکر ہے۔فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے ۹؎عرض کیا ہاں فرمایا یہ عورت کے عقل کی کمی ہے فرمایا یہ درست نہیں کہ عور ت حیض میں روزہ نماز ادا نہیں کرسکتی عرض کیا ہاں فرمایا یہ اس کے دین کی کمی ہے۱۰؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ کا نام شریف سعد ابن مالک انصاری ہے،خدرہ انصار کا ایک قبیلہ ہے جس کی طرف آپ کی نسبت ہے،بڑے عالم،احادیث کے ماہرصحابی ہیں،غزوۂ خندق اور بارہ غزووں میں آپ حضور کے ساتھ شریک رہے،آپ نے چوراسی ۸۴ سال کی عمر پاکر ۷۴ھ میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں،فقیر نے بھی قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ یعنی شہر سے باہر۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرماتے تھے باوجود یہ کہ مسجد نبوی شریف بہترین مسجد ہے۔معلوم ہوا کہ یہ دو نمازیں جنگل میں اداکرنا سنت ہے اگرچہ شہر میں بھی جائز ہے۔

۳؎ جو کہ عیدگاہ میں نماز اداکرنے گئی تھیں۔حضور کے زمانہ میں تمام عورتوں کو عیدگاہ کی حاضری کا حکم تھا تاکہ شرعی احکام سنیں اور نماز عید یا کم از کم مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوجائیں،مردوں سے علیحدہ بیٹھتی تھیں،سرکار خطبے کے بعد ان کی جماعت میں مخصوص وعظ ارشادفرماتے تھے۔عہد فاروقی سے عورتیں اسی حاضری سے روک دی گئیں جیسا کہ آئندہ عرض کیا جاوے گا۔

۴؎ فی الحال جہاد کے لیے صدقہ دو یا ہمیشہ صدقہ نفل دیا کرو کیونکہ صدقہ فرض میں عورتیں مرد برابر ہیں،یہاں صدقۂ فطر مراد نہیں کیونکہ یہ عید گاہ آنے سے پہلے ادا کردیا جاتا ہے۔خیال رہے کہ عورت اپنے مال سے صدقہ بہرحال دے سکتی ہے،خاوند کے مال سے اس کی اجازت سے دے خواہ صریحی اجازت سے ہو یا عرفی سے۔

۵؎ معراج میں یا کشف سے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اگلے پچھلے واقعات کو مشاہدہ فرماتی ہے،کیونکہ دوزخ میں داخلہ قیامت کے بعد ہوگا،مگر آج ہی دیکھ رہے ہیں جیسے کہ ہم خواب یا خیال میں اگلی پچھلی باتیں دیکھ لیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور باذن الٰہی جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچانتے ہیں ان کی تعداد سے خبردار ہیں حالانکہ علوم خمسہ میں سے ہے۔تیسرے یہ کہ نیک اعمال خصوصًا صدقہ عذاب کو دفع کر تا ہے۔اسی لیے میت کو تیجہ،دسویں وغیرہ میں ایصال ثواب کیا جاتا ہے کہ اگر اس کی قبر میں آگ ہو تو اس سے بجھ جائے۔

۶؎ غصہ میں بچوں پر لڑائی میں مقابل پر،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ لعنت کرنا دوزخی ہونے کا سبب ہے،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے یہاں صحابہ پر تبرّا اور لعنت کرنا عبادت ہے۔جب نمرود،فرعون،ہامان بلکہ شیطان کو گالیاں دینا اور تبرا کرنا ثواب نہیں تو بزرگوں کو گالیاں دینا کہاں کی انسانیت ہے۔مسئلہ کسی معین پر لعنت کرنا جائز نہیں سوا ان کفار کے جن کا کفر پر مرنا نص میں آچکا،غیر معین گنہگار پر بھی لعنت جائز ہے۔مثلًا یہ کہہ سکتے ہیں کہ کافروں پر یا جھوٹوں پر لعنت مگر اس کی عادت مت ڈالو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

۷؎ کہ اگر عمر بھر خاوند تمہاری ناز برداری کرے اور ایک بار کچھ کوتاہی کردے تو کہتی ہو کہ تو نے میرے ساتھ کچھ کیا ہی نہیں،جو بندے کا ناشکرا ہے خدا کا شاکر نہیں بن سکتا۔

۸؎ اس میں عورتوں کے تین عیب بیان کئے گئے:عقل میں کمی،دین پر عمل میں کوتاہی،اور مرد کو بے وقوف بنانا،یہ عورتوں کی عام حالت ہے اگرچہ بعض بیبیاں اس سے پاک ہیں۔خیال رہے کہ جنس مرد جنس عورت سے افضل ہے،اگرچہ بعض عورتیں،بعض مردوں سے افضل ہیں۔حضرت آمنہ خاتون،عائشہ صدیقہ،فاطمہ زہرہ ہم جیسے کروڑوں مردوں سے افضل،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۹؎ عام حالات میں یا دومرد گواہ ہوتے ہیں یا ایک مرد اور دوعورتیں بعض صورتوں میں عورت کی گواہی مطلقًا نہیں مانی جاتی جیسے حدود اور قصاص،بعض صورتوں میں صرف ایک عورت کی خبر معتبر جیسے بحالت غبار،رمضان کا انتیسواں[۲۹] چاند یا حیض و نفاس کی یا عدت گزرنے کی خبر یہاں عام حالت مراد ہے۔

۱۰؎ کہ کچھ عرصہ نماز کے ثواب سے اور ادائے روزہ کی برکتوں سے محروم رہتی ہے۔خیال رہے کہ حیض ونفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں اور روزوں کی ادا معاف قضا واجب۔اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کی زیادتی کمی دین کے کمال و نقصان کا ذریعہ ہے۔خیال رہے کہ مسافر و بیمار نماز و روزہ کے اہل ہیں لیکن حائضہ اور نفسا ان کی اہل ہی نہیں لہذا وہ دونوں ناقص نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب فرماتا ہے ۱؎ انسان مجھے جھٹلاتا ہے یہ اُسے مناسب نہ تھااور مجھے گالی دیتا ہے یہ اسے درست نہ تھا ۲؎اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے رب مجھے پہلے کی طرح دوبارہ نہ بناسکے گا۳؎حالانکہ پہلی بار پیدا فرمانا دوبارہ بنانے سے آسان تر تو نہیں ۴؎ اس کی گالی اس کی یہ بکواس ہے کہ اللہ تعالٰی نے اولاد اختیار کی ۵؎ میں تو اکیلا بے نیاز ہوں ۶؎ نہ جنا نہ جنا گیا میرا کوئی ہمسر نہیں ۷؎

۱؎ یہ حدیث قدسی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"قَالَ اللہ"۔حدیث قدسی اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ حدیث قدسی خواب،الہام سے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔قرآن بیداری ہی میں آئے گا۔نیز قرآن کے لفظ بھی رب کے ہیں،حدیث کا مضمون رب کا،الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔خیال رہے کہ ساری حدیثیں برحق ہیں اور قرآن کی طرح لائق عمل،صدیق اکبر نے حدیث کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں تقسیم میراث نہ فرمائی حالانکہ یہ حکم قرآنی تھا،مگر حدیث قدسی میں قال اللہ کی تصریح ہوتی ہے۔اس کی مفصّل بحث ہمارے رسالہ "ایک اسلام" میں دیکھو۔

۲؎خیال رہے کہ جن و انس کے سوا کسی مخلوق میں کافر نہیں مگر انسان پر اللہ کے احسانات زیادہ ہیں کہ ان ہی میں انبیاء اور اولیاء بھیجے۔اس لیے کہ خصوصیت سے اس کی شکایت فرمائی گئی۔

۳؎یعنی قیامت کا منکر ہے اور تمام ان آیتوں کو جھٹلاتا ہے جن میں قیامت کا ذکر ہے۔

۴؎یعنی رب کے لیے ایجاد اور دوبارہ بنانا یکساں آسان ہے۔لوگوں پر ایجادمشکل ہوتی ہے۔دوبارہ بنانا آسان،جب کفار رب تعالٰی کو عالم کا موجد جانتے ہیں تو قیامت مانتے ہیں انہیں کیوں موت آتی ہے۔حالانکہ قیامت میں اٹھانا اعادۂ خلق ہوگا۔نہ کہ ایجاد اس میں روئے سخن ان کافروں کی طرف ہے جو اللہ کی ذات و صفات کے اقراری تھے اور قیامت کے انکاری۔

۵؎مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔عیسائی عیسٰی علیہ السلام کو،یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اس میں ان تینوں قوموں کی طرف اشارہ ہے۔بیوی بچے اختیارکرنا ہمارے لیے کمال ہے رب کے حق میں گالی۔ایک ہی چیز ایک کے لیے کمال ہے۔دوسرے کے لیے نقصان بلاتشبیہ کنواری لڑکی کو صاحب اولاد کہنا گالی ہے،بیاہی کے لیے کمال،رب کی شان تو بہت اعلیٰ ہے۔

۶؎اولاد والا اکیلا بھی نہیں ہوتا،اولاد اس کی قومیت،نوعیت،جنسیت میں شریک ہوتی ہے اور بے نیاز بھی نہیں کیونکہ انسان شہو ت کے غلبہ یا دشمنوں کے خوف کی وجہ سے یا اپنے مرے بعد وراثت کے لیے اولاد اختیار کرتاہے۔رب تعالٰی ان تمام نیازمندیوں سے پاک ہے۔دیکھو چاند،سورج وغیرہ کو قیامت سے پہلے فنا نہیں تو ان کی وراثت کے لیے انکی اولاد بھی نہیں۔

ے حالانکہ اولاد باپ کی ہمسر ہوتی ہے کہ انسان کا بچہ انسان اور شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے،تو **نعوذ باللہ**!خدا کا بیٹا خدا ہی چاہیئے تھاحالانکہ رب اس کا خالق وہ مخلوق،رب مالک وہ مملوک،پھر ہمسر کہاں۔

	حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ انسان کا مجھے گالی دینا اس کی یہ بکواس ہے کہ میں صاحبِ اولاد ہوں میں اس سے پاک ہوں کہ بیوی بچے اختیار کروں ۱؎ (بخاری)

۱؎ کیونکہ بیوی خاوند کی ہم جنس ہی ہوسکتی ہے۔انسان کی بیوی جنّاتنی یا گائے بھینس نہیں ہوسکتی،اگر **نعوذ باللہ** رب کی بیوی ہوتی تو وہ اس کی ہم جنس بلکہ اس کی ہم قوم بھی ہوتی،رب جنس و قوم سے پاک ہے۔

	روایت سے حضرات ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے انسان ایذا دیتا ہے ۱؎ کہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے ۲؎ حالانکہ زمانہ (مؤثر) تو میں ہوں۔میں رات و دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ایذا سے مراد ناراض کرنا ہے،یعنی میرے متعلق وہ باتیں کرتا ہے جس سے میں ناراض ہوتا ہوں،ورنہ خدا تعالٰی دکھ درد اور تکلیف سے پاک ہے۔

۲؎ اس طرح کہ کہتا ہے ہائے زمانے تو نے مجھ پر ظلم کردیا،میرے فلاں کو مار دیا،ہائے ظالم زمانہ یا آسمان،جیسے کہ مولوی محمود حسن دیوبندی نے مرثیہ گنگوہی میں زمانہ کو جی بھر کے کوسا،پیٹا ہے یہ حرام ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی محکوم چیزوں کو برا کہنا رب کی ناراضی کا باعث ہے۔ایسے ہی اللہ کے پیاروں کی توہین۔

۳؎ اس طرح کہ دن کو لے جاتا ہوں،رات کو لاتا ہوں اور بالعکس،نیز انہیں چھوٹا،بڑا،گرم،سرد،مفید و مضر بناتا ہوں لہذا انہیں برا کہنا مجھ پر طعن ہے۔خیال رہے کہ یہاں دھر (زمانہ) سے مراد مؤثر حقیقی اور مسبّب الاسباب ہے۔ورنہ رب تعالٰی کو **دھر** کہنا درست نہیں اور نہ **دھر اللہ** کا نام ہے۔

	اور روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تکلیف دہ بات کو سنتے ہوئے صبر کرنے والا ۱؎ خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں لوگ اس کے لئے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں پھر بھی وہ انہیں راحت و رزق دیئے جاتا ہے ۲؎

۱؎ یہاں صبر سے مراد حلم ہے۔اسی معنی سے اللہ تعالٰی کا نام پاک صبور یا صبار ہے،نہ کہ وہ صبر جو کہ مجبوری کی وجہ سے ہو اس کی تفسیر اگلا مضمون ہے۔

۲؎ یعنی باوجود یہ کہ لوگ اللہ تعالٰی کو عیب لگاتے ہیں اور رب تعالٰی اس سے خبردار بھی ہے،ان پر ہر طرح قادر بھی لیکن انہیں فورًا عذاب نہیں دیتا،بلکہ دنیا میں انہیں تندرستی،امن،روزی دیتا ہے کیونکہ دنیا اس کی رحمانیت کے ظہور کی جگہ ہے۔بعد موت نہ انہیں امن دے،نہ روزی وغیرہ وہاں اس کی رحیمیت کی جلوہ گری ہوگی۔

روایت ہے حضرت معاذ سے ۱؎ کہ میں ایک دراز گوش پر حضور کے پیچھے اس طرح سوار تھا کہ میرے آپ کے درمیان پالان کی لکڑی کے سوا کچھ نہ تھا ۲؎ حضور نے فرمایا کہ معاذ کیا جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے ۳؎ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول جانیں فرمایا اللہ کا حق بندوں پر تو یہ ہے کہ اُسے پوجیں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ۴؎ اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو اُسے عذاب نہ دے ۵؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ تو کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں فرمایا یہ بشارت نہ دو ورنہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ معاذ بن جبل انصاری خزرجی،کنیت ابو عبداللہ ہے،بیعت عقبہ کرنے والے ستّر انصار میں آپ بھی تھے،بدر اور تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا گورنر بنایا،عمر فاروق نے شام کا حاکم مقرر کیا،طاعون عمواس میں بعمر ۸۳ سال آپ کی وفات ہوئی،شام میں قبر شریف ہے،آپ کے فضائل بے حد و بے شمار ہیں۔

۲؎ یعنی خوش نصیبی سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قرب نصیب تھا اور ظاہر ہے کہ اتنے قریب سے جو بات سنی جائے گی وہ بالکل درست سنی جائے گی۔ردیف ردفا سے بنا ہے بمعنی پیچھے،ایک گھوڑے یا اونٹ پر دو شخص سوار ہوں تو پیچھے والا ردیف کہلاتا ہے۔دو آدمیوں کا جانور پر سوار ہونا جب منع ہے کہ جانور کمزور ہو،دو کا بوجھ نہ اٹھا سکے۔لہذا یہ حدیث ممانعت کی حدیث کے مخالف نہیں۔

۳؎ حق کے معنی واجب الازم۔لائق بندوں کے متعلق تینوں معنی درست ہیں کہ اللہ کی عبادت ان پر واجب ہے،لازم ہے،ان کے لائق ہے۔اللہ تعالٰی کے لئے یہ معنی اور طرح درست ہوں گے وہ یہ کہ اس کریم نے اپنے ذمہ کرم پر خود لازم فرمالیا کہ عابدوں کو جزادے کوئی اور اس پر واجب نہیں کرسکتا،لہذا جن روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں وہ دوسرے معنی میں ہے کہ کوئی اس پر واجب نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی اس کا حاکم نہیں وہ سب کا حاکم ہے۔

۴؎ اس طرح کہ نہ تو کسی کو اس کا ہمسر جانیں،نہ اس کا بیوی بچہ لہذا اس میں مجوسیت،نصرانیت،یہودیت سب ہی داخل ہیں۔ان ہی تمام دینوں سے علیحدگی ضروری ہے۔

۵؎ یعنی کفر نہ کرتا ہوا سے دائمی عذاب نہ دے ایسے مقامات پر شرک بمعنی کفر ہوتا ہے اور عذاب سے دائمی عذاب مراد ورنہ بعض گنہگاروں کو بھی کچھ عذاب ہوجائے گا۔(اشعۃ اللمعات)وغیرہ

۶؎ اس طرح کہ مقصد کلام سمجھیں گے نہیں اور اعمال چھوڑدیں گے کہ جب فقط درستیٔ عقیدہ سے ہی عذاب سے نجات مل جاتی ہے تو نماز وغیرہ عبادات کی کیا ضرورت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عالم عوام کو وہ مسئلہ نہ بتائے جو ان کی سمجھ سے ورا ہو۔خیال رہے کہ حضرت معاذ نے اس وقت بشارت نہ دی بلکہ یہ حدیث بطور خبر بعد میں بعض خواص کو سنادی لہذا کوئی اعتراض نہیں اس کا کچھ ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کجاوہ پر تھے معاذ حضور کے ردیف تھے حضور نے فرمایا اے معاذ عرض کیا حاضر ہوں یارسول اللہ خدمت میں فرمایا اے معاذ عرض کیا یارسول اللہ حاضر ہوں خدمت میں فرمایا اے معاذ عرض کیا حاضر ہو خدمت میں تین بار۱؎ فرمایا ایسا کوئی نہیں جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔سچے دل سے ۲؎ مگر اللہ اسے آگ پر حرام فرمادے گا۔۳؎ عرض کی یارسول اللہ تو کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں کہ وہ خوش ہوجائیں فرمایا تب تو وہ بھروسہ کر بیٹھیں گے ۴؎ پھر حضرت معاذ نے گناہ سے بچنے کے لیے ۵؎ اپنی وفات کے وقت خبر دے دی۶؎	

۱؎ حضرت معاذ کو تین بار پکارنا کچھ نہ فرمانا زیادتی شوق کے لیے تھا کہ حضرت معاذ کلام سننے کے پورے مشتاق ہوجائیں جو بات انتظار کے بعد سنی جاتی ہے خوب یاد رہتی ہے۔"لبیك وسعدیك"کا اردو میں مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں خدمت میں حاضر ہوں چھوٹے کو چاہیئے کہ بڑے کا ادب بہرحال کرے۔

۲؎ اس طرح کہ دل سے اس کو مانے اور زبان سے اقرار کرے،لہذا منافق اس بشارت سے علیحدہ ہے،اور ساتر یعنی دل کا مؤمن زبان سے خاموش اس پر شریعت میں اسلامی احکام جاری نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ عمر میں ایک بار زبان سے کلمۂ شہادت پڑھنا فرض ہے اور مطالبہ کے وقت بھی ضروری۔

۳؎ اس طرح کہ وہ آگ میں ہمیشہ نہ رہے گا یا آگ اس کے دل وزبان کو نہ جلاسکے گی کیونکہ یہ ایمان اور شہادت کے مقام ہیں کافر کا قلب و قالب دونوں جلائے گی،رب فرماتا ہے:"تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ"یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر مرتے وقت ایمان لائے اور کسی عمل کا موقع نہ پائے اس کے لیے یہ بشارت ہے۔بہرحال یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہے،نہ دیگر احادیث کے کوئی مؤمن عمل سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

۴؎ حضرت معاذ نے اس بشارت کی تبلیغ کی اجازت مانگی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ حکم تبلیغی امور میں سے ہے یا اسرار الٰہیہ میں سے۔شرعی احکام سب کے لیے ہیں،طریقت کے اسرار اہل کے لیے۔خیال رہے کہ عوام بشارت سن کر بے پرواہ ہوجاتے ہیں،مگر خواص بشارت پاکر زیادہ نیکیاں کرنے لگتے ہیں۔رب نے اپنے حبیب سے فرمایا"لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰہُ"الخ تو حضور نے نیکیاں اور زیادہ کیں۔عثمان غنی سے فرمایا تھا کہ جو چاہو کرو تم جنتی ہوچکے تو ان کے اعمال اور زیادہ ہوگئے۔

۵؎ کہ حدیث شریف میں ہے جو علم چھپائے اسے آگ کی لگام دی جائے گی،قرآن شریف میں بھی علم چھپانے کی برائیاں مذکور ہیں۔

٦؎ یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت سے اس وقت منع کیا تھا جب اکثر لوگ نومسلم تھے اور حدیث دانی کا ملکہ کم رکھتے تھے،اب حالات بدل چکے ہیں،لوگ ذی شعور اور سمجھدار ہوگئے ہیں،یہ ہے اجتہاد صحیح۔

	حضرت ابوذر ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۲؎ حضور پر چٹا سفید کپڑا تھا اور سورہے تھے کچھ دیر بعد پھر آیا تو آپ جاگ چکے تھے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی بندہ جو لَاۤ اِلٰہَ الا اللہ کہے ۳؎ پھر اسی پر مرجائے مگر جنت میں جائے گا ۴؎ میں نے عرض کیا اگرچہ زنا اور چوری کرے فرمایا اگر چہ زنا اور چوری کرلے ۵؎ میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کرلے ٦؎ فرمایا اگرچہ زنا اور چوری کرے میں نے کہا اگرچہ زنا و چوری کرے فرمایا اگرچہ زنا و چوری کرے ابوذر کی ناک رگڑنے کے باوجود ۷؎ حضرت ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے تھے کہ اگرچہ ابوذر کی ناک رگڑ جائے ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام جندب ابن جنادہ،کنیت ابوذر ہے،قبیلہ بنی غفار سے ہے،آپ پانچویں مسلمان ہیں،مکہ معظّمہ میں آکر مسلمان ہوئے اور حضور کے حکم سے اپنی قوم میں چلے گئے،پھر غزوۂ خندق کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور حضور کے ساتھ رہے،پھر ربذہ میں قیام کیا اور وہیں خلافت عثمانیہ ۳۲ھ میں وفات پائی،آپ بڑے،زاہد،عابد،صحابی ہیں،مال جمع کرنے کے بڑے مخالف تھے،اسلام سے پہلے بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

۲؎ ایمان لانے کے لیے حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ،آپ کے ایمان لانے کا عجیب وغریب واقعہ ہے جو کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا،یہاں کوئی اور حاضری مراد ہے،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۳؎ اس سے مراد سارے عقائد اسلامیہ کا مان لینا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں"الحمد"پڑھنا واجب ہے،یعنی ساری سورۃ یا اس وقت کلمہ پڑھنا ہی مؤمن کی علامت تھی،یا مطلب یہ ہے کہ جو کافر مرتے وقت کلمہ پڑھ کر مؤمن ہوجائے۔

۴؎ یا اول ہی سے گناہوں کی کچھ سزا پاکر یا شفاعت کے پانی سے صاف ہوکر،کیونکہ مؤمن کے لیے دوزخ میں ہیشگی نہیں۔

۵؎ یعنی انہیں حرام جانتے ہوئے اپنے کو گنہگار سمجھ کر۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ گناہ کبیرہ انسان کو اسلام سے نہیں نکالتے،دوسرے یہ کہ گناہ کبیرہ سے نیکیاں ضبط نہیں ہوتیں،کفر سے ہوتی ہیں،تیسرے یہ کہ جس کا خاتمہ ایمان پر ہوجائے وہ یقینًا جنتی ہے خواہ اول سے یا کچھ بعد۔

٦؎ تعجب کرتے ہوئے کیا اتنے بڑے گناہ پر بھی وہ جنتی رہے گا۔حضرت ابوذر کو حیرت ہوئی کہ گناہوں کا لتھڑا ہوا پاک وصاف جنت میں قدم کیسے رکھے گا۔یہ پتہ نہ تھا کہ شفاعت ورحمت کا پانی گندوں کو ستھرا کردیتا ہے۔

۷؎ رَغِمَ رغام سے بنا ہے بمعنی مٹی اور خاک،عرب میں یہ لفظ ناپسندیدگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔یعنی اگرچہ تم ناپسندیدگی کی بناپر سوال کرتے کرتے زمین پر ناک بھی رگڑ دو جب بھی یہی حکم رہے گا۔

۸؎ تاکہ حدیث کے الفاظ پورے منقول ہوں یا بتقاضائے عشق کہ محبوب کا عتابانہ خطاب بھی عاشق کو پیارا معلوم ہوتا ہے۔بار بار اسے یاد کرکے نیا لطف حاصل کرتا ہے۔خیال رہے کہ فاسق مؤمن آخر کار جنتی ہے،بے دین اور بدمذہب پر جنت حرام ہے،اس کے لیے دوزخ میں ہیشگی ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گواہی دے کہ اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں ۱؎ عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول اوراس کی بندی کے بیٹے ۲؎ اللہ کا کلمہ ہیں جو مریم میں ڈالا ۳؎ اور اللہ کی طرف سے روح ہیں ۴؎ اور جنت و دوزخ حق ہے اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا مطابق عمل کے ۵؎	

۱؎ بندۂ اعلیٰ اور رسول اکمل جن کی عبدیت سے اللہ کی ربوبیت چمکی اور جن کی رسالت رب کی الوہیت کا مظہر اتم ہے۔لہذا ان کی بندگی اور دوسروں کی بندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔اور بندوں کو اس پر ناز ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔دستِ قدرت کو اس پر ناز ہے کہ میرے بندے محمد رسول اللہ ہیں،فرماتا ہے:"ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ"اور بندہ رب کو راضی کرنا چاہیں۔رب جناب مصطفٰے کو راضی کرنا چاہے فرماتا ہے:"وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی"اور بندے کشتیٔ اسلام میں پار لگنے کو سوار ہوئے،جناب مصطفٰے پار لگانے کو،جیسے جہاز کے مسافر اور کپتان کہ جہاز مسافروں کو پار لگاتا ہے اور کپتان جہاز کو،اسی لئے مسافر کرایہ دے کر جہاز میں بیٹھتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔سواری ایک ہے مگر سواروں کی نوعیت میں فرق ہے،لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز،کلمہ پڑھنے،حج وتلاوت قرآن کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ حضور ہماری طرح مؤمن ہیں۔ان اعمال سے ہماری عزت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کرنے کی وجہ سے ان اعمال کی عزت افزائی،ہمیں فخر ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں،نماز کو فخر ہے کہ حضور نے مجھے پڑھا۔

۲؎ یہ فرمان نہایت جامع ہے۔عیسائی جناب مسیح کو خدا کا بیٹا،اور بی بی مریم کو رب کی بیوی کہتے تھے۔یہودی جناب مسیح کی نبوت کے بھی انکاری تھے اور پاک بتول مریم کو تہمت لگاتے تھے۔اس ایک کلمہ میں دونوں کی نفیس تردید ہوگئی۔زمانہ موجودہ کے قادیانی آپ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے

ہیں۔اور حضرت مریم کا نکاح ان سے ثابت کرتے ہیں۔اس میں ان کی بھی اعلیٰ تردید ہے کہ اگر جناب مسیح باپ کے بیٹے ہوتے تو اسی طرف آپ کی نسبت ہوتی،قرآن نے بھی انہیں عیسیٰ بن مریم فرمایا حالانکہ فرماتا ہے:"اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ"۔

۳؎ اس طرح کہ حضرت جبرئیل نے باذن الٰہی کُن کہہ کر حضرت مریم کے سینہ پر پھونکا جس سے آپ حاملہ ہوگئیں۔خیال رہے کہ جناب مسیح کا لقب **کلمۃ اللہ** ہے یا اس لیے کہ آپ کی پیدائش کلمہ کن سے ہے رب فرماتا ہے:"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ"الخ،آدم علیہ السلام کو کلمتہ اللہ اس لیے نہیں کہتے کہ ان کے جسم کی پیدائش مٹی سے ہے۔صرف روح پھونکنا **کلمۂ** کن سے رب فرماتا ہے:**فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ** مگر جناب مسیح کا جسم اور روح سب کُن سے **نطفه علقه مضغه** کچھ نہیں۔(ازمرقاۃ) یا اس لیے کہ جناب مسیح ازسر تاپا اللہ کی حجت ہیں گویا سراپا کلمہ ہیں۔یا اس لیے کہ آپ ایک کلمہ دم کرکے بیماروں کو تندرست،مردوں کو زندہ کرتے تھے (اس سے بزرگوں کی جھاڑ پھونک ثابت ہوئی) یا اس لیے کہ آپ نے پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا کہ کہا" **اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ" الخ**

۴؎ مِنہُ کی **مِن** تبعیضیہ نہیں اور اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ کا ٹکڑا ہیں بلکہ "**من**"ابتدائیہ ہے،یعنی اللہ کی جانب سے بلاواسطۂ نطفہ آپ کی پیدائش ہے۔آپ کا لقب روح اللہ بھی ہے یا اس لیے کہ آپ روح الامین جبرئیل کی پھونک سے پیدا ہوئے یا اس لیے کہ آپ مردہ دلوں کو روح ایمان بخشتے ہیں۔

۵؎ کہ اعلیٰ درجے کے متقی کو جنت کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ادنی متقی کو وہاں کا ادنی مقام،یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں جنت کسب سے ملے،جو دوسروں کے طفیل جنت میں جائیں گے وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔جیسے مسلمانوں کے شیر خوار بچے اور بیویاں لہذا حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج پاک جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔خیال رہے کہ جنت میں داخلہ ایمان کی بنا پر ہوگا،وہاں کے مراتب اعمال کے مطابق۔جنت کا داخلہ تین ۳ طرح کا ہے کسبی،وہبی،عطائی یہاں کسبی کا ذکر ہے۔

	روایت ہے عمرو ابن عاص سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ آپ کی بیعت کروں۲؎ آپ نے ہاتھ بڑھایا میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۳؎ فرمایا اے عمرو یہ کیا میں نے عرض کیا کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں فرمایا کیا شرط میں نے عرض کیا کہ میری بخشش ہوجائے۴؎ فرمایا اے عمرو کیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام پچھلے گناہ ڈھادیتا ہے اور ہجرت پچھلے گناہ ڈھادیتی ہے اور حج بھی پچھلے گناہ ڈھا دیتا ہے۵؎ یہ مسلم نے روایت کی اور وہ دو حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہیں۔فرماتے ہیں فرمایا اللہ تعالٰی نے کہ میں تمام شرکاء میں شرک سے غنی تر ہوں اور دوسری یہ کہ عظمت و بلندی میری

	چادر ہے ہم انہیں ریا اور کِبر کے بابوں میں ذکر کریں گے ۶؎ اگراللہ نے چاہا۔

۱؎ آپ عمرو بن العاص سہمی قریشی ہیں، ۵ھ میں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ اور عثمان ابن طلحہ کے ساتھ مدینہ میں آکر اسلام لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمّان کا گورنر مقرر فرمایا،آپ حضرت عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کے عامل رہے،آپ فاتح مصر ہیں مصر ہی میں نوے سال کی عمر پاکر ۴۳ھ میں وفات پائی۔(اکمال)

۲؎ یہ بیعت اسلام ہے صحابہ کرام اسلام لاتے وقت حضور سے بیعت بھی کیا کرتے تھے یعنی استقامت کا وعدہ بیعت تو یہ بیعت تقویٰ،بیعت جہاد،بیعت شہادت کسی خاص مسئلے پر،بیعت اس کے علاوہ ہیں آج کل علی العموم مشائخ سے بیعت توبہ یا تقویٰ ہوتی ہے۔بیعت کے وقت شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سنت ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

۳؎ بے ادبی کے لیے نہیں بلکہ بندہ مختار مانتے تھے۔

۴؎ دیکھو بخشنا کام اللہ کا ہے اور شرط لگارہے ہیں رسول اللہ سے،ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو جنت عطا فرمایئے حضور ہمیں دوزخ سے نجات نصیب ہو۔

۵؎ معلوم ہوا کہ ایمان اور نیک اعمال معافی گناہ کا ذریعہ ہیں،رب فرماتا ہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ" مگر ان سے گناہ مٹتے ہیں نہ کہ حقوق العباد۔نومسلم اسلام لاکر زمانۂ کفر کے قرض بھی ادا کرے گا اور حدود و قصاص بھی،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔یعنی یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زمانۂ کفر میں ظلمًا قتل کرلو،لوگوں کے مال مارلو اور بعد میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاؤ سب معاف،یہ ناممکن ہے۔

۶؎ یعنی یہ دو حدیثیں مصابیح میں اسی باب میں تھیں مگر ہم پہلی حدیث "باب الریاء" میں اور دوسری "باب الکبر" میں لائیں گے کیونکہ یہ وہاں کے ہی مناسب ہیں۔یہ فقیر ان شاءاللہ ان حدیثوں کی شرح بھی وہیں عرض کرے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ(ابن جبل) سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۱؎ یارسول اللہ مجھے ایسا کام بتایئے جو مجھے جنت میں داخل اور دوزخ سے دور کردے ۲؎ فرمایا تم نے بڑی چیز پوچھی ۳؎ ہاں جس پر اللہ آسان کرے اُسے آسان ہے ۴؎ اللہ کو پوجو ۵؎ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ جانو نماز قائم کرو،زکوۃ دو،رمضان کے روزے رکھو،کعبہ کا حج کرو ۶؎ پھر فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتادوں ۷؎ روزہ ڈھال ہے ۸؎ خیرات گناہوں کو ایسا

	بجھاتی ہے جیسے پانی آگ کو ۹؎ اور درمیانی رات میں انسان کا نماز پڑھنا ۱۰؎ پھر یہ تلاوت کی کہ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں ۱۱؎ (یعلمون تک) پھر فرمایا کہ میں تمہیں ساری چیزوں کا سر، ستون، کوہان کی بلندی نہ بتادوں ۱۲؎ میں نے کہا ہاں یارسول اللہ ۱۳؎ فرمایا تمام چیزوں کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون ۱۴؎ نماز اور کوہان کی بلندی جہاد ہے ۱۵؎ پھر فرمایا کہ کیا تمہیں ان سب کے اصل کی خبر نہ دے دوں ۱۶؎ میں نے عرض کیا ہاں یا نبی اللہ پس حضور نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ اسے روکو ۱۷؎ میں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ کیا زبانی گفتگو پر بھی ہماری پکڑ ہو گی ۱۸؎ فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے اے معاذ ۱۹؎ لوگوں کو اوندھے منہ آگ میں نہیں گراتی مگر زبانوں کی کٹوتی ۲۰؎ یہ حدیث احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کی۔

۱؎ غزوۂ تبوک میں دوپہر کے وقت جب سخت گرمی تھی، جب تمام صحابہ الگ الگ درختوں کے نیچے ٹھہرے اور میں نے حضور کے ساتھ آرام کیا۔ (مرقاۃ)

۲؎ یہ اسناد مجازی ہے جنت، دنیا، دوزخ سے بچانا رب کا کام ہے۔ چونکہ عمل اس کا ذریعہ ہے اس لیے اسے فاعل قرار دیا گیا لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور جنت دیتے ہیں، دوزخ سے بچاتے ہیں، ہمارے اعمال سے حضور کا توسل زیادہ قوی ذریعہ ہے۔

۳؎ کیونکہ آگ سے بچنا جنت میں پہنچنا بڑی نعمتیں ہیں تو ان کا ذریعہ بھی بڑا ہی ہو گا۔

۴؎ یعنی یہ ذریعہ بتانا مجھ کو آسان ہے کہ رب نے مجھ کو ہر شے پر مطلع کیا ہے یا وہ اعمال اسی پر آسان ہوں گے جس پر اللہ کرم کرے، ڈھیلا خود نیچے گرتا ہے کسی کے اٹھائے سے اوپر ہوتا ہے، ہماری پیدائش مٹی سے ہے ہمارا بھی یہی حال ہے۔

۵؎ یعنی اسلام لاؤ جو ساری عبادتوں کی جڑ ہے کیونکہ عبادات کا ذکر تو آگے آرہا ہے یہاں مضارع بمعنی امر ہے نہ کہ بمعنی خبر۔

۶؎ اس طرح کہ نماز روزانہ پانچ وقت، روزہ ہر سال رمضان میں، زکوۃ ہر سال، اگر مال ہو حج عمر میں ایک مرتبہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں صرف فرائض مراد ہیں جن پر جنتی ہونا موقوف ہے۔

۷؎ یعنی وہ نیک اعمال جو بہت سی نیکیوں کا ذریعہ ہیں جیسے روزہ نفس توڑنے کا ذریعہ ہے نفس ٹوٹ جانے پر انسان بہت سی نیکیاں کرسکتا ہے۔ کیونکہ روکنے والا نفس ہی ہے۔

۸؎ جس کی برکت سے روزہ دار تک گناہوں کا تیر نہیں پہنچتا اور شیطان کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

۹؎ چونکہ خیرات میں اللہ کی عبادت بھی ہے اور بندوں کا نفع بھی، غریبوں کی حاجت روائی بھی، اس لئے کہ یہ گناہوں کو مٹانے میں اکسیر ہے، جو بندوں پر مہربان ہو رب اس پر مہربان ہوتا ہے۔

۱۰؎ یعنی نماز تہجد، نماز پنجگانہ کے بعد یہ نماز بہت اعلیٰ ہے اور نمازوں میں اطاعت غالب ہے اس نماز میں عشق، نیز یہ نماز رب نے خاص حضور کے لیے بھیجی، حضور کے طفیل سے ہمیں ملی، فرماتا ہے: "فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ"۔

ا۱ یعنی عشاء کے بعد کچھ سو لیتے ہیں، پھر اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں، تہجد کے لیے پہلے سولینا شرط ہے ورنہ بستروں کا ذکر نہ ہوتا، بعد تہجد بھی سونا سنت ہے، یہ بھی اسی آیت سے ثابت ہے یعنی بستر بچھے ہوتے ہیں مگر وہ مصلے پر ہوتے ہیں۔

۱۲ یہاں دین کو اونٹ سے تشبیہ دی گئی، پھر اس کے لیے سر پاؤں اور کوہان ثابت کیا گیا جیسا استعارہ بالکنایہ اور تخلیل میں ہوتا ہے۔

۱۳ یہ سوال جواب سائل کو شوق دلانے کے لئے ہیں کیونکہ انتظار کے بعد جو شے حاصل ہو خوب یاد رہتی ہے۔

۱۴ چیز سے مراد دین ہے۔ دینداری اسلام کے بغیر نہیں قائم رہ سکتی، جیسے سر کے بغیر زندگی اور نماز سے دین کو قوت و بلندی ہے، جیسے ستون سے چھت کی۔

۱۵ جہاد چونکہ دشوار ہے اور جہاد ہی سے دین کی زینت و رونق ہے، جیسے کوہان سے اونٹ کی زینت اور کوہان تک پہنچنا کچھ مشکل بھی ہوتا ہے۔ جہاد بمعنی مشقت ہے یہ لِسان، سنان، اقلام سبھی سے ہوتا ہے، کافروں پر جہاد سہل ہے مگر اپنے نفس پر مشکل یہ کلمہ سب جہادوں کو شامل ہے۔

۱۶ ملاک وہ ہے جس سے کسی چیز کا نظام اور قوام قائم ہو، یعنی اصل اصول۔

۱۷ کہ پہلے تولو بعد میں بولو، زبان کو لگام دو، رب نے چھونے کے لیے دو ہاتھ، چلنے کے لیے دو پاؤں، دیکھنے کے لیے دو آنکھیں، سننے کے لیے دو کان دیئے، مگر بولنے کے لیے زبان صرف ایک ہی دی کہ کلام کم کرو کام زیادہ۔

۱۸ یعنی بات تو معمولی چیز ہے۔ اس پر کیا پکڑ چوری، زنا، قتل وغیرہ جرم قابل گرفت ہیں مگر وہ زبان سے نہیں ہوتے۔

۱۹ عرب میں یہ لفظ (ماں روئے) محبت و پیار میں بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے بچوں سے مائیں پیار میں کہتی ہیں۔ اے رُڑ جائیں، اڈ پڑ جائیں اردو میں مارے ہتیارے، ارے مٹ گئے وغیرہ یعنی تو گم جائے یا مر جائے اور ماں تجھے رو رو کر ڈھونڈے یا یاد کرے۔

۲۰ کیونکہ ہاتھ پاؤں سے اکثر گناہ ہی ہوتے ہیں۔ مگر زبان سے کفر، شرک، غیبت، چغلی، بہتان سب کچھ ہوتے ہیں جو دوزخ میں ذلت و خواری کے ساتھ پھسلنے جانے کا ذریعہ ہیں۔ حصائد وہ جگہ ہے جہاں کھیت کاٹ کر رکھا جاتا ہے یعنی کھلیان یا کٹوتی انسان کا ہر لفظ نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ وہ دفتر گویا اس کا کھلیان ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی اللہ کے لیے محبت و عداوت کرے اور اللہ کے لئے دے اور روکے ۲ اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا ۳ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی۔

۱ آپ کا نام شریف صدی، کنیت ابوامامہ ہے، قبیلہ بنی باہلہ سے ہیں، اولًا مصر میں، پھر حمّص میں قیام فرمایا، اکہتر سال کی عمر پا کر ۸۶ھ حمّص ہی میں وفات پائی، شام کے سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں۔ (مرقاة)

۲ اگرچہ مسلمان کا ہر کام اللہ کے لیے ہی چاہئیے مگر یہ چار کام اکثر نفس کے لیے ہوتے ہیں اسلیۓ ان کا خصوصیّت سے ذکر فرمایا۔ جب یہی کام اللہ کے لیے ہوگئے تو باقی اعمال سونا، جاگنا، بولنا اور چپ رہنا وغیرہ سب اللہ کیلئے ہوں گے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اللہ کے لئے دینے والے تھوڑے، نام نمود میں خرچ کرنے والے زیادہ ہیں۔ رب تعالیٰ یہ صفتیں نصیب کرے۔

۳ کیونکہ کمال ایمان اخلاص سے نصیب ہوتا ہے۔ مخلص صدیقین کے زمرہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اخلاص کی پہچان یہ ہے کہ کافر بیٹا دشمن معلوم ہو، اجنبی مؤمن پیارا ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد — فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

ترمذی نے کچھ تقدیم و تاخیر سے حضرت معاذ ابن انس سے یوں نقل کی کہ بے شک اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا	

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عمل اللہ کے لئے محبت اورا اللہ کے لئے عداوت ہے [۱](ابوداؤد)	

[۱] کیونکہ دوسرے اعمال قالب سے ادا ہوتے ہیں اور اللہ کے لیے محبت و عداوت دل سے وہ سب بدنی عبادات ہیں یہ دل کی عبادت کیونکہ اللہ کے لیے محبت جبھی ہوگی جب اللہ سے محبت ہوگی اور اللہ کی محبّت اس کے تمام احکام کی محبّت کا ذریعہ ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں:اگر کوئی شخص باورچی سے اس لیے محبّت کرے کہ اس سے اچھا کھانا پکواکر فقراء کو بانٹے تو یہ اللہ کے لیے محبّت ہے۔اور اگر عالم دین سے اس لیے محبّت کرے کہ اس سے علم دین سیکھ کر دنیا کمائے تو یہ دنیا کے لیے محبّت ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا مسلمان وہ جس کے زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں [۱] اور سچا مؤمن وہ جس سے لوگ اپنے خون و مال میں مطمئن رہیں [۲] اسے ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے	

[۱] کہ نہ کسی کو بلاوجہ مارے پیٹے نہ ان کی چغلی اور غیبت کرے حق پر مارنا عین دین ہے،جیسے مجرم سے قصاص لینا۔ضرورت شرعی کی بناء پر غیبت عین عبادت ہے جیسے راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا حدیث کی تحقیق کیلیے،یہ چیزیں اس حدیث سے خارج ہیں۔

[۲] یعنی اس کا برتاؤ ایسا اچھا ہو کہ لوگوں کو قدرتی طور پر اس کی طرف سے اطمینان ہو کہ یہ نہ ہمارے مال مارے گا،نہ تکلیف دے گا،یہ اطمینان مسلمین اللہ کی بڑی نعمت ہے اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ کسی کی قوت ایمانی جانچنے کے لئے اس کے پڑوسیوں اور دوستوں سے پوچھو۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے اسلام کا تعلق ظاہر اعضاء سے ہے اور ایمان کا قلب سے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت فضالہ کی روایت [۱] سے یہ زیادتی کی کہ غازی وہ جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے مشقت لے [۲] اور سچا مہاجر وہ جو خطاؤ گناہ چھوڑدے [۳]	

[۱] فضالہ ابن عبید اوسی انصاری ہیں،یہ حضور کے غلام ہیں،احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،بیعت رضوان میں شریک تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شام کے جہادوں میں شریک رہے،دمشق میں قیام کیا،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں کے قاضی رہے، ۵۳ھ میں وہیں وفات پائی(از مرقاۃ و اشعہ)

[۲] کیونکہ ہمارا بدترین دشمن اور مارآستین ہمارا نفس ہے،کفار کو مارنا آسان نفس نانجار کو مارنا مشکل،مولانا فرماتے ہیں۔

سہل شیرے وانکہ صفہا بشکند | شیر آں باشد کہ خود را بشکند

۳؎ کیونکہ وطن جسم کا دیس ہے اور گناہ نفس امارہ کا دیس وطن عمر میں ایک بار چھوڑنا پڑتا ہے اور یہ ہر لحظہ ، یہاں خطا سے مراد چھوٹے گناہ ہیں اور ذنوب سے مراد بڑے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ یہ بہت کم تھا کہ حضور ہمیں اس کے بغیر وعظ فرمائیں کہ جو امین نہیں اس کا ایمان نہیں جو پابند وعدہ نہیں اس کا دین نہیں ۱؎ یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔

۱؎ یعنی امانت داری اور پابندی وعدہ کے بغیر ایمان اور دین کامل نہیں، امانت میں مال، زر، لوگوں کی عزت وآبرو یہاں تک کہ عورت کی اپنی عفّت سب داخل ہیں، بلکہ سارے اعمال صالحہ بھی اللہ کی امانتیں ہیں۔ حضور سے عشق و محبّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے، رب فرماتا ہے۔ "اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ "الخ۔ عہد میں میثاق کے دن رب سے عہد، بیعت کے وقت شیخ سے عہد، نکاح کے وقت خاوند یا بیوی سے عہد، جو جائز وعدہ دوست سے کیا جائے یہ سب داخل ہیں۔ان سب کا پورا کرنا لازم و ناجائز وعدہ توڑنا ضروری اگر کسی سے زنا، چوری، حرام خوری یا کفر کا وعدہ کیا تو اسے ہرگز پورا نہ کرے کہ یہ رب کے عہد کے مقابلے میں ہے۔ اللہ اور رسول سے وعدہ کیا ہے ان سے بچنے کا اسے پورا کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقینًا محمد اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالٰی اس پر آگ حرام کرے گا ۱؎

۱؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ اس سے مراد تمامی اسلامی عقائد قبول کرلینا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس کے عقائد درست ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا، یا اس سے وہ شخص مراد ہے جو ایمان لاتے ہی فوت ہوجائے، یا یہ حدیث اس وقت کی ہے جب احکام شرعیہ بالکل نہ آئے تھے۔ بہرحال یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ جانتے مانتے مرگیا کہ اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا ۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام عثمان ابن عفّان ابن ابی العاص ابن امیہ ہے، کنیت ابو عبداللہ، لقب جامع القرآن، اموی ہیں، قرشی ہیں۔ عبد مناف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر شروع اسلام میں ہی ایمان لائے، صاحب ہجرتین ہیں، پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ پاک کی طرف، آپ کا خطاب ذی النورین ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم آگے پیچھے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اولاد آدم میں کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں، جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی بی بی

رقیہ کی خدمت کے لیے مدینہ میں رہے،آپ کو غنیمت کا حصہ دیا گیا، صلح حدیبیہ میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے مکہ معظّمہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے خود ان کی طرف سے بیعت کی اور یکم محرم ۲۴ھ میں تخت خلافت پر جلوہ گر ہوئے، ۱۲ سال خلافت کی بیاسی ۸۲ سال کی عمر پا کر اسود تجیبی مصری کے ہاتھ سے مدینہ منورہ میں قرآن پڑھتے ہوئے شہید ہوئے،جنت البقیع میں آپ کی قبر انور زیارت گاہ مخلوق ہے، فقیر نے وہاں حاضری دی ہے۔

۲؎ یعنی اگرچہ اس زبان سے اقرار کا بھی موقعہ نہ ملا کیونکہ زبانی اقرار تو احکام شرعیہ جاری کرنے کی شرط ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں لازم کرنے والی ہیں ۲؎ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ لازم کرنے والی کیا ہیں فرمایا جو اللہ کا شریک مانتا ہوا مرگیا ۳؎ وہ آگ میں جائے گا ۴؎ اور جو اس طرح مرا کہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں مانتا تھا ۵؎ وہ جنت میں جائے گا ۶؎

۱؎ آپ کا نام جابر ابن عبداللہ،کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں، سلمی ہیں۔مشہور صحابی،بہت بڑے محدث ہیں،نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۸ غزووں میں شریک رہے، بدر میں بھی ساتھ تھے،آخر میں شام اور مصر میں قیام رہا نابینا ہوگئے تھے، ۹۴ سال عمر پاکر ۷۴ھ میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں مزار پر انوار ہے،آپ مدینہ کے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ اللہ تعالٰی کے اذن سے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک عمل بذات خود واجب نہیں کرتا بلکہ اللہ کا ارادہ یعنی انسان کی دو صفتیں بارادۂ الٰہی سزا و جزا واجب کرتی ہیں۔اس کا بیان آگے آتا ہے۔

۳؎ یعنی کفر کرتا ہوا جس کی ایک قسم شرک بھی ہے۔دیکھو دہریہ، موحد،ہندو،آریہ وغیرہ سب جہنمی ہیں اگرچہ مشرک نہیں،ایسے مقامات میں شرک سے مراد کفر ہوتا ہے،اس کا مقابل ایمان ہے نہ کہ توحید۔

۴؎ ہمیشہ کے لیے جیسے بھٹی میں کوئلہ۔

۵؎ یعنی مؤمن مسلمان ہوکر نہ کہ صرف موحد ہوکر ورنہ شیطان مشرک نہیں موحد ہے مگر جنتی نہیں۔

۶؎ یا اول ہی سے یا کچھ سزا بھگت کر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس بیٹھے تھے۔ہمارے ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے ۱؎ کہ اچانک ہمارے درمیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ گئے واپسی میں دیر لگائی ہم ڈر گئے کہ مبادا حضور کو ہماری غیر حاضری میں کوئی ایذا پہنچے ۲؎ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے گھبرانے والا پہلا میں تھا میں حضور کو ڈھونڈھنے نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ انصار بنی نجار کے ایک باغ میں پہنچا ۳؎ باغ کے ارد گرد گھوما ۴؎ کہ کوئی دروازہ ملے مگر نہ ملا ۵؎ ایک نالی تھی جو بیرونی کنوئیں سے باغ میں جاتی تھی ۶؎ فرماتے ہیں کہ میں

سکڑ کر نالی میں گھس کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا ۷ حضور نے فرمایا کیا ابوہریرہ ہیں ۸ میں نے کہا ہاں یارسول اللہ فرمایا تمہارا کیا حال ہے ۹ میں نے عرض کیا کہ حضور ہم میں تشریف فرما تھے اچانک اٹھ آئے اور واپسی میں دیر ہوئی ہم ڈر گئے کہ مبادا حضور کو ہماری غیر موجودگی میں ایذا پہنچے تو ہم گھبرا گئے پہلے میں ہی گھبرایا ۱۰ تو اس باغ میں آیا اور میں لومڑی کی طرح سکڑ گیا ۱۱ اور باقی یہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں ۱۲ حضور نے فرمایا اے ابوہریرہ اور مجھے اپنے نعلین شریف عطا کئے ۱۳ فرمایا ہمارے نعلین لے جاؤ جو تمہیں اس باغ کے پیچھے یقین دل سے یہ گواہی دیتا ملے ۱۴ کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دو ۱۵ پہلے جن سے ملاقات ہوئی وہ عمر تھے ۱۶ وہ بولے اے ابوہریرہ یہ جوتے کیسے ہیں میں نے کہا کہ یہ حضور کے نعلین پاک ہیں مجھے یہ دیکر حضور نے اس لیے بھیجا ہے کہ جو مجھے یقین دل سے گواہی دیتا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دوں جناب عمر نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا ۱۷ کہ میں چت گر گیا اور فرمایا لوٹ چلو ابوہریرہ ۱۸ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو رو کر فریاد کی ۱۹ اور مجھ پر عمر کی ہیبت سوار ہو گئی تھی ۲۰ دیکھا تو وہ میرے پیچھے ہی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ کیا حال ہے میں نے کہا کہ میں جناب عُمر سے ملا اور انہیں وہ ہی پیغام سنایا جو دے کر حضور نے مجھے بھیجا تھا تو انہوں نے میرے سینے پر ایسا مارا کہ میں چت گر گیا اور فرمایا کہ لوٹو ۲۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر اس کام پر ۲۲ تمہیں کس خیال نے ابھارا وہ عرض کرنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان یارسول اللہ کیا آپ نے ابوہریرہ کو نعلین پاک دے کر اس لیے بھیجا ۲۳ کہ جو انہیں یقین دل سے یہ گواہی دیتا ملے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دیں فرمایا ہاں ۲۴ عرض کیا ایسا نہ کیجئے ۲۵ میں خوف کرتا ہوں کہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے ۲۶ انہیں چھوڑ دیں کہ عمل کرتے رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

	نے فرمایا اچھا چھوڑ دو ۲۷ (مسلم)

۱؎ جماعت صحابہ میں یہ دونوں بزرگ ایسا درجہ رکھتے ہیں جیسے تاروں میں چاند و سورج اسی لیے اکثر جگہ ان کا ذکر خصوصیّت سے ہوتا ہے۔خیال رہے کہ صحابہ کے شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں،محدثین کے شیخین بخاری و مسلم،فقہاء کے شیخین امام ابوحنیفہ و ابو یوسف رضی اللہ عنہم،منطق کے شیخین بو علی سینا و فارابی ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ ہم خدمت میں حاضر نہ ہوں حضور کہیں اکیلے ہوں اور کوئی دشمن آپ کو ایذا پہنچائے کیونکہ عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دشمن ہیں،یہ گھبراہٹ اسباب کے لحاظ سے ہے،ورنہ اللہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

۳؎ بنی نجار انصار کا ایک بڑا قبیلہ ہے۔حائط وہ باغ کہلاتا ہے جس کے آس پاس دیوار ہو اور ایک دروازہ۔بستان ہر باغ کو کہہ سکتے ہیں دیوار سے گھرا ہو یا نہ ہو۔

۴؎ اس لیے کہ اندازے سے مجھے پتا لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں ہیں۔شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ نسیم جمال نے بوئے محبوب عاشق کے دماغ محبت میں پہنچائی،جیسے بوئے یوسفی مصر سے کنعان پہنچ گئی،مگر عشاق کے حال مختلف ہوتے ہیں کبھی قبض،کبھی بسط۔

۵؎ یعنی دروازہ موجود تھا مگر نظر نہ آیا وارفتگئ عشق محبوب کی وجہ سے۔

۶؎ وہ نظر آگئی پیاروں کے حال نیارے ہوتے ہیں،ان کی کیفیات عقل سے وراء ہیں،دیکھو رب کی شان کہ دروازہ نظر نہ آیا اور نالی سوجھ گئی،یہ واردات ان لوگوں پر گزرتی ہیں جنہیں عشق سے حصّہ ملا ہو۔

۷؎ معلوم ہوتا ہے کہ نالی بہت تنگ تھی جس میں حضرت ابوہریرہ بتکلف داخل ہوئے۔خیال رہے کہ بغیر اجازت نالیوں کے ذریعہ کسی کے گھر یا باغ میں چلا جانا ازروئے قانون ممنوع ہے،مگر یہ عشق کا کرشمہ تھا خود کو آتشِ نمرود میں ڈالنا،بے قصور فرزند کو ذبح کرنا سب عشق کی جلوہ گری ہے،قانون اس سے کوسوں دُور ہے۔

۸؎ یہ سوال تعجب کی بنا پر ہے کہ دروازہ ہوتے ہوئے نالی کے رستہ پہنچے یا دروازہ بند تھا اور آگئے۔

۹؎ یعنی پریشان کیوں ہو،ہانپ کیوں رہے ہو۔

۱۰؎ اس میں اللہ کی نعمت کا اظہار ہے نہ کہ فخر و ریا،یعنی مجھے اللہ نے حضور کا ایسا عشق دیا ہے کہ آپ کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔

۱۱؎ اس میں اظہار معذرت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھبراہٹ میں آداب دربار بجا نہ لا سکا،بغیر اذن آگیا،سلام بھی کرنا بھول گیا،حالانکہ یہ دونوں حکم قرآنی ہیں مگر ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے۔

۱۲؎ یعنی شعر۔

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم ازیں مے ہمچو من بسار شد مست

ع ایک میں ہی نہیں عالم ہے طلبگار تیرا

۱۳؎ کیوں عطا کئے،عاقل تو یہ کہتے ہیں کہ نشانی کے طور پر تاکہ معلوم ہو کہ حضور کے بھیجے ہوئے ہیں۔عاشق کہتے ہیں نہیں صحابی سچے ہیں ان کی ہر بات بغیر نشانی مانی جاتی ہے۔منشاء یہ ہے کہ آگے صرف "لاالٰہ الا اللہ" کا ذکر ہے،ابوہریرہ کو کفش بردار بنا کر یہ بتایا کہ کلمہ اور توحید اس کا معتبر ہے جو ہمارا کفش بردار ہو،اس میں تبلیغ قولی کے ساتھ تبلیغ عملی بھی ہے،عشق کی تفسیر سے حدیث پر کوئی اعتراض نہ رہا،کفش برداری میں سارے عقائد و اعمال آگئے،ان کا نعلین بردار یقینًا جنتی ہے۔

۱۴؎ سبحان اللہ! کیا لطیف اشارہ ہے یعنی یہ بشارت ہر شخص کو نہ دیناکہ ہر کوئی یہ راز سمجھے گا نہیں،صرف جناب عمر کو بتاناجو تمہیں اس باغ کے پیچھے ہی مل جائیں گے،جو ہمارے راز دار ہیں۔

۱۵؎ یعنی ان سے کہہ دو کہ تم جنتی ہو۔یقیناًاس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور کو یہ خبر تھی کہ حضرت ابوہریرہ کو پہلے حضرت عمر ہی ملیں گے۔دوسرے یہ کہ حضرت عمر یقینی لازمی جنتی ہیں۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی سعادت وشقاوت کی خبر ہے۔چوتھے یہ کہ مسلمان کو زبان سے کلمہ طیبہ پڑھنا ضروری ہے صرف عقیدے پر کفایت نہ کرے،زبان سے اقرار بھی کرے۔پانچویں یہ کہ اس قسم کی احادیث عوام تک بغیر شرح نہ پہنچائی جاویں،اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قید لگادی کہ جو تمہیں اس باغ کے پیچھے مسلمان ملے صرف اسے بشارت دو۔

۱۶؎ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ظہور ہے کہ فرمایا تھاجو تمہیں اس باغ کے پیچھے ملے،ملاقات حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تفسیر ہے۔

۱۷؎ یہاں تھوڑا مضمون پوشیدہ ہے،یعنی مجھ سے فرمایا لوٹ چلو،میں نہ مانا،تب آپ نے مجھے مارا کیونکہ بغیر کچھ کہے سنے مارنا عقل کے خلاف ہے۔(مرقاۃ)اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں مارنا مقصود نہ تھا بلکہ آگے جانے سے روکنا اور منہ پھیر کر مجبورًا واپس کرنا تھا۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کمزور تھے۔اس تھوڑی سی حرکت دینے سے گرپڑے اور اگر مارا ہی ہو تب بھی حرج نہیں کہ جناب عمر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے مثل استاد یا کم از کم بڑے بھائی کی طرح تھے۔

۱۸؎ خیال رہے کہ اس فرمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہیں،مقصد یہ ہے کہ اے ابوہریرہ!تم تعمیل کرچکے ہو،میں تمہیں مل گیا تم نے مجھے فرمان سنادیا۔حدیث اپنے انتہا کو پہنچ گئی،اس کی عام اشاعت کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ حدیث کا مبداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حدیث کا منتہی مجتہد ہیں۔عوام براہ راست حدیث رسول پر عمل نہ کریں بلکہ مجتہد سے سمجھ کر عمل کریں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ"حدیث وقرآن طب روحانی کی دوائیں ہیں۔کسی طبیب روحانی کے مشورہ سے استعمال کرو ورنہ مارے جاؤ گے۔یہ حدیث تقلید آئمہ کی قوی دلیل ہے۔

۱۹؎ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پناہ لی جیسے بچہ مادر مہربان کی۔خیال رہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہاں آکر روئے وہاں نہ روئے تھے کیونکہ مظلوم فریادرس کو دیکھ کر رویا کرتا ہے۔

۲۰؎ یہ عرب کا محاورہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں پر قرض سوار ہوگیا یعنی غالب آگیا۔

۲۱؎ یعنی اس کام کے لیے یہاں سے آگے نہ بڑھو خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس چلو یا اور کام کیلئے جاؤ۔

۲۲؎ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے پر نہ کہ انہیں مارنے پر،جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ شکایات وغیرہ میں اکثر ایک کی خبر معتبر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ سے گواہی مانگی اور نہ جناب عمر سے اقرار کرایا صرف لوٹانے کی وجہ پوچھی۔

۲۳؎ یہ عرض معروض بارگاہ نبوی کے آداب میں سے ہے نہ کہ حضرت ابوہریرہ پر بدگمانی کی بنا پر کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں،ان کی خبریں معتبر،جب شاہی کارندے کے کسی کام پر بادشاہ سے عرض معروض کرنا ہو تو پہلے بادشاہ سے تصدیق کرلینی ادب دربار ہے۔

۲۴؎ خیال رہے کہ اس جگہ ایک چیز کا ذکر نہیں آیا یعنی اس باغ کے پیچھے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عمر راز دار پیغمبر ہیں دلی رازوں سے خبر دار ہیں۔

۲۵؎ یعنی آیندہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو عام لوگوں سے یہ کلام کرنے کی اجازت نہ دیں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مشورہ کی پیش کش ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی۔رب فرماتا ہے "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ "اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عتاب نہ کیا بلکہ آپ کا مشورہ قبول کرلیا۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جناب عمر کی عقل و دانائی حضور سے زیادہ ہے۔اس حدیث کا راز کچھ اور ہی ہے جو ہم پہلے عرض کرچکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اپنے موقع پر پہنچ چکا، تعمیل ارشاد ہوچکی۔

۲۶؎ یعنی وہ نو مسلم لوگ جو ابھی تک منشاء کلام سمجھنے کے لائق نہیں ہیں وہ ظاہر الفاظ سُن کر اعمال ہی چھوڑ بیٹھیں گے اور سمجھیں گے کہ نجات کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی ہے،اس لئے موجودہ زمانے کے اہل حدیث حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیئے جو ہر حدیث پر بلا سوچے سمجھے عمل کرنے کے مدعی ہیں۔آیات قرآنیہ پر بھی اندھا دھند گرنا حرام ہے،رب فرماتا ہے:"وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا"۔

۲۷؎ یعنی تمہاری رائے منظور ہے،بہت درست ہے۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے جناب حضرت ابوہریرہ کا نہ قصاص دلوایا نہ ان سے معافی دلوائی۔کیونکہ حضرت عمر مجتہد ہیں۔اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ محض محدّث، مجتہد استاد ہیں، محدث شاگرد،استاد پر شاگرد کا قصاص لازم نہیں اگرچہ غلطی سے سزا دیدے۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے خطاءً ہارون علیہ السلام کے بال پکڑ کر کھینچے مگر رب نے ان سے قصاص نہ دلوایا (قرآن حکیم) ہماری اس شرح سے حسب ذیل سوالات اٹھ گئے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ کو باغ کا دروازہ نظر کیوں نہ آیا نالی کیوں نظر آئی (۲) آپ دوسرے کے باغ یا مکان میں بلا اجازت کیوں گئے (۳) آپ نے پہلے سلام کیوں نہ کیا (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نعلین شریف کیوں عطا فرمائیں (۵) حضرت عمر نے اشاعت حدیث سے جناب ابوہریرہ کو کیوں روکا (۶) انہیں مارا کیوں (۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کیوں کرائی (۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمان کے اشاعت نہ کرنے کی رائے کیوں دی (۹) حضور نے ان کی رائے قبول کیوں کرلی (۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس مار کا بدلہ کیوں نہ لیا گیا۔

40 [39] عن معاذ بن جبل رضي الله عنه.قال:" قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم:"مفاتيح الجنة شهادة أن لا إله إلا الله" رواه أحمد.	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی چابیاں۱؎ کلمہ شہادت ہے کہ رب کے سوا کوئی معبود نہیں۔اسے احمد نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی بغیر درستیٔ عقیدہ کوئی شخص جنت میں نہیں جاسکتا اور درستیٔ عقائد خود جنت اور وہاں کے تمام مقامات کی چابی ہے اس لئے **مفاتیح** جمع فرمایا گیا یعنی وہاں کے ہر مقام کی چابی کلمہ طیّبہ ہے،ہم پہلے عرض کرچکے کہ کلمہ سے مراد سارے عقائد اسلامیہ ہیں،لہذا منافقین اور مرتدین اگرچہ عمر بھر کلمہ پڑھیں مگر جنتی نہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضور کے صحابہ میں سے بعض حضرات اس قدر غمگیں ہوئے کہ بیماری وہم میں مبتلا ہونے کے قریب ہوگئے ۱؎ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں بھی

	ان میں تھا ایک میں بیٹھا تھا کہ عمر فاروق گزرے مجھے سلام کہا لیکن مجھے مطلقًا شعور بھی نہ ہوا۲؎ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر سے میری شکایت کی۳؎ پھر وہ دونوں حضرات میرے پاس تشریف لائے اور دونوں نے مجھے سلام کیا۴؎ ابو بکر نے مجھ سے فرمایا کہ کیا باعث ہوا کہ تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب نہ دیا میں نے کہا میں نے تو ایسا نہ کیا عمر بولے۵؎ خدا کی قسم تم نے یہ کیا میں نے کہا خدا کی قسم مجھے نہ یہ خبر کہ تم گزرے نہ یہ کہ تم نے مجھے سلام کیا۔ابو بکر صدیق نے فرمایا عثمان سچے ہیں اے عثمان تمہیں کسی الجھن نے پھنسالیا۶؎ اس سے بے خبر کردیا میں نے کہا ہاں فرمایا وہ الجھن کیا ہے میں نے کہا کہ اللہ نے اس سے پہلے ہی اپنے نبی کو وفات دے دی کہ ہم حضور سے اس چیز کی نجات کے متعلق پوچھیں ۷؎ ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضور سے پوچھ لیا ہے ۸؎ میں آپ کی خدمت میں کھڑا ہوگیا۹؎ اور کہا اے ابو بکر تم پر میرے ماں باپ فدا یہ تمہارا ہی حق ہے ۱۰؎ ابو بکر نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس چیز کی نجات کیسے ہوگی ۱۱؎ حضور نے فرمایا جو میری وہ بات مان لے جو میں نے اپنے چچا پر پیش کی تھی ۱۲؎ انہوں نے رَد کردی تھی ۱۳؎ تو یہ بات اس کی نجات ہے۔(احمد)

۱؎ یعنی زیادتی غم کی وجہ سے وہم کی بیماری ہوگئی،مت کٹ گئی،عقل ٹھکانے نہ رہی یا یہ وسوسہ دل میں آنے لگا کہ اسلام کیسے باقی رہے گا اس کا والی چلا گیا،قافلہ سالار رخصت ہوگیا،اب یہ قافلہ کیسے سنبھلے گا۔یہ تمام خیالات غیر اختیاری تھے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر رنج و غم سنت صحابہ ہے،مگر پیٹنا ماتم کرنا ممنوع ہے۔

۲؎ یعنی عمر فاروق نے بآواز بلند سلام کیا مگر میرے کان میں ان کی آواز نہ پہنچی۔زیادتی غم میں سامنے رکھی چیز نظر نہیں آتی۔

۳؎ کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ شاید حضرت عثمان مجھ سے ناراض ہیں۔اس لئے انہوں نے سلام کا جواب اتنا آہستہ دیا کہ میں نہ سن سکا۔یہ خیال نہ کیا کہ جواب ہی نہ دیا کیونکہ جوابِ سلام فرض ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے کسی کی شکایت کرنا خصوصًا بغرض اصلاح غیبت نہیں،بلکہ سنت صحابہ ہے۔

۴؎ جناب عمر تو منانے کی نیت سے آئے اور حضرت صدیق اصلاح کے ارادے سے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی شکایت سن کر دل پر نہ رکھ لے بلکہ دور کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ جماعت میں سے ایک کا سلام کرنا کافی ہوتا ہے۔لیکن یہاں موقع ہی ایسا تھا کہ دونوں نے الگ الگ سلام کیا یا یہ دونوں حضرات آگے پیچھے عثمان غنی کے پاس گئے ہوں گے۔

۵؎ یعنی نہ مجھ پر یہ گزرے،نہ مجھے سلام کیا،اور نہ میں نے ان کے جواب میں کوتاہی کی،یہ جھوٹ نہیں بلکہ اپنے علم کی بنا پر ہے۔

۶؎ یعنی تم کچھ سوچ رہے تھے جس کی وجہ سے نہ دیکھ سکے نہ سن سکے تم دونوں سچے ہو۔

۷؎ چیز سے مراد یا تو دین ہے یعنی دین اسلام میں دوزخ سے نجات کا مدار کس چیز پر ہے،اگرچہ عثمان غنی خود ہی روایت فرما چکے ہیں کہ نجات کا مدار کلمہ طیبہ ہے،اس رنج و غم میں اپنی روایت خود بھول گئے،یا چیز سے مراد وسوسۂ شیطانی ہے،کبھی ہمارے دلوں میں بڑے خراب خیالات آتے ہیں۔ایسا کون سا عمل کیا جائے گا جس کی برکت سے یا تو وسوسہ سے ہی نجات ملے یا اس کے نتیجہ سے یہی ظاہر ہے۔

۸؎ اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بھی یاد ہے۔

۹؎ یعنی خوشی کی وجہ سے معلوم ہوا کہ خوشی کی خبر سن کر کھڑا ہوجانا سنت عثمانی ہے۔بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا کو دیکھ کر خوشی میں کھڑے ہوجاتے تھے۔لہذا میلاد شریف میں ذکر ولادت پر کھڑا ہوجانا سنت سے ثابت ہے،یہ قیام فرحت و سرور ہے یہ اس کا مأخذ،اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔

۱۰؎ یعنی تم جیسے بزرگوں کے ہی لائق تھا کہ ایسی باتیں حضور سے پوچھ کر ہم تک پہنچاتے کیونکہ تم علم پر حریص ہو۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب اسرار ہو۔

۱۱؎ یعنی شیطانی وسوسہ یا اس کے نتیجہ سے ہم کیسے بچیں یا دینی چیزوں میں نجات کا مدار کس چیز پر ہے۔

۱۲؎ چچا ابو طالب پر ہمیشہ ہی کلمہ طیبہ پیش فرمایا،خصوصیّت سے ان کی وفات کے وقت حضور نے فرمایا چچا اب بھی پڑھ لو نجات پاؤ گے۔خیال رہے کہ ابو طالب حضور کی حقانیت کے قائل تھے۔انہوں نے حضور کی بڑی خدمتیں کیں مگر زبان سے کلمہ نہ پڑھا اس لیے انہیں شرعًا مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔

۱۳؎ یعنی زبان سے نہ پڑھا تھا۔اگرچہ دل سے اقرار تھا ابو طالب کا کلمہ نہ پڑھنا حضور کی حفاظت کی نیت سے تھا اس وجہ سے کہ کفار مکہ میرا لحاظ کریں اور میرے لحاظ سے حضور کو نہ ستائیں،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو طالب کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑنے پر مجبور نہ ہوئے،ان کی وفات کے بعد ہی ہجرت کرنا پڑی۔ایمان ابی طالب کی بحث ہماری کتاب تفسیر نعیمی میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت مقداد سے ۱؎ انہوں نے حضور کو فرماتے سنا کہ روئے زمین پر کوئی ادنی خیمہ اور کچا گھر ۲؎ نہ رہے گا مگر اللہ اس میں اسلام کا کلمہ پہنچادے گا عزت والوں کی عزت اور ذلیلوں کی ذلت کے ساتھ ۳؎ یا تو اللہ انہیں عزت دے گا کہ انہیں کلمہ والا بنادے گا یا انہیں ذلیل کردے گا وہ دین کی اطاعت کریں گے میں نے دل میں کہا کہ پھر تو پیارا دین اللہ کا ہی ہوگا۔(احمد)	

۱؎ آپ کا نام مقداد ابن عمرو ابن ثعلبہ کندی ہے مگر مشہور ہیں مقداد بن اسود کے نام سے،اس لئے کہ آپ اسود کی پرورش میں رہے،آپ جلیل القدر صحابی اور چھٹے مؤمن ہیں۔نوّے سال کی عمر پاکر ۳۳ھ میں مدینہ منورہ سے تین میل دور مقام جرف میں وفات پائی،لوگ آپ کی میت شریف کو کندھوں پر اٹھا کر لائے اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ زمین سے مراد عرب کی زمین ہے۔اونی گھر سے مراد بدویوں کے خیمے ہیں اور کچے گھر سے مراد عام شہریوں کے مکانات یعنی عرب میں کوئی گاؤں یا شہر ایسا نہ رہے گا جہاں اسلام داخل نہ ہوجائے۔خدا کے فضل سے یہ پیش گوئی پوری ہوچکی اور اگر ساری دنیا مراد ہو تو اس حدیث کا ظہور قرب قیامت یعنی حضرت مسیح کے نزول اور امام مہدی کے ظہور پر ہوگا کہ سارے مسلمان ہوجائیں گے۔

۳؎ یعنی بعض لوگ بخوشی مسلمان ہوں گے،وہ عزت پائیں گے اور بعض مجبورًا زبان سے کلمہ پڑھیں گے،وہ ذلیل رہیں گے۔یا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ مسلمان ہوکر عزت پائیں گے اور بعض اسلام سے انکار کرکے مسلمانوں کے باجگزار بنیں گے،اس صورت میں پہلی جز کے کچھ اور معنی ہوں گے،اس کی تفسیریں اور بھی کی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت وہب ابن منبہ سے ۱؎ کہ ان سے عرض کیا گیا کہ کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں ۲؎ فرمایا ہاں ہے لیکن کوئی چابی دندانہ بغیر نہیں ہوتی ۳؎ تو اگر تم دندانہ والی چابی لے کر آؤ گے تو تمہارے لئے دروازہ کھلے گا ورنہ نہ کھلے گا ۴؎(بخاری ترجمہ باب)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،وطن فارس،قیام گاہ یمن کا علاقہ صنعاء ہے،آپ جلیل القدر تابعی ہیں،یمن کے قاضی تھے،۱۱۴ھ میں وفات پائی،حضرت جابر اور ابن عباس سے ملاقات اور سماعت ثابت ہے۔

۲؎ مسلمانوں میں ایک فرقہ مرجیہ تھا جن کے نزدیک عمل کی کوئی ضرورت نہ تھی،اسلام لاکر بدترین گناہ بھی برا نہ جانتے تھے۔سائل ان میں سے کوئی تھا۔منشاء سوال یہ ہے کہ جب کلمہ طیّبہ جنت کی چابی ہے تو نیک اعمال کی کیا ضرورت ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا نفیس مثال ہے،یعنی کلمہ طیبہ چابی کی ڈنڈی ہے اور ارکان اسلام روزہ نماز وغیرہ اس کے دندانے جیسے چابی میں دانتوں کی ضرورت ہے ایسے ہی مسلمان کے لئے ارکان اربعہ ضروری ہیں۔

۴؎ یعنی بدعمل مسلمان اوّلًا جنت میں نہ جائے گا۔"اِلَّا اِنۡ یَّشَاءَ اللّٰہُ"۔اس مسئلے کی تحقیق پہلے ہوچکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنا اسلام ٹھیک کرے ۱؎ تو جو نیکی بھی کرے گا وہ دس گناہ لکھی جاوے گی سات سو گناہ تک ۲؎ اور ہر برائی جو کر بیٹھے گا وہ ایک گناہ ہی لکھی جاوے گی ۳؎ یہاں تک کہ رب سے ملے۔(مسلم و بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ تمام عقائد اسلامیہ کا دل سے اعتقاد رکھے،زبان سے اقرار کرے،رب فرماتا ہے:"مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ"۔

۲؎ یعنی کم از کم دس گناہ،زیادہ سات سو گناہ،جیسا اخلاص اور موقع ویسا ثواب یہ قانون ہے،فضل کی حد نہیں۔اس حدیث میں دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے کہ ایک "فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا" دوسری "مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ" الخ۔خیال رہے کہ یہ ان نیکیوں کا ذکر ہے جو عام کی جائیں ورنہ مدینہ طیبہ کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار اور مکہ مکرمہ کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳؎ یہ بھی عام گناہوں کا بیان ہے ورنہ مکہ معظّمہ کا ایک گناہ ایک لاکھ ہے،ایسے ہی موجد گناہ پر تمام گناہگاروں کا عذاب۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے ۱؎ فرمایا کہ جب تمہیں اپنی نیکی	

	خوش کرے اور اپنی برائی غمگیں کرے تو تم کامل مؤمن ہو ۲؎ عرض کیا کہ یارسول اللہ گناہ کیا ہے۔فرمایا جو چیز تمہیں دل میں چبھے اسے چھوڑ دو ۳؎(احمد)

۱؎ یعنی مؤمن ہونے کی پہچان جس سے میں سمجھ سکوں کہ اب میں مؤمن ہو گیا۔

۲؎ سبحان ﷲ! کیا نفیس پہچان ہے ۳ قسم کے لوگ ہیں:(۱) غافل (۲) عاقل (۳) کامل۔غافل:وہ گناہوں پر خوش اور نیکی پر مغموم ہو،جیسے کفار یا بعض فسّاق۔عاقل:وہ جو نیکی کو اچھا اور گناہ کو اپنی عقل سے برا سمجھے مگر عملًا بے پرواہ ہو۔کامل:وہ جس کے قلب کا رنگ بدل گیا ہو نیکی پر ایسا خوش ہو جیسے بادشاہت مل گئی گناہ پر ایسا غمگیں ہو جیسے سب مال و اولاد تباہ ہوگئے یہ درجہ بہت اعلیٰ ہے۔اللہ تعالٰی نصیب کرے۔

۳؎ یعنی مؤمن کامل کا دل ہی گناہ و ثواب میں فرق کرلیتا ہے۔جیسے نفس انسانی مکھی ہضم نہیں کرتا قے کرلیتا ہے ایسے ہی نفس ایمانی گناہ برداشت نہیں کرتا۔یہ حدیث ان لوگوں کے لیے ہے جو ان صحابی جیسے کامل مؤمن ہوں ہم جیسے گنہگاروں کے لیے نہیں،ہم تو بہت دفعہ برائیوں کو نیکیاں سمجھ لیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ حضور اسلام میں آپ کے ساتھ کون کون ہے فرمایا ایک غلام ایک آزاد ۲؎ میں نے عرض کیا اسلام کیا ہے ۳؎ فرمایا اچھی بات کرنا کھانا کھلانا ۴؎ میں نے پوچھا ایمان کیا ہے ۵؎ فرمایا صبر اور سخاوت ۶؎ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کون سا اسلام بہتر ہے فرمایا جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں فرماتے ہیں میں نے پوچھا کونسا ایمان افضل ہے فرمایا اچھے عادات ۷؎ فرماتے ہیں پوچھا نماز کونسی افضل ہے ۸؎ فرمایا لمبا قیام ۹؎ فرماتے ہیں میں نے پوچھا ہجرۃ کونسی بہتر ہے ۱۰؎ فرمایا یہ کہ جو رب کو ناپسند ہو اسے چھوڑ دو ۱۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ جہاد کونسا بہتر ہے فرمایا جس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے جاویں اور اس کا خون بہادیا جاوے ۱۲؎ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا گھڑی کون سی بہتر ہے ۱۳؎ فرمایا آخری رات کا درمیانی حصہ ۱۴؎(احمد)

۱؎ آپ کی کنیت ابو شیخ ہے،قبیلہ بنی سلمہ سے ہیں،قدیم الاسلام صحابی ہیں،چنانچہ آپ چوتھے مسلمان ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم بنی سلیم میں رہے۔خیبر کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہیں قیام کیا۔

۲؎ یعنی اب تک ابو بکر صدیق اور بلال ایمان لاچکے ہیں،چونکہ حضرت علی بچے تھے،حضرت خدیجہ بی بی تھیں۔اس لئے ان کا ذکر نہ فرمایا،یا یہ مطلب ہے کہ اسلام میں غلام و آزاد ہر قسم کے لوگ داخل ہیں یہی معنی زیادہ قوی ہیں۔

۳؎ یعنی مسلمان کی خصوصی خصلتیں کیا ہیں یا کمال اسلام کیا ہے۔

۴؎ یہ اسلامی اخلاق ہیں،اچھی بات میں کلمہ طیبہ،دین کی تبلیغ،لوگوں کو برائیوں سے سختی سے روکنا،نرم کلام سب شامل اور کھلانے میں مہمان نوازی،مسافروں اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا،بچوں کو پالنا سب داخل ہیں۔

۵؎ یعنی ایمان کا نتیجہ اور پھل اور مؤمن کی علامت۔

۶؎ صبر کی بہت قسمیں ہیں۔عبادت پر صبر،گناہ سے صبر،مصیبت میں صبر،یعنی ہمیشہ عبادت کرنا،کبھی گناہ نہ کرنا مصیبت میں گھبرانہ جانا،ایسے ہی علم کی سخاوت،مال کی سخاوت،دین کی سخاوت سب اس میں شامل ہیں۔

۷؎ اچھے خلق اللہ کی بڑی نعمت ہیں یہ ہمارے حضور کو بطور معجزہ عطا ہوئے،رب فرماتا ہے:"اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ" خلق حسن وہ عادت ہے جس سے خالق بھی راضی رہے مخلوق بھی،یعنی نفس کے معاملے میں درگزر اور معافی دین کے معاملے میں سخت پکڑ۔

۸؎ یعنی نماز کا کون سا رکن یا کون سی صفت افضل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ارکان نماز آپس میں یکساں نہیں۔

۹؎ قنوت کے معنی اطاعت،عاجزی،نماز،دُعا،خاموشی اور قیام ہے۔یہاں یا عاجزی یا خشوع مراد ہے،یا قیام،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔خیال رہے کہ بعض کے نزدیک سجدہ افضل ہے اور بعض کے ہاں قیام افضل،بعض کے خیال میں رات کی نماز میں لمبا قیام افضل اور دن کی نماز میں زیادہ سجدے بہتر،مگر امام صاحب کے یہاں لمبا قیام بہتر ہے کیونکہ اس میں مشقت اور خدمت زیادہ ہے،یعنی اگر ایک گھنٹہ نوافل پڑھنے ہیں تو بجائے چھوٹی بیس رکعتوں کے لمبی چار رکعتیں پڑھے یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔جن روایتوں میں زیادتی سجدہ کو افضل کہا گیا ہے وہاں کوئی خاص سبب ہے۔

۱۰؎ ہجرتیں بہت سی قسم کی ہیں:مکّہ سے حبشہ کی طرف،مکّہ سے مدینہ کی طرف،کفرستان سے دارالاسلام کی طرف،جہالت کی جگہ سے علم کے مقام کی طرف،علم سیکھنے کے لیے گناہوں سے نیکیوں کی طرف،کفر سے اسلام کی طرف۔(مرقاۃ)

۱۱؎ حرام،مکروہ تحریمی،مکروہ تنزیہی سب سے بچو کہ یہ اعلیٰ ہجرت ہے۔خیال رہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہو خدا کو بھی پسند نہیں۔

۱۲؎ یعنی غازی میدان جہاد سے نہ جان سلامت لائے نہ مال،غنیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔جہاد میں جس قدر مشقت زیادہ اسی قدر ثواب زیادہ۔

۱۳؎ یعنی نفل کے لیے کون سا وقت بہتر ہے۔فرائض کے اوقات کا سوال نہیں ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔

۱۴؎ یعنی آخری تہائی رات کے تین حصے کرو اس کے درمیانی حصے میں تہجد پڑھو گویا رات کے چھٹے حصے میں اس ہی وقت سحری کھانا دعائیں مانگنا بلکہ استغفار کرنا افضل ہے کیونکہ اس وقت رحمت الٰہی دنیا کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور اس وقت جاگنا نفس پر شاق ہے۔

پچھلی راتیں رحمت ربدی گھر گھر کرے آوازہ سونے والیو رب کرلو کھلا ہے دروازہ

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو۱؎ پانچوں نمازیں اور رمضان کے روزے ادا کرتا ہو وہ بخشا جاوے گا۲؎ میں نے کہا کہ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں فرمایا انہیں رہنے دو کہ عمل کرتے رہیں۳؎

۱؎ یعنی سارے عقائد اسلام کے رکھتا ہو نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی نہیں ورنہ شیطان بھی موحّد ہے اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہو کہ ان جیسی نصوص میں شرک سے مراد کفر ہے۔

۲؎ اوّل ہی سے یا آخر کار چونکہ اس قت تک جہاد، زکوۃ، وحج فرض نہ ہوئے تھے۔یا ہر شخص ان کے قابل نہیں لہذا اُن کا ذکر نہیں ہوا، بخشش سے مراد گناہ صغیرہ کی بخشش ہے ورنہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ اور حقوق العباد بغیر ادا معاف نہیں ہوتے "اَلَّا اَنۡ یَّشَاءَ رَبُّنَا "۔

۳؎ یعنی عوام میں مجمل حدیث مت پھیلاؤ کہ وہ اس کا مطلب سمجھیں گے نہیں اور عمل میں کوشش چھوڑ دیں گے۔ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ان احادیث کا بعد میں اشاعت فرمانا اس لئے تھا کہ علم دین چھپانے کا جرم نہ عائد ہو جائے، نیز ایسی حدیثیں مجتہدین کے ذریعہ عوام کے لیے مفید ہے۔

	انہیں سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل ایمان کے متعلق ۱؎ پوچھافرمایا یہ ہے کہ تم اللہ کے لئے محبت و عداوت کرو اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو ۲؎ عرض کیا اور کیا یارسول اللہ؟ فرمایا کہ لوگوں کے لئے وہ ہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور ان کے لئے وہ ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔(احمد)

۱؎ یعنی مؤمن کا کون سا حال اور کونسی خصلت بہتر ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔

۲؎ تاکہ ذکر کی برکت زبان تک پہنچے اور اس سے ایمان کی قوت حاصل ہو جو زبان ذکر اللہ سے تر رہے گی۔وہ ان شاء اللہ دوزخ کی آگ سے نہ جلے گی۔

باب الکبائر وعلامات النفاق

بڑے گناہوں اور نفاق کی علامتوں کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] گناہ کبیرہ یا تو وہ ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو، یا وہ جس پر شریعت نے کچھ سزا مقرر کی ہو، یا وہ جس سے دین کی توہین ہو، یا ہر گناہ چھوٹے گناہ کے لحاظ سے کبیرہ ہے، یا جس چھوٹے گناہ پر ہمیشگی کی جائے وہ کبیرہ ہے، یا ایک ہی گناہ ایک کے لئے صغیرہ اور دوسرے کے لیے کبیرہ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ"، یا ایک کے لحاظ سے صغیرہ دوسرے کے لحاظ سے کبیرہ۔ مسلمان کی توہین گناہ صغیر ہے، علماء مشائخ کی توہین گناہ کبیرہ، نبی، یا قران، یا کعبہ کی توہین کفر، گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامت میں عموم مِنْ وَجْهٍ ہے۔

	روایت ہے عبداللہ ابن مسعود سے [1] فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا حضور کون سا گناہ [2] بہت بڑا ہے اللہ کے ہاں فرمایا یہ کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراؤ۔ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا [3] عرض کیا پھر کون سا گناہ۔ فرمایا یہ کہ اپنی اولاد اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے [4] عرض کیا پھر کون سا گناہ فرمایا یہ کہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو [5] تب اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت اتاری اور وہ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور نہ اس جان کو ناحق قتل کریں جسے اللہ نے حرام کیا [6] اور نہ زنا کریں۔

[1] آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن اور ابن امّ عبد ہے، قبیلہ بنی حزیل سے ہیں، قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ عمر فاروق سے پہلے اسلام لا ئے، صاحبِ ہجرتین ہیں کہ اول حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ پاک کی جانب ہجرت کی، بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین بردار اور صاحب اسرار تھے، سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور پانی لوٹا آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ عہد فاروقی میں کوفہ کے قاضی رہے، عہد عثمانی میں مدینہ پاک آگئے، ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی ۳۲ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی، جنت بقیع میں دفن ہوئے، خلفاء راشدین کے بعد بڑے فقیہ اور عالم صحابی آپ ہیں، امام ابو حنیفہ اکثر آپ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ شرعًا بری چیز کا نام گناہ ہے۔اس کی چار قسمیں ہیں:ایک وہ جو بغیر توبہ معاف نہ ہو،جیسے کفر و شرک۔دوسرے وہ جو نیک اعمال کی برکت سے بھی معاف ہوجائے،جیسے گناہ صغائر۔تیسرے وہ کہ جن کے بغیر توبہ معاف ہونے کی بھی امید ہو،جیسے حقوق اللہ کے کبیرہ گناہ۔چوتھے وہ کہ جن کی معافی کیلئے توبہ کے ساتھ مخلوق کو بھی راضی کرنا پڑے جیسے حقوق العباد۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی شرک و کفرکہ یہ اکبرالکبائر ہے۔

۴؎ جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ غریب لوگ خرچ کے خوف سے بیٹے اور بیٹیوں دونوں کو قتل کردیتے تھے۔چونکہ اس میں بے قصور جان کو قتل کرنا اور اپنے قرابت دار پر ظلم کرنا اور خدا کی رزاقیت پر اعتقاد نہ کرنا تینوں باتیں جمع ہیں،اس لئے اس کا درجہ کفر و شرک کے بعد رکھا گیا۔

۵؎ کہ زنا خود گناہِ کبیرہ ہے اور اس میں پڑوسی کے حق کا برباد کرنا بھی ہے۔کیونکہ ہر شخص اپنے پڑوسی پر اعتماد کرتا ہے اورا س کے جان و مال آبرو کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔خیال رہے کہ یہاں گناہ کبیرہ صرف چار بیان فرمائے گئے۔ضرورت اور موقعہ کے لحاظ سےعبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ ۷۰ ہیں اور سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ ۷۰۰ ہیں۔(مرقاۃ)یعنی گناہ کبیرہ کی انواع ۷۰ اور افراد ۷۰۰۔

۶؎ اس آیت میں حَرَّمَ اللہ سے مراد مؤمن،کافر،ذمی اور مستامن ہیں۔اِلا بالحق میں ان جرموں کی طرف اشارہ ہے جن کی سزا قتل ہے جیسے مرتد ہوجانا،یا زنا،یا ظلمًا قتل یعنی مؤمن ان تین میں سے کوئی جرم کرے گا قتل کیا جائے گا۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمر و سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شرک باللہ،ماں باپ کی نافرمانی ۱؎ جان کا قتل، جھوٹی قسم ۲؎ بڑے گناہ ہیں اسے بخاری نےروایت کیا۔	

۱؎ یعنی ان کے حقوق ادا نہ کرنا،یا ان کے جائز حکموں کی مخالفت کرنا،ماں باپ کے حکم میں دادا و دادی اور نانا اور نانی بھی ہیں۔اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی نافرمانی بدترین جرم ہے کہ شرک کے بعد اس کا ذکر فرمایا گیا۔اسی لئے رب نے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کی اطاعت کا ذکر کیا کہ فرمایا:"اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوٰلِدَیۡنِ اِحۡسٰنًا "۔

۲؎ غموس قسم وہ ہے جو دیدہ ودانستہ گزشتہ واقعہ پر جھوٹی کھائی جائے اس میں گناہ ہے کفارہ نہیں،یہ قسم انسان کوگناہ میں ڈبو دیتی ہے اس لئے اس غموس کہتے ہیں۔چونکہ جھوٹ اور جھوٹی قسم ہزار ہاگناہوں کی جڑ ہے۔اس لیے یہ گناہ کبیرہ ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سائلین کے حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔

حضرت انس کی روایت میں بجائے جھوٹی قسم کے جھوٹی گواہی ہے۔(بخاری،مسلم)	

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہلاکت کی چیزوں سے بچو۔لوگوں نے پوچھا حضور وہ کیا ہیں ؟فرمایا اللہ کے ساتھ شرک ۱؎جادو ۲؎،اور ناحق اس جان کو ہلاک کرنا جو اللہ نے حرام کی،اور سود خوری ۳؎،یتیم کا مال کھانا ۴؎،جہاد کے دن پیٹھ دکھادینا ۵؎،پاکدامن مؤمن ہ بے خبر بیبیوں کو بہتان لگانا ۶؎(بخاری،مسلم)	

۱؎یعنی مطلقًاکفر کیونکہ کوئی کفر گناہ صغیرہ نہیں سب کبیرہ ہیں۔

۲؎یعنی جادو کرنا یا بلا ضرورت جادو سیکھنا۔خیال رہے کہ جادو اتارنے کے لیے جادو سیکھنا جائز بلکہ ضروری ہے۔اگر جادو میں الفاظ کفریہ ہیں تو جادوگر مرتد ہوجاتا ہے۔ورنہ فقط مفسد دونوں قسم کے جادوگر واجب القتل ہیں۔پہلا ارتداد اور فساد کی وجہ سے اور دوسرا فقط فساد کی بناء پر۔(ازاشعۃ اللمعات)

۳؎یعنی سود لینا خواہ کھائے خواہ پہنے یا کسی اور کام میں لائے۔اس سے معلوم ہوا کہ سود لیناگناہ کبیرہ ہے نہ کہ دینا۔

۴؎یعنی ظلمًا اس کا مال مارنا کیونکہ یتیم رحم کے قابل ہے اس پر ظلم بدترین گناہ ہے۔

۵؎یعنی کفار کے مقابلہ سے بھاگ جانا کیونکہ اس میں غازیو ں کو نقصان پہنچانا ہے اور اسلام کی توہین۔خیال رہے کہ جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ جب ہے کہ بزدلی سے ہو اگر کفار کا دباؤ بڑھ جانے سے مجبورًا مورچہ چھوڑنا پڑے تو اس کا یہ حکم نہیں ایسے موقعہ پر ڈٹ جانا اور شہید ہوجانا افضل ہے لیکن پیچھے پھرجانا گناہ کبیرہ نہیں تدبیر جنگی کی بنا پر پیچھے ہٹناثواب ہے۔

۶؎زناکا یعنی جو نیک بخت زنا کو جانتی بھی نہ ہوں انہیں تہمت لگانا گناہ ہے صراحۃً ضمناً لہٰذاکسی عورت کوغصّہ میں زانیہ یابدمعاش کہنا بھی اسی میں داخل ہے۔خیال رہے کہ نیک مرد اور چالاک عورتوں کو بھی زنا کی تہمت لگاناگناہ ہے مگر غافلہ عورتوں کو تہمت لگانا بہت زیادہ گناہ ہے جس کی سزا دنیا میں اسی کوڑے اور آخرت میں سخت عذاب۔

تتمّہ

مرقاۃ میں ہے کہ ۱۷گناہ کبیرہ بہت سخت ہیں:چار دل کے:(۱)شرک و کفر(۲)گناہ پر اڑنے کی نیّت(۳)اللہ کی رحمت سے مایوسی(۴)عذاب پر امن۔چار زبان میں:(۱)جھوٹی گواہی(۲)پاک دامنوں کی تہمت(۳)جھوٹی قسم(۴)جادو۔تین پیٹ کے گناہ:(۱)یتیم کا کھانا(۲)شراب پینا(۳)سود کھانا۔دو شرم گاہ کے:(۱)زنا(۲) لواطت۔دو ہاتھ کے:(۱)چوری(۲)ناحق قتل۔ایک پاؤں کا(۱)میدان جہاد سے بھاگ جانا۔ایک سارے بدن کا:(۱)یعنی والدین کی نافرمانی۔

روایت ہےانہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں ہوتا کہ زانی زنا کرنے کی حالت میں مؤمن ہو۱؎اور نہ یہ کہ چور چوری کرنے کی حالت میں مؤمن ہو اور نہ یہ کہ شرابی شراب پینے کی حالت میں مؤمن ہو اور نہ یہ کہ ڈاکوڈکیتی	

	کرنے کی حالت میں مؤمن ہو کہ لوگ اپنے مال کو ترستی نگاہ اٹھا کر دیکھتے رہ جائیں۲؎ اور نہ یہ کہ خائن خیانت کرنے۳؎ کی حالت میں مؤمن ہو لہذا ان سے بچو،ان سے بچو۔(مسلم،بخاری)

۱؎ ان تمام مقامات میں یا تو کمال ایمان مراد ہے یا نور ایمان،یعنی ان گناہوں کے وقت مجرم سے نور ایمان نکل جاتا ہے ورنہ یہ گناہ کفر نہیں نہ انکا مرتکب مرتد،اگر اسی حالت میں مارا جائے تو وہ کافر نہ مرے گا۔حدیث شریف میں ہے "وِانْ زَنٰی وِانْ سَرَقَ" یہی تفسیر اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

۲؎ اس ڈاکو کو یعنی ظاہر ظہور مال لوٹ لے اور مالک دفع پر قادر نہ ہوں یا اپنے مال کو یعنی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ جائیں کہ ہائے ہمارا مال چل دیا۔ڈکیتی میں تین جرم ہوئے:غیر کے مال پر ناجائز قبضہ ظاہر ظہور دوسرے کا مال چھین لینا،دل کی سختی کہ لوگوں کی حسرت اور آہ وبکا پر ترس نہ کھائے۔لہذا یہ گناہوں کا مجموعہ ہوئی،مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

۳؎ غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔کبھی مطلقًا خیانت پر بول دیا جاتا ہے یہاں دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

	حضرت ابن عباس کی روایت میں یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ قاتل قتل کرنے کی حالت میں مؤمن ہو ۱؎ حضرت عکرمہ ۲؎ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ ان سے ایمان کیونکر نکل جاتا ہے آپ نے فرمایاایسے اور اپنی انگلیوں کو گتھی کردیاپھر انگلیوں کو نکالا۳؎ کہ اگر توبہ کرے تو ایمان اس طرح لوٹ آتاہے۴؎ پھر انگلیاں گتھی کریں ابو عبداللہ فرماتے ہیں۵؎ کہ یہ لوگ کامل مؤمن نہیں رہتے اور نہ اُن میں نور ایمانی رہتاہے۔یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

۱؎ قتل سے مراد ظلمًا عمدًا قتل ہے۔لہذا حدیث واضح،ورنہ مجرم کو کبھی قتل کرنا عبادت ہے۔

۲؎ عکرمہ ابن(ابوجہل)نہیں ہیں،بلکہ عبداللہ ابن عباد کے آزاد کردہ غلام آپ کے خادم اور کاتب ہیں۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی نور ایمانی مؤمن کے رگ و ریشہ میں ایسے سرایت کیا ہوتا ہے جیسے گتھی ہوئی انگلیاں مگر ان گناہوں کے وقت وہ نور اور ایمانی حیا بالکل نکل جاتے ہیں۔

۴؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ ہر گناہ کی توبہ علیحدہ ہے۔لہذا حقوق العبد کی توبہ میں حق کا ادا کردینا شرط ہے۔حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مجرم اچھے القاب سے نہ پکارے جائیں"اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اور اَوۡلِیَآءَ الْمُؤْمِنُوۡنَ" کے خطاب سے محروم ہیں۔اب ان کے خطاب چور،زانی اور فاسق ہیں۔(مرقاۃ)

۵؎ یعنی محمد بن اسمٰعیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین علامتیں ہیں۱؎ مسلم نے یہ زیادتی بھی بیان کی کہ اگر یہ روزہ رکھے،نماز پڑھے،اپنے کو مسلمان سمجھے۔پھرمسلم و بخاری متفق ہوگئے کہ جب بات کرے جھوٹ بولے،وعدہ کرے تو خلاف کرے،امانت دی جائے تو خیانت کرے۲؎	

۱؎ منافق سے اعتقادی منافق مراد ہیں،یعنی دل کے کافر زبان کے مسلم،یہ عیوب ان کی علامتیں ہیں مگر علامت کے ساتھ علامت والا پایا جانا ضروری نہیں۔کوّے کی علامت سیاہی ہے مگر ہر کالی چیز کوّا نہیں۔

۲؎ یعنی یہ منافقوں کے کام ہیں۔مسلمان کوا س سے بچنا چاہیئے یہ نہیں کہ یہ جرم خود نفاق ہیں۔یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ تینوں جرم کئے تھے مگر وہ نہ منافق ہوئے نہ کافر لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس میں۱؎ چار عیوب ہوں وہ نرا منافق ہے۲؎ اور جس میں ایک عیب ہو ان میں سے اس میں منافقت کا عیب ہوگا جب تک کہ اُسے چھوڑ نہ دے جب امانت دی جائےتو خیانت کرے،جب بات کرے توجھوٹ بولے،جب وعدہ کرے تو خلاف کرے،جب لڑے تو گالیاں بکے۳؎	

۱؎ یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں ایک چیز کی بہت سی علامتیں ہوتی ہیں کبھی ساری بیان کردی جاتی ہیں کبھی کم و بیش لہذا وہ تین بھی نفاق کی علامتیں تھیں اور یہ چار بھی۔

۲؎ منافق عملی یعنی منافقوں کے سے کام کرنے والا جیسے رب فرماتا ہے:"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الْمُشْرِکِیۡنَ" یا حضور فرماتے ہیں۔"مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ"یعنی بے نمازی ہونا کفر عملی ہے۔(کافروں کا ساکام)

۳؎ اس سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جن کے ہاں تبرّا اور گلیاں بکنا عبادت بلکہ اصل ایمان ہے اسلام میں شیطان فرعون و ہامان کو بھی گالیاں دینا براہے کہ اس میں اپنی ہی زبان گندی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق اس بکری کی طرح ہے جو دو بکروں کے درمیان گھومے ۱؎(چکر لگائے)کبھی	

	اس بکرے کے پاس پہنچ جائے کبھی اس بکرے کے پاس۔

۱؎ دونوں کو راضی کرنے اور دونوں سے لذّت اور نفع حاصل کرنے کے لیے جس سے اس کا بچہ ولدنامعلوم ہو۔خیال رہے کہ کافر ومؤمن سب کو راضی کرنے کی کوشش میں رہنا خطرناک بیماری ہے جس سے اس کا خود اپنا کوئی دین نہیں رہتا۔اسی لئے یہاں ایسی گندی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہو۔اس بیماری نفاق میں آجکل بہت سے صلح کلّی مسلمان مبتلا ہیں۔بعض عقلمندوں کے ہاں تقیہ کرکے کافر و مؤمن سب کو خوش کردینا اور ہر ایک سے نفع حاصل کرلینا عبادت ہے۔خدا ایسی شیطانی عبادت سے بچائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت صفوان ابن عسال سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ یہودی اپنے ساتھی سے بولا کہ مجھے ان نبی کے پاس لے چل ساتھی بولا کہ انہیں نبی نہ کہو ۲؎ اگر وہ سن لیں گے تو انکی چار آنکھیں ہو جائیں گی ۳؎ پھر وہ دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کھلی نشانیوں کے بارے میں پوچھا ۴؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی چیز کو اللہ تعالٰی کا شریک نہ ٹھہراؤ ۵؎ نہ چوری کرو،نہ زنا کرو،نہ ناحق کسی محترم جان کو قتل کرو،نہ کسی بے قصور کو حاکم کے پاس لے جاؤ تاکہ اسے قتل کردے ۶؎ اور نہ جادو کرو نہ سود کھاؤ ۷؎ نہ پاکدامن کو زنا کا بہتان لگاؤ،نہ جہاد کے دن بھاگنے کے لئے پیٹھ پھیرو ۸؎ اور اے یہودیو تم پر خصوصًا یہ بھی لازم ہے کہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نہ بڑھو ۹؎ راوی فرماتے ہیں کہ تب ان دونوں نے حضور کے ہاتھ پاؤں چومے ۱۰؎ اور بولے ہم گواہ ہیں کہ آپ سچے نبی ہیں ۱۱؎ حضور نے فرمایا پھر تمہیں میری پیروی سے کون چیز روکتی ہے ۱۲؎ وہ بولے کہ داؤد علیہ السلام نے رب سے دعا کی تھی کہ انکی اولاد میں نبوت رہے ۱۳؎ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کی پیروی کرلیں تو ہم کو یہودی مار ڈالیں گے۔(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،کوفے کے رہنے والے،قبیلہ بنی مراد سے ہیں،بارہ غزووں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی گواہی دیتے تھے مگر محض ضد سے انکاری تھے۔
۳؎ یعنی وہ خوش ہوجائیں گے اور یہود سے یہ کہہ سکیں گے کہ تمہارے لوگ بھی ہمیں نبی کہتے ہیں۔سبحان اللہ! عظمت وہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔
۴؎ کھلی نشانیوں سے مراد یا تو وہ نیک اعمال ہیں جو عامل کی نیک بختی کی علامت ہوں،اس صورت میں حضور کا یہ جواب سوال کے مطابق ہے،یا اس سے موسیٰ علیہ السلام کے کھلے ہوئے نو معجزے مراد ہیں۔رب فرماتا ہے:"وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ" اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حکیمانہ ہے یعنی وہ نہ پوچھو بلکہ اپنی فکر کرو اور کرنے والے اعمال پوچھو۔خیال رہے کہ انہوں نے نو چیزیں پوچھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بتائیں ۹ وہ جو ہر دین کے احکام ہیں اور دسویں وہ جو دین یہود کے ساتھ خاص ہیں،یعنی ہفتہ کو شکار نہ کرنا۔
۵؎ ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارۃً یہ بتایا گیا ہو کہ یہودی مشرک ہیں۔کیونکہ وہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔اور بیٹا باپ کا شریک ہوتا ہے۔
۶؎ کہ یہ ڈبل جرم ہے حاکم کو دھوکہ دینا اور بے قصور کی جان لینا یہ بھی عام دینوں میں حرام رہا۔
۷؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ یہ ان اعمال کی فہرست ہے جو تمام دینوں میں مروّج تھے۔
۸؎ یہ حکم بھی تمام دینوں میں رہا جن میں جہاد فرض تھا جن میں جہاد ہی نہ تھا وہاں یہ حکم بھی نہ تھا۔
۹؎ اس دن شکار نہ کرو یعنی ہفتہ کو شکار نہ کرنا تمہاری توریت کا حکم ہے یہ تمہارے لئے آیت بیّنہ تھی اَب توریت منسوخ ہوچکی یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری آسمانی کتب سے واقف ہیں اور یہ واقفیّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اسی لیئے وہ سائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر گئے۔
۱۰؎ ظاہر یہ ہے کہ پاؤں شریف پر بھی منہ لگا کر بوسہ دیا۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے قدم چومنا جائز ہیں۔اور پابوسی کے لیے جھکنا نہ سجدہ ہے نہ ممنوع ورنہ حضور علیہ السلام انہیں منع فرمادیتے۔خیال رہے کہ قرآن کریم،سنگ اسود،بزرگوں کے ہاتھ پاؤں،والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا ثواب بھی ہے اور باعث برکت بھی۔بعض بزرگ تو اپنے مشائخ کے تبرّکات چومتے ہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر چومتے تھے بوسہ کی بحث اور اُس کی قسمیں ہماری"جاء الحق وزھق الباطل"میں دیکھو۔
۱۱؎ کیونکہ امّی کا یہ علم کھلا معجزہ ہے۔خیال رہے کہ یہ گواہی جاننے پہچاننے کے معنی میں ہے یعنی ہم نے پہچان لیا کہ آپ نبی ہیں لہذا وہ اس لفظ سے مؤمن نہ بنے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا سوال بھی درست ہوا۔
۱۲؎ یعنی جب تم نے مجھے نبی جان لیا پھر مان کیوں نہیں لیتے اور مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے۔
۱۳؎ ان کی یہ دعا قبول ہے اور آپ ان کے اولاد میں نہیں کہ وہ بنی اسرائیل تھے آپ بنی اسمٰعیل،یہ ان کا خالص افتراء تھا سارے نبیوں نے ہمارے حضور کی پیش گوئی کی۔داؤد علیہ السلام یہ دعا کیسے مانگ سکتے تھے۔تعجب ہے کہ یہ دونوں ابھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے اور اب یہ بہتان باندھ رہے ہیں۔بعض یہود یہ بھی کہتے تھے کہ حضور فقط مشرکین

عرب کے نبی ہیں، ہمارے نہیں۔شاید ان کا یہ مقصد ہو۔اور یہ بھی غلط تھا۔توریت و زبور میں خبر تھی کہ محمد مصطفیٰ سارے عالم کے نبی ہوں گے،تمام شریعتوں کے ناسخ۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں ۱؎ جو لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ کہے اس سے زبان روکنا ۲؎ یعنی محض گناہ سے اُسے کافر نہ کہے ۳؎ اور نہ اسے اسلام سے خارج جانے محض کسی عمل سے ۴؎ اور جہاد جاری ہے جب سے مجھے رب نے بھیجا یہاں تک ۵؎ کہ اس امت کی آخری جماعت دجال سے جہاد کرے ۶؎ جہاد کو ظالم کا ظلم،منصف کا انصاف باطل نہیں کرسکتا ۷؎ اور تقدیروں پر ایمان ۸؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جس پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔جن کے بغیر انسان مؤمن نہیں ہوسکتا۔

۲؎ اسے کافر نہ کہنا۔کلمہ پڑھنے سے مراد سارے اسلامی عقائد کا ماننا ہے جیسا کہ ہم بارہا عرض کرچکے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے اس کا بھی یہی مطلب ہے محض کلمہ پڑھ لینا،کعبہ کی طرف منہ کرلینا ایمان کے لئے کافی نہیں،منافقین یہ دونوں کام کرتے تھے مگر کافر تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت کے ۷۳ فرقے ہوں گے ایک کے سوا سب جہنمی خوارج کی خبر دی کہ بڑے نمازی اور قرآن خوان ہوں گے مگر دین سے ایسے دور ہوں گے جیسے چھوٹا ہوا تیر کمان سے اس تفسیر کی تائید اگلے مضمون سے ہورہی ہے۔

۳؎ اس میں خوارج کی تردید ہے جو گناہ کبیرہ کو کفر اور گنہگار کو کافر کہتے ہیں۔یہ جملہ پچھلے مضمون کی تفسیر ہے یعنی گناہ بدعملی ہے کفر نہیں۔خیال رہے کہ بعض گناہ علامت کفر ہے،اس لئے فقہاء انہیں کفر قرار دیتے ہیں۔جیسے زنّار باندھنا،بت کو سجدہ کرنا،قرآن کریم کو گندگی میں پھینکنا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کا مذاق اڑانا،بے ادبی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنا رب فرماتا ہے:" لَاتَعۡتَذِرُوۡا قَدۡکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمٰنِکُمۡ" اور فرماتا ہے:"فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ "الخ،نیز فرماتا ہے:"اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ"الخ۔یہ گناہ اس لئے کفر ہیں کہ کفر کی علامتیں ہیں۔لہٰذا حدیث قرآن متعارض نہیں۔

۴؎ اس میں معتزلہ کا ردہے۔جوکہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ والا نہ مؤمن ہے نہ کافربلکہ فاسق ہے۔حالانکہ کفرواسلام کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔

۵؎ مدینہ طیبہ کی طرف کیونکہ ہجرت سے پہلے جہاد فرض نہ تھا۔

۶؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی مسلمانوں کے ساتھ دجّال اور اس کی جماعت پر تلوار کا جہاد کریں گے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں گے۔چونکہ دجّال کے بعد تمام دنیا مسلمان ہوجائے گی،کوئی کافر نہ رہے

گا اورحضرت عیسیٰ و امام مہدی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد دنیا میں کفر ہی ہوگا کوئی مؤمن نہ رہے گا اس لیے یہ جہاد آخری ہوگا اس کے بعد کوئی جہاد نہ ہوگا۔خیال رہے کہ اگرچہ بعض پچھلی شریعتوں میں بھی جہاد تھا مگر اسلامی جہاد اور اس کے قوانین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوکر قتلِ دجّال تک رہیں گے۔لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

ے یعنی ہر منصف اور ظالم بادشاہ کے ساتھ مل کر کفّار پر جہاد کرو اس میں اشارۃً دو مسئلے بتائے گئے:ایک یہ کہ جہاد کے لیے سلطان اسلام یا **امیر المسلمین** شرط وجوب ہے۔دوسرے یہ کہ فاسق فاجر بادشاہ کے ماتحت بھی کفّار سے جہاد لازم ہے۔صحابہ کرام نے حجاج ابن یوسف جیسے فاسق حاکم کے ساتھ کفار پر جہاد کیے ہیں۔اس میں قادیانیوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے جہاد منسوخ کردیا۔جہاد نماز کی طرح محکم اور ناقابل نسخ عبادت ہے۔جہاد کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔رب فرماتا ہے:"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ"۔

۸ تقدیر کی پوری بحث ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"پارہ سوم میں ملاحظہ کرو۔یہاں صرف اتنا ہی سمجھ لو کہ جو کچھ ہورہا ہے وہ اللہ کے علم اور اس کے ارادہ سے ہے ہم اپنے اعمال کے کاسِب ہیں،خالق نہیں۔لہذا ہم کسب میں مختار اور خلق میں مجبور ہیں نہ قادر مطلق نہ مجبور محض یہی مذہب اہلسنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اس کے سر پر شامیانہ کی طرح ہوجاتا ہے ۱ پھر جب بندہ اس بدعمل سے علیحدہ ہوجاتا ہے تو ایمان بھی اس کی طرف لوٹ آتا ہے ۲	

۱ اس کی تفسیر پہلے گزرچکی ہے کہ یہاں نورایمان یاغیرت ایمانی نکلنا مراد ہے نہ کہ اصل ایمان کا نکل جانا۔

۲ یعنی جب توبہ کرلیتا ہے تو توبہ کی برکت سے ایمان کا نور اور غیرت لوٹ آتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں کی وصیّت فرمائی ۱ فرمایا رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانو اگرچہ ماردیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ ۲ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے گھر بار اور مال سے نکل جانے کا حکم کریں ۳ فرض نماز عمدًا ہر گز نہ چھوڑو کیونکہ جو کوئی دانستہ نماز چھوڑ دے اس سے اللہ کا ذمہ و ضمان جاتا رہا ۴ شراب ہرگز نہ پیو کہ یہ ہر	

	بدکاری کا سر ہے ۵؎ گناہ سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضی نازل ہوتی ہے ۶؎ جہاد سے بھاگ جانے سے بچو اگرچہ لوگ ہلاک ہوجائیں ۷؎ اور جب لوگوں کو وبائی موت پہنچے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہو ۸؎ اپنے بال بچوں پر اپنی کمائی سے خرچ کرو ۹؎ اپنی تربیت کی قمچی ان سے نہ ہٹاؤ ۱۰؎ انہیں اللہ سے ڈراتے رہو۔(احمد)

۱؎ یعنی تاکیدی حکم دیا عربی میں تاکیدی حکم کو وصیت کہا جاتا ہے۔رب فرماتا ہے:"یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلٰدِکُمۡ"۔

۲؎ خطرۂ جان کے وقت جان دے دو مگر دل سے کفر و شرک نہ کرو یہ کسی حال میں جائز نہیں،خطرۂ جان کے وقت زبان سے کفربک دینا بشرطیکہ دل میں ایمان ہو جائز ہے۔رب فرماتاہے:"اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمٰنِ"یہاں دلی کفر مراد ہے۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں،نیز جوکوئی جان دے دے اور کلمۂ کفریہ نہ کہے تو اجر کا مستحق ہے۔جان دے دینا عزیمت ہے اور جان بچانا رخصت اگر حدیث کا یہ مطلب ہو تو حضور نے حضرت معاذکو عزیمت کا حکم دیا۔

۳؎ یہ حکم استحبابی ہے۔والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دے دینا مستحب ہے،اسمعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اشارہ پاکر طلاق دے دی یہ مستحب پر عمل تھا مگر باپ کے حکم سے بیوی یا بچوں پر ظلم نہ کرے کہ ظلم سے بچنا اللہ ورسول کا حکم ہے،انکا حکم ماں باپ کے حکم پر مقدم ہے،ایسے ہی اگر ماں باپ کفر یا معصیت کا حکم دیں تو نہ مانے۔رب فرماتاہے:"وَ اِنۡ جٰہَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡہُمَا "۔

۴؎ یعنی بے نمازی اللہ کی امن میں نہیں رہتا۔نماز کی برکت سے انسان دنیا میں آفتوں سے،مرتے وقت خرابی خاتمہ سے،قبر میں فیل ہونے سے،حشر میں مصیبتوں سے بفضلہٖ تعالٰی امن میں رہتا ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ وظیفے،عملیات،تعویذوں کے فائدے حاصل کرنے کیلئے پابندی نماز ضروری ہے۔شیخ و مرید دونوں کو۔

۵؎ شراب سے مراد ہرنشہ والی چیز ہےکیونکہ نشہ سے عقل ہی جاتی رہی تو برائی بھلائی کون بتائے،شرابی نشہ میں پیشاب پاخانہ تک کھا پی لیتے ہیں۔خیال رہے کہ ہر پتلی نشہ والی چیز مطلقًا حرام ہے۔شراب انگوری قطعی حرام اور دیگر شرابیں ظنی افیون،بھنگ،تمباکو نشہ دے تو حرام ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرلو۔چھوٹی نیکی کو حقیر جان کر چھوڑ مت دو،چھوٹا گناہ چنگاری کی طرح ہے جو کبھی مکان جلا دیتی ہے۔معمولی نیکی تھوڑے پانی کی طرح ہے جو کبھی جان بچالیتا ہے شیطان پہلے چھوٹے گناہ کراتا ہے،پھر بڑے،پھر کفر شرک،چھوٹا گناہ بھی ہیشگی سے بڑا بن جاتا ہے۔لہذا حدیث بالکل صحیح ہے یہاں ہر گناہ مراد ہے کہ وہ ناراضیٔ الٰہی کا سبب ہے بالواسطہ یابلاواسطہ۔

۷؎ یہ حکم بھی استحبابی ہے اگر کوئی غازی ایسے موقعہ پر ڈٹا رہے اور شہید ہوجائے تو ثواب پائے گا اور اگر بھاگ جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔رب فرماتاہے:"اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ"۔(مرقات) لہٰذا جنگ احد میں جن صحابی کے قدم اکھڑ گئے وہ گنہگار نہ تھے خطا ان سے ہوئی جو درّہ چھوڑ گئے۔قرآن نے ان کی معافی کا اعلان کردیا۔

۸؎ یعنی جہاں تم ہو وہاں طاعون وغیرہ کوئی بیماری پھیل جائے تو وہاں سے بھاگو مت تاکہ وہاں کے مردے بے گوروکفن اور بیمار بے یارو مددگار نہ رہ جائیں،اور جہاں نہیں ہو وہاں جاؤ مت،رب فرماتا ہے:"لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ "۔

۹؎ معلوم ہوا کہ زن و فرزند پالنے کے لیے کمائی کرنا بھی عبادت ہے۔اسلام ترک دنیا نہیں سکھاتا۔

۱۰؎ یعنی بیوی بچوں کے حالات پر نگاہ رکھو ان کی اصلاح کرتے رہو،چھوٹے بچوں کو تو مار سےاور بڑوں کی زبانی ڈانٹ ڈپٹ سے۔قیامت میں تم سے ان کا بھی سوال ہوگا،رب فرماتا ہے:"قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا"۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا لیکن آج یا کفر ہے یا ایمان ۲؎(بخاری)

۱؎ آپ کا نام شریف حذیفہ،کنیت ابو عبداللہ عبسی ہے،آپ کے والد حسیل،ان کا لقب یمان ہے،آپ حضور کے صاحب اسرار ہیں،۳۵ھ میں شہادت عثمان غنی کے چالیس دن بعد مدائن میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں آپ کا مزار پر انوار ہے۔

۲؎ یعنی حضور کے زمانہ میں وقتی مصلحتوں کے ماتحت منافقوں کو قتل نہ کیا گیا۔اگرچہ ان سے علاماتِ کفر ظاہر ہوئیں تاکہ کفّار ہماری خانہ جنگی سے فائدہ نہ اٹھائیں اس زمانہ میں تین قسم کے لوگ مانے گئے:کافر،مؤمن اور منافق۔حضور کے بعد نفاق کوئی چیز نہیں یاکفر ہے یا اسلام اگرکسی سے علامت کفر دیکھی گئیں قتل کیا جائے گا،کھلا کافر بھی قتل ہوگا چھپا بھی کیونکہ وہ مرتد ہے۔(لمعات وغیرہ)

باب الوسوسة

وسوسہ (برے خیالات) کا باب۱

الفصل الأول

پہلی فصل

۱؎ وسوسہ کے لغوی معنی ہیں نرم آواز۔اصطلاح میں برے خیالات،فاسد فکر کو وسوسہ کہتے ہیں اور اچھے خیالات کو الہام۔وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے،الہام رب کی طرف سے۔حق یہ ہے کہ غیر نبی کا الہام شرعی حجت نہیں کیونکہ شبہ ہے کہ وہ شیطانی وسوسہ ہو۔(از مرقات واشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یقینًا اللہ تعالٰی نے میری امت سے ان کے دلی خطرات میں درگزر فرمادی ۱؎ جب تک کہ اس پر کام یا کلام نہ کرلیں ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی بُرے خیالات پر پکڑ نہیں یہ اس امت کی خصوصیّت ہے۔پچھلی اُمتوں میں اس پر بھی پکڑ تھی۔خیال رہے کہ بُرے خیالات اور ہیں،بُرا ارادہ کچھ اور،بُرے ارادے پر پکڑ ہے حتّی کہ ارادۂ کفر،کفر ہے۔شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ جو بُرا خیال دل میں بے اختیار اچانک آجاتا ہے اسے ہاجس کہتے ہیں یہ آنی فانی ہوتا ہے۔آیا اور گیا یہ پچھلی امتوں پر بھی معاف تھا ہم کو بھی معاف۔لیکن جو دل میں باقی رہ جائے وہ ہم پر معاف ہے اُن پر معاف نہ تھا اور اگر اس کے ساتھ دل میں لذت اور خوشی پیدا ہو اسے ھمّ کہا جاتا ہے۔اس پر بھی پکڑ نہیں اور اگر اس کے ساتھ کر گزرنے کا ارادہ بھی ہو تو وہ عزم ہے اس کی پکڑ ہے۔خیال رہے کہ ارادۂ گناہ اگرچہ گناہ ہے مگر اس پر حد نہیں۔ارادۂ زنا گناہ ہے،مگر زنا نہیں۔

۲؎ یعنی قولی گناہ میں کلام کا اعتبار ہے اور فعلی میں کام کا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ حضور کے صحابہ میں سے کچھ حضرات حضور صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھنے لگے کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خیالات محسوس کرتے ہیں کہ انہیں بیان کرنا بہت بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے ۱؎ فرمایا کہ کیا تم نے یہ بات پائی ہے ۲؎ عرض کیا ہاں فرمایا یہ کھلا ہوا ایمان ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یہ صحابہ کے کمال ایمان کی دلیل ہے کہ وسوسہ پر عمل کرنا تو کیا معنی اسے زبان پر لاتے بھی گھبراتے ہیں۔

۲؎ وسوسہ آیا اُسے بڑا برا سمجھنا۔

۳؎ یعنی وسوسے آنا کمال ایمان کی دلیل ہے کیونکہ چور بھرے گھر میں ہی جاتا ہے اور شیطان مؤمن کی فکر میں زیادہ رہتا ہے۔حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں:کہ جونماز وسوسہ سے خالی ہو وہ نماز یہودونصارٰی کی ہے۔(مرقات)یا وسوسوں کو بُراسمجھنا عین ایمان ہے کیونکہ کافرتو انہیں اچھا سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتاہے۱؎ تو اس سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی فلاں کس نے؟یہاں تک کہ کہتا ہے تمہارے رب کوکس نے پیدا کیا۲؎ جب اس حد کو پہنچے تو اعوذ باللہ پڑھ لو اور اس سے باز رہو۳؎(بخاری،مسلم)	

۱؎ یا تو خود ابلیس کیونکہ وہ تمام دنیا پر نظر رکھتا ہے اور سب میں چکّرلگاتا رہتا ہے۔یا قرین جو ہر ایک انسان کا الگ الگ شیطان ہے اور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے یا بُرا انسان جو ایسی باتیں کرکے لوگوں کو بہکائے۔

۲؎ حالانکہ پیدا وہ چیز کی ہے جو ناپید بھی ہوسکے،رب تعالٰی واجب الوجود ہے اُسے کون پیدا کرے،عرضیات کی انتہا ذاتی پر ہے،تمام تارے سورج سے روشن ہیں،مگر سورج کسی سے روشن نہیں۔

۳؎ یعنی اس کا جواب سوچنے کی کوشش بھی مت کرو ورنہ شیطان سوال در سوال کرے گا۔"اَعُوْذُ" پڑھ کر اسے بھگا دو ہر سوال کا جواب نہیں دیا جاتا۔ربّ نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے پر اس کے دلائل کا جواب نہ دیابلکہ فرمایا:"فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا"۔خیال رہے کہ "اَعُوْذُ بِاللہ" دفع شیطان کے لئے اکسیر ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جاوے گا کہ یہ مخلوق تو اللہ نے پیدا کی تو اللہ کوکس نے پیدا کیا۱؎ تو جوان میں سے کچھ پائے وہ کہے میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۲؎(بخاری،مسلم)	

۱؎ جیسا کہ آج خدا کے منکر دہریئے کہتے ہیں۔قربان جاؤں اس عالم غیوب رسول کے جنہوں نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دے دی۔مجھ سے کراچی میں بعینہٖ یہ سوال ایک شخص نے کیا تھا میرے منہ سے نکلا"صَدَقَ رَسُوْلُ اللہ"۔

۲؎ یعنی بلا دلیل عقلی اس کی ذات وصفات کو مان لیا،اس حدیث کی بنا پر بعض علماء علم کلام پڑھنا اور پڑھانا ناپسند کرتے ہیں۔مگر بعض علماء نے حالاتِ زمانہ دیکھتے ہوئے اسے سیکھااور سکھایا مگر شبہات ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ شبہات نکالنے کے لیے دونوں اللہ کو پیارے ہیں۔خیال رہے کہ مسئول تو کافر نہ ہوگا مگر سائل اگر شبہ کی بنا پر یہ پوچھتا ہے تو کافرہے اوراگر جواب معلوم کرنے کے لیے پوچھتاہے تو نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ فرمایانبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں ایسا کوئی نہیں جس پر ایک ساتھی جن اور ایک ساتھی فرشتہ مقرر نہ ہو ۱؎ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ آپ پر بھی فرمایا مجھ پر بھی ۲؎ لیکن رب نے مجھے اس پر مدد دی جس سے وہ مسلمان ہوگیا اب وہ مجھے بھلائی ہی کا مشورہ دیتا ہے ۳؎	

۱؎ یعنی ہر عاقل بالغ انسان کے ساتھ وسوسہ دلانے کے لیئے ایک شیطان اور الہام کے لیئے ایک فرشتہ ہر وقت رہتا ہے۔مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات میں ہے کہ جب کوئی انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ابلیس کے ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جسے فارسی میں ہمزاد عربی میں وسواس کہتے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ ابلیس کے ہر ہر آن سیکڑوں بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں،مطابق تعداد اولاد انسان جیسے مچھلی،ناگن سانپ بیک وقت ہزار ہا انڈے دیتی ہے۔طاغوتی جراثیم ہر آن بچے دیتے رہتے ہیں۔

۲؎ ایک فرشتہ مقررہے ملہم اور ایک شیطان۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد ایمان ہی ہے نہ کہ اطاعت اور یہ حضور کی اعلیٰ درجہ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا شیطان جس کی فطرت میں کفر داخل ہے وہ بھی ایمان لے آیا۔معلوم ہوا کہ نگاہِ کرم سے فطرتیں بدل جاتی ہیں۔مرقاۃ میں ہے کہ ہامہ ابن ابلیس نےحضور کی خدمت میں عرض کیا کہ قتل ہابیل کے وقت میں موجود تھا،سارے انبیاء کے ساتھ رہا ہوں آپ مجھے کچھ قرآن سکھایئے آپ نے اسے سورۂ **واقعہ**،**مرسلات**،**نباء**،**اخلاص**،**فلق** اور**ناس** سکھائیں۔جنات کا حضور پر ایمان لانا تو قرآن کی سورۂ جن میں مذکور ہے حالانکہ سارے جن ابلیس کی اولاد ہیں ربّ فرماتا ہے:"**كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ**"لہذا چکڑالوی اس حدیث پر اعتراض نہیں کرسکتے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کے خون کے ٹھکانوں میں گردش کرتا ہے ۱؎ (بخاری،مسلم)	

۱؎ یا تو خود ابلیس اور قرین شیطان چونکہ وہ آتشی ہے۔اس لیے بلا تکلف انسان کے رگ و پے میں سرایت کرجاتا ہے اور تصرّف کرتا ہے یا اس کے وسوسے اور خیالات۔معلوم ہوا کہ کوئی شخص بغیر فضل الٰہی شیطان سے نہیں بچ سکتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آدمی زادہ ایسا نہیں ۱؎ جسے پیدائش کے وقت شیطان چھوتا نہ ہو وہ بچہ شیطان کے چھونے سے ہی چیختا ہے ۲؎ سواء مریم اور ان کے	

فرزند کے۳؎ (بخاری و مسلم)	

۱؎ یعنی حضرت آدم و حوا کو شیطان مس نہ کرسکا کیونکہ وہ آدمی زادہ نہیں ہیں۔
۲؎ اس سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ایسے مقام پر متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے۔تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور روتے ہوئے پیدا نہ ہوئے۔(از اشعۃ للمعات)
۳؎ عیسیٰ علیہ السلام یعنی ان دونوں بزرگوں کو شیطان نہ چھو سکا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ پیدائش کے وقت شیطان بچے کی کوکھ میں انگلی مارتا ہے جس کی تکلیف سے بچہ چیختا ہے۔ان دونوں بزرگوں کی پیدائش کے وقت بھی شیطان نے یہ حرکت کی مگر اس کی انگلی حجاب میں لگی جو رب نے ان کے اور اس کے درمیان میں پیدا کردیا تھا۔اس حدیث کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے ہے۔:قَالَتْ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُھَابِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ "۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر گرتے وقت بچہ کی چیخ شیطان کی چوکھ سے ہے ۱؎	

۱؎ کہ وہ بچہ کی کوکھ میں انگلی مارتا ہے اور اس کی تکلیف سے بچہ روتا ہے۔اسی لیئے سنت ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کو غسل دے کر داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی جائے تاکہ شیطان دفعہ ہو کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتاہے۔بعض کٹھ بگڑے ان احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ان کی ناقص عقل میں نہیں آتی شاید وہ بچے کے کان میں اذان کا بھی انکار کرتے ہوں گے۔تعجب ہے کہ گرم سرد ہوا بچے پر اثر کرسکے اور بچہ اس کی تکلیف سے رو سکے مگر شیطان جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اس کا اثر ان کی سمجھ میں نہ آئے۔یہ جھوٹے ان کی عقلیں کھوٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے۔خیال رہے کہ شیطان کی یہ حرکتیں بچے پر ابھی سے قبضہ جمانے کے لیئے ہیں(اس کے اپنے خیال میں)ورنہ بہکانا ہوش سنبھالنے کے بعد شروع ہوتاہے۔

روایت ہے حضرت جابرسےفرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے ۱؎ پھر اپنے مختلف لشکر کو لوگوں میں فتنہ میں ڈالنے کے لیئے بھیجتا ہے ۲؎ ان میں قریب تر درجہ والا وہ ہوتا ہے جو بڑا فتنہ گرہو۳؎ ان میں سے آکر ایک کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں فتنہ پھیلایاابلیس کہتا ہے کچھ نہیں پھر اور دوسرا آکر کہتاہے کہ میں نے فلاں کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہ ڈال دی۴؎ فرمایا ابلیس اسے پاس بٹھاتا ہے اور کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے اعمش فرماتے ہیں مجھے خیال ہے کہ فرمایا اسے چمٹا لیتا ہے ۵؎ (مسلم)	

۱؎روزانہ صبح کے وقت سمندر پر جب اپنا کاروبارشروع کرتا ہے مگر اس کا تخت سمندر میں ڈوبتا نہیں کہ وہ خود بھی آتشی ہے اس کا تخت بھی آتشی۔آج کشتیاں اور جہاز ڈوبنے سے محفوظ ہیں۔
۲؎سرایا سریہ کی جمع ہے بمعنی چھوٹی فوج جن کی تعداد پانچ افراد سے چارسو تک ہو۔ذریّتِ شیطان کی مختلف جماعتیں ہیں ان کے نام اور کام الگ الگ ہیں۔چنانچہ وضوء میں بہکانے والی جماعت کا نام **ولہان** ہے،اور نماز میں ورغلانے والی جماعت کا نام **خنزب** ہے۔ایسے ہی مسجدوں میں،بازاروں میں،شراب خانوں میں،اس کی الگ الگ فوجیں رہتی ہیں۔
۳؎یعنی ابلیس اپنی ذریّت میں سے اُسے اپنا قربِ خصوصی بخشتا ہے جو لوگوں میں بڑی گمراہی یا فتنہ پھیلا کر آئے۔
۴؎اس طرح کہ طلاق واقع کرادی۔طلاق اگرچہ مباح چیز ہے مگر اکثر بہت فسادات کی جڑ بن جاتی ہے۔اس لیئے ابلیس اس پر خوش ہوتا ہے،اسی لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "**اَبْغَضُ الحلالِ الطلاقُ**" حتّٰی الامکان اس سے بچنا بہتر ہے۔یا مطلب یہ ہے کہ میں نے خاوند بیوی میں جدائی کرادی کہ خاوند کی عورت کو معلقہ کردیا نہ چھوڑے نہ بسائے یہ سخت جرم ہے۔رب نے فرمایا:" **فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ** " اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔
۵؎ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جو شخص ناحق زوجین میں جدائی کی کوشش کرے وہ ابلیس کی طرح مجرم ہے،اس سے وہ عامل لوگ عبرت حاصل کریں جو تفریق زوجین کے لیئے تعویذوعملیات کرتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے ابلیس وغیرہ کوئی چیز چھپی نہیں۔کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حضور مشاہدہ و ملاحظہ فرما کر یہ سب کچھ فرمارہے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان اس سے تو مایوس ہوچکا کہ عرب کے نمازی اسے پوجیں ۱؎لیکن انہیں آپس میں بھڑکانے میں مشغول ہے ۲؎(مسلم)

۱؎یعنی عرب کے عام مسلمان اعمال شرکیہ نہ کریں گے یا علی العموم مرتد نہ ہوں گے،ایک آدھ آدمی کا مرتد ہوجانا اس کے خلاف نہیں۔عرب کو جزیرہ اس لیئے فرمایا کہ اسے بحر فارس و روم اور دجلہ وفرات نے گھیرا ہے،عرب کی لمبائی عدن سے شام تک ہے،چوڑائی جدہ سے ریف عراق تک۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرصلوٰۃ وسلام اورمولودشریف،عرس،فاتحہ،ختم،حضور سے مدد مانگنا وغیرہ شرک نہیں کیونکہ یہ تمام چیزیں عام مسلمانان عرب کا ہمیشہ سے دستور ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز شرک ہوتی تو عرب شریف کے مسلمانوں میں کبھی مروج نہ ہوتی۔یہ بھی معلوم ہوا کہ عجم کبھی عرب کی طرح محترم نہیں ہوسکتا۔ہر جگہ مسلمان علی العموم مرتد ہوسکتے ہیں وہاں کے مسلمان نہیں ہوسکتے۔خیال رہے کہ اگرچہ مسلیمہ کذاب نے عرب کے بہت مسلمانوں کو مرتد کرلیا مگر اس ارتداد کا **بفضلہٖ تعالٰی** بقانہ رہا ایک وقتی چیز تھی جو ختم ہوگئی جس کا اعتبار نہیں۔
۲؎یعنی عرب کو آپس میں لڑاتا بھڑاتا رہے گا۔چنانچہ آخر زمانۂ عثمانی سے جو اختلاف شروع ہوا وہ آج تک ختم ہونے میں نہیں آتا اگرچہ اتحاد عرب کے نعرے لگائے جارہے ہیں مگر اس کی حقیقت مفقود ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے ابن عباس سے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا کہ میں اپنے دل میں ایسے خیالات محسوس کرتا ہوں کہ وہ بولنے سے جل کر کوئلہ ہوجانا زیادہ پسند ہے ۱؎ فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے ان خیالات کو وسوسہ بنادیا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی عقائد اسلامیہ،ذات و صفات الہی، یا محامد مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ مجھے ان کا قبول کرنا تو کیا اتنا برا معلوم ہوتا ہے کہ جل کر کوئلہ ہونا منظور ہے۔ مگر ان کا بولنا منظور نہیں۔سبحان اللہ! یہ ہے وہ خوفِ الٰہی جو حضور کی صحبت کی برکت سے صحابہ کو نصیب ہوا یہ خوف ایمانی کی دلیل ہے۔

۲؎ یعنی رب نے ایسے خیالات کو وسوسہ میں داخل فرمایا جن پر کوئی پکڑ نہ رکھی وہ کریم بندے کی مجبوری و معذوری جانتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان میں شیطان کا بھی اثر ہے ۱؎ اور فرشتہ کا بھی شیطان کا اثر تو مصیبت سے ڈرانا اور حق کا جھٹلانا ہے ۲؎ لیکن فرشتہ کا اثر خیر کا وعدہ کرنا اور حق کی تصدیق کرنا ہے ۳؎ جو یہ آخری بات محسوس کرے وہ جان لے کہ یہ رب کی طرف سے ہے خدا کا شکر کرے ۴؎ اور جو وہ دوسری چیز محسوس کرے وہ مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے ۵؎ پھر یہ تلاوت کی کہ شیطان تمہیں فقیری سے ڈراتا اور بے حیائی کا مشورہ دیتا ہے۔ترمذی نے روایت کی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یہاں شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا انسان کا قرین جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے اس کا اثر قریبًا سارے انسانوں پر ہوتا ہے کسی پر کم کسی پر زیادہ۔

۲؎ اس طرح کہ وہ خبیث برائیوں کو خوبیاں اور نیکیوں کو مصیبت بنا کر دکھاتا ہے۔خیرات کے ارادہ پر فقر سے ڈراتا ہے،ناجائز خرچوں کے موقعہ پر ناموری کا لالچ دیتا ہے۔بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مسلمان حج و خیرات سے گھبراتے ہیں،لیکن شادی بیاہ کے حرام رسوم پر خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔یہ اسی کا اثر ہے۔رب فرماتا ہے:"اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالْفَحْشَآءِ"اس کا یہی مطلب ہے۔

۳؎ اس طرح کہ اگر صدقہ اور خیرات سے نفس گھبرائے اور شیطان فقر سے ڈرائے تو یہ فرشتہ دل میں آواز دیتا ہے کہ مت ڈر صدقہ سے مال بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں اور فورًا یہ آیت سامنے آتی ہے۔" یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ"یہ اس فرشتہ کا ہی کام ہے جو شخص جس آواز پر کان دھرتا رہے گا وہی آواز قوی ہوتی رہے گی اور دوسری آواز مدہم۔بعض اولیاء سے شیطان مایوس ہوکر انہیں بہکانا ہی چھوڑ دیتا ہے۔

۴؎ کیونکہ نیک ارادہ اور اچھے خیالات بھی اللہ کی نعمت ہیں، شکر سے نعمت بڑھتی ہے، نیز نیک ارادہ کو جلد پورا کرے کہ پتہ نہیں پھر موقعہ ملے یا نہ۔

۵؎ کیونکہ اعوذ اور لاحول سے شیطان بھاگتا ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو کوئی صبح شام ۲۱ بار لاحول شریف پانی پر دم کرکے پی لیا کرے تو ان شاء اللہ وسوسۂ شیطانی سے بہت حد تک امن میں رہے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا لوگ پوچھ گچھ کرتے رہیں گے حتی کہ یہ کہا جاوے گا کہ مخلوق کو خدا نے پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا ۱؎ جب یہ کہیں تو تم کہہ دینا اللہ ایک ہے،بے نیاز ہے،نہ جنا،نہ جنا گیا، اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۲؎ پھر اپنے بائیں طرف تین بار تھتکار دے۔اور مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے ۳؎ یہ ابوداؤد نے روایت کی ہم عمرو ابن احوص کی حدیث ان شاءاللہ تعالٰی بقرعید کے خطبہ کے باب میں ذکرکریں گے۔

۱؎ یعنی ہر موجود کا کوئی موجد چاہیئے اور اللہ بھی موجود ہے لہٰذا اس کا موجد بھی ہونا چاہیئے۔یہ شیطانی وسوسہ ہے۔خیال رہے کہ شیطان عالموں کے دل میں عالمانہ وسوسے،اور صوفیوں کے دل میں عاشقانہ وسوسے،عوام کے دل میں عامیانہ وسوسے ڈالتا ہے۔"جیسا شکار ویسا جال"بہت دفعہ انسان گناہ کو عبادت سمجھ لیتا ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کتنے نفیس منطقی دلائل ہیں اولاد کے لیئے ۳شرطیں:ہیں ایک یہ کہ صاحبِ اولاد میں دوئی ہوسکے۔کیونکہ اولاد باپ کے ساتھ جنسًا ایک،اور شخصًا دوسری ہوتی ہے۔رب تعالٰی جنسیت اور شخصیت وغیرہ سے پاک ہے اَحد میں ادھر اشارہ ہے۔دوسرے صاحبِ اولاداولاد کا حاجت مند ہوتا ہے،اپنی وراثت یا زور بازو کے لیئے اولاد چاہتا ہے۔پروردگار بے نیاز،سے صَمَد ہیں یہ فرمایا گیا۔تیسرے یہ کہ ہر ممکن موجود موجد کا حاجت مند ہے پروردگار واجب ہے،نیز بیٹا باپ کی مثل ہونا چاہیئے ربّ کی مثل کوئی نہیں۔"لَمۡ یلد"الخ میں اس طرف اشارہ ہے۔

۳؎ یہ تھوک شیطان کے منہ پر پڑے گا جس سے وہ ذلیل ہو کر بھاگے گا کیونکہ شیطان اکثر بائیں طرف سے آتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کبھی تُھوک سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔بعض صوفیاء دم کر کے تھتکار بھی دیتے ہیں،اُنکی دلیل یہ حدیث ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ پوچھتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ یہ کہہ بیٹھیں گے کہ اللہ نے ہرچیز پیدا کی تو اللہ کو کس نے پیدا کیا یہ بخاری کی روایت ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمای کہ یقیناً تمہاری امت ا؎ کہتی رہے گی یہ کیسا یہ کیسا ۲؎ یہاں تک کہ یہ کہہ دیں گے کہ اللہ نے مخلوق پیدا کی اللہ کو کس نے پیدا کیا

ا؎ یعنی امتِ دعوت دہریے کفّار وغیرہ نہ کہ امت اجابت مؤمن ین۔یا کہنے سے مراد دلی وسوسہ ہے،تو امت اجابت بھی داخل ہے۔

۲؎ یعنی ہر حکم کی وجہ،ہر چیز کی کُنہہ پوچھیں گے۔قیل قال زیادہ حال سے خالی۔خیال رہے کہ ہمارے پاس "کیوں" ہے ان کے پاس کیا تھا۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن ابی العاص ا؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ شیطان مجھ میں اور میری نماز اور تلاوت میں حائل ہوگیا نماز مشتبہ کردی ۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شیطان کو خنزب کہا جاتا ہے ۳؎ جب کبھی تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین بار دھتکار دو ۴؎ میں نے یہ ہی کیا تو اللہ نے اسے دفع فرمادیا ۵؎ (مسلم)

ا؎ آپ قبیلہ بنی ثقیف کے ہیں،آپ کی والدہ حضور کی پیدائش کے وقت آمنہ خاتون کے پاس تھیں،حضور نے آپ کو طائف کا حاکم بنایا۔چنانچہ آپ عہد فاروقی تک وہیں کے حاکم رہے،پھر حضرت فاروق اعظم نے اپنی خلافت کے تیسرے سال وہاں کی حکومت معزول کرکے عمّان اور بحرین کا حاکم بنایا، ۱۰ھ ہجری میں جب وفد بنی ثقیف حضور کی خدمت میں ایمان لانے کے لیئے حاضر ہوا تو اس میں آپ بھی تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۹ سال تھی،آخری عمر میں بصرہ قیام گاہ رہا، ۵۱ھ میں وہیں وفات پائی۔۷۰سال عمر شریف ہوئی،حضور کی وفات کے بعد جب بنی ثقیف مرتد ہونے لگے تو آپ نے فرمایا:اے قوم!تم آخری مؤمنین ہو،اب اولین مرتدین کیوں بنتے ہو؟

۲؎ اس طرح کہ نہ مجھے پڑھی ہوئی رکعتیں یاد رہیں اور نہ یہ کہ رکعت اوّل میں کیا پڑھا تھا۔معلوم ہوا کہ نماز میں وسوسے بزرگوں کو بھی ہوجاتے ہیں۔

۳؎ خنزب خ کے کسرہ یا فتح سے اورز کے فتح سے بمعنے سڑا ہوا گوشت یا دائمی جرم۔(قاموس) یہ شیطان کی اُس ذریت کا نام ہے جو نمازیوں پر نماز مشتبہ کرتی ہے۔

۴؎ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ سے قبل تجربہ ہے کہ جو تحریمہ سے پہلے اس طرح تھتکار کر لاحول شریف پڑھ لے پھر تحریمہ کرے دورانِ نماز میں نگاہ کی حفاظت کرے کہ قیام میں سجدہ گاہ،رکوع میں پشتِ قدم،سجدہ میں ناک کے بانسے،جلسہ اور قعدہ میں گود میں رکھے تو ان شاءاللّٰہ نماز میں حضور نصیب ہوگا۔

۵؎ یعنی یہ حدیث میری مجرب بھی ہے،محدثین کے نزدیک تجربہ کی تائید سے حدیث قوی ہوجاتی ہے۔دیکھو ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم۔

	روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے ۱؎ کہ ان سے کسی شخص نے پوچھا(عرض کیا)میں اپنی نماز میں وہم کیا کرتاہوں اور یہ واردات مجھ پر بہت ہوتی رہتی ہے فرمایا اپنی نماز پڑھگزرو کیونکہ یہ وہم تو جائے گا نہیں حتی کہ تم یہ کہتے ہوئے نماز ختم کرو گے کہ میری نماز مکمل نہ ہوئی ۲؎ (مالک)

۱؎ آپ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،مدینہ منوّرہ کے سات قاریوں میں سے ایک ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ عنہا آپ کی پھوپھی ہیں،زین العابدین آپ کے خالہ زاد بھائی اور امام محمد باقر کے آپ خُسر،امام جعفر صادق کے آپ نانا ہیں،چونکہ آپ یتیم رہ گئے تھے اس لیئے عائشہ صدیقہ نے آپ کی پرورش کی،آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ و امیر معاویہ سے روایتیں کیں اور آپ سے ایک خلقِ خدا نے،۸۰ سال عمر پائی، ۱۰۲ھ میں وفات ہوئی۔(اشعۃ و مرقاۃ)

۲؎ سبحان اللّٰہ! کیا عجیب تعلیم ہے یعنی ان خطرات کی وجہ سے ہر نماز چھوڑونہ لوٹاؤ یہ آتے ہی رہیں گے جب نفس شیطان اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو تم نماز کیوں چھوڑتے ہو،مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہیں چھوڑا جاتا،تم اللّٰہ کے بندے ہو،دل کے بندے نہیں،دل لگے یا نہ لگے نماز پڑھے جاؤ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز مکمل نہ ہونے کا وہم کافی نہیں،ان وہمیات کا خیال نہ کرے،نماز پڑھے جائے۔

باب الایمان بالقدر

تقدیر پر ایمان لانے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] عام کے بعد خاص کا ذکر ہے،ایمان میں اگرچہ تقدیر بھی آگئی تھی لیکن چونکہ مسئلۂ تقدیر بہت نازک ہے اور اس میں جبریہ اور قدریہ کے بہت اختلافات رہے ہیں اور یہ مسئلہ عوام کی عقل سے وراء ہے اسی لئے اس کا علیحدہ باب باندھا گیا۔تقدیر کے لغوی معنی اندازہ لگانا ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ"کبھی بمعنٰی قضاء اور فیصلہ بھی آتی ہے۔اصطلاح میں اس اندازے اور فیصلہ کا نام تقدیر ہے جو رب کی طرف سے اپنی مخلوق کے متعلق تحریر میں آچکا۔تقدیر تین قسم کی ہے:(۱)مبرم،(۲)مشابہہ مبرم،(۳)معلق۔پہلی قسم میں تبدیلی ناممکن ہے،دوسری خاص محبوبوں کی دعا سے بدل جاتی ہے اور تیسری عام دعاؤں اور نیک اعمال سے بدلتی رہتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَمْحُوا اللہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الْکِتٰبِ"ابراہیم علیہ السلام کو قوم لوط کیلئے دعا کرنے سے روک دیا گیا کیونکہ ان پر دنیوی عذاب کا فیصلہ مبرم ہوچکا تھا۔آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ کے سو سال ہوگئی،وہ قضاء مبرم تھی یہ معلق۔خیال رہے کہ تقدیر کی وجہ سے انسان پتھر کی طرح مجبور نہ ہوگیا ورنہ قاتل پھانسی نہ پاتا اور چور کے ہاتھ نہ کٹتے کیونکہ رب تعالٰی کے علم میں یہ آچکا کہ فلاں اپنے اختیار سے یہ حرکت کرے گا،دعائیں،دوائیں،ہماری تدبیریں اور اختیارات سب تقدیر میں داخل ہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری"تفسیر نعیمی"پارہ سوم میں دیکھو۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مخلوق کی تقدیریں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لکھیں[1] فرماتے ہیں کہ اس کا عرش پانی پر تھا[2](مسلم)	

[1] یعنی قلم نے لوح محفوظ پر بحکم الٰہی واقعات عالم ازلی سے ابدتک ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ لکھ دیا۔خیال رہے کہ یہ تحریر اس لئے نہ تھی کہ ربّ کو بُھول جانے کا خطرہ تھا بلکہ اس کا منشاء فرشتوں اور بعض محبوب انسانوں کو اس پر مطلع کرنا تھا۔(ازمرقاۃ)اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے بعض بندے سارے واقعاتِ عالم پر خبر رکھتے ہیں ورنہ یہ تحریر بے کار جاتی،لوح محفوظ کو قرآن کریم نے کتاب مبین فرمایا یعنی ظاہر کرنے والی کتاب،اگر لوح محفوظ سب کی نگاہوں سے چھپی ہوتی تو مبین نہ ہوتی۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی آسمان و زمین وغیرہ سے پہلے پیدا ہوا عرش کے پانی پر ہونے کا۔۔یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کے بیچ میں کوئی آڑ نہ تھی نہ یہ کہ پانی پر رکھا ہوا تھا۔ورنہ عرش تمام اجسام سے بہت بڑا ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز اندازے سے ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی ۱؎(مسلم)	

۱؎ اس حدیث کی تفسیروہ آیت ہے"كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ"یعنی انسان کا بس اور بےبسی علم وجہالت سب پہلے مقرر ہوچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم و موسیٰ نے اپنے رب کے نزدیک ۱؎مناظرہ کیا تو آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ آپ وہ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی ۲؎اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا ۳؎آپ کو جنت میں رکھا۴؎ پھر آپ نے اپنی لغزش کی وجہ سے لوگوں کو نیچے اتاردیا ۵؎حضرت آدم نے فرمایا کہ آپ ہی وہ موسیٰ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے لیئے چنا ۶؎اور آپ کو تختیاں بخشیں جن میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے ۷؎اور ایک کو خصوصی ہمکلامی سے قرب بخشا فرمایئے کہ آپ نے میری پیدائش سے کتنے پہلے توریت کو پایا کہ رب نے لکھ دیا تھا۸؎ حضرت موسیٰ نے فرمایا چالیس سال پہلے۹؎ حضرت آدم نے فرمایا تو کیا آپ نے توریت میں یہ بھی دیکھا ۱۰؎کہ آدم نے اپنے رب کی فرمانبرداری سے لغزش کی تو کامیاب نہ ہوئے فرمایا ہاں آپ نے فرمایا کیا آپ اس لغزش پر ملامت کرتے ہیں ۱۱؎جس کا کرلینا میرے مقدر میں میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھا جاچکا تھا ۱۲؎فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے ۱۳؎(مسلم)	

۱؎ یا تو عالم ارواح میں،یا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آدم علیہ السلام کو زندہ فرما کر اور ان سے ملاقات کرا کے،یا اس طرح کہ حضائر قدس میں اُن کی ملاقات ہوئی۔مرقات میں ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے

ہیں۔دیکھو ہمارے حضور نے معراج میں تمام نبیوں سے ملاقات کی اور انہیں نماز پڑھائی۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ عالم ارواح پر بھی ہے کہ وہاں کے حالات ملاحظہ فرماتے اور لوگوں کو سناتے ہیں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ حضور یہ دیکھا ہوا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔

۲؎ یعنی آپ کا جسم شریف بلاواسطہ فرشتہ اور بغیرتوسل ماں باپ دستِ قدرت سے بنایا اور اپنے تمام کمالات کا مظہر کیا اور اپنی پیدا کی ہوئی روح آپ کے جسم میں جاری فرمائی۔یہاں اضافت شرافت کی ہے ورنہ خدائے تعالٰی خود روح سے پاک ہے،حقیقتِ روح رب ہی جانے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھونکنے کے قابل چیز ہے کیونکہ ہر جگہ اس کے لیئے پھونکنے کا لفظ ہی آتا ہے۔اولیاء اللہ کا جھاڑ پھونک ان جیسی احادیث اور آیات سے ماخوذ ہے۔

۳؎ سارے فرشتوں سے مقربین ہوں،یا مدبّراتِ امر،زمین کے ہوں یا آسمان کے،تعظیمی سجدہ زمین پر پیشانی رکھ کر نہ فقط رکوع اور نہ صرف جھکنا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ"یہ سجدۂ عبادت نہ تھا کہ خدا کو ہوتا اور آدم علیہ السلام قبلہ ہوتے جیسا کہ لَكَ کے لام سے معلوم ہوا،ورنہ شیطان کبھی اس سے انکار نہ کرتا۔

۴؎ عارضی طور پر تربیت دینے کے لئے تاکہ زمین کو اس طرح آباد کریں ورنہ آپ کی پیدائش زمین کی خلافت کے لیئے تھی اس کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھو۔

۵؎ یعنی خطاء اجتہادی اور بُھول سے گندم کھالیا جس کی وجہ سے آپ زمین پر تشریف لائے۔اور نسل یہاں چلی،اگر آپ وہیں رہتے تو ہم سب وہیں پیدا ہوتے۔

لطیفہ: ایک گستاخ نے کسی عالم سے کہا کہ دادا کا گناہ ہم بھگت رہے ہیں،گندم انہوں نے کھایا سزا ہمیں ملی،وہ ہمیں نیچے اتار لائے،عالم نے کہا غلط،بلکہ تجھ جیسے مردودوں نے انہیں نیچے اتارا،رب جانتا تھا کہ ان کی پشت میں تجھ جیسے بے ایمان بھی ہیں حکم دیا کہ اے آدم ان خبیثوں کو زمین پر پھینک آؤ،پھر واپس آجانا۔موسیٰ علیہ السلام کی یہ عرض و معروض گستاخی کے طور پر نہیں،انبیاء جدّ امجد کی گستاخی سے معصوم ہیں۔

۶؎ زمین پر رہ کر بلاواسطۂ فرشتہ رب تعالٰی سے کلام کرنا موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیّت ہے،اسی لیئے آپ کا لقب کلیم اللہ ہے،لامکان میں پہنچ کر ربّ کا دیدار اور اس سے کلام ہمارے حضور کی خصوصیّت ہے کیونکہ آپ حبیب اللہ ہیں۔

۷؎ یعنی توریت شریف جو زبرجد کی تختیوں پر لکھی ہوئی عطا فرمائی گئی اس میں احکام شرعیہ اور سارے علوم غیبیہ کا کھلا بیان تھا۔خیال رہے کہ بوقتِ عطا توریت میں ہدایت بھی تھی اور ہر چیز کا بیان بھی مگر جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قوم کی بچھڑا پرستی پر غصّہ کی وجہ سے زمین پر گر گئیں۔تو ہدایت و رحمت تو رہ گئی"تَبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ"اس میں سے اٹھالی گئی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَ فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ"۔دیکھو یہاں تبیان کا ذکر نہیں۔خلاصہ یہ کہ توریت میں سارے علوم غیبیہ تھے مگر باقی نہ رہے لیکن قرآن شریف میں سارے علوم غیبیہ تھے بھی اور باقی بھی رہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" لہذا موسیٰ علیہ السلام کا علم ہمارے حضور کے برابر نہیں ہوسکتا۔

۸؎ یعنی آپ کو تو خبر ہے کہ میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے توریت شریف لوح محفوظ میں، یا فرشتوں کے صحائف میں، یا ان تختیوں میں لکھی جاچکی تھی۔ تیسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نگاہ اس عالم کی پیدائش سے پہلے واقعات کو بھی دیکھتی ہے کہ جو واقعہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہوچکا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ میں ہے جیسا کہ وَجَدتَّ سے معلوم ہوتا ہے۔

۹؎ اگر تختیوں میں لکھنا مراد ہے تو سال سے اس دنیا کے سال مراد ہوں گے،اور اگر لوح محفوظ میں لکھنا مراد ہے تو رب تعالٰی کے سال مراد ہوں گے جو ایک سال یہاں کے ہزار سال سے بھی زیادہ ہے،لہذا یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں کہ لوح محفوظ کی تحریر آسمان زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہوئی(ازاشعہ و مرقاۃ)۔خیال رہے کہ توریت کلام الٰہی قدیم ہے اس کے نقوش کا لکھنا حادث اسی کا یہاں ذکر ہے۔

۱۰؎ یعنی غلط فہمی سے جس مقصد کے لیئے گندم کھایا تھا انہیں وہ حاصل نہ ہوا ہمیشگی اورموت سے بچ کر جانا۔خیال رہے کہ انبیائے کرام نبوت سے پہلے اوربعد گناہ صغیرہ اور کبیرہ سب سے معصوم ہیں۔(مرقاۃ)ہاں خطاء لغزش اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے اور عتاب الٰہی جو اُن کی لغزشوں پر آتا ہے اس میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں لہذا "**عصیٰ**"اور"**غویٰ**" کے وہی معنٰے ہیں جو فقیر نے عرض کیے۔

۱۱؎ یعنی ملامت کے انداز میں گفتگو کررہے ہو ورنہ موسیٰ علیہ السلام آپ کو نہ ملامت کرسکتے تھے نہ کی۔بیٹے کو باپ پر خصوصًا نبی باپ پر شاگرد کو استاد پر ملامت کرنے کا حق نہیں۔

۱۲؎ اور رب تعالٰی نے بھی اس کی معافی کا اعلان فرمادیا۔خیال رہے کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام کی نظر ظاہر پر تھی اور آدم علیہ السلام کا جواب حقیقت پر مبنی ہے آج ہم جیسے گنہگار تقدیر کی آڑ لے کر اپنے گناہوں سے بری نہیں ہوسکتے،یعنی اے موسیٰ! میری یہ خطا اور جنت سے زمین پر آنا،یہاں یہ باغ و بہار لگانا سب رب تعالٰی کے ارادہ اور اسکی مرضی سے تھا جس میں ہزاروں اسرار تھے تم صاحبِ اسرار ہو کر مجھ سے یہ سوال کیوں کرتے ہو؟۔

۱۳؎ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال شریعت پر اور حضرت آدم کا جواب حقیقت پر مبنی ہے حقیقت غالب رہتی ہے،حقیقت والے خضر علیہ السلام نے بچے کو بلاگناہ قتل کردیا اور ان پر کوئی فتویٰ جاری نہ ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ سچے مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ۱؎ کہ تم میں سے ہر ایک کا مادہ پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ رہتاہے پھراسی قدرخون کی پھٹک پھر اسی قدر لوتھڑا ۲؎ پھر اللہ تعالٰی ایک فرشتہ چار باتیں بتا کر بھیجتاہے ۳؎ تو وہ فرشتہ اس کے کام اس کی موت اس کا رزق اور بدبخت ہے نیک بخت ہے سب کچھ لکھ لیتا ہے ۴؎ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں بعض جنتیوں

کے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ فاصلہ رہ جاتا ہے ۵؎ کہ اچانک نوشتہ تقدیر اس کے سامنے آتا ہے اور دوزخیوں کے کام کرلیتا ہے ۶؎ پھر وہاں ہی پہنچتاہے اورتم میں بعض دوزخیوں کے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں صرف ایک ہاتھ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ سامنے آتا ہے اور جنتیوں کے کام کرتا ہے پھر اس میں داخل ہوجاتا ہے ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ صادق وہ جس کے سارے اقوال سچے ہوں،مصدوق وہ جس کے سارے اعمال سچے ہوں یا صادق وہ جو ہوش سنبھال کر سچ بولے،اور مصدوق وہ جو پہلے ہی سے سچا ہو،یا صادق وہ جو واقع کے مطابق خبردے اور مصدوق وہ کہ جو وہ اپنی زبان مبارک سے کہہ دے واقعہ اُس کے مطابق ہوجائے حضور میں یہ سارے اوصاف جمع ہیں۔

۲؎ یعنی ماں کے رحم میں منی چالیس دن تک اسی حالت میں سفید رنگ کی رہتی ہے،پھر سُرخ رنگ کا خون بن جاتی ہے،پھر چالیس روز کے بعد جم کر گوشت۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں:چونکہ آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال اور موسیٰ علیہ السلام کا قیام طور پر چالیس دن رہا،اس لیئے نطفہ پر ہرچلہ کے بعد انقلاب آتا ہے،پھر بعد پیدائش نفاس کی مدت چالیس دن ہے،کمال عقل چالیس سال میں ہوتا ہے۔یہ حدیث صوفیاء کے چلوں کی دلیل ہے۔اہلِ سنت میّت کا چالیسواں اسی بنا پر کرتے ہیں کہ چالیس میں انقلاب ہے۔

۳؎ یعنی کاتبِ تقدیر فرشتہ جو رحموں پر معین ہے ایک ہی فرشتہ جو سارے عالم کی حاملہ عورتوں کا نگران ہے۔معلوم ہوا کہ وہ حاضروناظرہے۔

۴؎ کہ یہ کیا کرے گا،کب اور کہاں مرے گا،کیا کیا کھائے گا اور کیا پیئے گا،اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا،یا ایمان پر۔خیال رہے کہ یہ چیزیں وہ علوم خمسہ ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا"وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیۡبِ"یہ فرشتہ بتعلیم الٰہی سارے انسانوں کی یہ ساری چیزیں جانتا ہے۔مرقاۃ میں ہے کہ یہ باتیں ایک تختی پرلکھ کر بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَکُلَّ اِنۡسٰنٍ اَلْزَمْنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ"غور کرو جب اُس فرشتے کا اس قدر علم ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلم الخلق ہیں ان کا علم تو ہمارے خیالات سے ورا ہے اور یہ تختی پر لکھنا اور گلے میں ڈالنا اسی لیئے ہے کہ حقیقت میں نگاہیں اسے پڑھ سکیں۔خیال رہے کہ تحریر لوح محفوظ میں بھی ہوتی ہے اور شب قدر میں فرشتوں کے صحائف میں بھی ہے اور بچے کی پیشانی یا گلے کی تختی یا ہاتھ میں بھی ہے مگر یہ تحریر مختلف ہیں۔

۵؎ یعنی صرف موت کا کہ مرے اور وہاں پہنچ جائے ایک ہاتھ تشبیہ کے لیئے فرمایا۔

۶؎ یعنی کافر بن جاتا ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ رب بدعملی کے بغیر کسی کو دوزخ میں نہیں بھیجتا لہذا ظاہر یہ ہے کہ کفّار کے بچے جہنمی نہیں۔واللہ اعلم!

ے یعنی ایمان لاکر متقی بن کے مرتا ہے لہذا کوئی بدکار رب تعالٰی سے مایوس نہ ہو اور کوئی نیک کار اپنے تقویٰ پر فخر نہ کرے،اللہ تعالٰی حسن خاتمہ نصیب کرے۔خیال رہے کہ جنت کسبًا،عطاءً اور وہبًا ملے گی یہاں کسی جنت کا ذکر ہے ورنہ مسلمان کے بچے جنتی ہیں،رب فرماتاہے:"اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ "۔

روایت ہے سہل ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض بندے کرتوت تو دوزخیوں کے سے کرتے ہیں لیکن ہوتے ہیں جنتی اور بعض عمل توجنتیوں کے سے کرتے ہیں لیکن ہوتے ہیں دوزخی اعمال کا اعتبار صرف انجام سے ہے۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ ساعدی ہیں،انصاری ہیں،آپ کا نام پہلے حزن تھا،حضور نے سہل رکھا،کنیت ابوالعباس یا ابویحیٰی ہے،خود بھی صحابی اور والد ماجد بھی صحابی ہیں،حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمرپندرہ سال تھی،

۹۱ سنہ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،مدینہ طیبہ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں کہ ان کی وفات سے مدینہ طیّبہ صحابہ سے خالی ہوگیا۔

۲؎ یعنی مرتے وقت جیسا کام ہوگا ویسا ہی انجام ہوگا لہذا چاہیئے کہ بندہ ہروقت ہی نیک کام کرے کہ شاید وہی اس کا آخری وقت ہو۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچہ کے جنازے کی دعوت دی گئی میں نے عرض کیا اسے خوشخبری ہوکہ وہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیاہے۲؎ جس نے نہ توگناہ کیا نہ گناہ کا وقت پایا فرمایا اسے عائشہ اس کے سوابھی ہوسکتا ہے۳؎ اللہ نے کچھ جنت والے پیدا کیئے ہیں جنہیں ان کے باپ کی پیٹھوں میں جنت کے لیئے بنایاکچھ آگ والے پیدا کیئے جنہیں ان کے باپ کی پیٹھوں میں دوزخ کے لیئے بنایا۴؎ (مسلم)	

۱؎ اُمُّ المؤمنین ہیں،ابوبکر صدیق کی صاحبزادی،آپ کی والدہ امّ رومان بنت عامر ابن عویمر ہیں،نبوّت کے دسویں سال شوال کے مہینہ میں ہجرت سے تین سال قبل حضور کی زوجیت میں آئیں،سات برس کی عمر میں ہجرت سے ۱۸ ماہ کے بعد شوال کے مہینہ میں نو سال کی عمر میں رخصت ہوئیں،نو سال تک حضور کے ساتھ رہیں،حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔حضور نے آپ کے سوا کسی کنواری بیوی سے نکاح نہیں فرمایا،آپ فقیہہ،فصیحہ،حدیث کی

حافظہ،قرآن کی بہترین مفسّرہ تھیں۔حضور نے آپ کے سینہ پر وفات پائی اور آپ کے حجرہ میں دفن ہوئے،جب آپ کو تہمت لگائی گئی تو آپ کی بریّت میں ۱۹ آیات اُتریں شعر یعنی:

ہے سورۂ نور جن کی گواہ اُن کی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام

آپ سے ۱۲۱۰ احادیث مروی ہیں،آپ نے ۱۷ رمضان منگل کی شب ۵۷ھ ہجری میں ۵۳ سال کی عمرپاکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ امارت میں وفات پائی۔حضرت ابوہریرہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی،جنت البقیع میں دفن ہیں۔فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ کہ جہاں چاہے وہاں کے باغات میں سیرکرے شہداء کی طرح۔

۳؎ یعنی اس کی جنتی ہونے کا یقین نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ کسی اور چیز کے لیئے پیدا کیا گیا ہو۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہے۔"اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ"الایہ۔مسلمانوں کے بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہیں گے کفار کے بچوں میں اختلاف ہے اس کی تحقیق کے لیئے ہمارا حاشیۂ القرآن دیکھو۔

۴؎ یعنی جو جہاں کے لیئے بنایا گیا ہے وہیں پہنچے گا عمل کرے یا نہ کرے اس کے متعلق ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ بغیر عمل جنت عطائی یا وہبی طریقہ سے بھی مل جائے گی مگر اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے یہ بعید ہے کہ بغیرگناہ کسی کو جہنم میں بھیجے۔فرماتا ہے:"وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" ابن حجر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے بچوں کے جنّتی ہونے پر اجماع ہے اور کفّار کے بچوں کا جنّتی ہونا قول جمہور ہے۔اور یہ حدیث منسوخ ہے۔

روایت ہے حضرت علی۱؎ سے فرماتے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں۲؎ اور ایک ٹھکانہ جنت میں نہ لکھاجاچکا ہو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اپنی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کرلیں اور عمل چھوڑدیں ۳؎ فرمایا عمل کیئے جاؤ ہر ایک کو وہی اعمال آسان ہوں گے جس کے لیئے پیدا ہو۴؎ اگر خوش نصیبوں سے ہے تو اسے خوش نصیبی کے اعمال آسان ہوں گے اور اگر بدنصیبوں سے ہے تو اسے بدنصیبی کے اعمال میسر ہوں گے ۵؎ پھرحضور نے یہ آیت تلاوت کی لیکن جو خیرات کرے اور پرہیزگاراور ایماندار ہو الایہ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کا نام شریف علی ابن ابی طالب،کنیت ابوالحسن اور ابو تراب،لقب حیدر کرّار ہے،قرشی ہیں،ہاشمی ہیں،مطلبی ہیں،اسلام کے خلیفہ چہارم ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے کہ آٹھ یا دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔حضور کے ساتھ سواء غزوۂ تبوک کے باقی تمام غزووں میں شریک رہے،آپ کے فضائل حدّو شمار سے زیادہ ہیں،آپ ہی نسل جناب

مصطفے کی اصل ہیں،اخی الرسول،زوج بتول ہیں،یعنی آپ کا ایک ہاتھ چار یار میں ہے،دوسرا پنجتن پاک میں شاہ خیبر شکن ہیں شعر۔

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن　　　پرتودستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

آپ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ یعنی عین شہادت عثمان کے دن خلیفہ ہوئے،چار سال نو مہینہ خلافت کی اور ۶۳ سال کی عمر پاکر ۱۷ رمضان ۴۰ھ جمعہ کے دن کوفہ کی جامع مسجد میں شہید کیئے گئے۔عبدالرحمٰن ابن مُلجم مرادی نے ایک عورت قطام کے عشق میں مبتلا ہو کر اسی کے کہنے پر شہید کیا۔شہادت سے تیسرے دن وفات پائی،امام حسن و حسین و عبداللہ ابن جعفر نے آپ کو غسل دیا،امام حسن نے نماز پڑھائی،کوفہ کے قبرستان نجف میں دفن ہوئے،قبر انور زیارت گاہِ خلق ہے فقیر نے بھی زیارت کی ہے۔آپ کی نو بیویاں ہوئیں:(۱)فاطمہ زہرا،(۲)ام بنین،(۳)لیلیٰ بنت مسعود،(۴)اسماء بنت عمیس،(۵)امامہ بنت ابی العاص،(۶)خولہ بن جعفر،(۷)صہبا بنت ربیعہ،(۸)اُم سعید بنت عروہ،(۹)محیاء بنت امرؤ القیس ان بیویوں سے ۱۲ بیٹے اور نولڑکیاں ہوئیں۔جن میں سے حسن،حسین،زینب،اُم کلثوم حضرت فاطمہ زہرا سے ہیں۔

۲؎ یہاں"و"بمعنی"اَوْ"ہے یعنی لوح محفوظ میں ہر شخص کے متعلق پہلے ہی لکھا جاچکا ہے کہ جنتی ہی،یا دوزخی،جنتی ہے تو کسی درجہ کا،اور دوزخی ہے توکسی طبقہ کا،یہاں یہی مرادہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔

۳؎ کیونکہ ہوگا وہی جو لکھا جاچکا عمل خواہ کیسے ہی کرے فیصلہ الٰہی نہیں بدلتا۔

۴؎ یعنی دنیا میں اعمال عمومًا انجام کی علامتیں ہیں۔جنّتی کو نیکیاں آسان اور گناہ بھاری معلوم ہوتے ہیں۔دوزخی کو اس کا اُلٹا،مگر یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلّیہ نہیں،کبھی عمر بھر کا مجرم جنتی ہوکرمرتا ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیثِ سہل ابن سعد کے خلاف نہیں۔

۵؎ یعنی لوح محفوظ میں کام اور انجام دونوں لکھے جاچکے ہیں کہ فلاں نیکیاں کرے گا اور جنت میں جائے گا اور فلاں کفر وغیرہ کرے گا لہذاجہنمی ہوگا۔بندوں پر رب تعالٰی کی اطاعت فرض ہے،نیز کوئی شخص دوزخی اور جنتی ہونے پر مجبور نہیں۔

۶؎ یہ آیت اگرچہ ابوبکر صدیق کے ایمان اور سخاوت کے متعلق نازل ہوئی لیکن چونکہ عبارت عام ہے اس لئے ہر جگہ منطبق ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے ہر آدمی پر اس کا زنا کا حصہ لکھا ہے ۱؎ جسے وہ یقینًا پائے گا لہذا آنکھ کا زنا نظر بد ہے ۲؎ اور زبان کا زنا گفتگو ۳؎ ہے دل تمنا اور خواہش کرتا ہے شرمگاہ اس خواہش کو سچا جھوٹا کردیتی ہے۔(مسلم،بخاری)اورمسلم کی روایت میں ہے کہ اولاد آدم پر زنا کا حصہ لکھا جاچکا ہے جسے وہ یقینًا پائے گاآنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ۴؎

اور زبان کا زنا گفتگو ہے،ہاتھ کا زنا چھونا،پکڑنا،پاؤں کا زنا قدم سے چلنا ۵؎ دل چاہتا ہے اور تمنا کرتا ہے شرمگاہ اسے سچا جھوٹا کردیتی ہے ۶؎	

۱؎ یہاں ہر آدمی سے عام انسان مراد ہے جس سے بچپن میں فوت ہوجانے والے بچے،خاص اولیاء سارے انبیائے کرام خصوصًا یحیٰی و عیسیٰ علیہم السلام علیحدہ ہیں،جو حضرات انبیاء کو اس میں داخل مانے وہ بے دین ہے۔مطلب یہ ہے کہ عمومًا انسان زنا یا مقدماتِ زنا میں پھنستے ہیں۔رب تعالٰی کا فضل ہے کہ اعضاء کی غیر اختیاری حرکتوں اور گندے خیالات پر پکڑ نہیں فرماتا۔حضرت شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ زنا کے حصے سے مراد اسباب زنا ہیں اس طرح کہ انسان میں شہوت اور عورتوں کی طرف میلان قدرتی طور پر پیدا کیا گیا ہے مگر جسے اللہ چاہے اس سے بچائے۔خیال رہے کہ یوسف علیہ السلام کے قلب پاک میں اس خاص موقعہ پر زلیخا کی طرف میلان بھی نہ پیدا ہوا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَھَمَّ بِھَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡھٰنَ رَبِّہٖ"یعنی وہ بھی مائل ہوجاتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

۲؎ غیر عورتوں پر شہوت سے۔خیال رہے کہ اچانک نگاہ معاف ہے عمدًا دیکھنے پر پکڑ ہے،یہاں دوسری نظر مراد ہے۔

۳؎ اجنبی عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف زبان کا زنا ہے،اسے شوق سے سننا لذت کے لیے کان کا زنا ہے،بعض عورتیں اپنے خاوندوں سے دوسری عورتوں کا حسن بیان کرتی ہیں یہ سخت جرم ہے۔

۴؎ کان لگا کر توجہ سے اسی لیے یہاں "استماع" باب "افتعال" سے فرمایا گیا۔

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ ایک زنا بہت سے چھوٹے چھوٹے زناؤں کا مجموعہ ہے۔ہر عضو کا زنا علیحدہ ہے،زانی بوقتِ زنا آنکھ،کان،زبان،ہاتھ،پاؤں،شرمگاہ سب ہی کا زنا کرتا ہے اسی لیے سنگسار کیا جاتا ہے،صرف خصّی نہیں کیا جاتا۔

۶؎ لہذا انسان کو چاہیے کہ مقدماتِ زنا سے بھی بچے،سینما،مروجہ ریڈیو پر فلمی گیتوں کی نشرو اشاعت کا انجام دیکھا جارہا ہے۔مرقات میں ہے کہ اجنبیہ عورتوں کو ناجائز خطوط لکھنا یا پہنچانا اُدھر کنکر پھینکنا اشارے کرنا سب ہاتھ کے زنا ہیں۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے ۱؎ کہ مزینہ کے دوشخصوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ فرمایئے تو کہ جو کچھ لوگ آج عمل کررہے ہیں اور جن میں مشغول ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ ہوچکا ہے اور جس چیز کی تقدیر ان میں گزر چکی ہے یا اس میں ہے جسے آیندہ کریں گے جو ان کے پاس پیغمبر لائے جو دلیل ان پر قائم ہوچکی ۲؎ حضور نے فرمایا نہیں بلکہ عمل وہ چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ ہوچکا اور تقدیر گزر چکی ۳؎ اس کی تائید اللہ کی کتاب میں بھی موجود ہے۔قسم جان کی اور	

اس کے درست فرمانے کی اور اس کی کہ اس کے دل میں ڈال دی بدکاری و پرہیزگاری ہے ۴؎(مسلم)	

۱؎آپ کی کنیت ابونجید ہے،خزاعی ہیں،کعبی ہیں،خیبر کے سال حضرت ابوہریرہ کے ساتھ ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا، ۵۲ھ میں وہیں انتقال ہوا،جلیل القدر صحابی ہیں،آپ ۳۰ سال بیمار رہے،اس زمانے میں آپ کو فرشتے سلام کرنے آتے تھے۔(مرقات واشعہ)

۲؎خلاصۂ سوال یہ ہے کہ آیا تحریر پہلے ہے اور تقصیر بعد میں یا اس کا عکس کہ پہلے ہم خود کام کرلیتے ہیں پھر آیندہ لکھا جاتا ہے،تحریر سے مراد تحریر تقدیر ہے نہ کہ نامۂ اعمال کی تحریر،کہ یہ لکھائی تو یقینًا عمل کرلینے کے بعد ہی ہوتی ہے۔خیال رہے کہ قدریہ کاعقیدہ یہ ہے کہ قضاوقدر کچھ چیزنہیں،نہ پہلے کچھ لکھا گیا ہے۔ہم مستقلًا قادرمطلق ہوکر اعمال کرتے ہیں پھر ان کی تحریر ہوتی ہے یہ سخت بے دینی ہے۔

۳؎یعنی ہمارے اعمال اس تحریروتقدیر کے بعداس کے مطابق ہیں اس کا عکس نہیں یہی مذہب اہلسنت ہے۔

۴؎وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں"اَلْھَمَ"ماضی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہام عملی سے کہیں پہلے ہوچکا ہے۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں جوان آدمی ہوں اور اپنے نفس پر زنا سے ڈرتا ہوں اور نکاح کرنے کی قدرت نہیں پاتا ۱؎ہوں شاید وہ حضور سے خصی ہونے کی اجازت چاہتے تھے ۲؎فرماتے ہیں کہ حضور خاموش رہے میں نے پھر وہی کہا آپ پھر خاموش رہے میں نے پھر وہی کہا پھر سرکار خاموش رہے ۳؎میں نے پھر اسی طرح کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ قلم قدرت وہ چیز لکھ کر سوکھ بھی چکا جو تم پانے والے ہوخواہ اب خصی ہو یا رہنے دو ۴؎ (بخاری)	

۱؎یعنی بیوی کے نان نفقہ اورمہر پر بھی قادرنہیں ہوں چہ جائیکہ لونڈی خرید سکوں۔**مسئلہ**:جو شخص حقوق زوجین ادا کرنے پر قادر نہ ہو اسے نکاح ممنوع ہے حقوق میں قوت اور قدرتِ مال سبھی داخل ہیں۔

۲؎یہ کسی راوی کا قول ہے یعنی ابوہریرہ کی یہ عرض و معروض اس لیئے تھی کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم ان کو خصّی ہوجانے کی اجازت دے دیں تاکہ زنا کا احتمال ہی باقی نہ رہے،صحابہ کرام کا یہ انتہائی تقوٰی ہے کہ معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہیں خصی ہوکر اپنے کو ناقص و فاسد کرلینا منظور ہے مگر فاسق بننا منظور نہیں۔

۳؎یہ بار بار خاموشی یا تو اہتمامِ مسئلہ کے لیئے تھی تاکہ ابوہریرہ اسی کا جواب غور سے سنیں یا انہیں سوال سے روکنے کے لیے یعنی خصی ہونا تو کیا اس کا ذکر بھی نہ کرو۔

۴؎یعنی اگر تمہاری تقدیر میں زنا لکھا جاچکا ہے تو خصی ہونے کے بعد بھی کرلو گے ورنہ بغیر خصی ہوئے بھی نہ کر پاؤ گے اس کلام میں خصی ہونے کی اجازت نہیں دی جارہی،بلکہ اچھے طریقے سے روکا جارہا ہے کیونکہ انسان کا خصی ہونا مثلہ ہے یعنی بدن بگاڑنا اور مُثلہ اسلام میں حرام ہے یعنی بے کار چیز کے لیے حرام کا ارتکاب کیوں کرتے ہو؟۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں کے سارے دل ۱؎اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ۲؎ایک دل کی طرح جیسے چاہتا ہے انہیں پھیر تا ہے ۳؎پھرفرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے ۴؎(مسلم)	

۱؎اس میں انبیاء،و اولیاء،مؤمنین،کفار سبھی داخل ہیں کوئی بھی رب کے قبضہ سے خارج نہیں چونکہ عام احکام شرعیہ کے مکلّف صرف انسان ہیں اس لیے خصوصیت سے انسانوں کے دل کا ذکر ہوا،ورنہ فرشتوں اور جنات وغیرہم کے دل بھی رب کے قبضہ میں ہیں۔

۲؎یہ عبارت متشابہات میں سے ہے کیونکہ رب تعالٰی انگلیوں،ہاتھوں وغیرہ اعضاء سے پاک ہے،مقصد یہ ہے کہ تمام کے دل اللہ کے قبضہ میں ہیں کہ نہایت آسانی سے پھیر دیتا ہے،جیسے کہا جاتا ہے تمہارا کام میری انگلیوں میں ہے،یا میں سوالات کا جواب چٹکیوں سے دے سکتا ہوں۔متشابہات کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی کے تیسرے پارے میں دیکھو۔

۳؎برائی یا بھلائی کی طرف کہ بندہ اپنے ارادہ سے اچھے یا بُرے کام کرنے لگتا ہے۔لہذا بندہ مجبور نہیں کام ارادہ سے ہیں،ارادہ رب کی طرف سے،ورنہ سزا،جزا کا مستحق نہ ہوتا اور اختیاری اور غیراختیاری افعال میں فرق نہ ہوتا،رعشہ میں ہاتھ بے اختیارہلتاہے اور لکھتے وقت اختیار سے،کُتے کو پتھر مارو تو کتا تمہیں کاٹتا ہے نہ کہ پتھر کو،حالانکہ لگتا پتھر ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پتھر غیر مختار ہے،مارنے والا مختارہے،اگر ہم اپنے کو پتھر کی طرح مجبور سمجھیں تو جانور سے بڑھ کر بے وقوف ہیں،بہرحال اس حدیث سے جبر ثابت نہیں ہوتا۔

۴؎یہ دعا کفار ومؤمن،نیک کارو بد کار سب ہی کے لیئے ہے یعنی بدکاروں کے دل نیکی کی طرف پھیر دے اور نیک کاروں کے دل نیکی پر قائم رکھ۔خیال رہے کہ یہ دعا درحقیقت دوسروں کے لئے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المعصومین ہیں ان سے گناہ ناممکن ہے،ان کے لیئے ہدایت رب تعالٰی نے ایسی لازم کردی ہے جیسے سورج کے لیے روشنی یا آگ کے لیے گرمی،اُن کی شان تو بہت بلند ہے۔ان کے خاص غلاموں سے ہدایت اور تقوٰی لازم ہے،رب تعالٰی صحابہ کرام کے بارے میں فرماتا ہے: " وَ اَلۡزَمَهُمۡ کَلِمَةَ التَّقۡوٰی "۔عصمتِ انبیاء کی بحث ہماری کتاب"جاءالحق"اورعظمت صحابہ کی بحث ہماری کتاب "امیر معاویہ" میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بچہ دین فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے ۱؎ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں ۲؎ جیسے جانور بے عیب بچہ جنتا ہے کیا تم اس میں کوئی ناک کان کٹا پاتے ہو ۳؎ پھر فرماتے تھے کہ اللہ کی پیدائش ہے جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا اللہ کی خلق میں تبدیلی نہیں ۴؎ یہ ہی سیدھا دین ہے۔(مسلم وبخاری)

۱؎ بچے سے مراد انسان کا بچہ ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے،فطرت کے لفظی معنی ہیں چیرنا اور ایجاد کرنا،یہاں اصلی اور پیدائشی حالت مراد ہے یعنی ہر انسان ایمان پر پیدا ہوتا ہے،عالم ارواح میں رب تعالٰی نے تمام روحوں سے اپنی ربوبیت کا قرار کرایا سب نے بَلٰی کہہ کر اقرار کیا اس اقرار پر قائم رہتے ہوئے دنیا میں آئے یہ اقرار و ایمان سب کا فطری اور پیدائشی دین ہے۔

۲؎ یعنی بچہ ہوش سنبھالنے تک دین فطرت،توحیدوایمان پر قائم رہتا ہے ہوش سنبھالنے پر جیسا اپنے ماں باپ اور ساتھیوں کو دیکھتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے،ماں باپ بچے کے پہلے استاد ہیں،ان کی صحبت بچے کی طبیعت کے لیے سانچہ ہے۔اسی لیے ضروری ہے کہ اپنی لڑکیوں کے لیے اچھے خاوند اور لڑکوں کے لئے دیندار نیک بیویاں تلاش کرو تاکہ بچے نیک ہوں،اس لیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر ہوئی کہ حضور بت پرستوں اور بے علموں میں رہے مگر انہیں سنبھالا خود نہ بگڑے،معلوم ہوا کہ طبیعت محمدیہ ڈھلی ڈھلائی پیدا ہوئی تھی۔خیال رہے کہ یہاں یہودیت اور نصرانیت سے مراد یہ بگڑے ہوئے دین ہیں نہ کہ اصلی،وہ تو اپنے وقت میں عین ہدایت تھے۔

۳؎ روحانیت کو جسمانیت سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیاہے کہ جیسے عام طور پرجانوروں کے بچے صحیح الاعضاء پیدا ہوتے ہیں پھر جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں،ایسے انسانی ارواح کا حال ہے۔

۴؎ یعنی قانون یہ ہے کہ ہر انسان ایمان اورعقیدۂ توحید پر پیدا ہو،یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی بچہ میثاق کے اقرار کو توڑ کر کافر ہو کر پیدا ہو لہذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ وہ میثاقی ایمان شرعًا معتبر نہیں۔اسی لیے کافر کا بچہ کافر مانا جاتا ہے کہ نہ اس کی نماز جنازہ ہو نہ اسلامی کفن و دفن اور نہ اسے بعد میں مرتد کہا جائے جس بچہ کو خضرعلیہ السلام نے قتل کیا اور فرمایا"اِنَّهٗ طُبِعَ کَافِرًا"وہاں مراد ہے"قُدِّرَوَجُبِلَ"یعنی ہوش سنبھال کر کافر ہونا اس کے مقدر میں آچکا ہے۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اور نہ آیات میں تعارض ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسٰی سے فرماتے ہیں کہ ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ چیزیں بتانے کو قیام فرمایا ۱؎ کہ یقینًا اللہ تعالٰی نہ سوتا ہے نہ سونا اس کے لائق ہے ۲؎ پلہ یا رزق جھکاتا یا اٹھاتاہے ۳؎ اس

کی بارگاہ میں رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پیش ہوجاتے ہیں۴؎ اس کا پردہ نور ہے ۵؎ اگر پردہ کھول دے تو اس کی ذات کی شعاعیں(تجلیات) تاحدِ نظر مخلوق کو جلادیں۶؎(مسلم)	

۱؎ یعنی آپ وعظ کے لیے کھڑے ہوئے اور وعظ میں یہ پانچ چیزیں بیان فرمائیں۔وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر کہنا سنت ہے۔خطبہ خواہ جمعہ کا ہو یا نکاح کا یا کوئی اور۔(کتب فقہ)

۲؎ کیونکہ نیند ایک قسم کی موت ہے اسی لیے جنت دوزخ میں نیند نہ ہوگی رب تعالٰی موت سے پاک ہے،نیز نیند تھکن اتارنے اور آرام کے لئے ہوتی ہے۔پروردگار تھکن سے پاک ہے ارشاد فرماتا ہے:"وَّ مَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ"اس میں ان مشرکین کا رد ہے جو کہتے تھے کہ اللہ تعالٰی دنیا بنا کر تھک گیا اب دنیا کا کام ہمارے بُت چلا رہے ہیں۔**معاذ اللہ!**

۳؎ قسط کے لغوی معنے ہیں حصہ۔اب رزق کو بھی قسط کہتے ہیں اور ترازو کے پلے کو بھی،کیونکہ رزق حصے سے ملتا ہے اور ترازو بھی حصے کرتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ"یعنی کسی کو زیادہ روزی دیتا ہے اور کسی کو کم یا ایک ہی شخص کبھی غریب ہوتا ہے کبھی امیر،کبھی مؤمن،کبھی کافر،کبھی متقی،کبھی فاجر ایسے ہی ایک قوم کبھی غالب کبھی مغلوب۔

۴؎ کہ اعمال لکھنے والے فرشتے دنیا بھر کے اعمال دو وقتہ پیش کرتے رہتے ہیں۔یہ پیشی رب تعالٰی کی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسے حضور پر امت کے درود فرشتے پیش کرتے ہیں اس لیئے نہیں کہ حضور بے خبر ہیں۔

۵؎ یعنی اللہ تعالٰی نور ہے مخلوق کثیف،اس لیے مخلوق اسے نہیں دیکھ سکتی۔مرقاۃ میں ہے کہ ہمارے حضور نے اپنے رب کو دنیا میں اس لیئے دیکھ لیا کہ حضور خود نور ہوگئے تھے نیز حضور نے دعا مانگی تھی۔"وَاجۡعَلۡنِیۡ نُوۡرًا"خدایا مجھے نور بنادے حضور کی دعا قبول ہوئی اور آپ نور ہوگئے۔

۶؎ فرشتوں کو بھی اور دیگر مخلوقات کو بھی نہیں یہ طاقت تو ہمارے حضور کی تھی کہ معراج میں عین ذات کو بغیر حجاب دیکھا اور پلک بھی نہ جھپکا یارب تعالٰی فرماتاہے:"**مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی**"۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دستِ کرم بھرا ہے ۱؎ جسے خرچ کم نہیں کرسکتا اس کی عطا پاشی دن رات جاری ہے ۲؎ غور تو کرو جب سے آسمان اور زمین بنا ہے تب سے کتنا خرچ فرمایا لیکن اس خرچ نے اس کے دستِ کرم میں کوئی کمی نہ کی اس کا عرش پانی پر تھا ۳؎ اس کے قبضہ میں ترازو ہے جسے بلندوپست	

	فرماتا ہے ۴؎(مسلم وبخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اللہ کا دستِ کرم بھرا ہوا ہے ابن نمیر نے مَلَأَ فرمایا اور فرمایا سحاء سے رات و دن کی کوئی چیز کم نہیں کرتی۔

۱؎یعنی اللہ بڑا غنی ہے اس کی تائید میں وہ آیت ہے"وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ "ورنہ اللہ تعالٰی ہاتھ سے بھی پاک ہے اور اس کے بھرنے سے بھی۔

۲؎اس کی مثال اس نے اپنی بعض مخلوق میں قائم فرمادی ہے سمندر کا پانی،سورج کا پانی،سورج کی روشنی،ہمارا علم خرچ کرنے سے نہیں گھٹتے،جنت کے رزق کا بھی یہی حال ہوگا۔پھر رب تعالٰی کے خزانوں کا کیا پوچھنا۔لہٰذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎اس کی تفسیر پہلے گزرچکی کہ عرش و پانی کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔

۴؎یعنی لوگوں کا رزق اور ان کے اعمال اللہ تعالٰی کے قبضہ میں ہیں جن میں زیادتی کمی فرماتا رہتا ہے یا قوموں کی تقادیر اس کے قبضہ میں ہیں کسی کو گراتا ہے کسی کو اٹھاتا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے بچوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ رب جانے وہ کیا اعمال کرتے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی اگر وہ جوان ہو کر کافر ہوتے تو وہ جہنمی ہیں اور اگر مؤمن ہوتے تو جنتی ہیں۔خیال رہے کہ کفار کے فوت شدہ بچوں کے متعلق علماء کرام کے چند اقوال ہیں:(۱)وہ جنتی ہیں کیونکہ فطرت پر پیدا ہوئے(۲)وہ جہنمی ہیں اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر(۳)وہ اعراف میں رہیں گے کیونکہ ان کے پاس شرعی ایمان یا کفر نہیں(۴)ان میں توقف کرو کیونکہ دلائل مختلف ہیں(۵)وہ بڑے ہو کر جیسے ہوتے ان پر وہی حکم جاری ہے یعنی چونکہ کافر ہوتے لہٰذا وہ جہنمی ہیں یا مؤمن ہوتے لہٰذا جنتی ہیں۔یہ حدیث آخری قول کی دلیل ہے۔مرقات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں اور حضور کا یہ فرمان ان آیات کے نزول سے قبل ہے جن میں فرمایا گیا کہ بغیر قصور ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے،بعض نے یہ بھی فرمایا کہ یہ جنتی تو ہیں مگر مؤمن جنتیوں کے خدّام۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب نے جو چیز پہلے پیدا کی وہ قلم تھا ۱؎ پھر فرمایا اس کو لکھ بولا کیا لکھوں ۲؎ فرمایا تقدیر لکھ تب اس نے جو کچھ ہوچکا اور جو ہمیشہ تک ہوگا لکھ دیا ۳؎(ترمذی)ترمذی نے

	فرمایا یہ حدیث مسنداً غریب ہے۔

۱؎ یہ اولیّت اضافی ہے یعنی عرش، پانی ہوا اور لوح محفوظ کی پیدائش کے بعد جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ قلم ہے۔مرقاۃ میں اس جگہ ہے کہ سب سے پہلے نور محمدی پیدا ہوا،وہاں اولیّت حقیقیہ مراد ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ ہی قلم ہے اس صورت میں یہاں اولیت حقیقی ہے۔

۲؎ اس عبارت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،ہر چیز میں رب سے عرض معروض کرنے کی طاقت ہے قرآن کریم فرماتا ہے:"اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"حضور کے فراق میں لکڑیاں روئی ہیں اور آپ سے لکڑی اور پتھروں نے گفتگو کی ہے۔

۳؎ ہوچکا فرمانا اپنے زمانۂ پاک کے لحاظ سے ہے،تحریر کے وقت کوئی نہ ہوچکا تھا،ہر چیز مستقبل تھی۔ہمیشہ سے مراد قیامت تک کے واقعات ہیں جو متناہی ہیں مابعد قیامت غیر متناہی،جیسا کہ عبداللہ ابن عباس کی روایت میں ہے یہ تحریر لوح محفوظ پر "ن"دوات سے ہوئی،اس قلم دوات کی حقیقت رب العزت ہی جانتا ہے،یہ لکھنا رب کے اپنے یاد رکھنے کے لیے نہ تھا،بلکہ ان مقبولوں کو بتانے کے لیے تھا جن کی نگاہ لوح محفوظ پر ہے۔جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں اس سے اولیاء اورانبیاء کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔

	روایت ہے مسلم ابن یسار سے۱؎ فرماتے ہیں کہ عمر ابن الخطاب سے آیت کے متعلق پوچھا گیا جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذریت نکالی۲؎ الایہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ سے یہ ہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ کو اپنے ہاتھ سے ملا۳؎ تو اس سے ان کی اولاد نکلی۴؎ تو فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کی لیئے بنایا یہ جنتیوں کے کام کریں گے۵؎ پھر ان کی پشت ملی تو اس سے اولاد نکلی۶؎ تو فرمایا انہیں میں نے آگ کے لیئے بنایا یہ لوگ دوزخیوں کے کام کریں گے ۷؎ ایک شخص بولا پھر عمل کا ہے میں رہا یارسول اللہ ۸؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ جس بندے کو جنت کے لیئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں کے کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے اس بنا پر اسے داخل فرماتا ہے جنت میں ۹؎ اور جب بندے کو دوزخ کے لیئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے کام لیتا ہے۱۰؎ تاآنکہ وہ دوزخیوں کے

	کاموں میں سے کسی کام پر مرتا ہے جس کی وجہ سے اسے دوزخ میں داخل فرماتا ہے ۱۱؎(مالک ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ آپ جُہَنِّی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،اولیائے کاملین میں سے ہیں، ۱۰۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا،حضرت عمر فاروق سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی،آپ تک یہ حدیث پہنچی ہے۔

۲؎ کہ اس کا مطلب کیا ہے اور اس نکالنے کی نوعیت کیا تھی۔

۳؎ یہ عبارت متشابہات میں سے ہے یعنی ان کی پشت مبارک پر توجہ قدرت فرمائی ورنہ رب ہاتھ کے ظاہری معنے اور داہنے بائیں سے پاک ہے،نطفہ مرد کی پیٹھ میں رہتا ہے،اس لیے توجہ پشت پر فرمائی گئی۔

۴؎ اس طرح کہ ہر رونگٹے کی جڑ سے پسینہ کے قطروں کی طرح ظاہر ہوئی،یہ واقعہ آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے سے پہلے نعمان پہاڑ پر قریب عرفات شریف یا مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ہوا،بعض نے فرمایا کہ جنت سے تشریف لانے کے بعد ہوا اور یہ روحیں سفید رنگ کی تھیں۔

۵؎ یعنی اپنی خوشی وارادے سے نیکیاں کریں گے،ایمان پر مریں گے،جنت میں جائیں گے۔لہٰذا وہ لوگ ان اعمال میں مجبور نہیں۔خیال رہے کہ یہاں جنت کسبی مراد ہے،وہبی،عطائی طور پر بغیر اعمال بھی جنت ملے گی،جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے یا مرتے وقت ایمان قبول کرنے والا۔

۶؎ سیاہ رنگ والی یہ کفار کی روحیں تھیں۔

۷؎ اس طرح کہ کفر پر مریں گے زندگی خواہ کفر پر گزری ہو یا ایمان پر۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اور حاضرین فرشتوں کو تمام جنتی اور دوزخی دکھائے گئے،بتادیئے گئے،انہی کو بتانے کے لیے یہ واقعہ کیا گیا ہمارے حضور کا علم آدم علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا حضور بھی ہر ایک کا انجام اور سعادت شقاوت جانتے ہیں،علوم خمسہ رب نے آپ کو بخشے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی پشت میں اپنی تمام اولاد کی روحیں اور ان کے اجزاءاصلیہ موجود تھے۔بعض روایات میں ہے کہ مؤمنوں کی روحیں سفید تھیں انبیاء کی روحیں نہایت چمکدار۔

۸؎ کیونکہ اگر ہم جنتیوں میں سے ہیں تو کچھ بھی کریں جنت ہی پائیں گے،جنتی دوزخی ہونا جبری چیز ہوئی نا کہ اختیاری۔

۹؎ یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔پہلے گزر چکا کہ بعض لوگ عمر بھر دوزخیوں کے کام کرتے ہیں،مرتے وقت نیک اعمال کرکے مرتے ہیں۔

۱۰؎ کام لینے کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے دل کا رجحان برائیوں کی طرف ہوتا ہے جس سے وہ اپنی خوشی اور اختیار سے بدکاریاں کرتا ہے لہٰذا بندہ خلق میں مجبور ہے کسب میں مختار اور مستحق عذاب نار۔

۱۱؎ لہٰذا ہمیشہ نیکیاں کرنے کی کوشش کرو۔

	روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ دستِ اقدس میں دو کتابیں تھیں۱؎ فرمایا کہ کیا جانتے ہو یہ کیا کتابیں ہیں۲؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کے بغیر

	بتائے نہیں جانتے ۳؎ تو داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ یہ کتاب رب العلمین کے پاس سے آئی ہے ۴؎ جس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر تک کاٹوٹل لگادیا گیا ہے ۵؎ لہذا ان میں کبھی زیادتی کمی نہیں ہوسکتی ۶؎ پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایاکہ یہ کتاب اللہ رب العلمین کی طرف سے آئی ہے ۷؎ اس میں دوزخیوں اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر تک کا ٹوٹل لگادیا گیااب ان میں کبھی زیادتی اور کمی نہیں ہوسکتی ۸؎ صحابہ نے عرض کیا عمل کا ہے میں رہا یارسول اللہ اگر اس معاملہ سے فراغت ہوچکی ۹؎ فرمایا سیدھے رہو قرب الٰہی حاصل کرو ۱۰؎ کیونکہ جنتی کا خاتمہ جنتیوں کے عمل پر ہوتا ہے اگرچہ پہلے کوئی بھی کام کرے اور یقیناً دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے کام پر ہوتا ہے اگرچہ پہلے کوئی عمل کرے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر انہیں جھاڑ دیا ۱۱؎ پھر فرمایا کہ تمہارا رب بندوں سے فارغ ہوچکا ایک ٹولہ جنتی اور دوسرا ٹولہ دوزخی ہے ۱۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی ایک دائیں ہاتھ میں اور دوسری بائیں میں،حق یہی ہے کہ کتابیں حسی تھیں جنہیں صحابہ کرام دیکھ رہے تھے نہ کہ فقط خیالی اور وہمی جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے۔(مرقاۃ واشعۃ اللمعات)اگلی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی یہ دونوں کتابیں جو تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو کس مضمون کی ہیں اور ان میں کیا لکھا ہے،اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں نظر آرہی تھیں ورنہ ھذان سے اشارہ نہ فرمایا جاتا۔نیز پھر صحابہ پوچھتے کہ حضور کون سی کتابیں اور وہ کہاں ہیں؟

۳؎ یعنی کتابیں تو دیکھ رہے ہیں مگر اس کے مضمون سے بے خبر ہیں اگر آپ اطلاع بخشیں تو خبردار ہوجائیں،معلوم ہوا کہ حضور کتابوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اور ان کتابوں کے تفصیلی عالم بھی ہیں اور لوگوں کو وہ کتابیں پڑھا اور بتا بھی سکتے ہیں یہی صحابہ کا عقیدہ تھا۔

۴؎ جس میں ربِ تعالٰی کے خصوصی علم کا اظہار ہے۔

۵؎ اس طرح کہ ساری کتاب میں جنتیوں کے نام،پتے،کام تو فہرست میں ہیں اور آخر میں ٹوٹل کہ کل اتنے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جنتی و دوزخی کا تفصیلی علم بخشا ان کے باپ،دادوں،قبیلوں اور اعمال پر مطلع کیا،یہ حدیث حضور کے علم کی تابندہ دلیل ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

۶؎ یعنی رب نے اس میں تقدیر مبرم کی تفصیل فرمائی ہے اور مجھے اس کا علم بخشا ہے،تقدیر معلق اور مشابہ معلق میں زیادتی کمی ممکن ہے۔خیال رہے کہ لوح محفوظ میں محوواثبات کی تحریر بھی ہے اور اُمّ الکتاب میں صرف قضائے مبرم کی۔لوح محفوظ تک ملائکہ کا علم پہنچتا ہے مگر میرے حضور کا علم اُمّ الکتاب تک ہے۔(ازمرقات)یہاں صحابہ کرام کو اجمالی طور پر بتایا گیا۔

۷؎ بلاواسطۂ فرشتہ یا بواسطۂ فرشتہ ام الکتاب سے نقل ہوکر جہاں کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں کیونکہ یہ قضاء مبرم ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے۔

۸؎ اس سے پتہ لگا کہ اللہ نے اپنی قضاء مبرم پر حضور کو مطلع فرمایا۔

۹؎ یعنی انجام کا دارو مدار رب کی تحریر پر ہے نہ کہ ہمارے عمل پر،پھر اعمال کی ضرورت ہی کیا رہی۔

۱۰؎ یعنی اعمال نیک اور عقائد صحیح اختیارکرو تاکہ تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو۔

۱۱؎ یعنی ہاتھوں کو جھٹکا دیا جس سے دونوں کتابیں غائب ہوگئیں یا کتابوں کو عالمِ غیب کی طرف پھینکا،یہ پھینکنا ان کی اہانت کے لیے نہ تھا نہ اس سے وہ کتابیں زمین پر گریں۔

۱۲؎ یہ قرآن پاک کی آیت سے اقتباس ہے اور بندوں سے مراد انسان ہیں کیونکہ جنت میں ثواب کے لیے انسانوں کے سوا کوئی نہ جائے گا یہ آدم علیہ السلام کی میراث ہے انہی کی اولاد کو ملیگی۔

	روایت ہے ابو خزامہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مطلع فرمایئے کہ جو منتر ہم کرتے ہیں۲؎ جو دوائیں اور پرہیز ہمارے استعمال میں آتے ہیں ۳؎ کیا یہ اللہ کی تقدیر پلٹ دیتے ہیں فرمایا یہ خود اللہ کی تقدیر سے ہیں ۴؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے غالباان کا نام **یَعْمُر** ہے جو بنی حارث ابن سعد قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ ابوخزامہ خود تابعی ہیں،ابو خزامہ صحابی دوسرے ہیں۔

۲؎ یعنی تعویذ گنڈے دم درود جھاڑ پھونک اگر قرآنی آیات یا حدیث کی دعاؤں یا بزرگوں کے اعمال سے ہوں تو جائز،ورنہ ممنوع۔اس کی پوری بحث انشاء اللہ کِتَابُ الطّبّ وَالرُّقیٰ میں آئے گی۔

۳؎ یعنی بیماری میں دوائیں استعمال کرتے ہیں اور مضر چیز سے بچتے ہیں یا جنگ میں ڈھال وغیرہ سے دشمن کا حملہ دفع کرتے ہیں۔

۴؎ یعنی ان کا استعمال جائز ہے اور تقدیر میں یہی لکھا جاچکا ہے کہ فلاں بیماری،فلاں دوا یا تعویذ سے جائے گی اور فلاں مصیبت اس جھاڑ پھونک یا اس پرہیز سے دفع ہوگی،یعنی مصیبتوں کا آنا اور ان تدابیر سے جانا سب مقدر میں شامل ہے،تدبیر تقدیر کے خلاف نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ گنڈا تعویذ جھاڑ پھونک مثل دوا کے علاج ہیں اور جائز ہیں کہ سنتِ صحابہ اور سنّتِ رسول اللہ ہیں،اس کا پورا ایک باب آنے والا ہے۔

	روایت ہے ابوہریرہ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے حالانکہ ہم مسئلہ تقدیر پر جھگڑ رہے تھے ۱؎ تو آپ ناراض ہوئے حتی کہ چہرہ انور سرخ ہوگیا گویا کہ رخساروں میں انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں ۲؎ اور فرمایا کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ۳؎ تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلہ میں جھگڑے کیئے تو ہلاک ہی ہوگئے ۴؎ میں تم پر لازم کرتا ہوں لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں نہ جھگڑو ۵؎ (ترمذی)

۱؎ کہ جب جو کچھ ہم کرتے ہیں ارادۂ الٰہی سے کرتے ہیں،توہم مجبور ہوئے،پھر اس پر ثواب اور عذاب کیسا؟ وغیرہ جیسے آج کل کی عام گفتگوئیں۔

۲؎ یعنی غضب کے آثار چہرے پر نمودار ہوگئے۔حضور علیہ السلام کا یہ غصّہ نفس کے لئے نہ تھا بلکہ اللہ تعالٰی کے لئے اور صحابہ کو تعلیم دینے کی غرض سے تھا،یہ غصہ عبادت ہے جس پر بڑا ثواب۔اس سے معلوم ہوا کہ استاد شاگردوں پر اور پیرمریدوں پر ناراض ہوسکتا ہے۔

۳؎ یعنی جن چیزوں کی تمہیں ضرورت ہے اور جن کا سوال تم سے قبر و حشر میں ہوگا ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرو،مسئلہ تقدیر میں بحث کرنے کے تم مکلّف نہیں،نہ تم سے اس کا سوال ہوگا۔

۴؎ یہود و نصارٰی کی بعض جماعتیں یا دیگر انبیاء کی امتیں جو مسئلۂ قضاء قدر میں کج بحثیاں کرکے ایمان کھو بیٹھے اور عذاب الٰہی آگیا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسئلۂ تقدیر میں بے سمجھے بوجھے کج بحثیاں کرنا اور عوام کے دل میں اس کے متعلق شبہات پیدا کرنا حرام ہے،ایسے ہی ناسمجھ لوگوں کا اس میں زیادہ غور و فکر کرنا بھی منع،لیکن اس مسئلے کی حقانیت پر دلائل قائم کرنا،معترضین کے شبہات دور کرنا منازعت نہیں بلکہ تبلیغ ہے،مگر یہ علماء کا کام ہے عوام کا نہیں،لہٰذا علم کلام میں مسئلۂ تقدیر کی بحث اس زد میں نہیں آتی۔

	اس کی مثل ابن ماجہ نے عمرو ابن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ۱؎

۱؎ خیال رہے کہ ان کی اسناد میں اِرْسَال ہے کیونکہ ان کا نسب یہ ہے،عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عَمروابن عاص۔عبداللہ ابن عمرو صحابی ہیں،شعیب نے ان سے ملاقات نہیں کی،جَدِّہٖ کی ضمیر شعیب کی طرف لوٹتی ہے،بعض نے فرمایا کہ اس میں ارسال نہیں ہے،اور شعیب نے اپنے دادا عمر ابن عاص سے ملاقات کی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی سے پیدا کیا جو تمام روئے زمین سے لی گئی۱؎ لہٰذا اولاد آدم زمین کے اندازے پر آئی۲؎ ان میں سرخ سفید اور کالے اور درمیانے۳؎ اور نرم وسخت پلید و پاک ہیں۴؎ اسے احمدوترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔	

۱؎ اس طرح کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے ہرقسم کی زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی حاصل کی اور اس کو ہر قسم کے پانی میں گوندھا چونکہ حضرت عزرائیل نے ہی یہ مٹی اٹھا ئی تھی،اس لیے جان نکالنے کا کام بھی انہیں کے سپرد کیا،تاکہ زمین کی امانت وہی واپس کریں۔ا س سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے بندوں کے کام رب کی طرف منسوب ہوتے ہیں،دیکھو مٹی جمع کرنے والے حضرت ملک الموت ہیں مگر فرمایا گیا رب تعالیٰ نے جمع فرمائی۔اس کی پوری تحقیق ہماری" تفسیر نعیمی"میں دیکھئے۔

۲؎ یعنی چونکہ مٹیاں مختلف تھیں لہٰذا انسانوں کی صورتیں اورسیرتیں بھی مختلف ہوئیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کے اجزائے اصلیہ آدم علیہ السلام میں موجود تھے،جیسے تمام کی روحیں آپ کی پشت میں تھیں،انبیائے کرام کے اصلی اجزاء نورانی تھے دوسروں کے ظلمانی،حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو نوراللہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ آپ کی روح بھی نور ہے اورجسم بھی نورانی،ورنہ صرف روح تو سب کی نور ہے۔

۳؎ یعنی سانولے یا سفیدی سرخی سے مخلوط یعنی جن کی خلقت میں سفید مٹی کے اجزاء غالب آگئے وہ سفید ہوگئے،کالی مٹی کے اجزاء جن میں غالب آئے وہ کالے،جہاں دونوں برابر رہے وہ سانولے یا سرخ سفید۔

۴؎ یعنی جیسے انسانوں کی مختلف صورتیں مختلف مٹیوں کی وجہ سے ہیں ایسے ہی ان کی سیرتیں بھی مختلف مٹیوں کے اثرات سے مختلف ہیں کہ جن میں نرم مٹی کے اجزاءغالب ہیں ان کی طبیعت نرم ہے،اور سخت مٹی والوں کی طبیعت بھی سخت،جو گندی مٹی سے بنے وہ طبیعت کے گندے ہیں،پاک مٹی والے طبیعت کے پاک صاف۔خیال رہے کہ جیسے جسم کا اصلی رنگ نہیں بدلتا ایسے ہی انسان کی اصلی فطرت نہیں بدلتی،اور جیسے پوڈر یا سیاہی کا عارضی رنگ اترجاتا ہے،ایسے ہی طبیعت کی عارضی حالتیں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ابوجہل کا کفر اصلی تھا نہ دُھل سکا،عمر فاروق کا عارضی،ایک نگاہِ مصطفے نے دھوکر پھینک دیا۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ نے اپنی	

مخلوق اندھیرے میں پیدا کی۱؎ پھر ان پر اپنی شعاع نور ڈالی۲؎ جسے اس نور سے کچھ پہنچا وہ ہدایت پا گیا۳؎ جو اس سے رہ گیا گمراہ ہوگیا۴؎ اسی لیئے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پرسوکھ چکا۵؎ (احمدوترمذی)	

۱؎ یعنی جن و انس نہ کہ فرشتے یہ دونوں فریق پیدائش کے وقت نفسانی اورشہوانی اندھیریوں میں تھے۔

۲؎ یعنی ایمان اورمعرفت کی روشنی معلوم ہوا کہ تاریکی ہماری اصلی حالت ہے،روشنی رب کا کرم،گناہ ہم خود کرتے ہیں،نیکی وہ کرالیتا ہے مٹی کے ڈھیلے کی طرح لیجیے ہم خود گرتے ہیں،اپنے کرم سے اوراوپر وہ اٹھالیتا ہے۔

۳؎ جنّت کے راستہ کی جن پر گہراچھینٹا پڑا وہ انبیاء یا اولیاء ہوئے جن پر ہلکا پڑا وہ مؤمن ہوئے۔

۴؎ یعنی کافر رہا،خیال رہے کہ تاریکی میں پیدائش میثاق والے اقرار سے پہلے ہے،سب لوگ پہلے ہی تقسیم ہوچکے تھے،معاہدے کے وقت مؤمنوں نے خوشی سے بلیٰ کہا تھا اور کافروں نے ناخوشی سے،اسی اقرار پرماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے،لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،وہاں فطرت سے مراد یہ اقرار ہے۔

۵؎ یعنی جو لکھنا تھا وہ لکھ دیا۔خیال رہے کہ اس سے انسان کا جبر لازم نہیں آتا کیونکہ وہاں یہی لکھا جاچکا ہے،کہ یہ بندہ اپنی خوشی سے یہ کام کرے گا کام بھی تحریر میں آچکے اور اس کا ارادہ اور خوشی بھی۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ فرماتے تھے اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر ثابت رکھ۱؎ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم آپ پراورآپ کی تمام لائی ہوئی چیزوں پر ایمان لاچکے تو کیا اب بھی آپ ہم پر اندیشناک ہیں۲؎ فرمایا ہاں لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے بیچ میں جدہرچاہے پھیر دے۳؎ (ترمذی وابن ماجہ)	

۱؎ یہ دعاتعلیم امّت کے لیے ہے تاکہ لوگ سن کرسیکھ لیں ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دینِ حق سے ہٹ جانا ایسے ہی ناممکن ہے جیسے خدا کا شریک بلکہ جس پر وہ نگاہِ کرم کردیں وہ نہیں پھسل سکتا عثمان غنی سے فرمادیا کہ جو چاہوکرو مگر وہ گناہ نہ کرسکے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ سبحان اللہ!یہ ہے صحابہ کرام کا ایمان وہ دعا سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ دعا ہمارے لیے ہے نہ کہ خود حضور کے اپنے لیے۔خیال رہے کہ عَلَیْنَا سے مرادتاقیامت عام مسلمان ہیں ورنہ بعض صحابہ حضور کے کرم سے اس سے مستثنٰے ہیں۔فرماتے ہیں کہ عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے،حضور کی نگاہ سے ڈگمگاتے جم جاتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللہِ لَاخَوْفٌ عَلَیۡہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوۡنَ"۔

۳؎ یعنی جن و انس کے دل اس کی تفسیر پہلے بارہا گزرچکی۔

روایت ہے ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی مثال اس پر کی سی ہے جو میدانی زمین میں ہو جسے ہوائیں ظاہر وباطن الٹیں پلٹیں۱؎ (احمد)	

۱؎ دل گویا پتّہ ہے دنیا بڑا میدان اور صحبتیں تیز ہوائیں اگر یہ پتہ کسی بھاری پتھر کے نیچے آجائے تو ہواؤں کی زد سے محفوظ رہتا ہے اگر ہم گنہگار کسی شیخ کی پناہ میں آجائیں تو ان شاءاللہ بے دینی سے محفوظ رہیں گے بیعت مرشد کا یہ ہی منشاء ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک بندہ مؤمن نہیں ہوتا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے گواہی دے کے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں مجھے اللہ نے حق کے ساتھ بھیجا اور مرنے اور مرے بعد اٹھنے ۱؎ اور تقدیر پر ایمان لائے ۲؎ (ترمذی، وابن ماجہ)	

۱؎ موت میں دہریوں کا رد ہے کہ وہ شخصی موت کے تو قائل ہیں مگر عالم کی مجموعی موت کے قائل نہیں اور اٹھنے میں منکرین قیامت کا رد ہے یعنی یہ بھی مانیں کہ سارے عالم کو فنا ہے اور یہ بھی کہ بعد موت سزا و جزا کے لیے اٹھنا ہے اور ممکن ہے کہ موت سے مراد شخصی موت ہو اوراٹھنے سے قبر میں اٹھنا۔

۲؎ کہ نہ جبریہ بن کر انسان کو مجبور محض مانے اور نہ قدریہ بن کر تقدیر کا انکار کرے، اوراپنے کو قادرِ مطلق جانے۔

روایت ہے حضرت عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کے دو گروہ ہیں۱؎ جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں مرجیہ اور قدریہ ۲؎ اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ اُمت سے مراد یا تو اُمت دعوت ہے جس میں کافر بھی شامل ہیں یا امت اجابت یعنی کلمہ گو، جنہیں قومی حیثیت سے مسلمان کہا جاتا ہے دیکھو مسلمانوں کے ۷۲ ناری فرقے قومی مسلمان ہیں، اور ایک فرقہ ناجیہ قومًا بھی مسلمان اور مذہبًا بھی، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان کافر گروہوں کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُمت کیوں فرمایا۔

۲؎ مرجیہ کہتے ہیں کہ جیسے کافر کو کوئی نیکی مفید نہیں ایسے ہی مسلمان کو کوئی گناہ مضر نہیں جو چاہے کرے، اس زمانہ کے دِتہ شاہی فقیر اور بعض روافض ان کی یادگار ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ دتّہ شاہ کو مان لیا، یا محرم میں رو پیٹ لیے، پھر جو چاہو کرو، قدریہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہم اپنے اعمال کے خالق اور مختار ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

دونوں فرقے بالکل کافر ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ ان کا کفر لزومی ہے،نہ کہ التزامی،لہذا انکی تکفیر میں احتیاط چاہیے کیونکہ ثبوت کفر کے لیے دلیل قطعی چاہیے،یہ حدیث قطعی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں دھنسنا اور صورتیں بگڑنا ہوگا اور یہ تقدیر کے منکروں پر ہوگا ۱؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ترمذی کی روایت اس کی مثل ہے۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں **خسف** اور **مسخ** کے حقیقی معنٰے ہی مراد ہیں اور واقعی آخر زمانہ میں بعض منکرین تقدیر قارون کی طرح زمین میں دھنسائے جائیں گے اور بعض ایلہ والوں کی طرح بندر اورسور بنیں گے۔خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریف آوری کے بعد اس قسم کے عام عذاب تا قیامت بند ہوگئے خصوصی عذاب آئیں گے،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"**مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ**"کہ وہاں عمومی عذاب کی نفی ہے اور یہاں خصوصی کا ثبوت،بعض نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میری اُمّت میں مسخ اور خسف ہوتا تو قدریوں میں ہوتا۔(اللمعات)بعض نے فرمایا کہ قدریوں کو یہ عذاب قیامت میں ہوگا،کہ میدانِ محشر میں ان کے منہ کالے ہوں گے اور پلصراط سے گراکر جہنم میں دھنسائے جائیں گے(مرقاۃ)مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قدریہ فرقہ اس امت کا مجوسی ٹولہ ہے ۱؎ اگر بیمار پڑیں تو ان کی مزاج پرسی نہ کرو اور اگر مرجائیں تو ان کے جنازوں میں نہ جاؤ ۲؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ اُمت سے مراد اُمتِ اجابت یعنی کلمہ گوہیں(قومی مسلمان)۔مجوس کا عقیدہ ہے کہ عالم کے خالق دو ہیں:خیر کا خالق یزدان اور شرکا اہرمن یعنی شیطان۔ایسے ہی قدر یہ اپنے کو اپنے اعمال کا خالق مانتے ہیں،لہذا مجوس سے بدتر ہوئے کہ وہ صرف دو خالق مانیں اور یہ لاکھوں۔

۲؎ یعنی ان کا مکمل بائیکاٹ کرو تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلیں،بائیکاٹ بڑا مکمل علاج ہے رب تعالٰی نافرمان بیویوں کے بارے میں فرماتا ہے:"**وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ**"۔خیال رہے کہ مؤمن کو بے دین سے ایسی ہی علیحدگی چاہیے کہ موت زندگی میں ان سے الگ رہے جان بچانا ہے تو سانپ سے بھاگو،ایمان بچاناہے تو بے دینوں سے بھاگو،قدریہ یا تو کافر ہیں یا گمراہ،بہرحال ان کی صحبت زہر قاتل ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو۱؎ نہ ان سے کلام کی ابتداء کرو۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ محبت اور میل ملاپ کے طور پر تبلیغ یا مناظرہ کے لیے ٹھوس علماء کا اُن کے پاس جانا جائز ہے،پلپلے مسلمان بہرحال ان سے بچیں۔فی زمانہ قادیانیوں،وہابیوں،روافض سب کا یہی حکم ہے اگر مسلمان اس حدیث پر عمل کرتے تو یہ دین پھیلتے ہی نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"۔

۲؎ لَاتُفَاتِحُوْا،فَتْح سے بنا بمعنی ابتداء یا فیصلہ"رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا"یہ یعنی انہیں حاکم یا پنچ نہ بناؤ،یا ان سے بات چیت اور مناظرہ وغیرہ کی ابتداء نہ کرو تاکہ فتنہ نہ ہو،اس سے پتہ لگاکہ بیدینوں کے جلسوں میں جانا،ان کی کتب کا مطالعہ کرنا،انہیں دعوتیں کھلانا سب ناجائز ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ آدمی وہ ہیں جن پر میں نے اور اللہ نے لعنت کی۱؎ اور ہر نبی مقبول الدعاء ہے ۲؎ اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا ۳؎ اللہ کی تقدیر کا انکاری،جبرًا قبضہ جمانے والا تاکہ انہیں ذلیل کرے جنہیں اللہ نے عزت دی اور انہیں عزت دے جنہیں اللہ نے ذلیل کیا۴؎ اور اللہ کے حرام کو حلال سمجھنے والا۵؎ اور میری آل کے متعلق وہ باتیں حلال سمجھنے والا جنہیں اللہ نے حرام کیا۶؎ اور میری سنت کو چھوڑنے والا۷؎	

۱؎ لعنت کے معنی ہیں دُوری جب اس کا فاعل بندہ ہو تو معنٰے ہوتے ہیں دُوریٔ رحمت کی بددعا کرنا،اور اگر فاعل ربّ ہو تو معنٰے ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا،کسی مسلمان پر نام لے کر لعنت جائز نہیں،وصفِ اجمالی سے لعنت جائز جیسے جھوٹوں اور زانیوں پر خدا کی لعنت،نیز اُن کفار پر بھی لعنت جائز ہے جن کا کفر پر مرنا یقینی ہوچکا جیسے ابوجہل و ابولہب وغیرہ۔لعان میں لعنت وصف ہی پر ہے اس حدیث میں بھی یہی لعنت ہے۔

۲؎ یعنی ہر نبی کی ہر دعا قبول اگر ان کی کوئی دعا خلاف قضاء وقدر ہوجائے تو ان کو دعا مانگنے سے روک دیا جاتاہے ردّ وہ بھی نہیں ہوتی،رب نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا"يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا"۔

۳؎ قرآن ہو یا کوئی آسمانی کتاب لفظی زیادتی کرے یا معنوی۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جنہوں نے آج قرآن کی تفسیر کو کھیل سمجھ رکھا ہے اور آیات کے وہ معانی کررہے ہیں جو آج تک کسی مؤمن کے خیال میں بھی نہ تھے،علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی شاذ قراتیں حدیث کے حکم میں ہیں وہ قرآن نہیں نہ اس کی تلاوت جائز۔(مرقاۃ)

۴؎ یعنی لوگوں کے خلاف مرضی اُن کا ناجائز حاکم بن جانے والا جیسا آج کل علی العموم ہورہا ہے۔خیال رہے کہ قوم یا ملک کے بگڑنے کی صورت میں اس کو سنبھالنے کے لیے زمامِ حکومت ہاتھ میں لے لینا سنت یوسف علیہ السلام ہے۔یہاں وہ حکام مراد ہیں جو دین و ملک کو بگاڑنے کے لیے حاکم بنیں،فاسقوں کو مرتبے دیں،علماء واولیاء کو ذلیل کرنے کی کوشش کریں۔

۵؎ یعنی مکہ مکرمہ کے حدود میں فتنہ،فساد،شکار اور قطع اشجار وغیرہ وہ کام کرنے والا جو شریعت نے علی العموم یا وہاں حرام کیے۔

۶؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی بے حرمتی،اُن پر ظلم و ستم کرنے والا،عترت رسول اللہ اولادِ فاطمہ زہرا ہے ان کی تعظیم داخل فی الدین ہے،جب قرب کعبہ کی وجہ سے حرم کی زمین کا احترام ہے تو قرابت ِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سادات کرام کا احترام یقینًالازم ہے،یا اس جملے کے معنے یہ ہیں کہ جو میری اولاد ہو اور اللہ کے حرام کو حلال جانے اس پر لعنت ہے۔(اشعۃ اللمعات)کہ اگرچہ جرم سب کے لیے بُرا مگر سادات کے لیے زیادہ بُرا،اس سے سید حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے وہ اپنے باپ دادوں کا نمونہ بنیں صرف سیّد ہونے پر فخر نہ کریں۔

۷؎ حقیر جان کر سنتِ رسول اللہ مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ زائدہ ہو یا ھُدٰی اس کو حقیر جاننا،مذاق اُڑانا قطعًا کفر ہے۔سنت ھُدٰی کا ہمیشہ چھوڑنے والاحضور کی ایک شفاعت سے محروم رہے۔

روایت ہے مطربن عکاس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے کے متعلق کسی زمین میں مرنے کا فیصلہ فرمادیتا ہے تو اس کے لئے وہاں ضروری کام ڈال دیتا ہے ۲؎ (احمدوترمذی)	

۱؎ آپ سلمی ہیں،اہلِ کوفہ سے آپ کا شمار ہے،آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،حق یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں،صحابیت کے لیے ایک آن صحبت پاک کافی ہے۔

۲؎ دنیوی یادینی چنانچہ بعض لوگ زیارتِ روضہ کے لیے یا حج کے لیئے مدینہ پاک یا مکّہ مکرمہ جاتے ہیں اور وہاں انتقال ہوجاتا ہے ایسی حاجت بھی مبارک اورموت بھی۔

روایت ہےحضرت عائشہ رضی اللہ عنہاسےفرماتی ہیں میں نےعرض کیا یارسول اللہ مسلمانوں کے بچے ۱؎ (کہاں جائیں گے)فرمایا وہ اپنے باپ دادوں سے ہیں ۲؎ تو میں بولی یارسول اللہ بغیر عمل فرمایا اللہ جانتا ہے وہ کیا کرتے ۳؎ میں نے عرض کیا تو کفار کے بچے،فرمایا وہ اپنے باپ دادوں سے ہیں ۴؎ میں بولی بغیر کچھ کیئے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو ہوش سے قبل فوت ہوجائیں وہ کہاں جائیں گے۔

۲؎ یعنی جنتی ہیں اور جنت میں جو درجہ ان کے باپ دادوں کا ہوگا وہی ان کا لہٰذا حضرت قاسم،ابراہیم وغیرہم حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے،اولاد تو بہت اعلیٰ قرب رکھتی ہے۔ان شاءاللہ حضور کو چاہنے والے حضور کے ہمراہ ہوں گے،گلدستہ کی گھاس بھی پھول کے طفیل بادشاہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے۔

۳؎ یعنی جنت کے داخلے کے لیے بالفعل عمل ہی شرط نہیں،تقدیری عمل بھی کافی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو مسلمان کے بچے تھے،اچھے ہی کام کرتے،اس بنا پر جنت میں جائیں گے بلکہ بعض گنہگار نیک کاروں کے طفیل جنتی ہیں جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔

۴؎ یعنی اُن کے ساتھ دوزخ میں۔

۵؎ کہ اگر وہ زندہ رہتے تو کافر کے بچے تھے،کفر ہی کرتے۔جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ جزو اُن آیات سے منسوخ ہے جن میں فرمایا کہ بلا جُرم دوزخ نہ دی جائے گی یہ بارہا عرض کیا جاچکا ہے۔رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَاكُنَّا مُعَذِّبِيْنَ" الآیہ۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ دفن کرنے والی ماں اور زندہ دفن کی ہوئی بچی دونوں دوزخ میں ہیں ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ مالدار کفارِ عرب اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دیتے تھے،حدیث کے ظاہری معنٰے یہ ہیں کہ یہ ماں اور بچی دونوں جہنمی۔ماں کفر حقیقی کی وجہ سے اور بچی کفر حکمی کی بنا پر،تب تو اس کی تحقیق وہ ہے جو پہلے گزر چکی۔ایک احتمال یہ ہے کہ **وائدہ** سے مراد وہ جنا نے والی دائی جو بچی کو دفن کراتی تھی اور **موؤدہ** سے مراد وہ ماں جس کی بچی دفن کی گئی،تو یہ حدیث بالکل ظاہر ہے کہ دونوں عورتیں اپنے اپنے کفر کی بنا پر جہنم میں گئیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے ابوالدرداء سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا اللہ تعالٰی اپنی مخلوق میں ہر بندہ کے متعلق پانچ چیزوں سے فارغ ہوچکا ہے ۲؎ اس کی موت سے،اس کے عمل سے ۳؎ ہر حرکت وسکون سے ۴؎ اور اس کے رزق سے۔(احمد)	

۱؎ آپ کا نام شریف عویمر ابن عامر ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں۔درداء ان کی بیٹی کا نام ہے یہ اپنے گھر والوں میں سب سے پیچھے ایمان لائے،فقیہ،عابد صحابی ہیں،شام میں قیام فرمایا، ۳۲ھ میں دمشق میں وفات پائی،وہیں مدفون ہیں۔

۲؎ یعنی اٹل فیصلہ فرماچکا ورنہ رب تعالٰی شغولیت اور فراغت سے پاک ہے اگرچہ رب تعالٰی کا فیصلہ ہر قسم کا ہوچکا ہے مگر خصوصیت سے ان پانچوں کا ذکراس لیے فرمایا کہ انسان کو ان کی فکر زیادہ رہتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ تم ان فکروں میں زندگی برباد کیوں کرتے ہو جو فیصلہ ہوچکا وہ ہوکر رہے گا۔

۳؎ کہ کیا کرے گا وہ کہاں اور کب مرے گا۔

۴؎ **مضجع** کے معنی ہیں پہلو رکھنے کی جگہ یعنی خوابگاہ،اثر،نشان،قدم کو کہتے ہیں یعنی کہاں رہے گا اور کہاں پھرے گا کہاں کہاں جائے گا اور کہاں دفن ہوگا یا دفن بھی نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسئلۂ تقدیر میں بحث کرے گا اس سے قیامت میں اس کی باز پرس ہوگی ۱؎ اور جو اس میں بحث نہ کرے گا اس سے پرسش نہ ہوگی ۲؎ (ابن ماجہ)

۱؎ بطور عتاب کہ تو نے اس میں اپنا وقت ضائع کیوں کیا اور اس میں بحث کیوں کی؟خیال رہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے یا ان کے دلوں میں شک ڈالنے کے لئے یا جو لوگ کم عقل ہوں اُن کے سامنے مسئلۂ تقدیر چھیڑنا جرم ہے وہی یہاں مراد ہے مگر اس مسئلے کی تحقیق کرنے،شک دفع کرنے کے لیے بحث کرنا حق اور باعث ِثواب ہے۔لہذا وہ صحابہ یا علماء معتوب نہیں جنھوں نے اس مسئلہ پر گمراہوں سے مناظرے کیے یا کتابیں تصنیف کیں۔

۲؎ عوام کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مانیں بحث نہ کریں،ہم ماننے کے مکلّف ہیں نہ کہ بحث کے،یہی حکم رب تعالٰی کے ذات و صفات کے مسئلے کا بھی ہے۔شعر

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا　　　پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

	روایت ہے ابن دیلمی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں ابی ابن کعب ۲؎ کی خدمت میں حاضرہوا اور عرض کیا میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شکوک پڑ گئے ۳؎ مجھے کوئی حدیث سنایئے شاید اللہ میرے دل سے وہ دور فرمادے ۴؎ فرمایا اگر اللہ تعالٰی اپنے آسمانی اور زمینی بندوں کو عذاب دے تو وہ ان پر ظالم نہیں ۵؎ اور اگر ان پر رحم فرمادے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے ۶؎ اور اگر تم احد برابر سونا اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ قبول نہ کرے گا،جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ ۷؎ اور یہ نہ جان لو کہ جو تمہیں پہنچا وہ تم سے بچ سکتا نہ تھا اور جو تم سے بچ گیا وہ تمہیں پہنچ سکتا

نہ تھا۸؎اور اگر تم اس کے سواکسی اور عقیدے پر مرے تو دوزخ میں جاؤ گے فرماتے ہیں پھر میں عبداللہ ابن مسعود کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہ ہی فرمایا پھر میں حذیفہ ابن یمان کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہ ہی فرمایا پھر میں زید ابن ثابت ۹؎کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی۱۰؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎آپ کا نام ابوعبداللہ یاابوعبدالرحمان ہے،ابن فیروز دیلمی حمیری فارسی النسل ہیں،آپ کے والد فیروز نے اسودعنسی کو قتل کیا جو مدعی نبوت تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرضِ وفات شریف میں جب اس قتل کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ اسے نیک بندے نے قتل کیا،امیرمعاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۵۰ھ؁ میں انتقال ہوا،دیلمی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے ابوعبدالرحمٰن تابعی،دیلم ایک پہاڑ کانام ہے۔

۲؎آپ قراء صحابہ میں سے ہیں،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،کاتبِ وحی رہے ہیں،ان چھ صحابہ میں سے ہیں جو حضور کے زمانہ پاک میں حافظِ قرآن تھے۔اور حضور نے آپ کی کنیت ابوالمنذر رکھی تھی اور عمر فاروق نے ابوطفیل،حضورآپ کوسیدالانصار اور حضرت عمر سیّدالمسلمین کہتے تھے،مدینہ منورہ میں خلافت فاروقی ۱۹ھ؁ میں وفات پائی۔

۳؎کہ جب ہر چیز لکھی جاچکی اور وہ ہو کے رہے گی تو شریعت کے احکام کس لیے ہیں اور سزا جزا کیوں ہے شاید یہ شبہات قدریوں کی صحبت سے پیش آئے ہوں۔

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی خدمت میں،جانا اُن سے مسائل پوچھنا،اپنے شکوک نکالنا سنت صحابہ ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ"۔

۵؎یعنی کیوں اور کیسے میں غور نہ کرو بلکہ یہ ایمان رکھو کہ رب مالک حقیقی ہے اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے۔ہم بکری ذبح کرلیتے ہیں،درختوں کو کاٹ کر جلا لیتے ہیں،کمہار ایک مٹی کو پیالہ بناتا ہے جو پانی میں رہے،دوسری کو ہانڈی جو آگ پر جلے،جب یہ کوئی ظالم نہیں،تو اگر رب تعالٰی ہمیں بے قصور جہنم میں ڈال دے تو ظالم کیوں ہو؟خیال رہے کہ یہ فرضی گفتگو ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ٭ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ "ورنہ انبیائے کرام اور جن سے جنت کا وعدہ ہوچکا اُن کا عذاب پانا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا رب کا شریک،رب تعالٰی جھوٹ سے پاک ہے،یہاں صرف یہ فرمایا گیا کہ بفرضِ محال اگر انہیں عذاب دے تو بھی ظالم نہیں کہ ظالم وہ جو دوسرے کی ملک میں بلا وجہ تصرف کرے۔

۶؎ یعنی اگر سارے بندوں کفارمرتدین وغیرہم کوبخش دے تو یہ اس کا رحم ہے،یہ کلام بھی فرضی ہے ورنہ ابلیس،اس فرعون،ابوجہل وغیرہ کا جنتی ہونا ناممکن ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ"۔

۷؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تقدیر کا انکار کفر ہے اور منکر کافراسی لیے بعض علماء نے قدریوں کو کافر کہا ہے۔دوسرے یہ کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں جیسے بے وضو کی نماز درست نہیں۔تیسرے یہ کہ زمانۂ صحابہ میں اس قسم کے مسائل چھڑ گئے تھے جن کی تردید صحابۂ کبار کرتے تھے۔

۸؎ یعنی ہر مصیبت اور راحت رب تعالٰی کے ارادہ سے ہے اسباب کچھ بھی ہوں لہذا یہ نہ کہو کہ اگر اسے بخار نہ آتا تو نہ مرتا،یا اگر میں فلاں کام کرلیتا تو بیمار نہ ہوتا،موت بھی رب کی طرف سے ہے اور بخار بھی،بیماری بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہے اور وہ کام بھی۔

۹؎ آپ انصاری ہیں،کاتبِ وحی ہیں،علمِ فرائض کے بڑے عالم ہیں،صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن کے جامع،عہد عثمانی میں مصحفوں میں قرآن کے ناقلین میں آپ بھی ہیں،۵۶ سال کی عمر پا کر ۴۵ھ میں مدینہ پاک میں وفات پائی۔

۱۰؎ لہذا یہ حدیث مرفوع ہے اگرچہ ان تین صحابہ نے اس رفع کا اظہار نہ فرمایا۔

روایت ہے حضرت نافع سے ۱؎ کہ ایک شخص حضرت ابن عمر کے پاس آیا بولا کہ فلاں آپ کو سلام کہتا ہے ۲؎ فرمایا میں نے سنا ہے وہ بدعتی ہوگیا ۳؎ اگر واقعی وہ بدعتی ہوگیا تو اسے میرا سلام نہ کہنا ۴؎ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں یا اسی امت میں دھنسنا،صورت بدلنا،پتھر برسنا ہوگا قدریوں میں اسے ترمذی،ابوداؤد،اور ابن ماجہ نے نقل کیا ترمذی نے فرمایا:یہ حدیث حسن غریب ہے ۵؎	

۱؎ آپ نافع ابن سرجس دیلمی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام،جلیل القدر تابعی ہیں۔امام مالک اور دیگر آئمہ نے آپ سے روایتیں کیں،بڑے زاہد،عالم،متقی ہیں۔عبداللہ ابن عمر کی اکثر روایتوں کے آپ ہی راوی ہیں، ۱۱۷ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ معلوم ہوا کہ کسی کے ذریعے سلام کہلا کر بھیجنا جائز ہے اب بھی بعض لوگ حاجیوں کے ذریعہ حضور علیہ السلام کے روضۂ انور پر سلام کہلواتے ہیں۔

۳؎ یعنی اس نے دین میں نیا عقیدہ ایجادیا اختیار کیا ہے کہ تقدیر کا منکر ہوگیا ہے اور قدریہ بن گیا۔معلوم ہوا کہ قدریہ مذہب بڑاپرانا ہے زمانۂ صحابہ میں پیداہوچکا تھا۔

۴؎ یعنی میری طرف سے جواب سلام نہ پہنچانا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بدعت سیئہ اُن بُرے عقائد کا نام ہے جواسلام میں ایجاد کیے جائیں،جس بدعت یا بدعتی کی سخت برائیاں آئی ہیں اس سے یہی مراد ہے،دیکھو حضرت ابن عمر نے انکار تقدیر کے عقیدے کو بدعت فرمایا۔دوسرے یہ کہ عہد صحابہ میں جو بدعقیدگیاں ایجاد ہوئیں وہ بھی بدعت ہیں کہ قدریہ مذہب اگرچہ اس خیرالقرون میں نمودار ہوا مگر بدعت ہوا بدعت کے لئے خیرالقرون کے بعد ہونا شرط نہیں،حضرت عمر فاروق نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو جو آپ نے ایجاد فرمائی تھی بدعت حسنہ فرمایا۔تیسرے یہ کہ بدعتی بے دین کو نہ سلام کیا جائے نہ جواب سلام۔

۵؎ یعنی چند اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے،دوسری سے صحیح،تیسری سے غریب۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ بی بی خدیجہ نے ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بچوں کے متعلق پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں فوت ہوچکے تھے ۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں آگ میں ہیں ۳؎ فرماتے ہیں جب حضور علیہ السلام نے ان کے چہرے میں غم کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ اگر تم ان کا ٹھکانہ دیکھتیں تو ان سے نفرت کرتیں ۴؎ انہوں نے عرض کیا اچھا آپ سے جو میرے بچے ۵؎ ہیں فرمایا وہ جنت میں ہیں،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اور انکی اولاد جنت میں ہے ۶؎ اور کفار اور ان کی اولاد دوزخ میں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد ان کے تابع ہے ۷؎(احمد)	

۱؎ آپ مسلمانوں کی پہلی ماں ہیں،نام شریف خدیجہ بنتِ خویلد ابن اسد ہے،قرشیہ ہیں،قصی ابن کلاب میں حضور سے مل جاتی ہیں،اوّلًا ہالہ ابن زرارہ کے نکاح میں تھیں،پھر عتیق ابن عائذ سے نکاح کیا،پھر چالیس سال کی عمر میں حضور کے نکاح میں آئیں،حضور نے سب سے پہلے انہیں سے نکاح کیا اور ان کی موجودگی میں کسی بیوی سے نکاح نہ فرمایا،سب سے پہلے آپ ہی حضور پر ایمان لائیں،حضور کی ساری اولاد بجز حضرت ابراہیم آپ ہی سے ہے۔۲۵ سال حضور کے نکاح میں رہیں ۶۵ سال کی عمر پا کر ہجرت سے چار سال پہلے مکہ معظّمہ میں وفات پائی،جنت معلٰے کے دوسرے حصے میں دفن کی گئیں،قبر شریف زیارت گاہ خلق ہے،فقیر نے حاضری دی ہے۔

۲؎ گزشتہ خاوندوں سے ظہور اسلام سے پہلے۔

۳؎ کیونکہ ان کے باپ بھی مشرک تھے اور اے خدیجہ!اس وقت تم بھی مشرکہ تھیں لہذا نہ وہ خود مؤمن ہوسکے نہ ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی۔اس مسئلہ کی تحقیق اسی باب میں بارہا کی جاچکی۔خیال رہے کہ یہ خبر نہیں ہے بلکہ بیانِ قانون

ہے یعنی قانونًا تمہارے وہ بیٹے جہنمی ہونے چاہئیں لہٰذا یہ حدیث ان آیات سے منسوخ ہے جن میں فرمایا گیا کہ ہم بغیر جرم کسی کو عذاب نہیں دیتے۔

۴؎ یعنی تمہیں ان سے مادری محبت اور ان کے عذاب پر غم جبھی تک ہے جب تک تم نے اُن کا ٹھکانا دیکھا نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جنتی ماں باپ اور دوزخی اولاد میں قطعًا محبت نہ ہوگی،وہاں محبت رشتۂ ایمان سے ہوگی نہ کہ رشتہ جان سے۔

۵؎ طیّب وطاہر وقاسم جو بچپن میں فوت ہوگئے،ظہور اسلام سے قبل۔

۶؎ یہ حدیث اس حدیث کی ناسخ ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے اپنے مقدرہ اعمال کے مطابق جنتی یا دوزخی ہیں۔

۷؎ اس آیت سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اگر ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو تو بچہ مؤمن ہوگا۔دوسرے یہ کہ بچہ ماں باپ کے ساتھ رہے گا،ماں باپ کو کمی نہ دی جائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے تاقیامت ان کی اولاد کی روحیں نکلیں جنہیں اللہ پیدافرمانے والا ہےاور ان میں سے ہرانسان کی دو آنکھوں کے بیچ نور کی چمک دی۱؎ پھر انہیں آدم پر پیش فرمایا وہ بولے اے رب یہ کون ہیں فرمایاتمہاری اولاد۲؎ ان میں ایک شخص کو دیکھاتو ان کی آنکھوں کے درمیان کی چمک پسند آئی ۳؎ بولے اے رب یہ کون ہے فرمایا حضرت داؤدبولے اے رب ان کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے فرمایا ساٹھ سال۴؎ عرض کیا مولا میری عمر میں سے چالیس سال انہیں بڑھادے۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم کی عمر ماسوائے چالیس سال پوری ہوئی تو ان کی خدمت میں فرشتہ موت حاضر ہوا۶؎ آدم بولے کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں فرمایا کہ وہ تم اپنے فرزند داؤد کو نہ دے چکے ۷؎ حضرت آدم انکاری ہوئے اس لئے انکی اولاد انکار کرنے لگی۸؎ حضرت آدم بھول کر درخت سے کھا گئے لہٰذا ان کی اولاد بھولنے لگی حضرت آدم نے خطا کی تو انکی اولاد خطائیں کرنے لگی ۹؎(ترمذی)

۱؎ فطری نوریعنی فطرۃ سلیمہ کا نور چہرے پر نمودار ہوا،خیال رہے کہ سقط یعنی گرا ہوا حمل اس میں داخل نہیں کیونکہ اس میں روح پھونکی ہی نہ گئی،جس بچہ میں روح پھونکی جائے وہ دکھایا گیا،یہ تمام کارروائی حضرت آدم کو مطلع فرمانے کے لئے کی گئی،رب تعالٰی تو ہمیشہ سے علیم وخبیر ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے اپنی ساری اولاد کو دیکھ بھی لیا،پہچان بھی لیا اور ان کے انجام سے اطلاع بھی پالی کہ فلاں جنتی ہے فلاں دزوخی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی چمکیں مختلف تھیں اور حضرت آدم کو داؤد علیہ السلام کی چمک پسند آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی چمک ہمارے حضور کی چمک سے زیادہ یا افضل ہو،حسن واقعی اور چیز ہے۔پسند آنا کچھ اور لیلےٰ سے بڑھ کرحسینہ اورعورتیں موجودگی تھیں مگر عاشق کی آنکھ میں وہی مرغوب تھی۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی اپنے مقبولوں کو اپنے خاص علوم عطا فرماتا ہے کیونکہ مقدارعمرعلوم خمسہ میں سے ہے جو رب العالمین نے سیدنا آدم کے پوچھنے پر بتادی۔

۵؎ آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزارسال تھی،آپ نے عرض کیا کہ میری عمر نو سو ساٹھ سال کردے اورداؤد علیہ السلام کی عمر پورے سو۱۰۰سال،یہ دعا رب نے قبول فرمالی۔معلوم ہوا کہ نبی کی دعا سے عمریں گھٹ بڑھ جاتی ہیں،ان کی شان تو بہت ارفع ہے شیطان کی دعا سے اس کی عمر بڑھ گئی کہ اُس نے عرض کیا تھا" اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ "رب تعالٰی نے اس کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:"فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ "الآیہ"فَاِنَّکَ" کی ف سےمعلوم ہوتاہے کہ یہ زیادتی عمر اس کی دعا سے ہوئی،رہی وہی آیت کریمہ"اِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ "وہ اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ آیت میں تقدیر مبرم یعنی علمِ الٰہی کا ذکر ہے،اور یہاں تقدیرمعلق کی تحریر کا ذکر یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار سے اپنی عمر کم و بیش نہیں کرسکتا،اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کی دعا سے عمریں رب گھٹا بڑھا دیتا ہے۔آخر عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرماتے تھے انہیں آپ کی دعا سے نئی عمریں مل جاتی تھیں سچ ہے دعا سے تقدیر پلٹ جاتی ہے۔

۶؎ یعنی جب آپ کے نو سو ساٹھ سال پورے ہوئے تو حضرت عزرائیل نے حاضر ہو کر آپ کو موت کا پیغام سنایا،معلوم ہوا کہ انبیاء کی وفات ہماری طرح جبرًا نہیں ہوتی،بلکہ فرشتۂ موت ظاہر ظہور خدمت میں حاضر ہوتےہیں اور ان کی اجازت سے جان قبض کرتے ہیں ان کی وفات اختیاری ہے۔

۷؎ معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اپنی عمرمعلوم تھی کہ کل اتنی ہوگی یہ علوم خمسہ میں سے ہے یہ بھی معلوم ہوا انبیائے کرام کی وفات ان کی رضا سے سمجھا بجھا کر ہوتی ہے۔ہم سے ملک الموت کبھی حساب کتاب نہیں کرتے۔

۸؎ یعنی آدم علیہ السلام اپنا یہ عطیہ بھول گئے اس بنا پر کہا کہ مجھے اپنا یہ عطیہ دینا یاد نہیں،یاد کا انکار ہے نہ کہ دینے کا،رب کی خبر کا انکار کفر ہوجاتاہے لہذاحدیث پر کوئی اعتراض نہیں،انبیائے کرام کی بھول بھی رب کی طرف سے ہوتی ہے جس میں ہزارہاحکمتیں ہیں۔

۹؎ یعنی آدم علیہ السلام سے درخت کی تعیین میں اجتہادی خطا ہوئیں اور سمجھے کہ رب نے خاص اس درخت کے پھل سے منع فرمایا ہے اور میں دوسرے درخت سے پھل کھارہا ہوں حالانکہ ممانعت جنس درخت سے تھی۔(مرقاۃ)یا وہ سمجھے کہ مجھے کھانے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ قریب جانے سے کچھ بھی ہو،ہوا دھوکہ ہی،وہی خطا اورنسیان آج تک انسانوں میں چلی آرہی ہے۔اس حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ پھر فیصلہ کیا ہوا ظاہر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو بھی ہزار سال عمر دی گئی اور داؤد علیہ السلام کو بھی سو"" برس،آپ کی زبان خالی نہ گئی،اگر آدم علیہ السلام ویسے ہی فرمادیتے کہ مجھے ہزار سال دنیا میں اور رہنا ہے تو آپ کی بات مان لی جاتی،جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے واقعہ سے معلوم ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابودرداء سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو انکے داہنے کندھے پر دستِ قدرت لگایا جس سے سفید رنگ کی اولاد چیونٹیوں کی طرح نکالی اور ان کے بائیں کندھے پر مارا تو کالی اولاد کوئلے کی طرح نکالی ۱؎ پھر داہنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ جنت کی طرف ہیں مجھے پرواہ نہیں بائیں کندھے والوں کے متعلق فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں مجھے پرواہ نہیں۔۲؎(احمد)

۱؎ یہ واقعہ کئی بار ہوا ایک بار میں ساری ذریت کی پیشانی میں نو ر فطری کی چمک تھی اس بار کفار بالکل سیاہ تھے اورمؤمن سفید،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقاۃ)ان کے دل کا حال چہروں پر نمودار تھا ایسا ہی قیامت میں ہوگا کہ کفار کالے اور مؤمن سفید ہوں گے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ آدم علیہ السلام کی پشت میں تمام انسانوں کی روحیں اور اجزاءاصلیہ موجود تھے۔داہنی طرف مؤمنوں کے اور بائیں طرف کافروں کے۔دوسرے یہ کہ آدم علیہ السلام کو تمام جنتیوں اور دوزخیوں کا علم دیا گیا۔

۲؎ یعنی مخلوق کے جنتی ہونے سے ہمارا کچھ نفع نہیں اور جہنمی ہونے سے کچھ نقصان نہیں خود ان کا ہی نفع نقصان ہے۔نیز اللہ تعالٰی پر کوئی چیز واجب نہیں نہ اس سے کوئی پوچھ گچھ کرسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی نضرہ سے ۱؎ کہ حضور کے صحابہ میں سے ایک صاحب جنہیں ابوعبداللہ کہا جاتا تھا ان کی بیمار پُرسی کے لیئے ان کے دوست گئے وہ رو رہے تھے ۲؎ تو یہ حضرات بولے کیوں روتے ہو؟کیا تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا اپنی مونچھیں کٹواؤ پھر اس کے پابند رہو یہاں تک کہ مجھے ملو ۳؎ وہ بولے ہاں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک مٹھی لی

	اور دوسری دوسرے ہاتھ میں۴؎ اور فرمایا کہ یہ اس کے لیئے ہے اور یہ اس کے لیئے۵؎ اور مجھے پروا ہ نہیں اور مجھے خبر نہیں کہ میں کون سی مٹھی میں تھا۶؎ (احمد)

۱؎ آپ نضرہ ابن منذر ابن مالک جوہدی ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، خواجہ حسن بصری سے کچھ پہلے بصرہ میں ہوئے، ۱۰۸ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲؎ موت کے خوف یا بیماری کی تکلیف سے نہیں بلکہ خوفِ خدا سے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اس وقت یہ حالت اللہ کی خاص رحمت ہے ان صحابی کا نام معلوم نہ ہوسکا، ظاہر ہے کہ عیادت کرنے والے حضرات صحابہ کرام بھی تھے اور تابعین بھی۔

۳؎ یعنی اے صحابی رسول تمہیں آیندہ کا کیا کھٹکا ہے، تمہیں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دو خوشخبریاں دے دی ہیں ایک یہ کہ تم جنتی ہو، دوسرے یہ کہ تم جنت میں حضور کے قرب کے مستحق ہو۔ خیال رہے کہ داڑھی بڑھانا اور مونچھ کتروانا اتنا کہ اوپر کے ہونٹ کا سارا کنارہ کھل جائے سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے اور اس کی پابندی جنتی ہونے اور حضور کے قرب ملنے کا ذریعہ ہے جیسے کہ ترک سُنت کی عادت حضور علیہ السلام سے دوری کا سبب ہے۔

۴؎ دستِ قدرت کی ان مٹھیوں میں انسانوں کی روحیں تھیں، یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، رب تعالٰی مٹھی کے ظاہر معنے سے پاک ہے۔

۵؎ یعنی داہنی مٹھی والے جنت کے لیے ہیں، اور بائیں والے دوزخ کے لیے۔

۶؎ داہنی میں یا بائیں میں لہذا میں جنتی ہوں یا دوزخی، یہاں علم کی نفی نہیں، بلکہ درایت کی نفی ہے۔ درایت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ حضور کی بشارت سے ان کو اپنے جنتی ہونے کا علم یقینی حاصل ہوچکا تھا۔ آج صدیق اور فاروق کے جنتی ہونے پر ہمارا ایمان ہے، جو ان کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ بے ایمان ہے۔ آپ کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ اس مٹھیوں والی حدیث میرے سامنے ہونے کی وجہ سے میری نظر اس بشارت پر رہی ہی نہ تھی اس لیے میں رو رہا تھا۔ خیال رہے کہ ان صحابہ کا یا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف، خوفِ جلال ہے نہ کہ خوفِ عتاب، انہیں خدا کے وعدوں پر بے اعتباری نہ تھی جیسے وزیر اعظم کو دربارِ شاہی کی ہیبت ہوتی ہے، جو خدا کے وعدوں پر اعتماد نہ کرے وہ کافر ہے خوفِ جلال قوتِ ایمان کی دلیل ہے، موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے ایذاء کا خوف تھا اگرچہ رب نے اُن کی حفاظت کا وعدہ فرمالیا تھا لہذا اس حدیث سے مسئلۂ امکانِ کذب ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے پشت آدم سے نعمان یعنی عرفات میں عہد لیا۱؎ اس طرح کہ ان کی پشت سے ساری اولاد نکالی انہیں حضرت آدم کے ساتھ چیونٹیوں کی طرح بکھیر دیا ۲؎ پھر ان کے آمنے سامنے گفتگو فرمائی فرمایا کیا میں تمہارا رب

	نہیں ہوں؟ سب بولے ہاں ہم گواہ ہیں۳؎ کہ کہیں قیامت کے دن یہ کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے یا کہہ دو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادوں نے کیا ہم تو ان کے بعد کی پیداوار تھے تو کیا تو ہم کو جھوٹوں کے جرموں سے ہلاک فرماتا ہے۴؎(احمد)

۱؎ نعمان پہاڑ مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان سے شروع ہوکر عرفات تک پہنچتا ہے اس پہاڑ پر یہ واقعہ ہوا لہٰذا یہ حدیث بھی درست ہے کہ عرفات میں یہ عہد لیا گیا اور یہ بھی کہ طائف کے قریب لیا گیا۔

۲؎ تاکہ آدم علیہ السلام سب کو جان پہچان لیں اور یہ معاہدہ سن لیں اور دیکھ لیں۔

۳؎ رب اور بندوں کی یہ گفتگو بلاواسطہ اس طرح ہوئی کہ بندوں نے رب کو دیکھا جیسا کہ "قُبُلًا" سے معلوم ہوا،یہ اقرارِ ربوبیت سارے بندوں سے لیا گیا جن میں انبیاء،اولیاء،مؤمنین،کفار سب شامل تھے۔حضور علیہ السلام کی اتباع کا عہد صرف انبیاء سے لیا گیا اور تبلیغ کا معاہدہ علمائے بنی اسرائیل سے،یہ تینوں عہد قرآن حکیم میں موجود ہیں۔

۴؎ یعنی توحید سے تمہیں یہاں خبردار کردیا گیا تم سے اس کا اقرار لیا گیا،اس کی یاددہانی کے لئے انبیاء اور کتابیں بھیجی جائیں گی،لہٰذا اب کوئی بھی معذور نہ ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ توحید ہر شخص پر لازم ہے اور کفّار کے چھوٹے فوت شدہ بچے دوزخی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے رب تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی فرمایا انہیں جمع کیا انہیں جوڑے بنایا۱؎ پھر انہیں صورت وگویائی دی ۲؎ تو وہ وہ بولے پھر ان سے عہد میثاق لیا اور انہیں خود انکی ذات پر گواہ بنایا۳؎ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں بولے ہاں فرمایا میں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو اور تمہارے والد آدم کو گواہ بناتا ہوں ۴؎ کہیں قیامت میں کہہ دو کہ ہم کو خبر نہ تھی جان لو میرے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرانا ۵؎ عنقریب تم تک اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد میثاق یاد دلائیں گے ۶؎ اور تم پر اپنی کتابیں اتاروں گا ۷؎ بولے ہم اس کے گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب ہمارا معبود ہے تیرے سوا نہ کوئی ہمارا رب ہے نہ معبود ۸؎ پھر سب نے اس کا اقرار کیا ان پر آدم علیہ

السلام کو انہیں دیکھنے کے لیے اٹھایا گیا ۹؎ تو آپ نے امیر فقیر حسین وغیرہ دیکھے ۱۰؎ تو عرض کیا اے رب تو نے اپنے بندوں میں برابری کیوں نہ کی فرمایا میں نے چاہا کہ شکر کیا جاؤں ۱۱؎ ان میں نبیوں کو چراغوں کی طرح دیکھا جن پر نور تھا ۱۲؎ ان سے دوسرا خصوصی عہد رسالت اور نبوت کے متعلق لیا گیا وہ رب تعالٰی کا یہ فرمان ہے اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا الخ عیسیٰ ابن مریم کے قول تک ۱۳؎ حضرت عیسیٰ بھی ان روحوں میں تھے انہیں بی بی مریم کی طرف بھیجا ابی سے خبر ملی کہ آپ حضرت مریم کے منہ سے داخل ہوئے ۱۴؎ (احمد)	

۱؎ یعنی نر اور مادہ یا ان کی علیحدہ قسمیں کیں کافر،مؤمن،منافق سب الگ الگ۔

۲؎ یعنی جس شکل و صورت پر دنیا میں ہوں گے وہی شکل انہیں دی گئی یا کافر کالے مؤمن سفید اور انبیاء نورانی بنائے گئے آدم علیہ السلام کی پہچان کے لیے۔

۳؎ ایک کو دوسرے پر گواہ یا ہر ایک کے اعضا کو اس کے نفس پر گواہ۔

۴؎ یعنی آسمان و زمین کی مخلوق کو یا خود آسمان و زمین کو دوسرے معنے زیادہ قوی ہیں کیونکہ اُن میں سے ہر چیز میں سمجھ بوجھ ہے۔اب دریاؤں کے قطرے،زمین کے ذرے نیک و بد کو پہچانتے ہیں،قیامت میں زمین لوگوں کے اعمال کی گواہی دے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ سارے انبیاء خصوصًا آدم علیہ السلام اپنی اولاد کے اعمال کی قیامت میں گواہی دیں گے،پتہ لگا کہ وہ حضرات ہماری ہر حرکت پر مطلع ہیں اس حدیث کی تفسیر وہ آیت ہے:"وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا"۔

۵؎ یعنی تمہارے لیے قیامت میں کوئی عذرباقی نہ چھوڑا تمہارے اس اقرار کے بھی صدہا گواہ ہیں اور دنیا کے سارے اعمال کے بھی بہت گواہ ہوں گے اب تم نہ یہ کرسکو گے کہ ہمیں یہ اقرار یاد نہ رہا تھا،نہ یہ کہ ہمیں خبر نہ تھی کہ ہماری ڈائری لکھی جارہی ہے اور انبیائے کرام زمین آسمان ہمارے اعمال کو دیکھ کر ہمارے گواہ بن رہے ہیں۔

۶؎ رب نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا کہ از آدم علیہ السلام تا روزِقیامت دنیا ایک آن نبوت سے خالی نہ رہی۔خیال رہے کہ زمانۂ نبی اور ہے زمانۂ نبوت کچھ اور پیغمبر کی ظاہری زندگی کا زمانہ،زمانۂ نبی ہے اور ان کے دین کی بقاء کازمانہ،زمانۂ نبوت ہے چنانچہ قیامت تک ہمارے حضور علیہ السلام کا زمانہ ہے۔

۷؎ انبیائے کرام کے ذریعے سے،یہاں کتب سے مراد کلامِ الٰہی ہے خواہ صحیفے ہوں یا باقاعدہ کتابیں،چنانچہ آسمان سے سو۱۰۰ صحیفے آئے اور چار کتابیں اور کوئی زمانہ کلام الٰہی سے بھی خالی نہ رہا،کس نبی پر کتنے صحیفے نازل ہوئے،یہ ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھیئے۔

۸؎ مرقات میں فرمایا کہ یہاں شہادت بمعنے علم ہے یعنی ہم نے مشاہدے سے تیری ربوبیت اور معبودیت جان پہچان لی یا بمعنے گواہی یعنی ہم ایک دوسرے کے اس اقرارِ توحید پر گواہ بن گئے۔

۹؎ اس طرح کی آدم علیہ السلام نے اونچے مقام پر کھڑے ہوکر ان سب کو جھانک کر دیکھا اور ایک ایک کو پہچان لیا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اپنی ساری اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں،پھر ہمارے حضور کے علم کا کیا پوچھنا،حضرت آدم کا علم علمِ مصطفوی کے سمندر کا قطرہ ہے۔

۱۰؎ غنی و فقیر سے مال،اعمال،ایمان سب کے غنی فقیر مراد ہیں یعنی آپ نے دل کے غنی و فقیر، کافر، متقی فاجر اور مال کے غنی و فقیر،مالدار و محتاج،شاہ و گدا،ایسے ہی خوبصورت اور بدصورت دیکھ لیئے۔(مرقاۃ)خیال رہے کہ غنا اور فقر دل کے اوصاف ہیں،حسن و جمال صورت کے حالات،اللہ تعالٰی نے اس دن تمام کی صورتوں پر ظاہری و باطنی حالات نمودار کردیئے تھے جس سے آدم علیہ السلام بے تکلف ہر شخص کے ہر حال کو ملاحظہ فرمارہے تھے۔خیال رہے کہ حضور اس سے پہلے ہی یہ سب کچھ مشاہدہ فرماچکے تھے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔کیوں نہ ہوتا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالٰی کے گواہ اعظم اور ساری مخلوق کے شاہد اکبر ہیں۔

۱۱؎ یعنی لوگوں کے حالات کا اختلاف ان کی شاکریت اور میری شکوریت کا ذریعہ ہے اس طرح کہ ہر شخص کو اپنے سے ادنی کو دیکھ کر میرا شکر کرے کہ خدایا تیرا شکر ہے میں اس سے بہتر ہوں،مثلًا غنی فقیر کی محتاجی کو دیکھ کر سجدہ شکر کرے اور فقیر غنی کے الجھاوے زیادتی حساب میں غور کرے توشکر کرے۔ایسے ہی حسین بدصورت کی قباحت کو دیکھ کر شکرکرے اور بدصورت حسن کی بلاؤں کو دیکھ کر حسن نہ ملنے پر شکر کرے،بادشاہ رعایا کی دست نگری کو دیکھے شکر کرے۔اور رعایا بادشاہ کی فکروں،محنتوں وغیرہ مصائب کو دیکھ کر شکر کرے،شکر اعلٰی درجے کی عبادت بلکہ ساری عبادات کی اصل ہے۔

۱۲؎ نبی رسول سے عام ہے جس پر وحی آئے وہ نبی اور جن کو تبلیغ کا بھی حکم ہو وہ رسول،جو نبی شریعت بھی رکھتے ہوں وہ مرسل،نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں،رسول ۳۱۳،مرسل ۴ ہر رسول نبی ہے اس کا عکس نہیں،آدم علیہ السلام نے تمام انبیاء کو ان کی شانوں اور کمالوں کے ساتھ دیکھا،بعض مثل چراغوں کے،بعض لالٹین،بعض گیس،بعض بجلی،بعض چاند اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی طرح تھے،کسی کی روشنی چاند کی طرح جمالی تھی اور کسی کی دھوپ کی طرح جلالی،سُورج ان سب کو شامل ہے۔

۱۳؎ انبیائے کرام سے خصوصی عہد دولیے گئے تھے:ایک ادائے رسالت اور تبلیغ نبوت کا عہد،اس عہد میں ہمارے حضور بھی شامل تھے اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔اور دوسرا نبی آخر الزمان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا،اس میں ہمارے حضور شامل نہ تھے سب سے پہلے ہمارے حضور پر ایمان لانے کا معاہدہ لیا گیا اس کا ذکر اس آیت میں ہے "ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ "الایہ۔

۱۴؎ یعنی تمام روحیں اپنے باپوں کی پشتوں میں واپس گئیں مگر عیسیٰ علیہ السلام کی روح حضرت مریم کے شکم میں آپ کی منہ شریف کے راستے داخل ہوئی کیونکہ آپ کی ولادت بغیر والد کے ہونے والی تھی۔

	روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کا تذکرہ کررہے تھے ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو مان لو اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی جبلی عادت سے بدل گیا تو نہ مانو وہ پھر اسی طرف لوٹ جائے گا جس پر پیدا ہوا ۲؎ (احمد)	

۱؎ کہ واقعاتِ عالم گزشتہ فیصلے کے مطابق ہورہے ہیں یا اتفاقًا مگر یہ تذکرہ مناظرانہ رنگ میں نہ تھا بلکہ تحقیق کے لیئے اسی لیئے حضور اکرم سنتے رہے منع نہ فرمایا بلکہ ایک مسئلے کی وہ تحقیق فرمادی۔معلوم ہو اکہ علمِ کلام پڑھنا ممنوع نہیں،مسئلۂ تقدیر میں جھگڑنا منع ہے جیساکہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

۲؎ خلاصۂ مسئلہ یہ ہوا کہ واقعاتِ عالم گزشتہ فیصلے کے مطابق ہو رہے ہیں،اور وہ فیصلے اٹل ہیں جن کی تبدیلی ناممکن ہے۔خیال رہے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں ذاتی اور وصفی،وصفی حالات دن رات دن بدلتے رہتے ہیں۔کافر مؤمن بن جاتے ہیں،فاسق متقی،بخیل سخی ہو جاتے ہیں،بزدل بہادر،کبھی بزرگوں کی صحبت سے،کبھی علم کی برکت سے،کبھی یوں ہی محض رب کی قدرت سے،مگر اصلی حالت کبھی نہیں بدل سکتی اگر کبھی عارضی طور پر بدل بھی گئی تو اسے بقانہ ہوگا آگ پر پانی گرم ہو جاتا ہے مگر وہاں سے ہٹتے ہی پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں اصلی حالت کا ذکر ہے۔اور جبلّت سے وہ خصلت مراد ہے جو علم الٰہی میں آچکی جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔

روایت ہے حضرت اُم سلمہ سے ۱؎ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کو ہر سال اس زہریلی بکری کی تکلیف ہوتی ہے جو آپ نے (خیبر میں) کھالی تھی ۲؎ فرمایا مجھے اس کے سوا کچھ نہیں پہنچی جو میرے مقدر میں اس وقت لکھ دی گئی جب حضرت آدم اپنے خمیر میں تھے ۳؎ (ابن ماجہ)	.

۱؎ آپ کا نام ہند بنتِ ابی اُمیہ ہے،پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں، ۴ھ؁ میں بیوہ ہوئیں اسی ۴ھ؁ اواخرماہ شوال میں حضور کے نکاح میں آئیں، ۵۹ھ؁ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئیں،۸۴سال عمر ہوئی،بہت صحابہ اور تابعین نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ کہ ایک یہودیہ نے خیبر میں دھوکہ سے بکری کا زہر آلودہ گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلادیا تھا بعض صحابہ نے بھی کھالیا جو شہید ہوگئے،خدا کے فضل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے مگر ہر سال زہر کی تکلیف عود کرتی تھی حتّٰی کہ وفات کے وقت بھی اس زہر کا اثر نمودار ہوگیا تھا۔ان شاءاللہ اس کا مفصل ذکر "باب المعجزات" میں آئے گا۔

۳؎ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر ہم خیبر نہ جاتے تو زہر نہ کھاتے خیبر جانا وہاں زہر کھالینا سب کچھ لکھا جاچکا تھا۔

باب اثبات عذاب القبر

عذاب قبر کا ثبوت۱

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۱؎ عذاب قبر کے متعلق چند مسائل یاد رکھنے چاہئیں: (۱) یہاں قبر سے مراد عالم برزخ ہے جس کی ابتداء ہر شخص کی موت سے ہے انتہا قیامت پر، عرفی قبر مراد نہیں، لہٰذا جو مردہ دفن نہ ہوا بلکہ جلادیا گیا، یا ڈبو دیا گیا، یا اُسے شیر کھا گیا اُسے بھی قبر کا حساب و عذاب ہے۔ (۲) عذابِ قبر کا ثبوت بہت سی آیات اور بے شمار احادیث سے ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ"الآیہ۔فرماتا ہے: "اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا" اور فرماتا ہے: "اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا" یہ سب آیتیں عذابِ قبر کے متعلق ہیں۔ دیکھو ہماری فہرست القرآن اور فتاوٰی نعیمیہ لہٰذا عذاب قبر کا منکر گمراہ ہے۔ (۳) قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے حشر میں ایمان و اعمال دونوں کا۔ (۴) حساب قبر ہمارے حضور کے زمانہ سے شروع ہوا پچھلی اُمتوں میں نہ تھا نہ اُن سے اپنے نبی کی پہچان کرائی جاتی تھی۔ (۵) حسابِ قبر آٹھ شخصوں سے نہیں ہوتا: نبی، شہید، جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون میں مرنے والا، طاعون میں صابر، چھوٹے بچے، جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والا، ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا، مرض موت میں "قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ" پڑھنے والا۔ (شامی) (۶) حسابِ قبر اور ہے، عذاب قبر کچھ اور، بعض لوگ حسابِ قبر میں کامیاب ہوں گے، مگر بعض گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا، جیسے چغل خور اور گندا (۷) کافر کو عذابِ قبر دائمی ہوگا گنہگار کو عارضی حتی کہ بعض کا عذاب جمعہ کی شب آتے ہی ختم ہو جاتا ہے، اسی لیئے بعد دفن سے شبِ جمعہ تک قبر پر تلاوتِ قرآن کرائی جاتی ہے۔ (۸) حشر کے بعد بندوں کو جنت یا دوزخ میں داخل فرما کر ثواب یا عذاب دیا جاوے گا، برزخ میں جنت دوزخ کا ثواب و عذاب قبر میں پہنچتا ہے جسم میت وہاں نہیں پہنچتا، لہٰذا دونوں عذابوں ثوابوں میں فرق ہے۔ (۹) عذابِ قبر روح کو ہے جسم اُس کے تابع مگر حشر کے بعد والا عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کو ہوگا

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے ۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا مسلمان سے جب قبر میں پوچھ گچھ ہوتی ہے تو وہ گواہی دے اٹھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں۲؎ تو یہ ہی رب کا فرمان ہے کہ اللہ مؤمنوں کو مضبوط بات پر قائم رکھتا ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۳؎ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت یہ ہے کہ فرمایا کہ یہ آیت عذابِ قبر کے متعلق نازل ہوئی ۴؎ مردے سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ

	اور میرے نبی محمد ہیں۵؎(مسلم و بخاری)

۱؎آپ کا نام براءکنیت ابو عمارہ ہے،انصاری حارثی ہیں،خندق اورغزوۂ احد وغیرہ ۱۵غزووں میں حضور کے ساتھ رہے۔عہدفاروقی میں کوفہ میں قیام فرمایا، ۲۴ھ میں "رے" آپ ہی نے فتح کیا،عہد مرتضوی میں جنگِ جمل صفین اور نہروان میں حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ تھے،کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲؎پوچھنے والے منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو توحید و رسالت اور دین کا امتحان لیتے ہیں یہ جواب عام مؤمنوں کا ہے جو یہاں ارشاد ہوا،بعض عاشق جمالِ مصطفوی دیکھتے ہی اُٹھ کر فدا ہوجاتے ہیں اور ایسا طواف کرتے ہیں جیسا پروانہ شمع کا یا حاجی کعبہ کا جیساکہ بزرگوں کی تواریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے خواب میں لوگوں کو اپنے سوال کی تفصیل وجد انگیز طریقہ سے بتائی۔

۳؎یہاں آخرت سے مراد قبر ہے یعنی قبر میں کوئی شخص اپنی کوشش سے کامیاب نہیں ہوسکتا محض رب کے کرم سے کامیابی ملے گی۔یعنی مؤمنوں کو زندگی اور قبر میں کلمۂ شہادت پر اللہ تعالٰی ہی ثابت قدم رکھتا ہے ورنہ دنیا کے بہت سے حالات اور قبر کے سخت سوالات اُسے پھسلانے والے ہیں۔قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے چونکہ قبر میں صرف عقائد کا امتحان ہے اس لئے اعمال کا ذکر نہ ہوا۔

۴؎یعنی قبر کے عذاب و ثواب کے ثبوت میں ورنہ یہ آیت مؤمنوں کے بارے میں آئی ہے جو عذابِ قبر سے محفوظ ہیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎دنیا میں امتحان کے سوالات پہلے چھپائے جاتے ہیں تاکہ کوئی جواب سوچ نہ لائے۔ہمارے حضور نے اس امتحان کے سوالات بھی آؤٹ کردیئے،ان کے جوابات بھی بتادیئے،خدا کرے اس وقت اَوسان ٹھکانے رہیں اور یہ بتائے ہوئے صحیح جوابات یاد آجائیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے ۱؎اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں۲؎پھر کہتے ہیں کہ تو ان صاحب کے متعلق کیا کہتا تھا یعنی محمد۳؎تو مؤمن کہہ دیتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۴؎تب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنا دوزخ کا ٹھکانا دیکھ جسے اللہ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ۵؎تو وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے ۶؎لیکن منافق اور کافر اس سے کہا جاتا ہے کہ ان صاحب کے بارے میں کہتا تھا ؟۷؎وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے تھے

	وہی میں کہتا تھا ۸؎ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے نہ پہچانا قرآن نہ پڑھا ۹؎ اور لوہے کے ہتھوڑوں سے مار ماری جاتی ہے جس سے وہ ایسی چیخیں مارتا ہے کہ سواء جن و انس تمام قریبی چیزیں سنتی ہیں ۱۰؎(مسلم وبخاری)الفاظ بخاری کے ہیں۔

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مردے سنتے ہیں،مردوں کا سُننا قرآنی آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔حضرت شعیب وصالح علیہما السلام نے عذاب یافتہ قوم کی نعشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا:" یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ"الآیہ۔رب فرماتا ہے:"وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ "یعنی اے محبوب! پچھلے پیغمبروں سے پوچھو،بلکہ ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا گیا:"ثُمَّ ادۡعُہُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا"ذبح کیے ہوئے جانوروں کو پکارو دوڑتے ہوئے آجائیں گے،یہ حدیث سماع موتٰی کے لیے نصِّ صریح ہے،ہمارے حضور علیہ السلام نے بدر میں مقتول کفار کی لاشوں پر کھڑے ہو کر ان سے کلام کیا۔خیال رہے کہ مردے کا یہ سننا ہمیشہ رہتا ہے،اس لئے حکم ہے کہ قبرستان میں جاکر مردوں کو سلام کرو،حالانکہ نہ سننے والوں کو سلام کیسا ؟ جن آیتوں میں سماع موتٰی کی نفی ہے وہاں مردوں سے مراد دل کے مردے یعنی کافر ہیں،اور سننے سے مراد قبول کرنا ہے اسی لیئے جہاں قرآن نے یہ فرمایا:"اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی"تم مردوں کو سُنا نہیں سکتے،وہاں ساتھ میں یہ بھی فرمادیا:"اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا"یعنی تم صرف مؤمنوں کو ہی سُناسکتے ہو جس سے معلوم ہوا کہ وہاں مردوں سے مراد کافر تھے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ میت اپنے دینے والوں،نماز پڑھنے والوں،اٹھانے والوں اور دفن کرنے والوں کو جانتا پہچانتا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ گنبدِ خضرٰی میں حضرت عمر کے دفن ہونے کے بعد پردے کے ساتھ اندر جاتی تھیں،اور فرماتی تھیں کہ میں عمر سے حیا کرتی ہوں،معلوم ہوا کہ میت دیکھتی بھی ہے،امام صاحب نے میت کے سننے میں توقف نہیں کیا بلکہ سننے کی نوعیت میں جیسا کہ اسی جگہ مرقاۃ میں ہے۔دوسرے یہ کہ بعد موت قوتیں بڑھ جاتی ہیں کہ ہزار ہا من مٹی میں دفن ہونے کے باوجود میت لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن لیتی ہے تو جو انبیاء اور اولیاء زندگی میں مشرق و مغرب دیکھتے ہوں وہ بعد وفات فرش و عرش کی یقینًا خبر رکھتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ ہر جمعرات کو میت کی روح اپنے عزیزوں کے گھر پہنچ کر اُن سے ایصال ثواب کی درخواست کرتی ہے(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور) معراج کی رات سارے نبی بیت المقدس میں اور پھر آنًا فانًا آسمانوں پر موجود تھے یہ ہے رُوح میت کی رفتار۔

۲؎ اس عبارت سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حسابِ قبر سب لوگوں کے لوٹ آنے کے بعد شروع ہوتا ہے لہذا اگر کوئی شخص قبر پر ہی رہے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ میت سے حساب نہ ہوگا اسی لیے بعض لوگ بعد دفن سے جمعہ کی شب تک قبر پر حافظ قرآن بٹھالیتے ہیں کہ شاید ان کی موجودگی کی وجہ سے حساب اور تلاوتِ قرآن کی برکت سے عذاب نہ ہو۔دوسرے یہ کہ منکر نکیر فرشتوں میں یہ طاقت ہے کہ بیک وقت ہزاروں جگہ جاسکتے ہیں،ہزار ہا قبروں میں

ایک آن میں موجود ہو کر سب مردوں سے حساب کرلیتے ہیں اسی کو حاضر ناظر کہا جاتا ہے،لہٰذا اگر انبیاء اولیاء بیک وقت چند جگہ موجود ہوں تو کوئی قباحت نہیں اور نہ یہ عقیدہ شرک ہے۔خیال رہے کہ منکر نکیرمردے میں روح ڈالتے ہیں جس سے وہ زندہ ہو کر بیٹھتا ہے اور کلام کرتا ہے مگر یہ زندگی ہمیں محسوس نہیں ہوسکتی اور جنہیں جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا ان کے اجزاءاصلیہ سے روح متعلق کردی جاتی ہے اور اس سے حساب ہوجاتا ہے۔حدیث میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ماں کے پیٹ میں فرشتہ بچہ بنا جاتا ہے،تقدیر لکھ جاتا ہے ماں کو خبر نہیں ہوتی عالمِ امر کی چیزیں اِن آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔

۳؎ یہ "هٰذَا الرَّجُل"کی تفسیرہے جو حضور نے خود فرمائی کسی راوی کی تفسیر نہیں ورنہ وہ رسول اللہ یا نبی اللہ فرماتے۔(مرقاۃ)اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حسابِ قبر حضور سے نہیں لیا گیا کیونکہ حضور ہی کی پہچان کا تو حساب ہے پھر آپ سے کیسے ہوتا۔دوسرے یہ کہ قبر میں ہر مردے کو قریب سے حضور کی زیارت کرائی جاتی ہے۔جیسا کہ ھذا سے معلوم ہوا،ھذا وہاں بولتے ہیں جہاں چیز نظر بھی آرہی ہو اور قریب بھی ہو۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت سب کی قبور میں پہنچ سکتے ہیں،یا بیک وقت نظر آسکتے ہیں جیسے سورج کی شعاعیں بیک وقت لاکھوں جگہ موجوداور بیک وقت خود ہر جگہ سے نظر آتا ہے اس سے حاضر ناظر کا مسئلہ حل ہوا۔چوتھے یہ کہ فرشتے خود حضور ہی کی زیارت کراتے ہیں نہ کہ آپ کے فوٹو کی کیونکہ فوٹو نہ رَجُل ہے،نہ اس فوٹو کا نام محمدہے،نہ وہ فوٹونبی ہے جیسے پتھر کو خدا کہنا شرک ہے ایسے ہی کسی فوٹو کو نبی بتانا بھی کفر ہے،عشاق اس دیدار قبر کی بنا پر موت کی تمنا کرتے ہیں اور عاشقوں کی موت کو عرس کہا جاتا ہے یعنی برات کا دن یا دولہا کی دید کی عید کا دن۔

۴؎ یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا اس نے حضور کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو نورِ ایمانی سے پہچان لیتا ہے اور تڑپ کر پکارتا ہے کہ یہی وہ ہیں جن کا میں نے کلمہ پڑھا تھا۔بعض عشاق کہہ بیٹھتے ہیں کہ میں نے عمر بھر ان کو رسول اللہ مانا،اب اُن سے پوچھو مجھے اپنا اُمتی کہتے ہیں یانہیں جیسا کہ بعض صوفیاء کے کشف سے ثابت ہے۔

۵؎ اللہ نے ہر بندے کے دو ٹھکانے رکھے ہیں،ایک جنت میں ایک دوزخ میں کافر اپنے ٹھکانے پر بھی قبضہ کرتا ہے اور مؤمن کے دوزخی ٹھکانے پر بھی اورمؤمن جنت میں اپنا اور کافر کا جنتی ٹھکانہ سنبھالتا ہے رب فرماتا ہے:"وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ"اور فرماتا ہے:"اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ"۔یہاں زمین سے جنت کی زمین مراد ہے اور وراثت سے کافر کے حصہ کی ملکیت مراد ہے وہی اس حدیث کا مقصد ہے یعنی اگر تو جناب مصطفے کو یہاں نہ پہچانتا تو دوزخ میں یہاں رہتا،یہ اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ مؤمن کی خوشی دوبالا ہوجائے۔

۶؎ یعنی میت اپنے قبر میں سے دوزخ و جنت کو آنکھوں سے دیکھتا ہے حالانکہ یہ دونوں اس کی قبر سے کروڑوں میل دور ہیں جب مردے کی دور بینی کا یہ عالم ہے تو اگر وہ ساری زمین اور زمین والوں کو دیکھے تو کیا بعید ہے،آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہراُمّتی کے ہرحال کو دیکھ رہے ہیں۔اور ان کی ہر بات سُن رہے ہیں اسی لئے ہر نمازی ہر جگہ سے انہیں نماز میں سلام کرتا ہے کہتا ہے"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ"۔

۷؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں یہ اشارہ حسّیہ ہوتا ہے نہ کہ عقلیہ اور وہمیہ یعنی فرشتے جمالِ محمدی دکھا کر پوچھتے ہیں محض ذہنی،وہمی چیز کی طرف اشارہ نہیں کرتے کیونکہ کافر حضور سے خالی الذہن ہے اگر اس کے سامنے جمال محمدی نہ ہوتا تو وہ تعجب سے کہتا کسے پوچھتے ہو؟ یہاں تو کوئی بھی نہیں یہ حدیث حضور کے حاضرناظر ہونے کی ایسی قوی دلیل ہے کہ منکرین سے ان شاءاللہ اس کا جواب نہ بنے گا،سورج بیک وقت لاکھوں آئینوں میں جلوہ گری کرسکتا ہے تو نبوت کا سورج بھی لاکھوں قبروں کو بیک وقت چمکا سکتا ہے۔

۸؎ اگرچہ کافر نے عمر بھر حضور کو دیکھا ہو مگر قبر میں نہ پہچان سکے گا جیسے ابوجہل،ابولہب وغیرہ کیونکہ وہاں حضور کی پہچان رشتۂ ایمانی سے ہے،لطف تو یہ ہے کہ کافر وہاں اپنا کفر بھی بھول جائے گا،یہ نہ کہہ سکے گا کہ میں انہیں اپنے جیسا بشر یا بڑا بھائی یا جادو گر و مجنوں کہتا تھا،بلکہ گھبرا کر کہے گا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے انہیں کیا کہا تھا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں نے بھی کہا ہوگا۔

۹؎ "تَلَیْتَ"اصل میں تَلَوْتَ تھا دَرَیْتَ کی و جہ سے اس کی "وَ"بھی "یَ"سے بدل گئی یعنی ان کی نبوت پر تو عقلی دلائل بھی قائم تھے،ان کے معجزات وغیرہ اور نقلی دلائل بھی آیاتِ قرآنیہ۔تو نے زندگی میں نہ تو انہیں عقل سے پہچانا،نہ قرآن کے ذریعہ مانا،نہ علماء کی پیروی کی۔ظاہر یہ ہے کہ گفتگو سارے ہی کافروں اور منافقوں سے ہے،اس میں کسی تاویل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

۱۰؎ یعنی چونکہ جن و انس ایمان اورشرعی احکام کے مکلّف ہیں اور ایمان بالغیب چاہیئے اس لیئے قبر کا عذاب اور کافر مردے کی چیخ و پکار ان دونوں سے مخفی رکھی گئی تاکہ یہ غیب شہادت نہ بن جائے۔ان کے علاوہ باقی تمام قریبی حیوانات بلکہ درخت و پتھر وغیرہ بھی یہ آواز سنتے ہیں۔خیال رہے کہ ہر قبر میں سوال و جواب کرنے والے دو فرشتے جاتے ہیں تاکہ یہ گواہ بھی بن جائیں مگر ہتھوڑوں سے مارنے والے دوسرے فرشتے۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو صبح شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا رہتا ہے۱؎ اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانہ اور اگر دوزخیوں میں سے ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ۲؎ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تاآنکہ قیامت کے دن اللہ تجھے ادھر بھیجے گا۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں صبح و شام سے مراد ہمیشگی ہے یعنی میت قبر سے ہر وقت اپنے جنتی یا دوزخی ٹھکانے کو دیکھتا رہتا ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں اس کی تائید اس آیت سے ہے"اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا"۔(ازمرقاۃ)

۲؎ دیکھتا رہتا ہے اور قبر میں جنت کی خوشبوئیں،وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں بلکہ وہاں کے پھل بھی آتے رہتے ہیں۔ایسے ہی کافر کی قبر میں کہ دوزخ کی لُو،وہاں کی بدبو اور سانپ بچھو قبر میں پہنچتے رہتے ہیں۔خیال رہے کہ قبر میں جنت کا آرام یا دوزخ کی تکلیف پہنچ جاتی ہے مگر جسم کا جنت میں ثواب کے لیئے پہنچنا بعد قیامت ہوگا۔ہاں شہداء کی رُوحیں مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہیں جسمانی داخلہ ان کا بھی بعد قیامت ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ مؤمن کی روح قبر میں یا کسی اور مقام پر قید نہیں ہوتی بلکہ بعض ارواح تو تمام عالم میں چکر لگاتی ہیں جیساکہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے مگر ہیڈ کوارٹر قبر ہی ہوتی ہے اور تعلق وہاں سے ہر وقت رہتا ہے۔جیسے سونے کی حالت میں سیلانی روح کا تعلق جسم سے،اسی لیئے زیارت قبور کی جاتی ہے اور وہاں میت کو ایصالِ ثواب اور عرض و معروض کیا جاتا ہے۔"هٰذَا مَقْعَدُكَ" سے یہی مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت میں حاضرہوئی ۱؎ اور اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا ۲؎ اور آپ سے عرض کیا اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے تب حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عذابِ قبر کے متعلق پوچھا ۳؎ آپ نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے ۴؎ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی نہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے رب کی پناہ نہ مانگی ہو ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ملنے یا کسی اور کام کے لیئے نہ کہ محبت وغیرہ کی بنا پر مسلمہ عورت کا بدکار عورتوں سے پردہ لازم ہے نہ کہ کافرہ عورتوں سے لہٰذا قولِ فقہاء اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ کیونکہ توریت شریف میں پڑھا تھا یا اپنے پادریوں سے سُنا تھا۔معلوم ہوا کہ یہود و نصاری بھی عذاب قبر کے قائل ہیں جو مسلمان اسلام کا دعویٰ کرکے اس کا انکار کرے وہ ان سے بھی بدتر ہے تمام آسمانی کتب میں اس کا ذکر تھا معتزلہ روافض اور اس زمانہ کے بعض نئی روشنی کے دلدادہ اس کے انکاری ہیں۔

۳؎ کیونکہ اب تک آپ کو اس کی خبر نہ تھی اور یہود کی بات پر اعتبار نہ کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی بتائی بات پر اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی تصدیق علماء اسلام سے نہ ہوجائے۔

۴؎ کہ تمام آسمانی دین اس کے قائل ہیں۔خیال رہے کہ کفار کا عذابِ قبرکسی صورت سے دفع نہیں ہوسکتا۔مگر گنہگار مؤمن وں کا یہ عذاب سبزہ کی تسبیح،بزرگوں کی دعا،ایصال ثواب وغیرہ سے ختم یا کم ہوجاتا ہے۔جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر کھجور کی ترشاخیں گاڑدیں،اب قبروں پر پھول ڈالنے گھاس اگانے کا بھی یہی منشاء ہے۔

۵؎ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے،اس سے پہلے آہستہ دعا مانگتے تھے،یہ دعا امت کی تعلیم کے لیئے ہے تاکہ لوگ سیکھ لیں ورنہ انبیائے کرام سے نہ سوالِ قبر ہے نہ عذاب ان کی برکت سے لوگوں کے عذاب دور ہوتے ہیں۔

روایت ہے حضرت زیدابن ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے ۲؎ اور ہم حضور کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خچر بدکا ۳؎ قریب تھا کہ آپ کو گرادیتا ناگاہ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں حضور نے فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی پہچانتا ہے ؟ ۴؎ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں حضور نے فرمایا یہ کب مرے عرض کیا زمانہ شرک میں ۵؎ تب حضور نے فرمایا کہ یہ گروہ ۶؎ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں ۷؎ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ اس عذاب سے کچھ تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں ۸؎ پھر ہماری طرف چہرہ کرکے فرمایا کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو سب نے کہا ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۹؎ فرمایا کھلے چھپے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے ہم کھلے چھپے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۱۰؎ فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے کہ ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۱۱؎ (مسلم)	

۱؎ آپ انصاری ہیں، مدنی ہیں، کاتب وحی، علم فرائض کے امام ہیں، آپ کے حالات پہلے ذکر کیئے جاچکے۔

۲؎ بنی نجار انصار کا ایک بڑا قبیلہ ہے، انہی کی چھوٹی بچیاں ہجرت کے دن حضور کی تشریف آوری پر دف بجاتی اور گاگا کر خوشیاں مناتی تھیں۔

۳؎ عذاب قبر دیکھ کر معلوم ہوا کہ جس خچر پر حضور سوار ہو جائیں اس کی آنکھ سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں کہ وہ قبر کے اندر کا عذاب دیکھ لیتا ہے، تو جس ولی پر حضور کا دستِ کرم پڑ جائے وہ عرش وفرش دیکھ لیتا ہے، خیال رہے کہ جانور قبر والونکی چیخ وپکار سن لیتے ہیں جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزر چکا، مگر عذابِ قبر کا دیکھنا حضور کی برکت سے تھا ورنہ ہمارے گھوڑے دن رات قبروں پر گزرتے ہیں نہ بدکتے ہیں نہ اچھلتے ہیں۔

۴؎ یہ سوال اپنی بے علمی کی بنا پر نہیں کہ بلکہ دوسرے کی زبان سے یہ حالات سنوانے کیلیئے ہیں، حضور اپنے صحابہ اور انکی قبروں کو پہچانتے ہیں، ہر ایک کے دفن میں شرکت فرماتے تھے، رب تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ حالانکہ رب تعالٰی علیم وخبیر ہے حضور تو قبر کا عذاب ملاحظہ فرمارہے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ان سے بے خبر ہوں

۵؎ آپ کی تشریف آوری سے پہلے یا بعد آپ کا انکار کرکے،اس سے معلوم ہوا کہ ظہورِ اسلام سے پہلے جو مشرک ہوکر مرا اسے بھی عذابِ قبر ہوگا اور کفار کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوتا نہ اس کے لیئے دعائے مغفرت کی جائے،نہ ایصال ثواب وغیرہ،مردے کو کوئی دوا مفید نہیں،کافر کو کوئی دعا فائدہ مند نہیں۔اسی لیئے حضور نے ان کے لیئے دعا بھی نہ فرمائی اور سبزہ وغیرہ بھی نہ ڈالا جیسا کہ گنہگاروں کی قبر پر کھجور کی شاخ گاڑی تھی جس کا ذکر آگے آوئے گا۔ بعض مسلمان مشرکوں کو خوش کرنے کے لیئے گاندھی کی سمادھ پر پھول ڈالتے ہیں،سخت ناجائز ہے

۶؎ مشرکین و کفار کا امت یعنی جماعت جو دین یا زمانہ یا جگہ میں جمع ہو(مرقاۃ)

۷؎ پہلے گزر چکا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے مشرکین ہند کے مردے جلادیئے جاتے ہیں انہیں بھی عذاب برزخ ہوتا ہے۔

۸؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صرف صحابہ سے بعض صحابہ اور اولیاء اللہ تو عذاب قبر کو سنتے اور دیکھتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ عذاب قبر ایسی دہشتناک چیز ہے کہ اگر عوام اسے دیکھ لیں تو دہشت سے دیوانے ہوجائیں،اور اپنے مردوں کو دفن کرنا بھول جائیں،یہ مطلب نہیں کہ دفن نہ کرنے سے عذاب نہیں ہوتا،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،کوئٹہ کا زلزلہ دیکھ کر لوگوں کے ہوش اڑ گئے تھے اور بہت سے دیوانے ہوگئے تھے۔

۹؎ اگرچہ عذاب قبر پہلے ہے اور عذابِ دوزخ بعد میں،لیکن چونکہ عذابِ دوزخ سخت ہے اور عذاب قبر ہلکا کہ دوزخ میں آگ ہے اور قبر میں آگ کا اثر اس لیئے دوزخ کا ذکر پہلے فرمایا اور قبر کا بعد میں۔

۱۰؎ کھلے فتنے بداعمالیاں ہیں یعنی جسم کے گناہ اور چھپے فتنے بدعقیدگیاں،حسد،کینہ وغیرہ ہیں یعنی دل کے گناہ۔مطلب یہ ہے کہ ان تمام برائیوں سے پناہ مانگو جو عذابِ دوزخ یا عذابِ قبر کا سبب ہیں چونکہ بظاہر یہ تکلیف دہ نہیں ہوتے اس لیئے ان کا ذکر بعد میں کیا گیا۔

۱۱؎ یہ دعا آیندہ نسلوں کی تعلیم کے لیئے اور صحابہ کرام کے دلوں میں فتنۂ دجال کی ہیبت قائم کرنے کے لیئے ہے،ورنہ حضور کو علم تھا کہ صحابہ کے زمانہ میں نہ دجال آئے گا نہ اس کے فتنے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میت دفن کی جاتی ہے ۱؎ تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں ۲؎ ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے ۳؎ وہ کہتے ہیں کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ ۴؎ تو میت کہتا ہے یہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقینًا محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۵؎ تب وہ کہتے ہیں ہم تو جانتے تھے کہ یہ تو یہ کہے گا ۶؎ پھر اس کی قبر میں فراخی دی جاتی ہے	

	ستر ستر گز میں ۷؎ پھر اس کے لیے وہاں روشنی کردی جاتی ہے ۸؎ پھر اسے کہا جاتا ہے سو جا وہ کہتا ہے میں اپنے گھر جاؤں تاکہ انہیں یہ خبر دوں ۹؎ تو وہ کہتے ہیں دلہن کی طرح سوجا جسے اس کے پیارے خاوند کے سوا گھر کا کوئی نہیں جگاتا ۱۰؎ تاآنکہ اللہ اسے اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر مردہ منافق ہو تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں سے کچھ کہتے سنا تھا اسی طرح میں بھی کہہ دیتا تھا میں نہیں پہچانتا ۱۱؎ تب وہ کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا ۱۲؎ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس پر تنگ ہوجاؤ اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ مردے کی پسلیاں ادھر ادھر ہوجاتی ہیں ۱۳؎ پھر وہ قبر کے عذاب میں ہی رہتا ہے تاآنکہ اللہ اسے اس ٹھکانے سے اٹھائے ۱۴؎ (ترمذی)

۱؎ دفن کا ذکر اتفاقی ہے۔چونکہ عرب میں عام مردے دفن ہی ہوتے تھے اس لیئے فرمایا گیا ورنہ جو مردہ دفن نہ بھی ہو بلکہ اسے جلا کر خاک کیا گیا ہو یا شیرو مچھلیاں کھا گئیں ہوں اس کے اجزائے اصلیہ سے روح متعلق کردی جاتی ہے۔اورسوال جواب ہوجاتے ہیں اگرچہ وہ اجزاء دنیا میں بکھرے ہوں۔(مرقات ولمعات وغیرہ)

۲؎ یہ دونوں فرشتے وہ ہیں جو حساب قبر پر مقرر ہیں یہ انسانی شکل بنا کر اس رنگ میں اس لیئے آتے ہیں تاکہ ان کی ہیبت سے کفار تو گھبرا جائیں اور حیرانی سے جواب نہ دے سکیں اورمؤمن مطمئن رہیں اور باآسانی جواب دیں یہ گھبراہٹ اور اطمینان کافر و مؤمن میں فرق کرنے کے لیئے ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نورانی مخلوق میں بیک وقت ہزار ہا جگہ موجود ہوجانے کی طاقت ہے،دو فرشتے ایک آن میں ہزار قبروں میں پہنچ جاتے ہیں،لہذا بعض اولیاء کا بیک وقت چند جگہ پایا جانا ممکن ہے۔دوسرے یہ کہ جب نور شکل انسانی میں آئے تو جسم انسانی کے لوازمات اس میں پائے جائیں گے،فرشتے نور ہیں اور نورنہ کالا ہو نہ نیلا مگر جب شکل انسانی میں آئے تو ان کے چہرے کا رنگ کالا بھی ہوگیا،آنکھیں نیلی بھی۔موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جب سانپ بنتی تو کھاتی پیتی بھی تھی"تَلْقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ "ہاروت فرشتے جب شکل انسانی میں آئے تو کھاتے پیتے بلکہ صحبت بھی کرسکتے تھے،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ اگر حضور نور تھے تو کھاتے پیتے کیوں تھے؟۔

۳؎ ان لفظوں کے معنے ہیں اجنبی جس کو دیکھ کر گھبراہٹ ہو چونکہ میت نے انہیں کبھی دیکھا نہیں ہوتا ان کی شکل ہیبت ناک بھی ہوتی ہے اسلیئے ان کا یہ نام ہے۔شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ کافروں کے سوال کرنے والے فرشتوں کا یہ نام ہے۔اورمؤمن وں کے ممتحنوں کا نام مبشر اور بشیر ہے مگر ناموں کا فرق ہے ذات ایک ہی ہے۔

۴؎ مرقاۃ میں فرمایا کہ شکلِ پاک مصطفٰے ہر قبرمیں جلوہ گرہوتی ہے جیسے ہر آئینہ میں سورج۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبر سے روضۂ اطہر تک کے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں،جس سے میت بے تکلف جمالِ جہاں آرا کا نظارہ کرتا ہے۔بعض نے فرمایا کہ مؤمن سے پھر یہ جمال تا قیامت غائب نہیں ہوتا،اسی لیئے بعض عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں حضور نے حضرت فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں پہلے تم مجھ سے ملو گی یا ازواج پاک سے فرمایا کہ تم میں جو زیادہ سخی ہوگی وہ مجھ سے پہلے ملے گی اس کا یہی مطلب ہے۔خیال رہے کہ ان فرشتوں کا حضور انور کو رجل فرمانا توہین کے لیے نہیں کہ یہ کفر ہے بلکہ امتحان کی تکمیل کے لیئے ہے کہ اگر وہ نبی یا رسول کہہ دیتے تو امتحان ہی کیا ہوتا۔

۵؎ قبر میں سوال بھی تین ہوتے ہیں اور جواب بھی تین،مگر یہاں سوال تو ایک فرمایا گیا جو سب کو جامع تھا۔اور جواب تینوں کا توحید کا بھی،دین کا،اور رسالت کا بھی۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ بندہ حضور ہی کو دیکھتا ہے نہ کہ آپ کے فوٹو کو ورنہ یہ جواب عین کفر ہوتا۔کیونکہ حضور کے فوٹو کو نبی کہنا ایسے ہی کفر ہے جیسے رب کے نام کا پتھر گھڑ کر اسے خدا کہنا۔

۶؎ یعنی یہ سوال جواب قانونی طور پر ہے ہم تیرے ایمان سے بے خبر نہ تھے۔معلوم ہوا کہ فرشتے ہر شخص کی سعادت اور شقاوت،کفر و ایمان سے خبردار ہیں۔ہمارے حضور جو اعلم الخلق ہیں ان کے علم کا کیا پوچھنا،مرقات میں فرمایا کہ فرشتے مؤمن میت کی پیشانی میں نور ایمان کی شعاع عبادت کا اثر اور سعادت کی علامتیں دیکھتے ہیں۔جیسے قیامت میں ہر شخص مؤمن و کافر کو پہچان لے گا رب فرماتا ہے:"یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ"۔

۷؎ یعنی چار ہزار نوسوگز جو ستر کی ضرب ستر میں دینے سے حاصل ہے،یعنی ستر گز لمبی ستر گز چوڑی کل رقبہ چار ہزار نوسو،یہ بیان وسعت کے لیئے ہے نہ کہ حصر کے لیئے۔بعض روایتوں میں ہے تاحد بصر وہ اس کی تفسیر ہے۔

۸؎ یہ روشنی چاند سورج وغیرہ کی نہیں ہوتی بلکہ نورِ الٰہی یا نور مصطفوی کی جگمگاہٹ ہوتی ہے ممکن ہے کہ ایمان قلبی کا نور ہو تب بھی وہی ہے۔

۹؎ کہ میں کامیاب ہوگیا اور نہایت آرام سے ہوں۔معلوم ہوا کہ میت اپنے گھروالوں کو پہچانتا ہے اور وہاں پہنچنے کی بھی طاقت رکھتاہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم مجھے لے چلو یا سواری لاؤ بلکہ کہتا ہے میں جاتا ہوں اگرچہ اس کے گھر والے صدہا کوس ہوں۔

۱۰؎ مرقات میں فرمایا کہ یہاں سونے سے مراد آرام کرنا ہے یعنی یہ برزخی زندگی آرام سے گزار کہ تجھ تک سوا خدا کی رحمت کے کوئی آفت یا بلا نہیں پہنچ سکے گی جیسے کہ عروس دلہن کے پاس دلہا کے سوا کوئی نہیں پہنچتا یہ نیند غفلت والی مراد نہیں،رب فرماتا ہے۔:"یُرۡزَقُوۡنَ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىہُمُ اللہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ"۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول قبرمیں جنتی روزی کھاتے ہیں،خوش و خرم رہتے ہیں اور دنیا کے لوگوں کی خبر رکھتے ہیں،اگر وہ سوگئے ہوتے تو پھل کیسے کھاتے،یہاں کی خبر کیسے رکھتے،نیز قبرستان میں پہنچ کر سلام کرنا سنت نہ ہوتا کیونکہ سوتوں کو سلام کرنامنع ہے لہذا اس حدیث سے وہابی دلیل نہیں پکڑسکتے،یہ حدیث بزرگوں کے عرس کا ماخذ ہے

چونکہ فرشتوں نے اس دن صاحبِ قبر کو عروس کہا ہے لہٰذا اس دن کا نام روزِ عرس ہے موت مؤمن کی شادی کا اور کافر کی گرفتاری کا دن ہے۔

اا؎ معلوم ہوا کہ دلی ایمان قبر میں ساتھ جائے گا نہ کہ زبانی اسلام۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی۔

۱۲؎کیونکہ لوح محفوظ ہمارے سامنے ہے،تیرا کفر پر مرنا ہمیں معلوم ہے،تیری پیشانی میں کفر کی تاریکی دیکھ رہے ہیں،یہ سوال جواب محض قانون کے لیئے ہیں۔

۱۳؎یعنی دائیں پسلیاں بائیں اور بائیں پسلیاں دائیں طرف لیکن اس کی یہ حالت ہماری حس سے بالا ہے اگر ہم کافر کی لاش دیکھیں تو ویسی ہی صحیح معلوم ہوگی۔خیال رہے کہ اگر ایک ہی قبر میں کافر و مؤمن دفن ہوگئے تو وہ ہی قبر مؤمن کے لیئے فراخ ہوگی اورکافر کے لیئے تنگ،مؤمن کے لیئے روشن اور کافر کے لیئے اندھیری،مؤمن کے لیئے ٹھنڈی کافر کے لیئے گرم،اور مؤمن کے لیئے مہکی ہوئی،کافر کے لیئے بدبودار جیسے ایک بستر میں دو آدمی سو رہے ہوں ایک اچھی اور دل خوش کن خواب دیکھے،دوسرا پریشان کن اور ہیبت ناک خواب دیکھے،بستر ایک ہے مگر دونوں کی حالتیں مختلف،خواب برزخ کی ایک تمثیل ہے،خواب اکثر خیال ہوتی ہے۔برزخ میں حقیقت ہوگی،پسلیاں فرمانا سمجھانے کے لیئے ورنہ جن کفار کی پسلیاں راکھ بنادی گئیں یا جانوروں نے ہضم کر لیں ان کی روح پر بھی تنگی ایسی ہی ہوگی اس کے لیئے قبر ایک شکنجہ ہے۔

۱۴؎یعنی قیامت تک معلوم ہوا کہ کافر کا عذاب کسی تدبیر سے بھی ختم یا ہلکا نہیں ہوسکتا،گنہگار مؤمن کا عذاب قبر بزرگوں کے قدم،زندوں کے ایصالِ ثواب وغیرہ سے ہلکا ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے براءابن عازب سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں ا؎پھر اس سے کہتے ہیں تیرا رب کون؟وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۲؎ پھر وہ کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے تو وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں فرشتے کہتے ہیں۔تجھے یہ کیسے معلوم ہوا۳؎وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا،اسے سچا جانا۴؎یہ ہی اس آیت کی تفسیر ہے۔"یُثَبِّتُ اللّٰہُ "الایہ۔فرمایاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے۵؎لہٰذا اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ اسے جنت کا لباس پہناؤاور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو پس کھول دیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ اس تک جنت کی ہوا اور

وہاں کی خوشبو آتی ہے ۶؎ اور تاحد نظر قبر میں فراخی کردی جاتی ہے ۷؎ رہا کافر حضور نے اس کی موت کا ذکر فرمایا ۸؎ فرمایا کہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر وہ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۹؎ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا؟وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۱۰؎ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے ۱۱؎ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۱۲؎ تب پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے ۱۳؎ لہذا اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ آگ کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دو فرمایا پھر اس تک وہاں کی گرمی اور لو آتی ہے ۱۴؎ فرمایا اس پر اس کی قبر تنگ ہوجاتی ہے۔حتی کہ وہاں اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں ۱۵؎ پھر اس پر اندھے بہرے فرشتے مسلط ہوتے ہیں ۱۶؎ جن کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوتے ہیں اگر ان سے پہاڑ کو مارا جائے تو وہ بھی مٹی ہوجائے اس سے اسے مارتے ہیں ایسی مار جس سے جن و انس کے سوا پورب پچھم کی مخلوق سنتی ہے ۱۷؎ جس سے وہ مٹی ہوجاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے ۱۸؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ خیال رہے کہ لیٹے ہوئے کا بیٹھنا جلوس ہے اور کھڑے ہوئے بیٹھنا قعود کبھی مجازًا ایک کو دوسرے کے معنے میں استعمال کرلیتے ہیں یہاں حقیقی معنے میں ہے۔یہاں بٹھالنا بھی غیر حسی ہے،مردے خانہ میں کافر کی لاشیں ہمارے سامنے پڑی رہتی ہیں مگر فرشتے اسے بٹھال کر امتحان لے کر عذاب میں گرفتار کرجاتے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں لگتا ہمارے سامنے سونے والا بدخوابی میں تکلیف پارہا ہے گھبرا رہا ہے مگر ہمیں خبر نہیں۔

۲؎ یہ سوال جواب سب عربی زبان میں ہوتے ہیں بعد موت سب کی زبان عربی ہوجاتی ہے۔(مرقاۃ)لیکن مردہ اپنی زندگی کی زبان بھی سمجھتا ہے۔ہمارے حضور زندگی شریف میں تمام زبانیں جانتے ہیں حتی کہ لکڑی و پتھر کی زبانیں،جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریادیں کرتے تھے اور اب بھی ہر زبان سے واقف ہیں،حضور کے روضہ پر ہر فریادی اپنی زبان میں عرض و معروض کرتا ہے وہاں ترجمہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۳؎ یہ سوال خوشی کا ہے یعنی اے بندے!اس نازک موقعہ پر تو نے انہیں کیسے پہچان لیا اور تو امتحان میں کامیاب کیسے ہوگیا؟

۴؎ یعنی بلاواسطہ میں نے قرآن شریف خو د سیکھا یا علماء کے ذریعہ اس سے عقائد اور اعمال حاصل کیئے لہٰذا یہ جواب علماء کے لیئے بھی درست ہے اور جاہلوں کے لیے بھی،اس جواب سے معلوم ہوا کہ قبر میں حضور کی پہچان ایمانی رشتہ سے ہوگی خواہ حضور کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔خیال رہے کہ مؤمن ایک لحاظ سے حضور سے قرآن کو جانتا ہے اور دوسرے لحاظ سے قرآن سے حضور کو پہچانتا ہے۔

۵؎ عبدی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام رب کا ہے۔جسے بندہ آج پہلی بار اپنے کان سے سنتا ہے اس کلام کو سن کر جو خوشی بندے کو ہوتی ہے وہ بیان نہیں ہوسکتی،سچا ہے کہ یہ معنی ہیں کہ دنیا میں بھی سچا رہا اور آج بھی سچ بولا۔

۶؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ قبر میں جنت کی نعمتیں پہنچتی ہیں مگر بندہ وہاں نہیں پہنچا،بندے کاجنت میں پہنچنا حشر کے بعد ہوگا۔

۷؎ یہ حدیث ستر ۷۰ گز فراخی کی تفسیر ہے۔

۸؎ کہ کس مصیبت سے اس کی جان نکلتی ہے،نیز اسے دنیا چھوٹنے کا صدمہ،عذاب کے فرشتوں کی ہیبت،آیندہ عذاب کا ڈرسب جمع ہوجاتے ہیں۔مؤمن کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۹؎ معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے دنیا میں حضور سے رشتہ غلامی نہ جوڑا۔اگرچہ وہ توحید کے قائل رہے مگر قبر میں توحید وغیرہ سب کا سب بھول جائیں گے کیونکہ یہ جواب ہر کافر کا ہوگا۔دہریہ ہو یا مشرک ہو یا شیطانی توحید والا موحّد۔

۱۰؎ یعنی اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ دنیا میں میں نے اسلام کے سوا کون سا دین اختیار کیا تھا کیونکہ سارے کفر شیطانی دین ہیں،جن کی بنیاد نفسانی ہے،مرتے ہی شیطان ساتھ چھوڑ گیا نفس ٹوٹ گیا۔جب جڑ ہی کٹ گئی شاخیں کیسے باقی رہیں۔

۱۱؎ معلوم ہوا کہ کافر میت کو بھی حضور کا دیدار کرایا جاتا ہے مگر وہ پہچان نہیں سکتا کیونکہ ان کی پہچان بصارت سے نہیں ہوتی بلکہ د ل کی بصیرت سے ہوتی ہے۔نابینا صحابہ نے حضور کو دیکھ لیا آنکھ والے کافر حضور کو نہ دیکھ سکے،بصارت سرمہ سے تیز ہوتی ہے،بصیرت مقبولین کے آستانوں کی خاک سے۔

۱۲؎ اس جواب سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور بڑا بھائی کہنے کو ایمان سمجھتے ہیں اگر اس سے ایمان مل جاتا تو یہ کافر کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک بشر ہیں یا میرے بھائی ہیں،بشریت مصطفوی پہچاننے پر نجات نہیں نبوت کے پہچاننے پر نجات ہے بشریت تو ابوجہل بھی مانتا تھا۔

۱۳؎ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ میں انہیں جانتا ہی نہیں حالانکہ زندگی میں انہیں جادوگر،شاعر،اپنے جیسا بشر،بڑا بھائی کہتا تھا اور یہاں کہتا ہے میں جانتا ہی نہیں جس کو واقعی حضور کی نبوت کی اطلاع نہ پہنچی ہو اس کے لیئے صر ف عقیدہ توحید کافی ہے اور اس سے یہ سوال جواب بھی نہیں،نیز حضور کی نبوت مشرق و مغرب میں پھیل چکی اب جو دانستہ اس سے غافل رہے وہ بھی مجرم ہے اور لا ادری کہنے میں جھوٹا ہے۔خیال رہے کہ یہاں عبدی نہ فرمایا کیونکہ یہ لفظ رحمت کا ہے اور کفر مستحق لعنت۔

۱۴؎ یعنی آگ کے شعلے دھواں بلکہ وہاں کے سانپ بچھو بھی اور گرم ہوا بھی بعض قبروں میں یہ چیزیں دیکھی بھی گئیں،اللہ کی پناہ۔

۱۵؎ یہ تنگی بھی تاقیامت رہتی ہے جیسے کہ گرمی اورآگ۔

۱۶؎ ان عذاب کے فرشتوں کا نام زبانیہ ہے اندھے بہرے سے مراد سخت دل بے رحمی اور لاپرواہی ہے کہ اس کی تکلیف دیکھ کر رحم نہیں کرتے آہ و بکاہ سن کر کان نہیں دھرتے۔(اشعۃ)ورنہ اندھا بہرہ ہونا عیب ہے جس سے فرشتے پاک ہیں۔رب قیامت میں کافر سے فرمائے گا"کَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی"حالانکہ رب بھول سے پاک ہے۔

۱۷؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جن وانس سے عوام مراد ہیں مقبولین یہ آہ و بکا سنتے بھی ہیں بلکہ عذاب قبر دیکھتے بھی ہیں۔

۱۸؎ یعنی جیسے دنیا میں سخت تکلیف میں جان نکل جاتی تھی ایسے ہی وہاں بھی ہوگا کہ ہتھوڑے کی ہر چوٹ پر جان نکلے گی پھر ڈالی جائے گی اسی لیئے قیامت میں کافر عرض کریں گے"رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَیۡنِ وَ اَحۡیَیۡتَنَا اثۡنَتَیۡنِ"خدایا تو نے ہمیں بار بار موت و زندگی دی،اس آیت میں اثنتین سے باربار مراد ہے جیسے "ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ"۔غرض کہ یہ آیت اس حدیث کی تفسیر ہے اس آیت کی اورتفسیریں بھی کی گئی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے کہ آپ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہوجاتی ۱؎ عرض کیا گیا کہ آپ جنت دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اس سے روتے ہیں تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں سے پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پاگیا تو بعد والی منزلیں اس سے آسان تر ہیں۲؎ اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس سے سخت ہیں۳؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے کوئی منظر نہ دیکھا مگر قبر اس سے زیادہ وحشت ناک ہے۴؎ اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ مردے کی یاد میں نہیں بلکہ قبر کی ہیبت میں اور عذاب قبر کے خوف سے اگرچہ آپ ہر قسم کے عذاب سے محفوظ تھے،زبان مصطفوی سے جنت کی بشارت پاچکے تھے،لیکن ہیبت دل میں موجود تھی جو ایمان کا تقاضا ہے جب محفوظین کا یہ خوف ہے تو ہم گنہگاروں کو کتنا خوف چاہیئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں حضور کی بشارت پر یقین نہ تھا یارب تعالٰی کے جھوٹ کا احتمال تھا۔رب نے فرمایا تھا:"مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَ اَنۡتَ فِیۡہِمۡ "اس کے باوجود آندھی دیکھ کرحضور کے چہرۂ انور پر آثار خوف نمودار ہوتے تھے۔

۲؎ یعنی مرنے کے بعد قبر،حشر،میزان،پل صراط وغیرہ بہت سی منزلوں سے ہمیں گزرنا ہے لیکن تمام منزلوں کا پتہ قبر سے چل جاتا ہے۔یہاں بچ گیا تو ان شاءاللہ آگے بھی محفوظ رہے گا بلکہ گنہگار مؤمن کے لیئے قبر کا عارضی عذاب اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا جیسے کہ مرقاۃ میں ہے۔سبحان اللہ!مؤمن کے لیئے وہ سختی بھی رحمت۔

۳؎ یعنی قبر کا دائمی عذاب کفار کے لیئے ہے اس کے لیئے حشر و پل صراط قبر سے زیادہ خطرناک ہے۔

۴؎ یعنی دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت قبر کے معمولی عذاب سے بھی آسان ہے،عیش میں رہنے والے کافر کو قبر کی ایک گرم ہوا دے کر پوچھیں گے کہ کیا تو نے کبھی عیش دیکھا تھا وہ کہے گا میں جانتا بھی نہیں کہ عیش کیا چیز ہے۔دنیا میں مصیبت زدہ اپنے مال اولاد ساتھیوں کو دیکھ کر تسلی پالیتا ہے،قبر میں کسے دیکھے گا؟یا مٹی کو یا عذاب کے فرشتوں کو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو پھر اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۱؎ کہ اس سے اب سوالات ہورہے ہیں۲؎(ابوداؤد)

۱؎ ہمارے ہاں رواج ہے کہ بعد دفن فورًا واپس نہیں ہوتے بلکہ قبر کے آس پاس حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے ہیں کچھ پڑھ کر بخشتے ہیں اور میت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے،یہ تمام فعل سنت ہیں،بعض جگہ بعد دفن قبر پر اذان بھی کہتے ہیں،یہ بھی اسی حدیث سے نکل سکتا ہے کہ اس میں مردے کو تلقین ہے اور اس کے ثبات قدمی کی کوشش ہے حدیث میں ہے:"لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ"۔

۲؎ یعنی ہونے ہی والے ہیں کیونکہ حساب قبر لوگوں کے لوٹنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے صدقات وخیرات میت کو مفید ہیں۔ابو امامہ کی روایت میں ہے کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں دفن کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ کہواے فلاں ابن فلاں اپنا وہ کلمہ یاد کر جسے تو دنیا میں پڑھتا تھا۔تیرا رب اللہ ہے،تیرا دین اسلام ہے،تیرے نبی محمد مصطفٰے ہیں۔(اشعۃ)مرقاۃ نے فرمایا کہ قبر پر ختم قرآن کرنا مستحب ہے،بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ بعد دفن سرہانۂ قبر پر سورہ بقر کا پہلا رکوع اور پائنتی پر آخری رکوع پڑھنا مستحب ہے۔شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنا بہت اعلٰی ہے۔اشعۃ میں ہے کہ اگر اس وقت دو چار فقہی مسائل بیان کرکے ثواب میت کو پہنچائے تو اچھا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر پر اس کی قبر میں ننانوے ۹۹ سانپ مسلط کیے جاتے ہیں۱؎ جو اسے قیامت تک نوچتے اور ڈستے رہیں گے ۲؎ اگر ان میں سے ایک سانپ زمین پر پھونک مار دے تو کبھی سبزہ نہ اگائے۳؎ اسے دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی اسی کی مثل روایت

	کی انہوں نے ننانوے کی بجائے ستر فرمائے ۴

۱؎ تنین زہر والے اژدھے کو کہتے ہیں چونکہ کافر اللہ کے ننانوے ناموں کا منکر تھا۔اسی لئے اس پر ننانوے سانپ مقرر ہوئے نیز اللہ کی سو رحمتیں ہیں ایک دنیا میں ننانوے مؤمنوں پر آخرت میں کافروں پر ان نعمتوں کے عوض سانپ مقرر ہوئے۔

۲؎ گوشت نوچنا،زہر نہ پہنچانا نھس ہے اور دانت مار کر زہر چھوڑ دینالدغ یعنی کوئی نوچے گا کوئی ڈسے گا۔

۳؎ اس طرح کہ اس کی گرمی اور زہر کی وجہ سے مٹی پک جائے اور سبزے کے قابل نہ رہے آج جہاں ایٹم بم پڑا ہے وہاں کا علاقہ ناقابل کاشت ہوگیا۔

۴؎ ستر سے مراد بے شمار لینا یہ ننانوے کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں جب حضرت سعد ابن معاذ۱؎ نے وفات پائی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی طرف گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز پڑھ لی اور وہ اپنی قبر میں رکھے گئے اور ان پر مٹی برابر کردی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دراز تسبیح پڑھی ہم نے بھی تسبیح پڑھی پھر تکبیر کہی ہم نے بھی تکبیر کہی ۲؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ اولًا تسبیح پھر تکبیر کیوں کہی ؟ فرمایا اس نیک بندے پر ان کی قبر تنگ ہوگئی تھی حتی کہ اللہ نے کشادہ کردی ۳؎ (اسے احمد نے روایت کیا)

۱؎ آپ قبیلہ انصار میں اوس کے سردار ہیں، بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں ایمان لائے،آپ کے ایمان سے عبد اشھل بھی ایمان لائے، حضور نے ان کا نام سید الانصار رکھا، جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضور کے ساتھ بدر و احد میں شریک رہے، خندق کے دن کندھے میں تیر لگا جس سے خون جاری ہوا اور نہ ٹھہرا ایک ماہ کے بعد ذیقعد ۵ھ میں وفات ہوئی، ۳۷ سال عمر ہوئی، حضور کے ہاتھوں جنت بقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر تسبیح و تکبیر پڑھنا سنت ہے کہ اس سے غضب الٰہی دفع ہوتا ہے، لگی ہوئی آگ بجھ جاتی ہے. اس سے قبر پر اذان کا مسئلہ ماخوذ ہے کہ اس میں تکبیر بھی ہے اور تلقین بھی اور یہ دونوں سنت ہیں۔

۳؎ یہ تنگئ قبر عذاب نہ تھی بلکہ قبر کا پیار تھا، قبر مؤمن کو ایسے دباتی ہے جیسے ماں بچے کو گود میں لے کر، مگر میت اس سے ایسی گھبراتی ہے جیسے ماں کے دبانے پر بچہ روتا ہے،اسی لیئے حضور نے عبد صالح فرمایا، عذاب قبر کافر یا گنہگار کو ہوتا ہے،اگلی حدیث اس کی شرح ہے حضور کی برکت اور

تکبیر و تہلیل کے ذریعہ یہ تنگی بھی دور ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر تسبیح و تکبیر میت کو مفید ہے،نیز پتہ لگا کہ حضور کی نگاہ اوپر سے قبر کے اندر کا حال دیکھ لیتی ہے،آپ کے لیئے کوئی شے آڑ نہیں۔خیال رہے کہ حضور کے قدم کی برکت سے قبر کی مصیبتیں دور ہوتی ہیں،یہ تکبیر فرمانا ہم کو تعلیم دینے کے لیئے ہے،کوئی گستاخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور کے ہوتے ہوئے عذاب کیوں ہوا کیونکہ یہ عذاب تھا ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ وہ ہیں جن کے لیئے عرش ہل گیا،اور ان کے لیئے آسمان کے دروازے کھولے گئے ۱؎ اور ان پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے ۲؎ بے شک چپٹائے گئے چپٹایاجاتا پھراللہ نے ان کے لیے آسانی کردی ۳؎ (نسائی)	

۱؎ یعنی سعد ابن معاذ کے لیئے آسمان کے دروازے کھلے،وہاں کے فرشتوں نے ان کی روح کا استقبال کیا اور ان کی روح کے پہنچنے پر عرش اعظم خوشی میں ہلا آسمان سے فرشتے اور رحمتیں اتریں۔مرقاۃ میں فرمایا کہ مؤمنین کی ارواح جنت میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان کے اوپر ہیں۔

۲؎ اللہ کی رحمتیں لےکر یا ان کے جنازے میں شرکت کرنے کے لیئے۔

۳؎ یہ عبارت گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ تنگی عذاب قبر نہ تھی بلکہ قبر کی رحمت تھی اور ا ن کے لیئے وحشت،بلی اپنے بچے کو بھی منہ میں دباتی ہے اور چوہے کو بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔

روایت ہے اسماء بنت ابوبکر سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کے لیے کھڑے ہوئے ۲؎ تو آپ نے فتنۂ قبر کا ذکر فرمایاجس میں انسان مبتلا ہوتا ہے ۳؎ تو جب یہ ذکر کیا تو مسلمانوں نے چیخ ماری ۴؎ بخاری نے اسی طرح روایت کی نسائی نے یہ اور زیادہ کیا کہ ان کے درمیان چیخ حائل ہوگئی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ سکوں جب شو تھما تو میں نے اپنے نزدیکی آدمی سے کہا کہ اللہ تجھے برکتیں دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کلام شریف میں کیا فرمایا؟ ۵؎ وہ بولے کہ حضور نے یہ فرمایا کہ مجھے وحی ہوئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں فتنۂ دجال کے قریب فتنہ میں مبتلا کیے جاؤ گے ۶؎	

۱؎ آپ کا لقب **ذات النطاقین** ہے،عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن،زبیر ابن عوام کی زوجہ،عبداللہ ابن زبیر کی والدہ،ابوبکر صدیق کی صاحبزادی ہیں،آپ اٹھارھویں مؤمنہ ہیں،مکہ معظّمہ میں ایمان لائیں،عائشہ صدیقہ سے دس سال بڑی تھیں،آپ کے

صاحبزادے عبداللہ ابن زبیر کو حجاج ابن یوسف نے سولی دی تھی۔چوب سے آپ کی لاش اتارنے کے دس روز بعد حضرت اسماء کا انتقال ہوا مکہ معظّمہ میں دفن ہوئیں،یہ واقعہ ۷۳ھ میں ہوا۔

۲؎ مسجد نبوی شریف میں جہاں مردوں اورعورتوں کا اجتماع تھا مرد آگے تھے عورتیں پردے کے ساتھ پیچھے جیسا کہ اس زمانہ میں عام مروج تھا بلکہ عورتوں کو حکم تھا کہ وعظ کی مجالس میں شرکت کیا کریں تاکہ انہیں اپنے احکام و مسائل معلوم ہوں۔خیال رہے کہ خطبہ اور وعظ کھڑے ہو کر کہنا سنت ہے۔شامی میں ہے کہ خطبۂ نکاح بھی کھڑے ہوکر پڑھاجائے۔

۳؎ فتنۂ قبر سے مراد وہاں کا امتحان ہے۔اَلْمَرْءُ سے معلوم ہوا کہ حساب قبرصرف انسانوں سے ہے جنات یا جانوروں سے نہیں کیونکہ ان کے لیئے نہ جنت ہے،نہ وہاں کی نعمتیں۔کفار جن کے لیئے صرف جہنم ہے جانوروں کے لیئے دونوں میں کچھ نہیں،بلکہ مظالم کا بدلہ کرا کر انہیں مٹی کردیا جائے گا اس کی تحقیق ہمارے فتویٰ میں دیکھو۔

۴؎ ہیبت سے گھبرا کر رو پڑے اور بے اختیاری چیخ نکل گئی،اس میں ریاء کی گنجائش نہ تھی۔خیال رہے کہ خوفِ الٰہی میں صرف آنسوؤں سے رونا بہت بہترہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"تَرٰۤی اَعْیُنَہُمْ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمْعِ "لیکن اگر بے اختیاری میں لوگوں کے سامنے چیخ نکل جائے تو بھی عبادت۔

۵؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ عورت اجنبی مرد سے ضرورتًا پردے میں رہ کر کلام کرسکتی ہے،بشرطیکہ سادی گفتگو کرے آواز میں شیرینی اور لوچ نہ ہو،رب فرماتاہے:"وَ اِذَا سَاَلْتُمُوۡہُنَّ مَتٰعًا فَسْـَٔلُوۡہُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ"اورفرماتا ہے:"فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ"۔دوسرے یہ کہ دعائیں دےکر کوئی بات پوچھنا بہتر ہے تاکہ مخاطب کو خوشی ہو،مؤمن کو خوش کرنا بھی عبادت ہے۔تیسرے یہ کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر بھی قبول ہے گواہیوں کی ضرورت نہیں۔

۶؎ یعنی فتنۂ قبرفتنۂ دجال کی طرح بڑا ہی خطرناک ہے جیسے دجال کی شرسے وہی بچے گا جسے اللہ بچائے،ایسے ہی حساب قبر میں وہی کامیاب ہوگاجسے اللہ کامیاب کرے،ان دونوں جگہ ثابت قدمی اپنی بہادری سے نہیں،دجال دعوئے خدائی کرے گا اور بہت لوگ اس کا اقرار کرلیں گے،قبر میں شیطان سامنے آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں،مجھے رب مان لے کامیاب ہوجائے گا،اس کی ذریت میت کے مرے ہوئے عزیزوں کی شکل میں آکر کہتی ہے کہ بیٹے اسے خدا مان لے،دیکھو اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی کتاب ایذان الاجر اور ہماری کتاب "جاء الحق"اسی لیئے قبر پر اذان کہہ دیتے ہیں تاکہ شیاطین دفع ہوں۔

روایت ہے حضرت جابررضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب میت قبر میں داخل کی جاتی ہے تو اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوتاہے۱؎ تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ و میں نماز پڑھ لوں ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یہ احساس منکر نکیر کے جگانے پر ہوتا ہے۔خواہ دفن کسی وقت ہو چونکہ نماز عصر کی زیادہ تاکید ہے اور آفتاب کا ڈوبنا اس کا وقت جاتے رہنے کی دلیل ہے،اسی لئے یہ وقت دکھایا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی اے فرشتو سوالات بعد میں کرنا عصر کا وقت جارہا ہے مجھے نماز پڑھ لینے دو۔یہ وہی کہے گا جو دنیا میں نماز عصر کا پابند تھا،اللہ نصیب کرے اسی لیئے رب فرماتا ہے:"حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی"تمام نمازوں کی خصوصًا عصر کی بہت نگہبانی کرو۔صوفیاءفرماتے ہیں جیسے جیوگے ویسے ہی مرو گے اور جیسےمرو گے ویسے ہی اٹھو گے۔خیال رہے کہ مؤمن کو اس وقت ایسا معلوم ہوگا جیسے میں سوکر اٹھا ہوں نزع وغیرہ سب بھول جائے گا ممکن ہے کہ اس عرض پر سوال جواب ہی نہ ہوں اور ہوں تو نہایت آسان کیونکہ اس کی یہ گفتگو تمام سوالوں کا جواب ہوچکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مردہ قبر میں پہنچتا ہے پھر اپنی قبر میں بٹھایا جاتا ہے نہ گھبرایا ہوا نہ پریشان ۱؎ پھر اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین میں تھا ؟وہ کہتا ہے اسلام میں تھا۲؎ پھر کہا جاتا ہے یہ کون صاحب ہیں؟وہ کہتاہے محمدرسول اللہ ہیں جو ہمارے پاس رب کی طرف سے نشانیاں لائے ہم نے ان کی تصدیق کی۳؎ تب کہا جاتا ہے کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے ؟۴؎ وہ کہتا ہے کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۵؎ پھر دوزخ کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ ادھر دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو کچل رہی ہے ۶؎ پھر اس سے کہاجاتا ہے کہ ادھر دیکھو جس سے تجھے اللہ نے بچالیا ۷؎ پھر جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس کی ترو تازگی کی طرف اور جو اس میں ہے دیکھتا ہے۸؎ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تو یقین پر تھا اسی پر مرا اور ان شاءاللہ اسی پر اٹھے گا۹؎ برا آدمی اپنی قبر میں بٹھالا جاتا ہے حیران پریشان۱۰؎ اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین میں تھا؟وہ کہتا ہے مجھے نہیں خبر پھرکہا جاتا ہے یہ صاحب کون ہیں؟وہ کہتا ہے میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا وہ میں نے بھی کہا تھا۱۱؎ تب اس کے سامنے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ وہاں کی ترو تازگی	

	اور جو کچھ اس میں ہے دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے وہ دیکھ جو اللہ نے تجھ سے پھیر دیا پھر دوزخ کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو کچل رہا ہے پھر کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانہ۱۲؎ تو شک پر تھااس پر مرا اسی پر ان شاءاللہ اٹھے گا۱۳؎(ابن ماجہ)

۱؎ یہ مؤمن کا حال ہوگا اسی اطمینان کی وجہ سے سوالات کا جواب آسانی سے دے گا وہ دنیا میں کافی گھبرا اور ڈرچکا اب اس کے اطمینان کا زمانہ آگیا۔

۲؎ یعنی زندگی میں بھی اسلام پر تھا اور اب بھی لیکن چونکہ سزاوجزا کا دارومدار زندگی کے ایمان و اعمال پر ہے اس لیئے یہاں اسی کا ذکر کیا گیا،بعض صالحین قبر میں تلاوت قرآن،بلکہ نماز بھی اداکرتے ہیں مگر انہیں اس کا کوئی ثواب نہیں،لذات روحانی ہے،اسی لیئے بزرگوں کی ارواح کو بھی نیکیوں کا ثواب بخشاجاتاہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کُنْتُ کیوں فرمایا۔

۳؎ خیال رہے کہ اگرچہ اسلام میں توحید،رسالت اور سارے عقائد آگئے تھے لیکن پھر بھی آخری سوال حضور کے بارے میں ہوتا ہے۔کلمہ ختم ہو تو ان کے نام پر،نماز ختم ہو تو ان کے سلام پر،امتحان قبر ختم ہو تو ان کی پہچان پر،خاتمیت کا سہرا انہی کے سر ہے،ہر جگہ نجات انہی کے سہارے ہے۔

۴؎ یعنی تو جو کہتا ہے وہ اللہ کے پاس سے نشانیاں لائے کیا تونے خدا کو انہیں نبی بناکر بھیجتے،نشانیاں دیتے دیکھا تھا ؟ وہ کہتا ہے کہ خود تو نہیں دیکھا،دیکھنے والے محبوب سے سنا تھا،مجھے ان کے کلام پر اپنی آنکھوں سے زیادہ اعتماد ہے،میری آنکھیں جھوٹی ہوسکتی ہیں ان کا کلام غلط نہیں ہوسکتا۔خیال رہے کہ یہ گفتگو امتحان کے علاوہ ہے۔فرشتے خوش ہو کر اس سے یہ باتیں کرتے ہیں۔

۵؎ دنیا میں ان آنکھوں سے۔سبحان اللہ!جاہل مسلمان بھی مرتے ہی عقائد کا عالم بن جاتا ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ مؤمن کو اس وقت دوزخ کی آگ نظر آتی ہے تکلیف بالکل نہیں پہنچاتی،کچلنے کا یہ مطلب ہے کہ اس قدر زیادہ آگ ہے گویا آگوں کی بھیڑہوگئی ہے کہ بعض بعض کو کچلے دیتی ہے۔

۷؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دوزخ سے بچنا محض اپنے عمل سے نہیں بلکہ رب تعالٰی کے فضل سے ہے کہ اسی کے کرم سے قبر میں کامیابی ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ ہر شخص کی جگہ جنت میں بھی ہے اور دوزخ میں بھی،مؤمن جنت میں اپنی جگہ بھی سنبھالتاہے اور کافر کی بھی،مؤمن کو دوزخ کی جگہ پہلے دکھانا اسے زیادہ خوش کرنے کے لیئے ہے۔

۸؎ صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ اس سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے اور دوزخ کی کھڑکی فورًا بندکردی جاتی ہے مگر یہ کھڑکی تا قیامت کھلی رہتی ہے۔

۹؎ یعنی دنیا میں تجھے اپنے عقائد کا علم الیقین تھا جو سن کر حاصل ہوا،قبر میں ان سب چیزوں کو دیکھ کر عین الیقین حاصل ہوا۔اور بعد حشر وہاں پہنچ کر حق الیقین نصیب ہوگا،یقین دائمی رہا اس کے مرتبوں میں ترقی ہوتی رہی یاد رکھو کہ جیسے جیو

گے ویسے ہی مرو گے ان شآءاللہ فرمانا برکت کے لیے ہے نہ کہ شک کے لیئے رب تعالیٰ نے فرمایا:"لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ "۔

۱۰؎ کیونکہ کافر دنیا میں خدا سے بے خوف رہا اب اس کا خوف شروع ہوگیا۔

۱۱؎ منافق نے فقط زبان سے لوگوں کی دیکھا دیکھی رسول اللہ کہہ دیا تھا،کافر اپنے دوستوں سے سن کر انہیں جادو گر وغیرہ کہتے تھے،غرض تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا۔

۱۲؎ یہاں بھی گزشتہ تقریر یاد رہے کہ کافر جنت کو صرف دیکھتا ہے اس سے فائدہ بالکل نہیں اٹھاتا اور جنت کی کھڑکی فورًا بند بھی کردی جاتی ہے یہ دکھانا زیادتی حسرت کے لیئے ہے دوزخ کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی گرمی سے تکلیف بھی پاتا ہے اور یہ کھڑکی کبھی بند بھی نہیں ہوتی۔

۱۳؎ عام کافروں کو اپنے دین پر جزم نہیں ہوتا،ذرا سی مصیبت میں دین چھوڑ دیتے ہیں،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ"ہم نے ہندوؤں کو مسجدوں کے دروازہ پر نمازیوں کے جوتوں کی خاک چومتے دیکھا ہے،مشائخ کرام کے تلوؤں کو چومتے دیکھا ہے،اور جن خاص کافروں کو اپنے مذہب پر جزم اوراعتماد ہے وہ بھی یقین نہیں کہلاتا بلکہ جہل مرکب یعنی جھوٹی بات کو سچاجان لینا،نیز اس کا یہ اعتماد مرتے ہی ختم ہوجاتا ہے،اب اسے مرنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ دین برحق کیا ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت سے کافرو ں کو اپنے مذہب پر یقین ہوتا ہے پھرحدیث کیونکہ صحیح ہوئی۔

باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

قرآن وسنّت مضبوطی سے پکڑنے کا باب[1]

الفصل الاوّل

پہلی فصل

1. اعتصام عَصْمٌ سے بنا معنے منع اور روک۔پاک دامنی کو اسی لیئے عصمت کہتے ہیں کہ وہ گناہوں سے روک دیتی ہے۔اس کے لغوی معنے ہیں مضبوط پکڑنا چھوٹنے اور بھاگنے سے روک لینا۔اصطلاح شریعت میں حقانیت پر اعتقاد اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کو اعتصام کہا جاتا ہے۔کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اور سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فرمان اور وہ افعال اور احوال ہیں جو مسلمانوں کے لیئے قابل عمل ہیں،حضور کے یہ افعال شریعت کہلاتے ہیں اور احوال شریف طریقت۔صوفیاء کے نزدیک حضور کے جسم شریف کے حالات شریعت ہیں،قلب کے حالات طریقت،روح کے احوال حقیقت،اور سر کے حالات معرفت،سنت ان سب کو شامل ہے۔خیال رہے کہ حضور کی خصوصیات سنت نہیں لہذا نو بیویاں نکاح میں رکھنا،اونٹ پر طواف کرنا،منبر پر نماز پڑھانا وغیرہ اگرچہ حضور کے افعال کریمہ ہیں،لیکن ہمارے واسطے ناقابل عمل۔ہر سنت حدیث ہے ہر حدیث سنت نہیں،اسی لیئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سنت فرمایا حدیث نہ فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی"یہ نہ فرمایا بِحَدِیْثِی،نیز ہمارا نام بحمدہٖ تعالٰی اہل سنت یعنی ساری سنتوں پر عامل اہل حدیث نہیں،کیونکہ ساری حدیثوں پر کوئی عمل نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی اہلِ حدیث ہوسکتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ شریعت کے دلائل چار ہیں قرآن،سنت،اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہد،لیکن کتاب و سنت اصل اصول ہیں اور اجماع و قیاس ان کے بعد کہ اگر کوئی مسئلہ ان دونوں میں نہ مل سکے تو ادھر رجوع کرو،نیز قیاس قرآن و سنت کا مظہر ہے۔اس لیئے مصنف نے صرف کتاب و سنت کا ذکر کیا ان دونوں کا ذکر نہیں کیا ورنہ وہ دونوں بھی اشد ضروری ہیں۔خلافت صدیقی اور فاروقی اجماع امت سے ہی ثابت ہے اور ان کا انکار کفر۔باجرہ اور چاولوں میں سود حرام ہے مگر کتاب و سنت میں اس کا ذکر نہیں،قیاس سے حرمت ثابت ہے اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول و دوم[2] میں دیکھو۔کتاب و سنت سمندر ہے کسی امام کے جہاز میں بیٹھ کر اس کو طے کرو۔کتاب و سنت طب ایمانی کی دوائیں ہیں کسی طبیب روحانی یعنی امام مجتہد کے مشورے سے انہیں استعمال کرو۔

	روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایجاد کرے ہمارے دین میں وہ طریقہ جو اس دین سے نہیں وہ مردود ہے[1]

۱؎ یعنی وہ ایجاد کرنے والا مردود ہے یا اس کی یہ ایجاد مردود ہے۔خیال رہے کہ اَمر سے مراد دین اسلام ہے اور مَا سے مراد عقائد،یعنی جو شخص اسلام میں خلافِ اسلام عقیدے ایجاد کرے وہ شخص بھی مردود اور وہ عقائد بھی باطل۔لہذا روافض،قادیانی،وہابی وغیرہ بہتر۷۲ فرقے جن کے عقائد خلافِ اسلام ہیں باطل ہیں۔یا اَمر سے مراد دین ہے اور مَا سے مراد اعمال ہیں اور لَیۡسَ مِنۡهُ سے مراد قرآن وحدیث کے مخالف،یعنی جو کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین،یعنی کتاب وسنت کے مخالف ہوں جس سے سنّت اٹھ جاتی ہو وہ ایجاد کرنے والا بھی مردود ایسے عمل بھی باطل جیسے اردو میں خطبہ ونماز پڑھنا،فارسی میں اذان دینا وغیرہ۔اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے کہ جو کوئی بدعت ایجاد کرے تو اللہ سنت کو اٹھالیتا ہے۔ہماری اس تفسیر کی بنا پر یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اس میں کوئی قید لگانے کی ضرورت نہیں۔مرقاۃ نے فرمایا لَیۡسَ مِنۡهُ سے معلوم ہوا کہ دین میں ایسے کام کی ایجاد جو کتاب وسنّت کے خلاف نہ ہو بُری نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حمد و صلوۃ کے بعد یقینًا بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد مصطفٰے کا طریقہ ہے۱؎ اور بدترین چیز دین کی بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۲؎ (مسلم)

۱؎ یہ کلام حضور نے وعظ میں خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا اسی لیئے فرمایا اَمَّا بَعۡدُ!حدیث کے معنی مطلقًا بات اور کلام ہے،لہذا اس معنے سے قرآن بھی حدیث ہے اور لوگوں کے کلام بھی،مگر اصطلاح میں صرف حضور کے فرمان اور کام کو حدیث کہا جاتا ہے،یہاں لغوی معنے میں ہے۔اللہ کا کلام تمام کلاموں پر ایسا ہی بزرگ ہے جیسے خود پروردگار اپنی مخلوق پر۔ھدی کے معنے ہیں اچھی خصلت،حضور کی سیرت اچھی ہے کیونکہ رب کی طرف سے ہے،ہمارے کام اور کلام نفسانی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں حضور کا ہر قول و فعل رحمانی ہے اسی لیئے حضور کے کسی فعل پر اعتراض کفر ہے کہ وہ رب پر اعتراض ہے،لوگوں نے آپ کے ایک نکاح پر اعتراض کیا تو رب نے فرمایا:"زَوَّجۡنٰکَهَا"ہم نے تمہارا نکاح کرایا۔

۲؎ مُحۡدَثٌ کے معنے ہیں جدید اور نوپید چیز،یہاں وہ عقائد یا برے اعمال مراد ہیں جو حضور کی وفات کے بعد دین میں پیدا کیے جائیں۔بدعت کے لغوی معنے ہیں نئی چیز،رب فرماتا ہے:"بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ"۔اصطلاح میں اس کے تین معنے ہیں:(۱)نئے عقیدے اسے بدعت اعتقادی کہتے ہیں۔(۲)وہ نئے اعمال جو قرآن و حدیث کے خلاف ہوں اور حضور کے بعد ایجاد ہوں۔(۳)ہر نیا عمل جو حضور کے بعد ایجاد ہوا۔پہلے دو معنے سے ہر بدعت بری ہے کوئی اچھی نہیں،تیسرے معنی کے لحاظ سے بعض بدعتیں اچھی ہیں بعض بری ہے،یہاں بدعت کے پہلے معنی مراد ہیں،یعنی برے عقیدے،کیونکہ حضور نے اسے ضلالت یعنی گمراہی فرمایا۔گمراہی عقیدے سے ہوتی ہے عمل سے نہیں،بے نماز گنہگار ہے گمراہ نہیں،اور رب کو جھوٹا یا حضور کو اپنی مثل بشر سمجھنا بدعقیدگی اور گمراہی ہے،اور اگر دوسرے معنی مراد ہوں تب بھی یہ حدیث اپنے اطلاق پر ہے کسی قید لگانے کی ضرورت نہیں،اور اگر تیسرے معنی مراد ہوں یعنی نیا کام تو یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے کیونکہ یہ بدعت دو قسم کی ہے:بدعت حسنہ اور سیئہ۔یہاں بدعت سیئہ مراد ہے۔بدعت حسنہ کے لیئے کتاب العلم کی وہ حدیث ہے جو آگے آرہی

ہے۔"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً"الحدیث،یعنی جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے وہ بڑے ثواب کا مستحق ہے،بدعت حسنہ کبھی جائز،کبھی واجب،کبھی فرض ہوتی ہے۔اس کی نہایت نفیس تحقیق اسی جگہ مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات میں دیکھو،نیزشامی اور ہماری کتاب "جاء الحق"میں بھی ملاحظہ کرو۔بعض لوگ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جو کام حضور کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی،مگر یہ معنی بالکل فاسد ہیں،کیونکہ تمام دینی چیزیں،چھ کلمے،قرآن شریف کے ۳۰پارے،علم حدیث اور حدیث کی اقسام اور کتب،شریعت وطریقت کے چارسلسلے،حنفی،شافعی،یاقادری،چشتی وغیرہ،زبان سے نماز کی نیت،ہوائی جہاز کے ذریعہ حج کا سفر اور جدیدسائنسی ہتھیاروں سے جہاد وغیرہ،اور دنیا کی تمام چیزیں پلاؤ،زردے،ڈاک خانہ،ریلوے وغیرہ سب بدعتیں ہیں جوحضور کے بعدایجاد ہوئیں حرام ہونی چاہیے حالانکہ انہیں کوئی حرام نہیں کہتا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں تین شخص ناپسند ترین ہیں حرم میں بے دینی کرنے والا۱ اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی۲ مسلمانوں کے خون ناحق کا جویاں تاکہ اس کی خونریزی کرے۳(بخاری)

۱الحاد کے معنی ہیں میلان اور جھکنا۔شریعت میں باطل کی طرف جھکنے والے کو ملحد کہتے ہیں۔بدعقیدہ اور گنہگار دونوں ملحد ہیں،یعنی حدود مکہ مکرمہ میں گناہ کرنے والا یاگناہ پھیلانے والا یا بدعقیدگی اختیار کرنے والا یا رائج کرنے والا کہ اگرچہ یہ حرکتیں ہر جگہ ہی بری ہیں مگر حرم شریف میں بہت زیادہ بری کہ اس مقام کی عظمت کے بھی خلاف ہے اور جیسے حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ایسے ہی ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ ہےاسی لیئےحضرت ابن عباس نے مکہ چھوڑکر طائف میں قیام کیا۔

۲یعنی مسلمان ہوکر مشرکانہ رسوم کو پسند کرے اور پھیلائے جیسے نوحہ،سینہ کوبی،فال نکالنا وغیرہ اس سے روافض کو عبرت چاہیئے کہ انہوں نے جاہلیت کی رسموں کو عبادت سمجھ رکھا ہے۔

۳یعنی مسلمان کو ظلمًا قتل کرنا تو بڑاگناہ ہے قتل کی کوشش بھی بدترین جرم ہے۔اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو بے قصور کو قتل کریں،کرائیں،مشورہ دیں اورقتل کے بعد قاتل کو ناحق چھڑانے کی کوشش کریں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منکر کے سوا میری ساری امت جنت میں جائے گی۱عرض کیا گیا منکرکون ہے؟ فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی بہشت میں گیا جس نے میری نافرمانی کی منکرہوا ۲(بخاری)

۱؎ یہاں امت سے مراد امت اجابت ہے جنہوں نے حضور کی تبلیغ کو قبول کرکے کلمہ پڑھ لیا ورنہ حضور کی امت دعوت تو ساری خلقت ہے۔

۲؎ انکار سے مراد عملی انکار ہے اور اس میں گنہگار مسلمان داخل ہیں اور جنت میں داخلے سے مراد اوّلی داخلہ ہے،یعنی متقی مؤمن اوّلی داخلہ کے مستحق ہیں،فاسق اس کے مستحق نہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے اور اگر انکار سے اعتقادی انکار مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان جنت کا مستحق ہے کافر نہیں،مگر پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضور کی بارگاہ میں فرشتے حاضر ہوئے جب کہ آپ سو رہے تھے ۱؎ تو بولے کہ تمہارے ان صاحب کی ایک کہاوت ہے ان سے بیان کردو ۲؎ تو بعض بولے کہ وہ سورہے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں اور دل شریف بیدار ہے ۳؎ تو بولے تمہارے ان محبوب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گھر بنائے وہاں دستر خوان رکھے اور بلانے والے کو بھیج دے تو جو اس بلانے والے کی بات مان لے وہ گھر میں آئے گا دستر خوان سے کھائے گا اور جو نہ مانے وہ نہ آئے نہ اس کے دستر خوان سے کچھ کھاسکے ۴؎ پھر بولے کہ اس کا مطلب بھی عرض کردوتاکہ خوب سمجھ لیں ۵؎ تو بعض بولے کہ وہ تو سو رہے ہیں بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں اور دل جاگتا ہے ۶؎ تو بولے کہ گھر تو ہے جنت اور بلانے والے ہیں محمد مصطفے ۷؎ جو حضور کی اطاعت کرے وہ اللہ کا مطیع ہے اور جس نے حضور کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ۸؎ اور محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)لوگوں میں طرۂ امتیاز ہیں ۹؎ (بخاری)

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت جابر سے خود حضور نے بیان فرمایا جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے۔ملائکہ سے مراد فرشتوں کی بعض جماعت ہے جن میں حضرت جبرئیل و میکائیل بھی داخل ہیں۔حضرت جبریل آپ کے سرہانے تھے اور میکائیل پائینتی،جیساکہ اسی ترمذی میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ حضرت جابر نے خود یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور یہ گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہو جیساکہ اسی ترمذی میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے ثابت ہے۔صحابہ فرشتوں کو کبھی دیکھتے بھی تھے اور ان کا کلام بھی سنتے تھے۔(مرقاۃ)

۲؎ تاکہ وہ سن کر اپنی امت کو پہنچادیں کیونکہ نبی کی خواب بھی وحی ہے۔

۳؎ یعنی بعض فرشتوں نے تو کہا کہ سوتے ہوئے کے سامنے گفتگو بیکار ہے۔جاگنے کے بعد بیان کرنا مگر بعض نے جواب دیا کہ ان کی نیند اوروں کی سی نہیں۔یہ سوتے میں بھی دوسرے جاگنے والوں سے زیادہ ہوش رکھتے ہیں۔خیال رہے کہ فرشتوں کی یہ گفتگو بھی ہمیں سنانے کے لیئے ہے تاکہ ہم نبی کی نیند کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں ورنہ اس مسئلے سے سارے فرشتے واقف ہیں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ قوت قدسیہ والے سونے میں زیادہ قوی احساس رکھتے ہیں اسی لیئے انبیاء کرام کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا کہ وہ بے خبر نہیں ہوتے،تعریس کی رات حضور کا فجر کے وقت نہ اٹھنا اور نماز قضا ہوجانا غفلت سے نہ تھا۔بلکہ رب تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرکے نماز قضاء کرادی تاکہ امت کو قضائے نماز کا احکام معلوم ہوں۔

۴؎ **مادبہ اَدَبٌ** سے بنا،بمعنی کھانے کی دعوت جیسے **معتبہ عَتَبٌ** سے۔اصطلاح میں عام کھانے کو **مادبہ** کہا جاتا ہے جیسے ولیمہ وغیرہ۔اس تمثیل سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر عبادتیں کرنے والا نہ جنت میں جاسکتا ہے،نہ وہاں کی نعمتیں کھاسکتا ہے،نہ رب تعالٰی اس سے راضی،کیونکہ "**داعی الی اللہ**" حضور علیہ السلام ہی ہیں۔اس کی مثالیں تو ملتی ہیں کہ صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو مان کر بغیر اعمال لوگ جنتی ہوگئے،شروع اسلام میں معراج سے پہلے تیرہ برس تک کوئی عبادت نہ تھی صرف حضور علیہ السلام کو ماننا عبادت تھا اس وقت فوت ہونے والے مؤمن سب جنتی تھے،بارہا ایسا ہوا کہ برسوں کا کافر ایمان قبول کرتے ہی مرگیا جنتی ہوا،مگر ایسی مثال نہ ملے گی کہ حضور علیہ السلام کا انکار کرکے بقیہ عبادتیں کرکے کوئی جنتی ہوگیا ہو۔

۵؎ یعنی یہ خواب بھی وحی ہو،اور خواب کی تعبیر بھی وحی سے سمجھائی جائے ورنہ حضور کا سمجھنا اس بیان پر موقوف نہ تھا۔

۶؎ ان کا دوبارہ یہ گفتگو فرمانا تاکید کے لیئے ہے تاکہ کوئی مسلمان اس میں شک نہ کرے کہ نبی کی نیند غفلت کا باعث نہیں۔

۷؎ حضور مخلوق کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"**دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ**" مگر چونکہ دیدار الٰہی جنت ہی میں ہوگا اس لیئے حضور کو یہاں جنت کا **داعی** کہا گیا۔لہذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں

۸؎ اس کی تفسیر وہ آیت ہے:"**مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ**" سبحان اللہ!عجیب معمّہ ہے فقط اللہ کا مطیع حضور کا مطیع نہیں بلکہ حقیقتًا خدا کا بھی مطیع نہیں،مگر حضور کا مطیع اللہ کا مطیع ہے۔شیطان اللہ کا مطیع تو تھا نبوت کے انکار سے خدا کا مطیع نہ رہا۔

۹؎ یعنی کفر و ایمان،کافرو مؤمن میں فرق صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات سے ہے کہ ان ہی کا ماننے والا مؤمن ہے ان کا منکر کافر۔توحید،جنت،دوزخ کا اعتقاد،فرشتوں کو مان لینا ایمان نہیں کہ شیطان ان سب کو مانتا تھا مگر کافر ہوا۔اسی طرح قومیت برادری کا ایک یا الگ ہونا حضور کے دم سے ہے۔حضور کا ماننے والا ہمارا ہم قوم ہے بھائی ہے،ہماری برادری ہے،اگرچہ کسی ملک کا ہو۔حضور کا منکر نہ ہماری قوم نہ ہماری برادری نہ ہم وطن اگرچہ رشتہ میں سگا بھائی ہو۔جس کا رشتہ حضور سے ٹوٹا اس کا رشتہ خلقت سے بھی ٹوٹا،خالق سے بھی،توریت شریف میں حضور کا نام"فارقلیط"ہے۔حضرت مسیح نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ میرے بعد فارقلیط آئے گا،یوحنا کی انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ جب تک میں نہ جاؤں فارقلیط نہ آئے وہ آکر تمہیں غیب کی خبریں دے گا چھپے راز بتائے گا۔(اشعۃ اللمعات وکتاب الوفاء باخبار المصطفٰی)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ تین ٹولے	

	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی خدمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے۱؎ جب انہیں عبادات کی خبر دی گئی تو غالبًا انہوں نے اسے کچھ کم سمجھا ۲؎ تو بولے کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیانسبت رب تعالٰی نے ان کی اگلی پچھلی سب لغزشیں بخش دیں۳؎ لہذا ان میں ایک بولا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۴؎ دوسرا بولا میں ہمیشہ روزہ دار رہوں گا کبھی افطار نہ کروں گا۵؎ تیسرا بولا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا۶؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا خبردار رہو کہ خدا کی قسم میں تم سب میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور خوف کرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۷؎ جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ رھط دس سے کم کی جماعت کو کہا جاتا ہے،یہاں غالبًا بمعنی فرد ہے،یعنی۳ صحابہ حضرت علی،عثمان ابن مظعون اور عبداللہ ابن رواحہ یا مقداد ابن اسود حضور کی رات کی عبادتوں کو معلوم کرنے کے لیئے کسی بیوی پاک کے پاس حاضر ہوئے ورنہ دن کی عبادات تو وہ جانتے ہی تھے۔(مرقاۃ)

۲؎ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضور ساری رات جاگتے ہی ہوں گے اور سوا عبادت کے کوئی کام نہ کرتے ہوں گے مگر بتایا یہ گیا کہ شب میں سوتے بھی ہیں،جاگتے بھی ہیں،اور جاگتے میں عبادت بھی کرتے ہیں،دنیاوی کام بھی تب انہیں یہ خیال گزرا۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا ادب ہے کہ اس کمیٔ عبادت کو حضور کی عظمت شان کی دلیل بنایا اور یہ توجیہ کی کہ عبادت کی زیادتی گناہ معاف کرانے کے لیئے چاہیئے،حضور بے گناہ ہیں اگر بالکل عبادت نہ کریں تو بھی درست ہے۔خیال رہے کہ کہ یہ کلام قرآن کریم سے ماخوذ ہے:"لِّیَغْفِرَ لَکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ"اس آیت کی بہت توجیہیں کی گئی ہیں،مگر قوی بات یہ ہے کہ ذَنْب سے مراد لغزش ہے نہ کہ گناہ۔عشق کہتا ہے کہ "ذَنۡۢبِکَ" سے مراد امت کے گناہ ہیں،جن کا بخشوانا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذمہ ہے،جیسے پیروی کرنے والا وکیل کہتا ہے کہ آج میرا مقدمہ ہے۔

۴؎ یعنی ہر رات تمام شب بیدار رہ کر۔

۵؎ سوا ممانعت کے پانچ دنوں کے شوال کی پہلی اور بقر عید کی دسویں،گیارھویں،بارھویں،تیرھویں تاریخ کہ ان میں روزے رکھنا حرام ہیں۔

۶؎ کہ نکاح ہی رب سے غفلت،دنیا میں پھنسنے کا ذریعہ ہے،اسی وجہ سے طلب معاش کی فکر ہوتی ہے۔

۷؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہم کو عیسائیوں اور سادھوؤں کی طرح تارک الدنیا نہ بنایا بلکہ دنیا کو دین بنایا کیونکہ حضور کا ہر کام سنت۔لہذا افطار بھی سنت،رات کو تہجد پڑھنا اور سونا بھی سنت،نکاح کرنا،اولاد حاصل کرنا،دنیوی کاروبار کرنا سبھی سنت اور عبادت ہے جس پر ثواب ملتا ہے۔ان شاءاللہ !مؤمن کو ان سب کاموں پر ثواب ہے۔اس جگہ مرقاۃ نے خوف صحابہ کا بہت بڑا قصہ بیان کیا ہے۔

۸؎ یعنی جو کسی سنت کو برا جانے وہ اسلام سے خارج ہے یا جو بلا عذر ترک سنت کا عادی ہوجائے وہ میرے پرہیزگاروں کی جماعت سے خارج ہے۔لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ نکاح اکثر سنت ہے کبھی فرض اور کبھی حرام بھی ہوجاتا ہے۔چنانچہ نامرد کو نکاح منع ہے حضور علیہا لصلوۃ والسلام کی ہرسنت پر عمل کی کوشش کرنی چاہیئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی کام کیا پھر اس کی اجازت ہوگئی ۱؎ مگر ایک گروہ نے اس سے پرہیز کیا۲؎ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی حمد کی پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان چیزوں سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں اللہ کی قسم میں ان سب سے اللہ کو زیادہ جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے خوف والا ہوں۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کوئی مباح دنیوی کام کیا جس کی وجہ سے لوگوں کے لیئے مباح ہی نہیں بلکہ سنت بن گیا۔حدیث میں ذکر نہ ہوا کہ وہ کون سا کام تھا شاید روزے دار کے لیئے بیوی کو بوسہ تھا یا سفرمیں روزۂ رمضان کا چھوڑنا۔(مرقاۃ)

۲؎ یہ سمجھ کر کہ اگرچہ جائز یہ بھی ہے مگر اس کا نہ کرنا تقویٰ ہےحضور کا یہ فعل فقط بیان جواز کے لیئے ہے۔

۳؎ کہنا کہ نہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میری اطاعت میں ملے گی جیسے رات کو خوف خدا میں رونا سنت اور عبادت ہے،ایسے ہی آرام سے سونا بھی سنت اور عبادت ہے کیونکہ دونوں میرے طریقے ہیں۔

روایت ہے رافع ابن خدیج سے ۱؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اہلِ مدینہ کھجوروں کی شادی کرتے تھے ۲؎ تو فرمایا تم یہ کیا کرتے ہو وہ بولے ہم پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں فرمایا ممکن ہے کہ تم یہ نہ کرو تو اچھا ہو ۳؎ لوگوں نے یہ شادی چھوڑ	

	دی پھل کم ہوگئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ واقعہ آپ سے عرض کیا۴ تو فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں جب تم کو کسی دینی کام کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں بشرہی ہوں۵ (مسلم)

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،حارثی ہیں،انصاری ہیں،غزوۂ احد میں تیر لگا تھا،مگر زخم مہلک نہیں ہوا بھر گیا تھا۔عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں وہ زخم پھر بہا،اسی سے آپ کی وفات ہوئی،سواغزوۂ بدر کے کہ اس وقت آپ بچے تھے باقی تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رہے۔چھیاسی سال کی عمر پا کر ۷۳ھ؁ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

۲؎ اس طرح کہ نرکھجور کی شاخ مادہ کھجور میں پیوندکردیتے تھے جس سے پھل زیادہ اور اچھے ہوتے تھے ہمارے ہاں اسے درخت یا باغ کی شادی کہا جاتا ہے اس موقع پر باغ والے بڑی خوشی مناتے ہیں۔خیال رہے کہ درختوں میں بھی نر اور مادہ ہیں بعض کو لوگ جانتے ہیں،بعض کو نہیں،نر درخت سے ہوا مس کرکے جب مادہ میں لگتی ہے تواس سے پھل آتے ہیں۔مرقاۃ میں فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی بچی مٹی سے کھجور کا درخت پیدا ہوگیا اس لیئےاس میں نرمادہ کا اجتماع ضروری ہے۔

۳؎ کہ تم اس مشقت سے بچ جاؤ اور پھل بھی جو مقدر میں ہیں ملیں اور تمہیں توکل کا درجہ نصیب ہو۔

۴؎ بعض علماء نے فرمایا کہ ان حضرات نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ جلد ہی شکایت کردی اگر توکل کرکے کچھ روز نقصان برداشت کرتے تو بڑی برکت دیکھتے۔حضور کی رائے بھی مبارک ہے۔خیال رہے کہ حضور باغ کے اس رمز سے بے خبر نہ تھے بلکہ انہیں توکل کا سبق دیا تھا بے خبری کیسے ہوسکتی ہے حضور **اعلم الاولین والاخرین** ہیں،کیسے ہوسکتا ہےکہ باغ والے تو اس چیز کو جانیں اور حضور نہ جانیں۔یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکار ی نہ کی تھی مگر بادشاہ مصر سے فرمایا:"**فَمَا حَصَدۡتُّمۡ فَذَرُوۡهُ فِیۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ** " گندم بھوسہ سے الگ نہ کرو تاکہ خراب نہ ہو اور قحط میں کام آئے۔نیز آپ نے کبھی سلطنت نہ کی تھی مگر بادشاہ مصر سے فرمایا کہ مجھے خزانوں کا حاکم بنادے" **اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ** "میں سب کچھ جانتا ہوں،سب قحط والوں کو سنبھال لوں گا۔جب یوسف علیہ السلام کے علم کا یہ عالم ہے تو ہمارے حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس معمولی بات سے کیسے بے خبر ہو سکتے ہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"**جاء الحق**"میں دیکھو۔

۵؎ یعنی ہمارے فرمان دوقسم کے ہیں:شرعی احکام اور دنیوی رائے شریف۔شرعی احکام لازم العمل ہیں کیونکہ وہاں نبوت اور نورانیت کا لحاظ ہے مگر رائے مبارک کا قبول کرنا مستحب ہے نہ ماننے کا بھی اختیار ہےلیکن بڑا یاحقیر جاننا اس کا بھی کفر ہوگا۔یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ میرا کلام قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتا،یعنی رائے اور مشورےکیونکہ رائے میں حضور کی بشریت کی جلوہ گری ہے۔خیال رہے کہ حضور کا اپنے کو بشر فرمانا آپ کاکمال ہے۔ہم اگر یہ لفظ اہانت یا برابری کے دعویٰ سے کہیں تو کافر ہوجائیں گے۔شیطان نبی کی حقارت کرکے اور انہیں بشر کہہ کر ہی

کافر ہوا کہ کہا"مَاکُنۡتُ لِاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ"یونس علیہ السلام نے اپنے کو ظالم کہا:"اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ"کوئی اور شخص نبی کو ظالم کہے تو خود ظالم ہوجائے،بادشاہ کہے میں آپ کا خادم ہوں اس کا کمال ہے لیکن اور کوئی کہے تو سزا پائے گا۔خیال رہے کہ حکم اور مشورے کا فرق قرآن کریم میں موجود ہے فرماتا ہے:"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ "(نماز قائم کرو)یہ حکم ہے جس کا تارک گنہگار ہے اور فرماتا ہے:"اِذَا تَدَایَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکۡتُبُوۡہ"جب کسی کو وقت مقرر تک قرض دو تو لکھ لو،یہ قرآن کا مشورہ ہے جس پر عمل نہ کرنا گناہ نہیں،دنیاوی سلاطین بھی اپنی رعایا کو کبھی حکم دیتے ہیں کبھی مشورہ۔احکام قرآنیہ میں رب تعالٰی کی سلطنت اور قدرت کا ظہور ہے اور اس کے مشوروں میں رب کی رحمانیت کی جلوہ گری۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اورجو کچھ مجھے اللہ نے دے کر بھیجا اس کی کہاوت اس شخص کی سی ہے جس نے کسی قوم کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے[1] میں کھلا ڈرانے والاہوں[2] بچو بچو کہ اس کی قوم سے ایک ٹولہ نے اس کی بات مان لی اور اندھیرے منہ اٹھے اور بروقت نکل گئے تو بچ گئے[3] اور ان کے ایک ٹولہ نے جھٹلا دیا وہ اسی جگہ رہے پھر سویرے ہی لشکر ان پر ٹوٹ پڑا انہیں ہلاک کرکے تہس نہس کردیا[4] یہ ہی اس کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی تو میرے لائے ہوئے کی اتباع کی اور اس کی جس نے میری نافرمانی کی اورمیرے لائے ہوئے حق کو جھٹلادیا۔(مسلم وبخاری)	

[1] یہ تشبیہ مرکب ہے پورے واقعہ کو پورے واقعہ کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔اس شخص سے مراد وہ امین اورسچا آدمی ہے جس کی بات پر لوگوں کو اعتماد ہو۔حضور کی سچائی ظہورنبوت سے پہلے ہی عام خاص میں مشہور ہوچکی تھی۔اس تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہردنیوی اخروی آنے والے عذابوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایااورآپ کی بشارت یا ڈرانا مشاہدے سے ہے۔رب فرماتا ہے:"اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شٰہِدًا"۔

[2] عرب میں دستور تھا کہ خطرناک دشمن کی اطلاع دینے والا اپنا کرتہ لاٹھی پر ٹانگ کر لوگوں میں اعلان کرتا تھا کہ ہوشیار ہوجاؤ اسے نذیر عریاں کہا جاتا تھا یعنی ننگا ڈرانے والا۔

[3] یعنی سننے والے دو ٹولہ بن گئے۔ایک ٹولہ نے اس نذیر کا اعتبارکیا اور دشمن لشکر کے حملے سے قبل اندھیرے ہی بھاگ گئے یہ نفع میں رہے۔

۴؎ تو جیسے نجات و ہلاکت کا دارومدار اس اعلان کرنے والے کی تصدیق یا تکذیب ہے ایسے ہی آخرت کے عذاب سے بچنے نہ بچنے کا مدار حضور کے ماننے اور نہ ماننے پر ہے۔عذابِ الٰہی گویا لشکر ہے،موت سے پہلے توبہ کرلینا گویا بروقت خطرناک جگہ سے نکل جانا ہے اور آخر تک گناہوں میں ڈٹا رہنا اور حضور کو جھٹلانا گویا خطرناک جگہ میں رہ کر دشمن کے ہاتھوں مارا جانا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کہاوت اس شخص کی سی ہے۱؎ جس نے آگ روشن کی جب آگ نے ارد گرد کو چمکا دیا تو پتنگے اور یہ جو آگ میں گرا کرتے ہیں(جانور)اس میں گرنے لگے۲؎ اور انہیں روکنے لگا اور وہ جانور اس پر غالب آئے جاتے ہیں آگ میں گرے جاتے ہیں۳؎ چنانچہ میں تمہاری کمر پکڑ کر آگ سے بچاتا ہوں اور تم اس میں گرے جاتے ہو۴؎ یہ بخاری کی روایت ہے مسلم کی روایت اسی طرح ہے مگر اس کے آخر میں فرمایا کہ حضور نے فرمایا یہ میری تمہاری مثال ہے میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے بچارہا ہوں آگ سے بھاگ آؤ مگر تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہو اور اس میں گرے جاتے ہو۔(مسلم و بخاری)	

۱؎ یہ بھی تشبیہ مرکب ہے کہ ایک پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔اللہ تعالٰی نے دنیا اور یہاں کی الجھنوں کو دین کا ذریعہ بنانے کے لیئے پیدا فرمایا مگر لوگوں نے انہیں غلط استعمال کرکے ہلاکت کا ذریعہ بنالیا جیسے کوئی جنگل میں مسافروں کی ہدایت اور روشنی کے لیئے آگ جلائے مگر پتنگے اسی آگ کو اپنی ہلاکت کا سامان بنالیں،اور ہلاکت کو اپنی نجات سمجھیں۔

۲؎ چنانچہ دنیا کی لذتیں آگ ہیں اور ہم ناسمجھ بندے پتنگے کہ اس کو غلط استعمال کرکے اپنے کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ تشبیہ میں آگ جلانے والا اور ہے اور بچانے والا اور۔جن دونوں کو لفظ رجل شامل ہے ایسے ہی یہاں دنیا بنانے والا رب ہے اور اس کے غلط استعمال سے بچانے والے حضور ہیں۔

۴؎ حضور کا اپنی امت کو نرمی گرمی سے سمجھانا بجھانا گویا ان کی کمر پکڑ کر آگ سے روکنا ہے یہ روکنا تاقیامت رہے گا،علماء مشائخ کی تبلیغیں،غازیوں کے جہاد،حضور ہی کی تبلیغ ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنی دانائی یا اپنی تجویز کردہ عقلی عبادتوں کے ذریعہ دوزخ سے نہیں بچ سکتا جب تک کہ حضور کی ہدایت کو قبول نہ کرے ورنہ ہندو،سادھو اور عیسائی راہب ترک دنیا کرکے عمر بھر عبادتیں کرتے ہیں مگر دوزخی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس ہدایت و علم کی مثال جو رب نے مجھے دے کر بھیجا۱؎ اس بہت سی بارش کی طرح ہے ۲؎ جوکسی زمین میں پہنچی اس کا کچھ حصہ اچھا تھا جس نے پانی چوسا اور گھاس اور بہت چارہ اگادیا اور بعض حصہ سخت تھا۳؎ جس نے پانی جمع کرلیا جس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا کہ انہوں نے خود پیا پلایا اور کھیتی کی اور ایک دوسرے حصہ میں پہنچا جو چیٹل تھا کہ نہ پانی جمع کرے اور نہ گھاس اگائے۴؎ یہ اس کی مثال ہے جو دینی عالم ہوا اور اسے اس چیز نے نفع دیا جو مجھے رب نے دے کر بھیجا اس نے سیکھا اور سکھایا ۵؎ اور اس کی مثال ہے جس نے اس پر سر نہ اٹھایا اور اللہ کی وہ ہدایت قبول نہ کی جو مجھے دے کر بھیجا گیا ۶؎ (بخاری و مسلم)	

۱؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ علم اور ہدایت ایک نہیں کبھی علم ہوتا ہے،ہدایت نہیں ہوتی جیسے اس امت کے بے دین علماء،کبھی ہدایت نصیب ہوجاتی ہے بہت ساعلم نہیں ہوتا جیسے وہ عوام جو بے علم ہیں مگر ایمان دار ہیں کبھی علم اور ہدایت دونوں جمع ہوجاتے ہیں،جیسے علمائے دین ہیں۔ہدایت علم سے افضل ہے،اسی لیئے اس کا ذکر پہلے ہوا،علم کتابوں سے ملتا ہے ہدایت کسی کی نظر سے۔

۲؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ حضور کے یہاں علم اور فیضان کی کمی نہیں تمام دنیا فیض لے لے تو گھٹتا نہیں کوئی نہ لے تو بیکار بچتا نہیں جیسے سورج کی روشنی اور بادلوں کا پانی۔

۳؎ "اَجَادِبُ" اَجْدَبُ کی جمع ہے،بمعنی وہ سخت زمین جوپانی کو چوس کر ختم نہ کردے اسی لیئے قحط کو جدب کہتے ہیں،یہاں مراد نشیبی زمینیں ہیں تالاب بن جاتے ہیں۔

۴؎ اس تشبیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور گویا رحمت کا بادل ہیں حضور کا ظاہری اور باطنی فیض اور نورانی کلام بارش۔ انسانوں کے دل مختلف قسم کی زمین۔چنانچہ مؤمن کا دل قابلِ کاشت زمین ہے،جہاں عمل اور تقویٰ کے پودے اُگتے ہیں،علماء اور مشائخ کے سینے گویا تالاب ہیں اور اس خزینہ کے گنجینے ہیں جس سے تاقیامت مسلمانوں کے ایمان کی کھیتیاں سیراب ہوتی رہیں گی۔منافقین اور کفار کے سینے کھاری زمین ہیں نہ فائدہ اٹھائیں نہ پہنچائیں۔

۵؎ اس تشبیہ سے دو فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہوسکتا،زمین کیسی اعلیٰ ہو اور کتنا ہی اچھا تخم بویا جائے،مگر بارش کی محتاج ہے،دین و دنیا کی ساری بہاریں حضور کے دم سے ہیں۔شعر

شکر فیض تو چمن چوں کندائے ابر بہار　　　　　کہ اگر خاور گرگل ہمہ پروردۂ تست

دوسرے یہ کہ تاقیامت مسلمان علماء کے حاجت مند ہیں کہ ان کی کھیتیوں کو پانی انہیں تالابوں سے ملے گا حضور کی رحمت انہی کے ذریعہ نصیب ہوگی۔

۶؎ اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ اگر بفرض محال کسی کو حضور کی نبوت کی خبر ہی نہ پہنچے تو اسے عقیدۂ توحید کافی ہے،خیال رہے کہ مشبہ بہ میں زمین کے تین حصے بیان فرمائے گئے مگر مشبہ میں انسان کی صرف دو جماعتوں کا ذکر ہوا کیونکہ علماء ہدایت میں عالی ہیں اور کفار گمراہی میں عالی،درمیانی لوگ یعنی صالح مؤمن خود سمجھ میں آجاتے ہیں اسی لئے ان کا ذکر نہ ہوا۔خیال رہے کہ تالاب بہت سی قسم کے ہیں بڑے چھوٹے،بہت نافع کم نافع،بعض تالابوں سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں جیسے بھوپال کا تالاب،ایسے ہی علماء کے مختلف مراتب ہیں بعض مجتہدین ہیں جیسے چاروں امام،بعض کاملین ہیں،بعض راسخین ہیں،پھر ان میں بعض محدثین ہیں اور بعض مفسرین،یہ تشبیہ ان سب کو شامل ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ سرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت کی کہ وہ رب وہ ہے جس نے تم پر کتاب اتاری جس میں واضح آیات ہیں ۱؎ اور مایذکر الآیہ تک پڑھی فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم(اور مسلم میں ہے)لوگ انہیں دیکھو جو متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ان سے بچو ۲؎ (مسلم وبخاری)	

۱؎ یہاں محکم سے صریح اور واضح آیات مراد ہیں جیسا کہ متشابہ کے تقابل سے معلوم ہورہا ہے۔اصطلاح اصول میں محکم وہ ہیں جن میں نہ تاویل کا احتمال ہو نہ نسخ کا اندیشہ جیسے ذات و صفات اور حضور کی نعت و صحابہ کے مناقب کی آیت۔

۲؎ یعنی جو آیتوں کی تاویلات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور فتنہ پھیلانے کے لیئے ان کے فاسد معانی بیان کرتے ہیں ان کے دلوں میں کجی ہے ان سے دور بھاگو۔خیال رہے کہ متشابہ آیات دو قسم کی ہیں:ایک مشتبہ المعنی جیسے "الٓمّٓ،الر"وغیرہ مقطعات قرآنیہ جن کی معنے ہی سمجھ میں نہیں آتے۔دوسرے مشتبہ المراد جیسے "فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ"وغیرہ آیاتِ صفات ان دونوں قسم کی متشابہات میں جرح و قدح اور فتنے کے لیئے تاویلیں کرنا حرام ہیں لیکن مناسب تاویلیں اس زمانہ میں گناہ نہیں تاکہ لوگ غلط تاویلوں سے بچیں۔حدیث میں پہلی قسم کے لوگ مراد ہیں اسی لیئے قرآن کریم نے فرمایا:"ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ"۔یقین رکھو کہ اللہ تعالٰی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی طفیل بعض مقبولوں کو متشابہات کا علم دیا،رب فرماتاہے:"اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ"اپنے محبوب کو رحمان نے قرآن سکھایا ظاہر ہے کہ سارا ہی قرآن سکھایا جس میں متشابہات بھی ہیں۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں ایک دن دوپہری میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں	

	حاضر ہوا تو آپ نے دو شخصوں کی آوازیں سنیں جو کسی آیت میں جھگڑ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے کہ چہرہ میں غصہ معلوم ہوتا تھا فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ میں جھگڑوں کی وجہ سے ہی ہلاک ہوگئے ۱؎(مسلم)

۱؎کتاب میں اختلاف کی تین صورتیں ہیں: (۱)قرآن کو اپنی رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا جیسے آج کل دیکھا جارہا ہے۔(۲)خود قرآن کی آیت میں اختلاف کہ یہ آیت کتاب اللہ ہے یا نہیں۔(۳)قرآن کریم سے مسائل نکالنے میں اختلاف،پہلے۲ دوقسم کے اختلاف حرام بلکہ کفر ہیں،تیسری قسم کا اختلاف عبادت ہے جوصحابہ کرام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔یہ اختلاف آئمہ مجتہدین میں ہوسکتا ہے،یہاں پہلی دو قسم کے اختلاف مراد ہیں۔اہل کتاب نے بھی آسمانی کتب میں اسی قسم کے اختلاف کیئے تھے۔

	روایت ہے حضرت سعدابن ابی وقاص سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جو کسی غیر حرام چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کرے ۲؎اس کی پوچھ گچھ کی وجہ سے وہ چیزیں حرام کردی جاوے ۳؎(بخاری و مسلم)

۱؎آپ کا اسم شریف سعد ابن ابی وقاص اور کنیت ابو اسحاق ہے،آپ کے والد کا نام مالک ابن وهیب ہے،اور کنیت ابووقاص آپ زہری ہیں،قرشی ہیں،عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں،قدیم الاسلام ہیں۔چنانچہ آپ تیسرے مسلمان ہیں،بوقت اسلام آپ کی عمرشریف سترہ برس تھی،بہت شاندارصحابی ہیں کہ حضور نے ان کے لیئے فرمایا تم پر میرے ماں باپ فدا،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،بہت بڑے مقبول الدعاء تھے،لوگ آپ کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے،عہدفاروقی اورعثمانی میں کوفہ کے گورنر رہے،ستربرس سے زیادہ عمر پائی، ۵۵ھ میں مدینہ منورہ سے قریب مقام عقیق میں وصال ہوا،وہاں سے آپ کی میت شریف مدینہ منورہ لائی گئی،مروان ابن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ پاک کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

۲؎یہاں روئے سخن ان قیل قال والوں کی طرف ہے جنہیں بلاضرورت ہر بات کرید کرنے کی عادت ہوتی ہے ورنہ مسائل سیکھنے کے سوال اچھی چیز ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ "لہذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں اور پوچھ گچھ سے مراد نبی سے پوچھنا ہے کیونکہ حرام و حلال کے احکام اسی بارگاہ سے جاری ہوتے ہیں،جیسے حضور نے فرمایا کہ تم پر حج فرض ہے ایک صحابی نے پوچھا کیا ہر سال؟ فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال ہی فرض ہوجاتا۔یہ ہیں مضر سوالات۔

۳؎ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس سے شریعت میں خاموشی ہووہ حلال ہے۔حرام وہی ہے جسے شریعت منع کرے جیساکہ **لَمْ يُحَرَّمْ** سے معلوم ہوا،رب تعالٰی فرماتاہے:"**قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا**"۔ معلوم ہوا جس کی حرمت نہ ملے وہ حلال ہے مگر اس زمانہ میں بعض جہلاء بلا دلیل ہرچیز کو حرام کہہ دیتے ہیں اور حلال ہونے کے لیئے ثبوت مانگتے ہیں بتاؤ کہاں لکھا ہے،میلادشریف اور گیارھویں شریف حلال ہے خود نہیں بتاتے کہ حرام کہاں لکھا ہے انہیں اس حدیث اور آیت سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔دوسرے یہ کہ کبھی زیادہ پوچھ گچھ پر رب کی طرف سے سختی ہوجاتی ہے۔دیکھو بنی اسرائیل گائے کے متعلق پوچھ گچھ کرتے رہے پابندیاں بڑھتی رہیں۔تیسرے یہ کہ وظیفوں اوراحکام میں خود پابندی نہ لگوائے،بلکہ ان کے اطلاق سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری زمانہ میں جھوٹے دجال ہوں گے ۱؎ جو تمہارے میں وہ احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادوں نے ۲؎ ان کو اپنے سے اپنے کو ان سے دور رکھو وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں فتنہ میں نہ ڈال دیں ۳؎ (مسلم)	

۱؎ دجّال دجل سے بنا،بمعنی فریب اور دھوکا،دجال بڑا فریبی مکار و دھوکہ باز آخر زمانہ میں بڑا دجّال نکلے گا اس سے پہلے چھوٹے دجّال بہت ہوں گے۔

۲؎ اس میں اشارہ حدیث گھڑنے والوں کی طرف ہورہا ہے۔یہاں خطاب یاصرف صحابہ سے ہے یاقیامت تک کے علماء سے جنہیں حدیث کی واقفیت ہو اگر کوئی جاہل کسی مشہور حدیث کو نہ سنے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اعلان فرمایا تھا کہ ہم وہی حدیث قبول کریں گے جو زمانۂ فاروقی میں شائع ہوچکی کیونکہ آپ کے زمانہ میں بعض چھپے منافقوں نے حضرت علی کے فضائل میں اور بعض نے ان کے خلاف بہت حدیثیں گھڑ لی تھیں جب ہی سے رفض و خروج کی بیماریاں مسلمانوں میں پھیلیں۔معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا سخت جرم ہے اور گھڑنے والا سخت مجرم کہ حضور نے اسے دجّال و کذاب فرمایا۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بدمذہبوں سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ان کی صحبت دین و ایمان کے لیئے خطرہ ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ اہل کتاب مسلمانوں کے سامنے عبرانی زبان میں توریت پڑھ کر عربی میں ترجمہ کرتے تھے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا ۱؎ یہ کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا ہے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ یہاں توریت کی وہ آیتیں مراد ہیں جن کا سچ اور جھوٹ ظاہر نہ ہو ورنہ اگر اہل کتاب حضرت مسیح یاحضرت عزیر کی الوہیت کی آیتیں پیش کریں تو یقینًا جھوٹی کہی جائیں گی۔منشائے حدیث یہ ہے کہ توریت و انجیل کچھ صحیح بھی تھیں،کچھ ملاوٹی بھی لہٰذا ہر آیت میں سچ جھوٹ کا احتمال تھا،اسی لئےاحتیاطًا یہ حکم دیا گیا۔خیال رہے کہ اب ان کتابوں کی ایک بھی اصلی آیت موجود نہیں یہ ترجمے کلام الٰہی نہیں ہیں۔

۲؎ تاکہ اصل کتاب کا انکار نہ ہوجائے اور نہ غیر کتاب کا اقرار۔خیال رہے کہ یہ حکم اولًا تھا بعد میں تو حضور نے عمر فاروق جیسے صحابہ کو توریت پڑھنے سننے سے ہی منع فرمادیا اور فرمایا کہ میرے پاس کیا نہیں ہے جو تم توریت میں ڈھونڈتے ہو اگر موسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو میری پیروی کرتے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کو یہ ہی کافی ہے کہ ہر سنی بات بیان کردے۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ہر ایرے غیرے کی ہر بات بغیر تحقیق کیے بیان کردے۔خصوصًا احادیث شریفہ ورنہ محدثین،فقہاء،علماء ان کی ہر بات پر عوام کو اعتماد کرنا پڑے گا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا" لہٰذا یہ حدیث فقہاء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ دینی باتوں میں ایک کی خبرمعتبر ہے،محدثین خبرواحد کا اعتبار کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مجھ سے پہلے ایسا کوئی نبی نہ بھیجاجس کی امت میں سے کچھ لوگ ان کے خاص صاحب اسرار ۱؎ اور وہ صحابہ نہ ہوں جو ان کی سنت کولیں اور ان کے احکام کی پیروی کریں ۲؎ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف ہوتے تھےجو کہتے وہ تھے جو کرتے نہ تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہ تھا۳؎ تو جوان پر ہاتھ سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن اور جو زبان سے جہادکرے وہ بھی مؤمن اور جو ان پر اپنے دل سے جہادکرے وہ بھی مؤمن ۴؎ اور اس کے سوارائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ۵؎ (مسلم)

۱؎ حواری حور سے بنا ہے،بمعنی صفائی،خلوص،مدد چونکہ ان مخصوصین کے دل صاف تھے،خالص مؤمن تھے اوران کے دین کے مددگار تھے،اسی لئےانہیں حواری کہا جاتا تھا،نیزعیسیٰ علیہ السلام کے حواری کپڑا صاف کرنے والے دھوبی تھے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں شریعت اور تبلیغ والے نبی مراد ہیں جن کی باقاعدہ اُمّتیں تھیں اور یہ اصحاب حواریوں کے علاوہ جماعت ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب شریعت پیغمبرکو اللہ نے عام صحابی بھی بخشے اور خاص صاحب اسرار بھی۔ایسے ہی ہمارے حضور کے صحابہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں بعض خاص صاحب اسرار ہیں،جیسے خلفائے راشدین وغیرہم۔لہٰذا

اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض نبی وہ بھی ہیں جن کی بات کسی نے نہ مانی اور بعض وہ جن کی ایک دو آدمیوں نے ہی اطاعت کی۔

۳؎ یعنی ان صحابہ کے بعد ایسے بدعقیدہ اور بدعمل لوگ پیدا ہوتے تھے،ایسے ہی میرے صحابہ کے بعد بھی ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالٰی حضور کے صحابہ بدعملی اور بدعقیدگی سے پاک رہے۔

۴؎ یعنی ایسے بدعقیدہ اور بدعمل لوگوں کی اصلاح تین جماعتیں تین طرح کریں:حکام طاقت سے کہ مجرموں کو سزائیں دیں،اہل علم زبان سے کہ انہیں وعظ کریں،عوام مؤمن دل سے کہ ان سے نفرت کریں اور دور رہیں تا قیامت یہ احکام جاری رہیں۔

۵؎ یعنی جو انہیں دل سے برا بھی نہ جانے ان کے عقیدوں سے راضی ہو وہ انہیں کی طرح بے ایمان ہے۔اسی لیئے علماء پر فرض ہے کہ اپنی زبان اور قلم سے مسلمانوں کو بیدینوں سے نفرت دلائیں،ان کے عقائد بتائیں اور تردید کریں۔خیال رہے کہ ضعیف ایمان کو رائی کے دانہ سے مثال دینا بیان کیفیت کے لیے ہے نہ کہ بیان مقدار کے لیئے،کیونکہ ایمان مقدارًا کم و بیش نہیں ہوتا،ہر مؤمن پورا مسلمان ہے آدھا اور چوتھائی مسلمان نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت کی طرف بلائے اس کو تمام عالمین کی طرح ثواب ملے گا،اور اس سے ان کے اپنے ثوابوں سے کچھ کم نہ ہوگا ۱؎ اور جو گمراہی کی طرف بلائے تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صدقہ سے تمام صحابہ،آئمہ مجتہدین،علماء متقدمین و متاخرین سب کو شامل ہے،مثلًا اگرکسی کی تبلیغ سے ایک لاکھ نمازی بنیں تو اس مبلغ کو ہر وقت ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہوگا۔اور ان نمازیوں کو اپنی اپنی نمازوں کا ثواب۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا ثواب مخلوق کے اندازے سے وراء ہے،رب فرماتا ہے:"وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیۡرَ مَمْنُوۡنٍ"ایسے ہی وہ مصنفین جن کی کتابوں سے لوگ ہدایت پارہے ہیں قیامت تک لاکھوں کا ثواب انہیں پہنچتا رہے گا۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں" لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی "کیونکہ یہ ثوابوں کی زیادتی اس کے عملِ تبلیغ کا نتیجہ ہے۔

۲؎ اس میں گمراہیوں کے موجدین مبلغین سب شامل ہیں تاقیامت ان کو ہر وقت لاکھوں گناہ پہنچتے رہیں گے۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَعَلَیۡہَامَااکْتَسَبَتْ"کیونکہ یہ اس کے اپنے فعل یعنی تبلیغِ شر کی سزا ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم نے اسلام غریبی سے شروع ہوا اورجیسا شروع ہوا تھا ویسا ہی پھر ہوجائے گا غربا کو خوشخبری ہو۱(مسلم)

۱غربت کے لفظی معنی ہیں تنہائی اور بیکسی،اسی لیئے مسافر اور تنگ دست کو غریب کہا جاتا ہے کہ مسافر سفر میں اکیلا ہوتا ہے اور تنگ دست بیکس،یعنی اسلام کو پہلے تھوڑے لوگوں نے قبول کیا اور آخر میں بھی تھوڑے ہی لوگوں میں رہ جائے گا،یہ دونوں جماعتیں بڑی مبارک ہیں۔الحمدللہ!تھوڑے مسلمان بہتوں پر غالب آتے رہے اور آتے رہیں گے،تھوڑا سونا بہت سے لوہے پر اور تھوڑا مشک بہت سی مٹی پر غالب ہے۔یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غریب مسکین لوگ اسلام پر قائم رہتے ہیں اکثر مالدار بھٹک جاتے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا ایمان مدینہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف ۱(مسلم وبخاری)اور ہم حضرت ابوہریرہ کی حدیث ذرونی الخ کتاب الحج میں اورحضرت معاویہ وجابر کی حدیثیں لایزال من امتی الخ اور لایزال طائفۃ من امتی ان شاءاللہ باب ثواب ھذہ الامۃ میں بیان کریں گے۲

۱یہ آخر زمانہ میں ہوگا کہ مسلمان کو دنیا میں کہیں امن نہ ملے گا تو وہ اپنا ایمان بچانے کے لیئے مدینے کی طرف بھاگیں گے،مدینہ پہلے بھی مسلمانوں کا جائے امن بنا اور آیندہ بھی بنے گا کیوں نہ ہو کہ یہاں دونوں عالم کے پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں غالبًا یہ واقعہ دجّال کے قریب ہوگا۔سانپ سے تشبیہ دینے میں ادھر اشارہ ہے کہ جیسے سانپ کو کوئی پناہ نہیں دیتا ایسے ہی آخر زمانہ میں لوگ اسلام کو سانپ کی طرح تکلیف دہ سمجھیں گے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ مدینہ پاک اسلام سے کبھی خالی نہ ہوگا۔

۲یعنی وہ تینوں حدیثیں مصابیح میں یہاں ہی تھیں لیکن ہم نے مناسبت کی وجہ سے ان بابوں میں ذکر کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ربیعہ جرشی سے ۱فرماتے ہیں حضور کی خدمت میں آنے والا آیا اور حضور سے کہا گیا کہ مناسب ہے کہ آپ کی آنکھیں تو سو جائیں آپ کے کان سنتے اور دل سمجھتا رہے ۲ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سو گئیں اور کان سنتے رہے دل سمجھتا رہا۳فرماتے ہیں مجھ سے کہا گیا کہ سردار نے گھر بنایا وہاں خوان

	تیار کیااور بلانے والا بھیجاتو جس نے بلانے والے کی دعوت قبول کی وہ گھر میں آیا خوان سے کھایااس سے سردار راضی ہوا ۴؎ اور جس نے منادی کی نہ مانی وہ نہ گھر میں آیا نہ اس نے خوان سے کھایا آقا اس پر ناراض ہوئے ۵؎ فرمایا کہ اللہ سید ہے اور محمد بلانے والے گھر اسلام ہے اور خوان جنت ۶؎ (دارمی)

۱؎ آپ کا نام ربیعہ ابن عمرو ہے۔یمن کے علاقہ میں مقام جرش کے رہنے والے ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں ناسک کے مفتی رہے ہیں،ان کی صحابیت میں اختلاف ہے،مگر صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی حضور بیدار تھے،ایک فرشتہ نے آکر یہ عرض کیاان کلمات سے حضور پر نیند طاری ہوگئی،پھر خواب میں وہ کلام ہواجو آگے آرہاہے۔اس سے معلوم ہواکہ فرشتوں کے بعض کلمے ہم کو سلادیتے ہیں،بعض کلمے ہم کو موت دیتے ہیں،صور کی آواز سب کو زندہ کرے گی۔حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،یہ بھی معلوم ہواکہ حضو کی نیند غفلت نہیں پیدا کرتی اسی لیئے سونے سے آپ کا وضو نہیں جاتااور آپ کی خواب وحی الٰہی ہے،فرشتہ نے سلاکر یہ گفتگو اسی لیئے کی تاکہ پتہ لگے اور لوگ حضور کی خواب پر ایمان لائیں۔

۳؎ یعنی فرشتے کی اس گفتگو کا مجھ پر یہ اثر ہواکہ میں سوگیا جیسے ماں کی لوری سے بچے کو نیند آتی ہے یا بعض چیزوں کو دیکھنے سے غشی طاری ہوجاتی ہے۔

۴؎ یعنی منادی کی بات مان لینے سے تین فائدے ہوئے:گھر کی سیر،نعمتیں کھانا،بادشاہ کی خوشنودی،یہ ساری بہار اس منادی کے دم سے ہے۔

۵؎ یعنی نہ ماننے والے کا دین بھی تباہ،دنیا برباد،کھانے سے محرومی رہی،بادشاہ کی مخالفت گلے پڑی۔

۶؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ کو سید کہہ سکتے ہیں بمعنی مالک،مولیٰ۔دوسرے یہ کہ کوئی شخص صرف اعمال سے خدا کو راضی نہیں کرسکتاجب تک کہ حضور کی غلامی نہ کرے۔تیسرے یہ کہ صرف اسلام ہی ذریعہ نجات ہے۔بعض جاہلوں نے کہاہے کہ جس دین میں رہ کر نیکیاں کرلی جائیں نجات ہوجائے گی،وہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلٰمِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ "کیونکہ اس حدیث میں جنت کو اسلام میں دکھایا گیاہے۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کو مسہری پر تکیہ لگائے نہ پاؤں ۲؎ کہ اس کے پاس میرے احکام میں سے جس کا میں نے حکم دیا جس سے میں نے منع کیا کوئی حکم پہنچے اور وہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے جو قرآن شریف میں پائیں گے ہم تو اس کی پیروی کریں گے ۳؎ اس حدیث کو احمد و ابوداؤد ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے دلائل نبوت میں۔

۱؎ آپ کا نام ابراہیم یا اسلم ہے،آپ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ نسلاً قبطی ہیں،حضرت عباس کی ملک میں تھے،انہوں نے بطور نذرانہ حضور کی ملک میں دے دیا۔جب حضرت عباس اسلام لائے تو انہوں نے ہی حضور کو آپ کے اسلام کی خبر دی،حضور نے اس خوشی میں ان کو آزاد کردیا۔آپ سوائے جنگ بدر کے باقی تمام غزووں میں حضور کے ساتھ رہے،خلافت مرتضوی میں وفات پائی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(مرقاۃ واشعۃ اللمعات)

۲؎ سبحان اللہ!یہ ہے میرے محبوب کی قوت نظر،انکار حدیث کے موقعوں پر یہ دو کلمے ہمیشہ فرمائے جاتے ہیں کیونکہ قرآنی فرقہ کا موجد عبداللہ چکرالوی ہے،جو چکرالہ ضلع میانوالی پنجاب میں پیدا ہوا،یہ بہت مالدار اور لنگڑا تھا۔مُتَکِّیًا فرماکر اس کے لنگڑا ہونے کی طرف اور"اَرِیْکَتِہٖ"فرماکر اس کی مالداری کی طرف اشارہ کردیا گیا،یا یہ مطلب ہے کہ اس فرقہ کا موجد آرام طلب ہوگا،گھر میں رہے گا،علم دین حاصل کرنے کے لیئے سفر نہ کرے گا،صرف قرآن کے ترجمے دیکھ کر یہ کہے گا۔چنانچہ عبداللہ!چکرالوی اور اس کی ساری ذرّیت کا یہی حال ہے غرض کہ یہاں یا ظاہری عیوب کا ذکر ہے یا باطنی کا۔

۳؎ نہیں جانتے کا مقصد ہے نہیں مانتے یعنی ہم قرآن کے سوا حدیث وغیرہ کے قائل نہیں،قرآن میں سب کچھ ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔عبداللہ چکرالوی اور اس کی ذرّیت کے یہی الفاظ ہوتے ہیں۔سبحان اللہ! "مَا وَجَدْنَا"فرماکر کیسا نفیس اشارہ فرمایا کہ اگرچہ قرآن تو کامل ہے مگر انسان کا پانا ناقص،قرآن میں سب کچھ ہے مگر ملے گا اسے جسے میں نکال کردوں،ہر شخص سمندر سے موتی حاصل نہیں کرسکتا موتی نکلتے سمندر سے ہیں مگر ملتے جوہری کی دکان پر ہیں اس اَفْصَحُ الْفُصَحَاءِ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو لفظوں میں ان کے دلائل مع تردید بتادیئے۔

	روایت ہے حضرت مقدام ابن معد یکرب سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ ہو کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی ۲؎ خبردار قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا اپنی مسہری پر کہے ۳؎ کہ صرف قرآن کو تھام لو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۴؎ حالانکہ رسول اللہ کا حرام فرمایا ہوا ویسا ہی حرام ہے جیساکہ اللہ کا حرام فرمودہ ۵؎ دیکھو تمہارے لیے نہ تو پلاؤ گدھا حلال ہے اور نہ کوکیلی والا درندہ جانور نہ عہد والے کافر کی گمی ہوئی چیز مگر جب اس کا مالک اس سے لاپرواہ ہوجائے ۶؎ اور جو کسی قوم کے پاس مہمان جائے ان پر اس کی مہمانی ہے اگر مہماندار نہ کریں تو وہ اپنی مہمانی کی بقدر ان سے وصول کرلے ۷؎ اسے ابوداؤد

	نے روایت کیا دارمی نے بھی اسی طرح اور ابن ماجہ نے حرم اللہ تک۔

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی کندہ سے تعلق رکھتے ہیں،کندی وفد کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، ۸۷ھ میں سام میں وفات پائی ۹۱سال عمر ہوئی۔

۲؎ یعنی حدیث شریف جو قرآن کی طرح وحی الٰہی ہے اور اسی کی طرح واجب الاتباع۔اس حدیث کی تائید قرآن شریف کی اس آیت سے ہے:"وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" کتاب تو قرآن حکیم ہے اور حکمت حدیث شریف۔خیال رہے کہ قرآن شریف کی عبارت بھی وحی ہے اورمضامین بھی مگر حدیث شریف کا مضمون وحی ہے الفاظ حضور کے اپنےاسی لیئے الفاظ حدیث پر قرآن کے احکام جاری نہیں کہ اس کی تلاوت نماز میں نہیں ہوسکتی،بے وضو اسے چھوسکتا ہے۔اسی لیئے قرآن کو وحی متلو کہتے ہیں اور حدیث کو غیر متلو۔مرقاۃ میں ہے کہ جبریل امین حدیث کو بھی لے کر اترتے تھے،اس کی تحقیق کے لیئے ہماری کتاب "ایک اسلام"دیکھو۔

۳؎ یہ کلمہ"آلا منکرین"حدیث پر اظہار غضب کے لیئے ہےاسی لیئے ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف کے ہوتے ہوئے قیاس جائز نہیں،حدیث ضعیف کو قیاس قوی پر ترجیح ہے اگرچہ اس منکر حدیث کی پیدائش۱۳سو برس کے بعد ہوئی مگرحضور کی نگاہوں سے قریب تھااس لیئے يُوْشِكَ فرمایا،شَبْعَانٌ(پیٹ بھرا)میں اس کی مالداری اور مسہری میں اس کا لنگڑا ہونا بتایا گیا۔

۴؎ یعنی اپنی تحقیق پر اعتماد کرو،صاحب قرآن سے الگ ہوجاؤ یہ بکواس ہی تمام بے دینوں کی جڑ ہے۔

۵؎ یعنی حرام قطعی واجب الترک اسی لیئے صحابہ کرام حضور کے فرمان پر قرآن کی طرح عمل کرتے تھے ہم پر جیسے نماز فرض ہے ایسے ہی نماز کی تعداد اور مقدار یعنی پانچ نمازیں اور ہر نماز میں مقرر رکعات فرض ہیں ہم جو کبھی حدیث کو ظنی کہتے ہیں اس کی وجہ اسنادیں ہیں۔جنہوں نے خود حضور سے حدیثیں سنیں ان کے لیئے قرآن کی طرح قطعی تھیں،دیکھو صدیق اکبرنے حدیث کی بنا پر حضور کی میراث تقسیم نہیں کی حالانکہ تقسیم میراث حکم قرآنی ہے۔

۶؎ یعنی منکرین حدیث کو چاہیے کہ گدھا بھی کھائیں،کتے بلوں پر بھی ہاتھ صاف کریں،پڑی ہوئی چیز بھی قبضہ میں کرلیا کریں،کیونکہ انہیں قرآن نے حرام نہیں کیا بلکہ حدیث نے کیا ہے۔ان شاءاللہ اس کا جواب قیامت تک ان سے نہ بنے گا۔
مسئلہ: پڑی ہوئی چیز جو ملے اس کے مالک کو تلاش کرکے پہنچادی جائے مسلمان کی ہو یاکسی ذمہ والے کافر کی،حربی کافر کا مال جو بغیر دھوکہ دہی کے ملے حلال ہے جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہوجائے تو خیرات کردی جائے اور اگر اٹھانے والاغریب ہو تو خود استعمال کرے۔اس کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

۷؎ یعنی یہ مسئلہ بھی قرآن میں نہیں ہے حدیث میں ہے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں دیہاتی کفار سے یہ عہدلیا جاتا تھا کہ اگر لشکر اسلام یا کوئی مسلمان تمہارے گاؤں پر گزرے تو تم اسے ایک دو وقت کا راشن دینا۔اس معاہدے کے ماتحت لشکر اسلام کو اپنا راشن ان سے وصول کرنے کا حق تھا،حدیث میں اسی کا ذکر ہے اب بھی بعض ہنگامی حالات میں لشکریا پولیس

کا خرچ اہل شہر پر ڈال دیا جاتا ہے۔اس جملے کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر زیادہ قوی ہے اس صورت میں یہ حدیث غیرمنسوخ ہے اب بھی اگر کفار سے یہ معاہدہ ہوجائے تو ان پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرما کر فرمایا کیا تم میں سے کوئی چھپڑ کھٹ پر تکیہ لگا کر یہ گمان کرسکتا ہے ۲؎ کہ اللہ نے بجز ان چیزوں کے کوئی چیز حرام نہ کی جو قرآن میں ہیں آگاہ رہو کہ بخدا میں نے احکام دیئے وعظ فرمائے اور بہت چیزوں سے منع کیا جو قرآن کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہیں ۳؎ یقینًا اللہ نے تمہارے لیے یہ مباح نہ کیا کہ کتابیوں کے گھروں میں بلااجازت گھس جاؤ اور نہ ان کی عورتوں کو مار پیٹ اور نہ ان کے پھل کھانا جب وہ اپنے ذمہ کے حقوق تمہیں ادا کریں ۴؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اس حدیث کی اسناد میں اشعث ابن شعبہ مصیصی ہے جس میں کلام کیا گیا ہے۔	

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کے والد ساریہ کی کنیت **ابو نجیح** تھی،حضرت عرباض اصحاب صفہ میں سے ہیں،شوقِ الٰہی اورخوفِ الٰہی اپنے دل میں بہت رکھتے تھے،شام میں قیام کیا اور ۷۵ھ میں وہیں وفات پائی،آپ سے ۳۱ احادیث مروی ہیں،حمص میں آپ کا مزار ہے۔

۲؎ اس میں خطاب صرف صحابہ سے نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے،کیونکہ عہد صحابہ سے قریبًا ۱۳سو برس تک منکر حدیث کوئی نہیں ہوا یہ بیماری چودھویں صدی میں پھیلی،اور یہ سوال تعجب کے لیئے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم میں بعض ایسے بے وقوف بھی پیدا ہوں گے جو ایسے واہیات عقائد رکھیں گے۔

۳؎ یعنی میرے دیئے ہوئے احکام اور میری حلال و حرام کی ہوئی چیزیں،مقدار میں قرآنی احکام اور قرآنی حلال و حرام سے کہیں زیادہ ہیں،دیکھ لو قرآن کریم نے صرف سُور کا گوشت حرام کیا کہ فرمایا"**وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ**"سُور کی کلیجی،گردے،ہڈی،بھیجہ اس کے علاوہ کتا،بلا حدیث نے ہی حرام کیا اسی طرح تمام احکام کا حال ہے حدیث کا انکار کرکے ان چیزوں کی حرمت کہاں سے ثابت کی جائے گی۔

۴؎ یعنی جب ذمی اہل کتاب جزیہ(ٹیکس)ادا کردیں تو نہ تم ان کے گھروں میں جاسکتے ہو،نہ ان کا مال کھاسکتے ہو،نہ انہیں سزا دے سکتے ہو۔یہ مسئلہ بھی قرآن میں نہیں ہے،مَیں ارشاد فرما رہا ہوں اہل کتاب کی قید اس لیئے لگائی کہ مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا،انہیں مسلمان ہی ہونا پڑے گا۔خیال رہے کہ اگر ذمی جزیہ دینے سے انکار کردیں تو وہ حربی ہوجائیں گے،پھر ان کی جائداد،سامان حکومت اسلامیہ ضبط اور انہیں قید کرسکتی ہے اس لیئے جزیہ دینے کی قید لگائی گئی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف چہرہ کیا اور نہایت ہی بلیغ وعظ فرمایا جس سے اشک رواں ہوگئے دل ڈر گئے ۱؎ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ شاید یہ الوداعی وعظ ہے ۲؎ لہذا کچھ وصیت فرمادیں حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے،سلطان کی سننے،فرماں برداری کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ حبشی غلام ہی ہو ۳؎ کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو جیئے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا ۴؎ لہذا تم میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت مضبوط پکڑو ۵؎ اسے دانت سے مضبوط پکڑلو نئی باتوں سے دور رہو کہ ہرنئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ۶؎ اسے احمد،ابوداؤد اورترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا لیکن ان دونوں نے نماز کا واقعہ ذکر نہ کیا۔

۱؎ یوں توحضور کے تمام وعظ ہی مؤثر ہوتے تھے لیکن خصوصیت سے یہ وعظ بہت پرتاثیر تھا۔جس میں عشق خدا،خوف ذات کبریا کا دریا موجیں مار رہا تھا۔عشق سے آنسو بہے اورخوف سے دل ڈرے،بلیغ سے پرتاثیر مراد ہے۔

۲؎ یعنی حضور کی وفات قریب ہے،اور آپ ایسی باتیں فرمارہے ہیں جیسی رخصت ہوتے وقت کی جاتی ہیں گویا آپ اپنی امت کو چھوڑ کر جارہے ہیں اور آخری نصیحتیں کررہے ہیں۔سبحان اللہ!صحابہ کرام کی ذکاوت کے قربان۔معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حضور کی وفات قریب تھی اس لیئے ان کے کلام کی تردید نہ فرمائی گئی بلکہ خواہش پوری کردی گئی،پتہ لگا کہ حضور اپنے وقت وفات کو جانتے ہیں اور یہ ایسا جامع کلام ہے کہ سارے احکام اس میں آگئے۔تَقْوَی اللہ میں سارے دینی احکام اور سلطان کی اطاعت میں سارے سیاسی احکام شامل ہیں۔

۳؎ یعنی اگر تمہارا امیر کالا حبشی غلام ہو تب بھی اس کی اطاعت کرو اس کا نسب و شکل نہ دیکھو اس کا حکم سنو۔خیال رہے کہ خلافت قریش سے خاص ہے مگر امارت ہر مسلمان کو مل سکتی ہے،لہذا یہ حدیث کے خلاف نہیں"اَلْخِلَافَۃُ لِلْقُرَیْش"نیز امیر کی اطاعت انہی احکام میں ہوگی جو خلاف شرع نہ ہوں،نیز اس کی اطاعت امیر بن جانے کے بعد ہوگی،یزید امیر بنا ہی نہ تھا،حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے حاکم مانا ہی نہیں۔لہذا آپ کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں،امیر بنانا اور ہے اور امیر بن چکنے کے بعد اطاعت کرنا کچھ اور۔

۴؎ سیاسی اختلاف بھی اور مذہبی بھی۔چنانچہ خلافت عثمانیہ کے آخر میں لوگوں میں سیاسی اختلاف پیدا ہوگیا اور خلافت حیدری میں سیاسی اختلاف کے ساتھ مذہبی اختلاف بھی رونما ہوگیا کہ جبریہ،قدریہ،رافضی،خارجی پیدا ہوگئے۔خیال رہے کہ خدا کے

فضل سے صحابہ میں دینی اختلاف نہ ہوا،سارے صحابہ حق پر رہے،حضور کا یہ کلمہ بہت جامع ہے اور آپ کی یہ پیشن گوئی ہو بہو صحیح ہوئی۔

۵؎ہر سنت لائق اتباع ہے مگر ہر حدیث لائق اتباع نہیں،حضور کے خصوصیات،منسوخ احکام اور اعمال حدیث ہیں مگر سنت نہیں اسی لیئے یہاں حدیث کو پکڑ نے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ سنت کو۔الحمدللہ!ہم اہل سنت ہیں دنیا میں اہل حدیث کوئی نہیں ہوسکتا۔صحابہ کرام کے اعمال و افعال بھی لغوی معنے سے سنت ہیں یعنی دین کا اچھا طریقہ اگرچہ ان کی ایجادات بدعت حسنہ ہیں،عمر فاروق نے جماعت کی باقاعدہ تراویح کو جو آپ نے جاری کی تھی بدعت فرمایا کہ کہا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ آپ کا وہ کلام اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہ شرعًا بدعت ہے لغۃً سنت اور مسلمانوں کے واسطے لازم العمل۔خیال رہے کہ تمام صحابہ ہدایت کے تارے ہیں،خصوصًا خلفائے راشدین۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ "اَصْحَابِي كَالنُّجُوْمِ"تمام صحابہ کی پیروی باعث نجات ہے۔

۶؎یہاں نئی چیز سے مراد نئے عقیدے ہیں جو اسلام میں حضور کے بعد ایجاد کیئے جائیں،اس لیئے کہ یہاں اسے گمراہی کہا گیا۔گمراہی عقیدہ میں ہوتی ہے نہ کہ اعمال میں لہذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔چنانچہ قادیانی،چکڑالوی،رفض و خروج یہ تمام بدعات اور گمراہی ہیں اور اگر اس سے نئے اعمال مراد لیئے جائیں تو یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے،یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے۔بدعت حسنہ کبھی مباح،کبھی مستحب،کبھی واجب اور کبھی فرض بھی ہوتی ہے۔حدیث کی کتب اور قرآن کے پارے بدعت ہیں مگر اچھے ہیں۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔

	روایت ہے عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے ۱؎ پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو ادھر بلا رہا ہے ۲؎ اور یہ آیت تلاوت فرمائی:"اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ"الایہ اسے احمد،نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

۱؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے،دین حق کو قرآن شریف میں صراط مستقیم فرمایا گیا یعنی سیدھا راستہ جو نہایت آسانی سے رب تک پہنچادے،حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خط کھینچ کر اس کی مثال دکھادی۔یہاں سبیل اللہ سے مراد سچے اعتقاد اور نیک اعمال ہیں۔خیال رہے کہ شریعت اورطریقت کے چاروں سلسلے حنفی شافعی یا قادری،چشتی وغیرہ ایک ہی طریقہ ہیں جنہیں اہل سنت کہا جاتا ہے کیونکہ انکے عقائد یکساں ہیں۔اعمال میں فروعی اختلاف جیسا صحابہ کا آپس میں اختلاف ہوا کرتا تھا۔یہ کعبۂ ایمان کے چار راستے ہیں،یاسمندر نبوت تک پہنچنے والے چار دریا ان کے علاوہ دیگر مذاہب ٹیڑھے راستہ ہیں کہ وہ عقائد میں مختلف ہیں۔

۲؎ یہاں شیطان سے مراد یا تو ان مذاہب کے موجد ہیں جیسے قادیانیت کے لیئے غلام احمد اور چکرالویت کے لیئے عبداللہ،یا ان دینوں کے مبلغین یا اس سے مراد خود ابلیس ہی ہے۔قرآن نے سرکش جنات اور گمراہ کن انسانوں کو شیاطین فرمایا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے کے تابع نہ ہو۱؎ اسے شرح سنہ میں روایت کیا ہے۔نووی نے اپنی چہل حدیث میں۲؎ فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے جسے ہم نے صحیح اسناد سے **کتاب الحج** میں روایت کیا۔

۱؎ یعنی مؤمن وہ ہے کہ جس کا عمل میرے احکام کو پسند کرے اور اس کے علاوہ کو ناپسند۔لائے ہوئے میں حدیث و قرآن کے سارے احکام داخل ہیں کیونکہ یہ سب رب کی طرف سے آئے اور ایمان سے مراد اصل ایمان ہے اور واقعی جو کوئی کسی دینی چیز کو برا جانے وہ کافر ہے اور اس صورت میں حدیث پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ کسی تاویل کی ضرورت،کوئی گنہگار،فاسق،بدکار گناہوں کو اچھا اور نیکیوں کو برا نہیں سمجھتا،اسی وجہ سے وہ مؤمن رہتا ہے اگرچہ فاسق ہو۔

۲؎ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جو کوئی میری امت تک چالیس حدیثیں پہنچادے قیامت میں اس کی بخشش ہوگی،اسی لیئے علماء محدثین نے چہل حدیثیں لکھیں۔امام نووی شارح مسلم نے بھی چالیس جمع فرمائیں جس کا یہاں ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت بلال ابن حارث مزنی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میری مردہ سنت کو جو میرے بعد فنا کردی گئی زندہ کرے ۲؎ اسے ان تمام کی برابر ثواب ہوگا جو اس پر عمل کریں اس کے بغیر کہ ان عاملوں کے ثواب سے کچھ کم ہو۳؎ اور جو گمراہی کی بدعت ایجاد کرے جس سے اللہ رسول راضی نہیں ۴؎ اس پر ان سب کی برابر گناہ ہوگا جو اس پر عامل ہوں اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱؎ آپ صحابی ہیں، ۵ ھ میں وفد مدینہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے،۸۰ سال کی عمر پاکر ۶۰ ھ میں وفات پائی،مدینہ منورہ کے پاس مقام ستغری میں قیام تھا۔

۲؎ یعنی جس سنت کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسرے کو بھی عمل کی رغبت دلائے جیسے زمانۂ موجودہ ہیں داڑھی رکھنا۔

۳؎ کیونکہ یہ اللہ کا بندہ اس سنت کے زندہ کرنے میں لوگوں کے طعنے اور مذاق برداشت کرتا ہے،سنت کی خاطر سب سختیاں جھیلتا ہے،لہذا بڑا غازی ہے۔جو بھلائی کے موجد کو ثواب ملتا ہے وہی بھلائی کے پھیلانے والے کو۔

۴؎ یہاں بدعت موصوف ہے اور ضلالت صفت اور جب نکرہ نکرے کی صفت ہو تو تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔یہاں ضلالت کی قید بدعت حسنہ کو نکالنے کے لیئے ہے۔(مرقاۃ)یعنی بری بدعتوں کا موجد مجرم ہے جیسے اردو میں نماز و اذان یا اور تمام خلاف سنت کام۔اور اچھی بدعتوں کا موجد ثواب کا مستحق ہے جیسے علم صرف ونحو کے موجد،اسلامی مدرسے،عرس بزرگان،میلاد شریف اور گیارہویں شریف اور گیارہویں شریف کی مجالس کے موجد،اس کی بحث پہلے گزر چکی یہ حدیث تقسیم بدعت کی اصل ہے اس کا ذکر"کتاب العلم" میں بھی آئے گا۔

	اور ابن ماجہ نے کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا۱؎

۱؎ کثیر ابن عمرو باتفاق راوی ضعیف ہے،امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ بہت جھوٹا آدمی تھا اس کے دادا عمرو ابن عوف صحابی ہیں،قدیم الاسلام ہیں انہی کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ اتری"تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُہُمْ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمْعِ "آپ مدینہ منورہ میں رہے اورحضرت امیرمعاویہ کے زمانہ میں وفات پائی،جنگ بدر میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ تھے۔

	روایت ہے حضرت عمرو بن عوف سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین حجاز کی طرف ایسا سمٹ آوے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۱؎ اور دین حجاز سے ایسا بندھ جاوے گا جیسے پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی سے۲؎ یقینًا دین غریب ہی شروع ہوا اورجیسا شروع ہوا ویسا لوٹے گا لہذا غربا کو خوشخبری ہو یہ غربا وہ ہیں جو میرے بعد میری سنت کو درست کریں گے جسے لوگوں نے بگاڑدیا ہوگا۳؎(ترمذی)

۱؎ یعنی آخری زمانہ میں مسلمانوں کو حجاز کے سوا کہیں پناہ نہ ملے گی اس لیئے سب یہاں ہی جمع ہوجائیں گے۔حجاز عرب کا وہ صوبہ ہے جس میں مکہ معظّمہ،مدینہ منورہ،طائف وغیرہ ہیں۔خیال رہے کہ اولًا مسلمان حجاز میں پناہ لیں گے اور پھر وہاں بھی امن نہ پائیں گے تو مدینہ منورہ میں سمٹ آئیں گے،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ دین مدینہ میں سمٹ آئے گا،مدینہ منورہ ہی میں نبوت کا آفتاب غروب ہوا اور یہاں سے ہی اس کی کرنیں یعنی شریعت غائب ہوگئی۔

۲؎ کہ پہاڑی بکریاں دن بھر ہر جگہ پھرتی ہیں اور شام کو اپنے تھان یعنی پہاڑ کی چوٹی پر باندھ دی جاتی ہیں،جہاں وہ درندوں سے محفوظ رہتی ہیں۔حجاز خصوصا مدینہ منورہ اسلام کا تھان ہیں اس میں اشارۃً یہ فرمایا گیا کہ اسلام حرمین شریفین سے کبھی نہ نکلے گا اور سب مسلمانوں کا تعلق اس سے قائم رہے گا،جیسے سانپ کا تعلق اپنے سوراخ سے اور بکری کا تعلق

اپنے تھان سے ہر وقت رہتا ہے۔اس کا وہ مطلب نہیں جو براہین قاطعہ وغیرہ نے سمجھا کہ وہاں اسلام قیامت کے قریب پہنچے گا اس سے پہلے دنیا میں اور جگہ اسلام ہوگا حجاز یا مدینہ منورہ میں نہ ہوگا۔
۳؎اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔یہ بھی قریب قیامت ہی ہوگا کہ جیسے پہلے تھوڑے مسکین لوگوں نے اسلام قبول کیا ایسے ہی قریب قیامت تھوڑے غریب ہی اسلام پر قائم رہ جائیں گے وہ اگلے غریب بھی مبارک تھے اور یہ پچھلے بھی مبارک ہوں گے۔باقی دنیا میں کفر ہی کفر ہوگا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں جو نیا فرقہ نکلے اور اس کے ماننے والے تھوڑے ہوں وہی حق پر ہوں جیسا کہ قادیانیوں اور وہابیوں نے سمجھا۔آگے حدیث آرہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔

	روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت پر بعینہٖ ویسے حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے جیسے جوتی کی جوتی سے برابری ۱؎حتی کہ اگرکسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا تو میری امت میں بھی وہ ہوگا جو ایسا کرے گا۲؎یقینًا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جاوے گی۳؎سوا ایک ملت کے سب دوزخی لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ وہ ایک کون فرقہ ہے فرمایا وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۴؎اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱؎ سبحان اللہ! اس مطلع الغیوب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی صحیح خبر دی اور کیسی نفیس تشبیہ سے سمجھایا کہ جیسے داہنے پاؤں کی جوتی بائیں پاؤں کی جوتی سے لمبائی،چوڑائی،شکل و صورت میں یکساں ہوتی ہے ایسے ہی میری امت کے ظاہری و باطنی حالات،عقائد و اعمال بنی اسرائیل کی طرح ہوجائیں گے۔
۲؎ یہ اعمال کی برابری کا ذکر ہے کہ بدتر سے بدتر گناہ بھی میری امت کے اندر پایا جائے گا۔ہم نے دیکھا کہ انگریزوں کی داڑھیاں منڈیں،مونچھیں بڑھیں،مسلمانوں کی بھی ایسی ہی شکل بن گئی،پھر انگریزوں نے ناک کے نیچے مونچھ مکھی کی طرح رکھی مسلمان بھی اس ہی پر عامل ہوگئے۔پھر دور آیا کہ داڑھی کے ساتھ مونچھ کی بھی بالکل صفائی ہوگئی،تو مسلمان بھی ایسے ہی ہوگئے۔اگر کوئی انگریز ناک کٹالیتا تو یقینًا مسلمانوں میں صد ہاناک کٹ جاتے۔یہ اسی حدیث کا ظہور ہے۔
۳؎اس طرح کہ بنی اسرائیل کے سارے ۷۲فرقے گمراہ ہوگئے مگر مسلمانوں میں ۷۲فرقے گمراہ ہوں گے اور ایک ہدایت پر۔خیال رہے کہ جیسے بعض بنی اسرائیل نبیوں کے دشمن ہیں ایسے ہی مسلمانوں میں بعض فرقے دشمن سیدالانبیاء ہیں اور جیسے بعض بنی اسرائیل انبیاء کو خدا کا بیٹا مان بیٹھے مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فقیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عین خدا،جز خدا مانتے ہیں۔غرض اس حدیث کا ظہور یوں پوری طرح ہورہا ہے۔

۴؎ یعنی میں اورمیرے صحابہ ایمان کی کسوٹی پر ہیں جس کا ایمان ان کاساہو وہ مؤمن ماسوائے بے دین۔رب تعالٰی فرماتا ہے:" فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا "۔خیال رہے کہ مَاسے مراد عقیدے اور اصول اعمال ہیں نہ کہ فروعی افعال،یعنی جن کے عقائد صحابہ کے سے ہوں اور ان کے اعمال کی اصل عہد صحابہ میں موجود ہو وہ جنتی ورنہ فروع اعمال آج لاکھوں ایسے ہیں جو زمانہ صحابہ میں نہ تھے ان کے کرنے والے دوزخی نہیں۔صحابہ کرام حنفی،شافعی یا قادری نہ تھے ہم ہیں۔انہوں نے بخاری مسلم نہیں لکھی تھی،مدرسۂ اسلامی نہ بنائے تھے،ہوائی جہازوں اور راکٹوں سے جہاد نہ کئے تھے۔ہم یہ سب کچھ کرتے ہیں لہذا یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں بن سکتی کہ عقائد وہی صحابہ والے ہیں اور ان سارے اعمال کی اصل وہاں موجود ہے۔غرضیکہ درخت اسلام عہد نبوی میں لگا عہد صحابہ میں پھلا پھولا قیامت تک پھل آتے رہیں گے کھاتے رہو بشرطیکہ اسی درخت کے پھل ہوں۔

اور احمدوابوداؤد میں معاویہ کی روایت سے یہ ہے کہ بہتّر دوزخی اور ایک جنتی ہے اور وہ بڑا گروہ (جماعت مسلمین)ہے ۱؎ میری امت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن میں بدعت ایسی سرایت کرجائیں گی جیسے دیوانہ کتے کا زہر کاٹے ہوئے ہیں کہ جس کی کوئی رگ اور جوڑ سرایت کئے نہیں بچتا ۲؎	

۱؎ اس میں بتایا گیا کہ جنتی ہونے کے لیئے دوچیزوں کی ضرورت ہے:سنت کی پیروی اور جماعت مسلمین کے ساتھ رہنا۔اسی لیئے ہمارے مذہب کا نام اہل سنت والجماعت ہے۔جماعت سے مراد مسلمانوں کا بڑا گروہ ہے جس میں فقہاء،علماء،صوفیاء اور اولیاء اللہ ہیں۔**الحمدللہ**!یہ شرف بھی اہلسنت ہی کو حاصل ہے،سوا اس فرقہ کے اولیاءاللہ کسی فرقہ میں نہیں۔خیال رہے کہ یہ۷۳ کا عدد اصولی فرقوں کا ہے کہ اصولی فرقہ ایک جنتی اور۷۲ جہنمی۔چنانچہ اہل سنت میں حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی،چشتی،قادری،نقش بندی،سہروردی ایسے ہی اشاعرہ یا ترید یہ سب داخل ہیں کہ عقائد سب کے ایک ہی ہیں اور ان سب کا شمار ایک ہی فرقہ میں ہے۔ایسے ہی بہتر ناری فرقوں کا حال ہے کہ ان میں ایک ایک فرقے کے بہت ٹولے ہیں۔مثلًاایک فرقہ روافض کے بہت ٹولے ہیں،بارہ امامئے،چھ امامئے،تین امامئے ایسے ہی دیگر فرقوں کا حال ہے۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اسلامی فرقے کئی سو ہیں۔اس کی تفصیل مرقاۃ وغیرہ میں دیکھو۔

۲؎ یعنی برے عقیدے اور بدعتیں ان کے خیالات و اعمال میں چھا جائیں گے۔خیال رہے کہ حضور نے سانپ کاٹے کی تشبیہ نہ دی کیونکہ اس کا زہر دل یا دماغ پر پہنچتے ہی موت واقع ہوجاتی ہے۔وہ اوروں کو نہیں کاٹتا مگر دیوانہ کتاکا کاٹا ہو اعرصہ تک زندہ رہتا ہے جسے یہ کاٹ لے اسے بھی اپنے جیساکرلیتا ہے۔یہی بدمذہبوں کا حال ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمرسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا اللہ میری امت کو یا فرمایا امت محمد مصطفٰی کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا	

	۱؎ جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے۲؎ جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہی جائے گا۔(ترمذی)

۱؎ یہاں امت سے امت اجابت مراد ہے یعنی حضور پر ایمان لانے والے لوگ یہ حدیث پچھلی حدیث کی گویا تفسیر ہے،یعنی اگرچہ میری امت میں بنی اسرائیل سے زیادہ فرقے ہوں گے،لیکن فرق یہ ہے کہ وہ سارے گمراہ ہوگئے تھے،یہ امت ساری گمراہ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک ایک فرقہ اس میں حق پر رہے گا۔یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مسلمانوں کا اجماع برحق ہے جس پر سارے علماء اولیاء متفق ہوجائیں وہ مسئلہ ایسا ہی لازم العمل ہے جیسے قرآن کی آیت۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے:"وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ "یعنی جو مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راہ چلے گا ہم اسے دوزخ میں بھیجیں گے۔اجماع امت کا حجت ہونا یہ بھی اس امت کی خصوصیت ہے۔معلوم ہوا کہ خلافت شیخین برحق ہے۔

۲؎ دستِ کرم سے مراد حفاظت،مدد اور رحمت ہے۔یعنی اللہ تعالٰی جماعت کو غلطی اور دشمنوں کی ایذا سے بچائے گا۔ان پر سکینہ اتارے گا وغیرہ۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۱؎ کیونکہ جو الگ رہا وہ الگ ہی آگ میں جائے گا ۲؎ اسے انس کی حدیث سے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی ہمیشہ وہ عقیدے اختیار کرو جو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ہوں یہ حدیث منصوص اور غیر منصوص سارے احکام کو شامل ہے۔آیات و احادیث کے جو معنی مسلمانوں کی بڑی جماعت نے سمجھے ہیں وہی حق ہیں۔آج اگر کوئی نئے معنے بتائے تو جھوٹا ہے۔خاتم النبیین کے معنے آخری نبی صلوٰۃ و زکوۃ کے معنی مروجہ نماز اور صدقہ ہیں جو کہے کہ خاتم النبیین کے معنی اصلی نبی،صلوٰۃ و زکوۃ سے کچھ اورمرادلے یہ غلط ہے،ایسے ہی مسلمانوں کا بڑاگروہ میلاد،فاتحہ،عرس وغیرہ کو اچھا سمجھتا ہے واقعی یہ کام اچھے ہیں،اگر کچھ لوگ انہیں حرام کہیں جھوٹے ہیں۔حدیث شریف میں ہے جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔رب فرماتا ہے:"لِتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ"حضور فرماتے ہیں تم زمین میں اللہ کے گواہ رہو۔یہ سب حدیثیں اسی مشکوٰۃ شریف میں آئیں گی۔لہذا جس کام کو عام علماء،صلحاء اورعوام مسلمین اچھا جانیں وہ اچھا ہی ہے۔خیال رہے کہ بڑی جماعت سارے مسلمانوں کی معتبر ہے نہ کہ کسی خاص جگہ اور خاص وقت کی۔لہذا اگر کسی بستی میں ایک سنی ہے سب بدمذہب تو وہ ایک ہی سواد اعظم ہوگا کیونکہ وہ صحابہ سے اب تک کی جماعت کے ساتھ ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ اجتہادی مسائل میں سواد اعظم کا اعتبار نہیں ایک مجتہد جمہور مجتہدین کی مخالفت کرسکتا ہے اور اس کی اتباع جائز ہے۔اس کی پوری بحث مرقاۃ وغیرہ میں دیکھو۔یاد رکھو کہ بعض بدعملیوں میں عام مسلمان پھنس جاتے ہیں جیسے زمانہ موجود میں داڑھی منڈانا لیکن وہ سبھی اسے برائی سمجھتے ہیں اور وہ گناہ سمجھ کر اس کو کرتے ہیں۔لہذا یہ نہیں کہاجاسکتا کہ داڑھی منڈانا بڑی جماعت کا عمل ہے۔

۲؎یعنی جس نے مسلمانوں کی بڑی جماعت کے خلاف عقیدے اختیار کئے تو جماعت تو جنت میں جائے گی اور یہ دوزخ میں۔یہ حدیث تا قیامت بدمذہبیت سے بچنے کا بڑا ذریعہ ہے۔اگرمسلمان اس پر کاربند رہیں تو چھوٹے چھوٹے فرقے خود ہی ختم ہوجائیں گے۔

روایت ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے بچے اگر تم یہ کرسکو کہ صبح اور شام ایسے گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ(کینہ)نہ ہو تو کرو ا؎پھر فرمایا کہ اے میرے بچے یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے محبت کرے اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۲؎(ترمذی)	

ا؎یعنی مسلمان بھائی کی طرف سے دنیوی امور میں صاف دل ہو،سینہ کینہ سے پاک ہو،تب اس میں انوار مدینہ آئیں گے۔دھندلا آئینہ اور میلا دل قابل عزت نہیں مگر کفار سے عداوت اصل ایمان ہے۔رب فرماتا ہے:"لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ "ایسے ہی فاسق مسلمانوں کی بدکاری سے ناراض ہونا عبادت ہے۔لہذا حدیث صاف ہے۔

۲؎یعنی جیسے اعمال میں سنتوں کی پابندی باعث ثواب ہے،ایسے ہی دل صاف رکھنا،اچھے اخلاق ہونا بھی سنت ہے۔جس سے قرب رسول اللہ حاصل ہوگا۔افسوس کہ اکثر لوگ یہاں پھسل جاتے ہیں۔اتباع سنت کا دعویٰ ہوتا ہے مگر سینے کینوں سے بھرے ہوتے ہیں۔اللہ اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے میری امت کے بگڑتے وقت میری سنت کو مضبوط تھاما تو اسے سوشہیدوں کا ثواب ہےا؎	

ا؎کیونکہ شہید تو ایک بار تلوار کا زخم کھاکر پار ہوجاتا ہے مگر یہ اللہ کا بندہ عمر بھر لوگوں کے طعنے اور زبانوں کے گھاؤ کھاتا رہتا ہے،اللہ اور رسول کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا ہے،اس کا جہاد جہاداکبرہے جیسے اس زمانہ میں داڑھی رکھنا سود سے بچنا وغیرہ۔

روایت ہے حضرت جابر سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی جب حضور کی خدمت میں حضرت عمر آئے فرمایا کہ ہم یہود کی کچھ باتیں سنتے ہیں جو ہمیں بھلی	

لگتی ہیں کیا حضور اجازت دیتے ہیں کہ کچھ لکھ بھی لیا کریں فرمایا کیا تم یہود اور عیسائی کی طرح حیران ہو۱ میں تمہارے پاس روشن و صاف شریعت لایا ۲ اور اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا ۳ اسے احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔	

۱ کہ قرآن و سنت کو اپنے لیئے کافی نہیں سمجھتے اس لیئے دوسروں کے پاس علم وہدایت لینے جاتے ہو جیسے یہودونصاریٰ نے اپنی کتابیں چھوڑکر پادریوں اور جوگیوں کی پیروی شروع کردی۔یہ حدیث دین و ہدایت کے متعلق ہے جو کوئی اسلام کو کافی نہ سمجھے وہ بے ایمان ہے۔دنیاوی چیزیں ہر جگہ سیکھی جاسکتی ہیں۔اس کے لیئے وہ حدیث ہے کہ کلمۂ حکمت مسلمانوں کی گمی دولت ہے جہاں سے ملے لے لو۔لہٰذا حدیث متعارض نہیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بے دینوں کے رسالے پڑھتے اور بدمذہبوں کے جلسوں میں جانے سے احتیاط نہیں کرتے۔فاروق اعظم جیسے مؤمن کو اہل کتاب کے علماء کی صحبت سے منع فرمایا دیا۔

۲ جس میں نہ کوئی کمی ہے نہ کوئی پوشیدگی پھر اور طرف کیوں جاتے ہو۔

۳ کیونکہ اللہ تعالٰی نے سارے نبیوں سے حضور کی اتباع کا عہد لے لیا تھا:"لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ "پھر تم ان کی امت سے میرے ہوتے ہوئے ہدایت لینے کیوں جاتے ہو۔آفتاب کے ہوتے چراغوں سے روشنی نہیں لی جاتی۔آج مسلمان اپنے کو بھول گئے اسی لئے دوسری قوموں کے اخلاق اور امانت داری کی تعریفیں کرتے ہیں۔یہ ہماری جیب کے گرے ہوئے موتی ہیں جو اوروں نے اٹھالئے۔

۱ روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاک و حلال کھائے سنت پر عمل کرے اورلوگ اس کے فتنوں سے محفوظ رہیں وہ جنت میں جائے گا ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کل بہت سے ایسے لوگ ہیں فرمایا میرے بعد والے زمانوں میں بھی ہوں گے ۲ ترمذی)	

۱ یہ حدیث درستی عبادات اور معاملات کی جامع ہے۔دولفظوں میں دونوں جہاں سنبھال دیئے گئے۔"فِیْ سُنَّةٍ"میں اشارۃً بتایا گیا کہ کسی سنت کو معمولی نہ سمجھے حتی کہ بیٹھ کر پانی پینا،راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا۔کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے۔اَمِنَ فرماکر بتایا کہ مسلمان کے اخلاق ایسے پاکیزہ ہوں کہ لوگوں کو قدرتی طور پر اس کی طرف سے امن ہو کہ یہ تکلیف نہیں پہنچاتا۔

۲؎یعنی میرا فیضان صرف اس زمانہ سے خاص نہیں بلکہ تاقیامت میری امت میں ایسے پرہیزگار ہوتے رہیں گے۔ان شاءاللّٰه یہ امت نیکوں سے خالی نہ ہوگی ہاں جس قدر زمانہ دور ہوگا ایسے ہی لوگ کم ہوں گے۔الحمدللّٰه!حضور کی یہ پیشن گوئی بالکل درست ہوئی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم نے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جو احکام شریعہ کا دسواں حصہ چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہوجائے پھر وہ زمانہ آوے گا کہ جو احکام کے دسویں حصے پر عمل کرے نجات پاوے گا۱؎ (ترمذی)

۱؎خیال رہے کہ یہاں احکام سے مراد تبلیغ اور سنن ونوافل وغیرہ ہیں نہ کہ فرائض وواجبات،یعنی آج چونکہ تبلیغ اور ساری نیکیوں کے لیئے کوئی رکاوٹ نہیں اب کچھ بھی چھوڑنا اپنا قصور ہے۔آخر زمانہ میں رکاوٹیں بہت ہوں گی اس وقت آج کے لحاظ سے دسواں حصہ پر عمل کرنا بڑی بہادری ہوگی۔لہذا حدیث صاف ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ اب ایک ہی نماز اور ہزاروں حصہ زکوۃ اور رمضان کے تین روزہ کافی ہیں یا یہ مناسبت مجموعی احکام کے لحاظ سے ہے۔چنانچہ آج اسلامی جہاد قضاء کے احکام پر پورا عمل ناممکن ہے ہم چور کے ہاتھ نہیں کاٹ سکتے،زانی کو سنگسار نہیں کرسکتے وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم ہدایت پر رہنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر اس میں جھگڑے پیدا ہوگئے پھر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ وہ لوگ آپ کے لیے مثال نہیں بیان کرتے مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ قوم جھگڑالو ہے ۱؎

۱؎یعنی جو لوگ سچے دین سے بھٹک جاتے ہیں وہ اپنے باطل دین کو پھیلانے کے لیئے تعصب،عناد اور جھگڑوں سے کام لیتے ہیں کیونکہ رب کی طرف سے ان کی مدد نہیں ہوتی جیسا کہ آج بھی بے دینوں کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ وہ قرآن و حدیث کو زبردستی اپنے موافق کرنا چاہتے ہیں خود اس کے موافق نہیں ہوتے جو آیت پیش فرمائی گئی ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت کریمہ:"اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ"نازل ہوئی یعنی اے کافر! تم اور تمہارے سارے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں تو کفار نے حضور سے عرض کیا کہ پھر تو حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام بھی دوزخی ہوئے کہ ان کی بھی اہل کتاب نے پوجا کی تھی۔تب یہ آیت اتری اور تب ہی حضور نے یہ ارشاد فرمایا یعنی یہ کفار جانتے ہیں کہ مَابے عقل چیزوں کے لیئے آتا ہے پھر وہ انبیاء کرام اس میں کیسے داخل ہوں گے مگر پھر بھی کج بحثی کرتے ہوئے اپنی ہانکے جاتے ہیں۔آج اس کی مثالیں بہت دیکھنے میں آرہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ

	وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو۱؎ ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا ۲؎ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کردی ۳؎پس گرجوں اور دیروں میں انہی کے بقایا لوگ ہیں انہوں نے خود ترک دنیا ایجاد کی ہم نے ان پر لازم نہ کی تھی ۴؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی اپنے پر غیر ضروری عبادتیں لازم مت کرلو جیسے ہمیشہ کے روزے یا ساری رات جاگنا اور شرعی مباحات کو حرام مت کرلو جیسے نکاح اور لذیذ نعمتوں سے پرہیز کرنا۔حلال سے بچنے کا نام تقویٰ نہیں حرام سے بچنے کا نام پرہیزگاری ہے بعض لوگ گوشت سے بچتے ہیں غیبت نہیں چھوڑتے۔

۲؎جیسے کوئی عمر بھر روزے،شب بیداری کی نذر مان لے اب یہ دونوں نذر کی وجہ سے فرض ہوگئے کہ نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔اس قسم کی نذروں سے بچو۔لہٰذا حدیث واضح ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کے بعد کوئی نبی آئے گا جس کے ذریعہ وہ سختیاں فرض ہوجائیں گے

۳؎جیسے کہ بنی اسرائیل کو ایک موقع پر گائے ذبح کرنے کا حکم دیا وہ جیسی گائے بھی ذبح کرلیتے کافی تھا مگر وہ موسی علیہ السلام سے پوچھتے ہی رہے کہ اس کا رنگ کیسا،عمر کتنی وغیرہ وغیرہ جوابات آتے رہے،سختیاں بڑھتی گئیں،یا جیسے عیسائی پادریوں نے اپنے لیئے ترک دینا کو عبادت بنالیا پھر وہ نبھا نہ سکے بلکہ حرام کاریوں میں مبتلا ہو گئے۔

۴؎یعنی یہودونصاریٰ پر راہب یانن بننا رب کا حکم نہ تھا۔انہوں نے خود جوش عقیدت میں ایجاد کیا کہ عورتیں بی بی مریم کے نا م پر کنواریاں اور مرد عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کنوارے گرجوں میں رہنے لگے پھر ان کنواری اورکنواریوں کے اجتماع سے جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے دیکھو کتاب"ازبلا"اس آیت و حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ بدعت حسنہ کے ایجاد پر ثواب ملتا ہے۔کیونکہ رب تعالٰی نے ان راہبوں کے متعلق جنہوں نے اپنے عہد نبھادیئے ثواب کا وعدہ کیا کہ فرمایا:"فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡہُمۡ اَجۡرَہُمۡ ۚ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ "۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن پانچ قسموں پر اترا۱؎ حلال حرام محکم اور متشابہ ۲؎اور مثالیں لہٰذا حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام مانو محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ۳؎مثالوں سے عبرت پکڑو۴؎یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا جس کی عبارت یوں ہے کہ حلال پر عمل کرو اور حرام سے بچو اور محکم کی اتباع کرو۔

۱؎ بطریق اجمال ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔جیسے" اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ "یا"وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ"ان دو آیتوں میں اجمالی طور پر سارے حلال و حرام کا ذکر آگیا ہے۔

۲؎ محکم کے اصطلاحی معنے ہیں ناقابل نسخ آیات مگر یہاں کھلی اور واضح آیتیں مراد ہیں کہ اس کے مقابل متشابہ فرمایا گیا۔**متشابہ**:وہ آیات ہیں جن کے معنی یا مراد سمجھ میں نہ آسکیں۔**امثال** سے گزشتہ امتوں کے قصے یا مثالیں مراد ہیں۔

۳؎ کہ جو کچھ متشابہ کی مراد ہے حق ہے ہمیں اگرچہ اس پر اطلاع نہیں۔

۴؎ کہ گزشتہ قوموں پر جن وجوہ سے عذاب آئے وہ تم چھوڑ دو۔اس سے قیاس شرعی کا ثبوت ہوا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جس کا ہدایت ہونا ظاہر اس کی توپیروی کرو ایک وہ جس کا گمراہی ہونا ظاہر اس سے بچو ایک وہ جو مختلف ہے اسے اللہ کے حوالے کرو۱؎ (احمد)	

۱؎ یعنی احکام شرعیہ تین طرح کے ہیں:بعض یقینی اچھے جیسے روزہ،نماز وغیرہ۔بعض یقینًا بُرے جیسے اہل کتاب کے میلوں،ٹھیلوں میں جانا،ان سے میل جول کرنا۔اور بعض وہ ہیں جو ایک اعتبار سے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ایک اعتبار سے برے۔مثلًا وہ جن کے حلال و حرام ہونے کے دلائل موجود ہیں جیسے گدھے کا جوٹھا پانی جسے شریعت میں مشکوک کہا جاتا ہے یا جیسے قیامت کے دن کا تقرر اور کفار کے بچوں وغیرہ کا حکم۔چاہیئے یہ کہ حلال پر بے دھڑک عمل کرے حرام سے ضرور بچے اور مشتبہات سے احتیاط کرے۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ایک حلال چیز کو کوئی شخص اپنی رائے سے حرام کہہ دے تو وہ شے مشتبہ بن جائے گی۔تمام مسلمان میلادوعرس وغیرہ کو حلال جانیں اور ایک آدمی اسے حرام جانے تو یہ چیزیں مشتبہ نہ ہوں گی بلکہ بلا دلیل حرام کہنے والے کا قول ردّ ہوگا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا الگ اور دور اور کنارے والی کو پکڑتا ہے ۱؎ تم گھاٹیوں سے بچو۲؎ جماعت مسلمین اور عوام کو لازم پکڑو۳؎ (احمد)	

۱؎ **شاذّہ**:وہ بکری ہے جو اپنی ہم جنسوں سے متنفر ہو اور گلے سے دور رہے۔**قاصیہ**:وہ جو متنفر تو نہ ہو چرنے کے لیئے ریوڑ سے الگ ہوجائے۔**ناحیہ**:وہ جو ریوڑ سے الگ تو نہ ہو مگر کنارے کنارے چلے۔خلاصۂ تشبیہ یہ ہے کہ دنیا ایک جنگل ہے جس میں ہم لوگ مثل بکریوں کے ہیں،شیطان بھیڑیا ہے جو ہر وقت ہماری تاک میں ہے،جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا۔

۲؎ شِعَاب شُعْبَۃٌ کی جمع ہے،دو پہاڑیوں کے درمیان تنگ راستہ کو شعبہ کہتے ہیں،جہاں کیڑوں،مکوڑوں،ڈاکوؤں چوروں بلکہ جنات کا بھی خطرہ رہتا ہے،یہاں مسلمانوں کے وہ فرقے مراد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں۔

۳؎ یعنی وہ عقائد اختیار کرلو جو عامۃ المسلمین کے ہوں کہ اسی جماعت میں اولیاء اللہ بھی ہیں،جھوٹی جماعتوں اور فرقوں سے الگ رہو۔اس کی تفسیر گزشتہ حدیث ہے کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو اور وہ حدیث کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔الحمدللہ! ہمیشہ سے اہلِ سنت کی اکثریت رہی ہے اور ہے،عام مسلمان مقلد ہیں،بزرگوں کے معتقد ہیں،میلاد شریف فاتحہ کو اچھا جانتے ہیں،ان کے علاوہ ساری جماعتیں مل کر بھی اہلِ سنت سے آدھی بھی نہیں لہذا اہل سنت ہی برحق ہیں جو ان سے ہٹے گا شیطان کا شکار ہوگا۔اس کی تفسیر پہلے بھی گزر گئی۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت سے بالشت بھر بچھڑا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتار دی ۱؎ (احمد و ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو ایک ساعت کے لیئے اہل سنت والجماعت کے عقیدے سے الگ ہوا یا کسی معمولی عقیدے میں بھی ان کا مخالف ہوا تو آیندہ اس کے اسلام کا خطرہ ہے،بکری وہی محفوظ رہتی ہے جو میخ سے بندھی رہے۔مالک کی قید سے آزاد ہوجانا بکری کی ہلاکت ہے۔مسلمانوں کی جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسی ہے جس میں ہر سنی بندھا ہوا ہے یہ نہ سمجھو کہ فرض کا انکار ہی خطرناک ہے،کبھی مستحبات کا انکار بھی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔سیدنا عبداللہ ابن سلام نے صرف اونٹ کے گوشت سے بچنا چاہا تھا کہ رب نے فرمایا:" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ "

روایت ہے حضرت مالک ابن انس سے مرسل ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم میں دو چیزیں وہ چھوڑی ہیں جب تک انہیں مضبوط تھامے رہو گے گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت ۲؎ یہ روایت موطا میں ہے۔	

۱؎ محدثین کے نزدیک مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو،تابعی یہ کہہ دیں کہ حضور نے فرمایا۔مگر فقہا کے نزدیک وہ حدیث بھی مرسل ہے جس میں تابعی اور صحابی دونوں چھوٹ گئے ہوں تبع تابعی فرمادیں کہ حضور نے یہ فرمایا۔یہاں فقہی مرسل مراد ہے کیونکہ امام مالک تابعی نہیں تبع تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا۔

۲؎ کتاب اللہ سے قرآن کریم کی غیر منسوخ آیات مراد ہیں۔سنت سے وہ حدیثیں مراد ہیں جو امت کے لیئے قابل عمل ہیں،منسوخ آیتیں اور حدیثیں اور ایسے ہی حضور کے خصوصیات پر عمل ناممکن ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کے اصل اصول قرآن و سنت ہیں چونکہ حضور کے زمانہ میں اجماع ناممکن تھا اور قیاس مجتہدین کتاب و سنت سے ملحق ہے کہ اگر آیت پر قیاس ہے تو وہ قیاس قرآن سے ملحق اور اگر سنت پر ہے تو سنت سے ملحق،اس لیئے ان دونوں کا یہاں ذکر نہ

ہوا،نیز اماموں کی تقلید کتاب وسنت سمجھنے کے لیئے ہے انہیں چھوڑنے کے لیئے نہیں،لہذا یہ حدیث غیرمقلدوں کی دلیل نہیں بن سکتی جب وہ حضرات حدیث سمجھنے کے لیئے علم صرف و نحو،لغت و ادب سے مدد لیتے ہیں تو اگر ہم بھی اس کے لیئے فقہ سے مدد لیں تو کیا حرج ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"**جاء الحق**"حصہ اول میں دیکھو۔

روایت حضرت عضیف بن حارث ثمالی [1] سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اسی قدر سنت اٹھالی جاتی ہے [2] لہذا سنت کو پکڑنا بدعت کی ایجاد سے بہتر ہے [3] (احمد)	

[1] آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،ابن حبان نے **کتاب الثقات** میں فرمایا کہ عضیف فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانہ میں پیدا ہوا اور لڑکپن میں آپ سے مصافحہ اور بیعت کی اگر یہ روایت صحیح ہے تو آپ صحابی ہیں ثُمالہ قبیلہ بنی ازد کی ایک شاخ ہے جس سے آپ تعلق رکھتے ہیں اس لیئے ثمالی کہے جاتے ہیں۔

[2] یہ حدیث ان تمام حدیثوں کی تفسیر ہے جس میں بدعت کی برائیاں آئیں یعنی بری بدعت وہی عمل ہے جو سنت کے خلاف ایجاد کیا جائے جس پر عمل کرنے سے سنت چھوٹ جائے۔مثلًا عربی میں خطبہ نماز و اذان سنت ہے،اب اردو میں ادا کرنا اس سنت کو مٹا دے گا کہ اردو میں اذان دینے والا عربی میں نہ دے سکا۔ایسے ہی سرڈھک کر پاخانے جانا سنت ہے ننگے سر پاخانے جانے والا اس سنت میں عمل نہ کرسکا،ہر بری بدعت کا یہی حال ہے،معمولی بدعت چھوٹی سنت کو مٹا دے گی اور بڑی بدعت بڑی سنت کو۔"**مثلھا**"سے یہی مراد ہے بدعت حسنہ سنت کو مٹاتی نہیں بلکہ کبھی سنت کو رائج کرتی ہے۔دیکھوعلم دین سکھاناسنت ہے اب اس کے لیئے کتابیں چھاپنا،مدرسہ بنانا،وہاں تعلیم کے نصاب اورکورس بنانا اگر چہ بدعت ہیں مگر سنت کے معاون نہ کہ مخالف،بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا سنت ہیں،اب اس کے لیئے میلاد شریف کی محفلیں،عرسوں کی مجالس قائم کرنا اس کی معاون ہیں نہ کہ مخالف۔اسی جگہ مرقاۃ نے فرمایا کہ بدعت حسنہ سنت سے ملحق ہے۔

[3] یہاں خیر شر کے مقابلے میں ہے،یعنی بری بدعتیں ایجادکرنابُرا اور اس کے مقابل سنت پر عمل کرنا اچھا کہ سنت پر نور ہے اور بری بدعت میں تاریکی،یہ مطلب نہیں کہ بری بدعتیں بھی ٹھیک ہیں مگر سنتیں اچھی۔

روایت ہے حضرت حسان سے [1] فرمایا کوئی قوم اپنے دین میں بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اللہ تعالٰی اسی قدر ان کی سنت اٹھا لیتا ہے [2] پھر اسے تاقیامت ان میں نہیں واپس کرتا [3] (دارمی)	

[1] آپ کا نام شریف حسان ابن ثابت،کنیت ابوالولید ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،شعرائے عرب کے تاج ہیں،حضور کے محبوب شاعر ہیں اور مدح گو و نعت خوان مصطفے ہیں۔آپ ہی کے لیئے حضور اپنی مسجد میں منبر بچھواتے تھے جس پر کھڑے ہوکر آپ اشارے کرتے ہوئے حضور کے نعتیہ قصیدے پڑھتے تھے،آپ کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی،جن میں سے ساٹھ سال کفر

میں گزرے اور پھر ساٹھ سال اسلام میں۔ ۴۰ھ؁ سے کچھ پہلے خلافت حیدری میں وفات ہوئی رضی اللہ عنہ۔ان شاءاللہ!تاقیامت سارے نعت گو ونعت خواں حضرت حسان کے جھنڈے تلے ہوں گے"یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ "۔

۲؎اس کی شرح ابھی گزرگئی۔دین کی قید سےمعلوم ہوا کہ بدعت سیئہ ہمیشہ دین ہی میں ہوگی،دنیوی ایجادات کو بدعت سیئہ نہیں کہا جائے گا۔جس قدر برائیاں بدعت کی آئی ہیں وہ سب اس بدعت کی ہیں جو دین میں ہو اور سنت کو مٹانے والی اور اگر دین سے مراد عقائد ہیں جیساکہ ظاہر ہے تو حدیث بالکل صاف ہے۔

۳؎یعنی جس قوم میں بری بدعتوں کی عادت پڑ گئی تو پھر انہیں سنت کی طرف لوٹنے کی توفیق نہیں ملتی،سنت درخت ہے اور یہ بدعتیں اس کا پھاوڑا جب درخت جڑ سے اکھیڑ لیا جائے پھرنہیں لگتا۔

	روایت ہے حضرت ابراہیم ابن میسرہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی یقینًا اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۲؎ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلًا روایت کیا۔

۱؎آپ تابعی ہیں،طائف شریف کے رہنے والے ہیں،متقی پرہیزگار ہیں لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔

۲؎یہاں بدعت سے مراد دینی بدعت ہے اور صاحب بدعت بے دین شخص اور توقیر سے اس کی بلا ضرورت تعظیم مراد ہے۔ضروریات کی معافی ہے یعنی بے دینوں کی تعظیم اسلام کو ویران کرنا ہے کہ ہماری تعظیم سے عوام کے دل میں ان کی عقیدت پیدا ہو گی جس سے وہ ان کا شکار ہوجائیں گے جیسے مسلمانوں کی تعظیم ثواب ہے،ایسے ہی بے دین کی توہین ثواب کہ وہ دشمن ایمان ہے۔"باب القدر"میں گزر چکا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نے ایک قدریہ مذہب رکھنے والے کے سلام کا جواب نہ دیا وہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جس نے قرآن سیکھا ۱؎پھر اس کی اتباع کی۲؎اللہ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا ۳؎ایک روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں جو قرآن کی پیروی کرے گا وہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بدبخت نہ ہوگا پھر یہ آیت تلاوت کی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے وہ نہ گمراہ ہو اور نہ بدنصیب ۴؎(رزین)

۱؎ یعنی قران پڑھنا سکھایا،اسے حفظ کیا،یا اس کے احکام سیکھے،یا علم تجوید،یہ کلمہ ہرقسم کے قرآنی علم کو شامل ہے۔خیال رہے کہ فقہ،اصول فقہ اور حدیث سیکھنا بھی بالواسطہ قرآن ہی سیکھنا ہے۔ان شاءاللہ اس پر بھی اجر ہے۔

۲؎ یعنی احکام قرآن پر صحیح عمل کیا حدیث اور فقہ کی روشنی میں لہذا اس سے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ علمائے دین اور خدام قرآن کی دنیا بھی کامیاب ہے اور آخرت بھی مگر یہ وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کی صحیح فہم اور اس پر صحیح عمل نصیب ہو چکڑالویوں کی طرح محض عقل سے قرآن سمجھنے والا گمراہ ہوگا۔رب فرماتا ہے:"یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا"۔

۴؎ خیال رہے کہ جیسے اس حدیث کی بنا پر ہم سنت رسول اللہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور فقط قرآن پر کفایت نہیں کرسکتے ایسے ہی پچھلی ہدایت کی بنا پر جس میں کتاب و سنت کا ذکر ہے ہم فقہ اور قیاس مجتہدین سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔اس سے اہل حدیث حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے سیدھے راستہ کی مثال قائم فرمائی ۱؎ اور اس راستہ کے دوطرفہ دو دیواریں ہیں جن میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پردے لٹکے ہیں راستہ کے کنارے پر پکارنے والا کہہ رہا ہے کہ راستہ پر سیدھے چلے جاؤ ٹیڑھے نہ ہونا اس کے اوپر ایک منادی بھی ہے جو پکارتا ہے جب کوئی بندہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو داعی کہتا ہے ہائے افسوس اسے نہ کھول اگر کھولے گا تو اس میں گھس جائے گا ۲؎ پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی کہ راستہ تو اسلام ہے ۳؎ اور کھلے ہوئے دروازے اللہ کے محرمات ہیں ۴؎ اور لٹکے ہوئے پردے اللہ کی حدیں ہیں ۵؎ اور راستے کے کنارے پر پکارنے والا قرآن ہے اور اس کے اوپر بلانے والا اللہ کا واعظ ہے جو ہر مؤمن کے دل میں ہوتا ہے ۶؎ اسے رزین نے روایت کیا۔

۱؎ یہ حدیث قدسی ہے،کیونکہ یہ مضمون قرآن شریف میں نہیں آیا،حضور پر وحی ہوا جسے حضور نے رب تعالٰی کی نسبت سے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا اسی کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔سیدھے راستہ سے مراد نبوت کا راستہ ہے رب تک پہنچانے والا۔اب وہ قرآنی راستہ ہے کہ کوئی شخص اب دین موسوی یا عیسوی میں رہ کر رب تک نہیں پہنچ سکتا پرانی جنتری گمراہ کرتی ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا پیاری تمثیل ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں سچ اور جھوٹ،نقل و اصل ملے ہوئے ہیں مگر ان میں امتیاز کرنے کے لیئے رب نے بڑے انتظامات فرمادیئے ہیں۔ڈیری فارم کا دودھ اور خالص دودھ دونوں سفید ہیں،ولایتی اور دیسی سونا دونوں پیلے ہیں،اصلی اور نقلی گھی دونوں یکساں ہیں مگر قدرت نے ان میں فرق کرنے کے لیئے کسوٹی اور دوسرے آلے پیدا فرمادیئے ہیں۔ایسے ہی یہاں نقلی نبی بھی ہیں،نقلی دین بھی،نقلی کتابیں بھی،نقلی مولوی،بلکہ نقلی خدا بھی کیونکہ دنیا امتحان گاہ ہے ان میں فرق کے لیئے رب نے وہ انتظامات فرمائے جو آگے آرہے ہیں۔

۳؎ کہ اس کے بغیر خدا رسی ناممکن ہے رب فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلٰمِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ"۔

۴؎ جنہیں رب نے جرم قرار دیا جیسے ارتداد،چوری،زنا وغیرہ لہذا یہ کلمہ بدعقیدگی بدعملی سب کو شامل ہے۔

۵؎ جس سے آگے بڑھنا جرم ہے اس سے مراد رب تعالٰی کے احکام اور ممانعتیں ہیں بلکہ بعض جرموں پر سزائیں ہیں جیسے ارتداد پر قتل،زنا پر رجم،چوری پر ہاتھ کاٹنا۔

۶؎ یعنی رب نے داخلی اور خارجی دو واعظ عطا فرمائے ہیں،خارجی واعظ قرآن ہے اور داخلی واعظ وہ فرشتہ جو مؤمن کے دل میں اچھے خیال اور برائیوں سے نفرت پیدا کرتا رہتا ہے۔

	احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت نواس ابن سمعان سے نقل فرمایا یوں ہی ترمذی نے انہیں سے لیکن ترمذی نے کچھ مختصر روایت فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں ۱؎ جو سیدھی راہ جانا چاہے وہ وفات یافتہ بزرگوں کی راہ چلے ۲؎ کہ زندہ پر فتنہ کی امن نہیں ۳؎ وہ بزرگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو اس امت میں بہترین ۴؎ دل کے نیک علم کے گہرے اور تکلف میں کم تھے ۵؎ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے نبی کا دین قائم رکھنے کے لیے چن لیا ۶؎ ان کی بزرگی مانو ان کے آثار قدم پر چلو بقدر طاقت ان کے اخلاق و سیرت کو مضبوط پکڑو کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے ۷؎(رزین)

۱؎ یہ حدیث موقوف ہے نہ کہ مرفوع یعنی حضرت ابن مسعود صحابی کا اپنا فرمان ہے صحابی کے قول وفعل حدیث موقوف کہلاتے ہیں حضور کا قول و فعل حدیث مرفوع۔

۲؎ یہ ترجمہ نہایت اعلٰی ہے اشعۃ اللمعات نے اسی کو اختیار فرمایا اس میں تابعین سے خطاب ہے یعنی تا قیامت جو کوئی سیدھی راہ چلنا چاہے وہ صحابہ کی پیروی کرے خود قرآن و حدیث سے استنباط مسائل پر قناعت نہ کرے اسی لیئے مجتہدین آئمہ صحابہ

کے پیرو ہیں اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے کہ میرے صحابہ تارے ہیں جن کی پیروی کرو ہدایت پاجاؤ گے اور قرآن کریم کی یہ آیت "صِرٰطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ "خدایا ہمیں ان کی راہ چلا جن پر تو نے انعام کیا سب سے بڑے انعام والے صحابہ ہیں۔خیال رہے کہ یہاں زندوں سے مراد غیر صحابہ ہیں اور وفات پانے والوں سے سارے صحابہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ۔جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے چونکہ اس وقت اکثر صحابہ وفات پاچکے تھےاس لیئے ایسا فرمایا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مرے ہوئے کافروں کی اتباع کرنی چاہیئے،زندہ اولیاء،علماء بلکہ صحابہ کی بھی اتباع درست نہیں۔مرقاۃ نے فرمایا یہ کلام حضرت ابن مسعود نے انکسارًا فرمایا ورنہ اس وقت آپ اور تمام زندہ صحابہ قابل اتباع تھے۔

۳؎یہاں زندہ سے موجودہ تابعین مراد ہیں کیونکہ صحابہ سے اللہ رسول کا وعدہ جنت ہوچکا ہے رب نے فرمایا:"وَ اَلۡزَمَہُمۡ کَلِمَۃَ التَّقۡوٰی"ا ور فرمایا "اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی "اور فرمایا:" وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ " جس سے پتہ لگا کہ رب نے صحابہ کے لیئے ایمان لازم کردیا یا ان کے دلوں میں کفر اور فسق سے نفرت پیدا فرمادی خصوصًا حضرت ابن مسعود کو تو جنت کی بشارت دی جاچکی تھی۔خیال رہے کہ مرتد صحابی نہیں رہتا،ارتداد سے صحابیت ختم ہوجاتی ہے۔

۴؎یعنی جن کی وفات ایمان پر ہوچکی ان کی صحابیت پختہ ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام اولیاء وعلماء ایک صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے،پھول کی صحبت میں تل مہک جاتا ہے،حضور کی صحبت میں دل کیوں نہ مہکے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"امیرمعاویہ" میں دیکھو،پھر بعض صحابہ بعض سے افضل ہیں،رب فرماتا ہے:"لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ"الایہ ۔فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ بعد کو ایمان لانے والے صحابہ سے افضل ہیں۔خیال رہے کہ صحابی وہ ہے جو بحالت ایمان و ہوش حضور کو دیکھے اور ایمان پر خاتمہ ہو۔

۵؎ سبحان اللہ! یہ صحابہ کی صفات ہیں کہ وہ ہر طرح حضور کے مطیع،سارے علوم کے جامع،بناوٹ دکھلاوے سے پاک،ان میں سے ہر ایک مفسر،محدث،فقیہ،قاری،صوفی اور فرائض دان تھے۔اس کے باوجود ننگے پاؤں پھیر لیتے تھے،فرش خاک پر سو رہتے تھے،معمولی کھانوں پر گزارا کرلیتے تھے،بے علم فتوے دینے پر جرات نہ کرتے تھے،بدن کے فرشی تھے،روح کے عرشی،ظاہر میں خلق کے ساتھ تھے،باطن میں خالق کے پاس گودڑی میں لپٹے ہوئے لعل تھے۔

۶؎حضور کی صحبت اکسیر کی تاثیر رکھتی ہے اگر ان میں کچھ بھی خرابی ہوتی تو رب اپنے حبیب کو ان کے ساتھ نہ رکھتا،مہربان باپ اپنے عزیز بیٹے کے لیئے اچھے یار تلاش کرتا ہے۔رب تعالٰی نے اپنے حبیب کی صحبت کے لیئے اچھے صحابہ چنے،نیز موتی اچھے ڈبّے میں رکھا جاتا ہے،رب نے قرآن کی امانت اچھے سینوں میں رکھی،وہی حضرات قرآن و حدیث کے جامع،وہی ہم تک دین پہنچانے والے ہیں،رب نے ان کو ایمان کی کسوٹی بنایا کہ فرمایا"اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ فَقَدِ اہۡتَدَوۡا"اے صحابہ! جو تم جیسا ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا۔خیال رہے کہ حضور نے مخلصین و منافقین کی چھانٹ

خود کردی تھی سورۂ توبہ کے نزول کے بعد منافق چھٹ گئے تھے۔جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے فرماتا ہے:"حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ"۔

ے جیسے اللہ کی اطاعت بغیر حضور کی پیروی ناممکن،ایسے ہی حضور کی پیروی بغیر صحابہ کی اتباع ناممکن ہے۔حضور آئینہ خدا نما ہیں اور صحابہ آئینہ رسول نما،سبحان اللہ! جب حضرت ابن مسعود جیسے عظیم الشان مؤمن صحابہ کی ایسی تعریف کررہے ہیں تو ان کی افضیلت میں کسے کلام ہوسکتا ہے،صحابہ کا انکار حقیقت میں حضور کے فیض کا انکار ہے کہ **نعوذ باللہ** حضور نے ۲۳ سال کی تبلیغ میں صرف چار پانچ صحابی بنائے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں توریت کا نسخہ لائے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ توریت کا نسخہ ہے حضور خاموش رہے ۱؎ آپ پڑھنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور بدلنے لگا ابو بکر بولے کہ تمہیں رونے والیاں روئیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا حال نہیں دیکھتے ۲؎ تب حضرت عمر نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا تو بولے میں اللہ اوررسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ہم اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہیں ۳؎ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد مصطفٰے کی جان ہے اگر حضرت موسی آج ظاہر ہوجاویں اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے ۴؎ اور میری نبوت پاتے تو میری پیروی کرتے ۵؎ (دارمی)

۱؎ یہ خاموشی ناراضی کی تھی کہ حضرت عمر یہود کے پاس کیوں جاتے ہیں اور توریت میں کیا ڈھونڈتے ہیں لیکن حضرت عمر سمجھے کہ یہ خاموشی اجازت کی ہے اس لیئے پڑھنا شروع کردیا لہٰذا فاروق اعظم کے اس فعل پر کوئی اعتراض نہیں خطا اجتہادی معاف ہے۔

۲؎ بات یہ تھی کہ حضرت عمر کے ساتھ کاغذ تھے اور آپ پڑھنے میں مشغول تھے۔حضرت صدیق اکبر چہرۂ انور کو دیکھ رہے تھے،صدیق اکبر کا یہ کلام دعائے موت کے لیئے نہ تھا بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق اظہار غضب کے لیئے تھا،آپ کی یہ

ناراضی اس لیئے تھی کہ حضرت فاروق کا یہ فعل حضور کی تکلیف کا باعث تھا نفس کے لیئے نہ تھی حضور کے لیئے تھی،لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ آپس میں بغض رکھتے تھے۔

۳؎ حضرت فاروق اعظم ہمیشہ حضور کو راضی کرنے کے لیئے یہ کلمات ہی عرض کرتے تھے جس میں اپنی وفا داری کا اظہار ہے یعنی ہماری یہ خطا **معاذاللہ** سرکشی کی بنا پر نہیں ہم تو پرانے آستانہ بوس ہیں بندۂ بے زر ہیں۔

۴؎ یعنی گمراہ ہوجاؤ گے اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اب تاقیامت ہدایت حضور کی پیروی میں منحصر ہے اگر اصلی توریت و انجیل مل جائے بلکہ خود توریت و انجیل والے نبی تشریف لے ائیں تب بھی ہدایت حضور ہی کے پاس ملے گی پچھلی آسمانی کتب پہلے ہدایت تھیں اب نہیں،چاند تارے اور چراغ رات کو روشنی دیتے ہیں دن میں نہیں،جوان آدمی گھٹی اور ماں کے دودھ سے زندہ نہیں رہ سکتا۔دوسرے یہ کہ قرآن و سنت کے سواء اور کتابوں سے ہدایت حاصل کرنا،انہیں پڑھنا ممنوع ہے۔تیسرے یہ کہ کوئی شخص اپنے ایمان پر اعتماد نہ کرے،ہر کتاب نہ پڑھے،ہر ایک کا وعظ نہ سنے،جب حضرت عمر جیسے صحابی کو توریت جیسی کتاب پڑھنے سے روک دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ایمان کی دولت چورا ہے میں نہ رکھو،ورنہ چوری ہوجائے گی۔

۵؎ یعنی بظاہر زندہ ہوتے ورنہ حقیقتًا تو وہ زندہ ہیں۔(مرقاۃ)کیونکہ ان کا دین منسوخ ہوچکا اسی لیئے معراج کی رات سارے نبیوں نے ہمارے حضور کے دین کی نماز اقتدائے حضور میں ادا کی،موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس پہنچ کر توریت کے احکام جاری نہ فرماسکے اگرچہ توریت باقی تھی مگر حضرت خضر پر جاری نہ تھی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا۱؎ اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کا کلام بعض بعض کو منسوخ کرتا ہے۲؎	

۱؎ یعنی حدیث سے قرآن کی آیت تلاوۃً منسوخ نہیں ہوسکتی حکمًا بہت سی آیتیں احادیث سے منسوخ ہیں،چنانچہ حدیث "**لا وصیة للوارث** "سے وارث کے لیئے جواز وصیت ثابت کرنے والی آیات منسوخ ہیں۔ایسے ہی حضور کا فرمانا کہ انبیاء کی میراث نہیں بٹتی،حضور کے حق میں آیات میراث کی ناسخ ہے،سجدہ تعظیمی کا جواز قرآن سے ثابت ہے مگر حدیث سے منسوخ یا یہاں **کَلَامِیْ** سے مراد حضور کے اجتہادات ہیں یعنی میرا اجتہادی کلام حکم قرآنی کو منسوخ نہیں کرے گا لہذا حدیث واضح ہے۔

۲؎ خیال رہے کہ نسخ کی چار صورتیں ہیں:قرآن کا قرآن سے نسخ،جیسے کفار پر نرمی کی آیتیں آیات جہاد سے منسوخ ہیں،حدیث کا حدیث سے نسخ جیسے زیارۃ قبور ازروئے حدیث پہلے منع تھی پھر حدیث ہی نے اس کو جائز کیا،فرماتے ہیں" **اَلَافَزُوْرُوْهَا**" قرآن کا نسخ حدیث سے،جیسے سجدہ تحیت حدیث کا نسخ قرآن سے،جیسے بیت المقدس کا قبلہ ہونا حدیث سے تھا اس کا نسخ قرآن سے ہوا کہ رب نے فرمایا:"**وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ**"۔اس کی پوری تحقیق ہماری" تفسیر نعیمی"پارہ سوم میں دیکھو۔

اور روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہماری بعض حدیثیں بعض کو قرآن کی طرح منسوخ کرتی ہیں۔	

۱؎ یعنی جیسے آیات کی ناسخ ہیں ایسے ہیں بعض احادیث بعض کی۔خیال رہے کہ نسخ کے معنے ہیں بیان علت نہ کہ تبدیلی یعنی ناسخ یہ بیان کرتا ہے کہ منسوخ حکم کی مدت آج تک تھی جیسے طبیب کا اپنا نسخہ بدلنا۔

روایت ہے حضرت ابی ثعلبہ خشنی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کچھ فرائض لازم فرمائے انہیں ضائع نہ کرو ۲؎ کچھ محرمات حرام کیے ان کی حرمت نہ توڑو ۳؎ کچھ حدیں مقرر کیں ان سے آگے نہ بڑھو ۴؎ کچھ چیزوں سے(بغیر بھولے)خاموشی کی ان سے بحث نہ کرو ۵؎ ان تینوں حدیثوں کو دارقطنی نے روایت کیا۔	

۱؎ آپ کا نام جرثوم ابن ناشر ہے،قبیلۂ بنی قزاعہ کے خاندان خشن سے متعلق ہیں،آپ جلیل القدر صحابی ہیں،بیعت الرضوان میں حاضر تھے۔آپ کی وجہ سے آپ کی قوم اسلام،لائی شام میں قیام فرمایا،۷۵ھ میں وفات پائی آپ سے چالیس احادیث مروی ہیں۔

۲؎ یعنی فرض اعمال قرآن سے ثابت ہوں یا حدیث سے ان پر ضرور پابندی کرو،نیز اخلاص سے ادا کرو۔خیال رہے کہ فرض وہ ہے جس کا ثبوت بھی یقینی ہو اور طلب بھی یقینی اس کا تارک فاسق ہے اور منکر کافر۔

۳؎ اس طرح کہ حرام کے قریب بھی نہ جاؤ کرنا تو کجا۔

۴؎ یعنی حلال و حرام کی حدوں کو نہ توڑو،نمازیں پانچ فرض ہیں۔چار یا چھ نہ مانو،زکوۃ مال کا(۴۰)چالیسواں حصہ فرض ہے،کم و بیش پر عقیدہ مت رکھو،چار عورتوں تک کا نکاح جائز پانچویں کو حلال چوتھی کو حرام نہ سمجھیں وغیرہ۔

۵؎ یعنی بعض چیزوں کی حلت و حرمت صراحتًا قرآن یا حدیث میں مذکور نہیں ان کی بحث میں نہ پڑو وہ مباح ہیں عمل کیے جاؤ ان کے بارے میں رب فرماتا ہے:"عَفَیَ اللّٰہُ عَنۡھَا"حضور فرماتے ہیں جس سے خاموشی ہو وہ معاف ہے جیسا کہ"کتاب الاطعمہ"میں آئیگا۔(ازمرقاۃ وغیرہ)

کتاب العلم

علم کی کتاب۱

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۱؎ یعنی علم سیکھنے اور سکھانے کے فضائل۔علم سے شرعی علم مراد ہے،یعنی قرآن،حدیث،فقہ وغیرہ۔خیال رہے کہ علم نورالٰہی ہے جو بندہ کو عطا ہوتا ہے،اگر بشر سے حاصل ہو تو کسبی کہلاتا ہے ورنہ لدنی،لدنی کی بہت سی قسمیں ہیں:وحی،الہام،فراست وغیرہ۔وحی انبیاء سے خاص ہے،الہام اولیاءاللہ سے،فراست ہر مؤمن کو بقدر ایمان نصیب ہوتی ہے۔فراست والہام وہی معتبر ہے جو خلاف شرع نہ ہو،خلاف شرع ہو تو وسوسہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ سے لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو ۱؎ اور بنی اسرائیل سے حکایات لو کوئی حرج نہیں ۲؎ جو عمدًا مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے ۳؎ (بخاری)

۱؎ آیت کی لغوی معنے ہیں علامت اور نشان،اس لحاظ سے حضور کے معجزات،احادیث،احکام،قرآنی آیات سب آیتیں ہیں۔اصطلاح میں قرآن کے اس جملے کو آیت کہا جاتا ہے جس کا مستقل نام نہ ہو،نام والے مضمون کو سورۃ کہتے ہیں۔یہاں آیت سے لغوی معنے مراد ہیں،یعنی جسے کوئی مسئلہ یا حدیث یا قرآن شریف کی آیت یاد ہو وہ دوسرے کو پہنچادے،تبلیغ صرف علماء پر فرض نہیں ہر مسلمان بقدر علم مبلغ ہے اور ہوسکتا ہے کہ آیت کی اصطلاحی معنے مراد ہوں اور اس سے آیت کے الفاظ معنے،مطلب،مسائل سب مراد ہوں یعنی جسے ایک آیت حفظ ہو اس کے متعلق کچھ مسائل معلوم ہوں لوگوں تک پہنچائے۔تبلیغ بھی بڑی اہم عبادت ہے۔

۲؎ یعنی ان سے قصے،خبریں،مثالیں سنو اور لوگوں سے بیان کرو،جب کہ وہ اسلام کے خلاف نہ ہوں۔خیال رہے کہ بنی اسرائیل سے خبریں لینے کی اجازت ہے توریت و انجیل کے احکام لینے کی ممانعت،کیونکہ ان کتابوں کے احکام منسوخ ہوچکے ہیں نہ کہ خبریں۔لہذا یہ حدیث حضرت عمر فاروق کی اس روایت کے خلاف نہیں جس میں حضور نے انہیں توریت پڑھنے سے منع فرمادیا کیونکہ وہاں احکام لیئے جارہے تھے لہذا دونوں حدیثیں محکم ہیں کوئی منسوخ نہیں۔

۳؎ یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا دوزخی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ کبیرہ بلکہ کبھی کفر بھی ہے کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دین میں فتنہ پھیلانا بھی،بعض جاہل صوفیوں نے نماز تہجد اور قرآنی سورتوں کے فضائل میں کچھ حدیثیں گھڑیں وہ اس سے عبرت پکڑیں۔خیال رہے کہ حدیث موضوع(گھڑی ہوئی)اور ہے،حدیث ضعیف کچھ اور،حدیث ضعیف فضائلِ اعمال میں معتبر ہے،حدیث موضوع کہیں معتبر نہیں،اسی لیئے محدثین نے خدمت حدیث میں اپنی عمریں صرف

کردیں۔الحمدللہ! ان کوششوں سے موضوع حدیثیں چھٹ گئیں۔خیال رہے کہ یہاں عمدًا کی قید ہے اگر کوئی بے خبری میں موضوع حدیث بیان کرجائے تو گنہگار نہیں۔

نوٹ: یہ حدیث متواترہے۔٦٢ صحابہ سے منقول ہے جن میں عشرۂ مبشرہ بھی ہیں،اس حدیث کے سوا کسی حدیث میں عشرۂ مبشرہ جمع نہیں ہوئے۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب اور مغیرہ ابن شعبہ سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری طرف سے ایسی بات نقل کرے جسے جھوٹ جانتا ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے[۲] (مسلم)	

[۱] سمرہ قبیلہ بنی نزار سے ہیں،انصار کے حلیف ہیں،بہت احادیث کے حافظ ہیں، ۵۹ھ میں بصرے میں وفات پائی۔حضرت مغیرہ بنی ثقیف سے ہیں،خندق کے سال اسلام لائے،ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آگئے،امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے،ستر سال عمر ہوئی، ۵۰ھ کوفہ میں وفات ہوئی۔

[۲] یعنی حدیث گھڑنا بھی گناہ اور دیدہ ودانستہ موضوع حدیث بیان کرنا بھی گناہ،بلکہ جس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا گمان غالب ہواسے بھی بیان نہ کرے فقط موضوعیت کا وہم کافی نہیں،ہاں اس کی موضوعیت بتا کر ذکر کرنا جائز ہے تاکہ لوگ بچیں۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنادیتا ہے[۲] میں بانٹنے والا ہوں اللہ دیتا ہے[۳] (بخاری،مسلم)	

[۱] آپ کا نام شریف معاویہ ابن ابو سفیان ابن حرب ابن امیہ ابن عبدالشّمس ابن عبدمناف ہے،آپ پانچویں پشت یعنی عبد المناف میں حضور سے مل جاتے ہیں،آپ کی والدہ ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ ابن عبدالشّمس ابن عبدمناف ہیں۔آپ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے،مگر فتح مکہ کے دن اسلام ظاہر کیا۔حضور کے سالے ہیں،کاتب وحی ہیں،عہد فاروقی میں شام کے حاکم بنے،چالیس سال وہاں کے ہی حاکم رہے،امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے آپ کے حق میں خلافت سے دست برداری فرما کر صلح فرمالی۔آپ کی وفات ۴ رجب ۶۰ھ لقوہ کی بیماری سے ہوئی ۷۸ سال عمر پائی،آپ کے پاس حضور کا تہبند،چادر شریف،قمیض مبارک اور کچھ بال و ناخن شریف تھے وصیت کی تھی کہ مجھے اس لباس شریف میں کفن دینا اور میرے منہ اور ناک میں ناخن اور بال شریف رکھ دینا،آپ کے پورے حالات شریف ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

[۲] یعنی اسے دینی علم،دینی سمجھ ا ور دانائی بخشتاہے۔خیال رہے کہ فقہ ظاہری شریعت ہے اور فقہ باطنی طریقت اور حقیقۃً یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ قرآن و حدیث کے ترجمے اور الفاظ رٹ لینا علم دین نہیں،بلکہ انکا سمجھنا علم دین ہے۔یہی مشکل ہے اسی کےلئے فقہاء کی تقلید کی جاتی ہے اسی وجہ سے تمام مفسرین و

محدثین آئمہ مجتہدین کے مقلد ہوئے اپنی حدیث دانی پر نازاں نہ ہوئے رب فرماتا ہے:"مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا"وہاں حکمت سے مراد فقہ ہی ہے۔قرآن و حدیث کے ترجمے تو ابوجہل بھی جانتا تھا۔دوسرے یہ کہ حدیث و قرآن کا علم کمال نہیں،بلکہ ان کا سمجھنا کمال ہے۔عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر اللہ اور رسول کا فرمان ہو اور دل میں ان کا فیضان،فیضان کے بغیر فرمان بیکار ہے،جیسے بجلی کی پاور کے بغیر فٹنگ بیکار۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ دین و دنیا کی ساری نعمتیں علم،ایمان،مال،اولاد وغیرہ دیتا اللہ ہے بانٹتے حضور ہیں جسے جو ملا حضور کے ہاتھوں ملا،کیونکہ یہاں نہ اللہ کی دین میں کوئی قید ہے نہ حضور کی تقسیم میں۔لہذا یہ خیال غلط ہے کہ آپ صرف علم بانٹتے ہیں ورنہ پھر لازم آئے گا کہ خدا بھی صرف علم ہی دیتا ہے۔خیال رہے کہ حضور کی دَین یکساں ہے مگر لینے والوں کے لینے میں فرق ہے۔بجلی کا پاور یکساں آتا ہے مگر مختلف طاقتوں کے بلب بقدر طاقت پاور کھینچتے ہیں۔پھر جیسا بلب کا شیشہ ویسا اس کا رنگ حنفی شافعی ایسے ہی قادری چشتی ہیں مختلف رنگ کے مگر سب میں پاور ایک ہی ہے ایک ہی سمندر سے تمام دریا بنے مگر راستوں کے لحاظ سے ان کے نام الگ الگ ہوگئے ایسے ہی قادری چشتی وغیرہ ان سینوں کے نام ہیں جن سے یہ فیض آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح مختلف کانیں ہیں ۱؎ جو کفر میں اعلیٰ تھے وہ اسلام میں بھی اعلیٰ ہیں جب کہ عالم بن جائیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی صورت میں تمام انسان یکساں مگر سیرت،اخلاق اور صفات میں مختلف جیسے ظاہری زمین یکساں اس میں کانیں مختلف،نیک سے نیکی ظاہر ہوگی اور بد سے بدی۔

۲؎ یعنی جو زمانہ کفر میں عمدہ اخلاق،بہترین صفات کی وجہ سے اپنے قبیلوں کے سردار تھے جب وہ مسلمان ہو کر علم سیکھ لیں تو مسلمانوں میں سردار ہی رہیں گے،اسلام سے عزت بڑھتی ہے گھٹتی نہیں۔وہ لوگ اسلام سے پہلے کیچڑ میں لتھڑے ہوئے لعل تھے۔مسلمان ہو کر عالم بنے،دھل کر صاف ہوگئے۔اس سے معلوم ہوا کہ نومسلموں کو حقیر جاننا بہت برا ہے۔اور کفار کا سردار مسلمان ہوکر مسلمانوں کا سردار ہی رہے گا اسے گرایا نہ جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کے سوا کسی میں رشک جائز نہیں ۱؎ ایک شخص جسے اللہ مال دے تو اسے اچھی جگہ خرچ پر لگادے دوسرا وہ شخص جسے اللہ علم دے تو وہ اس سے فیصلے کرے اور لوگوں کو سکھائے ۲؎ (بخاری،مسلم)	

۱؎ کسی نعمت والے پر جلنا اور اس کی نعمت کا زوال،اپنے لیئے حصول چاہنا حسد ہے،جوبہت بڑاعیب ہے جس سے شیطان مارا گیا مگر دوسروں کی سی نعمت اپنے لیئے بھی چاہنا غبطہ(رشک)ہےحسد مطلقًا حرام ہے،غبطہ دو جگہ جائز ہے یہاں حسد بمعنی غبطہ ہے۔

۲؎ یعنی مالدارسخی جسے خدا اچھے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق دے ایسے ہی بافیض عالم دین جس کے علم سے لوگ فائدہ اٹھائیں قابل رشک ہے۔سبحان اللہ!بعض علماء کے علم اوربعض سخیوں کے مال سے لوگ تاقیامت فائدہ اٹھاتے ہیں۔اللہ تعالٰی فقیر کی اس کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔(آمین)

خیال رہے کہ نیکی کی تمنا کرنے والاان شاءاللہ تعالٰی قیامت میں نیکوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل بھی ختم ہوجاتے ہیں ۱؎ سواء تین اعمال کے ایک دائمی خیرات یا وہ علم جس سے نفع پہنچتا رہے یا وہ نیک بچہ جو اس کے لیئے دعا خیر کرتا رہے ۲؎(مسلم)

۱؎ انسان سے مراد مسلمان ہے عمل سے مراد نیکیوں کا ثواب،جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض مقبول قبر میں نماز وقرآن پڑھتے ہیں جیساکہ احادیث میں ہےکیونکہ ان اعمال پر ثواب نہیں اسی لئےہی مردے زندوں سے ثواب بخشنے کی تمنا کرتے ہیں جیساکہ روایات میں ہےکیونکہ ثواب زندگی کے اعمال پر ہے۔

۲؎ یہ تین چیزیں جن کا ثواب مرنے کے بعد خواہ مخواہ پہنچتا رہتا ہےکوئی ایصال ثواب کرے یا نہ کرے۔صدقہ جاریہ سے مراد اوقاف ہیں جیسے مسجدیں،مدرسے،وقف کیے ہوئے باغ جن سے لوگ نفع اٹھاتے رہتے ہیں،ایسے ہی علم سے مراد دینی تصانیف،نیک شاگرد جن سے دینی فیضان پہنچتے رہیں۔نیک اولاد سے مراد عالم عامل بیٹا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یَدْعُوْا کی قید ترغیبی ہےیعنی بیٹے کو چاہیئے کہ باپ کو دعائے خیر میں یاد کھے حتی کہ نماز میں ماں باپ کو دعائیں پہلے دے بعد میں سلام پھیرے ورنہ اگر نیک بیٹا دعا بھی نہ کرے ماں باپ کو ثواب ملتا رہے گا۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے قیامت تک ثواب ملتاہے یا فرمایا گیاکہ نمازی کو ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے کیونکہ وہ سب چیزیں صدقہ جاریہ ہیں یا نافع علم میں داخل ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوکسی مسلمان کو دنیاوی تکلیف سے رہائی دے تو اللہ اس سے روزقیامت کی مصیبت دورکرے گا۱؎ اور جوکسی تنگی والے پر آسانی کرے اللہ دین و دنیا میں اس پر آسانی فرمائے گا۲؎ اور جومسلمانوں کی پردہ پوشی کرے اللہ دین و دنیا میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۳؎ اللہ بندہ کی مدد پر رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی

	مدد پر رہے ۴؎ جو تلاش علم میں کوئی راستہ طے کرے تو اس کی برکت سے اللہ اس پر جنت کا راستہ آسان کردے گا ۵؎ اور کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن پڑھنے اور آپس میں قرآن سیکھنے سکھانے کے لیے نہیں جمع ہوئی ۶؎ مگر ان پر دل کا چین اترتا ہے اور انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے گھیر لیتے ہیں ۷؎ اور اللہ اسے اس جماعت میں یاد کرتا ہے جو اس کے پاس ہے ۸؎ جسے عمل پیچھے کردے اسے نسب نہیں بڑھا سکتا ۹؎ (مسلم)

۱؎ یعنی تم کسی کی فانی مصیبت دفع کرو اللہ تم سے باقی مصیبت دفع فرمائے گا،تم مؤمن کو فانی دنیوی آرام پہنچاؤ اللہ تمہیں باقی آخروی آرام دے گا،کیونکہ بدلہ احسان کا احسان ہے۔یہ حدیث بہت جامع ہے کسی مسلمان کے پاؤں سے کانٹا نکالنا بھی ضائع نہیں جاتا،حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف قیامت ہی میں بدلہ ملے گا بلکہ قیامت میں بدلہ ضرور ملے گا اگرچہ کبھی دنیا میں بھی مل جائے۔

۲؎ یعنی جو مقروض کو معافی یا مہلت دے،غریب کی غربت دور کرے تو ان شاءاللہ دین و دنیا میں اس کی مشکلیں آسان ہوں گی۔مرقاۃ میں فرمایا کہ اس حکم میں مؤمن کافر سب شامل ہیں۔کافرمصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنے پر بھی ثواب مل جاتا ہے بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک رنڈی نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر جان بچائی اللہ نے اسے اسی پر بخش دیا۔

۳؎ یا تو اس طرح کہ ننگے کو کپڑے پہنائے یا ایسے کہ اس کے چھپے ہوئے عیب ظاہر نہ کرے بشرطیکہ اس ظاہر نہ کرنے سے دین یا قوم کا نقصان نہ ہو ورنہ ضرور ظاہر کردے،کفار کے جاسوسوں کو پکڑوائے،خفیہ سازش کرنے والوں کے راز کو طشت از بام کرے،ظلمًا قتل کی تدبیر کرنے کی مظلوم کو خبر دے دے،اخلاق اور ہیں معاملات اورسیاسیات کچھ اور۔

۴؎ یہ الفاظ بہت جامع ہیں جس میں دین ودنیا کی ساری امدادیں شامل ہیں۔امداد بدن سے ہو یاعلم یا مال وغیرہ سے۔

۵؎ یعنی جو علم دین سیکھنے یا دینی فتوٰی حاصل کرنے کےلیئے عالم کے گھر جائے۔سفرکر کے یا چند قدم تو اس کی برکت سے اللہ دنیا میں اس پر جنت کے کام آسان کرے گا،مرتے وقت ایمان نصیب کرے گا،قبرو حشر کے حساب میں کامیابی اور پل صراط پر آسانی عطا فرمائے گا۔جنت کے راستے میں سب چیزیں داخل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ علم کے لئے سفر کرنا بہت ثواب ہے۔موسیٰ علیہ السلام طلب علم کے لئے خضر علیہ السلام کے پاس سفر کرکے گئے،حضرت جابر ایک حدیث کے لیئے ایک ماہ کا سفر طے کرکے عبداللہ ابن قیس کے پاس پہنچے۔(مرقاۃ)

۶؎ یہاں اللہ کے گھر سے مراد مسجدیں،دینی مدرسے اورصوفیاء کی خانقاہیں ہیں،جو اللہ کے ذکر کے لئے وقف ہیں۔یہود ونصاریٰ کے عبادت خانے اس سے خارج ہیں کہ وہاں تو مسلمان کو بلاضرورت جانا ہی منع ہے۔درس قرآن سے مراد قرآن شریف کی تلاوت۔تجوید احکام سیکھنا ہیں لہٰذا اس میں صرف،نحو،فقہ حدیث،تفسیر وغیرہ کے درس شامل ہیں۔جیساکہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے،اسی لیئے تلاوت کے بعد درس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔

۷؎ سکینہ اللہ کی ایک مخلوق ہے جس کے اترنے سے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے،کبھی ابر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور دیکھی بھی جاتی ہے،اس کی برکت سے دل سے غیر خدا کا خوف جاتارہتا ہے۔رحمت سے خالص رحمت مراد ہے جو بوقت ذکر ذاکر کو ہر طرف سے گھیرتی ہے۔فرشتوں سے سیّاحین فرشتے مراد ہیں جو ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ورنہ اعمال لکھنے والے اورحفاظت کرنے والے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ جہاں مجمع کے ساتھ ذکر اللہ ہورہا ہو وہاں یہ تین رحمتیں اترتی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ تنہا ذکر سے جماعت کامل کر ذکر کرنا افضل ہے،جماعت کی نماز کا درجہ زیادہ کہ اگر ایک کی قبول سب کی قبول۔

۸؎ یعنی فرشتوں کی جماعت۔اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رب کو اکیلے یاد کرے رب بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہے،جو جماعت میں یاد کرے رب اسے فرشتوں میں یاد کرتا ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"اس رب کی یاد کا اثر یہ پڑتا ہے کہ مخلوق اس بندے کو یاد کرنے لگتی ہے،بزرگوں کے مزارات پر زائرین کا ہجوم وہاں ذکر اللہ کی دھوم اسی یاد کا نتیجہ ہے۔

۹؎ یعنی نسب کی شرافت عمل کی کمی کو پورا نہ کرے گی۔شعر

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی   کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

کیا تمہیں خبر نہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتے بلّوں کو جگہ تھی مگر ان کے کافر بیٹے کنعان کے لئے جگہ نہ تھی۔مقصد یہ کہ شریف النسب اعمال سے لاپرواہ نہ ہوجائیں،یہ منشاء نہیں کہ شرافتِ نسب کوئی چیز نہیں اس کی تحقیق ہمارے رسالہ"الکلام القبول فی طھارت نسب الرسول"میں دیکھو مؤمن کو نسب الرسول ضرور فائدہ دے گا۔تمام دنیا کی عورتیں حضرت فاطمہ زہرا کے قدم پاک کو نہیں پہنچ سکتیں،رب نے بنی اسرائیل سے فرمایا:"اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ"بنی اسرائیل کے تمام عالم پر افضل ہونے کی یہی وجہ تھی کہ وہ اولاد انبیاء ہیں لہٰذا یہ حدیث کسی آیت کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے جس کا فیصلہ قیامت میں ہوگا وہ شہید ہے ۱؎ اسے لایا جائے گاتب رب اس سے اپنی نعمتوں کااقرار کرائے گافرمائے گا کہ اس شکریہ میں کیاعمل کیا ۲؎ عرض کرے گا تیری راہ میں جہاد کیا تاآنکہ شہید ہوگیا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو اس لیے لڑائی کی تھی کہ تجھے بہادر کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا۳؎ پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کہ بل کھینچاجائے گا یہاں تک کہ آگ میں پھینک دیا جائے گا ۴؎ اور وہ جس نے علم سیکھا سکھایا

اور قرآن پڑھا اسے لایا جائے گا اپنی نعمتوں کا اقرار کرایا جائے گا وہ اقرار کرلے گا فرمائے گا تو نے شکریہ میں عمل کیا کیا عرض کرے گا علم سیکھا سکھایا تیری راہ میں قرآن پڑھا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے اس لیے علم سیکھا کہ تجھے عالم کہا جاوے ۵؎ اس لیے قرآن پڑھا تھا کہ قاری کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا پھر حکم ہوگا اوندھے منہ کھینچا جاوے گا حتی کہ آگ میں پھینک دیا جاوے گا ۶؎ اور وہ مرد جسے اللہ نے وسعت دی اور ہر طرح کا مال بخشا اسے لایا جائے گا نعمتوں کا اقرار کرائے گا یہ کرلے گا فرمائے گا تو نے شکریہ میں کیا عرض کیا عرض کرے گا میں نے کوئی ایسا راہ نہ چھوڑا جہاں خرچ کرنا تجھے پیارا ہو مگر وہاں تیرے لیے خرچ کیا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے یہ سخاوت اس لیے کی تھی کہ تجھے سخی کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا پھر حکم ہوگا تو اسے اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا ۷؎ (مسلم)	

۱؎ یہ اوّلیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی ریاکاروں میں سے پہلے ریا کار شہید کا فیصلہ ہوگا۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ پہلے حساب نماز کا ہوگا یا پہلے ظلمًا قتل کا حساب ہوگا۔عبادات میں نماز کا،معاملات میں قتل کا،ریا میں ایسے شہید کا فیصلہ پہلے ہے۔شہید سے وہ مراد ہے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا۔

۲؎ یعنی میں نے تجھے اندرونی بیرونی کروڑوں نعمتیں دیں تونے کون سی نیکی کی۔معلوم ہوا کہ نیکیاں رب کے انعام کا شکریہ بھی ہیں۔

۳؎ یعنی تیرے جہاد اور شہادت کا عوض یہ ہوگیا کہ لوگوں نے تیری واہ واہ کردی کیونکہ تو نے اسی نیت سے جہاد کیا تھا نہ کہ خدمت اسلام کیلئے۔معلوم ہوا کہ اگر غازی میں اخلاص ہوتو لوگوں کی واہ واہ سے ثواب کم نہیں ہوگا۔یہ تو رب کی طرف سے دنیوی انعام ہے۔صحابہ کرام اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں جہاں میں واہ واہ ہورہی ہے۔خیال رہے کہ فقط غنیمت یا ملک حاصل کرنے کیلئے جہاد کرنے کا انجام بھی یہی ہے۔جہاد صرف اللہ رسول کی رضا کے لئے چاہیئے۔

۴؎ یعنی نہایت ذلت کے ساتھ،مرے ہوئے کتے کی طرح ٹانگ سے گھسیٹ کر کنارۂ جہنم سے نیچے پھینکا جائے گا۔جہنم کی گہرائی آسمان و زمین کے فاصلہ سے کروڑوں گناہ زیادہ ہے اللہ کی پناہ۔

۵؎ تیری یہ ساری محنت خدمت دین کے لئے نہ تھی بلکہ علم کے ذریعہ عزت اور مال کمانے کی تھی وہ تجھے حاصل ہوگئے،ہم سے کیا چاہتا ہے،اسی حدیث کو دیکھتے ہوئے،بعض علماء نے اپنی کتابوں میں اپنا نام بھی نہ لکھا اور جنہوں نے لکھا ہے وہ ناموری کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کی دعا حاصل کرنے کے لئے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ جیسے اخلاص والی نیکی جنت ملنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی ریا والی نیکی جہنم اور ذلت حاصل ہونے کا سبب۔

۷؎ اس جگہ چار مسئلے یاد رکھنے چاہئیں:ایک یہ کہ یہاں ریاکار شہید،عالم اور سخی ہی کا ذکر ہوا اس لیئے کہ انہوں نے بہترین عمل کیئے تھے جب یہ عمل ریا سے برباد ہوگئے تو دیگر اعمال کا کیا پوچھنا،ریا کے حج و زکوۃ اور نماز کا بھی یہی حال ہے۔دوسرے یہ کہ بعض ریا کار وہ ہیں جو ریا ہی کے لئے نیکیاں کرتے ہیں اگر ان کی تعریف نہ ہو تو نیکی کرتے ہی نہیں،بعض وہ ہیں کہ ریا کے لئے اچھی طرح عمل کریں تنہائی میں معمولی،بعض وہ ہیں جو خلوت و جلوت میں عمل یکساں کریں مگر نام نمود سے خوش ہوں،یہاں پہلی قسم کا ریا کار مراد ہے،دوسری دوقسم کے ریا کار اصل نیکی کا ثواب پائیں گے مگر ناقص۔تیسرے یہ کہ اس حدیث میں قانون اور رب کے عدل کا ذکر ہے فضل دوسری چیزہے،رب فرماتا ہے:"فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"لہٰذا یہ حدیث معافی کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔شعر:

عدل کرے تو تھر تھر کانپیں اونچی شانوں والے فضل کرے تو بخشے جانویں مجھ جیسے منہ کالے

چوتھے یہ کہ مؤمن کی یہ ساری سزائیں تنہائی میں ہوں گی،علانیہ نہیں،اللہ اسے ذلت اور رسوائی سے بچائے گا،ذلت و رسوائی صرف کافروں کے لیئے ہوگی جیساکہ آیت قرآنیہ سے ثابت ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ریا کے خوف سے عمل نہ چھوڑ دے عمل کیے جائے کبھی اخلاص بھی نصیب ہو ہی جائے گا۔مکھیوں کے ڈر سے کھانا نہ چھوڑدو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ علم کھینچ کر نہ اٹھائے گا کہ بندوں سے کھینچ لے بلکہ علماء کی وفات سے علم اٹھائے گا۱؎ حتی کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جن سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم فتویٰ دیں گے گمراہ ہوں گے گمراہ کریں گے ۲؎ (بخاری،مسلم)	

۱؎ یہ حدیث کا تتمّہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ قریبِ قیامت علم اُٹھ جائیگا،جہالت پھیل جائے گی،یعنی اس کے اٹھنے کا ذریعہ نہ ہوگا کہ لوگ پڑھا ہوا بھول جائیں گے،بلکہ علماء وفات پاتے رہیں گے اور بعد میں دوسرے علماء پیدا نہ ہوں گے جیساکہ اب ہورہا ہے کہ ایک خلقت انگریزی کے پیچھے پھر رہی ہے،دینِ رسول اللہ یتیم ہو کر رہ گیا۔علم سے علمِ دین مراد ہے۔

۲؎ پیشوا سے مراد قاضی،مفتی،امام اور شیخ ہیں جن کے ذمے دینی کام ہوتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ دینی عہدے جاہل سنبھال لیں گے اور اپنی جہالت کا اظہار ناپسند کریں گے۔مسئلہ پوچھنے پر یہ نہ کہیں گے کہ ہمیں خبر نہیں بلکہ بغیر علم گھڑکر غلط مسئلے بتائیں گے اس کا انجام ظاہرہے۔بے علم طبیب مریض کی جان لیتا ہے اور جاہل مفتی اور خطیب ایمان برباد کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت شقیق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے ۲؎ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن میری تمنا یہ ہے کہ آپ روزانہ وعظ فرماتے فرمایا مجھے اس سے رکاوٹ یہ ہے کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں ملال میں ڈال دوں ۳؎ میں تمہارا ویسے ہی لحاظ رکھتا ہوں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا وعظ میں لحاظ رکھتے تھے ملال کے خوف سے ۴؎ (بخاری، مسلم)

۱؎ آپ کا نام شقیق ابن ابی سلمہ ہے،کنیت ابو وائل ہے،قبیلہ نبی اَسد سے ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،حضور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے اکابر صحابہ سے ملاقات کی،جیسے حضرت عمر سید نا ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں۔حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہم۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کے لئے دن اور وقت مقرر کرنا شرک یا حرام نہیں سنت صحابہ ہے۔اسی لیے اب دینی مدرسوں کی امتحان وتعطیل کے لئے دن اور مہینے اور تعلیم کے لئے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں لہذا میلاد شریف،فاتحہ،عرس وغیرہ کے لئے دن مقرر کرنا جائز ہیں اسے حرام کہنا غلطی ہے۔مرقاۃ نے اسی جگہ فرمایا کہ حضرت ابن مسعود نے جمعرات کو وعظ کے لئے اس لیئے منتخب کیا کہ یہ دن جمعہ کا پڑوسی ہے اس کی برکت جمعہ تک پہنچے گی۔بعض لوگ ہر جمعرات کو میلاد شریف اور مُردوں کی فاتحہ کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۳؎ یعنی روزانہ وعظ سے تم اکتا جاؤ گے اور یہ ذوق شوق جاتا رہے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ اتنا لمبا وعظ بھی نہ کہا جائے کہ لوگ گھبرا جائیں تاکہ علم و وعظ کی بے قدری نہ ہو۔

۴؎ یعنی حضور بھی ہمیں ہر وقت اور ہر روز وعظ نہیں سناتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو عالم یا شیخ لوگوں کے سامنے ہر دم اللہ اللہ ہی کرے وہ مکار ہے۔حضور کی مجلس پاک میں دنیوی تذکرے بھی ہوتے تھے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لفظ بولتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ سمجھ لیا جائے ۱؎ اور جب کسی قوم پر تشریف لاتے اور انہیں سلام فرماتے تو تین بار سلام کرتے ۲؎ (بخاری)

۱؎ لفظ سے مراد پوری بات ہے،یعنی مسائل بیان کرتے وقت ایک ایک مسئلہ تین تین بار فرماتے تاکہ لوگوں کے ذہن میں اتر جائے ہر کلام مراد نہیں۔اسی لیئے صاحب مشکوۃ اس حدیث کو "**کتاب العلم**" میں لائے۔

۲؎ ایک سلام اجازت حاصل کرنے کا،دوسرا ملاقات کا،تیسرا رخصت کا،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور بوقت ملاقات ایک سلام کرتے تھے کیونکہ وہاں صرف ملاقات کا سلام مراد ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں داخلے کی اجازت کے

لئے شور نہ مچائے،بہت دروازہ نہ پیٹے،بلکہ صرف یہ کہےالسلام علیکم آجاؤں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے اور جانے والا سلام کرے اگرچہ بڑا ہو۔

روایت ہے حضرت ابومسعود انصاری سے۱؎فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میرا اونٹ تھک رہا ہے مجھےسواری دیجئے فرمایا میرے پاس نہیں۲؎ایک نے کہا یارسول اللہ میں اسے وہ آدمی بتاتا ہوں جو اسے سواری دے دے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھلائی پر رہبری کرے اسے کرنے والے کی طرح ثواب ہے۳؎(مسلم)	

۱؎آپ کا نام عقبہ ابن عمرو ہے،کنیت ابو مسعود انصاری ہے،بدری ہیں،یعنی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے یا اس بستی میں کچھ روز رہے،عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے،کوفہ میں قیام رہا،خلافت علی مرتضٰی میں وفات ہوئی۔

۲؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ضرورت کے وقت مانگنا جائزہے خصوصًا حضور سے مانگنا ہر ایک کے لئے فخر ہے۔دوسرے یہ کہ جب چیز موجود نہ ہو تو سائل کو انکارکرنا بخل نہیں۔حضور خلق الٰہی میں بڑے سخی اور داتا ہیں لیکن اس وقت منع فرمانا اظہار مسئلہ کے لئےہے کہ قرض لے کر سخاوت نہ کرو۔وہ جو روایات میں ہے کہ حضور نے کبھی "نہ" نہیں فرمایا۔اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ موجود چیز سے منع نہیں فرمایا یا یہ نہیں فرمایا کہ تجھے نہیں دیں گے لہذا احادیث متعارض نہیں۔

۳؎یعنی نیکی کرنے والا،کرانے والا،بتانے والا،مشورہ دینے والا سب ثواب کے مستحق ہیں لہذا تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

روایت ہے حضرت جریر سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم صبح سویرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ کی خدمت میں ایک قوم آئی جو ننگی اور کمبل پوش تھی تلواریں گلے میں ڈالے تھے۲؎ان میں عام بلکہ سارے ہی قبیلہ مضر سے تھے ان کا فاقہ دیکھ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا ۳؎لہذا اندرتشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان و تکبیر کہی پھر نماز پڑھی پھرخطبہ فرمایا ۴؎ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا آخر آیت رقیبًا تک ۵؎اور وہ آیت تلاوت فرمائی جو سورۂ حشر	

	میں ہے اللہ سے ڈرو ہر شخص غور کرے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ۶؎ انسان اپنے دینار درہم اپنے کپڑے گندم وجو کے صاع میں سے خیرات کرے حتی کہ فرمایا کھجور کی کھانپ ہی سہی ۷؎ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری تھیلی لائےجس کے وزن سے ان کا ہاتھ تھکا جاتا تھا بلکہ تھک ہی گیا ۸؎ پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا حتی کہ میں نے کھانے کپڑے کے ڈھیر دیکھے ۹؎ تاآنکہ میں نے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا کہ چمک رہا ہے گویا سونے کی ڈلی ہے ۱۰؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے اپنے عمل اور ان کے عملوں کا ثواب ہے جو اس پر کار بند ہوں ۱۱؎ ان کا ثواب کم ہوئے بغیر اور جو اسلام میں بُرا طریقہ ایجاد کرے اس پر اپنی بد عملی کا گناہ ہے اور ان کی بدعملیوں کا جو اس کے بعد ان پر کاربند ہوں اس کے بغیر ان کے گناہوں سے کچھ کم ہو ۱۲؎(مسلم)

۱؎ آپ کا نام جریر ابن عبداللہ بجلی ہے،مشہورصحابی ہیں،نہایت حسین اور خوش اخلاق تھے،عمر فاروق آپ کو یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دیتے تھے،حضور کی وفات کے سال اسلام لائے۔بعض روایات میں ہے کہ وفات شریف سے چالیس دن پہلے ایک زمانہ کوفہ میں رہے(مقام قرقیسیا میں)، ۵۱ھ میں وفات ہوئی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ یعنی غربت کی وجہ سے ان کے پاس سوائے ایک کمبل کے تن ڈھکنے کو کوئی کپڑا نہ تھا اس کے باوجود غزوے اور جہاد کے شوقین تھے کہ تلواریں ہر ایک کے پاس تھیں۔

۳؎ یعنی ان کی فقیری سے خاطر اقدس کو بہت ملال پہنچا جس کے آثار چہرۂ انور پر نمودار ہوئے کیوں نہ ہو،بے نواؤں فقیروں کے غم خوار جو ہیں،ہم غریبوں پر وہ رنج نہ کریں تو کون کرے۔شعر

من از بے نوائی نیم روئے زرد | غم بے نوایاں رُخم زرد کرد

یہ اس آیت کی تفسیر ہے"عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَاعَنِتُّمۡ"۔

۴؎ یہ وعظ لوگوں کو خیرات پر رغبت دینے کے لئے تھا،اس وقت دولت خانۂ اقدس میں کچھ ہوگا نہیں۔

۵؎ یہ آیت حسب موقعہ تلاوت فرمائی،یعنی سارے امیروفقیر بھائی ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔امیر کو چاہیئے کہ فقیر کی مدد کرے۔مرقاۃ میں اس جگہ ہے کہ حضرت حوّا کے بیس بار میں چالیس بچے ہوئے بیس لڑکے بیس لڑکیاں۔

۶؎ یعنی قیامت کے لئے نیک اعمال خصوصًا صدقہ و خیرات کیا کرو۔

۷؎ کیونکہ رب تعالٰی کی بارگاہ میں خیرات کی مقدار نہیں دیکھی جاتی بلکہ دینے والے کا اخلاص۔اس سے معلوم ہوا کہ غریب آدمی اپنی ضروریات میں سے کچھ خیرات کرے تو ثواب کا مستحق ہے،بشرطیکہ بال بچوں اور اہل حقوق کا حق نہ مارے اور بعد میں خود بھی بھیک نہ مانگے۔

۸؎ یعنی تھیلی میں اتنا غلّہ تھا جو انصاری سے برداشت نہ ہوسکا اور زیادتی بوجھ کے سبب تھیلی ہاتھ سے گر گئی۔ظاہر یہ ہے کہ یہ جَو یا گندم وغیرہ کا بڑا تھیلا ہوگا جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ بارگاہ نبوی میں اس وقت غلّے اور کپڑے کے ڈھیر لگے۔بعض شارحین نے لکھا کہ وہ ہمیانی تھی جس میں درہم و دینار بھرے ہوئے تھے مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔خیال رہے کہ یہ انصاری سب سے پہلے یہ خیرات لائے پھر ان کو دیکھ کر دوسرے حضرات اسی لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وہ تعریف فرمائی جو آگے بیان ہورہی ہے۔

۹؎ جو ان فقراء پر تقسیم کے لئے جمع ہوگئے تھے۔ چونکہ ان مساکین کی پوری جماعت تھی اسی لئے اتنا صدقہ کیا گیا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بوقت ضرورت چندہ کرنا جائز ہے۔دوسرے کہ مسجد میں دوسروں کے لیئے سوال جائز ہے۔جن احادیث میں مسجد میں مانگنے کی ممانعت ہے وہاں اپنے لیئے مانگنا مراد ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۱۰؎ فقراء کی حاجت روائی اور صحابہ کی خیرات پر خوشی کی وجہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں او ر جو اللہ اور رسول کو راضی کرنا چاہے وہ فقیروں کی حاجت پوری کرے۔خیال رہے کہ جس چاندی کے ٹکڑے پر سونے کا ملمع کردیا جائے یا جس چمڑے یا کپڑے پر طلائی کام کردیا جائے اسے عربی میں مذھبّہ کہتے ہیں۔یہاں پہلے معنے مراد ہیں۔

۱۱؎ یعنی موجد خیر تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر پائے گا لہذا جن لوگوں نے علم فقہ،فن حدیث،میلاد شریف،عرس بزرگاں،ذکر خیر کی مجلسیں،اسلامی مدرسے،طریقت کے سلسلے ایجاد کئے انہیں قیامت تک ثواب ملتا رہے گا۔یہاں اسلام میں اچھی بدعتیں ایجاد کرنے کا ذکر ہے نہ کہ چھوڑی ہوئی سنتیں زندہ کرنے کا،جیسا کہ اگلے مقابلے سے معلوم ہورہا ہے اس حدیث سے بدعت حسنہ کے خیر ہونے کا اعلٰی ثبوت ہوا۔

۱۲؎ یہ حدیث ان تمام احادیث کی شرح ہے جن میں بدعت کی برائیاں آئیں۔صاف معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ بری ہے اور ان احادیث میں یہی مراد ہے۔یہ حدیث بدعت کی دو قسمیں فرما رہی ہیں،بدعت حسنہ اور سیئہ،اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہوسکتی ان لوگوں پر افسوس ہے جو اس حدیث سے آنکھیں بند کرکے ہر بدعت کو برا کہتے ہیں حالانکہ خود ہزاروں بدعتیں کرتے ہیں۔بدعت کی تحقیق اور اس کی تقسیم پچھلے باب میں گزر چکی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی ظلمًا قتل نہیں کیا جاتا مگر اس کے خون ناحق میں حضرت آدم کے پہلے فرزند کا حصہ ضرور ہوتا ہے کہ اسی نے پہلے ظلمًا قتل ایجاد کیا۱؎(بخاری،مسلم)ہم حضرت معاویہ کی حدیث لایزال الخ،اس امت کے باب میں ان شاءاللہ	

	العزیز بیان کریں گے۲؎

۱؎ یعنی قابیل جس نے اپنے بھائی ہابیل کو اپنی بہن عقلمیہ کے عشق میں ظلمًا قتل کیا۔خیال رہے کہ غیر مستحق قتل کو قتل کرنا ظلمًا قتل ہے۔قاتل،مرتد،زانی،مفسد وغیرہم جو شرعًا واجب القتل ہیں انہیں حاکم کا قتل کرنا ثواب ہے۔

۲؎ یعنی یہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس باب میں بیان کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے کثیر ابن قیس سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو درداء کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا۱؎ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور بولا کہ اے ابو درداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے آپ کے پاس صرف ایک حدیث کے لیئے آیا ہوں مجھے خبر لگی ہے کہ آپ حضور سے وہ روایت فرماتے ہیں۲؎ اس کے سواء اور کسی کام کے لیئے نہ آیا۳؎ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تلاش علم کرتے ہوئے کوئی راہ طے کرے تو اللہ اسے بہشت کے راہوں سے کوئی راہ چلائے گا۴؎ اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لیئے پر بچھاتے ہیں۵؎ یقینًا عالم کے لیئے آسمانوں اور زمین کی چیزیں اور پانی میں مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں۶؎ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب میں چاند کی فضیلت سارے تاروں پر ۷؎ اور علماء نبیوں کے وارث ہیں۸؎ پیغمبروں نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہ بنایا انہوں نے صرف علم کا وارث بنایا تو جس نے علم اختیار کیا اس نے پورا حصہ لیا۹؎ اسے احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ترمذی نے ان کا نام قیس ابن کثیر بتایا۔

۱؎ دمشق شام کا دارالخلافہ ہے۔کثیر ابن قیس تابعی ہیں،حضرت ابوالدرداء کے صحبت یافتہ ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ اس طالب علم نے متن حدیث سن لیا تھا اس شوق میں یہاں آئے کہ صحابی کے منہ سے سنوں تاکہ برکت اور زیادتی یقین حاصل ہو۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے متن حدیث نہیں سنا تھا اجمالًا پتہ لگا تھا کہ حضرت ابوالدرداء فلاں بارے میں حدیث بیان فرماتے ہیں۔چونکہ مدینہ کے معنی مطلقًا شہر کے ہیں اس لیئے مدینۃ الرسول فرمایا،یعنی میں مدینہ منورہ سے آیا ہوں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ طلب علم کے لیئے سفر بزرگوں کی بلکہ نبیوں کی سنت ہے۔موسیٰ علیہ السلام طلب علم کے لئے بہت دراز سفر کرکے حضر علیہ السلام کے پاس

تشریف لے گئے. دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط الرسول کہہ سکتے ہیں،جب کہ علامت سے معلوم ہوا کہ یہاں حضور مراد ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَآاَیُّهَا الرَّسُوْلُ" اور فرماتا ہے:"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ" اسے ناجائز کہنا بے دلیل ہے۔

۳؎ یعنی سوا حدیث سننے کے اور کسی دینی دنیوی غرض کے لئے سفر نہیں کیا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ سوائے تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں،حالانکہ خود نوکری تجارت وغیرہ کے لئے سفرکرتے رہتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ملاقات،زیارت قبور وغیرہ کے لئے سفر جائز ہے۔جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے اور ان شاءاللہ "باب المساجد" میں ممانعت سفر کی حدیث کے ماتحت بھی پوری تحقیقات کردی جائے گی،نیز اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ حدیث نہیں ہے جس کے سننے کے لیئے وہ صاحب حاضر ہوئے تھے بلکہ ان کی ہمت افزائی اور انکے سفر کی قبولیت کی بشارت کے لئے یہ حدیث سنائی۔مطلب یہ ہے کہ جو مسئلہ پوچھنے،علم پڑھنے،حدیث سننے وغیرہ کے لئے سفر کرکے یا بغیر سفر تھوڑا راستہ طے کرکے جائے تو اسے دنیا میں نیک اعمال کی توفیق ملے گی جو جنت ملنے کا سبب ہیں یا آخرت میں پل صراط پر گزر آسان ہوگی اور جنت میں سہولت سے پہنچے گا۔امام شافعی فرماتے ہیں:کہ علم دین کی طلب نفلی نماز سے افضل ہے کہ یہ فرض ہے وہ نفل۔(مرقاۃ)

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ جب طالب علم علم میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا کلام سننے کے لیئے ملائکہ نیچے اتر آتے ہیں اور گفتگو سنتے ہیں جیسا تلاوت قرآن کے موقعہ پر یا قیامت میں طالب علم کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ طالب علم کے لیئے ملائکہ نیا زمندی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی مشقتوں کو آسان کرتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ"اسی جگہ مرقاۃ نے اس کے متعلق عجیب و اقعات بیان فرمائے ہیں۔

۶؎ یعنی علمائے دین کے لیئے چاند،سورج،تارے اور آسمانی فرشتے ایسے ہی زمین کے ذرے،سبزیوں کے پتے اور بعض جن و انس اور تمام دریائی جانور مچھلیاں وغیرہ دعائے مغفرت کرتے ہیں،کیونکہ علمائے دین کی وجہ سے دین باقی ہے اور دین کے بقا سے عالم قائم ہے،علماء کی ہی برکتوں سے بارشیں ہوتی ہیں اور مخلوق کو رزق ملتا ہے،حدیث شریف میں ہے"بِهِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ یُرْزَقُوْنَ"۔علماء کے اٹھنے سے اسلام اٹھ جائے گا اور قیامت برپا ہوجائے گی،علماء دنیا کا تعویذ ہیں۔(مرقاۃ واشعۃ) خیال رہے کہ علماء میں علمائے شریعت بھی داخل ہیں اور علمائے طریقت بھی بلکہ کوئی شخص علم کے بغیر ولی اللہ نہیں بنتا،اللہ جاہلوں کو ولی نہیں بناتا،فرماتا ہے:"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"۔(ازمرقاۃ)

۷؎ عالم سے مراد وہ عالم ہے جوصرف ضروری اعمال پر قناعت کرے اور بجائے نوافل کے علمی خدمات انجام دے۔عابد سے وہ شخص مراد ہے جو صرف اپنے ضروری مسائل سے واقف ہو اوراپنے اوقات نوافل میں گزارے۔بے دین اور فاسق عالم اور نرا جاہل عابد اس گفتگو سے خارج ہے۔خیال یہ چاند آفتاب سے نور لے کر رات میں سارے عالم کو جگمگا دیتا ہے،ایسے ہی عالم نبی صلی اللہ علیہ

وسلم سے فیض لے کر دینی روشنی پھیلا دیتے ہیں۔تارے خودنور ہیں مگر چاندنور بخشنے والا۔عابد اپنے لیئےاور عالِم عالَم کے لیئے کوشش کرتے ہیں،عابد اپنی کمبلی بچاتا ہے،عالم طوفان سے لوگوں کا جہاز نکال لے جاتا ہے۔لازم سے متعدی افضل۔

۸؎ سبحان اللہ! جب مورث اتنے اعلیٰ تو وارث کیسے شان دارہوں گے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ علمائے مجتہدین رسولوں کے وارث ہیں اور علمائے غیر مجتہدین نبیوں کے۔لفظ علماء و انبیاءان دونوں کو شامل ہے۔خیال رہے کہ علمائے اسلام حضور کے وارث اور چونکہ حضور تمام نبیوں کی صفات کے جامع ہیں لہٰذا علماء سارے انبیاء کے وارث ہوئے۔

۹؎ خیال رہے کہ بعض انبیاء تارک الدنیا تھے جنہوں نے کچھ جمع نہ کیا جیسے حضرت یحیی ٰ وعیسیٰ علیہما السلام اور بعض نے بہت مال رکھا۔جیسے حضرت سلیمان وداؤد علیہما السلام لیکن کسی نبی کی مالی میراث نہ بٹی،ان کا چھوڑا ہوا مال دین کے لیئے وقف ہوتا ہے اور تاقیامت علماءان کے وارث،اسی لیئے علماء کو وارثین انبیاء کہا جاتا ہے۔

روایت ہے ابو امامہ باہلی سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا ذکر ہوا جن میں سے ایک عابد دوسرا عالم ہے۔۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی عابد پر ضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی پر ۲؎ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین والے حتی کے چیونٹیاں اپنے سوارخوں میں اور مچھلیاں (پانی میں) صلوٰۃ بھیجتے ہیں لوگوں کو علم دینی سکھانے والے پر ۳؎ اسے ترمذی نے روایت کیا۔	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ان سے خاص مرد مراد نہیں بلکہ عمومی سوال ہے،یعنی اگر دو آدمیوں میں سے ایک عالم اورایک عابد ہوتو درجہ کس کا زیادہ ہوگا،عالم و عابد کے معنی ہم پہلے بیان کرچکے۔

۲؎ یہ تشبیہ بیان نوعیت کے لئے نہ کہ بیان مقدار کے لئے،یعنی جس قسم کی بزرگی مجھ کو تمام مسلمانوں پر حاصل ہے اس قسم کی بزرگی عالم کو عابد پر یعنی دینی بزرگی نہ کہ محض دنیاوی،اگرچہ ان دونوں بزرگیوں میں کروڑ ہا فرق ہیں۔بادشاہ کو رعایا پر سلطنت کی،مالدار کو فقیر پر مال کی،جتھے والے کو بے کس پر قوت کی،حسین کو بدشکل پر جمال کی بزرگی حاصل ہے۔مگر یہ بزرگیاں،دنیوی اور فانی ہیں،نبی کو مخلوق پر دینی بزرگی حاصل ہے،جو ابد الآباد تک قائم ہے،ایسے ہی عالم کو جاہل پر،آج سکندر کو کسی فقیر پر ملکی بزرگی نہیں،مگر امام ابوحنیفہ کو تمام مقلدین پر بے پناہ عظمت اب بھی حاصل ہے۔خیال رہے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نبیوں پر اور درجہ کی بزرگی ہے،صحابہ پر اور درجہ کی،اولیاء و علماء پر اور درجہ کی،عوام پر اور درجہ کی،اَدْنٰی کُمْ میں اس آخری درجہ کی طرف اشارہ ہے۔فرماتے ہیں:"وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ"رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ"اس آیت میں نور الٰہی کی مثال نور چراغ سے دی گئی حالانکہ چراغ کے نور کو اس نور سے کیا نسبت ؟ایسے ہی یہ بھی تمثیل ہے۔

۳؎ملائکہ سے حاملین عرش فرشتے اور اہلِ سمٰوٰت سے باقی فرشتے مراد ہیں۔اللہ کی صلوٰۃ سے اس کی خاص رحمت اور مخلوق کی صلوٰۃ سے خصوصی دعائے رحمت مراد ہے،ورنہ عام رحمتیں اور عام دعائیں سارے مسلمانوں کے لیئے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىٕكَتُهٗ" اور فرماتاہے:"وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"الخ۔لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کے خلاف ہے اور نہ اس سے یہ لازم آیا کہ علماء حضور کے برابر ہوجائیں کیونکہ حضور پر بھی رب تعالٰی صلوٰۃ بھیجتاہے اور علماء پر بھی۔

	اور دارمی نے حضرتِ مکحول سے مرسلًا نقل کیا اور دو شخصوں کا ذکر نہ کیا اور فرمایا کہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی شخص پر پھر آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اورحدیث آخر کی بیان کی۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تمہارے تابع ہیں۱؎ اور بہت لوگ اطراف زمین سے تمہارے پاس دینی فقہ سیکھنے آئیں گے جب وہ آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرو۲؎(ترمذی)

۱؎اس میں خطاب صحابہ خصوصًا ان کے علماء سے ہے،یعنی تاقیامت مسلمان تمہارے اخلاق،افعال کی پیروی کریں گے کیونکہ تم نے بلاواسطہ مجھ سے فیض لیاہے،شریعت میرے اقوال ہیں،طریقت میرے افعال،حقیقت میرے احوال،تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے۔خیال رہے کہ لفظ تابعی اس حدیث سے لیا گیا یعنی صحابہ کے کامل متبعین۔(مرقاۃ)

۲؎یعنی بڑے بڑے کامل لوگ تمہاری شاگردی کرنے مدینہ منورہ کی طرف کھینچے ہوئے آئیں گے تو تم انہیں بے تامل علم سکھانا،عمل کی رغبت دینا یا میں تم کو ان کی خدمت کی وصیت کرتا ہوں اسے قبول کرو پہلے معنے اشعہ نے اور دوسرے مرقاۃ نے لیئے۔معلوم ہوا کہ دینی طلباء کی خدمتیں کرنا بہت ضروری ہےکیونکہ وہ حضور کے مہمان ہیں اسی لیئے اکثر علماء اپنے دینی شاگردوں کی بہت خدمت کرتے اور کراتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علمی بات عالم کی اپنی گم شدہ چیز ہے جہاں پائے وہ ہی اس کا حقدار ہے۱؎اسے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابراہیم ابن فضل راوی حدیث

	میں ضعیف ماناجاتا ہے۔

۱؎یعنی سمجھ دار آدمی جس سے اچھی اور دینی بات سنے اس سے ہی لے لے،یہ نہ دیکھے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ دیکھے کیا کہہ رہا جیسے کہ اپنی گمی چیز جس کے پاس سے ملے لے لی جاتی ہے،یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کون ہے اور کیسا ہے۔خیال رہے کہ یہاں کلمۂ حکمت سے مراد اسلامی اورفقہی مسئلہ ہے۔یعنی اگر دین کی بات فاسق آدمی کہہ رہا ہے قبول کرلو لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کو توریت پڑھنے سے منع فرمادیاکیونکہ توریت کے منسوخ احکام اب کلمۂ حکمت تھے ہی نہیں۔اسی طرح اب مسلمانوں کو کفار کی دینی تصنیفات دیکھنے کی اجازت نہیں ان کے پاس کلمۂ حکمت ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے ۱؎(ترمذی اورابن ماجہ)

۱؎حدیث شیطان سے بچنے کا بڑا ذریعہ ہے۔خیال رہے کہ یہاں عالم سے وہ عالم مراد ہے جس پر اللہ کا فضل ہوا سی لیئے فقیہ فرمایا گیا عالم نہ فرمایا گیا،یعنی دین کی صحیح سمجھ رکھنے والا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے ۱؎اور نااہل پر علم پیش کرنے والا ایسا ہے جیسے سُوروں کو موتی جواہرات اور سونے کے ہار پہنانے والا ۲؎اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے **شعب الایمان** میں **مسلم** تک نقل فرمایااورفرمایا کہ اس حدیث کا متن تو مشہور ہے اس کی اسناد میں ضعف ہے اور بہت طریقہ سے روایت کیا گیا جو سب ضعیف ہیں ۳؎

۱؎مسند امام ابوحنیفہ میں"**وَمُسْلِمَۃٍ**"ہے یعنی ہر مسلمان مردعورت پرعلم سیکھنا فرض ہے،علم سے بقدر ضرورت شرعی مسائل مراد ہیں۔لہذا روزے نماز کے مسائلِ ضروریہ سیکھنا ہر مسلمان پرفرض،حیض و نفاس کے ضروری مسائل سیکھنا ہر عورت پر،تجارت کے مسائل سیکھنا ہر تاجر پر،حج کے مسائل سیکھنا حج کو جانے والے پر عین فرض ہیں۔لیکن دین کا پورا عالم بننا فرض کفایہ کہ اگر شہر میں ایک نے ادا کردیا تو سب بری ہوگئے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے آفات شیطانی اثرات وغیرہ کا جاننا بھی ہر مسلمان کو ضروری ہے تاکہ ان سے بچ سکے۔

۲؎یہاں علم سے مراد دقیق و باریک مسائل اور گہرے علمی نکات ہیں جنہیں عوام نہ سمجھ سکیں،یعنی وہ عالم جوعوام کے سامنے غیرضروری اور باریک پیچیدہ مسائل یا قابل شرح آیات و احادیث پیش کرے وہ ایسا ہی بے وقوف ہے جیسے موتیوں

کا ہار سوروں کو پہنانے والا کہ جہلاء ایسی چیزیں سن کر انکارکر بیٹھتے ہیں۔اسی لیئے سیدنا علی مرتضی فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقل کے لائق کلام کرو ورنہ وہ اللہ اور رسول کو جھٹلا دیں گے اور اس کا وبال تم پر ہوگا۔
۳؎ یعنی یہ حدیث بہت سی ضعیف اسنادوں سے مروی ہے لہذا قوی ہے کیونکہ کثرت اسناد ضعیف کو حسن بنادیتی ہے۔(مرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتیں اچھے اخلاق اور نہ دینی فقہ ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ منافق سے مراد منافق اعتقادی ہے نہ کہ عملی،یعنی دل کا کافر زبان کا مؤمن اور خوش خلقی سے مراد اخلاق محمدی اور دینی فقہ سے دین کی سچی سمجھ ہے۔مطلب یہ ہے کہ نفاق کے ساتھ نہ دینی اخلاق جمع ہوں نہ دینی علم،منافق اسلامی اخلاق سے بھی محروم اور دین سے بھی،کیونکہ یہ نور ہیں ظلمت کے ساتھ کیسے جمع ہوجائیں رب تعالیٰ فرماتا ہے:"لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوۡنَ "دل کے گندے قران کو چھو بھی نہیں سکتے ان کا یہ حال ہے۔شعر

کتابیں پڑھیں دینداری نہ آئی　　　　بخار آگیا پر بخاری نہ آئی

امام شافعی فرماتے ہیں"فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰہٖ　　وَاِنَّ النُّوْرَ لَا یُعْطٰی لِعَاصٍ"علم واخلاق بقدر تقویٰ ملتے ہیں۔گندے گھر میں بادشاہ نہیں آتا اور گندے دل میں حضور کے اخلا ق اورحضور کا علم نہیں سماتے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تلاش علم میں نکلا وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے ۱؎	

۱؎ یعنی جو کوئی مسئلے پوچھنے کے لیئے اپنے گھر سے،یا علم کی جستجو میں اپنے وطن سے علماء کے پاس گیا وہ بھی مجاہد فی سبیل اللہ ہے،غازی کی طرح گھر لوٹنے تک اس کا سارا وقت اور ہر وقت اور ہر حرکت عبادت ہوگی،گھر آجانے کے بعد یہ ثواب ختم ہو جائے گا،پھر عمل اور تبلیغ کرنے کا ثواب شروع ہوگا۔لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ علم صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب بعدموت بھی ملتا رہتا ہے۔

روایت ہے حضرت سخبرہ ازدی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے تلاش علم کی تو یہ تلاش اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگی ۲؎ اسے ترمذی ودارمی نے روایت کیا اورترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے ابوداؤد راوی کو ضعیف کہا گیا ۳؎	

۱؎ صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں،کنیت ابو عبداللہ ہے،ازدابن غوث کی اولاد سے ہیں،آپ سے صرف ایک یہی حدیث منقول ہے۔

۲؎ طالب علم سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں،جیسے وضو،نماز،وغیرہ عبادات سے۔لہذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ طالب علم جو گناہ چاہے کرے،یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نیت خیر سے علم طلب کرنے والوں کو گناہوں سے بچنے اور گزشتہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

۳؎ یہ ابوداؤد اور ہیں سلیمان ابن اشعث سجستانی نہیں جن کی مشہور کتاب ابوداؤدشریف ہے ان کا نام نفیع ابن حارث ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں،ہمدان کے قاضی تھے اور نابینا تھے،حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن خیر کے سننے سے کبھی سیر نہ ہوگا تاآنکہ اس کی انتہا جنت ہوجائے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی علم دین کی حرص ایمان کی علامت ہے،جتنا ایمان قوی اتنی ہی یہ حرص زیادہ۔بڑے بڑے علماء علم پر قناعت نہیں کرتے۔صوفیاء فرماتے ہیں"اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ"یعنی گہوارہ سے قبر تک علم سیکھو۔اس حدیث میں علم کے حریص کو جنت کی بشارت ہے۔ان شاءاللہ علم دین کا متلاشی مرتے ہی جنتی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمہ کی خبر نہیں سوا عالم دین کے کہ ان کے لیئے حضور نے وعدہ فرمالیا کہ اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے علم دین دیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس سے علمی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہے پھر اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی۱؎ (احمد،ابوداؤد،ترمذی ابن ماجہ عن انس)

۱؎ یعنی اگر کسی عالم سے دینی ضروری مسئلہ پوچھا جائے اور وہ بلاوجہ نہ بتائے تو قیامت میں وہ جانوروں سے بدتر ہوگا کہ جانور کے منہ میں چمڑے کی لگام ہوتی ہے اور اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔خیال رہے کہ یہاں علم سے مراد حرام،حلال،فرائض واجبات وغیرہ تبلیغی مسائل ہیں جن کا چھپانا جرم ہے۔عالم پر شرعی مسئلہ بتانا ضروری ہے نہ کہ لکھنا لہذا مفتی فتوے لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے۔خصوصًا وہ فتویٰ جن پر مقدمے چلتے ہیں اور مفتی کو کچہریوں میں حاضری دینی پڑتی ہے۔رب فرماتا ہے:"وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ"۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس لیئے علم طلب کرے تاکہ علماء کا مقابلہ کرے یا جہلاء سے

جھگڑے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرے تو اسے اللہ آگ میں داخل کرے گا۲؎(ترمذی،ابن ماجہ عن ابن عمر)	

۱؎آپ انصاری ہیں،خزرجی ہیں،عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے،اسلام کے نامورشعراء میں سے ہیں،آپ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اس پر آپ کا بائیکاٹ کیا گیا،پھر کچھ عرصہ بعدآپ کی اور آپ کے دو ساتھیوں ہلال ابن امیّہ اورمرارہ ابن ربیعہ کی توبہ قبول ہوئی۔رب فرماتا ہے:"وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا"آپ آخر میں نابینا ہوگئے تھے،۷۷ سال عمر ہوئی،۵۰ھ میں وفات پائی۔

۲؎یعنی جو دینی علم دین کے لئے نہ سیکھے بلکہ عزت یا مال حاصل کرنے یا دین میں فساد پھیلانے کے لئے سیکھے تو اول درجہ کا جہنمی ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو قرآن کا ترجمہ دیکھ کر اور چار حدیثیں پڑھ کر آئمہ مجتہدین اور علماء دین کے منہ آنے کی کوشش کرتے ہیں،اللہ تعالٰی نیت خیر عطا فرمائے۔خیال رہے کہ علماء کا مناظرہ اور ہے مقابلہ کچھ اور،مناظرہ میں تحقیق حق مقصود ہوتی ہے،مقابلہ میں اپنی بڑائی کا اظہار،بوقت ضرورت مناظرہ اچھا ہے مقابلہ برا،یہاں مقابلہ کی برائی مذکور ہے۔مناظرے آئمہ مجہتدین بلکہ صحابہ کرام میں بھی ہوئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی وہ علم سیکھے جس سے اللہ کی رضا ڈھونڈی جاتی ہے صرف اس لیے کہ اس سے دنیاوی سامان حاصل کرے ۱؎وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یہ حدیث گزشتہ احادیث کی شرح ہےجس میں فرمایا گیا کہ علم دین رضائے الٰہی کے لیئے حاصل کرو اسے صرف دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔دنیا کے سامان سے روپیہ پیسہ بھی مراد ہے اور دنیوی عزت و جاہ بھی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ علم دین کے ذریعے دنیا حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ دنیا اصل مقصود ہو اور علم دین محض اس کا وسیلہ یہ سخت برا ہے وہی یہاں مراد ہے۔دوسرے یہ کہ علم دین سے دین ہی مقصود ہو مگر تبعًا دنیا بھی حاصل کی جائے تاکہ فراغت سے خدمت دین ہوسکے یہ ممنوع نہیں،کیونکہ اب دین مقصود ہے اور دنیا اس کا وسیلہ۔فقیر عالم کا وعظ دلوں میں موثر نہیں ہوتا۔حضرات خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہیں لیں۔جہاد کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر فقط غنیمت کے لئے کرتا ہے تو برا اور اگر تبلیغ دین کے لئے ہے اور غنیمت و ملک اس کا وسیلہ ہےتو اچھا ہے۔

۲؎یعنی اولًا اگرچہ ریا کاری کی سزا بھگت کریا حضور کی شفاعت کے ذریعہ معافی ہوجائے گی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس بندے کو ہرا بھرا رکھے جو میرا کلام سنے اسے یاد رکھے خیال رکھے	

	اور پہنچادے۱؎کیونکہ بہت سے فقہ اٹھانے والے خود غیر فقیہ ہیں اور بہت لوگ اپنے سے بڑے فقیہ تک فقہ اٹھاتے ہیں۲؎مسلمانوں کا دل تین چیزوں پر خیانت نہیں کرتا۳؎اللہ کے لیے عمل خالص کرنا۴؎مسلمانوں کی خیرخواہی اور ان کی جماعت کو لازم پکڑنا ۵؎کیونکہ ان کی دعا ماسوا کو شامل ہے ۶؎اسے شافعی اور بیہقی نے مدخل میں روایت کیا

۱؎یہ حدیث تاقیامت محدثین کو شامل ہے،یعنی اللہ تعالٰی حافظ اور مبلغ حدیث کو دنیا میں پھلا پھولا رکھے اور آخرت میں اس کا چہرہ ترو تازہ رکھے اور اس زمرے میں داخل کرے"وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ "حضور کی یہ دعا قبول ہے خدام حدیث بفضلہٖ تعالٰی دین و دنیا میں شادوآباد ہیں جیساکہ تجربہ بتارہا ہے۔حدیث کا ذکرکرنا حفظ ہے اور یاد رکھنا بھول نہ جانا دعاء،بعض محدثین قرآن کی طرح حدیث بھی یادکرتے ہیں۔

۲؎اس حدیث میں صراحتًا فرمایا گیا کہ محدث براہ راست حدیث پرعمل نہ کرے ورنہ دھوکاکھائے گا بلکہ مجتھد فقیہ پر پیش کرے اس کی تقلیدکرکے اس کے بتائے ہوئے مطالب پرعمل کرے۔فقیہ روحانی طبیب ہے اور محدث روحانی عطار(پنساری)۔عطّار اپنی دکان کی دوائیں حکیم سے پوچھ کر ہی استعمال کرتا ہے اسی لیئےقریبًا سارے محدثین مقلد ہیں۔اسی حدیث پر عامل ہیں اسی سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جو چندہ ریشوں کے تراجم پڑھ کرتقلید سے منہ پھیرلیتے ہیں۔قرآن وحدیث کے سمندرمیں خودچھلانگ نہ لگاؤکسی امام کے جہاز میں بیٹھ کر پارکرو۔فقہ سے مراد وہ حدیث ہے جس سے شرعی احکام مستنبط ہوسکیں۔سرکار کا مقصد شریف یہ ہے کہ بہت دفعہ ایسا ہوگا کہ میری حدیث یاد کرنے والے مسائل استنباط نہ کرسکیں گے اورجنہیں حدیث پہنچے گی ان میں استنباط کی قدرت نہ ہوگی،لہذا محدث حدیث کو قید نہ کریں بلکہ فقہاء تک پہنچائیں۔خیال رہے کہ حدیث کا مبداء حضور کی ذات اقدس ہے اور منتہی فقیہ پر پہنچ کر ہی ختم ہوتا ہے۔

۳؎اس جملہ کی دوتفسیریں ہیں۔ایک یہ کہ عَلٰے بمعنی(ب)ہے،یعنی جس دل میں ان تین عملوں میں سے کوئی عمل آجائے تو اس دل میں خیانت،کینہ،حسد نہیں رہتا۔دوسرے یہ کہ عَلٰےاپنے ہی معنے میں ہے یعنی مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ ان تین کاموں میں کوتاہی نہیں کرتا۔پہلے معنی زیادہ قوی ہیں یہ تین چیزیں دلی بیماریوں کی دوائیں ہیں۔

۴؎کہ نیک اعمال نہ دنیا حاصل کرنے کے لئےکرے نہ جنت پانے اور دوزخ سے بچنے کے لیئے،محض رب کی رضا کے لیئے کرے،جب رب راضی ہوجائے سب کچھ حاصل ہے۔

۵؎اس طرح کہ بقدر طاقت مسلمانوں کی مددکرے جو اپنے لیئےپسند نہ کرے ان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔عقائد اور نیک اعمال میں ان کے ساتھ رہے،خلوت پر جلوت کو ترجیح دے،اسی لیئےاسلام نے جمعہ و عیدین وغیرہ میں جماعت فرض کی۔

۶؎یعنی جماعت مسلمین کی دعا لوگوں کو گمراہی،شیطان کے فریب سے محفوظ رکھتی ہے،جماعت سے الگ رہنے والا ان کے دعا سے محروم ہے۔معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دعا حفاظتی قلعہ ہے۔

	احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ اور دارمی نے زید ابن ثابت سے روایت کیا مگر ترمذی اور ابوداؤد نے "ثَلٰثٌ لَا یَغُلُّ"الخ کا ذکر نہ کیا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ اسے ہرا بھرا رکھے جو ہم سے کچھ سنے۱پھر جیسا سنے ویسا ہی پہنچادے۲کیونکہ بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں اسے ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور دارمی نے ابودرداء سے۔

۱یعنی مجھ سے یا میرے صحابہ سے میرا یا ان کا کوئی قول یا عمل سنے۔لہٰذا حدیث چار قسم کی ہوئی حضور کا قول اور فعل،صحابہ کا قول اور فعل۔اسی لیئے مِنَّا جمع اور شَیْئًا نکرہ ارشاد ہوا۔

۲اس طرح کہ مضمون نہ بدلے یا حدیث کے الفاظ میں فرق نہ پیدا ہو۔خیال رہے کہ ابن عمر،مالک ابن انس،ابن سیرین وغیرہم کے نزدیک حدیث کی روایت بالمعنٰے حرام ہے،کیونکہ بسا اوقات لفظ کے بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور راوی کو خبر نہیں ہوتی اور امام حسن،شعبی،نخعی و مجاہد وغیرہم کے نزدیک روایت بالمعنی جائز کہ راوی حدیث کے الفاظ اس طرح بدل دے کہ معنی نہ بدلیں۔پہلے قول میں احتیاط ہے دوسرے میں گنجائش،بہتر یہی ہے کہ الفاظ بھی نہ بدلیں۔دیکھئے حضرت وائل ابن حجر نے نماز کی آمین کے بارے میں فرمایا"مَدَّبِھَا صَوتَہٗ"بعض راویوں نے اسے"رَفَعَ بِھَا صَوتَہٗ"سے روایت کیا۔وہ سمجھے کہ دونوں کے معنٰے ایک ہی ہیں مگر بعد والوں کو دھوکہ لگا کہ شاید اس کے معنی ہیں بلند آواز سے آمین کہی،حالانکہ اس کا ترجمہ تھا کہ آمین کھینچ کر الف کے مد کے ساتھ کہی،روایت بالمعنٰی میں یہ خطرے ہیں اس لیئے فرمایا کہ جیسی سنے ویسی پہنچائے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حدیث روایت کرنے سے بچو سوا ان کے جن کو تم جانتے ہو۱کیونکہ جو عمدًا مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ آگ کا بنالے۲اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱یقین سے یا گمان غالب سے کہ وہ میری حدیث ہے،لہٰذا حدیث متواتراور مشہور بے دھڑک روایت کرو اور حدیث ضعیف کا ضعف بیان کرکے اور حدیث موضوع کو ہاتھ مت لگاؤ۔ہاں لوگوں کو بچانے کے لیئے یہ بتاسکتے ہو کہ یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اسی بنا پر بعض محدثین نے حتی الامکان حدیث ضعیف کی روایت ہی نہ کی،جیسے امام بخاری و مسلم اور بعض نے

روایت تو کی مگر بیان ضعف لازم کرلیا،جیسے امام ترمذی۔غرضکہ حدیث میں بڑی احتیاط چاہیئے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ تحریر پر اعتماد کرکے روایت حدیث جائز ہے۔

۲؎ اگرچہ ہر ایک پر جھوٹ باندھنا بہتان اور گناہ ہے،مگر حضور انورصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بہت گناہ ہے کہ اس سے دین بگڑتا ہے۔مُتَعَمِّدًا کی قید سے معلوم ہوا کہ خطا پر پکڑ نہیں،اگر کسی حدیث کے موضوع ہونے کی خبر نہ ہوئی اور روایت کردی تو مجرم نہیں۔

اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود اور جابر سے نقل فرمایا اور"اتقوا الحدیث"الخ کا ذکر نہ کیا۔	

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن میں بغیر علم کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی قرآن کی تفسیر بالرّائے کرنے والا جہنمی ہے۔خیال رہے کہ قرآن کی بعض چیزیں نقل پر موقوف ہیں،جیسے شان نزول،ناسخ منسوخ،تجوید کے قواعد انہیں رائے سے بیان کرنا حرام ہے،وہی یہاں مراد ہے۔اور بعض چیزیں شرعی عقل سے بھی معلوم ہوسکتی ہیں،جیسے آیات کے علمی نکات،اچھی اور صحیح تاویلیں،پیدا ہونے والے اعتراضات کے جوابات وغیرہ ان میں نقل لازم نہیں۔غرضکہ قرآن کی تفسیر بالرائے حرام ہے اور تاویل بالرائے علمائے دین کے لیئے باعث ثواب،یا اس کی تحقیق ہمارے کتاب"جاء الحق"اور مرقاۃ میں اسی مقام پر دیکھو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ "۔معلوم ہوا کہ قرآن میں تدبرو تفکر کا حکم ہے۔

۲؎ اس میں اشارۃً فرمایا کہ علماء کو قرآنی تاویلات کی اجازت ہے جہلا کو یہ بھی حرام۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو فقط ترجمۂ قرآن سے غلط مسئلے مستنبط کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔حدیث و قرآن کے فقط ترجمے بغیر فقہ کی روشنی کے عوام کے لئے زہر قاتل ہیں۔

روایت ہے حضرت جندب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے پھر ٹھیک بھی کہہ دے تب بھی خطا کر گیا ۲؎ (ترمذی وابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام جندب ابن عبداللہ ابن سفیان علقی بَجَلِی ہے۔علف قبیلہ بجل کا ایک بطن ہے،مشہورصحابی ہیں۔عبداللہ ابن زبیر کی وفات کے چار سال بعدوفات ہوئی۔

۲؎ یعنی اگر عالم قرآن کی رائے سے تفسیر کرے،یا جاہل رائے سے تاویل کرے اور اتفاقًا وہ تفسیر و تاویل درست ہو تب بھی دونوں گنہگار ہوں گے،کیونکہ انہوں نے ناجائز کام کیا اور ممکن ہے کہ آیندہ اس پر دلیر ہوکر غلطی بھی کرجائیں۔علماء فرماتے ہیں کہ تفسیر قرآن کے لئے عالم کو پندرہ علموں میں پوری مہارت چاہیئے تب وہ قرآن کو ہاتھ لگائے،ایسا عالم اگر تاویل قرآن میں غلطی بھی کرے تب بھی ثواب پائے گا،مجتہد کی خطا پر ایک ثواب ہے اور صحت پر دو،جیسا کہ آیندہ احادیث میں آئے گا۔تفسیر و تاویل کا فرق ہم اوپر عرض کرچکے ہیں۔تفسیر میں یقین ہوتا ہے جو نقل پر موقوف ہے،تاویل میں ظن غالب۔خیال رہے کہ قرآن کی وہ تاویل جو نقل کے خلاف ہو حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے ۱؎ (احمد وابوداؤد)

۱؎ یعنی آیات قرآنیہ کے معانی میں ایسا جھگڑا کرنا جس سے لوگ شک میں مبتلا ہوجائیں قریبًا کفر ہے،کیونکہ لوگوں کے کفر کا ذریعہ ہے یا متشابہات کی تاویلوں میں جھگڑنا کفرانِ نعمت ہے،یا قرآنی آیات اور آیات کی متواتر قرأتوں میں یہ جھگڑا کرنا کہ یہ کلام الٰہی ہیں یا نہیں کفر ہے۔یا قرآن کو اپنی رائے کے مطابق بنانے میں جھگڑنا کہ ہر ایک اپنی رائے اور ایجاد کردہ مذہب کے مطابق اس کا ترجمہ یا تفسیر کرے یہ کفر ہے۔بہرحال حدیث بالکل واضح ہے اور اسے مفسرین اور مجتہدین کے اختلاف سے کوئی تعلق نہیں وہ جھگڑا نہیں بلکہ تحقیق ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قرآن میں جھگڑا کرتے سنا ۲؎ تو فرمایا کہ اس حرکت سے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوگئے کہ انہوں نے بعض کتاب کو بعض سے ٹکرایا ۳؎ کتاب اللہ تو اس لیے اتری کہ بعض بعض کی تصدیق کرے لہذا تم بعض کو بعض سے جھٹلاؤ نہیں ۴؎ جس قدر کتاب جانو کہو جو نہ جانو اسے عالم کے سپرد کرو ۵؎ (احمد،ابن ماجہ)

۱؎ پہلے بیان کیا جاچکا کہ آپ کا نام عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے۔عبداللہ ابن عمرو ابن عاص صحابی ہیں اور ان کے بیٹے محمد تابعی،اگر جَدِّہٖ کی ضمیر عمرو کی طرف لوٹے تو یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عمرو کے دادا محمد تابعی ہیں،اور اگر شعیب کی طرف لوٹے تو یہ حدیث متصل ہے،کیونکہ شعیب کے دادا عمرو ابن عاص صحابی ہیں غرض کہ مُدَلِّس ہے۔(از مرقاۃ)

۲؎ اس طرح کہ ایک شخص اپنا قول ایک آیت سے ثابت کررہا ہے اور دوسرا اس کے خلاف،دوسری آیت سے جس سے سننے والے کو شبہ پیدا ہو،کہ قرآنی آیتیں یکساں نہیں ان میں سخت تعارض و اختلاف ہے جیسے ایک کہے کہ خیرو شر اللہ کی

طرف سے ہے رب فرماتا ہے:"قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ "اور دوسرا کہے کہ نہیں خیر رب کی طرف سے ہے شر ہماری طرف سے رب فرماتا ہے:"مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ"یہ ہے قرآن میں جھگڑا جو حرام بلکہ کبھی کفر ہے۔

۳؎ یعنی تعارض دکھایا یہ عیسائی و یہودی وغیرہ تھے جو توریت و انجیل کی آیتوں میں مطابقت نہ کرسکے بہت سے فرقے بنا بیٹھے اور ہر فرقہ ان کتابوں کی بعض آیات سے دلیل پکڑنے لگا،اللہ محفوظ رکھے۔

۴؎ کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف ہے یاساری آسمانی کتب پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی قرآنی آیات آپس میں مخالف نہیں بلکہ یکساں ہیں،اگر تعارض معلوم ہو تو ہماری سمجھ کا قصور ہے یا ہم تاریخ سے بے خبر ہیں ناسخ منسوخ کو نہیں پہچانتے یا ہم آیتوں کے معانی کو صحیح نہ سمجھے۔

۵؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے کہ جاہل قرآن کی تفسیر کو ہاتھ نہ لگائے جب بے علم مریض کا علاج نہیں کرتا،انجن کی مشین کو ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ ناتجربہ کار حجام سر نہیں مونڈتا،تو ہر بے خبر تفسیر قرآن کو کیوں ہاتھ لگائے۔

لطیفہ: کسی نے ایک عالم سے کہا کہ قیامت کا دن کتنا بڑا ہے قرآن اسے ایک ہزار سال کا بھی کہتا ہے اور پچاس ہزار سال کا بھی،حدیث نے تو غضب ہی کردیاوہ فرماتی ہے کہ چار رکعت نماز پڑھنے کے بقدر ہوگا نہ قرآن کا اعتبار نہ حدیث کا العیاذ باللہ! عالم نے فرمایا کہ قرآن و حدیث صحیح ہیں تیری سمجھ غلط وہ دن ایک ہزار برس کا ہے لیکن کفار کو تکلیف کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا اور مؤمن کو راحت کی وجہ سے دس منٹ کا محسوس ہوگا جیسے ایک ہی رات بیمار کو لمبی تندرست کو چھوٹی اور جو محبوب کے پاس گزارے اسے منٹوں کی محسوس ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن سات طریقوں پر اترا ۱؎ان میں سے ہر آیت کا ظاہر بھی ہے باطن بھی ۲؎ اور ہر ظاہر و باطن کی ایک حد ہے جہاں سے اطلاع ہے ۳؎(شرح سنّہ)

۱؎ طریقوں سے مراد یا تو عربی لغتیں ہیں،چونکہ عرب میں سات قبیلے فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے،قریش،ثقیف، طے،ہوازن، ہذیل،یمنی،تمیم اور ان کی زبانوں کا آپس میں کچھ اختلاف تھاجیسے دہلی اور لکھنؤ والوں کی اردو میں قدرے فرق ہے۔نزول قرآن قریش کی زبان میں ہوا جو دوسرے قبیلوں پر بھاری تھی۔اسی لئے ان کو اجازت دی گئی کہ اپنی اپنی زبانوں میں تلاوت کریں۔زمانۂ نبوی میں عام تلاوت قریشی زبان میں ہوتی تھی۔مگر بعض لوگ دوسری قرأتوں میں بھی تلاوت کرتے تھے۔حضور کے پردہ فرمانے کے بعد یہ اختلاف فساد کا باعث بننے لگا،عہد عثمانی میں جب قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا تو لغت قریش کو ملحوظ رکھا گیا جس میں قرآن کا نزول ہوا تھا باقی قراتیں ختم کردی گئیں تاکہ مسلمانوں میں یہود و نصاریٰ کا سا اختلاف نہ ہو اس میں قرآن کی تبدیلی نہ تھی بلکہ فتنہ کا دفع کرناتھاجیسے"فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ"میں لفظ اف

لغت قریش میں الف کے پیش ف کے شد اور زیروتنوین سے ہے دیگر لغتوں میں الف کے زبر یا زیر ف کا زبر یا زیر بغیرتنوین شد اور بغیر شد کے ہے معنی ایک ہیں لفظوں میں اتنا اختلاف یا اس سے مراد سات قرأتیں ہیں"یا مَالِكِ مَلِكِ مَلِيْكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"وغیرہ،یا مطلب یہ ہے کہ سات معانی پر اترا امر،نہی،مثالیں،قصے،وعدے،وعیدیں اور نصیحتیں یا سات چیزیں لے کر اترا،عقائد،احکام،اخلاق،حرام،حلال،محکم،متشابہ اور بھی اس کی بہت تفسیریں کی گئیں ہیں۔

۲؎یعنی قرآن کی ہر آیت کی ظاہر مراد بھی ہے اور باطنی بھی،ظاہری مراد اس کا لفظی ترجمہ ہے باطنی مراد اس کا منشاء اور مقصد،یا ظاہر شریعت ہے اورباطن طریقت،یا ظاہر احکام ہیں اور باطن اسرار،یا ظاہر وہ ہے جس پر سب علماء مطلع ہیں اور باطن وہ ہے جس سے صوفیائے کرام خبردار ہیں،یا ظاہر وہ جو نقل سے معلوم ہو باطن وہ جو کشف سے معلوم ہو جیسے"يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ"اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اپنے قریبی کافروں پر لوہے کی تلوار وغیرہ سے جہاد کرو باطن یہ ہے کہ قریبی کافر اپنے نفس امارہ پر مجاہدے کی تلوار اوراعانت یار سے جہاد کرو۔

۳؎حدمطلع وہ پہاڑ کی چوٹی یا اونچا ٹیلہ ہے۔جہاں سے دور تک چیزیں دیکھی جاسکیں یعنی قرآن کے ظاہر و باطن معلوم کرنے کے علیحدہ مقامات ہیں۔چنانچہ اس کا ظاہر علماء سے اور باطن مشائخ سے معلوم ہوتا ہے یا ظاہر قال سے،باطن حال سے،یا ظاہرنحو سے باطن فنا اور محو سے،یا ظاہر کتابوں سے باطن کسی کی نظر سے۔شعر

علم و حکمت ازکتب دین از نظر	دین مجو اندرکتب اے بے خبر
رُوئے دل را جانب دلدار کن	صد کتاب و صد ورق ورنار کن

غرضکہ جیسے قرآن کے ظاہر کے الفاظ میاں جی سے،تجوید قاری سے،حفظ حافظہ سے،معانی عالم سے،احکام مجتہد سے سیکھے جاتے ہیں،ایسے ہی اس کے اسرار مشائخ سے حاصل کئے جائیں۔ہر ایک کا حدمطلع علیحدہ ہے۔خیال رہے کہ مشائخ وہ حضرات ہیں جو شریعت و طریقت کے جامع ہوں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے ہوں،آپ کے دین کے سچے مبلغ ہوں۔وہ جاہل صوفی جوفقط میراثی ولی بنے بیٹھے ہیں فاسق و فاجرہیں وہ مرادنہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم تین ہیں ظاہر آیتیں ثابت و مضبوط سنت ان کے برابر فریضہ۱؎ جوان کے سواء ہیں وہ زیادتی ہے۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی علم دین ان چیزوں کا جاننا ہے احکام کی غیرمنسوخ آیتیں مع تفصیل اور صحیح غیر منسوخ حدیثیں اجماع امت اور قیاس جو کتاب و سنت کی طرح واجب العمل ہیں۔خیال رہے کہ یہاں فریضہ سے مراد علم فرائض(میراث)نہیں کہ وہ کتاب و سنت میں آگیا بلکہ فقہ ہی مراد ہے۔عادلہ بمعنی عدیل و مثل۔(مرقاۃ واشعہ)

۲؎یعنی ان تین کے علاوہ باقی علوم علم دین نہیں بلکہ زائد یا فضول ہیں۔خیال رہے کہ صرف و نحو وغیرہ قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے ہیں اور اصول فقہ و اصول حدیث وغیرہ ان علوم کے خدام جو ان کو اپنا مقصود بنالے بڑا بے وقوف ہے۔شعر

ے

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث ہر کہ جوید غیر ازیں باشد خبیث

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قصہ گوئی نہیں کرتے مگر حاکم یا محکوم یا متکبر۲؎اسے ابوداؤدنے روایت کیا۔

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں جنگ خیبر میں حضور کے ساتھ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا پرچم آپ کے ہاتھ میں تھا شام میں رہے اور ۷۳ھ میں وہیں وفات ہوئی۔

۲؎اصطلاح میں سیاسی لیکچر اور عام خطابوں کو قصہ کہا جاتا ہے جس میں احکام شرعیہ کی تبلیغ ہواسے وعظ نصیحت کہتے ہیں۔آج کل کے عام مروجہ وعظ قصے ہیں اور واعظین قاصّ،یعنی سیاسی لیکچر یا بادشاہ کرتے ہیں،یا ان کے ماتحت حکام،یا سیاسی متکبر لیڈر قوم میں اپنا وقار بڑھانے کے لیئے،علماء کا یہ کام نہیں،علماء کا وعظ شرعی احکام کا چشمہ اور تبلیغ کا منبع ہونا چاہیئے یہ حدیث ہدایت کا گنجینہ ہے۔

	اور دارمی نے حضرت عمرو ابن شعیب سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے اور ان کی روایت میں مختال کی بجائے ریا کار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بے علم فتویٰ دے اس کا گناہ فتویٰ لینے والے پر ہے۱؎اور جو اپنے بھائی کو کسی چیز کا مشورہ یہ جانتے ہوئے دے کہ درستی اس کے علاوہ میں ہے اس نے اس کی خیانت کی ۲؎(ابوداؤد)

۱؎اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو شخص علماء کو چھوڑ کر جاہلوں سے مسئلہ پوچھے اور وہ غلط مسئلہ بتائیں تو پوچھنے والابھی گنہگار ہوگا کہ یہ عالم کو چھوڑ کر اس کے پاس کیوں گیا نہ یہ پوچھتا نہ وہ غلط بتاتا اس صورت میں اَفۡتٰی بمعنی اِسۡتَفۡتٰی ہے۔دوسرے یہ کہ جس شخص کو غلط فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتوے دینے والے پر ہے اس صورت میں پہلا اُفۡتِیَ مجہول ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ بے علم کو مسئلہ شرعی بیان کرنا سخت جرم ہے۔

۲؎یعنی اگر کوئی مسلمان کسی سے مشورہ حاصل کرے اور وہ دانستہ غلط مشورہ دے تاکہ وہ مصیبت میں گرفتار ہوجائے تو وہ مشیر پکا خائن ہے خیانت صرف مال ہی میں نہیں ہوتی،راز،عزت،مشورے تمام میں ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معموں سے منع فرمایا[1](ابوداؤد)	

[1] یعنی عوام پر فقہی معمے پیش کرنا اور انہیں حل نہ کرنا یا علماء کا ایک دوسرے کو ذلیل کرنے اور اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لئے شرعی معمے پوچھنا ناجائز ہے کہ یہ مؤمن کی ایذاء کا سبب ہے۔طالب علموں سے ان کا ذہن تیز کرنے کے لیئے استاد کا فقہی معمے پوچھنا بالکل جائز ہے۔جیسے یہ پوچھنا کہ وہ کون سا سفر ہے جس میں قصر نہیں،یا وہ کون سی صورت ہے کہ نمازی اپنے گھر میں وقتی نماز قصر پڑھے،یا وہ کون سی صورت ہے کہ نماز پڑھی جائے تو نہ ہو بعد میں خود بخود ہوجائے،یا وہ کون بزرگ ہیں جن کی اپنی عمر چالیس سال،بیٹے کی ایک سو بیس سال،اور پوتے کی نوے سال اور تینوں بیک وقت زندہ ہیں،اس قسم کے بہت سے معمے علامہ شامی وغیرہ نے ارشاد فرمائے،اس سے ذہن تیز کرنا مقصود ہے نہ کہ کسی کو ذلیل کرنا۔

روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم میراث اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ میری وفات ہونے والی ہے۔[1](ترمذی)	

[1] یعنی میں تم میں ہمیشہ رہوں گا نہیں،میری وفات سے پہلے قرآن حکیم کے سارے احکام خصوصًا علم میراث مجھ سے سیکھ لو اور تمہارے بعد والے تم سے،چونکہ علم میراث سے عدل و انصاف قائم ہے تمام علوم کا تعلق زندگی سے ہے اور اس کا تعلق موت سے،نیز قرب قیامت یہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا،اسی لئے خصوصیت سے اس کے سیکھنے کی تاکید فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ سرکار نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پھر فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جب علم لوگوں سے اٹھالیا جائے گا حتی کہ کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے[1](ترمذی)	

[1] علم سے علم دین مراد ہے اور یہ واقعہ قیامت کے قریب ہوگا جب مال بڑھ جائے گا،علم دین گھٹ جائے گا بلکہ فنا ہوجائے گا کہ علماء وفات پاجائیں گے اور پیدا نہ ہوں گے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ صدہا سال بعد آنے والے واقعات کو بھی ملاحظہ فرمالیتی ہے،ان کے لئے معدوم موجود کھلی چھپی سب چیزیں یکساں ہیں۔کہ فرما رہے ہیں ھٰذَا اَوَانٌ جیسے ہم خیال اور خواب میں اگلے پچھلی چیزیں شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔بادشاہ مصر نے آنے والے قحط کے سال گائے اور بالیوں کی شکل میں خواب دیکھے،انبیاء ان کے طفیل سے بعض اولیاء کی نگاہیں ہمارے خواب و خیال سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

اب بلکہ قبل از زادنِ توسالہا مرا ترا بیند بچندیں حالہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخیوں کے وہ عذاب ملاحظہ فرمالیئے جو بعد قیامت ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے ۱؎ کہ لوگ تلاش علم کرتے ہوئے اونٹوں کی سینہ کوبی کریں گے تو مدینہ کے ایک عالم سے بڑا کوئی عالم نہ پائیں گے ۲؎ اسے ترمذی نے روایت کیا اور جامع ترمذی میں ہے کہ ابن عیینہ نے فرمایا کہ وہ مالک ابن انس ہیں اور ایسے ہی عبدالرزاق سے روایت ہے ۳؎ اسحاق ابن موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے ابن عیینہ کو سنا وہ فرماتے ہیں کہ وہ عمری زاہد ہیں ان کا نام عبدالعزیز ابن عبداللہ ہے۔ ۴؎

۱؎ یعنی یہ قول ان کا اپنا نہیں بلکہ حضور کا فرمان ہے۔حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں۔

۲؎ یعنی میرے بعد قریب ہی لوگ تلاش علم میں ہر طرف سفر کریں گے اور مدینہ منورہ میں ایک ایسا عالم ہوگا کہ اس کے مقابلے میں اس وقت مدینہ میں بھی کوئی عالم نہ ہوگا چہ جائیکہ اور جگہ۔

۳؎ یعنی ان دو بزرگوں کی رائے ہے کہ اس عالم سے مراد حضرت امام مالک ہیں کہ آپ امام مذہب ہیں امام شافعی کے استاد ہیں۔خیال رہے کہ یہ اس وقت کے لحاظ سے ہے ورنہ امام مالک سے پہلے حضرات امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہم بڑے بڑے علماء گزرے۔

۴؎ آپ کا نام عبداللہ ابن حفص ابن عاصم ابن خطاب ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا جب کہ علم دین مدینہ منورہ میں محدود ہوجائے گا۔واللہ اعلم!

	روایت ہے انہی سے میری دانست میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۱؎ کہ فرمایا یقینًا اللہ تعالٰی اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو ان کا دین تازہ کرے گا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یہ کلام کسی نیچے کے راوی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ حدیث حضور سے روایت کی۔ان کا خود اپنا قول نہیں۔

۲؎ یعنی اس امت کی یہ خصوصیت ہے کہ یوں تو اس میں ہمیشہ ہی علماء اور اولیاء ہوتے رہیں گے لیکن ہر صدی کے اول یا آخر میں خصوصی مصلحین پیدا ہوتے رہیں گے جو سنتوں کو پھیلائیں گے،بدعتوں کو مٹائیں گے،غلط تاویلوں کو دور کریں گے،صحیح تبلیغ کریں گا۔خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر بہت لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق مجدّد گنائے ہیں۔کہ پہلی صدی میں فلاں،دوسری میں فلاں،بہت مفسد وں نے بھی اپنے آپ کو مجدّد کہا،مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مجدّد ہی بنا تھا پھر نبی۔حق یہ ہے کہ اس سے نہ کوئی خاص شخص مراد ہے نہ کوئی خاص جماعت،کبھی اسلامی بادشاہ،کبھی محدثین،کبھی فقہاء،کبھی صوفیاء،کبھی اغنیاء،کبھی بعض حکّام دین کی تجدید کریں گے،کبھی ایک،کبھی ان کی جماعتیں جو دین کی یہ خصوصی خدمت کرے وہی مجدد ہے،جیسے ایک زمانہ میں حضرت سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اسلام سے اکبری

بدعات کو دور فرمایا اور جیسے قطب الوقت حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ یا اس زمانہ میں عالم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضاخاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کہ انہوں نے اپنی زبان اور قلم سے حق و باطل کو چھانٹ کر رکھدیا۔

	روایت ہے حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمان عذری سے ا؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس علم کو ہر پچھلی جماعت میں سے پرہیز گار لوگ اٹھاتے رہیں گے ۲؎ جو غلو والوں کی تبدیلیاں اور جھوٹوں کی دروغ بیانیاں اور جاہلوں کی ہیر پھیر اس سے دور کرتے رہیں گے ۳؎ اسے بیہقی نے مدخل میں مرسلاً روایت کیا ۴؎ ہم حضرت جابر کی حدیث "فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعَیِّ" الخ ان شاء اللہ تعالٰی "باب التیمم" میں ذکرکریں گے۔

ا؎ عذری بنی خزاعہ کا ایک قبیلہ ہے جو عذرہ ابن سعد کی اولا دمیں ہے،غالبًا یہ صحابی ہیں اور اگر تابعی ہیں تو یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ صحابی کا نام رہ گیا۔

۲؎ اس میں غیبی بشارت ہے کہ تاقیامت میرے دین میں علمائے خیر پیدا ہوتے رہیں گے۔جو علم دین کو پڑھتے پڑھاتے اور تبلیغ کرتے رہیں گے۔خیال رہے کہ گزشتہ صالحین کو سلف اور پچھلوں کو خلف کہا جاتا ہے لہٰذا ہر جماعت صالحین اگلوں کے لحاظ سے خلف اور پچھلوں کے لحاظ سے سلف ہے۔

۳؎ یعنی مسلمانوں میں بعض جاہل علماء کی شکل میں نمودار ہو کر قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں اور معنوی تحریفیں کردیں گے وہ مقبول جماعت ان تمام چیزوں کو دفع کرے گی۔الحمدللہ!آج تک ایسا ہورہا ہے اور آیندہ بھی ایسا ہوگا۔دیکھ لو علمائے دین کی سرپرستی نہ حکومت کرتی ہے نہ قوم لیکن پھر بھی یہ جماعت پیدا ہورہی ہے اور خدمت دین برابر کررہی ہے۔بَارَکَ اللہُ فِیۡہِمۡ!

۴؎ معلوم ہوا کہ ابراہیم ابن عبدالرحمٰن تابعی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت حسن سے ا؎ مرسلاً فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے موت اس حال میں آئے کہ وہ اسلام زندہ کرنے کے لیے علم سیکھ رہا ہو ۲؎ توجنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ ہوگا ۳؎ (دارمی)

۱؎ فن حدیث میں جب حسن مطلق بولا جائے تو اس سے خواجہ حسن بصری مراد ہوتے ہیں۔آپ کے والد کا نام ابوسعید ہے،وہ زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے غلام تھے،ان کے والد یسار کو رُبیع بنت نظیر نے آزاد کیا تھا،خواجہ حسن بصری مدینہ منورہ میں عہد فاروقی میں فاروق اعظم کی شہادت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،حضرت عمر فاروق نے اپنے دست مبارک سے ان کی تحنیک (یعنی پہلا پہیہ) کی۔آپ کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی لونڈی تھیں،بارہا حضرت ام سلمہ نے ان کی والدہ کی غیر موجودگی میں ان کو اپنا شیر مبارک پلایا ہے،اسی کی برکت سے آپ اتنے بڑے عالم اور امام وقت ہوئے،شہادت عثمان کے بعد بصرے آگئے تھے،آپ نے بہت صحابہ سے ملاقات کی ہے،اپنے وقت کے امام بڑے متقی پرہیزگار تھے۔رجب ۱۱۰ھ میں مقام بصرہ میں آپ کا وصال ہوا وہیں مدفون ہیں،آپ کی قبر شریف زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔(اکمال) فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو عالم دین نہ بن سکا پہلے ہی موت آگئی جب اس کی یہ فضیلت ہے تو علمائے دین کا کیا پوچھنا یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عالم دین ہیں مگر علم سے سیر نہیں ہوتے ہمیشہ مطالعۂ کتب صحبتِ علماء سے اپنا علم بڑھاتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اپنے کو طالب علم سمجھتے رہتے ہیں اور یہ سب کچھ خدمت دین کی نیت سے کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی انہیں انبیاء سے بہت قرب نصیب ہوگا کہ اعلیٰ علّیین میں وہ حضرات ان کے نیچے یہ علماء کیونکہ یہ دنیا میں وارثین انبیاء تھے۔خیال رہے کہ بعض مؤمن جنت میں انبیاء کے ساتھ رہیں گے۔رب فرماتا ہے:"فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ"الایہ مگر یہ ہمراہی ایسی ہوگی جیسے بادشاہ کے خدام خاص اس کے ساتھ کوٹھی میں رہتے ہیں کہ یہ بادشاہ نہیں بن جاتے ایسے ہی یہ حضرات نبی کے درجہ پر نہ ہوں گے بلکہ خادم خاص لہذا حدیث اور آیات قرآنی بالکل واضح ہیں۔

روایت ہے انہی سے مرسلًا ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا جو بنی اسرائیل میں تھے ایک تو عالم تھا ۲؎ جو صرف فرائض پڑھتا تھا پھر بیٹھ جاتا تھا۔لوگوں کو علم سکھاتا ۳؎ اور دوسرا دن کو روزہ رکھتا رات بھر عبادت میں کھڑا رہتا ۴؎ ان دونوں میں بہتر کون ہے ؟حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عالم جو صرف فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا پھر لوگوں کو علم دین سکھاتا اس کی بزرگی اس عابد پر جو دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتا ۵؎ ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی پر ۶؎ (دارمی)	

۱؎ خواجہ حسن بصری صحابی کا ذکر یا تو اس لیئے چھوڑتے ہیں کہ حدیث کے راوی بہت صحابہ ہوتے ہیں کس کس کا نام لیں یا اس لیئے کہ انہیں حدیث کی صحت پر یقین ہوتا ہے۔غرضکہ ان جیسے بزرگوں کا ارسال معتبر ہے اور ان کی مرسل روایتیں مقبول۔(ازمرقاۃ)

۲؎ یعنی اس کا علم عبادت پر غالب تھا اور زیادہ اوقات علمی خدمات میں گزرتے تھے،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔خیال رہے کہ یا تو ان دو شخصوں کے واقعے عرب میں مشہور تھے یا حضور نے ہی بیان فرمائے ہوں گے۔

۳؎ علم سے علم دین مراد ہے خواہ پڑھاتا تھا یا دینی کتب تصنیف کرتا تھا یا دونوں کام۔

۴؎ یعنی صائم الدھر اور قائم اللیل تھا شاید ان کے دین میں یہ جائز ہوگا،اسلام میں سال میں پانچ روزے حرام ہیں شوال کی پہلی اور بقرعید کی دسویں سے تیرھویں تک۔

۵؎ جواب میں اتنی دراز عبادت کا فرمانا عالم کی شان لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لئے ہے ورنہ اتنا کافی تھا کہ پہلا دوسرے سے افضل ہے۔

۶؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ یہ مثال نوعیت کے بیان کے لئے ہے،یعنی جس قسم کی بزرگی مجھ کو تم پر حاصل ہے اس قسم کی بزرگی عالم کو عابد پر ہے جیسے رب نے فرمایا:"مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ"الایہ،لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ عالم نبی کے برابر ہوجائے۔خیال رہے کہ علم دین یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ اور زیادہ عبادت نفل ہے،نیز عالم کا نفع مخلوق کو ہے اور عابد کا نفع صرف اپنے کو،لہٰذا عالم عابد سے افضل ہے۔آدم علیہ السلام عالم تھے،فرشتے لاکھوں سال کے عابد مگر سجدہ عابدوں نے عالم کو کیا۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عالم دین بہت اچھا ہے اگر اس کی ضرورت پڑے تو نفع پہنچادے اگر اس سے بے پرواہی ہو تو اپنے کو بے نیاز رکھے۱؎(رزین)

۱؎ یعنی نہ متکبر بنے نہ محتاج لوگوں کی ضرورت پر دل و جان سے حاضر ہوجائے اور جب لوگ اسے نہ چاہیں ان پر نہ گرے،امیر غریب کے دروازے پر بہتر،مگر غریب امیر کے دروازے پر برا۔مرقاۃ میں ہے کہ عابد باعمل کا چرچہ ملکوت میں ہوتا ہے،فرشتے اسے عظیم کہتے ہیں یعنی بڑا آدمی۔خیال رہے کہ جس عالم میں تین باتیں جمع ہوں وہ زمانہ کا سردار ہوگا علم دین کامل،قناعت اور استغناء اعمال صالحہ۔

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے۱؎ کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لوگوں کو ہفتہ میں ایک دفعہ وعظ سناؤ اگر نہ مانو دو دفعہ اگر بہت ہی کرو تو تین بار اس قرآن سے لوگوں کو اکتا نہ دو۲؎ میں تمہیں ایسا ہرگز نہ پاؤں کہ تم کسی قوم پر پہنچو جو اپنی کسی بات میں مشغول ہوں تو وعظ شرع کرکے ان کی بات کاٹ دو کیونکہ تم انہیں اکتا دو گے بلکہ خاموش رہو جب وہ خود عرض کریں تو انہیں حدیث سناؤ کہ وہ شوق رکھتے ہوں۳؎ اور خیال رکھنا کہ دعا میں قافیہ دار عبارت سے بچنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ایسا نہ

	کرتے ہوئے پایا۴(بخاری)

۱؎ آپ کا نام عکرمہ کنیت ابو عبداللہ،بربر کے رہنے والے ہیں،حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں،مکہ مکرمہ کے فقیہ ترین تابعی ہیں،آپ کی وفات ۱۰۷ھ میں ہوئی اسی۸۰ سال عمر پائی۔(اکمال)عکرمہ ابن ابوجہل اور ہیں جہاں عکرمہ مطلق آتا ہے وہاں آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲؎ یعنی روزانہ وعظ نہ سناؤ ہفتہ میں ایک یا دو یا تین بار سناؤ،پھر بھی اتنی دیر وعظ نہ کہو کہ لوگ سیر ہوجائیں بلکہ ان کا شوق باقی ہو کہ ختم کردو۔سبحان اللہ! کیا نفیس ٹرینگ ہے ان حضرات کی مجلسیں گویا نارمل اسکول بھی تھیں جن میں سیکھنا سکھانا سب بتایا جاتا تھا۔اس سے بلا ضرورت چار چار گھنٹے وعظ کہنے والے واعظین عبرت پکڑیں۔خیال رہے کہ یہ ارشاد وہاں ہے جہاں لوگ اکتاتے ہوں لیکن اگر شائق ہیں تو نہ روز وعظ کرنا برا نہ دیر تک،مدرسوں میں تعلیم القرآن کے درس روزانہ ہوتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فجر سے مغرب تک وعظ فرمایا،عالم کو چاہیئے کہ لوگوں کے شوق کا اندازہ رکھے۔

۳؎ یہ دوسری نصیحت ہے جس پر واعظ کو کار بند رہنا چاہیئے کہ جہاں لوگ کلام یا کام میں مشغول ہوں تو انکے کلام و کام بند نہ کردو۔وعظ شروع نہ کردو کہ اس صورت میں اگرچہ وہ کچھ نہ کہیں مگر دل میں تکلیف محسوس کریں گے،نیز اس میں علم اور عالم کی اہانت بھی ہے۔اس سے وہ واعظین عبرت پکڑیں جو تیز لاؤڈ سپیکروں پر آدھی آدھی رات تک تقریریں کرکے مزدوروں،بیماروں کو پریشان کرتے ہیں،ساری بستی کو جگاتے ہیں۔دیکھا گیا ہے کہ پھرعوام حکومت کو درخواستیں دیتے ہیں جس پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کی جاتی ہے۔کتنی بڑی ذلت اور علم کی توہین ہے اگر یہ واعظین اسی فرمان پر عمل کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی۔حکام اور افسران خود ان سے علم سیکھنے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

۴؎ یعنی دعاؤں میں بتکلف مقفّٰی عبارت مت استعمال کرو کیونکہ خشوع وخضوع نہ رہے گا دھیان اچھی عبادت بنانے پر رہے گا اس بارگاہ عالی پر عجزو نیاز دیکھاجاتا ہے نہ کہ زبان کی ادبیت۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعائیں مقفے ہیں،مگر یہ تکلف سے نہیں بنائی گئیں بلکہ اس افصح الفصحا کی زبان مبارک سے بے تکلف اور بے بناوٹ ادا ہوئی ہیں،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں یہاں تکلف کی ممانعت ہے۔شعر

اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود — بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود — اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام

	روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو علم طلب کرے پھر پا بھی لے تو اسے ثواب کا دوہرا حصہ ہے۲؎ لیکن اگر نہ پاسکے تو اسے ثواب کا اکیہرا حصہ ہے۳؎ (دارمی)

۱؎آپ قبیلہ بنی لیث سے ہیں،غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اسلام لائے،تین سال حضور کی خدمت کی،اہل صفہ سے تھے،حضور کے بعد اولًا بصرے میں پھر شام کی بستی بلاط میں رہے جو دمشق سے تین کوس دور ہے۔سو سال کی عمر میں بیت المقدس میں وفات پائی،وہیں دفن ہوئے۔رضی اللہ عنہ۔

۲؎ایک علم طلب کرنے کا،دوسرا پالینے کا کیونکہ یہ دونوں عبادتیں ہیں۔

۳؎یا تو زمانۂ طالب علمی میں مرجائے تکمیل کا موقعہ نہ ملے یا اس کا ذہن کام نہ کرے مگر وہ لگا رہے تب بھی ثواب پائے گا۔جیسے مجتہد اگر صحیح اجتہاد کرے تو دوہرا ثواب اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اعمال و نیکیاں مؤمن کو بعد موت بھی پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے وہ علم ہے جسے سیکھا گیا اور پھیلایا گیا۱؎اور نیک اولاد جو چھوڑ گیا ۲؎یا قرآن شریف جس کا وارث بنا گیا۳؎یا مسجد یا مسافر خانہ جو بنا گیا ۴؎یا نہر جو جاری کرگیا یا خیرات جسے اپنے مال سے اپنی تندرستی و زندگی میں نکال گیا۵؎ کہ یہ چیزیں اسے مرے بعد بھی پہنچتی رہتی ہیں۶؎(ابن ماجہ،بیہقی فی شعب الایمان)	

۱؎زبان سے یا قلم سے کہ اپنے کامل شاگرد اور بہترین تصنیفات چھوڑیں،جب تک مسلمان ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے،اسے ثواب پہنچتا رہے گا۔

۲؎خواہ اولاد کو نیک بنا کر گیا یا اس کے مرنے کے بعد اولاد نیک ہوگئی دونوں صورتوں میں اسے ثواب ملتا رہے گا۔

۳؎اس طرح کہ اپنے ہاتھ سے قرآن لکھ کر یا خرید کر چھوڑ گیا اسی حکم میں تمام دینی کتب ہیں۔

۴؎کوشش سے یا اپنے پیسہ یا اپنے ہاتھ سے،اسی حکم میں مدرسے اور خانقاہیں بھی ہیں۔

۵؎تندرستی کی اس لیئے قید لگائی کہ مرض الموت میں خیرات کرنے کا آدھا ثواب ہے کیونکہ اس وقت خود اپنے کو مال کی حاجت نہیں رہتی اس میں تمام صدقہ جاریہ آگئے جیسے کنویں کھدوانا،نلکے لگوانا،ہسپتال بنا جانا وغیرہ۔

۶؎بعض تا قیامت بعض اس سے کم،جس قدر صدقہ کا بقا اسی قدر اس کا اجر۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے مجھے وحی فرمائی۱؎کہ جو تلاش علم میں ایک راہ چلا تو میں اس پر جنت کا ایک راہ آسان کردوں گا۲؎اور جس کی دو پیاری چیزیں میں لے لوں تو اس کو جنت دوں گا۳؎اور علم کی زیادتی عبادت کی زیادتی سے بہتر	

ہے۴؎ کارخانہ دین کا نظام پرہیزگاری ہے ۵؎ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔	

۱؎ بطریق الہام یا بذریعۂ حضرت جبریل کہ مضمون رب کی طرف سے الفاظ حضور کے اسی کو وحی غَیْر مَتْلُو کہتے ہیں۔حدیث قدسی اور قرآن میں یہی فرق ہے کہ قرآن کی عبارت اور مضمون سب رب کی طرف سے ہے۔

۲؎ یعنی جو کسی ذریعہ سے علم طلب کرے خواہ اس کے لیئے سفر کرے یا دینی کتابوں کا مطالعہ رکھے وغیرہ اسے دنیا میں عبادت معرفت وغیرہ جنت کے راستوں کی توفیق ملے گی یا قیامت میں اسے پل صراط سے گزرنا،جنت میں پہنچنا آسان ہوگا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ علم کے بغیر جنت کے تمام دروازے بند ہیں،علم دین ان دروازوں کی چابی ہے۔

۳؎ یعنی میں جس کی آنکھیں بیکار کرکے نابینا کردوں اور وہ اس پر صابر شاکر رہے تو اس صبر پر جنت ملے گی۔معلوم ہوا کہ دنیوی تکالیف خدا کی رحمتوں کا ذریعہ ہیں بشرط صبر۔

۴؎ یعنی علم کی تھوڑی زیادتی عبادت کی بہت سی زیادتی پر افضل ہے۔(اشعۃ)

۵؎ خیال رہے کہ زہد اور تقوےٰ سے وَرَعْ افضل ہے۔حرام،شبہات،طمع اور ریا سے بچنا ہر قسم کی عبادت کرنا وَرَعْ ہے۔صرف حرام سے بچنا تقویٰ،غیر متقی آدمی اپنے دین کا انتظام قائم نہیں رکھ سکتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رات میں ایک گھڑی علم کا درس تمام رات بیداری سے افضل ہے ۱؎(دارمی)	

۱؎ ایسے ہی دن میں کچھ دیر علم کا مشغلہ تمام دن کی عبادت سے افضل ہے۔عبادت سے نفلی عبادات مراد ہیں یہ مطلب نہیں کہ فرائض چھوڑ کر علم سیکھے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم دین کی نیند بھی عبادت ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن سے فقہ سیکھنا افضل۔ان دونوں کا ماخذ یہ حدیث ہے اس کی وجہ ہم بارہا بیان کرچکے عالم تھوڑی عبادت پر جاہل کی بڑی عبادت سے زیادہ ثواب حاصل کرلیتاہے۔

لطیفہ: ایک بزرگ پٹنہ سے حج بیت اللہ کے لیئے پاپیادہ ہر پانچ قدم پر دونفل پڑھتے چلے،دس سال میں گجرات پہنچے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اگر آپ ہوائی جہاز سے ایک رات میں مکہ معظّمہ پہنچ جاتے اور اتنے نوافل وہاں پڑھتے تو ہر رکعت پر ایک لاکھ کا ثواب پاتے۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر گزرے ۱؎ تو فرمایا کہ یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ایک مجلس دوسری سے بہتر ہے ۲؎ لیکن یہ لوگ اللہ سے دعا کررہے ہیں اس کی طرف راغب ہیں اگر چاہے انہیں دے چاہے نہ دے ۳؎ لیکن وہ لوگ فقہ و علم خود سیکھ رہے ہیں ناواقفوں کو سکھا رہے ہیں وہ ہی افضل ہیں ۴؎ میں معلم ہی بنا	

	کر بھیجا گیا ہوں پھر آپ انہیں میں تشریف فرما ہوئے ۵؎(دارمی)

۱؎یعنی مسجد نبوی شریف میں صحابہ کی دو جماعتیں دو گوشوں میں تھیں،ایک گوشہ میں ایک جماعت نوافل و تلاوت وغیرہ عبادت کررہی تھی،دوسرے گوشہ میں دوسری جماعت علمی گفتگو اور سیکھے سبق کی تکرار کررہی تھی،حضور نے ان دونوں کوملاحظہ فرمایا۔

۲؎یعنی مجلس علم مجلس عبادت سے افضل ہے اسکی وجہ آگے آرہی ہے۔

۳؎عابدوں کی محنت اپنی ذات کے لیئے ہے جس کی قبولیت اور ثواب یقینی نہیں کیونکہ یہ اللہ کے کرم پر موقوف ہے اس نے ان چیزوں کا وعدہ نہیں فرمایا۔اس حدیث میں معتزلہ کا کھلا ہوا رد ہے کہ وہ عبادت کا ثواب واجب اور ضروری جانتے ہیں۔خیال رہے کہ آیت کریمہ "اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ" کے معنے یہ ہیں کہ تم مجھے پکارو میں جواب دوں گا یا تم مجھ سے دعا کرو ثواب دوں گا قبولیت دعا کا وعدہ نہیں،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۴؎یعنی اپنے لیئے کچھ نہیں مانگتے دین پھیلا رہے ہیں انکی خدمت یقینی قابل قدر ہے۔خیال رہے کہ بے عمل عالم اس اندھے چراغ والے کی طرح ہے جو اپنے چراغ سے خود فائدہ نہ اٹھائے مگر لوگ فائدہ اٹھالیں لیکن غیر مقبول عبادت بالکل ہی بیکار جس سے کسی کو فائدہ نہیں،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں بے عمل عالم ایسا ہی ہے جیسے بیمار طبیب اوروں کا علاج کردے۔

۵؎ سبحان اللہ! مجلس علم کیسی بابرکت ہے اب بھی سرکار علماء ہی میں تشریف فرما رہتے ہیں انہیں مجلس علم میں ڈھونڈ ھو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اول درجہ کے عابد بھی ہیں لیکن حضور کی عبادت عملی تعلیم ہے۔لہذا آپ نماز پڑھتے ہوئے بھی معلم ہیں اور حضور کی تشریف آوری کا اصل مقصد تعلیم ہے رب فرماتا ہے:"وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ"۔

	روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے جہاں انسان پہنچے تو عالم ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو میری امت پر چالیس احکام دین کی حدیثیں حفظ کرے اسے اللہ فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفیع وگواہ ہوں گا۱؎

۱؎اس حدیث کے بہت پہلو ہیں:چالیس حدیثیں یادکرکے مسلمان کو سنانا،چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا،ترجمہ یا شرح کرکے لوگوں کو سمجھانا،راویوں سے سن کر کتابی شکل میں جمع کرنا،سب ہی اس میں داخل ہیں۔یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس حدیثیں میری امت تک پہنچادے تو قیامت میں اس کا حشر علمائے دین کے زمرے میں ہوگا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس کے ایمان اور تقوے کی خصوصی گواہی دوں گا ورنہ عمومی شفاعت اور گواہی تو ہر مسلمان کو نصیب ہوگی۔اسی

حدیث کی بنا پر قریبًا تمام محدثین نے جہاں حدیثوں کے دفتر لکھے وہاں علیحدہ چہل حدیث جسے "اربعینیه" کہتے ہیں جمع کیں۔امام نووی اور شیخ عبدالحق دہلوی کی اربعینیات مشہور ہیں۔فقیر نے بھی اپنی کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔

	روایت ہے انس بن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کہ بڑا سخی کون ہے عرض کیا ا للہ رسول جانیں۱؎ فرمایا اللہ تعالٰی بڑا جوّاد ہے ۲؎ پھر اولاد آدم میں مَیں بڑا سخی داتا ہوں ۳؎ اور میرے بعد بڑا سخی وہ شخص ہے جو علم سیکھے پھر اسے پھیلائے ۴؎ وہ قیامت میں اکیلا امیر یا فرمایا ایک جماعت ہو کر آئے گا ۵؎

۱؎ یہ صحابہ کا ادب ہے کہ نہ تو"لَا" کہا نہ"بلیٰ" کہ ہاں جانتے ہیں تاکہ حضور پر پیش قدمی نہ ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ سے ملا کر ذکر کرنا اور دونوں ہستیوں کے لیئے ایک ہی صیغہ لانا جائز ہے رب فرماتاہے:"اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ" لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں اللہ رسول علیم وخبیر ہیں۔اللہ رسول نے غنی کردیا،اللہ رسول بھلا کریں وغیرہ۔

۲؎ محاورۂ عرب میں عمومًا سخی اسے کہتے ہیں جو خود بھی کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔جوّاد وہ جوخود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیئے اللہ تعالٰی کو سخی نہیں کہا جاتا ہے۔سخی کے مقابل بخیل ہے جو خود کھائے اوروں کو نہ کھلائے۔جوّاد کا مقابل مُمْسِكْ ہے جو نہ کھائے نہ کھانے دے۔اللہ تعالٰی کی تمام دنیوی اخروی نعمتیں دنیا کے لیئے ہیں اس کے لیئے نہیں۔

۳؎ یہ ارشاد فخرًا نہیں شکرًا ہے حضور ساری خلقت سے بڑے سخی ہیں چونکہ انسان اشرف الخلق ہے اس لیئے اس کا ذکر فرمایا حضور جودِ الٰہی کے مظہر ہیں،رب کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں حضور کے ہاتھوں خلق کو ملتی ہیں۔خود فرماتے ہیں اللہ دیتا ہے میں بانٹنے والا ہوں،اس حدیث میں اللہ تعالٰی اور حضور کی سخاوتیں بغیر قید ذکر ہوئیں ہیں اور ظاہر ہے کہ سخی وہی ہوگا جو مالک بھی ہو لہٰذا حضور مالک کونین ہیں۔

۴؎ یہاں رتبہ کے بعدیت مراد ہے نہ کہ زمانہ کی،لہٰذا اس میں صحابہ کرام اور تاقیامت علماء داخل ہیں،یعنی میری سخاوت کے بعد عالم دین کا درجہ ہے کہ مال کی سخاوت سے علم کی سخاوت افضل ہے اور کیوں نہ ہو کہ حضور ابر رحمت ہیں،علمائے دین اس کا تالاب۔خیال رہے کہ علماء کی سخاوت میں علم کی قید ہے حضور کی سخاوت بے قید،علم پھیلانا خواہ درس تدریس کے ذریعہ ہویا تصنیف کے ذریعہ۔

۵؎ یعنی اس دن عالم دین امام ہوگا اور سارے عابد نمازی شہید وغیرہ اس کے ماتحت کیونکہ جس نے جو نیکی کی عالم کے بتانے سے کی یا ایک عالم کو سارے مسلمانوں کے برابر ثواب ملے گا سب کے حج جہاد وغیرہ میں اس کا حصہ ہوگا یہ مطلب ہے امت واحدہ ہونے کا،رب فرماتا ہے:"اِنَّ اِبْرٰہِیۡمَ کَانَ اُمَّۃً"۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص جو اس سے سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا حریص اس سے سیر نہیں ہوتا۱ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اورفرمایا کہ امام احمد نے ابوالدرداء کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ لوگوں میں اس کا متن مشہور ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں ۲

۱حرص کے معنے ہیں ہمیشہ زیادتی کی خواہش،دنیاوی حرص بری ہے دینی حرص اچھی،عالم کو علم سے کبھی سیری نہیں ہوتی یہ اللہ کی نعمت ہے،رب فرماتا ہے:"قُلْ رَّبِّ زِدْنِیۡ عِلْمًا"دنیا دار دنیا سے سیر نہیں ہوتا،جیسے جَلَنْدَھَر کا بیمار پانی سے۔خیال رہے کہ یہ سب اپنے لیئے ہیں،حضور امت کے لیئے یہ ان سے لے کر سیر نہیں ہوتے حضور دے کر سیر نہیں ہوتے،رب فرماتا ہے:"حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ" لفظ ایک ہے معنے علیحدہ۔

۲امام نووی نے اپنی چہل حدیث میں فرمایا کہ ابوالدرداء کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے جو ساری ضعیف ہیں مگر اسنادوں کی کثرت اور علماء کے قبول کرلینے کی وجہ سے حدیث قوی ہوگی،کیونکہ تعدد اسناد سے ضعیف حسن بن جاتی ہے۔نیز فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہے۔(ازمرقاۃ واشعۃاللمعات)

	روایت ہے حضرت عون سے ۱فرماتے ہیں فرمایا حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کہ دو حریص سیر نہیں ہوتے علم والا اور دنیا والا مگر دونوں برابر نہیں ۲علم والا تو اللہ کی رضا مندی بڑھا لیتا ہے اور دنیا والا سرکشی میں بڑھ جاتا ہے ۳پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی خبردار ہو یقینًا انسان سرکشی کرتا ہے اس لیے کہ اپنے کو بے پرواہ جانتا ہے فرماتے ہیں اور دوسرے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں ۴(دارمی)

۱آپ تابعی ہیں آپ نے حضرت ابن عباس،ابن مسعود،ابوہریرہ سے روایتیں لیں اور آپ سے امام زہری اور امام ابوحنیفہ نے روایتیں لیں۔

۲ مَنۡھُوۡمٌ نَھۡمٌ سے ہے بمعنی کھانے کی زیادہ رغبت،یعنی طالب علم اور طالب دنیا حریص دونوں ہیں مگر انجام میں فرق ہے۔

۳؎ صوفیاء کی اصطلاح میں دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے۔منافقوں کی نماز دنیا تھی اور عثمان غنی کا مال عین دین،وہی یہاں مراد ہے۔لہذا حضرت سلیمان،عثمان غنی اور امام ابوحنیفہ جیسے مالداروں کو دنیادار نہیں کہاجاسکتا،ان کا مال رضائے رحمان کا ذریعہ ہے۔

۴؎ یعنی یہ میں محض اپنے رائے سے نہیں کہتا بلکہ رب تعالٰی نے دنیا دار کے مال کو زیادتی طغیان اور عالم کے علم کو زیادتی رحمت کا سبب بتایا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے کچھ لوگ علم دین سیکھیں گے اور قرآن پڑھیں گے کہیں گے کہ ہم امیروں کے پاس جائیں ان کی دنیا لے آئیں اپنا دین بچالائیں ا؎ لیکن ایسا نہ ہو سکے گا جیسے ببول کے درخت سے کانٹے ہی چنے جاتے ہیں ایسے ہی امیروں کے قرب سے(محمد ابن صباح نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ)خطائیں ہی چنی جائیں گی ۲؎(ابن ماجہ)	

ا؎ یعنی بعض علماء و قاری صاحبان بلاضرورت طمع نفسانی کی خاطر اور مال و عزت حاصل کرنے کے لیئے فاسق مالداروں اور حکام کے پاس جانا آنا و نشست و برخاست رکھیں گے محض دنیا کی غرض سے۔

۲؎ ہماری شرح سے معلوم ہوگیا کہ امیروں سے فاسق اور بے دینی امیر مراد ہیں ان کے پاس علماء کا آنا جانا دین کے لیئے خطرناک ہے کہ وہ ان سے اپنی مرضی کے مطابق غلط فتوے حاصل کرتے ہیں جیسے کہ آج دیکھا جارہا ہے کہ فساق مالدار انتخاب کے موقعوں پر ووٹوں کے لیئے عالموں اور پیروں کو ناجائز استعمال کرلیتے ہیں۔دین دار امیروں کے پاس دینی فائدے کے لیئے علماء کا جانا جائز بلکہ بڑا فائدہ مند ہے۔یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے افسر مال رہے،آپ کی برکت سے عزیز کو ایمان اور دنیا کو قحط سے امان مل گئی۔قاضی امام یوسف ہارون رشید بادشاہ کے قاضی القضاۃ رہے،آپ کی برکت سے بادشاہ کو تقوے نصیب ہوا اور دنیا علم سے مالا مال ہوگئی۔یہ واقعات اس حدیث کے خلاف نہیں،محمد ابن مسلمہ فرماتے ہیں کہ پاخانہ پر بیٹھنے والی مکھی امیروں اور حاکموں کے دروازہ پر جانے والے عالم و قاری سے اچھی ہے کہ وہ نجاست لے کر آتی ہے اور یہ دین دیکر اور ظلم لیکر آتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ اگر علماء علم محفوظ رکھتے ا؎ اور اسے اہل ہی پر پیش کرتے ۲؎ تو اس کی برکت سے اپنے زمانہ والوں کے سردار ہوجاتے ۳؎ مگر انہوں نے علم دنیا داروں کے لیے خرچ کیا تاکہ اس سے ان کی دنیا کمائیں اس سے وہ ان پر ہلکے ہوگئے ۴؎ میں نے تمہارے نبی کو فرماتے سنا کہ	

	جو تمام غموں کو ایک آخرت کا غم بنالے اللہ اسے دنیا کے غموں سے کافی ہوگا اور جسے دنیا کے غم ہر طرف لیے پھریں تو اللہ اس کی پروا بھی نہ کرے گا کہ کون سے جنگل میں ہلاک ہوا ۵؎ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی علم کو ذلت اور اہانت سے بچاتے اس طرح کہ خود طمع اور لالچ میں دنیا داروں کے دروازے پر دھکے نہ کھاتے کہ عالم کی ذلت سے علم کی ذلت ہے اور علم کے بے حرمتی دین کی ذلت ہے۔

۲؎ یعنی قدر دانوں اور شریف الطبع لوگوں کو علم سکھاتے۔

۳؎ اس طرح کہ بادشاہ ان کے قدموں کے نیچے اور ان کے احکام ان کے قلموں کے نیچے ہوتے ہیں رب کا وعدہ ہے:"وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ"۔

۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ تابعین میں لالچی اور حریص عالم پیدا ہوچکے تھے،جنہیں دیکھ کر صحابہ یہ فرمارہے ہیں۔

۵؎ سبحان اللہ! تجربہ بھی اس حدیث کی تائید کرتا ہے اللہ تعالٰی کسی مسلمان کو دو غم اور دو فکریں نہیں دیتا،جس دل میں آخرت کا غم و فکر ہے ان شاءاللہ اس میں دنیا کا غم و فکر نہیں آتا دنیاوی تکلیفیں اگر آ بھی جائیں تو دل ان کا اثر نہیں لیتا۔کلورا فارم سنگھا دینے سے آپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔اللہ تعالٰی غم آخرت نصیب کرے حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ یہی کلورافارم سونگھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کربلا کی مصیبتیں خندہ پیشانی سے جھیل گئے۔

	اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے جہاں سے روایت کی مَنۡ جَعَلَ الخ روایت ہے۔

	روایت ہے حضرت اعمش سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کی آفت بھول جانا ہے اور اس کی بربادی یہ ہے کہ نااہل پر بیان کرو ۲؎ اسے دارمی نے مرسلًا روایت کیا۔

۱؎ آپ کا نام سلیمان،کنیت ابو محمد اسدی ہیں،کوفی ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،حضرت انس بن مالک سے ملاقات کی ہے،تیرہ سو ۱۳۰۰ حدیثیں آپ سے منقول ہیں،۷۰ سال جماعت کی تکبیر اولٰی سے نماز پڑھی،امام حسین کی شہادت کے دن پیدائش ہے،۱۴۸ھ میں وفات ہوئی۔آپ کو سید المحدثین کہا جاتا ہے لیکن مائل بر رفض تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی جیسے مال و صحت بعض آفتوں سے برباد ہوجاتے ہیں ایسے ہی علم بھولنے سے برباد ہوجاتا ہے لہذا عالم کو چاہیئے کہ علم کا مشغلہ رکھے،کتب بینی چھوڑ نہ دے،حافظہ کمزور کرنے والی عادتوں اور چیزوں سے بچے۔علامہ شامی نے فرمایا کہ چھ چیزیں حافظہ کمزور کرتی ہیں۔چوہے کا جوٹھا کھانا،جوں پکڑ کر زندہ چھوڑ دینا،ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنا،علک گوند چبانا،کھٹا

سیب کھانا،سیب کے چھلکے چبانا۔(نوٹ)جو کوئی بعد نماز داہنا ہاتھ سر پر رکھ کر اکیس باریَا"قَوِیُّ"پڑھ کر دم کرلیا کرے ان شاءاللہ اس کا حافظہ قوی ہوگا۔ خیال رہے کہ یہاں نااہل سے وہ لوگ مراد ہیں جو علم کی باریکیاں سمجھ نہ سکیں یہ لوگ علم پڑھ کر دنیا میں فساد ہی پھیلائیں گے جیسا کہ آج مشاہدہ ہورہا ہے۔

روایت ہے حضرت سفیان سے [1] کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے [2] فرمایا کہ اہل علم کون لوگ ہیں فرمایا جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں فرمایا کہ علماء کے دل سے علم کس چیز نے نکال دیا فرمایا لالچ نے [3] (دارمی)	

[1] آپ کا نام سفیان ابن سعید ہے،قبیلہ ثور کے ہیں،کوفی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،آئمہ مجتہدین اور قطب عالمین میں سے ہیں ۹۹ھ میں پیدا ہوئے، ۱۶۱ھ میں بصرے میں وفات پائی۔

[2] آپ کا لقب کعب احبار ہے،توریت کے بڑے عالم تھے،بنی اسرائیل کے سردار تھے،حضور کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ ہوا،عہد فاروقی میں اسلام لائے،حضرت عمر،صہیب و عائشہ صدیقہ سے روایتیں لیں خلافت عثمانیہ میں ۳۲ھ میں مقام حمص میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے شاندار تابعی ہیں۔

[3] حضرت کعب احبار نے یہ دونوں باتیں غالبًا توریت شریف سے دیکھ کر بیان فرمائیں۔حضرت فاروق اعظم نے ہی پوچھا تھا کہ توریت میں کسے عالم کہا گیا ہے۔علم نکل جانے سےمراد ہے علم کے انوار کا نکل جانا طمّاعی عالم حق بیان نہیں کرسکتاجیسا آج دیکھا جارہا ہے۔

روایت ہے حضرت احوص ابن حکیم سے [1] وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے برائی کی بابت پوچھا [2] تو فرمایا کہ مجھ سے برائی کی بابت نہ پوچھو بھلائی کے متعلق پوچھو تین بار فرمایا [3] پھر فرمایا آگاہ رہو کہ بدترین شریر برے علماء ہیں اور اچھوں سے اچھے بہترین علماء ہیں [4] (دارمی)	

[1] تابعی ہیں،حضرت انس،عبداللہ ابن یسر سے ملاقات کی ہے،روایات میں ضعیف ہیں،ان کے والد حکیم ابن عمیر صحابی ہیں۔

[2] یعنی گناہ اور اس کے اسباب کیا ہیں اور اس سے بچنے کا ذریعہ کیا۔خیال رہے کہ نیکیاں کرنے کے لیئے جاننا چاہئیں اور گناہ بچنے کے لیئے،علماء فرماتے ہیں کہ کفریات سیکھنا فرض ہے تاکہ ان سے بچے۔

[3] یعنی صرف برائیاں ہی نہ پوچھا کرو بھلائیاں بھی پوچھا کرو۔

[4] کیونکہ عالم کے بگڑنے سے عالَم بگڑ جاتا ہے اور عالم کے سنبھلنے سے عالَم سنبھل جاتاہے۔عالم مسلمانوں کے جہاز کا کپتان ہے،تریگا سب کو لے کر اور ڈوبے گا تو سب کو لے کر،آج جتنے فرقے مسلمانوں میں بنے سب علماءسوء کی مہربانی سے اور اس کے باوجود اسلام اصلی رنگ میں موجود ہے علمائے خیر کی برکت سے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدتردرجہ والا وہ عالم ہے جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے۱؎ (دارمی)	

۱؎ یعنی لوگ اس کے علم سے فائدہ نہ اٹھائیں نہ مسائل بیان کرے نہ کوئی دینی کتاب لکھے یا یہ مطلب ہے کہ خود نفع حاصل نہ کرے،یعنی عالم بے عمل،علم درخت ہے عمل اس کا پھل،بڑا بدنصیب وہ شخص ہے جو اپنے درخت کا پھل خود نہ کھائے،جاہل بےعمل کو ایک عذاب ہے اور عالم بےعمل کو سات گناہ عذاب جیسا کہ روایت میں ہے۔

روایت ہے حضرت زیاد ابن حدیر سے۱؎فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز ڈھاتی ہے۲؎میں نے کہا نہیں فرمایا اسلام کو عالِم کی لغزش منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہ کن سرداروں کی حکومت تباہ کرے گی ۳؎(دارمی)	

۱؎ آپ کی کنیت ابومغیرہ ہے،قبیلہ بنی اسد سے ہیں،کوفہ کے رہنے والے ہیں،تابعی ہیں،حضرت عمروعلی سے احادیث لیں۔

۲؎ یعنی اسلام کی عزت لوگوں کے دل سے دورکرتی ہے۔

۳؎ یعنی جب علماء آرام طلبی کی بنا پرکوتاہیاں شروع کردیں،مسائل کی تحقیق میں کوشش نہ کریں،اور غلط مسئلے بیان کریں،بے دین علماءکی شکل میں نمودار ہوجائیں،بدعتوں کو سنتیں قرار دیں،قرآن کریم کو اپنی رائے کے مطابق بنائیں،اور گمراہ لوگوں کے حاکم بنیں اور لوگوں کواپنی اطاعت پر مجبور کریں تب اسلام کی ہیبت دلوں سے نکل جائے گی جیسا آج ہورہا ہے۔بعض نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے مراد ان کا فسق و فجورمیں مبتلا ہوجانا ہے عالم کا عمل بھی تبلیغ ہوناچاہیئے۔

روایت ہے حضرت حسن سے فرماتےہیں علم دو طرح کے ہیں ایک علم دل میں یہ علم فائدہ مند ہے۱؎دوسرا علم صرف زبان پر یہ انسان پر اللہ کی حجت ہے۲؎ (دارمی)	

۱؎ یعنی علم دین کی دو نوعیتیں ہیں:ایک وہ جس کا نورعالم کے دل میں اترجائے جس سے قلب روشن اور قالب مطیع ہو جائے یہ علم عالم کو نفع دے گا اور دوسروں کو بھی،ایسے عالم کا وعظ بلکہ اس کی صحبت اکسیر ہے۔اس کی علامت یہ ہے کہ عالم کے دل میں خوف خدا اور محبت جناب مصطفے،آنکھوں میں تری،زبان پر اللہ کا ذکر رہتے ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم بغیر تصوف فسق ہے اورتصوف بغیرعلم بے دینی۔

۲؎ یعنی جب عالم صرف باتیں اچھی کرے مگر اس کا اپنا دل نور سے اور بدن اثرعلم سے خالی ہو یہ علم قیامت میں عالم کے الزام کھا جانے کا ذریعہ ہوگا کہ رب فرمائے گا تو سب کچھ جانتاتھا پھرگمراہ اور بدعمل کیوں بنا؟ صوفیاءفرماتے ہیں کہ جس علم میں تصوف کی چاشنی نہ ہو وہ علم لسانی وارثت شیطانی ہے۔آدم علیہ السلام کا علم قلبی تھا شیطان کا لسانی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے	

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ایک تو تم میں پھیلا دیا اور دوسرا اگر اسے پھیلاؤں تو یہ کاٹ ڈالا جائے یعنی گلا ۱؎ (بخاری)

۱؎ یعنی مجھے حضور سے دو قسم کے علم ملے،ایک علم شریعت جو میں نے تمہیں بتادیا دوسرا علم اسرار و طریقت و حقیقت کہ اگر وہ ظاہر کروں تو عوام نہ سمجھیں اور مجھے بے دین سمجھ کر قتل کردیں،یا ایک علم احکام دوسرے علم اخبار،جس میں ظاہر حاکموں اور بے دین سرداروں کے نام موجود ہیں اگر میں بتاؤں تو ان کی ذریت مجھے ہلاک کردے۔حضرت ابوہریرہ کبھی کنایۃً اشارۃً کچھ کہہ دیتے تھے۔چنانچہ دعامانگا کرتے تھے کہ خدایا مجھے ۶۰ھ؁ کے فتنوں اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ دے۔چنانچہ ۶۰ھ؁ میں امیر معاویہ کی وفات ہوئی یزید پلید تخت نشین ہوا۔اس دعا میں ان دو واقعات کی طرف اشارہ تھا،آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال قبل انتقال فرمایا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ شرعی مسئلے بے دھڑک بیان کیئے جائیں مگر تصوف کے اسرار نااہل کو نہ بتائے جائیں۔دوسرے یہ کہ غیر ضروری چیزیں جن کے اظہار سے فتنہ پھیلتا ہو ہرگز ظاہر نہ کی جائیں۔تیسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کو علوم غیبیہ عطا فرمائے،حضور کے ذریعہ صحابہ کرام کو بھی،جب حضرت ابوہریرہ کے علم کا یہ حال ہے کہ حضرت خلفائے راشدین کے علوم تو ہماری سمجھ سے بالا ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ سے فرمایا اے لوگو!جو کوئی کچھ جانتا ہوتو بیان کردے اور جو نہ جانتا ہو وہ کہہ دے اللہ جانے ۱؎ کیونکہ علم یہ ہی ہے جسے تم نہ جانو تو کہہ دو اللہ جانے ۲؎ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی سے فرمایا کہ فرمادو میں نبوت پر تم سے اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں سے ہوں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود کا اپنا فرمان۔مقصد یہ ہے کہ کوئی عالم اپنی بے علمی ظاہر کرنے میں شرم نہ کرے،اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتو گھڑکر نہ بتائے ہماری بے علمی علم سے زیادہ ہے رب فرماتا ہے:"وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا"فرشتوں نے عرض کیا تھا:"لَا عِلْمَ لَنَاۤ"حضرت علی سے سر منبر کوئی مسئلہ پوچھا گیا آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں،وہ گستاخ بولا کہ آپ بے علمی کے باوجود منبر پر کیوں کھڑے ہوگئے؟ آپ نے فرمایا کہ میں بقدر علم منبر پر چڑھا ہوں اگر بقدر جہالت چڑھتا تو آسمان پر پہنچ جاتا۔(مرقاۃ)

۲؎ یعنی اپنی بے علمی جاننا بھی علم ہے،اپنی جہالت سے ناواقف ہونا جہل مرکب،مفتیان کرام فتوے کے آخر میں لکھتے ہیں" اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ"وہ یہاں سے اخذ ہے۔

۳؎ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین سب سے بڑے عالم،تمام جہان کے معلم ہیں مگر انہیں حکم دیا گیا جس چیز کا علم آپ کو اب تک نہ دیا گیا ہو بتکلف نہ بتائیں۔چنانچہ حضور سے اصحاب کہف کی تعداد پوچھی گئی نہ بتائی کیونکہ اس کا علم

بعدمیں عطاء ہوا،حضرت عمرسے سوال ہوا کہ فاکھہ اور ابٌّ(میوہ اور چارہ) میں کیا فرق ہے ؟ فرمایا مجھے خبر نہیں،حضرت امام مالک نے چھتیس مسائل میں فرمایا کہ میں نہیں جانتا،حضرت امام ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ دھرکیا چیز ہے فرمایا مجھے خبرنہیں۔

روایت ہے حضرت ابن سیرین سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ علم دین ہے لہٰذا غورکرو اپنا دین کس سے حاصل کرتے ہو۲؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام محمد ابن سیرین،کنیت ابوبکرہے،شاندار تابعین میں سے ہیں،آپ کے والدسیرین حضرت انس کے آزادکردہ غلام تھے،آپ بڑے عالم،فقیہ،علم تعبیر کے امام تھے،آپ کی عمر۷۷سال ہوئی، ۱۱۰ھ؁ میں وصال ہوا،بصرہ سے قریبًا دس میل دورعشرہ میں خواجہ حسن بصری کے قبہ میں آپ کا مزار ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔

۲؎ یعنی علم شریعت علم دین جب بنے گا جب سکھانے والا استاد عالم دین ہوگا،بے دین عالم سے حاصل کیاہواعلم بےدینی ہی دے گا،آج لوگ بے دینوں سے تفسیروحدیث پڑھ کربے دین ہورہے ہیں،فرمان کے ساتھ فیضان ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے ۱؎ آپ نے فرمایا اے قاریوں کے گروہ سیدھے رہو کیونکہ تم بہت ہی پہلے ہو۲؎ اگر تم ہی الٹے سیدھے ہوگئے تو تم بڑی گمراہی میں پڑجاؤ گے۳؎ (بخاری)	

۱؎ آپ کا نام حذیفہ ابن یمان ہے،کنیت ابوعبداللہ،آپ کے والدیمان کا نام جمیل تھا،لقب یمان،آپ حضور کے صاحب اسرارصحابی ہیں،آپ کو منافقین اورقیامت،ایک ایک فتنہ کا علم تھا،آپ کا وصال ۳۵ھ؁ یا ۳۶ھ؁ میں حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد مدائین میں ہوا،وہیں آپ کا مزار ہے۔(اکمال،اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی اے علماء صحابہ و تابعین تم عقائد اور اعمال میں درست رہو کیونکہ سارے مسلمانوں سے تم پہلے ہوجیسے تم ہو گے ویسے بعد کے مسلمان ہوں گے،وہ تمہارے نقش قدم پرچلیں گے اورتمہاری نقل کریں گے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں علی العموم علماء قاری بھی ہوتے تھے اسی لیئے انہیں"قراء"فرمایا گیا۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ ایک استقامت ہزارکرامتوں سے بہتر ہے۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کے معنے ہیں اے صحابہ!تم سارے مسلمانوں سے افضل ہو کہ کوئی شخص کتنا ہی عمل کرے تمہارے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا،لہٰذا تمہارے اعمال سب سے اعلیٰ چاہئیں۔

۳؎ یعنی اگرتمہارے عقائد یا اعمال غلط ہوگئے تو تمہیں دیکھ کر ساری امت گمراہ ہوجائے گی لہٰذا تمہاری غلطی بڑی خطرناک ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غم کے کنوئیں سے اللہ کی پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ غم کا کنوآں کیا ہےفرمایا دوزخ میں ایک جنگل ہے جس سے خود دوزخ روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے ۱؎ (۴۰۰)عرض کیا	

گیا یارسول اللہ اس میں کون جائے گا؟فرمایا اپنے اعمال میں دکھلاوا کرنے والے قاری۲؎ اسے ترمذی نے روایت کیا یوں ہی ابن ماجہ نے اس میں یہ زیادہ ہے کہ خدا کو بہت ناپسند وہ قاری ہیں جو امیروں کی ملاقاتیں کرتے ہیں محاربی ظالم امیروں کی ۳؎	

۱؎ یہ حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے چونکہ وہ جنگل بہت گہرا ہے اور وہاں سوائے غم کے اور کچھ نہیں اس لیئے اسے غم کا کنوآں فرمایا گیا۔دوزخ کی چار حدود ہیں،ہر حد روزانہ سو بار اس وادی سے پناہ مانگتی ہے یا تو وہاں پر مقرر کردہ فرشتہ زبانیہ اس سے پناہ مانگتے ہیں یا خود دوزخ کی آگ،ہر چیز میں شعور ہے جس سے وہ جانتی و پہچانتی ہے۔خیال رہے کہ جیسے دنیا کی آگوں کی گرمی مختلف ہے،گھاس پھوس کی آگ کم گرم،ببول کی آگ بہت تیز،پٹرول سپرٹ کی آگ اور زیادہ تیز،بعض آگ لوہا و فولاد گلا دیتی ہے ایسے ہی دوزخ کی آگ بھی مختلف ہے۔

۲؎ یعنی وہ بے دینی علماء جو اچھے اعمال کے لباس میں لوگوں کے سامنے آئیں اور لوگوں کو گمراہ اور بے دین بنائیں۔

۳؎ تاکہ ان سے دولت لےکر ان کی بدکاریوں کو جائز ثابت کریں اور ظلم میں ان کے مددگار ہوں بلکہ چاپلوس عالم بھی خطرناک ہیں جو ہر جگہ پہنچ کر وہاں جیسا بن جائے۔ہمارا اللہ،نبی،قرآن وکعبہ ایک،دین بھی ایک ہونا چاہیئے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب لوگوں پر وہ وقت آئے گا جب اسلام کا صرف نام۱؎ اور قرآن کا صرف رواج ہی رہ جائے گا۲؎ ان کی مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی۳؎ ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین خلق ہوں گے ان سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹ جائے گا ۴؎ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔	

۱؎ اس طرح کہ مسلمانوں کے نام اسلامی ہوں گے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہوں گے مگر رنگ ڈھنگ سب کافروں کے سے جیسا آج دیکھا جارہا ہے،یا ارکان اسلام کے نام و شکل تو باقی رہیں گے مگر مقصود فوت ہوجائے گا،نماز کا ڈھانچہ ہوگا خشوع خضوع نہیں،زکوۃ دیں گے مگر قوم پروری ختم ہوجائے گی،حج کریں گے مگر صرف سیر کے لیئے،جہاد ہوگا مگر صرف ملک گیری کے لیئے۔

۲؎ رسم نقش کو بھی کہتے ہیں اور طریقہ کو بھی،یہاں دونوں معنی درست ہیں،یعنی قران کے نقوش کاغذ میں اور الفاظ زبان پر ہوں گے مگر احترام قلب میں اور عمل قالب میں نہ ہوگا یا رسمًا قرآن پڑھایا رکھا جائے گا،کچہریوں میں جھوٹی قسمیں کھانے کے لیئے،اور گھروں میں میت پر پڑھنے کے لیئے،عمل کیلئے عیسائیوں کے قوانین ہوں گے۔

۳؎ یعنی مسجدوں کی عمارت عالی شان،درودیوار نقشیں،بجلی کی فٹنگ خوب،مگر نمازی کوئی نہیں،ان کے امام بے دین،گویا مسجد میں بجائے ہدایت کے بے دینیوں کا سرچشمہ بن جائے گی،ہر مسجد سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ درس کی آوازیں آئیں گی مگر وہ درس زہر قاتل ہوں گے،جن میں قرآن کے نام پر کفر و طغیان پھیلایا جائے گا۔

۴؎ یعنی بے دین علماءسوء کی کثرت ہوگی جن کا فتنہ سارے مسلمانوں کو گھیرلے گا جیسے دائرے کا خط جہاں سے شروع ہوتا ہے وہیں پہنچ کر دائرہ کو مکمل بنادیتا ہے اور ساری سطح کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے ایسے ہی ان کا فتنہ ہوگا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ سارے عالم خراب ہوجائیں گے ورنہ دین مٹ جاتا۔اللہ اس دین اور صلحائے حق کو تاقیامت رکھے گا جو دین کو اصلی رنگ میں باقی رکھیں گے جیسا کہ آج بھی دیکھا جارہا ہے۔

روایت ہے زیاد ابن لبید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ علم جاتے رہنے کے وقت ہوگا ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ علم کیسے جاسکتا ہے؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے اور تاقیامت ہماری اولاد اپنی اولاد کو ۳؎ تو فرمایا اے زیاد تمہیں تمہاری ماں روئے ہم تو تمہیں مدینہ کے بڑے سمجھ داروں میں سے جانتے تھے ۴؎ کیا یہ یہود اور نصاریٰ توریت و انجیل نہیں پڑھتے لیکن ان میں جو ہے اس پر بالکل عمل نہیں کرتے ۵؎ روایت کیا احمد ابن ماجہ نے اور ترمذی نے انہیں سے اس طرح روایت کیا۔

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،زُرَقِی ہیں۔حضور کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے،ہجرت سے پہلے حضور کے پاس مکہ معظّمہ پہنچ گئے تھے۔پھر مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئے اس لیئے آپ کو تمام صحابہ مہاجر انصار کہا کرتے تھے،حضور نے آپ کو حضرموت کا حاکم مقرر فرمایا،امیر معاویہ کے شروع زمانۂ امارت میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی یہ نہایت ہولناک واقعات جب ہوں گے جب دنیا سے علم دین اٹھ گیا ہوگا۔

۳؎ یہاں قرآن پڑھنے پڑھانے سے مراد پورا علم سیکھنا سکھانا ہے یعنی جب تعلیم و تعلّم کا مشغلہ قائم رہے گا تو علم کیونکر اٹھ جائے گا۔مصدر کے ہوتے حاصل مصدر کہاں جاسکتا ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ استاد اپنے شاگرد کو غیر مناسب سوال کرنے پر عتاب کرسکتا ہے یہ الفاظ کہ ہم تمہیں ایسا جانتے تھے اظہار عتاب کے لیئے ہوتے ہیں نہ کہ اپنی بے علمی کے اظہار کے لیئے جیسا کہ بعض ناسمجھ لوگوں نے اس حدیث سے حضور کے علم کا انکار کیا۔

۵؎ یعنی علم سے ہماری مراد نتیجہ علم ہے۔یعنی علم ہوگا عمل نہ ہوگا۔خیال رہے کہ عیسائیوں کے پادری اور جوگی رشوتیں لیکر عوام و اعمال سے معافی دے دیتے ہیں اور ان کے گناہ بخشتے رہتے ہیں توخودکیا نیکی کرتے ہوں گے،ہفتہ میں ایک دن گرجے میں گابجا لینا ان کے عمل ہیں۔

	ایسے ہی دارمی نے ابو امامہ سے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۱؎ میں وفات پانے والا ہوں علم عنقریب اٹھ جائے گا فتنے ظاہر ہوں گے حتی کہ دو شخص ایک فریضہ میں جھگڑیں گے ایسا کوئی نہ پائیں گے جو ان میں فیصلہ کردے ۲؎ اسے دارمی اور دارقطنی نے روایت کیا۔

۱؎ فرائض سے مراد اسلامی فرائض،روزے،نماز وغیرہ کے مسائل ہیں،یا علم میراث۔دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے اگرچہ علم اور قرآن میں یہ بھی آگیا تھا مگر زیادتی اہتمام کے لیئے خصوصیت سے اس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔

۲؎ یعنی ابھی تو تم کو آسانی ہے کہ ہرمسئلہ مجھ سے پوچھ لو،میرے بعدایک وقت دشواری پیش آئے گی کہ علماء اٹھ جائیں گے یہاں تک کہ اگر میت کی میراث بانٹنی ہوگی تو مفتی نہ ملے گا۔ظاہر یہ ہےکہ یہاں دو سے مرادمیت کے دو وارث ہیں اورفریضہ سے مراد مسئلہ میراث اورہوسکتا ہے کہ فریضہ سے کوئی اور مسئلہ شرعی مراد ہو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانہ کی سی ہے جس سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے ۱؎(احمدودارمی)

۱؎ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ مثال ہے،یعنی جس علم سے نہ عالم نفع اٹھائے نہ دوسرے وہ اسی مال کی طرح ہے جس سے نہ مالک فائدہ اٹھائے نہ اور لوگ،جیسے وہ مال بیکار بلکہ مضر ایسے ہی یہ علم وبال۔

کتاب الطھارۃ

پاکی کی کتابہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ طہارت کے معنی ہیں گندگی اور ناپاکی دور کرنا،گندگی روحانی بھی ہوتی ہے اور جسمانی بھی،لہذا طہارت بھی روحانی اور جسمانی ہے،ان دونوں طہارتوں کی بہت قسمیں ہیں کیونکہ گندگیاں بہت قسم کی ہیں۔طہارت جسمانی دو طرح کی ہے:طہارت حقیقی اور طہارتِ حکمی۔طہارت حقیقی:گندگیٔ حقیقی یعنی خبث کو دور کرنا،اور طہارت حکمی:حکمی گندگی یعنی حدث کو دور کرنا،اس باب میں انہی دو طہارتوں کا ذکر آئے گا۔

روایت ہے حضرت ابومالک اشعری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاکی نصف ایمان ہے ۲؎ اور الحمدللہ ترازو بھردے گی ۳؎ اور سبحان اللہ اور الحمدللہ آسمان و زمین کے درمیان کو بھردیتے ہیں ۴؎ اور نماز روشنی ہے ۵؎ خیرات دلیل ہے ۶؎ صبر چمک ہے ۷؎ قرآن تیری یا تجھ پر حجت ہے ۸؎ ہر شخص صبح پاتا ہے تو اپنا نفس بیچتا ہے تو یا نفس کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک ۹؎ مسلم نے روایت کی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر آسمان و زمین کے درمیان کو بھردیتے ہیں میں نے یہ روایت نہ مسلم و بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں نہ جامع میں لیکن اسے دارمی نے ذکر کیا اور سبحان اللہ کی بجائے الحمدللہ ذکر کیا ۱۰؎	

۱؎ آپ صحابی ہیں،حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا ہیں،عہد فاروقی میں وفات پائی۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ طہور سے ظاہری پاکی اور ایمان سے عرفی ایمان مراد ہے۔چونکہ ایمان بھی گناہوں کو مٹاتا ہے اور وضوء بھی،لیکن ایمان چھوٹے بڑے سارے گناہ مٹا دیتا ہے اور وضوء صرف چھوٹے،اس لیے اسے آدھا ایمان فرمایا۔ایمان باطن کو عیبوں سے پاک فرماتا ہے اور وضو ظاہر کو گندگیوں سے،اور ظاہر باطن کا گویا نصف ہے یا ایمان دل کو برائیوں سے پاک اور خوبیوں سے آراستہ کرتا ہے اور طھارت جسم کو فقط گندگیوں سے پاک کرتی ہے،لہذا یہ نصف ہے اور ممکن ہے کہ ایمان سے مراد نماز ہو،رب فرماتا ہے:"لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ"۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کی ساری شرطیں شرط طہارت کے برابر ہیں۔غرضکہ حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ایمان بسیط چیز ہے پھر اس کا آدھا اور تہائی کیسا ؟

۳؎یعنی جو شخص ہر حال میں الحمدللہ کہا کرے تو قیامت میں میزانِ عمل کے نیکی کا پلہ اس سے بھر جائے گا اور ایک حمد تمام گناہوں پر بھاری ہوگی۔کیونکہ یہ ہیں ہمارے کام اور وہ ہے رب کا نام۔

۴؎یعنی ان دوکلموں کا ثواب اگر دنیا میں پھیلایا جائے تو اتنا ہے کہ اس سے سارا جہان بھر جائے یا مطلب یہ ہے کہ سبحان اللہ میں اللہ کی بے عیبی کا اقرار ہے اورالحمدللہ میں اسی کے تمام کمالات کا اظہار۔اوریہ دو چیزیں وہ ہیں جن کے دلائل سے دنیا بھری ہوئی ہے کہ ہرذرہ اورہرقطرہ رب کی تسبیح وحمدکررہاہے۔

۵؎یعنی نماز مسلمان کے دل کی،چہرے کی،قبر کی،قیامت کی روشنی ہے۔پل صراط پرسجدہ کا نشان بیٹری کا کام دے گا،رب فرماتاہے:"نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ"اور ممکن ہے کہ صلوٰۃ سے مراد درودشریف ہوکہ یہ بھی ہرطرح نورہے۔

۶؎مؤمن کے ایمان کی،کہ منافق اور کافر کو صحیح خیرات کی توفیق نہیں ملتی،یا کل قیامت میں صدقہ محبتِ پروردگار کی دلیل اور بخشش کا کفیل بنے گا،کیونکہ اسے رب نے قرض فرمایا ہے:"مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ"۔خیال رہے کہ اس صدقہ میں زکوۃ،فطرہ وغیرہ تمام فرضی ونفلی خیراتیں داخل ہیں۔

۷؎صبر کے لغوی معنے ہیں روکنا،یعنی نفس کوگناہوں سے روکنا،یا عبادات پر قائم رکھنا،یا مصیبتوں پر گھبراہٹ سے روکنا دل کا یا چہرے کا نور ہے۔خیال رہے کہ نور ہر روشنی کو کہا جاسکتا ہے ہلکی ہویاتیز،مگر ضیاءصرف تیزروشنی کو کہتے ہیں۔رب فرماتا ہے:"جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّ الۡقَمَرَ نُوۡرًا"چونکہ صبرہر عبادت میں ضروری ہےاس لیے نماز کو نور اور اسے ضیاءفرمایا گیا۔ہوسکتا ہے کہ صبرسے مراد روزہ ہو،چونکہ روزہ صرف اللہ کا ہےاسی لئےضیاء یعنی جگمگاہٹ فرمایا گیا۔

۸؎کہ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو قیامت میں یہ تیرا گواہ اور تیرے ایمان کی دلیل ہوگا اور اگر اس کے خلاف عامل رہا توتیرے خلاف گواہ۔

۹؎یعنی روزانہ صبح کے وقت ہرشخص اپنی زندگی کی دُکان کھولتا ہے،سانسیں صَرف کرکے اعمال کماتا ہے،اگراچھے اعمال میں سانسیں گزریں تو سودانفع کارہا،نفس جہنم سے بچ گیا۔ا ور اگر برے کام کیئے تو سودا گھاٹے کا رہا،نفس کو ہلاک کردیا۔نفس سے مراد ذات دل اور سانسیں سب کچھ ہوسکتے ہیں۔سبحان اللہ! اس افصح الفصحاءعرب کے قربان جاؤں کیسے جامع کلمات ارشاد فرمائے۔خیال رہے کہ ہم جیسے گنہگاروں کی دکانِ زندگی صبح کھل کرسوتے وقت بند ہوجاتی ہے،بعض وہ خوش نصیب بھی ہیں جن کی دکان کبھی بند ہی نہیں ہوتی،اور ان کا بازارکبھی سونا ہی نہیں ہوتا،سوتے میں بھی دکانداری کرتے ہیں،کیونکہ ان کا دل جاگتا ہے بلکہ بعد وفات بھی ان کے میلے لگے ہوئے ہیں۔

۱۰؎یعنی یہ زیادتی ان میں سے کسی کتاب میں نہ ملی تو مصابیح میں بھی نہ ہونی چاہیئے تھی،کیونکہ فصل اول میں صحیحین کی روایات آتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں مٹا دے درجے بلند کردے

	۱؎لوگوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ۲؎فرمایا وضوء پورا کرنا مشقتوں میں ۳؎مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا ۴؎نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا ۵؎یہ ہے سرحد کی حفاظت ۶؎

۱؎خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں نہ کبیرہ نہ حقوق العباد۔محو سے مراد ہے بخش دینا یانامۂ اعمال سے ایسا مٹا دینا کہ اس کا نشان باقی نہ رہے۔درجوں سے مراد جنت کے درجے ہیں یا دنیا میں ایمان کے درجے۔

۲؎یہ سوال و جواب اس لیئے ہے کہ تاکہ اگلا فرمان غور سے سنا جائے ورنہ حضور کی تبلیغ ان کی عرض پر موقوف نہیں۔

۳؎پورے کرنے سے اعضائے وضوکامل دھونا،اورتین بار دھونا،اور وضو کی سنتوں کا پورا کرنا ہے۔مشقت سے مراد سردی،یا بیماری،یا پانی کی گرانی کا زمانہ ہے،یعنی جب وضو مکمل کرنا بھاری ہو تب مکمل کرنا۔

۴؎یا اسی لئے کہ گھرمسجد سے دور ہویا قدم قریب قریب ڈالے۔مطلب یہ کہ ہر وقت نمازمسجد میں پڑھنا،نماز کے علاوہ وعظ وغیرہ کے لئے بھی مسجد میں حاضری دینا موجب ثواب ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ قریب کی مسجد چھوڑکر دورجاکرنماز پڑھے۔

۵؎یعنی ایک وقت کی پڑھ کر دوسری نماز کا منتظر رہنا،خواہ مسجد میں بیٹھ کر،یا اس طرح کہ جسم گھر میں،یا دکان میں ہواورکان اذان کی طرف اور دل مسجدمیں لگا ہو۔

۶؎ رباط کے لغوی معنی ہیں گھوڑاپالنا۔اصطلاح میں جہاد کی تیاری یا سرحدِاسلام پررہ کر کفار کے مقابلے میں ڈٹا رہنا رُبَاط ہے۔رباط بڑی عبادت ہے،رب فرماتا ہے:"وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا"حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے مقابل مورچے سنبھالنا ظاہری رباط ہے اور مذکورہ بالا اعمال باطنی رباط یعنی نفس شیطان کے مقابل حدودایمان کی حفاظت۔

	اور مالک ابن انس کی حدیث میں ہے کہ یہ سرحد کی حفاظت،یہ ہے سرحد کی حفاظت دوبارا سے مسلم نے روایت کیا ترمذی کی روایت میں تین بار ہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضو کرے تو اچھا وضوکرے اس کی خطائیں اس کے جسم سے نکل جاتی ہیں،تاآنکہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یہاں اچھے وضوءسے مرادسنتوں اورمستحبات کے ساتھ وضوءکرنا ہے اور خطاؤں سے گناہ صغیرہ کیونکہ گناہ کبیرہ توبہ کے بغیر اور حقوق العباد صاحب حق کی معافی کے بغیر معاف نہیں ہوتےیعنی جو شخص اچھا وضوء کیا کرے تو اس کے سارے اعضاء کے گناہ اس پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔

لطیفہ: ہم گنہگاروں کے وضوء کا غسالہ ماءِ مستعمل ہے جس سے دوبارہ وضو نہیں ہوسکتا اور اس کا پینا مکروہ،کیونکہ یہ ہمارے گناہ لے کر نکل جاتا ہے،مگر حضور کے وضوء کا غسالہ بلکہ پاؤں شریف کا دھوون متبرک ہے،کیونکہ وہ اعضاء طیبہ میں سے نور لے کر نکلا ہے،ہمارا غسالہ بہت سی بیماریاں خصوصًا مرگی پیدا کرتا ہے۔حضور کا غسالہ بیماریاں دور کرتا ہے،رب فرماتاہے:"اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ "آب زمزم حضرت اسمٰعیل کے پاؤں کا گویا دھوون ہے جس میں ہمارے حضور کی کُلی پڑی ہوئی ہےہم سب کے لیئے شفا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مسلمان بندہ یا مؤمن وضو کرنے لگتا ہے اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جدھر آنکھوں سے دیکھا ہو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ ۱؎ پھر جب اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے وہ ہر خطا نکل جاتی ہے جسے اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی یا پانی کی آخری بوند کے ساتھ ۲؎ پھر جب اپنے پاؤں دھوتاہے تو ہروہ خطا نکل جاتی ہے جدھر اس کے پاؤں چلے پانی یاپانی کے آخری قطرہ کے ساتھ حتی کہ گناہوں سے پاک و صاف نکل جاتاہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ اگرچہ انسان کان،ناک،منہ سب سے گناہ کرتا ہے مگر زیادہ گناہ آنکھ سے ہوتے ہیں۔جیسے اجنبی عورت یا غیر کا مال ناجائز نگاہ سے دیکھنااسی لئے صرف آنکھ کا ذکر فرمایاورنہ ان شاءاللہ چہرے کے ہر عضو کے گناہ منہ دھوتے ہی معاف ہوجاتے ہیں۔

۲؎ جیسے نامحرم کو چھولینا یا غیر کی چیز بلا اجازت ٹٹولنا کہ یہ سب گناہ صغیرہ ہیں۔

۳؎ چلنے سے مراد ناجائز مقام پر جانا ہے۔خیال رہے کہ یہاں صرف ان اعضاء کے گناہوں کی ہی معافی مراد نہیں بلکہ سارے گناہ مراد ہیں حتی کہ دل و دماغ کے بھی گناہ،ان اعضاء کا ذکر اس لیئے ہے کہ زیادہ گناہ انہیں سے صادر ہوتے ہیں،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث حضرت عثمان کے خلاف نہیں اور ہوسکتا ہے کہ پہلی حدیث میں وضو کامل کا ذکر تھا جس سے سارے سنن و مستحبات ادا کیئے جائیں وہ تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے اور یہاں وہ وضو مراد ہے جو اتنا کامل نہ ہو اس سے صرف ان اعضاء کے گناہ ہی معاف ہوں گے،لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ جس پر فرض نماز آئے ۱؎ تو اس کا وضو وخشوع ورکوع اچھی طرح کرے ۲؎ مگر یہ اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ	

	ہوجاتا ہے،جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ ہو۳ یہ ہمیشہ ہی ہوتا ہے۴(مسلم)

۱؎ یعنی نماز پنجگانہ اور جمعہ۔خیال رہے کہ فرض کا ذکر احترازی نہیں،کیونکہ نماز تہجد و اشراق وعیدین کے وضو کا بھی یہی حال ہے۔چونکہ اکثر وضو نماز پنجگانہ کے لیئے ہی ہوتے ہیں اس لیئے ان کا ہی ذکر فرمایا،نیز اگر کوئی وقت سے پہلے وضو کرے تب بھی یہی ثواب ہوگا۔

۲؎ نماز کا خشوع یہ ہے کہ اس کا ہر رکن صحیح ادا کرے،دل میں عاجزی اور خوف خدا ہو،نگاہ اپنے ٹھکانے پر رہے کہ قیام میں سجدہ گاہ،رکوع میں پاؤں کی پشت،سجدہ میں ناک کے نتھنے اور قعدہ میں گود میں رہے۔خشوع نماز کی روح ہے،رب فرماتاہے:"ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ"صرف رکوع کا اسی لئے ذکر فرمایا کہ یہ سجدہ کا پیش خیمہ ہے اور بمقابلۂ سجدہ کے اس میں مشقت زیادہ ہے،نیز یہ مسلمانوں کی نمازوں کا خاصہ ہے،یہودونصاریٰ کی نمازوں میں نہ تھا،اس کے ملنے سے رکعت مل جاتی ہے،نیز رکوع مستقل عبادت نہیں،صرف نماز ہی میں عبادت ہے اور سجدہ نماز کے علاوہ بھی عبادت ہے۔جیسے سجدۂ شکر،سجدۂ تلاوت وغیرہ۔

۳؎ یعنی اس سے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے صرف صغیرہ معاف ہوتے ہیں،لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کی تفسیر ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کبیرہ والے کے صغیرہ بھی معاف نہیں ہوتے۔(لمعات)

۴؎ یعنی یہ ثواب کسی خاص نماز کا نہیں بلکہ عمر میں ہر نماز کا ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ آنجناب نے وضو کیا تو ہاتھوں پر تین بار پانی بہایا پھر کلی کی ناک میں پانی لیا۱ پھر تین بارچہرہ دھویا پھر کہنی تک داہنا ہاتھ تین بار پھربایاں ہاتھ تین باردھویاکہنی تک پھر سر کا مسح کیا ۲ پھرداہنا پھر بایاں پاؤں تین تین بار دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے میرے وضو کی طرح وضو کیا۳ پھر فرمایا جو میری طرح وضوءکرے پھر دو نفل پڑھ لے جن میں اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے تو اس کے پچھلے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۴(مسلم،بخاری)اور لفظ بخاری کے ہیں۔

۱؎ اس طرح کہ پہلے تین کلیاں کرلیں،پھر تین بار ناک میں پانی لے کر صاف کی جیسے کہ اور اعضاء کی ترتیب میں ہے،لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔شافعی لوگ ایک چلو کے آدھے سے کلی اور آدھے سے ناک میں پانی لیتے ہیں یعنی ان کے ہاں فرد فرد کے پیچھے ہے ہمارے ہاں نوع نوع سے پیچھے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ہاتھ مع کہنی دھونے چاہئیں۔دوسرے یہ کہ سر کا مسح صرف ایک بار ہو کیونکہ دھونے میں تین کا ذکر ہے مسح میں نہیں،نیز اگر مسح تین بار کیا جائے تو وہ دھونا ہوجائے گا،یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔شوافع کے یہاں مسح بھی تین بار ہوگا،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

۳؎ چونکہ حضرت عثمان غنی کا وضو ان لوگوں کے سامنے تھا اور حضور کا وضو ان لوگوں سے مخفی اسی لئے آپ نے اس طرح فرمایا۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عثمان کا وضو حضور کے وضو کی مثل تھا نہ کہ حضور کا وضو آپ کے وضو کی مثل۔

۴؎ یعنی وضو کے بعد دو نفل تحیۃ الوضو پڑھے جب کہ نفل مکروہ نہ ہوں اور اگر نفل مکروہ ہوں جیسے فجر اور مغرب کا وضو،تو وضو کے بعد فرض نماز میں تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کا بھی ثواب مل جائے گا۔(مرقاۃ) لَایُحَدِّثُ فرماکر یہ بتایا کہ عمدًا اور طرف خیال نہ دوڑائے،بلا قصد خطرات معاف ہیں۔جیسا کہ لمعات اور مرقاۃ میں ہے بشرطیکہ دفع کی کوشش کرتا رہے۔گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہیں اور بے گناہ لوگوں کے درجے بلند ہوتے ہیں،کیونکہ جو کام گنہگاروں کے لئے معافی کا ذریعہ ہے وہ نیک کاروں کی ترقی کا سبب۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو وضو کرے تو اچھا کرے پھر کھڑے ہوکر دو نفل دل اور منہ سے متوجہ ہوکر پڑھے ۲؎ مگر اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے ۳؎(مسلم)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ امیر معاویہ کی طرف سے حاکم مصر تھے اپنے بھائی عتبہ ابن ابی سفیان کے بعد،پھر اگرچہ معزول کردیئے گئے مگر مصر میں ہی قیام رہا،۵۸ھ میں وہیں وفات ہوئی۔

۲؎ یعنی ظاہر و باطن یکسو کرکے کہ نہ جسم سے کھیلے،نہ ادھر ادھر دیکھے،نہ دل کو اور طرف لگائے۔

۳؎ رب کے فضل وکرم سے اس طرح کہ دنیا میں اسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے،مرتے وقت ایمان پر قائم رہتا ہے،قبر وحشر میں آسانی سے پاس ہوتا ہے۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف وضو کرلینے اور تحیۃ الوضوء کے دو نفل پڑھ لینے سے جنتی ہوگیا اب کسی عمل کی ضرورت نہ رہی اس قسم کی احادیث کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جو وضو کرے تو مبالغہ کرے یا پورا وضو کرے ۱؎ پھر کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقینًا محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں ۲؎ مگر اس

	کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھولے جائیں گے کہ جس سے چاہے گھسے۳؎ ایسے ہی مسلم نے اپنی صحیح میں اور حمیدی نے افراد مسلم میں روایت کی یوں ہی ابن اثیر نے جامع الاصول اور شیخ محی الدین نووی نے ۴؎ حدیث مسلم کے آخر میں ہماری روایت کے مطابق اور ترمذی نے یہ اور زیادہ فرمایا کہ خدایا مجھ توبہ والوں سے بنا اور مجھے خوب ستھروں سے کر ۵؎ اور جو حدیث محی السنہ نے صحاح میں روایت کی کہ جس نے وضوء کیا تو اچھا کیا الخ اسے ترمذی نے اپنی جامع میں اسی طرح روایت کیا سوا کلمہ اَشْھَدُ کے اَنَّ مُحمدًا سے پہلے ۶؎

۱؎ مبالغہ سے مراد ہے کہ اس کی خوبیوں کو انتہاء پر پہنچادے،پورا کرنے سے مراد ہے کہ پورے اعضاء دھوئے،بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔مِنْکُمْ فرماکر اشارہ فرمایا کہ سارے نیک اعمال مسلمانوں کو مفید ہیں،گمراہوں،بے دینوں کو نہیں،دوائیں زندہ کو فائدہ پہنچاتی ہیں نہ کہ مُردوں کو۔

۲؎ یعنی ہر وضو کے بعد دوسرا کلمہ پڑھ لیا کرے،بعض روایات میں ہے کہ "اِنَّآ اَنْزَلْنَا" پڑھے،بعض میں ہے کہ یہ دعا پڑھے "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ"۔بہتر یہ ہے کہ یہ سب کچھ پڑھ لیا کرے تو ان شاءاللہ ان کی برکت سے جسمانی طہارت کے ساتھ روحانی صفائی بھی نصیب ہوگی،مرقاۃ نے فرمایا کہ بعد غسل بھی یہ دعائیں اوراستغفار پڑھنا مستحب ہے۔

۳؎ یعنی اس عمل کی برکت سے اللہ تعالٰی اس کا حشر ابوبکرصدیق کے غلاموں میں فرمائے گا کہ وہ ان سرکار کے ساتھ جنت میں جائے گا اور جیسے انہیں ہر دروازہ سے پکارا جائے گا کہ ادھر سے آؤ ایسے ہی ان کے صدقے میں اسے بھی لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آٹھوں دروازے کھلنا حضرت صدیق اکبر کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ ان کے فضائل میں آئے گا کیونکہ ان کا یہ داخلہ ان کے صدقے سے ہے۔خیال رہے کہ اگرچہ ہر جنتی داخل ایک ہی دروازہ سے ہوگا مگر ہر دروازہ سے پکاراجانا اس کی عزت افزائی کے لئے ہے۔

۴؎ محی الدین محمد ابن زکریا نووی شارح مسلم،نوادمشق کے پاس ایک گاؤں ہے اس کیطرف آپ منسوب ہیں کیونکہ آپ وہاں کے باشندے ہیں۔

۵؎ خیال رہے کہ توّاب وہ ہے جو ہمیشہ ہر حال میں توبہ کرے،گناہ کرکے بھی اور بغیر گناہ کئے بھی کبھی رب کے دروازے سے نہ ہٹے،نہ مایوس ہو۔تائب وہ جو ایک آدھ بار توبہ کرے۔یونہی مُتَطَھِّرْ وہ جو ہر ظاہری و باطنی گندگی سے اپنے آپ کو

پاک کرے۔طاہر وہ جو صرف ظاہری گندگی سے پاک ہو بارگاہ الٰہی میں توّاب اور متطھر کی قدر ہے،رب فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوّٰبِيْنَ "اور فرماتا ہے:"وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ"۔

۶؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ اس نے فصل اول میں وہ حدیث بیان کی جو مسلم و بخاری میں نہیں صرف ترمذی میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت قیامت کے دن پنج کلیان بلائی جائے گی آثار وضو سے ۱؎ تو جو اپنی چمک دمک دراز کرسکے تو کرے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ پنج کلیان وہ سرخ یا سیاہ گھوڑا ہے جس کے چاروں ہاتھ،پاؤں اور پیشانی سفید ہوں یہ بہت قیمتی خوب صورت اور طاقتور ہوتا ہے۔امت سے مراد سارے نمازی مسلمان ہیں کہ قیامت میں انکاچہرہ اور ہاتھ،پاؤں آثارِ وضوء سے چمکتے ہوں گے۔خیال رہے کہ اگرچہ پچھلی امتوں نے بھی وضوء کیا مگر یہ نور صرف امت محمدی پر ہوگا،نیز جو صحابہ نماز کی فرضیت سے پہلے وفات پا گئے،یااب مسلمانوں کے چھوٹے بچے،یااسلام قبول کرتے ہی فوت ہوجانے والے لوگ جنہیں نماز اور وضوکاوقت ہی نہ ملاان پر بھی ان شاءاللہ یہ آثارِ وضوء ہوں گے کیونکہ وہ نمازیوں کے گروہ سے تو ہیں۔ہاں بے نمازی،فساق جنہوں نے بلاوجہ نماز نہ پڑھنے کی عادت ڈال لی وہ سزاءً اس سے محروم ہوں گے۔خیال رہے کہ حضور کا اپنی امت کو پہچاننا اس نورپر موقوف نہ ہوگا کیونکہ آپ نیک کارنورانیوں کو بھی پہچانیں گے اور گنہگار ظلمانیوں کو بھی۔

۲؎ غالبًا یہ آخری جملہ سیدنا ابوہریرہ کا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اعضائے وضوءحدمفروض سے زیادہ دھوئے تاکہ روشنی اور چمک لمبی ہو اورممکن ہے کہ سرکار کا فرمان ہو۔مطلب یہ ہے اعضائے وضوء حد سے کم نہ دھوؤ،زیادہ کچھ دھل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔خیال رہے کہ غرّہ چہرے کی سفیدی کو کہتے ہیں اور تحجیل ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو۔چونکہ اکثر لوگ چہرہ دھونے میں بے احتیاطی کرتے ہیں کہ کنپٹی وغیرہ خشک رہ جاتی ہے لہذا اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ مؤمن کا زیوروہاں تک ہی پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ حِلْیَۃُ ح کے کسرہ سے،بمعنی رونق وحسن ہے اور ح کے زبر سے بمعنی زیور۔حدیث میں دونوں قرأتیں ہیں،وضوءواؤ کے پیش سے اس ہی مشہوروضوء کو کہتے ہیں اور واؤ کے زبر سے وضوء کا پانی۔یہاں واؤ کے زبر سے ہے یعنی جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک نوراوررونق وزینت ہوگی یا وہاں تک زیور پہنایا جائے گا۔دنیا میں مسلمان مرد کو زیور پہننا حرام تاکہ وہ جہاد کی شجاعت نہ کھو بیٹھے جنت میں زیوروہاں کی نعمتوں میں سے ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سیدھے رہو مگر تم یہ کر نہ سکو گے ۲؎ اور جان رکھو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے ۳؎ اور وضوء کی حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے ۴؎ اسے مالک،احمد،ابن ماجہ،اور دارمی نے روایت کیا۔

۱؎ آپ کا نام ثوبان ابن بُجْدَدْ،کنیت ابوعبداللہ ہے،حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں،ہمیشہ سفر وحضر میں حضور کے ساتھ رہے،حضور کے بعد اولًا شام میں،پھر حمص میں قیام فرمایا، ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی عقائد،عبادات اور معاملات میں ٹھیک رہو ادھر ادھر نہ بہکو،لیکن پوری درستی طاقت انسانی سے باہر ہے۔لہذا بقدر طاقت درست رہو اور کوتاہیوں کی معافی چاہتے رہو،یا یہ مطلب ہے کہ استقامت کا ثواب تم شمار نہ کرسکو گے۔اِحْصَاء بمعنے کنکریوں پر گننا،تھوڑی چیز پوروں پر اور زیادہ چیز کنکروں پر گنی جاتی ہے،جو کنکر پر بھی نہ گنی جائے وہ شمار سے باہر ہوتی ہے۔

۳؎ کیونکہ اسلام میں سب سے پہلے نماز ہی فرض ہوئی،سارے اعمال فرش پر آئے مگر نماز عرش پر بلا کردی گئی،جس نے نماز درست کرلی ان شاءاللہ اس کے سارے اعمال درست ہوجائیں گے،نیز نماز بہت سی عبادات کا مجموعہ اور سارے گناہوں سے بچانے والی ہے کہ بحالت نماز جھوٹ،غیبت وغیرہ کچھ نہیں ہوسکتی۔

۴؎ یعنی ہمیشہ باوضو رہنایاہمیشہ صحیح وضو کرنا کامل مؤمن کی پہچان ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاکی پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی جس کا پچھلی نماز کا وضو ہو اور پھر اگلی نماز کے لئے وضو کرے تو یہ وضو بیکاروعبث نہیں ہے،بلکہ اس پر بہت ثواب ہے۔خیال رہے کہ وضو پر وضومستحب ہے جب کہ پہلے وضو کے بعد نماز یا ایسی عبادت کرلی گئی ہو جو وضوء پر موقوف ہو،ورنہ باربار وضوء کیے جانا مکروہ اور پانی کا اسراف ہے۔لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اورنہ فقہ کا مسئلہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی پاکی ۱؎ (احمد)

۱؎ یعنی جنت کے درجات کی چابی نماز ہے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ جنت کی چابی کلمۂ طیبہ ہے کہ وہاں نفس جنت کی چابی مراد ہے،اگرچہ نماز کی شرائط بہت ہیں وقت،قبلہ کو منہ ہونا وغیرہ،لیکن طہارت بہت اہم ہے اسی لئے اسے نماز کی چابی فرمایا گیا۔

	روایت ہے شبیب ابن ابی روح سے ۱؎ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے راوی ۲؎ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھی سورۂ روم کی قرأت کی تو آپ کو تشابہ لگ گیا جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔طہارت اچھی طرح نہیں کرتے ۳؎ ہم پر یہ ہی لوگ قرآن مشتبہ کردیتے ہیں ۴؎(نسائی)

۱؎ آپ تابعین سے ہیں،حمص کے رہنے والے،آپ کے والد کا نام نعیم،کنیت ابو روح ہے،نہ خود صحابی ہیں نہ والد۔

۲؎ چونکہ تمام صحابہ پرہیز گار اور عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اسی لئےاس طرح روایت جائز ہے۔صحابہ کے علاوہ اورراوی کا نام لینا ضروری ہے ورنہ حدیث مجروح ہوگی،کیونکہ نامعلوم وہ شخص فاسق ہے یا عادل۔غالبًا یہ صحابی اَغَرّغِفَارِی ہیں۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی وضوءوغسل کی سنتیں و مستحبات پورے ادا نہیں کرتے کیونکہ وضوء میں واجب کوئی نہیں۔

۴؎ یعنی ان کی کوتاہی کا اثر ہم پر یہ پڑتاہے کہ تلاوت میں لقمہ لگ جاتا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضور جیسی ہستی کی نماز پر ناقص الوضو کی صحبت کا اثر ہوجاتا ہے۔تو افسوس ان لوگوں پر جو بدکاروں اور بے دینوں کی صحبت میں رہیں یقینًا انکا ایمان بھی برا اثر لے گا یہ بیماری اڑکر لگتی ہے۔

	روایت ہے بنی سُلیم کے ایک صاحب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے یا اپنے ہاتھ یہ چیزیں گنائیں فرمایا تسبیح آدھی ترازو ہے اور الحمدللہ اسے بھردے گی ۲؎ اور تکبیر آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتی ہے اور روزہ آدھا صبر ہے ۳؎ اور پاکی آدھا ایمان ہےاسے ترمذی نے روایت کیااورفرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

۲؎ اس کی شرح گزر چکی کہ نیکیوں کا پلہ ان دوکلموں کے ثواب سے بھر جائے گا اس لیئے کہ تسبیح میں اللہ کی بے عیبی کا اقرار ہے اورحمد میں اس کے صفات کمالیہ کا اظہار۔

۳؎ کیونکہ حلق اور شرمگاہ کو روزہ روکتا ہےباقی اعضاء کو دوسرا صبر،یا ظاہری گناہ سے روزہ روکتا ہے،باطنی گناہوں سے دوسرا صبریا ایمان طاعت پھر اور گناہوں سے صبر کراتا ہے جس کا سبب نفس کی شہوت ہے اور روزے سے ٹوٹتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کے صبر ایک جانب اور روزہ ایک جانب۔

	روایت ہے عبداللہ صنابجی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندۂ مؤمن جب وضو کرنے

	لگے تو خطائیں اس کے منہ سے نکل جاتی ہیں۲؎اور جب ناک میں پانی لے تو خطائیں اس کے ناک سے نکل جاتی ہیں اور جب اپنا منہ دھوئے خطائیں اس کے چہرے سے نکل جاتی ہیں۳؎حتی کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے نکلتی ہیں،اور جب اپنے ہاتھ دھوئے تو خطائیں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں حتی کہ ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرے تو خطائیں اس کے سر سے نکل جاتی ہیں حتی کہ اس کے کانوں سے نکل جاتی ہیں۴؎پھر جب پاؤں دھوئے تو خطائیں اس کے پاؤں سے نکل جاتی ہیں حتی کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں۵؎پھر اس کا مسجد کی طرف جانا اور نماز پڑھنا زیادتی ہوتی ہے۶؎(مالک ونسائی)

۱؎حق یہ ہے کہ آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن عسیلہ ہے،کنیت ابوعبداللہ،قبیلہ صنابح سے ہیں،جو قبیلہ مراد کا ایک ٹولہ ہے۔آپ تابعی ہیں صحابی نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ہجرت کرکے مدینہ پاک کی طرف چلے مقام جحفہ پہنچے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف واقع ہوگئی،ابوبکر صدیق سے ملاقات ہوئی۔لہذا یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ صحابی کا نام رہ گیا۔

۲؎یعنی زبان سے جو غیبت،جھوٹ وغیرہ گناہ صغیر ہوئے تھے وہ کلی کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں۔مؤمن کی قید اس لیے ہے کہ کافر کے وضو کی یہ تاثیر نہیں،ہاں اگر ایمان لانے کے لئے وضو کرے تو شاید مذکورہ فائدہ اسے بھی حاصل ہوجائے۔وضو کو مطلق فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر وضو کا یہ فائدہ ہے نماز کے لئے ہویااورعبادت کے لیے۔

۳؎یعنی ناک میں پانی لینے کی برکت سے ناک یا دماغ کے گناہ جھڑ جاتے ہیں،جیسے ناجائز خوشبو سونگھنا اور دماغ میں گندے خیالات رکھنا۔خیال رہے کہ یہاں بھی گناہ صغائر ہی مراد ہیں اور چہرے کے دھونے سے آنکھ کے گناہ جھڑتے ہیں،جیسے ناجائز چیزوں کو دیکھنا یا ناجائز اشارے بازیاں۔

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ کانوں کا شمار سر میں ہے نہ کہ چہرے میں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا،لہذا نہ تو کانوں کو چہرے کے ساتھ دھویا جائے گا اور نہ علیحدہ پانی سے اس کا مسح ہوگا بلکہ مسح سر کی تری سے ہی ان کا مسح بھی کیا جائے گا،یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے،یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔

۵؎یعنی جو قدم ناجائز جگہ پر جانے میں پڑے ان کا گناہ اس کی برکت سے معاف ہوجاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ پیر کا دھونا فرض ہے نہ کہ اس کا مسح جیسا کہ روافض نے سمجھا۔

۶؎ یعنی گناہوں سے معافی تو وضو میں ہوچکی اب یہ اعمال معافی گناہ پر زائد ہیں جن سے درجے بلند ہوتے ہیں،یہاں نفل لغوی معنے میں ہے فرماتا ہے:"وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے تو فرمایا اے مؤمن قوم کی جماعت تم پر سلام ہو ۱؎ ان شاءاللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں ۲؎ مجھے یہ تمنا ہے کہ اپنے بھائیوں کو دیکھتا ۳؎ صحابہ نے عرض کیایارسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں فرمایا تم میرے ساتھی دوست ہو،ہمارے بھائی وہ ہیں جو اب تک آئے نہیں ۴؎ لوگوں نے عرض کیا،کیا آپ کے جو امتی اب تک نہیں آئے انہیں حضور کیسے پہچانیں گے؟ ۵؎ فرمایا بتاؤ تو اگر کسی شخص کے گھوڑے پنج کلیان ہوں اور وہ نہایت سیاہ گھوڑوں میں مخلوط ہوگئے ہوں کیا یہ اپنے گھوڑے نہ پہچان لے گا ؟ ۶؎ بولے ہاں یارسول اللہ !فرمایا وہ آثار وضو سے پنج کلیان آئیں گے اور میں حوض پر ان کا پیش رَو ہوں گا ۷؎

۱؎ مقبرہ سے مراد مدینہ منورہ کا قبرستان جنت البقیع ہے،جہاں حضور زیارت قبور کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔دَار کے معنی گھر اور حویلی ہیں،اھل پوشیدہ ہے یعنی گھر والے۔مرقاۃ نے فرمایا عوام کی قبور پر پہنچ کر سلام کرنا سنت ہے،کیونکہ مردے زائرین کو دیکھتے ہیں،پہچانتے ہیں،اس کے کلام وسلام کو سنتے اور سمجھتے ہیں،کیونکہ نہ سننے والے اور نہ جواب دے سکنے والے کو سلام کرنا منع ہے،رب فرماتا ہے:"وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ" الایة۔اس سے معلوم ہوا کہ مردوں اورزندوں کوسلام یکساں کیا جائے یعنی اس طرح کہ سلام پہلے علیکم بعد میں،وہ جو حدیث میں ہے کہ علیکم السلام مردوں کا سلام ہے،اس سے مراد یہ ہے کہ جب مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تب یہ سلام کرتے ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی عنقریب وفات پا کر تم سے ملاقات کریں گے۔ان شاءاللہ برکت کے لیے فرمایا ورنہ موت تو یقینی ہے یاایمان پر خاتمہ اورکسی خاص جگہ مرنا ہم لوگوں کے لیے مشکوک ہے۔یعنی اگر اللہ نے چاہا تو ہم ایمان پر مرکر مؤمنوں سے ملیں گے۔یہ سب کچھ امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

۳؎ یعنی آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں سے حیات ظاہری میں ملاقات کرتا،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کو دیکھ رہے ہیں ان کو اپنا بھائی فرمانا انتہائی کرم کریمانہ ہے،امت کو یہ جائز نہیں کہ حضور کو اپنا بھائی کہے۔بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا

ہے کہ میں آپ کا بھائی اور خادم ہوں لیکن اگر رعایا اسے خادم کہہ کر پکارے سزا پائے گی۔رب فرماتا ہے:"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ"اَلآیۃ۔

۴؎یعنی تم بھائی بھی ہواور صحابی بھی اورجولوگ مسلمان آیندہ آنے والے ہیں وہ صرف بھائی ہوں گے صحابی نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ بھائی ہونا ظاہری لحاظ سے ہے رشتۂ ایمانی کی بنا پر،ورنہ حضورامت کے لئے روحانی والدہیں،اوران کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں نہ کہ بھاوجیں،رشتۂ ایمانی سے سگاباپ اور داد ا اسلامی بھائی ہیں،اور حقیقی ماں اوربیوی اسلامی بہنیں،مگر اس رشتہ کی بنا پر ان لوگوں کو نہ بھائی بہن کہا جاتا ہے،اور نہ ان پر بھائی بہن کے احکام مرتب،حتی کہ اگر بیوی کو بہن سے تشبیہ بھی دے تو ظہار ہوجاتا ہے،جس کی سزا میں ساٹھ روزے کفارہ واجب ہے۔تو جو حضور کو بھائی کہے اور سمجھے وہ بھی سخت سزا کا مستحق ہے۔

۵؎صحابہ کا یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کی بنا پر نہیں،ذریعۂ علم کے متعلق ہے،یعنی جن مسلمانوں کو دنیا میں آپ نے زندگی شریف میں ظاہری نگاہ سے نہیں دیکھا انہیں کل قیامت میں کیسے پہچانیں گےاور کیسے شفاعت کریں گے،محض نورنبوت یا وحی سے کچھ ان میں علامتیں بھی ہوں گی جن سے ہم بھی پہچان سکیں ورنہ صحابہ کا تو یہ عقیدہ تھا کہ حضور کو اپنی ساری امت کے کھلے چھپے ایک ایک عمل کی خبر ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھانے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کی امت میں کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہیں؟فرمایا ہاں عمر کی،یہ سوال و جواب علیم وخبیر سے ہی ہوسکتے ہیں۔

۶؎سبحان اللہ! کیا نفیس تمثیل ہے کہ جیسے پنج کلیان گھوڑا کالے گھوڑوں میں نہیں چھپتا ایسے ہی میری امت دیگر امتوں میں نہیں چھپے گی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ پچھلی امتوں کے سارے مؤمن سیاہ روہونگے،سیاہ روئی تو صرف کفار کے لیےہے۔مطلب یہ ہے کہ آثار وضوء کی خاص چمک صرف امت مصطفوی پر ہوگی۔

۷؎حوض سے مراد حوض کوثر ہے جو ہمارے حضور کا ہے،اور نبیوں کے بھی حوض ہوں گے مگر کوثر کسی کا بھی نہیں۔فرط اسے کہتے ہیں جو آگے پہنچ کر انتظام فرمائے۔مطلب یہ ہے کہ کوثر پر ہم تم سے پہلے پہنچ کر تمہارا انتظام اورانتظار فرمائیں گے،تمہیں اپنے انتظام سے پانی پلائیں گے۔حوض کی پوری تحقیق انشاء اللہ "باب حوض"میں آئے گی۔

روایت ہے حضرت ابودرداءسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں پہلا وہ ہوں جسے قیامت کے دن سجدے کی اجازت ملے گی اور میں ہی پہلا وہ ہوں جسے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی۱؎تو اپنے سامنے بھیڑ دیکھوں گاتو تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور میرے پیچھے بھی اسی طرح اور میرے داہنے بھی اسی طرح اور میرے بائیں بھی اسی طرح ہوں گے۲؎تب ایک صاحب نے عرض کیا کہ یارسول	

	اللہ!آپ نوح علیہ السلام سے اپنی امت تک کی اتنی امتوں میں اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟۳؎فرمایا وہ آثار وضو سے پنج کلیاں ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا۴؎اور انہیں یوں پہچانوں گا کہ ان کی کتابیں ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گی۵؎اور ایسے پہچانوں گا کہ انکے بچے ان کے آگے دوڑتے ہوں گے۶؎(احمد)

۱؎یہ سجدہ عبادت کا نہ ہوگا بلکہ شفاعت کبریٰ کی اجازت کا ہوگا،یہ وہ وقت ہوگا جب سارے انبیاء نفسی نفسی کہہ کر جواب دے چکے ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔اس کی پوری تحقیق ان شاءاللہ "باب الشفاعۃ"میں کی جائے گی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ چونکہ اللہ نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا اس لئے وہاں بھی پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے ہر جگہ اولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔یہ سجدہ ایک ہفتہ رہے گا۔جس میں حضور خدا کی ایسی حمد کریں گے جو کبھی کسی نے نہ کی ہوگی۔اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف احمد ہے۔

۲؎یعنی از آدم تا قیامت ساری خلقت حضور کو ایسے گھیرے ہوگی جیسے دولہا کو براتی،کیوں نہ ہو کہ سب کا فیصلہ آج کے دن حضور کی جنبش لب پر ہوگا،ہر آنکھ ان کا منہ تکے گی،ہر سر ان کی طرف جھکے گا،حضور کی جو شان ظاہر ہوگی وہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگی۔اس بھیڑ میں سارے نبی بھی ہوں گے اور ان کے امتی بھی۔

۳؎یعنی اتنی امتوں کی بھیڑ میں آپ کی امت کی پہچان کیا ہوگی۔نوح علیہ السلام کا ذکر صرف ان کی شہرت کی بنا پر ہے ورنہ ان سے پہلے نبی مع امتوں کے وہاں موجود ہوں گے یا ان سب سے پہلے کفار کو تبلیغ نوح علیہ السلام نے ہی کی۔

۴؎یعنی اگرچہ وضو ساری امتوں نے کئے تھے لیکن اس کا یہ نور صرف اس امت کے لئے ہوگا۔

۵؎یعنی میری امت کے نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے،کافروں کے بائیں ہاتھ میں،پچھلی امت کے مؤمنوں کو ابھی نامۂ اعمال نہ ملے ہوں گے اسوقت خالی ہاتھ ہوں گے،بعدمیں انہیں بھی داہنے ہاتھ میں ہی ملیں گے،نیز اس امت کے نامۂ اعمال دور سے چمکتے ہوں گے نہ کہ دوسری امتوں کے۔لہذا اس حدیث پر اعتراض نہیں کہ ہر نبی کے مؤمنوں کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے۔

۶؎جنت میں لے جانے کے لئے۔اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کا ماں باپ کے آگے چلنا،شفاعت کرنا اس امت کے ساتھ خاص ہے۔خیال رہے کہ ان تینوں علامتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان موقوف نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر شخص کے درجۂ ایمان سے خبردار ہیں،ہر ایک کے ایمان کی نبض پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے،کیوں نہ ہو کہ حضور ہر ایک کی ہر حالت کے گواہ مطلق ہیں"وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا"۔حضور کے نیک امتی گنہگاروں کو دوزخ میں سے نکال کر لائیں گے،پہلے انہیں جن کے دل میں ایمان دینار کے برابر ہے،پھر آدھے دینار والوں کو حتی کہ آخر میں رائی کے برابر والوں کو،جب یہ مؤمن دل کے ایمان کی مقدار پہچانتے ہیں،تو حضور کی پہچان کا کیا پوچھنا۔

وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں غضب کی بھیڑ میں ان کی میں اس پہچان کے صدقے

ورنہ حضور کی امت میں بعض لوگ ان تینوں علامتوں سے خالی ہوں گے کہ نہ انہوں نے وضو کیا،نہ کوئی نیک عمل،نہ ان کے کوئی اولاد بلکہ یہ علامتیں تو عوام کی پہچان کے لیے ہیں۔اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ ان کے بغیر میں نہ پہچان سکوں گا۔

باب مایوجب الوضوء

وضوواجب کرنے والی چیزوں کاباب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ آٹھ چیزیں وضوتوڑدیتی ہیں:جوکچھ پیشاب یاپاخانہ کی راہ نکلے،منہ بھرقے،بہتاخون،بےہوشی،نشہ،غفلت کی نیند،رکوع سجدے والی نمازمیں آوازسےہنسنا،مباشرت۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وضو کی نماز قبول نہیں یہاں تک کہ وضو کرے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎قبول سے مراد نماز کا جائز ہونا ہے اور وضو سے حقیقی اور حکمی دونوں وضو مراد ہیں یعنی تیمّم بھی۔بے وضو کی نماز بغیر وضو یا تیمّم جائز نہیں۔احناف کے نزدیک جسے وضو کے لائق پانی اور تیمّم کے لائق مٹی نہ ملے وہ نماز قضا کرے،اور اگر قضا کا موقع پانے سے پہلے فوت ہوگیا تو اس پر گناہ نہیں۔یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ عمدًا بے وضو پڑھنا کفر ہے جب کہ نماز کو ہلکاجانتا ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ بغیر پاکی کے نماز قبول اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ و خیرات قبول ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎یہاں طہارت سے وضو اور غسل دونوں مراد ہیں اور خیانت سے سارے حرام مال مراد،یعنی پاک ہو کر نماز پڑھو،اور حلال مال سے خیرات کرو،حرام مال اس کے مالک کو واپس کرو،اگر مالک کا پتا نہ چلے تو اسکے مالک کی طرف سے خیرات کردو کہ اس کے لیے یہ حلال ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ میں بہت مذی والا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہوئے بھی شرماتا تھا آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے ۱؎تو میں نے مقداد سے کہاانہوں نے حضور سے پوچھا تو فرمایا کہ شرمگاہ دھولیں اور وضو کرلیں ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎شہوت کے وقت جو پتلا لیسدار پانی نکلتا ہے وہ مذی ہے۔پیشاب کے بعد جو سفید قطرہ آجاتا ہے وہ ودی کہلاتاہے۔ان دونوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے نہ کہ غسل۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے حیاو غیرت کرنا کمال ایمان کی دولت

ہے،ہاں حیا کی وجہ سے مسئلہ ہی نہ پوچھنا،بے علم رہنا گناہ ہے۔علی مرتضی نے مسئلہ بھی معلوم کرلیا اور حیاء بھی قائم رکھی۔

۲؎ یعنی اس کا حکم پیشاب کا سا ہے کہ نجاست حکمی بھی ہے اور حقیقی بھی۔خیال رہے کہ اگر مذی وغیرہ سے روپے برابر جگہ لتھڑ جائے تو پانی سے استنجا کرنا واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جسے آگ پکائے اس سے وضو کرو۱؎ (مسلم)

۱؎ یہاں وضو لغوی معنی میں ہے،وضاءۃ سے مشتق ہے،بمعنی صفائی۔شرعی معنی مراد نہیں۔مطلب یہ ہے کہ آگ کی پکی چیز کھاکر ہاتھ دھونا اور کلی کرنا بہتر ہے۔پھل فروٹ کھانے کے بعد اس کی ضرورت نہیں،جیسا کہ اگلی احادیث سے ظاہر ہورہا ہے،نیز ایک بار حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر ہاتھ دھوئے،کلی کی اور فرمایا آگ کی پکی چیز کا وضو یہ ہے،اس صورت میں یہ حدیث منسوخ نہیں،کھانا کھا کر ہاتھ دھونا مستحب ہے۔

	بڑے امام شیخ محی السنۃ نے فرمایا کہ یہ حکم حضرت ابن عباس کی حدیث سے منسوخ ہے جو فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا،پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی۱؎ (مسلم و بخاری)

۱؎ صاحب مصابیح شیخ محی السنۃ نے شرح سنہ میں اس حدیث کو منسوخ مانا اس لئے کہ انہوں نے وضو شرعی معنے میں لیا اور امر وجوب کے لیے،لیکن ہماری پیش کردہ توجیہ پر حدیث منسوخ نہیں،نسخ میں تاریخ کا معلوم ہونا ضروری ہے۔نیز قولی حدیث فعلی سے منسوخ جب ہوسکتی ہے جب وہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہ ہو،اس لئے مناسب یہی ہے کہ حدیث منسوخ نہ مانی جائے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے۱؎ کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم بکری کے گوشت سے وضو کریں؟فرمایا اگر چاہو کرو چاہو نہ کرو عرض کیا کہ کیا ہم اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟فرمایا ہاں اونٹ کے گوشت سے وضو کرو۲؎ عرض کیا کہ میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟فرمایا ہاں عرض کیا کہ کیا اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟فرمایا نہیں۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،قبیلہ بنی عامر سے ہے،سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں،صحابی اور صحابی زادہ ہیں،کوفے میں رہے، ۷۴ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎یہاں بھی وضو کے معنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہیں۔چونکہ اونٹ کے گوشت میں بو اور چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے کہ بغیر ہاتھ منہ دھوئے جاتی نہیں،بکری کے گوشت میں یہ بات نہیں اس لئے کہ اونٹ کے گوشت پر صفائی کی تاکید فرمائی گئی۔امام احمد کے نزدیک اونٹ کےگوشت سے بھی وضو واجب ہے اسی حدیث کی بناء پر۔

۳؎یعنی جہاں اونٹ بندھے ہوں وہاں نماز نہ پڑھوکیونکہ نمازی کو خطرہ رہتا ہے کہ شاید اونٹ کھلے اور مجھ کو رونددے اس لیے حضور قلب حاصل نہ ہوگا،بکری میں یہ خطرہ نہیں۔وجہ فرق یہ ہے ورنہ اونٹ اور بکری دونوں کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے اور زمین سوکھ کر پاک ہوجاتی ہے،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اونٹ کے پیشاب کی چھینٹیں دور تک جاتی ہیں نہ کہ بکری کے پیشاب کی،لہذا نمازی کو وہاں فکر نہ رہے گی نہ کہ یہاں،نیز اونٹ والے اونٹوں کی آڑ میں پیشاب کرلیتے تھے وہاں زمین زیادہ گندی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ پائے تو اس پر مشتبہ ہوجائے کہ کچھ نکلایانہیں تو مسجد سے نہ جائے،تاآنکہ آواز سن لے یا بُو محسوس کرے۱؎(مسلم)	

۱؎یعنی اگرکوئی شخص مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے کہ اس کے پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوئی لیکن بو محسوس نہ ہوئی،ہوا کے نکلنے کا یقین نہ ہوا،یونہی شبہ ساہوگیاتوشبہ کا اعتبار نہ کرے،وہ باوضو ہے،نماز پڑھے جائے۔آواز سننے سے مراد ہے نکلنے کا یقین۔اس سے معلوم ہوا کہ یقینی وضو مشکوک حدث سے نہیں جاتا،ہمیں یقین ہے کہ ظہر کے وقت ہم نے وضو کیا تھا مگر ٹوٹنے کا صرف شبہ ہے یقینی نہیں تو ہمارا وضو باقی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تو کلی فرمائی اورفرمایا کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ حدیث کھانے کے وضو کی تفسیر ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ چکنی چیزکھاکرپاپی کر کلی کرنا چاہیئے اگرچہ آگ کی پکی ہوئی نہ ہو۔ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچا دودھ پیا تھاکیونکہ چکنی چیز کا اثر منہ میں رہتا ہے اگر اسی حال میں نماز پڑھی جائے تو اس کا اثر پیٹ میں پہنچتا رہے گا جوکراہت سے خالی نہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا۲؎تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ آج حضور نے وہ کام کیا جو کرتے نہ تھےفرمایا اے عمر ہم نے قصدًا کیا۳؎(مسلم)	

۱؎آپ بریدہ ابن ابی حُصَیب اسلمی ہیں،بدر سے پہلے اسلام لائے،بیعت الرضوان میں حاضر ہوئے،پہلے مدینہ طیبہ پھر بصرہ میں قیام رہا،پھر خراسان میں غازی ہوکرگئے،مقام مرو میں ۶۲ھ؁ میں وفات پائی۔

۲؎ فتح مکہ کے دن ایک وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں،اور وضو میں چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا،اس سے پہلے ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے،اور پاؤں شریف دھوتے تھے اسی لیئے عمر فاروق کو تعجب ہوا۔

۳؎تاکہ اپنے عمل شریف سے امت کو دو مسئلے بتادیں۔ایک یہ کہ ایک وضوسے چند نمازیں جائز ہیں۔دوسرے یہ کہ موزوں پر مسح سنت ہے،اگرچہ ہرنماز کے لئے تازہ وضو بہتر ہے۔خیال رہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا غیرمستحب کام کرنا بھی باعث ثواب ہے کہ اس میں تبلیغ ہے۔

	روایت ہے حضرت سویدابن نعمان سے ۱؎کہ وہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال گئے،جب مقام صہباء میں پہنچے جو خیبر سے قریب ہے تو حضور نے نمازعصر پڑھی پھرتوشہ منگایاصرف ستّو لائے گئے ۲؎پھر آپ کے حکم سے بھگوئے گئےحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھائے اور ہم نے بھی کھائے ۳؎پھر نماز مغرب کے لئے کھڑے ہوگئے تو آپ نے بھی کلی کرلی اور ہم نے بھی کرلی پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا ۴؎(بخاری)

۱؎آپ انصاری ہیں،جنگ احداوربیعت رضوان وغیرہ غزوات میں شریک رہے،اہلِ مدینہ میں سے ہیں۔

۲؎یہ ہے سلطان کونین کاغزوات میں کھانا اور شاہی راشن جن کے نام لیوا آج دنیا بھر کی نعمتیں کھارہے ہیں۔

بوریا ممنون خواب راحتش   تاج کسریٰ زیر پائے اُمّتش

دیکھو خیبر کی جنگ ہے اور مجاہدین بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا ستّو ہیں۔

۳؎اس زمانہ میں ستّو گھول کر پینے کا رواج نہ تھا،نیز اس وقت شکریا گڑموجود نہ ہوگا تو صرف پانی میں گوندھ لئے گئے تاکہ حلق سے اترنا آسان ہو۔

۴؎یعنی صرف کلی پرکفایت کی،اگرچہ ستّو آگ میں بھونے جاتے ہیں یہ حدیث وضوءطعام کی تفسیر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضونہیں واجب ہوتامگر آواز یابو سے ۱؎(احمدوترمذی)

۱؎ یہ حصرہَوا کہ لحاظ سے ہے،یعنی جب تک کہ ہوانکلنے کا یقین نہ ہو تب تک وضو نہیں جاتا،یہ مطلب نہیں کہ ہوا کے سوا کسی اور چیز سے وضو نہیں جاتا۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق پوچھاتو فرمایا کہ مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل ۱؎(ترمذی)	

۱؎حضرت علی مرتضٰی کا یہ سوال حضرت مقداد کے ذریعہ تھا بلاواسطہ نہ تھاجیسا کہ پہلے گزر چکا،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔منی و مذی میں یہ فرق ہے کہ منی شہوت توڑ دیتی ہے۔اور مذی بڑھا دیتی ہے۔،نیز منی دودھ کی طرح سفید اور گاڑھی لیسدار ہوتی ہے اور مذی پیشاب کی طرح مگر لیسدار۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کی کنجی طہارت ہے ۱؎ اور اس کا احرام تکبیر اور اس سے کھلنا سلام ہے۲؎ اسے ابوداؤد،ترمذی اوردارمی نے روایت کیا۔	

۱؎کہ جیسے بغیر کنجی قفل نہیں کھلتا،ایسے ہی وضو،غسل یا تیمّم کے بغیر نماز شروع نہیں ہوسکتی۔یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل ہےکہ جو وضو اور تیمّم نہ کرسکے وہ نماز نہ پڑھے۔

۲؎یعنی حج کا احرام تلبیہ سے بندھتا ہے کہ تلبیہ کہتے ہی حاجی پر صدہا چیزیں حرام ہوجاتی ہیں،ایسے ہی نماز کا احرام تکبیر سے بندھتاہے کہ تکبیر کہتے ہی کلام،سلام،کھانا،پینا سب حرام۔نیز جیسے حج کے احرام سے کھلناسر منڈانے سے ہوتا ہے،ایسے ہی نماز کا احرام سے کھلناسلام سے ہوتا ہے کہ سلام پھیرتے ہی مذکورہ بالاتمام چیزیں حلال۔خیال رہے کہ تکبیر تحریمہ سب کے نزدیک فرض ہے مگر سلام امام شافعی و مالک واحمدرحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فرض،اور ہمارے امام صاحب کے یہاں واجب ہے۔ان بزرگوں کی دلیل یہی حدیث ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ان اعرابی کی دلیل ہے جنہیں حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم دی اس میں سلام کا ذکر نہیں۔اگر فرض ہوتا تو ضرور ذکر فرمایا جاتا،اس حدیث کی بنا پر ہم سلام کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں،اس حدیث کی بنا پرسلام کے وجوب کے قائل،ہمارا عمل دونوں حدیثوں پر ہے۔تکبیروسلام کے پورے مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔

اور ابن ماجہ نے بھی انہی سے اور ابوسعید سے۔	

روایت ہے حضرت علی ابن طلق سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی بے آواز ہوا نکالے تو وضوکرےاور عورتوں کی دبروں سے نہ جاؤ ۲؎(ترمذی وابوداؤد)	

۱؎ آپ حنفی یمامی ہیں،آپ سے ابن سلام نے روایت لیں۔بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام طلق ابن علی ہے اور آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۲؎ کہ یہ پلیدی کی جگہ ہے نہ کہ اولاد کا محل۔خیال رہے کہ عورتوں کی دبر میں صحبت حرام قطعی ہے جس کا منکر کافر ہے،مگر یہ حرمت قطعی قیاس قطعی سے ثابت ہے نہ کہ ان احادیث سے،کیونکہ یہ احادیث ظنی ہیں۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھیں سرین کا بندھن ہیں تو جب آنکھ سوگئی تو بندھن کھل گیا ۲؎ (دارمی)	

۱؎ حضرت معاویہ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔ان کے والد کا نام حرب،کنیت ابو سفیان ابن صخر ہے،اموی ہیں،قریشی ہیں،فیل کے واقعہ سے دس۱۰ سال قبل پیدا ہوئے،اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش فیل سے چالیس دن بعد ہے۔فتح مکہ کے دن ایمان لائے،حضور کے ساتھ جنگ حنین میں شریک رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑے بڑے عطیہ عطا فرمائے۔جنگ طائف میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی اور جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی،۳۱ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ سے روایات لیں۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲؎ لہذا سونا وضوتوڑدیتا ہے جیسے موت غسل توڑ دیتی ہے مگر نبی کی نیند سے وضونہیں جاتاکیونکہ وہ غافل نہیں ہوتے اسی لیے ان کی خواب وحی الٰہی ہوتی ہے،نیز شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بےخبری کی نیند وضو توڑے گی،بیٹھے بیٹھے اونگھنا وضو نہیں توڑتاکیونکہ اس میں اعضاء ڈھیلے نہیں پڑتے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرین کا بندھن آنکھیں ہیں تو جوسویا وہ وضو کرے ۱؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔	

۱؎ یعنی اگر آنکھ کھلی رہے تو ریح نکلنے کی خبر رہتی ہے،سوتے ہی بےخبری ہوجاتی ہے۔لہذا اب نیند ہی ناقص مان لی گئی،خواہ ریح نکلے یا نہ نکلے،نیند کا جھونکا آیااور وضو گیا۔

شیخ امام **محی السنۃ** نے فرمایا کہ یہ اس کے لیئے ہے جو بیٹھا نہ ہوکیونکہ حضرت انس سے روایت صحیح مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز عشاء کا انتظار کرتے تھے حتی کہ ان کے سر جھک جاتے تھے پھر نماز پڑھ لیتے اور وضو نہ کرتے تھے ۱؎ اسے ابوداؤد اورترمذی نے روایت کیا مگر ترمذی نے بجائے "**ینتظرون العشاء**"الخ کے یہ فرمایا کہ وہ سوجاتے تھے۔	

۱؎ لہذا جس نیند میں اعضاءڈھیلے نہ پڑیں اس سے وضو نہیں جاتا،اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر عورت سجدے میں سوجائے تو وضو گیا اور اگر مرد سجدے میں سوجائے تو وضو نہیں جاتاکیونکہ مردسجدے میں غافل نہیں سوسکتا ورنہ گرجائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو اس پر ہے جو لیٹ کر سوئے،کیونکہ جب وہ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجائیں گے۱؎(ترمذی وابوداؤد)

۱؎ بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر سونا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ وضو ٹوٹنے کی علت اور اعضاء کا ڈھیلا پڑناہے خواہ لیٹ کر ہو یا بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر حتی کہ جو کوئی بیٹھے ہوئے اونگھے اور اونگھتے میں گرے،گرنے کے بعد آنکھ کھلے وضو جاتا رہا اور اگر گرنے سے قبل آنکھ کھل گئی پھر گرا تووضو نہ گیا۔

	روایت ہے حضرت بسرہ سے۱؎فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے عضو خاص کو چھوئے تو وضو کرے۲؎ اسے مالک،احمد،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ اوردارمی نے روایت کیا۔

۱؎ آپ بسرہ بنت صفوان ابن نوفل ہیں،قرشیہ ہیں،اسدیہ ہیں،ورقہ ابن نوفل کی بھیجتی ہیں،مشہور صحابیہ ہیں۔

۲؎ مس کے معنی چھونا بھی ہیں،لگنا ولگانا بھی،اور پہنچنا پہنچانا بھی،رب فرماتا ہے:"مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ"یہاں اگر چھونے کے معنی ہوں تو تھوڑی عبارت پوشیدہ ہوگی،یعنی جو عضو خاص چھوئے اور وہاں تری پائے تو وضو کرے،چھونے سے نہیں بلکہ تری نکلنے سے،جیسے رب فرماتا ہے:"اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ"یعنی تم میں سے کوئی بیت الخلاء(پاخانہ)سے آئے۔ظاہر ہے کہ بیت الخلاء میں ہو کر آنا وضو نہیں توڑتا بلکہ وہاں پیشاب پاخانہ کرکے آنا وضو توڑتا ہے۔اور اگر مس لگانے یا پہنچانے کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جب تم میں اپنی عورت سے کوئی مباشرت کرے تب وضو کرے،یعنی مَسّ بِالۡیَدۡ مراد نہیں بلکہ مَسّ بِالۡفَرۡج مراد ہے۔ان دونوں صورتوں میں یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے اور اگلی حدیث کے خلاف بھی نہیں۔حضرت امام شافعی اس حدیث کی بناپر فرماتے ہیں کہ مس عضو خاص وضو توڑ دیتا ہے،لیکن اس حدیث سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوتا،کیونکہ ان کے نزدیک صرف ہتھیلی یا انگلیوں کے پیٹ سے بغیر آڑ چھونا وضوتوڑتا ہے۔انگلیوں یا ہتھیلی کی پیٹھ یا کلائی،کہنی ران سے لگ جانا وضو نہیں توڑتا حالانکہ اس حدیث میں مس مطلق ہے جس میں یہ قیدیں نہیں،نیز یہ حدیث اگلی حدیث کے بھی خلاف ہوگی۔طحاوی شریف میں ہے کہ یہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے۔یہی حضرت مصعب ابن سعد کا قول ہے،یعنی جو عضو خاص چھوئے مناسب ہے کہ ہاتھ دھوئے جیسے کھانے کے وضو میں تھا۔(ازمرقاۃ لمعات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں کہ

	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو وضو کے بعد عضو خاص کو چھوئے فرمایا وہ بھی تو جسم انسانی کا ہی حصہ ہے۱؎ابوداؤد،ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا اور شیخ امام محی السنۃ نے فرمایا کہ یہ حکم منسوخ ہے،کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ طلق کے آنے کے بعد اسلام لائے۔

۱؎یعنی جیسے ناک،انگلی وغیرہ جسم کے اعضاء ہیں کہ ان کے چھونے سے وضو نہیں جاتا،ایسے ہی یہ بھی ایک عضو ہے کہ اس کا چھونا وضو نہیں توڑے گا۔یہ حدیث ہمارے امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ اس عضو کے چھونے سے وضو نہیں جاتا۔حضرت علی المرتضی،حضرت ابن عباس،عمارابن یا سر،حذیفہ،سعد،عبداللہ ابن مسعود وغیرہم بہت صحابہ کا یہی مذہب ہے۔چنانچہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ناک،کان چھوؤں یا یہ عضو،برابر ہی ہے۔حضرت سعد سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر نجس ہے تو اسے کاٹ ڈالو۔اس کی پوری بحث طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ میں دیکھو۔

	اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی،حضور نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ عضو خاص تک پہنچائے کہ بیچ میں آڑ نہ ہو تو وضو کرے ۱؎اسے شافعی اور دار قطنی نے روایت کیا۔

۱؎چونکہ صاحب مصابیح محی السنّہ اورصاحب مشکوٰۃ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہماشافعی ہیں۔اور یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔اس لئے جواب پر مجبور ہوئے اورنسخ کے سوا اورکوئی جواب نہیں بن سکتا،کیونکہ یہ حدیث مطابق قیاس کے ہے اور پچھلی حدیث خلاف قیاس،لہذا ترجیح اس ہی حدیث کو ہوگی جو مطابق قیاس ہے۔اس لیے حضرت محی السنّہ نے نسخ کا دعویٰ فرمایا مگر نسخ کی روایت کوئی نہ ملی،صر ف اندازے سے منسوخ کہہ دیا،یعنی چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام پیچھے ہے اورطلق کی حاضری پہلے،لہذا طلق نے نہ ٹوٹنے کی حدیث پہلے سنی ہوگی اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو توڑنے والی حدیث بعد میں سنی ہوگی،اس لئے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ناسخ ہے اورحدیث طلق منسوخ۔ظاہرہے کہ یہ بات کتنی کمزور ہے۔اولًاتو اس لیے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں،دونوں جمع ہوسکتی ہیں جیساکہ ہم عرض کرچکے،پھر بلاوجہ ایک منسوخ کیوں مانا جائے۔دوسرے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ کے اسلام کے بعد حضرت طلق نہ تو فات پا گئے اور نہ بالکل غائب ہی ہوگئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے رہے،تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بہت عرصہ بعد سنی ہواورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت پہلے سن لی ہو،حدیث طلق ناسخ ہو،ابوہریرہ منسوخ۔بہرحال یہ دعویٰ نسخ بلا دلیل ہے۔خیال رہے کہ حضرت طلق ہجرت کے سال مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ خیبر کے سال اسلام لائے،نیز حضرت ابوہریرہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بلکہ حضور سے روایت کی۔ہوسکتا ہے کہ یہ

حدیث طلق کی تشریف آواری سے بہت پہلے کسی اور صحابی نے سنی ہو،انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہوجیسا کہ مُرسَلِ صحابہ میں ہوتا ہے۔

اور نسائی نے حضرت بُسرہ سے مگر انہوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ بیچ میں آڑ نہ ہو۔	

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھ لیتے اور وضو نہ کرتے۱؎ اسے ابوداؤد،ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں کے نزدیک کسی حالت میں بھی عروہ کی حضرت عائشہ سے اسناد صحیح نہیں۲؎ نیز ابراہیم تیمی کی اسناد انہی حضرت عائشہ سے ہے۔اور ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ سے نہ سنا۳؎	

۱؎ یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی قوی دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو مسلم،بخاری،نسائی وغیرہ میں ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور آپ تہجد پڑھنے میں مشغول ہوتے تھے،جب وہ سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ لگادیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی،آپ سجدہ کرلیتے سجدہ کے بعد میں پاؤں پھیلالیتی۔(مسلم بخاری) نیز فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور کو بستر پر نہ پایا میں ٹٹولنے لگی میرا ہاتھ آپ کے قدم شریف سے لگا جو کھڑا ہوا تھا اور آپ سجدہ میں تھے۔(نسائی) نیز فرماتی ہیں کہ ایک بارآپ نے لمبا سجدہ فرمایا میں سمجھی کہ آپ کی وفات ہوگئی،میں نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا۔(بیہقی) ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا چھونا وضو نہیں توڑتا۔

۲؎ کیونکہ اس اسناد میں حبیب ابن ثابت حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں،عروہ کی سماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے بلکہ وہ ان کے شاگرد ہیں،مگر حبیب کی سماعت عروہ سے صحیح نہیں لہذا حدیث مرسل ہے۔ترمذی نے اَصۡحَابِنَا اس واسطے فرمایا کہ مرسل حدیث شوافع کے مذہب میں دلیل نہیں۔مگر احناف کے نزدیک دلیل ہے۔

۳؎ خلاصۂ اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے دو اسنادوں سے مروی ہے۔**عروہ عن عائشہ** اور **ابراھیم التیمی عن عائشہ** اور دونوں مرسل کیونکہ ابراہیم تیمی نے بھی عائشہ صدیقہ سے نہ سنا،مگر یہ اعتراض امام صاحب پر نہیں پڑ سکتا،کیونکہ ان کے ہاں حدیث مرسل قابل حجت ہے،شوافع اپنے اصول سے ہم پر اعتراضات کیسے کرسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانہ کھایا،پھر اپنا ہاتھ اس ٹاٹ سے پونچھا جو آپ کے نیچے تھاپھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھ لی!(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎حضور کو بکری کا شانہ یعنی دستی بہت مرغوب تھی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے گوشت کھاکر ہاتھ بھی نہ دھوئے صرف پونچھ ہی لئے۔

روایت ہے حصرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنی ہوئی پسلیاں پیش کیں حضور نے اس میں سے کھایا،پھر نماز کی طرف کھڑے ہوگئے اور وضو نہ کیا!(احمد)	

۱؎نہ وضو شرعی نہ لغوی،یعنی ہاتھ دھونا بلکہ ہاتھ پونچھے بھی نہیں تاکہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونایاپونچھنا فرض یا واجب نہیں،سنت ہے جس کے کرنے پر ثواب،نہ کرنے پر گناہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کا پیٹ بھونتا تھا!پھر حضور نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔(مسلم)	

۱؎ یعنی پیٹ کی چیزیں دل،کلیجی،تلی وغیرہ۔مگر گردے حضور کو ناپسند تھے کیونکہ ان کا تعلق پیشاب سے ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میرے پاس بکری ہدیۃً بھیجی گئی اسے ہانڈی میں ڈالا،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایاابو رافع ! یہ کیاہے؟ عرض کیا یارسول اللہ یہ بکری ہے جو ہمیں ھدیۃً ملی پھر ہم نے ہانڈی میں پکالیا،فرمایااے ابو رافع ! ہم کوایک دستی دو!میں نے دستی پیش کی،پھر فرمایا کہ دوسرا دست بھی دومیں نے دوسرے دستی بھی پیش کی۲؎پھر فرمایااے ابو رافع ! اور دست لاؤ عرض کیا یارسول اللہ بکری کے دوہی دست ہوتے ہیں تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرتم خاموش رہتے توتم ہم کو دست پر دست دیتے رہتے جب تک خاموش رہتے۳؎پھر پانی منگایاپھر منہ کی کلی کی اور اپنے پَورے دھوئے۴؎پھر کھڑے ہوئے تب نماز پڑھی پھر واپس	

تشریف لائے تو ان کے پاس ٹھنڈا گوشت پایا کھایا پھر مسجد میں تشریف لائے نماز پڑھی پانی چھوا بھی نہیں۵؎ اسے احمد نے روایت کیا۔	

۱؎ معلوم ہوا کہ اپنے غلاموں یا دوستوں سے کوئی چیز بے تکلفی سے مانگنا ناجائز نہیں۔جس سوال سے منع کیا گیا وہ ذلت کا سوال ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دست پسند تھا کیونکہ گلتا بھی جلدی ہے،لذیذ بھی ہوتا ہے،اس میں ریشہ یعنی دھاگہ بھی نہیں ہوتا۔

۲؎ غالبًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنھم کی جماعت ہو گی اور سب کے ساتھ یہ گوشت کھایا ہو گا۔

۳؎ یعنی ہم مطالبہ کئے جاتے تم دیتے رہتے،اسی ہانڈی میں سے سینکڑوں دست نکل آتے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ہر قسم کی اشیاء عالم غیب سے مہیا ہو جاتی ہے۔حضرت طلحہ کے گھر تین چار سیر گوشت سینکڑوں کو کھلادیا،بوٹیاں اور شوربے کا پانی اور مصالحہ عالم غیب ہی سے آرہا تھا۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کے سامنے ایسے موقع پر انکار یا تردد نہ چاہیئے،بلکہ بے دریغ ان کے حکم پر عمل چاہیئے،بحث وانکار سے فیض بند ہو جاتا ہے۔

۴؎ یعنی پورا ہاتھ تو کیا،پوری انگلیاں بھی نہ دھوئیں بیان جواز کے لئے ورنہ کھانے سے اوّل اور بعد دونوں ہاتھ دھونا سنّت ہے۔

۵؎ غالبًا پہلی بار نفل پڑھے ہوں گے اور دوبارہ فرائض۔واللہ اعلم!

اور دارمی نے ابو عبید سے روایت کیا،مگر انہوں نے "ثُمَّ دَعَا"الخ کا ذکر نہ کیا۔	

روایت ہے حضرت انس بن مالک سے فرماتے ہیں کہ میں اوراُبی اور ابوطلحہ ۱؎ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے گوشت و روٹی کھائی پھر میں نے وضو کا پانی منگایا۲؎ تو ان دونوں نے فرمایا کہ کیوں وضو کرتے ہو،میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے کھایاوہ بولے کیا تم حلال چیزوں سے وضو کرتے ہو؟۳؎ اس سے تو انہوں نے بھی وضو نہ کیا جو تم سے بہتر ہیں۔(احمد)	

۱؎ آپ کا نام زیدابن سہل ہے،کنیت ابوطلحہ،انصاری ہیں،نجاری ہیں،حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں،۷۷ سال عمر پائی،۳۱ھ میں سمندر کا سفر کیا،جزیرہ میں وفات ہوئی،نو دن کے بعد وہیں دفن ہوئے،بیعت عقبہ اوربدروغیرہ تمام غزوات میں شامل رہے۔

۲؎ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وضوءطعام کی حدیث میں وضوء کے شرعی معنی سمجھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ محدث بغیر فقیہ کی رائے کے حدیث پر عمل نہ کرے اسی لیے امام ترمذی وغیرہم مقلد ہوئے۔

۳؎ یعنی وضوء پاکی ہے کسی ناپاک چیز سے ہوناچاہیئے اور کھانا حرام ہے نہ نجس پھر وضو کیسا۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھونے سے بھی وضو نہیں جائے گا کہ وہ بھی نہ حرام ہے نہ نجس۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے اپنے ہاتھ سے چھونا ملامست ہے،جو اپنی بیوی کو چومے یا اپنے ہاتھ سے چھوئے تو اس پر وضو ہے[1](مالک وشافعی)

[1] سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ میں آیت کریمہ ہے:"اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا"یعنی اگر کوئی تم میں سے پاخانے سے آئے یا تم عورتوں کو چھوؤ اور نہ پاؤ پانی،تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔امام شافعی کے نزدیک یہاں **لمس** کے معنی فقط عورت کو ہاتھ لگانا ہیں کہ اس سے ان کے ہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ہمارے ہاں **لمس** سے مراد صحبت کرناہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ مباشرت مراد ہو،یعنی ننگا چپٹنا جس سے وضو واجب ہوتا ہے۔حضرت ابن عمر چھونے اور بوسہ کو **لمس** فرمارہے ہیں۔لہذا یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔اس کا جواب ان شاءاللہ ہم ابھی آگے دے رہے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ فرماتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے وضو ہے[1](مالک)

[1] یعنی حضرت ابن مسعود کی بھی رائے یہی ہے کہ عورت کا چومنا یا چھونا باعث وضوء ہے۔اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بوسہ **لمس** سے ہے لہذا اس سے وضو کرو[1]

[1] خیال رہے کہ ان تینوں بزرگوں کا اپنا قول یہ ہے کہ عورت کو چھونے اور بوسہ سے وضو ہے۔اس بارے میں حدیث مرفوع کوئی نہیں بلکہ حدیث مرفوع اس کے خلاف ہے۔چنانچہ دارقطنی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو جب حضرت ابن عمر کا یہ قول پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ بوسے سے وضو کیسے ہوسکتا ہے،حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے تھے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے۔نیز ابن ماجہ،ترمذی،ابوداؤد،ابن ابی شیبہ،نسائی،ابن عساکر موطاء امام محمد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ سے تھوڑے اختلاف کے ساتھ روایات ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے اور پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے،نیز مسند ابوعبداللہ میں حضرت حفصہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرکے بعض ازواج کا بوسہ لیتے اور پھر دوبارہ وضو نہ فرماتے،نیز جیسے اس بوسہ سے عورت کا وضو نہیں جاتا تو چاہیئے کہ مرد کا بھی نہ جائے،مباشرت عورت ومرد دونوں کا وضو توڑتی ہے اور صحبت دونوں کا غسل۔تو کیسے ہوسکتا ہے کہ بوسہ یا چھونا مرد کا تو وضو توڑے،عورت کا نہ توڑے۔لہذا ان موقوف احادیث کا یہ مطلب ہے کہ عورت کو چھوکر یا بوسہ لے کر وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ لُغَۃً **لَمس** میں یہ بھی داخل ہے،اگرچہ یہ قرآن میں مراد نہیں،یا ان بزرگوں کو ہماری پیش کردہ روایات پہنچی ہی نہیں۔بہرحال حدیث مرفوع کے مقابل حدیث موقوف معتبر نہیں،حتی الامکان دونوں میں مطابقت کی جائے اگر مطابقت نہ ہوسکے تو موقوف چھوڑ دی

جائے،چھونے کی حدیث ہم پہلے پیش کرچکے ہیں کہ عائشہ صدیقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں شریف نماز میں چھوا ہے،اور عائشہ صدیقہ کو عین نماز میں حضور نے چھوا ہے اور سرکار دونوں موقعوں پر نماز پڑھتے رہے۔بہرحال مذہب حنفی نہایت قوی ہے،اسی کمزوری کی وجہ سے امام شافعی نے آخر میں یہ فرمایا کہ اجنبی عورت کے چھونے سے وضو جاتا ہے نہ کہ اپنی بیوی کو۔مسند امام ابوحنیفہ میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں بوسہ میں وضو نہیں۔شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہ تینوں مشکوۃ کی موقوف حدیثیں اسناڈا صحیح نہیں۔

روایت ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے وہ تمیم داری سے ۱؎راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بہتے خون سے وضو ہے۲؎ان دونوں حدیثوں کو دارقطنی نے روایت کیااور فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز نے تمیم داری سے نہ سنا نہ انہیں دیکھااور یزیدابن خالداور یزیدابن محمد مجہول لوگ ہیں۳؎	

۱؎ آپ کا نام تمیم ابن اوس یا تمیم ابن خارجہ ہے،دار آپ کے کسی دادا کا نام ہے،جس کی کنیت ابورقیہ تھی،آپ مشہور صحابی ہیں، ۹ھ؁ میں ایمان لائے،رات کو ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے،آپ نے ہی اولًا مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا،مدینہ منورہ میں قیام رہا،حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام چلے گئے،وہیں وفات پائی۔اورحضرت عمر بن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابو حفص ہے،آپ کی والدہ کا نام لیلےٰ بنت عاصم بن عمرابن خطاب ہے،کنیت ام عاصم،سلیمان ابن عبدالملک کی خلافت کے بعد آپ خلیفہ ہوئے، ۹۹ھ؁ میں خلافت سنبھالی اور ۱۰۱ھ؁ میں ماہ رجب مقام دَیر سمعان میں قریب حمّص انتقال ہوا،چالیس سال عمر ہوئی،دو سال پانچ مہینے خلافت کی،فاطمہ بنت عبدالملک آپ کے نکاح میں تھیں،آپ جیسے عابد،زاہد،خوف خدا میں رونے والے امت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم میں کم گزرے،آپ عدل و انصاف میں عمر فاروق کا نمونہ تھے،یزید وغیرہ کی بدعتوں کا آپ نے قلع قمع کیا۔

۲؎یعنی جو خون بہہ کر جسم کے اس حصہ کی طرف آجائے جس کا دھونا غسل میں فرض ہے وہ ناقض وضو ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ خون وضو توڑتا ہے۔حضرت امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔

۳؎مصنف نے اس حدیث پر دو اعتراض کئے:ایک یہ کہ یہ حدیث مرسل ہے کہ بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔دوسرے یہ کہ اس کی اسناد میں دو راوی مجہول ہیں۔مگرخیال رہے کہ حنفیوں کے نزدیک حدیث مرسل قابلِ عمل ہے،نیزحنفیوں کے اس مسئلے کا مدار صرف اس حدیث پر نہیں،بلکہ بخاری،ابن ماجہ،ترمذی،طبرانی،موطا امام مالک،ابوداؤد وغیرہم کی بہت سی احادیث پر ہے۔چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی جیش سے فرمایا کہ جب تمہارے حیض کا زمانہ نکل جائے تواستحاضہ کے زمانہ میں ہر نماز کے لیے نیا وضوکرو۔اگر خون وضو نہیں توڑتا تو استحاضہ والی عورت معذور کیوں قرار دی گئی،نیز ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضورفرماتے ہیں اگر نماز میں کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو نماز چھوڑکر وضوکرے،پھرنماز پوری کرے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔خیال رہے کہ بہتا خون بحکم

قرآن نجاست ہے اور نجاست کا نکلنا وضوتوڑتا ہے۔ایسی صحیح مرفوع حدیث فقیر کی نظر سے نہ گزری جس میں ہو کہ خون ناقض وضو نہیں۔

باب آداب الخلاء

پاخانے کے آداب کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ خلاء لغت میں خالی جگہ کو کہتے ہیں۔اصطلاح میں آبدست کو،چونکہ یہ کام تنہائی میں ہوتا ہے اس لئے اسے خلاکہاجاتاہے۔

	روایت ہے ابو ایوب انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پاخانہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرواور نہ پیٹھ لیکن یاتوپورب کی طرف ہوجاؤ یا پچھم کی طرف ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام خالدابن زیدہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،بیعت عقبہ میں موجود تھے،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضور نے ہجرت کے دن اولًا انہی کے گھر قیام فرمایا،صحابہ رضی اللہ عنھم کے اختلاف کے وقت حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ تمام جنگوں میں شامل رہے،یزید ابن معاویہ کی سرکردگی میں جو روم پر جہاد ہوئے ان میں آپ غازیانہ شان سے شامل تھے،قسطنطنیہ پر حملہ کے وقت بیمارہوگئے،وصیت کی کہ اس جہاد میں میری میت اپنے ساتھ رکھنا،اور قسطنطنیہ فتح ہوجائے تومجاہدین کے قدموں کے نیچے مجھے دفن کرنا،چنانچہ آپ قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے مدفون ہیں،آپ کی قبر زیارت گاہ خواص و عام ہے۔بیماران کی قبر کی مٹی سے شفا پاتے ہیں۔(مرقاۃ و اکمال)

۲؎ یعنی پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے۔چونکہ مدینہ منورہ میں قبلہ جانب جنوب ہے اور شام یعنی بیت المقدس جانب شمال،وہاں کے لحاظ سےفرمایا گیا کہ شرق یاغرب کو منہ کرلو۔چونکہ ہمارے ہاں قبلہ جانب مغرب ہے لہذا ہم لوگ جنوب یا شمال کو منہ کریں گے۔خیال رہے کہ اس حدیث میں جنگل یا آبادی کی کوئی قید نہیں۔بہرحال کعبہ کو منہ یا پیٹھ کرکے استنجا کرنا حرام ہے۔حنفیوں کا یہی مذہب ہے۔

	فرمایا شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہ یہ حدیث جنگل کے متعلق ہے،لیکن آبادی میں کوئی حرج نہیں اس لیئے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے گھر کی چھت پر کسی کام کے لیئے چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبلہ کو پیٹھ شام کی طرف منہ کئے قضائے حاجت فرمارہے ہیں ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎امام محی السنۃ کے اس فرمان میں چند طرح گفتگو ہے:ایک یہ کہ ممانعت کی حدیث میں جنگل یا آبادی کی قید نہیں،مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔حضرت ابن عمررضی اللہ عنھما کی یہ روایت حضور کا ایک فعل شریف بیان کررہی ہے اور جب فعل وقول میں،نیز ممانعت اور اباحت میں تعارض معلوم ہو توحدیث قولی کو فعلی پر اور ممانعت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے،کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض افعال کریمہ آپ کی خصوصیت سے ہوتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور کا یہ فعل شریف ممانعت سے پہلے کا ہوگا،لہذا یہ منسوخ ہےاور ممانعت کی حدیث ناسخ۔تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کو دیکھنے میں غلطی لگی حضور تھوڑا سا قبلہ سے ہٹے ہوں گے جسے جلدی میں ابن عمر نہ دیکھ سکے،کیونکہ ایسے موقعہ پر انسان جلد ہی آنکھیں بندکرکے لوٹ جاتا ہے تحقیق اورغور سے دیکھتا نہیں۔چوتھے یہ کہ صحابہ کرام کا بھی یہی مذہب تھا کہ آبادی میں بھی اس رخ کو پیشاب پاخانہ نہ کریں۔چنانچہ مسلم،ابوداؤد،احمد،بخاری،نسائی،ابن ماجہ،دارمی اور ترمذی نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی کہ جب ہم شام میں پہنچے تو ہم نے وہاں کے پاخانوں کو قبلہ رخ بنا پایا تو ہم استغفار پڑھتے تھے اور ان میں مڑکر بیٹھتے تھے۔ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث احسن اور اصح ہے۔پانچویں یہ کہ قبلہ کے آداب آبادی اور جنگل میں یکساں ہیں۔قبلہ کی طرف تھوکنا،پاؤں پھیلانا جنگل میں بھی حرام ہے اور بستی میں بھی،تو چاہیئے کہ پیشاب پاخانہ کا حکم بھی دونوں جگہ یکساں ہو۔

روایت ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کو منہ کریں یا داہنے ہاتھ سے استنجاءکریں یا تین پتھروں سے کم سے استنجاء کریں ۲؎یا گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں ۳؎(مسلم)	

۱؎آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،ایران کے شہر اصفہان کے مضافات میں بستی"ہاجن"کے رہنے والے تھے،دین کی تلاش میں پھرتے تھے،۱۴ جگہ فروخت ہوئے،یہاں تک کہ جوئندہ یا بندہ حضور تک مدینہ میں پہنچ گئے۔ساڑھے تین سو ۳۵۰ سال عمر پائی،حضرت عیسٰی علیہ السلام کے تابعی اور حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں،۵۳ھ؁ مقام مدائن میں وفات پائی۔(مرقاۃ)بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں سے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمہ سنےتو آپ کی تلاش میں نکلے۔

۲؎خیال رہے کہ قبلہ کو منہ کرکے پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمہ ہے،داہنے ہاتھ سے چھوٹا یا بڑا استنجاء مکروہ تنزیہی،اورتین ڈھیلے بڑے استنجے کے لیے عام حالات میں مستحب ہے،اگر اس سے کم و بیش میں صفائی ہو تو کرلے۔یہی مذہب حنفی ہے،امام شافعی کے یہاں تین ڈھیلے واجب ہیں۔

۳؎کیونکہ ہڈی جنات کی غذا ہے اور گوبر ان کے جانوروں کی،نیزگوبرخودنجس ہے،تو اس سے پاکی کیسے حاصل ہو گی اور ہڈی کہیں نوکیلی کہیں چکنی ہوتی ہے،چکنی طرف سے صفائی نہ ہوگی نوک کی طرف سے زخم کا اندیشہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ	

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ میں داخل ہوتے تو فرماتے کہ اے اللہ میں خبیث جنات اور خبیثہ جناتنیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں[1] (مسلم،بخاری)

[1] یہ دعاپاخانے میں داخل ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے،کیونکہ گندی جگہ پر اللہ کا ذکرممنوع ہے اور ننگے ہو کر تو بات کرنا ہی منع ہے۔چونکہ پاخانہ میں گندے جنات رہتے ہیں،اس لیے یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔خبیث اور خبائث کے بہت معنی ہیں یہاں وہ ہی معنے مناسب ہیں جو ہم نے کئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی ا للہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں اورکسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیئے جارہےان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا پھرآپ نے ایک ہری تر شاخ لی اور اسے چیرکر دو[2] حصے فرمائے پھر ہرقبر میں ایک گاڑدی لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا،تو فرمایا کہ شاید جب تک یہ نہ سوکھیں تب تک ان کا عذاب ہلکا ہو[1] (مسلم،بخاری)

[1] یہ حدیث بڑے معر کے کی ہے اس سے بے شمار مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:(۱)حضور کی نگاہ کے لئے کوئی شے آڑ نہیں،کھلی چھپی ہرچیز آپ پر ظاہر ہے کہ عذاب قبر کے اندر ہے حضور قبر کے اوپر تشریف رکھتے ہیں اور عذاب دیکھ رہے ہیں۔(۲)حضور خلقت کے ہر کھلے چھپے کام کو دیکھ رہے ہیں کہ کون کیا کررہا ہے اور یہ کیا کرتا تھا،فرمادیا کہ ایک چغلی کرتا تھا اور ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔(۳)گناہ صغیرہ پر حشر و قبر میں عذاب ہوسکتا ہے۔دیکھو چغلی وغیرہ گناہ صغیر ہ ہیں مگر عذاب ہورہا ہے۔(۴)حضور ہر گناہ کا علاج بھی جانتے ہیں،دیکھو قبر پر شاخیں لگائیں تاکہ عذاب ہلکا ہو۔(۵)قبروں پر سبزہ،پھول،ہار وغیرہ ڈالنا سنت سے ثابت ہے کہ اس کی تسبیح سے مردے کو راحت ہے۔(۶)قبر پر قرآن پاک کی تلاوت،وہاں حافظ بٹھانا بہت اچھا ہے کہ جب سبزہ کے ذکر سے عذاب ہلکا ہوتا ہے تو انسان کے ذکر سے ضرور ہلکا ہوگا۔اشعۃ اللمعات نے جامع الاصول سے روایت کی کہ حضرت بریدہ صحابی نے وصیت کی تھی میری قبر میں دو ہری شاخیں ڈال دی جائیں تاکہ نجات نصیب ہو۔(۷)اگرچہ ہرخشک و ترچیز تسبیح پڑھتی ہے مگر سبزے کی تسبیح سے مردے کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ایسے ہی بے دین کی تلاوت قرآن کا کوئی فائدہ نہیں کہ اس میں کفر کی خشکی ہے۔مؤمن کی تلاوت مفید ہے کہ اس میں ایمان کی تری ہے۔(۸)گنہگاروں کی قبر پر سبزہ عذاب ہلکا کرے گا،بزرگوں کی قبروں پر سبزہ مدفون کا ثواب و درجہ بڑھائے گا۔جیسے مسجد کے قدم وغیرہ۔(۹)حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہے جس سے بچنا واجب۔دیکھو اونٹ کا

چرواہا اونٹ کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوا۔(۱۰)خشک نہ ہونے کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاثیر صرف حضور کے ہاتھ شریف کی نہ تھی ہم بھی قبر پر سبزہ ڈالیں تو یہی تاثیر ہوگی۔(۱۱)بزرگوں کے قبرستان میں قدم رکھنے کی برکت سے وہاں عذاب اٹھ جاتا ہے یا کم ہوجاتا ہے۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعنتی کاموں سے بچو۱؎ صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا یارسول اللہ لعنتی کام کون سے ہیں،فرمایا وہ جو لوگوں کی راہ یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرے۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی جن دو کاموں کی وجہ سے لوگ کرنے والے کو طعن لعن کرتے ہیں ان سے پرہیز کرو۔

۲؎ یعنی راستہ عام طور پر جہاں مسلمانوں کا گزر گاہ ہو وہاں پاخانہ نہ کرو،یوں ہی جس سایہ میں لوگ دھوپ کیوقت عموماً بیٹھتے لیٹے ہوں وہاں نہ کرو کہ اس سے رب تعالٰی بھی ناراض ہوتا ہے،لوگ بھی برا کہتے ہیں۔لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نخلستان میں حاجت قضا فرمائی کیونکہ وہ جگہ لوگوں کے آرام کی نہ تھی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ پانی کے گھاٹ اور گزر گاہ عوام پر پاخانہ نہ کرے اور کسی کی ملک زمین میں اس کی بغیر اجازت نہ کرے۔

	روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۲؎ اور جب پاخانے جائے تو پیشاب گاہ داہنے ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام حارث ابن ربعی یا ابن نعمان ہے،انصاری ظفری ہیں،بیعت عقبہ اور تمام غزوات میں شامل ہوئے،بدر یا احد میں آپ کی آنکھ نکل پڑی تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ ٹکا کر اپنا لعاب شریف لگادیا تو دوسری آنکھ سے زیادہ روشن ہوگئی،ابو سعید خدری کے اخیافی یعنی ماں شریکے بھائی ہیں،ستر سال عمر پائی ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲؎ بلکہ برتن منہ سے علیحدہ کرکے سانس لے تاکہ تھوک یا رینٹ پانی میں نہ پڑے،نیز سانس میں اندر کی گرمی اور زہریلا مادہ ہوتا ہے جو پانی میں مل کر بیماری پیدا کرتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ چائے وغیرہ گرم چیز میں پھونکیں مارنا منع ہے۔

۳؎ کیونکہ داہنا ہاتھ کھانے پینے اور تسبیح وتہلیل شمار کرنے کے لیے ہے،لہذا اسے گندے کام میں استعمال نہ کرے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اسی طرح زبان و آنکھ و کان کو گناہوں میں استعمال نہ کرے کہ یہ چیزیں اللہ کا ذکر کرنے قرآن دیکھنے و سننے کے لیے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضو کرے ناک میں پانی لے اور جو استنجاء کرے وہ طاق

	کرے۱؎(بخاری ومسلم)

۱؎معلوم ہوا کہ وضو میں ناک میں پانی لے کر صاف کرناسنت ہے۔اور پاخانہ کے بعد ڈھیلوں سے استنجاء کرنا اور طاق ڈھیلے لینا سنت ہے۔پانی سے استنجاء بعض صورتوں میں فرض ہے،بعض میں واجب،بعض میں سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جاتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا برتن اور برچھا لیتےآپ پانی سے استنجاء کرتے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎وہ دوسرے صاحب حضرت ابن مسعود تھے یا ابوہریرہ یا بلال رضی اللہ عنہم جن کے ذمہ یہ خدمات تھیں،پانی سے تو آپ ڈھیلوں کے بعد استنجاءکرتے تھے اوربرچھے سے یا زمین سے ڈھیلا نکالتے،یا پیشاب کے لئے جگہ نرم کرتے تھے،یا پیشاب کے بعد وضوکرتے،پھر برچھے کو سترہ بنا کر دو نفل وضو کے پڑھتے تھے۔اب بعض بزرگوں کے ساتھ گولے والاعصاء رہتا ہے انہی مصلحتوں سے اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے ۱؎اسے ابوداؤد،نسائی اور ترمذی نے روایت کیا۔اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔اور ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے۲؎اور ان کی روایت میں اتارنے کی بجائے رکھنا ہے۔

۱؎ یعنی حضور انگوٹھی پہنے پاخانہ میں نہ جاتے بلکہ یاتواتار کر باہر ہی رکھ جاتے یاجیب میں ڈال لیتے تھے،کیونکہ اس میں لکھا تھا**محمد رسول اللہ**۔اس سے دومسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جس چیز میں اللہ تعالٰی یاانبیائے کرام کا نام لکھا ہواس کا ادب کرے،اسے گندگی میں نہ ڈالے،پاخانہ میں نہ لے جائے،جیسے تعویذ وغیرہ جس میں اسمائے الٰہیہ یاآیات قرآنیہ ہوں۔دوسرے یہ کہ اگر یہ چیزیں غلاف میں ہوں تو پھر لے جانا جائز ہے،اسی لئے تعویذ کا موم جامہ کرلیتے ہیں اور مقطعات قرآنیہ کی انگوٹھی پر شیشہ یا کانچ لگالیتے ہیں۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲؎کیونکہ اس کی اسناد میں ابوعبداللہ ھمام ابن یحیٰی ابن دینار رازدی ہیں،مگر ہمام کی مسلم وبخاری نے توثیق وتعریف کی اسی لیے ترمذی نے اسے حسن و صحیح فرمایا۔غرض کہ ہمام میں اختلاف ہے،بعض نے ان پر جرح کی،بعض نے توثیق تعدیل،اور جب جرح وتعدیل میں اختلاف ہو تو تعدیل کا اعتبار ہوتا ہے،لہذا یہ حدیث صحیح قابل سند ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے جانے کا ارادہ کرتے تو وہاں جاتے

	جہاں آپ کو کوئی نہ دیکھتا۱(ابوداؤد)

۱ یعنی یا تو درخت یا دیوار کے پیچھے بیٹھتے اور اگر چٹیل میدان ہوتا تو اتنی دور تشریف لے جاتے جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑ سکتی۔بعض نے فرمایا کہ اتنی چھوٹی دیوار کہ جو بیٹھے ہوئے کو چھپا سکے آڑ کے لئے کافی ہے،مگر بعض کے نزدیک قد آدم آڑ کا ہونا مناسب ہے۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھاحضور نے پیشاب کا ارادہ کیا تو دیوا رکی جڑ میں نرم زمین پر گئے،پھر پیشاب کیا پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بھی پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لئے نرم جگہ ڈھونڈے ۱(ابوداؤد)

۱ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دوسرے شخص کی دیوار کے پیچھے اس سے بغیر پوچھے ہوئے بھی پیشاب کرنا جائز ہے،بشرطیکہ مکان والے کی بے پردگی نہ ہو اورنہ اسے ایذاء پہنچے ورنہ ممنوع ہے۔چنانچہ اگر مالک نے لکھ کر لگا دیا ہو کہ یہاں پیشاب نہ بیٹھووہاں نہ بیٹھیں۔دوسرے یہ کہ نرم زمین میں پیشاب کرنا چاہیئے تاکہ اس کی چھینٹیں نہ اڑیں،اگر نرم زمین نہ ہو تو کرید کر نرم کرلی جائے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب پاخانہ کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہوتے اپنا کپڑا نہ اٹھاتے ۱(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

۱ جیسا کہ پچھلی حدیث سے معلوم ہوا پاخانے کا یہ حکم نہیں خواہ کسی مکان میں ہوتے یا جنگل میں کیونکہ بلا ضرورت ستر کھولنا جائز نہیں۔اسی لئے علماء کہتے ہیں کہ تنہائی بلکہ اندھیرے میں بھی بلاضرورت ننگا نہ رہے،رب تعالٰی سے شرم کرے۔سبحان اللہ!کیسی نفیس تعلیم ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تمہارے لیئے ایسا ہوں جیسے بیٹے کے لئے باپ ۱ تمہیں سکھاتا ہوں جب تم پاخانے جاؤتو قبلہ کو منہ نہ کرو،اورنہ پیٹھ ۲ اور تین پتھروں کا حکم دیا اورلید وہڈی سے منع فرمایا اور منع فرمایا کہ کوئی شخص داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرے ۳(ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ یعنی شفقت و محبت اور تعلیم میں مَیں تمہارے والد کی مثل ہوں۔اور ادب،اطاعت اور تعظیم میں تم میری اولاد کی مثل ہو۔خیال رہے کہ بعض احکام شرعیہ میں بھی حضور ساری امت کی باپ ہیں،تمام جہان کے والد آپ کے قدم مبارک پر قربان اسی لیے ان کی بیویاں بحکم قرآن مسلمانوں کی مائیں ہیں کہ ان سے نکاح ہمیشہ حرام اور کسی عورت کو آپ سے پردہ کرنا فرض نہیں۔اسی لیے سارے مسلمان بحکم قرآن آپس میں بھائی ہیں،کیونکہ اس رحمت والے نبی کی اولاد ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا حرام ہے۔اس کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق" میں دیکھو۔

۲؎ جنگل میں ہو یا آبادی میں،آڑمیں ہو یا کھلے میدان میں۔بہرحال کعبے کو منہ یا پیٹھ کرکے پیشاب پاخانہ نہ کرو۔یہ حدیث امام اعظم کی کھلی ہوئی دلیل ہےچونکہ اس میں کسی جگہ کی کوئی قید نہیں۔

۳؎ اس ممانعت کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سواءان ممنوعہ چیزوں کے ہر اس چیز سے استنجاء جائز ہے جو صفائی کرسکے،لکڑی،ڈھیلہ،پتھروغیرہ۔ہاں کاغذسے استنجاء ممنوع اگرچہ سادہ ہی ہو،کیونکہ اس پراللہ اوررسول کا نام لکھا جاسکتا ہے،لہذا محترم ہے۔(مرقاۃ)نیز نوکیلی وغیرہ چیزوں سے استنجاء ممنوع ہے کہ نقصان پہنچاتی ہیں۔خیال رہے کہ انسان جنات اور جانوروں کی خوراک سے استنجاء ممنوع ہے،جیسا روٹی کے سوکھے ٹکڑے،گھاس،بھوسہ،کوئلہ پتے وغیرہ کہ یہ سب قابل حرمت ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ طہارت اور کھانے کے لیے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاءاور مکروہ کام کے لئے۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی داہنے ہاتھ سے وضوء،غسل کرتے تھے اور پہلے اسی کو دھوتے تھے،نیز اسی سے کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے۔اوربائیں ہاتھ سے استنجاء،ناک کی صفائی،تھوک کا پھینکنا وغیرہ،ہر وہ کام جس سے دل کراہت کرے کرتے تھے۔لہذا ایک ہاتھ کے کام دوسرے سے نہ کرو۔مرقاۃ نے فرمایا کہ دینی کتابیں داہنے ہاتھ سے پکڑو اور جو تابائیں ہاتھ سے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر(ڈھیلے)لے جائے۱؎ جن سے استنجاء کرے یہ اسے کافی ہوں گے۔(احمد،ابوداؤد،نسائی،دارمی)	

۱؎ تین پتھروں کا حکم استحبابی ہے،کہ عام حالات میں یہ کافی ہوتے ہیں لیکن دست وغیرہ کے موقع پر پانچ یا سات کی ضرورت ہوتی ہے،مقصود صفائی ہے جتنے سے حاصل ہو۔ہاں سنت یہ ہے کہ طاق ہوں،پتھر اور ڈھیلے ایسے چاہئیں جو نجاست چوس سکیں،دیکھا گیا ہے کہ ریل کے پتھر کافی نہیں ہوتے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ گوبر سے استنجاء کرواور نہ ہڈی سےکیونکہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۱؎ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا	

مگر نسائی نے زادالخ کا ذکر نہ فرمایا۔	

۱؎ہڈیاں جنات کی خوراک ہے اور گوبر ان کے جانوروں کی غذا۔اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّھَا واحد فرمایا یہ ضمیر ہڈیوں کی طرف لوٹتی ہے۔خیال رہے کہ جب مؤمن جنات کے جانوروں کی خوراک کا احترام ہے تو ہمارے جانوروں کی خوراک کا بھی ضرور احترام ہوگا۔بھائی فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جن مراد ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ جب جنات ہڈی اٹھاتے ہیں تو اس پر گوشت پاتے ہیں اور جب ان کو جانور گوبر میں منہ لگاتے ہیں تواس میں دانے پاتے ہیں جن سے وہ گوبر بنا۔

روایت ہے حضرت رویفع بن ثابت سے ۱؎فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے رویفع شاید میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہو گی۲؎ تولوگوں کو خبر دے دینا کہ جو اپنی داڑھی میں گرہ لگائے یا تانت باندھے ۳؎یا کسی جانور کی پلیدی یا ہڈی سے استنجاء کرے تو حضور انور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ انصاری ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں طرابلس کے حاکم رہے،افریقہ پر ۴۷ھ میں جہاد کیا، ۵۰ھ میں شام میں وفات پائی،مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی موت و زندگی سے خبردار ہیں،حضور نے جنگ ِبدرسے ایک دن پہلے میدان میں خطوط کھینچ کر فرمایا کہ کل یہاں فلاں کافر ماراجائے گا،اوریہاں فلاں۔معلوم ہوا کہ وقت موت اور جگہ موت سے خبردار ہیں۔

۳؎جہلائے عرب میدان جنگ میں بہادری دکھانے کے لیے داڑھی میں گرہ لگاتے،جیسے اب سے کچھ پہلے لوگ لمبی مونچھوں میں گرہ دیا کرتے تھے۔بعض نے فرمایا اہل عرب جس کے ایک بیوی ہوتی وہ داڑھی میں ایک گرہ لگاتا دو بیویوں والا دو گرہ،اس سے منع فرمادیا گیا،کیونکہ داڑھی میں کنگھی کرنا سنت ہے۔نیز نظر بد سے بچنے کے لیے گھوڑوں اور بچوں کے گلے میں تانت یا بتوں کے نام کے دم کئے ہوئے دھاگے باندھتے تھے یہ ممنوع ہے۔خیال رہے کہ آیات قرآنیہ اور اسمائے الٰہیہ کے تعویذ بھی باندھنا جائز ہے اور گنڈھے بھی جیسا کہ انشاءاللہ "باب الاستعاذہ" میں تحقیق کی جائے گی۔صحابہ کرام نے یہ عمل کئے ہیں۔لہذا اس حدیث سے ان تعویذ گنڈوں کو منع نہیں کرسکتے۔گنگا کے پانی کی تعظیم اور تعظیمًا اس کا پانی پینا کفر ہے۔آب زمزم کی تعظیم ایمان کا رکن ہے،وہ پانی تعظیمًا کھڑے ہوکر پینا چاہیئے کہ یہ ایک پیغمبر کے قدم کا فیض ہے۔غرض کہ بتوں کے احکام بزرگوں پر جاری کرنا بڑی بے دینی ہے۔

۴؎یعنی اس کام سے متنفّر ہیں اور کرنیوالے سے ناراض ہیں،یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ میں بیزار ہوں،بلکہ فرمایا کہ حضور محمد مصطفٰے بیزار ہیں تاکہ پتہ لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں محمد ہر طرح قابل حمد،جس سے وہ ناراض ہیں وہ ہر طرح براہی ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ کبھی گناہ صغیرہ بھی حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا باعث بن جاتے ہیں،کیونکہ یہ مذکورہ تین کام گناہ صغیرہ ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت والوں کے کاموں سے مسلمان کو پرہیز چاہئیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سرمہ لگائے وہ طاق بار لگائے ۱؎ کرے تو اچھا ہے نہ کرے تو گناہ نہیں ۲؎ اور جو استنجا کرے تو طاق سے کرے جو کرے تو اچھا اور نہ کرے تو گناہ نہیں ۳؎ اور جو کھائے تو جو خلال سے نکالے وہ تھوک دے اور جوزبان سے نکالے وہ نگل لے ۴؎ جو کرے تو اچھا ہے جو نہ کرے تو گناہ نہیں ۵؎ اور جو پاخانہ جائے تو آڑ کرے اگر آڑ نہ پائے یا بجز اس کے کہ ریت کا ڈھیر جمع کرے تو اس ڈھیر کی طرف پیٹھ کرے ۶؎ کیونکہ شیطان لوگوں کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے جو یہ کرے تو اچھا ہے جو نہ کرے تو گناہ نہیں ۷؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ ہر آنکھ میں تین سلائیاں اس طرح کہ پہلے داہنی آنکھ میں تین۔بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ پہلے دہانی میں دو،پھر بائیں میں تین،پھر دائیں میں ایک،تاکہ داہنی پر ابتداء اور انتہاء ہو،اس میں بھی حرج نہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے وقت تین تین سلائیاں لگایا کرتے تھے،اس پر پابندی کرنے والا ان شاءاللہ اندھا نہ ہوگا۔

۲؎ یعنی یہ امروجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مطلق امر و جوب کے لیے ہوتا ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امر کے بعد اس فرمان کی ضرورت نہ ہوتی۔

۳؎ یعنی بڑے استنجے کے لیے تین،یا پانچ،یا سات حسب ضرورت ڈھیلے لے۔اگر چار یا چھ لئے جب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ مقصود صفائی ہے۔خیال رہے کہ سرمے کی تین ہی سلائیاں لگائے پانچ یا سات نہیں کہ یہی سنت ہے۔

۴؎ کیونکہ خلال سے نکالے ہوئے میں خون سے مخلوط ہونے کا احتمال ہے،لہذا احتیاطًا نہ کھائے اور زبان سے نکالے ہوئے میں یہ احتمال نہیں وہاں اس احتیاط کی ضرورت نہیں۔

۵؎ یہ اس صورت میں ہے کہ خون سے مخلوط ہونے کا صرف احتما ل ہو یقین نہ ہو،اگر یقین ہو تو نگلنا حرام ہے کیونکہ بہتا خون حرام بھی ہے اور نجس بھی،خواہ دوسرے کا۔اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ بہتا خون جسم میں داخل کرنا ناجائز ہے جیسے پیشاب پاخانہ داخل کرنا کہ یہ سب نجس ہیں۔

۶؎ لوگوں کے سامنے تو آڑ کرنا فرض ہے،تنہائی میں آڑ مستحب،کیونکہ یہ حیا کا ایک شعبہ ہے اسی لیے تنہائی میں بھی ننگا رہنا ممنوع ہے۔ڈھیر کی طرف پیٹھ کرنا اس واسطے ہے کہ آگے تو کپڑے وغیرہ سے بھی آڑ کی جاسکتی ہے ورنہ دونوں طرفیں ستر کے لائق ہیں۔

۷؎ یعنی تنہائی میں یہ پردہ مستحب ہے واجب نہیں۔شیطان کے کھیلنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ننگا دیکھ کر ہنستا ہے،وسوسے ڈالتا ہے وغیرہ۔

روایت ہے عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے گا۲؎ کیونکہ عام وسوسے اسی سے ہوتے ہیں۳؎ اسے ابوداؤد،ترمذی اورنسائی نے روایت کیا مگر ان دونوں نے "ثم یغتسل" کا ذکر نہ کیا۔	

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ مزینہ سے ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ قیام رہا،شہر تَسْتُر فتح ہونے پر اول آپ ہی وہاں داخل ہوئے،عہد فاروقی میں بصرہ میں لوگوں کو علم دین سکھانے کے لئے آپ کو بھیجا گیا،وہیں ۵۹ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ **مستحمہ** کے معنی ہیں گرم پانی استعمال کرنے کی جگہ۔**حمیم** گرم پانی،اسی سے حمام بنا۔اگرغسل خانہ کی زمین پختہ ہواوراس میں پانی خارج ہونے کی نالی بھی ہو تو وہاں پیشاب کرنے میں حرج نہیں،اگرچہ بہتر ہے کہ نہ کرے۔لیکن اگر زمین کچی ہو اور پانی نکلنے کا راستہ بھی نہ ہو تو پیشاب کرنا سخت برا ہے کہ زمین نجس ہوجائے گی،اورغسل یاوضو میں گندا پانی جسم پر پڑے گا۔یہاں دوسری صورت ہی مراد ہے اسی لیے تاکیدی ممانعت فرمائی گئی۔

۳؎ یعنی اس سے وسوسوں اور وہم کی بیماری پیدا ہوتی ہے،جیسا کہ تجربہ ہے یا گندگی چھینٹیں پڑنے کا وسوسہ رہے گا۔پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

روایت ہے عبداللہ ابن سرجس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص سوراخ میں ہرگز پیشاب نہ کرے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ قبیلہ مزینہ یا قبیلہ بنی مخزوم سے ہیں،بصرہ کے رہنے والے ہیں،آپ کے والد کا نام یا سرجس ہے یانرجس۔

۲؎ جحر سے مراد یا زمین کا سوراخ یا دیوار کی پھٹن،چونکہ اکثر سوراخوں میں زہریلے جانور،چیونٹیاں وغیرہ کمزور جانور یا جنات رہتے ہیں،چیونٹیاں پیشاب یاپانی سے تکلیف پائیں گی،یا سانپ وجن نکل کر ہمیں تکلیف دیں گے،اس لیے وہاں پیشاب کرنا منع فرمایا گیا۔چنانچہ سعدابن عبادہ انصاری کی وفات اسی سے ہوئی کہ آپ نے ایک سوراخ میں پیشاب کیا جن نے نکل کر آپ کو ہلاک کردیا۔لوگوں نے اس سوراخ سے یہ آوا زسنی "**نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنِ عُبَادَةَ وَرَمَيْنَاهُ بِسَهْمٍ فَلَمْ نُخْطِ مَوَادَ**"۔(مرقاۃ واشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لعنتی چیزوں سے	

	بچو،گھاٹوں، درمیانی راستہ اور سایہ میں پاخانہ کرنے سے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ ہر وہ جگہ جہاں لوگ بیٹھتے یا آرام کرتے ہوں وہاں پاخانہ کرنا منع ہے کہ اس سے رب تعالٰی بھی ناراض ہے اور لوگ بھی گالیاں دیتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے غسل اور استنجاء خانوں میں پاخانہ کرنا سخت جرم ہے۔بندوں کو ستانے والا رب کے عذاب کا مستحق ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید نے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو شخص پاخانہ کرنے نہ جائیں کہ شرمگاہیں کھولے باتیں کریں کیونکہ اللہ تعالٰی اس پر ناراض ہوتا ہے ۱؎ (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ دوسرے کے سامنے ننگا ہونا بھی منع ہے،اور پیشاب پاخانہ کرتے ہوئے باتیں کرنا بھی جرم،اس وقت باتیں کرنے سے ملائکہ کو تکلیف ہوتی ہے،بلکہ اس وقت اللہ کا بھی ذکر نہ کریں،اگر چھینک آئے تو زبان سے الحمدﷲ بھی نہ کہیں،اگر کوئی سلام کرے تو جواب بھی نہ دیں۔غرض کہ پیشاب پاخانہ اورصحبت کے وقت مطلقًا بات کرنا ممنوع ہے۔

	روایت ہے زید بن ارقم سے فرماتے ہیں ۱؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ پاخانے جنات کے حاضر رہنے کی جگہ ہیں ۲؎ تو جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے تو کہہ لے میں گندے جن اور جناتنی سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابو عمرو ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،کوفہ میں قیام رہا،۸۵ سال عمر پائی، ۶۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

۲؎ کیونکہ یہاں پلیدیاں پڑتی ہیں،اللہ کا ذکر ہوتا نہیں،اس لئے وہاں شیطان لوگوں کی تاک میں بیٹھتے ہیں،اسی لئے حکم ہے کہ بلاضرورت پاخانہ میں نہ جاؤ اور بلاوجہ وہاں نہ بیٹھو۔خیال رہے کہ گرجے،مندر،شراب خانے،سینما،جہاں جواری جوا کھیلیں یہ تمام جگہ شیطانوں کے ٹھکانے ہیں۔سرکار نے فرمایا ہے کہ بازاروں میں شیطان رہتا ہے کہ وہاں جھوٹ،دھوکے بہت دیئے جاتے ہیں۔

۳؎ مگر یہ کلمات پاخانہ میں جانے سے پہلے کہے،پاخانہ کے اندر اللہ کا ذکر منع ہے،کیونکہ وہاں گندگیاں ہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنات کی آنکھوں اور لوگوں کے ستر کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی پاخانہ میں جائے تو بسم اللہ کہہ لے ۱؎ اسے ترمذی نے روایت کیااورفرمایا یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں۔

۱؎یعنی جیسے دیوار اور پردے لوگوں کی نگاہ سے آڑ بنتے ہیں،ایسے ہی یہ اللہ کا ذکر جنات کی نگاہوں سے آڑ بنے گا کہ جنات اس کو نہ دیکھ سکیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب پاخانے سے آتے تو فرماتے تیری بخشش (چاہیئے) ۱؎(ترمذی،و ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ان تمام احادیث میں بیت الخلاء سے پاخانے پھرنے کی جگہ مراد ہے،جنگل میں ہو،یاچھت پر،یا گھر کے گوشہ میں،نہ کہ خاص کوٹھڑیاں کیونکہ اس زمانہ میں گھروں میں پاخانہ کی کوٹھڑیاں بنانے کا رواج نہ تھا۔اور پاخانہ سے فارغ ہوکرمغفرت مانگنے کی دو وجہ ہیں:ایک یہ کہ فراغت کا وقت اللہ کے ذکر کے بغیر گزرا کیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم سوائے اس حالت کے تمام حالات میں ذکر اللہ کرتے تھے خداوند اس کوتاہی کو معاف کر۔دوسرے یہ کہ خیریت سے پاخانہ ہوجانا خدا کی بڑی نعمت ہے جس کے شکریہ سے زبان قاصرہے خدایا اس قصور کو معاف کر۔خیال رہے کہ حضور کی استغفارہ امّت کی تعلیم کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جاتے تو میں آپ کی خدمت میں چھاگل یاپیالہ میں پانی لاتا ۱؎آپ استنجاء کرتے پھر ہاتھ شریف زمین پر رگڑتے ۲؎پھر میں دوسرا برتن لاتا تو وضو فرماتے ۳؎اسے ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا،نسائی نے بمعنی۔

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ نبی امتی سے،پیرمرید سے،استاد شاگرد سے،باپ اپنے بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے۔اور ان لوگوں کا رضاء کارانہ طور پر بزرگوں کی خدمت کرنا سعادت مندی ہے۔

۲؎تاکہ مٹی سے ہاتھ مانجھ کر بو دفع کردی جائے لہذا استنجے کے بعدصابون وغیرہ سے ہاتھ دھونا سنت سے ثابت ہے۔خیال رہے کہ حضور کا یہ فعل شریف بھی امت کے لیے ہے ورنہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات میں بدبو نہ تھی حتی کہ ایک بی بی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب دھوکہ میں پی لیا جیسا کہ اس کے موقع پر ذکر کیا جائے گا۔ان شاءاللہ!

۳؎ اکثرنہ کہ ہمیشہ،جیساکہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔چونکہ برتن چھوٹا تھا استنجے کے بعد وضو کے لائق پانی نہیں بچتا تھا،اس لیے دوسرے برتن سے وضو فرماتے تھے ورنہ استنجے کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے۔

	روایت ہے حکیم ابن سفیان سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے تو وضو فرماتے اور شرمگاہ(رومالی)پر چھینٹا دیتے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎سفیان ابن حکم کی صحابیت میں اختلاف ہے،نیز ان کا نام یا حکم ابن سفیان ہے یا سفیان ابن حکم۔رومالی پر چھینٹا مارنا دفع وسوسہ کے لیے اکسیر ہے۔بعض علماء ہر وضو کے بعد اس کے چھینٹے کو مستحب کہتے ہیں۔بعض فرماتے ہیں کہ اگر پیشاب

کے بعد وضو کیا جائے تو چھینٹا مار لیا جائے تاکہ اگر بعد میں رومالی پر تری نظر آئے تو اس کے پیشاب ہونے کا احتمال نہ رہے یہی صحیح ہے۔

روایت ہے امیمہ بنت رقیقہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ کے تخت کے نیچے رکھا رہتا تھا جس میں رات کو پیشاب کرتے تھے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ صحابیہ ہیں،آپ کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام رقیقہ ہے،یا حضور کی پھوپھی ہیں یعنی آپ کے والد کی ماں شریکی ہمشیرہ یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کی بہن،اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں رشتے ہوں۔

۲؎ عیدان یا عود کی جمع ہے۔(بمعنی لکڑی) یا عیدانیۃٌ کی،بمعنی درخت کھجور۔سرکار اکثر زمین پر سوتے تھے(صلی اللہ علیہ وسلم)اور کبھی تخت پر بھی،پائنتی کی طرف یہ پیالہ رہتا تھا تاکہ پیشاب کے لیے سردی وغیرہ میں باہر نہ جانا پڑے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں کھڑے ہوئے پیشاب کررہا تھا تو فرمایا کہ اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو پھر میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ اورطریقۂ کفار ہے،جاہلیت کے لوگ گدھے بیل کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔اگر اس میں بے پردگی ہویا کپڑے پر چھینٹیں پڑیں یامشابہت کفار(فیشن) کے لیے ہو تو مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی،مجبوری کی حالت میں بلاکراہت جائز۔

شیخ الامام محی السنہ نے فرمایا حضرت حذیفہ سے بروایت صحیح مروی ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے تو کھڑے ہوکر پیشاب کیا(مسلم،بخاری) کہا گیا ہے کہ یہ عذرًا تھا ۱؎	

۱؎ یا تووہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی کیونکہ کوڑی پر ہر جگہ نجاست ہی ہوتی ہے،یاپاؤں شریف میں زخم،یا پیٹھ میں درد تھا جس کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مفید تھا۔اطباء کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر انگارے پر پیشاب کرنا ستر بیماریوں کا علاج ہے۔(مرقاۃ،اشعۃ اللمعات) خیال رہے کہ اس موقع پر سرکار اونچی جگہ کھڑے ہوئے ہوں گے جس سے پیشاب کی چھینٹوں سے محفوظ رہے ہوں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں جو تمہیں یہ خبر دے	

	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اسے سچا نہ مانو آپ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے ا؎(احمد،ترمذی،نسائی)

ا؎ ام المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کا ذکر فرمارہی ہیں۔یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا ورنہ ایک آدھ بار عذراً کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے،لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت زید ابن حارثہ سے ا؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضرت جبریل پہلی وحی میں آپ کے پاس آئے ۲؎تو آپ کو وضو و نماز سکھائی ۳؎پھر جب وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا چلو لیا اورشرمگاہ پر چھڑکا ۴؎(احمدودارقطنی)

ا؎آپ کی کنیت ابواسامہ ہے،آپ کی والدہ سعد بنت ثعلبہ ہیں،آپ کو آٹھ سال کی عمر میں قبیلہ بنی معن نے پکڑلیا،اور بازار عکاظ میں حکیم ابن خویلد کے ہاتھ چارسو درہم کے عوض فروخت کیا،حکیم نے آپ کو اپنی پھوپھی خدیجۃ الکبریٰ کے واسطے خریدا،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنھا سے نکاح کیا تو انہوں نے حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کردیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزادکرکے اپنا بیٹا بنالیا اور اپنی لونڈی ام ایمن سے نکاح کردیا،جس سے اسامہ ابن زید پیدا ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح زینب بنت جحش سے کردیا جو بعد میں حضور کے نکاح میں آئیں۔آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیارے تھے حتی کہ آپ کا شمار اہل بیت پاک میں ہوتا ہے اور لوگ آپ کو زید ابن محمد کہا کرتے تھے۔تب یہ آیت اتری"اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ"تمام صحابہ رضی اللہ عنھم میں صرف آپ کا ہی نام قرآن پاک میں آیا ہے"فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا" آپ کی عمرپچپن سال ہوئی،جمادی الاولی ۸ھ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔

۲؎پہلی وحی سے مراد فرضیت نمازیعنی شبِ معراج کے بعد کی پہلی وحی ہے جو نبوت کے تیرھویں سال ہوئی،کیونکہ اس سے پہلے نہ نماز آئی تھی نہ وضو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے یہ سب کچھ کیا کرتے تھے۔لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پہلی وحی"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"ہے۔

۳؎امت کی تعلیم کے لیئے ورنہ حضور خود تو پہلے ہی سب کچھ جانتے تھے،نبوت سے پہلے غارثور میں اعتکاف اور عبادت کرتے تھے،مگر اب یہ احکام شرعیہ بنے،لہٰذا جبرئیل امین نے سکھایا نہیں،بلکہ رب کی طرف سے پہنچایا،لہٰذا جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں،استاد نہیں،سکھانے والا رب ہے۔

۴؎تاکہ حضور اپنی امت کو یہ سکھائیں۔اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ یہ وسوسہ کا علاج ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس حضرت جبریل

آئے عرض کیا اے محمد!۱؎(صلی اللہ علیہ وسلم)جب آپ وضو کریں تو پانی چھڑک لیا کریں۔ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے میں نے محمد یعنی امام بخاری کو کہتے سنا کہ حسن بن علی ہاشمی راوی منکرالحدیث ہے۲؎	

۱؎ شاید یہ حدیث اس آیت کے نزول سے پہلے کی ہے"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ"الایہ۔اس آیت کے نزول کے بعد فقط نام شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا حرام ہے،جب ہمارا رب ہی اپنے محبوب کو نبی،رسول،مزمل،مدثر کے القاب سے پکارے تو مخلوق صرف نام سے کیسے پکار سکتی ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ یہ الفاظ شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہوں انہوں نے ادب سے پکارا ہو گا،حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انکسارًا اس طرح نقل فرمایا،جیسے کہا جاتا ہے کہ مجھ سے فلاں نے کہا تو اس وقت آنا،حالانکہ انہوں نے کہا ہوتا ہے(آپ تشریف لائیے گا)۔
۲؎ یعنی اس اسناد میں کوئی راوی حسن ابن علی بھی ہے جو خود ثقہ نہیں ہے اور اس روایت میں وہ اکیلا ہے مگر مضائقہ نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔خیال رہے کہ یہ حسن ابن علی کوئی غیر معتبر شخص ہے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مراد نہیں جیسا بعض لوگوں نے سمجھا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں پیشاب کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عمر آپ کے پیچھے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے ہوگئے فرمایا اے عمر!یہ کیا؟عرض کیا پانی ہے جس سے آپ وضو کریں فرمایا مجھے یہ حکم نہیں کہ جب کبھی پیشاب کروں تو وضو کرو اگر یہ کروں تو سنت ہوجائے ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی سنت مؤکدہ،ورنہ باوضو رہنا سنت مستحبہ تو ہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کے لیے حکم کا انتظار نہیں کرتے تھے بلکہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔دوسرے یہ کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کریں وہ سنت مؤکدہ ہے۔اور جس کا حکم بھی کریں وہ واجب۔تیسرے یہ کہ بارہا سرکار نے امت پر آسانی کرنے کے لئے مستحب کاموں کو چھوڑ دیا ہے اور یہ چھوڑنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث ثواب ہے کیونکہ تبلیغ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوایوب وجابر وانس سے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونا پسند کرتے ہیں اور اللہ ستھروں کو پسند	

	فرماتا ہے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انصار کے گروہ اللہ نے تمہاری پاکی کی بہت تعریف کی ہے تمہاری کیسی پاکی ہے ۲؎ وہ بولے کہ ہم نماز کے لیئے وضو جنابت کے لئے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء ۳؎ تو فرمایا کہ وہ یہ ہی پاکی ہے اسے لازم کرلو ۴؎ (ابن ماجہ)

۱؎ اس آیت میں مسجد قباء کی تعریف فرمائی گئی ہے،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے،یعنی چونکہ مسجد کے آس پاس انصار رہتے ہیں،اور اس میں وہی نماز پڑھتے ہیں،یہ بڑے پاک لوگ ہیں،آپ بھی وہاں نماز پڑھاکریں۔اس سے معلوم ہوا کہ جس مسجد کو بزرگوں نے بنایا ہو،یا بزرگوں نے وہاں نمازیں پڑھی ہوں،یا اس کے قریب بزرگ رہتے ہوں،یا دفن ہوں وہاں نماز کا ثواب زیادہ ہے اور ارادۃً وہاں جا کر نماز پڑھنا رب کو پسند ہے۔اس سے شریعت اور تصوف کے بہت سے مسائل حاصل ہوسکتے ہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر"نورالعرفان"میں دیکھو۔

۲؎ یہ سوال و جواب لوگوں کو سنانے کے لیے ہے،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک کے عمل سے واقف ہیں،فرماتے ہیں"لَایُخْفٰی عَلَیَّ صَلٰوتُکُمْ"الخ۔

۳؎ ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرلیتے ہیں،یاصرف پانی سے ہی استنجاء کرتے ہیں نہ کہ ڈھیلوں سے،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں،جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔دوسرے لوگ صرف ڈھیلوں پر کفایت کرتے ہیں مگر یہ کفایت خشک پاخانے میں ہوسکتی ہے،دست کی صورت میں دھونا فرض ہے جب کہ روپے سے زیادہ جگہ لتھڑ جائے۔

۴؎ یعنی پانی سے استنجاء لازم کرلو۔نماز کے لیئے وضوءاور جنابت سے غسل تو سب حضرات ہی کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں بعض مشرکوں نے مذاقًا کہا کہ ہم تمہارے صاحب کو دیکھتے ہیں کہ تم کو پاخانہ کرنا تک سکھاتے ہیں ۱؎ میں نے کہاہاں ہمیں حکم دیا ہے کہ قبلہ کو منہ نہ کریں اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں اور تین پتھروں سے کم پر کفایت نہ کریں ان میں نہ گوبر ہو نہ ہڈی ۲؎ (مسلم)احمد نے روایت کیایہ اس کے لفظ ہیں۔

۱؎ ایسی معمولی باتیں سکھانا ان کی شان کے خلاف ہے بڑے لوگ بڑی باتیں سکھائیں۔

۲؎ سبحان اللہ!کیسا حکیمانہ جواب ہے یعنی یہ تو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ ہمیں کسی کا محتاج نہ رکھا سب کچھ سکھا دیا۔دیکھو ہمیں استنجاء کے بارے میں کیسے نفیس احکام عطا فرمائے،تم بھی یہ باتیں سیکھ لو۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان بن حسنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

	لائے کہ آپ کے ہاتھ شریف میں ڈھال تھی آپ نے ڈھال زمین پر رکھی پھر بیٹھ کراس کے پیچھے پیشاب کیا ۲؎ تو بعض کفار بولے انہیں دیکھو تو عورتوں کیطرح پیشاب کرتے ہیں ۳؎ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تو فرمایا افسوس تم پر کیا تمہیں خبر نہیں کہ بنی اسرائیل والے کو کیا آفت پہنچی تھی کہ جب انہیں پیشاب لگ جاتا تو قینچیوں سے جگہ کاٹ ڈالتے تھے اس نے انہیں منع کیا تو اپنی قبر میں عذاب دیا گیا ۴؎ اسے ابوداؤد ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے ان سے انہوں نے ابوموسیٰ سے۔

۱؎ حسنہ ان کی والدہ کا نام ہے،والد کا نام عبداللہ ابن مطاع ہے،آپ صحابی ہیں۔

۲؎ ورقہ چمڑے کی وہ ڈھال ہے جس میں لکڑی اور پٹھا استعمال نہ کیا جائے۔ہلکی ہوتی ہے،جنگ میں تلوار کا وار آسانی سے روک لیتی ہے۔ڈھال کی آڑمیں پیشاب کرنے سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے وقت پورے جسم کا چھپانا ضروری نہیں،صرف شرمگاہ کا چھپ جانا کافی ہے،کیونکہ ڈھال چھوٹی ہوتی ہے۔

۳؎ اسلام سے پہلے عربی مردبے دھڑک سب کے سامنے ننگے پیشاب پاخانہ کرلیا کرتے تھے۔ستر اور شرمِ حجاب اسلام نے سکھایا وہ لوگ اس تہذیب کا مذاق اڑاتے تھے،جیسے آج بعض بے دین جاہل بعض اسلامی احکام داڑھی،نماز وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔یہ ایسے ہی ہے جیسے نکٹے ناک والوں کا نکو کہہ کر مذاق اڑائیں۔

۴؎ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیشاب کے احکام بہت سخت تھے کہ اگر کپڑے میں لگ جائے جلا ڈالو،اوراگر بدن پر لگ جائے تو اتنی کھال چھیل ڈالو۔ان میں ایک شخص نے بنی اسرائیل کو مشورہ دیا کہ ایسا نہ کرو۔اس مشورے پر وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوا،حالانکہ اس نے ایسی چیز سے روکا تھا جو نفس پر سخت گراں تھی اور تو مجھے اس حجاب اور حیاسے منع کررہا ہے جو نہ تکلیف دہ ہے نہ نفس پر بھاری،بتا تیرا کیا حال ہوگا؟اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کوئی بنی اسرائیل ہوگا اور یہ واقعات اس زمانہ میں مشہور ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ تو دیکھو کہ اس کے مذاق کا کوئی جواب نہ دیا،نرمی سے مسئلہ سمجھادیا۔

	روایت ہے حضرت مروان اصفر سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی سواری قبلہ رخ بٹھالی پھر بیٹھ کر اس کی جانب پیشاب کرنے لگے ۲؎ میں نے کہا اے ابوعبدالرحمان کیا اس کی ممانعت نہیں ہے ۳؎ فرمایا کہ اس سے جنگل میں منع کیا گیا ہے مگر جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز آڑ کرے

	تو کوئی مضائقہ نہیں۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے غلام ہیں،تابعی ہیں،آپ سے ایک دو حدیثیں مروی ہیں۔
۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ جنگل کا ہے،جیسا کہ جواب سے معلوم ہورہا ہے،نیز جنگل ہی میں سواری پر بیٹھا جاتا ہے۔
۳؎ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عام صحابہ اورتابعین میں یہی مشہور تھا کہ مطلقًا قبلہ رو پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے،تب ہی تو اس تابعی کو حضرت ابن عمر کے اس فعل پر تعجب ہوا،لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔
۴؎ یہ حضرت ابن عمر کا اجتہادی فتوٰی ہے۔یہ جنگل اوربستی کا فرق حدیث مرفوع میں نہیں اور اس فتوے کی وجہ یہ ہے جو اسی باب میں پہلے گزر چکی ہے،ہم وہاں ہی اس پر مکمل گفتگو کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے سے نکلتے تو فرماتے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز دور کی اور مجھے عافیت(راحت بخشی) ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ یہاں دونعمتوں پر خدا کا شکر ہے تکلیف دہ چیز یعنی فضلہ کا نکل جانا اورراحت کا ملنا اس طرح کہ اس کے ساتھ یہ آنتیں باہر نہ آگئیں۔یہ بات معمولی معلوم ہوتی ہے مگر غورکرو تو عظیم الشان نعمت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ جب جنات کا وفد حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوا ۱؎ تو عرض کیایارسول اللہ اپنی امت کو منع فرمادیں کہ ہڈی گوبر یا کوئلہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ اس میں اللہ نے ہماری روزی کی ہے تب ہم کو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اپنے اوراپنی قوم کی طرف سے ایمان لانے کے لیے جنات کے ایمان کا واقعہ کئی بار ہوا ہے،ان میں سے ایک موقعہ پر حضرت ابن مسعود حضور کے ساتھ تھے اسی بار یہ حکم فرمایا گیا۔
۲؎ پہلے کہا جاچکاہے کہ کوئلہ اورہڈیاں جنات کی خوراک ہیں اورگوبران کے جانوروں کی،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مؤمن جن گنداگوبر کیوں کھاتے ہیں اور نہ یہ اعتراض کہ جب وہ گندا گوبر کھالیتے ہیں تو انہیں انسان کی گندگی بھی کھالینی چاہیئے کیونکہ ان کے جانور کی غذا یہ گندگی نہیں ہے۔

باب السواک

مسواک کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مسواک اور سواک سُوْكٌ سے بنا بمعنی ملنا، مسواک دانتوں کے ملنے کا آلہ۔ شریعت میں مسواک وہ لکڑی ہے جس سے دانت صاف کئے جاتے ہیں۔ سنت یہ ہے کہ یہ کسی پھول یا پھلدار درخت کی نہ ہو، کڑوے درخت کی ہو، موٹائی چھنگلی کے برابر ہو، لمبائی بالشت سے زیادہ نہ ہو، دانتوں کی چوڑائی میں کی جائے نہ کہ لمبائی میں، بے دانت والا انسان اور عورتیں انگلی پھیر لیا کریں۔ مسواک اتنے مقام پر سنت ہے: وضوء میں، قرآن شریف پڑھتے وقت، دانت پیلے ہونے پر، بھوک، یا دیر تک خاموشی، یا بے خوابی کی وجہ سے منہ سے بو آنے پر۔ احناف کے ہاں مسواک سنتِ وضو ہے نہ کہ سنت نماز، لہذا باوضو آدمی نماز کے لیے مسواک نہ کرے۔ امام شافعی کے ہاں سنت نماز ہے نہ کہ سنت وضو اور وجہ ظاہر کہ ان کے ہاں خون وضو نہیں توڑتا تو اگر مسواک سے دانت میں خون نکل بھی آیا تو نماز درست ہوگی۔ لیکن ہمارے ہاں بہتا خون وضو توڑ دیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر یہ نہ ہوتا کہ اپنی امت پر دشواری کروں گا تو انہیں عشاء میں دیر کا اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا ۱؎ (بخاری مسلم)

۱؎ یعنی ان پر فرض کردیتا کہ نماز عشاء تہائی رات پر پڑھیں، اور ہر نماز کے لیے وضو کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور باذن الٰہی احکام کے مالک ہیں، جو چاہیں فرض کریں، جو چاہیں حرام کہ فرماتے ہیں میں فرض کردیتا۔ خیال رہے کہ یہ حدیث امام شافعی کے نزدیک اپنے ظاہر پر ہے مگر ہمارے ہاں ہر نماز سے مراد اس کا وضو ہے یعنی وضو پوشیدہ ہے، کیونکہ ابن خزیمہ، حاکم، بخاری شریف نے "کتاب الصوم" میں انہی ابوہریرہ سے یہی حدیث روایت کی مگر اس میں بجائے "صَلٰوۃٍ کے عِنْدَ کُلِّ وُضُوءٍ" ہے اور احمد وغیرہ کی روایت ہے "عِنْدَ کُلِّ طُھُوْرٍ" وہ حدیثیں اس کی تفسیر ہیں۔ خیال رہے کہ وضو میں مسواک کی زیادہ تاکید ہے ورنہ وضو کے علاوہ پانچ جگہ اور بھی مسواک سنت ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ امام احمد کی روایت میں ہے کہ مسواک کی نماز بغیر مسواک کی ستر نمازوں سے افضل ہے۔

	روایت ہے شریح ابن ہانی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کیا کام کیا کرتے تھے؟ فرمایا مسواک ۲؎ (مسلم)

۱؎ صحیح یہ ہے کہ حضرت شریح مجتہدین تابعین سے ہیں،اور آپ کے والد ہانی ابن یزید صحابی ہیں،حضرت شریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوچکے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانی سے پوچھا کہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟عرض کیا تین۔شریح،عبداللہ اور مسلم۔فرمایا تمہاری کنیت ابو شریح ہے،آپ سیدنا علی مرتضٰی کے مخصوص ساتھی ہیں،بلکہ آپ کے قاضی رہے ہیں،جنگ جمل و صفین میں آپ کے ساتھ تھے،۷۸ھ میں شہید کئے گئے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ مسواک وضو کے علاوہ بھی کرنی چاہیئے۔مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ مسواک کے ستر فائدے ہیں:جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مرتے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے ،یہ "پائیریا"سے محفوظ رکھتی ہے،گندہ دہنی دور کرتی ہے،دانتوں و معدے کو قوی کرتی ہے،آنکھوں میں روشنی دیتی ہے۔دیکھو شامی وغیرہ۔ اور افیون میں ستر برائیاں ہیں:جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے خرابیٔ خاتمہ کا اندشیہ ہے۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیئے رات میں اٹھتے تو اپنا منہ شریف مسواک سے ملتے۱؎ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی وضو بلکہ استنجے سے بھی پہلے،پھر وضو میں اس کے علاوہ کیونکہ مسواک بیدار ہونے کی بھی سنت ہے اور وضوکی بھی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دس چیزیں نبیوں کی سنت سے ہیں ۱؎ مونچھ کٹانا ۲؎ داڑھی بڑھانا ۳؎ مسواک،ناک میں پانی لینا،ناخن کٹانا ۴؎ پورے دھونا ۵؎ بغل کے بال اکھیڑنا ۶؎ زیر ناف کے بال مونڈنا ۷؎ پانی خرچ کرنا یعنی استنجاء کرنا ۸؎ راوی کہتے ہیں کہ میں دسویں بات بھول گیا ممکن ہے کلی ہو ۹؎ (مسلم)اور ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کی بجائے ختنہ ہے ۱۰؎ میں نے یہ روایت نہ تو صحیحین میں پائی ہے اور نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے جامع و الے نے اور یوں ہی خطابی نے "معالم السنن"میں بروایت ابوداؤد عمار ابن یاسر سے روایت کیا ۱۱؎

۱؎ فطرت کے لغوی معنی ہیں پیدائش،رب فرماتا ہے: "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ"مگر اصطلاح میں ان سنت انبیاء کو فطرت کہا جاتا ہے جن پر ہمارے حضور بھی عامل رہے۔

۲؎ اتنی کہ اوپر کے ہونٹ کی سرخی نمودار ہوجائے،اس سے زیادہ کترانا بھی منع ہے اور منڈانا بھی ممنوع۔بعض علماء نے مجاہدین کو بحالت جنگ مونچھیں بڑھانے کی اجازت دی ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۳؎چار انگشت واجب اس سے قدرے زیادہ جائز ہے،بہت زیادہ مکروہ،چار انگشت سے کم کرنا سخت منع اور منڈانا حرام،نیز ہندوؤں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے۔اگر عورت کے داڑھی نکل آئے تو اسے منڈادے۔خیال رہے کہ ٹھوڑی کے نیچے والے بال ایک مشت کے بعد کٹوائے اور اس کے آس پاس اسی مناسبت سے کہ بالوں کا حلقہ بن جائے جیسا کہ سیدنا ابن عمر کا طریقہ تھا(بخاری شریف)قرآن حکیم فرماتا ہے: "لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ"۔معلوم ہوا کہ ایک مشت داڑھی سنت انبیاء ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہے۔

۴؎ہاتھوں اورپاؤں کے اس طرح کہ پہلے داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے شروع کرکے چھنگلی پر ختم کردے، پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرکےانگوٹھےپرختم کردے،پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹ لے، اس کے بعد داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے۔جمعہ کے دن کٹوانا مستحب ہے اور جمعرات کے دن بعد نماز عصر بہت بہتر۔ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک بار کاٹ لے۔چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے۔

۵؎کھانا وغیرہ کھاکر یا کوئی اور کام کرکے،مراد پوروں سے پوری انگلیاں ہیں۔

۶؎ اکھیڑنا سنت ہے،منڈانا جائز ہے۔

۷؎سنت ہے۔چونے وغیرہ سے صاف کردینا بھی جائز،قینچی سے کاٹ دینا خلاف۔سنت ان احکام میں عورتیں اور مراد برابر ہیں۔(مرقاۃ)

۸؎یعنی پیشاب پاخانہ کا استنجاء پانی سے کرنا سنت ہے،اور اگر نجاست روپے بھر سے زیادہ ہو تو فرض۔

۹؎راوی سے مراد مصعب ہیں یازکریا ابن ابی زائدہیں۔(مرقاۃ)

۱۰؎لڑکے کا ختنہ سنت ہے۔ساتویں دن سے لے کر ساتویں سال تک کردیا جائے،بلوغ سے پہلے ہونا ضروری ہے،بعد بلوغ ستر اس کے لیے کھولنا حرام ہے۔جو جوان آدمی ایمان لائے تو اگر ممکن ہو تو ختنہ کا کام جاننے والی عورت سے اس کا نکاح کردیا جائے،کہ وہ ختنہ کرے ورنہ نہیں۔

۱۱؎یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ پہلی فصل میں غیر صحیحین کی روایت لے آئے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسواک منہ صاف کرنے والی ہے۔اللہ کی رضا کاسبب ہے ۱؎ اسے شافعی واحمد دارمی ونسائی نے روایت کیااور بخاری نے اپنی صحیح میں بغیر اسناد روایت کیا۔

۱؎ یعنی اس میں دین ودنیاکی بھلائی ہے۔خیال رہے کہ مسواک سے مسلمان کامسواک کرنابنیّتِ عبادت مرادہے،کفار کی مسواک اور مسلمانوں کی عادتًا مسواک اگرچہ منہ تو صاف کردے گی مگر رضائے الٰہی کا ذریعہ نہ بنے گی،نیز اگرچہ مسواک میں دنیوی اوردینی بہت فوائد

ہیں،مگر یہاں صرف دو فائدے بیان ہوئے۔یا اس لئے کہ یہ بہت اہم ہیں یا کیونکہ باقی فوائد بھی ان دو میں داخل ہیں۔منہ کی صفائی سے معدے کی قوت اور بے شمار بیماریوں سے نجات ہے اور جب رب راضی ہوگیا پھر کیا کمی رہ گئی۔

روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں سے ہیں ۱؎ شرم۔ایک روایت میں ہے ختنہ ۲؎ عطر ملنا،مسواک اور نکاح ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ سنت قولی یا فعلی،لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام نے نکاح نہیں کیا کیونکہ ان بزرگوں نے اپنے متبعین کو نکاح کی رغبت ضروردی۔

۲؎ بعض نسخوں میں حناء بھی ہے بمعنی مہندی مگر یہ غلط ہے،کیونکہ مردوں کو ہاتھ پاؤں میں زینت کے لیے مہندی لگانا کسی نبی کی سنت نہیں بلکہ ممنوع رہا،داڑھی میں مہندی لگانا اسلام کی سنت ہے کسی نبی نے نہیں لگائی۔(مرقاۃ)حیا سے مراد وہ شرم جو انسانوں کو برائی سے روک دے۔ختنہ سنت ابراہیمی علیہ السلام ہے کہ آپ سے لے کر ہمارے نبی تک ہر نبی کے دین میں رہا۔مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ حسب ذیل انبیاء ختنہ شدہ پیدا ہوئے:حضرت آدم،شیث،نوح،ہود،صالح،لوط،شعیب،یوسف،موسیٰ ،سلیمان،زکریا،عیسی،ہنظلہ،حضور محمد مصطفے علیہم الصلوۃ والسلام۔شامی نے بھی کچھ فرق سے یہ مسئلہ بیان کیا۔

۳؎ عطر سے مراد مطلقًا خوشبو کا استعمال ہے کپڑوں میں ہو یا بدن میں۔خیال رہے کہ یہاں چار کا عدد حصر کے لیے نہیں اور بھی بہت سنت انبیاء ہیں جن میں یہ چار بھی ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات و دن میں جب بھی سو کر اٹھتے تو وضو سے پہلے مسواک کرتے تھے ۱؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ مسواک وضوء کی مسواک کے علاوہ ہے جس کا شمار وضوء میں نہ تھا۔یعنی بیدار ہو کر بھی مسواک کرتے تھے اور وضو میں بھی۔اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے علاوہ ہر اس جگہ مسواک سنت ہے جہاں منہ میں بو پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرکے مجھے دھونے کے لیئے دیتے تھے تو میں پہلے اس سے مسواک کرلیتی تھی پھر دھوکر آپ کو دیتی تھی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسواک دھو کر کی جائے،اور کرنے کے درمیان بھی دوبارہ دھوئی جائے،اور دھو کر رکھی جائے۔دوسرے یہ کہ مسواک دوسرے سے دھلوانا بھی جائز ہے۔تیسرے یہ کہ دوسرے کی مسواک کرنا جائز ہے اگروہ اس سے ناراض نہ ہو۔چوتھے یہ کہ حضور کا لعاب شریف برکت کے لئے استعمال کرنا سنت صحابہ

ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ تبرکًا یہ مسواک کرتیں،پھر دھوکر حضور کی خدمت میں پیش کرتیں،ورنہ عورتوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ بجائے مسواک،سکڑا،مسّی استعمال کریں،انگلی سے دانت صاف کریں،کیونکہ ان کے مسوڑے کمزور ہوتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کررہاہوں میرے پاس دو شخص آئے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑاہے،میں نے مسواک چھوٹے کو دی تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیجئے لہذا میں نے بڑے کو دیدی ۱؎ (مسلم بخاری)

۱؎ غالبًا وہ دونوں ایک ہی طرف ہوں گے اور چھوٹا حضور سے قریب ہوگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب کا لحاظ فرماتے ہوئے پہلے اس کو دی تو رب کی طرف سے حکم ہوا کہ قرب پر بڑائی کو ترجیح دیجئے۔اگرچہ یہ واقعہ خواب کا ہے مگر نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے لہذا اب حکم یہی ہے کہ مسواک یا کوئی اور چیز ترتیب وار دینا ہے توبڑے کو پہلے دی جائے،بشرطیکہ دونوں ایک ہی جانب میں ہوں۔اور اگر دونوں طرف ہوں تو پہلے داہنے والے کو دی جائے،پھر بائیں والے کو،جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے لہذا احادیث میں سے تعارض نہیں۔خیال رہے کہ وہ دونوں خواب میں آنے والے فرشتے ہوں گے جو شکل انسانی میں آئے اور مسواک بطور تمثیل دکھائی گئی تاکہ اس سے شرعی مسائل معلوم ہوں کہ اپنی مسواک دوسرے کو استعمال کے لیے دے سکتے ہیں اور طریقہ دینے کا یہ ہوگا،جیسے داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو فرشتے شکل انسانی میں آئے اور بکریوں کا مسئلہ پیش کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام جب بھی آئے ۱؎ تو مجھ سے مسواک کرنے کو کہا میں ڈرا کہ کہیں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل ڈالوں ۲؎۔(احمد)

۱؎ سنتوں کی تعلیم دینے کے لئے یعنی جو سنت بتائی مسواک ساتھ میں عرض کی،لہذا حدیث میں یہ اعتراض نہیں کہ ہر آیت قرآنی کے ساتھ بھی مسواک کا حکم آیا۔خیال رہے کہ حکم دینے والا اللہ تعالٰی ہے۔جبرئیل امین پہنچانے والے ہیں یہاں حکم کی نسبت سبب کی طرف ہے اوریہ حکم استحبابی ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ مسواک فرض ہو۔

۲؎ کہ اتنی زیادہ مسواک کرو جن سے مسوڑے چھل جائیں ان کے باربار عرض کی وجہ سے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم سے مسواک کے متعلق بہت کہا ۱؎

۱؎ یعنی بار بار اور ہر طرح تمہیں مسواک کی رغبت دی کہ کبھی اس کے دینی فائدے بیان کئے اور کبھی دنیوی،نیز ہمیشہ اس پر عمل کرکے دکھایا تاکہ تم بھی ہمیشہ مسواک کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ مسواک کرنا فرض نہیں ورنہ روش بیان کچھ اور ہوتی۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کررہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا تو آپ کو بچی مسواک کے متعلق وحی گئی بڑے کا لحاظ کیجئے یعنی بڑے کو مسواک دیجئے۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ غالبًا یہ بیداری کا واقعہ ہے خواب کے واقعہ کے علاوہ لہذا یہ اس خواب کی تعبیر ہے اور ہوسکتا ہے کہ اسی خواب کا ذکر ہو۔اس کی شرح خواب کی حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

روایت ان ہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نماز کے لیئے مسواک کی جائے وہ اس نماز پر ستر گنا زیادہ ہے جس کے لیئے مسواک نہ کی جائے ۱؎اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔	

۱؎حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔ستر کا عدد بیان زیادتی کے لیے ہے جیسے اردو میں کہا جاتا ہے بیسوں،سینکڑوں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ کبھی سنت کا ثواب فرض و واجب سے بڑھ جاتا ہے۔دیکھو جماعت پنج گانہ نماز کے لئے واجب ہے اور جمعہ اور عیدین کے لئے فرض،مگر اس کا ثواب ستائیس گنا۔اورمسواک سنت ہے اوراس کا ثواب ستر گنا۔یوں ہی سلام کرنا سنت اور جواب سلام فرض مگر سلام کا ثواب جواب سے زیادہ ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ جماعت کے ستائیس درجے ایسے ہوں جس کا ہر درجہ مسواک کے ستر درجوں کے برابر ہو۔

روایت ہے ابو سلمہ سے ۱؎ وہ زید ابن خالد جہنی سے ۲؎ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ جانتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا اورنمازعشاء کو تہائی رات تک پیچھے ہٹا دیتا ۳؎فرماتے ہیں کہ زید ابن خالد مسجد میں نماز کے لیئے یوں آتے تھے کہ ان کی مسواک ان کے کان پر ہوتی۔جیسے منشی کے کان میں قلم جب بھی نماز کو کھڑے ہوتے تو مسواک کرلیتے پھر وہاں ہی مسواک رکھ لیتے۴؎اسے ترمذی و ابوداؤد نے روایت کیا مگر ابوداؤد نے لَاَخَّرْتُ کا ذکر نہ کیاترمذی	

	نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہے،قرشی زہری ہیں،مدینۂ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،۷۲ سال عمر پائی، ۹۷ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ مشہور صحابی ہیں،عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں ۷۸ھ مقام کوفہ میں فوت ہوئے۔(مرقاۃ واشعہ)

۳؎ یعنی یہ دونوں چیزیں فرض کردیتا کہ بغیر مسواک نماز ہی نہ ہوتی اور تہائی رات سے پہلے نماز عشاء ناجائز ہوتی۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک احکام بنایا ہے کہ چاہیں فرض کریں چاہیں نہ کریں۔

۴؎ یہ حضرت زید ابن خالد کا اپنا اجتہاد تھا۔ان کے سوا کسی صحابی نے بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کبھی نہ کیا۔حضرت زید "کُلِّ صَلٰوۃٍ" سے ہر نماز سمجھے حالانکہ وہاں نماز کا وضو مراد ہے،جیسا کہ ہم شروع میں تحقیقًا عرض کرچکے ہیں۔یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ زیور کی حدیث سن کر وضو میں بغل تک ہاتھ دھوتے تھے۔لہذا یہ عمل قابلِ تقلید نہیں۔میں نے کویت میں بعض شوافع کو دیکھا کہ ان کے گلے میں مسواک پڑی رہتی ہے،ہر نماز کی نیت پر مسواک کرتے جاتے تھے،حالانکہ مسواک کا کھڑا کرکے رکھنا سنت ہے۔غالب یہ ہے کہ حضرت زید نے "کُلِّ صَلٰوۃٍ" سے ہروقت کی نماز سمجھا نہ کہ ہر نماز،لہذا آپ ایک وقت کی ساری نماز کے لئے ایک دفعہ مسواک کرلیتے تھے۔مگر کویت کے وہ حضرات اور آگے بڑھ گئے کہ ہر نماز کے لیے کئی کئی بار مسواک کرنے لگے۔اللہ تعالٰی حدیث کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔آمین!

باب سنن الوضوء

باب وضوء کی سنتیں۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ سنن سنت کی جمع ہے۔سنت کے لغوی معنی ہیں طریقہ،اور روش،رب فرماتا ہے:"سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا" اور فرماتا ہے:"سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ"۔شریعت میں سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمان ہیں جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں اور حضور کے وہ اعمال جو امت کے لیے لائق عمل ہیں۔لہذا منسوخ اور مخصوص اعمال سنت نہیں،جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عادۃً کیا وہ سنت زائدہ ہے،اور جسے عبادۃً کیا وہ سنت ھدیٰ میں سے ہے،جسے ہمیشہ کیا وہ سنت مؤکدہ،جسے کبھی کبھی کیا ہو سنت غیر مؤکدہ،اور اگر ہمیشہ کرکے تاکیدی حکم بھی دیا تو واجب۔خیال رہے کہ وضو میں فرائض،سنتیں،مستحبات تو ہیں واجب کوئی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے تو برتن میں اپنا ہاتھ نہ ڈالے تاآنکہ تین بار دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اہل عرب تہبند باندھتے تھے اور بارہا پیشاب کا استنجا صرف ڈھیلے سے کرکے سوجاتے تھے۔حدیث کا مطلب یہ کہ چونکہ لوگوں کا عمل یہ ہے تو ہوسکتا ہے کہ سوتے میں ہاتھ،یا مقام استنجاء کو پسینہ آیا ہو،تہبند کھل گیا ہو اور تمہارا ہاتھ وہاں لگ گیا ہو جہاں پیشاب ڈھیلے سے خشک کیا گیا تھا،اور پسینہ کی وجہ سے ناپاک ہوگیا ہو،اب اگر تم مٹکے یا ناند میں اپنا ہاتھ ڈال دو گے تو پانی نجس ہوجائے گا۔لہذا پہلے کلائیوں تک تین بار ہاتھ دھولو۔اس حدیث کی بناء پر علماء کا بڑا اختلاف ہے،بعض نے اس دھونے کو مطلقًا فرض مانا۔بعض نے صرف سونے کے بعد۔اور بعض نے اس پانی کو نجس مانا جس میں اس طرح ہاتھ ڈال دیا جائے۔احناف کے نزدیک یہ دھونا مطلقًا سنت وضو ہے۔خواہ سوکر اٹھے یا نہ،یا سونے سے پہلے ڈھیلے سے استنجاء کیا ہو یا نہ،تہبند باندھا ہو یا نہ کیونکہ ہاتھ کا وہاں لگنا علتِ حکم نہیں،حکمت حکم ہے۔علت و حکمت کا فرق خوب دھیان میں رکھنا چاہیئے۔خیال رہے کہ نیند یا حدث ہے پیشاب کی طرح،یا سبب حدث ہے مباشرت کی طرح،ورنہ پیشاب کے بعد یہ ہاتھ دھونا فرض،نہ مباشرت کے بعد،تو نیند کے بعد کیوں فرض ہوگا۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو پھر وضو کرے تو تین بار ناک جھاڑے کیونکہ شیطان اس کے بانسے پر رات گزارتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔اور شیطان سے مراد وہ قرین ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے،بیداری میں برے کام کے مشورے دیتا ہے،نیند میں ناک میں جا بیٹھتا ہے تاکہ دماغ میں برے خیالات پیدا کرے۔چونکہ ناک اس سے متلوّث ہو چکی لہٰذا وضو میں اسے بھی دھولیا جائے۔خیال رہے کہ جیسے ناک جھاڑنا ہر وضو میں سنت ہے نیند کے بعد ہوایااور وقت،ایسے ہی کلائی تک ہاتھ دھونا بھی ہر وضو میں سنت ہے کیونکہ یہ علتِ حکم نہیں بلکہ حکمتِ حکم ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاں گندا آدمی بیٹھ جائے وہ جگہ دھو دینا بہتر ہے کہ وضومیں ناک اسی لئے دھوئی گئی کہ اس میں گنداشیطان بیٹھ گیا تھا۔

عبداللہ ابن زید ابن عاصم سے کہا گیا ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے تو آپ نے پانی منگایاپھراپنے ہاتھوں پرڈالا دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے ۲؎ پھر کلی کی اور ناک جھاڑی(تین بار)پھر تین بار منہ دھویاپھرہاتھ دوبار کہنیوں تک دھوئے پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا کہ انہیں آگے پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصے سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر لوٹا لائے حتی کہ اسی جگہ لوٹ آئے جہاں سے شروع کیا تھا ۳؎ پھر اپنے پاؤں دھوئے ۴؎(مالک و نسائی)اورابوداؤد کی روایت بھی اسی طرح ہے جیسے جامع والے نے ذکر کیا ۵؎	

۱؎ آپ انصاری مازنی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے۔عبداللہ ابن زید ابن عبداللہ دوسرے ہیں وہ اذان والے کہلاتے ہیں۔مشہور یہ ہے کہ آپ نے حضرت وحشی کے ساتھ مل کر مسلیمہ کذاب کو قتل کیا،آپ جنگ احد میں حضور کے ساتھ رہے،جنگ حرہ میں ۶۳ھ شہید ہوئے۔

۲؎ دوبار ہاتھ دھونا بیان جواز کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس طرح بھی وضو ہوجاتا ہے ورنہ تین بار ہاتھ دھونا سنت ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے تین باراعضاء دھوکرفرمایا کہ جو اس پر زیادتی کمی کرے اس نے برا کیا،حضرت عبداللہ نے صرف اعمال وضو کا ذکر فرمایااسی لیے بسم اللہ یا نیت کا ذکر نہ کیا نہ اعضاء کی دعاؤں کا،مسواک وضو سے خاص نہیں اور موقعوں پر بھی ہوتی ہے اس لئے اس کا ذکر بھی نہ فرمایا۔(مرقاۃ)

۳؎ ظاہر یہی ہے کہ سر شریف کا مسح ایک بار ہی کیا تین بار مسح سے سر دھلے گا اور سر کا دھونا سنت نہیں۔خیال رہے کہ چہارم سر کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت ہے،یہاں مسح سنت کا ذکر ہے۔ہر ہاتھ کی تین انگلیاں کھوپڑی کے اگلے حصہ پر رکھے پھر آخر سر تک لے جائے واپسی میں یہ انگلیاں علیحدہ کرکے صرف ہتھیلیاں سر کے دونوں طرف لگائے اور آگے کو کھینچ لائے،یہ ہی یہاں مراد ہے۔کلمہ کی انگلی سے اندرون کان کا مسح کرے اور انگوٹھے سے بیرون کا،مسح سر کا طریقہ مستحب یہ ہی ہے۔

۴؎ مع ٹخنوں کے تین بار،جیسا کہ دوسری روایت میں ہے،لہٰذا یہ حدث بعض لحاظ سے مجمل ہے۔

۵؎ یعنی ابن اثیر نے جو جامع الاصول کے مؤلف ہیں جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع فرمائی ہیں۔اس عبارت میں مصنف پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں وہ روایت نقل فرمائی جومسلم وبخاری کی نہیں۔

	اور مسلم،بخاری میں ہے کہ عبداللہ ابن زیدابن عاصم سے کہا گیا کہ آپ ہمارے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کریں تو آپ نے برتن منگایااس سے ہاتھوں پر پانی لے کرتین باردھویاپھراپنا ہاتھ برتن میں ڈالاپھرنکالا ا؎ پھرایک چلوسے کلی کی اور ناک میں پانی لیا ۲؎ یہ تین بار کیا پھر اپنا ہاتھ ڈال کر نکالااپنا منہ تین باردھویا،پھر ہاتھ ڈال کر نکالاتو کہنیوں تک دو دو بار ہاتھ دھوئے پھر ہاتھ ڈال کر نکالا تو سر کا مسح کیا تو اپنا ہاتھ آگے پیچھے لے گئے پھر ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوئے۳؎ پھرفرمایا حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یوں ہی تھا۴؎ اورایک روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو آگے پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر واپس لائے حتی کہ اسی جگہ لائے جہاں سے شروع کیا تھا پھر اپنے ہاتھ دھوئے اور ایک روایت میں ہے کہ کلی کی،ناک میں پانی لیا اور ناک جھاڑی تین بار تین چلو پانی سے ۵؎ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا ۶؎ یہ تین بار کیا اوربخاری کی روایت میں ہے کہ سرکا مسح کیا تو ہاتھ آگے پیچھے ایک بار لے گئے ۷؎ پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے انہیں کی دوسری روایت میں ہے کہ تین بار کلی کی اور ناک جھاڑی ایک چلو سے۔

ا؎ یعنی چھوٹا برتن موجود نہ تھابڑے گھڑے یا مٹکے میں پانی تھاتو آپ نے کلائی تک ہاتھ توپانی انڈیل کر دھوئے،پھرکلی وغیرہ کے لیے اس میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔خیال رہے کہ مذہب حنفی میں مستعمل پانی وہ ہے جس سے حدث یعنی حکمی ناپاکی دور کی جائے،یااسے ثواب کی نیت سے وضویاغسل میں استعمال کیا جائے یہاں ان میں سے کچھ بھی نہ ہواکیونکہ ہاتھوں کا حدث تو دھل کرجاتارہا اوراب جو ہاتھ ڈالا وہ پانی لینے کے لئے تھا نہ کہ ثواب کے لئے دھونا مقصود نہیں۔لہٰذایہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

۲؎اسی طرح کہ ایک چلو کے آدھے سے کلی کی اور آدھاپانی ناک میں لیا،یہ بیان جواز کے لیے کیا،ورنہ مستحب یہ ہے کہ کلی علیحدہ چلو سے کرے اورناک میں علیحدہ چلو سے لے۔لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں کیونکہ ہمارے ہاں اس طرح بھی جائز ہے اگر چہ خلاف مستحب ہے،جیسے دو دوباراہاتھ دھوناجائزہے مگرخلاف مستحب ہے۔

۳؎یہاں ثُمَّ تاخیر کے لیے نہیں کیونکہ اعضاء کو یکے بعد دیگرے فورًا دھونا ہمارے یہاں سنت ہے۔امام مالک کے ہاں فرض۔بلکہ یہ ثُمَّ محض بیان ترتیب کے لیے ہے،جیساکہ بہت جگہ قرآن شریف میں بھی یوں ہی مذکورہوا۔

۴؎یعنی اکثر اوقات حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا وضوءیوں ہی ہواکرتا تھا۔یہ بھی حضرت عبداللہ کے علم کے لحاظ سے ہے،ورنہ حضور کا اکثر وضو تین باراعضاءدھوکرہوتا تھا،جیسا کہ احادیث میں ہے۔

۵؎یعنی ہر کام علیحدہ تین چلو پانی سے کیا،کلی علیحدہ تین چلو سے،پھر ناک میں پانی علیحدہ تین چلوؤں سے تاکہ تمام احادیث متفق ہوجائیں۔

۶؎جیساکہ شوافع کرتے ہیں۔ان کے ہاں فردکلی فرداستنشاق سے آگے ہو۔ہمارے ہاں تینوں کلیاں تینوں ناک کے پانی سے مقدم ہوں مگر یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے،لہٰذا ہمارے خلاف نہیں،ہم بھی اسے جائز کہتے ہیں۔

۷؎یعنی مسح ایک بار کیا۔یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ مسح سر ایک بارہو۔امام شافعی کے ہاں مسح بھی تین بار ہونا چاہیئے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک باروضو کیا اس پر زیادتی نہ فرمائی ۱؎(بخاری)

۱؎یعنی ہرعضو ایک بار دھویا اور اس وضو میں ایک بار پر زیادتی نہ کی۔یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دویاتین بار دھونے کا ذکر ہے کیونکہ ایک باریادوبار دھونا بیان جواز کے لیے ہے۔اورتین باردھونا بیان استحباب کے لئے۔یاپانی کم ہونے پر ایک دوباراعضاءدھوئے اورپانی کافی ہونے پرتین بار۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو باروضوکیا۔(بخاری)

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے ادارے میں وضو کیا ۱؎تو فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں آپ نے تین تین بار وضوکیا ۲؎(مسلم)

۱؎ مقاعد جمع مقعدکی ہے یعنی لوگوں کے بیٹھنے اورجمع ہونے کی جگہ جیسے بازار،کمیٹی،گھر یا ادارے اور چوپالیں وغیرہ۔صحابہ کرام تبلیغ کے لیے لوگوں کے مجمعوں میں جاتے اور انہیں احکام دین سکھاتے تھے۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو وضو کی حاجت نہ تھی صرف لوگوں کو سکھانے کے لئے انہیں دکھاکر وضو کیا۔اور ظاہر یہ ہے کہ دھونے والے اعضاء تین بار دھوئے لیکن مسح ایک ہی بار کیا،تین تین باراعضاء کا دھونا عام طور پر تھا،ایک یا دوبارانہیں دھونا کبھی کبھی وہ بھی بیان جواز کے لیے۔لہذا یہ حدیث نہ دیگر احادیث سے متعارض ہے نہ ہمارے خلاف۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے حتی کہ جب ہم اس پانی پر پہنچے جوراہ میں تھاتو عصر کے وقت ایک قوم نے جلدی کی کہ جلدی میں وضو کیا۱؎ ہم ان تک پہنچے اور ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں جنہیں پانی نہ لگا تھاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ایڑیوں کے لئے آگ کا ویل ہے۲؎ وضو پوراکرو(مسلم)

۱؎ یعنی ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قافلے کے پچھلے حصے میں تھےاور وہ حضرات اگلے حصے میں وہ ہم میں سے پہلے پانی پر پہنچ گئے اورجلدی میں وضو کیا۔معلوم ہوا کہ وضوبھی نمازکی طرح اطمینان سے کرنا چاہیئے۔

۲؎ ویل کے معنی افسوس بھی ہیں اور دوزخ کے ایک طبقے کا نام بھی ہے،یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔یعنی اگر اعضائے وضوء میں سے کوئی عضو ناخن برابر سوکھارہ گیا تو وہ شخص ویل میں جانے کا مستحق ہے،اس سے تین مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ جب موزے نہ پہنے ہوں تو وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے،مسح جائز نہیں اسی پر تمام صحابہ کرام اہل بیت اطہار اور ساری امت کا اجماع ہے۔حضرت علی ہمیشہ پاؤں دھویا ہی کرتے تھے جیساکہ خودشیعوں کی کتب سے بھی ثابت ہے۔دوسرے یہ کہ مغسولہ اعضاء کو مکمل دھونا فرض ہے حتی کہ انگوٹھی کے نیچے اوربالیوں اوربلاک کے سورخوں میں پانی پہنچانا وضو اورغسل میں فرض ہے۔تیسرے یہ کہ گناہ صغیرہ پر بھی سخت عذاب ہوسکتاہے۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پیشانی اورعمامہ اورموزوں پر مسح کیا۲؎(مسلم)

۱؎ آپ مہاجر ہیں،ثقفی ہیں،خندق کے سال اسلام لائے،حضور کے ساتھ عرصہ تک رہے،پھر امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے،ستر سال عمر پائی، ۵۰ھ میں کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ ب بمعنی علیٰ ہے۔اور ناصیہ سے مراد سر کا اگلا حصہ جو کل سر کاچوتھائی ہوتاہے،یعنی حضور نے چہارم سر کا مسح کیا۔یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ کی قوی دلیل ہے کہ مسح سر میں چہارم حصہ فرض ہے،زیادتی سنت۔امام مالک کے ہاں پورے سر کا مسح فرض۔اورامام شافعی رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک ایک بال کا چھولینا بھی کافی ہے۔یہ حدیث ان دونوں بزرگوں کے خلاف ہےکیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے چہارم سر سے کم مسح کبھی نہ کیا،اگر ایک بال کا مسح کافی ہوتا تو بیان جواز کے لیےکبھی حضور اس پرعمل فرماتے،کم سے کم مسح کی حدیث یہی ہے۔اور اگر پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو آپ اس

موقعہ پر چہارم سرپرکفایت نہ فرماتے۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر عمامہ شریف پکڑ لیاتھا تاکہ گر نہ جائے،دیکھنے والے سمجھے کہ آپ عمامہ کا بھی مسح کررہے ہیں اس لئے ایسی روایت کردی عمامہ پر مسح کرنا قرآن شریف کی خلاف ہے فرماتا ہے:"وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ "۔لہذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہارم سر کا مسح کیا اورباقی عمامہ کا،نیز اگر عمامہ کا مسح ہوتا تو سر کے مسح کا نائب ہوتا اورنائب اور اصل جمع نہیں ہوسکتے۔یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک پاؤں دھولو اور ایک پاؤں کے موزے پر مسح کرلو یا آدھا وضو کرلو اور آدھا تیمّم،نیز چمڑے اورموٹے سوتی موزوں پر مسح جائز ہے جب کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہرے رہیں۔اس کی پوری بحث آئندہ آئے گی۔ان شاء اللہ!

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدر طاقت اپنے تمام کاموں میں داہنے سے شروع فرمانا پسند کرتے تھےاپنی طہارت میں اور کنگھی کرنے اور نعلین پہننے میں ۱ (مسلم،بخاری)

۱ یہ تین چیزیں بطور مثال ارشاد فرمائی گئیں ورنہ سرمہ لگانا،ناخن و بغل کے بال لینا،حجامت اور مونچھیں کٹوانا،مسجد میں آنا اور مسواک کرنا وغیرہ سب میں سنت یہ ہے کہ داہنے ہاتھ یا داہنی جانب سے ابتداء کرے کیونکہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ داہنی طرف رہتا ہے اس کی وجہ سے یہ سمت افضل ہے حتی کہ داہنا پڑوسی بائیں پڑوسی سے زیادہ مستحق سلوک ہے۔(اشعۃ اللمعات)علماء فرماتے ہیں کہ دوسری مسجدوں میں صف کا داہنا حصہ بائیں سے افضل مگر مسجد نبوی میں بایاں حصہ داہنے سے افضل کیونکہ وہ روضۂ مطہرہ سے قریب ہے۔روضۂ مطہرہ دل ہے اور دل بائیں طرف ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔صوفیائے کرام کے اقوال بے دلیل نہیں ہوتے کیونکہ جب نیکیاں لکھنے والے فرشتے کی وجہ سے داہنا حصہ بائیں سے افضل ہوا تو وہاں قرب مصطفوی کی وجہ سے بائیں سمت افضل ہوگی۔چنانچہ سرکار فرماتے ہیں کہ نماز میں داہنی جانب نہ تھوکو نہ جوتا رکھو کیونکہ ادھر رحمت کا فرشتہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم پہنو اور جب وضو کرو تو داہنے سے شروع کرو ۱(احمد،ابوداؤد)

۱ پہننا کرتا،پائجامہ،جوتا ان سب کو شامل ہے۔اور وضو میں غسل و تیمّم بھی داخل ہے۔اَیَامِن ایمن کی جمع ہے جو یمین یا یمن سے بنا بمعنی برکت و مبارک۔چونکہ اسلام میں داہنا حصہ مبارک مانا گیا کہ قیامت میں نیکوں کے نامۂ اعمال بھی اسی ہاتھ میں ہوں گے اسی لئے اسے ایمن یا یمین کہتے ہیں۔یعنی جب کچھ پہنو تو داہنے ہاتھ پاؤں میں پہلے،بائیں میں بعد میں پہنو اور جب وضو یا غسل و تیمّم کرو تو داہنی جانب سے شروع کرو مگر اتارنے میں اس کے برعکس۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے ۱فرماتے ہیں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کا وضو نہیں جس نے اس پر اللہ کا نام نہ لیا ۲؎ اسے ترمذی وا بن ماجہ نے روایت کیا احمدوابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے اور دارمی نے حضرت ابوسعید خدری سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا اس کے شروع میں بڑھایا کہ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۳؎

۱؎آپ کی کنیت ابوالاعور ہے،قرشی ہیں،عدوی ہیں،قدیم الاسلام ہیں،عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں،سوائے بدر کے تمام جنگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے،حضرت عمر کی ہمشیرہ فاطمہ آپ کے نکاح میں تھیں جن کے ذریعہ حضرت عمرفاروق اسلام لائے،سترسال سے زیادہ عمر ہوئی،مقام عتیق تھاویں ۵۱ھ میں وصال ہوا،آپ کی میت شریف مدینہ منورہ لائی گئی،جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا عام علماء کے نزدیک سنت مستحبہ ہے اور یہاں کمال کی نفی ہے یعنی جو کوئی وضو کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو کامل نہیں،جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مسجد سے قریب رہنے والے کی بغیر مسجد نماز نہیں ہوتی،یعنی نماز کامل نہیں ہوتی کیونکہ رب نے فرمایا جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنا منہ ہاتھ دھوؤ الخ،وہاں بسم اللہ کی قید نہیں،نیز تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،ابن مسعود اور ابن عمر کی حدیث آرہی ہے کہ جو وضو کے اول میں بسم اللہ پڑھے اس کا تمام جسم پاک ہوجاتا ہے اور جو نہ پڑھے تو اس کے صرف اعضاء وضو پاک ہوتے ہیں۔ان تمام سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ وضو میں فرض یا واجب نہیں،لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کے خلاف ہے نہ دیگر احادیث کے۔

۳؎مرقاۃ نے فرمایا کہ یہاں دو غلطیاں ہیں:ایک یہ کہ اس حدیث کے حضور سے راوی خود ابوسعید خدری ہیں نہ کہ ان کے والد۔دوسرے یہ کہ جملہ حدیث میں نہیں کہ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں بلکہ حدیث "عَلَیْہِ" پر ختم ہوگئی۔

روایت ہے حضرت لقیط ابن صبرہ سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وضو کے متعلق خبر دیجئے فرمایاوضوپوراکرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اورناک کے پانی میں مبالغہ کرو مگر جب تم روزہ دار ہو۲؎(ابوداؤد)ترمذی اور نسائی نے روایت کی اور ابن ماجہ و دارمی نے بین الاصابع تک روایت کی۔

۱؎آپ کانام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے،کنیت ابو رزین عقیلی ہیں،مشہور صحابی ہیں،طائف والوں میں آپ کا شمار ہے۔

۲؎ یعنی اعضاء پورے دھوؤ اور تین تین بار دھوؤ ہاتھوں،اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو،اگر پاؤں کی انگلیاں چپٹی ہوئی ہوں کہ بغیر خلال ان میں پانی نہ پہنچے تو خلال ضروری ہے،ورنہ سنت۔حق یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں میں بھی خلال کرنا چاہیئے،اس خلال میں چھنگلی شرط نہیں جیسے بھی ہوجائے کافی ہے۔ناک میں پانی بانسے تک پہنچانا ضروری ہے حتی کہ غسل میں فرض ہے اور اتنا چڑھانا کہ حلق میں اتر جائے بہتر ہے مگر روزے کی حالت میں صرف بانسے تک پہنچائے،اگر حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم وضوکرو تو اپنی ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کرو۱؎(ترمذی)اور ابن ماجہ نے اسی طرح روایت کی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ بہتر یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے ساتھ کرےاور پاؤں کی انگلیوں کا خلال پاؤں دھونے کے ساتھ کرے لیکن اگر یہ دونوں خلال پاؤں دھوکر کئے جب بھی جائز کیونکہ واؤ صرف جمع چاہتا ہے۔

	روایت ہے مستورد ابن شداد سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو کرتے تو اپنی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے۲؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ قرشی ہیں،قبیلہ بنی فہر سے ہیں،اولًا کوفہ میں،پھر مصر میں قیام رہا،حضور کی وفات کے وقت آپ بچے تھے لیکن سمجھدار تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا سماع ثابت ہے۔

۲؎ یعنی بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے اس طرح خلال کرتے کہ داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع فرماتے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم فرمادیتے،یہ خلا ل ہمارے ہاں مستحب ہے،امام مالک کے نزدیک فرض۔لہذا کرنا چاہیئے تاکہ اختلاف سے بچ جائیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لےکر ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے جس سے اپنی داڑھی کا خلا ل کرتے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے یوں ہی حکم دیا ہے۱؎(ابوداؤد)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ داڑھی شریف کا یہ خلال چہرہ دھونے کے ساتھ تھا نہ کہ وضو کے بعد۔اور اَمرِ رب سے مراد وحی خفی یعنی الہام ہے یا بواسطۂ جبریل۔معلوم ہوا کہ حضور پر وحی صرف قرآن ہی کی نہیں ہوئی اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔خیال رہے کہ یہ امر وجوب کا نہیں بلکہ استحبابی ہے کیونکہ داڑھی کا خلال کسی کے ہاں فرض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی

	اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے ۱(ترمذی،دارمی)

۱یعنی اکثر نہ کہ ہمیشہ اس طرح کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں شریف ٹھوڑی کے نیچے سے داڑھی کی جڑ میں کنگھی کی طرح ڈال کر داڑھی کے نیچے لے جاتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابو حیہ سے ۱فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا آپ نے وضو کیا تو اپنے ہاتھ دھوئے تاآنکہ انہیں صاف کردیا پھر تین بار کلی تین بارناک میں پانی کیا پھر اپنا منہ وکہنیاں تین تین بار دھوئے ایک بار سر کا مسح کیا ۲پھر اپنے قدم ٹخنوں تک دھوئے ۳پھر کھڑے ہوئے تو طہارت کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیا ۴پھرفرمایا میں نے چاہا تمہیں دکھادوں کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیسا تھا۵

۱آپ کا نام عمرو ابن نصر،کنیت ابوحیہ ہے،ہمدان کے باشندے ہیں،تابعی ہیں،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

۲صاف معلوم ہوا کہ اعضاء کا دھونا تین تین بار سنت ہے مگر مسح ایک ہی بار۔یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے۔

۳یعنی مع ٹخنوں کے تین بار دھوئے۔اِلٰی بمعنی مع ہے اور چونکہ پہلے تین تین بار کا ذکر ہوچکا ہے اس لیے یہاں ذکر نہ کیا۔

۴معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے،چونکہ اس پانی سے ایک عبادت ادا کی گئی اس لئے یہ برکت والا بھی ہے اورحرمت والا بھی،جیسے آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم سے پیدا ہوا اس لئے اس کی بھی حرمت ہے وہ بھی کھڑے ہوکرپیاجاتا ہے،صحابہ کبارحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا غسالہ پیتے اور آنکھوں سے لگاتے تھے۔بعض مریدین اپنے پیر کا جھوٹا پانی اور ان کا دیا ہوا تبرک کھڑے ہو کر کھاتے پیتے ہیں اس احترام کی اصل یہ احادیث ہیں۔

۵یعنی مجھے اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی تمہاری تعلیم کے لیے تمہیں وضو کرکے دکھایا۔معلوم ہوا کہ عملی تبلیغ بھی ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدخیر سے ۱فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علی کو دیکھ رہے تھے جب انہوں نے وضو کیا اوراپناداہنا ہاتھ ڈالا تو منہ بھرکر کلی کی اور ناک میں پانی لیااور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑی یہ تین بار کیا پھر فرمایا کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دیکھنا پسند ہوتوحضور کا وضو یہ تھا۲(دارمی)

۱؎آپ کا نام عبد خیر ابن یزید،کنیت ابو عمارہ ہے،کوفہ کے رہنے والے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے،اس لئے آپ جلیل القدر تابعی ہیں،حضرت علی کے ساتھیوں میں سے ہیں،ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔
۲؎یہ حدیث مختصر ہے جس میں صرف کلی اور ناک کے پانی کا ذکر ہے ورنہ حضرت علی مرتضی نے پورا وضو کرکے دکھایاتھا۔ہاتھ ڈالنے سے مراد بڑے برتن میں ہاتھ ڈال کر کلی وغیرہ کے لیے چلو بھرنا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا۲؎یہ تین بار کیا۔(ابوداؤد ترمذی)

۱؎آپ کانام عبداللہ ابن زیدابن عبد ربہ ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،بیعت عقبہ اور جنگ بدر وغیرہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ۱ھ؁ میں آپ نے ہی خواب میں اذان دیکھی،آپ ہی کی عرض کی ہوئی اذان اسلام میں مروج ہے۔خود بھی صحابی ہیں اوروالدین بھی،چونسٹھ سال عمر پائی۔
۲؎اس کے دومعنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ ہر چلو کے آدھے سے کلی کی اور آدھے سے ناک میں پانی لیاجیسا کہ مذہب شافعی ہے۔دوسرے یہ کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اورناک میں لپ سے نہ کئے جیسے کہ منہ دھوتے وقت بلکہ ایک ہاتھ سے کئے لہٰذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سرو کانوں کا مسح فرماتے تھے اندرونی کانوں کا کلمہ کی انگلیوں سے ۱؎بیرونی کا اپنے انگوٹھوں سے ۲؎(نسائی)

۱؎کلمہ کی انگلی کہ کفار عرب سبابہ کہتے تھے،یعنی گالیاں دینے والی انگلی،چونکہ گالی گلوچ کرتے وقت اس انگلی سے اشارہ کرتے جاتے تھے اس لیے اس کا یہ نام رکھا تھا۔اسلام نے اس کا نام سباحہ یا **مسبحہ** رکھا یعنی تسبیح پڑھنے والی انگلی،اور اردو زبان میں اسے کلمے کی انگلی کہا جاتا ہےکیونکہ یہ انگلی تسبیح اور کلمے میں استعمال ہوتی ہے کہ پہلے اسی پر شمار کی جاتی ہے۔
۲؎یعنی سر کے مسح کے بعد اسی پانی سے نہ کہ دوسرے پانی سے،لہٰذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔امام شافعی کے ہاں کان کا اندرونی حصہ منہ کے ساتھ دھویا جاتاہے اور بیرونی حصے کاسر کے ساتھ مسح ہوتاہے۔یہ حدیث ان کے خلاف ہے،نیز ایک ہی عضو کادھلنااور مسح خلاف قانون ہے۔غسل و مسح جمع نہیں ہوناچاہیئے۔بعض آئمہ کے نزدیک کان کے مسح کے لیے الگ پانی لیتے ہیں یہ حدیث ان کے بھی خلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت ربیع بنت معوذ سے ۱؎انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے دیکھا تو آپ نے اپنے اگلے پچھلے حصہ،سر کا اور کنپٹیوں اور کانوں کا ایک بار مسح کیا۲؎اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وضو

	کیا تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں کے سوراخوں میں ڈالیں۳ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ترمذی نے پہلی روایت اوراحمدوابن ماجہ نے دوسری روایت نقل کی۔

۱؎آپ انصاریہ،نجاریہ ہیں،بیعت الرضوان میں موجود تھیں،آپ کے دادا کا نام عفرا ہے۔
۲؎اس حدیث سے صراحتًا معلوم ہوا کہ کان کا شمار سر میں ہے اس کا مسح ہوگا دھویا نہ جائے گا اور مسح ایک بار ہوگا نہ کہ تین بار،لہذا یہ حنفیوں کے قوی دلیل ہے۔کنپٹیاں چہرے میں داخل ہیں کیونکہ چہرے کی حد چوڑائی میں کان کی لَو سے دوسرے کان کی لَو تک ہے لہذا چہرے کے ساتھ تین بار دھوئی جائیں گی۔کان کے مسح کے ساتھ حضور کی انگلیاں کنپٹی پر بھی لگ گئی ہوں گی اور یہ سمجھیں کہ آپ اس کا مسح فرمارہے ہیں جیسا کہ عمامہ کے مسح میں ذکر کیا گیا۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کنپٹیوں کے دھونے کا حکم ہے۔
۳؎یہ بھی سنت ہے۔خیال رہے کہ دونوں کا مسح ایک ساتھ ہوگا داہنے سے شروع کرنا ان اعضاء میں ہوتا ہے جو دونوں ایک ساتھ نہ دھوئے جاسکتے ہیں اسی لئے کلائی تک دونوں ہاتھ ایک ساتھ دھوئے جاتے ہیں اور کہنی تک ترتیب وار کہ پہلے داہنا پھر بایاں۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوکرتے دیکھا اورآپ نے اپنے سر کا اس پانی سے مسح نہ کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا تھا۱ اسے ترمذی نے روایت کیا اور مسلم نے کچھ زیادتیوں کے ساتھ۔

۱؎یعنی مسح کے لیے الگ پانی لیا ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے مسح نہ کیا۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے۱کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کیا فرماتے ہیں کہ آپ آنکھ کے کونوں کو بھی ملتے تھے اور فرمایا کہ دونوں کان سر سے ہیں ۲؎اسے ابن ماجہ،ابوداؤد اورترمذی نے روایت کیا دونوں نے کہا حماد فرماتے ہیں مجھے خبر نہیں کہ یہ قول کہ کان سر سے ہیں آیا ابوامامہ کاقول ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے۳

۱؎ آپ کا نام سعد ابن حنیف ہے،انصاری،خزرجی،اوسی ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،اسی لئے آپ کا شمار تابعین میں ہے،۸۲سال عمر پائی ۱۰۰ھ میں وصال ہوا۔ابو امامہ باہلی اورہیں وہ صحابی ہیں۔

۲؎یعنی ان کے ظاہروباطن کا مسح سر ہی کے پانی سے ہوگا چہرے کے ساتھ دھوئے نہیں جائیں گے۔خیال رہے کہ آنکھ کے کویوں پر انگلی پھیرلینا تاکہ پانی ان کے اندر پھیل جائے سنت ہے۔یہاں مسح سے یہی مراد ہے کیونکہ کوئے کے مسح کا کوئی قائل نہیں۔

۳؎ظاہر یہی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان شریف ہے کیونکہ ابوامامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے سلسلے میں یہ فرمارہے ہیں،نیز کانوں کا سریا چہرے سے ہونا سن کر ہی کہا جاسکتا ہے،نہ کہ اپنی رائے سے کہ وضوء کے احکام عقل سے وراء ہیں لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ ایک بدوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر وضو کے متعلق پوچھنے لگے تو آپ نے اسے تین بار وضوکرکے دکھایا اورفرمایاوضو یوں ہی ہے جو اس پر زیادتی کرے اس نے گناہ کیا تعدی کی اور ظلم کیا ۱؎ اسے نسائی ابن ماجہ نے روایت کیا ابوداؤد نے اس کے معنی کو۔

۱؎گناہ تو ترک سنت کا ہوا،اور تعدی تین سے زیادہ کرنے پر کیونکہ دھونے کی حد تین بار ہے اور ظلم اپنی جان پر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی،پانی میں اسراف کیا،اپنے نفس پر بے فائدہ مشقت ڈالی جو کوئی تین سے زیادہ کو سنت سمجھ لے تو اس کا اعتقاد بھی غلط ہوا۔بہرحال تین سے کمی ہوسکتی ہے زیادتی نہیں ہوسکتی،نیز تین بار دھونے میں سارے عضو کے دھل جانے کا یقین ہوجاتا ہے اس پر زیادتی شیطانی وسوسہ کی بناء پر ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی میں تجھ سے جنت کی داہنی طرف سفید محل مانگتا ہوں تو فرمایا کہ میرے بچے اللہ سے جنت مانگواور دوزخ سے اس کی پناہ مانگو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس امت میں وہ قوم ہوگی جو وضو اور دعا میں حد سے تجاوز کیا کرے گی ۲؎ (احمدوابوداؤد وابن ماجہ)

۱؎ آپ قبیلہ مزینہ کے ہیں،بیعت الرضوان میں حاضر ہوئے،مدینہ طیبہ قیام رہا،عہدِ فاروقی میں آپ کو بصرے بھیجا گیا تاکہ لوگوں کو علم سکھائیں،وہاں ہی ۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

۲؎دعا میں تجاوز تو یہ ہے کہ ایسی تعیّن کی جائے جس کی ضرورت نہیں جیسے ان کے صاحبزادہ نے کیا۔فردوس مانگنا بہت بہتر ہے کہ اس میں شخصی تعین نہیں نوعی تقرر ہے اس کا حکم دیا گیا ہے۔وضو میں حد سے بڑھنا دو طرح ہوسکتا

ہے:تعداد میں زیادتی اور عضو کی حد میں زیادتی جیسے پاؤں گھٹنے تک دھونا اور ہاتھ بغل تک کہ یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ وضو کا ایک شیطان ہے جسے ولھان کہا جاتا ہے[1] تو پانی کے وسوسوں سے بچو[2] (ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد محدثین کے نزدیک قوی نہیں کیونکہ ہم نے خارجہ کے سوا کسی کو نہ جانا جو اسے مرفوعًا نقل کرے اور خارجہ ہمارے دوستوں کے نزدیک قوی نہیں۔	

[1] ولھان وَلَہٌ سے بنا،بمعنی حیرت یا حرص۔چونکہ یہ شیطان وضو کرنے والے کو حیرت میں ڈال دیتا ہے اور پانی کے زیادہ استعمال پر حریص کرتا ہے اس لئے اسے ولہان کہا جاتا ہے۔زیادتی عشق کو بھی ولہ اور عاشق حیرت زدہ کو بھی ولہان کہتے ہیں۔شیطان کی جماعتیں مختلف ہیں۔جن کے علیحدہ علیحدہ کام ہیں ان میں سے ایک جماعت کا یہ کام اور یہ نام ہے۔

[2] دل میں جو شک بلا دلیل پیدا ہواسے وسوسہ کہا جاتا ہے۔بلاوجہ یہ خیال کرنا کہ شاید پانی نجس ہو،شاید کپڑوں پر چھینٹیں پڑ گئیں ہوں،شاید پانی پورے عضو پر نہ بہاہو،یہ سب کچھ وسوسے ہیں۔بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ ہاتھوں کی لکیروں میں پانی پہنچاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو کرتے تو اپنا چہرہ اپنے کپڑے کے کنارے سے پونچھتے[1] (ترمذی)	

[1] اس سے چندمسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وضوء کے بعد اعضائے وضوء کا پونچھنا ممنوع نہیں بشرطیکہ تکبرانہ نہ ہو۔ہاں مستحب یہ ہے کہ زیادہ مبالغہ سے نہ پونچھے،تری کا کچھ اثر باقی رہنے دے۔دوسرے یہ کہ اعضاء کی تری ماء مستعمل نہیں،پانی کے جوقطرے عضو سے الگ ہوجائیں وہ مستعمل ہیں جو بعض کے نزدیک نجس ہیں مگر حق یہ ہے کہ پاک تو ہیں لیکن پاک کر نہیں سکتے۔وہ جو حدیث پاک میں آیا کہ حضرت میمونہ نے حضور انور کی خدمت میں وضو کے بعدرومال پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور اعضاء جھاڑتے ہوئے تشریف لے گئے اس کی وجوہ دوسری ہوسکتی ہیں۔رومال صاف نہ ہویااس وقت جلدی ہو۔مرقاۃ نے فرمایا مستحب یہی ہے کہ نہ پونچھے لیکن پونچھنا بھی بلاکراہت جائز ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے اعضاء شریف پونچھا کرتے تھے[1] روایت کیا ترمذی نے اور فرمایا کہ یہ حدیث قوی	

	الاسناد نہیں اور ابومعاذ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۲

۱ یعنی کبھی کبھی نہ کہ ہمیشہ کیونکہ ابھی گزر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دامن سے منہ شریف پونچھا،بعض میں یہ بھی ہے کہ اعضاء بالکل نہ پونچھے،بعض روایات میں ہے کہ وضوء کا پانی قیامت میں نور ہوگا۔غرض کہ احادیث میں تعارض نہیں کبھی وہ اعمال کئے کبھی یہ۔

۲ ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کو ضعیف کہا،پہلی حدیث کو رشدابن سعداور عبدالرحمان ابن زیاد افریقی کی وجہ سے اور اس حدیث کو ابومعاذ کی وجہ سے اور فرمایا کہ بعض لوگ اعضائے وضو پونچھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں عبادت کے اثر کو دور کردینا ہے اور وضوء کا پانی تسبیح بھی کرتا ہے۔واللہ اعلم!

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ثابت ابن ابی صفیہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر سے جو محمد باقر ہیں۲ عرض کیا آپ کو حضرت جابر نے خبردی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار دو دو بار تین تین بار وضو کیا فرمایا ہاں۳(ترمذی،ابن ماجہ)

۱ ان کی کنیت ابوحمزہ ہے، یمنی ہیں،ازدی ہیں، محمد ابن علی باقر کے ہم نشین تھے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ کوفہ میں رہتے تھے،اور نہایت ضعیف اور بہت وہمی تھے، عقیدۃً رافضی تھے چھپے ہوئے۔لہذا یہ حدیث ضعیف۔

۲ آپ محمد ابن علی یعنی (زین العابدین) ابن حسین ابن علی ہیں۔رضوان اللہ علیہم۔لقب امام باقر یعنی علم کو چیرنے والے،کنیت ابو جعفر،مدینہ منورہ کے عظیم الشان فقیہ اور بڑے محدث ہیں۔امام زین العابدین، عبداللہ ابن عمر اور حضرت جابر سے بے شمار احادیث لی ہیں۔ عظیم الشان تابعی ہیں،ولادت شریف ۵۶ھ میں ہوئی، ۶۳ سال عمر شریف پائی، ۱۱۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں مزار پر انوار ہے۔فقیر نے زیارت کی ہے۔

۳ حدیث لینے کے تین طریقے ہیں:ایک یہ کہ شاگرد پڑھے استاد سنے۔دوسرے یہ کہ استاد پڑھے شاگرد سنے۔تیسرے یہ کہ شاگرد حدیث کے الفاظ عرض کرکے پوچھے کہ کیا یہ حدیث آپ نے روایت کی ہے؟استاد کہے ہاں،یہاں تیسری قسم کی روایت ہے۔مطلب یہ ہے کہ حضور نے وضوء کے اعضاء کبھی ایک ایک بار دھوئے،کبھی دودو بار،کبھی تین تین بار۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو کیااور فرمایا کہ یہ نور پر نور ہے۱

۱؎یعنی اعضائے وضو دو دو بار دھوئے اور اسے نور پر نور قرار دیاکیونکہ ایک بار دھونا فرض ہے،دوسری بار سنت،فرض بھی نور ہے اور سنت بھی،یعنی قیامت میں مسنون عمل کرنے والوں کا نوربہت تیزہوگا،لہذا جو تین تین بار اعضاء دھوئیں گے وہ بھی افضل ہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو کیااورفرمایاکہ یہ میرا اورمجھ سے اگلے نبیوں کا وضو ہے اورحضرت ابراہیم کا وضو ہے۱؎ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیانووی نے شرح مسلم میں دوسری کو ضعیف بتایا۔	

۱؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ وضو اسلام کے ساتھ خاص نہیں،پہلی امتوں میں بھی تھا،ہاں چہروں کی چمک اس امت کی خصوصیات سے ہے۔دوسری یہ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی وضو کیا کرتے تھے۔چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم وسارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور جریج اسرائیلی نے وضوکیااور نماز پڑھی۔غرض کہ وضوء بڑی پرانی سنت ہے۔تیسرے یہ کہ تین تین بار اعضائے وضو دھونا بہت افضل ہے کیونکہ سنت انبیاءہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یادوبار اعضاء دھونابیان جواز کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۱؎اور ہم کو ایک ہی وضواسوقت تک کافی ہوتا جب تک بے وضو نہ ہوتے۲؎(دارمی)	

۱؎مرقاۃ نے فرمایا کہ اولًا حضور پر ہر نماز کے لیے وضو کرنا فرض تھا،پھر یہ فرضیت منسوخ ہوئی جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے۔اورہوسکتا ہے کہ فرضیت کے منسوخ ہونے کا بعد کا ذکر ہوا اوراکثری حال مراد ہو،یعنی حضور اکثر ہر نماز کے لیے وضو فرمالیتے تھے۔اس آیت کے ظاہر پر عمل فرماتے ہوئے"اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغۡسِلُوۡا"الایہ۔اب بھی ہر نماز کے لیے وضو کرلینا خواہ پہلاوضوہومستحب ہے۔خیال رہے کہ یہاں نماز سے نماز فرض مراد ہے اورنمازاشراق فجر کے وضوء سے پڑھنا مستحب ہے۔

۲؎یعنی ہم لوگ اکثر ایک وضو سے چند نمازیں پڑھ لیتے تھے۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چار نمازیں پڑھیں تھیں۔اور بعض صحابہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے مگر وہ واقعات اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں اکثری حالت کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت محمدابن یحیی ابن حبان سے۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے عبید اللہ ابن عبداللہ ابن عمر سے کہا	

کہ بتائیے تو کہ عبداللہ ابن عمر ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے باوضو ہوں یا بے وضو یہ کس سے لیا تو کہنے لگے کہ انہیں اسماء بنت زید ابن خطاب نے خبری دی۲؎ کہ عبداللہ ابن حنظلہ ابن ابی عامر غسیل نے انہیں خبر دی تھی ۳؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیئے وضو کا حکم دیا گیا تھا باوضو ہوں یا بے وضو۴؎ لیکن جب یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار ہواتو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو موقوف کیا گیا ان سے مگر حدث سے۵؎ فرمایا عبداللہ سمجھتے تھے کہ ان میں اس کی طاقت ہے (یعنی ہر نماز کے لیئے تازہ وضو کی) تووفات تک ہی کرتے رہے۶؎ (احمد)	

۱؎ آپ فقیہ تابعی ہیں،انصاری ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،امام مالک کے استاد ہیں، ۱۲۱ھ میں وفات پائی،علم وعبادت میں بڑے مشہور تھے۔

۲؎ یہ اسماء حضرت عمر کی بھتیجی ہیں،حضرت زید ابن خطاب عمر فاروق کے بڑے بھائی ہیں،جو آپ سے پہلے اسلام لائے،مہاجرین اولین میں سے ہیں،بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،خلافت صدیقی جنگ یمامہ میں ۱۲ھ میں شہادت پائی۔حضرت اسماء بھی صحابیات میں سے ہیں۔

۳؎ یہ عبداللہ بھی صحابی ہیں،ان کے والد بھی صحابی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات برس تھی،واقعہ کربلا کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید ابن معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تو سب نے انہیں کے ہاتھ پر بیعت کی،اسی وجہ سے یزید نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی جس کا نام جنگ حرہ ہے اسی میں آپ شہید ہوئے،حضرت حنظلہ کی شہادت اورآپ کا غسیل ملائکہ ہونا پہلے مذکورہ ہوچکاہے۔حنظلہ کا باپ،ابو عامرراہب کافرمرا،حضرت حنظلہ غزوۂ احد میں حالت جنابت شہید ہوئے،اس لئے انہیں فرشتوں نے غسل دیا لہذا"**غسیل الملائکہ**" کہلائے۔

۴؎ یعنی معراج میں خصوصی طور پر آپ کو ہرنماز کے لئے وضو کا حکم تھا نہ کہ امت کے لئے۔

۵؎ یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں اور نہ امام شافعی کی مؤیّد کیونکہ وہ بھی ہر نماز کے لئے مسواک مستحب مانتے ہیں اوریہاں فرضیت کا ذکر ہے،نیز بعد میں یہ حکم بھی منسوخ ہوگیاکیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور ہر نماز کے لیے مسواک نہ کی۔خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پراولًا ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا،پھر مسواک فرض رہی،پھر وہ بھی منسوخ ہوگئی۔

۶؎ انہوں نے سمجھا کہ فرضیت منسوخ ہوگئی مگر استحباب باقی ہے اور یہ صحیح تھا اب بھی اگرکوئی اس پرعمل کرے ثواب ہوگا۔

	روایت ہے عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد پر گزرے جب وہ وضو کررہے تھے تو فرمایا اے سعد یہ اسراف کیسا(فضول خرچی)عرض کیا کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟فرمایا ہاں۔اگرچہ تم بہتی نہر پر ہو۱ (احمدوابن ماجہ)

۱حضرت سعدیاتو ضرورت سے زیادہ پانی بہارہے تھے،یابجائے تین کے چارپانچ باراعضاء دھورہے تھے،یا اعضاء کی حدود میں زیادتی کررہے تھے ان سب سے منع فرمادیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں یہ تمام باتیں منع ہیں اوران کاکرنا جرم۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ وابن مسعود وابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وضو کرے اور اللہ کا نام لے تو وضو اس کے سارے جسم کو پاک کردیتا ہے اور جو وضو کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو صرف وضو کی جگہ ہی کو پاک کرتا ہے۱

۱یہاں گناہ سے پاکی مراد ہے یعنی وضو کے اول میں **بسم اللہ** پڑھ لینے کی برکت سے سارے جسم کے بیرونی اوراندرونی گناہ معاف ہوجاتے ہیں کیونکہ جسم میں دل اور دماغ بھی داخل ہے۔**بسم اللہ** نہ پڑھنے سے ظاہری اعضاء کے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں اسی لئے فقہا فرماتے ہیں **بسم اللہ** سے وضو شروع کرنا سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیئے وضو کرتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو ہلاتے تھے۱ان دونوں کو دارقطنی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اخیر کو۔

۱انگوٹھی اگر تنگ ہو کہ بغیر ہلائے اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو وضو میں اس کا ہلانا فرض ہے اور اگر ڈھیلی ہو کہ بغیر ہلائے بھی نیچے پانی پہنچ جائے تو اس کا ہلانا مستحب ہے،یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔

باب الغسل

نہانے کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اسلام میں غسل چار طرح کے ہیں: فرض، سنت، مستحب اور مباح۔ فرض غسل تین ہیں۔ جنابت سے، حیض سے، نفاس سے۔ جنابت خواہ شہوت سے منی نکلنے کی وجہ سے ہو یا صحبت سے انزال ہو یا نہ ہو۔ غسل سنت پانچ ہیں: جمعہ کا غسل، عیدین کا غسل، احرام کے وقت کا غسل، عرفہ کے دن کا غسل۔ غسل مستحب بہت ہیں: مسلمان ہوتے وقت، مردے کو نہلا کر، قربانی کے دن، طواف زیارت کے لیے، مدینہ منورہ حاضری کے موقعہ پر، وغیرہ۔ غسل مباح جو ٹھنڈک وغیرہ کے لیے کیا جائے۔ اس باب میں بہت سے اقسام کے غسل بیان ہوں گے۔ غسل میں تین فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تمام ظاہری بدن پر پانی بہانا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی عورت کے چاروں شانے کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل واجب ہوگیا اگرچہ انزال نہ ہوا ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ اس کی شرح وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا کہ جب ختنہ ختنہ میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہے، وہی یہاں مراد ہے یعنی جب مشتہات عورت سے صحبت کی جائے اور حشفہ غائب ہوجائے تو غسل واجب ہوگیا۔ چار شانوں سے چار ہاتھ پاؤں مراد ہیں، اور بیٹھنے کا ذکر اتفاقاً ہے، ورنہ جس صورت سے بھی صحبت ہو غسل واجب ہے۔ بہت چھوٹی غیر مشتہات بچی اور جانور سے صحبت کرنے میں انزال شرط ہے بغیر انزال غسل واجب نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانی پانی سے ہی ہے ۱؎ (مسلم) شیخ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔	

۱؎ یعنی غسل کرنا منی نکلنے سے ہی واجب ہے جب کہ شہوت سے ہو۔

اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پانی کا صرف پانی سے ہونا احتلام میں ہے ۱؎ اسے ترمذی نے روایت کیا میں نے اسے بخاری و مسلم میں نہ پایا۔	

۱؎ یعنی اگرچہ حدیث صحبت کے متعلق ہے تب تو منسوخ ہے اسکی ناسخ ابوہریرہ کی گزشتہ حدیث ہے،نیزوہ حدیث جو آگے آرہی ہے۔اوراگراحتلام کے بارے میں ہے تومحکم ہے کہ اب بھی احتلام میں انزال کے بغیر غسل واجب نہیں۔اس کا ذکر اگلی حدیث میں بھی آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا۱؎ یارسول اللہ یقینًا اللہ تعالٰی حق سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو فرمایا ہاں جب پانی دیکھے۲؎ تو ام سلیم نے منہ چھپالیا اور بولیں یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۳؎ فرمایا ہاں تمہارا ہاتھ گرد آلود ہو ورنہ بچہ اپنی ماں کے ہم شکل کیوں ہوتا ہے۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کے نام میں اختلاف ہے،کنیت ام سلیم ہے،مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں،ان سے حضرت انس پیدا ہوئے،مالک کے قتل کے بعدابوطلحہ کے نکاح میں آئیں،اس وقت تک ابو طلحہ مشرک تھے تو آپ نے اس شرط سے نکاح کیا کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔

۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے یعنی خواب کی صورت میں بغیر تری دیکھے غسل واجب نہیں خواہ منی ہو یا مذی،کیونکہ کبھی منی پتلے ہونے کی صورت میں مذی محسوس ہوتی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ جو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوں انہیں احتلام بھی نہیں ہوتا،یعنی رب تعالٰی انہیں زنا کے خیال سے بھی پاک رکھتا ہے یہ ہے ازواج پاک کی عصمت۔

۴؎ سبحان اللہ!کیسا حکیمانہ جواب ہے۔مقصد یہ ہے کہ احتلام کی علت یا احتلام کی وجہ منی ہے اور منی عورت میں بھی ہے،لہٰذا احتلام بھی عورت کو ہونا چاہیئے۔اور منی کا ثبوت یہ ہے کہ کبھی بچہ ماں کی ہم شکل ہوتا ہے جب ماں کی منی باپ کی منی پر غالب ہو۔ہاتھ کا خاک میں ملنا بدعا نہیں بلکہ عرب والے کبھی محبت میں بھی یہ کلمہ بولتے ہیں۔جیسے اردو میں منڈی،مشٹنڈی،پنجابی میں رڑ جائیں اوتر جائیں وغیرہ۔

مسلم نے ام سلیم کی روایت سے یہ زیادتی کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد ان میں سے جو غالب یا پہلے ہو بچہ اس کے مشابہ ہوگا۱؎	

۱؎ یہ اصلی حالت ہے ورنہ کبھی کمزور مرد کی منی پتلی اور کمزور ہوجاتی ہے اور طاقتور عورت کی منی سفیداور گاڑھی،بچہ ماں باپ کی مخلوط منی سے بنتا ہے جس کے اجزاءزیادہ ہوں گے بچہ اس کی جنس سے ہوگا۔یعنی اگر عورت کی منی کے زیادہ اجزاء ہیں تو لڑکی ہوگی ورنہ لڑکا،اور رحم میں جس کی منی پہلے گرے گی بچہ اس کی شکل پر ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو یوں شروع کرتے کہ پہلے دونوں ہاتھ دھوتے ۱؎ پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے ۲؎ پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے تو ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو ڈالتے۔پھر اپنی تمام کھال پر پانی بہاتے ۳؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ یوں شروع کرتے کہ برتن میں ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر استنجاء کرتے پھر وضو فرماتے ۴؎	

۱؎ خیال رہے کہ انبیاءکرام کو احتلام کبھی نہیں ہوتا جیسا کہ طبرانی میں روایت میں ہے ان کی جنابت صرف صحبت سے ہوتی ہے۔یہ ہاتھ کا دھونا وضو سے پہلے ہے کیونکہ وضو کا ذکر آگے آرہا ہے۔چونکہ اس زمانہ میں عموماً بڑے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا جاتا تھا،اس لئے یہاں ہاتھ دھوئے جاتے تھے،نیز ہاتھ میں گندگی کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

۲؎ کہ اگر تختہ وغیرہ پر ہوتے تو پاؤں بھی دھولیتے اور اگر کچی زمین پر ہوتے تو پاؤں غسل کے بعد دھوتے۔

۳؎ زلفوں والے آدمی کے لئے اب بھی سنت ہے کہ پہلے زلفوں کا خلال کرے اور سر کو دھوئے،پھر تمام جسم کے ساتھ بھی سر پر پانی ڈالے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ غسل سے پہلے استنجا کرنا بھی سنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت میمونہ نے ۱؎ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے غسل کا پانی رکھا پھر میں نے آپ کو کپڑے سے آڑ کردی ۲؎ اور آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی بہایا پھر انہیں دھویا پھر ہاتھوں پر بہایا پھر انہیں دھویا پھر داہنے ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا اور استنجا کیا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا انہیں صاف کیا پھر اسے دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور اپنا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر پر پانی بہایا اور اپنے تمام جسم پر بہایا ۳؎ پھر وہاں سے ہٹ گئے اور اپنے قدم شریف دھوئے میں نے کپڑا پیش کیا قبول نہ فرمایا ۴؎ اور ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے	

	تشریف لے گئے۔(مسلم،بخاری) اور اس کے لفظ بخاری کے ہیں۔

۱؎ آپ کا نام میمونہ بنت حارث ہلالیہ عامریہ ہے،پہلے آپ کا نام برہ تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل فرمایا،زمانہ جاہلیّت میں مسعود ابن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں،اس کے بعد ابو رہم کے نکاح میں آئیں،ان کے فوت ہوجانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ ۷ھ میں عمرہ قضاء کے موقع پر مکہ معظّمہ سے دس میل دور مقام سرف میں آپ سے نکاح کیا،اللہ کی شان کہ ۶۱ھ میں نکاح کی جگہ ہی آپ کی وفات ہوئی،آپ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی ہیں،جن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نکاح نہیں کیا۔ام الفضل یعنی عبداللہ ابن عباس کی والدہ اور اسماء بنت عمیس کی آپ ہمشیرہ ہیں،یعنی عبداللہ ابن عباس کی خالہ۔

۲؎ اگرچہ آپ تہبند باندھ کر غسل فرماتے تھے لیکن پھر بھی آپ چادرتان کر سامنے کھڑی ہوگئیں زیادتی ستر کے لیے۔لہٰذا چاہیئے یہ کہ تہبند باندھ کر غسل میں نہائے،بعض نے کہا کہ اس کے معنی ہیں پانی کو ڈھک دیا،مگر یہ درست نہیں۔(مرقاۃ)

۳؎ غسل کی ترتیب یہ ہوئی کہ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں،پھر استنجاء،پھر وضو کیا جائے،پھر جسم پر بہایا جائے۔چونکہ کچّی زمین پر غسل فرمایا تھا اس لیے وضوء کے ساتھ پاؤں نہ دھوئے بلکہ بعد میں دھوئے اگر پختہ زمین پر غسل ہو تو پاؤں پہلے دھولیے جائیں۔خیال رہے کہ یہاں مسح سر کا ذکر نہیں یا تو حضور نے مسح کیا ہی نہیں کیونکہ سر کے دھلنے میں مسح بھی ہوجاتا ہے،یا مسح کیا تھا مگر ذکر نہیں لہٰذا یہ حدیث پہلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں مسح کا ذکر ہے۔

۴؎ یا اس لئے کہ کپڑا صاف نہ تھا یا آپ جلدی میں تھے،یا وقت گرمی کا تھا،جسم کی تری اچھی معلوم ہوتی تھی،یا اس لئے کہ غسل ووضو کا پانی نہ پونچھنا افضل۔بہرحال اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پونچھنا ممنوع ہے کیونکہ پچھلی روایتوں میں پونچھنے کا ثبوت بھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وضواور غسل کے بعد جسم پر جو تری رہ جاتی ہے وہ ماءِ مستعمل نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ انصار کی ایک بی بی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں بتایا کہ یوں غسل کریں پھر فرمایا کہ مشک کا ٹکڑا لے کر اس سے پاک کرو بولیں اس سے کیسے پاکی کروں فرمایا اس سے پاکی کرو بولیں اس سے کیسے پاکی کرو فرمایا سبحان اللہ! اس سے پاکی کرو ۱؎ تو انہیں میں نے اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ خون کی جگہ ٹکڑا لگاؤ ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ خفیہ مسائل کے متعلق تعلیم اشاروں کنایوں سے چاہیئے،خصوصًا اجنبی عورتوں کے سامنے کہ ان بی بی صاحبہ کے بار بار پوچھنے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کی وضاحت نہ فرمائی۔مقصد یہ تھا کہ غسل کرنے کے بعد مشک کا ٹکڑا یا مشک میں بھیگے ہوئے کپڑے کا ٹکڑا وہاں پھیر لیں جہاں خون پہنچتا ہے تاکہ خون کی بو جاتی رہے۔بعض نسخوں میں مُمَسَّكٌ بھی ہے یعنی مشک میں بسا ہوا کپڑا۔

۲؎ سبحان اللہ! اس سے حضرت عائشہ صدیقہ کی ذہانت معلوم ہوئی کیوں نہ ہو کہ مزاج شناس رسول ہیں،بڑی فقیہہ عالمہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا جنابت کے غسل کے لیئے انہیں کھولا کروں فرمایا نہیں تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو۔پھر اپنے پر پانی بہالیا کروتوپاک ہوجاؤ گی ۱؎(مسلم)

۱؎ اسی بناء پر فقہاءفرماتے ہیں کہ عورت پر غسل میں سارے بال بھگونا فرض نہیں تمام کی جڑیں بھیگ جانا کافی ہیں۔اگر مرد کے بال ہوں تو پورے بھگونے پڑیں گے۔تین بار کی قید یقین حاصل کرنے کے لیے ہے ورنہ اگر ایک لپ سے ہی تمام جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو کافی ہے۔اوراگرتین لپوں میں بھی نہ پہنچے تو ڈالنا ضروری ہے اور اگر اتنے سخت بال بندھے ہوں کہ بغیر کھولے ہوئے تمام کی جڑیں نہ بھیگ سکیں تو کھولنا ضروری ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد(دو رطل)سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے پانچ مد تک غسل فرماتے تھے ۱؎(بخاری،مسلم)

۱؎ حنفیوں کے نزدیک مددورطل کا ہوتا ہے،اور ایک رطل چالیس تولہ کا،اور ایک صاع چار مد کا۔لہٰذا پاکستانی وزن سے ایک رطل نصف سیر کااورایک مد ایک سیراور صاع چار سیرلیکن مداوررطل کی مقدار میں اختلاف ہے،نیز ہلکی چیز صاع میں کم آئے گی اور بھاری زیادہ،اس لئے احتیاط یہ ہے کہ فطرہ میں آدھا صاع گندم تقریبًا سوا دو سیر مانے جائیں یعنی ایک صاع میں پانی اندازاً چارسیراور گندم ساڑھے چار سیر سمائے گی۔خیال رہے کہ غسل اور وضو میں پانی مقرر نہیں۔سنت یہ ہے کہ وضو ایک سیر پانی سے کم نہ ہو اورغسل چار سیر سے۔

	روایت ہے حضرت معاذہ سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جو میرے اورآپ کے درمیان ہوتا ۲؎ پس آپ جلدی کرتے مجھ پر حتی کہ میں کہتی کہ میرے لیئے بھی چھوڑیئے فرماتی ہیں کہ وہ دونوں جنابت میں ہوتے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ معاذہ بنت عبداللہ عدویہ ہیں،۸۳ھ میں آپ کا وصال ہوا،آپ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ چوڑے منہ والا جس میں دونوں کے ہاتھ بخوبی پڑ سکیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ وہ حضرات تہبند باندھ کر غسل کیا کرتے تھے اگرچہ خاوند اور بیوی کا آپس میں حجاب نہیں۔خیال رہے کہ اگرجنبی یابے وضو ہاتھ دھوکر ضرورۃً گھڑے یا مٹکے میں ہاتھ ڈال دے تو پانی مستعمل نہ ہوگا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا،لیکن اگر پاؤں یا سر ڈال دے تو پانی مستعمل ہوجائے گاکیونکہ یہ بلا ضرورت ہے،نیز اگر بغیر دھوئے یا بے ضرورت ہاتھ ڈالے تو پانی مستعمل ہوجائے گا۔خیال رہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو غسل یا وضو کرنا مکروہ ہے مگر ایک ساتھ غسل کرنا مکروہ نہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ غسل کی حالت میں باتیں کرنا جائز ہے۔بشرطیکہ تہبند بندھا ہو ننگے باتیں کرنا منع۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیاجوتری تو پائے اور خواب یاد نہ ہوفرمایا غسل کرے اوراس کے بارے میں پوچھا گیاجو خیال کرے کہ اسے احتلام ہواہے اورتری نہ پائے فرمایااس پر غسل نہیں ا؎ام سلیم نے عرض کیا کہ کیا عورت پر بھی غسل ہے جو یہ دیکھے فرمایا ہاں عورتیں مردوں کی مثل ہیں۲؎ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اوردارمی اور ابن ماجہ نے "لَاغُسْلَ عَلَیْہِ" تک روایت کی۔	

ا؎ کیونکہ احتلام میں منی کا نکلنا غسل واجب کرتا ہے خواب یاد ہو نہ ہو۔تری مطلق غسل واجب کردے گی اگرچہ مذی ہو کیونکہ کبھی پتلی منی مذی ہی محسوس ہوتی ہے،یہی ہمارا مذہب ہے،یہ حدیث ہماری دلیل ہے۔

۲؎ یعنی اکثر احکام عورتوں مردوں کے یکساں ہیں اسی لئے قرآن وحدیث میں مذکر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور عورتیں اس میں داخل ہوتی ہیں۔شقائق جمع شقیقہ کی ہے بمعنی ٹکڑا و حصہ،اسی لئے بھائی کو شقیق کہا جاتا ہے۔حضرت حوا آدم علیہ السلام کا جزو بدن تھیں لہذا عورتیں مردوں کا حصہ ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کو جب ختنہ ختنے میں غائب ہوجائے تو غسل واجب ہے میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا تو ہم نے غسل کیا ا؎(ترمذی و ابن ماجہ)	

ا؎ اُمّ المؤمنین نے اپنے فعل کا ذکر اظہاریقین کے لیے کیا یعنی میں یہ مسئلہ سناسنایا نہیں کہہ رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس پر عمل کرکے تجربہ کرچکی ہوں اوراس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس مسئلے میں مہاجرین و انصار کا بڑا اختلاف ہوگیا تھا۔انصار کہتے تھے کہ بلا انزال غسل واجب نہیں تب ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ تم جھگڑا مت کرو میں

اس کا فیصلہ حضرت عائشہ صدیقہ سے کراتا ہوں ضرورت کے موقع پر قرآن کریم نے بھی ایسی چیزوں کی تشریح فرمائی ہے فرماتا ہے:"لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ" اورفرماتا ہے:"بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ"وغیرہ،لہذاحدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے لہذابال دھوؤ اور کھال صاف کرو۱(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اور حارث ابن وجیہ راوی بوڑھے تھے اس مقام کے لائق نہیں۲

۱اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ غسل میں جسم کے سارے بال بھگونا فرض ہیں اگر ایک بال بھی خشک رہ گیا تو غسل نہ ہوگا۔دوسرے یہ کہ اگر بدن پر خشک مٹی،گندھا ہوا آٹایاموم لگا رہ گیا جس کے نیچے پانی نہ پہنچا،تب بھی غسل نہ ہوگا لہٰذا اگر ناخنوں پر نیلی پالش لگی ہوئی ہے تو غسل درست نہیں،کیونکہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچے گا۔خیال رہے کہ گھنی داڑھی وضو میں مانع نہیں،کیونکہ اس میں بڑی مشقت ہے،وضو روزانہ کئی بار ہوتا ہے،غسل میں اس کے نیچے پانی پہنچاناچاہیئے۔(مرقاۃ)

۲یعنی وجہ بڑھاپے کے انکا حافظہ کمزور ہوگیا تھا،اس لئے انکی روایت چنداں قوی نہیں۔لفظ شیخ عدالت کی تعریف اورحافظہ کی جرح کے لیے آتاہے یہاں جرح کے لئے ہے جیساکہ اگلی عبارت سے ظاہر۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جنابت میں ایک بال کی جگہ چھوڑ دے جسے نہ دھوئے تو اسے آگ میں ایسا ایسا عذاب کیا جائے گا۱حضرت علی فرماتے ہیں اسی لیئے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں اسی لیئے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں اسی لیئے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں تین بار۲اسے ابوداؤد،دارمی نے روایت کیا مگر ان دونوں نے مکرر نہ کیا اسی لیئے دشمن ہوگیا میں اپنے سر کا۔

۱یعنی عذاب پر عذاب ہوگا ایک تو ناپاک رہنے کا دوسرے تمام نمازیں برباد کرنے کا لہذا غسل میں بڑی احتیاط چاہیئے۔ناف،بغل،کان کی لو،ان میں بہت خیال سے پانی پہنچائے کہ یہاں اکثر بغیر توجہ پانی نہیں پہنچتا۔

۲یعنی زلفیں یاپٹے نہیں رکھواتا،ہمیشہ بال کٹواتا،منڈاتا رہتا ہوں۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنھم نے سواءِ حج کے اور کبھی سر نہ منڈوایا،اس حدیث سے علی مرتضی کا ہمیشہ سر منڈانا ثابت نہیں ہوسکتا کہ آپ بال کٹواتے ہوں،اگر منڈواتے بھی ہوں تو منڈوانے کا جواز ثابت ہوگا،نہ کہ اس کی سنّیت،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سرمنڈوانا وہابیوں نجدیوں کی علامت قرار دیا،لہذا ہمیشہ ہی اورخصوصًا اس زمانہ میں سنی مسلمان سرمنڈانے کی عادت سے بچیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۱(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱کیونکہ غسل سے پہلے وضو فرمالیتے تھے،وہ وضو نماز کے لئے کافی ہوتا تھا،بلکہ اگر کوئی شخص بغیر وضو کئے بھی غسل کرے اور پھر نماز پڑھ لے تو جائز ہے،کیونکہ طہارت کبریٰ کے ضمن میں طہارت صغریٰ بھی ہوجاتی ہے اور بڑے حدث کے ساتھ چھوٹا حدث بھی جاتا رہتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سرشریف ناپاکی کی حالت میں خطمی سے دھوتے اسی پر کفایت کرتے ۱کہ سر پر پانی نہ ڈالتے۲(ابوداؤد)	

۱یعنی غسل سے پہلے خطمی سے سر دھوتے،پھر تمام بدن کے ساتھ سر نہ دھوتے تاکہ خطمی کا کچھ اثر باقی رہے اور پہلا پانی کا بہالینا غسل کے لیے کافی مانا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر غسل کے اعضاء آگے پیچھے دھلیں تو غسل درست ہے۔
۲یعنی غسل کے ساتھ خالص پانی سر پر نہ ڈالتے وہ ہی خطمی والا پانی کافی تصور فرماتے۔

روایت ہے حضرت یعلٰی سے ۱فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں نہاتے دیکھا۲تو آپ منبر پر چڑھے،پھر اللہ کی حمد و ثناء کی پھرفرمایا کہ اللہ تعالٰی حیا دار ہے،پردہ پوش ہے،حیا اورپردے کو پسند کرتا ہے۳تو جب تم میں سے کوئی نہائے تو پردہ کرلیاکرے۴(ابوداؤد نسائی)اور نسائی کی روایت میں ہے کہ اللہ پردہ پوش ہے جب تم میں سے کوئی نہاناچاہے تو کسی چیز سے آڑ کرلیا کرے۵	

۱یعلٰی دو ہیں ایک یعلی ابن امیہ،دوسرے یعلی ابن مرہ دونوں صحابی ہیں،پتہ نہیں کہ یہاں کون یعلٰی مراد ہیں۔
۲ یہ صاف میدان میں تنہا تھے۔اسی لئے ننگے نہارہے تھے کہ وہاں اس وقت کوئی دیکھ نہ رہا تھا،نیز عرب میں اسلام سے پہلے کوئی شرم وحیاءنہ تھا،حیاء و شرم تو اسلام نے سکھائی۔
۳اگرچہ اکیلا ہو مرد تو تہبند باندھ کرمیدان میں نہا سکتا ہےکہ اس کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے لیکن عورت غسل خانے یا آڑ ہی میں نہائے،کیونکہ اس کا ستر سر سے پاؤں تک ہے۔
۴فقہاءفرماتے ہیں کہ تنہائی میں بلاوجہ ننگا ہونامنع ہے۔اللہ سے حیاچاہیئے۔
۵تنہائی میں آڑ کرنا مستحب ہے،اور سب کے سامنے واجب یہ امردونوں کو شامل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ پانی سے پانی ہے اول اسلام میں اجازت تھی پھر اس سے منع کر دیا گیا ۱؎۔(ترمذی ابوداؤ، د دارمی)

۱؎ یعنی شروع اسلام میں بغیر انزال صحبت کرنے سے غسل واجب نہ ہوتا تھا،اب حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا نزال ہو یا نہ ہو۔مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں اول صرف عقیدۂ توحید فرض ہوا،پھر سورۂ مزمل والی نماز یعنی رات کی،پھر پنج گانہ نماز کی فرضیت سے نماز شب کی فرضیت منسوخ ہوگئی،پھربعد ہجرت روزے اور زکوۃ وغیرہ فرض ہوئے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میں نے جنابت سے غسل کیا اور فجر پڑھ لی۔پھر دیکھا کہ ناخن برابر جگہ کو پانی نہ پہنچا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اس جگہ ہاتھ پھیر لیتے تو کافی ہوتا۱؎(ابن ماجہ)

۱؎یعنی اگرغسل کے وقت وہاں ہاتھ پھیرلیتے تو پانی بہہ جاتایاغسل کے بعدوضو وغیرہ کے وقت ہاتھ پھیر کر پانی بہا لیتے تو بھی کافی ہوتا،اب وہ جگہ دھوؤ اورنمازدوبارہ پڑھو۔حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس جگہ پر صرف مسح کافی تھا،پانی بہانے کی حاجت نہیں،کیونکہ غسل میں سارے جسم پر پانی بہانا فرض ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرغسل کا کوئی عضو سوکھا رہ گیا اوربہت دیر کے بعدپتا لگے تووہ دوبارہ غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ صرف وہ جگہ دھودینا کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نمازیں پچاس تھیں اور جنابت کا غسل سات باراور کپڑے سے پیشاب دھوناسات بار۱؎پس حضور انور عرض کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہیں اورجنابت کا غسل ایک بار اور کپڑا پیشاب سے دھونا ایک بار۲؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی معراج میں اولًا یہ احکام دیئے گئے،پھر وہاں ہی منسوخ ہوگئے،جیسا کہ آگے آرہا ہے ان احکام پر عمل کسی نے نہیں کیا کیونکہ عمل سے پہلے نسخ جائز ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں نسخ معراج کی رات ہی میں ہوگئے۔بعض نے فرمایا کہ شروع اسلام میں غسل اور کپڑا دھونا سات سات بار رہا جس پر کچھ روزعمل ہوا۔خیال رہے کہ امام شافعی کے نزدیک نجس کپڑا ایک بار دھونا ہی فرض ہے،جیسے وضو اور غسل میں ایک بار اعضاء دھونا فرض اور ہمارے امام صاحب کے یہاں جب کپڑے پر نجاست نظر نہ آتی ہو تو اتنا دھونا فرض ہے کہ اس کی پاکی کا گمان غالب ہوجائے اس طرح کہ تین بار دھوئے اور ہر دفعہ نچوڑے۔مگرصاحبین کے نزدیک بھی جوکپڑے نچوڑنے کے قابل نہ ہوں جیسے بہت موٹی دریاں یا نہایت کمزور نازک ریشمی کپڑے ان میں بھی اس قدر پانی بہنا کافی ہوتاہے،لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔

باب مخالطة الجنب ومایباح له

جنبی سے اختلاط کا باب اور کیا چیزیں جنبی کو جائز ہیں[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] جنبی جنابت سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں دوری و علیحدگی۔شریعت میں حدث اکبر جس سے غسل واجب ہو جنابت کہلاتاہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان مسجد ونمازوغیرہ سے علیحدہ رہتا ہے۔مذکر،مونث ایک اور چند سب کو جنب کہا جاسکتا ہے۔اختلاط سے مراد اس کے ساتھ کھانا،پینا،اٹھنا،بیٹھنا،مصافحہ،معانقہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے[1] حالانکہ میں ناپاک تھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑلیا[2] میں آپ کے ساتھ چلا حتی کہ آپ بیٹھ گئے میں چپکے سے نکل گیا منزل میں آیا غسل کیا پھر حاضر ہوا حالانکہ آپ تشریف فرما تھے[3] فرمایا اے ابوہریرہ کہاں تھے؟ میں نے واقعہ عرض کیا فرمایا سبحان اللہ!مؤمن گندہ نہیں ہوتا[4] یہ بخاری کے لفظ ہیں مسلم کی روایت میں اس کے معنی ہیں اور قُلْتُ کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ مجھے ملے حالانکہ میں جنبی تھا میں نے غسل کے بغیر آپ کے پاس بیٹھنا ناپسند کیا[5] بخاری کی دوسری روایت میں ایسے ہی ہے۔	

[1] یہ نہ فرمایا کہ میں حضور سے ملا کیونکہ آپ کا ارادہ ملنے کا نہ تھا اتفاقًا ملاقات ہوگئی،آپ تو غسل کرنے جارہے تھے۔

[2] محبت اور شفقت کی بناپر نہ کہ چلنے میں امداد لینے کے لیے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔

[3] یہ ہے صحابہ کا انتہائی ادب،اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں مصافحہ وغیرہ سب ممنوع ہے مگر حیاء اور ادب کی وجہ سے اس وقت عرض نہ کرسکے،خیال تھا کہ بعد میں مسئلہ پوچھ لوں گا چونکہ اس کے ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا،اس لئے خاموشی اختیار کی۔

[4] یعنی جنابت نجاست حقیقیہ نہیں تاکہ جنبی سے مصافحہ وغیرہ منع ہو۔خیال رہے کہ کافر بھی نجس نہیں قرآن کریم میں جو مشرکوں کو نجس فرمایا گیا اس سے گندگی اعتقاد مراد ہے۔اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنبی کا پسینہ یا جھوٹا نجس نہیں۔دوسرے یہ کہ غسل جنابت میں دیر لگانا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ جنابت کی حالت میں ضروری کام کاج کرنا جائز ہے۔چھوتھے یہ کہ جنبی سے مصافحہ،معانقہ بلکہ اس کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا جائز۔

۵؎ احتیاطًا یہ سمجھے ہوئے کہ شاید جنبی پر نجس حقیقی کے احکام جاری ہوں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمرابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ انہیں رات میں جنابت پہنچتی ہے۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کرو عضو خاص دھولو پھر سوجاؤ۲؎ (بخاری ومسلم)	

۱؎ تو کیا اس وقت غسل کروں یا صبح کو،وہ سمجھے یہ تھے کہ شاید فورًا غسل واجب ہے اور کبھی فورًا غسل دشوار ہوتا ہے۔
۲؎ یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ وضو کرکے سونا سنت مستحبہ ہے بغیر وضو سونا نہ حرام ہے نہ مکروہ۔(مرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور کچھ کھانا یاسونا چاہتے تونماز کا وضو فرمالیتے۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ بھی سنت مستحبہ ہے۔علماءفرماتے ہیں کہ بحالت جنابت بغیر وضو کھانا پینا رزق گھٹاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے پھردوبارہ جانا چاہے تو بیچ میں وضو کرے۱؎ (مسلم)	

۱؎ یہ بھی سنت مستحبہ ہے۔بہتر تو یہ ہے کہ ہر بار غسل کرے لیکن فقط وضو بھی جائزاور بلاوضو بھی درست۔بیچ میں طہارت سے لذت،صحت،قوت سب کچھ حاصل ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غسل سے اپنی ساری بیویوں پر دورہ فرماتے تھے۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی چندبیویوں کے پاس تشریف لے جاتے اورسب سے آخر میں غسل فرماتے۔ظاہر یہ ہے کہ درمیان میں وضو فرماتے ہوں گے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج حضرت خدیجہ،عائشہ،حفصہ،ام حبیبہ،ام سلمہ،سودہ،زینب،میمونہ ام مساکین،جویریہ،صفیہ رضی اللہ عنھن ہیں۔جن میں حضرت خدیجہ کی موجودگی میں کسی سے نکاح نہ فرمایا۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس جنتیوں کی طاقت دی گئی اور ایک جنتی میں سَومردوں کی طاقت ہوگی لہذا حضورمیں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی،نیز آپ کے ذمہ بیویوں کے درمیان عدل واجب نہ تھا اپنی طرف سےعدل فرماتے تھے اسی لیے ایک شب میں تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے ورنہ ہم کو ایک کی باری میں دوسری کے پاس جانا درست نہیں۔بعض نے فرمایا کہ حضورباری والی کی اجازت سے یہ عمل فرماتے ہوں گے مگر یہ درست نہیں۔(ازمرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ	

علیہ وسلم ہر وقت ذکر الٰہی کرتے تھے۱(مسلم)ہم ابن عباس کی حدیث ان شاءاللہ کھانوں کے باب میں بیان کریں گے۲	

۱یعنی جنابت وطہارت ہر حال میں زبان شریف سے کلمۂ طیبہ اورتمام وظائف وغیرہ پڑھا کرتے تھےکیونکہ جنابت میں صرف تلاوت قرآن حرام ہے۔

لطیفہ: مجھ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ جنابت میں درود شریف سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نام کی بے ادبی ہوگی،میں نے جواب دیا کہ اگر سمندر میں گندہ آدمی نہالے تو گندہ پاک ہوجاتا ہے سمندر ناپاک نہیں ہوتا۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سمندر ہے ہم گندے ہیں،نیز جو عورتیں حیض و نفاس کی حالت میں مرتی ہیں انہیں مرتے وقت کلمہ اور درود کی بلاشبہ اجازت ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ذکر زبانی جہری کرتے تھے جبھی تو آپ سنتی تھیں۔خیال رہے کہ حضرات قادریہ و چشتیہ وغیرہم کے ہاں ذکر بالجھر افضل ہے ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے۔

۲یعنی مصابیح میں وہ حدیث اسی مقام پر تھی مگرصاحب مشکوٰۃ نے اسے مناسبت کی وجہ سے وہاں ذکر کیا جس میں فرمایا گیا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے بغیروضو کئے کھانا تناول فرمالیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے لگن میں غسل کیا ۱حضورنےاس سے وضو کرنا چاہاانہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں ناپاک تھی۔فرمایا پانی تو ۱ناپاک نہیں ہوتا ۲(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)دارمی نےاس کی مثل۔	

۱ وہ بیوی حضرت میمونہ تھیں۔اور لگن میں غسل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پانی لے کر غسل کیانہ کہ اس میں بیٹھ کر یعنی بقیہ پانی حضرت میمونہ کافضالہ تھاغسالہ نہ تھا۔

۲یعنی عورت کے فضالے سے مردوضووغسل کرسکتاہے۔خیال رہے کہ تیسری فصل میں اس سے ممانعت بھی آرہی ہے مگروہ ممانعت بیان کراہت کے لئے ہے اور یہ حدیث بیان جواز کے لیے یعنی عورت کے فضالے سے مرد کاوضویاغسل کرنا بہتر نہیں لیکن اگر کرے تو جائز ہے۔

اور شرح سنہ میں انہیں سے وہ حضرت میمونہ سے راوی مصابیح کے الفاظ سے۔	

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت سے غسل فرماتے پھر میرے غسل	

	سے پہلے مجھ سے گرمی حاصل کرتے ۱؎ اسے ابن ماجہ نے روایت کیااورترمذی نے اس کی مثل روایت کی اورشرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ ہیں۔

۱؎ اس طرح کہ میرے ساتھ بستر میں لیٹ جاتے اور بغیر کپڑے وغیرہ کی آڑ کے اپنا جسم پاک مجھ سے مس فرماتے۔اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کاجسم پاک ہے اوراس سے معانقہ جائز۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم پاخانہ سے آتے تو ہمیں قرآن پڑھاتے اورہمارے ساتھ گوشت کھاتے تھے ۱؎ جنابت کے سواحضور کو قرآن سے کوئی چیز نہ روکتی تھی ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

۱؎ یعنی پاخانہ سے تشریف لاکر بغیروضوکئے اور ہاتھ دھوئے کلی کئے قران کی تلاوت بھی فرمالیتے اور کھانا بھی کھالیتے۔معلوم ہوا کہ بغیر وضو تلاوت بھی جائزہے اور کھانا پینا بھی درست،اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہاتھ دھو کرکھایا جائے۔یہ عمل شریف بیان جواز کے لئے ہے۔

۲؎ یعنی حدث اکبرہی تلاوت قرآن سے مانع ہے۔حدث اصغریعنی بغیر وضو قرآن چھونا ممنوع ہے،تلاوت جائز ہے۔خیال رہے کہ جنبی کو تلاوت قرآن ممنوع ہے لیکن قرآنی دعائیں بہ نیت دعا پڑھ سکتے ہیں۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حائضہ اورجنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یہاں شئی سےمراد پوری آیت ہے۔اورحائضہ کے حکم میں نفاس والی عورت بھی داخل ہےیعنی حائضہ،نفاس والی،جنبی قران کریم کی پوری آیت تلاوت نہ کرے۔یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت سے کم کی بھی تلاوت جائزنہیں ایک دولفظ پڑھ دیناجائزہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان گھروں کو مسجدسے پھیردو ۱؎ کیونکہ میں حائضہ اورجنبی کے لیئے مسجد کو حلا ل نہیں کرتا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ اولاًبعض صحابہ کے گھر کے درازے مسجد نبوی شریف میں تھے جن کی وجہ سے گھروں میں آنا جانا مسجد کے راستے سے ہوتا تھا۔حکم دیا کہ ان گھروں کے دروازے اورطرف نکالویہ موجودہ دروازے بندکردو۔

۲؎ یعنی اگردروازے مسجد میں رہے تو جنبی،حائضہ،نفساء مسجد سے گزریں گے حالانکہ انہیں مسجد میں بیٹھنا بھی حرام ہے۔یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔امام شافعی وغیرہم کے ہاں مسجد سے گزرنا جائز ہے،وہاں ٹھہرنا حرام ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی

دلیل ہے۔قرآن کریم میں جو ارشاد ہوا"وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ"وہاں"عابری سبیل"سے مراد مسافر ہے،یعنی جنابت کی حالت میں بغیر غسل نماز کے قریب نہ جاؤ ہاں اگرمسافرہو اورپانی نہ پاؤ تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لو وہاں مسجد سے گزرنا مراد نہیں،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو مالک احکام بنایا ہے فرماتے ہیں میں حلال نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ حلال وحرام حضور کرتے ہیں(صلی اللہ علیہ وسلم)۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں تصویرہو اور نہ اس میں جس میں کتا اورجنبی ہوا(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یہاں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے جو بلا ضرورت حرمت و عزت سے رکھی جائے۔اورکتے سے مرادبلا ضرورت محض شوقیہ طورپر پالاہوا کتاہے۔جنبی سے مراد وہ شخص ہے جوبلاضرورت شرعیہ بے غسل رہا کرے۔لہذا حدیث پر نہ تویہ اعتراض ہے کہ کبھی روپیہ پیسہ میں فوٹو ہوتے ہیں جوہرگھر میں رہتے ہیں،نہ یہ کہ کھیتی یا گھر بار کی حفاظت یا شکار کے لیے کتا پالنا جائز ہے،نہ یہ کہ رات کو جنبی وضو کرکے رات گزار سکتا ہے،نہ یہ کہ اگر ان گھروں میں فرشتے نہیں آتے تو ان لوگوں کی حفاظت یانامۂ اعمال کی تحریر کون کرتا ہے یا ان کی جان کون نکالے گا۔

روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کے قریب بھی فرشتے نہیں آتے کافر مردار خلوق سے لتھڑاہوا اورجنبی مگر یہ کہ وضو کرے۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یہاں بھی فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔کافر مردارسے کافر کا جسم مرادہے زندہ ہو یا مردہ،یعنی کفار کے پاس رحمت کے فرشتے نہیں آتے اسی لئے کفار کے مجمع میں نماز نہ پڑھے،کفارکو نماز استسقاء کے لیے ساتھ نہ لے جائے۔خلوق اس خوشبو کا نام ہے جس میں زعفران وغیرہ ہوتے ہیں اس کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔مردوں کو صرف ایسی خوشبو لگانی چاہیئے جو خوشبو دے رنگ نہ دے یہاں مردوں کے لئے ممانعت مقصود ہے،عورتیں اس حکم سے علیحدہ ہیں۔(مرقاۃ وغیرہ)یونہی جنبی سے مراد وہ جنبی ہے جو ناپاک رہنے کا عادی ہو،نماز کے اوقات میں گندارہے۔لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔دوسری احادیث سے متعارض نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ رات میں جنبی ہونے والا اگر یوں ہی بغیر وضو کئے سوجائے تو رحمت کے فرشتے نہ آئیں گے،وضو کرکے سونا چاہیئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی بکر ابن محمدابن عمرو ابن حزم سے۱؎کہ وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن حزم کو لکھا۲؎اس میں یہ تھا کہ قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے۳؎(مالک دار قطنی)	

۱؎ آپ خود،آپ کے والد اوردادا تمام تابعین میں سے ہیں،آپ مدینۂ منورہ کے بڑے عالم،متقی،تابعی ہیں۔انس بن مالک اورعروہ ابن زبیروغیرہ صحابہ سے احادیث لیں،ستر سال عمر پائی،۱۳۵ھ میں وفات ہوئی۔آپ کے دادا محمدابن عمرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ۱۰ھ میں مقام نجران میں پیدا ہوئے،۵۳ سال عمر پائی،حرہ کی جنگ میں شہید ہوئے ۶۳ھ میں۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو ابن حزم انصاری کو یمن کے ایک علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجا تب انہیں ایک فرمان نامہ لکھ کر عطا فرمایا جس میں فرائض،سنتیں،صدقات وغیرہ تحریر تھے۔اس کا یہاں ذکر ہے۔

۳؎ یعنی اس فرمان نامہ میں دوسرے احکام کے علاوہ یہ حکم بھی تھا کہ قرآن کریم صاف پاک آدمی ہی چھوئے نہ تو اسے بے وضو ہاتھ لگائے،نہ جنبی،نہ حائضہ ونفساء۔خیال رہے کہ بلاحائل قرآن چھونا ان تمام کو حرام ہے،ہاں جزداں یاکسی کپڑے کے ساتھ چھوناجائزہے جیسے کہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:"لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ"۔

روایت ہے حضرت نافع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ کسی کام میں گیا حضرت ابن عمرنے اپنی حاجت پوری کرلی ۲؎ اور آپ کی اس دن کی حدیث یہ تھی کہ فرمایا ایک آدمی گلیوں میں سے کسی گلی میں گزراحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ملاقات ہوگئی ۳؎ حالانکہ آپ پاخانہ یا پیشاب سے آئے تھے ۴؎ اس نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۔حتی کہ وہ شخص جب گلی میں چھپ جانے کے قریب ہوا تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے جن سے اپنے چہرے کا مسح کیا پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور اپنے ہاتھوں پر پھیرے پھر اس شخص کا جواب دیا ۵؎ اورفرمایا کہ مجھے تمہارے جواب دینے میں رکاوٹ صرف یہ تھی کہ میں پاک نہ تھا ۶؎ (ابوداؤد)	

۱؎ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت نافع سیدناعبداللہ ابن عمر کے آزادکردہ غلام ہیں،تابعین میں سے ہیں،ویلم کے رہنے والے، ۱۱۷ھ میں وفات پائی،بڑے عالم متقی تھے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حاجت سے مرادکوئی ضروری کام ہے نہ کہ استنجاء جیساکہ بعض لوگوں نے سمجھا یعنی آپ کسی کام کے لیے گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔

۳؎ یعنی اتفاقاً حضورعلیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوگئی اس وقت ملاقات کا ارادہ نہ تھا۔

۴؎ظاہر یہ ہے کہ حضورعلیہ الصلوۃ والسلام پیشاب یاپاخانہ سے بالکل فارغ ہوکرتشریف لائے تھے یعنی ڈھیلے پانی کا استنجاء بھی کرچکے تھےکیونکہ عادت کریمہ یہ نہیں تھی کہ پیشاب پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجاءکرتے ہوئے بازاروں یا گلیوں میں چلیں،بلکہ خاص موقعہ پر ہی خشک کرلیتے تھے کہ اس طرح چلنامروت کے خلاف ہے۔

۵؎جب اس شخص نے سلام کیا توکوئی لائق تیمّم دیوار سامنے موجود نہ تھی۔اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دیوار تک پہنچے اتنے میں وہ شخص گلی کے کنارے پرپہنچ گیا،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فورًا ہی تیمّم کیوں نہ کرلیا۔اس سے معلوم ہوا کہ کچی دیوار پرتیمّم جائز ہے،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔تیمّم کے لئے صرف ریت یا خشک مٹی ضروری نہیں۔

۶؎یعنی میں اس وقت بے وضو تھا اور جواب میں کہنا ہوتا ہے "**وعلیکم السلام**"سلام اللہ تعالٰی کا نام بھی ہے اگرچہ یہاں وہ معنی مراد نہیں پھر بھی اس لفظ کا احترام کرتے ہوئے میں نے بغیر وضویہ لفظ بولنا مناسب نہ سمجھا۔حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس وقت حضورصلی اللہ علیہ وسلم پر خاص انوار الٰہیہ کی تجلی ہورہی تھی جس کا اثر یہ تھا کہ آپ نے بغیر طہارت سلام کا لفظ بھی منہ نہ سے نکالا،یہ خصوصی حکم ہے،لہٰذا اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاخانے سے آکر قرآن پڑھاتے تھے،دعائیں پڑھتے تھے،وضو سے پہلے **بسم اللہ** پڑھتے تھے اوریہاں بغیر وضو سلام کا لفظ بھی نہیں بولتے،کہ وہ عام حکم شرعی تھا اور یہ حکم خصوصی۔شریعت وطریقت،فتوٰی وتقوٰی میں فرق ہے۔نہ یہ اعتراض ہے کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم درست نہیں ہوتا،پھر حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تیمّم کیوں کیا؟اس تیمّم سے نماز وغیرہ نہ پڑھی صرف جواب سلام دیا،نماز جنازہ جارہی ہو تو پانی کے ہوتے تیمّم جائز ہے مگر اس سے دوسری نماز نہیں پڑھ سکتے۔یہاں بھی جواب کا وقت جارہا تھا،آدمی چھپا جارہا تھا اس لیے یہ عمل فرمایا۔غرض کہ یہ حدیث بےغبار ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جواب سلام میں دیر لگاناضرورۃً جائز ہے اور اس دیر لگ جانے پر معذرت کردینا سنت ہےتاکہ اس کو رنج نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت مہاجرابن قنفذ سے ۱؎کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے ۲؎انہوں نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ وضو کرلیا۔پھر ان سے معذرت کی اور فرمایا کہ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ بغیر پاکی کے اللہ کا ذکرکروں ۳؎(ابوداؤد)اور نسائی نے"**حَتّٰی تَوَضَّاَ**"تک روایت کی اور فرمایا کہ جب وضو کرلیا تو اس کا جواب دیا۔

۱؎آپ کا نام خلف ابن عمیر ہے،لقب مہاجرکیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم سچے مہاجر ہو آپ قریشی ہیں،تیمی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا،وہاں ہی وفات ہوئی۔

۲؎ پیشاب یاپاخانہ کرنے والے پرسلام کرنا منع ہے اور اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں،لیکن قضائے حاجت کے بعد جواب دے دیا جائے تو جائز ہے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔چونکہ ان صحابی کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اسی لئے انہوں نے اس حالت میں سلام کیا۔

۳؎ اس کی پوری بحث اوپر گزر چکی۔یہاں ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرکے جواب دیا کیونکہ یہاں سلام کرنے والے کہیں جا نہ رہے تھے،بلکہ حضور کے پاس ہی تھے۔اس لئے جواب کی جلدی نہ تھی،وضو کیا،پھر جواب دیا وہاں سلام والاجارہا تھا،لہذا فرق ہوگیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے پھر سوجاتے پھر جاگتے ۱؎ پھر سوجاتے۔(احمد)	

۱؎ یعنی بحالت جنابت اولًا وضو کرکے سوجاتے،پھر جاگتے،پھر دوبارہ سونے کے لئے وضو نہ کرتے پہلا وضو کافی ہوتا،کیونکہ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ ہم کو بھی یہ درست ہے کہ اولًا وضو کرکے سوجائیں پھر اگر جاگ جائیں تو سونے کے لئے دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں پہلا وضو ہی کافی ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت شعبہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ناپاکی سے غسل کرلیتے تو داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات بارپانی ڈالتے ۲؎ پھر استنجاءکرتے ایک دفعہ بھول گئے کہ کتنی بار پانی ڈالا ہے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم فرمایا تمہاری ماں نہ رہے تمہیں کس چیزنے جاننے سے روکا ۳؎ پھرنماز کا سا وضو کرتے پھر اپنے جسم پر پانی بہاتے پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی طہارت فرماتے تھے ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ شعبہ ابن دینارہیں،سیدنا عبداللہ ابن عباس کے آزادکردہ غلام ہیں۔امام نسائی فرماتے ہیں کہ شعبہ ضعیف ہیں،دیگرمحدثین ان کی توثیق کرتے ہیں۔

۲؎ کیونکہ ہاتھ میں نجاست لگی ہوئی تھی اورشروع اسلام میں نجاست سات بار دھوئی جاتی تھی،پھر سات کا حکم منسوخ ہوگیا،استحباب اب بھی باقی ہے۔(ازمرقات)لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں تین بار ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ہوسکتا ہےکہ آپ یہ عمل کبھی کرتے ہوں نہ کہ ہمیشہ۔

۳؎ماں نہ رہے پیار میں بھی بولتے ہیں اورعتاب میں بھی۔یہاں دونوں احتمال ہیں۔مولیٰ اور استاد کو حق ہے کہ بلاوجہ بھی عتاب کردے۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ شاگرد کو اپنے استاد کے ہرحال کا خیال رکھنا چاہیئے تاکہ بوقت ضرورت استاد کو بھی بتاسکے،اورلوگوں تک بھی پہنچاسکے۔یہاں ہاتھ دھونے کی گنتی مراد ہے۔
۴؎کبھی کبھی یا سات کا حکم منسوخ ہونے سے پہلے یا اس وقت جب کہ نجاست سخت ہوکر بغیرسات بارکے نہ چھوٹے۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے۱؎فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں پردورہ فرمایا ان کے پاس بھی غسل کیا اور انکے پاس بھی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہیں کرلیتے فرمایا کہ یہ خوب پسندیدہ اور بہت صاف ہے۲؎ (احمدوابوداؤد)

۱؎آپ کا نام اسلم ہے کنیت ابو رافع،قبطی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادکردہ غلام ہیں،بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رہے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی نے پہنچائی اور اسی خوشی میں حضور علیہ الصلاۃوالسلام نے انہیں آزاد کیا۔ان کے باقی حالات پہلے گزر چکے ہیں۔
۲؎چونکہ ہر دفعہ غسل کے لئے ابو رافع ہی پانی لاتے ہوں گے،اس لئے انہیں اندازے سے پتا لگا کہ آپ ہر بار غسل جنابت فرمارہے ہیں۔تب یہ سوال کیا اس قسم کے اظہار میں اور مسئلہ پوچھنے میں نہ عقلًا کوئی مضائقہ ہے نہ شرعًا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل شریف سے مسائل معلوم ہوئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر چند بار صحبت کی جائے تو ہر دفعہ نہالینا سنت ہے۔باقی بحث اسی باب میں پہلے گزرچکی۔

	روایت ہے حضرت حکم ابن عمرو سے۱؎فرماتے ہیں کہ منع فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ مردوعورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)اورترمذی نے ان دونوں سے زیادہ کیافرمایاعورت کے جوٹھے سے اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎آپ صحابی ہیں،غفاری ہیں،بصرہ میں قیام رہا،زیاد نے پہلے آپ کو بصرہ کا،پھر خراسان کا حاکم بنایا، ۵۱ھ مقام مرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔
۲؎یہ ممانعت تنزیہی ہے یعنی عورت کے غسل یا وضو سے بچے ہوئے پانی سے مرد کا غسل یا وضو کرنا بہتر نہیں،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باراپنی بعض ازواج کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا اورفرمایا کہ پانی جنب نہیں ہوتاکیونکہ وہ حدیث بیان جواز کے لئے ہےاور یہ بیان استحباب کے لئے ہے۔

روایت ہے حمید حمیری سے ١؎ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے ملا جوحضرت ابوہریرہ کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں چار سال رہے٢؎ فرمایا منع کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے سے غسل کرے٣؎ مسدد نے یہ بڑھایا٤؎ کہ دونوں ایک ساتھ چلو لیں٥؎ اسے ابوداؤد،نسائی نے روایت کیااوراحمدنے اس کے اول میں یہ بھی زیادتی کی کہ حضور نے منع فرمایا اس سے کہ ہم میں سے کوئی روزانہ کنگھی کرے یا غسل خانہ میں پیشاب کرے٦؎ اسے ابن ماجہ نے عبداللہ ابن سرجس سے روایت کیا۔	

١؎ آپ حمید ابن عبدالرحمٰن ہیں،بصرہ کے باشندے،قبیلہ حمیر سے ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں اپنے زمانہ میں بڑے عالم تھے۔

٢؎ وہ صحابی یا حکم ابن عمروہیں یاعبداللہ ابن سرجس اوریاعبداللہ ابن مغفل،چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لئے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

٣؎ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے یعنی ایسا کرنا بہتر نہیں اگر کرے تو حرج بھی نہیں۔

٤؎ آپ کا نام مسدد(دال کے فتح)سے ابن مسرحد ہے،تبع تابعین میں ہیں،بصرہ کے باشندے ہیں، ١٢٨ھ میں وفات ہوئی۔

٥؎ یعنی اگرعورت و مرد ایک برتن سے وضو یا غسل کریں تو آگے پیچھے چلو نہ لیں بلکہ ایک ساتھ لیں تاکہ ان میں سے کوئی دوسرے کے فضلہ سے طہارت نہ کرے اگرچہ آئندہ چلوؤں میں فضلے سے ہی طہارت ہوگی مگر یہ معاف ہے۔

٦؎ غسل خانہ میں پیشاب کرنا وسوسہ کی بیماری پیدا کرتا ہے خصوصًا جب کہ پانی نکلنے کی کوئی نالی وغیرہ نہ ہو اور روزانہ بال کا ڑھنے مانگ نکالنے میں غفلت پیدا ہوتی ہے۔یہ کام کبھی کبھی کرنا سنت ہے،بال پراگندہ رکھنا بھی ٹھیک نہیں۔

باب احکام المیاہ

پانیوں کے احکام کاباب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] چونکہ پانی بہت سی قسم کے ہیں: بارش کا پانی، چشمے، کنوئیں، تالاب وغیرہ کا پانی، جاری اور غیر جاری، مستعمل اور غیر مستعمل، حیوانات کا جھوٹا اور دھوپ وغیرہ سے گرم شدہ پانی اور ان پانیوں کے احکام جداگانہ ہیں اس لئے مِیَاہ بھی جمع لائے اور احکام بھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے پانی میں جو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرے گا[1] (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا تم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں ٹھہرے پانی میں غسل نہ کرے لوگوں نے کہا کہ اے ابوہریرہ پھر کیا کرے فرمایا اس میں سے لے لے[2]

[1] یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس سے پانی نجس ہوکر غسل و وضو وغیرہ کے قابل نہ رہے گا جس سے اسے بھی تکلیف ہوگی اور دوسروں کو بھی۔اور بہت سے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا مناسب نہیں کہ اگرچہ وہ ناپاک تو نہ ہوگا لیکن اس کے پینے یا وضو کرنے سے دل کراہت کرے گا۔پہلی صورت میں ممانعت تحریمی ہے اور دوسری صورت میں تنزیہی۔یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ دو قلے پانی نجاست پڑنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔اگر ناپاک نہ ہوتا تو یہ ممانعت اس تاکید سے نہ فرمائی جاتی۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ تعالٰی آگے آئے گی۔

[2] یعنی چھوٹے حوض یا گڑھے میں جو پانی بھرا ہو جنبی اس میں گھس کر نہ نہائے بلکہ چلوؤں،لپّوں،یا برتن سے لے کر الگ نہائے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تھوڑا پانی جنبی کے گھس جانے سے ماء مستعمل بن جاتا ہے لہذا جنبی یا بے وضو اگر کنوئیں میں گھسا تو پانی مستعمل ہوگیا۔دوسرے یہ کہ ناپاک آدمی بوقت ضرورت ناند یا چھوٹے حوض میں سے چلو یا لپ بھر سکتا ہے اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جائے[1] (مسلم)

[1] ٹھہرا پانی خواہ دوقلے ہوں یا اس سے کم و بیش اس میں پیشاب پاخانہ ممنوع ہے بلکہ اس میں تھوک و رینٹ ڈالنا بھی برا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ رات کو ٹھہرے پانی میں پیشاب ہرگز نہ کرے کہ اس وقت وہاں جنات رہتے ہیں تکلیف پہنچائیں

گے،ہاں تالاب وغیرہ کا یہ حکم نہیں۔تالاب وہ ہے کہ اگر اس کے ایک کنارے سے پانی ہلایا جائے تو دوسرے کنارے کا پانی نہ ہلے یعنی سوہاتھ کی سطح والا پانی اسی کو آب کثیر بھی کہتے ہیں اس سے کم پانی قلیل کہلاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے[1] فرمایا مجھے میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں عرض کیا یارسول اللہ میرا بھانجا بیمار ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیئے دعائے برکت کی[2] پھر وضو فرمایا میں نے وضو کا پانی پیا[3] پھر میں آپ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو آپ کے کندھوں کے درمیان مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی[4] (مسلم،بخاری)

[1] آپ ازدی ہیں،خذلی، ۲ھ میں پیدا ہوئے،اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے،اس وقت سات سال کے تھے،نوعمر صحابی ہیں،عہد فاروقی میں بازار مدینہ کے حاکم تھے۔

[2] غالبًا آپ کے سر میں درد ہی تھا جوحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی برکت سے جاتارہااس ہاتھ کی برکت یہ ہوئی کہ حضرت سائب کی عمر سو۱۰۰ سال ہوئی لیکن نہ کوئی بال سفید ہوا اور نہ دانت گرا۔(مرقاۃ)اس سے معلوم ہوا کہ بیماروں کو بزرگوں کے پاس دم درود کے لیے لے جانا اور بزرگوں کا تکلیف کی جگہ ہاتھ پھیرنا سنت سے ثابت ہے۔

[3] فضالہ شریف(بچاہوا پانی) یا غسالہ(دھوون شریف)دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔صحابہ کرام اس غسالہ شریف کو حاصل کرنے کے لئے لڑتے تھے۔خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک وضو یا غسل کاغسالہ نجس ہے مگر ہمارا غسالہ نہ کہ حضور کا،وہ تو تبرک اورنور ہے حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریف امت کے لئے پاک ہیں۔(مرقاۃواشعۃ)

[4] مہر نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے نیچے دوکندھوں کے درمیان ایک پارۂ گوشت تھا جس پر کچھ تل تھے۔کبوتری کے انڈے یا مسہری کی گھنڈی کے برابر پارۂ گوشت نہایت چمکیلا اور نورانیت تھا،تل سیاہ آس پاس بال،ان کے اجتماع سے یہ جگہ نہایت بھلی ہوتی تھی نیچے سے دیکھو تو پڑھنے میں آتا تھا "اَللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ"اوپر سے دیکھو تو پڑھاجاتاہے"تَوَجَّہَ حَیۡثُ کُنۡتَ فَاِنَّكَ مَنۡصُوۡرٌ"اسے مہرنبوت اس لیے کہتے تھے کہ گزشتہ آسمانی کتب میں اس مہر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النبیّین ہونے کی علامت قرار دیا گیا تھا وفات کے وقت یہ مہر شریف غائب ہوگئی تھی۔اس میں اختلاف ہے کہ بوقت ولادت موجود تھی یا نہیں۔بعض نے فرمایا کہ شق صدر کے بعد فرشتوں نے جو ٹانکے لگائے تھے ان سے یہ مہر پیدا ہوگئی تھی۔صحیح یہ ہے کہ بوقت ولادت اصل مہرموجود تھی مگر اس کا ابھار ان ٹانکوں کے بعدہوا۔ان شاءاللہ اس کی زیادہ تحقیق آخر کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے بیان میں کی جائے گی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں پوچھا گیا جو میدانی زمین میں ہو اور اس پر چوپائے اور درندے آتے ہوں فرمایا جب پانی دو قلے ہو تو گندگی کو نہیں اٹھاتا(احمد،ابوداؤد، ترمذی،نسائی، دارمی،ابن ماجہ)ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ نجس نہیں ہوتا۔ ۱

۱ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ دو مٹکے پانی گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔مٹکوں سے حجر کے مٹکے مراد لیتے ہیں جو ڈھائی مشک کا ہوتا ہے اور شرعی پچاس من کا۔روافض بھی یہی کہتے ہیں۔ہمارے امام اعظم اس حدیث پر چند طرح گفتگو فرماتے ہیں:ایک یہ کہ حدیث صحیح نہیں حتی کہ امام بخاری کے استاد علی ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔دوسرے یہ کہ حدیث اجماع صحابہ کے خلاف ہے کہ ایک بار چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس وابن زبیر نے تمام صحابہ کی موجودگی میں کنواں پاک کرنے کا حکم دیا کسی نے انکار نہ کیا حالانکہ چاہ زمزم میں ہزاروں قلے پانی تھا۔تیسرے یہ کہ لفظ قلہ مشترک ہے جس کے بہت معانی ہیں۔چنانچہ پہاڑ کی چوٹی،اونٹ کا کوہان،سر کی کھوپڑی،بڑے مٹکے سب کو قلہ کہا جاتا ہے۔پھر مٹکے کی مقدار حدیث میں معین نہیں،اتنے اجمال کے ہوتے ہوئے اس حدیث پر عمل کیونکر کیا جاتا ہے۔چوتھے یہ کہ یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر قلتین میں اتنی گندگی گر جائے جس سے پانی کی بو،مزہ یا رنگ بدل جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے،مگر اس حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نجس نہیں ہوتا۔پانچواں یہ کہ یہ حدیث اس معنی سے دوسری احادیث صحیحہ کے سخت خلاف ہوگی۔حضور نے فرمایا کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب نہ کرو،نیز ارشاد فرمایا کہ جب کتا پانی کے برتن میں منہ ڈال دے تو پانی ناپاک اور برتن بھی پلید ہوگیا۔ان دونوں حدیثوں میں قلتین کا استثناء نہیں کیا گیا۔چھٹے یہ کہ لَمْ یَحْمِلْ کے معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ قلتین میں پانی نجاست کو برداشت نہیں کرتا،یعنی نجس ہو جاتا ہے،رب فرماتا ہے:"مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا"۔عرف میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص صدمہ نہیں اٹھاسکتا۔ساتویں یہ کہ اس حدیث کے معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جب جاری پانی کو دو انسانوں کے قد کے برابر بہنے کا موقع مل جائے تو گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوگا،وہ ماء جاری ہے اس کی طرح کہ ایک گڑھے سے پانی آرہا ہے دوسرے میں گر رہا ہے دونوں گڑھوں کے درمیان دو قد انسانی قریبًا دس فٹ کا فاصلہ ہے تو چونکہ یہ پانی جاری ہے لہذا گندگی سے ناپاک نہ ہوگا۔اس صورت میں حدیث پر کوئی اعتراض نہ پڑے گا لہذا مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہایت قوی ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنویں سے وضو کریں ۱ وہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے لتے کتوں کے گوشت اور گندگیاں ڈالے جاتے تھے ۲ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ۳ (احمد،ترمذی،ابوداؤد، و نسائی)

۱؎ یہ کنواں مدینہ منورہ محلّہ بنی ساعدہ میں واقع ہے،بنی ساعدہ خزرج کا ایک قبیلہ ہے۔فقیر نے اس کنوئیں کی زیارت بھی کی ہے اور اس کا پانی بھی پیا ہے۔

۲؎ یعنی یہ کنواں گویا مدفون کوڑی تھا کہ مدینہ کی گلیاں و کوچے صاف کرکے کوڑا کرکٹ وہاں ڈال دیا تھا جیسے ہمارے ہاں بھی ایسے گڑھے دیکھے گئے ہیں۔

۳؎ اَلْمَاءُ میں الف لام عہدی ہے یعنی یہ پانی پاک ہے ان گندگیوں سے ناپاک نہیں ہوتا۔امام شافعی کے نزدیک تو اس لئے کہ وہ پانی قلتین سے زیادہ تھا،امام اعظم کے نزدیک اس لیے کہ وہ پانی جاری تھایعنی مدفون نہر پر یہ کنواں واقع تھا جیسا کہ مکہ مکرمہ میں نہر زبیدہ پر اور مدینہ طیبہ میں نہر زرقاء پر تمام کنوئیں ہیں جو بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں دبی ہوئی نہر،امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ قلتین تو کیا سینکڑوں قلے پانی اتنی گندگی پڑنے سے بگڑ جائے گا ہمارے کنوئیں میں اگر ایک بلی پھول پھٹ جائے تو پانی سڑ جاتا ہے،لہذا یہ حدیث امام شافعی کے خلاف ہوگی۔ہاں جاری پانی چونکہ سب کچھ بہا کر لے جائے گا،اس لئے کہ اس کے ناپاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اب بھی بیر بضاعہ وغیرہ میں جھانک کر دیکھو تو پانی بہتا ہوا نظر آتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا عرض کیا یارسول اللہ ہم سمندر میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی لے جاتے ہیں اگر اس سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کیا کریں۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے۲؎ اور اس کا مردار حلال۳؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ سائل کو شبہ یہ تھا کہ سمندر کا پانی سخت کڑوا ہے پینے کے قابل نہیں لہذا اس آیت کے تحت نہیں آتا:"وَ اَنۡزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا"کیونکہ بارش کا پانی میٹھا اور مطہر ہے اور سمندر کا پانی میٹھا نہیں تو چاہیئے کہ مطہر بھی نہ ہو۔

۲؎ یعنی سمندر کے پانی کا یہ مزہ اصلی ہے یا زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے کسی نجاست نے اس کا مزہ نہیں بدلالہذا پاک بھی ہے،مطہر بھی۔خیال رہے کہ اگر کنوئیں کا پانی بہت ٹھہرا رہنے کی وجہ سے بدمزہ یابدبودار ہوجائے تو پاک رہے گا۔

۳؎ احناف کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ مچھلی کو ذبح کرنا ضروری نہیں۔اگر ہمارے پاس آکر مرجائے یا سمندر کی موج اسے کنارے پر پھینک جائے جس سے وہ مرجائے تو حلال۔لیکن اگر اپنی بیماری سے مرکر پانی پر تیر جائے تو حرام کیونکہ اب وہ سمندر کا مردار نہیں،بلکہ بیماری کا مردار ہے،بعض آئمہ نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ پانی کا ہر جانور حلال حتی کہ مینڈک کچھوا وغیرہ بھی مگر یہ معنی درست نہیں کیونکہ دریائی انسان اور دریائی سور کو وہ بھی حرام جانتے ہیں۔تو انہیں بھی حدیث میں قید لگانی پڑے گی۔

روایت ہے ابو زید سے وہ عبداللہ ابن مسعود سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کی رات۱ ان سے فرمایا کہ تمہارے برتن میں کیا ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا نبیذ ہے۲ فرمایا کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا۳ ابوداؤد،احمد،ترمذی نے زیادہ کیا کہ پھر اس سے وضو فرمایا۔ترمذی کہتے ہیں کہ ابو زید مجہول ہے۴	

۱؎ یعنی جس رات جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئے اورحضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تبلیغ کرنے کے لئے ابن مسعود کو اپنے ساتھ لےکر شہر سے باہر تشریف لے گئے حضرت ابن مسعود کے پاس حسب عادت پانی کا لوٹا تھا۔

۲؎ یعنی کھجور کا زلال(نتھرا ہوا شربت)کہ رات کو کھجوریں پانی میں بھگودی جائیں،صبح کو نتھارلیا جائے۔

۳؎ یہ فرماکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے وضو کیا جیسا کہ مصابیح کی روایت میں ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ کھجور کے شربت سے وضو جائز ہے بشرطیکہ گاڑھا نہ پڑا ہو بلکہ خوب پتلا ہو۔

۴؎ یعنی ان کے حالات کا علم نہ ہوسکا کہ کیسے تھے۔لیکن امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابو زید عمروابن حریث کے آزادکردہ غلام ہیں،ان سے راشد ابن کیسان اورابو رقاق نے روایت لی ہے اور جس راوی سے ایسے محدثین روایت لےلیں وہ مجہول نہیں رہتا۔توریشتی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت سی ضعیف اسنادوں سے مروی ہے لیکن بہت ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہوجاتی ہیں دیکھو کتب اصول حدیث۔

حضرت علقمہ بروایت صحیح حضرت عبداللہ ابن مسعود سے نقل ہے فرماتے ہیں میں جنات کی رات حضور کے ساتھ تھا ہی نہیں ۱(مسلم)	

۱؎ خیال رہے کہ **لیلۃ الجن** چھ ہیں:ایک باربقیع الغرقد میں جنات کو تبلیغ اسلام کی اس میں حضرت ابن مسعود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،دوبار مکہ معظّمہ میں ایک بارمدینہ طیبہ میں زبیر ابن عوام ہمراہ تھے۔لہذاعلقمہ کی یہ روایت بھی درست ہے کہ ابن مسعود ہمراہ نہ تھے،اور وہ بھی درست ہے کہ ہمراہ تھے اور نبیذ کاواقع پیش آیا۔یا علقمہ کی روایت کا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابن مسعود "**لیلۃ الجن**"میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبلیغ کے وقت نہ تھے کیونکہ حضور ان کو دور چھوڑ گئے تھے اور آپ کے اردگرد حصار کے لئے گول خط کھینچ کر فرما گئے تھے کہ اس سے آگے نہ نکلنا جیسا کہ دوسری روایات میں ہے،اسی سے صوفیائے کرام حصار کے مسائل مستنبط کرتے ہیں۔لہذاحضرت علقمہ کی یہ حدیث اس دوسری حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقاۃ و اشعۃ)خیال رہے کہ کھجور کے نبیذ سے وضوجائزہونا خلاف قیاس ہےکیونکہ نبیذ مطلق پانی نہیں اور وضو صرف مطلق پانی سے ہی ہوسکتا ہے مگرچونکہ حدیث پاک میں واردہوگیالہذا سواء کھجور کی نبیذ کے اور کسی نبیذ سے وضو جائز نہیں جیسے کشمش وغیرہ کا نبیذ۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ امام اعظم حدیث کے مقابل قیاس پر عمل کرتے ہیں۔**نعوذ باللہ**!

یہ بھی خیال رہے کہ کھجور کے نبیذ سے وضو جب ہی درست ہے جب کہ گاڑھا نہ ہو پانی کے اجزاء غالب ہوں اگر کھجور کے اجزاء غالب ہوگئے ہوں اورپانی گاڑھا پڑ گیاہوتو وضو جائز نہیں،تیمّم کیا جائے۔اوراگر اس غلبہ میں شک ہو تو وضو بھی کرے اور تیمّم بھی۔لہٰذا امام صاحب سے جو مروی ہے کہ آپ نے کبھی تو نبیذ سے وضو کا حکم دیا،کبھی وضو سے منع فرمایا،تیمّم کا حکم دیا اورکبھی دونوں کا،یہ مختلف حالات میں ہے۔

	روایت ہے حضرت کبشہ بنت کعب ابن مالک سے[1]آپ ابوقتادہ کے فرزند کی بیوی تھیں۔ابو قتادہ ان کے پاس آئے[2]تو انہوں نے ابوقتادہ کے لیئے وضو کا پانی انڈیلا بلی آکر اس سے پینے لگی آپ نے اس کے لیئے برتن جھکادیا حتی کہ اس نے پی لیا کبشہ فرماتی ہیں کہ مجھے ابوقتادہ نے اپنی طرف دیکھتے ہوئے ملاحظہ کیا تو بولے بھتیجی کیا تم تعجب کرتی ہو بولیں ہاں تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں وہ تو تم پر پھرنے والے یا پھرنے والیوں میں سے ہے[3](مالک،احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ا بن ماجہ،دارمی)

[1]آپ خود بھی صحابیہ ہیں،آپ کے والد کعب ابن مالک بھی صحابی ہیں،جن کی توبہ کا واقعہ مشہور ہے،جن کے بارے میں سورۂ توبہ کی آیات اتری ہیں،عبداللہ ابن ابی قتادہ کی زوجہ ہیں۔

[2]آپ کا نام حارث ابن ربیع ہے،انصاری ہیں،مشہورشاہ سوار ہیں،آپ کے بیٹے کا نام عبداللہ ہے۔

[3]اس حدیث سے بعض علماء نے اس پر دلیل پکڑی کہ بلی کا جوٹھا نہ تو ناپاک ہے نہ مکروہ اس سے بلا کراہت وضو جائز ہے۔ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر بلی چوہا نجاست کھاکربغیر منہ صاف کئے برتن میں ڈال دے تو پانی بھی نجس اور برتن بھی گندا۔اوراگرمنہ صاف کرکے پانی پی جائے تو وہ پانی مکروہ ہے اور اس سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی۔امام صاحب کا قول قوی ہے۔اوران علماء کا اس حدیث سے استنباط ضعیف کیونکہ یہ حضرت ابو قتادہ کا اجتہاد ہے حضور نے صرف یہ فرمایا کوئی نجس نہیں یعنی اس کا جسم ناپاک نہیں اس میں یہ کہاں ہے کہ اس کا لعاب اور جوٹھا بھی بالکل پاک ہے۔دیکھو کتے کا سوکھا جسم نجس نہیں مگر اس کا جوٹھا نجس ہے۔طحاوی شریف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور فرماتے ہیں جب بلی برتن چاٹ جائے تو اسے ایک یا دو باردھوؤ،نیز اسی طحاوی میں ہے کہ سیدنا ابن عمر کتے،بلی اورگدھے کے جوٹھے سے وضو نہیں کرتے تھے،بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔اس کے متعلق اور بہت سی روایات طحاوی میں منقول ہیں۔نیز جس کا گوشت ناپاک اور حرام ہو اس کا جوٹھا بھی پاک نہ ہوگا،بلی کا گوشت ناپاک اور حرام ہے لہٰذا اس کا جوٹھاناپاک ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ یہ گھروں میں آتی جاتی ہے،نیز نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتی لہٰذا جوٹھا مکروہ ہے جیسے چھوٹے بچے جونجاست سے پرہیز نہ کرسکیں اگر وہ پانی میں ہاتھ ڈال دیں تو پانی مکروہ ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوداؤد ابن صالح ابن دینار سے وہ

	اپنی والدہ سے راوی کہ ان کی مالکہ نے انہیں ہریسہ دے کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا ۱ میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا مجھے اشارہ کیا کہ رکھ دو ۲ ایک بلی آئی جو اس میں سے کھاگئی جب حضرت عائشہ نماز سے فارغ ہوئیں تو آپ نے وہاں سے ہی کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔فرمانے لگیں رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں وہ تو تم پر گھومنے والوں سے ہے ۳ اور میں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے تھے ۴ (ابوداؤد)

۱ داؤد ابن صالح مدنی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،ابو قتادہ انصاری کے آزادکردہ غلام ہیں،آپ کی والدہ بھی کسی کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ہریسہ ہرس سے بنا بمعنی سخت کوٹنا عرب کا مشہور حلوہ ہے۔

۲ انگلی سے اشارہ کیایاسر کی حرکت سے نماز میں بوقت ضرورت اتنا ہلکاسا اشارہ جائز ہے۔

۳ اس میں بھی حضرت عائشہ صدیقہ کا اجتہاد ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے جسم کو پاک فرمایا،لعاب یا جوٹھے کا ذکر نہیں کیا۔

۴ یہ جملہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف نہیں کیونکہ اس سے وضو صرف مکروہ تنزیہی ہے۔حضور نے بیان جواز کے لیے کیا اورممکن ہے کہ دوسرا پانی نہ ہونے پر اس سے وضو کیا گیا ہو۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم گدھوں کے جوٹھے سے وضو کرلیں فرمایا ہاں اور اس سے بھی جنہیں تمامی درندوں نے بھی جوٹھا کیا ۱ (شرح سنہ)

۱ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام درندوں کا جوٹھا پاک ہے۔امام اعظم و امام احمد کے ہاں نجس۔امام اعظم کا قول قوی ہے،اور اس حدیث میں تالابوں کاپانی یابہتا ہوا پانی مرادہے جو نجاست پڑجانے سے ناپاک نہیں ہوتا۔جیسا کہ تیسری فصل میں آرہا ہے۔ورنہ یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ کتا و سور بھی درندے ہیں تو چاہیئے کہ ان کا جوٹھا بھی پاک ہو،جب درندوں کے گوشت نجس ہیں تو ان کا جوٹھا بھی نجس ہونا چاہیئے کیونکہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔خیال رہے کہ گدھے کا جوٹھا پاک تو ہے مگر اس کی مطہریت میں شک ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف ہے۔بلا ضرورت اس سے وضو نہ کرے۔اگر دوسراپانی نہ ملے تو وضو بھی کرے،اس کے ساتھ تیمّم بھی۔

	روایت ہے حضرت ام ہانی سے ۱ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ نے اس لگن سے وضو کیا

جس میں گندھے آٹے کا اثر تھا۲(نسائی و ابن ماجہ)	

۱؎آپ کا نام فاختہ یا عاتکہ ہے،علی مرتضی کی حقیقی بہن ہیں،آپ کے گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی،ہُبَیْرَہ ابن ابی وہب کی زوجیت میں تھیں،بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا مگر نکاح نہیں ہوسکا،فتح مکہ کے دن ایمان لائیں،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۵۰ھ؁ کے بعد وفات پائی۔

۲؎یعنی صرف اثر تھا۔پانی اس سے نہ سفید پڑا نہ گاڑھا،ایسے پانی سے بلاکراہت وضو جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت یحیٰی ابن عبدالرحمان سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اس قافلہ میں تشریف لے گئے جن میں حضرت عمرو ابن عاص تھے حتی کہ ایک حوض پر پہنچے تو عمرو نے کہا اے حوض والے کیا تیرے حوض پر درندے ہوتے ہیں؟۱؎ تو حضرت عمر ابن خطاب نے فرمایا اے حوض والے نہ بتانا کیونکہ ہم درندوں پر اور درندے ہم پر آتے ہیں۲؎(مالک)	

۱؎ یعنی اگر درندے اس سے پانی پیتے ہوں تو ہم اس سے نہ وضو وغسل کریں اور نہ پئیں۔انہیں آب قلیل وکثیر کا فرق معلوم نہ تھا۔

۲؎یعنی چونکہ یہ پانی کثیر ہے لہذا کسی جانور کے پی جانے سے نجس نہیں ہوتا اور کسی گندگی کے پڑ جانے سے گندا نہیں ہوتا،تاوقتیکہ پانی کی بو یا مزا اور رنگ گندگی کی وجہ سے نہ بدلے۔یہ حدیث گزشتہ حدیث جابر کی تفسیر ہے،اور امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ کی قوی دلیل ہے۔

اور رزین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ کہا کہ بعض راویوں نے حضرت عمر کے فرمان میں یہ بڑھایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو درندے اپنے پیٹوں میں لے گئے وہ ان کا اور جو بچ رہا وہ ہمارا پانی بھی ہے اور طہارت بھی۱؎	

۱؎اس جملے میں بھی آب کثیر ہی مراد ہے۔لہذا یہ حدیث ہماری دلیل ہے نہ کہ شوافع کی۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مطلق پانی کے لئے ہے تھوڑا ہو یا بہت مگر یہ توجیہ اگلی آنے والی حدیث کے خلاف ہے۔ نیز فصل ثانی کے شروع میں گزر گیا کہ جب پانی دو قلے ہو تو درندوں کے پینے سے ناپاک نہ ہوگا اگر درندوں کا جھوٹا پاک ہے تو وہاں دو قلوں کی قید کیوں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں جن پر درندے کتے اور گدھے سب آتے ہیں ان سے وضو کرنا کیسا فرمایا	

	کہ وہ جو اپنے پیٹوں میں لے گئے وہ ان کا جو بچا وہ ہمارا وہ ہمارے لئے پاک کن ہے۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث گزشتہ کی تفسیر ہے،یعنی جب پانی زیادہ ہو تو درندوں کے پینے سے ناپاک نہ ہوگا۔خیال رہے کہ ان احادیث میں ان حوضوں کی مقدار کا ذکر نہیں۔ہمارے امام صاحب کے ہاں سو۱۰۰ہاتھ مربع پانی کثیر ہے،جس کی دلیل بیر"بالوعہ" کا مسئلہ ہے۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ایک کنوئیں کا حریم دس۱۰ہاتھ ہے کہ اس حدیث میں دوسرا کنواں نہ کھوداجائے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے آپ نے فرمایا کہ دھوپ کے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو اس لئے کہ وہ کوڑھ پیداکرتا ہے۱؎(دارقطنی)

۱؎ یہ اگرچہ فاروق اعظم کا قول ہے،لیکن صحابہ کرام کی موجودگی میں ہے اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا جس سے یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے ہر پانی مراد ہے تھوڑا ہویازیادہ،لہٰذا حوض کا پانی جب دھوپ میں گرم ہوجائے تو اس سے وضو نہ کیا جائے۔

باب تطهير النجاسات

نجاستوں کے پاک کرنے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یہاں نجاستوں سے حقیقی ناپاکیاں مراد ہیں نہ کہ حکمی کیونکہ انکاذکر تو پہلے ہوچکا وضواور غسل کی بحث میں۔چونکہ حقیقی نجاستیں بہت سی قسم کی ہیں۔خفیفہ،غلیظہ وغیرہ اس لئے نجاست جمع فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پی جائے تو اسے سات بار دھوؤ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا تم میں سے کسی کے برتن کی پاکی جب اس میں کتا چاٹ جائے تو اسے ساتھ بار دھوئے پہلی بار مٹی سے۱	

۱ یہی مذہب ہے امام شافعی وغیرہ فقہاء و اکثر محدثین کا کہ کتے کے چاٹنے پر برتن کا سات بار دھونا اور مٹی سے مانجنا ان کے ہاں فرض ہے۔ہمارے امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہے کہ اس کے دھونے میں نہ تعداد مقرر ہے نہ مٹی سے صاف کرنا لازم،بلکہ گندگی کا اثر دور کرنا ضروری ہے کہ مٹی وغیرہ کا برتن جس میں مسام ہوں تین بار دھویا جائے۔تانبہ،شیشہ وغیرہ جس میں مسام نہ ہوں اس کا ایک بار دھونا یا پونچھ دینا کافی ہے۔اس لئے کہ دار قطنی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کتاب برتن چاٹ جائے تو اسے تین بار،پانچ بار،یا سات بار دھوؤ۔نیز ابن عربی نے مرفوعًا روایت کی کہ جب کتا برتن چاٹ جائے تو پانی پھینک دو اور برتن تین بار دھولو۔نیز دار قطنی نے بسند صحیح حضرت عطاء سے روایت کی کہ خود حضرت ابوہریرہ کا یہ عمل تھا جب ان کا برتن کتا چاٹ جاتا تو پانی گرادیتے اور برتن تین بار دھوڈالتے،لہذا سات بار کی حدیث منسوخ ہے اور یہ احادیث مذکورہ ناسخ۔اولًا کتوں کا پالنا ممنوع اور ان کا قتل کرنا واجب تھا،اس ہی زمانہ میں یہ پابندیاں بھی تھیں۔جب ضرورۃً کتا پالنا جائز قرار دیا گیا اور اس کا قتل واجب نہ رہا تو سات بار کا حکم بھی منسوخ ہوگیا،نیز اگر کتا یا سور برتن میں پیشاب کردے تو تین بار دھونا کافی۔کتے کا لعاب تو پیشاب سے بدتر نہیں،لہذا اس میں بھی تین بار دھونا کافی ہونا چاہیئے۔یہ سات کا حکم ایسا ہی ہے جیسے شروع میں شراب کے برتنوں کا توڑ دینا فرض تھا،پھر وہ حکم نہ رہا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کردیا اسے لوگوں نے پکڑلیا اوران سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو۱ اور اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہادو۲	

کیونکہ تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے مشکل میں ڈالنے والے نہیں بھیجے گئے۳ (بخاری)	

۱یعنی اسے نہ مارو پیٹو کیونکہ یہ شرعی احکام سے ناواقف ہے۔اسلام سے پہلے لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اور سب کے سامنے ننگے ہونے کو عیب نہ جانتے تھے،نیزوہ مسجد کے آداب وغیرہ سے بے علم تھے۔معلوم ہوا کہ ناواقف پر سختی نہ کی جائے اسے نرمی سے سمجھایا جائے۔

۲بعض نے فرمایا کہ **سجل** اور **ذنوب** کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ڈول بڑاہو یا چھوٹا۔بعض نے کہا ہے کہ **سجل** بڑے ڈول کو کہتے ہیں،اور **ذنوب** مطلقًا ڈول کو۔خیال رہے کہ یہ **سجل** س کے زبر،ج اور ل کے سکون سے ہے،س اور ج کے زیر اور ل کے شدّ سے **سجل**،بمعنی کاتب و منشی،یونہی **ذنوب** ذ کے زبر سے بمعنی ڈول اور ذ کے پیش سے **ذنب** کی جمع،بمعنے گناہ۔

۳خیال رہے کہ زمین اگرچہ سوکھ کر پاک ہوجاتی ہے لیکن زمین کا دھونا بہت ہی بہتر ہے کہ اس سے گندگی کا رنگ و بو بھی جلدی جاتا رہتا ہے اور اس سے تیمّم بھی جائز ہوجاتا ہے۔اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناپاک زمین بغیر دھوئے پاک نہیں ہوسکتی جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد دھلوانا اس لئے تھا کہ وقت نماز قریب تھا،زمین جلدی سوکھ کر پاک نہ ہوسکتی تھی،نیز مسجد میں پاکی کے علاوہ صفائی بھی چاہیئے اور یہ دھلنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے فرمایا ٹھہر ٹھہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے نہ روکو چھوڑ دو۱لوگوں نے چھوڑ دیا حتی کہ اس نے پیشاب کرلیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلاکر فرمایا کہ یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لیئے نہیں یہ توصرف اللہ کے ذکر نماز اور تلاوت قرآن کے لیئے ہیں یا جیسا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۲فرماتے ہیں کہ قوم کے ایک آدمی کو حکم دیا وہ پانی کا ڈول لایا جسے اس پر بہادیا۔(مسلم،بخاری)	

۱کیونکہ پیشاب بیچ میں روکنے سے سخت بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فن طب سے پورے واقف ہیں اور امت پر بہت رحیم وکریم۔فرمایا مسجد دُھل جائے گی،لیکن اگر یہ بیمار ہوگیاتو اس کو اور ہم کو سخت دشواری ہو گی۔

۲اس میں مبلغین کو طریقۂ تبلیغ کی تعلیم ہے کہ تبلیغ اخلاق اورنرمی سے ہونی چاہیئے۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! فرمایئے تو ہم میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے مل دے پھر پانی سے دھو دے پھر اس میں نماز پڑھ لے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس حدیث سے چندمسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حیض کا خون نجاست غلیظہ ہے اس لئے اس کے دھونے میں مبالغہ کرنا چاہیئےاسی لئے سرکار نے دھونے سے قبل ملنے کا حکم دیا۔دوسرے یہ کہ ناپاک کپڑا دھلتے ہی پاک ہوجاتا ہے اس لئے سوکھنا شرط نہیں۔تیسرے یہ کہ **نضح** کے معنی چھڑکنایاچھینٹا دینا نہیں بلکہ دھونا ہیں کیونکہ حیض کا خون پانی کے چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا،خوب دھویا جاتا ہے،لہذایہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا اس کا دھونا ضروری ہے کیونکہ وہاں بھی لفظ **نضح** ہی آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے منی کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے فرمانے لگیں کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھوتی تھی پس آپ نماز کو تشریف لے جاتے تھے حالانکہ دھونے کا اثر آپ کے کپڑے میں ہوتا۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ ام المؤمنین حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام ہیں،فقیہ،تابعی ہیں،عطاء بن یسار کے بھائی ہیں،۷۳ سال کی عمر پائی ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

۲؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ منی نجس ہے،رینٹ یا تھوک کی طرح پاک نہیں،جیسا کہ شوافع کا خیال ہے ورنہ دھونے کی ضرورت نہ پڑتی۔دوسرے یہ کہ اپنی بیوی سے منی کا کپڑا دھلوانا جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی خدمت ہے۔تیسرے یہ کہ نجس کپڑا دھونے کے بعد ہی پاک ہوجاتا ہے۔چوتھے یہ کہ گیلے کپڑے میں نماز جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت اسود ۱؎اورہمام سے۲؎وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتی ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی تھی(مسلم)

۱؎ آپ کا نام اسود ابن ہلال محاربی نخعی ہے،علقمہ ابن قیس کے بھتیجے ہیں،ابراہیم نخعی کے ماموں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا،دیدار نہ کرسکے،خلفائے راشدین کے ساتھیوں میں سے ہیں،۸۰ حج وعمرے کئے،تاوفات ہمیشہ روزہ دار رہے اور دو شب میں ایک ختم قرآن کرتے تھے، ۸۴ھ میں وصال ہوا۔(مرقاۃ و اشعہ)

۲؎ آپ نخعی تابعی کوفی ہیں، ۶۵ھ میں وفات پائی،حضرت عائشہ صدیقہ و ابن مسعود وغیرہم صحابہ کی زیارت کی۔

	اور علقمہ اسود کی ایک روایت میں حضرت عائشہ سے اسی طرح ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیتے۱؎

۱؎ اس حدیث سے امام شافعی فرماتے ہیں کہ منی پاک ہے کیونکہ یہ انسان کا مادۂ پیدائش ہے،کیسے ہوسکتاہے کہ ایسی پاک چیز ناپاک سے پیدا ہو،ہمارے امام صاحب کے نزدیک منی نجس ہے،ورنہ اس کے نکلنے سے غسل واجب نہ ہوتا،ہاں آسانی کے لئے خشک منی کا مل کرجھاڑدینا کافی ہے،جیسے کہ کھلیان کا گندم جس پر بیل پیشاب پاخانہ کرتے ہیں تقسیم سے پاک ہوجاتاہے،اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گوبراور پیشاب پاک ہو۔یہ بھی ضعیف ہے کہ پاک انسان ناپاک منی سے کیسے بنا،ماں کا دودھ جو انسان کی پہلی غذا ہے حیض کے خون سے بنتا ہے،بلکہ خود منی خون سے بنی ہے تو کیا خون کو بھی پاک کہو گے۔یہ تو خدا کی شان ہے کہ ناپاک کو پاک سے اورپاک کوناپاک سے بناتا ہے۔چنانچہ دارقطنی نے حضرت عمار ابن یاسر سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا اے عمارپانچ چیزوں سے کپڑا دھوؤ:پیشاب،پاخانہ،قے،خون،اور منی۔وہ جو حدیث ابن عباس مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منی تھوک و رینٹ کی طرح ہے جس کا کپڑا یاگھاس سے پونچھ دینا کافی ہے۔اولًا تو وہ حدیث صحیح نہیں اگر صحیح مان لی جائے تو ان احادیث سے مرجوح یا منسوخ ہے کیونکہ اگر اباحت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔(فتح القدیرومرقاۃ واشعہ)

	روایت ہے ام قیس بنت محصن سے۱؎ کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو جو کھانا نہ کھاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں حضور نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کردیاحضور نے پانی منگایا اس پر پانی بہادیا خوب نہ دھویا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ حضرت عکاشہ ابن محصن کی بہن ہیں،قبیلہ بنی اسد سے ہیں،مکہ معظّمہ میں اسلام لائیں،پھر ہجرت کی۔

۲؎ اس حدیث کی بناءپربعض لوگوں نے کہا کہ شیرخوارلڑکے کا پیشاب پاک ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ ناپاک تو ہے لیکن صرف پانی کے چھینٹے سے پاک ہوجاتا ہے،دھونے کی ضرورت نہیں۔ہمارے امام صاحب کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے،دھونا فرض۔یہاں نَضَحَ کے معنی پانی بہاناہےنہ کہ چھینٹا دینا اور لَمْ یَغْسِلْ کے معنی ہیں بہت مبالغہ سے نہ دھویاکیونکہ ایسے لڑکے کا پیشاب پتلا اورکم بدبودار ہوتاہے،ورنہ یہی نَضَحَ حضرت اسماء کی حدیث میں حیض کے خون کے بارے میں آچکا ہے

اگر یہاں اس لفظ سے شیر خوارلڑکے کا پیشاب پاک مانا جائے یا وہاں چھینٹا مانا جائے تو حیض کا خون بھی پاک ماننا پڑے گا اور وہاں چھینٹا کافی ماننا پڑے گا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کھال پکالی جائے تو پاک ہوجاتی ہے[1] (مسلم)

[1] یعنی مردار کی کھال دھوپ میں خشک کرلی جائے یانمک یا کیکر کی چھال چھڑک کر سکھالی جائے تو پاک ہوجائے گی۔انسان اورسور کے سوا تمام کھالوں کا حکم یہی ہے کھال کے دھونے کی ضرورت نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ کی لونڈی کو بکری صدقہ دی گئی وہ مرگئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتارلی تم اسے پکالیتے اور نفع اٹھاتے لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو مردار ہے فرمایا کہ اس کا کھانا صرف حرام ہے[1] (مسلم،بخاری)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کی کھال پکنے سے پاک ہوجاتی ہے،حتی کہ مردار کے بال،سوکھی ہڈیاں،پٹھے پاک ہیں۔سواء کھانے کے اور کام میں لائے جاسکتے ہیں۔دیکھو ہاتھی کادانت اورمری بھینسوں کے سینگ وغیرہ کی کنگھیاں اور کنگن بنائے جاتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا کو ہاتھی کے دانت کے کنگن پہنائے۔

	روایت ہے سودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے فرماتی ہیں کہ ہماری بکری مرگئی ہم نے اس کا چمڑا پکالیا پھرہم اس میں نبیذ بناتے رہے حتی کہ وہ پرانی مشک بن گئی[1] (بخاری)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال اگر پختہ طور پر پکالی جائے تو بھیگ کر بھی ناپاک نہ ہوگی،ہاں اگر صرف دھوپ سے پکائی گئی ہے تو بھیگ کربدبو بھی دے گی اورناپاک بھی ہوجائے گی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت لبابہ بنت حارث سے[1] فرماتی ہیں کہ حضرت حسین ابن علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے کہ آپ کے کپڑے پرپیشاب کردیا[2] میں نے عرض کیا کہ اور کپڑا پہن لیجئے اپنا تہبند مجھے دے دیجئے کہ دھوؤں فرمایا لڑکی کے پیشاب کو خوب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب سے پانی بہادیا جاتا

ہے ۳؎ (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کی کنیت ام فضل ہے، قبیلہ بنی عامر سے ہیں، حضرت میمونہ کی ہمشیرہ اور سیدنا عباس کی زوجہ ہیں، حضرت عباس کی اکثر اولاد آپ سے ہی ہے، بی بی خدیجہ کے بعد سب سے پہلے عورتوں میں آپ اسلام لائیں، عبداللہ بن عباس اور فضل ابن عباس جیسے اسلام کے شہزادوں کی ماں ہیں۔

۲؎ عشاق کہتے ہیں کہ نانا کی گود میں پیشاب کرنا سنت حسین ہے اور نواسے سے اپنے کپڑوں پر پیشاب کرانا سنت رسول اللہ ہے۔ سنا گیا ہے کہ حضرت مجدد سرہندی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرے ایک نواسہ (یعنی بیٹی کا لڑکا) ہوگا اس بچے سے میری قبر پر پیشاب کرادیا جائے پھر قبر دھو دی جائے کیونکہ ساری سنتوں پر میں نے عمل کیا، نواسے سے پیشاب کرالینے کی سنت ادا نہیں ہوسکی، یہ سنت میری قبر پر ادا کرائی جائے۔ سبحان اللہ! فتویٰ عشق کچھ اور ہی ہے۔

۳؎ کیونکہ شیر خوار بچی کا پیشاب بچے کے پیشاب سے زیادہ بدبودار ہوتا ہے، نیز کپڑے پر پھیلتا زیادہ ہے اس لئے معمولی پانی سے دھلتا نہیں، لڑکے کا پیشاب اس کے برعکس ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی خلاف نہیں۔

اور ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ابی سمح سے ہے فرماتے ہیں کہ لڑکی کے پیشاب سے دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹا دیا جاتا ہے ۱؎	

۱؎ یرش حضرت ابوسمح کا اپنا قول ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، وہ اپنے خیال میں **ینضح** کے معنی کررہے ہیں۔ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں **نضح** کے معنی پانی بہانا ہے نہ کہ چھینٹا مارنا۔ خیال رہے کہ ابوسمح کا نام ایاد ہے اور آپ حضور کے آزاد کردہ غلام و خادم ہیں، بعض علماء نے فرمایا کہ چھوٹے لڑکوں کو عموماً والد اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور مجلس میں لے جاتے ہیں اس لئے ان کے پیشاب دھونے میں آسانی کی گئی، لڑکیاں اکثر ماں کی گود ہی میں رہتی ہیں، اس لئے اس کی نرمی کی ضرورت نہ تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب!**

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے پلیدی کو روندے تو مٹی اس کے لیئے پاکی ہے ۱؎ (ابوداؤد) اور ابن ماجہ کی روایت میں اس کے معنی ہیں۔	

۱؎ یہاں نجاست سے سوکھی ناپاکی مراد ہے یعنی اگر جوتے یا چمڑے کے موزے سے سوکھی ناپاکی لگ جائے تو آئندہ چلنے کی وجہ سے وہ الگ ہوجائے گی، نیز اگر گیلی ناپاکی بھی جوتے وغیرہ میں لگ کر سوکھ جائے وہ بھی زمین سے رگڑ کھاکر پاک ہوجاتی ہے مگر تر ناپاکی جب تک کہ تر رہے رگڑ سے پاک نہیں ہوسکتی، نیز غیرول والی نجاست جیسے پیشاب یا شراب اگر جوتے یا موزے میں لگ کر سوکھ جائے تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگا، یہ حدیث مجمل ہے اس کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کرو۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ ان سے کسی عورت نے کہا میرا دامن لمبا ہے اور میں گندی جگہ میں چلتی	

	ہوں آپ بولیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسے بعد والی زمین پاک کردے گی ا (مالک،احمد،ترمذی، ابوداؤد،دارمی)ان دونوں نے کہا کہ وہ عورت ابراہیم ابن عبدالرحمان بن عوف کی ام ولد تھیں۲

ا یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ ابراہیم کی ام ولد مجہول ہیں۔علماءامت کا اس پر اجماع ہے کہ ناپاک کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہوسکتا۔چونکہ یہ حدیث صحت کو پہنچتی ہی نہیں،نیز اجماع امت بھی اس کے خلاف ہے۔لہٰذا احادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں۔اور ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں سوکھی ناپاک مراد ہو یعنی اگر کپڑے سے سوکھا گوبر وغیرہ لگ گیا تو آگے جاکر جدا ہوجائے گا کپڑا پاک ہوجائے گا۔

۲ ان کا نام حُمَیۡدَہۡ تھا ان کے حالات زندگی کا پتہ نہیں ملا۔

	روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے ا فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال پہننے اور اس پر سوار ہونے سے منع فرمایا ۲(ابو داؤد،نسائی)

ا مشہور صحابی ہیں،اہل شام سے ہیں،قبیلہ بنی کندہ سے ہیں،شامیوں کا وفد اسلام لانے کے لئے جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اس میں آپ بھی تھے،حمّص میں قیام رہا، ۸۷ھ میں شام میں وفات پائی۔

۲ اس لئے نہیں کہ وہ نجس ہیں بلکہ اس لئے کہ اس سے تکبروغرور پیدا ہوتا ہے اور یہ ممانعت تنزیہی ہے۔درندوں کی کھال پر سوار ہونا،بیٹھنا،ان کی پوستین پہننا وغیرہ سب مکروہ وتقویٰ کے خلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی الملیح ابن اسامہ سے وہ اپنے والد سے ا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے درندوں کی کھالوں سے منع فرمایا ۲ (احمد،ابوداؤد،نسائی)اور ترمذی اور دارمی نے یہ بڑھایا یہ کہ بچھایا جائے۔

ا آپ کا نام عامر ابن اسامہ ابن عمیر ہے،ہُزلی ہیں،جلیل الشان تابعی ہیں،آپ کے والد اسامہ صحابی ہیں۔

۲ اس کی شرح پہلی حدیث میں گزر چکی،یعنی ان پر بیٹھنے،سوار ہونے،پہننے سے منع فرمایا اور ممانعت تنزیہی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی الملیح سے کہ انہوں نے درندوں کے چمڑوں کی قیمت کو ناپسند جانا ا(ترمذی)

ا پکانے سے پہلے،کیونکہ وہ نجس ہے اس کی بیع جائز نہیں یا پکانے کے بعد بھی۔اس صورت میں یہ ابوالملیح کا اپنا مذہب ہے۔تمام آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔یہ روایت ترمذی کی ہے مگر مصنف کو نہ ملی اس لیے انہوں نے یہاں سفیدی چھوڑ دی ہے۔

	اور روایت ہے عبداللہ ابن عکیم سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا کہ تم نہ مردار کی کھال سے نفع اٹھاؤ نہ پٹھے سے ۲؎۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں کہ حضور کا زمانہ پایامگر ملاقات نہ کرسکے،قبیلہ بنی باہلہ سے ہیں یا جہنیہ سے،حضرت عمر فاروق،ابن مسعود،حضرت حذیفہ سے ملاقات ہے،کوفہ میں قیام رہا۔

۲؎ کچی کھال کو اہاب کہتے ہیں اور پکی کو جلد۔مردار کی کچی کھال بھی نجس ہے اور پٹھا بھی کہ نہ اس سے نفع لیناجائز نہ اس کی تجارت حلال۔پکانے اور خشک کرنے کے بعد سب کچھ جائز ہے کہ مردار کا سینگ،ناخن وغیرہ جن میں زندگی کا اثر نہیں ہوتا اورجن کے کاٹنے سے اسے تکلیف بھی نہیں ہوتی ان سے نفع اٹھانا مطلقًا جائزہے،یہی تمام آئمہ کا مذہب ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کی کھالوں سے نفع حاصل کرنے کا حکم دیا جب پکالی جائیں ۱؎(مالک،ابوداؤد)

۱؎ یہ حکم اباحت اور اجازت کا ہے نہ کہ وجوب کا۔مردار سے مراد خنزیر اور انسان کے سوا باقی حیوانات ہیں۔خیال رہے کہ مردار کی کھال تو پک کر پاک ہوتی ہے،لیکن ذبح شدہ جانور کی کچی کھال بھی پاک ہے،جانورحلال ہویاحرام حدیث بالکل صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت میمونہ سے فرماتی ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ حضور پر گزرے جو اپنی مری بکری کو گدھے کی طرح کھینچ رہے تھے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال لے لی ہوتی وہ بولے کہ یہ تو مردار ہے ۱؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پانی اور ببول کے پتے پاک کردیتے ہیں ۲؎(احمدوابوداؤد)

۱؎ انکا یہ خیال تھا کہ قرآن پاک کا فرمان "حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃُ"مرادکی ہرچیزکو شامل ہے کہ نہ اس کا کھاناجائزاور نہ اس کی کسی چیز کا استعمال کسی طرح حلال،اس خیال پر وہ اسے پھینکنے کے لئے جارہے تھے۔معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کی سمجھ ناممکن ہے۔

۲؎ خیال رہے کہ کھال کی پاکی کے لئے دھونا فرض نہیں لہذایہاں پانی سے مراد کچی دباغت ہے یعنی دھوکر سکھا لینا،اور ببول کی پتے اور چھال سے مرادپکی دباغت ہے،اور ہوسکتا ہے کہ پانی سے مراد دھونا ہی ہو،اور حکم استحبابی ہویعنی کھال دھوکرپکانابہت بہترہے۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن محبق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک میں ۲؎ ایک کے گھر تشریف لے گئے وہاں مشک لٹکی ہوئی تھی آپ نے پانی مانگا وہ بولے یارسول اللہ یہ مردار کی کھال ہے فرمایا اس کا پکالینااس کی پاکی ہے ۳؎ (احمدوابوداود)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،شام کے رہنے والے۔بعض لوگوں نے **محبق** کی ب کو زیر پڑھا ہے مگر صحیح فتح ہے۔آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایت لی ہیں۔

۲؎ تبوک مدینہ منورہ اورشام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے،غزوۂ تبوک ۹ھ میں ہوا یہ حضور کا آخری باقاعدہ غزوہ ہے۔

۳؎ ان لوگوں نے اپنے خیال میں اس مشک کو ناپاک خیال کیاہواتھا اور اس کا پانی پیتے نہ تھے بلکہ گارے وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔حضور نے ارشادفرمایا کہ یہ پکنے سے پاک ہوچکی ہےاس کا پانی پینا جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے بنی عبدالاشہل کی ایک بی بی صاحبہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارا مسجد کا راستہ غلیظ ہے جب بارش ہو تو ہم کیا کریں ۲؎ فرمایا کیااس کے بعد اس سے اچھا راستہ نہیں ہے میں بولی ہاں فرمایا تو وہ اس کے بدلے میں ہے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ان بی بی صاحبہ کا نام نہ معلوم ہوسکانہ حالات زندگی مگر چونکہ صحابیہ ہیں لہذا یہ بے علمی مضر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں،رب فرماتا ہے :"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"۔

۲؎ یعنی خشک زمانہ میں وہاں گزرنا بھی آسان اور اس کی گندگی جوتوں کو لگتی بھی نہیں مگر بارش میں گندگیاں جوتوں کو لگ جاتی ہیں اس صورت میں جوتے ناپاک ہوں گے یا پاک۔

۳؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ اگر جسم والی تر نجاستیں جوتے یا چمڑے کے موزے کو لگ جائیں تو وہ خشک مٹی سے رگڑ کر پاک ہوجاتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔پیشاب،پتلی نجاستیں بغیر دھلے پاک نہیں ہوسکتیں،نیز کرتے کے دامن یا پائجامہ بغیر دھلے پاک نہ ہوں گے۔لہذا یہ حدیث واضح ہے فقہی مسئلہ اس کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ننگے پاؤں چلنے سے وضو نہ کرتے تھے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ پاؤں ہی نہ دھوتے تھے،کیونکہ اس میں نجاست نہ لگی ہوتی تھی۔صرف ننگے پاؤں چلنااور اس میں گردو غبار لگ جانااسے نجس نہیں کردیتا۔دوسرے یہ کہ اگر پاؤں نجس بھی ہوجاتے تو صرف پاؤں دھولیتے تھے وضو نہ کرتے تھے کیونکہ وضو حدث سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی عضو میں ظاہری گندگی لگ جانے سے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے لیکن صحابہ اس کی وجہ سے مسجد نہ دھوتے تھے ۱؎(بخاری)	

۱؎ اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ کتے کا جسم سوکھا ہو یا گیلا نجس نہیں اور اس کے مسجد میں آجانے کی وجہ سے زمین گندی نہ ہوگی،ہاں کتے کا لعاب ناپاک ہے یا کتا نجاست میں بھیگا ہو تب اس کا جسم ناپاک۔خیال رہے کہ اس حدیث میں اسلام کے ابتدائی حالات کا ذکر ہے۔جب مسجد نبوی میں نہ دروازہ تھا نہ کوئی آڑ اور نہ مسجد کے احترام کے اتنے سخت احکام تھے،پھر بعد میں مسجد میں دروازے بھی لگائے گئے،کتا تو کیا وہاں نہ سمجھ بچوں کا لانا،نجس کپڑے پہن کر آنا حتّٰی کہ جس کے بدن سے بو آرہی ہو،یا جس نے کچا پیاز اور لہسن کھایا ہو،یا منہ میں بدبو ہو ان کا داخلہ تک منع کردیا گیا،جیسا کہ "**باب المساجد**" میں اس قسم کی بہت سی احادیث آئیں گی۔لہٰذا اس حدیث کو دیکھ کر اب مسجدوں کو بے آڑ رکھنا یا وہاں ہر گندے اور ناپاک کو آنے دینا درست نہیں،ہاں حکم یہی ہے کہ اگر اتفاقًا مسجد میں کتا گھس جائے جس کے جسم پر تر ناپاکی نہ ہو تو اسکو دھونا واجب نہیں۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں جس کا گوشت کھایا جائے۔	

اور جابر کی روایت میں ہے کہ جس کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب سے کوئی حرج نہیں ۱؎	

۱؎ یعنی حلال چرندوں کا پیشاب پاک ہے۔اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک مانا مگر ہمارے امام صاحب کے ہاں ناپاک ہے،انکی دلیل وہ حدیث ہے جو باب "**عذابِ قبر**" میں گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب کی چھینٹوں سے بچو کہ عمومًا عذابِ قبر اس سے ہوتا ہے۔اور جسکی قبر پر کھجور کی تر شاخ گاڑھی تھی اس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اونٹوں کا چرواہا تھا۔اس میں حرج سے مراد سخت حرج ہے یعنی جیسے حرام جانوروں کا پیشاب نجاست غلیظہ ہوتا ہے کہ ایک درہم کی بقدر لگنے سے کپڑا نجس ہوجاتا ہے،ایسا حلال جانوروں کا پیشاب نہیں بلکہ وہ نجاست خفیفہ ہے کہ چہارم کپڑا آلودہ ہو تو ناپاک ہوگا۔لہٰذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔عرینہ والوں کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹوں کا پیشاب کی اجازت دی،اس کی تحقیق اسی حدیث کے ماتحت کی جائے گی۔ان شاء اللہ یہاں صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ سخت ضرورت کے موقع پر دواءً حرام چیز کا استعمال جائز ہے۔

باب المسح علی الخفین

موزوں پر مسح کرنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ وضو کُل ہے اور مسح جز،نیز موزے کا مسح پاؤں دھونے کا نائب ہے اس لیے اس باب کو وضو کے بعد لائے۔خیال رہے کہ مسح موزے پر ہوتا ہے نہ کہ موزے میں،نیز چمڑے کے موزے پر مسح ہوگا نہ کہ باریک کپڑے یا سوت کے اس لیئے مصنف نے عَلٰی اور خُفَّین ارشاد فرمایا۔خیال رہے کہ موزے کا مسح اشارۃً قرآن شریف سے اور صراحۃً بے شمار احادیث سے ثابت ہے،لہذا اس کا انکار گمراہی ہے۔حضرت انس سے پوچھا گیا کہ اہل سنت کی علامت کیا ہے،فرمایا"تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ وَحُبُّ الْخَتَنَیْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّیْنِ"۔خواجہ حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی سب موزوں پر مسح کے قائل تھے۔امام کرخی فرماتے ہیں کہ مسح کے منکر کے کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ موزے کا مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے۔خیال رہے کہ ابن عباس و عائشہ صدیقہ نے اولًا اس مسح کا انکار کیا تھا،پھر تمام صحابہ کی موافقت فرمائی،حضرت عائشہ صدیقہ بھی مسح کی قائل ہیں۔وہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ فرماتی ہیں میرا پاؤں کٹ جائے تو اچھا موزے پر مسح کرنے سے،یہ محض غلط اور بناوٹی ہے۔

روایت ہے حضرت شریح ابن ہانی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالب سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا ۲؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیئے تین دن رات اور مقیم کے لیئے ایک دن رات مقرر فرمائی ۳؎ (مسلم)	

۱؎ آپ تابعی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں پیدا ہوچکے تھے،آپ کے والد ہانی صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابو شریح رکھی،حضرت علی مرتضٰی کے مخصوص ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ کا سوال مدت مسح کے متعلق تھا نہ کہ طریقۂ مسح یا دلائل مسح کے متعلق،جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی مسافر بحالت سفر ایک بار موزے پہن کر مسلسل تین دن و رات مسح کرسکتا ہے۔اور مقیم ایک دن و رات۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں کہ علی مرتضٰی نے اس مدت کی تعیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی۔دوسرے یہ کہ مدتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اول سے آخر تک ایک حال پر رہیں،یعنی مثلًا پہنتے وقت بھی مقیم ہوں اور آخر تک مقیم رہیں۔اگر پہنتے وقت تو مقیم تھا مگر مدت ختم ہونے سے پہلے مسافر ہوگیا تو اب مسافر کی مدت پوری کرے گا۔یوں ہی مسافر اگر مقیم ہوجائے تو مقیم کی مدت پوری کرے۔تیسرے یہ کہ مسح کی مدت حدث کے وقت سے شروع ہوگی کہ نہ پہننے کے وقت سے،نہ مسح کے وقت سے۔چوتھے یہ کہ شرعًا مسافر وہ ہے جو تین دن کی راہ کا

سفر کرے اس سے کم سفر سے مسافر نہ ہوگا۔ورنہ ایک دن مسافت کا مسافر اس حدیث پر عمل نہیں کرسکتا،حالانکہ حدیث ہرمسافر کو عام ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"**جاءالحق**"حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی مغیرہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن فجر سے پہلے پاخانے گئے میں آپ کے ساتھ ایک برتن لے گیا۱؎ جب واپس آئے تو آپ کے ہاتھ شریف پر برتن سے پانی ڈالنے لگا آپ نے اپنا ہاتھ اورمنہ دھویا۲؎ آپ پر اونی جبہ تھا آپ کہنیوں سے چڑھانے لگے لیکن جبے کی آستین تنگ تھی ۳؎ تو آپ نے اپنے ہاتھ شریف جبے کہ نیچے سے نکالے اور جبہ اپنے کندھوں پرڈال لیا ۴؎ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے،پھر پیشانی اورپگڑی پر مسح کیا۵؎ پھر میں نے آپ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا فرمایا انہیں رہنے دوکیونکہ میں نے انہیں پاکی پر پہنا ہے۶؎ پھر ان پر مسح فرمالیا،پھرآپ سوار ہوئے اور میں بھی ہم قوم تک پہنچے جونماز کے لیئے کھڑے ہوچکے تھے انہیں عبدالرحمان ابن عوف نماز پڑھا رہے تھے ایک رکعت پڑھا چکے تھے ۷؎ جب انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا۸؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکعت پائی جب انہوں نے سلام پھیرا تو حضور انور کھڑے ہو گئے میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوگیا جو رکعت رہ گئی تھی ہم نے پڑھ لی ۹؎(مسلم)

۱؎ تاکہ حضور پانی سے استنجاء اور وضو کریں۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت کے لیے حاضر رہنا اور بغیر حکم کے تیاریٔ خدمت کرنا سنت صحابہ ہے اورنماز کی تیاری وقت نماز سے پہلے سنت ہے۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وضو میں دوسرے سے مدد لینا سنت سے ثابت ہے۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کو اس طرح وضوکرانا کہ لوٹا خادم کے ہاتھ میں ہوسنت صحابہ ہے۔خیال رہے کہ یہاں کلی اور ناک میں پانی کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ دونوں چہرے میں داخل ہیں۔

۳؎پشمینہ اور انکے لباس پہنناجوکہ صوفیائے کرام کا طریقہ ہے،اسی لئے انہیں صوفی کہا جاتا ہے(صوف والے)۔اس کا ماخذ یہ حدیث ہے حضور کی آستین خوب کشادہ ہوتی تھیں یہ تنگ آستینوں والا جبہ کسی جہاد میں غنیمتًا آیا ہوگا۔یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہواکفار کے بنائے ہوئے کپڑے اور دوسرے ملک کی وضع کا لباس پہننا جائز ہے،ان کپڑوں پرخوامخواہ ناپاک ہونے کا وہم نہ کرو۔حضرت عمر فاروق نے حَبِرہ کے حلے پہننے سے ممانعت فرمائی اورفرمایاسناگیاہے کہ وہ لوگ کپڑے پیشاب سے دھوتے ہیں،ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ عہدنبوی میں یہ جوڑے ہم نے بھی پہنے ہیں اورحضورنے بھی تب آپ نے اپنا حکم واپس لیا۔دوسری قوم کا لباس پہننا جائز ہے۔بشرطیکہ وہ کفاریافساق کی علامت نہ ہو۔

۴؎نیچے قمیض اورتہبند بھی تھا،ورنہ بے پردگی ہوتی۔اس سے معلوم ہواکہ بیک وقت کرتہ واسکٹ اچکن وغیرہ چند کپڑے پہنناجائزہے۔

۵؎پیشانی سے مراد سر کا اگلا چوتھائی حصہ ہے کہ یہ عمومًا پیشانی کی بقدرہی ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حضور ہمیشہ پورے سر کا مسح ہی کرتے تھے۔چہارم سر کا مسح اس حدیث سے ثابت ہے یہ فرض اور وہ سنت۔سرکار نے عمامہ پر مسح نہیں کیا تھا،بلکہ اسے پکڑا تھا تاکہ گر نہ جائے،حضرت مغیرہ اسے مسح سمجھے۔لہٰذا یہ حدیث حضرت جابررضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ آپ نے فرمایا عمامہ پر مسح جائز نہیں۔جب تک کہ سر پر ہاتھ نہ پھیرا۔(مرقاۃ)

۶؎یعنی پہلے وضو کرلیا،پھر موزے پہنے ہیں۔خیال رہے کہ اگر کوئی شخص پہلے پاؤں دھو کر موزے پہن لے پھر وضو کے باقی اعضاء دھوئے تب بھی جائز ہے۔اس حدیث سے یہی ثابت ہورہا ہے کہ فرمایا موزے پہنتے وقت میرا پاؤں پاک تھے۔یہ نہ فرمایا کہ میں باوضو تھا۔

۷؎یہ اس لئے ہوا کہ جماعت صحابہ کو خیال گزرا کہ حضور نے اورجگہ نمازپڑھ لی ہوگی کیونکہ سرکار ان سے دور تھے اور حالت سفر کی تھی،ورنہ صحابہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نماز نہ پڑھتے تھےاگرچہ وقت تنگ ہوتا،جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے۔

۸؎کہ پیچھے نہ ہٹو نماز پڑھاتے رہو۔اس سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صحابہ کرام عین نماز کی حالت میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ کا خیال رکھتے تھے۔دوسرے یہ کہ صحابہ نماز میں حضور کا ادب کرتے تھےجس سے ان کی نماز ناقص نہ ہوتی،بلکہ کامل ترہوجاتی تھی۔تیسرے یہ کہ اگر عین جماعت نماز کی حالت میں حضورتشریف لے آئیں تو موجودہ امام کی امامت منسوخ ہوگئی اوراس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام ہوں گے ورنہ حضرت عبدالرحمان پیچھے ہٹنے کی کوشش نہ کرتے۔چوتھے یہ کہ اس امام کو اگرحضور امامت کا حکم دیں تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوکرامامت کرے گا۔پانچویں یہ کہ افضل کی نماز مفضول کے پیچھے جائز ہے۔خیال رہے کہ حضور نے صرف یہ ایک رکعت دوسرے کے پیچھے پڑھی ہے باقی تمام نمازیں پڑھائی ہیں کسی کے پیچھے پڑھی نہیں،ایسا ہی واقعہ صدیق اکبر کو بھی پیش آیا تھاحضورنےانہیں اقامت پر قائم رہنےکااشارہ کیاتھا مگرصدیق اکبرنہ مانےاور مقتدی بن گئے وہ صدیق اکبرکا ادب تھا اوریہ حضرت عبدالرحمان کی فرمانبرداری،دونوں اللہ کے پیارے ہیں مگر صدیق صدیق ہی ہیں۔

۹؎اس سے معلوم ہوا کہ مسبوق اپنی باقیماندہ رکعت ادا کرنے کے لئے امام کے دو طرفہ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوا جیسا کہ "فَلَمَّا سَلِمَ" سے معلوم ہوا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو بکرہ سے ۱؎ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے مسافر کو تین دن ورات کو اور مقیم کو ایک دن ورات تک موزوں پر مسح کی اجازت دی جب کہ پاک ہو کر پہنے ہوں ۲؎ اثرم نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ اور دار قطنی نے۔اور خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یوں ہی منتقی میں ہے ۳؎	

۱؎ آپ کا نام شریف نفیع ہے، ثقفی ہیں، مشہور صحابی ہیں، غزوۂ طائف میں ایمان لائے، آخر عمر شریف میں بصرہ میں قیام رہا، ۴۹ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲؎ اس کی پوری شرح اور اس سے مسائل کا استنباط پہلے گزر چکا۔عام علماء کا یہی قول ہے کہ مسافر تین دن سے زیادہ اور مقیم ایک دن سے زیادہ مسح نہیں کر سکتے۔ہاں حنفیوں کے نزدیک یہ مدت حدث کی وقت سے شروع ہو گی۔

۳؎ منتقی ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب ہے۔(مرقاۃ) شیخ فرماتے ہیں کہ یہ خطابی کی تصنیف ہے۔

روایت ہے حضرت صفوان ابن عسال ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو تین دن رات موزے نہ اتاریں ۲؎ مگر جنابت سے لیکن پاخانہ پیشاب اور نیند سے (موزے نہ اتاریں) ۳؎ (ترمذی،نسائی)	

۱؎ مشہور صحابی ہیں، قبیلہ بنی مراد سے ہیں، کوفہ میں قیام رہا، حضور کے ساتھ بارہ غزووں میں شریک رہے۔

۲؎ یہ حکم اجازت کا ہے نہ کہ وجوبی، کیونکہ مسافر کو تین دن تک مسح کرنا جائز ہے۔

۳؎ یعنی حدث اصغر میں موزوں کا مسح درست اور حدث اکبر میں ناجائز، غسل میں پاؤں دھونا ہی فرض ہیں۔اس عبارت میں عجیب لطف ہے کہ اِلَّا نے نفی توڑ کر ثبوت کیا، پھر لٰکِنْ نے اِلَّا کا ثبوت توڑ کر نفی پیدا کی، اس پر نحویوں نے معرکۃ الآرا بحثیں کی ہیں۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا تو آپ نے موزے کے اوپر نیچے مسح فرمایا ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ) ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے اور میں نے ابوزرعہ اور محمد یعنی امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو ان بزرگوں نے فرمایا کہ صحیح نہیں یوں ہی ابوداؤد نے اسے ضعیف فرمایا ۲؎	

۱؎ یہ حدیث ضعیف ہے،اور ان احادیث کے خلاف ہے جن میں صرف اوپر کے مسح کا ذکر ہے،لہذا لائق عمل نہیں،مسح صرف موزے کے اوپر ہوگا نہ کہ نیچے،جیسا کہ اگلی احادیث میں آرہا ہے۔یہی ہمارے امام صاحب کا مذہب ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تلوہ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا ہو اور داہنے ہاتھ سے اوپر مسح کیا ہو دیکھنے والے سمجھے کہ آپ نیچے بھی مسح کررہے ہیں۔

۲؎ اس حدیث کے ضعف کی دو وجہیں ہیں:ایک یہ کہ اس کی اسناد حضرت مغیرہ تک متصل نہیں،بلکہ اس کے راوی وَرّاد ہیں،یعنی حضرت مغیرہ کے غلام۔دوسرے یہ کہ اس کی اسناد میں ثور ابن یزید،رجا ابن حَیْوَہ جیسے راوی ہیں،اور ثور کی ملاقات رجا سے ثابت نہیں،نیز یہ حدیث حضرت مغیرہ کی اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں فقط اوپر کا ذکر ہے،لہذا حدیث میں اضطراب بھی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یہ حدیث صحیح بھی ہے اور متصل بھی اس میں صرف ظاہر موزہ کا ذکر ہے نیچے کا نہیں،یہی ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور پاتابوں پر مسح کیا ۱؎(احمد ترمذی ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اونی یا سوتی موزوں کو جراب کہا جاتا ہے۔ان پر مسح تین صورتوں میں جائز ہے:ایک یہ کہ بہت موٹے ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہر جائیں،چلنے پھرنے سے ڈھلک نہ جائیں۔دوسرے یہ کہ اس کے صرف تلے میں چمڑا سلا ہو جسے منعّل کہتے ہیں۔تیسرے یہ کہ اس کے ظاہری قدم پر بھی چمڑا سلا ہو جسے مجلد کہتے ہیں۔یہاں پہلی صورت کی جرابیں مراد ہیں یعنی موٹی نعلین سوتی پاتابے کہلاتے ہیں جو جرابوں پر ان کی حفاظت کے لیے پہنے جاتے ہیں۔اگر یہ باریک ہوں کہ مسح کی تری جراب تک پہنچ جائے تو ان پر مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت مغیرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ بھول گئے فرمایا بلکہ تم بھول گئے مجھے میرے رب عزوجل نے اسی کا حکم دیا ۱؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ چونکہ حضرت مغیرہ نے اس سے پہلے موزوں کا مسح نہ دیکھا تھا،اس لیے یہ سوال کیا اور بزرگوں کی طرف بھول کی نسبت کرنا خود اپنی غلطی اور بھول ہے،اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم طریقۂ ادب بھول گئے۔اس حدیث کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ موزوں پر مسح قرآن شریف سے بھی ثابت ہے،کیونکہ "وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیۡنِ"

میں ایک قرات اَرْجُلُ کے لام کے کسرہ سے بھی ہے اور عام قرات فتح سے۔مطلب یہ ہوا کہ موزے پہنے ہوں تو مسح کرو،نہ پہنے ہوں تو دھولو۔اور ممکن ہے کہ یہاں اللہ کا حکم سے مراد وحی خفی ہو۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے[1] (ابوداؤد)دارمی نے اس کے معنی کی روایت کی۔

[1] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ موزوں کے صرف ظاہر پر مسح ہوگا نہ کہ تلے پرجیساکہ ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔دوسرے یہ کہ اگر عقل حکم شرع کے خلاف ہو تو عقل مردود ہے،اور حکم شرع مقبول۔دیکھو حضرت علی کی عقل کہتی تھی کہ موزے کے نیچے مسح ہونا چاہیئے کیونکہ زمین سے وہی حصہ لگتا ہے اور گندگی سے وہی قریب رہتا ہے مگر حکم شرعی کے مقابل آپ نے اپنی رائے چھوڑدی۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو میں پیشاب سے غسل واجب کرتا اور منی سے وضو کیونکہ پیشاب بالاتفاق نجس ہے اور منی بعض علماء کے ہاں پاک بھی ہے۔اورمیں لڑکی کو لڑکے سے دگنی میراث دیتاکیوں کہ لڑکی کمزور ہے۔(مرقاۃ)

باب التیمم

تیمم کاباب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تیمّم لغت میں قصد اور ارادے کو کہتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ "۔شریعت میں پاکی کی نیت سے زمین پر دوبار ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر پھیرنے کو تیمّم کہتے ہیں۔تیمّم جنابت سے بھی ہوتا ہے اور بے وضو سے بھی،دونوں کا طریقہ ایک ہی ہے صرف نیت میں فرق ہے،تیمّم صرف جنس زمین سے ہوسکتا ہے۔جنس زمین وہ ہے جو زمین سے پیدا ہو اور آگ میں نہ گلے،نہ راکھ بنے،اس کے مسائل فقہ میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم کو دوسروں لوگوں پر تین چیزوں سے بزرگی دی گئی ۱؎ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح کی گئیں ۲؎ ہمارے لیئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ۳؎ اور جب پانی نہ پائیں تو اس کی مٹی پاک کرنے والی کردی گئی ۴؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی یہ تین چیزیں وہ ہیں جو ہماری امت کو ملیں ہمارے سوا کسی کو ان میں سے ایک بھی نہ ملی۔خیال رہے کہ یہ تین حصر کے لیے نہیں کیونکہ اس امت کی اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں۔

۲؎ یعنی نمازوں کی صفیں جماعت میں اور غازیوں کی صفیں میدانِ جہاد میں ایسی اعلیٰ اور افضل ہیں جیسے مقرب فرشتوں کی صفیں بارگاہِ الٰہی میں بوقتِ عبادت۔

۳؎ کہ ہر جگہ نماز ہوسکتی ہے،پچھلی امتوں کی نمازیں صرف گرجوں اور کنیسوں ہی میں ہوسکتی تھیں،زمین میں،پہاڑ،دریائی اور ہوائی جہاز وغیرہ سب داخل ہیں۔خیال رہے کہ روڑی،قبرستان،بت خانہ،مذبحہ وغیرہ میں نماز درست نہیں۔مگر یہ ایک عارضہ کی وجہ سے ہے اگر یہ عارضہ ہٹ جائے تو نماز درست،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۴؎ پانی نہ پانے سے مراد اس کے استعمال پر نہ قادر ہونا ہے،خواہ اس لیے کہ پانی موجود نہ ہو یا اس لیے کہ موجود تو ہو،مگر دشمن یا موذی کی وجہ سے استعمال نہ کرسکے۔مٹی سے مراد جنس زمین کی ہر چیز ہے۔ریتا،پتھر،کان کا نمک،پتھری،کوئلہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت عمران سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ	

	نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا جو الگ تھا قوم کے ساتھ نماز نہ پڑھی فرمایا اے فلاں تجھے قوم کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روکا۱؎ عرض کیا مجھے جنابت پہنچی اور پانی ہے نہیں تو فرمایا تیرے لیے مٹی ہے۲؎ وہ تجھے کافی ہے۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی تو نے جماعت کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟اس عتابانہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نماز سے علیحدہ بیٹھا رہنا برا ہے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ جو جماعت سے نماز نہ پڑھ سکے وہ جماعت اولیٰ کے وقت جماعت کی جگہ نہ بیٹھے کہ اس میں جماعت سے روگردانی ہے بلکہ وہاں سے چلا جائے۔

۲؎ امام شافعی یہاں **صعید** کے معنی مٹی کرتے ہیں،ان کے نزدیک تیمّم صرف مٹی سے ہوسکتا ہے۔امام اعظم و امام مالک **صعید** کے معنی روئے زمین کرتے ہیں(**مَاصَعِدَ عَلَی الْاَرْضِ**)،اس لئے ان دو بزرگوں کے ہاں ہر جنس زمین سے تیمّم جائز۔ان دو بزرگوں کی دلیل بخاری شریف کی حدیث جابر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"**وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًاوَّطُھُوْرًا**"اس میں ہر قسم کی زمین کو مطہر قرار دیا گیا۔بخاری شریف کی یہ حدیث "**صعید**"اور پچھلی حدیث جس میں"**تربت**" کا ذکر ہوا،کی تفسیر ہے۔

۳؎ غالبًا ان صاحب کو تیمّم کا طریقہ آتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ تیمّم جنابت سے بھی ہوجاتا ہے،اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طریقہ نہ بتایا۔

	روایت ہے حضرت عمار سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر ابن خطاب کی خدمت میں آیا اور وہ بولا کہ میں جنبی ہوجاتاہوں اور پانی پاتانہیں۱؎ تب حضرت عمار نے عرض کیا کہ اے امیرالمؤمنین کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اورآپ سفر میں تھے آپ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں خوب لوٹا پھر نماز پڑھ لی۲؎ پھر میں نے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیاتوفرمایاکہ تم کو یہ کافی تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونکا۳؎ پھر انہیں منہ اور ہاتھ پر پھیر لیا۴؎(بخاری)اور مسلم میں اسی کی مثل ہے اس میں یہ بھی ہے کہ تمہیں یہ کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارتے پھر پھونک لیتے پھر انہیں اپنے منہ اور ہاتھوں پر

	پھیر لیتے۵

۱؎تو کیا کروں؟آپ نے جواب دیا نماز نہ پڑھو جب تک کہ پانی نہ ملے اس لئے کہ تیمّم صرف وضو کے موقعہ پر ہوسکتا ہے۔(مرقاۃ) یا آپ جواب سے خاموش رہے کیونکہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔(اشعۃ اللمعات)خیال رہے کہ حضرت عمرو ابن مسعود جنابت تیمّم کے قائل نہ تھے،حضرت ابن مسعود نے مسئلہ معلوم ہونے پر اس سے رجوع کرلیا لیکن عمر فاروق نے توقف کیا۔

۲؎یعنی سفر میں مَیں اور آپ جنبی ہوگئے پانی تھا نہیں تیمّم کا مسئلہ کسی کو معلوم نہ تھا آپ نے تو پانی کے انتظار میں نماز ہی نہ پڑھی اور میں نے تیمّم غسل کو غسل پر قیاس کیا اور تمام جسم پر مٹی لگائی۔اس سے معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں ضرورت کے وقت صحابہ کرام قیاس کرتے تھے،نیز کبھی قیاس میں غلطی بھی کرجاتے تھے لیکن حضور انہیں غلطی پر ملامت نہ فرماتے تھے بلکہ اصلاح فرمادیتے تھے،چونکہ خطاء اجتہادی پر گرفت نہیں۔

۳؎تاکہ تیمّم میں چہرے پر مٹی نہ لگ جائے کیونکہ تیمّم کا مقصد پاکی ہے نہ کہ چہرہ لیتھڑ کر سادھو بن جانا اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ فیشن کے لئے چہرے پر پوڈر وغیرہ ملنا ناجائز ہے،کہ یہ مثلہ ہے یعنی چہرہ بگاڑنا۔

۴؎اس ظاہری معنی کی بناء پر امام احمدواوزاعی تیمّم میں ایک بار ہی ہاتھ مارتے ہیں،لیکن پہلے بھی گزر گیا اور آئندہ بھی آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم میں دوبارزمین پر ہاتھ مبارک مارے اور اسی کا حکم بھی دیا،لہذا یہاں مراد نہیں بلکہ بیانِ نوعیت ہے،یعنی جنابت کے تیمّم میں زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں صرف مٹی پر ہاتھ مارکر چہرے وہاتھوں پر پھیرلینا کافی ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ ہو،نیز یہاں **کفین** سے مراد ہتھیلیاں یا کلائیاں نہیں بلکہ کہنیوں تک پورے ہاتھ ہیں جیساکہ دیگر احادیث میں ہے یہ حدیث مجمل ہےاور وہ احادیث اس کی تفصیل۔کبھی یَدْ بول کر کلائیاں مراد لیتے ہیں جیسے"**فَاقْطَعُوْۤا اَیۡدِیَهُمَا**"۔

۵؎ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرکے بھی دکھایا ہو اور فرما بھی دیا ہو،لہذا ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں،بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر فاروق کو یہ واقعہ یاد نہ آیا اورحضرت عمار سے کہا اے عمار خدا سے ڈرو۔

	روایت ہے حضرت جہیم ابن حارث ابن صمّہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا جب کہ آپ پیشاب کررہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ آپ دیوار کی طرف گئے اسے لاٹھی سے جو آپ کے ساتھ تھی کھرچا ۲؎ پھراپنے ہاتھ دیوار پر لگائے پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا۳؎ پھر میرا جواب دیا۴؎ میں نے یہ روایت نہ تو صحیحین میں پائی اور نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے شرح سنہ میں ذکر کیا اورفرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۵؎

۱؎ مشہورصحابی انصاری ہیں،ابی ابن کعب کے بھانجے ہیں،امیرمعاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔
۲؎ کیونکہ دیوار کے ظاہری حصے پر یاپلیدی تھی یا کیڑے مکوڑے اس کھرچنے سے تیمّم کے لئے پاک وصاف مٹی ظاہر ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی دیوار پر بغیر اجازت تیمّم کرلینا اورضرورۃً کچھ کھرچ لینا جس سے دیوار کو نقصان نہ ہوجائز ہے۔
۳؎ یعنی دوبارہاتھ مارے ایک بار چہرے کے لیے اوردوسری بار کہنی تک ہاتھوں کے لئے۔
۴؎ خیال رہے کہ قضاء حاجت کی حالت میں سلام کرنا منع اور اگر کوئی کر دے تو جواب واجب نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب دینا اخلاق کریمانہ کی بناء پر تھا۔اس کی تحقیق "بَابُ مُخَالَطَۃِ الْجُنُبِ"میں کی جاچکی ہے کہ حضور کا یہاں جواب سلام کے لیے تیمّم کرنا ایک خاص حال تھا اورطہارت وغیرطہارت ہر حال میں ذکرخدا کرنا قانون شرعی تھا،نیز پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنا ایسا تھا جیسے نماز جنازہ کے لئے تیمّم کرلینا،لہذا نہ حدیثیں متعارض ہیں اور نہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ تیمّم جائز کیونکر ہوا۔
۵؎ یہ مصنف پر اعتراض ہے کہ وہ فصل اول میں غیر شیخین کی روایت لے آئے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے ابو ذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاک مٹی مسلمان کا آب وضو ہے اگرچہ دس سال پانی نہ پائے۱؎ پھر جب پانی پائے تو اس سے اپنا بدن دھوئے کہ یہ یقینًا بہتر ہے۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)نسائی نے اس کی مثل روایت کی دس سال کے قول تک۔	

۱؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ تیمّم وضو کی طرح طہارت مطلقہ اور کاملہ ہے،لہذا ایک تیمّم سے ایک وقت میں بھی چند نمازیں پڑھ سکتے ہیں اور ایک وقت کے تیمّم سے کئی وقت تک نمازیں پڑھ سکتے ہیں کیونکہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو قراردیا تو جووضو کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔امام شافعی کے ہاں تیمّم ضرورت طہارت ہے کہ وقت نماز نکل جانے سے تیمّم ٹوٹ جاتا ہے اور ایک تیمّم سے چند نمازیں نہیں پڑھ سکتے۔سیدنا ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ ہر نماز کے لیے الگ تیمّم کرتے تھے۔یہ استحبابًا تھا جیسے وضو پر وضوکرلینا۔
۲؎ بہتر سے مراد اصل ہے یعنی پانی اصل طہارت ہے اور اس کی عدم موجودگی میں تیمّم اس کا نائب،جب اصل آگیاتو نائب کی گنجائش نہ رہی۔اس کامطلب یہ نہیں کہ تیمّم بھی جائزہےمگر وضوبہتر،رب فرماتاہے :"اَصۡحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسْتَقَرًّا"۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفرمیں گئے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا	

	جس نے اس کے سر میں زخم کردیا پھر اسے احتلام ہوگیا تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میرے لیئے تیمّم کی اجازت پاتے ہو وہ بولے تیرے لیئے تیمّم کی اجازت نہیں پاتے ۱؎ تو تَو پانی پر قادر ہے اس نے غسل کرلیا پس مر گیا ۲؎ جب ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس کی خبر دی گئی فرمایا انہیں خداغارت کرے اسے انہوں نے ماردیا ۳؎ جب جانتے نہ تھے پوچھ کیوں نہ لیا بے علمی کا علاج پوچھ لینا ہے ۴؎ اسے یہ کافی تھا کہ تیمّم کرلیتا اوراپنے زخم پر کپڑا لپیٹ لیتاپھر اس پر ہاتھ پھیرلیتا اور باقی جسم دھو ڈالتا ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ مگر وہ سمجھے کہ تیمّم بیمار کے لئے نہیں صرف پانی نہ ملنے کی حالت میں ہے کیونکہ رب فرماتا ہے:"**فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا**"یہ ہے اجتہاد کی غلطی اورخطاء۔

۲؎ یہ ہے صحابہ کا تقویٰ اورخوف خدا کہ جان دیدی مگر نماز چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

۳؎ یعنی یہ لوگ اس کی موت کا سبب بن گئے نہ ایسا فتویٰ دیتے نہ وہ غسل کرکے وفات پاتا اور یہ بددعا اظہار ناراضی کے لئے ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خطا اجتہادی کی بنا پر قتل بھی واقع ہوجائے تب بھی مجتہدپر قصاص،یادیت،بلکہ گناہ بھی نہیں۔لہذا حضرت علی و امیر معاویہ وعائشہ صدیقہ کی جنگوں میں جو مسلمانوں کا کشت وخون ہوا اس کی پکڑ کسی پر نہیں۔

۴؎ یعنی انہیں چاہیئے تھا کہ اسے خود حکم نہ دیتے بلکہ میرے پاس آنے تک صبر کرتے مجھ سے مسئلہ پوچھتے۔

۵؎ امام اعظم کے نزدیک **وَيُعَصِّبُ** کا واؤ بمعنی اَوۡہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر وہ غسل بالکل نہ کرسکتا تھاتب تو تیمّم کرلیتا اوراگرصرف سر پر پانی ڈالنامضر تھا تو زخم پر پٹی باندھ کرمسح کرلیتا باقی جسم دھولیتا۔امام شافعی اس واؤ کو جمع کے لئے مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں تیمّم بھی کرلے اورغیر مجروح حصے کا غسل بھی،لیکن امام اعظم کا قول بہت قوی ہے کیونکہ تیمّم غسل کا نائب ہے اور نائب واصل کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔نیزمحدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف بھی ہے،دیکھومرقاۃ۔خیال رہے کہ مشکوک پانی کی صورت میں غسل و تیمّم دونوں کرتے ہیں اس کی وجہ ہماری اپنی بے علمی ہے کہ یہ پانی مطہرہے یا نہیں،وہاں اصل ونائب کا اجتماع نہیں،وہاں یا غسل ہی طہارت ہے یا تیمّم ہی۔

	اور ابن ماجہ نے حضرت عطاء ابن رباح سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ دو شخص سفر میں گئے وقت نماز آگیا ان کے ساتھ پانی نہ تھا تو انہوں نے پاک مٹی سے تیمّم کرلیا پھر نماز پڑھ لی پھر وقت ہی میں پانی پالیا تو ان میں سے ایک نے وضو سے نماز لوٹائی دوسرے نے نہ لوٹائی ۱؎ پھر دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ماجراعرض کیا تو جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تو نے سنت پالی اور تیری نماز کافی ہوگئی اور جس نے وضو کرکے لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تجھے دوہرا ثواب ہے ۲؎ اسے ابوداؤد،دارمی نے روایت کیا نسائی نے اس کی مثل۔

۱؎ یہ ہوا اجتہاد کا اختلاف،ان میں ایک صاحب ہی حق پر تھے مگر کسی نے کسی پر اعتراض نہ کیا۔ہم جو کہا کرتے ہیں کہ چاروں مذہب برحق،اس کا مطلب یہی ہے کہ کسی پر ملامت یا اعتراض نہیں۔اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۔

۲؎ اس لئے کہ فرض پہلے ادا ہوچکا تھا،دوسری نماز نفل بن گئی اور نفل کا ثواب بھی ملتا ہے،یہ مطلب نہیں کہ اجتہاد کا دگنا ثواب ملا یہ تو پہلے کو ملا ہوگا کہ اس کا اجتہاد درست تھا۔خطاء اجتہادی پر ایک ثواب ہوتا ہے اور صحیح اجتہاد پر دوہرا۔

	اور نسائی وابوداؤد نے عطاابن یسار سے مرسلًا روایت کی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو الجہیم ابن حارث ابن صمہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہ جمل کی طرف سے تشریف لائے ۱؎ تو آپ کو ایک شخص ملا اس نے سلام کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا حتی کہ آپ ایک دیوار کے پاس تشریف لائے تو چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر اسے سلام کا جواب دیا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ جمل ایک بستی ہے جسے مدینہ بھی کہتے ہیں،یہ کنواں اس کی طرف منسوب ہے اوراب اس بستی کا نام بئر جمل ہوگیا،یہیں حضرت علی مرتضٰی و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی جنگ ہوئی۔

۲؎ یعنی تیمّم کے بعد اس کا ذکر ابھی کچھ پہلے گزر چکا۔اورپوری تحقیق "بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ" میں بھی گزر گئی۔

	روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے وہ بیان کرتے تھے

	کہ صحابہ نے پاک مٹی سے نماز فجر کے لیئے تیمّم کیا جب کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو انہوں نے مٹی پر اپنے ہاتھ پھیرے پھر ایک بار اپنے منہ پر ہاتھ پھیر لیا پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارے تو اپنی ہتھیلیوں سے پورے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔[1] (ابوداؤد)

[1] اس حدیث کی بناء پر امام زہری فرماتے ہیں کہ تیمّم میں ہاتھوں کا مسح بغلوں تک کیا جائے مگر صحیح یہی ہے کہ کہنیوں تک مسح ہو،کیونکہ تیمّم وضوء کا نائب ہے اور وضوء میں ہاتھ کہنی تک ہی دھوئے جاتے ہیں۔ان صحابہ کا یہ عمل اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے،انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت دیکھی"فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ"۔اور بعض صحابہ کا اجتہاد واجب العمل نہیں خصوصًا جب کہ حدیث مرفوع کے مخالف واقع ہوجائے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وضوء میں بغل تک ہاتھ دھوتے تھے۔حضرت عمار ابن یاسر غسل کے تیمّم کے لیئے زمین پر لوٹے تھے۔

باب الغسل المسنون

مسنون غسل کاباب

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ غسل غ کے فتح سے بمعنی دھونا،غ کے زیر سے،بمعنی نہانے یا دھونے کا پانی،غ کے پیش سے،بمعنی نہانا۔یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔غسل پانچ قسم کا ہے:غسل فرض،واجب،سنت،مستحب،مباح۔غسل فرض تین ہیں:حیض سے،نفاس سے،جنابت سے۔غسل واجب ہے:میت کوغسل۔غسل سنت پانچ ہیں:جمعہ کا،عیدین کا،احرام کے وقت،عرفہ کے دن۔غسل مستحب چندہیں:میت کو نہلا کر،فصد کھلوا کر،اسلام لاتے وقت،ٹھنڈک،صفائی وغیرہ کے لیے نہانا غسل مباح ہے۔اس باب میں سنت اورمستحب غسلوں کا ذکرہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیئے آئے توغسل کرلیاکرے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اما م اعظم اورجمہور علماء کے نزدیک یہ حکم وجوب کا نہیں بلکہ سنت کا ہے اوریہ حدیث منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔امام مالک اوراحمدکے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے ان کے ہاں غسل نماز جمعہ واجب ہے،مگرامام اعظم کا قول قوی ہے،جیسا کہ آئیندہ صحیح روایت میں آرہا ہے کہ جمعہ کے غسل کا وجوب منسوخ ہوچکا ہے۔خیال رہے کہ غسل نمازجمعہ کے لیے سنت ہے،لہذا جن پرجمعہ فرض نہیں ان کے لئے یہ غسل سنت بھی نہیں جیسا کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا،بعض علماءنے اَحَدٌ کو نصب اورجمعہ کو ضمہ پڑھا ہے اور حدیث کے معنی یہ کئے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس جمعہ کا دن آئے غسل کرے،ان کے نزدیک غسل جمعہ مطلقًا سنت ہے،نماز جمعہ فرض ہویانہ ہو،لہذاچاہیئے یہ کہ جمعہ کاغسل صبح کے بعد کیا جائے رات میں کرلینے سے یہ سنت ادا نہ ہوگی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پرواجب ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اگرواجب بمعنی ثابت ہو تو حدیث محکم ہے منسوخ نہیں اوراگر بمعنی ضروری ہے تو منسوخ ہے،جیسا کہ آئیندہ آرہا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل جمعہ جمعہ کے دن کی وجہ سے ہے،نماز جمعہ فرض ہویانہ ہو۔بہت سے علماء کا یہ بھی قول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم ہے ہر مسلمان پر کہ ہر سات دن میں ایک دن غسل کرے جس میں سر وجسم دھوئے ۱(مسلم،بخاری)	

۱یہاں ایک دن سے مراد جمعہ کا دن ہے جیسا کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوا۔اورلزوم سے لغوی لزوم مراد ہے نہ کہ شرعی۔مطلب یہ ہے کہ ہفتہ میں جمعہ کے دن غسل کرلینا چاہیئے تاکہ بدن بھی صاف ہوجائے او کپڑے بھی اور جمعہ کی بھیڑ میں مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو،چونکہ سر میں میل جوئیں زیادہ ہوجاتی ہیں،اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیاورنہ جسم میں یہ بھی داخل تھا۔غسل میں کلی اورناک میں پانی لینا اور تمام جسم کا دھونا ہمارے ہاں فرض ہے۔غسل سے پہلے وضوکرلینا داہنی طرف سے ابتداء کرنا سنتیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعہ کے دن وضو کرے تو خیراوراچھا کیااورجونہائے تونہانا بہت اچھا ہے ۱(احمد،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،دارمی)	

۱یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ غسل جمعہ فرض یا واجب نہیں سنت ہے۔اس کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایاحضورنے جوجمعہ کے دن غسل کرکے نماز کے لئے آئے،مجھ سے قریب بیٹھے،خاموشی سے خطبہ سنے تو اس کے دس دن کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جومیت کوغسل دے وہ خود بھی غسل کرے ۱(ابن ماجہ)احمدوترمذی نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جومیت کو اٹھائے وہ وضو کرے ۲	

۱عام علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔میت کو نہلا کرغسل کر لینا بہتر ہےکیونکہ میت کے غسالہ کے چھینٹے جسم پر پڑھنے کا احتمال ہے۔جامع اصول میں ہے کہ حضرت ابوبکرصدیق کی زوجہ اسماءبنت عمیس نے صدیق اکبرکی وفات کے بعدغسل دیاپھرصحابہ سے بولیں کہ میں روزے دارہوں اور ٹھنڈک بہت ہے کیا مجھے غسل کرنا ضروری ہے؟سب نے کہا نہیں۔

۲اٹھانے کی وجہ سے نہیں بلکہ نماز جنازہ کے لئے کہ میت کے جنازہ گاہ میں پہنچتے ہی نمازجنازہ میں شرکت کرسکے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چارچیزوں سے غسل کرتے تھے جنابت(ناپاکی)سے اورجمعہ کے دن اور سنگھی لگوانے	

	سے اور میت کو نہلانے سے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یہاں غسل سے مراد غسل کا حکم دینا ہے،یعنی ان چاروں موقعوں پر غسل کا حکم دیتے تھے،کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی میت کو غسل نہیں دیا،جیسے حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم کیا یعنی رجم کا حکم دیا(مرقاۃ وغیرہ)مگر ان حکموں میں غسل جنابت کا حکم وجوبی ہے اور باقی احکام سنت کے،چونکہ سنگھی پچھنے میں خون کی چھینٹیں جسم پر پڑجاتی ہیں اورخون نکلنے سے گرمی اور کمزوری پیداہوجاتی ہے لہٰذا اس کے بعدغسل کرلینا بہتر ہے۔

	روایت ہے قیس ابن عاصم سے ۱؎کہ وہ مسلمان ہوئے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی اوربیری سے غسل کریں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،تمیم کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، ۹ھ؁ میں ایمان لائے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دیہات والوں یا بادیہ نشینوں کے سردار ہیں،بہت حکیم،عاقل و عابد تھے،بصرہ میں قیام رہا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام لاتے وقت کلمہ پڑھنے سے پہلے غسل کرنا بہتر ہے۔کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کافر زمانۂ کفر میں جنبی ہوا،پھر اسلام لایا تو اس پر جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہے۔بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سرمنڈانے کا حکم بھی دیا تھا اسی لئے اسلام لاتے وقت سر منڈانا بھی سنت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں ۱؎کہ کچھ عراقی لوگ آئے ۲؎اور بولے کہ اے ابن عباس کیا آپ جمعہ کے دن کا غسل واجب سمجھتے ہیں فرمایا نہیں،لیکن یہ بہت پاکی ہے اورغسل کرنے والے کے لیئے اچھا ہے اور جوغسل نہ کرے اس پر ضروری نہیں ۳؎میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل شروع کیسے ہوا۔لوگ مشقت میں تھے کہ اون پہنتے اور اپنی پیٹھ پرمزدوریاں کرتے تھے ان کی مسجد تنگ تھی جس کی چھت نیچے تھی جو صرف چھپّر(خس پوش) تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گرم دن میں تشریف لائے اور لوگ اسی اون میں پسینہ پسینہ تھے کہ ان سے بو پھیل گئی جس کی وجہ سے بعض نے بعض سے تکلیف پائی ۴؎تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بو پائی ۵؎تو فرمایا اے لوگو جب یہ دن ہواکرے تونہالیاکرو،اور چاہیئے کہ ہرایک اپنا بہترین

	تیل و خوشبو مل لیا کرے ۶؎ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پھر اللہ نے مال دیا ۷؎ اورلوگوں نے اون کے علاوہ اچھے لباس پہنے اور کام کاج سے چھوٹ گئے ۸؎ ان کی مسجد فراخ ہوگئی ۹؎ اور پسینہ سے جو بعض کو بعض سے تکلیف پہنچتی تھی وہ جاتی رہی۔(ابوداؤد)

۱؎ آپ بربری ہیں،سیدناعبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما کے غلام ہیں،تابعین میں سے ہیں اور مکہ مکرمہ کے فقہاء میں سے ہیں،اپنے زمانہ کے بڑے عالم تھے،۸۲ سال عمر ہوئی،۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

۲؎ عراق ملک عرب کا پانچواں صوبہ ہے،طول میں عبّادان سے موصل تک اورعرض میں قادسیہ سے حلوان تک پھیلا ہوا ہے،اس کادارالخلافہ بغدادہے۔کوفہ اوربصرہ وہاں کے مشہورشہرہیں،کربلااور نجف بھی عراق کی ہی بستیاں ہیں۔

۳؎ قریبًا تمام صحابہ کا یہی مذہب ہے اورجمہورعلماء بھی اس غسل کو سنت ہی مانتے ہیں۔

۴؎ وہ بھی ایسا کہ لکڑیوں کے ستون قائم کرکے کھجور کی شاخوں اورپتوں کی چھت ڈال دی گئی تھی،بارش میں پانی چھنتاتھااورعام دنوں میں دھوپ مگراس مسجد کا درجہ عرش معلٰی سے افضل تھا کہ یہاں کے امام امام الانبیاء تھے(صلی اللہ علیہ وسلم)۔معلوم ہوا کہ مسجد کا کمال عمارت سے نہیں بلکہ امام سے ہے۔

۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صحابہ نے اس کی شکایت نہ کی کیونکہ صابروں کے سردار تھے۔دوسرے یہ کہ حضورکو اپنی امت کے دکھ درد کا بڑا خیال ہے کیونکہ نہ ہو وہ امت کے رکھوالے ہیں کوئی اپنا دکھ بیان کرے یا نہ،سب کا خیال ہے۔حضور کی یہ خبر گیری قیامت تک ہے،رب فرماتاہے:"عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَاعَنِتُّمۡ"۔

۶؎ تیل سروجسم میں اورخوشبوکپڑوں میں۔اس سےمعلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مجمعوں میں اچھے کپڑے پہن کر جانا چاہیئے،شادی،عرس،تبلیغ کے جلسے سب میں اس بات کا خیال رکھا جائے۔مجلسوں میں ہار پھول ڈالنے کی اصل یہ حدیث ہے۔

۷؎ چونکہ یہ مال اسلام کے ظہوراورمسلمانوں کے غلبہ کی علامت تھی اس لیے اسے خیرفرمایا،ورنہ اکثرفقرغنا سے اورصبر شکرسے افضل ہے۔

۸؎ کیونکہ جہادوں میں بہت غنیمتیں ہاتھ آئیں اور مسلمان لونڈی غلاموں کے مالک ہوئے۔

۹؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب خودمسجد بڑھائی۔اشعۃ میں ہے کہ پھر سیدناعمرفاروق نے مسجد میں توسیع کی،پھر عثمان غنی نے اپنے زمانۂ خلافت میں بہت شانداراوروسیع مسجد بنائی،محراب عثمانی اب تک آپ کی یادگارموجودہے۔خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام میں اولًاغسل جمعہ فرض تھا مذکورہ وجوہات سے،پھرسنت رہ گیافرضیت منسوخ ہوگئی۔

باب الحیض

حیض کاباب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ غسل مسنون کے بعدفرض غسلوں کاذکرفرمارہے ہیں۔حیض اورحوض کے لغوی معنی بہناہیں۔شریعت میں عورتوں کے ماہواری خون کوجورحم سے آئے حیض کہاجاتاہے۔ولادت کے بعد آنے والا خون نفاس کہلاتا ہے۔بیماری کا خون استحاضہ۔حیض کی مدت کم از کم تین دن رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن و رات۔نفاس کی کم مدت ایک ساعت اورزیادہ چالیس دن ہے،استحاضہ کی کوئی مدت نہیں۔حیض و نفاس کے احکام جنابت کی طرح ہیں کہ اس میں نمازوروزہ،قرآن شریف پڑھنا،چھونا،مسجدمیں جاناسب حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ یہودی ۱؎ جب ان میں عورت حائضہ ہوتی تو نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ انہیں گھروں میں ساتھ رکھتے ۲؎ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ مسئلہ حضور سے پوچھاتو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری "لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں"الخ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحبت کے سوا سب کچھ کرسکتے ہو ۳؎ یہ خبر یہود کو پہنچی توبولے کہ یہ صاحب ہمارے دینی کاموں میں سے کوئی چیز بغیر مخالفت کیئے نہیں چھوڑتے ۴؎ پھر حضرت اسیدابن حضیر ۵؎ اور عبادابن بشر ۶؎ حاضر ہوئے بولے یارسول اللہ! یہودایساایسا کہتے ہیں توکیاہم حائضہ سے صحبت بھی نہ کرلیا کریں ۷؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور غصہ میں بدل گیاحتی کہ ہم سمجھے کہ آپ ان پر ناراض ہوگئے ۸؎ وہ دونوں چلے گئے ان کے پیچھے حضور کی بارگاہ میں دودھ کاہدیہ آیا توحضور نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا(بلانے کے لیئے)پھرانہیں دودھ پلایا تب سمجھے کہ حضوران پر ناراض نہ ہوئے۔(مسلم)

۱؎یعقوب علیہ السلام کی اولاد یہودی کہلاتی ہے،اس لئے کہ انکے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھایا اس لئے کہ انہوں نے بچھڑے کی پرستش سے اعلیٰ درجے کی توبہ کی۔قرآن کریم میں ہے "اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ"غرض کہ ان کی نسبت یا اپنے جد کی طرف ہے یا اس نیک عمل کی طرف۔

۲؎اکثر ہندو قبیلوں میں یہ رواج اب بھی ہے مگر یہ عمل اکثر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

۳؎یعنی حائضہ کے ساتھ رہنا،بسنا،اس کے ہاتھ کی چیز کھانا،اس کے ساتھ لیٹنا،بیٹھنا،بلکہ معانقہ وغیرہ سب حلال،ہاں اس سے صحبت حرام قطعی ہے جس کا منکر کافر ہے۔

۴؎یعنی انکے دین کا دارومدار ہماری مخالفت پر ہے کہ جسے ہم برا جانیں اسے یہ جائز کہہ دیتے ہیں۔یہود کی یہ بکواس اسلام اور پیغمبر اسلام پر بہتان تھی،اسلام نے کسی کی ضد میں اچھی چیز کو برا اور بری چیز کو اچھا نہ کہا۔

۵؎ آپ انصاری ہیں،اوسی ہیں،حضرت مصعب ابن عمیر کے ہاتھ پر سعد ابن معاذ سے پہلے اسلام لائے،دوسری بیعت عقبہ میں شریک تھے،بدر اور تمام غزوات میں حضور کیساتھ رہے۔

۶؎آپ انصاری ہیں،قبیلۂ بنی عبدالاشہل سے ہیں،حضور کی ہجرت سے پہلے مصعب کے ہاتھ پر اسلام لائے،تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۷؎تاکہ یہود کی پوری مخالفت ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں کفار سے نفرت کمال درجہ کی تھی اور یہ نفرت کمال ایمان کی علامت ہے۔

۸؎حضور کا یہ اظہار غضب بڑی مصلحت پر مبنی تھا وہ یہ کہ منصوص احکام کسی قوم کی مخالفت کے لئے نہیں بدلے جا سکتے،داڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹانا اسلام کا حکم ہے،لیکن اب سکھوں کی مخالفت کے لئے داڑھی منڈائی نہ جائے گی۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض احکام صراحۃً دیئے جاتے ہیں،بعض اشارۃً۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے آپ مجھے حکم دیتے،میں تہبند باندھ لیتی تو مجھ سے جسم مس کرتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی ۱؎اور اپنا سر مبارک بحالت اعتکاف میری طرف نکال دیتے میں دھوتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ سے مساس جائز ہے مگر یہ اس کے لئے ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اگر صحبت کر لینے کا اندیشہ ہو تو نہ کرے،جیسے روزے دار کے لئے بیوی کا بوسہ کہ جوان کے لئے مکروہ،بوڑھے کے لئے جائز۔اپنا واقعہ اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ میں سنی سنائی نہیں کہہ رہی ہوں بلکہ تجربہ سے کہتی ہیں میرا خود عمل رہا یہ ایک قسم کی تبلیغ ہے

بے تہذیبی نہیں۔آج ڈاکٹر طبّی مسائل نہایت کھلے کھلے بیان کرتے ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ"اسے بدتہذیبی کہنا حماقت ہے۔

۲کیونکہ حضور کے حجرے کا دروازہ مسجد میں تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد سے نکل نہیں سکتا لیکن بعض اعضاء نکال سکتا ہے۔اور حائضہ اپنے خاوند کی خدمت کرسکتی ہے کہ اس کے جسم کو چھو سکتی ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ میں بحالت حیض پیتی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھ کر پیتے اور میں بحالت حیض ہڈی چوستی پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ کی جگہ رکھتے۱(مسلم)	

۱اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اپنی بیوی کا جھوٹا کھانا پینا جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے۔فقہاءجومرد کوعورت کا جھوٹا کھانا منع کرتے ہیں وہاں اجنبی عورت مراد ہے۔لہٰذا وہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک نہایت سادہ اور بے تکلف تھی امت کو سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔تیسرے یہ کہ ہڈی منہ سے چوسنا سنت ہے،کانٹے سے کھانا طریقہ نصاریٰ ہے۔چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ وہ خوش نصیب بی بی ہے کہ بارہاانکا لعاب حضور کے لعاب کے ساتھ جمع ہوا،خصوصًا وفات شریف کے وقت مسواک میں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہڈی چوسنا،گوشت چوسنا،گوشت چھوڑانے کے لئے نہ ہوتا تھا وہ تو پہلے چھوٹ چکا ہوتا تھا بلکہ محبوبیت ظاہر فرمانے کے لئے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تکیہ لگاتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر قرآن تلاوت کرتے۱(مسلم،بخاری)	

۱معلوم ہواکہ حائضہ عورت کے زانویاگود میں سر رکھ کر قرآن پڑھنا جائز ہےکیونکہ حائضہ کی نجاست حکمی ہے حقیقی نہیں۔مردہ غسل دینے سے پہلے نجس حقیقۃً بھی ہوتا ہے اس لئے قبل غسل اس کے پاس بلا ڈھکے ہوئے قرآن پڑھنا منع ہے،لہٰذا یہ حدیث اس مسئلے کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی گود قرآن اور قرآن والے محبوب کی رحل بنی،اس وقت بھی اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے وقت بھی،کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال آپ کی گود میں ہوا اور آپ کا حجرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ بنا،لہٰذا آپ کی گود اور آپ کا حجرہ عرش عظیم سے بڑھ کرہے،اللہ تعالٰی اس دامن میں مجھ سے نالائق گنہگار کو جگہ دے۔آمین!شعر

انکا پہلو ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ان کے حجرہ میں قیامت تک بنی ہیں جا گزیں

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے ہم کو چٹائی دے دو میں	

	بولی کہ میں تو حائضہ ہوں فرمایاتمہاراحیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے ۱؎(مسلم)

۱؎یعنی تم کو اس حالت میں مسجدمیں جانا منع ہے نہ کہ وہاں سے ہاتھ بڑھاکرکچھ لے لینا۔اب بھی یہ ہی مسئلہ ہے کہ حائضہ وجنبی مسجد سے باہر رہتے ہوئے مسجدمیں ہاتھ ڈال کرچیزاٹھاسکتے ہیں۔اس حدیث میں چٹائی سے مراد حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ملک کی چٹائی ہوگی نہ کہ مسجد کی وقف چٹائی کیونکہ موقوفہ چٹائی کو گھرمیں لاکراس پرنماز ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہاسے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر میں نماز پڑھتے تھے جس کا کچھ حصہ مجھ پرہوتا اورکچھ حصہ حضورپرحالانکہ میں حائضہ ہوتی ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی ایک ہی چادر مجھ پر بھی ہوتی اور بحالت نماز حضور پر بھی۔اس سے معلوم ہواکہ حائضہ کا جسم نجس حقیقی نہیں،ورنہ ایسا کپڑا جس کا بعض حصہ نجاست پرہو اسے اوڑھ کریاپہن کرنمازپڑھناممنوع ہے۔خیال رہے کہ اس حدیث کے یہ الفاظ نہ بخاری میں ہیں،نہ مسلم میں،بلکہ اس کا بعض مضمون بخاری میں ہے۔(مرقاۃ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حائضہ عورت سے جماع کرے یا عورت کے پاخانہ کی جگہ یاکاہن کے پاس جائے اس نے محمد مصطفٰے پر اترے ہوئے کاانکار کیا۱؎اسے ترمذی،ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیاان دونوں کی روایت میں یہ ہے کہ کاہن کے کہے ہوئے کی تصدیق کرے توکافر ہوگیا۔ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو صرف حکیم اثرم سے جانتے ہیں جو ابوتمیمہ سے ۲؎وہ ابوہریرہ سے راوی ہیں۔

۱؎یعنی یہ تینوں شخص قرآن وحدیث کے منکر ہوکر کافر ہوگئے۔خیال رہے کہ یہاں سے شرعی کفر ہی مراد ہے اسلام کا مقابل۔اوران سے وہ لوگ مراد ہیں جو عورت سے دبر میں،یابحالت حیض صحبت کو جائز سمجھ کر صحبت کریں،اور کاہن نجومی کوعالم الغیب جان کراس سے فال کھلوائیں،یاغیبی خبریں پوچھیں۔اوراگرگناہ سمجھ کر یہ کام کریں تو فسق ہے،کفر نہیں۔یایہاں کفر سے مراد لغوی معنی ہیں ناشکری،رب فرماتا ہے: "وَاشْکُرُوْا لِیۡ وَلَا تَکْفُرُوۡنِ"۔خیال رہے کہ حائضہ سے صحبت کرنے کی حرمت نص قرانی سے ثابت ہے،رب فرماتا ہے: "قُلْ ہُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ"۔اور عورت سے دبر میں صحبت کی حرمت قطعی قیاس قطعی سے ثابت ہے،ان دونوں کا منکر کافرہے۔اس قسم کی

احادیث حرمت قطعی ثابت نہیں کرسکتیں۔اس کی بحث اسی جگہ مرقاۃ میں دیکھواور ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول قیاس کی بحث میں۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ احادیث ظنیہ ہیں اور حرمت قطعی ثابت کرنے کے لئے قطعی دلیل درکار ہے۔

۲؎ ابو تمیمہ جہیمی کا نام ظریف ابن مجالد ہے،حکیم ابن اثرم کو بعض محدثین نے ضعیف فرمایا،ظریف کو بعض نے ثقہ کہا،ان کا انتقال ۹۷ھ؁ میں ہوا،امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے میری بیوی سے بحالت حیض کیا کام حلال ہے فرمایا وہ جو تہبند سے اوپر ہو اور بچنا اس سے بھی بہتر ہے ۱؎(رزین)محی السنۃ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔	

۱؎ یعنی حائضہ عورت جب کہ پائجامہ یا تہبند مضبوطی سے باندھے ہو تو اس کے ساتھ لیٹنا اور اس سے بوس و کنار درست ہے لیکن بچنا بہتر،خصوصًا اس جوان کو جو ایسی حالت میں اپنے نفس پر قابو نہ رکھتا ہو۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شریف خود کرنا بیان جواز کے لیے ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غیر مستحب بلکہ مکروہ کاموں پر عمل فرماکر جواز ثابت کرتے تھے،یہ تبلیغ کی قسم تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بھی ثواب ملتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کر بیٹھے تو آدھا دینار خیرات کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد، نسائی،دارمی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے،یعنی چونکہ اس نے بڑا گناہ کیا جس سے وہ عذاب کا مستحق ہو گیا۔صدقہ و خیرات عذاب دفع کرنے کے لئے اکسیر ہے،اس لئے ایسا کردے ورنہ اس گناہ کا اصل کفارہ تو توبہ ہی ہے۔آج کل بعض علماء جو بعض گناہوں پر خیرات و صدقہ کا حکم دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔یہاں وہ شخص مراد ہے جو حرام جانتے ہوئے یہ جرم کرے اور اگر حلال جان کر ایسا کیا تو کافر ہوگیا دوبارہ اسلام لائے اور تجدید نکاح کرے۔

روایت ہے انہی سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب خون سرخ ہو ایک دینار دے اور جب خوب پیلا ہو تو آدھا دینار ۱؎(ترمذی)	

۱؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث متن واسناد دونوں کے لحاظ سے مضطرب ہے کیونکہ انہیں کی بعض روایات میں ہے کہ پانچ دینار خیرات کرے،بعض میں ہے کہ ایک دینار اور اگر نہ ہوسکے تو آدھا دینار،بعض میں ہے کہ اگر حیض کا جوش نہ ہو خون سرخ آرہا ہو تو ایک دینار خیرات کرے اور اگر حیض کا جوش ٹوٹ چکا ہو اور خون کا رنگ پیلا پڑ چکا ہو تو آدھا دینار۔خیال رہے کہ دینار دس درہم کا ہوتا ہے اور درہم ساڑھے چار آنہ کا،لہذا دینار قریبًا پونے تین روپے کا ہوا،چونکہ سونے کا بھاؤ بہت تیز ہے تو دینار کی قیمت بھی زیادہ ہوگئی مگر ان احکام میں وہ ہی اس زمانہ کی قیمت معتبر ہوگی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے[1] فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھااور عرض کیا اپنی بیوی سے بحالت حیض مجھے کیا چیز حلال ہے فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کا تہبند مضبوط باندھ دوپھر تہبند کے اوپر تمہارا کام ہے[2] اسے مالک ودارمی نے مرسلًا روایت کیا۔	

[1] آپ اہلِ مدینہ سے ہیں، جلیل الشان تابعی ہیں، حضرت عمرفاروق کے آزادکردہ غلام ہیں، بڑے عالم تھے حتی کہ امام زین العابدین آپ کی مجلس میں شرکت فرماتے اور آپ سے احادیث لیتے تھے۔(اشعہ ومرقات)

[2] یعنی حائضہ سے صحبت حرام ہے اورجب وہ ازار باندھے ہوتو اس سے بوس وکنار حلال۔اس کی بحث گزر چکی کہ جوان مرد کوممنوع بوڑھے کو مباح، کہ اسے صحبت کر بیٹھنے کاخطرہ کم ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب میں حائضہ ہوتی تو بستر سے چٹائی پراتر آتی پھرہم حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے قریب نہ ہوتے یہاں تک کہ ہم پاک ہوجاتے[1] (ابوداؤد)	

[1] یعنی ہم تمام ازواج پاک بحالت حیض حضورانور کے پاس نہ لیٹتے تھے بلکہ علیحدہ چٹائی پر آپ کے بستر سے دور،یہ تو ہمارااپنا عمل تھا کہ اس حالت میں آپ کے پاس لیٹنے،بیٹھنے کی جرات وہمت نہ کرتے تھے،ہاں اگر حضورانورخودہی ہم کوبلالیتے تو تعمیل حکم کرتے تھے،لہذایہ حدیث ان گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں مباشرت اور مس ثابت ہے کہ وہ حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے اوریہاں ازواج پاک کی اپنی ہمت و جرات کا ذکر ہے۔بعض نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے اورگزشتہ احادیث ناسخ مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

باب المستحاضه

مستحاضہ کا بابؔ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مستحاضہ وہ عورت ہے جسے استحاضہ کا خون آتا ہو۔استحاضہ بیماری ہے جس میں عورت کی رگ کھل کر خون جاری ہوجاتاہے۔یہ خون حیض یانفاس کانہیں ہوتا،اس کی کوئی مدت نہیں اور اس میں نماز،روزہ،صحبت،مسجد میں داخلہ کچھ بھی منع نہیں،بلکہ اس کاحکم معذورکاساہے کہ ایک وقت وضو کرکے نمازپڑھتی رہے اگرچہ خون آتا رہے وقت نکل جانے پر وضو ٹوٹ جائے گا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہاسے فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابوحبیش حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوئیں ۱؎ اوربولیں کہ یارسول اللہ! میں استحاضے والی عورت ہوں کہ پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا نماز چھوڑدوں فرمایانہیں یہ تو رگ ہے حیض نہیں ۲؎ جب تمہارا حیض آیا کرے تو نماز چھوڑدیاکرواورجب چلاجائے تو خون دھوڈالاکرو پھر نمازپڑھ لیاکرو ۳؎(مسلم وبخاری)

۱؎ مسئلہ پوچھنے اوردین حاصل کرنے کے لئے،آپ فاطمہ بنت حبیش ابن عبدالمطلب ابن اسدابن عبدالعزیٰ ابن قصی ابن کلاب ہیں،یہ عبدالمطلب حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نہیں وہ تو عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں۔

۲؎ یعنی رحم کے قرب کی کوئی رگ کھل گئی ہے جس سے یہ خون جاری ہوگیا ہے رحم کا خون نہیں ہے،لہذا اس کے احکام حیض و نفاس کے سے نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عور ت عالم سے مسئلہ پوچھنے میں اورعالم مسئلہ بتانے میں شرم نہ کرے ورنہ دین کی تبلیغ کیسے ہوگی۔

۳؎ یعنی استحاضہ کی بیماری لگنے سے پہلے تمہیں جن تاریخوں میں حیض آتا تھا وہ ہی تاریخیں اب بھی حیض کی مانو،ان میں نمازوغیرہ چھوڑدو اوران تاریخوں کے بعد خون استحاضہ کاشمار کرو اور نمازوغیرہ شروع کردو اور جس عورت کو بالغہ ہوتے ہی استحاضہ شروع ہوجائے،حیض کی تاریخیں مقرر نہ ہونے پائیں وہ ہر مہینہ کے اول دس دن حیض شمار کرے اور بیس دن استحاضہ کے کہ اسی میں احتیاط ہے۔یہاں خون دھو ڈالنے سے مراد اگرحیض کا خون ہے تب تو دھوڈالنے سے مراد غسل کرنا ہے کیونکہ حیض جانے پر غسل فرض ہے۔اوراگراستحاضہ کا خون مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اپنے بدن وکپڑے سے استحاضہ کاخون دھوکرپھروضوکرکے نمازپڑھ لیا کرو۔اس میں غسل واجب نہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ مستحاضہ حیض کے بعد غسل ضرورکرے گی مگر یہاں صرف خون دھونے کا حکم دیا گیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے عروہ ابن زبیر سے وہ فاطمہ بنت ابی حبیش سے راوی کہ وہ مستحاضہ ہوجاتی تھیں ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حیض کا خون ہوتووہ کالاخون ہوتاہے جوپہچان لیاجاتاہے ۱؎ تو جب یہ ہوتونماز سے رک جاؤ اورجب دوسراہوتووضوکرو اور نمازپڑھو کہ وہ تورگ ہے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہ اکثر کا حکم ہے نہ کہ کلیہ،یعنی اکثرحیض کاخون سیاہ ہوتاہے جوپہچان لیاجاتاہے،ورنہ کبھی یہ خون سرخ،پیلابھی ہوتاہے اورفرق مشکل ہوجاتاہے۔

۲؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ زمانہ استحاضہ میں ہر نماز کے وقت وضو کرکے نماز پڑھو،یہ مطلب نہیں کہ حیض گزرنے پر صرف وضو کرلو اس وقت تو غسل فرض ہے،لہذا یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون گراتی تھی ۱؎ اس کے متعلق حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا ۲؎ فرمایا کہ وہ رات دن مہینے کے گن لے جن میں اس بیماری کے لگنے سے پہلے حیض آتا تھا مہینے میں اتنے دن نماز چھوڑ دے پھرجب یہ دن گزرجائیں تو غسل کرے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھے پھرنمازپڑھتی رہے ۳؎ (مالک،ابوداؤد،دارمی) نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔

۱؎ ان بی بی صاحبہ کا نام معلوم نہ ہوسکا۔تُهْرَاقُ اور تَهْرِيْقُ دونوں طرح روایت ہے لا زائدہ ہے۔باب افعال کا مضارع معروف یامجہول تُرِيْقُ یا تُرَاقُ تھا۔

۲؎ یعنی خود تو شرم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ سکیں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ سے پوچھا،حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے انہیں مسئلہ بتایا۔خیال رہے کہ ان پاک بیبیوں کے مختلف حال تھے،بعض تو تحقیق مسئلہ کو شرم پر مقدم رکھتی تھی،اوربعض شرم سے خود نہ پوچھتیں دوسرے ذریعہ سے دریافت کرالیتی تھیں،وہ سب اللہ کی پیاری تھیں"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"سب سے جنت کاوعدہ ہوچکاہے۔

۳؎ یعنی مستحاضہ اپنے ہر مہینہ کے دو حصے کرے،ایک حصہ کو حیض شمار کرے،تین دن سے دس دن تک جس قدر پہلے حیض آتا رہا ہو وہ حیض باقی استحاضہ۔مستحاضہ کولنگوٹ باندھنے کا حکم استحبابی اوراحتیاطی ہے تاکہ خون سے مصلے اورکپڑے

گندے نہ ہوں وجوبی نہیں،اگر بغیر لنگوٹ کسی اورذریعہ سے یہ مقصد حاصل ہوجائے تو وہ کرے اوراگر کسی طرح خون رکتا نہ ہوتونماز پڑھتی رہے اگرچہ خون مصلے پر ٹپکتا رہے جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔تمام معذوروں کو یہی حکم ہے جیسے نکسیر،سلسل بول والے لوگ۔

روایت ہے حضرت عدی ابن ثابت سے ۱؎ وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے راوی یحیٰی ابن معین کہتے ہیں کہ عدی کے دادا کا نام دینار ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ والی کے لیئے فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے زمانہ میں جن میں اسے حیض آتا تھا نماز چھوڑدیا کرے پھر نہائے اورہر نماز کے وقت وضوکرے ۲؎ اور روزے رکھے اور نماز پڑھے ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یہ عدی کوفی ہے،انصاری ہے،اس پر رفض کا شبہ کیا گیا ہے۔(مرقاۃ)بعض نے فرمایا کہ ثابت ان کے باپ کا نام ہے،بعض نے فرمایا دادا کا نام ہے اوردینار پڑدادا،باپ کا نام قیس ابن الحطیم ہے۔**واللہ اعلم!** عدی کوفہ میں روافض کی مسجد کا امام تھا، ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔

۲؎ یعنی غسل تو صرف ایک بار کرے حیض ختم ہونے پر اور وضو ہر نماز کے وقت کیا کرے،جیسا کہ مستحاضہ عورت کا حکم ہے لہذا "**عِنْدَكُلِّ صَلٰوۃٍ**" **تَتَوَضَّاُہُ** کا ظرف ہے نہ کہ **تَغْتَسِلُ** کا۔

۳؎ چونکہ روزہ مستحاضہ کے لئے نماز سے زیادہ اہم ہے کہ اس پر زمانۂ حیض کے روزوں کی قضاء ہے،نماز کی نہیں لہذا روزے کو نماز پر مقدم رکھا گیا۔

روایت ہے حضرت حمنہ بنت جحش سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ مجھے بہت سخت استحاضہ آتا تھا ۲؎ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے اوریہ خبردینے حاضرہوئی میں نے حضور کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر پایا ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے بہت سخت استحاضہ آتا ہے آپ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں مجھے تو اس نے روزہ نماز سے روک دیا ہے ۴؎ فرمایا میں تمہارے واسطے گدی تجویز کرتا ہوں کہ یہ خون چوس لے گی ۵؎ عرض کیا وہ تو اس سے زیادہ ہے فرمایا تو لنگوٹ باندھو ۶؎ عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے فرمایا تو کپڑا رکھ لو ۷؎ عرض کیا وہ خون اس سے بھی زیادہ ہے میں تو خون	

	ڈالتی بہاتی ہوں۸؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو دوباتوں کا حکم دیتا ہوں ان میں جو کرلوگی وہ دوسرے سے کفایت کرے گا اگر دونوں کرسکو تو تم جانو۹؎ فرمایا یہ بیماری شیطان کے چوکھوں ہی سے ایک چوکھ ہے۱۰؎ تم چھ یا سات دن حیض کے شمار کرلیا کرو رب کے علم میں۱۱؎ پھر نہالیاکرو،پھر جب یہ سمجھو کہ تم خوب پاک اور صاف ہوگئیں تو تئیس یاچوبیس دن ورات نمازیں پڑھو،روزے رکھو۱۲؎ کہ یہ تمہیں کافی ہوگا،ہر مہینہ یوں ہی کرلیاکروجیسے عموماً عورتیں اپنے حیض وطہرکے اوقات میں ناپاک وپاک رہتی ہیں۱۳؎ اور اگرتم اس پرطاقت رکھو کہ ظہردیر سے اور عصرجلدی پڑھوتو ایک غسل کرو اوردو نمازیں ظہرو عصرجمع کرلیاکرو اورمغرب دیرسے عشاءجلدی پڑھوتو غسل کرو اور دونمازیں جمع کرلوتو ایساکرو اورفجرکے ساتھ غسل کروتو ایساکرلیاکرو۱۴؎ اور روزے رکھو اگر اس پر قادرہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں کاموں میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے ۱۵؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ آپ حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش کی بہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں۔اولًا حضرت مصعب ابن عمیر کے نکاح میں تھیں ان کی شہادت کے بعد طلحہ ابن عبداللہ کے نکاح میں آئیں رضی اللہ عنہما۔

۲؎ یعنی مجھے استحاضہ کا خون بہت آتا تھااوربہت عرصہ تک رہا،کثیرۃ اورشدیدۃ میں ان دونوں کی طرف اشارہ ہے۔یہاں استحاضہ پر مجازًا حیض بولاگیا۔

۳؎ یعنی اس دن حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی باری میری بہن زینب بنت جحش کے گھرتھی اس سے مجھے پوچھنے میں اور آسانی ہوگئی۔

۴؎ کیونکہ حضرت حمنہ سمجھی ہوئی تھیں کہ حیض کی طرح استحاضہ میں بھی نماز روزہ ممنوع ہے۔یہ عرض و معروض اپنے علم کے مطابق ہے۔

۵؎ یعنی گدی وغیرہ کا مشورہ اس لئے ہے کہ خون کپڑوں کو نہ لگےاورکپڑے خراب نہ ہوں لہذا یہ مشورہ ہے حکم نہیں۔

۶؎ اس طرح کہ نیچے گدی رکھو فرج سے متصل اس پر کپڑے کا لنگوٹ کس کر باندھو تاکہ خون نہ ٹپکے۔

۷؎ اس طرح کہ نیچے روئی کی گدی ہو اوپرلنگوٹ اورلنگوٹ پر تیسرا کپڑاجوخون جذب کرنے میں مدد دے۔

۸؎ ثج بہنے والی بارش کو کہتے ہیں۔رب فرماتا ہے:"مَآءً ثَجَّاجًا"یعنی مجھے خون ایسا آتا ہے جیسے بارش کا بہنے والاپانی جوکسی تدبیر سے نہ ٹھیرتاہے نہ کسی چیزمیں جذب ہوتاہے۔

۹؎ یعنی اگرہمارے بتائے ہوئے دونوں کام کرلو تو بہترورنہ ایک ہی عمل کافی ہے،یعنی ایک پرعمل رخصت ہے دونوں پرعمل عزیمت۔

۱۰؎ یعنی یہ جوخون کی زیادتی شیطان کے اثرات سے ہے کہ اس نے تیرے رحم کی رگ میں انگلی ماری جس سے یہ بیماری پیداہوگئی۔معلوم ہوا کہ جیسے انسان کی مار سے بیماریاں پیداہوجاتی ہیں،سرپھٹ جاتے ہیں،ایسے ہی شیطان کے اثر سے بعض بیماریاں پیداہوجاتی ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"۔معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو چھوکردیوانہ کردیتاہے،فرماتا ہے:"وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ"۔معلوم ہوا کہ شیطان کے اثر سے نسیان و بھول کا مرض پیدا ہوجاتا ہےیا مطلب یہ ہے کہ یہ وہم کہ مجھ پرنمازفرض نہ رہی،یااستحاضہ نمازسے روکتاہے یہ شیطان کی طرف سے ہےیاحیض ونفاس کا خلط ہوجانا اس میں فرق نہ کرسکناشیطان کی طرف سے ہے۔

۱۱؎ علم اللہ سے مراد اللہ کا حکم ہے،یعنی اس بیماری سے پہلے تمہارے متعلق جواللہ کا حکم تھا کہ مہینہ میں اتنے دن حیض جس میں نمازیں معاف،اتنے دن کی پاکی جن میں نمازفرض یاعلم اللہ سے مراد اللہ کابتاناہے،یعنی جو کچھ رب نے تمہیں اس بیماری سے پہلے اپنے ایام حیض اورزمانۂ طہارت کے متعلق علم بخشا تھا اس کا لحاظ رکھو وہ ہی حساب اب بھی ہوگا۔

۱۲؎ یعنی اگرتمہیں اس بیماری سے پہلے مہینہ میں چھ دن حیض آتا تھااورچوبیس دن پاک رہتی تھیں تو اب بھی وہ ہی حساب رکھو۔اوراگرسات دن حیض تئیس دن پاکی رہا کرتی تھی تو وہی حساب اب بھی رکھو اور ایام حیض گزرنے پرصرف ایک بارغسل کرلیاکروباقی دنوں میں ہرنماز کے وقت وضوکرکے نمازپڑھتی رہو اگرچہ خون آتا رہے تمہیں یہ کافی ہے۔

۱۳؎ یعنی اس مسئلہ میں استحاضہ کی بیماری والی کا حال تندرست عورتوں کی طرح ہی ہوگا۔

۱۴؎ یہ عمل خوب پاکی وصفائی کا ذریعہ بھی ہے اوراس بیماری کا علاج بھی،حضورحکیم جان وایمان بھی ہیں،اور حکیم اجسام بھی۔اس عمل کا خلاصہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت روزانہ تین بارغسل کرے ایک تو فجر کی نماز کے لیے اور دوسرا ظہر کے آخری وقت کہ نہاتے ہی ظہر پڑھے اورظہر پڑھتے ہی وقت عصر آجائے وہ بھی پڑھ لے،ظہر آخروقت میں ادا کرے عصر اول وقت میں۔تیسراغسل مغرب کے آخر وقت میں جس غسل سے نمازمغرب وعشاءدونوں اداہوجائیں،مغرب آخر وقت عشاءاول وقت،جیسے مسافربحالت سفرنمازیں جمع کرتاہے،یہ جمع نماز بھی حکم شرعی لازمی نہیں،اگرعورت پانچوں نمازوں کے لئے پانچ غسل کرے تو بہت اچھا۔غرض کہ یہ مشورہ ہے حکم لزومی نہیں۔فقیر کی یہ شرح **بفضلہ تعالٰی** اس حدیث کو حل کردے گی اور مذہب حنفی کے خلاف نہ ہوگی۔امام اعظم اس عورت کو یہ اختیاردیتے ہیں رضی اللہ عنہ۔یہی قول ہے حضرت علی،ابن مسعود،ابن زبیراوراکثرتابعین کارضی اللہ عنہم۔

۱۵؎ یعنی صرف ایک بارغسل کرنے سے روزانہ تین بارغسل کرنا مجھے بہت پسند ہے کہ اس میں پاکی وصفائی بھی زیادہ ہے اوران شاءاللہ صحت و تندرستی بھی،لہذا روزانہ پانچ بارغسل کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ فاطمہ بنت ابی حبیش اتنی مدت سے استحاضہ میں مبتلا ہیں ۲؎ کہ نماز نہ پڑھ سکیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ ۳؎ یہ تو شیطان کی طرف سے ہے ۴؎ وہ لگن میں بیٹھ جایا کریں ۵؎ جب زردی پانی پر دیکھ لیں ۶؎ تو ظہر و عصر کے لیئے ایک غسل کرلیا کریں اور مغرب وعشاء کے لیئے ایک غسل اورفجر کے لیئے ایک غسل ۷؎ اوران کے درمیان وضوکرتی رہیں ۸؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱؎ مشہور صحابیہ ہیں،بہت عاقلہ صالحہ عابدہ تھیں،اولًا حضرت جعفر ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں انہیں کے ساتھ آپ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی،ان سے آپ کے تین بیٹے ہوئے عبداللہ ابن جعفر،محمد،عون۔حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں جن سے محمد ابن ابوبکر پیدا ہوئے۔حضرت صدیق کی وفات کے بعد حضرت علی مرتضی کے نکاح میں آئیں جن سے یحیٰی ابن علی پیدا ہوئے۔آپ سے حضرت عمر،عبداللہ ابن عباس،ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابہ نے احادیث نقل کیں۔

۲؎ کیونکہ وہ سمجھیں کہ حیض کی طرح استحاضہ بھی نماز سے مانع ہے لیکن جب استحاضہ بند ہی نہ ہوا تو گھبرائیں کہ کب تک نماز سے محروم رہوں تب مسئلہ پوچھا۔خیال رہے کہ اس صورت میں آپ کو استحاضہ کے زمانے کی نمازیں قضا کرنے کا حکم دیا گیا مگر یہاں اس کا ذکر نہ ہوا کیونکہ مسئلہ سے بے خبری عذر نہیں،ہاں اس پر عتاب نہ ہوا کہ بے خبری کی وجہ سے قصور موجب عتاب نہیں۔

۳؎ یہ سبحان اللہ تعجب کے لیے ہے کہ تم جیسی عاقلہ سنجیدہ بی بی نے بغیر دریافت کئے نماز چھوڑدی ہم سے یا فقہاء صحابہ سے مسئلہ معلوم کرنا چاہیئے تھا۔

۴؎ یعنی استحاضہ کی بیماری شیطانی اثر سے ہے۔اس کی تحقیق پچھلی حدیث میں گزر چکی کہ جب ہوا وپانی بلکہ مٹی وغذا میں بیمار کردینے کا اثر موجود ہے تو شیطان بھی اثر کرکے بیمار کرسکتا ہے یا تمہارا بغیر پوچھے نماز چھوڑے رہنا شیطانی اثر اوراس کی دھوکہ سے ہے۔خیال رہے کہ اللہ کے محبوب بندوں پر بھی شیطان کا داؤ چل جاتا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کو گندم کھانے کی رغبت شیطان ہی نے دی"فَاَزَلَّھُمَا الشَّیۡطٰنُ"ہاں ان مقبولوں کو شیطان گمراہ نہیں کرسکتا گمراہی اورچیز ہے،فسق اورچیز

اورخطاو غلطی اور،رب فرماتا ہے:"اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ"اور خود شیطان نے کہا تھا"لَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ"۔

۵؎ یعنی پانی کی لگن پر بھرکر بیٹھ جائیں تاکہ اس سے وقت ظہر کی روانگی اورعصر کی آمد معلوم کرلیں(اشعۃ مرقاۃ وغیرہ)،یاخود اس بھری لگن میں بیٹھ جایا کریں ٹھنڈک کے لئے تاکہ اس ٹھنڈک سے مرض کازور ٹوٹ جائے۔

۶؎ یعنی پانی پر آفتاب کی شعاعیں زرد ہوکر پڑنے لگیں جس سے معلوم ہوا کہ اب وقت عصر قریب ہے تو غسل کرکے ظہر وعصر پڑھیں۔(مرقات وغیرہ)یا جب استحاضہ کے خون کا اثر پانی پر نمودار ہوجائے کہ پانی کا رنگ زرد پڑجائے تب لگن سے نکل آیا کریں۔پہلی توجیہ پر یہ لگن کا عمل وقت معلوم کرنے کے لیےہے۔دوسری توجیہ پر یہ عمل علاج کے لئے ہے۔خیال رہے کہ دھوپ کا پیلا پڑنااورہے،یہ تو عصر کے آخر وقت ہوتا ہے جب نماز مکروہ ہوجاتی ہے اور پانی پر شعاعوں کی زردی معلوم ہونا کچھ اور،یہ ظہر کے آخر وقت ہوتا ہے،لہذا حدیث بے غبار ہے۔

۷؎ یعنی روزانہ تین بار غسل کرلیا کریں تاکہ اللہ انہیں استحاضہ کی بیماری سے شفاء دے جیسے کہ پہلے گزرچکا کہ یہ حکم علاج کے طورپر ہے،حکم شرعی نہیں اور نہ مستحاضہ پر یہ غسل شرعًا واجب۔

۸؎ یعنی اگران کے سواءاوروقت نفل یا تلاوت قرآن وغیرہ کے لئے وضوکرنا ہوتوصرف وضوکافی ہے غسل نہ کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم محض علاج کے لئے ہے۔

	اور فرمایا کہ مجاہد حضرت ابن عباس سے راوی ہیں کہ جب ان پر غسل بھاری پڑا تو انہیں دونمازیں جمع کرنے کا حکم دیا۱؎

۱؎ یعنی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں دن میں صرف تین غسلوں کا حکم دیا ان کی مجبوری کی وجہ سے، ورنہ پانچ بارغسل اور بھی بہتر تھا۔معلوم ہوا کہ یہ حکم علاج کے لئے ہے شرعی نہیں۔دو نمازیں جمع کرنے سے مراد صرف صورۃً جمع کرنا ہے کہ ظہر آخر وقت میں پڑھے عصر اول وقت میں نہ کہ حقیقۃً جمع کرنا،کہ مستحاضہ کے لئے نمازیں جمع کرنے کا کوئی قائل نہیں۔مسافر میں اختلاف ہے ہمارے امام صاحب کے ہاں وہ بھی جمع نہیں کرسکتا۔

کتاب الصلوۃ

نماز کا بیان ؂۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صَلٰوۃ صَلّیٌ سے بنا بمعنی گوشت بھونا،آگ پر پکانا،رب فرماتا ہے:"سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ"۔نیز آگ سے لکڑی سیدھی کرنے کو تصلیہ کہاجاتاہے،چونکہ نماز اپنے نمازی کے نفس کو مجاہدہ ومشقت کی آگ پر جلاتی ہے،نیزاسے سیدھا کرتی ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔اب صلوٰۃ کے معنی دعا،رحمت،انزال،رحمت،استغفار،سرین ہلانا ہیں۔چونکہ یہ سب چیزیں نماز میں ہوتی ہیں اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔اسلام میں سب اعمال سے پہلے نماز فرض ہوئی،یعنی نبوت کے گیارہویں سال ہجرت سے دو سال کچھ ماہ پہلے،نیزساری عبادتیں اللہ تعالٰی نے فرش پر بھیجیں مگر نماز اپنے محبوب کو عرش پر بلاکردی اس لئے کلمہ شہادت کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔جونماز سیدھی کرکے پڑھے تونمازاسے بھی سیدھا کردیتی ہے۔نماز کے اسراراورنکات ہماری کتاب "اسرار الاحکام"اور"تفسیر نعیمی"پارہ اول میں دیکھو۔نمازیں چارقسم کی ہیں:فرض،واجب،سنت مؤکدہ،نفل۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ پانچ نمازیں اورجمعہ سے جمعہ تک او رمضان سے رمضان تک درمیان کے گناہ مٹانے والی ہیں ۱؎ جب کبیرہ گناہوں سے بچارہے ۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی نماز پنجگانہ روزانہ کے صغیرہ گناہ کی معافی کا ذریعہ ہے،اگر کوئی ان نمازوں کے ذریعہ گناہ نہ بخشواسکاتو نمازجمعہ ہفتہ بھر کے گناہ صغیرہ کا کفارہ ہے،اگر کوئی جمعہ کے ذریعہ بھی گناہ نہ بخشواسکا کہ اسے اچھی طرح ادانہ کیاتو رمضان سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے،لہذااس حدیث پریہ اعتراض نہیں کہ جب روزانہ کے گناہ پنجگانہ نمازوں سے معاف ہوگئے تو جمعہ اوررمضان سے کون سے گناہ معاف ہوں گے۔خیال رہے کہ گناہ کبیرہ جیسے کفروشرک،زنا،چوری وغیرہ یوں ہی حقوق العباد بغیر توبہ وادائے حقوق معاف نہ ہوتے۔

۲؎ خیال رہے کہ جو اعمال گنہگاروں کی معافی کا ذریعہ ہیں وہ نیک کاروں کی بلندی درجات کا ذریعہ ہیں،چنانچہ معصومین اور محفوظین نماز کی برکت سے بلند درجے پاتے ہیں۔لہذاحدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر چاہیئے کہ نیک لوگ نمازیں نہ پڑھیں کیونکہ نمازیں گناہوں کی معافی کے لئے ہیں وہ پہلے ہی سے بے گناہ ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پرنہرہو کہ اس میں روزانہ پانچ دفعہ نہائے کیا کچھ میل	

	رہے گا لوگوں نے عرض کیا کہ بالکل میل نہ رہے گافرمایا یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ ان کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں خطاؤں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں،کبیرہ گناہ اور حقوق العباد اس سے علیحدہ ہیں کہ وہ نماز سے معاف نہیں ہوتے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔خیال رہے کہ حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پنجگانہ کو نہر سے تشبیہ دی نہ کہ کنوئیں سےدو وجہ سے:ایک یہ کہ کنوئیں میں اگر گھسا جائے تو اکثر اس کا پانی نہانے کے لائق نہیں رہتاکیونکہ وہ پانی جاری نہیں،نہر کا پانی جاری ہے ہر ایک کو ہر طرح پاک کردیتا ہے،یوں ہی نماز ہر طرح پاک کردیتی ہے کیسا ہی گندا ہو۔دوسرے یہ کہ کنوئیں کا پانی تکلف سے حاصل ہوتا ہے،رسی ڈول کی ضرورت پڑتی ہے کمزور آدمی پانی کھینچ نہیں سکتامگرنہر کا پانی بے تکلف حاصل ہوتا ہے،ایسے ہی نماز بے تکلف ادا ہوجاتی ہے جس میں کچھ نہیں کرنا پڑتااورجب دروازے پرنہرہوتوغسل کے لئے دور جانا بھی نہیں پڑتا۔خیال رہے کہ گناہ دل کا میل ہے اور نماز میلِ دل کے لیے پانی۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ایک مرد نے کسی عورت کا بوسہ لیا ۱؎پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ کو یہ خبر دی ۲؎تب اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ دن کے کناروں اور رات کی ساعتوں میں نماز قائم کرو۳؎نیکیاں گناہ دورکرتی ہیں اس نے کہایارسول اللہ!کیایہ صرف میرے لیئے ہے فرمایامیری ساری امت کے لیئےاور ایک روایت میں ہے کہ میری امت سے جو یہ عمل کرے ۴؎(مسلم وبخاری)

۱؎ان مرد کا نام ابوالیسر ہے،کھجوروں کی دکان کرتے تھے،ایک عورت خریدنے کے لئے آئی،ان کا دل اس کی طرف مائل ہوگیا،بولے اچھی کھجوریں گھر میں ہیں،اس بہانے سے اندر لے جاکربوسہ لے لیا،وہ بولی اللہ کے بندے خدا سے ڈر،یہ سخت نادم ہوئے اس لئے ثابت ہو اکہ اجنبی عورت سے تنہائی بڑی خطرناک ہے۔(اشعۃ مرقاۃ)

۲؎صحابہ کرام خطائیں معاف کرانے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس آیت پر یہ عمل کرتے ہوئے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" الایہ۔اب بھی ہم گنہگاروں کو معافی کے لیے اس آستانے پر حاضری ضروری ہے۔یہ خیال نہ کرو کہ وہ صرف مدینہ میں رہتے ہیں بلکہ مؤمنوں کے سینے ان کا کاشانۂ رحمت ہیں۔

۳؎مرقاۃ نے فرمایا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایامیں اپنے رب کے حکم کا انتظارکرتا ہوں عصر کے بعد یہ آیت اتری۔خیال رہے کہ نماز فجراورظہردن کے اس کناروں کی نمازیں ہیں اورعصرومغرب دوسرے کنارے کی اورعشاءرات کی،لہذا یہ آیت پانچویں نمازوں کو شامل ہے،زلف زلفت سے بنا،بمعنی قرب یعنی رات کا وہ ٹکڑا جو دن سے قریب ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ"۔

۴؎ یعنی یہ آیت اگرچہ تیرے بارے میں اتری مگر اس کا حکم عام ہے۔کوئی مسلمان کوئی گناہ صغیرہ کرے اس کی نمازیں وغیرہ معافی کا ذریعہ ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اجنبیہ سے خلوت اور بوس وکنار گناہ صغیرہ ہے،ہاں یہ جرم بار بار کرنے سے کبیرہ بن جائے گا کیونکہ صغیرہ پر دوام کبیرہ ہے اور یہ جان کربوس وکنار کرنا کہ نماز سے معاف کرالیں گے کفر ہے،کہ یہ اللہ پر امن ہے۔یہ حدیث اس کے لئے ہے جو اتفاقًا ایسا معاملہ کر بیٹھے پھر شرمندہ ہوکر توبہ کرے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس میں ان حرکتوں کی اجازت دے دی گئی۔یہاں مِنْ اُمَّتِی فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ آسانیاں صرف اس امت کے لئے ہیں گزشتہ امتوں کی معافی بہت مشکل ہوتی تھی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حاضر ہوا بولا یارسول اللہ!میں حد کو پہنچ گیا۱؎ وہ مجھ پر قائم فرمادیجئے فرماتے ہیں اس سے حضور نے کچھ پوچھا نہیں ۲؎ نماز حاضر ہوئی اس نے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۳؎ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرلی وہ کھڑا ہوگیا عرض کیا یارسول اللہ!میں نے حد پائی مجھ پر اللہ کی کتاب قائم کردیں۴؎ فرمایا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی عرض کیا ہاں فرمایا اللہ نے تیرا گناہ یا تیری حد بخش دی۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی میں نے ایسا گناہ کرلیا جو شرعی سزا کا باعث ہے۔حد سزائے مقرر کو کہتے ہیں جیسے زانی کے لئے سنگساری اورچور کے ہاتھ کاٹنا۔تعزیر وہ سزا ہے جو شرعًا مقرر نہ ہو قاضی اپنی رائے سے مقرر کرے۔ان بزرگوں نے کوئی معمولی گناہ کیا تھا مگر سمجھے یہ کہ شاید اس میں بھی سزائے شرعی ہوگی۔یا حد لغوی معنی میں ہے یعنی مطلقًا سزا۔

۲؎ کیونکہ حضورانور کو کشف سے معلوم تھا کہ انہوں نے معمولی جرم کیا تھا اورپوچھنے سے ان کی رسوائی ہوگی یہ ہے شان ستاری۔(از مرقاۃ)

۳؎ صرف ایک نماز یہ نماز عصر تھی جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔

۴؎ لائق حد ہو یا نہ ہو جو بھی فرمان الٰہی ہو حد یا کفارہ یا کوئی اورچیز اسی لئے یہاں کتاب اللہ فرمایا۔یہ صحابہ کرام کی قوتِ ایمانی ہے کہ دوسرے مجرم اپنے جرم چھپاکر جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ حضرات اپنے قصور ظاہر کرکے جانوں پر کھیل کر ایمان بچاتے ہیں۔

۵؎ یعنی جس گناہ کو تونے قابلِ حد سمجھا تھا وہ اس نماز کی برکت سے معاف ہوگیا،لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ نماز سے شرعی سزائیں معاف ہوجاتی ہیں۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ پر کبھی حد نہیں ہوتی اورسواء ڈکیتی کی حد کے کوئی حد توبہ سے معاف نہیں ہوتی،ڈاکو اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرے تو سزا نہیں پاتا،یونہی اگر کافر بعد زنا مسلمان ہوجائے تو رجم وغیرہ کا مستحق نہیں۔(مرقاۃ) شیخ عبدالحق نے فرمایا مَعَنَا سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا گناہوں کی معافی

کے لیے اکسیر ہے۔نماز کی عظمت امام کی عظمت کے مطابق ہے۔سبحان اللہ!جن کے ساتھ والی نماز مجرموں کو بخشوادے وہ ذات کریم خود کیسی ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ پیارا ہے فرمایا وقت پر نماز ۱؎ میں نے کہا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی میں نے کہا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد ۲؎ فرمایا مجھے حضور نے یہ باتیں بتائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے (مسلم،بخاری)	568 - [5] (متفق عليه) وعن عبد الله بن مسعود قال : سألت النبي صلى الله عليه وسلم أي الأعمال أحب إلى الله قال : " الصلاة لوقتها " قلت ثم أي قال : " بر الوالدين " قلت ثم أي قال : " الجهاد في سبيل الله " قال حدثني بهن ولو استزدته لزادني

۱؎ یعنی ہمیشہ نمازیں وقت مستحبہ پرادا کرنا۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔جن روایتوں میں جہاد کو نماز سے پہلے بیان کیا گیا وہ بعض ہنگامی حالات میں ہے جب جہاد فرض عین ہوچکا ہو اور دشمن کی یلغار بڑھ گئی ہو،ورنہ ظاہر ہے کہ جہاد نماز ہی کے لئے ہوتا ہے۔یا یوں کہا جائے کہ سائلین کے لحاظ سے حضور کے جواب مختلف ہوئے،کسی کے لئے جہاد افضل تھا،کسی کے لیے غریبوں کو کھانا کھلانا،کسی کے لیے زبان کی حفاظت،کسی کے لئے چھپ کر خیرات،لہذا احادیث متعارض نہیں۔

۲؎ یہ ترتیب سیدنا ابن مسعود کے حال کے لحاظ سے ہے،ورنہ بعض روایات میں اس کے برعکس بھی آیا ہے۔

۳؎ یعنی میں نے سوال ہی اتنے کئے۔خیال رہے کہ ماں باپ کی خدمت کو نماز سے بہت مناسب ہے کہ نماز رب کی عبادت ہے اور یہ خدمت مربّی کی اطاعت اسی لیے قرآن شریف میں اس خدمت کو عبادت کے ساتھ بیان فرمایا گیا:"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا"الایہ۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان نماز کی دیوار حائل ہے جو اس تک کفر کو نہیں پہنچنے دیتی جب یہ آڑ ہٹ گئی تو کفر کا اس تک پہنچنا آسان ہوگیا،ممکن ہے کہ آیندہ یہ شخص کفر بھی کر بیٹھے۔خیال رہے کہ بعض آئمہ ترک نماز کو کفر بھی کہتے ہیں،بعض کے نزدیک بے نمازی لائق قتل ہے اگرچہ کافر نہیں ہوتا،ہمارے امام صاحب کے نزدیک بے نمازی کو مارپیٹ اور قید کیا جائے جب تک کہ وہ نمازی نہ بن جائے۔ہمارے ہاں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے نمازی قریب کفر ہے یا اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے یا ترک نماز سے مراد نماز کا انکار ہے،یعنی نماز کا منکر کافر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں	

	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے فرض کیں ۱؎ جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اورانہیں صحیح وقت پراداکرے اوران کا رکوع وخشوع پوراکرے ۲؎ اس کے لیئے اللہ کا وعدہ ہے کہ اسے بخش دے ۳؎ اورجوایسا نہ کرے تو اس کے لیئے اللہ کا وعدہ نہیں اگرچاہے بخشے اوراگرچاہے اسے عذاب دے ۴؎ (احمد،ابوداؤد)مالک ونسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱؎ معلوم ہوا کہ نماز پنجگانہ کے سوا کوئی اورنمازفریضۂ اسلام نہیں۔عیدین اور وتر واجب ہیں فرض نہیں،نماز جمعہ ان پانچ میں ہی داخل ہیں،کیونکہ وہ ظہر کے قائم مقام ہےاسی لیےجس پر جمعہ فرض ہے اس پر ظہر نہیں اور جس پر ظہر فرض ہے اس پر جمعہ نہیں۔یہ ناممکن ہے کہ کسی پرظہراورجمعہ دونوں فرض ہوں تو نمازیں چھ ہوجائیں گی۔نذر کی نماز اگرچہ فرض ہے مگر وہ فریضۂ اسلام نہیں۔

۲؎ چونکہ رکوع اسلامی نماز کی خصوصیات میں سے ہے،دوسری امت کی نمازوں میں عمومًا رکوع نہ تھا،نیز رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے،نیزرکوع ارکان نماز میں فاصل ہے،اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکرفرمایا،خشوع دل کا اور ہے،اعضاء کا اور۔یہ بحث ہماری" تفسیر نعیمی"میں دیکھو۔

۳؎ اس طرح کہ اس کے گناہ صغیرہ معاف کردے اورکبیرہ گناہ سے توبہ کی اورحقوق العباد ادا کرنیکی توفیق دے۔خیال رہے کہ نماز پورا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سارے شرائط ادا کئے جائیں،ایمان بھی نماز کی شرط ہے۔لہٰذاحدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ نمازی آدمی جو چاہے گناہ کرے معاف ہوجائیں گے اور نہ یہ اعتراض کہ منافقین اور بہت سے بے دین نمازی تھے اورہیں مگر ان کی مغفرت نہیں۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کافر نہیں اور ترک نماز کفرنہیں،کیونکہ کفرکی بخشش نہیں ہوتی،رب فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنۡ یُّشْرَکَ بِہٖ" الایہ۔آیت میں شرک بمعنی کفرہے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پانچ نمازیں پڑھو اوراپنے مہینہ کا روزہ رکھو اور اپنے مالوں کی زکوۃ دو اپنے حکم والے کی اطاعت کرو ۱؎ اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ ۲؎ (احمدوترمذی)

۱؎ حکم والوں سے خلیفۃ المسلمین،اسلامی حکام،علمائے دین سب ہی مراد ہیں۔اطاعت سے مرادان کے جائز احکام میں فرمانبرداری کرناہے،خلاف شرع حکم کی اطاعت لازم نہیں،چونکہ رمضان کے روزے صرف اسی امت پر فرض ہوئے اس لیئے شَھْرُکُمْ فرمایا،زکوۃ روزے کے بعدفرض ہوئی اس لئے اس کا ذکربھی روزے کے بعدہوا۔

۲؎ اعمال کی نسبت بندوں کی طرف کی اور جنت کی رب کی طرف تاکہ خریدوفروخت کے معنی ظاہر ہوں،فرماتا ہے: "اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی"۔خیال رہے کہ مختلف احادیث مختلف اوقات کی ہیں جس زمانہ میں کوئی عبادت نہ آئی تھی تب فرمایا گیا جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہوگیا جب نماز آگئی تو نمازہی پرجنت کا وعدہ فرمایا گیا اورجب زکوۃ روزے وغیرہ بھی آگئے تب جنتی ہونے کے لئے ان اعمال کی بھی قید لگی،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اورانہیں نماز پر مارو جب وہ دس سال کے ہوں ۱؎ اور علیحدگی کردو ان کے درمیان خوابگاہ ہوں میں ۲؎(ابوداؤد)یوں ہی اسے شرح سنہ میں انہی سے روایت کیا اورمصابیح میں ابن معبد سے۔	

۱؎ ان عمروں میں اگرچہ ان پر نماز فرض نہیں کہ وہ نابالغ ہیں لیکن عادت ڈالنے کے لئےانہیں ابھی سے نمازی بناؤ،چونکہ دس سال کی عمر میں بچے کو سمجھ بوجھ کافی ہوجاتی ہے اس لئے مارنے کا بھی حکم دیا،چونکہ نماززیادہ اہم ہے اس لیے اس ہی پر مارو وغیرہ کا حکم دیا گیا۔مُرُوۡا سے معلوم ہوا کہ بچے کو سات سال سے پہلے بھی رغبت دی جائے مگر اس کا حکم سات سال کی عمر میں۔

۲؎ یعنی بہن بھائیوں کو علیحدہ بستروں پر سلاؤ کہ اب وہ مراہق یعنی قریب بلوغ ہوگئے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ معاہدہ جو ہمارے اوران کے درمیان ہے وہ نمازہے ۱؎ تو جس نے اسے چھوڑدیا یقیناً کفر کیا ۲؎(احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ ان سے مراد منافقین ہیں،یعنی مسلمانوں اورمنافقین کے درمیان نماز ہی ایک وہ چیز ہے جو منافقوں کے لئے باعث امان ہے کہ اسی وجہ سے ہم انہیں قتل نہیں کرتے اور ان پر اسلامی احکا م جاری کرتے ہیں۔اب جو منافق نماز کوچھوڑ دے گا اس کاکفرظاہر ہوجائے گا اوروہ لائق قتل ہوگا۔

۲؎ یعنی نماز کے چھوڑنے سے اس منافق کا کفرظاہر ہوگیا۔یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے "مَنۡ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ کَفَرَ"اس کا مطلب یہ نہیں کہ بے نمازی کافر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں	

	کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ا؎ بولا یارسول اللہ میں نے مدینہ کے کنارے میں ایک عورت کو گلے لگالیا اورصحبت کی حد تک نہ پہنچا تو میں یہ ہوں میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں۲؎ حضرت عمر نے فرمایا اللہ نے تیری پردہ پوشی کی تھی کاش کہ تو بھی اپنے پر پردہ پوشی کرتا۳؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا وہ شخص کھڑاہوکر چل دیا۴؎ اس کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا اسے بلایا اس پرآیت تلاوت فرمائی کہ نماز قائم کرو دن کے کناروں اوررات کی ساعتوں میں یقینًا نیکیاں گناہ مٹا دیتی ہیں یہ ماننے والوں کے لئے نصیحت ہے ۵؎ قوم میں سے ایک شخص نے عرض کیا۶؎ کہ یا نبی اللہ کیا یہ اسی کے لیئے ہے فرمایا سارے لوگوں کے لیئے۷؎(مسلم)

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ صاحب ابوالیسر کے علاوہ اور کوئی ہیں کیونکہ دونوں قصوں میں فرق ہے۔

۲؎ یعنی زنا کے سواءاور سب کچھ کرلیا جو شرعی سزاتجویزہومیں حاضر ہوں،وہ یہ سمجھ کر آئے ہوں گے اس کی سزابھی رجم ہے کہ اسباب زنا گویا زنا ہی ہیں۔سبحان اللہ!یہ ہے قوتِ ایمانی اورخوفِ الٰہی۔

۳؎ یعنی خفیہ گناہ کی توبہ بھی خفیہ کرلیتا تو اچھا تھاکیونکہ چھپے گناہ پر اعلان کرنابراہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ چھپے گناہ کی توبہ چھپ کرکرے اورعلانیہ کی توبہ علانیہ کرے۔دوسرے یہ کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نیکیاں پیش کرنا ریا نہیں اور حضورپراپنے گناہ ظاہرکرنا بخشوانے کے لئے گناہ نہیں۔بیماراپنی بیماری طبیب پرظاہرکرتا ہے علاج کے لیے،اس لیے حضور نے ان پر ملامت نہ فرمائی کہ تو نے اپنا گناہ کیوں ظاہر کیا،لہذا عمرفاروق کا فرمانا بھی برحق اورسرکار کی خاموشی بھی۔

۴؎ یہ چل دینا بھاگنے کے لئے نہ تھا بلکہ وہ سمجھے کہ شاید میرے بارے میں کوئی آیت کریمہ آئے گی تب مجھے بلا کر فیصلہ کردیا جائے گا اگر معافی ہوگی شکر کروں گا،سزاتجویز ہوگی تو برداشت کروں گا،لہذا ان صاحب پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیرپوچھے کیوں چل دیئے کیونکہ یہ کام منع جب ہے جب لوٹنے کا ارادہ نہ ہو،جیسے اذان کے بعدمسجد سے نکلنا اس وقت ممنوع ہے جب لوٹنے کا قصد نہ ہو،یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ حضورکی مجلس سے بغیرپوچھے نہ جاؤ۔

۵؎ اس آیت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے گزر گئی۔مقصد یہ ہے کہ اس گناہ پر سزا کوئی نہیں کیونکہ یہ صغیرہ ہے جو تجھ سے اتفاقًا سرزد ہوگیا۔خیال رہے کہ حضور نے پہلے ہی اسے یہ آیت نہ سنادی بلکہ چلے جانے کے بعد اسے واپس بلاکر سنائی کیونکہ غالبًا حضور کو امید تھی کہ شاید اس کے بارے میں کوئی اور آیت اترے۔

۶؎ عرض کرنے والے عمر فاروق ہیں یا معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما۔

۷؎ کیونکہ اگرچہ اس آیت کا نزول خاص موقع پر ہوا لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔خیال رہے کہ یہاں اَلنَّاس سے مراد مسلمان ہیں،یعنی جو مسلمان پابندیٔ نماز کرے گا اس کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے رہیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں تشریف لے گئے ۱؎ جب پتے جھڑرہے تھے تو حضور نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑلیں ۲؎ فرمایا کہ پتے جھڑنے لگے راوی فرماتے ہیں کہ فرمایا اے ابوذر! میں نے کہا حضور حاضر ہوں فرمایا کہ جب مسلمان بندہ اللہ کی رضا کے لیئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑجاتے ہیں جیسے پتے اس درخت سے جھڑگئے ۳؎ (احمد)

۱؎ مدینہ منورہ سے باہر کسی جنگل میں اور یہ موسم خزاں کا تھا جبکہ شاخیں ہلانے سے پتے جھڑجاتے ہیں اور ویسے بھی پت جھاڑ ہوتا رہتا ہے۔

۲؎ غالبًا یہ درخت کوئی جنگل خودرو تھا جس کے پھل،پھول،پتے ہر راہ گیر توڑ سکتا ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ درخت آپ کا اپنا ہو یا کسی ایسے شخص کا ہو جو حضور کے اس عمل شریف سے راضی ہو،ورنہ دوسرے کے درخت سے بلااجازت پتے وغیرہ جھاڑنا ممنوع ہے۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی اخلاص کی نماز موسم خزاں کی اس تیز ہوا کی طرح ہے جو پت جھاڑ کردیتی ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہاں گناہوں سے صغیرہ گناہ مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دو رکعتیں پڑھے جن میں کچھ بھولے نہیں تو اللہ اس کے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے ۲؎ (احمد)

۱؎ آپ قبیلہ جہنیہ سے ہیں،کوفہ میں رہے،وہیں وفات پائی۔

۲؎ غالبًا ان دو رکعتوں سے مراد وضو کے نفل ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔نہ بھولنے سے مراد دل کا حاضر رہنا ہے،یعنی جو کوئی حضور دل سے وضو کے نفل پڑھے تو اس کے سارے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں،اب باقی

نمازفرائض،سنتیں وغیرہ اس کے درجے بلند کریں گی۔خلاصہ یہ کہ جب نفل نمازکایہ فائدہ ہے تو فرائض اور واجبات کا کتنا بڑافائدہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے ایک دن نماز کا ذکرکیاتھافرمایا کہ جو اس پرپابندی کرے گا ۱؎ نماز اس کے لیئے قیامت کے دن روشن دلیل اور نجات ہوجائے گی ۲؎ اور جو اس پر پابندی نہ کرے گا تو اس کے لیئے نہ نور ہوگا نہ دلیل نہ نجات اور وہ قیامت کے دن قارون،فرعون،ہامان اورابی بن خلف کے ساتھ ہوگا ۳؎ (احمد،دارمی،بیہقی،شعب الایمان)

۱؎ اس طرح کہ نمازہمیشہ پڑھے،صحیح پڑھے،دل لگا کر اخلاص کے ساتھ ادا کیا کرے۔یہی معنی ہیں نماز قائم کرنے کے جس کا حکم قرآن کریم نے بارہا دیا:"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ"۔

۲؎ قیامت میں قبربھی داخل ہے کیونکہ موت بھی قیامت ہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ نمازقبرمیں اورپل صراط پر روشنی ہوگی،کہ سجدہ گاہ تیزبیٹری کی طرح چمکے گی،اورنماز اس کے مؤمن بلکہ عارف باللہ ہونے کی دلیل ہوگی،نیزاس نماز کے ذریعہ سے اسے ہر جگہ نجات ملے گی کیونکہ قیامت میں پہلا سوال نماز کا ہوگا اگر اس میں بندہ کامیاب ہوگیاتو ان شاءاللہ آگے بھی کامیاب ہوگا۔

۳؎ ابی ابن خلف وہ مشرک ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن اپنے ہاتھ سے قتل فرمایا۔مرقاۃ میں ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ بے نمازی کاحشر ان کافروں کے ساتھ ہوگا اورنمازی مؤمن کاحشر ان
شاءاللہ نبیوں،صدیقوں،شہداءاورصالحین کے ساتھ ہوگا۔اس سے یہ لازم نہیں کہ بے نمازی کافر ہوجائے اورنمازی نبی،بلکہ بے نمازکوقیامت میں ان کفارکے ساتھ کھڑاکیاجاوے گاجیسے کسی شریف آدمی کو ذلیل کے ساتھ بٹھادینا اس کی ذلت ہے،لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ قیامت میں ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگاجس سے اسے دنیامیں محبت تھی۔اور جس کی طرح وہ کام کرتا تھا،بے نماز چونکہ کافروں کے سے کام کرتاہے لہذااس کاحشر بھی ان کے ساتھ ہوگا،نمازی نبیوں،صدیقوں کی نقل کرتا ہے لہذا ان کا حشر ان کے ساتھ ہوگا،اسی لئے کہتے ہیں کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی اور بروں کی نقل بھی بری۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اعمال میں سے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہ سمجھتے تھے سواء نماز کے ۲؎ (ترمذی)

۱؎ آپ عظیم الشان تابعی ہیں،حضرت عمر،علی،عثمان،وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی،قبیلہ بنی عقیل سے ہیں،بصرہ میں قیام رہا، ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

۲؎ کیونکہ اس زمانہ میں نمازپڑھنامؤمن کی علامت تھی اور نہ پڑھنا کافر کی پہچان جیسے آج سر پر چوٹی،نیچے دھوتی ہندو کی پہچان ہے،اس لئے وہ حضرات جسے نماز نہ پڑھتے دیکھتے سمجھتے کافر ہوگا،لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ نماز چھوڑنا کفر ہو اور بے نمازی کافر ہو،اور نہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں فرمایا گیا کہ مؤمن اگرچہ زانی ہو چور ہو پھر بھی جنتی یعنی جنت کا مستحق۔

	روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب نے وصیت کی کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تم مارڈالے جاؤ یاجلادیئے جاؤ۱؎ اور فرض نماز جان کر نہ چھوڑو کہ جس نے اسے عمدًا چھوڑا اس سے ذمہ بری ہوگیا۲؎ اور شراب نہ پیؤ کہ یہ ہر شر کی چابی ہے۳؎ (ابن ماجہ)

۱؎ وصیت سے مرادتاکیدی حکم ہے،رب فرماتا ہے:"یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوۡلٰدِکُمۡ"۔شرک نہ کرنے سے مراد دلی شرک ہے،یعنی عقیدۂ شرک اختیار نہ کرو۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمٰنِ"کیونکہ آیت میں سخت مجبور کو زبان سے کفر کہہ دینے کی اجازت دی گئی ہے اور یہاں عقیدۂ کفر رکھنے سے ممانعت ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں رخصت کا ذکر ہو اور یہاں عزیمت کا یعنی اگرچہ معذور کو کفر بولنے کی اجازت مگر ثواب اسی میں ہے کہ قتل ہوجاؤ مگر زبان سے کفر نہ نکالو۔

۲؎ یعنی بے نمازی سے اسلام کی امان اٹھ گئی اسے حاکم اس پر سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ نمازی اللہ کی امان میں رہتا ہے صدہا مصیبتوں سے محفوظ،بے نماز اس دولت سے محروم۔

۳؎ کیونکہ شراب عقل بگاڑ دیتی ہے اور عقل ہی برائیوں سے روکتی ہے،بے عقلی میں انسان سب کچھ کر بیٹھتا ہے۔خیال رہے کہ خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں،مگر یہاں ہر نشہ والی شراب مراد ہے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔

باب المواقیت

وقتوں کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **مواقیت** وقتوں کی جمع ہے۔میقات بمعنی وقت ہے،جیسے معیاد بمعنی وعدہ،میلاد بمعنی ولادت،معراج بمعنی عروج۔یہاں نماز کے اوقات مراد ہیں۔نماز کے اوقات تین قسم کے ہیں:وقت مباح،وقت مستحب اور وقت مکروہ۔نماز کے اوقات تشریعی چیزیں ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں مگر ان میں حکمتیں ضرور ہیں۔یہ حکمتیں ہماری کتاب "**اسرار الاحکام**"میں دیکھو۔چونکہ نماز کے لئے وقت شرطِ اوّل ہے اس لئے صاحبِ مشکوۃ نے نماز کے بیان میں پہلے اس کا ذکر کیا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کا وقت ۱؎ جب ہے کہ سورج ڈھل جائے ۲؎ اور آدمی کا سایہ اس کے قد کی برابر ہو جائے ۳؎ جب تک کہ عصر نہ آئے ۴؎ اور عصر کا وقت جب تک ہے کہ سورج زرد نہ پڑ جائے ۵؎ اور نماز مغرب کا وقت جب تک ہے کہ شفق غائب نہ ہو جائے ۶؎ اور عشاء کی نماز کا وقت رات کے درمیانی آدھے تک ہے ۷؎ اور نماز صبح کا وقت صبح چمکنے سے اس وقت تک ہے کہ سورج نہ چمکے۔جب سورج چمک جائے تو نماز سے باز رہو ۸؎ کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان نکلتا ہے ۹؎ (مسلم)

۱؎ ظہر یا ظہور سے بنا یا ظہیرہ سے(دوپہری)چونکہ معراج کے بعد اولًا یہی نماز ظاہر ہوئی اور سب سے پہلے یہی پڑھی گئی،نیز یہ دوپہری میں ادا کی جاتی ہے لہٰذا اسے ظہر کہا جاتا ہے۔

۲؎ آفتاب صبح سے دوپہر تک چڑھتا ہے اور دوپہر سے شام تک پچھم کی طرف اترتا ہے جس حد پر چڑھنا ختم ہوجائے اور اس کے بعد اترنا شروع ہو وہ نصف النہار سے آگے بڑھنے کا نام زوال ہے،یہ زوال ہی وقت ظہر کی ابتداء ہے وہی یہاں مراد۔

۳؎ زوال کے وقت سایہ برابر ہونا بعض ملکوں اور بعض زمانوں میں ہوگا۔سردی میں چونکہ سورج جنوب کی طرف ہوتا ہوا جاتا ہے لہٰذا اس وقت بعض جگہ یہ سایہ چیز کے برابر ہوجاتا ہے،لیکن کبھی بعض ملکوں میں اس وقت سایہ بالکل نہیں ہوتا یا ہوتا ہے مگر بہت تھوڑا۔جس زمانہ میں حضور نے یہ فرمایا ہوگا وہ موسم سردی کا ہوگا،لہٰذا یہ حدیث بالکل ظاہر ہے اورآیندہ حدیثوں کے خلاف نہیں جن میں اس سایہ کی مقدار تسمہ کی برابر بیان فرمائی گئی کیونکہ وہاں موسم گرمی کا ذکر ہے اور یہاں

سردی کا اورہوسکتا ہے کہ اس جملہ میں ظہر کا آخری وقت مرادہواورحدیث کے معنی یہ ہوں کہ آفتاب ڈھلنے سے ظہرشروع ہوتی ہے اور ایک مثل سایہ پرختم،اس صورت میں یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہےکیونکہ ہمارے ہاں دومثل پرظہرکاوقت نکلتاہے ان کے ہاں ایک مثل پر لیکن ان کی یہ دلیل کمزور ہےکیونکہ اس میں اصلی سایہ کاذکرنہیں،امام شافعی کے ہاں اصلی سایہ کے علاوہ ایک مثل سایہ چاہیئے۔

۴؎ پہلی تفسیر پر یہ جملہ ظہر کے آخروقت کابیان ہے اوردوسری تفسیر پر پہلے جملہ کی تاکید ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ظہروعصرکے درمیان کوئی فاصلہ نہیں یعنی ظہر جاتے ہی عصرآجاتی ہے۔

۵؎ یہ عصر کے وقتِ مستحب کا بیان ہے یعنی دھوپ پیلی پڑنے سے پہلے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہیئے،ورنہ غروب آفتاب تک وقت عصر ہے،جیساکہ مسلم و بخاری کی روایات میں ہے۔خیال رہے کہ آفتاب ڈوبنے سے بیس منٹ قبل پیلا پڑتا ہے۔

۶؎ یعنی مغرب کا وقت آفتاب ڈوبنے سے شروع ہوتاہے اورشفق غائب ہونے پرختم۔امام اعظم کے نزدیک شفق اس سفیدی کانام ہے جو آسمان کے مغربی کنارے پرسرخی کے بعدنمودارہوتی ہے۔اور امام شافعی و صاحبین کے نزدیک سرخی کا نام شفق ہے،یعنی سفیدی کا وقت امام صاحب کے نزدیک مغرب ہے،یہی قول سیدناابوہریرہ،امام اوزاعی اورعمرابن عبدالعزیزکاہے۔اور امام شافعی کے نزدیک یہ وقت عشاء ہے،یہی قول سیدناعبداللہ ابن عمر اور ابن عباس کا ہے۔احتیاط یہ ہے کہ سفیدی آنے سے پہلے مغرب پڑھ لے اور سفیدی ڈوبنے کے بعد عشاء پڑھے تاکہ اختلاف سے بچ جائے۔

۷؎ یہاں بھی وقتِ مستحب مراد ہے،یعنی مستحب یہ ہے کہ آدھی رات سے پہلے پڑھ لے ورنہ وقت عشاء صبح صادق تک رہتا ہے۔درمیانی سے مرادیادرمیانی رات ہے،یا درمیانی آدھا یعنی راتیں لمبی بھی ہوتی ہیں،چھوٹی بھی اور درمیانی بھی،تم درمیانی رات کے آدھے تک پڑھ لو،یا پورے آدھے تک نماز پڑھ لو،نہ کم نہ زیادہ۔

۸؎ یعنی سورج نکلتے وقت کوئی نمازنہ پڑھو،نہ نفل،نہ فرض۔یہاں دومسئلے سمجھناچاہیئے:ایک یہ کہ تین وقت مطلقًا نماز ممنوع ہے،سورج نکلتے وقت،بیچ دوپہریعنی نصف النہارپر،سورج ڈوبتے وقت کہ ان اوقات میں فرض و نفل نماز بلکہ سجدہ ہی حرام ہے،البتہ سورج ڈوبتے وقت آج کی عصردرست ہے۔دوسرے یہ کہ جب تک سورج میں تیزی نہ آجائے تب تک طلوع مانا جائے گا یعنی سورج چمکنے سے بیس منٹ تک سجدہ حرام ہے۔

۹؎ یعنی ایک شیطان سورج نکلتے وقت سورج کے سامنے اس طرح کھڑا ہوجاتا ہے کہ سورج اس کے دونوں سینگوں کے درمیان معلوم ہو،تاکہ اپنے دوسرے شیاطین کو دکھائے کہ سورج کی پوجاکرنے والے مجھے پوج رہے ہیں،بہت مشرکین اس وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں اس کی طرف پانی پھینک کر اس کی تعظیم کرتے ہیں،مسلمانوں کو اس وقت سجدہ حرام ہے تاکہ مشرکوں سے مشابہت نہ ہو اورشیطان یہ نہ کہہ سکے کہ مسلمان مجھے سجدہ کررہے ہیں۔خیال رہے کہ سورج ہروقت کہیں نہ کہیں طلوع کرتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ شیطان سورج کے ساتھ اسی طرح گردش کرتا ہے کہ جہاں سورج طلوع ہورہا ہو وہاں اس وقت وہ نمودار ہوتاہے اس کی بہت تفسیریں ہیں۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں پوچھا توفرمایا تم ہمارے ساتھ ان	

	دو دنوں میں نماز پڑھو۲؎ تو جب سورج ڈھل گیا حضرت بلال کوحکم دیا اورانہوں نے اذان کہی پھرحکم دیا انہوں نے ظہرکی تکبیر کہی۳؎ پھرانہیں حکم دیا تو عصرکی تکبیر کہی جب کہ سورج بلند سفید صاف تھا۴؎ پھرانہیں حکم دیاتو مغرب کی تکبیر کہی۵؎ جب سورج چھپ گیا پھرانہیں حکم دیا توعشاء کی تکبیر کہی جب شفق غائب ہوگئی پھرانہیں حکم دیاتوفجر کی تکبیر کہی جب کہ صبح چمکی پھردوسرادن ہوا تو انہیں حکم دیاظہرکوٹھنڈاکیابلکہ اسے خوب ٹھنڈا کیا۶؎ اورعصرجب پڑھی کہ آفتاب اونچاتھا اس سے زیادہ دیرلگائی جو کل تھا۷؎ اورمغرب پڑھی شفق غائب ہونے سے پہلے۸؎ اورعشاءپڑھی تہائی رات گزرنے کے بعداورفجرپڑھی خوب اجالا ہونے پرپھرفرمایا کہاں ہے نماز کے اوقات پوچھنے والا وہ شخص بولا میں ہوں یارسول اللہ تو فرمایا کہ تمہارے نماز کے اوقات اس کے درمیان ہیں جو تم نے دیکھا۹؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام بریدہ ابن حصیب ہے،بنی اسلم قبیلہ سے ہیں،سواءبدرتمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،خراسان میں غازیانہ شان سے گئے،مَرْو میں وفات پائی،وہاں ہی آپ کی اولاد اب تک ہے۔(مرقات)

۲؎ تاکہ تمہیں ہرنماز کے وقت کی ابتداءوانتہامعلوم ہوجائے۔پتا لگا کہ عملی تبلیغ قولی تبلیغ سے زیادہ مفیدہے۔غالبًا یہ صاحب کہیں باہرکے ہوں گے،ورنہ صحابۂ کرام تو ہرنمازحضور انور کے ساتھ ہی پڑھاکرتے تھے۔

۳؎ یعنی سورج ڈھلتے ہی بغیرتوقف ظہر کی اذان کہلوائی پھرسنتوں کا وقت دے کرتکبیر کا حکم دیالہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ اذان کے بعد فورًا تکبیرہوئی،سواءمغرب باقی تمام نمازوں میں اذان وتکبیرمیں فاصلہ چاہیئے اس لئے یہاں ثُمَّ فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ تکبیر اذان سے کچھ بعد ہوئی۔

۴؎ یعنی عصر کے وقت آتے ہی عصر کی اذان کہلوائی دو مثل سایہ ہوجانے پر،جیسا اگلے باب میں ان شاءاللہ بیان کیا جائے گا۔سورج کے صاف اورروشن ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ایک مثل سایہ پر اذان ہوئی،دومثل پر بھی سورج صاف ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی مغرب کی اذان کہتے ہی تکبیرکہی چونکہ یہ اذان وتکبیرملی ہوئی تھیں اس لئے صرف تکبیر کا ذکر ہوا۔

۶؎ یعنی ظہرآخروقت ادا کی جب گرمی بالکل جاتی رہی وقت خوب ٹھنڈا ہوگیا۔غالبًا یہ گرمی کاموسم تھا ورنہ سردی میں تو ہر وقت ٹھنڈک رہتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آج ظہر ایک مثل سایہ کے بہت بعد پڑھی ورنہ ایک مثل سایہ تک سخت گرمی رہتی ہے،لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہوسکتی ہے۔

۷یہاں بھی وقت مستحب کا ذکر ہے اگرچہ وقت عصرآفتاب غروب تک رہتا ہے مگر حضور نے سورج زرد پڑنے سے پہلے آج عصر پڑھی کراہت سے بچنے کے لئے۔

۸اس سے معلوم ہوا کہ وقت مغرب سورج ڈوبنے سے شروع ہوکر شفق غائب ہونے تک رہتاہے،یہ ہی قول ہمارے امام اعظم کا ہے۔امام شافعی و مالک علیہما الرحمۃ کے نزدیک وقت مغرب ادائے مغرب کی بقدر ہے،یہ حدیث ہمارے امام کی قوی دلیل ہے رضی اللہ عنہ۔

۹پہلے عرض کیاجاچکا ہے کہ یہاں بعض نمازوں کے مستحب وقتوں کا ذکر ہے۔اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وقت مستحب کی ابتداءوانتہایہ ہے،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوبار حضرت جبریل نے بیت اللہ کے پاس میری امامت کی ۱تو مجھے ظہر پڑھائی جبکہ سورج ڈھل گیااورسایہ تسمہ کی برابرہوا ۲ اورمجھے عصر پڑھائی جب کہ ہرچیز کا سایہ اس کے برابرہوگیا۳اورمجھے مغرب پڑھائی جبکہ روزے دارافطار کرتاہے ۴مجھے عشاءپڑھائی جب کہ شفق غائب ہوگئی ۵اورمجھے فجرپڑھائی جب کہ روزے دارپرکھاناپیناحرام ہوتاہے ۶پھرجب کل ہوئی تومجھے ظہر جب پڑھائی کہ چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا ۷اورمجھے عصرجب پڑھائی کہ چیز کا سایہ دوگنا ہوگیا ۸اورمجھے مغرب پڑھائی جب کہ روزے دارافطار کرتاہے ۹اور مجھے عشاء تہائی رات تک پڑھائی اورمجھے فجرپڑھائی اجالاکرکے پھرمیری طرف متوجہ ہوئے عرض کیا اے محمد مصطفٰے ۱۰یہ آپ سے پہلے نبیوں کے اوقات ہیں ۱۱اوران وقتوں کے درمیان وقت نمازہے ۱۲(ابوداؤد،ترمذی)

۱یعنی شبِ معراج کے سویرے جبریل امین نے دو دن مجھے نمازپڑھائی سب سے پہلے ظہر پڑھائی۔خیال رہے کہ حضرت جبریل حضور کے استاد نہیں بلکہ خادم ہیں،یہ نمازپڑھانا پیغامِ الٰہی پہنچانے کے لئے تھا۔یہ عملی رسالت تھی جو ادا کی اورکبھی مقتدی امام سے افضل ہوتاہے۔حضور نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے نماز فجر پڑھی حالانکہ حضور نبی تھے وہ امتی،نیز اس امامت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے کیونکہ آج یہ نمازیں حضرت جبریل پرفرض ہوگئی

تھیں، جب رب نے انہیں یہ حکم دیا تو فرض ہوگئیں۔یہ واقعہ بیت اللہ کے دروازے سے متصل ہوا جہاں اب بھی لوگ نفل پڑھتے ہیں، یہاں حوض کی طرح جگہ نیچی ہے، غسلِ کعبہ کے وقت یہاں ہی زمزم بھراجاتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ حضرت جبریل کی یہ تعلیم امت کے لئے تھی نہ کہ حضور کے لئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز کا طریقہ اس کے اوقات اوّل سے ہی جانتے تھے پہلی وحی جب آئی تو آپ غارحرا میں معتکف تھے،نیز معراج کو جاتے وقت بیت المقدس میں سارے رسولوں کو نماز پڑھا کر گئے،پھر بیت المعمور میں سارے فرشتوں کو نماز پڑھائی وہ تو نبیوں اور فرشتوں کے امام ہیں مگر امت کو تعلیم احکام کے نزول کے بعد ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی اس دن آفتاب ڈھلنے پر انسان کا سایہ جوتہ کے تسمہ کے برابر تھا کیونکہ گرمی کا موسم تھا یہ سایہ موسموں کے لحاظ سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔خیال رہے کہ یہاں سایہ سے مراد عام انسانوں کا سایہ ہے نہ کہ حضور کا سایہ،نہ حضرت جبریل کا کہ یہ دونوں نور ہیں نور کا سایہ نہیں ہوتا،حضور کا سایہ نہ تھا اگرچہ سارے عالم پر انہیں کا سایہ ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب رسالہ "نور"میں دیکھو۔

۳؎ اس حدیث سے امام شافعی و صاحبین نے دلیل پکڑی کہ ایک مثل پر عصر کا وقت ہوجاتا ہے۔ہمارے امام اعظم کے نزدیک دو مثل پر ہوتا ہے۔مگر یہ حدیث ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں سایہ اصلی کا ذکر نہیں،حالانکہ ان بزرگوں کے نزدیک بھی عصر کا وقت سایہ اصلی کے سواء ایک مثل سایہ ہونے پر ہوتا ہے۔حق یہ ہے کہ اوقات کی یہ حدیث منسوخ ہے،جیسے کہ اس دن ہر نماز دو رکعت تھی ایسے ہی اس دن اوقات نماز یہ تھے،بعد میں نمازوں کی رکعتوں میں بھی زیادتی ہوئی اور اوقات میں بھی تبدیلی۔ان شاءاللہ اس کی تحقیق اگلے باب میں ہوگی اور ہماری کتاب "جاء الحق"حصہ دوم میں بھی ملاحظہ کرو۔اس کی ناسخ احادیث کا بھی ذکر آرہا ہے۔

۴؎ یعنی آج کل جس وقت افطار ہوتا ہے اس وقت مغرب پڑھائی سورج ڈوبتے ہی،ورنہ اس دن نہ روزہ فرض تھا نہ افطار تھا۔روزے بعد ہجرت فرض ہوئے لہذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

۵؎ اس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی غروب آفتاب کی سرخی کے بعد وہ سفیدی شفق ہے اس کے چھپنے پر وقت عشاء ہوجاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے جیسا کہ ان شاءاللہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

۶؎ اس کا وہ ہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی آج کل جب پو پھٹنے پر روزہ دار کو کھانا پینا حرام ہوتا ہے اس وقت نماز فجر پڑھائی ورنہ اس وقت نہ روزے تھے نہ سحری وافطار۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ آج ظہر اس وقت پڑھائی جس وقت کل عصر پڑھائی تھی،یعنی ایک مثل سایہ پر۔لہذا یہ حدیث بالا تفاق منسوخ ہے۔کسی کا مذہب یہ نہیں کہ ظہر کا آخر اور عصر کا اول بالکل ایک وقت ہے،سب کے نزدیک ظہر کے بعد عصر کا وقت ہوتا ہے۔بعض نے فرمایا کہ یہاں تقریبی وقت مراد ہے یعنی قریبًا ایک مثل سایہ تھا ایک مثل سے کچھ ہی پہلے۔بعض نے فرمایا کہ نماز ظہر ختم ہونے پر ایک مثل ہوا نہ کہ شروع پر۔بعض نے فرمایا کہ ایک مثل مع سایہ اصلی کے مراد ہے،یعنی کل عصر پڑھائی ایک مثل پر،علاوہ سایہ اصلی کے اوپر،آج ظہر پڑھائی ایک مثل مع سایہ اصلی کے۔غرض کہ یہ حدیث مشکلات میں سے ہے حق یہ ہے کہ منسوخ ہے۔

۸؎ یہ خبر بھی بالاتفاق منسوخ ہے کیونکہ سب کے نزدیک وقت عصر آفتاب چھپنے پر ختم ہوتا ہے نہ کہ سایہ دوگنا ہونے پر بلکہ امام اعظم کے ہاں اس وقت عصر شروع ہوتی ہے۔

۹؎ یعنی مغرب دو دن ایک ہی وقت پڑھائی،امام شافعی و مالک کا یہ ہی قول ہے۔مگر ہمارے ہاں یہ حدیث ہی منسوخ ہے۔پچھلی حدیث میں گزرگیاکہ حضورنے دوسرے دن مغرب شفق غائب ہونے سےکچھ پہلے پڑھائی۔اگر وقت مغرب صرف اداء نماز کے بقدرہوتا تو اس تاخیر کے کیا معنی ہیں؟اور وہ حدیث اس کے بعد کی ہے کیونکہ آج تو اسلام کی پہلی نمازیں اداہو رہی ہیں۔

۱۰؎ یہ کلمہ حضورانکسار کے طور پراپنے الفاظ میں ادا فرمارہے ہیں ورنہ حضرت جبریل نے نہایت ادب سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ یا حبیب اللہ،جیسے آج کوئی عالم کہے کہ مجھے جلسہ والوں نے کہا کہ تو بھی کچھ کہہ حالانکہ جلسے والے ادب سے عرض کرتے ہیں۔حضرت جبریل صرف نام شریف لے کر کیسے پکارسکتے ہیں یہ تو حکم قرآنی کے خلاف ہے،رب فرماتا ہے:"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ"الایہ۔

۱۱؎ یعنی ان نمازوں میں سے جس نبی نے جو نمازپڑھی وہ ان ہی وقتوں میں پڑھی۔خیال رہے کہ کسی نبی پر یہ پانچ نمازیں جمع نہ ہوئیں یہ اجتماع حضور کی امت کی خصوصیت ہے،لہذا حدیث صاف ہے بلکہ ابوداؤد،بیہقی،ابن ابی شیبہ کہتے ہیں حضور نے فرمایا کہ نمازعشاءتم سے پہلےکسی امت نے نہ پڑھی،ہوسکتا ہے کہ یہ نمازبعض انبیاء نے پڑھی ہوں ان کی امت پر فرض نہ ہو جیسے آج نماز تہجد ہمارے حضور پر فرض تھی ہم پر فرض نہیں۔طحاوی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاسے روایت کی کہ نماز فجرحضرت آدم نے پڑھی جب توبہ قبول ہوئی،نمازظہرحضرت ابراہیم نے پڑھی حضرت اسمٰعیل کا فدیہ دنبہ آنے پر،نماز عصر حضرت عزیرنے پڑھی جب سو برس کے بعدآپ زندہ ہوئے،نماز مغرب حضرت داؤد نے پڑھی اپنی توبہ قبول ہونے پر،مگر چار رکعت کی نیت باندھی تھی تین رکعت پر سلام پھیردیا تھک گئے تھے لہذا تین ہی رہ گئیں،نماز عشاء ہمارے حضور نے پڑھی۔بعض نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب آگ لینے طور پر گئے،خیریت سے نبوت لے کر آئے،بیوی صاحبہ کو بخیریت پایا کہ بچہ پیداہوچکاتھا۔واللہ اعلم!

۱۲؎ ظاہریہ ہے کہ ان دو دنوں میں صرف حضور نے حضرت جبریل کے ساتھ نمازیں پڑھیں ان میں صحابہ ساتھ نہ تھے جیسا کہ اَمَّنِی سے معلوم ہوا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم خودنماز پڑھ کرپڑھنے کا حکم دیتے تھے یا حضوربطورنفل حضرت جبریل کے ساتھ پڑھتے رہے اوربعدمیں صحابہ کو پڑھاتے رہے۔خیال رہے کہ معراج کے سویرے نماز فجر نہ پڑھی گئی نہ قضاء کی گئی کیونکہ قانون بیان سے پہلے عمل کے لائق نہیں ہوا،معراج کی رات نمازفرض ہوئی اور پہلے ظہر پڑھی گئی لہذا آج چارنمازیں ہوئیں پھر پانچ اس کی تحقیق ہماری کتاب "تفسیرنعیمی"وغیرہ میں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن شہاب سے۱؎ کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزنے عصرکچھ دیرسے پڑھی۲؎ توان سے عروہ نے کہا کہ حضرت جبریل اترے انہوں نے حضورانور صلی اللہ	

	علیہ وسلم کے آگے نماز پڑھی۳؎ حضرت عمر نے ان سے کہا کہ جو کہتے ہو سمجھ کے کہو اے عروہ۴؎ وہ بولے میں نے بشیر ابن ابی مسعود کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے ابی مسعود کو سنا کہ وہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۵؎ کہ اترے حضرت جبریل انہوں نے میری امامت کی میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر انکے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی اپنی انگلیوں پر پانچ نمازیں گناتے تھے۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ امام زہری کی کنیت ہے،آپ کا نام محمد ہے،کنیت ابوبکر اور ابن شہاب ہے،مشہور تابعی ہیں۔

۲؎ یعنی معمول سے زیادہ دیر سے پڑھی،عمر ابن عبدالعزیز خلفاء میں سے پانچویں خلیفہ برحق ہیں۔(مرقات) پانچواں اس لئے کہا گیا کہ حضرت امام حسن نے خلافت سے دستبرداری کرلی تھی،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا ادب ہے حضرت عروہ نے یہ نہ کہا کہ حضور کو نماز پڑھائی بلکہ یوں کہا کہ آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھ کردکھائی،حضرت عروہ عائشہ صدیقہ کے بھانجے اور حضرت اسماء کے فرزند ہیں۔آپ کے باغ کے کنوئیں کا پانی فقیر نے بھی پیا ہے۔

۴؎ یعنی اے عروہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت جبریل حضور سے آگے کھڑے ہوں،رب تو فرماتا ہے:"لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللہِ وَ رَسُوۡلِہٖ" تمہاری یہ خبر مجھے قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

۵؎ خیال رہے کہ حضرت عروہ ابن زبیر خود بھی صحابی ہیں مگر پھر بھی اسناد سے حدیث بیان کی۔مقصد یہ ہے کہ میں نے حضور سے خود بھی یہ حدیث سنی ہے،میرے علاوہ اور صحابہ نے بھی سنی اور ان سے دوسرے مسلمانوں نے بھی۔غرض کہ بطور گواہی یہ اسناد پیش کی ورنہ جب صحابی خود حضور سے حدیث سن لیں تو انہیں اسناد کی ضرورت نہیں۔

۶؎ حضرت عروہ نے اس جگہ نماز کے اوقات کا ذکر نہ کیا کیونکہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو اس پر تو کوئی شبہ نہ تھا،انہیں شبہ یہ تھا کہ حضرت جبریل حضور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کیونکر پڑھا سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو امام الاولین و الآخرین ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کو جاتے ہوئے سارے نبیوں کو نماز پڑھائی،بیت المقدس میں ان مقتدیوں میں حضرت جبریل و میکائیل بلکہ سارے براتی فرشتے اس معراج والے دولہا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے تھے،آج حضرت جبریل امام کیسے ہوگئے اس لئے اسناد سے صرف نماز پڑھانے کا واقعہ عرض کیا۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ معراج کی نماز نمازِ عشق تھی نہ کہ نماز شرعی ورنہ گزشتہ نبی یہ نماز نہ پڑھتے کہ بعد وفات احکام شرعیہ ختم ہوجاتے ہیں اور یہ نماز تھی اور احکام شرعیہ لانے والے حضرت جبریل تھے،عشق حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت جبریل امین کو سکھایا اور شریعت کے احکام حضرت جبریل علیہ السلام لائے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلَّمَ"۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے آپ نے اپنے

	حکام کو لکھا کہ میرے نزدیک سارے کاموں سے زیادہ اہم نماز ہے۱جس نے اسے محفوظ رکھا اور اس کی پابندی کی اس نے اپنا دین محفوظ رکھا اور جس نے اسے ضائع کردیا تو وہ نماز کے سواء کوبہت ضائع کرے گا ۲پھرلکھا کہ ظہراس وقت پڑھو جب سایہ ایک گز ہوجائے۳یہاں تک پڑھو کہ ہر ایک کا سایہ اس کے برابرہوجائے۴اورعصرجب پڑھو کہ سورج اونچا سفید صاف ہوجس قدرکہ سواء آفتاب ڈوبنے سے پہلے دوتین کوس چل لے ۵اورمغرب جب پڑھو کہ سورج ڈوب جائے اورعشاء اس وقت کہ شفق غائب ہوجائے تہائی رات تک ۶تو جوعشاء سے پہلے سوجائے خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں،جو سوجائے اس کی آنکھیں نہ سوئیں،جوسوجائے اس کی آنکھیں نہ سوئیں ۷اور فجر پڑھو کہ تارے چمکتے ہوں گتھے ہوئے ہوں ۸(مالک)

۱یعنی سلطنت کے کام ملکی انتظام نماز کے بعدہیں جب نمازکا وقت آجائے توسارے کام ویسے ہی چھوڑ دو اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ سلطان اسلام کو چاہیئے کہ رعایا کے دینی حالات سنبھالے صرف دنیا پر نظر نہ رکھے۔دوسرے یہ کہ بڑوں کو سنبھالوچھوٹے خود سنبھل جائیں گےاسی لئے آپ نے حکام کو خصوصیت سے خطاب فرمایا۔

۲حفظ سے مراد نمازکو درست کرکے پڑھنا ہے اورمحافظت سے مرادہمیشہ اور صحیح وقت پرپڑھنا۔اس فرمان سےمعلوم ہوا کہ جیسے نمازکی پابندی تمام نیکیوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ایسے ہی نماز چھوڑنا گناہوں کا دروازہ کھولتا ہے،رب فرماتاہے:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ"الایہ۔

۳سایہ سے مراد عام انسان کا سایہ ہے،گز سے شرعی گز مراد ہے،یعنی ۲۴ انگل یا ڈیڑھ فٹ۔آپ کا یہ فرمان اس موسم کے لحاظ سے ہے جب خط لکھاتھااس وقت اس ملک میں ایک ہاتھ سایہ ہونے پرہی وقت ظہر شروع ہوتا ہوگا ورنہ مختلف وقتوں اورمختلف علاقوں میں وقت ظہرمختلف رہتاہے۔

۴اس قسم کی تمام احادیث امام شافعی کی دلیل ہیں کہ وقت ظہرایک مثل پرختم ہوجاتا ہے،امام اعظم کے نزدیک دومثل تک وقت ظہر رہتا ہے،ان کے ہاں ایک مثل کی احادیث منسوخ ہیں ان کی ناسخ وہ احادیث ہیں جو اگلے باب میں آرہی ہیں۔حضرت عمر کا یہ فرمان بیان مستحب کے لئے ہے،یعنی بہتریہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک پڑھ لو۔ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ ظہر ایک مثل تک پڑھ لے اورعصردومثل کے بعد ورنہ ظاہری معنی سے یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک بھی اصلی سایہ کے سواء ایک مثل سایہ چاہیئے اوریہاں اصلی سایہ کا ذکرنہیں۔

۵؎ یعنی سورج ڈوبنے سے ۵۰منٹ پہلے کیونکہ بیس منٹ پہلے سورج پیلا پڑتا ہے۔یہ وقت کراہت ہے اس سے آدھا گھنٹہ پہلے عصرشروع کرنی چاہیئے اتنی دیر میں سواردوتین کوس بخوبی چل لے گا۔

٦؎ یہاں بھی وقت مستحب ہی کا ذکر ہے ورنہ وقت مغرب شفق ڈوبنے تک رہتا ہے اوروقت عشاء صبح صادق تک،مگر مستحب یہ ہے کہ مغرب سورج ڈوبتے ہی پڑھ لی جائے اورعشاء تہائی رات سے پہلے۔

۷؎ جناب فاروق اعظم کی یہ بددعا اظہارغضب کے لئے ہے۔خیال رہے کہ نمازعشاءسے پہلے سوجانااورعشاء کے بعدبلاضرورت جاگتے رہنا سنت کے خلاف اورنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسندہے لیکن نمازسے پہلے سوکرنمازہی نہ پڑھنا اور ایسے ہی عشاء کے بعدجاگ کرفجرقضاءکردینا حرام ہے کیونکہ حرام کا ذریعہ بھی حرا م ہوتاہے۔

۸؎ یعنی فجراندھیرے میں پڑھو،یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔امام اعظم کے نزدیک فجر اجیالاکرکے پڑھنی چاہیئے،امام صاحب کے دلائل اگلے باب میں آرہے ہیں۔اوراوقات نمازکی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاءالحق**"حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اندازہ ظہرگرمی میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور سردی میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی حضورگرمی کے موسم میں اگرظہرجلدی پڑھتے تو جب پڑھتے تھے کہ درمیانی انسان کا سایہ تین قدم ہوجاتا،اور اگردیرمیں پڑھتے تو اس وقت پڑھتے جب انسانی قد کا سایہ پانچ قدم ہوجاتا،اورسردی میں اگرجلدی پڑھتے تو پانچ قدم سایہ پراوردیرمیں پڑھتے تو سات قدم پرکیونکہ بمقابلہ گرمیوں کے سردی میں سایہ اصلی لمبا ہوتاہے۔یہ اندازہ ملک عرب کے لحاظ سے ہے دیگر ممالک میں جاری نہیں ہوسکتاکیونکہ جگہ کا جس قدر عرض بلدزیادہ ہوگا اسی قدر سایہ لمبا ہوگا۔

باب التعجیل الصلوۃ

جلد نماز پڑھنے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک نماز مغرب ہمیشہ اور نماز ظہر سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے کہ وقت داخل ہوتے ہی نماز شروع کردی جائے ان دو کے سوا باقی تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا مستحب ہیں۔امام صاحب کے نزدیک نماز جلدی پڑھنے کے معنے یہ ہیں کہ وقت شروع ہوتے ہی نماز پڑھ لی جائے دیر نہ لگائی جائے،بعض آئمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ نماز کا وقت آتے ہی پڑھ لی جائے مگر نماز عشاء میں تہائی رات تک دیر لگانا سب کے نزدیک مستحب ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کی تاخیر اور مغرب میں جلدی یونہی سردیوں میں ظہر کی جلدی پر سب متفق ہیں باقی نمازوں میں اختلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت سیار ابن سلامہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت ابی برزہ اسلمی کے پاس گئے ۲؎ ان سے میرے باپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کیسے پڑھتے تھے وہ بولے کہ دوپہری کی نماز جسے تم پہلی کہتے ہو تب پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا ۳؎اور عصر پڑھتے پھر ہم میں سے ایک کنارہ مدینہ میں اپنے گھر پہنچ جاتا حالانکہ سورج صاف ہوتا ۴؎ اور جو کچھ مغرب کے بارے میں فرمایا وہ میں بھول گیا اور آپ عشاء جسے تم عتمہ کہتے ہو اسے دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے ۵؎اور اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت ناپسند فرماتے تھے ۶؎اور نماز فجر سے جب فارغ ہوتے جب کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا حالانکہ آپ ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے ۷؎اور ایک روایت میں ہے کہ آپ عشاء کو تہائی رات تک تاخیر کرنے میں پروانہ کرتے تھے اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے۔(مسلم،بخاری)

۱؎آپ مشہور تابعی ہیں،بصری،قبیلۂ بنی تمیم سے ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

۲؎ آپ کا نام نفلہ ابن عبید ہے، صحابی ہیں، حضور کی وفات کے بعد مسلمان دور دور سے صحابہ کی زیارت کرنے،ان سے مسائل پوچھنے آیا کرتے تھے اس سلسلے میں آپ کی حاضری بھی تھی۔

۳؎ یعنی ظہر اول وقت پڑھ لیتے تھے،یہاں سردی کے زمانہ کی ظہر مراد ہے،ورنہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ حضور نے فرمایا ظہر ٹھنڈی کرو کیونکہ دوپہری کی گرمی دوزخ کی بھڑک سے ہے،لہذا یہ حدیث نہ اگلی حدیث سے متعارض ہے نہ حنفیوں کے خلاف۔

۴؎ یعنی آفتاب ڈوبنے سے قریبًا پچاس منٹ پہلے اور پیلا پڑنے سے آدھا گھنٹہ پہلے عصر پڑھتے تھے،قریبًا دس منٹ میں نماز سے فراغت ہوتی تھی،چالیس منٹ میں انسان بخوبی مدینہ منورہ کے کنارے پہنچ سکتا ہے۔یہ فقیر آدھے گھنٹے میں پیدل مسجد قباء شریف پہنچ جاتا تھا،لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ایک مثل میں پڑھتے تھے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔

۵؎ شریعت میں اس نماز کا نام عشاء ہے مگر بدوی لوگ عتمہ کہتے ہیں یعنی اونٹنی دوھنے کے وقت کی نماز۔خیال رہے کہ نماز کے وہی نام لینے چاہئیں جو شریعت نے مقرر کئے،ظہر کو پیشی،عصر کو دیگر،مغرب کو شام،اورعشاء کو خفتاں کہنا جیسا کہ پنجاب میں مروج ہے برا ہے۔یہاں تاخیر سے مراد تہائی رات تک دیر لگانا ہے،جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

۶؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی۔بات سے دنیاوی غیر ضروری باتیں مراد ہیں یہی مکروہ ہیں،لہذا دینی جلسے،دینی کتب کا مطالعہ عشاء کے بعد منع نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد جلدی سوجاؤ صبح کو جلدی اٹھو۔

۷؎ یعنی فجر اتنی جلدی شروع کرتے کہ ساٹھ یا سوآیتیں پڑھ کر فارغ ہونے پر اتنا اجیالا ہوتا کہ ساتھی پہچان لیا جائے،یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جن کے نزدیک فجر اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔امام اعظم کے نزدیک یہ اندھیرا مسجد کا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا کیونکہ مسجد نبوی بہت گہری ہے،باہر کی روشنی وہاں بہت دیر میں پہنچتی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہ وقت کا اندھیرا تھا تو یہ حضور کا خصوصی عمل ہے،فرمان آگے آرہا ہے کہ فرمایا فجر اجالا کرکے پڑھو کہ اس کا ثواب زیادہ ہے اورجب حضور کے فرمان و عمل شریف میں تعارض معلوم ہو تو فرمان کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ عمل میں احتمال ہے کہ آپ کی خصوصیات میں سے ہو۔خیال رہے کہ ایسی حدیث کوئی نہیں جس میں اندھیرے میں فجر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو مگر اجیالے کے حکم کی بہت حدیثیں موجود ہیں،نیز عام صحابہ فجر اجیالے میں ہی پڑھتے تھے۔حضرت علی قنبر سے فرمایا کرتے تھے اے قنبر خوب اجیالا کرو،خوب اجیالا کرو(طحاوی)صدیق اکبر جب فجر سے فارغ ہوتے تو محسوس ہوتا تھا کہ آفتاب نکلا چاہتا ہے۔(بیہقی)ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا جیسا اتفاق فجر وعصر کے اجیالے پر ہے ایسا بہت کم مسائل پر ہے۔(طحاوی وخسرو)فقیر نے "جاء الحق"حصہ دوم میں اجیالہ فجر کی انتیس ۲۹ احادیث پیش کی ہیں حتی کہ دیلمی کی روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر روشنی میں پڑھے اللہ اس کی قبر اور دل میں روشنی کرے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن عمرو ابن حسن ابن علی سے فرماتے ہیں ہم نے جابر ابن عبداللہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا فرمایا ظہر دوپہری میں پڑھتے تھے اور عصر جب کہ سورج صاف ہوتا اورمغرب جب کہ سورج ڈوب جاتا ہے	

	اور عشاء جب لوگ زیادہ ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے اور جب تھوڑے ہوتے تو دیر میں پڑھتے اور صبح اندھیرے میں ا(مسلم،بخاری)

ا اس کی شرح پہلے گزر گئی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو لوگوں کے اجتماع کا خیال رکھا جائے۔ریل کا سا وقت نہ ہو کہ نمازی ہوں یا نہ ہوں نماز پڑھ لی جائے۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہ اگر لوگ کم ہوتے تو عشاء دیر سے پڑھتے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر پڑھتے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے ا(مسلم،بخاری)لفظ بخاری کے ہیں۔

ا یہ گرمی فرش کی ہوتی تھی نہ کہ وقت کی۔سرکار ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے تھے مگر فرش تپا ہوتا تھا جیسے کہ اب بھی حرمین شریفین میں دیکھا جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ نمازی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر ضرورۃً سجدہ کرسکتا ہے،یہی امام صاحب کا قول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو نماز ٹھنڈی کرو۔

	اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابوسعید سے ہے کہ ظہر ٹھنڈی کروا کیونکہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے۲ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی تھی کہا تھا اے رب میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا رب نے اسے دوسانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں اور ایک گرمی میں یہ وہی تیز گرمی اور ٹھنڈک ہے جسے تم محسوس کرتے ہو۳(مسلم،بخاری)اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو تیز گرمی تم پاتے ہو یہ دوزخ کی گرم سانس سے ہے اور جو تیز ٹھنڈک تم پاتے ہو یہ اس کی ٹھنڈی سانس سے ہے۔

ا؎ یہ حدیث ان تمام احادیث کی شرح ہے جن میں فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوپہری میں ظہر پڑھتے تھے،اس نے بتایا کہ وہاں جاڑوں کی ظہر مراد ہے،گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔اس سے حنفیوں کے دومسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ گرمی کی ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ ظہر کا وقت دومثل سایہ تک رہتا ہے کیونکہ ایک مثل تک ہر جگہ خصوصًا عرب میں بہت تپش رہتی ہے۔نیز بخاری،ابوداؤد و بیہقی،طحاوی،ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوذرغفاری سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں ظہر جب پڑھی جب کہ ٹیلوں کا سایہ پڑگیا اور ٹیلہ کا سایہ ایک مثل کے بعد ہی پڑتا ہے،نیز بخاری شریف نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود ان مزدوروں کی طرح ہیں جو صبح سے ظہر تک ایک قیراط پر کام کریں،عیسائی وہ مزدور ہیں جو ظہر سے عصر تک ایک قیراط پر محنت کریں،اور تم وہ مزدور ہو جو عصر سے مغرب تک دو قیراط کے بدلے کام کریں تمہارا کام کم اور مزدوری زیادہ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت عصر وقت ظہر سے کم ہے ورنہ یہ مثال درست نہ ہوتی اگر ایک مثل پر عصر شروع ہوجایا کرے تو اس کا وقت ظہر کی برابر بلکہ گرمیوں میں اس سے کہیں زیادہ ہوجائیگا۔اس مسئلہ پر امام صاحب کے اور بہت دلائل ہیں اگر شوق ہو تو ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم کا یہ باب دیکھو۔

۲؎ خیال رہے کہ فلاسفہ کے نزدیک گرمی آفتاب کے قرب سے آتی ہے مگر آفتاب میں گرمی دوزخ سے آئی۔ہوسکتا ہے کہ گرمی آفتاب سے بھی ہو اور دوزخ کی بھڑک کی توجہ سے،اگرچہ گرمیوں کے موسم میں بعض پہاڑوں اور بعض مقامات پر ٹھنڈک رہتی ہے لیکن یہ اس کے خلاف نہیں جیسے سورج کی گرمی ایک ہے لیکن اس کے اثر کا ظہور زمین پر مختلف،کہیں سردی،کہیں گرمی،ایسے ہی ادھر بھی ہے کہ بھڑک کی توجہ جہاں زیادہ ہے وہاں گرمی،جہاں کم ہے وہاں سردی،لہذا اس حدیث پر نہ تو آریوں اور عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہوسکتا ہے نہ چکڑالویوں کا۔

۳؎ یعنی دوزخ جب اوپر کو سانس لیتا ہے تو دنیا میں عمومًا سردی کا زور ہوتا ہے اور جب نیچے کو سانس چھوڑتا ہے تو عمومًا گرمی کی شدت۔خیال رہے کہ یہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں ہر چیز میں قدرت نے زندگی اور شعور بخشے ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"**فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ**"کفار کے مرنے پر آسمان و زمین نہیں روتے یعنی مسلمان کے مرنے پر روتے ہیں،اور فرماتا ہے:"**وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ**"بعض پتھر اللہ کے خوف کی وجہ سے گرجاتے ہیں۔چکڑالویوں کو ان احادیث پر اعتراض کرنے سے پہلے یہ آیات دیکھنی چاہئیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر اس وقت پڑھتے تھے کہ سورج بلند اور صاف ہوتا تھا کہ جانے والا اطراف مدینہ کی طرف جاتا وہاں اس وقت پہنچ جاتا کہ سورج بلند ہوتا حالانکہ بعض اطراف مدینہ سے چار میل یا اس کی مثل تھے ا؎ (مسلم،بخاری)

۱؎اس حدیث سے نہ تو یہ ثابت ہوتاہے کہ عصردومثل سے پہلے پڑھتے تھے اور نہ یہ کہ عصراول وقت پڑھ لیتے تھے،حنفی وقت میں(غروب آفتاب سے ۵۰منٹ پہلے)عصر پڑھ کر اتنی دور بے تکلف چلاجاسکتا ہے۔طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ اس وقت عصر پڑھتے جب دھوپ اونچے پہاڑ پر نظرآتی تھی۔اورسیدنافاروق اعظم نے اپنے عمّال کو لکھا کہ صحابہ کرام نمازعصردیرمیں پڑھتے تھے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ منافق کی نمازہے کہ بیٹھا ہواسورج کا انتظار کرتارہے حتی کہ جب پیلا پڑجائے اور شیطان کے دوسینگوں کے بیچ آجائے توکھڑاہوکرچار چونچیں مارے کہ ان میں اللہ کا تھوڑا ہی ذکر کرے۱؎ (مسلم)

۱؎ اس حدیث سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دنیوی کاروبارمیں پھنس کرنماز عصر دیر سے پڑھنا منافقوں کی علامت ہے۔دوسرے یہ کہ غروب سے۲۰منٹ پہلے کراہت کا وقت ہے،وقت مستحب میں عصر پڑھنا چاہیئے۔تیسرے یہ کہ رکوع اورسجدہ بہت اطمینان سے کرنا چاہیئے،حضور نے جلدباز سجدے کومرغ کے چونچ مارنے سے تشبیہ دی جو وہ دانہ چگتے وقت زمین پرجلدی جلدی مارتاہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کی نماز عصر جاتی رہی گویا اس کا گھر باراورمال لٹ گیا۱؎ ۔(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی جیسے اس شخص کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی نہیں ہوسکتی ایسے ہی عصر چھوڑنے والے کوناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے اس کی وجہ اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جونمازعصر چھوڑدے اس کے عمل ضبط ہوگئے۱؎(بخاری)

۱؎غالبًاعمل سے مراد وہ دنیوی کام ہے جس کی وجہ سے اس نے نمازعصرچھوڑی۔ضبطی سے مراد اس کام کی برکت کا ختم ہونا،یایہ مطلب ہے کہ جوعصرچھوڑنے کاعادی ہوجائے اس کے لئے اندیشہ ہے کہ وہ کافرہوکر مرے جس سے اعمال ضبط ہو جائیں،اس کا مطلب یہ نہیں کہ عصرچھوڑناکفر وارتدادہے۔خیال رہے کہ نماز عصرکو قرآن کریم نے بیچ کی نماز فرماکر اس کی بہت تاکیدفرمائی،نیزاس وقت رات ودن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتاہے اوریہ وقت لوگوں کی سیروتفریح اورتجارتوں کے فروغ کا وقت ہے،اس لئے کہ اکثرلوگ عصر میں سستی کرجاتے ہیں ان وجوہ سے قرآن شریف نے بھی عصرکی بہت تاکیدفرمائی اورحدیث شریف نے بھی۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب پڑھتے تھے تو ہم میں سے ایک اس وقت لوٹتا جب اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا[1] (مسلم،بخاری)	

[1] یعنی مغرب سے فارغ ہوکر اتنا اجالا ہوتا تھا کہ کمان سے پھینکا ہوا تیر جہاں گرتا نظر آتا تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز مغرب ہمیشہ اول وقت پڑھنی چاہئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ صحابہ نماز عشاء شفق غائب ہونے سے رات کی اگلی تہائی کے درمیان پڑھتے تھے[1] (مسلم،بخاری)	

[1] اگر جلدی پڑھتے تو شفق غائب ہونے کے بعد پڑھتے کہ اس سے پہلے وقت عشاء ہوتا ہی نہیں،لہذا یہ حدیث حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر پڑھتے تھے پھر عورتیں اپنی چادروں میں لپیٹی ہوئی لوٹ جاتی تھیں اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں[1] (مسلم،بخاری)	

[1] یہ اندھیرا یا تو مسجد کا ہوتا تھا کیونکہ مسجد نبوی بہت گہری تھی یا وقت کا کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر اول وقت میں ادا فرماتے تھے ان نمازی عورتوں کی وجہ سے تاکہ اندھیرے ہی میں اپنے گھر چلی جائیں پھر عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تب یہ حکم بھی بدل گیا۔پہلی صورت میں یہ حدیث محکم اور ہمارے واسطے لائق عمل ہے۔دوسری صورت میں یہ عمل اس وقت کے لحاظ سے ہے اور حضور کی خصوصیات سے۔ہم نے توجیہیں اس لئے کیں کہ آگے فجر اجیالے میں پڑھنے کا حکم آرہا ہے اس توجیہ کی بنا پر یہ فعلی حدیث اس قولی کے خلاف نہ ہوگی۔غالبًا یہ بیبیاں سلام پھیرتے ہی دعا سے پہلے چلی جاتی تھیں جیساکہ فَیَنۡصَرِفُ کی "ف" سے معلوم ہورہا ہے اور مرد دعا کے بعد جاتے تھے تاکہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو۔خیال رہے کہ حضرت عمر فاروق نے عورتوں کو مسجد سے روک دیا حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی تائید کی اور فرمایا کہ اگر حضور انور بھی آج کے حالات دیکھتے تو عورتوں کو مسجد سے روک دیتے افسوس ان لوگوں پر جو اس دور میں اپنی عورتوں کو بے پردہ سینما اور بازاروں میں بھیجیں۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے[1] وہ حضرت انس سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زید ابن ثابت نے سحری کھائی جب سحری سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف اٹھے اور نماز پڑھ لی ہم نے حضرت انس سے کہا کہ ان بزرگوں کے سحری سے فراغت	

	اور نماز کی مشغولیت میں کتنا فاصلہ تھا فرمایا اس قدر کہ کوئی شخص پچاس آیتیں پڑھ لے۲؎(بخاری)

۱؎ آپ مشہور تابعین میں سے ہیں،بہترین حافظ و مفسر تھے،مادر زاد نابینا تھے،حافظہ غضب کا پایا تھا،قبیلہ سَدُوس سے تھے،بصرے میں قیام تھے،۱۱۷ھ میں وفات پائی۔آپ سے خواجہ حسن بصری جیسے بزرگوں نے روایت لیں۔
۲؎ یعنی سحری بالکل آخر وقت کھائی اور فجر بالکل اول وقت پڑھی۔مرقات نے فرمایا کہ سحری اور نماز فجر میں صرف اتنا فاصلہ حضور انور کی خصوصیات سے ہے کیونکہ آپ دین میں خطاء سے معصوم تھے حضور کو سحری اور نماز کے اوقات کا یقینی علم تھا۔ہمیں صرف اتنے فاصلہ پر فجر جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ ہم وقت کی پہچان میں غلطی کرکے،یا سحری وقت کے بعد کھالیں،یا نماز وقت سے پہلے پڑھ لیں۔خیال رہے کہ فجر جلدی پڑھنے کی عملی احادیث ہیں لیکن قولی حدیث ایک بھی نہیں مگر دیر سے فجر پڑھنے کی قولی حدیثیں بہت موجود ہیں،لہذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہوں گے جو نمازوں کو فوت کردیا کریں گے یا ان کے وقتوں سے پیچھے کردیا کریں گے ۱؎ میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھ لیا کرنا اگر ان کے ساتھ بھی پالو تو پھر پڑھ لینا،کہ وہ تمہارے نفل ہوں گے۲؎(مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے حضور کو علوم غیبیہ بخشے۔دیکھو حضور نے اس جگہ ابوذرغفاری کی درازی عمر کی بھی خبر دی اور آئندہ لاپرواہ حکام کے تسلط کی بھی،یعنی اے ابوذر! خلفائے راشدین کے بعد تم زندہ رہو گے اور ایسے بے پرواہ اور ظالم حکام کا زمانہ پاؤ گے کہ تم انہیں نماز بھی صحیح وقت پر نہ پڑھوا سکو گے۔
۲؎ اس جملے سے بہت سے فقہی مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت کے لالچ میں نماز وقت مستحب سے نہ ہٹائی جائے بلکہ اکیلے پڑھ لی جائے۔دوسرے یہ کہ اگر حاکم صحیح وقت جماعت نہ ہونے دے تو مسجد میں یا گھر میں اپنی نماز علیحدہ پڑھ لے جیسا کہ آج حاجیوں کو نجدی حکام کی وجہ سے پیش آتا ہے۔تیسرے یہ کہ اگر ظالم حاکم کے سامنے مجبورًا کلمۂ حق نہ کہہ سکے تو گنہگار نہیں۔چوتھے یہ کہ نماز پڑھ چکنے کے بعد اگر جماعت ملے تو بہ نیت نفل اس میں شریک ہوجائے مگر یہ حکم صرف ظہر و عشاء میں ہے کیونکہ فجر و عصر کے بعد نفل مکروہ ہیں اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں۔پانچویں یہ کہ اگر ظالم حاکم کے ساتھ نماز نہ پڑھنے میں ایذاء اور تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو مجبورًا ان کے پیچھے نماز پڑھ لے مگر نماز لوٹالے جیسا کہ آجکل اہلِ سنت کو حرمین شریفین میں پیش آتا ہے۔چھٹے یہ کہ نفل والے کی نماز فرض والے کے پیچھے جائز ہے۔ساتویں یہ کہ اگر بادشادہ کا مقرر کردہ امام بدمذہب ہو اور کوئی سچا مسلمان ان کی جماعت کے وقت وہاں پھنس جائے تو معذوری کی حالت میں یہی کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے اس نے فجر پالی اور جو سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے اس نے عصر پالی۱(مسلم،بخاری)

۱یعنی اگر نماز فجر کے دوران میں سورج نکل آئے یا عصر کی نماز پڑھتے ہوئے آفتاب غروب ہوجائے تو نماز ہوگئی۔اس کی تحقیق اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے وہ اپنی نماز پوری کرلے اور جب سورج چمکنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے تو اپنی نماز پوری کررے۱(مسلم،بخاری)

۱کیونکہ اس نے نماز کا وقت پالیا اور اس کی یہ نماز ادا ہوگی نہ کہ قضاء۔خیال رہے کہ اس بارے میں احادیث متعارض ہیں۔اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ طلوع وغروب کے وقت نماز صحیح ہے مگر دوسری روایت میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وقتوں میں نماز پڑھنے سے سخت منع فرمایا،لہذا قیاس شرعی کی ضرورت پڑی جو ان میں سے ایک حدیث کو ترجیح دے۔قیاس نے حکم دیا کہ اس صورت میں عصر درست ہوگی اور فجر فاسد ہوجائے گی کیونکہ عصر میں آفتاب ڈوبنے سے پہلے وقت مکروہ بھی آتا ہے یعنی سورج کا پیلا پڑنا،لہذا یہ شروع بھی ناقص ہوئی اور ختم بھی ناقص،لیکن فجر میں آخر تک وقت کامل ہے اس صورت میں نماز شروع تو کامل ہوئی اور ختم ناقص،لہذا عصر میں اس حدیث پر عمل ہے اور فجر میں ممانعت کی حدیث پر۔اس کی زیادہ تحقیق ہماری کتاب "**جاء الحق**"حصہ دوم میں دیکھو۔غرضکہ سورج نکلتے وقت کوئی نماز درست نہیں،اور سورج ڈوبتے وقت اس دن کی عصر جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز بھول جائے یا اس سے غافل ہوکر سوجائے ۱تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے ایک روایت میں ہے اس کا کفارہ اس کے سواء اور کچھ نہیں۲ (مسلم،بخاری)

۱اس طرح کہ یونہی لیٹا سونے کا ارادہ نہ تھا کہ آنکھ لگ گئی وقت نماز گزر جانے پر آنکھ کھلی تو معذور ہے،لیکن اگر جان بوجھ کر بغیر نماز پڑھے سوگیا یارات کو بلاعذر دیر سے سویا جس سے فجر کے وقت آنکھ نہ کھلی تو مجرم ہے۔رب تعالٰی نیت وارادہ کو جانتا ہے،اسی لئے بعد نماز عشاء جلد سوجانے کا حکم ہے لہذا اس حدیث سے آج کل کے فاسق نماز سے بے پرواہ دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۲؎ یعنی جیسے روزہ رہ جانے میں کبھی کفارہ پڑ جاتاہے اور جیسے کبھی ارکان حج چھوٹ جانے پر کفارہ لازم آتا ہے ایسے نماز میں نہ ہوگا اس میں صرف قضاء ہے۔اِذَا ذَکَرَ سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ چھوٹی ہوئی نماز اگر قطعًا یاد ہی نہ آئے تو آدمی گنہگار نہیں۔دوسرے یہ کہ یاد آجانے پر دیر نہ لگائے فورًا قضا ادا کرے اب دیر لگانا گناہ ہے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تمام عبادات کا یہی حال ہے۔خیال رہے کہ یہاں صرف ذکر اور یاد آجانے کا تذکرہ فرمایا یہ بیداری کا ذکر نہ ہوا کیونکہ قضاء یاد آنے سے واجب ہوتی ہے نہ کہ محض جاگنے سے اگر جاگنے پر یاد نہ آئے قضا نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سوجانے میں کوتاہی (قصور) نہیں کوتاہی صرف بیداری میں ہے ۱؎ تو جب کوئی نماز بھول جائے یا اس سے غافل ہوکر سوجائے جب یاد آئے تو پڑھ لے چونکہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ میری یاد کے وقت نماز قائم کرو ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی اگر نماز کے وقت اتفاقًا آنکھ نہ کھلے اور نماز قضا ہوجائے تو گناہ نہیں۔گناہ اس میں ہے کہ انسان جاگتا رہے اور دانستہ نماز قضاء کردے۔خیال رہے کہ اگر وقت پر آنکھ نہ کھلنا اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہو تو گناہ ہے جیسے رات کو بلاوجہ دیر میں سونا جس سے دن چڑھے آنکھ کھلے یقینًا جرم ہے۔

۲؎ یعنی جب میں یاد آؤں تو نماز پڑھو اس آیت کی اور بہت تفسیریں ہیں۔بہت پیاری اور قوی تفسیر وہی ہے جو خود حضور فرمائیں۔خیال رہے کہ یہاں یہ نہ فرمایا کہ جب نماز یاد آجائے تو پڑھو بلکہ فرمایا جب میں یاد آؤں تو پڑھو،کہ معلوم ہوا کہ خدا کو یاد رکھنے والا نماز نہیں بھول سکتا اور نماز پابندی کرنے والا ان شاءاللہ خدا سے غافل نہیں ہوسکتا۔اس آیت کی اور بہت سی تفسیریں ہماری تفسیر "نورالعرفان" میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ نماز جب آجائے ۱؎ اور جنازہ جب تیار ہوجائے اور لڑکی جب اس کا ہم قوم مل جائے ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی جب نماز کا وقت مستحب آجائے تو دیر مت لگاؤ،لہذا یہ حدیث نہ تو حنفیوں کے خلاف ہے نہ شوافع کی تائید،نہ دوسری احادیث سے متعارض کیونکہ عشاء سب کے نزدیک دیر سے ہی پڑھنا چاہیئے۔

۲؎ اَیِّم اصل میں اَیْوَمُ تھا واؤ،ی ہوکر ی میں مدغم ہوگیا۔اَیِّم بے خاوندوالی بالغہ عورت کو کہتے ہیں کنواری ہو یا بیوہ،یعنی جب لڑکی کے لئے مناسب رشتہ مل جائے تو بلاوجہ دیر مت لگاؤ کہ اس میں ہزار ہا فتنہ ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر

وقت مکروہ میں جنازہ آئے تب بھی اس پر نماز پڑھ لیجائے یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔ممنوع یہ ہے کہ جنازہ پہلے تیار ہو مگر نماز وقت مکروہ میں پڑھی جائے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور نے سورج نکلتے،ڈوبتے اور بیچ دوپہری میں نماز جنازہ سے منع فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اول وقت میں اللہ کی خوشنودی ہے اور آخر وقت میں اللہ کی معافی ا(ترمذی)

ا اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے اور آخر وقت سے وقت مکروہ مراد ہے،یعنی وقت مستحب شروع ہوتے ہی نماز پڑھ لینا رضاالٰہی کا سبب ہے اور وقت مکروہ میں نماز پڑھنا تو چاہئے یہ تھا کہ سخت گناہ ہو اور نماز قضا مانی جائے مگر رب نے معافی دیدی۔ہماری اس تفسیر سے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ عشاء دیر سے پڑھو۔

	روایت ہے حضرت ام فروہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا عمل بہتر ہے فرمایا اول وقت نماز پڑھنا ا(احمد و ترمذی،ابوداؤد)ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صرف عبداللہ ابن عمر عمری سے مروی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ۲

ا یعنی وقت مستحب کے اول نماز پڑھنا جیسا کہ بارہا عرض کیا جاچکا۔خیال رہے کہ بیان فضیلت میں حدیثیں مختلف ہیں۔بعض میں ہے کہ افضل عمل جہاد ہے،بعض میں ہے کہ بہترین عمل ماں باپ کی خدمت،مگران میں تعارض نہیں،کیونکہ مطلقًا افضلیت اول وقت نماز پڑھنے میں ہے،لیکن بعض ہنگامی حالات میں جہاد یا خدمت والدین افضل ہوجاتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مختلف جوابات پوچھنے والوں کے لحاظ سے ہوں،کسی سے فرمایا کہ تیرے لئے جہاد افضل،کسی سے فرمایا تیرے لئے ماں باپ کی خدمت افضل،طبیب کا نسخہ مریض کی حالت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

۲ ان کا نام عبداللہ ابن عمر ابن حفص ابن عاصم ابن عمر ابن خطاب ہے،بڑے عابد و زاہد،پرہیزگار تھے مگر حافظہ کسی قدر کمزور تھا، ۱۷۱ھ میں وفات ہوئی۔ان کے بھائی عبید اللہ ابن عمر بڑے ثقہ راوی تھے۔خیال رہے کہ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے،اس لئے حسن لغیرہ ہے(مرقاۃ و اشعہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اس کے آخر وقت میں دوبارہ بھی نہ پڑھی حتی کہ رب نے آپ کو وفات دی ا(مرقاۃ)

ا یہ حدیث بہت مشکل ہے،کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ بہت نمازیں آخر وقت میں پڑھیں،کیونکہ جبریل امین نے دوسرے دن ساری نمازیں حضور کو آخر وقت میں پڑھائیں،پھر کئی دفعہ خود حضور نے نماز کے اوقات بتانے کے لئے صحابۂ کرام کو ایک دن اول وقت نمازیں پڑھائیں،ایک دن آخر وقت میں،غزوۂ خندق میں پانچ نمازیں قضاء کرکے پڑھیں،تعریس کی رات

فجر کی نماز قضاء کرکے پڑھی،ایک دفعہ فجر کے بالکل آخروقت حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی،بہت جلدی میں نمازادا کی اورفرمایا کہ میں نے رب کوخواب میں دیکھا اس سے ہمکلامی میں مشغول تھا الخ۔لہٰذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔یاتو یہ سارے واقعات ام المؤمنین کے علم میں نہ آئے یا سیکھنے سکھانے کے واقعات کا آپ کا ذکر نہیں فرمارہی ہیں یا مطلب یہ ہے کہ میرے نکاح میں آنے کے بعد میرے گھرمیں حضورنے کوئی نماز آخر وقت نہ پڑھی،نیز یہ حدیث قوی بھی نہیں ہے۔چنانچہ ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں۔محدث میرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تامّل ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت بھلائی پر یافرمایا فطرت پر رہیگی۱ جب تک مغرب کو تاروں کے گتھ جانے تک پیچھے نہ کریں ۲ (ابوداؤد)	

۱؎ فطرت سے مراد اسلام ہے،یا سنت انبیاء،یا اسلام کی دائمی سنت۔

۲؎ اس سے معلوم ہواکہ مغرب میں اتنی تاخیر مکروہ ہے جب تارے خوب چمک جائیں اور سارے تارے ظاہر ہوکرگھنے پڑ جائیں،جیسے روافض کی مغرب کا وقت۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہےکہ شفق سفیدی کا نام ہے نہ کہ سرخی کا،سفیدی میں وقت مغرب رہتا ہے کیونکہ تاروں کا گتھنا اور گھنا پڑنا سرخی کے وقت نہیں ہوتا،سفیدی کے وقت ہوتا ہے اس وقت کوحضورصلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کا آخری وقت قرار دیا،اسے تاخیر مغرب فرمایا،قضاء نہ فرمایا۔اس سے معلوم ہواکہ ان شاءاللہ اہل سنت خیر پر ہیں اور رہیں گے کیونکہ یہ مغرب جلدی پڑھتے ہیں۔

دارمی نے حضرت عباس سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو انہیں حکم دیتا کہ عشاء کوتہائی یا آدھی رات تک پیچھے کریں ۱ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اَوْنِصْفِہٖ میں راوی کو شک ہے کہ حضورنے یا تہائی فرمایا یا آدھا،یہ حدیث ان احادیث کی شرح ہے جن میں اول وقت نماز پڑھنے کی ترغیب ہے،اس حدیث نے بتایا کہ وہاں اول وقت سے اول وقتِ مستحب مراد تھا۔مطلب یہ ہے کہ اگر امت پر گرانی کاخیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی اتنی تاخیر کو فرض قراردے دیتا کہ اس سے پہلے عشاء جائز ہی نہ ہوتی،اب یہ تاخیرسنت تو ہے فرض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذنِ الٰہی احکام شرعیہ کے مالک ومختار ہیں کہ بحکمِ پروردگار جوچاہیں فرض کریں جو چاہیں فرض نہ کریں۔اس کے لئے ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰے"دیکھو۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور امت پر ایسے رحیم وکریم ہیں کہ عبادات میں بھی امت کی راحت کا خیال رکھتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس نماز کو دیر سے پڑھا کرو کیونکہ تم کو اس کی وجہ سے ساری امتوں پر بزرگی دی گئی کہ تم سے پہلے یہ نماز کسی امت نے نہ پڑھی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی چونکہ نمازعشاء تم ہی کو ملی ہے اس لئے اسے دیر میں پڑھا کرو تاکہ تمہیں انتظارِ نماز کا ثواب ملے اور اس کے بعد زیادہ باتوں کا وقت نہ رہے فورًا سوجایا کرو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کی امت ساری امتوں سے افضل ہے۔اس فضیلت کی بہت سی وجوہ ہیں:جن میں سے ایک عشاء کا ملنا بھی ہے۔خیال رہے کہ نمازعشاء ہم سے پہلے کسی امت پر فرض نہ تھی،ہاں بعض نبی بطور نفل اسے پڑھتے رہے ہیں،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں جبریل نے عرض کیا تھاکہ یہ اوقات آپ کے اور آپ سے پہلے انبیاء کی نمازوں کے وقت ہیں اور نہ اس روایت کے خلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے وادی سینا سے آکر اپنی بیوی"**صفوراء**"کو بخیریت پاکر نمازعشاء پڑھی۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرمایا کہ میں اس نمازیعنی آخری عشاء کے نماز کاوقت خوب جانتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز تیسری شب کے چاند ڈوب جانے پر پڑھا کرتے تھے ۱؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎یہ وقت سردیوں میں تقریبًاساڑھے نوبجے شب بنتا ہے جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوا۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر روشنی میں پڑھو کیونکہ اس کا ثواب بڑا ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی) ۲؎ اورنسائی کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ اس کا ثواب بڑا ہے۔

۱؎یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ فجر اجیالے میں پڑھنی چاہیئے۔خیال رہے کہ تاریکی میں فجر پڑھنے کی عملی حدیثیں تو ہیں مگر قولی حدیث کوئی نہیں۔ان احادیث میں احتمال ہے کہ شاید مسجد کی تاریکی ہوتی ہو نہ کہ وقت کی مگر اس حدیث میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی،اسی لئے صحابہ کرام فجر اجیالے میں پڑھتے تھے،جیسا کہ بہت احادیث سے ثابت ہے۔ہم نے وہ احادیث اپنی کتاب "**جاء الحق**"حصہ دوم میں جمع کی ہیں۔اس حدیث کی تائید دوچیزوں سے ہوتی ہے:ایک یہ کہ مسلم،بخاری نے سیدنا ابن مسعود سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں فجر کی نماز روزانہ کے وقت سے پہلے پڑھی تو اگر حضور روز پوپھٹتے ہی فجر پڑھتے ہوتے تو آج مزدلفہ میں کس وقت پڑھی؟کیا وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھ لی؟لہذااس حدیث کا یہی مطلب ہوگا کہ روزانہ اجالے میں پڑھتے تھے آج اندھیرے میں پڑھی،یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔دوسرے یہ کہ

نماز فجر بہت چیزوں میں نماز مغرب کے حکم میں ہے،مغرب میں اجالا سنت ہے تو یہاں بھی اجالا ہی چاہئے،ہاں وہاں اجالا اول وقت ہوتا ہے،فجر میں آخر وقت۔اس کی پوری بحث "جاء الحق"میں دیکھو۔

۲؎ ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے،نیز یہ حدیث ابن ماجہ،بیہقی،ابوداؤد،طیالسی اور طبرانی میں بھی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے پھر اونٹ ذبح کیا جاتا پھر اس کے دس حصے کئے جاتے پھر پکایا جاتا ہم سورج ڈوبنے سے پہلے بھنا گوشت کھالیتے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ تجربہ شاہد ہے کہ اہلِ عرب جانور ذبح کرنے اور گوشت بنانے میں بہت تیز و ماہر ہیں۔فقیر نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔تو دومثل کے بعد عصر پڑھ کر یہ سارے کام بخوبی ہوسکتے ہیں،خصوصًا گرمیوں میں کہ اس زمانہ میں وقت عصر قریبًا دوگھنٹہ ہوتا ہے،لہذا اس حدیث سے ایک مثل پر عصر پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہوتا،نیز جوان اونٹ کا گوشت جلدی گلتا ہے،اور بعض ماہر پکانے والے جلدی گلا لیتے ہیں،پاکستانی قصائی اور باورچی اتنے کام سارے دن میں نہیں کرسکتے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات آخری عشاء کی نماز کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے ہوئے بہت بیٹھے ۱؎ آپ تب تشریف لائے جب تہائی رات گزر گئی یا اس کے بھی بعد ہمیں خبر نہیں کہ حضور کو کسی کام نے اپنے گھر میں روک رکھا یا کچھ اور سبب تھا ۲؎ جب تشریف لائے تو فرمایا کہ تم ایسی نماز کا انتظار کررہے ہو جس کا تمہارے سوا کوئی دین والا انتظار نہیں کررہا ہے ۳؎ اگر میری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں ان کو یہ نماز اس ہی وقت پڑھایا کرتا ۴؎ پھر مؤذن کو حکم دیا انہوں نے نماز کی تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔(مسلم)

۱؎ خیال رہے کہ نماز پڑھنا بھی عبادت اور نماز کا انتظار بھی،خصوصًا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنا بہترین عبادت ہے۔اس سے صحابہ کا ادب معلوم ہوا کہ وہ حضرات کبھی حضور کو نہ پکار کر بلاتے تھے نہ نمازیوں کے جمع ہوجانے کی خبر دیتے تھے،وہ سمجھتے

تھے کہ خیبر کو خبر دینا کیا،نیز قرآن کریم نے پکار کر بلانے والوں کو بے عقل قرار دیا فرمایا ہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ"الخ۔صحابہ کرام حضور کو نماز کے لئے جگاتے بھی نہ تھے۔

۲؎ کیونکہ نہ حضور نے دیر کی وجہ بتائی اور نہ بے ادبی کے خوف سے ہم نے پوچھی۔اس سے معلوم ہوا کہ مرید مرشد سے ہر بات پوچھا نہ کرے صبر سے کام لیا کرے۔خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تم میرے کسی عمل پر سوال مت کرنا۔

۳؎ یعنی تمہارا یہ انتظار بھی عبادت ہے اور اس انتظار میں اب تک جاگنا،مسجد میں بیٹھنا،مشقت اٹھانا سب عبادت،اتنی عبادت کا مجموعہ کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔اس حدیث کی بناء پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ عشاء عصر سے بھی افضل ہے۔

۴؎ معلوم ہورہاہے کہ بمقابلہ اوردن کے آج عشاء زیادہ دیر میں پڑھی گئی تھی،نماز پڑھانے سے مراد ان کو اس وقت پڑھنے کا حکم دیناہے۔

روایت ہے حضرت جابر بن سمرہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں تمہاری ہی نمازوں کی طرح پڑھتے تھے ۲؎ لیکن عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ دیر میں پڑھتے تھے ۳؎ اور نماز ہلکی پڑھتے تھے ۴؎(مسلم)	

۱؎ آپ خود بھی صحابی ہیں،والد بھی صحابی،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں،کوفہ میں قیام رہا،۶۴ھ یا ۶۶ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ تابعین سے خطاب ہے،یہ حضرات آپ سے حضور کی نماز کے اوقات پوچھتے تھے تو آپ یہ جواب دیتے تھے کہ تم نمازیں صحیح وقت پر پڑھ رہے ہو حضور بھی ان ہی اوقات میں پڑھتے تھے۔

۳؎ خیال رہے کہ عشاء کو عتمہ کہنا منع ہے۔یا تو حضرت جابر کو اس ممانعت کا علم نہیں ہوا یا وہ لوگ عشاء کا مطلب سمجھتے نہ تھے،عتمہ کہنے سے سمجھتے تھے،جیسے پنجاب کے دیہاتی عصر کو دیگر،اور عشاء کو **خفتاں** کہنے سے سمجھتے ہیں۔

۴؎ یعنی جب نماز پڑھاتے تو ہلکی کرتے اپنی اکیلی نماز بہت دراز پڑھتے تھے جیسے تہجد وغیرہ اور یہ بھی اکثری ہے،ورنہ کبھی حضور نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی ہے مگر کتنی ہی دراز پڑھتے صحابہ کو ہلکی معلوم ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پس تشریف نہ لائے حتی کہ قریبًا آدھی رات گزرگئی ۱؎ پھر فرمایا اپنی جگہ بیٹھے رہو چنانچہ ہم اپنی جگہ بیٹھے رہے پھر فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے اوراپنے بستروں پر چلے گئے ۲؎ اورتم نماز ہی میں رہے جب تک کہ نماز کا انتظار کرتے رہے اوراگر کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں	

	کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر (پیچھے) کردیتا ۳؎ (ابوداؤد، نسائی)

۱؎ نماز پڑھنے سے مراد پڑھنے کا ارادہ کرنا ہے۔صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ حضور خواہ کتنی ہی دیر میں تشریف لاتے مگر نہ حضور کو نماز کے لئے بلاتے تھے نہ اکیلے پڑھ لیتے اور نہ اپنی جماعت علیحدہ کرلیتے،وہ سمجھتے تھے کہ حضور کے ساتھ قضا علیحدہ اداسے افضل ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی مسجدوں میں عشاء پڑھ لی یاوہ عورتیں،بچے جوگھروں میں اکیلے عشاء پڑھ کرسو گئے،اہل کتاب مراد نہیں کیونکہ ان کے دین میں عشاء تھی ہی نہیں۔

۳؎ شطرلیل سے مراد تقریبًا آدھی رات ہے یعنی تہائی۔اَخَّرْتُ سے معلوم ہوا کہ حضور کو نمازیں آگے پیچھے کرنے کا اختیار دیا گیاہے،آپ بعطاءالٰہی احکام شرعیہ کے مالک ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز کا انتظار مطلقًا عبادت ہے مگر مسجد میں بیٹھ کرانتظار بڑی عبادت،اسی لئے اس حالت میں انگلیوں میں انگلی ڈالنا منع ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ تمہارے ظہر جلدی پڑھتے تھے اورتم عصر حضور سے جلدی پڑھتے ہو ۱؎ (احمد وترمذی)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز وقت شروع ہوتے ہی نہ پڑھے کچھ دیر سے پڑھے۔اگر حضور وقت شروع ہوتے ہی پڑھا کرتے تو یہ حضرات اس سے پہلے کیسے پڑھ سکتے،لہذا یہ حدیث امام اعظم کی تاخیر عصر پر قوی دلیل ہے۔حضرت ام سلمہ ان سے فرمارہی ہیں کہ اگر تم سنت کی اتباع چاہتے ہو تو عصر دیر سے پڑھا کرو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرکے پڑھتے اورجب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے ۱؎ (نسائی)

۱؎ نماز سے مراد ظہر ہے،جمعہ بھی اس میں شامل ہے جیساکہ بخاری شریف میں صراحۃً اس کی روایت ہے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ ظہراورجمعہ گرمیوں میں دیر سے پڑھے اور ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے کیونکہ ٹھنڈک ایک مثل کے بعد پیدا ہوتی ہے۔اس حدیث نے ان تمام حدیثوں کابیان کردیا جن میں جلدی ظہر پڑھنے کا ذکرہے،یہ بھی بتادیا کہ صحابہ کرام کاظہر میں گرمی کی وجہ سے کپڑوں پرسجدہ کرنا گرم فرش کی وجہ سے تھانہ کہ گرم وقت کی وجہ سے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث ان احادیث کی ناسخ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا بیان ہے۔

	روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم پر ایسے حکام ہوں گے جنہیں کچھ چیزیں وقت پر نماز پڑھنے سے روک دیں گی ۱؎ یہاں تک کہ ان کے وقت نکل جایا کریں گے تو تم وقت پر نماز پڑھ لیا

کروا۲ایک صاحب بولے کہ یارسول اللہ ان کے ساتھ بھی ہم نماز پڑھاکریں فرمایا ہاں۳(ابوداؤد)	

۱اس میں خطاب صحابہ سے ہے اور اس میں غیبی خبرہے اور یہ خبر ہو بہو پوری ہوئی،چنانچہ یزید ابن معاویہ اورحجاج ابن یوسف کے زمانہ میں ایسے حکام مقرر ہوئے جو نمازوں میں سستی کرتے اور مکروہ وقت میں پڑھتے تھے اوران کے بغیر امام نماز نہ پڑھا سکتے تھے۔یہ ہے حضور کا علم غیب اب تو حکام کو نماز سے کچھ تعلق ہی نہیں انہوں نے مسجد کا راستہ بھی نہیں دیکھا۔اِلَّامَاشَآءَاللّٰہُ!

۲یعنی ان کی وجہ سے تم نمازمکروہ وقت میں نہ پڑھنا بلکہ اپنے گھروں میں یامسجدوں میں اکیلے یا اپنی جماعت الگ کرکے وقت مستحب پر اداکرلیا کرنا۔

۳تاکہ ان کے شر سے بچو کیونکہ اگرتم ان کے ساتھ نمازوں میں شامل نہ ہوگے تو وہ تم پر بدگمانی کرکے تمہیں ایذاپہنچائیں گے۔

روایت ہے حضرت قبیصہ ابن وقاص سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعد تم پر ایسے حکام ہوں گے جو نمازیں دیرلگایاکریں گے تو وہ تمہارے لئے مفید اوران پروبال ہے ۱تم ان کے ساتھ نمازپڑھتے رہنا جب تک وہ کعبے کی طرف نمازپڑھیں۲(ابوداؤد)	

۱اس لئے کہ تم علیحدہ وقت مستحب میں نماز پڑھ چکوگے اوران کے ساتھ بہ نیت نفل شریک ہوکرڈبل ثواب پالو گے اور وہ فرض ہی ان مکروہ اوقات میں پڑھیں گے،لہذا تم نفع میں اور وہ نقصان میں رہیں گے۔اوراگرتم صحیح وقت پر الگ نماز نہ پڑھ سکے ان کے ساتھ ہی پڑھنے پر مجبور ہوئے تومعذوری کی وجہ سے تم گنہگار نہ رہوگے۔

۲شرح اکبرمیں ملاعلی قاری نے فرمایا کہ ان جیسے مقامات میں کعبہ کی طرف نمازپڑھنے سے مراد صحیح العقیدہ مسلمان ہوناہے نہ کہ فقط نمازمیں کعبہ کو منہ کرلینا،اس زمانہ میں منافقین اورآج کل مرزائی،چکڑالوی وغیرہ مرتدین سب ہی نماز میں کعبہ کو منہ کرلیتے ہیں حالانکہ ان کی اقتداء میں نمازقطعًا باطل ہے۔جب گندے کپڑے والے کے پیچھے نمازنہیں ہوتی تو گندے عقیدے اورگندے دل والے کے پیچھے نمازکیسے ہوگی؟حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ان حکام کے عقائدخراب نہ ہوں صرف عمل خراب ہوں تب تک ان کے پیچھے نمازپڑھ لو،اسی لئے فقہا فرماتے ہیں کہ فاسق کو امام بناؤ مت لیکن اگربن گیاہوتو اس کے پیچھے نمازپڑھ لواس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ جوفاسق خودنمازمیں کسی حرام کا مرتکب ہورہا ہو تواس کے پیچھے نماز درست نہیں،اگر پڑھ لی تولوٹانا واجب ہے۔پہلے کی مثال جیسے چوروزانی کے پیچھے نماز کے وہ نماز میں یہ حرکتیں نہیں کررہا ہے۔دوسرے کی مثال جیسے داڑھی منڈے،ریشمیں یاطلائی کپڑے پہنے ہوئے یاشراب کے نشے میں مست کے پیچھے نماز،لہذا فقہاء کے فتاوےٰ میں اختلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبیداللہ ابن عدی ابن خیار سے ۱کہ	

	وہ حضرت عثمان کے پاس گئے جب کہ آپ محاصرہ میں تھے۲؎ عرض کیا کہ آپ عام لوگوں کے امام ہیں اورآپ پر وہ بلا اتری ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ہم کو فتنے کا امام نماز پڑھا رہاہے۳؎ ہم اس میں حرج سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نمازانسان کے سارے اعمال سے بہتر ہے تو جب لوگ بھلائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ بھلائی کرو۴؎ اورجب برائی کریں تو تم ان کی برائی سے بچو(بخاری)

۱؎ آپ عظیم الشان تابعی ہیں،قرشی ہیں،زہری یا نوفلی ہیں،حضور کے زمانہ میں پیدا ہوچکے تھےمگرآپ کے ہوش سنبھالنے سے پہلے حضور کی وفات ہوگئی۔

۲؎ مصر کے باغیوں نے آپ کو خلافت سے معزول کرنے یاشہید کرنے کے ارادہ سے آپ کا گھر اس طرح گھیر لیاتھا کہ آپ کئی وقت نماز کے لئے مسجد نبوی میں نہ آسکے،اور آپ کے گھر میں پانی کا ایک قطرہ نہ جاسکا،آپ کی شہادت کا یہ واقعہ بہت دراز ہے،کچھ "**کتاب المناقب**"میں بیان کیاجائے گا۔**ان شاءاللّٰہ** حضرت عبیداللہ کسی صورت سے آپ کے پاس گھر میں پہنچ گئے۔

۳؎ یعنی خلیفۃ المسلمین تو آپ ہیں،نماز پڑھانے کا حق آپ کو یاآپ کے مقرر کردہ امام کو تھامگراب باغیوں نے مسجد نبوی شریف میں اپنا امام مقرر کردیاہے ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ،باغیوں کے مقرر کردہ امام کانام کنانہ بن بشر تھا۔

۴؎ یعنی نیک کاموں میں ان کے ساتھ ہوجاؤ اورانکی برائیوں میں شریک نہ ہو،نہ ان کو مدد دو،نماز نیک عمل ہے ان کے پیچھے پڑھ لو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر بدعقیدہ کی بدعقیدگی کفر تک نہ پہنچی ہو اور وہ امام بن گیا ہوتو اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے،یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ ہرنیک اورفاجر کے پیچھے نماز پڑھو،یہی فقہاءفرماتے ہیں۔

باب فضائل الصّلوة

نماز کے فضائل کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اگرچہ شروع کتاب الصلوۃ میں نماز کے فضائل آچکے ہیں،لیکن وہاں نماز کے فضائل تھے یہاں نماز کے اوقات کے،اسی لئے اس کا الگ باب باندھا اور یہ باب "باب الاوقات" کے بعد رکھا۔

روایت ہے حضرت عمارہ ابن روبیہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص آگ میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے کی نمازیں پڑھتا رہے یعنی فجر اور عصر[1] (مسلم)	

[1] اس کے دومطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ فجر وعصر کی پابندی کرنے والا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہ جائے گا،اگر گیا تو عارضی طورپر،لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ بعض لوگ قیامت میں نمازیں لے کر آئیں گے مگر ان کی نمازیں اہل حق کو دلوادی جائیں گی۔دوسرے یہ کہ فجر وعصر کی پابندی کرنے والوں کو ان شاءاللہ باقی نمازوں کی بھی توفیق ملے گی اورسارے گناہوں سے بچنے کی بھی کیونکہ یہی نمازیں زیادہ بھاری ہیں جب ان پر پابندی کرلی تو ان شاءاللہ بقیہ نمازوں پر بھی پابندی کرے گا،لہذااس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ نجات کے لئے صرف یہ دونمازیں ہی کافی ہیں باقی کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ ان دونمازوں میں دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں،نیز یہ دن کے کناروں کی نماز یں ہیں،نیز یہ دونوں نفس پر گراں ہیں کہ صبح سونے کا وقت ہے اورعصرکاروبار کے فروغ کا،لہذا ان کا درجہ زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جودوٹھنڈی نمازیں پڑھا کرے جنت میں جائے گا[1] (مسلم،بخاری)	

[1] ٹھنڈی نمازوں سے مرادیافجر وعشاءہے یا فجر وعصرباقی تفسیر ابھی گزرچکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں رات اور دن کےفرشتے باری باری سے آتے ہیں اورفجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوجاتے ہیں[1] پھرجوتم میں رات گزاریں	

	وہ چڑھ جاتے ہیں۲؎ ان سے ان کا رب پوچھتاہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتاہے کہ تم نے میرے بندوں کوکس حال میں چھوڑا۳؎ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نمازپڑھتے چھوڑا اورجب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی وہ نمازپڑھ رہے تھے۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں فرشتوں سے مرادیاتو اعمال لکھنے والے دو فرشتے ہیں یا انسان کی حفاظت کرنے والے ساٹھ فرشتے۔ہر نابالغ کے ساتھ ساٹھ فرشتے رہتے ہیں اور بالغ کے ساتھ ۶۲،اسی لئے نماز کے سلام اور دیگر سلاموں میں ان کی نیت کی جاتی ہے،ان ملائکہ کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں دن میں اور رات میں مگرفجر وعصرمیں پچھلے فرشتے جانے نہیں پاتے کہ اگلے ڈیوٹی والے آجاتے ہیں تاکہ ہماری ابتداء وانتہا کے گواہ زیادہ ہوں۔

۲؎ اپنے ہیڈکوارٹر کی طرف جہاں ان کا مقام ہے۔

۳؎ یہ سوال یا تو ان فرشتوں کوگواہ بنانے کے لئے ہے یانمازوں کی عظمت ان کے دلوں میں قائم کرنے کے لئے کیونکہ انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کہاتھا کہ اے رب تو فسادی اورخون ریزیاں کرنے والوں کو خلافت کیوں دے رہا ہے؟معلوم ہوا کہ پوچھنا بے علمی کی دلیل نہیں اگرحضور نے کسی سے کوئی بات پوچھی تو اس سے آپ کی بے علمی ثابت نہیں ہوتی۔

۴؎ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ فرشتے نمازیوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں کہ آس پاس کی نیکیوں کاذکراور درمیان کے گناہوں سے خاموشی یا یہ مطلب ہے کہ اے مولاجن بندوں کی ابتداءاورانتہا ایسی اعلی ہوان کے درمیانی اعمال بھی اچھے ہوں گے،جس دکان کی بونی اچھی ہو اس میں ہمیشہ برکت ہی رہتی ہے۔

	روایت ہے حضرت جندب قسری سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوفجر کی نماز پڑھ لے وہ اللہ کی امان میں ہے۱؎ لہذا تم سے اللہ اپنی امان کے بارے میں کچھ مواخذہ نہ کرے۲؎ کیونکہ اللہ تعالٰی جب کسی سے اپنے عہد کا مواخذہ کرے گا تو اسے پکڑلے گا پھر اسے اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا(مسلم)اور مصابیح کے بعض نسخوں میں بجائے قسری کے قشیری ہے۔

۱؎ یعنی فجرکی نماز پڑھنے والااللہ کی امان میں ایساہوتاہے جیسے ڈیوٹی کا سپاہی حکومت کی امان میں کہ اس کی بے حرمتی حکومت کامقابلہ ہے۔خیال رہے کہ کلمہ کی امان اورقسم کی ہے اورنماز کی امان اورقسم کی،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ یعنی ایسا نہ ہوکہ تم نمازی کوستاؤ اورقیامت میں سلطنت الٰہیہ کے باغی بن کرپکڑے جاؤ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرلوگ جان لیں کہ اذان اورپہلی صف میں کیا ثواب ہے ۱؎ پھربغیر قرعہ ڈالے اسے نہ پاسکیں تو قرعہ ہی ڈالیں ۲؎ اوراگر جانتے کہ دوپہری کی نمازمیں کیاثواب ہے تو اس کی طرف دوڑکر آتے ۳؎ اوراگرجانتے کہ عشاءاورفجر میں کیا ثواب ہے تو ان میں گھسٹتے ہوئے بھی پہنچتے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اگرچہ ہم نے ان دونوں کے فضائل بہت بیان کردیئے،لیکن اس کے باوجودکما حقہ بیان نہیں ہوسکے،وہ تو دیکھ کرہی معلوم ہوں گے پتہ لگا کہ فی سبیل اللہ اذان وتکبیر کہنا اورنماز کی صف اول میں،خصوصًا امام کے پیچھے کھڑا ہونا بہت بہتر ہے جس کی بزرگی بیان نہیں ہوسکتی۔

۲؎ یعنی ہر شخص چاہے کہ یہ دونوں کام میں کروں تو ان میں جھگڑا پیدا ہو جس کا فیصلہ قرعہ سے ہو۔معلوم ہوا کہ نیکیوں میں جھگڑنا بھی عبادت ہے اورقرعہ سے جھگڑاچکانا محبوب۔

۳؎ یعنی ظہروجمعہ کی نمازاگرچہ دیرمیں ہو مگر اس کے لئے جلدی پہنچنا کہ پہلی صفوں میں جگہ ملے بہت بہتر ہے،مدینہ پاک میں نمازظہرکے لئے لوگ گیارہ بجے سے پہنچ جاتے ہیں خصوصًا جمعہ کے دن۔

۴؎ یعنی اگرپاؤں میں چلنے کی طاقت نہ ہوتی توچوتڑوں کے بل پہنچتے۔اس سے معلوم ہوا کہ معذور پراگرچہ مسجد کی حاضری واجب نہیں لیکن اگرپہنچ جائے تو ثواب پائے گا۔عشاء کو عتمہ فرمانا ممانعت سے پہلے ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منافقوں پرفجراورعشاءسے زیادہ کوئی نمازبھاری نہیں ۱؎ اور اگرجانتے کہ ان دونوں میں کیا ثواب ہے تو گھسٹ کربھی ان میں پہنچتے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ کیونکہ منافق صرف دکھلاوے کے لئے نمازپڑھتے ہیں اور وقتوں میں تو خیر جیسے تیسے پڑھ لیتے ہیں مگر عشاء کے وقت نیند کا غلبہ،فجر کے وقت نیند کی لذت انہیں مست کردیتی ہے۔اخلاص وعشق تمام مشکلوں کو حل کرتے ہیں وہ ان میں ہے نہیں،لہذایہ دونمازیں انہیں بہت گراں ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جومسلمان ان دونمازوں میں سستی کرے وہ منافقوں کے سے کام کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جونمازعشاء جماعت سے پڑھے توگویا وہ آدھی رات عبادت میں کھڑا رہا اورجوفجر جماعت میں پڑھے توگویا اس نے ساری رات نماز پڑھی ۱؎ (مسلم)	

۱؎اس کے دومطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ عشاء کی باجماعت نماز کا ثواب آدھی رات کی عبادت کے برابر ہے اورفجر کی باجماعت نمازکا ثواب باقی آدھی رات کی عبادت کے برابر،توجو یہ دونوں نمازیں جماعت سے پڑھ لے اسے ساری رات عبادت کاثواب۔دوسرے یہ کہ عشاء کی جماعت کا ثواب آدھی رات کے برابرہے اورفجر کی جماعت کا ثواب ساری رات عبارت کے برابرکیونکہ یہ جماعت عشاء کی جماعت سے زیادہ بھاری ہے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔جماعت سے مراد تکبیراولیٰ پاناہے جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی لوگ تمہاری مغرب کی نماز کے نام پرغلبہ نہ پاجائیں۔راوی نے فرمایا کہ دیہاتی اسے عشاء کہتے تھے ۱؎	

۱؎عشی سے مشتق،بمعنی وقت رات،اسی لئے رات کے کھانے کوعشاء کہاجاتا ہے،یعنی رات کی پہلی نمازیا رات کے کھانے کے وقت کی نماز،چونکہ اس میں دنیوی کام کی طرف نسبت ہے اس لئے اس کوناپسند فرمایا۔

اورفرمایاکہ دیہاتی لوگ تمہاری نمازِعشاء کے نام پرغالب نہ آجائیں کیونکہ وہ اللہ کی کتاب میں عشاء ہے۱؎اور دیہاتی اونٹ کا دودھ دوھنے کی وجہ سے دیر لگاتے ہیں۲؎(مسلم)	

۱؎کہ قرآن شریف میں ہے "مِنۡۢ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ"۔اس سے معلوم ہوا کہ رب کے دیئے ہوئے نام بدلنابہت براہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جوعیسائیوں کی پیروی میں اپنے کومحمڈن کہتے ہیں،اللہ تعالٰی نے ہمارے دین کا نام"اسلام"رکھا اورہمارا نام"مسلمین"فرماتاہے:"ہُوَ سَمّٰىکُمُ الْمُسْلِمِیۡنَ"اور فرماتاہے:"اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللہِ الۡاِسْلٰمُ"۔

۲؎یعنی وہ لوگ نمازعشاء کو عتمہ اس لئے کہتے ہیں کہ عَتَمۡ کے معنے ہیں رات کی تیز تاریکی،اورنمازنورہے نورکو تاریکی کہنا براہے،نیزوہ لوگ اس وقت اپنی اونٹیاں دوھتے تھے،تو اس کے معنی ہوئے اونٹ دوھنے کےوقت کی نماز،اس میں بھی عبادت کو عادت کی طرف نسبت ہے لہذا ممنوع۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا۱؎انہوں نے ہمیں بیچ کی نمازیعنی نمازعصرسے روک دیا خدا ان کے گھراور قبریں آگ سے بھردے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس کا نام غزوۂ احزاب ہے۔چونکہ اس جہاد میں حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے اس کے آس پاس خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کا نام غزوۂ خندق ہوا۔مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ۵ھ؁ میں ہوا،مگرامام بخاری کی تحقیق میں ۴ھ؁ میں،اس خندق کے کھودنے میں پندرہ یا بیس دن صرف ہوئے،اس وقت

قریش،عطفان اوریہود غرض کہ ہر قسم کے کفار نے مل کر مسلمانوں پر چڑھائی کی تھی اس لئے اسے احزاب کہا جاتا ہے،یعنی ہر قسم کے کافروں کا حملہ۔مسلمانوں پراس وقت بہت تنگی تھی،بڑی محنت سے بھوکے پیاسے رہ کر خندق کھودی حتی کہ بعض دنوں میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے نمازیں قضا ہوگئیں۔

۲؎یعنی انکے حملے کی وجہ سے ہمیں خندق کھودنا پڑی جس میں مشغولیت کی وجہ سے ہماری نمازیں خصوصًا نماز عصر قضاء ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ "صلوۃ وسطی"جس کی قرآن شریف میں بہت تاکید ہے نماز عصر ہے،اکثر آئمہ کا یہی قول ہے،ہمارے امام اعظم بھی یہی فرماتے ہیں۔خیال رہے کہ غزوۂ احد میں حضور کو جسمانی ایذا بہت پہنچی لیکن وہاں کفار کو یہ بددعا نہ دی،یہاں نمازیں قضاء ہونے پر یہ بددعادی۔معلوم ہوا کہ حضور کو نمازیں جان سے پیاری تھیں،نیز اس بددعاسے اظہارغضب وملال مقصودہے حقیقتًا بددعامقصود نہیں،اسی وجہ سے کفارخندق میں سے بعض لوگ بعدمیں ایمان لے آئے،اگربددعامقصود ہوتی تو ان میں سے کسی کو ایمان نصیب نہ ہوتا۔خیال رہے کہ اس غزوہ میں ایک بار صرف عصر کی نماز قضاء ہوئی تھی اور ایک بارچار نمازیں،لہذا بخاری وترمذی کی روایتوں میں تعارض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن مسعود اورسمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ کی نماز نمازِ عصر ہے ۱؎(ترمذی)	

۱؎کیونکہ یہ نمازدن اوررات کی نمازوں کے درمیان ہے،نیز اس وقت دن اوررات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، نیز اس وقت دنیوی کاروبارزیادہ زورپرہوتے ہیں اس لئے اس کی تاکیدزیادہ فرمائی گئی،اکثر صحابہ کا یہی قول ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں راوی کہ فجر کی نماز حاضری کا وقت ہے فرمایا اس میں رات اوردن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں ۱؎(ترمذی)	

۱؎اس کی شرح پہلے گزر چکی۔حدیث کا مقصدیہ ہے کہ قرآن کریم میں"**قرآن الفجر**"سے مرادنماز فجر ہے، "**مشھود**"سے مراد دن رات کے فرشتوں کی حاضری کا وقت،یعنی چونکہ فجرکے وقت دوقسم کے فرشتے جمع ہوتے ہیں،لہذا اس کی زیادہ پابندی کرو۔معلوم ہوا کہ جس نماز میں اللہ کے مقبول ہوں وہ نماز زیادہ قبول ہے۔جولوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے مزارکے پاس نماززیادہ افضل ہےاسی لئے بزرگوں کے آستانوں پر مسجدیں بناتے ہیں،ان کا ماخذ یہ آیت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت زیدبن ثابت سے اورعائشہ صدیقہ	

	سے فرماتے ہیں کہ بیچ والی نمازظہر ہے ۱؎مالک نے زیدسے اورترمذی نے ان دونوں سے تعلیقًاروایت کی۲؎

۱؎کیونکہ وہ دن کے وسط میں اداہوتی ہے۔غالبًا ان بزرگوں نے لغوی معنے کے لحاظ سے اسے "صلوۃ وسطیٰ" مانا،ان تک گزشتہ حدیث مرفوع نہ پہنچی۔صحابہ کرام کا"صلوۃ وسطیٰ"کے بارے میں بڑا اختلاف ہے،بعض نے فرمایا کہ وہ فجرہے،بعض کے نزدیک ظہر،بعض کے خیال میں مغرب یاعشاء،مگرعصر کے قول کو ترجیح ہے۔

۲؎بغیراسناد حدیث بیان کرنے کو تعلیق کہتے ہیں،جیسے امام ترمذی فرمائیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ فرمایا۔

	روایت ہے زیدابن ثابت سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازظہردوپہری میں پڑھتے تھے۱؎ اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پہ کوئی نماز اس سے زیادہ دشوار نہ تھی تب یہ آیت اتری کہ ساری نمازوں پرخصوصًادرمیانی نماز پرپابندی کروفرمایا اس سے پہلے دونمازیں ہیں اوراس کے بعد بھی دونمازیں۲؎ (احمدوابوداؤد)

۱؎یعنی جاڑوں میں اورگرمیوں میں پڑھتے ہوں تو کبھی کبھی بیان جواز کے لئے،کیونکہ گزشتہ احادیث میں گزر چکا کہ حضورسردیوں میں ظہر جلدی پڑھتے تھے اورگرمیوں میں دیرسے۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ "نمازوسطیٰ"ظہرکی نمازہے یہ بھی ایک قول ہے،غالبًا حضرت ثابت یہ اپنے اجتہاد سے فرمارہے ہیں یعنی دن اور رات کی ایک ایک نمازظہر سے پہلے ہے عشاءوفجر،اور ایک ایک نمازظہر کے بعدعصرومغرب۔

	روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ حضرت علی ابن ابن طالب اورعبداللہ ابن عباس فرماتے تھے کہ درمیانی نمازفجرکی نمازہے۱؎(مؤطا)

۱؎ان بزرگوں کے نزدیک وسطی بمعنی افضل ہے جیسے"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا"یعنی چونکہ یہ نمازبہت وجہوں سے باقی نمازوں سے افضل ہے،لہذانمازوسطیٰ یہی ہے۔خیال رہے کہ علی مرتضی خود ہی حضور سے روایت کرچکے ہیں کہ نمازوسطیٰ عصر ہے،یہاں فجر کو وسطی فرمانا دوسرے معنی سے ہے،لہذا آپ کے اس قول پرکوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضرت شیرخدانے پہلے یہ فرمایا ہوپھرگزشتہ حدیث مرفوع سن کر اس سے رجوع کرلیا ہو۔

	اور ترمذی نے حضرت ابن عباس اور ابن عمر سے تعلیقًا روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں کہ میں نے

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو فجر کی نماز کی طرف گیا وہ ایمان کا جھنڈا لے گیا اور جو سویرے ہی بازار کی طرف گیا وہ شیطان کا جھنڈا لے گیا[1] (ابن ماجہ)

[1] یعنی انسانوں کے دو ٹولے ہیں: "حزب اللہ" اور "حزب الشیطان"۔ان کی شناخت یہ ہے کہ رحمانی ٹولہ والے دن کی ابتداء نماز اور اللہ کے ذکر سے کرتے ہیں اور شیطانی ٹولہ والے بازار و دنیاوی کاروبار سے۔خیال رہے کہ دنیوی کاروبار منع نہیں مگر سویرے اٹھتے ہی نہ خدا کا نام نہ اس کی عبادت بلکہ ان میں لگ جانا یہ شیطانی کام ہے۔

باب الاذان

اذان کاباب۵

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ؔاذان کے لغوی معنی اعلان و اطلاع عام ہے۔رب فرماتا ہے:"وَاَذٰنٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ"اورفرماتاہے:"فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ"۔ شریعت میں خاص الفاظ سے نماز کی اطلاع کا نام اذان ہے۔سب سے پہلی اذان ہے جبریل امین نے معراج کی رات بیت المقدس میں دی جب حضور نے سارے نبیوں کونماز پڑھائی،مگر مسلمانوں میں ہجرت کے بعد اھ؁ میں شروع ہوئی جس کا واقعہ آگے آ رہا ہے۔(درمختار)خیال رہے کہ اذان نمازپنجگانہ اور جمعہ کے سواکسی نماز کے لیے سنت نہیں۔نماز کے علاوہ ۹جگہ اذان کہنامستحب ہے:بچے کے کان میں،آگ لگتے وقت،جنگ میں،جنات کے غلبہ کے وقت،غمزدہ اور غصے والے کے کان میں،مسافرجب راستہ بھول جائے،مرگی والے کے پاس،میت کو دفن کرنے کے بعدقبرپر۔(درمختار،و شامی)مرقات میں ہے کہ حضرت علی مرتضٰے فرماتے ہیں ایک دن مجھے حضورنے غمگیں پایافرمایاعلی!اپنے کان میں کسی سے اذان کہلوالو،اذان نماز اسلامی شعار میں سے ہےاگرکوئی قوم اذان چھوڑدے تو ان پرجہادکیاجاسکتاہے۔خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک اذان وتکبیر یکساں ہیں،تکبیر میں صرف"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ"زیادہ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ صحابہ نے آگ اورناقوس کا ذکرکیا تو یہود اورعیسائیوں کا ذکرکیا ۱ؔ تب حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دوبارکہیں اورتکبیرکے ایک ایک بار۲ؔاسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے یہ ایوب سے ذکرکیا تو انہوں نے فرمایا کہ اقامت کے سواء۳ؔ(مسلم بخاری)

۱ؔیعنی بعدہجرت نمازکی اطلاع کا کوئی قاعدہ نہ تھا،اندازے سے مسلمان مسجدمیں جمع ہوجاتے اورجماعت ہوجاتی،جب مسلمان زیادہ ہوگئے تو صحابہ نے نماز کے اعلان کی تدابیر سوچیں،بعض نے رائے دی کہ نمازکے وقت آگ جلادی جایا کرے اس پراعتراض ہوا کہ یہ طریقہ یہود کاہے،بعض نے کہاکہ ناقوس(گھنٹا)بجائے جائے اس پراعتراض ہوا کہ یہ طریقہ عیسائیوں کاہے وہ اپنی عبادات کے وقت گھنٹے بجاتے ہیں،اسلامی اعلان ان سے ممتاز چاہیئے۔خیال رہے کہ بعض یہود اپنی عبادت کے اعلان کے لئے سنکھ یا بِگل بجاتے تھے،بعض لوگ آگ جلاتے تھے،یہاں ان کی ایک جماعت کا ذکرہے۔

۲ؔیہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جوتکبیرکے کلمے ایک ایک بارکہتے ہیں،جیسے شوافع اورموجودہ وہابی مگر ان کی یہ دلیل بہت ضعیف ہےکیونکہ یہاں اذان میں ترجیع کا ذکرنہیں حالانکہ یہ حضرات اذان ترجیع کے قائل ہیں،نیز اس حدیث سے لازم آتا ہے

کہ تکبیر کے سارے کلمے ایک ایک بارہوں حالانکہ یہ حضرات "اللہ اکبر"چار باراور"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ"دوبار کہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہاں اذان اور تکبیر سے شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اعلان واطلاع مراد ہے،یعنی حضور نے اس وقت یہ رائے دی کہ حضرت بلال محلوں میں جاکر بار بار نماز کا اعلان کریں اور پھر جب نمازی مسجد میں جمع ہوجائیں اور جماعت کھڑی ہونے لگے تو اہل مسجد کو جمع کرنے کے لئے ایک بار کہہ دیں کہ اٹھو جماعت تیار ہے،ورنہ شرعی اذان توعبداللہ ابن زید وغیرہم صحابہ نے خواب میں دیکھی انہوں نے بارگاہ نبوی میں پیش کی تب سب سے پہلے فجر کے وقت دی گئی۔لہذا یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتی۔

۳؎یعنی تکبیر کے سارے کلمات ایک بارکہے جائیں مگر"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ"دوبار۔اب بھی یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہاں "اِلَّا الْاِقَامَۃَ"ایوب راوی کا اپنا قول ہے حضور کے الفاظ طیبہ نہیں،نیز "اللہ اکبر"چار بار اب بھی نہیں آیا۔

روایت ہے حضرت ابومحذورہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر بنفس نفیس اذان پیش کی فرمایا کہواللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر،اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ،اشھدان محمدا رسول اللہ اشھدان محمدا رسول اللہ،پھرلوٹو تو کہواشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان محمدا رسول اللہ اشھدان محمدا رسول اللہ ۲؎،حی علی الصلوۃ حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح حی علی الفلاح،اللہ اکبر اللہ اکبر،لا الہ الا اللہ ۳؎(مسلم)	

۱؎آپ مشہورصحابی ہیں،آپ کا نام سَمُرَہ یا اَوۡس،یاسلمان،یا سلمٰے ہے،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔ان کے باقی حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎اس کا نام ترجیع ہے،یعنی اذان میں شہادتیں پہلے آہستہ دوبار کہنا،پھربلند آواز سے دوبار کہنایہ شوافع کے ہاں سنت ہے،حنفیوں کے نزدیک نہیں،دلائل ابھی آتے ہیں۔

۳؎یہ حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے کہ اذان میں ترجیع ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں عبداللہ ابن زید کے خواب میں جو فرشتے نے اذان کی تعلیم دی اس میں ترجیع نہ تھی،نیزخود عبداللہ ابن زید نے جب وہ خواب بارگاہ نبوی میں پیش کی اس میں بھی ترجیع نہ تھی،نیزحضرت بلال جوامام المؤذنین ہیں ان کی اذان میں ترجیع منقول نہیں،نیزعبداللہ ابن مکتوم جومسجد نبوی شریف کے نائب مؤذن تھے ان کی اذان میں بھی ترجیع منقول نہیں،نیز حضرت سعد قُرظی مسجد قباء کے مؤذن کی اذان میں بھی ترجیع منقول نہیں۔رہی حدیث ابو محذورہ،ان کی روایت سخت متعارض ہیں،اوران میں اضطراب ہے،اورمضطرب ومتعارض حدیث قابل عمل نہیں۔چنانچہ طبرانی نے انہیں ابومحذورہ سے جواذان نقل کی اس میں ترجیع نہیں۔طحاوی شریف نے ابومحذورہ کی اذان میں دوباراللہ اکبر کا ذکر کیااوریہاں ترجیع کا بھی ذکر ہے،نیزصحابہٗ کرام نے ابومحذورہ کی روایت پر عمل نہ کیا،چنانچہ حضرت

علی،حضرت بلال،حضرت ثوبان،حضرت سلمہ ابن اکوع وغیرہم رضی اللہ عنہم اذان وتکبیر کے کلمات دو۲دو۲بار کہتے اور کہلواتے تھے۔عنایہ شرح ہدایہ نے فرمایا کہ حضرت ابومحذورہ کو زمانۂ کفر میں توحیدورسالت سے سخت نفرت تھی،اسلام کے بعدانہیں اذان کا حکم ملا تو یہ شرم کی وجہ سے شہادتین آہستہ کہہ گئے تب حضورنے فرمایا کہ پھرزورسے کہو۔فتح القدیر نے فرمایا کہ حضرت ابومحذورہ شہادتین میں مدچھوڑگئے تھے،اس لئے یہ کلمات دوبارہ کہلوائے گئے۔ہماری تفسیر کی بناءپرحضرت ابومحذورہ کی حدیث میں نہ تعارض ہوگا نہ اضطراب کیونکہ ترجیع والی روایات میں خصوصی واقعہ کا ذکر ہے اور دیگرروایات میں عام حالات کا۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق"حصہ دوم میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان دو دو بار تھی اور تکبیر ایک بارسواء اس کے کہ مؤذن کہتا تھا **قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ**[1] (ابوداؤد،نسائی،دارمی)

[1]یعنی کلمات اذان دوبارکہے جاتے تھے اوراقامت کے کلمات ایک ایک بار۔خیال رہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہوتو یامنسوخ ہے یا اس کی تاویل واجب۔مخالفین اس سے اپنا مدعا ہرگز ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ وہ اذان کی دونوں شہادتوں میں ترجیع کے قائل ہیں جس سے یہ دونوں کلمے چارچار بارکہے جاتے ہیں۔اور یہاں آیا کہ اذان کے سارے کلمے دو دوبارکہے جاتے تھے،نیز وہ حضرات اقامت میں اولاً تکبیرچار باراورآخر میں دوبارکہتے ہیں مگریہاں آیا کہ اقامت کے سارے کلمے ایک ایک بار ہیں،نیز اگرتکبیرکے کلمات ایک ایک بارہوتے تو صحابہ کرام حضورکے بعدیہ عمل چھوڑ نہ دیتے۔بیہقی شریف میں ہے کہ حضرت علی مرتضٰی نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اقامت ایک ایک بارکہہ رہا ہے،آپ ناراض ہوئے اورفرمایا"**اِجْعَلْهَا مَثْنٰى مَثْنٰى لَا اُمَّ لَكَ**"یعنی تیری ماں مرے دو دو بار کہہ،اب دو ہی صورتیں ہیں:یا اس حدیث کو منسوخ مانو جس کی ناسخ اگلی حدیث ہے یا اس میں یہ تاویل کی جائے کہ یہ دائمی عمل نہ تھا بلکہ کبھی کسی عارضہ کی بناءپرہواتھایا اذان اوراقامت کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جیسے پہلے عرض کیاجاچکاہے۔

	روایت ہے حضرت ابومحذورہ سے کہ ان کونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے انیس کلمے سکھائے اور تکبیرسترہ کلمے[1](احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی اورابن ماجہ)

[1]حنفیوں کے نزدیک اذان کے پندرہ کلمے ہیں اوراقامت کے سترہ۔یہ حدیث اقامت کے دو۲دو۲بارہونے پر حنفیوں کی قوی دلیل ہے کیونکہ اگر اس کے کلمات ایک ایک بارہوتے تو۱۳کلمے ہوتے نہ کہ سترہ،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عمر کی

ناسخ ہے۔رہے اذان کے ۱۹ کلمے اس کے متعلق عرض کیاجاچکا ہے کہ یہ حضرت شہادتیں آہستہ پڑھ گئے تھے،اس لئے دوبارہ آواز سے کہلوائے گئے،اس دن ۱۹ کلمے کہے،لہذایہ واقعہ گزشتہ حدیث ابن عمر کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سنت اذان سکھایئے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضورانور نے ان کے سر کے اگلے حصہ پرہاتھ پھیرا ۲؎ فرمایاکہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر بلند آواز سے پھرکہو "اشهدان لا اله الا الله اشهدان لا اله الا الله،اشهدان محمدًا رسول الله اشهدان محمدًا رسول الله" پست آواز سے پھرشہادت سے اپنی آواز اونچی کرو ۳؎ "اشهدان لا اله الا الله اشهدان لا اله الا الله،اشهد ان محمدًا رسول الله اشهد ان محمدًا رسول الله،حی علی الصلوۃ حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح حی علی الفلاح" اگرصبح کی نماز ہوتویہ بھی کہہ لو "الصلوۃ خیر من النوم الصلوۃ خیر من النوم ۴؎ ،الله اکبرالله اکبر،لا اله الا الله"۔(ابوداؤد)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ سنت سے مرادشرعی سنت ہے،لہذا یہ امام اعظم کی دلیل ہے کہ اذان سنت ہے،ہاں چونکہ اشعاردین میں سے ہے،اس لئے اس کے چھوڑ دینے والوں پرجہاد کیاجائیگا۔

۲؎ محبت کی بناءپران کا شوق علم دیکھ کر۔معلوم ہوا کہ حضورکو طالب علم بہت پیارے ہیں۔

۳؎ اس میں وہ تاویل نہیں ہوسکتی جو ہم عرض کرچکے ہیں کہ اتفاقًا ترجیع ہوئی کیونکہ یہاں تو ترجیع کاقانون بتایاجارہا ہے مگرپہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابومحذورہ کی احادیث مضطرب اورمتعارض ہیں اورعمل صحابہ،خواب کی اذان جو فرشتہ نے سکھائی اورحضرت بلال کی اذان کے خلاف ہے،لہذا قابل عمل نہیں۔(مرقاۃ وغیرہ)

۴؎ یہ داخلی تثویب ہے،یعنی اعلان کے بعداعلان سواءفجر کے کسی اوراذان میں کہنا بدعت سیئہ ہے،ہاں اذان واقامت کے درمیان تثویب متاخرین علماءنے مستحب جانی۔(کتب فقہ و مرقات)اس تثویب کے لئے الفاظ مقررنہیں،مسلمان جوچاہیں مقررکرلیں۔بعض جگہ "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَارَسُوۡلُ الله" پڑھ دیتے ہیں یہ بھی ٹھیک ہے کہ درود بھی ہے،تثویب بھی۔

	روایت ہے حضرت بلال سےفرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجرکی نمازکے علاوہ کسی نماز میں تثویب نہ کرو ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک ابو اسرائیل راوی قوی

	نہیں۲

۱یعنی"اَلصَّلٰوۃُ خَیۡرٌ مِّنَ النَّوۡمِ"کسی اذان میں نہ کہو،حضرت علی مرتضٰی نے ایک مؤذن کو یہ کہتے سناتو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

۲مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ رافضی تھا،صحابہ کرام خصوصًا حضرت عثمان کا بہت دشمن تھا۔خیال رہے کہ علماءاس داخلی تثویب کومکروہ جانتے ہیں مگر اس ضعیف حدیث کی وجہ سے نہیں بلکہ دیگر صحیح احادیث کی وجہ سے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کرکہواور جب تکبیر کہوتوجلدی جلدی کہو۱اور اپنی اذان وتکبیر کے درمیان اتنا فاصلہ کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے اورپینے والا اپنے پینے سے اورقضائے حاجت والاجب حاجت کوجائے۲توفارغ ہوجائےاورصف میں نہ کھڑے ہوحتی کہ مجھ کودیکھو۳یہ ترمذی نے روایت کی اورفرمایا کہ اسے ہم عبدالمنعم کی حدیث سے ہی جانتے ہیں اور یہ مجہول اسناد ہے۴

۱تمام آئمہ کا اس پر عمل ہے،اذان کے کلمات میں مد،شد کالحاظ اورکلمات میں فاصلہ کیا جاتاہے،تکبیر میں جلدی۔اس فرق کی عقلی حکمت معلوم نہ ہوسکی جوسرکار کا فرمان ہے سرو آنکھوں پر۔ہوسکتا ہے کہ چونکہ تکبیرمیں حاضرین مسجد کو اکٹھا کرنا ہوتا ہے جو پہلے نماز کے لئے تیارہیں انہیں دیر تک اطلاع دینے کی ضرورت نہیں،اذان میں غافلوں کو خبردیناہے،لہذا دیر تک آواز پہنچائی جائے۔

۲یہ فاصلہ اذان مغرب کے علاوہ ہے،مغرب کی اذان سے فورًا بعد تکبیرشروع کردی جائے۔خیال رہے کہ اذان وتکبیر میں یہ فاصلہ اس قدر چاہیئے کہ بے وضو آدمی استنجاءاوروضو کرکے چارسنتیں پڑھ سکے۔ہمارے ہاں پندرہ منٹ کا فاصلہ کرتے ہیں،کہیں آدھے گھنٹے کا بھی۔

۳اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام صف بناکربیٹھ جاتے،حضور اپنے حجرے میں رونق افروز ہوتے،مکبّر کھڑے ہوکرتکبیرشروع کرتا جب"حی علی الفلاح"پرپہنچتا توسرکارحجرے سے باہر تشریف لاتے اورصحابہ کرام کونظر آتے۔فقہاءفرماتے ہیں کہ نمازی صف میں"حی علی الفلاح"پرکھڑے ہوں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،نیز وہ حدیث جومشکوۃشریف میں بروایت مسلم وبخاری دوتین صفحہ بعد"باب المساجد"سے کچھ پہلے آرہی ہے۔

۴ابن حجرنے فرمایا کہ اسے حاکم نے صحیح کہا۔شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بہت شواہدہیں اس کا آخری جملہ"لاتقوموا"الخ مسلم،بخاری میں بھی ہے،نیز اس پر امت کا عمل بھی،لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

	روایت ہے حضرت زیاد ابن حارث صدائی سے۱فرماتے

	ہیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں حکم دیا کہ اذان کہوں میں نے اذان کہی پھر حضرت بلال نے تکبیر کہنا چاہی تو حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے صدائی بھائی نے اذان کہی ہے جو اذان کہے وہ ہی تکبیر کہے۲(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎صداء یمن کا ایک قبیلہ ہے اسی نسبت سے آپ کو صدائی کہتے ہیں،آپ کا شمار بصرہ والوں میں ہے،آپ نے حضور سے بیعت کی ہے اور ایک آدھ بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان بھی کہی ہے۔

۲؎یعنی تکبیر اذان والے کا حق ہے۔خیال رہے کہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے،نیز اگر پتہ ہو کہ مؤذن دوسرے کی تکبیر پر ناراض نہ ہوگا تب بھی جائز ہے کیونکہ روایات میں ہے کہ بارہا حضرت بلال اذان دیتے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم تکبیر کہتے،کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا،لہذا یہ حدیث اس موقعہ کے لئے ہے جب مؤذن ناراض ہو،دونوں حدیثیں درست ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ آئے تو جمع ہوکر اوقات نماز کا اندازہ لگالیتے تھے نمازوں کی اذان کوئی نہ دیتا تھا ایک دن اس بارے میں مشورہ کیا بعض نے کہا کہ عیسائیوں کے ناقوس کی طرح بنالو اور بعض بولے کہ یہود کے بِگل کی طرح بنالو تب حضرت عمر نے فرمایا کسی کو نماز کی منادی کرنے کیوں نہیں بھیج دیتے۱؎تب حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال اٹھو نماز کی منادی کرو۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎محلوں میں جاکر پکار آئے "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" مسلمانوں نماز تیار ہے،یہ وہ شرعی اذان نہ تھی جو اب رائج ہے وہ تو حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب پر کہلوائی گئی جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں،اسی لیے آپ نے عرض کیا "اَوَلَا تُبْعَثُوْنَ" تم لوگ بھیجتے کیوں نہیں۔

۲؎مسلمانوں کے محلوں میں جاکر،اس حدیث کی بناء پر بعض مؤرخین نے دھوکا کھایا کہ انہوں نے اذان کو حضرت عمر کی رائے سے سمجھا،درست وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبدربہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

	ناقوس بنانے کا حکم دیناچاہا تاکہ جماعت نماز کے واسطے لوگوں کے لئے بجایاجائے۲؎ تو مجھے خواب میں ایک شخص دکھائی دیا جواپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے تھا میں نے کہا رب کے بندے کیا تو ناقوس بیچتاہے وہ بولا اس کا تم کیاکروگے میں نے کہا اس سے نماز کے لئے بلایا کریں گے ۳؎ وہ بولا کیا تمہیں اس سے اچھی چیز نہ بتادوں۴؎ میں نے کہاہاں فرماتے ہیں وہ بولا کہو اللہ اکبر آخر تک اوراس طرح تکبیر۵؎ جب صبح ہوئی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جو کچھ دیکھا تھا حضور سے عرض کیا فرمایا بفضلہٖ تعالٰی یہ خواب سچی ہے ۶؎ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ وہ اذان دیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۷؎ میں حضرت بلال کے ساتھ کھڑا ہوگیا میں انہیں بتانے لگا وہ اذان دینے لگے۸؎ فرماتے ہیں یہ اذان حضرت عمر نے اپنے گھر میں سنی تو چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا ہے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ انہوں نے ۹؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا شکر ہے(ابوداؤد، دارمی،ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے تکبیر کا ذکر نہ کیا ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کا واقعہ صراحتًا بیان نہ کیا۱۰؎

۱؎ آپ انصاری ہیں،خزرجی ہیں،دوسری بیعت عقبہ میں ستر انصاریوں میں آپ بھی تھے،بدر اورتمام غزووں میں حضور انور کے ساتھ رہے،آپ خود بھی صحابی ہیں اور والدین بھی صحابی،آپ کا لقب صاحب اذان ہے کیونکہ انہی کی خواب پر اسلام میں اذان جاری ہوئی،۱ھ میں آپ نے یہ خواب دیکھا اور ۳۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی،۶۴سال کی عمرشریف ہوئی،مدینہ پاک میں مدفون ہوئے۔

۲؎ یہاں امر سے بمعنی ارادۂ امر ہے،جیسا کہ مرقاۃ میں معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادۂ مبارک ناقوس بجانے کا ہوچکا تھا۔غالب یہ ہے کہ یہ عارضی ارادہ ہوگا کہ جب تک اس بارے میں وحی نہ آئے تب تک ناقوس سے کام لیا جائے،ورنہ حضورمعراج کی رات ملائکہ سے اذان سن چکے تھے جیسا کہ اسی جگہ مرقاۃ میں ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ انسان بیداری میں جس خیال میں رہتا ہے خواب میں بھی وہی کرتا اور کہتاہے انہیں خواب میں ناقوس دیکھ کر نمازیادآئی۔صوفیائے فرماتے ہیں کہ جس خیال میں جیو گے اسی خیال میں مرو گے اورمحشرمیں اٹھو گے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی نے دوسرے احکام کی طرح حضور پر اذان کی وحی نہ بھیجی بلکہ صحابہ کے خواب کو درمیان میں رکھا،تاکہ لوگوں کو ان حضرات کی عظمت کا پتا لگے اورلوگ جانیں کہ جب ان بزرگوں کی خوابیں ایسی ہیں تو ان کی بیداری کے احکام کیسے پاکیزہ ہوں گے۔دیکھو اذان جیسا اسلامی شعارصحابہ کے خواب کا نتیجہ ہے ان کی نیند پرہم جیسے لاکھوں کی بیداریاں قربان۔

۴؎ جس میں یہود ونصارٰی سے مشابہت بھی نہ ہو اورنماز کے اعلان کے ساتھ اللہ کا ذکر اورنماز کی ترغیب بھی ہوجائے،بے معنی آواز بھی نہ ہو۔

۵؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں اورتکبیر کے کلمات ایک ایک نہیں کیونکہ اذان کی اصل یہ خواب ہے،نیز اسی پرصحابہ کا عمل رہا۔خیال رہے کہ اقامت میں"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ"کا بڑھانا اورفجرکی اذان میں"اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ"کی زیادتی حضور کے اجتہادی حکم سے ہوئی۔

۶؎ کیونکہ ہم نے بھی یہ اذان معراج میں فرشتوں کی زبانی سنی تھی۔اے عبداللہ رب نے تمہیں خواب میں دکھاکرہمیں اشارۃً فرمایا کہ اے حبیب!وہی فرشتوں والی اذان کیوں نہیں کہلواتے۔خیال رہے کہ یہاں ان شاءاللہ برکت کے لئےنہ کہ شک کے لئے،جیسے رب نے فرمایا:"لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَاللّٰہُ"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے خواب خصوصًا جب کہ نبوت کے ذریعہ اس کی تصدیق ہوجائے وحی کے حکم میں ہیں،پھرنبی کی خواب کا کیا پوچھنا،ابراہیم علیہ السلام خواب میں دیکھ کر اپنے فرزند کو ذبح کرنے پرتیار ہوگئے۔خواب تین قسم کے ہوتے ہیں:نفس کے خیالات،شیطانی وسوسے،ربانی الہام۔پہلے دوخواب اضغاث احلام کہلاتے ہیں اورجھوٹے ہوتے ہیں۔تیسرے خواب رویاءصادقہ۔خواب کی پوری تحقیق ان شاء اللہ "کتاب الرؤیا" میں کی جائے گی۔

۷؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اذان میں بلند آوازمحبوب ہے،لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پراذان بہت بہتر۔دوسرے یہ کہ یہ جائزہے ایک آدمی اذان بتاتا جائے دوسرا اذان کہتا جائے۔

۸؎ یعنی میں نے وہی اذان حضرت بلال کو بتائی جو فرشتہ سے سنی تھی جس میں ترجیع نہ تھی۔معلوم ہوا کہ اسلام کی پہلی اذان بغیرترجیع کے ہوئی اورسیدنا بلال آخر تک یہی اذان دیتے رہے ہیں۔

۹؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم نے حضرت عبداللہ ابن زید کا خواب کشف سے معلوم کیایاآپ نے عبداللہ ابن زیدکو فرشتے سے گفتگو کرتے خواب میں دیکھا تھاکیونکہ ابھی آپ سے کسی نے حضرت عبداللہ کی خواب بیان نہ کی۔مرقاۃ نے فرمایا ظاہر یہی ہے کہ جناب عمرنے کشف سے معلوم کیا۔

۱۰؎ مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس رات دس سے زیادہ صحابہ نے قریبًا یہی خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خدا کا شکر کیا،ابن قیم نے"کتاب الروح"میں لکھا کہ مسلمانوں کی خوابوں کا اجتماع اجتماع مسلمین کی طرح معتبر ہے اس پر یہی حدیث پیش کی۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز کے لئے نکلا تو آپ جس سوتے ہوئے شخص پر گزرتے تھے اسے نماز کے لئے آواز دیتے یا اپنے پاؤں شریف سے ہلاتے ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام نقیع ابن حارث ہے،کنیت ابوبکرہ،قبیلۂ بنی ثقیف سے ہیں،مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی راستہ میں جو سوتے ہوئے لوگ ملتے انہیں آواز سے یااپنے پاؤں شریف سے نماز کے لئے جگاتے تھے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اذا ن کے بعدکسی کو خصوصی طورپرنماز کی اطلاع دیناجائز ہے،گویا یہ خصوصی تثویب ہے۔دوسرے یہ کہ نماز کا نام لےکرجگانا درست ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جگا کرنماز کا نام لے پہلے نہ لے غلط ہے۔تیسرے یہ کہ اپنے چھوٹے کو اپنے پاؤں سے حرکت دے کرجگانا درست ہے،خوش نصیب ہیں وہ جنہیں حضور کی ٹھوکرنصیب ہوئی۔ ع خوابیدہ کوٹھوکرسے جگاتے جاتے۔

صوفیاء کاتجربہ یہ ہے کہ حضوراپنے خاص غلاموں کو اب بھی ٹھوکرسے جگاتے ہیں جو انہیں محسوس بھی ہوتی ہے،خدا نصیب کرے۔

	روایت ہے حضرت مالک سے انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمرفاروق کی خدمت میں مؤذن نمازفجرکی اطلاع دینے حاضر ہوئے ۱؎ انہیں سوتاپایا بولے نماز نیندسے بہتر ہے انہیں عمرفاروق نے حکم دیا یہ لفظ فجرکی اذان میں داخل کرلیں ۲؎ (مؤطا)

۱؎ غالبًا یہ واقعہ خلافت فاروقی کے زمانہ کاہے اوریہ مؤذن حضرت بلال نہیں کوئی اور بزرگ ہیں کیونکہ حضرت بلال حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعددمشق چلے گئے تھے۔عہدفاروقی میں وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ سلطان اسلام قاضی،عالم دین وغیرہم کو مؤذن خصوصی طور پرنماز کی اطلاع دے سکتا ہے عوام کے لیےممنوع ہے انہیں اذان ہی کافی ہے۔

۲؎ یعنی یہ کلمہ اذان صبح کا جزو ہے اسے صرف اذان میں ہی استعمال کیا کریں اس کے علاوہ نہیں،دوسرے اوقات میں اورلفظ سے بیدارکریں یا اطلاع دیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ کلمہ تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اذان فجرمیں داخل تھا آج داخل کرنے کے کیا معنی،اسکی اوربھی تفسیریں ہیں مگر یہ تفسیربہتر۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن سعدبن عماربن سعدمؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے میرے والدنے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

	نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اپنی انگلیاں کانوں میں دے لیں فرمایا یہ عمل تمہاری آواز کو بلند کرنے والا ہے۲؎(ابن ماجہ)

۱؎یہ سعد قرظی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد قبا کے مؤذن تھے اور حضور کے بعد حضرت بلال کی جگہ آپ مسجد نبوی میں مؤذن ہوئے۔خیال رہے کہ سعد قرظی صحابی ہیں اور عمار ابن سعد تابعی اور عبدالرحمٰن ابن سعد کا حال معلوم نہ ہوسکا۔(اشعہ)

۲؎یعنی انگلیاں کانوں میں ڈالنے سے آواز بلند نکلتی ہے اوراس اذان میں بلند آواز چاہیئے،اس لیے ڈال لیا کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ بچے کے کان میں اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں لگانا سنت نہیں۔یوں ہی اقامت(تکبیر)میں،یوں ہی ہر اس جگہ جہاں بلندآواز مطلوب نہ ہو،لیکن اگرلاؤڈ اسپیکر پراذان کہی جاوے تو انگلیاں لگالے کہ یہاں بلندی آواز مطلوب ہے۔اذان قبرپرانگلیاں لگائے کہ وہاں بلند آواز مطلوب ہے اس اذان سے شیاطین بھاگتے ہیں۔

باب فضل الاذان واجابة المؤذن

باب اذان اور مؤذن کا جواب دینے کی فضیلت۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اذان دینے کے فضائل بیشمار ہیں۔حق یہ ہے کہ اذان سے امامت افضل ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اذان نہ دی،جن روایات میں حضور کے اذان دینے کا ذکر ہے وہاں حکم اذان مراد ہے۔اذان کا جواب عملی بھی ہے اور قولی بھی،عملی جواب تو مسجد میں حاضر ہوجانا ہے،قولی جواب کلمات اذان کا دہرانا ہے۔صحیح یہ ہے کہ پہلی اذان سننے پر دنیاوی باتوں سے خاموش ہوجانا اور جوابًا کلمات اذان ادا کرنا واجب ہے۔ہاں کھانے والا،استنجا کرنے والا،علم دین پڑھانے والا اس حکم سے علیحدہ ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اذان دینے والے لوگ قیامت کے دن لمبی گردنوں والے ہوں گے۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی گردن فراز اور سربلند ہوں گے،یا سر اٹھائے رب کی رحمت کے منتظر،یا بلند قامت ہوں گے کہ دور سے پہچان لئے جائیں گے۔یہ مطلب نہیں کہ ان کے جسم چھوٹے اور صرف گردنیں لمبی ہوں گی کہ یہ بد زیبی ہے۔بعض مفسرین نے اعناق کو ہمزہ کے زیر سے پڑھا ہے،بمعنی تیزرفتاری ولمبے قدم،یعنی مؤذن جنت کی طرف دوڑتے ہوئے لمبے قدم رکھتے ہوئے جائیں گے،دوسروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی اذان دی جاتی ہے۱؎ تو شیطان گوز مارتا بھاگتا ہے حتی کہ اذان نہ سنے۲؎ پھر جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو آجاتا ہے حتی کہ جب نماز کی تثویب کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے۳؎ جب تثویب ختم ہوجاتی ہے تو آجاتا ہے تاکہ انسان کے دل میں وسوسے ڈالے کہتا ہے فلاں فلاں چیزیں یاد کر۴؎ وہ چیزیں جو اسے یاد نہ تھیں یہاں تک کہ آدمی نہیں جانتا کہ کتنی رکعت پڑھیں ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ خواہ نمازمیں بلانے کے لیے دی جائے یاکسی اورمقصد کے لئے،جیسے بچے کے کان میں یابعددفن قبر پر وغیرہ۔لِلصَّلٰوۃ اس لیے فرمایا تاکہ کوئی اذان کے لغوی معنی نہ سمجھ جائے۔

۲؎ یہاں بھاگنے کے ظاہری معنی ہی مرادہیں اوراذان میں دفع شیطان کی تاثیر ہےاسی لیےطاعون پھیلنے پر اذان کہلواتے ہیں کہ یہ وباءجنات کے اثرسے ہے۔بچے کے کان میں اذان دیتے ہیں کہ اس کی پیدائش پر شیطان موجودہوتاہے جس کی مار سے بچہ روتا ہے۔دفن کے بعدقبر کے سرہانے اذان دی جاتی ہےکیونکہ وہ میت کے امتحان اورشیطان کے بہکانے کا وقت ہے،اس کی برکت سے شیطان بھاگے گا،نیز میت کے دل کو سکون ہو گا،نئے گھر میں دل لگ جائے گا،نکیرین کے سوالات کے جوابات یاد آجائیں گے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاءالحق**"حصہ اول میں دیکھو۔گوز مارنے سے مراد اس کی انتہائی ذلت اورخوف ہے کہ ایسی حالت میں ڈرنے والاگوزمارتاہوا ہی بھاگاکرتاہے۔

۳؎ تثویب سے مراداقامت یعنی تکبیر ہے اس میں بھی اذان کی طرح اثر ہے۔

۴؎ چیزوں سے مراد نماز سے غیرمتعلق خیالات ہیں،تجربہ ہے کہ نمازمیں وہ باتیں یادآتی ہیں جونمازکے باہر یادنہیں آتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے شیطان کو انسانوں کے دلوں پرتصرف کرنے کی قدرت دی ہے انسانوں کی آزمائش کے لئے،کتنی ہی کوشش کی جائے مگر ان وسوسوں سے کلی نجات نہیں ملتی۔چاہیئے کہ وسوسوں کی پرواہ نہ کرے نماز پڑھتا رہے،مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑے۔

۵؎ مسئلۂ فقہی یہ ہے کہ اگرپہلی بار یہ واقعہ پیش آئے تونئے سرے سے نماز پڑھے اوراگر آتا رہتا ہوتوکم رکعتوں کا لحاظ کرے،مثلًا اگرشبہ ہوگیا کہ چار پڑھیں یا تین تو تین مانے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی افضل سے مفضول کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔دیکھونماز،تلاوت قرآن اوررکوع اور سجودسے شیطان نہیں بھاگتا۔بھاگتا ہے تو اذان سے حالانکہ اذان سے نمازافضل ہے،حضورفرماتے ہیں کہ عمرسے شیطان بھاگتاہے حالانکہ ابوبکرصدیق افضل ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤذن کی انتہائی آواز کوکوئی جن و انس اور دوسری چیزیں نہیں سنتیں مگر قیامت کے دن اس کی گواہی دیں گی ۱؎ (بخاری)	

۱؎ عرض کریں گے کہ مولٰی یہ مسلمان ہے،نمازی ہے،ہم نے اسے اذان دیتے دیکھا،اورکلمۂ شہادت پڑھتے سنا۔حدیث بالکل ظاہری معنی پرہے کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالٰی نے حیوانات،جمادات کو سمجھ گویائی سننے کی طاقتیں بخشیں ہیں،ان میں سے ہر ایک کا ثبوت قرآن کریم کی صریح آیات سے ہے۔مرقاۃ میں اس جگہ ایک حدیث منقول ہے کہ روزانہ شام کے وقت پہاڑ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیاتجھ پرکوئی اللہ کا ذکرکرنے والابھی گزرا،جب ان میں سے کوئی کہتاہے ہاں توسب خوش ہوتے ہیں۔چاہیئے کہ اذان بلند آوازسے دی جائے تاکہ گواہ زیادہ میسر ہوں غالبًا جن میں فرشتے بھی داخل ہیں اور انسان سے عام انسان مرادہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمروبن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب	

	تم مؤذن کوسنو تو تم بھی اسی طرح کہوجو وہ کہہ رہا ہے ۱؎ پھرمجھ پر درود بھیجوکیونکہ جومجھ پرایک درود بھیجتاہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۲؎ پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ مانگو وہ جنت میں ایک جگہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں ۳؎ تو جو میرے لئے وسیلہ مانگے اس پرمیری شفاعت لازم ہے ۴؎ (مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ کلمات اذان سارے دہرائے "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" بھی "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" بھی اور "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم" بھی۔اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" اور "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" پر لَاحَوْلَ پڑھے۔چاہیئے کہ دونوں ہی کہہ لیا کرے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعددرودشریف پڑھناسنت ہے،بعض مؤذن اذان سے پہلے ہی درود شریف پڑھ لیتے ہیں اس میں بھی حرج نہیں،ان کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔شامی نے فرمایا کہ اقامت کے وقت درود شریف پڑھناسنت ہے۔خیال رہے کہ اذان سے پہلے یا بعد بلند آواز سے درود پڑھنا بھی جائز بلکہ ثواب ہے،بلاوجہ اسے منع نہیں کہہ سکتے۔

۳؎ خیال رہے کہ وسیلہ سبب اورتوسل کو کہتے ہیں،چونکہ اس جگہ پہنچنا رب سے قرب خصوصی کا سبب ہے،اس لیے وسیلہ فرمایا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ "امید کرتا ہوں" تواضع اورانکساری کے لئے ہے ورنہ وہ جگہ حضور کے لئے نامزدہوچکی ہے۔(مرقاۃ و اشعہ)ہمارا حضور کے لیے وسیلہ کی دعاکرنا ایسا ہی ہے جیسے فقیرامیر کے دروازے پرصدا لگاتے وقت اس کی جان ومال کی دعائیں دیتاہے تاکہ بھیک ملے،ہم بھکاری ہیں،حضورداتا،انہیں دعائیں دینا،مانگنے،کھانے کا ڈھنگ ہے۔

۴؎ یعنی میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی شفاعت ضرورکروں گا۔یہاں شفاعت سے خاص شفاعت مراد ہے،ورنہ حضورہرمؤمن کے شفیع ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بہت قسم کی ہے۔شفاعت کی پوری بحث اور اس کی قسمیں ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" جلدسوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت عمرسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر مؤذن کہے اشھدان لا الہ الا اللہ یہ بھی کہے اشھدان لا الہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشھدان محمدا رسول اللہ یہ بھی کہے اشھدان محمدا رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوۃ یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۱؎ پھر

	موذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو یہ بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر موذن کہے لا الہ الا اللہ تو یہ صدق دل سے کہے لا الہ الا اللہ جنت میں جائے گا۲(مسلم)

۱ظاہر یہ ہے کہ موذن سے مراد نماز کے لیے اذان دینے والا ہے کیونکہ دوسری اذانوں کا جواب دینا سنت سے ثابت نہیں۔اَحَدُکُمْ سے مراد ہروہ مسلمان ہے جوجواب اذان دینے پر قادر ہو،لہذا اس سے نماز پڑھنے والا،استنجا کرنے والا وغیرہ علیحدہ ہیں۔بہتر یہ ہے کہ جواب دینے والا"حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ،حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" بھی کہے اور لاحول بھی پڑھے تاکہ اس حدیث پر بھی عمل ہوجائے اور گزشتہ پر بھی۔اس وقت لاحول پڑھنا اس لیے ہے تاکہ شیطان دور رہے اور نماز کی حاضری آسان ہو۔
۲ظاہر یہ ہے کہ مِنْ قلبہٖ کا تعلق سارے جواب سے ہے،یعنی اذان کا پورا جواب سچے دل سے دے کیونکہ بغیر اخلاص کوئی عبادت قبول نہیں۔اگر جنت سے وہی جنت مراد ہے جو قیامت کے بعد ملے گی تو دَخَلَ بمعنی مستقبل ہے اور اگر جنت سے مراد دنیا کی جنت ہے،یعنی عبادات کی توفیق،اچھی زندگی تو دَخَلَ ماضی کے معنی میں ہے،رب فرماتا ہے:"وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ"یعنی اللہ سے ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں:ایک دنیا میں،ایک آخرت میں۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اذان سنتے وقت یہ کہا کرے یا اللہ اس عام دعوت اور کامل نماز کے رب محمد مصطفٰی کو وسیلہ اور بزرگی دے اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا۱تو اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگی ۲(بخاری)

۱خیال رہے کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقام کا نام"وسیلہ"ہے اور قیامت میں حضور کے مقام کا نام "مقام محمود"ہے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا بنائے جائیں گے،سارے اولین و آخرین،کفار و مؤمنین،انبیاء و مرسلین،بلکہ خود رب العالمین حضور کی ایسی تعریفیں کریں گے جو آج ہمارے خیال و وہم سے وراء ہیں،وہ مقام نہ معلوم کیسا عظیم الشان ہے جس کا رب نے قرآن شریف میں اعلان فرمایا اور ہم لوگوں کو ہر اذان کے بعد اس کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا،اسی مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم "شفاعت کبریٰ" فرمائیں گے اور یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر"دروازۂ شفاعت"کھلے گا۔
۲یعنی اس دعا کی برکت سے اسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا اور وہ میری شفاعت عامہ و خاصہ کا مستحق ہوگا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ اذان کے بعد دعابہت قبول ہوتی ہے،لہذا مصیبت زدہ کو چاہیئے کہ اس وقت دعا مانگا کرے اسی لیے مسلمان اس دعا کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں"وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ"خدایا ہمیں ان کی شفاعت نصیب کر۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہونے پر حملہ کرتے تھے ۱؎ اذان پر کان لگاتے تھے اگراذان سن لیتے تو باز رہتے ورنہ حملہ کردیتے ۲؎ ایک شخص کو کہتے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فطرت پر ہے پھر اس نے کہا اشھدان لا الہ الا اللہ توحضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو آگ سے نکل گیا صحابہ نے اسے دیکھا تو وہ بکریاں چرانے والا تھا ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی جب جہاد میں کفار کے علاقہ پرشاہانہ حملہ کرتے تو صبح کے وقت اذان کا انتظار کرتے کیونکہ یہ وقت عبادات کی قبولیت اور رحمت الٰہی کے نزول کا ہے اورجہاد بھی عبادت ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ اذان مصیبتوں کو دفع کرتی ہے،سرکار اذان کی آواز سے یہ پتہ لگاتے تھے کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے جہاں مسلمان آزادی سے اپنی عبادتیں کررہے ہیں۔کفار کا زورنہیں لہذایہاں جہاد کی ضرورت نہیں کیونکہ جہادکفر کا زور توڑنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ کافروں کو جبرًا مسلمان کرنے کے لیے۔

۳؎ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چرواہے کے متعلق چندگواہیاں دیں:ایک یہ کہ اس وقت یہ سچا مسلمان ہے۔دوسرے یہ کہ اس کا خاتمہ ایمان پرہوگا۔تیسرے یہ کہ اس کے سارے گناہوں کی معافی ہوگی۔معلوم ہوا کہ حضور ہر ایک کے دل کا حال بھی جانتے ہیں اورسب کے انجام سے بھی خبردار ہیں،کیوں نہ ہو کہ لوح محفوظ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جومؤذن کوسن کر یہ کہہ لیا کرے کہ میں گواہ ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اوریقینًا محمد مصطفٰے اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اللہ کی ربوبیت محمد مصطفٰے کی رسالت اوردین اسلام سے راضی ہوں توا س کے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ دعا اذان کے اول پڑھی جائے گی،جب مؤذن کی اذان کی آواز کان میں آئے کیونکہ درمیان میں یہ دعا پڑھنے سے جواب اذان میں خلل واقع ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن مغفل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہردو اذانوں کے درمیان ۱؎ نمازہے۔ہردو اذانوں کے درمیان نمازہے ۲؎ پھر تیسری بارمیں فرمایا اس کے لئے جو چاہے ۳؎	

	(مسلم،بخاری)

۱؎دو اذانوں سے مراد اذان واقامت ہے،جیسے چاندوسورج کو قمرین،حضرت صدیق وفاروق کوعمرین،حضرت حسن وحسین کوحسنین کہہ دیتے ہیں یا اذان سے مراد اطلاع ہے،اذان تووقت نماز کی اطلاع کے لیے ہوتی ہے اور اقامت تیاریٔ جماعت کی اطلاع کے لیے،بہرحال حدیث پراعتراض نہیں۔

۲؎یا تو صلوۃ بمعنی دعاہے،یعنی اذان وتکبیر کے درمیان دعا مانگا کرو کہ یہ وقت قبولیت ہے یابمعنی نماز،یعنی اذان واقامت کے درمیان نفل پڑھا کرو،کہ یہ وقت افضل ہے تواس میں نماز بھی افضل،نیز اس سے نمازمیں سستی نہ ہوگی،انسان جماعت سے اتنے پہلے مسجد میں پہنچے گا کہ وضو کرکے نفل پڑھ کرتکبیراولیٰ پاسکے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک اس حکم سے مغرب علیحدہ ہے کہ اذان مغرب کے بعدنفل مکروہ ہیں،فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔جیسا حضرت بریدہ اسلمی کی روایت میں ہے کہ ہردو اذانوں کے درمیان نمازہے،"خلاصلوٰۃ المغرب"سواء نمازمغرب کے۔(مرقاۃ وغیرہ)

۳؎یعنی یہ نمازمؤذن کے ساتھ خاص نہیں جو مسلمان چاہے پڑھے،یا یہ نمازفرض نہیں جس کا چھوڑنا سخت جرم ہے۔خیال رہے کہ فجراورظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں جس کے چھوڑنے کی عادت نہایت بری ہے،عصراورعشاء کی غیرمؤکدہ،مغرب کی منع ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ۱؎اور مؤذن امانت دارہے۲؎یا اللہ اماموں کو ہدایت دے اورمؤذنوں کوبخش دے۳؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی، شافعی)۴؎دوسری روایت میں مصابیح کے الفاظ ہیں۔

۱؎یعنی امام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دارہے،اوراپنی نماز کے ضمن میں ان کی نمازوں کو لیے ہوئے،اسی لئے امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے،امام کے سہو سے مقتدی پرسجدہ ہے۔مقیم امام کے پیچھے مسافرمقتدی پوری نماز پڑھے گا۔امام صرف اپنے لئے دعا نہ مانگے بلکہ جمع کے صیغے سے مانگے۔اس سے معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نمازجائزنہیں کیونکہ فرض نفل سے اعلیٰ ہے اور اعلیٰ کے ضمن میں ادنیٰ آسکتا ہے نہ کہ ادنی کے ضمن میں اعلیٰ۔یونہی اگرمقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہوتوجائزنہیں کیونکہ کوئی نمازاپنے غیرکو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی،لہٰذا عصر پڑھنے والے کے پیچھے ظہرکی قضاء نہیں پڑھی جاسکتی۔یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کی نماز فاسدہ ہونے پرمقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگی۔غرضکہ یہ حدیث بہت سے مسائل میں امام اعظم کی دلیل ہے۔

۲؎کہ لوگوں کی نمازیں اور روزے اس کے پاس گویا امانتیں ہیں۔اس سے معلوم ہواکہ اذان سے امامت افضل ہے کیوں نہ ہو کہ امام جناب مصطفیٰ کا خلیفہ ہے اورمؤذن حضرت بلال کا نائب،یہی ہمارا مذہب ہے۔

۳؎ اس سے بھی امامت کی اذان پرفضیلت معلوم ہورہی ہے کیونکہ مغفرت سے ہدایت اعلیٰ ہے،یعنی یا اللہ اماموں کو نماز کے مسائل سیکھنے اور صحیح اداکرنے کی ہدایت دے کہ ان کی نماز سے بہت سی نمازیں وابستہ ہیں اورمؤذن کبھی وقت میں دھوکا بھی کھاسکتاہے اسے بخش دے۔

۴؎ اگر چہ امام شافعی امام ہیں اورترمذی وغیرہ ان کے مقلد مگرچونکہ انکی کتب احادیث امام شافعی کی کتاب سے زیادہ مشہور ہیں،اس لئے ان کاذکر پہلے کیا۔دیکھو امام بخاری وامام مسلم امام مالک کے شاگرد ہیں مگران کی زیادہ کتابیں مستند ہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سات برس صرف ثواب کے لئے اذان دے تو اس کے لئے آگ سے خلاصی لکھی جاتی ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی جوبغیر تنخواہ سات سال اذان دے تو رب تعالیٰ اسے جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کا پروانہ(پاسپورٹ اورویزہ) لکھ دیتا ہے جو قیامت میں اسے دیا جائے گا،جس سے بے کھٹک وہ دوزخ سے گزرکر جنت میں داخل ہوگا۔بعض مؤذن یہ طے کرلیتے ہیں کہ ہم تنخواہ مسجد کی صفائی وغیرہ کی لیں گے اذان فی سبیل اللہ دیں گے ان کا ماخذیہ حدیث ہے۔ان شاءاللہ اس کاضرورفیض پائیں گے۔

روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارا رب اس بکری چرانے والے سے خوش ہوتا ہے جوپہاڑ کی اونچی چوٹی میں ہونماز کی اذانیں دے اورنماز پڑھے ۲؎ اللہ تعالیٰ فرماتاہے ۳؎ میرے اس بندے کودیکھو ۴؎ اذان دیتاہے نماز قائم کرتا ہے مجھ سے ڈرتاہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کروں گا ۵؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ مشہورصحابی ہیں،امیرمعاویہ کی طرف سے عقبہ ابن ابی سفیان کی وفات کے بعدمصرکے والی بنے،پھر امیرمعاویہ نے معزول کردیا،۵۸ھ میں مصر میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی دنیا کے جھگڑوں سے دور رہے،اپنی روزی خودکمائے اورنماز اگرچہ اکیلے پڑھے مگر اذان دے کر۔معلوم ہوا کہ نماز پنجگانہ کے لئے اذان بہرحال دے اگرچہ جنگل میں اکیلے نماز پڑھے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ اذان کی برکت سے جنات وفرشتے بھی اس کے ساتھ نمازپڑھتے ہیں،اوراسے جماعت کا ثواب ملتا ہے۔تکبیرمیں اختلاف ہے مگرحق یہ ہے کہ تکبیر بھی کہے کیونکہ اذان وتکبیر میں نماز کی اطلاع کے علاوہ اوربہت سے فائدے ہیں۔

۳؎ فرشتوں سے انبیاءواولیاء کی روحوں سے بلکہ حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔(مرقاۃ)

۴؎ معلوم ہوا کہ فرشتوں اورنبیوں،ولیوں کی روحوں میں یہ طاقت ہے کہ ایک جگہ رہ کرسارے عالَم کو دیکھ لیں کہ پروردگاران سے فرماتا ہے اس پہاڑ پر چھپے بندے کو دیکھو،اس سے مسئلہ حاضرناظرحل ہوا۔

۵؎ اس سے چندمسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کبھی دنیا سے علیحدگی مشغولیت سے بہتر ہے۔دوسرے یہ کہ کبھی تنہائی کی عبادت علانیہ عبادت سے افضل ہے،کہ علانیہ میں ریاءکا خطرہ ہے اس میں نہیں۔تیسرے یہ کہ اکیلا آدمی بھی اپنی نماز کے لیے اذان وتکبیر کہے مگرمحلے کی مسجد کی اذان اہل محلّہ کے لیے کافی ہوتی ہے۔چوتھے یہ کہ فرشتے وانبیاءواولیاء ہمارے دلوں کے اخلاص ریاءوغیرہ سے واقف ہیں اوراس کو دیکھتے ہیں،رب نے اُنْظُرُوْا کے بعدیَخَافُ فرمایا۔پانچویں یہ کہ اللہ کے مقبول بندے لوگوں کے انجام سے خبردار ہیں،رب نے انہیں مغفرت اورعذابوں کی خبردے دی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پرہونگے ایک وہ غلام جواللہ کا حق اوراپنے مولا کا حق اداکرتا رہے اور ایک وہ شخص جوکسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس سے راضی ہوں اورایک وہ شخص جو ہردن رات پانچ نمازوں کی اذان دے ۱؎(ترمذی)اورفرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پرہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔قیامت میں اولًا سب لوگ کھڑے ہوں گے اسی لیے اسے قیامت کہتے ہیں،پھرمختلف مقامات میں ہوں گے۔کوئی عرش اعظم کے سایہ میں،کوئی کرسیوں پر،اوریہ تین جماعتیں مشک کے پہاڑوں پرکہ سب لوگ انہیں دیکھیں بھی اوران کی خوشبوؤں سے فائدہ بھی اٹھائیں،چونکہ دنیا میں بھی لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھائے،اس لئے وہاں بھی لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔خیال رہے کہ امام سے قوم کی رضا کا مطلب یہ ہے کہ امام کے تقویٰ اخلاق سے مسلمان راضی ہوں،بے دینوں یافاسدوں کی ناراضی کا اعتبارنہیں۔نیزسرکاری نوکرجوڈیوٹی بھی دے اورنماز کی بھی پابندی کرے وہ بھی اس غلام میں داخل ہے جو مولیٰ اور رب کے حق اداکرے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤذن کی اس آواز کی انتہا کے مطابق بخشش کی جاتی ہے ۱؎ اور اس کے لئے ہرتروخشک چیزگواہی دے گی اورنمازمیں حاضرہونے والے کے لئے پچیس نمازیں لکھی جاتی ہیں ۲؎ اور دونمازوں کے درمیانی گناہ مٹائے جاتے ہیں(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)نسائی نے ہرخشک و ترتک روایت کی اورفرمایا کہ مؤذن کو سب نمازیوں کے برابرثواب ملتا ہے ۳؎

۱؎ یعنی جس قدر اس کی آواز زیادہ اسی قدر اس کی مغفرت زیادہ۔آہستہ اذان کہنے والے کے صرف گناہ کبیرہ کی معافی اور بلندآواز سے کہنے والے کے صغیرہ کبیرہ سب معاف۔یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں مؤذن کی اذان کی برکت سے وہاں تک کہ گنہگاروں کی معافی ہوتی ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے کہ یہ ان سب کی شفاعت کرے گا۔

۲؎ یعنی مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب اکیلے اورگھرمیں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ہے۔خیال رہے کہ یہاں۲۵ گنافرمایا گیا اوردوسری روایت میں۲۷ گنا،بعض میں۵۰۰ گناہے کیونکہ جیسی مسجد،جیسی جماعت اورجیسا امام ویساثواب۔جن خوش نصیبوں نے مسجدنبوی میں جماعت صحابہ کے ساتھ حضورکے پیچھے نمازیں پڑھیں ان کا ایک سجدہ دوسروں کی کروڑوں نمازوں سے افضل ہے۔

۳؎ یعنی اس کی اذان سے جتنے لوگ مسجدمیں آکر یا اپنے گھر میں نماز پڑھتے ہیں ان سب کا مجموعی ثواب مؤذن کو ملتاہے کیونکہ یہ ان سب کارہبرہے اوران سب کو اپنی اپنی نمازوں کا ثواب۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن ابوالعاص سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے میری قوم کا امام بنادیجئے فرمایا تم ان کے امام ہو ۲؎ اوران میں سے کمزورکو مقتدی جانو ۳؎ اورکوئی ایسا مؤذن مقرر کروجواپنی اذان پر اجرت نہ لے ۴؎ (احمد،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ مشہورصحابی ہیں،ثقفی ہیں،حضورنے آپ کو طائف کا حاکم بنایا اورشروع خلافت فاروقی تک وہیں کے حاکم رہے،پھرعمرفاروق نے وہاں سے معزول کرکے عمان اوربحرین کا گورنر بنایا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ امام قائم کرنے اورمعزول کرنے کا حق سلطان اسلام کوبھی ہے اور اس کا مقرر کردہ امام قوم کے معزول کرنے سے علیحدہ نہیں ہوسکتا،دیکھو کتب فقہ۔

۳؎ یعنی یہ سمجھ کرنمازپڑھاؤ کہ میرے مقتدی کمزور اوربیمار بھی ہیں،ہلکی نمازپڑھاؤ۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مؤذن رکھنے اورمعزول کرنے کا حق امام کوہے۔دوسرے یہ کہ اذان پراجرت لینا جائزمگر نہ لینا بہتراس لئے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اجرت کو حرام نہیں کہا بلکہ فرمایا ڈھونڈ کرکوئی للہ اذان دینے والا رکھو۔خیال رہے کہ اُس زمانہ میں دینی خدمات پر اجرت لینا اگر ممنوع بھی تھاتو اس وقت کے لحاظ سے تھااب ممنوع نہیں،ورنہ سارے دینی کام بندہوجائیں گے۔دیکھو سوا عثمان غنی کے باقی تمام خلفاءنے خلافت پراجرت لی،حالانکہ خلافت امامت کبریٰ ہے،نیزعمرفاروق نے اپنے زمانہ میں غازیوں اورحکّام کی تنخواہیں مقررکیں،حالانکہ جہاد بھی عبادت ہے اورحاکم اسلام بننا بھی۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہاسے فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ کہہ لیاکروں ۱؎ اے اللہ یہ تیری رات کے آنے اورتیرے دن کے جانے کا وقت

	اور تیرے بلانے والوں کی آوازیں ہیں تو مجھے بخش دے ۲؎(ابوداؤد، بیہقی، دعوات کبیر)

۱؎یا اذان کے اوّل آواز سنتے ہی یا اذان کے بعد،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔
۲؎چونکہ شام کا وقت بھی قبولیت کا وقت ہے اوراذان کا ہونا بھی،اس لئے خصوصیت سے اس قت کے لیے یہ دعا ارشادفرمائی گئی۔بلانے والے سے مرادمؤذنین ہیں،یعنی ان مؤذنوں کی ان آوازوں کی برکت سے مجھے بخش دے۔معلوم ہوا کہ دوسروں کی عبادت کے طفیل دعامانگنا جائزہے،لہذا یہ کہہ سکتے ہیں خدایا اپنے حبیب کے سجدوں کے طفیل مجھے بخش دے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے یا بعض صحابہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نے تکبیر کہنی شروع کی جب انہوں نے کہا قد قامت الصلوۃ توحضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اسے قائم دائم رکھے اورباقی تکبیر میں وہی فرمایا جوحضرت کی عمر کی اذان حدیث میں ذکر ہوا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎اس سے معلوم ہو اکہ اذان کی طرح تکبیر کا بھی جواب دیاجائے اور"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" پر یہ دعامانگی جائے۔خیال رہے کہ راوی کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ نے فرمایا حدیث کو ضعیف نہیں کردیتا کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اور تکبیر کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے اذا ن وتکبیر کے درمیان کا سارا وقت مرادہے کہ اس میں جب بھی دعا مانگے قبول ہوگی مگر بہتر یہ ہے کہ اذان سے متصل دعا مانگے تاکہ اگلی حدیث پر عمل ہوجائے۔بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضورہم اس وقت کیا دعا مانگیں؟فرمایا دین ودنیا کی امن وعافیت مانگو۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں یا بہت کم رد کی جاتی ہیں اذان کے وقت کی دعا ۱؎اورجہاد کے وقت کی دعا جب بعض بعض کو قتل کررہے ہوں ۲؎اورایک روایت میں ہے کہ بارش کے وقت کی دعا ۳؎(ابوداؤد،دارمی) مگر دارمی نے بارش کا ذکر نہ کیا۔

۱؎یعنی مؤذن کے اذان سے فارغ ہوتے ہی نہ کہ دورانِ اذان میں کہ وہ جواب اذان کا وقت ہے۔

۲؎ یعنی عین کشت وخون کی حالت میں جب غازی کافروں کو قتل کررہے ہوں اورکافروں کے ہاتھوں شہید ہورہے ہوں کہ وہ بہترین عبادت ہے۔یُلْحِمُ اِلْحَام سے بنا،بمعنی گوشت کاٹنا یعنی قتل کرنا۔

۳؎ بعض لوگوں نے تحت کی وجہ سے فرمایابارش کے نیچے کھڑے ہوکر بھیگتےہوئے دعامانگے مگر صحیح یہی ہے کہ بارش کے وقت کہیں بھی دعا مانگے قبول ہوگی،خصوصًا رحمت کی بارش جو انتظار اور دعاؤں کے بعد آئے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن لوگ ہم سے بڑھ جائیں گے ۱؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے وہ کہتے ہیں تم بھی کہہ لیاکرو ۲؎ جب فارغ ہوجاؤ تو مانگ لیا کرو دیئے جاؤ گے ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی قیامت میں ہم ان کے درجے تک نہ پہنچ سکیں گے کیونکہ تمام عبادات میں ہم اور وہ برابر ہیں اور اذان میں وہ ہم سے بڑھے ہوئے۔معلوم ہوا کہ دینی کاموں میں رشک جائزبلکہ کبھی عبادت ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے سارے کلمات مؤذن کے ساتھ کہے حتی کہ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ"اور"حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" بھی مگران دونوں کے ساتھ لَاحَوْلَ بھی پڑھ لے۔اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔

۳؎ یعنی جودعاچاہومانگو۔بہتر یہ ہے کہ اولًا حضور کے لیے وسیلہ کی دعا مانگے،پھر اپنے لئے دعائیں،تاکہ تمام حدیثوں پرعمل ہوجائے،مسلمان عمومًا وسیلہ کے بعداسی دعا میں یہ بھی کہہ لیتے ہیں "وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ"۔وہابی اس سے منع کرتے ہیں اوربدعت کہہ کر روکتے ہیں شاید انہیں حضور کی شفاعت کی ضرورت نہ ہوگی۔وہ اس حدیث سے عبرت پکڑیں کہ یہاں سَل مطلق فرمایا گیا۔مرقاۃ نے اس جگہ بہت سی دعائیں بتائیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابرسے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان جب نماز کی اذان سنتاہے توبھاگ جاتاہے ۱؎ حتی کہ مقام روحاء تک پہنچ جاتاہے ۲؎ راوی نے فرمایا کہ روحاء مکہ مدینہ سے چھتیس میل ہے ۳؎ (مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے جو جنات کا مورث اعلیٰ ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد قرین شیطان ہو جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے یا سارے شیاطین۔

۲؎ یعنی نمازی سے اتنی دوربھاگ جاتا ہے جتنا مدینہ سے روحاء۔

۳؎ راوی سے مراد ابوسفیان طلحہ ابن نافع مکی ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ روحاءمدینہ منورہ سے مکہ کی جانب ۳۶ میل یعنی۱۲کوس ہے،اس سے شیطان کی قوت رفتار معلوم ہوئی کہ وہ پل بھرمیں ۳۶میل جا آسکتا ہے کیوں نہ ہوکہ وہ آتشی ہے۔آگ کی رفتار اگردیکھنا ہوتو آج بجلی کی رفتار دیکھ لو،جب نارکی یہ رفتارہے تو اولیاء اللہ اورانبیاءکرام نوری لوگوں کی رفتارکا کیا پوچھنا،قرآن کریم فرمارہا ہے کہ بنی اسرائیل کے ولی آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے بلقیس کا تخت شام میں لے آئے،معراج کی رات سارے نبیوں نے بیت المقدس میں حضور کے پیچھے نماز پڑھی،حضور برق رفتار براق پرسوارہوکر پل بھرمیں آسمانوں پرپہنچے،تو یہ انبیاء پہلے پہنچ کر وہاں استقبال کے لیے حاضر تھے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت علقمہ ابن وقاص سے ۱؎ فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ کے پاس تھا جب ان کے مؤذن نے اذان دی حضرت معاویہ نے بھی وہ ہی کہاجومؤذن نے کہا حتی کہ جب اس نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ پھر جب حی علی الفلاح کہا تو آپ نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۲؎ اس کے بعدوہی کہا جومؤذن نے کہاپھرفرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہی فرماتے سنا۔(احمد)	

۱؎ آپ لیثی ہیں،حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے،شیخ نے فرمایا کہ تابعی ہیں مگرمرقاۃ میں ہے کہ صحابی ہیں،جنگِ خندق میں حاضرہوئے،عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں مدینہ پاک میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی "حی علی الصلوۃ" اور فلاح پرصرف لاحول شریف پڑھی یہ کلمات نہ دہرائے،بعض علماءکا یہی عمل ہے مگرزیادہ قوی یہ ہے کہ یہ کلمات بھی دہرائے اورلاحول شریف بھی پڑھ لے،جیسا کہ پہلے عرض کیاجاچکا۔ظاہر یہ ہے کہ آپ نے "حی علی الصلوۃ"پربھی پوری لاحول ہی پڑھی ہوگی مگرراوی نے اختصارکیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضرت بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب خاموش ہوئے تو حضرت محمد مصطفٰی نے فرمایا جویقین سے اس طرح کہاکرے جو اس نے کہا جنت میں داخل ہوگا ۱؎ (نسائی)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ اس سے اذان کا جواب مراد ہے،یعنی ایمان لاکر یہ کلمات دہرائے توجنتی ہے۔اگر کافرمذاق کے طورپراذان کی نقل کرے تو اس کے کفر میں اور اضافہ ہوگا۔اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ جب اذان دہرانے کا یہ ثواب ہے تو اذان دینے پرکیا ثواب ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مؤذن کو شہادتین کہتے سنتے تو فرماتے اور میں بھی اور میں بھی ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی میں بھی اللہ کی توحید اوراپنی رسالت پرگواہی دیتا ہوں۔خیال رہے کہ ہم توحیدورسالت کی گواہی سن کر دے رہے ہیں اورحضوردیکھ کرکیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی ذات وصفات اورسارے عالم غیب کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے،نیزحضورصلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم ہمارے لیے علم حضوری کیونکہ رسالت آپ کا اپنا وصف ہے،نیزحضور کا کلمہ یہ بھی تھا"اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًارَّسُوْلُ اللہِ"اوریہ بھی کہ "اَشْھَدُاَنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ"میں اللہ کا رسول ہوں،کبھی اس طرح کلمہ پڑھتے تھے،کبھی اس طرح۔اگر ہم کہہ دیں کہ میں رسول اللہ ہوں تو کافرہوجائیں۔ایک کلمہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کلمۂ ایمان ہے اور ہمارے لیے کفر۔التحیات میں بھی ہم پڑھتے ہیں"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ"حضورصلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسے بھی پڑھتے تھے،اورکبھی "السلام علی"۔(ازمرقاۃ)

روایت ہی حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوبارہ سال اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہوگی ۱؎اورہردن اس کی اذان کے عوض ساٹھ نیکیاں اورتکبیر کے عوض تیس نیکیان لکھی جائیں گی۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎پہلے سات سال اذان دینے پر آگ سے نجات کا وعدہ فرمایا گیاتھا،یہاں بارہ سال پر جنت کا وعدہ ہےکیونکہ جیسا اذان میں اخلاص ویسا ہی اس پر اجر،حضرت بلال کو ایک اذان پر وہ ثواب ملے گا جو دنیا بھر کے مؤذنوں کو عمربھرکی اذانوں پرنہ ملے۔اورہوسکتاہے کہ پہلے بارہ سال کی اذان پروعدۂ جنت فرمایا گیاہو،پھر رحمت کو وسیع فرماتے ہوئے سات سال کی اذان پروعدہ ہوگیا۔اس صورت میں یہ حدیث پہلی سے منسوخ ہے۔

۲؎یعنی تکبیر کا ثواب اذان سے آدھا ہے کیونکہ تکبیر صرف مسجد والوں کے لیے ہے اور اذان سارے لوگوں کے لیے،نیزتکبیرمیں آسانی ہے،اذان میں مشقت اورثواب بقدرمشقت ملتا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ ثواب بارہ سال کے مؤذن کے لئے خاص نہیں بلکہ جوبھی اخلاص سے اذان کہے ان شاءاللہ یہ ثواب پائے گا،بلکہ اذان واقامت کا جواب دینے والابھی ان شاءاللہ اس اجر کا مستحق ہوگاجیسا کہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم کومغرب کی اذان کے وقت دعا کا حکم دیاجاتاتھا ۱؎(بیہقی دعوات کبیر)	

۱ ؎ غالبًا اس سے وہی دعا مراد ہے جو حضرت ام سلمہ کی روایت میں گزر چکی۔خیال رہے کہ بعض لوگ اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کو منع کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں جب تک کہ ممانعت قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو کسی کو منع کرنے کا کیا حق ہے،ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت سے ثابت ہے،جیسا کہ دعاؤں کے باب میں ان شاءالله آئے گا،سواء نماز کی دعاؤں کے کہ وہاں نماز میں مشغولیت کی وجہ سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کھانے کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کو منع فرمایا مگر اسی کی وجہ یہ بتائی کہ شاید بعض لوگ ابھی کھانا کھارہے ہوں تو انہیں شرمندگی ہوگی کہ سب کھاچکے ہم ابھی تک کھارہے ہیں،یہ بھی ان کی رائے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے نہ کہ ممانعت شرعیہ۔

باب فیہ فصلان

باب اس میں دوفصلیں ہیں ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ اس باب میں اذان کے متعلق مختلف مضامین کی احادیث آئیں گی اس لئے مصنف نے اس باب کا ترجمہ مقررنہ کیا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمرسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو ۱؎ حتی کہ ابن ام مکتوم اذان دیں فرماتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا شخص تھے اذان نہ کہتے حتی کہ ان سے کہا جاتا صبح ہوگئی صبح ہوگئی ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ غالبًا ہمیشہ صبح کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں ایک تہجداورسحری کے لئے،دوسری نماز فجر کے لئے،پہلی اذان سیدنابلال دیتے تھے اوردوسری اذان سیدنا ابن ام مکتوم۔اب بھی مدینہ منورہ میں تہجد کی اذان ہوتی ہے چونکہ ان دونوں اذانوں کی آوازوں اورطریقۂ ادا میں فرق ہوتا تھااس لیے لوگوں کو اشتباہ نہ ہوتا تھا۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اذان صرف نماز کے لئے خاص نہیں اور مقاصد کے لیے بھی ہوسکتی ہے۔دیکھو سیدنا بلال کی یہ اذان سحری کوجگانے کے لئے ہوتی تھی۔دوسرے یہ کہ فجریا دیگر اذانیں اگروقت سے پہلے ہوجائیں تو وقت میں کہنی پڑیں گی۔دیکھوسیدنا بلال کی اذان پر اکتفا نہ کی گئی،امام اعظم کا یہی مذہب ہے۔امام شافعی کے ہاں اذان فجروقت سے پہلے بھی جائزہے،اسی حدیث کی بناءپرمگریہ دلیل کمزور ہے ورنہ دوبارہ اذان کی کیا ضرورت تھی۔تیسرے یہ کہ نابینا کو اذان کے لیےمقررکرسکتے ہیں جب کہ اسے وقت بتانے والا کوئی ہو۔چوتھے یہ کہ ایک مسجدمیں دو یا زیادہ مؤذن ہوسکتے ہیں۔پانچویں یہ کہ سحری کو جگانے کے لیے اذان دینا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہےمگر یہ جب ہوگا جب لوگ اس اذان سے شبہ میں نہ پڑجائیں ورنہ ہرگز نہ دی جائے۔ہمارے ملک میں اذان صبح صادق کی علامت ہے اگریہاں سحری کی اذان دی گئی تو کوئی فجر کے شبہ میں سحری نہ کھا سکے گایاکوئی دوسری اذان کوپہلی سمجھ کردن میں کھاکر روزہ خراب کرلیگااس لیے اب ہرگز اس پر عمل نہ کیا جائے۔بہت سی چیزیں عہدصحابہ میں درست تھیں،اب ممنوع ہیں۔دیکھو اُس زمانہ میں جوتا پہن کرمسجد میں آنا اورمع جوتے نماز پڑھنا مروج تھااب ممنوع ہے۔پختہ مکان بنانے منع تھے،اب جائز ہے۔کھیتی باڑی سے لوگوں کوروکا گیاتھااب ضروری ہے۔زکوۃ کے مصرف آٹھ تھے اب سات ہیں۔حالات بدل جانے سے ہنگامی احکام بدل جاتے ہیں۔

	روایت ہے سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہیں سحری سے نہ بلال کی

	اذان روکے اور نہ لمبی فجر لیکن کنارہ آسمان میں پھیلنے والی فجر ۱؎(مسلم)اس کے لفظ ترمذی کے ہیں۔

۱؎ صبح دو ہوتی ہیں:صادق اور کاذب۔صبح کاذب مشرق ومغرب میں بھیڑیئے کی دم کی طرح لمبی سفیدی ہے جو ظاہر ہوکر غائب ہوجاتی ہے۔اس سے کچھ دیر بعد جنوبًا شمالًا سفیدی نمودار ہوتی ہے جو بعد میں پھیل جاتی ہے اس کا نام صبح صادق ہے۔اسی وقت سے دن شروع ہوتاہے۔سبحان اللہ!حضور نے ایک لفظ "**مستطیل**"فرماکر صدہا مسئلے بیان فرمادیئے۔

	روایت ہے حضرت مالک بن حویرث سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا چچیرا بھائی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۲؎ آپ نے فرمایا کہ جب تم دونوں سفر کروتواذان وتکبیر کہو اورتم میں کا بڑا امامت کرے ۳؎ (بخاری)

۱؎ آپ کا نام مالک،کنیت ابوسلیمان ہے،قبیلۂ بنی لیث سے ہیں،ایک وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے،۲۰ دن حاضری رہی،بصرہ میں قیام کیا،عبدالملک کے زمانہ میں ۷۴ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲؎ وداع ہونے کے لیے ۲۰دن قیام کرنے کے بعد۔معلوم ہوا کہ مدینہ سے چلتے وقت خدمت اقدس میں حاضرہونا سنت صحابہ ہے۔اب بھی حجاج مکہ معظّمہ سے چلتے وقت طواف وداع کرتے ہیں اورمدینہ پاک سے رخصت ہوتے وقت سلام وداع عرض کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی اذان وتکبیر کوئی بھی کہہ دے مگرامامت بڑا ہی کرے۔سفر کی قید اس لیے لگائی کہ سفرمیں کوئی امام مقرر نہیں ہوتا،مسجدوں میں جوامام مقرر ہوگا وہی امامت کرے گا چھوٹاہویا بڑا،جیسا کہ دیگر روایات میں ہے۔بڑے میں بہت تفصیل ہے۔علم میں بڑا،قرأت قرآن میں بڑا،تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑا،عمر میں بڑا۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ اذان سے امامت افضل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ سفرمیں بھی حتی الامکان جماعت سے نمازپڑھنی چاہیئے،نیز اگر دو آدمی بھی ہوں توبھی جماعت کرلیں الگ الگ نہ پڑھیں۔بعض علماء نے اس حدیث کی بناءپر اذان کو فرض فرمایامگر صحیح یہی ہے کہ اذان سنت ہے۔ہاں شعاردین میں سے ہیں کہ اس کے روکنے پر جہادواجب ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ویسے ہی نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ۱؎ جب نماز حاضرہوتو تم میں سے کوئی اذان دے اورتم میں کا بڑا امامت کرے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ سبحان اللہ!کیسا ایمان افروزکلمہ ہے یعنی میں اورمیرے افعال قرآن کی بولتی ہوئی تفسیر ہیں۔رب نے صرف نماز کا حکم دیا،طریقۂ ادا نہ بتایا۔فرمایا جارہا ہے"**اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ**"کی تفسیر میں ہوں اورمیرا عمل۔سارے قرآن کا یہی حال ہے۔

ع تری سیرت کو ہم قرآن کی تفسیر کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی اذان ونماز دونوں وقت میں ہوں،لہٰذا کوئی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں(حنفی)۔اکبر کی تفسیرابھی گزر چکی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے لوٹے ۱؎ تو رات بھر چلتے رہے جب آپ کو نیند آنے لگی تو آخر رات میں اترے اور بلال سے فرمایا کہ رات میں ہماری حفاظت کرو ۲؎ حضرت بلال سے جس قدر ہوسکا نماز پڑھتے رہے ۳؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سو گئے پھر جب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال نے مشرق کی طرف منہ کرکے اپنی سواری سے ٹیک لگائی سواری سے ٹیک لگائے ان کی آنکھ لگ گئی ۴؎ پھر نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور نہ بلال نہ کوئی صحابی حتی کہ انہیں دھوپ لگی ۵؎ ان سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے اور فرمایااے بلال ۶؎ تب حضرت بلال بولے کہ میرے نفس کو وہ ہی لے گیا جو آپ کے نفس مبارک کو لے گیا ۷؎ فرمایا ہانکو صحابہ نے اپنی سواریاں کچھ ہانکیں ۸؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے نماز کی تکبیر کہی پھر ان سب کو فجر پڑھائی جب نماز پوری کرچکے تو فرمایا کہ جو نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میری یاد پر نماز قائم کرو ۹؎ (مسلم)

۱؎ مدینہ منورہ کی طرف یہ غزوہ محرم ۷ھ میں ہوا،قریبًا ۱۷ دن مسلمانوں نے خیبر کا محاصرہ کیا،اللہ نے شاندار فتح عطا فرمائی۔خیبر مدینہ پاک سے ۳ منزل ہے۔

۲؎ اس رات کا نام"لیلۂ تعریس"ہے اور اس واقعہ کا نام"واقعۂ تعریس"ہے۔تعریس کے معنی ہیں آخر رات میں آرام کے لیے اترنا۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کو اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے،نیز بندوں سے اپنی حفاظت کرانا توکل کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی جتنے نوافل آج رات ان کے مقدر میں لکھے تھے اور جن پر وہ قادر تھے پڑھے۔

۴؎ یعنی انکی نیت سونے کی نہ تھی بلکہ بیٹھ کر طلوع فجر دیکھنے کا ارادہ تھا اسی لیے آپ لیٹے نہیں بلکہ بیٹھے رہے اور منہ بھی مشرق کی طرف رکھا مگر ہونے والی بات کہ بے اختیار سو گئے،لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے سرکاری فرمان کی مخالفت کی۔

۵؎ یعنی دھوپ کی گرمی سے بیدار ہوئے۔خیال رہے کہ حضور کی آنکھ سوتی تھی دل بیدار رہتا تھا مگرسویرا،اندھیرا،اجیالا دیکھنا آنکھ کا کام ہے نہ دل کا،لہذا یہ واقعہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی نیند غفلت پیدا نہیں کرتی اسی لیے نیند سے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا۔آج نماز کی قضا غفلت سے نہ ہوئی بلکہ رب نے اپنے پیارے کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور ادھر سے توجہ ہٹا لی تاکہ امت کو قضاء پڑھنے کے احکام معلوم ہوجائیں،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

٦؎ تم نے یہ کیا کیا ہمیں نماز کے وقت جگایا کیوں نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز قضا ہونے پر گھبرا جانا بھی سنت وعبادت ہے جس پر بڑا ثواب ملتاہے۔

۷؎ یعنی جس حکمت والے رب نے آپ کو اس وقت جاگنے نہ دیا اسی نے مجھے سلادیا،اس کلام میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا"۔سبحان اللہ!کیا مبارک جواب ہے یعنی ہمارا یہ سوتا رہ جانا شیطانی یانفسانی نہیں بلکہ رحمانی ہےجس میں مصلحت ایمانی و اسلامی ہے۔

۸؎ یعنی اس جنگل سے چلو نماز آگے پڑھیں گے کیونکہ ابھی سورج طلوع ہورہا تھا نماز جائز نہ تھی کچھ دور جانے میں قدرے سفر بھی طے ہوجائے گا اوروقت کراہت بھی نکل جائے گا،عرب میں ٹھنڈے وقت سفر کرتے ہیں۔خیال رہے کہ آفتاب چمکنے کے بیس منٹ بعدنماز جائز ہوتی ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ سورج نکلتے وقت نہ فرض نماز جائز نہ نفل۔امام شافعی کے ہاں اس وقت فجر کی قضاء جائز ہے۔

۹؎ یعنی بے اختیاری حالت میں نماز قضاء ہوجانے پر گناہ نہیں۔خیال رہے کہ یہاں نماز کی اذان بھی کہی گئی اور تکبیر بھی سنتیں بھی پڑھی گئیں اورجماعت سے نماز بھی،لہذا اس حدیث سے بہت سے فقہی مسائل حل ہوئے۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو نہ کھڑے ہو حتی کہ مجھے نکلتے دیکھ لو ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی تکبیر کے وقت صف میں پہلے سے نہ کھڑے ہوجاؤ بلکہ جب مجھے حجرے شریف سے نکلتے دیکھو تب کھڑے ہوتاکہ نماز کے قیام کے ساتھ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام تعظیمی بھی ہوجائے،حضور "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ"پر حجرے سے باہر جلوہ گرہوتے تھے۔اب بھی سنت یہی ہے کہ مقتدی صف میں بیٹھ کر تکبیر سنے"حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ"پر کھڑے ہوں۔اس سےمعلوم ہوا کہ امام کی غیرموجودگی میں تکبیر جائز ہے جب کہ علامات سے معلوم ہوجائے کہ امام تشریف لانے والے ہیں۔اس کی بحث قریب میں گزرچکی ہے۔

	روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو دوڑتے نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے اطمینان کے ساتھ آؤ ۱؎ جوپالووہ پڑھ لوجورہ جائے پوری کرلو۲؎(مسلم،بخاری)مسلم کی روایت

	میں ہے کیونکہ جب کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے۳؎ یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

۱؎ یعنی جماعت کے لئے گھبرا کردوڑتے نہ آؤ کہ اس میں گرجانے چوٹ کھانے کا اندیشہ ہے۔خیال رہے کہ رب نے جو فرمایا"فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ"وہاں سعی سے مراد دوڑنا نہیں بلکہ نماز جمعہ کی تیاری کرناہے،لہذا آیت وحدیث میں مخالفت نہیں۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت میں شامل ہونے کے لئے سکون سے آنا مستحب ہے،دوڑنا مستحب کے خلاف ہے حرام نہیں،لہذا فاروق اعظم کا ایک دفعہ دوڑ کر رکوع میں شامل ہوجانا ناجائز نہ تھا۔دوسرے یہ کہ آخری جزو مل جانے سے جماعت مل جاتی ہے،لہذا جونمازجمعہ کی اَلتَّحِیَّاتُ میں مل جائے وہ جمعہ پڑھے۔تیسرے یہ کہ جس رکعت میں مقتدی ملے وہ تعداد کے لحاظ سے رکعت اول ہے اورقرأت کے لحاظ سے رکعت آخری۔

۳؎ یعنی جب سے وہ نماز کے ارادے سے گھر سے چلا اسے نماز کا ثواب مل رہا ہے پھرجلدی کیوں کرتا ہے،کیوں گرتا اورچوٹ کھاتا ہے،اطمینان سے آئے جو پائے اس کو ادا کرے۔خیال رہے کہ اگرتکبیراولٰی یارکوع پانے کے لئے قدرے تیزی سے آئے مگر نہ اتنی کہ چوٹ لگنے گرنے کا اندیشہ ہوتومضائقہ نہیں جیساکہ فارو ق اعظم کا عمل پہلے بیان ہوا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّے کے رستے میں ۲؎ نزول فرمایا اورحضرت بلال کو اس لیئے مقرر کیا کہ انہیں نماز کے لیئے جگادیں تب حضرت بلال اورسب حضرات سوگئے ۳؎ اورجب جاگے جب کہ ان پرسورج چمک رہا تھاقوم گھبرائی ہوئی جاگی انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سوارہوجائیں حتی کہ دوراس جنگل سے نکل جائیں اورفرمایا کہ اس جنگل میں شیطان ہے ۴؎ لوگ سوارہوئے حتی کہ اس جنگل سے نکل گئے پھرحضورانورصلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اتریں اور وضوکریں اورحضرت بلال کو حکم دیاکہ نماز کی تکبیریااذان کہیں ۵؎ پھرنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نمازپڑھائی ۶؎ پھر فارغ ہوئے ان کی گھبراہٹ

	دیکھی تو فرمایا اے لوگو!اللہ نے ہماری روحیں قبض فرمالی تھیں اگرچاہتا اس کے علاوہ اور وقت انہیں واپس کرتا ۷جب تم میں سے کوئی نماز سے سوجائے یا اسے بھول جائے پھر گھبرا کر اس کی طرف آئے تو اسے ویسے ہی پڑھے جیسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا۸پھرنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرصدیق کی طرف توجہ فرمائی فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا جب وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے انہیں لٹادیا ۹پھر انہیں تھپکورتا رہا جیسے بچہ تھپکوراجاتاہے حتی کہ وہ سو گئے پھرنبی کریم روف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایاتوحضرت بلال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح خبردی جیسے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرصدیق کو خبردی تھی۱۰ابوبکر صدیق بولے میں گواہی دیتا ہوں آپ سچے رسول ہیں ۱۱(صلی اللہ علیہ وسلم)۔(مالک)

۱آپ حضرت عمرفاروق کے آزادکردہ غلام ہیں،تابعی ہیں،بڑے علم وتقویٰ والے ہیں۔

۲مرقاۃ نے فرمایا کہ تعریس کا یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ پہلا واقعہ خیبر اورمدینہ منورہ کے درمیان پیش آیا تھااوریہ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ کے درمیان ہوا۔شیخ نے فرمایا کہ غالبًا واقعہ تو وہ ہی ہے مگر یہاں راوی کو دھوکا ہوا کہ مکہ معظّمہ کے راستے میں سمجھا۔

۳اگر یہ خیبر والا واقعہ ہے تو حضرت بلال اونٹ کی پیٹھ سے ٹیک لگائے سوگئے اورصحابہ کبار باقاعدہ لیٹ کر ارادۃً سوئے۔اور اگر دوسرا واقعہ ہے تو حضرت بلال بھی لیٹ کرسوئے،مگرسونے کا ارادہ نہ تھا کمرسیدھی کرنے لیٹے کہ آنکھ لگ گئی تھی۔

۴اس کی شرح وہ ہی ہے جو پہلے ہوچکی،یعنی اس جنگل میں ابھی سورج طلوع ہورہاہے اورشیطان کے سینگوں کے درمیان ہے،اس وقت نماز مکروہ ہے،کچھ آگے چلو سفر بھی طے ہوجائے گااور سورج بھی بلند ہوجائے گا۔یہ مطلب نہیں کہ یہاں اس جنگل میں چونکہ شیطان ہے جس نے ہمیں سلادیا لہذا یہاں نماز نہ پڑھو کیونکہ شیطان ہروقت انسان کے ساتھ رہتا ہے،نیزشیطان کی وجہ سے نماز نہ پڑھنا قرین قیاس نہیں۔بت خانوں،شراب خانوں میں نمازاس لیے مکروہ ہے کہ وہ ہرجگہ گناہوں یا شرک وکفرکی ہے۔استنجاخانہ اورحمام میں نمازمکروہ کہ وہ جگہ نجاست کی ہے کہ اس لیے کہ وہاں شیطان ہے۔

۵ظاہر یہ ہے کہ یہاں اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی اذا ن اورتکبیر کہیں اور اگرشک کے لئے ہے تو یہ شک راوی کو ہے،یعنی مجھے خیال نہیں کہ میرے شیخ نے اذان کا ذکر کیایاتکبیر کا۔

۶معلوم ہوا کہ اگرپوری قوم کی نماز رہ جائے تو قضاء باجماعت کی جائے گی اور اس کے لیے اذان واقامت بھی ہوگی۔

۷؎ یعنی اگر چاہتا ہوتو ہمیں قیامت ہی کے دن اٹھاتا یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ آج ہی جگادیا،نیند موت کی چھوٹی بہن ہے،لہٰذا اس قضاء پر گھبراؤ مت،اس میں رب تعالٰی کی حکمتیں ہیں۔

۸؎ اکثر حنفیوں کا یہ قول ہے کہ جہری نماز کی قضاء بھی جہر سے کی جائے گی اورخفی نمازوں کی قضا بھی آہستہ قرأت سے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی نماز اگر گھر میں قضاء کرے تو قصر ہی کرے گا اوراگر گھر کی نماز سفر میں قضا بھی کرے تو پوری،نیز اگر فجر کی نماز زوال سے پہلے قضاء پڑھے تو سنتیں بھی قضا کرے گا۔

۹؎ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کی صفائی بیان فرمارہے ہیں کہ انہوں نے ہمارے حکم کی مخالفت نہ کی،جو کچھ ہوا شیطان کی حرکت سے ہوا،بلال بے قصور ہیں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صبح کے وقت شیطان لوگوں کو ایسے تھپکورتا ہے جیسے ماں بچے کو سلاتے وقت اس وقت **لاحول** پڑھ کر اٹھ جانا چاہیئے۔دوسرے یہ کہ شیطان کبھی مقبول بندوں پر بھی وسوسہ یا نیند ڈال دیتا ہے،ہاں انہیں گمراہ نہیں کرسکتا۔لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"**اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ**"۔تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے میں بھی لوگوں کے ہرحال سے خبردار رہتے ہیں اورشیطان کی حرکتوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔دیکھو رب تعالٰی نے یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کے طلوع سے بے توجہ کردیا مگرجو واقعہ بلال کو پیش آیا وہ ملاحظہ فرماتے رہے جس محبوب کی نیند میں ایسی خبرداری ہے اس کی بیداری کا کیا حال ہوگا،رب فرماتا ہے:"**عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَاعَنِتُّمۡ**"(ان پر تمہاری ہر تکلیف گراں ہے)۔معلوم ہوا کہ وہ امت کارکھوالا اپنے ہرامتی کے ہرحال سے خبردار ہے۔خیال رہے کہ یہاں بلال کی نیند کا بھی سبب شیطان تھا،مگر نیند کا خالق رب اس لئے ابھی کچھ پہلے اسی حدیث میں اس نیند کو رب کی طرف منسوب فرمایا گیا اوریہاں شیطان کی طرف۔فقیر کی اس تقریر سے بہت سی آیات اوراحادیث سے شبہات اٹھ جائیں گے۔

۱۰؎ کہ میں نماز پڑھ رہا تھا شیطان نے مجھے تھپکورا میں سوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام شیطان کی حرکات محسوس کرتے تھے بلکہ کبھی شیطان کو حرکتیں کرتے دیکھتے بھی تھے اورپکڑ بھی لیتے تھے اور وہ ان کے ہاتھوں چھوٹ نہ سکتا تھا،معافی مانگ کر بھاگتا تھا جیسا کہ اسی مشکوۃ شریف میں آگے آئے گا۔

۱۱؎ یعنی آج میں نے آپ کی رسالت آنکھوں سے دیکھ لی،دیکھ کرگواہی دے رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب آپ کی نبوت اوررسالت کی دلیل ہے۔جو کوئی علم کا انکارکرتا ہے درپردہ نبوت کا انکاری ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذنوں کی گردنوں میں مسلمانوں کی دوچیزیں لٹکی ہوئی ہیں انکے روزے اورنمازیں ۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎ کہ مؤذن مسلمانوں کے نماز،روزے دونوں کے ذمہ دار ہیں کہ اذان سے ہی سحری اورافطارہے اوراذان سے ہی نمازوں کی اداء۔اگر اذانیں صحیح وقت پر دیں گے لوگوں کے روزے نماز درست ہوں گے اورسب کا ثواب ان کو ملے گا۔اوراگر غلط

وقت پر دیں گے تو سب کے روزے،نماز برباد ہوں گے اوروبال ان حضرات پر۔مرقاۃ نے یہاں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں پہلے انبیاء جائیں گے،پھربیت اللہ کے مؤذن،یعنی بلال،پھر بیت المقدس کے مؤذن،پھرسارے مؤذن۔

باب المساجدومواضع الصلوة

باب مسجدوں اورنمازکے مقامات کابیانہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مسجد کے لغوی معنے ہیں سجدہ گا۔مگرشریعت میں وہ جگہ مسجد ہے جونماز کے لیےوقف ہو۔وہ حدیث شریف جس میں ہے کہ ساری زمین میرے لیے مسجدہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہرجگہ نمازجائزہے۔پچھلے دینوں میں سواءعبادت خانوں کے اور کہیں نماز نہ ہوتی تھی۔نمازکے مقامات سے مراد وہ جگہ ہیں جہاں نمازمکروہ یاغیرمکروہ ہے۔خیال رہے کہ گھرمیں بنائی ہوئی مسجدافضل ہے مگر وقف نہیں۔

روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبے شریف میں داخل ہوئے ۱؎تو اس کے گوشوں میں دعا مانگی اورنماز نہ پڑھی ۲؎حتی کہ وہاں سے تشریف لے آئے جب نکلے تو دو رکعتیں کعبے کے سامنے پڑھیں۳؎اورفرمایا یہ ہے قبلہ۴؎(بخاری)اورمسلم نے انہی سے روایت اسامہ بن زید سےروایت کی۔	

۱؎یعنی فتح مکہ کے دن اولًا کعبہ شریف سے بت نکالے گئے،پھر اسے آبِ زم زم سے دھویا گیا،پھرحضورانور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے۔خیال رہے کہ کعبہ معظّمہ اورمسجد حرام شریف تمام مسجدوں بلکہ عرشِ الٰہی سے بڑھ کرہے۔(مرقاۃ)

۲؎صحیح یہ ہے کہ حضورانورعلیہ السلام نے اس دن وہاں نماز پڑھی ہے۔حضرت ابن عباس کو اس کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ اس وقت آپ حضورعلیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نہ تھے۔آگے حضرت بلال کی روایت آرہی ہے کہ آپ نے وہاں نمازپڑھی اور وہ اس وقت تک حضورانورعلیہ الصلوۃ والسلام کے ہمراہ تھے ان کی خبردیکھ کر ہے اور ان کی سنی ہوئی،نیز اس روایت میں نمازکی نفی ہے اور وہاں ثبوت اورتعارض کے وقت ترجیح ثبوت کو ہوتی ہے۔

۳؎کیونکہ کعبہ کو منہ کرکے نہ ادھر پیٹھ کرکے اور نہ کروٹ لے کر۔

۴؎ یعنی تا قیامت کعبہ تمام مسلمانوں کا قبلہ ہوچکا کبھی منسوخ نہ ہوگا۔اس میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہورہا ہے کہ کعبہ کا ہرحصہ قبلہ ہے،سارا کعبہ نمازی کے سامنے ہونا ضروری نہیں،کعبہ کے اندرنمازی بعض حصہ کی طرف پیٹھ کرتا ہے اوربعض کی طرف منہ،مگرنمازہوجاتی ہے۔خیال رہے کہ کعبہ وہاں کی فضاء کا نام ہے جو زمین سے آسمان تک ہے نہ کہ دیواروں کا نام۔دیکھو پہاڑ پریاتہہ خانہ کے اندرنماز پڑھنے کی صورت میں کعبہ کی دیوارنمازی کے سامنے نہ ہوگی مگرنمازدرست ہوگی،لہٰذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے (رضی اللہ عنہما) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسامہ ابن زید، بلال ابن رباح اور عثمان ابن طلحہ حجبی ۱؎ کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ پر کعبہ بند کرلیا ۲؎ اس میں کچھ ٹھہرے جب تشریف لائے تو میں نے بلال سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تو فرمایا ایک ستون اپنے بائیں اور دوستون اپنے دائیں اور تین ستون اپنے پیچھے رکھے کعبہ اس دن چھ ستونوں پر تھا پھر نماز پڑھی ۳؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ آپ عبدری قرشی حجبی ہیں، قبیلہ بنی شیبہ سے ہیں، کعبہ شریف کے کلید بردار ہیں، فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا "خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً" یعنی یہ چابی لواب یہ ہمیشہ تمہارے پاس ہی رہے گی، چنانچہ اب تک کعبہ کی چابی انہیں کی اولاد میں ہے اور ان شاءاللہ تاقیامت رہے گی کہ نہ کبھی ان کی نسل ختم ہوگی اور نہ کوئی ظالم بادشاہ ان سے چھین سکے گا، یزید اور حجاج جیسے ظالموں نے بھی اس چابی کو ہاتھ نہ لگایا، ۴۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎ حضرت بلال نے یا عثمان نے اندر سے کنڈی لگالی تاکہ لوگوں کا ہجوم نہ ہوجائے اس لئے نہیں کہ بغیر کعبہ بند کئے اس میں نماز جائز نہ تھی جیسا کہ شوافع نے سمجھا۔

۳؎ یعنی دروازہ کعبہ سے داخل ہوکر سامنے دیوار کے قریب پہنچے حتی کہ تین ستون پیٹھ کے پیچھے رہ گئے اور وہ دیوار قریب ہوگئی، پھر نماز پڑھی۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی سیدنا بلال آنکھوں دیکھا واقعہ بتارہے ہیں، یہ واقعہ فتح مکہ کے دن ہی کا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کعبہ میں ہر نماز جائز ہے فرض ہو یا نفل، یہی حنفیوں کا مذہب ہے، امام مالک کے ہاں کعبہ میں نفل جائز ہیں فرض نہیں، اما م شافعی کے ہاں اگر دروازۂ کعبہ کھلا ہو تو دروازہ کی طرف منہ کرکے نماز جائز نہیں مگر امام اعظم کا قول بہت قوی ہے اور یہ حدیث اس کی پوری تائید کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی اور کسی نماز و جگہ کی قید نہ لگائی کہ کعبہ میں فلاں نماز یا فلاں حصّہ میں نماز جائز نہیں۔لطیفہ: مرقاۃ نے فرمایا عثمان ابن طلحہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ و ہجرت سے پہلے میں پیر اور جمعرات کو کعبہ کھولا کرتا تھا۔ایک روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میرے لیے آج کعبہ کھول دو میں نے آپ کی بڑی بے ادبی کی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بردباری فرمائی اور فرمایا کہ اے عثمان! عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ تم یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھو گے جسے چاہوں دوں۔میں بولا کہ اگر ایسا ہوا تو قریش ہلاک ہوجائیں گے اور کعبہ ذلیل ہوجائے گا، فرمایا نہیں رب کعبہ کی قسم! کعبہ کو اسی دن عزت ملے گی مگر مجھے یقین ہوگیا کہ ایسا ہوکر رہے گا کیونکہ اس زبان کی بات خالی نہیں جاتی حتی کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضاء کے لیے بیت اللہ شریف ذیقعدہ ۷ھ میں تشریف لائے اور میں نے آپ کی سج دھج دیکھی تو میرے قلب کا حال بدل گیا دل میں ایمان آگیا، موقعہ ڈھونڈا مگر خدمت میں حاضر نہ ہوسکا حتی کہ آپ مدینہ واپس ہوگئے مگر میرا یہ حال تھا۔

وہ دکھا کے شکل جو چل دیئےتو دل ان کے ساتھ رواں ہوا
نہ وہ دل ہے اور نہ وہ دلربا رہی زندگی سو وہ بار ہے

ایک روز دل بہت بے چین ہوا تو اندھیرے منہ مکہ سے بھاگا،راستہ میں خالد ابن ولید اورعمرو ابن عاص سے ملاقات ہوئی ان کا حال بھی میرا ہی ساتھا۔چنانچہ ہم تینوں مدینہ منورہ حاضرہوئے اور دست اقدس پربیعت کرکے مسلمان ہوگئے،پھرفتح مکہ کے دن جوکہ رمضان ۸ھ میں ہوا ہم تینوں حضور انور کے ساتھ ہی مکہ آئے تب مجھ سے حضورعلیہ السلام نے چابی منگائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ چابی مجھے دے دی جائے،میں ڈر کی وجہ سے چابی مانگ نہ سکا،مجھے وہ واقعہ یاد تھا اور میں سمجھتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے مقابلہ میں مجھ غیرکی کیا حیثیت ہےمگرکرم خسروانہ کے قربان، فرمایا:اے عباس!اگرتم اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہوتو چابی مجھے دو،چابی لے کرفرمایا:عثمان کہاں ہیں؟میں بولا حضور حاضر،فرمایا لو یہ چابیاں ہمیشہ تم میں رہے گی اس بنا پر یہ آیت اتری:"اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا"پھر زندگی بھر یہ چابی عثمان کے پاس رہی،وفات کے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ ابن عثمان کو عطا کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ہزارنمازوں سے بہترہے سوائے مسجدحرام کے[1](مسلم،بخاری)	

[1] یعنی مسجدنبوی کی ایک نماز سوائے کعبۃ اللہ کے باقی تمام جہاں کی مسجدوں کی ہزارنمازوں سے بہتر ہے۔خیال رہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد صرف وہی نہیں ہے جوحضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی بلکہ بعدمیں جو اس میں زیادتیاں کی گئیں وہ سب حضورعلیہ السلام کی مسجد ہی کہلائیں گی اور اس کے ہرحصہ میں نماز پنجگانہ کا یہی درجہ ہوگا اگرچہ اس حصہ میں جو زمانۂ نبوی میں مسجدنہ تھا۔خصوصًا جنت کی کیاری میں نمازافضل ہے،نیز جس قدر روضۂ اطہر سے قرب زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ کیونکہ حضور علیہ السلام کے قرب ہی کی تو ساری بہارہے۔خیال رہے کہ مسجدنبوی کی نماز ثواب میں بیت اللہ شریف کی نماز سے اگرچہ کم ہو مگر درجہ اور تقرّب میں وہاں کی نماز سے بھی زیادہ ہےکیونکہ وہاں کعبہ سے قرب ہے اوریہاں ان سے قرب ہے جنہوں نے کعبہ کوقبلہ بنادیا۔اسی لئےفتح مکہ کے بعد بھی مہاجرین وانصارمدینہ ہی میں رہے اوریہیں کی نمازوں کو دل وجان سے قبول کیا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ صرف نماز کے لیےزیادتی نہیں ہے بلکہ مدینہ کی ہرعبادت کا یہی حال ہے۔قاضی عیاض،ملا علی قاری،شامی وغیرہم فرماتے ہیں کہ حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا اندرونی حصہ جو جسم اطہر سے مس ہے وہ کعبہ معظّمہ وعرش اعظم سے بھی افضل ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین مسجدوں کے سوا کسی طرف کجاوے نہ باندھیں جائیں ایک مسجد حرام،ایک مسجد اقصٰی اورایک میری یہ مسجد[1](مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی سواء ان مسجدوں کے کسی اور مسجد کی طرف اس لیے سفر کرکے جانا کہ وہاں نماز کا ثواب زیادہ ہے ممنوع ہے،جیسے بعض لوگ جمعہ پڑھنے بدایوں سے دہلی جاتے تھے تاکہ وہاں کی جامع مسجد میں ثواب زیادہ ملے یہ غلط ہے،ہر جگہ کی مسجدیں ثواب میں برابر ہیں۔اس توجیہ پر حدیث بالکل واضح ہے۔وہابی حضرات نے اسی کے معنی یہ سمجھے کہ سواء ان تین مسجدوں کے کسی اور مسجد کی طرف سفر ہی حرام ہے۔لہذا عرس،زیارت قبوروغیرہ کے لئے سفر حرام۔اگر یہ مطلب ہوتو پھر تجارت،علاج،دوستوں کی ملاقات،علم دین سیکھنے وغیرہ تمام کاموں کے لیے سفر حرام ہوں گے اور ریلوے کا محکمہ معطل ہوکررہ جائے گا اوریہ حدیث قرآن کے خلاف ہی ہوگی۔اور دیگر احادیث کے بھی،رب فرماتا ہے:"قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ"۔مرقاۃ نے اسی جگہ اور شامی نے "زیارت قبور"میں فرمایا کہ چونکہ ان تین مساجد کے سواء تمام مسجدیں برابر ہیں اس لئے اور مسجدوں کی طرف سفر ممنوع ہے اور اولیاءاللہ کی قبریں فیوض و برکات میں مختلف ہیں،لہذا زیارت قبور کے لیے سفر جائز کیا،یہ جہلاء انبیاءکرام کی قبور کی طرف سفر بھی منع کریں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ۱؎ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ۲؎ اور میرا منبر میرے حوض پر ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بعض روایات میں ہے کہ میری قبراورمیرے منبر کے درمیان۔بعض روایات میں ہے کہ میرے حجرے اور مصلے کے درمیان مگر سب کے معنی ایک ہی ہیں کیونکہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر حجرہ شریف اور قبر انور ایک ہی جگہ ہے اور مصلّٰی یعنی محراب النبی اورمنبر شریف بالکل متصل ہیں۔جیسا کہ زیارت کرنے والوں کو معلوم ہے۔

۲؎ یعنی یہ جگہ پہلے جنت کا باغ تھی وہاں سے لائی گئی،اللہ نے خلیل کو جنت کا سنگ اسود عطا فرمایا اوراپنے حبیب کے لیے جنت کا باغ بھیجا،یایہ جگہ بعینہٖ کل جنت کا باغ ہوگی،یا جویہاں آگیا تو گویا جنت کے باغ میں داخل ہوگیا کہ آئندہ اس کی برکت سے جنت میں ضرورجائے گا،یا یہ جگہ جنت کے باغ کے مقابل ہے۔خیال رہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ کے حلقوں کو اورمؤمن کی قبر کو جنت کا باغ فرمایا ہے وہاں بھی بہت توجیہیں ہیں۔

۳؎ یہاں بھی وہی توجیہیں ہیں کہ یہ جگہ پہلے میرے حوض پر تھی،وہاں سے یہاں لائی گئی یا آئندہ کنارۂ حوض پر ہوگی یا اب کنارۂ حوض پرہوگی،یا اب کنارۂ حوض کے مقابل ہے یاجسے اس کا بوسہ نصیب ہوجائے وہ گویا میرے حوض پر پہنچ گیا۔خیال رہے کہ منبر سے مراد منبر کی جگہ ہے وہاں منبر کوئی سا بھی ہو،نیز کعبہ کا سنگ اسود اور رکن یمانی اورمدینہ پاک کی یہ جگہ اگرچہ جنت سے آئی ہے لیکن وہاں کا وہ رونق وحسن ختم کردیا گیا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ہرہفتہ کے دن مسجد قبا شریف میں ۱؎ پیدل اورسوار تشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعتیں پڑھتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ قباءایک بستی ہے،مدینہ منورہ سے تین میل دور وہاں کی مسجد کا نام قباء ہے۔اسی جگہ حضور علیہ السلام نے ہجرت کے دن مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے قیام فرمایا اوریہی مسجد پہلے بنائی گئی۔قرآن کریم نے اس مسجد کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں۔فقیرنے بارہا وہاں کی زیارت کی ہے۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ جو مدینہ پاک سے وضوءکرکے مسجد قباجائے وہاں دو نفل پڑھے تو عمرے کا ثواب پائے۔اب بھی حجاج وغیرہ ہفتہ کے دن یہ عمل کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مسجدوں اور ان کے قیام گاہ متبرک ہیں ان کی زیارت ثواب کیونکہ مسجد قباءانصار کی مسجد ہے اور وہ حضرات مقبولینِ بارگاہ تھے،وہاں پیشانیاں رگڑنا اورسجدے کرنا قبولیت کا ذریعہ ہے۔حضور خواجہ اجمیر قدس سرہ نے لاہور آکر حضرت داتا صاحب کی پائنتی چلہ کیا وہ اسی حدیث سے ماخوذ تھا۔ڈاکٹراقبال نے کیا خوب فرمایا ؎

سید ہجویر مخدوم امم　　　مرقد اوپیر سنجر راحرم

خیال رہے کہ جہاں بزرگوں کے قدم پڑجائیں وہ جگہ تاقیامت متبرک ہوجاتی ہے۔اب قباءمیں انصارنہیں لیکن اس کی شرافت وہی ہے ؎

بگفتا من گل ناچیز بودم　　　ولیکن مدتے باگل نشستم

روایت حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آبادیوں میں رب کو پیاری جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ وہاں کے بازار ہیں۱؎(مسلم)	

۱؎ کیونکہ مسجدوں میں اکثر ذکر اللہ کے لیےحاضری ہوتی ہے اوربازاروں میں اکثر جھوٹ،فریب،غیبت وغیرہ،اگرچہ کبھی مسجدوں میں بھی جوتی چور اوربازاروں میں بھی اولیاءاللہ چلے جاتے ہیں اسی لیےفرمایا گیا کہ تم ان لوگوں میں سے ہونا کہ جن کا جسم بازار میں اور دل مسجد میں ہے،ان میں سے نہ ہوجن کا جسم مسجد میں اور دل بازارمیں ہو۔خیال رہے کہ یہاں شہروں سے مراد عام شہر ہیں۔مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ ان سے علیحدہ ہیں۔وہاں کے تو گلی کوچے بازار وغیرہ سب خداکو پیارے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ"اورفرماتا ہے:"لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ"۔کیوں نہ ہو کہ یہ محبوب کی نگریاں ہیں ؎

کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم　　　اس کف پاء کی حرمت پہ لاکھوں سلام

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی مسجد بنانے والے کے لئےجنت میں ایسا گھربنایا جائے گا جووہاں دوسرے مکانوں سے ایسا افضل ہوگا جیسے مسجد دنیا کے دوسروں گھروں سے،ورنہ جنت کے گھروں کو یہاں کی عمارات سے کیا نسبت۔خیال رہے کہ پوری مسجد بنانا اورتعمیر مسجد میں چندہ دینا دونوں کے لئےیہی بشارت ہے بشرطیکہ ریاء کے لئےنہ ہو اللہ کے لئے ہو،اسی لئے علماء مسجد پراپنا نام لکھنے کو منع

کرتے ہیں کہ اس میں ریاء کا شائبہ ہے،ہاں اگرطلب دعا کے لئے ہوتو حرج نہیں۔(مرقاۃ)اسی حدیث کی بناء پرصحابہ کرام اوراسلامی بادشاہوں نے اپنی یادگاروں میں مسجدیں چھوڑیں،مسجدبڑی ہویاچھوٹی،کچی ہویاپکی ثواب بقدر اخلاص ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوشخص صبح یا شام مسجد کوجائے جب کبھی صبح یا شام جائیگا اللہ اس کے لیئے جنت کی مہمانی کا سامان بنائیگا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ صبح شام سے مراد ہیشگی ہے،یعنی جوہمیشہ نماز کے لیے مسجد میں جانے کا عادی ہوگا اسے ہمیشہ جنتی رزق ملے گا۔نُزُل اس کھانے کو کہتے ہیں جومہمان کی خاطرپکایا جائے،چونکہ وہ پرتکلف ہوتا ہے اورمیزبان کی شان کے لائق،اس لئے جنتی کھانے کو نُزُلْ فرمایا گیا،ورنہ جنتی لوگ وہاں مہمان نہ ہوں گے مالک ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں نماز کا ثواب پانے والا وہ ہے جس کا راستہ دراز ہو پھروہ جس کا راستہ درازہو ۱؎اورجونماز کا انتظارکرے حتی کہ امام کے ساتھ پڑھے اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے جونماز پڑھے پھرسوجائے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی جس کا گھر اپنی مسجد سے دورہو،پھروہ مسجدمیں جماعت سے نماز پڑھاکرے اسے بقدرقدم ثواب ملے گا۔یہ مطلب نہیں کہ محلے کی مسجد چھوڑکرخواہ مخواہ دورکی مسجدمیں پہنچا کرے،ہاں اگرمحلے کی مسجد کا امام بدعقیدہ ہے تو اورجگہ جاسکتاہے۔

۲؎خواہ اکیلے نماز پڑھ کر،خواہ دوسرے امام کے پیچھے جماعت سے پڑھ کرکیونکہ جماعت اول کا زیادہ ثواب ہے اور جماعت اول وہی ہے جو امام مسجد کے ساتھ پڑھی جائے،ہاں اگر وہ امام وقت مکروہ میں نماز پڑھتاہوتو اکیلا ہی پڑھ لے،جیسا کہ گزشتہ احادیث میں گزرچکا۔

روایت ہے حضرت جابرسے فرماتے ہیں مسجد کے اردگرد کچھ مکانات خالی ہوئے تو بنوسلمہ نے چاہا ۱؎کہ مسجد کے قریب آن بسیں ۲؎یہ خبرحضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب آن بسنا چاہتے ہو وہ بولے ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ ارادہ تو کیا ہے فرمایا اے بنو سلمہ اپنے گھروں ہی میں رہو تمہارے نقش قدم لکھے جارہے ہیں اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے نقش قدم لکھے جارہے ہیں ۳؎(مسلم)	

۱؎ یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے جن کے گھر مسجد نبوی شریف سے بہت دور تھے۔
۲؎ یعنی ان لوگوں نے یہ کوشش نہ کی کہ اپنے محلے میں الگ مسجد بنالیں،بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز کے لئے اپنے گھر چھوڑدینا اورمحلّہ خالی کردینا گوارا کرلیا۔
۳؎ تمہارے نامۂ اعمال میں ثواب کے لیے کیونکہ مسجد کی طرف ہر قدم عبادت ہے یا تمہاری اس مشقت کا تذکرہ حدیث کی کتب میں اورعلماء کی تصانیف میں لکھاجائے گا،واعظین اس پر وعظ کریں گے،جو تمہارے واقعے سن کر دورسے مسجد میں آیا کریں گے،ان سب کا ثواب تمہیں ملاکرے گا۔خیال رہے کہ گھر کا مسجد سے دور ہونا متقی کے لئے باعث ثواب ہے کہ وہ دور سے جماعت کے لئےآئے گا مگر غافلوں کے لئےثواب سے محرومی کہ وہ دوری کی وجہ سے گھر میں ہی پڑھ لیا کریں گے،لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ منحوس وہ گھر ہے جس میں اذان کی آواز نہ آئے یعنی غافلوں کے لیےدوری گھر نحوست ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات شخص وہ ہیں جنہیں اللہ تعالٰی اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا ۱؎ جب اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا عادل بادشاہ ۲؎ وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزارے ۳؎ وہ شخص جس کا دل جب سے کہ وہ مسجد سے نکلے مسجد میں لگا رہے حتی کہ مسجد میں لوٹ آئے ۴؎ وہ دوشخص جو اللہ کے لیئے محبت کریں جمع ہوں تو اسی محبت پر اورجدا ہوں تو اسی پر ۵؎ اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھیں بہیں ۶؎ اور وہ شخص جسے خاندانی حسین عورت بلائے وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں ۷؎ اور وہ شخص جو چھپ کر خیرات کرے حتی کہ اس کا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنا ہاتھ کیا دے رہا ہے ۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اپنی رحمت کے سایہ میں یا عرش اعظم کے سایہ میں تاکہ قیامت کی دھوپ سے محفوظ رہیں۔
۲؎ یعنی وہ مؤمن بادشاہ اورحکام جو رعایا میں انصاف کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے سایہ میں رہتی تھی،لہذا یہ قیامت میں رب تعالٰی کے سایہ میں رہے گا۔یہ ان تمام سے افضل ہے اس لئےاس کا ذکر سب سے پہلے ہوا۔عادل حکام بھی اس بشارت میں داخل ہیں۔
۳؎ یعنی جوانی میں گناہوں سے بچے اور رب کو یاد رکھے،چونکہ جوانی میں اعضاء قوی اورنفس گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے،اس لئےاس زمانہ کی عبادت بڑھاپے کی عبادت سے افضل ہے۔

در جوانی توبہ کردن سنت پیغمبری است   وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

صوفیاءفرماتے ہیں کہ مؤمن مسجد میں ایسا ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔اور منافق ایسا جیسے چڑیا پنجرے میں،اسی لیے نماز کے بعد بلاوجہ فورًا مسجد سے بھاگ جانا اچھانہیں۔خدا توفیق دے تو مسجد میں پہلے آؤ اور بعد میں جاؤ،اور جب باہر رہو تو کان اذان کی طرف لگے رہیں کہ کب اذان ہو اورمسجد کو جائیں۔

۵؎ کہ جس کی محبت سے رب راضی ہو اس سے محبت کریں اور۔جس کی نفرت سے رب راضی ہو اس سے نفرت کریں،بے دین اور بدعمل اولاد سے نفرت،متقی اجنبی سے محبت عبادت ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　　　فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

یونہی گہرے دوست کی بدعقیدگی پر واقف ہوکر اس سے الگ ہوجانا اورجانی دشمن سے تقوے پرخبردارہوکر اس کا دوست بن جانا بہترین عمل ہے۔

۶؎ یعنی خوف خدایا عشق جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں روئے،تنہائی کی قید اس لئےلگائی کہ سب کے سامنے رونے میں ریاء کا اندیشہ ہے۔

۷؎ یعنی خود ایسی عورت اس سے بدفعلی کی خواہش کرے اور یہ اس نازک موقعہ پر محض خوف خدا سے بچ جائے یہ بہت مشکل ہےاسی لئےرب تعالٰی نے یوسف علیہ السلام کے اس فعل شریف کی تعریف قرآن میں فرمائی اللہ نصیب کرے۔خیال رہے کہ ایسے نازک موقعہ پرعورت سے یہ کہہ دینا ریاءنہیں تبلیغ ہے،یعنی میں رب تعالٰی سے ڈرتا ہوں تو بھی ڈر۔

۸؎ یہاں صدقۂ نفلی مرادہے صدقۂ فرض اورچندے کے موقعہ پرصدقہ نفل علانیہ دینا مستحب ہے،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ہِیَ"۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرد کی باجماعت نماز اس کے گھر یا بازار کی نمازپر پچیس گناہ زیادہ ثواب رکھتی ہے ۱؎ اور یہ اس لیئےہے کہ جب وہ وضو کرے تو اچھی طرح کرے پھرمسجد کی طرف چلے ۲؎ بجز نماز اور کوئی چیز اسے نہ لے جائے جوقدم بھی ڈالے گا اس پراس کا ایک درجہ بلندہوگا اورایک گناہ معاف ہوگا ۳؎ پھرجب نماز پڑھے گا تو جب تک اپنی نمازکی جگہ میں رہے گا ملائکہ اسے دعائیں دیتے رہیں گے یااللہ اسے بخش دے،خدایا اس پر رحم کر ۴؎ اورجب تک تم میں کا کوئی نماز کاانتظار کرتاہے نماز ہی میں رہتا ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب مسجد میں گھستا ہے نماز ہی اس کو روکتی ہے ۵؎ اورفرشتوں کی دعا میں یہ زیادتی ہے الٰہی اسے بخش دے۔الٰہی اس کی توبہ قبول فرما جب تک کہ وہاں

	وہ ایذا نہ دے اور وضو نہ توڑے ٦؎(مسلم،بخاری)

١؎ یہاں بازار سے مراددکان ہے نہ کہ بازار کی مسجد،بعض مسجدوں میں ٢٥ کا ثواب ہے،بعض میں ٢٧ کا،بعض میں ٥٠٠ کا،جیسی مسجد ہو،جیسی جماعت،جیسا امام ویسا ثواب،لہذا احادیث میں تعارض نہیں جو کوئی اپنے گھرمیں جماعت کرالے وہ بھی مسجد کے ثواب سے محروم ہے۔

٢؎ معلوم ہوا کہ گھر سے وضوکرکے مسجد کو جانا ثواب ہے کیونکہ یہ چلنا عبادت ہے اورعبادت باوضو افضل۔بعض لوگ بیمار پرسی کرنے باوضو جاتے ہیں۔

٣؎ یہ گنہگاروں کے لیےہے۔نیک کاروں کے لئےہر قدم پر دو نیکیاں اور دو درجے بلند کیونکہ جس چیز سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے بےگناہوں کے درجے بڑھتے ہیں۔

٤؎ غالبًا یہاں صلوۃ سے مراد اخروی رحمت ہے اور رحم سے مراد دنیوی رحمت یا صلوٰۃ سے مرادخاص رحمت ہے اور رحم سے مراد عام رحمت،اور بہت سی توجیہیں ہوسکتی ہیں۔

٥؎ یعنی انتظارنماز کے سوا اورکسی وجہ سے مسجد میں نہیں بیٹھتا گویا نماز ہی میں رہتا ہے،اسی لیےاس وقت انگلیوں کی "تشبیک" منع ہے۔

٦؎ یعنی فرشتوں کی یہ دعائیں اس وقت تک ملیں گی جب تک وہ کسی نمازی کو ستائے نہیں،اور وہاں ریح نہ نکالے۔خیال رہے کہ غیرمعتکف کو مسجد میں ریح نکالنا منع ہے،معتکف چونکہ مسجد ہی میں رہتا ہے اس لئےاسے معافی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو کہہ دے الٰہی میرے لئےاپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب نکلے تو کہہ دے خدایا میں تجھ سے تیرافضل مانگتا ہوں١؎(مسلم)

١؎ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مسجدمیں قدم رکھتے وقت یہ کہے "بِسۡمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ" پھریہ دعا پڑھ لے۔خیال رہے کہ مسلمان مسجدمیں صرف عبادت کے لیےآتا ہے اور اکثرطلب روزی کے لیےمسجد سے نکلتا ہے،لہذا آتے وقت رحمت اور جاتے وقت فضل مانگنا بہتر ہے۔(مرقاۃ وغیرہ)

	روایت ہے ابوقتادہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے١؎(مسلم،بخاری)

١؎ یہ نفل "تحیۃ المسجد" ہیں جومسجدمیں داخلے کے وقت پڑھے جاتے ہیں جب کہ وقت کراہت نہ ہو،لہذا فجراورمغرب کے سواءباقی نمازوں میں یہ نفل پڑھنا مستحب ہے۔خیال رہے کہ یہ حکم عام مسجدوں کے لیےہے،مسجدحرام کے لیےبجائے ان نوافل کے طواف بہتر ہے اور یہ حکم غیرخطیب کے لئےہے،خطیب جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہی خطبہ پڑھے گا۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر سے واپس ہوتے تو دن میں چاشت کے وقت ہی تشریف لاتے پھرجب آتے تو مسجد سے ابتدا کرتے وہاں دو رکعتیں پڑھتے پھروہاں ہی کچھ دیر بیٹھتے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ سفر سے گھرکوواپس دن میں آنا چاہیئے مگریہ اس زمانے کے لیے تھا جب کہ مسافر اپنی آمد کی اطلاع پہلے سے نہیں دے سکتا تھا۔اب چونکہ تار وخط کے ذریعے اطلاع پہلے دی جاسکتی ہےاس لئےرات میں آنے میں کوئی حرج نہیں،گھر والے اس کے منتظر اوراس کے لئے تیار رہیں گے۔دوسرے یہ کہ گھرپہنچ کر پہلے مسجد میں آئے اور وہاں نفل قدوم پڑھے اگر وقت کراہت نہ ہو،ورنہ وہاں صرف کچھ بیٹھ لے۔تیسرے یہ کہ گھر میں آنے سے پہلے مسجد میں کچھ بیٹھے اورلوگوں سے وہاں ہی ملاقات کرلے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص کسی کو مسجد میں گمی چیز ڈھونڈتے سنے ۱؎ تو کہہ دے خداتجھے وہ چیزواپس نہ دے کہ مسجدیں اس لیئے نہیں بنی ہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎ چیخ کرشورمچاکرجس سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل واقع ہوکیونکہ خاموشی سے گمشدہ چیزمسجد میں ڈھونڈھ لینا ممنوع نہیں جیسا کہ منشاء حدیث سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی مسجدیں دنیاوی باتیں کرنے،شورمچانے کے لئے نہیں بنیں،یہ تو نماز اور اللہ کے ذکر کے لیے بنی ہیں۔بہتر یہ ہے کہ اس شورمچانے والے کو سناکر کہے تاکہ وہ اس سے باز آجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بھیک مانگنا دیگر قسم کی دنیاوی باتیں کرنا منع ہے۔بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے بھکاری کو خیرات نہ دو کہ یہ گناہ پر مدد ہے،حضرت علی مرتضٰی نے جو نماز کی حالت میں سائل کو انگوٹھی خیرات کی وہ سائل غالبًا مسجد سے باہرہوگا یا آپ مسجد کی علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھ رہے ہوں گے۔خیال رہے کہ نکاح،دینی وعظ،نعت خوانی،قاضیٔ اسلام کے فیصلے یہ سب چیزیں دینی ہیں،لہذا مسجدمیں جائز ہیں۔ان کے متعلق احادیث وارد ہیں،البتہ جماعت کے وقت جب پہلی جماعت ہورہی ہو یہ کام نہ کئے جاویں تاکہ نماز میں حرج نہ ہو بعدمیں کئے جاویں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس بدبودار درخت سے کچھ کھائے تو ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ۱؎ کیونکہ فرشتے بھی اس سے ایذا پاتے ہیں جس سے انسان ایذا پاتے ہیں ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی جوکچی پیاز یا کچا لہسن کھائے تو جب تک منہ سے بو آتی ہو تب تک کسی مسجد میں نہ آئے،لہٰذا حقہ پی کر،کچی مولی یا گندنا کھاکر بھی نہ آئے،نیز جس کے کپڑوں یا منہ سے بدبو ظاہر ہومسجد میں نہ آئے،گندہ دہن کا حکم بھی یہی ہے۔خیال رہے کہ تمام دنیا کی مسجدیں حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں،لہٰذا مَسْجِدُنَایعنی ہماری مسجد فرمانا درست ہے۔اس سے صرف مسجد نبوی مراد نہیں،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔بعض روایا ت میں بجائے مَسْجِدُنَا کے اَلْمَسَاجِدُ ہے۔

۲؎یعنی اگرمسجدانسانوں سے خالی بھی ہو تب بھی وہاں بدبُولے کر نہ جائے کہ وہاں رحمت کے فرشتے ہروقت رہتے ہیں اس کی بدبو سے ایذاء پائیں گے۔خیال رہے کہ مسجد کے فرشتے رحمت کے فرشتے ہیں،ان کی طبیعت نازک اوران کا احترام زیادہ ہے،لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو ہر انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں تو چاہیئے کہ کبھی یہ چیزیں نہ کھائے کیونکہ اللہ تعالٰی نے ساتھی فرشتوں کی طبیعت اورقسم کی بنائی ہے۔علماءفرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی مجمع میں بدبو دار منہ یاکپڑے لےکر نہ جائے تاکہ لوگوں کو ایذاء نہ پہنچے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدمیں تھوکنا گناہ ہے اس کا کفارہ اسے دفن کردیناہے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے پکے فرش اوروہاں کی چٹائیوں،مصلّوں پرہرگز نہ تھوکے کیونکہ وہاں اسے دفن نہ کر سکے گا۔یہ ان مسجدوں کے لیےحکم تھا جہاں کے فرش کچے تھے اور وہ بھی سخت ضرورت کے موقعہ پر جب کہ نماز میں کھنکارآجائے اور باہرجانے کا موقعہ نہ ہو،بلاوجہ وہاں تھوکنا منع اوراہانت کے لیےوہاں تھوکنا کفر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذررضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے۱؎تو میں نے ان کے اچھے اعمال سے تکلیف دہ چیز کاراستہ سےدور کردیناپایا اوران کے برے اعمال میں سے اس تھوک کوپایا جومسجد میں ہو کہ دفن نہ کیا گیا۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی تاقیامت میرا جو امتی جو اچھا برا عمل کرے گا مجھے سب دکھادیئے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی اور اس کے ہرعمل سے خبردار ہیں۔حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اندھیرے،اجیالے،کھلی،چھپی،موجود ومعدوم ہرچیز کو دیکھ لیتی ہے۔جس کے آنکھ میں مَازَاغَ کاسرمہ ہواس کی نگاہ ہمارے خواب وخیال سے زیادہ تیز ہے،ہم خواب وخیال میں ہر چیز کودیکھ لیتے ہیں،حضورصلی اللہ علیہ وسلم نگاہ سے ہرچیز کا مشاہدہ کرلیتے ہیں۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ یہاں اعمال میں دل کے اعمال بھی داخل ہیں لہٰذا حضور علیہ السلام ہمارے دلوں کی ہر کیفیت سے خبردار ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"جلد اول میں دیکھو۔

۲؎مَسَاوِیُ سُوْءٌ کی جمع ہے،بمعنی برائی جیسے مَسَاعِیُ سَعْیٌ کی جمع،اس کی ی ہمزہ کے عوض ہے۔راستہ سے مسلمانوں کا راستہ مراد ہے،یعنی جس راستہ سے مسلمان گزرتے یا گزرسکتے ہوں وہاں سے کانٹا،اینٹ،پتھر دور کردینا ثواب ہے۔جانوروں،جنات،حربی کفار کا راستہ مراد نہیں۔ان کافروں کے راستے میں کانٹے،بارود بچھانا،ان کے پل توڑنا،ڈائنامیٹ لگاکرراستے اڑادینا سب کچھ عبادت ہے کیونکہ جہاد میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہوتو اپنے سامنے نہ تھوکے کہ وہ جب تک نماز میں ہے اللہ سے گفتگو کررہا ہے اور نہ داہنی طرف تھوکے کہ اس طرف فرشتہ ہے اپنی بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے کہ پھر اسے دفن کردے۔

	اور ابوسعید کی روایت ہے کہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رحمتِ الٰہی نمازی پر خصوصیت سے سامنے آتی ہے۔دوسرے یہ کہ نماز میں ضرورۃً داہنے بائیں منہ پھیرسکتا ہے کیونکہ اس تھوکنے کے لئے منہ پھیرنے کی اجازت دی گئی۔تیسرے یہ کہ داہنے ہاتھ کا فرشتہ یعنی نیکیاں لکھنے والا بائیں ہاتھ کے فرشتے سے افضل ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ والا حاکم ہے،بائیں والا محکوم،داہنے والا رحمت کا فرشتہ ہے،بایاں غضب کا۔چوتھے یہ کہ بڑوں کا ادب بھی بڑا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں جس سے اٹھے نہیں ۱؎ فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر خدا لعنت کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گا بنالیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی مرض وفات شریف میں،لہذا یہ حدیث محکم ہے منسوخ نہ ہوئی۔

۲؎اس طرح کہ ان کی قبروں کی طرف سجدہ کرنے لگے،بلکہ بعض انہی قبروں کو پوجنے لگے،یہ دونوں فعل شرک ہیں یا ان کی قبروں کو مسمار کرکے فرش مسجد میں داخل کرلیا،اوراس پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے یہ بھی حرام ہے کہ اس میں قبر کی توہین ہے۔خیال رہے کہ بزرگوں کے آستانوں کے برابر مسجد بنانا اور برکت کے لئے وہاں نمازیں پڑھنا،قرآن شریف اور بہت احادیث سے ثابت ہے،سورۂ کہف میں ہے:"لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا"یعنی مسلمانوں نے کہا کہ ہم اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنائیں گے۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روضۂ انور اوراکثر صحابہ کے مزارات کے پاس مسجدیں ہیں،یہ خود صحابہ یا صالحین نے بنائیں۔اب مزارات اولیاءاللہ کے پاس عامۃ المسلمین مسجدیں بناتے ہیں،مقبولوں کے قرب میں نماز

زیادہ قبول ہوتی ہے۔مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار ہے حضور انور کے قرب کی وجہ سے۔رب تعالٰی نے گنہگاروں اسرائیلیوں سے فرمایا تھا:"اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ"یعنی بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے گھسو اور وہاں جاکرتوبہ کرو،قبورانبیاء کی برکت سے توبہ قبول ہوگی۔زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتا ہے:"هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّه"وہاں بی بی مریم کے پاس کھڑے ہوکر زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی دعا مانگی۔ان آیات سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے قرب میں توبہ اوردعا بہت قبول ہوتی ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ قبر پرکھڑے ہوکرنمازپڑھنا منع ہے لیکن اگرقبر پر ڈاٹ لگا کراوپرفرش بنایا جائے تو وہاں بلاکراہت جائزہے۔چنانچہ کعبۃ اللہ کے مطاف میں ۷۰ نبیوں کے مزارات ہیں جن پر طواف و نماز ہوتے ہیں،نیز کعبہ کے پرنالے کے نیچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مزارشریف ہے جہاں دن رات نمازیں پڑھی جاتی ہیں وہاں یہی وجہ ہے۔(مرقاۃ و اشعہ)

روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خبردار رہو تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں اور نیکوں کی قبروں کو سجدے گاہ بنالیتے تھے خبردار تم قبروں کو سجدہ گا نہ بنانا میں اس سے تمہیں منع کرتا ہوں ۱؎ (مسلم)	

۱؎ شیخ نے لمعات میں فرمایا کہ اگر قبر مٹ بھی گئی ہو مگرمشہور ہوکہ یہاں قبرتھی وہاں بھی نماز نہ پڑھے،لیکن بزرگ کی قبر کے پاس نماز پڑھنا تاکہ اس کی روح سے مدد لےکرنماز کو زیادہ قابل قبول بنائے بہت ہی بہتر ہے۔(لمعات)

روایت ہے حضرت ابن عمرسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنی کچھ نمازیں اپنے گھروں کے لئے مقرر کرو ۱؎ اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ فرض مسجدمیں پڑھو اورسنت ونفل گھر میں آکر یا نماز پنجگانہ مسجد میں پڑھو اورنمازتہجد،چاشت وغیرہ گھر میں،تاکہ نماز کا نورگھروں میں رہے اورعورتوں وبچوں کوتمہیں دیکھ کرنماز کا شوق ہو،نیز گھر کی نماز میں ریاءکم ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی قبرستان کی طرح انہیں نماز سے خالی مت رکھو یا گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔خیال رہے کہ گھر میں دفن ہونا حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے،پھرحضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو یہ شرف نصیب ہوا۔دوسروں کو شہرسے باہرقبرستان ہی میں دفن کرنا چاہیئے۔بعض لوگ اپنی تعمیر شدہ مسجدیا مدرسے میں اپنی قبر کی جگہ رکھتے ہیں اور وہیں دفن کئے جاتے ہیں اور وہ اس حدیث کی زد میں نہیں آتے کیونکہ اس سے وہ جگہ قبرستان نہیں بن جاتی۔"قبورًا"میں اسی طرف اشارہ ہے نہ ان کی قبر کھودکر لاش نکالناجائزکہ بعددفن میت نکالنا جائز نہیں،الالحق ادمی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ پورب و پچھم کے درمیان قبلہ ہے[1] (ترمذی)	

[1] یہ حدیث مدینہ والوں کے لیے ہے کیونکہ وہاں کعبہ جانب جنوب ہے،ہمارے ہاں قبلہ جانب مغرب ہے۔اس سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ اگرنمازی کا منہ ۴۵ ڈگری سے کم کعبہ سے پھر جائے نماز ہوجائے گی کیونکہ اس حال میں وہ مشرق و مغرب کے مابین رہے گا۔

روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں کہ ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے[1] تو ہم نے آپ کی بیعت کی اور اس کے ساتھ نماز پڑھی[2] اورہم نے آپ کوخبر دی کہ ہماری زمین میں ہمارا گرجاہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وضو کا غسالہ مانگا تو آپ نے پانی منگایا وضوکیا اورکلی کی پھریہ پانی ایک برتن میں بھردیا اورہم کو دیا فرمایاجاؤ[3] جب اپنے وطن کوپہنچوتو اپنا گرجا توڑ ڈالو اوراس کی جگہ یہ پانی چھڑک دو[4] اوراُسے مسجد بنالو ہم نے عرض کیاکہ ہمارا شہر دور رہے اور گرمی سخت ہے پانی سوکھ جائے گا[5] فرمایا اسے اورپانی سے بڑھاتے رہو اس سے برکت ہی بڑھے گی[6] (نسائی)	

[1] یعنی اپنی قوم کے نمائندے بن کر ان سب کی طرف سے اسلام لانے اوراحکام سننے کے لیے۔

[2] یہ بیعت اسلام کہلاتی ہے۔آج کل عام بیعتیں بیعت توبہ ہوتی ہیں۔بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مقبول کے ذریعہ رب سے کچھ معاہدے کرنا۔بیعت چارقسم کی ہے۔اس کی تفصیل ہماری کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن"میں دیکھو۔حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا بڑی نعمت ہے اسی لیے یہ حضرات اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ یہ پانی حضور علیہ السلام کے اعضاءشریف کا دھوون تھا جس میں خصوصیت سے ایک اور کلی بھی کردی گئی تھی،اورہوسکتا ہے کہ وضو کا پانی بچا ہو اور اس میں کلی کردی گئی جو برکت کے لیے ان کو دیا گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تبرکات کو خزانۂ مخفی جانتے تھےاس لیے عاجزی سے مانگا کرتے تھے۔

[4] تاکہ اس کی برکت سے گزشتہ کفر کی گندگی جاتی رہے اورآئندہ تمہاری نمازیں زیادہ قبول ہوں،اورتمہاری یہ مسجد اورمسجدوں سے افضل ہوکیونکہ اس میں ہماراتبرک پہنچا ہے۔

۵؎یعنی راستہ میں ہم برکت کے لیے پئیں گے،تاکہ مسجد کے ساتھ ہمارے دل بھی منوّرہوں اور گرمی سے بھی خشک ہوگا۔
۶؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جس چیز کو حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے مس ہوجائے تو تبرک بن جاتی ہے،لہذاخاک مدینہ تبرک بھی ہے شفا بھی۔دوسرے یہ ہے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ معنوی نجاستوں کو بھی دورکردیتا ہے۔تیسرے یہ کہ جس مسجد میں مختار کل ختم رُسُلْ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبرک ہو وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے،یعنی مسجد وں میں سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف رکھے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔چوتھے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اورشہروں میں لے جانایابھیجنا سنتِ صحابہ ہے۔بعض لوگ عرسوں کا لنگر دور دور بھیجتے ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔مرقاۃ میں ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم امیر مکہ سے آبِ زمزم مدینہ منگایا کرتے تھےاب بھی آب زمزم ملک ملک پہنچتاہے۔پانچویں یہ کہ تبرک سے جو چیز مل جائے وہ تبرک بن جاتی ہے۔اب بھی آب زمزم میں اور پانی ملا کر پلایا جاتا ہے۔چھٹے یہ کہ مسلمان کفار کا عبادت خانہ نہیں گراسکتے ہیں،اگرکفارمسلمان ہوکرخودہی اپنا عبادت خانہ گراکروہاں مسجد بنا لیں توجائز ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے اور انہیں پاک وصاف اورمعطر رکھنے کا حکم دیا۱؎(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎اس سے مسجد بیت مرادہے،یعنی گھر میں کوئی حجرہ یا گوشہ نماز کے لیے رکھا جائے جہاں کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے،اس جگہ صفائی ہو اورخوشبو کا لحاظ رکھا جائے۔ہم نے اپنے بزرگوں کو اس پر عامل پایا،اب اس کا رواج جاتا رہا۔بعض علماءفرماتے ہیں کہ اس سے محلے کی مسجد مراد ہے،یعنی جہاں مسلمانوں کے چندگھر ہوں وہاں ایک مسجد بھی بنالیا کریں۔پنجاب میں کنوؤں پرمسجدیں ہوتی ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں خوشبوئیں سلگانا،عطر ملنا مستحب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدوں کی ٹیپ ٹاپ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۱؎حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم لوگ یہودیوں اورعیسائیوں کیطرح مسجدوں کو سنوارو گے۲؎(ابوداؤد)

۱؎اس سے مرادناجائز آراستگی ہے،جیسے فوٹوؤں اورتصویروں سے سجانایافخریہ آرائش مراد ہے جو اللہ تعالٰی کے لیے نہ ہو۔بہر حال جائز زینت جو اخلاص کے ساتھ ہوباعث ثواب ہے۔
۲؎یعنی جیسے عیسائی،یہودی اپنی عبادت گاہوں کوفوٹوؤں اورقد آدم آئینوں سے سجاتے ہیں،قیامت کے قریب مسلمان بھی مسجدوں کو ان سے آراستہ کریں گے،ورنہ مسجد کی زینت سنت صحابہ ہے۔چنانچہ عمر فاروق نے مسجدنبوی شریف کو مزین کیا،پھرعثمان غنی نے اس کی دیواریں چونے گچ سے خوب نقشیں بنائیں،چھت میں ساگوان لکڑی لگائی،حضرت سلیمان علیہ السلام

نے بیت المقدس میں اتنی روشنی کی تھی کہ اس میں عورتیں تین میل تک چرخہ کات لیتی تھیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں شیخی فخر کیا کریں گے ۱؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی،ابن ماجہ)

۱؎یہ حدیث اورحضرت ابن عباس کا گزشتہ فرمان اس ممانعت کی بہترین تفسیر ہے،یعنی ناجائز چیزوں سے مسجد سجانایا فخرو ریاء کے طریقہ پر مسجد سجانا منع ہے۔مسلمان شبِ قدر میں مسجدوں میں چراغاں کرتے اور جھنڈیاں وغیرہ لگاتے ہیں۔بعض لوگ اس حدیث کی بناء پر اس سے منع کرتے ہیں یہ غلط ہے۔جب شادی بیاہ میں ہمارے گھر آراستہ ہوتے ہیں تو متبرک تاریخوں میں اللہ کے گھر کیوں آراستہ نہ ہوں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر میری امت کے ثواب پیش کئے گئے حتی کہ وہ کوڑا جسے آدمی مسجد سے نکال دے ۱؎اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی سورہ یا آیت دی جائے پھر وہ اسے بھلا دے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ مسجدمیں جھاڑو دینا،اس کی دیواروں اورچھت کی مرمّت کرنابہترین عمل ہے۔

۲؎اس طرح کہ اس کا دور نہ کرے،نمازوں میں نہ پڑھےاس لیے بھول جائے۔اگر کوئی بڑھاپے کی وجہ سے کوئی آیت یاد نہ رکھ سکے تو شاید مجرم نہ ہو۔خیال رہے کہ گناہ کبیرہ اور گناہ عظیم میں فرق ہے یہ بھول جانا گناہ عظیم ہے گناہ کبیرہ نہیں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ بڑا گناہ کبیرہ شرک ہے۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن پوری روشنی کی خوشخبری دو جو اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یعنی جو لوگ بارشوں،اندھیری راتوں میں مسجد سے نہیں رہ جاتے انہیں رب تعالٰی پلصراط پرجہاں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے روشنی دیگا کہ ان کی پیشانی بیٹری کی طرح چمکتی ہوں گی،یہاں کا اندھیرا کام آئے گا۔

	اورابن ماجہ نے اسے سہل ابن سعدوانس سے روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبرگیری کرتے دیکھو۱؎ تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو۲؎ کیونکہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ مسجدیں وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۳؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ اس طرح کہ ہرنماز کے لیے وہاں حاضرہو،وہاں کی صفائی کرے،مرمت کا خیال رکھے،جائززینت میں مشغول ہو،وہاں بیٹھ کردینی مسائل بیان کرے،وہاں درس دے یہ سب مسجد کی خبر گیری میں داخل ہیں۔

۲؎ کیونکہ یہ چیزیں ایمان کی علامتیں ہیں۔خیال رہے کہ یہ گواہی ایسی ہی ہے جیسے کسی کا لباس اورشکل دیکھ کر ہم اسے مؤمن سمجھتے اورکہتے ہیں۔گواہی سے مراد قطعی فیصلہ نہیں۔لہذا یہ حدیث "باب الایمان بالقدر"کی احادیث کے خلاف نہیں کہ عائشہ صدیقہ نے ایک انصاری بچے کو جوفوت ہوگیا تھا،جنت کی چڑیا کہا،حضور علیہ السلام نے اس سے منع کیا،فرمایا تمہیں کیاخبر یہ کہاں جائے گا۔نیز اگرکسی کا کفر ظاہرہو اور وہ مسجد کی خدمت کرے تو اسے مؤمن نہ کہا جائے گا،جیسے اس زمانہ کے نمازی منافق اور اس زمانہ کے نمازی اورمسجدوں کے خدمت گارمرزائی،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔"اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ"یا "قَدۡکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمٰنِکُمۡ"۔

۳؎ اس آیت کی دوتفسیریں ہیں:ایک یہ کہ مسجدیں آباد کرنے کی توفیق عمومًا مؤمنوں ہی کو ملتی ہے۔دوسرے یہ کہ مسجدیں بنانے اورآبادکرنے کا حق صرف مؤمنوں کوہے کفارکونہیں اسی لیے منافقوں کی مسجدضرار گرادی گئی تھی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہاں مسجد کی آبادی میں مسجدوں میں چراغاں کرنا،اس کوسجانا سب داخل ہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن مظعون سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمیں خصی ہوجانے کی اجازت دیجئے۱؎ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوخصی ہویاخصی کرے وہ ہم میں سے نہیں۲؎ میری امت کا خصی ہونا روزے ہیں۳؎ عرض کیا کہ ہمیں خانہ بدوش ہونے کی اجازت دیجئے فرمایا میری امت کی خانہ بدوشی اللہ کی راہ میں جہاد ہے۴؎ عرض کیا ہمیں ترک دنیا کی اجازت دیجئے فرمایا میری امت کا ترک دنیا نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۵؎ اسے شرح السنہ نے روایت کیاہے۔

۱؎یعنی مجھے اور مجھ جیسے ان مسکینوں کو جن میں نکاح کی قدرت نہیں خصی ہونے کی اجازت دیں،تاکہ ہم زنانہ کر سکیں،یہ رب سے انتہائی خوف کی علامت ہے۔مرقاۃ نے فرمایا ان کا منشاء یہ تھا کہ ہم نکاح کے قابل نہ رہیں کیونکہ نکاح دنیاوی الجھنوں کی جڑ ہے،اللہ اللہ میں زندگی گزریں۔

۲؎اس لیے کہ وہ نسل انسانی بندکرتا ہے،انسان کی بقاء سے اسلام کا بقاءہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قاطع باہ دوائیں کھانا اور کھلانا حرام ہیں،نیزعورتوں کے رحم نکال دینا یا انہیں ناقابل اولاد بنادینا بھی حرام ہےجب زنا کے لیے ہو یانسل بندکرنے کے لیے۔(ازمرقاۃ)

۳؎کیونکہ روزے سے شہوت ٹوٹتی ہے۔معلوم ہوا کہ جو لوگ نکاح نہ کرسکیں وہ اپنے کو نامرد نہ بنائیں بلکہ روزے رکھا کریں۔

۴؎کہ مجاہد بحالت جہاد وطن بھی چھوڑ دیتا ہے اورسامان سفرساتھ لئے پھرتاہے۔معلوم ہواکہ بلاوجہ ترک وطن کرکے مارامارا پھرنا منع ہے۔عارضی طور پر دنیا کی سیروسیاحت،جیسا کہ بعض اولیاءاللہ سے مروی ہے ممنوع نہیں،رب فرماتا ہے:"قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ"۔

۵؎ تَرَھُّبٌ رَھْبٌ سے بنا بمعنی خوف "کَانُوْا یَتَرَھَّبُوْنَ"۔اصطلاح میں خوف خدا میں مخلوق سے بھاگ کر پہاڑکی چوٹیوں یا گوشوں میں بیٹھ کر عبادت کرنا"تَرَھُّبٌ"ہے۔اسی سے رہبانیت اورراہب بنا،یعنی نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا ترک دنیا ہے کہ اس وقت انسان بال بچوں سے الگ ہوجاتا ہے۔گزشتہ دینوں میں ترک دنیا بڑی عبادت تھی۔ہمارے اسلام میں حرام ہے۔اسلام چاہتاہے کہ ایک ہاتھ میں دین لے ایک ہاتھ میں دنیا۔اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو بیکارکرنا کمال نہیں بلکہ انہیں صحیح مصرف میں خرچ کردینا کمال ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عائش سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۱؎رب نے پوچھا کہ فرشتے مقرّب کس چیز میں جھگڑتے ہیں ۲؎میں نے عرض کیا مولیٰ تو ہی جانے تب رب نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی۳؎تو جوکچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب میں نے جان لیا۴؎اور یہ آیت تلاوت کی ہم یونہی ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملک دکھاتے ہیں تاکہ وہ یقین والوں میں سے ہوجائیں ۵؎ دارمی نے مرسلًا روایت کیااورترمذی کی روایت اسی کی مثل ہے انہی سے۔

۱؎ یعنی اس وقت میری اپنی صورت بہت اچھی تھی نہ کہ خدا کی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں اچھے کپڑوں میں حاکم سے ملا،یعنی ملاقات کے وقت میرے کپڑے اچھے تھے،ورنہ رب تعالٰی صورت سے پاک ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم میں آنا بشری صورت میں ہے،اور رب سے ملنا نوری صورت میں۔انسان کا گھر کا لباس اورہوتا ہے اور کچہری کا اور،یہ غالبًا معراج کے واقعہ کا ذکر ہے۔بعض لوگوں نے خواب کا دیداربتایا ہے مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔اس لیے دیدار الٰہی ثابت ہوا۔حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان ہی آنکھوں سے رب کا دیدارکیا۔رب کا فرمانا:"لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصٰرُ"دیدار کی نفی نہیں کررہا بلکہ ادراک اور احاطے کی،اس حدیث کی تائید آیت کریمہ"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" فرمارہی ہے۔دیدار الٰہی کی پور بحث ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن" میں دیکھو۔

۲؎ یعنی وہ کون سے اعمال ہیں جنہیں لے جانے اور بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے میں فرشتے جھگڑتے ہیں وہ کہتا ہے میں لے جاؤں اور یہ کہتا ہے میں۔اس جملے کی اور بھی توجیہیں ہیں مگر یہ قوی۔

۳؎ یعنی رب نے اپنی رحمت کے ہاتھ کو میری پشت پر رکھا اوراس کا فیضان میرے سینہ اور دل پر پہنچا۔

۴؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی کھلی دلیل ہے،رب نے حضور علیہ السلام کو ساتوں آسمانوں بلکہ اوپر کی تمام چیزوں اورساتوں زمینوں اوران کے نیچے کی ذرہ ذرہ اور قطرے قطرے بلکہ مچھلی اور بیل جن پر زمین قائم ہےان سب کا علم کُلّی عطا فرمایا۔شیخ نے فرمایا کہ اس سے مراد تمام کلی جزئی علوم کا عطا فرمانا ہے۔خیال رہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو گذشتہ موجودہ اور تاقیامت ہونے والی ہر چیز کا علم دیاکیونکہ زمین پرلوگوں کے اعمال اور آسمان پر ان اعمال کے لئے فرشتوں کے یہ جھگڑے تاقیامت ہوتے رہیں گےجنہیں حضور علیہ السلام آج آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔اس حدیث کی تائید قرآن کی بہت سی آیات کررہی ہیں،جن آیات میں علم کی نفی ہے وہاں علم ذاتی مراد ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

۵؎ یعنی جیسے اللہ نے اپنے خلیل کو ملکوت دکھائےایسے ہی مجھے۔معلوم ہوا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مسئلے ہی نہیں بتائے گئے تھے۔مسئلے تو مولویوں کو بھی بتادیئے جاتے ہیں بلکہ ساری خدائی دکھائی گئی تھی،ورنہ حضور علیہ السلام اس آیت سے دلیل نہ پکڑتے۔

اور ابن عباس و معاذ ابن جبل سے اس میں یہ زیادتی بھی ہے رب نے فرمایا اے محمد کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں ۱؎ میں نے عرض کیا ہاں کفارات ہیں ۲؎ اور کفارے نماز کے بعدمسجد میں ٹھہرنا اورجماعتوں کی طرف پیدل چلنا اورناگواری کی حالت میں پورا وضو کرنا ہیں ۳؎ اورجو یہ کرے گا بھلائی سے جئے گا بھلائی سے مرے گا ۴؎ اوراپنی خطاؤں سے ایسا ہوجائے گا جیسے اسے آج ماں نے جنا ۵؎ اورفرمایا	

	اے محمد جب تم نماز پڑھ چکو تو کہا کرو ٦؎ الٰہی میں تجھ سے اچھے کام کرنا برائیاں چھوڑنا اورمسکینوں کی محبت مانگتا ہوں ٧؎ جب تو اپنے بندو ں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے اپنی طرف بغیر فتنے میں مبتلا ہوئے بلالے ٨؎ فرمایا اور درجات سلام کو پھیلانا کھانا کھلانا اوررات میں جب لوگ سوتے ہوں نماز پڑھنا ہیں ٩؎ اوراس حدیث کے الفاظ جیسے کہ مصابیح میں ہیں میں نے عبدالرحمٰن کی روایت سے نہ پائے مگر شرح سنّہ میں۔

١؎ مقرب فرشتوں سے اعمال پیش کرنے والے فرشتے مراد ہیں یعنی مدبّراتِ امر فرشتے۔

٢؎ یعنی ہاں اب تیری عطا اورتیرے کرم سے سب کچھ جانتا ہوں۔معلوم ہوا کہ رب نے بتایا نہ تھا بلکہ سب کچھ دکھایا تھا۔

٣؎ یعنی ان تین نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالٰی گناہ صغیرہ مٹا دیتا ہے۔ان کی شرحیں گزر چکیں۔

٤؎ اس کی تائید اس آیت سے ہے:"مَنْ عَمِلَ صٰلِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً "الایہ۔سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں رزق حلال،قناعت،رضاء بالقضاء،عبادت میں لذت اور اطاعتوں کی توفیق نصیب ہونا اچھی زندگی ہے۔اورایمان پرخاتمہ،مرتے وقت توبہ،فرشتوں کا جان نکالتے وقت جنت کی خوشخبری دینا بلکہ وہاں کے پھول لاکر سنگھانا،بعد وفات مسلمانوں کا اچھائی سے اسے یاد کرنا یہ بھلائی کی موت ہے۔اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔یہ رب کا وعدہ ہے جو حضور علیہ السلام کی معرفت ہمیں ملا،ٹل نہیں سکتا۔

٥؎ اس کے سارے گناہ صغیرہ معاف ہوجائیں گے۔گناہ کبیرہ اورحقوق مراد نہیں،اسی لئے "خَطِیْئَتِہٖ"فرمایا۔

٦؎ یعنی ہرنمازسے فارغ ہونے کے بعد نہ کہ نماز کے اندر یہ دعاء مانگ لیا کرو،جیسے حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا"اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَے الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْالَہُ الدُّعَاءَ"جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو میت کے لیے خلوص دل سے دعا کرو،دونوں عبادتیں یکساں ہیں۔

٧؎ اگرچہ مسکینوں کی محبت بھی اچھے کام میں داخل تھی مگران سب سے افضل کہ یہ ایمان کا ذریعہ ہے،اس لیے اس کا علیحدہ ذکر کیا۔مسکینوں سے مراد انبیاء،اولیاء اورنیک مسلمان ہیں کہ یہ سب حضرات دل کے مسکین اورمتواضع ہیں۔فقیرومسکین میں بڑا فرق ہے۔

٨؎ کیونکہ اس وقت زندگی سے موت افضل ہے۔خیال رہے کہ دنیوی مصائب سے گھبرا کر دعائے موت کرنا منع ہے مگرایمانی آفتوں پر دعائے موت جائز ہے،لہذا یہ حدیث تمنائے موت کی ممانعت کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

٩؎ یعنی گزشتہ تین اعمال معافیٔ گناہ کا ذریعہ تھے اور یہ اعمال ترقیٔ درجات کا وسیلہ۔اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز اوربھوکوں کا پیٹ بھرنا،ہر ایک کو سلام کرنابہت بہترین اعمال ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن سب کی ذمہ داری اللہ پر ہے ۱؎ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے حتی کہ اسے موت آجائے تو جنت میں داخل فرمادے یا اجروغنیمت کا مال لے کر واپس کرے ۲؎اور ایک وہ شخص جومسجد کی طرف چلے وہ اللہ کی ذمہ دار ی میں ہے اور ایک وہ شخص جو ا پنے گھر میں سلام سے جائے وہ اللہ تعالٰی کی ذمہ داری میں ہے۳؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی ان کا اجروثواب اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے یا یہ لوگ اللہ کی ضمان اور امان میں ایسے ہیں جیسے سرکاری ملازم ڈیوٹی پر حکومت کی امان میں،کہ اس کی بے عزتی کرنا حکومت کا مقابلہ ہے۔ایسے ہی ان لوگوں سے جھگڑنا رب کا مقابلہ ہے۔

۲؎یعنی اگر مارا گیا تو شہید اور اگر زندہ لوٹا تو اگر ہارکر آیاتو صرف ثواب اور اگر جیت کر آیا تو ثواب و غنیمت دونوں لایا۔

۳؎معلوم ہوا کہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا بڑا بہتر کام ہے۔اس سے گھر میں اتفاق،رزق کی برکت اور نیک اعمال کی توفیق نصیب ہوتی ہے،حتی کہ اگر خالی گھر میں جائے تو یوں کہدے"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ"اس کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ تیسرا وہ شخص جوسلامتی سے اپنے گھر میں رہے بلاوجہ لوگوں میں نہ پھرے،جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرض نماز کے لئے اپنے گھر سے وضو کرکے نکلے تو اس کا ثواب احرام باندھنے والے حاجی کی طرح ہے ۱؎اورجوچاشت کی نماز کے لئے نکلے کہ یہ نماز ہی اسے نکالے تو اس کا ثواب عمرہ والے کی طرح ہے ۲؎اورنماز کے بعد دوسری نمازجس کے درمیان کوئی بیہودہ بات نہ ہو اس کی علیین میں تحریر ہے ۳؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎کیونکہ حاجی کعبہ میں جاتا ہے اور یہ مسجد میں،یہ دونوں اللہ کا گھر ہیں۔حاجی حج کا احرام باندھتا ہے اور یہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلتا ہے۔اور جیسے کہ حج خاص تاریخوں میں ہوتا ہے مگر حاجی گھر سے نکلنے سے لوٹنے تک ہروقت اجرپاتا ہے،ایسے ہی نماز کی جماعت اگرچہ خاص وقت میں ہوگی مگر نمازی کے نکلنے سے لوٹنے تک اللہ کی رحمت میں ہی رہتا ہے۔

۲؎خیال رہے کہ نمازچاشت اور دیگرنوافل اگرچہ گھر میں افضل ہیں لیکن اگر گھر کے مشاغل بچوں کے شور کی وجہ سے مسجد میں پڑھے تو بھی بہتر،یہاں یہی مراد ہے۔بعض علماءفرماتے ہیں کہ نماز چاشت مسجد میں ہی افضل ہے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۳؎ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ فرض کے بعد متصل نفل و سنتیں پڑھے،درمیان میں دنیوی کام نہ کرے۔دوسرے یہ کہ پنجگانہ فرائض کے درمیان بھی یہ سمجھ کر گناہ سے بچے کہ میں ظاہروباطن پاک رہ کر رب کی بارگاہ میں حاضر ہوؤں تو اس کا فعل"علیّین"میں لکھا جائیگا۔علیّین ساتویں آسمان کے اوپر ہے جہاں ابرار کے نیک اعمال لکھے جاتے ہیں،چونکہ یہ اونچی جگہ واقعہ ہوا ہے اس لیے علیّین کہلاتا ہے۔

روایت ہی حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزروں تو کچھ چرلیا کرو۱؎ عرض کیا گیا کہ حضور جنت کے باغ کیا ہیں؟فرمایا مسجدیں عرض کیا گیا چرنا کیا ہے یارسول اللہ؟فرمایا سبحان اللہ والحمدللہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہنا۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی اگر تم مسجدوں میں نماز کے لئے نہ بھی جاؤ بلکہ ویسے ہی وہاں سے گزر جاؤ تب بھی کچھ پڑھ لیا کرو کیونکہ باغ میں جا کر بغیر کچھ کھائے واپس آنا محرومی ہے،خصوصًا جب کہ باغ کا مالک سخی ہو۔

۲؎ جنت میں جسمانی غذائیں ہوں گی اور نہ مٹنے والے میوے جن پر کوئی روک ٹوک نہیں ایسے ہی مساجد میں اللہ کے ذکر کی روحانی غذائیں ہیں جن کے لیے فنا نہیں اسی لیے سیدنا علی مرتضی فرماتے ہیں کہ اگر رب مجھے جنت اور مسجد میں جانے کا اختیار دے تو میں جنت کی بجائے مسجد کو اختیار کروں۔علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص اس وقت مسجد میں جائے جب نفل مکروہ ہوتے ہیں تو یہ کلمات پڑھ لے ان شاءاللہ تحیۃالمسجد کا ثواب پائے گا۔ایک حدیث میں ہے کہ معراج کی رات ابراہیم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اپنی امت سے میرا سلام کہنا اورفرمانا کہ جنت کی بہت سی زمین خالی پڑی ہے اس میں بوٹے لگا کر آؤ،وہاں کے بوٹے یہ کلمات ہیں "سُبْحَانَ اللہِ"الخ۔(مرقاۃ)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مسجد میں جس چیز کے لیے آئے گا وہ اس کا حصہ ہوگا۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی مسجد میں جس نیت سے جاؤ گے وہی پاؤ گے،جوتی چرانے جاؤ گے جوتے ہی کھاؤ گے۔اگر وہاں بھیک مانگنے گئے توہمیشہ بھیک ہی مانگو گے اوراگرنمازاور اللہ کے ذکر کے لیے گئے ثواب ملے گا۔فقیرکہتا ہے کہ جو مسجد نبوی شریف میں اس لیے جائے کہ مجھے حضور علیہ السلام مل جائیں تو ان شاءاللہ حضور مل جائیں گے،بلکہ ان مساجد میں بھی صرف اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرو،ان شاءاللہ پاؤ گے۔

روایت ہے حضرت فاطمہ بنت حسین سے۱؎ وہ اپنی دادی حضرت فاطمۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے راوی۲؎ فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل	

	ہوتے تو محمد مصطفیٰ پر درود وسلام بھیجتے ۳؎ اور فرماتے الٰہی میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب نکلتے تو جناب مصطفےٰ پر درود و سلام بھیجتے اور فرماتے یارب میرے گناہ بخش دے میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے ۴؎ (ترمذی احمد،ابن ماجہ) ان دونوں کی روایت میں یہ بھی ہے کہ فرماتی ہیں جب مسجد میں جاتے اور یونہی جب نکلتے تو بجائے صلوۃ وسلام کے یہ کہتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ ۵؎ ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں فاطمہ بنت حسین نے فاطمہ کبرےٰ کو نہ پایا ۶؎

۱؎ آپ کا لقب فاطمہ صغریٰ ہے،امام حسین کی صاحبزادی اور امام زین العابدین کی بہن ہیں،حسین ابن حسن ابن علی کے نکاح میں تھیں،ان کی وفات کے بعد عبداللہ ابن عمرو ابن عثمان ابن عفان کے نکاح میں آئیں۔جلیل القدر تابعین میں سے ہیں،یعنی صحابۂ کرام کی صحبت یافتہ۔

۲؎ آپ کا لقب فاطمۃ الکبریٰ ہے،حضور علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں،خدیجۃ الکبریٰ سے ہیں،ماہ رمضان ۲ھ میں سیدنا علی مرتضی کے نکاح میں آئیں،اور ذی الحجہ میں رخصتی ہوئی،دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں،حسن،حسین،زینب،ام کلثوم،رقیہ،حضور علیہ اسلام کی وفات کے چھ ماہ بعد وفات پائی،۲۸ سال عمر ہوئی،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا،حضرت عباس یا ابوبکر صدیق نے نماز جنازہ پڑھائی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے بڑھ کر سچا نہ دیکھا۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسجد میں جاتے وقت درود شریف پڑھنا سنت ہے۔شفا شریف میں ہے کہ خالی گھر اور مسجد میں جاتے وقت یہ پڑھے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ"۔دوسرے یہ کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے پر درود سلام پڑھتے تھے کبھی "صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ" اور کبھی "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيَّ وَسَلَّمَ" فرماتے۔

۴؎ ان دو جملوں کی تفسیر اسی باب میں پہلے گزر چکی۔حضور علیہ السلام کا گناہوں کی بخشش مانگنا یا تو ہمیں سکھانے کے لیے ہے یا گناہوں سے اپنی امت کے وہ گناہ مراد ہیں جن کا بخشوانا ان کے ذمۂ کرم پر ہے،جیسے مقدمہ کا وکیل کہتا ہے میرا مقدمہ۔اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی"،خورد سورۂ فتح "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ" کے ماتحت دیکھو۔

۵؎ سنت ہے کہ یہ الفاظ اب بھی کہے جائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہر جگہ ہے،ورنہ غائب کو سلام کیسا؟ہر نمازی التحیات میں پڑھتا ہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ"۔

۶؎ کیونکہ حضرت فاطمہ کبرےٰ کی وفات کے وقت آپ کے والد امام حسین کی عمر اٹھ سال تھی،لہذاکسی راوی کا نام چھوٹ گیا،جس نے حضرت فاطمہ زہرا سے سنا ہو۔مرقاۃ میں ہے وہ راوی خود آپ کے والد امام حسین ہیں،چنانچہ ابن مردویہ نے اس کی اسنادیوں بیان کی"فاطمۃ بنت الحسین عن حسین عن فاطمۃ الکبریٰ"۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے ۲؎ اور وہاں خرید و فروخت سے منع فرمایا ۳؎ اوراس سے منع کیا کہ لوگ جمعہ کے دن مسجد میں نمازسے پہلے حلقے بناکر بیٹھیں ۴؎ (ابو داؤد،ترمذی)

۱؎ آپ کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے،وہ صحابی ہیں۔اس کا ذکر پہلے تفصیل سے ہوچکا۔

۲؎ اشعارسے مراد برے یا عشقیہ اشعار ہیں،حمدالٰہی،نعت مصطفوی،مناقب اولیاء،پندو نصیحت،کفارکی برائیوں کے اشعار پڑھنا جائز بلکہ سنت صحابہ ہے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں حضرت حسان کے لئے منبر بچھواتے جس پر آپ کھڑے ہوکرحضورصلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور کافروں کی ہجو کے اشعار پڑھتے اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے۔نیزحضرت حسان اور کعب ابن زبیر مسجد نبوی میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نعت خوانی کیا کرتے تھے۔اس کی بحث انشاءاللہ "باب الشعراء"میں آئے گی۔

۳؎ کیونکہ یہ دنیوی کاروبارہے جومسجدوں میں ممنوع ہے۔آج کل مسجدحرام شریف میں غلافِ کعبہ اورکتب رکھ کر بیچی جاتی ہیں یہ بھی منع ہے،ہاں معتکف بحالت اعتکاف مسجدمیں بیوپار کی باتیں کرسکتا ہے وہاں مال نہیں لاسکتا۔

۴؎ اس وقت وہاں صف بناکربیٹھناچاہیئے،ہاں نماز کے بعد وعظ وغیرہ سننے کے لیے حلقے بناکربیٹھناجائز ہےکیونکہ اب نماز کا انتظارنہیں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم اسے دیکھو جومسجدمیں خریدوفروخت کررہا ہے تو کہہ دو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے ۱؎ اورجب تم وہاں کسی کو گمی ہوئی چیز ڈھونڈھتے دیکھو تو کہہ دو خدا کرے تیری چیز نہ ملے ۲؎ (ترمذی ودارمی)

۱؎ معلوم ہوا کہ گناہ پر بددعا دینا جائز ہے۔بہتر یہ ہے کہ اسے سنا کر بددعا دے تاکہ تبلیغ بھی ہوجائے۔خریدو فروخت سے مرادصرف خریدوفروخت کی باتیں بھی ہیں اوروہاں مال حاضر کرکے بیچنا بھی۔

۲؎ اس کی شرح گزر چکی کہ ڈھونڈنے سے مراد شور مچاکر تلاش کرنا ہے۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے ۱؎ اور وہاں اشعار پڑھنے اوروہاں حدیں قائم کرنے سے منع فرمایا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ کیونکہ اس میں خون وغیرہ سے مسجد خراب ہوگی۔

۲؎ غالبًا حدوں سے مراد حقوق اللہ کی سزائیں ہیں،جیسے چوری اورزنا کی سزا،قصاص حق عبد کی سزا تھی۔خیال رہے کہ مسجد میں قاضی مقدمات سن سکتاہے مگرسزا مسجد کے باہردی جائے۔

جامع الاصول میں حکیم سے اور مصابیح میں جابر سے۔	

روایت ہے حضرت معاویہ ابن قرہ سے ۱؎ وہ اپنے والدسے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو درختوں یعنی پیازولہسن سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو یہ کھائے ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ۲؎ اورفرمایا اگرتمہیں ضروری کھانا ہو تو انہیں پکا کر مار دیاکرو ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام معاویہ ابن قرہ ابن ایاس ابن بلال ہے،قبیلہ مزینہ سے ہیں،بصرے کے رہنے والے مشہور تابعی ہیں،جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے،ستر صحابہ سے ملاقات ہے، ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔(لمعات)

۲؎ یہ جملہ پہلے جملے کی تفسیر ہے،یعنی پیازولہسن کھانا حرام نہیں بلکہ کھاکر بدبودارمنہ لئے مسجد میں آنا حرام ہے۔خواہ وہاں نمازی ہوں یا نہ ہوں کیونکہ فرشتے ہروقت رہتے ہیں۔

۳؎ تاکہ ان کی بوجاتی رہے کیونکہ بدبو ہی ممانعت کی وجہ ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ حکم ہر مسجد کا ہے،بلکہ ہر دینی مجلس میں اس کا خیال رکھا جائے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ساری زمین مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام کے ۱؎(ابوداؤد،ترمذی،دارمی)	

۱؎ یعنی اسلام میں ہر جگہ نماز جائز ہے۔قبرستان میں نمازجب منع ہے جب کہ قبرنمازی کے سامنے ہو،لہذا قبرستان کی مسجدوں میں نمازجائز ہے،نیزحمام میں نہانے کی جگہ جہاں میل کچیل گندگیاں رہتی ہیں نماز منع ہے۔اگر اس کے کسی پاک گوشہ میں نماز پڑھی جائے تو حرج نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمرسے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع کیا: کوڑی،مذبح،قبرستان ۱؎ بیچ راستہ میں،۲؎ اور حمام اور	

	اونٹ بندھنے کی جگہ۳؎اور کعبہ شریف کی چھت پر۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎کوڑی اور مذبح میں گندگیاں پھیلی ہوتی ہیں،اس لئے وہاں نماز ہوگی ہی نہیں،قبرستان کا ذکر ابھی ہوچکا۔
۲؎یعنی جہاں لوگوں کی عام گزرہو وہاں نماز نہ پڑھے کہ اس سے نمازی کو یک سوئی نہ ہوگی اور گزرنے والے کا راستہ بندہوجائے گا۔مسجد میں بھی در کے سامنے یا دروازہ کے قریب نہ پڑھے کہ اس سے آنے جانےوالوں کو تکلیف ہوگی،ستون کی آڑ لے کر یاگوشہ میں نماز پڑھنی چاہیئے۔
۳؎خواہ وہاں اس وقت اونٹ بندھا ہو یا نہ کیونکہ اونٹ کے چرواہے اونٹ کی آڑ میں پیشاب کیا کرتے ہیں۔اگر اونٹ بندھا ہو تو اس کے پیشاب کرنے اور چھینٹیں پڑنے کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔اس لئے خصوصیت سے اونٹ کا ذکر فرمایا،ورنہ ہر نجس زمین پر نماز پڑھنا منع ہے۔
۴؎کیوں کہ وہاں بلا ضرورت چڑھنا ہی منع ہے کہ اس میں کعبۃ اللہ کی توہین ہے۔اس نماز میں توہین شامل ہے،لہذا نمازمکروہ،یہی حکم ہرمسجد کاہے کہ اگر اس پر بالائی منزل نہ ہوتو بلاضرورت چھت پر چڑھنا منع اور وہاں نماز مکروہ۔اس ممانعت کی وجہ یہ نہیں کہ یہ جگہ کعبہ نہیں وہاں کی آسمان تک فضائے کعبہ ہے،لہذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بکریوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھو اور اونٹ بندھنے کی جگہ نماز نہ پڑھو ۱؎(ترمذی)

۱؎کیونکہ بکریوں کی جگہ اکثر ناپاک نہیں ہوتی کہ وہاں بکریوں والے پیشاب نہیں کرتے،نیز دوران نماز چھنٹیں آنے کا اندیشہ کم ہوتا ہے کیونکہ بکری نیچی ہے،نیز پیشاب کرتے وقت اور بھی جھک جاتی ہے اور بکری کے کھل جانے کی صورت میں نمازی کے کچلے جانے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا،یہ وجوہ اونٹ کے طویلہ میں نہیں،لہذا وہاں نماز نہ پڑھی جائے۔خیال رہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بکری کے طویلہ میں مصلّے بچھاکر نماز پڑھ سکتے ہو،اونٹ کے طویلہ میں کسی طرح نہیں۔بعض کہتے ہیں کہ اونٹ کی پیدائش شیطان سے ہے لہذا اس کے پاس نماز منع ہے مگر یہ غلط کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اونٹ پر نفل پڑھے ہیں۔اونٹ مبارک جانور ہے نبیوں کی سواری ہے،اس کا گوشت کھایا اوردودھ پیاجاتاہے،سواری اورسامان ڈھونے میں کام آتا ہے۔اس کے ہر عضو میں بے شمار فائدے ہیں،کھال کے برتن اور بال کے قیمتی قالین بنتے ہیں،نہایت معمولی غذا کھا کر بہترین خدمات پیش کرتا ہے۔اسی لیے خدائے قدوس نے اسے نشان قدرت بتایاکہ فرمایا:"اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر ۱؎اور قبروں پر مسجدیں

بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۲(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)	

۱؎اکثر علماءفرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔اس کا ناسخ "زیارۃ قبور"کے باب میں آرہا ہے کہ سرکا رنے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا"اَلَافَزُوْرُوْھَا"اب زیارتیں کیا کروکیونکہ اس سے اپنی موت یاد آتی ہے۔مگرحق یہ ہے کہ عورت کو زیارت کرنے کے لئے قبروں پر جانا منع کہ یہ وہاں پہنچ کر یا سجدے کریں گی،یا روئیں گی،پیٹیں گی۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا ایک بار اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر گزریں تو زیارت بھی کرلی،یہ قبر پرجانا نہ تھا بلکہ قبر کا راستہ میں آجانا تھا۔خیال رہے کہ یہاں عام قبریں مراد ہیں،ورنہ حضور کے روضۂ اطہر پر ہر حاجی مردوعورت پرحاضری واجب ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنۡفُسَھُمْ"۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ "باب زیارۃ القبور" میں آئے گی۔

۲؎قبر پر اس طرح مسجد بنانا کہ تعویذ فرش مسجد میں آجائے کہ لوگ اس پر کھڑے ہوکرنماز پڑھیں یا اس طرح کہ قبرنمازی کے سامنے رہے حرام ہے،کہ پہلی صورت میں قبرمؤمن کی توہین ہے۔اور دوسری صورت میں قبر کی طرف سجدہ۔نیز قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا سخت منع ہے کہ اس میں آگ ہے،قبر مؤمن کو آگ سے بچایا جائے،نیز فضول خرچی ہے بلاضرورت تیل پھونکنا اور اگر چراغ جلانے والے کی یہ نیت ہے کہ اس سے قبر میں روشنی ہوگی تو بدعقیدگی ہے کیونکہ قبر میں روشنی تو مدینہ والے سچے سورج کی شعاعوں سے ہے،اللہ نصیب کرے۔لیکن بزرگوں کی قبر کے پاس مسجد بنانا سنت انبیاء علیھم السلام،سنت صحابہ رضی اللہ عنھم ہے اور قرآن سے ثابت،جیسا پہلے عرض کیا گیا۔اور بزرگوں کے مزار کے پاس چراغ جلانا تاکہ زیارت کرنے والوں کو آسانی ہو اور اس کی روشنی میں قرآن خوانی ہوجائز بلکہ ثواب ہے۔آج بھی حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر ایسی عالی شان روشنی ہوتی ہے کہ سبحان اللہ!دیکھ کر ایمان روشن ہوجاتا ہے۔ان ہی وجوہ سے اس سید الفصحاء نے "علیھا"فرمایا،یعنی عین قبر پر مسجد و چراغ منع،اس کے قریب جائز۔"باب الدفن" میں آئے گا کہ حضور نے ایک میت کو رات میں دفن کیا تو وہاں چراغ جلایا گیا۔معلوم ہوا کہ ضرورۃً جائز ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سی جگہ بہتر ہے حضورخاموش رہے۱؎اور فرمایا میں جبریل کے آنے تک خاموش رہوں گا چنانچہ خاموش رہے۲؎اورحضرت جبریل حاضر ہوئے حضور نے ان سے پوچھا وہ بولے کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے بڑا عالم نہیں۳؎لیکن میں اپنے رب سے پوچھوں گا۴؎پھرجبریل کہنے لگے اے محمد مصطفٰی میں آج اللہ سے	

	اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے کبھی قریب نہ ہوا تھا ۵؎ حضور نے فرمایا کہ کتنا قریب ہوا اے جبریل!عرض کیا کہ میرے اور رب کے درمیان صرف ستر ہزار نور کے پردے رہ گئے رب نے فرمایا ۶؎ کہ بدترین جگہ بازار ہے اوربہترین جگہ مسجدیں اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ خاموشی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے،بلکہ آج اپنی محبوبیت دکھانا ہے اور اس بہانے سے حضرت جبرئیل کو معراج کرانا ہے۔

۲؎ یہ عبارت بتارہی ہے کہ اس خاموشی میں کوئی راز تھا،ورنہ یہ مسئلہ اجتہاد سے بھی فرمایا جاسکتا تھا۔

۳؎ یعنی یہ گفتگو ہورہی تھی کہ رب نے فرمایا جبریل! آج جاؤ کچھ پاؤ گے۔لطف کی بات یہ ہے کہ رب نے یہ مسئلہ بتاکر نہ بھیجا اور جبریل امین نے اپنی بے علمی کا اقرارنہیں کیا،بلکہ عرض کیا کہ اس بارے میں میرا علم آپ سے زیادہ نہیں،زیادتی علم کی نفی کی،یعنی اگرچہ یہ آپ کو بھی معلوم ہے مجھے بھی لیکن ابھی بتانے کی اجازت نہیں اس میں کچھ راز ہے۔

۴؎ اپنے مقام پرجاکر نہ کہ یہاں بیٹھے ہوئے۔

۵؎ یہ اس ساری حدیث کا منشا ہے،یعنی ابھی یہ مجلس گرم ہی تھی کہ جبریل جاکر لوٹ بھی آئے اور یہ پیغام لائے۔خیال رہے کہ ہمیشہ حضرت جبریل علیہ السلام رب کے بھیجے ہوئے حضور کے پاس آیا کرتے تھے،آج محبوب کے بھیجے ہوئے رب کے پاس گئے اورپیارے کا قاصد بھی پیارا ہوتا ہےاس لیے رب نے انہیں سدرہ سے کہیں آگے بلالیا،معراج میں آگے نہ بڑھے کہ وہاں حبیب ومحبوب کے تخلیہ کا وقت تھا،خدام کو علیحدہ رہنا چاہیے تھا۔یہاں مرقاۃ نے بڑا پُرلطف مضمون بیان کیا ہے۔یہ سارا قصہ جبریل کی اس عزت افزائی کے لئے تھا۔

۶؎ یعنی اس سے پہلے لاکھوں پردے ہوا کرتے تھے لیکن آج ایک لاکھ سے بھی کم رہ گئے۔شیخ نے فرمایا کہ یہ پردے مخلوق کے لحاظ سے نہ خالق کے لحاظ سے،یعنی مخلوق حجاب میں ہے نہ کہ خالق،جیسے نابینا سے آفتاب چھپا ہے مگر حجاب اس کی آنکھ پرہے نہ کہ سورج پر۔خیال رہے کہ ہم لوگ ظلماتی حجابوں میں ہیں اورملائکہ نورانی حجابوں میں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو میری اس مسجد میں آئے مگر نہ آئے سوائے بھلائی سیکھنے یا سکھانے تو وہ غازی فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے ۱؎ اورجو اس کے سواکسی کام کے لئےآئے وہ اس شخص کی

طرح ہے جو دوسرے کا مال تکے ۲؎(ابن ماجہ)اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔	

۱؎ یعنی مسجد نبوی شریف میں علم دین سیکھنا سکھانا دوسری جگہ سیکھنے سکھانے سے افضل ہے،جیسے یہاں کی ایک نماز پچاس ہزار کے برابر،ویسے ہی یہاں کا ایک سبق پڑھنا پڑھانا پچاس ہزار اسباق کے برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی برکت سے اسی لیے بعض علماء مسجد نبوی شریف میں وعظ کہنے اور درس دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں علم دین کے مدرسے جائز ہیں،امام بخاری نے حرم شریف میں بخاری لکھی۔

۲؎ یعنی جیسے وہ تکنے والا خیر سے محروم ہے،ایسے ہی یہ خیر سے محروم۔خیال رہے کہ یہاں خیر سے مراد کوئی دنیوی کام ہے،یعنی جو مسجد نبوی شریف میں فقط عمارت یارونق دیکھنے کے لیے جائے کسی عبادت کی نیت نہ کرے وہ بڑا بدنصیب ہے۔اس غیر سے مراد حضور کا دیدار نہیں کہ یہ تو وہاں کی حاضری کا اصل مقصود ہے۔خیال رہے کہ حاجی حضور کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ جائے اسی پر وعدۂ شفاعت ہے کہ فرمایا "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ"۔جو بدنصیب صرف وہ مسجد دیکھنے جائیں وہ اس شفاعت سے محروم ہیں،لہذا یہ حدیث ان کی دلیل نہیں ہمارے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت حسن سے مرسلًا فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کی دنیاوی باتیں مسجدوں میں ہوں گی تم ان میں نہ بیٹھنا ۱؎ ایسوں کی اللہ کو ضرورت نہیں ۲؎ بیہقی شعب الایمان۔	

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد میں دنیوی جائز باتیں بھی نیکیاں برباد کردیتی ہیں۔دنیا کی قید سے معلوم ہوا کہ وہاں دینی باتیں جائز ہیں۔

۲؎ یعنی اللہ ان پر کرم نہ کرے گا،ورنہ رب کو کسی بندے کی ضرورت نہیں،وہ ضرورتوں سے پاک ہے۔

روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سورہا تھا کسی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق تھے ۲؎ فرمایا جاؤ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ میں ان دونوں کو لے کر آیا فرمایا تم لوگ کون ہو یا کہاں سے آئے ہو وہ بولے ہم طائف والے ہیں فرمایا اگر تم مدینہ والوں میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں اونچی کرتے ہو ۴؎(بخاری)	

۱؎ آپ بہت نوعمر صحابی ہیں،اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔

۲؎ حضرت سائب کا مسجد نبوی میں سونا یا اس لیے تھا کہ آپ مسافر تھے یا نیت اعتکاف کرلیتے تھے یا آپ جائز سمجھتے تھے۔بعض علماء مسجد میں سونے کو مکروہ کہتے ہیں،بعض بلاکراہت جائز،حضرت فاروق اعظم نے انہیں آواز دے کر نہ جگایا مسجد پاک کا احترام کرتے ہوئے۔

۳؎ مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرنے پر کیونکہ مدینہ والے یہاں کے آداب سے واقف ہیں تم لوگ پردیسی ہو مسائل سے پورے واقف نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم گناہ صغیرہ پر بھی تعزیرًا سزا دے سکتا ہے،جہاں علم کی روشنی کم پہنچتی ہو یا بالکل نہ پہنچی ہو وہاں کے لوگوں کو بے علمی پر معذور رکھا جاسکتا ہے،ورنہ بے علمی عذر نہیں۔خیال رہے کہ طائف حجاز کا مشہور شہر ہے،مکہ معظّمہ سے تین منزل دور سیدنا عبداللہ ابن عباس کا مزار پرنوار وہیں ہے۔فقیر نے زیارت کی ہے۔

۴؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی حرمت دوسری مسجدوں سے زیادہ ہے کہ حضور اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں،وہاں حضور کا دربار ہے،اس کا ادب چاہیئے۔وہ حضرات دنیوی باتیں اونچی آواز سے کررہے تھے،ورنہ مسجد میں درس و تدریس،ذکر اللہ،نعت شریف وغیرہ بلند آواز سے کرسکتے ہیں،جب کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔

روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مسجد کے گوشے میں چبوترہ بنایا تھا جسے بطیحاء کہا جاتا تھا ۱؎ اور فرمایا جو باتیں کرنا یا شعر پڑھنا یا شور کرنا چاہے وہ اس چبوترے کی طرف چلا جائے ۲؎ (موطا)	

۱؎ کیونکہ اس کا فرش بجری کا تھا۔بطحاء بمعنی کنکریلی زمین۔یہ جگہ مسجد کے خارجی حصّہ میں تھی نہ کہ داخلی حصّہ میں،ورنہ اس کے آداب بھی مسجد جیسے ہوتے۔

۲؎ شعر سے مراد دنیوی اشعار ہیں۔شور سے مراد بھی دنیوی باتیں اونچی آواز سے کرنا ہیں،ورنہ نعت شریف ذکر **بالجھر** مسجد میں جائز ہے۔مسلم شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہر نماز فرض کے بعد خوب اونچی آواز سے ذکراللہ کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی جانب رینٹھ دیکھی ۱؎ آپ کو ناگوار گزرا حتی کہ ناگواری چہرۂ انور میں دیکھی گئی پھر اٹھے اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا ۲؎ فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے باتیں کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے ۳؎ لہذا کوئی قبلے کی طرف ہرگز نہ تھوکے لیکن بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے ۴؎ پھر اپنی چادر کا کونہ پکڑا اس میں تھوکا پھر اسے مل ڈالا فرمایا یا	

	ایسے کرے۵؎(بخاری)

۱؎یعنی قبلہ کی دیوار میں۔اس سے محراب مراد نہیں کیونکہ اس زمانہ میں مسجدوں میں محرابیں نہ تھیں،محراب حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی بدعت ہے جبکہ ولید ابن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔جہاں اب محراب النبی بنی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ تھی۔

۲؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسجد میں گندگی ڈالنا نبی کریم کی ناراضی کا باعث ہے۔[۲]دوسرے یہ کہ مسجد کو اپنے ہاتھ سے صاف کرنا حضور کی سنت ہے اسی لیے علماء مشائخ بلکہ اسلامی بادشاہ کبھی اپنے ہاتھ سے بھی مسجد صاف کرتے تھے۔

۳؎یعنی اس کی رحمت خاص سامنے ہوتی ہے،نیز کعبہ بھی سامنے ہے۔بعض لوگ نماز کے علاوہ بھی کعبہ کی طرف تھوکنے کو منع کرتے تھے۔

۴؎یہ بھی وہاں جہاں مسجد کا فرش کچا یا بجری ہو جس سے تھوک کو دبایا جاسکے،پکے فرش میں قطعًا منع کہ اس میں مسجد کی گندگی ہے،ایسے موقع کے لیے اگلی ہدایت آرہی ہے۔

۵؎یہ عمل مسجد کے پکے فرشوں اور قیمتی مصلّوں پر بھی کیاجاسکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ چادر اوڑھے رہنا حضور کی سنت ہے اور نماز میں اتنا تھوڑا عمل ضرورۃً جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن خلاد سے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ہیں ۱؎فرمایا ایک شخص نے قوم کی امامت کی،قبلے کی طرف تھوک دیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراغت پر اس کی قوم سے فرمایا کہ آئیندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے۲؎اس کے بعد اس نے نماز پڑھانی چاہی لوگوں نے روک دیا اورحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے آگاہ کیا،اس نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا فرمایا ہاں۔مجھے خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ رسول کو ستایا۳؎(ابوداؤد)

۱؎چونکہ ان کی صحابیت میں اختلاف ہے،اور یہ کچھ غیر مشہور بھی ہیں،اس لیے مصنف نے یہ تشریح کردی۔آپ کی کنیت ابو سہل ہے،مدنی ہیں،زمانۂ فاروقی میں یمن کے حاکم رہے۔

۲؎کیونکہ یہ کعبہ کا بے ادب ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خطاب بھی نہ کیا کہ وہ خطاب کے لائق ہی نہ رہا۔جب کہ کعبہ کا بے ادب امامت کے لائق نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب اور آپ کی شان میں بکواس کرنے والا امامت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بلا تحقیق ہر فاسق و بے ادب کو امام بنالیتے ہیں۔خیال رہے

کہ یہ امام صحابی تھے،مگراتفاقًا ان سے یہ خطا ہوگئی پھرتوبہ کرلی کیونکہ کوئی صحابی فاسق نہیں،جب اتفاقًا خطا پر امامت سے معزول کردیا گیا تو جان بوجھ کر بے ادبی کرنے والا ضرور معزول کردیاجائے گا۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہر نیک و فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لو اس موقعہ کے لیے ہےجب وہ امام بن گیا ہو اورہم اسے معزول کرنے پر قادر نہ ہوں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم وسلطان امام کو امامت سے علیحدہ کرسکتے ہیں۔

۳؎ کیونکہ تیرا یہ کام میری ایذا کا سبب ہے اورمیری ایذاء رب کی ایذا کا باعث۔اس کا یہی مطلب ہےکیونکہ اس نے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینے کے واسطے یہ کام نہ کیا تھا،ورنہ یہ عمل کفر اور ارتداد ہوتا اور اسے دوبارہ مسلمان کیا جاتا۔ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے توبہ کرلی ہوگی اور دوبارہ امام بنادیا گیا ہوگا۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں تشریف لانے میں تاخیر کی قریب تھا کہ ہم سورج دیکھ لیں ۱؎ آپ تیزی سے تشریف لائے نماز کی تکبیر کہی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور نماز میں اختصار کیا ۲؎ جب سلام پھیرا تو آواز سے فرمایا اپنی جگہ بیٹھے رہو جیسے ہو،پھر ہماری طرف توجہ فرمائی پھر فرمایا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ آج صبح مجھے تم سے کس چیز نے روکا ۳؎ میں رات میں اٹھا وضو کیا جس قدرمقدر میں تھا نماز پڑھی نماز ہی میں مجھے اونگھ آگئی حتی کہ نیند غالب ہوگئی ۴؎ اچانک میں اپنے رب تعالٰی کے پاس اچھی صورت میں تھا ۵؎ فرمایا اے محمد ۶؎ میں نے عرض کیا مولا میں حاضر ہوں فرمایا مقرب فرشتے کس میں جھگڑتے ہیں میں نے کہا مجھے نہیں خبر ۷؎ یہ تین بار فرمایا فرماتے ہیں میں نے رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست رحمت میرے کندھوں کے بیچ رکھا حتّٰی کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی ۸؎ تو مجھے ہر چیز ظاہر ہوگئی اور میں نے پہچان لی ۹؎ پھرفرمایا اے محمد میں نے فرمایا یارب حاضر ہوں فرمایا مقرب فرشتے کس میں جھگڑتے ہیں ۱۰؎ میں نے کہا کفاروں میں فرمایا وہ کفارے کیا ہیں میں نے عرض کیا جماعتوں کی طرف پیدل جانا،نمازوں کے بعدمسجدوں میں	

	بیٹھنا،ناگوار حالتوں میں پورا وضو کرنا ۱۱؎ فرمایا پھر کاہے میں جھگڑتے ہیں میں نے عرض کیا درجوں میں فرمایا وہ کیا چیز ہیں میں نے کہا کھانا کھلانا،نرمی سے گفتگو کرنا اور جب لوگ سوتے ہوں تو نماز پڑھنا ۱۲؎ فرمایا کچھ مانگ لو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا الٰہی میں تجھ سے نیکیاں کرنا برائیاں چھوڑنا اور مسکینوں سے محبت مانگتا ہوں اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور جب تو کسی قوم میں فتنہ بھیجنا چاہے تو مجھے بغیر فتنے میں مبتلا کئے وفات دیدے اور میں تجھ سے تیری محبت اور جو تجھ سے محبت کریں ان کی محبت اور اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت سے قریب کردے مانگتا ہوں ۱۳؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب برحق ہے یہ دعائیں یاد کرلو پھر سکھاؤ ۱۴؎ (احمد وترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے محمد ابن اسماعیل سے پوچھا فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نہ نماز کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگاتے تھے نہ حضور کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ ان کے ساتھ کی قضاء ان کے بغیر ادا سے افضل ہے۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور کا سونا رب کی طرف سے ہے اور آپ کی خواب وحی اور نماز کے وقت بیدار نہ ہونے میں رب کی لاکھوں حکمتیں ہیں،آپ کی نیند تمام عالم کی بیداریوں سے کروڑوں گنا افضل ہے۔

۲؎ یعنی وقت کی تنگی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔معلوم ہوا کہ ایسے موقعہ پر نماز کے لیے بھاگ کر آنا جائز ہے۔رکوع پانے کے لیے بھاگنا منع لہٰذا یہ حدیث ممانعت کے خلاف نہیں،نیز تنگ وقت میں فجر میں بھی قرأت مختصر کرنی چاہیئے۔

۳؎ سبحان اللہ! صحابہ کا خیال بالکل درست نکلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غفلت نماز سے نہیں روکتی بلکہ رب کی طرف توجہ۔

۴؎ اور ہم نماز تہجد ختم کرکے سوگئے،یہ مطلب نہیں کہ نماز میں سوگئے۔

۵؎ اس کی شرح پہلے گزر گئی۔خیال رہے کہ یا یہ وہی واقعہ ہے جو پہلے مذکور ہوا یا وہ معراج کا واقعہ تھا اور یہ خواب کا۔

۶؎ خیال رہے کہ رب نے قرآن شریف میں حضور کو نام لے کر کہیں نہ پکارا ہر جگہ القاب ہی سے پکارا تاکہ قرآن پڑھنے والے اس طرح پکارنے کی جرأت نہ کریں۔یہ رازونیاز کا موقعہ تھا رب نے اظہار کرم کے لیے نام سے پکارا۔

۷؎ کیونکہ اب تک تو نے مجھے اس کا علم نہیں دیا۔اس کی شرح ابھی پہلی فصل میں گزر چکی۔

۸؎ہاتھ اور پوروں کے وہ معنی ہیں جو رب کی شان کے لائق ہیں،یعنی رحمت،قدرت توجہ کا ہاتھ کہا جاتا ہے فلاں کام میں حکومت کا ہاتھ ہے یعنی اس کا کرم و توجہ ہے۔ٹھنڈک پانے کا مطلب یہ ہے کہ رحمت کا اثر دل پر پہنچا۔

۹؎اس کی شرح گزر چکی،یعنی علوی اور سفلی عالم غیب وشہادت کا ہر ذرہ مجھ پر فقط منکشف ہی نہ ہوا بلکہ میں نے ہر ایک کو الگ الگ پہچان لیا۔علم اور معرفت میں بڑا فرق ہے،مجمع پر نظرڈال کر جان لینا کہ یہاں دو لاکھ آدمی بیٹھے ہیں یہ علم ہے اور ان میں سے ہر ایک کے سارے حالات معلوم کرلینا معرفت۔اس سے چندمسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلّی سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔دوسرے یہ کہ حضور کا یہ علم کسبی نہیں بلکہ لدنّی ہے۔تیسرے یہ کہ آپ کا علم وہدایت قرآن پر موقوف نہیں،آپ نزول قرآن سے پہلے ہی عالم و عامل تھے۔چوتھے یہ کہ تجلّی اورہے بیان کچھ اور۔یہاں حضور کو ہرچیز دکھائی گئی اور قرآن میں بتائی گئی اسی لئے یہاں تجلی ارشاد ہوا اور وہاں فرمایا گیا"تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ"۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ساری چیزیں سرکار کو آج دکھادی گئیں تو نزول قران سے کیا فائدہ۔

۱۰؎پہلی بار یہ سوال حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو علم یعنی آمادہ کرنے پر تھا اور اب یہ سوال سکھا کر امتحان لینے کے لیے،تاکہ معلوم ہو کہ محبوب سیکھ کر بھول نہ گئے،وہ سکھانے والا کامل اور یہ سیکھنے والا بھی کامل۔خیال رہے کہ بڑے شاگرد کو استاد ہی پڑھایا کرتے ہیں۔

۱۱؎ان سب کی شرحیں ابھی گزر چکیں۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ مسجد کو پیدل چلنا بہتر،یوں تو وضو ہمیشہ ہی پورا کرنا چاہیے مگر سردیوں میں خصوصًا جب کہ پانی بھی ٹھنڈا ہو صحیح وضوکرنا بہت ثواب ہے۔

۱۲؎اس کی شرح بھی گزرگئی۔بعض بزرگوں کے آستانوں پرجولنگر ہوتے ہیں جہاں سے ہمیشہ لوگوں کو کھانا ملتا ہے،اس کی اصل یہ حدیث ہے۔مسلمانوں سے نرم کلام اور کفارومنافقین سے سخت کلام ثواب ہے،رب فرماتا ہے:"وَاغۡلُظۡ عَلَیۡہِمۡ"۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۱۳؎ان تمام کی شرحیں ابھی گزر گئیں،اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دیتا رب ہی ہے مگر وہ چاہتاہے کہ بندہ مجھ سے مانگے تو دوں،یہ مانگنا ہماری بندگی کی نشانی ہے۔اس لئے فرمایا کہ سَلۡ محبوب کچھ مانگو۔دوسرے یہ کہ ہم تو گناہ ہی کریں گے رب کی توفیق ہو تو نیکی کرسکتے ہیں،پتھرخودنیچے گرے گا کوئی پھینکے تو اوپر جائے گا۔خیال رہے کہ یہ سب دعائیں ہمیں سکھانے کے لیے ہیں ورنہ حضور کو یہ ساری نعمتیں پہلے ہی سے حاصل ہیں،نیز جو اللہ سے محبت کرنا چاہے وہ اس کے پیاروں سے محبت کرے۔

۱۴؎یعنی خود بھی سیکھو اوروں کو بھی سکھاؤکیونکہ یہ سب خوابیں تمہاری خاطر ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے میں عظمت والے اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ذات کریم اور اس کے پرانے غلبے کے	

	ذریعے مردود شیطان سے ۱؎فرمایا جب مؤمن یہ کہہ لیتا ہے تو شیطان کہتاہے کہ یہ مجھ سے سارا دن محفوظ رہے گا۲؎(ابوداؤد)

۱؎معلوم ہوا کہ خداکی صفات کو وسیلۂ دعا بنانا جائز ہے اور ہر شخص شیطان سے رب کی پناہ مانگے کوئی اپنے کو محفوظ نہ سمجھے۔آدم علیہ السلام معصوم تھے اور جنت خطہ محفوظ مگر پھر بھی وہاں اس کا داؤ چل گیا تو ہم کس شمار میں ہیں،کہ نہ خودمحفوظ ہیں نہ ہمارے گھر اس سے محفوظ۔

۲؎معلوم ہوا کہ شیطان دعاؤں کو بھی جانتا ہے ان کے اثرات کو بھی۔تفسیر کبیر نے فرمایا کہ شیطان ہر نیک و بدعمل سے خبردار ہے اسی لئے ہر نیکی سے روکتا ہے ہر گناہ کراتا ہے،بلکہ ہر ایک کے ارادے سے مطلع ہےاسی لیے ہرایک کوبہکاتا ہے۔جب اس فسادی کے علم کا یہ حال ہے تو مصلح عالم کے علم کا کیا حال ہوگا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم بھی شیطان کے ہر حال اور اس کے ہر کلام سے مطلع ہیں۔

	روایت ہے حضرت عطا ابن یسار سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میری قبر کو بت نہ بنانا جو پوجی جائے ۲؎اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہواجنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۳؎۔(مالک ارسالًا)

۱؎آپ مشہور تابعی ہیں،حضرت ام المؤمنین میمونہ کے آزادکردہ غلام ہیں،۸۴ سال عمر پائی،۹۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎سبحان اللہ!حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ ہر سال لاکھوں جاہل و عالم زیارت کے لیے جاتے ہیں مگر نہ کوئی قبر انور کو سجدہ کرتا ہے نہ کوئی اس کی طرف نماز پڑھے یہ اس دعا کا اثر ہے۔خیال رہے کہ یہودونصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وعزیز علیہ السلام کے ایک دو معجزے سن کر انہیں خدایا خدا کا بیٹا کہہ دیا،اوران کی عبادت کرنے لگے مگر مسلمان ہزار ہا معجزات سن کر بلکہ آنکھوں سے دیکھ کر نہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہتے ہیں نہ خدا کا بیٹا،جاہل مسلمانوں کا بھی عقیدہ یہ ہے"عَبۡدُاللّٰہِ وَرَسُوۡلُہٗ"یہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا ہی کی برکت ہے۔

لطیفہ:بعض لوگ اس حدیث کے ماتحت یہ بیان کرتے ہیں کہ قبروں کی تعظیم کرنا،سال کے سال وہاں جانا،مجمع کرکے زیارتیں کرنا،وہاں چراغاں کرنا سب شرک ہے کیونکہ اس میں قبر پرستی ہے کہ قبر کو بت بنالیا گیا مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ سارے کام ۱۳ سو برس سے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر ہورہے ہیں،ہرسال زائرین کی بھیڑ ہوتی ہے،ہاتھ باندھ کر سرجھکا کر سلام پڑھا جاتا ہے،رات کو ایمان افروز روشنی ہوتی ہے،سارے علماء،صلحاء،اولیاء یہ کام کرتے ہیں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ روضۂ انور پر سلام کرنے اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتاہے،اگر ان میں سے کوئی کام شرک ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر ہرگز نہ ہوتا کیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوچکی ہے۔ان نادانوں کی اس تفسیر سے لازم آئے گا کہ حضور کی یہ دعا رب نے بالکل رد کردی،لہذا یہ حدیث جواز عرس کے متعلق اہل سنت کی قوی دلیل ہے،حدیث سمجھنے کے لیے علم وعقل وعشق کی ضرورت ہے۔

۳؎ اس طرح کہ ان قبروں کی عبادت کرنے لگے یا ان کی طرف نمازیں پڑھنے لگے،پہلا کام شرک ہے دوسرا حرام۔خیال رہے کہ اگر اتفاقًا مسجد میں قبرہوتو نمازی اور قبر کے درمیان پوری آڑ چاہیئے،جیسے مسجد نبوی شریف میں روضۂ اطہر ہے جس کے چاروں طرف نمازیں ہوتی ہیں مگر قبر انور کی چوطرفہ دیواروں کی آڑیں ہیں۔اس کی پوری تحقیق پہلے ہوچکی۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باغوں میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے ۱؎ بعض راویوں نے فرمایا یعنی بساتین ۲؎ (احمد،ترمذی)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف حسن ابن ابی جعفر کی حدیث سے ہی جانتے ہیں،انہیں یحیٰی ابن سعید وغیرہ نے ضعیف کہا ۳؎

۱؎ یعنی نفل نماز دیواروں کے پیچھے یا باغوں میں بہتر جانتے تھے تاکہ باغوں میں رہنے والے بے تکلف نوافل بلکہ ضرورۃً فرائض پڑھ سکیں ورنہ فرائض مسجد میں افضل ہیں۔

۲؎ یعنی حدیثوں میں جو **حیطان** آیا یہ **حائطه** کی جمع ہے **حائطه** دیوار کو بھی کہتے ہیں اور باغ کو بھی کیونکہ وہ دیوار سے گھرا ہوتا ہے،یہاں باغ کے معنی ہیں۔

۳؎ ابوحاتم کہتے ہیں کہ حسن مقبول الدعاء اور بڑے عابد تھے لیکن عبادات میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے حفظ حدیث میں کوتاہی پیدا ہوگئی تھی۔

	روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز ہے اور قبیلے کی مسجد میں پچیس نمازیں اور جس مسجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اس میں ایک نماز پانچ سو نمازیں اور مسجد اقصلے میں ایک نماز پچاس ہزارنمازیں اور میری مسجد میں ایک نماز پچاس ہزار نمازیں اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازیں ہیں ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ مرقاۃ نے فرمایا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گھر کی ایک نماز کا ثواب ایک نماز کے برابر ہے،اور محلّہ کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب گھر کی پچیس نمازوں کے برابراور جامع مسجد کی ایک نماز محلّہ کی مسجد کی پانچسو نمازوں کے برابر،اورمسجد بیت المقدس جو اسلام کا پہلا قبلہ تھی وہاں کی ایک نماز جامع مسجد کی پچاس ہزارنمازوں کے برابر،اور مسجد نبوی شریف کی ایک نماز بیت المقدس کی پچاس ہزار نمازوں کے برابراور بیت اللہ شریف کی ایک نماز مسجد نبوی کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر۔مگر خیال رہے کہ یہ ثوابوں کا بڑا فرق ہے،رہی مقبولیت اور قرب الٰہی اس کا یہ حال ہے کہ مسجدنبوی کی ایک نماز بیت اللہ شریف کی پچاس ہزارنمازوں کے برابراسی لیے مہاجرین وانصارمسجد نبوی کی نمازکو دل وجان سے پسند کرتے تھے۔شعر

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے آکر مدینہ میں   مدینہ ایسی بستی ہے مدینہ ایسی بستی ہے

معلوم ہوا حضور کے قریب عبادات کا ثواب بڑھ جاتا ہے،اس لیے مسجد نبوی میں صف کا بایاں حصہ داہنے سے افضل ہے کیونکہ وہ روضۂ پاک سے قریب ہے۔خیال رہے کہ تاقیامت نمازوں کا یہ حال ہے مگر حضور کے پیچھے نمازوں کا ثواب اورمقبولیت ہمارے اندازے سے باہر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ زمین میں پہلے کون سی مسجد بنائی گئی فرمایا مسجد حرام ۱؎ فرماتے ہیں میں نے کہا پھر کون سی فرمایا پھر مسجد اقصے ۲؎ میں نے کہا ان کے درمیان کتنا فاصلہ تھا فرمایا چالیس سال ۳؎ اب ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت آجائے وہاں پڑھ لو ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ آدم نے بحکم خداوندی حضرت جبرئیل کے عرض کرنے پر زمین پر آتے ہی یہ مسجد بنائی۔

۲؎ اقصٰی کے معنی ہیں بہت دور چونکہ بیت المقدس کی مسجد کعبہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ سے بہت دور ہے اس لیئے اقصٰی کہلاتی ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی اورحضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد نہ رکھی بلکہ پہلی بنیادوں پرعمارتیں بنائیں۔ان دوپیغمبروں کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ فاصلہ ہے۔اس حدیث میں یا تو ان دونوں مسجدوں کی بنیادوں کا ذکر ہے کہ آدم علیہ السلام نے تو بہ قبول ہوتے ہی کعبۃ اللہ کی بنیاد ڈالی،پھرچالیس سال کے بعد جب آپ کی اولاد بہت ہوگئی اور پھیل گئی تو ان میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔بعض روایات میں ہے کہ خود آدم علیہ السلام نے ہی کعبہ کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی یا کوئی خاص تعمیر مراد ہے،جیساکہ بعض روایات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔یہاں مرقاۃ نے بناء کعبہ پرمفصل گفتگو کی ہے۔بہرحال اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کعبہ بنائے ابراہیمی ہے اور بیت المقدس بناء سلیمانی،ان دونوں بزرگوں میں ہزار برس سے زیادہ فاصلہ ہے تو ان تعمیروں میں چالیس سال کا فاصلہ کیسے ہوا جیسا کہ منکرین حدیث کو غوطہ لگا۔

۴؎ یعنی اسلام میں ہرجگہ نمازجائز ہے۔مذبح،مقبرہ وغیرہ میں نماز ممنوع ہونا ایک عارضہ کی وجہ سے ہے۔

باب الستر

ستر ڈھانپنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ بدن کا وہ حصہ جس کا ڈھانپنا نماز میں فرض ہے ستر کہلاتاہے۔مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک ستر ہےاور عورت کے لیے سرسے پاؤں تک سوا چہرے،کلائیوں تک ہاتھ اورٹخنوں تک قدم کے،اگر ستر کے کسی عضو کا چہارم حصہ نماز میں تین تسبیح کی بقدر کھلارہے تو نماز مطلقًا نہ ہوگی۔مصنف اس باب میں لباس مستحب اور لباس مکروہ کا ذکر بھی کریں گے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن ابی سلمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ کے گھر میں ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اپنے کندھوں پر اس کے کنارے ڈالے ہوئے تھے ۲؎ (بخاری و مسلم)	

۱؎ آپ قریشی ہیں،مخذومی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں،ام سلمہ کے فرزند، ۲ھ؁ مقام حبشہ میں پیدا ہوئے۔حضور کی وفات کے وقت ۹برس کے تھے،عبدالملک ابن مروان کے زمانۂ حکومت میں ۸۳ھ؁ میں وفات پائی۔

۲؎ اس طرح کہ ایک کپڑا سرسے پاؤں تک اوڑھے تھے اورکپڑے کا داہنا کونابائیں کندھے پراوربایاں داہنے پرڈالے ہوئے تھے۔معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نمازبلاکراہت جائزہے بشرطیکہ کندھے وغیرہ کھلے نہ ہوں،اگرچہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ٹوپی یا عمامہ،قمیض،تہبند یاپائجامہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پرکپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ کہ ننگے پیٹ،ننگی پیٹھ،ننگے کندھے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔بعض لوگ صرف تہبندیاپائجامہ سے نماز پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے۔بلکہ امام احمد کے نزدیک نماز مکروہ تحریمی واجب الادعادہ ہوگی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جوکوئی ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کے کنارے ادھر ادھر ڈالے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی داہنا کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں دائیں پر،اگر کنارے چھوٹے رہے تو نماز قطعًا نہ ہوگی کہ ستر کھلا رہے گا اور اگر ہاتھ سے پکڑے رہا تو نماز مکروہ ہوگی کہ اس صورت میں ہاتھ باندھ نہ سکے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیل بوٹوں والی چادر میں نماز پڑھی ۱؎ اس کے بیل بوٹے ایک نظر دیکھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ابوجہم سے انبجانیہ چادر لے آؤ۲؎ اس چادر نے مجھے ابھی نماز سے بازرکھا۔(مسلم،بخاری)بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں اس کے بیل بوٹوں کو نماز میں دیکھتا تھا مجھے خوف ہے کہ میری نماز خراب کردے۳؎	

۱؎ عربی میں **خمیصه** بیل بوٹے والی چادر ہی کو کہتے ہیں،لیکن علیحدہ اعلام کا ذکر کرنا تجرید کی بناء پر ہے۔یہ اونی سیاہ چادر تھی جو ابوجہم نے ہدیۃً خدمت اقدس میں پیش کی تھی اس کو اوڑھ کر سرکار نماز پڑھ رہے تھے۔

۲؎ **النبجانیه** شام کی ایک بستی کا نام ہے جہاں سادہ کپڑے تیار ہوتے ہیں اسی کی طرف اس کی نسبت ہے،جیسے ہمارے ہاں بھاگل،بوریا،ڈھاکہ کی ململ یا لائلپور کا لٹھا مشہور ہے۔چونکہ چادر کا واپس کرنا ابوجہم کو ناگوار گزرتا۔ان کی دلداری کے لیے اس کے عوض دوسری چادر طلب فرمالی۔اور ابوجہم قرشی ہیں،عدوی ہیں،مشہور صحابی ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا احترام فرماتے تھے کیونکہ یہ بزرگانِ قریش میں سے تھے۔

۳؎ اس طرح کہ نماز میں ہمارا دھیان اس کے بیل بوٹوں کی طرف ہوجائے اور کامل خشوع خضوع نہ رہے۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ لباس کا اثر دل پر ہوتا ہے خصوصًا صاف اور روشن دل جلدی اثر لیتے ہیں،جیسے سفید کپڑے پر سیاہ دھبّہ معمولی بھی دور سے چمکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ محراب مسجد سادہ ہونا بہتر ہے تاکہ نمازی کا دھیان نہ بٹے۔بعض صوفیاءنقش ونگار والے مصلے کی بجائے سادہ چٹائی پر نماز بہتر سمجھتے ہیں،ان کا ماخذ یہی حدیث ہے۔خیال رہے کہ یہ سب اپنی امت کی تعلیم کے لئے ہے قلب پاک مصطفٰی کی واردات مختلف ہیں،کبھی کپڑے کے بیل بوٹے سے خضوع خشوع کم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور کبھی میدان جہاد میں تلواروں کے سایہ میں نماز پڑھتے ہیں اور خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا کبھی بشریت کا ظہور ہے اور کبھی نورانیت کی جلوہ گری۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا پردہ تھا جس سے گھر کا ایک گوشہ ڈھانک رکھا تھا ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا یہ پردہ ہم سے ہٹالو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے آجاتی ہیں۱؎(بخاری)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر جاندار چیزوں کی صورتیں ہوں گی،اور اگر جاندار کے فوٹو بھی ہوں تب بھی شوقیہ یا احترام کے طور پر نہ تھے تاکہ اس پر کراہت کا حکم ہو۔خیال رہے کہ دیواروں پر غلاف ڈالنا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں،لہذا یہ حدیث ممانعت کی روایت کے خلاف نہیں۔شیخ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ممانعت سے پہلے کا ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ الماری یا طاق پر حفاظت اشیاء کے لیے ڈالا گیا ہو،جیسے اب بھی ضرورۃً کیا جاتا ہے کہ بجائے کواڑ،ٹاٹ یا پردہ ڈال دیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمیں قبا ہدیۃً پیش کی گئی آپ نے وہ پہنی ۱؎ پھر اس میں نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے تو سختی سے اتار دی اس کو ناپسند کرتے ہوئے پھر فرمایا کہ یہ پرہیز گاروں کو زیبا نہیں ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ فروج وہ اچکن کہلاتی ہے جس کا چاک پیچھے سے کھلا ہو۔یہ قبا "دومۃ الجندل" کے بادشاہ اکیدریا سکندریہ کے بادشاہ نے ہدیۃً پیش کی تھی،آپ کا پہن لینا انہیں راضی کرنے کے لیے تھا۔بعض نے فرمایا کہ واقعہ ظہور نبوت سے پہلے کا تھا۔حضور اس وقت بھی نمازیں پڑھتے تھے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ ریشم حرمت سے پہلے کا ہے،ورنہ حرمت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کبھی نہ پہنا۔خیال رہے کہ مرد کو کپڑے کا خاص ریشم پہننا منع ہے،دریائی یا سن کو منصوعی ریشم حلال۔

۲؎ سبحان اللہ!یہ ہے حضور کی فطرت سلیمہ کہ ابھی ریشم حرام نہیں ہوا مگر طبیعت پاک میں نفرت پہلے ہی سے ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں شکاری آدمی ہوں ۲؎ تو کیا ایک قمیض میں نماز پڑھ سکتا ہوں فرمایا ہاں بٹن لگادینا اگرچہ کانٹے ہی سے ہوں ۳؎ (ابوداؤد) نسائی نے اسی کی مثل روایت کی۔	

۱؎ آپ اسلمی ہیں،مدنی ہیں،کنیت ابومسلم ہے،آپ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کے موقعہ پر دوبارہ بیعت کی۔مشہور بہادر ہیں،پیدل لڑنے والوں میں بیمثال تھے،۸۰ سال عمر پائی، ۷۴ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی۔

۲؎ اور شکار میں بھاگ دوڑ بہت کرنا پڑتی ہے تہبند بھاگنے میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ لمبی قمیض میں بغیر تہبند پائجامہ نماز جائز ہے۔دوسرے یہ کہ قمیض کے بٹن لگے رکھنا سنت مستحبہ ہے،اور اگر گریبان میں سے ستر نظر آئے تو واجب ہے۔تیسرے یہ کہ نماز میں اپنے سے بھی ستر چھپانا فرض ہے،اس سے بہت مسائل فقیہ مستنبط ہوسکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۱اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کرو وہ گیا وضو کیا پھر آیا ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اسے وضو کرنے کا کیوں حکم دیا فرمایا کہ وہ تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو تہبند لٹکائے ہوئے ہو۲(ابوداؤد)

۱یعنی فیشن اورتکبر کے طریقہ پر اس کا تہبند ٹخنوں سے نیچے تھا جیسا کہ آج کل چوہدریوں کا پہناواہے یہ مکروہ تحریمی ہے۔اگر فیشن سے نہ ہو تو مضائقہ نہیں،جیساکہ حضرت ابوبکرصدیق سے منقول ہے کہ آپ کے پیٹ پر تہبند رکتا نہ تھا ڈھلک جاتا تھاجس سے ٹخنوں کے نیچے ہوجاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا فرمایا تم فیشن والے متکبرین میں سے نہیں ہو،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۲تہبند لٹکانے سے وضو واجب نہیں ہوتا یہاں وضو کا حکم دینا یا اس لئے تھا کہ اس کی وجہ سے اس شخص کو یہ واقعہ یاد رہے اور آئندہ کبھی نیچا تہبند نہ پہنے کیونکہ قدرے سزا دے دینے سے بات یاد رہتی ہے یا اس لیے کہ ان کے دل میں فیشن اورتکبر تھا،ظاہری طہارت کے ذریعہ باطنی طہارت نصیب ہو،ہاتھ پاؤں دھلنے سے دل غرورو تکبر سے دھل جائے۔بعض صوفیاءفرماتے ہیں پاک کپڑوں میں رہنا،پاک بستر پرسونا ہمیشہ باوضو رہنا دل کی صفائی کا ذریعہ ہے۔ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بالغہ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہوتی ۱(ابوداؤدوترمذی)

۱خِمَارْ خَمْرَۃٌ سے بناء بمعنی ڈھکنا،اسی لئے شراب کو خمر کہتے ہیں،کہ وہ عقل کو ڈھک لیتی ہے،عمامہ کو بھی خمار کہہ دیا جاتاہے۔یہاں سر ڈھکنے والا کپڑا مرادہے،دوپٹہ،چادریا بڑا رومال۔اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ عورت کا ستر سر ہے جس کا ڈھکنا نماز میں فرض ہے۔لہذا ایسے باریک دوپٹہ میں نماز جس سے سر نظر آئے نہ ہوگی۔یہ حکم آزاد عورت کے لیے ہے،لونڈی کا سر ستر نہیں۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورت قمیض اور دوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہے بغیر تہبند کے فرمایا اگر کرتہ اتنا لمبا ہو کہ اس کے پاؤں کی پشت کو ڈھانپ لے ۱(ابوداؤد)اور ایک جماعت نے اسے ام سلمہ پرموقوف کیا۲

۱؎ عورت کے پاؤں کی پشت ستر نہیں،اور نہ اس کا چھپانا نماز میں فرض ہے۔قدم کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ یہاں گرنے والا کپڑا پوری پنڈلی کو ڈھانپ لیگا۔

۲؎ یعنی اسے حضرت ام سلمہ کا اپنا قول قرار دیا نہ کہ حضور کا فرمان شریف،لیکن اس قسم کی حدیث موقوف مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ یہ احکام عقل سے نہیں کہے جاتے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا لٹکانے ۱؎ اور مرد کے منہ ڈھکنے سے منع کیا ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ کپڑا سر یا کندھے پر ڈالنا اور اس کے دونوں کنارے یونہی لٹکتے چھوڑ دینا سدل کہتے ہیں۔اچکن یا کوٹ بغیر بٹن لگائے پہننا بھی سدل میں داخل ہے۔سدل نماز میں مکروہ ہے اگر نیچے کپڑا نہ ہو تومکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی کیونکہ اس میں کپڑا سنبھالنے میں دل لگا رہتا ہے نماز میں یک سوئی حاصل نہیں ہوتی۔

۲؎ ہاتھ سے یا کپڑے سے کیونکہ اگرنماز میں منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھا ہو تو قرأت صحیح نہ ہوسکے گی۔بعض نے فرمایا کہ عمامہ کا شملہ منہ پر لپیٹنا منع ہے کہ یہ یہود کا فعل ہے،ہاں جس کے منہ سے بو آرہی ہو یا بدبودار ڈکاریں،اسے جائز ہے۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کرو وہ نہ جوتوں میں نمازپڑھتے ہیں نہ موزوں میں ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ انصاری ہیں،حضرت حسان کے بھتیجے،کنیت ابو یعلٰی ہے،شام میں مقیم رہے،۷۵ سال عمر ہوئی، ۵۸ھ میں بیت المقدس میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی یہود جوتے یا موزے میں نماز جائز نہیں سمجھتے تم جائز سمجھو۔خیال رہے کہ موزوں میں نماز ادا کرنا سنت ہے،لیکن جوتے اگر پاک ہوں اور اتنے نرم کہ سجدہ میں حرج واقع نہ ہو کہ پاؤں کی انگلیاں بخوبی مڑکر قبلہ رو ہوسکیں تو ان میں نماز جائز ہے۔ہمارے ملک کی جوتیاں نماز کے قابل نہیں،نیز اب لوگ صحابہ کرام جیسے با ادب نہیں اگر انہیں جوتوں میں نماز کی اجازت دی جائے تو مصلّے اورمسجدیں گندگی سے بھردیں گے،اس لئے اب جوتے اتارکر ہی مسجدوں میں آنا اورنمازپڑھنا چاہیئے۔(ازمرقاۃ وشامی)اس سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی مخالفت کے لیے جائز کام ضرور کرنا چاہئیں جیسے اس زمانے میں میلاد شریف اور گیارہویں شریف۔مرقاۃ نے فرمایا کہ چونکہ اب یہود ہمارے علاقے میں رہے نہیں،اس لیے اب جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ مسجد یانماز کے ادب کے لیے جوتااتارنا قرآن شریف سے ثابت ہے،رب فرماتا ہے:"فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ اِنَّکَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی"اے موسیٰ!تم عزت والے جنگل میں ہو جوتے اتار دو۔بعض باادب مرید اپنے شیخ کے شہر میں جوتے نہیں پہنتے۔امام مالک زمین مدینہ میں کبھی گھوڑے یا کسی اورسواری پرسوار نہ ہوئے،ان کے آداب کا ماخذ یہ آیت ہے اور یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ نے جوتے اتار دیئے اور اپنے بائیں طرف رکھ لئے[1] جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے[2] جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا کہ تمہیں جوتے اتار ڈالنے پر کس نے آمادہ کیا عرض کیا کہ ہم نے آپ کو جوتے اتارتے دیکھا ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل میرے پاس آئے مجھے بتایا کہ ان میں گندگی ہے[3] جب تم میں سے کوئی مسجد میں آیا کرے تو دیکھ لیا کرے اگر جوتوں میں گندگی دیکھے تو انہیں پونچھ دے اور ان میں نماز پڑھ لے[4] (ابوداؤد،دارمی)

[1] یہ سب کچھ تھوڑی سی حرکت سے ہوا ورنہ عمل کثیر نماز کو فاسد کردیتا ہے۔

[2] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور کی پیروی بہرحال کی جائے وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔دیکھو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین اتارتے دیکھا تو بغیر وجہ کی تحقیق کئے جوتے اتار دیئے اور سرکار نے اس اتباع پر اعتراض نہ فرمایا۔دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نماز میں بجائے سجدہ گاہ کے اپنے ایمان گاہ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے ورنہ انہیں آپ کے اس فعل شریف کی خبر کیسے ہوتی،جیسے مسجد حرم شریف کا نمازی نماز میں کعبہ کو دیکھے ایسے ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھنے والا نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے۔

[3] تھوک،رینٹ وغیرہ گھن کی چیز نہ کہ پلیدی اور نجاست،ورنہ نماز کا لوٹانا واجب ہوتا کیونکہ اگر گندے کپڑے،گندے جوتے میں نماز شروع کردی جائے پھر پتہ لگے تو نماز دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے۔واقعہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا یہ چیزیں پاک ہیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں رب نے جبریل امین کو بھیجا کہ پیارے تمہاری شان کے یہ بھی خلاف ہے تمہارے لباس پاک بھی چاہئیں،ستھرے بھی،لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضور نے نماز لوٹائی کیوں نہیں اور نہ یہ اعتراض کہ حضور کو اپنے نعلین کی بھی خبر نہیں اوروں کی کیا خبر ہوگی،جوشہنشاہ زمین پر کھڑے ہوکر اندرون زمین کا عذاب دیکھ لے اور عذاب قبر کی وجہ جان لے اور جو یہ فرمائے کہ نماز صحیح پڑھا کرو،مجھ پر تمہارے رکوع،سجدے،دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں،اس پر اپنے نعلین کا حال کیسے چھپے گا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی اپنے حبیب کی ہرادا کی نگرانی فرماتا ہے کیوں نہ ہو خود فرماتا ہے"**فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا**"اے محبوب!تم ہماری نظروں میں رہتے ہو۔یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرا م عین نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں دیکھتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرتے تھے۔

۴؎ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سرکار اورصحابہ کرام نرم چپل پہنا کرتے تھے جس میں سجدہ بے تکلف ہوجاتا تھا اوریہود کی مخالفت بھی۔ہمارے جوتوں میں نماز جائز نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جوتا پونچھنے سے پاک ہوجاتا ہے جب کہ دَلدارنجاست لگی ہو،پیشاب وغیرہ سے بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے جوتے نہ اپنی دائیں طرف رکھے نہ بائیں طرف ورنہ دوسرے کے دائیں طرف ہوجائیں گے مگر یہ کہ اس کے بائیں طرف کوئی نہ ہوا۱؎انہیں دونوں پاؤں کے بیچ میں رکھے اور ایک روایت میں ہے کہ یا ان میں ہی نماز پڑھ لے۲؎(ابوداؤد)ابن ماجہ نے اس کے معنی روایت کئے۔	

۱؎چونکہ داہنی طرف رحمت کا فرشتہ ہے جو ہماری نیکیاں لکھتا ہے اورنماز میں وہ اپنا کام کررہا ہے لہذا اس کا ادب کرتے ہوئے نہ ادھر تھوکے نہ جوتے رکھے،ہاں اگر داہنی جانب دور جوتے رکھے ہوں توکوئی حرج نہیں۔

۲؎اگر پاک اور نرم ہوں۔خیال رہے کہ جوتے میں نماز اورجوتے پرنماز پڑھنے میں فرق ہے،اگر تلے گندگی ہو اور اسے اتارکر اس کے اوپرکھڑے ہوکرنماز پڑھ لے توجائز ہے کہ اب جوتا لباس نہیں بلکہ نماز کی جگہ ہے جس کے اوپرنجاست نہ ہوناکافی ہے جیسے لکڑی کا موٹا تختہ جس کی نچلی سطح ناپاک ہو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوا تو آپ کو چٹائی پرنماز پڑھتے دیکھا کہ اسی پر سجدہ کرتے تھے۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۲؎(مسلم)	

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ اگرزمین اورنمازی کے درمیان کوئی چیزحائل ہوتونمازدرست ہے۔فقہاءفرماتے ہیں کہ چٹائی اورجوچیززمین سے اُگی ہو اس پرنمازافضل ہے کیونکہ اس میں اظہارعجز ہے اور امام مالک کی مخالفت سے بچنا کہ ان کے ہاں جنس زمین کے سواکسی چیز پر سجدہ مکروہ ہے۔

۲؎یا بیان جواز کے لئے یا اس وقت دوسرا کپڑا تھا نہیں،ورنہ سنت یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے،کرتا،پائجامہ۔عمامہ لپیٹنے کی صورت یہ ہے کہ چادر کا داہنا کنارہ بائیں کندھے پرہو اور بایاں دائیں پر۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد	

	سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پاؤں اور نعلین پہنے نماز پڑھتے دیکھا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی کبھی ایسے،یہ دونوں کام ایک ہی نماز میں نہ ہوتے تھے۔

	روایت ہے حضرت محمدابن منکدر سے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے صرف تہبند(چادر)میں نماز پڑھی جسے گدی کی طرف باندھا تھا ۱؎حالانکہ انکے کپڑے کھونٹی پر رکھے تھے کسی نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ ایک ہی چادر میں نماز پڑھتے ہیں۲؎ تو فرمایا میں نے اس لئے کیا تاکہ مجھے تم جیسے بیوقوف دیکھیں۳؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے ۴؎(بخاری)

۱؎یعنی سر سے پاؤں تک ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔سروکندھا وغیرہ کچھ کھلا نہ تھا۔لہذا آج کل کے فیشن پرست اس حدیث سے ننگے سر یا ننگے کندھے نماز پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۲؎یہ سوال تعجب کے لیے ہے۔اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا چھوٹ چکا تھا،تمام صحابہ تین یا دو کپڑوں میں نماز پڑھنے کے عادی تھے۔

۳؎بے وقوف اس لیے کہا کہ انہوں نے صحابی پر اعتراض کرنے میں جلدی کی۔اگر بزرگوں کا کوئی کام نامناسب معلوم ہوتو انتظارکرنا چاہیئے کہ شاید وہ خود ہی اس کی وجہ بتادیں۔یہی ادب مشائخ اورعلمائے حقانی کی بارگاہوں کا بھی ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎یعنی اگر صرف ایک کپڑے میں نماز جائز نہ ہوتی تو اس غریبی کے زمانہ میں ہم سے کسی کی نماز نہ ہوتی،یعنی میرا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے نہ کہ سستی کے لیے۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں ایک کپڑے میں نمازسنت ہے ۱؎ہم یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے اور ہم پر عیب نہ لگایا جاتا تھا تب حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ یہ جب ہی تھا جب کپڑوں میں کمی تھی لیکن جب اللہ نے گنجائش بخشی تو دوکپڑوں میں نمازبہتر ہے۲؎(احمد)

۱؎یہاں سنت سے مراد لغوی معنی ہیں،یعنی طریقہ کار یا یہ مطلب ہے کہ اس کا جواز سنت سے ثابت ہے،لہذا آپ کےاس فرمان اورسیدنا ابن مسعود کے فرمان میں تعارض نہیں۔

۲؎ یعنی بجائے ایک کے دو کپڑوں میں نماز بہتر ہے۔بعض احادیث میں ہے کہ عمامہ کی نماز بغیر عمامہ کی نماز سے ستّر درجہ افضل ہے،لہذا تین کپڑوں میں نماز بہت بہتر کیونکہ اس حدیث میں قمیض و پائجامہ کا ذکر آیا اس میں عمامہ کا دونوں پر عمل ہے۔

و صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و اصحابہٖ و سلم

(احمد یار خان،خطیب جامع مسجد غوثیہ گجرات،پاکستان)

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (دوم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

باب السترة

سُترہ کا بیان (آڑ) ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ سترہ سُتْرٌ سے بنا ہے، بمعنی ڈھانپنا۔سترہ کے لغوی معنی ہیں چھپانے والی چیز یعنی آڑ۔شریعت میں سترہ وہ چیز ہے جو نمازی اپنے سامنے رکھے تاکہ اس سترہ کے پیچھے سے لوگ گزر سکیں،اس کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ (۱/۲ افٹ)اور موٹائی ایک انگل چاہیے۔بغیر سترہ نمازی کے آگے سے گزرنا حرام مگر حرم شریف کی مسجد میں جائز ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اگر صف اول میں لوگوں نے خالی جگہ چھوڑی ہو تو بعد میں آنے والا صفوں کے سامنے سے گزرتا ہوا وہاں پہنچے اور جگہ پر کرے کیونکہ اس میں قصور جماعت والوں کا ہے نہ کہ اس کا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عید گاہ تشریف لے جاتے ۱؎ آپ کے سامنے نیزہ لے جایا جاتا اور آپ کے آگے عید گاہ میں گاڑ دیا جاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نماز پڑھتے ۲؎(بخاری)	

۱؎ نماز عیدین کے لیے عیدالاضحیٰ کے لیے بہت جلدی تاکہ بعد میں قربانیاں کی جاسکیں اور عیدالفطر میں کچھ دیر سے تاکہ مسلمان کچھ کھا کر اور فطرہ ادا کرکے آسانی سے پہنچ سکیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز جنگل میں پڑھنا سنت ہے اگرچہ شہر میں بھی جائز ہے۔

۲؎ تاکہ گزرنے والوں کو سامنے سے گزرنے میں رکاوٹ نہ ہو اس زمانہ میں عید گاہ کی عمارت نہ تھی،میدان میں نماز پڑھی جاتی تھی۔

روایت ہے ابن ابی جحیفہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے کے ابطح مقام میں ۲؎ چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا اور حضرت بلال کو دیکھا کہ انہوں نے حضور کے وضوء کا پانی لیا ۳؎ اور لوگوں کو دیکھا اس پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں ۴؎ جس نے اس میں سے کچھ پالیا تو اسے مل لیا اور جس نے نہ پایا تو اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری ۵؎ لے لی پھر میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے ایک نیزہ لیا اور اسے گاڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑے میں دامن سمیٹے تشریف ۶؎ لائے نیزے کی طرف کھڑے ہو کر لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائیں ۷؎ اور میں نے لوگوں اور جانوروں کو نیزے کے آگے گزرتے دیکھا ۸؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کا نام وہب ابن عبداللہ عامری ہے،آپ بہت نو عمر صحابی ہیں، حضور کی وفات کے وقت آپ نابالغ تھے، ۷۴ھ کوفہ میں وصال ہوا۔

۲؎ یہ جگہ جنت معلیٰ سے کچھ آگے منی کی جانب ہے جسے وادی مُحَصَّبْ اور بطحاء بھی کہا جاتا ہے،اسی نسبت سے حضور کو ابطحی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے،ابطح کے معنی ہیں بجری والا میدان جہاں بارش میں سیلاب آجاتا ہو۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں وضو کیا،غسالہ ایک لگن میں گرا حضرت بلال وہ پانی کا لگن باہر صحابہ کے پاس لائے تاکہ صحابہ اس سے برکتیں حاصل کرلیں،صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اس غسالہ شریف پر ٹوٹ پڑے۔

۴؎ اسے حاصل کرنے اور برکت لینے کے لیے کیونکہ وہ پانی حضور کے اعضاء سے لگ کر نورانی بھی ہوگیا اور نور گر بھی۔پھول سے لگی ہوئی ہوا دماغ مہکا دیتی ہے،حضور کے جسم اطہر سے لگا ہوا پانی روح و ایمان مہکا دے گا۔

۵؎ اور اسے اپنے سر اور منہ پر مل لیا۔مرقات میں اسی جگہ ہے کہ حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ نے حضور کی فصد لی اور خون بجائے پھینکنے کے پی لیا۔خیال رہے کہ ہمارا فضلہ وضو کا پینے کے قابل نہیں کہ وہ ہمارے گناہ لے کر نکلا ہے،حضور کا غسالہ متبرک ہے کیونکہ وہ نور لے کر نکلا۔بعض مرید اپنے مشائخ کا جوٹھا پانی تعظیم سے استعمال کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۶؎ سرخ جوڑے سے مراد خالص سرخ رنگ میں رنگا ہوا کپڑا نہیں ہے کہ یہ تو مرد کے لیے منع ہے بلکہ سرخ خطوط سے مخطط کپڑا مراد ہے یا سرخ سُوت سے بنا ہوا کپڑا۔لہذا یہ حدیث ممانعت کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۷؎ یا فجر یا ظہر کی کیونکہ آپ مسافر تھے،غالبًا یہ واقعہ حجۃ الوداع یا عمرۃ القضاء کا ہے۔

۸؎ کیونکہ امام کا سُترہ ساری جماعت کا سترہ ہوتا ہے اس کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔

روایت ہے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو سامنے کرلیتے پھر اس کی طرف نماز پڑھ لیتے ۱؎(مسلم،بخاری) بخاری نے یہ بھی زیادہ کیا میں نے کہا بتاؤ تو اگر سواری چل دیتی فرمایا کجاوے کو درست کرلیتے تھے پھر اس کی پشتی کی طرف نماز پڑھتے ۲؎	

۱؎ اس طرح کہ بیٹھے ہوئے اونٹ کے سامنے نماز پڑھتے تاکہ لوگ اس طرف سے گزر سکیں۔معلوم ہوا کہ سترہ صرف لکڑی وغیرہ کا ہی نہیں ہوتا بلکہ جانور اور انسان کا بھی ہو جاتا ہے۔

۲؎ یعنی نافع نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کہ نماز کی یہ صورت خطرناک ہے اگر دوران نماز میں اونٹ اٹھ کر چل دے تو نمازی کیا کرے تو فرمایا سرکار پہلے سے اس کا انتظام کرلیتے تھے جس سے اونٹ نہ جاسکے۔آخرہ اور موخرہ کجاوے کی وہ پچھلی لکڑی ہے جس سے سوار پیٹھ ٹیک لیتا ہے۔یہ ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ ہوتی ہے اسے ہمارے عرف میں اونٹ والے پشتی کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے کجاوے کو پشتے کی طرح رکھ لے تو نماز پڑھتا رہے اور سامنے سے گزرنے والوں کی پرواہ نہ کرے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی یہ سترہ کے پیچھے سے گزرے اس کی پرواہ نہ کرے۔خیال رہے کہ اگر نمازی کے آگے سترہ نہ ہو تو اتنی دور پر سامنے سے گزرنا ناجائز ہے جہاں کی چیز نمازی کو سجدہ گاہ پر نظر رکھتے ہوئے محسوس ہوجائے۔

روایت ہے حضرت ابوجہیم سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جان لیتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو اسے چالیس تک ٹھہرنا سامنے گزرنے سے بہتر ہوتا ابو نصر کہتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں کہ چالیس دن فرمائے یا مہینے یا سال ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،ابی ابن کعب کے بھانجے،آپ کا نام عبداللہ ابن حارث ابن صمہ انصاری ہے،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ چالیس سال فرمایا ہوگا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔مطلب اس کا ظاہر ہے۔چالیس کا عدد اس لیئے ارشاد فرمایا کہ انسان کا ہر حال چالیس پر ہی تبدیل ہوتا ہے،ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ،پھر چالیس دن تک خون،پھر چالیس دن تک جمی بوٹی،پھر پیدائش کے بعد چالیس دن تک ماں کو نفاس،پھر چالیس سال تک عمر کی پختگی اس لیئے بعد وفات چالیس روز تک مسلسل فاتحہ کی جاتی ہے اور چالیسویں کی فاتحہ اہتمام سے ہوتی ہے۔

روایت ہے ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھے جو اسے لوگوں سے چھپالے ۱؎ پھر کوئی اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو نمازی اسے دفع کرے ۲؎ پھر اگر نہ مانے تو اس سے جنگ کرے کہ وہ شیطان ہے ۳؎ یہ بخاری کے لفظ ہیں مسلم میں اس کے معنی ہیں۔	

۱؎ یعنی اس کے اور لوگوں کے درمیان آڑ بن جائے پورا چھپانا مراد نہیں کیونکہ ایک ہاتھ کا سترہ پورے جسم کو نہیں چھپا سکتا۔

۲؎ یعنی عمل قلیل سے ہاتھ کے ساتھ اسے ہٹادے گزرنے نہ دے۔ظاہر یہ ہے کہ اَحَدٌ میں بچہ اور دیوانہ بھی داخل ہے ان کو بھی گزرنے سے روکا جائے،یہاں سامنے گزرنے سے مراد ہے سترے اور نمازی کے درمیان گزرنا کہ یہی ممنوع ہے۔

۳؎ یعنی سختی سے اسے روکے،یہاں لڑنا بھڑنا اور قتل کرنا مراد نہیں۔مرقات نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی جاہل نمازی اسے قتل کردے تو عمدًا قتل میں قصاص واجب ہوگا اور خطا میں دیت۔خیال رہے کہ اگر نمازی بغیر سترے راستہ میں نماز پڑھ رہا ہے تو اسے گزرنے والے کو روکنے کا حق نہ ہوگا کہ اس میں قصور نمازی کا ہے اسی لیے یہاں سترے کی قید لگائی۔شیطان سے مراد یا تو اصطلاحی شیطان ہے یعنی جنات کا مورث اعلیٰ تب تو یہ مطلب ہوگا کہ اسے شیطان بہکا کر ادھر لارہا ہے اور اس پر شیطان سوار ہے اور یا شیطانوں سے انسانوں کا شیطان مراد ہے جو شیطانوں کا سا کام کرے وہ شیطان ہی ہوتا ہے۔قرآن کریم نے بھی شیطانی کام کرنے والے انسانوں کو خناس فرمایا ہے کہ ارشاد فرمایا:"الَّذِیۡ یُوَسْوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ"۔اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ دینی کاموں میں خلل ڈالنے والا سخت مجرم ہے لہذا جو لوگ مسجدوں کے پاس شور مچائیں،ریڈیو کے گانے لگائیں وہ اس سے عبرت

پکڑیں کہ نمازی سے آگے گزرنے والااس لیے مجرم ہے کہ نمازی کا دھیان بانٹتا ہے۔دوسرے یہ کہ اگر کوئی مجرم نرمی سے نہ مانے تو اسے سختی سے روکا جائے یہ سختی بھی تبلیغ کی ایک قسم ہے۔

۵؎ یہ چھپانے والی چیز دیوار ہو یا ستون یا لکڑی وغیرہ یا کوئی سامنے بیٹھا ہوا آدمی یا اونٹ وغیرہ جانور کہ سب سترہ میں داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز کو عورت اور گدھا اور کتا توڑ دیتے ہیں ۱؎ اور کجاوے کی پشتی کی مثل اسے بچالیتی ہے ۲؎	

۱؎ یعنی اگر نمازی کے سامنے سے ان میں سے کوئی گزرے تو خیال بٹے گا اور نماز کا خشوع خضوع جاتا رہے گا،یہاں نماز ٹوٹنے سے مراد نماز کا باطل ہونا نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ نمازی کے آگے گزرنے کا وبال دونوں پر پڑتا ہے، گزرنے والا سخت گنہگار ہوتا ہے اور نمازی کا دل حاضر نہیں رہتا،ان تین کے ذکر کی حکمت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔

۲؎ یعنی سترے کی برکت سے اس کی نماز محفوظ رہے گی اور گزرنے والا گنہگار نہ ہوگا دونوں کو اس کا فائدہ پہنچے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نماز پڑھتے تھے حالانکہ میں آپ کے درمیان ایسے لیٹے ہوتی تھی جیسے جنازہ کا رکھا ہونا ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حجرہ شریف چھوٹا تھا جس میں نوافل کے لیے علیحدہ جگہ نہ بن سکتی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی کیفیت یہ ہوتی تھی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا نمازی کے آگے سے گزرنا اور ہے اور آگے ہونا کچھ اور، گزرنا ممنوع ہے آگے ہونا ممنوع نہیں۔اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کے گزرنے سے بھی نماز ٹوٹے گی نہیں۔یہ حدیث پچھلی حدیث کی گویا تفسیر ہے۔

روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار آیا حالانکہ میں اس دن قریب بلوغ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کو بغیر دیوار کی آڑ کے نماز پڑھا رہے تھے ۱؎ میں بعض صف کے آگے سے گزرا پھر اتر پڑا گدھی کو چھوڑ دیا کہ چرتی تھی اور خود صف میں داخل ہو گیا اس کا مجھ پر کسی نے اعتراض نہ کیا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیوار نہ تھی میدان میں نماز پڑھا رہے تھے لاٹھی وغیرہ کا سترہ ضرور تھا،چونکہ امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لیے کافی ہوتا ہے اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہاں سب کے سامنے سے گزر گئے لہذا یہ حدیث سترہ کے خلاف نہیں اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ یہ حدیث اس باب میں لائے کہ امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے آگے دیوار کے سوا کوئی اور سترہ ضرور تھا دیوار کی نفی فرمائی ہے نہ کہ سترہ کی۔

۲؎ یہ حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے کہ نماز کو کتا،گدھا،عورت توڑ دیتے ہیں یعنی وہ حکم جب ہے کہ سترے کے بغیر سامنے سے گزریں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ رکھ لے ا؎ اگر نہ پائے تو اپنی لاٹھی گاڑھ لے اگر اس کے پاس لاٹھی نہ ہو تو خط کھینچ لے پھر جو چیز سامنے سے گزرے تو اسے نقصان نہ دے گی ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

ا؎ یعنی ایک ہاتھ لمبی اور ایک انگل موٹی کوئی چیز جیسا کہ پچھلی احادیث میں صراحتًا گزر گیا۔بعض نمازی اپنے آگے چاقو یا پیالہ وغیرہ رکھ لیتے ہیں سخت غلطی کرتے ہیں وہ حدیث کا مطلب نہیں سمجھے۔

۲؎ خط کھینچنے کی حدیث مضطرب ہے ضعیف بھی۔دیکھو مرقات،لمعات وغیرہ۔اس لیے اکثر علماء نے اس پر عمل نہ کیا وہ خط کو محض بے کار سمجھتے ہیں۔بعض نے فرمایا کہ اس خط کی وجہ سے سامنے گزرنے کا اثر نماز پر نہ ہوگا اس کی نماز خراب نہ ہوگی مگر اس سے گزرنا جائز نہ ہوگا اور گزرنے والا گنہگار بھی ہوگا اسی لیے یہاں لَا یَضُرُّہٗ فرمایا یعنی نمازی کو مضر نہیں نہ کہ گزرنے والے کو،مگر صحیح قول جمہور ہی کا ہے کیونکہ خط نہ تو آڑ بنتا ہے نہ کسی کو نظر ہی آتا ہے تو اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے ا؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی سترے کی طرف نماز پڑھے ۲؎ تو اس سے قریب رہے شیطان اس کی نماز نہ توڑ سکے گا ۳؎(ابوداؤد)

ا؎ آپ انصاری ہیں،اوسی ہیں، ۳ھ میں پیدا ہوئے،آپ کی کنیت ابو محمد یا ابو عمارہ ہے،کوفہ قیام تھا،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہیں وفات پائی،بہت صحابہ نے آپ سے روایتیں لی ہیں۔

۲؎ بعض نے فرمایا کہ سترہ سے تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز کے فاصلے پر کھڑا ہو مگر صحیح یہ ہے کہ بقدر سجدہ دور رہے اس کے لیئے حد مقرر نہیں کی جاسکتی کیونکہ بعض لوگ دراز قد ہوتے ہیں،بعض پست قد۔

۳؎ یعنی اس سترے یا قرب کی برکت یہ ہوگی کہ شیطان نماز میں وسوسہ نہ ڈال سکے گا۔معلوم ہوا کہ جیسے بسم اللہ کی برکت سے شیطان کھانے سے دور رہتا ہے اور کھلے گھڑے پر لکڑی کھڑی کردینے سے بلائیں دور رہتی ہیں ایسے ہی سترے کی برکت سے نمازی سے شیطان دور رہتا ہے یہ قدرتی چیز ہے۔

	روایت ہے حضرت مقداد بن اسود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے نہ دیکھا مگر آپ اسے اپنی داہنی یا بائیں بھوؤں کے سامنے رکھتے تھے ا؎ اور بالکل اس کے سامنے نہ ہوتے تھے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ سترہ نمازی کے سامنے نہ ہو بلکہ قدرے دائیں بائیں ہٹا ہو اس مسئلے کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ یعنی سترے کو ناک کے مقابل نہ رکھتے تاکہ بت پرستوں کی مشابہت نہ ہوجائے کیونکہ وہ پوجا کے وقت بت بالکل سامنے رکھتے ہیں اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن چونکہ فضائل کی ہے لہذا قبول ہے۔نسائی میں ہے کہ سترہ بائیں پلک پر رکھا جائے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ داہنے سے بائیں پلک پر رکھنا افضل ہے،سترہ چونکہ شیطان کو دفع کرنے کے لیے ہے اور شیطان بائیں سمت ہی سے آتا ہے اسی لیے اگر نماز میں تھوکنا پڑجائے تو بائیں طرف تھوکے۔

	روایت ہے حضرت فضل ابن عباس سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم اپنے جنگل میں تھے اور آپ کے ساتھ حضرت عباس تھے آپ نے جنگل میں نماز پڑھی آپ کے سامنے سترہ نہ تھا ہماری ایک گدھی اور کتیا آپ کے سامنے کھیلتے رہے ۱؎ آپ نے اس کی پرواہ نہ کی (ابوداؤد) نسائی میں اس کی مثل ہے۔

۱؎ چونکہ اس جنگل میں کسی کے گزرنے کا احتمال نہ تھا اس لیے سترہ نہ گاڑا گیا یہ کتیا اور گدھی زیادہ فاصلے پر تھے اس لیے اس کی پرواہ نہ کی گئی۔چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جنگل میں نمازی کے آگے اتنی دور پر گزرنا جائز ہے کہ جب نمازی سجدہ گاہ پر نظر رکھے تو وہاں کی چیز محسوس نہ ہو لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی ۱؎ اور جہاں تک ہوسکے دفع کرو اس لیے کہ وہ گزرنے والا شیطان ہے۔(ابوداؤد)

۱؎ یعنی نمازی کے آگے سے کسی چیز کا گزر جانا نماز کو باطل نہیں کرتا لہذا یہ حدیث توڑنے کی روایت کے خلاف نہیں کہ وہاں حضور قلبی کا توڑنا مراد ہے نہ کہ اصل نماز کا اور یہاں اصل نماز توڑنے کی نفی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلے کی جانب ہوتے ۱؎ جب آپ سجدہ فرماتے تو مجھے دبادیتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیلادیتی اور اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہ تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ قبلہ کی طرف پاؤں نہیں پھیلاتی تھیں کہ وہ منع ہے بلکہ آپ کے پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قبلہ کی طرف ہوتے تھے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نماز میں تھوڑا عمل جائز ہے۔دوسرے یہ کہ عورت کو چھونا وضو نہیں توڑتا اگرچہ

بغیر آڑ کے ہو کیونکہ یہاں آڑ کی قید نہیں آئی۔ تیسرے یہ کہ عورت کا نمازی کے آگے ہونا نماز خراب نہیں کرتا، لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔

۲؎ یہ بالکل ابتدائی حالت کا ذکر ہے جب کہ ضرورت کے وقت لکڑیاں جلا کر روشنی کی جاتی تھی بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ رائج ہوگئے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک چوہا چراغ کی جلتی بتی کھینچ کر لے گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چراغ گل کر کے سویا کرو کیونکہ چوہا اس کے ذریعے گھر میں آگ لگا دیتا ہے لہذا یہ حدیث چراغ والی احادیث کے خلاف نہیں۔

؎ یعنی جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کا قیام و رکوع فرماتے ہیں اطمینان سے پاؤں پھیلائے سوئی رہتی اور جب حضور کے سجدہ کا وقت ہوتا تو مجھے دبا کر اشارہ کر دیتے جب میں پاؤں سمیٹتی تب سجدہ کے لیے جگہ بنتی اور آپ سجدہ کرتے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم میں سے کوئی جان لے کہ اسے اپنے بھائی کے سامنے گزرنے میں نماز کا راستہ کاٹتے ہوئے کیا گناہ ہے تو سو سال ٹھہرے رہنا اس کے لیے اس ایک قدم ڈالنے سے بہتر ہوتا ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے جہاں صرف چالیس کا ذکر تھا سال یا مہینے کا ذکر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں بھی سال ہی مراد تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے بیٹھا رہنا یا آکر بیٹھ جانا یا بیٹھے سے اٹھ جانا سیدھا سامنے چلا جانا منع نہیں بلکہ سامنے کی سمت کاٹ کر گزرنا منع ہے، یعنی ہمارے ملک میں جنوبًا شمالًا جانا جیسا کہ معترضًا سے معلوم ہوا۔ البتہ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے آکر بیٹھ جائے پھر کچھ ٹھہر کر دوسری جانب اٹھ جائے تو مکروہ ہے بلکہ ادھر ہی کو جائے جدھر سے آیا تھا۔ حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے انسان کو چاہیے کہ نمازی کے آگے سے ہرگز نہ گزرے۔

	روایت ہے حضرت کعب احبار سے فرماتے ہیں اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جان لیتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو اس کا زمین میں دھنس جانا سامنے گزرنے سے بہتر ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ آسان ہوتا ۱؎ (مالک)

۱؎ یہ ساری وعیدیں آگے گزرنے سے روکنے کے لیئے ہیں یعنی اگر اس کے عذاب سے پوری واقفیت ہوتی تو ہر شخص یہ چاہتا کہ زمین پھٹ جائے میں سما جاؤں مگر نمازی کے آگے سے نہ گزروں، یہاں گزرنے کی وہی صورت مراد ہے جو ناجائز ہے جن صورتوں میں شریعت نے گزرنے کی اجازت دی ہے وہ اس سے علیحدہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی بغیر سترہ نماز پڑھے تو اس کی نماز کو گدھا اور سؤر اور یہودی اور پارسی اور عورت توڑ دیتے ہیں ۱؎ اور جب یہ لوگ نمازی کے آگے پتھر پھینکنے کی مسافت

	سے گزریں تو سترے سے کفایت کرے گا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ نماز کا حضور قلبی مراد ہے،وہاں تین کا ذکر تھا یہاں پانچ کا۔مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہر ایک کا گزرنا مضر ہے لیکن ان پانچ کا گزرنا زیادہ مضر کیونکہ ان میں دھیان زیادہ بٹتا ہے۔**واللہ اعلم** !اگرچہ مجوسی بھی انسان ہیں مگر مسلمانوں کو ان سے نفرت بہت ہوتی ہے اس لیے ان کا سامنے سے گزرنا زیادہ شاق گزرے گا۔

۲؎ یعنی اگر نمازی کے آگے سترہ نہ ہو اور ان میں سے کوئی اتنی دور سے گزر جائے کہ نمازی سجدہ گاہ کو دیکھتے ہوئے ان کا احساس نہ کرسکے تو کوئی مضائقہ نہیں اور وہ پتھر پھینکنے کی بقدر ہے یعنی اگر یہ نمازی درمیانی پتھر درمیانی طاقت سے پھینکے تو جہاں پتھر گرے اتنے فاصلہ پر گزرنا جائز ہے۔پتھر سے درمیانی پتھر مراد ہے،پھینکنے سے درمیانی طاقت سے پھینکنا مراد۔

باب القراءۃفی الصلوۃ

نماز میں قرأت ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ نماز میں قرآن کریم کی ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے،سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ اور سورت ملانا واجب۔فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں تلاوت قرآن فرض ہے،باقی رکعات میں نفل،دیگر نمازوں کی ہر رکعت میں تلاوت فرض،اس کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔خیال رہے کہ نماز کی بنیاد افعال پر ہے،اقوال پر نہیں اسی لیے گونگے پر نماز فرض ہے اگرچہ وہ تلاوت نہیں کرسکتا لیکن جو نماز کے ارکان ادا نہ کرسکے اس پر نماز معاف ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ۱؎ (مسلم،بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے ۲؎	

۱؎ احناف کے نزدیک سورۂ فاتحہ واجب ہے فرض نہیں،بعض اماموں کے نزدیک فرض ہے۔وہ حضرات حدیث کے یہ معنے کرتے ہیں کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز صحیح نہیں،ہم اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں،یعنی لائے نفی جنس کی خبر ان کے ہاں صَحِیۡحٌ ہے،ہمارے ہاں کَامِلٌ مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اور ان کا یہ ترجمہ نہایت مناسب چند وجوہ سے:ایک یہ کہ حنفی ترجمہ کی صورت میں یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے خلاف نہ ہوگی"فَاقْرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"اور ان بزرگوں کے ترجمہ پر یہ حدیث اس آیت کے سخت خلاف ہوگی کیونکہ قرآن سے معلوم ہورہا ہے کہ مطلقًا تلاوت کافی ہے اور حدیث کہہ رہی ہے کہ بغیر فاتحہ نماز نہیں ہوتی۔دوسرے یہ کہ اسی حدیث کے آخر میں آرہا ہے کہ جو سورۂ فاتحہ اور ساتھ کچھ اور نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اور ان بزرگوں کے ہاں سورت ملانا فرض نہیں تو ایک ہی لفظ سے سورۂ فاتحہ فرض ماننا اور ضم سورت فرض نہ ماننا کچھ عجیب سی بات ہے۔تیسرے یہ کہ اگلی حدیث ابوہریرہ میں حنفی معنی صراحۃً آرہے ہیں کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے اور حدیث کی شرح حدیث سے ہو تو قوی ہے،نیز حنفیوں کے نزدیک فاتحہ مطلقًا پڑھنے سے مراد مطلقًا پڑھنا ہے حقیقتًا ہو یا حکمًا۔اکیلا امام حقیقتًا فاتحہ پڑھے گا اور مقتدی حکمًا کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا مانا جائے گا مگر بعض کے نزدیک یہاں حقیقتًا پڑھنا ہی مراد ہے ان کے ہاں مقتدی پر بھی فاتحہ پڑھنا فرض ہے لیکن حنفیوں کی توجیہ نہایت ہی قوی ہے چند وجوہ سے:ایک یہ کہ اس صورت میں یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہ ہوگی"وَ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوۡا لَہٗ وَ اَنۡصِتُوۡا"الخ۔ان لوگوں کی تفسیر کے مطابق آیت و حدیث میں سخت تعارض ہوگا۔دوسرے

یہ کہ اس صورت میں یہ حدیث مسلم شریف کی اس روایت کے خلاف نہ ہوگی "وَاِذَا قُرِءَ فَاَنْصِتُوا"۔ تیسرے یہ کہ حنفی ترجمے کے مطابق رکوع میں ملنے والا بلا تکلف رکعت پالے گا مگران لوگوں کو اس مسئلے پر بہت مصیبت پیش آئے گی کہ بغیر فاتحہ پڑھے رکعت کیسے پالی۔ چوتھے یہ کہ بعض صورتوں میں وہ لوگ اس حدیث پر عمل نہیں کرسکتے مثلًا مقتدی فاتحہ کے بیچ میں تھا کہ امام نے رکوع کردیا اس کے لیے یہ حدیث وبال جان بن جائے گی لہذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے اور یہ حدیث ان کے بالکل خلاف نہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۲؎ یعنی نمازی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی واجب ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور تلاوت بھی واجب کہ اگر ان میں سے ایک پر بھی عمل نہ کیا گیا تو نماز ناقص ہوگی، یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے۔جولوگ اس حدیث کی بناپر ہر نمازی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں وہ فصاعدًا کے متعلق کیا کہیں گے کیونکہ ان کے ہاں سورۃ ملانا فرض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز پڑھے اس میں الحمد نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے (تین بار) کامل نہیں۱؎ حضرت ابوہریرہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں فرمایا اپنے دل میں پڑھ لو۲؎ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ دیا ہے۳؎ اور میرے بندے کے لیے وہی ہے جو مانگے ۴؎ بندہ کہتا ہے "الحمدللہ رب العلمین" تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی۵؎ جب بندہ کہتا ہے "الرحمن الرحیم" تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی۶؎ اور جب کہتا ہے "مالك یوم الدین" تو رب فرماتا ہے میرے بندے نے میری بندگی بیان کی۷؎ اور جب کہتا ہے "ایاك نعبدو ایاك نستعین" تو رب فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۸؎ اور میرے بندے کے لیئے وہ ہے جو مانگے۹؎ پھر جب کہتا ہے "اھدناالصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ۱۰؎ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" تو فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو مانگے۱۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے اس نے صراحتًا بتادیا کہ بغیر سورۃ فاتحہ نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ ناقص ہوتی ہے یعنی سورۂ فاتحہ نماز میں فرض نہیں بلکہ واجب ہے، لہذا یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے۔

۲؎ یہ حضرت ابوہریرہ کی اپنی رائے ہے اسی لیے آپ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتے بلکہ ایک حدیث سے اس مسئلے کا استنباط کرتے ہیں ان کی رائے پر ہر جگہ عمل نہیں ہوسکتا،بعض جگہ بہت دشواریاں پیش آئیں گی مثلًا یہ کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ رہا تھا یہ ابھی بیچ میں تھا کہ امام نے کہا"وَلَا الضَّآلِّیْنَ"اب یہ بےچارہ اٰمِیْن کہے یا نہیں یا مقتدی بیچ فاتحہ میں تھا کہ امام نے رکوع کردیا یہ مقتدی رکوع میں جائے یا نہیں وغیرہ۔خیال رہے کہ حضرت ابوہریرہ کا یہ ارشاد پہلے کا ہے بعد میں خود انہیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو جیسا کہ مسلم،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ میں ہے اور مشکوٰۃ شریف میں اس باب میں آرہا ہے،لہذا یہ قول خود ان کے اپنے نزدیک متروک ہے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے معنی ومطالب دل میں سوچو ان پر غور کرو کیونکہ پڑھنا زبان سے ہوسکتا ہے،دل میں سوچنا ہوتا ہے نہ کہ پڑھنا۔(ازمرقات)اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔

۳؎ یہاں نماز سے مراد سورۂ فاتحہ ہے یعنی جب سورۂ فاتحہ اتنی اہم ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین نماز فرمایا تو چاہیے اس کا پڑھنا یا اس میں غور کرنا بہت ضروری ہے۔خیال رہے کہ اَلْحَمْد کی سات آیتیں ہیں۔پہلی تین آیتیں"مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ"تک اللہ کی حمد ہیں اور آخری تین آیتیں اِھْدِنَا سے"وَلَا الضَّآلِّیْنَ"تک دعا،درمیان کی آیت"اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ"آدھی ثنا ہے آدھی دعا،لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ الحمد آدھی آدھی بٹی ہوئی ہے۔

۴؎ یعنی سورۂ فاتحہ آدھی دعا ہے تو جو بندہ اسے پڑھے میں اس کی دعا ضرور قبول کروں گا یا بعینہٖ اس کا سوال پورا کروں گا یا اس کی مثل اور نعمتیں دوں گا یا اس سے کوئی آفت ٹال دوں گا جیسا کہ قبولیت دعاء کا قانون ہے۔

۵؎ یعنی ادھر بندہ الحمد پڑھ کر رب کی حمد کرتا ہے ادھر رب تعالٰی فرشتوں سے یہ فرماتا ہے۔یہ بندے کی خوش نصیبی ہے کہ اس کی تھوڑی سی زبان کی حرکت سے اس کا نام رب کی بارگاہ میں اس عزت سے آجائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں کیونکہ یہاں الحمد سے ذکر شروع ہوا بسم اللہ کا ذکر نہ ہوا لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔

۶؎ یہ خطاب بھی حاضرین بارگاہ فرشتوں سے ہے جو رب تعالٰی بطور فخر واظہار خوشی فرماتا ہے،ثناء وحمد قریبًا ایک ہی ہیں۔ہوسکتا ہے کہ حمد سے ظاہری کمالات کا بیان ہو اور ثنا سے مراد پوشیدہ کمالات کا اظہار یا حمد سے مراد شکر ہو اور ثناء سے مراد مطلقًا تعریف۔

۷؎ یعنی میری ایسی بڑائی بیان کی جو میرے سوا کسی کو حاصل نہیں کیونکہ قیامت کے دن کی بادشاہی صرف رب تعالٰی کی صفت ہے۔

۸؎ کیونکہ عبادت اللہ کے لیے ہے اور استعانت یعنی مدد بندے کے لیے ہے لہذا یہ آیت رب وبندے کے درمیان ہے۔

۹؎ یعنی بندے اپنے ہر کام میں خصوصًا عبادات میں مجھ سے مدد مانگ رہا ہے میں اس کی ضرور مدد کروں گا،اس کے بعد بھی جو دعائیں مانگے گا قبول کروں گا۔

۱۰؎ یعنی خدایا مجھے اس راستہ کی ہدایت دے جو تیرے انعام والے بندے کا راستہ ہے،اولیاء،صالحین،شہید اور صدیقین کا۔معلوم ہوا کہ وہ دین حق ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں،وہ صرف اہل سنت والجماعت کا دین ہے کہ ان کے سوا کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ"انعمت علیھم"پر وقف ہے ورنہ فاتحہ کی آیات سات نہ ہوں گی کیونکہ یہاں بسم اللہ کو الحمد میں شامل نہیں کیا گیا،لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

۱۱؎ یعنی جو کچھ اس سورت میں مانگے اور جو اس کے بعد مانگے وہ سب اسے دوں گا،بعض مشائخ کا طریقہ ہے کہ وہ دعا کرتے وقت الحمد شریف پڑھا کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نماز الحمدللہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی یہ حضرات جیسے اعوذ باللہ آہستہ کہتے تھے ایسے ہی بسم اللہ بھی،جہر الحمدللہ سے شروع کرتے تھے لہذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز نہیں یہ آہستہ پڑھی جائے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" آئی وہاں بسم اللہ نہ آئی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے ۱؎(مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب امام کہے "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" تو تم کہو آمین ۲؎ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۳؎ یہ بخاری کے لفظ ہیں اور مسلم کے نزدیک اس کی مثل اور بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین موافق ہوگی فرشتوں کی آمین کے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۴؎	

۱؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نماز میں الحمد کے ختم پر امام بھی آمین کہے گا۔دوسرے یہ کہ ہماری حفاظت کرنے والے اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے نمازوں میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں ولا الضالین پر آمین کہتے ہیں۔تیسرے یہ کہ آمین بالکل آہستہ کہنی چاہیے کیونکہ فرشتے آہستہ ہی آمین کہتے ہیں جو ہم نہیں سنتے اگر ہم آمین چیخ کر کہیں تو ہماری آمین فرشتوں کی آمین کے خلاف ہوگی پھر ہماری بخشش کیسے ہو۔چوتھے یہ کہ رب کی بارگاہ میں وہی نیکی قبول ہوتی ہے جو نیک بندوں کی طرح ہو ان کی نقل پیاری ہے۔دیکھو فرمایا گیا کہ جس کی آمین فرشتوں کی سی ہوگی اس کی مغفرت ہوگی۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے کیونکہ فرمایا گیا کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو یہ نہ فرمایا کہ جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہو۔لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

۳؎ فقیر کو آہستہ آہستہ آمین کی چھبیس ۲۶ حدیثیں اور دو آیتیں ملیں مگر نماز میں بالجہر آمین کی کوئی صریح حدیث نہ ملی جس میں نماز کا ذکر ہو اور لفظ جہر ہو۔اس کی پوری بحث فقیر کی کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔آمین دعا ہے(قرآن کریم)اور دعا آہستہ مانگنی چاہیے(قرآن کریم)احادیث میں جہاں آمین سے مسجد گونجنے کا ذکر ہے وہاں نماز کا ذکر نہیں اور جہاں نماز کا ذکر ہے وہاں جہر نہیں بلکہ "مدبھا صوتہ" ہے یا "رفع بھا صوتہ" جس کے معنی ہیں آمین آواز کھینچ کر کہی۔

۴؎ خیال رہے کہ ان جیسی تمام حدیث میں موافقت سے مراد کیفیت میں موافقت ہے نہ کہ وقت میں کیونکہ فرشتوں کی آمین کہنے کا تو یہی وقت ہے جب امام ولا الضالین کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین جیسی ہوگی اسکی بخشش ہوگی یعنی جیسے فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں ایسے یہ بھی آہستہ کہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم نماز پڑھو تو صفیں سیدھی کرو پھر تم میں سے کوئی تمہارا امام بن جائے ۱؎ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب کہے "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" تو تم آمین کہو اللہ تمہاری قبول کرے گا ۲؎ پھر جب تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو امام تم سے پہلے رکوع میں جائے گا اور تم سے پہلے سر اٹھائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کے بدلے میں ہوا ۳؎ اور جب کہے "سمع اللہ لمن حمدہ" تو تم کہو "اللھم ربنا لك الحمد" اللہ تمہاری سنے گا ۴؎(مسلم)

۱؎ یہ ان اصحاب سے خطاب ہے جو سب عالم وفقیہ تھے،یعنی جب تم ایسی جگہ ہو جہاں کوئی امام مقرر نہ ہو تو چونکہ تم سب علماء فقہاء ہو لہذا تم میں سے کوئی بھی امام بن جائے،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جہاں فرمایا گیا کہ امام وہ بنے جو سب سے زیادہ عالم یا قاری ہو۔

۲؎ یعنی اس آمین کی برکت سے تمہاری الحمد والی تمام دعائیں قبول ہوں گی یا جب تم سب مل کر آمین کہو گے تو قبول ہوگی کیونکہ جماعت کی نماز و دعائیں اگر ایک کی قبول ہوجائیں تو سب کی قبول ہوتی ہے اسی لیے دعا اور عبادات کے لیئے جماعات تلاش کرتے رہو۔

۳؎ یعنی تمام حرکات وسکنات میں تم امام کے پیچھے رہو کہ امام جب رکوع میں پہنچ جائے تو تم رکوع میں جھکو اور جب رکوع سے سیدھا کھڑا ہو جائے تو تم اٹھو،امام رکوع میں تم سے پہلے پہنچے گا اور تم سے پہلے اٹھے گا تو ایک لحظہ رکوع میں تم پیچھے پہنچو گے اور ایک لحظہ بعد میں اٹھو گے وہ کمی اس زیادتی سے پوری ہو کر تمہارا اور امام کا رکوع برابر ہو جائے گا،سارے ارکان کا یہی حال ہے۔

۴؎ یعنی جماعت میں امام صرف "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ" کہے اور مقتدی صرف "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" کہے لہذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے،بعض روایات میں صرف "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" ہے،بعض میں اَللّٰھُمَّ بھی ہے،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقتدی دونوں کلمے کہے یہ حدیث انکے خلاف ہے۔

	اور مسلم کی ابوہریرہ و قتادہ سے ایک روایت میں ہے کہ جب امام

	قرأت کرے تو تم خاموش رہو۱؎

۱؎ یہ حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قوی دلیل ہے کہ مقتدی الحمد نہ کہے کیونکہ امام کی قرأت کے وقت اسے خاموشی ضروری ہے۔یہ حدیث چند وجہ سے نہایت قوی اور قابل عمل ہے:ایک یہ کہ اس کی تائید قرآن کریم سے ہورہی ہے،رب فرماتا ہے:"وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا"الخ۔دوسرے یہ کہ اس حدیث کی تائید بہت احادیث سے ہورہی ہے۔فقیر نے اس کے متعلق چوبیس احادیث جمع کیں،دیکھو"جاء الحق"حصہ دوم۔تیسرے یہ کہ عام صحابہ کرام کا یہی عمل تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے۔چنانچہ اسّی [۸۰] صحابہ سے یہ ممانعت ثابت ہے۔چوتھے یہ کہ یہ حدیث عقل کے بھی مطابق ہے کیونکہ جب مقتدی سورت نہیں پڑھتا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے تو چاہیے کہ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ اس میں بھی امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔پانچویں یہ کہ رکوع میں شریک ہونے والے کو رکعت مل جاتی ہے اگر امام کی قرأت اس کے لیے کافی نہ ہوتی بلکہ مقتدی کو بھی فاتحہ پڑھنی فرض ہوتی تو اسے رکعت نہ ملتی۔چھٹے یہ کہ جلیل القدر صحابہ نے امام کے پیچھے تلاوت کرنے والوں کو بددعائیں دیں۔چنانچہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں خاک،حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں پتھر،حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے وغیرہ۔ساتویں یہ کہ عام مسلمین کا اس پر عمل ہے۔نوے فیصد مسلمان حنفی ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت نہیں کرتے۔غرضکہ یہ حدیث بہت قوی ہے۔دیکھو ہماری کتاب"جاء الحق"حصہ دوم۔

	روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۱؎ اور کبھی ہم کو کوئی آیت سنادیتے تھے۲؎ اور پہلی رکعت میں کسی قدر درازی کرتے جو دوسری رکعت میں نہ کرتے۳؎ یوں ہی عصر میں اور یوں ہی صبح میں کرتے۔(مسلم،بخاری)

۱؎ نماز فرض کی رکعتوں میں چند طرح فرق ہے:ایک یہ کہ اگلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے،آخری رکعات میں نفل۔دوسرے یہ کہ اول رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں بعد کی خالی۔تیسرے یہ کہ فجر،مغرب،عشاء میں اول رکعتوں میں امام اونچی تلاوت کرتا ہے بعد والیوں میں آہستہ۔چوتھے یہ کہ اول کی دو رکعتیں سفر و حضر ہر حالت میں پڑھی جاتی ہیں مگر آخری دو رکعتیں سفر میں معاف ہوجاتی ہیں۔یہ تمام مسائل حدیث سے ثابت ہیں جن میں سے ایک مسئلہ یہاں آیا کہ اول رکعتیں بھری پڑھو آخری خالی۔

۲؎ یعنی ظہر و عصر کی نمازوں میں سرکار ایک آدھ آیت زور سے پڑھ دیتے تاکہ صحابہ کرام کو معلوم ہوجائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں سورت پڑھ رہے ہیں،اب ہم کو یہ جائز نہیں ہم لوگ اخفاء نمازوں میں ایک آیت بھی آواز سے نہیں پڑھ سکتے،یہ حضور کی خصوصیات سے ہے۔

۳؎ یعنی رکعت اول بمقابلہ دوسری رکعت کے کچھ دراز پڑھتے یا اس لیے کہ اس میں "سبحانك اللّٰھم،اعوذ،بسم الله بھی ہے،رکعت دوم میں یہ نہیں یا اس لیے کہ رکعت اول میں قرأت کچھ زیادہ فرماتے تاکہ پیچھے آنے والے شرکت کرسکیں۔احناف کے نزدیک فتویٰ اسی پر ہے کہ ہر نماز میں اول رکعت دوسری سے کچھ دراز پڑھے خصوصًا نماز فجر کہ اس میں پہلی رکعت زیادہ دراز کرے،لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں بلکہ ان کی مؤید ہے۔

	روایت ہے ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہر و عصر کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے۱؎ تو ہم نے آپ کے ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ الٓمٓ تنزیل السجدہ پڑھنے کے بقدر لایا۲؎ ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیتوں کی بقدر۳؎ اور ہم نے آخری رکعتوں میں قیام کا اندازہ اس سے آدھے کا لگایا۴؎ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے قیام کی بقدر اندازہ لگایا اور عصر کی آخری رکعتوں میں اس سے آدھا۵؎(مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و صفات سوچنا،اس میں غور کرنا سنت صحابہ ہے اس سے نماز ناقص نہ ہوگی بلکہ کامل تر ہوگی۔دیکھو صحابہ کرام حضور کے پیچھے نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور یہ خیال بھی رکھ رہے ہیں کہ آپ کا قیام کس قدر ہوا یہ ان کے خشوع کے خلاف نہ تھا۔

۲؎ یعنی اتنا قیام فرماتے تھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے علاوہ الٓمٓ تنزیل السجدہ کی بقدر پڑھتے تھے یعنی انتیس آیتیں یا دونوں رکعتوں میں اس سورت کی بقدر مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ کلام میں ہر رکعت میں الٓمٓ تنزیل السجدہ کی بقدر قرأت فرماتے تھے نہ کہ دونوں میں۔

۴؎ یعنی ظہر کی آخری دو رکعتوں میں ہر رکعت میں علاوہ الحمد کے پندرہ آیات۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور ظہر کی آخری رکعتوں میں بھی سورۃ ملاتے تھے۔خیال رہے کہ فرائض کی آخری رکعتوں میں قرأت نفل ہے لہذا اگر خاموش رہے یا تسبیح پڑھے یا الحمد مع سورت پڑھے یا صرف الحمد پڑھے ہر طرح درست ہے۔یہاں تیسری صورت کا ذکر ہے یعنی الحمد مع سورت پڑھنا اور حضور کا یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے ہے کیونکہ ان رکعتوں کا خالی پڑھنا مستحب ہے۔(اشعۃ)

۵؎ یعنی عصر کی اول رکعتوں میں ہر رکعت میں پندرہ آیتیں اور آخر کی دو رکعتوں میں پندرہ آیتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عصر میں تلاوت بمقابلہ ظہر کم ہونی چاہیے کہ احناف کے نزدیک فجر و ظہر میں طوال مفصل پڑھنا اور عصر و عشاء میں وسط مفصل پڑھنا مستحب ہے،یہ حدیث اس کا ماخذ ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں "وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی" پڑھتے تھے اور ایک

	روایت میں ہے کہ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" ۱؎ اور عصر میں اسی طرح اور فجر میں اس سے کچھ دراز ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی ظہر کی رکعت اول میں "وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى" یا "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" پڑھتے تھے یا دونوں رکعتوں میں یہ سورت اس طرح پڑھتے کہ ہر رکعت میں آدھی سورت مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھنا نصف سورت پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔خیال رہے کہ ظہر و عصر میں تلاوت آہستہ ہوتی ہے لہذا صحابہ کرام کو اس تلاوت کا علم یا تو حضور کے بتانے سے ہوا یا سرکار ایک آدھ آیت آواز سے پڑھ دیتے تھے تاکہ صحابہ کو پتہ لگے کہ کون سی سورت پڑھ رہے ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ نماز کی قرأت میں احادیث مختلف آئیں مگر متعارض نہیں کیونکہ سرکار کی تلاوت موقع اور حالت کے لحاظ سے مختلف تھی کبھی لمبی قرأت فرماتے، کبھی چھوٹی جیسا موقع، نیز بعض حالات میں مستحب پر عمل فرماتے، بعض حالات میں صرف جواز پر، لہذا احادیث مخالف نہیں۔

	روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا ۱؎(مسلم، بخاری)

۱؎ یعنی مغرب کی دونوں رکعتوں میں پوری سورۃ طور پڑھتے تھے یا طور کی بعض آیات جو کچھ بھی ہو یہ بیان جواز کے لیے ہے ورنہ مغرب میں قصار مفصل کی سورتیں پڑھنا مستحب ہے، سورۂ طور میں ۴۹ آیات ہیں اگر یہ پوری سورت مغرب میں پڑھی جاوے تو بھی وقت تنگ نہیں ہوتا۔

	روایت ہے ام فضل بنت حارث سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں "وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا" پڑھتے ہوئے سنا ۲؎(مسلم، بخاری)

۱؎ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ حضور کی چچی یعنی حضرت عباس کی زوجہ اور عبداللہ ابن عباس اور فضل ابن عباس کی والدہ ہیں۔

۲؎ یہ واقعہ کبھی کبھی ہوا وہ بھی بیان جواز کے لیے غالب یہ ہے کہ پوری سورت ایک یا دونوں میں پڑھی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر آکر اپنی قوم کی امامت کرتے ۱؎ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھی پھر اپنی قوم میں آئے ان کے امام بنے اور سورۃ بقر شروع کردی تو ایک شخص پھر گیا ۲؎ کہ اس نے سلام پھیر کر اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا لوگوں نے کہا اے فلاں کیا تو منافق ہوگیا بولا نہیں رب کی قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا اور آپ کو یہ

	خبر دوں گا۳؎ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ ہم لوگ اونٹ والے ہیں۴؎ دن بھر کام کرتے ہیں اور حضرت معاذ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر اپنی قوم میں آئے سورۂ بقر شروع کردی۵؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا اے معاذ کیا تم فتنہ گر ہو "وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا" اور "وَالضُّحٰى" "وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى" اور "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى" پڑھا کرو ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضرت معاذ حضور کی ساتھ نفل پڑھ لیتے تھے، پھر اپنی قوم میں آکر انہیں فرض پڑھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ آپ پہلے فرض پڑھتے تھے اور بعد میں نفل، نیز یہ فعل تو حضرت معاذ کا ہے اور اس کے راوی حضرت جابر ہیں اور کسی کی نیت صرف اندازے سے معلوم نہیں ہوسکتی اور اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض ہی پڑھتے ہوں تو اپنی قوم کیساتھ بھی فرض ہی پڑھتے تھے اور یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب ایک فرض دو بار پڑھے جاتے تھے، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم کو ایک فرض دو بار پڑھنے سے منع کیا گیا اور اگر آپ حضور کے پیچھے فرض ہی پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کے ساتھ نفل تو یہ آپ کا اجتہادی عمل ہے جس کی حضور کو اطلاع نہیں دی گئی تھی، اطلاع ہونے پر حضور نے اس سے منع فرمادیا۔ چنانچہ امام احمد نے حضرت سلیم سلمیٰ سے روایت کی کہ جب حضور کی بارگاہ میں حضرت معاذ کا یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! تم فتنہ گر نہ بنو یا میرے ہی ساتھ نماز پڑھا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ بہرحال یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں اور اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز ہے۔ اس کی مزید تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔ خیال رہے کہ فرض والے کے پیچھے نفل والے کی نماز جائز ہے مگر نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز نہیں کیونکہ ترمذی،ابوداؤد،احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں "اَلۡاِمَامُ ضَامِنٌ" امام ضامن ہے یعنی مقتدی کی نماز امام کے ضمن میں ہے اور ظاہر ہے کہ فرض نفل کو اپنے ضمن میں لے سکتا ہے نہ کہ نفل فرض کو۔ (از لمعات)

۲؎ یعنی ایک صاحب نے جماعت سے نماز شروع کی مگر جب حضرت معاذ نے سورۂ بقر شروع کی تو وہ سمجھ گئے کہ آپ پوری سورۂ بقر پڑھیں گے تو وہ نماز توڑ کر جماعت سے نکل گئے اور علیحدہ فرض پڑھ کر چلے گئے۔ یہ صاحب خرام ابن ابی کعب انصاری ہیں جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جماعت اولیٰ کے وقت جماعت سے علیحدہ رہنا منافقت کی علامت ہے۔ خواہ نماز علیحدہ پڑھے خواہ علیحدہ بیٹھا رہے۔ دوسرے یہ کہ مقتدیوں پر امام کا احترام لازم ہے حتی الامکان ان پر زبان طعن دراز نہ کریں۔ دیکھو حضرت خرام اور دوسرے صحابہ نے حضرت معاذ سے لڑائی شروع نہ کردی، بلکہ حضور کی بارگاہ میں شکایت پیش کی حضور نے انہیں سمجھایا۔ تیسرے یہ کہ امام مسجد کی شکایت سلطان اسلام یا قاضی اسلام سے کرسکتے ہیں کہ وہ امام کو سمجھا بجھادیں، اس میں کوئی حرج نہیں سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

۴؎ نواضح ناضیحه کی جمع ہے۔ناضحه وہ اونٹنی ہے جو کھیتوں کو پانی دے خواہ اس طرح کہ رہٹ چلائے یا اس طرح کہ دور سے پانی اس پر لاد کر لایا جائے اور کھیتوں میں پھینکا جائے۔شکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم لوگ دن بھر کام کاج کے باعث تھک جاتے ہیں رات کو لمبی قرأت سے نماز نہیں پڑھ سکتے۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شکایت حضرت معاذ کی موجودگی میں ہوئی اور اگر ان کے پس پشت ہوئی تو غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے جیسے استاد سے بعض شاگردوں کی شکایت کرنا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۶؎ یعنی چونکہ تمہارے پیچھے کاروباری لوگ بھی ہوتے ہیں اور محنت مزدوری کرنیوالے بھی لہذا انہیں نماز مختصر پڑھایا کرو۔اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقتدی بوقت ضرورت نماز توڑ سکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب پر نماز توڑنے کی وجہ سے عتاب نہ فرمایا یہ نہ کہا کہ تم نے وہ نماز پڑھ لی ہوتی پھر مجھ سے شکایت کی ہوتی۔دوسرے یہ کہ نماز توڑنا ہو تو سلام پھیر دے۔کہ یہ سلام اگرچہ بے وقت ہے مگر اسے نماز سے خارج کردے گا اور اگر یونہی بغیر سلام نماز سے پھر جاوے تب بھی درست۔تیسرے یہ کہ امام پر لازم ہے کہ مقتدیوں کے حالات کا خیال رکھے تاکہ لوگ جماعت سے بد دل نہ ہو جاویں۔خیال رہے کہ یہاں حضور نے حضرت معاذ کو خلافِ ترتیب سورتیں پڑھنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا بلکہ بطور مثال ان سورتوں کا ذکر فرمایا کہ ان جیسی سورتیں اور آیتیں پڑھ لیا کرو۔

روایت حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ" پڑھتے سنا اور آپ سے زیادہ خوش آواز کسی کو نہ سنا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی خوش آواز تھے۔ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے کوئی نبی بد شکل یا بد آواز نہ بھیجا۔ہر نبی نہایت خوب صورت اور خوش آواز ہوئے۔بیہقی شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش آواز اور اور بلند آواز تھے کہ آپ کی نماز کی تلاوت عورتیں گھروں میں بے تکلف سن لیتی تھیں۔(مرقات)غرض کہ رب تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر انداز محبوبانہ بخشا۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں "قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ" وغیرہ پڑھا کرتے تھے پھر بعد میں آپ کی نماز کچھ ہلکی ہوگئی ۲؎(مسلم)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو سعید ہے،قرشی ہیں،مخزومی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی،حضور نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور دعا برکت کی ہے۔

۲؎ یعنی اولًا جب صحابہ تھوڑے تھے تو آپ نماز فجر بہت دراز پڑھاتے تھے جب صحابہ کی تعداد بڑھ گئی ان میں اکثر کام کاج والے تھے تو فجر ہلکی پڑھانی شروع کردی تاکہ ان کو مشقت نہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں دراز تلاوت کرتے اور بعد کی نمازوں میں مختصر تلاوت۔اب بھی سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز دراز پڑھی جائے اس میں بہت حکمتیں ہیں مگر پہلے معنی زیادہ واضح ہیں۔

روایت ہے عمرو بن حریث سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	

وسلم کو فجر میں "وَالَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ" پڑھتے سنا[1] (مسلم)	

[1] اس سے مراد "اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ" ہے۔چونکہ یہ الفاظ اس سورت شریف میں آتے ہیں اس لیے ان کلمات سے وہ سورۃ بیان فرمائی،یہ سورت طوال مفصّل سے ہے اس میں انتیس آیات ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے[1] فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں نماز فجر پڑھائی [2] سورۂ مؤمنون شروع کی حتی کہ موسیٰ وہارون کا ذکر یا عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی آگئی تو رکوع فرمادیا۔(مسلم)	

[1] آپ قبیلہ بنی مخذوم سے ہیں،اہل مکہ کے قرأت قرآن میں استاذ ہیں،حضرت ابی ابن کعب کے شاگرد ہیں،بہت صحابہ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

[2] فتح مکہ کے دن جیساکہ نسائی شریف کی حدیث میں ہے لہذا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا نہیں جیساکہ بعض نے سمجھا،یعنی آپ قرأت زیادہ کرنا چاہتے تھے مگر درمیان میں کھانسی آجانے کی وجہ سے رکوع فرمادیا کہ اگر امام کو دوران نماز میں کوئی حادثہ پیش آجاوے جس سے وہ دراز قرأت نہ کرسکے تو رکوع کردے،اس سے بہت مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل اور دوسری رکعت میں "هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسٰنِ" پڑھتے تھے[1] (مسلم،بخاری)	

[1] یعنی کبھی کبھی جمعہ کی فجر میں یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے،اب بھی امام کو چاہیے کہ حصول برکت اور ادائے سنت کے لیے کبھی جمعہ کی فجر میں یہ سورتیں پڑھ لیا کرے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کی فجر میں یہ سورتیں پڑھنا سنت مؤکدہ ہیں۔خیال رہے کہ امام ہمیشہ ایک ہی معین سورت نماز میں نہ پڑھا کرے کہ اس سے مقتدی دھوکا کھائیں گے کہ شاید یہی سورت پڑھنا واجب ہے دوسری ناجائز،بلکہ ادل بدل کر پڑھا کرے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کریمہ اس بارے میں مختلف آرہے ہیں۔چونکہ ان سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش،جنت،دوزخ کی پیدائش اور قیامت کے حالات کا تذکرہ ہے اور یہ واقعات جمعہ ہی کو ہوئے اور قیامت بھی جمعہ ہی کو ہوگی لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورتیں جمعہ کے دن پڑھا کرتے تھے اور غالب یہ ہے کہ آپ الم سجدہ میں سجدۂ تلاوت بھی کرتے تھے مگر اب فقہاء فرماتے ہیں کہ سواء تراویح اور نمازوں میں سجدہ والی آیات وسورتیں نہ پڑھے تاکہ لوگ غلطی میں نہ پڑیں۔

روایت ہے حضرت عبیداللہ ابن ابی رافع سے[1] فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ کو مدینہ منورہ پر اپنا خلیفہ بنایا اور خود مکہ معظّمہ چلاگیا[2] تب ہمیں حضرت ابوہریرہ نے جمعہ پڑھایا[3] تو پہلی	

	رکعت میں سورۂ جمعہ پڑھی اور دوسری میں "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ" پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن یہ سورتیں پڑھتے سنا۴؎ (مسلم)

۱؎ آپ مدنی ہیں، مشہور تابعین میں سے ہیں، حضرت علی مرتضٰی کے کاتب تھے،آپ کے والد ابو رافع حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲؎ یعنی جب مروان مدینہ منورہ کا حاکم تھا تو ایک دفعہ اپنے زمانۂ حکومت میں خود حج کرنے گیا اور اپنی جگہ حضرت ابوہریرہ کو حاکم مدینہ بنایا گیا تب یہ واقعہ پیش آیا۔

۳؎ یعنی مروان اپنی موجودگی میں خود جمعہ پنجگانہ پڑھایا کرتا تھا کیونکہ امامت کا حق سلطانِ اسلام یا اس کے نائب کو ہے،جب حضرت ابوہریرہ حاکم اسلام مقرر ہوئے تب آپ نے جمعہ پڑھایا۔

۴؎ آپ جمعہ میں کبھی کبھی یہ سورتیں بھی پڑھتے تھے یہاں ہمیشگی کا ذکر نہیں لہذا یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" اور "هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغٰشِيَةِ" پڑھتے تھے۔فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوجاتے تو یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں میں پڑھتے ۱؎ (مسلم)

۱؎ عید میں بھی اور جمعہ میں بھی۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ایک عید اور جمعہ جمع ہوجائیں تو نماز عید کی وجہ سے نماز جمعہ معاف نہ ہوجائے گی یہ بدستور فرض رہے گی۔حضرت عثمان غنی نے جو اپنے دور خلافت میں نماز عید کے بعد فرمایا تھا کہ جمعہ کی نماز کے لیے جو چاہے ٹھہرے جو چاہے چلا جائے یہ ان گاؤں والوں سے خطاب تھا جن پر نہ نماز عید واجب تھی اور نہ نماز جمعہ فرض،برکت کے لیے عید و جمعہ پڑھنے شہر آجاتے تھے لہذا ان کا فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ عید و جمعہ کا اجتماع منحوس نہیں جیسا کہ آج کل جہلا نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اس میں دو برکتوں کا اجتماع ہے اور حضور کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے۔تیسرے یہ کہ ایک سورت دو نمازوں میں پڑھنا جائز ہے۔خیال رہے کہ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری عمل مراد ہے دائمی نہیں ورنہ آپ سے نماز جمعہ و عیدین میں اور سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبید اللہ سے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت ابوواقد لیثی سے پوچھا۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقر عید اور عید میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے ۲؎ انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں میں "قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ" اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" پڑھتے تھے۔(مسلم)

۱؎ یہ عبید اللہ تابعی ہیں،آپ کا نام عبید اللہ ابن عتبہ ابن مسعود ہزلی ہے،حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے بھتیجے ہیں،اور ابو واقد کا نام ابن حارث۔

۲؎ حضرت عمر کا یہ سوال حاضرین کو مسئلہ سمجھانے کے لیے تھا ورنہ آپ حضور کے حالات طیبہ سے بہت زیادہ واقف تھے،حاضرین کے ذہن میں بٹھانے کے لیے آپ نے یہ سوال کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں میں "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" اور "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھیں ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی فجر کی سنتوں میں رکعت اول میں "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" اور رکعت دوم میں "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے کیونکہ سرکار ایک آدھ آیت اونچی بھی پڑھ دیتے تھے اس لیے صحابہ کرام کو یہ پتہ لگ جاتا تھا اور اگر فجر کے فرض مراد ہوں تو یہ واقعہ کسی سفر کا ہوگا ورنہ حضور گھر میں فجر میں اکثر طوال مفصل کی بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں میں "قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا" اور آل عمران والی آیت "قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا" الخ پڑھتے تھے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی فجر کے فرضوں میں رکعت اول میں سورۂ بقر کا یہ رکوع اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران کا وہ رکوع پڑھتے تھے۔معلوم ہوا کہ نماز میں **الحمد** کے ساتھ رکوع ملانا بھی سنت ہے اگرچہ پوری سورۃ ملانا زیادہ بہتر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر یہ عمل ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے شروع کرتے تھے۔(ترمذی) اور وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ۱؎

۱؎ لہذا اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھے اور اگر حدیث صحیح ہو تب بھی بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ جہر سے پڑھنے کا۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کی قرأت ایسے شروع کرتے ہیں کہ اولًا آہستہ بسم اللہ پڑھ لیتے پھر جہر سے الحمد یا مطلب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ پڑھتے برکت کے لیے۔

روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" تو کہا آمین اپنی آواز کھینچ کر ۱؎ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی اور ابن ماجہ)	

۱؎ اس حدیث سے نماز میں اونچی آمین کہنا ہر گز ثابت نہیں ہوسکتا چند وجہ سے: ایک یہ کہ یہاں نماز کا ذکر نہیں، ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ یہ تلاوت اور آمین ہوئی ہو۔ دوسرے یہ کہ یہاں "مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ" ہے مَدَّ کے معنی چیخنا نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کھینچنا، دراز کرنا، اس کا مقابل قصر ہے اسی لیے مہلت دینے، ڈھیل دینے کو مدّ کہا جاتا ہے، رب فرماتا ہے: "وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آمین کا الف اور میم مدّ کے ساتھ پڑھتے تھے، بروزن قالین قصر سے نہیں جیسے کریم، یہی معنی ظاہر ہیں۔ تیسرے یہ کہ امام احمد، دار قطنی، حاکم، مستدرک، طبرانی، ابوداؤد طیالسی، ابویعلی موصلی نے انہی وائل ابن حجر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جب "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھا تو "قَالَ اٰمِيْن وَاَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ"۔ اور ابوداؤد و ترمذی، ابن ابی شیبہ نے انہی وائل ابن حجر سے روایت کی "وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ"۔ اَخْفٰى کے معنی ہیں آہستہ پڑھا اور خَفَضَ کے معنی ہیں پست آواز سے پڑھا تو اب یہاں مَدَّ کے ایسے معنی کرنے چاہیں جو وہاں کے اَخْفٰى اور خَفَضَ کے خلاف نہ ہوں یعنی آواز کھینچی اس لیے یہاں جَهَرَ نہیں بلکہ مَدَّ آیا کیونکہ اَخْفَاء کا مقابل مَدَّ نہیں بلکہ جہر ہے رب فرماتا ہے: "يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى"۔ جن احادیث میں "رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ" ہے وہاں بھی "رَفَعَ مَدَّ" کا ترجمہ ہے اور یہی معنی ہیں کہ آواز کھینچ کر پڑھا۔ غرض کہ ایسی حدیث آج تک نہ مل سکی جس میں نماز کا ذکر ہو اور آمین کے لیے لفظ جہر ہو، نیز اونچی آمین کہنا حکم قرآن کے خلاف ہے کیونکہ آمین قرآن کی آیت نہیں بلکہ دعا ہے، رب فرماتا ہے: "قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا" اور دعا آہستہ کہنی چاہیے، رب فرماتا ہے: "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" اسکی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوزہیر نمیری سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات نکلے تو ایک شخص ایسے پر پہنچے جو دعا مانگنے میں بہت مبالغہ کر رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ مہر لگاوے ۲؎ تو واجب کرے گا قوم میں سے ایک آدمی نے کہا کہ کس چیز سے مہر لگائے فرمایا آمین سے۔ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام یحیٰی بن نضیر ہے،اہل شام میں سے ہیں،صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی اگر یہ دعا کے آخر میں آمین کہہ لے تو رب اس کی دعا قبول کرے کہ جیسے مہر کی وجہ سے پارسل بغیر ٹوٹے پھوٹے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے ایسے ہی آمین کی برکت سے دعا بخیریت رب تک پہنچتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ خارج نماز بھی جب دعا مانگے تو آمین کہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی یہ سورت دو رکعتوں میں تقسیم کردی۱؎(نسائی)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری سورت دو رکعتوں میں پڑھی۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ کنارۂ آسمان میں سیاہی آنے تک وقت مغرب رہتا ہے سفیدی وقت عشاء نہیں ورنہ اتنی بڑی سورت دو رکعتوں میں پھر بقیہ نماز کا ادا کرنا مشکل ہوتا،لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے،ورنہ مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری عمل تھا۔

روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور کی اونٹنی کی مہار کھینچ رہا تھا کہ مجھ سے فرمایا اے عقبہ کیا میں تمہیں بہترین دو سورتیں نہ بتاؤں جو پڑھی جاتی ہیں مجھے "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" سکھائی۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو سورتوں کی وجہ سے زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھا تو جب نماز صبح کے لیے اترے تو انہیں دو سورتوں سے لوگوں کو فجر پڑھائی جب فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے عقبہ تم نے کیسا دیکھا۲؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎کیونکہ یہ دونوں سورتیں کلام الٰہی بھی ہیں،دعا بھی اور مخلوق کے شر سے امن بھی،ہر مسلمان کو خصوصًا مسافر کو بہت مفید ہیں۔خیال رہے کہ قرآن کی بعض سورتیں بعض سے ثواب اور فائدے کے لحاظ سے اعلیٰ ہیں اگرچہ سب کلام اللہ ہیں جیسے کہ کعبہ معظّمہ کا رکن اسود باقی عمارت سے افضل اگرچہ سارا کعبہ بیت اللہ ہے۔

۲؎ کہ یہ دو سورتیں فجر جیسی اہم نماز میں کافی ہوگئیں اور ان بڑی سورتوں کے قائم مقام ہوگئیں جو فجر میں پڑھی جاتی ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سورتوں کو نماز میں پڑھنے کی وجہ سے حضرت عقبہ پر ان کے اسرار کھل گئے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقبہ کچھ دیکھ لیا یہ سورتیں ایسی ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر بن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ	

علیہ وسلم جمعہ کی رات نماز مغرب میں "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے۔(شرح سنہ)	

ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی مگر انہوں نے شبِ جمعہ کا ذکر نہ کیا [1]	

[1] ظاہر یہ ہے کہ نماز مغرب سے فرائض مغرب مراد ہیں،اور یہ عمل بھی دائمی نہ تھا اکثری تھا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے بعد کی سنتوں اور فجر سے پہلے سنتوں میں "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے سنا [1] (ترمذی)	

[1] سنتوں میں قرأت آہستہ ہوتی ہے جسے دوسرا نہیں سن سکتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدھ آیت اونچی پڑھ دیتے تاکہ لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہوجائے۔

اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا مگر انہوں نے بعد مغرب کا ذکر نہ کیا۔	

روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کے پیچھے ایسی نماز نہ پڑھی جو زیادہ مشابہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بمقابلہ فلاں کے [1] سلیمان نے فرمایا کہ میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ ظہر کی پہلی دو رکعتیں دراز کرتے تھے اور آخری رکعتیں ہلکی اور عصر کی ہلکی پڑھتے تھے اور مغرب میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور عشاء میں وسط مفصل صبح میں طوال مفصل [2] (نسائی) اور ابن ماجہ نے یہاں تک روایت کی کہ عصر ہلکی پڑھتے تھے۔	

۱؎ فلاں سے مراد حضرت علی مرتضٰی ہیں یا عمرو ابن سلمہ ابن نفیع یا کوئی اور شخص جو مروان ابن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کا والی تھا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فلاں سے مراد عمر ابن عبدالعزیز ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ آپ کی ولادت ۶۱ھ میں ہے اور حضرت ابوہریرہ کی وفات ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں لہذا ابوہریرہ کی ملاقات آپ سے نہیں ہوئی۔(مرقات)

۲؎ قرآن کریم کے ایک حصہ کا نام مِائین ہے ایک کا مثانی اور ایک حصہ کا نام مفصل۔سورۂ حجرات سے والناس تک مفصل کہلاتا ہے،اس کے پھر تین حصے ہیں:حجرات سے بروج تک طوالِ مفصل،بروج سے لَمۡ یَکُن تک اوساط مفصل اور لَمۡ یَکُن سے والنّاس تک قصار۔فجر اور ظہر میں طوال پڑھنا اور عصر و عشاء میں اوساط،مغرب میں قصار پڑھنا مستحب ہے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ ہم نماز فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے آپ نے قرأت کی آپ پر قرأت بھاری ہوگئی جب فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے تلاوت کرتے ہو ہم نے کہا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۱؎ آپ نے فرمایا کہ سواء سورۂ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۲؎(ابوداؤد)اور(ترمذی)نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا کہ میں دل میں سوچتا تھا کہ مجھ پر قرآن کیوں بھاری پڑ رہا ہے لہذا جب میں آواز بلند سے قرأت کروں تو الحمد کے سوا کچھ نہ پڑھو۳؎	

۱؎ معلوم ہوا کہ مقتدی کی غلطی کا امام پر اثر پڑتا ہے۔دیکھو مقتدیوں نے اپنے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی جس کا اثر یہ ہوا کہ حضور کو لقمہ لگ گیا جیسے اگر مقتدی کی طہارت درست نہ ہو تو امام کو لقمہ لگتا ہے۔

۲؎ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو امام کے پیچھے قرأت کے قائل ہیں کیونکہ اس میں صراحتًا مقتدیوں کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن اس میں چند طرح گفتگو ہے:ایک یہ کہ یہ حدیث ابوہریرہ کی حدیث کے خلاف ہے جو ابھی اس کے بعد آرہی ہے جس میں جہری نمازوں میں مقتدی کو مطلقًا قرأت سے منع کردیا گیا۔دوسرے یہ کہ یہ حدیث حضرت جابر،علقمہ،عبداللہ ابن مسعود،عبداللہ ابن عباس،زید ابن ثابت،عبداللہ ابن علی،علی مرتضٰی،حضرت عمر کی ان احادیث کے خلاف ہے جن میں امام کے پیچھے مطلق خاموشی کا حکم دیا گیا ہے۔تیسرے یہ کہ یہ حدیث حکم قرآنی کے بھی خلاف ہے،رب نے فرمایا:"وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا"۔چوتھے یہ کہ اس حدیث کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں صرف اتنا ہے "لَا صَلٰوۃَ لِمَنۡ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ" یعنی اس میں مقتدی کا ذکر نہیں لہذا یہ حدیث ناقابل عمل ہے یا منسوخ ہے۔

۳؎ یہ الفاظ بظاہر ہمارے مخالفین کے بھی خلاف ہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہری نماز میں میرے پیچھے صرف الحمد پڑھا کرو اور اخفا کی نماز میں الحمد اور سورت سب پڑھ لیا کرو حالانکہ وہ حضرات بھی مقتدی کو سورت پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں اونچی قرأت کی جاتی ہے تو فرمایا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قرأت کی ایک شخص نے کہا ہاں یارسول اللہ ۱؎ فرمایا تب ہی میں سوچتا تھا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں قرآن میں جھگڑا کیا جارہا ہوں ۲؎ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں قرأت سے باز رہے جن میں بلند قرأت کی جاتی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ۳؎ (امام مالک،احمد،ابوداؤد،ترمذی،نسائی)ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی ۴؎

۱؎ معلوم ہوا کہ ساری جماعت صحابہ میں صرف ان صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے الحمد پڑھی باقی کسی نے نہ پڑھی،انہوں نے بھی بے خبری کی وجہ سے پڑھی۔

۲؎ یعنی تمہارے پڑھنے کا مجھ پر یہ اثر پڑا کہ مجھے قرآن میں لقمے لگنے لگے۔اس کی تحقیق ابھی ہم کرچکے کہ مقتدی کی قرأت کا امام پر اثر پڑتا ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انہوں نے چیخ کر قرأت کی ہو ورنہ حضور نہ پوچھتے کہ کیا تم نے قرأت کی ہے۔

۳؎ یعنی اس فرمان کے بعد صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جہری نمازوں میں تلاوت بالکل چھوڑ دی نہ الحمد پڑھی نہ اور سورت۔خیال رہے کہ نسخ کی ترتیب یہ ہے کہ اولًا مسلمان نماز میں باتیں بھی کرتے تھے اور امام کے پیچھے فاتحہ بھی پڑھتے تھے جب یہ آیت اتری "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ" تو نماز میں کلام بند ہوگیا،پھر اس حدیث سے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنا بند ہوگئی،پھر یہ آیت اتری "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ" الخ،تب امام کے پیچھے قرأت بالکل بند ہوگئی،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔نسخ کی یہ ترتیب تفسیرِ خازن وغیرہ میں دیکھو۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ" میں قرآن سے مراد خطبہ ہے اور آیت میں خطبہ کے وقت خاموشی کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت جمعہ فرض ہی نہیں ہوا تھا۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۴؎ نیز یہ حدیث امام مالک وشافعی نے بھی روایت کی۔ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے،ابن حبان نے فرمایا کہ صحیح ہے،بیہقی وحمیدی نے اسے ضعیف کہا۔(مرقات)یعنی یہ حدیث مختلف اسنادوں سے محدثین کو ملی،بعض کو صحیح اسناد سے،بعض کو حسن سے،بعض کو ضعیف سے،ہر ایک نے اپنی اسناد کے مطابق اسے حسن یا صحیح وغیرہ کہا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر اور بیاضی سے وہ دونوں کہتے ہیں ۱؎ کہ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے تو چاہیے کہ غور کرے کہ اس سے کیا مناجات کرتا ہے ۲ اور بعض بعض پر قرآن اونچا نہ پڑھے ۳	

۱ آپ کا نام عبداللہ ابن جابر،انصاری،خزرجی،بیاضی ہے،قبیلہ بیاضیہ ابن عامر ابن زریق کی طرف منسوب ہیں۔ صحیح یہ ہی ہے کہ آپ صحابی ہیں۔

۲ یعنی نماز مومن کی معراج ہے اور بحالت نماز مومن رب سے کلام کرتا ہے۔تو جو تلاوت قرآن کرے یا دوسرے اذکار کرے،اس میں غور کرے،دل لگا کر نماز پڑھے کہ نماز کی قبولیت دل لگنے پر ہے۔

۳ یعنی چند مسلمان مل کر بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں یا ایک آدمی اونچی تلاوت کرے،باقی سنیں یا سب آہستہ پڑھیں۔خیال رہے کہ بچوں کا مل کر اونچی آواز سے قرآن پاک یاد کرنا اس حکم سے خارج ہے کہ وہاں تلاوت قرآن نہیں بلکہ تعلیم قرآن ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ اگرچہ بعض اماموں نے مقتدیوں کو الحمد پڑھنے کا حکم دیا لیکن اسے اونچا پڑھنے کی کسی نے اجازت نہ دی اسی حدیث کی وجہ سے،نیز سب کے بلند آواز سے پڑھنے میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا کہ اس کی پیروی کی جائے ۱ تو جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب تلاوت کرے تو تم خاموش رہو ۲ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱ یعنی مقتدی پر اعمال نماز میں امام کی پیروی واجب ہے نہ کہ اقوال میں لہذا جو کام کر رہا ہو مقتدی پر بھی کرنا واجب ہیں حتی کہ حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے نماز فجر پڑھے،امام بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھے تو حنفی مقتدی پر اس وقت کھڑا رہنا واجب ہے اگرچہ قنوت نہ پڑھے،اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۔یہاں اقوال کی پیروی کسی کے نزدیک مراد نہیں۔

۲ یعنی امام کے پیچھے قرآن بالکل نہ پڑھو نہ فاتحہ نہ دوسری سورت،خواہ امام آہستہ تلاوت کررہا ہو یا زور سے،خواہ تم تک اس کی آواز پہنچ رہی ہو یا نہ۔یہ حدیث ابوہریرہ مسلم میں بھی ہے جیسا کہ پہلی فصل میں گزر چکا۔اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا" اسی پر جمہور صحابہ کا عمل ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرآن بالکل نہ پڑھتے تھے۔یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ کی قوی دلیل ہے،اسی حدیث کی بنا پر امام مالک و احمد جہری نمازوں میں مقتدی کو خاموشی کا حکم دیتے۔بعض حنبلی لوگ فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتوں میں الحمد کی آیتیں پڑھے،بعض کے نزدیک امام الحمد پڑھ کر خاموش رہے،پھر مقتدی پڑھے۔حتی کہ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ جہری نماز میں مقتدی خاموش رہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث کتنی اہم ہے اور امام اعظم کا مذہب کتنا قوی ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ میں قرآن کچھ بھی یاد نہیں کر سکتا تو مجھے وہ چیز سکھلا دیجئے جو کافی ہوا ۱	

	فرمایا یہ کہہ لیاکرو "سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ"۲؎ عرض کیا یارسول اللہ یہ تواللہ کے لیے ہوا میرے واسطے کیا ہے ۳؎ فرمایا کہہ لیاکرو الٰہی مجھ پر رحم کر مجھے امن،ہدایت اور روزی دے ۴؎ پھر اس شخص نے دونوں ہاتھ بند کرکے ان سے یوں اشارہ کیا ۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لیے۔(ابوداؤد)نسائی کی روایت الا باللہ پر ختم ہوگئی۔

۱؎ تمام دعاؤں کی طرف سے یا روزانہ تلاوت قرآن کی طرف سے کہ اس کے پڑھنے میں مجھے تلاوت کا ثواب مل جایا کرے یا نماز میں تلاوت قرآن کی طرف سے،پہلے دو معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ یہ سائل عربی ہیں قرآن ان کی زبان میں ہے۔لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ جوازِ نماز کے بقدر بھی قرآن یاد نہ کرسکیں،نیز یہ دعا جو حضور نے ارشاد فرمائی یہ بھی آیات قرآن کے برابر ہی ہے،جب یہ یاد ہوسکتی ہے تو بقدر ضرورت نماز قرآن بھی یاد ہوسکتا ہے۔(ازاشعۃ اللمعات)اگر آخری معنی مراد ہوں تو اس سے مسئلہ یہ معلوم ہوگا کہ نو مسلم جو ابھی قرآن یاد نہ کرسکا یا گونگا وغیرہ اس کے لیے نماز کے افعال ہی کافی ہیں۔

۲؎ یعنی اگر تم روزانہ تلاوت قرآن نہ کرسکو تو یہ کلمات کہہ لیاکرو اس میں ان شاءاللہ تلاوت کا ثواب پاؤ گے کیونکہ یہ خزائن الٰہیہ میں سے ہیں،ان کلمات کے بڑے فضائل آئے ہیں،نیز یہ متفرق کلمات قرآنیہ کے جامع ہیں اور رب کی وحدانیت اور صفات ثبوتیہ اور تنزیہیہ کا مجموعہ ہیں۔

۳؎ یعنی اس میں خدا کی حمد تو آگئی میرے لیے دعا کے الفاظ نہ آئے۔اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روزانہ کی تلاوت یا ورد وظیفوں کے متعلق سوال کررہے ہیں۔

۴؎ یعنی مجھ پر رحم کر،میرے پچھلے گناہ معاف کردے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق دے اور مجھے دین ودنیا کی آفتوں سے نجات دے،دین اسلام پر استقامت بخش اور احکام پر عمل کی ہدایت دے اور رزق حلال،مخلوق سے استغناء،حسن خاتمہ نصیب کر،یہ دعا بہت جامع ہے،بعض بزرگ دو سجدوں کے درمیان قعدے میں یہ پڑھا کرتے ہیں۔

۵؎ یعنی خوشی میں دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کرلیں کہ میں نے دونوں جہاں کی نعمتوں پر قبضہ کرلیا۔یہ فال بمعنی اشارہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" پڑھتے تو فرماتے سبحان ربی الاعلیٰ ۱؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ یعنی فورًا اس آیت پر عمل بھی کرلیتے۔ظاہر یہ ہے کہ قرأت سے مراد نماز کے علاوہ میں تلاوت ہے ورنہ نماز میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰے" صرف سجدہ میں پڑھا جاتا ہے،امام مالک کے ہاں نوافل میں یہ کہہ سکتے ہیں،امام شافعی کے ہاں نوافل،فرائض سب میں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو کوئی "وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ" پڑھے[1] اور "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ" پر پہنچے تو کہہ لے ہاں میں اس پر گواہوں میں سے ہوں[2] اور جو "لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ" پڑھے اور "اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى" پر پہنچے تو کہہ لے کہ ہاں[3] اور جو "وَالْمُرْسَلٰتِ" پڑھے اور "فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ" پر پہنچے تو کہہ لے ہم اللہ پر ایمان لائے[4] (ابوداؤد) اور ترمذی کی روایت اس قول تک ہی ہے کہ میں اس پر گواہوں سے ہوں۔	

[1] پوری یا بعض اور پڑھنے سے خارج نماز پڑھنا مراد ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔

[2] یعنی جن انبیاء واولیاء اور مقبولینِ بارگاہ نے اس پر گواہی دی ہے میں بھی ان کے زمرے میں شامل ہوں ان کے طفیل میری گواہی بھی قبول فرمالے۔

[3] یعنی ہاں رب مُردے زندہ کرنے پر قادر ہے۔ بَلٰی میں نفی کا اثبات نہیں بلکہ منفی کا ثبوت ہوتا ہے۔

[4] یہ حدیث تلاوت قرآن کے باب میں لانی چاہیے تھی مگر چونکہ مؤلف شافعی ہیں جن کے ہاں نماز کی حالت میں بھی یہ الفاظ کہنے چاہیں اس لیے یہ حدیث قرأت نماز میں لائے۔ احناف کے نزدیک بھی نفل نماز میں یہ کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں جب رحمت کی آیت تلاوت کرتے تو رب سے رحمت مانگتے اور جب آیت عذاب پر پہنچتے تو رب کی پناہ مانگتے پھر آگے بڑھتے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ میں تشریف لائے تو ان کے سامنے اول سے آخر تک سورۂ الرحمٰن پڑھی[1] صحابہ خاموش رہے[2] تو حضور نے فرمایا کہ میں نے یہ سورت شب جن میں[3] جنات پر پڑھی تو وہ تم سے اچھے جواب دینے والے تھے میں جب اس قول پر پہنچا "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" تو کہتے نہیں اے مولا ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے تیرے ہی لیے تعریف ہے[4] (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی نماز کے علاوہ۔اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں سے ملاقات کے وقت قرآن شریف پڑھنااور سننا سنت ہے،عرب شریف میں اب بھی یہ دستور ہے۔

۲؎ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموشی فرض ہے،قرآن کی یہ آیت ان کے سامنے تھی "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ" الخ۔

۳؎ جب کہ جنات وفد کی شکل میں ایمان لانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔یہ واقعہ کئی بار ہوا ہے ان میں سے کسی ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورۂ رحمان سنائی۔

۴؎ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ کر خاموش ہوتے تب وہ یہ عرض کرتے نہ کہ عین تلاوت کی حالت میں،لہذاان کا یہ عمل حکم قرآنی کے خلاف نہ تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنتے وقت رونا،جھومنااور کچھ پیارے کلمات کہناجو مضمون آیت کے مطابق ہوں بہت بہتر ہے مگر یہ سب کچھ قاری کی خاموشی کی حالت میں ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ جہنیہ کے ایک آدمی نے انہیں خبر دی۲؎ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فجر کی دونوں رکعتوں میں "اِذَا زُلْزِلَتِ" پڑھی ۳؎ یہ مجھے خبر نہیں آیا بھول گئے یا عمدًا پڑھی۔(ابوداؤد)

۱؎ آپ تابعی ہیں،مدنی ہیں،۱۱۸ھ میں وفات پائی،بہت ثقہ اور عالم تھے۔

۲؎ ان کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لیے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا حدیث کو ضعیف یا مجہول نہیں کرتا۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے فجر کے فرض مراد ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل شریف بیان جواز کے لیے ہے،اگرچہ افضل یہ ہے کہ فجر میں طوال مفصل میں سے کوئی سورت پڑھی جائے،نیز فرائض میں کوئی سورت مکرّر نہ ہو مگر چونکہ اس کے خلاف بھی جائز ہے اس لیے حضور نے یہ عمل کیا،غالب یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل شریف عمدًا تھا۔

	روایت ہے حضرت عروہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فجر پڑھی تو دونوں رکعتوں میں سورۂ بقر پڑھی۲؎ (مالک)

۱؎ آپ عروہ بن زبیر ہیں،قریشی ہیں،اسدی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،مدینہ کے بڑے فقیہ اور محدث ہیں،صائم الدہر تھے،صدیق اکبر کے نواسے ہیں،حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کے فرزند،۲۲ھ میں ولادت ہوئی،۹۴ھ میں وفات پائی،آپ کا ایک باغ اور کنواں مدینہ منورہ میں اب تک مشہور ہے لوگ برکت کے لیے اس کا پانی پیتے ہیں۔فقیر نے بھی وہاں حاضری دی ہے،بیر عروہ کے نام سے مشہور ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے کچھ رکوع رکعت اول میں پڑھے اور کچھ دوسری رکعت میں اور ہوسکتا ہے کہ پوری سورۂ بقر پڑھی، آدھی پہلی رکعت میں اور آدھی دوسری میں۔ یہ بھی بیان جواز کے لیے ہے ورنہ فجر کی نماز میں چالیس سے ساٹھ آیتوں تک پڑھنا مستحب ہے۔

	روایت ہے حضرت فرافصہ ابن عمیر حنفی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے سورت یوسف نہیں یاد کی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فجر میں پڑھنے سے کیونکہ آپ یہی بار بار پڑھتے تھے۲؎ (مالک)

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں، مدینہ منورہ کے باشندے، قبیلہ بنی حنیفہ سے ہیں جو یمامہ کا مشہور قبیلہ ہے۔
۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سورت بار بار نمازوں میں پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ دیکھو حضرت فرافصہ عثمان غنی سے سنتے سنتے اس سورت کے حافظ ہوگئے۔

	روایت ہے حضرت عامر ابن ربیعہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر ابن خطاب کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے ان دو رکعتوں میں نہایت آہستہ سورۂ یوسف اور سورۂ حج پڑھی۲؎ ان سے کہا گیا کہ تب تو آپ فجر چمکتے ہی کھڑے ہوجاتے ہوں گے فرمایا ہاں ۳؎ (مالک)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، عمر فاروق سے پہلے ایمان لائے، دو ہجرتوں کے مہاجر ہیں، بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، ۳۲ھ یا ۳۵ھ میں وفات پائی۔
۲؎ یعنی پہلی رکعت میں پوری سورۂ یوسف اور دوسری میں پوری سورۂ حج جیسا کہ اگلے کلام سے معلوم ہورہا ہے اور یقینًا آپ نے سورۂ حج کا سجدہ بھی ادا کیا ہوگا۔ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی کہ اب سوا تراویح کے اور نمازوں میں عوام کے ساتھ آیتِ سجدہ نہیں پڑھنی چاہیے۔
۳؎ کیونکہ اتنی لمبی سورتیں جب ہی پڑھی جاسکتی ہیں جب کہ وقت زیادہ ملے۔ خیال رہے کہ بعض آئمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ فجر اندھیرے میں شروع کرے اور اجیالے میں ختم کرے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے، ہمارے ہاں شروع بھی اجیالے میں کرے اور ختم بھی۔ حضرت فاروق اعظم کا یہ فعل اتفاقی ہے اور بیان جواز کے لیے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ مفصل کی کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہ سنی ہو جس سے آپ فرض نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۱؎ (مالک)

۱؎ سورۂ حجرات سے سورۂ والناس تک مفصل کہلاتا ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مفصل کی ساری سورتیں ساری نمازوں میں پڑھتے تھے کسی میں طوال مفصل، کسی میں اوساط، کسی میں قصار۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعود سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں حٰمٓ دخان پڑھی۲؎ (نسائی، ارسالًا)

۱؎ آپ حزلی ہیں،مدنی ہیں،عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے ہیں،عموما کوفہ میں رہتے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے اس لیے تابعین میں سے ہیں اور یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔

۲؎ بعض یا کل،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں پوری سورۂ دخان پڑھی کچھ پہلی رکعت میں،کچھ دوسری میں۔

باب الرکوع

رکوع کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ رکوع کے لغوی معنی ہیں جھکنا یا پیٹھ ٹیڑھی کرنا۔اصطلاح میں کبھی عاجزی و پستی کو بھی رکوع کہا جاتا ہے اور کبھی پوری رکعت کو بلکہ پوری نماز کو بھی رکوع کہہ دیتے ہیں،رب فرماتا ہے:"وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ"۔حق یہ ہے کہ پچھلی امتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا،رکوع صرف اسی امت کی نماز سے مختص ہے۔رب نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا:"وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ"وہاں رکوع بمعنی خضوع و انکسار ہے۔رکوع ہر رکعت کا رکن ہے کہ رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سجدے پورے کرو خدا کی قسم میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب تاقیامت سارے مسلمانوں سے ہے۔معنی یہ ہیں کہ اے میری امت والو!نماز درست پڑھا کرو،تم کہیں ہو اور کبھی ہو میں تمہاری نمازیں دیکھتا ہوں،بعض روایات میں ہے کہ مجھ پر تمہارے رکوع اور سجدے،دل کے خشوع وخضوع پوشیدہ نہیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلی رازوں سے بھی خبردار ہیں۔انبیاء واولیاء آنے والے واقعات کو مثل موجود دیکھ لیتے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ وجنت میں عذاب وثواب پانے والوں کو ان کے ٹھکانوں میں دیکھا حالانکہ یہ عذاب وثواب بعد قیامت ہوں گے۔اور ہوسکتا ہے کہ اس میں خطاب صحابہ سے ہو اور بعد بمعنی خلف ہو یعنی اے صحابہ!تم کسی صف میں اور کہیں ہوں مگر ہماری نگاہیں تمہاری نمازوں کو دیکھتی ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اندھیرے اجالے میں کھلی چھپی چیزوں کو بے تکلف دیکھ لیتی ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جو کچھ تم گھروں میں کھاکر یا بچا کر آتے ہو میں تمہیں بتاسکتا ہوں،یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہے اس میں کسی تاویل وغیرہ کی گنجائش نہیں۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور آپ کا سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان نشست اور جب رکوع سے سر اٹھاتے سواء قیام اور بیٹھنے کے

قریبًا برابر تھا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی قیام تو تلاوت کی وجہ سےاور قعود التحیات،درودوں،دعاؤں کی وجہ سے دراز ہوتے تھے۔ان کے سوا باقی ارکان رکوع،سجدہ وغیرہ برابر ہوتے تھے نہ بہت دراز نہ بہت مختصر بلکہ درمیانے،یہ عام نمازوں کا ذکر ہے۔سورج گرہن کی نماز میں رکوع سجدہ قیام کے برابر تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب"سمع اللہ لمن حمدہ"کہتے تو کھڑے رہتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہوگیاپھر سجدہ کرتے اور دو سجدوں کے بیچ بیٹھتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہوگیا ۱؎(مسلم)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ نوافل کا ذکر ہورہا ہے کہ آپ نفل نماز میں رکوع کے بعد قومہ اور دوسجدوں کے درمیان جلسے میں لمبے ذکر اور دعائیں پڑھتے تھے حتی کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ شاید آپ نے قومہ کو قیام سمجھ کر تلاوت شروع کردی یا جلسہ کو قعدہ جان کر التحیات شروع کردی۔خیال رہے کہ نماز میں بھول چوک یا وہم نبوت کی شان کے خلاف نہیں،بہت دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کیئے ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں زیادہ یہ کہتے تھے الٰہی اے ہمارے رب تو پاک ہے تیری حمد ہے خدایا مجھے بخش دے قرآن پر عمل کرتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی وفات شریف کے قریب جب یہ آیت کریمہ اتری"فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ"تو آپ نوافل خصوصًا تہجد کے رکوع سجدے میں یہ پڑھاکرتے تھے۔ظاہر یہی ہے کہ یہ دعائیں نوافل میں تھیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرائض مسجد میں پڑھاتے تھے۔اس وقت عائشہ صدیقہ آپ سے بہت دور ہوتی تھیں،ہاں تہجد وغیرہ نوافل گھر میں پڑھتے تھے اس لیے آپ بخوبی یہ سب کچھ سن لیتی تھیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لیے دعائے بخشش کرنا تعلیم امت کے لیے تھا یا اس لیے کہ استغفار بھی عبادت ہے اور بلندئ درجات کا ذریعہ،ورنہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع سجدہ میں کہتے تھے پاک ہے بے عیب ہے ۱؎فرشتوں اور روح کا رب ہے ۲؎(مسلم)	

۱؎ یہ دونوں صیغے مبالغہ کے ہیں"سُبُّوۡحٌ"سے مراد ہے ذاتی عیوب سے پاک"قُدُّوۡسٌ"سے مراد ہے۔صفاتی عیوب سے پاک،لہذا کلمے مقرر نہیں۔

۲؎ اگرچہ اللہ تعالٰی ساری مخلوق کا رب ہے مگر چونکہ فرشتے بے گناہ اور ہمیشہ عبادت کرنے والی مخلوق ہیں،نیز سب سے بڑی مخلوق فرشتے ہی ہیں اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔روح سے مرادیاجان ہے یاحضرت جبریل علیہ السلام جن کا لقب روح الامین ہے یاخاص فرشتوں کی جماعت یا وہ فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار(۷۰۰۰۰) چہرے ہیں ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں اور ہر زبان میں ستر ہزار لغتوں سے خدا تعالٰی کی حمد۔مرقات نے فرمایا کہ انسان جنات کا دسواں حصہ ہیں اور جنات کروبی فرشتوں کا دسواں حصہ اور کروبی فرشتے باقی ملائکہ کا دسواں حصہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایانبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے رکوع اور سجدے میں تلاوت قرآن سے منع کیا گیا ہے۱؎ رکوع میں تو رب کی تعظیم کرو ۲؎ اور سجدے میں دعا میں کوشش کرو کہ وہ دعائیں قبولیت کے لائق ہیں۳؎(مسلم)	

۱؎ ممانعت تنزیہی کیونکہ ان دونوں حالتوں میں انسان کے انتہائی عجز کا اظہار ہے،لہذا اس وقت عظیم الشان کتاب کا پڑھنا مناسب نہیں۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رکوع،سجدہ میں قرآن پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے،بعض کے نزدیک واجب الاعادہ ہوتی ہے،یونہی قعدہ میں قرآن پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی کہو"سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ"تاکہ عملًا اپنے عجز کا اظہار ہو اور قولًا رب کی عظمت کا اقرار۔

۳؎ یعنی نفل نماز کے سجدوں میں صراحتًا دعائیں مانگو اور دیگر نمازوں کے سجدوں میں رب کی تسبیح و تحمید کرو کہ یہ بھی ضمنی دعا ہے،کریم کی تعریف بھی دعا ہوتی ہے۔بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ وہ سجدے میں گرگر دعائیں مانگتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ سجدے میں بندے کو رب سے انتہائی قرب ہوتا ہے،اس حالت کی دعا ان شاءاللہ ضرور قبول ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام"سمع اللہ لمن حمدہ"کہے تو تم"اللّٰھم ربنا لك الحمد"کہو کیونکہ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت میں امام صرف"سمع اللہ لمن حمدہ"کہے گا اور مقتدی صرف"ربنا لك الحمد"دونوں کلمات کوئی نہ کہے گا۔دوسرے یہ کہ ہماری حفاظت کرنے والے اور اعمال لکھنے والے فرشتے ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں۔تیسرے یہ کہ مقتدی کو"ربنا لك الحمد"آہستہ کہنی چاہیے تاکہ فرشتوں کی موافقت ہو،یہی مضمون مقتدی کی آمین کے بارے میں بھی گزر گیا وہاں بھی اس قسم کے مسائل کا استنباط کیا گیا۔چوتھے یہ کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے،ان کے طفیل برے بخشے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے ۱؎ تو فرماتے کہ اللہ اپنے حمد کرنے والوں کی سنتا ہے الٰہی ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے آسمان بھر کر اور زمین بھر کر اور اس کے بعدوہ چیز بھر کر جو تو چاہے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی نوافل میں کیونکہ فرائض حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے ادا کرتے تھے اور جماعت میں امام "ربنا لك الحمد" بھی نہ کہے چہ جائیکہ اور دعائیں جیساکہ ابھی حدیث میں گزر گیا،لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں۔
۲؎ یعنی تیری اتنی حمدیں ہیں کہ اگر وہ جسم ہوں تو زمین و آسمان اور ان کے ماسوا میں نہ سمائیں یا یہ مطلب ہے کہ تیری حمد کرنے والوں سے زمین و آسمان وغیرہ بھرے ہوئے ہیں،ورنہ حمد جسم نہیں جس سے یہ چیزیں بھر جائیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے ۱؎ تو کہتے اے اللہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے آسمان بھر کر زمین بھر کر اور اس کے لیے جو چیز تو چاہے وہ بھر کر،تعریف و بزرگی والا ہے جو کچھ بندہ کہے اس کا تو حق دار ہے ہم سب تیرے بندے ہیں الٰہی جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا تیرے مقابل غنی کو غنا نفع نہیں پہنچاتی ۲؎ (مسلم)	

۱؎ ابھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ان جیسی احادیث میں رکوع سے مراد نوافل کے رکوع ہیں کہ ان میں دعائیں اور ذکر اذکار کی عام اجازت ہے،فرائض کے رکوع کا ذکر تو ابھی بخاری و مسلم کی حدیث میں گزر چکا۔خیال رہے کہ یہاں راوی نے "سمع اللہ لمن حمدہ" کا ذکر نہیں کیا مگر آپ کہتے یہ بھی تھے۔
۲؎ جدّ کے معنی ہیں عظمت،نصیبہ،غنا،نسب وغیرہ،یعنی کوئی شخص اپنے نسب یا غنا کی وجہ سے تیری پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔خیال رہے کہ مخلوق جو کچھ نفع،نقصان پہنچاتی ہے وہ اللہ کے حکم اور ارادے سے ہے۔یہ ناممکن ہے کہ کوئی خدا کا مقابلہ کرکے کسی کو نفع نقصان پہنچائے۔اسی کا یہاں ذکر ہے لہذا یہ الفاظ انبیاء واولیاء کے باذن الٰہی نفع پہنچانے کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت رفاعہ ابن رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ۲؎ جب آپ نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا تو فرمایا اللہ اپنے حمد کرنے والے کی سنتا ہے تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے	

	کہااے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے بہت طیب برکت والی حمد جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی کس نے یہ کلمات کہے ۳؎وہ بولا میں نے آپ نے فرمایا کہ میں نے چند اور تیس فرشتوں کو دیکھا کہ ان میں جلدی کررہے کہ پہلے کون لکھے۴؎(بخاری)

۱؎آپ انصاری بدری صحابی ہیں،آپ کے والد نقیب الانصار تھے،آپ کی وفات ۴۱ھ؁ میں ہوئی۔

۲؎غالبًا نماز پنجگانہ میں سے کوئی نماز تھی کیونکہ جماعت کا اہتمام انہی نمازوں میں ہوتا تھا۔نماز تہجد کی اگرچہ کبھی جماعت ہوئی ہے مگر بغیر اہتمام کے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحالت نماز جیسے صحابہ کرام اور فرشتوں کے حالات دیکھ لیتے تھے ایسے ہی ان کے کلمات بھی سن لیتے تھے اور یہ سننا اور دیکھنا نماز کے خضوع وخشوع میں خلل نہ ڈالتا تھا کیونکہ وہ قلب قدرت نے بنایا ہی ایسا تھا کہ بیک وقت خالق کی بھی سنیں مخلوق کی بھی،خالق سے لیتا رہے مخلوق کو دیتا رہے ایک کی توجہ دوسرے سے غافل نہ کردے آپ کا تو یہ حال تھا ؎

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شاغل　　خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

ممکن ہے کہ وہ صاحب آخر صف میں ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آہستہ آواز بھی سن لی،حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی تھی۔

۴؎یعنی ہر فرشتہ یہ چاہتا تھا کہ پہلے میں لکھ کر بارگاہ الٰہی میں پیش کردوں تاکہ مجھے قرب الٰہی زیادہ نصیب ہو۔خیال رہے کہ یہ فرشتے نامۂ اعمال لکھنے والوں کے علاوہ ہیں ورنہ کاتب اعمال صرف دو ہی ہیں،ایک نیکی لکھنے والا اور ایک گناہ،ان کی یہ جلدی ان کلمات کی کرامت کے اظہار کے لیے ہے ورنہ فرشتوں کو سب کچھ لکھنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ فرشتوں کو بعض نیکیاں لے جانے پر خصوصی انعام ملتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ فرائض کے قومے میں یہ کلمات کہنا جائز ہیں۔یادرہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا کہ کس نے یہ کہا اپنے علم کے لیے نہیں بلکہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابومسعود انصاری سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کی نماز درست نہیں ہوتی حتی کہ رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی کرے ۲؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ آپ کا نام عقبہ ابن عمرو ابن ثعلبہ ہے،دوسری بیعت عقبہ میں شریک تھے،کوفہ میں قیام رہا، ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎ امام شافعی کے ہاں تعدیل ارکان یعنی نماز کو اطمینان سے ادا کرنا فرض ہے جس کے بغیر نماز مطلقًا نہیں ہوتی،ہمارے ہاں واجب ہے۔یہ حدیث ان کی دلیل ہے ان کے ہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ رکوع سجدے میں اطمینان کے بغیر نماز درست نہیں،ہمارے ہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بغیر نماز کامل نہیں بہت ناقص ہے،واجب الاعادہ ہے۔اس کی بحث پہلے ہوچکی۔یہاں اگرچہ رکوع سجدے کا ذکر ہے مگر مراد سارے ارکان ہیں۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ جب آیت "فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ" اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنے رکوع میں کرلو اور جب آیت "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى" اتری تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنے سجدے میں رکھو ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی رکوع میں کہو "سُبۡحَانَ رَبِّيَ الۡعَظِيۡمِ" اور سجدے میں کہو "سُبۡحَانَ رَبِّيَ الۡاَعۡلٰى"۔چونکہ اعلٰی عظیم سے زیادہ بلیغ ہے اور سجدے میں رکوع سے زیادہ اظہار عجز ہے اس لیے سجدے کے لیئے اعلٰی مناسب ہوا اور رکوع میں عظیم زیادہ موزوں۔معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں کے نزول سے پہلے مسلمان رکوع وسجدوں میں کوئی اور ذکر کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت عون ابن عبداللہ سے ۱؎ وہ حضرت ابن مسعود سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار کہہ لے تو اس کا رکوع پورا ہوگیا ہے ۲؎ اور یہ ادنٰی درجہ ہے اور جب سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی تین بار کہہ لے تو اس کا سجدہ پورا ہوگیا ہے اور یہ ادنی درجہ ہے ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،)ترمذی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ عون نے ابن مسعود سے ملاقات نہیں کی ۴؎	

۱؎ آپ کا نام عون ابن عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعود ہے،سیدنا ابن مسعود کے بھتیجے کے بیٹے ہیں،تابعی ہیں،ہزلی ہیں،بڑے فقیہ اور زاہد تھے،کوفہ میں قیام رہا،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ سے ملاقات ہے،کبھی انہیں عون ابن عتبہ بھی کہہ دیاجاتا ہے دادا کی نسبت سے۔عربی میں آدمی کی نسبت باپ،چچا،دادا،پر دادا کی طرف بھی کردیتے ہیں۔

۲؎ یعنی مکمل ہوگیا۔خیال رہے کہ رکوع کے لیے جھکنا نماز میں فرض ہے اور وہاں کچھ ٹھہرنا یعنی اطمینان سے رکوع کرنا واجب اور اس میں تسبیح پڑھنا سنت ہے،لہذا مکمل رکوع وہ ہے جس میں فرض،واجب،سنت سب ادا ہوں۔
۳؎ یعنی کمال کا ادنی درجہ ہے۔معلوم ہوا کہ رکوع سجدے کی تسبیحیں تین سے کم نہ کہے،زیادہ میں اختیار ہے پانچ بار یا سات بار کہہ سکتاہے۔نوافل خصوصًا تہجدمیں توجتنا رکوع سجدہ درازکرے اتنا بہتر ہے۔
۴؎ یعنی یہ حدیث منقطع ہے لیکن کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اعمال میں حدیث منقطع قبول ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ رکوع میں"سبحان ربی العظیم"اور سجدہ میں"سبحان ربی الاعلی"کہتے تھے اور رحمت کی آیت پر نہیں پہنچتے مگر ٹھہرجاتے اور مانگ لیتے اور عذاب کی آیت پر نہیں پہنچتے مگر ٹھہرتے اور پناہ مانگتے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی،نسائی)اورابن ماجہ نے الاعلیٰ تک روایت کی،ترمذی نے فرمایا کہ یہ حسن ہے صحیح ہے۔	

۱؎ یہاں نفل نماز مراد ہے،فرائض میں دوران قرأت ٹھہرنا اور مانگنا مستحب کے خلاف ہے اگرچہ جائزہےاسی لیے مرقات نے فرمایا کہ اگر یہ کَانَ یَقُوْلُ دوام کیلیے ہو تب نفل مراد ہیں اگر اتفاقی واقعہ کا ذکر ہے کہ کبھی کبھی ایساکہہ لیتےتو فرض نماز مراد۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہوا ۲؎ جب آپ نے رکوع کیا تو سورۂ بقر کی بقدر ٹھہرے ۳؎ اور رکوع میں فرماتے تھے پاک ہے غلبے والا ملکوت بڑائی اورعظمت والا ۴؎(نسائی)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،اشجعی ہیں،غزوہ خیبر اور فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے بلکہ فتح مکہ کے دن بنی اشجع کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھ میں تھا،شام میں قیام رہا اور وہاں ہی ۷۳ھ میں وفات پائی۔
۲؎ تہجد کی نماز میں آپ کے ساتھ تہجداداکرنے کے لیے،چونکہ آپ اکیلے مقتدی تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوئے اگرچند ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوتے۔خیال رہے کہ تہجد جماعت سے جائزہے بشرطیکہ اس جماعت کے لیے اہتمام نہ کیاجائے اتفاقًا دوچارنمازی جمع ہوجائیں اور جماعت کرلیں یہاں ایسا ہی تھا۔

۳؎ یعنی اتنا دراز رکوع کیا کہ تلاوت کرنے والا سورۂ بقر پڑھ لے۔معلوم ہوا کہ نماز تہجد و کسوف وغیرہ میں رکوع قیام کے برابر ہونا بہتر ہے،فرائض میں رکوع قیام سے کم چاہیے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۴؎ **جبروت ملکوت** مبالغے کے صیغے ہیں۔**جبروت جبر**،بمعنی غلبے سے بنا یعنی ہر غالب پر غالب،**ملکوت ملك**،بمعنی قبضہ سے بنا،ظاہری قبضہ کو ملک اور باطنی قبضہ کو ملکوت کہا جاتا ہے۔رب تعالٰی ہمارے جسم کا بھی مالک ہے اور نفس و روح کا بھی اسی لیے مخلوق کے لیے عطاءً ملک ثابت ہے ملکوت نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن جبیر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک کو فرماتے سنا ۲؎ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھی ۳؎ جس کی نماز اس جوان یعنی عمر ابن عبدالعزیز کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ۴؎ کہ ہم نے ان کا رکوع دس تسبیح اور سجدہ دس تسبیح کا اندازہ کیا ۵؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ کا نام سعید ابن جبیر ہے،اسدی ہیں،کوفی ہیں،عظیم الشان تابعی عبداللہ ابن عباس و ابن عمر و ابن زبیر وغیرہم صحابہ سے ملاقات ہے۔رضی اللہ عنہم، ۹۵ھ میں حجاج ابن یوسف ظالم کے ہاتھوں شہید ہوئے،۴۹ سال عمر ہوئی،واسط علاقۂ عراق میں دفن ہوئے،آپ کی قبر زیارت گاہ مسلمین ہے،آپ کی شہادت کا عجیب وغریب واقعہ ہے،شعبان میں حجاج نے آپ کو شہید کیا اور پندرہ بیس روز بعد رمضان میں خود فوت ہوگیا،اس دوران کبھی رات کو سو نہ سکا،کہتا تھا کیا کروں آنکھ لگتے ہی سعید میرے پاؤں پکڑ کر گھسیٹتے ہیں،آپ نے بوقت شہادت کہا تھا کہ تو میرے بعد کسی کو شہید نہ کرسکے گا ایسا ہی ہوا۔(اکمال)

۲؎ یہی صحیح ہے۔بعض روایات میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے وہ غلط ہے اس لیے کہ عمر ابن عبدالعزیز کی پیدائش حضرت ابوہریرہ کی وفات کے بعد ہے،ہاں حضرت انس نے عمر ابن عبدالعزیز کا زمانہ پایا ہے کیونکہ حضرت انس کی وفات ۹۱ھ میں ہے اور عمر ابن عبدالعزیز کی ولادت ۶۱ھ میں ہے۔(از لمعات و مرقات)

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی تابعی کی نماز،لہذا اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی نماز صحابہ کرام اور خلفائے راشدین سے بھی بہتر تھی،یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود حضرت انس کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ نہ ہو۔

۴؎ پہلے قَالَ کا فاعل کوئی اور راوی ہے،دوسرے قَالَ کا فاعل حضرت سعید ہیں،یعنی جب حضرت انس نے انکی نماز کی ایسی تعریف کی تو ہم نے ان کے ارکان نماز کا اندازہ لگایا،بعض شارحین نے فرمایا کہ پہلے قَالَ کا فاعل سعید ہیں اور دوسرے کا فاعل حضرت انس لیکن پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔

۵؎ یہ اندازہ تھا ورنہ آپ کی تسبیحیں نو یا گیارہ ہوں گی کیونکہ تسبیحات رکوع طاق ہونا بہتر ہیں اور یہ بھی نوافل میں ہوگا کیونکہ فرائض میں تسبیح کم از کم تین بار درمیانی پانچ بار اور زیادہ سات بار ہیں۔

روایت ہے حضرت شقیق سے [1] فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا تھا [2] جب اس نے اپنی نماز پوری کی تو اسے بلایا اور اس سے حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی [3] فرماتے ہیں مجھے خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر تو مرا تو تو اس طریقہ کے خلاف مرے گا جس پر اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا [4]	

[1] آپ کا نام شقیق ابن سلمہ ہے،کنیت ابووائل،کوفی ہیں،مخضرمی ہیں،جلیل القدر صحابی ہیں،خلفائے راشدین سے احادیث لی ہیں، ۹۹ھ میں وفات ہوئی۔(تہذیب و اکمال)

[2] یعنی اطمینان سے ادا نہیں کرتا تھا،اطمینان شوافع کے ہاں فرض ہے اور احناف کے ہاں واجب۔

[3] کامل نہیں پڑھی(حنفی) صحیح نہیں پڑھی(شافعی)۔

[4] یعنی اگر تو ناقص نماز پڑھنے کا عادی رہا تو سنت انبیاء کا مخالف ہوکر مرے گا یا اگر تو اس عیب کو اچھا جانتا رہا تو تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا۔فطرت دین اسلام کو بھی کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشی عادت کریمہ کو بھی اور سنت انبیاء کو بھی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو ترک سنت ہدیٰ کا عادی ہو اس کا خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور جو کسی سنت کو حقیر جانے وہ کافر ہے۔اس کا ماخذ قرآنی آیات بھی ہیں اور اس جیسی بہت سی احادیث ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے لوگ بولے یا رسول اللہ اپنی نماز میں چوری کیسے کرے گا فرمایا کہ رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے [1] (احمد)	

[1] واہ سبحان اللہ! کیا نفیس تمثیل ہے یعنی مال کے چور سے نماز کا چور بدتر ہے کیونکہ مال کا چور اگر سزا پاتا ہے تو کچھ نفع بھی اٹھالیتا ہے مگر نماز کا چور سزا پوری پائے گا نفع کچھ حاصل نہیں کرتا،نیز مال کا چور بندے کا حق مارتا ہے نماز کا چور اللہ کا حق،نیز مال کا چور یہاں سزا پاکر عذاب آخرت سے بچ جاتا ہے مگر نماز کے چور میں یہ بات نہیں،نیز بعض صورتوں میں مال کے چور کو مالک معاف کرسکتا ہے لیکن نماز کے چور کی معافی کی کوئی صورت نہیں۔خیال کرو کہ جب نماز ناقص پڑھنے والوں کا یہ حال ہے تو جو سرے سے پڑھتے ہی نہیں ان کا کیا حال ہے۔پھر جو کل یا بعض نمازوں کے منکر ہوچکے جیسے بھنگی،پوستی فقیر اور چکڑالوی وغیرہم ان کا کیا پوچھنا۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن مرہ سے [1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شرابی زانی اور چور کے متعلق کیا سمجھتے ہو اور یہ سوال ان کی سزائیں اترنے سے پہلے تھا [2] لوگ	

	بولے اللہ ورسول جانیں فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں ان میں سخت عذاب ہے اور بدترین چوری اس کی ہے جو اپنی نماز میں سے چرائے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ نماز میں سے کیسے چرائے گا فرمایا کہ اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے۴(مالک و احمد اور دارمی نے اس کی مثل)

۱ آپ انصاری ہیں،رومی مدینی ہیں۔حق یہ ہے کہ تابعی ہیں جنہوں نےانہیں صحابی کہاغلطی کی لہذا یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ صحابی کا ذکر چھوٹ گیا۔

۲ خیال رہے کہ چوری اور زنا ہمیشہ ہی سے حرام تھے مگر شراب شروع اسلام میں حلال تھی پھرعرصہ کے بعد آہستگی سے حرام ہوئی،حرمت کے کچھ عرصہ بعد اس پر اسی(۸۰) کوڑے سزا مقرر ہوئی،یونہی زنااورچوری کی سزائیں بعد میں آئیں،یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب شراب حرام ہوچکی تھی لیکن ابھی اس کی سزا مقرر نہ ہوئی تھی۔

۳ یہ صحابی کا انتہائی ادب ہے کہ معلوم چیز کا بھی جواب نہیں دیتے۔اس سے معلوم ہواکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خدا کے ساتھ کرنا اور دونوں ہستیوں کے لیے ایک ہی صیغہ لاناجائز ہے،رب فرماتاہے:"اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ و رسول بھلاکریں،اللہ رسول عزت ایمان دولت دیں۔

۴ یعنی اطمینان سے اداکرے۔خیال رہے کہ نماز کے ہر رکن کو پوراکرنا چاہیے اورکسی رکن کو ناقص کرنے والا بدترین چور ہے مگر چونکہ رکوع سجدہ اہم ارکان تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔

باب السجود و فضلہ

سجدے اوراس کی بزرگی کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]سجدہ لغت میں زمین پر سر رکھنے،عاجزی کرنے،سرجھکانے کو کہتے ہیں۔شریعت میں سات اعضاء کا زمین پر لگاناعبادت یا اطاعت کی نیت سے سجدہ کہلاتاہے۔سجدہ تین قسم کا ہے:سجدۂ عبادت جو اللہ کو ہوتاہے،سجدۂ تعظیم جو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا،سجدۂ تحیۃ جو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو کیا۔سجدۂعبادت غیرخدا کو شرک ہے،آخری دو سجدے اسلام میں حرام ہیں۔اس کی پوری بحث ہماری" تفسیر نعیمی"خورد میں دیکھو۔خیال رہے کہ صرف سجدہ بھی عبادت ہے مگرصرف رکوع اور قیام عبادت نہیں بلکہ یہ نماز میں عبادت ہے۔(مرقات)

	روایت ہےحضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا گیا کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں پیشانی،دو ہاتھ،دو گھٹنے،قدموں کے کنارے[1] اور یہ کہ کپڑے اور بال جمع نہ کریں [2](مسلم،بخاری)

[1]اگرچہ سجدے میں ناک بھی لگائی جاتی ہے مگر پیشانی اصل ہے اور ناک اس کی تابع اس لیے ناک کا ذکر نہ فرمایا۔ہاتھوں سے مراد ہتھیلیاں ہیں اورقدم کے کناروں سے مراد پورے پنجے ہیں اس طرح کہ دسوں انگلیوں کا سر کعبے کی طرف رہے۔

[2]نماز میں کپڑے سمیٹنا،روکنا سب منع ہے،لہذا آستین یا پائنچے چڑھاکریا پائجامہ پرلنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا منع ہے ایسے ہی دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا منع کہ ان سب میں کپڑے کا روکنا ہے،ہاں اگر پائجامہ کے نیچے لنگوٹ بندھا ہو اوپر پائجامہ یا تہبند ہوتو منع نہیں کیونکہ اس میں کپڑے کا روکنا نہیں۔خیال رہے کہ سجدے میں قدم اور پیشانی زمین پر لگنا فرض ہے لیکن ہاتھ اور گھٹنوں کا لگنا سنت،امام صاحب کے نزدیک صرف پیشانی پر بغیر ناک لگے سجدہ جائز ہے،یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سجدے میں برابررہو[1]اور تم میں سے کوئی اپنی کہنیاں نہ بچھاوے کتے کے بچھانے کی طرح [2](مسلم،بخاری)

[1]یعنی اطمینان سے سجدہ کرو(اشعۃ اللمعات)یا سجدے کا ہرعضو اپنے مقام پر رکھو۔(مرقات)

۲؎یعنی سجدے میں صرف ہتھیلیاں زمین پر لگیں۔کلائی،کہنی وغیرہ سب اٹھی رہیں،یہی سنت ہے،کہنیاں بچھانا مکروہ۔

	روایت ہے حضرت براء بن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں رکھو۱؎اور کہنیاں اٹھاؤ ۲؎(مسلم)

۱؎سر کے آس پاس اس طرح کہ انگلیاں بالکل ملی ہوں اور انگوٹھوں کے کنارے کانوں کی گدیوں کے نیچے ہوں کہ اگر گدیا سے قطرہ ٹپکے تو انگوٹھے کی نوک پر گرے۔

۲؎یہ حکم مردوں کے لیے ہے،عورت کہنیاں بچھائے گی اور بازو پسلیوں سے ملی رکھے گی کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے۔

	روایت ہے حضرت میمونہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کے درمیان فاصلہ رکھتے حتّٰی کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزرجاتا۱؎یہ ابوداؤد کے لفظ ہیں جیسے شرح سنہ میں ہے مع اسناد تصریح کی گئی ہے۲؎ اور مسلم میں اس کے معنی ہیں فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان گزرنا چاہتا تو گزرجاتا۔

۱؎یعنی اپنے ہاتھ اپنی پسلیوں سے اتنے دور رکھتے کہ اس درمیان والی جگہ سے بکری کا بچہ گزر سکے۔اس کی تشریح کچھ آگے آئے گی۔

۲؎یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ فصل اول میں مسلم،بخاری کے علاوہ اور کتاب کی حدیث لائے،مسلم کی عبارت یہ نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو آگے آرہی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کے درمیان کشادگی فرماتے حتی کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوجاتی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎بحینہ عبداللہ کی والدہ کا نام ہے یعنی بحینہ مالک کی بیوی ہیں اسی لیے محدثین مالک کو تنوین سے پڑھتے ہیں اور ابن بحینہ اس سے علیحدہ کرتے ہیں بلکہ ان کا نام عبداللہ ابن بحینہ مشہور ہے اور آپ صحابی ہیں،۵۴ یا ۵۵ ہجری میں امیر معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎اس طرح کہ چادر اوڑھے نماز پڑھتے تو چادر کچھ سرک جاتی اور بغل نظر آجاتی اور اگر قمیض میں نماز پڑھتے تو بغل کی سفیدی کی جگہ نظر آجاتی اس طرح کہ اگر کپڑا نہ ہوتا تو بغل دیکھ لی جاتی۔لفظ بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

بغل شریف مثل باقی جسم شریف کے سفید تھی،بعض نے فرمایا کہ وہاں بال بھی نہ تھے،بغل سے نہایت خوشبو نکلتی تھی،یہ آپ کی خصوصیات سے ہے۔(از مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں کہتے تھے خدایا میرے سارے گناہ بخش دے چھوٹے بڑے اگلے پچھلے کھلے چھپے ۱؎(مسلم)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ دعا تہجد یا کسی اورنفل کے سجدے میں تھی یا کبھی کبھی فرائض کے سجدے میں بیان جواز کے لیے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں امت کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ تو کیا گناہ کے ارادے سے بھی محفوظ ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا ۱؎میں نے ٹٹولا تو میرا ہاتھ آپ کے تلوؤں پر پڑا حالانکہ آپ مسجد میں تھے اور تلوے کھڑے ہوئے تھے ۲؎اور آپ کہہ رہے تھے مولا میں تیری رضا کی تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ لیتا ہوں ۳؎میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی۔(مسلم)	

۱؎یعنی میرے ہاں قیام کی باری تھی،رات اندھیری تھی گھر میں چراغ نہ تھا،میری آنکھ کھلی تو مجھے آپ کا بستر شریف خالی محسوس ہوا تو میں گھبرا گئی کہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کہاں تشریف لے گئے۔

۲؎یعنی سجدے میں گرگر کر دعائیں مانگ رہے تھے،مسجد نبوی چونکہ حضرت عائشہ کے حجرے سے بالکل ملی ہوئی تھی،اسی طرف دروازہ تھا اس لیے آپ کا ہاتھ اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے مسجد میں پہنچ گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھونا وضو نہیں توڑتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے سجدے میں ہیں اور بغیر آڑ کے ام المؤمنین کا ہاتھ آپ کے تلوؤں شریف کو لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہ چھوڑی،نہ وضو دوبارہ کیا۔ان انگلیوں کے قربان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں سے لگیں،نصیب والے کما کر چلے گئے۔شعر

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کیا کریں نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

۳؎یعنی اگر تو عتاب فرمائے تو تیرے ہی کرم میں پناہ مل سکتی ہے اور کہیں بلاتشبیہ یوں سمجھو کہ جب بچے کو ماں مارتی ہے اور پرے کرتی ہے تو بچہ ماں ہی سے لپٹتا ہے کیونکہ اس کی آخری پناہ وہی ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آنا اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ رب کا آستانہ ہے،خود فرماتے ہیں"اَنَا فِئَةُ الْمُسْلِمِیْنَ"میں مسلمانوں کی پناہ ہوں،رب فرماتا ہے:"جَآءُوْكَ"الخ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب سجدہ کرتے ہوئے ہوتا ہے تو اس میں دعائیں زیادہ مانگو۱؎(مسلم)	

۱؎یعنی رب تو ہم سے ہروقت قریب ہے ہم اس سے دور رہتے ہیں،البتہ سجدے کی حالت میں ہمیں اس سے خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے لہذا اس قرب کو غنیمت سمجھ کرجو مانگ سکیں مانگ لیں۔اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں سجدہ قیام سے افضل ہے۔خیال رہے کہ نوافل کے سجدوں میں ہمیشہ دعامانگے،فرائض کے سجدوں میں کبھی کبھی،بعض لوگ سجدے میں گرگر دعائیں مانگتے ہیں یعنی دعا کے لیے سجدہ کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا پھرتا ہے۱؎اور کہتاہے ہائے افسوس انسان کو سجدے کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کرلیا اس کے لیے تو جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا میں انکاری ہوگیا میرے لیے آگ ہے ۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی انسان کے لیے سجدۂ تلاوت کو دیکھ کر شیطان حسرت کرتا ہوا وہاں سے بھاگتا ہے،چونکہ یہ سجدہ سجدۂ نماز کے علاوہ ہے اور شیطان نے جس سجدہ کا انکارکیاتھا وہ بھی سجدۂ نماز کے علاوہ تھا اس لیے اسے یہ سجدہ دیکھ کر حسرت ہوتی ہے نہ کہ سجدۂ نماز دیکھ کر کیونکہ نماز کے سجدے تو خود بھی کرتا رہا ہے۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے جیساکہ حنفیوں کا مذہب ہے اگرچہ وہ سجدہ آدم علیہ السلام کو تھا(سجدۂ تعظیمی)اور یہ سجدہ اللہ کو ہے(سجدۂ عبادت)مگر چونکہ اس سجدہ کا حکم بھی الٰہی تھا اور اس سجدے کا بھی اس لیے شیطان یہ کہتا ہے۔اس سجدۂ تعظیمی کی بحث ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"جلد اول میں دیکھو۔معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اپنی حرکت پر پچھتاتا تو رہا ہے مگر اب کیا ہوتا وقت نکل چکا۔

روایت ہے حضرت ربیعہ ابن کعب سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارتا تھا ۲؎تو میں آپ کے پاس وضو کا پانی اورضروریات لایا۳؎مجھ سے فرمایا کچھ مانگ لو۴؎میں نےعرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں ۵؎فرمایا اس کے	

	سوا کچھ اور بھی میں نے عرض کیا بس یہی۶ فرمایا اپنی ذات پر زیادہ سجدوں سے میری مدد کرو ۷(مسلم)

۱؎ آپ کی کنیت ابوفراس ہے،اسلمی ہیں،اصحاب صفّہ میں سے تھے،پرانے صحابی ہیں،سفر وحضر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں،۶۳ ھ میں انتقال ہوا۔

۲؎ یعنی سفر میں رات کی خدمت خصوصیت سے میرے سپرد تھی اور اگر گھر مراد ہوتو مطلب یہ ہے کہ رات بھر آپ کے دروازے پر رہتا تھا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدمت کی ضرورت ہوتو بجالاؤں۔

۳؎ یعنی ایک شب حسبِ معمول تہجد کے وقت وضو کا پانی،مسواک،مصلی لےکر خدمت میں حاضر ہوا۔بعض نسخوں میں آتِیْہِ ہے یعنی لایا کرتا تھا۔

۴؎ یعنی ایک شب شان کریمی کی جلوہ گری ہوئی اور دریائے رحمت جوش میں آگیا،مجھے انعام دینے کا ارادہ فرمایا۔اس جگہ مرقات اور لمعات وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا یہ چیز مانگو۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں۔دین و دنیا کی جونعمت جسے چاہیں دیں بلکہ حضور احکام شرعیہ کے بھی مالک ہیں جس پر جو احکام چاہیں نافذ کریں۔چنانچہ حضرت خزیمہ ابن ثابت کی گواہی دوگواہوں کی مثل قرار دی۔(بخاری)اُمِّ عطیہ کو ایک مرتبہ نوحہ کی اجازت دی۔(مسلم)ابی بردہ ابن نیاز کو چھ ماہا بکری کی قربانی کی اجازت دی۔اللہ نے جنت کی زمین کا حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو مالک کیا ہے جسے چاہیں دیں۔(مرقات وغیرہ)

۵؎ یعنی مجھے آپ جنت میں اپنے ساتھ رکھیں،جیسے بادشاہ شاہی قلعہ میں اپنے خاص خادموں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت ربیعہ نے اس جگہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ذیل چیزیں مانگیں:زندگی میں ایمان پر استقامت،نیکیوں کی توفیق،گناہوں سے کنارہ کشی،مرتے وقت ایمان پر خاتمہ،قبر کے حساب میں کامیابی،حشر میں اعمال کی قبولیت،پل صراط سے بخریت گزر،جنت میں رب کا فضل و بلندیٔ مراتب،یہ سب چیزیں صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگیں اور حضور نے صحابی کو بخشیں،لہذا ہم بھی حضور سے ایمان،مال،اولاد،عزت،جنت،سب کچھ مانگ سکتے ہیں،یہ مانگنا سنت صحابہ ہے۔حضور کے لنگر سے یہ سب کچھ قیامت تک بٹتا رہے گا اور ہم بھکاری لیتے رہے گے۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے حضور ہی کو مانگا مگر چونکہ حضور جنت میں ہی ملیں گے،لہذا جنت کا بھی ذکر کردیا۔

۶؎ یعنی تمہاری یہ درخواست منظور ہے کچھ اور بھی چاہتے ہو؟عرض کیا جب چمن الٰہی کا پھول مل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے۔

۷؎ یعنی جنت میں تمہیں اعلٰی مقام پر پہنچانا میرے کرم سے ہے نہ کہ محض تمہارے سجدوں سے،تم اپنے سجدوں سے مجھے اس کام میں امداد دو۔عَلٰی نَفْسِكَ فرماکراشارۃً فرمایاگیاکہ نفس کی مخالفت جنت کاذریعہ ہے۔(مرقات) کثرت سجود سے بتایا گیاکہ فقط نمازپنجگانہ پرکفایت نہ کروبلکہ نوافل کثرت سے پڑھو تاکہ میرے قرب کے لائق ہوجاؤ،جیسے بادشاہ کہے کہ میرے پاس آناہے تو اچھا لباس پہنو،حاضری بادشاہ کے کرم سے ہے اور اچھا لباس دربار کے آداب میں سے۔شعر

مالک ہیں خزانۂ قدرت کے جوجس کو چاہیں دے ڈالیں دی خلد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

	روایت ہے حضرت معدان ابن طلحہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان سے ملا میں نے کہا کہ مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں کروں تو اللہ مجھے اس کی برکت سے جنت میں داخل کردے آپ خاموش رہے میں نے پھر پوچھا آپ خاموش رہے میں نے پھر تیسری بار پوچھا تو فرمایا کہ میں نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا ۲؎ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے لیئے زیادہ سجدے اختیار کرو ۳؎ کیونکہ تم اللہ کے لیے کوئی سجدہ نہ کرو گے مگر اللہ اس کی برکت سے تمہارا درجہ بڑھائے گا اور تمہاری خطا معاف کرے گا۔معدان کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابودرداء سے ملا ان سے پوچھا انہوں نے مجھ سے وہی کہا جو ثوبان نے کہا تھا ۴؎ (مسلم)

۱؎ آپ تابعی ہیں،شام کے رہنے والے ہیں،عالم باعمل ہیں،حضرت عمر،ابوالدرداء اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار یہ سوال کیا تھا دوبار سرکار خاموش رہے تھے اور تیسری بار میں جواب دیا تھا۔(مرقات)اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے میں بھی دوبار خاموش رہا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاموشی سائل کا شوق بڑھانے کے لیے اور حضرت ثوبان کی خاموشی اسی سنت پر عمل کے لیے ہے،صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کی نقل کرتے تھے۔

۳؎ اس طرح کہ نوافل زیادہ پڑھو اور تلاوت قرآن کثرت سے کرو،سجدۂ شکر زیادہ کرو۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ گناہوں کا کفارہ ہے مگر گناہوں سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں،حقوق العباد ادا کرنے سے اور گناہ کبیر توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب اٹھتے تو اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے

	۱؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎سنت یہ ہے کہ سجدے میں جاتے وقت زمین سے قریب والاعضو زمین پرپہلے رکھے کہ پہلے گھٹنے،پھر ہاتھ،پھر ناک،پھر پیشانی رکھے اور سجدے میں اٹھتے وقت اس کے برعکس کرے کہ پہلے پیشانی اٹھائے،پھر ناک،پھر ہاتھ،پھر گھٹنے۔جن روایات میں ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم پہلے گھٹنے اٹھاتے تھے،پھر ہاتھ وہ ضعف یا مجبوری کی بنا پر ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۱؎چاہیے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۲؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی)ابوسلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ وائل ابن حجر کی حدیث اس سے زیادہ قوی ہے۳؎ اور کہا گیاہے کہ یہ منسوخ ہے۔

۱؎کہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے پاؤں کے گھٹنے زمین پر لگاتاہے،پھر ہاتھ بچھاتاہے تم ایسا نہ کرو۔

۲؎یہ حدیث گزشتہ حدیث وائل ابن حجر کے خلاف ہے یا یہ حدیث منسوخ ہے،حدیث وائل ناسخ یا یہ حدیث ضعیف ہے اور وہ حدیث قوی۔غرضکہ یہ حدیث ناقابل عمل ہے اور گزشتہ حدیث پر اکثر آئمہ کا عمل ہے جیسا خود صاحب مشکوۃ فرما رہے ہیں۔

۳؎اسی لیے علماءنے اس پر عمل کیا،بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث وائل کی اسناد میں شریک قاضی ہے اور وہ ضعیف ہے مگریہ غلط ہے کیونکہ امام مسلم نے شریک سے روایات لیں ہیں،نیز اس حدیث کی دو اسنادیں اور بھی ہیں جن سے انہیں قوت پہنچتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان کہتے تھے الہٰی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت امن اور رزق دے۱؎ (ابوداؤد،ترمذی)

۱؎یہ دعا نوافل میں ہمیشہ کہتے تھے فرائض میں کبھی کبھی،فرائض میں اختصارہے نوافل میں آزادی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان فرماتے تھے یارب مجھے بخش دے۱؎ (نسائی،دارمی)

۱؎یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کبھی دوسجدوں کے درمیان صرف دعائے مغفرت کرتے تھے اورکبھی وہ پوری دعا پڑھتے تھےجو ابھی گزری۔ہرراوی نے جو دیکھا وہ بیان کیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن شبل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی سی ٹھونگ مارنے اور درندے کی طرح ہاتھ بچھانے سے منع فرمایا ۲؎ اور اس سے منع کیا کہ کوئی شخص مسجد میں جگہ مقرر کرلے جیسے اونٹ مقرر کرلیتا ہے ۳؎ (ابوداؤد،نسائی،دارمی)	

۱؎ آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن شبل ابن عمرو ابن زید ہے،انصاری ہیں،اوسی ہیں،بلکہ انصار کے نقیب رہے ہیں۔حمّص میں قیام رہا،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ کہ ساجد سجدہ ایسی جلدی جلدی نہ کرے جیسے کوّا زمین پر چونچ مار کر فورًا اٹھالیتا ہے اور سجدے میں کہنیاں زمین سے نہ لگائے جیسے کتا،بھیڑیا وغیرہ بیٹھتے وقت لگالیتے ہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ مسجد میں اپنے واسطے کوئی جگہ خاص کرلینا کہ اور جگہ نماز میں دل ہی نہ لگے مکروہ ہے،ہاں شرعی ضرورت کے لیے جگہ مقرر کرلینا جائز ہے،جیسے امام کے لیے محراب مقرر ہے اور بعض مسجدوں میں مکبّر کے لیے امام کے پیچھے کی جگہ،انہیں بھی چاہیے کہ سنتیں اور نفل کچھ ہٹ کر پڑھیں،مسجد میں جس جگہ جو پہلے پہنچے وہاں کا وہی مستحق ہے،بعض سلاطین اسلامیہ خاص امام کے پیچھے اپنے لیے جگہ رکھتے تھے وہ معذوری کی بناء پر تھاکیونکہ اور جگہ انہیں جان کا خطرہ تھا۔یہاں باقاعدہ ان کی حفاظت کا انتظام ہوتا تھا لہذاوہ اس حکم سے عذرًا مستثنٰی ہیں۔دیکھو شامی وغیرہ۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے علی میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لیے وہی ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں ۱؎ دوسجدوں کے درمیان اکڑوں نہ بیٹھنا ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یہاں خصوصی پسندیدگی مراد ہے اور اس حدیث میں حضرت علی مرتضٰی کی انتہائی عظمت کا اظہارہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کے ماں باپ سے زیادہ خیرخواہ ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ"اور فرماتا ہے:"عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَاعَنِتُّمۡ"۔حضور نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

۲؎ لَا تُقْعِ اِقْعَاءٌ سے بنا جس کے معنی ہیں سرین زمین پر رکھنا دونوں پنڈلیاں کھڑی کرلینا اور ہاتھ زمین سے لگادینا یعنی اکڑوں بیٹھنا یہ نماز میں منع ہے نمازی جب بھی بیٹھے دو زانو بیٹھے۔

روایت ہے حضرت طلق ابن علی حنفی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اس بندے کی نماز پر نظر نہیں فرماتا جو نماز میں رکوع اور سجدے کے درمیان پیٹھ سیدھی نہیں کرتا ۱؎(احمد)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کی بعد قومہ واجب ہے،یعنی سیدھا کھڑا ہوجانا کہ تعدیل ارکان میں یہ بھی داخل ہے۔خشوع سے مراد رکوع ہے اور نظر نہ فرمانے سے مراد نماز قبول نہ فرمانا ہے یا شرعًا نماز قبول نہ ہونا۔

روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ جو اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اپنے ہاتھ بھی وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے ۱؎ پھر جب سر اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے کیونکہ جیسے چہرہ سجدہ کرتا ہے ویسے ہی ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں ۲؎(مالک)	

۱؎ یعنی ہاتھ پیشانی کے آس پاس چاہیں نہ کہ کندھوں کے متصل،نیز پیشانی کے لیے کوئی خاص چیز نہ ہو جس پر پیشانی رکھی جائے اسی پر ہاتھ بھی رکھے جائیں،بعض لوگ کربلا کی مٹی یا کاغذ یا پتے پر صرف پیشانی رکھتے ہیں ان کا یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔پیشانی اور ہاتھوں کی جگہ ایک ہونی چاہیے۔

۲؎ لہذا ہاتھوں کی انگلیوں قبلہ کی طرف چاہیں اور یہ نہ کرے کہ سجدے سے صرف سر اٹھائے،ہاتھ زمین پر ہی لگے رہنے دے کہ یہ تعدیل ارکان کے خلاف ہے۔

باب التشھد

التحیات کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] لغت میں تشہد کے معنی ہیں گواہ بننا یا گواہی دینا۔عرف میں کلمۂ شہادت پڑھنا،مگر شریعت میں التحیات کو تشہد کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں توحید و رسالت کی گواہی ہوتی ہے۔خیال رہے کہ التحیات اس کلام کا مجموعہ ہے جو معراج کی رات قرب حضوری میں رب و محبوب کے درمیان ہوا،اولًا حضور نے عرض کیا"اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ"رب کی طرف سے ارشاد ہوا"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ"محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابًا عرض کیا"اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ"ان دونوں قسموں کے کلاموں کو نمازی ادا کرکے اللہ کی توحید حضور کی رسالت کی گواہی دیتا ہے لیکن نمازی التحیات پڑھتے وقت معراج کی اس گفتگو کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ خود بارگاہ الٰہی میں تحیةً اور بارگاہ رسالت میں سلام عرض کرنے کی نیت کرے(شامی)جیسے تکبیر تشریق حضرت جبریل،حضرت خلیل،حضرت اسمٰعیل کے کلاموں کا مجموعہ ہے کہ جب حضرت جبریل جنت سے دنبہ لے کر حاضر ہوئے،ادھر خلیل اپنے لخت جگر کو ذبح کررہے تھے تو اوپر سے پکارا"اَللہُ اَکْبَرُ اَللہُ اَکْبَرُ"حضرت خلیل نے اوپر دیکھا تو جبریل کو آتے دیکھ کر فرمایا"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ"پھر بحکم پروردگار حضرت اسمٰعیل کے ہاتھ پاؤں کھولے اور قبولیت قربانی کی بشارت دی تو آپ نے فرمایا لِلّٰہِ الْحَمْدُ مگر اب تکبیر تشریق کہنے والا وہاں کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ اپنی طرف سے ذکر الٰہی کی نیت کرے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب التحیات میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر[1] اور ترپن(۵۳)کا عقد باندھتے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے[2]	

[1] اس طرح کہ ہتھیلیاں تو رانوں پر ہوتیں اور انگلیوں کے کنارہ گھٹنوں پر،ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنا مراد نہیں کیونکہ التحیات میں تمام انگلیوں کا رخ کعبہ معظّمہ کو چاہیے۔خیال رہے کہ نماز کی ہر نشست یوں ہی ہونی چاہیے خواہ

سجدوں کے درمیان کا جلسہ ہو یا التحیات کا قعدہ،یہاں التحیات کا ذکر احترازی نہیں لہذا یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎یعنی التحیات میں شہادت توحید کے وقت داہنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے کہ انگوٹھے کا کنارہ کلمہ کی انگلی کی جڑ میں لگاتے اور تین انگلیاں بند کر لیتے یہ ترپن کا عقد ہوا اور کلمہ کی انگلی اوپر اٹھاتے اِلَّا اللہ پر گرادیتے،یہ تفصیل دوسری احادیث میں وارد ہے۔خیال رہے کہ اس اشارے کے متعلق مختلف روایتیں آئیں ہیں یہاں ترپن(۵۳)کا عقد مذکور ہے،بعض میں ہے کہ انگلیاں بندکرلیتے اور انگوٹھے و بیچ کی انگلی کا حلقہ بناتے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے۔معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اس طرح کرتے اور کبھی اس طرح لہذا احادیث میں تعارض نہیں احناف کے ہاں حلقہ والی حدیث پر عمل ہے جو حضرت وائل ابن حجر سے مروی ہے

	اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی داہنی انگلی جو انگوٹھے سے ملی ہے اسے اٹھاتے اس سے اشارہ کرتے ۱؎ اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھاتے ۲؎(مسلم)

۱؎اس طرح کہ زبان سے فرماتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور یہ انگلی اٹھا کر توحید کا اشارہ کرتے تاکہ قولًا و عملًا توحید کی گواہی ہو اور بعد اشارہ پھر ہاتھ بچھا دیتے تاکہ انگلیاں قبلہ رو رہیں۔

۲؎یعنی بایاں ہاتھ اول سے آخر تک بچھائے رکھتے اس ہاتھ سے عقد انامل یا اشارہ نہ کرتے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو کلمہ پڑھتے ۱؎تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر۲؎اور اپنی کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے ۳؎اور بائیں ہتھیلی سے گھٹنا پکڑ لیتے ۴؎(مسلم)

۱؎یہاں دعا سے مراد کلمہ شہادت ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ عرفہ کے دن بہترین دعا کلمہ طیبہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب بیٹھتے تو التحیات پڑھتے اوراس میں کلمہ طیبہ پڑھتے۔خیال رہے کہ نماز میں جب بھی بیٹھنا پڑے تب التحیات پڑھے لہذا اگر کوئی التحیات میں جماعت سے ملا اس کے ملتے ہی امام کھڑا ہوگیا تو یہ شخص پوری التحیات ورسولہ تک پڑھ کر اٹھے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎یہ پچھلی حدیث کی شرح ہے جس میں تھا کہ حضور قعدہ میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تھے اس نے بتایا کہ ہاتھ رانوں پر رکھتے انگلیوں کے کنارے گھٹنوں پر۔

۳؎یعنی انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنا کر اشارہ فرماتے جیسا ہم احناف کا عمل ہے۔

۴؎اس طرح کہ بایاں گھٹنا بائیں ہتھیلی میں ایسے آجاتا ہے جیسے منہ میں لقمہ۔خیال رہے کہ حضور کا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے اور پہلی حدیث کا عمل بیان التحیات کے لیے تھا یعنی دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر بچھا دینا بہتر ہے تاکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رو رہیں اور بایاں گھٹنا بائیں ہاتھ سے پکڑ لینا جائز ہے لہذا نہ تو احادیث میں تعارض ہے اور نہ مسلمانوں کا عمل اس حدیث کے خلاف۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ اشارہ صرف کلمہ شہادت پر تھا جو کلمہ ختم ہونے پر ختم ہوجاتا تھا اول سے ہاتھ بچھا ہوتا پھر بعد میں بھی بچھادیا جاتا تاکہ انگلیاں متوجہ قبلہ رہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ۱؎تو کہتے تھے ۲؎اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو۳؎جبریل علیہ السلام پر سلام ہو میکائیل پر سلام ہو فلاں پر سلام ہو۴؎جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھرے تو اپنے چہرے سے ہم پر متوجہ ہوئے ۵؎اور فرمایا نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو اللہ تو خود سلام ہے ۶؎جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے ۷؎کہ اللہ کے لیے تحیتیں،نمازیں اور طیب کلمے ہیں ۸؎اے نبی آپ پر سلام ہو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ۹؎ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو ۱۰؎نمازی جب یہ کہے گاتو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا۱۱؎میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۱۲؎پھر جو دعا اسے پسند ہو اختیار کر لے اور اس سے دعا مانگے ۱۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎اگر یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے تب تو یہ مطلب ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نماز پڑھتے تھے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ اس عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اپنے اجتہاد سے بجائے التحیات یہ پڑھا کرتے تھے، جب حضور معراج سے واپس ہوئے تب آپ نے اس التحیات کی تعلیم دی جو آگے آرہی ہے یعنی لوگو نماز تمہاری معراج ہے تو میں معراج میں رب سے جو گفتگو کرکے آیا تم بھی نماز میں وہ ہی کیا کرو اور اگر معراج کے بعد کا واقعہ ہے تو مطلب یہ ہے کہ اولًا التحیات کی تعلیم نہیں دی گئی تھی صحابہ اپنے اجتہاد سے کچھ کلمے کہہ لیا کرتے تھے،ایک روز نماز سے فارغ ہو کر اس التحیات کی تعلیم دی۔(مرقاۃ)

۲؎نماز کے دونوں قعدوں میں۔

۳؎ یعنی ہم بندے بارگاہ الٰہی میں نیاز مندانہ سلام پیش کرتے ہیں،وہ سمجھتے یہ تھے کہ جیسے بادشاہوں کے دربار میں سلام کرنا دربار کا ادب ہے ایسے ہی بارگاہِ الٰہی میں سلام پیش کرنا وہاں کا ادب ہے۔

۴؎ فلاں سے مراد باقی فرشتے ہیں یا خاص انبیائے کرام۔

۵؎ اِنْصَرَفَ کے معنی یا یہ ہیں کہ آپ معراج سے واپس لوٹے تو ہم سب کے سامنے وعظ فرمایا یا یہ مطلب ہے کہ ایک دن نماز سے فارغ ہو کر یہ ارشادہ فرمایا۔(از مرقات)

۶؎ یعنی سلام ایک قسم کی دعا ہے یہ رب کے لائق نہیں،رب ہر عیب سے پاک،ہر آفت سے دور ہے اور سب کو سلامت رکھنے والا ہے اسی لیے ایک دعا میں فرمایا گیا "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ"الٰہی تو سلامت رکھنے والا ہے۔

۷؎ لِیَقُلْ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لیئے آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں التحیات واجب ہے۔ وَاِذَاجَلَسَ کے عموم سے معلوم ہوا کہ نماز میں جب بھی بیٹھے التحیات پڑے خواہ امام کے تابع ہو کر بیٹھے یا خود اسے بیٹھنا ہو لہذا اگر کوئی امام کے ساتھ التحیات میں ملے اور اس کے بیٹھتے ہی امام کھڑا ہوجائے یا سلام پھیر دے تو التحیات پوری کرکے کھڑا ہو لہذا یہ حدیث احناف کے بہت سے مسائل کا ماخذ ہے۔جب التحیات واجب ہوئی تو اس کے رہ جانے پر سجدۂ سہو واجب ہوا جیسا کہ واجبات نماز کا حکم ہے۔

۸؎ ان تین کلموں کی شرحیں بہت ہیں۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ تحیۃ سے مراد قولی عبادات ہیں،صلوات سے مراد بدنی عبادات اور طیبات سے مراد مالی عبادتیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادتیں اللہ سے خاص ہیں چونکہ ان تینوں عبادتوں میں سے ہر ایک کی ہزار ہا قسمیں ہیں،نیز ہر شخص کی عبادت علیحدہ ہے اس لیے ان تینوں کو جمع فرمایا گیا۔خیال رہے کہ تحیۃ کا لفظ جب بندے کے لیے استعمال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے ملاقات کے وقت کا کلام یا کام، یونہی صلوت بندوں کے لیے بمعنی رحمتیں ہوتا ہے جیسے:"اُولٰٓئِكَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ"۔

۹؎ اس جگہ مرقات نے فرمایا کہ معراج کی رات اول تین کلمے حضور نے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے پھر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ الخ رب کی طرف سے حضور کو خطاب ہوا پھر اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا الخ،حضور نے جوابًا عرض کیا پھر اَشْھَدُ الخ،جبریل امین نے عرض کیا،چونکہ نماز بھی مسلمان کی معراج ہے اس لیے اسی میں سارے کلمات جمع کردیئے گئے۔نیز شیخ نے اشعۃ اللمعات میں،امام غزالی نے احیاء اعلوم میں،ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ پر ہر نمازی اپنے دل میں حضور کو حاضر جانے اور یہ جان کر سلام عرض کرے کہ میں حضور کو سلام کررہا ہوں حضور مجھے جواب دے رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ بعض عارفین کا ارشاد ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام موجودات بلکہ ممکنات میں ساری و طاری ہے اس لیے نماز میں بھی موجود ہے لہذا خطاب اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ نہایت موزوں ہے،یہی مضمون اہلِ حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی اپنی بعض کتب میں لکھا ہے۔اس سے مسئلہ حاضر و ناظر بخوبی واضح ہوگیا کیونکہ غائب کو غافل کو اور جو جواب نہ دے اس کو سلام کرنا منع ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

۱۰؎یعنی زمین و آسمان میں غائب و حاضر،گزشتہ موجودہ،آئندہ سارے نیک بندوں پر سلام،چونکہ وہ سب بندے سن نہیں رہے ہیں اسلیے یہاں خطاب نہیں ہوا۔نیک بندہ وہ ہے جو حق عبودیت ادا کرے اور اس پر قائم رہے۔

۱۱؎اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ دعا وغیرہ میں سارے مومنوں کو شامل کرنا چاہیے تو ان شآءاللّٰہ دعا ضرور قبول ہوگی۔خیال رہے کہ یہاں گنہگار بندوں کا ذکر نہیں آیا کیونکہ وہ عَلَیْنَا جمع کی ضمیر میں داخل کرلیے گئے۔حضور اپنے گنہگاروں کو اپنے دامن میں رکھتے ہیں۔

۱۲؎ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی التحیات میں شہادتیں یونہی ادا فرماتے تھے۔

۱۳؎بہتر یہ ہے کہ اس موقعہ پر منقولی دعائیں خصوصًا جامع دعائیں مانگی جائیں جیسے "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا" الخ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں درود ابراہیمی پڑھنا فرض نہیں یہی حنفیوں کا قول ہے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم التحیات ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۱؎فرماتے تھے کہ برکت والی تحیتیں اور طیب نمازیں اللہ کے لیئے ہیں اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں برکتیں ہوں،ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں ۲؎(مسلم)میں نے صحیحین میں اور صحیحین کے جامع میں سلام علیك اور سلام علینا بغیر الف لام کے نہ پایا لیکن اسے جامع والے نے ترمذی سے روایت کیا ۳؎	

۱؎یعنی جیسا اہتمام قرآن شریف کے سکھانے میں کرتے تھے ویسا ہی التحیات کے سکھانے میں بھی۔اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ نماز میں التحیات واجب ہے۔

۲؎یہ حضرت ابن عباس کی التحیات ہے،امام شافعی نے اسی کو اختیا ر فرمایا امام ابوحنیفہ و امام احمد ابن حنبل اور اکثر صحابہ و تابعین نے حضرت ابن مسعود کی التحیات کو لیا جو پہلے گزر چکی،علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کی التحیات کی حدیث بہت صحیح ہے،مسند امام احمدابن حنبل میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود کو حکم دیا کہ اس التحیات کی سب کو تعلیم دو اور امام مالک کی التحیات وہ ہے جو سیدنا عمر فاروق سے مروی۔"اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ"الخ۔(اشعہ)

۳؎ یعنی صاحب مصابیح نے حضرت ابن عباس کی التحیات میں سلامٌ بغیر الف لام کے نقل کیا مگر ایسی التحیات سوا ترمذی کے اور کہیں نہیں لہذا یہ حدیث صاحب مصابیح کو پہلی فصل میں نہیں لانی چاہیے تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے وہ رسول اللہ سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ پھر حضور بیٹھے ۱؎ تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور اپنی داہنی کہنی اپنی داہنی ران پر دراز کی ۲؎ دو انگلیاں بند کیں اور حلقہ بنایا ۳؎ پھر اپنی انگلی شریف اٹھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ اسے ہلاتے تھے اس سے اشارہ کرتے تھے ۴؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎ یہ حدیث ایک بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں وائل ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ شریف پر اس لیے حاضر ہوا کہ میں آپ کی نماز دیکھوں تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے،قبلہ کو منہ کیا،تکبیر کہی،کانوں تک ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آخر میں فرمایا پھر بیٹھے الخ۔

۲؎ یعنی اپنے ہاتھ ادھر ادھر پھیلائے نہیں،بلکہ ران کے مقابل رکھے یہ مطلب نہیں کہ کہنیاں ران پر بچھادیں۔

۳؎ یعنی بیچ والی انگلی کا انگوٹھے سے حلقہ بنایا جیسا کہ ہم لوگوں کا عمل ہے۔

۴؎ یہاں ہلانے سے مرا د انگلی کا اٹھانا اور گرانا ہے کیونکہ اس میں بھی انگلی کو حرکت ہوتی ہے لہذا یہ حدیث اگلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ آپ انگلی نہیں ہلاتے تھے یہ حدیث حنفیوں کے مخالف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے مگر اسے ہلاتے نہ تھے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)ابوداؤد نے یہ زیادہ کیا کہ آپ کی نگاہ اشارے سے آگے نہ بڑھتی ۲؎

۱؎ اس دعا سے مراد کلمۂ شہادت ہے کیونکہ درود،رب کی حمد و ثنا،حضور کی نعت،سب در پردہ دعائیں ہیں۔فقیر کا غنی کے دروازے پر آکر کہنا آپ بڑے سخی ہیں،داتا ہیں درپردہ مانگنا ہی ہے۔نہ ہلانے کا مطلب یہ ہے کہ انگلی اٹھا کر اسے جھماتے نہ تھے۔

۲؎ یعنی بروقت اشارہ آپ اپنی انگلی کو دیکھتے تھے۔خیال رہے کہ نماز کی نشست میں نگاہ گود میں چاہیے لیکن گود میں نگاہ ہوتے ہوئے انگلی بخوبی نظر آجاتی ہے۔راوی کا مطلب یہ ہے کہ آپ اشارہ کے وقت آسمان یا سجدہ گاہ کو نہ دیکھتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا ا؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سے کرو ایک سے کرو ۲؎(ترمذی،نسائی،بیہقی،دعوات کبیر)

ا؎یہ اشارہ کرنے والے صاحب حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی کی روایا ت میں ہے اور دو انگلیوں سے مراد داہنے یا بائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلیاں ہیں نہ کہ ایک ہاتھ کی دو انگلیاں جیسا کہ مرقاۃ اور اشعہ وغیرہ میں ہے۔
۲؎یعنی داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرو بائیں ہاتھ کی کوئی انگلی نہ اٹھاؤ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کہ کوئی نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے ا؎(احمد،ابوداؤد،)اسی کی ایک روایت میں ہے اس سے منع فرمایا کہ دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگائے جب نماز میں اٹھے۲؎

ا؎یعنی نماز میں اپنی طاقت سے بیٹھنا چاہیے زمین یا گھٹنوں پر ہاتھ رکھنااور اس پر جسم کا بوجھ ڈالنا منع ہے اس حالت میں ہاتھ ڈھیلے رہیں۔
۲؎یعنی سجدے سے اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگانا منع ہے بلکہ گھٹنوں اور رانوں پر زور دے کر اٹھے،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت میں جلسہ استراحت نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں ہاتھوں پر ضرور ٹیک لگانا پڑتی ہے۔جن روایتوں میں اس نشست کا ثبوت ہے وہاں بڑھاپے یا بیماری کی مجبوریاں مراد ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبدا للہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو پہلی رکعتوں میں ایسے ہوتے تھے گویا آپ گرم پتھر پر ہیں حتی کہ کھڑے ہوتے ا؎(ترمذی،ابوداؤد، نسائی)

ا؎یعنی تین یا چار رکعت والے فرائض میں آپ قعدہ میں زیادہ دیر نہ لگاتے بلکہ صرف **التحیات** پڑھ کر کھڑے ہوجاتے۔گرم پتھر ہونے سے مراد جلدی اٹھنا ہے اس کے سوا اور جو توجیہیں کی گئی ہیں باطل ہیں عربی میں **رضف** اس گرم پتھر کو کہتے ہیں جو دودھ گرم کرنے کے لیے استعمال کیاجاتاہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ

	علیہ وسلم ہم کو التحیات ایسے سکھاتے تھے جیسے ہم کو قرآن کی سورت سکھاتے۱اللہ کے نام سے اور اللہ سے تحیتیں پاک نمازیں اللہ کے لیے ہیں ۲اے نبی آپ پر سلام ہو۳اور اللہ کی رحمت اس کی برکتیں ہوں ہم پر اوراللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے و رسول ہیں ۴اللہ سے جنت مانگتا ہوں آگ سے رب کی پناہ(نسائی)

۱یعنی جیسے قرآن کی ایک ایک آیت مختلف الفاظ اور مختلف قرأتوں سے سکھاتے ایسے ہی ہمیں التحیات مختلف الفاظ سے سکھاتے تھے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ جیسے قرآن شریف کی سات قرأتیں متواتر ہیں اور باقی قرأتیں شاذ ایسے ہی التحیات کی مختلف عبارتیں ہیں جو مختلف صحابہ سے منقول ہیں اور جیسے اب قرآن شریف صرف ایک قرأت سے ہی پڑھنا چاہیے ورنہ فتنہ ہوگا ایسے ہی اب التحیات صرف ایک ہی عبارت سے پڑھنی چاہیئے۔

۲نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا کہ التحیات میں بسم اللہ کی زیادتی صرف حضرت جابر کی اس روایت سے ہی ثابت ہے اور کسی روایت میں نہیں ہے حضرت جابر کی یہ حدیث صحیح نہیں۔

۳التحیات کی مختلف عبارتیں احادیث میں منقول ہیں لیکن ہر عبارت میں حضور کو خطاب کرکے حضور کو سلام کیا گیا ہے۔ مرقات نے فرمایا نماز میں حضور سے خطاب اور کلام حضور کی خصوصیت ہے اگر کسی اورکو غائبانہ یا حاضرانہ سلام کرے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو بحالت نماز حضور پکاریں تو اس پر واجب ہے کہ اسی حالت میں بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو جو حکم ملے اس کی تعمیل کرے اس کے باوجود نماز ہی میں ہوگا کہ جب انہیں سلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو ان سے بات کرنے ان کی خدمت کرنے سے بھی نہیں ٹوٹے گی۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن"میں دیکھو۔

۴اس میں تجدید ایمان ہے ہرمسلمان کو چاہیے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے بلکہ سوتے وقت توبہ کرکے تجدید ایمان کرکے سویا کرے۔

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اپنی نگاہ اس پر لگاتے ۱پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان پر لوہے سے زیادہ گراں ہے یعنی یہ انگلی۲(احمد)

۱؎ یعنی آپ نماز کے قعدہ میں تین کام کرتے تھے:رانوں پر ہاتھ رکھنا اس طرح کہ انگلیوں کے کنارے گھٹنوں تک پہنچ جائیں،کلمہ شہادت کے وقت داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے اشارہ رکرنا، اشارے کے وقت نگاہ انگلی پر رکھنا اس کی توجہیں پہلے ہو چکی ہیں۔

۲؎ یعنی جیسے نیزہ بھالا لگنے سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے اس سے زیادہ تکلیف شیطان کو اس اشارے سے ہوتی ہے اس کی برکت سے شیطان اسے بہکانے سے مایوس ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ بعض حنفی بزرگوں نے اس اشارے کا انکار کیا ہے جیسے حضرت مجدد صاحب قدس سرہ مگر ان کے انکار کی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہے کہ ان کو ان احادیث کی صحت نہ پہنچی ہو۔حق یہ ہے کہ اشارہ سنت ہے اور ان بزرگوں پر کوئی اعتراض نہ کیا جائے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں۱؎ کہ التحیات آہستہ کہنا سنت ہے(ابوداؤد،ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مر فوع کے حکم میں ہے کیونکہ صحابہ کرام کے وہ اقوال جو قیاس سے وراء ہیں مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ التحیات آہستہ پڑھنا ضروری ہے۔

باب الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم وفضلها

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے اور اس کی فضیلت کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] صلوۃ کے معنی ہیں رحمت یا طلب رحمت۔جب اس کا فاعل رب ہو تو بمعنی رحمت ہوتی ہے اور فاعل جب بندے ہوں تو بمعنی طلب رحمت،درود شریف کے فضائل ہماری شمار سے باہر ہیں۔حق یہ ہے کہ ہر مسلمان پر عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض اور ہر مجلس میں جہاں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف لیا جائے ایک بار واجب ہے اور ہر بار مستحب۔نماز کے قعدے میں درود شریف امام شافعی کے ہاں فرض ہے، احناف اور دیگر آئمہ کے ہاں سنت مؤکدہ یا واجب،درود شریف صرف نبی یا فرشتوں پر ہوسکتا ہے غیر نبی پر نبی کے تابع ہو کر درود جائز بالاستقلال مکروہ۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی سے [1] فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت کعب ابن عجرہ ملے [2] تو بولے کہ کیا میں تمہیں وہ ہدیہ نہ دوں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میں نے کہا ہاں وہ ہدیہ مجھے ضرور دیں [3] تو فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا یارسول اللہ آپ کے اہل بیت پر دورد کیا ہے اللہ نے یہ تو ہمیں سکھادیا کہ آپ پر سلام کیسے عرض کریں [4] فرمایا یوں کہو اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمتیں بھیج [5] جیسے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں کیں بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے [6] اے اللہ حضور محمد و آل محمد پر ایسی ہی برکتیں بھیج جیسی برکتیں حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر اتاریں [7] بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے [8] (مسلم و بخاری) مگر مسلم نے دونوں جگہ علیٰ ابراھیم کا ذکر نہ کیا۔

[1] آپ انصاری ہیں،تابعی ہیں،مدنی ہیں،ایک سو بیس صحابہ سے ملاقات کی،خلافت فاروقی میں عمر فاروق کی شہادت سے چھ سال پہلے پیدا ہوئے،آپ کے والد صحابی ہیں،غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

۲؎ آپ صحابی ہیں،بیعت رضوان میں موجود تھے،کوفہ میں قیام رہا،۷۵ سال عمر ہوئی، ۸۱ھ؁ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور کی احادیث کو پیش قیمت ہدیہ اور بے بہا اسلامی تحفہ سمجھتے تھے اور نعمت لَایَزَال سمجھ کر اسے سناتے تھے۔

۴؎ یعنی جب آیت کریمہ:"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" اتری تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رب نے ہم کو صلوۃ و سلام کا حکم دیا ہمیں التحیات میں آپ کو سلام کرنا تو آگیا مگر صلوۃ کیسے عرض کریں۔خیال رہے کہ یہاں سلام سے مراد التحیات کا سلام ہے اسی لیے مسلم شریف نے اس حدیث کے لیے یہ باب مقرر کیا "بَابُ کَیْفِ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تعالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوۃِ " معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود بھیجو تب صحابہ نے یہ سوال کیا۔

۵؎ آل اہل سے بنا بمعنی والا جیسے"وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ " یا حضور کی بیویاں ہیں،قرآن کریم نے بیویوں کو اھل بیت فرمایا ہے" فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا یا حضور کی ساری اولاد ہے یعنی آپ کے چاروں بیٹے اور چاروں بیٹیاں اور تاقیامت فاطمہ زہرا کی نسل یا تمام بنی ہاشم جن پر زکوۃ لینا حرام ہے صحیح یہ ہے کہ حضور کی ساری ازواج اور اولاد آپ کی آل ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"شانِ حبیب الرحمان"اور"فہرست القرآن"دیکھو۔

۶؎ یہاں تشبیہ شہرت کی بنا پر ہے ورنہ حضور اور حضور کی صلوۃ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی صلوۃ سے افضل ہے،چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے حضور کے لیے دعائیں مانگیں"رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا"اس کے شکریئے میں ہم لوگ ہر نماز میں ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں دیتے ہیں۔

۷؎ یعنی جیسی عزت اور بزرگی ابراہیم علیہ السلام کو دی ایسی ہمارے حضور کو بھی دے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہزار ہا انبیاء ہوتے تو حضور کی اولاد میں لاکھوں اولیاء اللہ ہوں۔

۸؎ خیال رہے کہ یہ درود ابراہیمی ہے نماز میں صرف یہی پڑھا جائے گا اور درود نہیں مگر نماز کے علاوہ یہ درود غیر مکمل ہوگا کیونکہ اس میں سلام نہیں اور قرآن کریم نے صلوۃ و سلام دونوں کا حکم دیا لہذا خارج نماز وہ درود پڑھو جس میں صلوۃ و سلام دونوں ہوں،نماز میں چونکہ التحیات میں سلام آچکا ہے اس لیے یہاں سلام نہ آنا مضر نہیں ہے۔بعض لوگ اس حدیث کی بناء پر کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی کے سوا اور کوئی درود جائز نہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ تمام صحابہ، محدثین،فقہاءیوں کہتے ہیں"قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ"یہ درود ابراہیمی کے علاوہ ہے۔

	روایت ہے حصرت ابو حمید ساعدی سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں ا؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہو اے اللہ حضور محمد اور ان کی بیویوں اور انکی اولاد پر ویسی ہی

رحمتیں بھیج جیسی آل ابراہیم پر بھیجیں اور حضور محمد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد پر یوں ہی برکتیں نازل کر جیسے آل ابراہیم پر اتاریں تو حمد و بزرگی والا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎یہاں بھی سوال نماز کے بارے میں ہے جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے درود ابراہیمی صرف نماز کے لیے ہے۔
۲؎یہ حدیث گزشتہ حدیث کی گویا تفسیر ہے اس نے بتایا کہ آل محمد میں حضور کی بیویاں اولاد سب داخل ہیں بیویاں اہل بیت سکونت ہیں اور اولاد اہل بیت ولادت قرآن کریم نے عمران کی بیوی حمنہ اور ان کی بیٹی حضرت مریم کو آل عمران فرمایا خیال رہے کہ ذریت ساری نسل کو کہا جاتا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بیٹی کی اولاد ذریت نہیں سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی بیٹی کی اولادآپ کی ذریت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اس پر اللہ دس رحمتیں کرے گا۱؎(مسلم)	

۱؎اس حدیث کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"اسلام میں ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گناہ ہے۔خیال رہے کہ بندہ اپنی حیثیت کے لائق درود شریف پڑھتا ہے مگر رب تعالٰی اپنی شان کے لائق اس پر رحمتیں اتارتا ہے جو بندے کے خیال و گمان سے وراء ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ پر ایک درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کیئے جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند کئے جائیں گے۱؎(نسائی)	

۱؎یعنی ایک درود میں تین فائدے ہیں:دس رحمتیں،دس گناہوں کی معافی اور دس درجوں کی بلندی۔مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زبان ہر وقت درود شریف سے ہلتی رہے،درود شریف ہردعا کی قبولیت کی شرط ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا۱؎ (ترمذی)	

۱؎ قیامت میں سب سے آرام میں وہ ہوگا جو حضور کے ساتھ رہے اور حضور کی ہمراہی نصیب ہونے کا ذریعہ درود شریف کی کثرت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف بہترین نیکی ہے کہ تمام نیکیوں سے جنت ملتی ہے اور اس سے بزم جنت کے دولہا صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں سیر و سیاحت کرتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں ۱؎(نسائی،دارمی)	

۱؎یعنی ان فرشتوں کی یہی ڈیوٹی ہے کہ وہ آستانہ عالیہ تک امت کا سلام پہنچایا کریں۔یہاں چند باتیں قابل خیال ہیں:ایک یہ کہ فرشتے کے درود پہنچانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور بنفس نفیس ہر ایک کا درود نہ سنتے ہوں،حق یہ ہے کہ سرکار ہر دورو قریب کے درود خواں کا درود سنتے بھی ہیں اور درود خواں کی عزت افزائی کے لیے فرشتے بھی بارگاہِ عالی میں درود پہنچاتے ہیں تاکہ درود کی برکت سے ہم گنہگاروں کا نام آستانہ عالیہ میں فرشتہ کی زبان سے ادا ہو۔سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی تو حضور ہم گنہگاروں کی فریاد کیوں نہ سنیں گے،دیکھو رب تعالٰی ہمارے اعمال دیکھتا ہے پھر بھی اسکی بارگاہ میں فرشتے اعمال پیش کرتے ہیں۔دوسرے یہ کہ یہ فرشتے ایسے تیز رفتار ہیں کہ ادھر امتی کے منہ سے درود نکالا ادھر انہوں نے سبز گنبد میں پیش کیا اگر کوئی ایک مجلس میں ہزار بار درود شریف پڑھیں تو یہ فرشتہ ان کے اور مدینہ طیبہ کے ہزار چکر لگائے گا یہ نہ ہوگا کہ دن بھر کے درود تھیلے میں جمع کرکے ڈاک کی طرح شام کو وہاں پہنچائے جیسا کہ اس زمانہ کے بعض جہلاء نے سمجھا۔تیسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے فرشتوں کو حضور انور کا خدام آستانہ بنایا ہے،حضور انور کا خدمت گار ان فرشتوں کا سا رتبہ رکھتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر کوئی شخص سلام نہیں بھیجتا مگر اللہ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے حتی کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں ۱؎(ابوداؤد،بیہقی،دعوات کبیر)	

۱؎یہاں روح سے مراد توجہ ہے نہ وہ جان جس سے زندگی قائم ہے حضور تو بحیات دائمی زندہ ہیں۔اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ میں ویسے تو بے جان رہتا ہوں کسی کے درود پڑھنے پر زندہ ہو کر جواب دیتا رہتا ہوں ورنہ ہر آن حضور پر لاکھوں درود پڑھے جاتے ہیں تو لازم آئے گا کہ ہر آن لاکھوں بار آپ کی روح نکلتی اور داخل ہوتی رہے۔خیال رہے کہ حضور ایک آن میں بے شمار درود خوانوں کی طرف یکساں توجہ رکھتے ہیں،سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں جیسے سورج بیک وقت سارے عالم پر توجہ کرلیتا ہے ایسے آسمان نبوت کے سورج ایک وقت میں سب کا درود سلام سن بھی لیتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن اس میں آپ کو کوئی تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی کیوں نہ ہو کہ مظہر ذات کبریا ہیں،رب تعالٰی بیک وقت سب کی دعائیں سنتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنے گھر قبور نہ بناؤ ا اور میری قبر کو عید نہ بناؤ ۲ اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو ۳ (نسائی)	

ا یعنی گھروں میں مردے دفن نہ کرو باہر جنگل میں دفن کرو اپنے گھر میں دفن ہونا حضور کی خصوصیت ہے یا اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح اللہ کے ذکر سے خالی مت رکھوبلکہ فرائض مسجد وں میں ادا کرو اور نوافل گھر میں۔

۲ یعنی جیسے عیدگاہ میں سال میں صرف دوبار جاتے ہیں ایسے میرے مزار پر نہ آؤ بلکہ اکثر حاضری دیا کرو یا جیسے عید کے دن کھیل کود کے لیے میلوں میں جاتے ہیں ایسے تم ہمارے روضہ پر بے ادبی سے نہ آیا کرو بلکہ باادب رہا کرو۔

۳ مرقات نے یہاں فرمایا کہ ارواح قدسیہ بدن سے نکل کر ملائکہ کی طرح ہوجاتی ہیں کہ وہ سارے عالم کو کف دست کی طرح دیکھتی ہیں اوران کے لیے کوئی شے حجاب نہیں رہتی۔یہی مضمون کچھ فرق کے ساتھ اشعۃ اللمعات نے بھی بیان فرمایا لہذا اس حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ تم جہاں بھی ہو تمہارے درود کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے جب آج بجلی کی طاقت سے وارلیس اور ریڈیو کے ذریعے لاکھوں میل کی آواز سن لی جاتی ہے تو اگر طاقت نبوت سے درود کی آواز سن لی جائے تو کیا بعید ہے۔یعقوب علیہ اسلام نے صدہا میل سے پیراہن یوسف علیہ السلام کی خوشبو پائی،سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی حالانکہ آج تک کوئی طاقت چیونٹی کی آواز نہ سنا سکی تو ہمارے حضور بھی درود خوانوں کی آواز ضرور سنتے ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے ا اس کی ناک گرد آلود ہو جس پر رمضان آئے پھر اس کی بخشش سے پہلے گزر جائے اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپا پائے اور اسے جنت میں نہ پہنچائیں ۲ (ترمذی)	

ا یعنی ایسا مسلمان خوارو ذلیل ہوجائے جو میرا نام سن کر درود نہ پڑھے۔عربی میں اس بدعا سے مراد اظہار ناراضی ہوتاہے حقیقتًا بددعا مراد نہیں ہوتی،اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں اگر چند بار حضور کا نام شریف آوے تو ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے،مگر یہ استدلال کچھ کمزورسا ہے کیونکہ رَغِمَ اَنفٌ ہلکا کلمہ ہے جس سے درود کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے نہ کہ وجوب۔مطلب یہ ہے کہ جو بلا محنت دس رحمتیں،دس درجے،دس معافیاں حاصل نہ کرے بڑا بیوقوف ہے۔

۲؎ یعنی وہ مسلماں بھی ذلیل و خوار ہوجائے جو رمضان کا مہینہ پائے اور اسکا احترام اوراس میں عبادات کرکے گناہ نہ بخشوائے،یونہی وہ بھی خوار ہوجس نے جوانی میں ماں باپ کا بڑھاپا پایا پھر ان کی خدمت کرکے جنتی نہ ہوا۔بڑھاپے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ بڑھاپے میں اولاد کی خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت کی دعا اولادکا بیڑا پار کردیتی ہے۔خیال رہے کہ یہ تینوں چیزیں مسلمانوں کے لیے مفید ہیں،کافر کسی نیکی سے جنتی نہیں ہوسکتا،ہاں بعض نیکیوں کی وجہ سے اسے ایمان لانے کی توفیق مل جاتی ہے اور بعض کی برکت سے اس کا عذاب ہلکا ہوجاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوطلحہ سے ا؎ کہ ایک دن رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خوشی آپ کے چہرے انور میں تھی فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل آئے عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے اے محمد کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا کوئی امتی تم پر ایک بار درود نہ بھیجے مگر میں اس پر دس رحمتیں کروں اور آپ کا کوئی امتی آپ پر سلام نہ بھیجے مگر میں اس پر دس سلام بھیجوں ۲؎(نسائی،دارمی)۳؎	

ا؎ آپ کا نام سہل ابن زید ہے،حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔

۲؎ رب کے سلام بھیجنے سے مراد یا تو بذریعہ ملائکہ اسے سلام کہلواتا ہے یا آفتوں اور مصیبتوں سے سلامت رکھنا۔حضور کو یہ خوشخبری اس لیے دی گئی کہ آپ کو اپنی امت کی راحت سے بہت خوشی ہوتی ہے جیسے کہ اپنی امت کی تکلیف سے غم ہوتا ہے یہ حدیث اس آیت کی مؤیّد ہے "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"۔

۳؎ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں،حاکم نے مستدرک میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور احمد نے بھی روایت کیا،روایت حاکم کے اخیر میں ہے کہ اس پر میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں تو درود کتنا مقرر کروں ا؎ فرمایا جتنا چاہو، میں نے کہا چہارم فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا آدھا فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا دو تہائی تو فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے ۲؎ میں نے کہا میں سارا درود وہی پڑھوں گا ۳؎ فرمایا تب تو تمہارے غموں کو کافی ہوگا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا ۴؎(ترمذی)	

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں صلوۃ سے مراد دعائیں ہیں۔ منشاء سوال یہ ہے کہ میرے لیے حد مقرر فرمادی جائے کہ اپنے تمام درود وظیفوں میں درود کتنا پڑھوں اور باقی ذکر اذکار دعائیں کتنی۔

۲؎ یعنی زیادتی درود نفل ہے نفل میں معین کرنے کا حق بندے کو ہوتا ہے،راوی کے چہارم یا نصف فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام درود وظیفوں کا تہائی یا آدھا درود پڑھوں باقی میں سارے وظیفے،جواب ملا کر درود جتنا بڑھا اتنا ہی بہتر ہے۔

۳؎ یعنی سارے درود وظیفے دعائیں چھوڑ دوں گا سب کی بجائے درود ہی پڑھوں گا کیونکہ اپنے لیے دعائیں مانگنے سے بہتر یہ ہے کہ ہر وقت آپ کو دعائیں دیا کروں۔

۴؎ یعنی اگر تم نے ایسا کرلیا تو تمہاری دین و دنیا دونوں سنبھل جائیں گی، دنیا مین رنج و غم دفع ہوں گی،آخرت میں گناہوں کی معافی ہوگی۔اسی بنا پر علما فرماتے ہیں کہ جو تمام دعائیں وظیفے چھوڑ کر ہمیشہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے تو اسے بغیر مانگے سب کچھ ملے گا اور دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی۔ ان احادیث سے پتہ لگا کہ حضور پر درود پڑھنا درحقیقت رب سے اپنے لیے بھیک مانگنا ہے،ہمارے بھکاری ہمارے بچوں کو دعائیں دے کر ہم سے مانگتے ہیں ہم رب کے بھکاری ہیں اس کے حبیب کو دعائیں دے کر اس سے بھیک مانگیں ہمارے درود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ ہمارا اپنا بھلا ہوتا ہے،اس تقریر سے چکڑالویوں کا وہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت رحمتوں کی بارش ہورہی ہے تو ان کے لیے دعائے رحمت کرنے سے فائدہ کیا؟ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالوہاب متقی جب بھی مدینہ سے وداع کرتے تو فرماتے کہ سفر حج میں فرائض کے بعد درود سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں اپنے سارے اوقات درود میں گھیرو اور اپنے کو درود کے رنگ میں رنگ لو۔

	روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر کہا الٰہی مجھے بخش دے اور رحم کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ کی حمد کر جس کے وہ لائق ہے اور مجھ پر درود بھیج پھر دعا کر۲؎ فرماتے ہیں اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز پڑھی پھر اللہ کی حمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی مانگ قبول ہوگی ۳؎ ترمذی،ابوداؤد،نسائی نے اس کی مثل روایت کی ۴؎

۱؎ آپ صحابی،انصاری،اوسی ہیں،کنیت ابو محمد ہے،غزوہ احد و خیبر میں حاضر رہے، بیعت رضوان میں شریک تھے، دمشق میں قیام رہا، امیر معاویہ کی طرف سے وہاں کے قاضی رہے، ۵۳ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲؎ کیونکہ رب دینے والا ہے اور اس کے حبیب دلوانے والے اور بانٹنے والے یا یوں کہو کہ رب سے مانگنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگنا ہے لہذا حمد و صلوۃ کے بعد مانگو۔
۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی دعا بغیر حمد صلوۃ قبول نہیں ہوتی یہ دونوں قبول دعا کی شرطیں ہیں۔
۴؎ ایسے ہی اسے ابن خزیمہ حاکم اور ابن حبان نے نقل کیا ترمذی نے اسے صحیح کہا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر آپ کے ساتھ تھے۱؎ جب میں بیٹھا تو اللہ کی حمد سے ابتداء کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پھر میں نے اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ لے دیا جائے گا مانگ لے دیا جائے گا۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی یہ حضرات نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں ہی تشریف فرما تھے میں نوافل وغیرہ پڑھ رہا تھا کیونکہ حضرت ابن مسعود علیحدہ فرض نہیں پڑھتے تھے جماعت سے پڑھتے تھے۔معلوم ہوا کہ نماز کے بعد مسجد میں کچھ ٹھہرنا سنت ہے۔
۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ دعا میں ترتیب یہ چاہیے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر درود شریف پڑھے پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے پھر دعا مانگے۔ شامی نے فرمایا کہ دوران دعا میں بار بار درود شریف پڑھتا رہے درودوں سے بھری ہوئی دعا ان شاءاللہ رد نہیں ہوتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے پسند ہو کہ اس کو پوری ناپ ملے۱؎ تو جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو کہے الٰہی اُمی نبی حضور محمد پر ۲؎ اور مسلمانوں کی ماؤں یعنی حضور کی بیویوں پر اور ان کی اولاد پر اور اہل بیت پر۳؎ رحمت بھیج جیسے آل ابراہیم پر تو نے رحمت بھیجی ۴؎ تو حمد و بزرگی والا ہے۔(ابوداؤد)

۱؎ یعنی درود کا پورا ثواب ملے اور دعا پورے طور پر قبول ہو،نیز ہر مراد حاصل ہو۔
۲؎ حضور نبی بھی ہیں اور امی بھی۔نبی کے معنی ہیں غیب کی خبر دینے والا یا امت کی خبر رکھنے والا یا بے کسوں کی خبر لینے والا یا بڑی شان والا۔یہ لفظ نَبَاءٌ سے بنایا نَبُوَّةٌ سے۔شریعت میں نبی وہ انسان ہے جس پر وحی کی جائے

تبلیغ کا حکم ہو یا نہ ہو رسول وہ ہیں جن پر وحی بھی ہو اور تبلیغ کا حکم بھی۔امّی ام کی طرف منسوب ہے بمعنی ماں یا اصل حضور کے امی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ اُمُّ القُریٰ یعنی مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں،مکہ معظّمہ ساری زمین کی اصل ہے لہذا اُمُّ القُریٰ کہلاتا ہے یا یہ کہ آپ بغیر کسی سے سیکھے شکم مادر سے عالم عارف باللہ پیدا ہوئے یا یہ کہ آپ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ کے عالم و حافظ ہیں،آپ بڑی شاندار ماں کے فرزند ہیں کہ آمنہ خاتون جیسی ماں نہ کوئی ہوئی نہ ہو رضی اللہ عنہا۔سیدنا آمنہ خاتون کے فضائل ہماری کتاب تفسیر نعیمی جلد اول میں دیکھو۔

۳؎ یہ عطف تفسیری ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی بیویاں اور اولاد ہی تو اہل بیت ہیں،حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں عزت و احترام اور نکاح کی حرمت کے لحاظ سے مسلمانوں کی مائیں ہیں اگرچہ ان سے پردہ واجب،ان کی میراث کا استحقاق نہیں،ان کی اولاد سے امت کا نکاح جائز یعنی وہ بہنیں نہیں۔

۴؎ آل ابراہیم میں حضور بھی داخل ہیں لہذا اس کلمے میں بھی حضور پر درود ہوا۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا کنجوس وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہو وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۱؎ (ترمذی) احمد نے حسین ابن علی سے روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ۲؎

۱؎ کیونکہ درود میں کچھ خرچ تو ہوتا نہیں اور ثواب بہت مل جاتا ہے اس ثواب سے محرومی بڑی ہی بدنصیبی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی حضور کا نام سنے یا پڑھے تو دورد شریف ضرور پڑھے کہ یہ مستحب ہے۔

۲؎ یعنی چنداسنادوں سے مروی ہے۔بعض اسناد میں حسن ہے،بعض میں صحیح،بعض میں غریب۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا میں سنوں گا اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھے گا مجھے پہنچایا جائے گا۱؎ (بیہقی، شعب الایمان)

۱؎ یعنی روضہ اطہر پر درود پڑھنے والے کا درود بلا واسطہ سنتا ہوں اور دور سے پڑھنے والے کا درود سنتا بھی ہوں اور پہنچایا بھی جاتا ہوں کیونکہ یہاں دور کا درود سننے کی نفی نہیں۔صوفیا فرماتے ہیں کہ محبت والا درود خواں دور بھی ہو تو روضہ پاک سے قریب ہے اور محبت سے خالی قریب بھی ہو تب بھی دور،ان کے ہاں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دلی قرب والوں کا درود میں خود محبت سے سنتا ہوں خشکوں کا درود فرشتے ڈیوٹی ادا کرنے کے لیے پہنچاتو دیتے ہیں مگر میں توجہ سے سنتا نہیں،اس ہی مضمون کی ایک حدیث دلائل الخیرات شریف کے مقدمہ میں ہے جس میں فرمایا "اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ" الخ۔اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے ورنہ جو محبوب ہزار ہا من مٹی کے حجاب سے درودسن لے وہ دور سے درود کیوں نہ سنے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود پڑھے گا تو اس پر اللہ اور فرشتے ستر بار درود بھیجیں گے (احمد)۱	

۱یہاں جمعہ کے دن کا درود مراد ہے کیونکہ جمعہ کی ایک نیکی ستر کے برابر ہوتی ہے اسی لیے جمعہ کا حج حج اکبر کہلاتا ہے اور اس کا ثواب ستر حج کا،دیگر احادیث میں اور دونوں کے درود کا ذکر ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ اس میں قیاس کو دخل نہیں۔

روایت ہے حصرت رویفع سے۱کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حضور محمد پر درود پڑھے اور کہے الٰہی انہیں قیامت کے دن اپنی قریب ٹھکانے میں اتار ۲تو اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہوگئی (احمد)	

۱آپ کا نام رویفع ابن ثابت انصاری ہے،آپ کو امیرمعاویہ نے طرابلس کا حاکم بنایا اور آپ نے افریقہ پر ۴۷ھ میں جہاد کیا اور آپ ۵۶ھ مقام رقہ میں فوت ہوئے۔

۲اس ٹھکانے سے مراد یا تو مقام محمود ہے جو عرش کے دائیں جانب ہے جہاں حضور جلوہ گر ہوں گے اور تمام عالم آپ کی حمد کرے گا یا مقام وسیلہ ہے جو جنت میں اعلیٰ مقام ہے یہ،دونوں مقام حضور پرنور شافع یوم النشور کے لیے نامزد ہوچکے ہیں اب حضور علیہ السلام کے لیے ان کی دعا کرنا حقیقۃً اپنے لیے رب سے دعا ہے کہ ہمیں حضور علیہ السلام کی شفاعت کا حق دار بنا۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے حتی کہ ایک باغ میں پہنچے تو بہت دراز سجدہ کیا۱حتی کہ مجھے خوف ہوا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو وفات دے دی ہو فرماتے ہیں میں آکر دیکھنے لگا تو آپ نے سر اٹھایا فرمایا کیا ہے تو میں نے یہ عرض کیا۲تب فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ آپ سے فرماتا ہے جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت کروں گا اور جو آپ پر سلام کہے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۳(احمد)	

۱سجدے سے مراد یا نفل کا سجدہ ہے یا علیحدہ مستقل سجدہ۔دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎یعنی اپنے دل کا خدشہ،خیال رہے کہ انبیائے کرام کے لیے ایسی حالت میں وفات پاجانا اور سجدہ میں ٹھہرا رہنا گر نہ جانا باعث تعجب نہیں سلیمان علیہ السلام کی وفات نماز کے قیام میں ہوئی اور ایک لاٹھی کے سہارے آپ چھ ماہ یا ایک سال کھڑے رہے لہذا ان صحابی کے اس خیال پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎غالب یہ ہے کہ رب کی رحمت بھیجنے سے مراد دس رحمتیں ہیں،اس کے سلام سے مراد دس سلام جیسا کہ پچھلی احادیث میں گزرا وہ احادیث اس کی شرح ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے اس سے کوئی چیز نہیں چڑھتی حتی کہ تم اپنے نبی پر درود بھیجو ۱؎(ترمذی)

۱؎حضرت عمرکا یہ قول اپنی رائے سے نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے سن کر ہے کیونکہ یہ باتیں صرف رائے سے نہیں کہی جاتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود دعا کی قبولیت بلکہ بارگاہِ الہی میں پیش ہونے کا ذریعہ ہے۔شعر

مورمسکین ہو سی داشت کہ درکعبہ رسید　　　دست درپائے کبوتر زودناگاہ رسید

چیونٹی اگر کعبہ کا طواف چاہے تو کبوتر کے پاؤں سے لپٹے۔دعا اگر قرب الہٰی کا طواف چاہے تو حضور علیہ السلام کے قدم سے لپٹے۔

باب الدعاء فی التشھد

التحیات میں دعا کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی التحیات کے بعد آخر نماز میں دعا کیا مانگے اور نماز سے فارغ کیونکر ہو یہ دعا سنت ہے لیکن ایسی مانگی جائے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو۔بہتر یہ ہے کہ دعا ماثورہ مانگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ سے منقول ہو جامع الدعاء بہت بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا مانگتے تھے کہتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۱اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے۲اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۳الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۴کسی نے عرض کیا ۵حضور قرض سے اتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں تو فرمایا کہ آدمی جب مقروض ہوتا ہے بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۶(مسلم،بخاری)

۱عذاب قبر کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے معتزلی فرقہ اس کا منکر ہے یہ حدیث ان کی پوری تردید ہے عذاب قبر میں وہاں کی وحشت،دہشت،تنگی گرمی سبھی داخل ہیں اللہ سب سے بچائے۔

۲دجال **دَجْلٌ** سے بنا،بمعنی فریب،دجال فریبی اور مکار،مسیح یا **مَسْحٌ** سے ہے یا **مساحةٌ**،سے **مَسْحٌ** چھونا،**مساحةٌ** ناپنا یا سیر کرنا،چونکہ دجال کی ایک آنکھ ممسوح یعنی پونچھی ہوئی ہے یا چونکہ وہ سوائے حرمین شریفین کے باقی ساری دنیا کی سیر کرے گا لہٰذا اسے مسیح کہا جاتا ہے۔خیال رہے کہ عیسی علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ آپ مردے کو چھو کر زندہ کرتے اور بیمار کو چھو کر تندرست یا اس لیے کہ آپ نے کہیں گھر نہ بنایا ہمیشہ سفر میں رہے۔مسیح دجال کی پوری تحقیق ان شاء اللہ دجال کے باب میں کی جائے گی۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسا جامع کلمہ ہے،کفر،گمراہی،گناہ وہ آفتیں جو رب سے غافل کردیں وہ مال،اولاد، سلطنت جو سرکش کردے سب زندگی کے فتنہ ہیں،موت کے وقت شیطانی وسوسے،منکر و نکیر کے سوالات میں ناکامی یہ سب موت کے فتنے ہیں۔

۴؎ گناہ سے مراد چھوٹے بڑے سارے گناہ اور گناہوں کے اسباب ہیں۔قرض سے مراد وہ قرض ہے جو گناہ کے لیے لیاجائے یا وہ جو مقروض پر بوجھ بنے اور اس کے ادا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادتوں کے لیے قرض لیا اور صدیق اکبر نے آپ کی وفات کے بعد سارا چھوڑا ہوا قرض ادا کردیا لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب حضور علیہ السلام یہ دعا مانگتے تھے تو آپ پر قرض کیوں ہوتا تھا۔

۵؎ یہ عرض کرنے والی خود حضرت عائشہ صدیقہ تھیں جیسا کہ نسائی شریف میں ہے۔(مرقاۃ)

۶؎ یعنی قرض بہت سے گناہوں کا ذریعہ ہے عموماً مقروض قرض خواہ کے تقاضے کے وقت جھوٹ بھی بولتے ہیں کہ گھر میں چھپ کر کہلوادیتا ہے کہ وہ گھر پر نہیں اور اگر پکڑے گئے تو کہہ دیا ہمارا مال آنے والاہے جلدی دیں گے،وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں کہ کل لے جانا مگر دیتے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی جب دوسری التحیات سے فارغ ہو ۱؎ تو چار چیزوں سے پناہ مانگے دوزخ اور قبر کے عذاب سے زندگی اور موت کے فتنوں سے مسیح دجال کی شرارت سے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ اور درود ابراہیمی پڑھ چکے۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز نفل ہو یا فرض دعا اس کے آخری قعدے میں ہی مانگی جائے گی ہاں نفل میں دونوں درود ابراہیمی دونوں قعدوں میں پڑھے جائیں گے۔

۲؎ خیال رہے کہ بڑا دجال تو ایک ہی ہے جو قریب قیامت ظاہر ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ماراجائے گا مگر چھوٹے دجال بہت ہیں جو ہر زمانے میں رہتے ہیں ہر گمراہ کن دجال ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ دعا ایسے سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے فرماتے تھے کہو اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح الدجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی فتنہ سے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یہ تمام دعائیں امت کی تعلیم کے لیے ہیں ورنہ انبیائے کرام عذاب قبر تو کیا حساب قبر سے بھی محفوظ ہیں،اسی طرح جو ان کے دامن میں آجائے وہ زندگی اور موت کے فتنوں سے محفوظ ہوجاتا ہے،آپ کے نام کی برکت سے

لوگوں کو دجال کے فتنوں سے امن ملے گی جہاں کہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں فلاں چیز سے تیری پناہ مانگتا ہوں وہاں امت کے لیے پناہ مراد ہے۔(مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے جو اپنی نماز میں مانگا کروں[1] فرمایا کہو الٰہی میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا[2] اور تیرے سوا گناہ کوئی نہیں بخش سکتا[3] تو اپنی طرف سے میری بخشش کر مجھ پر رحم کر تو بخشنے والا مہربان ہے۔(مسلم،بخاری)

[1] یعنی نماز کے آخر میں التحیات و درودوں سے فارغ ہوکرکیونکہ اس کے علاوہ نماز میں اور کوئی وقت دعا کا نہیں۔ظاہر یہ ہے کہ نماز سے نفل نماز مراد ہے اگر فرائض میں بھی کبھی کبھی یہ دعائیں مانگے تو بہتر ہے۔

[2] صدیق اکبر سے یہ الفاظ کہلوانا یا آدم علیہ السلام کا کہنا"رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا" یا یونس علیہ السلام کا عرض کرنا"اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ"انتہائی درجہ کا انکسار نفس ہے۔یہاں ظلم کے وہ معنی کیے جائیں جو ان کی شان کے لائق ہوں،کافر کا ظلم کفر ہے،ہمارا ظلم گناہ،اولیاء اور انبیاء کا ظلم لغزشیں اور خطائیں۔جو شخص ان کلمات کو سن کر ان کی شان میں گستاخی کرے وہ بے دین ہے۔بعض صوفیاء کو فرماتے ہوئے سنا گیا کہ کبھی جھوٹ محبوبیت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور سچ مردودیت کا سبب،شیطان نے سچ کہا تھا کہ خدایا تو نے مجھے گمراہ کیا،ھادی و مضلّ رب ہی ہے مگر اس سچ سے شیطان مارا گیا،وہ محبوب بندے جو گناہ کے قریب بھی نہ گئے ان کا یہ عرض کرنا کہ خدایا ہم بڑے گنہگار ہیں ہے جھوٹ مگر تقرب کا ذریعہ حضرت صدیق اکبر نے کبھی گناہ کا ارادہ بھی نہیں کیا۔

[3] خیال رہے کہ حقوق العباد بندہ بخشتا ہے مگر گناہ صرف رب ہی بخش سکتا ہے،جہاں انبیائے کرام فرمادیتے ہیں کہ جا تیرے سارے گناہ معاف۔وہ رب کی طرف سے کہتے ہیں زبان ان کی ہوتی ہے کلام رب کا لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عامر بن سعد سے وہ اپنے والد سے[1] راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے حتی کہ آپ کے رخسار کی سفیدی میں دیکھ لیتا[2](مسلم)

[1] آپ کے والد سعد ابن ابی وقاص ہیں،جلیل القدر صحابی، خود عامر تابعی ہیں جنہوں نے اپنے والد،عثمان غنی،عائشہ صدیقہ سے روایات لیں۔

[2] یعنی آپ سلام میں اس قدر چہرہ انور پھیرتے تھے کہ پیچھے والے صحابہ دونوں رخساروں کی سفیدی دیکھ لیتے دائیں والے داہنے کی اور بائیں والے بائیں کی۔بعض روایات میں بَیَاضَ خَدَّیۡہِ ہے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں دونوں

رخسار دیکھنا اور حالت میں تھا اور ایک دیکھنا اور حالت میں۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عین نمازمیں اور نماز سے نکلتے وقت حضور علیہ السلام کو دیکھا کرتے تھے۔شعر

کاش کہ اندر نمازم جاشود پہلوئے تو تا بتقریب سلام افتد نظر برروئے تو

اسی لیے صوفیا فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کی سی نماز کسی کو میسر نہیں ہوسکتی۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تو ہم پر اپنے چہرہ سے متوجہ ہوتے ۱؎(بخاری)	

۱؎اس طرح کہ سلام کے بعد کبھی داہنی طرف پھیرتے کبھی بائیں طرف،کبھی قبلہ کو پشت کرکے مقتدیوں کی جانب رخ فرمالیتے،یہ لفظ تینوں حالتوں کو شامل ہے لیکن یہ حال بھی دائمی نہ تھا بلکہ اکثری ورنہ کبھی سرکار قبلہ رو بیٹھ کر ہی دعا مانگتے تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب پھرتے تھے ۱؎	

۱؎یعنی اکثر اوقات سلام پھیر کر دعا کے لیے داہنی جانب رخ فرماتے تھے۔اس لیئے فقہاء فرماتے ہیں کہ امام دعا کے وقت ہر طرف پھر سکتا ہے مگر داہنی طرف پھرنا بہتر کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو داہنی جانب محبوب تھی۔(از مرقاۃ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی اپنی نماز سے شیطان کا حصہ نہ بنائے یہ سمجھے کہ اس پر واجب ہے کہ ہمیشہ دائیں جانب ہی پھرا کرے ۱؎میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں جانب پھرتے دیکھا ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ نماز کے بعد امام پر داہنی جانب پھرکر بیٹھنا واجب ہے اور بائیں طرف پھرنا جائز ہی نہیں غلط عقیدہ ہے،ایسا سمجھنے والا اپنی عبادتوں میں شیطان کا حصہ رکھ رہا ہے کیونکہ غلط عقیدہ رکھ کر نماز پڑھنا نماز کے نقصان کا باعث ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر ضروری چیز کو فرض سمجھنا یونہی مباح کو حرام جاننا فساد عقیدہ ہے۔اسی حدیث میں اشارۃً فرمایا کہ اگر کوئی امام ہمیشہ داہنی جانب پھرے لیکن اسے واجب نہ سمجھے تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ یَرَی سے معلوم ہوا،لہذا میلاد شریف یا گیارھویں مستحب جان کر ہمیشہ کرنا ناجائز نہیں، واجب سمجھنا اور ہے اور کسی کام کو ہمیشہ کرنا کچھ اور ہم ہمیشہ جمعہ کو غسل اور لباس تبدیل کرتے ہیں ہمیشہ رمضان میں دینی مدارس کی چھٹیاں کرتے ہیں مگر واجب نہیں جانتے، کوئی مضائقہ نہیں۔سرکار فرماتے ہیں کہ بہتر کام وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے۔

۲؎یہ بہت اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر داہنی جانب پھرتے تھے کم بائیں جانب جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپ کی دائیں جانب ہونا پسند کرتے تھے تاکہ آپ ہم پر اپنے چہرے سے متوجہ ہوں۱ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا یارب مجھے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا ۲ (مسلم)

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور علیہ السلام اکثر داہنی جانب منہ کرکے دعا مانگتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضور کا چہرہ پاک دیکھنا بہترین عبادت ہے کہ صحابہ کرام محض اس لیے صف کی داہنی جانب پسند کرتے تھے تاکہ بعد نماز دیداریار نصیب ہو،علماء فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف میں صف کا بایاں حصہ افضل ہے کیونکہ روضہ اطہر سے قریب ہے یہ باتیں وہ جانے جسے اس محبوب سے دلی لگاؤ ہو۔

۲؎ یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے،ورنہ ہم جیسے گنہگار ان شاءاللہ حضور علیہ السلام کی برکت سے عذاب سے نجات پائیں گے حضور علیہ السلام کو عذاب سے کیا تعلق۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جب فرائض سے سلام پھیرتیں تو کھڑی ہوجاتیں۱ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے مرد جب تک رب چاہتا بیٹھے رہتے ۲ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو مرد بھی کھڑے ہو جاتے (بخاری)اور ہم جابر ابن سمرہ کی حدیث ہنسی کے باب میں ذکر کریں گے ۳ ان شاءاللہ تعالٰی۔

۱؎ اور فورًا گھر لوٹ آتیں تاکہ عورتیں اور مرد مخلوط نہ ہوجائیں،سنتیں اور نوافل گھر آکر پڑھتیں غالب یہ ہے کہ دعا سے پہلے اٹھ جاتیں۔

۲؎ دعا سنتوں اور نوافل کے لیے اور نماز فجر میں اشراق تک۔اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ مقتدی امام سے پہلے مسجد سے نہ جائیں۔

۳؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی جس میں ذکر ہے کہ ہم سب فجر کے بعد سورج نکلنے تک بیٹھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کی باتیں یاد کرکے ہنسا کرتے تھے مگر ہم یہ حدیث باب الضحك میں لائیں گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا فرمایا اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۱فرمایا کہ تو ہر نماز کے بعد یہ کہنا نہ چھوڑنا کہ یارب اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر میری مدد کر۲(ابوداؤد،نسائی) مگر ابوداؤد نے یہ ذکر نہ کیا کہ معاذ نے کہا میں محبت کرتا ہوں آپ سے۔

۱اس سے معلوم ہوا کہ جس سے محبت ہواسے خبر دے دے جیسا کہ بعض احادیث میں صراحتًا آیا ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے دلی حالات اور محبت وعدوات سے بے خبر نہیں۔حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں جنہیں پتھر کے دل کا حال معلوم ہے کیا انہیں انسانوں کے دل کا حال معلوم نہ ہوگا۔

۲یہ دعا غالبًا سلام سے پہلے نماز کے اندر مانگی جائے اسی لیے صاحب مشکوۃ اس باب میں یہ حدیث لائے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں جانب یوں سلام پھیرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتی کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور اپنی بائیں جانب یوں کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتی کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی۱(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)ترمذی نے یہ ذکر نہ کیا کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی ابن ماجہ نے عمار ابن یاسر سے روایت کیا۔

۱یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے کہ نماز کے سلام میں وَبَرَکَاتُہٗ نہ بڑھائے،بعض شوافع وَبَرَکَاتُہٗ بھی کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نماز سے زیادہ پھرنا بائیں طرف اپنے حجرے کی جانب ہوتا ۱(شرح سنہ)

۱؎ یہ حدیث سوائے شرح سنہ کے اور کسی کتاب میں نہیں۔(مرقاۃ)اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہاں اضافی اکثریت مراد نہیں۔مطلب یہ ہے کہ جب حضور کو نماز کے بعد فورًا حجرے میں تشریف لے جانا ہوتاتو ادھر رخ کرکے دعا مانگتے تاکہ جانے میں آسانی ہو۔(از مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت عطاء خراسانی سے ۱؎ وہ حضرت مغیرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام وہاں نماز نہ پڑھے جہاں فرض پڑھے ہیں حتی کہ کچھ ہٹ جائے ۲؎ (ابوداؤد)اور فرمایا کہ عطاء خراسانی نے مغیرہ کو نہ پایا ۳؎

۱؎ آپ تابعی ہیں،بلخی ہیں، ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ایک سو پینتیس[۱۳۵] میں وفات پائی۔ابو حاتم کہتے ہیں آپ ثقہ تھے۔

۲؎ یہ حکم امام اور مقتدیوں دونوں کے لیے ہے کہ جہاں جماعت سے فرض پڑھے وہاں سے کچھ ہٹ کر سنتیں وغیرہ پڑھے مگر چونکہ زیادہ بھیڑ میں مقتدی نہیں ہٹ سکتے اس لیے صرف امام کا ذکر فرمایا گیا۔یہ حکم استحبابی ہے تاکہ چند جگہ عبادت ہو اور وہ مقامات قیامت میں اس کی گواہی دیں،نیز آنے والے کو دھوکہ نہ لگے کہ ابھی فرض ہورہے ہیں۔

۳؎ کیونکہ حضرت مغیرہ عطاء خراسانی کی ولادت کے سال فوت ہوگئے یعنی ۵۰ھ میں لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی رغبت دی اور اس سے منع کیا کہ آپ کے نماز سے فراغت سے پہلے وہ چلے جائیں ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ معلوم ہوا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ دعا میں شریک رہیں بلاوجہ امام سے پہلے مسجد سے نہ چلے جائیں،نیز امام کے سلام سے پہلے مسبوق کا کھڑا ہوجانا حرام ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یوں فرماتے تھے الٰہی میں تجھ سے دین میں استقامت اور ہدایت پر مضبوطی مانگتا ہوں ۲؎ اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر اور تیری اچھی عبادت مانگتا ہوں اور تجھ سے سلامت دل اور سچی زبان مانگتا ہوں ۳؎ اور تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے

اور اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے ۴؎ اور اس سے بخشش مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے ۵؎ (نسائی) اور ابوداؤد نے اس کی مثل روایت کی۔	

۱؎ آپ کی کنیت ابویعلی ہے، حضرت حسان کے بھتیجے ہیں، شام میں قیام رہا۔

۲؎ یعنی دنیا میں کسی وقت ایمان سے ہٹ نہ جاؤں اور کبھی ہدایت سے علیحدہ نہ ہوں۔

۳؎ یعنی دل ایسا عطا فرماجو برے عقائد، حسد، کینہ اور بری صفات سے سلامت ہو اور زبان پر ہمیشہ سچی بات آئے۔

۴؎ یعنی بہت سی خیر وہ ہیں جنہیں ہم شر سمجھتے ہیں یا ہم ان سے بالکل بے خبر ہیں اور بہت سی شروہ ہیں جنہیں ہم خیر سمجھے ہوئے ہیں یا ان سے بے خبر ہیں خدایا تیری عطا ہماری طلب پر موقوف نہ ہو بلکہ تیرے کرم پر ہو۔

۵؎ یعنی بہت سے گناہ کرکے ہم بھول گئے مگر تیرے علم میں ہیں خداوند وہ بھی معاف کر۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں التحیات کے بعد کہتے تھے کہ اچھا کلام اللہ کا کلام ہے اور اچھا طریقہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ۱؎ (نسائی)	

۱؎ یعنی کلام تو اللہ کا اچھا ہے اور طریقہ رسول اللہ کا اعلٰی صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ طیبہ خطبہ میں بھی فرماتے تھے اور بعد التحیات نماز میں بھی مگر نماز میں ان کا مقصد حمد و نعت ہے جو ذکر اللہ ہے نہ کہ دوسرا مقصد یعنی چونکہ اللہ تعالٰی وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ ہے، لہٰذا اس کا کلام بھی بے مثال ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل ہیں لہٰذا ان کا طریقہ بھی بے نظیر، لہٰذا یہ حدیث فقہاء کے اس فرمان کے خلاف نہیں کہ نماز میں سوا ذکر اللہ کے کوئی ذکر نماز کو توڑ دیتا ہے حتی کہ اگر قرآنی آیت بغیر نیت ذکر پڑھے تو نماز فاسد ہے، کسی نے موت کی خبر دی نمازی نے جوابًا کہا اِنَّالِلّٰہِ الخ نماز گئی۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے چہرے کے سامنے سلام پھیرتے پھر قدرے دائیں کروٹ کی طرف مائل ہوجاتے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی پہلا سلام خوب بلند آواز سے کہتے اس طرح کہ لفظ سلام روبقبلہ کہتے پھر داہنی جانب اتنا پھرتے کہ رخسار مبارک کی سفیدی مقتدی دیکھ لیتے، بایاں سلام آہستہ فرماتے۔ بعض آئمہ نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ نماز میں صرف ایک ہی سلام کہا جائے، لیکن فقیر کی اس توجیہ سے مسئلہ واضح ہوگیا اور یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دو سلاموں کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت سمرہ سے فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم امام کا جواب سلام دیں ۱؎ اور آپس میں محبت کریں ۲؎ اور بعض بعض کو سلام کرے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی نماز کے سلام میں امام فرشتوں اور مقتدیوں کو سلام کرنے کی نیت کرے اور مقتدی اپنے سلام میں امام کے جواب کی۔

۲؎ اس طرح کہ جماعت کی پابندی کریں جس سے آپس میں محبت پیدا ہو کیونکہ نماز باجماعت محبت مسلمین کا بہترین ذریعہ ہے۔

۳؎ اس طرح کہ نماز کے سلام میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کی نیت کریں کہ امام پہلے سلام میں داہنی جانب کے مقتدیوں کی اور دوسرے سلام میں بائیں جانب والوں کو سلام کی نیت کرے اور مقتدی داہنے والے پہلے سلام میں اپنے داہنے والوں کی نیت کریں اور دوسرے سلام میں بائیں والوں اور امام کی اور بائیں والے اس کے برعکس۔خیال رہے کہ اسلام میں سلام یا اجازت لینے کے لیے ہوتا ہے یا ملاقات یا رخصت کے وقت،یہ سلام ملاقات کا سلام ہے کہ سارے نمازی حکمًا ایک دوسرے سے غائب ہوگئے تھے اس عالم سے نکل کر دوسرے عالم کی سیر کررہے تھے اسی لیے یہاں کے احکام کھانا،پینا،چلنا،پھرنا،کلام سلام سب ختم ہوچکے تھے نماز سے فراغت پاکر وہاں سے لوٹ کر آرہے ہیں ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اس لیے سلام کرتے ہیں، لہذا اگر ہر نماز یا نماز فجر کے بعد نمازی آپس میں مصافحہ کریں تو جائز ہے کہ یہ ملاقات کا وقت ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو۔

باب الذکر بعد الصلوة

نماز کے بعد ذکر کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اس ذکر سے مراد حمد الٰہی،درود شریف اور تمام دعائیں ہیں۔تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بعد نماز خوب اونچی آواز سے ذکر اللہ کرنا سنت ہے جیسا کہ آئندہ احادیث میں آرہا ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد ذکر وغیرہ کرے یا نہ کرے،صحیح یہ ہے کہ کرے مگر مختصر۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونا تکبیر سے پہچانتا تھا ۱(مسلم،بخاری)

۱یعنی میں زمانہ نبوی میں بہت کم عمر تھا اس لیے کبھی کبھی جماعت میں حاضر نہ ہوتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نماز کے بعد اتنی بلند آواز سے تکبیریں کہتے تھے کہ گھروں میں آواز پہنچ جاتی تھی اور ہم پہچان لیا کرتے تھے کہ نماز ختم ہوگئی۔بعض مشائخ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تین بار کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں،پنجاب میں فجر اور عشاء کے بعد اونچی آواز سے درود شریف پڑھا جاتا ہے ان سب کا ماخذ یہی حدیث ہے بلکہ مسلم شریف میں ہے کہ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں عام مروج تھا۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو،یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً"اس لیے کہ آیت میں اخفاء کی نمازوں کی تلاوت مراد ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس ذکر بالجہر سے ان نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے جو اپنی فوت شدہ رکعتیں پوری کررہے ہیں مگر ان کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے،نیز وہ لوگ تشریق کی تکبیروں اور حاجی کے تلبیوں اور حرم شریف کی نمازوں میں کیا کریں گے کہ ان سب میں بڑا شور ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو نہ بیٹھتے مگر صرف اس قدر کہ کہتے کہ الٰہی تو سلام ہے اور تجھ سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے جلال و بزرگی والے ۱(مسلم)

۱؎یعنی جن نمازوں کے بعد سنتیں ہوتی ہیں ان میں فرض اور سنتوں کے درمیان زیادہ نہ بیٹھتے صرف اس قدر بیٹھتے۔اس مقدار سے تقریبی مقدار مراد ہے نہ کہ تحقیقی یعنی قریبًا اتنا بیٹھتے لہٰذا یہ حدیث نہ تو اس روایت کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد فجر طلوع آفتاب تک مصلے پر تشریف فرمارہتے اور نہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں ہے کہ آپ سلام پھیر کر تکبیریں کہتے یا استغفار پڑھتے یا اور دعائیں مانگتے۔

	روایت ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور کہتے الٰہی تو سلام ہے تجھ سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے جلالت اور بزرگی والے ۱؎(مسلم)

۱؎ پہلے سلام سے سلامتی دینے والا مراد ہے اور دوسرے سے سلامتی۔استغفار دعا کے آداب میں سے ہے اس لیے دعا سے پہلے استغفار فرماتے۔یہ حدیث گزشتہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف نہیں کہ وہاں بھی تقریبی مقدار مراد تھی اور یہاں بھی۔اس سے معلوم ہوا کہ جن فرضوں کے بعد سنتیں ہوں ان میں دعا مختصر مانگے۔خیال رہے کہ **ذوالجلال** سے مراد فاسقوں سے بدلہ لینے والااور **اکرام** سے مراد نیک کاروں کو انعام دینے والا۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض کے بعد فرماتے تھے ۱؎خدا کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد،وہ ہر چیز پر قادر ہے الٰہی جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو نہ دے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور تیرے مقابل مال دار کو مال نفع نہیں دیتا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎خواہ فرضوں کے بعد یا سنتوں وغیرہ سے فارغ ہو کر۔(مرقاۃ)اس سے معلوم ہوا کہ سنتیں بھی مسجد میں پڑھنا اور فرضوں کے علاوہ سنتوں کے بعد بھی دعا مانگنا سنت ہے۔

۲؎اس کی شرح پہلے گزر چکی۔یہ اور اس جیسی اور بڑی دعائیں عصر و فجر میں تو فرضوں سے متصل تھیں اور ظہر وغیرہ میں سنتوں اور نوافل کے بعد لہٰذا یہ حدیث ان گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جن میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" کہتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے ۱؎تو بلند آواز سے کہتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا ملک ہے اسی

کے لیے حمد اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قدرت اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اسی کی نعمت ہے اسی کا فضل ۲؎ اسی کی اچھی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لیے خالص دین رکھتے ہیں اگرچہ کفار ناپسند کریں ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی فرض نماز سے جماعت میں کیونکہ اشراق یا تہجد وغیرہ کے بعد اونچا ذکر سنت نہیں۔"**اعلٰے**" سے معلوم ہوا کہ یہ ذکر بہت اونچی آواز سے ہوتا تھا جو محلے کے گھروں میں سنا جاتا تھا۔

۲؎ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں مراد ہیں اور فضل سے مراد آخرت کی نعمتیں یا نعمت سے مراد عبادات کی توفیق ہے اور فضل سے مراد قبولیت یعنی ساری مخلوق کو بلاواسطہ یا بالواسطہ جو ملا رب سے ملا اور جسے اس نے دیا اپنے فضل سے دیا کسی کا اس پر ذاتی حق نہیں۔

۳؎ مخلصین میں منافقین یا ریا کاروں کی تردید ہے اگرچہ وہ عابد ہیں مگر اخلاص سے محروم۔

روایت ہے حضرت سعد سے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے ۱؎ اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان سے تعوذ کرتے تھے الٰہی میں بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں اور کنجوسی سے تیری پناہ ۲؎ اور ردی عمر سے تیری پناہ ۳؎ اور دنیا کے فتنوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۴؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی بالغ و نابالغ سارے بچوں کو۔اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو اچھی باتیں سکھانا ماں باپ کا پہلا فرض ہے۔

۲؎ جبن کا مقابل شجاعت ہے،بخل کا مقابل سخا ہے اور شح کا مقابل جود۔بخیل وہ جو خود کھائے اوروں کو نہ کھلائے،شح وہ جو نہ کھائے نہ کھانے دے سب کچھ جمع کرکے چھوڑ جائے۔سخی وہ خود کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔جواد وہ جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیے رب کو سخی نہیں کہتے جواد کہتے ہیں۔اللہ کے حبیب لکھادھاری داتا کھاتے نہیں کھلاتے ہیں۔شعر

بوریا ممنوں خواب راحتش　　　　تاج کسرٰی زیر پائے آتش

یہ دعا ہماری تعلیم کے لیئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدائشی کل کے راجہ ہیں جگ کے داتا ہیں۔

۳؎ یعنی بڑھاپے کی وہ حالت جب ہاتھ پاؤں جواب دے جائیں رب کی عبادت نہ کرسکے، دنیوی کام انجام نہ دے سکے، اس سے خدا کی پناہ۔

۴؎ ممکن ہے کہ یہ دعا حضور علیہ الصلوۃ والسلام ساری نمازوں خصوصًا تہجد کے بعد مانگتے ہوں،نماز پنج گانہ میں سنتوں سے فارغ ہوکر تاکہ یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہ ہو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ مہاجر	

فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ مالدار بڑے درجے اور دائمی نعمت لے گئے ۱؎ فرمایا یہ کیسے؟ عرض کیا جیسے ہم نمازیں پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے کہ ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں اور وہ خیرات کرتے ہیں ہم نہیں کرتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کرتے ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ سکھاؤں جس سے تم آگے والوں کو پکڑلو اور پیچھے والوں سے آگے بڑھ جاؤ ۳؎ اور تم میں سے کوئی افضل نہ ہو اس کے سوا جو تمہارے کام کرے ۴؎ بولے ہاں یارسول اللہ فرمایا ہر نماز کے بعد ۳۳،۳۳ بار تسبیح،تکبیر اور حمد کرو ۵؎ ابو صالح کہتے ہیں ۶؎ کہ پھر مہاجر فقراء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹے اور عرض کیا کہ ہمارے اس عمل کو ہمارے مالدار بھائیوں نے سن لیا تو انہوں نے بھی یونہی کیا ۷؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے ۸؎ (مسلم،بخاری)ابو صالح کا قول صرف مسلم کی روایت میں ہے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح،دس بار حمد، دس بار تکبیر کہو بجائے ۳۳ بار کے ۹؎

۱؎ یعنی ہمارے مقابل درجات میں بڑھ گئے اور جنت کی اعلیٰ نعمتوں کے مستحق ہوگئے اس میں نہ تو رب کی شکایت ہے اور نہ مالداروں پر حسد بلکہ ان پر رشک ہے دینی چیزوں میں رشک جائز ہے یعنی دوسروں کی سی نعمت اپنے لیے بھی چاہنا،حسد حرام ہے یعنی دوسروں کی نعمت کے زوال کی خواہش۔

۲؎ یعنی بدنی عبادتوں میں وہ ہمارے برابر ہیں اور مالی عبادتوں میں ہم سے بڑھ کر۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ شاکر غنی صابر فقیر سے افضل ہے مگر صحیح یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل کیونکہ رب نے فرمایا اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے،اور فرمایا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے یعنی شکر سے نعمتیں ملتی ہیں اور صبر سے اللہ تعالٰی۔

۳؎ یہاں آگے اور پیچھے سے درجوں میں آگے پیچھے ہونا مراد ہے نہ کہ زمانہ میں یعنی جو صحابہ تم سے درجہ میں بڑھ گئے ہیں ان کلمات کی وجہ سے تم ان کے برابر ہوجاؤ گے اور جو تمہارے برابر ہیں اور یہ کلمات نہیں پڑھتے ان سے تم بڑھ جاؤ گے ورنہ غیر صحابی کتنی ہی نیکیاں کرے صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ صحبت یافتہ

جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت جبریل علیہ السلام سارے فرشتوں سے افضل کیونکہ وہ خادم انبیاء ہیں تو صحابہ بعد انبیاء ساری مخلوق سے افضل کیونکہ وہ خادم جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم۔

یک زمانہ صحبتے با مصطفٰی بہتراز لکھ سالہ طاعت بے ریا

۴؎ یعنی جو غنی صحابی یہ پڑھے گا وہ تم سے افضل ہوجائے گا۔

۵؎ یعنی پنج گانہ نماز کے بعد۳۳بار سبحان اللہ۳۳بار الحمدللہ اور۳۳بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو،یہ تسبیح فاطمہ کہلاتی ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبًا یہی تسبیح حضرت فاطمہ زہرا کو بتائی تھی اسی بنا پر آج تسبیح کے دانوں میں۳۳ دانوں پر ایک نائب امام ڈالا جاتا ہے۔خیال رہے کہ ظہر مغرب عشاء میں یہ تسبیح سنتیں وغیرہ پڑھ کر پڑھی جائے گی۔

۶؎ ابوصالح تابعی ہیں جنہوں نے حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت کی۔

۷؎ ان کا مدعی یہ تھا کہ اب کوئی اور خفیہ عمل بتایا جائے وہ راز تو کھل گیا۔

۸؎ یعنی اب تم صبر کرو اور رب کے دیئے پر راضی رہو۔یہ غبطہ(رشک) بھی عبادت ہےاور تم اس پر صبر کرکے بڑا درجہ پاؤ گے۔

۹؎ مگر پہلی روایت زیادہ قوی ہے،کیونکہ اس میں زیادتی ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض آگے پیچھے آنے والی چیزیں۱؎ وہ ہیں جن کا کہنے والا یا کرنے والا نقصان میں نہیں رہتا۲؎ ہر فرض نماز کے بعد۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار حمداور۳۴ بار تکبیریں ۳؎(مسلم)	

۱؎ معقبات کے کئی معنی ہیں:(۱)نماز کے بعد والا وظفیہ(۲)وہ عمل جس کے لکھنے پر ہر فرشتہ پیش قدمی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے فرشتوں کو اپنے سے پیچھے کردوں(۳)وہ وظیفے جو یکے بعد دیگرے پڑھے جاتے ہیں(۴)وہ وظیفے جن کا انجام اچھا ہے۔

۲؎ بلکہ تھوڑی بہت محنت سے بہت نفع حاصل کرلیتا ہے۔

۳؎ یہ پورا سینکڑہ ہے اسی کا نام تسبیح فاطمہ ہے قادری سلسلہ کے مشائخ اس کے بہت پابند ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہر نماز کے بعد۳۳بار تسبیح ۳۳بار حمدالٰہی اور۳۳بار تکبیر کہہ لیا کرے یہ ۹۹ہوئے اور سو پورا کرنے کو کہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی حمد ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس	

	کے گناہ بخشے جائیں گے اگر چہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی جو اس تسبیح فاطمہ پر پابندی کرے گا اس کی خطائیں اگرچہ شمار سے زیادہ ہوں بخشی جائیں گی۔خیال رہے کہ شمار کے لیے عقد انا مل بہت اعلیٰ چیز ہے ہر مسلمان کو سیکھنا چاہیے اگر وہ نہ آتاہو تو پوروں پر شمار کرے،بدرجہ مجبوری کنکروں یا تسبیح پر شمار کرے،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دھاگے میں ہزار گرہیں لگالیں تھیں جن پر کبھی شمار کیا کرتے تھے۔(مرقاۃ)فقہاء نے تسبیح پر گننے کو بدعت نہ کہا ہے یعنی بدعت مسنہ جس کی اصل صحابی سے ثابت ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے ۱؎فرمایا عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا آخری رات کے بیچ میں اور فرض نماز کے بعد ۲؎(ترمذی)

۱؎آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ قبیلہ باہلہ سے ہیں،حمص میں قیام رہاحضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے وقت آپ ۳۰یا۳۳سال کے تھے،۹۱سال عمرپائی، ۸۱ھ یا ۸۶ھ حمص ہی میں وفات پائی رضی اللہ عنہ،آپ کی روایات بہت تھوڑی ہیں۔

۲؎یعنی دو وقت دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں ایک تو آخری رات کے بیچ میں۔دوسرے فرض نمازوں کے بعد۔خیال رہے کہ آخر جوف کی صفت ہے یعنی رات کا درمیانی حصہ جو آخری شب میں ہے اس طرح کہ رات کے دو حصے کرو،آخری آدھے کا درمیانی حصہ لو یہی وقت تہجد کے لیے بہتر ہے اس وقت دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اور فرض نماز سے یا تو خود فرائض مراد ہیں یا پوری نماز،لہذا بہتر یہ ہے کہ نماز پنج گانہ میں فرضوں کے بعد بھی مختصر دعا مانگے اور پھر سنت و نفل سے فارغ ہو کر بھی دعا کرے کہ یہ ساری نماز فرض نماز شمار ہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد اعوذ والی سورتیں پڑھ لیا کروں۱؎ (احمد،ابوداؤد،نسائی،بیہقی،دعوات کبیر)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ اَعُوْذُ والی سورتوں سے مراد"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ"اور"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ"ہے کہ اس میں اَعُوْذُ صراحۃً مذکور ہے،بعض نے فرمایا کہ "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ"اور"قُلْ هُوَ اللّٰهُ" بھی اس میں شامل ہیں کہ

اگرچہ ان دونوں میں صراحۃً اَعُوْذُ موجود نہیں مگر مقصود وہاں بھی رب کی پنا مانگنا ہے اس پر اکثر صوفیاء کا عمل ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ چاروں قل پڑھتے ہیں۔ہر نماز سے مراد فرض نماز ہے اگر جنازہ کی نماز کے بعد یہ چار سورتیں پڑھ کر میت کو بخشی جائیں تو بھی بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ میرا ان لوگوں سے بیٹھنا جو فجر کی نماز سے سورج نکلنے تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں مجھے اس سے زیادہ پیارا ہے کہ اولاد اسماعیل کے چار غلام آزاد کروں ۱؎ اور میرا اس قوم کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک اللہ کا ذکر کریں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ چار غلام آزاد کردوں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ چونکہ اس بیٹھنے میں چار عبادتیں ہیں:اچھوں کی صحبت اللہ کا ذکر،مسجد کی حاضری اور نماز اشراق کا انتظار،ان میں سے ہر عبادت ایک غلام آزاد کرنے سے افضل اس لیے چار غلاموں کا ذکر فرمایا گیا،نیز اولا د اسماعیل دوسرے لوگوں سے افضل ہے اس لیے ان کے چار غلام آزاد کرنا دوسرے غلام کے آزاد کرنے سے افضل۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز اشراق تک مسجد میں ٹھہرنا اور صالحین کے ساتھ بیٹھنا اور اللہ کا ذکر کرنا بہت بہتر ہے۔اللہ کے ذکر میں دعا، تلاوت قرآن،علم دین اور صالحین کا ذکر سب شامل ہے۔(ازمرقاۃ) اکثر لوگ اس وقت تلاوت قرآن کرتے ہیں ان کا ماخذ یہی حدیث ہے۔بعض فقہاء نے سورج طلوع ہوتے وقت تلاوت کو غیر مستحب فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت سجدہ نہیں ہوسکتا اور کبھی تلاوت کے دوران سجدے کی آیت بھی آجاتی ہے۔

۲؎ بعض صوفیاء عصر سے مغرب تک مسجدوں میں مراقبے کرتے ہیں کسی سے کلام نہیں کرتے،ان کی اصل یہ حدیث ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ فجر کے بعد مسجد میں بیٹھنااس بیٹھنے سے افضل ہے کیونکہ وہاں چار اسمٰعیلی غلاموں کا ذکر تھا،یہاں مطلقًا چار فرمائے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک عرب غلام نہیں بنائے جاسکتے لہذا اولاد اسمٰعیل سے مراد غیر عرب مراد ہوں گے یا یہ حکم فرضًا ہے(ازمرقاۃ)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فجر جماعت سے پڑھے پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے ۱؎ پھر دو رکعتیں پڑھے تو اسے حج اور عمرے کا ثواب ملے گا ۲؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے کا پورے کا پورے کا ۳؎(ترمذی)

۱؎ سورج نکلنے سے مراد آفتاب بلند ہونا یعنی چمکنے سے دو منٹ بعد کیونکہ چمکتے وقت نماز ممنوع ہے اور بیٹھنے سے مراد مسجد میں رہنا ہے لہذا اس وقت طواف یا وعظ یا طلب علم کے لیے مسجد کے کسی گوشہ میں منتقل ہونا مضر نہیں بلکہ مرقاۃ نے فرمایا کہ جو فجر کے بعد اپنے گھر آجائے مگر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے پھر دو نفل پڑھ لے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

۲؎ حج فرض ہے عمرہ سنت،ایسے ہی نماز فجر فرض اور رکعتیں سنت اس لیے ان دونوں کے جمع کرنے میں حج و عمرے کا ثواب ہے۔ظاہر یہ ہے کہ ان نفلوں سے مراد نفل اشراق ہیں جن کا وقت طلوع آفتاب سے شروع ہوجاتا ہے نماز چاشت کا وقت شروع اسی وقت سے ہوتا مگر ختم نصف النہار پر۔

۳؎ یعنی کامل حج و عمرہ کا ثواب ملے گا جو فرائض،واجبات،سنتوں اور مستحبات کے ساتھ ادا کیے جائیں۔خیال رہے کہ حج و عمرے کا ثواب ملنا اور ہے انکا ادا ہونا کچھ اور لہذا س کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان حج چھوڑدیں صرف اشراق پڑھ لیا کریں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ازرق ابن قیس سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو ہمارے امام نے نماز پڑھائی جن کی کنیت ابو رمثہ تھی انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہی نماز یا اس کی مثل کوئی اور نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ۲؎ فرمایا کہ حضرت ابوبکر و عمر اگلی صف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے کھڑے ہوتے تھے ۳؎ اور ایک شخص نماز کی پہلی تکبیر میں حاضر ہوا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر داہنے بائیں سلام پھیرا حتی کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی ۴؎ پھر ابو رمثہ یعنی میرے طرف پھرے ۵؎ تو جس نے نماز کی پہلی تکبیر پائی تھی وہ نفل پڑھنے کھڑا ہوگیا ۶؎ تب حضرت عمر جلدی اٹھے اور اس کے کندھے پکڑ کر ہلائے پھر فرمایا بیٹھ جا ۷؎ کیونکہ اہل کتاب صرف اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہ تھا ۸؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے اللہ تمہیں مصیب رکھے ۹؎ (ابوداؤد)

۱؎آپ تابعی ہیں،حارثی ہیں،بصرہ میں پیدائش ہوئی،کوفہ میں قیام رہا،عالم باعمل تھے ۱۲۱ھ؁ میں وفات ہوئی۔
۲؎ابو رمثہ صحابی ہیں،انہوں نے تابعین کو نماز ظہر یا عصر پڑھا کر یہ فرمایا کہ ہم نے ایک بار یہی نماز یا دوسری کوئی اور نماز حضور علیہ السلام کے پیچھے پڑھی تھی تو یہ واقعہ پیش آیا۔
۳؎کیونکہ حضور علیہ السلام کے پیچھے افضل صحابہ کھڑے ہوا کرتے تھے تاکہ بوقت ضرورت ان نمازیوں میں حضور علیہ السلام انہیں امام بنا کر خود وضو کے لیے جاسکیں۔ اس سے معلوم ہواکہ پہلی صف کا داہنا حصہ باقی مقامات سے افضل ہے۔
۴؎یعنی داہنی طرف والوں نے داہنے رخسار کی سفیدی دیکھی اور بائیں والوں نے بائیں رخسار کی"رَاَیْنَا"جمع فرمایا۔تکبیر اولیٰ سے مراد تکبیر تحریمہ ہے اس کے پانے کی صورت یہ ہے کہ امام کے قرأت شروع کرنے سے پہلے مقتدی سبحان سے فارغ ہو جائے اس کے بارے میں کچھ اور بھی قول ہیں۔
۵؎یعنی بعد سلام دعا مانگنے کے لیے داہنی جانب منہ کرکے بیٹھے جیسے میں بیٹھا ہوں۔
۶؎یعنی وہ شخص مسبوق نہ تھا تاکہ فرض کی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کھڑا ہوتا بلکہ مدرک تھا جو بعد والی سنتیں پڑھنے کے لیئے دعا مانگے بغیر کھڑا ہوا۔
۷؎یعنی بیٹھ کرحضور علیہ السلام کے ساتھ دعا مانگ، جب سرکار اور سارے مسلمان دعا سے اٹھیں تو تو بھی اٹھ نماز سے فارغ ہونے اور مسجد سے نکلنے میں جلدی نہ کر۔اس سے معلوم ہوا کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں بھی فرضوں کے بعد دعا مانگی جائے اگرچہ مختصر ہی ہو۔
۸؎یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ فرائض اور نوافل کے درمیان دعا کا بھی فاصلہ کریں اور اگر ہوسکے تو جگہ کا بھی مگر اس پر عمل نہ کیا فرض و نفل ملا کر پڑھے جس سے ان کے دل سخت ہوگئے اور ہزاروں گناہ کر بیٹھے۔(مرقاۃ)خیال رہے کہ لَنْ یَّھْلِكَ نفی مستقبل ہے مگر یہاں ماضی کی نفی استمرار کے لیے استعمال ہوا جیسے"اَللہُ یَجْتَبِیۡ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ میں یَجْتَبِیۡ مضارع ہے مگر ماضی کے دوام کے لیے آیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب پرنمازیں فرض تھیں اور ان نمازوں میں کچھ فرائض کچھ نوافل۔
۹؎یعنی جیسے تم نے یہ مسئلہ صحیح بیان کیا ایسے ہی ہمیشہ ہر کام میں درستی پر رہو۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام خوش ہوئے اور آپ کی دعا فاروق اعظم کو ایسی لگی کہ آپ ہمیشہ سیاسی اور مذہبی امور میں حق پر ہی رہے باطل ان کے قریب بھی نہ آیا۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے ۱؎فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہر نماز کے بعد۳۳بار تسبیح پڑھیں ۳۳بار حمد اور ۳۴بار تکبیر پھر ایک انصاری کے خواب میں کوئی آنے والا آیا اور آپ سے کہا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو۔انصاری نے خواب ہی میں کہا ہاں اس نے کہا انہیں

۲۵،۲۵بار کرلو اور ان میں تہلیل بھی کرلو۲؎ جب صبح ہوئی تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہیں خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے بھی کرو۳؎ (احمد نسائی،دارمی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،کاتب وحی ہیں،علم فرائض کے امام ہیں،زمانہ صدیقی میں قرآن جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے اور زمانہ عثمانی میں قرآن کو مصحفوں میں نقل کرنے والوں میں بھی آپ تھے۔

۲؎ یہ خواب الہامی تھا رب کی طرف سے فرشتے کے ذریعہ صحابی کو تعلیم دی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں کلموں ۲۵ ۲۵ بارپڑھواور سینکڑاپوراکرنے کے لیے ۲۵ بار"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" بھی پڑھ لیاکرو۔خیال رہے کہ اس خواب میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان کی تردید نہیں بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ تر کا مشورہ ہے لہذا وہ تسبیح فاطمہ اب بھی جاری ہے اور مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ پڑھ لیا کرو کبھی یہ۔

۳؎ یعنی کبھی ایسے کبھی ایسے۔خیال رہے کہ یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تائید فرمانے کی وجہ سے قابلِ عمل ہوگئی ورنہ نص کے مقابلے میں نہ کسی کا خواب معتبر ہے نہ ولی کا کشف اور نہ کسی کا الہام کیونکہ نص معصوم کی ہے اور ہم بیداری اور خواب میں غیرمعصوم ہیں۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کے تختوں پر فرماتے سنا کہ جو ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اسے موت کے سوا کوئی چیز جنت کے داخلے سے نہ روکے گی۱؎ اور جو بستر پر لیٹتے وقت اسے پڑھ لے تو اللہ اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کے گھر آس پاس کے گھر والوں پر امن دے گا ۲؎ (بیہقی،شعب الایمان)فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے ۳؎

۱؎ یعنی وہ مرتے ہی جنت میں جائے گا قیامت سے پہلے روحانی طور پر اور بعد قیامت جسمانی طور پر بھی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قیامت سے پہلے جنت میں داخلہ کیسا۔خیال رہے کہ عام مسلمین کی قبروں میں جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے یہ خود وہاں نہیں پہنچتے نہ جسمًا نہ روحًا جنت میں پہنچ جاتے ہیں جیسے شہدا اوریہ لوگ۔

۲؎ یعنی اس کی برکت سے سارے محلے میں چوری،آگ،لگنے،مکان گرجانے بلکہ ساری ناگہانی آفتوں سے صبح تک امن رہے گی یہ عمل بہت مجرب ہے۔

۳؎ کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہے،نیز اس کا اگلہ حصہ حصن حصین شریف نے بروایت نسائی ابن حبان،ابن السنی ابو امامہ سے نقل کیا،نیز طبرانی وغیرہم نے آیت الکرسی کے بڑے فضائل بیان

کیے وہ تمام احادیث اس کی مؤید ہیں،نیز تمام علماء،اولیاءاور عامۃ المسلمین اس پر عامل رہے اور ہیں اور عمل امت سے حدیث ضعیف قوی ہوجاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن غنم سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو نماز مغرب و فجر سے پھرنے اور پاؤں موڑنے سے پہلے[1] دس بار یہ کہہ لیا کرے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی کا ملک ہےاسی کی تعریف اس کے قبضے میں خیر ہے زندگی اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے[2] تو اس کے لیے ہر ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس گناہ مٹائے جائیں گے اور دس درجے بلند کیے جائیں گے[3] ہر برائی سے اس کی حفاظت اور مردود شیطان سے امن ہوگی اور شرک کے سوا کوئی گناہ اسے نہ چھو سکے گا[4] اور وہ لوگوں سے عمل میں افضل ہوگا سوا اس کے جو اس سے زیادہ کہہ لے وہ اس سے بڑھ جائے گا[5] (احمد)

[1] یعنی مغرب کی سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہو کر اسی طرح دو زانو بیٹھے یہ کرلیا کرے فرض مغرب مراد نہیں کیونکہ اس کے بعد سنتیں ہیں لہٰذا دعا مختصر مانگنی چاہیے۔

[2] یعنی چوتھا کلمہ خیال رہے کہ اگرچہ خیر و شر سب اللہ کے قبضے میں ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کی طرف صرف خیر کو نسبت کیا جائے۔

[3] جب ایک کے بدلے دس ہو تو دس کے بدلے یقیناًسو ہوں گے۔

[4] یعنی اللہ تعالٰی اس کی برکت سے اسے گناہوں سے بچائے گا اور اگر بھول سے گناہ کرے گا تو توبہ کی بھی توفیق ملے گی اور رب تعالٰی کی طرف سے معافی،ہاں اگر کفر کر بیٹھا تو اس کی معافی نہ ہوگی یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

[5] اس سے معلوم ہوا کہ دس بار کی قید نہیں،جتنی خدا توفیق دے پڑھے۔

	ترمذی نے اس کی مثل ابوذر سے الاالشرك تک اور اس نے نہ نماز مغرب کا ذکر کیا اور نہ بیدہ الخیر کا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے[1]

[1] یعنی یہ حدیث تین اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد میں حسن،ایک میں صحیح،ایک میں غریب۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا وہ بہت غنیمتیں لائے اور جلد لوٹ آئے ۱؎ تو ہم میں سے ایک شخص بولا جوان میں نہ گیا تھا کہ ہم نے کوئی ایسا لشکر نہ دیکھا جو اس لشکر سے جلد لوٹا ہو اور زیادہ غنیمت لایا ہو ۲؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ قوم نہ بتاؤں جو غنیمت اور لوٹنے میں بہتر ہے وہ قوم ہے جو فجر کی نماز میں حاضر ہوں پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اس کا ذکر کریں یہ لوگ جلدی لوٹنے والے اور بہتر غنیمت والے ہیں ۳؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے حماد ابن ابی حمید راوی حدیث میں ضعیف ہیں ۴؎	

۱؎ نجد عرب کا پانچواں صوبہ ہے حجاز اور تہامہ کے درمیان،چونکہ یہ بلندی پر واقع ہے اس لیے نجد کہلاتا ہے،نجد کے معنے بلندی ہے۔

۲؎ یعنی یہ لشکر بڑا بابرکت ہے کہ سفر میں کم رہا مال بہت لے کرآیا۔خیال رہے کہ جس لشکر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس خود تشریف نہ لے جائیں اسے سریہ کہا جاتا ہے۔غالبًا اس شخص نے یہ حسرت کے طور پر کہا ہوگا کہ کاش اس میں میں بھی جاتا اسی لیے حضور علیہ السلام نے اگلا جواب دیا۔

۳؎ یعنی غنیمت صرف مال ہی کی نہیں ہوتی بلکہ اجرو ثواب کی بھی ہوتی ہے،اشراق پڑھنے والا جلدی گھر لوٹ آتا ہے اور پورا اجر لے کر آتا ہے۔

۴؎ چنانچہ انہیں بخاری نے منکر الحدیث فرمایا،نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہیں،ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی حدیث کچھ نہیں،مرقاۃ نے فرمایا کہ ان کا حافظہ خراب ہے۔

باب ما لا یجوز من العمل فی الصلوة وما یباح منہ

باب نماز میں کون سے کام ناجائز اور کون مباح ہیں ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ نماز میں بعض کام کرنے کے ہیں،بعض نہ کرنے کے۔کرنے والے:بعض فرض ہیں جن کے بغیر نماز قطعًا ہوتی ہی نہیں،بعض واجب جن کے سہوًا رہ جانے سے سجدہ واجب ہے،بعض سنت ہیں،بعض مباح۔نہ کرنے والے کام:بعض مکروہ تنزیہی ہیں،بعض مکروہ تحریمی،بعض حرام،اس باب میں انہیں کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن حکم سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ قوم میں سے ایک شخص چھینکا میں نے کہا اللہ تم پر رحم کرے ۲؎مجھے لوگوں نے تیز نگاہوں سے دیکھا تو میں نے کہا ہائے میری ماں کا رونا ۳؎تمہیں کیا ہوا کہ مجھے دیکھتے ہو ۴؎تو وہ رانوں پر ہاتھ مارنے لگے ۵؎جب میں نے دیکھا کہ مجھے خاموش کررہے ہیں تو میں بھی خاموش ہوگیا ۶؎جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو میرے ماں باپ ان پر نثار میں نے ایسا اچھا سکھانے والا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔خدا کی قسم نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا کہا ۷؎فرمایا کہ ان نمازوں میں انسانی کلام مناسب نہیں یہ صرف تسبیح،تکبیر اور تلاوت قرآن ہے ۸؎یا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۹؎میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرا زمانہ جاہلیت سے قریب ہے اللہ نے ہمیں اسلام دیا اور ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں فرمایا تم وہاں نہ جاؤ ۱۰؎میں نے کہا کہ ہم میں سے بعض پرندے اڑاتے ہیں فرمایا یہ ایسی بات ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں انہیں یہ کاموں سے نہ روکے ۱۱؎فرماتے ہیں	

	میں نے عرض کیا ہم میں سے بعض لکیریں کھینچتے ہیں فرمایا ایک پیغمبر خط کھینچتے تھے جس کا خط ان کے موافق ہوگا تو درست ہے ۱۲(مسلم)ان کا قول سکت میں نہیں، صحیح مسلم میں یوں ہی پایا اور کتاب حمیدی میں ہے کہ جامع اصول میں لکنی کے اوپر لفظ کذا سے صحیح کہا ہے۱۳

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی سلیم سے ہیں،اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ آپ سے صرف یہی حدیث مروی ہے، ۲۷ھ؁ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی چھینکنے والا کو جواب دینے کی نیت سے میں نے یہ کہا اگرچہ یہ جواب دیا جاتا ہے جب چھینکنے والا کہے الحمدﷲ،یہاں چھینکنے والے نے الحمدﷲ نہیں کہا،مگر انہوں نے یہ کہا۔

۳؎ عرب میں یہ لفظ تعجب پر بولا جاتا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ میں مرگیا اور میری ماں مجھے رو رہی ہے یعنی میں نے ایسا کون سا کام کیا جو اس کے رونے کا سبب ہوا۔

۴؎ اولًا اسلام میں بحالت نماز کلام سلام بھی کیا جاتا تھا اور امام کے پیچھے قرأت بھی "وَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ" سے کلام و سلام بند ہوا اور"وَ اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ"الخ سے امام کے پیچھے قرأت ممنوع ہوئی، نماز میں کلام بند ہوچکی تھی انہیں یہ خبر نہ تھی اس لیے انہوں نے یہ گفتگو کی۔

۵؎ یعنی صحابہ نے انہیں کلام سے روکنے کے لیے اپنا ایک ہاتھ ایک ایک بار ران پر مارا،اگر دونوں ہاتھ مارتے یا ایک مسلسل تین بار مارتے تو ان کی اپنی نماز جاتی رہتی کیونکہ عمل کثیر نماز فاسد کردیتا ہے عمل قلیل بھی اگر مسلسل تین بار کیا جائے تو کثیر بن جاتا ہے اور نماز فاسد کردیتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں ضرورۃً کنکھیوں سے دائیں بائیں دیکھنا اور عمل قلیل بھی جائز ہے۔

۶؎ یعنی مجھے غصہ تو بہت آیا اور میں نے چاہا کہ کچھ اور کہوں لیکن ان بزرگوں کا ادب و احترام کرتے ہوئے میں خاموش رہا۔

۷؎ فَوَاﷲِ الخ لَمَّا کا جواب ہے اور اس سے پچھلا جملہ معترضہ تھا کھر اور قھر ہم معنے ہیں۔چنانچہ ایک قرأت میں ہے"فَاَمَّا الْیَتِیۡمَ فَلَا تَقْہَرْ" یعنی سرکار نے اس غلطی کی وجہ سے مجھ پر کسی قسم کی سختی نہ فرمائی نہایت نرمی سے مسئلہ بتادیا۔

۸؎ یعنی تمہارا "یَرْحَمُكَ اﷲ" کہنا انسانی کلام ہے اس سے نماز جاتی رہتی ہے آئندہ نہ کہنا نماز میں صرف یہ مذکور چیزیں۔فقہا فرماتے کہ اگر نمازی جواب کی نیت سے قرآن شریف کی آیت ہی پڑھ دے تو وہ کلام انسانی ہوگا اور نماز فاسد کردے گا جیسے خوشی کی خبر پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور غم کی خبر پر اِنَّا لِلّٰہِ الخ۔

۹؎ یعنی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ شریفہ میں شک ہے یہی تھے یا اور البتہ مضمون یہی تھا۔خیال رہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا،اس لیے کہ انہیں اس آیت کے نزول کی خبر نہ تھی اور ابھی یہ قانون مشتہر نہ ہوا تھا،قانون کی شہرت سے پہلے اس کے احکام مرتب نہیں ہوتے۔اب اگر کوئی نمازی بے خبری سے یہ کرے گا تو نماز دہرانا واجب ہوگا کیونکہ یہ قانون مشہور ہوچکا بے خبری عذر نہیں۔لہذا یہ حدیث سواد اعظم کے خلاف نہیں۔امام شافعی و ابویوسف اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ نماز میں چھینک کا جواب دینا حرام ہے لیکن اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱۰؎ حضور علیہ السلام کو مہربان دیکھ کر دینی مسائل پوچھنے شروع کردیئے۔کاہن وہ لوگ ہیں جنہیں شیاطین سے تعلق ہوتا ہے علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اور آئندہ کی جھوٹی سچی خبریں دیتے ہیں جیسے آج کل پنڈت اور جوگی۔عراف وہ کہلاتے ہیں جو چھپی چیزیں چوری کے مال کا پتہ بتاتے ہیں،کاہنوں سے غیبی چیزیں پوچھنا گناہ کبیرہ بلکہ قریب کفر ہے اس کی بحث ان شاء اللہ باب الکھانت میں ہوگی۔

۱۱؎ کفار عرب میں فال کے بہت طریقے تھے:ان میں سے ایک پرندے اڑانا تھا کہ اگر کسی کام کو چلے اور راستہ میں کوئی چڑیا بیٹھی ملی اسے اڑایا،اگر دائیں طرف اڑی تو سمجھے کامیابی ہے اگر سیدھی اڑے تو سمجھے کامیابی میں دیر ہے اور اگر بائیں طرف اڑی تو ناکامی کا یقین کرکے واپس لوٹ آئے۔حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ یہ ان کے نفسیاتی وسوسے ہیں رب پر توکل چاہیے اور ایسے وہمیات کی بنا پر کام چھوڑنا نہیں چاہیے۔فال کی بحث انشاءاللہ باب الفال میں آئے گی۔

۱۲؎ لکیریں کھینچنے سے مراد رمل ہے جس میں خطوط کے ذریعہ غیبی بات معلوم کی جاتی ہے جیسے علم جفر میں عددوں سے،علم رمل حضرت دانیال کا معجزہ تھا اور علم جفر حضرت ادریس علیہ السلام کا جس کو ان بزرگوں کی خطوط یا اعداد سے مناسبت ہوگی،اس کا درست ہوگا ورنہ غلط۔بعض علماء نے اس حدیث سے دلیل پکڑی کہ عمل رمل اور جفر جائز ہے لیکن بغیر کمال اس پر اعتماد نہیں کرسکتے۔

۱۳؎ یعنی میں نے لٰکِنِّیْ سَکَتُّ کو صحیح مسلم میں پایا اور جامع اصول میں لٰکِنِّیْ پر لفظ کَذَا لکھا ہے جو اس کی صحت کی علامت ہے کیونکہ وہ صحیح پر لفظ کَذَا لکھ دیا کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ وہ نماز میں ہوتے سلام کرتے تھے آپ ہمیں جواب دیتے تھے ۱؎ جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے ۲؎ تو ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمارا جواب نہ دیا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے فرمایا نماز میں مشغولیت ہے ۳؎

	(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ہجرت سے پہلے نماز میں کلام و سلام سب جائز تھا اس بنا پر حضور علیہ السلام بحالت نماز سلام کا جواب دیتے تھے ان حضرات کے حبشہ جانے کے بعد کلام منسوخ ہوا۔خیال رہے کہ "وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ" سورۂ بقر میں ہے سورۂ بقر مدنی ہے لہذا نسخ کلام بعد ہجرت ہوا۔

۲؎ نجاشی بادشاہ حبشہ کا لقب تھا جیسے فرعون بادشاہ مصر کا،حضور علیہ السلام کے زمانہ کے نجاشی کا نام اصحمہ تھا اس نے مظلوم صحابہ کو اپنے ملک میں امن دی اور انہی کے ذریعہ حضور علیہ السلام پر غائبانہ ایمان لایا اور انہی کی معرفت حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بہت سے تحفے بھیجے،حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان جو ایمان لاکر حبشہ ہجرت کرگئی تھیں،اصحمہ ہی نے ان کا غائبانہ نکاح حضور علیہ السلام سے کیا،جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک تشریف لائے تو حبشہ کے مہاجر صحابہ مدینہ منورہ میں آگئے،ان بزرگوں کو صاحبِ ہجرتین کہتے ہیں،انہی اصحمہ اور ان کے ساتھیوں کا ذکر قرآن کریم نے بہت شان سے کیا ہے۔"وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ"۔نجاشی کا انتقال ۹ھ؁ فتح مکہ سے پہلے حبشہ میں ہوا،جبریل امین نے انکی لاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کردی حضور علیہ السلام نے غائبانہ جنازہ پڑھا،بہت عرصہ تک ان کی قبر سے انوار نکلتے تھے جس سے رات میں سارا جنگل جگمگاجاتا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳؎ یعنی اب نماز مناجات،عبودیت،اور استغراق سے گھیر دی گئی،اس میں نہ کلام ہے نہ سلام۔فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دے سکتا۔

	روایت ہے حضرت معیقیب سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اس شخص کے بارے میں جو سجدے کی جگہ مٹی برابر کرے فرمایا اگر تمہیں کرنا ہے تو ایک بار ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام معیقیب ابن فاطمہ ہے،دوسی ہیں،سعد ابن عاص کے آزاد کردہ غلام ہیں،قدیم الاسلام ہیں،صاحب ہجرتین ہیں،حضور علیہ السلام کی انگوٹھی آپ کے پاس رہتی تھی،انہی سے حضرت صدیق اکبر نے حضور علیہ السلام کے بعد یہ انگوٹھی لی،آخر میں جذام میں مبتلا ہوگئے تھے،خلافت عثمانی یا حیدری میں وفات پائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،دوسرے معیقیب تابعی ہیں وہ اور ہیں۔

۲؎ یعنی کسی نے حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا کہ نمازی بحالت نماز سجدہ کی جگہ سے کنکر کانٹا ہٹا سکتا ہے یا نہیں اور مٹی صاف کرسکتا ہے یا نہیں،فرمایا ضرورتًا ایک بار کرسکتا ہے۔اس سے فقہاء نے بہت سے مسائل مستنبط کیے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع

فرمایا۔ ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی نماز کی کسی حالت میں،قیام،قومہ،قعود میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا منع ہے بلکہ نماز سے خارج بھی ممنوع ہے کہ یہ ابلیس کا طریقہ ہے،نیز دوزخی تھک کر ایسے ہاتھ رکھا کریں گے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں **خصر** سے مراد لاٹھی یا دیوار پر ٹیک لگانا ہے،عربی میں **خاصرہ** لاٹھی کو کہتے ہیں،یہ ٹیک بلاضرورت ممنوع،ضرورۃً جائز ہے،بوڑھا آدمی لاٹھی بغل میں لے کر نماز پڑھ سکتا ہے،سلیمان علیہ السلام نے اپنی آخری نماز لاٹھی کی ٹیک پر ہی پڑھی جس میں آپ کی وفات ہوئی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ اچکنا ہے شیطان بندے کی نماز سے اچکتا ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ خیال رہے کہ نماز میں کعبہ سے سینہ پھر جانا نماز کو توڑ دیتا ہے،صرف چہرہ پھرنا مکروہ ہے،کنکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنا خلاف مستحب۔یہاں التفات سے غالبًا دوسرے معنے مراد ہیں جو مکروہ ہیں۔ممکن ہے تیسرے معنے مراد ہوں،ابھی معاویہ ابن حکم کی روایت میں گزر چکا کہ صحابہ نے انہیں گوشہ چشم سے دیکھا۔بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام بھی کبھی اس طرح دیکھتے تھے وہ سب بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیئے لہذا حدیثوں میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قومیں نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں چھین لی جائیں گی ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی نماز میں دعائیہ یا آخری دعا پڑھنے پر نہ ہاتھ اٹھائے نہ آسمان کی طرف نگاہ کہ یہ مکروہ ہے،خارج نماز ہاتھ بھی اٹھائے اور نگاہ بھی کیونکہ آسمان قبلہ دعا ہے جیسے کعبہ قبلہ نماز،سرکار علیہ السلام کا یہ فرمان اظہار آفتاب کے لیے ہیں۔خیال رہے کہ پہلے حضور علیہ السلام نماز میں کبھی آسمان کو دیکھا کرتے تھے جب یہ آیت اتری "الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ" تب چھوڑ دیا۔تبدیلی قبلہ کے وقت حضور علیہ السلام کا نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا آپ کی خصوصیت تھی کہ وہ نماز ناز تھی۔

روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کی امامت کرتے تھے اور امامہ بنت ابی العاص آپ کے کندھے پر ہوتیں ۱؎ جب رکوع کرتے تو انہیں اتار دیتے اور جب سجدہ سے سر	

اٹھاتے تو انہیں لوٹا لیتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی یعنی حضرت زینب کی بیٹی ہیں۔علی مرتضٰی نے فاطمہ زہرا کی وفات کے بعد آپ سے نکاح کیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی حتی کہ کبھی نماز میں بھی آپ کو کندھے پر رکھتے تھے۔

۲؎ حق یہ ہے کہ یہ عمل حضور علیہ السلام کی خصوصیت میں سے ہے ہمارے واسطے مفسد نماز ہے کیونکہ نماز میں بچی کو اتارنا چڑھانا اور روکنا عمل کثیر سے خالی نہیں،علماء نے اس کی بہت سی توجیہیں کی ہیں مگر جو فقیر نے کہا وہ حق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں جمائی لے تو جہاں تک ہوسکے دفع کرے کیونکہ شیطان داخل ہوجاتا ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎ جمائی دفع کرنے کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ جمائی آتے وقت یہ سوچ لے کہ انبیاء کرام کو جمائی نہیں آتی تھی۔دوسرے یہ کہ نچلا ہونٹ دانت سے دبالے۔تیسرے یہ کہ ناک سے زور کے ساتھ سانس نکالے اگر دفع نہ ہوسکے تو بائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت منہ پر رکھ لے

بخاری کی روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے فرمایا تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو بقدر طاقت دفع کرے اور نہ کہے"ھا"کیونکہ یہ شیطان سے ہے کہ وہ اس سے ہنستا ہے ۱؎	

۱؎ چنانچہ اگر نماز میں "ہاہ" منہ سے نکل جائے تو نماز جاتی رہے گی کہ اس میں تین حروف ادا ہوگئے اور اگر فقط "ہا" نکلا تو نماز مکروہ ہوگئی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک خبیث جن آج رات کھل گیا ۱؎ تاکہ میری نماز توڑ دے اللہ نے مجھے اس پر طاقت دی میں نے اسے پکڑ لیا ۲؎ میں نے سوچا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھو ۳؎ لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آگئی کہ مولا مجھے وہ ملک دے جو کسی کے لائق نہ ہو میرے بعد تو میں نے اسے ناکام چھوڑ دیا ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎حضرت سلیمان علیہ السلام کی قید سے کہ آپ شیاطین کی ایک جماعت کو قید کر گئے تھے ان میں سے ایک چھوٹ کر میرے پاس آگیا اور میرے قلب میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ جنات اور شیاطین کو دیکھتی ہے اور جہاں وہ بند ہیں وہ جگہ بھی حضور علیہ السلام کی نگاہ کے سامنے ہے اور حضور انکے ہر حال سے خبردار ہیں،قرآن کریم کا یہ فرمانا:"مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ"ہم لوگوں کے لیے ہیں حضور علیہ السلام اس سے علیحدہ ہیں جب حضور علیہ السلام کی نگاہ سے فرشتے نہیں چھپتے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں خود رب تعالٰی کو دیکھ لیا تو جنات و شیاطین کیسے چھپ سکتے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کی ایک خبیث ترین جماعت کو قید کردیا تھا جو اب تک قید میں ہے کیونکہ جنات کی عمریں بڑی ہوتی ہیں ان کا یہاں ذکر ہے ورنہ اور جماعتیں شیاطین کی کھلی پھرتی ہیں۔

۲؎حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کو دائمی طاقت بخشی،جس سے آپ شیاطین کو پکڑ سکتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ نے شیطان کو صدقہ کا مال چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا تو وہ آپ سے نہ چھوٹ سکا،حضرت معاویہ نے ایک شیطان کو پکڑ لیا تو وہ آپ سے نہ چھوٹ سکا جب ذرات کی طاقتوں کا یہ حال ہے تو آفتاب نبوت کی قدرت کا کیا پوچھنا۔اب بھی بعض عامل حضرات جنات کو قید کردیتے ہیں،جلادیتے ہیں۔

۳؎یعنی میں اسے باندھ دیتا تو وہ کھل نہ سکتا نہ چھوٹ کر بھاگ سکتا اور پھر وہ سب پر ظاہر ہوجاتا تم سب اسے دیکھتے،ہمارے باندھنے کی برکت سے یہ غیب شہادت بن جاتا۔

۴؎یعنی چونکہ جنات پر قبضہ حضرت سلیمان کا خصوصی معجزہ بن چکا ہے اگر اس قبضہ کو ہم ظاہر فرمادیتے تو یہ ان کی خصوصیت نہ رہتا اس لیے اسے چھوڑدیا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ شیطان کا جسم نجس نہیں اور اس کے چھونے سے نماز نہیں جاتی،نمازی کا ہاتھ نجس نہیں ہوتا۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا خشوع و خضوع اور طرف متوجہ ہونے سے نہیں جاتا دیکھو حضور علیہ السلام نے شیطان کو پکڑ بھی لیا باندھنے کا ارادہ بھی کیا پھر چھوڑ بھی دیا مگر نماز کے خشوع میں کوئی فرق نہ آیا۔تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے گزشتہ نبیوں کے کمالات بخشے مگر ان میں سے بعض کا اظہار نہ فرمایا تاکہ ان بزرگوں کی خصوصیات میں فرق نہ آئے۔چوتھے یہ کہ نبی کی طاقت جنات و فرشتوں سے زیادہ ہے کہ شیطان آپکی پکڑ سے چھوٹ نہ سکا،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تھپڑ مارا تو ان کی آنکھ جاتی رہی۔اس جگہ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت،قدرت،تصرف،ملک الموت جن وانس اور تمام عالم پر ہے،ہر شے آپ کے قبضہ میں ہے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے نماز میں کوئی چیز پیش آجائے تو تسبیح پڑھے کیونکہ تالی عورتوں کے لیے ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تالی عورتوں کے لیے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی اگر نمازی کو کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس سے اسے بولنا پڑے مثلًا اسے کوئی پکار رہا ہے یا کوئی بے خبری میں سامنے سے گزرنا چاہتا ہے تو مرد تو زور سے سبحان اللہ کہہ دے اور عورت بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنی ہتھیلی مار دے تاکہ پکارنے والے اور گزرنے والے کو اسکا نماز میں ہونا معلوم ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی آوا ز بھی عورت ہے نامحرم نہ سنے افسوس ان عورتوں پر جو گابجا کر اپنی آواز یں غیروں کو سنائیں۔خیال رہے کہ اگر نمازی عورت کا محرم بھی اسے پکارے یا سامنے سے گزرنے لگے تب بھی عورت تالی ہی بجائے کیونکہ اس کے لیئے قانون ہی یہ ہوگیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ جانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے حالانکہ آپ نماز میں ہوتے تو آپ ہم کو جواب دیتے تھے پھر جب ہم حبشہ سے لوٹے تو میں آپ کی خدمت میں آیا آپ کو نماز پڑھتے پایا میں نے آپ کو سلام کیا تو مجھے آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ جب اپنی نماز پوری کی تو فرمایا اللہ اپنے احکام میں جو چاہے نئے حکم دے اب جو نیا حکم بھیجا اس میں یہ ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو پھر آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا۱؎	

۱؎یہ سلام کا جواب استحبابًا تھا تاکہ حضرت ابن مسعود کا دل خوش ہوجائے ورنہ اگر کوئی نمازی کو،تلاوت قرآن کرنے والے کو یا قضائے حاجت کرنے والے کو سلام کرے تو ان پر جواب دینا واجب نہیں کیونکہ ان حالتوں میں سلام کرنا سنت نہیں،مسنون سلام کا جواب واجب ہے نہ کہ ممنوع سلام کا،لیکن اگر فراغت کے بعد جواب دے دیا جائے تو بہتر ہے(لمعات)اس سے بہت سے مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔

اور فرمایا کہ نماز قرآن پڑھنے اور اللہ کے ذکر کے لیے۱؎ جب تم نماز میں ہو تو یہ ہی تمہارا حال ہونا چاہیے۔(ابوداؤد)	

۱؎یہاں اللہ کے ذکر سے مراد تلاو ت کے علاوہ دوسرے اذکار ہیں تسبیحیں اور التحیات وغیرہ۔اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کا التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا بھی اللہ کا ذکر ہے جس سے نماز ناقص نہیں بلکہ کامل ہوتی ہے ورنہ کسی بندے کو مخاطب کرکے آیت پڑھنا بھی نماز توڑ دیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے	

	حضرت بلال سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب کیسے دیتے تھے جب صحابہ آپ کو نماز میں سلام کرتے تو فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کردیتے تھے ا(ترمذی) اور نسائی کی روایت میں اسی طرح ہے اور بجائے بلال کے صہیب ہے۔

اشاید یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ نماز میں زبانی سلام و جواب ممنوع ہوچکا تھا اشارے جائز تھے،پھر یہ بھی ممنوع ہوگیا۔چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ اگر نمازی سریا ہاتھ سے سلام کا جواب دے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ظاہر یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی مگر مکروہ ہوگی بہرحال اب اشارہ بھی منسوخ ہے اس حدیث سے ہی نسخ معلوم ہورہا ہے کیونکہ حضرت ابن عمر نے حضور علیہ السلام کو اشارہ کرتے دیکھا نہیں بلکہ سنا تھا،تو حضرت بلال سے پوچھا اگر اشارہ اخیر تک جاری رہتا تو آپ دیکھ لیتے۔خیال رہے کہ سلام کے اشارے مختلف ہیں کبھی انگلی اٹھا کر کبھی پیشانی پر لگا کر کبھی داہنا ہاتھ الٹا کرکے یہاں تیسری صورت مراد ہے جیسا کہ ابوداؤد،ترمذی،نسائی کی احادیث میں ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے رفاعہ ابن رافع سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی میں چھینکا تو کہہ لیا تمام تعریفیں اللہ کی ہیں زیادہ اچھی اس میں برکت والی اس پر برکت جیسے ہمارا رب چاہے اور راضی ہوا اتو جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو پھرے اور فرمایا نماز میں کلام کرنے والا کون تھا کوئی نہ بولا پھر دوبارہ یہی فرمایا کوئی نہ بولا پھر سہ بار یہی فرمایا تو رفاعہ نے عرض کیا یارسول اللہ میں ہوں ۲ تب نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس میں تیس اور چند فرشتوں نے جلدی کی کہ کون انہیں لے کر چڑھے ۳ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

ایہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نماز میں کلام منسوخ نہیں ہوا تھا اب نمازی چھینک پر یہ نہیں کہہ سکتا۔(مرقاۃ)بعض علماء نے فرمایا اب بھی یہ جائز ہے،بعض نے فرمایا دل سے کہے زبان سے نہ کہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ اگر زبان سے یہ کلمے ادا کیئے تو نماز جاتی رہے گی۔

۲؎صحابہ کرام کا خاموش ہونا حضور علیہ السلام کی ہیبت کی وجہ سے تھا ورنہ اس وقت نماز میں کلام جائز تھا۔خیال رہے کہ اس حمد کرنے والے کو حضور علیہ السلام نے متکلم فرمایا حَامِد نہ فرمایا۔معلوم ہوا کہ یہ کلام میں شمار ہے اب جیسے اور کلاموں سے نماز فاسد ہوگی ایسے ہی اس سے۔

۳؎یعنی یہ الفاظ ایسے مقبول ہوئے کہ ہر فرشتہ چاہتا تھا کہ انہیں لے کر بارگاہِ الٰہی میں میں پہلے پیش ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ غیبی چیزوں فرشتوں وغیرہ کو بھی دیکھتی ہے اور منہ سے نکلے ہوئے کلمات کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں اور اس ملاحظہ سے آپ کی نماز کے حضور میں کچھ فرق نہیں آتا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے ہے تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بقدر طاقت دفع کرے ۱؎(ترمذی)اور ترمذی کی دوسری روایت میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ میں رکھ لے ۲؎

۱؎ہر جمائی شیطان کے اثر سے ہے نماز میں ہو یا باہر مگر چونکہ نماز میں زیادہ بری ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔جمائی غفلت سے،سستی سے،زیادہ کھانے اور نیند کے غلبہ سے ہوتی ہے اور ان سب میں شیطان کا اثر ہے لہٰذا یہ فرمانا بالکل حق ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالٰی چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند اسی لیے چھینک پر الحمدللہ پڑھی جاتی ہے اور جمائی پر لاحول،انبیاء کرام جمائی سے محفوظ ہیں۔

۲؎یعنی اگر جمائی دفع نہ ہوسکے تو بائیں ہتھیلی کی پشت پھیلے ہوئے منہ پر رکھے۔دفع کرنے کی صورتیں عرض کی جاچکیں۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی جب وضوکرے تو اچھا کرے پھر مسجد کے ارادے سے نکلے ۱؎تو انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے کیونکہ وہ نماز میں ہے ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎سنت یہی ہے کہ وضو گھر سے کرکے مسجد کو جائے،بہتر یہ ہے کہ درود شریف پڑھتا ہوا جائے۔

۲؎یعنی یہ شخص حکمًا نماز میں ہے اسی لیے اس حالت میں نماز کا ثواب پارہا ہے اور نماز میں تو یہ کام منع ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور عبث ہے اس لیے اب بھی یہ نہ کرے یہ ایسا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعتکاف نماز ہے لہٰذا باوضو کرو اور اس میں دنیوی کام نہ کرو لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز کے سارے ممنوعات اس وقت منع ہوجائیں خارج نماز کبھی کبھی یہ کام کرلینا جائز ہمیشہ کرنا بہتر نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی کوئی بات سمجھانے کے لیئے انگلیوں میں تشبیک فرمائی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ذر سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی بندے پر متوجہ رہتا ہے جب کہ وہ نماز میں ہو جب تک ادھر ادھر نہ دیکھے جب ادھر ادھر دیکھتا ہے تو رب اس سے اعراض کرتا ہے 1(احمد،ابوداؤد،نسائی،دارمی)	

1یہاں التفت سے مراد منہ موڑ کر ادھر ادھر دیکھنا ہے فقط نگاہوں سے التفات ناجائز نہیں۔اگر چہ مستحب یہ ہے کہ قیام میں نگاہ سجدہ گاہ میں رہے۔

روایت ہے حضرت انس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اپنی نگاہ سجدہ گاہ پر رکھو1	

1امام طیبی فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ قیام میں نظر سجدہ گاہ پر ہو،رکوع میں پاؤں کی پشت پر،سجدہ میں ناک کے بانسے پر،التحیات میں گود پر،ہر نماز کا یہی حکم ہے،ہاں حرم شریف میں نمازی قیام میں کعبۃ اللہ کو دیکھے۔بعض روایات سے معلوم ہوتاہے کہ صحابہ کرام نماز میں حضور علیہ السلام کو دیکھتے تھے جیسا کہ ہم نے پیچھے بارہا بیان کیا ان شاء اللہ آئندہ بھی عرض کریں گے۔یہاں مشکوۃ شریف میں رواۃ کے بعد سفیدی ہے کیونکہ مصنف کو حدیث کا حوالہ نہیں ملا بعد میں رواۃ کے بعد والی عبارت ملحق کی گئی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے بچے نماز میں التفات سے بچو کیونکہ نماز میں التفات ہلاکت ہے اگر ضروری ہو تو نفل میں ہو نہ کہ فرض میں1(ترمذی)	

1کیونکہ نفل میں گنجائش ہے فرض میں تنگی،دیکھو نفل میں قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرض میں التفات زیادہ مکروہ ہے نفل میں کم،یہاں التفات سے وہی مراد ہوگا جو پہلے عرض کیا گیایعنی منہ پھیر کر دیکھنا،ہلاکت سے مراد ثواب گھٹ جانا ہے۔قرآن شریف میں یہ لفظ تین معنے میں آیا ہے:(۱)اپنی چیز غیر کے پاس پہنچ جانا(۲)شے کا فنا ہوجانا(۳)موت۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں کنکھیوں سے دیکھتے تھے اور اپنی گردن پیٹھ کے پیچھے نہ موڑتے تھے1(ترمذی،نسائی)	

۱؎یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کی شرح ہے جن میں التفات سے منع کیا گیا اس نے بتایا کہ وہاں مراد سر پھیر کر دیکھنا تھا بغیر سر پھیرے دیکھنا جائز اگرچہ خلاف مستحب ہے حضور علیہ السلام کا یہ فعل شریف بیان جواز کے لیے ہے حضور علیہ السلام کو بعض مکروہ فعلوں پر مستحب کا ثواب ملتا ہے کیونکہ آپ کی یہ عملی تبلیغ ہے۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت عدی ابن ثابت سے ۱؎وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی اسے مرفوع کیا فرماتے ہیں کہ نماز میں چھینک،اونگھ،جمائی،حیض،قے اور نکسیر شیطان سے ہیں ۲؎(ترمذی)

۱؎تابعی ہیں،انصاری ہیں،کوفی ہیں،ابن حبان اور ابو حاتم نے انہیں ثقہ کہا،بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ غالی شیعہ تھا،شعیوں کی مسجد کا امام تھا انہی کا عالم وقاضی تھا اس کے دادا کا نام دینار ہے جو صحابی تھے۔

۲؎یعنی یہ وہ چیزیں ہیں کہ جب یہ نماز میں آجائیں تو شیطان ان سے خوش ہوتا ہے کہ میں نے اس کی نماز میں خلل ڈال دیا،ورنہ یہ چیزیں ممنوع ہیں نہیں،قدرتی ہیں بلکہ چھینک تو خدا کی نعمت ہے جب کہ بیماری سے نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے پیٹ میں ہانڈی کی سی کھولن تھی یعنی رو رہے تھے ۲؎ اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ آپ کے سینے میں رونے سے چکی کی سی گڑگڑاہٹ تھی۔(احمد)اور نسائی نے پہلی روایت اور ابوداؤد نے دوسری روایت کی۔

۱؎مطرف تابعی ہیں اور ان کے والد عبداللہ ابن شخیر صحابی ان کا پورا نام یہ ہے مطرف ابن عبداللہ ابن عامر ابن صعصعہ شخیر۔

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا خوف خدایا عشق الٰہی میں تھا یا اپنی امت کی شفاعت میں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام تہجد پڑھ رہے تھے اور آیت اِنۡ تُعَذِّبۡھُمۡ الخ بار بار پڑھتے تھے اور روتے تھے یہ رونا رب تعالٰی کو بہت پیارا ہے،اب بھی جو نمازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق یا خدا کے خوف سے نماز میں روئے تو نماز بڑی مقبول ہوتی ہے خصوصًا نماز تہجد،ہاں دنیوی تکلیف سے نماز میں رونا منع ہے اور اگر اس میں تین حرف ادا ہوگئے تو نماز فاسد ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی

	نماز میں کھڑا ہو تو کنکر نہ چھوئے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎یعنی کنکروں سے نہ کھیلے،افسوس ہے کہ رب کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو اور وہ کنکروں کی طرف۔خیال رہے کہ سجدہ گاہ سے کانٹا یا کنکرہٹانا یا زمین ہموار کرنا درست ہےکیونکہ یہ کھیلنے کے لیے نہیں بلکہ نماز کی اصلاح کے لیے ہے۔لیکن صرف ایک بارکرے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لڑکے کو جسے افلح کہا جاتا تھا دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا ہے تو پھونک مارتا تو فرمایا اے افلح اپنا چہرہ خاک آلود کر ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی ناک و پیشانی پر خاک لگنے دے اس میں صفائی کا زیادہ خیال نہ کر۔خیال رہے کہ غلام عربی میں لڑکے کو کہا جاتا ہے،قرآن پاک میں یہ لفظ ہر جگہ اسی معنی میں آیا ہے،سجدہ گاہ کی مٹی پیشانی میں لگنے دے مگر بعد نماز صاف کردے تاکہ ریاء نہ ہوجائے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کا آرام ہے ۱؎(شرح سنہ)

۱؎یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ چیز عقل سے وراءہے۔مطلب یہ ہے کہ دوزخی جب بہت تھک جایا کریں گے تو کوکھ پر ہاتھ رکھا کریں گے ورنہ دوزخ میں آرام کہاں۔اسی جگہ مرقاۃ نے فرمایا کہ شیطان جب زمین پر آیا تو کوکھ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا اب بھی کوکھ پر ہاتھ رکھ کر ہی چلتا ہے۔لمعات میں ہے کہ یہ یہودیوں کا عمل ہے۔خیال رہے کہ حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا جہنمیوں کا طریقہ ہے کیونکہ دوزخی نماز کہا ں پڑھیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا سخت برا ہے کہ یہ طریقہ دوزخیوں کا ہے جنتی ہوکر دوزخیوں سے مشابہت کیوں کرتا ہے۔خیال رہے کہ نماز کے علاوہ بھی دونوں کوکھوں یا ایک کوکھ پر رکھنا یا پیٹھ کے پیچھے ہاتھ باندھنا بلاضرورت منع ہے یا ہاتھ کھلے رکھے یا نمازی کی طرح آگے باندھے۔

	روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز میں دو کالی چیزوں سانپ اور بچھو کو قتل کردو ۱؎(احمد،ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے اس کے معنے۔

۱؎عربی میں اسود کالے سانپ کو کہتے ہیں یا مطلقًا ہر سانپ مراد ہے اور تغلیبًا سانپ بچھو،دونوں کو اَسْوَدَیْن فرمادیا جیسے ماں باپ کواَبَوَیْن اور چاند سورج کو قَمَرَیْن کہدیتے ہیں اگر نمازی بحالت نماز سانپ یا بچھو دیکھے تو اسے مار سکتا ہے اگر عمل قلیل سے مار دیا تو نماز نہ ٹوٹے گی اور اگر اس کے لیئے کعبہ سے سینہ پھر گیا یا متواتر تین

قدم چلنا پڑا یا تین چوٹیں مارنی پڑیں تو نماز ٹوٹ جاوے گی دوبارہ پڑھنی ہوگی مگر یہ شخص نماز توڑ نے کا گنہگار نہ ہوگا اس حدیث کی اجازت کی وجہ سے کسی کی جان بچانے کے لیئے نماز توڑ دینا درست ہے یا ریل چھوٹ جانے پر مسافر نماز توڑ کر سوار ہوسکتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہرقسم کا سانپ مارنے کی اجازت ہے۔وہ حدیث کہ پتلا سانپ نہ مارو جو چلنے میں لہراتا نہ ہو کیونکہ وہ جنی ہے منسوخ ہے،ہاں اگر کسی سانپ میں جن کی علامت موجود ہو تو اگر دفع ضرر کے لیئے اسے نہ مارے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل پڑھ رہے تھے ا؎اور دروازہ آپ پر بند تھا میں آئی دروازہ کھلوایا تو آپ چلے اور میرے لیے کھول دیا پھر اپنے مصلی کی طرف لوٹ گئے اور آپ نے ذکر کیا کہ دروازہ جانب قبلہ تھا ۲؎ (احمد،ابوداود،ترمذی)نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

ا؎نفل کا ذکر بیان واقعہ کے لیے ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فرض مسجد میں ادا کرتے تھے نہ کہ حجرہ میں،نماز ٹوٹنے نہ ٹوٹنے میں نفل و فرض کے احکام یکساں ہیں۔

۲؎لہذا اس دروازہ کھولنے میں نہ آپ کا سینہ قبلہ سے پھرا نہ آپ کو عمل کثیر کرنا پڑا،ایک قدم بڑھا کر ایک ہاتھ سے کنڈی کھولی پھر ایک قدم ہٹاکر نماز کی جگہ پہنچ گئے جیسے اب بھی جب امام یا مقتدی کو آگے پیچھے ہٹایا جاتا ہے وہ ایک قدم سے ہٹ سکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کسی کو نماز میں ہوا آجائے تو پھر جائے وضو کرے نماز لوٹائے ا؎ (ابوداؤد)ترمذی نے کچھ زیادتی کمی کے ساتھ۔

ا؎اگر عمدًا ہوا نکالی ہے تو نماز لوٹانا واجب ہے اگر اتفاقًا نکل گئی تو بنا جائز(یعنی بقیہ ادا کرنا)اور لوٹانا مستحب،بعض نے فرمایا اگر بنا میں جماعت ملتی ہو اور لوٹانے میں نہ ملتی ہو تو بنا مستحب ہے۔بنا کی مرفوع حدیثیں ابن ماجہ،دارقطنی میں مذکور ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق و عمرفاروق،علی مرتضٰی،سلمان فارسی وغیرھم صحابہ سے ثابت ہے لہذا یہ حدیث بنا کی روایتوں کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں بے وضو ہوجائے تو اپنی ناک پکڑ لے پھر چلا جائے ا؎(ابوداؤد)

۱؎وضو کرنے کے لیئے ناک پکڑنا اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی۔اس سے معلوم ہوا کہ نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ یہ تدبیر بے کار ہوتی لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہےاور ناک پکڑنے کا حکم استحبابی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی سلام پھیرنے سے پہلے بے وضو ہوجائے حالانکہ آخر نماز بیٹھ لیا ہے تو اس کی نماز جائز ہوگئی ۱؎(ترمذی)اور فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں اس کی اسناد میں اضطراب ہے ۲؎

۱؎یعنی آخری قعدہ میں بقدر التحیات بیٹھ چکا تھا کہ اس کا وضو جاتا رہا تو اس کا فرض ادا ہوگیا اگر عمدًا وضو توڑا ہے تو امام اعظم کے نزدیک بھی ادا ہوگیا کیونکہ ارادۃً نماز سے نکلنا پالیا گیا اور اگر اتفاقًا بلاقصد وضو ٹوٹ گیا تو صاحبین کے ہاں نماز ہوگئی کیونکہ ان کے ہاں ارادۃً نماز سے نکلنا فرض نہیں۔یہ حدیث امام صاحب کی قوی دلیل ہے کہ آخری التحیات میں بیٹھنا فرض ہے نہ کہ پڑھنا اور سلام بھی فرض نہیں امام شافعی کے ہاں سلام فرض ہے۔

۲؎ حدیث کا اضطراب یہ ہے کہ مختلف اور متفاوت طریقوں سے روایت ہو کبھی اسناد میں اضطراب ہوتا ہے،کبھی متن میں اضطراب ضعف حدیث کی علامت ہے مگر طحاوی نے یہ حدیث بہت اسنادوں سے نقل کی اور تعدد اسناد ضعیف کو حسن بنادیتی ہے،حسن سے احکام ثابت ہوسکتے ہیں،نیز ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث امام ترمذی کو ضعیف یا مضطرب ہوکر ملی۔امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں صحیح تھی بعد کا ضعف اگلوں کو مضر نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تشریف لائے جب تکبیر کہی ۱؎تو واپس ہوئے اور لوگوں کو اشارہ فرمایا کہ تم ایسے ہی رہو ۲؎پھر تشریف لے گئے تو غسل کر لیا پھر تشریف لائے حالانکہ سر شریف سے قطرے ٹپک رہے تھے۳؎پھر انہیں نماز پڑھائی جب نماز پڑھ لی تو فرمایا ہم جنبی تھےغسل کرنا بھول گئے ۴؎(احمد)

۱؎یعنی صرف حضور علیہ السلام نے تکبیر تحریمہ کہی تھی صحابہ نہ کہہ پائے تھے کیونکہ یہاں صحابہ کی تکبیر کا ذکر نہیں۔یا ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تکبیر نہ کہی تھی بلکہ تکبیر کا ارادہ ہی کیا تھا ارادہ تکبیر کو تکبیر کہہ دیا گیا جیسے"اِذَا قُمْتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ"۔چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصلے پر کھڑے ہوئے تھے تکبیر سے پہلے ہی واپس ہوگئے لہذا یہ حدیث نہ حنفیوں کے خلاف ہے نہ شافعی حضرات کی مؤید جیسا کہ ہم ابھی عرض کریں گے۔

۲؎یعنی صف بستہ کھڑے رہو نہ مسجد سے جاؤ نہ صفیں توڑو میں ابھی آتا ہوں۔

۳؎لباس شریف پر۔اس سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل نہیں ہوتا لہذا یہ حدیث صاحبین کی دلیل ہے۔

۴؎خیال رہے کہ امام شافعی کے نزدیک امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی،ان کی دلیل یہ حدیث ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو تکبیر لوٹانے کا حکم نہ دیا لیکن ہم ابھی عرض کرچکے کہ صحابہ نے تکبیر تحریمہ کہی ہی نہ تھی بلکہ خود سرکار نے بھی تکبیر کا ارادہ ہی کیا تھا جیسا کہ مسلم میں ہے لہذا ان کا یہ استدلال صحیح نہیں۔ہم اس کی بحث"باب الامامۃ"میں"اَلۡاِمَامُ ضَامِنٌ"کی شرح میں کرچکے ہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں بھول جانا اور جنابت یاد نہ رہنا رب کی طرف سے تھا تاکہ امت کو اس کے مسائل معلوم ہوجائیں حضور علیہ السلام کی بے خبری کی وجہ سے نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے غلام اولیاءاللہ دوسروں کی جنابت و طہارت کو جانتے ہیں۔اس جگہ مرقاۃ نے ایک عجیب قصہ بیان کیا کہ امام جُوَینِی نے ایک دن درس میں کہا صوفی لوگ قوالیوں میں کھانے اور ناچنے جاتے ہیں،ایک بزرگ وہاں سے گزرے تو بولے اے امام جوینی اس پر تمہارا کیا فتویٰ ہے جو جنابت میں فجر پڑھائے اور مسجد میں درس کی حالت میں لوگوں کی غیبت کرے، تب امام جوینی کو یاد آیا کہ میں جنبی تھا اور ایسے ہی نماز پڑھا دی آپ نے توبہ کی اور صوفیاء کے معتقد ہوگئے لہذا یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں کرتی بے علمی اور ہے اور بھول جانا کچھ اور ہماری بھول چوک نفسانی شیطانی ہوتی ہے،انبیاء کی بھول ایمانی و رحمانی،سارے انسانی عالم کا ظہور آدم علیہ السلام کی ایک بھول کا صدقہ ہے۔

	اور مالک نے عطا ابن یسار سے ارسالًا روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر پڑھتا تھا تو کنکریوں کی ایک مٹھی لے لیتا تھا۱؎تاکہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہوجائیں انہیں اپنی پیشانی کی جگہ رکھ لیتا تاکہ ان پر سجدہ کروں سخت گرمی کی وجہ سے ۲؎(ابوداؤد)نسائی نے اس کی مثل۔

۱؎ نماز سے پہلے کچھ بجری ٹھنڈی کرکے سجدہ گاہ میں رکھ لیتا تھا نہ کہ نماز کے اندر،لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے۔
۲؎ یعنی فرش سخت گرم ہوتا تھا جس پر سجدہ کرنا مشکل ہوتا اس لیے یہ عمل کرتا لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرمیوں میں ظہر دوپہری میں پڑھتے تھے اور نہ یہ حدیث اس کے خلاف ہے کہ ظہر ٹھنڈی کرو،فرش بہت دیر تک گرم رہتا ہے لہذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں تین بار اور اپنا ہاتھ بڑھایا گویا کچھ پکڑ رہے ہیں ۱؎ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا یارسول اللہ ہم نے آپ کو نماز میں یہ کہتے سنا جو اس سے پہلے آپ کو کہتے نہ سنا تھا اور ہم نے آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا ۲؎ فرمایا کہ اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا شعلہ لایا تھا تاکہ اسے میرے منہ میں کرے ۳؎ میں نے تین بار کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی پوری لعنت کرتا ہوں وہ تین بار میں نہ ہٹا ۴؎ پھر میں نے اسے پکڑنا چاہا خدا کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ بندھا ہوا سویرا کرتا جس سے مدینہ والوں کے بچے کھیلتے ۵؎ (مسلم)	

۱؎ یہ سارا واقعہ اس وقت کا ہے جب نماز میں کلام جائز تھا ورنہ اب اگر نمازی کسی کو خطاب کرکے دعا یا بددعا دے تو نماز جاتی رہے گی اور اگر کلام کی حرمت کے بعد کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی خلاف نہیں کہ نماز میں لوگوں سے کلام جائز نہیں۔
۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بحالت نماز بجائے سجدہ گاہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے جیسے حاجی حرم کی نماز میں کعبے کو دیکھتے ہوئے ورنہ سجدہ گاہ کو دیکھتے ہوئے امام کی حرکت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔
۳؎ یہ واقعہ گزشتہ واقعہ کے علاوہ ہے وہاں ایک خبیث جن کھل کر آگیا تھا یہاں خود ابلیس آگیا تھا۔خیال رہے کہ ابلیس کا انبیائے کرام کی بارگاہ میں اس طرح پہنچ جانا ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ کے جسم پر مکھی،مچھر کا بیٹھ جانا اس سے نہ تو یہ لازم آتا ہے کہ ابلیس کی طاقت حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے اور نہ یہ کہ حضور علیہ السلام معصوم نہ ہوں۔
۴؎ اپنی بے حیائی اور ضد سے نہ کہ طاقت اور قوت سے جیسے بعض دفعہ مکھیاں اڑانے سے نہیں اڑتی۔

۵؎اس کی شرح و فوائد بھی کچھ پہلے بیان ہوچکے۔یہاں معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب نے طاقت دی ہے جب چاہیں شیطان کو پکڑ کا باندھ دیں لہذا گزشتہ حدیث میں جو تھا اَمْکَنَنِیَ اللّٰہُ اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ ہم پہلے بے قابو تھے اب قابو دیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی قابو و اختیار دیا گیاہے۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ایک شخص پر گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا اسے سلام کیا اس نے کلام سے جواب دیا تو اس کی طرف حضرت عبداللہ ابن عمر لوٹے اس سے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی پر نماز کی حالت میں سلام کیا جائے تو کلام نہ کرے اپنے ہاتھ سے اشارہ دے ا؎(مالک)	

ا؎یہاں اشارے سے سلام کا اشارہ مراد نہیں بلکہ اپنے نماز میں ہونے کا اشارہ مراد ہے یعنی اگر کوئی نمازی کو بے خبری میں سلام کرے تو نمازی بتادے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں جیسے کہ ضرورت کے وقت مرد نمازی تسبیح کہے اور عورت تصفیق ورنہ سلام کا جواب اشارے سے دینا بھی منع ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

باب صفة الصلوة

نماز پڑھنے کا طریقہ ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں نماز کے فرائض، واجبات، سنتیں اور مستحبات کا ذکر ہوگا یعنی اول سے آخر تک نماز کی ساری کیفیت کا ذکر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص مسجد میں آیا ۱؎ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونہ میں جلوہ گر تھے اس نے نماز پڑھی ۲؎ پھر آیا حضور کو سلام کیا اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم السلام لوٹ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی ۳؎ وہ لوٹ گیا نماز پڑھی پھر آیا سلام کیا آپ نے فرمایا وعلیك السلام لوٹ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی اس نے تیسری بار یا اس کے بھی بعد عرض کیا یارسول اللہ مجھے سکھا دیجئے ۴؎ فرمایا جب تم نماز کی طرف اٹھو تو وضو پورا کرو پھر کعبے کو منہ کرو، پھر تکبیر کہو، پھر جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لو ۵؎ پھر رکوع کرو حتی کہ رکوع میں مطمئن ہو جاؤ پھر اٹھو حتی کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو حتی کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ ۶؎ پھر اٹھو حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ کرو حتی کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ پھر اٹھو حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔اور ایک روایت میں ہے پھر اٹھو حتی کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اپنی ساری نماز میں یہی کرو ۷؎(مسلم، بخاری)

۱؎ یہ آنے والے حضرت خلاد ابن رافع انصاری ہیں جو جنگ بدر میں شہید ہوئے، یہ واقعہ سیدنا ابوہریرہ نے اپنی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ کسی صحابی سے سن کر بیان فرمارہے ہیں کیونکہ حضرت خلاد بدر ۲ھ میں شہید ہوگئے۔اور حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں اسلام لائے مگر چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لیے دیکھنے والے کا نام مذکور نہ ہونا مضر نہیں۔

۲؎ غالبًا یہ نماز نفل تحیۃ المسجد تھے جو جلدی جلدی تعدیل ارکان کے بغیر ادا کرلیے گئے تھے یا اس میں کوئی اور نقصان رہ گیا تھا۔

۳؎ اس مضمون سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسجد نبوی میں آنے والا نمازیوں کو عمومی سلام الگ کرے اور حضور انور کو علیحدہ۔اب بھی زائرین حاضری شریف کے وقت دو رکعتیں پڑھ کر مواجہہ اقدس میں حاضری دے کر سلام عرض کرتے ہیں،اللہ ہم

سب کو نصیب کرے۔دوسرے یہ کہ سلام میں علیکم بھی کہہ سکتے ہیں علیك بھی۔ تیسرے یہ کہ واجب رہ جانے سے نماز لوٹالینی واجب ہے۔خیال رہے کہ بھول کر واجب چھوٹ جانے پر سجدہ سہو واجب ہے اور عمدًا چھوڑنے سے نماز لوٹانا واجب۔چوتھے یہ کہ نماز میں تعدیل ارکان،یعنی اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بزرگ جلدی سے ادا کرکے آگئے تھے اسلیئے نماز دوبارہ پڑھوائی گئی۔

۴؎ یعنی ہر دفعہ یہ نماز پڑھ کر آتے سلام عرض کرتے اور لوٹادیئے جاتے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی ہی دفعہ انہیں نماز کا طریقہ نہ سکھایا بلکہ کئی بار پڑھواکر پھر بتایا تاکہ یہ واقعہ انہیں یاد رہے اور مسئلہ خوب حفظ ہوجائے کہ جو چیز مشقت وانتظار سے ملتی ہے وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے،جیسے ایک صحابی بغیر سلام کیے حاضر ہوگئے تو فرمایا پھر لوٹ کر جاؤ اور سلام کرکے آؤ،لہذا اس میں علماء کو طریقۂ تبلیغ کی تعلیم بھی ہے۔

۵؎ یعنی جو سورت یا آیت تمہیں یاد ہو وہ پڑھو اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:"فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"۔اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلقًا تلاوت فرض ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء قبلہ کو منہ اور تکبیر وغیرہ فرائض کے سلسلے میں مطلق قرأت کا ذکر کیا نہ کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا۔جن احادیث میں آتا ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ نماز نہیں ہوتی وہاں مراد ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں،یہ حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بہت قوی دلیل ہے۔خیال رہے کہ بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں سے کم پڑھنے کو قرأت قرآن یا تلاوت قرآن نہیں کہا جاتا۔لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ قرآن کا ایک لفظ بھی پڑھنا نماز کے لیئے کافی ہونا چاہیے حالانکہ تم اس کے قائل نہیں۔

۶؎ اس کا نام ہے تعدیل ارکان،یعنی نماز کے ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا کہ ہر رکن میں تین تسبیح کی بقدر ٹھہرنا۔یہ تعدیل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فرض ہے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعدیل نہ ہونے پر فرمایا لَمْ تُصَلِّ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں جس کے بغیر نماز بالکل نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے۔امام اعظم کے نزدیک تعدیل فرض نہیں بلکہ واجب ہے کہ جس کے رہ جانے سے نماز ناقص واجب اعادہ ہوتی ہے لیکن فرض ادا ہوجاتا ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ لَمْ تُصَلِّ میں کمالِ نماز کی نفی آتی ہے یعنی تم نے کامل نماز نہیں پڑھی کیونکہ ابوداؤد،ترمذی،نسائی میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ان کاموں کو پورا کروگے تو تمہاری نماز پوری ہوگی اور اگر ان میں سے کچھ کم کروگے تو تمہاری نماز ناقص ہوگی۔معلوم ہوا کہ تعدیل کے بغیر نماز ناقص ہوگی باطل نہیں لہذا یہ واجب ہے فرض نہیں،نیز تعدیل فرض ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اول ہی سے بتادیتے انہیں بغیر فرض ادا کیئے نماز بار بار پڑھنے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ اس کے بغیر وہ نمازیں بالکل بے کار تھیں اور فعل عبث تھا اور واجب کے بغیر ان نمازوں میں کچھ ثواب مل گیا۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں تلاوت قرآن فرض ہے مگر یہ حکم فرض نماز کے علاوہ میں ہے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں تلاوت فرض باقی میں نفل،چونکہ ان بزرگ نے تحیۃ المسجد نفل ادا کیئے تھے لہذا انہیں یہ حکم دیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے اور قرأت الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے ۱؎ اور جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ اونچا رکھتے نہ نیچا لیکن اس کے درمیان ۲؎ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ نہ کرتے یہاں

	تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ کرتے حتی کہ سیدھے بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے۳ اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے۴ اور شیطان کی بیٹھک سے منع کرتے تھے۵ اور اس سے منع کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنی کہنیاں درندے کی طرف بچھادے۶ اور اپنی نماز سلام سے ختم فرماتے تھے۔(مسلم)

۱؎ یعنی بحالتِ امامت تلاوت قرآن بلند آواز سے اَلْحَمْدُ سے شروع کرتے تھے یعنی بِسْمِ اللهِ آواز سے نہ پڑھتے تھے۔معلوم ہوا کہ بِسْمِ اللهِ ہر سورت کا جز نہیں،نہ اسے امام آواز سے پڑھے۔اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو مسلم،بخاری وغیرہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی یہ آئی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ" اس کے اول بِسْمِ اللهِ نہیں آئی۔لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے،نیز اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بِسْمِ اللهِ پڑھتے ہی نہ تھے مگر آہستہ،یہاں بلند آواز سے پڑھنے کی نفی ہے۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں بِسْمِ اللهِ پڑھنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ آہستہ پڑھنا مراد ہے۔خیال رہے کہ اصطلاح شریعت میں بحث نماز میں جہاں کہیں قرأت بولی جائے گی وہاں تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے نہ کہ مطلقًا پڑھنا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نماز میں قیام،قرأت،رکوع،سجدہ فرض ہیں،لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" نہیں پڑھتے تھے لہذا یہ حدیث "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" پڑھنے کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی پیٹھ شریف کے برابر یہی سنت ہے اس کے خلاف سنت کے خلاف ہے۔

۳؎ سوا مغرب کے فرض اور وتروں کے کہ ان میں پہلی التحیات دو رکعتوں کے بعد ہوتی ہے اور دوسری ایک رکعت کے بعد۔خیال رہے کہ یہ دونوں التحیات واجب ہیں لیکن پہلی میں بیٹھنا واجب اور دوسری میں فرض ہے۔

۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قعدوں میں اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا کرتے تھے،یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ ہر التحیات میں یونہی بیٹھے۔جن احادیث میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری التحیات میں بایاں پاؤں شریف داہنی جانب نکال دیتے اور زمین پر بیٹھتے وہ بڑھاپے یا بیماری کا حال ہے جب زیادہ دیر تک بائیں پاؤں پر نہ بیٹھ سکتے تھے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں،حنفی لوگ ان دونوں حدیثوں پر عامل ہیں مگر ان کے مخالف اس حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔

۵؎ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سیرین زمین پر رکھے اور پنڈلیاں کھڑی کرے دونوں ہاتھ زمین پر بچھادے،کتے کی سی بیٹھک یہ ممنوع ہے،چونکہ کتا گندا ہے اس لیے اس کی بیٹھک کو شیطانی بیٹھ فرمایا۔

۶؎ اس طرح کہ ایک جانب دونوں پاؤں بچھادے سامنے کہنیاں کہ یہ بیٹھک بھی منع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو حمید ساعدی سے ۱؎ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں حضور

انور کی نماز کا تم سب سے زیادہ حافظ ہوں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے مقابل کرتے ۲؎ اور جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھوں سے گھٹنے مضبوط پکڑتے ۳؎ پھر اپنی پیٹھ جھکاتے پھر جب سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے حتی کہ ہر جوڑ اپنی جگہ لوٹ جاتا پھر جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ یوں رکھتے کہ نہ بچھاتے نہ سمیٹتے ۴؎ اور پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ کرتے ۵؎ پھر جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کرتے پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں آگے نکالتے اور دوسرا پاؤں کھڑا کرتے اور کولہے پر بیٹھتے ۶؎ (بخاری)

۱؎ آپ کا نام عبدالرحمٰن یا کچھ اور ہے، قبیلہ بنی ساعدہ سے ہیں، انصاری ہیں، اپنے گاؤں میں رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آتے رہتے تھے اسی لیے اس موقع پر صحابہ نے بطور تعجب پوچھا کہ اے ابوحمید! تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت زیادہ میسر نہ ہوئی تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ واقف کیسے ہوگئے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

۲؎ اس طرح کہ ہاتھ کے گٹے کندھوں کے مقابل ہوتے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل لہذا یہ حدیث مسلم، بخاری کی اس روایت کے خلاف نہیں جو ابھی آرہی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے کیونکہ وہاں انگوٹھے مراد ہیں جو لوگ کندھوں سے انگوٹھے لگاتے ہیں وہ اس حدیث پر عمل نہیں کرسکتے، حنفیوں کا عمل اس پر بھی ہے اور اس پر بھی، لہذا یہ حدیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں، بلکہ موافق ہے۔کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی پوری بحث ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم میں دیکھو جہاں اس پر بیس حدیثیں بیان کی گئی ہیں۔حدیثوں کو جمع کرنا ضروری ہے نہ کہ کسی حدیث کو چھوڑنا۔

۳؎ اس طرح کہ انگلیاں پھیلاکر گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑلیتے اور ہاتھوں کو سیدھا رکھتے اور اس پر پیٹھ کا پورا بوجھ دے دیتے، دونوں ہاتھ شریف کمان کی طرح ٹیڑھے نہ کرتے۔

۴؎ یعنی نہ تو سجدے میں زمین پر کہنیاں لگاتے اور نہ بازو پسلیوں سے ملادیتے بلکہ ہاتھوں کو الگ رکھتے۔

۵؎ اس طرح کہ سجدے میں پاؤں کے پورے پنجے جما کر زمین پر رکھتے جس سے پاؤں کی ہر انگلی کا کنارہ قبلہ رخ ہوجاتا۔خیال رہے کہ پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا فرض ہے اور تین انگلیوں کا پیٹ لگنا واجب، دسوں کا لگنا سنت۔آج عام نمازی اس سے بے خبر ہیں یا تو دونوں پاؤں سجدہ میں اٹھائے رکھتے ہیں یا انگلیوں کی نوک لگاتے ہیں اس سے نماز قطعًا نہیں ہوتی۔

۶؎ یہ جملہ امام شافعی کی دلیل ہے وہ دوسری **التحیات** میں یونہی بیٹھتے ہیں۔اس کا جواب ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ یہ بیٹھنا بڑھاپے شریف یا کسی بیماری وغیرہ ضعف کی حالت میں تھا۔عام حالات میں ہر **التحیات** میں بائیں پاؤں پر ہی بیٹھتے تھے۔ہم نے اس طرح بیٹھنے کی اٹھارہ حدیثیں اپنی کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں جمع کی ہیں جن میں سے مسلم شریف کی روایت ابھی گزر گئی اس مسئلہ کا وہاں مطالعہ کرو۔حتی کہ بخاری، ابوداؤد، نسائی، مالک نے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرو اور بائیں پاؤں پر بیٹھو تو میں نے کہا آپ خود ایسا کیوں نہیں کرتے تو فرمایا میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے مقابل اٹھاتے ۱؎ اور جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی یونہی ہاتھ اٹھاتے اور کہتے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد" اور سجدے میں یہ نہ کرتے ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ گٹے کندھوں تک رہتے اور انگوٹھے کانوں تک۔

۲؎ اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں جاتے آتے رفع یدین کیا مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ آخر وقت تک کیا۔ حق یہ ہے کہ رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ عینی شرح بخاری میں ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے آتے رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا ایسا نہ کیا کرو یہ وہ کام ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولًا کیا تھا پھر چھوڑ دیا، نیز سیدنا ابن مسعود، عمر ابن خطاب، علی مرتضٰی، براء ابن عازب، حضرت علقمہ وغیرہم بہت صحابہ سے کہ وہ رفع یدین نہ کرتے تھے اور کرنے والوں کو منع کرتے تھے، نیز ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت مجاہد سے روایت کی کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے سوا تکبیر اولیٰ کے کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر کے نزدیک بھی رفع یدین منسوخ ہے، نیز رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث چند روایتوں سے منقول ہے جس میں سے ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے، دوسری اسناد میں ابوقلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا (دیکھو تہذیب)، تیسری اسناد میں عبید اللہ ہے یہ پکا رافضی تھا، چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے جو مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرض کہ رفع یدین کی احادیث کی اکثر اسنادوں میں بدمذہب خصوصًا روافض بہت شامل ہیں کیونکہ یہ ان کا عمل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ روافض کے تقیہ کی وجہ سے امام بخاری کو بھی پتہ نہ لگا ہو، لہذا مذہب حنفی نہایت قوی ہے کہ نمازوں میں سوا تکبیر تحریمہ کے اور کہیں رفع یدین نہ کیا جائے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے حضرت ابن عمر نے اس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا ۱؎ (بخاری)

۱؎ ابھی ہم عرض کرچکے کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نماز میں رفع یدین نہ کرتے تھے اور یہاں حضرت نافع کی روایت میں آگیا کہ کرتے تھے ان دونوں روایتوں کو جمع کرلو کہ پہلے کرتے تھے بعد میں نہ کرتے تھے یعنی نسخ کے پتہ لگنے پر رفع یدین چھوڑ دیا، از طحاوی۔ فقیر نے "جاء الحق" حصہ دوم میں رفع یدین نہ کرنے کی پچیس حدیثیں جمع کی ہیں وہاں مطالعہ کرو۔

لطیفہ: مکہ معظّمہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ رفع یدین میں مناظرہ ہوا، امام اوزاعی نے رفع یدین کے لیے حضرت ابن عمر کی حدیث پیش کی، امام اعظم نے جواب دیا کہ مجھ سے حماد نے روایت کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں

نے علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت ابن مسعود سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے تکبیر اولیٰ کے کبھی رفع یدین نہ کرتے اور فرمایا کہ میری حدیث کے تمام راوی بڑے فقیہ وعالم ہیں،لہذا تمہاری حدیث سے یہ حدیث راجح ہے۔مرقات،فتح القدیر وغیرہ۔

روایت ہے حضرت مالک ابن حویرث سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں اپنے کانوں کے مقابل کردیتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے "**سمع اللہ لمن حمدہ**"ایسے ہی کرتے۔اور ایک روایت میں ہے کہ ہاتھوں کو کانوں کی لو کے مقابل کرتے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں،مطلب وہی ہے کہ انگوٹھے کانوں تک اٹھیں اور گٹے کندھوں تک۔کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت احادیث ہیں جو ہم نے اپنی کتاب "**جاءالحق**" حصہ دوم میں جمع کردی ہیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو جب آپ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو نہ کھڑے ہوتے حتی کہ سیدھے بیٹھ جاتے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ اس کا نام جلسہ استراحت ہے یعنی آرام کے لیے کچھ بیٹھنا،یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت ہے،ہمارے ہاں نہیں۔ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ کی وہ حدیث ہے جو ترمذی وغیرہ نے نقل کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طاق رکعتوں میں اپنے قدموں کے سینہ پر کھڑے ہوتے تھے،نیز ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود،علی مرتضٰی،عمر،ابن عمر،ابن زبیر رضی اللہ عنھم سے روایت کی کہ وہ تمام حضرات قدم کے سینوں پر کھڑے ہوتے تھے۔امام شعبی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صحابہ قدم کے سینہ پر کھڑے ہوتے تھے،اس حدیث کا مطلب جو یہاں مذکور ہے یہ ہے کہ آپ بڑھاپے شریف میں جب ضعف کی وجہ سے سجدے سے سیدھے نہ اٹھ سکتے تب تھوڑا بیٹھ جاتے یہ عمل مجبورًا تھا۔

روایت ہے حضرت وائل بن حجر سے ۱؎ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز میں داخل ہوتے تو ہاتھ اٹھائے تکبیر کہی پھر اپنے ہاتھ کپڑے میں ڈھک لیے ۲؎ پھر دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا ۳؎ پھر جب رکوع کرنا چاہا تو کپڑے سے ہاتھ نکالے پھر انہیں اٹھایا اور تکبیر کہی پھر رکوع کیا جب کہا "**سمع اللہ لمن حمدہ**" تو آپ نے ہاتھ اٹھائے ۴؎ پھر جب سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا ۵؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام وائل ابن حجر ابن ربیعہ ابن وائل ابن یعمر ہے،کنیت ابو حمیدہ،قبیلہ بنی حزم سے ہیں،حضرموت کے شاہزادہ تھے،جب اسلام لانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور نے ان کے لیئے اپنی چادر بچھادی اور اپنے قریب بٹھالیا اور فرمایا کہ

تم نے اللہ کے لیئے بہت دراز سفر کیا اور بہت دعائیں دیں، حضر موت کا حاکم بنایا۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو ہمیشہ حاضریٔ بارگاہ میسر نہ تھی۔

۲؎ چونکہ سردی زیادہ تھی اس لیے ہاتھ لپیٹ لیے۔ معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھ کھولنا ضروری نہیں، چادر وغیرہ میں ہاتھ لپیٹ کر یا ڈھک کر بھی جائز ہے۔

۳؎ سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اماموں کے ہاں نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہاتھ چھوڑنا سنت ہیں۔ یہ حدیث تمام اماموں کی دلیل ہے، نیز داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا ان سب کے ہاں سنت ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ ناف کے اوپر ہاتھ رکھے یا نیچے، ہمارے ہاں نیچے رکھنا سنت ہے۔ فقیر نے "جاء الحق" حصہ دوم میں اس پر چودہ حدیثیں پیش کیں جس میں لفظ **تحت السرہ** یعنی ناف کے نیچے صراحتًا مذکور ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے سند صحیح سے جس کے سارے راوی ثقہ ہیں انہیں وائل ابن حجر سے روایت کی کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے ناف کے نیچے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھا۔ دارقطنی، بیہقی، رزین، کتاب الاثار، مصنفہ امام محمد ابن حزم وغیرہم نے مختلف صحابہ سے مرفوع و موقوف حدیثیں نقل کیں جن سب میں **تحت السرہ** موجود ہے ، نیز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں ادب کا اظہار ہے۔غلام مولیٰ کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں، کہنی پر ناف سے اوپر ہاتھ رکھنا پہلوانوں کا طریقہ ہے جو کشتی لڑتے وقت خم ٹھونک کر مقابل کے سامنے آتا ہے۔ اس کی پوری تحقیق "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۴؎ ابھی کچھ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ رفع یدین کی یہ تمام حدیثیں منسوخ ہیں اس کا ناسخ ذکر کیا جاچکا۔واقعی اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے لیکن آخر حیات تک نہ کیا یہاں بھی ایک بار دیکھنے کا ذکر ہے۔

۵؎ اس طرح کہ سر مبارک ہاتھوں کے بیچ میں رہا، یہ حدیث حنفیوں کی بڑی دلیل ہے کہ سجدہ میں ہاتھ کندھوں کے سامنے نہ رہے بلکہ سر کے آس پاس ایسے رہیں کہ اگر کان کی گدیا سے قطرہ گرے تو ہاتھ کے انگوٹھے پر گرے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ مرد نماز میں دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی پر رکھے۔ ۲؎ (بخاری)	

۱؎ آپ انصاری ہیں، خذرجی ہیں، قبیلہ بنی ساعدہ سے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پندرہ برس کے تھے، مدینہ میں آخری صحابی آپ ہی ہیں، یعنی سب سے آخر میں آپ ہی کا انتقال ہوا۔

۲؎ ذراع کلائی سے لے کر کہنی تک کو کہتے ہیں، یہاں ناف کے نیچے کلائی پر ہاتھ رکھنا مراد ہے اگر سینہ پر ہاتھ رکھنا مراد ہوتا تو مرد کی قید نہ ہوتی کیونکہ عورتیں سینہ پر ہاتھ رکھتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے اٹھتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے پھر رکوع کے وقت تکبیر کہتے پھر جب رکوع سے پیٹھ اٹھاتے تو کہتے "**سمع اللہ لمن حمدہ**" پھر کھڑے کھڑے کہتے "**ربنالك الحمد**" ۱؎ پھر جب جھکتے تو تکبیر کہتے پھر جب سر	

	اٹھاتے تو تکبیر کہتے پھر جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے پھر جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے پھر ساری نماز میں یونہی کرتے حتی کہ اسے پوری کرلیتے اور دو رکعتوں میں بیٹھنے کے بعد جب اٹھتے تو بھی تکبیر کہتے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ جب اکیلے نماز پڑھتے نہ کہ جماعت میں کیونکہ جماعت میں امام صرف "سِمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہ" کہتا ہے اور مقتدی صرف "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" دونوں کلمے صرف اکیلا نمازی ہی جمع کرتا ہے اگرچہ اکیلا نمازی یہ کلمات آہستہ کہتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کے لیے آہستہ کلمات بھی کبھی آواز سے فرمادیتے تھے اسی لیے صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور ظہر میں فلاں سورتیں پڑھتے تھے اور عصر میں فلاں۔

۲؎ خلاصہ یہ کہ سوائے رکوع سے اٹھنے کے باقی نماز کی ہر حرکت میں تکبیر کہنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین نماز لمبا قیام ہے ۱؎ (مسلم)

۱؎ قنوت کے چند معنی ہیں: اطاعت،خاموشی،دعا،نماز کا قیام،یہاں آخری معنی (قیام) مراد ہیں یعنی بہترین نماز وہ ہے جس میں قیام دراز ہو۔خیال رہے کہ بعض علماء دراز قیام کو بہتر کہتے ہیں کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے اسی میں تلاوت قرآن ہوتی ہے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں اتنا دراز قیام فرماتے تھے کہ پاؤں شریف پر ورم آجاتا تھا۔بعض کے نزدیک زیادہ سجدے افضل کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ سے فرمایا کہ اگر جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو زیادہ سجدے کرو،نیز فرمایا کہ انسان سجدے میں رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے،نیز رب فرماتا ہے:"وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ"۔ بعض کے نزدیک تہجد میں دراز قیام افضل اور دن میں زیادہ سجدے افضل،رب فرماتا ہے:"قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا"۔بعض نے فرمایا کہ بعض اعتبار سے لمبا قیام افضل ہے اور دوسرے اعتبار سے زیادہ سجدے افضل،ہمارے امام صاحب پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوحمید ساعدی سے آپ نے حضور کے دس صحابہ کی جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم سے زیادہ جانتا ہوں ۱؎ وہ بولے پیش کرو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں کندھوں کے مقابل کردیتے ۲؎ پھر تکبیر کہتے پھر قرأت کرتے پھر تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں کندھوں کے مقابل کردیتے پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں

گھٹنوں پر رکھ دیتے پھر کمر سیدھی کرتے تو نہ سر اٹھاتے نہ جھکاتے پھر اپنا سر اٹھاتے تو کہتے "سمع اللہ لمن حمدہ"۳؎ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں اپنے کندھوں کے مقابل کردیتے سیدھے ہوتے ہوئے پھر کہتے اللہ اکبر پھر سجدہ کرتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے ۴؎ تو اپنے ہاتھ پہلوؤں سے دور رکھتے اور پاؤں کی انگلیاں موڑ دیتے ۵؎ پھر سر اٹھاتے اور اپنا الٹا پاؤں بچھاتے پھر اس پر بیٹھ جاتے پھر سیدھے ہوتے حتی کہ ہر ہڈی سیدھے ہونے کی حالت میں اپنی جگہ لوٹ جاتی پھر سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اٹھتے اور اپنا بایاں پاؤں موڑتے اس پر بیٹھ جاتے پھر سیدھے ہوتے حتی کہ ہڈی اپنی جگہ لوٹ جاتی ۶؎ پھر کھڑے ہوتے تو دوسری رکعت میں یونہی کرتے پھر جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھ اٹھاتے حتی کہ انہیں کندھوں کے مقابل کردیتے جیسے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہی تھی پھر اپنی باقی نماز میں یونہی کرتے حتی کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں باہر نکال دیتے اور بائیں کولہے پر بیٹھتے پھر سلام پھیر دیتے وہ بولے تم نے سچ کہا ایسے ہی نماز پڑھتے تھے۔(ابوداؤد،دارمی)۷؎ اور ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کی معنی کی روایت کی ترمذی کہتے ہیں یہ حسن صحیح ہے ۸؎ اور ابوداؤد کی ابوحمید والی حدیث کی دوسری روایت میں ہے ۹؎ کہ پھر رکوع کرتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے گویا آپ انہیں پکڑے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو کمان کے چلّے کی طرح ٹیڑھا کرتے اور انہیں پہلوؤں سے دور رکھتے ۱۰؎ فرمایا کہ سجدہ کرتے تو اپنی ناک اور پیشانی زمین پر رکھتے اور اپنے ہاتھ پہلوؤں سے دور رکھتے اور اپنی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل رکھتے ۱۱؎ اپنی رانوں کے درمیان کشادگی کرتے کہ اپنا پیٹ رانوں سے کسی حصے سے نہ لگاتے حتی کہ فارغ ہوجاتے پھر بیٹھتے تو اپنا بایاں بچھاتے اور اپنے دایاں پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کردیتے ۱۲؎ اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے ۱۳؎ اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بائیں پاؤں پیٹ پر بیٹھتے اور

	دائیں کو کھڑا کر دیتے اور جب چوتھی میں ہوتے تو اپنے سرین زمین سے لگاتے اور اپنے دونوں پاؤں ایک طرف نکال دیتے ۱۴

۱؎ غالبًا آپ نے یہ گفتگو ان صحابہ سے کی ہوگی جو کبھی ایک آدھ بار بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے ہوں نہ کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم وغیرہ، ان حضرات سے جنہیں ہر آن اس شہنشاہ دوجہاں کی خدمت میں حاضری کا موقعہ نصیب تھا حضرت ابو حمید ان سے زیادہ کیسے جان سکتے ہیں، بلکہ ابوداؤد کی ایک روایت میں تو یہ بھی ہے کہ ان حضرات نے بھی ابو حمید کے اس قول پر تعجب کیا۔

۲؎ اس طرح کہ کلائیاں کندھوں کے سامنے رہتیں اور انگوٹھے کانوں کے مقابل جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا اور بعینہٖ یہی صورت اگلی روایت میں آرہی ہے۔

۳؎ یعنی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" نہ کہتے کیونکہ آپ امام ہوتے تھے۔ یہاں امامت ہی کی حالت بیان ہورہی ہے لہٰذا یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہاں تنہا نماز کا ذکر تھا۔

۴؎ اس طرح کہ جھکنے کی حالت میں اللہ اکبر اس طرح کہتے کہ اللہ کا الف بحالت قیام ادا ہوتا اور اکبر کی ر سجدہ میں پہنچ کر، اس طرح نہیں کہ پہلے اللہ اکبر کہہ لیں پھر سجدے میں جائیں جیسا کہ ثُمَّ سے دھوکا پڑھتا ہے کیونکہ یہ ثُمَّ ترتیب ذکری کے لیے ہے نہ کہ ترتیب واقعی کے لیئے، رب فرماتا ہے: "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ" اور فرماتا ہے: "ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ"۔

۵؎ اس طرح کہ دسوں انگلیوں کا کنارہ قبلہ کی طرف ہوجاتا اور پنجوں کے پیٹ زمین پر لگ جاتے، یہی چاہیے یَفْتَخُ فَتْخٌ سے ہے، بمعنی موڑنا اور ٹیڑھ کرنا اس لیے کنگن کو فتخ کہتے ہیں۔

۶؎ معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد پورا کھڑا ہوجانا اور دو سجدوں کے درمیان پورا بیٹھنا ضروری ہے، بعض لوگ اس میں سستی کرتے ہیں۔

۷؎ یہ حدیث رفع یدین کرنے والوں کی انتہائی دلیل ہے جو ان کے بچے بچے کو یاد ہوتی ہے۔ اس کے متعلق چند معروضات ہیں: ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف، مدلس، بلکہ قریبًا موضوع ہے اس لیے کہ اس میں ایک راوی عبدالحمید ابن جعفر بھی جو سخت مجروح اور ضعیف ہے۔ (طحاوی) دوسرے یہ کہ اس کا ایک راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے جس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے نہیں مگر وہ کہیں کہتا ہے کہ میں نے ابو حمید سے سنا اور کہیں کہتا ہے کہ ابو حمید سے روایت ہے لہٰذا یہ جھوٹا ہے درمیان میں کوئی راوی چھوڑ گیا ہے وہ مجہول ہے۔ تیسرے یہ کہ انہی ابو حمید کی روایت ابھی بخاری کی گزر گئی مگر وہاں رفع یدین کا بالکل ذکر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین والی عبارت الحاقی ہے ورنہ امام بخاری ضرور لیتے۔ چوتھے یہ کہ حضرت ابو حمید نے بھی یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آخر تک رہا بلکہ اس فعل منسوخ کا ذکر کیا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کرتے تھے بعد میں چھوڑ دیا۔ پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس کے بھی خلاف ہے کیونکہ رکوع کی تکبیر سجدے کی تکبیر کے مشابہ ہے نہ کہ تکبیر تحریمہ کے کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے یہ سنت، وہ نماز میں ایک بار یہ بار بار، تو چاہیے کہ جیسے سجدے کی تکبیر میں رفع یدین نہیں ہوتا ایسے ہی اس میں بھی نہ ہو۔ چھٹے یہ کہ فقہاء و صحابہ جیسے حضرت ابن مسعود، حضرت علقمہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن زبیر، براء ابن عازب وغیرہم اس کے خلاف روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تکبیر تحریمہ پر ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے۔ وہ حضرات نماز میں بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رہتے تھے اس لیے ان کی روایت اس روایت سے قوی تر ہے۔ اس کی بہت تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۸؎ یعنی ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح نہیں کہاجو یہاں مذکور ہوئی،اس میں تو یہ حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اس کے ہم معنی کوئی اور حدیث ہے جسے حسن صحیح کہاہے۔یہ حدیث تو بے حد ضعیف اور نا قابل عمل ہے۔چنانچہ فقیر نے ترمذی باب رفع یدین دیکھا وہاں ابن عمر کی روایت نقل کی۔حدیث ابو حمید کو فِی الْبَابِ کہہ کر بیان فرمایااور پھر آخر میں فرمایاابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے، ناظرین اس عبارت سے دھوکانہ کھائیں اگر ترمذی کے نزدیک یہ حدیث ابو حمید صحیح ہوتی تواس کا ذکر فرماتے باقی روایتوں کی طرف فِی الْبَابِ کہ کر اشارہ فرماتے جیسا کہ ان کا قاعدہ ہے۔معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث بالکل ضعیف ہے۔

۹؎ ابوداؤد میں یہ حدیث ابو حمید بہت روایتوں سے مروی ہے مگر سب میں عبدالحمید ابن جعفر یا محمد ابن عمرو عطا ہیں، یہ دونوں ضعیف ہیں۔امام ماروی نے جوہر نقیع میں فرمایا کہ عبدالحمید منکر حدیث ہے لہذا یہ ساری اسنادیں مجہول، مضطرب، مدلس قریبًا موضوع ہیں۔دیکھو حاشیہ ابوداؤد یہی مقام اور ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم۔

۱۰؎ یعنی بحالت رکوع ہیئات کمان کی سی ہوتی کہ ہاتھ سیدھے قدرے خم دار اور پیٹھ ٹیڑھی۔ہاتھ کا یہ خم اس لیے ہوتا تھا کہ پہلوؤں سے دور ہیں۔

۱۱؎ یہ حدیث روایت مسلم کے خلاف ہے جو ابھی گزر چکی۔جس میں تھا کہ آپ سجدہ دو ہتھیلیوں کے بیچ میں کرتے، چونکہ یہ حدیث ہی ضعیف اور نا قابل عمل ہے اس لیے مسلم کی وہ حدیث قابل عمل ہو گی۔

۱۲؎ یعنی دوسری التحیات میں نہ تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے نہ داہنا پاؤں کھڑا کرتے بلکہ دونوں پاؤں ایسے بچھاتے کہ داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف ہو جاتا، لہذا یہ حدیث شوافع کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ داہنا پاؤں کھڑا کرتے ہیں۔

۱۳؎ اس طرح کہ التحیات میں داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی لَا اِلٰہَ پر اٹھاتے اور اِلَّا اللّٰہُ پر گراتے جیسا کہ آج کل عام عمل ہے۔

۱۴؎ یعنی دونوں پاؤں داہنی جانب بچھادیتے اور زمین پر بیٹھتے، ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ یہ حدیث نہ ہمارے موافق ہے نہ شوافع کے کیونکہ وہ حضرات اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرتے ہیں جیسا کہ مسلم کی روایت میں گزر چکا ہے۔

	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کو کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے حتی کہ ہاتھ تو کندھوں کے مقابل ہوگئے اور اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے مقابل کردیا پھر تکبیر کہی۔ابوداؤد اور اس کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے انگوٹھے کانوں کی گدیوں تک اٹھاتے ۱؎

۱؎ الحمدللہ! یہ وہی چیز ہے جو فقیر نے ابھی عرض کی تھی اور یہ حدیث ان تمام حدیثوں کی شرح ہے جن میں کندھوں یا کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اس حدیث نے ان دونوں کو جمع کردیا، حنفیوں کا اسی پر عمل ہے۔

	روایت ہے حضرت قبیصہ ابن ہلب سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے

	تھے تو اپنا بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑتے تھے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ ہلب کا نام یزید یا سلامہ ابن عدی ہے،یہ صحابی ہیں،آپ کے سر پر بال نہ تھے (گنج)،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست پاک ان کے سر پر پھیرا فورًا بال اُگ آئے اس لیے آپ کا لقب ہلب ہوا یعنی بالوں والے۔

۲؎ اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی کلائی پکڑتے اور داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں اس کی کلائی پر رکھتے (ناف کے نیچے) جیسا آج کل عام مسلمان کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت رفاعہ ابن رافع سے ۱؎فرماتے ہیں ایک شخص آیا مسجد میں نماز پڑھی ۲؎ پھر حاضر خدمت ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نماز لوٹاؤ ۳؎ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ بولا یارسول اللہ مجھے سکھادو کہ نماز کیسے پڑھوں فرمایا جب تم قبلہ کو منہ کرو تو تکبیر کہو ۴؎ پھر سورۂ فاتحہ اور جو پڑھنا اللہ چاہے وہ پڑھ لو ۵؎ پھر جب رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو اور اپنے رکوع کو مضبوطی سے کرو ۶؎ اور اپنی پشت دراز کرو جب اپنے سر کو اٹھاؤ تو اپنی پیٹھ سیدھی کرو حتی کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں تک لوٹ جائیں ۷؎ پھر جب سجدہ کرو تو سجدہ مضبوطی سے کرو ۸؎ جب اٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو ۹؎ پھر رکوع اور سجدہ میں یونہی کرو حتی کہ مطمئن ہوجاؤ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اور ابوداؤد نے تھوڑے فرق سے روایت کیا اور ترمذی و نسائی نے اس کے معنی روایت کیے۔ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب تم نماز کے لیے اٹھو تو یونہی وضو کرو جیسے تمہیں اللہ نے اس کا حکم دیا پھر کلمۂ شہادت پڑھو ۱۰؎ پھر تکبیر کہو پھر اگر تمہیں کچھ قرآن یاد ہو تو اسے پڑھ لو ورنہ اللہ کی حمد اس کی تکبیر اس کی تہلیل کرو ۱۱؎ پھر رکوع کرو۔

۱؎ آپ انصاری خذرجی ہیں،آپ کی کنیت ابو معاذ ہے،خود بدری ہیں اور آپ کے والد ان نقیبوں میں سے تھے جو ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں مبلغ مقرر ہوئے۔مالک ابن رافع اور خلاد ابن رافع کے بھائی ہیں،قبیلہ خزرج میں سب سے پہلے آپ اسلام لائے،آپ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ تھے۔(اشعہ)

۲؎ یہ آنے والے حضرت رفاعہ کے بھائی خلاد ابن رافع تھے،انہوں نے ناقص یا فاسد نماز پڑھی تھی ان کا واقعہ ابھی تھوڑے فرق کے ساتھ گزر گیا۔

۳؎ کیونکہ بالکل نہیں پڑھی یا کامل نہیں پڑھی۔خیال رہے کہ فرض رہ جانے سے نماز قطعًا نہیں ہوتی اس کا لوٹانا فرض ہے اور واجب رہ جانے سے نماز سخت ناقص ہوتی ہے اس کا لوٹانا واجب ہے،یہ فرمان شریف دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ رو ہونا شرط ہے اور تکبیر تحریمہ رکن،اگر کوئی تکبیر پہلے کہہ دے اور قبلہ رخ بعد میں تو نماز نہیں ہوگی۔

۵؎ یعنی سورۃ فاتحہ کے سوا قرآن کی کوئی اور سورت بھی پڑھ لو،یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ بھی واجب ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور سورت یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں بھی واجب۔امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کے ہاں سورۃ فاتحہ فرض اور دوسری سورت ملانا سنت۔یہ حدیث ان کے خلاف ہے کیونکہ ان دونوں چیزوں کے لیے ایک "اِقْرَاْء" ارشاد ہوا۔خیال رہے کہ اور سورت کا پڑھنا واجب مگر اس کے مقرر کرنے میں کہ کون سی پڑھے نمازی کو اختیار ہے،سورۃ فاتحہ میں نمازی کو کوئی اختیار نہیں اس لیے مَاشَاءَاللہ فرمایا گیا۔شوافع اس مَاشَاءَاللہ سے سورۃ کا سنت ہونا ثابت نہیں کرسکتے،حنفیوں نے " اِقْرَاْء" کا بھی لحاظ رکھا ہے اور مَاشَاءَاللہ کا بھی،مطلقًا سورت کو واجب جانا اور تعین میں اختیار دیا۔

۶؎ یعنی اطمینان کے ساتھ رکوع کرو۔خیال رہے کہ رکوع میں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے اور اطمینان واجب۔

۷؎ یعنی پورے کھڑے ہوجاؤ،چونکہ صرف کام بتائے ہیں اس لیے پڑھنے کے کلمات ارشاد نہ فرمائے۔

۸؎ یعنی اطمینان سے ادا کرو کہ تین تسبیح بقدر ٹھہرو،سجدے میں ہاتھوں کا زمین پر لگنا ہمارے ہاں سنت ہے،شوافع کے ہاں فرض۔اس عبارت سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ تسکین سے مراد اطمینان ہے۔

۹؎ یعنی نماز میں جب بیٹھو تو بائیں ران پر اس طرح کہ داہنا قدم کھڑا ہو۔معلوم ہوا ہے کہ نماز کے دونوں قعدوں کی نشست یکساں ہے یعنی بائیں ران پر بیٹھنا یہ ہی حنفی کہتے ہیں۔

۱۰؎ یعنی وضو کے بعد کلمہ پڑھنا سنت ہے،بعض روایات میں آتا ہے کہ "اِنَّآ اَنْزَلْنَا" پڑھے،بہتر ہے کہ دونوں پڑھ لے۔

۱۱؎ یعنی اگر قرآن شریف بالکل یاد نہ ہو تو اس کی بجائے یہ پڑھ لو "سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّااللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ"۔فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ نو مسلم جو ابھی قرآن یاد نہ کرسکا ہو وہ نماز میں بجائے قرآن یہی پڑھے۔ہمارے ہاں صرف ایک دفعہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سات دفعہ۔غالبًا یہ صاحب اس وقت نو مسلم تھے اس لیے یہ اجازت دی گئی ورنہ تلاوت نماز میں فرض ہے۔

	روایت ہے حضرت فضل ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز دو،دو رکعتیں ہے ۱؎ ہر دو رکعتوں میں التحیات ہے عجز ہے نیاز مندی ہے اور اظہار غریبی ۲؎ پھر ہاتھ اٹھاؤ یعنی اپنے رب کی طرف پھیلاؤ ۳؎ جن کی ہتھیلیاں تمہارے چہرے کی طرف ہوں ۴؎ اور کہو اے مولا اے مولا اور یہ نہ کرے تو وہ ایسا ایسا ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ناقص ہے ۵؎ ترمذی۔

۱؎ یعنی نفل نماز میں دو دو رکعتیں افضل ہے۔خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں نفل چار چار افضل،امام شافعی کے ہاں دو دو،صاحبین کے ہاں رات میں دو دو اور دن میں چار چار افضل،یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے،رضی اللہ عنہ۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد اور چاشت میں چار چار رکعتیں پڑھتے تھے،یہ حدیث نفل کی مقدار معلوم کرنے کے لیئے ہے نہ کہ رکعات کی افضلیت،یعنی نفل ایک یا تین رکعت نہیں ہوسکتے،لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی اگر چار یا آٹھ رکعت نفل کی نیت بھی باندھے تب بھی ہر دو رکعت پر التحیات واجب ہے۔خیال رہے کہ بدن سے عاجزی ظاہری کرنے کو خضوع اور نگاہیں نیچی رکھنے کو خشوع کہا جاتا ہے،بعض نے فرمایا کہ ظاہری عجز خضوع ہے اور دل کا عجز خشوع۔

۳؎ اس میں دعا مانگنے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر نمازِ نفل کے بعد بھی دعا مانگنا سنت ہے اور ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھیں وہ رب کی خاص تجلی گاہ ہے اور بندوں کے رزق کا خزانہ ہے،رب فرماتا ہے:"وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ"۔ہاں عام دعاؤں میں سینہ تک اٹھائے اور نماز استسقاء میں سر سے اوپر۔

۴؎ یعنی اگر نماز کے بعد دعا نہ مانگی تو نماز مکمل نہ ہوگی۔دعا نماز کا تکملہ ہے اس کی تفسیر وہ احادیث ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ دعا عبادات کا مغز ہے یا دعا سے پہلے عبادات معلق رہتی ہیں وغیرہ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سعید بن حارث بن معلے سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو ابوسعید خدری نے نماز پڑھائی تو جب سجدہ سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب دو رکعتوں سے اٹھے تو اونچی آواز سے تکبیر کہی ۲؎ اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یونہی دیکھا۔(بخاری)

۱؎ آپ انصاری ہیں،مشہور تابعین میں سے ہیں،عرصہ دراز تک مدینہ منورہ کے قاضی رہے۔

۲؎ یعنی نماز کی تمام تکبیریں بلند آواز سے کہیں۔معلوم ہوا کہ امام کو تکبیراتِ نماز اونچی کہنی چاہئیں مقتدیوں کی اطلاع کے لیے مگر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے،خصوصًا جب کہ اس میں تکلیف بھی ہو لہذا جس کے پیچھے دو تین مقتدی ہوں وہ بہت چیخ کر تکبیریں نہ کہے۔

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کے پیچھے مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی تو انہوں نے بائیس تکبیریں کہیں ۱؎ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ یہ بیوقوف ہیں تو فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ۲؎(بخاری)

۱؎ نماز چار رکعت تھی اس میں تکبیر تحریمہ اور پہلے التحیات سے اٹھتے وقت کی تکبیریں بھی شامل ہیں،یہ بزرگ ابوہریرہ تھے اور عکرمہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے غلام ہیں ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۲؎ یعنی چار رکعت والی نماز میں بائیس تکبیریں کہنا بھی سنت ہے اور امام کو ہر تکبیر اونچی آواز سے کہنا بھی سنت ہے،تم اپنی بیوقوفی سے سنت پر عمل کرنے والے کو بیوقوف بتارہے ہو۔شاید حضرت عکرمہ نے چیخ کر تکبیر کہنے کو غلط سمجھا ہوگا مگر تعجب ہے کہ آپ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے تھے پھر ان پر یہ مسئلہ کیسے مخفی رہا۔یہ بات تو ہر نمازی جانتا ہے کہ چار رکعت میں تکبیریں بائیس ہوتی ہیں اور امام ہر تکبیر باآواز بلند کہتا ہے۔خیال رہے کہ حضرت عکرمہ نے لڑکپن کے جوش میں یہ الفاظ بول دیئے،ورنہ کسی کو پیٹھ پیچھے احمق کہنا غیبت ہے،صحابہ کی شان تو بہت بلند ہے اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ کو سخت تنبیہ کی۔

روایت ہے حضرت علی ابن حسین سے (ارسالًا) ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے حضور کی یہی نماز رہی حتی کہ اللہ تعالٰی سے مل گئے ۲؎(مالک)	

۱؎ آپ کا لقب زین العابدین ہے،کنیت ابوالحسن،اہل بیت اطہار سے ہیں،۵۸ سال کی عمر ہوئی، ۹۴ھ میں وفات،چونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے اس لیے تابعین میں سے ہیں اور یہ روایت مرسل ہے۔

۲؎ یعنی یہ عمل شریف منسوخ نہیں۔

روایت ہے حضرت علقمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم سے حضرت ابن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں تو نماز پڑھی تو اپنے ہاتھ صرف ایک بار ہی یعنی شروع کی تکبیر کے ساتھ اٹھائے ۲؎(ترمذی،نسائی ابوداؤد)ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس معنی پر صحیح نہیں ہے۔	

۱؎ علقمہ چند ہیں۔یہاں علقمہ ابن قیس ابن مالک مراد ہیں جو مشہور تابعی ہیں اور حضرت ابن مسعود کے ساتھیوں میں سے آپ کی ملاقات خلفاء راشدین سے بھی ہے۔

۲؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ رکوع میں جاتے آتے رفع یدین نہیں۔حضرت ابن مسعود بڑے فقیہ صحابی اور آخر دم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر اور حضر کے ساتھی ہیں،حضور کی نماز پر جیسے آپ مطلع ہوسکتے ہیں ایسے دوسرے وہ صحابہ جو کبھی کبھی حاضر بارگاہ ہوتے تھے مطلع نہیں ہوسکتے تھے،دارقطنی اور ابن عدی نے انہی حضرت ابن مسعود سے روایت کی،فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی نمازیں پڑھی ہیں اور حضرت صدیق اکبر و فاروق کی اقتداء میں بھی جن میں سے کوئی بزرگ سوائے تکبیر تحریمہ کے اور کسی وقت نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے،نیز بہت صحابہ کرام سے اسی طرح روایتیں ہیں۔ہم نے رفع یدین نہ کرنے کی پچیس حدیثیں اپنی کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں جمع کی ہیں۔خیال رہے کہ حضرت ابن مسعود صحابہ اور تابعین کے مجمع میں یہ نماز پڑھ کر دکھاتے اور کوئی آپ پر اعتراض نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ وہ تمام حضرات رفع یدین نہ کرنے پر متفق تھے۔

روایت ہے حضرت ابوحمید ساعدی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیئے کھڑے ہوتے تو منہ کعبے کو کرتے	

	اور اپنے ہاتھ اٹھاتے ۲؎ اور اللہ اکبر کہتے۔(ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی: جن میں سے ایک اسناد تو وہ ہے جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام اوزاعی کے مقابلے میں پیش کی جسے ہم پہلے بیان کرچکے ہیں "حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ" یہ ایسی قوی اور صحیح اسناد ہے کہ اس میں ضعف کا شائبہ بھی نہیں آسکتا۔دوسری اسناد وہ جو امام ترمذی کی ہے۔وہ فرماتے ہیں "وَحَدِيْثُ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ حَسَنٌ" یعنی حضرت ابن مسعود کی حدیث حسن ہے۔تیسری اسناد وہ جو ابوداؤد کو ملی جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں لہذا یہ حدیث ضعیف نہیں،بلکہ ابوداؤد کی اسناد غیر صحیح ہے۔حدیث کا ضعف اور ہے اسناد کا ضعف کچھ اور۔خیال رہے کہ ابوداؤد بھی اس حدیث کو ضعیف نہیں کہتے،بلکہ فرماتے ہیں صحیح نہیں۔صحیح نہ ہونے سے ضعف لازم نہیں آتا اس کے نیچے حسن لعینہ،حسن لغیرہ وغیرہ بھی ہیں،نیز اگر ضعف بھی ہو تو دیگر احادیث سے اسے قوت پہنچے گی۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۲؎ اس طرح کہ کلائیاں کندھوں تک اور انگوٹھے کان تک پہنچ جاتے جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر مکی کے لیے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض نہیں سمتِ کعبہ کافی ہے کیونکہ یہاں قبلہ فرمایا گیا نہ کہ کعبہ اور قبلہ سمتِ کعبہ کا نام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی اور آخری صف میں ایک شخص تھا جس نے نماز بری طرح پڑھی ۱؎ جب سلام پھیرا تو اسے حضور نے آواز دی کہ اے فلاں کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کیا تو نہیں دیکھتا کہ کیسے نماز پڑھتا ہے تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھ پر تمہارا کوئی عمل چھپا رہتا ہے اللہ کی قسم! میں پیچھے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے کہ اپنے آگے دیکھتا ہوں۔(احمد)

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ شریف آگے پیچھے،داہنے بائیں،اندھیرے اجالے میں ہر چیز دیکھ لیتی ہے جیسے ہمارے کان ہر طرف کی آواز بہر حال سن لیتے ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ پاک کے لیے کوئی چیز آڑ یا حجاب نہیں۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم امامت کے مصلےٰ پر ہیں اور وہ شخص آخری صف میں درمیان میں بہت سی صفیں ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک اس کی ہر حرکت کو ملاحظہ کررہی ہے کیوں نہ ہو۔جب حضرت سلیمان علیہ السلام تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کو دیکھ لیں اور اس کی آواز سن لیں،آصف برخیہ شام میں بیٹھے بلقیس کے یمنی تخت کو دیکھ لیں،عیسی علیہ السلام گھروں کے اندر کھائے ہوئے کھانے اور جمع کیے ہوئے غلے کو ملاحظہ فرمالیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سید الانبیاء ہیں۔تیسرے یہ کہ جو حدیث میں گزرا کہ سرکار نے بحالت نماز جوتے شریف اتارے اور فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا ان میں قذر ہے وہاں سے مراد پلیدی نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نعلین سے بے خبر تھے جس کی تحقیق پہلے کی جاچکی۔کیسے ہوسکتا ہے کہ سرکار کو پچھلی صف کے نمازی کی حالت کی تو خبر ہو اور اپنے نعلین شریف کی خبر نہ ہو۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت رب کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں اور عالم کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں،ادھر کی توجہ ادھر سے بے خبر نہیں کرتی۔یہ دیکھو بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خشوع خضوع رب کی طرف توجہ بدرجہ

کمال حاصل ہے مگر اسی وقت اپنے ہر امتی پر نگاہ بھی ہے۔ پانچویں یہ کہ ہر امتی کو چاہیے کہ نماز میں خیال رکھے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں۔ دیکھو سرکار نے فرمایا کہ میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں تا قیامت سرکار اپنے ہر امتی کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

باب السھو

بھولنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یہاں سہو سے عمد کا مقابل مراد ہے لہذا اس میں خطا اور نسیان یعنی غلطی اور بھول دونوں شامل ہیں۔ سہو کے لغوی معنی غفلت ہیں،ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز کی بھول چوک مراد ہے۔ بعض بھول سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور بعض سے نہیں۔ شیخ نے فرمایا اس امت پر خدا کا بڑا احسان یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نمازوں وغیرہ میں بھول ہوتی تھی تاکہ امت کے لیے یہ بھول بھی سنت ہوجائے اور اس پر ثواب ملے جیسے بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ تندرستی اور بیماری بلکہ زندگی اور موت سنت رسول ہے اسی طرح سونا اور جاگنا اور مومن کے سارے کام۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی جب نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اس پر شبہ ڈال دیتا ہے حتی کہ وہ نہیں جانتا کہ کتنی نماز پڑھی ۱جب تم میں سے کوئی یہ پائے تو بیٹھے ہوئے دو سجدے کرے ۲(مسلم،بخاری)	

۱یہ ترجمہ بہت مناسب ہے فقہاء فرماتے ہیں کہ جسے اس بھول کی عادت ہو وہ کم کا لحاظ کرے اور سجدۂ سہو کرے اور جسے پہلی بار یہ بھول ہوئی وہ نماز لوٹائے یہاں بھول کی عادت کا ذکر ہے جیسا کہ لَایَدْرِیْ سے معلوم ہورہا ہے۔

۲ ایک سلام پھیر کر جیسا کہ اور احادیث میں ہے۔خیال رہے کہ اس صورت میں ہمارے ہاں سجدہ واجب ہے،امام شافعی کے ہاں سنت،یہ حدیث ہماری دلیل ہے کیونکہ فَلْیَسْجُدْ امر ہے،امر وجوب کے لیے ہوتا ہے یہاں شیخ نے فرمایا اَحَدُکُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو نماز میں بھول شیطانی اثر سے نہیں ہوسکتی بلکہ عالم غیب میں توجہ کی بناء پر ہوتی ہے۔سبحان اللہ! بہترین بات فرمائی۔

روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے وہ حضرت ابوسعید سے راوی ۱فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شک کرے نہ جانے کہ کتنی پڑھیں تین یا چار تو شک کو دفع کرے اور یقین پر بنا کرے ۲پھر سلام سے پہلے دو سجدے کرے ۳ پھر اگر پانچ پڑھ لی ہوں گی تو اس کی نماز کو شفعہ کردیں گے ۴ اگر چار رکعت پوری کرنے کو پڑھی تو سجدے	

شیطان کی ناک گرد آلود کریں گے ۵؎ (مسلم) مالک نے عطاء سے ارسالًا روایت کی ان کی روایت میں یوں ہے کہ ان دو سجدوں سے نماز کو شفعہ کرے گا ۶؎	

۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ عطاء ابن یسار مدینہ کے بڑے عالم ہیں،تابعین میں سے ہیں،ام المؤمنین میمونہ کے غلام ہیں۔
۲؎ یعنی کم مانے کہ وہ یقینی ہے زیادہ کو نہ لے کہ وہ مشکوک ہے۔
۳؎ بخاری کی روایت میں سلام سے پہلے کا لفظ نہیں یہاں سلام سے مراد نماز کا سلام ہے جس سے نماز سے نکلتے ہیں نہ کہ سجدۂ سہو کا سلام لہذا یہ حدیث نہ تو حنفیوں کے خلاف ہے اور نہ ان احادیث سے متعارض جن میں سلام کا ذکر ہے کہ وہاں سلام سے مراد سجدۂ سہو کا سلام ہے۔اس حدیث کی بناء پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو میں سلام نہیں مگر قول امام ابوحنیفہ بہت قوی ہے۔ ۴؎ یعنی اگر نمازی نے تین رکعتیں مان کر ایک رکعت اور پڑھ لی اور واقع میں چار ہوچکی تھیں اور اس رکعت کے پڑھنے سے پانچ ہوگئیں تو وہ دو سجدے ایک رکعت کی طرح ہوکر چھ رکعتیں ہوجائیں گی اور اسے چار فرض اور دو نفل کا ثواب مل جائے گا۔شَفَعْنَ کا فاعل وہ پانچ رکعتیں ہیں۔
۵؎ یعنی اگر واقع میں رکعت تین ہی ہوئی تھیں اور اب چار پوری ہوئیں تو اس سے نمازی کا نقصان کوئی نہیں،شیطان ذلیل ہوجائے گا کہ اس نے نماز خراب کرنی چاہی مگر کامیاب نہ ہوسکا بلکہ دو سجدوں کا ثواب اور مل گیا۔
۶؎ یعنی اگر نمازی پانچ رکعتیں پڑھ گیا ہے تو ان دو سجدوں کی برکت سے اپنی نمازی کو چھ رکعتیں بنالے گا اور چار فرضوں کے ساتھ دو نفلوں کا ثواب بھی پائے گا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر پانچ رکعت پڑھ لی آپ سے عرض کیا گیا کیا نماز میں زیادتی کی گئی فرمایا کیا بات ہے عرض کیا آپ نے پانچ پڑھ لیں تو آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کرلیے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تم جیسا بشر ہوں تمہاری طرح بھولتا ہوں ۲؎ جب میں بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلادیا کرو جب تم میں سے کوئی نماز میں شک کرے تو درستی تلاش کرے اسی پر نماز پوری کرے پھر سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نماز کلام کرنے سے فاسد نہ ہوتی تھی،چونکہ اس سوال وجواب کے باوجود نماز باقی تھی لہذا سجدۂ سہو کرلیا اب ایسا نہیں ہوسکتا۔سَلَّمَ سے مراد وہی نماز کا سلام ہے جو نماز تمام کرنے کی نیت سے کیا گیا تھا۔خیال رہے کہ اگر کسی نمازی کو سلام کے بعد اپنی بھول یاد آئے تو فورًا سجدۂ سہو میں گرجائے اور پھر التحیات پڑھ کر سلام پھیرے پہلا سلام سہو کا ہوجائے گا دوسرا نماز کا۔
۲؎ یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سجتا ہے ہم بشر کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکار سکتے رب فرماتا ہے: "لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ" الخ۔یہاں صرف بھولنے میں تشبیہ ہے نہ کہ بھولنے کی نوعیت میں اپنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھول کا فرق ہم ابھی عرض کرچکے ہیں۔

۳؎ یہ تلاش کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی جانب گمان غالب ہو اور اگر کوئی گمان غالب نہ ہو تو کم کو لے، لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن سیرین سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی ۲؎ ابن سیرین کہتے ہیں کہ ابوہریرہ نے وہ نماز بتائی تھی لیکن میں بھول گیا ۳؎ فرماتے ہیں کہ ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا پھر مسجد میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرف تشریف لے گئے اور اس پر ٹیک لگائی گویا غصّے میں تھے ۴؎ اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور دایاں رخسار بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھا ۵؎ اور قوم کے جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے یہ کہتے نکلے کہ نماز کم ہوگئی ۶؎ اور قوم میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن انہوں نے کلام کرنے سے خوف کیا ۷؎ اور قوم میں ایک صاحب تھے جن کے ہاتھ کچھ لمبے تھے انہیں ہاتھوں والا کہا جاتا تھا ۸؎ وہ بولے یارسول اللہ آپ بھول گئے یا نماز کم ہوگئی فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی پھر فرمایا کہ کیا ایسا ہی ہے جیسا ذوالیدین کہتے ہیں لوگوں نے کہا ہاں ۹؎ آپ آگے بڑھ گئے چھوٹی رکعتیں پڑھ لیں پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور سجدوں کے برابر یا کچھ دراز سجدہ کیا پھر اپنا سر اٹھایا اور تکبیر کہی پھر تکبیر کہی اور سجدوں کے برابر یا کچھ دراز سجدہ کیا ۱۰؎ پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی لوگوں نے ان سے پوچھا کہ پھر سلام بھی پھیرا تو آپ کہنے لگے کہ مجھے خبر ملی کہ عمران ابن حصین نے کہا پھر سلام پھیرا ۱۱؎ (مسلم، بخاری) اور لفظ بخاری کے ہیں اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے نہ بھولا اور نہ نماز کم ہوئی یہ فرمایا کہ ان میں سے کچھ نہ ہوا ذوالیدین نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تو ہوا ہے ۱۲؎

۱؎ آپ کا نام محمد ہے، حضرت انس کے آزاد کردہ غلام ہیں، شہادت حضرت عثمان سے دو برس پہلے پیدا ہوئے، تیس صحابہ سے ملاقات ہوئی، فن حدیث و تعبیر خواب کے امام تھے، ایک بار جوزا تارے کو ثریا سے آگے بڑھا ہوا پایا تو فرمایا میری موت قریب ہے مگر پہلے حسن بصری وفات پائیں گے پھر میں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سو ۱۰۰ دن پہلے خواجہ حسن بصری فوت ہوئے بعد میں آپ۔ (مرقاۃ)

۲؎ وہ نماز عصر تھی جیساکہ دوسری روایات میں ہے سورج ڈھلے سے ڈوبنے تک کو عَشِی کہا جاتا ہے لہذا اس میں ظہر و عصر ہی داخل ہیں نہ کہ مغرب و عشاء،وقت عشاء عَشْوَاءٌ سے ہے وہاں دوسرے معنے ہیں۔

۳؎ اتفاقًا نہ کہ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے لہذا اس حدیث سے ابن سیرین کو ضعیف نہ کہا جائے گا،وہ بھول ضعف کا باعث ہے جو حدیث غلط بیان کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

۴؎ غصہ کی وجہ کچھ اور ہوگی جو راوی کو معلوم نہ ہوسکی،یہ لکڑی یا تو وہی تھی جس سے ٹیک لگاکر خطبہ پڑھتے تھے یا کوئی دوسری۔

۵؎ راویان حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئتیں بیان کرتے ہیں تاکہ سننے والے کے ذہن میں وہ نقشہ قائم ہوجائے یہ نقشہ قائم کرنا بھی عبادت ہے۔خیال رہے کہ تشبیک نماز اور انتظار نماز کی حالت میں منع ہے اس کے علاوہ کھیل کود کے لیے ممنوع ویسے جائز ہے۔

۶؎ یعنی غالبًا وحی الٰہی آگئی اور عصر بجائے چار کے دو رکعت رہ گئیں۔

۷؎ آپ کے غصہ کو دیکھ کر ورنہ جو باریابی ان بزرگوں کی تھی وہ دوسروں کو نہ تھی جیساکہ روایتوں میں ہے کہ اکثر یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر مسکراتے رہتے تھے۔

۸؎ ان کا نام عمیر ابن عمرو کنیت ابو محمد،لقب خرباق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ خطاب ذوالیدین تھا۔حجازی سلمی تھے ان کے متعلق اور بہت سی روایتیں ہیں آپ کو بارگاہ رسالت میں بہت باریابی تھی جو بات بڑے صحابہ عرض نہ کرسکتے تھے آپ بے تکلف عرض کردیتے تھے۔

۹؎ اس گفتگو سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بھولی ہوئی چیز کا انکار کردینا جھوٹ نہیں بلکہ اس پر قسم کھالینا گناہ نہیں،اس ہی کو قسم لغو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمٰنِكُمْ" دیکھو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول ہوئی مگر فرمایا کہ میں بھولا نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے بھولنے کا خیال نہیں یہ بالکل صحیح ہے شان نبوت کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ ایسے موقعہ پر اکثر مقتدیوں کی بات مانی جائے گی نہ کہ ایک کی،اگر ایک کہے کہ دو رکعتیں پڑھیں باقی کہیں چار تو چار ہی مانی جائیں گی،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کی خبر کی تصدیق فرماکر اس پر عمل کیا۔

۱۰؎ پہلی تکبیر سجدے میں جانے کے لیئے تھی،دوسری سجدے سے اٹھنے کے لیئے،تیسری پھر سجدے میں جانے کے لیے۔ظاہر یہ ہے کہ سجدۂ سہو کے لیئے ایک ہی سلام پھیرا جو لوگ جاچکے تھے انہیں واپس بلایا گیا اور سب کے ساتھ یہ دو رکعتیں ادا کی گئیں۔

۱۱؎ یعنی لوگوں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام نے سجدۂ سہو کے بعد نماز کا سلام پھیرا یا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ نے مجھ سے سلام کا ذکر نہیں کیا،ہاں میں نے سنا یہ ہے کہ عمران ابن حصین بھی یہ واقعہ بیان کیا کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ پھر سلام پھیرا۔اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ ابن سیرین اور حضرت ابوہریرہ کے درمیان عمران ابن حصین ہیں جن کا ذکر نہ کیا گیا تاکہ یہ حدیث منقطع ہوجائے کیونکہ ابن سیرین کی عمران ابن حصین سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

۱۲؎ یہ چند طرح سے منسوخ ہے:کلام کرنے کے بعد کعبہ سے سینہ پھر جانے کے بعد،بعض مقتدیوں کے مسجد سے نکل جانے اور انہیں واپس بلانے کے بعد نماز پوری کرنا اور سجدۂ سہو کرنا،سجدۂ سہو کے بعد بغیر دوبارہ التحیات پڑھے فورًا سلام پھیر دینا،اب ان میں سے کسی چیز پر عمل نہیں یہ حدیث اس وقت کی ہے جب نماز میں کلام و کام سب کچھ جائز تھا،یہی صحیح ہے بقیہ توجیہیں جو عام شارحین نے کی ہیں قابل قبول نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بحینہ سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر پڑھائی تو پہلی دو رکعتوں میں بغیر بیٹھے کھڑے ہوگئے لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے ۲؎ حتی کہ جب نماز پوری کی اور لوگوں نے سلام کا انتظار کیا توآپ نے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی سلام سے پہلے دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ مشہور یہ ہے کہ بحینہ آپ کی والدہ کا نام ہے اور آپ کے والد کا نام مالک ہے،آپ والدہ کی طرف سے عبدالمطلب میں حضور علیہ السلام سے مل جاتے ہیں کیونکہ بحینہ بنت حارث ابن عبدالمطلب ابن عبدالمناف ہیں،آپ بڑے متقی،صائم الدھر صحابی ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ معلوم ہوا کہ اگر امام پہلی التحیات بھول کر تیسری رکعت میں پورا کھڑا ہوجائے تو مقتدی لقمہ دے کر اسے واپس نہ کریں بلکہ خود بھی کھڑے ہوجائیں کیونکہ وہ بیٹھنا واجب ہے اور یہ قیام فرض،واجب کے لیے فرض نہیں چھوڑا جاسکتا۔

۳؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں سجدۂ سہو کے لیئے سلام نہ پھیرے مگر دوسری قوی روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کے لیے سلام پھیرا ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمر فاروق اعظم ہمیشہ سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرا کرتے تھے،فاروق اعظم کا یہ عمل اس حدیث کو تقویت دیتا ہے لہذا حق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ مسلم،بخاری کی وہ روایت ہے جو فصل اول میں گزر گئی اور ہوسکتا ہے کہ یہاں سلام سے مراد نماز کے وہ دو سلام ہوں جن سے نماز ختم کی جاتی ہے اور مطلب یہ ہو کہ لوگوں نے سلام نماز کا انتظار کیا حضور علیہ السلام نے وہ سلام نہ پھیرا بلکہ سہو کا ایک سلام پھیر کر تکبیر کہہ دی تب اسے منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھائی کچھ بھول ہوگئی ۱؎ تو دو سجدے کیے پھر التحیات پڑھی پھر سلام پھیرا ۲؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ یعنی بھول سے نماز کا کوئی واجب رہ گیا کیونکہ ہر بھول پر سجدۂ سہو نہیں ہوتا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو کے بعد التحیات ہے گزشتہ حدیث میں التحیات کی نفی نہ تھی اور اگر ہوتی بھی تو اس کے مقابل یہ حدیث قابل قبول ہوتی کیونکہ نفی پر ثبوت مقدم ہے۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام دو رکعتوں میں کھڑا ہوجائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جائے ۱؎ اور اگر

سیدھا کھڑا ہو گیا تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرلے ۲ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱ کیونکہ ابھی تیسری رکعت کا قیام شروع نہیں ہوا لہٰذا بیٹھ جائے یہی صحیح ہے،بعض فقہاء نے فرمایا کہ اگر قیام سے قریب ہو گیا ہو اس طرح کہ گھٹنے زمین سے اٹھ گئے ہوں۔تب بھی نہ لوٹے مگر اس پر فتویٰ نہیں۔خیال رہے کہ اسے لوٹنے میں سجدۂ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

۲ واجب چھوٹ گیا بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس حالت میں لوٹ آیا تو نماز جاتی رہے گی کیونکہ اس نے عمدًا فرض چھوڑ دیا،خیال رہے کہ اگر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو گیا ہے تو سجدے سے پہلے یاد آنے پر لوٹنا واجب ہے کیونکہ وہ قیام فرض نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر پڑھی اور تین رکعتوں میں سلام پھیر دیا پھر اپنے گھر تشریف لے گئے ان کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے جنہیں خرباق کہا جاتا تھا ان کے ہاتھوں میں کچھ درازی تھی عرض کیا یارسول اللہ پھر آپ کا عمل شریف ذکر کیا تو آپ غصے میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے تشریف لائے حتی کہ لوگوں تک پہنچ گئے فرمایا کیا انہوں نے درست کہا لوگوں نے کہا ہاں تو ایک رکعت پڑھی پھر سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا ۱(مسلم)	

۱ صحیح یہ ہے کہ یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ یہاں حجرے شریف میں پہنچ جانے کا ذکر ہے اور وہاں مسجد میں ٹھہرنے کا ذکر تھا،یہاں غصہ کی وجہ معلوم نہ ہوسکی اور دوسرے ثُمَّ سَلَّمَ سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد بھی التحیات پڑھی جائے گی کیونکہ ثُمَّ تاخیر کے لیے آتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو نماز پڑھے کہ کمی میں شک کرے تو اور پڑھ لے حتی کہ زیادتی میں شک کرے ۱ (احمد)	

۱ یعنی اگر نمازی کو تردد ہے کہ میں نے تین پڑھیں یا چار تو تین مان کر ایک رکعت اور مان لے تاکہ اب یہ تردد ہو جائے کہ چار پڑھیں یا پانچ اور سجدۂ سہو کرلے کہ اگر پانچ رکعتیں ہوگئیں ہوں تو تاخیر سلام کی وجہ سے جو نقصان پیدا ہوا اس کا بدلہ اس سے ہو جائے گا۔خیال رہے کہ اس سارے باب میں حضور علیہ السلام کے سہوؤں کا ذکر ہوا پہلی التحیات میں نہ بیٹھنا دو رکعت پر سلام پھیر دینا،تین رکعت پر سلام پھیرنا،بجائے چار کے پانچ رکعتیں پڑھنا اور ان سب میں سجدۂ سہو کا ذکر آیا۔اس بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز کا واجب چھوٹ جانے

سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے نہ کہ سنتیں اور فرض چھوٹنے سے ہمارا مذہب میں فتویٰ اس پر ہے کہ ہر سجدۂ سہو کے لیے پہلے **التحیات** پڑھے اور ایک سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر **التحیات** دونوں درود و دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔

باب سجود القرآن

قرآنی سجدوں کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] قرآن کریم میں چودہ سجدے ہیں اور یہ سب واجب ہیں احناف کے نزدیک اور سنت ہیں دوسرے اماموں کے ہاں،امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ رب فرماتاہے: "فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ" یہاں رب تعالٰی نے "سجدۂ تلاوت" نہ کرنے کو سخت جرم قرار دیا کہ اس کا ذکر بے ایمانی کے ساتھ کیا،پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہے،اس سجدہ کے لیے پاکی تو شرط ہے مگر قیام سلام وغیرہ فرض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیااور آپ کے ساتھ مسلمانوں،مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا[1](بخاری)	

[1] حضور علیہ السلام نے سجدے کی آیت پڑھ کر اور صحابہ نے سن کر سجدہ کیا،مشرکین نے اس موقعہ پر یا اپنے بتوں لات و عزیٰ کا ذکر سن کر سجدہ کیا یا حضور علیہ السلام سے ذکر الٰہی سن کر مرعوب ہوئے اور سجدہ میں گر گئے۔بعض روایات میں آیا ہے کہ اس موقع پر شیطان نے حضور علیہ السلام کی سی آواز بنا کر بتوں کی تعریف کی یا بغیر قصد حضور علیہ السلام کی زبان پر وہ الفاظ جاری ہوئے،مشرکین سمجھے کہ حضور علیہ السلام ہمارے دین کی طرف لوٹ آئے تو شکرانہ کے طور پر وہ سجدے میں گر گئے یعنی مسلمانوں نے سجدۂ تلاوت کیااور مشرکوں نے اپنی غلط فہمی پر سجدۂ شکر مگر آپ کی زبان پر بتوں کی تعریف جاری ہونے کی روایت باطل محض ہے اور شیطان کا اپنی آواز کو حضور علیہ السلام کی آواز کی مثل بنا کر یہ کہہ دینا اسے بھی حضرت شیخ نے لمعات میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں باطل قرار دیااور اس قصہ کو موضوع قرار دیااور فرمایا کہ یہ مؤرخین کی ایجاد ہے،محدثین نے اسے نہیں لیا لیکن بعض علماء نے "اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِيَّتِه" کی تفسیر میں یہ پہلا واقعہ بیان کیا یعنی شیطان کا یہ کہہ دینا معلوم ہوتا ہے،صحابہ نے اس موقع پر جنات کو بھی سجدہ کرتے دیکھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ" میں اور "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" میں سجدہ کیا[1](مسلم)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں سورتوں میں سجدے ہیں۔ان لوگوں کا قول باطل ہے جو کہتے ہیں کہ مفصل میں کوئی سجدہ نہیں یا حضور علیہ السلام نے مدینہ آنے کے بعد ان میں سجدہ نہیں کیا یہ حدیث نہایت صحیح ہے اور ہم سب کا اس پر عمل ہے یہ حدیث بخاری میں بھی ہے مگر وہاں اِقْرَاْ کا ذکر نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی آیت پڑھتے تو ہم آپ کے پاس ہوتے تو آپ اور ہم آپ کے ساتھ سجدہ کرتے بھیڑ لگ جاتی حتی کہ ہم میں کوئی اپنی پیشانی کے لیے جگہ نہ پاتا کہ جس پر سجدہ کرے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں سجدہ پڑھنے سے مراد سجدے کی آیت پڑھنا ہے یا سجدے کے لفظ کے ساتھ آگے پیچھے کے لفظ بھی پڑھنا ورنہ فقط سجدے کا لفظ پڑھ لینے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ آیتِ سجدہ پڑھنے سے بھی واجب ہوتا ہے اور سننے سے بھی اور یہ کہ سجدہ بڑا اہم ہے کہ صحابہ کرام بھیڑ لگا کر یہ سجدہ کیا کرتے تھے اس سے مذہب حنفی کو قوت پہنچتی ہے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وَالنَّجۡمِ پڑھی آپ نے اس میں سجدہ نہ کیا ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یا اس لیے کہ اس وقت حضور علیہ السلام کا وضو نہ تھا یا اس لیے کہ وہ وقت کراہت کا تھا جب سجدہ ممنوع ہوتا ہے یا اس لیے تاکہ معلوم ہوجائے کہ سجدۂ تلاوت فوراً واجب نہیں ہوتا اس میں تاخیر بھی کرسکتے ہیں،یہ وجہ نہ تھی کہ سورۂ وَالنَّجۡم میں سجدہ نہیں ہے یا یہ سجدۂ سنت ہے لہذا یہ حدیث نہ تو حنفیوں کے خلاف ہے اور نہ بخاری کی پچھلی حدیث سے متعارض۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ سورۂ ص کا سجدہ فرضی سجدوں میں نہیں ۱؎ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے ۲؎

۱؎ یعنی اس کی فرضیت نماز اور زکوۃ کی سی نہیں جس کا منکر کافر ہو بلکہ واجب ہے جس کا انکار کفر نہیں۔یہی حنفی کہتے ہیں کہ قرآن کے سارے سجدے واجب ہیں اور اگر یہ مطلب ہو کہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے تو یہ سیدنا ابن عباس کا اپنا اجتہاد ہے کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرمائی۔

۲؎ یعنی میں بھی کرتا ہوں اور تم بھی کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کا عمل ہے اور قرآنی حکم،آیت ہم پہلے پیش کرچکے ہیں۔

	اور ایک روایت میں ہے مجاہد کہتے ہیں ۱؎ کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کیا سورۂ ص میں سجدہ کروں تو آپ نے یہ تلاوت کیا "مِنۡ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ" ۲؎ حتی کہ "فَبِہُدٰىہُمُ اقۡتَدِہۡ" پر پہنچے پھر فرمایا کہ تمہارے نبی صلی اللہ

	علیہ وسلم ان میں سے ہیں جنہیں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ۳؎(بخاری)

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،مکہ معظّمہ کے مشہور عالم فقیہ اور قاری ہیں،حضرت عبداللہ ابن عباس سے تیس بار قرآن کریم معہ تفسیر پڑھا،۱۰۴ھ؁ میں وصال ہوا۔

۲؎ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں بہت پیغمبر ہوئے جن میں حضرت داؤدو سلیمان علیہماالسلام بھی ہیں۔آپ ان تمام حضرات کے کمالات،اخلاق اختیار فرمائیں کیونکہ یہ رب تعالٰی کے دیئے ہوئے کمالات تھے۔یہ مطلب نہیں کہ ان کے سارے اعمال بھی کریں کیونکہ اسلام ان دینوں کا ناسخ ہے،نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متبع نہیں آپ تو ان کے پیشوااور مقتدا ہیں ہاں ان کے کمالات کے جامع ہیں جیسے رب نے فرمایا:"قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا"فرماؤ ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں،یہاں پیروی سے مراد موافقت ہے نہ کہ اطاعت وفرماں برداری ۱۲

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ انبیاء کرام کے کمالات کے جامع ہیں اور داؤد علیہ السلام نے قبول توبہ پر سجدۂ شکر کیا تھا یہ سجدہ ان کا کمال تھا،سورۂ ص میں یہ قصہ مذکور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سجدہ کیا ہم کو بھی سجدہ کرنا چاہیئے۔امام احمد نے ابو بکر ابن عبداللہ مزنی سے روایت کی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورۂ ص لکھ رہا ہوں جب سجدہ کی آیت پر پہنچا تو دوات و قلم وغیرہ سجدہ میں گر گئے میں نے یہ قصہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا،میں نے اس کے بعد دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہاں ہمیشہ سجدہ کرتے تھے۔ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ ص کا سجدہ دوسرے سجدوں کی طرح واجب ہے ۱۲

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے جن میں سے تین مفصل میں ہیں اور دو سورۂ حج میں ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث امام مالک کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں قرآن کریم میں پندرہ سجدے ہیں کیونکہ وہ سورۂ ص میں بھی سجدہ مانتے ہیں اور سورۂ حج میں دو سجدے۔جمہور علماء کے نزدیک چودہ سجدے ہیں مگر امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک ص میں سجدہ ہے تو حج میں صرف ایک سجدہ،اور شوافع کے نزدیک حج میں دو سجدے ہیں تو ص میں سجدہ نہیں،یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ ابن منین ہیں جو ضعیف ہیں۔شیخ عبدالحق محدث نے فرمایا کہ ابن منین قابلِ اعتبار نہیں،ابن قطان نے کہا کہ وہ مجہول ہیں،بہرحال یہ حدیث لائق عمل نہیں ۱۲

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ حج کو اس طرح بزرگی دی گئی کہ اس میں دو سجدے ہیں فرمایا ہاں جو یہ دو سجدے نہ کرے ۱؎ وہ ان

	دونوں کو نہ پڑھے۔ (ابوداؤد،ترمذی)ترمذی نے فرمایااس حدیث کی اسناد قوی نہیں ۲؎ اور مصابیح میں ہے کہ سورۂ حج نہ پڑھے جیسا کہ شرح سنہ میں ہے۔

۱؎ یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کی دلیل ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک حج میں صرف ایک سجدہ ہے یعنی پہلا دوسری آیت میں سجدہ نماز مراد ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت کیونکہ وہاں ارشاد ہوا"ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا"یعنی سجدہ کا رکوع کے ساتھ ذکر ہوااور جہاں رکوع سجدہ مل کر آویں وہاں سجدہ نماز مراد ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ"،نیز طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کی کہ سورۂ حج میں پہلا سجدہ عزیمت ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم،نیز یہ حدیث علاوہ ضعیف ہونے کے امام شافعی رحمۃاللہ علیہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ قرآنی سجدے واجب نہیں مانتے سنت مانتے ہیں اور اس حدیث سے وجوب ثابت ہوتا ہے کہ فرمایا یہ جو سجدے نہ کرے وہ یہ سورۃ ہی نہ پڑھے یہ بہرحال اس حدیث سے استدلال قوی نہیں۔

۲؎ کیونکہ اس کی اسناد میں ابن لہیعہ شوافع کے نزدیک ضعیف ہے اور ابن شرع ابن ہامان عام محدثین کے نزدیک مجروح لہذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں ۱۲

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا لوگ سمجھے کہ آپ نے تنزیل السجدہ پڑھی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ صحابہ رضی اللہ عنھم نے یہ اس لیئے سمجھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کی نمازوں میں سورۃ کی ایک آدھ آیت آواز سے پڑھ دیتے تھے تاکہ پتہ لگے کہ فلاں سورۃ پڑھ رہے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا سنت یہ ہے کہ نمازی آیت سجدہ پر سجدہ کرے پھر باقی سورۃ پڑھ کر رکوع کرے اور اگر پوری سورۃ پڑھ کر سجدہ کرے جب بھی جائز ہے اور اگر رکوع میں ہی سجدۂ تلاوت کرنے کی نیت کرے تب بھی درست ہے مگر پہلی صورت افضل ہے،حضرت عمر و ابن مسعود نماز میں سجدہ کی آیت پڑھ کر رکوع میں سجدہ کی نیت کو درست مانتے تھے اور کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہ کی۔(مرقاۃ)

	روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر قرآن پڑھتے جب سجدے کی آیت پر گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے ہم آپ کے ساتھ سجدہ کرتے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں خارج نماز کا ذکر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہے اور اس سجدہ میں صرف ایک تکبیر کہے ہاتھ اٹھانے یا بعد سجدہ سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مستحب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر سجدہ میں جائے اور پھر کھڑا ہوجائے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کیونکہ اس سجدہ میں باشارہ قرآنی ضرور گرنا چاہیئے اور گرنا کھڑے ہو کر کامل ہے ۱۲

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

	نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی سب لوگوں نے سجدہ کیا ۱؎ان میں سوار اور زمین پر سجدہ کرنے والے حتی کہ سوار اپنے ہاتھ پر سجدہ کرتا تھا ۲؎

۱؎ یہ واقعہ سورۂ وَالنَّجْمِ پڑھنے کے علاوہ ہے کیونکہ آج مکہ معظّمہ میں کوئی مشرک نہ تھااور وہاں مشرکین مکہ نے بھی سجدہ کیا تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت سوار اپنے ہاتھ پر کرسکتا ہے اتر نا ضروری نہیں یہی امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کا قول ہے۔

۲؎ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں گیارہ سجدے ہیں کیونکہ چودہ سجدوں میں سے جب مفصل کے تین سجدے نکل گئے تو گیارہ باقی بچے،مگر یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد میں ابوقدامہ بصری ہیں جو ضعیف ہیں(نووی) نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث قوی ہے جس میں ہے کہ ہم نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِنْشَقَّتْ اور اِقْرَأْ میں سجدہ کیا۔حضرت ابوہریرہ بعد ہجرت یعنی ۷ھ میں ایمان لائے،ابھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گزری کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سورۂ وَالنَّجْمِ پڑھی اور سب نے سجدہ کیا،نیز یہ حدیث نافی ہے اور وہ حدیث مثبت جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو تو ثبوت کو ترجیح ہوتی ہے۔بہرحال یہ حدیث قابل عمل نہیں مفصل میں تین سجدے ہیں "وَالنَّجْمِ،اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ،اِقْرَأْ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد طوال مفصل کی قرأت کے دوران سجدہ نہیں کیا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎خیال رہے کہ اگر سجدۂ تلاوت فرض نماز میں کرے تواس میں سجدے کی تسبیح پڑھنا افضل ہے اور اگر نماز میں یا خارج نماز میں کرے تو اختیار ہے خواہ صرف تسبیحیں پڑھے یا دوسری دعائیں یا دونوں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات میں قرآنی سجدوں میں یوں کہتے تھے میری ذات نے اسے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیااور اس کے کان اور آنکھ اپنی طاقت و قوت سے چیرے۱؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)اور ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎یہاں تہجد کی نماز یا خارج نماز میں سجدہ تلاوت مراد ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز مسجد میں پڑھاتے تھے،اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتی تھیں۔فتح القدیر میں ہے کہ سجدہ تلاوت میں یہ آیت پڑھنا بھی بہتر ہے"سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا"،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ"الخ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ۱؎عرض کیا یارسول اللہ میں نے آج رات سوتے ہوئے اپنے کو دیکھا کہ گویا

	میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں میں نے سجدہ کیا۲ میرے سجدے کے ساتھ درخت نے بھی سجدہ کیا میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا۳ الٰہی اس سجدے کی برکت سے اپنے پاس میرے لیے ثواب لکھ اور میرا گناہ دور کر اور اسے میرے لیے اپنے ہاں ذخیرہ بنا۴ اور اسے مجھ سے ایسا ہی قبول کر جیسے اپنے بندے داؤد سے قبول کیا تھا،ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی۵ پھر سجدہ کیا تو میں نے آپ کو اسی طرح کہتے سنا جیسے اس شخص نے درخت کے قول کی خبر دی تھی۶(ترمذی،ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے **وتقبلها** الخ کا ذکر نہ کیا ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یہ آنے والے حضرات ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں صراحتًا ہے نہ کہ کوئی فرشتہ ۱۲

۲؎ سجدۂ تلاوت اس طرح کہ نماز میں سورۂ ص پڑھی اور سجدہ کی آیت پر سجدہ کیا جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے ۱۲

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول خود درخت ہی کا ہے کیونکہ درخت وغیرہ سجدے بھی کرتے ہیں اور تسبیح بھی،ممکن ہے کسی فرشتے کا قول ہو جو درخت سے ظاہر ہورہا ہو،جیسے طور پر موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے رب کا کلام سنا،اول قوی ہے۔

۴؎ درخت کا یہ کہنا ان صحابی کو اور ان کے ذریعہ سارے مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لیے ہے ورنہ ان کے لیے نہ ثواب ہے نہ گناہ کی بخشش کیونکہ وہ گنہگار ہی نہیں ۱۲

۵؎ سورۂ ص کی۔ظاہر یہ ہے کہ صرف آیت سجدہ ہی نماز سے خارج پڑھی۔اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ دوران تلاوت میں سجدے کی آیت تلاوت کرکے سجدہ کرنا بلا کراہت جائز ہے ۱۲

۶؎ علماء فرماتے ہیں کہ ص کے سجدے میں یہ دعا پڑھنا بہت بہتر ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ حضور انور نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ وہ درخت ہم ہیں اور صحابی سے مراد ساری امت اس لیے خود سجدہ کرکے اس میں یہ دعا پڑھ کے دکھا دیا ۱۲

۷؎ مگر حاکم نے اسے صحیح کہا اور دیگر محدثین نے حسن فرمایا اور یہ معلوم رہے کہ غرابت صحت کے خلاف نہیں اور اگر ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں قبول ہے ۱۲

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ **وَالنَّجْم** پڑھی تو اس میں آپ نے بھی سجدہ کیا اور انہوں نے بھی جو آپ کے ساتھ تھے۱ ایک قریشی بڈھے کے سواء جس

	نے ایک مٹھی کنکر یا مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگالی اور بولا مجھے یہی کافی ہے ۲؎ عبداللہ فرماتے ہیں میں نے بعد میں اسے دیکھا کہ کافر مارا گیا ۳؎ (مسلم، بخاری) اور بخاری نے اپنی روایت میں زیادہ کیا کہ وہ امیہ ابن خلف تھا ۴؎

۱؎ یعنی مؤمنین، مشرکین، انسان، جن جو بھی وہاں حاضر تھے سب سجدے میں گر گئے۔اس کی وجہ پہلے بیان ہوچکی کہ چونکہ سورۂ **والنجم** میں یہاں لات و عزیٰ کا بھی ذکر ہے۔اس لیے مشرکین نے ان کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کیا یا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں ایسی ہیبت تھی کہ مشرکین بھی بے اختیار سجدے میں گر گئے۔یا اس وقت شیطان نے بتوں کی تعریف کی، مسلمان تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی آواز پر سجدے میں گرے اور کفار شیطان کی آواز پر۔یہ محض باطل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر بے اختیار اس وقت بتوں کی آواز آگئی، **نعوذ باللہ**، امام عسقلانی نے شرح بخاری میں شیطان والے قصہ کو ثابت کیا ہے، رب تعالٰی نے فرمایا: "**اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ**"۔

۲؎ اس کی یہ حرکت غرور و تکبر کے لیے تھی کہ سب کے ساتھ میرا سجدہ کرنا میری شان کے خلاف ہے ۱۲

۳؎ یعنی جن مشرکین نے آج سجدہ کیا تھا وہ سب بعد میں اسلام لے آئے جس نے سجدہ نہ کیا وہ کافر ہی مارا گیا ۱۲

۴؎ جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں بری طرح مارا گیا جیسے یہ حضرت بلال کو برچھیوں اور نیزوں سے چھیدا کرتا تھا اسی طرح بدر میں صورت یہ بنی کہ اسے چھید چھید کر ہی مارنا پڑا کیونکہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایفائے عہد کرتے ہوئے اسے بچانے کے لیے خود کو اس کے اوپر ڈال دیا تھا اور اس کا بھائی ابی بن خلف جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مارا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے صرف اسی کو قتل فرمایا ہے ۱۲

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد نے توبہ کے طور پر یہ سجدہ کیا تھا اور ہم شکر کے طور پر یہ سجدہ کرتے ہیں ۱؎ (نسائی)

۱؎ اس کا شکریہ کہ رب تعالٰی نے ان کی توبہ قبول فرمائی جیسے عید الاضحیٰ کی نماز حضرت ابراہیم کی قربانی قبول ہونے کے شکر میں پڑھی جاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اہم واقعات کی یادگاریں منانا اور ان پر عبادتیں کرنا سنت سے ثابت ہے۔لہٰذا میلاد شریف گیارہویں شریف، عرس بزرگانِ دین منانا اور ان موقعوں پر نوافل، صدقات وغیرہ عبادتیں ناجائز نہیں ہوسکتیں۔

باب اوقات النھی

ممانعت کے وقتوں کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی جن وقتوں میں نماز منع ہے۔خیال رہے کہ تین وقت وہ ہیں جن میں فرض نفل ہر نماز منع ہے: طلوع آفتاب، غروب اور نصف النہار (بیچ دوپہری) پانچ وقت وہ ہیں جن میں فرض جائز، نفل منع: صبح صادق سے سورج نکلنے تک، نماز عصر کے بعد سے سورج ڈوبنے تک، پھر آفتاب ڈوبنے کے بعد سے مغرب کے فرض پڑھنے تک، جمعہ کے خطبہ کے وقت، عید کے دن نماز عید سے پہلے، یہ کراہت ہر جگہ ہے مکہ معظّمہ میں بھی اور دیگر مقامات میں بھی ۱۲

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی قصد نہ کرے کہ سورج نکلنے کے وقت اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب سورج کا کنارہ چمک جائے تو نماز چھوڑ دو حتی کہ بلند ہوجائے ۲؎ پھر جب سورج کا کنارہ چھپ جائے تو نماز چھوڑ دو حتی کہ پورا غائب ہوجائے اور اپنی نماز کے لیے سورج کے طلوع غروب کا وقت مقرر نہ کرو، کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے بیچ میں طلوع ہوتا ہے ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ سورج نکلنے سے مراد اس کے چمکنے سے بلند ہونے تک کا وقت ہے یعنی چمکنے سے بیس منٹ بعد تک اور ڈوبنے سے مراد پیلا پڑنے سے چھپنے تک کا وقت یعنی چھپنے سے بیس منٹ پہلے ہے جیسا کہ اور روایات میں ہے ۱۲

۲؎ کنارہ مشرق سے ایک نیزہ بلند ہوکر اس میں تیزی آجائے کہ اتنے عرصہ میں ہر نماز ممنوع ہے ۱۲

۳؎ اس طرح کہ ایک شیطان سورج کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے ہر جگہ سورج کا طلوع اس کے سینگوں کے بیچ میں ہوتا ہے۔اس کی تحقیق "اوقات نماز" کے باب میں گزر گئی ۱۲

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور مردے دفن کرنے سے منع فرماتے تھے ۱؎ جب سورج ظاہر ظہور طلوع ہورہا ہو حتی کہ بلند ہوجائے اور جب ٹھیک دوپہری قائم ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہوجائے حتی کہ ڈوب جائے

۲؎(مسلم)	

۱؎ تمام علماء کے نزدیک یہاں دفن سے مراد نماز جنازہ ہے کیونکہ ان وقتوں میں دفن کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا اور ان اوقات میں نماز جنازہ بھی جب ہی مکروہ ہو گی جب کہ جنازہ پہلے سے تیار ہو اور نماز میں دیر کی جائے لیکن اگر جنازہ آیا ہی اس وقت ہے تو نماز پڑھ لے ۱۲

۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے کہ وہاں طلوع و غروب سے مراد صرف نکلنا ڈوبنا نہ تھا بلکہ اس سے بعد اور پہلے کا کچھ وقت بھی تھا۔ خیال رہے کہ ٹھیک دوپہر شریعت میں نماز شرعی گیارہ بجے ہوا اور نہار نجومی کے نصفوں کا فاصلہ ہے مثلاً آج نصف النہار شرعی گیارہ بجے ہوا اور نصف النہار نجومی پونے بارہ بجے تو یہ پینتالیس ۴۵ منٹ بیچ دوپہر ہیں ان میں نماز مکروہ۔ شرعی دن پو پھٹنے سے شروع ہوتا ہے اور نجومی دن سورج چمکنے سے اور دونوں غروب آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک کوئی نماز نہیں اور نہ عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی نماز فجر اور نماز عصر پڑھ لینے کے بعد نوافل ممنوع ہیں اور سورج چمکنے اور پیلا پڑنے کے بعد ہر نماز ممنوع جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ حدیث ہر جگہ کے لیے ہے لہذا احناف کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں ان وقتوں میں مکہ مکرمہ میں بھی نوافل مکروہ ہیں ۱۲

روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو میں بھی مدینے آیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ مجھے نماز کے متعلق خبر دیجئے ۲؎ تو فرمایا کہ نماز فجر پڑھو پھر آفتاب نکلتے وقت نماز سے باز رہو حتی کہ بلند ہو جائے کیونکہ وہ نکلتے وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے اور اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں ۳؎ پھر نماز پڑھو کیونکہ وہ نماز حاضری یا گواہی کا وقت ہے ۴؎ یہاں تک کہ نیزے کا سایہ کم ہو جائے ۵؎ پھر نماز سے باز رہو کیونکہ اس وقت دوزخ جھونکا جاتا ہے ۶؎ پھر جب زوال کا سایہ آگے ہو جائے تو نماز پڑھوے کیونکہ یہ نماز حاضری اور گواہی کا وقت ہے حتی کہ عصر پڑھ لو پھر سورج ڈوبنے تک نماز سے باز رہو کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے بیچ ڈوبتا ہے ۸؎ اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے وضوء کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں جو وضو کا پانی لے پھر کلی کرے ناک میں پانی ڈالے مگر اس کے چہرے اور منہ اور نتھنوں کی خطائیں گر جاتی ہیں ۹؎ پھر جب اسی طرح اپنا منہ دھوئے جیسے اسے اللہ نے حکم دیا ۱۰؎ مگر اس کے چہرے کی خطائیں داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ پوروں	

سے گر جاتی ہیں، پھر اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے مگر اس کے ہاتھوں کی خطائیں پانی کے ساتھ گر جاتی ہیں، پھر اپنے سر کا مسح کرے مگر اس کے سر کی خطائیں پانی کے ساتھ بالوں کے کناروں سے گر جاتی ہیں ۱۱ پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے مگر اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں پھر اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اللہ کی وہ حمد و ثناء اور بڑائی کرے جس کے وہ لائق ہے اور اپنا دل اللہ کے لیے خالی کرے مگر اپنی خطاؤں سے اس دن کی طرح پھرے گا جس دن اسے ماں نے جنا ۱۲ (مسلم)

۱ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں، حتی کہ بعض نے کہا آپ چوتھے مسلمان ہیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابھی گھر چلے جاؤ جب ہمارا غلبہ ہو تو آجانا۔ چنانچہ بعد ہجرت یہ بھی حضور علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

۲ کہ کون سی نماز کس وقت پڑھی جائے جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۳ لہذا تمہارا اس وقت نماز پڑھنا کفار کی عبادت کے مشابہ ہوگا۔ خیال رہے کہ اگرچہ کفار اور وقت بھی عبادت کرتے ہیں مگر اس وقت کی عبادت ان کی مذہبی علامت ہے۔ علامت کفر سے بچنا ضروری ہے، تشبیہ اور ہے اور اشتراک کچھ اور۔

۴ یعنی نماز اشراق و چاشت پڑھو اس نماز میں تمہارے ساتھ تمہارے ساتھی فرشتے موجود ہوں گے اور تمہارے گواہ، یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ نماز اشراق و چاشت واجب نہیں ۱۲

۵ یعنی نیزے کا سایہ اس سے کم ہو جائے جسے سایہ اصلی کہتے ہیں جو نصف النہار کے وقت ہوتا ہے، اس کی درازی موسم کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے، شاید جس وقت سرکار نے یہ فرمایا اس وقت سایہ اصلی چیز سے کم ہوتا ہے۔

۶ یعنی دوپہر کے وقت دوزخ میں ایندھن ڈالا جاتا ہے جس سے وہ بھڑک جاتا ہے۔ اس کی تحقیق باب الاوقات میں کی جاچکی وہاں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں دوپہر رہتی ہے پھر اس وقت دوزخ جھونکنے کے کیا معنی۔

۷ یہ امر اباحت کے لیے ہے یعنی سورج ڈھل جانے پر نماز پڑھ سکتے ہو، یہ مطلب نہیں کہ سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھ لو۔ اس کی تحقیق بھی باب الاوقات میں کی جاچکی گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنا مستحب ہے ۱۲

۸ یعنی نماز عصر پڑھنے کے بعد ہر نماز سے باز رہو جیسا کہ باب الاوقات میں ذکر ہوا۔

۹ اس کی شرح باب الوضوء میں ہوچکی کہ یہاں خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں نہ کہ گناہ کبیرہ اور نہ حقوق العباد اور یہ ہم لوگوں کے احکام ہیں اسی لیے ہمارے وضو کا غسالہ مستعمل پانی کہلاتا ہے جس سے وضو نہیں کرسکتا اور اس کا پینا مکروہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ نور لے کر نکلتا ہے اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنھم تبرک سمجھ کر پیتے تھے۔

۱۰ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا سنتیں تھیں مگر چہرہ دھونا فرض ہے جس کا رب نے حکم دیا ہے کہ فرمایا: "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" یا یہ مطلب ہے کہ جیسے رب نے پورا چہرہ دھونے کا حکم دیا ایسے ہی پورا دھوئے کہ بال برابر بھی جگہ سوکھی نہ رہے۔

۱۱ سر کی خطاؤں میں کانوں کی خطائیں بھی داخل ہیں یعنی برے خیالات اور بری عادتیں اور بری باتیں سننے کے گناہ سب مسح سے معاف ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کانوں کا مسح سر کے ساتھ اور سر کے پانی سے ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ سر کے مسح میں پانی گرتا نہیں بلکہ سر کو لگتا

ہے مگر اس سے خطائیں جھڑ جاتی ہیں۔دھونے والے اعضاء میں پانی خطائیں لے کر نکلتا ہے اور سر میں پانی خطاؤں کو نکالتا ہے۔خیال رہے کہ ان خطاؤں کو پانی نہیں نکالتا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نکالتی ہے،ورنہ مشرک خواہ کتنا ہی وضو کرے اس کی خطائیں معاف نہیں ہوتیں اور مسلمان بغیر نیت وضو ٹھنڈک کے لیے بارہا ان اعضاء پر پانی ڈالے یہ فیض حاصل نہیں ہوتا ۱۲

۱۲؎ یعنی گناہ تو وضو سے معاف ہوچکے،نماز رفع درجات کا ذریعہ ہے خواہ **تحیۃ الوضو** کے نفل ہوں یا اور کوئی نماز ۱۲

روایت ہے حضرت کریب سے کہ حضرت ابن عباس اور مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمان ابن ازہر نے۱؎ انہیں حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہا کہ ہم سب کا انہیں سلام کہنا اور ان سے عصر کے بعد والی دو رکعتوں کے متعلق پوچھنا۲؎ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں وہ پیغام پہنچایا جو مجھے دے کر بھیجا تھا انہوں نے کہا ام سلمہ سے پوچھو۳؎ میں ان حضرات کی طرف لوٹا انہوں نے مجھے ام سلمہ کے پاس لوٹایا۴؎ ام سلمہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع فرماتے سنا پھر میں نے آپ کو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھا پھر آپ تشریف لائے تو میں نے آپ کی خدمت میں لڑکی کو بھیجا۵؎ اور میں نے کہہ دیا کہ آپ سے عرض کرنا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ عرض کرتی ہیں کہ میں نے آپ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا اور آپ کو پڑھتے دیکھتی ہوں فرمایا اے ابی امیہ کی بیٹی۶؎ تم نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے متعلق مجھ سے پوچھا میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ آئے تھے جنہوں نے مجھے ظہر کے بعد والی دو رکعتوں سے باز رکھا یہ وہی دو رکعتیں ہیں۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت کریب ابن مسلم سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں اور مسور ابن مخرمہ عبدالرحمٰن بن عوف کے بھانجے ہیں،ہجرت کے بعد مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے ۸ھ میں مدینہ منورہ آئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے۔شہادت حضرت عثمان تک مدینہ منورہ رہے پھر مکہ معظّمہ آگئے۔یزید کی بیعت نہ کی۔چنانچہ واقعہ کربلا کے بعد جب یزید نے مکہ معظّمہ پر منجنیق سے پتھراؤ کیا تو بحالت نماز ایک پتھر آپ کے بھی لگا اور شہید ہوگئے اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ازہر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھتیجے ہیں حنین میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎ آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے یا نہیں،اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ ان بزرگوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان نفلوں سے منع فرماتے ہوئے سنا،پھر انہیں پتہ لگا کہ سرکار علیہ السلام گھر میں خود پڑھتے تھے تو اس کی تحقیق اور وجہ معلوم کرنے کے لیے انہیں بھیجا،چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی فقیہہ عالمہ بی بی تھیں اس لیے ان سے یہ مسئلہ پوچھا،چونکہ یہ حضرات بہت سے تھے۔اس لیے خود حاضر نہ ہوئے بلکہ اپنے خادم کو بھیج دیا،معلوم ہوا کہ مسائل میں ایک کی خبر معتبر ہے ۱۲

۳؎ یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عدل وانصاف کہ باوجودیکہ بڑی عالمہ فقیہہ ہیں مگر فرمادیا کہ اس مسئلہ کا علم مجھ سے زیادہ حضرت ام سلمہ کو ہے کیونکہ وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ پوچھ چکی ہیں میں نہ پوچھ سکی۔اس سے معلوم ہوا کہ بڑا عالم بھی بے علم فتویٰ نہ دے بلکہ دوسرے کے پاس بھیج دے اوراس میں شرم نہ کرے ۱۲

۴؎ یہ حضرت کریب کاادب خادمانہ ہے کہ بغیر آقا کے حکم کے دوسری جگہ نہیں گئے کیونکہ پہلا حکم ختم ہوچکا تھا ۱۲

۵؎ یعنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اور کسی بیوی پاک کے گھر میں یہ نفل پڑھتے دیکھا پھر جب میرے گھر میں تشریف لائے تو جس گوشہ میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام بیٹھے تھے وہاں میں خودنہ گئی بلکہ کسی لڑکی کو بھیجا۔لہذا یہ روایت در روایت ہوگئی۔

۶؎ ابوامیہ حضرت ام سلمہ کے والد کی کنیت ہے،ان کا نام سہل ابن مغیرہ مخزومی تھا،حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کی معرفت خودحضرت ام سلمہ سے خطاب فرمایا کیونکہ اصل سائلہ آپ ہی تھیں(رضی اللہ تعالٰی عنہما)۔

۷؎ یعنی ایک بار ہم وفد عبدالقیس کو تبلیغ کرنے کی وجہ سے ظہر کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکے تھے،پھر وہ رکعتیں عصر کے بعد قضا کیں لیکن طریقہ ہمارا یہ ہے کہ جب کوئی نیکی ایک بار کرلیتے ہیں تو پھر ہمیشہ ہی کرتے ہیں،اس لیے اب ہمیشہ ہی پڑھ رہے ہیں۔خیال رہے کہ سنت ظہر کی قضاء کرنا بھی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے،پھر بعد عصر پڑھنااور پھر ہمیشہ پڑھنا حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتیں ہی ہیں اس میں اس سے منع کیا گیا ہے،جیسے روزۂ وصال کہ آپ رکھتے تھے ہمیں منع فرمایا،چنانچہ طحاوی نے اس حدیث کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ ام سلمہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم بھی قضا کرلیا کریں فرمایا نہیں۔شوافع نے اس حدیث کی وجہ سے فرمایا کہ سنتوں کی قضاء سنت ہے مگر یہ دلیل کمزور ہے ورنہ انہیں چاہیئے کہ ایک بار کی قضا ہمیشہ پڑھا کریں ۱۲

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت محمد ابن ابراہیم سے وہ قیس ابن عمرو سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا صبح کی نماز دو دو رکعتیں پڑھتے ہو ۲؎ اس نے عرض کیا کہ میں نے پہلی دو رکعتیں نہ پڑھیں تھیں وہ اب پڑھ لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے ۳؎(ابوداؤد)اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی اور فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد ابن ابراہیم نے قیس ابن عمرو سے نہ سنا ۴؎ اور شرح سنہ اور مصابیح کے نسخوں میں قیس ابن قہد سے اس کی مثل ہے۔	

۱؎ حضرت محمد ابن ابراہیم بہت نوعمر تابعی ہیں اور قیس ابن عمرو صحابی انصاری ہیں۔

۲؎ یعنی دوبارہ پڑھتے ہوا بھی میرے ساتھ جماعت سے پڑھ چکے ہو،پھر دوبارہ اکیلے پڑھے رہے ہو یا یہ مطلب ہے کہ کیا صبح کی دو رکعتوں کے بعد دو نفل بھی پڑھتے ہو،حالانکہ تمہیں خبر ہے کہ اس وقت نفل نہیں پڑھ جاتے۔

۳؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی رحمۃاللہ علیہ وغیرہم بزرگوں سے سنت فجر کی قضاء آفتاب نکلنے سے پہلے جائز مانی ہے۔امام صاحب کے ہاں صرف سنت فجر کی قضاء کبھی نہیں ہاں اگر سنتیں مع فرضوں کے رہ گئی ہوں تو دوپہر سے پہلے فرضوں کے تابع ہو کر ان کی بھی قضاء ہو جائے گی جیساکہ شب تعریس کے واقعہ میں ہوا کیونکہ قضاء صرف واجب یا فرض کی ہوسکتی ہے سنتوں کی قضاء اصول شرعی کے خلاف لہذا یہاں ثبوت ہو گیا صرف وہیں قضاء ہو گی، یہ حدیث منقطع ہے متصل نہیں جیساکہ خود امام ترمذی فرمارہے ہیں، لہذا اس سے استدلال غلط ہے ۱۲

۴؎ یعنی محمد ابن ابراہیم اور قیس ابن عمرو کے درمیان کوئی راوی چھوٹ گیا ہے اور خبر نہیں کہ وہ راوی عادل ہے یا فاسق اس لیے یہ حدیث مجہول ہے اور قابل عمل نہیں، نیز اس حدیث میں یہ پتہ نہ لگا کہ وہ صحابی فجر کے بعد کس وقت سنتیں پڑھ رہے تھے،آفتاب نکلنے سے پہلے یا بعد لہذا حدیث گویا مجمل ہے اور ممانعت صراحۃً آچکی ہے کہ صبح کی نماز کے بعد نماز نہیں۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد مناف کی اولاد۱؎ کسی کو منع نہ کرو دن و رات میں جس گھڑی چاہے اس گھر کا طواف کرے اور نماز پڑھے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ چونکہ مکہ معظّمہ کی سرداری کعبہ کی کلید برداری چاہ زمزم کا انتظام اور حرم شریف کی خدمت اولاد عبد مناف ہی میں تھی اس لیے انہیں خطاب فرماکر یہ فرمایا۱۲

۲؎ اس وقت بعض اوقات حرم شریف بند کردیا جاتا تھا جیسے مسجد نبوی شریف بعد نماز عشاء بند کردی جاتی ہے کہ طواف کعبہ تو ہر وقت جائز ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔چنانچہ اس حدیث کی بنا پر حرم شریف کسی وقت بند نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ طواف کعبہ تو ہر وقت جائز ہے لیکن نوافل مکروہ وقتوں میں وہاں بھی منع ہیں کیونکہ ممانعت کی حدیثیں مطلق تھیں جیساکہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج ڈوبتے اور بیچ دوپہری میں نماز نہ پڑھو یا فرمایا کہ صبح اور عصر کے بعد نماز نہیں، وہاں مکہ شریف کو مستثنیٰ نہیں کیا امام شافعی وغیرہم اس حدیث کی بنا پر مکہ معظّمہ میں ہر وقت نوافل جائز کہتے ہیں مگر یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حرم شریف بند نہ کرو، لوگوں کو ہر وقت طواف (نماز پڑھنے دو) ہاں جن وقتوں میں شریعت نے منع کردیا ہے اس وقت لوگ خود نوافل نہ پڑھیں، شریعت کا منع کرنا کچھ اور ہے لوگوں کا بیت اللہ کو بند کردینا کچھ اور، دیکھو حرم شریف میں نماز پنج گانہ کی جماعت اور نماز جمعہ وعیدین کی جماعت کے وقت لوگوں کو طواف سے بھی روکا جاتا ہے اور نفلوں سے بھی مگر یہ روکنا شریعت کی طرف سے ہے جیسے ہم کسی سبیل والے سے کہیں کہ تم لوگوں کو ہر وقت پانی پینے دو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ رمضان میں بے روزوں کو بھی علانیہ دن کے وقت پانی پینے دو۔غرضکہ ممانعت کی حدیث صریح ہے اور اجازت کی غیر صریح، نیز جب ممانعت اور جواز میں تعارض ہو تو ممانعت کو ترجیح ہوتی ہے۔طحاوی شریف میں ہے کہ ایک بار حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز فجر کے بعد طواف وداع کیا اور نفل طواف نہ پڑھے مدینہ منورہ روانہ ہوگئے، جب دن چڑھ گیا تو وہ نفل جنگل میں پڑھے، یہ حدیث امام صاحب کے مذہب کی بہت تائید کرتی ہے، اگر اس وقت نفل جائز ہوتے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بغیر طواف کے نفل پڑھے وہاں سے روانہ نہ ہوتے ۱۲

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہری میں سورج ڈھلنے تک نماز سے منع فرمایا سواء جمعہ کے دن	

	کے ۱؎(شافعی)

۱؎ یہ حدیث محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے حتی کہ ابن حجر جو شافعی مذہب ہیں وہ بھی فرماتے ہیں وَفِی سَنَدِہٖ مَقَالٌ دیکھو مرقاۃ واشعۃ اللمعات وغیرہ،چنانچہ اس کی اسناد یہ ہے کہ عن ابراھیم عن اسحاق ابن عبداللہ عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ،یہ ابراہیم ابن محمد ابن یحیٰی اسلمی ہیں اور یہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔(مرقاۃ)اور دوپہر کے وقت مطلقًا نماز ممنوع ہونے کی حدیثیں نہایت صحیح ہیں جو پہلے گزر گئیں،لہذا دوپہر کے وقت نہ جمعہ کے دن نماز جائز نہ اور دن یہی مذہب احناف کا ہے،امام شافعی کے ہاں جمعہ کے دن دوپہری میں نماز جائز ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالخلیل سے ۱؎ وہ حضرت ابو قتادہ سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہری میں سورج ڈھلنے تک نماز کو ناپسند کیا سوائے جمعہ کے دن کے اور فرمایا کہ دوزخ جھونکا جاتا ہے سواء جمعہ کے دن کے اور فرمایا ابوالخلیل ابو قتادہ سے نہ ملے ۲؎

۱؎ آپ کا نام صالح ابن ابی مریم ہے،تابعین میں سے ہیں۔
۲؎ یعنی ابوالخلیل اور ابو قتادہ کے درمیان کوئی راوی رہ گیا ہے خبر نہیں کہ فاسق ہے یا عادل،لہذا یہ حدیث منقطع اس سے دلیل نہیں پکڑ سکتے اور مذہب احناف بہت قوی ہے کہ جمعہ کے دن بھی دوپہری میں نماز ناجائز ہے اور جمعہ کی نماز زوال سے پہلے نہیں پڑھ سکتے ۱۲

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ صنابحی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورج یوں طلوع ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ شیطان کے سینگ ہوتے ہیں پھر جب بلند ہو جاتا ہے تو سینگ اس سے الگ ہو جاتے ہیں پھر جب استواء ہوتا ہے تو لگ جاتے ہیں پھر جب ڈھل جاتا ہے تو الگ ہو جاتے ہیں پھر جب ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے تو لگ جاتے ہیں جب ڈوب جاتا ہے تو الگ ہو جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھڑیوں میں نماز سے منع کیا ۲؎ (مالک،احمد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،صنابح ابن زاہر قبیلہ کی طرف منسوب ہیں اور ابو عبداللہ صنابحی تابعی ہیں۔بعض شارحین کو ان دو ناموں میں دھوکا پڑ جاتا ہے لہذا یہ حدیث متصل ہے مرسل نہیں۔
۲؎ اس کی شرح بارہا گزر چکی اس میں نہ جمعہ کا استثناء ہے نہ مکہ معظّمہ کا لہذا ہر جگہ ہر دن ان تینوں وقتوں میں نماز ناجائز ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قوی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبصرہ غفاری سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخمص میں عصر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے اگلوں پر پیش کی گئی تھی انہوں نے اسے ضائع کردیا۱؎ تو جو اس پر پابندی کرے گا اس دوہرا ثواب ہوگا۲؎ اور اس کے بعد تارے نکلنے تک نماز نہیں،شاہد تارا ہے۔(مسلم)

۱؎ یعنی پچھلی امتوں پر بھی نماز عصر فرض تھی مگر وہ اسے چھوڑ بیٹھے اور عذاب کے مستحق ہوئے تم ان سے عبرت پکڑنا۱۲

۲؎ ایک نماز پڑھنے کا اور دوسرے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا وہ بھی عبادت ہے ۱۲

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں تم ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے لیکن ہم نے آپ کو وہ پڑھتے نہ دیکھا۱؎ بے شک اس سے منع کیا یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں ۲؎(بخاری)

۱؎ نماز سے مراد دو رکعتیں ہیں کیونکہ یہ کم سے کم نماز ہے،حنفیوں کے ہاں ایک رکعت کو نماز ہی نہیں کہتے۔مطلب یہ ہے کہ اے تابعین تم عصر کے بعد دو نفل پڑھنے لگے ہم نے یہ نفل پڑھتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا۔خیال رہے کہ یہاں دیکھنے کی نفی ہے،نہ کہ حضور کے پڑھنے کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد عصر تنہائی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے تاکہ صحابہ نہ دیکھیں نہ آپ کی اس میں اقتداء کریں ۱۲

۲؎ طحاوی شریف میں ہے کہ اس نماز کی ممانعت میں متواتر المعنی حدیثیں آئیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم نے اس پر ہی عمل کیا کہ نہ خود پڑھیں نہ کسی کو پڑھنے کی اجازت دی۔حتی کہ حضرت عمر اس پر سزا دیتے تھے۔**فتح القدیر** میں ہے کہ عمر فاروق نے اس نفل پڑھنے والوں کو صحابہ رضی اللہ عنھم کی موجودگی میں سزا دی اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا لہذا اس کی ممانعت پر اجماع ہوگیا ۱۲

	روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ انہوں نے کعبے کے زینے پر چڑھ کر فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا تو میں جندب ہوں۱؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فجر کے بعد آفتاب نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز نہیں مگر مکہ میں،مگر مکہ میں مگر مکہ میں ۲؎(احمد،رزین)

۱؎ کیونکہ آپ صداقت میں مشہور تھے۔اس لیے آپ نے پہلے اپنا نام بتایا تاکہ اس حدیث میں شک و شبہ نہ رہے۔

۲؎ یعنی مکہ معظّمہ میں ہر وقت نفل جائز،امام ابن ھمام اور ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ حدیث چار وجہ سے مجروح ہے:ایک یہ کہ اس کی اسناد میں حضرت مجاہد اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی راوی چھوٹ گیا لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔دوسرے یہ کہ ابن موئل راوی ضعیف ہیں۔تیسرے یہ کہ اس میں حمید مولا عفراء ہیں یہ بھی ضعیف ہیں۔چوتھے یہ کہ اس کی اسناد میں اضطراب ہے حتی کہ حضرت ابن حجر شافعی نے بھی تسلیم کیا کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے قابل حجت نہیں مگر فرمایا کہ چونکہ اس حدیث کو اس حدیث سے قوت پہنچتی

ہے کہ اے عبد مناف کی اولاد حرم میں لوگوں کو کسی وقت نماز و طواف سے منع نہ کرو لہٰذا یہ حدیث قابل عمل ہوگئی مگر ہم اس حدیث کی شرح میں عرض کرچکے ہیں کہ وہ لوگ دنیاوی اغراض کی خاطر بعض وقت حرم شریف کو بند کردیتے ہیں اس لیے انہیں اس بند کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو نہ منع کرو، یہ نہ فرمایا کہ انہیں شریعت منع نہیں کرتی ۱۲

باب الجماعة وفضلها

جماعت اور اس کی فضیلت کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یعنی جماعت کے آداب واحکام اور اس کی زیادتی ثواب کا ذکر۔خیال رہے کہ جمعہ اور عیدین کے لیے جماعت فرض ہے، تہجد وغیرہ نوافل کے لیے اہتمام سے جماعت مکروہ، نماز پنجگانہ کے لیے حق یہ ہے کہ جماعت واجب۔جن لوگوں نے فرمایا سنت ہے ان سب کا مطلب یہ ہے کہ سنت سے ثابت ہے، بعض علماء نے فرض عین مانا بعض نے فرض کفایہ۔یہ بھی خیال رہے کہ جماعت علیحدہ چیز ہے اور مسجد کی حاضری علیحدہ، یہ بھی ضروری ہے۔اس کے باقی احکام کتب فقہ میں دیکھو ۱۲

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جماعت کی نماز اکیلی نماز پر ستائیس درجے افضل ہے ۱(مسلم،بخاری)	

۱ بعض روایات میں ۲۵ ہے اور بعض میں ۵۰ یہ اختلاف جماعت کی زیادتی کمی اور نمازیوں کے تقویٰ وطہارت کی بناء پر ہوسکتا ہے،بڑی جماعت کا ثواب بڑا اور عالم و متقی امام کے پیچھے ثواب زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں تو جمع کی جائیں پھر نماز کا حکم دوں کہ اس کی اذان دی جائے پھر کسی کو حکم دوں وہ لوگوں کی امامت کرے پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں ۱ جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے ۲ ان کے گھر جلادوں ۳ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر ان میں سے کوئی جانتا کہ وہ چکنی ہڈی یا دو اچھے کُھر پائے گا تو عشاء میں ضرور آتا ۴(بخاری)اور مسلم کی روایت اس کی مثل ہے۔	

۱ یعنی نماز کی جماعت قائم کرا کر خود تحقیقات کے لیے محلے میں جاؤں۔اس سے معلوم ہوا کہ امام اور سلطان دینی ضرورت کے وقت جماعت چھوڑ سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تشریف لے جانا تبلیغ کے لیے ہوتا۔

۲؎ یعنی بلاعذر، لہٰذااس سے چھوٹے بچے، عورتیں معذور بیمار علیٰحدہ ہیں۔ یہاں روئے سخن منافقین کی طرف ہے کیونکہ کوئی صحابی بلاوجہ جماعت اور مسجد کی حاضری نہیں چھوڑتے تھے۔ لہٰذا روافض کا یہ کہنا کہ صحابہ فاسق یا تارک جماعت تھے غلط ہے، رب نے ان کے تقویٰ اور جنتی ہوئے کی گواہی دی اگر یہاں صحابہ مراد ہوں تو حدیث قرآن کے خلاف ہو گی ۱۲

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جماعت کی نماز بھی واجب ہے اور مسجد کی حاضری بھی، کیونکہ نور مجسم رحمت عالم سراپا اخلاق تارکین جماعت کے گھر جلانے کا ارادہ فرمارہے ہیں۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کو گھر بار جلانے کی سزا نہ دی جائے سوائے تارک جماعت کے کہ سلطان اس کو یہ سزا دے سکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بڑے اہم ہیں ۱۲

۴؎ یعنی ان لوگوں کے نزدیک جماعت اور مسجد کی حاضری دنیوی معمولی نفع کے برابر بھی نہیں کہ تھوڑے نفع کے لیے جاگ بھی لیں سفر بھی کرلیں مشقتیں بھی اٹھالیں مگر جماعت کے لیے مسجد میں آتے جان نکلتی ہے۔ اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو امام بن کر پیسوں اور روٹیوں کے لیے تو نمازی ہو جائیں اور امامت سے الگ ہو کر جماعت تو کیا نماز بھی چھوڑ دیں ۱۲

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نابینا شخص حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس کوئی لانے والا نہیں جو مجھے مسجد تک لائے اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ انہیں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں حضور نے انہیں اجازت دے دی جب انہوں نے پیٹھ پھیری تو بلایا اور فرمایا کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو عرض کیا ہاں فرمایا تو قبول کرو ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی مؤذن کے بلاوے کو قبول کرو اور مسجد میں حاضر ہو جاؤ۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچے وہاں تک کہ لوگوں کو مسجد میں آنا بہت ضروری ہے، وہ دور کے لوگ جہاں اذان نہ پہنچی ہو ان کے لیے بھی مسجد آنا بہت بہتر ہے مگر اتنی سختی نہیں، اس حدیث کا یہی مطلب ہے۔ "لَاصَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّافِی الْمَسْجِد"۔ دوسرے یہ کہ ہر بیماری عذر نہیں جو جماعت یا مسجد کی حاضری کو معاف کردے بلکہ وہ بیماری عذر ہے جس سے مسجد میں آنا ناممکن یا سخت مشکل ہو جائے، دیکھو نابینا ہیں بیمار ہیں مگر انہیں حاضری کا حکم ہوا، بعض روایات میں ہے کہ عتبان ابن مالک نابینا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نہ آنے کی اجازت دے دی یا تو ان کا گھر دور ہو گا جہاں اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو گی یا ان کا راستہ اتنا خراب ہو گا کہ بغیر ساتھی کے مسجد نہ پہنچ سکیں اور ساتھی کوئی ہو گا نہیں، لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اذان کی آواز پہنچے سے مراد آج کل کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز نہیں یہ تو دو دو میل تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض علماء نے ان احادیث کی بناء پر جماعت کو فرض عین مانا مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث ظنی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ انہوں نے ایک ٹھنڈی اور ہوا والی رات میں نماز کی اذان کہی پھر فرمایا کہ گھروں میں نماز پڑھ لو پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ٹھنڈی اور بارش والی رات ہوتی تو مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ یوں کہے کہ نماز گھروں میں پڑھ لو ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ اذان کے بعد کہلوایا جاتا تھا نہ کہ دوران اذان اور یہ امر اباحت کا ہے یعنی گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے بارش کی رات میں گھر میں نماز پڑھ سکتے ہو اجازت ہے مگر مسجد کی حاضری اور جماعت کی شرکت بہت ثواب کا باعث،اسی لیے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤذن اور جلیل القدر صحابہ خود تو مسجد میں آجاتے تھے اور اعلان یہ کراتے تھے۔عزیمت پر عمل ہے اور رخصت کا اعلان۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کا کھانا سامنے رکھا جائے اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو کھانے سے ابتداء کرو اور کھانے سے فارغ ہونے تک جلدی نہ کرے ۱؎ اور حضرت ابن عمر کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز کی تکبیر ہوتی تو کھانے سے بغیر فارغ ہوئے نماز کو نہ آتے حالانکہ آپ امام کی قرأت سنتے ہوتے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم اس صورت میں ہے جب بھوک تیز ہو اور نماز کے وقت میں گنجائش ہو۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ میرا کھانا نماز بن جائے یہ اچھا مگر میری نماز کھانا بن جائے یہ برا لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ کھانے کے لیے نماز مت چھوڑو۔
۲؎ یعنی مسجد سے بہت قریب ہوتے حتی کہ قرأت کی آواز کانوں میں پہنچتی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تو کھانے کی موجودگی میں نماز ہوتی ہے نہ اس حالت میں کہ نمازی کو پیشاب پاخانہ دفع کرنے ہوں ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہاں کمال نماز کی نفی ہے،یعنی جب بھوک کی تیزی یا پیشاب پاخانہ کی حاجت کی وجہ سے نماز میں دل نہ لگے تو نماز کامل نہیں،قے،درد وغیرہ تمام عوارض کا یہی حکم ہے حتی کہ اگر دوران نماز یہ عارضے پیش آجائیں تو نماز توڑ دے بعد فراغت دوبارہ پڑھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی تکبیر ہو تو سوائے فرائض کے اور کوئی نماز نہیں ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی تکبیر نماز کے بعد جماعت سے متصل دوسری نماز پڑھنا حرام ہے،لہٰذا فجر کی سنتیں اس حالت میں جماعت سے دور ہٹ کر پڑھ سکتا ہے جب کہ جماعت مل جانے کے امید ہو کیونکہ یہ سنتیں بہت اہم ہیں حتی کہ علماء نے فرمایا کہ بڑا مفتی جسے فتوؤں کا کام بہت رہتا ہو وہ تمام سنتیں چھوڑ سکتا ہے سوائے سنت فجر۔(مرقاۃ) نیز صاحب ترتیب پہلے قضاء نماز پڑھے پھر جماعت سے ملے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد آنے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لیے تھا جب عورتوں کو مسجد میں حاضری کی اجازت تھی،عہد فاروقی سے اس کی ممانعت کردی گئی کیونکہ عورتوں میں فساد بہت آگیا،اب فی زمانہ عورتوں کو باپردہ مسجدوں میں آنے اور علیحدہ بیٹھنے سے نہ روکا جائے،کیونکہ اب عورتیں

سینماؤں، بازاروں میں جانے سے تو رکتی نہیں، مسجدوں میں آکر کچھ دین کے احکام سن لیں گی، عہد فاروقی میں عورتوں کو مطلقًا گھر سے نکلنے کی ممانعت تھی۔

روایت ہے زینب زوجہ عبداللہ ابن مسعود سے فرماتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۱(مسلم)	

۱؎ کیونکہ یہ فتنہ کا سبب ہے ایسے ہی چمکدار اور خوبصورت برقعہ پہن کر نہ آوے لوگوں کے درمیان نہ چلے سڑک کے کنارے دیوار سے ملی ہوئی جائے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت دھونی کی خوشبو لے وہ ہمارے ساتھ دوسری عشاء میں حاضر نہ ہوئے۱(مسلم)	

۱؎کیونکہ اس وقت اندھیرا ہوتا ہے،فساد کا خطرہ زیادہ ہے۔معلوم ہوا کہ اس زمانے میں بھی عورتوں کو نہایت سخت پابندیوں کے ساتھ مسجدوں میں آنے کی اجازت تھی حالانکہ وہ زمانہ خیر تھا،دھونی کی خوشبو کپڑوں میں نہایت معمولی بستی ہے مگر اس پر بھی انہیں نکلنے سے منع کیا گیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنی بیویوں کو مسجدوں سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں ۱(ابوداؤد)	

۱؎یعنی اس زمانہ میں بھی عورتوں کے لیے گھر میں ہی نماز افضل قرار دی گئی اگرچہ مسجدوں میں آنا جائز تھا اس حکم سے حج و عمرہ کا طواف مستثنٰی تھا۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی نماز اپنے گھر میں صحن میں نماز سے افضل ہے ۱؎اور اس کی نماز کوٹھڑی میں، گھر میں نماز سے افضل ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یہاں حجرے سے مراد صحن ہے کیونکہ اس کی طرف حجرے کے دروازے ہوتے ہیں اس لیے مجازًا اسے حجرہ کہہ دیا گیا۱۲

۲؎ مخدع سامان کی کوٹھڑی کو کہتے ہیں یہ خدع سے ہے،بمعنی چھپانا اور بیت رہنے کی کوٹھڑی کو کہتے ہیں بیتوتت سے ہے،بمعنی شب گزارنا، سامان کی کوٹھڑی دوسری کوٹھڑی کے پیچھے ہوتی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ عورت کے لیے پردہ بہت اعلٰی ہے لہذا جس قدر پردے میں نماز پڑھے گی اسی قدر بہتر ہوگا۱۲

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں جو مسجد کے لیئے خوشبو لگائے۱ جب کہ جنابت کے غسل کی طرح غسل کرے۲ (ابوداؤد) احمد و نسائی نے اسکی مثل۔

۱ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو گھر میں خوشبو لگانا منع نہیں جب کہ وہ اجنبی مردوں کو نہ پہنچے ۱۲

۲ یعنی خوشبو اگر سارے بدن پر ملی ہوئی ہے تو اس قدر مل کر نہائے جیسے جنابت میں نہاتی ہے تاکہ خوشبو کا اثر بالکل جاتا رہے تب نماز کو آئے ۱۲

	روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر آنکھ زناکار ہے۱ اور عورت جب خوشبو لگا کر مجلس پر گزرے تو وہ ایسی ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۲ (ترمذی) ابوداؤد اور نسائی کی روایت اسی طرح ہے۔

۱ یعنی جو آنکھ ارادۃً اجنبی عورت کو دیکھے وہ زانیہ ہے، کیونکہ آنکھ کا زنا نظر بد ہے اور یہ بڑے زنا کا ذریعہ ہے۔

۲ کیونکہ وہ اس خوشبو کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے، چونکہ اسلام نے زنا کو حرام کیا اس لیے زنا کے اسباب سے روکا، طاعون سے بچنے کے لیے چوہے مارے جاتے ہیں۔ بخار روکنے کے لیے زکام دفع کیا جاتا ہے، فی زمانہ چونکہ زنا عیب نہیں سمجھا جاتا ہے اس لیے اسباب زنا بھی شائع ہیں ۱۲

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں ایک دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر جب سلام پھیرا تو فرمایا کیا فلاں حاضر ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا کیا فلاں حاضر ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں ۱ فرمایا یہ دونوں نمازیں منافقوں پر دوسری نمازوں سے بھاری ہیں ۲ اور اگر تم جانتے کہ ان میں کیا ثواب ہے تو گھٹنوں پر گھسٹتے ہوئے بھی ان میں پہنچتے ۳ اور پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے ۴ اور اگر جانتے کہ اس کی بزرگی کیا ہے تو اس میں جلدی کرتے اور مرد کی نماز ایک مرد کے ساتھ اکیلے نماز سے بہتر ہے اور دو مردوں کے ساتھ نماز ایک مرد کے ساتھ کی نماز سے بہتر ہے جس قدر لوگ زیادہ ہوں اسی قدر خدا کو پیارے ہیں ۵ (ابوداؤد، نسائی)

۱ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سلطان کا اپنی رعایا کی، شیخ کا مریدین کی، استاذ کا شاگردوں کی، حاکم کا ماتحتوں کی نگرانی کرنا سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض مدرسوں میں طلباء کی مدرسہ اور نماز میں حاضری لی جاتی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا اپنی بے علمی کی وجہ سے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو علی مرتضٰی سے فرمایا تھا کہ فلاں باغ میں ایک

عورت ہے اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ یا اس پہاڑ کے پیچھے ایک حبشی پانی لے کر جارہا ہے اسے پکڑ لاؤ یا ان دو قبروں میں چغل خور اور چرواہا مدفون ہیں وہ فلاں فلاں گناہ کرتے تھے اس لئے وہ عذاب میں گرفتار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے کوئی شے مخفی نہیں، یہ تحقیقات حاضرین کو آئندہ متنبہ کرنے اور غائبین کو حاضر کرنے کے لیے ہے تاکہ کوئی جماعت سے غیر حاضر نہ رہے ۱۲

۲؎ فجر وعشاء کی نمازیں خصوصًا جماعت کے ساتھ۔ معلوم ہوا کہ یہاں روئے سخن منافقوں کی طرف ہے کوئی صحابی بغیر سخت مجبوری جماعت سے غیر حاضر نہ ہوتے تھے۔ خیال رہے کہ منافقین پر ظاہری کلمہ خوانی کی وجہ سے شرعی احکام جاری تھے اس لیے انہیں جماعت وغیرہ چھوڑنے پر ملامت کی جاتی تھی جیسے کہ قرآن شریف میں ان پر جہادوں میں شرکت نہ کرنے پر سخت عتاب فرمایا گیا لہٰذا یہ حدیث پر اعتراض نہیں کہ منافق تو در پردہ کافر تھے ان پر نماز فرض ہی کب تھی۔

۳؎ یہاں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صحابہ سے، صحابہ تو اس ثواب کو جانتے تھے اور بیماری کی حالت میں دو شخصوں کے کندھے کے سہارے مسجد میں پہنچتے تھے جیسا کہ آگے آرہا ہے ۱۲

۴؎ اللہ سے قریب ہونے اور شیطان سے دور ہونے میں، مگر یہ مردوں کے لیے ہے عورتوں کی صف آخری افضل، کیونکہ مردوں سے دور ہوتی ہیں، اب مسجد نبوی شریف میں جو صف روضۂ مطہر سے زیادہ قریب ہوگی، افضل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھوں سے قرب بھی اچھا کیونکہ پہلی صف امام کے قرب کی وجہ سے افضل ہے

۵؎ اس حدیث نے ان تمام احادیث کی شرح کردی جن میں مساجد اور جماعت کے ثواب مختلف ہیں۔ جتنی بڑی جماعت اتنا بڑا ثواب۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اور دو اگرچہ لغۃً جماعت نہیں مگر حکمًا جماعت ہیں۔ دو آدمی بھی الگ الگ نماز نہ پڑھیں، ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ محلے کی مسجد سے جامع افضل، ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر شرط یہ ہے کہ محلے کی مسجد ویران نہ ہو جائے۔

	روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور ان میں نماز کی جماعت نہ کی جائے تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے۱؎ تم پر جماعت لازم ہے بھیڑیا دور والے جانور ہی کو کھاتا ہے۲؎ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

۱؎ کہ انہیں دوسرے ذکر واذکار سے بھی روک دیتا ہے معلوم ہوا کہ نماز چھوڑنا غفلت کا دروازہ ہے۔

۲؎ کیونکہ وہ چرواہے کی نگاہ سے دور ہو جاتا ہے ایسے ہی جماعت کا تارک جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے محروم ہو جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مؤذن کی اذان سنے اور اس کی اطاعت سے کوئی عذر منع نہ کرے لوگوں نے کہا عذر کیا ہے فرمایا ڈر یا بیماری تو اس کی وہ نماز قبول نہ ہوگی جو گھر میں پڑھے۱؎ (ابوداؤد) اور دارقطنی۔

۱؎ ڈر سے مراد دشمن یا موذی جانور کا خوف ہے جو گھر یا مسجد کے درمیان حائل ہو۔ مرض سے مراد وہ بیماری ہے جو مسجد میں آنے سے روکے، ان دونوں حالتوں میں گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے لیکن اگر کوئی ان صورتوں میں بھی بتکلف مسجد میں پہنچ جائے تو ثواب

پائے گا جیسا کہ اگلی روایتوں میں آرہا ہے کہ صحابہ کبار سخت بیماری میں بھی دوسروں کے کندھوں پر مسجد میں آتے تھے،یہ عزیمت پر عمل تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تارک جماعت کی نماز شرعًا جائز ہوگی اگرچہ عنداللہ قبول نہ ہو،نماز جمعہ وعیدین اکیلے جائز ہی نہیں ان کے لیے جماعت شرطِ جواز ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ارقم سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب نماز کی تکبیر ہو اور تم میں سے کوئی پاخانے کی حاجت پائے تو پہلے پاخانے جائے ۲؎(ترمذی)مالک اور ابوداؤد و نسائی نے اس کی مثل)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،فتح مکہ کے سال ایمان لائے،کاتب وحی رہے،حضرت صدیق وفاروق کے کاتب،عثمان غنی کے بیت المال کے منتظم تھے مگر اجرت کبھی نہ لی۔

۲؎ تاکہ نماز اطمینان سے ادا ہو۔معلوم ہوا کہ یہ عذر بھی ترک جماعت کو مباح کردیتا ہے بلکہ اگر دوران نماز یہ حاجت پیش آجائے تو نماز توڑنا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین کام وہ ہیں جو کسی کو کرنا جائز نہیں ایسا شخص قوم کی امامت ہرگز نہ کرے کہ دعا میں اپنے آپ کو خاص کرے انہیں چھوڑ کر ۱؎ اگر ایسا کیا تو ان کی خیانت کی اور اجازت سے پہلے کسی گھر میں نہ جھانکے اگر ایسا کیا تو ان کی خیانت کی ۲؎ اور پیشاب پاخانے سے بھاری آدمی نماز نہ پڑھے حتی کہ ہلکا ہوجائے۔(ابوداؤد)ترمذی نے اس کی مثل۔	

۱؎ یعنی نماز کے بعد صرف اپنے لئے دعا کرے یا اس طرح کہ صاف کہے کہ خدایا مجھ پر رحم کر نہ کہ کسی اور پر یا اس طرح کہ ساری دعاؤں میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرے کوئی صیغہ جمع کا نہ بولے،امام کے لیے یہ دونوں کام سخت منع ہیں ہاں اگر بعض دعائیں جمع کے صیغہ سے مانگے اور بعض واحد کے صیغہ سے تو مضائقہ نہیں(مرقاۃ)لہذا اگر ایک دعا بھی جمع کے صیغہ سے مانگی باقی واحد کے صیغوں سے تو حرج نہیں چنانچہ امام یہ دعا مانگ سکتا ہے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ" یا یہ دعا "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ" الخ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں سکھائی ہیں اور منقول دعاؤں میں الفاظ کی پابندی ہوتی ہے۔خیال رہے کہ امام ساری قوم کی نمازوں اور دعاؤں کا امین ہے اسی لیے ایسے امام کو خائن کہا گیا۔

۲؎ گھر سے مراد عام گھر ہیں خواہ اس میں آدمی رہتے ہوں یا کسی کا سامان موجود ہو۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے دیر نہ لگاؤ ۱؎	

۱؎ اس کے تین مطلب ہوتے ہیں:ایک یہ کہ کھانے کی تیاری کے انتظار میں نماز میں دیر مت کرو،دوسرے یہ کہ کھانے کی وجہ سے قضا نہ کردو لہذا اگر کھانا سامنے ہو مگر نماز کا وقت جارہا ہو تو نماز پہلے پڑھو،تیسرے یہ کہ حکم اس کے لیے ہے جسے بھوک نہ لگی ہو اور نماز میں

اسے کھانے کا دھیان نہ آئے لہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جہاں فرمایا گیا کہ جب کھانا اور نماز حاضر ہوں تو پہلے کھانا کھاؤ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے صحابہ کو اس طرح دیکھا ہے کہ نماز کے پیچھے نہیں رہتا تھا مگر وہ منافق جس کا نفاق معلوم ہو یا بیمار۱؎ بیمار بھی دو شخصوں کے درمیان چلتا حتی کہ نماز میں آتا۲؎ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنت ہدی سکھائیں اور سنت ہدی میں سے اس مسجد میں نماز پڑھنا بھی ہے جس میں اذان ہو۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ کل اللہ سے مسلمان ہو کر ملے تو وہ ان پانچ نمازوں پر وہاں پابندی کرے جہاں اذان دی جاتی ہے۴؎ کیونکہ اللہ نے تمہارے نبی کے لیے سنت ہدی مشروع کیں اور یہ نمازیں بھی سنت ہدیٰ سے ہیں۵؎ اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو جیسے کہ یہ پیچھے رہنے والے گھر میں پڑھ لیتے ہیں تو تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر اپنے نبی کی سنت چھوڑو گے تو گمراہ ہوجاؤ گے۶؎ ایسا کوئی شخص نہیں جو خوب طہارت کرے پھر ان مسجدوں میں سے کسی مسجد کا ارادہ کرے مگر اللہ اس کے لیئے ہر قدم کے عوض جو ڈالتا ہے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے۷؎ ہم نے اپنی جماعت کو دیکھا کہ نماز سے وہ منافق ہی پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق معلوم ہو، بعض آدمیوں کو دو شخصوں کے درمیان لایا جاتا تھا حتی کہ صف میں کھڑا کیا جاتا۸؎ (مسلم)

۱؎ اس حدیث نے گزشتہ عتاب کی احادیث کو واضح کردیا کہ وہاں خطاب منافقوں سے تھا کیونکہ صحابہ نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے۔مریض سے وہ بیمار مراد ہے جو کسی طرح مسجد میں نہ پہنچ سکے نہ چل کر نہ کسی کے کندھوں پر جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ یہ صحابہ کا عزیمت پر عمل ہے کہ جن میں خود چلنے کی طاقت نہ ہوتی وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس طرح مسجد میں آتے کہ پاؤں زمین پر گھسٹتے ہوتے جیسا کہ بعض احادیث میں صراحۃً آیا۔ایسی حالت میں رخصت ہے کہ گھر پڑھ لے۔سبحان اللہ!

۳؎جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کریمہ کے طور پر کیئے وہ سنت زوائد ہیں جیسے بالوں میں کنگھی کرنا،کدو رغبت سے کھانااور جو کام عبادۃً کیئے وہ سنت ہدیٰ ہیں۔سنت ہدیٰ کی دو قسمیں ہیں:مؤکدہ اور غیر مؤکدہ،جو کام حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیشہ کیئے وہ مؤکدہ ہیں اور اگر ان کا حکم بھی دیا وہ واجب اور جو کام کبھی کبھی کیئے وہ غیر مؤکدہ ہیں لہٰذا جماعت کی نماز اور مسجد میں حاضری،حق یہ ہے کہ دونوں واجب ہیں۔

۴؎یعنی جہاں جماعت ہوتی ہے کیونکہ اذان جماعت ہی کے لیے ہوا کرتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجد اور جماعت کی پابندی کرنے والے کو ان شاء اللہ ایمان و تقویٰ پر خاتمہ نصیب ہوگا،یہ حدیث ان کے لیئے بڑی بشارت ہے۔

۵؎یعنی پنجگانہ نمازیں مسجد میں باجماعت سنت ہدیٰ میں سے ہیں۔

۶؎مرقاۃ وغیرہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم گھروں میں باجماعت بھی نماز پڑھ لو تب بھی حاضری مسجد کی سنت کے تارک ہو۔ھٰذَا الْمُتَخَلِّفُ میں کسی خاص منافق کی طرف اشارہ ہے جو تارک جماعت تھا۔خیال رہے کہ جماعت واجب ہے،اسے یہاں سنت فرمانا اس لئے ہے کہ سنت سے ثابت ہے۔

۷؎یہ خوش خبریاں اس کے لیے ہیں جو گھر سے وضو کرکے مسجد کو جائے اور بہتر یہ ہے کہ درود شریف پڑھتا یا کوئی اور ذکر کرتا ہوا جائے جیسا کہ "باب المساجد" میں عرض کیا جاچکا ہے۔

۸؎ اس کی شرح پہلے گزر گئی،صحابہ میں یہ عمل کیوں نہ ہوتا،انہوں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بیماری کی حالت میں اس طرح مسجد میں آتے دیکھا تھا۔خیال رہے کہ عاشق کو محبوب کی ہر ادا پیاری ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے پیارے ہیں اور جماعت کی نماز،مسجد کی حاضری،مسواک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری۔مومن کی پہچان یہ ہے کہ اسے یہ چیزیں پیاری ہوں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری کام مسواک کیا کہ مسواک کرکے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اگر گھروں میں عورتیں بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ وہ گھروں کی چیزوں کو آگ سے جلادیں ۱؎(احمد)

۱؎ اس طرح کہ مسجد میں نہ آنے والوں کے گھروں میں آگ لگادیں،اس کی شرح پہلے گزر چکی۔خیال رہے کہ اگر ایسا واقعہ ہوتو جن نوجوانوں کو سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم آگ لگانے بھیجتے ان پر نماز معاف ہوتی کیونکہ نجات تو حکم عالی کی اطاعت میں ہے۔جماعت کا حکم دیں تو جماعت واجب،اگر جماعت چھوڑنے کا حکم دیں تو چھوڑنا واجب قسم رب کی اگر وہ ترک نماز سے راضی ہیں تو ترک نماز عبادت ہے اور اگر کسی کی نماز سے ناراض ہیں تو اس کے لیے وہ نماز حرام،مولٰینا فرماتے ہیں شعر

ہرچہ گیرد علتی علت شود   کفر گیرد ملتے ملت شود

اس کی نہایت نفیس اور لذیذ تحقیق ہماری کتاب سلطنت "مصطفٰے" میں دیکھو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں ہو اور نماز کی اذان دی جائے تو

	تم میں سے کوئی نماز پڑھے بغیر نہ نکلے ا

ا اس کی شرح آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔یہ حکم اس کے لیے ہے جس نے ابھی نماز نہ پڑھی ہو اور بلا عذر مسجد سے جائے واپسی کا ارادہ نہ ہو لہٰذا جو نماز پہلے ہی پڑھ چکا ہے، پھر اذان ہوئی وہ مسجد سے جاسکتا ہے،ایسے ہی اذان کے بعد استنجاء وغیرہ کرنے پھر لوٹنے کے ارادے سے جاسکتا ہے،ایسے ہی اگر یہ دوسری مسجد کا امام یا جماعت کا منتظم ہو۔

	روایت ہے حضرت ابوشعشاء سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ا (مسلم)

ا کہ اسے مسجد میں ٹھہرنا اور جماعت میں شریک ہونا چاہیئے تھا۔یہاں یہ شخص ان عذروں کے بغیر گیا ہوگا جو پہلے عرض کئے گئے اس لیے آپ نے یہ فرمایا۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اذان مسجد میں پالے پھر وہ نکل جائے نہ نکلا ہو کسی کام کے لیئے نہ وہ لوٹنے کا ارادہ کرتا ہو وہ منافق ہے ا (ابن ماجہ)

ا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہاں بھی وہی مراد تھا جو بلاضرورت جائے اور واپسی کا ارادہ نہ ہو دوسری جگہ امامت بھی حاجت میں داخل ہے اسی طرح اب ریل کا وقت ہونا یا ایسی ہی اور دنیوی حاجت اس میں شامل ہے،یہاں منافق سے مراد منافق عملی ہے،یعنی ایسا شخص منافقوں کے سے کام کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو اذان سنے پھر اسے بلا عذر قبول نہ کرے تو اس کی نماز نہیں ا (دارقطنی)

ا یعنی اس کی نماز قبول نہیں یا کامل نہیں،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کی حاضری وہاں تک کے لوگوں پر واجب ہے جہاں تک اذان کی آواز پہنچے،اس کے ماسواء جگہ سے مسجد میں آنا بھی بڑی اعلیٰ عبادت ہے، صحابہ کرام قباء شریف سے جو کہ مدینہ سے تین میل دور ہے مسجد نبوی میں نماز کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔خیال رہے کہ یہ احکام جب ہیں جب وہاں کا امام بدمذہب نہ ہو، مرزائیوں چکڑالویوں وغیرہم کی اذان کا یہ حکم نہیں،دیکھو مسجد ضرار کا حکم کیا ہوا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ مدینہ بہت کیڑوں اور درندوں والا ہے ا اور میں نابینا ہوں تو کیا آپ میرے لیے اجازت پاتے ہیں ۲ فرمایا کیا تم "حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح" سنتے ہو ۳ عرض کیا ہاں فرمایا آؤ اور انہیں اجازت نہ دی ۴ (ابوداؤد، نسائی)

۱؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے،مدینہ منورہ وباؤں اور بیماریوں کا گھر تھا،آپ کے قدم پاک نے وہاں سے وباؤں کو نکال کر وہاں کی مٹی کو بھی شفا بنادیا،فرماتے ہیں "تُرْبَةُ اَرْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا" ہمارے مدینہ کی مٹی بیماروں کو شفا دیتی ہے لیکن اولًا بچھو کچھ سانپ اور بھیڑیے وغیرہ رہے بعد میں اللہ نے ان چیزوں سے زمین مدینہ کو قریبًا صاف کردیا یعنی یثرب کو طیبہ بنادیا۔چنانچہ فقیر نے وہاں دیکھا کہ دیوانے کتے،بھیڑیئے،سانپ قریبًا نہیں البتہ بچھو دیکھے جاتے ہیں۔یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب وہاں یہ موذی چیزیں موجود تھیں۔

۲؎ اس بات کی کہ میں ان عذروں کی وجہ سے مسجد میں حاضر نہ ہوا کروں اور گھر میں نماز پڑھ لیا کرو۔

۳؎ اس سے مراد پوری اذان ہے مگر نماز کے بلاوے کے یہ دو ہی لفظ ہیں اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔(مرقاۃ)

۴؎ کیونکہ ان کے پاس کوئی لانے والا موجود تھا اور گھر بھی ان کا مسجد سے قریب تھا جس نابینا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی حاضری معاف فرمائی ہے ان کے پاس کوئی لانے والا نہ تھا لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد سے قریب رہتے ہوئے نابینا پر بھی مسجد کی حاضری معاف نہیں،افسوس ان لوگوں پر بلاوجہ عذر مسجد میں نہ آئیں۔

روایت ہے حضرت ام درداء سے فرماتی ہیں ایک بار میرے پاس ابودرداء غصے میں آئے میں نے کہا آپ کو کس چیز نے غصہ دلایا فرمایا اللہ کی قسم میں محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کاموں میں سے صرف یہ پاتا ہوں کہ وہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں ۱؎(بخاری)	

۱؎ ام الدرداء حضرت ابوالدرداء کی بیوی ہیں ان کا نام خیرہ ہے۔ابوالدرداء نے اپنے شہر والوں کی ان سے شکایت کی،اسی شہر والوں نے مسلمانوں کے سارے کام چھوڑ دیئے یا بدل دیئے صرف نماز باجماعت باقی تھی،اب ان میں بھی سستی کرنے لگے۔خیال رہے کہ حضرت ابوالدرداء بڑے زاہد،تارک الدنیا،روزہ دار،شب بیدار صحابی تھے حتی کہ ام الدرداء نے بناؤ سنگار چھوڑ دیا تھا،حضرت سلمان فارسی کے پوچھنے پر کہا کہ میں سنگار کس لیے کروں میرے خاوند کو عبادت سے فرصت ہی نہیں جو میری طرف توجہ کریں،آپ چاہتے یہ تھے کہ سارے مسلمان مجھ جیسے عابد وزاہد ہوں،جس شہر میں آپ تھے وہاں کے باشندے اس درجے کے زاہد نہ تھے،اس کی آپ شکایت کررہے ہیں کہ یہ لوگ نہ راتوں کو جاگتے ہیں نہ اشراق وغیرہ کی پابندی کرتے ہیں ہاں جماعت کے پابند ہیں تو اس میں بھی کمی کرنے لگے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ دین کی ساری باتیں چھوڑ چکے تھے جیسا کہ روافض نے اس حدیث سے سمجھا وہ زمانہ خیر القرون میں سے تھا،اس کی بہتری کی گواہی قرآن وحدیث دے رہے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوبکر ابن سلیمان ابن ابی حثمہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے صبح کی نماز میں سلیمان ابن ابی حثمہ کو نہ پایا ۱؎ پھر جناب عمر بازار تشریف لے گئے سلیمان کا گھر مسجد اور بازار کے درمیان تھا تو آپ سلیمان کی والدہ شفاء پر گزرے ان سے فرمایا کہ میں نے سلیمان کو فجر میں نہ پایا ۲؎ وہ بولیں وہ تمام رات نماز پڑھتے رہے پھر ان کی آنکھ لگ گئی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ میرا فجر	

کی جماعت میں حاضر ہوجانا تمام رات کھڑے رہنے سے مجھے زیادہ پیارا ہے۳؎(مالک)

۱؎ سلیمان مشہور تابعی ہیں،قرشی ہیں،عدوی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حاضرین مسجد کی تحقیق فرماتے تھے کہ کون نماز میں آیا اور کون نہیں۔

۲؎ کیاوہ بیمار ہیں یا کہیں سفر میں چلے گئے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں کسی مسلمان کا جماعت میں نہ آنا اس کی بیماری یا سفر کی دلیل ہوتی تھی۔خیال رہے کہ حضرت شفاء کا نام لیلیٰ بنت عبداللہ تھا،شفاء لقب آپ مہاجرین اول میں سے تھیں بہت سے غزوؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں دوپہر کا آرام فرمایا کرتے تھے۔

۳؎ کیونکہ جماعت خصوصًا فجر کی نماز جماعت اہم واجب ہے اور رات کی عبادت تہجد وغیرہ نفل،نفل کی وجہ سے واجب نہیں چھوڑنا چاہیئے۔مسلم شریف میں ہے کہ جو عشاء جماعت سے پڑھے،اس نے گویا آدھی رات عبادت کی اور جو فجر جماعت سے پڑھے اس نے گویا تمام رات عبادت کی اور ترمذی میں ہے کہ جو فجر و عشاء جماعت سے پڑھے اس نے گویا تمام رات عبادت کی،ترمذی کی روایت پہلی حدیث کی تفسیر ہے،عطافرماتے ہیں کہ اگر تہجد کی وجہ سے فجر کی جماعت جائے تو تہجد چھوڑ دو۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو اور دو سے زیادہ جماعت ہیں ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اگر کہیں دو مسلمان بھی ہوں تو ایک امام بن جائے اور ایک مقتدی جماعت کا ثواب پائیں گے کیونکہ یہ حکمًا جماعت ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر امام کے سوادو آدمی ہوں تو امام آگے کھڑا ہو کیونکہ یہ جماعت کے حکم میں ہیں بہر حال یہاں جماعت مراد ہے نہ کہ حقیقی بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث میراث کے متعلق ہے کہ دو وارثوں کا حصہ تین چار کے برابر ہی ہوتا ہے،چنانچہ ایک بیٹی کا آدھا اور دو یا زیادہ کا حصہ دو تہائی ہے،بہر حال اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو آدمیوں کی جماعت سے جمعہ یا عیدین ادا ہوجائیں،وہاں جماعت حقیقی درکار ہے یعنی امام کے سوا تین مقتدی۔

روایت ہے حضرت بلال ابن عبداللہ ابن عمر سے۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں کو ان کے مسجدوں کے حصوں سے نہ روکو جب تم سے اجازت مانگیں ۲؎ یوں بلال بولے کہ خدا کی قسم ہم تو روکیں گے ۳؎ تب ان سے حضرت عبداللہ نے کہا میں تو کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم کہتے ہو کہ ہم ان کو روکیں گے۔

۱؎ آپ عظیم الشان تابعی ہیں،مدنی ہیں،حضرت عبداللہ ابن عمر کے بیٹے ہیں۔آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

۲؎ یعنی انہیں بھی مسجدوں میں جاکر نماز پڑھنے دو تاکہ وہاں کا ثواب یہ بھی پائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر مسجد نہیں جاسکتی۔

۳؎ کیونکہ اب فتنوں کا زمانہ ہے ان کا گھروں سے نکلنا فساد سے خالی نہیں، یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لیے تھا۔یہی آپ کا مقصد تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کہ وہ تو کفر ہے۔غالبًا یہ گفتگو اس وقت کی ہے جب جناب عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد سے روک دیا تھا۱۲

	اور سالم کی روایت میں اپنے والد سے ۱؎ یوں ہے کہ فرمایا تب عبداللہ ان پر متوجہ ہوئے اور انہیں ایسی گالی دی جیسی گالی دیتے انہیں کبھی نہ سنا تھا ۲؎ اور فرمایا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دیتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ خدا کی قسم ہم تو انہیں منع کریں گے ۳؎ (مسلم)

۱؎ حضرت سالم بھی عبداللہ ابن عمر کے بیٹے اور بلال ابن عبداللہ کے بھائی ہیں ۱۲

۲؎ یعنی انہیں بہت برا بھلا کہا۔یہاں گالی سے یہی مراد ہے نہ کہ ماں بہن کی فحش گالی کہ وہ تو عامۃ المسلمین کی شان کے خلاف ہے، چہ جائیکہ صحابی، حدیث شریف میں ہے "لَاتَسُبُّوا الدَّھْرَ" زمانہ کو گالی نہ دو یعنی اسے برا نہ کہو۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے موقعہ پر اپنی رائے پیش کرنا بے ادبی ہے تم نے یہ بے ادبی کیوں کی۔اس جگہ مرقاۃ اور شرح فقہ اکبر میں ہے کہ امام ابو یوسف نے تلوار سونت لی اور فرمایا دوبارہ ایمان لاؤ ورنہ تجھے قتل کروں گا۔معلوم ہوا کہ ایسی صحیح بات کہنا بھی بے ادبی ہے جس میں حدیث شریف کے مقابلے کی بو پائی جائے، جب حدیث کا یہ مطلب ہے تو سمجھ لو حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا ادب ہوگا۔

	روایت ہے حضرت مجاہد سے وہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے گھر والوں کو مسجدوں میں آنے سے ہرگز نہ روکے تو عبداللہ ابن عمر کے بیٹے نے کہا ہم تو انہیں روکیں گے تو حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتاتا ہوں اور تو یہ کہتا ہے، فرماتے ہیں کہ ان سے حضرت عبداللہ نے مرتے دم تک کلام نہ کیا ۱؎ (احمد)

۱؎ اس کی شرح ابھی گزر چکی، اس سے معلوم ہوا ہے کہ صحابہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی محبت تھی کہ ایک گستاخی کے شائبہ پر اپنے لخت جگر کو ہمیشہ کے لیئے چھوڑ دیا۔افسوس ہے ان لوگوں پر جو دین کے مقابلہ میں کسی دیندار کی مروت کریں۔بعض بے ادب کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث کے مقابل قیاس اور رائے کو ترجیح دیتے ہیں اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اہل الرائے کہتے ہیں۔وہ جھوٹے اور کذاب ہیں۔امام اعظم کا فرمان ہے کہ حدیث ضعیف بھی رائے اور قیاس پر مقدم ہے۔چنانچہ وہ اولًا قرآن کو لیتے ہیں، پھر حدیث کو پھر اقوال صحابہ کو، اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو جن صحابی کا قول کتاب وسنت سے قریب ہو اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اگر احادیث میں اختلاف نظر آئے تو قیاس کے ذریعہ کسی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں، یعنی قیاس پر عمل نہیں کرتے بلکہ حدیث کی مدد سے حدیث پر عمل کرتے ہیں۔اگر اس کی تحقیق دیکھنا ہو تو اس جگہ پر مرقاۃ دیکھو۔

باب تسوية الصف

صف سیدھی کرنے کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎صف سیدھی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی صف میں ملے ملے کھڑے ہوں نہ آگے پیچھے ہوں،نہ دور دور جس سے صف میں کشادگی ہو،صف کا ٹیڑھا ہونا نمازیوں میں ٹیڑھا پن پیدا کرتا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سیدھی صفیں کرتے تھے یہاں تک کہ گویا ان سے تیر سیدھے لیے جائیں گے ۲؎ حتی کہ آپ نے خیال فرمالیا کہ اب ہم آپ سے سیکھ چکے ۳؎پھر ایک دن تشریف لائے تو کھڑے ہوئے حتی کہ تکبیر کہنے والے ہی تھے کہ ایک شخص کو سینہ نکالے دیکھا توفرمایا کہ اللہ کے بندو اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالٰی تمہاری ذاتوں میں اختلاف ڈال دے گا ۴؎(مسلم)	

۱؎آپ انصاری ہیں اور نو عمر صحابی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے چودہ مہینہ بعد پیدا ہوئے،بعد ہجرت انصار میں سب سے پہلے آپ پیدا ہوئے اور مہاجرین میں عبداللہ ابن زبیر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ سال سات مہینے تھی۔

۲؎ یعنی نمازیوں کے کندھے پکڑ پکڑ کر آگے پیچھے کرتے تھے تاکہ صف بالکل سیدھی ہوجاوے۔خیال رہے کہ تیر کی لکڑی کو پَر اور پیکان لگنے سے پہلے قدح کہتے ہیں اور اس کے لگنے کے بعد سہم،قدح نہایت سیدھی کی جاتی ہے اسے سیدھا کرنے کے لیے نہایت سیدھی لکڑی لیتے ہیں،جس کے برابر قدح کو لیتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو ایسا سیدھا کرتے تھے جیسے قدح سیدھی کرنے والی لکڑی ۱۲

۳؎ تب آپ نے کندھے پکڑ کر سیدھا کرنا چھوڑ دیا،صرف زبان شریف سے سیدھا کرنے کی ہدایت فرمادیتے تھے ۱۲

۴؎یعنی اگر تمہاری نماز کی صفیں ٹیڑھی رہیں تو تم میں آپس میں اختلاف اور جھگڑے پیدا ہوجائیں گے،شیرازہ بکھر جائے گا یا تمہارے دل ٹیڑھے ہوجائیں گے کہ ان میں سوزوگداز،درد،خشوع خضوع نہ رہے گا یا اندیشہ ہے کہ تمہاری صورتیں مسخ ہوجائیں جیسے گزشتہ قوموں پر عذاب آئے تھے،یعنی یہاں وجہ بمعنی ذات ہے یا بمعنی چہرہ۔خیال رہے کہ عام مسخ وغیرہ ظاہر عذاب حضور مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بند ہوگئے لیکن خاص مسخ وغیرہ اب بھی ہوسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نماز کی تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرۂ انور سے ہم پر توجہ فرمائی	

فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی کرو اور مل کر کھڑے ہو میں تمہیں اپنے پیچھے دیکھتا ہوں۱؎(بخاری)اور مسلم بخاری میں ہے کہ فرمایا صفیں پوری کرو کیونکہ میں تمہیں اپنی پشت سے دیکھتا ہوں۔	

۱؎اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ دیکھنے سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے۔یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ کی آنکھ آگے پیچھے اور پس پردہ اندھیرے اجیالے میں یکساں دیکھتی ہیں۔حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ صرف نماز سے خاص نہیں تھا نہ حیات شریف سے۔وہ حدیث کہ میں دیوار کے پیچھے کی چیز نہیں جانتا بالکل بے اصل ہے جیسا کہ شیخ نے فرمایااور اصلے نیست اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے حضرت عیسی روح اللہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم گھر میں کھا کر بچا کر آتے ہو میں بتا سکتا ہوں،یہ تو حبیب اللہ کی آنکھ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفیں سیدھی کرو کہ صفیں سیدھی کرنا نماز قائم کرنے سے ہے ۱؎(مسلم،بخاری)مگر مسلم کے نزدیک نماز پوری کرنے سے ہے۔	

۱؎یعنی رب تعالٰی نے جو فرمایا:"یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ"یا فرمایا"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ"۔اس سے مراد ہے نماز صحیح پڑھنااور نماز صحیح پڑھنے میں صف کا سیدھا کرنا بھی داخل ہے کہ اس کے بغیر نماز ناقص ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھے پکڑتے اور فرماتے تھے سیدھے رہو الگ الگ نہ رہو ورنہ تمہارے دل الگ ہوجائیں گے۱؎ اور تم میں عاقل و بالغ میرے قریب رہا کریں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں۲؎ابو مسعود فرماتے ہیں اس لیے آج تم میں بہت اختلاف ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎یہ حدیث گزشتہ کی شرح ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صفیں ٹیڑھی ہونے سے قومیں ٹیڑھی ہوجاتی ہیں کیونکہ قالب کا اثر قلب پر اور قلب کا اثر قالب پر پڑتا ہے،نہانے سے دل ٹھنڈا ہوتا ہے اور دل کی خوشی و غم کا اثر چہرے پر نمودار ہوجاتا ہے۔

۲؎ یعنی صف اول میں مجھ سے قریب فقہاء صحابہ ہوں جیسے خلفائے راشدین اور عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن مسعود وغیرہم تاکہ وہ میری نماز دیکھیں اور نماز کی سنتیں وغیرہ یاد کرکے اوروں کو سمجھائیں اور بوقت ضرورت ہماری جگہ مصلے پر کھڑے ہوکر نماز پڑھا سکیں ان کے پیچھے وہ لوگ کھڑے ہوں جو علم و عقل میں ان کے بعد ہوں تاکہ ان صحابہ سے یہ نماز سیکھیں۔سبحان اللہ!حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نماز میں بھی جاری رہتی تھی۔

۳؎ یعنی تم لوگوں نے صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام چھوڑ دیا،اس لیے تم میں آپس کے جھگڑے واختلافات پیدا ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ حدیث جماعت کی صدہا مسائل کی اصل ہے۔فقہاء جو فرماتے ہیں کہ نماز میں پہلے مَردوں کی صف ہو،پھر بچوں کی،پھر خنثوں کی،پھر عورتوں کی اس کا ماخذ بھی یہی حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم وعقل والے مجھ سے قریب رہا کریں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں تین بار فرمایا اور تم بازاروں کے شوروپکار سے الگ رہو۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی مسجدوں میں بازاروں کا سا شور نہ کرو ادب اور خاموشی سے بیٹھو یا بازاروں کی طرح چھوٹے بڑے مل کر نہ بیٹھو بلکہ یہاں فراق مراتب کرو کہ علماء،عوام،بچے،عورتیں چھٹ کر اپنے اپنے مقام پر بیٹھیں۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بلاضرورت بازاروں میں نہ جاؤ اور وہاں شور نہ مچاؤ،اس صورت میں علیحدہ حکم ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں کچھ پیچھے رہنا دیکھا۱؎ تو فرمایا آگے بڑھو اور میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتداء کریں۲؎ قومیں پیچھے رہتی رہیں گی حتی کہ اللہ انہیں پیچھے کردے گا۳؎(مسلم)	

۱؎ نماز کی صفوں میں یا علم سیکھنے میں سستی،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں،یعنی صف اول میں آنے کی کوشش کم دیکھی۔

۲؎ یعنی صف اول والے مجھے دیکھ کر نماز پڑھیں اور پچھلی صفوں والے اگلی صفوں کو دیکھ کر یا صحابہ براہ راست میری پیروی کریں اور تا قیامت مسلمان صحابہ کی۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اسلام کی صف ہیں ہم لوگ پچھلی صفیں یا وہ حضرات ریل کا اگلا ڈبہ ہیں جو انجن سے ملا ہوا ہے اور ہم لوگ پچھلے ڈبے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فیوض ہمیں صحابہ کے ذریعہ ملیں گے۔پتہ لگا کہ جو لوگ صحابہ کو مومن نہیں مانتے وہ خود بھی مومن نہیں کہ اگر ریل کا پہلا ڈبہ ہی منزل پر نہ پہنچا انجن سے کٹ گیا تو پچھلے ڈبے منزل پر کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

۳؎ یعنی اگر مسلمان صف اول میں پہنچنے یا اور دینی کاموں میں سستی کریں گے تو ثواب رحمت رب کے فضل اور دخول جنت میں پیچھے رہیں گے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدالانبیاء ہو کر ہر نیک کام میں سبقت کرتے تھے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ"۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہمیں حلقہ حلقہ دیکھا فرمایا کیا ہے میں تمہیں متفرق دیکھتا ہوں۱؎ پھر ہم پر تشریف لائے تو فرمایا کہ ایسی صفیں کیوں نہیں بناتے جیسے فرشتے اپنے رب کے نزدیک	

	بناتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ فرشتے رب کے نزدیک کیسے صفیں بناتے ہیں فرمایا اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی ہم مسجد میں الگ الگ حلقے بنائے بیٹھے تھے ہر شخص اپنے دوستوں کے ساتھ الگ حلقے میں تھا تب آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مسجدوں میں یہ امتیازات مٹادو،یہ واقعہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے پیش آیا تھا جیسا کہ **باب الجمعہ** میں آئے گا۔خیال رہے کہ **عزین** جمع عِزَّۃٌ کی ہے،بمعنی جماعت۔

۲؎ یعنی مسجد میں صفیں بناکر بیٹھا کروتاکہ تم فرشتوں کے مشابہ ہوجاؤ۔خیال رہے کہ ملائکہ مقربین توہمیشہ سے صفیں باندھے رب کی عبادتیں کررہے ہیں اور مدبرات امر اپنی ڈیوٹیوں سے فارغ ہوکر صفیں بناکر عبادتیں کرتے ہیں،بعض زمیں پر،بعض آسمان پر،بعض عرش اعظم کے پاس جس کی تحقیق ان شاءاللہ آئندہ کی جائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور بدترین صف پچھلی ہے اور عورتوں کی بہترین صف پچھلی ہے اور بدترین صف اگلی ۱؎(مسلم)

۱؎ کیونکہ مردوں کی پہلی صف امام سے قریب ہوگی،اس کے حالات دیکھے گی،اس کی قرأت سنے گی،عورتوں سے دور رہے گی اور عورتوں کی آخری صف میں پردہ حجاب زیادہ ہوگا،مردوں سے دور ہوگی،بعض منافقین آخری صف میں کھڑے ہوتے اور بحالت رکوع جھانکتے تھے ہوسکتا ہے کہ یہاں ان کی طرف اشارہ ہو،اس صورت میں لفظ شرّ اپنے ظاہری معنی پر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفیں سیدھی کرو۱؎ ان میں نزدیکی کرو۲؎ اپنی گردنیں مقابل رکھو۳؎ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں شیطان کو صفوں کی کشادگی میں بکری کے بچے کی طرح گھستا دیکھتا ہوں ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ رَصُّوْا رَصٌّ سے بنا جس کے معنی ہیں سیدھا کرکے ملانا،معنی یہ ہوئے کہ نماز کی صفیں سیدھی بھی رکھو اور ان میں مل کر کھڑے ہو کہ ایک دوسرے کے آپس میں کندھے ملے ہوں۔

۲؎ یعنی صفیں قریب قریب رکھو اس طرح کہ دو صفوں کے درمیان اور صف نہ بن سکے یعنی صرف سجدہ کا فاصلہ رکھو،نماز جنازہ میں چونکہ سجدہ نہیں ہوتا اس لیے وہاں صفوں میں اس سے بھی کم فاصلہ چاہیئے۔

۳؎ اس طرح کہ اونچے نیچے مقام پر نہ کھڑے ہو،ہموار جگہ کھڑے ہو تاکہ گردنیں برابر رہیں،لہذا یہ جملہ مکرر نہیں آگے پیچھے نہ ہونا رَصُّوْا میں بیان ہوچکا تھا۔خیال رہے کہ گردنوں کا قدرتی طور پر اونچا نیچا ہونا معاف ہے کہ بعض لمبے اور بعض پستہ قد ہوتے ہیں۔

۴؎ یعنی خزب شیطان جو نماز میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ صف کی کشادگی میں بکری کے بچے کی شکل میں داخل ہو کر نمازیوں کو وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ شیطان مختلف شکلیں اختیار کرسکتا ہے،دیکھو اس شیطان کی شکل اپنی تو کچھ اور ہے مگر اس وقت بکری کی شکل میں بن جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ رب تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ طاقت بخشی ہے کہ خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بھی ہر مخلوق پر نظر رکھتے ہیں۔تیسرے یہ کہ جب شیطان جیسی غیبی مخلوق آپ کی نگاہ سے غائب نہیں تو انسان آپ سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگلی صف پوری کرو پھر اس کے بعد والی تو جو کمی ہو وہ پچھلی صف میں ہوا ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یہ صفوف نماز کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اگلی صفیں پوری کی جائیں اگر آدمی صف سے کم ہوں تو یہ کمی آخری صف میں ہونی چاہیے۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو اگلی صفوں سے ملتے ہیں ۱؎ اور اللہ کو اس قدم سے زیادہ کوئی قدم پیارا نہیں جس قدم سے انسان صف سے ملے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگلی صف کے نمازیوں کے لیے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی نزول رحمت فرماتا ہے،رب فرماتا ہے:"هُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ"۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی اور فرشتوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور نوعیت کا ہے اور نمازیوں پر اور نوعیت کا،لہذا اس آیت وحدیث سے یہ لازم نہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہوجائیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی قرآن میں "یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ" فرمایا اور ہمارے لیے بھی یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمْ ارشاد ہوا جیسا کہ چکڑالویوں نے سمجھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتوں کی بارشیں ہورہی ہیں اور ہم پر چھینٹا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ پیاری جگہ جانے کے لیے قدم بھی اللہ کو پیارے ہیں،خوش نصیب ہیں وہ جو ان قدموں سے حرمین شریفین جائیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا اللہ اور اس کے فرشتے صفوں کے داہنے حصوں پر درود بھیجتے ہیں ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ پہلی صف والوں پر عمومی رحمت تھی اور داہنی صف والوں پر خصوصی رحمت ہے،پھر صف اول کے داہنے والوں پر اور زیادہ خاص رحمت ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں رب کی رحمتیں لاکھوں قسم کی ہیں۔خیال رہے کہ داہنی صف پر رحمت اس وقت آئے گی جب

بائیں طرف بھی نمازی برابر ہوں اگر سارے نمازی داہنی طرف ہی کھڑے ہو جائیں بائیں طرف کوئی نہ ہو یا تھوڑے ہوں تو یہ داہنے والے ناراضی الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نماز میں کھڑے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں سیدھی کرتے جب ہم سیدھے ہو جاتے تو تکبیر کہتے ۱(ابوداؤد)	

۱ اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ امام پہلے صفیں سیدھی کرے پھر تکبیر تحریمہ کہے،آج کل امام مساجد یہ عمل چھوڑ بلکہ مقتدیوں کو چاہیئے کہ اول ہی سے صف میں مل کر اور سیدھے بیٹھیں تاکہ "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" پر کھڑے ہو کر اقامت ختم ہونے پر نماز بے تکلف شروع کر سکیں۔خیال رہے کہ یہاں تکبیر سے تکبیر تحریمہ مراد ہے نہ کہ اقامت وہ تو مقتدیوں کے بیٹھے ہوگی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی جانب فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو اور بائیں طرف فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو ۱(ابوداؤد)	

۱ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کو صف میں ہاتھ سے سیدھا کرتے تھے پھر جب لوگ کچھ سمجھ گئے تو زبان سے فرمادیا کرتے تھے،پھر جب پورے واقف ہوگئے تو لوگ خود بخود اول ہی سے سیدھے ہو جاتے،یہاں دوسرے عمل کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے بہتر وہ ہے جو نماز میں نرم کندھے والا ہو ۱(ابوداؤد)	

۱ اس طرح کہ اگر کوئی شخص ضرورۃً ایک نمازی کو آگے پیچھے ہٹائے تو بے تامل ہٹ جائے یا اگر کوئی اسے نماز میں سیدھا کرے تو سیدھا ہو جائے یا اگر کوئی صف کی کشادگی بند کرنے کے لیے درمیان میں آکر کھڑا ہونا چاہے تو یہ کھڑا ہو جانے دے،بعض شارحین نے فرمایا کہ نرم کندھے سے عجزوانکسار،خشوع وخضوع مراد ہے مگر پہلے معانی زیادہ قوی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سیدھے رہو سیدھے رہو سیدھے رہو ۱ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے تمہیں اپنے آگے سے دیکھتا ہوں ۲(ابوداؤد)	

۱؎ ایک بار عموماً سارے لوگوں سے فرماتے تھے، دوسری بار داہنے والوں سے اور تیسری بار بائیں والوں سے اور ہو سکتا ہے کہ تینوں بار سب سے ہی فرماتے ہوں اور تاکید کے لیے بار بار فرماتے ہوں۔
۲؎ لہذا یہ سمجھ کر نماز پڑھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نمازوں کو دیکھ رہے ہیں، اس خیال سے تم نماز صحیح بھی پڑھو گے اور تمہارے دلوں میں حضور اور خشوع بھی پیدا ہوگا، تاقیامت ہر مسلمان ہر نماز میں خصوصًا نماز تہجد میں یہ خیال رکھے تو بہت لطف آتا ہے اور یہ عمل بہت مجرب ہے، لڑکے استاد کے خوف سے دل لگا کر پڑھتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں پہلی صف پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اور دوسری پر ۱؎ فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پہلی صف پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اور دوسری پر فرمایا کہ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پہلی صف پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اور دوسری پر فرمایا اور دوسری پر ۲؎ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو ۳؎ اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو ۴؎ کشادگیاں بھرو کیونکہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے بچے کی شکل میں گھس جاتا ہے ۵؎ (احمد)	

۱؎ دوسری سے مراد ساری پچھلی صفیں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ خاص دوسری ہی صف ہی مراد ہے۔
۲؎ یعنی پہلی صف پر رب تعالٰی کی رحمتیں زیادہ ہیں اور بقیہ صفوں پر کم۔ صوفیانہ طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی رحمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش لب سے وابستہ ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول رحمت کی خبر دی تھی۔ جب تک پہلی صف کا ذکر فرمایا تو وہی رحمت الٰہی کی مستحق تھی اور جب دوسری کا نام بھی لے دیا تو اس نام لینے کی برکت سے وہ بھی رحمت کی مستحق ہوگئی۔
۳؎ پہلے عرض کیا جاچکا کہ صف سیدھی کرنے سے مراد ہے آگے پیچھے نہ ہونا اور کندھوں کے مقابلے سے مراد ہے اوپر نیچے نہ کھڑا ہونا، ہر شاہ و گدا کا ایک زمین پر کھڑا ہونا لہذا احکام میں تکرار نہیں۔
۴؎ یہ جملہ گزشتہ کی تفسیر ہے یعنی نماز میں اکڑے ہوئے مت کھڑے ہوؤ جیسے کوئی تمہاری اصلاح کرے تو قبول کرلو۔
۵؎ تمہیں وسوسہ دلانے کے لیے، رب کی شان ہے کہ شیطان صف کی کشادگی میں سے گھس سکتا ہے مگر پاؤں کے درمیان سے نہیں ہر شے کی تاثیر علیحدہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو کشادگیاں بند کرو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو	

	شیطان کے لیئے کشادگیاں نہ چھوڑو اور جو صف کو ملائے اللہ اسے ملائے اور جو صف کو توڑے اللہ اسے توڑے ا(ابوداؤد) نسائی نے ان ہی کی مَن وَصَلَ سے آخر تک روایت کی۔

ا صف کا ملانا یہ ہے کہ صف میں جگہ دیکھے اس میں کھڑا ہو کر جگہ پر کردے اور توڑنا یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے دور کھڑا ہو، یا ملا ہوا کھڑا تھا اور بلاعذر وہاں سے ہٹ جائے۔ یہ کلام یا دعا ہے یا خبر یعنی جو صف کو ملائے گا خدا اسے اپنی رحمت و کرم سے ملائے، اور جو صف میں فاصلہ اور کشادگی رکھے خدا اسے اپنے کرم و رحمت سے دور رکھے یا جو صف میں ملائے گا خدا اسے اپنی رحمت سے ملائے گا الخ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو بیچ میں رکھوا اور کشادگیاں بند کرو (ابوداؤد)

ا اس طرح کہ ایک مقتدی امام کے پیچھے کھڑا ہو باقی داہنے بائیں برابر کسی جانب زیادہ نہ ہوں اگر کوئی شخص صف میں شامل ہوتے وقت دیکھے کہ دو طرفہ نمازی برابر ہیں تو یہ داہنی طرف کھڑا ہو کہ اتنی زیادتی معاف ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم پہلی صف سے پیچھے ہوتی رہے گی حتی کہ اللہ انہیں آگ میں پیچھے کرے گا ا(ابوداؤد)

ا یعنی جو لوگ سستی کی وجہ سے صف اول میں آنے میں تامل کریں گے یا صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے کھڑے ہوں گے تو وہ دین کے سارے کاموں میں سست ہو جائیں گے اور برائیوں پر دلیر ہو جائیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہنم میں جائیں گے اور وہاں دیر تک رہیں گے، معلوم ہوا کہ سارے دینی کاموں میں نماز مقدم ہے نماز کا اثر ہر نیکی پر پڑتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ نماز میں سستی کرنے والا جہنم کے نچلے طبقہ میں جائے گا۔ (لمعات) یا یہ مطلب ہے کہ یہ سستی کرنے والا اور گنہگاروں سے پیچھے دوزخ سے نکلے گا، رب فرماتا ہے: "فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ الَّذِيۡنَ" الخ نماز میں سستی کی بہت صورتیں ہیں، فقہاء فرماتے ہیں کہ ننگے سر یا آستین چڑھا کر نماز نہ پڑھے کہ یہ سستی کی علامت ہے۔

	روایت ہے حضرت وابصہ ابن معبد سے افرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھتے دیکھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا ۲ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے ۳

ا آپ آخری صحابہ میں سے ہیں، ۹ھ میں ایمان لائے، بہت پرہیزگار ہمیشہ خوف خدا سے رونے والے تھے، آخر میں کوفہ قیام رہا اور مقام رقہ میں وفات پائی، آپ کی کنیت ابوشداد ہے، قبیلہ اوس سے ہیں۔

۲ یعنی صف اول میں جگہ تھی یہ بلاوجہ اکیلا پیچھے کھڑا ہوا اس کی نماز مکروہ ہوئی اور نماز مکروہ کا لوٹانا مستحب ہے، یہ حکم استحبابی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوگی، وہ حضرات اس حکم کو وجوبی مانتے ہیں۔ خیال رہے کہ اگر صف اول میں جگہ نہ ہو

تو یہ آنے والا امام کے پیچھے والے کو ہاتھ لگادے،اگر یہ مسئلے سے واقف ہو گا تو پیچھے آجائے گا ورنہ اس کی نماز کراہت سے بچ جائے گی۔اس حکم سے جنازے کی نماز مستثنٰی ہے،وہاں اگر امام کے علاوہ پانچ آدمی ہوں تو دو،دو آدمی دو صفیں بنائیں گے اور ایک آدمی تیسری صف تاکہ تین صفوں کی بشارت میت کو حاصل ہو جائے۔خیال رہے کہ یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں اور اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز مکروہ ہے فاسد نہیں،جیساکہ اگلے باب میں آئے گا کہ حضرت ابو بکرہ نے صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کردیا،پھر صف سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ رکوع کے وقت اکیلے ہی تھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے۔

۳؎ مگر ابن عبدالبرّ نے اسے مضطرب فرمایا،بیہقی نے ضعیف کہا۔

باب الموقف

جگہ کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یعنی اس کا بیان کہ جماعت میں امام و مقتدی کہاں کھڑے ہوں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ میمونہ کے گھر میں رات گزاری۱ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھے میں آپ کے بائیں کھڑا ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف گھمالیا۲(مسلم،بخاری)

۱جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باری ان کے ہاں تھی اس نیت سے رات گزاری تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے اعمال طیبہ وطاہرہ دیکھوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد ادا کروں جیسا کہ دیگر روایات میں ہے اس لیے آپ تمام رات جاگتے ہی رہے ہوں گے۔شعر

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

۲اس حدیث سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نفل نماز خصوصًا تہجد جماعت سے جائز ہے جبکہ اس کے لیے اذان تکبیر لوگوں کے بلاوے وغیرہ سے اہتمام نہ کیا گیا ہو۔دوسرے یہ کہ اکیلا مقتدی امام کے برابر دائیں طرف کھڑا ہوگا۔تیسرے یہ کہ عمل قلیل ضرورۃً نماز میں جائز ہے جس سے نماز نہیں ٹوٹتی،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ہی میں آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر گھمایا اور آپ نماز ہی میں ایک دو قدم چل کر بائیں سے دائیں طرف گئے۔چوتھے یہ کہ مقتدی امام سے آگے نہیں بڑھ سکتا اگر بڑھے گا تو نماز جاتی رہے گی،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے سے نہیں گھمایا حالانکہ وہ آسان تھا بلکہ پیچھے سے گھمایا۔پانچویں یہ کہ جس نے اول سے امامت کی نیت نہ کی ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے،دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت تکبیر تحریمہ اکیلے نماز کی نیت کی تھی مگر بعد میں حضرت ابن عباس مقتدی بن کر کھڑے ہوگئے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے پھر میں آیا حتی کہ آپ کی بائیں طرف کھڑا ہوگیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھمایا یہاں تک کہ اپنے دائیں مجھے کھڑا کرلیا پھر جبار ابن صخر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں کھڑے ہوگئے تو حضور صلی اللہ

	علیہ وسلم نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں پیچھے کیا حتی کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کرلیا ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ سارے عمل قلیل کی حد تک ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی ہاتھ سے گھمایا، اور ایک ہی ہاتھ کے اشارے سے دونوں کو پیچھے کیا اور یہ دونوں حضرات ایک یا دو قدم سے پیچھے پہنچے، اگر متواتر تین قدم ڈالتے تو ان کی نماز جاتی رہتی۔ خیال رہے کہ دو مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے اور پیچھے کھڑا ہونا بہت بہتر ہے مگر تین کا پیچھے کھڑا ہونا واجب، برابر کھڑا ہونا سخت مکروہ کیونکہ تین پوری صف ہیں، اگر دو آدمی امام کے برابر کھڑے ہوں تو ایک دائیں کھڑا ہو دوسرا بائیں جیسا کہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت علقمہ اور اسود نے عبداللہ بن مسعود کی اقتداء میں اس طرح نماز پڑھی کہ امام درمیان میں تھے اور یہ دونوں دائیں بائیں، یہ بیان جواز کے لیے تھا یا ضرورۃً۔ (مرقاۃ) خیال رہے کہ اس موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مقتدیوں کو پیچھے کیا خود آگے نہ بڑھے کیونکہ آگے جگہ نہ تھی حجرے شریف کی دیوار تھی ورنہ ایسے موقعہ پر امام کا آگے بڑھ جانا سہل تر ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے اور ایک یتیم نے اپنے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ نماز نفل تھی جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کے گھر میں عطائے برکت کے لیے پڑھی جیسا کہ اس زمانہ میں صحابہ کا دستور تھا۔ یتیم یا تو حضرت انس کے بھائی کا نام ہے یا کوئی اور نابالغ یتیم تھا جس کا نام زمیرہ تھا ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ زمیرہ ابن سعدی حمیری تھے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اکیلا نابالغ بچہ صف میں کھڑا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ عورت اگرچہ اکیلی ہو مگر مردوں اور بچوں سے پیچھے کھڑی ہوگی وہ تنہا ہی صف مانی جائے گی۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کی ماں یا خالہ کو نماز پڑھائی فرماتے ہیں تو مجھے اپنے دائیں کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ یہاں یتیم کا ذکر نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایک مرد اور ایک عورت امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو مرد امام کے ساتھ ہوگا، اور عورت پیچھے اگرچہ عورت مرد کی محرم ہو۔

	روایت ہے حضرت ابو بکرہ سے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے حالانکہ آپ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کردیا پھر صف تک چلے ۱؎ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا اللہ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا ۲؎ (بخاری)

۱؎ بات یہ تھی کہ آپ کو رکعت جاتے رہنے کا خطرہ تھا اس لیے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع کردیا، پھر رکوع میں ہی یا قومہ میں ایک دو قدم سے صف تک پہنچے، اور اگر تین قدم سے پہنچے تو وہ قدم لگاتار نہ تھے ورنہ آپ کی نماز نہ ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز لوٹانے کا حکم دیتے۔

۲؎ یعنی تمہارا یہ عمل رکعت اول پانے کی حرص پر ہے یہ حرص دینی ہے جو محمود ہے،خدا اسے بڑھائے،دنیوی حرص بری رب فرماتا ہے،حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہونا نماز کو فاسد نہیں کرتا کیونکہ آپ نے رکوع صف کے پیچھے اکیلے ہی کیا تھا مگر حضور نے آپ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔دوسرے یہ کہ صف میں ملنے سے پہلے تکبیر تحریمہ اور رکوع کردینا مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نماز لوٹانے کا حکم دیتے۔تیسرے یہ کہ نماز میں جانب قبلہ ایک دو قدم چلنا یا تین قدم بغیر لگاتار کیئے ڈالنا نماز فاسد نہیں کرتا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب ہم تین ہوں تو ہم میں سے ایک آگے بڑھ جائے۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جنگل یا گھر میں تین آدمی نماز پڑھنا چاہیں تو الگ الگ نہ پڑھیں بلکہ جماعت کرلیں اور امام دونوں مقتدیوں سے آگے کھڑا ہو ان کے برابر نہ کھڑا ہو۔دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے جو زیادہ عالم ہو وہ امام بنے۔

روایت ہے حضرت عمار سے کہ انہوں نے مدائن میں لوگوں کی امامت کی۱؎ اور اونچی جگہ پر نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے لوگ ان سے نیچے تھے۲؎ حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا عمار ان کے پیچھے لگ گئے حتی کہ انہیں حذیفہ نے اتار دیا۳؎ جب عمار نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے حذیفہ نے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہیں سنا کہ جب کوئی شخص قوم کی امامت کرے تو انکی جگہ سے اونچی جگہ نہ کھڑا ہو یا اس کی مثل،عمار نے کہا کہ اسی لیے تو جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا میں آپ کے پیچھے ہولیا ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے والد کا نام یاسر ہے،حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ رہے،صفین میں شہید ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی،مدائن کوفہ کی جانب دجلہ کے کنارے بغداد شریف کے قریب ایک مشہور شہر ہے۔

۲؎ آپ اکیلے اوپر تھے باقی ساری جماعت نیچے،اگر کوئی مقتدی بھی اس جگہ آپ کے ساتھ ہوتا تو کراہت نہ ہوتی۔

۳؎ غالب یہ ہے کہ حضرت حذیفہ صف اول میں تھے لیکن ابھی نماز کی نیت نہ باندھی تھی آپ کو نیچے اتار کر نیت باندھی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز سے بیرونی آدمی نمازی کے حال کی اصلاح کرے تو قبول کرے ہاں اس کا لقمہ نہ لے ورنہ نماز جاتی رہے گی۔

۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار نے یہ حدیث سنی تھی مگر اتفاقًا بھول گئے ہاتھ پکڑنے پر یاد آ گئی، یہ ان حضرات کی بے نفسی ہے کہ نہ مسئلے بتانے میں جھجک کرتے ہیں نہ اس کے قبول کرنے میں عار و شرم۔ خیال رہے کہ صرف امام کا مقتدیوں سے ایک ہاتھ اونچا کھڑا ہونا بھی منع کہ اس میں یہود و نصاری سے مشابہت ہے کیونکہ وہ اپنے امام کو اونچا کھڑا کرتے ہیں اور نیچا کھڑا ہونا بھی منع کہ اس میں امام کی اہانت ہے، نیز امام کا مخصوص جگہ میں کھڑا ہونا بھی منع ہے کہ اس میں بھی اہلِ کتاب سے مشابہت ہے لہٰذا امام محراب یا در میں نہ کھڑا ہو۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے ۱؎ ان سے پوچھا گیا کہ منبر کس چیز کا تھا، فرمایا جنگل کے جھاؤ کا، اسے فلاں فلانی کے مولے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا ۲؎ اور جب بنایا اور رکھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے قبلہ کو منہ کیا اور تکبیر کہی لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ نے قرأت کی اور رکوع کیا اور لوگوں نے آپ کے پیچھے رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں لوٹے پھر زمین پر سجدہ کیا پھر منبر کی طرف لوٹے ۳؎ پھر قرأت کی پھر رکوع کیا پھر سر اٹھایا پھر پیچھے لوٹے حتی کہ زمین پر سجدہ کیا یہ بخاری کے لفظ ہیں اور مسلم بخاری میں اس کی مثل ہے اور اس کی آخر میں فرمایا کہ جب فارغ ہوئے تو لوگوں پر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگوں میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کو جان لو ۴؎	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، آپ کا نام حزن تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رکھا، کنیت ابوالعباس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ پندرہ سال کے تھے، آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۹۱ھ میں ہوئی، آپ مدینہ کے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ بنانے والے کا نام یعقوم رومی ہے یا سیموں رومی اور ان بی بی کا نام عائشہ انصاریہ ہے، یعقوم لکڑی کے کاری گر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریہ سے خود فرمایا تھا کہ اپنے غلام سے منبر بنوادو کیونکہ مسلمان زیادہ ہوچکے تھے اس سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ستون حنانہ سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے، اس منبر کی تین سیڑھیاں تھیں ہر سیڑھی کی بلندی ایک بالشت لمبائی ایک ہاتھ تھی۔ (از مرقاۃ واشعۃ)

۳؎ یعنی آپ کا قیام و رکوع منبر پر ہوا اور سجدہ زمین پر کیونکہ جمعہ میں دیہات سے بھی مسلمان آتے تھے، انہیں نماز سکھانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونچے کھڑے ہوئے، اب کسی امام کو اس طرح نماز پڑھانی جائز نہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سیکھا کرتے تھے، ہم سجدہ گاہ کو دیکھیں وہ قبلہ گاہ کو دیکھتے تھے۔

۴؎ بلکہ منبر بھی اسی لیے بنایا گیا اگر تَعَلَّمْ لام کی شد سے ہو تو معنی ہوں گے تم نماز سیکھ لو،غالب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی تیسری سیڑھی پر نماز پڑھی،پھر رکوع کے بعد مسلسل تین قدم سے اترے مصلے پر پہنچے،پھر سجدہ کے بعد مسلسل قدموں سے منبر پر پہنچے،ہمارے واسطے یہ اعمال مفسد نماز ہیں،لہذا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرے میں نماز پڑھی اور لوگ حجرے کے پیچھے آپ کی اقتداء کررہے تھے۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یہ نماز تراویح تھی اور حجرہ چٹائی کا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے لیے اپنے پاس چٹائی کھڑی کرلی تھی،عائشہ صدیقہ کا حجرہ مراد نہیں کیونکہ اس میں رہتے ہوئے لوگ آپ کی اقتداء نہیں کرسکتے تھے کیونکہ آپ کسی کو نظر نہ آتے۔خیال رہے کہ اب بھی اگر چٹائی اتنی چھوٹی ہو کہ کھڑے ہونے پر مقتدیوں کو امام نظر آسکے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے،بعض شارحین نے سمجھا کہ یہ مرض وفات شریف کی نماز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ کے حجرے سے نماز پڑھائی ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس زمانہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امام رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران جماعت میں دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر باہر تشریف لائے لہذا اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام حجرے میں رہ کر مسجد کے نمازیوں کو پڑھائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابومالک اشعری سے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بتاؤں فرمایا نماز کی تکبیر کہی اور مردوں کی صف بنائی ان کے پیچھے بچوں کی صف پھر انہیں نماز پڑھائی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کیا۱؎ پھر فرمایا نماز اس طرح ہے،عبدالاعلی کہتے ہیں مجھے یہ ہی خیال ہے کہ فرمایا میری امت کی نماز۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اول سے آخر تک نماز کی ساری کیفیت بیان فرمائی،راوی نے یہاں اختصارًا ذکر نہ کیا۔

۲؎ یعنی تاقیامت میری امت کی نماز ایسی ہی ہونی چاہیے کہ مردوں کی صف آگے ہو اور بچوں کے پیچھے۔

روایت ہے حضرت قیس ابن عباد سے۱؎ فرماتے ہیں اس حال میں کہ میں مسجد میں پہلی صف میں تھا کہ مجھے پیچھے سے کسی نے کھینچا مجھے ہٹادیا اور میری جگہ خود کھڑا ہوگیا خدا کی قسم مجھے اپنی نماز کی خبر نہ رہی۲؎ جب فارغ ہوئے وہ ابی ابن کعب تھے فرمایا اے جوان اللہ تمہیں کبھی غمگیں نہ کرے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے عہد ہے کہ آپ سے قریب رہیں۳؎ پھر آپ قبلہ رو ہوئے اور فرمایا رب	

کعبہ کی قسم حکومتوں والے ہلاک ہوگئے تین بار کہا پھر فرمایا خدا کی قسم ان پر غم نہیں کرتا لیکن غم ان پر کرتا ہوں جنہوں نے انہیں بہکایا میں نے کہا اے ابو یعقوب عقد والوں سے آپ کی کیا مراد ہے فرمایا امیر لوگ ۴؎ (نسائی)	

۱؎ آپ تابعین بصرہ میں سے ہیں، ثقہ ہیں، بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے عبادت گزار شب بیدار تھے، اشعۃ اللمعات نے انہیں شیعہ کہا۔واللہ اعلم !آپ کو حجاج نے قتل کرایا۔

۲؎ یعنی مجھے اتنا غصہ آیا کہ یہی یاد نہ رہا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور کتنی باقی ہیں، کیونکہ افضل جگہ سے ہٹنا مجھے بہت ناگوار گزرا اسی لیے حضرت ابی ابن کعب نے اگلا کلام فرمایا۔

۳؎ یعنی امام کے پیچھے عاقل بالغ علم والا کھڑا ہو کہ بوقت ضرورت امام کے قائم مقام کھڑا ہوسکے۔غالب یہ ہے کہ قیس نابالغ تھے اس لیے انہیں ہٹایا گیا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کسی کو اس کی جگہ سے ہٹاکر خود کھڑا ہونا ممنوع ہے مگر شرعی ضرورت سے جائز ہے۔دوسرے یہ کہ بچہ بڑے کے برابر نماز میں کھڑا ہوجائے تو اس سے بڑے کی نماز جاتی نہیں،کیونکہ اب تک جن کے برابر قیس کھڑے تھے ان کی نماز درست رہی۔تیسرے یہ کہ امام کے پیچھے لائق امامت آدمی کھڑا ہو۔

۴؎ آپ کا اشارہ آئندہ ظالم حکام کی طرف ہے جیسے بنی امیہ کے ظالم بادشاہ اور ان کا عملہ فرمایہ رہے ہیں کہ وہ حکام بھی ہلاک اور انہیں حاکم بنانے والے مسلمان بھی برباد ہوں گے کیونکہ حضرت ابی ابن کعب کی وفات زمانہ عثمان میں ہوئی اس وقت تک خلفاء نائب رسول تھے اور انکے حکام عادل۔

باب الامامۃ

امامت کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ امام کے معنی ہیں پیشوا راہبر، اُمٌّ سے بنا، بمعنی قصد وارادہ یعنی جس کی پیروی کا لوگ قصد کریں، اب دینی پیشوا کو کہا جاتا ہے۔امامت دو قسم کی ہے: امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت، امامت کبریٰ یعنی خلافت اسلامیہ عثمانیہ یہاں امامت صغریٰ مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو مسعود سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو ۱ اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا ۲ اگر سنت میں سب برابر ہوں تو پہلے ہجرت والا اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ ۳ کوئی شخص کسی شخص کی ولایت کی جگہ امامت نہ کرے اور نہ اس کے گھر میں اس کے بغیر اجازت اعلیٰ مقام پر بیٹھے ۴ (مسلم) اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی اس کے گھر میں امامت نہ کرے۔

۱ عہدِ نبوی میں قریبًا سارے صحابہ نماز کے مسائل کے عالم تھے مگر قاری کوئی کوئی تھا اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ امامت کے لیے مقدم وہ ہے جو عالم ہونے کے ساتھ قاری بھی ہو۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ قاری غیر عالم، عالم غیر قاری سے مقدم ہوگا۔دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات شریف میں صدیق اکبر کو امام بنایا حالانکہ ابی ابن کعب صحابہ میں بڑے قاری تھے، بلکہ فرمایا جہاں ابو بکر موجود ہوں وہاں کسی کو امامت کا حق نہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے اسی لیے امام اعظم و امام شافعی وغیرہم امامت میں عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ علم کی ضرورت نماز کے ہر رکن میں ہے، قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن میں، امام ابو یوسف اور بعض دیگر علماء نے ظاہر حدیث کو دیکھ کر قاری کو عالم پر مقدم رکھا مگر قول اول نہایت صحیح ہے۔

۲ یعنی اگر قرأت سب کی یکساں ہو تو صرف عالم کو مقدم کرو۔خیال رہے کہ یہاں علم سنت سے مراد نماز کے احکام کا جاننا ہے نہ کہ سند یافتہ عالم ہونا اور یہ کلام اس جگہ کے لیے ہے جہاں کوئی امام مقررہ نہ ہو یعنی ایسوں کو امام بناؤ لیکن جس مسجد میں امام مقرر ہو تو وہاں وہی امامت کا حقدار ہوگا اسے کوئی عالم یا قاری نہیں ہٹا سکتا اس کے لیے اگلی حدیثیں آرہی ہیں۔

۳؎ غرض کہ امام میں مقتدیوں پر کوئی دینی فوقیت چاہیئے اب شرعی ہجرت تو موجود نہیں زیادتی عمر کا ہی اعتبار ہوگا،بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ہجرت سے مراد گناہوں کا چھوڑنا ہے(ہجرت معنوی)یعنی پھر متقی پرہیزگار غیر متقی پر مقدم ہوگا۔

۴؎ یعنی جہاں امام مسجد مقرر ہو وہاں وہی نماز پڑھائے گا اگرچہ اس سے بڑا عالم یا قاری موجود ہو،معلوم ہوا کہ گزشتہ ترتیب وہاں کے لیے تھی جہاں امام پہلے سے مقرر نہ ہو،ہاں مقررہ امام کی اجازت سے دوسرا نماز پڑھا سکتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تین آدمی ہوں تو ان میں ایک امام بن جائے ان میں امامت کا زیادہ حقدار قاری ہے ۱؎(مسلم)اور مالک ابن حویرث کی حدیث فضل اذان کے بعد والے باب میں بیان ہوگی ۲؎	

۱؎ یعنی اگرچہ قاری عالم کا امام بننا افضل ہے لیکن اگر ان کے سوا کوئی اور بھی امام بن گیا تو نماز ہوجائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے مفضول کا امام بننا جائز ہے۔اس جگہ مرقاۃ نے فرمایا کہ اگرچہ مفضول امام بن جائے مگر افضل پیچھے رہ کر بھی اس سے افضل ہے،دیکھو بلال جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے جائیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہو کر۔

۲؎ اس میں یہ ذکر تھا کہ تم میں اذان کوئی کہہ دے مگر امامت بہتر آدمی کرے،وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی میں نے وہاں بیان کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اذان بہترین لوگ دیں اور تمہاری امامت قاری لوگ کریں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی مؤذن متقی پرہیزگار اور نماز کے اوقات جاننے والا چاہیے کیونکہ لوگوں کی نمازیں،افطار،سحریاں کھانا پینا اس کی اذان سے وابستہ ہیں،نیز یہ اکثر اذان کے لیے اوپر چڑھتا ہے جس سے کبھی لوگوں کے گھروں میں نظر پڑ جاتی ہے۔خیال رہے کہ مؤذن میں عالم ہونے کی قید نہیں کیونکہ مؤذن دوسرے کے علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر امام دوران نماز میں دوسرے کے علم سے استفادہ نہیں کرسکتا،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے لیے حضرت بلال کو منتخب فرمایا حالانکہ علماء صحابہ موجود تھے۔

روایت ہے حضرت ابوعطیہ عقیلی سے فرماتے ہیں کہ مالک ابن حویرث ۱؎ ہمارے پاس ہماری مسجد میں آتے اور بات چیت کیا کرتے تھے ایک دن نماز کا وقت آگیا ابوعطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کہا آگے بڑھیے نماز پڑھایئے وہ بولے کہ تم اپنے کسی آدمی کو آگے بڑھاؤ جو تمہیں نماز پڑھائے اور میں بتاؤں گا کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کسی قوم کی	

	ملاقات کو جائے وہ ان کی امامت نہ کرے ان کی امامت انہیں میں کا کوئی کرے۲؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی) مگر نسائی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ پر کفایت کی۔

۱؎آپ صحابی ہیں،صرف ۲۰ روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے،بصرہ میں قیام رہا،۹۴ھ میں،وہیں وفات پائی۔

۲؎ مالک ابن حویرث کو پوری حدیث نہ پہنچی،وہاں یہ تھا کہ ان کی بغیر اجازت امامت نہ کرے،اس لیے آپ نے اجازت کے باوجود نماز نہ پڑھائی،یہ ہے صحابہ کا انتہائی تقویٰ،شارحین نے اس کے اور وجوہ بیان کیے ہیں مگر یہ وجہ بہت قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو اپنا نائب کیا تاکہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حالانکہ اور وہ نابینا تھا۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جب آپ غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے،تو حضرت علی مرتضٰی کو مدینہ منورہ کی حفاظت اہل وعیال کی نگہداشت دشمنوں کے انتظام کا خلیفہ بناگئے اور عبداللہ ابن ام مکتوم کو نماز کی امامت کا چونکہ علی مرتضٰی اتنی ذمہ داریوں کے ہوتے امامت کے فرائض انجام نہیں دے سکتے تھے اس لیے آپ پر پابندی نہیں لگائی گئی اور چونکہ باقی لوگوں میں عبداللہ ابن ام مکتوم کی برابر کوئی عالم نہ تھا اس لیے باوجود نابینا ہونے کے آپ کو امام بنایا گیا۔خیال رہے کہ حضرت ابن ام مکتوم کی امامت اتفاقی تھی مگر صدیق اکبر کی امامت اتفاقی نہ تھی وہاں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس قوم میں ابوبکر ہوں وہاں کسی اور کو امامت کا حق نہیں لہذا صدیق اکبر کی امامت ان کی خلافت کی دلیل تھی،مگر یہ امامت خلافت کی دلیل نہیں۔فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث پر سے حسب ذیل اعتراضات اٹھ گئے:(۱) یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر علی مرتضٰی کو خلیفہ بنایا تھا یہ حدیث اس کے خلاف ہے۔(۲) علی مرتضٰی جیسے فقیہ و عالم کی موجودگی میں انہیں امام کیوں بنایا گیا۔(۳) نابینا کی امامت مکروہ ہے پھر انہیں امام کیوں بنایا گیا۔(۴) معلوم ہوا کہ صدیق اکبر کو نماز کا امام بنانا آپ کی خلافت کی دلیل نہیں،ورنہ ابن ام امکتوم بھی خلیفہ ہونے چاہئیں۔خیال رہے کہ نابینا کی امامت مکروہ نہیں صرف خلاف اولٰی ہے مگر جب نابینا عالم قوم ہو تو خلاف اولٰی بھی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو دوبارہ اپنا خلیفہ بنایا ہے،بعض نے فرمایا کہ اس امت میں **عبس وتولیٰ** والے واقعہ کا بدلہ کرنا مقصود تھا۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۱؎ بھاگا ہوا غلام حتی کہ لوٹ آئے اور وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند ناراض ہو۲؎ اور قوم کا امام کہ قوم اسے ناپسند کرے۳؎(ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی قبولیت تو کیا بارگاہِ الٰہی میں پیش بھی نہیں ہوتی جیسے دوسری نیکیاں پیش ہوتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ**"۔چونکہ کان انسان کا سب سے قریب عضو ہے کہ اس سے ہی تلاوت کی آواز سنی جاتی ہے اس لیے اس کا ذکر ہوا۔

۲؎ عورت کی بدخُلقی اور نافرمانی کی وجہ سے اور اگر بلاوجہ ناراض ہے تو عورت کا کوئی نقصان نہیں اور اگر ظلم مرد کی طرف سے ہے تو حکم برعکس ہوگا یعنی بغیر عورت کو راضی کیئے مرد کی نماز قبول نہ ہوگی۔(لمعات مرقاۃ)

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں امام سے مراد نماز کا امام ہے اور ناپسندیدگی سے مراد امام کی جہالت یا بدعملی یا بدمذہبی کی وجہ سے ناراضی ہے ۔اگر لوگ دنیاوی وجہ سے ناراض ہوں تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ اس صورت میں وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔خیال رہے کہ ناراضی میں اکثر کا اعتبار ہے دو چار آدمی تو ہر ایک سے ناراض ہوتے ہی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی جو کسی قوم کے آگے کھڑا ہوجائے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں اور وہ شخص جو نماز میں پیچھے آئے یہ کہ فوت ہونے کے بعد آئے ۱؎ اور وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنالے ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی نماز قضا کردینے یا بلاوجہ جماعت چھوڑ دینے کا عادی ہوگیا ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ جماعت واجب ہے اس کے چھوڑنے کی عادت فسق ہے۔

۲؎ مُحَرَّرَۃً رَقَبَۃً پوشیدہ کی صفت ہے۔آزاد کو غلام بنانے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ ظلمًا آزاد کو پکڑ کر غلام بنالیا جائے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا۔دوسرے یہ کہ اپنے غلام کو خفیہ طور پر آزاد کرکے پھر غلام بنالیا جائے۔غلام ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکے،ایسے ظالم کی نماز کیسے قبول ہوسکتی ہے۔چونکہ عرب میں اسلام سے پہلے اس قسم کی حرکتیں عام ہوتی تھیں اس لیے یہ وعید ارشاد فرمائی گئی۔

روایت ہے حضرت سلامہ بنت حر سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علامات قیامت سے یہ ہے کہ مسجد والے ایک دوسرے پر ٹالیں کوئی امام نہ پائیں جو انہیں نماز پڑھائے ۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ صحابیہ ہیں،قبیلہ بنی ازد سے یا بنی اسد سے،ان کی حدیثیں کوفہ میں زیادہ مشہور ہوئیں۔

۲؎ یعنی مسلمان مسجد میں جمع ہوں اور ہر ایک دوسرے سے کہے کہ تو نماز پڑھا۔مقصد یہ ہے کہ قریب قیامت جہالت ایسی عام ہوجائے گی کہ مسلمانوں کے مجمعوں میں کوئی امامت کے قابل نہ ملے گا،بعض دفعہ لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر چلے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلفًا امامت کو ٹالنا بھی ممنوع ہے۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا اس حدیث کی بناء پر علماء نے امامت،تعلیم قرآن وغیرہ عبادتوں پر اجرت جائز کی تاکہ مسجدیں ویران نہ ہوجائیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جہاد تم پر واجب ہے ہر امیر کے ساتھ نیک ہو بدا ۱؎ اگرچہ گناہ کبیرہ کرے اور ہر مسلمان کے پیچھے تم پر نماز واجب ہے نیک ہو یا بدا اگرچہ گناہ کبیرہ کرے ۲؎ اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ	

	واجب ہے نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ کبیرہ کرے ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کے لیے امیر شرط ہے لیکن امیر کے لیے قریشی یا متقی ہونا شرط نہیں،ہر مسلمان امیر کے ماتحت جہاد جائز ہے یعنی اگر فاسق و فاجر امیر بن گیا ہو تو اس کے ساتھ جہاد کرو،ہاں فاسق کو امام بنانا منع ہے،دیکھو امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو امام نہ بنایا جان دے دی لہذا ان کا وہ عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ فاسق کو امام بنانا منع لیکن اگر وہ امام بن چکا ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز،اس مسئلے کا ماخذ یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ یہاں فاسق سے مراد بد عمل ہے نہ کہ بدمذہب لہذا قادیانی،چکڑالوی،شیعہ امام کے پیچھے ہرگز نماز جائز نہیں،نیز اگر فاسق نماز میں کوئی ایسی بدعملی کررہاہے جس سے خود اس کی نماز مکروہ تحریمی ہورہی ہے اس کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں،جیسے کوئی سونا یا ریشم پہن کر یا داڑھی منڈائے،نیکر پہنے،گھٹنا کھولے نماز پڑھائے کیونکہ جو نماز مکروہ تحریمی فعل کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا واجب۔یہاں حدیث میں فاسق سے مراد وہ ہے جو نماز میں فسق نہ کررہا ہو جیسے جھوٹا یا غیبت کرنے والا آدمی کہ وہ یہ جرم نماز میں نہیں کرتا۔

۳؎ یعنی مسلمان میت کیسا ہی گنہگار ہو اس کا جنازہ ضرور پڑھا جائے گا۔خیال رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض میت کا جنازہ نہ پڑھا تاکہ لوگ قرض سے بچیں مگر صحابہ سے پڑھوادیا،آپ کا وہ عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ چار شخصوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے:ڈاکو جو مقابلے میں مارا جائے،ماں باپ کا قاتل جب کہ قصاص میں مارا جائے،خناق یعنی خفیہ طور پر لوگوں کا گلا گھونٹ کر مار دینے والا،باغی جو جنگ میں مارا جائے۔(درمختار) اس مسئلے کا ماخذ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا عمل شریف ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو بن سلمہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گھاٹ پر رہتے تھے ہم پر قافلے گزرتے تھے ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کے کیا حال ہیں اور ان صاحب کا کیا حال ہے ۲؎ وہ کہتے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انہیں رسول بنایا انہیں فلاں فلاں وحی کی میں اس وحی کو یاد کرتا رہتا تھا گویا وہ میرے سینے میں پیوست ہوجاتی تھی ۳؎ اہلِ عرب اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہتے تھے کہ انہیں ان کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو اگر وہ ان پر غالب آجائیں تو سچے نبی ہیں ۴؎ جب فتح مکہ کا واقعہ ہوگیا تو ہر قوم اسلام لانے میں جلدی کرنے لگی میرے والد اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے جلدی پہنچے ۵؎ جب آئے تو بولے خدا کی قسم میں سچے نبی کی طرف سے آرہا ہوں فرمایا کہ فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھا کرو جب وقت نماز آئے تو تمہارا کوئی اذان دے اور امامت وہ کرے جسے قرآن زیادہ یاد ہو ۶؎ انہوں نے دیکھا تو مجھ سے

	زیادہ قرآن دان کوئی نہ تھا کیونکہ میں قافلوں سے یاد کرتا رہتا تھا انہوں نے مجھے ہی آگے کردیا حالانکہ میں چھ یا سات سال کا تھا۔ مجھ پر ایک چادر تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو چڑھ جاتی (کھل جاتی) قبیلہ کی ایک عورت بولی کہ اپنے قاری کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تب انہوں نے میرے لیئے قمیص خرید کر کٹوائی مجھے جتنی خوشی اس قمیص سے ہوئی اتنی کسی سے نہ ہوئی تھی۸؎ (بخاری)

۱؎ حق یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں ہے،آپ کے والد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرگئے ہیں لیکن آپ کی ملاقات ثابت نہیں،آپ انصار میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی ہمارا قبیلہ کسی دریا کے گھاٹ پر تھا جہاں سے دن رات قافلے گزرتے ہیں،چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف سارے عرب میں پھیل چکا تھا ہم نے بھی سن لیا تھا اس لیئے جو قافلہ مدینہ طیبہ سے آتا ہم اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور لوگوں کے برتاوے پوچھا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی بعض لوگ آیات قرآنیہ ہمیں سنایا کرتے تھے ہمارے بڑے تو سن کر بھول جاتے تھے مگر میں بچہ تھا مجھے ایک ایک لفظ یاد رہتا تھا کہ بچپن کا حفظ پتھر کی لکیر ہوتا ہے،نیز میرے قلب میں وہ کلام بہت ہی اثر کرتا تھا اس لیئے میں شوق سے بھی یاد کرتا تھا۔مثل مشہور ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

۴؎ یعنی ہمارے علاقے کے عرب لوگوں نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھے نہ تھے اس لیئے انہوں نے فتح مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل سمجھ رکھا تھا کیونکہ ان حالات اور اس ماحول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ فرمانا معجزہ ہی تھا لہذا اس جملہ پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎ یہ اس آیت کی تفسیر ہے "وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللہِ اَفْوَاجًا" کہ ہر طرف سے فوج در فوج لوگ آکر مشرف باسلام ہوتے تھے،میرے والد حضرت سلمہ اپنی قوم کے نمایندے بن کر حاضرِ بارگاہ ہوئے۔

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرت کو نماز کے احکام بہت تفصیلی بتائے باقی زکوۃ وغیرہ کے اجمالی کیونکہ مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے زکوۃ سال بعد اس دوران میں وہ مسائل سیکھ سکتے ہیں اور چونکہ ابھی انکی قوم میں عالم ملے گا نہیں اس لیئے صرف حافظ آیات امام بنانے کا حکم دیا گیا اسی لیئے آگے یہ نہ فرمایا کہ اگر قرأت میں برابر ہوں تو عالم کو لو لہذا اس حدیث سے یہ ہر گز ثابت نہیں ہوتا کہ قاری امامت میں عالم پر مقدم ہو۔

۷؎ یعنی اب انہوں نے امامت کے لیئے کسی کو منتخب کرنا چاہا تو میں انتخاب میں آیا کیونکہ مجھے پہلے ہی سے آیاتِ قرآنیہ یاد تھیں مجھے میرے والد نے نماز پڑھنے کا طریقہ(جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر آئے تھے)بتا کر آگے کھڑا کردیا میں چھ یا سات برس کا تھا اور میرے پیچھے بوڑھے جوان سب تھے۔خیال رہے کہ یہ حضرات ابھی مسائلِ نماز سے خبردار نہ تھے اس لیئے انہوں نے ایسے بچے کو امام بنایا جسے ستر کی بھی پوری خبر نہ تھی جیسا کہ آگے آرہا ہے۔اس سے بعض لوگ بچے کی امامت پر دلیل پکڑتے ہیں مگر یہ غلط ہے ورنہ انہیں چاہیئے کہ وہ ننگے امام کے پیچھے نماز پڑھا کریں ان حضرات کی یہ نمازیں لوٹانے کے قابل نہ تھیں کیونکہ ابھی قوانینِ اسلام شائع نہیں ہوئے تھے انکی بے علمی انکے لیئے عذر تھی۔

۸؎ کیونکہ مجھے امامت بھی ملی اور ساتھ ہی قوم کی طرف سے ایک قسم کا انعام بھی۔ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک بچے کی امامت کسی نماز میں جائز نہیں نہ نفل میں نہ فرض میں۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بچہ جس پر حدود جاری نہیں امامت نہ کرے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بلوغت سے پہلے بچے کی امامت جائز نہیں۔ یہی قول حضرت عمر فاروق اور صدیق اکبر کا ہے۔ بالغ کے نفل شروع کر دینے سے واجب ہو جاتے ہیں، مگر بچے کے شروع کرنے کے بعد بھی نفل رہتے ہیں۔ تعجب ہے ان بزرگوں پر جوان صاحبزادے کی روایت پر تو عمل کرتے ہیں مگر فقہا صحابہ کے قول پر عمل نہیں کرتے۔ (مرقاۃ) اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جب پہلے مہاجر مدینہ میں آئے تو ان کی امامت ابو حذیفہ کے غلام سالم کرتے تھے حالانکہ ان میں حضرت عمر اور ابو سلمہ بن عبد الاسد ہوتے ۱؎ (بخاری)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے بعض صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے جن میں حضرت عمر اور سیدنا ام سلمہ کے خاوند ابو سلمہ ابن اسد جیسے صحابہ بھی تھے لیکن چونکہ اس وقت ابو حذیفہ ابن عتبہ ابن ربیعہ کے فارسی غلام زیادہ قاری اور عالم بھی تھے اس لیئے وہ امام رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے مفضول امامت کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن چار شخصوں سے سیکھو، ابن مسعود، ابی ابن کعب، معاذ ابن جبل، سالم مولیٰ ابی حذیفہ (جامع صغیر سیوطی)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز ان کے سروں سے بالشت بھر اونچی نہیں اٹھتی وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرے جو اس سے ناراض ہوں اور وہ عورت جو رات گزارے حالانکہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو اور دو بائیکاٹ کرنے والے مسلمان بھائی ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جو دو مسلمان دنیاوی وجہ سے ایک دوسرے سے قطع تعلق کر چکے ہوں ان دونوں کو امام نہ بناؤں تاکہ اس وجہ سے وہ آپس میں صلح صفائی کرلیں۔ خیال رہے کہ دینی وجہ سے بائیکاٹ عین عبادت ہے جیسے ہم مرزائیوں وغیرہ سے دور رہیں ایسے ہی کسی کی اصلاح کے لیئے اس کا بائیکاٹ کرنا جائز، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے حضرت کعب ابن مالک کا کچھ سکھانے کے لیئے چالیس دن بائیکاٹ کیا، لہذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔

باب ما علی الامام

باب امام پر کیا چیزیں ہیں ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یعنی امام پر مقتدیوں کے کیا کیا حقوق ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے امام کے پیچھے کبھی نماز نہ پڑھی جس کی نماز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہلکی اور زیادہ پوری ہو ۱ آپ بچے کے رونے کی آواز سنتے تو ہلکی کردیتے اس خوف سے کہ اس کی ماں گھبرا جائے گی ۲ (مسلم، بخاری)	

۱ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کی نماز دراز نہ ہوتی تھی اس کے باوجود کوئی مستحب تک نہیں چھوٹتا تھا۔خیال رہے کہ ہلکی نماز سے یہ مراد نہیں کہ سنتیں چھوڑ دیں یا اچھی طرح ادا نہ کریں بلکہ مراد یہ ہے کہ نماز کے ارکان دراز نہ کرے بقدر کفایت ادا کرے جیسے رکوع سجدے کی تسبیحیں تین بار کہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کتنی ہی لمبی قرأت کرتے مگر مقتدیوں کو ہلکی ہی معلوم ہوتی تھی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

۲ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عورتیں بھی نماز پڑھتی تھیں جو اپنے بچوں کو گھر سلا کر آتی تھیں،جب گھروں سے ان کے رونے کی آواز آتی تو سرکار ان کی ماؤں کے خیال سے نماز ہلکی کرتے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور اسے دراز کرنا چاہتا ہوں کہ بچے کی رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کرتا ہوں کیونکہ اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت گھبراہٹ جان لیتا ہوں ۱ (بخاری)	

۱ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نمازی کا باہر کی آواز سن لینا اور اس کا لحاظ کرنا خشوع نماز کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ نماز میں غیر معین مقتدی کی رعایت کرنا درست ہے جیسے بعض صورتوں میں مقتدیوں کی وجہ سے نماز ہلکی کی جاسکتی ہے،ایسے ہی رکوع میں ملنے والوں یا وضو کرنے والوں کی وجہ سے نماز دراز کی جاسکتی ہے،کسی معین شخص کی نماز میں رعایت کرنا حرام بلکہ شرک خفی ہے۔یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ صدیق اکبر بحالت نماز آپ کو دیکھ کر مقتدی بن جاتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ	

علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے ہلکی کرے کہ ان میں بیمار اور کمزور اور بڈھے ہیں اور جب اکیلے پڑھے تو جتنی چاہے دراز کرے[1] (مسلم،بخاری)	

[1] لیکن اب عوام اماموں کا حال برعکس ہے کہ اکیلی نماز مختصر پڑھتے ہیں اور جماعت کی نماز طویل خدا ہدایت دے۔

روایت ہے حضرت قیس ابن حازم سے فرماتے ہیں کہ مجھے ابو مسعود نے خبر دی کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ خدا کی قسم میں فلاں کی وجہ سے نماز فجر سے پیچھے رہتا ہوں کیونکہ وہ دراز بہت کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن سے زیادہ کسی وعظ میں غضب ناک نہ دیکھا پھر فرمایا کہ تم میں سے بعض نفرت والے ہیں جو کوئی بھی لوگوں کو نماز پڑھائے وہ مختصر کرے کیونکہ ان میں کمزور بوڑھے اور کام کاج والے ہیں[1] (مسلم،بخاری)	

[1] اس سے معلوم ہوا کہ امام کے قصور کی بنا پر اگر کوئی شخص جماعت چھوڑ دے تو گنہگار وہ نہیں ہے بلکہ امام، نیز حاکم یا بزرگ کے سامنے امام کی شکایت کر دینا جائز ہے، نہ یہ غیبت ہے اور نہ امام کی سرتابی، نیز حاکم مقتدیوں کے سامنے امام پر سختی بھی کر سکتا ہے اور ملامت بھی،اس میں اس کی اصلاح ہے نہ کہ ذلیل کرنا۔ درازیٔ نماز اگرچہ عبادت ہے مگر جب کہ اس سے کوئی خرابی نہ پیدا ہو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہیں امام نماز پڑھایا کریں گے اگر درستی کریں تو تمہارے لیئے مفید ہے اور اگر خطا کریں تو تمہارے لیئے مفید ان کے لیئے مضر[1] (بخاری)	

[1] یعنی اگر ایسی غلطی کریں جس کی تمہیں خبر نہ ہو تو تم معذور وہ مجرم لیکن اگر تمہیں پتہ چل جائے تو تم پر نماز کا اعادہ وغیرہ واجب ہے۔ چنانچہ اگر معلوم ہو جائے کہ امام بے دین یا بے وضو یا بے غسل تھا یا اس کے کپڑے میں نجاست لگی تھی تو سب پر نماز لوٹانا واجب ہے۔ چنانچہ امام محمد نے کتاب الاثار میں باسناد صحیح روایت کی "عَنْ اِبْرَاهِيْمَ ابْنِ يَزِيْدٍ مَكِّيٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ" کہ آپ نے فرمایا جو جنابت میں نماز پڑھائے تو امام و مقتدی دونوں نماز لوٹائیں، نیز عبدالرزاق نے حضرت جعفر سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت علی نے جنابت میں نماز پڑھادی تو آپ نے خود بھی نماز لوٹائی اور مقتدیوں کو بھی لوٹانے کا حکم دیا، نیز عبدالرزاق نے ابوامامہ سے روایت کی کہ ایک بار حضرت عمر نے جنابت میں نماز پڑھادی تو آپ نے نماز لوٹائی مقتدیوں نے نہ لوٹائی علی مرتضی کو پتہ چلا تو آپ نے فاروق اعظم سے فرمایا کہ سب کو نماز لوٹانی چاہیئے تھی حضرت ابن مسعود نے آپ کی تائید کی تب عمر فاروق نے رجوع کیا اور سب کی نماز لوٹائی، نیز سارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر امام بغیر تکبیر تحریمہ نماز پڑھائے تو کسی کی نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ جنبی بے وضو اور نجس کپڑے والے کی تحریمہ ہی صحیح نہیں لہذا ان کی نمازیں بغیر تحریمہ ہیں۔ بہرحال یہ حدیث نہ وہابیوں کی دلیل ہے نہ حنفیوں کے خلاف۔

نوٹ: اس حدیث کی بنا پر وہابی کہتے ہیں کہ امام کی نماز کے بطلان سے مقتدی پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر یہ غلط ہے۔

مسئلہ: اگر امام ایک عرصہ کے بعد کہے کہ میں کافر تھا یا میں نے اب تک بے وضو نمازیں پڑھائی تو مقتدیوں پر نمازیں لوٹانا فرض نہیں کیونکہ امام اس خبر کی وجہ سے فاسق ہوگیا اور فاسق کی بات کا اعتبار نہیں۔(فتح القدیر و مرقاۃ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عثمان ابن ابی العاص سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جوآخری عہد کیا تھا وہ یہ تھا کہ جب تم کسی قوم کی امامت کروتو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۲؎(مسلم)اس کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں ۳؎ فرمایا قریب آؤ مجھے اپنے سامنے بٹھایا اپنا ہاتھ میرے سینے پر دو پستانوں کے درمیان رکھا پھر فرمایا پھرو تو اپنا ہاتھ میری پیٹھ میں دو کندھوں کے درمیان رکھا پھر فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو ۴؎ جو کسی قوم کا امام ہو تو نماز ہلکی پڑھائے کہ ان میں بڈھے بیمار مریض اور کمزور اور کام کاج والے ہیں اور جب کوئی نماز اکیلے پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔	

۱؎ آپ ثقفی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور عہد صدیقی و فاروقی میں طائف کے عامل رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بنی ثقیف نے مرتد ہونا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ایمان میں آخر تھے کفر میں آگے کیوں ہوئے جاتے ہو اور سب کو ارتداد سے روک لیا۔

۲؎ غالبًا آپ کو طائف بھیجتے وقت آخری یہ وصیت فرمائی ہوگی۔

۳؎ امام بننے کی حالت میں کبر و غرور(نووی)یا وسوسے اور برے خیالات یا کمزوری جس کی وجہ سے امامت کی ہمت نہیں پڑتی،ہوسکتا ہے کہ تینوں ہی مراد ہوں۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے آپ کے دل کی ساری بیماریاں جاتی رہیں،جرات وہمت پیدا ہوئی تب یہ حکم دیا گیا۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ دافع البلاء،مشکل کشا ہے،کیوں نہ ہو جب یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی بیماریاں دور کرسکتی ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بلکہ آپ کا لعاب دہن آپ کے تبرکات قلب و قالب کی تمام بیماریاں ایک آن میں دفع کرسکتے ہیں،ان کے سہارے سے کمزور طاقت ور ہوجاتے ہیں اور کم ہمت دلیر صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حصرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ہلکی نماز کا حکم دیتے تھے اور خود صافات سے ہماری امامت کرتے تھے۱؎(نسائی)	

۱؎ یعنی بہت لمبی نماز پڑھاتے تھے وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں ایسی دل کشی اور جاذبیت تھی کہ صحابہ پر لمبی نماز بھی ہلکی ہوتی تھی اور ان حضرات پر ایسا فیضان ہوتا تھا کہ بیمار اپنی بیماری بھول جاتے تھے کام کاج والے اپنی حاجات فراموش کردیتے تھے اور کمزور طاقتور بن جاتے تھے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور احکام ہیں ہمارے اور۔مرقاۃ نے فرمایا کہ اس وقت صحابہ کے ذوق کی یہ کیفیت ہوتی تھی وہ چاہتے تھے کہ ایک رکعت میں تمام عمر گزر جائے،مبارک ہیں وہ آنکھیں جنہوں نے وہ منہ دیکھا،مبارک ہیں وہ کان جنہوں نے خدا بھاتی آواز سنی۔خیال رہے کہ اس حدیث میں عام حالات کا ذکر ہے ورنہ بعض خصوصی حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں مختصر بھی پڑھائی ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ آپ بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز ہلکی فرمادیتے تھے۔

باب ما علی الماموم من المتابعۃ وحکم المسبوق

مقتدی پر پیروی واجب ہونے کا حکم اور حکم مسبوق ہونے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ نماز کے ہر مقتدی کو ماموم کہتے ہیں۔ مقتدی کی تین قسمیں ہیں: مدرک: جو اول سے آخر تک امام کے ساتھ رہے۔ مسبوق: جو آخر نماز میں امام کے ساتھ ہو اول نہ پائے۔ لاحق: اس کا برعکس یعنی اول نماز پائے آخر نہ پائے۔ خیال رہے کہ مقتدی پر افعال نماز میں امام کی پیروی واجب ہے نہ کہ اقوال۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے ۱ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے جب آپ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک پیٹھ نہ جھکاتا جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک زمین پر رکھتے ۲ (مسلم، بخاری)	

۱ آپ مشہور صحابی ہیں، غزوہ خندق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اس سے پہلے غزوات میں لڑکپن کی وجہ سے اسلامی فوج میں نہ لیے گئے، جنگ جمل، صفین اور نہروان، میں امیر المؤمنین علی مرتضی کے ساتھ رہے۔

۲ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ شروع کردینے پر ہم قومہ سے جھکنا شروع کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا امام اسے اتنا پیچھے رہنا سنت ہے اور امام کے ساتھ رکن نماز میں ملنا واجب حتی کہ اگر امام رکوع سے سر اٹھائے اور مقتدی ابھی تک رکوع کی تین تسبیح نہیں پڑھ سکا تو تسبیحیں چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اگر مقتدی رکوع میں امام سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا تو پھر لوٹ جائے یہ اس کا ایک ہی رکوع ہوگا نہ کہ دو۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی جب نماز پوری ہوئی تو ہم پر اپنے چہرے سے متوجہ ہوئے فرمایا اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں لہذا رکوع سجدے قیام اور فراغت میں مجھ سے آگے نہ بڑھو ۱ کیونکہ میں تم کو اپنے آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے بھی ۲ (مسلم)	

۱؎ آگے بڑھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ امام سے پہلے رکوع میں پہنچے اور امام کے رکوع میں آنے سے پہلے اٹھ جائے اس صورت میں اس کا رکوع نہیں ہوا کیونکہ امام کے ساتھ شرکت نہ ہو سکی۔ دوسرے یہ کہ امام سے پہلے رکوع میں گیا مگر بعد میں امام بھی اسے مل گیا یہ مکروہ ہے لیکن رکوع صحیح ہو گا کیونکہ امام کے ساتھ شرکت ہو گئی۔

۲؎ یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت بھی ہے اور ملکیت بھی (فرشتہ ہونا) آپ پر کبھی بشریت کے حالات ظاہر ہوتے تھے، کبھی ملکیت کے، ہر طرف سے دیکھنا فرشتہ کی صفت ہے جو بعض اوقات خصوصًا نماز میں آپ سے ظاہر ہوتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں احسان یہ ہے کہ نماز میں بندہ سمجھے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں اگر یہ نہ سمجھ سکے تو کم از کم یہ سمجھے کہ رب مجھے دیکھ رہا ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی یہ سمجھ کر نماز پڑھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کمال احسان یہ ہے کہ نمازی یہ سمجھ کر نماز پڑھے کہ رب بھی مجھے دیکھ رہا ہے اور جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام سے جلدی نہ کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ کہے وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو تم کہو آمین ۱؎ اور جب رکوع کرے تم رکوع کرو اور جب کہے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ تو تم کہو اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد ۲؎ (مسلم، بخاری) مگر بخاری نے ذکر نہ کیا کہ جب وہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے۔	

۱؎ یعنی نماز کے اقوال و افعال سب میں امام سے پیچھے رہو آگے نہ بڑھو۔ خیال رہے کہ دیگر تکبیروں میں مقتدی کا امام سے آگے بڑھنا مکروہ ہے مگر تکبیر تحریمہ میں آگے بڑھنا نماز کو فاسد کردے گا، وہاں ضروری ہے کہ امام کے بعد تکبیر کہے ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اس تقسیم سے معلوم ہو رہا ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ جب تم "وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کہو تو تم "آمین" کہو۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں کلمے امام اور مقتدی پر تقسیم کیئے گئے ہیں، یہی ہمارا مذہب ہے یہاں "اَللّٰھُمَّ" بھی آگیا اور روایات میں نہیں ہر طرح جائز ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس سے گر گئے تو آپ کی دائیں کروٹ چھل گئی ۱؎ پھر آپ نے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر ہی پڑھی جب فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لیئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو جب اٹھائے تو تم اٹھاؤ جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم کہو ربنا لك الحمد جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو ۲؎ حمیدی فرماتے ہیں کہ	

یہ حکم کہ وہ بیٹھ کر پڑھے تم بیٹھ کر پڑھو آپ کے پرانے مرض میں تھا پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیٹھ کر پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے اور انہیں بیٹھنے کا حکم نہ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل لیا جاتا ہے اور آخری یہ ہے ۳؎ یہ بخاری کے لفظ ہیں مسلم سے **اجمعون** تک متفق ہیں اور ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ امام کی مخالفت نہ کرو جب سجدے کرے سجدہ کرو تم۔	

۱؎ شیخ نے فرمایا کہ یہاں حضور کا گھوڑے سے گر جانا اور کروٹ چھیل جانا بحکم بشریت ہے شیخ کا مطلب یہ کہ معراج میں برق رفتار براق پر سوار ہونا اور آسمانوں کی سیر کرنا بہ تقاضائے ملکیت تھا۔

۲؎ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر امام قبیلہ کا امام ہو اور اس کی بیماری بھی عارضی ہو مرض وفات نہ ہو اور نماز بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی کو بھی بیٹھنا پڑے گا بلکہ ایسا امام اگر کھڑے ہو کر نماز شروع کرے اور اسے درمیان میں بیٹھنا پڑ جائے تو مقتدی بھی بیٹھ جائیں گے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے، باقی تمام آئمہ اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔(لمعات)

۳؎ یہاں یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کہ وہ حضور کا قول تھا یہ فعل ہے اور قول فعل سے منسوخ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کھڑا ہونا صحابہ کا فعل تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع نہ فرمانا اس کی تائید ہے کیونکہ فعل قول کا ناسخ وہاں ہوتا جہاں فعل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا احتمال ہو یہاں یہ بات نہیں، دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کی اجرت کو خبیث فرمایا اور خود ابو طیبہ سے فصد کھلوا کر انہیں اجرت دی آپ کا یہ فعل اس قول کا ناسخ ہے کیونکہ یہاں دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے لینا حضرت ابو طیبہ کا لہذا یہ آپ کے خصائص میں سے نہ رہا۔ خیال رہے کہ یہ حمیدی امام بخاری کے شیخ ہیں، وہ حمیدی نہیں جو جامع صحیحین ہیں، دھوکا نہ کھانا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرماتی ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار ہوئے تو حضرت بلال آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیئے آئے ۱؎ فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ اس زمانے میں ابو بکر نماز پڑھاتے ۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ ہلکا پن پایا تو کھڑے ہوئے کہ دو شخصوں کے درمیان لے جائے جاتے تھے اور آپ کے قدم زمین پر گھسٹتے تھے ۳؎ حتی کہ آپ مسجد میں تشریف لائے جب صدیق اکبر نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو آپ پیچھے ہٹنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ نہ ہٹو ۴؎ پس آپ تشریف لائے اور حضرت صدیق کی بائیں بیٹھ گئے ۵؎ کہ صدیق کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر اور صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور	

	لوگ صدیق اکبر کی نماز کی ۶؎(مسلم،بخاری)اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ صدیق اکبر لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے۔

۱؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد کسی خاص شخص کو دروازے پر جا کر نماز کی اطلاع دینا ممنوع ہے سوائے سلطان اسلام اور اس عالم دین کے جو ہر وقت دینی مشاغل میں رہتا ہے اس مسئلے کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ آپ نے ۱۷ نمازیں پڑھائیں ہیں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بعد انبیاء **افضل الخلق** ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ امام افضل ہی کو بنایا جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کے آپ ہی مستحق ہیں کیونکہ،یہ امامت اصغریٰ امامت کبریٰ کی دلیل ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر آپ کو اپنا خلیفہ بنادیا خلافت صرف قول سے ہی نہیں ہوا کرتی اسی لیئے تمام صحابہ خصوصًا حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا کہ صدیق کو رسول اللہ نے ہمارے دین کا امام بنادیا تو ہم نے انہیں اسی دنیا کا امام بنالیا۔تیسرے یہ کہ امامت کا مستحق پہلے عالم ہے پھر قاری۔چوتھے یہ کہ ابو بکر صدیق تمام صحابہ میں بڑے عالم ہیں۔(از مرقاۃ ومدارج النبوۃ)

۳؎ وہ دو شخص حضرت عباس و علی مرتضی ہیں یا حضرت عباس واسامہ یا حضرت عباس و فضل ابن عباس۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ ایک جانب حضرت عباس اول سے آخر تک رہے ہوں اور دوسری جانب باری باری سے یہ حضرات۔شیخ نے فرمایا کہ انبیاء کرام پر یہ بیماریاں اور کمزوریاں بشریت کے عوارض میں سے ہیں۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ان نمازوں میں تمام صحابہ خصوصًا صدیق اکبر کا منہ کعبہ کی طرف تھا اور دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف،زبان قرآن میں مصروف تھی اور کان جناب مصطفے کی طرف اس سے ان کی نماز زیادہ کامل ہوئی ورنہ نماز کے خشوع میں کسی کی آہٹ کیسے سنی جاسکتی ہے۔دوسرے یہ کہ صدیق اکبر عین نماز میں خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتے تھے کہ ادبًا پیچھے ہٹ کر مقتدی بننے لگے یہ ادب شرک نہ تھا بلکہ کمال توحید۔تیسرے یہ کہ صدیق اکبر نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بلکہ اشاروں کی اطاعت کرتے تھے کہ اشارہ پاکر کھڑے رہے کیوں نہ ہو کہ نماز بھی انہیں کی اطاعت ہے۔

۵؎ امام بن کر نہ کہ مقتدی ہو کر ورنہ داہنی جانب بیٹھتے۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تمام کی امامتیں منسوخ ہوجاتی ہیں کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر تو انبیاء کی امامت کبریٰ یعنی نبوت منسوخ ہوگئی۔

۶؎ اس طرح کہ ابو بکر صدیق لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیریں پہنچاتے تھے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نماز کے دو امام تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بوجہ ضعف دور تک نہ پہنچ سکتی تھی۔فقہاء فرماتے ہیں اگر امام بہت کمزور ہو یا پیچھے مجمع زیادہ ہو تو مؤذن یا دیگر مقتدی امام کی تکبیریں لوگوں تک پہنچائیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ اس کا سر گدھے کا سا کردے۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی کی تاویل کی ضرورت نہیں یعنی امام سے آگے بڑھنا اتنا جرم ہے کہ اس پر صورت مسخ ہوسکتی ہے اگر کبھی نہ ہو تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا صدقہ ہے۔یہاں مرقاۃ نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا کہ ایک محدث دمشق کے کسی مشہور شیخ کے پاس حدیث سیکھنے گئے وہ شیخ پردے میں رہ کر انہیں حدیث پڑھایا کرتے تھے ایک دن ان کے اصرار پر پردہ اٹھایا تو ان کی

صورت گدھے کی سی تھی اور فرمایا کہ میں اس حدیث کو خلاف عقل سمجھ کر آزمائش کے لیے امام سے آگے بڑھا تھا تو اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز کو آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو جیسا امام کر رہا ہے وہی خود کرے[1](ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

[1] یعنی اپنی باقیماندہ نماز پہلے نہ پڑھے بلکہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے سلام پھیرنے کے بعد باقی ماندہ نماز پوری کرے یہ حکم مسبوق کا ہے،لاحق کا حکم اس کے برعکس ہے وہ پہلے چھوٹی ہوئی نماز بغیر قرأت پڑھے گا پھر امام کے ساتھ ملے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرلو اور اسے کچھ شمار نہ کرو[1] اور جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی[2](ابوداؤد)	

[1] یعنی سجدہ ملنے سے رکعت نہ ملے گی ہاں ثواب مل جائے گا،شیئًا سے یہی مراد ہے۔

[2] اس حدیث کے دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ رکعت سے مراد رکوع ہے اور صلوۃ سے مراد رکعت یعنی رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ورنہ فرض رہ جانے پر رکعت نہ ملتی۔دوسرے یہ کہ رکعت سے مراد رکعت ہے اور صلوۃ سے مراد نماز یعنی جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی اسے جماعت مل گئی۔اس لیئے امام محمد نے فرمایا کہ جمعہ اسے ملے گا جسے امام کے ساتھ ایک رکعت مل جائے کیونکہ اس سے کم ملنے پر جماعت نہیں ملتی اور جماعت جمعہ میں شرط ہے مگر شیخین فرماتے ہیں کہ جو سلام سے پہلے جماعت میں داخل ہو گیا اس کو جمعہ مل گیا حتی کہ اگر امام کے سجدہ سہو میں مل گیا تب بھی جمعہ مل جائے گا،تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

واقعہ عجیبہ: اس جگہ ملا علی قاری نے حدیث کے ضعف اور قوت پر بحث کرتے ہوئے مرقاۃ میں فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث پہنچی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ شریف پڑھ لے یا پڑھ کر کسی کو بخش دیا جائے تو اس کی مغفرت ہوتی ہے میں نے اتنا کلمہ پڑھ لیا تھا،ایک دن میرے ہاں دعوت میں ایک صاحب کشف جوان حاضر تھا اچانک رونے لگا،سبب پوچھا بولا کہ میں اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں،میں نے اپنے دل میں پڑھا ہوا وہ کلمہ اس کی ماں کو بخش دیا وہ جوان اچانک ہنس پڑا اور بولا کہ اب میں اسے جنت میں دیکھتا ہوں،میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی اور اس کے کشف کی صحت حدیث سے۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اولیاء کے سامنے جنت دوزخ وہاں رہنے والے سب ہیں۔اور مروجہ تیجہ جس میں چنوں پر سوا لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوا کر بخشا جاتا ہے درست ہے۔یہ واقعہ مولوی محمد قاسم نے بھی تحذیر الناس میں حضرت جنید بغدادی کی طرف منسوب کیا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیئے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے کہ پہلی تکبیر پاتا رہے تو اس کے لیئے دو پروانے لکھے جائیں گے ایک پروانہ آگ سے آزادی کا دوسرا نفاق سے آزادی کا۱(ترمذی)

۱ یعنی اس عمل کی برکت سے یہ شخص دنیا میں منافقین کے اعمال سے محفوظ رہے گا،اسے اخلاص نصیب ہوگا،قبر و آخرت میں عذاب سے نجات پائے گا۔خیال رہے کہ انسانی تبدیلیاں چالیس پر ہوتی ہیں،بچہ ماں کے پیٹ میں ۴۰ دن نطفہ،چالیس دن خون،پھر چالیس روز اور پارہ گوشت رہتا ہے،بعد ولادت ماں کو چالیس دن نفاس آسکتا ہے،چالیس سال میں عقل کامل ہوتی ہے اس لیئے یہاں بھی چالیس کا عدد مذکور ہوا۔ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص اختیار کرے تو اس کے دل کی طرف زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹیں گے۔یہ حدیث صوفیاء کے چلو کی اصل ہے۔مرقاۃ نے فرمایا سلف صالحین کی اگر کوئی جماعت چھوٹ جاتی تو سات سات روز تک لوگ تعزیت کے لیئے آتے۔تکبیر تحریمہ پانے کے معنی یہ ہیں کہ امام کی قرأت شروع ہونے سے پہلے مقتدی "سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ" پڑھ لے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وضو کرے تو اچھا کرے پھر چلے لوگوں کو پائے کہ نماز پڑھ چکے،اللہ اسے اس کی طرح ثواب دے گا جس نے نماز باجماعت پڑھی،یہ ان کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گا۱ (ابوداؤد،نسائی)

۱کیونکہ اس نے جماعت کی نیت و کوشش تو کی اتفاقًا نہ پاسکا بلکہ جماعت چھوٹ جانے پر مومن کو جو حسرت اور افسوس ہوتا ہے اس کا ثواب بہت ہے یہ سب کچھ اس کے لیئے ہے جس نے کوتاہی نہ کی ہو وقت کے اندازے میں غلطی ہوگئی ہو۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ایک صاحب آئے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو حضور نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو ان پر احسان کرے کہ ان کے ساتھ نماز پڑھے ایک صاحب کھڑے ہوئے ان کے ساتھ نماز پڑھ لی۱(ترمذی،ابوداؤد)

۱ یہ کھڑے ہونے والے صاحب ابوبکر صدیق تھے جیسا کہ بیہقی شریف میں ہے اور یہ وقت فجر عصر و مغرب کے علاوہ ہوگا وہ صاحب امام بنے ابوبکر صدیق مقتدی ان کے فرض ادا ہوئے صدیق اکبر کے نفل۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت ثانیہ جائز ہے،بازار کی مسجد میں تو ہر طرح،محلے کی مسجد میں جہاں امام و مقتدی مقرر ہوں وہاں پہلے امام کی جگہ سے ہٹ کر۔دوسرے یہ کہ دو شخصوں کی جماعت سے بھی ثواب جماعت مل جاتا ہے۔تیسرے یہ کہ اگر فرض والے کے ساتھ ایک نفل والا بھی شریک ہوجائے تب بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبید اللہ ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوااور عرض کیا کہ کیاآپ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی بابت کچھ نہ بتائیں گی فرمایاہاں ضرور! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت بیمار ہوگئے تو فرمایا کیالوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یار سول اللہ نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں فرمایا ہمارے لیئے لگن میں پانی رکھو فرماتی ہیں ہم نے کردیا ۲؎ آپ نے غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہوگئے ۳؎ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کیالوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یار سول اللہ نہیں وہ آپ کا انتظار کررہے ہیں فرمایا ہمارے لیئے لگن میں پانی رکھو فرماتی ہیں پھر حضور بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے توآپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی ۴؎ پھر کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا کیالوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کیا یار سول اللہ نہیں وہ لوگ آپ کے منتظر ہیں فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو پھر بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہوگئے ۵؎ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کیالوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض نہیں یار سول اللہ وہ آپ کے منتظر ہیں اور لوگ مسجد میں ٹھہرے ہوئے آخری عشاء کے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے تھے ۶؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں آپ کے پاس قاصد آیا ۷؎ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ۸؎ ابو بکر صدیق نرم دل تھے فرمایا اے عمر تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ ۹؎ عمر فاروق نے عرض کیا کہ اس کے حقدار آپ ہی ہیں ۱۰؎ چنانچہ اس زمانے میں ابو بکر صدیق نماز پڑھاتے رہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس میں ہلکا پن پایا اور دو شخصوں کے درمیان نماز ظہر کے لیئے نکلے جن میں سے ایک عباس تھے ۱۱؎ اور ابو بکر لوگوں کو نماز پڑھارہے تھے جب ابو بکر صدیق نے آپ کو دیکھا تو پیچھے جانے لگے ۱۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ جاؤ فرمایا کہ ابو بکر کے برابر بٹھادوان دونوں نے

	آپ کو ابو بکر کے برابر بٹھادیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ۱۳؎ عبید اللہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبداللہ ابن عباس کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ میں آپ پر وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھے حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے متعلق سنائی فرمایا لاؤ میں نے ان پر ان کی پوری حدیث پیش کردی آپ نے اس کا کچھ بھی انکار نہ کیا بجز اس کے فرمایا کیا حضرت عائشہ نے تمہیں ان صاحب کا نام بھی بتایا جو حضرت عباس کے ساتھ تھے میں نے کہا نہیں فرمایا وہ علی تھے ۱۴؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ مرض سے مراد مرض وفات شریف ہے، چونکہ اس زمانہ میں ام المؤمنین ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمار دار ہی ہیں۔اس لیئے صحابہ کرام آپ ہی سے اس مرض کے حالات پوچھا کرتے تھے۔خیال رہے کہ یہ سائل حضرت عبید اللہ ابن عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعود ہذلی ہیں۔یعنی عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے اور عمر بن عبدالعزیز کے استاد، فقہائے مدینہ میں سے تھے، تابعی تھے، نابینا تھے، ۹۲ھ میں وفات پائی۔حق یہ ہے کہ ان کے والد بھی تابعی ہیں، ان کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی۔

۲؎ مخضب اور مرکن قریبًا ہم معنی ہیں۔یعنی کپڑے دھونے کا برتن۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جماعت سے کتنی محبت تھی کہ ایسی سخت تکلیف میں بھی جماعت ہی کی فکر ہے۔صحابہ کرام کا یہ عشق تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نماز نہ پڑھتے تھے اگرچہ قضا ہی ہوجائے۔

۳؎ شاید یہ غسل سے مراد وضو یا وضو کے لیئے ہاتھ دھونا ہے۔ورنہ ہر بار غسل کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، نیز جب ضعف کا یہ حال ہے کہ جنبش پر غشی طاری ہوجاتی ہے تو غسل کیسے ہوسکتا ہے۔

۴؎ بے ہوشی ایک قسم کی بیماری ہے لہذا انبیائے کرام پر طاری ہوسکتی ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "**فَخَرَّ مَوْسٰی صَعِقًا**"۔جنون خرابی عقل ہے اور عیب اس سے انبیاء کرام محفوظ ہیں۔بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء پر غشی بھی گھڑی دو گھڑی کی آسکتی ہے نہ کہ مہینہ دو مہینہ کی کہ وہ غشی جنون کی مثل ہے۔

۵؎ بعض کا خیال ہے کہ یہ بار بار غسل علاج کے لیئے تھا کہ بخار کا علاج غسل تھا مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ عرب میں بعض بخاروں کا علاج سورج نکلنے کے وقت کا غسل ہے، نیز اگر علاجًا ہوتا تو یہ بعد نماز بھی ہوسکتا تھا۔

۶؎ نہ دروازہ عالیہ پر آواز دیتے تھے کہ بے ادبی ہے اور نہ اکیلے نماز پڑھتے تھے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے محرومی ہے۔

۷؎ یعنی حضرت بلال مؤذن رسول اللہ بعض تاریخی روایات میں ہے کہ آپ روتے ہوئے آئے اور کہا کہ لوگو مدینہ اجڑ چلا، مسجد نبوی ویران ہو چلی آج بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جماعت ہوگی پھر یہ پیغام عرض کیا۔

۸؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیئے ہے کیونکہ بعض روایات میں بھی ہے کہ فرمایا جہاں ابو بکر ہوں وہاں کسی کی امامت کا حق نہیں۔

۹؎ اس فرمان میں حکم سرکاری سے سرتابی نہیں بلکہ اظہار معذوری ہے کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلٰی خالی دیکھ کر صبر نہ کرسکوں گا، لوگوں کو قرأت نہ سنا سکوں گا، چیخیں نکل جائیں گی۔

۱۰؎ یعنی میری کیا مجال کہ آپ کی موجودگی میں امام بنوں،آپ جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب میں آچکے،آپ کی اس امامت سے لوگوں کی تقدیریں وابستہ ہوچکیں،اس سے بہت سے سربستہ راز کھلیں گے،آگے بڑھیئے اللہ آپ کو صبر دے گا۔

۱۱؎ یعنی داہنی طرف اور بائیں طرف باری باری سے حضرت علی مرتضٰے فضل ابن عباس اور اسامہ ابن زید جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔خیال رہے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوئے وہ سمجھتے تھے کہ یہ آخری خدمت ہے جتنا موقع مل جائے غنیمت ہے۔شعر

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

۱۲؎ معلوم ہوا کہ ان نمازوں میں صدیق اکبر بجائے سجدہ گاہ کے جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کو کنکھیوں سے دیکھتے تھے یعنی تن بکار اور دل بیار پر عمل تھا ایسی کامل نماز کسے نصیب ہوسکتی ہے۔

۱۳؎ خیال رہے کہ یہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرے شریف سے محراب النبی تک لائے یعنی آدھی صف کے سامنے سے گزرے ان کے لیئے یہ گزرنا جائز تھا کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا۔شرعی حکم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔خیال رہے کہ صدیق اکبر نے اس زمانہ میں ۱۷ نمازیں پڑھائیں ہیں کیونکہ دو دن پہلے عشاء کے وقت آپ کو امام بنایا گیا اور آج ظہر کو یہ وقعہ ہوا۔

۱۴؎ بعض کم عقلوں نے کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت علی سے ناراض تھیں کیونکہ علی مرتضی نے تہمت کے موقعہ پر آپ کی حمایت پر زور نہ دیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ حضور آپ کو بیویاں اور بھی مل جائیں گی مگر یہ غلط ہے کیونکہ دوسروں سے عائشہ صدیقہ نے آپ کا نام لیا ہے جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے۔(مرقاۃ) نیز تعجب ہے کہ ام المؤمنین یہاں تو علی مرتضٰی کا نام تک نہ لیں ادھر آپ کے اکثر فضائل کی روایتیں حضرت عائشہ صدیقہ سے ہی مروی ہیں،نام نہ لیں فضائل بیان کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم پہلے عرض کرچکے کہ اس جانب کچھ دور حضرت علی مرتضٰی رہے،کچھ دور فضل ابن عباس اور کچھ دور حضرت اسامہ ابن زید۔خیال رہے کہ یہ واقعہ ہفتہ یا اتوار کی ظہر کا ہے۔سوموار یعنی خاص وفات کے دن فجر کے وقت اولاً آپ نے پردہ اٹھا کر جماعت کو دیکھا اور دعائیں دیں،دوسری رکعت میں تشریف لاکر نماز میں شریک ہوگئے پہلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوئے ہیں اور صدیق مقتدی مگر سوموار کی فجر میں صدیق اکبر ہی امام رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے ایک رکعت پڑھی ہے اور اسی دن وفات شریف ہوگئی۔یہ مرقاۃ کی تحقیق ہے اور اس سے تمام روایتیں جمع ہوجاتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے تھے جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی اور جس سے الحمد کی قرأت چھوٹ گئی اس کی بہت خیر جاتی رہی ۱؎ (مالک)

۱؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی وہاں بتایا جاچکا ہے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔خیال رہے کہ رکوع پانے کے یہ معنی ہیں کہ یہ مقتدی تکبیر تحریمہ کہے پھر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا جھکاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کی ہاتھ میں ہے ۱؎ (مالک)

۱؎ یعنی شیطان اس سے یہ حرکتیں کرارہا ہے،یہ دونوں حدیثیں اگرچہ موقوف ہیں مگر مرفوع کے حکم میں ہیں۔

باب من صلی صلوۃ مرتین

باب جو دوبار نماز پڑھے[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] حقیقۃً دوبار پڑھے اس کی بہت صورتیں ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ممانعت کے اوقات میں ہوچکا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے انہیں نماز پڑھاتے[1] (مسلم،بخاری)

[1] اس کی شرح معہ تحقیق گزر چکی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل کی نیت کرتے اور قوم کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اور یہ نفل پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی برکت حاصل کرنے کے لیئے تھا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے عشاء کی پھر اپنی قوم میں آتے انہیں عشاء پڑھاتے ان کی زائد نماز ہوتی[1]

[1] ظاہر یہ ہے کہ ھِیَ کا مرجع آپ کی پہلی نماز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی یعنی پہلی نماز نفل ہوتی تھی اور دوسری فرض اور اگر اس کا مرجع دوسری نماز ہو تو نافلۃ کے لغوی معنی مراد ہوں گے یعنی زائد۔قرآن کریم نے اس معنی میں فرض نماز کو بھی نفل فرمایا ہے: "فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد فرض تھی مگر اس کو نافلہ بمعنی زائدہ فرمایا گیا اور اگر مان لیا جائے کہ آپ اولًا فرض ہی پڑھتے تھے بعد میں نفل تو یہ آپ کا اجتہاد تھا اسی لیئے بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا اے معاذ یا تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھاؤ۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت یزید ابن اسود سے[1] فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے حج میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں فجر کی نماز پڑھی جب آپ نماز پوری کر چکے اور پھرے تو آخری قوم میں دو شخص تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ

	ساتھ نماز نہ پڑھی فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ انہیں لایا گیا ان کے کندھے کانپ رہے تھے ۲؎ فرمایا کہ تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنی منزلوں میں نماز پڑھ چکے تھے فرمایا ایسا نہ کرو جب اپنی منزلوں میں نماز پڑھ لو پھر جماعت کی مسجد میں آؤ تو ان کی ساتھ بھی پڑھ لو کہ وہ تمہارے لیئے نفل ہو جائے گی ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کا شمار اہل طائف میں ہے کوفہ میں آپ کی احادیث بہت زیادہ شائع ہوئیں۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت خداداد کی وجہ سے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہیبت بھی دی گئی اور محبوبیت بھی جو پہلی بار حاضر ہوتا مرعوب ہو جاتا جو حاضر رہتا وہ آپ کا عاشق جانباز بن جاتا۔

۳؎ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی اور اس میں وہ نمازیں مراد ہیں جن کے بعد نفل جائز ہے ہر نماز مراد نہیں اگر ہر نماز مراد ہو تو یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث سے جن میں فرمایا گیا کہ فجر وعصر کے بعد نوافل نہ پڑھو،نیز اسی باب کے آخر میں آرہا ہے کہ جو فجر یا مغرب پڑھ چکا ہو پھر جماعت پالے تو اس کے ساتھ نہ پڑھے۔بہر حال یہ حدیث مطلقًا قابل عمل نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت بسر ابن محجن سے وہ اپنے والد سے راوی کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نماز کی اذان ہوئی ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھی اور واپس ہوئے محجن اپنی جگہ رہے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں اپنی کون سی شیئے مانع ہوئی کیا تم مسلمان نہیں ۲؎ عرض کیا ہاں یا رسول اللہ لیکن میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا ۳؎ تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں آؤ حالانکہ نماز پڑھ چکے ہو اور نماز کی تکبیریں کہی جائیں تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لو اگرچہ پہلے پڑھ چکے ہو ۴؎ (مالک ونسائی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ داخل مسجد میں حضور کے ساتھ تھے،اذان ہوتے حضور نے وہیں نماز پڑھی یہ وہیں بیٹھے رہے اسی بناپر حضور کا ان پر وہ عتاب ہوا جو آگے آرہا ہے جیسا کہ عرض کیا جائے گا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت اولیٰ کے وقت مسجد میں بیٹھا رہنا سخت گناہ بلکہ کفار کی علامت ہے یا تو بہ نیت نفل جماعت میں شریک ہوجائے ورنہ تکبیر سے پہلے ہی وہاں سے چلا جائے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ کیا تم مسلمان نہیں اپنی بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ یہی بتانے کے لیئے ہے کہ یہ علامت کفار کی ہے۔

۳؎ یہ سمجھ کر کہ مسجد میں نماز ہوچکی ہوگی۔ممکن ہے کہ یہ کسی دور کے محلّہ کے باشندے ہوں اور اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ کر آئے ہوں۔بہرحال ان صحابی پر یہ اعتراض نہیں کہ انہوں نے بغیر جماعت گھر میں نماز کیوں پڑھی۔

۴؎ یہ حکم استحبابی ہے اور یہ نماز نفل ہوگی لہذا انہیں اوقات میں ہوسکے گی جن میں بعد فرض نفل جائز ہیں یعنی ظہر وعشاء۔خیال رہے کہ یہ جماعت اولیٰ کے آداب ہیں دوسری جماعتیں ہوتی رہیں تم وہاں بیٹھے رہو کیونکہ ابھی حدیث میں گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو حکم دیا کہ فلاں کے ساتھ نماز پڑھ لو وہ جماعت ہوتی رہی اور سرکا مع صحابہ مسجد میں تشریف فرما رہے۔

	روایت ہے ایک شخص اسد ابن خزیمہ سے۱؎ کہ انہوں نے حضرت ابوایوب انصاری سے پوچھا کہا کہ ہم میں سے کوئی اپنی جگہ نماز پڑھ لے پھر مسجد میں آئے اور نماز کی تکبیر ہو تو کیا میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں میرے دل میں اس سے کچھ شبہ ہے۲؎ ابوایوب نے فرمایا کہ ہم نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا یہ اس کے لیئے ڈبل حصہ ہے۳؎(مالک وابوداؤد)

۱؎ ایک قبیلہ کا نام ہے جس کا مورث اعلیٰ اسد ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ہے لہذا یہ مضر کا ایک بطن ہے۔

۲؎ شبہ یہ ہے کہ جب گھر میں ایک بار نماز پڑھ لی تو دوبارہ کیوں پڑھوں ایک دن میں ایک نماز دوبارہ نہیں ہوا کرتی۔

۳؎ یعنی یہ جماعت کی نماز نفل ہوگی نہ کہ فرض لہذا ایک نماز دوبارہ نہ ہوئی اور اس سے تمہیں جماعت کا ثواب نفع میں مل جائے گا۔

	روایت ہے حضرت یزید ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نماز میں تھے میں بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہوا۱؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے میں بیٹھا ہوا تھا تو فرمایا اے یزید تم مسلمان نہیں میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ میں مسلمان ہوچکا فرمایا کہ تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز میں شرکت سے کس نے منع کیا۲؎ میں نے عرض کیا کہ میں اپنی جگہ میں نماز پڑھ چکا ہوں میں سمجھا کہ آپ حضرات نماز پڑھ چکے۳؎ تو فرمایا کہ جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو پاؤ ان کے ساتھ نماز پڑھو اگرچہ پڑھ چکے ہو یہ نماز تمہاری نفل ہوجائے گی اور وہ فرض ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ کیونکہ اپنے محلے کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ آیا تھا یا گھر میں اکیلے پڑھ چکا تھا یہ سمجھ کر مجھے دیر ہوگئی کہ مسجد نبوی میں نماز ہوچکی ہوگی۔

۲؎ یعنی جماعت اولیٰ کے وقت مسجد میں علیحدہ بیٹھا رہنا کفار کی علامت ہے تم نے ایسے کیوں کیا،اس سوال وجواب سے اظہار ناپسندیدگی مقصود ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے دلی حالات سے خبردار ہیں۔فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں،جسے پتھروں کے دلوں کی خبر ہو اسے انسانوں کے دل کی خبر کیسے نہ ہوگی۔

۳؎ یعنی ترک جماعت کاارادہ نہ تھاصرف غلط فہمی ہوگئی اس لیئے معذور ہوں۔

۴؎ یعنی جو اکیلے پڑھ آئے ہو وہ توفرض ہوگی اور جو جماعت سے پڑھی وہ نفل ہوگی مگر یہ حکم نماز جمعہ کے لیئے نہیں کیونکہ اگر جمعہ کے دن کوئی اپنے گھر میں ظہر پڑھ لے پھر جمعہ میں آجائے تو اس کی ظہر باطل ہے اب نماز جمعہ فرض۔

روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ کسی نے ان سے پوچھا عرض کیا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر امام کے ساتھ مسجد میں نماز پاتا ہوں کیا اس کے ساتھ بھی پڑھوں فرمایا ہاں اس نے کہا ان دونوں میں سے اپنی نماز کسے سمجھوں ۱؎ حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ تمہارا کام نہیں یہ تو اللہ عزوجل کا کام ہے ان میں سے جسے چاہے نماز بنائے ۲؎(مالک)	

۱؎ یعنی اس صورت میں میری فرض نماز کون سی ہوئی؟پہلی جو اکیلے پڑھی یا دوسری جو جماعت سے پڑھی۔غالبًا یہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ نمازی نے دوسری نماز میں نفل کی نیت نہ کی بلکہ مطلقًا نماز کی یا غلطی سے اسے بھی فرض ہی سمجھ کر پڑھا۔خیال رہے کہ بلاسبب فرض دوبارہ پڑھنا ممنوع ہے اسے اس ممانعت کی خبر نہ تھی اس لیئے یہ سوال کیا۔

۲؎ بعض امام فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں نمازوں میں سے ایک فرض ہے ایک نفل،یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون سی فرض ہے کون سی نفل ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،باقی آئمہ کے ہاں پہلی نماز فرض ہے اور دوسری نفل۔اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ کیا خبر کون سی نماز قبول ہوئی ہو یا ممکن ہے کہ پہلی نماز کسی وجہ سے فاسد ہوچکی ہو تجھے خبر نہ ہوئی ہو،اللہ تعالٰی اس نفل کو اس فرض کے قائم مقام کردے یارب قادر ہے کہ فرض کو نفل اور نفل کو فرض بنادے بہرحال دوسری نماز ہی شرعًا نفل ہے جیسا کہ ابھی احادیث میں گزر چکا،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حکام دیر سے نماز پڑھنے لگیں تو تم اکیلے نماز پڑھ لیا کرنا پھر ان کے ساتھ بھی جماعت کے ساتھ پڑھ لیا کرنا یہ دوسری نفل ہوجائے گی۔

روایت ہے حضرت سلیمان مولیٰ میمونہ سے ۱؎ فرماتے ہیں مقام بلاط میں حضرت ابن عمر کے پاس گئے لوگ نماز پڑھ رہے تھے ۲؎ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ۳؎ فرمایا میں پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک دن میں ایک نماز دوبارہ نہ پڑھو ۴؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ سلیمان ابن یسار ہیں،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام،بڑے فقیہ،محدث،عابد،وتارک الدنیا تابعی ہیں،آپ کے بھائی عطاابن یسار ہیں،۷۳ عمر ہوئی، ۱۰۷ھ میں وفات پائی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ بلاط لغت میں وہ پتھر ہے جس کا مکانوں میں فرش لگایا جاتا ہے یہاں وہ جگہ مراد ہے جو حضرت عمر نے مسجد نبوی شریف کے متصل چبوترے کی شکل میں بنائی تھی تاکہ اگر کسی کو کوئی دنیاوی بات کرنا ہو تو مسجد سے نکل کر وہاں جاکر کرے۔

۳؎ یعنی مسجد نبوی میں جماعت اولیٰ ہو رہی ہے اور آپ یہاں بیٹھے ہیں کیا وجہ ہے۔خیال رہے کہ آپ مسجد سے علیحدہ بیٹھے تھے لہذا جائز تھا۔

۴؎ حق یہ ہے کہ یہ نماز فجر یا عصر یا مغرب تھی جس کے بعد نفل درست نہیں۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ نماز پڑھ چکا ہوں اور اس کے بعد نفل جائز نہیں تو لامحالہ دوبارہ فرض ہی کی نیت سے پڑھوں اور ایک دن میں ایک فرض دوبار ہو نہیں سکتے اسکے اور مطلب بھی بیان کیئے گئے مگر یہ بہتر ہے اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہیں اور اس پر کچھ شبہ بھی نہیں اگلی حدیث اس کی شرح ہے۔اسی لیئے فقہاء فرماتے ہیں کہ شہر میں بعد نماز جمعہ احتیاطی نفل کی نیت سے نفل کے طریقہ پر پڑھے کیونکہ فرض تو پڑھ چکا اور گاؤں میں جمعہ نہ پڑھے کہ وہاں جمعہ ہوتا نہیں اگر پڑھا تو نفل ہوگا اور نفل جماعت و خطبہ واذان سے پڑھنا، پھر فرض ظہر اکیلے پڑھنا بہت برا ہے لیکن اگر کسی نے پڑھ لیا تو بہت بعد میں ظہر فرض کی نیت سے پڑھے،ان مسائل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ جو مغرب یا فجر پڑھ لے پھر انہیں امام کے ساتھ پالے تو دوبارہ نہ پڑھے۱؎(مالک)	

۱؎ یعنی فجر و مغرب پڑھ چکا ہو تو امام کے ساتھ دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ فجر کے نفل ممنوع اور تین رکعت نفل نہیں ہوتے لہذا اسے دوبارہ فرض ہی پڑھنے پڑیں گے اور فرض دوبارہ ایک دن میں ہوتے نہیں لہذا نہ پڑھے۔اس حدیث نے گزشتہ تمام ان احادیث کی شرح کردی جہاں امام کے ساتھ دوبارہ پڑھ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ وہاں صرف ظہر و عشاء مراد ہیں۔خیال رہے کہ یہ حدیث موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بات قیاس سے نہیں کی جاسکتی۔

باب السنن وفضائلها

سنتوں اور ان کی فضیلت کا باب ا

الفصل الاول

پہلی فصل

ا یہاں وہ سنتیں مراد ہیں جو دن رات میں فرض نماز کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، سنت مؤکدہ کو روایت بھی کہا جاتا ہے۔(لمعات) خیال رہے کہ سنت، نفل تطوع، مندوب، مستحب، مرغب، حسن یہ تمام الفاظ ہم معنی ہیں جن کا کرنا ثواب اور نہ کرنا گناہ نہیں۔ بعض سنتیں مؤکدہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھیں، بعض غیر مؤکدہ جو کبھی کبھی پڑھیں۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں فرائض کا نقصان نوافل سے پورا کیا جائے گا۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے ا فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھا کرے اس کے لیئے جنت میں گھر بنایا جائے گا ۲ چار ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد دو رکعتیں فجر سے پہلے ۳ (ترمذی) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ اللہ کے لیئے ہر دن بارہ رکعتیں نفل پڑھ لیا کرے فرض کے علاوہ ۴ مگر اللہ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا یا جنت میں گھر بنایا جائے گا۔	

ا آپ کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے، کنیت ابو حبیبہ امیر معاویہ کی بہن ہیں، آپ کی والدہ صفیہ بنت عاص یعنی حضرت عثمان غنی کی پھوپھی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا نکاح نجاشی شاہ حبشہ نے کیا، ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲ یعنی جنت کا اعلیٰ درجے کا محل اس کے لیئے نامزد کیا جائے گا کیونکہ وہاں مکانات تو پہلے ہی موجود ہیں یا ان سنن کی برکت سے اس کے لیئے نیا خصوصی گھر استعمال ہو گا کیونکہ جنت کا بعض سفیدہ بھی ہے جہاں اعمال کے مطابق محل تعمیر ہوتے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

۳ یعنی بارہ سنتیں مؤکدہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پڑھتے تھے ظہر کا ذکر اس لیئے پہلے کیا کہ حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی نماز یہ ہی پڑھائی اس لیئے اسے صلوۃ اولی کہتے ہیں ان میں سنت فجر بہت تاکیدی ہیں حتی کہ بعض نے انہیں واجب کہا۔ سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اگر میں سنت فجر چھوڑ دوں تو خطرہ ہے کہ رب مجھے نہ بخشے۔

۴ یعنی یہ رکعتیں اگرچہ مؤکدہ ہیں مگر فرض یا واجب نہیں، لہذا اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو سنت فجر کو واجب کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے پہلے ۱ اور دو رکعتیں اس کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد گھر میں پڑھیں ۲ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت حفصہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر طلوع ہوتی تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے ۳ (مسلم، بخاری)

۱ یہاں ساتھ پڑھنے سے مراد جماعت سے پڑھنا نہیں کیونکہ سوائے تراویح باقی سنن کی جماعت مکروہ ہے بلکہ ہمراہی میں پڑھنا مراد ہے یعنی میں نے بھی پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جیسے رب بلقیس کا قول یوں نقل فرماتا ہے: "اَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَیۡمٰنَ" اس حدیث کی بناپر امام شافعی نے ظہر سے پہلے دو سنتیں مؤکدہ مانیں، ہمارے ہاں مؤکدہ چار ہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں ہے یہاں تحیۃ المسجد کے نفل مراد ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنت ظہر گھر میں ادا کر کے تشریف لاتے تھے۔ چنانچہ ازواج مطہرات کی روایت یوں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے چار سنتیں کبھی نہ چھوڑتے تھے۔

۲ یعنی میں نے مغرب و عشاء کے بعد کی سنتیں حضور کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھیں اس گھر سے مراد حضرت حفصہ بنت عمر کا گھر ہے، چونکہ وہ آپ کی ہمشیرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ پاک تھیں اس لیئے آپ کو وہاں جانا درست تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

۳ معلوم ہوا کہ سنت فجر جو گھر میں پڑھے اور ہلکی پڑھے۔ بعض صوفیاء اس کی رکعت اول میں الم نشرح اور دوسری میں الم تر کیف پڑھتے ہیں بعد میں ۷۰ بار استغفار پھر مسجد میں آکر باجماعت فرض، اس عمل سے بواسیر سے امن رہتی ہے، گھر میں برکت و اتفاق، چونکہ حضرت ابن عمر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ ہوتے تھے اس لیئے حضرت حفصہ سے روایت کی۔

	روایت ہے انہی سے کہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتی کہ لوٹ آتے تھے۔ پھر اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے ۱ (بخاری، مسلم)

۱ جمعہ کے دن بعد کے متعلق تین روایتیں ہیں، دو پڑھتے تھے، چار پڑھتے تھے، چھ پڑھتے تھے پہلی روایت پر امام شافعی کا عمل ہے، دوسری پر امام اعظم کا تیسری پر ابو یوسف کا چار کی روایات بھی آرہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے پھر تشریف لے جاتے لوگوں کو نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور لوگوں کو نماز مغرب پڑھاتے پھر تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء پڑھاتے اور میرے گھر میں

	تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے ۲؎ اور رات میں نو رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہیں ۳؎ اور رات میں بہت دیر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور بہت دیر تک بیٹھ کر ۴؎ اور جب کھڑے ہوتے قرأت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر ہی کرتے ۵؎ اور جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعتیں پڑھتے (مسلم) ابوداؤد نے یہ بڑھایا کہ پھر جاتے لوگوں کو فجر پڑھاتے۔

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

۲؎ اس میں سنت مؤکدہ کی تعداد بھی معلوم ہوئی اور یہ بھی کہ سنتیں گھر میں ادا کرنا افضل ہے اگرچہ مسجد میں بھی جائز۔

۳؎ اس طرح کہ چھ رکعتیں تہجد اور تین وتر۔ خیال رہے کہ تہجد کم از کم دو رکعت ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ آٹھ پر زیادہ عمل رہا۔

۴؎ یعنی تہجد کے نوافل بہت دراز پڑھتے تھے، بعض نفل کھڑے ہو کر بہت دراز پڑھتے اور بعض نفل بہت دیر تک بیٹھ کر پڑھتے۔

۵؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد تین طرح کی ہوتی تھی، پوری رکعت کھڑے ہو کر یعنی قرأت بھی کھڑے ہو کر اور رکوع وسجدہ بھی کھڑے سے ہی کرتے، پوری رکعت بیٹھ کر اور رکوع وسجدہ بھی بیٹھے ہی سے، بعض رکعت بیٹھ کر اور بعض کھڑے ہو کر یعنی اولًا بیٹھ کر نماز شروع کی پھر کچھ قرأت کر کے کھڑے ہوگئے پھر قرأت کی پھر رکوع یہ کبھی نہ کرتے کہ پوری قرأت بیٹھ کر کرتے پھر صرف رکوع کے لیئے کھڑے ہوتے کہ کھڑے ہوتے ہی رکوع میں چلے جاتے، ام المؤمنین یہی فرما رہی ہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رکعت میں بہت دیر تک بیٹھے قرأت کرتے تھے بہت دیر تک کھڑے ہو کر پھر رکوع۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں سے زیادہ کسی نفل پر حفاظت نہ فرماتے تھے ۱؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ دوسری سنتوں کے فجر کی سنتوں کی بہت پابندی کرتے تھے کہ سفر وحضر میں نہ چھوڑتے تھے اور اگر فجر قضا پڑھتے تو سنتوں کی بھی قضا کرتے۔ اسی لیئے فقہا فرماتے ہیں کہ یہ سنتیں بلاعذر بیٹھ کر نہ پڑھے اسی لیئے اگر جماعت فجر میں کوئی پہنچے اور سنتیں نہ پڑھی ہوں تو اگر جماعت مل جانے کی امید ہو تو جماعت سے علیحدہ سنتیں پڑھے، پھر جماعت میں مل جائے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنتیں دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہیں ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی سنت فجر مال واولاد اور تمام دنیاوی سامان سے پیاری ہونا چاہئیں اور دیگر سنتوں ومستحبات سے افضل ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو، مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو تیسری بار فرمایا جو چاہے اس

	خوف سے کہ لوگ اسے سنت بنالیں ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں، بیعت الرضوان میں شریک ہوئے، مدینہ منورہ میں قیام رہا پھر عہد فاروقی میں لوگوں کو فقہ سکھانے بصرہ بھیجے گئے، وہاں ہی رہے، ۶۰ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی "لِمَنۡ شَاءَ" اس لیئے فرمایا کہ لوگ ان رکعتوں کو سنت مؤکدہ یا واجب نہ جان لیں یہ سمجھ کر "صَلُّوۡا" امر ہے اور امر وجوب کے لیئے آتا ہے۔ خیال رہے کہ بعض امام اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ نماز مغرب سے پہلے دو نفل مستحب ہے لیکن امام اعظم، امام مالک اور اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ نفل مکروہ ہیں۔ اس حدیث کو منسوخ مانتے ہیں کہ شروع اسلام میں یہ حکم تھا پھر نہ رہا چند وجهوں سے: ایک یہ کہ تیسری فصل میں بحوالہ مسلم آرہا ہے کہ عمر فاروق اس نفل پڑھنے والوں کو سزا دیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ بروایت بخاری اسی دوسری فصل میں آرہا ہے صحابہ نے ابو تمیم کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو **تعجبًا** ایک دوسرے سے شکایت کی۔ تیسرے یہ کہ تمام صحابہ نے یہ نفل بعد میں چھوڑ دیئے۔ چوتھے یہ کہ ان نفلوں سے مغرب میں تاخیر ہوگی حالانکہ اسے جلدی پڑھنے کا حکم ہے۔ پانچویں یہ کہ ہم **باب فضل اذان** میں ایک حدیث نقل کرچکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو اذانوں یعنی اذان و تکبیر کے درمیان نماز ہے سوا مغرب کے۔ بہر حال جمہور علماء کے نزدیک یہ حدیث قابلِ عمل نہیں۔ اس کی کچھ بحث **باب فضل اذان** میں گزر چکی اور اس کی پوری تحقیق فتح القدیر شرح ہدایہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تم میں جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چار سنتیں پڑھ لے (مسلم) اور اس کی دوسری روایت میں ہے فرمایا جب کوئی تم میں جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھ لے ۱؎

۱؎ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ بعد جمعہ چار سنت مؤکدہ ہیں، امام یوسف کے ہاں چھ، اس طرح کہ فرض جمعہ کے بعد پہلے چار رکعتیں پڑھے پھر دو۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو ظہر سے پہلے چار رکعتوں پر اور اس کے بعد چار رکعتوں پر پابندی کرے ۱؎ اللہ اسے آگ پر حرام کردے گا ۲؎ (احمد ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ پہلی چار ایک سلام سے پڑھے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کیونکہ یہ چاروں مؤکدہ ہیں اور بعد کی چار دو سلاموں سے تاکہ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ مخلوط نہ ہوجائیں کیونکہ ان میں پہلی دو مؤکدہ ہیں بعد کی دو غیر مؤکدہ۔

۲؎ یعنی آگ میں ہیشگی سے مطلقًا بچائے گا اس طرح کہ اسے گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی توفیق دے گا۔ معلوم ہوا کہ سنت کی پابندی سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوایوب انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ظہر کے پہلے چار رکعتیں جن کے بیچ میں سلام نہ ہو ان کے لیئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آسمان کے دروازے کھلنے سے مراد بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت ہے ان کی رکعتوں کی عزت افزائی،ابھی فقیر نے عرض کیا تھا کہ یہ چار رکعتیں ایک سلام سے ہونی چاہیے اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اس گھڑی میں میرا نیک عمل چڑھے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ خیال رہے کہ حضرت عبداللہ ابن سائب صحابی بھی ہیں،تابعی بھی ہیں،جو صحابی ہیں انہوں نے ابی ابن کعب سے قرآن سیکھا ہے اور ان سے حضرت مجاہد نے،مخزومی ہیں،قریشی ہیں،مکہ مکرمہ میں رہے وہیں حضرت ابن زبیر کی شہادت سے کچھ پہلے وفات پائی غالبًا یہاں صحابی مراد ہیں۔

۲؎ حق یہ ہے کہ یہ چار سنتیں ظہر کی ہیں چونکہ فرض ظہر کچھ دیر ٹھنڈک کرکے پڑھے جاتے ہیں اور آسمان کے دروازے سورج ڈھلتے ہی کھل جاتے ہیں اس لیئے سرکار نے یہ سنتیں جلدی پڑھیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس وقت ظہر کے فرض ہی کیوں نہ پڑھ لیئے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے ۱؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ دو سلاموں سے یا ایک سلام سے یہ سنتیں غیر مؤکدہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لینے کا ذریعہ کیونکہ بفضلہٖ تعالٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے جن کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے مطیع مسلمانوں اور مومنوں پر سلام سے فاصلہ کرتے تھے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ ظاہر ہے کہ درمیان کے سلام سے نماز کا سلام ہی مراد ہے جس پر نماز ہوتی ہے یا ان میں دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی تھیں اور دو عصر کی یا چاروں عصر کی، بیان جواز کے لیئے ان کے درمیان سلام پھیرا گیا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں سلام سے مراد التحیات ہے کیونکہ اس میں سلام ہوتا ہے اس صورت میں یہ چاروں رکعتیں ایک سلام سے ہوں گی مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی کبھی چار کبھی دو لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں اسی لیئے امام اعظم فرماتے ہیں نمازی کو اختیار ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے یا دو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھے جن کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو یہ بارہ برس کی عبادت کے برابر ہوں گی۱؎(ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے جسے ہم سوائے عمر ابن خثعم کی حدیث کے اور سے نہیں پہچانتے اور میں نے محمد ابن اسمٰعیل کو فرماتے سنا کہ وہ منکر حدیث ہے اور اسے بہت ضعیف کہا ۲؎	

۱؎ اس نماز کا نام صلوۃ اوابین ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ چھ رکعتیں مغرب کی سنتوں و نفلوں کے ساتھ ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ان کے علاوہ۔ مرقاۃ نے پہلی صورت کو ترجیح دی اور فرمایا مؤکدہ دو سنتیں الگ سلام سے پڑھے، باقی چار میں اختلاف ہے دو سلاموں سے پڑھے یا ایک سے۔ خیال رہے کہ ان جیسی احادیث سے فضائل میں ثواب عبادت مراد ہوتا ہے نہ کہ اصل عبادت، لہذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک بار نماز اوّابین پڑھ کر ۱۲سال تک نماز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔
۲؎ اس کے ضعیف ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے، نیز اسے طبرانی وغیرہ نے مختلف اسنادوں سے نقل کیا جس سے اس میں قوت آ گئی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعتیں پڑھے اللہ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا۱؎(ترمذی)	

۱؎ گھر بنانے کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ ۲۰ رکعتیں بھی نماز اوابین ہی ہیں کہ اس کی رکعتیں کم از کم دو ہیں زیادہ سے زیادہ ۲۰ اس حدیث کو محدثین نے بہت سی اسنادوں سے نقل کیا لہذا صلوۃ اوّابین کی حدیث ضعیف نہ رہی۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عشاء نہ پڑھی، جس کے بعد میرے پاس تشریف لائے مگر چار یا چھ رکعتیں پڑھ لیں۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ دو مؤکدہ اور ان کے بعد دو یا چار غیر مؤکدہ،چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر اور بعد کی دو نفلیں تہجد کے ساتھ پڑھتے تھے اس لیئے یہاں ان کا ذکر نہ ہوا۔لمعات وغیرہ میں ہے کہ یہاں عشاء سے مراد پہلی عشاء یعنی مغرب ہے اور نفلوں سے مراد نماز اوابین ہے۔اس صورت میں نماز اوابین کی یہ ایک اور حدیث ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاروں کے بعد دو رکعتیں ہیں فجر سے پہلے اور سجدوں کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد۱؎(ترمذی)	

۱؎ اس میں سورۂ طور اور سورۂ قٓ کی دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے"وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحْہُ وَ اِدْبٰرَ النُّجُوۡمِ "اور دوسری آیت"فَسَبِّحْہُ وَ اَدْبٰرَ السُّجُوۡدِ"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرح یہ فرمائی کہ پہلی آیت میں فجر کی دو سنتیں مراد ہیں کیونکہ وہ تارے ڈوبنے کے بعد ہی پڑھی جاتی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ فجر اجالے میں پڑھنی چاہیے نہ کہ اندھیرے میں کیونکہ اس وقت تارے ظاہر ہوتے ہیں چھپے نہیں ہوتے۔"وَ اَدْبٰرَ السُّجُوۡدِ" سے مراد مغرب کے فرض ہیں ان آیتوں کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ظہر کے پہلے زوال کے بعد چار رکعتیں نماز تہجد کی اتنی رکعتوں کے برابر رکھی جاتی ہیں۱؎ اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس گھڑی اللہ کی تسبیح کرتی ہے پھر تلاوت فرمائی کہ مائل ہوتے ہیں ان کے سائے دائیں بائیں اللہ کو سجدہ کرتے عاجز ہوکر۲؎(ترمذی،بیہقی،شعب الایمان)	

۱؎ یعنی ظہر کی پہلی سنتوں کا ثواب تہجد کی چار رکعتوں کے برابر ہے کیونکہ تہجد کے وقت بھی رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور ساری مخلوق رب کی عبادت کررہی ہوتی ہے اور اس وقت بھی جیسا کہ ابھی روایت میں گزر چکا اور آیندہ بھی آرہا ہے۔بعض علماء نے ان رکعتوں سے مراد فجر کی سنتیں لی ہیں۔سحر بمعنی صبح مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ فجر کی سنتیں چار نہیں بلکہ دو ہیں۔خیال رہے کہ آدھی رات کے بعد کا وقت سحر میں شمار ہے۔

۲؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی طرح یہ وقت بھی ساری مخلوق کی عبادت کا ہے اس لیئے یہ سنتیں بہت محبوب ہیں نیز اس وقت آفتاب ترقی سے تنزل کی طرف مائل ہوتا ہے جس میں مخلوق کی فناء کی طرف اشارہ ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	

	وسلم نے میرے پاس عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں (مسلم، بخاری) اور بخاری کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ اس کی قسم جو انہیں لے گیا حضور نے اللہ سے ملنے تک وہ دونوں کبھی نہ چھوڑیں ا۔

ا۔ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر کی دو سنتیں ایک بار رہ گئی تھیں جو آپ نے بعد عصر قضاء کیں پھر ہمیشہ ہی پڑھتے رہے لہٰذا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہیں، ہمارے واسطے منع، اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رکعتیں ہمیشہ گھر ہی میں پڑھیں مسجد میں کبھی نہ پڑھیں تاکہ لوگ پڑھنا شروع نہ کردیں اور حضرت ام سلمہ سے ان رکعتوں کی مخصوص وجہ بھی بیان فرمادی۔

	روایت ہے حضرت مختار ابن فلفل سے ا فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے عصر کے بعد کے نفلوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ حضرت عمر بعد عصر نماز پڑھنے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے ۲ حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آفتاب ڈوبنے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے ۳ تو میں نے ان سے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ پڑھتے تھے تو فرمایا کہ ہمیں پڑھتے دیکھتے تھے تو نہ ہمیں حکم کرتے تھے اور نہ منع کرتے تھے ۴ (مسلم)

ا۔ آپ تابعی ہیں، مخزومی ہیں، کوفی ہیں، حضرت انس سے ملاقات ہے، سفیان ثوری نے آپ سے احادیث لیں۔

۲۔ یعنی بطور سزا قمچیاں لگاتے تھے تاکہ لوگ اس سے باز آجائیں۔ خیال رہے کہ یہاں بعد عصر سے مراد نماز مغرب سے پہلے نفل بھی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۳۔ یہ ہے فاروق اعظم کی شکایت کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نفل پڑھتے تھے اور فاروق اعظم ان پر مارتے تھے آپ نے ہم کو ایک سنت صحابہ سے روک دیا مگر یہ شکایت درست نہیں کیونکہ آپ کو اس کے نسخ کی خبر نہ ہوئی حضرت عمر فاروق کو نسخ کا علم تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب سے پہلے نفل مکروہ ہیں۔

۴۔ یہ نماز سنت تقریری تھی۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے تو جب مؤذن نماز مغرب کی اذان دیتا تو لوگ ستونوں کی طرف بھاگتے پھر دو رکعتیں پڑھتے حتی کہ اجنبی آدمی مسجد میں آتا تو سمجھتا کہ نماز پڑھ لی گئی ان پڑھنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے ا (مسلم)

ا۔ اس کی شرح و تحقیق پہلے ہوچکی کہ صحابہ کا یہ عمل شروع اسلام میں تھا پھر جب مغرب میں جلدی کا حکم دیا گیا تو یہ نفل چھوٹ گئے مگر بعض کو ان کے نسخ کی خبر نہ ہوئی اور اس زمانہ میں بھی یہ عمل دائمی نہ تھا بلکہ شاذ و نادر۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ سارے خلفائے راشدین اس

کے نسخ پر متفق ہیں۔خیال رہے کہ امام مالک وغیرہم فقہا کے نزدیک وقت مغرب بقدر ادائے نماز ہے،ان کے ہاں تو یہ نفل مطلقًا ناجائز ہوں گے کہ ان سے وقت مغرب نکل جائے گا۔

	روایت ہے حضرت مرثد ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں عقبہ جہنی کے پاس حاضر ہوا۱میں نے عرض کیا کہ کیا میں ابو تمیم کی عجیب بات آپ کو نہ سناؤں وہ تو مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے ۲تو عقبہ بولے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم بھی کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ اب آپ کو کون شئے مانع ہے فرمایا مشغولیت ۳(بخاری)

۱ آپ تابعی ہیں،مصر کے مفتی ہیں اور عبدالعزیز ابن مروان یعنی عبدالملک ابن مروان کا بھائی آپ کے فتویٰ پر بہت اعتماد کرتا تھا۔

۲اس تعجب سے معلوم ہورہا ہے کہ سارے صحابہ نے یہ نفل چھوڑ دیئے تھے کوئی نہ پڑھتا تھا جو کوئی پڑھتا تھا تو اس پر چہ میگوئیاں ہوتی تھیں۔جیسے وتر کی ایک رکعت جب امیر معاویہ نے پڑھی تو بعض نے حضرت ابن عباس سے بطور تعجب یہ کہا۔

۳دنیوی کاروبار میں صراحۃً معلوم ہوا کہ کوئی صحابی انہیں سنت نہ سمجھتا تھا مباح یا حد درجہ مستحب جانتے تھے وہ بھی بے خبری سے،ورنہ صحابہ دنیاوی مشغولیت کی وجہ سے سنت نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لے گئے۱تو وہاں مغرب پڑھی جب لوگ اپنی نماز پڑھ چکے تو حضور نے انہیں اس کے بعد نفل پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ گھروں کی نماز ہے ۲(ابوداؤد)ترمذی اور نسائی کی روایت میں ہے کہ کچھ لوگ نفل پڑھنے کھڑے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نماز گھروں میں پڑھنی چاہیئے ۳

۱ یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے ان کی مسجد اب تک مدینہ طیبہ میں مشہور ہے۔

۲اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ سارے نوافل اور سنتیں گھر میں پڑھنا افضل،سنت مغرب کہ اس کا گھر میں پڑھنا بہت ہی افضل۔خیال رہے کہ یہ اس کے لیئے ہے جو گھر آکر پڑھ سکے لہذا مسافر اور معتکف اس حکم سے خارج ہیں اسی طرح جسے یہ اندیشہ ہو کہ گھر میں بچوں کی چیخ و پکار کی وجہ سے نماز میں حضور نہ ہوگا وہ مسجد ہی میں پڑھے۔(اشعۃ اللمعات)

۳یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے،بعض شارحین نے **علیکم** کو وجوب کے لیئے لیا اور فرمایا کہ سنت مغرب گھر میں پڑھنا واجب مسجد میں پڑھنا منع ہے مگر یہ درست نہیں جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد مغرب دو رکعتوں میں لمبی قرأت کرتے تھے حتی کہ مسجد والے متفرق ہوجاتے۱(ابوداؤد)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مسجد میں ہوتا تھا کہ مغرب کی سنتیں آپ مسجد میں پڑھتے اور بہت دراز پڑھتے۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلی حدیث میں علیکم وجوب کے لیئے نہ تھا بلکہ استحباب کے لیئے تھا اور یہ عمل شریف بیان جواز کے لیئے،بعض حدیثیں بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت مکحول سے۱؎ انہیں خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعتیں اور ایک روایت میں ہے چار رکعتیں پڑھ لے۲؎ تو اس کی نماز علیین میں اٹھائی جاتی ہے۳؎(مرسلًا)

۱؎ آپ کا نام مکحول ابن عبداللہ ہے،کنیت ابو عبداللہ،شامی ہیں،حضرت لیث کے غلام،امام اوزاعی کے استاذ،تابعی ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات کی ۱۱۸ھ میں وفات ہوئی۔(اکمال)آپ کی احادیث مرسل زیادہ ہیں۔

۲؎ اگر ان دو چار رکعتوں سے مغرب کے بعد کی سنتیں و نفل مراد ہیں تو مغرب سے مراد فرض مغرب ہوں گے اور اگر ان سے نماز اوّابین مراد ہے تو مغرب سے پوری نماز مغرب مراد ہوگی۔

۳؎ یہاں کلام سے مراد دنیاوی بات چیت ہے نہ کہ دعا و ذکر وغیرہ۔علیین ساتویں آسمان سے اوپر ایک مقام ہے یا خود ساتویں آسمان کا نام ہے یا فرشتوں کے رجسٹر و دفتر کا نام ہے جس میں مقبولوں کے مقبول اعمال لکھے جاتے ہیں یا اس سے مراد رب تعالٰی کی بارگاہ کا قرب ہے۔مطلب یہ ہے کہ مغرب کے بعد بغیر دنیاوی بات چیت کیئے یہ نوافل پڑھ لینا بہت افضل ہیں ان کی برکت سے یہ پوری نماز علیین تک پہنچائی جاتی ہے۔بعض لوگ اس حدیث کی وجہ سے نماز مغرب کے بعد دعا نہیں مانگتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ دعا بھی کلام ہے مگر یہ غلط ہے ایسی جگہ کلام سے مراد دنیاوی بات چیت ہوتی ہے۔

	اور حضرت حذیفہ سے اسی کی مثل ہے اور زیادہ کیا کہ کہتے تھے کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں جلدی پڑھو کیونکہ وہ دونوں فرضوں کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۱؎ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیا اور بیہقی نے انہی سے زیادتی کو شعب الایمان میں اس کی مثل۔

۱؎ یہاں سنتوں سے مراد سنت مغرب ہی ہے نہ کہ نماز اوّابین جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔خیال رہے کہ حضرت مکحول کی یہ روایت مرسل ہے اور احناف کے نزدیک مرسل مقبول ہے،شوافع کے ہاں مرسل حدیث ضعیف کے حکم میں ہے کہ فضائل اعمال میں مقبول ہے لہذا یہ حدیث احناف و شوافع کے ہاں قبول اور لائق عمل ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو بن عطاء سے فرماتے ہیں کہ نافع ابن جبیر نے انہیں حضرت سائب کے پاس اس چیز کے پوچھنے کے لیئے بھیجا جو امیر معاویہ نے ان سے نماز میں دیکھی ہو۱؎ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے امیر معاویہ کے ساتھ مقصورے میں جمعہ پڑھا۲؎ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہوگیا۔۳؎ جب وہ چلا گیا تو مجھے بلایا اور فرمایا کہ یہ کام آئندہ نہ کرنا جب تم جمعہ پڑھو تو اسے اور نماز سے

	نہ ملاؤ یہاں تک کہ کوئی بات کرلو یا ہٹ جاؤ ۴ کیونکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا کہ بغیر کلام یا بغیر ہٹے نماز کو نماز سے نہ ملائیں ۵ (مسلم)

۱ یعنی نافع ابن جبیر ابن مطعم نے عمرو ابن عطا کو حضرت سائب کے پاس یہ پوچھنے بھیجا کہ کیا تمہاری کوئی نماز یا نماز کا کوئی عمل حضرت معاویہ نے دیکھا ہے اور اس کی تائید یا تردید کی ہے چونکہ امیر معاویہ فقیہ صحابہ سے ہیں اس لیئے ان کی تائید یا تردید حجت شرعیہ ہے۔خیال رہے کہ عمرو ابن عطا اور جبیر ابن مطعم دونوں تابعی ہیں اور حضرت سائب اور امیر معاویہ دونوں صحابی مگر حضرت معاویہ فقیہ صحابی ہیں۔

۲ مقصورہ جامع مسجد کا وہ خاص مقام ہے جہاں مکبّر یا سلطان اسلام کھڑے ہو کر جماعت سے نماز ادا کریں،چونکہ یہ جگہ ان لوگوں پر مقصور و محدود ہوتی ہے اس لیئے اسے مقصورہ کہا جاتا ہے۔خیال رہے کہ جب سے حضرت عمر فاروق کو نماز میں شہید کیا گیا تب سے بادشاہوں کے لیئے مسجد میں خاص جگہ مقرر کی جانے لگی جہاں صرف وہی کھڑے ہوں آس پاس ان کے خاص آدمی پیچھے حفاظتی پولیس تاکہ نماز میں ان پر کوئی حملہ نہ کرسکے۔

۳ اور سنت و نفل وہاں ہی ادا کر لیئے جگہ نہ بدلی فرض و سنن میں فاصلہ بھی نہ کیا۔

۴ اس سے معلوم ہوا کہ فرائض و نوافل میں کچھ فاصلہ ضروری ہے جگہ کا فاصلہ ہو یا دعا وظیفہ یا کلام کا،بلکہ بہتر یہ ہے کہ دعا بھی مانگے جگہ بھی قدرے بدل لے بلکہ مقتدی لوگ صفیں بھی توڑ دیں پھر سنتیں ادا کریں تاکہ آنے والے کو یہ شبہ نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے اسی لیئے بعد نماز جنازہ صفیں توڑ کر بلکہ بیٹھ کر دعا مانگتے ہیں۔

۵ یعنی نوافل فرائض سے نہ ملاؤ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔

	روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب مکہ میں جمعہ پڑھتے تو آگے بڑھتے پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر آگے بڑھتے تو چار پڑھتے ۱ اور جب مدینہ میں ہوتے اور جمعہ پڑھتے تو اپنے گھر لوٹ جاتے دو رکعتیں پڑھتے اور مسجد میں نہ پڑھتے ان سے پوچھا گیا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے ۲ (ابوداؤد) اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ نے جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھیں پھر اس کے بعد چار پڑھیں۔

۱ یعنی حضرت ابن عمر چونکہ مکہ معظّمہ میں مسافر ہوتے تھے اس لیئے جمعہ کی سنتیں مسجد ہی میں ادا کرتے مگر فرق کے لیئے جگہ بدل دیتے تاکہ فرائض و نفل میں جدائی بھی ہو جائے اور مسجد کے چند مقامات گواہ بھی بن جائیں۔یہ حدیث امام ابویوسف کی دلیل ہے کہ بعد جمعہ چھ سنت مؤکدہ ہیں مگر وہ فرماتے ہیں کہ پہلے چار پڑھے پھر دو اور یہاں ہے کہ آپ نے پہلے دو پڑھیں پھر چار۔

۲ یعنی سنت جمعہ مکہ معظّمہ میں مسجد ہی میں پڑھتے تھے اور مدینہ منورہ میں گھر میں اور بعد جمعہ چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔خیال رہے کہ بعد جمعہ چار سنتیں بالاتفاق مؤکدہ ہیں اور دو کے مؤکدہ ہونے میں اختلاف ہے۔تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بعد جمعہ چار سنتیں پہلے پڑھے دو

بعد میں تاکہ فرض اور سنت مؤکدہ میں فاصلہ ہو جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال مختلف رہے ہیں کبھی کسی طرح ادا فرمائیں،کبھی کسی طرح لہذا جائز ہر طرح ہیں صرف بہتر ہونے میں اختلاف ہے۔

باب صلوۃ اللیل

رات کی نماز کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ رات کی نماز سے تہجد مراد ہے۔یہ نماز اسلام میں اولًا سب پر فرض رہی،پھر امت سے فرضیت منسوخ ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آخر تک رہی۔(اشعہ) تہجد کم از کم دو رکعتیں ہیں زیادہ سے زیادہ بارہ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر آٹھ پڑھتے تھے کبھی کم و بیش۔حق یہ ہے کہ تہجد ہمارے لیئے سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کوئی نہ پڑھے تو سب تارک سنت ہوئے اور اگر ایک بھی پڑھ لے تو سب بری الذمہ ہوئے۔تہجد کا وقت رات میں سو کر جاگنے سے شروع ہوتا ہے صبح صادق پر ختم مگر آخری تہائی رات میں پڑھنا بہتر ہے اور قبل تہجد عشاپڑھ کر سونا شرط ہے اور بعد تہجد کچھ سونا یا لیٹ جانا سنت ہے۔چونکہ یہ بہترین نوافل ہیں اسی لیئے ان کا علیحدہ باب ہوا جو شخص تہجد پڑھنا شروع کردے پھر نہ چھوڑے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔

ضروری مسئلہ: تہجد سے پہلے سولینا ضروری ہے اگر کوئی بالکل نہ سویا تو اس کے نوافل تہجد نہ ہوں گے۔جن بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے تیس یا چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی جیسے حضور غوث اعظم یا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما وہ حضرات رات میں اس قدر اونگھ لیتے تھے جس سے تہجد درست ہوجائے لہذا ان بزرگوں پر یہ اعتراض نہیں کہ انہوں نے تہجد کیوں نہ پڑھی حضرت ابوالدرداء،ابوذر غفاری وغیرہم صحابہ جو شب بیدار تھے ان کا بھی یہی عمل تھا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہونے سے فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے ۱؎ کہ ہر دو رکعتوں میں سلام پھیرتے تھے ۲؎ اور ایک رکعت سے وتر بناتے تھے ۳؎ اس کا ایک سجدہ اس قدر دراز کرتے کہ تم میں سے کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے اپنا سر اٹھانے سے پہلے پھر جب نماز فجر کا مؤذن خاموش ہوتا اور صبح چمک جاتی اور فجر ظاہر ہوجاتی تو پھر دو ہلکی رکعتیں پڑھتے ۴؎ پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے حتی کہ آپ کے پاس تکبیر کی اجازت لینے مؤذن آتا تو تشریف لے جاتے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس طرح کی آٹھ رکعت تہجد پڑھتے تھے تین رکعت وتر۔خیال رہے کہ بغیر عشاء پڑھے تہجد نہیں ہوسکتی۔

۲؎ اس آخری جملہ سے بہت لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے،بعض نے اس کے یہ معنی کیئے دس رکعتیں تہجد پڑھی ہر دو رکعت پر سلام اور ایک رکعت وتر پڑھی مگر اس بناء پر یہ روایت ان تمام روایات کے خلاف ہوگی جن میں تین رکعت وتر کی تصریح ہے یا جن میں یہ ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی رکعت اول میں سورۂ اعلیٰ پڑھی دوسری میں "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ"، تیسری میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"۔بعض لوگوں نے یہ معنے کیئے کہ تہجد آٹھ رکعتیں پڑھیں اور وتر تین رکعتیں اگراس طرح کہ وتر کی دو رکعت ایک سلام سے اور ایک رکعت ایک سلام سے مگر یہ معنی ان احادیث کے خلاف ہیں جن میں وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سلام سے تین رکعت وتر پڑھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص نماز ایک رکعت والی نماز سے منع فرمایا،ارشاد فرمایا کہ مغرب دن کے وتر ہیں اور وتر رات کے وتر، لہٰذا اس حدیث کے معنی وہی درست ہیں جو احناف نے کیئے وہ یہ کہ دو دو رکعت پر سلام تو تہجد میں پھیرا اور وتر اس طرح پڑھے کہ دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت اور ملالی جس سے یہ ساری نماز وتر یعنی طاق ہو گئی یعنی بِرَکْعَةٍ کی ب تعدیہ کی نہیں بلکہ استعانت کی ہے اب یہ کسی حدیث سے متعارض نہیں۔

۳؎ یعنی نماز تہجد کا ہر سجدہ یا وتر کا ہر سجدہ یا تہجد سے فارغ ہو کر شکر کا ایک سجدہ اتنا دراز ادا کرتے کہ تم میں سے کوئی آدمی اتنی دیر میں پچاس آیات تلاوت کرے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کے بعد اس کا شکریہ ادا کرنا کہ رب نے اس نماز کی توفیق بخشی بہتر ہے۔

۴؎ جب خوب روشنی ہو جاتی تو سنت فجر ادا فرماتے۔اس سے معلوم ہوا کہ فجر اجیالے میں پڑھنا سنت ہے اس طرح کہ سنتیں بھی بلکہ اذان فجر بھی اجیالے میں ہو ورنہ ام المؤمنین تَبَیَّنَ نہ فرماتیں۔

۵؎ یعنی حضرت بلال جماعت کے وقت در دولت پر حاضر ہو کر عرض کرتے کہ کیا تکبیر کہوں آپ اجازت دیتے تب وہ صف میں پہنچ کر تکبیر شروع کرتے جب "حی علی الفلاح" پر پہنچتے تو آپ دروازہ شریف سے مسجد میں داخل ہوتے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سنت فجر سے بعد داہنی کروٹ پر کچھ دیر لیٹ جانا سنت ہے بشرطیکہ نیند نہ آجائے ورنہ وضو جاتا رہے گا۔دوسرے یہ کہ سلطان اسلام عالم دین کو اذان کے علاوہ بھی نماز کی اطلاع دینا جائز ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اگر میں بیدار ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ سنت و فرض کے درمیان گفتگو کرنے سے نہ نماز جاتی رہتی ہے نہ ثواب نماز،ہاں بہتر یہ ہے کہ دنیاوی گفتگو نہ کرے غالبًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہ سے کلام فرمانا دینی امور کے متعلق ہوگا اور ام المؤمنین کا اس وقت سوتا رہنا یا نماز نہ پڑھنے کے زمانہ میں ہوگا یا آپ قدرے دیر سے اٹھتی ہوں گی کیونکہ آپ پر جماعت کی پابندی تو تھی نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ سنت و فرض فجر کے درمیان قدرے لیٹنا خصوصًا جب کہ تہجد کی وجہ سے تھکن ہو گئی ہو بہت بہتر ہے اور داہنی کروٹ پر لیٹنا سنت ہے شب کو بھی اولًا داہنی کروٹ پر لیٹے قبلہ رو ہو کر پھر بائیں پھر اس ترتیب میں بہت حکمتیں ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں ۱۳ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہیں اور فجر کی سنتیں بھی ۱؎(مسلم)

۱؎ لہذا تہجد آٹھ رکعت پڑھتے تھے اور وتر تین رکعت پھر سنت فجر دو رکعت، تہجد کی آٹھ رکعتیں اکثری عمل تھا۔

	روایت ہے حضرت مسروق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سات نو گیارہ رکعتیں تھیں ۲؎ سنت فجر کے علاوہ (بخاری)

۱؎ آپ مسروق ابن اجدع ہمدانی کوفی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اسلام لائے مگر زیارت نہ کرسکے، لہذا تابعی ہیں، بچپن میں آپ کو چرالیا گیا تھا اس لیئے آپ کو مسروق کہتے ہیں، بڑے متقی عالم ہیں، ۶۲ھ مقام کوفہ وفات ہوئی وہیں مزار ہے۔ (اکمال)

۲؎ یعنی کبھی تہجد چار رکعت اور وتر تین رکعت پڑھتے تھے اور کبھی تہجد چھ رکعت اور وتر تین رکعت اور کبھی تہجد آٹھ رکعت اور وتر تین رکعت پڑھتے تھے آخری عمل زیادہ تھا، چونکہ تہجد کی نماز سرکار گھر میں ادا کرتے تھے اس لیئے اس سے ازواج پاک خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ زیادہ واقف تھیں اسی بناء پر آپ سے زیادہ پوچھا جاتا تھا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز پڑھنے اٹھتے تو اپنی نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع فرماتے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ دو رکعتیں **تحیۃ الوضو** ہیں جو تہجد کے علاوہ ہیں ان کا پڑھنا اور ہلکا پڑھنا مسنون ہے بشرطیکہ کامل پڑھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم سے کوئی رات میں کھڑا ہو تو نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ امر استحبابی ہے لہذا مستحب یہ ہے کہ تہجد سے پہلے دو رکعت **تحیۃ الوضو** ہلکی مگر کامل پڑھے اور تہجد دراز۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ کے پاس ایک رات گزاری جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے ۱؎ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر اپنے گھر والوں سے بات چیت کی پھر سو گئے ۲؎ تو جب آخری تہائی رات ہوئی یا اس کا کچھ حصہ ۳؎ تو اٹھ بیٹھے آسمان کو دیکھا اور یہ آیت پڑھی بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے بدلنے میں عقل والوں کے لیئے نشانیاں ہیں حتی کہ سورہ ختم کردی ۴؎ پھر مشکیزے کی طرف کھڑے ہوئے تو اس کی ڈوری کھولی پھر پیالے میں پانی انڈیلا پھر بہت اچھا درمیانی وضو کیا جس میں پانی زیادہ خرچ نہ کیا مگر ہر عضو پر پہنچادیا ۵؎ پھر کھڑے ہوئے تو نماز پڑھی میں بھی اٹھ

بیٹھااور میں نے وضو کیااور آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیاتو آپ نے میرا کان پکڑااور مجھے اپنی دائیں طرف گھمالیا۶ آپ کی نماز پوری تیرہ رکعتیں ہوئی، پھر لیٹ گئے سو گئے حتی کہ خراٹے لیئے اور آپ جب سوتے خراٹے لیتے تھے ۷ پھر آپ کو حضرت بلال نے نماز کی اطلاع دی تو نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۸ اور آپ کی دعا میں یہ تھاالٰہی میرے دل میں نوراور میری آنکھوں میں نور میرے کانوں میں نور۹ میرے دائیں نور میرے بائیں نور، میرے اوپر نور میرے نیچے نور میرے آگے نور میرے پیچھے نور کردے اور مجھے نور بنادے ۱۰ بعض محدثین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ میری زبان میں نوراور پٹھے گوشت خون بال کھال کا بھی ذکر کیا۔(مسلم،بخاری)اور ان کی ایک روایت میں ہے ۱۱ کہ میرے دل میں نور کراور میرا نور بڑھااور مسلم کی دوسری روایت میں ہے الٰہی مجھے نور دے۔	

۱ یعنی اس دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنھا کی باری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں قیام تھا،حضرت ابن عباس کا وہاں آج رات ٹھہرنا بھی اسی نیت سے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے اعمال کا نظارہ کرلیں(واہ رے قسمت والو)۔

۲ یہ گفتگو دینی تھی یا دنیاوی مگر مختصر تھی،جن روایات میں ہے کہ بعد عشاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو ناپسند فرماتے تھے وہ دراز گفتگو ہے جس سے نماز فجر میں خلل واقع ہو لہٰذا احادیث متعارض نہیں جو چیز فرض یا واجب میں حارج ہو وہ ممنوع ہے۔معلوم ہوا کہ بیوی سے کچھ بات چیت کرنا بھی حسن اخلاق سے ہے اس سے اس کا دل خوش ہوتا ہے۔

۳ یعنی رات کا آخری چھٹا حصہ،یہ وقت بہت برکت والا اور قبولیت دعا والا ہے۔

۴ بعض روایات میں ہے کہ پانچ آیات پڑھیں "اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ" تک ہو سکتا ہے کہ کبھی آخری سورۃ تک پڑھی ہوں اور کبھی پانچ آیات لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۵ یہ درمیانی وضو کی تفسیر ہے یعنی اگرچہ پانی کم خرچ کیا مگر ہر عضو پر پانی بہہ گیا کوئی جگہ خشک نہ رہی۔

۶ کیونکہ مقتدی اگر ایک ہو تو امام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہو۔خیال رہے کہ اس گھمانے کی شرح پہلے گزر چکی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے آپ کو اپنے پیچھے سے گھمایا اس طرح کہ آپ کے اس گھومنے میں تین قدم متواتر نہ پڑے لہٰذا اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ نماز میں گھمانا اور گھومنا عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۷ یہ خراٹے کسی عارضہ یا بیماری کی وجہ سے نہ تھے بلکہ عادت کریمہ تھی خراٹے نیند کامل ہونے کی علامت ہیں۔خیال رہے کہ یہ خراٹے ایسے سخت نہ تھے کہ دوسروں کو تکلیف ہو بلکہ بہت ہلکے تھے اسی لیئے **نفخ** فرمایا یعنی پھونکنا یا سانس بلند لیا۔

۸ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند وضو نہیں توڑتی۔وجہ ظاہر ہے کہ نیند وضو توڑتی ہے غفلت کی وجہ سے کہ خبر نہیں رہتی ہوا خارج ہوئی یا نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند غفلت پیدا ہی نہیں کرتی پھر وضو توڑنے کا سوال ہی نہیں،یہ وضو نہ توڑنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے جیسے شہید کی موت غسل نہیں توڑتی یہ شہید کی خصوصیت ہے۔

۹؎ یہ دعا یا تو سنت فجر کے بعد فرض سے پہلے پڑھی یا گھر سے مسجد تشریف لے جاتے ہوئے یا نماز تہجد سے پہلے شارحین نے تینوں احتمال لیئے۔

۱۰؎ اسے دعائے تحویل بھی کہتے ہیں اور دعائے نور بھی۔ محدثین نے اس دعا کے بڑے فضائل بیان کیے ہیں حتی کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ جو شخص ہمیشہ تہجد میں یہ دعا پڑھا کرے اسے بہت برکتیں اور نورانیت نصیب ہوگی۔ (عوارف) خیال رہے کہ یہ دعا امت کی تعلیم کے لیئے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں ایسے نور کہ جس پر نگاہ کرم فرمادیں اسے نورانی بنادیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" اور فرماتا ہے: "وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نورانی بنانے والا سورج بنا کر رب نے بھیجا۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا انکار کرتے ہیں وہ اس دعا میں غور کریں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ضرور قبول ہوئی لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نور ہیں اور ہر چھ طرف سے نور میں گھرے ہوئے یعنی نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٌ ہیں اگر یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیئے مانگی ہے تو زیادتی نور مراد ہوگی، بعض روایت میں "وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا" ہے اور یہاں "وَاجْعَلْ لِيْ نُوْرًا" آیا دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی مجھے نور بنادے۔

۱۱؎ یہ ساری دعا کی شرح ہے یعنی الٰہی تو نے مجھے اپنے کرم سے نور تو بنایا ہی ہے میرے نور میں اضافہ اور زیادتی فرمادے جیسے رب نے ارشاد فرمایا: "وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا" اے محبوب عرض کرو کہ میرا مولیٰ میرے علم بڑھادے۔ خیال رہے کہ نور میں زیادتی کمی مقدار کی نہیں ہوتی کیفیت کی ہوتی ہے، چراغ کے نور سے گیس و بجلی کا نور زیادہ اور ان کے نور سے سورج کا نور کہیں زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سورج سے کہیں زیادہ کہ سورج صرف سامنے والے کے ظاہر کو چمکاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو غاروں پہاڑوں میں رہنے والوں کے دل و جگر کو بھی جگمگادیتے ہیں۔ کونسی وہ جگہ ہے جہاں اس آفتاب نبوت کا نور نہیں پہنچتا صلی اللہ علیہ وسلم۔ خیال رہے کہ پاور ہاؤس سے پاور یکساں آتی ہے مگر اس سے نور لینے والے قمقمے اپنی طاقت کی بقدر نور لیتے ہیں، سو واٹ کا قمقمہ زیادہ نور لیتا ہے، دس واٹ کا کم، ایسے ہی صحابہ، تابعین، اولیاء، علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف نوعیت کے نور لیئے یہ اختلاف ان کے لینے میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دین یکساں ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے تو آپ بیدار ہوئے مسواک کی اور وضو کیا۱؎ حالانکہ آپ کہتے تھے بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں یہاں تک کہ سورہ ختم کی ۲؎ پھر کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام رکوع سجدہ دراز کیا پھر فارغ ہوئے ۳؎ تو سوگئے حتی کہ خراٹے لیئے پھر یہ تین بار کیا چھ رکعتیں پڑھیں ۴؎ ہر بار مسواک و وضو کرتے تھے اور یہ آیتیں پڑھتے تھے ۵؎ پھر تین رکعت وتر پڑھیں ۶؎ (مسلم)

۱؎ مرقاۃ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وضو تجدید کے لیئے یعنی وضو پر وضو ورنہ آپ کی نیند وضو نہیں توڑتی ہوسکتا ہے کہ آپ کا وضو یہاں دوسری وجہ سے ٹوٹا ہو نہ کہ نیند سے اور مسواک سے مراد یا تو وضو کی مسواک ہے یا وضو سے پہلے کی یعنی جاگنے کی مسواک کیونکہ جاگنے پر مسواک کرنا بھی سنت ہے دوسرا احتمال قوی ہے۔

۲؎ پچھلی حدیث سے معلوم ہوا کہ ان آیات کی تلاوت وضو سے پہلے کی اس میں ہے کہ دوران وضو میں کی،ہو سکتا ہے کہ واقعات چند ہوں،وہاں اور واقعہ کا ذکر تھا،یہاں دوسرے واقعہ کا یا وہاں عطف رتبی تراخی کے لیئے تھا نہ کہ زمانی تراخی کے لیئے۔

۳؎ صرف دورکعتیں پڑھیں مگر دوسری نمازوں سے زیادہ دراز اور سو گئے۔

۴؎ یعنی ایک شب میں تین بار بیدار ہوئے ہر بار میں دورکعتیں تو نماز تہجد کل چھ رکعتیں ہوئیں۔خیال رہے کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی بار پوری تہجد پڑھی اور کبھی بار بار جاگ کر لہٰذا یہ حدیث پچھلی روایت کے خلاف نہیں۔

۵؎ اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ یہ بار بار وضو فرمانا استحبابًا تھا یا وجوبًا دوسری وجہ سے ورنہ آپ کی نیند وضو نہیں توڑتی۔

۶؎ اور وتروں کے لیئے چوتھی بار نہ جاگے بلکہ تیسری بار میں ہی دورکعتیں تہجد اور تین رکعت پڑھ لیئے اسی لیئے یہاں سونے اور جاگنے کا ذکر نہ فرمایا،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں نہ کہ۔ایک خیال رہے کہ یہاں ب صلہ کی ہے اور **اَوۡتَرَ بِوَاحِدَۃٍ** میں ب استعانت کی تھی۔یہاں یہ معنی ہیں کہ تین رکعت وتر پڑھیں وہاں یہ معنی تھا کہ ایک رکعت کے ذریعہ اپنی نماز کو وتر یعنی طاق بنایا۔

روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے۱؎ کہ انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز دیکھوں گا۲؎ توآپ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر دورکعتیں دراز دراز پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دورکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دورکعتیں پرھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دورکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر وتر پڑھے یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں۳؎(مسلم)اس قول تک کہ پھر دورکعتیں پڑھیں اور وہ دونوں اپنی پہلی سے کم تھیں،چار بار۴؎ یوں ہی صحیح مسلم میں کتاب حمیدی کے افراد میں موطا امام مالک،سنن ابوداؤد اور جامع الاصول میں ہے۔

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،مدنی ہیں،آخر میں کوفہ قیام رہا اور وہیں ۷۸ھ میں وفات پائی۔

۲؎ کہنے سے مراد دل میں سوچنا ہے یا اپنے دوستوں سے کہنا۔غالبًا اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے سے باہر نماز پڑھی ہوگی انہیں دن میں پتہ لگ گیا ہوگا اس لیئے یہ ارادہ کیا۔شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ عالیہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر سویا تاکہ جب آپ یہاں سے گزرے تو انہیں خبر ہوجائے اور ان کے سر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں شریف لگ جائے۔شعر

کافی کشتہ دیدار کو زندہ کرتے بخت خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے مبارک ہے وہ سر جو ان کی ٹھوکروں میں رہے

۳؎ اس طرح کہ دو ہلکی رکعتیں **تحیۃ الوضو** اور بالترتیب آٹھ رکعتیں تہجد اور تین رکعتیں وتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تہجد آٹھ رکعت پڑھتے تھے کبھی کم کبھی زیادہ کیونکہ آپ پر نفس تہجد فرض تھی،رکعتوں کی تعداد میں اختیار تھا جیسے ہم پر نماز میں قرأت فرض ہے مگر آیتوں کی تعداد میں ہمیں اختیار ہے۔یہ حدیث بھی امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں ایک سلام سے،اس حدیث کی

عبارت ایسی واضح ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کیونکہ پہلے ذکر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ بار میں دس رکعتیں پڑھیں تواب ایک بار میں تین ہی وتر پڑھے۔

۴؎ یعنی اس روایت میں ہے کہ بہت دراز رکعتیں ایک دفعہ پڑھیں اور اس سے کم چار بار میں آٹھ رکعتیں اس صورت میں تہجد کی رکعتیں دس ہوئیں اور وتر تین تو اب یہ نماز تحیۃ الوضوء کے علاوہ ۱۳ رکعتیں ہوئیں۔صاحب مشکوۃ کا منشا یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے تین بار ذکر کیا حالانکہ ان کتب میں چار بار ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسیم اور بھاری ہوگئے تو آپ کی اکثر نماز بیٹھ کر ہوتی تھی ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی آخر عمر شریف میں ضعف کا غلبہ جسم کی فربہی کی وجہ سے تہجد کی اکثر رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے اور کم رکعتیں کھڑے ہو کر لیکن آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی دگنا ثواب ملتا ہے۔خیال رہے کہ جس حدیث میں موٹاپے کی برائی آئی ہے وہاں وہ موٹاپا مراد ہے جو حرام خوری اور آرام طلبی کی وجہ سے ہو،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ جو عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اسے قیام ہی کا ثواب ملتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں وہ یکساں سورتیں جانتا ہوں جنہیں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھتے تھے ۱؎ تو آپ نے ابن مسعود کی ترتیب پر اول مفصل بیس سورتیں بیان کیں ہر رکعت میں دو دو سورتیں جن میں آخری حٰمٓ،الدخان اور عم یتساءلون ہیں ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں جو مقدار میں تقریبًا یکساں ہوتی تھیں پڑھا کرتے تھے دو رکعت تحیۃ الوضو آٹھ رکعت تہجد اور ہر رکعت میں دو سورتیں اس طرح دس رکعتوں میں بیس سورتیں ہوگئیں۔

۲؎ ترتیب ان کی اس طرح تھی کہ ایک رکعت میں سورۂ رَحْمٰن اور اَلنَّجْم دوسری میں اِقْتَرَبَتْ اور اَلْحَاقَّه تیسری میں طُوْر اور ذَارِیَاتْ چوتھی میں اِذَا وَقَعَتِ اور نُوْن پانچویں میں سَاَلَ سَائِلٌ اور نَازِعَاتْ چھٹی میں وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ اور عَبَسَ ساتویں میں مُدَّثِّرْ اور مُزَّمِّلْ آٹھویں میں هَلْ اَتٰی اور لَا اُقْسِمُ نویں میں عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ اور مُرْسَلَاتُ،دسویں میں دُخَانُ اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ ابن مسعود کی یہی ترتیب تھی۔(مرقاۃ) خیال رہے کہ حضرت ابن مسعود اور ابی ابن کعب وغیرہ صحابہ نے قرآن کی سورتیں نزول کے اعتبار سے ترتیب دی تھیں انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ آیات قرآنی کی طرح ترتیب بھی آسمانی ہی ہے جو حضور حکمًا خود دے گئے ہیں اس لیئے وہ ترتیبیں ختم ہوگئیں اور موجودہ ترتیب جس پر سارے صحابہ اور امت کا اجماع ہوا ہے جو کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تاقیامت باقی رہی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتے دیکھا آپ تین بار فرماتے تھے اللہ اکبر ملکوت جبروت کبریائی وعظمت والا۱ پھر نماز شروع کی ۲ سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا تو آپ کا رکوع آپ کے قیام کی مثل تھا۳ اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم کہتے رہے پھر رکوع سے سر اٹھایا آپ کا قومہ رکوع کی مثل تھا فرماتے تھے لربی الحمد پھر سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ قومہ کی مثل تھا۴ اپنے سجدہ میں فرماتے تھے سبحان اللہ ربی الاعلی پھر سجدے سے سر اٹھایا اور آپ دو سجدوں کے بیچ سجدے کی مثل ہی بیٹھتے تھے اور کہتے تھے مولیٰ مجھے بخش دے ۵ چار رکعتیں پڑھیں جن میں بقرہ،آل عمران،نساء مائدہ یا انعام پڑھیں،شک شعبہ کو ہے ۶ (ابوداؤد)

۱ ملکوت مُلک کا مبالغہ ہے اور جبروت جبر کا بمعنی غلبہ۔اصطلاح میں ظاہری ملک کو ملک کہتے ہیں،باطنی کو ملکوت یعنی باطنی ملک اور پورے غلبہ والا۔علماء فرماتے ہیں کہ ملکوت،جبروت،کبریا صرف رب تعالٰی کے لیئے استعمال ہوسکتے ہیں کسی بندے کے لیئے ان کا استعمال جائز نہیں جیسے رحمان وغیرہ۔(از مرقاۃ)

۲ یعنی تکبیر تحریمہ سے پہلے وہ کلمات کہے پھر تکبیر تحریمہ کہی یا تکبیر کے بعد یہ کہے پھر ثناشروع کی پہلا احتمال قوی ہے۔

۳ ظاہر یہ ہے کہ بقرہ سے مراد پوری سورۂ بقرہ ہے یعنی ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی،پھر رکوع بھی اس قدر دراز فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ شبینہ کرنا جائز ہے کیونکہ شبینہ میں ایک رکعت میں ڈیڑھ پارہ آتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھے ہیں۔

۴ اس سے معلوم ہوا کہ دراز قیام زیادتی سجود سے افضل ہے،یہ ہی امام اعظم کا فرمان ہے۔یہ حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے جس میں ارشاد ہوا کہ جو تنہا نماز پڑھے وہ جتنی چاہے دراز کرے۔

۵ یعنی دو سجدوں کے درمیان یہ کلمہ بار بار اس قدر پڑھا کہ آپ کا یہ جلسہ سجدے کے قریب دراز ہوگیا،یہ دعا تعلیم امت کے لیئے ہے۔

۶ یعنی شعبہ راوی کو اس میں شک ہوا کہ چوتھی رکعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ پڑھی یا انعام،اگلی رکعتوں میں تردد نہیں کہ پہلی میں بقرہ دوسری میں آل عمران تیسری میں نساء پڑھی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رات کھڑے ہوکر دس آیتیں پڑھے۱ تو وہ غافلوں سے نہ لکھا جائے گا اور جو کھڑے ہو

	کر سو آیتیں پڑھے وہ مطیعون میں سے لکھا جائے گا۲ اور جو کھڑے ہو کر ہزار آیتیں پڑھے تو وہ بہت ثواب والوں میں لکھا جائے گا ۳ (ابوداؤد)

۱ یعنی جو تہجد کی ایک یا دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس آیات تلاوت کرے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا نام غافلوں کے رجسٹر میں نہ آئے گا ان شاء اللہ ذاکرین میں ہوگا۔

۲ یعنی جو تہجد کی ایک رکعت یا دو رکعت میں یا پوری تہجد میں سو آیات پڑھ لیا کرے تو اس کا شمار ان نیک بختوں کے زمرے میں ہوگا جنہوں نے ساری زندگی اطاعت الٰہی میں گزاری یا اللہ تعالٰی اس عبادت کی برکت سے اسے اپنی فرمانبرداری واطاعت گزاری کی توفیق دے گا، بعض شارحین نے فرمایا کہ اس میں تہجد کی بھی قید نہیں جو روزانہ نمازوں میں یا خارج نماز سو آیات تلاوت کرلیا کرے اس کا یہ درجہ ہے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں اس لیئے مولف یہ حدیث تہجد کے باب میں لائے۔

۳ **مقنطرین قنطار** سے بنا، بمعنی بہت مال۔ بعض نے فرمایا کہ بارہ ہزار اشرفیاں قنطار ہیں، بعض نے فرمایا کہ بیل کی کھال بھر سونا بعض کے نزدیک ستر ہزار دینار۔ حق یہ ہے کہ اس کی حد مقرر نہیں یہاں بے شمار ثواب والے مراد ہیں، حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں۔ جن کا ایک اوقیہ زمین وآسمان سے بڑھ کر ہے۔ (ابن حبان ومرقاۃ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت یوں تھی کہ کبھی بلند پڑھتے کبھی پست۱ (ابوداؤد)

۱ یعنی تہجد میں کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے تھے اور کبھی آہستہ آواز سے یعنی اگر تنہائی میں تہجد پڑھتے تو بلند آواز سے پڑھتے اور اگر وہاں سونے والے ہوتے تو آہستہ قرأت فرماتے تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اس قدر تھی کہ اسے صحن والے سن لیتے جب کہ آپ کوٹھڑی میں ہوتے۱ (ابوداؤد)

۱ مرقاۃ ولمعات وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں حجرے سے مراد گھر کا صحن ہے اور بیت سے مراد کوٹھڑی یعنی آپ کی تلاوت درمیانی تھی یہ عمومی حالات کا ذکر ہے ورنہ کبھی اس سے زیادہ آواز بھی ہوتی تھی اور کبھی کم بھی۔

	روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات تشریف لے گئے۱ ابو بکر صدیق تک پہنچے وہ نماز پڑھ رہے تھے بہت پست آواز سے اور حضرت عمر پر گزرے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے بلند آواز سے راوی نے فرمایا کہ جب یہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو فرمایا۲ اے ابو بکر ہم تم پر گزرے تو آواز پست کیے نماز پڑھ رہے

تھے آپ نے عرض کیا یارسول اللہ جس سے مناجات کررہا تھا اسے سنالیا۳؎ حضرت عمر سے فرمایا کہ ہم تم پر گزرے تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتوں کو جگاتا تھا شیطان کو بھگاتا تھا۴؎ فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابوبکر تم اپنی آواز کچھ بلند کرو اور حضرت عمر سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کچھ پست کرو۵؎(ابوداؤد)اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔	

۱؎ اپنے صحابہ کے شب کے حالات ملاحظہ فرمانے کے لیئے۔معلوم ہوا کہ سلطان کا رات میں گشت لگانا تاکہ رعایا کے حالات معلوم کرے سنت ہے۔اسی طرح استاد و شیخ کا اپنے شاگردوں مریدوں کے حالات کی تفتیش کرنا مسنون ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے اور حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گشت اب بھی جاری ہے اپنی امت کے حالات ملاحظہ فرمانے کے لیئے گشت فرماتے ہیں۔صوفیا نے بعض دفعہ مشاہدہ کیا ہے اور اس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں کیا ہے۔

۲؎ یعنی ابوبکر صدیق تہجد میں قرأت نہایت آہستہ کررہے تھے اور حضرت فاروق خوب اونچی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدیق پر طریقت کا غلبہ ہے اور حضرت فاروق اعظم پر شریعت کا غلبہ۔

۳؎ یعنی رب تعالٰی کو سنانا مقصود تھا وہ تو آہستہ آواز بھی سنتا ہے فرماتا ہے:"فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی" پھر جہر کی کیا حاجت۔

۴؎ یعنی میں تہجد میں رب تعالٰی کو سنانے کے علاوہ دو کام اور بھی کررہا تھا سوتوں کو جگانا کہ میری آواز سن کر جاگ جاویں اور وہ بھی تہجد پڑھ لیں اور شیطان کو بھگانا کہ جہر کی برکت سے شیطان مجھے وسوسہ نہ دے سکے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اذان کی طرح قرآن کریم کی آواز سے بھی بھاگتا ہے۔یہ حدیث ذکر بالجہر کرنے والے صوفیاء کی بھی دلیل ہے اور ذکر خفی والوں کی بھی دونوں اللہ کے پیارے ہیں نیت سب کی بخیر ہے۔

۵؎ یہ جملہ اس کی شرح ہے "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا" یعنی نہ اتنی بلند قرأت کرو کہ دوسروں کو تکلیف ہو نہ اتنی آہستہ کہ بالکل پتہ ہی نہ لگے درمیانی روش دونوں صاحب اختیار فرماؤ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا" اے صدیق خالق کو سنانے کے ساتھ مخلوق کو اپنی قرأت سے فائدہ پہنچاؤ اور اے عمر مخلوق پر کچھ نرمی کرتے ہوئے اپنے نفس پر بھی زیادہ مشقت نہ ڈالو سبحان اللہ! کیسی پیاری تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا حتی کہ ایک آیت پر صبح ہوگئی ۱؎ یہ آیت تھی اگر تو اسے عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے ۲؎(نسائی۔ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی جب نماز تہجد کے لیئے جاگے اور سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو کر یہ رکوع پڑھا تو اس آیت کو سینکڑوں بار پڑھا حتی کہ وقت صبح بالکل ہی قریب آگیا کہ سلام پھیریں اور صبح ہو جائے لہذا اس اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ تمام رات جاگنا بہتر نہیں اور نہ یہ کہ طلوع فجر پر نفل منع ہیں۔

۲؎ یہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں اپنی قوم کے متعلق یہ عرض کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت بار بار پڑھنا اپنی امت کی شفاعت کے لیئے ہے یعنی عین نماز و مناجات میں ہی امت کی شفاعت بھی فرمارہے ہیں۔اس حدیث کی بناپر امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز میں آیت یا سورۃ کی تکرار بلا کراہت جائز ہے حتی کہ سورۂ فاتحہ کی تکرار بھی جائز ہے۔احناف کے ہاں سورۂ فاتحہ کی تکرار ممنوع ہے اگر اس کا اکثر حصہ مکرر کیا تو سجدۂ سہو واجب، مگر شیخ عبدالحق نے اشعہ میں فرمایا کہ میں نے شیخ سے پوچھا کہ اگر "اِھۡدِ نَا الصِّرٰطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ" پر لطف آجاوے اور اسے مکرر پڑھے تو کیا حکم ہے فرمایا فرائض میں نہ کرے نوافل میں کرسکتے ہو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی فجر کی سنتیں پڑھ لے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جائے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے اور اس کے لیئے ہے جو تہجد میں جاگتا رہا ہو تاکہ کچھ آرام کرکے فرض فجر بہ آسانی ادا کرے۔اسی لیئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ عمل گھر میں کرے مسجد میں نہ کرے تاکہ لوگوں کو اپنی تہجد پر مطلع نہ کرے مگر خیال رہے کہ اس طرح لیٹے کہ نیند یا اونگھ نہ آنے پائے ورنہ وضو جاتا رہے گا اور سنت یہ ہے کہ فجر کی سنتیں و فرض ایک وضو سے پڑھے اگر تہجد نہ پڑھنے والا بھی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اس وقت کچھ لیٹ جائے تو حرج نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مسروق سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عمل زیادہ پیارا تھا فرمایا ہمیشہ کا ۱؎ میں نے کہا کہ رات میں کس وقت اٹھتے تھے فرمایا جب مرغ کی اذان سنتے تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اسی لیئے دوسری روایت میں آیا کہ پیارا عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہوا گرچہ تھوڑا ہو، ہمیشگی دین ودنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہے،استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے،اتنا کام شروع کرو جو نبھا سکو۔

۲؎ یہاں مرغ کی پہلی بانگ مراد ہے جو تہائی رات باقی رہے تو ہوتی ہے،دوسری بانگ مراد نہیں وہ صبح صادق پر ہوتی ہے اس وقت تہجد نہیں ہوسکتی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا نہ چاہتے تھے مگر	

	دیکھ لیتے تھے اور سوتے ہوئے دیکھنا نہ چاہتے تھے مگر دیکھ لیتے تھے ۱؎(نسائی)

۱؎یعنی آپ نہ تو تمام رات سوتے تھے نہ تمام رات جاگتے تھے کچھ حصہ سوتے کچھ حصہ میں جاگتے لہذا آپ کا ہر حال دیکھا جاتا تھا۔

	روایت ہے حضرت حمید ابن عبدالرحمٰن ابن عوف سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے سوچا حالانکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا کہ قسم خدا کی میں نماز کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوں گا ۱؎ حتی کہ آپ کا عمل دیکھ لوں توجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء یعنی عتمہ پڑھ لی تو کافی رات لیٹے رہے ۲؎ پھر جاگے تو کنارہ آسمان میں نظر فرمائی، پھر کہا مولا تو نے اسے بے کار نہ بنایا حتی کہ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ تک پہنچ گئے ۳؎ پھر اپنے بستر کی طرف جھکے وہاں سے مسواک نکالی پھر اسے برتن سے جو آپ کے پاس رکھا تھا پانی پیالے میں انڈیلا ۴؎ پھر مسواک کی پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھتے رہے ۵؎ حتی کہ میں نے سوچا کہ آپ نے سونے کی بقدر نماز پڑھ لی پھر لیٹ گئے حتی کہ میں نے کہا آپ بقدر نماز سو لیئے پھر بیدار ہوئے تو جیسا پہلی بار کیا تھا ویسا ہی کیا اور جو پہلے فرمایا تھا ویسا ہی فرمایا ۶؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر سے پہلے یہ کام تین بار کیا۔(نسائی)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز تہجد مراد ہے کیونکہ پنجگانہ نمازیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باجماعت پڑھتے تھے ان میں تحقیقات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی یہ صحابہ کا جذبہ عشق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو آنکھوں دیکھنا چاہتے ہیں۔

۲؎اس طرح کہ دو تہائی رات سو لیئے یہ عمل وہاں کا ہے جہاں راستہ میں کسی جگہ رات گزارنے کے لیئے سفر منقطع فرما کر نزول فرمایا ورنہ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات میں سفر طے کرتے تھے سواری پر ہی کچھ نیند فرما کر تہجد ادا کرتے۔

۳؎یعنی یہ آیات یہاں تک پڑھیں بعض اوقات آخر سورت تک بھی تلاوت کرتے تھے۔

۴؎سرہانے مسواک تکیہ کے نیچے رکھنا اور وضو کا پانی رکھنا سنت۔صوفیائے کرام کا اس پر عمل ہے اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۵؎ظاہر یہ ہے کہ آپ نے صرف مسواک کی وضو نہ کیا کیونکہ آپ کی نیند وضو نہیں توڑتی کلی مسواک کے لیئے ہی پانی انڈیلا تھا اور اگر وضو بھی کیا ہو تو وضو پر کیا یا کوئی اور حدث ہوا ہو گا مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

۶؎یعنی رات میں کئی بار بیدار ہوئے اور ہر دفعہ یہ ہی آیات تلاوت کیں اور مسواک و نماز ادا کی تین بار ایسا ہی عمل کیا، تہجد کا یہ عمل بہت ہی افضل ہے کہ گراں ہے بار بار جاگنا سونا آسان نہیں مگر جس پر اللہ آسان کرے۔

	روایت ہے حضرت یعلی ابن مملک سے کہ انہوں نے حضور صلی

	اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور نماز کے بارے میں پوچھاانہوں نے فرمایا کہ تمہیں ان کی نماز سے کیا نسبت[1] آپ نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بقدر سوتے تھے پھر سونے کے بعد بقدر نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بقدر سوتے تھے حتی کہ صبح کرتے[2] پھر آپ کی قرأت بیان کی تو ایسی قرأت بیان کرنے لگیں ایک ایک حرف صاف جدا[3] (ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

[1] یعنی تم میں یہ ہمت وجرات کہاں جو رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھ سکو اس فرمان کا مقصد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی عظمت دکھانا ہے یا موجودہ حضرات پر حسرت کا اظہار ہے کہ ان کی ہمت پہلے کی سی نہ رہی یا پوچھنے والے کو اس پر دلیر کرنا منظور ہے کہ وہ یہ بات سن کر جوش میں آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی کوششیں کریں لہذا یہ حدیث روافض کی دلیل نہیں کہ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ دیئے تھے۔

[2] تہجد سے پہلے سونا تہجد کے لیئے شرط ہے کہ اس کی بغیر نماز تہجد نہ کہلائے گی اور بعد تہجد سونا سنت ہے۔بہتر یہ ہے کہ سویرا سوتے ہوئے نمودار ہو۔

[3] یعنی آپ کی قرأت نہایت آہستگی سے اور صاف تھی جس سے ہر کلمہ جداگانہ سمجھ میں آتا تھااور ہر کلمہ کے حروف ح،ع،ز،ذ،ط،ض،واضح طورپر سمجھ لیئے جاتے تھے،ایک کلمہ دوسرے سے مخلوط نہ ہوتا تھا تلاوت قرآن کریم کا یہ ہی طریقہ چاہیے زیادہ پڑھنے کی کوشش نہ کرو درست پڑھنے کی کوشش کرو۔

باب مایقول اذا قام من اللیل

باب جب رات میں اٹھے تو کیا کہے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اگرچہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سانس اللہ کے ذکر میں نکلتی تھی مگر تہجد کو اٹھتے وقت بڑے پیارے پیارے ذکر فرماتے تھے کہ وہ وقت خصوصیت سے قبولیت کا ہے اور رحمت الٰہی کے ظہور کا،یہاں وہ ذکر و دعائیں بیان ہوں گی جو نماز تہجد سے پہلے پڑھتے تھے ان کا کچھ ذکر پہلے باب میں بھی ہوچکا ہے اس باب میں تفصیلاً ذکر ہوگا لہذا یہ مکرر نہیں کہ وہاں اجمالی تھا،یہاں تفصیلی وہاں تبعًا تھا یہاں قصدًا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے اٹھتے تو کہتے الٰہی تیرے لیئے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا قائم رکھنے والا ہے۱؎ تیرے ہی لیئے حمد ہے توآسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا نور ہے ۲؎ اور تیری ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا بادشاہ ہے ۳؎ اور تیری ہی حمد ہے تو حق ہے ۴؎ تیرا وعدہ حق ہے،تجھ سے ملنا حق ہے اور تیری بات حق ہے ۵؎ جنت حق ہے آگ حق ہے،نبی حق ہیں،جناب محمد حق ہیں ۶؎ قیامت حق ہے،اے اللہ تیرے لیئے میں اسلام لایا تجھ پر ایمان لایا ۷؎ اور تجھ پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری طرف میں نے رجوع کیا ۸؎ تیرے بھروسے پر میں کفار سے لڑتا ہوں اور تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں ۹؎ میرے اگلے پچھلے چھپے کھلے بخش دے اور وہ بخش جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا ہے ۱۰؎ اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے ۱۱؎ تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۱۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ دعائیں نماز تہجد شروع کرنے سے پہلے ہیں وضو مسواک کے بعد یا ان سے بھی پہلے۔**قیم قیوم** مبالغہ کے صیغے ہیں یعنی آسمان وزمین اور ان کی مخلوق،جن وانس وفرشتوں وغیرہ کو قائم رکھتا ہے کہ ان سب کی بقا تیرے کرم سے ہے یعنی ان کا موجب بھی تو،باقی رکھنے والا بھی تو،اب ورب میں یہ فرق ہے۔

۲؎ یعنی ان کو عدم کی تاریکی سے وجود کا نور دینے والا تو، یا چاند و سورج اور تاروں کے ذریعے انہیں ظاہری نور دینے والا بھی تو ہے اور انبیاء اولیاء اور علماء کے ذریعہ باطنی نور دینے والا بھی تو ہے یہاں نور بمعنی منور ہے،رب فرماتا ہے: "اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"۔

۳؎ حقیقی و دائمی بادشاہی ہے تیری عطا سے عارضی و چند روزہ بادشاہ تیرے بعض بندے ہیں چنانچہ دنیا میں صدہا بادشاہ گزرے جن کے نام و نشان نہ رہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری خلق کا دائمی سلطان بنایا مگر یہ سلطنت عارضی و عطائی ہے رب تعالٰی کی حقیقی و ذاتی۔

۴؎ یعنی تو ثابت ہے دائم ہے تیرے لیئے فنا نہیں کہ حق کے ایک معنے یہ بھی ہیں یعنی زائل و فانی کا مقابل دوسرے معنے ہیں باطل و غلط کا مقابل یہاں پہلے معنے مراد ہیں۔

۵؎ یہاں حق باطل کے مقابل ہے یعنی تیرا وعدہ اور وعید سچے ہیں اور ہم سب کا تیری بارگاہ میں حاضر ہو کر حساب دینا بر حق ہے، تیرے سارے فرمان سچے ہیں تیرے کلام میں جھوٹ کا احتمال نہیں۔خیال رہے کہ صادق وہ کلام ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور حق وہ کلام کہ واقعہ اس کے مطابق ہو، بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں لقا سے مراد دیدار الٰہی ہے۔

۶؎ اگرچہ نبیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر سارے نبیوں کی حقانیت موقوف ہیں کیونکہ ان سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور حقانیت کی بشارتیں دی تھیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا بھر سے ان سب کی حقانیت کا اقرار کرالیا اس لیئے خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علیحدہ ذکر ہوا۔خیال رہے کہ نبیوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی ذات ان کی صفات اور سارے حالات حتی کہ ان کی خطائیں ولغزشیں بھی حق ہیں کہ اس پر ہزارہا حق مرتب ہوتے ہیں۔

۷؎ یعنی ظاہر و باطن میں تیرا مطیع ہوں اور تیرے سارے احکام کو حق سمجھتا ہوں،ایمان و سلام کا فرق کتاب الایمان کے شروع میں بیان ہوچکا۔

۸؎ صوفیا فرماتے ہیں کہ گناہوں سے باز آجانا توبہ ہے اور غفلت سے باز آکر بیدار ہوجانا انابت، شریعت والوں کا توکل یہ ہے کہ اسباب پر عمل اور "مُسَبِّبَ الۡاَسۡبَابۡ" پر نظر طریقت والوں کا توکل یہ ہے اسباب کی آڑ کو پھاڑ دینا اور یار تک پہنچ جانا۔

۹؎ یعنی تیرے لیئے میرا جہاد ہے اور جہاد میں تیری مدد پر نظر ہے میرا اور کفار کا فیصلہ تو فرما کر میرا سچ اور ان کا جھوٹ ظاہر فرمادے۔

۱۰؎ نہایت جامع استغفار ہے جس میں ہر قسم کی غلطیوں گناہوں کا ذکر آگیا، یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لیئے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک گناہوں کی رسائی نہیں وہ گناہ کرنیکے لیئے پیدا نہیں ہوئے بلکہ گنہگاروں کی دستگیری کرنے کے لیئے تشریف لائے۔

۱۱؎ تونے اپنے فضل و کرم سے مجھے درجہ میں سب سے آگے رکھا اور زمانہ میں سب نبیوں سے پیچھے یا آخرت میں تونے مجھے سب سے آگے رکھا اور دنیاوی ظہور میں سب سے پیچھے یا تونے میری امت کو ساری امتوں سے درجوں میں آگے بڑھادیا اور دنیوی ظہور میں سے پیچھے رکھا اس کی تفسیر وہ حدیث ہے "نَحۡنُ الۡاٰخِرُوۡنَ السَّابِقُوۡنَ"۔(از مرقات)اس جملہ کی اور بہت تفسیریں ہیں۔

۱۲؎ اس کے پہلے جملہ میں غیر سے الوہیت کی نفی ضمنًا ہے دوسرے میں صراحتًا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ	

وسلم جب رات میں اٹھتے نماز شروع کرتے تو کہتے اے اللہ اے جبرئیل اے میکائیل اور اسرافیل کے رب۱ آسمانوں اور زمین کے بنانے والے چھپے کھلے کے جاننے والے۲ تو ہی اپنے بندوں کا ان چیزوں میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ جھگڑتے ہیں۳ مجھے اپنے کرم سے اس حق کی ہدایت دے جس میں اختلاف ہے تو جسے چاہے سیدھے رستے کی ہدایت دے۴ (مسلم)	

۱ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمات نماز تہجد کی تکبیر تحریمہ سے پہلے فرماتے تھے اللہ تعالٰی ساری مخلوق کا رب ہے مگر خصوصیت سے ان تینوں فرشتوں کا ذکر ان کے اشرف ہونے کی بنا پر کیا گیا۔اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ تمام فرشتوں میں افضل حضرت جبریل ہیں کیونکہ خادم انبیاء ہیں اور حامل وحی ہیں،پھر میکائیل کیونکہ رزق جسمانی کا تعلق ان سے ہے،پھر اسرافیل کیونکہ آپ لوح محفوظ کے امین اور صور کے محافظ،پھر عزرائیل علیہم الصلوۃ والسلام اس ترتیب میں اور بھی قول ہیں۔

۲ خالق بمعنی پیدا کرنے والا،فاطر بمعنی ایجاد کرنے والا،چونکہ آسمان فیض دینے والے ہیں اور زمین فیض لینے والی،نیز آسمان کفر و شرک وگناہ سے محفوظ ہے اور زمین میں یہ سب کچھ موجود اس لیئے آسمانوں کا ذکر پہلے کیا زمین کا بعد،ورنہ زمین آسمان سے افضل بھی ہے اور پہلے بھی۔غیب اور غائب کا فرق پہلے بیان کیا جاچکا ہے،رب تعالٰی کے لیئے کوئی شے غیب نہیں ہمارے لیئے بعض چیزیں غیب ہیں اور بعض شہادت۔

۳ قیامت کے دن عملی فیصلہ اس طرح کہ اچھوں و بروں میں فاصلہ فرمادے گا،قولی فیصلہ تو یہ بھی ہوچکا لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۴ یہ دعا ہماری تعلیم کے لیئے ہے ورنہ اللہ تعالٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کی ہدایت ازل میں ہی دے چکا اب تمام عالم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت بٹ رہی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رات میں جاگے تو کہے کہ اللہ اکیلے کے سوا کوائی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۱ پاک ہے اللہ،اللہ کی حمد ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اللہ بڑا ہے اللہ کے بغیر طاقت و قوت نہیں،پھر کہے اے رب مجھے بخش دے یا فرمایا کہ پھر دعا مانگے تو اس کی قبول ہوگی۲ پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوگی۳ (بخاری)	

۱؎ یہ دعا تہجد کے لیئے اٹھتے ہی پڑھنی چاہیئے۔تَعَارَّ عرار سے بنا،بمعنی ہلکی آواز،چونکہ مسلمان جاگتے ہی کچھ ذکر الٰہی کرتا ہے اس لیئے یہاں یہ لفظ جاگنے کے معنی میں استعمال ہوا۔ملک اور ملکوت کافرق بارہا بیان کیا جاچکا ہے،حقیقی ملک اللہ کا ہے مجازًا بندوں کا بھی مگر ملکوت خدا کے سوا کسی کا نہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے خدا کی حمد کرے پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہے پھر دعا مانگے،ان شاء اللہ بالضرور قبول ہوگی خصوصًا تہجد کے وقت کی دعا کہ وہ تیر بہدف ہے،حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس دعا کا نام دعائے درھم الکیس ہے یعنی تھیلی کی نقدی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آخر رات میں جاگ کر تہجد نہ بھی پڑھے مگر یہ دعا مانگ لے تو ان شاء اللہ تعالٰی فائدے میں رہے گا،معذور لوگ جو نماز نہیں پڑھ سکتے وہ دعا ضرور پڑھ لیا کریں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں جاگتے تو کہتے تیرے سوا کوئی معبود نہیں،الٰہی تو پاک ہے،تیری حمد ہے اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں،تجھ سے تیری رحمت مانگتا ہوں،الٰہی میرا علم بڑھادے اور ہدایت کے بعد دل ٹیڑھا نہ کردے ۱؎ مجھے اپنی طرف سے رحمت دے،بے شک تو ہی دینے والا ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بھی رحمت میں شامل تھیں لیکن چونکہ بہت شاندار نعمتیں ہیں اس لیئے ان کا علیحدہ ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ علم کی انتہا نہیں اور کوئی شخص علم پر قناعت نہ کرے بلکہ ہمیشہ طالب علم رہے اور اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ سمجھے دل بدلتے دیر نہیں لگتی یہ دعائیں ہماری تعلیم کے لیئے ہیں۔

۲؎ یہاں رحمت سے مراد ایمان و ہدایت پر ثابت قدمی اور نیک اعمال کی توفیق ملنا ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو رات گزارے ذکر الٰہی پر پاک رہ کر ۱؎ پھر رات کو اٹھے اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے وہ دے دیتا ہے ۲؎ (احمد وابوداؤد)	

۱؎ یعنی باوضو سوئے اور اللہ کا ذکر آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھ کر سوئے،بعض صوفیاء سوتے وقت پاس انفاس کرتے ہیں اور اسی حالت میں سوجاتے ہیں اس طرح کہ لَا اِلٰہ پر سانس کھینچتے ہیں اور اِلَّا اللہ پر نکالتے ہیں یاصَلَّے اللّٰہُ عَلَیْكَ سے سانس کھینچتے ہیں اور یَارَسُولَ

اللہ پر سانس باہر نکالتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے اگر آخری نیند یعنی موت پر یہ عمل نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔ مرقات نے فرمایا کہ اس وقت تیمّم ہی کر کے سوجائے یا طہارت سے مراد دل کا حسد اور کینہ وغیرہ سے پاک ہونا ہے۔

۲؎ اور ایسا شخص تمام رات کا عابد مانا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت شریق ہوزنی ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا میں نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں جاگتے تھے تو ابتداء کس چیز سے کرتے تھے فرمایا کہ تم نے مجھ سے وہ چیز پوچھی جو تم سے پہلے مجھ سے کسی نے نہ پوچھی ۲؎ جب حضور رات میں جاگتے تو دس بار تکبیر دس بار حمد کہتے اور دس بار "سُبْحٰنَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ" دس بار "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوس" کہتے دس بار استغفار پڑھتے اور دس بار کلمہ پھر دس بار کہتے الٰہی میں دنیا اور قیامت کی تنگی سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۳؎ پھر نماز شروع کرتے۔ (ابوداؤد)

۱؎ آپ بڑے پائے کے تابعی ہیں، ہوزن جو قبیلہ ذی کلاع کا بطن ہے اس کی طرف منسوب ہیں۔

۲؎ اس میں سوال کی تعریف ہے کہ رب تعالٰی نے تمہیں اچھی بات پوچھنے کی توفیق دی اس سوال سے صحابہ کرام کا عشق رسول ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اندرونی وبیرونی زندگی معلوم کر کے اس کی نقل کرنا چاہتے تھے۔

۳؎ دنیا کی تنگی میں یہاں کی آفتیں بیماری اور قرض کی مصیبتیں وغیرہ سب داخل ہیں اور قیامت کی تنگی میں وہاں کی دھوپ اور گرمی حساب میں ناکامی وغیرہ شامل ہے یہ کل ستر کلمات ہوئے قربان جاؤں اس سونے اور جاگنے پر۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اٹھتے تو تکبیر کہتے، پھر کہتے الٰہی تو پاک ہے، تیری حمد ہے، تیرا نام برکت والا ہے، تیری شان اونچی ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۱؎ پھر کہتے اللہ بہت ہی بڑا ہے پھر کہتے مردود شیطان سے سننے والے، جاننے والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے وسوسوں سے اس کی پھونک سے اس کے تکبر سے ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ابوداؤد نے غیرك کے بعد یہ بھی زیادہ کیا کہ پھر تین بار لا الہ الا اللہ کہتے اور آخر حدیث میں ہے

	پھر قرأت کرتے۔

۱؎ یہاں تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے یعنی آپ تہجد کی نماز شروع فرما کر قرأت سے پہلے یہ ذکر کرتے جیسے اور نمازوں میں کیا جاتا ہے مگر اس نماز میں آئندہ کلمات اور زیادہ فرماتے۔خیال رہے کہ جد کے معنی عظمت ہیں یا جائے پناہ اسی لیئے مال کو بھی جد کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو عظمت ملتی ہے اور دادا کو بھی اس سے خاندانی عظمتیں قائم ہوتی ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بہکاتے وقت انسان پر پھونکیں مارتا ہے جس سے وسوسے اور ناجائز تکبر پیدا ہوتے ہیں کیونکہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اور پھونک کو پھونک مٹاتی ہے اس لیئے مشائخ بھی شیطان وغیرہ کو دفع کرنے کے لیئے دم ہی کرتے ہیں۔پھونک کی تاثیریں اور فوائد ہماری کتاب "اسرار الاحکام" میں دیکھو

	روایت ہے حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے پاس میں رات گزارتا تھا،میں آپ کو سنتا تھا کہ جب آپ رات میں اٹھتے تو بہت دیر تک کہتے جہانوں کا پالنے والا پاک ہے پھر بہت دیر تک کہتے اللہ پاک ہے اس کی حمد ہے ۱؎ (نسائی)ترمذی میں اس کی مثل ہے،اور انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ یعنی ربیعہ اپنے گھر کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے پاس رات گزارتے اور چوکھٹ شریف پر سر رکھ کر آرام کرتے تاکہ رات میں بوقت ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کریں اور آپ کے اعمال و اقوال شریفہ یاد کریں،اسی خدمت کا صلہ انہیں وہ ملا جو باب السجود میں گزر چکا یعنی جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کریم کے دروازہ سے سب کچھ ملتا ہے۔غالب یہ ہے کہ یہ ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر حجرے میں کرتے تھے اور آپ باہر سنتے تھے۔

باب التحريض على قيام الليل

باب رات میں اٹھنے کی ترغیب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ نماز تہجد کے فضائل بے شمار ہیں وہ وقت رب تعالٰی کی خاص رحمتیں اترنے کا ہے۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ نماز تہجد میں جنت کی لذتیں ہوتی ہیں۔(اشعہ)ایک دور تھا کہ جب مسلمان اپنے مفاد کو دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اور آج وہ وقت ہے کہ لوگ دوسروں کے مفاد کو بھی اپنا بنانا چاہتے ہیں یہ ہے ہمارے معاشرے کی کمزوری اور اسکا سب سے بڑا سبب ہے روپیہ،پیسہ،بھوک،غریبی،مفلسی،محتاجی،

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگادیتا ہے ۱؎ہر گرہ پر یہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے سوجا۲؎ پھر اگر بندہ بیدار ہوجائے تو اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے ۳؎ پھر اگر وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے ۴؎ اور وہ خوش دل پاک نفس صبح کرتا ہے ورنہ پلید طبیعت اور سست صبح پاتا ہے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں گرہ کے ظاہری معنی ہی مراد ہیں بلاوجہ تاویل کی ضرورت نہیں جادوگر دھاگے یا بالوں میں کچھ دم کرکے گرہ لگادیتے ہیں جس کا اثر مسحور پر ہوجاتا ہے ایسے ہی شیطان انسان کے بالوں میں یا دھاگے میں صبح کے وقت غفلت کی تین گرہیں لگادیتا ہے اسی لیئے صبح کے وقت بڑے مزے کی نیند آتی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین گرہوں کے کھولنے کے لیئے تین عمل ارشاد فرمائے۔

۲؎ یعنی یہ لفظ کہہ کر دم کرتا ہے اور گرہ لگادیتا ہے جس کے اثر سے انسان پر غفلت طاری ہوجاتی ہے۔مشائخ اللہ کا ذکر کرکے دھاگے پر پھونکتے اور گرہ لگاتے ہیں پھر مریض کے گلے میں ڈال دیتے ہیں اس کا ماخذ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔معلوم ہوا کہ گنڈا حق ہے جس گنڈے کی حدیث شریف میں برائی آئی ہے وہ وہ گنڈا ہے جس پر شرکیہ الفاظ پڑھ کر دم کیا جائے۔

۳؎ یہاں اللہ کے ذکر سے وہ ذکر مراد ہے جو اٹھتے ہی مومن کرتا ہے جن کا ذکر پہلے ہوچکا یہ ذکر اس جادو کا اتار ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور آپ پر درود شریف بھی اللہ کا ذکر ہے اگر درود پر آنکھ کھلے تب بھی یہ ہی فائدہ ہوگا۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز سے تہجد کی نماز مراد ہے اسی لیئے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث تہجد کے باب میں لائے اور اگر کوئی نماز فجر کے لیئے اٹھے اور یہ عمل کرے تب بھی ان شاء اللہ یہ فوائد ہوں گے۔بعض روایات میں اسی جگہ عُقَدُ ہے عُقْدَہ کی جمع معنی یہ ہوئے کہ اگر نماز پڑھ لے تو ساری گرہیں کھل جاتی ہیں کیونکہ جب تیسری گرہ کھل گئی تو سب ہی کھل گئی یا چونکہ نمازی آدمی وضو بھی کرتا ہے ذکر اللہ

بھی لہٰذا نماز میں وہ دونوں چیزیں آگئیں۔ خیال رہے کہ جن عورتوں کی نماز معاف ہے وہ بھی معافی کے زمانہ میں جلد جاگیں، اللہ کا ذکر کریں، وضو کرلیں تو بہت اچھا ورنہ تڑکے ہی منہ ہاتھ دھولیں۔
۵؎ یعنی نماز تہجد کی برکت سے دل میں خوشی، نفس میں پاکی نصیب ہوتی ہے جو اس سے محروم ہے وہ ان دونوں کے کمال سے محروم ہے۔ (مرقاۃ) اور جو نماز فجر سے غافل رہا اسے سستی بہت ہی ہوتی ہے، صبح کا اٹھنا تندرستی کی اصل ہے صبح سوتے رہنا بیماریوں کی جڑ ہے اسی لیئے سمجھ دار کفار بھی اندھیرے منہ جاگتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک قیام فرمایا کہ آپ کے قدم سوج گئے ۱؎ آپ سے عرض کیا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے بخش دیئے گئے ۲؎ تو فرمایا کیا میں بندہ شاکر نہ ہوؤں ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ دراز قیام کے باعث یعنی تہجد میں اتنا دراز قیام فرمایا کہ کھڑے کھڑے قدم پر ورم آگیا یہ حدیث شبینہ پڑھنے والوں اور ان صوفیا کی دلیل ہے جو تمام رات نماز پڑھتے ہیں جیسے حضور غوث پاک اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان بزرگوں پر اعتراض نہ کرو۔
۲؎ یعنی یا حبیب اللہ اتنا لمبا قیام ہم لوگ کریں تو مناسب ہے کہ ہم گنہگار ہیں اللہ تعالےٰ اس کی برکت سے ہمارے گناہ بخش دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے پھر اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ بخشنے کی بہت توجیہیں عرض کی جاچکی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے جو ابھی عرض کی گئی۔
۳؎ یعنی میری یہ نماز مغفرت کے لیئے نہیں بلکہ مغفرت کے شکریہ کے لیئے ہے۔ خیال رہے کہ ہم لوگ عبد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبدہٗ ہیں، ہم لوگ شاکر ہوسکتے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم شکور ہیں یعنی ہر طرح ہر وقت ہر قسم کا اعلی شکر نے والے مقبول بندے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جنت کی لالچ میں عبادت کرنے والے تاجر ہیں، دوزخ کے خوف سے عبادت کرنے والے عبد ہیں مگر شکر کی عبادت کرنے والے احرار ہیں۔ (ربیع الابرار و مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر کیا گیا آپ سے عرض کیا گیا وہ صبح تک سوتا رہا نماز کے لیئے نہ اٹھا ۱؎ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے کان میں شیطان نے پیشاب کردیا فرمایا دونوں کانوں میں ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ نماز تہجد کے لیئے یا نمازِ فجر کے لیئے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ صحابہ کرام فجر ہرگز قضاء نہ کرتے تھے اور ممکن ہے کسی منافق کا واقعہ ہو جو فجر میں نہ آتے تھے۔ معلوم ہوا کہ نماز فجر میں نہ جاگنا بڑی نحوست ہے، نیز کوتاہی کرنے والوں کی شکایت اصلاح کی غرض سے کرنا جائز ہے غیبت نہیں۔
۲؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ شیطان کھاتا بھی ہے، پیتا بھی ہے، قے بھی کرتا ہے گوز بھی مارتا ہے لہٰذا پیشاب بھی کرتا ہے چونکہ کان ہی سے اذان کی آواز سنی جاتی ہے اس لیئے وہ خبیث غافل کے کان ہی میں موتتا ہے یعنی اسے ذلیل بھی کرتا

ہے اور غافل بھی۔(لمعات) خیال رہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیئے ہے جو اپنی کوتاہی کی وجہ سے صبح کو نہ جاگیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا تعریس کی رات صبح کو نہ جاگنا رب کی طرف سے تھا تاکہ امت کو نماز فجر قضاء پڑھنے کے احکام معلوم ہوں۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے کہ فرماتے تھے سبحان اللہ اس رات کتنے خزانے اتر رہے ہیں اور کتنے فتنے نازل ہو رہے ہیں ۱؎ ان حجرے والیوں کو کون اٹھائے ۲؎ (آپ کی بیویوں کو) کہ نماز پڑھ لیں بہت سی دنیا میں ڈھکی ہوئی آخرت میں ننگی ہوں گی ۳؎ (بخاری)

۱؎ یعنی اس رات غافلوں کے لیئے فتنے اتر رہے ہیں اور عابدوں کے لیئے اللہ کی رحمتیں۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ فتنوں سے مراد صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں اور ہو سکتا ہے کہ قیامت تک جو فتنے اور رحمتیں دنیا میں آئیں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ہی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیں جیسے ہم خواب یا خیال میں آیندہ واقعات دیکھ لیتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہمارے خواب وخیال سے زیادہ تیز ہے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات اتنی آواز سے فرمائے کہ ازواج مطہرات نے بھی سن لیئے اور تمام تہجد کے لیئے اٹھ بیٹھیں آپ کا فرمانا کہ کون اٹھائے احسن طریقے سے اٹھانے ہی کے لیئے تھا۔

۳؎ یعنی جسم کا لباس کپڑا ہے روح کا لباس اعمال بہت سی مالدار اور عیاش عورتیں جو یہاں لباس فاخرہ پہنتی تھیں وہ قیامت میں اعمال سے خالی ہوں گی لہذا اے بیبیوں وہاں کے لباس کی تیاری کرو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر رات جب آخری تہائی رات رہتی ہے تو ہمارا رب تعالٰی دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے ۱؎ ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں ۲؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پھر اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے ۳؎ اور فرماتا ہے کہ کون قرض دیتا ہے اسے جو نہ فقیر ہے نہ ظالم ۴؎ حتی کہ فجر چمک جاتی ہے۔

۱؎ یعنی اس کی رحمت اس کا کرم ادھر توجہ فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی اترنے چڑھنے سے پاک ہے۔(لمعات) اس سے معلوم ہوا کہ رات دن سے افضل ہے کیونکہ قبولیت کی ساعت ہفتے میں ایک دن یعنی جمعہ میں آتی ہے اور وہ بھی ہم سے چھپی ہوتی ہے مگر رات میں روزانہ قبولیت کی ایک ساعت نہیں بلکہ بہت سی ساعتیں ہوتی ہیں رب اس وقت مانگنے کی توفیق دے۔

۲؎ اگرچہ رب کا یہ فرمان براہ راست ہم نہیں سنتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان ہم تک پہنچادیا تو گویا ہم نے سن ہی لیا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ اس فرمانے سے فائدہ کیا۔ خیال رہے کہ رات کا آخری تہائی دنیا کے ہر حصے میں مختلف اوقات میں ہے۔ مثلًا

ہندوستان میں رات کے نو بجے ہوں تومکہ معظّمہ میں رات کے تین جس جس حصے میں جس وقت تہائی رات باقی رہے گی اس حصے میں اسی وقت یہ توجہ کرم ہو گی۔

۳؎ یہ جملہ متشابہات میں سے ہے اللہ تعالٰی ہاتھ اور ہاتھ پھیلانے سے پاک ہے لہذااس سے مراد اپنی رحمت و کرم کا وسیع فرمانا ہے۔

۴؎یعنی تمہاری نیکیاں ہم پر گویا قرض ہوں گی جن کا عوض تمہیں ضرور ملے گا جیسے قرض خواہ کو غنی عادل مقروض کی طرف سے قرضہ ضرور واپس مل جاتا ہے۔خیال رہے کہ فقیر تو اپنی حاجت روائی کے لیئے قرض لیتے ہیں اور غنی و سلاطین رعایا کی حاجت روائی کے لیئے قرض لیتے ہیں،شاہی بینک پبلک کا روپیہ اس لیئے اپنے پاس رکھتے ہیں یاملازمین کا فنڈ کاٹتے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنی کمائی برباد نہ کرلیں پھر اسے قرض کہتے ہیں اور بوقت ضرورت مع سود واپس کرتے ہیں رب تعالٰی کا یہ قرضہ طلب فرمانا دوسری قسم کا ہے اور اسے قرض کہنا اظہار کرم اور ہمارے اطمینان کے لیئے ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ رات میں ایک گھڑی ہے نہیں پاتا اسے کوئی مسلمان کہ اللہ سے اس میں دنیاوآخرت کی بھلائی مانگے مگر رب اسے دیتاہے اور یہ گھڑی ہر رات میں ہے ۱؎(مسلم)

۱؎بعض علماء نے فرمایا کہ روزانہ شب کی یہ ساعت قبولیت پوشیدہ ہے جیسے جمعہ کی ساعت مگر حق یہ ہے کہ پوشیدہ نہیں گزشتہ حدیثوں میں بتادی گئی ہے یعنی رات کا آخری تہائی خصوصًا اس تہائی کا آخری حصہ جو ساری رات کا آخری چھٹا حصہ ہے جو صبح صادق سے متصل ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس وقت مومن کی دعا قبول ہوتی ہے نہ کہ کافر کی اگر قبولیت چاہتے ہو تو ایمان کامل کرو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کو پیاری نماز داؤد علیہ السلام کی ہے اور اللہ کو پیارے روزے داؤد علیہ السلام کے ہیں۱؎ کہ آپ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات کھڑے رہتے پھر چھٹا حصہ سوتے ۲؎اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں نماز سے تہجد کی نماز مراد ہے اور روزے سے نفلی روزے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر انبیائے کرام بھی تہجد اور نفلی روزے ادا کرتے تھے مگر ان کے طریقے اور تھے۔حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ طریقہ تھا جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎یعنی دو تہائی رات سوتے اور ایک تہائی رات جاگتے تھے اور اس جاگنے اور نماز کو دو نیندوں کے درمیان کرتے اب بھی یہی چاہیئے۔

۳؎ اسی طرح نوافل تہجد اور نفلی روزوں کی محبوبیت کی چندہ وجوہ ہیں:ایک یہ کہ اس میں روح کا حق بھی ادا ہوتا ہے اور نفس کا حق بھی،تمام رات سونے ہمیشہ افطار کرنے سے روح کا حق رہ گیا۔اور رات بھر جاگنے،ہمیشہ روزے میں نفس کا حق مارا گیا۔دوسرے یہ کہ اس طرح تہجد،روزے نفس پر بھاری ہیں لہذا رب کو پیارے ہیں کیونکہ ہمیشہ روزے رکھنے میں روزہ عادت بن کر آسان معلوم ہونے لگتا ہے مگر اس طرح ہر روزے میں نئی لذّت محسوس ہوتی ہے۔تیسرے یہ کہ اس میں جسمانی طاقت بحال رہتی ہے گھٹتی نہیں طاقت ہی سے ساری عبادتیں ہوتی ہیں۔خیال رہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تیرھویں،چودھویں،پندرھویں روزے رکھے کبھی،یہ

بھی کیا کچھ تاریخوں میں مسلسل روزے،کچھ میں مسلسل افطار تاکہ امت پر آسانی ہو،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالوقت ہیں جو عمل کریں وہ افضل ہے۔رات کی ہر ساعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل سے شرف حاصل ہوااور مہینہ کی ہر تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے سے عزت ملی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اول رات سوتے تھے اور آخر رات جاگتے تھے پھر اگر آپ کو اپنے اہل سے حاجت ہوتی تو حاجت پوری فرماتے پھر سو جاتے ۱؎ پھر اگر پہلی اذان کے وقت جنابت میں ہوتے جلدی کھڑے ہو کر اپنے پر پانی بہاتے اور اگر جنبی نہ ہوتے تو نماز کے لیئے وضو کرتے پھر دو رکعتیں پڑھتے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا بیوی سے قربت کا بہترین وقت آخری رات ہے یعنی بعد تہجد کہ اس وقت معدہ خالی ہوتا ہے بھرے پیٹ صحبت نقصان دہ ہے اور اس وقت کی قربت سے جو اولاد ہوگی وہ ان شاء اللہ نیک و صالح ہوگی خصوصًا جب تہجد کے بعد قربت ہو صحبت صرف شہوت پوری کرنے کے لیئے نہیں بلکہ اس میں اور بھی مصلحتیں ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرکے سوتے تھے جیسا کہ دیگر روایات میں ہے اور یہ عمل بھی دائمی نہ تھا بلکہ کبھی غسل کرکے سوتے تھے یہ عمل بیان جواز کے لیئے ہے اور وہ عمل بیان استحباب کے لیئے۔

۲؎ یہ سنت فجر کی رکعتیں تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ادا فرماتے تھے اور فجر کے فرض باجماعت مسجد میں یہ ہی سنت ہے اور اگر بعد سنت فجر ستر بار استغفار پڑھ لی جائے تو بہت ہی بہتر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم رات میں اٹھنا لازم پکڑ لو ۱؎ کیونکہ یہ تم سے پہلے نیکوں کا طریقہ ہے ۲؎ اور رب کی طرف قربت کا ذریعہ،گناہوں کو مٹانے والا اور آیندہ گناہوں سے بچانے والا ۳؎ (ترمذی)

۱؎ یہ امر وجوب کے لیئے نہیں بلکہ تاکید کے لیئے ہے تہجد واجب یا فرض نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے وہ بھی علی الکفایہ۔

۲؎ یعنی گزشتہ انبیاء واولیاء کا طریقہ ہے لہذا یہ فطرت ہے۔معلوم ہوا کہ سارے انبیاء واولیاء نے تہجد پڑھی اور خاص دعائیں اس وقت مانگیں،دیکھو یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے کہا کہ ابھی نہیں بلکہ اور وقت تمہاری مغفرت کی دعا کروں گا یعنی تہجد پڑھ کر۔اس حدیث میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جو تہجد نہ پڑھے وہ کامل صالح نہیں۔خیال رہے کہ ہم کیا اور ہماری تہجد کیا ہاں اس میں اچھوں کی نقل ہے اللہ

تعالٰی اس اصل کی طفیل نقل کو بھی قبول کرلیتا ہے۔جو صاحب تہجد پڑھیں انہیں فقیر کی وصیت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پڑھا کریں وہاں سے بہت ملے گا۔
۳؎اس پر تجربہ بھی گواہ ہے کہ تہجد کی برکت سے گناہوں کی عادت چھوٹ جاتی ہے حضور سچے ان کی ہر بات سچی صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے آدمی جب رات میں نماز پڑھنے کھڑا ہو اور قوم جب کہ نماز میں صف باندھیں اور قوم جب کہ دشمن کی جنگ میں صف آرا ہوں ۱؎(شرح سنہ)	

۱؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تہجد تنہا پڑھنا چاہیے اور فرائض نماز و جہاد جماعت سے،چونکہ یہ کام اللہ کو پیارے ہیں لہذا ان کے لیئے اٹھنا بھی اسے پیارا اور اٹھنے والے بھی۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں قیام سے مراد تہجد کے لیئے اٹھنا ہے لہذا اس وقت جاگنا،ضروریات سے فارغ ہونا،وضو وغیرہ کرنا سبھی خدا کو پیارا ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب بندے سے آخری رات کے وسط میں بہت قریب ہوتا ہے ۱؎ اگر تم یہ کرسکو کہ اس وقت اللہ کے ذاکرین میں سے بنو تو بن جاؤ ۲؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث اسناد میں حسن صحیح غریب ہے ۳؎	

۱؎یعنی رب کی رحمت اور اس کی رضارات کے آخری چھٹے حصے میں بندے سے بہت قریب ہوتی ہے۔خیال رہے کہ یہاں قربت اوقات مراد ہے اور سجدے سے قرب احوال مرقاۃ۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ رب بندے سے سجدے میں زیادہ قریب ہوتا ہے اگر اس وقت بندہ سجدے میں گرا ہو تو اسے وقت کا قرب بھی حاصل ہوگا اور حال کا بھی۔
۲؎ اس میں خطاب حضرت عمرو ابن عبسہ سے ہے اور ان کے ذریعہ ہم سب لوگوں سے۔شیخ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عمرو ابن عبسہ کے ایمان لانے کے وقت تھا،آپ بیت اللہ شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد دیکھ کر فدا ہوگئے تھے اور اسی دم ایمان لے آئے آپ چوتھے مومن ہیں شعر۔

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　　　دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

۳؎ یعنی اس حدیث کی چند اسنادیں ہیں:بعض اسنادوں میں غریب ہے،بعض میں حسن،بعض میں صحیح،مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ غرابت اور صحت میں منافات نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے کہ وہ بھی پڑھ لے اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے اللہ اس عورت پر رحم	

کرے جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگائے کہ وہ بھی پڑھ لے اگر وہ نہ مانے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ بیوی کا یہ پانی چھڑکنا خاوند کی نافرمانی یا اس کی بے ادبی نہیں بلکہ اسے نیکی کی رغبت دینا اور اس پر امداد کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقْوٰی"۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی سے جبرًا نیکی کرانا ممنوع نہیں بلکہ مستحب ہے۔(مرقاۃ) خیال رہے کہ لوگ عوام کی بزرگوں کی مشائخ کی دعا لینے کے لیئے بڑے بڑے پاپڑ بیلتے ہیں۔دوستو اگر جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لینی ہے تو خود بھی تہجد پڑھو اور اپنی بیویوں کو بھی پڑھاؤ۔بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس جوڑے کو ہرا بھرا رکھے۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے فرمایا آخری رات کے درمیان کی اور فرض نمازوں کے پیچھے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ آخر صفت لیل کی ہے نہ کہ جوف کی آخری تہائی حصہ اس تہائی کا درمیانی وقت یعنی رات کا چھٹا حصہ فرض نمازوں سے مراد نماز پنجگانہ ہے خواہ ان میں فرضوں کے بعد دعا کرے یا سنتوں اور نوافل سے فارغ ہو کر،بعض بزرگ اہم دعائیں فرضوں کے بعد ہی مانگ لیتے ہیں پھر سنتیں و نفل پڑھتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابومالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایسے دریچے ہیں کہ جن کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے دیکھا جاتا ہے ۱؎ یہ اللہ نے ان کے لیئے بنائے جو بات نرم کریں اور کھانا کھلائیں ۲؎ اور متواتر روزے رکھیں اور جب لوگ سوتے ہوں تو رات میں نماز پڑھیں ۳؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی ان کی دیواریں اور کواڑ ایسے صاف اور شفاف کہ نگاہ کو نہیں روکتے جس کا نمونہ کچھ دنیا میں شیشے کی دیواروں اور کواڑوں میں نظر آتا ہے،اس شفافی میں اس کے حسن و خوبی کی طرف اشارہ ہے۔

۲؎ یعنی وہ دریچے ان لوگوں کے لیئے ہیں جن میں یہ چار صفات جمع ہوں ہر مسلمان دوست یا دشمن سے نرمی سے بات کرنا،کفار سے سخت کلامی بھی عبادت ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ"اور فرماتا ہے:"وَلْیَجِدُوۡا فِیۡکُمْ غِلْظَۃً"ہر خاص و عام کو کھانا کھلانا اس میں مشائخ کے لنگروں کا ثبوت ہے،بعض بزرگوں کے ہاں چرندوں پرندوں کو بھی دانا پانی دیا جاتا ہے وہ طعام کو بہت عام کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی ہمیشہ روزے رکھیں سواان پانچ دنوں کے جن میں روزہ حرام ہے یعنی شوال کی یکم اور ذی الحجہ کی دسویں تا تیرھویں یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو ہمیشہ روزے رکھتے ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں ہر مہینہ میں مسلسل تین روزے رکھے،چونکہ نماز تہجد ریاء سے دور ہے اور تمام نمازوں کی زینت اس لیئے اس کے پڑھنے والے کومزین دریچے دیئے گئے۔خلاصہ یہ ہے کہ جودو سجود کا اجتماع بہترین وصف ہے۔شعر

شرف مرد بجود است و کرامت بسجود　　　　ہر کہ ایں ہر دوندار عدمش بہ زوجود

اور ترمذی نے حضرت علی سے اس کی مثل روایت کی اور ایک روایت میں ہے جو اچھا کلام کرے۔	

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمروابن عاص سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااے عبداللہ فلاں کی طرح نہ ہوناجو رات کو اٹھتا تھا پھر رات کا اٹھنا چھوڑ دیا ا؎(مسلم،بخاری)	

ا؎ بلاعذر محض سستی کی وجہ سے۔اس سے معلوم ہوا کہ تہجد گزار کو تہجد چھوڑنا بہت برا ہے۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ عبداللہ ابن عمرو تمام رات عبادت کرتے تھے ان کے والد اس سے منع کرتے تھے مگر نہ مانتے تھے۔چنانچہ ان کے والد نے بارگاہ رسالت میں ان کی شکایت کی تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔مقصد یہ ہے کہ تم سے یہ عبادت نبھ نہ سکے گی اور تم اصل تہجد بھی چھوڑ بیٹھو گے۔شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بہت تلاش کے باوجود ان صاحب کا نام نہ ملا جو یہ قیام چھوڑ بیٹھے تھے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن ابوالعاص سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ داؤد علیہ السلام کی رات میں ایک گھڑی ایسی تھی جس میں اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے ا؎فرماتے تھے اے داؤد کے گھر والو اٹھو نماز پڑھ لو کیونکہ یہ وہ گھڑی ہے جس میں اللہ تعالٰی جادو گر یا محصولیوں کے سواسب کی دعا قبول فرماتا ہے۲؎(احمد)	

ا؎ یعنی ساری بیویوں اور سارے بچوں کو کیونکہ لفظ اہل ان سب کو شامل ہے۔

۲؎ چونکہ یہ دونوں بڑے ظالم ہوتے ہیں کہ جادو گر لوگوں پر جانی ظلم کرتا ہے اور چنگی والے ٹیکس وصول کرنے والے مالی ظلم بہت کرتے ہیں اور ان کے ذمہ حقوق العباد بہت ہوتے ہیں اس لیئے ان کی تہجد کے وقت مانگی ہوئی دعا بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ لوگوں کی بددعائیں ان کے پیچھے پڑی ہوتی ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں دعا کی قبولیت چاہتے ہو تو بددعائیں نہ لو،عُشَّار عشر سے بنا،بمعنی پیداوار کا دسواں حصہ جو حکومت لیتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرائض کے بعد بہترین نماز درمیانی رات کی ہے ۱؎(احمد)	

۱؎اس حدیث کی بناپر بعض علماء نے فرمایا کہ سنن مؤکدہ سے نماز تہجد افضل ہے۔کسی نے جنید بغدادی کو بعد وفات خواب میں دیکھا پوچھا کیا گزری فرمایا عبادات ضائع ہوگئیں،اشارات فنا ہوگئے تہجد کی رکعات کام آئیں۔(اشعہ)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا فلاں شخص رات میں تو نماز پڑھتا ہے جب صبح ہوتی ہے چوری کرتا ہے ۱؎فرمایا کہ اسے نماز اس چیز سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے ۲؎(احمد،بیہقی،شعب الایمان)	

۱؎یعنی رات کے آخری حصہ میں چوری کرتا ہے یا دن میں کم تولتا ہے یہ بھی ایک قسم کی چوری ہے۔

۲؎یعنی نماز کی برکت سے وہ ان عیوب سے توبہ کرے گا یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ "۔خیال رہے کہ سارے صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں یعنی گناہ پر قائم کوئی نہ رہا،بعض تو پہلے ہی سے گناہوں سے محفوظ تھے جیسے ابو بکر صدیق اور بعض سے گناہ سرزد ہوئے اور بعد میں تائب ہوگئے جیسے یہ شخص جس کی شکایت ہوئی۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اس چور کے ہاتھ اس وقت کٹوائے کیونکہ چوری کا ثبوت شرعی نہ ہوا،نہ شکایت کرنے والے کو غیبت پر کوئی تنبیہ فرمائی کیونکہ وہ غیبت نہ کررہے تھے بلکہ ان کی اصلاح کے خواہاں تھے،جیسے شاگرد کی شکایت استاد سے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تم فلاں گناہ کرتے ہو تو تمہیں داڑھی رکھنے یا نماز پڑھنے سے کیا فائدہ سخت غلط ہے ان شاء اللہ یہ نیکیاں گناہ چھڑا دیں گی۔گناہ کی وجہ سے نیکیوں کو نہ چھوڑو بلکہ نیکیوں کی وجہ سے گناہ چھوڑ دو۔

روایت ہے حضرت ابوسعید وابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص رات میں اپنے گھر والوں کو جگائے پھر وہ دونوں یا وہ اکیلا دو رکعتیں پڑھ لے تو وہ ذکر کرنے والوں یا والیوں میں لکھے جائیں گے ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی تہجد کی دو رکعتیں پڑھنے کی برکت سے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور اس وقت تھوڑے ذکر کی برکت سے انسان ہمیشہ ذکر کرنے والوں کے زمرے میں آجاتا ہے۔حدیث شریف میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "وَ الذّٰکِرِیۡنَ اللہَ کَثِیۡرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللہُ لَہُمۡ" الآیہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے بہترین لوگ قرآن	

اٹھانے والے اور شب بیداری کرنے والے ہیں ا؎(بیہقی،شعب الایمان)	

ا؎ قرآن اٹھانے والوں سے مراد قرآن کے حافظ ہیں یااس کے محافظ ہیں یعنی حفاظ یا علمائے کرام کہ ان دونوں کے بڑے درجے ہیں۔حدیث شریف میں ہے جس نے قرآن حفظ کیااس نے نبوت کواپنے دو پہلوؤں میں کے درمیان لے لیا۔حافظ الفاظ قرآن کی بقاکا ذریعہ ہیں،علماء معانی و مسائل قرآن کی بقاکاذریعہ اور صوفیاء اسرار رموز قرآنی کے بقاء کا۔رات والوں سے مراد تہجد گزار ہیں۔سبحان اللہ!جس شخص میں علم و عمل دونوں جمع ہوجائیں اس پر خدا کی خاص مہربانی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ ان کے والد عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ رات میں جس قدر رب چاہتا نماز پڑھتے رہتے تھے حتی کہ جب آخری رات ہوتی تو اپنے گھر والوں کو نماز کے لیئے جگاتے ا؎ اور ان سے فرماتے نماز پھر یہ آیت تلاوت فرماتے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اس پر قائم رہو ہم تم سے رزق نہیں مانگتے ہم تمہیں روزی دیں گے ۲؎ انجام پرہیزگاری کا ہے۔(مالک)	

ا؎ یعنی خود تو تہائی رات سے ہی نماز شروع کردیتے ہیں مگر بال بچے کو چھٹے حصے میں جگاتے۔اس سے معلوم ہوا کہ گھر کے بڑے کو بہت نیک ہونا چاہیے تاکہ چھوٹے بھی نیک بنیں پیر عالم اور بادشاہ وآفیسران اگر نیک ہوں تو ان کے ماتحت شاگرد و عوام و مرید بھی نیک ہوجائیں گے۔

۲؎ یعنی نماز خصوصًا تہجد کی برکت سے روزی میں برکت ہوتی ہے۔بعض صالحین کو جب کبھی فقر وفاقہ پہنچتا تو گھر والوں سے کہتے نوافل شروع کرو اللہ رسول نے یہی حکم دیا ہے پھر یہ آیت پڑھتے۔(مرقاۃ)

باب القصد فی العمل

عمل میں میانہ روی کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ قصد کے معنی ارادہ بھی ہیں اور درمیانی رفتار بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے۔خیال رہے کہ فرائض وواجبات تو رب تعالٰی کی طرف سے مقرر ہیں ان میں زیادتی یا کمی ہوسکتی ہی نہیں نوافل میں بندے کو اختیار دیا گیا ہے چاہیئے کہ بندہ اتنے نفل اختیار کرے جو نباہ سکے نہ ایک دم زیادہ نہ بالکل کم اسی کا نام قصد ہے اور یہاں عمل سے مراد نفلی عمل ہیں،درمیانی چال دین ودنیا میں مفید ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینے میں اتنا افطار فرماتے کہ گمان ہوتا آپ اس میں کوئی روزہ نہ رکھیں گے اور روزے رکھتے حتی کہ گمان ہوتا کہ آپ اس میں بالکل افطار نہ کریں گے ۱؎ تم رات میں آپ کو نماز پڑھتا دیکھنا چاہتے مگر دیکھ لیتے اور سوتا دیکھنا چاہتے مگر دیکھ لیتے ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کے سوا کسی مہینہ میں سارا ماہ روزے نہ رکھتے تھے بلکہ کچھ تاریخوں میں مسلسل روزے اور کچھ مسلسل افطار۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ داؤدی کی تعریف فرمائی یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ ایک دن افطار مگر خود اپنایہ عمل ہے۔معلوم ہوا کہ روزہ داؤدی سنت قولی ہے اور اس طرح روزے سنت فعلی اس کا ثواب زیادہ اس عمل کا قرب زیادہ جیسے بعد وتر نفل کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب زیادہ بیٹھ کر پڑھنے کا قرب زیادہ کہ یہ عملی ہے۔

۲؎ یعنی نہ تمام رات سوتے تھے نہ تمام رات جاگتے تھے اول رات سوتے اور آخر رات جاگتے اور بعد تہجد پھر سو جاتے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو پیارا عمل دائمی ہے اگرچہ تھوڑا ہو ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ دائمی عمل اگرچہ تھوڑا ہو اچھا ہے اور عارضی عمل اگرچہ زیادہ ہو اتنا اچھا نہیں۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ درود ووظائف شروع کرکے چھوڑے نہیں جب زبان بند ہو اور موت آئے تب یہ اعمال بند ہوں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر طاقت اعمال اختیار کرو ۱؎ کیونکہ اللہ ملال نہیں ڈالتا حتی کہ تم خود ملال میں پڑو ۲؎(مسلم)	

۱؎خیال رہے کہ یہ تمام کلام نفلی عبادات کے لیئے ہے کہ بقدر طاقت شروع کرو جو نبھا سکو،فرائض تو پورے ہی پڑھنے ہوں گے لہذا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر دو وقت کی نماز ہی پڑھ سکو تو اتنی ہی پڑھ لیا کرو لہذا حدیث صاف ہے،واجبات و سنن فرائض کے تابع ہیں ان کی پابندی لازم ہے۔

۲؎یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے یعنی اگر تم خود ملال و مشقت والے کاموں کو اپنے اوپر لازم کرلو کہ روزانہ سو رکعت پڑھنے یا ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مان لو تو تم پر یہ چیزیں واجب ہو جائیں گی،پھر تم مشقت میں پڑھ جاؤ گے مگر یہ مشقت رب نے نہ ڈالی تم نے خود اپنے پر ڈالی یہ معنی نہیں کہ اللہ ملال میں نہیں پڑتا حتی کہ تم ملال میں پڑو رب تعالٰی ملال کرنے سے پاک ہے۔پہلا **تملوا** باب افعال سے ہے،دوسرا **نصر** سے یہ حدیث دین و دنیا کے مشاغل کو شامل ہے درمیانی محنت کرنے والے ہمیشہ کامیاب ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر شخص بقدر ذوق نماز پڑھے جب تھک جائے تو بیٹھ جائے ۱؎(مسلم بخاری)	

۱؎یعنی اگر کھڑے کھڑے نوافل پڑھتے تھک گیا ہے تو بیٹھ کر پڑھے اس بیٹھنے میں ان شاء اللہ قیام کا ثواب ملے گا یا اگر نماز نفل سے تھک گیا ہے تو کچھ دیر آرام کے لیئے بیٹھ جائے اس آرام میں نفل کا ثواب ملے گا کیونکہ یہ آرام آیندہ نفل کی تیاری کے لیئے ہے،جو عادت عبادت کی تیاری کے لیئے وہ عبادت ہے اس لیئے کہا جاتا ہے کہ عالم کی نیند عبادت ہے کہ اس کے ذریعہ وہ بہت سے کام کرے گا۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتے ہوئے اونگھے تو سو لے ۱؎حتی کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب کوئی اونگھتے نماز پڑھے گا تو نہیں جانے گا کہ شاید دعائے مغفرت کرے تو اپنے کو بددعا دے لے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ معلوم ہوا کہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے کہ جس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۲؎مثلًا اونگھتے ہوئے بجائے **اِغْفِرْلِیْ** کے **اِعْفِرْلِیْ** کہہ جائے **غفر** کے معنی ہیں بخشنا،عفر کے معنی ہیں مٹی میں ملانا،ذلیل و خوار کرنا اور بعض ساعتیں قبولیت کی ہوتی ہیں کہ جو زبان سے نکلے وہ ہو جاتا ہے اس لیئے بہت احتیاط چاہیئے۔خیال رہے کہ بعض دفعہ مقتدی امام کے پیچھے اونگھ جاتے ہیں انہیں منہ دھو کر کھڑا ہونا چاہیے مگر اس اونگھ کی وجہ سے نماز باجماعت نہ چھوڑنی چاہیئے،یہاں تہجد وغیرہ نوافل کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین آسان ہے ۱؎اور کوئی دین کو سخت نہ بنائے گا مگر دین اس پر غالب آجائے گا ۲؎لہذا ٹھیک رہو خوش خبریاں دو ۳؎اور صبح شام اندھیری رات کی نمازوں سے مدد لو ۴؎(بخاری)	

۱؎ یعنی اسلام آسان دین ہے اس میں یہودیت کی طرح سختیاں نہیں کہ ان کے ہاں ترک دنیا عبادت تھی ہمارے ہاں دنیاداری بھی عبادت ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے،رب فرماتا ہے:"یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ"۔

۲؎ یعنی جو شخص غیر ضروری عبادت کو اپنے لیئے ضروری بنالے وہ مغلوب ہو کر تھک کر رہ جاوے گا اور پھر گنہگار ہوگا مثلًا کوئی عمر بھر روزے رکھنے کی نذر مان لے تو نہ کرسکے گا پھر اپنی نذر کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

۳؎ یعنی نیک اعمال کیئے جاؤ اللہ سے قرب اختیار کرو اور لوگوں کو دین سے ڈراؤ نہیں بلکہ خوشخبریاں دے کر ادھر مائل کرو یا خود خوش و خرم رہو کہ اللہ تعالٰی ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا،ہمیں اپنے فضل سے بخش دے گا،یعنی دوسروں کو خوشخبریاں دو یا خود خوشخبریاں لو۔

۴؎ اس طرح کہ صبح کو اشراق،شام کو اوابین،شب میں تہجد پڑھ لیا کرو اس سے سیر الی اللہ میں تمہیں مدد ملے گی۔سالک کے لیئے یہ عمل اچھے معاون ہیں۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے وظیفے یا اس کے کچھ حصے سے سوجائے پھر فجر و ظہر کے درمیان پڑھ لے تو ایسا ہی لکھا جائے گا گویا اس نے رات میں پڑھا ۱؎(مسلم)	

۱؎ اس سے بعض علماء نے فرمایا کہ تہجد رہ گئی ہو تو دوپہر سے پہلے اتنے نفل پڑھ لے تو ان شاءاللہ تہجد کا ثواب مل جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کا خلیفہ دن ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"جَعَلَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ خِلۡفَۃً"لہذا رات کے اعمال دن میں ہوسکتے ہیں،نیز دن کے اول حصہ پر رات کے بعض احکام جاری ہیں اسی لیئے نفل اور رمضان کے روزے کی نیت ضحوہ کبریٰ سے پہلے ہوسکتی ہے گویا اس نے رات سے ہی نیت کی۔(از مرقاۃ وغیرہ)اسی طرح اگر دن کا وظیفہ رہ جائے تو رات میں ادا کرلے کیونکہ دن کا خلیفہ رات ہے۔(لمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر طاقت نہ رکھو تو بیٹھ کر اگر طاقت نہ رکھو تو کروٹ پر ۱؎(بخاری)	

۱؎ حضرت عمران ابن حصین کو سخت بواسیر کا مرض تھا جس سے وہ بعض اوقات نہ تو کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے تھے نہ بیٹھ کر انہوں نے اپنے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا آپ نے یہ جواب فرمایا جیسا کہ مسلم کے سوا تمام صحاح میں ہے۔خیال رہے کہ یہاں نماز سے فرض واجب وغیرہ تمام نمازیں مراد ہیں مجبور کے یہ ہی احکام ہیں۔یہ بھی خیال رہے لیٹ کر نماز پڑھنے والے کے لیئے بہتر یہ ہے کہ چت لیٹے،روبقبلہ ہو،اس طرح کہ پاؤں بھی قبلہ کی طرف ہوں تاکہ اس کا رکوع وسجدہ بھی قبلہ رخ ہو حضرت عمران ابن حصین کو بواسیر تھی جس سے وہ چت بھی نہیں لیٹ سکتے تھے اس لیئے انہیں داہنی کروٹ پر لیٹنے کا حکم دیا گیا۔(فتح القدیر)لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں دار قطنی کی حدیث میں ہے"فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ صَلّٰی مُسۡتَلۡقِیًا رِجۡلَاہُ مِمَّا یَلِی الۡقِبۡلَۃَ"یعنی اگر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر پڑھے قبلہ کی طرف پاؤں کرکے یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھو تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب ہے ۱؎ اور جو لیٹ کر نماز پڑھے تو اسے بیٹھنے سے آدھا ثواب ۲؎ (بخاری)	

۱؎ یہاں سوال نفل نماز کے بارے میں تھا۔جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نفلی نماز قیام پر قادر ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھے تو اسے آدھا ثواب ملے گا،فرض نماز بلاعذر بیٹھ کر نہیں ہوگی بلکہ جو فرض میں قیام فرض نہ مانے وہ کافر ہے کیونکہ اس کی فرضیت ضروریات دین سے ہے۔

۲؎ اس حدیث کی بنا پر خواجہ حسن بصری وغیرہ علماء نے فرمایا کہ نفلی نماز باوجود قیام پر قدرت ہونے کے لیٹ کر بھی جائز ہے مگر اسے ثواب بیٹھنے سے آدھا ملے گا یعنی قیام سے چہارم۔احناف کے نزدیک نفلی نماز بھی بلاعذر لیٹ کر جائز نہیں،اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو بیمار فرضی نماز بہ تکلف کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پڑھ سکے مگر پھر لیٹ کر پڑھ لے تو اگرچہ بیماری کی وجہ سے نماز تو ہو جائے گی لیکن قیام جیسا ثواب نہ ملے گا کیونکہ یہ مریض بہ تکلف قیام یا قعود پر قادر تھا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابی امامہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے بستر پر پاک ہو کر لیٹے ۱؎ اور اللہ کا ذکر کرتا رہے حتی کہ اسے نیند آجائے ۲؎ تو رات کی کسی گھڑی میں کروٹ نہ لیگا جس میں اللہ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگے مگر رب اسے یہ دے گا۔ ۳؎ اسے نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے ذکر کیا ۴؎	

۱؎ گناہوں سے پاک ہو کر توبہ واستغفار کرے یا ظاہر نجاستوں سے پاک ہو کر کہ جسم،کپڑے،بستر سب پاک ہوں یا باطنی نجاست سے پاک ہو کر وضو یا تیمّم کر کے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

۲؎ زبان سے ذکر کرتا ہوا سوئے یا دل سے یا سانس سے پاس انفاس کرتا ہوا تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

۳؎ یعنی ایسا آدمی اگر شب میں کروٹ لیتے ہوئے بھی دعا مانگ لے گا تو قبول ہوگی اگر تہجد کے لیئے اٹھ بیٹھے اور پھر دعا کرے تو سبحان اللہ!

۴؎ اور ترمذی نے شہر ابن حوشب سے اور فرمایا کہ حدیث حسن ہے۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارا رب دو شخصوں سے بہت راضی	

	ہوتا ہے ایک وہ شخص جو اپنے بستر اپنے لحاف اپنے پیاروں اپنے گھروں کے درمیان سے کود کرا نماز کے لیئے کھڑا ہو رب اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو کہ اپنے بستر اور لحاف سے اپنے پیاروں اور گھروالوں کے درمیان سے نماز کے لیئے اٹھ کھڑا ہوا میری رحمت کی رغبت اور میرے عذاب کے خوف سے ۲ اور ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جائے پھر غور کرے کہ اس پر بھاگنے میں کیا عذاب ہے اور لوٹنے میں کیا ثواب ہے تو لوٹ پڑے حتی کہ اس کا خون بہادیا جائے ۳ تو رب تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو میرے ثواب میں رغبت میرے عذاب سے خوف کرتے ہوا لوٹ پڑا حتی کہ اس کا خون بہادیا گیا ۴ (شرح سنہ)

ا یعنی نماز تہجد کے لیئے اپنا گرم و نرم بستر چھوڑے بال بچوں سے منہ موڑے مصلے پر آجائے۔کود کر کھڑے ہونے میں اس جانب اشارہ ہے کہ اونگھتا ہوا سستی سے نہ اٹھے بلکہ شکر کرتے ہوئے خوشی اور پھرتی سے اٹھے اور خدا کی توفیق کو غنیمت سمجھے،سبحان اللہ! یہاں جوش محبت دیکھا جاتا ہے افعال نماز کا پاور دلی جوش ہے۔

۲ یعنی نہ مجھ سے ناامید ہے نہ مطمئن بلکہ کرتا ہے اور پھر ڈرتا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا ایسے شخص کی ملکیت بشریت پر غالب ہے کہ باوجود نفس اور شیطان کے بہکانے کے پھر ایسے وقت نیند چھوڑ دیتا ہے جب کہ نیند بڑی پیاری ہوتی ہے۔

۳ خیال رہے کہ ایسی حالت میں جب سارے مجاہد میدان چھوڑ گئے ہوں اسے بھی بھاگ جانا رخصت تھا مگر ڈٹ کر لڑنا اور جان دے دینا عزیمت جس کا بڑا اجر ہے اور اگر مسلمان بزدلی کی وجہ سے بلا عذر بھاگے ہوں تو سب گنہگار سب پر جم کر لڑنا ایسی حالت میں فرض ہے یہاں شاید دوسری صورت مراد ہے جیسا کہ مَا عَلَیۡہِ سے معلوم ہو رہا ہے۔

۴ یعنی یہ لوٹ پڑنا گزشتہ بھاگنے کے گناہ کا کفارہ بھی ہوگیا اور بلندئ درجات کا ذریعہ بھی۔خیال رہے کہ عذاب کا خوف اور رحمت کی امید مومن کے لیئے عبادت کا باعث تو ہے اس کی علت نہیں لہذا یہ حدیث صوفیاء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ عبادت محض جنت حاصل کرنے یا جہنم سے بچنے کے لیئے نہ کرو بلکہ اللہ کے لیئے کرو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر پر رکھا فرمایا

	اے عبداللہ ابن عمر کیا ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے ۱؎ اور آپ خود بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں فرمایا ہاں لیکن میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں ۲؎ (مسلم)

۱؎ اس ساری حدیث میں نماز سے مراد نماز نفل ہے مرد کا ذکر اتفاقًا ہے ورنہ عورت کا بھی حکم یہی ہے۔خیال رہے کہ یہاں حضرت عبداللہ کسی مجبوری سے سامنے حاضر نہ ہوسکے اور کچھ عرض نہ کرسکے اس لیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیئے یہ عمل کیا لہٰذا یہ بے ادبی میں شمار نہیں یا یہ حضرت اس وقت آداب بارگاہ سے پورے واقف نہ تھے جیسے کہ بعض ناواقفوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک پر ہاتھ رکھ دیا ایسے ناواقفوں کی بے ادبی معاف ہوتی ہے۔

موسیا آداب دانا دیگر اند　　　　سوختہ جان در دانا دیگر اند

۲؎ یعنی ثواب کی کانٹ چھانٹ تمہارے لیئے ہے ہم کو بیٹھ کر نفل پڑھنے میں وہ ثواب ملتا ہے جو تمہیں کھڑے ہو کر پڑھنے میں نہیں ملتا یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں جتنا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے میں ملتا ہے اتنا ہی بیٹھ کر یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" وہاں ظاہر کا ذکر ہے یہاں حقیقت کا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری چہرے مہرے میں شکل انسانی میں ہیں اور حقیقت و مراتب میں فرشتے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اس آیت کو آڑ بنا کر اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل اور حضور کو اپنی مثل سمجھتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب یہ لوگ ایمان کی وجہ سے ابوجہل کی مثل نہیں ہوسکتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ہوتے ہوئے ہماری مثل کیسے ہوسکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سالم ابن ابی الجعد سے فرماتے ہیں کہ خزاعہ کے ایک آدمی نے کہا کاش میں نماز پڑھ لیتا تو راحت پا جاتا،شاید لوگوں نے اس بات کو معیوب سمجھا ۱؎ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اے بلال نماز کی تکبیر کہو ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ وہ یہ سمجھے کہ نماز انہیں بوجھ ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نماز سے ہلکا ہو کر سو رہتا یہ معنی واقعی برے ہیں۔

۲؎ یعنی نماز ہماری راحت کا ذریعہ ہے اس میں مشغول ہو کر چین ملتا ہے اسی لیئے بِهَا فرمایا مِنْهَا نہ فرمایا،اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ فرماتے ہیں کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے،یہی مطلب ان صحابی کا تھا۔

باب الوتر

وترکا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد جفت یعنی شفع کا مقابل،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ"۔شریعت میں وتر خاص نماز کا نام ہے جو عشاء کے بعد متصل یا تہجد کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔وتر میں علماء کے پانچ اختلاف ہیں:ایک یہ کہ وتر سنت ہیں یا واجب؟ہمارے ہاں واجب ہیں۔دوسرے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے یا تین؟ہمارے ہاں تین رکعت۔تیسرے یہ کہ اگر تین رکعت ہے تو دو سلام سے یا ایک سلام سے؟ہمارے ہاں ایک سلام سے ہے۔چوتھے یہ کہ وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھی جائے گی یا صرف رمضان کے آخری پندرہ دن میں؟ہمارے ہاں ہمیشہ پڑھی جائے گی۔خیال رہے کہ اس باب میں وتر کبھی صرف اس ایک رکعت کو کہا جائے گا جو وتر کے آخر میں ہوتی ہے،کبھی پوری تین رکعتوں،کبھی پوری تہجد کو،جہاں ارشاد ہوگا کہ وتر سات یا نو یا گیارہ رکعتیں پڑھیں وہاں پوری تہجد مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں وتر کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں مطالعہ فرماؤ۔یہاں بھی احادیث کی شرح میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ان شاءالله!

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۱ پھر جب تم میں سے کوئی صبح کا خوف کرے۲ تو ایک رکعت اور پڑھ لے جو اس کی پڑھی ہوئی نماز کو طاق بنادے گی۳ (مسلم،بخاری)	

۱ یعنی بہتر یہ ہے کہ نماز تہجد دو۲ دو۲ رکعتیں پڑھے،چار چار یا زیادہ کی نیت نہ باندھے یہ حدیث صاحبین اور امام شافعی کی دلیل ہے کہ رات کے نوافل دو دو کرکے پڑھنا افضل ہے۔

۲ یعنی تہجد پڑھنے والے وتر تہجد کے بعد پڑھیں مگر صبح صادق سے پہلے پہلے پڑھ لیں۔اس حدیث میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ تہجد کی نماز دراز پڑھے حتی کہ صبح کے وقت ختم کرے۔

۳ اس کے معنے یہ ہیں کہ ایک رکعت دو رکعتوں کے ساتھ پڑھے یہ ایک رکعت تمام نماز کو طاق بنادے گی یہ مطلب نہیں کہ علیحدہ ایک رکعت پڑھے ورنہ یہ حدیث تین رکعت والی احادیث کے خلاف ہوگی جو آگے آرہی ہیں اور احادیث میں سخت تعارض ہوگا لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے کہ وتر آخری رات میں ایک رکعت ہے۱ (مسلم)	

۱؎ یہاں وتر لغوی معنے میں ہے یعنی ساری تہجد کو وتر (طاق) بنانے والی وہ ایک رکعت ہے جو دو کے ساتھ ملادی جائے یہ مطلب نہیں کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بُتَیْرَا یعنی ناقص نماز سے منع فرمایا،ایک رکعت ناقص ہی ہے،نیز کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں یا دو رکعت ہیں یا چار یا تین،وتر دو یا چار رکعت تو ہو نہیں سکتی لہذا صرف تین ہی ہو گی،آخری رات فرما کر یہ بتایا کہ وتر کا وقت مستحب آخر شب ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں سے پانچ رکعت وتر پڑھتے جن میں آخر کے سوا کہیں نہ بیٹھتے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب میں آٹھ رکعت تہجد اور پانچ رکعت وتر پڑھتے تھے،اس طرح کہ ان پانچ رکعتوں میں درمیان میں سلام کے لیئے نہ بیٹھتے بلکہ سلام آخر میں ایک بار پھیرتے تھے،یہاں بیٹھنے سے مراد سلام کے لیئے بیٹھنا ہے نہ کہ **التحیات** کے لیئے بیٹھنا کیونکہ ہر وقت نماز میں ہر دو رکعت پر بیٹھنا **التحیات** پڑھنا تمام آئمہ کے ہاں واجب ہے۔خیال رہے کہ پانچ رکعت وتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا فعل شریف تھا جو بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا۔چنانچہ ان ہی عائشہ صدیقہ کی روایات اسی باب میں تین رکعت وتر کی آرہی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے جو اس عمل کا ناسخ ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن ہشام ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا عرض کیا اے ام المؤمنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی خبر دیجئے آپ نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے میں نے کہا ہاں بولیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا ۲؎ میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی خبر دیجئے فرمایا ہم آپ کی مسواک اور طہارت کا پانی تیار کردیتے تھے ۳؎ تو رات میں جب اللہ چاہتا انہیں اٹھاتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے جن میں آٹھویں کے سوا کہیں نہ بیٹھتے ۴؎ پھر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے اس سے دعا مانگتے پھر بغیر سلام پھیرے کھڑے ہوتے ۵؎ تو نویں رکعت پڑھ لیتے پھر بیٹھتے پھر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے پھر اس طرح سلام پھیرتے کہ ہمیں سنا دیتے پھر سلام کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے اے بچے یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں ۶؎ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن رسیدہ اور کمزور ہوگئے تو سات رکعتیں وتر پڑھنے لگے ۷؎ اور دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کا سا عمل کرتے ۸؎ اے بچے یہ نو ہوئیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر ہیشگی کو	

	پسند فرماتے اور جب آپ کو نیند یا تکلیف رات کو اٹھنے سے مانع ہوتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے۹ اور مجھے خبر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو اور نہ یہ کہ ساری رات صبح تک نماز پڑھی ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سوا کسی مہینے کا پورا روزہ رکھا ہو ۱۰ (مسلم)

۱؎ آپ انصاری ہیں، تابعی ہیں، حضرت انس ابن مالک کے چچازاد بھائی ہیں، غزوہ ہند میں شریک ہوئے اور مکران میں شہید ہوئے، خواجہ حسن بصری نے آپ سے روایات لیں۔ (اشعہ)

۲؎ یعنی قرآن کریم پر عمل آپ کی جبلی عادات کریمہ تھیں، یہ خاموش قرآن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بولتا ہوا قرآن، آپ کا ہر عمل قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن شریف سے ہی قدرتی طور پر قرآن پر عامل تھے، قرآن ہماری ہدایت کے لیئے آیا نہ کہ حضور کی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی لیئے فرمایا گیا "هُدًى لِّلنَّاسِ" اور فرمایا "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" قرآن لوگوں کا یا متقین کا ہادی ہے نہ کہ آپ کا، آپ تو اول ہی سے ہدایت یافتہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور وضو کا پانی آپ کے سرہانے اول رات ہی میں رکھ دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں سرہانے رکھ کر سونا سنت ہے اور یہ خدمت بیوی کے ذمہ ہے۔

۴؎ نہ سلام کے لیئے نہ التحیات کے لیئے بلکہ مسلسل آٹھ رکعتیں پڑھتے جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔

۵؎ یعنی آٹھویں رکعت پر بیٹھتے تو مگر التحیات وغیرہ پڑھنے کے لیئے نہ کہ سلام پھیرنے کے لیئے۔ خیال رہے کہ ام المؤمنین نے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تہجد بیان فرمائی نہ کہ صرف وتر اور یہ حدیث بالاتفاق منسوخ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا عمل تھا اب کسی کے نزدیک وتر تہجد سے ملا کر پڑھنا جائز نہیں اور کسی کے ہاں آٹھ رکعتیں مسلسل پڑھنا درست نہیں اگر آٹھ کی نیت باندھے تو ہر دو رکعت میں بیٹھنا اور التحیات پڑھنا واجب ہے لہذا یہ حدیث عائشہ صدیقہ کی تین رکعت والی وتر کی حدیث کے خلاف نہیں کہ یہاں پہلے عمل کا ذکر ہے اور وہاں آخری کا۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ وتر کے بعد دو نفل پڑھنا مستحب ہے کھڑے ہو کر پڑھنا ثواب کی زیادتی کا باعث ہے اور بیٹھ کر قرب زیادہ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے۔ وہ جو حدیث شریف میں آیا کہ رات میں وتر کو آخری نماز بناؤ وہاں تہجد سے مراد آخر ہے یعنی تہجد پہلے پڑھو وتر بعد میں یہ دو نفل تہجد نہیں۔

۷؎ اس طرح کہ چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر علیحدہ تحریمہ اور سلام سے جیسا کہ آگے انہیں کی روایت میں آرہا ہے۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا والا عمل بالکل منسوخ ہے۔

۸؎ یعنی آخر عمر شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد و وتر میں تو تبدیلی واقع ہوگئی مگر وتر کے بعد نفلوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اسی طرح بیٹھ کر پڑھتے رہے اولیٰ سے مراد پہلی حالت ہے۔

۹؎ زوال سے پہلے پہلے یا اس لیئے پڑھتے کہ آپ پر نماز تہجد فرض تھی اور فرض کی قضا ضروری ہے تب تو یہ قضا آپ کی خصوصیت ہے یہ اس لیئے کہ جس کی تہجد رہ جائے اور وہ زوال سے پہلے بارہ رکعتیں پڑھ لے تو تہجد کا ثواب پائے گا۔

۱؎ سبحان اللہ! یہ عائشہ صدیقہ کی انتہائی احتیاط ہے کہ اپنے علم کی نفی فرمارہی ہیں یعنی ممکن ہے کہ آپ نے سفر میں یا دوسری بیوی کے ہاں یہ عمل کیے ہوں مگر میرے علم میں یہ بات نہ آئی۔عائشہ صدیقہ کی وہ روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہاں سارے ماہ سے اکثر مراد ہے یعنی قریبًا سارا مہینہ۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پورا قرآن پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نزول قرآن کی تکمیل وفات شریف سے چندروز پہلے ہی ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل امت کی آسانی کے لئے نہ کیئے تاکہ ساری رات نماز اور سارے مہینوں کے روزے سنت نہ ہوجائیں،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی خدشہ نہ تھا اس لیئے بعض صحابہ نے کبھی تمام رات بھی نمازیں پڑھی ہیں اور ایک رکعت میں ختم قرآن بھی کیا ہے اور ہمیشہ صائم بھی رہے ہیں۔

	۱؎ روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ ۱؎(مسلم)

۱؎ اس کی شرح ابھی عرض کی جاچکی ہے کہ یہ حدیث تہجد والوں کے لیئے تہجد کے اعتبار سے ہے اور تہجد نہ پڑھنے والوں کے لیئے عشاء کے اعتبار سے یعنی تہجد والے وتر تہجد سے پہلے نہ پڑھیں اور دوسرے لوگ وتر عشاء سے پہلے نہ پڑھیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو نفل پڑھتے تھے۔

	روایت ہے انہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا صبح سے پہلے وتر پڑھ لو ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ حکم وجوبی ہے کیونکہ وتر کا وقت عشاء کے بعد صبح تک ہے۔بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر فرمایا کہ وتر کی قضا نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ قضا ہے حتی کہ اگر صاحب ترتیب کے وتر رہ گئے ہوں اور وہ عمدًا وتر بغیر قضاء کیئے فجر پڑھے تو اس کی فجر نہ ہوگی یہی امام اعظم کا قول ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو وتر سے سوجائے وہ صبح کے بعد پڑھ لے اس لیئے امام شافعی بھی قضاء وتر کے قائل ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو آخر رات میں نہ اٹھنے کا خوف کرے وہ اول رات میں وتر پڑھ لے ۱؎ اور جسے آخر شب میں اٹھنے کی امید ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز حاضری ملائکہ سے مشرف ہے اور یہ بہتر ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ یہ امر وجوبی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں۔

۲؎ حضرت ابو بکر صدیق اول شب میں وتر پڑھ لیتے تھے اور حضرت عمر فاروق آخر شب میں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر تم احتیاط پر عمل کرتے ہو اور اے عمر تم قوت واجتہاد پر۔خیال رہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو آخر شب میں اللہ کی رحمتیں لے کر اترتے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ مشہود کے معنی ہیں عظمت کی گواہی دی ہوئی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھی ہے اول شب میں درمیانی میں آخری میں اور آپ کے وتر سحر پر منتہی ہوئے ۱؎

	(مسلم،بخاری)

۱؎ سحر سے مراد رات کاآخری چھٹا حصہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عشاء کے وقت وتر پڑھ لیئے اور کبھی عشاء پڑھ کر سوئے اور درمیان رات جاگ کر تہجد ووتر پڑھے مگر آخری عمل یہ رہاکہ صبح صادق کے قریب تہجد کے بعد وتر پڑھے، مسلمان جس پر عمل کرے سنت کاثواب پائے گااگرچہ آخر رات میں پڑھناافضل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں مجھے میرے محبوب نے تین چیزوں کی وصیت کی ہر ماہ میں تین روزوں کی ۱؎ چاشت کی دو رکعتوں کی اور یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھا کروں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ شروع مہینہ میں ایک روزہ،درمیان میں ایک،آخر میں ایک،یاہر عشرہ کے شروع میں ایک روزہ یا ہر مہینہ کی تیرھویں چودھویں پندرھویں کے روزے تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۲؎ اس لیئے کہ آپ بہت رات گئے تک دن کی سنی ہوئی حدیثیں یاد کرتے تھے۔دیر میں سوتے اس لیئے تہجد کو اٹھنا مشکل ہوتا۔(مرقاۃو اشعہ)اس سے معلوم ہواکہ دینی طلبہ کے لیئے یہی بہتر ہے کہ رات گئے تک علم میں محنت کریں اور وتر عشاء کے ساتھ پڑھ لیاکریں ان کے لیئے سبق یاد کرنا تہجد سے افضل ہے۔خیال رہے کہ بعض صحابہ کرام خصوصًاابوہریرہ قرآن کی طرح احادیث یاد کرتے تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت غضیف ابن حارث سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیاکہ فرمایئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت اول شب میں کرتے تھے یاآخر میں فرمایااکثر اول شب میں غسل کرتے تھے اور اکثر آخر میں ۲؎ میں نے کہااللہ اکبر خداکاشکر ہے اس کام میں گنجائش رکھی میں نے عرض کیاکہ اول رات میں وتر پڑھتے تھے یاآخر میں فرمایا بارہااول رات میں وتر پڑھتے تھے بارہاآخر میں ۳؎ میں نے کہااللہ اکبر خداکاشکر ہے جس نے اس معاملہ میں گنجائش دی میں نے عرض کیاکہ بلند قرأت کرتے تھے یاآہستہ فرمایا بارہابلند کرتے تھے بارہاآہستہ ۴؎ میں نے کہااللہ اکبر خداکاشکر ہے جس نے اس میں گنجائش دی۔(ابوداؤد)اور ابن ماجہ نے آخری بات روایت کی۔

۱؎ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ شریف پایا مگر صحبت پاک پانے میں اختلاف ہے،اسی لیئے بعض محدثین نے آپ کو صحابی کہا ہے اور بعض نے تابعی۔

۲؎ یہ اکثریت اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے یعنی اول شب میں غسل کرلینا بھی بارہا تھا اور آخر میں بھی یعنی یہ بھی جائز ہے کہ جنبی ہوتے ہی غسل کرے اور یہ بھی کہ رات بھر جنابت میں گزارے تہجد یا صبح کے وقت غسل کرلے مگر ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ وضو کرکے سوئے۔

۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اول شب میں وتر پڑھنا بیان جواز کے لیئے تھا اور آخر شب میں وتر پڑھنا بھی بیان جواز کے لیئے،اول شب میں وتر پڑھنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو اپنے جاگنے پر بھروسہ نہ تھا بلکہ امت کی آسانی کے لیئے۔

۴؎ یعنی تہجد میں۔علماء فرماتے ہیں کہ جہاں لوگوں کو تہجد کے لیئے اٹھانا ہو وہاں قدرے بلند قرأت کرے اور جہاں سونے والوں کو تکلیف سے بچانا مقصود ہو وہاں آہستہ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشی کے موقع پر نعرہ تکبیر لگانا اور سبحان اللہ وغیرہ کہنا سنت صحابہ ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی قیس سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے وتر پڑھتے تھے فرمایا چار اور تین،چھ اور تین،آٹھ اور تین،دس اور تین پڑھتے تھے ۲؎ سات سے کم نہ پڑھتے تھے اور تیرہ سے زیادہ نہ پڑھتے ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ عجیب لطف ہے کہ آپ کو مرقاۃ نے تابعی لکھا اور اشعہ اللمعات میں فرمایا کہ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے جو جلیل القدر صحابی ہیں یہ اپنی کنیت میں مشہور ہوگئے۔

۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سات وتر اور دو نفل پڑھتے تھے۔اس حدیث نے بتایا کہ وہاں بھی یہی مراد تھی کہ چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔

۳؎ یعنی تہجد کم سے کم چار رکعت پڑھتے تھے اور زیادہ سے زیادہ دس رکعت یہ آپ کے علم کے لحاظ سے ہے ورنہ دو رکعت بھی تہجد ثابت ہے اور بارہ رکعت بھی۔

روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۱؎ جو پانچ وتر پڑھنا چاہے وہ پانچ پڑھے ۲؎ جو تین پڑھنا چاہے وہ ایسا ہی کرے ۳؎ جو ایک پڑھنا چاہے وہ ایسا ہی کرے ۴؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ جملہ امام اعظم کی دلیل ہے کہ وتر واجب ہے جس کے چھوڑنے کا اختیار نہیں،اس کی تائید اور احادیث سے بھی ہوتی ہے جو آئندہ آرہی ہے۔

۲؎ اس طرح کہ دو رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔

۳؎ اس طرح کہ تہجد نہ پڑھے صرف وتر ہی تین رکعت پڑھے۔

۴؎ یہ جملہ ہمارے مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے یہ نہیں کہتے کہ ایک پڑھے یا تین یا پانچ وہ ایک ہی کو واجب کہتے ہیں اور حدیث سے اختیار ثابت ہو رہا ہے لہذا یہ جملہ تین والی احادیث کے مخالف ہے اور نا قابل عمل۔خیال رہے کہ یہاں اس جملہ کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ایک رکعت دوسے ملا کر وتر بناؤ کیونکہ یہ صورت تو پہلے بیان ہوچکی۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ وتر ہے۱؎ وتر کو پسند فرماتا ہے۲؎ تو اے قرآن والو وتر پڑھا کرو۳؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ عربی میں وتر فرد عدد کو کہتے ہیں جو تقسیم نہ ہوسکے اکیلا ہو،رب تعالٰی عدد سے پاک ہے۔اس کے وتر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ذات و صفات اور افعال میں اکیلا ہے،نہ اس کا کوئی شریک ہے،نہ اس کے صفات افعال قابل تقسیم،اسی معنی سے اسے واحد اور احد کہتے ہیں لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ وتر و شفع ہونا عدد کے حالات ہیں اللہ تعالٰی عدد سے پاک ہے۔

۲؎ وتر نماز کو پسند کرتا ہے کہ وتر ہونے میں اسے رب تعالٰی سے نسبت ہے،لہذا اس پر ثواب دے گا یا اس شخص کو پسند کرتا ہے جو دنیا سے اکیلا ہو کر رب کا ہو رہے جب رب تمہارا ہے تو تم بھی رب کے ہو جاؤ۔(از مرقات)

۳؎ یعنی اے قرآن ماننے والو مسلمانو! نماز وتر پڑھا کرو اس پر بہت ثواب ہے یا اے قرآن ماننے والو دنیا سے منقطع ہو کر رب کے ہو رہو۔بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر کہا کہ وتر ایک رکعت ہے کیونکہ یہاں وتر کو اللہ تعالٰی سے نسبت دی گئی اللہ تو ایک ہے وتر بھی ایک ہونی چاہیے مگر یہ بات بہت کمزور ہے کیونکہ یہاں مناسبت صرف وتر یعنی طاق ہونے میں ہے اور طاق تو تین بھی ہیں ایک ہونے میں نسبت نہیں،ورنہ رب تعالٰی اجزا سے پاک ہے اور وتر نماز اگرچہ ایک رکعت ہی ہو اجزا والی ہے۔

روایت ہے حضرت خارجہ ابن حذافہ سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی۱؎ جو تمہارے لیئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے ۲؎(وتر) اسے اللہ نے تمہارے لیئے نماز عشاء و طلوع فجر کے درمیان رکھا ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ صحابی،قرشی،بڑے بہادر جنگجو مجاہد ہیں،قریش کے سواروں میں آپ کو ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا،ایک بار حضرت عمرو ابن عاص نے حضرت عمر سے تین ہزار سواروں کی کمک مانگی تو آپ نے تین شخص بھیجے حضرت خارجہ،زبیر ابن عوام مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہم،آپ ۴۰ھ میں خوارج کے ہاتھوں عمرو ابن عاص کے دھوکہ میں قتل ہوئے کہ خوارج نے امیر معاویہ،علی مرتضی،عمرو ابن عاص کے قتل کی سازش کی تھی تو علی مرتضٰی شہید کردیئے گئے،عمرو ابن عاص کے دھوکہ میں آپ شہید کردیئے گئے اور امیر معاویہ بچ گئے۔

۲؎ یعنی نماز پنجگانہ کے علاوہ تمہیں نماز وتر اور دی جو ان نمازوں کا تتمہ اور تکملہ ہے اور تمہارے لیئے دنیا کی تمام چیزوں حتی کہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔اہل عرب سرخ اونٹ کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ وتر واجب ہیں اَمَدَّكُمْ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ رب نے تمہیں ایک نماز یعنی وتر اور بھی زیادہ دی۔

۳؎ یعنی وتر کا وقت عشاء کا وقت ہے مگر اس کے لیئے شرط ہے کہ عشاء کے فرض کے بعد پڑھی جائے۔خیال رہے کہ بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا لیکن حاکم اور ابن سکن نے اس کی تصحیح کی ہے،ترمذی نے اسے غریب فرمایا مگر یہ ضعیف یا غرابت امام ابوحنیفہ کو مضر نہیں کیونکہ یہ چیزیں امام صاحب کے بعد پیدا ہوئیں،بہرحال حدیث صحیح اور اس سے وتر کا وجوب ثابت ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وتر کے بغیر سوجائے وہ صبح ہونے پر پڑھ لے[۱](ترمذی مرسلًا)	

۱؎ یعنی اگر عشاء پڑھ لی ہو تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلے تو صبح کے بعد نماز فجر سے پہلے وتر قضاء کرے،پھر فجر پڑھے،صاحب ترتیب کے لیئے وتر پہلے پڑھنا فرض ہے دوسرے کے لیئے بہتر۔اس سے معلوم ہوا کہ وتر محض سنت نہیں بلکہ واجب ہیں کہ صرف سنتوں کی قضا نہیں پڑھی جاتی،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے اگرچہ مرسل ہے کیونکہ زید ابن اسلم تابعی ہیں،عمرفاروق کے غلام ہیں مگر چونکہ آپ بڑے ثقہ عالم فقیہ تھے،آپ کی مجلس علم میں چالیس سے زیادہ فقہاء بیٹھتے تھے حتی کہ امام زین العابدین بھی آپ کے شاگرد ہیں اور امام مالک،سفیان ثوری وغیرہ محدثین کے آپ شیخ ہیں اس لیئے آپ کی مرسل یقینًا قبول ہے۔(از اشعۃ اللمعات)آپ کی وفات ۱۳۶ھ ہجری میں ہوئی۔

روایت ہے حضرت عبدالعزیز ابن جریج سے فرماتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے فرمایا پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَی" دوسری میں "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" اور تیسری میں "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور فلق والناس سے[۱](ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی تیسری رکعت میں یہ تینوں سورتیں پڑھتے تھے۔خیال رہے کہ یہ حدیث امام اعظم نے اپنی مسند میں یوں نقل کی ہے "عَنۡ حَمَّادٍ عَنۡ اِبۡرَاهِیۡمَ عَنۡ اَسۡوَدِ عَنۡ عَائِشَةَ صِدِّیۡقَةَ"۔اس میں صرف قُلۡ هُوَ اللّٰهُ کا ذکر ہے اور حاکم نے بشرط مسلم،بخاری حضرت عائشہ سے یہ حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے کہ آپ تین رکعت کے بعد ہی سلام پھیرتے تھے۔نسائی نے حضرت عائشہ سے روایت کی جس کے آخر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔امام طحاوی نے حضرت ابوالعالیہ سے روایت کی کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر مغرب کے فرضوں کی طرح پڑھتے تھے اور امام حسن نے فرمایا کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعت ہیں ایک سلام سے۔غرضکہ یہ احادیث امام اعظم وغیرہم کے قوی دلائل ہیں کہ وتر تین رکعت ہیں اور ایک سلام سے۔اس کی پوری تحقیق اسی مقام پر مرقاۃ میں دیکھو یا ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں۔

اور نسائی نے عبدالرحمان بن ابزی سے روایت کی	

اور احمد نے ابی ابن کعب سے	

اور دارمی نے ابن عباس سے اور انہوں نے فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۱	

۱؎ یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں صرف "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھے۔خیال رہے کہ یہ حدیث تین رکعت کے متعلق ایسی واضح اور صاف ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

روایت ہے حضرت حسن ابن علی سے فرماتے ہیں ۱؎مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات سکھائے جنہیں میں وتر کے قنوت میں پڑھا کروں الٰہی مجھے ان میں ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت دی اور عافیت والوں میں عافیت دے جن کا تو والی بنا ان میں میرا والی ہو۲؎ اپنے دیئے میں مجھے برکت دے اور قضاء قدر کی برائی سے مجھے بچا۳؎ کہ تو فیصلہ کرتا ہے تجھ پر فیصلہ نہیں کیا جاتا جس کا تو والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اے رب تو برکت و بلندی والا ہے ۴؎(ترمذی وابوداؤد،نسائی ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ ہمیشہ سارا سال نہ کہ صرف نصف آخر رمضان میں لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ دعائے قنوت وتر میں ہمیشہ پڑھی جائے۔خیال رہے کہ امام حسن کی پیدائش رمضان ۳ھ میں ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ سات برس کے تھے اس عمر میں کی ہوئی روایت معتبر ہے۔

۲؎ یعنی مجھے اس جماعت میں والی بنا جنہیں تو نے ہدایت عافیت اور ولایت بخشی۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہدایت سے مراد ہے نیک اعمال کی رہبری اور عافیت سے مراد ہے بری بیماریوں،برے اخلاق اور بری خواہشات سے حفاظت۔ولایت سے مراد ہے اپنی امن میں لینا اور ہمیں نفس و شیطان کے حوالے نہ کردینا۔

۳؎ یعنی میرے متعلق برے فیصلے نہ فرما اچھے فیصلے کر۔

۴؎ سبحان اللہ! نہایت جامع دعا ہے اگر وتروں میں یہ پڑھی جائے تب بھی جائز و بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو فرماتے "سُبۡحَانَ الۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡس" (ابوداؤد) اور نسائی نے زیادہ کیا کہ تین بار دراز کرکے ۱؎	

۱؎ اس طرح کہ قدوس کی دال کو خوب کھینچتے مگر آخری بار میں جیسا کہ آئندہ کلام سے معلوم ہورہا ہے۔بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد یہ بھی فرماتے "رَبُّنَا وَرَبُّ الۡمَلٰۤئِکَةِ وَالرُّوۡحِ" اور روح کی ر کو بھی کھینچتے جیسا کہ دار قطنی اور ابن شیبہ کی احادیث میں ہے اور مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔

	اور نسائی کی عبدالرحمٰن ابن ابزی کی روایت میں ہے جو انہوں نے اپنے والد سے کی فرمایا کہ جب سلام پھیرتے تو تین بار فرماتے "سبحان الملك القدوس" تیسری بار میں آواز کھینچتے ۱؎

۱؎ یعنی بلند آواز سے کہتے اور دراز کرتے۔اس حدیث کے ماتحت لمعات و مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ ذکر بالجہر بہت اعلیٰ چیز ہے بشرطیکہ ریاء سے خالی ہو کہ اس میں غافلوں کو ہوشیار کرنا ہے،سوتوں کو جگانا ہے،شیطان کو بھگانا ہے اور جہاں تک آواز پہنچے وہاں تک کے جانوروں درختوں اینٹ پتھروں کو اپنے ایمان پر گواہ بنانا ہے۔جن احادیث میں ذکر بالجہر سے ممانعت آئی ہے اس سے وہ جہر مراد ہے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو یا ذاکر میں ریا ہو۔خیال رہے کہ بعض ذکروں میں جہر شرط ہے جیسا اذان تلبیہ اور بقرعید کے زمانہ میں نمازوں کے بعد تکبیر تشریق وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری وتر میں فرماتے ۱؎ الٰہی میں تیری ناراضی سے تیری رضا کی اور تیری سزا سے تیری عافیت کی پناہ مانگتا ہوں،تیری تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ۲؎ تیری حمد میں نہیں کرسکتا تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی احمد کی ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی وتر سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھتے،بعض نے فرمایا کہ آخری التحیات میں سلام سے پہلے بعض کے نزدیک آخری سجدہ میں،امام احمد ابن حنبل کے نزدیک تیسری رکعت کے قومہ میں یعنی رکوع سے اٹھ کر۔چنانچہ ان کے ہاں اس وقت یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔

۲؎ یعنی تیری ذات سے تیری صفات کی پناہ یا تیرے غضب سے تیرے رحم کی پناہ،صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان تین پناہوں میں سے پہلی پناہ میں توحید صفات اور دوسری میں توحید افعال تیسری میں توحید ذات کی طرف اشارہ ہے۔

۳؎ کیونکہ بندہ محدود،بندے کے الفاظ محدود،بندے کی طاقتیں محدود،خدا کے محامد غیر محدود شعر۔

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

نوٹ: جسے یاد نہ ہو وہ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا" الخ پڑھ لیا کرے بلکہ تین بار "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ" کہہ دے تو بھی جائز ہے۔(مرقاۃ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ان سے کہا گیا آپ کو امیر المؤمنین معاویہ میں میلان ہے کہ وہ تو ایک ہی رکعت وتر پڑھتے ہیں ۱؎ تو آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ فقیہ عالم ہیں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں امیر معاویہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی ان کے پاس حضرت ابن عباس کے غلام

تھے انہیں وہ حضرت ابن عباس کے پاس گئے انہیں یہ خبر دی فرمایا انہیں چھوڑ دو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۳؎(بخاری)	

۱؎ یعنی امیر معاویہ اتنی بڑی غلطی کرتے ہیں کہ وتر تین رکعت کے بجائے ایک رکعت ہی پڑھتے ہیں پھر بھی آپ کو ان سے محبت ہے آپ انہیں سمجھاتے نہیں۔

۲؎ یعنی ایک رکعت وتر پڑھنا ہے مگر امیر معاویہ عالم ہیں،فقیہ ہیں، مجتہد کو غلطی پر ثواب بھی ملتا ہے لہذا نہ میں انہیں سمجھا سکتا ہوں اور نہ تم ان پر اعتراض کرو۔

۳؎ یعنی اگرچہ ان کا یہ عمل غلط ہے لیکن بزرگوں خصوصًا صحابہ کی غلطی پکڑنا اور ان پر زبان طعن دراز کرنا سخت غلطی ہے،یہ حدیث امام اعظم کی بہت قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ تین رکعت وتر پر صحابہ کا اجماع ہوچکا تھا صرف امیر معاویہ کسی غلط فہمی سے یا بے خبری سے ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اسی لیئے حضرت ابن عباس کے خادم کو اس پر تعجب ہوا اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے شکایت کی اور حیرت کی کہ آپ انہیں مسئلہ بتاتے کیوں نہیں۔حضرت ابن عباس نے یہ نہ کہا کہ مسئلہ یا ان کا فعل صحیح ہے بلکہ صرف یہ فرمایا کہ وہ بوجہ صحابی اور مجتہد ہونے کے ملامت کے لائق نہیں اور نہ اس بنا پر ان سے قطع تعلق کرنا جائز۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ وتر لازم ہیں تو جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں وتر لازم ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں وتر لازم ہیں تو جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی وتر فرض عملی اور واجب اعتقادی ہیں۔(مرقاۃ) لہذا جو اس کے وجوب کا عنادًا انکار کرے وہ ہمارے طریقہ سے خارج یعنی گمراہ ہے اور جو اسے واجب جانتے ہوئے نہ پڑھے وہ جماعت صالحین سے خارج ہے اور سخت گنہگار ہے،یہ امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر واجب ہیں۔خیال رہے کہ جو مجتہد تاویل سے اس کے وجوب کا انکار کرے ان کا یہ حکم نہیں جیسا کہ تمام فرائض عملی اور واجبات کا حال ہے۔ہم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو سخت منع کرتے ہیں،امام شافعی واجب فرماتے ہیں مگر کوئی کسی کو گمراہ نہیں کہہ سکتا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وتر سے سوجائے یا اسے بھول جائے تو جب یاد آئے یا جب بیدار ہو تو پڑھ لے ۱؎ (ترمذی، ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی ان کی قضا واجب ہے،یہ امر وجوب کے لیئے ہے یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر واجب ہیں۔

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے وتر کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ واجب ہیں تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے وتر پڑھے تو وہ شخص آپ پر بار بار یہ سوال کرنے لگا اور عبداللہ یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	

	وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے وتر پڑھے ا(مؤطا)

ا سبحان اللہ! کیسی احتیاط ہے کہ آپ نے وتر کے وجوب کا نہ اقرار کیا نہ انکار کیونکہ آپ نے ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ کو وتر پڑھتے دیکھا مگر وجوب کی احادیث آپ تک نہ پہنچیں اس لیئے فرمایا میں اس سے بحث نہیں کرتا، پڑھوں گا۔ہمیشہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر بحث نہ کرو عمل کرو۔شعر

عاشقانِ راچہ کار با تحقیق　　　　ہر کجا نام اوست قربانیم

خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ ہر عمل کو صراحۃً نہ فرماتے کہ یہ فرض ہے یہ واجب ہے یہ سنت ہے علما نے علامات سے فرضیت وغیرہ ثابت کی تاکہ امت کے لیئے گنجائش رہے اور علماء کا اختلاف رحمت بنے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے جن میں مفصل کی نو سورتیں پڑھتے تھے ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھتے تھے جن کے آخر میں قل ھو اللہ احد تھی ا(ترمذی)

ا یعنی آپ وتر تین رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ان تینوں رکعتوں میں قصار و مفصل کی نو سورتیں اس طرح پڑھتے تھے کہ ہر رکعت میں تین سورتیں یہ معنی ظاہر ہیں تیسری رکعت میں جو تین سورتیں پڑھتے ان میں آخری سورت "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" ہوتی تھی۔شارحین نے اس حدیث کے اور بھی مطلب بیان کیے مگر یہ مطلب زیادہ ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ تھا آسمان ابرآلود تھا آپ نے صبح کا خوف کیا تو ایک رکعت سے وتر پڑھی ا پھر بادل کھل گیا تو دیکھا کہ ابھی آپ پر رات ہے تو ایک رکعت سے شفعہ بنادیا۲ پھر دو رکعتیں پڑھتے رہے جب صبح کا خوف ہوا تو ایک رکعت سے وتر پڑھی ۳(مالک)

ا اس طرح کہ دو رکعت سے ایک رکعت ملادی جس سے وہ نماز وتر بن گئی اور اگر یہ معنی ہیں کہ ایک رکعت وتر پڑھی تو یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ان سے زیادہ فقیہ ہیں تین وتر پڑھتے تھے۔

۲ یعنی تیسری رکعت میں انہیں پتہ لگا کہ ابھی رات زیادہ ہے تو اس ہی میں ایک رکعت اور ملا کر چار رکعت پڑھ لیں جو تہجد کے نفل ہوگئے یہ بھی حضرت ابن عمر کا اجتہاد ہے ورنہ وتر واجب ہیں انہیں شروع کرکے دیدہ و دانستہ نفل نہیں بنایا جاسکتا آپ نے یہ عمل کیا اس لیئے تاکہ وتر آخری نماز رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل ہوجاوے۔

۳ یہاں ایک شب میں دو وتر نہ ہوئے جو ممنوع ہے بلکہ پہلی بار کے وتر تو نفل بنادیئے تھے اب یہ نماز وتر ہوئی اور اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ آپ نے ایک رکعت دو سے ملا کر تین وتر پڑھے،ب استعانت کی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو بیٹھے ہوئے پڑھتے رہتے جب آپ کی قرأت سے تیس چالیس آیتوں کی بقدر رہ جاتی تو کھڑے ہو کر قرأت کرتے پھر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے پھر دوسری رکعت میں اسی طرح کرتے[1] (مسلم)	

[1] یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر حیات شریف کا ذکر ہے جب آپ پر ضعف غالب ہو گیا تھا تہجد میں دراز قرأت کرنا چاہتے تھے مگر دراز قیام پر قوت نہ تھی اس لیئے یہ عمل فرماتے۔خیال رہے کہ نفل بیٹھ کر شروع کرنا اور کھڑے ہو کر رکوع سجود کرنا تمام کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے اسی حدیث کی وجہ سے مگر اس کے برعکس یعنی کھڑے ہو کر شروع کرنا پھر بلاعذر بیٹھ جانا یہ امام اعظم کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے،صاحبین کے ہاں مکروہ۔(کتب فقہ و مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے[1] ترمذی،ابن ماجہ نے زیادہ کیا کہ ہلکی پڑھتے تھے بیٹھ کر۔	

[1] اس کی تحقیق پہلے ہو چکی یہ نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت سے وتر پڑھتے تھے[1] پھر دو رکعتیں پڑھتے جن میں قرأت بیٹھے ہوئے کرتے جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے پھر رکوع کرتے[2] (ابن ماجہ)	

[1] اس کی شرح خود ام المؤمنین کی دوسری روایات میں گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے لہذا اس کے معنی بھی وہ ہی ہیں کہ ایک رکعت سے گزشتہ شفع کو وتر بناتے تھے تاکہ احادیث متعارض نہ ہوں۔

[2] خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد کے نفلوں میں کبھی قرأت مختصر کرتے تھے،کبھی دراز۔مختصر کی حدیث حضرت ام سلمہ نے روایت کی اور دراز کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ نے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں،مختصر قرأت میں رکوع بیٹھ کر ہی کرتے تھے اور دراز قرأت میں کھڑے ہو کر کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا یہ جاگنا مشقت اور بوجھ ہے جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو دو رکعتیں پڑھ لے اگر رات میں اٹھ بیٹھا تو خیر ورنہ یہ رکعتیں اسے کافی ہیں[1] (دارمی)	

[1] یعنی جسے تہجد میں جاگنے کی امید نہ ہو وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے،اگر تہجد کے لیئے جاگ گیا تو تہجد بھی پڑھ لے ورنہ ان شاءاللہ ان دو نفلوں کا ثواب تہجد کے برابر ہو جائے گا۔یہ رب تعالٰی کی اس امت مرحومہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کرم نوازی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ	

	دو رکعتیں وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے جن میں "اِذَا زُلۡزِلَتِ" و "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" پڑھتے تھے[1] (احمد)

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ نفل وتروں سے متصل ہوتے تھے صبح کی نماز سے پہلے جن کی پہلی رکعت میں "اِذَا زُلۡزِلَتِ" اور دوسری میں "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ" پڑھتے تھے۔

باب القنوت

قنوت کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ عربی میں قنوت کے معنی اطاعت،خاموشی،دعا،نماز کا قیام ہیں،یہاں اس سے خاص دعا مراد ہے۔قنوتین دو ہیں: وتر کے قنوت جو ہمیشہ وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھے جاتے ہیں اور قنوت نازلہ جو کسی خاص مصیبت میں،وبائی امراض اور کفار سے جہاد کے موقعہ پر فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد آہستہ پڑھے جاتے ہیں،اس باب میں دونوں قنوتوں کا ذکر آئے گا۔احناف کے ہاں وتر کی دعائے قنوت مقرر ہے "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ"الخ جیسا کہ طبرانی وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولًا نماز میں قبیلہ مضر پر بددعا کرتے تھے تو جبریل امین نے عرض کیا کہ رب نے آپ کو دعا کرنے کے لیئے پیدا کیااور پھر یہ دعا سکھائی "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ"الخ۔یہ روایت جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "عمل الیوم واللیله" میں بھی نقل کی ہے،نیز فتح القدیر نے ابوداؤد سے بھی روایت کی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی پر بددعا یا دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے۱ بارہا جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد" کہتے تو کہتے الٰہی ولید ابن ولید سلمہ ابن ہشام عیاش ابن ربیعہ کو نجات دے ۲ الٰہی سخت پامالی ڈال مضر پر اور اسے یوسف علیہ السلام کی قحط سالیوں کی طرح قحط سالی بنا۳ یہ بآواز بلند کہتے ۴ اور اپنی بعض نمازوں میں فرماتے الٰہی فلاں فلاں عربی قبیلوں پر لعنت کر۵ حتی کہ رب نے یہ آیت نازل فرمائی "لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ"۶ (مسلم،بخاری)

۱ قنوت نازلہ جو فجر کے دوسرے رکوع کے بعد کسی خاص مصیبت کے موقع پر پڑھی جاتی ہے احناف بھی اسے ضرورۃً جائز کہتے ہیں۔

۲ اس جملہ میں دعا کا ذکر ہے اگلے میں بددعا کا یہ چاروں صحابہ مکہ معظّمہ میں کفار کے ہاتھوں قید تھے،ولید ابن ولید مخزومی قرشی تھے،خالد ابن ولید کے بھائی جنگ بدر میں مسلمانوں کی قید میں آگئے تو حضرت خالد اور ہشام نے چار ہزار درہم دے کر چھڑالیا جب سب چھوٹ کر مکہ معظّمہ پہنچے تو اسلام لائے اور فرمایا کہ میں قید میں اسلام اس واسطے نہ لایا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں قید سے ڈر کر اسلام لایا اس بنا پر ان کے

بھائیوں نے انہیں قید کردیا اور سخت ایذائیں دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیئے دعا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے یہ چھوٹ کر مدینہ منورہ آگئے، سلمہ ابن ہشام ابن مغیرہ ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے جو قدیم الاسلام صحابی تھے اور اسلام کی وجہ سے مکہ معظّمہ میں سخت مصیبت میں گرفتار تھے آخر کار بھاگ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور عہدِ فاروقی میں جہاد میں شہید ہوئے، عیاش ابن ابی ربیعہ ابوجہل کے سوتیلے بھائی تھے، پرانے مومن تھے، پہلے حبشہ، پھر مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ابوجہل ماں کی بیماری کا بہانہ بناکر دھوکہ سے انہیں مکہ معظّمہ لے گیا اور وہاں بھاری قیدوں میں گرفتار کردیا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے یہ بھاگ کر مدینہ پہنچے اور غزوہ تبوک میں شہید ہوئے۔(لمعات)

۳؎ یہ پکڑ کی تفسیر ہے، یعنی انہیں یوں پکڑ کر ان پر قحط سالی مسلّط کردے تاکہ تنگ آکر اسلام لے آئیں اور مشرکین مکہ اس بددعا کی وجہ سے سخت قحط سالی میں گرفتار ہوئے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنی نفسیاتی وجہ سے بددعا نہ دی، اپنے ظالموں کو معاف کیا اور دعائیں دیں، ہاں دینی دشمنوں کو بددعائیں دی ہیں، یہاں اسی ہی بددعا کا ذکر ہے لہٰذا یہ حدیث نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃً للعالمین ہونے کے خلاف ہے اور نہ ان احادیث کے جن میں ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بددعا نہ کرتے تھے۔

۴؎ قنوت نازلہ کا بلند آواز سے پڑھنا منسوخ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے اب اگر پڑھنا پڑے تو آہستہ پڑھے۔

۵؎ یعنی آپ بعض قبیلوں رعل و ذکوان وغیرہم کا نام لے کر ان پر لعنت فرماتے تھے، بعض نمازوں سے مراد نماز فجر ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے اور اگر فجر کے سوا اور نمازیں مراد ہیں تو یہ بھی منسوخ ہیں۔

۶؎ یعنی اس آیت کے نزول سے قنوت نازلہ منسوخ ہوگئی۔معلوم ہوا کہ قرآن شریف سے حدیث منسوخ ہوسکتی ہے۔خیال رہے کہ قنوت نازلہ کا یا تو جہر منسوخ ہے یا ہمیشہ پڑھنا منسوخ، ورنہ ضرورت پر اب بھی آہستہ پڑھی جاسکتی ہے۔اس آیت کی تفسیر اور نسخ کی وجہ ہماری تفسیر حاشیۃ القرآن "نورالعرفان" میں ملاحظہ فرماؤ۔

روایت ہے حضرت عاصم احول سے فرماتے ہیں میں نے انس ابن مالک سے نماز میں قنوت کے متعلق پوچھا کہ رکوع سے پہلے تھی یا بعد میں تو فرمایا پہلے تھی ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد تو صرف ایک ماہ قنوت پڑھی کہ آپ نے ایک لشکر بھیجا تھا جنہیں قراء کہا جاتا تھا ستر مرد تھے وہ شہید کردیئے گئے ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک ماہ قنوت پڑھی ان پر بددعا کرتے ہوئے۔(مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی وتر کی دعا قنوت ہمیشہ رکوع سے پہلے رہی کبھی رکوع کے بعد نہ پڑھی گئی، رکوع کے بعد والی قنوت یعنی قنوت نازلہ جو فجر میں تھی وہ صرف ایک ماہ رہی پھر منسوخ ہوگئی، لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۲؎ یعنی قنوت نازلہ کی وجہ ان ستر قاریوں کی شہادت تھی جو نہایت بیدردی سے قتل کیئے گئے تھے، یہ حضرات فقراء صحابہ تھے جو دن کو لکڑیاں جمع کرکے فروخت کرتے اور اس سے اصحاب صفہ کے لیئے کھانا تیار کرتے تھے، رات عبادت میں گزارتے۔انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجدیوں کی تبلیغ کے لیئے بھیجا جب یہ بئرِ معونہ پر پہنچے جو کہ مکہ معظّمہ و عسفان کے درمیان ہے جہاں بنی ہزیل رہتے تھے تو عامر بن طفیل نے قبیلہ بنی سلیم، عصیب، رعل، ذکوان، قعرہ کے ساتھ ان لوگوں کو گھیر لیا اور سب کو شہید کردیا، صرف حضرت کعب

ابن زید انصاری بچے جنہیں وہ مُردہ سمجھ کر سخت زخمی حالت میں چھوڑ گئے، پھر یہ غزوہ خندق میں شہید ہوئے، یہ واقعہ قتل ۴ھ میں ہوا،انہیں شہدا میں عامر ابن فہیرہ بھی تھے جنہیں فرشتوں نے دفن کیا، کسی کو ان کی نعش نہ ملی، اس واقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا جس پر آپ نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی۔(مرقاۃ)اسی مواقعہ پر ایک واقعہ یہ بھی ہوا کہ قبیلہ عضل اور قعرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ہم مسلمان ہو چکے ہیں، ہماری تعلیم کے لیئے کچھ علماء دیجئے توآپ نے چھ صحابہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا جن کا امیر حضرت عاصم ابن ثابت کو بنایا،ان کفار نے مقام رجیع میں پہنچ کر حضرت عاصم کو قتل کر دیا اور حضرت خبیب وزید ابن سدانہ کو قید کر کے مکہ معظّمہ فروخت کر دیا۔ پہلے واقعہ کا نام بیرٔ معونہ ہے اور اس کا نام واقعہ رجیع۔یہ دونوں واقعات ایک ہی مہینہ میں ہوئے یعنی ماہ صفر ہجرت سے ۳۶ ماہ بعد، ان دونوں واقعات کی بنا پر قنوت نازلہ پڑھی گئی اسی وجہ سے بعض احادیث میں بیر معونہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور بعض میں رجیع کا مگر ان دونوں میں تعارض نہیں۔ بعض شارحین کو دھوکا لگا اور احادیث میں تعارض مان بیٹھے۔(مرقاۃ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ مسلسل ظہر،عصر،مغرب،عشاء اور نماز فجر میں قنوت پڑھی۱؎ جب آخری رکعت میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہتے تو بنی سلیم کے کچھ قبیلوں رعل وذکوان اور عصیہ پر بددعا کرتے اور پیچھے والے آمین کہتے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی پانچوں نمازوں میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھی۔غالب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں قنوت نازلہ بھی آواز سے پڑھی اور آہستہ نمازوں میں قنوت نازلہ بھی آہستہ مگر یہ سب کچھ منسوخ ہو چکا۔

۲؎ معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ صرف امام پڑھتا تھا، مقتدی صرف آمین ہی کہتے تھے،اب بھی اگر پڑھنا پڑ جائے تو یہی ہوگا۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ساری نمازوں میں ترک کر دی۔ شوافع کے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کے سوا باقی چار نمازوں میں چھوڑ دی۔ بہر حال چار نمازوں میں قنوت نازلہ بالاتفاق منسوخ ہے اور فجر میں اختلاف ہے، ہمارے ہاں منسوخ ہے، شوافع کے ہاں نہیں اس لیئے اگر کوئی ان چار نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھ لے تو بالاتفاق فاسد ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابو مالک اشجعی۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا ابا جان آپ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	

	ابو بکر، عمر، عثمان،اور علی کے پیچھے اور یہاں کوفے میں حضرت علی کے پیچھے قریبًا پانچ سال ۲؎ نمازیں پڑھیں ہیں کیا یہ لوگ قنوت پڑھتے تھے فرمایا بیٹے یہ بدعت ہے ۳؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام سعد ابن طارق ابن اشیم ہے،خود تابعی ہیں والد صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی چار سال کچھ مہینے آپ کی خلافت کے بقدر۔

۳؎ یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ کسی نماز میں پڑھنا بدعت سیئہ ہے،نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہ کسی صحابی کا۔خیال رہے کہ یہاں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا مراد ہے ورنہ علی مرتضٰی نے جنگ صفین کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت حسن سے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابن ابی کعب پر جمع کیا ۱؎ کہ آپ انہیں بیس راتیں نماز پڑھاتے جن میں باقی آدھے کے علاوہ دعا قنوت نہ پڑھتے ۲؎ جب آخری عشرہ ہوتا تو رہ جاتے اپنے گھر میں پڑھ لیا کرتے ۳؎ لوگ کہتے ابی بھاگ گئے ۴؎ ابوداؤد اور حضرت انس ابن مالک سے قنوت کے متعلق پوچھا گیا توفرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں کہ رکوع سے پہلے اور اس کے بعد ۵؎(ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ ابی ابن کعب ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے سارا قرآن شریف حفظ کیا تھا اور آپ سید القراء ہیں اسی لیئے تراویح کی جماعت کے لیئے آپ کا ہی انتخاب ہوا،آپ زمانۂ رسالت میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔(مرقاۃ)

۲؎ اس حدیث کی بنا پر بعض بزرگ آئمہ فرماتے ہیں کہ وتر میں دعائے قنوت صرف آخری پندرہ رمضان میں پڑھی جائے،مگر امام اعظم کے ہاں سارا سال پڑھنی چاہیئے،یہاں قنوت سے مراد وتر کی دعائے قنوت نہیں بلکہ کفار پر کوئی خاص بددعا مراد ہے،چونکہ اس زمانہ میں جہاد بہت ہوتے تھے اس لیئے رمضان کے آخر نصف میں جس میں شب قدر بھی ہے مسلمان وتروں میں کفار کے لیئے خاص بددعا کرتے تھے۔اگر یہاں وتر کے قنوت مراد ہوں تو اس میں حسب ذیل خرابیاں لازم ہوں گی:ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے خلاف ہوگی جن میں پورا سال قنوت پڑھنے کا ذکر ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے۔امام محمد نے کتاب الاثار میں بروایت امام ابو حنیفہ **عن حماد عن ابراھیم النخعی عن ابن مسعود** روایت کی کہ آپ ہمیشہ وتر میں ہمیشہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے،نیز دار قطنی اور بیہقی نے سوید ابن غفلہ سے روایت کی کہ حضرات خلفائے راشدین آخر وتر میں قنوت پڑھا کرتے تھے،نیز ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ نے حضرت علی سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر وتر میں قنوت پڑھا کرتے تھے،امام حسن کی روایت پہلے ہی گزرچکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وتر پڑھنے کے لیئے دعائے قنوت سکھائی۔دوسرے یہ کہ اس حدیث سے دعائے قنوت صرف پانچ دن ثابت ہوگی کیونکہ

حضرت ابی ابن کعب پندرھویں رمضان سے جماعت میں قنوت شروع کرتے تھے اور بیسویں کے بعد یہ جماعت چھوڑ دیتے تھے تو پانچ ہی دن قنوت رہی۔

۳؎ یااس لیئے کہ تراویح چند روز جماعت سے پڑھنا پھر اکیلے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تھا،آپ اس سنت پر عمل کرتے تھے یا اس لیئے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں خلوت میں عبادات کرتے تھے۔بعض خلوتیں جلوت سے افضل ہوتی ہیں یا کسی اور عذر کی وجہ سے۔خیال رہے کہ حضرت ابی کا یہ پہلا عمل تھا،جب حضرت عمر نے آپ کو تراویح پڑھانے کا باقاعدہ حکم دے دیا تو پورا مہینہ پڑھاتے تھے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۴؎ یہ لفظ حضرت ابی کی شان میں گستاخی کی نیت میں نہ تھا بلکہ افسوس کے لیئے تھا یعنی افسوس کہ ہمیں چھوڑ گئے،رب تعالٰی حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: "اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ"۔(لمعات) ورنہ امام کا احترام لازم ہے۔

۵؎ یعنی قنوت نازلہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ پڑھی اور بعد میں چھوڑ دی،قنوت وتر مراد نہیں۔

باب قیام شھر رمضان

ماہ رمضان میں قیام کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یعنی تراویح کا باب اس میں پندرھویں شعبان کی عبادت کا ذکر بھی ہوگا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی بھی ہیں اوراس کا حکم بھی دیا ہے مگر تعداد رکعات کے متعلق کوئی یقینی روایت نہ مل سکی،اس لیئے کہا جائے گا کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بیس رکعت پڑھنا،ہمیشہ پڑھنا،باجماعت پڑھنا سنتِ صحابہ ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔اوراس باب میں بھی کچھ عرض کیا جائے گا۔ہم نے بیس تراویح پرایک مستقل رسالہ "لمعات المصابیح" بھی لکھا ہے۔

	روایت ہے زید ابن ثابت سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا حجرہ بنایا ۱ اس میں چند راتیں نماز پڑھی حتی کہ آپ پر لوگ جمع ہوگئے ۲ پھرایک شب لوگوں نے آپ کی آواز نہ پائی سمجھے کہ آپ سوگئے تو بعض لوگ کھنکارنے لگے تاکہ آپ تشریف لے آئیں ۳ حضور نے ارشادفرمایا میں نے جو تمہارا کام دیکھا وہ تم پر دائمی رہا ۴ حتی کہ میں نے یہ خوف کیا کہ تم پر یہ نماز فرض کردی جائے گی اوراگر تم پر فرض کردی جاتی تو تم قائم نہ کرسکتے ۵ اے لوگو اپنے گھروں میں نماز پڑھو کیونکہ مرد کی نماز فرائض کے سوا گھر میں بہتر ہے ۶ (مسلم،بخاری)

۱ ماہ رمضان میں بحالت اعتکاف اس طرح کہ اپنے ارد گرد مسجد کے ایک گوشہ میں چٹائی کھڑی کرلی تاکہ خلوت میں خاص عبادتیں کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں چادر ٹاٹ وغیرہ کا عارضی حجرہ اپنے لیئے بناسکتا ہے مگر اتنا وسیع نہ بنائے کہ نمازیوں پر جگہ تنگ ہوجائے۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲ حق یہ ہے کہ یہ نماز تراویح تھی اوراس طرح ادا ہوتی تھی کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرے کے اندر سے امامت فرماتے اور صحابہ اس حجرے کے باہر آپ کی اقتداء کرتے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ نماز تہجد ہی تھی۔وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تراویح پڑھی ہی نہیں،تراویح سنت صحابہ ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے۔

۳ روش کلام سے معلوم ہورہا ہے کہ گزشتہ راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت اور تکبیریں باآواز بلند ادا کیں جس پر صحابہ نے اقتدا کی آج چونکہ آواز نہ تھی لہذا اقتدا نہ کرسکے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیئے جگاتے نہ تھے،بے ادبی سمجھتے تھے اوراکیلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر پڑھتے بھی نہ تھے کہ اسے محرومی جانتے تھے۔

۴؎ یعنی تمہارا نماز کا شوق اور ہمارے باہر تشریف لانے کی رغبت کا اظہار اور اس کے لیئے کھانسنا کھکارنا کافی دیر تک رہا ہم سو نہ رہے تھے سن رہے تھے۔

۵؎ اس فرمان سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اگر آج جماعت سے تراویح پڑھادی گئی تو تراویح بھی پنجوقتی نمازوں کی طرح فرض ہوجائیں گی۔دوسرے یہ کہ آپ کو یہ بھی خبر تھی کہ اگر تراویح فرض کردی گئی تو میری امت پر بھاری پڑے گی وہ اس پر پابندی نہ کرسکیں گے۔یہ دونوں چیزیں علوم غیبیہ میں سے ہیں۔تیسرے یہ کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اوروں پر شرعی احکام مرتب ہوجاتے ہیں کہ ہاں فرمادیں تو شے فرض ہوجائے نہ فرمادیں تو فرض نہ ہو جیسا کہ "**کتاب الحج**" میں آئے گا کہ اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو حج ہر سال فرض ہوجاتا،ایسے ہی کبھی آپ کے عمل پر بھی شرعی احکام مرتب ہوجاتے ہیں کہ اگر آج تراویح پڑھادیتے تو فرض ہوجاتیں نہ پڑھائیں فرض نہ ہوئیں۔یہ ہے میری سرکار کی سلطنت خداداد۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں دیکھو۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر رحیم وکریم ہیں اس رحمت کی وجہ سے آج تراویح نہ پڑھائیں۔پانچویں یہ کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے کیونکہ صحابہ نے ہمیشہ پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نہ پڑھنے کا عذر بیان فرمادیا،اس عذر سے ہمیشہ نہ پڑھنا تراویح کو غیر مؤکدہ نہ بنادے گا،ہاں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

۶؎ یہاں عام نوافل کا ذکر ہے ورنہ نماز اشراق،نماز سفر،نماز کسوف،نماز استسقاء وغیرہ نوافل مسجد میں افضل ہیں اور اب تراویح بھی مسجد میں افضل کیونکہ اس کی جماعت سے اب کوئی مانع نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے انہیں اس کا تاکیدی حکم نہ فرماتے ۱؎ فرماتے تھے کہ جو رمضان میں ایمان کے ساتھ طلب اجر کے لیئے قیام کرے تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور معاملہ یوں ہی رہا،پھر خلافت صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں یہ معاملہ اسی طرح رہا ۳؎(مسلم)	

۱؎ یعنی تراویح کو فرض یا واجب نہ قرار دیا لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ سنت مؤکدہ بھی نہ ہوں۔

۲؎ یعنی تراویح کی پابندی کی برکت سے سارے صغیرہ گناہ معاف ہوجائیں گے کیونکہ گناہ کبیرہ توبہ سے اور حقوق العباد حق والے کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں،اس کا ذکر بارہا گزر چکا۔

۳؎ کہ لوگ باقاعدہ پابندی سے تراویح کی جماعت نہ کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر تو معلوم ہوچکا۔صدیق اکبر نے مختصر سے زمانۂ خلافت میں جہادوں سے فراغت نہ پائی،عہدِ فاروقی میں اس کا باقاعدہ انتظام ہوگیا جیسا کہ آئندہ آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں نماز پڑھ لے تو اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لیئے بھی رکھے کہ اللہ اس کی نماز کی برکت سے اس کے گھر میں خیر وبرکت رکھے گا ۱؎ (مسلم)	

۱؎ مصنف یہ حدیث تراویح کے باب میں اس لیئے لائے کہ اس حکم میں تراویح بھی داخل ہے لہٰذا تراویح گھر میں پڑھنا افضل۔مرقاۃ نے فرمایا کہ تراویح اس حکم سے خارج ہے۔صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ تراویح مسجد میں اور جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔زمانۂ نبوی میں گھر میں پڑھنا افضل تھا جس کی وجہ پہلے گزر چکی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے آپ نے مہینے میں ہمارے ساتھ بالکل قیام نہ فرمایا ۱؎ حتی کہ سات دن باقی رہ گئے تب ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی پھر جب چھٹی رات ہوئی تو ہمارے ساتھ قیام نہ کیا پھر جب پانچویں رات ہوئی تو ہم کو نماز پڑھائی حتی کہ رات آدھی گزر گئی ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کاش کہ آپ ان راتوں کا قیام ہمارے لیئے زائد فرمادیتے ۳؎ حضور نے فرمایا کہ انسان جب امام کے ساتھ نماز پڑھے حتی کہ فارغ ہوجائے تو اس کے لیئے ساری رات قیام شمار کیا جاتا ہے ۴؎ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو ہمیں نماز نہ پڑھائی حتی کہ رات تہائی باقی رہ گئی ۵؎ پھر جب تیسری رات ہوئی تو اپنے گھر والوں اپنے بیویوں اور لوگوں کو جمع فرمایا ہمیں نماز پڑھائی حتی کہ ہم نے خوف کیا کہ ہماری فلاں جاتی رہے گی میں نے کہا فلاں کیا چیز ہے فرمایا سحری ۶؎ پھر بقیہ مہینہ نماز نہ پڑھائی (ابوداؤد،ترمذی) نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی مگر ترمذی نے "لَمۡ یَقُمۡ" الخ کا ذکر نہ کیا۔

۱؎ یعنی خود تو تراویح پڑھتے رہے ہمیں جماعت سے نہ پڑھائیں جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی آپ نے تئیسویں رمضان کو ہمیں تہائی رات تک تراویح پڑھائیں اور پچیسویں کو آدھی رات تک۔

۳؎ یعنی رمضان میں ہم پر تراویح فرض فرمادیتے۔معلوم ہوا کہ صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک احکام جانتے تھے۔

۴؎ یعنی عشاء جماعت سے پڑھ لینے سے تمام رات نوافل پڑھنے کا ثواب ہے لہٰذا تم تراویح نہ پڑھنے پر غم نہ کرو۔اس کی بحث پوری گزر چکی کہ اب تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

۵؎ یعنی چھبیسویں رمضان ہم نے دو تہائی رات تک آپ کی تشریف آوری کا انتظار کیا لیکن آپ تشریف نہ لائے اور ہم کو تراویح نہ پڑھائیں۔اس کے سوا اس جملے کا اور مطلب نہیں بن سکتا۔

۶؎ یعنی ستائیسویں رات چونکہ غالبًا شب قدر ہے،اسی لئے آپ نے خود بھی اس رات تمام رات عبادت کی اور اپنے گھر والوں وصحابہ کرام کو بھی جگایا اور اتنی دراز تراویح پڑھی کہ صبح کے قریب ہی ختم کیں۔خیال رہے کہ جمع کے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں ان سب کو جمع کیا اس طرح کہ عورتیں علیحدہ،عورتوں کی صفیں علیحدہ اور مردوں کی علیحدہ اگرچہ اہل میں بیویاں بھی داخل تھیں مگر اظہار خصوصیت کے لیئے ان کا ذکر علیحدہ ہوا،بعض شارحین نے اسے نماز تہجد سمجھا ہے مگر صحیح یہ ہی ہے کہ یہ نماز تراویح تھی۔ان تمام احادیث میں تراویح کی رکعات کا ذکر نہیں۔اس کا ذکر اشارۃً تیسری فصل میں آرہا ہے ان شاءاللہ وہاں ہی ذکر کیا جائے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں تھے ۱؎ تو آپ نے فرمایا کیا تم اس سے خوف کرتی تھیں کہ تم پر اللہ ورسول ظلم کریں گے ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خیال ہوا کہ آپ اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ۳؎ تو فرمایا کہ اللہ تعالٰی پندرھویں شعبان کی رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے تو قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ کو بخش دیتا ہے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)رزین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جو آگ کے مستحق ہوچکے ہیں ۵؎ ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد امام بخاری کو سنا کہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے ۶؎	

۱؎ یعنی ایک دفعہ شعبان کی پندرہ تاریخ تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میرے مکان پر تھی اور آپ میرے ہاں تشریف فرما تھے میں رات کو اٹھی تو آپ کا بستر خالی پایا،آپ کو ڈھونڈنے مدینہ کے گلی کوچوں میں نکلی حتی کہ بستی سے باہر گئی تو مدینہ کے قبرستان میں آپ کو ذکر ودعا میں مشغول پایا۔

۲؎ اس طرح کہ ہم تمہاری باری میں کسی اور بیوی کے ہاں رات کو قیام فرمائیں جو بظاہر حق تلفی اور تم پر ظلم ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج کی باری اور مہر شرعًا واجب نہ تھا مگر آپ نے خود اپنے کرم سے ان کی باریاں مقرر فرمادی تھیں،اب اس کے خلاف کرنا اپنے وعدہ کے خلاف ہوگا اس لیئے اسے ظلم فرمایا،نیز چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل رب کی طرف سے ہے اس لیئے اس ظلم کو رب کی طرف بھی منسوب کیا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎ کیونکہ آپ پر باری فرض نہیں اور آپ اس معاملہ میں مختار ہیں،ہاں مجھے غیرت ضرور تھی کہ میری باری اور بیوی نے کیوں لے لی۔اس غیرت میں کئی علماء فرماتے ہیں کہ غیرت عورتوں کی فطری چیز ہے جس پر کوئی پکڑ نہیں۔

۴؎ یعنی اس رات رب کی رحمت خاص دنیا کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور قبیلہ بنی کلب جن کے پاس بہت بکریاں ہیں ان بکریوں کے جسم پر جس قدر بال ہیں اتنے گناہ گاروں کی مغفرت ہوتی ہے۔اسی سے معلوم ہوا کہ شب برات میں عبادات کرنا،قبرستان جانا سنت ہے۔خیال رہے کہ اس رات کو بھی شبِ قدر کہتے ہیں یعنی تمام سال کے انتظامی امور کے فیصلے کی رات۔قدر بمعنی اندازہ،رب تعالٰی فرماتا

ہے: "فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ"۔اور ستائیسویں رمضان کو بھی شبِ قدر کہتے ہیں یعنی تنگی کی رات، قدر بمعنی تنگی،اس میں فرشتے اتنے نازل ہوتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے: "تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوۡحُ فِيۡهَا"۔شب برات کے فضائل واعمال ہماری کتاب" مواعظہ نعیمیہ "اور "اسلامی زندگی" میں دیکھو۔

۵؎ یعنی مومن گنہگار نہ کہ کفار ان کی بخشش ناممکن اگر کفر پر مر جائیں۔

۶؎ کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرد کی نماز اپنے گھر میں میری اس مسجد میں نماز سے افضل ہے سوائے فرائض کے ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ اس کی بحث ابھی گزرچکی کہ اس حکم سے نماز عیدین،تحیۃالمسجد وغیرہ بہت سے نوافل مستثنٰی ہیں۔شیخ نے لمعات میں فرمایا کہ یہ حکم گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب کے لیئے مبالغۃً ہے تاکہ لوگ مسجد نبوی میں نوافل کے لیئے ہجوم نہ کیا کریں،نیز گھر کی نماز میں ریاء کا احتمال کم ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عبدالقاری سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت عمر ابن خطاب کے ساتھ مسجد کو گیا لوگ متفرق طور پر الگ الگ تھے کوئی اکیلے نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کے ساتھ کچھ جماعت پڑھ رہی تھی ۲؎ حضرت عمر نے فرمایا اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کردیتا تو بہتر تھا پھر آپ نے ارادہ کر ہی لیا تو انہیں ابی ابن کعب پر جمع کردیا ۳؎ فرماتے ہیں کہ پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ گیا تو لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمر نے فرمایا یہ بڑی اچھی بدعت ہے ۴؎ اور وہ نماز جس سے تم سورہتے ہو اس سے افضل ہے جس کو تم قائم کرتے ہو یعنی آخر رات کی ۵؎ اور لوگ اول رات میں پڑھتے تھے ۶؎ (بخاری)	

۱؎ قاری عبدالرحمٰن کی صفت ہے نہ کہ عبد کا مضاف الیہ اور یہ قبیلہ قارہ کی طرف منسوب ہے،آپ تابعی ہیں،حضرت عمر فاروق کی طرف سے بیت المال پر عامل تھے۔

۲؎ یعنی رمضان کی راتوں میں سے ایک رات میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو لوگوں کو اس طرح متفرق طور پر تراویح پڑھتے دیکھا کہ کوئی جماعت سے پڑھ رہا ہے کوئی اکیلے۔خیال رہے کہ فرائض کی جماعت اولی کے وقت مسجد میں علیحدہ نماز پڑھنا منع ہے۔تراویح کا یہ حکم نہیں اب بھی پیچھے آنے والے تراویح کی جماعت کے وقت فرائض اور بقیہ تراویح پڑھتے رہتے ہیں۔

۳؎ اس طرح کہ حضرت ابی ابن کعب کو حکم دیا کہ صحابہ کو تراویح پڑھایا کریں اور صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے پیچھے جمع ہو کر تراویح پڑھا کریں۔خیال رہے کہ فرائض کے امام خود عمر فاروق تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرائض اور امام پڑھائے اور تراویح دوسرا تو جائز ہے،ہاں جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ وتر نہیں پڑھا سکتا بلکہ جماعت سے پڑھ بھی نہیں سکتا۔

۴؎ یعنی تراویح کی بیس رکعت اور باجماعت ہمیشہ اہتمام سے قائم کرنا میری ایجاد ہے اور بدعت حسنہ ہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نفس تراویح سنتِ رسول اللہ ہے مگر اس پر ہیشگی،باجماعت اور اہتمام سے ادا کرنا سنتِ فاروقی ہے یعنی بدعت حسنہ ہے۔دوسرے یہ کہ ایجادات صحابہ شرعًا بدعت ہیں اگرچہ انہیں لغۃً سنت کہا جاتا ہے،اسی لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ" لہذا یہ دونوں حدیثیں متعارض نہیں۔تیسرے یہ کہ ہر بدعت بری نہیں،بعض اچھی بھی ہوتی ہیں،مگر فرضی قرآن کریم کے اعراب اور سیپارے حدیثوں کو کتابی شکل میں جمع کرنا بدعت ہے مگر فرض۔چوتھے یہ کہ قیامت تک تراویح کی دھوم دھام عمر فاروق کی یادگار ہے۔

۵؎ یعنی تم لوگ تراویح تو پڑھ لیتے ہو مگر تہجد چھوڑ دیتے ہو حالانکہ وہ بہت افضل ہے وہ بھی پڑھا کرو یا یہ مطلب ہے کہ میں کسی عذر کی وجہ سے تمہارے ساتھ تراویح میں شریک نہیں ہوتا مگر تہجد پڑھتا ہوں جو اس جماعت سے افضل ہے۔خیال رہے کہ تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا عمل تراویح اول رات میں پڑھنے کا تھا۔خیال رہے کہ تراویح سو کر اٹھ کر نہ پڑھے بلکہ سونے سے پہلے پڑھے خواہ آخری رات تک پڑھتا رہے جیسا کہ شبینہ میں ہوتا ہے اور صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمل کیا یا پڑھ کر سوئے۔

روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ابی کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھائیں ۱؎ تو امام مئین سورتیں پڑھتا تھا حتی کہ ہم درازیٔ قیام کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگا لیتے تھے تو شروع فجر سے پہلے فارغ نہ ہوتے تھے ۲؎ (مالک)

۱؎ آٹھ رکعتیں تراویح اور تین وتر کبھی ابی ابن کعب نے پڑھائیں اور کبھی تمیم داری یا تراویح ابی ابن کعب نے پڑھائیں اور وتر تمیم داری نے۔اس حدیث سے غیر مقلد آٹھ تراویح پر دلیل پکڑتے ہیں مگر یہ ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں اور اس میں تین کا ثبوت ہے۔اس حدیث میں چند طرح گفتگو ہے:ایک یہ کہ حدیث صحیح نہیں بلکہ مضطرب ہے،اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں انہوں نے یہاں گیارہ کی روایت کی اور محمد ابن نصر سے تیرہ کی،عبدالرزاق نے انہیں سے اکیس رکعتیں نقل کیں۔(فتح الباری)ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہ روایت وہم ہے۔صحیح یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو بیس رکعت کا حکم دیا۔(مرقاۃ)دوسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ اولًا آٹھ تراویح پڑھی گئی ہوں،پھر بارہ،پھر بیس یہ دونوں منسوخ ہوں،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

۲؎ مئین: وہ سورتیں کہلاتی ہیں جن کی آیات سو سے زیادہ ہوں جیسے سورۂ بقر،آل عمران یعنی آٹھ رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی تھی تو ہم تھک کر اپنی بغل میں لاٹھی دبا کر ٹیک لگا لیتے تھے۔اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے معلوم ہوگا کہ لاٹھی پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے اور شبینہ سنت ہے۔

روایت ہے حضرت اعرج سے فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو رمضان میں کافروں پر لعنت ہی کرتے پایا ۱؎ فرماتے ہیں کہ قاری آٹھ رکعتوں میں سورۂ بقر پڑھتا تھا اور جب وہ بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگا تو لوگوں نے سمجھا کہ آسانی ہوگئی ۲؎ (مالک)	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کی شرح ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ صحابہ آخر پندرہ رمضان میں وتر میں قنوت پڑھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ قنوت قنوت نازلہ تھی جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔وتر کی قنوت تو ہمیشہ پڑھی جائے گی۔اعرج کا نام عبدالرحمان ہے جو مشہور ثقہ تابعی ہیں اور لوگوں سے مراد صحابہ ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ صحابہ کرام نے اولًا آٹھ تراویح پڑھی پھر بارہ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا،پھر بیس تراویح پر تمام صحابہ کا اتفاق ہوگیا جیسا کہ مرقاۃ،لمعات وغیرہ میں ہے،نیز طبرانی،بیہقی،ابن شیبہ،امام بغوی،مالک،ابن یضع وغیرہ میں حضرت ابن عباس،سائب،ابن یزید،یزید ابن رومان،ابی ابن کعب،ابو عبدالرحمان،سلمٰی وغیرھم سے روایتیں کیں۔بلکہ طبرانی،بیہقی،عبد ابن حمید،ابن ابی شیبہ وغیرہم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سوائے وتر کے بیس رکعت پڑھتے تھے،اگرچہ ان کی اسنادوں میں عثمان ابن ابراہیم راوی غیر ثقہ ہے مگر چونکہ عثمان امام اعظم سے بہت عرصہ بعد پیدا ہوا لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کو صحیح ہو کر ملی،بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔طبرانی،ابن حبان میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔اس میں اولًا تو عیسیٰ ابن جاریہ راوی سخت ضعیف ہے لہٰذا حدیث ناقابل عمل اور اگر صحیح بھی ہو تو وہاں نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح۔اسی لیئے طبرانی نے یہ حدیث باب قیام اللیل یعنی تہجد کے باب میں نقل کی۔غرض کہ بیس والی روایتوں میں تراویح ہی مراد ہے اور آٹھ والی میں تہجد کا احتمال،اسی لیئے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل مکہ بیس تراویح پڑھتے تھے اور اہل مدینہ چالیس،آٹھ تراویح پر کبھی کسی کا عمل نہیں ہوا اب تو سارے عرب و عجم میں بیس تراویح پڑھی جاتی ہیں بلکہ بیس تراویح کے حساب سے قرآن کریم کے رکوع پانچ سو ستاون (۵۵۷) صحیح ہوتے ہیں۔کہ رکوع اس کو کہتے ہیں جسے پڑھ کر صحابہ تراویح میں رکوع کرتے تھے اگر تراویح آٹھ ہوتیں تو قرآن کے رکوع ۲۱۶ ہوتے ہیں۔اس کی پوری تحقیق "جاء الحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی بکر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی کو فرماتے سنا کہ ہم رمضان میں نماز سے فارغ ہوتے تھے تو خدام سے جلد کھانا مانگتے تھے سحری جاتے رہنے کے خوف سے۔دوسری روایت میں ہے فجر کے خوف سے ۲؎ (مالک)	

۱؎ آپ عبداللہ ابن ابی بکر ابن محمد ابن عمر ابن حزم انصاری مدنی ہیں،آپ علمائے مدینہ میں سے تھے،ستر سال کی عمر ہوئی ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔(مرقاۃ،اکمال)انہیں حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں صدیق اکبر کا بڑا فرزند عطا فرمایا،خطا ہوگئی کہ وہ تو جنگ طائف میں شہید ہوگئے۔

۲؎ یعنی اول شب سے تراویح شروع کرتے تو سحری تک پڑھتے ہی رہتے۔ سو کر پھر اٹھ کر نہیں پڑھتے تھے، اب شبینہ میں یہی ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کیا تم جانتی ہو کہ اس رات یعنی پندھوریں شعبان میں کیا ہے عرض کیا یارسول اللہ اس میں کیا ہے تو فرمایا اس رات میں اس سال پیدا ہونے والے انسان کے بچے لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس سال مرنے والے سارے انسان لکھ دیئے جاتے ہیں ۱؎ اور اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور ان کے رزق اتارے جاتے ہیں ۲؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائے گا تو آپ نے تین بار فرمایا کہ کوئی اللہ تعالٰی کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاسکتا ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ بھی نہیں تو آپ نے اپنا ہاتھ شریف اپنے سر پر رکھا اور فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں چھپالے تین بار فرمایا ۴؎ (بیہقی، دعوات کبیر)

۱؎ اس طرح کہ فرشتے لوح محفوظ سے سال بھر کے ہونے والے واقعات اس رات صحیفوں میں نقل کر دیتے ہیں اور ہر صحیفہ ان فرشتوں کے حوالے کرتے ہیں جن کے ذمہ یہ کام ہے۔ چنانچہ مرنے والوں کی فہرست ملک الموت کو اور پیدا کرنے والوں کی فہرست بچہ بنانے والے فرشتے کو، رزقوں کی فہرست حضرت میکائیل کو دے دی جاتی ہے اسی لیئے اسے شب قدر کہتے ہیں یعنی اندازے کی رات۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان فرشتوں کو سال میں پیدا ہونے والے، مرنے والوں لوگوں کا اور گرنے والے بارش کے قطرات اور ملنے والی روزیوں کا پورا علم ہوتا ہے۔ یہ علوم خمسہ ہیں جو ان فرشتوں کو دیئے گئے ہیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا پوچھنا۔

۲؎ یعنی سال بھر کے اعمال جو روزانہ صحیفوں میں لکھے جاتے رہے وہ تمام مع ٹوٹل ایک جگہ لکھ کر رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں اور اگلے سال میں جس کو جتنی روزی ملنے والی ہے، دانے، پھل، پانی کے قطرے، سانسیں وغیرہ سب کا ٹوٹل لگادیا جاتا ہے۔ نزول سے مراد اس کا معین کرنا ہے۔ (مرقاۃ) اس حدیث میں وہ لوگ غور کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکاری ہیں۔ لوح محفوظ کے فرشتوں کو ذرہ ذرہ کی خبر ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ نیک اعمال جنت ملنے کا سبب ظاہری ہیں اور اللہ تعالٰی کی رحمت سبب حقیقی لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" بلکہ نیک اعمال کی توفیق اور ان کی قبولیت اللہ کی رحمت سے ہے، عمل تخم ہیں اور رب تعالٰی کا فضل بارش اور دھوپ۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر ہاتھ رکھنا تواضع کے لیئے تھا۔ اس میں فرمایا یہ گیا کہ جب میں سید الانبیاء ہونے کے باوجود اللہ کی رحمت سے بے نیاز نہیں پھر ان سے کون بے نیاز ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ رب تعالٰی کے لحاظ سے فرمایا، امت کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی پناہ ہیں۔ سب کو اللہ کی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابر رحمت ہیں جس میں پانی رب کے حکم سے آتا ہے مگر تمام جہان کو پانی اس بادل سے ملتا ہے، اس بادل

کے فیض سے سمندر میں موتی ہوتے ہیں اور خشکی میں دانے و پھل وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے صحابہ کے سینوں میں معرفت کے موتی پیدا ہوئے، عام مسلمانوں کے سینوں میں ایمان و تقویٰ۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالٰی پندرھویں شعبان کی شب میں توجہ کرم فرماتا ہے تو کافر یا کینہ والے کے سوا اپنی سب مخلوق کو بخش دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)	

اور احمد نے عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی اور ان کی روایت میں ہے دو کے سوا کینہ پرور اور قاتل نفس ۱	

۱ کینہ سے مراد دنیوی کینے اور عداوتیں ہیں اور قتل سے مراد ظلمًا قتل ہے، ورنہ کفار سے کینہ رکھنا اور جہاد میں کفار کا قتل، ڈاکو، زانی اور قاتلِ نفس کا قتل عبادت ہے۔ بعض جگہ شب برات کے دن ایک دوسرے کو حلوے وغیرہ کے تحفے بھیجتے ہیں اپنے قصوروں کی آپس میں معافی چاہ لیتے ہیں، ان سب کی اصل یہ حدیث ہے کہ عداوت و کینہ والا اس رات کی رحمتوں سے محروم ہے اور یہ تحفہ کینے دفع کرنے کا ذریعہ ہے، نیز یہ رات عبادتوں کی اور خیرات ہدایا وغیرہ بھی عبادت ہیں، ان خیراتوں کو روکنا اور شرک کہنا بڑی جہالت۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب پندھوریں شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو، دن میں روزہ رکھو ۱ کیونکہ اس رات میں اللہ تعالٰی سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے کہتا ہے کہ کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں کہ کیا کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اسے روزی دوں کیا کوئی بیمار ہے کہ میں اسے آرام دوں کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے طلوع فجر تک ۲ (ابن ماجہ)	

۱ بہتر یہ ہے کہ ساری رات ہی جاگ کر عبادت کرے اور اگر نہ ہوسکے تو اول رات سوئے آخر رات میں تہجد پڑھے اور زیارت قبور کرے اور تین دن روزے رکھے۔ تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کہ ایک نفلی روزہ رکھنا بہتر نہیں۔ تمام افضل راتوں کے اعمال ہماری کتاب "اسلامی زندگی" میں دیکھو۔

۲ یعنی اور راتوں کے آخری حصوں میں یہ کرم نوازی ہوتی ہے مگر اس رات شروع سے ہی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس رات عبادتیں کرلیں اور بدنصیب ہیں وہ جو یہ رات آتشبازیوں اور سینماؤں میں گزاریں۔

باب صلوۃ الضحی

چاشت کی نماز کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] ضُحٰے ضَحْوٌ سے بنا،بمعنی دن کی بلندی یاآفتاب کی شعاع،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالشَّمۡسِ وَضُحٰـہَا"۔عرف میں نماز اشراق اور نماز چاشت دونوں کو نماز اشراق کہا جاتا ہے۔نماز اشراق کا وقت سورج کے چمکنے کے بیس ۲۰ منٹ بعد سے سورج کے چہارم کے چہارم آسمان پر پہنچنے تک اور نماز چاشت کا وقت چہارم دن سے دوپہر یعنی نصف النہار تک ہے،کبھی نماز اشراق کو بھی نماز چاشت کہہ دیا جاتا ہے۔حق یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں سنت مستحبہ ہیں،نماز اشراق مسجد میں ادا کرنا بہتر ہے اور چاشت گھر میں،اشراق کی دو رکعتیں ہیں اور چاشت کی چار۔

1309 - [1](متفق علیہ) عن اِم ہانئٍ قالت :إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل بیتہا یوم فتح مکۃ فاغتسل وصلی ثمانی رکعات فلم اِر صلاۃ قط اِخف منہا غیر اِنہ یتم الرکوع والسجود . وقالت فی روایۃ اِخری: وذلک ضحیً	روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں تشریف لائے آپ نے غسل کیا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں [1] میں نے اس سے زیادہ ہلکی نماز کوئی نہ دیکھی بجز اس کے کہ آپ رکوع اور سجدہ پورا کرتے تھے [2] اور دوسری روایت میں فرمایا یہ چاشت کا وقت تھا [3] (مسلم،بخاری)

[1] یہ حدیث نماز چاشت کی بڑی قوی دلیل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔خیال رہے کہ ام ہانی کا نام فاختہ یا عاتکہ بنت ابی طالب ہے،علی مرتضٰی کی حقیقی بہن ہیں،آپ مجبورًا مکہ معظّمہ سے ہجرت نہ کرسکی تھیں۔

[2] یعنی یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نمازوں سے ہلکی،رکوع سجدے تو ویسے ہی دراز تھے مگر قیام اور قعدہ ہلکا تھا لہذا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے قیام و قعدہ پورا نہ کیا۔

[3] یعنی یہ نماز شکرانہ وغیرہ کی نہ تھی بلکہ چاشت کی تھی۔

	روایت ہے حضرت معاذہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کتنی پڑھتے تھے فرمایا چار رکعتیں اور جو اللہ چاہتا وہ پڑھتے تھے [1] (مسلم)

[1] یعنی آپ نے نماز چار رکعت سے کبھی کم نہ پڑھی،ہاں کبھی زیادہ کردیتے۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ ان رکعتوں میں والشمس،واللیل،والضحٰی،الم نشرح پڑھے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم نے تم میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر صدقہ ہوتا ہے پس ہر تسبیح صدقہ ہے اور ہر حمد صدقہ ہے اور ہر تکبیر صدقہ ہے ۱؎ اچھی بات کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب کی طرف سے چاشت کی دو رکعتیں کافی ہیں جسے انسان پڑھ لے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی ان سب میں صدقہ نفلی کا ثواب ہے اور یہ بدن کے جوڑوں کی سلامتی کا شکریہ بھی ہے لہذا اگر کوئی انسان روزانہ تین سو ساٹھ نفلی نیکیاں کرے تو محض جوڑوں کا شکریہ ادا کرے گا باقی نعمتیں بہت دور ہیں۔

۲؎ یہاں چاشت سے مراد اشراق ہی ہے،اس نماز کے بڑے فضائل ہیں۔بہتر یہ ہے کہ نماز فجر پڑھ کر مصلے پر ہی بیٹھا رہے،تلاوت یا ذکر خیر ہی کرتا رہے،یہ رکعتیں پڑھ کر مسجد سے نکلے ان شاءاللہ عمرہ کا ثواب پائے گا۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ انہوں نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا۱؎ تو فرمایا کہ یہ حضرات جانتے ہیں کہ اس کے علاوہ دوسری گھڑی(ساعت)میں یہ نماز افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقربین کی نماز جب ہے جب کہ اونٹنی کا بچہ گرم ہوجاتا ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ اشراق سے متصل چہارم دن گزرنے سے پہلے جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ چاشت کا وقت بھی طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور نصف النہار پر ختم ہوتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ چہارم دن گزرنے پر پڑھے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ زید ابن ارقم نے افضل فرمایا،یہ نہ کہا کہ یہ نماز وقت سے پہلے پڑھ رہے ہیں،چونکہ اس زمانہ میں گھڑی نہ تھی اس لیے اوقات کا ذکر علامت سے ہوتا تھا آپ نے دوپہر کو اسی علامت سے بیان فرمایا کہ اونٹ کے بچے اون کی وجہ سے جب گرم ہوجائیں یعنی خوب دن چڑھ جائے وقت گرم ہوجائے،چونکہ اس وقت دل آرام کرنا چاہتا ہے اس لیے اسوقت نماز بہتر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابودرداء اور ابوذر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رب فرماتا ہے کہ اے انسان تو شروع دن میں میرے لیئے چار رکعتیں پڑھ لے ۱؎میں آخر دن تک تیرے لیئے کافی ہوں

	گا ۲(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ فجر کی یا چاشت کی،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اسی لیے مؤلف اس کو نوافل کے باب میں لائے یعنی میری رضا کے لیے یہ نماز پڑھ لے۔

۲؎ یعنی شام تک تیری حاجتیں پوری کروں گا،تیری مصیبتیں دفع کروں گا۔خلاصہ یہ کہ تو اول دن میں اپنا دل میرے لیئے فارغ کردے میں آخر دن تک تیرا دل غموں سے فارغ رکھوں گا۔سبحان اللہ! دل کی فراغت بڑی نعمت ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے،یہ حدیث اس کی شرح ہے۔

	اور دارمی نے نعیم ابن ہمار غطفانی سے روایت کی اور احمد نے ان سب سے۔
	روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ۲؎ اس پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ طاقت کس میں ہے ۳؎ فرمایا مسجد کا تھوک دفن کردو،تکلیف دہ چیز رستے سے ہٹادو ۴؎ اگر یہ نہ پاؤ تو چاشت کی دو رکعتیں تمہیں کافی ہیں ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کا نام بریدہ ابن حصیب اسلمی ہے۔حق یہ ہے کہ عین ہجرت کی حالت میں راستہ میں ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا،خراساں کے جہادوں میں شریک رہے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں مقام مرو میں ۶۲ھ میں وفات پائی۔شیخ فرماتے ہیں کہ مرو میں آپ کی قبر کی زیارت ہوتی ہے،برکتیں حاصل کی جاتیں ہیں۔

۲؎ ان میں سے آدھے جوڑ حرکت کرتے رہتے ہیں،آدھے ساکن رہتے ہیں اگر حرکت والے ساکن ہو جائیں یا ساکن متحرک ہو جائیں تو جسم کا نظام بگڑ جائے،انسان کی زندگی دشوار ہو جائے۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرنا عوام تو کیا خاص کی طاقت سے باہر ہے لہذا یہ شکریہ قریبًا ناممکن ہے اور رب تعالٰی فرماتا ہے کہ ہم طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

۴؎ یعنی صدقے سے مراد مالی خیرات ہی نہیں بلکہ نفلی نیکیاں مراد ہیں کیونکہ ہر نیکی پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں علیہ وجوب یا لزوم کے لیئے نہیں،چونکہ مسجد کی صفائی راستہ کی صفائی سے افضل ہے اس لیے پہلے اس کا ذکر فرمایا۔ہر مسلمان کو یہ کام کرنے چاہیں کام معمولی ہیں مگر ان پر ثواب بڑا ہے۔

۵؎ یہاں ضحیٰ سے مراد چاشت کے نفل ہیں یعنی دو رکعت پڑھ لینے سے تین سو ساٹھ جوڑوں کا شکریہ ادا ہو جاتا ہے۔اس روشن کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسجد کی صفائی،راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ان نوافل سے افضل ہے کیونکہ دو نفل پڑھنا آسان ہیں مگر وہ کام نفس پر گراں ہیں اور اگر کوئی یہ نفل بھی پڑھا کرے اور یہ کام بھی کیا کرے تو زہے نصیب۔امام جعفر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آنکھ

میں کھاری پانی رکھا ہے تاکہ آنکھ کی چربی محفوظ رہے پگھل نہ جائے،کان کے پردے میں کڑواپن رکھا تاکہ کوئی کیڑااس راستہ سے دماغ میں نہ جائے،ناک کے نتھنوں میں گرمی رکھی تاکہ ہوا صاف ہو کر دماغ میں پہنچے۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھ لے تواللہ اس کے لیئے جنت میں سونے کا محل بنائے گا ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے جسے ہم صرف اس اسناد سے پہچانتے ہیں ۲؎	

۱؎ یعنی جو بارہ رکعت چاشت پڑھنے کا عادی ہو تواللہ تعالٰی اس کے نام جنت میں ایک سونے کا بے نظیر محل کردے گا کیونکہ وہاں مکانات تو پہلے بنے ہوئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جنت کے میدانی علاقہ میں اس کے لیے سونے کا محل بنادے گا کیونکہ جنت میں کچھ علاقہ خالی بھی ہے جس میں باغ و مکانات انسان کے اعمال کے بعد بنائے جاتے ہیں۔

۲؎ اسی لیئے علماء فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز آٹھ رکعت تک ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے،نیز آٹھ کی حدیث بروایت صحیح منقول ہے،بارہ کی روایت غریب۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن انس جہنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جب نماز فجر سے فارغ ہو تو اپنے مصلےٰ میں بیٹھا رہے حتی کہ اشراق کے نفل پڑھ لے صرف خیر ہی بولے ۱؎ تواس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جہاں فجر کے فرض پڑھے مسجد میں یا گھر تو بعد فرض مصلےٰ پر ہی بیٹھا رہے خواہ خاموش بیٹھے یا تلاوت وذکر کرے۔

۲؎ یعنی اس کے گناہ صغیرہ کتنے بھی ہوں اس نماز اشراق پڑھنے اور مصلےٰ پر رہنے کی برکت سے معاف ہوجائیں گے۔شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ اس نماز سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔جو دل کا نور چاہے وہ اشراق کی پابندی کرے۔(اشعہ)بعض روایات میں ہے کہ اسے حج کامل و مقبول کا ثواب ملتا ہے۔(مرقاۃ)یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث مقبول ہے،نیز ضعیف حدیث جب بہت اسنادوں سے روایت ہوجائے تو حسن بن جاتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اشراق کی دو رکعتوں پر پابندی کرے تواس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر جھاگ جتنے ہوں	

	۱؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یہاں بھی ضحٰی سے مراد اشراق کے نفل ہیں،حفاظت سے مراد انہیں ہمیشہ پڑھنا ہے۔بحالت سفر اگر اتنی دیر مصلے پر نہ بیٹھ سکے تو سفر جاری کردے اور سورج چڑھ جانے پر یہ نفل پڑھ لے اللہ تعالٰی اس پابندی کی برکت سے گناہ بخش دے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ نفل پر ہیشگی کرنا منع نہیں ہاں انہیں فرض و واجب سمجھ کر ہیشگی کرنا ممنوع ہے،لہذا جو لوگ بارھویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں یا ہمیشہ گیارھویں کو فاتحہ کرتی ہیں وہ اس ہیشگی کی وجہ سے گنہگار نہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ آپ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھتی تھیں پھر فرماتیں کہ اگر میرے ماں باپ اٹھا بھی دیئے جائیں تو میں یہ رکعتیں نہ چھوڑوں ۱؎(مالک)	

۱؎ یعنی اگر اشراق کے وقت مجھے خبر ملے کہ میرے والدین زندہ ہوکر آگئے ہیں تو میں ان کی ملاقات کے لیئے یہ نفل نہ چھوڑوں بلکہ پہلے یہ نفل پڑھوں پھر ان کی قدم بوسی کروں۔اس کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ زیادہ مناسب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت پڑھتے رہتے حتی کہ ہم کہتے اب چھوڑیں گے ہی نہیں اور چھوڑے رہتے حتی کہ ہم کہتے کہ اب آپ پڑھیں گے ہی نہیں ۱؎(ترمذی)	

۱؎ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز چاشت کی احادیث بہت ہیں اس کی راوی صرف ام ہانی نہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ سے جو منقول ہے کہ آپ چاشت نہیں پڑھتے تھے اس سے مراد ہے کہ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے کبھی کبھی پڑھتے تھے یا مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔خیال رہے کہ ہم کو نوافل پر ہیشگی چاہیے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نوافل پر ہیشگی نہ فرماتے تھے تاکہ امت اسے واجب نہ سمجھ لے یا امت کے لیئے سنت مؤکدہ نہ بن جائے،آپ کے اور احکام ہیں ہمارے کچھ اور۔مرقاۃ نے فرمایا کہ چاشت کی نماز آپ پر واجب تھی مگر ہر دن نہیں کبھی کبھی۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت مورق عجلی سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے عرض کیا کہ کیا آپ چاشت پڑھتے ہیں فرمایا نہیں میں نے عرض کیا عمر فاروق فرمایا نہیں میں نے عرض کیا اچھا ابوبکر صدیق فرمایا نہیں ۱؎میں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا مجھے آپ کا خیال نہیں ۲؎(بخاری)	

۱؎ یہاں ہیشگی کی نفی ہے یا مسجد میں ادا کرنے کی،ورنہ یہ حضرات چاشت پڑھتے تھے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے نماز چاشت کو بدعت فرمایا وہاں اور مسجد میں لوگوں میں اعلان کرکے ادا کرنا مراد ہے اس نماز کا گھر میں ادا کرنا مستحب ہے اور ممکن ہے کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاشت پڑھنے کی خبر نہ ہوئی ہو اپنے گمان پر اسے بدعت فرمادیا ہو۔حق یہ ہے کہ چاشت سنت ہے اور اس پر ہیشگی مستحب ہے۔(مرقاۃ)

باب التطوع

نوافل کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تطوع طوع یاطاعۃٌ سے بنا،بمعنی فرمانبرداری۔اب اصطلاح میں نفلی عبادت کو تطوع کہا جاتا ہے،یعنی جس عبادت کا شریعت نے مکلّف نہ کیا ہو بندہ اپنی خوشی سے کرے۔یہ لفظ ہر نفلی عبادت پر بولا جاتا ہے مگر یہاں نفل نماز مراد ہے کیونکہ مؤلف اسے "کتاب الصلوۃ" میں لائے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے وقت بلال سے فرمایا ۱؎ کہ اے بلال مجھے اپنے امید افزا کام کی خبر دو جو تم نے اسلام میں کیا کیونکہ میں نے تمہارے نعلین کی آہٹ جنت میں اپنے آگے سنی ۲؎ فرمایا میں نے اپنے نزدیک کوئی امید افزا کام نہیں کیا بجز اس کے کہ دن اور رات کی کسی گھڑی میں وضو نہیں کیا مگر اس وضو سے اس قدر نماز پڑھ لی جو میرے مقدر میں تھی ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ غالب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شب خواب میں معراج ہوئی تب اس کے سویرے کو حضرت بلال سے یہ سوال فرمایا کیونکہ جسمانی معراج کے سویرے تو فجر جماعت سے پڑھی نہ تھی یا یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی معراج میں ملاحظہ فرمایا تھا مگر یہ سوال کسی اور دن فجر کی نماز کے بعد فرمایا،یہ ہی معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎ حضرت بلال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے جنت میں جانا ایسا ہے جیسے نوکر چاکر بادشاہوں کے آگے ہٹو بچو کرتے ہوئے چلتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اے بلال! تم نے ایسا کون سا کام کیا جس سے تم کو میری یہ خدمت میسر ہوئی۔خیال رہے کہ معراج کی رات نہ تو حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں گئے نہ آپ کو معراج ہوئی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات وہ واقعہ ملاحظہ فرمایا جو قیامت کے بعد ہوگا کہ تمام خلق سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہوں گے اس طرح کہ حضرت بلال خادمانہ حیثیت سے آگے آگے ہوں گے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے انجام پر خبردار کیا کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی اور کون کس درجہ کا جنتی دوزخی ہے،یہ علوم خمسہ میں سے ہیں اور دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان وآنکھ لاکھوں برس بعد ہونے والے واقعات کو سن لیتے ہیں،دیکھ لیتے ہیں۔یہ واقعہ اس تاریخ سے کئی لاکھ سال بعد ہوگا مگر قربان ان کانوں کے آج ہی سن رہے ہیں۔تیسرے یہ کہ انسان جس حال میں زندگی گزارے گا اسی حال میں وہاں

ہوگا۔ حضرت بلال نے اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزاری وہاں بھی خادم ہوکر ہی اٹھے۔اللہ تعالٰی حضرت بلال کے صدقے مجھے نصیب کرے کہ وہاں بھی اپنے پیارے محبوب کے گن گاؤں،ان کی نعتیں لکھوں اور پڑھوں۔شعر

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے

لواء کے تلے ثناء میں کھلے رضا کی زبان تمہارے لیے

۳؎ یعنی دن رات میں جب بھی میں نے وضو یا غسل کیا تو دو نفل تحیۃ الوضو پڑھ لیے مگر یہاں اوقات غیر مکروہ میں پڑھنا مراد ہے تاکہ یہ حدیث ممانعت کی احادیث کے خلاف نہ ہو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال سے یہ پوچھنا اسی لیے تھا تاکہ آپ یہ جواب دیں اور امت اس پر عمل کرے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر شخص کے ہر چھپے کھلے عمل سے واقف ہیں،نیز یہ درجہ صرف حضرت بلال کو ان نوافل کا ہے۔ہزارہا آدمی یہ نوافل پڑھیں گے یا پابندی کریں گے مگر انہیں یہ خدمت نصیب نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سارے کاموں میں استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے ۱؎ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے ۲؎ تو فرض کے سوا دو رکعتیں پڑھے ۳؎ پھر کہے الٰہی میں تیرے علم کی مدد سے تجھ سے خیرات مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلہ سے تجھ سے قدرت مانگتا ہوں ۴؎ اور تیرا بڑا فضل مانگتا ہوں تو قادر ہے اور میں قادر نہیں تو جانتا ہے میں نہیں جانتا ۵؎ تو غیبوں کا جاننے والا ہے،الٰہی اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے لیے دین و دنیا اور انجام کار میں یا فرمایا میرے لیے اس جہاں اور اس جہاں میں بہتر ہو ۶؎ تو اسے میرے لیے مقدر فرمادے اور مجھ پر آسان کردے پھر مجھے برکت دے ۷؎ اور اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے دین و دنیا میں اور انجام کار میں یا فرمایا کہ میرے لیے اس جہاں اور اس جہاں میں شر ہو تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے ۸؎ اور میرے لیے بھلائی مقدر کر جہاں ہو ۹؎ پھر مجھے اس پر راضی کردے فرمایا اور اپنی حاجت کا نام لے ۱۰؎ (بخاری)

۱؎ یعنی نماز استخارہ ایسے اہتمام سے سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت۔استخارہ کے معنی ہیں خیر مانگنا یا کسی سے بھلائی کا مشورہ کرنا،چونکہ اس دعا و نماز میں بندہ اللہ سے گویا مشورہ کرتا ہے کہ فلاں کام کروں یا نہ کروں اسی لیئے اسے استخارہ کرتے ہیں۔

۲؎ بشرطیکہ وہ کام نہ حرام ہو نہ فرض و واجب اور نہ روزمرہ کا عادی کام۔لہذا نماز پڑھنے،حج کرنے یا کھانا کھانے،پانی پینے پر استخارہ نہیں۔یہ بھی ضروری ہے کہ اس کام کا پورا ارادہ نہ کیا ہو صرف خیال ہو جیسے کوئی کاروبار،شادی بیاہ،مکان کی تعمیر وغیرہ کا معمولی ارادہ ہو اور تردد ہو کہ نہ معلوم اس میں بھلائی ہوگی یا نہیں تو استخارہ کرے۔(لمعات)

۳؎ خاص استخارہ کے لیئے دن میں یارات میں مکروہ اوقات کے علاوہ میں۔پہلی رکعت میں "قُلۡ یٰۤاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡنَ" پڑھے دوسری میں "قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" کہ یہ ہی آسان ہے۔(مرقاۃ)

۴؎ یعنی اپنی علم وقدرت کے صدقے مجھے اس کام کے انجام سے بھی خبردار کرے اور اگر خیر ہو تو مجھے اس پر قادر بھی کردے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے صفات سے امداد طلب کرنا جائز ہے۔

۵؎ مگر تیرے بتانے سے جانتا ہوں۔(مرقاۃ) یعنی اگر تو مجھے اس کام کا انجام بتادے تو میں بھی جان لوں۔

۶؎ خیال رہے کہ یہاں اللہ کے علم میں شک نہیں کہ یہ تو کفر ہے،بلکہ شک وتردد اس میں ہے کہ اس کام کی بہتری اللہ کے علم میں ہے یا بدتری لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اور الفاظ میں شک راوی کی طرف سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں یہ الفاظ فرمائے یا وہ۔اب بہتر یہ ہے کہ پڑھنے والا دونوں الفاظ پڑھ لیا کرے۔

۷؎ یعنی مجھے اس کام پر قدرت بھی دے،اسے آسان بھی کردے اور انجام کار برکت بھی نصیب کر،یہ معنی نہیں کہ میری تقدیر میں لکھ دے کہ تقدیر کی تحریر تو پہلے ہوچکی ہے۔

۸؎ یعنی مجھے اس کام پر قدرت بھی نہ دے اور میرے دل میں اس سے نفرت بھی پیدا فرمادے کہ چھوٹ جانے پر مجھے رنج وغم بھی نہ ہو،پھیرنے کے یہ معنی بہت مناسب ہیں،اس جملے کے اور معانی بھی ہوسکتے ہیں۔

۹؎ یعنی اس شر کام سے بچاکر اس کے عوض کوئی اور خیر کام عطا فرمادے اور اس نکاح یا تجارت سے بچاکر دوسری جگہ نکاح یا دوسرا کاروبار عطا فرما۔

۱۰؎ یعنی ھذا الامر کی جگہ اپنے کام کا نام لے ھذا النکاح یاھذہ التجارۃ یاھذہ التعمیر کہے۔حدیث شریف میں ہے جو استخارہ کرلیا کرے وہ نقصان میں نہ رہے گا اور جو استخارہ کرلیا کرے وہ نادم نہ ہوگا۔اس استخارہ کے بعد پھر جدھر دل متوجہ ہو وہ کرے ان شاءاللہ کامیابی ہوگی۔بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر سوتے وقت دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا پڑھے،پھر باوضو قبلہ رو ہوجائے تو اگر خواب میں سبزی یا سفیدی جاری پانی یا روشنی دیکھے تو کامیابی کی علامت ہے اور اگر سیاہی یا گدلا پانی یا اندھیرا دیکھے تو ناکامی اور نامرادی کی علامت ہے سات روز یہ عمل کرے ان شاءاللہ اس دوران میں خواب میں اشارہ ہوجائے گا۔استخارہ کے اور بہت طریقے اس جگہ مرقاۃ نے بیان کیئے فرمایا کہ جسے بہت جلدی ہے تو وہ صرف یہ کہہ لے "اَللّٰھُمَّ خِرۡلِیۡ وَاخۡتَرۡلِیۡ وَاجۡعَلۡ لِّیَ الۡخَیۡرَ" ان شاءاللہ اس کام میں خیر و برکت ہوگی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر نے خبر دی اور ابوبکر سچے ہیں ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسا کوئی شخص نہیں جو گناہ کرے پھر اٹھے وضو کرلے پھر نماز پڑھے پھر اللہ سے معافی چاہے مگر اللہ	

اسے بخش دیتا ہے ۲؎ پھر یہ آیت پڑھی اور وہ لوگ کہ جب برائی کرلیں یا اپنی جانوں پر ظلم کرڈالیں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہیں ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ) ابن ماجہ نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔	

۱؎ حضرت علی جب کسی صحابی سے کوئی حدیث سنتے تو ان سے قسم لیتے تھے کہ واقعی تم نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے سوائے ابو بکر صدیق کے ان کے کلام،حافظہ تعبیر و طریقہ ادا پر آپ کو پورا اعتماد تھا،نیز حضرت ابو بکر روایت حدیث میں بہت ہی محتاط تھے اسی لیئے آپ سے روایات بہت کم منقول ہیں اور اسی لیئے فرماتے ہیں کہ ابو بکر سچے ہیں۔

۲؎ اس نماز کا نام نماز توبہ ہے۔بہتر یہ ہے کہ اس کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے یا پہلی رکعت "وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فٰحِشَۃً" اور دوسری میں "وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ" الایہ پڑھے۔بہتر ہے کہ نماز سے پہلے غسل کرلے اور دھلے کپڑے پہن لے۔

۳؎ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی یا صدیق اکبر نے حدیث کی تائید کے لیئے۔فاحشہ سے مراد گناہ کبیرہ ہیں جیسے کفر وزنا وغیرہ۔اور ظلم سے مراد چھوٹے گناہ جیسے عام جھوٹ اور غیبت وغیرہ۔ذکر اللہ سے مراد اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ کو یاد کرنا ہے یا نماز توبہ دوسرے معنی ظاہر ہیں کیونکہ نماز توبہ کے موقع پر یہ آیت ارشاد فرمائی گئی۔استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ مجرم گزشتہ پر نادم ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرے،اگر حقوق سے توبہ کرتا ہے تو ادا کردے،گناہ پر قائم رہتے ہوئے منہ سے توبہ توبہ کرنا استغفار کی حقیقت نہیں۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تو نماز پڑھتے ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب کوئی سختی تنگی،مصیبت پیش آتی تو نماز استعانت ادا فرماتے اس نماز کا نام نماز التجا بھی ہے۔اس آیت کریمہ پر عمل ہے "اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ"۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز رفع حاجات،حل مشکلات اور دفع بلیات کے لیئے اکسیر ہے اسی لیئے چاند،سورج کے گرہن پر نماز خسوف،بارش بند ہوجانے پر نماز استسقاء پڑھی جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو بلال کو بلایا فرمایا کہ تم کس وجہ سے جنت میں مجھ پر سبقت لے گئے میں جنت میں کبھی بھی نہ گیا مگر اپنے سامنے تمہاری آہٹ سنی ۱؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کبھی اذان نہ کہی مگر دو رکعتیں پڑھ لیں اور مجھے کبھی حدث نہ ہوا مگر اسی وقت میں نے وضو کرلیا ۲؎ اور میں نے سمجھ لیا کہ مجھ پر اللہ کے لیئے دو رکعتیں لازم ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہی کی وجہ سے ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ اس کی نہایت نفیس شرح ابھی پہلی فصل میں گزر چکی۔اس لفظ سے معلوم ہورہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں بارہا تشریف لے گئے،شب معراج میں جسمانی طور پر اس کے علاوہ روحانی طور پر۔(لمعات)مگر جب بھی تشریف لے گئے حضرت بلال کو خادمانہ طور پر اپنے آگے پایا ایسا ہی ان شاء اللہ بعد قیامت جنت میں داخلے کے وقت ہوگا۔

۲؎ یعنی میں ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور ہر وضو کے بعد دو نفل تحیۃ الوضو اور ہر اذان کے بعد دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھ لیتا ہوں مگر اس سے مکروہ وقت علیحدہ ہیں جیسے اذان مغرب وغیرہ۔

۳؎ یعنی ان دو رکعتوں یا ان دو عملوں کی وجہ سے تم نے یہ درجہ پایا۔اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی نفلی عبادت کو واجب کی طرح ہمیشہ ادا کرے تو اس سے نفل حرام نہیں ہوجاتے جیسے کہ علمائے دیوبند سمجھے۔ہم ہمیشہ جمعہ کے دن کپڑے تبدیل کرتے ہیں،رمضان میں مدارس کا امتحان لیتے ہیں وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو اللہ سے یا کسی انسان سے حاجت ہو ۱؎ تو وہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھ لے پھر اللہ کی حمد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے ۲؎ پھر کہے رب کے سوا کوئی معبود نہیں،حلم والا ہے،کرم والا ہے،اللہ پاک ہے،بڑے عرش کا مالک ہے ۳؎ سب تعریفیں جہانوں کے مالک اللہ کی ہیں الٰہی میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب اور تیری بخشش کے اعمال اور ہر نیکی میں سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں ۴؎ میرا کوئی گناہ بغیر بخشے اور کوئی غم بغیر دور کیے نہ چھوڑ جو تیری رضا کا باعث ہے مگر اسے پوری کردے اے رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والے۔(ترمذی وابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ۵؎

۱؎ خیال رہے کہ حقیقتًا حاجت روا اللہ تعالٰی ہی ہے لیکن بعض حاجتیں براہ راست اس سے مانگی جاتی ہیں اور بعض کسی مخلوق کے ذریعہ سے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض بندے حاجت روا ہوتے ہیں اور انہیں مجازی حاجت روا جان کر مشکل کشائی کے لیئے ان کے پاس جانا شرک نہیں۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ حاجت سے مراد دینی دنیاوی ساری حاجتیں ہیں۔

۲؎ اس نماز کا نام نماز حاجت ہے اس کی ترکیب ادا اور بھی وارد ہیں۔

۳؎ **عظیم** کو کسرہ یعنی زیر بھی پڑھا گیا ہے اور پیش بھی،یعنی اللہ عظمت والے عرش کا مالک ہے یا عرش کا مالک ہے اور عظمت والا ہے۔

۴؎ یعنی مجھے ایسے اعمال کی توفیق دے جو تیری رحمت کے ملنے کا ذریعہ ہیں اور ایسی توبہ کی ہدایت دے جو تیری مغفرت کا سبب ہے اور مجھے توفیق دے کہ ہر نیک عمل کرسکوں،چونکہ نیکی میں روح اور روح کا شکر،نفس اور نفس کے شکر پر غالب آتا ہے،پھر بندہ نیکی کرتا ہے اس لیئے اسے غنیمت فرمایا گیا کہ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہیں کیونکہ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد بغیر توبہ اور حق ادا کیئے معاف نہیں ہوتے اور کبیرہ

سے مراد اضافی کبیرہ ہیں کیوں کہ گناہ صغیرہ میں بھی بعض گناہ بعض سے بڑے ہوتے ہیں۔اور ممکن ہے اس سے مراد ہو کہ نماز تسبیح کی برکت سے اللہ تعالٰی اسے گناہ کبیرہ سے توبہ کی توفیق عطافرمادے گاجس سے وہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

۵؎ کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ فضائل اعمال اور دعاؤں میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے۔

صلوۃ التسبیح

تسبیح کی نماز۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی یہ تسبیح کی نماز کا بیان ہے۔چونکہ اس نماز میں ہر رکن میں تیسرا کلمہ "سبحان اللہ والحمد للہ"پڑھاجاتاہے اس لیئے اس صلوۃ التسبیح کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس ابن عبدالمطلب سے فرمایا کہ اے عباس اے چچا کیا میں تمہیں کچھ نہ دوں کچھ عطا نہ کروں کچھ نہ بتاؤں کیا تمہارے ساتھ دس بھلائیاں نہ کروں۱؎ جب تم وہ کرلو تو اللہ تمہارے اگلے پچھلے نئے پرانے دانستہ یا نادانستہ چھوٹے بڑے چھپے کھلے گناہ معاف کردے۲؎ تم چار رکعتیں پڑھو ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لو۳؎ جب تم پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو تو کھڑے ہوکر پندرہ بار کہو"سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر"۴؎ پھر رکوع کرو تو رکوع میں دس بار یہ کہہ لو پھر رکوع سے سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ میں جاؤ تو دس بار سجدہ میں کہہ لو پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ کرو تو دس بار کہہ لو پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو۵؎ یہ ایک رکعت میں پچھتّر بار ہوئے ایسا چار رکعتوں میں کرلو۶؎ اگر کرسکو تو ہر دن میں یہ نماز ایک بار پڑھ لو۷؎ اگر نہ کرسکو تو ہر ہفتہ میں ایک بار۸؎ اگر یہ بھی نہ کرسکو تو ہر سال میں ایک بار۹؎ اگر یہ بھی نہ کرسکو تو عمر میں ایک بار۔(ابوداؤد،ابن ماجہ،بیہقی،دعوات کبیر)

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چند الفاظ جو قریبًا ہم معنی ہیں انہیں شوق دلانے کے لیئے ارشاد فرمائے تاکہ غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہیں کیونکہ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد بغیر توبہ اور حق ادا کیئے معاف نہیں ہوتے اور کبیرہ سے مراد اضافی کبیرہ ہیں کیونکہ صغیرہ میں بھی بعض گناہ بعض سے بڑے ہوتے ہیں اور ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ نماز تسبیح کی برکت سے اللہ تعالٰی اسے گناہ کبیرہ سے توبہ کی توفیق عطافرمادے گا جس سے وہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

۳؎ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ اس نماز میں کون سی سورتیں پڑھنا افضل ہیں؟ تو فرمایا تَکَاثُرُ، عَصۡر، قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ اور قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔(ردالمحتار)

۴؎ ترمذی شریف میں بروایت عبداللہ ابن مبارک یوں ہے کہ سبحان اللہ پڑھ کر پندرہ بار یہ تسبیح کہے اور قرأت سے فارغ ہو کر دس بار یعنی قیام میں پچیس بار کہے پندرہ بار قرأت سے پہلے اور دس بار اس کے بعد ہر رکعت میں یوں ہی کرے۔احناف کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔دوسرے سجدے سے اٹھتے وقت دس بار نہ کہے تاکہ رکن میں تاخیر نہ ہو۔

۵؎ یعنی دوسرے سجدے کے بعد قیام سے پہلے، مگر احناف کے ہاں اس موقعہ پر نہ پڑھے۔یہ دس بار قیام میں ادا ہو چکے۔اس طریقہ کی حدیث ترمذی شریف میں موجود ہے۔

۶؎ تاکہ کل تین سو بار ہو جائیں۔اگر کسی رکن میں تسبیح پڑھنا بھول گیا یا کم پڑھیں تو اس سے متصل دوسرے رکن میں تعداد پوری کردے اور اگر اس نماز میں سجدہ سہو کرنا پڑ گیا تو اس سجدے میں تسبیح نہ پڑھے۔(ردالمحتار)

۷؎ جس وقت چاہو غیر مکروہ وقت میں ادا کرو۔بہتر ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھو۔

۸؎ جس دن چاہو،مگر بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے دن بعد زوال نماز سے پہلے پڑھے کیونکہ اس دن کی ایک نیکی ستر گناہ ہوتی ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عباس کا یہی قول ہے اور آپ کا اس پر عمل بھی تھا۔

۹؎ جب چاہو لیکن اگر ماہ رمضان میں خصوصًا جمعہ کے دن یا ستائیسویں رمضان پڑھے تو بہتر ہے۔

	اور ترمذی نے ابورافع سے اس کی مثل روایت کی۱؎

۱؎ بعض لوگوں نے اس حدیث کو موضوع بتایا مگر یہ غلط ہے اسے ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح کہا،امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے،دار قطنی نے فرمایا کہ سورتوں کے فضائل میں یہ حدیث صحیح ترین ہے،عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ نماز تسبیح رغبت کی بہترین نماز ہے اس پر عمل چاہیے،شیخ فرماتے ہیں کہ ابن جوزی اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہتے ہیں،جلد باز ہیں انہوں نے اسے ضعیف کہا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بندے کا وہ عمل جس کا قیامت کے دن پہلے حساب ہوگا وہ اس کی نماز ہے۱؎ اگر نماز ٹھیک ہو گئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور نجات پا گیا اور اگر نماز بگڑ گئی تو محروم رہ گیا اور نقصان پا گیا اگر بندے کے فرضوں میں کمی ہو گی تو رب تعالٰی فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل ہیں ان سے فرض کی کمی پوری کردی جائے گی۲؎ پھر بقیہ اعمال اسی طرح ہوں گے اور ایک روایت میں ہے کہ پھر زکوۃ اسی طرح ہے پھر دوسرے

	اعمال اسی طرح کیے جائیں گے ۳؎(ابوداؤد)

۱؎خیال رہے کہ عبادات میں پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں پہلے قتل وخون کا یا نیکیوں میں پہلے نماز کا حساب ہے اور گناہوں میں پہلے قتل کا،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ پہلے قتل اور خون کا حساب ہوگا یعنی اگر نماز کے حساب میں بندہ ٹھیک نکلا تو اگلے حساب ان شاءاللہ آسان ہوں گے،اور اگر ان میں بندہ پھنس بھی جائے گا تو رب تعالٰی نمازوں کی برکتوں سے اس کے چھٹکارے کی سبیل پیدا فرمادے گا،مثلًا اگر اس کے ذمہ حقوق العباد ہیں تو حق والے کو جنت دے کر اسے معاف کرادے گا اور اگر حقوق اللہ ہیں تو انہیں رحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ سے خود بخش دے گا۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نماز کے پابند کو گناہوں سے بچنے اور دوسری نیکیاں کرنے کی دنیا ہی میں توفیق مل جاتی ہے لہذا وہاں جس کی نمازیں ٹھیک نکلیں اس کے دوسرے اعمال خود بخود ٹھیک نکلیں گے۔غرض کہ حدیث بالکل صاف ہے اس پر چکڑالویوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

۲؎یہاں کمی سے ادا میں کمی مراد نہیں بلکہ طریقۂ ادا میں کمی مراد ہے یعنی اگر کسی نے فرائض ناقص طریقہ سے ادا کیئے ہوں گے تو وہ کمی نوافل سے پوری کردی جائے گی۔یہ مطلب نہیں کہ وہ بندہ فرض نماز نہ پڑھے نفل پڑھتا رہے اور وہاں نفل فرض بن جائیں۔(از لمعات)لہذا حدیث پر چکڑالویوں کا اعتراض نہیں پڑسکتا۔

۳؎ کہ فرائض کی کمی سنتوں اور نوافل سے پوری کی جائے گی،کمی کے معنی ابھی عرض کیئے جاچکے کیوں نہ ہو کہ وہ سنتوں والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہماری کمی پوری کرنے ہی تشریف لائے ہیں۔گرتوں کو اٹھانا اور بگڑتوں کا بنانا انہیں کا کام ہے۔

	اور احمد نے ایک مرد سے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے بندے کو دو رکعتوں سے جنہیں وہ ادا کرے زیادہ تاکیدی حکم کسی اور چیز کا نہ دیا۱؎اور جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے بھلائی اس کے سر پر نثار ہوتی رہتی ہے ۲؎اور بندہ رب کی طرف کسی چیز سے اتنا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا اپنے منہ سے ادا کیئے ہوئے یعنی قرآن ۳؎(احمد وترمذی)

۱؎یعنی سارے احکام الہیہ میں نماز سب سے افضل ہے کیوں نہ ہو کہ یہ تلاوت قرآن،تسبیحوں،تکبیروں وغیرہ کا مجموعہ ہے۔

۲؎خیال رہے کہ نماز کی تیاری،نماز کا انتظار،نماز کے بعد دعا اور وظیفے سب نماز ہی میں داخل ہیں،جیسا کہ گزشتہ روایات میں گزر چکا،لہذا ان تمام اوقات میں نمازی پر رحمتیں نچھاور ہوتی رہیں گی۔اس نچھاور میں لطیف اشارہ اس جانب ہورہا ہے کہ نمازی کے پاس بیٹھنے والے اور نمازی کے خدمت گار بھی محروم نہیں ہوتے،دولہا کی بکھیر براتی لوٹتے ہیں۔شعر

چراغے زندہ مے خواہی در شب زندہ داراں زن   کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود پیدا

۳؎ یعنی بندے کے منہ سے جس طرح بھی قرآن ادا ہوجائے وہ قرب الہی کا بہترین ذریعہ ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بغیر سمجھے ہوئے قرآن پڑھنا بھی ثواب ہے۔دوسرے یہ کہ اگر بلاارادہ تلاوت الفاظ قرآن پاک منہ سے نکل جائیں تب بھی ثواب ملے گا اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مَاخَرَجَ فرمایا یعنی جیسے بھی ادا ہوجائیں۔

باب صلوۃ السفر

سفر کی نماز کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ سفر کے لغوی معنی ہیں کھلنا،ظاہر ہونا اسی لیئے اجیالے کو اسفار کہتے ہیں اور کتابوں کے ڈھیر کو اسفار۔اس کا مقلوب فسر ہے،اس کے معنی بھی یہی ہیں،اس سے تفسیر بنا،چونکہ سفر میں دوسرے مقامات کے حالات معلوم ہوتے ہیں اس لیئے اسے سفر کہتے ہے۔اصطلاح شریعت میں راستہ طے کرنے کی مخصوص صورت کا نام سفر ہے۔خیال رہے کہ سفر کے متعلق آئمہ دین میں چند اختلاف ہیں:ایک یہ کہ سفر کا فاصلہ کیا ہے؟ہمارے امام صاحب کے ہاں تین دن کی راہ یعنی ستاون میل۔دوسرے یہ کہ قصر واجب ہے یا جائز؟ہمارے ہاں واجب ہے۔تیسرے یہ کہ اقامت کی کم مدت کیا ہے جس سے مسافر مقیم بن جائے؟ہمارے یہاں تین دن۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ میں عصر دو رکعتیں پڑھیں ۱(مسلم،بخاری)

۱یہ حجۃ الوداع کے سفر کا واقعہ ہے،چونکہ آپ مکہ معظّمہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے اس لیئے آبادئ مدینہ سے نکلتے ہی مسافر ہوگئے۔ذوالحلیفہ جو وہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ہے وہاں قصر پڑھی۔اس زمانہ کے بعض عقلمندوں نے اس کا مطلب یوں سمجھا کہ انسان اگر سیر کرنے یا اپنا کھیت دیکھنے شہر سے باہر جائے تو مسافر ہے،یہ محض غلط ہے اس کی تردید آئندہ صفحات میں صراحۃً آرہی ہے۔خیال رہے کہ ذوالحلیفہ کا نام آج بیر علی ہے،یہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے،فقیر نے اس کی زیارت کی ہے۔وہاں علی مرتضٰے کی مسجد آپ کا کنواں ہے اور چھوٹا سا کھجوروں کا باغ ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی نے جنات سے جنگ کی ہے اسی لیے اسے بیر علی کہتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب خزاعی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی میں دو رکعتیں پڑھائیں حالانکہ ہم اتنے زیادہ اور اتنے امن میں تھے جتنے کبھی نہ ہوئے تھے ۱(مسلم،بخاری)

۱یعنی حجۃ الوداع میں ہم مسلمان ایک لاکھ سے زیادہ تھے ہماری اپنی بادشاہت تھی مگر اس کے باوجود ہم نے قصر کیا لہٰذا قرآن شریف میں جو قصر کے لیئے خوف کفار کی قید ہے وہ اتفاقی ہے احترازی نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ

مہاجر اپنے چھوڑے ہوئے وطن میں پہنچ کر مسافر ہوگا اور قصر کرے گا،دیکھو مکہ معظمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا وطن تھا مگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مسافر ہیں اور قصر پڑھ رہے ہیں۔بعض عشاق کہتے ہیں کہ مکہ میں حاجیوں کو مسافر بن کر رہنا اور مدینہ طیبہ میں مقیم ہوکر رہنا سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر ابن خطاب سے عرض کیا اللہ تعالٰی نے فرمایاہے کہ اگر تمہیں کفار کے فتنے کا خوف ہوتو نمازقصر پڑھو اب لوگ امن میں ہوگئے۲؎حضرت عمر نے فرمایاکہ جس سے تمہیں تعجب ہے مجھے بھی ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا حضور نے فرمایاکہ یہ رب کا صدقہ ہے جو تم پر کیا لہذا اس کا صدقہ قبول کرو ۳؎(مسلم)

۱؎آپ صحابی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین و طائف میں شریک ہوئے،زمانہ فاروقی میں نجران کے گورنر رہے،حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

۲؎یعنی قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سفر قصر کا سبب نہیں بلکہ سفر میں کفار کا خوف قصر کا باعث ہے،اب خوف تو ہے نہیں تو چاہیئے کہ قصر بھی نہ ہو۔

۳؎یعنی قرآن شریف میں خوف کفار کا ذکر اتفاقًا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عمومًا سفروں میں خوف ہوتا تھا تم بہرحال ضرور قصر کرو خوف ہو یا نہ ہو۔یہ حدیث امام اعظم کی بہت قوی دلیل ہے کہ سفر میں قصر واجب ہے کیونکہ فَاقۡبِلُوۡا امر ہے امرو جوب کے لیئے ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ گئے تو آپ مدینہ منورہ لوٹنے تک دو رکعتیں پڑھتے رہے۱؎ ان سے کہا گیا کیا تم مکہ میں کچھ دیر ٹھہرے بھی تھے فرمایادس دن ٹھہرے تھے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی جاتے آتے رستہ میں بھی اور مکہ مکرمہ میں بھی کیونکہ وہاں آپ نے مکہ معظمہ میں پندرہ دن قیام کی نیت نہ فرمائی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر رستہ میں قصر ہی کرے گا اتمام نہیں کرسکتا،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو سفر میں ایک آدھ بار اتمام کرکے دکھاتے۔سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لیئے کبھی مکروہات پر بھی عمل کیا۔

۲؎معلوم ہوا کہ دس دن کے قیام پر نماز پوری نہ کی جائے گی بلکہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت پر،جیسا کہ طحاوی شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ اگر تم کہیں پندرہ دن قیام کی نیت کرو تو پوری پڑھو،ورنہ

قصر کرو،اس کی پوری بحث ہماری کتاب **"جاءالحق"** حصہ دوم میں دیکھو۔خیال رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو حج سے فارغ ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔یہ حدیث امام شافعی کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں چار دن کے قیام پر نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا تو انیس[19] دن ٹھہرے دو،دو رکعتیں پڑھتے رہے[1] حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم اپنے اور مکے کے درمیان انیس دن تک دو دو رکعتیں پڑھتے رہے جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار پڑھتے ہیں[2] (بخاری)	

[1] یہ سفر مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کی طرف فتح مکہ کے لیئے تھا۔(اشعۃ اللمعات)اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں پندرہ دن کی نیت سے مقیم نہ ہوئے تھے یہی ارادہ رہا کہ آج جائیں کل جائیں اور اتفاقًا انیس روز گزر گئے اس لیئے قصر ہی کرتے رہے۔چنانچہ عبدالرزاق نے اپنی مسند میں،امام محمد نے کتاب الاثار میں حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ ہم ایک دفعہ آذربائیجان میں برف میں گھر گئے تو چھ ماہ وہاں ٹھہرے مگر قصر ہی پڑھتے رہے،نیز حضرت انس عبدالملک ابن مروان کے ساتھ شام میں ایک جگہ دو مہینہ تک ٹھہرے قصر ہی پڑھتے رہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسافر بلا ارادہ کسی جگہ مہینوں ٹھہرجائے تو قصر ہی پڑھے گا۔

[2] یہ حضرت ابن عباس کا اجتہاد ہے جو انہوں نے فتح مکہ کے واقعہ سے کیا۔ظاہر یہ ہے کہ بعد میں اس پر عمل چھوڑدیا کیونکہ طحاوی میں انہی سے روایت آتی ہے کہ اگر تم سفر میں پندرہ دن قیام کی نیت کرو تو نماز پوری کرو ورنہ قصر۔ابن حجر شافعی فرماتے ہیں یہ انیس دن کا قول صرف ابن عباس کاہے اس میں کوئی فقیہ ان کے ساتھ نہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ غزوہ طائف یا غزوہ حنین میں تھا اور ظاہر ہے کہ غازی ہر وقت فتح کا منتظر رہتا ہے کہ کب فتح ہو اور کب لوٹوں،لہذا اس واقعہ سے استدلال قوی نہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت حفص ابن عاصم سے[1] فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ کے راستے میں حضرت ابن عمر کے ساتھ تھا آپ نے ہمیں ظہر دو رکعتیں پڑھائیں پھر اپنی منزل میں آئے اور بیٹھے تو کچھ لوگوں کو کھڑا دیکھا فرمایا یہ لوگ کیا کررہے ہیں میں نے کہا نفل پڑھ رہے ہیں[2] فرمایا اگر میں نفل پڑھتا تو اپنی نماز ہی پوری کرلیتا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں پر زیادتی نہ کرتے تھے اور ابوبکر،عمر،عثمان کو ایسے ہی دیکھا[3] (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ حفص ابن عاصم ابن عمر ابن خطاب ہیں،قرشی،عدوی،جلیل القدر تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن عمر کے بھتیجے ہیں،بہت احادیث کے راوی ہیں۔

۲؎ غالبًا یہ سفر سفر حج تھا۔کسی منزل میں سب نے جمع ہوکر باجماعت نماز پڑھی،پھر اپنے اپنے خیموں پر آگئے وہاں آپ نے لوگوں کو اہتمام کے ساتھ باقاعدہ کھڑے ہوکر اپنے ڈیروں پر نماز پڑھتے دیکھاسفر میں جلدی تھی۔یہ نوافل سواری پر بھی پڑھے جاسکتے تھے،ان حضرات کے ان نفلوں کی وجہ سے منزل کھوٹی ہورہی تھی تب آپ نے ناراض ہو کر یہ فرمایا۔

۳؎ یعنی یہ حضرات سفر میں اترکر اہتمام سے اور سفر روک کر صرف دو فرض ہی پڑھتے تھے۔نوافل کے لیئے اتنا اہتمام کرنا ہوتا تو فرض ہی پورے کیوں نہ پڑھے جاتے۔فقیر کی اس توجیہ سے یہ حدیث بالکل واضح اور صاف ہوگئی اورکسی آئندہ حدیث کے خلاف نہ رہی۔اگر یہ معنی کیئے جائیں کہ سفر میں نفل مطلقًا جائز نہیں تو مسلم،بخاری ترمذی وغیرہم نے انہی حضرت ابن عمر سے سفر میں نوافل کی بہت احادیث نقل کی ہیں جن میں سے کچھ اسی مشکوۃ شریف میں بھی آرہی ہیں۔بعض عقلمندوں نے اس حدیث کی بنا پر سفرمیں نفل بلکہ سنن وواجبات کو بھی منع کیا یہ سخت غلطی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں چلتے ہوتے تو ظہر اور عصر جمع کرتے اور مغرب اور عشاء جمع فرماتے۱؎(بخاری)

۱؎ یعنی سفر کرنے کی حالت میں ظہر اور عصر اسی طرح مغرب اورعشاء یوں جمع فرماتے کہ ظہر آخری وقت میں پڑھتے اور عصر اول وقت،یوں ہی مغرب آخری وقت ادا کرتے اور عشاء اول وقت یعنی ہرنماز اپنے وقت میں ادا ہوتی صورۃً جمع ہوتیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عصر ظہر کے وقت میں پڑھ لیتے اور عشاء مغرب کے وقت میں یعنی جمع حقیقی مراد نہیں،ورنہ یہ حدیث قرآن شریف کے بھی خلاف ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الْمُؤْمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوْقُوۡتًا"یعنی نمازمسلمانوں پر اپنے اپنے اوقات میں فرض ہے اور دیگر احادیث کے بھی مخالف۔چنانچہ طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں مغرب اور عشاء اس طرح جمع فرماتے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں پڑھتے اورعشاء اول وقت میں اور بخاری نے حضرت سالم سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب پڑھتے پھر تھوڑی دیر ٹھہر کرعشاء پڑھتے،نسائی نےحضرت نافع سے طویل حدیث نقل کی کہ حضرت ابن عمر مغرب کی نماز کے لیئے جب اترے جب کہ شفق قریب غروب تھی،مغرب پڑھی تو شفق غائب ہوگئی،شفق غائب ہوتے ہی عشاء پڑھ لی۔وہ حدیثیں اس حدیث کی شرح ہیں اور احناف کے بالکل خلاف نہیں بلکہ حق میں ہیں۔اس کی پوری تحقیق "جاءالحق"حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی

	اللہ علیہ وسلم سفر میں فرائض کے سواء رات کی نماز سواری پر پڑھتے جدھر بھی اس کا منہ ہوتا۱(اشارہ سے پڑھتے تھے)وترسواری پر پڑھتے تھے ۲(مسلم،بخاری)

۱یعنی سفر میں نوافل سواری پر ادا فرماتے،ان کے لیئے سفر نہ توڑتے اور اس کی پرواہ نہ کرتے کہ رخ قبلہ کو ہویا نہ ہو،وہاں اس آیت پر عمل تھا"فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللہِ"۔یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے جس میں حضرت ابن عمر نے سفر میں نفل پڑھنے والوں پر ناراضی کا اظہار کیا۔معلوم ہوا کہ وہاں مراد سفر توڑ کر نفل پڑھنا تھا۔

۲یہ حکم اس وقت تھا جب وتر واجب نہ ہوئے تھے صرف سنت تھے،اب چونکہ وتر واجب ہیں لہذا وہ سواری پرنہیں پڑھے جاسکتے۔چنانچہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ وتر کے لئے زمین پر اترتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے،یہ واقعہ وتر کے وجوب کے بعد کا ہے۔(مرقاۃ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا قصر اور اتمام سب کچھ کیا۱(شرح سنہ)۲

۱یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں چار رکعت والی نمازوں میں قصر کیا اور دو رکعت والیوں میں اتمام یا بحالت سفر قصر کیا اور جہاں پندرہ روز قیام ہوا وہاں اتمام۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ سفر میں چار رکعت والی نمازوں میں کبھی قصر کرتے کبھی اتمام ورنہ یہ حدیث حضرت عائشہ کی اس روایت کے خلاف ہوگی جو بحوالہ مسلم،بخاری تیسری فصل میں آرہی ہے کہ سفر کی نماز پہلے فریضہ پر رکھی گئی۔

۲نیز اسے شافعی اور بیہقی نے بھی روایت کیا مگر اسکی ساری اسنادوں میں ابراہیم ابن یحیٰی ہے جو سخت ضعیف ہے لہذا یہ حدیث قطعًا ضعیف ہے قابلِ حجت نہیں۔(لمعات و اشعۃ ومرقاۃ)

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں حاضر ہوا تو آپ نے مکہ معظّمہ میں اٹھارہ شب قیام کیا دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے فرمادیتے تھے اے شہر والو تم چار پڑھ لو ہم مسافر ہیں ۱(ابوداؤد)

۱؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ روز کی مستقل نیت نہ کی تھی جیساکہ غازی جہاد میں مذبذب رہتے ہیں کہ کب لوٹیں،ایسے ہی آپ بھی تذبذب میں رہے۔خیال رہے کہ یہاں اٹھارہ دن کا ذکر ہے اور حدیث ابن عباس میں جو ابھی گزر گئی انیس ۱۹ دن کا ذکر تھا،یعنی رات اٹھارہ اور دن انیس تھے یا وہاں غزوہ طائف وغیرہ کا ذکر ہے۔بہرحال حدیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر امام کو چاہیئے بعد نماز اپنے مسافر ہونے کا اعلان کردے تاکہ مقیم مقتدی اپنی رکعتیں پوری کرلیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضر وسفر میں نماز پڑھی آپ کے ساتھ حضر میں ظہر چار رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں ۱؎ اور عصر دو رکعتیں پڑھیں اور پھر اس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب حضر و سفر میں برابر تین رکعتیں ہی پڑھیں نہ حضر میں کم کیں اور نہ سفر میں یہ دن کے وتر ہیں اور اس کے بعد دو رکعتیں ۲؎(ترمذی)	

۱؎ اس سے صاف معلوم ہوا کہ سفرمیں صرف فرض میں قصر ہوگا سنتوں میں نہ قصر ہے نہ ان کے منافی۔یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عمر کی شرح ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت ابن عمر سفر میں نماز نفل پڑھنے والوں پر ناراض ہوئے۔

۲؎ یعنی مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں،ان میں قصرنہیں کہ قصر چار رکعت میں ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ رات کے وتر بھی تین ہیں۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے جب کوچ سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر جمع کرلیتے ۱؎ اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کردیتے تو ظہر پیچھے کرتے حتی کہ عصر کے لیے اترتے ۲؎ یونہی مغرب میں جب کوچ سے پہلے سورج چھپ جاتا تو مغرب اورعشاء جمع کرلیتے اور اگر سورج چھپنے سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب میں دیر لگاتے حتی کہ عشاء کے لیئے اترتے پھر ان دونوں کو جمع	

	فرمالیتے ۳؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎اس طرح کہ عصر کے وقت میں پڑھ لیتے،اس کا نام جمع تقدیم ہے یعنی نماز اپنے وقت سے پہلے ادا کرلینا۔
۲؎اور ظہرعصر کے وقت پڑھتے اس کا نام جمع تاخیر ہے یعنی نماز کا وقت کے بعد پڑھنا۔
۳؎یہاں جمع حقیقی ہی مراد ہے جمع صوری کا اس میں احتمال نہیں۔یہ حدیث امام شافعی کی انتہائی دلیل ہے کہ سفر میں جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی۔اس کے متعلق چند طرح گفتگو ہے:اولًا یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ابوداؤد نے فرمایاکہ جمع تقدیم کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہ ملی۔(میرک ازمرقاۃ)دوسرے یہ کہ مسلم،بخاری میں حضرت ابن مسعود کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوکبھی غیر وقت میں نماز پڑھتے نہ دیکھاحالانکہ آپ غزوہ تبوک میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ کے ساتھ باجماعت نمازیں اس موقعہ پر ادا کرتے رہے،چونکہ حضرت ابن مسعود معاذ ابن جبل سے زیادہ فقیہ بھی ہیں اور زیادہ حافظ بھی اس لیئے ان کی حدیث کو زیادہ ترجیح ہوگی۔تیسرے یہ کہ یہ حدیث آیت قرآنی جو ہم پیش کرچکے اور ان متواتر احادیث کے خلاف ہے جن میں نماز کے اوقات کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔خیال رہے کہ عرفہ اور مزدلفہ میں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں بلکہ وقت اپنی حدود سے ہٹ گئے اس طرح کہ عرفہ میں وقت عصر ظہر میں آگیا نہ کہ نماز عصر وقت ظہر میں اور مزدلفہ میں وقت مغرب عشاء میں پہنچ گیا نہ کہ مغرب وقت عشاء میں حتی کہ اگر کوئی حاجی اس دن مغرب عشاء کے وقت سے پہلے پڑھ لے تو ہوگی ہی نہیں،نیز وہ احادیث متواتر المعنی ہیں۔یہ فرق خیال میں رہے بہت باریک ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفرکرتے اورنفل پڑھنا چاہتے تو اپنی اونٹنی پر قبلہ رو ہوجاتے پھر تکبیر کہتے پھر نماز پڑھتے رہتے اب آپ کو سواری جدھر بھی متوجہ کرتی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت روبقبلہ ہوجاتے،پھر بعدمیں رخ بدل جانے کی پرواہ نہ کرتے،اب بھی سفر میں نوافل کا یہی حکم ہے۔خیال رہے کہ سرکار اونٹنی کو قبلہ کی طرف نہ پھیرتے تھے ورنہ سفر غلط ہوجاتا بلکہ اونٹنی کا رخ جانب سفر رہتا اپنا رخ جانب قبلہ۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی کام میں بھیجا جب میں آیاتو آپ اپنی سواری پرمشرق کی طرف نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ رکوع سے زیادہ پست کرتے تھے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی قبلہ جانب جنوب تھا مگر آپ کی نماز جانب مشرق ادا ہورہی تھی اور رکوع،سجدہ اشارے سے کررہے تھےاس طرح کہ رکوع کے لیئے سرکم جھکاتے اور سجدے کے لیئے زیادہ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی میں دو رکعتیں پڑھیں آپ کے بعد ابوبکر نے اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر نے حضرت عثمان نے اپنی شروع خلافت میں ۱؎ پھر اس کے بعد حضرت عثمان نے چار پڑھیں ۲؎ ابن عمر جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار پڑھتے اور جب اکیلے نماز پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین نے منٰی میں تشریف لاکر ہمیشہ نماز قصر ہی پڑھی کبھی پوری نہ پڑھی اور حضرت عثمان نے شروع خلافت میں ہمیشہ قصر ہی پڑھی کبھی پوری نہ پڑھی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار نہیں بلکہ اس پر قصر پڑھنا ہی فرض ہے ورنہ وہ حضرات کبھی اتمام بھی کیا کرتے۔

۲؎ یعنی آخر خلافت میں حضرت عثمان صرف منٰی میں ہمیشہ چار پڑھنے لگے منٰی کے علاوہ اور سفر میں کبھی اتمام نہ کیا اور منٰی میں آکر کبھی قصر نہ کیا اگر آپ مسافر کو اختیار مانتے تو اس زمانہ میں کبھی قصر کرتے کبھی اتمام۔خیال رہے کہ آپ کے منٰی میں اتمام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عہد عثمانی کے نو مسلموں نے آپ کو منٰی میں قصر کرتے دیکھا تو سمجھے کہ اسلام میں نماز کی دو ہی رکعتیں ہیں اسی وہم کو دور کرنے کے لیئے آپ نے مکہ معظّمہ میں اپنا ایک گھر بنایا وہاں اپنی ایک بیوی کو مقیم کرکے رکھا اب اگر ایک دن کے لیئے بھی آپ مکہ معظّمہ آتے تو نماز پوری کرتے تھے۔(مسند امام احمد،عبدالرزاق،دارقطنی،مرقاۃ،فتح القدیر وغیرہ)اس کی تحقیق ہماری کتاب "**جاءالحق**"حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔

۳؎ یعنی حضرت ابن عمر مکہ معظّمہ میں جب عثمان غنی یاکسی اور مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھتے تو پوری پڑھتے اکیلے پڑھتے تو قصر کرتے۔حکم بھی یہی ہے کہ مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز پوری پڑھے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نماز دو دو رکعتیں فرض کی گئی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوگئیں اور نماز سفر پہلے ہی فریضے پر رکھی گئی ۱؎ زہری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ کا کیاخیال ہے کہ پوری کرتی ہیں ۲؎ فرمایا کہ حضرت عثمان کی تاویل کی طرح انہوں نے بھی تاویل کرلی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی ہجرت سے پہلے ہر نماز دو،دو رکعت تھی،بعد ہجرت فجر تو دو رکعت رکھی گئی،مغرب تین،باقی نمازیں سفر میں وہی دو رکعتیں رہیں اور حضر میں چار رکعتیں کردی گئیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اب سفر میں قصر کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے اقامت میں پوری پڑھنا یہ حدیث وجوب قصر کی نہایت قوی دلیل ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور مسلم،بخاری کی ہے اسے ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔

۲؎یعنی حضرت عائشہ صرف منٰی و مکہ معظّمہ میں ہمیشہ پوری نماز پڑھتی ہیں کبھی قصر نہیں کرتیں،باقی سفروں میں ہمیشہ قصر کرتی ہیں اتمام نہیں کرتیں اس سفر منٰی میں کیا خصوصیت ہے۔

۳؎یعنی جیسے عثمان غنی نے اتمام کی کوئی وجہ نکال لی،ایسے ہی حضرت ام المؤمنین نے بھی کوئی وجہ اس اتمام کی نکالی ہوگی مجھے اس کی خبر نہیں۔امام نووی نے فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان و حضرت عائشہ صدیقہ سفر میں قصرو اتمام دونوں جائز سمجھتے تھے لہٰذا یہ امام شافعی کی دلیل ہے۔فقیر کہتا ہے کہ یہ غلط ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ حضرت ام المؤمنین خود ہی تو روایت فرماتی ہیں کہ نماز سفر پہلے فریضہ پر رکھی گئی یعنی دو،دو رکعتیں تو خود اپنی روایت کے خلاف یہ رائے کیسے قائم کرسکتی ہیں۔دوسرے یہ کہ اگر آپ قصر و اتمام دونوں جائز سمجھتیں تو ہر سفر میں کبھی قصر کرتیں کبھی اتمام مگر ایسا نہ کیا صرف منٰی میں اتمام کیا اور ہمیشہ کیا یہاں کبھی قصر نہ پڑھا اور دوسرے سفروں میں ہمیشہ اتمام کیا۔تیسرے یہ کہ اگر انکا یہ مذہب ہوتا تو حضرت زہری اسے تاویل نہ فرماتے بلکہ اسے ان کا مذہب قرار دیتے۔معلوم ہوا کہ آپ کا مذہب تو وجوب قصر کا تھا مگر منٰی میں کسی تاویل کی بناء پر اتمام فرماتیں وہ تاویل کیا تھی رب جانے۔ظاہر یہ ہے کہ آپ مکہ معظّمہ میں پندرہ دن قیام کی نیت کرلیتیں ہوں گی اور آپ کا خیال یہ ہوگا کہ مہاجرین کو پندرہ دن مکہ معظّمہ میں ٹھہرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں منع تھا آپ کی وفات کے بعد جائز ہے،یہ ممانعت مہاجر مردوں کے لیئے تھی عورتوں کے لیئے نہیں یا ان کے لیئے تھی جو بوقت ہجرت بالغ تھے،میں اس وقت نابالغہ تھی۔وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ!

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ اللہ نے تمہارے نبی کی زبان پر(صلے اللہ علیہ وسلم)نماز حضر میں چار رکعتیں،سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی۱؎(مسلم)

۱؎اس طرح کہ غازی مسافر سخت خوف کی حالت میں امام کے پیچھے صرف ایک رکعت پڑھے گا اور ایک رکعت اکیلے جیساکہ قران شریف سے معلوم ہورہا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر کرنا ایسے ہی فرض ہے جیسے حضر میں پوری پڑھنا،قصر و اتمام کا اختیار نہیں۔

	روایت ہے انہی سے اور حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی نماز میں دو رکعتیں شروع کیں وہ دونوں پوری ہیں کوتاہ نہیں ۱؎اور وتر سفر میں سنت اسلام ہے ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎یعنی سفر میں دو رکعتیں ہی مشروع ہیں چار رکعتیں غیر مشروع یعنی خلاف شرع اور یہ دو رکعتیں ایسی ہی مکمل ہیں جیسے حضر میں چار اور انہیں چار پڑھنا ایسا ہی بُرا ہے جیسے فجر کے چار فرض یا گھر میں ظہر کے چھ فرض پڑھنا یا یہ مطلب ہے کہ یہ دو رکعتیں تعداد میں قصر ہیں ثواب میں نہیں ان پر ثواب پوری چار رکعتوں کا ملے گا۔(لمعات)

۲؎یہاں سنت سے مراد واجب کا مقابل نہیں۔یہ مطلب نہیں کہ سفرمیں وتر پڑھنا سنت ہے ورنہ وہاں نوافل اور دیگر سنن پڑھنا بھی سنت ہیں وتر کی کیا خصوصیت ہے،بلکہ مطلب یہ ہے کہ سفر میں وتر پڑھنا اسلام کا دائمی طریقہ ہے۔(لمعات)

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ حضرت ابن عباس اس قدرمسافت میں نماز قصر کرتے تھے جو مکہ اور طائف،مکہ اورعسفان اور مکہ اور جدے کے درمیان ہے ۱؎امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے ۲؎(مؤطا)	

۱؎یعنی اس سے کم مسافت میں قصر نہ کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ سفرکے لیئے سفر کی حد مقرر ہے فقط گھر سے نکل جانے پر سفر نہیں ہوجاتا جیسا بعض عقلمندوں نے سمجھا۔خیال رہے کہ عسفان مکہ معظّمہ سے مدینہ کی راہ پر دو منزل ہے اور جدہ بڑا شہر ہے مکہ معظّمہ سے تقریبًا ۶۵ میل ہے،یہ فقط تشبیہ ہے تعیین نہیں۔

۲؎ایک برید چار کوس کا ہے لہذا چار برید سولہ کوس ہوئے اور عرب کا ایک کوس تین میل عربی ہے،لہذا سولہ کوس۴۸میل عربی ہوئے،ایک میل چھ ہزار گز کا ایک گزچوبیس انگل کا۔(لمعات)اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ انگریزی میل سے یہ مسافت ۵۷ میل بنتی ہے۔

روایت ہے حضرت براءسے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفروں میں رہا میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو رکعتیں چھوڑی ہوں ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایایہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎یعنی تحیۃ الوضو کے نفل اور ظاہر ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفرمیں نفل نہیں چھوڑتے تو سنت مؤکدہ کیسے چھوڑتے ہوں گے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جوسفرمیں سنت ونفل پڑھنے کے سخت دشمن ہیں۔

روایت ہے حضرت نافع سےفرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اپنے بیٹے عبیداللہ کو سفرمیں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو ان پر اعتراض نہ کرتے ۱؎(مالک)	

۱؎ کیونکہ سفر میں نفل پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے،آپ کے صاحبزادے سواری پر ہی نفل پڑھتے تھے یا زمین پر جب پڑھتے جب وقت میں گنجائش ہوتی اس لیئے آپ اعتراض نہ کرتے تھے،جن پر اعتراض کیا ہے وہ وہ حضرات تھے جو نفل کی وجہ سے منزل کھوٹی کررہے تھے۔**تتمہ**:نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے لیئے تین دن مقرر فرمائی،نیزعورت پر بغیر محرم تین دن کی مسافت پرجانا حرام کیا۔ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے،یہی احناف کا مذہب ہے۔

باب الجمعة

جمعہ کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جمعہ ج اور م کے پیش سے، جَمْعٌ سے بنا، بمعنی مجتمع ہونا، اکٹھا ہونا۔چونکہ اس دن میں تمام مخلوقات وجود میں مجتمع ہوئی کہ تکمیلِ خلق اسی دن ہوئی، نیز حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی اس دن ہی جمع ہوئی، نیز اس دن میں لوگ نماز جمعہ جمع ہو کر ادا کرتے ہیں ان وجوہ سے اسے جمعہ کہتے ہیں۔اسلام سے پہلے اہل عرب اسے عروبہ کہتے تھے۔چنانچہ ان کے ہاں ہفتہ کے دنوں کے نام حسب ذیل تھے:
اوّل،اہُوَن،جُبار، دبار، مونس، عروبہ، شیاء۔(اشعہ) نماز جمعہ فرض ہے، شعار اسلام میں سے ہے،اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے مگر اس کی فرضیت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔چنانچہ یہ نماز مسلمان، مرد، عاقل، بالغ،آزاد، تندرست، شہری پر فرض ہے اس کی ادا کے لیئے جماعت،آزاد جگہ، شہر اور خطبہ شرط ہیں۔نہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے اور نہ گاؤں میں جمعہ ادا ہو۔اس کے مکمل دلائل ہمارے "فتاویٰ نعیمیہ" میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم دنیا میں پیچھے ہیں قیامت کے دن آگے ہوں گے ۱؎ بجز اس کے کہ انہیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہمیں ان کے بعد ۲؎ پھر یہ یعنی جمعہ کا ان کا دن بھی تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا وہ اس میں اختلاف کر بیٹھے ہمیں اللہ نے اس کی ہدایت دے دی ۳؎ اس میں لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل ہیں عیسائی پرسوں ۴؎(مسلم، بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ ہم پیچھے ہیں اور قیامت کے دن آگے جنت میں ہم ہی پہلے جائیں گے ۵؎ اور اس کے سواء کہ انہیں الخ۔	

۱؎ یعنی میں اور میری امت یہاں وجود میں پیچھے ہیں کہ ہم آخری نبی اور یہ امت آخری امت اور وہاں شہود میں پہلے ہوں گے کہ سب سے پہلے ہماری امت کا فیصلہ ہوگا اور ساری امتوں سے پہلے یہی جنت میں جائے گی۔
۲؎ یعنی یہود و نصاریٰ کو توریت و انجیل ہم سے پہلے مل گئی، ہمیں قرآن بعد میں دیا گیا تاکہ قرآن ناسخ ہو وہ کتابیں منسوخ اور ان کے عیوب ہم کو معلوم ہوں اور اس امت کے عیوب پوشیدہ رہیں اس کے بعدیت میں بھی اللہ کی رحمت ہے۔
۳؎ یعنی عظمت والا دن اللہ تعالٰی کے نزدیک جمعہ ہی ہے۔رب تعالٰی چاہتا تھا کہ میرے بندے یہ دن میری عبادت کے لیئے خالی رکھیں مگر یہود و نصاریٰ کو بتایا نہ گیا بلکہ انہیں اختیار دیا گیا کہ تم جو دن چاہو اپنی عبادت کے لیئے چن لو۔یہود نے ہفتہ منتخب کر لیا، نصاریٰ نے

اتوار، جمعہ کی طرف کسی کا خیال نہ گیا، اللہ تعالٰی نے یہ انتخاب ہم پر نہ چھوڑا بلکہ ہمیں خود جمعہ بتادیا گیا تاکہ ہم انتخاب میں غلطی نہ کریں، بلکہ مرقات نے ابن سیرین سے روایت فرمائی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ کے انصار نے سوچا کہ جب یہودیوں اور عیسائیوں کا عبادت کا دن مقرر ہے تو ہم بھی کوئی دن کیوں نہ مقرر کرلیں۔انہوں نے جمعہ کے دن حضرت سعد ابن زرارہ کو امام بناکر ان کے پیچھے دو رکعتیں ادا کیں اور اس دن کا نام بجائے عروبہ کے جمعہ رکھا،اس کی تائید ابن خزیمہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ انصار کہتے ہیں سعد ابن زرارہ وہ ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے ہمیں مدینہ میں جمعہ پڑھایا اس بناپر یہاں فَهَدٰنَا اللهُ کے معنی یہ ہوں گے کہ رب تعالٰی نے میری امت کے خیال کو صحیح فرمایا۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سوموار کو پہنچے اور جمعرات تک بنی عمرو ابن عوف میں مقیم رہے، پھر وہاں سے جمعہ کے دن بنی سالم ابن عوف میں تشریف لائے اور اس مسجد میں جمعہ پڑھا جو بطن وادی میں ہے۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جمعہ تھا جو اس مسجد میں ادا ہوا۔فقیر نے اس کی زیارت کی ہے اور وہاں دو نفل پڑھے ہیں، مسجد قبا کے راستہ میں ہے شکستہ حال ہے۔

۴؎ یعنی ہفتہ کا پہلا دن جمعہ ہمیں ملا اور دوسرا دن یعنی شنبہ یہودیوں کو اور تیسرا دن اتوار یہ عیسائیوں کو جیسے ہمارا دن ان کے دنوں سے پہلے ہے ایسے ہی ہم بھی ان پر مقدم۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہفتہ جمعہ سے شروع ہوتا ہے اور پنج شنبہ پر ختم۔

۵؎ اس طرح کہ نبیوں سے پہلے جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جائیں گے اور امتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پہلے جائے گی، پھر دوسری امتیں۔

اور اس کی دوسری روایت میں انہیں سے اور حضرت حذیفہ سے ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ ہم دنیا والوں سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہوں گے کہ ہمارا فیصلہ مخلوق سے پہلے ہوگا ۱؎	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے جس نے بتایا کہ پیچھے ہونے سے یہ مراد اور پہلے ہونے سے یہ مطلب۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت قیامت میں ہر موقعہ پر آگے رہے گی کیوں نہ ہو کہ اصل مقصود یہ امت ہے باقی اس کے تابع۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ دن جس میں سورج نکلے وہ جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم پیدا ہوئے اسی دن جنت میں گئے اسی دن وہاں سے بھیجے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی ہوگی ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی پہلے بھی بڑے بڑے واقعات اس دن میں ہی ہوئے اور آئندہ نہایت اہم اور سنگین واقعہ وقوع قیامت کا اسی دن ہوگا اس لیئے یہ دن بڑی عظمت والا ہے۔خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کا جنت میں جانا بھی اللہ کی رحمت تھی اور وہاں سے تشریف لانا بھی کیونکہ وہاں سیکھنے گئے تھے، یہاں سکھانے اور خلافت کرنے آئے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس دن میں دینی اہم واقعات ہوچکے ہوں وہ دن تاقیامت افضل ہوجاتا ہے اور اس دن میں خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا بہتر ہوتا ہے، دیکھو ماہ رمضان و شب قدر اس لیئے افضل ہیں کہ ان میں قرآن شریف

نازل ہوا۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ شب ولادت،شب معراج وغیرہ سب افضل راتیں ہیں۔ان میں عبادات کرنا،خوشیاں منانا بہتر ہے،اس کاماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ میں ایک گھڑی ہے جسے بندہ مؤمن نہیں پاتا کہ اس میں اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے وہ ضرور دیتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری) مسلم نے زیادہ کیا فرمایا وہ چھوٹی سی گھڑی ہے۔اور مسلم،بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جمعہ میں ایک ساعت ہے جسے مسلمان نہیں پاتا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھتا ہو اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ اسے ضرور دیتا ہے ۲؎

۱؎ یعنی وہ ساعت قبولیت دعا کی ہے،رات میں روزانہ وہ ساعت آتی ہے مگر دنوں میں صرف جمعہ کے دن۔یقینًا نہیں معلوم کہ وہ ساعت کب ہے۔غالب یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان یا مغرب سے کچھ پہلے۔

۲؎ یعنی اس ساعت میں مسلمان کی دعا قبول ہوتی ہے نہ کہ کافر کی۔نمازی متقی کی دعا قبول ہوتی ہے نہ کہ فساق و فجار کی جو جمعہ تک نہ پڑھیں صرف دعاؤں پر ہی زور دیں۔یُصَلِّی میں اسی جانب اشارہ ہے ورنہ نماز کی حالت میں دعا کیسے مانگی جائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابو بردہ ابن ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کی ساعت کے بارے میں فرماتے سنا کہ وہ امام کے بیٹھنے سے ادائے نماز کے درمیان ہے ۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی جس وقت سے امام منبر پر خطبے کے لیئے بیٹھے اس وقت سے نماز جمعہ ختم ہونے تک قبولیت کا وقت ہے مگر اس وقت میں تیاریٔ نماز ہوتی ہے نہ کہ نماز،نیز دعا بزبان حال ہوگی نہ بزبان قال کیونکہ اس وقت نماز،کلام سب حرام۔خیال رہے کہ اس ساعت کے متعلق علماء کے چالیس قول ہیں جن میں دو قول زیادہ قوی ہیں:ایک اس وقت کا،دوسرے آفتاب ڈوبتے وقت کا۔حضرت فاطمہ زہراء اس وقت خود حجرے میں بیٹھتیں،اور اپنی خادمہ فضہ کو باہر کھڑا کرتیں،جب آفتاب ڈوبنے لگتا تو خادمہ آپ کو خبر دیتیں اس کی خبر پر سرکار اپنے ہاتھ اٹھاتیں۔"صَلٰوتُ اللهِ وَسَلَامُهٗ عَلٰی اَبِیْهَا وَعَلَیْهَا وَعَلٰی سَآئِرِ اَهْلِ بَیْتِ النُّبُوَّةِ"۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں طور کی طرف گیا ۱؎ تو کعب احبار ۲؎ سے ملا ان کے پاس بیٹھا انہوں نے مجھے تورات کی باتیں سنائیں اور میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ۳؎

	جو حدیثیں میں نے انہیں سنائیں ان میں یہ بھی تھا کہ میں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین وہ دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی میں اتارے گئے، اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی، اسی میں وفات پائی، اسی میں قیامت قائم ہوگی ۴؎ ایسا کوئی جانور نہیں جو جمعہ کے دن صبح سے آفتاب نکلنے تک قیامت کا ڈرتے ہوئے منتظر نہ ہو ۵؎ جن وانس کے سواء اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے جسے کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے نہیں پاتا کہ اللہ سے کچھ مانگ لے مگر رب اسے دیتا ہے کعب بولے کہ یہ ہر سال میں ایک بار ہے میں نے کہا بلکہ ہر جمعہ میں ہے تو کعب نے توریت پڑھی تو بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ۶؎ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن سلام سے ملا تو میں نے انہیں کعب کے پاس بیٹھنے اور جو کچھ میں نے ان سے جمعہ کے بارے میں گفتگو کی سنائی میں نے کہا کہ کعب بولے یہ ہر سال میں ایک دن ہے تو عبداللہ ابن سلام نے فرمایا کہ کعب نے غلط کہا ۷؎ تب میں نے ان سے کہا پھر کعب نے توریت پڑھی تو فرمایا بلکہ وہ ہر جمعہ میں ہے تب عبداللہ ابن سلام بولے کہ کعب نے سچ کہا ۸؎ پھر عبداللہ ابن سلام نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ وہ کون سی ساعت ہے ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا وہ مجھے بتادیجئے اور بخل نہ کیجئے ۹؎ عبداللہ ابن سلام نے فرمایا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے ۱۰؎ ابوہریرہ فرماتے ہیں میں بولا کہ وہ جمعہ کی آخری ساعت کیسے ہوسکتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان بندہ اسے نماز پڑھتے ہوئے پائے ۱۱؎ عبداللہ ابن سلام بولے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کسی جگہ نماز کے انتظار میں بیٹھے تو وہ نماز پڑھنے تک نماز ہی میں ہے ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے کہا ہاں فرمایا وہ یہی ہے ۱۲؎ (مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور احمد نے صدق کعب تک روایت کی۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ طور سے مراد وہ مشہور طور پہاڑ ہی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام رب تعالٰی سے ہم کلام ہوتے تھے۔

۲؎ آپ کا نام کعب ابن مانع، کنیت ابو اسحاق، قبیلہ حمیر سے ہیں، یہود کے بڑے مشہور عالم تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کر سکے، عہد فارقی میں ایمان لائے اور خلافت عثمانی ۳۲ھ میں مقام حمص میں وفات پائی لہذا آپ تابعین میں سے ہیں۔

۳؎ صحابہ کرام مؤمنین علمائے بنی اسرائیل سے توریت شریف کی وہ آیات سنا کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہیں تاکہ ان سے ایمان تازہ اور دل روشن ہو۔ جن احادیث میں توریت پڑھنے سے حضرت عمر کو منع فرمایا گیا وہ توریت کی وہ ایات مراد ہیں جو اسلام کے خلاف ہیں یا اس سے ہدایت لینے کے لیئے پڑھنا مراد ہے،اب ہدایت صرف قرآن و حدیث میں ہے لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۴؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم دیا۔دوسری روایت میں ہے کہ عاشورہ کے دن ہوگی مگر اس کا سنہ بتانے کی اجازت نہ تھی۔

۵؎ یعنی جمعہ کے دن ہر جانور منتظر ہوتا ہے کہ شاید آج قیامت ہو،جب بخیریت سورج نکل آتا ہی تب سمجھتا ہے کہ آج قیامت نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو بھی یہ معلوم ہے کہ قیامت جمعہ کو آوے گی اور انہیں ہمارے دنوں کی بہت خبر رہتی ہے کہ آج فلاں دن ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بگڑی ہوئی توریت میں بھی جمعہ کے فضائل اور اس میں قبولیت کی ساعت کا ذکر تھا مگر حضرت کعب کی یاد نے غلطی کی کہ وہ سمجھے توریت میں یہ ہے کہ سال کے ایک جمعہ میں قبولیت کی ساعت ہوتی ہے،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیزوں کی خبر دی تو جو توریت کے چوٹی کے عالم پر چھپی رہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے بتادیں۔

۷؎ یہاں کذب بمعنی جھوٹ نہیں بلکہ بمعنی بھول جانا یا غلطی کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایک عالم کے غلط فتوے کو دوسرا عالم درست کرکے سائل کو بتا سکتا ہے کہ وہ غلط تھا۔

۸؎ سبحان اللہ! یہ حضرات بالکل بے نفس تھے انہیں کسی کی ذات سے عناد نہ تھا اصل مسئلے سے بحث تھی۔امام بخاری نے بخاری شریف میں جو امام ابو حنیفہ پر سخت لہجہ میں اعتراضات کیئے ہیں انہیں بھی امام اعظم سے عناد نہ تھا وہ سمجھے کہ یہ مسائل غلط ہیں اور حدیث کے خلاف ہیں اسی لئے اس طرح اعتراضات کرگئے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے لہٰذا اب ہم امام بخاری کو برا نہیں کہہ سکتے۔

۹؎ تَضَنَّ ضَنٌّ سے بنا،بمعنی بخل،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ"۔خیال رہے کہ مال کے بخل سے علم کا بخل زیادہ برا کیونکہ علم خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں،ہاں یہ ضروری ہے کہ نااہل سے علم کے اسرار چھپاؤ کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا۔

۱۰؎ غالب یہ ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ فرمایا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ توریت میں دیکھ کر یا اپنے بزرگوں سے سن کر فرمایا ہو مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ آپ کو اسلام لانے کے بعد توریت پر اعتماد نہ رہا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ایسا جرم کر سکتے تھے۔

۱۱؎ یعنی اس وقت نماز مکروہ ہے کہ نہ فرض جائز نہ نفل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ اسے نماز پڑھتا ہوا پاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت نماز کا ہے،لہٰذا آپ کا قول اس حدیث کے مخالف معلوم ہوتا ہے۔

۱۲؎ یعنی تمہاری حدیث میں نماز سے حقیقی نماز مراد نہیں بلکہ حکمی نماز مراد ہے،چونکہ اس وقت مغرب قریب ہوتی ہے،لوگ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھتے ہیں تو نماز ہی میں ہوتے ہیں،اب اگر دعا مانگ لیں تو نماز میں بھی ہیں اور دعا بھی مانگ رہے ہیں۔خیال رہے کہ اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ یہ ساعت مغرب کے قریب ہوتی ہے۔بہتر یہ ہے کہ دو خطبوں کے درمیان بھی دعا مانگ لے اور خطبہ اور نماز کے درمیان بھی اور اس وقت بھی۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اس ساعت کے بارے میں چالیس قول ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے کہ وہ ساعت جس کی جمعہ کے دن امید کی جاتی ہے وہ عصر کے بعد سے آفتاب ڈوبنے تک ڈھونڈو ۱؎(ترمذی)

۱؎خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ساعت سے خبردار ہیں آپ پر کون سی چیز چھپے گی۔یہ ساعت بلکہ ساری ساعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے بنیں،چونکہ یہ اسرار الٰہیہ میں سے ہے اس لیئے اس کا اظہار نہ فرمایا جیسے شب قدر تاکہ لوگ اس کی تلاشی میں عبادتیں زیادہ کریں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ شاید جمعہ میں قبولیت کی ساعتیں بہت ہیں مگر شاندار ساعت پوشیدہ ہے یا گھومتی رہتی ہے کسی جمعہ میں کسی وقت اور کسی جمعہ میں دوسرے وقت۔

	روایت ہے حضرت اوس ابن اوس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے بہترین دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے اس میں حضرت آدم پیدا ہوئے اور اسی میں وفات دیئے گئے اور اسی میں صور پھونکنا ہے اور اسی میں بے ہوشی ہے لہذا اس دن میں مجھ پر درود زیادہ پڑھو ۱؎کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش ہوتے ہیں ۲؎لوگ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درود آپ پر کیسے پیش ہوں گے آپ تو رمیم ہوچکے ہوں گے (یعنی گلی ہڈی) ۳؎ فرمایا کہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے جسم حرام کردیئے ۴؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی۔بیہقی،دعوات کبیر)۵؎

۱؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جس تاریخ اور جس دن میں کوئی اہم واقعہ کبھی ہوجائے وہ دن اور تاریخ تاقیامت اہم بن جاتی ہے۔دوسرے یہ کہ اس دن اور اس تاریخ میں ان واقعات کی یادگاریں قائم کرنا بہتر ہے۔تیسرے یہ کہ وہ یادگاریں عبادات سے قائم کی جائیں نہ کہ لہو اور کھیل کود سے،یعنی اس دن زیادہ عبادتیں کی جائیں۔میلاد شریف،گیارھویں شریف،عید معراج،عرس بزرگاں کا یہی مقصد ہے اور ان سب کی اصل یہ حدیث اور قرآن شریف کی یہ آیتیں ہیں،دیکھو "جاء الحق" حصہ اول۔

۲؎یعنی جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل کہ اس میں ایک نیکی کا ثواب ستر گنا ہے اور درود دوسری عبادتوں سے افضل،لہذا افضل دن میں افضل عبادت کرو کیونکہ اس دن کا درود خصوصی طور پر ہماری بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور ہم قبول فرماتے ہیں۔خیال رہے کہ ہمیشہ ہی درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتا ہے مگر جمعہ کے دن خصوصی پیشی ہوتی ہے،خصوصی قبولیت۔(مرقاۃ)

۳؎یہ سوال انکار کے لیئے نہیں بلکہ کیفیت پوچھنے کے لیئے ہے،یعنی آپ کی وفات کے بعد ہمارے درودوں کی پیشی فقط آپ کی روح شریف پر ہوگی یا روح مع الجسم پر جیسے زکریا علیہ السلام نے رب تعالٰی کی طرف سے بیٹے کی خوش خبری پاکر عرض کیا تھا خدایا میرے بیٹا کیسے ہوگا؟میں بوڑھا ہوں،میری بیوی بانجھ۔یہ سوال بھی کیفیت پوچھنے کے لیئے ہے نہ کہ انکارًا،لہذا اس پر روافض کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔خیال رہے کہ اولاد کے اعمال ماں باپ پر پیش ہوتے ہیں،مرید کے شیخ پر مگر وہاں پیشی کبھی کبھی ہوتی ہے وہ بھی فقط روح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پیشی ہر وقت ہوتی ہے اور روح مع الجسم پر۔(مرقاۃ)

۴؎لہذا ان کے اجسام زمین کھاسکتی ہی نہیں اور وہ گلنے سے محفوظ ہیں۔قرآن کریم فرمارہا ہے کہ حضرت سلیمان بعد وفات چھ ماہ یا ایک سال نماز کی ہیئت پر لکڑی کے سہارے کھڑے رہے پھر دیمک نے آپ کی لاٹھی تو کھائی لیکن آپ کا پاؤں شریف نہ کھایا۔اس حدیث کی بنا

پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کے زخموں پر جراثیم نہ تھے اور نہ انہوں نے آپ کا گوشت کھایا کوئی اور بیماری تھی کیونکہ پیغمبر کا جسم کیڑا نہیں کھا سکتا۔ جنہوں نے یہ واقعہ درست مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بعد وفات ہے، زندگی میں امتحانًا یہ ہو سکتا ہے جیسے تلوار جادو اور ڈنگ ان پر اثر کر دیتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا اس جملہ کے معنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، وہ زندگی بھی دنیاوی جسمانی اور حقیقی ہے نہ کہ شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی۔ اس کی پوری تحقیق جَذْبُ الْقُلُوْب اور تَارِیْخ مَدِیْنَۃ میں ملاحظہ کیجئے۔ (اشعۃ) اور علامہ جلالی الدین سیوطی نے اپنی کتاب شَرْحُ الصُّدُوْرِ فِیْ اَحْوَالِ الْقُبُوْرِ میں حیات انبیاء پر بہت ہی نفیس بحث فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی قبروں میں فرشتوں کی طرح کھانے پینے سے بے نیاز ہیں مگر نمازیں پڑھتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ذکر اللہ کی لذت پاتے ہیں۔ (مرقاۃ)

۵؎ اس روایت کو ابن حبان، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا، حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے، علی شرط بخاری ہے، نووی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور یوم مشہود عرفے کا دن ہے اور شاہد جمعے کا دن ا؎ جمعہ سے بہتر کسی دن پر آفتاب طلوع نہیں ہوا ۲؎ اس میں ایک ایسی ساعت ہے جسے کوئی مؤمن اللہ سے دعائے خیر کرتے ہوئے نہیں پاتا مگر اللہ اسے قبول کرتا ہے اور کسی چیز سے پناہ نہیں مانگتا مگر اللہ اسے پناہ دیتا ہے ۳؎ (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ موسیٰ ابن عبیدہ کے سوا کسی حدیث سے پہچانی نہ گئی اور وہ ضعیف مانے جاتے ہیں ۴؎	

ا؎ یعنی سورۂ بروج میں جو فرمایا گیا کہ "وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ"۔ اس میں یہ تین دن مراد ہیں کہ قیامت مومنوں کے وعدوں کا دن ہے اور کافروں کی وعیدوں کا اور بقر عید کی نویں یعنی عرفہ وہ دن ہے جو سب مسلمانوں کو عرفات میں بلاتا ہے اور جمعہ خود مومنوں کے گھروں میں پہنچ جاتا ہے لہذا عرفہ مشہود ہوا اور جمعہ شاہد۔ اس کی اور بہت تفسیریں ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر "نور العرفان" میں بیان کی ہیں، وہاں مطالعہ کیجئے۔

۲؎ یعنی تمام دنوں سے جمعہ بہتر ہے۔ حضرت امام مالک جو فرماتے ہیں کہ سوموار افضل ہے ان کی مراد جزئی فضیلت ہے لہذا ان کا وہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ دوشنبہ کے طفیل ہمیں جمعہ ملا۔

۳؎ یہاں مؤمن فرمایا گیا پچھلی احادیث میں مسلم، پتہ لگا کہ یہ دونوں لفظ یہاں ہم معنی ہیں۔

۴؎ مگر چونکہ اس کو گزشتہ احادیث سے قوت پہنچ گئی لہذا اب یہ حسن لغیرہ ہے، نیز فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی قبول ہوتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذر سے[1] فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار اور تمام سے بڑا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک عید بقر اور عیدالفطر کے دنوں سے بھی بڑا ہے[2] اس میں پانچ اوصاف ہیں اللہ نے حضرت آدم کو اس میں پیدا کیا اور اللہ نے اس میں حضرت آدم کو زمین کی طرف اتارا اسی میں اللہ نے حضرت آدم کو وفات دی اور اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں بندہ کوئی شے نہیں مانگتا مگر رب اسے دیتا ہے جب تک کہ حرام چیز نہ مانگے[3] اسی میں قیامت قائم ہوگی کوئی مقرب فرشتہ آسمان،زمین،ہوائیں،پہاڑ،دریا ایسے نہیں جو جمعے کے دن سے خوف نہ کرتے ہوں[4] (ابن ماجہ)	

[1] آپ کا نام رفاعہ ہے،انصاری ہیں،اوسی ہیں،بیعت العقبہ میں حاضر ہوئے،بدر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں رہے،غنیمت میں آپ کا حصہ رکھا گیا،خلافت مرتضوی میں وفات پائی۔(اکمال)

[2] چنانچہ اگر حج جمعہ کو ہو تو اس کا ثواب ستر حجوں کا ہے اور حج اکبر کہلاتا ہے اور اگر شب قدر جمعہ کی شب میں ہو تو بہت برتر ہے۔خیال رہے کہ یہاں کلی فضیلت کا ذکر ہے،جزئی فضیلت عیدین کو اس پر حاصل ہے۔خیال رہے کہ یہاں دنوں کا مقابلہ ہے ورنہ شبِ قدر تمام دن راتوں سے بہت بہتر ہے یعنی دن جمعہ سب دنوں سے افضل ہے،لہذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں۔

[3] حرام یا تو حلال کا مقابل ہے یعنی اس ساعت میں ناجائز دعائیں قبول نہیں ہوتیں یا بمعنی ممنوع اور ناممکن ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ"یعنی ناممکن دعا قبول نہیں ہوتی بلکہ ناممکن دعا مانگنا بھی جائز نہیں جیسے کوئی کہے خدایا تو مجھے نبی یا فرشتہ بنادے۔(مرقاۃ) بہتر ہے کہ اس ساعت میں جامع دعا مانگے جیسے"رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔

[4] اس کے فوائد پہلے بیان کیئے جاچکے ہیں۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ غافل انسان حیوانات،جمادات سے بھی بدتر ہے کہ وہ جمعہ جیسا برکت والا دن غفلت میں گزارتا ہے۔مقرب فرشتوں کو اس دن خوف طبعی ہوتا ہے۔خیال رہے کہ یہاں پانچ کا ذکر حصر کے لیئے نہیں۔جمعہ کے فضائل بے شمار ہیں جن میں سے بہت کچھ ہم نے اپنی تفسیر میں بیان کیئے۔اس جگہ مرقاۃ نے بھی بہت کچھ بیان کیا۔

اور احمد نے سعد ابن معاذ سے یوں روایت کی کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں خبر دیجئے کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں[1] تو فرمایا اس میں پانچ صفتیں ہیں اور آخر حدیث تک نقل کی۔	

۱؎ اس سوال و جواب سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتویٰ لینا اور دینا صرف فقہی احکام کا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ اور امور کا بھی ہوتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم صرف مسائل میں محدود نہیں۔اللہ نے آپ کو سارے علوم بخشے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کس وجہ سے اس دن کا نام جمعہ رکھا گیا فرمایا اس لیئے کہ اس میں تمہارے والد حضرت آدم کی مٹی جمع کی گئی۱؎ اسی میں بے ہوشی اور اٹھنا ہے اسی میں پکڑ ہے۲؎ اور اس کی آخری تین گھڑیوں میں ایسی گھڑی ہے جو اس میں اللہ سے دعا مانگے اس کی قبول ہو۳؎(احمد)	

۱؎ اس طرح کہ حضرت ملک الموت نے ہر قسم کی مٹی میں سے ایک ایک مٹھی لی اور اسے ہر قسم کے پانی سے گوندھا،جس دن اس گوندھنے اور خمیر کرنے سے آپ فارغ ہوئے وہ دن جمعہ تھا اسی لیئے بعض شارحین نے طُبِعَتْ کے معنی خُمِّرَتْ کیئے ہیں اور بعض نے جُمِعَتْ،دونوں درست ہیں۔خیال رہے کہ یہ سارے واقعات بعد میں ہونے والے تھے مگر رب تعالٰی نے اول ہی سے اس کا نام جمعہ رکھا۔چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:"لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الْجُمُعَۃِ" جیسے کہ ہمارے حضور کی تعریفیں آیندہ ہونے والی تھیں تو رب تعالٰی نے اول ہی سے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت آدم کی پیدائش کے بعد اس کا نام جمعہ ہوا۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ اس دن میں تمام چیزیں خلقت میں جمع ہوئیں۔

۲؎ یعنی قیامت کا پہلا نفخہ بھی جمعہ کو ہوگا جس پر سب فنا یا بے ہوش ہوں گے اور دوسرا نفخہ بھی جمعہ کو ہوگا جس میں سب اٹھیں گے اور رب تعالٰی کا غضب والا فیصلہ کفار کے جہنم میں جانے کا بھی جمعہ کو ہی ہوگا۔پکڑ سے یہ مراد ہے یا جنگ بدر جمعہ کو ہوئی جو کفار کی پکڑ تھی۔خیال رہے کہ قیامت میں نہ سورج ہوگا نہ دن رات لیکن اگر یہ ہوتا اور دن رات ہوتے رہتے تو یہ اٹھنا اور پکڑ وغیرہ جمعہ کو ہوتی،لہذا حدیث پر چکڑالوی اعتراض نہیں کرسکتے۔

۳؎ یہاں صاف فرمادیا گیا کہ قبولیت کی گھڑی مغرب سے کچھ پہلے ہے۔تین گھڑیاں فرمانے کا منشایہ ہے کہ انسان پہلے سے دعا کی تیاری کرے۔

روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ پڑھو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۱؎ اور مجھ پر کوئی درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے حتی کہ اس سے فارغ ہوجائے۲؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کیا موت کے بعد بھی فرمایا کہ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کردیا ہے۳؎ لہذا اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۴؎(ابن ماجہ)۵؎	

۱؎ یعنی اس دن میں رحمت اور برکت کے فرشتے اترتے ہیں اور مسلمانوں کے گھروں،ان کی مجلسوں میں پہنچتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوں اور قیامت میں ان کے ایمان اور تقویٰ کی گواہی دیں۔

۲؎ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ درود پہنچانے والافرشتہ سارے درودوں کا تھیلاایک دم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچائے بلکہ اگر کوئی سو بار درود شریف پڑھے تو یہ فرشتہ سو بار اس کے اور گنبدِ خضریٰ کے درمیان چکر لگائے گااور ہر درود علیحدہ علیحدہ پیش کرے گا۔(مرقاۃ)اس سے اس فرشتے کی قوت رفتار معلوم ہوئی۔

۳؎ اس جواب سے معلوم ہورہاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی بیان فرمارہے ہیں،یعنی انبیاء بعد وفات زندہ ہی رہتے ہیں لہذا تمہارے درود مجھ پر جیسے اب پیش ہورہے ہیں پھر بھی پیش ہوتے رہیں گے۔یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اسی لیئے ان کی موت کو انتقال یا وفات کہتے ہیں اور ان کی موت کے دن کو عرس،کہ وہ دولہا کی طرح یہاں سے وہاں منتقل ہوجاتے ہیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ نبی کے جسم کو نہ مٹی کھاسکتی ہے نہ کوئی جانور۔یعقوب علیہ السلام کافرمانا میں ڈرتا ہوں کہ یوسف کو بھیڑیا کھاجائے گاظاہر یہ ہے کہ وہاں بھیڑئے سے مراد خود ان کے بھائی ہیں ورنہ پیغمبر کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے اور نبی سے مراد جنس نبی ہیں۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں،نمازیں پڑھتے ہیں۔امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات بعد وفات مختلف وقتوں میں مختلف جگہ تشریف فرماتے ہیں یہ عقلًا نقلًا ہر طرح ثابت ہے۔(۱)رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ"یعنی اے محبوب!اپنے سے پہلے انبیاء سے یہ مسئلہ پوچھو۔معلوم ہوا کہ گزشتہ انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ ہیں کہ آپ ان سے بات چیت وسوال و جواب بھی کرسکتے ہیں۔(۲)اور فرمایا ہے:"وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوٰجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے ان کی وفات کے بعد کبھی نکاح نہ کرو۔اس آیت نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی بیویاں بدستور ان کے نکاح میں رہتی ہیں بیوہ نہیں ہوتیں،ورنہ اَزْوٰجَهٗ نہ فرمایا جاتا،نیز ان سے نکاح کی حرمت ماں ہونے کی وجہ سے نہیں وہ بیویاں احترام میں مائیں ہیں نہ کہ احکام میں ورنہ ان کی میراث امت کو ملتی۔ان کی اولاد سے نکاح حرام ہوتا ہے یہ آیت حیات النبی کی کھلی دلیل ہے۔(۳)شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔جب سرکار بیت المقدس پہنچے تو انہیں اور سارے پیغمبروں کو وہاں نماز کا منتظر پایا اور پھر جب آسمانوں پر تشریف لے گئے تو چوتھے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کو اور مختلف آسمانوں پر دیگر انبیاء کو اپنا منتظر دیکھا۔ان قرآنی آیات اور احادیث سے پتہ چلا کہ انبیائے کرام بعد وفات زندہ ہوتے ہیں بلکہ ان پر زندوں کے بعض احکام جاری ہوتے ہیں۔(۴)کہ ان کی بیویاں اور دوسرا نکاح نہیں کرسکتیں۔(۵)ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔(۶)حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر نمازی سلام عرض کرتا۔(۷)ہم کلمے میں پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ(محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)اگر وہ زندہ نہ ہوتے تو کہا جاتا کہ اللہ کے رسول تھے۔غرضکہ اس حدیث کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہے اور دیگر عقلی و نقلی دلائل سے بھی۔خیال رہے کہ آیت کریمہ"اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ"اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہاں موت سے مراد حسی موت ہے جس پر بعض احکام موت کے جاری ہوجاتے ہیں جیسے غسل،کفن،دفن،وغیرہ اور یہاں زندگی سے حقیقی زندگی مراد ہے،نیز

وہاں آیات میں موت سے مراد ہے روح کا جسم سے علیحدہ ہو جانا اور یہاں زندگی سے مراد ہے روح کا جسم وغیرہ میں تصرف کرنا، جیسے ہماری سیلانی روح نیند میں جسم سے نکل کر جسم کو زندہ رکھتی ہے یوں ہی ان کی مقامی روح بوقت وفات جسم سے نکل کر بھی زندگی باقی رکھتی ہے۔ لہذا نہ تو آیات متعارض ہیں اور نہ حدیث و قرآن میں کچھ تعارض اس لیئے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے **میت** الگ بولا گیا اور دوسرے کے لیئے **میتون** علیحدہ، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی دوسروں کی طرح ہوتی تو یوں فرمایا جاتا "اِنَّكَ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ"۔ اس حیات کی مفصل تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" پارہ دوم میں دیکھیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روح ہیں سارا عالم جسم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جڑ ہیں سارا عالم درخت ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فنا ہو گئے ہوتے تو عالَم بھی ختم تھا۔ جیسے درخت کی سبز شاخیں جڑ کی زندگی کا پتہ دیتی ہیں اور جسم کی حس و حرکت روح کا پتہ دیتی ہے ایسے عالَم کا قیام و بقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا پتہ دے رہا ہے۔ دیکھو جسم کا سوکھا ہوا عضو سڑتا گلتا نہیں کہ ابھی روح سے وابستہ ہے اگرچہ بے کار ہو گیا ہے، ایسے ہی ہم گنہگاروں پر عذابِ الٰہی نہیں آتا کہ اگرچہ ہم بے کار ہیں مگر دامن مصطفے پاک سے وابستہ ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ"۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہ رہے ہوتے تو ہم پر عذاب آجانا چاہیئے تھا ہماری بدکاریوں کے سبب۔ (۸) حضرت سلیمان کے متعلق رب فرماتا ہے: "مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ" یعنی حضرت سلیمان بعد وفات عصا پر ٹیک لگائے کھڑے رہے بہت عرصہ کے بعد دیمک نے لاٹھی کھائی تب آپ کا جسم زمین پر آیا اسی عرصہ میں نہ جسم بگڑا نہ دیمک نے کھایا۔ (۹) وہ شہدا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام ہیں جب ان پر فدا ہو کر زندہ جاوید ہو گئے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی اہم ہے۔ رزق سے مراد رزق حسی ہے یعنی جنّتی میوے ان کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں جس سے وہ بہرامند رہتے ہیں، جب ان کے غلام یعنی شہداء کی روحیں جنت میں پہنچتی ہیں، وہاں کے پھل کھاتی ہیں اور جب مریم کو دنیا میں جنت کے پھل دیئے گئے اور انہوں نے کھائے (قرآن مجید) تو انبیائے کرام خصوصًا سید الانبیاء کے رزق کا کیا پوچھنا۔ اصحاب کہف اور ان کا کتا صدہا سال سے سو رہے ہیں، انہیں غیبی رزق بھی برابر پہنچ رہا ہے، سورج ان پر دھوپ نہیں ڈالتا۔ دسمبر، جنوری، اور جون و جولائی ان پر سردی گرمی نہیں پہنچاتے، حضرات انبیاء بعد وفات ان سے اعلیٰ حسن والی زندگی رکھتے ہیں۔ (۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد وفات اپنی ازواج کا نان نفقہ واجب ہے جیسے زندگی شریف میں تھا۔ چنانچہ بخاری وغیرہ کتب احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ ہم کسی کے وارث نہ کوئی ہمارا وارث، ہمارے بعد ہماری ازواج کے نفقہ اور عُمّال کی تنخواہوں سے جو بچے وہ صدقہ ہے۔ (۱۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق دفن رہے میں بے حجاب وہاں جاتی تھی مگر جب سے جناب عمر دفن ہوئے میں بے حجاب جاتے عمر سے شرماتی ہوں، اگر وہ حضرات زندہ نہیں تو یہ شرم کس سے ہے۔ (۱۲) بعض اولیاء کے اجسام صدہا برس کے بعد اب بھی درست دیکھے جاتے ہیں۔ اگر وہ بالکل مردے ہیں تو جسم گلتا کیوں نہیں۔ حیات نبی پر یہ بارہ دلائل ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "درس القرآن" میں دیکھو۔

۵؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح اور قوی ہے اور یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف الفاظ میں منقول ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو مگر اسے اللہ عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے	

۱(احمد وترمذی)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے کہ اس کی اسناد متصل نہیں۲	

۱یعنی جمعہ کی شب یا جمعہ کے دن مرنے والے مؤمن سے نہ حساب قبر ہو نہ عذاب قبر کیونکہ اس دن کی موت شہادت کی موت ہے اور شہید حساب و عذاب سے محفوظ ہے جیسا کہ دیگر روایات میں ہے۔ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ آٹھ شخصوں سے حساب قبر نہیں ہوتا جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

۲امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں اس حدیث کو بہت اسنادوں سے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اسے احمد،ترمذی،ابن ابی الدنیا،ابن وہب، بیہقی نے قوی اسنادوں سے نقل کیا،ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت جابر سے کچھ تھوڑے اختلاف کے ساتھ روایت کیا اور حمید نے کتاب الترغیب میں ایاس ابن بکیر سے مرفوعًا روایت کیا کہ جو جمعہ کے دن فوت ہوجائے اسے شہید کا ثواب ہے اور عذاب قبر سے نجات ہے۔ابن جریج نے عطا سے مرفوعًا روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مسلمان جمعہ کے دن یا رات میں وفات پائے وہ عذاب قبر اور فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا۔رب تعالٰی سے اس طرح ملے گا کہ اس کے ذمہ کوئی حساب نہ ہوگا اور قیامت میں ایسے آئے گا کہ اس کے ساتھ گواہ ہوں گے اور اس کے چہرے پر نورانی مہر ہوگی۔(از مرقاۃ و لمعات و اشعتہ) لہذا یہ حدیث نہایت قوی ہے اور دوسری اسنادوں سے اسے قوت حاصل ہے،امام ترمذی کو جو اسناد ملی وہ متصل نہ ہوگی اور اگر حدیث ضعیف بھی ہوتی تو بھی فضائل میں قبول تھی چہ جائے کہ یہ حدیث تو بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ"الایۃ آپ کے پاس ایک یہودی تھا وہ بولا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اسے عید بنالیتے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اتری یعنی جمعہ اور عرفہ کے دن۱(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱یہودی نے یہ اعتراض کیا کہ مسلمان ناقدرے ہیں اور ہم قدر دان ہیں کہ ان کے قرآن میں ایسی عظیم الشان آیت ہے جس میں اسلام کے مکمل اور غیر منسوخ ہونے کی خبر دی گئی،لیکن انہوں نے اس کے نزول پر کوئی خوشی نہ منائی،ہم ایسے قدر دان ہیں کہ اگر یہ آیت ہماری توریت میں ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن تاقیامت عید مناتے۔آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بے وقوف جس دن یہ آیت اتری ہے اس دن قدرتی طور پر اسلام کی دو عیدیں جمع تھیں۔عرفہ کا دن وہ عید اور جمعہ بھی عید۔خیال رہے کہ یہ آیت حج اکبر کے دن عرفات کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری۔اس سے معلوم ہوا کہ جن تاریخوں میں اللہ کی نعمت ملے انہیں عید بنانا شرعًا اچھا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ سوال کرنے والے حضرت کعب احبار اور ان کی جماعت تھی جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے یہ سوال کیا تھا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب رجب آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے الٰہی ہمیں رجب اور شعبان میں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا۱فرماتے ہیں کہ حضور فرماتے تھے جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمک دار دن	

	ہے ۲؎(بیہقی،دعوات کبیر)

۱؎ صوفیائے کرام فرماتے کہ رجب تخم بونے کا مہینہ ہے،شعبان پانی دینے اور رمضان کاٹنے کا،کہ رجب میں نوافل میں خوب کوشش کرو،شعبان میں اپنے گناہوں پر روؤ اور رمضان میں رب تعالٰی کو راضی کرکے اس کھیت کو خیریت سے کاٹو۔ان کے اس قول کا ماخذ یہ حدیث ہے یعنی رجب میں ہماری عبادتوں میں برکت دے اور شعبان میں خشوع و خضوع دے،اور رمضان کا پانا اس میں روزے اور قیام نصیب کر۔

۲؎ لہذا اس رات میں بھی خوب عبادت کرو اور دن میں بھی۔

باب وجوبها

جمعہ واجب ہونے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] واجب سے مراد فرض ہے۔فتح القدیر نے فرمایا کہ جمعہ دائمی فریضۂ اسلام ہےاور اس کی فرضیت ظہر سے زیادہ تاکیدی،جس کا منکر بالاتفاق کافر ہے،بعض بیوقوفوں نے اسے فرض کفایہ کہا یہ غلط محض ہے۔فرض کفایہ وہ ہے کہ سب پر فرض ہو مگر بعض کی ادا سے سب بری الذمہ ہوجائیں،جمعہ میں یہ بات نہیں،جمعہ دیہاتیوں وغیرہ پر فرض ہی نہیں اور جن پر فرض ہے ان سب کو پڑھنا پڑے گا۔جیسے نماز پنجگانہ حائضہ اور نفاس والی عورتوں پر فرض ہی نہیں مگر جن پر فرض ہے وہ سب پڑھیں،لہذا نہ نماز پنجگانہ کو فرض کفایہ کہہ سکتے ہیں اور نہ جمعہ کو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر وابوہریرہ سے وہ دونوں فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کی لکڑیوں پر فرماتے سنا کہ لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کردے گا پھر وہ غافلوں سے ہوجائیں گے[1](مسلم)

[1] یعنی جو سستی سے جمعہ ادا نہ کرے اس کے دل پر غفلت کی مہر لگ جائے گی جس کی وجہ سے ان کے دل گناہ پر دلیر ہوں گے اور نیکیوں میں سست۔خیال رہے کہ یہاں روئے سخن یا تو ان منافقوں کی طرف ہے جو جمعہ میں حاضر نہ ہوتے تھے یا آیندہ آنے والے مسلمانوں کی طرف ہے ورنہ کوئی صحابی تارک جمعہ نہ تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوالجعد ضمری سے[1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تین جمعے سستی سے چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر کردے گا[2](ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کا نام وہب ہے،کنیت ابوجعد قبیلہ بنی ضمرہ ابن بکر ابن عبد مناف سے ہیں۔ان کے نام میں بڑا اختلاف ہے،آپ صحابی ہیں اور آپ سے ایک ہی حدیث منقول ہے،جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

۲؎ سستی کی قید سے معلوم ہوا کہ معذور کا یہ حکم نہیں،مہر سے مراد غفلت کی مہر ہے نہ کہ کفر کی کیونکہ جمعہ چھوڑنا فسق ہے،کفر نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض گناہ دل کی سختی کا باعث ہیں اور گناہ صغیرہ بار بار کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتاہے۔

اور مالک نے صفوان ابن سلیم سے،احمد نے ابوقتادہ سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بلاوجہ جمعہ چھوڑ دے تو ایک دینار خیرات کرے اور اگر نہ پائے تو آدھا دینار ۱؎ (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ اس کی اصل یہ ہے کہ صدقہ کی برکت سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے،ورنہ اس صدقہ سے جمعہ کا ثواب نہیں مل سکتا،اس زمانہ میں بعض مفتی مجرموں پر کچھ کفارے کا فتویٰ دیتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جمعہ اس پر ہے جو اذان سنے ۱؎ (ابوداؤد)۲؎	

۱؎ یعنی مضافات شہر میں جہاں تک اذان کی آواز پہنچے ان پر جمعہ فرض ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ شہر کے آس پاس رہنے والوں پر بھی جمعہ فرض ہے جسے فناء شہر کہتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جس شہری نے جمعہ کی اذان سن لی وہ اب بغیر جمعہ پڑھے سفر کو نہ جائے یا یہ مطلب ہے کہ اذان سنتے ہی دنیوی کاروبار چھوڑ دو،جمعہ کی تیاری کرو۔یہاں اذان سے دوسری اذان مراد ہے کیونکہ پہلی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی ہی نہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے اذان اول مراد ہے جو زمانہ عثمانی میں پیدا ہونے والی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے احکام آج بیان فرمادیئے۔

۲؎ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے مگر بیہقی نے اس کی تائید دوسری حدیث سے کی لہذا اب یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جمعہ اس پر ہے جسے رات اس کے گھر میں جگہ دیدے ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ اس حدیث	

	کی اسناد ضعیف ہے۔

۱؎یعنی جو لوگ شہر سے اتنے فاصلہ پر ہوں کہ صبح اپنے وطن سے جائیں،شہر پہنچیں،پھر وہاں جمعہ پڑھ کر چلیں اور شام سے پہلے اپنے گھر آجائیں،چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے اس کے اطلاق پر ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ نے عمل نہ کیا صرف شہر والوں اور مضافات شہر والوں پر جمعہ فرض مانا۔

	روایت ہے حضرت طارق ابن شہاب سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت حق ہے فرض ہے سوائے چار شخصوں کے مملوک غلام،عورت،بچہ،بیمار ۲؎(ابوداؤد)اور شرح سنہ میں بالفاظ مصابیح بنی وائل کے ایک شخص سے۔

۱؎آپ قبیلہ احمس سے ہیں،کوفی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے مگر فرمان بہت کم سنے،زمانہ صدیقی و فارقی میں ۳۴غزوؤں میں شریک ہوئے ۸۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎بیمار سے وہ بیمار مراد ہے جسے مسجد میں آنے میں حرج ہو،یہ مطلب نہیں کہ سر میں درد ہو جمعہ چھوڑ دو۔خیال رہے کہ حصر اضافی ہے ورنہ مجنون،مسافر،نابینا اور گاؤں والوں پر بھی جمعہ فرض نہیں لیکن اگر یہ لوگ جمعہ پڑھ لیں تو ان کا فرض ادا ہوجائے گا اورظہر واجب نہ ہوگی۔خیال رہے کہ جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے یعنی امام کے علاوہ تین آدمی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے متعلق فرمایا جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو حکم دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر ان لوگوں پر جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۱؎(مسلم)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ فرض ہے۔یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو بلاعذر جمعہ نہیں پڑھتے جیسے اس زمانہ کے منافقین اور آج کل کے بہت سے غافل مسلمان۔اس حدیث کی شرح جماعت کے بیان میں گزرچکی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوبلاعذر جمعہ چھوڑ دے وہ اس کتاب میں منافق لکھا جائے گا جس میں نہ محو ہے نہ تبدیلی اوربعض

	روایات میں ہے کہ تین فرمایا ۱(شافعی)

۱یعنی جو تین جمعے بلاعذر چھوڑے وہ منافق عمل ہوگا اور یہ نفاق اس پر ایسا لازم ہوگا کہ پھر اس سے نکلنا مشکل ہوگا۔اس حدیث کا مطلب ہے کیونکہ جمعہ چھوڑنا منافقوں کا سا کام ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ کے دن نماز فرض ہے سواء بیمار یا مسافر یا عورت یا بچہ یا غلام کے ۱جو کھیل کود یا تجارت کی وجہ سے لاپرواہ ہوجائے تو اللہ اس سے لاپرواہ ہوجائے گا اللہ بے پرواہ لائق حمد ہے ۲(دارقطنی)

۱یہاں مسافر کا ذکر بھی آگیا،مسافر خواہ سفر کررہا ہو یا سفر میں کسی جگہ عارضی طور پر ٹھہرا ہوا،دونوں کا یہی حکم ہے ہاں جمعہ کے دن نماز سے پہلے سفر کرنا مکروہ ہے۔

۲جو کام نماز سے روکے وہ کھیل کود ہے خواہ بظاہر کتنا ہی اہم ہواسی لیے اسلام میں جمعہ کے دن دفتر کاروبار،بازار بند رہتے ہیں تاکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے لوگ نماز سے غافل نہ ہوجائیں۔

باب التنظيف والتبكير

صفائی کرنے اور جلدی جانے کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تنظیف نظافت سے بنا، بمعنی صفائی و پاکیزگی، اس میں بدن و کپڑا دونوں کی صفائی داخل ہے اور بدن کی صفائی سے مراد غسل، مسواک، حجامت، زیرناف کے بال لینا، خوشبو استعمال کرنا وغیرہ ہے کہ یہ تمام کام جمعہ کے دن سنت ہیں۔ تبکیر یا با کورہ سے بنا، بمعنی ہر چیز کا اگلا حصہ۔ اسی لیئے شروع دن کو بکرہ اور کنواری لڑکی کو باکرہ کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے نماز جمعہ کے اول وقت سے مسجد میں پہنچ جانا، بعض صوفیا جمعہ کے دن فجر سے ہی مسجد سے نہ آتے تھے یہ تبکیر کا افضل درجہ ہے۔ یہ حضرات غسل و حجامت وغیرہ نماز فجر سے پہلے کر لیتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جو اول خطبہ پالے اس نے تبکیر پر عمل کر لیا۔

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص ۱؎ جمعہ کے دن غسل کرے اور بقدر طاقت صفائی کرے اور اپنے تیل میں سے کچھ لگالے یا اپنے گھر کی خوشبو مل لے ۲؎ پھر مسجد جائے تو دو شخصوں کو الگ نہ کرے ۳؎ پھر جو تقدیر میں لکھی ہے وہ نماز پڑھے ۴؎ پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے ۵؎ اور اب سے دوسرے جمعہ تک اس کے گناہ بخشے نہ جائیں ۶؎ (بخاری)	

۱؎ یہاں صرف مرد کا ذکر ہوا کیونکہ نماز جمعہ صرف مردوں پر فرض ہے عورتوں پر نہیں اور بعض احادیث میں عورتوں کا ذکر ہے وہاں عبارت یہ ہے "مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ" اس لیئے جمعہ میں عورتوں کو آنا بھی مستحب ہے، مگر اب زمانہ خراب ہے عورتیں مسجدوں میں نہ آئیں۔ (مرقاۃ) اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتیں سینماؤں، بازاروں، کھیل تماشوں، اسکولوں، کالجوں میں جائیں، صرف مسجد میں نہ جائیں گھروں میں رہیں، بلاضرورت شرعیہ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اسی لیئے فقیر کا یہ فتویٰ ہے کہ اب عورتوں کو باپردہ مسجدوں میں آنے سے نہ روکو اگر ہم انہیں روکیں تو یہ وہابیوں، مرزائیوں، دیوبندیوں کی مساجد میں پہنچتی ہیں جیسا کہ تجربہ ہوا۔ ان لوگوں نے عورتوں کے لیئے بڑے بڑے انتظامات اپنی اپنی مسجدوں میں کیئے ہوئے ہیں عورتوں کو گمراہ کر کے ان کے خاوندوں اور بچوں کو بہکاتے ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں خوشبو عطر وغیرہ رکھنا اور کبھی ملتے رہنا خصوصًا جمعہ کو ملنا سنت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی۔

۳؎ اس طرح کہ نہ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگے اور نہ ساتھیوں کو چیر کر ان کے درمیان بیٹھے بلکہ جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے۔ بعض لوگ مسجد میں پیچھے پہنچتے ہیں اور پہلی صف میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس سے سبق لیں۔

۴؎ تحیۃ المسجد کے نفل یا سنت جمعہ، پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ جمعہ کی پہلی چار سنتیں گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔ غرضکہ اس سے جمعہ کے فرض مراد نہیں کیونکہ آیندہ خطبہ سننے کا ذکر ہے فرض جمعہ خطبہ کے بعد ہوتے ہیں۔

۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ خطبہ کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، لہذا اس وقت نفل پڑھنا، بات کرنا، کھانا پینا سب حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ جس تک خطبہ کی آواز نہ پہنچتی ہو وہ بھی خاموش رہے کیونکہ یہاں خاموشی کو سننے پر موقوف نہ فرمایا۔

۶؎ دوسرے جمعہ سے مراد آیندہ جمعہ ہے یا گزشتہ، دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ ابن خزیمہ بلکہ ابوداؤد کی روایات میں ہے۔ معلوم ہوا کہ بعض نیکیاں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو غسل کرے پھر جمعہ کو آئے ۱؎ پھر جو مقدر میں ہے وہ نماز پڑھے پھر خاموش بیٹھے حتی کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے پھر اس کے ساتھ نماز پڑھے تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن زیادہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ غسل جمعہ نماز کے لیئے مسنون ہے نہ کہ دن جمعہ کے لیئے لہذا جس پر جمعہ کی نماز نہیں ان کے لیئے غسل سنت نہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جمعہ کا غسل نماز جمعہ سے قریب کرو حتی کہ اس کے وضو سے جمعہ پڑھو۔ مگر حق یہ ہے کہ غسل جمعہ کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جاتا ہے۔

۲؎ یعنی دس دن کے گناہ کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے، پچھلی حدیث میں آٹھ دن کا ذکر تھا یہاں دس کا مگر دونوں درست ہیں۔ جتنا خشوع زیادہ اتنا ثواب زیادہ یا اولًا آٹھ دن کی بخشش کا وعدہ تھا پھر دس دن کا وعدہ ہوا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وضو کرے تو اچھا کرے ۱؎ پھر جمعہ میں آوے تو خاموش رہے اور کان لگا کر سنے ۲؎ تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہ مع تین دن کی زیادتی کے بخش دیئے جائیں گے جس نے کنکر پکڑے اس نے لغو کیا ۳؎ (مسلم)	

۱؎ اس طرح کہ وضو کے فرائض، سنتیں، مستحبات سب ادا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں، سنت ہے۔ جو صرف وضو ہی کرے وہ گنہگار نہیں۔ امام مالک کے ہاں یہ غسل واجب ہے، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

۲؎ اس طرح کہ اگر دور ہو تو صرف خاموش رہے اور اگر امام سے قریب ہو کہ خطبہ کی آواز آ رہی ہو تو کان لگا کر سنے۔

۳؎ یعنی خطبہ کے وقت صرف زبان سے خاموشی کافی نہیں بلکہ سکون واطمینان سے بیٹھنا بھی ضروری ہے،کنکر پتھروں سے کھیلنا بھی ممنوع ہے۔اسی لیئے علماء فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت دامن یا پنکھے سے ہوا کرنا بھی منع ہے اگرچہ گرمی ہو،اس وقت ہمہ تن خطبہ کی طرف متوجہ ہوناضروری ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جمعہ کادن ہوتاہے توفرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں ۱؎ آگے پیچھے آنے والوں کولکھتے ہیں ۲؎ اور دوپہری میں وہاں پہنچنے والے کی مثال اس کی سی ہے جواونٹ کی ہدی بھیجے ۳؎ پھراس کی سی جوگائے کی ہدی بھیجے پھردنبے کی پھر مرغی کی پھرانڈے کی خیرات کرے ۴؎ پھرجب امام نکلتاہے توفرشتے اپنے رجسٹرلپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ غور سے سنتے ہیں ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ فرشتے مخصوص ہیں جن کی ڈیوٹی جمعہ کو لگتی ہے،اعمال لکھنے والے نہیں،بعض نے فرمایا کہ جمعہ کی طلوع فجر سے کھڑے ہوتے ہیں،بعض کے نزدیک آفتاب چمکنے سے،مگرحق یہ ہے کہ سورج ڈھلنے سے شروع ہوتے ہیں کیونکہ اسی وقت سے وقت جمعہ شروع ہوتا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ وہ فرشتے سب آنے والوں کے نام جانتے ہیں۔خیال رہے کہ اگراوگا سوآدمی ایک ساتھ مسجد میں آئیں تووہ سب اول ہیں۔

۳؎ یعنی جوسورج ڈھلتے ہی وقت جمعہ داخل ہوتے ہی مسجد میں آجائے اسے مکہ معظّمہ اونٹ،گائے کہ ہدی بھیجنے والے کاثواب ہے۔

۴؎ اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ حج صرف امیروں پر فرض ہے اسی لیئے ان کی ہدی صرف اونٹ،گائے کی ہوگی مگرجمعہ غریبوں پر بھی فرض ہے اسی لیئے ان کی یہ ہدی مرغی کے انڈے کی بھی قبول ہے،لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہدی توصرف اونٹ،گائے،بکری کی ہوتی ہے یہاں مرغی،انڈے کاذکر کیوں ہوا۔خیال رہے کہ ہدی قربانی کا وہ جانور ہے جومکہ معظّمہ ذبحہ کے لیئے بھیجاجائے گا کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے۔

۵؎ یعنی جب امام خطبہ کے لیئے منبرپرآتاہے تویہ فرشتے اپنے دفترلپیٹ کرانسانوں کے ساتھ خطبہ سننے لگتے ہیں،اب جواس وقت آئے گانہ اس کانام ان کے دفتر میں لکھاجائے گانہ اسے جلدآنے کاثواب ملے گا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگرجمعہ کے دن تواپنے ساتھی سے کہے کہ چپ رہوجب کہ امام خطبہ پڑھتاہوتب بھی تم نے بیہودہ کام کیا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت دینی بات کرنا بھی منع ہے۔دیکھواس وقت خاموشی کاحکم دینا **امر بالمعروف** ہے مگرمنع ہے لہٰذااس وقت تلاوتِ قرآن،سنت ونفل نمازسب ہی منع ہے کہ یہ چیزیں **امر بالمعروف** سے کم ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اس حالت میں بولنے والوں کوہاتھ سے خاموشی کااشارہ کرے۔خیال رہے کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت خطبہ ایک شخص کوسنتیں پڑھنے کاحکم دیاوہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیرخاموش رہے جیسے حضرات حسنین کی آمدپرآپ نے خطبہ بندکردیاانہیں گود میں لے

لیالہٰذاوہ احادیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ یہاں خطبہ جاری رہنے کی حالت مراد ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ خطیب خطبہ روک کر کسی سے کلام کرسکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت عثمان سے خطبہ کی حالت میں پوچھا کہ دیر میں کیوں پہنچے اور صرف وضو کرکے کیوں آئے، غسل کیوں نہیں کیا۔غرضکہ سامعین کااور حکم ہے خطیب کااور حکم اور خطیب بھی تبلیغی کام کرسکتا ہے دنیوی نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ خطبہ سے پہلے مؤذن کالوگوں کو یہ حدیث پڑھ کرسنانا بدعت حسنہ ہے لیکن خطیب کامنبر پر پہنچ کرلوگوں کو سلام کرنا ناجائز۔یونہی خطبے کے دوران میں دعائیہ کلمات پر مؤذن کااونچی آواز سے آمین کہنا منع۔خیال رہے کہ روافض اپنے خطبوں میں خلفائے راشدین کو گالیاں دیا کرتے تھے ان کے مقابلے میں اہل سنت ان کے نام لے کران پر درود بھیجتے ہیں۔حضرت عمرابن عبدالعزیز نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ اہل بیت اطہار کو خطبہ میں گالیاں دیتے تھے تو انہوں نے یہ تلاوت فرمائی:"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسٰنِ "الخ۔یہ سب بدعتیں ہیں مگر چونکہ انہیں مسلمان اچھا جانتے ہیں اس لیئے اچھی ہیں۔(مرقاۃ)اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ہر بدعت کو حرام کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو نہ اٹھائے کہ پھر اس کی جگہ جاکر بیٹھ جائے ہاں یہ کہہ دے کہ جگہ میں گنجائش کرو ا(مسلم)

ا کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا ہمیشہ ہی منع ہے خصوصًا جمعہ میں زیادہ منع کہ اس دن ایک گناہ کا عذاب بھی ستر گناہ ہے،ہاں اگر کوئی خود ہی اپنے استاد یا شیخ کے لیئے جگہ چھوڑ دے تو ثواب کا مستحق ہے کہ دینی پیشوا کا احترام عبادت ہے۔حضرت صدیق اکبر نے عین نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے مصلی چھوڑ دیا اور مقتدی بن گئے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید وابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعہ کے دن غسل کرے وہ اپنے بہترین کپڑے پہنے ا اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو لگائے ۲ پھر جمعہ میں آئے تو لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے پھر جو اس کے مقدر میں لکھا ہے نماز پڑھ لے پھر جب امام نکلے تو خاموش رہے حتی کہ نماز سے فارغ ہوجائے ۳ تو اس جمعے اور اگلے جمعہ کے درمیان کا کفارہ ہوگا۔(ابوداؤد)

ا بعض علماء فرماتے ہیں کہ مرد کے لیئے سفید کپڑے بہتر ہیں عورت کے لیئے رنگین،مرد کے لیئے سرخ وپیلے کپڑے منع ہیں خواہ بننے کے بعد رنگے گئے ہوں یا رنگے ہوئے سوت سے بنے گئے ہوں۔(مرقاۃ)

۲؎ صرف مرد لگائے،عورتوں کو خوشبو لگا کر نکلنا منع ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ خوشبو لوگوں سے مانگے نہیں کہ سوال منع ہے۔
۳؎ صاحبین کے ہاں خطبہ شروع ہونے سے کلام سلام منع ہے،ان کی دلیل پچھلی حدیثیں تھیں۔امام اعظم کے نزدیک امام کے خطبے کے لیئے نکلنے سے کلام وسلام حرام ہوجاتا ہے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر مذہب امام اعظم قوی ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور دونوں حدیثوں پر عمل بھی۔

روایت ہے حضرت اوس ابن اوس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جمعہ کے دن نہلائے اور نہائے۱؎ اور جلدی آئے اور جلدی کام کرے۲؎ اور پیدل آئے سوار نہ ہو۳؎ اور امام سے قریب بیٹھے اور کان لگا کر سنے۴؎ اور کوئی بیہودگی نہ کرے تو اسے ہر قدم کے عوض ایک سال کے عمل روزوں اور شب بیداریوں کا ثواب ملے گا۵؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی نماز سے پہلے بیوی سے صحبت کرے تاکہ وہ بھی نہائے اور یہ بھی نہائے اور جمعہ کے وقت دل میں سکون رہے،نگاہیں نیچی رہیں۔بعض نے فرمایا ان دو لفظوں کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے دھوئے اور خود نہائے،بعض کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ خطمی وغیرہ سے سر دھوئے اور نہائے۔
۲؎ یعنی مسجد میں بھی جلد حاضر ہو اور جو نیکیاں کرنی ہوں ذکر،تلاوت،صدقہ،خیرات وہ سب کچھ جلدی کرے اسی لیئے بعض حضرات زیارت قبور بھی نماز سے پہلے ہی کرتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔
۳؎ تاکہ ہر قدم پر نیکیاں ملیں عید کے دن عید گاہ کو پیدل جانا بھی بہتر ہے۔
۴؎ تاکہ خطبہ سنے بھی اور خاموش بھی رہے کیونکہ دور والا خاموش تو رہے گا سن نہ سکے گا،کوشش کرے کہ صف اول میں بیٹھے۔
۵؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،یہ مسجد میں آنے کا ثواب ہے پچھلی حدیثوں کا مضمون اس کے خلاف نہیں،اجر بقدر عمل ملتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سلام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی پر کیا دشوار ہے کہ اگر ممکن ہو تو جمعہ کے دن کے لیئے دو کپڑے کام کاج کے کپڑوں کے سوا بنالے۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یہ بھی مستحب ہے کہ جمعہ کا جوڑا الگ رکھے جو بوقت نماز پہن لیا کرے اور بعد میں اتار دیا کرے،امام زین العابدین تو نماز پنجگانہ کے لئے جوڑا رکھتے تھے۔

اور مالک نے یحیی ابن سعید سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خطبے میں حاضر رہو امام کے قریب	

	بیٹھو کیونکہ انسان دور ہوتا رہتا ہے حتی کہ جنت میں پیچھے بھیجا جائے گا اگرچہ داخل ہوجائے۱(ابوداؤد)

۱خیال رہے کہ بارگاہ الٰہی میں اخلاص اور اس کا جوش مقبول ہے نہ کہ فقط ظاہری عمل لہٰذا جو جمعہ میں سستی سے آئے اور دیر میں پہنچے اگرچہ اس کا جمعہ تو ہوجائے گا مگر وہ ثواب نہ ملے گا جو جلدی پہنچنے والے کو ملتا ہے۔اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نفیس طریقہ سے سمجھایا کہ ایسا آدمی اگرچہ جنت میں جائے گا مگر جلدی حاضر ہونے والوں سے پیچھے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن انس جہنی سے وہ اپنے والد سے راوی۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے دوزخ کی طرف پل بنالیا۲(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱مرقاۃ میں ہے کہ مؤلف سے اس نام سے بھول ہوئی کیونکہ معاذ ابن انس کے والد یعنی انس جہنی صحابی نہیں۔حق یہ ہے کہ عبارت یوں ہے"عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ"یا یہاں"عَنْ اَبِيْهِ"درست نہیں۔واللہ اعلم!

۲یعنی یہ پھلانگنا سخت گناہ ہے اور دوزخ میں جانے کا ذریعہ کیونکہ اس میں مسلمانوں کی توہین بھی ہے اور ایذا بھی،ہاں اگر اگلی صفوں میں جگہ ہو اور لوگ سستی سے پیچھے بیٹھ گئے ہوں تو اس جگہ کو پُر کرنے کے لیئے آگے جاسکتا ہے کیونکہ یہاں قصور ان بیٹھنے والوں کا ہے نہ کہ اس کا۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن آکڑوں بیٹھنے سے منع فرمایا جب کہ امام خطبہ پڑھتا ہو ۱(ترمذی،ابوداؤد)

۱کیونکہ اس بیٹھک میں نیند بھی آتی ہے اور ریح نکلنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔بزرگانِ دین تو فرماتے ہیں کہ دوزانو بیٹھ کر خطبہ سنے پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھے اور دوسرے میں زانوؤں پر ہاتھ رکھے تو ان شاءاللہ دو رکعت کا ثواب ملے گا کیونکہ خطبہ فرض ظہر کے دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اونگھے تو اپنی جگہ سے ہٹ جائے۱(ترمذی)

۱یہ حکم استحبابی ہے اونگھ دفع کرنے کے لیئے یا یہ مطلب ہے کہ یہاں سے اٹھ جائے دوسری جگہ جاکر بیٹھ جائے یا یہ مطلب ہے کہ وضو کی جگہ جاکر ہاتھ منہ دھوآئے،مقصود تو نیند دفع کرنا ہے جیسے بھی ہوجائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

1395 - [15](متفق علیہ)	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو

عن نافع قال: سمعت ابن عمر یقول: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن یقیم الرجل الرجل من مقعدہ ویجلس فیہ . قیل لنافع: فی الجمعۃ قال: فی الجمعۃ وغیرہا	فرماتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی کسی کو اس جگہ سے اٹھائے اور وہاں خود بیٹھ جائے۱ نافع سے کہا گیا کہ کیا جمعہ میں فرمایا جمعہ میں اور غیر جمعہ میں ۲(مسلم،بخاری)

۱حدیث کی عبارت سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ دونوں کام الگ منع ہیں جو صرف اٹھائے مگر اس کی جگہ بیٹھے نہیں تو ایک گناہ کا مرتکب ہے اور جو بیٹھ بھی جائے وہ دوگنا کا۔اس حکم سے وہ صورتیں علیحدہ ہیں جہاں شرعًا اٹھانا جائز ہو۔امام اپنے مصلےٰ سے مؤذن اپنی تکبیر کی جگہ سے دوسرے کو ہٹا سکتا ہے،ایسے ہی اگر یہ جگہ پہلے سے کسی اور آدمی کی تھی وہ اپنا رومال یا پگڑی رکھ کر وضو کرنے گیا دوسرا اس کی جگہ بیٹھ گیا وہ اسے اٹھا سکتا ہے

۲دوسری مجلسوں میں بھی۔خیال رہے کہ کسی کے گھر جاکر اس کی عزت کی جگہ نہ بیٹھو اگر تم بیٹھ گئے تو صاحبِ خانہ تمہیں وہاں سے اٹھا سکتا ہے کیونکہ یہ جگہ اس کی اپنی ہے اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **مِنْ مَقْعَدِہٖ** فرمایا یعنی بیٹھے ہوئے کو اس کی اپنی جگہ سے نہ ہٹاؤ اور یہاں یہ جگہ اس کی تھی ہی نہیں۔

1396 - [16](حسن) وعن عبد اللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " یحضر الجمعۃ ثلاثۃ نفر: فرجل حضرہا بلغو فذلک حظہ منہا . ورجل حضرہا بدعاء فہو رجل دعا اللہ إن شاء إعطاہ وإن شاء منعہ . ورجل حضرہ بإنصات وسکوت ولم یتخط رقبۃ مسلم ولم یؤذ إحدا فہی کفارۃ إلی الجمعۃ التی تلیہا وزیادۃ ثلاثۃ إیام وذلک بأن اللہ یقول: (من جاء بالحسنۃ فلہ عشر إمثالہا . .) رواہ إبو داود	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ میں تین طرح کے شخص آتے ہیں جو وہاں بیہودگی کے لیئے گیا تو اس کا یہی حصہ ہے۱ اور جو شخص وہاں دعا کے لیئے حاضر ہوا تو یہ ایسا شخص ہے جس نے اللہ سے دعا مانگی اگر چاہے دیدے چاہے منع کردے۲ اور وہ شخص جو وہاں سننے اور خاموشی کے لیئے گیا نہ کسی مسلمان کی گردن پھلانگی اور نہ کسی کو ایذاء دی تو یہ جمعہ اگلے جمعے اور تین دن زیادہ کے لیے کفارہ ۳یہ اس لیے ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ جو نیکی لایا اس کے لیئے دس گنا ہیں۔(ابوداؤد)

۱یعنی بعض لوگ جمعہ میں محض شغل کے لیئے جاتے ہیں اور مسجد و نماز کے آداب کا لحاظ نہیں رکھتے وہ بجائے ثواب گنہگار ہوکر لوٹتے ہیں۔اس میں بہت صورتیں داخل ہیں: عورتوں کی تاک جھانک کرنے،جوتا چرانے، محض جلسہ و مجمع دیکھنے،مسجد میں دوستوں سے خوش گپیاں کرنے وغیرہ کے لیئے وہاں جانا یا نمازی حکام سے عرض معروض کرنے کہ یہاں بآسانی ان سے ملاقات ہوجائے گی یا مالداروں سے بھیک مانگنے۔غرضکہ کسی فاسد نیت سے جمعہ میں جانا محرومی کا ذریعہ ہے۔

۲یہ جملہ تصوف کی جڑ ہے کہ عبادات محض دعاؤں یا حاجت روائی یا مشکل کشائی کے لیئے نہ کرو،رب کو راضی کرنے کے لیئے کرو،اگر اس کی رضا نصیب ہوگئی سب کچھ مل جائے گا۔خیال رہے کہ خطبہ میں زبان سے دعا مانگنا حرام ہے۔

۳یعنی ان لوگوں کی نیت صرف اطاعت اور عبادت ہے نہ کہ محض دعا مانگنا،یہ دعا بھی مانگتے ہیں تو اس لیئے کہ رب کا حکم ہے،یہ لوگ بہت کامیاب لوٹتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں انصاف اور سکون علیحدہ معنی میں ہے امام سے دور فقط خاموش رہے، پاس والا بھی خاموش رہے اور سنے بھی۔

1397 - [17](ضعیف) وعن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " من تکلم یوم الجمعۃ والإمام یخطب فهو کمثل الحمار یحمل إسفارا والذی یقول لہ إنصت لیس لہ جمعۃ". رواہ احمد	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جمعہ کے دن امام کے خطبہ پڑھتے ہوئے باتیں کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کا دفتر اٹھائے ۱؎ اور جو اس سے کہتا ہے خاموش رہو اس کا جمعہ نہیں ۲؎ (احمد)

۱؎ جیسے یہ گدھا کتابوں کے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا صرف بوجھ میں دبتا ہے ایسے ہی یہ شخص خطبہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا محض آنے جانے کی تکلیف برداشت کرتا ہے، یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ بحالت خطبہ دینی و دنیوی کوئی گفتگو جائز نہیں۔امام احمد نے دور والے سامعین کو جہاں خطبہ کی آواز نہ پہنچتی ہو ذکر کی اجازت دی، یہ حدیث ان کے خلاف ہے کیونکہ یہاں کلام مطلق ہے۔

۲؎ یعنی اس کا جمعہ کامل نہیں کیونکہ یہ اپنی نصیحت پر خود عامل نہیں کہ اوروں کو تو خاموش کررہا ہے خود بولتا ہے۔خیال رہے کہ بعض دفعہ صحابہ نے بحالت خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کرائی ہے، بعض نے قیامت کے بارے میں کچھ پوچھا ہے ان کی وہ عرض و معروض یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے تھی یا ختم ہونے کے بعد یا وہ سب کچھ اس حدیث سے منسوخ ہے یا ان بزرگوں کی خصوصیات ہے، لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ممانعتِ کلام کی حدیث کی تائید قرآن پاک سے ہورہی ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ"(ھٰکَذَا قَالُوْا)

1398 - [18](صحیح)وعن عبید بن السباق مرسلا قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جمعۃ من الجمع: " یا معشر المسلمین إن ہذا یوم جعلہ اللہ عیدا فاغتسلوا ومن کان عندہ طیب فلا یضرہ إن یمس منہ وعلیکم بالسواک". رواہ مالک	روایت ہے حضرت عبید ابن سباق سے (ارسلاً)۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ نے عید بنایا لہذا نہاؤ اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اسے لگانے میں ضرر نہیں ۲؎ اور مسواک لازم پکڑو ۳؎ (مالک)

۱؎ کیونکہ عبید تابعی ہیں،وہ بغیر صحابی کا ذکر کیئے حدیث بیان فرمارہے ہیں،اسی کا نام ارسال ہے۔

۲؎ یعنی جمعہ ہفتہ کی عید ہے اس میں خوشی جشن اور مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اگر میلے کچیلے گئے تو کپڑوں اور جسم کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، بعض حضرات عید میلاد، عرس بزرگان میں نہاکر، صاف کپڑے پہن کر جاتے ہیں، ان کی اصل یہ حدیث ہے۔جب مسلمانوں کے مجمع میں جانا ہو وہاں اچھے لباس اور پاکیزہ جسم سے جانا چاہیئے اسی لیئے عرفات میں غسل کرنا، صاف کپڑے پہننا سنت ہے۔نقصان نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عطر وخوشبو عورتوں کے لیئے خاص نہیں جیسا کہ اس زمانہ میں لوگوں کا خیال تھا اور اس سے بھوت پلید چمٹتے ہیں جیسا کہ مشرکینِ ہند کا عقیدہ ہے اسی لیئے پرانے ہندو عطر نہیں ملتے۔

۳؎ یعنی جمعہ کے وضو میں مسواک کرو۔یہ مطلب نہیں کہ نماز پڑھتے وقت مسواک کرو کیونکہ مسواک سنت وضو ہے نہ کہ سنت نماز جیسا کہ وضو کی بحث میں عرض کیا جاچکا۔

1399 - [19](لم تتم دراستہ) ورواہ ابن ماجہ عنہ وہو عن ابن عباس متصلا	اور ابن ماجہ نے ان سے اور انہوں نے ابن عباس سے متصلًا روایت کی۔

1400 - [20](حسن) وعن البراء قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " حقا علی المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعۃ ولیمس احد ہم من طیب اہلہ فان لم یجد فالماء لہ طیب " . رواہ احمد والترمذی وقال: ہذا حدیث حسن	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جمعہ کے دن غسل کریں۱؎ اور اپنے گھر کی خوشبو سے لگائیں اگر نہ پائیں تو پانی ہی اس کے لیئے خوشبو ہے۲؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ حقًااگروجوب کیلئے ہے تو منسوخ ہے کہ شروع میں جب مسلمانوں پر غریبی بہت تھی، موٹا پہنتے تھے، دھوپ میں کام کرتے تھے تب جمعہ کا غسل فرض تھا، پھر فرضیت منسوخ ہوگئی، سنت باقی ہے اور اگر سنت مراد ہے تو حدیث محکم، بعض علماء کے نزدیک غسل جمعہ ہر مسلمان کے لیئے سنت ہے نماز کو آئے یا نہ آئے، ان کا ماخذ یہ حدیث ہے مگر یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ یہاں خطاب جمعہ پڑھنے والوں کے لیئے ہے، نیز ان کے ہاں بھی جمعہ نہ پڑھنے والوں کے لیئے خوشبو لگانا سنت نہیں۔

۲؎ یعنی اگر عطر خریدنے کی طاقت نہ ہو مگر اس کی تمنا ہو تو اسے غسل میں ہی اس کا ثواب بھی مل جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ عطر کسی سے مانگو مت گھر میں ہو تو لگالو ورنہ خیر۔

باب الخطبة والصلوة

خطبےاور نماز کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱خطبہ کے لغوی معنی ہیں لوگوں سے خطاب کرنا۔شریعت میں اس کلام کو خطبہ کہا جاتا ہے جس میں شہادتیں،نصیحتیں وغیرہ ہوں۔خطبہ جمعہ کی نماز کے لیئے شرط ہے،عیدین کے لیئے سنت،نکاح وعظ سے پہلے بھی سنت ہے۔مسنون یہ ہے کہ خطبہ جمعہ نماز سے کم ہو،عربی کے سوا اور زبان میں اذان،تکبیر،خطبہ پڑھنا بدعت قبیحہ ہے کیونکہ خلفائے راشدین نے فارس،روم اورحبشہ وغیرہ ایسے ملک فتح کیئے جہاں کی زبان عربی نہ تھی لیکن کہیں ثابت نہیں کہ ان ملکوں میں یہ چیزیں غیر عربی میں پڑھی گئی ہوں۔خطبہ سے مراد صرف وعظ ونصیحت مراد نہیں تاکہ سامعین کا سمجھنا ضروری ہوبلکہ اس کا مقصود اللہ کا ذکرہے جس کے لیئے زبان عربی موزوں ہے۔قرآن کریم نے خطبہ کو ذکراللہ فرمایا وعظ نہیں کہا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ"۔سامعین کو وعظ خطبہ سے پہلے سنالو،خطبہ میں فارسی یا اردو داخل کرکے شعار اسلامی کیوں بگاڑتے ہو۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھل جانے پر جمعہ پڑھتے تھے ۱(بخاری)	

۱یعنی زوال سے پہلے یا زوال کے وقت جمعہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ ظہر کے وقت میں ادا کرتے تھے،چونکہ جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے اس لیئے اسی وقت میں ادا ہوگا۔یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ جمعہ آفتاب ڈھلنے سے پہلے جائز نہیں،امام احمد کے ہاں وقت جمعہ سورج نکلنے سے شروع ہوجاتا ہے،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں ہم دوپہر کا کھانا اور آرام جمعہ کے بعد ہی کرتے تھے ۱(مسلم،بخاری)	

۱یعنی جمعہ کے دن ہم دوپہر کا آرام بھی نہ کرتے تھے اور کھانا بھی نہ کھاتے تھے،وہ وقت تیاریٔ جمعہ میں گزارتے تھے،یہ دونوں کام نماز جمعہ کے بعد کرتے تھے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز جمعہ سویرے ہی پڑھ لیتے تھے جس کے بعد ناشتہ اور قیلولہ کاوقت آتاتھا کہ یہ معنی گزشتہ حدیث کے خلاف ہیں لہذا یہ حدیث حنفیوں کے مخالف نہیں یعنی کھانے کی وجہ سے نماز آگے نہ کرتے تھے بلکہ نماز کی وجہ سے کھانا اور آرام پیچھے کردیتے تھے،چونکہ جمعہ کے بعد کا یہ کھانا اور آرام ناشتہ اور قیلولہ کا قائم قام تھا اس لیئے اسے ناشتہ اور قیلولہ کہہ دیا گیا ورنہ لغۃً نہ یہ آرام

قیلولہ ہے اور نہ یہ کھانا ناشتہ۔خیال رہے کہ یہ حدیث ان بزرگوں کی انتہائی دلیل ہے جو زوال سے پہلے نماز جمعہ جائز مانتے ہیں۔فقیر کی اس تقریر سے حدیث واضح ہوگئی۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سخت سردی ہوتی تو نماز جلدی پڑھ لیتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرتے یعنی جمعہ کی ۱؎(بخاری)

۱؎یہ حدیث امام اعظم کی بہت قوی دلیل ہے کہ نماز جمعہ ظہر کی طرح سردیوں میں جلدی پڑھو اور گرمیوں میں دیر سے۔امام شافعی کے ہاں جمعہ ہمیشہ جلدی پڑھنا سنت ہے لیکن یہ حدیث ان کے سخت خلاف ہے،اس کی کوئی تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق وعمر فاروق کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان جب ہوتی تھی جب امام ممبر پر بیٹھتا۱؎ جب حضرت عثمان کا زمانہ ہوا اورلوگ بڑھ گئے تو آپ نے مقام زوراء پر تیسری اذان زیادہ کی۲؎(بخاری)

۱؎یعنی پہلی اذان خطبے کی ہوتی ہے اور دوسری اذان خطبہ کے بعد یعنی تکبیر۔شریعت میں تکبیر کو بھی اذان کہا جاتا ہے اس حدیث کی بنا پر بعض لوگوں نے کہا کہ خطبہ کی اذان سے تجارتیں اور دنیاوی کاروبار حرام ہوتے ہیں کیونکہ آیت کریمہ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ"الخ جب نازل ہوئی تو پہلی اذان تھی ہی نہیں۔

۲؎زوراء کے معنی دور بھی ہیں اور ٹیڑھا بھی۔اہل عرب کہتے ہیں قَوْسٌ زَوْرَآءُ ٹیڑھی کمان اور کہتے ہیں اَرْضٌ زَوْرَاءٌ دور کی زمین۔یہاں مدینہ منورہ کی وہ جگہ مراد ہے جو مسجد سے دور اور مسجد کے مقابل سے ہٹی ہوئی بازار میں تھی،چونکہ یہ اذان ایجاد کے لحاظ سے تیسری ہے اس لیئے اسے ثالث فرمایا گیا۔ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ تک یہ اذان مسجد سے دور ہوتی رہی،ہشام نے اسے داخل مسجد کیا۔(مرقاۃ)اب تک یہی رواج ہے اسی لیئے اس اذان کو حضرت ابن عمر بدعت فرماتے ہیں یعنی بدعت حسنہ۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کی اذان بھی مسجد سے باہر ہو مگر امام کے مقابل کیونکہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلی اذان تھی ہی نہیں تو اگر یہ اذان بھی تکبیر کی طرح اندرون مسجد آہستہ آہستہ ہوجاتی ہو تو باہر والوں کو نماز کی اطلاع کیسے ہوسکتی تھی۔خیال رہے فتوٰی اس پر ہے کہ تجارتیں اور کاروبار بند کرنا اذان اول پر فرض ہے کیونکہ اِذَا نُوْدِیَ مطلق ہے آیت کے معنے یہ ہیں کہ جب جمعہ کی ندا ہوجائے کاروبار چھوڑدو خواہ خطبہ کے وقت ہو یا اس سے پہلے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے تھے جن کے درمیان آپ

بیٹھتے تھے اقرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے آپ کی نماز بھی درمیانی تھی اور خطبہ بھی درمیانی۔(مسلم)	

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جمعہ کے لیئے خطبے دو پڑھے جائیں۔دوسرے یہ کہ خطبہ میں قرآن کریم کی آیت بھی تلاوت کی جائے۔تیسرے یہ کہ خطبے میں وعظ و نصیحت کے الفاظ بھی ہوں۔چوتھے یہ کہ خطبہ نہ بہت دراز ہو نہ بہت مختصر۔پانچویں یہ کہ دوخطبوں کے درمیان منبر پر بیٹھ کر فاصلہ کرے۔خیال رہے کہ خلفاء اورصحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کا ذکر نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ سنت صحابہ،بلکہ بدعت حسنہ ہے جس کی وجہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں یہ ضرور کی جائے۔جو لوگ ہر بدعت کو حرام کہتے ہیں وہ اس کو کیا کہیں گے۔

روایت ہے حضرت عمار سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مرد کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبے کو مختصر کرنا اس کے عالم ہونے کی علامت ہے لہذا نماز دراز کرو اور خطبہ مختصر ۱؎ اور بعض بیان جادو ہیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی فرض جمعہ خطبہ جمعہ سے بڑے ہوں کیونکہ نماز مقصود ہے،خطبہ اس کے تابع،نیز خطبہ میں خلق سے خطاب ہے اور نماز میں خالق سے عرض و معروض لہذا یہ دراز چاہیئے،مگر خطبہ اتنا مختصر بھی نہ ہو کہ اس کی سنتیں رہ جائیں۔

۲؎ یعنی بعض خطبے اور وعظ دلوں پر جادو سا اثر رکھتے ہیں لہذا اسے دراز نہ کرو تاکہ ریاوفخر پیدا نہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں کہ پڑھنے میں تھوڑے اور اثر میں زیادہ لہذا خطبہ چھوٹا ہو مگر مؤثر ہو۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آوازشریف بلند ہوجاتی اور آپ کا غضب سخت ہوجاتا(ایسا معلوم ہوتا)کہ آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں فرماتے ہیں کہ صبح کو تم پر آن پڑے گا یا شام کو ۱؎ اور فرماتے ہیں کہ میں اور قیامت اِن دو کی طرح بھیجا گیا ہوں اپنی کلمے اور بیچ کی انگلی کو ملاتے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی خطبہ کی نصائح کا اثر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے قلب شریف پر ہوتا تھا جس کی علامتیں آپ کی آواز اور آنکھوں سے نمودار ہوتی تھیں۔تبلیغ وہی مؤثر ہوتی ہے جس کا اثر مبلغ کے دل میں ہو۔خیال رہے کہ یہاں غصہ سے مراد جلال الٰہی اورعظمت ربانی کی تجلیات کا آپ کے چہرے پر ظاہر ہونا ہے نہ کسی پر ناراض ہونا۔لشکروں سے مراد

حضرت ملک الموت کالشکر ہے،یعنی موت قریب ہے تیاری کرو،صبح کے وقت شام کی امید نہ کرو اور شام کے وقت صبح کی۔

۲؎یعنی جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان فاصلہ نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کسی نبی کا فاصلہ نہیں میرا دین تا قیامت ہے یا جیسے یہ دو انگلیاں بہت ہی قریب ہیں ایسے ہی قیامت اب بہت ہی قریب ہے دنیا کی عمر کا بہت حصہ گزر چکا تھوڑا باقی ہے یا جیسے یہ دو انگلیاں ایک دوسرے پر ظاہر ہیں ایسے ہی قیامت مجھ پر ظاہر ہے،میں اس کے حالات اور اس کے آنے کی تاریخ سے خبردار ہوں۔

	روایت ہے حضرت یعلیٰ ابن امیہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ آیت پڑھتے سنا"وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ"الخ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس آیت میں اس پکار کا ذکر ہے جو جہنمی عذاب سے تنگ آکر مالک سے فریاد کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ میں ڈرانے والی آیتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے کہ ان سے دل نرم ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ ابن النعمان سے فرماتی ہیں کہ میں نے سورۂ ق والقرآن المجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ہی یاد کی جسے آپ ہر جمعہ کو منبر پر پڑھتے تھے جب کہ لوگوں کو خطبہ فرماتے ۱؎(مسلم)

۱؎اس طرح کہ کسی خطبہ میں سورۂ قٓ کی کوئی آیت اور کسی میں دوسری آیت کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۂ قٓ کسی خطبہ میں نہیں پڑھی یہ چونکہ جمعہ میں حاضر رہتی تھیں اس لیئے سنتے سنتے اس سورۃ کی حافظہ ہوگئیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن حریث سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اس حال میں خطبہ دیا کہ آپ پر سیاہ عمامہ تھا جس کے دونوں کنارے اپنے دونوں کندھوں کے بیچ لٹکائے تھے ۱؎(مسلم)

۱؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:کہ ایک یہ کہ خطبہ و نماز عمامہ سے بہتر ہے۔ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ عمامہ کی نماز ستر نمازوں سے افضل ہے۔دوسرے یہ کہ سیاہ عمامہ بھی سنت ہے۔تیسرے یہ کہ بغیر شملہ کا عمامہ سنت کے خلاف ہے،شملہ ضرور چاہیئے۔چوتھے یہ کہ عمامہ کے دو شملے ہونا افضل ہیں اور دونوں پشت پر پڑے ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ سات ہاتھ کا تھا اور شملہ ایک بالشت سے کچھ زیادہ،امیر معاویہ اور حضرت

ابودرداء اکثر سیاہ عمامہ باندھتے تھے،اسی سنت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان ابن عوف کے سیاہ عمامہ باندھا تھا یہ واقعہ جو یہاں مذکور ہوا آپ کے مرض وفات کے خطبہ کا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس حال میں آئے کہ امام خطبہ پڑھنا چاہتا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے اور ان میں اختصار کرے ۱؎(مسلم)

۱؎ان دو رکعتوں سے مراد تحیۃ المسجد کے نفل ہیں۔یَخْطُبُ کے معنی ارادۂ خطبہ ہیں نہ کہ خطبہ پڑھنا کیونکہ خطبہ کی حالت میں کلام،وظیفہ،نماز نفل سب حرام ہیں۔چنانچہ مؤطا امام مالک میں حضرت زہری سے مروی ہے کہ امام کا نکلنا نماز کو ختم کردیتا ہے اور امام کا بولنا کلام کو بند کردیتا ہے اور ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت علی وابن عمر امام کے نکلنے کے بعد نماز و کلام سب مکروہ کہتے تھے،نیز انہی ابن ابی شیبہ نے حضرت عروہ سے روایت کی کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو نماز جائز نہیں،اور امام زہری سے روایت کی کہ جو جمعہ کے دن خطبہ کی حالت میں آئے وہ بیٹھ جائے،نماز نہ پڑھے،امام شافعی و امام احمد نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ جمعہ کے دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور بحالت خطبہ پڑھی جائیں مگر یہ دلیل کمزو رہے،کیونکہ تحیۃ المسجد جب کبھی بھی واجب نہ ہوئیں تو جمعہ کے دن کیوں واجب ہوں گی،نیز اس معنے سے یہ حدیث ان تمام احادیث کے خلاف ہوجائے گی جو ہم نے عرض کیں،نیز جمہور صحابہ و تابعین اس وقت نفل ناجائز کہتے ہیں،لہذا وہی معنے حدیث کے لیئے جائیں جو ہم نے کیئے تاکہ یہ حدیث نہ آیت قرآنی کے خلاف ہو نہ دیگر احادیث کے۔(ماخذ از لمعات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت نماز کی پائی اس نے نماز پالی ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز سے مراد نماز جمعہ ہے اگرچہ الفاظِ حدیث میں جمعہ کا ذکر نہیں اور مطلب یہ ہے کہ جماعت کی ایک رکعت ملنے سے ثواب کامل ملتا ہے،ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ جو امام کو التحیات یا سجدہ سہو میں پالے اس نے بھی جمعہ پالیا کیونکہ دوسری جگہ حدیث میں یہ ہے کہ جس قدر تمہیں امام کے ساتھ نماز مل جائے وہ پڑھ لو اورباقی قضا کرلو۔اسی لیئے اگر مسافر مقیم امام کے ساتھ آخری التحیات میں شریک ہوتو وہ چار رکعتیں پڑھے گا۔معلوم ہوا کہ اس نے جماعت پالی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے پڑھتے تھے جب منبر پر چڑھتے تو اولًا بیٹھتے تھے۱؎ حتی کہ فارغ ہوجاتے یعنی مؤذن،پھر کھڑے ہوتے تو خطبہ پڑھتے پھر بیٹھتے اور کلام نہ کرتے پھر کھڑے ہوتے خطبہ پڑھتے۲؎(ابوداؤد)

۱؎ مکہ معظّمہ کے علاوہ اور جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھتے تھے اور مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے دروازہ کعبہ پر خطبہ پڑھا ہے۔وہاں منبر امیر معاویہ کی ایجاد ہے جسے صحابہ نے بغیر اعتراض منظور کیا اور جب سے اب تک وہاں بھی خطبہ منبر پر ہی ہورہا ہے،وہاں منبر پر خطبہ سنتِ امیر معاویہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی تین سیڑھیاں تھیں اور آپ تیسری پر کھڑے ہوتے تھے،یہی سنت ہے اب تو وہاں منبر کی بہت سیڑھیاں ہیں۔

۲؎ یہی سنت ہے کہ امام پہلے منبر پر بیٹھے پھر اس کے سینہ کے مقابل خارج مسجد مؤذن اذان کہے،پھر امام کھڑا ہوکر دو خطبے دے جن کے درمیان بیٹھے مگر اس حال میں بھی دنیوی کلام نہ کرے خاموش رہے یا دل میں کوئی قرآنی آیت پڑھے۔مرقات نے فرمایا کہ آج کل جو بادشاہوں کے نام لینے،انہیں عادل کہنے،ان کی تعریفیں کرنے کا خطیبوں میں رواج ہے یہ حرام ہے کیونکہ اب بادشاہ ظالم ہیں اور ظالم کو عادل کہنا کفر ہے اور ان کی تعریفیں کرنا جھوٹ اور خوشامد،حتی کہ بعض امام فرماتے ہیں کہ اب خطیب سے دور بیٹھے تاکہ یہ جھوٹ اور فاسقوں کی تعریف نہ سنے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر کھڑے ہوتے تو ہم آپ کی طرف اپنے منہ کرلیتے ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کو ہم صرف محمد ابن فضل کی حدیث سے ہی پہنچانتے ہیں اور وہ ضعیف ہے حدیث بھول جاتا ہے۔

۱؎ اس طرح کہ آپ کے سامنے والے تو روبقبلہ رہتے اور دائیں بائیں والے قبلہ سے کچھ پھر کر بیٹھتے تاکہ ان کا منہ امام کی طرف ہوجائے،لیکن اب سب ہی روبقبلہ بیٹھتے ہیں تاکہ صفیں سیدھی کرتے وقت دشواری نہ ہو۔

نوٹ:ہمارے ہاں امام کا منبر پر پہنچ کر مقتدیوں کو سلام کرنا منع ہے کیونکہ اس وقت مقتدی جواب نہ دے سکیں گے،امام شافعی کے ہاں جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے تھے ۱؎ پھر بیٹھ جاتے تھے پھر کھڑے ہوتے تو کھڑے کھڑے خطبہ پڑھتے جو تمہیں خبر دے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے وہ جھوٹا ہے خدا کی قسم میں نے تو آپ کے ساتھ دو ہزار نمازوں سے زیادہ نمازیں پڑھیں ۲؎ (مسلم)

۱؎ ہر خطبہ کے لیئے کھڑا ہونا سنت ہے خواہ خطبہ جمعہ وعیدین ہو یا خطبہ وعظ یا خطبہ نکاح۔جو شہر جہاد سے فتح ہوئے ہیں وہاں تلوار لے کر خطبہ پڑھے اور جو بخوشی مسلمان ہوگئے وہاں خالی ہاتھ پڑھے۔(مرقات)دوسرے خطبہ کی آواز پہلے خطبہ سے کچھ کم ہو۔

۲؎ یعنی نماز پنجگانہ اتنی پڑھیں نہ کہ نماز جمعہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبًا پانچ سو جمعے پڑھے ہیں اس لیئے کہ جمعہ بعد ہجرت شروع ہوا جس کے بعد دس سال آپ کی زندگی شریف رہی،اس عرصہ میں جمعے اتنے ہی ہوتے ہیں۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے کہ آپ مسجد میں آئے اور عبدالرحمان ابن ام حکم بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا ۱؎ فرمایا کہ اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ رب تعالٰی نے فرمایا کہ جب وہ تجارت یا کھیل کود دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں ۲؎ (مسلم)

۱؎ یہ بنی امیہ میں سے تھا اور ان کی طرف سے مقرر کردہ خطیب۔(اشعہ)

۲؎ یعنی خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا عمل شریف بھی ہے اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اس لیئے کہ یہاں آیت میں **قَائِمًا** سے مراد خطبہ کا قیام ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ تجارتی قافلہ کی آمد کا اعلان ہوا سوائے بارہ صحابہ کے تمام لوگ خریداری کے لیئے چلے گئے جس کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری لہٰذا یہ شخص قرآن و حدیث دونوں کی مخالفت کررہا ہے۔خیال رہے کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا کہ امیر معاویہ جب بہت بوڑھے اور کمزور ہوگئے تو پہلا خطبہ بیٹھ کر پڑھتے تھے اور دوسرا کھڑے ہوکر،نیز عثمان غنی کبھی دوران خطبہ میں تھک کر بیٹھ جاتے تھے کچھ دیر بیٹھ کر خطبہ دیتے،پھر کھڑے ہوجاتے ان دونوں بزرگوں کے یہ عمل مجبورًا تھے،اموی بادشاہوں نے ان دونوں کی دیکھا دیکھی بلاضرورت بیٹھ کر خطبہ دینا

شروع کردیا اس بنا پر یہ بزرگ ناراض ہوئے۔خطبہ میں قیام سنت ہے،فرض نہیں اسی لیئے انہوں نے خطبہ لوٹانے کا حکم نہ دیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عمارہ ابن رویبہ سے کہ آپ نے بشر ابن مروان کو منبر پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالٰی ان دونوں ہاتھوں کو خراب کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس سے زیادہ نہ کرتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے یوں اشارہ کریں اور اپنے کلمے کی انگلی سے اشارہ کیا ۱(مسلم)	

۱اس حدیث سے موجودہ واعظین عبرت پکڑیں جو ہاتھ نچانچا کر بلکہ خود بھی گھوم ناچ کر وعظ کرتے ہیں صرف داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے کہ یہ سنت ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا صاحبو بیٹھ جاؤ ۱یہ حضرت ابن مسعود نے سن لیا تو آپ مسجد کے دروازے پرہی بیٹھ گئے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اے عبداللہ ابن مسعود آجاؤ ۲(ابوداؤد)	

۱اس وقت بعض حضرات سنتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھے،بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر تعظیمًا کھڑے ہوئے انہیں فرمایا بیٹھ جاؤ۔(مرقاۃ ولمعات)اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بوقت خطبہ سنتیں پڑھنا منع ہیں جیساکہ ہمارا مذہب ہے۔دوسرے یہ کہ مقتدی مسجد میں امام کی تعظیم کے لیئے اس کی آمد کے وقت کھڑے ہوسکتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا آئندہ قیام سے منع نہیں کیا۔تیسرے یہ کہ خطیب کا کھڑا ہونا سنت ہے اورسامعین کا بیٹھنا۔

۲سبحان اللہ! یہ ہے صحابہ کی اطاعتِ نبی کہ حضرت ابن مسعود مسجد میں داخل ہورہے تھے دروازے پر یہ آواز سنی تو وہیں آپ جوتوں پر بیٹھ گئے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم کریمانہ سے فرمایا کہ ہمارا روئے سخن اور لوگوں سے تھا نہ کہ تم سے۔اس ادب اور اطاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے حق میں جس چیز سے ابن مسعود راضی اس سے میں راضی۔اسی لیئے ہمارے امام اعظم سراج الامت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خلفائے راشدین کے بعد آپ کے قول کو تمام صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔صوفیافرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ "تَعَالْ مِنْ صَفِّ النَّعَالِ اِلٰی مَقَامِ الرِّجَالِ"۔حضرت ابن مسعود اس اطاعت کی بنا پر اب تک حبیب تھے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہوگئے،اب تک طالب تھے اب مطلوب ہوگئے۔شعر

ہر کہ اودر عشق صادق آمدہ است　　　برسرش معشوق عاشق آمدہ است

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعے کی ایک رکعت پالے تو اس کے ساتھ دوسری ملالے اور جس کی دونوں رکعتیں جاتی رہیں وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے [1](دارقطنی)

[1] یہ حدیث امام محمد کی دلیل ہے کہ جسے جمعہ کی التحیات ملے بلکہ دوسری رکعت کا سجدہ وہ ظہر ادا کرلے،اس نے جمعہ نہیں پایا۔حضرات شیخین کے نزدیک جو سلام سے پہلے مل جائے وہ جمعہ ہی پڑھے،ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ نے بروایت ابوسلمہ وابوہریرہ نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جماعت کھڑی ہو تو بھاگتے ہوئے نہ آؤ،اطمینان سے آؤ جو پالو وہ پڑھ لو جو رہ جائے پوری کرلو،اس میں نماز جمعہ وغیرہ سب داخل ہیں۔یہ حدیث اولًا ضعیف ہے جیساکہ امام نووی نے فرمایا اور اگر صحیح بھی ہو تو یہاں دو رکعتوں کے نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا کوئی حصہ نہ ملے سلام کے بعد یا سلام کی حالت میں پہنچے۔

نوٹ: نماز جمعہ صرف شہر یا اطراف شہر میں ہوسکتی ہے گاؤں یا جنگل میں ناجائز ہے یہ مسئلہ نہایت معرکہ کا ہے مگر چونکہ اس کے متعلق کوئی حدیث مشکوۃ شریف میں نہیں آئی اس لیئے ہم بھی چھوڑتے ہیں اگر کسی کو شوق ہو تو ہماری کتاب "فتاویٰ نعیمیہ" میں دیکھے جہاں ہم نے قرآن و احادیث سے اس کا نہایت نفیس ثبوت دیا ہے اور مخالفین کے تمام اعتراضات کے نہایت قوی جواب دیئے ہیں۔

باب صلوۃ الخوف

خوف کی نماز کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یعنی جب بحالت جہاد یہ خوف ہوکہ اگر سب لشکر باجماعت نماز میں مشغول ہوا تو کفار ماردیں گے تب نماز باجماعت کس طرح پڑھی جائے اور اس پر قریبًا ساری امت کا اجماع ہے کہ صلوۃ خوف تاقیامت باقی ہے ہاں طریقۂ ادا میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف بھی افضلیت میں ہے ورنہ جتنے طریقے احادیث میں آئے ہیں جس طرح اداکرے گا ہوجائے گی۔(مرقاۃ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار موقعوں پر نماز خوف پڑھی:ذات الرقاع،بطن نخل،عسفان،ذی قروع۔

	روایت ہے حضرت سالم ابن عبداللہ ابن عمر سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف غزوہ کیا ۱ہم دشمن کے مقابل کھڑے ہوئے اور انکے سامنے صفیں بنائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل رہی۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکوع کیا اور دوسجدے کیئے پھر یہ لوگ اس جماعت کی جگہ سے چلے گئے جس نے نماز نہ پڑھی تھی وہ ادھر آگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھادی اور دوسجدے کرلیئے پھر آپ نے سلام پھیر دیا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا اور اپنی ایک رکعت پڑھ لی۳ اور دوسجدے کرلیئے۴ حضرت نافع نے یونہی روایت کی یہ زیادہ کیا کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو غازی پیدل اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سوار نماز پڑھ لیں قبلے کو منہ ہو یا نہ ہو ۵ نافع کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابن عمر نے یہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کی۶؎(بخاری)	

۱؎نجد کے لغوی معنی ہیں اونچی جگہ،لیکن اصطلاح میں عرب کے ایک صوبہ کا نام ہے،شیخ نے فرمایا کہ یہاں نجد،عراق اور حجاز مراد ہے نہ کہ نجد یمن۔

۲؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر صحابہ کے دو حصے کردیئے ایک کو اپنے پیچھے کھڑا کیا ایک کو دشمن کے مقابل نہ کسی کو علیحدہ نماز پڑھنے کی اجازت دی نہ دوسری جماعت کرنے کی،نہ دوسرے امام کی اقتدا میں تاکہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کا فیض پالیں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت ایسی اہم چیز ہے جو ایسے نازک موقع پر بھی نہ چھوڑی گئی۔افسوس ان لوگوں پر جو بلاعذر نماز باجماعت چھوڑ دیں۔دوسرے یہ کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز جائز نہیں،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو دوبار نماز پڑھا دیتے اول جماعت کو فرض کی نیت سے اور دوسری کو نفل کی نیت سے۔تیسرے یہ کہ جماعت واجب ہے محض سنت نہیں۔

۳؎خلاصہ یہ ہے کہ پہلی جماعت نے پہلی رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور دشمن کے مقابل ہوگئے اور دوسرے گروہ نے دوسری رکعت حضور کے ساتھ پڑھی اور دشمن کے مقابل کھڑے ہوگئے اب پہلی جماعت نے اپنی دوسری رکعت بطریق لاحق پوری کرلی پھر دوسری جماعت نے بطریق مسبوق رکعت اول پوری کی،یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎اسی ترتیب سے جو ابھی فقیر نے عرض کی۔پہلے جماعت اول نے رکعت اپنی قضا کی پھر جماعت دوم نے جیساکہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں یہ طریقہ قرآن کریم کی اس آیت کے بہت موافق ہے جو صلوۃ خوف کے بارے میں آئی۔

۵؎یعنی سخت خوف کے موقعہ پر جب اس طرح نماز پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو غازی نماز قضا نہ کریں بھاگتے دوڑتے،پیدل یا سوار جیسے ہوسکے پڑھ لیں مگر پڑھیں وقت میں۔خیال رہے کہ غزوہ خندق میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچ نمازیں قضاء فرما دینا اس خوف کی بنا پر نہ تھا کیونکہ وہاں اس وقت دشمن موجود ہی نہ تھا وقت تنگ تھا،کھدائی زیادہ تھی،نمازوں کاوقت کھدائی میں صرف ہوا،لہذا واقعہ خندق نہ منسوخ ہے نہ اس کے مخالف کیونکہ جنگ میں غازیوں کو صرف اپنی جانوں کا خطرہ ہوتا ہے اور جنگ خندق میں سارا مدینہ خطرے میں تھا۔

۶؎کیونکہ صحابی کا وہ قول جو عقل سے وراء ہو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے،اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہورہی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا"۔

روایت ہے حضرت یزید ابن رومان سے وہ صالح ابن خوات سے راوی ۱؎وہ ان سے راوی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات الرقاع کے دن نماز خوف پڑھی ۲؎کہ ایک ٹولہ آپ کے ساتھ صف آراء ہوا اور دوسرا ٹولہ دشمن کے مقابل رہا آپ نے اپنے ساتھ والے ٹولے کو ایک رکعت پڑھائی پھر یوں ہی کھڑے رہے انہوں نے اپنی نماز پوری کرلی پھر چلے گئے ۳؎اور	

	دشمن کے مقابل صف بستہ ہوگئے پھر دوسرا ٹولہ آیا آپ نے انہیں رکعت پڑھائی جو آپ کی نماز سے باقی تھی پھر آپ یوں ہی بیٹھے رہے ان صاحبوں نے اپنی نماز پوری کرلی پھر حضور نے ان سب کے ساتھ سلام پھیرا ۴؎ (مسلم،بخاری) بخاری نے دوسری اسناد سے قاسم سے انہوں نے صالح ابن خوات سے انہوں نے سہل ابن ابی حثمہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

۱؎ یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں،ثقہ ہیں،خوات صحابی ہیں،جنگ احد وغیرہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎ غزوات ذات الرقاع ۵ھ میں واقع ہوا،چونکہ اس غزوہ میں صحابہ پیدل اور ننگے پاؤں تھے،سفر کرتے کرتے ان کے ناخن جھڑگئے اور پاؤں پھٹ گئے انہوں نے پھٹے ہوئے پاؤں پر چیتھیڑے لپیٹے پھر یہ راہ طے کیا اس لیئے اس کا نام ذات الرقاع یعنی چیتھڑوں اور پیوندوں والا غزوہ ہوا،نیز اس کے رستہ میں ایک ایسا پہاڑ اور جنگل پڑا تھا جس میں رنگ برنگے پتھر اور رنگ برنگی زمینیں تھیں اس لیئے بھی ذات الرقاع کہا گیا۔

۳؎ یعنی پہلی جماعت اپنی دو رکعتیں پوری کرکے ایک رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور ایک رکعت تنہا پھر دشمن کے مقابل گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک خاموش منتظر کھڑے رہے،یہ حدیث پہلی روایت کے مقابل مرجوع ہے کہ آیت قرآنیہ سے بعید ہے نیز امام کا مقتدیوں کے انتظار میں کھڑا رہنا خلاف اصول ہے اس لیئے امام اعظم نے پہلی روایت کو لیا۔

۴؎ اس طرح کہ سلام میں صرف یہ دوسرا گروہ شریک ہوا تاکہ پہلے گروہ کو تحریمہ کی فضیلت مل جائے اوراس کو سلام کی۔نماز خوف کا یہ طریقہ امام شافعی و مالک نے اختیار کیا اور امام اعظم نے پہلا طریقہ اس کی وجہ ترجیح ہم پہلے عرض کرچکے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے حتی کہ جب ذات الرقاع میں پہنچے فرماتے ہیں کہ جب ہم کبھی کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تھے تو وہ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے چھوڑ دیتے تھے ۱؎ فرماتے ہیں کہ کفار کا ایک شخص آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی تو اسنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سونت لی ۲؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں،فرمایا نہیں وہ بولا مجھ سے آپ کو

	کون بچائے گا فرمایا مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا۳ فرماتے ہیں کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دھمکایا تو اس نے تلوار میان میں کرکے لٹکا دی۴ فرماتے ہیں کہ نماز کی اذان ہوئی تو آپ نے ایک ٹولے کو دو رکعتیں پڑھادیں وہ پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے ٹولے کو دو رکعتیں پڑھادیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئی اور قوم کی دو،دو رکعتیں ۵(مسلم،بخاری)

۱تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سایہ میں آرام کریں،باقی لوگ اور درختوں کے نیچے دوپہر گزارتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ خیمے اور چھولداریاں نہ تھیں،جب پہننے کے لیئے جوتے نہ تھے تو خیمے وغیرہ کہاں سے آتے یہاں بھی حسبِ دستور ایک درخت کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام کیا صحابہ نے اور درخت کے نیچے۔

۲کیونکہ اس وقت سرکار یا سو رہے تھے یا اس طرف سے بےتوجہ تھے۔

۳یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل رب تعالٰی پر کیوں نہ ہوتا،رب تعالٰی نے آپ سے وعدہ کرلیا تھا"وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ"۔اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت،آپ کا تکلیفوں پر صبر،جاہلوں پر حلم سب کچھ معلوم ہوا۔

۴علامہ واقدی نے اس جگہ لکھا کہ اسے قدرتی طور پر ایسی بیماری ہوگئی جس سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ خود بھی گرگیا۔بعض روایات میں ہے کہ وہ مسلمان ہوگیااور اس سے بہت خلقت نے ہدایت پائی،مگر ابو عمارہ فرماتے ہیں وہ اسلام تو نہ لایا لیکن آئندہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل نہ ہوا،آپ کے اخلاق کریمانہ دیکھ کر کیونکہ وہ تو قتل کا مستحق ہوچکا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کردیا۔ہوسکتا ہے کہ اسے صحابہ نے دھمکایا بھی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت بھی اس پر طاری ہوگئی ہو جس سے پہلے وہ گر گیا،بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلی دینے پر اٹھ کر تلوار اس نے خود ہی ٹانگی ہو۔(از مرقاۃ)

۵یہ حدیث مشکلات میں سے ہے کیونکہ اس سے پہلے ذات الرقاع میں دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہوچکا ہے اور یہاں چار کا اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ پچھلی حدیث میں نماز فجر کا ذکر تھا اور یہاں نماز ظہر کا ذکر ہے کیونکہ ابھی یہاں دھوپ میں آرام کرنے کا ذکر ہوچکا ہے،نیز یہ حدیث امام شافعی کے بھی مخالف ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر امام چار رکعتیں پڑھے گا تو مقتدیوں کو چار رکعتیں لامحالہ پڑھنی پڑیں گی اور یہاں ذکر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتیں پڑھی اور قوم نے دو،دو۔اس کی توجیہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پندرہ دن ٹھہر کر کفار کے محاصرے کی نیت فرمائی ہو اور اس بناء پر تمام صحابہ نے اور آپ نے چار رکعتیں ہی پڑھیں مگر صحابہ کی ہر جماعت نے دو رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھیں اور دو علیحدہ یہاں دو رکعتیں

پڑھنے سے یہی مراد ہے اس کے علاوہ اور کوئی توجیہ اشکال سے خالی نہ ہوگی۔بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جماعت کے ساتھ فرض ادا کئے اور دوسری جماعت کے ساتھ نفل مگر یہ غلط ہے ورنہ پھر درمیان میں سلام پھیرنا چاہیئے تھا،نیز پھر صحابی یہ نہ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں کیونکہ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو نمازیں ہوئیں نہ کہ ایک نماز کی چار رکعتیں،بعض نے فرمایا کہ اس وقت قصر کے احکام آئے نہ تھے اس لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو چار پڑھائیں،دو اپنی اقتداء میں اور دو علیٰحدہ مگر یہ بھی درست نہیں کیونکہ ذات الرقاع کا غزوہ ۵ھ یا ۷ھ میں ہے،بعض نے کہا ۸ھ میں ہے کیونکہ اس غزوہ میں ابوموسیٰ اشعری بھی شریک تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد آئے ہیں اور فتح خیبر ۷ھ میں ہے،بعض مؤرخین نے فرمایا کہ غزوہ ذات الرقاع دوبار ہوا ہے ایک بار ۵ھ میں اور ایک بار ۷ھ یا ۸ھ میں کچھ بھی سہی نماز قصر ۵ھ سے پہلے آچکی تھی،لہذا جو فقیر نے پہلے عرض کیا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھائی ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں بنائیں دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا۱تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی ہم سب نے تکبیر کہی پھر حضور نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر حضور نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور ہم سب نے اٹھایا پھر آپ اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی سجدہ میں گئے اور پچھلی صف دشمن کے مقابل کھڑی رہی۲تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ پورا کرلیا اور آپ سے متصل صف بھی کھڑی ہوگئی تو پچھلی صف سجدہ میں گرگئی پھر یہ لوگ کھڑے ہوئے پھر پچھلی صف آگے ہوگئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے رکوع کیا پھر حضور نے اور ہم سب نے رکوع سے سر اٹھایا پھر حضور اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی اور جو رکعت اولیٰ میں پچھلی صف تھی سجدہ میں گئے اور پچھلی دشمن کے مقابل کھڑی رہی۳پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے متصل صف نے سجدہ کرلیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے اکٹھا سلام پھیرا۴(مسلم)

۱؎ سارے صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوگئے جن کی لمبی لمبی دو صفیں ہوگئیں۔تکبیر تحریمہ قیام،رکوع اور قومہ سب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا مگر سجدے میں فرق ہوگیا۔

۲؎ یعنی اس صف نے سجدہ نہ کیا تاکہ دشمن ٹوٹ نہ پڑے بلکہ یونہی دشمن کے مقابل کھڑی رہی۔خیال رہے کہ اس صورت میں سارے صحابہ ہتھیار بند نماز پڑھ رہے تھے،چونکہ دشمن جانب قبلہ میں تھا اس لیئے ایک جماعت کو کہیں جانے کی ضرورت نہ پڑی،کھڑا رہنے والا ٹولا صرف دشمن کی نگرانی کررہا تھا اگر اس وقت حملہ ہوتا تو یہ سجدے والوں کو خبر کردیتا اور سب ایک دم مقابلہ کرتے،یہ نہ ہوتا کہ سجدے والوں کے اوپر گزر کر ان کا مقابلہ کرتے۔

۳؎ بعض شارحین نے کہا کہ ان صفوں کا آگے پیچھے ہٹنا دوقدموں سے تھا نہ کہ تین سے،ورنہ نماز جاتی رہتی مگر یہ غلط ہے کیونکہ نماز خوف میں چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی ہے،یہ تو بڑی خطرناک حالت ہوتی ہے۔اگر نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو نمازی وضو کے لیئے چل بھی سکتا ہے،کعبہ سے پھر بھی سکتا ہے۔

۴؎ اس صور ت میں تمام مقتدیوں کو دونوں رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئیں اور سب تکبیر تحریمہ اور سلام میں امام کے ساتھ شریک رہے،یہ واقعہ مقام عسفان کا ہے اور نمازخوف کا یہ بھی ایک طریقہ ہے جب کہ دشمن جانب قبلہ ہو،مگر ترجیح پہلے طریقہ کو ہوگی کیونکہ وہی آیت قرآنی کے زیادہ موافق ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بطن نخلہ میں نماز خوف پڑھاتے تھے ۱؎ تو آپ نے ایک ٹولہ کو دو رکعتیں پڑھائی پھر سلام پھیر دیا،پھر دوسرا ٹولہ آیا تو انہیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یہ كَانَ يُصَلِّيْ ماضی بعید کے معنی میں ہے کیونکہ ایک ہی ظہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی پڑھائی،بطن نخل مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ہے،فقیر نے وہاں کی زیارت کی ہے۔بعض نے کہا کہ بطن نخل نجد کے غطفان کا ایک حصہ ہے،بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بطن نخل مدینہ منور کا ایک باغ ہے،مگر صحیح یہ ہے کہ ان تینوں مقام کا نام بطن نخل ہے لیکن یہ واقعہ طائف کے راستہ کا ہے۔

۲؎ امام شافعی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بارفرض کی نیت کی،دوسری بار نفل کی،چونکہ ان کے ہاں نفل والے کے پیچھے فرض نماز ہوسکتی ہے اس لیے ان صحابہ کے فرض ادا ہوگئے۔احناف کہتے ہیں کہ شروع اسلام میں ایک فرض نماز دوبار پڑھ لی جاتی تھی،یہ واقعہ اس وقت کا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دونوں دفعہ فرض ہی پڑھائے،امام طحاوی نے اسی جواب کو اختیار کیایا یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے،ہر صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پوری نماز پڑھنا چاہتے تھے تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل فرمایا۔(ازمرقاۃ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان وعسفان کے درمیان اترے ۱؎ تو مشرکین بولے کہ ان کی ایک نماز ہے جو انہیں اپنے باپ بیٹوں سے زیادہ پیاری ہے یعنی عصرتو اپنی طاقت جمع کرلو اوران پر ایک دم ٹوٹ پڑو ۲؎ ادھر حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں بانٹ دیں انہیں اسی طرح نماز پڑھائیں کہ دوسرا ٹولہ ان کے پیچھے رہے جواپنا بچاؤ اور ہتھیار لیئے رہیں ۳؎ ان سب کی ایک ایک رکعت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں ۴؎ (ترمذی،نسائی)

۱؎ ضجنان مکہ معظّمہ کے پاس ایک پہاڑ ہے جس میدان میں یہ پہاڑ واقعہ ہے اس کو بھی ضجنان کہتے ہیں اورعسفان مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مشہور مقام ہے جو مکہ معظّمہ سے دومنزل فاصلہ پر ہے،پہلے حجاج اسی رستہ سے مدینہ منورہ جاتے تھے۔

۲؎ یہ ان کا آپس کا مشورہ تھا یعنی یہ مسلمان مرنا قبول کرتے ہیں مگر اس نماز کو نہیں چھوڑتے،یہ راز یا تومنافقین نے انہیں بتایا ہوگا جو مسلمان کی خبریں خفیہ طور پر مشرکوں کو بھیجتے رہتے تھے یاکسی اور ذریعہ سے انہیں پتہ لگ گیا ہوگا،اسی کو قرآن حکیم اس طرح بیان فرمارہا ہے:"وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً"۔

۳؎ یعنی یہ دونوں جماعتیں الگ الگ تکبیر تحریمہ کہیں،پہلی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہے اور دوسری جماعت دوسری رکعت میں۔بعض شارحین نے سمجھا کہ سب ایک ساتھ تحریمہ کہہ لیں مگر یہ قرآن کریم کی آیت کے خلاف ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ"۔خیال رہے کہ ان کے پیچھے رہنے سے مراد دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہونا ہے،لہٰذا حدیث واضح ہے۔

۴؎ یہ حدیث وہی ہے جوشروع باب میں آچکی،یہی ظاہر قرآن کے بہت موافق ہے اسی طریقہ کو امام اعظم ابوحنیفہ نے اختیار فرمایا۔**الحمدللہ**!کہ باب کے شروع اور آخر کی حدیث مذہبِ احناف کی دلیل ہے۔

باب صلوة العيدين

عیدین کی نماز کاباب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ عید عودٌ سے بنا،بمعنی لوٹنا،چونکہ یہ خوشی کا دن ہے اس لیےنیک فالی کے لیے اسے عید کہا گیا یعنی بار بار لوٹنے والی،اب ہر خوشی کے اجتماع کو عید کہہ دیتے ہیں جیسے عید میلاد،عید معراج،ایک شاعر کہتاہے۔شعر

عِيْدٌ وَعِيْدٌ وَعِيْدٌ صِرْنَ مُجْتَمِعًا وَجْهُ الْحَبِيْبِ يَوْمَ الْعِيْدِ وَالْجَمَعَ

قرآن شریف میں ہے"تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا"۔نمازعید واجب ہے عیدالفطرعبادات رمضان کی توفیق ملنے کے شکریئے کی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ"اور بقرعید حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوۃ والسلام کی کامیابی کے شکریہ میں۔ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ میں جب کہ شعبان میں روزۂ رمضان فرض ہوئے،پہلے نمازعید پڑھی،پھربقرعید۔نمازعید کے شرائط جمعہ کے سے ہیں،ہاں خطبۂ جمعہ شرط ہے اورخطبۂ عید سنت،خطبۂ جمعہ نماز سے پہلے ہے اور خطبۂ عید نماز کے بعد۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کبھی نہ چھوڑی،بقرعید حج میں چھوڑی کیونکہ حاجی پر نماز بقرعید نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید بقرعید کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے ۱ تو پہلی چیز جس سے شروع فرماتے نماز ہوتی پھر لوگ فارغ ہوتے تو لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے ۲ انہیں نصیحت اور وصیت فرماتے احکام دیتے اور لشکر چھانٹنے کا ارادہ ہوتا تو وہاں ہی چھانٹ لیتے یا کچھ حکم کرنا چاہتے تو اس کا حکم کرتے پھر واپس ہوتے ۳(مسلم،بخاری)	

۱ جو شہر سے باہر جگہ تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین جنگل میں افضل ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں نماز عید پڑھی،حالانکہ وہ جگہ تمام مسجدوں سے بہتر ہے اِلّا مسجد حرام،اب مدینہ پاک میں عیدگاہ مشہور ہے۔

۲؎ یعنی نماز عید پہلے پڑھتے خطبہ بعد میں مگر خطبۂ عید منبر پر نہ تھا کیونکہ اس زمانہ میں نہ تو عید گاہ میں منبر بنا نہ مسجد نبوی سے وہاں پہنچایا گیا اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ عید گاہ کا منبر بدعت حسنہ ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ وہاں منبر بنانا جائز ہے مگر شہر سے لے جانا ممنوع و مکروہ،وہاں کے منبر کا موجد مروان ابن حکم ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! ہماری مسجدیں اور عید گاہ سیاست و عبادت کا مرکز تھیں،وہیں سے غازی بنتے تھے،وہیں سے نمازی۔مطلب یہ ہے کہ عید گاہ میں ہی سپاہیوں کی بھرتی ہو جاتی اور وہاں سے ہی لشکر اسلام کی روانگی تاریخیں مقرر ہو جاتیں مگر یہ تمام کام خطبہ کے بعد ہوتے نہ کہ دورانِ خطبہ میں۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دو عیدوں سے زیادہ پڑھیں بغیر اذان کے اور بغیر تکبیر کے ۱؎(مسلم)	

۱؎ چونکہ امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے عیدین میں اذان شروع کردی تھی اس کی تردید کے لیے صحابہ کرام بارہا یہ فرمایا کرتے تھے تاکہ لوگ اس سے باز رہیں۔الحمدللہ!کہ زیاد کی یہ بدعت چلی نہیں۔خیال رہے کہ اگر نماز عید کی اطلاع گولوں یا طبل یا اعلان سے کردی جائے کوئی مضائقہ نہیں،مگر اذان و تکبیر سوائے نماز پنجگانہ اور جمعہ کسی نماز کے لیے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر و عمر عیدین کی نماز خطبے سے پہلے پڑھتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اگرچہ حضرت عثمان غنی و علی مرتضی نے بھی یوں ہی عمل کیا مگر چونکہ یہ دو حضرات صحابہ کی نگاہ میں بہت ہی عظمت والے مشائخ میں سے تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا۔بعض شارحین نے سمجھا ہے کہ حضرت عثمان نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا،بعض نے کہا کہ خلافت عثمانی میں مروان نے یہ حرکت کی مگر اس کا ثبوت نہیں یونہی مشہور ہے ہاں مروان جب امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا تب اس نے ایسا کیا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ بعد نماز لوگ خطبہ سنتے نہ تھے،جانے میں جلدی کرتے تھے پھر بھی صحابہ نے اس پر سخت اعتراضات کیے آخر کار وہ طریقہ مٹ ہی گیا،اللہ اپنے حبیب کی سنتوں کا حافظ ہے۔(از مرقاۃ وغیرہ)

حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید میں حاضر ہوئے فرمایا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو نماز پڑھی پھر خطبہ دیا اذان اور تکبیر کا آپ نے ذکر نہ فرمایا پھر عورتوں میں تشریف لے گئے تو انہیں وعظ و نصیحت کی اور صدقے کا حکم دیا ۱؎ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اپنے کانوں اور گلے کی طرف ہاتھ بڑھاتیں اور بلال کی طرف	

زیور پھینک دیتیں پھر آپ اور بلال اپنے گھر واپس ہوتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎چونکہ عورتوں کی صفیں مردوں سے پیچھے ہوتی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کی آواز وہاں تک نہ پہنچتی تھی لہذا یہاں سے فارغ ہوکر ان میں جاکرعلیحدہ وعظ فرماتے تھے،انہیں خصوصیت سے صدقہ و خیرات کا حکم دیتے تھے جس کی وجہ اگلی احادیث میں آرہی ہے۔خیال رہے کہ یہاں صدقہ سے مراد فطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ تونماز عید سے پہلے اداکیاجاتاہے،نیز ان بیبیوں نے یہ حکم سن کر اپنے زیور پیش کئے ہیں،اگر فطرہ یا زکوۃ ہوتی تو حساب سے دی جاتی۔غالب یہ ہے کہ یہ صدقہ اسلامی فوجوں کے لیے تھا۔

۲؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کا حکم دیتے اورحضرت بلال وصول کرتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت بغیرخاوند کی اجازت خیرات کرسکتی ہے اپنے مال سے تو بہرحال اور خاوند کے مال سے جب جب کہ اسے عرفی اجازت ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدوعیدگاہ میں چندہ کرناجائزہے اور اپنے لیے سوال کرنا حرام،یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کرنا عورتوں پر فرض نہ تھا کیونکہ آپ ان کے لیے مثل والد کے تھے،حضرت بلال غالبًا اپنا منہ ڈھکے ہوتے ہوں گے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعظ خطبہ نہ تھا،وہ تو ہوچکا تھا بلکہ نصیحت کے طور پر تھا،ان بزرگوں کی ڈبل عید ہوتی ہوگی ایک عید،دوسرے جناب مصطفٰے کی دید،صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرکے دن دو رکعتیں پڑھیں نہ ان سے پہلے کوئی نماز پڑھی نہ ان کے بعد ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس حدیث کی بنا پرعلماء فرماتے ہیں کہ نمازعیدسے پہلے نفل مکروہ ہیں حتی کہ اس دن اشراق والے اشراق بھی نہ پڑھیں،ہاں اگرکسی کی فجر قضاءہوگئی ہو تو وہ گھر میں قضاء پڑھے نہ کہ عیدگاہ میں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ قضاءنماز مسجد میں پڑھنا منع ہے تاکہ لوگوں پر اپنا عیب ظاہر نہ ہو۔

روایت ہے حضرت ام عطیہ سے ۱؎فرماتی ہیں کہ ہم کو حکم دیا گیا تھا کہ ہم عیدوں میں حائضہ اور پردے والی عورتوں کو(عیدگاہ)لے جائیں ۲؎تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعاؤں میں حاضرہوں ۳؎حیض والیاں عیدگاہ سے الگ رہیں ۴؎ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے بعض کے پاس چادر نہیں ہے فرمایا اس کی سہیلی اسے اپنی چادر میں سے اوڑھالے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ کا نام نسیبہ بنت کعب یا بنت حارث ہے،کنیت ام عطیہ انصاریہ ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت غزوات میں رہیں،زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۲؎ یعنی تمام عورتوں کو عیدگاہ لاؤ جو نماز کے قابل ہیں وہ نماز عید پڑھ لیں اور جو نماز کے قابل نہ ہوں وہ دعا میں شریک ہوں۔علماء فرماتے ہیں کہ عہدِ فاروقی سے عورتوں کو مسجدوں وعیدگاہوں وغیرہ سے روک دیا گیا،حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے موجودہ حالات ملاحظہ فرمادیتے تو آپ بھی منع فرمادیتے جب اس وقت یہ حال تھا تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا۔مگر خیال رہے کہ اب رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو باپردہ ان مجالس میں آنے کی اجازت دو کیونکہ جب عورتیں کالجوں،بازاروں،سینماؤں سے نہیں رک سکتیں تو یہاں سے روک دینا ان کے لیے تباہی کے اسباب جمع کردینا ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ عیدگاہ اور اچھی مجلسوں میں سمجھ دار بچوں کو بھی لے جانا چاہیئے۔(از مرقاۃ)

۳؎ یعنی اگر نماز نہ پڑھیں گی تو مسلمانوں کی دعاؤں سے تو فائدہ اٹھائیں گی،اپنے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے شرعی احکام معلوم کریں گی،عید کی رونق بڑھائیں گی کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کی مجلسوں،صالحین کی صحبتوں میں حاضری دینا اوران سے برکت حاصل کرنا سنت سے ثابت ہے۔

۴؎ یعنی نمازی عورتوں کی صفوں سے کچھ ہٹ کر بیٹھیں کیونکہ اس زمانہ میں باقاعدہ عیدگاہ نہ بنی تھیں اور اب بھی عیدگاہوں پر مسجدوں کے سارے احکام جاری نہیں وہ جنگل کے حکم میں ہیں جیساکہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۵؎ یعنی اگر اس کے پاس دوچادریں ہوں تو ایک چادر تھوڑی دیر کے لیے عاریۃً اس غریب سہیلی کو دے دے اور اگر ایک بڑی چادر ہوتو کچھ حصہ سے اسے ڈھانپ لے۔بہرحال اسے عیدگاہ پہنچانے کی کوشش کرے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر ان کے پاس منٰی کے زمانہ میں آئے جب کہ ان کے پاس دوبچیاں ۱؎ دف بجارہی تھیں اورایک روایت میں ہے کہ وہ گیت گارہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے بنائے تھے ۲؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے لیٹے تھے حضرت صدیق نے ان بچیوں کو جھڑکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ انور کھولا فرمایااے ابوبکر انہیں چھوڑدو کیونکہ یہ دن عید کے دن ہیں ۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے یہ ہماری عید ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ دونوں بچیاں انصار کی تھیں ایک حضرت حسان ابن ثابت کی بیٹی تھی اور دوسری کسی اور کی،مگر دونوں نہ تو بالغہ تھیں اور نہ قریب بلوغ(مراہقہ)بلکہ بہت چھوٹی بچیاں تھیں،حضرت شیخ نے فرمایا کہ تَضْرِبَانِ کے معنی ناچ رہی تھیں،ضِرَابٌ سے مشتق ہے جیسے اب بھی بچیاں خوشی سے گایاناچا کرتی ہیں،بعض نے کہا تالیاں بجارہی تھیں۔

۲؎یعنی گندے یا عشقیہ گیت نہ تھے بلکہ شجاعت اور بہادری کے گیت تھے۔بعاث مدینہ منورہ کے قریب بنی قریظہ کے علاقہ میں ایک جگہ تھی جہاں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی تھی جس کی عداوت ایک سو بیس سال تک رہی تھی،پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قبیلوں کو ملا کر شیر وشکر کردیا،اسی کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے"اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ"۔اب وہ گیت غازیوں کو دلیر کرنے کے لیے گائے جاتے تھے۔خیال رہے کہ گانے والی بچیاں تھیں،گیت بھی فحش نہ تھے،آج کل کے فحش گانے قطعًا حرام ہیں خصوصًا جوان لڑکیوں کے لیے۔

۳؎حضرت ابوبکرصدیق یہ سمجھے کہ یہ گیت بھی ناجائز ہیں،عائشہ صدیقہ کو مسئلہ نہیں معلوم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سورہے ہیں اس لیے انہیں جھڑکا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ یہ گیت ہماری اجازت سے گائے جارہے ہیں ناجائز نہیں،اس میں خوشی کا اظہار ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عید،شادی،عقیقہ،ختنہ،وغیرہ خوشی کے موقعوں پر بچیوں کے ایسے گیت گاناجائز ہیں،مگر آج کل کے غنا(گیت)مقدمۂ زنا ہیں۔

۴؎یعنی ہر قوم اپنی عیدوں میں اظہار خوشی کرتی ہے تو ہم کیوں نہ کریں۔علماء فرماتے ہیں کہ کفار کی عیدوں کا احترام کرنا،اس دن کپڑے بدلنا،خوشی کرنا کفر ہے،اپنی عیدوں پر جائز خوشیاں منانا سنت۔پنجاب میں نمازعید کے بعد عورتیں عیدگاہ پہنچ کر کھیل کود کرتی ہیں یہ ناجائز ہے،نیز دف اور تاشہ،اعلان نکاح یا عید کی خوشی کے لیے بجانا جائز ہے مگر جھانج مطلقًا ناجائز۔اس کی پوری بحث ان شاءاللہ "کتاب الادب" میں آئے گی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ عیدا لفطر کے دن عیدگاہ نہ جاتے حتی کہ کچھ چھوہارے کھالیتے طاق کھاتے تھے ۱؎(بخاری)	

۱؎یہ کھانا اس لیے تھا تاکہ رمضان کے طریقہ کی تبدیلی ہوجائے۔سنت یہ ہے کہ عید کی نماز کو کچھ کھاکر جائے،اب مسلمان سویاں،شیر خرمہ،وغیرہ کھاتے ہیں جن میں چھوہارے بھی ہوتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ادائے سنت کے لیے چھوہارے ضرور ہونے چاہئیں۔فضلاء دیوبند اسے بھی حرام کہتے ہیں نہ معلوم ان کا ماخذ کون سی حدیث ہے،مگر لطف یہ ہے کہ کھا وہ بھی لیتے ہیں،ان کے ہاں کھلاناحرام ہے اور کھاناجائز۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کے رستے میں اختلاف کرتے ۱؎(بخاری)	

۱؎یعنی عیدگاہ جاتے اور راستے سے واپس ہوتے دوسرے راستہ سے تاکہ دونوں راستوں کو برکت حاصل ہو اور دونوں طرف کے باشندے آپ سے فیض پائیں،اور ہر طرف کے منافقین مسلمانوں کے ازدہام کو دیکھ کر جلیں اور راستوں میں بھیڑ کم ہو دونوں راستوں کے فقراء پر خیرات ہو،اہلِ قرابت کی قبور کی زیارتیں ہوں جو ان راستوں میں واقع ہیں اور دونوں راستے ہماری نماز و ایمان کے گواہ بن جائیں،لیکن جاتے وقت دراز رستہ اختیار فرماتے اور لوٹتے وقت

مختصر،تاکہ جاتے ہوئے قدم زیادہ پڑیں اور ثواب زیادہ ملے۔معلوم ہوا کہ عیدگاہ پیدل جانا اور جاتے آتے راستہ بدلنا سنت ہے۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن ہمیں خطبہ سنایا تو فرمایا کہ آج اس دن میں جس چیز سے ہم شروع کریں گے وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں پھر لوٹیں تو قربانی کریں ۱؎ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا،اور جس نے ہماری نماز سے پہلے ذبح کرلیا وہ گوشت کی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لیے ذبح کرلیا وہ قربانی نہیں ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی بقرعید کے دن مقصودی عبادتیں دو ہیں:نماز اور قربانی،جن میں نماز پہلے ہے اور قربانی بعد میں،لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس دن غسل بھی نہ کرے۔

۲؎ علماءفرماتے ہیں کہ شہر جہاں نماز بقرعید ہوتی ہو وہاں نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں،گاؤں جہاں نماز بقرعید نہیں ہوسکتی وہاں پو پھٹتے ہی قربانی جائز ہے اور قربانی کرنے والے کا نمازعید پڑھنا ضروری نہیں بلکہ شہر میں کسی جگہ نماز ہوجانا کافی ہے اسی لیے سرکار نے نُصَلِّیَ فرمایا یُصَلِّیَ غائب کے صیغہ سے نہ فرمایا،لہذا اگرکہیں اول وقت نما زعید ہوگئی اس کے بعد ہم نے قربانی کی پھر عید پڑھنے عیدگاہ گئے توجائز ہے،یہ تمام مسائل اس حدیث سے لیے گئے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ نماز سے پہلے قربانی ہوتی ہی نہیں،امام شافعی کے وہاں ہوجاتی ہے مگر بہتر نہیں۔

روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ بجلی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز سے پہلے ذبح کرے وہ اس کی جگہ دوسری ذبح کرے اورجس نے ہمارے نماز پڑھنے تک ذبح نہ کیا ہو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی نماز کے بعد اس کی قربانی درست ہے اس سے پہلے درست نہیں،ہمارے ہاں پہلے والی قربانی کا اعادہ واجب ہے،امام شافعی کے ہاں مستحب،یہ حدیثیں ان کے مخالف ہیں۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز سے پہلے ذبح کرے وہ اپنے لیے ذبح کرتا ہے جو نماز کے بعد ذبح کرے اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا	

۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی نماز سے پہلے کا ذبیحہ عادت ہے اور بعد نماز ذبیحہ عبادت۔اس حدیث سے معلوم ہوتاہے کہ اگر نماز کے بعد خطبہ سے پہلے قربانی ہوجائے تو درست ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ذبح اور نحر فرماتے تھے ۱؎(بخاری)	

۱؎ تاکہ لوگ آپ کو قربانی کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کا طریقہ سیکھ لیں اور چونکہ فقراء وہاں جمع ہیں ان میں تقسیم کرنے میں آسانی ہو۔خیال رہے کہ حلقوم اور گلے کی رگوں کو چوڑائی میں کاٹنا ذبح ہے اور لمبائی میں چیرنا نحر،نحر صرف اونٹ کا ہوگا،اسے کھڑا کرکے ایک پاؤں ران سے باندھ دیتے ہیں،پھر تین پھل والا نیزہ گردن کے کنارے پر لگاتے ہیں اور اسے کھینچتے ہوئے سینہ تک لے جاتے ہیں،اونٹ میں نحر سنت ہے اور گائے،بکری وغیرہ میں ذبح۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے ا ور اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے تھے فرمایا یہ دو دن کیسے ہیں وہ بولے کہ ہم ان دنوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیلتے تھے۱؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں ان کے عوض ان سے دو اچھے دن دیئے ہیں بقرعید اور عیدالفطر۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ ان میں سے ایک کا نام نیروز تھا یعنی سال کا پہلا دن،یہ فارسی لفظ ہے نوروز سے بنا اور دوسرے کا نام مہرجان تھا۔غالبًا نیروز جنوری کی پہلی تاریخ ہوتا ہوگا،اورمہرجان جولائی میں۔واللہ اعلم!ان لوگوں نے یہ دن مجوسیوں سے لیے ہوں گے جواصل میں فارسی النسل تھے۔

۲؎ یعنی تم ان دنوں میں کھیلنے کودنے کے عوض ان دودنوں میں اللہ تعالٰی کی عبادتیں کرکے خوشی مناؤ۔خیال رہے کہ اب بھی کفار اپنے بڑے دنوں میں جوئے کھیلتے ہیں،شرابیں پیتے ہیں،ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے ہیں،انسانیت سوز اور بے حیائی کے کام کرکے خوشیاں مناتے ہیں،اسلام میں ہر کام انسانیت بلکہ روحانیت کاہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ عاشورہ کے دن خوشی کرنا خارجیوں کا طریقہ ہے،اور رنج و غم کرنا،سینہ کوٹنا رافضیوں کی حرکتیں،تم ان دونوں سے بچو۔الحمدللہ!حرمین شریفین میں اس دن میں یہ کچھ نہیں ہوتا،روافض نیروز کے دن خوشی مناتے ہیں،بہانہ یہ

کرتے ہیں کہ اس دن عثمان غنی شہید ہوئے تھے مگر درحقیقت یہ مجوسیوں کی نقل ہے۔علماء فرماتے کہ اگر نیروز کے دن کسی مجوسی کو ایک انڈا بھی ہدیۃً دیا اس دن کی تعظیم کے لیے تو دینے والا کافر ہوااور اس کے سارے اعمال ضبط ہوگئے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن نہ جاتے تھے حتی کہ کچھ کھالیتے اور بقرعید کے دن نہ کھاتے حتی کہ نماز پڑھ لیتے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎معلوم ہوا کہ عید کے دن کھاکر جانا اور بقرعید کے دن آکرکھانا سنت ہے۔بہتر یہ ہے کہ پہلے قربانی ہی کا گوشت کھائے۔مرقات اور فتح القدیر میں ہے بہتر یہ ہے کہ عید کے دن کوئی میٹھی چیز کھا کر جائے،لہٰذا سویاں،شیرخرمہ وغیرہ کھالینے سے بھی یہ سنت ادا ہوجائے گی۔بعض علماءفرماتے ہیں بہتریہ ہے کہ بقرعید کے دن عورتیں،بچے بھی نماز سے پہلے کچھ نہ کھائیں۔

روایت ہے حضرت کثیر ابن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روای ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازعیدین کی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)۳؎	

۱؎جن کا نام عمر ابن عوف مدنی ہے۔خیال رہے کہ کثیر ابن عبداللہ نہایت ضعیف راوی ہیں،بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ کچھ نہیں،بعض نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے،اکثر آئمہ حدیث نے ان پرطعن کیاہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎علاوہ تکبیر تحریمہ اورتکبیر رکوع کے۔اس حدیث سےمعلوم ہوا کہ عید کی تکبیریں پہلی رکعت میں سات ہیں دوسری میں پانچ اور دونوں رکعتوں میں قرأت سے پہلے ہیں،امام شافعی کا یہی مذہب ہے،ہمارے ہاں دونوں رکعتوں میں تکبیرعید تین تین ہیں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور دوسری میں قرأت کے بعد،ہماری دلیل آگے آرہی ہے۔

۳؎تعجب ہے کہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کیسے کہہ دیا کہ کثیر ابن عبداللہ کو تمام محدثین ضعیف کہتے ہیں۔چنانچہ ابوداؤدنے کہا یہ کذّاب ہے،امام شافعی نے فرمایا یہ جھوٹ کا ستون ہے،ابن حبان نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے،ابو حاتم نے کہا کہ یہ متین نہیں،ابن عدی نے فرمایا کہ اس کی روایتوں پرکوئی دھیان نہیں دیتا۔ظاہر یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے،قابلِ استدلال نہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے(ا رسلًا)۱؎کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکروعمرنے عیدوں اور	

	استسقاء میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں اورخطبے سے پہلے نماز پڑھی اورقرأت اونچی کی ۲(شافعی)

۱؎ آپ کا نام جعفر،لقب صادق ہے،آپ کے والد محمد،لقب باقر،ان کے والد علی ابن حسین،یعنی امام زین العابدین لہٰذا آپ امام حسین کے پڑ پوتے ہیں رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یہ حدیث بھی امام شافعی کی دلیل ہے مگر دو طرح مجروح ہے:ایک یہ کہ امام جعفر صادق تابعی نہیں بلکہ تبع تابعین کے بھی بعد ہیں لہٰذا ان کی یہ حدیث مرسل نہیں ہوسکتی،نیز آپ نے حضرت صدیق وفاروق کو بھی نہیں دیکھا۔دوسرے یہ کہ بعض سندوں میں امام جعفر صادق کی یہ حدیث حضرت علی پر موقوف ہے مرفوع ہے ہی نہیں۔بہرحال حدیث موقوف ہو یامرفوع اس میں کئی راوی چھوٹے ہوئے ہیں کیونکہ امام جعفر صادق نے علی مرتضٰی کی ملاقات بھی نہیں کی۔(از مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت سعید ابن العاص سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدوبقر عید میں تکبیریں کیسے کہتے تھے تو ابوموسیٰ نے فرمایا کہ آپ نماز جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہتے تھے ۲؎ حضرت حذیفہ نے کہا یہ سچے ہیں۔(ابوداؤد)

۱؎ آپ اموی ہیں،قرشی ہیں،اللہ نے آپ کو اعلٰی درجے کی سخاوت وفصاحت بخشی،عثمان غنی کے لیے مصحف قرآنی جمع کرنے والے آپ بھی تھے،آپ کا لب ولہجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھا،جنگ بدر سے پہلے پیدا ہوئے،تابعی ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ رکعت اول میں ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیر عید اور دوسری رکعت میں تین تکبیر عید اور ایک تکبیر رکوع،یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ابن ہمام نے فرمایا کہ اس موقعہ پر ابوموسیٰ اشعری بولے کہ میں بصرے میں یوں ہی تکبیریں کہاکرتا ہوں۔خیال رہے کہ یہ حدیث درحقیقت دوحدیثوں کا مجموعہ ہے کیونکہ حضرت حذیفہ کا تصدیق کرنا مستقل حدیث ہے،نیز حضرت ابن مسعود ہمیشہ چار تکبیریں کہتے تھے،آپ کا یہی مذہب ہے۔خیال رہے کہ تکبیرات عید میں مختلف روایتیں ہیں اسی لیے اس میں اماموں کے مذہب مختلف ہیں۔چنانچہ امام مالک،احمد کے ہاں اول رکعت میں چھ دوسری میں چار،امام شافعی کے ہاں اول میں سات دوسری میں پانچ،ہمارے ہاں دونوں میں تین تین،ہمارے امام سیدنا ابن مسعود ہیں اور امام شافعی کے مقتداء عبداللہ ابن عباس،امام اعظم فرماتے ہیں کہ تکبیر اور رفع یدین خلاف معہود ہے اس لیے ہم نے کم کی روایت پر عمل کیا۔(اشعۃ اللمعات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت براء سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عید کے دن کمان حاضر کی گئی آپ نے اس پر خطبہ پڑھا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی کمان ہاتھ میں لےکر خطبہ پڑھا۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہےکہ جوشہر جنگ سے فتح ہوئے ہوں وہاں کمان یا تلوار پر خطبہ پڑھنا بہتر ہےاور جوشہر صلح سے حاصل ہوں وہاں عصاء پرخطبہ پڑھا جائے،لہذا یہ واقعہ مدینہ پاک کا نہیں ہے۔

	روایت ہے حضرت عطا سے(ارسلًا)کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتےتو اپنی لاٹھی پر ٹیک لگاتے تھے ۱؎(شافعی)

۱؎ یعنی مدینہ منورہ میں جمعہ یاعید کا خطبہ لاٹھی ہاتھ میں لےکر پڑھتے تھے کیونکہ یہ شہر جنگ سے فتح نہیں ہوا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں عید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے بغیراذان وتکبیر نماز شروع کی جب نماز پوری کرلی تو حضرت بلال پر ٹیک لگاکر کھڑے ہوگئے۱؎اوراللہ کی حمدوثناء کی لوگوں کووعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں رب کی اطاعت پر رغبت دی اور عورتوں کی طرف تشریف لے گئے آپ کے ساتھ بلال تھے۲؎انہیں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور انہیں وعظ و نصیحت فرمائی۔(نسائی)

۱؎ یعنی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خطبہ پڑھا نہ لاٹھی لی،نہ تلوارکمان وغیرہ یہ بھی جائز ہے۔

۲؎ اگر یہ واقعہ پردہ آنے سے پہلے کا ہے تو حضرت بلال بے حجاب عورتوں کے سامنے رہے اور اگر پردے کے احکام آنے کے بعد کاہے تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت بلال اس طرح کھڑے ہوئے کہ نہ عورتوں کو آپ دیکھ سکے نہ عورتیں آپ کو۔سرکار کے عورتوں میں تشریف لے جانے کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ مردوں کے وعظ میں بشارتیں زیادہ تھیں اورعورتوں کے وعظ میں ڈرانا زیادہ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب ایک راستے سے تشریف لے جاتے تو دوسرے راستے سے لوٹتے ۱؎(ترمذی،دارمی)

۱؎اس حدیث کی شرح اور راستہ تبدیل کرنے کی حکمتیں پہلے بیان ہوچکیں۔خیال رہے کہ عیدکےدن امام اورتمام نمازی عیدگاہ کے راستے میں آہستہ تکبیر تشریق کہتے جائیں اور بقرعید میں بلند آواز سے،لیکن اگرعوام عیدمیں بلندآواز سے تکبیر کہیں تو منع نہ کروکیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکراللہ میں کم رغبت رکھتے ہیں۔(مرقاۃ)کسی نے امام اعظم سے پوچھا کہ لوگ بقرعید کے زمانہ میں بازاروں میں تکبیریں کہتے پھرتے ہیں،فرمایا مت روکو۔ذکر بالجہر کی پوری تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے انہی سے ایک بار عید کے دن بارش ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز عید مسجد میں پڑھائی ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی آپ ہمیشہ نماز عید جنگل میں پڑھاتے تھے لیکن ایک بار بارش ہوگئی تو لوگوں کو جنگل جانا بھی گراں تھااور وہاں کوئی جگہ سایہ دار بھی نہ تھی اس لیے مسجد نبوی میں عید پڑھائی گئی۔علماء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ہر جگہ نماز عید جنگل میں پڑھنا بہتر ہے سوائے بارش کے،ہاں مکہ معظّمہ میں یہ نماز بھی حرم شریف میں افضل،مسلمانوں کا اسی پر ہمیشہ سے عمل رہا،صحابہ اور دیگر علماء نے اس پر کبھی اعتراض نہ کیاحتی کہ نمازجنازہ،استسقاءوغیرہ بھی حرم شریف میں بلاکراہت جائز ہیں،دوسری مساجدمیں نمازجنازہ مکروہ ہے،امام سیوطی نے درالمنثور میں فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی نمازجنازہ دروازہ کعبہ کے پاس پڑھی گئی۔(ازمرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوحویرث سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن حزم کو لکھا۱؎جب کہ وہ نجران میں تھے کہ بقرعید جلدی پڑھو اورعیدا لفطر دیر سے اور لوگوں کو وعظ کرو ۲؎(شافعی)۳؎	

۱؎ابوالحویرث کو بعض نے صحابی ماناہے اوربعض نے تابعی۔صحیح یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،عمرو ابن حزم صحابی ہیں،انصاری ہیں،غزوہ خندق وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کے مشہور شہر نجران کا حاکم بناکر بھیجا جب کہ آپ کی عمر صرف ۱۷ سال تھی۔

۲؎وجہ ظاہر ہے کہ عید کے دن فطرہ نماز سے پہلے دیاجاتاہے اور بقرعید کے دن قربانی نماز کے بعد ہوتی ہے،نیز عید میں کھانا نماز سے پہلےکھایا جاتاہے اور بقرعید میں نماز کے بعد اس لیے نمازعید کچھ دیر سے پڑھنا بہتر ہے اور بقرعید جلدی۔خیال رہے کہ نماز عیدین کا وقت آفتاب چمکنے سے بیس منٹ بعد شروع ہوتا ہے،اور نصف النہار تک رہتا ہے۔

۳؎خیال رہے کہ اس حدیث کی اسناد میں ابراہیم ابن محمد ہیں جومحدثین کے نزدیک قوی نہیں،ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث ضعیف ہے۔لیکن فضائل ومستحبات میں ضعیف حدیث قبول اور قابل عمل ہوتی ہےکیونکہ یہاں وقت مستحبہ کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت عمیر ابن انس سے ۱؎وہ اپنے چچاؤں سے راوی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں کہ ایک قافلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا انہوں نےگواہی دی کہ انہوں نےکل چاند دیکھ لیا ہے حضور نے حکم دیا کہ روزہ افطارکرلیں اورکل صبح عیدگاہ چلیں۲؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،انس ابن مالک کے بیٹے ہیں،انصاری ہیں،بہت کم عمر تابعی ہیں،اپنے والدحضرت انس رضی اللہ عنہ کے بعد بہت عرصہ زندہ رہے۔
۲؎ طحاوی،دارقطنی اور ابن ماجہ نے فرمایا کہ یہ گواہی بعدزوال ہوئی تھی اور انتیسویں ۲۹ رمضان کو گردو غبار تھا،یہ حدیث امام اعظم کی بہت بڑی دلیل ہے۔نمازعید کا وقت زوال سے پہلے تک ہے نہ کہ شام تک کیونکہ اگر مغرب تک وقت ہوتا توحضور صلی اللہ علیہ وسلم آج ہی نماز پڑھادیتے۔خیال رہے کہ عیدالفطر کی نماز ایسے عذر میں دوسرے روز ہوسکتی ہے مگر تیسرے دن نہیں ہوسکتی،لیکن نماز بقرعید تین روز تک پڑھی جاسکتی ہے دسویں،گیارھویں،بارھویں۔(کتب فقہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے ابن جریج سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے عطاء نے حضرت ابن عباس اور جابر ابن عبداللہ سے خبر دی ان دونوں نے فرمایا کہ عید بقر کے دن اذان نہ کہی جاتی تھی پھر کچھ عرصہ بعد میں نے عطاء سے اس بارے میں پوچھا ۲؎ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے جابر ابن عبداللہ نے خبر دی کہ عید کے دن امام کے نکلتے وقت اور نکلنے کے بعد نہ تو نماز کی اذان ہے نہ تکبیر،نہ عام اعلان نہ کچھ اور چیز یعنی اس دن نداء ہے نہ تکبیر ۳؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام عبدالملک ابن عبدالعزیز ابن جریج ہے،فقیہ ہیں،مکی ہیں،قرشی ہیں،اسلام میں پہلے مصنف ہیں ۱۵۰ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی،آپ خود بھی تابعی ہیں اور آپ کے والد بھی۔
۲؎ یعنی اس مسئلہ کی تفصیل پوچھی کیونکہ اجمالًا علم تو پہلے ہوچکا تھا۔
۳؎ حق یہ ہے کہ ان دونوں جگہ نداء سے مراد اذان ہی ہے اور یہ جملہ گزشتہ کی تفسیر ہے کیونکہ نماز عید کے لیے اعلان گولہ داغنا،توپ چلانا،نوبت پیٹنا بالاتفاق جائزہے،صرف اذان وتکبیر منع ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے جاتے تو نماز سے ابتداء کرتے جب نماز پڑھ چکتے تو لوگوں پر متوجہ ہوتے لوگ اپنے مقام پر بیٹھے ہوتے اگر سرکار کو لشکر بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو لوگوں سے ذکر فرمادیتے یا آپ کو اس کے سوا کوئی اورضرورت ہوتی تو اس کا حکم فرمادیتے	

	۱؎ اور فرماتے تھے خیرات کرو خیرات کرو خیرات کرو زیادہ خیرات کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں ۲؎ پھر آپ واپس ہوتے معاملہ یوں رہا حتی کہ مروان ابن حکم کا زمانہ آیا ۳؎ تو میں مروان کی کمر میں ہاتھ ڈالے نکلا حتی کہ ہم عیدگاہ پہنچے تو دیکھا کہ کثیر ابن صلت نے کچی اینٹ و گارے کا منبر بنایا ہے ۴؎ اور مروان مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچنے لگا شاید مجھے منبر کی طرف کھینچتا تھا اور اسے میں نماز کی طرف کھینچتا تھا جب میں نے اس کی یہ حرکت دیکھی تو میں بولا کہ نماز سے ابتداءکرنا کہاں گیا وہ بولا نہیں اے ابوسعید جو تمہارے علم میں ہے وہ اب چھوڑ دی گئی ۵؎ میں نے کہا ہرگز نہیں اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میرے علم میں ہے تم اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لاسکتے ۶؎ (مسلم)

۱؎ یہ حدیث مع شرح پہلے گزر چکی۔پہلے عرض کیاجاچکا کہ نمازعیدین کے لیے نہ اذان ہے نہ تکبیر اور اس کا خطبہ بعد نماز ہوگا،اور عیدگاہ میں دینی کام کے انتظامات کیئے جاسکتے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ تاکید کے لیے تین بار خیرات کا حکم دیتے تھے اور یہ فرمان دوران خطبہ میں ہوتا تھایا ایک بار سامنے والوں سے فرماتے،دوسری بار داہنے والوں سے،تیسری بار بائیں والوں سے یا یہ مطلب ہے کہ اپنی دنیا کے لیے خیرات کرو،اپنے مُردوں کے لیےاور اپنی آخرت کے لیے خیرات کرو یا یہ کہ زکوۃ دو،فطرہ دو،صدقہ نفلی دو،عورتیں زیادہ خیرات اس لیے کرتی تھیں کہ وہ سن چکی تھیں کہ دوزخ میں ہم زیادہ دیکھی گئی ہیں۔

۳؎ یعنی خلفائے راشدین نے بھی خطبہ نمازعید کے بعد ہی رکھا۔خیال رہے کہ مروان ابن حکم ۲ھ؁ میں یا خندق کے سال پیدا ہوا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکا لہذا وہ صحابی نہیں،یہ امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی نے اپنے آخر خلافت میں اور امیر معاویہ نے خطبۂ عید نماز سے پہلے پڑھا مگر یہ غلط ہے جیسا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہورہا ہے،نیز حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز عید پڑھی یہ سب حضرات خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے لہذا اس بدعت کا موجد مروان ہی تھا۔

۴؎ یعنی اس سے قبل عیدگاہ میں منبر نہ تھا،مروان نے پہلے تو منبر رسول اللہ عیدگاہ میں لانا شروع کیا،اس پر اعتراضات ہوئے تو اس نے وہاں ہی منبر بنوایا،لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ مروان مسجد نبوی سے منبر منگواتا تھا۔خیال رہے کہ کثیر ابن صلت ابن سعدی کرب کندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے،ان کا نام قلیل تھاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر کثیر رکھا۔

۵؎ یعنی میں جانتا ہوں کہ سنت یہی ہے کہ خطبہ نماز سے پیچھے ہولیکن اب مصلحت اورحکمت یہ ہے کہ نماز سے پہلے ہوکیونکہ اب لوگ نماز کے بعدخطبہ کے لیے بیٹھتے نہیں اسی لیے اس نے"تُرِكَ كَمَا تَرَكْتُ"نہ کہا یعنی مجرم اس کا میں نہیں ہوں،یہ جلد بازلوگ ہیں۔

٦؎ یعنی ان معمولی عذروں کی وجہ سے یہ سنت نہیں چھوڑی جاسکتی عام لوگ بیٹھیں یا نہ تم خطبہ بعدمیں ہی رکھو۔اس سے دومسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرت عثمان یا امیرمعاویہ نے خطبہ ہرگز پہلے نہ پڑھا ورنہ ابوسعیدخدری یہ گفتگو نہ کرتے۔دوسرے یہ کہ زمانہ کی مصلحتوں کی وجہ سے سنتیں نہیں چھوڑی جاسکتیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج کہہ رہے ہیں کہ خطبہ،اذان،تکبیر بلکہ نماز بھی اردو زبان میں پڑھوکیونکہ لوگ عربی نہیں سمجھتے۔

باب فی الاضحیۃ

قربانی کاباب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اضحیہ ضحوٌ سے بنا،بمعنی دن چڑھنا اسی لیے نمازچاشت کو ضحیٰ کہاجاتاہے،چونکہ قربانی بقرعید کے دن شہروں میں قریبًا دوپہر ہی کو ہوتی ہے اس لیے اسے اضحیہ کہتے ہیں۔اس کی جمع اضاحی بھی ہے اور ضحایا بھی۔قربانی صرف بقرعید کے دنوں میں بہ نیتِ عبادت جانور ذبح کرنے کا نام ہے حج کے ذبیحے خواہ ہدی ہو یاقران و تمتع کاخون یا حج کے جرموں کاکفارہ ان میں سے کوئی قربانی نہیں کیونکہ حاجی مسافر ہوتے ہیں اورمسافر پرقربانی نہیں اسی لیے ان ذبیحوں کے نام ہی علیحدہ ہیں:دم قران،دم تمتع،دم جنایت،ہدی وغیرہ،شریعت میں انہیں اضحیہ کہیں نہیں کہا گیا،نیز وہ تمام جانور صرف حرم شریف میں ہی ذبح ہوسکتے ہیں،اور قربانی ہر جگہ حنفیوں کے نزدیک ہر مسلمان آزاد،مالدار مقیم پر قربانی واجب ہے،بعض اماموں کے ہاں سنت مؤکدہ ہے،امام صاحب کے ہاں غنی پر واجب ہے،فقیر پر سنت،مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے کیونکہ رب تعالٰی نے فرمایا:"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"یعنی آپ نماز پڑھیں اورقربانی کریں۔اَنْحَرْ صیغۂ امر ہے جو وجوب کے لیے آتاہے،نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کی،نیز قربانی نہ کرنے والوں پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔لہذا حق یہ ہے کہ قربانی واجب ہے،اس زمانہ کے بعض بے دین ہندونواز مسلمان ہزارحیلہ بہانوں سے پاکستان میں قربانی روکنا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں قربانی صرف مکہ میں ہے،حالانکہ رب نے فرمایا:"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"۔نماز مکہ سے خاص نہیں تو قربانی مکہ معظّمہ سے خاص کیوں ہوگی،کبھی کہتے ہیں کہ اس میں قوم کا پیسہ بہت برباد ہوتا ہے یہ رقم کالجوں،اسکولوں پرخرچ کی جائے،یعنی سینما،شادی بیاہ کی حرام رسوم،پان سگریٹ کے شوق قوم کو برباد نہیں کرتے قربانی کرتی ہے۔بہت ممکن ہے کہ یہ بے دین آئندہ اسی بہانہ سے حج بھی بند کرنے لگیں گے۔اصل حقیقت یہ ہے کہ بھارت کی حکومت گائے کی قربانی بند کرچکی ہے۔اب اس کا منشاء یہ ہے کہ اصل قربانی جو شعار اسلامی ہے ختم کردیا جائے،پھر نمازواذان بند کرنے کی باری آئے گی مگر اپنی بدنامی کے خوف سے اس نے یہ مسئلہ اپنے زرخرید پٹھوؤں کے ذریعہ پاکستان میں اٹھوایا تاکہ اگر یہاں بند ہوجائے تو وہاں آسانی سے بند ہوسکے مگر ان شاءاللہ تعالٰی دین مصطفوی کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا۔دیکھو مروان کی کوشش سے خطبہ عید نماز سے پہلے نہ ہوسکا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوچتکبرے سینگ والے بکروں کی قربانی	

	کی ۱؎ کہ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا بسم اللہ و تکبیر کہی فرمایا کہ میں نے آپ کو ان بکروں کی کروٹوں پر اپنا قدم رکھے دیکھا۲؎ آپ فرماتے تھے بسم اللہ واللہ اکبر۔(مسلم،بخاری)

۱؎ ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنے غریب امتیوں کی طرف سے جو قربانی پر قادر نہ ہوں جیساکہ آگے آرہا ہے۔ایک قربانی سارے غریبوں کی طرف سے کافی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سجدہ ان شاءاللہ تعالٰی ہم جیسے لاکھوں گنہگاروں کا بیڑا پار لگائے گا۔قربانی اگرچہ ایک ہے مگر کس کی ہے جو ساری مخلوق میں یکتا ہے۔

۲؎ اس طرح کہ جانور کو قبلہ رولٹاکر اپنا داہنا پاؤں اس کے داہنے کندھے پر رکھا،بائیں ہاتھ سے اس کا سر پکڑا اور داہنے ہاتھ سے چھری چلائی۔خیال رہے کہ ذبح پر بِسۡمِ اللہ کہنا فرض ہے اور وَاللہُ اَکۡبَرۡ کہنا مستحب اور اس وقت درود شریف پڑھنا ہمارے ہاں مکروہ ہے،امام شافعی کے ہاں سنت۔(مرقاۃ)بہتر یہ ہے کہ جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور اگر ذبح کرنا نہ جانتاہوتو ذبح اور سے کرائے مگر سامنے موجود ہونا بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے بکرے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلے،سیاہی میں بیٹھے،سیاہی میں دیکھے۱؎ آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا تاکہ اس کی قربانی کریں فرمایا عائشہ چھری لاؤ پھر فرمایا اسے پتھر پر تیز کرلو،میں نے کرلیا پھر آپ نے چھری پکڑی اور بکرا پکڑ کرلٹایا پھر اسے ذبح کیا پھر فرمایا بِسۡمِ اللہ۲؎ الٰہی اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم و امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبول فرما۳؎ پھر اس کی قربانی کی ۴؎(مسلم)

۱؎ یعنی اس کے پاؤں،سرین اور آنکھیں سیاہ ہوں باقی جسم پر کالے چٹے دھبّے۔

۲؎ یہ ثُمَّ رتبہ تاخیر کے لیے ہے نہ کہ واقعہ کی۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذبح پہلے کرلیا اور بسم اللہ بعد میں پڑھی۔(مرقاۃ)یا ذبح کے معنی ہیں ذبح کا ارادہ فرمایا۔(اشعہ)۔خیال رہے کہ جانور کولٹاکر یا اسے دکھاکر چھری تیز نہ کی جائے۔

۳؎ یعنی قربانی کے ثواب میں انہیں بھی شریک فرمادے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے فرائض وواجبات کاثواب دوسروں کو بخش سکتے ہیں اس میں کمی نہیں آسکتی۔یہ حدیث کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کرنیکی قوی دلیل ہے کہ بکری سامنے ہے اور حضور اس کا ثواب اپنی آل اور امت کو بخش رہے ہیں۔

۹؎یعنی اس کاگوشت پکاکر لوگوں کی دعوت کی۔لغت میں ضحے کے معنی ہیں دوپہر کا کھانا کھلانا،یہاں لغوی معنی میں ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سال سے کم جانور ذبح نہ کرو مگر جب کہ دشوار ہو تو بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ ذبح کرو ۱؎(مسلم)

۱؎یہ معنی بہت موزوں ہیں کیونکہ بکری ایک سال سے کم،گائے دو سال سے کم اور اونٹ پانچ سال سے کم کا جائز نہیں ان عمروں میں ان سب جانوروں کا نام **مسنہ** ہوتا ہے۔بھیڑ کا چھ۶ ماہ کا بچہ اگر موٹا تازہ ہو جو ایک سال کی بکریوں سے مل جائے تو قربانی جائز ہے۔خیال رہے کہ **معز** بکری،بھیڑ،دنبہ سب کو شامل ہے،غنم صرف بکری کا نام ہے اور ضأن بھیڑ اور دنبہ کا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک سال کی بکری کی قربانی چھ۶ مہینہ کی بھیڑ کی قربانی سے افضل ہے۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ افضل قربانی اونٹ کی ہے،پھر گائے کی،پھر بکری کی،پھر بھیڑ کی۔

	روایت ہے حضرت ابن عامر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ بکریاں صحابہ میں قربانی کے لیئے تقسیم فرمانے کو دیں ۱؎تو ایک شش ماہیہ بکری کی بچی اس کا ذکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ نے فرمایا اس کی قربانی تم کرلو۔ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے چھ ماہ کا ملا فرمایا قربانی کرلو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں قربانی کے جانور تقسیم فرماتے تھے لہذا اب بھی اگر کوئی امیر لوگوں میں جانور تقسیم کرے اور لوگ اس کی قربانی کریں تو جائز ہے۔

لطیفہ:اس زمانہ کی قربانی بند کرنے والوں نے حکومت پاکستان کو مشورہ دیا ہے کہ وہ بزور حکومت ملک میں قربانی بند کرادے۔ہم مؤدبانہ اہلِ حکومت سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ہر سال اپنے بجٹ سے قربانی کے جانور مسلمانوں میں تقسیم کیا کرے اس کے لیئے ایک فنڈ رکھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی بند نہیں کی تقسیم کی ہے۔

۲؎**عتود** چھ ماہہ بکری کو بھی کہتے ہیں اور چھ ماہہ بھیڑ کو بھی یہاں بکری مراد ہے اسی لیئے حضرت عقبہ نے تعجب سے پوچھا کہ میں یہ قربانی کیسے کروں،نیز ابوبردہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قربانی صرف تمہیں جائز ہوگی اوروں کو نہیں،یہاں شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ سپرد کردیئے گئے جس پر جو چاہیں حکم جاری فرمادیں یعنی آپ بعطائے الٰہی مالک احکام ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ذبحہ و نحر فرماتے تھے ۱؎(بخاری)

۱؎ تاکہ لوگوں کو قربانی کا طریقہ آجائے اور قربانی شائع ہوجائے۔خیال رہے کہ یہ عیدگاہ مدینہ پاک تھی نہ کہ مکہ معظّمہ کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں نہ کبھی عید پڑھی نہ عید کی قربانی کی۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ میں ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے سات کی طرف سے ہے اور اونٹ سات کی طرف سے ۱؎(مسلم وابوداؤد)لفظ ابوداؤد کے ہیں۔

۱؎ یعنی گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں بشرطیکہ ان میں سے کوئی گوشت یا تجارت گوشت کے لیئے شریک نہ ہو یا سارے قربانی کرنے والے ہوں یا بعض عقیقہ والے۔خیال رہے کہ حنفی اور شافعی سب اس پر متفق ہیں کہ گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں،صرف اسحٰق ابن راہویہ کہتے ہیں کہ اونٹ میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں،یہ حدیث احناف اور شوافع کی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عشرہ آجائے تو تم میں سے کوئی قربانی کرنا چاہے تو اپنے بال و کھال کو بالکل ہاتھ نہ لگائے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے نہ بال لے نہ ناخن کاٹے،ایک روایت میں ہے کہ جو بقرعید کا چاند دیکھے اور قربانی کرنا چاہے تو نہ اپنے بال لے نہ ناخن ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی جو امیر وجوبًا یا فقیر نفلًا قربانی کا ارادہ کرے وہ بقرعید کا چاند دیکھنے سے قربانی کرنے تک ناخن بال اور مردار کھال وغیرہ نہ کاٹے نہ کٹوائے تاکہ حاجیوں سے قدرے مشابہت ہوجائے کہ وہ لوگ احرام میں حجامت نہیں کراسکتے اور تاکہ قربانی ہر بال ناخن کا فدیہ بن جائے،یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں،لہذا قربانی والے پر حجامت نہ کرانا بہتر ہے لازم نہیں،اس سے معلوم ہوا کہ اچھوں سے مشابہت بھی اچھی ہے۔

۲؎ بلکہ جو قربانی نہ کرسکے وہ بھی اس عشرہ میں حجامت نہ کرائے،بقرعید کے دن بعد نماز حجامت کرائے تو ان شاءاللہ ثواب پائے گا،جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔خیال رہے کہ مَنْ اَرَادَ سے بعض شوافع فرماتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں صرف سنت ہے ورنہ یہ کیوں فرمایا جاتا کہ جو قربانی کرنا چاہے وہ حجامت نہ کرائے اور کہتے ہیں کہ حضرت صدیق و فاروق قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ اسے واجب نہ سمجھ جاویں،مگر یہ دلیل بہت کمزور ہے کیونکہ حدیث شریف میں نماز جمعہ کے اور حج کیلیئے بھی مَنْ اَرَادَ ارشاد ہوا ہے کہ فرمایا جو جمعہ پڑھنا چاہے وہ غسل کرے جو حج کرنا چاہے وہ جلدی کرے حالانکہ جمعہ بھی فرض ہے اور حج بھی،چونکہ جمعہ و حج ہر شخص پر فرض نہیں

اور قربانی ہر شخص پر واجب نہیں اسی لیے اس طرح ارشاد ہوا،اورحضرت صدیق وفاروق کا قربانی نہ کرنا کہیں ثابت نہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زمانہ کوئی نہیں جن میں نیکیاں رب کو اس دن سے زیادہ پیاری ہوں۱؎لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ نہ اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا نہ اللہ کی راہ میں جہاد سوائے اس کے جو اپنا جان و مال لے کر نکلا اور کچھ واپس نہ لایا ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی بقر عید کے پہلے عشرہ میں رب تعالٰی کو بندوں کے نیک عمل بہت پیارے ہیں جن پر بہت ثواب دے گا کیونکہ یہ زمانہ حج کا ہے اور اسی عشرہ میں عرفہ کا دن ہے جو تمام دنوں سے بہتر ہے ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں نیکیاں بہت قبول ہیں کہ یہ زمانہ اعتکاف ہے اور اس میں شب قدر ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"وَلَیَالٍ عَشْرٍ"دس راتوں کی قسم۔خیال رہے کہ دن تو بقرعید کے اول عشرہ کے افضل ہیں اور راتیں رمضان کے آخری عشرہ کی افضل،اسی لیے یہاں اَیَّام فرمایا گیا اورقرآن شریف میں لیال،لہذا قرآن وحدیث متعارض نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ افضل دنوں میں عبادت بھی افضل ہے،اسی لیے شب معراج،شب برات،شبِ میلاد میں عبادات افضل ہیں کہ یہ افضل راتیں ہیں۔

۲؎ یعنی بقرعید کے پہلے عشرہ کے اعمال دوسرے زمانہ کے جہاد سے افضل ہیں،ہاں یہ جہاد جس میں غازی جان و مال سب کچھ قربان کردے یہ اس عشرہ کی نیکیوں سے افضل ہے۔معلوم ہوا کہ اس عشرہ کا جہادتو بہت ہی افضل ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوخصی چتکبرے سینگ والے بکرے بقرعید کے دن ذبح کیے۱؎جب انہیں قبلہ رو لٹایا تو فرمایا کہ میں نے اپنے کو اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین پیدا کیے دین ابراہیمی پر ہوں ہر بے دینی سے الگ مشرکوں میں سے نہیں ہوں۲؎یقینًا میری نمازمیری قربانی میری زندگی اور میری موت رب العلمین	

	کے لیئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ملا اور میں مطیعین سے ہوں۳؎ الٰہی یہ تجھ سے ہے اور تیرے لیئے ہے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کی طرف سے۴؎ بسم اللہ اللہ اکبر، پھر ذبح فرمایا۔(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)اوراحمد،ابوداؤد وترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا اورکہا بسم اللہ اکبر الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے اس امت کی طرف سے جو قربانی نہ کرسکے۵؎

۱؎ مدینہ منورہ میں،کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر تو سو اونٹ ذبح کیے تھے نہ دو بکرے اور مکہ معظّمہ کی دوسری قربانیاں حضرت جابر نے دیکھی نہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ انصاری ہیں،مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دیکھتے تھے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ مکرمہ میں چاہیئے اور کہیں نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خصی جانور کی قربانی جائز ہے کہ خصی ہونا عیب نہیں بلکہ کمال ہے کہ خصی کا گوشت اعلیٰ ہوتا ہے،یوں ہی خصی بیل،خصی بھینسے کی بھی قربانی درست ہے۔

۲؎ علماءفرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے ہمیشہ یعنی نبوت کے ظہور سے پہلے اور بعد شرک وکفر اور گناہ سے محفوظ رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول عمر ہی سے عابدوزاہد تھے،کسی عبادت میں کسی دوسرے نبی کی اتباع نہ کی بلکہ ظہورنبوت سے پہلے دین ابراہیمی کی عبادتیں کرتے تھے جو اسلامی عبادات کے مطابق تھیں۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غارِحرا میں اعتکاف وعبادات کررہے تھے۔(شامی وغیرہ)

۳؎ یہ قرآن کریم کی آیت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز شروع کرتے وقت اور قربانی کرتے وقت پڑھا۔یہاں نسک سے مراد قربانیاں ہیں ورنہ اس موقعہ پر یہ آیت پڑھنا درست نہ ہوتا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ قربانی کا ثبوت قرآن سے نہیں۔خیال رہے کہ نُسُك جمع ہے نَسِیْكه کی،اس کے معنی اعمال حج بھی ہیں اور قربانیاں بھی مگر یہاں قربانی مراد ہےاس کی تفسیر وہ آیت ہے"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"۔

۴؎ یعنی خدایا یہ قربانی تیری توفیق سے تیرے راضی کرنے کے لیئے کررہا ہے،اسے میرے اور میری امت کی طرف سے قبول فرما،اس کی شرح ہوچکی۔

۵؎ یعنی تا قیامت فقرائے امت کی طرف سے میری یہ دوسری قربانی ہے،اب امرائے امت کو چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کیا کریں۔اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے اور مالی عبادات میں نیابت جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت حنش سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ آپ دو بکرے قربانی دیتے تھے

میں نے عرض کیا یہ کیافرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں لہٰذا میں حضور کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۱؎(ابوداؤد)اور ترمذی نے اس کی مثل۔	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی تین بکرے قربانی کرتے تھے دوحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مطابق آپ کی حیات شریف کے اور ایک اپنی طرف سے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات مرحوم کی طرف سے قربانی دیناجائزہے،ہاں اگر میت کی قربانی ہوتو اس کا سارا گوشت خیرات کردیا جائے اگر وارث اپنی جانب سے محض ثواب کے لیئے میت کی طرف سے قربانی کرے تو خود بھی کھائے اور فقراءوامیر سب کو کھلائے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قربانی توتبرک ہے،مسلمان برکت کے لیئے کھائیں،آج بھی بعض خوش نصیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے ہیں،ان کی اصل یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم آنکھ،کان،دیکھ لیں ۱؎نہ اگلے کان کٹے کی قربانی کریں نہ پچھلے کی نہ کان چرے کی نہ کان پھٹے کی۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی،ابن ماجہ)ابن ماجہ کی روایت أذن پر ختم ہوگئی۔	

۱؎آنکھ کان سے مراد سارے اعضاء ظاہری ہیں قربانی کے لیئے وہ جانور خریدا جائے جس کے کسی عضو میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جو اس کے حسن میں کمی پیدا کرے یا جسم میں نقصان،لہٰذا اندھا،کانا،لنگڑا،دم کٹا،بہت دبلا وغیرہ جانور قربان نہ کیا جائے ان عیوب کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

۲؎لمبائی میں چرے کان کو شرقاء کہتے ہیں اور چوڑائی میں چرے کان کو خرقاء اس میں اکثر کان کا اعتبار ہے یعنی اگر آدھے سے زیادہ کان سلامت ہے اور آدھے سے کم چرا پھٹا یا کٹا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے اور اس کے برعکس کی ناجائز،یونہی سینگ ٹوٹے کا بھی حال ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم ٹوٹے سینگ اور کٹے کان والے کی قربانی کریں۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎کیونکہ اس سے جانور کے حسن میں کمی ہوتی ہے۔خیال رہے کہ بنڈے اور بوچے جانور کی قربانی جائز ہے،یعنی جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا کان چھوٹے ہوں کیونکہ اعضب وہ کہلاتا ہے جس کے کان یاسینگ کٹے ہوں،جس کے سینگوں کاچھلکا اتر گیا ہو،مغز باقی ہو اس کی قربانی جائزہے کیونکہ وہ بھی اعضب نہیں۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کن قربانیوں سے بچنا	

	چاہیے تو آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا چار سے ۱؎ لنگڑے سے جس کا لنگ ظاہر ہو،کانے سے جس کاناپن ظاہر ہو۲؎ بیمار سے جس کی بیماری ظاہر ہواور دبلے سے جو ہڈی میں سپنگ نہ رکھتا ہو۳؎(مالک،احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ یہ چار اصولی عیب ہیں جس میں بہت سے فروعی عیب شامل ہیں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ عیوب کا ذکر ہے۔

۲؎ یعنی وہ لنگڑا جانور جو قربانی گاہ تک نہ جاسکے اوروہ کانا جس کی ایک آنکھ کی روشنی بالکل جاتی رہی ہو اس سے کم لنگ اور ایک آنکھ میں معمولی پھلی وغیرہ کا ہونا مضر نہیں۔

۳؎ مرض ظاہر ہونے کے یہ معنے ہیں کہ چارہ نہ کھائے اور سپنگ نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ دبلے پن کی وجہ سے کھڑی نہ ہوسکے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے اندرونی عیب جو محسوس نہ ہوں مضر نہیں،فقہاء فرماتے ہیں کہ دیوانہ جانور جس کی دیوانگی ظاہر ہو اس کی قربانی نہ کی جائے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سینگ والے بکرے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھے،سیاہی میں کھائے اورسیاہی میں چلے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ ایسا جانور بہت حسین ہوتاہے،علماء فرماتے ہیں کہ موٹے اورسرگیں آنکھ والے بکرے کی قربانی افضل ہے اور قربانی میں زیادہ گوشت دیکھو زیادہ چربی نہ دیکھو۔ایک موٹے بکرے کی قربانی دو دنبوں کی قربانی سے افضل ہے۔

	روایت ہے حضرت مجاشع سے جو بنی سلیم سے ہیں ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بھیڑ کا شش ماہیہ بچہ اس میں کفایت کرتا ہے جس میں بکری کا ایک سالہ بچہ کافی ہو۲؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام مجاشع ابن مسعود ابن ثعلبہ ابن وھب سلمی ہے،صحابی ہیں،مہاجر ہیں،حضرت مجالد کے بھائی ہیں۔

۲؎ یعنی بھیڑ اور دنبہ کے شش ماہہ موٹے بچہ کی قربانی جائز ہے اگر ایک سالہ بکریوں سے مل جائے،اس کی شرح پہلے گزر چکی۔جذع اور ثنی کے معنی کی تحقیق پہلے کی جاچکی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بھیڑ کے شش ماہے بچہ کی قربانی اچھی ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎ یہ اس لیئے فرمایا کہ لوگ اس کی قربانی میں تامل اور دغدغہ نہ کریں کیونکہ بظاہر اس کی قربانی جائز نہ معلوم ہوتی تھی۔اس حدیث کی بناء پرتمام علماء بلکہ صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ شش ماہہ دنبہ یا بھیڑ کی قربانی جائز ہے۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفرمیں تھے ۱؎ کہ بقرعید آگئی تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوگئے ۲؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ اس طرح کہ کسی جگہ پندرہ روز کی نیت سے ٹھہر گئے تھے،ورنہ مسافر پر قربانی واجب نہیں،یا یہ قربانی استحبابًا کی گئی،جیسے بعض حجاج اپنے اور اپنے مرحوم عزیزوں کی طرف سے مکہ معظّمہ میں قربانی دے دیتے ہیں۔

۲؎ اسحاق ابن راہویہ کا یہی مذہب ہے،ان کے علاوہ باقی تمام امام اس پرمتفق ہیں کہ اونٹ کی قربانی میں بھی سات ہی آدمی شریک ہوسکتے ہیں،یہ حدیث اس گزشتہ حدیث سے منسوخ ہے جو پہلے گزرچکی کہ گائے اور اونٹ سات سات کی طرف سے جائزہے۔(لمعات)مرقات نے فرمایا کہ عبدالله ابن عباس کی بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ ہم اونٹ میں سات یادس شریک ہوئے،لہذا شک کی بنا پر یہ حدیث قابل عمل نہیں،نیز یہ حدیث حسن غریب ہے اور سات کی روایات نہایت صحیح،لہذا اس کے مقابل یہ حدیث متروک ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان بقرعید کے دن کوئی ایسی نیکی نہیں کرتا جو خون بہانے سے خدا کو زیادہ پیاری ہو ۱؎ یہ قربانی قیامت میں اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گی ۲؎ اورخون زمین پر گرنے سے پہلے الله کے ہاں قبول ہوجاتاہے لہذا خوش دلی سے قربانی کرو ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی میں مقصود خون بہاناہےگوشت کھایا جائے یا نہ کھایا جائے لہذا اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت ادا کردے یا اس سے دگنا تگنا گوشت خیرات کردے،قربانی ہرگز ادا نہ ہوگی اور کیوں نہ ہو کہ قربانی حضرت خلیل الله کی نقل ہے،انہوں نے خون بہایا تھا گوشت یا پیسے خیرات نہ کیے تھے اور نقل وہی درست ہوتی ہے جو مطابق اصل ہو۔خیال رہے کہ اسلام سے پہلے قربانی کاگوشت کھاناحرام تھا اسے غیبی آگ جلاجاتی تھی مگر قربانی کا حکم تھا،اب کتنے بے وقوف ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں اتنی قربانیاں نہ کرو جن کا گوشت نہ کھایا جاسکے۔

۲؎ اور قربانی کرنے والے کے نیکیوں کے پلے میں رکھی جائے گی جس سے نیکیاں بھاری ہوں گی۔(لمعات)پھر اس کے لیئے سواری بنے گی جس کے ذریعہ یہ شخص بآسانی پل صراط سے گزرے گا اور اس کا ہرعضو مالک کے ہرعضو کا فدیہ بنے گا۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی اور اعمال توکرنے کے بعد قبول ہوتے ہیں اورقربانی کرنے سے پہلے ہی،لہذا قربانی کو بیکارجان کر یاتنگ دلی سے نہ کرو ہر جگہ عقلی گھوڑے نہ دوڑاؤ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی زمانہ ایسا نہیں جس میں خدا تعالٰی کو اپنی بقرعید کے عشرہ کی عبادت سے زیادہ پیاری ہو اس زمانہ کے ہردن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابرہوتاہے اور اس کی ہر رات کا قیام شبِ قدر کے قیام کے برابر ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہے ۲؎

۱؎ یہ حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں اتنے ثواب بخش دینا رب تعالٰی کے کرم سے بعید نہیں،کیوں نہ ہو کہ ان دنوں حضرت خلیل نے اپنے فرزند کی قربانی دی تھی اور حاجی حج بھی اسی زمانہ میں کرتے ہیں،اچھوں کی نسبت سے زمان اور زمیں بھی اچھے بن جاتے ہیں۔خیال رہے کہ اس حدیث سے دسویں بقرعید خارج ہے کہ اس دن روزہ حرام ہے۔
۲؎ کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے،نیز بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کی،اس کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

الفصل الثالث
تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں بقرعید یعنی قربانی کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضرہوا تو ابھی آپ نماز سے آگے نہ بڑھتے تھے نماز سے فارغ ہوتے ہی تھے سلام ہی پھیرا تھا کہ قربانیوں کے گوشت دیکھے جو آپ کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کردی گئی تھیں ۱؎ تو فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے یا ہماری نماز سے پہلے ذبح کرلیا ہوتو وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن نماز پڑھی پھرخطبہ پڑھا پھرقربانی کی اور فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی کرلی وہ اس کی جگہ دوسری قربانی

	کرے اورجس نے قربانی نہ کی ہوتو وہ اللہ کے نام پر قربانی کرے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎غالبًا یہ جانور ان لوگوں نے ذبح کیے ہوں گے جن پر نمازعید نہ تھی یا نمازعید شروع ہونے سے پہلے ذبح کردی گئی ہوں گی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز انہیں دیکھا ہوگا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان ذبح کرنے والوں نے نماز عیدکیوں نہ پڑھی۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ پہلے ہی اور جگہ نمازعید پڑھ چکے ہوں گے کیونکہ اس زمانہ میں یہ نماز صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوتی تھی،نیز اگر ایسا ہوتا تو سرکار قربانی لوٹانے کا حکم نہ دیتے۔

۲؎اس کی شرح پہلے گزرچکی کہ شہرمیں جہاں نمازعید شرعًا ہوتی ہو وہاں قربانی کا وقت نماز عید کے بعدشروع ہوتاہے اور گاؤں میں نمازعید جائزنہیں،وہاں دسویں تاریخ کی پوپھٹنے سے شروع ہوجاتا ہے اور بارھویں کے آفتاب ڈوبنے تک رہتا ہے،یعنی شہر اور گاؤں ابتداءمیں علیٰحدہ ہیں انتہاءمیں یکساں۔

	روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا قربانی بقرعید کے بعد دو دن تک ہے۔(مالک)اور فرمایا کہ مجھے حضرت علی ابن ابی طالب سے اس کی مثل روایت پہنچی ۱؎

۱؎یہ حدیث امام ابوحنیفہ،مالک و احمدکی قوی دلیل ہے کہ قربانی بارھویں کے آفتاب ڈوبنے تک ہے،امام شافعی کے ہاں تیرھویں کی عصرتک،یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہےکیونکہ یہ بات عقل سے نہیں کہی جاسکتی،تیرھویں تاریخ کی کوئی روایت صحیح نہیں ملتی،اگر ہوبھی تو قابل عمل نہ ہوگی کیونکہ بارھویں تک قربانی کا یقین ہے اورتیرھویں میں شبہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف دس سال قیام کیا قربانی کرتے رہے۱؎(ترمذی)

۱؎ہرسال۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ قربانی واجب ہے ورنہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ کبھی بیان جواز کے لیئے قربانی چھوڑتے۔دوسرے یہ کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ میں ہی نہیں ہر جگہ ہوگی۔اس سے آج کل کے ہندونواز مسلمانوں کو عبرت چاہیئے۔

	روایت ہے حضرت زیدابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ قربانیاں کیاہیں فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ۱؎عرض کیا کہ ان میں ہمیں کیا ملے گافرمایا ہربال کے عوض نیکی عرض کیا کہ اون یارسول اللہ

	تو فرمایا کہ اون کے ہر بال کے عوض نیکی ۲؎(احمد،ابن ماجہ)

۱؎جس کی ابتداءفرزند کے ذبح سے ہوئی اور آپ آخر تک کرتے رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال طیبہ کو سنت کہتے ہیں اورگزشتہ انبیاء کے طریقہ کو فطرت لہٰذا قربانی سنت و فطرت ہے۔

۲؎پوچھنے والوں کوخیال یہ ہواکہ اون کے بال توبہت زیادہ ہوتے ہیں،اتنی نیکیاں ایک قربانی میں کیسے مل جائیں گی۔جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دینے والا بڑا کریم ہے،وہ اپنے کرم سے اس سے بھی زیادہ دے توکون اسے روک سکتا ہے۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ قربانی کی بجائے قیمت یابازارسے گوشت خریدکرخیرات نہیں کرسکتےکیونکہ پھرثواب کے لیے بال کہاں سے آئیں گے۔

باب العتیرة

عتیرہ کاباب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱عتیرہ اس مذبوح جانور کا نام ہے جو اہل عرب ماہ رجب میں بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے،شروع اسلام میں مسلمان بھی ماہ رجب میں اللہ کے لیے ذبح کرتے تھے جسے رجبیہ کہتے تھے۔قربانی سے عتیرہ کی سنیت منسوخ ہوگئی،اباحت اب بھی باقی ہے۔جس ماہ جس دن چاہواللہ کے نام پر جانور ذبح کرو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایانہ فرع ہے نہ عتیرہ ۱فرماتے ہیں کہ فرع وہ پہلا بچہ تھا جانور کا جوان کے ہاں پیدا ہوتا جسے اپنے بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اورعتیرہ رجب میں تھا ۲(مسلم،بخاری)

۱یعنی اسلام میں فرع توبالکل حرام ہے اورعتیرہ کا ثواب نہیں کیونکہ فرع تو بتوں کے لیے ہی ذبح ہوتا تھا مگر عتیرہ کفار بتوں کے لیے کرتے تھے،مسلمان اللہ کے لیے۔فرع کی تفسیرخودحدیث میں آگے آرہی ہے۔

۲جسے کفاربتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اوراس کا خون بتوں پر ملتے تھے اورمسلمان اللہ کے لیئے لہذا فرع اسلام میں کبھی نہیں ہوا،عتیرہ پہلے تھا اور بعدمیں منسوخ ہوگیا۔حضرت نبیشہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عتیرہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ جس مہینہ میں چاہو اللہ کے لیے ذبح کرو اللہ کے لیے کھلاؤ۔ابن سیرین رجب میں جانور ذبح کرتے تھے۔(مرقاۃ)معلوم ہواکہ اس کا وجوب یا سنیت منسوخ ہے،اباحت باقی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت مخنف بن سلیم سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ عرفہ میں ٹھہرے تھے کہ میں نے آپ کو فرماتے سنا اے لوگوں ہرگھر والے پر ہر سال ایک

	قربانی ہے اور ایک عتیرہ فرمایا کیا جانتے ہوعتیرہ کیا ہے یہ وہی ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)اورترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے،اسناد ضعیف ہے۲؎اور ابوداؤدنے فرمایا کہ عتیرہ منسوخ ہے۔

۱؎اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ عتیرہ قربانی کی طرح واجب ہے،قربانی سے منسوخ ہواکیونکہ حجۃ الوداع کے بعد کوئی اسلامی حکم منسوخ نہیں ہوا،لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف ہے،نیز احادیث صحیحہ کے مخالف ہے۔ابھی مسلم،بخاری کی حدیث گزر چکی کہ نہ فرع ہے نہ عتیرہ بلکہ ہرگھر والے پر تو قربانی بھی واجب نہیں،وہ بھی امیروں پر ہی واجب ہے۔اور اس سے معلوم ہورہا ہے کہ ہر ایک پر واجب ہے۔

۲؎کیونکہ مخنف ابن سلیم سے روایت کرنے والے صرف ابورملہ ہیں اور وہ محدثین کے نزدیک بالکل مجہول ہیں،عتیرہ کے متعلق ابوداؤدوغیرہ میں روایات ہیں جن سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے بقرعید کے دن عیدمنانے کاحکم ملاجسے اللہ نے اس امت کے لیے مقرر کیا۱؎ایک شخص نے آپ سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے تو اگر میں عاریۃ کا مادہ جانور ہی پاؤں تو کیا اس کی قربانی کردوں فرمایا نہیں۲؎لیکن اپنے بال اور ناخن کتراؤ مونچھیں کٹاؤ زیر ناف کے بال صاف کرو تمہاری یہی مکمل قربانی ہے۳؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎کہ اس دن لوگ کپڑے بدلیں،خوشبوئیں ملیں،نماز بقرعید پڑھیں اورخوشیاں منائیں اورقربانیاں کریں۔خیال رہے کہ یہ سارے احکام حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کے لیے ہیں سوائے نماز بقرعید کے کہ وہ گاؤں والوں کے لیے نہیں مگر اس کا خوشی کا دن ہونا سب کے لیے ہے لہذا یہ جملہ بالکل صحیح ہے اس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۲؎**منیخه منخ** سے بنا،بمعنی دینا۔اب اصطلاح میں **منیخه** وہ جانور کہلاتا ہے جو کچھ دنوں کے لیےکسی کو عاریۃً دے دیاجائے تاکہ وہ اسے چارہ بھی کھلائے اور اس کے دودھ،اون سے فائدہ بھی اٹھائے،پھر مالک کو واپس

کردے،چونکہ یہ شخص غریب بھی ہے اور یہ جانور بھی اس کا اپنا نہیں دوسرے کا ہے اس لیے اس کی قربانی سے منع کردیا گیا۔

۳؎ یعنی غریب آدمی اس عشرہ میں حجامت نہ کرائے،بقرعید کے دن بعد نماز عید حجامت کرائے تو ان شاء اللہ قربانی کا ثواب پائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف امیروں پر ہے غریبوں پر نہیں،یہ حدیث گزشتہ قربانی کی احادیث کی شرح ہے۔خیال رہے کہ صاحب مشکوٰۃ اس حدیث کو عتیرہ کے باب میں لائے تاکہ پتہ لگے کہ عتیرہ کوئی شے نہیں کیونکہ سرکار نے سائل سے یہ فرمایا کہ تو قربانی تو نہ کر اور اگر رجب تک تیرے پاس مال آجائے تو عتیرہ کردینا۔

باب صلوة الخسوف

گرہن کی نماز کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] خسوف یا خسف کے معنی ہیں دھنس جانا،اہل عرب کہتے ہیں"خَسَفَتِ الْعَیْنُ فِی الرَّاسِ"آنکھ سر میں دھنس گئی اور کہاجاتاہے"خَسَفَ الْقَارُوْنُ فِی الاَرْضِ" قارون زمین میں دھنس گیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ"۔اب اصطلاح میں چاند گرہن کوخسوف اورسورج گرہن کو کسوف کہتے ہیں کیونکہ اس وقت چاند،سورج دھنسا ہوا محسوس ہوتاہے۔خیال رہے کہ یہاں خسوف سے مطلقًا گرہن مراد ہے چاند کا ہویاسورج کا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز بھی پڑھی ہے اور چاند گرہن کی بھی کیونکہ ۵ھ میں چاند گرہن لگاتھاجمادی الاآخرہ میں جیساکہ ابن حبان وغیرہ میں۔نماز کسوف باجماعت ہوگی اور چاند گرہن کی نمازعلیحدہ علیحدہ یہ دونوں نمازیں سنت ہیں،دو،دو رکعتیں ہیں عام نمازوں کی طرح پڑھی جائیں گی،ہاں ان میں قیام،رکوع وغیرہ بہت دراز ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا [1] تو آپ نے اعلانچی بھیجاکہ نمازتیارہے پھر آپ امام ہوئے تو دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیئے [2] حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے دراز رکوع و سجدے کبھی نہ کیئے [3] (مسلم،بخاری)	

[1] جس دن حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی وفات ہوئی،بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ چاندکی دس تاریخ تھی لہٰذا فلاسفہ کا یہ قول باطل ہے کہ سورج گرہن چاند کی بالکل آخری تاریخوں میں ہی لگ سکتا ہے۔خیال رہے کہ کفار عرب اور مشرکین ہند کے اس گرہن کے متعلق عجیب خیالات ہیں۔کفار عرب کہتے تھے کہ کسی بڑے آدمی کی پیدائش یا اچھے آدمی کی وفات پر گرہن لگتا ہے۔مشرکین ہند کا عقیدہ ہے کہ چاند اورسورج پہلے انسان تھے،انہوں نے بھنگیوں چماروں سے کچھ قرض لیا اور ادا نہ کیا اس سزا میں انہیں گرہن لگتا ہے۔چنانچہ ہندو گرہن کے وقت بھنگیوں کو خیرات دیتے ہیں اور مانگنے والے بھنگی بھی کہتے ہیں کہ سورج مہاراج کا قرض چکاؤ۔اسلام ان لغویات سے علیحدہ ہے،وہ فرماتاہے کہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جب چاہے چاندسورج کو نورانی کردے اور جب چاہے ان

کا نور چھین لے۔چونکہ یہ قہرخداوندی کے ظہور کا وقت ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھو،دعائیں مانگو،صدقہ دو،غلام آزاد کروتاکہ رحم کیے جاؤ۔

۲؎ یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے۔اس حدیث کی بناپر امام شافعی نماز کسوف میں ہر رکعت میں دو رکوع مانتے ہیں،ہمارے امام صاحب کے ہاں ہر رکعت میں ایک رکوع ہوگا اور دوسجدے اس لیے کہ حاکم نے باسناد صحیح جو مسلم،بخاری کی شرط پر ہے حضرت ابوبکر سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندسورج کے گرہن کے وقت دو رکعتیں پڑھیں جو عام نمازوں کی طرح تھیں،نیزحضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز گرہن پڑھی،پھر کچھ خطبہ فرمایا جس کے آخری الفاظ یہ ہیں"فَاِذَا رَءَیْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا صَلَاةً کَمَا صَلَّیْتُمُوْهَا مِنَ الْمَکْتُوْبَةِ"یعنی جب تم گرہن دیکھو تو جیسے اورفرض نمازیں پڑھتے ہو اسی طرح اس وقت بھی نفل پڑھ لیا کرو۔حدیث قولی اورفعلی سے معلوم ہوا کہ گرہن کی نماز اورنمازوں کی طرح ہے،زیادہ رکوع والی احادیث سخت مضطرب ہیں۔چنانچہ فی رکعت دو رکوع،تین رکوع،چار رکوع،پانچ رکوع احادیث میں آئے ہیں،لہذا ان میں سے کوئی حدیث قابل عمل نہیں،نیز زیادہ رکوع کی اکثر احادیث یاحضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہیں یا حضرت عبداللہ ابن عباس سے،حضرت عائشہ صدیقہ بی بی ہیں اورحضرت ابن عباس بچے تھے یہ دونوں نماز میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور رہتے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع سجدے جیسے اگلی صف والوں پر ظاہر ہوں گے ویسے ان پرنہیں ہوسکتے اورمردوں کی روایت ایک رکوع کی ہے،لہذا تعارض کے وقت ان کی روایت قوی ہوگی،نیز چند رکوع والی حدیثیں قیاس شرعی کے بھی خلاف ہیں اور ایک رکوع والی حدیث قیاس کے مطابق اس لیے تعارض کے وقت ایک رکوع والی حدیث کو ترجیح ہوگی،اس بناء پر امام صاحب نے ان روایتوں پر عمل نہ کیا۔

۳؎ آپ کا فرمان اپنے متعلق ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز باجماعت بہت دراز فرمائی ورنہ خودحضورصلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد اس سے بھی دراز پڑھتے تھے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرہن کی نماز میں اونچی قرأت کی۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں چاند گرہن کی نماز مراد ہے کیونکہ مطلقًا خسوف چاند گرہن پر ہی بولاجاتاہے،سورج گرہن کے بارے میں عنقریب احادیث آرہی ہیں کہ آپ نے آہستہ قرأت کی،چونکہ چاند گرہن کی نماز رات میں ہوتی ہے لہذا وہاں جہرمناسب ہے اورسورج گرہن کی نمازدن میں ہوتی ہے،وہاں آہستہ پڑھنابہتر۔خیال رہے کہ اس حدیث میں جماعت کا ذکرنہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کی یہ نماز جماعت سے پڑھی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گھر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے دراز قیام کیاسورۂ بقر کی قرأت کے بقدر۱؎ پھر دراز رکوع	

کیا پھر اٹھے تو بہت دراز قومہ کیا جو پہلے قیام سے کچھ کم تھا پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر اٹھے پھر سجدہ کیا پھر قیام کیا تو بہت دراز قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم تھا پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر سر اٹھایا تو دراز قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم تھا پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا ۲؎ پھر فارغ ہوئے جب کہ سورج صاف ہوچکا تھا ۳؎ پھر فرمایا کہ سورج چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گھٹتے ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے ۴؎ جب تم یہ دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو ۵؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اس جگہ میں کچھ لیا پھر دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے فرمایا میں نے جنت ملاحظہ کی تو اس سے خوشہ لینا چاہا اگر لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے ۶؎ اور میں نے آگ دیکھی تو آج کی طرح گھبراہٹ والا منظر کبھی نہ دیکھا میں نے زیادہ دوزخی عورتیں دیکھیں ۷؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیوں فرمایا ان کے کفر کی وجہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اللہ کی کافرہ ہیں فرمایا خاوند کی ناشکری ہیں احسان کی منکر ہیں اگر تم ان سے زمانہ بھر تک بھلائی کرو، پھر تمہاری طرف سے کچھ ذرا سی بات دیکھ لیں تو کہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہ دیکھی ۸؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یعنی اندازًا اتنا قیام۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرأت آہستہ تھی ورنہ آپ قیام کا اندازہ نہ لگاتے کسی صحابی سے پوچھ لیتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سی سورۃ پڑھی۔

۲؎ یہاں دونوں جگہ سجدے مراد ہیں جو عام طور پر نماز کی ہر رکعت میں کئے جاتے ہیں لہذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے ایک سجدہ کیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کیے،دو رکوع کی بحث ابھی گزرچکی۔

۳؎ یعنی گرہن کا پورا وقت لمبی نماز میں گزار دیا اگر وقت کچھ بچ رہتا تو دعا میں گزارتے۔

۴؎ اس کلام شریف میں اس جہالت کے عقیدہ کا رد ہے جو اہلِ عرب میں پھیلا ہوا تھا اور اتفاقًا اس دن حضرت ابراہیم کا انتقال بھی ہوا تھا اس سے ان کے خیالات میں اور پختگی ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

۵؎ کہ اگر نصف النہار کا وقت نہ ہو تو نماز گرہن پڑھو ورنہ تسبیح، تکبیر، استغفار اور باقی ذکر کرو۔سبحان اللہ! کیا جامع کلام ہے۔

۶؎ یعنی جنت میرے سامنے آگئی یا جنت کے پاس ہم پہنچ گئے اور اسکے انگور کے خوشہ کو ہاتھ بھی لگادیا، قریبًا توڑ ہی لیا تھا، ارادہ یہ تھاکہ اس کا خوشہ تمہیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کو دکھادیں اور کھلادیں مگر خیال یہ آگیا کہ پھر جنت غائب نہ رہے گی اور ایمان بالغیب نہ رہے گا۔خیال رہے کہ جنت کے پھلوں کو فنا نہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ" لہذا اگر وہ خوشہ دنیا میں آجاتا تو تمام دنیا کھاتی رہتی وہ ویسا ہی رہتا۔دیکھو چاند سورج کا نور، سمندر کا پانی، ہوا لاکھوں سال سے استعمال میں آرہے ہیں کچھ کمی نہیں آئی۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور وہاں کے پھلوں وغیرہ کے مالک ہیں کہ خوشہ توڑنے سے رب نے منع نہ کیا خود نہ توڑا، کیوں نہ ہو کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ"اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کوثر کا پانی بارہا پلایا۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے وہ طاقت دی ہے کہ مدینہ میں کھڑے ہوکر جنت میں ہاتھ ڈال سکتے ہیں اور وہاں تصرف کرسکتے ہیں،جن کا ہاتھ مدینہ سے جنت میں پہنچ سکتا ہے کیا ان کا ہاتھ ہم جیسے گنہگاروں کی دستگیری کے واسطے نہیں پہنچ سکتا اور اگر یہ کہو کہ جنت قریب آگئی تھی تو جنت اور وہاں کی نعمتیں ہر جگہ حاضر ہوئیں۔بہرحال اس حدیث سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ماننا پڑے گا یا جنت کو۔

۷؎ یعنی ہم نے یہیں سے دوزخ کو بھی ملاحظہ فرمایا اور وہاں کے عذابوں اور عذاب پانے والے بندوں کو بھی۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آیندہ واقعات کو دیکھ لیتی ہے کیونکہ دوزخیوں کا دوزخ میں جانا قیامت کے بعد ہوگا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج ہی دیکھ رہے ہیں، جیسے ہم خواب وخیال میں آیندہ واقعات کو دیکھ لیتے ہیں۔خیال رہے کہ پہلے دوزخ میں عورتیں زیادہ ہوں گی اور جنت میں مرد زیادہ مگر بعد میں عورتیں زیادہ ہوجائیں گی، اس طرح کہ دوزخی عورتیں معافی سے یا سزا بھگت کر جنت میں پہنچ جائیں گی اگرچہ مرد معافی پاکر آئیں گے مگر ان کی تعداد عورتوں سے تھوڑی ہوگی، لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ جنت میں ادنے جنتی کے نکاح میں دنیا کی عورتیں ہوں گی۔(طبرانی) کیونکہ یہاں ابتداء کا ذکر ہے اور اس حدیث میں انتہا کا۔(از مرقاۃ)

۸؎ یعنی عورت کی فطرت میں یہ بات ہے کہ کسی کا احسان یاد نہیں رکھتی برائی یاد رکھتی ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے۔شکریہ کا حکم قرآن شریف میں دیا گیا ہے جو بندوں کا شکر نہیں کرسکتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرسکتا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے حضرت ابن عباس کی مثل ام المؤمنین نے فرمایا کہ پھر سجدہ کیا تو دراز کیا پھر فارغ

	ہوئے جب کہ آفتاب کھل چکا تھا پھر لوگوں پر خطبہ پڑھا اللہ کی حمد وثنا کی پھرفرمایا کہ سورج اورچاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت و زندگی کی وجہ سے نہیں گہنتے جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے دعا کرو تکبیریں کرو نماز پڑھو، خیرات کرو۱پھر فرمایا اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اللہ سے زیادہ کوئی اس پر غیرت مند نہیں کہ اس کا غلام یا لونڈی زنا کرے اے محمد مصطفیٰ کی امت! رب کی قسم اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۲ (مسلم،بخاری)

۱مضمون دونوں حدیثوں کا تقریبًا یکساں ہے،الفاظ میں کچھ فرق ہے۔یہاں خطاب مالداروں سے ہے کیونکہ گرہن کے وقت صدقہ دینے کا انہی کو حکم ہے۔ملا علی قاری نے فرمایا کہ اکثر دنیا میں عذاب مالداروں کی وجہ سے آتا ہے اور رحمتیں فقراء کی وجہ سے کیونکہ زیادہ گناہ مالدار ہی کرتے ہیں کہ وہ مال کی وجہ سے بہت گناہوں پر قادر ہوتے ہیں لہٰذا ہر مصیبت میں انہیں زیادہ ڈرنا چاہیئے۔

۲یعنی جیسے ایک شریف آدمی کو یہ گوارا نہیں کہ اس کا غلام یا لونڈی زنا کرے وہ اس پر ان کو سخت سزا دیتا ہے،ایسے ہی رب تعالٰی کا غضب بندوں کے زنا پر جوش میں آتا ہے۔خیال رہے کہ کفر کے بعد بدترین گناہ زنا ہے جس پر سخت عذاب آتے ہیں اسی لیے شریعت میں اس کی سزا قتل کی سزا سے بدتر ہے یعنی سنگسار کرنا،یعنی اللہ کے عذاب اور غضب جو میرے علم ومشاہدہ میں ہیں اگر تمہارے علم و مشاہدہ میں آجاتے تو ہنسنا بھول جاتے،یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تحمل ہے کہ دونوں جہاں کو سنبھالے ہوئے ہیں،سب کچھ دیکھتے بھالتے دنیا میں بھی شاغل ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ سورج گھر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے اس خوف سے کہ قیامت آگئی۱مسجد میں تشریف لائے بہت دراز قیام و رکوع اور سجدے سے نماز پڑھی کہ ایسا کرتے میں نے آپ کو کبھی نہ دیکھا۲اور فرمایا یہ وہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ بھیجتا ہے کسی کی موت و زندگی کی وجہ سے نہیں ہوتیں لیکن اللہ اس سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۳تو جب تم ان میں سے کچھ دیکھو اللہ کے ذکر،دعا واستغفار کی طرف گھبراکر آجاؤ۴(مسلم،بخاری)

۱یہ بطور تمثیل حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا ساخوف ہوا ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ابھی قیامت کا وقت نہیں خود ہی تو علامات قیامت بے شمار بیان فرمائی ہیں۔رب تعالٰی نے سارے

جہان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے پھیلانے کا وعدہ کیا ہے جن کی اطلاع اس سے پہلے سرکار بار بار دے چکے ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ اشعری فتح خیبر کے سال ایمان لائے اور سورۃ فتح اس سے کہیں پہلے نازل ہوچکی تھیں جس میں یہ تمام وعدے ہیں،نیز ڈرخوف دل کے حالات ہیں۔دوسرا شخص علامات ہی سے معلوم کرسکتا ہے حقیقت حال سے خبردار نہیں ہوسکتا۔حضرت ابوموسیٰ نے اندازًا یہ بیان کیا۔(لمعات)لہذااس حدیث سے یہ نہیں کہاجاسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت سے بالکل بے خبر تھے۔

۲؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کی ہر رکعت میں ایک رکوع دو سجدے کیے مگر بہت دراز کئے،چونکہ ابوموسیٰ اشعری اس وقت بچے نہ تھے اس لیے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز سے بہت ہی خبردار تھے،لہذا آپ کی یہ روایت حضرت ابن عباس وعائشہ صدیقہ کی احادیث پر راجح ہے اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۳؎ اس میں کفارعرب کے مذکورہ بالاعقیدہ کی تردیدہے اور آج کل کے فلاسفہ کا رد ہے کیونکہ خسوف وکسوف محض چاندسورج کی حرکات سے ہوتے ہیں،نہیں بلکہ قیامت یاد دلاتے اور رب کی قدرت ظاہر کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

۴؎ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ گرہن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرانا ہماری تعلیم کے لیے تھااور خدا کی ہیبت سے نہ کہ اپنی بے علمی یا خدا کے وعدوں پر بے اعتمادی کی وجہ سے گرہن میں جیسے نماز پڑھنا سنت اختیاری ہے ایسے ہی دل کی گھبراہٹ بے اختیاری سنت ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس دن حضور علیہ السلام کے فرزند ابراہیم نے وفات پائی ۱؎ سورج گھر گیا تو آپ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدوں میں نماز پڑھائی۔۲؎ (مسلم)	

۱؎ حضرت ابراہیم ذی الحجہ ۸ھ میں مدینہ پاک میں پیدا ہوئے،سولہ[۱۶] یا اٹھارہ مہینے زندہ رہےاورمنگل کے دن دس ربیع الاول یا جمادی الاول ۱۰ھ میں وفات پائی،اس دن سورج کو گرہن لگا۔(لمعات و مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ ریاضی والوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ سورج گرہن چاند کی ۲۷،۲۸ یا ۲۹ ہی ہوسکتا ہے۔

۲؎ یعنی دو رکعتیں پڑھائیں جس کی ہر رکعت میں تین رکوع اور دو سجدے کیے۔اس سے پہلے گزر چکا کہ ہر رکعت میں دو رکوع تھے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب سورج گرہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سجدوں میں آٹھ رکوع سے نماز پڑھائی ۱؎	

۱؎ یعنی دو رکعتیں پڑھائیں ہر رکعت میں چار رکوع اور دو سجدے انہی حضرت ابن عباس کی دو رکوعوں والی روایت اس سے پہلے گزر گئی۔ان کی احادیث میں تعارض ہے،لہذا کوئی روایت قابل عمل نہیں جیساکہ تعارض میں ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں صرف ایک بار سورج گرہن ہوا ہے اور ایک ہی بار چاند گرہن اس لیے یہ نہیں کہاجاسکتا کہ یہ مختلف واقعوں کا ذکر ہے ان میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

	اسی طرح حضرت علی سے مروی ہے۔(مسلم)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف میں مدینہ میں تیر اندازی کررہا تھا کہ سورج گرہن ہوگیا میں نے تیر تو پھینک دیئے اور سوچاکہ رب کی قسم میں دیکھوں گا کہ سورج گرہن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا واقعہ پیش آیا ۲؎ فرماتے ہیں میں وہاں آیا تو حضور نماز میں ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے ۳؎ تو آپ تسبیح،تہلیل وتکبیر اور حمد کہہ رہے تھے دعا مانگ رہے تھے حتی کہ سورج سے گرہن کھل گیا جب گرہن کھل گیا تو آپ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا کی ۴؎ مسلم نے اپنی صحیحین میں عبدالرحمان بن سمرہ سے روایت کی اسی طرح شرح سنہ میں انہیں سے اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت جابر ابن سمرہ سے ۵؎

۱؎ آپ کی کنیت ابوسعید اشجعی ہے،آپ عبدالشمس ابن عبدمناف کی اولاد سے ہیں،آپ کا اصلی نام عبدالکعبہ تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان رکھا،خلافت عثمانیہ میں سجستان اور کابل آپ ہی نے فتح کیا۔(اشعۃ اللمعات) فتح مکہ کے دن ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا ۵۱ھ میں وفات پائی۔(اکمال)

۲؎ یعنی آپ اس وقت کیا کررہے ہیں تاکہ میں خود بھی وہ عمل کیاکروں اور لوگوں کو تبلیغ بھی کروں۔

۳؎ یعنی زیر ناف ہاتھ باندھے کیونکہ اس وقت ہاتھ چھوٹے اور لٹکے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ اٹھے اور بندھے ہوئے ہوتے ہیں یا صلوٰۃ بمعنی دعا ہے،یعنی آپ نماز سے فارغ ہوچکے تھے یا تیاری نماز میں تھے،ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے ورنہ نماز گرہن کے قیام میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی موقع نہیں اور نہ یہ کسی کا مذہب ہے۔

۴؎ یعنی پوری کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے نماز گرہن میں دیر تک تسبیح و تہلیل وغیرہ کی،پھر سورۃ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر رکوع سجدہ وغیرہ کرکے سلام پھیر دیا۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں ایک ہی

رکوع اور دو سجدے کیے،نماز کو زیادہ رکوعوں سے دراز نہیں کیا،بلکہ زیادہ ذکروں سے،یہ حدیث بھی امام اعظم کی دلیل ہے۔

۵؎یعنی مصابیح میں بجائے عبدالرحمٰن کے جابر ہے،میں نے درست کرکے مشکوۃ میں عبدالرحمٰن کردیا۔اس جگہ مرقاۃ نے ترمذی،بخاری وابوداؤد،نسائی اورحاکم کی احادیث بروایت ابن عمر،عبداللہ ابن عمر،سمرہ ابن جندب،نعمان ابن بشیر،قبیصہ ہلالی،ابی بکرہ وغیرہم سے بہت احادیث نقل کیں،جن میں نماز گرہن کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدوں کا ذکر ہےاور فرمایا کہ چند رکوع والی احادیث مضطرب متعارض ہیں۔ہم وہ تفصیل یہاں چھوڑتے ہیں اگرکسی کو شوق ہو تو اس جگہ مرقاۃ کا مطالعہ کرے۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ۱؎(بخاری)

۱؎کہ اس وقت غلام آزادکیے جائیں کیونکہ اعتاق اور تمام قسم کی خیرات سے عذاب دفع ہوتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی تو ہم آپ کی آواز نہیں سنتے تھے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎یعنی اس نماز میں آہستہ قرأت کی یہی امام اعظم کا مذہب ہے،بعض روایات میں جہری قرأت کا بھی ذکر ہے،جب جہرو اخفاء میں تعارض ہوا تو اخفاء کی روایات کو ترجیح ہوئی کیونکہ دن کی نمازوں میں اخفاء اصل ہے۔

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں بیوی وفات پاگئیں تو آپ سجدہ میں گر گئے ۱؎آپ سے کہا گیا کہ کیا اس گھڑی سجدہ کرتے ہیں تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے تشریف لے جانے سے بڑی کون سی نشانی ہے ۲؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ یہ سجدہ ہیبت کا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور بیویاں زمین والوں کے لیے امن ہیں،ان کی وفات امن کا اٹھناہے اور ان کا جانا مصیبتوں کا آناہے۔خیال رہے کہ یہ بی بی صاحبہ حضرت صفیہ ہیں،بعض نے کہا کہ حضرت حفصہ مگر پہلا قول قوی ہے اورعکرمہ حضرت ابن عباس کے غلام ہیں عکرمہ ابن ابوجہل اور ہیں۔

۲؎ مرقات ولمعات نے اس جگہ فرمایا کہ یہ حضرات بابرکت ہیں جن کے وسیلہ سے عذاب دور رہتاہے،رب کی رحمتیں آتی ہیں،ان کی وفات پر ذکر اللہ تعالٰی،نوافل اور سجدے زیادہ کروکیونکہ ان کی حیات کی برکت تو جاتی رہی اب اللہ کے ذکر کی برکت سے عذاب دور ہے۔خیال رہے کہ ازواج مطہرات کی وفات کی طرح سورج گرہن بھی اللہ کی نشانی ہے،لہذا اس وقت بھی ذکرونفل اور سجود چاہیئےاس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گھر گیا تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی طوال کی کوئی سورۃ پڑھی ۱؎ اور پانچ رکوع کیئے اور دوسجدے پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے توطوال کی کوئی سورت پڑھی پھر پانچ رکوع کیئے اور دو سجدے پھر جیسے تھے ویسے ہی قبلے کو منہ کیے بیٹھے بیٹھے دعا مانگتے رہے حتی کہ اس کا گرہن کھل گیا۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ سورۂ حجرات سے بروج تک کی سورتیں طوال یا طول کہلاتی ہیں،حضرت اُبی ابن کعب کا یہ فرمانا اندازے سےہے نہ کہ سن کر اسی لیے آپ نے سورۃ کانام نہیں لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت تو آہستہ تھی جیساکہ پہلے گزر چکا،یعنی اتنی لمبی رکعت ادا کی کہ شاید طوال کی سورۃ پڑھی۔

۲؎ اس حدیث میں فی رکعت پانچ رکوع ثابت ہوئے۔چار،تین،دو،ایک کی روایتیں گزرچکیں۔ان احادیث میں مطابقت ناممکن ہےاسی لیےایک رکوع کی روایت قابل عمل ہے۔خیال رہے کہ نماز گرہن کے بعد دعا مانگنا بھی سنت ہے،بیٹھ کر مانگے یا کھڑے ہوکر قبلہ رو ہویا قوم کی طرف رخ کرے،امام دعا مانگے لوگ آمین کہیں گے،کھڑے ہوکر دعا مانگے،لاٹھی یا کمان پر ٹیک لگانا بہترہے۔(فتح القدیر وغیرہ)

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گھر گیا تو دو دو رکعتیں پڑھتے رہے اورسورج کے بارے میں پوچھتے جاتے تھے حتی کہ سورج کھل گیا ۱؎(ابوداؤد)اور نسائی کی	

	ایک روایت میں ہے کہ جب سورج گہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تمام نمازوں کی طرح نماز پڑھی کہ رکوع اور سجدہ کرتے تھے۲؎ اور اس کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جلدی جلدی مسجد کی طرف آئے سورج گہہ گیا تھا تو نماز پڑھی حتی کہ کھل گیا پھر فرمایا کہ جاہلیت والے کہتے تھے کہ سورج اور چاند زمین کے کسی بڑے آدمی کے مرنے پر گہتے ہیں۳؎ حالانکہ سورج چاند نہ کسی کی موت گہیں نہ کسی کی زندگی پر یہ تو خلق الٰہی میں سے دو مخلوق ہیں اللہ اپنی مخلوق پر جو چاہے حادثہ کرے۴؎ لہذا تم نماز پڑھاکرو حتی کہ سورج کھل جائے یا اللہ کوئی واقعہ پیدا کردے ۵؎

۱؎ شارحین نے اس کی شرح میں بہت دشواری محسوس کی ہے کیونکہ گزشتہ احادیث میں صرف دو رکعتوں کا ذکر تھا اور یہاں زیادہ کا،بعض نے فرمایا کہ جب گرہن جلدی کھل گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور جب دیر میں کھلا تو زیادہ پڑھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک ہی دفعہ سورج گرہن ہوا ہے اس لیے توجیہ نہیں بنتی،بس اب یہی کہا جاسکتا ہے یہ ایک روایت بے شمار مذکورہ روایتوں کے خلاف ہے یہ ناقابل قبول ہے۔

۲؎ یعنی جیسے اور نفل پڑھے جاتے ہیں کہ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ایسے ہی یہ نماز گرہن بھی پڑھی گئی،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ نماز گرہن میں ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔اس کی پوری بحث ہم اس باب میں پہلے کرچکے ہیں۔اس حدیث کی تائید دوسری بہت سی احادیث سے ہورہی ہے اور قیاس شرعی بھی اس کے موافق ہے،لہذا یہی قابل عمل ہے۔

۳؎ اور اتفاقًا آج حضرت ابراہیم کا انتقال بھی ہوا ہے تو اس واقعہ سے ان کے خیال اور پختہ ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لیے کان کھول کر سن لو۔

۴؎ جیسے بارشوں اور آندھیوں کا آنا زمین پر زلزلے کسی کے مرنے جینے سے نہیں بلکہ رب کی قدرت کے اظہار کے لیے ہیں ایسے ہی چاند سورج کا گہنا کسی کی موت زندگی کی وجہ سے نہیں۔

۵؎ اس طرح نصف النہار کا وقت آجائے یا سورج گہنے کی حالت میں غروب ہوجائے یا چاند کے گہنے کی حالت میں سویرا ہوجائے تو نماز چھوڑدو کیونکہ دقتوں میں نماز منع ہے،یہ مطلب نہیں کہ قیامت آجائے کیونکہ اس وقت دنیا میں کوئی مسلمان نہیں ہوگا،پھر نماز کیسی اور ذکر اللہ کیسا،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

باب فی سجود الشکر

سجدۂ شکر کا باب ۱

یہ باب پہلی اورتیسری فصل سے خالی ہے ۲

۱یعنی دینی یا دنیوی خوشی کی خبرسن کر سجدے میں گرجانا اسے سجدۂ شکر کہا جاتا ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ بدعت اور ممنوع ہے،بعض کے ہاں سنت ہے،امام محمد کا یہی قول ہے،بعض علماء نے مکروہ فرمایا،یہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ شکر کی احادیث میں سجدہ سے نماز مراد ہے،یعنی جز سے کل۔(لمعات)مگر قول سنیت صحیح ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے قتل،صدیق اکبر نے مسیلمہ کذاب کے قتل اورسیدنا علی المرتضٰی نے ذوالسنہ خارجی کے قتل کی خبریں سن کر سجدۂ شکر ادا کیے اور کعب ابن مالک قبول توبہ کی بشارت پرسجدہ میں گر گئے۔(ازلمعات واشعہ)

۲یعنی صاحب مصابیح نے اس باب کی فصل اول نہیں قائم کی کیونکہ انہیں صحیحین میں اس کی کوئی روایت نہ ملی۔حیرت ہے کعب ابن مالک کا قبول توبہ پر سجدۂ شکر کرنا صحیحین میں موجود ہے مگر مصنف کا ادھرخیال نہ گیا میں نے تیسری فصل قائم نہ کی،مجھے اس کی زیادہ روایتیں نہ ملیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوشی کی خبر پہنچتی یا آپ خوش ہوتے ۱تو اللہ تعالٰی کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ۲(ابوداؤد،ترمذی)ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱اس عبارت میں راوی کو شک ہے کہ صحابی نے "اَمْرٌ سُرُوْرًا"فرمایا یا"یَسُرُّبِہٖ"۔خیال رہے کہ سُرُوْرًا یا اَمْرٌ کی تمیز ہے یا اَغْنِیَ فعل پوشیدہ کا مفعول یا لام جارہ ہٹادیا گیا ہے،یعنی منصوب بنزع الخافض ہے،طلباء وعلماء اس کے زبر سے دھوکا نہ کھائیں۔

۲چنانچہ ابوجہل کا سر آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ سجدۂ شکر میں گر گئے۔

روایت ہے حضرت ابوجعفر سے ۱کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص الخلقت لوگوں میں سے کسی کو دیکھا تو آپ سجدے میں گرگئے ۲(دارقطنی)ارسالاً ۳شرح سنہ میں	

مصابیح کے الفاظ ہیں۔	

۱؎ آپ کا نام محمد ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب ہے،کنیت ابوجعفر،لقب باقر ہے،یعنی آپ امام زین العابدین کے بیٹے ہیں،امام جعفر آپ کے بیٹے ہیں،آپ تابعی ہیں،حضرت جابر ابن عبداللہ سے ملاقات ہے، ۵۶ھ میں پیدائش اور ۱۱۷ھ میں وفات ہے،جنۃ البقیع میں دفن ہیں،فقیر آپ کے مزار پر حاضر ہوا۔

۲؎ خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اعضاء صحیح بخشے اور اس مصیبت سے بچایا۔یہ شکریہ اپنی حفاظت کا ہے نہ کہ اس کی آفت میں مبتلا ہونے کا۔

۳؎ کیونکہ ابوجعفر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا مگر دوسری روایت سے اس حدیث کو قوت ملتی ہے۔حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اپاہج کو دیکھ کر سجدہ کیا۔دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بگڑی شکل والے کو دیکھ کر سجدہ کیا۔(مرقاۃ)**نغاش نغش** سے بنا،بمعنی بہت پست قد،ضعیف الحرکت،ناقص الخلقت انسان۔علماءفرماتے ہیں کہ دینی آفت زدہ کو دیکھ کر بھی خدا کا شکر کرنا چاہیئے،حضرت شبلی نے ایک دنیا میں پھنسے آدمی کو دیکھا تو سجدے میں گر گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی"**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا**"۔یہ دعا ہر دینی و دنیاوی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھی جائے تو ان شاءاللہ پڑھنے والا اس مصیبت سے دور رہے گا،دنیاوی مصیبت والے کو دیکھ کر آہستہ پڑھے،فاسق وبدکار کو دیکھ کر آواز سے پڑھے تاکہ اسے عبرت ہو۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظّمہ سے چلے مدینہ پاک کا ارادہ کرتے تھے جب ہم عزوزاء کے قریب پہنچے ۱؎ تو حضور اترے پھر اپنے ہاتھ اٹھائے ایک گھڑی اللہ سے دعا مانگی پھر سجدے میں گرے اس میں بہت ٹھہرے پھر اٹھے تو ایک گھڑی اپنے ہاتھ اٹھائے رہے ۲؎ پھر سجدے میں گرے وہاں بہت ٹھہرے پھر اٹھے ایک گھڑی اپنے ہاتھ اٹھائے پھر سجدے میں گرے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا اور شفاعت کی تو رب نے مجھے تہائی امت دے دی میں رب کا شکر کرتے سجدے میں گرگیا پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اپنے رب سے اپنی امت کے لیئے سوال کیا مجھے تہائی امت دے دی میں رب کا شکر کرتے سجدے میں گرگیا پھرمیں نے اپنا سر اٹھایا اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا اس نے مجھے آخری تہائی بھی دے دی	

	تو میں رب کا شکر کرتے سجدے میں گر گیا۳؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎عزوزاء مقام جحفہ میں ایک خشک پہاڑی کا نام ہے،چونکہ یہاں پتھریلی اور سخت زمین ہے،پانی بہت کم ہے اس لیے اسے عزوزاء کہتے ہیں اور عزوزاء اونٹنی ہے جس کا دودھ سختی سے دوہا جاتاہے،سخت دھار ہو۔

۲؎عزوزاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اترنا ٹھہرنے کے ارادے سے نہ تھا،بلکہ بذریعۂ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ جنگل برکت والا ہے یہاں دعا کریں،لہذا دعا کے لیے اترے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں پہلا سجدہ دعاء کے لیے تھا کیونکہ سجدے میں دعا جلدی قبول ہوجاتی ہے۔باقی سجدے دعا کے لیے بھی تھے اور شکریہ کے بھی،آخری سجدہ صرف شکریہ کا تھااس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔یا یہ سب سجدے شکر کے تھے،دعائیں تو بیٹھ کر ہاتھ اٹھاکر مانگی گئیں،دوسرا احتمال قوی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اور آہستہ مانگنا سنت ہے۔

۳؎یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے گناہوں کی مغفرت،ان کی عیب پوشی اور بلندیٔ مراتب وغیرہ تمام چیزوں کی دعائیں کی،رب نے ترتیب وار تمام امت کی بخشش وغیرہ کا وعدہ فرمالیا۔پہلی بار میں سَابِقِیْنَ بِالْخَیْرَاتِ،دوسری بار میں مُقْتَصِدِیْنَ،تیسری میں ہم جیسے ظالمین،عاصین،گناہگار بخشے گئے،اب مومن کے لیے جہنم میں ہمیشگی نہ ہوگی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بغیر رب کی رحمت نہیں پاسکتا۔جو ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا صدقہ ملے گا۔نیک ابرار کو پہلی دعا کا صدقہ،مخلوط اعمال والوں کو دوسری دعا کا توسل،بدکار وفجار کو تیسری دعا سے حصہ ملے گا۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ایسے محبوب ہیں کہ ضد کرکے،ناز کرکے اپنی امت بخشالیتے ہیں۔ہم گنہگاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبوبیت پر ناز ہے۔شعر

چہ غم دیوار امت راکہ داردچوں توپشتی باں چہ باک از موج بحرآن راکہ داردنوح کشتی باں

ہم بُرے ہیں مگر بفضلہٖ تعالٰی اسی اچھے کے ہیں،صلی اللہ علیہ وسلم۔خیال رہے کہ پہلی بار والے بغیرحساب وکتاب جنتی ہیں،دوسری باروالے کچھ جھڑک وعتاب کے بعد،تیسری باروالے یا کچھ عذاب پاکر یامعافی پاکر۔

باب الاستسقاء

بارش مانگنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ استسقاء کے معنی ہیں بارش یا سیرابی مانگنا۔شریعت میں دعائے بارش کو استسقاء کہتے ہیں جو ضرورت کے وقت کی جائے۔استسقاء کی تین صورتیں ہیں: صرف دعائے بارش کرنا،نوافل پڑھ کر دعا کرنا،باقاعدہ جنگل میں جاکر نماز باجماعت پڑھنا بعد نماز خطبہ اور بعد خطبہ دعا مانگنا،چادر الٹی کرنا یہ تینوں طریقے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں،یہ نماز تین دن تک پڑھی جائے۔خیال رہے کہ حضرت امام اعظم نے نماز استسقاء کا انکار نہیں کیا بلکہ حصر کا انکار کیا ہے کہ استسقاء صرف نماز سے ہی نہیں ہوتا اور دوسرے طریقے سے بھی ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے ۱ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعائے بارش کے لیئے عیدگاہ لے گئے تو انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جن میں آواز سے قرأت کی اور دعا مانگتے ہوئے قبلہ رو ہوئے اپنے ہاتھ اٹھائے اور جب قبلہ کو منہ کیا تو اپنی چادر الٹی ۲ (مسلم،بخاری)

۱ یہ عبداللہ ابن زیاد ابن عاصم ابن مازنی انصاری ہیں،خود بھی صحابی ہیں اور والدین بھی صحابی،آپ بدر میں شریک نہ تھے،احد میں تھے،آپ نے وحشی کے ساتھ مل کر مسیلمہ کذاب کو قتل کیا،یہ عبداللہ ابن زیاد ابن عبدربہ نہیں ہیں جنھوں نے اذان خواب میں دیکھی تھی،وہ بھی انصاری ہیں مگر وہ بیعت عقبہ اور جنگ بدر وغیرہ میں شریک ہوئے۔(مرقاۃ)

۲ اس سے معلوم ہوا کہ نماز استسقاء نماز عید کی طرح جنگل میں پڑھی جائے باجماعت،اس میں قرأت بلند آواز سے ہو۔بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ ق اور دوسری میں غاشیہ پڑھی جائے بعد میں خطبہ ہو،پھر قبلہ رخ ہوکر دعا مانگی جائے اور دعا میں اپنی چادر الٹی کی جائے کہ خدایا جیسے چادر کا رخ بدل گیا ایسے ہی موسم کا رخ بدل دے۔یہ تمام چیزیں سنت ہیں،ہاں سنت مؤکدہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نماز ادا کی ہے،کبھی صرف دعا مانگی۔امام اعظم کے سنیت سے انکاری کا بھی یہی مطلب ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر شریف چار گز لمبی اور دو گز ایک بالشت چوڑی تھی۔جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے رکعت اول میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں پانچ وہ سب ضعیف ہیں کیونکہ ان سب میں محمد ابن عبدالعزیز ابن عمر ابن عبدالرحمٰن ابن عوف ہے جسے بخاری نے منکر حدیث فرمایا اور نسائی نے متروک الحدیث کہا،ابو حاتم نے ضعیف الحدیث قرار دیا اسی لیے ان احادیث پر کسی نے عمل نہیں کیا،نماز استسقاء کی ہر رکعت میں ایک ایک ہی تکبیر ہوگی دیگر نوافل کی طرح۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے سوا کسی دعا میں بہت اونچے ہاتھ نہ اٹھاتے ۱

	استسقاء میں اس قدر ہاتھ اٹھاتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی جاتی۲(مسلم، بخاری)

۱یہاں ہاتھ اٹھانے کی نفی نہیں بلکہ سر سے اونچے ہاتھ اٹھانے کی نفی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے یعنی اور دعاؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس دعا میں سر سے اونچے۔

۲یعنی اگر چادر یا قمیص نہ پہنے ہوتے تو بغل شریف کی سفیدی دیکھی جاتی لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ بغیر قمیص نماز پڑھاتے تھے۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا کی تو اپنے ہاتھوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۱(مسلم)

۱یعنی سر سے اونچے ہاتھ اٹھائے جن کی ہتھیلی زمین کی طرف رکھی کہ خدایا بادل کا پیٹ زمین کی طرف کردے تاکہ وہ اپنا پانی اس پر بہائے۔ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری دعا یونہی مانگی۔بعض کا خیال ہے کہ پہلے ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرے،پھر زمین کی طرف۔مرقات ولمعات وغیرہ میں ہے کہ رحمت مانگنے کے لیئے ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرے اور بلاؤآفت ٹالنے کے لیئے زمین کی طرف،چونکہ اس دعا میں بلاؤ قحط ٹالنے کی درخواست ہوتی ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش دیکھتے تو عرض کرتے برسا اور اسے نفع بخش۱

۱صَیِّبٌ صوبٌ سے بنا،بمعنی بہنا،اصل صیوب تھا،مبالغہ کا صیغہ ہے،یعنی خدایا بہنے والا بہت پانی برسا اور اسے نفع بخش بنا کیونکہ محض بوندا باندی سے زمین سیر نہیں ہوتی اور مضر پانی سے سیلاب آجاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش برسی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کپڑا شریف ہٹادیا تاآنکہ آپ پر کچھ بارش پڑگئی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا فرمایا کہ یہ ابھی اپنے رب کے پاس سے آئی ہے۱(مسلم)

۱یعنی اپنا سر اور سینہ مبارک کھول کر کچھ قطرے ان اعضاء پر لیئے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ پانی ابھی عالَم قدس سے آیا ہے،جس میں اِس عالَم کے اجزاء ابھی تک نہیں ملے،لہذا برکت والا ہے اس سے برکت حاصل کرو۔بعض حضرات حج سے آنے والوں کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں اور انکے بدن سے اپنے کپڑے لگاتے ہیں،بعض صوفیاء بیماروں کے لیئے نقش لکھ کر بارش کے پانی سے دھلوا کر پلواتے ہیں،ان سب کی اصل یہ حدیث ہے،بارش کے وقت اور کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنا سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے گئے اور وہاں دعائے بارش کی اور جب قبلہ رو ہوئے تو اپنی چادر پلٹی کہ اس کا دایاں کنارہ اپنے بائیں کندھے پر ڈال دیا اور بایاں کنارہ دائیں کندھے شریف پر پھر

	اللہ سے دعا کی ا(ابوداؤد)

۱اس حدیث میں صرف دو کاموں کا ذکر ہے: نیک فال کے لیئے اپنی اوڑھی ہوئی چادر الٹی کرنا تاکہ موسم کا حال الٹا ہو جائے، خشکی جائے تری آئے، گرانی جائے ارزانی آئے۔ دوسرے دعا مانگنا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے نماز استسقاء نہ پڑھی، لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ استسقاء میں نماز شرط نہیں صرف دعا سے بھی ہو سکتا ہے۔

	روایت ہے انہی سے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے بارش کی آپ پر کالا کمبل تھا آپ نے چاہا کہ اس کا نچلا حصہ لے کر اوپر کرلیں جب یہ بھاری پڑا تو اسے اپنے کندھوں پر ہی لیا ا(احمد،ابوداؤد)

۱اس حدیث کی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ اگر چادر فراخ ہو تو اس طرح پلٹے کہ نچلا حصہ اوپر کرے اور اگر تنگ ہو تو صرف دایاں کنارہ ہی بائیں طرف ڈال لے۔ خیال رہے کہ چادر پلٹنا صرف امام کا کام ہے مقتدی یہ نہ کریں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس کا حکم نہ دیا اور نہ انہوں نے یہ کام کیا۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ دوسرے خطبہ میں چادر الٹے اور اگر نماز و خطبہ ادا نہیں کیا ہے تو دعا میں۔

	روایت ہے حضرت عمیر سے جو کہ آبی اللحم کے مولیٰ ہیں ا کہ انہوں نے زوراء کے قریب احجار الزیت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے بارش کرتے دیکھا ۲ آپ کھڑے ہوئے دعائیں کر رہے تھے، اپنے چہرہ مبارک کے سامنے ہاتھ اٹھائے بارش مانگ رہے تھے ان ہاتھوں کو سر سے اونچا نہ کرتے ۳(ابوداؤد) اور ترمذی و نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱آبی اللحم کا نام عبداللہ ابن عبدالملک ہے، چونکہ یہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بتوں کے نام ذبیحہ کا گوشت نہیں کھاتے تھے اس لیئے آپ کا لقب آبی اللحم ہوا یعنی اس گوشت کے انکاری، آپ بڑے پرانے صحابی ہیں، غزوہ حنین میں شہید ہوئے، عمیر آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہ دونوں حضرات صحابی ہیں۔

۲احجار الزیت مدینہ منورہ کے حرّہ کا ایک حصہ ہے، چونکہ وہاں کے پتھر کالے چکنے اور چمکدار ہیں گویا ان پر تیل مل دیا گیا ہے اس لیئے اسے احجار الزیت کہتے ہیں یعنی تیل ملے ہوئے پتھر۔ زوراء کی تحقیق **باب الجمعہ** میں ہو چکی۔

۳یعنی اس وقت نماز نہ پڑھی، صرف دعا مانگی اور ہاتھ سر کے مقابل رکھے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ہاتھ مبارک سر کے برابر رکھے ہیں، کبھی سر سے بھی اونچے اٹھائے ہیں، لہذا یہ حدیث سر سے اونچے اٹھانے کی حدیث کے خلاف نہیں کہ کبھی وہ عمل تھا کبھی یہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے بارش کے لیئے سادہ کپڑے زیب تن کیے عاجزی کرتے تواضع اور زاری کرتے تشریف لے گئے ا(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی استسقاء کے لیئے دولت خانہ شریف سے نکلتے وقت یہ حال تھا کہ لباس عاجزانہ تھا،زبان پر الفاظ انکسار کے تھے یعنی متواضع دل میں خشوع خضوع تھا(متخشع)،ذکر الٰہی میں مشغول تھے،آنکھیں تر تھیں(متضرع)۔اب بھی صفت یہی ہے کہ استسقاء کے لیئے جاتے وقت امیر بھی فقیرانہ لباس پہن کر جائیں کہ بھکاریوں کی وردی یہی ہے،راستہ میں یہ سارے کام کرتے ہوئے جائیں ان شاءاللہ دعا ضرور قبول ہوگی۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کی دعا کرتے تو کہتے الٰہی اپنے بندوں اپنے جانوروں کو سیراب کر اپنی رحمت پھیلادے اپنے مردہ شہر کو زندہ کردے۱؎(مالک،ابوداؤد)	

۱؎ اگرچہ بندوں میں جانور بھی داخل تھے،مگر چونکہ یہ بے گناہ ہیں ہم گنہگار،ان کی بے گناہی سے ہم پر رحمتیں آتی ہیں ہمارے گناہوں سے انہیں تکلیف ہوتی ہے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا۔رحمت پھیلانے سے مراد جنگل کو ہرا ابھرا کردینا ہے اور مردہ شہر کو زندہ کرنے سے مراد خشک زمین کو تر کرنا ہے کہ کنوئیں پانی سے بھر جائیں،تالاب لبریز ہوجائیں۔سبحان اللہ! کیا جامع دعا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھائے دیکھا۱؎ فرماتے تھے الٰہی ہمیں ایسے بادل سے سیراب کر جو سیر کرنے والا نقصان نہ دینے والا،فراخی پیدا کرنے والا،نفع بخش غیر مضر ہو فورًا آئے دیر نہ ہو فرمایا کہ فورًا ہی ان پر آسمان گھر گیا۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ مواکات،توکع،اتکاء یہ سب ایک ہی ماہ سے بنے ہیں،جس کے معنی ہیں اعتماد کرنا،ٹیک لگانا،اٹھانا،پھیلانا،یہاں آخری دو معنی میں ہے یعنی آپ ہاتھ اٹھائے اور پھیلائے ہوئے تھے۔

۲؎ یہ ہے دعائے محبوبانہ اور وہ ہے قبولیت حبیبانہ،محبوب نے کہا بارش میں دیر نہ لگے،چاہنے والے رب نے فرمایا کہ فورًا لو۔جن احادیث میں ہے کہ انسان دعا میں جلدی نہ کرے وہاں عبدیت کی تعلیم ہے یا یہ مطلب ہے کہ ظہور قبولیت میں اگر دیر لگے تو دعا سے بددل نہ ہو اور لوگوں سے رب کی شکایت نہ کرے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش رک جانے کی شکایت کی۱؎ تو منبر کا حکم دیا جو عیدگاہ میں بچھادیا گیا اور لوگوں سے ایک دن کا وعدہ کیا جب لوگ نکلیں ۲؎ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج کا کنارہ چمکا تو تشریف لے گئے منبر پر بیٹھے اللہ کی	

	تکبیر و حمد کی پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے شہر کے قحط کی بارش کے وقت سے ہٹ جانے کی شکایت کی اللہ نے تمہیں دعا مانگنے کا حکم دیا اور تم سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کیا۳ یعنی فرمایا تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کی ہیں جو مہربان رحم والا ہے قیامت کے دن کا مالک ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں تو بے پرواہے ہم فقیر ہیں ہم پر بارش برسا اور جو تو اتارے اسے ہمارے لیئے قوۃ اور مطلوب تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۴ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے تو اٹھاتے رہے حتی کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی پھر لوگوں کی طرف اپنی پشت کی اور اپنی چادر پلٹی حالانکہ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر لوگوں پر متوجہ ہوئے منبر سے اترے دو رکعتیں پڑھیں۵ اللہ نے ایک بادل پیدا کیا جو اللہ کے حکم سے گرجا چمکا پھر برسا آپ مسجد تک نہ آنے پائے تھے کہ سیلاب بہہ گئے جب حضور نے لوگوں کو پناہ کی طرف دوڑتے دیکھا تو ہنسے حتی کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۶ پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ۷(ابوداؤد)

۱یعنی بارش کازمانہ ہے اور نہیں آتی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ قحط کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسکتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کریں اور ہماری بگڑی بن جائے،رب تعالٰی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بندوں کی شکایت کرتا ہے،فرماتا ہے:"اُنْظُرْ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَکَ الۡاَمۡثَالَ"۔دوسرے یہ کہ صحابہ کبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں اپنا بڑا وسیلہ جانتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے اعمال کی مقبولیت یقینی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقینًا مقبول ہیں،اسی لیے وہ ایسے موقعوں پر خود نمازیں اور دعائیں ادانہ کرلیتے تھے بلکہ دوڑے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتے تھے،حالانکہ انہوں نے قرآن میں یہ آیت پڑھی تھی"اُدْعُوۡنِیۡۤ اَسْتَجِبْ لَکُمْ"۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کے وسیلہ کی کوئی ضرورت نہیں اپنے اعمال کا وسیلہ پکڑو گویا ان کے نزدیک ان کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقبول ہیں۔

۲کہ فلاں دن تم سب وہاں جمع ہو کر جاؤ ہم بھی پہنچ جائیں گے،شاید قبولیت کی گھڑی اسی دن میں ہو گی جیسے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں سے فرمایا تھا"سَاَسْتَغْفِرُ لَکُمْ"یعنی تمہارے لیئے دعائے مغفرت ابھی نہیں پھر کروں گا۔

۳لہٰذا تم میرے وسیلہ سے دعا کررہے ہو میں تمہارے لیئے دعا اور شفاعت کرتا ہوں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یوں نہیں فرمادیا کہ جاؤ خود دعائیں مانگ لو میرے پاس کیوں آئے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے اللہ کی حمد اپنی فقیری اور نیاز مندی کا اظہار سنت ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں اپنے لیئے جو کلمے چاہیں استعمال کریں لیکن اگر کوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیر کہے تو کافر ہو گا۔ (عالمگیری) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ غنی داتا ہیں جن کی گلیوں میں تاجدار بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ شعر

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں　　　　مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

وہ تو باذن اللہ غنی ہیں، غنی گر ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: "اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"۔ رب سے مانگنا بندے کی شان ہے، اس کے سب فقیر ہیں۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج خطبہ اور دعا پہلے پڑھی اور نماز بعد میں۔ غالبًا اس لیے کہ جب آپ جنگل پہنچتے ہیں تو سورج نکل رہا تھا وقت مکروہ تھا ورنہ خطبۂ استسقاء اور دعا نماز کے بعد ہوتی ہے جیسا کہ گزشتہ روایات سے معلوم ہوا۔

۶؎ ہنسنے سے مراد تبسم اور مسکرانا ہے نہ ٹھٹھا مارنا اور قہقہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قہقہہ مار کر کبھی نہ ہنسے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم خوشی اور تعجب کا تھا کہ ابھی تو یہ لوگ بارش مانگ رہے تھے جب آئی تو بھاگ رہے ہیں۔ نواجذ جمع نواجذہ کی ہے۔ ناجذہ دانتوں کی کیلوں کو بھی کہتے ہیں اور آخری داڑھ کو بھی یعنی عقل داڑھ۔

۷؎ معلوم ہوا کہ بارش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی اور آپ کی نبوت کی دلیل، یعنی آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت صحابہ کو آنکھوں سے دکھادی اس کی عینی گواہی دی اور دلوائی۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر ابن خطاب جناب عباس ابن عبدالمطلب کے توسل سے دعائے بارش کرتے۱؎ اور عرض کرتے الٰہی ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے تو بارش بھیجتا تھا اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں۲؎ ہم پر بارش بھیج تو لوگ سیراب کیئے جاتے تھے۳؎ (بخاری)	

۱؎ تاکہ معلوم ہو کہ صرف نبی کا ہی وسیلہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی امت کے اولیاء کا وسیلہ بھی ہو سکتا ہے، ان کی برکت سے رحمتیں آتی ہیں، حضرت عمر جناب عباس کا وسیلہ اس طرح لیتے کہ ان کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے جیسا کہ آگے آرہا ہے اور حضرت عباس عرض کرتے کہ خدایا یہ لوگ تیرے محبوب کی نسبت کی وجہ سے میرا وسیلہ لے رہے ہیں، خدایا اس بڑھاپے میں مجھے رسواء شرمندہ نہ کر یہ کہتے ہی بارش آتی تھی۔ (اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی تیرے نبی کی ظاہری حیات میں ہم اس طرح ان کا وسیلہ لیتے تھے کہ ان سے بارش کی دعا کراتے تھے، ان کے ساتھ جاکر نماز استسقاء پڑھتے، ان کے چہرۂ انور کی طرف اشارہ کرکے کہتے تھے کہ مولٰی اس نورانی چہرہ کی برکت سے بارش بھیج۔ شعر

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ　　　　ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

اب ان کی ظاہری حیات شریف کی برکت سے یہ اشارہ والا، یہ نمازوں،ان کی دعاؤں والا وسیلہ ناممکن ہو گیا تو اب ان کے چچا کے وسیلہ سے بارش بھیج۔خیال رہے کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا وسیلہ لیا اس لیے عرض کیا کہ اپنے نبی کے چچا کے توسل سے دعا کرتے ہیں۔معلوم ہوا کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہو جائے اس کا وسیلہ درست ہے۔شعر

بزرگوں کی نسبت بڑی چیز ہے	خدا کی یہ نعمت بڑی چیز ہے

۳؎ اس حدیث کی بناپر بعض بے عقل عالموں نے کہا ہے کہ زندہ بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے مُردوں کا ناجائز،دیکھو جناب عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا وسیلہ چھوڑ دیا مگر یہ غلط ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ اس حدیث میں چھوڑنے کا ایک لفظ بھی نہیں آتا یعنی حضرت فاروق نے یہ نہیں کہا کہ اب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ دیا۔دوسرے یہ کہ اگر حدیث کا یہ مطلب ہو تو یہ حدیث قرآنی آیات کے بھی خلاف ہوگی اور دوسری احادیث کے بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَکَانَ اَبُوۡهُمَا صٰلِحًا"۔آٹھویں بزرگ دادا کی برکت سے ان پوتوں پر اللہ کی یہ رحمت ہوئی کہ ان کی ٹوٹی دیوار بنانے کے واسطے دو نبی بھیجے گئے،حضرت موسیٰ وہارون کے نعلین وعمامہ کے وسیلہ سے بنی اسرائیل جنگوں میں فتح پاگئے تھے،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ:"وَ بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوۡسٰی وَ اٰلُ هٰرُوۡنَ"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے اہل کتاب آپ کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح پاتے تھے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا"۔اسی مشکوۃ"باب الکرامات" میں آئے گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے روضہ کی چھت ہٹوادی اور قبر انور کے وسیلہ سے دعائے بارش کی تو بارش آئی۔یہاں جناب عمر کے فرمانے کا منشا یہ ہے کہ وہ اشاروں والا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز استسقاء پڑھنے والا وسیلہ جاتا رہا یا یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں وسیلۂ اولیاء بھی درست ہے۔اس جگہ مرقات میں ہے کہ امیر معاویہ قحط میں حضرت یزید ابن اسود کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تھے اور ان سے بھی کہتے تھے کہ وہ بھی ہاتھ اٹھائیں فوراً بارش آتی تھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جماعت انبیاء میں ایک نبی دعائے بارش کے لیئے لوگوں کو باہر لے گئے ایک چیونٹی پر گزرے جو اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھی آپ نے فرمایا لوٹ چلو اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہوگئی ۱؎(دارقطنی)	

۱؎ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام تھے،آپ نے چیونٹی کو ہاتھ اٹھائے دیکھا اور یہ دعا مانگتے سنا کہ خدایا تو نے ہمیں پیدا کیا ہے،ہمیں روزی دے ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے،ہم بھی تیری مخلوق ہیں،انسان کے گناہوں سے ہمیں برباد نہ کر۔(مرقاۃ)علماء فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے موقعہ پر جانوروں کو بھی ساتھ لے جاؤ،ان کی اصل یہ حدیث ہے۔

باب فی الریاح

ہواؤں کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ ریاح ریح کی جمع ہے جو روح سے بنا،بمعنی رحمت،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَاتَایۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰہِ"۔چونکہ ہوا خود بھی رحمت ہے اور ہزارہا رحمتوں کا ذریعہ اس لیے اسے ریح کہتے ہیں۔قرآن شریف میں اکثر قہر کی ہوا کو ریح اور رحمت کی ہوا کو ریاح کہا گیا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پروا کے ذریعے میری مدد کی گئی اور پچھوا کے ذریعہ قوم عاد ہلاک کی گئی ۱ (مسلم،بخاری)

۱صبا وہ ہوا ہے جومشرق سے مغرب کو چلے،یہ تیز ہوتی ہے اکثر بارش لاتی ہے۔اور دبور ہوا وہ ہے جومغرب سے مشرق کو جائے،یہ گرم وخشک ہوتی ہے،زمین کو خشک کرتی ہے اور اکثر بادل کو پھاڑ دیتی ہے،بارش کو دور کرتی ہے۔غزوہ خندق میں جب سارے کفار عرب نے مدینہ پاک کو گھیر لیا تھا تو ایک رات پروا ہوا تیز چلی جس سے کفار کے خیمے اڑ گئے،دیگچیاں ٹوٹ گئیں،جانور بھاگ گئے،ان کے منہ مٹی ریت سے بھرگئے آخر کار سب کو بھاگنا پڑا۔اہل مدینہ کو امن ملی اورہود علیہ السلام کی قوم عاد پچھوا سے ہلاک ہوئی،اس حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے۔غرضکہ ہوا وپانی کفار کے لیے عذاب،مومن کے لیے رحمت ہوجاتے ہیں،دریا نیل کا پانی قبطیوں پر عذاب،سبطیوق پر رحمت تھا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستا نہ دیکھا کہ آپ کے جبڑے شریف دیکھ لیتی ۱آپ صرف مسکرایا کرتے تھے آپ جب بادل یا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرے میں اثر خوف معلوم ہوتا ۲ (مسلم،بخاری)

۱لَهَوَات لُهَات کی جمع ہے۔لہات زبان کی جڑ کو بھی کہتے ہیں،حلق میں ابھرے ہوئے گوشت کو بھی،جبڑے کے آخری کنارے کو بھی،یعنی آپ ایسا کبھی نہ ہنسے جس سے آپ کا منہ مبارک کھل جاتا۔

۲؎ یعنی بادل یا تیز ہوا ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر خوف کے آثار ظاہر ہوتے کہ ایسا نہ ہو کہ آندھی یا بارش سے لوگوں کو نقصان پہنچے جس قدر رب تعالٰی سے قرب زیادہ اسی قدر خوف زیادہ۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے الٰہی میں تجھ سے ہوا کی خیر اور جو اس ہوا میں ہے اس کی خیر اور جو چیز ہوالے کر بھیجی گئی اس کی خیر مانگتا ہوں ۱؎ اور ہوا کے شر اور جو اس میں ہے اس کے شر سے اور جو لے کر ہوا بھیجی گئی اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور جب آسمان ابر آلود ہوتا آپ کا رنگ بدل جاتا باہر جاتے اندر آتے سامنے آتے پیچھے جاتے جب مینہ برستا تو یہ کیفیت دور ہوتی حضرت عائشہ نے پہچان لیا تو اس کے بارے میں حضور سے پوچھا فرمایا اے عائشہ شاید یہ ایسا ہی ہو جیسا قوم عاد نے کہا تھا کہ جب جنگلوں کی طرف بادل آتے دیکھا تو بولے یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے ۲؎ اور ایک روایت میں ہے جب بارش دیکھتے تو فرماتے خدایا رحمت ہو۔(مسلم،بخاری)

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آندھی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔اب بھی پڑھنی چاہیئے،یعنی اے مولٰی! میں اس ہوا کی عمومی بھلائی بھی مانگتا ہوں اور خصوصی بھلائی بھی اور اس کے عمومی اور خصوصی شر سے تیری پناہ مانگتاہوں۔

۲؎ یعنی اے عائشہ! رب پر امن نہ چاہیے،ہمیشہ اس سے ڈرتے رہنا چاہیے،بادل کبھی عذاب بھی لاتا ہے،قوم عاد پر عذاب بادل ہی کی شکل میں آیا تھا۔خیال رہے کہ اللہ کی ہیبت قوتِ ایمانی کی دلیل ہے اور اللہ کے وعدوں پر بے اطمینانی کفار کا طریقہ ہے اور سخت کفر ہے،یوں ہی خدا سے امید ایمان کا رکن ہے،خدا پر امن کفر ہے،یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی قسم کا خوف ہوتا تھا یعنی ہیبت خدائے تعالٰی۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگرچہ رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمالیا تھا کہ تمہارے ہوتے کافروں پر بھی عذاب نہ آئے گا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وعدے پر اطمینان نہ تھا اس لیے ڈرتے تھے کہ کہیں رب نے وعدہ خلافی کی ہو اور عذاب بھیج دیا ہو جیسا کہ بعض احمقوں نے یہ سمجھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں ۱؎ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ اللہ کے پاس ہی قیامت کا علم وہی بارش برستا ہے۔الایہ(بخاری)

۱؎یہاں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ"۔اس آیت کی تحقیق مرآت کے شروع میں کی جاچکی ہے، نیز ہماری تفسیر "نورالعرفان" میں ملاحظہ کرو۔یعنی یہ پانچ چیزیں کہ قیامت کب ہوگی، بارش کب آئے گی، عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یالڑکی، کہاں مرے گا، کل کیا کرے گا یہ غیب کی کنجیاں ہیں جن سے ہزارہاغیب کاپتہ چلتا ہے، یہ چیز اندازے، حساب وغیرہ کسی عقلی علم سے معلوم نہیں ہوسکتیں صرف رب تعالیٰ جانتا ہے یا جسے وہ بتائے وہ جانتا ہے اسی لیے انہیں **مفاتیح** فرمایا گیایعنی چابیاں۔اور ظاہر ہے کہ قفل وچابی میں وہ چیزیں رکھی جاتی جسے کھول کر کسی کو دینا ہو ورنہ دفن کی جاتی ہے۔رب تعالیٰ نے یہ علوم بعض فرشتوں،انبیاء،اولیاء کو بخشے۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قحط سالی یہ نہیں کہ تم پر بارش نہ ہو لیکن قحط یہ ہے کہ تم پر بارش ہو اور خوب بارش ہو مگر زمین کچھ نہ اگائے ۱؎(مسلم)	

۱؎یعنی سخت قحط یہ ہے کہ باوجود بارش کے پیداوار نہ ہو کہ آس کے بعد یاس سخت ہوتی ہے اور اس سے سخت قحط وہ ہے کہ پیداوار بھی خوب پھر انتہائی مہنگائی ہو جیسا کہ بعض احادیث میں ہے،آج کل یہ تیسری قسم کا قحط ہے اللہ کرم کرے،پیداوار نہ ہونے کی بہت صورتیں ہیں،زمیں کچھ آگائے ہی نہیں،آگائے مگر برباد ہوجائے،درخت ہوں مگر پھل نہ لگے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوااللہ کی رحمت ہے رحمت بھی لاتی ہے عذاب بھی لہذااسے برانہ کہو ۱؎اللہ سے اس کی خیر مانگواور اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگو۲؎(شافعی،ابوداؤد،ابن ماجہ،بیہقی،دعوات کبیر)	

۱؎یعنی اگر کبھی ہوا سے کوئی نقصان یا تکلیف پہنچے تو ہوا کو گالیاں نہ دو کیونکہ وہ تو حکم الٰہی سے سب کچھ لاتی ہے۔خیال رہے کہ ہوا رحمت ہے مگر کافروں پر عذاب لاتی ہے،مؤمنوں کے لیے رحمت ہے،ایسے غافلوں کی گوشمالی کرتی ہے یہ بھی رحمت ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہوا رحمت ہے تو عذاب کیوں لاتی ہے۔

۲؎ہوائیں آٹھ ہیں:چار رحمت کی۔ناشرات،ذاریات،مرسلات،مبشرات اور چار عذاب کی۔عاصف،قاصف،صرصر،عقیم،پہلی دوسمندروں میں عذاب کی ہیں،آخری دو خشکی میں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوا پرلعنت کی تو فرمایا ہوا پرلعنت نہ کرو یہ تو زیر فرمان ہے اور جوکسی ایسی چیز کو لعنت کرے جو ان کے لائق نہ ہوتو لعنت خود	

	کرنے والے پرلوٹتی ہے ۱(ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱یعنی ہوا لعنت کی مستحق نہیں،اب جو اس پر لعنت کرے گا تو وہ لعنت خود اس کی اپنی ذات پر پڑے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں پر لعنت یا زمانہ کو بُرا کہنا جیسا کہ مولوی محمود حسن صاحب نے کہا سب ناجائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا کو گالی نہ دو جب تم کوئی ناپسند چیز دیکھو تو کہو الہی ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو اس ہوا میں ہے اس کی بھلائی اورجس کا اسے حکم ہے اس کی بھلائی مانگتے ہیں اور اس ہوا کی شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اور جس کا اسے حکم ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں ۱(ترمذی)

۱یعنی ہوا کو گالی دینے سے فائدہ تو کوئی نہ ہوگا تم مجرم اورگنہگار ہوجاؤ گے۔اس دعا کے پڑھ لینے سےثواب بھی پاؤ گے،امن بھی اور کوئی نقصان نہ ہوگا۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ لعنت کے اسباب کل تین ہیں:کفر،بدعت،فسق۔ہوا میں یہ کوئی نہیں تو اس پر لعنت کیسی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سےفرماتے ہیں کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ ہوا چلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنوں شریف پر بیٹھ کر یہ نہ کہیں۱کہ الہی اسے رحمت بنا اسے عذاب نہ بنا الہی اسےریاح بنا ریح نہ بناحضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں ہے کہ ہم نے ان پر تیز ہوا(آندھی) بھیجی اور ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی اور ہم نے حاملہ ہوائیں بھیجیں اور یہ کہ خوشخبریاں دینے والی ہوائیں بھیجیں۲(شافعی،بیہقی،دعوات کبیر)

۱دونوں پنڈلیاں بچھاکر رانوں پر کھڑے ہوکر یہ فرماتے تھے اس طرح بیٹھنا انتہائی عجز کا اظہار ہے،خصوصی دعاؤں کے وقت ایسی نشست قبولیت کا ذریعہ ہے۔

۲حضرت ابن عباس نے اس حدیث کی شرح قرآنی آیات سے فرمائی کہ قرآن کریم میں ریح تو عذاب کی ہوا کو کہا گیا ہے اور ریاح رحمت کی ہوا کو اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ریح نہ بنا،ریاح بنا۔خیال رہے کہ قرآن کریم میں ریح کو رحمت کی ہوا بھی کہا گیا ہے مگر کسی صفت کے ساتھ،جیسے رب کا فرمان:"وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ"۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان پر کوئی شے یعنی بادل نمودار دیکھتے تو اپنے کام کاج چھوڑ دیتے اور ادھر متوجہ ہوجاتے ۱؎ اور کہتے الٰہی جو کچھ اس میں ہے اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر اگر کھل جاتا تو اللہ کا شکر کرتے اور اگر بارش ہوتی تو کہتے الٰہی اسے نفع بخش بارش بنا ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،شافعی)لفظ شافعی کے ہیں۔	

۱؎ یعنی غیر ضروری کام چھوڑ دیتے جیسے کھانا پینا،کسی سے بات چیت۔یہ مطلب نہیں کہ نماز وغیرہ عبادات چھوڑ دیتے۔اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت تمام الجھنوں سے دل کا فارغ ہونا بہت مفید ہے اگرچہ مشغولیت میں بھی دعائیں اچھی ہیں۔

۲؎ یعنی اگر بغیر بارش ہوئے بادل پھٹ کر غائب ہوجاتا تو بارش نہ ہونے پر نہیں بلکہ مصیبت نہ آنے پر شکر کرتے اور اگر برسنے لگتا تو یہ دعا فرماتے۔اب بھی یہ دعائیں یادکرنی چاہئیں اور ان موقعوں پر پڑھنی چاہئیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج وکڑک کی آواز سنتے ۱؎ تو کہتے کہ الٰہی ہمیں اپنے غضب سے غارت نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔(احمد،ترمذی)ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ رعد اس فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اور صاعقہ اس کا کوڑا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا چلاتا ہے،کبھی اس کوڑے کی آواز سنی جاتی ہے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رعد فرشتہ اس وقت تسبیح کرتا ہے،یہ آواز اس کی تسبیح کی ہوتی ہے،اس آواز پر سارے فرشتے تسبیح میں مشغول ہوجاتے ہیں،ہم کو بھی اس وقت سارے کام وکلام بندکرکے ذکرکرنا چاہیے۔مرقاۃ نے فرمایا رعد سننے میں آتی ہے اور صاعقہ دیکھنے میں،لہذا یہاں سننے سے مراد احساس فرمانا ہے،حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ صاعقہ کے معنی ہیں بے ہوش ہونے والی چیز،چونکہ اس گرج چمک سے بھی کبھی لوگ بے ہوش ہوجاتے ہیں اس لیے صاعقہ کہا جاتا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے کہ جب آپ گرج سنتے توبات چیت چھوڑ دیتے اور کہتے پاک ہے وہ	

	کہ گرج جس کی تسبیح وحمد کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے[1] (مالک)

[1] یعنی اللہ کے خوف سے یا رعد فرشتے کے خوف سے تسبیح کرنے لگتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص گرج کے وقت یہ آیت پڑھ لے وہ **بفضلہٖ تعالٰی** اس سے ہلاک نہیں ہوسکتا،اگر ہلاک ہوجائے تو اس کا خون بہا میرے ذمہ ہے،گویا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر اس قدر اعتماد تھا۔(مرقاۃ)

كتاب الجنائز

جنازوں کی کتاب۱

باب عيادة المريض وثواب المريض

بیمار پرسی اور بیماری کے ثواب کا باب

الفصل الاول

پہلی فصل

۱لغت میں جنازہ وہ تخت ہے جس پر میت کو نہلایا جائے یا وہ چارپائی جس پر میت کو قبرستان پہنچایا جائے،اب خود میت کو جنازہ کہنے لگے،بعض فرماتے ہیں کہ جنازہ جیم کے فتح سے تخت یا چار پائی ہے اور جیم کے کسرہ سے میت یا اس کے برعکس،یہاں میت کے معنی میں ہے۔خیال رہے کہ بیمار کی بیمار پرسی بڑے ثواب کا باعث ہے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوکوں کو کھلاؤ۱بیماروں کی مزاج پرسی کرو قیدی چھوڑاؤ ۲(بخاری)

۱بھوکوں کو کھانا کھلانا سنت ہے اور بھوک سے مررہا ہو تو فرض کفایہ بلکہ کبھی فرض عین ہے۔اس بھوک میں انسان جانور سبھی داخل ہیں،بعض گنہگار پیاسے کتے کو پانی پلانے میں بخشے گئے۔(حدیث)

۲یہاں قیدی سے مراد غلام یامقروض ہے اورچھوڑانے سے مرادآزادکرانایا قرضہ اداکرنا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جومسلمان کفار کے ہاتھوں ظلمًا قید ہوگئے ہیں انہیں کوشش سے آزاد کراؤ،یہ مطلب نہیں کہ چوروبدمعاشوں کو جیل سے نکال دو تاکہ خوب چوریاں،بدمعاشیاں کریں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۱سلام کا جواب دینا،بیمار کی عیادت کرنا،جنازوں کے ساتھ جانا،دعوت قبول کرنا،چھینک کا جواب دینا ۲(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ پانچ کی تعداد حصر کے لیے نہیں بلکہ اہتمام کے لیے ہے یعنی پانچ حق بہت شاندار اورضروری ہیں کیونکہ یہ قریبًا سارے فرض کفایہ اورکبھی فرض عین ہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ حقوق بیان ہوئے۔خیال رہے کہ یہ اسلامی حقوق ہیں۔مسلمان فاسق ہویامتقی سب کے ساتھ یہ برتاوے کیے جائیں،کافروں کا ان میں سے کوئی کوئی حق نہیں۔

۲؎ بیمار کی عیادت اور خدمت یوں ہی جنازے کے ساتھ جانا عام حالات میں سنت ہے لیکن جب کوئی یہ کام نہ کرے تو فرض ہے،کبھی فرض کفایہ،کبھی فرض عین،یوں ہی دعوت میں شرکت کھانے کے لیے یا وہاں انتظام و کام و کاج کے لیے سنت ہے،کبھی فرض لیکن اگر خاص دسترخوان پرناجائز کام ہوں جیسے شراب کا دور یا ناچ گانا تو شرکت ناجائزہے،چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والے سب یا ایک جواب میں کہیں "یَرْحَمُكَ اللهُ" پھرچھینکنے والاکہے "یَھْدِیْکُمُ اللهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ "اور اگر وہ حمد نہ کرے یا اسے زکام ہےکہ باربارچھینکتاہے تووہ پھر جواب ضروری نہیں۔سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض مگر ثواب سلام کا زیادہ ہے،یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کا ثواب فرض سےزیادہ ہے۔(شامی ومرقاۃ وغیرہ)اس کے مسائل ان شاءاللہ "کتاب الادب"میں آئیں گے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں:پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کیا فرمایا جب تم اس سے ملو تو اسے سلام کرو۱؎ جب تمہیں بلائے تو قبول کرو ۲؎ اور جب تم سے خیرخواہی چاہے تو کرو۳؎ جب چھینکے اللہ کی حمدکرے تو اس کا جواب دو،جب بیمارہوتو عیادت کرو،جب مرجائے تو ساتھ جاؤ ۴؎ (مسلم)

۱؎ تین وقت سلام کرنا سنت ہے:گھر میں آنے کی اجازت چاہتے وقت،ملاقات کے وقت،رخصت کی وقت،یہاں دوسرے سلام کا ذکر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرےاور جب راستہ میں چلتے ہوئے کسی سے ملاقات ہو تو پیچھے سے ملنے والا آگے والے کو سلام کرےاور اگر دونوں سامنے سے آرہے ہیں تو چھوٹا بڑے کو،تھوڑے زیادہ کو سلام کریں اور اگر ان میں یہ کوئی فرق نہ ہو تو جو چاہے سلام کرے،جماعت میں سے ایک کا سلام یا جواب سب کی طرف سے ہوگا۔

۲؎ مدد کے لیے یا کھانے یا عام دعوت میں انتظام کے لیے تو ضرور جاؤ،ہاں اگر مجبوری یا معذوری ہو تو نہ جاؤ۔

۳؎ یعنی تم سے کوئی مشورہ کرے تو اچھا مشورہ دو،اگر شرعی مسئلہ پوچھے تو ضرور بتاؤ۔یہ لفظ نَصْحٌ سے بنا،بمعنی خلوص،کہا جاتاہے "عَسَلٌ نَاصِحٌ" شہد خالص ہے،یعنی خالص اچھی رائے دو جس میں برائی کا شائبہ نہ ہو۔

۴؎ اگر چھینک بیماری سے نہ ہو تو صفائی دماغ کا ذریعہ ہے،آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے چھینک آئی،اس شکریہ میں اس پر حمدکرنی چاہیے،بعض جگہ مشہور ہے کہ ہفتہ کے دن بیمار پرسی نہ کی جائے،نماز جنازہ کے لیے جانا بھی سنت ہے اور دفن کے لیے بھی۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات سے منع کیا،ہمیں مریض کی عیادت،جنازوں کے ساتھ جانے،چھینک والے کا جواب دینے،سلام کا جواب دینے،دعوت قبول کرنے،قسم والے کو بری کرنے[1] مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا[2] اور سونے کی انگوٹھی باریک و موٹے ریشم و دیباج پہننے[3] سرخ نمدے[4] اور قسی پہننے[5] چاندی کے برتن کے استعمال سے منع فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ چاندی میں پینے سے منع فرمایا کہ جو دنیا میں اس میں پی لے گا وہ آخرت میں اس سے نہ پی سکے گا[6] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی اگر کوئی شخص آئندہ کے متعلق کسی ایسے کام کی قسم کھائے جو تم کرسکتے ہو تو ضرور کردو تاکہ اس کی قسم پوری ہوجائے اور کفارہ واجب نہ ہو،مثلًا کوئی کہے کہ خدا کی قسم جب تک تم فلاں کام نہ کرلو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں یا خدا کی قسم کل تم میرے پاس ضرور آؤ گے یا اگر تم فلاں کام نہ کرو تو میری بیوی کو طلاق،ان سب صورتوں میں تم وہ کام ضرور کرلو،بشرطیکہ وہ کام ناجائز نہ ہو۔

[2] لمعات ومرقات میں ہے کہ مظلوم مسلمان ہو یا کافر و ذمی یا مستامن حتی المقدور اس کی ضرور مدد کی جائے۔

[3] **حریر** سے مراد باریک ریشم ہے اور **استبراق** سے موٹا ریشم،**دیباج** وہ ہے جس کا بانا ریشم ہو اور تانا سوت وغیرہ کا یاوہ جس میں ریشم زیادہ ہو اور دوسری چیز کم،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل تاکیدًا فرمائی یعنی کسی طرح کا ریشم مرد نہ پہنیں۔

[4] گھوڑے کی کاٹھی پر گدیلا یانرم و موٹا کپڑا میثرہ کہلاتا ہے یہ اگر ریشم کا ہو تو حرام ہے اور اگرکسی اور کپڑے کا ہومگر ہو سرخ تو مکروہ کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے،خود کاٹھی کا بھی یہی حکم ہے۔

[5] مصر کے علاقہ میں ایک بستی قسی تھی،وہاں کے بنے ہوئے کپڑے کو قسی کہتے تھے،جیسے ہمارے ہاں بھاگل پوری قسی کتان اور حریر سے بنتا تھا مگر حریر غالب ہوتا تھا اس لیے اس سے منع فرمایا گیا۔منشاء یہ ہے کہ نام کچھ بھی ہو ریشم پہننا حرام ہے،شراب کو برانڈی کہہ دینے سے حرمت ختم نہیں ہوجاتی۔

[6] یعنی وہ جنت میں نہ جائے گا کیونکہ تمام جنتی چاندی کے برتنوں میں پئیں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ"۔مطلب یہ ہے کہ اپنے عذاب اور دوزخ میں رہنے کی مدت تک جنت میں جانے اور وہاں کے برتنوں کے استعمال سے محروم رہے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اسے جنت میں بھی دوسرے برتن دیئے

جائیں گے۔خیال رہے کہ سوناچاندی پہننے کی حرمت صرف مردوں کے لیے ہے،عورتوں کے لیے یہ سب جائز ہے،لیکن چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا پینا عورت مرد سب کو حرام۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جنت کے باغ میں رہتا ہے حتی کہ لوٹ آئے ۱؎(مسلم)

۱؎خرفہ باغ کو بھی کہتے ہیں اور باغ سے چنے ہوئے پھلوں کو بھی اور خود چننے کو بھی،یعنی چونکہ بیمار پرسی کا ثواب جنت ہے اس لیے جو بیمار پرسی کرنے گیا گویا جنت ہی میں چلا گیا جیسے کہا جاتا ہے کہ جو ریل میں بیٹھ گیا گویا منزل پر پہنچ گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن فرمائے گا اے انسان میں بیمار ہوا تو نے میری مزاج پرسی نہ کی بندہ کہے گا الٰہی میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو جہانوں کا رب ہے فرمائے گا کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی ۱؎کیا تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا اے آدمی میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا عرض کرے گا الٰہی تجھے میں کیسے کھلاتا تو تو جہانوں کا رب ہے فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تو نے اسے نہ کھلایا کیا تجھے پتہ نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا تو میرے پاس پاتا ۲؎اے انسان میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے نہ پلایا عرض کرے گا مولا میں تجھے کیسے پلاتا تو تو جہانوں کا رب ہے فرمائے گا تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تو نے اسے نہ پلایا اگر تو اسے پلاتا تو آج میرے پاس وہ پاتا ۳؎(مسلم)

۱؎اس میں اشارۃً یہ فرمایا گیا کہ بندہ مؤمن بیماری کی حالت میں رب تعالٰی سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اس کے پاس آنا گویا رب کے پاس ہی آنا ہے اور اس کی خدمت گویا رب کی اطاعت ہے بشرطیکہ صابروشاکر ہو کیونکہ بیمار مؤمن کا دل ٹوٹا ہوتا ہے اور ٹوٹے دل بیمار کاشانہ یار ہیں،حدیث قدسی ہے"اَنَاعِنۡدَالۡمُنۡکَسِرَۃِقُلُوۡبُھُمۡ لِاَجۡلِیۡ"میں ٹوٹے دل

والوں کے پاس ہوں۔اس ترتیب سے معلوم ہورہا ہے کہ بیمار پرسی اگلے اعمال سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر پہلے کیا۔

۲؎یعنی اس کھانے کا ثواب یہاں پاتا۔خیال رہے کہ بیمار پرسی کے بارے میں فرمایا کہ تو بیمار کے پاس مجھے پاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا کہ تو اس کا ثواب یہاں پاتا۔معلوم ہوا کہ بیمار پرسی بہت اعلیٰ عبادت ہے۔

۳؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقراء مساکین اللہ کی رحمت ہیں،ان کے پاس جانے،ان کی خدمتیں کرنے سے رب مل جاتا ہے،تو اولیاءاللہ کا کیا پوچھنا ان کی صحبت رب سے ملنے کا ذریعہ ہے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضور اولیا

قرآن کریم فرماتا ہے:"وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا"الایۃ"لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا۔صوفیاء فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو گنہگار تمہارے پاس آجائے وہ خدا کو پالے گا،مولانا کے شعر کا ماخذ یہ آیت اور یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بدوی کے پاس بیمار پرسی کے لیئے تشریف لے گئے اور جب بھی آپ کسی بیمار کی عیادت فرماتے تو کہتے تھے کوئی ڈر نہیں خدا نے چاہا یہ تو صفائی ہے ۱؎چنانچہ اس سے بھی فرمایا کہ کوئی ڈر نہیں ان شاءاللہ صفائی ہے وہ بولا ہرگز نہیں یہ تو بہت بوڑھے پر بخار جوش ماررہا ہے اسے قبر جھنکا دے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسے ہی سہی ۲؎(بخاری)

۱؎یعنی گناہوں سے صفائی ہے اور بہت سی بیماریوں سے بچاؤ کیونکہ بعض چھوٹی بیماریاں بڑی بیماریوں سے انسان کو محفوظ کردیتی ہیں،ایک زکام پچپن بیماریوں کو دور رکھتا ہے،خارش والے کو کبھی کوڑھ نہیں ہوتی۔اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ معلوم ہوئے کہ ہر غریب و امیر کے گھر بیمار پرسی کے واسطے تشریف لے جاتے۔سبحان اللہ!کیسا پاکیزہ کلمہ ہے کہ ایک طہور میں جسمانی،جنانی،روحانی صفائیوں کا ذکر فرمادیا۔

۲؎یعنی اگر تو خدا کی رحمت سے مایوس ہے تو پھر تو جان،یہ ارشاد اظہار کرنا راضی کے لیے ہے۔معلوم ہوا کہ بیماری میں رب سے مایوس نہیں ہونا چاہیے،صابروشاکر رہنا ضروری ہے۔یہ صاحب بدوی تھے جو ان آداب سے بے خبر تھے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے اور فرماتے اے لوگوں کے رب

بیماری دور کردے اسے شفا دے تو شافی ہے ۱؎شفا تو
صرف تیری ہی ہے وہ شفا دے جو بیماری نہ چھوڑے
۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالٰی کا ایسا نام لینا جو قران میں نہ ہو جائز ہے بشرطیکہ اس کے معنی خراب نہ ہوں،اس کی اصل قرآن مجید میں موجود ہو،شافی قرآن کے اسمائے الٰہیہ میں سے نہیں مگر اس کی اصل موجود ہے"فَهُوَ يَشْفِيْنِ"۔

۲؎یہ "اَنْتَ الشَّافِیْ"کی تفسیر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ کامل نعمت کی دعا مانگو یعنی وہ شفا دے جو بیماری اور کمزوری سب کچھ دور کردے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیمار پر ہاتھ پھیرنا بھی سنت ہے تاکہ کلام کی برکت کے ساتھ ہاتھ کی برکت بھی مریض کو پہنچے،یہ حدیث صوفیاء کے اس عمل کی اصل ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ جب کسی شخص کا کچھ
دکھتا یا اسے پھوڑا پھنسی اور زخم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم اپنی انگلی کے ساتھ یوں فرماتے بسم اللہ ہماری
زمین کی مٹی ہمارے بعض کا تھوک ۱؎ہمارے بیمار کو ہمارے
رب کے حکم سے شفا دیتاہے۔(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی اولًا آپ مرض کی جگہ انگلی رکھتے پھر انگلی پر کچھ لعاب شریف لگاکر مٹی لگاتے،پھر اس کا لیپ مرض کی جگہ کر دیتے اور یہ فرماتے جاتے کہ بفضلہٖ تعالٰی ہمارا لعاب اور مدینہ کی مٹی شفاہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بیماری پر ٹوٹکے اور منتر جائز ہیں بشرطیکہ اس کے الفاظ کفریہ نہ ہوں اور کوئی کام حرام نہ ہو،اس کی اصل یہ حدیث بھی ہے اور وہ بھی کہ نظر بدمیں نظر والے کے ہاتھ پاؤں کو دھلاکر بیمار کو چھینٹا مار دو،شامی نے نظر اور جادو دفع کرنے کے بہت ٹوٹکے بیان فرمائے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف شفا ہے،بعض صوفیاء دم کرتے وقت کچھ لعاب بھی ڈال دیتے ہیں،اس کی اصل یہ حدیث ہے۔تیسرے یہ کہ مدینہ پاک کی مٹی شفا ہے وہاں کی خاک کو جو خاک شفا کہا جاتا ہے،اس کی اصل یہ حدیث ہے،مرقاۃ میں فرمایا کہ وطن کی خاک بھی شفا ہوتی ہے اگر کوئی مسافر اپنے وطن کی مٹی پردیس لے جائے جس میں تھوڑی پینے کے گھڑے میں ڈال دیا کرے تو ان شاءاللہ وہاں کا پانی نقصان نہ دے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب
بیمار ہوتے تو اپنے پر اعوذ کی آیات دم کرتے اور اپنا
ہاتھ وہاں پھیرتے ۱؎تو جب حضور کو وہ بیماری ہوئی جس
میں حضور کی وفات ہوئی تو میں آپ پر وہی دعائیں دم
کرتی جو آپ دم کرتے تھے اور آپ کا ہاتھ پھیرتی ۲؎

(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ جب حضور کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر اعوذ والی آیات دم کرتے۳؎

۱؎عنه کی ضمیر نفث کی طرف ہے یعنی وہ آیات پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم کرتے،پھر ہاتھ شریف بیمار جگہ پر پھیر لیتے تاکہ آیت قرآنی کا دم شریف اور ہاتھ کی برکتیں جمع ہوجائیں۔اس حدیث سے صوفیاء کا دم درود بیمار جگہ پر ہاتھ پھیرنا سب ثابت ہوا۔

۲؎یعنی مرضِ وفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دم و دعائیں ساری چھوڑ دی تھیں کیونکہ آپ جانتے تھے یہ بیماری آخری ہے اس سے شفاء نہیں۔(مرقاۃ)مگر ام المؤمنین مایوس نہ تھیں،شفاء کے لیے آیتیں پڑھتیں اور برکت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دم کرتیں۔

۳؎جیسے فلق اور ناس وغیرہ،یہاں ہاتھ پھیرنے کا ذکر نہیں کیونکہ آپ کبھی فقط دم کرتے تھے کبھی ہاتھ بھی پھیرتے تھے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن ابی العاص سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درد کی شکایت کی جو ان کے جسم میں تھا۱؎تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ اپنے جسم کے بیمار حصہ پر اپنا ہاتھ رکھو،تین بار بسم اللہ اور سات بار یہ دعا پڑھو،میں اللہ کی عزت اور اللہ کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں اس کے شر سے جواب میں پاتا ہوں اور جس سے آئندہ خوف کرتا ہوں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ نے میری بیماری دور کردی ۲؎(مسلم)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ بیماری،ناداری اور تمام مصائب کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسکتے ہیں۔ہم گنہگاروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کرنا اسی حدیث سے ماخوذ ہے،اس میں رب سے ناراضی نہیں بلکہ اپنے شہنشاہ سے فریاد ہے اور دفعیہ کے لیے عرض معروض ہے جیسے مظلوم حاکم سے اور بیمار حکیم سے اپنی شکایات پیش کرتے ہیں۔

۲؎خیال رہے کہ ان صحابی نے خود ہی دعا نہ مانگی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر دعا کی۔مشائخ کرام سے جو وظیفوں اور دعاؤں کی اجازت لی جاتی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے،اجازت سے عمل کی تاثیر بڑھ جاتی ہے،دعائیں کارتوس ہیں اور بزرگوں کی زبان اور اجازت رائفل،بغیر رائفل شیر مارنے والا کارتوس مرغی کو نہیں مار سکتا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے عرض کیا اے

محمد مصطفٰے! کیا آپ بیمار ہیں ا فرمایا ہاں فرمایا میں آپ پر اللہ کے نام سے افسوں کرتا ہوں موذی چیز سے، ہر نفس کی شرارت سے، حسد والی آنکھ سے اللہ تمہیں شفا دے اللہ کے نام سے افسوں کرتا ہوں ۲ (مسلم)

۱ حضرت جبریل خود نہ آئے تھے بلکہ رب نے بھیجا تھا، یہ مزاج پرسی رب کی طرف سے تھی، قرآن کریم فرماتا ہے: "وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ"۔اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا پتہ لگا کہ رب ان کی مزاج پرسی کرے اور رب ہی جبریل کو بھیج کر ان پر دم کرائے۔شعر

سر بالیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے　　　　حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے

۲ یہاں افسوں جادو کے معنی میں نہیں کہ فرشتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اس سے پاک ہے بلکہ دم جائز منتر یا اسلامی ٹوٹکا مراد ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسد و نظر بد بھی بڑی آفتیں ہیں اللہ محفوظ رکھے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین پر یوں تعویذ کرتے کہ میں تمہیں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ا ہر شیطان و زہریلے جانور سے اور ہر بیمار کرنے والی نظر سے ۲ اور فرماتے کہ تمہارے والد اسی دعا سے حضرت اسمٰعیل و اسحاق کو تعویذ کرتے تھے ۳ (بخاری) اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں تثنیہ کے لفظ سے ہے۔

۱ کلمات اللہ سے مراد سارے اسماء الٰہیہ ہیں، چونکہ وہ ہر نقص اور خرابی سے پاک ہیں اس لیے انہیں تامّات کہا گیا جیسے اللہ کی پناہ لینا ضروری ہے ایسے ہی اس کے ناموں کی پناہ بھی ضروری ہے۔صوفیاء کی اصطلاح میں عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ رب ہی کی پنا ہ ہے، صحابہ کر ام تو بیماریوں میں آپ کے بال اور لباس سے شفاء حاصل کرتے تھے۔

۲ معلوم ہوا کہ جن اور نظر بد سے بھی انسان بیمار ہوجاتا ہے، جن کا اثر قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

۳ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے حضرت اسمٰعیل واسحاق ذریت ابراہیمی کی معدن اور کان ہیں یوں یہی حضرت حسن و حسین نسل مصطفٰی کی اصل ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اس کو مصیبت دیتا ہے ا (بخاری)

۱؎ تاکہ وہ مصیبت زدہ بندہ اس پر صبر کرے اور اس کے درجے بڑھیں،انسان صبر سے وہاں پہنچتا ہے جہاں دیگر عبادات سے نہیں پہنچ سکتا۔خیال رہے کہ یُصِب ص کی کسرہ سے بھی ہوسکتا ہے اور فتح سے بھی،یعنی اس کی جان ومال اور اولاد میں سے کچھ لے لیتا ہے یا لے جاتا ہے۔

روایت ہے انہی سے اور حضرت ابوسعید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مسلمان کو تکلیف بیماری غم و رنج ایذائے غم حتی کہ کانٹا جو اسے لگے نہیں پہنچتا مگر اللہ اس کی برکت سے خطائیں مٹا دیتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اذی اورغم ہم معنی ہیں،کبھی ان دونوں میں یہ فرق کیاجاتاہے کہ اذی وہ ہے جوکسی کی طرف سے انسان کو پہنچے اورغم میں یہ قید نہیں،نیز حزن معمولی غم کو بھی کہتے ہیں اورغم سخت کو یعنی وہ غم جو انسان کو قریبًا بے ہوش کردے،بعض نے فرمایا کہ آنے والے خطرے پر تکلیف کا نام ھم ہے اور گزشتہ پرغم و حزن۔خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ صابرمسلمان کی تھوڑی تکلیف بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگرکسی کو عبادتوں میں لذت نہ آئے،اس پر اسے غم ہو یہ بھی گناہوں کی معافی کا باعث ہے،عبادات کی لذت پانے والا لذت کے لیے بھی عبادت کرتا ہے مگر اس سے محروم خالص اللہ کیلئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ کو بخار تھا میں نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر چھوا توعرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کو بخار بہت ہی سخت آتا ہے ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھ کو تمہارے دو شخصوں کے برابر بخار ہواکرتا ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یہ اس لیے ہوگا کہ حضور کو ثواب بھی دوگنا ہے ۲؎ فرمایا ہاں پھر فرمایا کوئی مسلمان ایسانہیں جسے کوئی تکلیف بیماری وغیرہ پہنچے مگر اللہ تعالٰی اس کے گناہ یوں جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ تُوعَكُ وَعكٌ سے بنا،بمعنی بخار کی گرمی اور تکلیف۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ غلام آقا کی مزاج پرسی بھی کرے اور اس کے جسم کو ہاتھ بھی لگائے۔خیال رہے کہ بخار مرضِ انبیاء ہے،ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بخار ہی سے ہوئی۔

۲؎ یہ ہے صحابہ کا ادب و احترام،یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی بیماری خطاؤں کی معافی کے لیے ہو،آپ کو گناہ و خطا سے نسبت ہی کیا،آپ کی بیماری صرف بلندیٔ درجات کے لیے ہوسکتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں سے ہم گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں ان سے نیک کاروں کے درجے بڑھتے ہیں۔

۳؎ مسلمان سے مراد گنہگار مسلمان ہے۔بے گناہ مسلمان جیسے ابوبکرصدیق وغیرہم اور ناسمجھ بچے اس حکم سے علیحدہ ہیں،ان کے درجے بلند ہوں گے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ لفظ مسلم اور مؤمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے،یہ الفاظ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم توعین ایمان ہیں،ہم نے اپنی "تفسیر نعیمی" پہلے پارے میں ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا" میں امت سے خطاب ہوتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے ایسا کوئی نہ دیکھا جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخت بیماری ہوتی ہو ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیماری،درد،بخار وغیرہ دوسروں کی بیماریوں سے زیادہ سخت ہوتی تھیں۔چنانچہ بخاری نے ادب میں اور ابن ماجہ وحاکم وبیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابی سعید سے روایت کی کہ میں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار میں دیکھا کہ کمبل شریف کے اوپر سے بخار کی تپش محسوس ہوتی تھی،میں نے گھبراکر کہا یارسول اللہ اتنا تیز بخار،تو فرمایا انبیاء کو ایسا ہی تیز بخار ہوتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے اور گلے کے درمیان وفات پائی ۱؎ تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیئے سختی موت کو کبھی ناپسند نہیں کرتی ۲؎ (بخاری)

۱؎ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف آپ کے جسم پر تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ آپ کے سینہ پر اور سر مبارک گلے کے پاس۔سبحان اللہ!غار ثور میں صدیق اکبر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک آپ کے زانو پر تھا اور بوقت وفات اس طیبہ،طاہرہ،عفیفہ،صدیقہ کو یہ عزت ملی،قرآن کی رحل بھی عزت والی ہے،ان حضرات کے جسم قرآن والے کی رحل ہیں،ان کی عزتیں قیامت میں دیکھنا۔

۲؎ یعنی پہلے میرا یہ خیال تھا کہ نزع کی تکلیف گناہوں کی زیادتی سے ہوتی ہے اور موت کی آسانی رب کی نعمت ہے مگر جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت نزع دیکھی تب سے یہ دونوں خیال جاتے رہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے بیماریوں اور وفات کی تکلیفوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے زیادہ کیا کہ قیامت تک آپ کے مصیبت زدہ امتی آپ کے ان حالات کو سن کر تسلی پائیں۔مبارک ہیں وہ رسول جن کی بیماری بھی تبلیغ اور امت کے لیے ذریعۂ رحمت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کی مثال کچی کھیتی کی سی ہے جسے ہوائیں جھلاتی ہیں کبھی گرادیتی ہیں کبھی سیدھا کرتی ہیں یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے اور منافق کی مثال مضبوط صنوبر کی سی ہے جسے کوئی آفت نہیں پہنچتی حتی کہ یکبارگی اس کا اکھڑنا ہوتا ہے [1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی مسلمان کی زندگی بیماریوں،مصائب وتکالیف میں گھری ہوتی ہے جن پر وہ صبر کرکے گناہوں سے پاک و صاف ہوتا رہتا ہے،منافق و کافر کی زندگی آرام و آسائش سے گزرتی ہے جس سے اس کی غفلتیں بڑھ جاتی ہیں پھر یکبارگی ہی موت آتی ہے۔یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں،بعض کافر اکثر بیمار رہتے ہیں اور بعض مؤمن کم بیمار ہوتے ہیں،نیز بعض غافل بیمار ہوکر اور زیادہ غافل بلکہ بے ادب ہوجاتے ہیں،رب کو گالیاں دیتے ہیں اور بعض مؤمن تندرستی میں ایک سانس ذکر الٰہی کے بغیر نہیں لیتے مگر ایسا بہت کم ہے لہذااس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بالکل برحق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کی مثال کھیت کی سی ہے جسے ہوائیں جھلاتی رہتی ہیں اور مؤمن کو مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال درخت صنوبر کی سی ہے جو کٹنے تک جنبش نہیں کرتا [1] (مسلم،بخاری)

[1] اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مؤمن خوشی سے مرتا ہے اور منافق جبرًا موت دیاجاتاہے،موت ایک ریل ہے جو دولہا کو سسرال تک پہنچاتی ہے اور پھانسی کے مجرم کو پھانسی تک مؤمن کی دنیوی تکلیفیں آخرت کی راحت کا سبب ہیں،منافق کی دنیوی راحتیں آخرت کی مصیبتوں کا ذریعہ،یہ بھی قاعدہ اکثریہ ہے،ورنہ مؤمن دنیا میں کتنا ہی آرام سے رہے ان شاءاللہ آخرت کے دائمی عذاب سے بچے گا،کافر دنیا میں کتنی ہی مصیبت سے رہے مگر آخرت میں نجات نہیں پاسکتا۔روح البیان میں ایک جگہ فرمایا کہ ایک مصیبت زدہ کافر نے کسی عیش والے مؤمن سے کہا کہ تمہارے نبی نے فرمایا ہے دنیا مؤمن کی جیل ہے اور کافر کی جنت مگر یہاں تم جنت میں ہو اور میں جیل میں،انہوں نے فورًا جواب دیا کہ تو آخرت کی مصیبتوں کو دیکھ کر دنیا کی ان تکالیف کو جنت سمجھے گا اور ہم راحتوں کو دیکھ کر یہاں کی عیش کو جیل سمجھتے ہیں اور سمجھیں گے،نیز ہم ان عیشوں میں دل نہیں لگاتے،جیل اگرچہ اے کلاس ہو مگر جیل ہے اور تم یہاں سے جانا نہیں چاہتے،ہمارے نبی کی حدیث بالکل صحیح ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام السائب کے پاس تشریف لائے

تو فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا کہ کانپ رہی ہو،بولیں بخار ہے اس کا ستیاناس ہو فرمایا بخار کو برا نہ کہو وہ تو انسان کی خطائیں ایسے دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو ا(مسلم)

ااور بیماریاں ایک یا دوعضو کو ہوتی ہیں مگر بخار سر سے پاؤں تک ہر رگ میں اثر کرتا ہے،لہذا یہ سارے جسم کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرائے گا۔امام سیوطی نے ایک کتاب لکھی **کشف الغمہ فی اخبار الحمی**،اس میں بروایت حسن مرفوعًا نقل کیا کہ ایک رات کا بخار تمام خطائیں معاف کرادیتا ہے،حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ مؤمن کا ایک رات کا بخار ایک سال کا کفارہ ہے،حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ بخار جہنم کی بھٹی ہے اللہ تعالٰی اس کی وجہ سے مؤمن کو جہنم سے بچاتاہے،حضرت ابی ابن کعب نے دعا مانگی تھی کہ خدایا مجھے ایسا بخار نصیب کر جو تیری راہ میں چلنے،تیرے گھر آنے اور تیرے نبی کی مسجد تک پہنچنے سے نہ روکے۔چنانچہ آپ کو ہمیشہ ہلکا بخار رہتا تھا اور اسی حال میں مسجد وغیرہ جایاکرتے تھے۔(مرقاۃ)امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمدرضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں کہ **الحمدللہ** مجھے بھی ہمیشہ ہلکا بخار رہتا ہےمگر اس حالت میں اعلیٰ حضرت نے دین کی وہ خدمتیں کیں کہ **سبحان اللہ!**

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ بیمار یا مسافر ہوتا ہے تو اس کے وہی عمل لکھے جاتے ہیں جو وہ تندرستی اور گھر میں کرتا تھا ا(بخاری)

ایعنی اگر بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ تہجد وغیرہ نوافل نہ پڑھ سکے یا جماعت میں حاضر نہ ہوسکے تو اس کو ان کا ثواب مل جائے گا بشرطیکہ تندرستی میں ان چیزوں کاپابند ہو۔حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیماری یا سفرمیں فرائض معاف ہوجاتے ہیں وہ تو ادا کرنے ہی پڑیں گے اور اگر وہ رہ گئے ہوں تو ان کی قضاء واجب ہوگی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طاعون ہر مسلمان کی شہادت ہے ا(مسلم،بخاری)

اطاعون **طعن** سے بنا،بمعنی نیزہ مارنا،چونکہ اس بیماری میں مریض کو پھوڑے یا زخم سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسے کوئی نیزے ماررہا ہے،سُوئیاں چبھورہا ہےاس لیے اسے طاعون کہا جاتاہے۔یہ مشہور وبائی بیماری ہے۔(لمعات)چونکہ در حقیقت اس مرض میں بیمار کو جنات نیزے مارتے ہیں اس لیے اس میں شہادت کا ثواب ہے۔احمد نے حضرت ابوموسیٰ سے مرفوعًا روایت کیا کہ میری امت کی فنا طعن اور طاعون سے ہوگی۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید پانچ ہیں اطاعون والا،پیٹ

کی بیماری والا،ڈوبا ہوا،دب کر مرنے والا اور اللہ کی راہ
کا شہید۔(مسلم،بخاری)

۱؎شہید کے معنی ہیں گواہ یا حاضر،چونکہ قیامت میں شہید سرکاری گواہ ہوگا،نیز وہ اپنے خون سے توحید و رسالت کی گواہی دیتاہے اور یہ مرتے ہی بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتا ہے اور اس کی جان کنی پر رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں،ان وجوہ سے اسے شہید کہتے ہیں۔شہید حقیقی وہ ہے جو ظلمًا قتل ہو۔اور شہید حکمی وہ جنہیں شہادت کا ثواب دے دیا جائے،شہید حکمی قریبًا ۸۰ ہیں جس میں سے یہاں پانچ کا ذکرہے:جو طاعون کی بیماری میں صابر ہوکرمرے وہ شہیدہے،جوپیٹ کی بیماری دست وغیرہ میں مرے،اتفاقیہ ڈوب جائے،اونچے سے گر جائے یا عمارت میں دب جائے یہ سب حکمی شہید ہیں۔دیدہ دانستہ دریا میں ڈوبنے والے یا اوپر سے کودنے والے حرام موت مریں گے شہید نہ ہوں گے،اس جگہ مرقاۃ نے شہادت کی بہت سی قسمیں بیان فرمائیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ وہ ایک عذاب ہے اللہ جس پر چاہے بھیجے ۱؎ البتہ رب نے اسے مسلمانوں کے لئے رحمت بنادیا ایسا کوئی نہیں کہ جس کے شہر میں طاعون پھیلے وہ وہاں صبر کرکے اجر کے لئے ٹھہرے یہ جانتے ہوئے کہ اسے وہی پہنچے گا جو اللہ نے اس کے لیئے لکھا مگر اسے شہید کا سا ثواب ہوگا ۲؎(بخاری)

۱؎یعنی طاعون کفار پر عذاب ہے جو کافر اس میں مرے گا وہ عذاب کی موت مرے گا۔

۲؎یعنی یہ صابر خواہ طاعون میں فوت ہوجائے یا نہیں جب بھی مرے گااسے درجۂ شہادت ملے گا،گویا طاعون میں صبر شہادت کے اجر کا باعث ہے جیسے کہ روایات میں ہے کہ جو تاجر باہر سے غلہ لاکر فروخت کیا کرے تاکہ شہر کا قحط دور ہوجب مرے گا جیسے مرے گا شہید ہوگا،یونہی طالب علم اور مؤذن۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون ایک عذاب تھا جو بنی اسرائیل کے ایک ٹولہ پر یا تم سے پہلے والوں پر بھیجا گیا ۱؎ تو جب تم اسے کسی زمین میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اورجب وہاں پھیل جائے جہاں تم ہوتووہاں سے نہ بھاگو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ وہی بنی اسرائیل تھے جن سے کہا گیا تھا کہ تم توبہ کے لیے بیت المقدس میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ تو وہ گھسٹتے ہوئے گئے تھے،انہیں پر طاعون بھیجا گیا جس سے ایک ساعت میں چوبیس ہزار ہلاک ہوگئے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ"۔اس سے معلوم ہوا کہ محبوبوں کے شہروں کی بے ادبی کرنے پر عذاب الٰہی آجاتا ہے۔

۲؎ کیونکہ یہ ایک بلاء ہے اور بلاء میں خود جانا نہیں چاہیے اور جب آجائے تو گھبرانا نہیں چاہیے۔خیال رہے کہ بلاء سے فرار نہیں بچاتا بلکہ استغفار بچاتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی طاعون کی جگہ سے کسی ضرورت کے لیے باہر جائے مضائقہ نہیں،بھاگنے کی نیت سے نکلنا گناہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رب تعالٰی فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں یعنی آنکھوں میں مبتلا کر دوں۱؎ پھر وہ صبر کر جائے تو میں انکے عوض اسے جنت دوں گا۔(بخاری)

۱؎ اس طرح کہ اسے اندھا کردوں یا اس کی بینائی ایک دم کمزور کردوں،بعض روایتوں میں ایک آنکھ کا بھی ذکر ہے،ایسے شخص کو چاہیے کہ اس مصیبت پر ان انبیاء،اولیاء کے حالات میں غور کرے جونابینا ہوکر صابروشاکر تھے،سیدنا عبداللہ ابن عباس آخری عمر میں نابینا ہوگئے تو یہ پڑھا کرتے تھے۔شعر

اِنْ یَّذْھَبَ اللہُ مِنْ عَیْنِیْ نُوْرَھُمَا　　　فَفِیْ لِسَانِیْ وَقَلْبِیْ لِلْھُدٰی نُوْرٌ

یعنی اگر میری آنکھ کی روشنی جاتی رہی تو کیا ہوا،میری زبان اور دل میں تو ہدآیت کا نور ہے۔

الفصل الثاني
دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کسی مسلمان کی صبح کے وقت بیمار پرسی کرے مگر ستر ہزار فرشتے اسے شام تک دعائیں دیتے ہیں اور اگر شام کو بیمار پرسی کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے دعائیں دیتے ہیں اور اس کے لیئے جنت میں باغ ہوگا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ صبح سے لے کر دوپہر تک کو غدوۃ کہا جاتا ہے اور زوال سے شروع رات تک عشاء۔خریف چنے ہوئے پھلوں کو بھی کہتے ہیں اور باغ کو بھی،یہاں دوسرے معنے مراد ہیں یعنی بیمار پرسی معمولی سی نیکی معلوم ہوتی ہے مگر یہ لاتعداد فرشتوں کی دعا ملنے کا ذریعہ ہے اور جنت ملنے کا سبب بشرطیکہ صرف رضائے الٰہی کے لیے ہو۔

روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ کے درد میں بیمار پرسی کی ۱؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ معمولی بیماری میں بھی بیمار پرسی کرنا سنت ہے جیسے آنکھ یا کان یا ڈاڑھ کا درد کہ یہ اگرچہ خطرناک نہیں مگر بیماری تو ہیں۔جن فقہاء نے فرمایا کہ ان بیماریوں میں عیادت سنت نہیں ان کا مطلب ہے سنت مؤکدہ نہیں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ جس بیماری کی وجہ سے بیمار باہر چل پھر نہ سکے اس میں عیادت کرے۔

۲؎ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے،بیہقی وطبرانی میں جو ہے کہ پھنسی،آنکھ و ڈاڑھ کے درد میں عیادت نہیں وہ حدیث مرفوع صحیح نہیں بلکہ ابن کثیر کا قول ہے جیساکہ بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اچھی طرح وضوکرے اورطلب ثواب کے لیئے اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرے ۱؎ تو ستر سال کے فاصلہ پر دوزخ سے دور رکھا جائے گا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی باوضو بیمار پرسی کی جائے کیونکہ عیادت لفظًا ومعنًی عبادت ہے اورعبادت باوضو بہترہے،نیز عیادت میں دعا اور مریض پر کچھ پڑھ کر دم کرنا ہوتا ہے اورباوضو دعا و دم بہتر ہے،بعض لوگ باوضو قربانی فاتحہ وایصال ثواب کراتے ہیں بلکہ گیارھویں شریف کا کھاناباوضو پکاتے اورکھاتے ہیں،یہ حدیث ان کی اصل ہے۔

۲؎ یعنی عیادت کی برکت سے وہ دوزخ سے اتنا دور رہے گا کہ اگر وہاں سے چلے تو ستر سال میں دوزخ کے کنارے پہنچے۔خیال رہے کہ خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں جیسے ربیع موسم بہار کو کہا جاتاہے مگر یہاں اس سے سال مراد ہے،جزء بول کر کل مراد لیا،سنہ ہجری خلافت فاروقی سے شروع ہوا،پہلے کسی واقعہ سے سالوں کاحساب لگاتے تھے جیسے فیل کا سال،فتح کا سال وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرے تو سات بار کہہ دے ۱؎ کہ میں عظمت والے اورعرش عظیم کے رب یعنی اللہ سے دعاکرتا ہوں کہ تجھے شفا دے مگر اسے شفا ہوگی لیکن یہ کہ اس کی موت ہی آگئی ہو ۲؎(ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ اکثر دعاؤں میں آخری تعداد تین بار ہوتی ہے،یہاں سات بار ہے تاکہ بیمار کے ساتویں اعضاء سے بیماری دور ہو،نیز بیماری کا دفیعہ اہم ہے اس لیے تعداد بجائے تین کے سات کردی گئی۔(لمعات)

۲؎ یہ حکم تغلیبی ہے یعنی اکثر شفا ہوگی یا مطلب یہ ہے کہ اگر اس عمل کے تمام شرائط جمع ہوں تو بفضلہٖ تعالٰی ضرور شفا ہوگی۔اگر کبھی شفاء نہ ہو تو سمجھو کہ ہماری طرف سے کوئی کوتاہی ہے،اللہ رسول سچے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ موت کا علاج نہیں۔مرقاۃ میں ہے کہ اگر قریب المرگ پر یہ دعا پڑھی جائے تو ان شاءاللہ اس کی جان کنی آسان ہوگی اورایمان پرخاتمہ نصیب ہوگا۔غرضکہ دعارائیگاں نہ جائے گی،شفائے ظاہر نہ ہو تو شفائے باطن ہوگی۔

روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بخار اور تمام دردوں کی یہ دعا سکھاتے تھے کہ کہیں کبریائی والے اللہ کے نام سے میں ہر خون سے بھری رگ اور آگ کی تپش کی شرارت سے عظمت والے رب کی پناہ مانگتا ہوں ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے،صرف ابراہیم ابن اسمٰعیل کی حدیث سے پہچانی گئی ہے اور وہ حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں ۲؎

۱؎ چونکہ بخار میں آگ کی سی تپش ہوتی ہے اور اکثر درد رگ کے جوش اورخون کے دباؤ سے ہوتے،اس لیے خصوصیت سے ان دونوں کی شر سے پناہ مانگی،یہاں شر سے مراد تکلیف ہے،راحت کا مقابل،یہ شر خیر کے مقابل نہیں،مؤمن کی بیماری بفضلہٖ تعالٰی خیر ہوتی ہے،یعنی باعث ثواب لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

۲؎ چنانچہ امام قرطبی نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہیں مگر حاکم وبیہقی نے یہ حدیث بروایت صحیح نقل کی۔بہرحال ترمذی کو ضعیف ہوکر ملی مگر ان محدثین کو صحیح ملی،اگر ضعیف بھی ہوتی تو فضائل اعمال میں قبول تھی۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں جو کچھ بیمار ہو یا اس کا بھائی بیماری کی شکایت کرے تو کہے ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے ۱؎ تیرا نام پاک ہے تیرا حکم آسمان وزمین میں ہے جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے یوں ہی اپنی رحمت زمین میں کر ۲؎ ہمارے گناہ و خطائیں بخش دے تو پاکوں کا رب ہے ۳؎ ہم پر اپنی رحمتوں سے کوئی رحمت اتار اور اپنی شفا میں سے شفا اس درد پر اتار تو وہ اچھا ہوجائے گا۔(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اللہ کی بادشاہت وحکومت آسمان میں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی آسمان یا زمین میں ہونے سے پاک ہے۔آسمان وہ جگہ ہے جہاں کسی کی ظاہری حکومت بھی نہیں،نیز وہاں سارے معصوم ہی رہتے ہیں اسی لیے اکثر رب تعالٰی کو آسمان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی صدقہ ان فرشتوں کا جنہیں تونے بیماری،آزاری سے محفوظ رکھا ہے،اس بیمار کو شفاء دے۔اس سے معلوم ہوا کہ نیک مخلوق کے حوالے سے دعاکرنا سنت سے ثابت ہے۔

۳؎ اللہ کی ربوبیت عامّہ ساری مخلوق کے لیے ہے مگر ربوبیت خاصّہ صرف پاک لوگوں کے لیے یعنی جسمانی روزی سب کو دیتا ہے،کھانا پینا وغیرہ،روحانی روزی،مغفرت،عرفان و ایمان صرف پاکوں کو،یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا حال ہے کہ آپ رَحۡمَةً لِلعٰلَمِینَ بھی ہیں اور بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ الرَّحِیۡم بھی لہٰذا حدیث واضح ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص کسی بیمار کی عیادت کو جائے تو یوں کہے الٰہی اپنے بندے کو شفادے وہ تیری راہ میں تیرے دشمن کو زخمی کرے گا یا کسی جنازے میں جائیگا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اے مولیٰ اگر تو نے اسے شفاء دے دی تو ممکن ہے کہ کبھی تلوار یا قلم یا زبان سے کفار کا جسم یا دل زخمی کرے یا کبھی مسلمان بھائی کو ادنیٰ نفع پہنچادے کہ بعدموت اس کے جنازے میں شرکت کرے۔معلوم ہوا کہ آئندہ یا گذشتہ نیک اعمال کی برکت سے دعاکرنا سنت ہے اور جب اللہ کسی بیمار کو شفاء دے تو اس کے شکریہ میں نیکیاں کرے اور کفار کو جنگ میں ایذا دینا ایسا ہی ثواب ہے جیسا مسلمان کو راحت پہنچانا۔

روایت ہے حضرت علی بن زید سے وہ امیہ سے راوی ۱؎ کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے رب کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا کہ خواہ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا اور اس کے فرمان کے بارے میں جو کوئی گناہ کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا ۲؎ آپ بولیں کہ جب سے میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مجھ سے یہ کسی نے نہ پوچھا ۳؎ حضور نے فرمایاکہ یہ اللہ کا بندوں پر عتاب ہے کہ جو اسے بخار یا مصیبت پہنچ جاتی ہے حتی کہ جو مال اپنی قمیص کی آستین میں رکھے پھر اسے گم پائے تو اس سے گھبرا جائے یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے پیلا سونا بھٹی سے نکل کر ۴؎(ترمذی)

۱؎ آپ کا نام علی ابن زید عبدالرحمٰن ابن جدعان ہے،قریشی ہیں،تیمی ہیں،تابعین بصرہ سے ہیں،امیہ تابعین میں سے ایک بی بی ہیں جو حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں،علی ابن زید کی دادی ہیں جنہوں نے علی کی ماں کہا مجازًا کہا۔

۲؎سوال کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیات بظاہر معافی کی آیات کے بھی خلاف ہیں اور اس کے بھی کہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا،جب ہر خطا کی سزا ہے اور دل کے خیال تک کاحساب ہے تومعافی کیسی۔

۳؎یعنی تمہاراسوال بہت ہی اچھاہے اور تم سے پہلے کسی کو یہ سوال نہ سوجھااچھا ہواتم نے پوچھ لیاورنہ آیت کی تفسیر میرے ساتھ ہی جاتی۔

۴؎خلاصۂ جواب یہ ہے کہ تم سمجھی ہو ہر ظاہروباطن خطاء کا عذاب قیامت میں ہوگااورکسی خطا کی معافی نہ ہوگی یہ صحیح نہیں بلکہ دنیا میں مؤمن کومعمولی سی تکلیف پہنچ جاتی ہے وہ اس کی خطاء کا عوض بن جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کاحساب و عتاب یہاں ہی پورا کردیتا ہے لہذا آیات معافی میں آخرت کی معافی مراد ہے اور عذاب کی نفی ہے اور یہاں دنیا کی تکالیف مراد اور عتاب کا ثبوت ہے لہذا آیات میں تعارض نہیں۔خیال رہے کہ عذاب دشمن کو دیا جاتا ہے اورعتاب دوست پر ہوتا ہے جو غلطی سے جرم کر بیٹھے،نیز یہاں گناہوں سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں،ورنہ شرعی حقوق،یوں ہی بندوں کے حقوق بیماری وغیرہ سے معاف نہیں ہوتے۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ مقروض یا بے نماز جب کبھی بیماری سے اٹھے تو گزشتہ قرضے بھی معاف ہوگئےاور نہ پڑھی ہوئی نمازیں بھی،لہذا منکرین حدیث چکڑالوی اس پر اعتراض نہیں کرسکتے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کومصیبت یا اس سے کم و بیش تکلیف گناہ کے بغیر نہیں پہنچتی ا؎اورجوکچھ رب معاف کردیتا ہے وہ بہت ہے اور آیت یہ تلاوت کی جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے تھی رب تو بہت معافی دیتاہے ۲؎(ترمذی)

ا؎یہاں بندوں سے مرادہم جیسے گنہگار بندے ہیں کہ ہم کو جوتکلیف پہنچتی ہے وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہے،اس قاعدے سے بے گناہ بچے،انبیاءاوربعض محفوظ اولیاء علیحدہ ہیں جنہوں نےکبھی گناہ کیا ہی نہیں اور تکلیف و بیماری انہیں بھی آتی ہے،ان بزرگوں کے متعلق گزشتہ احادیث تھیں کہ ان لوگوں کے درجے بڑھانے کے لیے بیماریاں آتی ہیں،لہذا نہ تو یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف ہے اور نہ اس سے آریوں کا آواگون کا مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے پچھلی جون گناہ کئے تھےجس کی سزا اب مل رہی ہے اور نہ یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف ہے۔اگر نبی بے گناہ ہوتے تو انہیں بیماری و مصیبت کیوں آتی۔غرضکہ اس حدیث کو نہ سمجھ کر بے دینوں نے بہت سے غلط مسائل اس سے نکال لیئے،بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت"وَمَاۤ اَصٰبَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ"میں ایک خاص مصیبت مراد ہے یعنی غزوہ احد میں جوتمہیں مصیبت اور شکست پہنچی وہ تمہاری اپنی غلطی سے تھی کہ تم نے درہ خالی چھوڑ دیا جس سے کفار لوٹ کر تم پر ٹوٹ پڑے۔اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے۔

۲؎یعنی رب تعالٰی تمہاری بہت خطاؤں سے درگزر فرمادیتاہے،بعض پر معمولی پکڑ کرتا ہے وہ بھی تمہیں آگاہ کرنے اور آئندہ احتیاط رکھنے کے لیے،اس پکڑ میں بھی اس کا کرم ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ عبادت کے اچھے رستہ پر ہوتا ہے ۱؎ پھر بیمار ہوجاتا ہے تو اس پر مقرر شدہ فرشتہ سے کہاجاتاہے تو اس کے تندرستی کے زمانہ کے برابر اعمال لکھ یہاں تک کہ میں اسے شفادے دوں یا اپنے پاس بلالوں ۲؎

۱؎ یعنی تندرستی میں عبادت کرتا ہے رب سے غافل نہیں ہوتا پھر بیمار پڑ جاتا ہے۔

۲؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ اس عبادت سے مراد نفلی عبادت،مسجد میں حاضری وغیرہ ہے کہ اگر بندہ بیماری میں یہ نہ کرسکے تو اسے برابر ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر بندہ سخت بیماری یا غشی کی وجہ سے فرض نماز نہ پڑھ سکا پھر بغیر صحت ہوئے اسی حالت میں اسے موت آگئی تو ان شاءاللّٰه پکڑ نہ ہوگی۔اس کی تحقیق کتب فقہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتہ سے کہاجاتا ہے کہ تو اس کی وہی نیکیاں لکھ جو یہ پہلے کرتا تھا ۱؎ پھر اگر رب اسے شفا دیتا ہے تو اسے دھو دیتا ہے اورپاک کردیتا ہے اور اگر اسے وفات دیتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے اور رحم کرتا ہے ۲؎ یہ دونوں حدیثیں شرح سنہ میں ہیں۔

۱؎ سبحان اللّٰه! کیسا مبارک فرمان ہے کہ بیمار کو تندرستی کی نیکیوں کا ثواب ملتا رہتا ہے مگر تندرستی کے گناہوں کا عذاب نہیں ہوتا،یعنی اگر چور بدمعاش بیماری کی وجہ سے چوری،بدمعاشی نہ کرسکے تو اس کے نامۂ اعمال میں چوری وغیرہ لکھی نہ جائے گی،بلکہ ممکن ہے کہ توبہ کی توفیق مل جائے جس سے ان گناہوں کی معافی ہوجائے اس لیے یہاں صالح عمل ارشاد ہوا یہ سب اس لیے ہے کہ ہم اس کے حبیب کی امت ہیں۔

۲؎ یہ جملہ فقیر کی گزشتہ شرح کی تائید کررہا ہے کہ مؤمن کی بیماری میں گناہوں کی تو بخشش ہوجاتی ہے مگر بدستور نیکیاں لکھی جاتی رہتی ہیں،گویا بیماری روحانی غسل ہے یا میلے دل کا صابن۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عتیک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں مارے جانے کے سوا سات شہادتیں اور بھی ہیں ۱؎ طاعون والا شہید ہے،ڈوبا ہوا شہید ہے،ذات الجنب کی بیماری والا شہید ہے،پیٹ کی بیماری والا شہید ہے ۲؎ آگ والا شہید ہے،دب کر مرنے والا شہید ہے،عورت ولادت میں مرجائے تو

شہید ہے ۳؎ (مالک،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ جن میں شہادت فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے جنہیں شہادت حکمی کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا حشر شہداء کے ساتھ ہوگا مگر ان شہادتوں پر کچھ شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔

۲؎ یعنی جو طاعون میں صابر ہوکر مرے اور پیٹ کے درد یا دست یا استسقاءوغیرہ بیماری سے مرے یا ذات الجنب کی بیماری سے مرے جس میں پسلیوں پر پھنسیاں نمودار ہوتی ہیں،پسلیوں میں درداوربخار ہوتا ہے،اکثر کھانسی بھی اٹھتی ہے یہ سب لوگ حکمًا شہید ہیں،یہ رب کی رحمت ہے کہ ان لوگوں کو درجۂ شہادت عطا فرماتا ہے۔

۳؎ اس طرح کہ حاملہ فوت ہوجائے یا ولادت کی حالت میں میلا نہ نکلنے کی وجہ سے مرے یا ولادت کے بعد چالیس دن کے اندر فوت ہو بہرحال وہ حکمًا شہید ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے مرادکنواری عورت ہے جو بغیر شادی فوت ہوجائے۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سخت مصیبت والے کون ہیں فرمایا انبیاء پھر ترتیب وار افضل لوگ ۱؎ انسان اپنی دینداری کے مطابق مبتلا ہوتا ہے اگر اس کے دین میں سختی ہے تو اس کی بلائیں بھی سخت ہوں گی ۲؎ اور اگر اس کے دین میں نرمی ہے تو اس پر آسانی کی جائے گی ایسا ہی ہوتا رہے گا حتی کہ وہ زمین پر بے گناہ ہوکر چلے گا۔(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ بزرگوں کی سخت آزمائش کی چند وجوہ ہیں:ایک یہ کہ انہیں آزمائشوں میں ایسی لذت آتی ہے جیسی دوسروں کو نعمتوں میں۔دوسرے یہ کہ ان کی یہ تکالیف ان کی بندگی کی دلیل ہیں اگر وہ بیمار نہ ہوں تو معتقدین انہیں خدا سمجھ لیں۔قبطیوں نے فرعون کو خدا سمجھاکیونکہ وہ کبھی بیمار نہ پڑا۔تیسرے یہ کہ ان کی مصیبتوں کی وجہ سے دوسرے پر مصیبت آسان ہوجاتی ہے،کربلا کے واقعہ سے لوگوں کو بہت صبروسکون نصیب ہوتاہے۔

۲؎ کیونکہ بڑے طالب علموں کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے اور بعد امتحان انہیں عہدہ بھی بڑا ملتا ہے اور چھوٹے طالب علموں کا امتحان چھوٹا۔شعر

بڑوں کو دکھ بہت ہے اور چھوٹوں سے دکھ دور   تارے سب نیارے رہیں گہن چاند اور سور

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت دیکھنے کے بعد کسی کی آسان موت پر رشک نہیں کرتی ۱؎ (ترمذی،نسائی)

۱؎دوسرے کی بھلائی اپنے لیے بھی چاہنا غبطہ یا رشک کہلاتا ہے اورکسی کی نعمت پر جلنا اور اس کا زوال چاہنا حسد یا جلن کہا جاتا ہے،رشک کبھی اچھا ہوتا ہے کبھی برامگر حسد ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے میں کسی کی جانکنی آسان دیکھتی تو رشک کرتی اور چاہتی تھی کہ میری موت بھی ایسی ہی آسان ہو۔سمجھتی تھی کہ آسان نزع مرنے والے کی نیکی ومقبولیت کی علامت ہے مگر جب حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی شدت نزع دیکھی تو یہ خیال ورشک دونوں جاتے رہے،سمجھ گئی کہ سختی جانکنی اچھی چیز ہے بری نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی حالت میں دیکھا آپ کے پاس پانی کا پیالہ تھا آپ پیالے میں ہاتھ ڈالتے پھر چہرۂ انور پر پھیر لیتے ۱؎اورعرض کرتے الٰہی موت کی سختیوں یا دشواریوں پر میری مدد فرما ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎غشی یا تپش دورکرنے کے لیے یہ عمل فرماتے تھے کیونکہ بوقتِ موت بہت گرمی محسوس ہوتی ہےاسی لیے اکثر اس وقت میت کو پسینہ آجاتا ہے اور پیاس کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے اس وقت منہ میں پانی ٹپکانے کا حکم ہے اگرچہ سردی کا موسم ہو۔

۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ منکرات سے مراد وسوسے اور برے خیالات ہیں جن سے میت کا دھیان رب سے ہٹ جائے اورسکرات سکرۃ کی جمع ہے،بمعنی غشی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی"۔یہاں وہ تکلیف مراد ہے جوعقل زائل کردے یعنی سخت تکلیف اور یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے ہے کہ اس وقت یہ دعا کیا کریں۔مطلب یہ ہے کہ مجھے ان تکالیف کو برداشت کرنے کی طاقت دے یا انہیں کم فرمادے،یہاں شیخ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الٰہیہ کے متولی اورمنتظم ہیں،کون و مکان کے سارے احکام آپ کو سپرد ہیں،تمام جہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ حکومت میں ہے،ایسی ذمہ دارہستی جب احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جائے تو اسے ہیبت زیادہ ہوتی ہے،اس وقت حضورصلی اللہ علیہ وسلم پر ہیبت الٰہیہ کا غلبہ تھا،اس کی کیفیت تھی۔(اشعۃ اللمعات)اسی شدت کی اور بہت وجہ بیان کی گئی ہیں،مگر حق یہ ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہمارے عقل وقیاس سے وراء ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالٰی کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے فوری طور پر دنیا میں سزائیں دے دیتا ہے اور جب کسی بندے کی برائی چاہتا ہے تواس کی سزا مع گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے حتی کہ اسے قیامت کے دن پوری پوری دے گا ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی گناہوں پر دنیا میں پکڑ ہو جانا اللہ کی رحمت کی علامت ہے اور باوجود سرکشی وزیادتی گناہ کے ہر طرح کا عیش ملنا غضب الٰہی کی نشانی ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ تمام گناہوں کی سزا آخرت میں دی جائے۔(اللہ کی پناہ)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑا ثواب بڑی بلاء کے ساتھ ملتا ہے ۱؎اللہ تعالٰی جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں مبتلا کردیتا ہے جو راضی ہوتا ہے اس کے لیئے رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے اس کے لیئے ناراضی ہے۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎مقصد یہ ہے کہ کسی مؤمن صالح کو بلاؤں میں گرفتار دیکھ کر یہ نہ سمجھ لو کہ یہ بڑا آدمی ہے،نیکوں پر بڑی مصیبتیں بڑے درجات ملنے کا ذریعہ ہیں۔حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کافروبدکار پر بڑی بلا آجائے تو اس کا درجہ بڑا ہوگیا،یہ سب کچھ مؤمن کے لیے ہے،مُردے کو بہترین دوائیں دینا بیکار ہے،جڑ کٹے درخت کی شاخوں کو پانی دینا بے سود،اگر کافر عمر بھر مصیبت میں رہے،جب بھی دوزخی ہے اوراگر مؤمن صالح عمر بھر آرام میں رہے جب بھی جنتی،ہاں تکلیف والے مؤمن کے درجے زیادہ ہوں گے بشرطیکہ صابر اور شاکر رہے۔

۲؎خیال رہے کہ رضا یا ناراضی دل کا کام ہے،لہذا تکلیف میں ہائے وائے کرنا اس کے دفع کی کوشش کرنا یا مریض و مظلوم کا حکیم و حاکم کے پاس جانا ناراضی کی علامت نہیں،ناراضی یہ ہے کہ دل سے سمجھے کہ رب نے مجھ پر ظلم کیا میں اس بلا کا مستحق نہ تھا۔یہاں صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندے کی رضا رب کی رضا کے بعد ہے،پہلے اللہ بندے سے راضی ہوتا ہے تو بندہ رب سے راضی ہوکر اچھے اعمال کی توفیق پاتاہے،پہلے وہ ہمیں یادکرتا ہے تو بعدمیں ہم اسے یادکرتے ہیں،پھر ہماری یاد کے بعد رب ہمیں یادکرتاہے"فَاذْکُرُوۡنِیۡۤ اَذْکُرْکُمْ"یہ کیونکہ بہت باریک ہے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست ایں گداز و سوز و درداز پیک ماست

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن اور مؤمنہ کو اس کی جان و مال و اولاد کی مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں حتی کہ وہ رب سے اس طرح ملتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا ۱؎(ترمذی)مالک نے اس کی مثل،ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎یعنی جیسے نمازی پاک و صاف ہوکر مسجد میں جاتا ہے ایسے ہی مؤمن بلاؤں کے پانی کے ذریعہ گناہوں کی نجاستوں سے صاف ہوکر مسجدِ قدس میں حاضری دے کر نمازِ قرب اداکرتا ہے۔اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ یہ قانون ہم جیسے

گنہگاروں کے لیے ہے انبیاء،اولیاء،چھوٹے بچے اس سے علیحدہ ہیں ان کی مصیبتوں کی اور وجہ ہے،نیز قانون اور ہے قدرت کچھ اور،بہرحال یہ حدیث قابل اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت محمد ابن خالد سلمی سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے ۱؎ راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی بندہ کے لیئے کوئی درجہ رب کی طرف سے مقدر ہوچکا ہوجہاں تک یہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتاتو اللہ اسے اس کے جسم یا مال یا اولاد کی آفت میں مبتلاکردیتا ہے پھر اسے اس پر صبر بھی دیتا ہے حتی کہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو رب کی طرف سے اس کے لیئے مقدر ہوچکا ۲؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ یعنی محمد ابن خالد کے دادا سے جو صحابی ہیں،عرصہ تک صحبت پاک میں رہے،ان کا نام شریف جلاج ابن حکیم ہے۔

۲؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مصیبت پر صبر اللہ کی توفیق سے ملتا ہے نہ کہ اپنی ہمت و جرأت سے اور صبر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔دوسرے یہ کہ درجات اعمال سے ملتے ہیں،بخشش رب کے کرم سے۔علماءفرماتے ہیں کہ جنت کا داخلہ اللہ کے فضل سے ہوگا مگر وہاں کے درجات مؤمن کے اعمال سے،مگر کبھی دوسرے کے عمل بھی کام آجاتے ہیں،صابر مؤمن کی چھوٹی اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہے گی اگرچہ کچھ عمل نہ کرسکی،کیوں؟ماں باپ کے عمل سے،رب فرماتا ہے:"اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ"۔ان شاءاللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں،امام حسین علیہ السلام کے صبر میں ہم گنہگاروں کا حصہ ہے،سخی کے مال میں فقیروں کا حصہ،ان سرکاروں کے اعمال میں ہم بدکاروں کا حصہ،رب فرماتا ہے:"وَفِيْۤ اَمْوٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"۔تیسرے یہ کہ انسانوں کے درجات وغیرہ پہلے سے ہی مقرر ہوچکے ہیں جہاں لامحالہ پہنچتا ہے،قیامت کے دن اس کا ظہور ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شخیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس کے آس پاس ۹۹ بلائیں ہیں ۱؎ اگر ان سب بلاؤں سے بچ گیا تو بڑھاپے میں پڑے گا حتی کہ مرجائے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا کہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ منیّہ لغت میں مقرر چیز کو کہتے ہیں۔اصطلاح میں موت کو منیّہ کہا جاتا ہے کہ اس کا وقت مقرر ہے،پھر بلاؤں اور آفتوں کو منیّہ کہا جانے لگا کہ یہ اسبابِ موت ہیں۔مثل یا تو ماضی ہے،بمعنی قَدَّرَوَخَلَقَ یعنی انسان آفتوں میں

گھرا ہوا پیدا ہوا ہے کیونکہ اس کا نفس امّارہ بہت سرکش ہے،یہ آفتوں سے ٹھکانا پُر رہتا ہے،آرام پاکر دعوٰی خدائی تک کر بیٹھتا ہے یا مثل حصہ رہے،یعنی انسان کی مثل اس کی سی ہے جو ۹۹ آفتوں میں ہر طرف سے گھرا ہو،۹۹سے عدد خاص مراد نہیں بلکہ کثرت بیان فرمانا مقصود ہے۔

۲؎ یعنی انسان کے لیے اسباب موت بے شمار ہیں،ہر گھڑی موت سر پر کھڑی ہے لیکن اگر بحکم پروردگار ان سب سے بچ گیا تو آخر بڑھاپا تو آئے گا ہی جس کے بعد موت یقینی ہے،لہذا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تقدیر میں تو آفتیں تھیں مگر انسان اپنے کمال سے بچتا رہتا ہے کیونکہ تدبیر سے تقدیر نہیں بدلتی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن جب بلاء والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام والے تمنا کریں گے کہ کاش ان کی کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں ۱؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی تمنا و آرزو کریں گے کہ ہم پر دنیا میں ایسی بیماریاں آئی ہوتیں جن میں آپریشن کے ذریعہ ہماری کھالیں کاٹی جاتیں تاکہ ہم کو بھی وہ ثواب آج ملتا جو دوسرے بیماروں اور آفت زدوں کو مل رہا ہے۔

روایت ہے حضرت عامر رام ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ مؤمن کو جب بیماری پہنچتی ہے پھر اللہ اسے آرام دے دیتا ہے تو یہ گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آیندہ کے لیئے نصیحت ۲؎ اور منافق جب بیمار ہوتا ہے پھر آرام دیا جاتا ہے تو اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جسے اس کے مالکوں نے باندھ دیا پھر کھول دیا وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا ۳؎ تو ایک شخص بولا یارسول اللہ بیماریاں کیا ہیں قسم رب کی میں تو کبھی بیمارا ہوا ہی نہیں تو فرمایا ہمارے پاس سے ہٹ جاؤ تم ہم میں سے نہیں ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ صحابی ہیں،نام عامر ہے،تیراندازی کرتے تھے اس لیے رام لقب ہوا،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے بسند مجہول۔

۲؎ کیونکہ مؤمن بیماری میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ بیماری میرے کسی گناہ کی وجہ سے آئی اور شاید یہ آخری بیماری ہو جس کے بعد موت ہی آئے اس لیے اسے شفاء کے ساتھ مغفرت بھی نصیب ہوتی ہے۔

۳؎ بلکہ منافق غافل یہی سمجھتا ہے کہ فلاں وجہ سے میں بیمار ہوا تھا اور فلاں دوا سے مجھے آرام ملا،اسباب میں ایسا پھنسا رہتا ہے کہ مسبّب الاسباب پر نظر ہی نہیں جاتی،نہ توبہ کرتا ہے،نہ اپنے گناہوں میں غور۔

۴؎ یہ شخص منافق تھا جس کا کفر پر مرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا اس لیئے اس سختی سے اسے یہ جواب دیا۔بعض روایات میں ہے کہ اس موقعہ پر یہ بھی فرمایا کہ جو دوزخی کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۔(مرقاۃ)ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا اخلاق ہیں محض بیمار نہ ہونے پر ایسی سختی نہ فرماتے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے لوگوں کے اچھے برے انجام کی خبر دی ہے،حالانکہ یہ علوم خمسہ سے ہیں۔دوسرے یہ کہ کفار پر سختی کرنا ہی اخلاق ہے رب فرماتا ہے:"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"۔سانپ کا سر کچلنا ہی اخلاق حسنہ ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار پر نرمی برتی ہے جن کے ایمان کی امید تھی،آج کل لوگوں نے اخلاق کے معنی غلط سمجھے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو کچھ درازئ حیات کی بات کرکے اس کا غم دور کرو ۱؎ کیونکہ یہ گفتگو تقدیر کو رد نہ کرے گی اور اس کا دل خوش ہوجائیگا ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ نَفِّسُوْا تَنْفِيْس سے بنا،بمعنی تفریح یعنی غم دور کرنا،بیمار کو ڈراؤ نہیں کہ تو بچے گا نہیں مرض بہت سخت ہے بلکہ کہو ان شاءاللہ شفا ہوگی گھبراؤ نہیں،بعض طبیب مریض کے آخر دم تک ہمت بندھانے والی باتیں کرتے ہیں،اسے مایوس نہیں ہونے دیتے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے اس کا نام دھوکا دہی نہیں بلکہ اسے تسکین کہتے ہیں۔مایوس بیمار کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے جس سے وہ اور زیادہ نڈھال ہوکر بہت تکلیف اٹھاتا ہے۔

۲؎ یعنی تمہارے ڈھارس بندھانے سے اس کی ہمت بڑھ جائے گی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ موت کے وقت میت کو وضو،مسواک کرادینا،خوشبو لگادینا مستحب ہے اس سے جانکنی آسان ہوتی ہے بلکہ اگر ممکن ہو تو اس وقت اسے غسل کرادو،عمدہ کپڑے پہنادو،اگر ہوسکے وہ دو۲ رکعت نفل نماز وداع کی نیت سے پڑھے،یہ باتیں حضرت سلمان فارسی،حضرت خبیب اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہراہ سے منقول ہیں کہ انہوں نے بوقت وفات یہ اعمال کیے یہ سب يَطِيْبُ بِنَفْسِهٖ میں داخل ہیں کہ اس سے میت کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت سلیمان ابن صرد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اس کے پیٹ نے مارا تو اسے عذاب قبر نہ ہوگا ۱؎ (احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ اپنی پیٹ کی بیماری سے مرنے والا عذاب قبر سے محفوظ ہے کیونکہ اسے دنیا میں اس مرض کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچ چکی،یہ تکلیف قبر کا دفعیہ بن گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا۱؎ وہ بیمار ہوگیا تو اس کی بیمار پرسی کے لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا اسلام لے آ۲؎ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس تھا۳؎ باپ بولا بیٹا حضور ابوالقاسم کی بات مان لو بچہ اسلام لے آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے واپس ہوئے کہ خدا کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچالیا۴؎(بخاری)

۱؎ اس یہودی بچہ کا نام عبدالمقدوس تھا جو اپنی خوشی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔معلوم ہوا کہ کفار کے بچے اگر بخوشی ہماری صحبت یا خدمت اختیار کریں تو انہیں روکنا نہ چاہیئے،بسا اوقات اس سے انہیں ایمان نصیب ہوجاتا ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ کافر و فاسق کی بیمار پرسی جائز ہے اور بیمار پرسی کے وقت بیمار کے سرہانے بیٹھنا سنت ہے اور کافر بچے کو بھی ایمان کی تلقین کرنا درست ہے اور کافر بچے کا ایمان قبول ہے جب کہ وہ سمجھ دار ہو اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدام کو بھولتے نہیں،مرتے وقت بھی ان کی امداد کرتے ہیں۔اس حدیث سے ہم گنہگاروں کو امید بندھتی ہے کہ ان شاءاللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مرتے وقت نہ بھولیں گے،اس وقت ہماری دستگیری فرمائیں گے۔علماء فرماتے ہیں کہ اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص خدام کو ان کے مرتے وقت کلمہ پڑھانے تشریف لاتے ہیں،ایسے لوگ دیکھے گئے جنہوں نے مرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر حاضرین کو دی خود بستر مرگ پر اٹھ کھڑے ہوئے حاضرین سے کہا تعظیم کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگئے۔

۳؎ یعنی بچہ نے باپ کے خوف سے خود کلمہ نہ پڑھ لیا بلکہ اجازت چاہنے کے لئے اس کی طرف دیکھا،رب کی شان اس نے اجازت دے دی۔

۴؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت رائیگاں نہیں جاتی۔دیکھو اس بچہ نے اس خدمت پاک کی برکت سے مرتے وقت ایمان پالیا۔رب تعالٰی فقیر کی یہ دینی خدمات قبول فرمائے اور اس بچہ کے طفیل سے مجھے بھی مرتے وقت کلمہ نصیب کرے۔آمین!مرتے وقت کا ایمان بھی قبول ہے غرغرہ سے پہلے اور بچے کا ایمان بھی معتبر۔خیال

رہے کہ مشرکین وکفار کے وہ ناسمجھ بچے جنہیں بُرے بھلے کی تمیز نہ ہو اگر اسی حال میں مرجائیں تو جہنمی نہیں کہ رب بغیر قصور کسی کو عذاب نہیں دیتا لیکن باشعور بچے جہنمی ہیں،چونکہ یہ بچہ سمجھدار تھا اگربغیر ایمان مرجاتا تو دوزخ میں جاتا،لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بالکل درست ہے کہ ایمان کی وجہ سے اللہ نے اسے بالکل دوزخ سے بچالیا۔کفار کے بچوں کی پوری بحث ہماری تفسیر "نورالعرفان" میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیمار کی بیمار پرسی کرنے جائے تو آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے تو اچھا،تیرا چلنا اچھا،تو نے جنت میں گھر لے لیا[1](ابن ماجہ)

[1]پکارنے والا فرشتہ ہوتا ہے اور یہ کلام یا دعا ہے یا خبر یعنی خدا کرے تو اورتیرا چلنا اچھا ہو اورتو جنت میں مکان پالے یا تو اچھا ہے اور تو نے گویا جنت میں مکان بنالیا،مگر یہ بشارتیں اس کے لیئے ہیں جو محض رضائے الٰہی کے لیئے بیمار پرسی کرے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضٰی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آئے آپ کی اس بیماری میں جس میں وفات ہوئی لوگوں نے کہا اے ابوالحسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کیسی کی فرمایا الحمدللہ صحت میں صبح کی[1](بخاری)

[1]یعنی آپ کے مرض میں کوئی ہلکا پن نہ تھا مگر جناب علی نے یہ فرمایا۔مطلب یہ ہے کہ خدا کے فضل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب پاک تندرست ہے یا ان شاءاللہ آپ قریب صحت ہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بیمار پرسی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بیمار کا حال آنے والے سے پوچھ لیا جائے۔دوسرے یہ کہ اگر بیمار کا حال خراب بھی ہو تب بھی لفظ اچھے بولے جائیں کہ اس میں فال بھی نیک ہے اور رحمتِ الٰہی کی امید بھی۔

روایت ہے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے[1]فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا میں تمہیں جنتی عورت نہ دکھاؤں میں نے کہا ہاں ضرور فرمایا یہ کالی عورت[2]یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھی اور عرض کیا تھا یارسول اللہ میں مرگی میں گر جاتی ہوں[3]اور کھل جاتی ہوں میرے لیئے اللہ سے دعا کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر جنت تیرے لیئے ہے[4]اگر توچاہے تو میں اللہ سے دعا کردوں

کہ تجھے آرام دے۵ وہ بولی میں صبر کروں گی پھر بولی کہ میں کھل جاتی ہوں اللہ سے یہ دعا کردیں کہ میں کھلا نہ کروں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیئے دعا کی ۶ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ تابعین میں سے جلیل الشان فقیہ وعالم ہیں،امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسا فاضل نہ دیکھا۔سیاہ رنگ تھے،پہلے ایک آنکھ بیکار تھی بعد میں نابینا ہوگئے تھے،پاؤں سے بھی معذور تھے،آپ کے فوت ہونے کے دن امام اوزاعی نے فرمایا کہ آج زمین بہترین مؤمن سے خالی ہوگئی۔(اشعہ)

۲؎ اس مبارک عورت کا نام سعیرہ یا سقیرہ ہے،بی بی خدیجہ کی کنگھی چوٹی کی خدمت انجام دیتی تھیں۔(لمعات ومرقات)

۳؎ یعنی گرکر مجھے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا،دوپٹہ وغیرہ اتر جاتا ہے،خوف کرتی ہوں کہ کبھی بے ہوشی میں ستر نہ کھل جائے۔

۴؎ اس میں اشارۃً معلوم ہوا کہ کبھی بیماری کی دوا اور مصائب میں دعا نہ کرنا ثواب اور صبر میں شامل ہے،اس کا نام خودکشی نہیں،خصوصًا جب پتہ لگ جائے کہ یہ مصیبت رب کی طرف سے امتحان ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں جاتے وقت اور حضرت حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں دفعیہ کی دعا نہ کی،ورنہ عام حالات میں دوا بھی سنت ہے اور دعاء بھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر دعا کی ہے اور صدیق اکبر نے مرض وفات میں دوا بھی۔خیال رہے کہ مرن برت رکھ کر جان دے دینا خودکشی ہے اور مشرکوں کی پیروی کیونکہ کھانا اور پانی دوا نہیں بلکہ زندگی کا مدار ہے۔

۵؎ اگرچہ آرام ہونے پر بھی تو جنتی تو ہوگی کیونکہ تو مؤمنہ اور صحابیہ ہے مگر صبر پر جنت کے اعلیٰ مقام کی مستحق ہوگی اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں جنت کی نفی نہ کی۔

۶؎ چنانچہ اس دعا کے بعد وہ بی بی کبھی مرگی میں کھلی نہیں،رب نے ان پر فرشتہ مقرر کردیا ہوگا جو ان کے پردے کی حفاظت کرے۔

روایت ہے حضرت یحیٰی ابن سعید سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص کو موت آئی تو دوسرا آدمی بولا اسے مبارک ہو کہ بیماری میں مبتلا ہوئے بغیر فوت ہو گیا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے تمہیں کیاخبرکہ اگر اللہ اسے کسی بیماری میں مبتلا کرتا تو اس کے گناہ مٹا دیتا ۲؎ (مالک مرسلًا)

۱؎ یہ قائل سمجھتے تھے کہ بیماریاں رب کی پکڑ ہیں اور تندرست رہنا اس کی رحمت،یہ صاحب اچانک فوت ہوگئے تھے اس لیے بطور مبارک باد یہ عرض کیا،اسی خیال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی کا اظہار کیا۔

۲؎ یعنی مؤمن کی بیماری خصوصًا بیماری موت بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس کی برکت سے اللہ گناہ معاف کرتا ہے،نیز بندہ توبہ وغیرہ کرکے پاک وصاف ہوجاتاہے،لہذا بیمار ہوکر مرنا بہتر،اگرچہ مؤمن کے لیے ہاٹ فیل ہونا بھی رحمت ہے جیساکہ آگے آرہا ہے،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس اور صنابحی سے ۱؎ کہ وہ دونوں ایک مریض کی بیمار پرسی کے لیئے گئے انہوں نے اس سے کہا کہ تم نے صبح کیسی کی وہ بولے اللہ کی نعمت میں صبح کی ۲؎ شداد نے فرمایا گناہوں کے مٹنے اور خطاؤں کے جھڑنے کی خوش خبری لو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جب میں اپنے بندوں میں سے کسی مؤمن بندے کو مبتلا کردوں اور وہ اس مبتلا کرنے پر میری حمد کرے تو وہ اپنے اس بستر سے گناہوں سے یوں پاک اٹھے گا جیسے آج اسے ماں نے جنا ۳؎ رب تعالٰی فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندے کو قید کیا مبتلا کیا تو اس کے لیئے وہ ثواب جاری کرو جو تم اس کے تندرستی میں جاری کرتے تھے ۴؎ (احمد)

۱؎ شداد ابن اوس خود بھی صحابی ہیں اور والد بھی صحابی،حضرت حسان ابن ثابت کے بھتیجے ہیں،انہیں اللہ نے علم وحکمت دونوں عطا فرمائیں اور صنابحی کا نام عبداللہ ہے،قبیلہ مراد کے صنابح ابن زاہر کے خاندان سے ہیں یا تابعی،بعض نے فرمایا کہ عبداللہ صنابحی صحابی ہیں اورابوعبداللہ صنابحی تابعی ہیں،یہاں غالبًا تابعی مراد ہیں

۲؎ سبحان اللہ! کیا پیارا کلمہ ہے یعنی بیمار ہوں مگر رب سے غافل نہیں،مصیبت میں گرفتار ہوں معصیت سے آزاد،اللہ کے پیارے معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہیں،یوسف علیہ السلام نے جیل جانا منظور کیا زلیخا کی بات نہ مانی،رب فرماتا ہے:"قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ"الایہ۔اس میں قیامت تک بیماروں کو تعلیم ہے کہ بیماری میں بجائے ہائے وائے کرنے کے اس قسم کے کلمات کہا کریں،رب کی بھیجی بیماری بھی نعمت ہے۔

۳؎ کیونکہ اس کے لیے کئی کفارے جمع ہوگئے:بیماری،اس میں صبر،پھر رب کا شکر،پھر گزشتہ گناہوں سے توبہ،پھر موت کی تیاری،دنیا سے نفرت،قبر اور وہاں کی وحشت کا خوف،یہ ساری چیزیں گناہوں کے مستقل کفارے ہیں جو **بفضلہٖ تعالٰی** مؤمن بیمار کو حاصل ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں گناہوں کے مٹنے سے مراد صغیرہ گناہوں کی معافی ہے،حقوق

شریعت کے ہوں یا بندوں کے وہ بغیر ادا کئے معاف نہیں ہوتے ہیں۔بیمار کو چاہیے کہ قرض مظالم وغیرہ جلدی ادا کرے کیونکہ بیماری موت کا پیغام ہوتی ہے اگلے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو صاف کرلو۔

۴؎ یعنی جتنی نیکیاں یہ بندہ تندرستی میں کرتا تھا اور اب بیماری میں نہ کرسکا اس کے نامۂ اعمال میں وہ ساری نیکیاں لکھے جاؤ گویا رب کی طرف سے کمزور بندے کی یہ پنشن ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کے گناہ زیادہ ہوجاتے ہیں اور اس کے پاس گناہ مٹانے والا عمل نہیں ہوتا تو اللہ اسے غم میں مبتلاکردیتا ہے تاکہ اس کے گناہ مٹادے۱؎(احمد)

۱؎ غم کی وجہ سے،طبرانی اورحاکم کی روایت میں ہے کہ اللہ غمگیں دل کو پسند کرتاہے اسی لیے صوفیاء فرماتے کہ رنج وغم میں دُرودشریف زیادہ پڑھوکیونکہ اکثر رنج وغم گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں اور دُرود شریف کی برکت سے گناہ مٹتے ہیں،جب گناہ گئے تو ان کا سامان یعنی رنج و غم بھی گیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوکسی مریض کی بیمار پرسی کرے تو وہ رحمت میں غوطے لگاتاہے۱؎ حتی کہ بیٹھ جائے جب بیٹھ جاتا ہے تو رحمت میں ڈوب جاتا ہے۲؎(مالک،احمد)

۱؎ یعنی گھر کے نکلنے سے بیمار کے پاس پہنچنے تک دریائے رحمت میں غوطہ لگاتاجاتاہے۔(اشعہ)

۲؎ کہ اسے رحمت ہرطرف سے گھیرلیتی ہے اور ہر گناہ سے پاک کردیتی ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سےکسی کو بخار آئے۱؎ تو بخار آگ کا ٹکڑا ہےاسے پانی سے بجھائے کہ جاری نہر میں غوطہ لگائے اس کے بہاؤ کی طرف منہ کرے پھر کہے **بسم اللہ** الٰہی اپنے بندے کو شفا دے اور اپنے رسول کو سچا کردے یہ فجر کی نماز کے بعدسورج نکلنے سے پہلے کرے تین دن تک تین غوطے لگایاکرے اگر اس میں تندرست نہ ہو تو پانچ دن اگر اس میں بھی اچھا نہ ہو تو سات دن اگر اس میں بھی اچھا نہ ہو تو نودن بحکم الٰہی یہ بخار نودن سے آگے نہیں بڑھے گا ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یہ خطاب اہلِ عرب کو ہے جنہیں اکثر صفراوی بخار آتے تھے جس میں غسل مفید ہوتا ہے۔ہم لوگ اس پر بغیر حاذق حکیم کے مشورے کے عمل نہ کریں کیونکہ ہمیں اکثر وہ بخار ہوتے ہیں جن میں غسل نقصان دہ ہے اس سے نمونیہ کا خطرہ ہوتا ہے،ہاں کبھی ہم کو بھی بخار میں غسل مفید ہوتا ہے حتی کہ ڈاکٹر مریض کے سر پر برف بندھواتے ہیں۔

۲؎ صفراوی بخار کے لیے یہ عمل اکسیر ہے جس پر کبھی حکیم عمل کرتے ہیں مگر یہ عمل تیز گرمی میں صفراوی بخار میں طبیب کی رائے سے کیا جائے۔مرقات نے فرمایا کہ ایک شخص نے ترجمہ حدیث دیکھ کر اپنے پر اسے آزمایا نمونیہ ہوگیا بمشکل بچا تو وہ حدیث کا ہی منکر ہوگیا حالانکہ اس کی اپنی جہالت تھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بخار کا ذکر ہوا تو اسے ایک شخص نے گالی دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے برا نہ کہو یہ تو گناہوں کو ایسے دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ اس کی شرح گزر چکی کہ دوسری بیماریاں مخصوص اعضاء کے گناہ دور کرتی ہیں مگر بخار سارے جسم کے گناہ کیونکہ یہ رگ رگ میں چڑھتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ رب کی بھیجی بیماروں کو برا کہنا سخت جرم ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض کی عیادت کی تو فرمایا تجھے بشارت ہو کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے بخار میری آگ ہے ۱؎ اسی لئے میں اپنے مؤمن بندے پر دنیامیں اسی لئے مسلط کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کی آگ کا حصہ (بدلہ) ہوجائے ۲؎(احمد،ابن ماجہ،بیہقی،شعب الایمان)

۱؎ رحمت ومہربانی کی آگ،اسی لیے اس آگ کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور اس کے لیے مؤمن کو خاص کیا،جو آگ گناہ جلادے وہ رحمت ہی ہے،عشق ومحبت کی،خوف خدا کی آگ بھی آگ ہے جو ماسوائے اللہ کو پھونک دیتی ہے۔

۲؎ چنانچہ ابن ابی دنیا،ابن جریر،ابن منذر،ابن ابی حاتم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت مجاہد سے آیت کریمہ "وَاِنْ مِّنۡکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا"کی تفسیر یوں ہی نقل کی کہ بخار مؤمن کے لیے جہنم کی آگ کا حصہ ہے،امام حسن سے مرفوعًا نقل ہے کہ ہر آدمی کے نصیب میں آگ کا حصہ ہے مگر مؤمن کی آگ بخار ہے جو کھال جلادیتا ہے اور دل محفوظ رکھتا ہے۔مؤمن سے مراد مؤمن کامل ہے،ورنہ بعض بخار والے مسلمان بھی کچھ روز کے لیے جہنم میں جائیں گے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے مجھے اپنی عزت و جلال
کی قسم جسے بخشنا چاہوں گا تو اسے دنیا سے نہ نکالوں گا
حتی کہ اس کی گردن سے سارے گناہ جسمانی بیماری اور
رزق میں تنگی کے ذریعہ نکال دوں گا ۱(رزین)

۱یعنی اس کے جو گناہ ذمہ میں باقی رہ گئے ہیں جن سے اس نے توبہ نہیں کی نہ کوئی اورکفارہ ادا کیا وہ اس ذریعہ معاف کروں گا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی فقیری امیری سے بہتر ہوتی ہے،حدیث پاک میں ہے کہ فقیر امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے مگر یہ جب ہے کہ مؤمن بیماری اورفقر پر صبر کرے اور اپنے کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

روایت ہے حضرت شقیق سے ۱فرماتے ہیں کہ حضرت
عبداللہ ابن مسعود بیمار ہوئے ہم نے بیمار پرسی کی تو وہ
رونے لگے کسی نے انہیں ملامت کی ۲تو بولے کہ میں
بیماری سے تو نہیں روتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بیماری کفارہ ہے ۳میں تو اس پر
روتا ہوں کہ مجھے بڑھاپے کے ضعف میں بیماری آئی
قوت کے زمانہ میں نہ آئی کیونکہ بندہ جب بیمار پڑتا ہے تو
اس کے اعمال وہ لکھے جاتے ہیں جو وہ بیماری سے پہلے
کرتا تھا جس سے بیماری نے اسے روک دیا ۴(رزین)

۱آپ مشہور تابعی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پالیا مگر دیدار نہ کرسکے،حضرت ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲ملامت کرنے والا سمجھا کہ آپ بیماری سے تنگ آکر رو رہے ہیں یہ بڑوں کی شان کے خلاف ہے۔

۳صغیرہ گناہوں کا،میں تو اسے مبارک جان کر اس کی آمد پر خوش ہوتا ہوں۔

۴چونکہ میں بڑھاپے کی وجہ سے تندرستی میں زیادہ نفلی عبادتیں نہیں کرسکتا اس لیے اب بیماری میں بھی کم نوافل کا ہی ثواب ملے گا۔خیال رہے کہ حضرت ابن مسعود کی عمر ستر سال سے زیادہ ہوئی ۳۲ھ میں وفات ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت نہ کرتے مگر تین دن کے
بعد ۱(ابن ماجہ) بیہقی نے فی شعب الایمان۔

۱کیونکہ تین دن سے پہلے طبیعت خود مرض کو دفع کرتی ہے اسی لیے عام بیماریوں میں پہلے دن ہی علاج نہیں کرتے تین دن بعد شروع کرتے ہیں۔لمعات میں ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے،مرقات میں ہے کہ حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ یہ صرف مسلمہ ابن علی سے مروی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک متروک ہیں،ابوحاتم نے فرمایا

کہ یہ روایت باطل ہے۔حق یہ ہے کہ بیمار پرسی پہلے دن ہی کرنی چاہیے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے"عُوْدُ الْمَرِیْضَ"اس میں مطلقًا عیادت کا ذکر ہے،امام سیوطی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ حضرت انس کی یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر دیگر روایات سے اسے قوت پہنچ گئی ہے،لہذا اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آپ کبھی تیسرے دن بیمار پرسی کرتے تھے اس پہلے لوگوں سے اس بیمار کے حالات پوچھ رہتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ صحابہ تین دن تک اپنا مرض ظاہر ہی نہ کرتے تھے یا یہ مطلب کہ بیمار پرسی میں تین دن تک کی تاخیر جائز ہے اس سے پہلے عیادت کرنا مستحب،یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے اور وہ فرمان استحباب کے لیے یا یہ مطلب ہے کہ معمولی بیماریوں میں تین دن کے بعد بیمار پُرسی کرتے تھے اور سخت میں پہلے دن۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اسے اپنے لیئے دعا کے لیئے کہو کہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ بیمار بیماری کی وجہ سے گناہوں سے صاف ہوچکا ہے،نیز وہ اس حالت میں ہر وقت اللہ ہی اللہ کرتا رہتا ہے لہذا وہ فرشتوں کی طرح ہے،نیز وہ بیماری میں بے قرار بے چین ہے،اللہ تعالٰی بے چینوں کی جلد سنتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوۡٓءَ"۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ یا خود بے چین ہوکر دعا مانگو یا بے چینوں سے دعا کراؤ خواہ بیماری سے بے چین ہوں یا خوف الٰہی سے،یہ حدیث ان کی اصل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ بیمار کے پاس کم بیٹھنا اورکم شور کرنا سنت ہے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کی آوازیں اور اختلاف بڑھ گیا تو فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ ۲؎(رزین)

۱؎ کیونکہ تمہاری وجہ سے اس کی تیمار دارعورتیں پردے میں رہیں گی اور دوسروں سے وہ بے تکلف بات چیت نہ کر سکے گا،نیز تمہارے شور سے اسے تکلیف ہوگی اس لیے اس کے پاس کم بیٹھو یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو محض بیمار پرسی کے لیے جائیں تیمارداری نہ کریں۔

۲؎ واقعہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف سے چار دن پہلے یعنی جمعرات کے دن صحابہ کرام دولت خانہ میں حاضر تھے،فرمایا قلم دوات اور کاغذ لاؤ میں تمہیں کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد بہک نہ سکو،بعض صحابہ سمجھے کہ یہ امر ہے اسکی اطاعت واجب ہے اور بعض نے خیال کیا کہ یہ مشورہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغی احکام سارے پہنچا چکے،امت پر شفقت کے لیے فرمارہے ہیں،مرض کی شدت زیادہ ہے اب آپ کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اس اختلاف رائے کی بناء پر مجموعی آوازیں اونچی ہوگئیں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے چلے

جاؤ۔اس کی پوری تحقیق ان شاءاللہ آگے ہوگی۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرکارحضرت علی مرتضٰی کے لیے خلافت لکھنا چاہتے تھے مگر جناب عمرنے تحریر نہ ہونے دی،نیز صحابہ کرام کی بارگاہ نبوی میں آوازیں اونچی ہوگئیں اس سے نعوذ باللہ وہ مرتد بھی ہوگئے اور ان کے اعمال بھی ضبط ہوگئے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوٰتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ (الایۃ)اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ"مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں پہلی اس لیے کہ خود جناب علی مرتضٰی نے ابوبکر صدیق کی بیعت کرتے وقت سب کے سامنے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق سے راضی تھے کہ میرے ہوتے انہیں امامت کے لیے مصلٰے پر کھڑا کیا،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے دباؤ سے حق نہ چھپایا تو یہاں بعض کے کہنے پر آپ کیسے خاموش رہ سکتے تھے،نیز اس واقعہ کے چار دن بعدوفات شریف ہوئی اس دوران میں تحریر کیوں نہ فرمادی،نیز حضرت حسین نے ناجائز خلیفہ یزید کی بیعت نہ کی سَر دے دیا تو حضرت علی مرتضٰی ناجائز خلیفہ کی بیعت کیسے کرسکتے تھے حالانکہ ابوسفیان نے علی مرتضٰی سے اس وقت عرض کیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ابوبکر کے مقابلے میں آپ کے لیے میں لشکر سے جنگل بھردوں تو جناب علی نے انہیں ڈانٹ دیا۔(ازمرقات وغیرہ)دوسرا اعتراض اس لیے غلط ہے کہ اس کی زد میں حضرت علی وغیرہم بھی آجائیں گے کیونکہ یہ شور تو سب کی گفتگو سے مچا،نیز نہ رب تعالٰی نے ان حضرات پرعتاب فرمایا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز ہونا منع نہیں،صحابہ کرام تلبیہ میں،تکبیر تشریق میں،اذان و اقامت میں اونچی آوازیں کرتے ہی تھے،دوران وعظ میں نعرہ تکبیر لگاتے تھے،بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنا جس سے سرکار کی آواز دب جائے یہ ممنوع ہے،یہاں سب کی آوازیں ہلکی تھیں مگر بہت سی ہلکی آوازیں مل کر شور کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیمار پرسی اونٹنی دوہنے کے وقفے کے بقدر ہے[1]

[1] عرب کے چرواہے اونٹنی دوہنے کے دوران تھوڑا وقفہ کرکے اس کے بچے کو تھنوں پر چھوڑ تے تھے تاکہ اونٹنی باقی دودھ بھی اتار دے اس وقفہ کو فواق کہتے ہیں یہ نہایت ہی معمولی ہوتا تھا،یعنی بیمار کی عیادت میں بہت کم بیٹھو،اس کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی۔

اور سعید ابن مسیب کی مرسل کی روایت میں ہے کہ بہترین عیادت جلد اٹھ جانا ہے[1](شعب الایمان،بیہقی)

[1] یہ تمام اس صورت میں ہے جب بیمار کو اس کے بیٹھنے سے تکلیف ہو،یہاں مرقات نے بہت عجیب حکاتیں بیان کیں،اس میں سے ایک یہ کہ کوئی شخص کسی بیمار کے پاس بہت دیر بیٹھا پھر بولا کہ تمہیں تکلیف کیا ہے بیمار نے کہا تمہارے بیٹھنے کی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کی عیادت کی تو فرمایا تیرا دل کیا چاہتا

ہے وہ بولا گیہوں کی روٹی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس گیہوں کی روٹی ہو وہ اپنے اس بھائی کو بھیج دے ۱؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا بیمار کچھ چاہے تو اسے کھلا دو ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎ اللہ اکبر! صحابہ کرام کے فقرو قناعت میں غورکرو کہ نہ بیمار کے گھر گیہوں کی روٹی ہے نہ خود سرکار کے ہاں اس لیے اعلان کرنا پڑا کہ اگرکسی کے ہاں گیہوں کی روٹی کا ٹکڑا ہو تو ان کے لیے بھیجو اور آج ان کے طفیل ان کے نام لیوا نعمتیں کھارہے ہیں۔شعر

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۲؎ سبحان اللہ! کیا حکیمانہ حکم ہے۔بیمار کا دل جس چیز کی سچی خواہش کرے اسی میں اس کی شفا ہوتی ہے بشرطیکہ خواہش سچی ہو،جھوٹی خواہش نقصان دہ ہے،سچی اورجھوٹی خواہش کا فرق طبیب کرسکتا ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں مایوس بیمار مراد ہے یعنی جب بیمار کی زندگی کی امید نہ رہے تو اسے پرہیز نہ کراؤ جو مانگے دے دو تاکہ دنیا سے ترستا ہوا نہ جائے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک وہ شخص فوت ہوگیا جو وہاں ہی پیدا ہوا تھا ۱؎ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا کاش یہ پیدائش کی زمین کے سوا کہیں اور فوت ہوتا لوگوں نے کہا یارسول اللہ یہ کیوں فرمایا کہ بندہ جب غیر ولادت گاہ میں مرتا ہے تو اس کی ولادت گاہ سے آخری نقش قدم تک ناپ کر جنت سے دیا جاتاہے ۲؎(نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ پیدائش کی قید مدنی اور غیر مدنی میں فرق کرنے کے لیے ہے یعنی مسافرت کی موت وطن کی موت سے افضل ہے،ورنہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ مدینہ منورہ کی موت مکہ معظّمہ میں موت سے بھی افضل ہے۔

۲؎ یعنی اس کی قبر اتنی کشادہ کی جاتی ہے جیسے ولادت گاہ سے موت کی جگہ تک کا فاصلہ اور اس سارے میدان میں جنت کا باغ ہوتاہے یعنی یہاں قبر کا ذکرہے ورنہ جنت میں معمولی جنتی کی ملکیت ساری روئے زمین سے زیادہ ہوگی۔(مرقاۃ ولمعات)یا مطلب یہ ہے کہ اسے جنت میں اس عمل کے عوض ایک مکان اتنا وسیع دیاجائے گا اگرچہ اور بھی زمین اس کی ملک ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر کی موت شہادت

ہے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎صوفیاء فرماتے ہیں کہ سفر دوقسم کا ہے: جسمانی اور جنانی، جیساکہ حدیث پاک میں ارشادہوا کہ تم دنیا میں مسافروں کی طرح رہو۔خلاصہ یہ ہے کہ جو پردیس میں مرا وہ شہید اور جو دیس میں بھی پردیسی کی طرح رہا وہ بھی شہید معلوم ہوا۔(لمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بیمار ہوکر مرا وہ شہید ہوکر مرا اور عذاب قبر سے بچایا گیا اورصبح و شام اس پر جنت کا رزق پیش ہوتا رہے گا ۱؎(ابن ماجہ، بیہقی،شعب الایمان)

۱؎بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں مریض سے پیٹ کا بیمارمراد ہے جیساکہ دوسری روایتوں میں گزرچکا،بعض نے فرمایاکہ اصل میں یہاں **مرابطًا** تھا راوی نے غلطی سے **مریضًا** کہہ دیا یعنی جوتیاریٔ جہادکرتا فوت ہو وہ شہید ہے،بعض نے فرمایا یہاں**غریبًا** تھا۔مگر حق یہ ہے کہ یہاں **مریضًا** ہی ہے اورحدیث اپنےعموم پر ہے،رب دے تو ہم کیوں قید لگائیں۔جومسلمان کسی بیماری میں مرے ان شاءاللہ وہ ان رحمتوں کا مستحق ہوگا،صبح شام کے رزق سے مراد دائمی رزق یعنی اسے ہمیشہ جنت سے روزی ملے گی۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ شہید اور اپنے بستروں پر مرنے والے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ان کے متعلق جھگڑتے ہیں جو طاعون میں فوت ہوئے ۱؎شہید تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بھائی ہیں ہماری طرح یہ بھی قتل ہوئے اور ویسے مرنے والے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بھائی ہیں جو اپنے بستروں پر ہماری طرح فوت ہوئے رب فرماتاہے کہ ان کے زخم دیکھو اگر ان کے زخم مقتولوں کی طرح ہوں تو یہ ان ہی سے ہیں ان ہی کے ساتھ ہیں دیکھاتو ان کے زخم شہدا کے زخموں کے مشابہ ہیں۲؎(احمد،نسائی)

۱؎مؤمن کے مرنے پر اس سے ملاقات کرنے گزشتہ مؤمنین کی روحیں آتی ہیں اورجس قسم کا یہ شخص ہوتا ہے اسی جماعت کے لوگ اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ولی کی روح کو اولیاء،شہید کی روح کو شہداء۔غرضکہ تاقیامت بلکہ بعد قیامت جنت میں بھی ہر روح اپنے ہم جنسوں کے ساتھ رہے گی۔

۲؎طاعون میں بغل یا جنگا سے پرگلٹیاں نکلتی ہیں جو پھوٹ کر زخم بن جاتی ہیں،ان میں ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کوئی برچھیاں ماررہا ہے بلکہ جنات برچھیاں مارتے بھی ہیں اسی لیے اس کو طاعون کہتے ہیں۔بعدموت ان کے یہ زخم

شہداء کے زخموں کی طرح قرار دیئے جائیں گے اور ان لوگوں کو شہیدوں کے ساتھ رکھا جائے گا۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوا کہ موت کے بعد بھی قیاس ہوگا قیاس کے منکر اس سے کہاں تک بچیں گے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا،جہاد سے بھاگنے کی طرح ہے اور طاعون میں صابر کو شہید کا ثواب ہے[1]

(احمد)

[1] یعنی اگر کوئی طاعون سے بھاگتا ہوا طاعون سے مرے تو اسے کوئی ثواب نہیں جیسے بزدل مجاہد بھاگتا ہوا مارا جائے تو اس کو شہید کا ثواب نہیں اور اگر طاعون میں صبر کرنے والا کسی اور بیماری سے بھی مرے تو شہید کا ثواب پائے گا۔

باب تمنی الموت و ذکرہ

باب موت کی آرزو اور اس کا ذکر ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ موت کی آرزو اچھی بھی ہے اور بری بھی،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لیے یا دنیاوی فتنوں سے بچنے کے لیے موت کی تمنا کرنا ہے تو اچھا ہے اور اگر دنیوی تکالیف سے گھبرا کر تمنائے موت کرے تو بُرا۔موت کی یاد بہترین عبادت ہے خصوصًا جب اس کے ساتھ تیاریٔ موت ہو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے نیک کار تو اس لیئے کہ شاید وہ نیکیاں بڑھالے اور بدکار اس لیئے کہ شاید وہ توبہ کرے ۱ (بخاری)	

۱ یعنی مؤمن کی زندگی بہرحال اچھی ہے کیونکہ اعمال اسی میں ہوسکتے ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی نہ موت کی آرزو کرے نہ اس کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے ۱ کیونکہ جب وہ مرجائے گا تو اس کی امیدیں ختم ہوجائیں گی اور مؤمن کی عمر بھلائی ہی بڑھاتی ہے ۲ (مسلم)	

۱ احادیث کی شرح آگے آرہی ہے کہ دنیوی تکالیف سے گھبرا کر موت نہ مانگے کہ اس میں بے صبری ہے اور خدا کی بھیجی مصیبت پر ناراضی،ہاں دینی خطرات کے موقع پر تمنائے موت بھی جائز ہے اور دعائے موت بھی۔

۲ یعنی زندگی کا زمانہ تخم بونے کا زمانہ ہے جو کچھ بوئے گا آگے چل کر کاٹے گا۔بدکار اگر توبہ کرے گا تو اسی زندگی میں،نیک کار نیکیاں بڑھائے گا تو اسی زندگی میں۔خیال رہے کہ بعض مؤمن قبر میں بھی نمازیں پڑھتے ہیں،تلاوتِ قرآن بھی کرتے ہیں مگر ان اعمال پر ثواب نہیں صرف روحانی لذت ہے جیسے فرشتوں کے اعمال پر ثواب نہیں بلکہ ان سے ان کی بقا اور لذت ہے،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں قبر کی عبادتوں کا ذکر ہے اسی لیے مُردوں کو ایصال ثواب کرتے ہیں کہ زندگی کے عمل پر ثواب ملتا ہے جو انہیں بخشا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ	

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی آئی ہوئی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے پھر اگر کرنا ہی پڑ جائے تو یوں کہے الٰہی جب تک میرے لیئے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیئے موت بہتر ہو تو مجھے موت دے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ حدیث گزشتہ احادیث کی شرح ہے کہ بیماری و آزاری سے گھبراکر موت نہ مانگے اورجس طریقہ سے دعا کی اجازت دی گئی ہے نہایت ہی پیارا طریقہ ہے کیونکہ اس خیروشرمیں دین و دنیا کی خیروشرشامل ہے گویا موت کی تمنا کہہ بھی لی مگر قاعدے سے۔خیال رہے کہ یہ کہنا جائز ہے خدایا مجھے شہادت کی موت دے،خدایا مجھے مدینہ پاک میں موت نصیب کر۔چنانچہ عمر فاروق نے دعا کی تھی کی مولا مجھے اپنے حبیب کے شہرمیں شہادت نصیب کر،حضرت حفصہ نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوسکے گا تو آپ نے فرمایا ان شاءاللہ ایسے ہی ہوگا۔چنانچہ مسجد نبوی محراب النبی نماز کی حالت میں مصلّائے مصطفیٰ پر آپ رضی اللہ عنہ کو کافرمجوسی ابولولو نے شہید کیا۔دعاءکیاتھی کمان سے نکلا ہوا تیر تھا کہ جو کہا تھا وہی ہوا،کیوں نہ ہو رب کی یہ مانتے ہیں رب ان کی مانتاہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ سے ملنا چاہتاہے اللہ اس سے ملنا چاہتاہے اور جواللہ سے ملنا نہیں چاہتا اللہ اس سے ملنا نہیں چاہتا اللہ اس سے ملنے کو ناپسند کرتاہے ۱؎تب حضرت عائشہ یاحضور کی بعض بیویوں نے کہا کہ ہم تو موت سے گھبراتی ہیں ۲؎تو فرمایا کہ یہ مطلب نہیں لیکن جب مؤمن کو موت آتی ہے تو اسے اللہ کی رضا اور اسکے احترام کی بشارت دی جاتی ہے تب اسے کوئی چیز اگلے جہان سے پیاری نہیں ہوتی اس پر وہ اللہ سے ملنا چاہتاہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے ۳؎اور کافرکو جب موت حاضرہوتی ہے تو اسے اللہ کے عذاب و سزا کی خبردی جاتی ہے تب اسے اگلے جہان سے زیادہ کوئی شے ناپسند نہیں ہوتی لہذا وہ اللہ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہاں اللہ کو ملنے سے مرادموت ہے کیونکہ موت ہی خدا سے ملنے کا ذریعہ ہے یعنی منہ سے موت مانگنا منع مگر اسے پسندکرنا اچھا۔پسند کرنے کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں دل نہ لگائے اور آخرت کی تیاری کرے،ایسے بندے کو رب پسند کرتاہے،اس کی زندگی بھی خداکو پیاری ہے اور موت بھی،ہر ایک کی زندگی،موت خدا کے ارادے سے ہی

ہے مگر اس کی زندگی اورموت رب کے ارادے سے بھی ہے اور اس کی رضا سے بھی،ارادے اور رضا میں بڑا فرق ہے۔

۲؎جان کنی کی شدت اور اس کی سختیوں کی وجہ سے،نہ اس لیئے کہ دنیا ہمیں پیاری ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج خصوصًا حضرت عائشہ صدیقہ نے دنیا کی لذتیں دیکھی ہی کہاں،فقروفاقہ میں نہایت سادہ زندگی گزاری،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک پائی میراث نہ ملی،اٹھارہ سال کی عمرشریف میں بیوگی کی چادر اوڑھ لی اور۵۳ سال کی عمر شریف یونہی گزاری رضی اللہ عنہاوعنھن۔

۳؎یہ تو عام مؤمنوں کا حال ہے،خواص کو جان کنی کے وقت جمال مصطفٰی دکھا دیا جاتا ہے،ان کی اس وقت کی خوشی بیان سے باہر ہے،پھر انہیں جانکنی قطعًامحسوس نہیں ہوتی،روح خودبخودشوق میں جسم سے نکل آتی ہے جیساکہ بارہا دیکھا گیا۔

۴؎چنانچہ کافرکو موت کے وقت میں تین مصیبتیں جمع ہوجاتی ہیں:دنیا چھوٹنے کا غم،آئندہ مصیبتوں کاخوف،جان نکلنے کی شدت۔غرضکہ مؤمن کی موت عید ہے اور کافر کی موت مصیبت اسی لیئے اولیاءاللہ کی موت کو عرس کہا جاتا ہے یعنی شادی۔

	اورحضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ موت اللہ کے ملنے سے پہلے ہے۱؎

۱؎یعنی موت پہلے ہے،رب سے ملنا بعدمیں لہذا اس وقت کی پسند و ناپسند ملاقات رب سے پہلے ہی کی پسندیدگی و ناپسندیدگی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے وہ بیان کیاکرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرایک جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا کہ یا اس سے راحت حاصل کی گئی۱؎یا راحت پاگیا لوگ بولے یارسول اللہ راحت پانے والے اور اس سے چھوٹنے والے سے کیا مطلب فرمایا کہ یہ بندہ مؤمن دنیا کی تکلیف اور اذیتوں سے چھوٹ کر اللہ کی رحمت میں جاتا ہے۲؎اور بدکار بندے سے انسان،شہر،درخت اور جانور سب ہی راحت پاتے ہیں۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی عاقل بالغ میت ان دو قسموں سے خالی نہیں یا وہ مرکر دنیا سے راحت پاتا ہے کہ یہاں کے تشریعی وتکوینی احکام سے چھوٹ جاتاہے یا دنیا اس سے راحت پاتی ہے۔

۲؎حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ میں موت پسندکرتا ہوں اپنے رب سے ملاقات کے لیئے،بیماری پسندکرتا ہوں خطائیں مٹانے کے لیئے اورفقیری پسندکرتا ہوں تواضع اور انکسار پیداکرنے کے لیئے۔

۳؎ یعنی بدکار بندہ خواہ کافرہو یا فاسق مسلمان اس کی بدکاری کی وجہ سے بارشیں نہیں آتیں یا سیلاب آتے ہیں،زمین میں لڑائیاں فساد ہوتے ہیں جس سے سارے جانوروں،درختوں وغیرہ کو تکلیف ہوتی ہے اسی لیئے مؤمن صالح کی موت پر آسمان اور زمین روتے ہیں،رب فرماتاہے:"فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ"اور فاجر کے مرنے پر یہ سب خوش ہوتے کیونکہ اس کی بدعملیوں سے سب مصیبت میں تھے،رب فرماتاہے:"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ"یہ حدیث ان آیتوں کی تفسیر ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا دنیا میں یوں رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو۱؎ حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ جب تم شام پالو تو صبح کے منتظر نہ رہو اور جب صبح پالو تو شام کی امید نہ رکھو اور اپنی تندرستی سے بیماری کے لیئے اور زندگی سے موت کے لیئے کچھ توشہ لے لو۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی جیسے مسافر منزل اور وہاں کی زیب و زینت سے دل نہیں لگاتاکیونکہ اسے آگے جانا ہوتاہے ایسے ہی تم یہاں کے انسان اور سامان سے دل نہ لگاؤ،ورنہ مرتے وقت ان کے چھوٹنے سے بہت تکلیف ہوگی۔صوفیاءجو فرماتے ہیں کہ "حُبُّ الْوَطنِ مِنَ الْاِيْمَانِ"یعنی وطن کی محبت ایمان کا رکن ہے وہاں وطن سے مراد جنت ہے یعنی اصلی وطن یا مدینہ منورہ کہ وہ مؤمن کا روحانی وطن ہے۔

۲؎ حضرت ابن عمر یہ اپنے نفس سے خطاب کرتے تھے کہ زندگی کی لمبی امیدیں نہ باندھو ہرنماز آخری نماز سمجھ کر پڑھو،تندرستی اور زندگی کو غنیمت جانو جس قدر ہوسکے اس میں نیکیاں کمالو،ورنہ بیماری میں اورموت کے بعد کچھ بن نہ پڑے گا۔شعر

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں　　　جب بڑھاپا آگیا پھربات بن پڑتی نہیں

ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہوچکی　　　یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آگئی

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے سناکہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس طرح کہ اللہ سے اچھی امید رکھتا ہو۱؎(مسلم)	

۱؎ صوفیا فرماتے ہیں نیک بختی کی نشانی یہ ہے کہ بندے پر زندگی میں خوفِ خدا غالب ہو اورمرتے وقت امید،نیک کار نیکیاں قبول ہونے کی امید رکھیں اور بدکارمعافی کی۔امید کی حقیقت یہ ہے کہ انسان نیکیاں کرے اور اس کے فضل

کا امیدوار رہے،بدکاری کے ساتھ امید رکھنا دھوکا ہے امید نہیں۔اس حدیث کی بنا پر بعض بزرگوں نے کہا کہ خوف کی عبادت سے امید کی عبادت بہتر ہے۔

الفصل الثاني
دوسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتادوں کہ قیامت میں اللہ مسلمانوں سے پہلے کیا فرمائے گااور مسلمان پہلے کیا عرض کریں گے ۱؎ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرمایاجائے فرمایا اللہ تعالٰی مسلمانوں سے فرمائے گا کیاتم مجھ سے ملناچاہتے ہو عرض کریں گے ہاں یارب،فرمائے گا کیوں؟عرض کریں گے کہ ہم تیری معافی اور مغفرت کی آس لگاتے تھے ۲؎تب فرمائے گا کہ تمہارے لیئے میری بخشش واجب ہوگئی ۳؎شرح سنہ و ابونعیم(حلیہ)

۱؎اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی ثابت ہوا اور امت پر رحمت بھی۔امتحان کے پرچے چھپائے جاتے ہیں اگر امتحان سے پہلے پرچہ ظاہر ہوجائے تو ردکردیاجاتاہے مگر اس پیارے نبی نے امتحان قبر کے پرچے بھی ظاہرکردیئے اور حشر کے دن رب سے ہم کلامی کا پرچہ بھی ظاہر فرمادیا۔مطلب یہ ہے کہ قبر میں منکرنکیر تم سے فلاں فلاں سوال کریں گے تم یہ جواب دے دینا اور حشر میں رب تم سے یہ فرمائے گا تم یہ جواب دینا،یہ گفتگو صورۃً خبر ہے معنًی امر۔یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کہ قبر و حشر کے پرچوں سے خبردار ہیں اور یہ ہے سرکار کی رحمت اپنی امت کے ایسے غمخوار ہیں۔
۲؎ملنے سے مراد آخرت کی حاضری ہے یا دیدار الٰہی،امید وار مجرم حاکم سے ملنا چاہتا ہے اور ناامید بھاگنا چاہتا ہے۔
۳؎یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ میں اپنے بندے کے گمانوں کے پاس ہوتاہوں۔خیال رہے کہ بندے کا رب کی لقاچاہنا اس کی علامت ہے کہ رب بھی اس سے ملناچاہتاہے۔بندہ لینے پرحریص ہے،رب دینے کاعادی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیاوی لذتیں ختم کرنی والی موت کا ذکر بہت کیا کرو ۱؎(ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ)

۱؎ہر شخص کی موت اس کی دنیاوی لذتیں کھانے پینے،سونے وغیرہ کے مزے فناکردیتی ہے،ہاں مؤمن مردے کو زندوں کے ذکر اور تلاوت قرآن سے لذت آتی ہے،نیز زیارت قبرکرنے والے سے اُنس ہوتاہے،برزخی لذتیں پاتا

ہے جویہاں کی لذتوں سے کہیں اعلیٰ ہیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مردے کو تلاوت و ایصال ثواب وغیرہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتاکیونکہ یہاں لذتوں سے جسمانی لذتیں مراد ہیں نہ کہ روحانی اوریہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں۔علماءفرماتے ہیں اور جو روزانہ موت کو یادکرلیاکرے اس کے لیئے درجۂ شہادت ہے۔

روایت ہےحضرت ابن مسعود کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا اللہ سے پوری حیاءکرو انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ خدا کا شکر ہے کہ ہم اللہ سے غیرت کرتے ہیں ۱؎فرمایا یہ نہیں ہے لیکن جو اللہ سے پوری غیرت کرے تو وہ سر اور اس میں محفوظ چیزوں اور پیٹ اور اس کے اندر کی چیزوں کی حفاظت کرے اور موت اور گل جانے کو یاد رکھے ۲؎جو آخرت چاہتاہے وہ دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے۳؎جس نے یہ کیا اس نے اللہ سے پوری غیرت کی۔(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام میں خطاب صحابہ کرام سے ہے مگر مقصود ساری امت کو سنانا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام کو رب سے غیرت نہ تھی،رب تعالٰی اپنے حبیب سے فرماتا ہے:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ"۔نیز صحابہ کرام کا یہ جواب نہ ریا کے لیئے ہے نہ شیخی کے لیئے بلکہ توفیق الٰہی کے شکریہ کے طور پر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا حال کہنا ریا نہیں۔

۲؎یعنی صرف ظاہری نیکیاں کرلینا اور زبان سے حیا کا اقرار کرنا پوری حیا نہیں بلکہ ظاہری اور باطنی اعضاء کو گناہوں سے بچاناحیاہے۔چنانچہ سر کو غیرخدا کے سجدے سے بچائے،اندرون دماغ کو ریا اورتکبرسے بچائے،زبان،آنکھ اور کان کو ناجائز بولنے،دیکھنے،سننے سے بچائے،یہ سر کی حفاظت ہوئی،پیٹ کو حرام کھانوں سے،شرمگاہ کو زنا سے،دل کو بری خواہشوں سے محفوظ رکھےیہ پیٹ کی حفاظت ہے۔حق یہ ہے کہ یہ نعمتیں رب کی عطاءاور جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاسے نصیب ہوسکتی ہیں۔

۳؎یعنی دنیا کی حرام زینتوں سے بچتاہے اور حلال زینتوں میں پھنستا نہیں۔خیال رہے کہ دنیا کی زینت وہ ہے جو دنیا کے لیئے کی جائے،لہذا عید کے دن اچھا لباس،جمعہ کا غسل و خوشبو،سرمہ وغیرہ روضۂ اقدس کی حاضری پر لباس فاخرہ پہننا سب دینی زینتیں ہیں،دنیا کی زینت اور ہے،دنیا میں زینت کچھ اور،پہلی بری ہے،دوسری اچھی۔دوسری کو رب نے زِینَتُ اللہ فرمایاکہ فرماتاہے:"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ"اور فرماتا ہے:"خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کا تحفہ موت ہے ۱؎(بیہقی،شعب الایمان)	

۱؎یعنی موت مسلمان کو رب کا تحفہ ہے کیونکہ یہ رب سے ملنے اور جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے مگر یہی موت کافر کے لیئے مصیبت ہے کیونکہ مسلمان کا محبوب رب ہے اور کافر کی محبوب دنیا،موت مؤمن کو محبوب سے ملاتی اور کافر کو اس کے محبوب سے چھڑاتی ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن پیشانی کے پسینہ سے مرتا ہے ۱؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎اس حدیث کی بہت شرحیں ہیں۔ظاہری شرح یہ ہے کہ مرتے وقت اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اگرچہ سردی کا موسم ہو،گویا یہ پسینہ اچھے خاتمے کی علامت ہے یعنی اسے جانکنی کی شدت زیادہ ہوتی ہے تاکہ سارے گناہ معاف ہوجائیں اور درجے بلند ہوجائیں،بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیاکہ مؤمن مرتے وقت تک نیکیوں میں محنت کرتا ہے وغیرہ۔(لمعات)

روایت ہے حضرت عبیداللہ ابن خالد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگہانی موت غضب کی پکڑ ہے ۱؎(ابوداؤد)اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں یہ بڑھایا کہ کافر کے لیئے غضب کی پکڑ ہےاور مؤمن کے لیئے رحمت۔	

۱؎یعنی ہارٹ فیل کی موت غضب رب کی علامت ہے کیونکہ اس میں بندے کو توبہ،نیک عمل،اچھی وصیت کا موقعہ نہیں ملتا مگر یہ کافر کے لیے ہے،مؤمن کے لیے یہ بھی نعمت ہے جیساکہ آئندہ آرہا ہے کیونکہ مؤمن کسی وقت رب سے غافل رہتا ہی نہیں،دیکھو حضرت سلیمان ویعقوب علیہما السلام کی وفات اچانک ہی ہوئی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اچانک موت مؤمن کے لیئے راحت ہے اور کافر کے لیئے پکڑ۔(لمعات ومرقات)کہ مؤمن اس موت میں بیماریوں کی مصیبت سے بچ جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اس کی موت کی حالت میں تشریف لے گئے تو فرمایا کہ تو اپنے کو کیسا پاتا ہے ۱؎اس نے عرض کیا یارسول اللہ میں اللہ سے امید کررہا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈررہا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دوچیزیں بندے کے	

	دل میں اس جیسی حالت میں جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ اسے اس کی امید دیتاہے اور ڈراؤنی چیزسے امن دیتاہے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یعنی تیرے دل کا کیا حال ہے خوش ہے یا غمگیں،مطمئن ہے یا پریشان،آس میں ہے کہ یاس میں،اسے ڈر ہے یا امید۔خیال رہے کہ امتی کی وفات کے وقت اب بھی حضورصلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں،اسے کلمہ سکھاتے ہیں جیسا کہ بار بار دیکھا گیا ہے۔

۲؎یعنی بوقت موت مؤمن کا حال ڈوبتے ہوئے کی طرح چاہیئے جسے ایک موت نیچےکرتی ہے دوسری اوپر،گناہوں میں غورکرکے غیرت میں ڈوب جائے،رب کی رحمت میں سوچ کر تر جائے ایسے کو رب پکڑتا نہیں معافی دے دیتا ہے۔خیال رہے کہ مَوْطِن یاظرف مکان ہے یا زمان جیسے مقتلِ حسین یعنی امام حسین کی شہادت کی جگہ یا وقت،لفظ مثل زائد ہے یا مبالغہ کے لیئے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موت کی آرزو نہ کرو کیونکہ اس پہاڑ کی وحشت سخت ہے ۱؎اور یہ نیک بختی ہے کہ بندے کی عمر دراز ہو اور اللہ اسے رجوع الی اللہ نصیب کرے ۲؎(احمد)

۱؎مُطَّلَعَ اِطِّلَاع کا ظرف مکان ہے یعنی خبر پانے کی جگہ،اونچا ٹیلہ یا پہاڑ کی چوٹی جہاں دشواری سے پہنچیں مگر وہاں پر سارے میدان کو دیکھ لیں،چونکہ موت کے وقت انسان دنیا و آخرت دونوں کو دیکھتا ہے اور ہے گھبراہٹ کا وقت،اس لیئے اسے مطلع فرمایا گیا،یعنی دنیوی تکالیف سے گھبرا کر موت نہ مانگوکیونکہ موت کی شدت ان تکالیف سے بہت زیادہ ہے کیابارش سے بھاگ کر پر نالہ کے نیچے کھڑا ہونا چاہتے ہو۔

۲؎لمبی عمر اگرگناہوں میں گزرے تو عذاب الٰہی ہے جیسے شیطان کی عمراور اگر عبادتوں میں گزرے تو رحمت الٰہی ہے جیسے نوح علیہ السلام کی عمر،اللہ یہ دوسری عمر نصیب کرے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے حضور نے ہمیں نصیحت فرمائی اور ہمارے دل نرم کردیئے حضرت سعد ابن

	ابی وقاص روئے اور بہت روئے ۱؎ بولے ہائے کاش میں مرجاتا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد کیا میرے روبرو موت کی آرزو کرتے ہو یہ تین بار فرمایا ۲؎ پھر فرمایا اے سعد اگر تم جنت کے لیئے پیدا کیئے گئے ہو تو جس قدر تمہاری عمر دراز ہو اور تمہارے عمل اچھے ہوں تمہارے واسطے بہتر ہے ۳؎ (احمد)

۱؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حلق کی بات کان میں پہنچتی ہے اور دماغ کی بات دماغ میں،مگر جوبات دل سے نکلتی ہے وہ دل ہی پر پڑتی ہے،نہ معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کیسے پیارے تھے جنہوں نے صحابہ کے ایمان تازہ،دماغ روشن اور دل نرم کردیئے۔اس کلام پاک میں یہ تاثیر قیامت تک رہے گی جیسا تجربہ اب بھی ہورہا ہے۔

۲؎ یعنی کیا میری زندگی میں اور میرے پاس رہ کر موت مانگتے ہو تمہیں اس وقت میری صحبتیں اور زیارتیں نصیب ہیں جو موت سے جاتی رہیں گی،اگر چہ تمہیں بعدموت بڑے درجے ملیں گے مگر وہ سارے درجے اس ایک نظر پر قربان جو تمہیں اب میسر ہیں۔کسی فقیر سے پوچھا گیا کہ مؤمن کی زندگی بہتر ہے یا موت اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مؤمن کی حیات بہتر تھی اور سرکار کی وفات کے بعد اب موت بہتر ہے کہ اس زمانہ میں زندگی میں دیدار تھا اور اب بعدموت ہی ہوگا۔(لمعات)شعر

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے   کہ یہاں مرنے پر ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

۳؎ یعنی اگر دوزخ کے لیئے پیدا کئے گئے ہو تو موت مانگنے میں کوئی فائدہ نہیں اور اگر جنت کے لیئے تمہاری پیدائش ہوئی تو موت مانگنا تمہارے لیئے مضرکیونکہ لمبی عمر میں زیادہ نیکیاں کرو گے جس سے جنت میں تمہارے درجے بڑھیں گے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر فرمانا بے علمی کی بناء پر نہیں،حضرت سعدعشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کے قطعی جنتی ہونے کی خبر خود سرکار دے چکے ہیں،ان کا جنتی ہونا ایسا ہی قطعی و یقینی ہے جیسا اللہ کا ایک ہونا۔یہ اِنْ علت بیان کرنے کے لیئے ہے،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ"۔نہ صحابہ کا ایمان مشکوک،نہ خدا ان کے ایمان سے بےخبر،معنے یہ ہیں کہ چونکہ تم جنت کے لیئے پیدا کیے جاچکے ہو لہذا تمہاری درازی عمر بہتر۔(ازمرقات)

	روایت ہے حضرت حارثہ ابن مضرب سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت خباب کے پاس گیا ۱؎ جنہیں سات داغ دیئے گئے تھے فرمایا اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا نہ ہوتا کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے تو میں اس کی آرزو کرتا ۲؎ میں نے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں دیکھا ہے کہ

میں ایک درہم کا مالک نہ تھا اور آج میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں۳؎ فرماتے ہیں پھر ان کا کفن لایا گیا اسے دیکھا تو روئے۴؎ اور بولے کہ جناب حمزہ کو کفن بھی نہ ملا سوا اس دھاری دار چادر کے جو اگر ان کے سر پر ڈالی جاتی تو قدموں سے کھل جاتی اور قدموں پر ڈالی جاتی تو سر سے کھل جاتی حتی کہ ان کے سر پر چادر ڈالی گئی اور قدموں پر گھاس ۵؎(احمد،ترمذی)لیکن ترمذی نے کفن لانے سے آخر تک واقعہ بیان نہ کیا۔	

۱؎حارثہ عبدی ہیں،کوفی ہیں،مشہور تابعی ہیں،حضرت علی،ابن مسعود وغیرہم سے ملاقات ہے اور حضرت خباب ابن ارت تمیمی ہیں،مشہور صحابی ہیں،۶ھ میں ہی ایمان لائے،کافروں کے ہاتھوں بہت ایذاء پائی،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،۳۷ھ میں وفات ہوئی،حضرت علی مرتضٰی نے نماز جنازہ پڑھائی،کوفہ میں مزار ہے،ایک بار حضرت علی آپ کی قبر پر گئے تو فرمایا اے خباب!اللہ تم پر رحم فرمائے تم رغبت سے ایمان لائے،خوشی سے مہاجر بنے،غازی بن کر جیئے،بیماری میں بہت مبتلا رہے،اللہ تمہارا اجر ضائع نہ کرے گا۔

۲؎یعنی میں اتنا سخت بیمار ہوں کہ جسم زخموں سے چھلنی ہے،سات جگہ گرم لوہے سے داغا جاچکا ہے،تمنائے موت کو دل چاہتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مانع ہے۔خیال رہے کہ داغ زخم کا آخری علاج ہے،جب کوئی دوا کارگر نہ ہو تو گرم لوہے سے داغ دیتے ہیں۔

۳؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اکثر صحابہ فقروفاقہ میں تھے،خلافت فاروقی وعثمانی میں صحابی پر دنیا خدا کے فضل سے پھٹ پڑی تب ان کی مالداری حساب سے وراء ہوگئی کیونکہ سارے ممالک انہی خلافتوں میں فتح ہوئے،آپ اسی جانب اشارہ فرماتے ہیں یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ یہ مالداری ہمارے اعمال کا بدلہ نہ ہوگئی ہو۔

۴؎کیونکہ کفن بہت قیمتی اور نفیس تھا اسے دیکھ کر آپ کو حضرت حمزہ کی بیکسی کی شہادت یاد آگئی۔

۵؎یعنی مرد کے لیے کفن سنت تین کپڑے ہیں اور کفن ضرورت صرف ایک مگر حضرت حمزہ جو سید الشہداء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار چچا ہیں مجھ سے افضل تھے انہیں کفن ضرورت بھی نہ ملا بہتر ہوتا کہ میں بھی انہی کی طرح دفن ہوتا۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے کیونکہ آپ اس غنا پر افسوس کررہے ہیں اور اس فقر کی تمنا۔

باب ما یقال عند من حضرہ الموت

جس کو موت آرہی ہو اس کے پاس کیا کہا جائے[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یعنی علامات موت جب نمودار ہوں اس وقت جو مرچکا ہو اس کے پاس کیا دعائیں،تلقین اورکیا الفاظ ادا کیے جائیں لہذا حضر کے معنے ہیں موت آرہی ہو یاموت آگئی ہو۔خیال رہے کہ بیمار کی کنپٹی دھنس جانا،ناک ٹیڑھی پڑجانا،پاؤں بے جان ہوجانا کہ اگر کھڑے کیے جائیں تو کھڑے نہ رہ سکیں بلکہ گر جائیں،فوطوں کی کھال دراز ہوجانا،فوطے سکڑ جانا علامات موت ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید و ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُردوں کو"لا الہ الا اللہ" سکھاؤ[1](مسلم)	

[1] یہ حکم استحبابی ہے،یہی جمہور علماء کا مذہب ہے،بعض مالکیوں کے ہاں وجوبی ہے۔موتے کے حقیقی معنے ہیں جومرچکا ہو،مجازًا قریب الموت کو موتے کہہ دیتے ہیں یعنی جو مرربا ہو اسے کلمہ سکھاؤ اس طرح کہ اس کے پاس بلند آواز سے کلمہ پڑھو اس کا حکم نہ دو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کاآخری کلام"لا الہ الااللہ"ہو وہ جنتی ہے۔خیال رہے کہ اگر مؤمن بوقت موت کلمہ نہ پڑھ سکے جیسے بے ہوش یا شہید وغیرہ تو وہ ایمان پر ہی مرا کہ زندگی میں مؤمن تھا لہذا اب بھی مؤمن بلکہ اگر نزع کی غشی میں اس کے منہ سے کلمۂ کفرسنا جائے تب بھی وہ مؤمن ہی ہوگا اس کا کفن دفن،نماز سب کچھ ہوگی کیونکہ غشی کی حالت کا ارتداد معتبر نہیں۔(ازشامی)اس سے معلوم ہوا کہ مرتے وقت کلمہ پڑھانا اس حدیث مذکورہ پر عمل کے لیے ہے نہ کہ اسے مسلمان بنانے کے لیئے،مسلمان تو وہ پہلے ہی ہے یا مطلب یہ ہے کہ میت کو بعد دفن کلمہ کی تلقین کرو کہ قبرپر کلمہ پڑھو یا قبر کے سرہانے اذان کہہ دو کیونکہ یہ وقت امتحان قبر کا ہے،اذان میں نکیرین کے سارے سوالات کے جوابات کی تلقین بھی ہے اور اس سے میت کے دل کو تسکین بھی ہوگی اور شیاطین کا دفعیہ بھی ہوگا اور اگر قبر میں آگ ہے تو ا س کی برکت سے بجھے گی اسی لیے پیدائش کے وقت بچے کے کان میں دل کی گھبراہٹ،آگ لگنے،جنات کے غلبے وغیرہ پر اذان سنت ہے،یہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔شامی نے یہ ہی معنے اختیار کیے کیونکہ حقیقتًا موتے وہی ہے جو مرچکا ہو مگر زیادہ قوی یہ ہے کہ عموم مجاز کے طریقہ پر دونوں معنے ہی مراد لیے جائیں،یعنی جو مررہا ہو اور جو مرچکا ہو

دونوں کو تلقین کرو،ہمارے ہاں بعد دفن قبر پر اذان دی جاتی ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔اس مسئلے کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم بیمار یا میت کے پاس جاؤ تو اچھی بات بولو۱ کیونکہ فرشتے تمہارے کہے پر آمین کہتے ہیں۲(مسلم)	

۱غالبًا یہ شک راوی کو ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض فرمایا یا میت۔مریض سے مراد قریب الموت مریض ہے،خیر سے مراد دعائے شفا اور دعائے مغفرت ہے۔اور اس سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں حاضرین دنیوی کلام نہ کریں،آخر وقت تک دعائے شفا کرسکتے ہیں،اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کی تھی کہ میری جانکنی کے وقت اس حجرے میں ناپاک انسان،کتا،جاندار کا فوٹو یعنی نوٹ روپیہ پیسہ وغیرہ کچھ نہ ہو۔

۲یعنی ملک الموت اور ان کے ساتھی ہر اس بات پر آمین کہہ دیتے ہیں جو تمہارے منہ سے نکلتی ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ وہی کہے جس کا اللہ نے حکم دیا کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں الٰہی مجھے میری مصیبت میں اجر دے اور اس کا بہتر بدل عطاکر مگر اللہ اسے بہتر عوض دیتا ہے۱جب ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں بولی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا وہ تو پہلے گھر والے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی پھر میں نے یہ دعا کہہ ہی لی چنانچہ اللہ نے مجھے ان کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۲(مسلم)	

۱یہ عمل بڑا مجرب ہے فوت شدہ میت اور گمشدہ چیز سب پر پڑھا جائے لیکن جس گی چیز کے ملنے کی امید ہو اس پر راجعون تک پڑھے اور جس سے مایوسی ہوچکی ہو اس پر پورا پڑھے،مگر ضروری یہ ہے کہ زبان پر الفاظ ہوں اور دل میں صبر۔(ازمرقات)

۲ابوسلمہ حضرت ام سلمہ کے پہلے خاوند تھے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے اور پھوپھی کے بیٹے بھی آپ نے مع گھر بار پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی،پھر مدینہ پاک کی جانب مع گھر بار ہجرت کرنے میں آپ اول ہیں اسی لیے آپ نے اَوَّلَ بَیْتٍ فرمایا۔ام سلمہ کی نگاہ میں ان خصوصیات کے لحاظ سے ابوسلمہ جزوی طور پر سب سے بہتر تھے اس لیے آپ نے یہ خیال کیا،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ خلفائے راشدین تو ابو سلمہ سے

افضل تھے یعنی ایمان کہتا تھا کہ اس دعا کی برکت سے مجھے ان سے بہتر خاوند ملے گا مگر عقل و سمجھ کہتی تھی ناممکن ہے،میں نے عقل کی نہ مانی،ایمان کی مانی اور دعا پڑھ لی۔اس کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی جن پر لاکھوں ابوسلمہ قربان۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ پر تشریف لائے ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں،انہیں بند کردیا،پھر فرمایا کہ روح جب قبض کرلی جاتی ہے تو نظر اس کے پیچھے جاتی ہے ۱؎ان کے گھر کے لوگوں نے آہ وبکا کی تو حضور نے فرمایا اپنے متعلق خیر ہی کی دعا کرنا کیونکہ فرشتے تمہارے کہے پر آمین کہتے ہیں ۲؎ پھر فرمایا الٰہی ابوسلمہ کو بخش دے اور ہدایت والوں میں ان کا درجہ بلند کر ان کے پسماندگان میں ان کا تو خلیفہ ہو اور اے رب العلمین ہماری اور ان کی مغفرت فرما اور ان کی قبر میں روشنی اور وسعت دے ۳؎(مسلم)

۱؎ یعنی روح کے ساتھ نور نگاہ بھی نکل جاتی ہے اس لیے کبھی مرنے والے کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں،آنکھیں کھلی رہنے سے فائدہ کچھ ہوتا نہیں البتہ شکل ڈراؤنی ہوجاتی ہے اس لیے آنکھیں فورًا بند کردو بلکہ اگر منہ کھلا رہ گیا ہوتو اسے بھی بند کردیا جائے اور جبڑے باندھ دیئے جائیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ میت پر بلند آواز سے رونا اور اچھی باتیں منہ سے نکالنا برا نہیں،ہاں پیٹنا اور بکواس کرنا برا ہے بلکہ کبھی کفر جیسے ہائے پہاڑ گر گیا ہائے کمر ٹوٹ گئی،ہائے موت نے یا اللہ نے ظلم کردیا اَلْعَیَاذُبِاللہ،یا اللہ ہمیں بھی موت دے دے وغیرہ۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ اور جامع دعا ہے،میت کے پسماندگان اپنے اور سارے مسلمانوں کے لیے ہر طرح کی دعا مانگ لی گئی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کو حبری چادر اوڑھائی گئی ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس چادر میں کفن دیا گیا،حبرہ یمن کا ایک شہر ہے جہاں کی چادریں مخطط اور بہترین ہوتی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ میت کو حتی الامکان بہتر کفن دیا جائے،بلکہ زندگی میں جو کپڑا اسے پسند تھا اسی میں کفن دینا بہتر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بردیمانی نہایت پسند تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا آخری کلام "لا الہ الا اللہ" ہوگا وہ جنت میں جائے گا۱(ابوداؤد)	

۱یعنی اگرچہ عمر بھر کلمہ پڑھتا رہا،لیکن مرتے وقت کلمہ ضرور پڑھنا چاہیے کہ اس کی برکت سے بخشش ہوگی،مرنے والے کو کلمہ پڑھانا اسی حدیث پر عمل ہے،روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ کلمہ پڑھ کر سوئے،یہ حدیث کتاب الایمان کی اس حدیث کی شرح ہے کہ جس نے "لا الہ الا اللہ" کہہ لیا جنتی ہوگیا،اسی معنی پر حدیث میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،بعض روایات میں ہے کہ جس کا اول کلام "لا الہ الا اللہ" ہو اس کے گناہوں کی معافی ہوگی،لہٰذا کوشش کرنی چاہیئے کہ بچے کی زبان کلمہ پر کھلے اس سے مراد پورا کلمہ ہے۔

روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو۱(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱اس میں سارے وہ احتمالات ہیں جو پہلی حدیث میں عرض کیے گئے،یعنی جس کی جان نکل رہی ہوں وہاں بیٹھ کر یٰسین پڑھو تاکہ جان کنی آسان ہو بعد دفن قبر پر پڑھو،نیز کچھ روز تک میت کے گھر میں پڑھتے رہو۔(اشعۃ اللمعات)قرآن کی ہر سورۃ میں کوئی خاص فائدہ ہوتاہے،سورۂ یٰسین میں حل مشکلات کی تاثیر ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی میت کو چوما حالانکہ حضور رو رہے تھے حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو عثمان کے چہرے پر بہنے لگے۱(ترمذی،ابوداؤد)	

۱حضرت عثمان ابن مظعون وہ پہلے مہاجر ہیں جو مدینہ پاک میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دست اقدس سے ان کی قبر کے سرہانے پتھر گاڑا،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں،صاحب ہجرتین ہیں،اسلام سے پہلے بھی کبھی شراب نہ پی،بڑے عابد اور تہجد گزار صحابی تھے،ہجرت کے تیس ماہ بعد شعبان کے مہینہ میں وفات پائی،حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا انہیں چومنا غسل دینے سے پہلے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ میت غسل سے پہلے بھی پاک ہوتی ہے اس کا غسل جنابت کا سا غسل ہے۔(لمعات)لمعات میں اسی جگہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا عظیم الشان مقبرہ بنایا گیا۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا حالانکہ حضور وفات یافتہ	

	تھے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ میت کو تعظیمًا اور شفقۃً چومنا جائز ہے،ہاں مرد اپنی بیوی کو اس کے فوت ہونے کے بعد اور بیوی مرد کو نہیں چوم سکتی،ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابن عمر اپنا منہ آپ کی پیشانی پر رکھ کر رونے لگے چومتے تھے اور کہتے تھے تم پر میرے ماں باپ فدا،آپ زندگی میں بھی اچھے اور بعد وفات بھی۔

	روایت ہے حضرت حصین ابن وحوح سے طلحہ بن براء بیمار ہوئے ۱؎تو انکے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے پھر فرمایا میرا گمان ہے کہ طلحہ کی وفات آہی گئی ہے مجھے اس کی خبر دینا اور جلدی کرنا کیونکہ مسلمان میت کا اپنے گھر والوں میں رکا رہنا مناسب نہیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎حصین ابن وحوح صحابی ہیں،انصاری ہیں،آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۲؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ میت کے لیے اعلان عام کرنا بھی جائز ہے اور خاص بزرگ و اہل قرابت کو خبر کرنا بھی تاکہ وہ نماز اور دفن میں شرکت کرلیں۔دوسرے یہ کہ حتی الامکان دفن میں جلدی کی جائے،بلاضرورت دیر لگانا جیسا کہ ہمارے پنجاب میں رواج ہے سخت ناجائز ہے کہ اس میں میت کے پھولنے پھٹنے اور اسکی بےحرمتی کا اندیشہ ہے،مگر اس حکم سے انبیاء کرام مستثنٰی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن شریف وفات سے تین دن بعد ہوا،مسئلہ خلافت پہلے طے کیا گیا تاکہ زمین خلیفۃ اللہ سے خالی نہ رہے،بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دفن وفات سے چھ ماہ یا ایک سال بعد ہوا۔(قرآن شریف)خیال رہے کہ یہاں **حیفه** بمعنی مردہ ہے نہ کہ مردار جیسے قرآن کریم میں ہے"کَیۡفَ یُوٰرِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ"لہٰذا اس لفظ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مردہ نجس ہوتا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے مُردوں کو یہ تلقین کرو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،حلم والا ہے،کرم والا ہے،پاک ہے،عرش عظیم کا رب ہے،ساری حمد اللہ رب العلمین کی ہے ۲؎لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ

	یہ دعا زندوں کے لیئے کیسی فرمایا بہت اچھی اچھی۳؎(ابن ماجہ)

۱؎ آپ عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب قرشی ہاشمی علی مرتضٰی کے بھائی ہیں،حبشہ میں پیدا ہوئے،اسلام میں سب سے پہلے آپ کی پیدائش ہوئی،بہت سخی،خوش خلق اور حلیم تھے،آپ کا لقب بحرالجود تھا،والدہ کا نام اسماءبنت عمیس ہے،۹۰ سال عمر ہوئی،۸۰ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

۲؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ جو مررہا ہو اس کے پاس بھی یہ پڑھو اور مرچکنے کے بعد قبر پر بھی۔

۳؎ یعنی زندے بھی بطور وظیفہ پڑھا کریں بہت ثواب پائیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت کے پاس فرشتے آتے ہیں ۱؎ اگر آدمی نیک ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں اے پاک روح نکل جو پاک جسم میں تھی ۲؎ نکل قابلِ تعریف خیریت،راحت اور پاک رزق اور راضی رب کی بشارت حاصل کر اس سے یہ کہتے رہتے ہیں حتی کہ نکل آتی ہے۳؎ پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے اس کے لیئے آسمان کھولا جاتا ہے کہا جاتا ہے یہ کون ہے فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں ہے تو کہا جاتا ہے کہ خوب آئی پاک روح جو پاک جسم میں تھی داخل ہو قابلِ تعریف ہے اور خیریت،راحت،پاک رزق اور راضی رب کی بشارت لے اس سے یہ کہتے رہتے ہیں حتی کہ اس آسمان تک پہنچتی ہے جس میں اللہ کی تجلی ہے۴؎ اور جب آدمی برا ہوتا ہے ۵؎ تو کہتے ہیں کہ اے خبیث جان نکل جو خبیث جسم میں تھی ۶؎ نکل قابلِ ملامت ہوکر اور کھولتے پانی پیپ اور اس کے ہمشکل دوسرے عذابوں کی بشارت لے۷؎ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں حتی کہ نکل آتی ہے پھر اسے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے تو اس کے لیئے آسمان کھلوایا جاتا ہے پوچھا جاتا ہے یہ کون ہے کہا جاتا ہے فلاں تو کہا جاتا ہے اس کے لیئے مرحبا نہیں،خبیث جان ہے جو خبیث جسم میں تھی ملامت کی ہوئی لوٹ جا کیونکہ تیرے لیئے آسمان کے دروازے نہیں کھل سکتے۸؎ پھر اسے آسمان سے

	پھینکا جاتا ہے حتی کہ قبر میں آجاتی ہے۹(ابن ماجہ)

۱؎یعنی ملک الموت اور انکے ساتھی مؤمن کے پاس رحمت کے فرشتے استقبال کے لیے اور کافر کے پاس عذاب کے فرشتے گرفتاری کے لیے ان کے علاوہ ہوتے ہیں۔

۲؎نفس اور روح میں فرق اعتباری ہے مظہر شر کو نفس کہتے ہیں"اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ"اور مظہر خیر کو روح"قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ"۔یہاں طیبہ کی صفت سے نفس میں خوبی کے معنی پیدا ہوگئے۔(مرقات)ظاہر یہ ہے کہ نفس طیب سے اچھے عقائد کی طرف اور جسم طیب سے اچھے اعمال کی طرف اشارہ ہے یعنی تیرے عقائد بھی اچھے اور اعمال بھی صالح۔

۳؎معلوم ہوا کہ مؤمن صالح کی روح کھینچ کر نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ بشارتیں سن کر خودبخود ہی خوش ہوتی نکل آتی ہے۔ع یار خنداں رود بجانب یار۔

۴؎یعنی ہر آسمان پر اس کا استقبال ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آسمانی فرشتے ہر انسان کا نام اور اس کے اعمال جانتے ہیں ورنہ انہیں محض نام بتانا بالکل بیکار ہوتا۔آسمان میں اللہ کے ہونے سے مراد اس کی تجلی،اس کے نور وغیرہ کا ہونا ہے،ورنہ رب تعالٰی آسمان یا زمین میں ہونے سے پاک ہے،مکان جسم یا جسمانیات کے لیے ہوتا ہے۔غالبًا اس آسمان سے عرش اعظم مراد ہے کہ وہ بھی ایک آسمان ہی ہے۔

۵؎برے سے مراد کافر ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ ہے کہ مؤمن متقی اور کافر کے حالات بیان فرماتے ہیں،مؤمن فاسق کا پردہ رکھتے ہیں کرم نوازی سے۔

۶؎یعنی تیرے عقائد بھی برے تھے،اعمال بھی گندے۔خیال رہے کہ اگر کافر اچھے اعمال صدقہ و خیرات بھی کرے جب بھی اس کا جسم گندا ہی ہے،کتا سمندر میں نہانے سے بھی گندا ہی ہوتا ہے،نیز نیک اعمال درستی عقیدہ کے بغیر قبول نہیں۔

۷؎اس خبر کو بشارت فرمانا طنز وطعن کے طور پر ہے،رب فرماتا ہے:"فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ"۔خیال رہے کہ کافر کو یہ عذاب بعد قیامت دوزخ میں پہنچ کر ہوں گے،ہاں دوزخ کی گرمی،تپش،دھواں برزخ میں بھی پہنچتا رہے گا۔

۸؎یعنی روح لے جانے والے فرشتے آسمانوں کے دروازے کافر کی روح کے لیے کھلواتے ہیں مگر وہاں کے دربان کھولتے نہیں،یہ کھلوانا بھی اسے ذلیل کرنے کو ہے،ورنہ یہ فرشتے جانتے ہیں کہ اس کے لیے دروازہ کھلے گا نہیں۔

۹؎یہاں قبر سے مراد مقام سجّین ہے جو ساتویں آسمان کے نیچے ہے جہاں یہ روح قید کردی جاتی ہے،اس قید کے باوجود اس کا تعلق اپنے جسم کے اجزائے اصلیہ سے رہتا ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض کفار جلادیئے جاتے ہیں ان کی قبر کہاں۔

	روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاجب مسلمان کی روح نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے ملتے ہیں جو اسے چڑھا لے جاتے ہیں۱؎حماد نے کہاحضور نے

اس کی عمدہ خوشبو کا اور مشک کا ذکر فرمایا ہے۲؎ فرمایا کہ آسمان والے کہتے ہیں پاک روح زمین کی طرف سے آئی اللہ تجھ پر اور اس جسم پر رحمتیں کرے جسے تو آباد کرتی تھی۳؎ پھر اسے رب کے پاس لے جاتے ہیں رب فرماتا ہے کہ اسے آخر وقت تک کے لیئے وہیں پہنچادو۴؎ فرمایا کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے حماد فرماتے ہیں کہ حضور نے اس کی بدبو اورلعنت کا ذکر فرمایا آسمان والے کہتے ہیں خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی تو کہاجاتاہے اسے معیاد تک کے لیئے لے جاؤ،ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تھی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنی ناک سے لگالیا ۵؎(مسلم)	

۱؎ غالبًا یہ دو فرشتے اس کے اعمال لکھنے والے ہیں،روح ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے،باقی کچھ اور فرشتے ان کے ساتھ ہوتے ہیں لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جہاں بہت سے فرشتوں کے لے جانے کا ذکر ہے۔

۲؎ یعنی اس روح کی خوشبو کو مشک اعلیٰ سے تشبیہ دی جو ان فرشتوں کو اور باقی دوسرے فرشتوں کو محسوس ہوتی ہے،کبھی حاضرین انسانوں نے بھی اس کا احساس کیا کہ جان نکلنے پر اعلیٰ درجے کی مہک آئی۔اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی روح مہکتی ہے،کبھی اچانک غیبی خوشبو محسوس ہوتی ہے،بزرگ فرماتے ہیں کہ اس وقت کسی پاک روح کا وہاں سے گزرہوتا ہے ایسے موقعہ پر درود شریف پڑھنا چاہیے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے پاس باب جبریل سے متصل بہت دفعہ خوشبو محسوس کی گئی۔

۳؎ غیر نبی پر درود مستقلًا پڑھنا ہمارے لیے منع ہے،یعنی ہم کسی کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔فرشتوں کا یہ درود اس روح پر پڑھنا ان کی خصوصیت ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ لانے والے کو فرماتے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی فُلَانٍ" ہمارے احکام اور ہیں ان کے احکام کچھ اور۔

۴؎ یعنی قیامت تک اسے برزخ میں رکھو،برزخ موت اور قیامت کے درمیانی وقت کانام ہے،اس وقت میں روحیں مختلف جگہ رہتی ہیں کوئی روح جنت میں اعلیٰ علیین میں،کوئی چاہ زمزم میں،کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب حضوری میں،یہاں کی یہ عبارت ان سب کو شامل ہے مگر روح جہاں بھی ہو جسم اور قبر سے تعلق ضرور رکھتی ہے اسی لیے قبر پر جاکر سلام،فاتحہ پڑھتے ہیں۔

۵؎ یعنی حضرت ابوہریرہ نے اپنی چادر ناک پر لگاکر فرمایا کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے یوں چادر کی تھی۔مرقات نے فرمایا کہ اس وقت سرکار کی ناک نے کسی کافر روح کی بدبو محسوس فرمائی تھی آپ کا یہ عمل اس بنا پر تھا۔کبھی بزرگوں کے حواس دور کی چیز محسو س کرلیتے ہیں،یعقوب علیہ السلام نے کنعان بیٹھے ہوئے مصر سے

روانہ ہونے والی قمیض یوسفی کی خوشبو محسوس کرکے فرمایا:"اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ"۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ عمل شریف بطور تمثیل کیا یعنی اگر تم وہ بدبو پاؤ تو ایسے ناک ڈھک لومگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مؤمن کو موت آتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشم لےکر آتے ہیں ۱؎ کہتے ہیں نکل تو راضی،تجھ سے رب راضی اللہ کی طرف سے راحت،روحانی رزق اور راضی رب کی طرف چل تو وہ بہترین مشک کی خوشبو کی طرح نکلتی ہے ۲؎ حتی کہ بعض فرشتے بعض کو وہ روح دیتے ہیں اسے آسمان کے دروازوں تک لاتے ہیں ۳؎ آسمان والے کہتے ہیں یہ کیا اچھی خوشبو ہے جو زمین سے تمہیں آئی پھر اسے مسلمانوں کی روحوں کے پاس لاتے ہیں مؤمنین اس کی وجہ سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی گمشدہ آدمی کے آجانے سے خوش ہوئے ۴؎ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کیاکرتا ہے فلاں کیاکرتاہے پھر کہتے ہیں اسے چھوڑو یہ دنیا کے غم میں تھا ۵؎ یہ کہتاہے کہ وہ مرگیا کیاتمہارے پاس نہ آیا وہ کہتے ہیں کہ اسے ام ہاویہ میں پہنچادیا گیا ہے ۶؎ اور کافر کی موت جب آتی ہے تو اس کے پاس عذاب کے فرشتے ٹاٹ لےکر آتے ہیں ۷؎ کہتے ہیں نکل تو رب سے ناراض تجھ پر رب ناراض اللہ کے عذاب کی طرف چل تو وہ مردار کی سخت بدبو کی طرح نکلتی ہے حتی کہ اسے زمین کے دروازے تک لاتے ہیں ۸؎ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسی سخت بدبوہے یہاں تک کہ اسے کفار کی روحوں میں پہنچا دیتے ہیں ۹؎(احمد،نسائی)

۱؎ روح کو لپیٹنے کے لیے جنت کالباس لاتے ہیں یعنی مؤمن کے جسم کا کفن یہاں کا کپڑا ہوتا ہے اور روح کا کفن جنت کا۔

۲؎ یعنی اس کے جسم سے نکلتے وقت بہترین مشک کی خوشبو مہکتی ہے جسے فرشتے محسوس کرکے خوش ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ مؤمن کی روح ہر وقت خوشبودار ہے مگر اس خوشبو کے ظہور کا وقت یہ ہے۔اصحمہ نجاشی کی قبر سے بہت

روز تک مشک کی تیز خوشبو نکلتی رہی جیسا کہ مشکوۃ شریف میں آئے گا،حضرت سلیمان جزولی صاحب دلائل الخیرات کی قبر سے بھی بہت روز تک خوشبو مہکی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم،لباس،پسینہ کی خوشبوؤں سے کلیاں مہک جاتی تھیں یہ اسی روحانی خوشبو کا ظہور تھا۔

۳؎ یعنی جیسے جسم میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے لوگ کندھے بدلتے ہیں ایسے ہی اس روح کو آسمان پر لے جاتے ہوئے فرشتے ہاتھ بدلتے ہیں مگر تھک کر نہیں بلکہ اظہار عزت کے لیے۔

۴؎ یعنی اس روح کو مسلمان روحوں کے ٹھکانوں پر پہنچاتے ہیں۔اعلیٰ علیین،جنت،دروازۂ جنت اور عرش اعظم کے نیچے جہاں کے یہ لائق ہو ورنہ مؤمنین کی روحیں اس کے نزع کے وقت وہاں موجود تھیں۔بعض بزرگوں نے بحالت نزع اپنے فوت شدہ اہل قرابت کے آنے کی خبر دی ہے،یہ پہنچانا ان کے ساتھ رکھنے کے لیے ہوتا ہے اسی لیے انہیں خوشی ہوتی ہے۔

۵؎ یعنی یہ مؤمن روحیں اسی جانے والی روح کو گھیر کر اپنے زندہ دوستوں کے حالات پوچھتی ہیں،پھر انہیں میں سے بعض روحیں پوچھنے والوں سے کہتی ہیں کہ سوال و جواب ختم کرو اسے آرام کرنے دو یہ ابھی دنیوی تکالیف اورشدت نزع سے چھوٹ کر آیاہے۔خیال رہے کہ روحوں کا یہ سوال اشتیاق کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ مؤمن روحیں اپنے زندوں کے حالات سے خبردار رہتی ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ"۔زیارت قبور کے آخر میں ان شاءاللہ آئے گا کہ مؤمن روحیں ہر جمعرات کو اپنے گھر آکر زندوں سے ایصال ثواب کی درخواست کرتی ہیں،نیز زیارت قبور کرنے والوں کو پہچانتی ہیں اورقبرستان گزرنے والے سے دعا کی درخواست کرتی ہیں۔

۶؎ یعنی انہی روحوں میں سے کوئی کسی کے بارے میں سوال کرتی ہے تو یہ جانے والی روح کہتی ہے کہ وہ تو مرچکا تمہارے پاس پہنچا نہیں تو اسی پوچھنے والی جماعت کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ وہ کافر ہوکر مرا،ہاویہ میں گیاہمارے پاس کیسے آتا۔اس جواب سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ یہ روحیں دنیا والوں کے حالات اور ان کے اچھے برے خاتمہ سے خبردار ہیں۔خیال رہے کہ یہاں امّ بمعنی اصل اورٹھکانہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ"یعنی وہ اپنے ٹھکانے ہاویہ میں گیا۔

۷؎ دوزخ کا ٹاٹ لاتے ہیں تاکہ اس میں اس روح کو لپیٹیں یہ اس کا کفن ہے۔

۸؎ اس عبارت میں سماء پوشیدہ ہے یعنی زمین آسمان کے دروازے پر پہلے آسمان جسے سماء ارض کہا جاتا ہے یا زمین سے مراد اس کا ساتواں طبقہ ہے جس کے نیچے سجین ہے کفار کا ٹھکانہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جس کی تائید اگلے مضمون سے بھی ہورہی ہے۔

۹؎ سجّین میں جہاں پہلے ہی ارواح کفار قید ہیں مگر یہاں کوئی کسی سے پوچھ گچھ نہیں کرتا ہر ایک اپنے حال میں گرفتار ہے۔

روایت ہے حضرت براءابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے قبر پر پہنچے قبر ابھی تیار نہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم آپ کے آس پاس ایسے بیٹھ گئے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں[1] حضور کے ہاتھ میں چھڑی تھی جس سے آپ زمین کریدنے لگے[2] پھر اپنا سر اٹھایا دو یا تین بارفرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو پھر فرمایا کہ بندہ مؤمن جب دنیا سے روانہ ہوکر آخرت کی طرف جانے لگتا ہے تو اس پر آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے اترتے ہیں گویا ان کے چہرے سورج ہیں[3] جن کے ساتھ جنت کے کفنوں سے کفن اور وہاں کی خوشبو ہوتی ہے حتی کہ میت کی تاحد نگاہ بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں اس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتے ہیں[4] اے پاک روح اللہ کی بخشش اور رضا کی طرف چل تو وہ نکلتی ہے ایسی بہتی ہوئی جیسے مشک سے قطرہ[5] ملک الموت اسے لے لیتے ہیں جب لیتے ہیں تو فرشتے ان کے ہاتھ میں پل بھرنہیں چھوڑتے حتی کہ اسے لے لیتے ہیں اس کو کفن اور خوشبو میں ڈال دیتے ہیں اس میت سے ایسی نفیس خوشبونکلتی ہے جیسے روئے زمین پر بہترین مشک سے[6] فرمایا اسے لےکر چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی کسی جماعت پرنہیں گزرتے مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ کیا ہی نفیس خوشبو ہے یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے اس کاوہ اعلیٰ نام لےکر جو زمین میں لیا جاتاتھا حتی کہ اسے لےکر دنیاوی آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس کے لیے کھلواتے ہیں تو کھول دیاجاتاہے اسے ہر آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان پر پہنچانے جاتے ہیں حتی کہ ساتویں آسماں تک پہنچادیتے ہیں[7] رب فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھو[8] اور اسے زمین کی طرف کردو کیونکہ میں نے انہیں

زمین سے ہی پیدا کیا وہاں ہی لوٹاؤں گا وہاں ہی سے دوبارہ نکالوں گا فرمایا اس کی روح جسم میں واپس کی جاتی ہے ۹؎ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ رب تیرا کون وہ کہتا ہے رب میرا اللہ ہے وہ کہتے ہیں دین تیرا کیا وہ کہتا ہے دین میرا اسلام کہتے ہیں یہ صاحب کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ کہتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا یہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اس کی تصدیق کی ۱۰؎ تو آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے ۱۱؎ اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ جنتی لباس پہناؤ اور جنت کی طرف دروازہ کھول دو فرمایا تب اس تک جنت کی راحت و خوشبو آتی ہے، تاحد نگاہ اس کی قبر میں فراخی کی جاتی ہے ۱۲؎ فرمایا کہ اس کے پاس ایک خوبصورت اچھے کپڑوں اچھی خوشبو والا شخص آتا ہے کہتا ہے اس سے خوش ہو جو تجھے مسرور کرے گی یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا ۱۳؎ یہ کہتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ بھلائی لاتا ہے ۱۴؎ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں ۱۵؎ تب بندہ کہتا ہے یارب قیامت قائم کر یا رب قیامت قائم کر تاکہ میں اپنے گھر بار اور مال میں پہنچوں ۱۶؎ فرمایا کہ بندہ کافر جب دنیا کے خاتمے اور آخرت کی آمد میں ہوتا ہے تو ا س کی طرف آسمان سے سیاہ چہرے والے فرشتے اترتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں ۱۷؎ اس کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتے ہیں اس کے سر کے پاس بیٹھتے ہیں کہتے ہیں اے خبیث جان رب کی ناراضی کی طرف نکل فرمایا کہ جان اس کے جسم میں چھپتی پھرتی ہے وہ اسے ایسے کھینچتے ہیں جیسے گرم سیخ بھیگی اون سے کھینچی جاتی ہے ۱۸؎ پھر اسے لے لیتے ہیں جب لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے وہ جان ملک الموت کے ہاتھ میں

پلک جھپکتے تک نہیں چھوڑتے حتی کہ اسے ان ٹاٹوں میں ڈال لیتے ہیں اور اس سے روئے زمین کے بدترین مردار کی سی بدبو نکلتی ہے اسے لےکر چڑھ جاتے ہیں ١٩؎ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث جان ہے وہ اس کے دنیاوی بدترین ناموں سے جس سے موسوم کیاجاتا تھا نام لےکر کہتے ہیں کہ فلاں فلاں کا بیٹا یہاں تک کہ اسے لےکر آسمان دنیا تک آتے ہیں٢٠؎ کھلوایاجاتا ہے تو اس کے لیے کھولانہیں جاتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی نہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھلیں اور نہ وہ جنت میں جائیں حتی کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے ٢١؎ پھر رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اس کی کتاب نچلی زمین کے سجّین میں لکھو پھر ان کی جاں پٹخ دی جاتی ہے پھر حضور نے یہ تلاوت کی کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر گیا جسے پرندے اچکتے ہیں یا اسے دور جگہ میں ہوا پھینکتی ہے٢٢؎ پھر روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا پھر کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتے ہیں ہائے ہائے میں نہیں جانتا ٢٣؎ تب آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے یہ جھوٹا ہے٢٤؎ اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ اور آگ کی طرف دروازہ کھولو تب اس تک دوزخ کی گرمی اور وہاں کی لو آتی ہے اس پر قبر اتنی تنگ کی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہوجاتی ہیں٢٥؎ اس کے پاس ایک بدشکل برے لباس والا بدبو دار آدمی آتاہے کہتا ہے اس کی خبرلے جو تجھے غمگیں کرے گی یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ تھا مردہ کہتا ہے کہ تو ہے کون کہ تیرا چہرہ شر(ڈر)لاتا	

	ہے وہ کہتا ہے میں تیرے برے عمل ہوں تب یہ کہتا ہے الٰہی قیامت نہ قائم کر ۲۶؎ اور ایک روایت میں اس کی مثل ہے اس میں اتنی زیادتی ہے کہ جب مؤمن کی جان نکلتی ہے تو آسمان وزمین کے درمیان کے سارے فرشتے اس پر دعا کرتے ہیں اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں ہر درازے والے یہی دعاکرتے ہیں کہ اس کی روح ان کی طرف سے چڑھے ۲۷؎ اور کافر کی جان اس کی رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے اس پر آسمان زمین کے درمیان والے فرشتے اور آسمان کے سارے فرشتے لعنت کرتے ہیں آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں ۲۸؎ ہر دروازے والے یہی دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اس کی روح ان کی طرف سے نہ چڑھے۔(احمد)

۱؎ خاموش بےحس و حرکت،نیچی نگاہیں کئے ہوئے جیسے پرندوں کا شکاری جال لگاکر شکار کے انتظار میں بےحس و حرکت بیٹھتا ہے،صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہمیشہ ایسے ہی بیٹھا کرتے تھے،خصوصًا آپ کے کلام فرمانے کے وقت۔(لمعات)

۲؎ یعنی کسی فکر میں تھے جسکے باعث غیراختیاری جنبش ہورہی تھی جیساکہ سوچتے وقت انسان کیاکرتاہے۔

۳؎ یا تو رحمت کے فرشتوں کا رنگ ہی یہ ہے یا اس مرنے والے کا نور ہدایت ان کے چہروں پر چمکتا ہے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۴؎ خود ملک الموت بھی اور ان کے ساتھ دوسرے فرشتے بھی،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ یہ کہنے والے اور فرشتے ہیں۔سبحان اللہ! کیسا نظارہ ہے کہ انسان اس وقت سورۂ یٰسین اور کلمہ شریف پڑھ رہے ہیں اور فرشتوں کی طرف سے یہ آوازیں اُٹھ رہی ہیں گویا میت دولہا ہے جسے انسانوں کی جماعت وداع کررہی ہے اور فرشتوں کی جماعت استقبال۔

۵؎ اہلِ سنت کے نزدیک روح ایک لطیف جسم ہے جو بدن میں ایسے سرایت کئے ہوئے ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی۔صوفیاء کے نزدیک ریاضت،مجاہدہ سے بدن ضعیف ہوتاہے مگر روح قوی جس سے روح بآسانی نکل جاتی ہے جیسے کمزور پنجرے سے قوی جانور،ان دونوں قولوں کا ماخذ یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ سکرات موت روح نکلنے سے پہلے ہوتی ہے،مؤمن کو سکرات تو ہوتی ہے مگر روح کا نکلناآسانی سے ہوتا ہے،نیز روح کا آسانی سے نکلنا جسم کی تڑپ کے خلاف نہیں،جسم روح کا عاشق ہے اس کے نکلنے پر تڑپتا ہے لہذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

٦؎ یعنی روح مؤمن کی خوشبو جنت کی ان خوشبوؤں پر غالب آجاتی ہے کیوں نہ ہو کہ یہ خوشبو ایمان کی ہے،عرفان کی ہے،جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی ہے،کونین کی خوشبو اس کے مقابل نہیں ہوسکتی اسی لیے فرشتے اس خوشبو سے مست ہوکر وہ گفتگو کررہے ہیں جو آگے مذکور ہے،ورنہ وہ حضرات تو ہمیشہ جنت کی خوشبو میں رہتے ہیں۔

۷؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نیک اولاد اللہ کی رحمت ہے،دیکھو اس نیک کی برکت سے اس کے باپ کا نام بھی فرشتے احترام سے لیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ اس روح کے ساتھ دوقسم کے فرشتے ہوتے ہیں:ایک ڈیوٹی والے جن کے ذمہ اسے وہاں پہنچاناہے۔دوسرے استقبال اور ہم رکابی کرنے والے فرشتے جو احترام کے لیے اس کے ساتھ بہت دور تک جاتے ہیں۔

۸؎ ساتویں آسمان سے مراد جنت ہے یا سدرہ یا عرشِ الٰہی کیونکہ یہ تینوں وہاں سے قریب ہی ہیں۔علیین ایک دفتر ہے جس میں نیکوں کے نام اور نامۂ اعمال لکھے جاتے ہیں،یعنی اس بندے کی عمر بھر کے اعمال اس رجسٹر میں نقل کردو،اس کا نام بھی اس فہرست میں لکھ دو۔ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھاکہ یہ آسمانوں پر جانا،آنا اورساری گفتگو پلک جھپکتے ہوجاتی ہے کیونکہ روح کی رفتار بجلی سے لاکھوں گناہ تیز ہے۔سوتے میں سونے والے کی روح ساتوں آسمان پھاڑکر عرش اعظم کے نیچے سجدہ کرکے جسم میں لوٹ آتی ہے اور اس میں ایک سیکنڈ نہیں لگتا۔(مرقات)اپنے نور نظر اور قوت خیال کی رفتار دیکھ لو۔

۹؎ ظاہر یہ ہے کہ جسم کے سارے اجزاء میں روح داخل ہوتی ہے اور مردہ زندہ ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے کہاکہ صرف سینہ تک جاتی ہے مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں لیکن یہ زندگی ہمیں محسوس نہیں ہوتی ہے۔اگر مردہ ہمارے سامنے پڑا رہے تو اس پر یہ ساری واردات گزر جاتی ہے ہمیں خبر نہیں ہوتی۔

۱۰؎ اس کی مکمل شرح "باب عذاب قبر"میں گزر چکی،بعض روایتوں میں مَنۡ نَبِیُّكَ بھی ہے یہاں مَاھٰذَا الرَّجُلُ آیا مگر کوئی حرج نہیں،کسی سے وہ سوال ہوتا ہے کسی سے یہ۔مَا سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات ہیں یعنی ان صاحب کے صفات بتا۔

۱۱؎ ظاہر یہ ہے کہ پکارنے والا کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو رب کا کلام نقل کرتا ہے۔

۱۲؎ یعنی یہ مؤمن کامیابی کے بعد جنت میں نہیں پہنچتا،بلکہ جنت کو دیکھتا ہے،وہاں کی خوشبو میں ٹھنڈی ہوائیں محسوس کرتاہے مگر شہداء کی روحیں جنت میں پہنچ جاتی ہیں،بعد قیامت وہاں جسموں کا داخلہ ہوگا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ قبر کی فراخی بصارت کی حد تک ہوگی اور وہاں بصارت بقدر بصیرت ہوگی یعنی وہاں بصارتیں مختلف ہوں گی لہذا قبروں کی فراخیاں بھی مختلف ہوں گی۔

۱۳؎ یوم سے مراد وقت ہے یعنی تیری تمام غم و تکلیف کا خاتمہ ہوچکا اب وہ وقت آگیا کہ تجھے ہر طرف سے خوشی ہی خوشی رہے،اسی وقت کا تجھ سے علماء،مشائخ،قرآن کریم اورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا جس وعدہ کی بناء پر تو نے ایمان و تقویٰ اختیار کیا تھا۔خیال رہے کہ اس وقت کی کبھی انتہا نہیں ابدالآباد تک رہے گی۔

۱۴؎یعنی تو کون حبیب ہے کہ غریب کو عجیب بشارت دیتا ہے اور میرا ہاں مونس ہے جہاں دنیا والے مجھے چھوڑ گئے،تیری تو صورت ہی ایسی پیاری ہے جس کو دیکھ کر غم غلط ہوتے ہیں،خوشی نصیب ہوتی ہے۔خیر سے مراد خوشی یا بشارت ہے۔

۱۵؎عمل دنیا میں ایک حالت وکیفیت ہے مگر برزخ ومحشر میں جسمانی شکل میں نمودار ہوں گے۔اب بھی خواب میں اعمال جسمانی شکل میں نظر آتے ہیں۔یوسف علیہ السلام نے خشک بالیوں،دبلی گایوں کی تعبیر قحط سالی سے دی،تر بالیوں کی تعبیر فراخ سالی سے،اسی طرح خواب میں علم وعمل سفید وجاری پانی کی شکل میں دیکھے جاتے ہیں۔

۱۶؎مَالِیْ میں تین احتمال ہیں:ایک یہ کہ اس سے مراد ہو میرا والی۔دوسرے یہ کہ اس سے مراد ہو میرا انجام مال نتیجہ کو کہتے ہیں۔تیسرے یہ کہ ماموصولہ ہو اور لِیْ صلہ،یعنی وہ ثواب جو میرے لیے۔اھل سے مراد جنتی بیبیاں ہیں یعنی قیامت جلد قائم کرتاکہ اپنے ثواب اور جنت کے گھر بار میں واپس جاؤں،چونکہ انسان جنت ہی سے آیا ہے اس لیے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا،اس لوٹنے سے بعض لوگ سمجھے کہ دنیا میں اعمال کے لیے آنا مراد ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قیامت قائم ہونے پر نہ عمل کا وقت ہوگا نہ ان گھروں میں آنا۔

۱۷؎ظاہر یہ ہے کہ ان فرشتوں کے اپنے چہرے کالے نہیں ہوتے،بلکہ یہ کافر کے کفر اور بدعملی کا رنگ ہے جو ان کے چہروں میں نظر آتاہے جیسے کالے آدمی کی سیاہی آئینہ میں۔اور ہوسکتا ہے کہ ان کا اپنا رنگ ہو کیونکہ وہ غضب الٰہی کے مظہر ہیں مگر یہ سیاہی ان فرشتوں کی نورانیت کے خلاف نہیں،دیکھو آنکھوں کی پتلی کالی ہے مگر نور ہے۔ٹاٹ سے دوزخ کا سخت اور کھرکھرا لباس مراد ہے جیسا پہلے کہا جاچکا۔

۱۸؎ظاہر یہ ہے کہ فعل سے مراد روح ہے،روح اگرچہ نورانی ہے مگر بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے اسے خبیث کہا گیا جیسے پانی کی طبیعت ٹھنڈی ہے مگر آگ پر رکھے جانے سے آگ کا سا کام کرتا ہے۔روح اگرچہ سارے جسم میں پھیلی ہوتی ہے مگر اس فرمان کو سن کر اعضاء کی طرف سمٹتی ہے جسے چھپتے پھرنے سے تعبیر فرمایا گیا،اس تشبیہ میں بتایا گیا کہ کافر کی جان بڑی مصیبت سے نکلتی ہے اگرچہ وہ ہاٹ فیل ہی سے مرے حتی کہ اس کے ساتھ رگیں تک کھینچتی آتی ہیں جیسے گرم سیخ کے ساتھ بھیگی اون لپٹ جاتی ہے۔

۱۹؎اگرچہ فرشتے جانتے ہیں کہ اس کے لیے آسمان نہ کھلے گا،لیکن اسے رسوا کرنے سارے فرشتوں میں اس کا حال بدد کھانے اور خود اس پر اس کی مردودیت ظاہر کرنے اور آسمان سے زمین پر پٹخنے کے لیے لے جاتے ہیں۔

۲۰؎اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان بے شمار فرشتے ہیں جن کی مختلف جماعتیں ہیں اور مختلف کام،جن پر یہ روح گزرتی ہے اور علامتیں سنتی ہیں یا تو لے جانے والے فرشتے انہیں نام بتاتے ہیں یا وہ خود ہی سوال کرکے خود ہی جواب دیتے ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کے ناموں اور کاموں سے خبردار ہیں۔

۲۱؎اس تعلیق سے معلوم ہورہا ہے کہ کفار کا جنت میں جانا ناممکن بالذات ہے کیونکہ اگر اونٹ بڑا ہے اورسوئی کا ناکہ چھوٹا تو اونٹ کاناکے میں سمانا بالذات محال ہے کہ یہ اجتماع ضدین کی فرد ہے۔بعض لوگوں نے یہ نکتہ سمجھا نہیں تو کہہ دیا کہ رب اونٹ کو چھوٹا کردینے یا ناکہ کو بڑا کردینے پر قادر ہے،لہذا کفار کا جنت میں جانا ناممکن ہے۔خیال رہے کہ فاسق مؤمنوں کے لیے جو وعیدیں آئی ہیں ان سب کے خلاف ہوسکتا ہے مگر کفار کی اس وعید

کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ رب نے ان ساری وعیدوں کو اپنے ارادے پر موقوف رکھا ہے،کہ فرمایا:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ"۔لہذا یہ حدیث مسئلہ خلف وعید کے خلاف نہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"میں جلد اول دیکھو۔

۲۲؎سجّین وہ دفتر ہے جس میں کفار کے نام درج ہیں اور ان کے مرنے کے بعد عمر بھر کے نامۂ اعمال بھی اس میں درج کردیئے جاتے ہیں،یہ ساتویں زمین کے نیچے ہے جیسے علیین ساتویں آسمان سے اوپر۔یہ سجن سے مشتق ہے،بمعنی قید خانہ کیونکہ اس میں قیدیوں کے نام و کام درج ہوتے ہیں،اس آیت میں کفار کی زندگی کے حالات مذکور ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کے بعد موت کے اس حال پر بھی منطبق فرمایا یعنی کفار اوپر سے گرے اور شیاطین نے انکی تکا بوٹی کرلی۔

۲۳؎اس کی شرح باب عذاب قبر میں گزر گئی وہاں عرض کیا گیا تھا کہ کافر مرکر اپنا دین بھی بھول جاتاہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میں عیسائی یا یہودی یا کافر تھا،نیز ابوجہل وغیرہ نے عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا مگر مرتے ہی نہ پہچان سکے،لیکن قیامت تک کے مسلمان جنہوں نےکبھی حضور علیہ السلام کی زیارت نہ کی وہ فورًا پہچان لیں گے کیونکہ وہاں کی پہچان تعلق ایمان سے ہے نہ کہ جسمانی سے۔

۲۴؎اس جواب میں جھوٹا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا یہ دنیا میں رب کو جانتا تھا،نبی کو پہچانتا تھا تب ہی تو رب کا شریک ٹھہراتا تھا اور نبی کا انکار کرتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ وہ کہتاہے میں یہ باتیں جاننے کے قابل نہ تھا جھوٹا ہے یہ عاقل بالغ تھا۔

۲۵؎یہ تنگیٔ قبر جو خدا کا عذاب ہے صرف کافر کے لیے ہے،بعض گنہگارمسلمانوں بلکہ نیک کاروں کو بھی تنگیٔ قبر ہوتی ہے مگر وہ خدا کی رحمت ہے جیسے ماں پیار سے بچے کو گود میں دباتی ہے جس سے بچہ گھبراتاہے۔یہ پوری بحث عذاب قبر میں گزر چکی۔

۲۶؎تاکہ میری رسوائی نہ ہو اور مجھے جہنم میں نہ جانا پڑے جس کا عذاب یہاں سے سخت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ کافر قیامت اور وہاں کے حالات کوجانتاہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی ان کے لیے حساب قبر نہیں۔

۲۷؎اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے مرنے اور اس کے اچھے خاتمہ کو سارے فرشتے دیکھتے اور جانتے ہیں خواہ آسمانی فرشتے ہوں یا درمیانی،لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے مخلوق میں بڑے عالم ہیں بھی،ہر شخص کی موت اور اس کے خاتمہ سے خبردار ہیں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں مؤمنوں کے ایمان بلکہ ان کے مراتب ایمان کی بھی گواہی دیں گے اور مؤمنوں کی شفاعت کریں گے،اگر آپ کو لوگوں کے ایمان و کفر کی ہی خبر نہ ہو تو یہ کام کیسے کرسکتے ہیں۔خیال رہے کہ ہر روح کے لیے آسمان سے جانے کا دروازہ مقرر ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر ہے،غازیوں کے لیے اور دروازہ ہے،حاجیوں کے لیے اور،نمازیوں کے لیے اور،صحابیوں کے لیے اور مگر پھر بھی

ہر دروازہ کے فرشتوں کا یہ دعاکرنا اظہار اشتیاق کے لیے ہے نہ کہ بے خبری کی وجہ سے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی کو اس کے مرے بعد اپنی قمیص پہنائی،نماز جنازہ پڑھائی اگرچہ جانتے تھے کہ یہ جہنمی ہے۔

۲۸؎ یعنی کھلوانے پر کھولے نہیں جاتے جیساکہ اوپر گزر چکا،ورنہ آسمان کے دروازے ہر وقت بندہی رہتے ہیں ضرورۃً کھلتے ہیں۔خیال رہے کہ آسمان میں بے شمار دروازے ہیں:بعض سے رزق اترتے ہیں،بعض سے عذاب،بعض سے فرشتے،بعض سے مرنے والوں کی روحیں اندر جاتی ہیں،ایک دروازہ وہ بھی ہے جو خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج میں جانے کے لیے تھاوہ پہلے نہ کسی کے لیے کھلا تھا،نہ پھر بعد میں کسی کے لئے کھلے،اسی لیے حدیث معراج میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل امین گئے دروازہ کھلوایا تو دربان نے پوچھا کہ تم کون ہو تمہارے ساتھ کون ہے اگر یہ بھی کوئی عام دروازہ ہوتا تو اس سوال کے کیا معنی تھے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن کعب سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب حضرت کعب کو موت آئی تو ان کے پاس ام بشر بنت ابن معرور آئیں ۲؎ بولیں اے ابوعبدالرحمان اگر تم فلاں سے ملو تو انہیں میرا سلام پہنچانا ۳؎ وہ بولے ام بشر اللہ تمہیں بخشے ہم تو ان چیزوں سے زیادہ مشغول ہوں گے وہ بولی اے ابو عبدالرحمان کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہیں سنا کہ مسلمانوں کی روحیں سبز پرندوں میں جنت کے درخت سے لٹکائی جاتی ہیں فرمایا ہاں بولیں یہ وہی ہے ۴؎(ابن ماجہ،بیہقی،کتاب البعث والنشور)

۱؎ عبدالرحمان انصاری ہیں،تابعی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پیدا ہوئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرسکے،آپ کے والد کعب ابن مالک انصاری بدری وہی مشہور صحابی ہیں جن کی توبہ کاواقعہ سورۂ توبہ میں مذکور ہے۔

۲؎ ام بشر کی صحابیت میں اختلاف ہے،البتہ ان کے والد براء ابن معرور مشہور صحابی ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

۳؎ حق یہ ہے کہ فلاں سے مراد ان کے بیٹے بشر ہیں جو ان کی زندگی میں فوت ہوگئے تھے جس کا انہیں بہت صدمہ ہوا تھا،مدینہ منورہ میں جو بھی فوت ہوتا اس کی معرفت اپنے بیٹے کو سلام کہلا کر بھیجتی تھیں،اس سلسلہ میں آپ کے پاس بھی آئیں۔اگر "ملو"کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری روح اسی جماعت میں سے ہوجس سے بشر ہے تو تم ضرور ان کے پاس جاؤ گے اور ان کے ساتھ رہو گے۔

۴؎ یعنی بعدموت اپنی حالت میں گرفتار ہونا اورکسی کوکسی کی خبر نہ ہونا کفار کے لیے ہے،تمہاری موت تو مشغولیتیں ختم ہونے اور اطمینان شروع ہونے کا وقت ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کی روحیں جنت میں پہنچ

جاتی ہیں اسی لیے اس طقبہ کا نام جنت الماوی ہے یعنی روحوں کی پناہ لینے کی جگہ،ان کاماخذ یہ حدیث ہے،ان کے نزدیک شہداء کے لیے جنت کا خاص طبقہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ روح کے لیے فنا نہیں جنتیں اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہوچکی ہیں۔

روایت ہے انہی سے وہ اپنے والد سے راوی وہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکایا جاتا ہے حتی کہ اللہ جس دن اسے اٹھائے گا اس کے جسم میں لوٹائے گا [1](مالک،نسائی،بیہقی فی کتاب البعث و النشور)	

[1] یعنی بعد موت مؤمن کی روح پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں میں رہتی ہے اوروہاں کے پھل کھاتی ہے۔فرق یہ ہے کہ روحیں ہر وقت کھاتی ہیں اور ان کی روحیں صبح و شام۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے عام مؤمن مراد ہیں،روح کہیں بھی رہے مگر اس کا جسم سے تعلق رہتاہے۔مرقاۃ نے اس جگہ فرمایا کہ مرنے کے بعد مؤمن کا جسم بھی روح کی طرح لطیف ہوجاتا ہے۔چنانچہ مؤمن بعدوفات جہاں چاہے عالَم کی سیر کرتا ہے،دیکھو معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم روح کی طرح نورہوچکا تھا اور اولیاءاللہ کے لیے تمام زمین سمیٹ دی گئی ہے،وہ بیک وقت مختلف جگہ میں موجود ہوسکتے ہیں،ان کی یہ کرامت تو دنیا کی اس زندگی میں دیکھی گئی ہے،پھر عالم ارواح کا کیا پوچھنا۔بعض شارحین نے اس حدیث کا اس لیے انکارکیا کہ یہ عقل سے وراء ہے،اگر انسانی روح پرندوں میں پہنچ جائے تو آریوں کا آواگون ثابت ہوگا مگر یہ ان کی جہالت ہے وہ روح خود اس شکل میں ہوجاتی ہے آواگون سے اسے کیا تعلق،اس میں تو روح انسانی کتے یا گدھے کی روح بن جاتی ہے۔مؤمن کی روح کا پرندہ بن جانا ایسا ہی ہے جیسے فرشتوں کا شکل انسانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا۔

روایت ہے حضرت محمد ابن منکدر سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر ابن عبداللہ کے پاس گیا جب کہ وہ وفات پارہے تھے میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا [1](ابن ماجہ)	

[1] کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قبر میں تشریف لائیں گے،تم سے ان کے بارے میں سوال ہوگا اسی موقعہ پر میرا سلام بھی عرض کردینا۔اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن حساب و کتاب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض و معروض بھی کر لیتا ہے،عشاق تو اٹھ کر فدا ہوجاتے ہیں۔یہ مطلب بھی ہوسکتاہے کہ تم برزخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہو گے مجھے بھی وہاں یادکرلینا۔شعر

ہمیں بھی یاد رکھنا ساکنان کوچہ جاناں　　　سلام شوق پہنچے بیکساں دشت غربت کا

باب غسل المیت وتکفینہ

میت کے غسل اورکفن کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ مؤمن میت کا غسل فرض کفایہ ہے۔حق یہ ہے کہ یہ غسل نجاست نہیں بلکہ غسل جنابت کی طرح حدث سے غسل ہے یعنی مؤمن کی نیند وضو توڑتی ہے اور اس کی موت غسل کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت یوں ہے کہ مؤمن کی زندگی اور موت میں نجس نہیں ہوتا۔(اشعہ)ہاں کافر اور جانور کی موت اسے نجس کردیتی ہے مگر شہید کی موت اس میں حدث بھی پیدا نہیں کرتی،نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اورشہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔کفن تین قسم کے ہیں:کفن سنت مرد کے لیے تین کپڑے،عورت کے لیے پانچ۔کفن کفایت مرد کے لیے دو کپڑے،عورت کے تین۔کفن ضرورت مَرد عورت دونوں کے لیے ایک ایک کپڑا۔

	روایت ہے حضرت ام عطیہ سے [1]فرماتی ہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے[2]تو فرمایا کہ انہیں تین بار یا پانچ بار اور اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بار پانی اور بیری سے غسل دو[3]آخر میں کافور(یا فرمایا کچھ کافور)ڈال دو[4]جب فارغ ہوجاؤ تو مجھے اطلاع دو جب ہم فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی آپ نے ہماری طرف اپنا تہبند شریف پھینکا اور فرمایا کہ اسے ان کے کفن کے نیچے رکھ دو[5]اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں طاق تین یا پانچ یا سات بار غسل دو اور داہنی طرف اور اعضائے وضو سے ابتداءکرو[6]فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کے تین حصے کئے جنہیں ان کے پیچھے ڈالا [7](مسلم،بخاری)

[1]آپ کانام نسیبہ بنت کعب ہے،انصاریہ ہیں،اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوؤں میں شریک رہیں،زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی۔

۲؎ یہ صاحبزادی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ ابوالعاص ابن ربیع ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد میں بڑی تھیں، ۸ھ؁ میں وفات پائی،بعض نے فرمایا کہ امّ کلثوم زوجہ حضرت عثمان تھیں جن کی وفات ۹ھ؁ میں ہوئی مگر قول اول قوی ہے۔

۳؎ اس طرح کہ بیری کے پتے پانی میں جوش دے لوکیونکہ بیری سے میل خوب کٹتا ہے،جوئیں وغیرہ صاف ہوتی ہیں اور اس سے میت کا بدن جلد بگڑتا نہیں۔تین بار غسل دینا سنت ہے،سات بار تک جائز اور بلاوجہ اس سے زیادہ مکروہ۔بیری کا استعمال پہلی بار میں سنت ہے،باقی میں جائز۔خیال رہے کہ غسل میت میں کلی اور ناک میں پانی نہیں۔

۴؎ یعنی آخری بار جو پانی ان پر بہاؤ اس میں کچھ کافور ملا ہو کیونکہ یہ بہترین خوشبو ہے،اس سے کیڑے مکوڑے جسم کے قریب نہیں آتے۔جمہور علماء یہی فرماتے ہیں کہ کافور آخری پانی میں ملایا جائے،بعض نے فرمایا کہ اسے خوشبوؤں میں شامل کیا جائے۔بہتر یہ ہے کہ دونوں جگہ استعمال کیا جائے۔

۵؎ شعار وہ کپڑا کہلاتا ہے جو جسم سے ملا رہے،**شعر** یعنی بالوں سے ملا ہوا،**دثار** اوپر والے کپڑے کو یعنی میرا تہبند شریف ان کے جسم سے ملا ہوا رکھو اور کفن اوپر۔یہ تہبند کفن میں شمار نہ تھا بلکہ برکت اور قبر کی مشکلات حل کرنے کے لیے رکھا گیا۔اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بزرگوں کے بال،ناخن،ان کے استعمال کے کپڑے تبرک ہیں جن سے دنیا،قبر و آخرت کی مشکلات حل ہوتی ہیں،قرآن شریف میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قمیض کی برکت سے یعقوب علیہ السلام کی نابینا آنکھیں روشن ہوگئیں۔احادیث میں ثابت ہے کہ حضرت امیر معاویہ،عمرو ابن عاص و دیگر صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن،بال وتہبند شریف اپنے ساتھ قبر میں لے جانے کے لیے محفوظ رکھے۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اور قرآنی آیت یا دعا کسی کپڑے یا کاغذ پر لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں دفن کرنا جائز بلکہ سنت ہے۔تیسرے یہ کہ ان چیزوں کے متعلق یہ خیال نہ کیا جائے کہ جب میت پھولے پھٹے گی تو ان کی بے حرمتی ہوگی،دیکھو سورۂ فاتحہ لکھ کر دھوکر بیمار کوپلاتے ہیں،یونہی آبِ زمزم برکت کے لیے پیتے ہیں حالانکہ پانی پیٹ میں پہنچ کر کیا بنتا ہے سب کو معلوم ہے۔کفنی الفی لکھنے اور تبرکات کفن میں رکھنے کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو۔

۶؎ یعنی پہلے میت کو وضو کراؤ پھر اس طرح غسل دو کہ اولًا داہنا حصہ دھوؤ پھر بایاں،یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اگر غسال انگلی پر کپڑا لپیٹ کر تر کرکے اس کے دانتوں اور نتھنوں پر پھیر دے تو مستحب ہے۔

۷؎ حضرت ام عطیہ کا یہ عمل اپنی رائے سے ہوگا کہ عمومًا عورتیں بالوں کے تین حصے کرکے چوٹی بُنتی ہیں جس سے وہ سارے بال پیٹھ کے پیچھے رہتے ہیں۔سنت یہ ہے کہ میت عورت کے بال کے دو حصے کیے جائیں ایک حصہ داہنی طرف سے دوسرا بائیں سے سینہ پر ڈال دیا جائے،سارے بالوں کا پیچھے رہنا مسنون نہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سوتی یمنی سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتی یعنی سفید کپڑے کا کفن دیا گیا یہی سنت ہے،اونی یا ریشمیں کفن سنت کے خلاف ہے بلکہ مرد کے لیے ریشمیں کفن حرام ہے۔یہاں قمیص سے سلی ہوئی قمیص مراد ہے جو زندگی میں پہنی جاتی ہے کفن کی قمیص مراد نہیں کہ وہ تو سنت ہے۔اس سے معلوم ہوتاہے کہ غسل کے وقت قمیص اتارلی گئی تھی،لہذا یہ حدیث حضرت جابر ابن سمرہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا:قمیص،ازار اورلفافہ کہ وہاں کفن کی قمیص مراد ہے۔عمامہ کے متعلق بعض علماء نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ان تین میں عمامہ نہ تھا بلکہ عمامہ ان کے علاوہ تھا،اس بناء پر مشائخ،علماء،صوفیاء کے کفن میں عمامہ دینا مستحب ہے۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا دے۱؎(مسلم)	

۱؎یہاں اچھے سے مراد بہت بھاری اور بیش قیمت کفن نہیں بلکہ جیسے کپڑے مرنے والا جمعہ کو پہنتا تھا ایسے کپڑے میں کفن دیا جائے نہ عید والوں میں نہ شادی والوں میں یعنی درمیانہ،لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ کفن میں غلو نہ کرو۔بعض روایات میں ہے کہ مُردوں کو اچھا کفن دو کیونکہ وہ آپس میں ملتے ہیں تو اچھے کفن سے خوش ہوتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جسے بحالت احرام اس کی اونٹنی نے کچل دیا وہ فوت ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پانی اور بیری سے غسل دو اور اس کے دوکپڑوں ہی میں کفن دو اور نہ اسے خوشبو لگاؤ نہ سر ڈھکو کہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا اٹھے گا۱؎(مسلم،بخاری)اورہم خباب کی حدیث کہ مصعب ابن عمیر قتل کیے گئے ان شاءاللہ تعالٰی "باب جامع المناقب" میں ذکر کریں گے۲؎	

۱؎احناف کے ہاں یہ حدیث اس میت کی خصوصیات میں سے ہے۔ہر محرم کا جو اپنے احرام میں فوت ہوجائے یہ حکم نہیں اسے دیگر مُردوں کی طرح ہی کفن دے کر دفن کیا جائے گا اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہی کا ذکر فرمایا یہ نہ فرمایا کہ ہرمحرم کے ساتھ تم یہی کیاکرناکیونکہ کفن دفن کے احکام کی احادیث عام ہیں ان میں محرم اور غیر محرم کا فرق نہیں۔

۲؎یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی لیکن ہم نے اسے اس باب کے مناسب نہ سمجھا،لہذا بجائے یہاں کے وہاں لائیں گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید کپڑے پہنو کیونکہ یہ تمہارے تمام کپڑوں سے بہتر ہیں اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو ۱؎ اور بہتر سرمہ اثمد ہے کہ وہ بال اگاتا ہے نگاہ تیز کرتا ہے ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی)ابن ماجہ نے موتاکم تک روایت کی۔

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے کہ زندوں اور مُردوں کے لیے سفید کپڑا مستحب ہے ورنہ عورت میت کے لیے ریشمی،سوتی،سرخ،پیلا ہر طرح کا کفن جائز ہے اگرچہ بہتر سفید اور سوتی ہے۔

۲؎ یہاں سرمہ سے زندوں کا سرمہ مراد ہے کیونکہ مردے کو سرمہ لگانا سنت نہیں،اثمد سرمہ سے مراد سادہ اصفہانی سرمہ ہے یعنی پتھر والا۔حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ شب کو سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگاتے تھے،اس سے پلک کے بال بڑھتے ہیں اور آنکھوں میں روشنی ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت بڑھیا کفن نہ دو کیونکہ یہ بہت جلد گل جائے گا ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی نہایت قیمتی اور بھاری کفن نہ دو کہ یہ اسراف بھی ہے اور بیکار بھی اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کو درمیانی کفن دیا جائے اس لباس میں جس میں وہ اپنے دوستوں سے ملنے جاتا تھا،ہاں اچھا دیا جائے جیسا کہ ابھی حدیث میں گزر گیا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ آپ کو جب موت آئی تو آپ نے نئے کپڑے منگائے انہیں پہنا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میت انہیں کپڑوں میں اٹھے گی جن میں مرے گی ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ نے اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کیا جیسے کہ حضرت عدی ابن حاتم نے "اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ" میں سوتی دھاگہ سمجھا تھا حالانکہ وہاں صبح کے نورانی ڈورے مراد ہیں،ایسے ہی اس حدیث میں کپڑوں سے مراد حال اور اعمال ہیں یعنی ایمان و کفر،تقویٰ اور فسق،جس حال میں مرے گا اسی میں قیامت کے دن اٹھے گا،ورنہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ سب مردے اپنی قبروں سے ننگے و بے ختنہ اٹھیں گے،رب فرماتا

ہے:"كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ"۔بعض علماء نے اس کی توجیہ یوں کی کہ میت قبروں سے کپڑوں میں اٹھے گی محشر میں ننگی پہنچے گی لیکن یہ معنی بہت ہی بعید ہیں۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا بہترین کفن یمنی جوڑا ہے [1] اور بہترین قربانی سینگ والا دنبہ ہے۔(ابوداؤد)

[1] حلہ یمنی چادر اور تہبند کو کہتے ہیں دو کپڑوں پر ہی بولا جاتا ہے،چونکہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلہ یمنی اور قمیص میں کفن دیا گیا اس لیے مرد کے لیے تین کپڑے مسنون ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن میں یمنی جوڑا بہتر ہے۔ہمارے دادا پیر حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ عرف اشرفی میاں نے اپنی موت و کفن کے لیے یمنی حلہ،طائف شریف کا شہد،آبِ زمزم اور خاک شفا محفوظ رکھی تھی اور فرمایا تھا کہ نزع کے وقت یہ شہد،پانی اور خاک شفا ملاکر میرے منہ میں ٹپکایا جائے اور اس حلہ یمنی میں مجھے کفن دیا جائے،یہ اسی حدیث پر عمل تھا۔الحمدللہ!کہ فقیر اس وقت حاضر تھا بلکہ حضرت کو غسل میں نے دیا۔

	اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو امامہ سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق حکم دیا کہ ان سے لوہا و پوستینیں اتار لی جائیں اور اپنے خونوں اور کپڑوں میں دفن کردیئے جائیں [1] (ابوداؤد،ابن ماجہ)

[1] شہید کا یہی حکم ہے کہ اس سے ہتھیار،خود،زرہ،پوستین وغیرہ اتارلی جاتی ہیں اور اسے یونہی پہنے ہوئے کپڑوں میں بغیر غسل مع خاک و خون دفن کیا جاتا ہے،ہاں کفن کی کمی پوری کردی جاتی ہے،مثلًا شہید اگر صرف کرتا پائجامہ پہنے ہوئے ہے تو اسے چادر اور دی جائے گی۔شہید کو غسل نہ دینے کی بہت سی احادیث ہیں جو بخاری اور دیگر صحاح وغیرہ کتب میں حضرت جابر وغیرہ سے منقول ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابراہیم سے وہ اپنے والد سے راوی کہ عبدالرحمان بن عوف کے پاس کھانا لایا گیا [1] وہ تھے روزے دار تو فرمایا کہ مصعب ابن عمیر جو مجھ

	سے بہتر تھے جب شہید ہوئے تو ایسی چادر میں کفن دیئے گئے کہ اگر انکا سر ڈھکاجاتا تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤ ں ڈھکے جاتے تو سر کھل جاتا مجھے خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حمزہ جو مجھ سے بہتر تھے۲ وہ بھی شہید ہوئے پھرہم پر دنیا اتنی پھیلائی گئی جو پھیلائی گئی یا فرمایا ہمیں دنیا اتنی ملی جو ملی ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا ثواب جلد دے دیا گیا ہو۳ پھر رونے لگے حتی کہ کھانا چھوڑ دیا۴ (بخار ی)

۱ افطار کے لیے۔غالبًا روزہ نفلی تھا،کھانا بہترین اور پر تکلف تھاجیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ آپ بہترین کھانا دیکھ کر حضرت مصعب و حمزہ کی موت کی بے کسی یاد کرکے رونے لگے۔

۲ آپ کا یہ فرمان عجزو انکساری کے لیے ہے ورنہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اورحضرت مصعب و حمزہ ان میں سے نہیں۔تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ عشرہ مبشرہ دیگر صحابہ سے افضل ہیں۔(لمعات)

۳ یہ خوف صحابہ کی حد ہے کیونکہ ان بزرگوں کا سارا مال حلال و طیب تھا جو غنیمتوں اورتجارتوں سے حاصل ہوا،پھر ان مالوں سے ان بزرگوں نے بڑی دینی خدمات کیں اس کے باوجود اتنا خوف خدا ہے۔خیال رہے کہ حضرت مصعب ابن عمیر اسلام سے پہلے بڑے مالدا رتھے،بہت خوش پوش اور خوش غذا تھے،اسلام و ہجرت کے بعد یہ حال ہوا کہ سخت گرمیوں میں چمڑے کا لباس پہنتے تھے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ان کو دیکھ کر رو پڑے کہ پہلے کیا حال تھا اور اب کیا حال ہے۔

۴ حالانکہ دن بھر کے روزے دار تھے،آپ کی نظر اس آیت کریمہ پر پہنچی"**مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ**"۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی کے پاس اس کے غار میں رکھ دیئے جانے کے بعد پہنچے آپ نے حکم دیا وہ نکالا گیا اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اس میں اپنا لعاب شریف ڈالا اسے اپنی قمیص پہنچائی ۱ راوی فرماتے ہیں کہ عبداللہ نے حضرت عباس کو قمیص پہنائی تھی۲ (مسلم،بخاری)

۱ معلوم ہوا کہ میت کو برکت کے لیے بزرگوں کو لعاب ڈالنا،اسے بزرگوں کا کپڑا دینا سنت ہے اگرچہ کافر و منافق اس سے فائدہ نہ حاصل کرسکیں،مگر بادل تو ہر اچھی بری،پاک و گندی زمین پر برستا ہے آگے زمین کی تقدیر کہ

بارش سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے،لہذا اس حدیث سے نہ تو یہ ثابت ہوتاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی کے نفاق سے بے خبر تھے اور نہ یہ کہ آپ کو خبر نہ تھی کہ کافر کو یہ تبرکات مفید نہیں۔صحیح روایات میں ہے کہ عبداللہ ابن ابی منافق کا بیٹا عبیداللہ سچا مؤمن صحابی تھا،اس کی دلجوئی کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رحم خسروانہ کو دیکھ کر بہت سے منافق مخلص مؤمن بن گئے۔دیکھو ہماری کتاب "جاءالحق"۔

۲؎اس جگہ مرقاۃ نے دو واقعہ بیان کیے:ایک یہ کہ حضرت عباس جب بدر میں قید ہوکر آئے تو ننگے تھے،عبداللہ ابن ابی منافق نے اپنی قمیص آپ کو پہنادی کیونکہ وہ آپ کے ٹھیک تھی کہ وہ بھی لمبا تھا اور آپ بھی دراز قامت،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ اس منافق کا احسان میرے چچا پر رہ جائے اس لیے اسے مرنے کے بعد اپنی قمیص دے دی۔دوسرے یہ کہ جب یہ منافق بیمار ہوا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ کو محبت یہودہ جاہ نے ہلاک کردیا،وہ بولا کہ یارسول اللہ میں نے آپ کو طعنے دینے کے لیے نہیں بلایا ہے بلکہ دعا کے لیے بلایا ہے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ میری نماز جنازہ پڑھائیں اور مجھے اپنی قمیص برکت کے لیے عطا کریں،اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے عبیداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی موت کی خبر دی تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں چچا کا بدلہ بھی تھا اور اس کے صحابی بیٹے کی دلداری بھی اور تبلیغ بھی۔چنانچہ اس واقعہ کو دیکھ کر ابن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے بعد بھی ضرورتًا نکالا جاسکتا ہے۔خیال رہے کہ اس واقعہ کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ"۔تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی نماز جنازہ اور دعا سب چھوڑدی۔

باب المشی بالجنازۃ و الصلوۃ علیها

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس پر نماز پڑھنے کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] جنازے کے ساتھ سواری پر جانا بھی جائز ہے اور پیدل بھی،سوار جنازے سے پیچھے ہی رہے،پیدل آگے پیچھے ہر طرف چل سکتا ہے مگر پیدل جانا اور پیچھے رہنا بہتر ہے۔ضرورت کے وقت میت کو سواری پر لے جانا بھی جائز ہے جب کہ قبرستان بہت دور ہو جیسے کراچی یا بمبئی،ورنہ سنت یہ ہے کہ چار آدمی اپنے کندھوں پر اٹھاکر اس طرح لے جائیں کہ میت کا سر آگے ہو،پاؤں پیچھے۔نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔اس نماز کی تین شرطیں ہیں:میت کا مسلمان ہونا،پاک ہونا،نمازی کے آگے رکھا ہواہونا،لہذا غسل سے پہلے یا غائب جنازہ پر یاسواری پر رکھے ہوئے یا نمازی کے پیچھے رکھے پر نماز جنازہ جائز نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنازے کو تیز لے جاؤ [1] اگر وہ نیک ہے تو بھلائی ہے جس کی طرف تم اسے لے جارہے ہو اور اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ ایک بری چیز ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتاررہے ہو [2] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی میت کو قبرستان تیز رفتار سے پہنچاؤ۔تیزی سے مراد عام رفتار سے زیادہ اور دوڑنے سے کم ہے،ہاں اگرمیت کے پھول یا پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو دوڑتے ہوئے لے جائیں۔

[2] یعنی ہر نیک اور بدمیت کو تیز ہی لے جاناچاہیے،نیک کو اس لیے کہ اس کااگلا گھر اس کے لیے خیرہے وہاں جلدی پہنچاؤ،بد کو اس لیے کہ وہ رحمت سے دور ہے تم سے بھی جلدی دور ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ برے آدمی کی صحبت مرے بعد بھی اچھی نہیں چہ جائے کہ اس کی زندگی میں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ**"۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جنازہ رکھاجاتاہے پھر اسے لوگ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا

ہے تو کہتاہے مجھے لے چلو۱؎اور اگر بد ہوتو اپنے گھر والوں سے کہتا ہے ہائے اسے کہاں لے جاتے ہو اس کی آواز انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے اگر انسان سنے تو بے ہوش ہوجائے ۲؎(بخاری)	

۱؎جنازے سے مراد میت ہے اور اس کے رکھے جانے سے مراد گھر سے باہر نکال کر لوگوں کے سامنے قبرستان لے جانے کے لیے رکھا جانا ہے۔ظاہر یہی ہے کہ مردہ بزبان قال یہ گفتگو کرتا ہے کیونکہ اسے نزع میں ہی اپنے آئندہ حال کا پتہ چل جاتا ہے،اب اسے یہاں ٹھہرنا وبال معلوم ہوتاہے اس لیے کہتا ہے جلدی پہنچاؤ۔اس سے معلوم ہوا کہ اس حالت ہی میں جسم میں جان پڑچکی ہوتی ہے اور بعدموت مردہ بولتا بھی ہے،سنتا بھی ہے جیساکہ باب عذاب قبر میں گزر چکا کہ مردہ چلنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتاہے۔احمد،طبرانی،ابن ابی دنیا،معروزی،اور ابن مندہ نے ابو سعیدخدری سے روایت کی کہ میت اپنے غسل دینے والے،اٹھانے والے،کفن دینے والے اور قبر میں اتارنے والے سب کو پہچانتا ہے۔(مرقات)

۲؎اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مردے کی یہ گفتگو زبان قال سے آواز کے ساتھ ہی ہوتی ہے جسے جانور فرشتہ کنکر،پتھر سب سنتے ہیں انسان کو اس لیے نہ سنائی گئی کہ اولًا تو اس میں اس آواز کی برداشت کی طاقت نہیں۔دوسرے اس پر ایمان بالغیب لازم ہے اگر وہ آواز سن لے تو ایمان بالغیب نہ رہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ۱؎جو اس کے ساتھ جائے وہ نہ بیٹھے حتی کہ رکھ دیا جائے۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اولًا میت کے لیے کھڑے ہوجانے کا حکم تھا یا تو میت کی تعظیم کے لیے یا ساتھ والے فرشتوں کی یا موت کی گھبراہٹ کے اظہار کے لیے،لیکن یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا اس کی ناسخ حدیثیں آگے آرہی ہیں۔اکثر علماء فرماتے ہیں کہ جو میت کے ساتھ جانا نہ چاہے اسے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔(مرقاۃ)

۲؎لوگوں کی گردنوں سے زمین پر تاکہ اگر اس کی امداد کی ضرورت پڑے تو یہ بآسانی امداد کرسکے،یہ حکم اب بھی باقی ہے کہ میت کو کندھوں سے اتارنے سے پہلے بیٹھ جانا مکروہ ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ قبر میں رکھ دیاجائے تو یہ حدیث منسوخ ہے جس کا ناسخ آگے آرہا ہے۔شروع اسلام میں دفن سے پہلے بیٹھنا مکروہ تھا اب جائز ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ایک جنازہ گزرا تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہوگئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو یہودیہ تھی فرمایا موت وحشت ناک ہے تو جب تم جنازہ دیکھاکرو تو کھڑے ہوجایاکرو	

١(مسلم،بخاری)	

١گھبراہٹ اورخوف ظاہر کرنے کے لیے نہ کہ کافر میت کی تعظیم کے لیے اس وقت کھڑا ہونا خوف کی علامت ہے اور بیٹھارہنا سختی دل اور غفلت کی نشانی مگر یہ حکم منسوخ ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے دیکھا تو ہم بھی کھڑے ہوتے رہے پھر آپ بیٹھنے لگے تو ہم بھی بیٹھنے لگے یعنی جنازے میں ١(مسلم)اور مالک اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اولًا جنازے میں کھڑے ہوتے تھے پھر بعد میں بیٹھنے لگے۔	

١یہ حدیث گزشتہ احادیث کی ناسخ ہے،یعنی پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے ہم بھی اسی پر عامل تھے،پھر بعد میں آپ نے یہ عمل چھوڑ دیا ہم نے بھی چھوڑدیا لہذا وہ کھڑا ہونا منسوخ ہے۔خیال رہے کہ وہ قیام منسوخ ہوا ہے جو صرف گھبراہٹ کے اظہار یا ملائکہ موت کی تعظیم کے لیے ہو اور ساتھ جانے کا ارادہ نہ ہو،ساتھ جانے کے لیے اٹھنا تو اب بھی ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جومسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان سے بہ نیت ثواب جائے ١اور اس کے ساتھ ہی رہے حتی کہ اس پرنماز پڑھ لے اور اس کے دفن سے فارغ ہوجائے تو وہ ثواب کے دو قیراط(حصے)لےکر لوٹے گا ہرحصہ احد کے برابر اور جو اس پر نماز پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ جائے وہ ایک حصہ لے کر لوٹے گا ٢(مسلم،بخاری)	

١ان دو قیدوں سے دو فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ کافر کا میت کے ساتھ جانا ثواب کاباعث نہیں کیونکہ اعمال کا ثواب ایمان سے ملتا ہے۔دوسرے یہ کہ ریا کاری،قومی نظریئے،کسی مالدار کو خوش کرنے کے لیے ساتھ جانے پر بھی کوئی ثواب نہیں جیساکہ آج عمومًا دیکھاجارہا ہے کہ غریب کے جنازے پر اٹھانے والے بھی مشکل سے جمع ہوتے ہیں اور امیر کے جنازے پر اکثر خوشامدیوں کا ہجوم ہوتا ہے جو بغیر نماز جانے ہوئے بھی بے وضو ہی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔

٢عمومًا دینار کے بیسویں حصے کو قیراط کہا جاتا ہے مگر شام والے چالیسویں حصے کو بعض اور علاقوں میں دینار کے چھٹے حصے کو قیراط کہتے ہیں یہاں تجریدًا صرف حصہ مراد ہے نہ کہ دینار کا حصہ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی صرف نماز جنازہ میں شرکت کرنے والا آدھا ثواب پاتاہے اور دفن میں بھی شرکت کرنے والا دگنا۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کی موت کی خبر دی جس دن انہوں نے وفات پائی ۱؎ اور حضور صحابہ کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے گئے ان کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کہیں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ نجاشی بادشاہ حبشہ کا لقب تھا،ان کا نام اصحمہ تھا،یہ پہلے عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہوئے اورحبشہ میں مہاجر صحابہ کو امن بھی دی،ان کی خدمتیں بھی کیں،ان کا انتقال رجب ۹ھ میں ہوا۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ دورنزدیک،غائب حاضر سب کو دیکھ لیتی ہیں کہ حبشہ اور مدینہ منورہ میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہے۔(مرقات)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ پنجگانہ جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ منع ہے میت مسجد میں ہو یا نہ ہو اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز مسجد نبوی شریف میں نہ پڑھی بلکہ ان کو باہر لے گئے۔اس حدیث کی بنا پر بعض لوگ نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہیں مگر ان کی یہ دلیل کمزور ہے اس لیے کہ نماز غائبانہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے پڑھی کسی صحابی نے کبھی نہ پڑھی۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جو صحابہ غزووں یا مکہ مکرمہ وغیرہ میں تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز غائبانہ نہ پڑھی،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی نماز غائبانہ پڑھی بارہا صحابہ کی شہادتوں یا وفات کی خبریں آتی تھیں آپ نماز نہ پڑھتے تھے۔جن روایات میں ہے کہ آپ نے معاویہ ابن معاویہ مزنی،زید ابن حارثہ،جعفر ابن ابی طالب پر یہ غزوہ موتے میں شہید ہوئے تھے نماز غائبانہ پڑھی ہے ان کی اسنادوں میں محدثین کو کلام ہے کیونکہ ان اسنادوں میں علاء ابن زید یا بقیہ ابن ولید وغیرہم راوی ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں اور اگر یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان نمازوں کی وجہ یہ ہے کہ جبریل امین نے ان میتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر حاضر کردیا۔چنانچہ حضرت ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں"كُشِفَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النِّجَاشِيِّ حَتّٰى رَاٰهُ وَصَلّٰى عَلَيْهِ"لہذا یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے ہے کیونکہ میت کا امام کے آگے ہونا کافی ہے مقتدی دیکھیں یا نہ دیکھیں،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر صحابی کا جنازہ پڑھاتے تھے حتی کہ جو رات میں دفن کردیئے جاتے ان کی قبر پر جاکر جنازہ پڑھاتے اور فرماتے کہ مجھے ہر ایک کی موت کی خبر دیا کرو،میری نماز ان کے لیے رحمت ہے مگر سوائے اس کے اور کسی غائب صحابی پر نماز غائبانہ نہ پڑھی،لہذا اس حدیث سے نماز غائبانہ کا جواز ثابت کرنا بہت کمزور ہے۔مذہب حنفی نہایت قوی ہے کہ جنازے کی نماز حاضر میت پر ہوسکتی ہے نہ کہ غائب پر۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ سے فرماتے ہیں کہ زید ابن ارقم ہمارے جنازوں میں چار تکبیریں کہتے تھے انہوں نے ایک جنازہ پر پانچ کہیں تو ہم نے ان سے پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ

	کہتے تھے ۱؎ (مسلم)

۱؎ چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں جن پر بیشمار احادیث صحیحہ وارد ہیں۔اس حدیث سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ صحابہ کا عمل چار تکبیروں پر ہی تھا کیونکہ خود زید ابن ارقم چار ہی کہتے تھے اورجس نماز میں انہوں نے پانچ۵ کہیں تو صحابہ نے ان سے پوچھ گچھ شروع کردی۔شارحین فرماتے ہیں کہ حضرت زید ابن ارقم بھول کر پانچ کہہ گئے تھے،جب صحابہ نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ نماز درست ہوگئی کیونکہ پانچ تکبیروں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رہا ہے اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی بھولے سے پانچ تکبیریں کہہ جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ چھ تکبیریں بھی ثابت ہیں مگر وہ سب منسوخ ہیں۔چنانچہ مؤطا امام محمد میں ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ عہد فاروقی تک صحابہ نماز جنازہ میں کبھی تکبیریں چار کہتے،کبھی پانچ،کبھی چھ،حضرت عمرفاروق نے سب کو جمع کرکے فرمایا کہ اگر تم میں ہی اختلاف رہے گا تو قیامت تک سارے مسلمانوں میں اختلاف رہے گا،تحقیق کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری جنازوں میں تکبیریں کتنی کہیں تحقیق سے ثابت ہوا کہ آپ نے چار تکبیریں کہیں اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔چنانچہ حضرت عمر نے صدیق اکبر پر،حضرت ابن عمر نے عمرفاروق پر،حضرت حسن ابن علی نے جناب علی مرتضٰی پر،امام حسین نے حضرت حسن پر چار تکبیریں ہی کہیں،بلکہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کا جنازہ پڑھا تو آپ پر چار تکبیریں ہی کہیں۔اس کی پوری تحقیق کے لیے فتح القدیر،لمعات و مرقات میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی پھر فرمایا تم جان لو کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھتیجے۔

۲؎ اس حدیث کی بناء پر لوگ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے،نماز پنجگانہ کی طرح اس میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے مگر اس حدیث سے یہ مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا چند وجوہ سے:ایک یہ کہ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورۂ فاتحہ پڑھی بلکہ نماز جنازہ کے بعدمیت کو ایصال ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھی کیونکہ یہاں صَلَّیْتُ کے بعدفَقَرَءَ ہے ف تعقیبیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ قرأت نماز کے بعد تھی جیسے"فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا"۔دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ آپ نے نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی۔تیسرے یہ کہ اگر کوئی تکبیر بھی اپنی طرف سے مقرر کرلو تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بہ نیت ثناء پڑھی یا بہ نیت دعاء یا بہ نیت تلاوت۔چوتھے یہ کہ آپ کے سورۂ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ کو سخت تعجب ہوا تب آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے اس لیے عمل کیا تاکہ تم جانو کہ یہ نیت ہے۔معلوم ہوا کہ صحابہ اسکو سنت نہیں جانتے تھے اور نہ پڑھتے تھے تبھی تو آپ کو

معذرت کرنی پڑی۔پانچویں یہ کہ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ سنت لغوی فرمایا،یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے اور ثناء اور دعاء کے یہ پڑھ لی جائے۔احناف بھی کہتے ہیں کہ بہ نیت ثناء یا دعا الحمد پڑھنا جائز ہے،بہ نیت تلاوت منع۔چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہو۔ساتویں یہ کہ صحابہ کرام بھی جنازہ میں فاتحہ کی تلاوت نہ کرتے تھے۔چنانچہ مؤطا میں عن مالك عن نافع ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قطعًا نہیں کرتے تھے،اسی مؤطا امام مالک میں ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھاکہ نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے تو آپ نے فرمایا کہ جب جنازہ رکھا جائے تو پہلے تکبیر کہو اور خدا کی حمد کرو،پھر درود شریف پڑھو،پھر یہ دعا پڑھو"اللّٰھُمَّ عَبْدُكَ"الخ۔بہرحال اس حدیث سے نماز جنازہ میں تلاوت فاتحہ پر دلیل پکڑنا بالکل باطل ہے،مذہب احناف نہایت قوی ہے۔عینی شرح بخاری میں اس جگہ ہے کہ حضرت عمرو علی وابن عمر،ابوہریرہ صحابہ اور عطاء طاؤس،سعدابن مسیب،ابن سیرین،سعد ابن جبیر،شعبی اور مجاہد وغیرہ تابعین جنازہ میں فاتحہ کو منع کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت عوف بن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو میں نے آپ کی دعا حفظ کرلی آپ فرماتے تھے الٰہی اسے بخش دے اور اس پر رحم کر،اسے عافیت دے،اسے معاف کر،اس کی مہمانی اچھی فرما،اس کی قبر فراخ کر اور اسے پانی برف اور اولے سے دھودے۱؎اور اسے خطاؤں سے ایسا صاف کردے جیسے توسفید کپڑا میل سے صاف کرتا ہے۲؎اور اس کو اس کے گھر سے اچھا گھر،گھر والوں سے اچھے گھر والے اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما۳؎اور اسے جنت میں داخل کر اور قبر اور آگ کے عذاب سے بچالے اور ایک روایت میں ہے اسے قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچالے،فرماتے ہیں حتی کہ میں نے آرزو کی کہ یہ میت میں ہوتا۴؎(مسلم)	

۱؎یہاں رب کی رحمت کو پانی،برف اور اولہ کہا گیا کیونکہ ٹھنڈے پانی سے نہانے میں دل کو خوشی،دماغ کو فرحت،جسم کی صفائی اور راحت سب کچھ ہی حاصل ہوتی ہے،یعنی مولے اسے دوزخ کی آگ میں تپاکر صاف نہ کرنا بالکل معافی اور رحمت کے ٹھنڈے پانی سے۔

۲؎سفید کپڑے کی صفائی دور سے محسوس ہوتی ہے اسی لیے سفید کپڑے کی قید لگائی گئی۔

۳؎ قیامت کے بعد اسے جنت میں گھر دے،غلمان،خدام دے اور حوریں اور دنیا کی بیوی جو وہاں حوروں سے بھی خوبصورت ہوگی اورجس میں دنیا کی سی ظاہر و باطن کوئی خرابی نہ ہوگی وہ اسے نصیب کر،لہٰذا اس دعا پر اعتراض نہیں کہ جنت میں دنیاکی عورتیں حوروں سے بھی اچھی ہوں گی پھر یہ الفاظ کیوں ارشاد فرمائے گئے۔

۴؎ تاکہ مجھے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی دعائیں نصیب ہوتیں۔معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اتنی آواز سے پڑھی جو قریب کے مقتدیوں نے سن لی۔

	روایت ہے حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمان سے کہ جب سعد ابن ابی وقاص کی وفات ہوئی ا؎ تو حضرت عائشہ نے فرمایا انہیں مسجد میں لے آؤ تاکہ میں بھی ان پرنماز پڑھ سکوں ۲؎ اس کا آپ پراعتراض کیا گیا۳؎ تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم بیضاء کے دو بیٹوں سہیل اور ان کے بھائی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی تھی ۴؎ (مسلم)

ا؎ آپ کی وفات اپنے محل میں ہوئی جو مدینہ منورہ سے دس میل دور مقام عقیق میں تھا،لوگ آپ کی میت اپنی گردنوں پر اٹھا کر مدینہ منورہ میں لائے تاکہ بقیع میں دفن کیا جائے،یہ واقعہ امیر معاویہ کے زمانہ میں ہوا۔

۲؎ یعنی ان کے جنازے کی جماعت مسجد نبوی میں کراؤ تاکہ اپنے حجرے سے میں بھی اقتداءکرلوں اور نماز میں شریک ہوجاؤ۔

۳؎ تمام صحابہ نے کہا کہ نماز جنازہ مسجد میں جائز نہیں۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں کسی مسجد حتی کہ مسجد نبوی میں بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی تھی بلکہ وہ حضرات اس کو ناجائز جانتے تھے ورنہ انکارکیوں کرتے۔

۴؎ ان لڑکوں کا نام سہیل اور سہل ہے،ان کی ماں کا نام وعد بنت جحدم،لقب بیضاءہے،ان کے والد کا نام عمرو ابن وہب یا وہب ابن ربیعہ ہے جومشہور بدری صحابی ہیں،ان بچوں کا اور ان کے والد کا انتقال ۹ھ میں ہوا،یہ بچے اپنی ماں کی نسبت سے مشہور ہیں۔خیال رہے کہ مسجد پنجگانہ میں نماز جنازہ احناف کے نزدیک مطلقًا مکروہ ہے میت مسجد میں ہو یا نہ ہو اس لیے کہ ابوداؤد،ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میت پرمسجد میں نماز پڑھے اس کا کوئی ثواب نہیں اور ایک روایت میں ہے "فَلَا شَیْئَی لَہٗ"یعنی وہ کچھ نہیں،امام شافعی کے ہاں بلاکراہت جائز ہے،اس حدیث کی وجہ سے ان کی دلیل صرف یہی حدیث ہے مگر ان کا یہ استدلال بہت کمزور ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ تمام صحابہ کا حضرت عائشہ صدیقہ کے اس فرمان پر انکارکرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ حضرات مسجد میں نماز جنازہ ناجائزجانتے تھے اور ان کے زمانہ میں اس کا رواج بالکل نہ تھا۔دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف یہی جنازہ مسجد میں پڑھا اس کے سواء کوئی مسجد میں نہ پڑھا اگر مسجد میں جنازہ جائز ہوتا تو آپ سارے جنازے وہیں پڑھا کرتے۔تیسرے یہ کہ یہ جنازہ بھی حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے بارش یا اپنے اعتکاف کی مجبوری کی وجہ سے پڑھا،بحالت مجبوری احناف بھی اسے جائز کہتے ہیں۔چوتھے یہ

کہ یہاں مسجد سے خارج مسجد مراد ہے،اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کرنا یقینًا ضعیف ہے۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک عورت پر نماز پڑھی جو اپنے نفاس میں فوت ہوئی تھی تو آپ اس کے درمیان کھڑے ہوئے۱(مسلم،بخاری)

۱؎درمیان سے مراد کمر یا سینہ ہے،دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک امام میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو میت مرد ہو یا عورت کیونکہ سینہ میں دل ہے اور دل میں ایمان اس لیے کہ امام احمد نے دونوں کی روایت کی،ابو غالب فرماتے ہیں میں نے حضرت انس کے پیچھے ایک جنازہ پڑھا تو آپ میت کے سینہ کے مقابل کھڑے ہوئے،امام شافعی کے ہاں مرد کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے سینہ کے مقابل ان کی دلیل یہ ہے مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ یہاں وسط فرمایا یعنی درمیان،عجزہ نہ فرمایا یعنی کمر،اعضاء کے لحاظ سے سینہ ہی وسط ہے کیونکہ سینہ کے اوپر ہاتھ اور سر ہے اور اس کے نیچے پیٹ اور پاؤں،نیز ہوسکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سینہ کے مقابل کھڑے ہوں کمر کی طرف مائل،راوی نے اسے مقابل کمر سمجھ لیا،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میت پر ہنڈولہ نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے آڑ بننے کے لیے کمر کے مقابل کھڑے ہوگئے ہوں تاکہ میت کا پردہ رہے،اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے ان کے استدلال یقینًا کمزور ہیں۔(از مرقات ولمعات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر گزرے جو رات میں دفن کیا گیا تھا فرمایا یہ کب دفن کیا گیا انہوں نے عرض کیا آج رات فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی انہوں نے عرض کیا ہم نے اسے رات کے اندھیرے میں دفن کیا یہ ناپسند کیا کہ آپ کو جگائیں تو آپ کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں آپ نے اس پر نماز پڑھی ۱(مسلم،بخاری)

۱؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ رات میں دفن جائز ہے۔دوسرے یہ کہ دفن میں جلدی کی جائے کہ اگر رات میں دفن ممکن ہو تو بلاوجہ دن ہونے کا انتظار نہ کیا جائے،دیکھو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے انتظار میں سویرے تک میت کو نہ رکھا بلکہ خود اس پر نماز پڑھ کر دفن کردیا۔تیسرے یہ کہ قبر پر نماز جائز ہے جب غالب یہ ہو کہ ابھی میت محفوظ ہوگی،گلی پھٹی نہ ہوگی۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے مسلمانوں کے ولی ہیں،رب فرماتا ہے:"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیۡنَ مِنْ اَنۡفُسِہِمْ"۔اگر ولی کے علاوہ اور لوگ نماز پڑھ لیں تو ولی کو دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حق ہے،دیکھو صحابہ نے اس میت پر نماز پڑھ لی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے دوبارہ پڑھی، صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوکر۔جب اُمّ سعد کا انتقال ہوا تھا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ کے بعد ان کی قبر پر نماز پڑھی۔مرقات نے فرمایا کہ اس قبر والے کا مبارک نام طلحہ ابن براء ابن عمیر علوی ہے جو انصار کے حلیف ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازہ میں یہ دعا پڑھی کہ یہ طلحہ ہیں تو ان سے راضی اور یہ تجھ سے راضی الخ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک حبشی عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیتے تھے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گم پایا تو اس عورت یا مرد کے متعلق پوچھا لوگوں نے عرض کیا کہ وہ فوت ہوگیا فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی ا؎راوی کہتے ہیں کہ شاید انہوں نے اس کا معاملہ حقیر جانا فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤلوگوں نے بتائی آپ نے اس قبر پر نماز پڑھی پھر فرمایا کہ یہ قبریں اپنی میتوں پر تاریکی سے بھریں ہیں اللہ میری نماز کی برکت سے انہیں نورانی کردیتا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)لفظ مسلم کے ہیں۔

ا؎سبحان اللہ! اس شہنشاہ کی نظر کرم اپنے ہر گدا پر ہے۔شعر

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو　　　　تم ایسے رحمۃ اللعالمین ہو

مرقات نے فرمایا کہ جواب عرض کرنے والے ابوبکرصدیق تھے اور اس شخص کا نام اسود تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسجد کی خدمت بیکار نہیں جاتی۔صوفیاء کہتے ہیں کہ جو خانۂ دل کی صفائی چاہتا ہے وہ خانۂ خدا کی صفائی کیاکرے۔دوسرے یہ کہ اسلام میں کوئی حقیر نہیں،لوگوں نے غریب جان کر اس کی موت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دی مگر غمخوار امت نے اسکی قبر پر پہنچ کر اس کی خبر لی،امیر خسرو فرماتے ہیں۔شعر

کشتے کہ عشق دار دنگذاروت بزیں سال　　　　بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

تیسرے یہ کہ بذاتِ خود ساری قبریں اندھیر ی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں،آپ کی نماز اور آپ کی دعا بھی نور ہے۔جس کی قبر روشن ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہوگی۔جو احتمال روشنئ قبر کا سبب ہیں جیسے مسجد میں روشنی کرنا وغیرہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہیں۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں اپنی امت کے لیے تاقیامت باقی ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ساری قبریں اندھیری رہتی ہیں۔اشعۃ اللمعات نے یہاں فرمایا کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا ہے اسی لیے یہاں نہ تکبیروں کا ذکر ہے نہ صفیں بنانے کا،بعض لوگ ان احادیث کی بنا پر کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کئی بار ہوسکتی ہے مگر یہ غلط ہے،ورنہ تا قیامت ہمیشہ زائرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر پہنچ کر آپ کی نماز جنازہ پڑھا کرتے۔ولی کے نماز پڑھ لینے کے

بعد اور کسی کو جنازہ پڑھنے کا حق نہیں دیکھو،حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دو روز تک مسلسل نمازیں ہوتی رہیں مگر جب صدیق اکبر نے جو خلیفۃ المسلمین اور ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ پر نماز پڑھ لی پھر کسی نے نہ پڑھی۔

1660 - [15](صحیح) وعن کریب مولی ابن عباس عن عبد اللہ بن عباس إنہ مات لہ ابن بقدید او بعسفان فقال: یا کریب انظر ما اجتمع لہ من الناس. قال: فخرجت فإذا ناس قد اجتمعوا لہ فأخبرتہ فقال: تقول: ہم اِربعون؟ قال: نعم. قال: إخرجوہ فإنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازتہ إربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیئا إلا شفعہم اللہ فیہ". رواہ مسلم	روایت ہے حضرت کریب ابن عباس کے مولے سے وہ عبداللہ ابن عباس سے راوی کہ ان کا فرزند قدید یا عسفان میں وفات پا گیا ۱؎ تو آپ نے فرمایا کہ اے کریب دیکھو کتنے لوگ جمع ہو گئے فرماتے ہیں میں نکلا تو کچھ لوگ جمع ہو ہی گئے تھے میں نے آپ کو خبر دی،فرمایا کیا تم کہہ سکتے ہو کہ چالیس ہوں گے میں نے کہا ہاں،فرمایا میت کو لاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو مرجائے اس کے جنازے پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو اللہ کا کوئی شریک نہ بناتے ہوں اللہ ان کی سفارش اس میت کے بارے میں ضرور قبول فرماتا ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ کریب تابعی ہیں،سیدنا ابن عباس کے آزاد کردہ غلام،قدید اورعسفان مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقامات ہیں۔

۲؎ مرقات میں ہے کہ جہاں چالیس مسلمان جمع ہوں ان میں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے جس کی دعا قبول ہوتی ہے،اس کی برکت سے دوسروں کی بھی۔خیال رہے کہ یہ ذکر ولی تشریعی کا ہے،ولی تکوینی کی تعداد مقرر ہے کہ ہر زمانہ میں اتنے ابدال اتنے غوث اور ایک قطب عالم ہوں گے اورمسلمانوں سے مراد متقی مسلمان ہیں،ورنہ سینماؤں اور تماشہ گاہوں میں سینکڑوں فساق ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ایسا کوئی میت نہیں جس پر مسلمان کی جماعت نماز پڑھے جو سو کو پہنچے وہ سب اس کی شفاعت کرتے ہیں مگر اس کے بارے میں ان کی شفاعت قبول ہوتی ہے ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ حدیث گزشتہ چالیس کی روایت کے خلاف نہیں۔ہوسکتا ہے کہ اولًا سو کی قید ہو پھر رب نے اپنی رحمت وسیع فرما دی ہو اور چالیس کی نماز پر بھی بخشش کا وعدہ فرمالیا ہو،بعض روایات تو اور بھی امید افزاء ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ لوگ جنازہ لے کر گزرے جس کی لوگوں نے اچھی تعریف کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی،پھر دوسرا جنازہ

	لے کر گزرے جس کی لوگوں نے برائی کی ۱؎ حضور نے فرمایا واجب ہوگئی حضرت عمر نے عرض کیا حضور کیا واجب ہوگئی فرمایا یہ جس کی تم نے تعریف کی کہ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور یہ جس کی تم نے برائی کی ہے اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو ۲؎(مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ مؤمن زمین میں اللہ کے گواہ ہیں ۳؎

۱؎ یہ کہا کہ یہ بڑا منافق تھا،بے دین تھا،بدخلق اورموذی تھا وغیرہ وغیرہ۔لہذااس جملہ پر نہ تو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ سارے صحابہ عادل اور جنتی ہیں،رب فرماتاہے:"كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"پھر یہ میت جہنمی کیسے ہوگئی اور نہ یہ اعتراض ہے کہ مُردوں کو برا کہنا منع ہے،پھر صحابہ نے اس دوسرے کو برا کیوں کہا کیونکہ یہ جنازہ منافق اورفاسق کا تھا۔

۲؎ لہذا تمہارے منہ سے جس کے لیے جو نکلتا ہے اللہ کے ہاں وہی ہوتاہے زبان خلق نقّارہ خدا،اس کی تائید اس آیت سے ہے"لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ"۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جسے عام مسلمان قدرتی طور پر ولی اللہ کہیں وہ واقعی ولی اللہ ہے،رب تعالٰی اولیاءاللہ کی علامت بیان فرماتاہے:"لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ"یعنی ان کے لئے دنیا میں بھی بشارتیں ہیں کہ عام مسلمان انہیں جنتی کہتے ہیں اور آخرت میں بھی کہ فرشتے انہیں جنتی کہیں گے،لہذا حضور غوث پاک،خواجہ اجمیری،داتاگنج بخش لاہوری،مجدد الف ثانی یقینًا اولیاء ہیں کہ انہیں مسلمان ولی سمجھتے ہیں،ولایت کے ثبوت کے لیے قرآنی آیت ہی ضروری نہیں۔دوسرے یہ کہ جو کام مسلمان اچھا اور ثواب سمجھیں وہ واقعی اچھا ہے لہذا گیارھویں میلادشریف،عرس بزرگان،ختم خواجگان وغیرہ کار ثواب ہیں کہ انہیں عام مسلمین،اولیاء،صالحین کارثواب جانتے ہیں۔خیال رہے کہ مسلمانوں کی گواہی سے مومنین صالحین کی گواہی مراد ہے جو قدرتی طور پر منہ سے نکلتی ہے جس میں نفسانی بغض اور کینہ کو دخل نہیں ہوتا ورنہ روافض صحابہ کو خوارج اہلِ بیت کو بعض بیدین علماء وصالحین کو برا کہتے ہیں وہ گواہی اس میں داخل نہیں۔خیال رہے کہ یہاں اَنْتُمْ میں صرف صحابہ سے خطاب نہیں بلکہ تاقیامت سارے نیک مؤمنوں سے جیسے"اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ"میں۔

۳؎ یہ جملہ پہلے جملہ کی شرح ہے کہ وہاں اَنْتُمْ سے مراد صرف صحابہ نہ تھے بلکہ سارے مؤمنین۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان کی نیکی کی چار آدمی

	گواہی دیں گے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ہم نے کہا اور تین فرمایا اور تین بھی ہم نے کہا اور دو فرمایا اور دو بھی پھر ہم نے حضور سے ایک کے بارے میں نہ پوچھا۱(بخاری)

۱یہ حدیث بہت امید افزاء ہے کہ دو مسلمانوں کا بھی کسی کو اچھا کہنا اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔رحمت والے نبی کی رحمت دیکھو کہ اس عدد میں شر کا ذکر نہیں صرف خیر کا ذکر ہے،یعنی دو ایک آدمیوں کے برا کہنے سے جہنمی نہ کہاجائے گا ہاں ان کے اچھا کہنے سے جنتی کہاجائے گا۔مرقات نے فرمایا کہ شریعت میں گواہی کے نصاب دو ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ"۔تو جیسے دو گواہیوں سے مقدمہ ثابت ہوجاتا ہے یونہی دو کی گواہی سے جنتی ہونا ثابت ہوگا۔یہاں شیخ نے فرمایا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلتا ہے وہی رب کے ہاں ہوتاہے،صحابہ کی عرض پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گواہوں کی تعداد میں کمی کرتے گئے تو وہاں بھی کمی ہوگئی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں کو برا نہ کہو وہ اپنے گزشتہ کیے تک پہنچ گئے ۱(بخاری)

۱یعنی یہ نہ کہو کہ اب وہ جہنمی یا بُرے ہیں اسی لیے علماءفرماتے ہیں کہ کفار کو بھی ان کے مرنے کے بعد اب کافر نہیں کہہ سکتے،ممکن ہے کہ وہ موت کے وقت مؤمن ہوگئے ہوں سوائے ابوجہل ابولہب وغیرہ ان کافروں کے جن کا کفر نص میں آگیا،ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کافر بیدین تھے بلکہ ضرورت کے وقت یہ کہنا واجب ہے۔محدثین راویان حدیث کے عیوب ان کے مرے بعدبیان کرتے ہیں حدیث کی تحقیق کے لیے۔خیال رہے کہ کسی کو برا کہنا اور ہے اورکسی کے متعلق بے اختیار منہ سے برائی نکل جانا اور،لہذا یہ حدیث"اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ"کی حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد میں سے ایک کپڑے میں دو کو جمع فرماتے تھے ۱پھر فرماتے ان میں زیادہ قرآن کسے یادہے جب ایک کی طرف اشارہ کیاجاتا تو اسی کو قبر میں آگے رکھتے اور فرماتے کہ میں ان لوگوں پر قیامت میں گواہ ہوں ۲اور ان کو مع ان کے خونوں دفن کا حکم دیا اور ان پر نماز پڑھی نہ ان کو غسل دیا گیا ۳(بخاری)

۱؎اس طرح کہ دوشہیدوں کو ایک چادر میں لپیٹتے ان کے اپنے کپڑے ان ہی پر تھے لہذا اس سے لازم یہ نہیں آیا کہ ان کی کھالیں مل گئیں ہوں اور یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ اس وقت کپڑے کی بہت تنگی تھی۔
۲؎یعنی ان کی عدالت،شہادت،تقویٰ،جہاد کمال ایمانی کا خصوصی گواہ ہوں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری امت کے خصوصی گواہ ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم قرآن دنیا اور آخرت کی عزت کا ذریعہ ہے۔
۳؎اس پر تمام علماء متفق ہیں کہ شہید کا نہ خون دھویاجائے نہ اسے غسل دیاجائے مگر اس میں اختلاف ہے کہ اس پر نماز ہوگی یا نہیں؟ہمارے ہاں شہید پر نماز ہے جس کی بیشمار احادیث ہیں،بلکہ خاص شہدائے احد کے متعلق طحاوی وغیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس دس شہیدوں کو جمع کرکے ان پر نماز پڑھتے تھے مگر حضرت حمزہ کی میت اسی طرح ہر نماز میں شامل تھی یعنی ہر دفعہ نو شہید نئے لائے جاتے تھے دسویں حمزہ ہوتے تھے،یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس،عبداللہ ابن زبیر،ابو مالک غفاری وغیرہم صحابہ سے مروی ہے۔(طحاوی)بعض روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ پر ستر بار نماز جنازہ پڑھی۔مشکوۃ شریف میں ایک حدیث آئے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد اپنی وفات سے قریب بھی نماز جنازہ پڑھی،نیز نماز جنازہ گناہ معاف کرانے کے لیے نہیں ہوتی ورنہ بچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی،بلکہ شرافت انسانی کے اظہار کے لیے ہے جس کا شہید بھی بدرجہ اولے مستحق ہے۔امام شافعی کے ہاں شہید پر نماز نہیں،ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر ان کا یہ استدلال بہت کمزور ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ یہ حدیث نفی کی ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث میں ثبوت نماز ہے لہذا ترجیح ثبوت کو ہوگی۔دوسرے یہ کہ حضرت جابر ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کا جنازہ پڑھا لہذا تعارض کی وجہ سے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔تیسرے یہ کہ یہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص احد کے دن ان شہداء کی نماز نہ پڑھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن خود زخمی تھے،دانت مبارک شہید ہوچکا تھا،سر مبارک میں خود ٹوٹ کر گڑھ گیا تھا جو بمشکل نکالا گیا۔چوتھے یہ کہ حضرت جابر اس دن سخت پریشان تھے کیونکہ ان کے والد اور ماموں شہید ہوچکے تھے جن کی میتوں کو منتقل کرکے مدینہ پاک لے گئے تھے،اس پریشانی اور مشغولیت کی وجہ سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پر مطلع نہ ہوسکے۔پانچویں یہ کہ حاکم نے روایت صحیح حضرت جابر سے شہدائے احد کی نماز جنازہ اور ہر بار میں حضرت حمزہ کا رکھا رہنا نقل کیا،ان وجوہات کے باعث اس حدیث سے استدلال کمزور ہے۔اس کی پوری تحقیق اس مقام پر لمعات واشعہ و مرقات میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ننگا گھوڑا لایا گیا جس وقت آپ ابن دحداح کے جنازے سے واپس لوٹے اور ہم آپ کے اردگرد پیدل تھے ۱؎(مسلم)	

۱؎ اس حدیث میں بعض لوگوں نے ابوالداح نقل کیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ابوالداح کا انتقال امیر معاویہ کے زمانہ میں ہوا،ہاں ثابت ابن داحدح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وفات پائی،بعض شارحین نے کہا کہ ان کی کنیت بھی ابوالدحداح تھی۔خیال رہے کہ میت کے ساتھ جاتے وقت گھوڑے پر سوار ہونے میں اختلاف ہے مگر واپسی میں بالاتفاق سوار ہونا جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار جنازے کے پیچھے ہی چلے ۲؎ اور پیدل اس کے آگے وپیچھے،دائیں،بائیں اس کے قریب چلے ۳؎ اور گرے بچے پر نماز پڑھی جائے گی ۴؎ جس میں اس کے ماں باپ کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا کی جائے ۵؎ (ابوداؤد)اور احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیدل جدھر چاہے اور بچے پر نماز پڑھی جائے اور مصابیح میں مغیرہ بن زیادہ سے ہے۔

۱؎ آپ قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،خندق کے سال ایمان لائے،امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر رہے،ستر سال عمر ہوئی ۵۰ھ میں کوفہ میں ہی وفات پائی،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۲؎ جنازے میں شرکت کرنے والا عذرًا سوار ہوسکتا ہے بلاعذر پیدل جانا افضل ہے مگر سوار میت کے آگے نہ چلے۔

۳؎ پیدل جانے والے کو بھی پیچھے چلنا افضل ہے لیکن آگے چلنا بھی جائز۔آج کل میت کے آگے نعت خوانی ہوتی جاتی ہے اور نعت خواں میت کے آگے چلتے ہیں یہ جائز ہے۔میت سے قریب رہنا اس لیے افضل ہے کہ بوقت ضرورت مدد کرنے میں بھی آسانی رہے گی اور عبرت زیادہ ہوگی۔

۴؎ بشرطیکہ زندہ پیدا ہوا ہو جیساکہ حضرت جابر کی روایت آگے آرہی ہے،اس کی زندگی رونے یاحرکت سے معلوم ہو۔اگر مردہ بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کی نماز جنازہ نہیں۔امام احمد کے نزدیک اگر چار ماہ یا زیادہ کا بچہ ساقط ہوا ہے تو اگرچہ مردہ پیدا ہوا اس پر نماز جنازہ ہے وہ اسی حدیث کے اطلاق سے دلیل پکڑتے ہیں۔ہماری دلیل آئندہ آرہی ہے وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے ورنہ یہ حدیث بظاہر ان کے بھی خلاف ہے کہ اس میں چار ماہ کی قید نہیں۔

۵؎ اس طرح کہ چار تکبیریں کہی جائیں چوتھی تکبیر میں اس کے ماں باپ کے لئے صبرو اجر اور تمام کے لئے بچہ کے شفیع ہونے کی دعا کی جائے۔پہلے دعا گزر چکی ہے بہت جامع ہے جس میں والدین اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہے۔

روایت ہے حضرت زہری سے وہ سالم سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو جنازے سے آگے چلتے دیکھا ۲؎ (احمد،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)ترمذی نے کہا کہ محدثین اسے مرسل سمجھتے ہیں ۳؎	

۱؎ آپ کے والد سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں یعنی سالم سیدنا فاروق اعظم کے پوتے ہیں۔

۲؎ بیان جواز کے لئے ورنہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے تاکہ جنازے پر نظر رہے

عبرت،نیز بوقت ضرورت مدد کرنے میں آسانی ہو جیساکہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔اس جگہ مرقات نے فرمایا کہ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے آہستہ ذکر کریں۔فقیر کہتا ہے کہ اس زمانہ میں ذکر بالجہر،نعت خوانی وغیرہ بہتر ہے ورنہ لوگ دنیاوی باتیں،ہنسی مذاق،غیبتیں،چغلیاں وغیرہ کرتے جاتے ہیں۔اس کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھو۔

۳؎ یعنی سالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں ان کی روایت میں عبداللہ ابن عمر نہیں،ابن مالک نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنازے کے پیچھے رہا جاتا ہے اسے پیچھے نہیں رکھا جاتا اور جو اس کے آگے رہے وہ اس کے ساتھ ہی نہیں ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا ابوماجد راوی مجہول آدمی ہیں ۲؎	

۱؎ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ جنازے سے پیچھے رہنا بہتر ہے۔گزشتہ حدیث بیان جواز کے لیے تھی،نیز وہ خصوصی عمل تھا اور یہ عمومی حکم ہے لہذا اس حدیث کو ترجیح ہے۔

۲؎ مگر ابوماجد کا مجہول ہونا امام ابوحنیفہ کو کوئی مضر نہیں کیونکہ یہ امام اعظم کے بعد اس اسناد میں شامل ہوئے،امام اعظم کو یہ حدیث صحیح ہوکر ملی تھی،امام ترمذی کو مجہول ہوکر،نیز جنازہ سے پیچھے چلنے کی بہت احادیث ہیں۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمن ابن ابزی سے روایت کی کہ میں ایک جنازے میں تھا دیکھا کہ حضرت ابوبکر و عمر تو جنازے سے آگے چل رہے تھے اور حضرت علی پیچھے،میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ آپ پیچھے کیوں چل رہے ہیں فرمایا کہ وہ دونوں بزرگ بھی جانتے ہیں کہ پیچھے چلنا افضل ہے جیسے جماعت کی نماز تنہا نماز سے افضل،لیکن بیان جواز

اور لوگوں کو تنگی سے بچانے کے لیے وہ حضرات آگے چل رہے ہیں۔غرضکہ پیچھے چلنے کی بہت سی احادیث ہیں اور یہی عمل ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جنازے کے ساتھ گیا اور اسے تین بار کندھا دیا اس نے میت کا حق ادا کردیا جو اس پر تھا[۱] (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[۱] یعنی میت کے ساتھ جانا حق اسلامی ہے یہ پورا پورا جب ادا ہوگا جب اسے کندھا بھی دے،اس طرح کہ ایک بار چاروں کندھے،پھر کچھ آرام لے،پھر ترتیب وار چاروں کندھے،پھر کچھ آرام لے،پھر چاروں کندھے دے،اس سے زائد دے تو اس کی خوشی،تین سے کم نہ کرے۔

اور شرح سنہ میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن معاذ کا جنازہ دو لکڑیوں کے درمیان اٹھایا[۱]	

[۱] یعنی جب زمین سے کندھے پر میت کو لیا تو اس طرح کہ جنازے کی آگے والی پٹی پر ایک آدمی تھا اور پچھلی والی پر دو،امام شافعی کے ہاں اٹھاتے وقت یہی بہتر ہے،ہمارے ہاں اٹھاتے وقت بھی چار افضل اور لے جاتے وقت سب کے ہاں چار ہی افضل۔اس کی بہت سی روایات موجود ہیں۔وہاں جگہ میں تنگی ہوگی اس لیے ایسے کیا گیا،اب بھی دروازہ تنگ ہونے پر دو آدمی ہی جنازہ نکالتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو سوار دیکھا تو فرمایا کیا حیاء نہیں کرتے کہ اللہ کے فرشتے پیدل ہیں اور تم گھوڑوں کی پشتوں پر[۱] (ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد نے اس کی مثل،ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حضرت ثوبان سے موقوفًا بھی منقول ہے[۲]	

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ پیدل چلنا چاہیئے،سواری گزشتہ حدیث میں معذور کے لیے تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں،لنگڑا بیمار سوار ہوکر ہی جاسکتا ہے۔خیال رہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد وہ رحمت یا عذاب کے فرشتے ہیں جو مؤمن یا کافر میت کے ساتھ ہوتے ہیں ورنہ کاتبین اور حافظین فرشتے ہر انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر وقت عالم غیب پر رہتی ہے،نیز یہ کہ بزرگوں کا ادب چاہیئے،نظر آئیں یا نہ آئیں،دیکھو صحابہ فرشتوں کو نہیں دیکھ رہے تھے مگر ان کو ادب کا حکم دیا گیا لہذا ذکر

خیر اور میلاد کی مجلسوں میں کھڑا ہونا بہتر ہے کہ بعض بزرگوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان موقعوں پر تشریف لاتے دیکھا ہے۔

۲؎ حضرت ثوبان نے یہ لوگوں سے خود کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے پر سورۂ فاتحہ پڑھی۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)۱؎	

۱؎ اس مسئلے کی پوری تحقیق پہلے ہوچکی کہ یہ حدیث مجمل ہے۔اس میں یہ ذکر نہیں کہ نماز کے اندر پڑھی یا بعد نماز ایصال ثواب کے لیے،اور اگر اندر پڑھی تو کس تکبیر کے بعد پڑھی اور تلاوت کی نیت سے پڑھی یا دعا کے لیے؟اتنے احتمالات کے ہوتے حدیث پر عمل ناممکن ہے،نیز یہ حدیث مرفوع سخت ضعیف ہے۔چنانچہ ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں،وجہ یہ ہے کہ اس میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو ضعیف اورمنکر الحدیث ہے۔حق یہ ہے کہ اس کے بارے میں حدیث مرفوع صحیح آئی ہی نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کہیں ثابت نہیں،ابوداؤد نے بھی حدیث مرفوع نقل نہیں کی بلکہ عبداللہ ابن عباس کا اپنا فعل نقل کیا لہٰذا صاحب مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ کااس حدیث مرفوع کو ابوداؤد کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لیے خلوص دل سے دعا کرو۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ اس حدیث کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ نماز جنازہ میں خالص دعاء ہی کرو تلاوت قرآن نہ کرو حمدوثناء درود و دعا کے مقدمات میں سے ہے۔اس صورت میں یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ناجائز ہے۔دوسرے یہ کہ جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو میت کے لیے خلوص دل سے دعا مانگو،اس صورت میں دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہوگا۔خیال رہے کہ دعا بعد نمازجنازہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور سنت صحابی بھی۔چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اوربعد میں دعا مانگی،حضرت عبداللہ ابن سلام ایک جنازہ پر پہنچے نماز ہوچکی تھی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ نماز تو پڑھ چکے میرے ساتھ مل کر دعا تو مانگ لو۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"**جاءالحق**"حصہ اول میں دیکھو۔جن فقہاء نے اس دعا سے منع کیا اس کی صورت یہ ہے کہ سلام کے بعد یونہی کھڑے کھڑے دعا مانگی جائے جس سے آنے والے کو نماز کا دھوکا ہو یا بہت لمبی دعائیں مانگی جائیں جس سے بلاوجہ دفن میں بہت دیر ہوجائے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ پر نماز پڑھتے تو کہتے الٰہی ہمارے زندوں،مُردوں،حاضر،غائب،چھوٹوں اور بڑوں،مَردوں	

	اور عورتوں کو بخش دے ۱؎ الٰہی تو ہم میں سے جسے زندہ رکھے تو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جسے موت دے تو اسے ایمان پر موت دے الٰہی ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ کر اور اس کے پیچھے فتنہ میں نہ ڈال ۲؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ان چار کلمات کا مقصد دعا کو عام کرنا ہے یعنی صرف میت کے لیے ہی دعا نہ کرے بلکہ سارے زندوں مردوں کے لیے دعا کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ گزشتہ حدیث میں جو فرمایا گیا تھا کہ "اَخْلِصُوْالَهُ الدُّعَاءَ"اس کے معنے یہ نہیں تھے کہ صرف حاضر میت ہی کو دعا کرے اور کو شامل نہ کرے جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا بلکہ اس کے معنے وہ ہیں جو ہم نے وہاں عرض کر دیئے۔

۲؎ یعنی ایمان کے ثواب سے محروم نہ کر اور ایمان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال یا میت پر صبر کے اجر سے محروم نہ کر اور توفیق دے کہ ہم بے صبری کرکے فتنہ میں نہ پڑجائیں،چونکہ اسلام میں عقیدہ،کلمۂ شہادت اعمال سب شامل ہیں اس لیئے زندگی اسلام پر مانگی گئی اور ایمان صرف عقائد کا نام ہے اس لیئے موت ایمان پر مانگی گئی کہ اس وقت اعمال نہیں ہوتے۔

	اور نسائی نے ابراہیم اشہلی سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی وانثانا پر ختم ہوگئی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اسے ایمان پر زندہ رکھ اور اسلام پر موت دے ۱؎اور اس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کردے۔

۱؎یہاں اسلام اور ایمان ہم معنے ہیں،یعنی دین حق صرف عبارت کا فرق۔

	روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان آدمی پر نماز پڑھائی میں نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی فلاں کا بیٹا فلاں تیرے ذمہ اور تیرے قریب کے عہد میں ہے تو اسے قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچالے تو وفاء اور حق والا ہے الٰہی اسے بخش دے اور اس پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎اس میں خاص دین حاضر میت کے لیے دعاء ہے یہ بھی جائز ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ عام دعاء بھی پڑھی اور اس کے بعد یہ بھی،قرب عہد سے مراد یا قرآن شریف ہے یا ایمان یعنی یہ بندہ مؤمن ہے قرآن کا

ماننے والا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا"۔فتنۂ قبر وہاں کے امتحان کی ناکامی ہے اور آگ کا عذاب دوزخ کا عذاب ہے خواہ قبر میں ہو یا دوزخ میں پہنچ کر۔یہ دعاء بہت ہی جامع ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے باز رہو[1](ابوداؤد،ترمذی)	

[1]یعنی مسلمان کی بعدموت اچھائیاں کبھی کبھی بیان کیاکرو کہ نیکیوں کے ذکر سے رحمت اترتی ہے،ان کی برائیاں بیان کرنے سے باز رہو کیونکہ مردے کی غیبت زندہ کی غیبت سے سخت تر ہے کہ زندہ سے معافی مانگی جاسکتی ہے مردے سے نہیں،اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ اگر غسال مردے پر کوئی نیک علامت دیکھے خوشبو یا چہرے کا نوردیکھے تو لوگوں میں چرچاکرےاور اگر بری علامت دیکھے بدبو یا چہرے کا بگڑجانا تو اس کا کسی سے ذکر نہ کرے کیونکہ ہمیں بھی مرنا ہے،نہ معلوم ہمارا کیا حال ہو،بے دین کی برائی ضرور کرے تاکہ لوگ بے دینی سے بچیں،اس کی شرح پہلے گزرچکی۔یزید و حجاج وغیرہ کو آج بھی برا کہاجاتاہے کیونکہ یہ فساق ہیں،ان کا فسق ظاہرکرو تاکہ لوگ ان جیسے کاموں سے بچیں۔

روایت ہے حضرت نافع ابی غالب سے[1]فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک کے ساتھ ایک مرد کے جنازے پر نماز پڑھی[2]تو آپ اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے پھر لوگ ایک قریشی عورت کاجنازہ لائے بولے اے ابوحمزہ اس پر نماز پڑھیئے تو آپ درمیان تخت کے مقابل کھڑے ہوئے ان سے علاء ابن زیاد نے عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازے پر ایسے ہی کھڑے ہوئے دیکھا جیسے آپ مرد اور عورت کے جنازے پر کھڑے ہوئے فرمایا ہاں[3](ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد کی روایت میں اس کی مثل ہے کچھ زیادتی کے ساتھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ عورت کے سیرین کے مقابل کھڑے ہوئے[4]	

[1]آپ تابعین میں سے ہیں،نام نافع ہے،کنیت ابوغالب،یہ وہ مشہور نافع نہیں یعنی عبداللہ ابن عمر کے غلام۔

[2]یہ مرد سیدنا عبداللہ ابن عمر تھے جن کی نماز سیدنا انس نے پڑھائی تھی۔(مرقات)

[3]اس حدیث پر امام شافعی کا عمل ہے،ان کے ہاں امام مرد کے سر کے مقابل،ہمارے ہاں مرد ہویاعورت سب کے سینہ کے مقابل کھڑا ہوکیونکہ یہ ایمان کی جگہ ہے۔اس کی نہایت ہی نفیس تحقیق اور مذہب حنفی کی ترجیح ابھی اسی

باب میں گزرچکی کہ یہ حدیث امام احمد کی روایت کے مخالف ہے،ابو غالب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کے پیچھے نماز پڑھی آپ میت کے سینہ کے مقابل کھڑے ہوئے۔

۴؎ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میت اور پیچھے والے مقتدیوں کے درمیان آڑ بن جائیں اور میت کا پردہ رہے کیونکہ میت ڈولی میں نہ تھی لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جگہ کھڑا ہونا خصوصی واقعہ ہے وہ بھی ایک عذر کی وجہ سے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی لیلے سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل ابن حنیف اور قیس ابن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ۲؎ کہ ان پر جنازہ گزرا وہ دونوں صاحب کھڑے ہوگئے ان سے کہا گیا کہ یہ جنازہ زمیندار یعنی ذمی کافر کا ہے ۳؎ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جنازہ گزرا آپ کھڑے ہوگئے عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے فرمایا کیا یہ جان نہیں ہے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ مشہور تابعی بڑے عالم و زاہد ہیں،خلافت فاروقی میں شہادت پائی،فاروق اعظم سے چھ سال پہلے پیدا ہوئے،کوفہ میں قیام رہا۔ایک سوبیس انصار صحابہ سے ملاقات ہے۔

۲؎ قادسیہ کوفہ سے پندرہ میل فاصلہ پر مشہور مقام ہے جو زمانہ فاروقی میں فتح ہوا،بہت معرکۃ الآراء غزوہ ہوا ہے۔

۳؎ یعنی کافر کی روح کا کوئی احترام نہیں اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے تو آپ کافر کے جسم کی تعظیم کیوں کرتے ہیں اور اس کے لیے کیوں کھڑے ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں لفظ اھلِ ارض ذلت کا لفظ تھا یعنی زمین بونے جوتنے والا یا ہماری زمین میں کام کرنے والا اس وقت بہترین پیشہ جہاد تھا پھر تجارت،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ"۔

۴؎ یعنی یہ انسانی جان ہے جس کی موت سے عبرت پکڑنا چاہیئے ہمارا قیام اس کی تعظیم کے لیے نہیں بلکہ اظہار ہیبت کے لیے ہے۔خیال رہے کہ میت کے لیے کھڑا ہونا منسوخ ہے،ان بزرگوں کو یا تو نسخ کی خبر نہ ہوئی یا بیان جواز کے لیے کھڑے ہوئے۔

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازے کے ساتھ جاتے تو نہ بیٹھتے حتی کہ میت قبر میں رکھ دی جاتی آپ

کے سامنے ایک یہودی پادری آیا عرض کیا کہ اے محمد ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے لگے اور فرمایا کہ ان کی مخالفت کرو۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہےاور بشر ابن رافع راوی قوی نہیں ہے۔	

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی مشابہت سے بچناچاہیئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن سے پہلے کھڑا رہنا صرف اس لئے چھوڑا کہ یہود کا شعار تھا۔خیال رہے کہ مشابہت اور چیز ہے موافقت کچھ اور چیز۔وہ جوحدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے وہ مشرکین مکہ کے مقابلے میں تھا اورموافقت کے طور پر تھا نہ کہ مشابہت کے،جیسے مشرکین بالوں میں کنگھی نہ کرتے تھے اہلِ کتاب کرتے تھے تو حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنا پسند فرمایا لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔حکم اسلامی کے مقابلے میں یہودونصاریٰ کی مشابہت کرنا بڑا جرم ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی وضع قطع،صورت،سیرت عیسائیوں کی سی رکھتے ہیں۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیاتھا اس کے بعدپھر آپ بیٹھنے لگے اورہمیں بھی بیٹھا رہنے کاحکم دیا۱؎(احمد)	

۱؎یعنی جنازے کے احترام یا ہیبت کے لیے محض کھڑا ہوجانا اولًا اسلام میں واجب تھا اب یہ وجوب منسوخ ہوگیا،جواز اب بھی باقی ہے،پہلا امروجوبی ہے دوسرا اباحت کا۔بعض فقہاء اس قیام کو مکروہ فرماتے ہیں یعنی تنزیہی۔

روایت ہے حضرت محمد ابن سیرین سے فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ حضرت حسن ابن علی اور ابن عباس پر گزرا تو حسن کھڑے ہوگئے ابن عباس نہ کھڑے ہوئے امام حسن نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے جنازے کے لیے نہ کھڑے ہوئے فرمایاہاں پھر بیٹھنے لگے ۱؎(نسائی)	1683 - [38](صَحِيح) وَعَن مُحَمَّد بن سِيرِين قَالَ: إِنَّ جِنَازَةً مَرَّتْ بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَامَ الْحَسَنُ وَلَمْ يَقُمِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ الْحَسَنُ: أَلَيْسَ قَدْ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِنَازَةِ يَهُودِيٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ ثُمَّ جَلَسَ. رَوَاهُ النَّسَائِيّ

۱؎یعنی کھڑا ہونا یا نہ ہونا دونوں حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کے عمل ہیں مگر نہ ہونا بعد کا ہے لہذا ناسخ ہے،حضرت ابن عباس نے امام حسن پر اعتراض نہ کیا۔معلوم ہوا قیام بھی جائز ہے۔

روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی کہ حضرت حسن ابن علی بیٹھے تھے کہ آپ پر جنازہ گزرا تو لوگ کھڑے ہوگئے حتی کہ جنازہ آگے بڑھ گیا ۲؎ تب حضرت حسن نے فرمایا کہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تھا جس کے راستہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے آپ نے یہ ناپسند کیا کہ یہودی کا جنازہ آپ کے سر سے اونچا ہو اس لیے کھڑے ہوگئے ۳؎ (نسائی)	

۱؎ آپ کا نام جعفر،لقب امام صادق ہے،والد کا نام محمد،لقب امام باقر،ان کے والدکا نام علی اوسط،لقب امام زین العابدین ہے،حادثہ کربلا سے صرف امام زین العابدین ہی بچ کر آئے تھے،حسینی سادات آپ ہی کی نسل پاک سے ہیں،امام حسین کے درمیانے صاحبزادے ہیں۔

۲؎ مگر آپ نہ کھڑے ہوئے کیونکہ آپ اس قیام کے نسخ سے واقف ہوچکے تھے لہذا یہ روایت گزشتہ کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی وہاں سے اٹھ گئے تو آپ کا یہ قیام تعظیمًا نہ تھا بلکہ توہین یہود کے لیے تھا۔خیال رہے کہ قیام جنازہ کی بہت سی وجہیں آئی ہیں:فرشتوں کی تعظیم،میت مؤمن کا احترام،موت کی ہیبت وغیرہ ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے۔ہوسکتا ہے کہ مختلف موقعوں پر مختلف وجہیں ہوں،اس نیت سے کھڑا ہوجانا اب بھی بہتر ہے بشرطیکہ جنازہ کافر کا ہو اور مسلمان اس کے عین رستہ پر بیٹھا ہو،یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ امام محمد باقر نے امام حسن سے ملاقات نہیں کی لہذا درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہودی یا عیسائی یا مسلمان کا جنازہ تم پر گزرے تو تم کھڑے ہوجاؤ تم اس کے لیے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ اس کے ساتھ والے فرشتوں کے لیئے کھڑے ہوتے ہو ۱؎ (احمد)	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوموسیٰ کو قُوْمُوْا فرمانا احترام کے لیے ہے یا بظاہر خطاب ان سے ہے اور درحقیقت ساری امت سے ہے جیسے "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ"۔پہلے عرض کیاجاچکاہے کہ یہ اور اس کی قسم کی ساری احادیث منسوخ ہیں مگر وجوب منسوخ ہے جواز باقی اور کافر کے جنازے کے لیے کھڑا نہ ہونا بہتر کہ تمہاری نیت اگرچہ فرشتوں کی تعظیم ہوگی مگر دیکھنے والے اسے کافر کی تعظیم سمجھیں گے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا آپ کھڑے ہوگئے عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے فرمایا کہ ہم فرشتوں کے لیے	

	کھڑے ہوئے ۱؎(نسائی)

۱؎یعنی ان عذاب کے فرشتوں کے لیے جو اس کافر کی گرفتاری کے لئے پکڑنے والی پولیس کی طرح اس کے ساتھ ہیں،چونکہ یہ فرشتے محافظین اور کاتبین فرشتوں سے درجے میں بڑے ہیں اس لیے ان کی تعظیم کی گئی،اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے فرشتوں سے افضل ہیں مگر ہمیں ادب اور تعظیم سکھانے کے لیے آپ نے یہ عمل کیا تاکہ معلوم ہو کہ قیام تعظیمی اچھی چیز ہے۔

	روایت ہے حضرت مالک ابن ہبیرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ایسا کوئی مسلمان جو مرے تو اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں مگر اللہ واجب کردیتا ہے ۱؎مالک جب جنازے والوں کو تھوڑا دیکھتے تو انہیں اس حدیث کی وجہ سے تین صفوں میں بانٹ دیتے ۲؎(ابوداؤد)ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ مالک ابن ہبیرہ جب جنازہ پر نماز پڑھتے جس پر لوگوں کو کم دیکھتے تو ان کے تین حصے کردیتے پھر فرماتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس پر تین صفیں نماز پڑھیں واجب ہوگئی ۳؎اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت۔

۱؎یہ حدیث بہت امید افزاء ہے کیونکہ یہاں صفوں کی حد بیان فرمائی گئی اگر دو آدمیوں کی صفیں بھی نماز جنازہ میں ہو جائیں تب بھی میت کی بخشش کی قوی امید ہے۔یہ سب اس امت مرحومہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے رب کی رحمت ہے،رب کی رحمت بہانہ چاہتی ہے قیمت نہیں مانگتی۔

۲؎اب بھی فقہاء فرماتے ہیں کہ تھوڑے نمازیوں کو بھی تین صفوں میں بانٹ کر جنازہ پڑھو یہ اسی حدیث پر عمل ہے۔خیال رہے کہ اور نمازوں میں صف اول افضل ہے مگر نماز جنازہ میں صف آخری بہتر۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بعد نماز جنازہ دعا نہ مانگے کیونکہ اس میں نماز پر زیادتی کا اشتباہ ہے۔اس کا مطلب ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ اسی طرح صفیں بنائے ہوئے کھڑے کھڑے دعا نہ مانگیں تاکہ آنے والے کو یہ شبہ نہ ہوکہ نماز ہورہی ہے جیسے فرائض کے بعد صفیں توڑ کر سنتیں پڑھنے کا حکم ہے تاکہ جماعت کا دھوکہ نہ ہو محض دعا منع کیسے ہوسکتی ہے وہ تو سنت ہے۔

۳؎یعنی آپ ایسے جنازے کی نماز پڑھاکر لوگوں کو یہ حدیث سنا دیتے تھے۔معلوم ہوا کہ نماز جنازہ سے پہلے یا بعد جنازے کے متعلق تھوڑا وعظ کہہ دینا منع نہیں جب کہ اس سے دفن میں دیر نہ لگے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ کے بارے میں راوی الٰہی تو اس کا

رب ہے تو نے ہی اسے پیدا کیا تو نے ہی اسے اسلام کی ہدایت دی تو نے ہی اس کی روح قبض کی تو ہی اس کے کھلے چھپے کو جانتا ہے،ہم شفیع آئے ہیں اسے بخش دے۱(ابوداؤد)	

۱اگرچہ روح قبض کرنا ملک الموت کا کام ہے مگر چونکہ وہ سب کچھ رب کے حکم سے کرتے ہیں اس لیے فعل کو رب کی طرف نسبت کیا گیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان کے توسل سے دعاکرنا جائز ہے۔

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کی اقتداء میں اس بچے پر نماز پڑھی جس نے کبھی کوئی خطا نہ کی تھی لیکن میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ الٰہی اسے عذاب قبر سے بچالے ۱(مالک)	

۱یہاں عذاب قبر سے مراد قبر کی تنگی اور وہاں کی وحشت ہے کہ یہ بچے کو بھی ہوجاتی ہے جیسا پہلے عرض کیا جاچکا،حساب قبر یا قبر میں آگ کا عذاب بچے کو نہیں ہوتا،رب تعالٰی کسی کو بے گناہ سزا نہیں دیتا۔

روایت ہے بخاری سے بطریق تعلیق ۱فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بچہ پر سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے ۲اور کہتے تھے الٰہی تو اسے ہمارے لیے گزشتگان میں سے اور پیش رو اور ذخیرہ اور ثواب بنا۳	

۱امام بخاری ترجمہ باب میں بھی کبھی بلااسناد کوئی حدیث بیان کرجاتے ہیں وہ تعلیق کہلاتی ہے۔امام بخاری کی تعلیقات بالاتفاق قبول ہیں کہ ان کا اسناد چھوڑنا صحتِ حدیث کی دلیل ہے،دوسرے محدثین کا یہ درجہ نہیں۔

۲حسن سے مراد خواجہ حسن بصری ہیں،آپ نماز سے پہلے یانماز کے بعد ایصال ثواب کی نیت سے **الحمد**شریف پڑھتے تھے یا نماز کے اندر پہلی تکبیر کے بعد بہ نیت ثناء یا تیسری کے بعد بہ نیت دعا اور اگربہ نیت تلاوت ہی پڑھتے ہوں تو یہ ان کا اپنا اجتہادی عمل ہے۔بہرحال یہ روایت نہ حنفیوں کے خلاف ہے اور نہ حنفیوں کے مقابلے میں دلیل۔

۳متقدمین کو سلف کہتے ہیں اورمتاخرین کو خلف۔**فرط** وہ جماعت کہلاتی ہے جوفوج سے آگے پڑاؤ پر پہنچ کرلشکر کے کھانے پینے کا انتظام کریں۔اس روایت سےمعلوم ہوا کہ بچے کے جنازے میں اس کی مغفرت کی دعا نہ کی جائے کیونکہ وہ بے گناہ ہے بلکہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے لیے دعا کی جائے کہ خدایا اسے ہمارا شفیع بنا جیسے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں اپنے لیے دعائیں کیں کہ خداوندانہیں ہمارا شفیع بنا اور ان کی طفیل ہمیں بخش دے۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میت کے گناہ معاف کرانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ یہ حقِ اسلام ہے لہذا شہید پر جنازہ پڑھاجائے گا۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ پر نہ نماز پڑھی جائے نہ وہ وارث ہو اور نہ موروث حتی کہ چیخے ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے موروث نہ ہونے کا ذکر نہیں کیا۲؎	

۱؎ یعنی اگر بچہ زندہ پیدا ہوکر مرجائے جس کی زندگی اس کی چیخ یا حرکت سے معلوم ہوجائے تب تو اس کی نماز جنازہ بھی ہے اور اسکا نام بھی رکھا جائے گا،اس کا باقاعدہ کفن دفن بھی ہوگا،اس پرمیراث کے احکام بھی جاری ہوں گے،اگر مردہ ہی پیدا ہو تو وہ گر اہوا حمل ہے جس پر یہ کوئی حکم جاری نہیں صرف ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھڑے میں داب دیا جائے گا،یہ حدیث گزشتہ کی تفسیر ہے جس میں تھا کہ بچہ پرنماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

۲؎ اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح کہا اور حاکم نے فرمایا کہ یہ علی شرط شیخین ہے۔

روایت ہے حضرت ابومسعود انصاری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا کہ امام کسی چیز پر کھڑا ہوا اور لوگ اس کے پیچھے یعنی اس سے نیچے ہوں ۱؎ (دارقطنی کتاب الجنائز کے مجتبی میں)	

۱؎ ہر امام کا یہی حکم ہے خواہ نماز پنجگانہ کا امام ہو یا نماز جنازہ کا۔بظاہر معلوم ہوتاہے کہ یہ حدیث "باب الامامت" میں آنی چاہیے تھی مگر مصنف یہاں لائے تاکہ معلوم ہوا کہ اگر جنازہ سواری پر یا لوگوں کے ہاتھوں میں ہو تو نماز جنازہ جائز نہیں کیونکہ میت مثل امام کے ہوتی ہے تنہا اس کا اونچا ہونا یا الگ جگہ میں ہونا نماز کا مانع ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ میت پر دعا ضرور ہی پڑھنی چاہیئے تاکہ جو لوگ کچھ دیر سے نماز میں شریک ہوئے ہیں وہ اپنی تکبیریں پوری کرلیں۔

باب دفن المیت

میت کے دفن کا باب1

الفصل الاول

پہلی فصل

1دفن کے معنے ہیں چھپانامگر اب میت کو قبرستان یا مال کو زمین میں گاڑ دینے کا نام دفن ہے اسی لیے گڑھے ہوئے مال کو دفینہ کہتے ہیں۔سب سے پہلے ہابیل کو دفن کیا گیا۔قبر دو طرح کی ہوتی ہے:ایک لحد،یعنی بغلی یا پنجابی میں سانویں۔دوسری شق یعنی صندوقی یاپنجابی میں چیردیں،دونوں قسم کی قبریں جائزہیں لیکن اگر زمین مضبوط ہوتو لحد افضل ہے،دفن کے تفصیلی احکام فقہ کی کتاب میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت عامرابن سعد ابن ابی وقاص سے کہ سعد ابن ابی وقاص نے اپنے مرض وفات میں فرمایا میرے لیے بغلی قبرکھودنا اورمجھ پرکچی اینٹیں یونہی کھڑی کرنا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی گئیں1(مسلم)

1 بغلی قبر یہ ہے کہ اولًا زمین سیدھی کھودی جائے،پھرقبلہ کی جانب میت کے جسم کے مطابق گڑھا کیا جائے اور یہ جو دروازہ سابن گیا اسے اینٹوں یا پتھروں سے بندکردیا جائے،یہاں پکی اینٹ یالکڑی لگانا مکروہ ہے کہ ان میں آگ کا اثر ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور میں نو کچی اینٹیں لگائی گئیں کیونکہ مدینہ منورہ کی اینٹ بہت بڑی ہوتی ہے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور زمین سے ایک بالشت اونچی رکھی گئی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور میں سرخ کمبل ڈالا گیا1(مسلم)

1اس طرح کہ حضرت شقران غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اب میں یہ کمبل کسے اوڑھے ہوئے دیکھوں گا،بے تابی میں قبر انور میں کود گئے اور بستر کی طرح اسے زمین پر بچھادیا۔سرخ سے مراد سرخ دھاری والا ہے نہ کہ خالی سرخ۔خیال رہے کہ یہ عمل شریف تمام صحابہ کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر انکار نہ کیا لہٰذا یہ فعل شریف بالکل جائز ہوا۔علماءفرماتے ہیں کہ یہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہےکسی اور کے لیے قبر میں کچھ بچھاناجائزنہیں کیونکہ زمین نہ پیغمبر کاجسم کھاسکتی ہے اور نہ ان کا کفن و بستر لہٰذا اس میں مال کی بربادی

نہیں،دیکھو سلیمان علیہ السلام بعدوفات ایک سال یا چھ مہینہ عصا کے سہارے کھڑے رہے دیمک نے آپ کی لاٹھی کھائی قدم نہ کھایا اور آپ کا لباس نہ گلا نہ میلا ہوا۔

روایت ہے حضرت سفیان تمار سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کوہان نما دیکھی ۱؎(بخاری)	

۱؎یعنی ڈھلوان جیسے اونٹ کا کوہان اور پیٹھ۔اس حدیث کی بناء پر امام ابوحنیفہ ومالک واحمد فرماتے ہیں کہ قبر ڈھلوان بنانا بہتر ہے،امام شافعی کے ہاں چوکھوٹی بنانا بہتر،یہ حدیث ان تین اماموں کی دلیل ہے۔غالب یہ ہے کہ سفیان تمار نے شروع زمانہ ہی میں قبر انور کی زیارت کی ہوگی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پہلے ہی سے ایسی تھی کیونکہ عہدصحابہ میں حجرہ شریف کھلتا تھا اور قبر انور کی زیارت عمومًا ہوتی تھی۔بعض لوگوں نے کہا کہ پہلے قبرشریف چوکھوٹی تھی،پھرڈھلوان بنوائی گئی مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں تمام دیکھنے والوں نے یہی کہا کہ قبر ڈھلوان ہی تھی۔

روایت ہے حضرت ابی ھیاج اسدی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا کہ تم کوئی تصویر نہ دیکھو مگر مٹادو اور نہ اونچی قبر دیکھو مگر زمین کے برابر کردو ۲؎(مسلم)	

۱؎آپ کا نام حیان ابن حصین ہے،کنیت ابو الہیّاج ہے،قبیلہ بنی اسد سے ہیں،حضرت عمار ابن یاسر کے کاتب تھے،تابعی ہیں اور منصور ابن حیان مشہور تابعی کے والد ہیں۔

۲؎یعنی جس کام کے لیے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اسی کام کے لیے میں تمہیں بھیجتا ہوں،تصویروں اور مجسموں کو مٹانا اور اونچی قبروں کو گراکر زمین کے ہموار کردینا۔خیال رہے کہ یہاں قبروں سے یہود ونصاریٰ کی قبریں مراد ہیں نہ کہ مسلمانوں کی چند وجہ سے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں صحابہ کرام کی قبریں اونچی کیسے بن گئیں جنہیں مٹانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کو علی کو بھیجا کیونکہ ان بزرگوں کا کفن دفن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور آپ کی اجازت سے ہوتا تھا۔دوسرے یہ کہ قبر کو فوٹو و مجسمہ سے کیا نسبت،مسلمانوں کی قبروں پر نہ فوٹو ہوتے ہیں نہ مجسمہ،ہاں عیسائیوں کی قبریں بہت اونچی بھی ہوتی ہیں اور ان پر میت کا مجسمہ یا فوٹو بھی ہوتا ہے۔تیسرے یہ کہ مسلمان کی قبر زمین کے برابر نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ ایک بالشت یا ایک ہاتھ اونچی رکھی جائے گی اور یہاں برابر کر دینے کا حکم ہے۔چوتھے یہ کہ اس کی تائید بخاری شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسجد نبوی کی تعمیر کے باب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبریں اکھیڑنے کا حکم دیا تو اکھیڑ دی گئیں اسی کام کے لیئے علی مرتضٰی مامور ہوئے تھے۔پانچویں یہ کہ فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث پر عنوان قائم کیا کہ کیا مشرکین جاہلیت کی قبریں اکھیڑی جاسکتی ہیں یعنی ان کے علاوہ نبیوں اور ان کے متبعین کی نہیں کیونکہ ان کی قبریں اکھیڑنے میں ان کی توہین ہے۔چھٹے یہ کہ اسی فتح الباری میں

تھوڑی دور جاکر فرمایاحدیث سےمعلوم ہوا کہ مملوکہ مقبرے میں تصرف جائز ہے اور پرانی قبریں اکھیڑ دینا جائز ہیں بشرطیکہ وہ قبریں حرمت والی نہ ہوں۔ساتویں یہ کہ مسلمان کی اونچی قبر بنانا منع ہے لیکن اگر بن گئی ہے تو اسے گرانا ناجائز کہ اس میں قبر اور صاحب قبر کی اہانت ہے۔جب مسلمان کی قبر سے تکیہ لگانا،اس پر چلنا پھرنا منع ہے تو اس پر پھاوڑے چلانا کب جائز ہوگا جیسے چھوٹے سائز کے قرآن شریف و حمائلیں چھاپنا منع ہے لیکن اگر چھپ چکے ہوں تو انہیں جلانا حرام۔آٹھویں یہ کہ بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقًاہے حضرت خارجہ فرماتے کہ ہم زمانہ عثمانی میں تھے اور ہم سے بڑا بہادر وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔معلوم ہوا کہ وہ قبر اتنی اونچی بنائی گئی تھی جسے پھلانگنا دشوار تھا اوریہ قبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنائی تھی۔نویں یہ کہ ابھی مشکوٰۃ شریف میں حدیث آئے گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے کی طرف ایک اونچا پتھرلگایا جس کی شرح حضرت خارجہ کی حدیث نے کردی کہ وہ اتنا اونچا تھا جسے پھلانگنا دشوار تھا۔بہرحال اگر یہاں مسلمانوں کی قبریں مراد ہوں تو یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہوگی اور اس میں ایسی مشکلات پیدا ہوں گی جو حل نہ ہوسکیں گی۔افسوس نجدیوں نے اس حدیث کو آڑ بناکر حرمین طیبین میں صحابہ کبار،اہل بیت اطہار کی قبروں کو تو گرایا مگر اسی علاقہ میں امریکن تیل کمپنی جس کا ٹھیکہ نجدیوں نے امریکہ کو دیا ہے ان کے فوت شدہ انگریزوں کی بڑی بڑی اونچی ہیں مگر ہاتھ نہ لگایا یعنی جن کے لیے حدیث تھی ان پر عمل نہ کیا گیا مسلمانوں کی قبروں پر یہ ستم کیا گیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ قبر میں چونا گچ کیا جائے[1]اور یہ کہ اس پر کچھ بنایاجائے[2]اور یہ کہ اس پر بیٹھا جائے [3](مسلم)	

[1] خیال رہے کہ قبر میں تین چیزیں ہیں:ایک اس کا اندرونی حصہ جو میت کے جسم سے ملا ہوا ہوتاہے اسے پختہ کرنا،وہاں لکڑی یا پکی اینٹ لگانا مطلقًا ممنوع ہے خواہ ولی کی قبر ہو یا عام مسلمان کی،جسم میت مٹی میں رہناچاہئیے حتی کہ اگر کسی وقت مجبورًا میت کو تابوت یا صندوق میں دفن کرنا پڑے تب بھی اس کے اندرونی حصے میں مٹی سے کہگل کردی جائے۔دوسرا قبر کا بیرونی حصہ جولوگوں کو نظر آتا ہے اس کا پختہ کرناعوام کی قبروں میں منع،اولیاء و مشائخ و علماء کی قبور کا جائز کیونکہ عوام کے لیے یہ بیکار ہےاورخاص قبروں کی حرمت وتعظیم کاباعث اسی پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا اور ہے،خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر لگایا۔تیسرے یہ کہ قبر کے آس پاس چبوترہ پختہ ہو اورتعویذ قبر کچاہو یہ مطلقًا جائزہے۔لہٰذا یہاں قبر سے مراد قبر کا اندرونی حصہ ہے اسی لیئے عَلَی الْقَبْرِ نہ فرمایا گیا،یا عام قبریں مراد ہیں جن سے مشائخ اور علماء کی قبریں مستثنٰی ہیں۔ابھی اسی باب میں آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق و فاروق کی قبور پر عہد صحابہ میں سرخ بجری بچھادی گئی تھی بالکل خام نہ رکھی گئی۔

۲؎اس طرح کہ قبر پر دیوار بنائی جائے قبر دیوار میں آجائے یہ حرام ہے کہ اس میں قبر کی توہین ہے اسی لیے یہاں علیہ فرمایا گیا حَوْلَهٗ نہ فرمایا یا اس طرح کہ قبر کے آس پاس عمارت یاقبہ بنایا جائے یہ عوام کی قبروں پر ناجائز ہے کیونکہ بے فائدہ ہے علماء ومشائخ کی قبروں پر جہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہے جائز ہے تاکہ لوگ اس کے سایہ میں آسانی سے فاتحہ پڑھ سکیں۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر عمارت اول ہی سے تھی اور جب ولید ابن الملک کے زمانہ میں اس کی دیوار گرگئی تو صحابہ نے بنائی،نیز حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر،حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر،محمد ابن حنیفہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس کی قبر پر قبے بنائے،دیکھو خلاصۃ الوفاء اورمنتقی شرح مؤطا،مرقات نے اس مقام پر اور شامی نے دفن میت کی بحث میں فرمایا کہ مشہور علماء ومشائخ کی قبر پر قبے بنانا جائز ہیں۔

۳؎یعنی قبر پر چڑھکر بیٹھ جائے یہ حرام ہے کیونکہ اس میں قبر کی توہین ہے لیکن قبر کے پاس تلاوت قرآن کے لیئے بیٹھنا یا وہاں کا انتظام کرنے کے لیئے مجاور بن کر بیٹھنا بالکل جائزہے۔چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی مجاورہ تھیں اورکلید بردار لوگ آپ سے حجرہ کھلوا کر قبر انور کی زیارت کرتے تھے۔اسی مشکوٰۃ کے اگلے باب میں بخاری کی روایت سے آرہا ہے کہ حضرت حسن ابن علی کی قبر پر ان کی بیوی صاحبہ نے قبہ بنایا اور وہاں ایک سال تک مجاورہ بن کر بیٹھی رہیں،اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر بہت مجاور رہتے ہیں جنہیں اغوات کہتے ہیں جن کا ایک سردار ہوتا ہے جسے شیخ الاغوات کہا جاتاہے۔فقیر نے دوسرے حج میں شیخ الاغوات خلیل عبدالسلام صاحب کی قدم بوسی کی اور تیسرے حج میں شیخ الاغوات خواجہ الیاس کی،ان مجاوروں کو نجدی حکومت بھی نہ ہٹاسکی۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں بیٹھنے سے استنجے کے لیے بیٹھنا مراد ہے یعنی قبر پر پیشاب پاخانہ نہ کرو۔

روایت ہے حضرت مرثدغنوی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قبروں پر نہ بیٹھواور نہ ان کی طرف نماز پڑھو ۱؎(مسلم)	

۱؎اس طرح کہ قبرنمازی کے سامنے بغیر آڑ ہو یہ حرام ہے اور اگر قبر دائیں بائیں یا پیچھے ہو یا سامنے ہی ہو مگر نمازی اور اس کے درمیان دیوار وغیرہ کی آڑ ہو تو بلاکراہت نماز جائز ہے،بزرگوں کے مزار کے پاس برکت کے لیئے مسجدیں بنانا اور ان مسجدوں میں برکت کے لیئے نمازیں پڑھنا سنت انبیاء و سنت صحابہ ہے۔چنانچہ رب تعالٰی اصحاب کہف کے بارے میں فرماتا ہے:"لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا"یعنی مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ ہم ان کے غار پرمسجد بنائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے اردگرد مسجد نبوی واقع ہے جہاں سجدے کرنے کی ہرمومن کو تمنا ہے،یونہی ہر بزرگ کے مزار کے پاس مسجدیں بنی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کا چنگاری پر	

	بیٹھنا کہ جو کپڑے کو جلاکر اس کی کھال تک پہنچ جائے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہےا۔(مسلم)

ا۔یعنی مسلمان کی قبر پر بیٹھنا آگ پر بیٹھنے سے بدتر ہے کہ اس کے کپڑے اور جسم جلیں گے اور اس سے ایمان برباد ہوگا۔اس حدیث نے گزشتہ حدیث کی تفسیر کردی کہ وہاں بھی قبر پر بیٹھنے سے مراد قبر پر سوار ہوکر بیٹھنا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عروہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ مدینہ میں دو شخص تھے ایک بغلی کھودتا تھا دوسرا یہ نہیں ا۔صحابہ نے کہا ان میں جو پہلے آئے وہ اپنا کام کرلے تو بغلی کھودنے والا ہی آیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے بغلی قبر کھودی۲۔(شرح سنہ)

ا۔یعنی بغلی نہ کھودتے تھے بلکہ صندوق کھودنا جانتے تھے۔خیال رہے کہ لحد کھودنے والے حضرت زید ابن سہیل انصاری یعنی ابوطلحہ تھے اور صندوق کھودنے والے حضرت عبیدہ ابن جراح تھے۔مدینہ میں دو ہی بزرگ تھے جنہیں قبر کھودنا آتی تھی ان کا پیشہ گورکنی نہ تھی آج کل کی طرح،ہرمسلمان کو کفن سینا اور قبر کھودنا سیکھنا چاہیئے کہ نہ معلوم موت کہاں واقع ہو۔

۲۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندوقی قبر منع نہیں ورنہ سیدنا ابوعبیدہ ابن جراح جیسے صحابی یہ نہ کھودا کرتے اور صحابہ کبار ان دونوں کو پیغام نہ بھیجتے۔خیال رہے کہ اگرچہ تمام صحابہ قبرکھودنا جانتے تھے مگر وہ دونوں حضرات بہت مشاق تھے انہوں نے چاہا کہ قبر انور بہت اعلیٰ درجے کی تیار ہو جو بہت تجربہ کار ہی کرسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغلی قبر ہمارے لیئے ہے اور صندوقی ہمارے غیروں لیئے ہےا۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

ا۔یعنی مسلمانوں کے لیئے بغلی قبر بہتر ہے جیسے اہل کتاب وغیرہ صندوقی کو بہتر جانتے ہیں یہ کلام بیان استحباب کے لیئے ہے نہ کہ بیان وجوب کے لیئے جیساکہ ابھی عرض کیا جاچکا یا یہ مطلب ہے کہ ہماری قبر ان شاءاللہ لحد ہوگی ہمارے علاوہ بعض امتیوں کی قبریں صندوقی بھی ہوں گی یا ہم گروہ انبیاء کی قبریں لحد ہوئیں،امتوں کے لیئے شق

بھی ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہم مدینہ والوں کی قبریں لحد ہونی چاہیے کیونکہ یہاں کی مٹی پختہ ہے دوسرے لوگوں کے لیئے جہاں کی مٹی نرم ہو ٹھہرتی نہ ہو شق مناسب ہے۔

	احمد نے جریر ابن عبداللہ سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت ہشام ابن عامر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا کہ چوڑی،گہری اور اچھی قبر کھودو۱اور ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کرو جن میں زیادہ قرآن والوں کو آگے رکھو۲(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)اور ابن ماجہ نے **احسنوا** تک۔

۱اس سے معلوم ہوا کہ مردے کے لیئے قبر خوب چوڑی ہو جس میں جسم پھنسے نہیں اور گہری ہو،گہرائی مردے کے قد کے برابر یا کھڑے ہونے میں سینہ کے برابر ہو اور قبر کو اندر سے خوب صاف کردیا جائے اس میں کوئی کنکر کانٹا نہ ہو **احسنوا** اس جانب اشارہ ہے بعض عشاق فرماتے ہیں کہ قبر اتنی گہری ہونی چاہیے کہ مردہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑا ہوسکے۔

۲یہ حکم اس لیئے تھا کہ کپڑا بہت کم تھا ایک ایک چادر میں کئی کئی دفن کیے گئے۔

1704 - [12](صَحِیح) وعن جابر قال: لما كان يوم أحد جاءت عمتي بأبي لتدفنه في مقابرنا فنادى منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ردوا القتلى إلى مضاجعهم ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود والنسائي والدارمي ولفظه للترمذي	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں جب احد کا دن ہوا تو میری پھوپھی میرے باپ کو لائیں تاکہ انہیں اپنے قبرستان میں دفن کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانچی نے اعلان کیا کہ شہداء کو ان کے قتل گاہ کی طرف واپس کرو۱(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)اور لفظ ترمذی کے ہیں۔

۱اس سے معلوم ہوا کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا منع ہے نقل میت کا مسئلہ بڑے معرکہ کا ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت صرف شہدائے احد کے لیئے تھی تاکہ تمام شہدا ایک جگہ رہیں،زائرین کو ان کی زیارت میں آسانی ہو اور وہ شہداء بھی اس میدان پاک کی برکت سے فائدہ حاصل کریں کیونکہ احد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب پہاڑ ہے اور محبوب کے پاس دفن ہونا بھی اچھا۔خیال رہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چھ مہینہ کے بعد اپنے والد کی نعش مبارک وہاں سے منتقل کی اور جنت البقیع میں دفن کی یہ کام کسی ضرورت کی وجہ سے ہو اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت منع نہ فرمایا۔نقل میت کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ بعد دفن قبر کھول کر نعش منتقل کرنا یا اتنی دور میت کو لے جانا کہ جہاں تک پہنچتے ہوئے میت کے بگڑ جانے کا خطرہ ہو ممنوع ہے لیکن اگر یہ وجوہ نہ ہو تو کسی فائدہ صحیحہ کے لیئے میت کو منتقل کرنا جائز

ہے۔چنانچہ حضرت سعد ابن وقاص کا جنازہ ان کے محل سے جو مدینہ پاک سے دس میل تھا مدینہ لایا گیا،بعد دفن میت کو نکالنا سخت منع ہے اسی لیئے بعض صحابہ کرام کفار کی زمین میں دفن ہوئے تو انہیں وہیں رکھا گیا حتی کہ اگر میت بلاغسل و نماز بھی دفن ہوگیا ہو تو اسے نہیں نکال سکتے۔یوسف علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے تابوتوں کو جو مصر سے شام کی طرف منتقل کیا گیا یہ ان دینوں میں جائز تھا ہمارے ہاں ممنوع لہٰذا روافض جو امانت کرکے مردے کو دفن کرتے ہیں سخت ناجائز ہے۔قبر اکھیڑنے کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ مردہ کسی غیر کی زمین میں بغیر مالک کی اجازت دفن کردیا گیا ہو تو مالک مردے کو نکلوا کر اپنی زمین خالی کراسکتا ہے۔وہ جو فقہاء فرماتے ہیں کہ جب میت گل جائے تو قبر پر کھیتی باڑی بھی کرسکتے ہیں،اس سے یہی مراد ہے ورنہ قبر وقف ہوتی ہے اس پر کھیتی کیسی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کی طرف سے قبر میں اتارا گیا [1](شافعی)

[1] سل سلول سے بنا،بمعنی کھینچنا و سونتنا، اسی لیئے ننگی تلوار کو سیف مسلول کہتے ہیں۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر قبر میں پائنتی کیطرف رکھا گیا پھر ادھر سے قبر انور میں داخل کیا گیا۔حضرت امام شافعی کا یہ طریقہ دفن سنت ہے،ہمارے ہاں میت کو قبر کے قبلہ کی جانب رکھ کر ادھر سے اتارا جائے گا۔امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے مگر اس سے یہ استدلال درست نہیں چند وجہ سے:ایک یہ کہ یہ حدیث اسنادًا صحیح نہیں کیونکہ امام شافعی نے اس کی اسنادیوں بیان فرمائی شافعی "**عن الثقة عندہ عن عمر بن عطاء عن عکرمة عن ابن عباسٍ**"۔ظاہر ہے کہ **ثقہ عندہ** ضعف کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں راوی کا نام نہیں،صرف یہ ہے کہ میں نے ایک معتبر آدمی سے سنا لہٰذا یہ راوی مجہول ہوا۔دوسرے یہ کہ دوسری صحیح روایات اس کے خلاف ہیں۔چنانچہ ابوداؤ نے مراسیل میں حماد ابن سلیمان ابراہیم النخعی سے اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانب قبلہ سے قبر انور میں داخل کیا گیا،سر کی جانب سے نہ کیا گیا،لہٰذا احادیث متعارض ہیں،متعارض سے استدلال درست نہیں۔تیسرے یہ کہ صحابہ کرام میت کو جانب قبلہ سے قبر میں داخل کرتے تھے۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضرت علی نے یزید ابن کنف پر نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جانب قبلہ سے قبر میں اتارا،نیز انہی نے حضرت محمد ابن حنفیہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کا جنازہ پڑھایا تو انہیں جانب قبلہ سے قبر میں اتارا۔چوتھے یہ کہ آگے اسی مشکوٰۃ شریف میں آرہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتارا۔پانچویں یہ کہ ان باتوں سے آنکھ بند کرلی جائے اور مان لیا جائے کہ حضور انور کو جانب سر سے اتارا گیا تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کو حجرے میں دفن کیا گیا تھا،جانب قبلہ دیوار حائل تھی ادھر جگہ نہ تھی اس مجبوری کی وجہ سے آپ کی ڈولی پائنتی کی طرف رکھی گئی تو یہ عمل مجبورًا تھا۔اور جو حدیثیں ہم نے پیش کیں وہ غیر مجبوری کی حالت میں ہیں۔(مرقاۃ)اشعہ وغیرہ۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات

	کے وقت قبر میں تشریف لے گئے تو آپ کے لیئے چراغ جلایا گیا۱؎ حضور نے میت کو قبلہ کی طرف سے لیا ۲؎ اور فرمایا اللہ تم پر رحم کرے تم بہت زاری کرنے اور تلاوت قرآن کرنے والے تھے۳؎ (ترمذی) شرح سنہ نے فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۴؎

۱؎ یعنی رات میں میت کو دفن کیا تو میت کے لیئے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چراغ سے روشنی کی گئی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ قبر پر آگ لے جانا منع ہے مگر چراغ لے جانا جائز کیونکہ یہ روشنی کے لیے ہے نہ کہ مشرکین سے مشابہت کے لیے،مشرکین میت کے ساتھ آگ لے جاتے ہیں آگ،کی پوجاکرنے یا میت کو جلانے کے لیے لہذا بزرگوں کے مزار کے پاس لوبان یا اگربتی جلانا جائز ہے تاکہ میت کو فرحت ہو اور زائرین کو راحت اسی لیے میت کے کفن کو دھونی دینا سنت ہے جسے فقہاء استجمار کہتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ضرورت کے وقت قبر پر چراغ جلانا جائز ہے لہذا جن بزرگوں کے مزاروں پر دن رات زائرین کا ہجوم اور تلاوت قرآن کا دور رہتا ہے وہاں ضرور رات کو روشنی کی جائے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر ہمیشہ سے اور اب نجدیوں کے زمانہ میں اورزیادہ اعلیٰ درجہ کی روشنی ہوتی ہے،خاص گنبد شریف پر بیسیوں قمقمے نصب ہیں۔جن احادیث میں قبر پر چراغ جلانے سے ممانعت ہے وہاں بلاضرورت چراغ رکھ آنامراد ہے کہ اس میں اسراف ہے۔خیال رہے کہ بزرگوں کا احترام ظاہر کرنے کے لیے بھی روشنی کرسکتے ہیں،جیسے کعبہ معظّمہ کے احترام کے لیےاس پر غلاف رہتا ہے اور دروازۂ کعبہ پر بڑی قیمتی شمع کافوری جلائی جاتی ہے،رمضان میں مسجدوں کا چراغاں بھی یہیں سے لیا گیا،دیکھو"**جاءالحق**"حصہ اول۔

۲؎ یعنی میت کو قبر کے قبلہ کی جانب سے اتارا،یہی امام اعظم کا قول ہے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔اس کی پوری بحث ابھی اگلی حدیث میں ہم کرچکے ہیں۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت سے یہ خطاب کرتے ہوئے دفن کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی بعد وفات تعریفیں کرنا چاہئیں،نیز مردے سنتے ہیں زندہ انہیں سلام بھی کریں،بلکہ انہیں خطاب کرکے بات چیت بھی۔مُردوں کا سننا اور ان سے بات چیت کرنا صریح آیتوں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"علم القرآن"میں دیکھو،قرآن پاک میں جو ہے کہ آپ اندھوں کو ہدایت نہیں کرسکتے اور مُردوں کو سنا نہیں سکتے وہاں دل کے اندھے اور مردے مراد ہیں یعنی کفار اسی لیے وہاں مُردوں کا مقابلہ مؤمن سے کیا گیا کہ فرمایا گیا:"**اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا**"۔خیال رہے کہ یہ میت سیدنا عبداللہ ذوالبجادین ہیں۔(مرقاۃ)

۴؎ مگر ترمذی نے اس حدیث کو حسن فرمایا کیونکہ اس کی اسناد میں منہال ابن خلیفہ ہیں جنہیں ابن معین نے تو ضعیف کہا مگر دوسرے محدثین نے ثقہ کہا جن کی وجہ سے یہ حدیث حسن ہوئی۔تعجب ہے کہ شوافع ترمذی کے حسن کہنے کا ذکر نہیں کرتے اور شرح سنہ کے ضعیف کہنے کو بیان کرتے ہیں،نیز حیرت ہے کہ اس حدیث کو حسن ہونے کے باوجود قبول نہیں کرتے اور پچھلی حدیث جو ابھی گزری جو بالاتفاق ضعیف ہے اس پر عمل کرتے

ہیں۔امام سیوطی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے حضرت ابن مسعود سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صدیق و فاروق عبداللہ ذوالبجادین کے دفن کا انتظام فرمارہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جانب قبلہ سے قبر میں اتار رہے ہیں اور یہ فرمارہے ہیں اور بعد دفن فرمایا الٰہی میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا حتی کہ میں نے تمنا کی کہ میں یہ میت ہوتا۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو قبر میں اتارتے تو فرماتے اللہ کے نام سے اور اللہ کی مدد سے رسول اللہ کے دین پر اور ایک روایت میں ہے رسول اللہ کی سنت پر ۱(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد نے دوسری روایت کی۔

۱یعنی اتارتے وقت یہ کلمات کہتے جاتے تھے۔خیال رہے کہ سرکار نے بہ نفس نفیس چند صحابہ کو ہی قبر میں اتارا ہے مگر یہ کلمات دفن کے وقت ہمیشہ فرماتے ہیں لہذا دخل کے معنی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ قبر میں اتارنا۔

	روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے وہ اپنے باپ سے مرسلًا راوی ۱کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپ ڈالے۲اور اپنے فرزند ابراہیم کی قبر پر چھڑکاؤ کیااور اس پر کنکر بچھائے۳(شرح سنہ)اور شافعی نے رشّ سے۔

۱امام جعفر صادق کے والد کا نام محمد باقر ہے،چونکہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں اور یہاں صحابہ کا نام لیا نہیں اس لیئے یہ حدیث مرسل ہے۔غالبًا وہ صحابی حضرت جابر ہوں گے کیونکہ امام باقر اکثر ان سے روایتیں لیتے ہیں۔

۲مٹی کے۔امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ پہلے لپ پر پڑھتے "مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ"اور دوسرے پر پڑھتے "وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ"اور تیسرے پر پڑھتے "وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى"۔چنانچہ میت کو تین لپ مٹی دینا بھی سنت ہے اور یہ پڑھنا بھی۔

۳علماء فرماتے ہیں کہ بعد دفن قبر پر ٹھنڈا اور پاک پانی چھڑکے نیک فال کے لیئے کہ اللہ میت کو پاک اور قبر کو ٹھنڈا کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کو بالکل کچا رکھنا ضروری نہیں،اس پر بجری کنکریٹ ڈال سکتے ہیں،ہاں عام قبروں کو چونا گچ سے پختہ نہ کیا جائے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو گچ کرنے۱ان پر لکھنے۲اور ان

پر چلنے سے منع کیا۳؎(ترمذی)	

۱؎اس کی تفصیلی بحث پہلے ہوچکی کہ قبر کا اندرونی حصہ پختہ نہ کیا جائے،ورنہ بیرونی حصہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر بھی لگایاہے جیساکہ آگے آرہا ہے اور بجری بچھائی ہے جیساکہ ابھی گزر گیا۔

۲؎عام قبروں پر جہاں احتیاط نہ ہوسکے اللہ کا نام یا قرآن کی آیت لکھنا منع ہے کہ اس میں بے ادبی کا قوی احتمال ہے،لوگ بھی گزر جاتے ہیں،وہاں جانور بھی گزرتے ہیں،خواص کے مزارات جہاں ان کی بے ادبی کا احتمال نہ ہو وہاں جائز ہے۔مرقات میں ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں قبر پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا سنت ہے اور لکھنے کی ممانعت کی حدیث منسوخ ہے جیساکہ حاکم نے فرمایا یہ تمام گفتگو قبر کے تعویذ پر لکھنے میں ہے،اگر قبر کے سرہانے پتھر کھڑا کیا جائے اس پر کچھ لکھا جائے تو بلاکراہت جائز ہے۔

۳؎اسی لیئے فقہاء نے فرمایا کہ قبرستان میں جو قبر پر سے نئے راستے بنالیے جاتے ہیں ان میں نہ چلے نہ ننگے پاؤں،نہ جوتے پہن کر اس میں مسلمانوں کی قبر کی توہین ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پانی چھڑکا گیا چھڑکنے والے حضرت بلال ابن رباح تھے جنہوں نے مشکیزے سے آپ کی قبر پر چھڑکا سرہانے سے شروع کیا حتی کہ پائنتی تک پہنچ گئے ا؎بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی۔	

۱؎معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر چھڑکاؤ کرنا سنت ہے اگرچہ مٹی بارش کی وجہ سے گیلی ہی کیوں نہ ہو،بعض نے فرمایا خشک مٹی پر چھڑکے۔

روایت ہے حضرت مطّلب ابن ابی وداعہ سے ا؎فرماتے ہیں حضرت عثمان ابن مظعون فوت ہوئے ان کا جنازہ لاکر دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پتھر لانے کا حکم دیا وہ اسے اٹھا نہ سکا۲؎تب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تشریف لے گئے اپنی آستینیں چڑھائیں مطلب کہتے ہیں کہ جس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کی خبر دی وہ کہتے تھے گویا میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنیاں دیکھ رہا ہوں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھولا پھر پتھر اٹھایا اور اسے قبر کے سرہانے رکھ دیا۳؎اور فرمایا کہ میں اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگاتا ہوں اور انہی کے پاس اپنے فوت ہونے والے گھر والوں کو دفن	

	کردوں گا۴؎(ابوداؤد)

۱؎آپ قریشی ہیں،فتح مکہ کے دن اسلام لائے،ابوداؤد میں مطلب ابن عبداللہ مدنی ہے،وہ مخزومی ہیں،تابعی ہیں۔
۲؎کیونکہ بہت اونچا اور بھاری تھا اور جو کام دوسروں سے نہ ہوسکتا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔
۳؎یا تو قبر سے علیحدہ سرہانے کے پاس کھڑا کردیا یا خود قبر کے سرہانے گاڑھ دیا،دوسرے احتمال کی تائید بخاری شریف کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت خارجہ کہتے ہیں ہم میں بڑا بہادر وہ تھا جو قبر عثمانی کو پھلانگ جاتا،یعنی قبر بہت اونچی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ قبر کو پتھر سے پختہ کر سکتے ہیں،ہاں پکی اینٹ چونے گچ وغیرہ سے بچے۔
۴؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مظعون کو اپنا بھائی یا تو اس لیئے فرمایا کہ وہ قریشی ہیں اور قومی بھائی ہیں کیونکہ آپ ابن مظعون ابن حبیب ابن وہب ہیں،قرشی جمحی میں یا اس لیئے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں،حضور انور نے ان کے بعد اپنے فرزند ابراہیم کو وہاں ہی دفن کیا،پھر اپنی صاحب زادی زینب کو۔

	روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ والدہ ماجدہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی قبر کھول کر دکھایئے۲؎آپ نے میرے سامنے تین قبریں کھولیں جو نہ بہت اونچی تھیں نہ زمین کے برابر جن پر میدان کی سرخ بجری بچھی تھی ۳؎(ابوداؤد)

۱؎آپ صدیق اکبر کے پوتے ہیں یعنی محمد ابن ابوبکر صدیق کے بیٹے۔
۲؎حجرہ شریف بند رہتا تھا جس میں مہر نبوت کے پہلو میں دو بدر منیر سورہے ہیں اسکی چابی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس رہتی تھیں جسے زیارت کرنی ہوتی وہ آپ سے حجرہ کھلواکر زیارت کرتا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبر پر مجاور کا رہنا،وہاں قبر کا انتظام کرنا،چابی اپنے پاس رکھنا سب سنت صحابہ ہیں،یہ حدیث بہت سے مسائل کا ماخذ ہے۔
۳؎اس سے معلوم ہوا کہ اول ہی سے آپ کی قبر شریف محض کچی نہیں بلکہ اس پر سرخ بجری بچھی ہوئی تھی تمام دیکھنے والوں نے سرخ بجری ہی کی روایت کی۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ پر گئے قبر پر پہنچے تو ابھی تیار نہ ہوئی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روبقبلہ بیٹھے اور ہم آپ کے ساتھ بیٹھے۔(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)ابن ماجہ نے آخر میں یہ بڑھایا کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے تھے ۱؎

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ دفن میت سے پہلے بیٹھنا جائز ہے قبلہ رو بیٹھنا ہی ضروری نہیں کیونکہ جو اصحاب کے آپ کے آس پاس بیٹھے تھے وہ قبلہ رو نہ تھے،ہاں اس وقت دنیاوی باتیں کرنا یا کھیل کود میں مشغول ہونا برا ہے یا ذکر اللہ کریں یا خاموش رہ کر موت سے عبرت پکڑیں،اسی خاموشی کو ظاہر کرنے کے لیے فرمارہے ہیں گویا ہم پرندوں کے شکاری کی طرح خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی ہڈیاں توڑنا زندہ کی ہڈیا ں توڑنے کی طرح ہے ۱؎(مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی جیسے وہ حرام ہے ایسے ہی یہ حرام،ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ مؤمن کو بعد موت ایذاء دینا ایسا ہی ہے جیسے اسے زندگی میں ستانا۔یہاں مرقات میں ہے کہ جن چیزوں سے مومن زندگی میں راحت پاتا تھا انہی چیزوں سے بعد موت بھی راحت پاتاہے،لہذا وہاں تلاوت کرنا،خوشبو دار چیزیں رکھنا وغیرہ بہتر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مردے کا پوسٹ مارٹم کرنا یا اسے مردہ خانہ رکھ کر اس کی کھال اتارنا،اس کے پرزے اڑا دینا،عرصہ تک دفن نہ کرنا سخت ممنوع ہے،ضروریات شرعیہ اس سے مستثنٰی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر کے جنازے پر حاضر ہوئے جب وہ دفن کی جارہی تھیں۱؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر بیٹھے تھے میں نے آپ کی آنکھوں کو دیکھا کہ آنسو بہارہی تھیں حضور نے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے آج رات صحبت نہ کی ہو۲؎ابوطلحہ بولے میں فرمایا تم قبر میں اترو وہ آپ کی قبر میں اترے۳؎(بخاری)	

۱؎یہ جنازہ حضرت ام کلثوم بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جو حضرت عثمان کی زوجہ تھیں۔

۲؎یقارف **مقارفۃٌ** سے بنا جس کے معنے ہیں کرنا یا قریب جانا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَمَنۡ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً**"۔جماع کو **قراف** کہتے ہیں۔بعض شارحین نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ آج رات گناہ نہ کیا ہو مگر یہ غلط ہے،کیا سارے صحابہ راتیں گناہوں میں گزارتے تھے،یہاں بمعنی جماع ہے۔واقعہ یہ ہوا تھا کہ امّ کلثوم بہت عرصہ سے بیمار تھیں حضرت عثمان کو یہ خبر نہ تھی کہ آج ان کی آخری رات ہے اتفاقًا اس رات اپنی لونڈی سے صحبت کر بیٹھے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزری اشارۃً اس طرح تنبیہ فرمائی،گویا یہ محبوبانہ شکوہ کیا کہ میری بیٹی

اتنی بیمار اور تم نے صبر نہ کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ہر خفیہ اور ظاہری عمل سے خبردار ہیں،دیکھو عثمان غنی کا پردہ کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن تھا۔

۳؎ یا تو قبر کو اندر سے صاف کرنے کے لئے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں یا میت کو قبر میں رکھنے کے لئے۔تب اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوگا کہ بوقت ضرورت اجنبی نیک شخص میت عورت کو کفن کے اوپر سے ہاتھ لگاسکتاہے۔شائد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عذر ہوگا جس کی وجہ سے آپ خود قبر میں نہ اترے ورنہ عورت میت کو بیٹا،والد،بھائی۔خاوند قبر میں اتارے،عثمان غنی سے یہ خدمت نہ لینا اظہار عتاب کے لیئے تھایا انہیں بھی کوئی عذر ہوگا۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے کہ انہوں نے اپنے فرزند سے بحالت موت فرمایا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ والی جائے نہ آگ ۱؎ جب تم مجھے دفن کرو تو مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے اردگرد اس قدر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت بانٹ دیا جائے تاکہ تم سے مجھے اُنس ہو اور جان لو کہ میں رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں ۲؎ (مسلم)

۱؎ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جنازہ کے ساتھ پیٹنے والی عورتیں بھی جاتی تھیں اور آگ بھی کیونکہ وہ آگ کا احترام کرتے تھے اس لیےآپ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو یہ وصیت کی اور یہ وصیت دوسروں کو سنانے کے لیے تھی،ورنہ ان کے بیٹے عبداللہ خود صحابی ہیں وہ کیسے یہ کام کرسکتے تھے۔سبحان اللہ! کیسے پاکباز لوگ ہیں کہ وفات کے وقت بھی تبلیغ کررہے ہیں۔

۲؎ اس وصیت سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دفن کے وقت قبر پر مٹی آہستگی سے ڈالی جائے کیونکہ شن آہستہ مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں گویا چھڑکنا۔دوسرے یہ کہ بعد دفن قبر کے آس پاس حلقہ باندھ کر کھڑے ہونا سنت ہے۔تیسرے یہ کہ میت حاضرین کو جانتا پہنچانتاہے اور ان کی موجودگی سے اس کی وحشت قبر دور ہوتی ہے،اُنس حاصل ہوتاہے۔چوتھے یہ کہ حاضرین کا میت کو بعد دفن تلقین کرنا،یعنی کلمہ طیبہ یا اذان سناکر اسے سوالات نکیرین کے جوابات بتانا سنت سے ثابت ہے۔آپ کی وصیت کا منشاءیہ ہے کہ بعد دفن قبر کا گھیراڈال کر ذکر اللہ کرنا تاکہ تمہاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہو اور تمہارے ذکر سے نکیرین کو جوابات دینے میں آسانی ہو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناجب کوئی مرجائے تو اسے روک نہ رکھو اس کی قبر تک جلدی پہنچاؤ ۱؎ اس کے سر کے پاس سورۂ بقر کا شروع اور پیروں کے پاس بقر کا آخری رکوع پڑھو ۲؎ (بیہقی،شعب الایمان)اور

	فرمایا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ان پر موقوف ہے۔

۱؎ یعنی بلاضرورت اس کے دفن میں دیر نہ لگاؤ کہ اس سے تمہیں بھی تکلیف ہے اورمیت کے پھولنے پھٹنے کا بھی اندیشہ۔اس حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلاطین اسلامیہ علیحدہ ہیں،سلطان کا دفن خلیفہ کے مقرر ہونے کے بعد ہوگااسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن وفات سے تیسرے روز ہوا،یہ روکنا ضرورۃً ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کا دفن وفات سے سال یا چھ مہینہ کے بعد ہوا تکمیل مسجد کے لیئے۔

۲؎ یعنی بعد دفن قبر کے سرہانے الٓمٓ سے مُفۡلِحُوۡنَ تک اور قبر کی پائنتی اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ سے آخر تک پڑھوکیونکہ جیسے نزع کے وقت سورۂ یٰسین پڑھنے سے جانکنی آسان ہوتی ہے ایسے ہی بعد دفن یہ رکوع پڑھنے سے قبر کی مشکلات حل ہوتی ہیں۔مرقات میں ہے کہ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں جب بھی قبرستان جاؤتوقُلۡ ھُوَ اللّٰہُ،فلق اور ناس اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر قبر والوں کو ثواب بخشو اور جب انصار میں کوئی فوت ہوتا تو وہ حضرات عرصہ تک قبر پر آتے جاتے رہتے۔فوائد زنجانی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قبرستان جائے اور وہاں "اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ"،"قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ" اور الحمد پڑھے پھر یہ کہے کہ الٰہی میں نے جو کچھ پڑھا اس کا ثواب ان قبر والے مؤمنوں کو بخشا تو وہ تمام مؤمن قیامت میں اس کی شفاعت کریں گے،نووی نے شرح مہذب میں فرمایا زیارت قبور کرنے والے کو چاہئے کہ کچھ قرآن پڑھے پھر ان کے لیئے دعا کرے،دوسری جگہ فرمایا کہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا بہت افضل ہے۔اس جگہ مرقاۃ نے ایصال ثواب کے بہت دلائل دیئے ہیں اور آیت "لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"کو منسوخ فرمایا اور محکم ہونے کی صورت میں اس کی بہت توجیہیں فرمائیں۔خدا شوق دے تو اس جگہ مرقاۃ اور کتاب"جاءالحق"حصہ اول اور "تفسیر نعیمی"پارہ سوم کا ضرور مطالعہ کرو۔

	روایت ہے حضرت ابن ابی ملیکہ سے فرماتے ہیں جب عبدالرحمان ابن ابی بکر نے مقام حبشی میں وفات پائی تو وہ مکہ لاکر دفن کیے گئے ۱؎ جب حضرت عائشہ آئیں تو عبدالرحمان ابن ابی بکر کی قبر پر تشریف لے گئیں اور یہ شعر پڑھے ۲؎ ہم تم دراز زمانہ تک جذیمہ کے وزیروں کی طرح رہے حتی کہ کہا گیا کہ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے مگر جب بچھڑے تو میں اور مالک اتنا دراز ساتھ رہنے کے باوجودگویا ایک رات بھی ساتھ نہ رہے ۳؎ پھر بولیں رب کی قسم اگر میں موجود ہوتی تو تم وہیں دفن کیے جاتے جہاں تم فوت ہوئے اور اگر میں اس وقت ہوتی تو اب تمہاری زیارت نہ کرتی۴؎(ترمذی)

۱؎ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضیٔ مکہ تھے اور حضرت عبدالرحمٰن عائشہ صدیقہ کے بھائی ہیں جن کا انتقال مقام حبشی میں ہوا جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل دور ہے مگر برکت کے لیےمکہ معظّمہ لاکر دفن کئے گئے۔خیال رہے کہ عبدالرحمان حضرت عائشہ کے حقیقی بھائی ہیں جن کی ماں اُم رومان ہیں۔

۲؎یعنی جب آپ حج کو مکہ معظّمہ آئیں تو راستہ میں ان کی قبر پرنظر پڑی اتر گئیں اور زیارت قبر کی اورتمیم ابن نویرہ کے مرثیہ کے یہ دو شعر پڑھے جو اس نے اپنے بھائی مالک ابن نویرہ کے قتل ہونے کے بعد لکھے۔مالک عہدصدیقی میں حضرت خالد کے ہاتھوں مارا گیا کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی۔

۳؎جزیمہ عراق کابادشاہ تھا اس کے دو وزیروں کی آپس کی محبت اور ہمیشہ ہمراہی عرب میں کہاوت بن چکی تھی،ان وزیروں کے نام مالک وعقیل تھے جو چالیس سال تک جزیمہ کے ساتھ رہے،انہیں نعمان نے قتل کیاجن کے قتل کا عجیب قصہ مقامات حریری کی شرح میں مذکور ہے۔**حقبہ** دراز مدت کو کہتے ہیں جس کی حد نہ ہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لّٰبِثِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَحۡقَابًا"۔

۴؎یعنی اگر میں تمہاری وفات کے وقت تمہارے ساتھ ہوتی تو نہ تمہاری میت کو یہاں آنے دیتی کیونکہ بلاوجہ میت کو منتقل کرنا ٹھیک نہیں۔اس کی بحث پہلے ہوچکی اور نہ اب میں تمہاری قبر کی زیارت کے لیئے اترتی کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع فرمایا۔ہم ابھی عرض کرچکے کہ آپ زیارت قبر کے لئے گئی نہ تھیں بلکہ قبر راستہ میں پڑی تھی تو اتر پڑی تھیں۔زیارت قبر کی پوری بحث ان شاءاللہ زیارت قبور کے باب میں آئے گی۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کھینچا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا ۱؎ (ابن ماجہ)	

۱؎یعنی ان کی میت قبر کی پائنتی رکھی اور ادھر سے قبر میں اتارایا ضرورۃً تھا یا بیان جواز کے لیے،ورنہ بہتر یہ ہے کہ قبر سے قبلہ رخ رکھ کر میت کو اتارا جائے۔اس کی تحقیق پہلے پوری کی جاچکی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر نماز پڑھی پھر قبر پر آئے تو ان پر سر کی طرف سے تین لپ مٹی ڈالی ۱؎ (ابن ماجہ)	

۱؎چنانچہ سنت یہ ہے کہ دفن کے وقت قبر پر ہر مسلمان تین لپ مٹی ڈالے،اس کا ذکر بھی پہلے گزر گیا۔

روایت ہے حضرت عمر و ابن حزم سے فرماتے ہیں کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو نہ ستاؤ یا اسے مت ستاؤ ۱؎ (احمد)	

۱؎غالبًا آپ قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے جس سے سرکار نے منع فرمایا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسلمان کی قبر بھی لائق تعظیم ہے،جب اس سے تکیہ لگانا جائز نہیں تو وہاں اور بدتمیزی کیسے جائز ہوگی،بلکہ بزرگوں کی قبر پر ہاتھ باندھ کر سر جھکا کر کھڑے ہونا چاہیئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو۔(کتب فقہ)دوسرے یہ کہ میت کو باہر کی خبر ہوتی ہے،ان کی بے ادبیوں سے ناراض اور احترام سے خوش ہوتا ہے۔

باب البکاء علی المیت

میت پر رونے کاباب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎میت پر آواز سے یا صرف آنسوؤں سے رونا جائز ہے بلکہ مردے کے بعض فضائل بیان کرنا بھی درست ہے جیسے فاطمہ زہرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر روتے ہوئے فرمایا تھا اباجان آپ جنت میں چلے گئے اب وحی آنا بند ہوگئی وغیرہ،ہاں اس پر سر یا سینہ کوٹنا،منہ پر تھپڑ لگانا،بال نوچنا،اس کے جھوٹے اوصاف بیان کرنا،ہائے میرے پہاڑ،ہائے کالی گھوڑی کے سوار یہ سب حرام ہے کہ یہ نوحہ میں داخل ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف لوہار کے ہاں گئے ۱؎جو حضرت ابراہیم کا رضاعی والد تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو لیا انہیں چوما اور سونگھا۲؎کچھ عرصہ بعد ہم پھر وہاں گئے جب کہ حضرت ابراہیم جان دے رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بہنے لگیں حضرت عبدالرحمان بن عوف نے خدمت عالیہ میں عرض کیا یارسول اللہ آپ بھی ۳؎تو فرمایا اے ابن عوف یہ تو رحمت ہے پھر دوبارہ آنسو بہائے فرمایا آنکھیں بہتی ہیں،دل غمگیں ہے مگر ہم وہ ہی کریں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہم غمگیں ہیں ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ کا نام براء اور آپ کی بیوی ام سیف کا نام خولہ بنت منذر،انصار سے ہے جو حضرت ابراہیم کی دودھ کی والدہ ہیں،انہی کے ہاں حضرت ابراہیم رکھے گئے تھے،حضور انہیں کبھی کبھی دیکھنے جایا کرتے تھے،حضرت ابراہیم نے سولہ مہینہ کی عمر میں وفات پائی۔

۲؎معلوم ہوا کہ بچہ کو گود میں لینا،اسے چومنا سونگھنا سنت ہے رحمت کی علامت ہے۔

۳؎یعنی آپ بھی بچوں کے فوت ہونے پر روتے ہیں۔وہ سمجھے یہ رونا بے صبری کا ہوتا ہے جس سے انبیاء کرام پاک ہیں تب یہ سوال کیا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ میت پر صرف آنسوں سے رونا بھی جائز ہے اور صبر شکر کے الفاظ کہنا بھی اور میت کو مخاطب کرکے کلام کرنا بھی جائز کہ بچہ زندگی میں اگرچہ کچھ نہ سمجھتا ہو مگر بعد وفات سمجھنے بلکہ بولنے لگتا ہے۔ابھی آئے گا کہ کچا بچہ قیامت میں ماں باپ کی شفاعت بھی کرے گا اور ان سے کلام بھی۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر زینب نے حضور کو پیغام بھیجا کہ میرا بچہ فوت ہوگیاتشریف لائیے۱؎ حضور نے سلام وپیغام بھیجا کہ اللہ ہی کا ہے جو دے یا لے اس کے ہاں ہر چیز مدت مقرر پر ہے،صبر وطلب اجر لیں۲؎ انہوں نے پھر پیغام بھیجا آپ کو قسم دیتی تھیں کہ ضرور آئیں۳؎ آپ اٹھے آپ کے ساتھ سعد ابن عبادہ اور معاذ ابن جبل،ابی ابن کعب،زید ابن ثابت کچھ اور لوگ تھے بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا جو دم توڑ رہا تھا تب حضور کی آنکھیں بہنے لگیں حضرت سعد نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا ہے فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دل میں ڈالی ہے اللہ اپنے بندوں میں سے رحم والوں پر ہی رحم کرتا ہے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی قبض روح کی حالت میں ہے گویا فوت ہی ہوگیا ہے۔وہ بچہ یا تو علی ابن ابی العاص تھے جو قریب بلوغ فوت ہوئے ہیں یا امامہ بنت ابی العاص،یہی قوی ہے جیساکہ مسند امام احمد میں ہے۔خیال رہے کہ حضرت زینب ابوالعاص ابن ربیع کی بیوی تھیں۔

۲؎ یعنی صبر سے کام لو میں عنقریب پہنچتا ہوں غالبًا سرکار کسی ضروری کام میں مشغول تھے اس سے معلوم ہوا کہ میت کی نزع کی حالت میں بھی پسماندگان کو تسلی دینا تعزیت کرنا جائز ہے۔

۳؎ یعنی کیسا ہی ضروری کام ہو چھوڑ دیں اور تشریف لے آئیں،میں بہت بے قرار ہوں آپ کی تشریف آوری سے تسلی ہوگی۔

۴؎ اطباء کہتے ہیں کہ میت پر بالکل نہ رونے سے سخت بیماری پیدا ہوجاتی ہے،آنسو بہنے سے دل کی گرمی نکل جاتی ہے اس لیئے اس رونے سے ہرگز منع نہ کیا جائے اور ایسے موقع پر رونا نہ آنا سختی دل کی علامت ہے جسے بندوں پر رحم نہیں آتا خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت سعد ابن عبادہ کچھ بیمار ہوئے ۱؎ تو حضور صلی اللہ	

علیہ وسلم عبدالرحمان ابن عوف،سعد ابن ابی وقاص اور ابن مسعود کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے گئے جب وہاں پہنچے تو انہیں غشی میں پایا پوچھا کیا وفات ہوگئے۲؎ لوگوں نے کہا نہیں یارسول اللہ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے جب قوم نے نبی کا رونا دیکھا تو وہ بھی رونے لگے حضور نے فرمایا کیا تم سنتے نہیں کہ اللہ تعالٰی آنکھ کے آنسوؤں دل کے غم سے عذاب نہیں دیتااپنی زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس سے یہ عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے۳؎اور میت کو گھر والوں کے رونے پر عذاب ہوتا ہے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎شاید راوی کو بیماری کا پتہ نہ لگا کہ انہیں کیا بیماری تھی۔خیال رہے کہ حضرت سعد اس بیماری میں فوت نہیں ہوئے بلکہ ۱۵ھ؁ عہد فاروقی میں مقام حوراں علاقہ شام میں وفات پائی۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو جنات نے قتل کیا۔

۲؎خیال رہے کہ انبیاء واولیاء کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی اپنے سے بھی بے خبر ہوجاتے ہیں۔اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر

بگفت احوال مابرق جہاں است　　　دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے برطارم اعلے نشینیم　　　گہے برپشت پائے خود نہ بینیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی موت کے وقت اور جگہ سے خبردار ہیں کہ بدر میں ایک دن پہلے ہی ہر کافر کے قتل کی جگہ اور وقت بتادیا کہ کل یہاں فلاں مرے گا اور آج یہ فرمارہے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ کلام عتابانہ تھا لوگ انہیں گھیرے ہوئے تھے،چادر اوڑھائی ہوئی تھی تو فرمایا کہ کیا یہ فوت ہوگئے ہیں جو تم نے چادر اوڑھادی تب تو مطلب بالکل ظاہر ہے۔

۳؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا انکی موت کے خوف سے نہ تھا بلکہ ان کی تکلیف دیکھ کر رحمت کی بنا پر اور یہ کلام حکیمانہ مبلّغانہ تھا کہ کسی کی بیماری یا موت پر بے صبری یا نوحہ نہ کرنا چاہیئے۔مطلب یہ ہے کہ جو مصیبت پر حمد الٰہی کرتاہے اللہ اس پر رحم کرتا ہے اور جو بکواس بکتا ہے وہ سزا پاتا ہے۔

۴؎اس کی پوری شرح آگے آئے گی۔یہاں اتنا سمجھ لو کہ میت سے مراد وہ ہے جس کی جان نکل رہی ہو اور عذاب سے مراد تکلیف ہے یعنی اگر جان نکلتے وقت رونے والوں کا شور مچ جائے تو اس شور سے مرنے والے کو تکلیف ہوتی ہے،بلکہ بیمار کے پاس بھی شور نہ کرناچاہیئے کہ اس سے بیمار کو ایذا پہنچتی ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کسی کا گناہ میت پر کیوں پڑتاہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں	

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ ہم میں سے نہیں جو منہ پیٹے،گریبان پھاڑے اور جہالت کی باتیں بکے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی میت وغیرہ پر منہ پیٹنے،کپڑے پھاڑنے،رب تعالٰی کی شکایت،بے صبری کی بکواس کرنے والا ہماری جماعت یا ہمارے طریقے والوں سے نہیں ہے یہ کام حرام ہے،ان کا کرنے والا سخت مجرم ہے۔اس سے روافض عبرت پکڑیں جن کے ہاں سینہ کوبی کرنا اور حرام مرثیے پڑھنا عبادت ہے۔اس حدیث کی تائید قرآن کریم فرمارہا ہے:"وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصٰبَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ"۔اسی لیئے شہدائے کربلا،اہلِ بیت اطہار نے تازیست یہ حرکتیں نہ کیں۔

روایت ہے حضرت ابوبردہ سے۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ بے ہوش ہوئے تو ان کی بیوی ام عبداللہ پر چیخ کر روتی آئیں ۲؎پھر انہیں آرام ہوا تو فرمایا کیا تم جانتی نہیں آپ انہیں حدیث سنایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس سے بیزار ہوں جو سر منڈائے،چیخیں مارے،کپڑے پھاڑے۳؎(مسلم،بخاری)لفظ مسلم کے ہیں۔	

۱؎آپ کا نام عامر ابن عبداللہ ابن قیس ہے،تابعین میں سے ہیں اور عبداللہ ابن قیس یعنی ابوموسیٰ اشعری کے فرزند ہیں،حضرت علی کی طرف سے قاضی شریح کے بعد کوفہ کے قاضی رہے،پھر حجاج نے آپ کو معزول کیا۔

۲؎رَنَّہ عربی میں رونے کی کانپتی آواز کو کہتے ہیں۔

۳؎یعنی میں تمہیں ہمیشہ یہ حدیث سناتا رہا تم میرے جیتے جی ہی بھول گئیں۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عرب میں بھی کسی کی موت پر سر منڈانے کا رواج تھا جیسے ہمارے ہاں ہندو سر،ڈاڑھی اور مونچھیں سب منڈوادیتے ہیں جسے بھدرا کہتے ہیں،مگر مرد منڈاتے ہیں عورتیں نہیں یہ بھی بے حیائی کی علامت ہے۔خیال رہے کہ صحابہ کرام ایسی حالت میں تبلیغ اور اپنے بال بچوں کی اصلاح سے غافل نہیں رہتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں جہالت کی چار باتیں ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑیں گے:قومی فخر،نسب میں طعنےاور تاروں سے بارش مانگنی اور نوحہ ۱؎فرمایا اگر نوحہ والی موت سے پہلے توبہ نہ کرلے تو قیامت میں اس طرح کھڑی ہوگی کہ اس پر رال کا لباس اور جرب	

	کی قمیص ہوگی۲؎(مسلم)

۱؎اس میں غیبی خبر ہے جو بالکل سچی ہوئی،مسلمانوں میں اب تک عمومًا چاروں عیوب موجود ہیں۔کبھی حسب اور نسب ایک ہی معنی میں آتے ہیں مگر کبھی یوں فرق کردیتے ہیں کہ اماں کی طرف سے رشتوں کا نام حسب ہےاور باپ کی طرف کا نام نسب۔کبھی اس طرح کہ باپ دادوں کے اوصاف شمار کرنا جب کہ ان کی قومیت و ذات بتاتے پھرنا نسب۔کفار کے مقابلہ میں حسب و نسب پر فخر کرنا بھی عبادت ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں کفار سے فرمایا اَنَا اِبْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب(جانتے ہو میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)مگر مسلمان کے کسی نسب کو ذلیل جاننا یا انہیں کمین کہنا حرام ہے مسلمان شریف ہیں اگرچہ سیدحضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے اشرف ہیں مگر انہیں بھی کسی مسلمان کو کمین کہنے کا کوئی حق نہیں،ہاں مسلمانوں کو ان کا احترام کرنا چاہیے۔نسب انبیاء اللہ کی رحمت ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری "کتاب الکلام المقبول فی شرافۃ نسب الرسول" میں ملاحظہ کیجئے۔تاروں سے اوقات معلوم کرنا اور راستوں و سمتوں کا پتہ لگانا جائز ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ"مگر ان میں بارش وغیرہ کی تاثیریں ماننا اور ان سے غیبی خبریں معلوم کرنا حرام ہے،لہذا علم نجوم باطل ہے علم توقیت حق۔مردے کے سچے اوصاف بیان کرنا ندبہ کہلاتا ہے اوراس کے جھوٹے اوصاف بیان کرکے رونا نوحہ ہے۔ندبہ جائز ہے،نوحہ حرام۔حضرت فاطمۃ الزہرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ندبہ کیا تھا نوحہ نہیں۔

۲؎رال میں آگ جلد لگتی ہے اور سخت گرم بھی ہوتی ہے۔جرب وہ کپڑا ہے جو سخت خارش میں پہنایاجاتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ نائحہ پر اس دن خارش کا عذاب مسلّط ہوگا کیونکہ وہ نوحہ کرکے لوگوں کے دل مجروح کرتی تھی تو قیامت کے دن اسے خارش سے زخمی کیاجائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ نوحہ خواہ عملی ہو یا قولی سخت حرام ہے،چونکہ اکثر عورتیں ہی نوحہ کرتی ہیں اس لیے عمومًا نائحہ تانیث کا صیغہ فرمایا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت پر گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر کروہ بولی میرے پاس سے ہٹ جایئے آپ کو میری سی مصیبت نہیں پہنچی اس نے حضور کو پہچانا نہیں ۱؎تو اسے بتایا گیا یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو وہ حضور کے آستانہ پر آئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی دربان نہ پایا۲؎عرض کیا حضور میں نے آپ کو پہچانا نہیں فرمایا صبر شروع صدمے پر ہی ہوتا ہے۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ نہ پہچاننا بھی شدت غم سے ہوگا ورنہ وہ تو اہل مدینہ سے تھی،آپ کو تو باہر کے اجنبی لوگ بھی پہچان لیتے تھے،گلی سے گزرتے تو گھروں والے خوشبو کی مہک سے پہچان جاتے،آپ کو تو کنکر پتھر،جن و انس،چاند تارے،سورج

پہچانتے ہیں۔خیال رہے کہ جو کچھ اس نے کہا یہ لفظ کفر تھا کہ اس میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے،مگر چونکہ غم کی مدہوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر پہچانے کہا ہے اس لیے وہ اسلام سے خارج نہ ہوئی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر جانکنی کی شدت میں مرنے والے سے کوئی کفر کی بات سنی جائے تو اسے کافر نہ کہا جائے گا اس کی نماز جنازہ اور دفن ہوگا کیونکہ مدہوشی کا کفر معتبر نہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ آئی معافی مانگنے،اس خیال میں تھی کہ شہنشاہ کونین کا آستانہ ہے،دروازۂ عالیہ پر بہت دربان ہوں گے نہ معلوم میں وہاں پہنچ سکوں یا نہیں اور معذرت کرسکوں یا نہیں،یا تو کہیں باہر کی تھی یا یہ خیال بھی اس غم کی مدہوشی میں تھا ورنہ مدینہ کی عورتیں آستانہ پاک پر حاضر ہوتی رہتی تھیں۔

۳؎ یعنی شروع صدمہ پر دل میں جوش ہوتاہے،اس وقت اس جوش کو روکنا بڑے بہادروں کا کام ہے۔صبر سے مراد کامل صبر ہے جس پر بہت ثواب ملے۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اس بی بی کو نہ اپنی بے ادبی سے توبہ کرائی اور نہ گزشتہ رونے پیٹنے سے کیونکہ وہ معذور تھی بلکہ آئیندہ کے لیے نصیحت فرمادی۔قبر پر جاکر رونا منع نہیں وہاں پیٹنا منع ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جس کے تین بچے مرجائیں پھر وہ آگ میں جائے مگر قسم پوری کرنے کو ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ قسم سے مراد رب کا وہ فرمان ہے:"وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا"ہر ایک کو دوزخ میں وارد ہونا ہے کیونکہ محشر سے جاتے ہوئے جنت کے راستہ میں دوزخ پڑتی ہے یعنی ایسا صابر دوزخ سے گزرے گا تو ضرور مگر صرف اس قسم کو پورا کرنے نہ کہ عذاب پانے کے لیے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری عورتوں سے فرمایا کہ جس ماں کے تین بچے مرجائیں وہ صبر کرے وہ جنت میں ضرور جائے گی ۱؎ ان سے ایک بی بی بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دو فرمایا دو ۲؎ (مسلم)اور مسلم،بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ تین وہ بچے جو بلوغ کو نہ پہنچے ہوں ۳؎	

۱؎ ایسے موقعوں پر اکثر عورتوں سے خطاب ہوتا ہے کیونکہ ماں کو بچے سے محبت زیادہ ہوتی ہے اور صبر کم،نیز ان میں رونے پیٹنے اور نوحہ کی عادت زیادہ ہے۔

۲؎اس سوال و جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمتوں کے بااختیار تقسیم فرمانے والے ہیں۔اگر آپ فرمادیتے کہ نہیں تین پر ہی تو تین ہی پر یہ اجر ہوا کرتا جیسے **باب الحج** میں حدیث آئے گی کہ اگر ہم فرمادیتے کہ ہر سال حج فرض ہے تو ہر سال ہی فرض ہوجاتا۔
۳؎**حنث** کے معنی ہیں گناہ اسی لیے قسم توڑنے کو حنث کہتے ہیں کہ وہ گناہ ہے،چونکہ بالغ ہونے پر انسان گناہ کے قابل ہوتاہے اس لیئے بلوغ کو حنث کہا جاتاہے۔خیال رہے کہ جوان اولاد کے مرنے اور صبر کرنے پر بھی بڑا اجر ہے مگر چھوٹے بچوں پر بھی صبر کرنے کا بڑا اجر ہے اور ان کی شفاعت بھی کیونکہ ان کا زخم سخت ہے خصوصًا شیرخوار بچے کی ماں کو جب اس کے پستان میں دودھ زور کرتا ہے اور پینے والا بچہ نہیں ہوتا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتاہے کہ جب میں بندہ مؤمن کی دنیا کی پیاری چیز لے لوں پھر وہ صبر کرے تو اس کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں ۱؎(بخاری)

۱؎یہ حدیث ہر پیاری چیز کو عام ہے ماں باپ،بیوی اولاد حتی کہ فوت شدہ تندرستی وغیرہ جس پر بھی صبر کرے گا ان شاءاللہ جنت پائے گا لہٰذا یہ حدیث بڑی بشارت کی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت فرمائی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎سننے والی سے وہ عورت مراد ہے جو نوحہ سے راضی ہوکر کان لگاکر سنے جیسے غیبت کرنا اور خوشی سے سننا دونوں گناہ ہیں،ایسے ہی نوحہ کرنا اور سننا سب گناہ۔خیال رہے کہ اپنے گناہوں پر نوحہ کرنا عین عبادت ہے۔حضرت نوح علیہ السلام خوف خدا میں اتنا روتے تھے کہ آپ کا لقب ہی نوح ہوگیا،ورنہ آپ کا نام **یَشْکُرْ** ہے۔اس نوحہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان بالکل بے گناہ ہو پھر اپنے کو گناہ گار کہے اور روئے یہ جھوٹ بھی عبادت ہے۔رب تعالٰی حضرت صدیق اکبر کو کہیں **اَتۡقٰی** فرماتا ہے اور کہیں **اُولُو الۡفَضۡلِ** مگر وہ خود سرکار یہ کہہ کر روتے ہیں الٰہی میرا کیا بنے گا میرے پاس کوئی نیکی نہیں۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب ہے مؤمن کے لیے اگر اسے بھلائی پہنچے تو اللہ کی حمد اور شکر کرے اور

اگر مصیبت پہنچے تو اللہ کی حمد اور صبر کرے۱ مؤمن کو ہر چیز میں ثواب ملتا ہے حتی کہ لقمہ میں بھی جو اپنی بیوی کے منہ تک پہنچاتا ہے ۲(بیہقی،شعب الایمان)۳	

۱اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ایمان نصف اس کا صبر ہے اور نصف دیگر شکر،رب فرماتا ہے:"لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ"۔شکر کو صبر پر اس لیئے مقدم کیا کہ خدا کی طرف سے نعمتیں زیادہ ہیں تکلیفیں کم لہذا شکر کے موقع بہت ہیں ورنہ صبر شکر سے افضل ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ صبر تین قسم کا ہے:نیکی پر صبر،گناہ سے صبر اور مصیبت میں صبر۔

۲یعنی اسے کماکر کھلاتا ہے جب کہ ادائے سنت کی نیت سے ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ نیت خیر سے مباح کام ثواب ہوجاتے ہیں اور عادات عبادات بن جاتی ہیں،عالم کا سونا بھی عبادت ہے۔

۳یہاں مرقات نے فرمایا اس کی اسناد میں عمرو ابن سعد ہے۔یہ ثقہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ قتل حسین میں شمر کا ساتھی تھا لہذا حدیث سخت ضعیف ہے مگر چونکہ فضائل میں ہے اس لیئے قابل رد نہیں اسی لیے دیکھا گیا ہے کہ مسلم بخاری کی بعض اسنادوں میں کہیں کہیں رافضی اور خارجی بھی آگئے ہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مؤمن کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ وہ جس سے اس کے عمل چڑھتے ہیں دوسرا وہ جس سے اس کی روزی اترتی ہے،جب مؤمن مرجاتا ہے تو یہ دونوں اس پر روتے ہیں یہ ہی رب کا فرمان ہے کہ کفار پر آسمان و زمین نہیں روتے ہوتے۱ (ترمذی)	

۱اندازہ لگاؤ کہ آسمان میں کتنے دروازے ہوں گے کہ سارے انسانوں میں سے ہر ایک کے لیئے دو دروازے ہیں:روزی آنے کا اور نیک اعمال جانے کا مگر کافر کا اعمال والا دروازہ بندرہتا ہے کہ اس کی کوئی نیکی قبول نہیں اور مؤمن کی نیکیاں اس دروازے سے جاتی ہیں اور علیین میں لکھی جاتی ہیں،مؤمن کے مرنے پر یہ دروازے روتے ہیں اور کافر کے مرنے پر خوش ہوتے ہیں،یہ حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،ہر چیز میں احساس ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے جس کے دو بچے فوت ہوں گے اللہ اسے اس کی برکت سے جنت میں داخل کرے گا تو حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ جس امتی کا ایک ہی فرط(پیشرو) ہوں۱انہیں میری	

	جیسی مصیبت نہ پہنچے گی۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎فوت شدہ چھوٹے بچوں کو فرط اس لیئے فرمایا کہ وہ اپنے صابر ماں باپ کو جنت پہنچائے گا،نیز وہ آگے پہنچ کر اس کے اجر کا باعث بنتا ہے۔فرط کے معنی پہلے ہوچکے وہ پیش رو جماعت جومنزل پر قافلہ سے آگے پہنچے اورتمام چیزوں کا انتظام کرے۔اس حدیث کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ایسے صابر کا فرط میں نہیں صرف بچے ہی ہیں،بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے صابر کا فرط بچے بھی ہیں میں بھی اور دوسروں کا فرط میں ہی ہوں۔سبحان اللہ!کیسی امید افزاءحدیث ہے۔

۲؎یعنی میری امت کے لیئے جیسی مصیبت اور تکلیف کاباعث میری وفات ہے ایسی انہیں کوئی مصیبت نہیں اور یہ حقیقت بھی ہے جن لوگوں نے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دیکھی ان پر جو مصیبت پڑی وہ تو وہی جان سکتے ہیں۔آج جس وقت حضورصلی اللہ علیہ وسلم یاد آتے ہیں تو عاشقوں کے کلیجے پھٹ جاتے ہیں۔مدینہ منورہ سے چلتے وقت زائرین کا جو حال ہوتا ہے وہ نہ پوچھو،مدینہ کے درو دیوار کافراق ستاتاہے۔میں نے مسجد نبوی شریف کی چوکھٹ سے لپٹ کر لوگوں کو روتے دیکھا ہے۔

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینہ سے تیرے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے

فقیر نے تیسرے حج پر رخصت کے وقت مدینہ کے درو دیوار سے عرض کیا تھا۔

جا رہا ہے اب ہمارا قافلہ اے در و دیوار شہرِ مصطفیٰ

یاد تیری جس گھڑی بھی آئے گی ہے یقین دل کو بہت تڑپائے گی

غرض یہ حدیث بالکل حق اور صحیح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فراق ساری امت کے لیئے مصیبت عظمیٰ ہے۔یہ قصیدہ وداعیہ فقیر کی کتاب "دیوان سالک"میں دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی بندے کا بچہ مرجاتا ہے تو اللہ تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے بچے کو وفات دے دی وہ کہتے ہیں ہاں توکہتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا تو عرض کرتے ہیں ہاں فرماتا ہے میرے بندے نے کیا کہا عرض کرتے ہیں تیری حمد کی اور اِنَّالِلّٰہ پڑھی،رب فرماتا ہے میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور گھر کا نام بیت الحمد رکھو۱؎(احمد،ترمذی)

۱؎یہ سوال و جواب ان فرشتوں سے ہے جو میت کی روح بارگاہِ الٰہی میں لے جاتے ہیں اس سے مقصود ہے انہیں گواہ بنانا ورنہ رب تعالٰی علیم و خبیر ہے۔خیال رہے کہ جنت میں بعض محل رب کی طرف سے پہلے ہی بن چکے ہیں

اور بعض انسان کے اعمال پر بنتے ہیں،یہاں اس دوسرے محل کا ذکر ہے جیسے یہاں مکانوں کے نام کاموں سے ہوتے ہیں ویسے ہی وہاں محلات کے نام اعمال سے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مصیبت زدہ کو تسلی دے اس جیسا ثواب ملے گا۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جسے ہم صرف علی ابن عاصم راوی کی حدیث ہی سے مرفوع پہچانتے ہیں اور بعض محدثین نے یہ حدیث اسی اسناد سے محمد ابن سوقہ سے موقوفًا روایت کی۔

۱؎کیونکہ بھلائی کی رہبری کرنے والے کو بھی بھلائی کا ثواب ہے۔تعزیت کے ایسے پیارے الفاظ ہونے چاہئیں جس سے اس غمزدہ کی تسلی ہوجائے یہ الفاظ بھی کتب فقہ میں منقول ہیں۔فقیر کا تجربہ ہے کہ اگر اس موقعہ پر غمزدوں کو واقعات کربلایاد دلائے جائیں اور کہا جائے کہ ہم لوگ تو کھاپی کر مرتے ہیں وہ شاہزادے تو تین دن کے روزہ دار شہید ہوئے تو بہت تسلی ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی برزہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فوت شدہ بچے کی ماں کو تسلی دے اسے جنت میں چادر اوڑھائی جائے گی ۱؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ تمام تعزیتیں ہی بہتر ہیں مگر بچے کی فوتیدگی پر ماں کو تسلی دینا بہت ثواب ہے۔چادر سے مراد جنت کا نہایت اعلٰی اور وسیع جوڑا ہے جو اس جنتی کو تعزیت کے عوض دیا جائے گاجو تمام جوڑوں سے ممتاز ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے فرماتے ہیں کہ جب حضرت جعفر کی موت کی خبر آئی ۱؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیئے کھانا پکاؤ ۲؎کہ ان کے پاس وہ خبر آئی ہے جو کھانے سے باز رکھے گی ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎حضرت جعفر ابوطالب کے فرزند علی مرتضٰی کے بھائی ہیں،آپ کی شہادت ۸ھ؁ غزوہ موتہ میں ہوئی،موتہ تبوک کے پاس ایک جگہ ہے۔

۲؎آپ نے کھانا پکانے کا حکم اپنے اہل بیت کو دیا۔اس کھانے کو جو اہل میت کے لیئے پکایا جائے عربی میں وُضَعَہ کہتے ہیں،اردو میں بھتی،پنجابی،میں کوڑاوٹہ۔یہ کھانا بھیجنا سنت ہے بلکہ چاہیئے کہ خود کھانا پکانے والا میت کے گھر

کھانا لے جائے اور خود بھی ان کے ہمراہ ہی کھائے،انہیں ساتھ کھانے پر مجبور کرے۔صرف پہلے دن کھانا بھیجا جائے جس دن فوت ہو یا فوت کی خبر آئے بعد میں نہ بھیجے،تین دن کا جو رواج ہے یہ غلط ہے۔
۳؎یعنی جعفر کے گھر والے آج غم کی وجہ سے کھانا پکا نہ سکیں گے اگر کوئی کھانا نہ لے گیا تو وہ بھوکے رہیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ کھانا یا وہ لوگ کھائیں جو غم کی وجہ سے پکا نہ سکیں یا باہر کے مہمان جو شرکت دفن کے لیئے آئے ہیں،عام برداری والوں کی دعوت اس وقت ممنوع ہے۔حضرت جریر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صحابہ میت کے ہاں دعوت کو نوحہ شمار کرتے تھے۔اسی کو فقہاء منع فرماتے ہیں یعنی تین دن تک تمام محلّہ و برادری والوں اور میت والوں کے لیئے کھانا بھیجنا اور پھر تیسرے دن خود میت کے ہاں برداری کی روٹی ہونا،دھوم دھام سے اسے کھانا یہ دونوں کام سخت منع ہیں خصوصًا جب کہ میت کے یتیم بچے بھی ہوں اور میت کے متروکہ مال سے یہ روٹی کی جائے تو اس کا کھانا اور کھلانا سخت حرام ہے کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔غرضکہ اہلِ میت کی رسمی دعوت ممنوع ہے اور یہ کھانا جائز ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "اسلامی زندگی" میں ملاحظہ کیجئے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس پر نوحہ کیا جائے اسے قیامت کے دن نوحہ کی وجہ سے عذاب ہوگا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی میت پر نوحہ کرنا پیٹنے کی وجہ سے قیامت میں میت کو بھی عذاب ہوگا جیسے خود نوحہ کرنے والوں کو ہوگا۔یہ اس صورت میں ہے کہ میت نوحہ اور پیٹنے کی وصیت کر گیا ہو یا اس سے راضی ہو جیسے زمانۂ جاہلیت میں مرنے والے وصیت کرتے تھے کہ مجھ پر ایسا نوحہ کرنا کہ نام ہوجائے،اس زمانہ میں نوحہ پر بھی فخر ہوتا تھا لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ امام حسین ا ور دیگر شہداء کربلا کو بھی عذاب ہو کہ ان پر رافضی بہت نوحہ اور کوٹا پیٹی کرتے ہیں کیونکہ ان سرکاروں نے نہ اس کی وصیت کی نہ اس سے راضی ہوئے۔

روایت ہے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمان سے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کو سنا ان سے ذکر کیا گیا کہ عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ زندوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتاہے فرمانے لگیں اللہ ابو عبدالرحمان کو بخشے انہوں نے جھوٹ نہ بولا لیکن وہ بھول گئے یا خطا کر گئے ۱؎نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ	

پر گزرے جس پر رویا جارہا تھا تو فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہورہا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی یا تو وہ حدیث کے خاص موقعہ کو بھول گئے یا خاص حدیث کو عام سمجھ کر خطا کر گئے۔کسی چیز کو بالکل بھول جانا نسیان ہے اور اس کے وصف کو بھول کر اس میں فرق کردینا خطا ہے۔

۲؎یعنی اس مُردہ یہودیہ کو اس کے کفر کی وجہ سے یا زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب قبر ہورہا ہے۔حضرت ام المؤمنین کے فرمان کا منشاءیہ ہے کہ نوحہ سے مسلمان میت کو عذاب نہیں ہوتا بلکہ کفار کو ہوتا ہے،حضرت ابن عمر نے اسی کو عام سمجھ لیا یا یہ مطلب ہے وہاں عذاب تو کفر کی وجہ سے ہورہا تھا حضرت ابن عمر رونے کی وجہ سے سمجھ گئے لہذا ان سے بھول ہوئی یا خطاء۔خیال رہے کہ یہ حضرت ام المؤمنین کا اجتہادہے ورنہ نوحہ کے عذاب کے متعلق عام حدیثیں بھی آئی ہیں جو آپ تک نہ پہنچیں۔اس مسئلے کے متعلق تحقیق وہ ہی ہے جو ہم عرض کرچکے کہ اگر میت اس رونے پیٹنے کی وصیت کرگیا ہو تو عذاب پائیگا یا یہ مطلب ہے کہ مرنے والے کو مرتے وقت یا مرنے کے بعد اس شوروپکار سے تکلیف ہوتی ہے جیسے اسے تلاوت قرآن وغیرہ سے راحت حاصل ہوتی ہےکیونکہ میت کی روح کو موذی چیزوں سے ایذا اور آرام دہ چیزوں سے راحت ہوتی ہے اسی لیئے قبر پر چلنے،اس کا تکیہ لگانے سے میت کو ایذاءہوتی ہے اس کے لیئے مرقات یہ ہی مقام دیکھو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی ملیکہ سے فرماتے ہیں کہ عثمان ابن عفان کی بیٹی مکہ میں فوت ہوئیں ۱؎تو ہم جنازہ میں شرکت کے لیئے آئے وہاں ابن عمر اور ابن عباس بھی تھے میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان بیٹھا تھا ۲؎تو عبداللہ ابن عمر نے ابن عثمان سے جو ان کے سامنے تھے فرمایا کیا تم رونے سے منع نہیں کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتاہے۳؎ حضرت ابن عباس بولے کہ جناب عمر بھی کچھ ایسا ہی کہتے تھے پھر آپ نے قصہ سنایا فرمایا کہ میں حضرت عمر کے ساتھ مکہ سے لوٹا حتی کہ جب ہم مقام بیداء میں تھے۴؎تو ایک خاردار درخت کے سائے کے نیچے ایک قافلہ تھا نظر پڑی آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو یہ سوار کون ہے میں نے دیکھا تو حضرت صہیب تھے فرماتے ہیں میں نے آپ کو خبر دی فرمایا انہیں بلالو ۵؎میں حضرت صہیب کے پاس لوٹ گیا میں نے کہا چلو امیر المؤمنین کے ساتھ مل	

جاؤ پھر جب حضرت عمر شہید کیے گئے تو ۶؎صہیب روتے ہوئے آئے کہتے تھے ہائے میرے بھائی ہائے میرے ساتھی جناب عمر نے فرمایا اے صہیب کیا تم مجھ پر روتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیاجاتاہے ۷؎حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عمر فاروق نے وفات پائی تو میں نے حضرت عائشہ سے اس کا ذکر کیا آپ بولیں اللہ عمر پر رحم کرے رب کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب دیاجاتاہے لیکن اللہ کافر کا عذاب اس کے اہل کے رونے سے بڑھا دیتا ہے ۸؎حضرت عائشہ نے فرمایا تمہیں قرآن کافی ہے کہ کوئی بوجھل جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی ۹؎اس وقت حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ ہنساتارولاتا ہے ۱۰؎ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے کچھ نہ فرمایا ۱۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ہم "**باب الجمعه**"میں عرض کرچکے ہیں کہ حضرت عثمان غنی نے اپنا ایک گھر مکہ معظّمہ میں رکھا تھا جہاں ایک بیوی صاحبہ رہتی تھیں غالبًا یہ ان کی بیٹی تھی۔

۲؎ یعنی مجھے ان بزرگوں سے بہت قرب تھا لہٰذا میں نے جو کچھ ان سے سنا وہ ٹھیک سنا کیونکہ ان سے دور نہ تھا۔

۳؎ لہٰذا اس رونے سے تمہاری ہمشیرہ کی روح کو عذاب ہوگا۔خیال رہے کہ حضرت ابن عمر نے رونے اور نوحہ میں فرق نہ کیا،نیز مؤمن و کافر میں فرق نہ کیا۔

۴؎ حضرت عمر حج کے لیئے مکہ مکرمہ گئے،میں واپسی میں آپ کے ہمراہ تھا جب ہم مقام بیداء میں جو ذوالحلیفہ سے متصل ہے پہنچے تو یہ واقعہ ہوا۔

۵؎ تاکہ ہم اور صہیب ساتھ ساتھ مدینہ منورہ چلیں،حضرت عمر کو جناب صہیب سے بہت محبت تھی۔

۶؎ یعنی زخمی کئے گئے جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی،آپ کو اواخر ذی الحجہ میں محراب النبی میں بحالت نماز فجر ابولولو یہودی نے خنجر سے زخمی کیا اسی حال میں آپ گھر لائے گئے،تب یہ واقعہ پیش آیا۔

۷؎ یعنی میں قریب وفات ہوں اورتم مجھ پر رو رہے ہو اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے ڈرتا ہوں کہ اس کی زد میں نہ آجاؤں،یہ حضرت عمر کا انتہائی تقویٰ تھاورنہ حدیث پاک میں بعد وفات رونے یا نوحہ کا ذکر ہے۔خیال رہے کہ حضرت صہیب کا یہ کہنا نوحہ نہیں کہ نوحہ یہ ہے کہ میت میں ایسے اوصاف بیان کیئے

جائیں جو اس میں نہ ہوں اور بے صبری کے الفاظ بولے جائیں۔بھائی ساتھی یہ الفاظ نوحہ کے ہوسکتے ہی نہیں لہذا حضرت صہیب پر یہ اعتراض نہیں کہ آپ نے نوحہ کیوں کیا،دیکھو حضرت فاطمہ زہرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس قسم کے بہت سے الفاظ فرمائے مگر وہ سب درست تھے جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے۔

۸؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہی نہیں ہے،بلکہ واقعہ یہ ہے ام المؤمنین کا یہ فرمانا اسی لیئے ہے کہ آپ کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

۹؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے فرماتے،یہ فرمان تو قرآنی آیت کے خلاف ہے،مگرحق یہ ہے کہ آیت میں عذاب اخروی کی نفی ہے اور حدیث میں پریشانی دل کا ذکر ہے اور لہذا حدیث قرآن کریم کے خلاف نہیں۔

۱۰؎ حضرت ابن عباس نے اس آیت سے حضرت عائشہ صدیقہ کی تائید کی یعنی آیت سے معلوم ہورہا ہے ہنسانا رولانا رب کا ہے۔آنکھ کے آنسو،دل کا صدمہ بندے کے قبضے میں نہیں تو اس پر عذاب کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اختیاری گناہ پرہوتا ہے آنسو نہ گناہ ہیں نہ اختیاری ہیں،نیز رب نے بعض صورتوں میں رونے کی اجازت دی ہے تو ہر رونا گناہ کیسے ہوگا۔بہرحال آیت سے مسئلہ عائشہ صدیقہ کی تائید مقصود ہے۔

۱۱؎ یعنی حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس کی نہ تائید کی نہ تردید مناظرہ بندکردیا۔معلوم ہوتاہے ابن عمر اپنے اجتہاد پرقائم رہے مگر حضرت ابن عبا س کی مخالفت نہ کی۔اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد دوسرے مجتہد کی خطا پکڑ سکتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد پر دوسرے مجتہد کی ہر دلیل مان لینا بھی ضروری نہیں اور جواب دینا بھی لازمی نہیں،اس سے اجتہادو تقلید کے بہت مسائل ہوسکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن حارثہ جعفر اور ابن رواحہ کی شہادت کی خبرملی تو آپ بیٹھے کہ آپ میں رنج وغم محسوس ہوتا تھا۱؎ میں دروازے کے جھیرے یعنی دروازے کے شگاف سے دیکھ رہی تھی کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا بولا کہ جعفر کی عورتیں اور ان کے بہت رونے کا ذکر کیا آپ نے اسے حکم دیا کہ انہیں منع کرے ۲؎ وہ گیا پھر دوبارہ آیا کہ انہوں نے اس کی بات نہ مانی فرمایاانہیں منع کرووہ تیسری بارآیا بولا یارسول اللہ رب کی قسم وہ ہم پر غالب آگئیں مجھے خیال ہے آپ نے فرمایا تو ان کے منہ میں خاک ڈالو۳؎ میں بولی خدا تیری ناک رگڑ دے تو وہ تو کرے گا نہیں جس کا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا مگر تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج دیئے بغیر نہ چھوڑا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ اس موقع پر مسجد نبوی میں بیٹھے تھے،چہرے پر ملال و غم کے آثار نمایاں تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ تعزیت کے لیئے بیٹھنا سنت ہے اور مسجد میں بیٹھنا بھی جائز ہے۔تعزیت کی حد تین دن ہے کسی کی موت ہوجانے پر میت والے تین دن تک چٹائی بچھاکر بیٹھتے ہیں لوگ تعزیت اور فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث بھی ہے۔
۲؎ چیخ کر رونے سے منع کرے نہ کہ آنسو بہانے سے،مگر امر استحبابی تھا یعنی چونکہ اس رونے میں نوحہ پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لیئے اس سے انہیں روکے،وہ بیبیاں نوحہ نہ کررہی تھیں لہذا کوئی اعتراض نہیں۔
۳؎ یعنی اگر تو کرسکتا ہے تو ان کے منہ میں خاک ڈال آتا کہ وہ رو نہ سکیں یا یہ مطلب ہے کہ خاک ڈال،خاموش ہوجا،اپنا کام کر،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ زور سے رونا گناہ کبیرہ تو ہے نہیں صرف گناہ صغیرہ ہے اور صدمہ نیا ہے تیرے منع کرنے کو انہوں نے سنا بھی نہ ہوگا لہذا جانے دے خاک ڈال۔
۴؎ یعنی اے شخص!تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ظاہری معنے پر عمل نہ کرسکے گا اور وہاں جاکر ان کے منہ میں خاک نہ ڈال سکے گا مگر تو نے ان بیبیوں کی بار بار شکایت کرکے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پر صدمہ پہنچایا۔معلوم ہوا کہ ایسے صدمہ و غم کے وقت بزرگوں کی پریشانی بڑھانا نہ چاہیئے،معمولی باتوں کا یا تو خود ہی انتظام کردے یا خاموش ہوجائے ہر شکایت شاہوں کو نہ پہنچائے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں بولی کہ مسافر تھے اور جو اجنبی زمین میں فوت ہوئے تو ان پر ایسا رووں گی کہ اس کا چرچا ہوجائے ۱؎ میں ان پر رونے کی تیاری کررہی تھی کہ ایک عورت میری امداد کے ارادے سے آئی ۲؎ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ شیطان کو اس گھر میں داخل کردوجہاں سے اللہ نے اسے دو مرتبہ نکالا ۳؎ میں رونے سے باز رہی پھر نہ روئی ۴؎(مسلم)

۱؎ اسلام سے پہلے عرب میں میت پر رونے پیٹنے کا عام رواج تھا اور اس پر فخر کیاجاتا تھا کہ ہمارے فلاں میت پر بہت رویا پیٹا گیا اسی عادت کے مطابق آپ نے یہ ارادہ کیا ابو سلمہ مکی تھے مدینہ منورہ میں آپ کا کوئی عزیز و رشتہ دار نہ تھا سفر کی موت بہت حسرت کی ہوتی ہے سمجھا جاتا ہے کہ مسافر کی قبر پر کوئی فاتحہ بھی نہ پڑھے گا اس لیئے آپ کو بہت صدمہ ہوا۔
۲؎ اس زمانہ میں نوحہ اور پیٹنے کا بھی قرض ہوتا تھا اگر ایک عورت دوسرے کے ہاں موت پر پیٹ آتی تھی تو یہ اس کے ہاں موت کے وقت پیٹنے ضرور جاتی تھی جیسے آج بیاہ شادی میں نیوتہ قرض مانا جاتاہے ایسے ہی وہاں نوحہ اور رونا پیٹنا بھی قرض ہوتا تھا۔وہ بیوی شاید زمانۂ جاہلیت میں حضرت ام سلمہ کی مقروض تھی۔

۳؎ یا تو دو مرتبہ سے مراد ہے بار بار،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ"یا دوسری مرتبہ ہی مراد ہے ایک بار حضرت ابو سلمہ کے اسلام لاتے وقت اور دوسری بار آپ کے ہجرت کرتے وقت یا ایک بار سے مراد ہے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور دوسری سے مراد مدینہ پاک کی طرف ہجرت کیونکہ حضرت ابوسلمہ صاحب ہجرتین ہیں،شیطان کے نکالنے سے اس کے اثر کا دُور کرنا مراد ہے ورنہ خود شیطان تو مکھی کی طرح ہر جگہ پہنچا ہی رہتا ہے یعنی جس گھر سے بار بار شیطانی اثر دور ہوتا رہا اب اس میں شیطانی کام کرکے اس اثر کو کیوں پھیلاتی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ گناہ ہر جگہ ہی گناہ ہے مگر بزرگوں کے مکان اور مقدس جگہوں میں زیادہ برا۔

۴؎ یعنی یہ فرمان عالی سن کر میں نوحہ اور پیٹنے سے باز رہی۔یہاں رونے سے مراد پیٹنا اورنوحہ ہے نہ کہ آنسوؤں سے رونا۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن رواحہ پر غشی چھاگئی تو ان کی بہن عمرہ رونے لگیں کہ ہائے میرے پہاڑ ہائے میرے ایسے ہائے میرے ویسے ان کی خوبیاں گن گن کر،جب انہیں افاقہ ہوا تو فرمایا کہ تم نے کچھ نہ کہا مگر مجھ سے کہا گیا کیاتم ایسے ہی ہو ۱؎ ایک روایت میں زیادہ کیا تو جب وہ فوت ہوئے تو ان کی بہن ان پر نہ روئیں۔(بخاری)	

۱؎ یعنی تم یہ کہہ کر پیٹتی تھیں اور فرشتہ مجھ سے یہ پوچھتا تھا۔خیال رہے کہ یہاں فرشتے کا یہ پوچھنا آپ پر عتاب کے لیئے نہ تھا کیونکہ آپ تو نوحہ سے راضی تھے ہی نہیں اور نہ آپ نے اس کا حکم دیا تھا۔منشاء صرف یہ تھا کہ آپ ہوش میں آکر اپنی بہن کو فرشتہ کا یہ سوال سنائیں جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تصدیق ہو اور بہن و سارے سننے والوں کو تبلیغ کہ وہ اس سے باز رہیں۔چنانچہ پھر آپ کی بہن آپ کی وفات پر بھی نہ روئیں۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایسی کوئی میت نہیں جو مرجائے تو ان کے رونے والا اٹھ کر کہے ہائے میرے پہاڑ،ہائے میرے سردار وغیرہ مگر اللہ اس پر دو فرشتے مقرر کردیتا ہے جو اسے جھنجھوڑتے ہیں کہتے ہیں تو کیا ایسا ہی تھا ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب حسن ہے۔	

۱؎ لَهْزَانِ لَهْزٌ سے بنا،بمعنی تھپڑ مارنا،نیز منہ پیٹنا جھنجھوڑنا،یہاں تینوں معنے ہوسکتے ہیں اور وہ مردہ مراد ہے جو زندگی میں نوحہ سے راضی ہو یا مرتے وقت اس کی وصیت کر گیا ہو۔اس عذاب کے متعلق علماء کے دس قول ہیں مگر

قوی قول وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ اگر میت نوحہ سے راضی ہو یا اس کی وصیت کر گیا ہو تو اسے نوحہ پر سزا ملتی ہے ورنہ نہیں اس کا ذکر پہلے ہوچکا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی میت فوت ہوئی تو عورتیں جمع ہوکر اس پر رونے لگیں حضرت عمر کھڑے ہو کر انہیں منع کرنے اور ڈانٹنے لگے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرانہیں چھوڑدو کیونکہ آنکھیں بہتی ہیں،دل مصیبت زدہ ہے اور واقعہ غم تازہ ہے[1] (احمد،نسائی)

[1] یہ میت حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔حضرت عمر فاروق سمجھے تھے کہ میت پر رونا ہی حرام ہے اس وقت تک آپ کو نوحہ اور رونے میں فرق معلوم نہ تھا اس لیئے آپ نے یہ سختی فرمائی،آپ نے اہل قرابت کو رونے سے منع کیا اور اجنبی عورتوں کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان شریف میں فرق کرکے دکھادیا کہ نوحہ منع ہے اور رونا جائز،یہاں جائز کام ہورہا ہے تم منع نہ کرو کیونکہ غم تازہ ہے اور دل کا زخم ہرا ہے بعد میں خود بخود صبر آجائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں عورتیں روئیں تو جناب عمر انہیں کوڑے سے مارنے لگے[1] انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ہٹادیا فرمایا اے عمر چھوڑو بھی پھر فرمایا شیطانی آواز سے پرہیز کرنا پھر فرمایا جو کچھ آنکھ اور دل سے ہو[2] تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور رحمت ہے اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔(احمد)

[1] یہ حدیث گزشتہ کی شرح ہے۔عمر فاروق نے ابھی کوڑے کسی کو مارے نہ تھے بلکہ مارنا چاہتے تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیااس ارادہ کی وجہ وہی ہے جو ابھی عرض کرچکے کہ آپ مطلقًا رونے کو بھی نوحہ سمجھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر طاقت ہو تو برائی کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے برا جانے۔

[2] یعنی دل کا رنج اور آنکھ کے آنسو بندے کے اختیار میں نہیں یہ قدرتی چیز ہے دل میں رقت اور رحمت کا نتیجہ ہیں اور زبان سے بکواس ہاتھ سے ماتم شیطانی عمل ہے بندہ اپنے اختیار اور شیطان کے بہکانے سے کرتا ہے۔خیال

رہے کہ ہر اچھے برے کام کا خلق رب کی طرف سے ہے مگر نسبت میں ادب چاہیئے اچھے کام کو رب کی طرف منسوب کرو اور برے کو شیطان کی جانب یا اپنی طرف نسبت دو،اس حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے۔

	روایت ہے بخاری سے تعلیقًا فرماتے ہیں کہ جب حضرت حسن ابن حسن ابن علی[1] فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا[2] پھر اٹھا لیا تو کسی پکارنے والے کو سنا جو کہتا تھا کیا انہوں نے جو کھویا تھا وہ پالیا دوسرے نے جواب دیا بلکہ مایوس ہوکر چل دیئے[3]

[1] آپ کا لقب حسین مثنی ہے،امام حسن کے فرزند علی مرتضے کے بڑے پوتے ہیں۔

[2] مرقات نے فرمایا کہ یہ قبہ احباب کے جمع ہونے اور ان کی قبر پر تلاوت قرآن و فاتحہ پڑھنے کے لیئے تھا عبث یا ناجائز نہ تھا کہ اہل بیت اطہار ایسا کام کبھی نہیں کرتے خصوصًا صحابہ کی موجودگی میں۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ خود آپ کی بیوی ایک سال تک اس قبہ میں حضرت حسن کی قبر پر رہیں۔ہوسکتا ہے کہ اس قبہ کے دو حصے ہوں ایک میں آپ رہتی ہوں اور دوسرے حصہ میں احباب جمع ہوکر فاتحہ پڑھتے ہوں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بزرگ کے مزارات پر زائرین کی آسانی کے لیئے گنبد عمارت بناناجائزہے۔دوسرے یہ کہ وہاں مجاوروں کا بیٹھنا درست ہے یہ دونوں کام اہل بیت نبوت نے صحابہ کرام کی موجودگی میں کیئے کسی نے منع نہ کیا لہٰذا یہ دونوں عمل سنت صحابہ و سنت اہل بیت ہے اس کی بحث پہلے ہوچکی۔

[3] یہ آوازہاتف غیبی کی تھی جس میں بتایا گیا کہ کسی کی موت پر بہت غم کرنا،گھر چھوڑ کر جنگل میں بیٹھ جانا مردے کو واپس نہیں لے آتا۔خیال رہے کہ یہ نداء ہم لوگوں کو سنانے کے لیئے ہے نہ کہ اہل بیت نبوت پر عتاب کے لیئے،انہوں نے کوئی ناجائز کام نہ کیا تھا اسی لیئے اس ندا میں ڈانٹ ڈپٹ یا ان کے اس فعل پر حرام ہونے کا فتویٰ نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین و ابی برزہ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو آپ نے ایک قوم کو دیکھا جو اپنی چادریں پھینک گئے تھے اور قمیصوں میں چلتے تھے[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جاہلیت کا کام اختیار کرتے ہو یا جاہلیت کے عمل سے مشابہت کرتے ہو دل چاہتا ہے کہ تمہیں ایسی بددعا دوں کہ تم اپنی غیر صورتوں میں لوٹ جاؤ[2] فرمایا کہ انہوں نے فورًا اپنی چادریں اٹھالیں اور پھر یہ کبھی نہ کیا۔(ابن ماجہ)

۱؎ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب میت کو دفن کرنے لے جاتے تو پہچانے والے اپنی چادریں راستے میں پھینک جاتے اور لوٹتے میں واپس اٹھا تے،وہ اس میں اظہار غم سمجھتے تھے جیسے آج بعض جاہل مسلمان اظہار غم کے لیئے کالے کُرتے پہنتے ہیں یا اپنے بازوؤں پر کالے کپڑے کی پٹیاں باندھ لیتے ہیں۔کسی کی موت پر خصوصًا اور محرّم میں عمومًا اسے اظہارغم سمجھتے ہیں یہ حرام ہے اور جاہلیت کے زمانہ کا فعل ہے۔رنج و غم دل سے ہوتا ہے نہ کہ کالے پیلے کپڑوں سے۔

۲؎ یعنی تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو عملی نوحہ قرار دیا اور سخت بددعا کا ارادہ فرمایا،اب جو مسلمان ایسا کرے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا لینے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ یہ فیشنی غم ہے نہ کہ حقیقی رنج۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازے کے ساتھ جانے سے منع فرمایا جس کے ساتھ نوحہ والی ہو۱؎(احمد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی میت کے ساتھ رونے پیٹنے والی ہو وہاں نہ جائے جیساکہ بعض جگہ رواج ہے کہ میت کے ساتھ قبرستان تک روتی پیٹتی عورتیں جاتی ہیں اور اگر یہ عورتیں میت سے دور ہوں تو عالم شیخ اور بزرگان دین تو اس میں شرکت نہ کریں عوام کرسکتے ہیں،جیسے کہ دعوتِ ولیمہ میں اگر دستر خوان پر ناچ گانا ہے تو وہاں کوئی نہ جائے اور اگر وہاں سے دُور ہے تو مشائخ کرام و علماء عظام نہ جائیں تاکہ صاحب خانہ اس سے توبہ کرے عوام جاسکتے ہیں،لہذا یہ حدیث اس فقہی مسئلہ کے خلاف نہیں کہ نوحہ گر کی وجہ سے میت کے کفن دفن میں شرکت کو نہ چھوڑو کیونکہ وہ حکم عوام کے لیئے اور یہ حدیث خواص کے لیئے یا وہ حکم وہاں ہے جب نوحہ دور ہواور یہ حکم وہاں ہے جہاں نوحہ بالکل میت سے متصل ہو،وہ مسئلہ فقہی بھی درست ہے اور یہ حدیث بھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرا بچہ فوت ہوگیا جس پر میں بہت غمگیں ہوں کیا آپ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات سنی ہے جواپنے مُردوں کے متعلق ہمارا دل خوش کردے ۱؎ فرمایا ہاں میں نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمانوں کے بچے جنت کی چڑیاں ہیں ۲؎ ان میں سے کوئی اپنے باپ سے ملے گا اس کے دامن کا پلو پکڑ لے گا اسے نہ چھوڑے گا حتی کہ اسے جنت میں داخل کرلے گا۳؎(مسلم،احمد) لفظ احمد کے ہیں۔

۱؎ یعنی ہم کو اپنے مُردوں پر ثواب کے متعلق کوئی ایسی حدیث سنایئے جس سے ہمارے بے چین دل کو چین نصیب ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام قرآن و حدیث سے اللہ کے ذکر کو دلی تسکین کا باعث سمجھتے تھے،رب فرماتا

ہے:"اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ"اللہ کے ذکر سے بے چین دل چین پاتے ہیں۔آج ہم رنج و غم دور کرنے کے لیئے گانے باجے،کھیل تماشہ استعمال کرتے ہیں،غم کا علاج اللہ کا ذکر،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سننا ہے۔

۲؎ دَعامیص دعموصٌ کی جمع ہے،جس کے معنے ہیں گھس جانا یا پھرنا اسی لئے ایک دریائی جانور کو دعموص کہتے ہیں کہ وہ پانی میں بے تکلف گھس جاتاہے اور اس میں پھرتا ہے۔چڑیوں کو بھی دعموصہ اس لیئے کہا جاتاہے کہ وہ بے تکلف ہوا میں ہر گھر میں پھرتی ہیں نہ ان سے کوئی پردہ و حجاب کرے نہ انہیں کہیں آنے سے جانے سے روک ٹوک یعنی مسلمانوں کے بچے جنت کے سیاح ہیں کہ وہاں ہر جگہ کی بے تکلّف سیر کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی بچہ جب باپ کو بغیر بخشوائے نہ چھوڑے گا تو ماں کا کیا پوچھنا ماں کا حق تو باپ سے زیادہ ہے۔خیال رہے کہ قیامت میں مردے ننگے اٹھیں گے مگر محشر میں پہنچ کر انہیں لباس پہنادیا جائے گا،یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کے دامن کا پلو(گوشہ)پکڑ کر بخشوائے گا۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ وہاں سب ننگے ہوں گے پھر دامن کا گوشہ پکڑنے کے کیا معنے۔کیونکہ ننگے ہونے کا اور وقت ہے اور یہ دوسرا وقت۔

روایت ہے حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بولی یا رسول اللہ مرد آپ کی احادیث لے گئے ہمیں بھی اپنی ذات شریف سے ایک دن عطا کریں جس سے ہم آپ کے پاس آجایاکریں کہ آپ ہمیں ان میں سے کچھ سکھایا کریں جو اللہ نے آپ کو سکھایا۱؎ فرمایا فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہوجایاکریں۲؎ چنانچہ وہ جمع ہوگئیں ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رب کے سکھائے سے انہیں سکھایا ۳؎ پھر فرمایا تم میں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنے تین بچے آگے بھیج دے ۴؎ مگر وہ اس کے لیئے آگ سے آڑ ہوں گے تو ان میں سے ایک عورت بولی یارسول اللہ یا دو اس نے دوبارہ یہ سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا اور دو اور دو اور دو۔(بخاری)۵؎

۱؎ یعنی مَردوں نے آپ کا فیض صحبت بہت حاصل کیا ہر وقت آپ کی احادیث سنتے رہتے ہیں ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اتنا موقعہ نہیں ملتامہینہ میں یا ہفتہ میں ایک دن ہم کو بھی عطا فرمائیں کہ اس میں صرف ہم کو وعظ فرمایاکریں۔اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ وغیرہ کے لیئے دن مقرر کرنا بالکل جائز بلکہ سنت ہے۔آج مدرسوں میں تعلیم،تعطیل،امتحان کے لیئے دن مقرر ہوتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اسی طرح میلاد شریف،گیارھویں شریف،عرس بزرگانِ دین کے لیئے دن مقرر کرنا جائز ہے کہ ان سب میں دین کی تبلیغ ہوتی

ہے، تبلیغ کے لیئے تعین درست۔یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف عورتوں کو وعظ سناناجائز ہے بشرطیکہ غیرمحرم عورتیں پردہ میں رہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عورت پر پردہ فرض نہ تھا کہ حضور امت کے لیئے مثل والد کے ہیں پھر بھی حضور بہت احتیاط فرماتے تھے۔

۲؎ **یوم** سے مراد دن ہے اور جگہ شاید مسجد میں ہوگی یا کسی اور جگہ گھر میں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ استاد ہی شاگردوں کو اپنے گھر نہ بلائے بلکہ کبھی شاگردوں کے گھر جاکر بھی تعلیم دیا کرے یا کسی تیسری جگہ کو مقرر کردے جو نہ استاد کا گھر ہو نہ شاگرد کا،لہذا یہ حدیث موجود دینی مدرسوں کی اصل ہے جہاں شاگرد استاد جمع ہوکر علم سیکھیں سکھائیں،اگرچہ بہتر یہ ہی ہے کہ شاگرد استاد کے پاس جاکر سیکھے،موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے گئے تھے،خضر علیہ السلام آپ کے پاس نہ آئے تھے۔

۳؎ شاید یہ واقعہ ایک ہی بار ہوا اور ہوسکتا ہے کہ بارہا اس مدرسہ میں یہ اجتماع ہوتا رہا کیونکہ عَلَّمَ باب تفعیل سے ہے جو آہستگی و تدریج بتاتا ہے۔

۴؎ آگے بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ ماں کی زندگی میں بچے فوت ہوں اور وہ ان پر صبر کرے،یہ مطلب نہیں کہ انہیں ہلاک کردے۔

۵؎ یہاں واؤ،بمعنی اَوْ ہے اور اِثْنَیْنِ کی تکرار تاکید کے لیئے ہے یعنی یا دو فوت ہوں یا دو یا دو۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ الٰہی کے بااختیار قاسم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کُنْ کی کنجی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے تو رب تعالٰی نے تین بچے فوت ہونے کے متعلق فرمایا تھا اچھا اب جب جبریل آئیں گے تو ان کے ذریعہ رب سے پوچھوالیں گے بلکہ خود ہی یہ جواب دے دیا۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دو مسلمان نہیں جن کے تین بچے فوت ہوجائیں مگر اللہ اپنے فضل سے انہیں جنت میں داخل فرماتا ہے ۱؎ لوگ بولے یارسول اللہ یا دو فرمایا لوگ بولے یا ایک فرمایا یاایک ۲؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کچا بچہ اپنی ماں کو اپنے نارو سے جنت کی طرف کھینچے گا جب کہ وہ طالب ثواب ہو ۳؎ (احمد)ابن ماجہ نے "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ" سے روایت کی۔	

۱؎ دو مسلمانو ں سے مراد ماں باپ ہیں جن کے چھوٹے بچے فوت ہوں اور وہ صبر کریں

۲؎ اس ترتیب سے کمال و نقصان کی طرف اشارہ ہے یعنی اول نمبر اور کامل مستحق رحمت تو وہ ہیں جو تین بچوں پر صبر کریں،پھر وہ بھی جو دو یا ایک پر صبر کریں کہ یہ دونوں پہلے کے ساتھ ملحق ہیں۔(مرقات)

۲؎سَرَرْ عربی میں نارو کو کہتے ہیں جو بچے کے ناف میں لمبا سا ہوتا ہے جسے دائی کاٹتی ہے اگرچہ وہ کاٹ کر پھینک دیا جاتاہے مگر قیامت میں اس بچے کے ساتھ ہوگا کیونکہ رب تعالٰی اجزائے بدن کو وہاں جمع فرمادے گا،حتی کہ قلفہ یعنی ختنہ کی کھال بھی وہاں موجود ہوگی،جیساکہ حدیث پاک میں ہے کہ اگرچہ یہ بچہ ماں باپ دونوں ہی کو جنت میں لے جائے گا مگر ماں کا ذکر خصوصیت سے اس لیئے فرمایا کہ ماں کو صدمہ زیادہ ہوتا ہے اور صبر کم۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے تین نابالغ بچے آگے بھیج دے تو وہ اس کے لیے آگ سے مضبوط قلعہ ہوں گے ۱؎حضرت ابوذر نے عرض کیا دو تو میں نے بھی بھیج دیئے فرمایا دو بھی،قاریوں کے سردار ابو المنذر ابی ابن کعب بولے۲؎کہ میں نے ایک بھیج دیا ہے فرمایا ایک بھی۔(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎کہ جیسے مضبوط ومحفوظ قلعہ میں چور ڈاکو،باہر کی آفتیں،سیلاب کا پانی نہیں پہنچ سکتے اسی طرح اس شخص تک دوزخ کی آگ وہاں کے سانپ بچھو و دیگر عذاب ان بچوں کے سبب سے نہ پہنچ سکیں گے۔

۲؎حضرت ابی ابن کعب کی کنیت ابو المنذر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیدالقراء کا بھی خطاب دیا اور سیدالانصار کا بھی اورحضرت عمر فاروق نے سید المسلمین کا خطاب دیا،ہر خطاب آپ کے لیئے موزوں ہے اور آپ پر سجتا ہے وہاں سے تمام خطاب صحیح ملتے ہیں۔

روایت ہے حضرت قرہ مزنی سے کہ ایک شخص اپنے بچے کو ساتھ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اس سے محبت کرتا ہے وہ بولا یا رسول اللہ جتنی میں اس سے محبت کرتا ہوں رب آپ سے بھی اتنی محبت کرے ۱؎ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گم پایا ۲؎تو پوچھا فلاں کا بیٹا کیا ہوالوگوں نے کہا یارسول اللہ وہ مرگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم جنت کے کسی دروازے پر نہ جاؤ مگر وہاں اسے اپنا انتظارکرتا پاؤ ۳؎ایک شخص نے کہا یارسول اللہ کیا یہ خاص اسی کے لیئے ہے یا ہم سب کے لیئے فرمایا بلکہ تم سب کے لیئے۔(احمد)	

۱؎انہیں جواب دینا نہ آیا اپنی زیادتی محبت کو اس طرح ظاہر کیا ورنہ جتنی محبت رب تعالٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتاہے اتنی کوئی کسی سے نہیں کرسکتا نہ ماں باپ اکلوتے بیٹے سے،نہ بھائی اپنے بھائی سے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب اکبر ہیں حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کار غلام بھی رب کے محبوب ہوجاتے ہیں،فرماتا ہے:" فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ"۔لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کا محبوب اکبر نہ مانتے تھے۔خیال رہے کہ یہاں مقدار محبت رحمت وکرم کی ہے نہ کہ نوعیت محبت کیونکہ ماں باپ کو اولاد سے ولادت کے باعث خونی محبت ہوتی ہے رب تعالٰی اس محبت سے پاک ہے،اس کی محبت رحمت وکرم کی ہے نہ کہ رشتہ داری اور قرابت کی۔

۲؎یااس بچہ کوگم پایا کہ باپ کے ساتھ نہ دیکھا یا اس شخص کو ہی گم پایا کہ وہ اس غم کی وجہ سے حاضر بارگاہ نہ ہوسکے۔غالبًا یہ صاحب مدینہ شریف کے علاوہ کہیں اور رہتے ہوں گے یا اگر اہل مدینہ سے ہوں گے تو ان کے بچے کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر ہوں گے،ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے جنازے و دفن میں شرکت فرماتے تھے۔

۳؎یعنی اس خبر کے بعد جب وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے یا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تعزیت کے لیئے تشریف لے گئے تب اس شخص سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا۔مطلب یہ ہے کہ تم جنتی ہو اور تمہارے جنت میں داخلے کی شان یہ ہوگی کہ تمہارا بچہ تمہارے لیئے جنت کا وہ دروازہ جس سے تم جانے والے ہو گے کھلوائے ہوئے کھڑا ہوگا اور تمہارے استقبال کے لیئے وہاں تمہیں موجود ملے گا،قیامت میں وہ تمہاری شفاعت پہلے ہی کرچکا ہوگا،لہذا اس حدیث میں اس بچہ کی شفاعت کا انکار نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے انجام اور اس کے جنتی دوزخی ہونے،بلکہ اس کے مرتبہ و درجہ اور وہاں پیش آنے والے حالات سے خبردار ہیں کہ کون کس حال میں کس دروازہ سے جنت میں جائے گا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت میں شفاعت کرنے والے بچوں کو بھی یہ پتہ ہوگا کہ ہمارے ماں باپ کب اور کس دروازے سے جنت میں جائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شفاعت کبریٰ کے مالک ہیں،آپ کو ہر ایک کے ہرحال کی خبر ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ بچہ جنت کے ہر دروازے پر بیک وقت موجود ہوگا،اولیاءاللہ متعدد اجسام سے ایک وقت میں چند جگہ موجود ہوسکتے ہیں اور یہ ناممکن بھی نہیں،اجسام مثالی لاکھوں ہوسکتے ہیں،آئینہ خانہ میں اور ٹیلی ویژن میں ایک شخص کے ہزاروں عکس بیک وقت متعدد جگہ اور آئینہ میں موجود ہوجاتے ہیں،یہ فقط ایک مثال ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کچا بچہ اپنے رب سے جھگڑے گا جب رب اس کے ماں باپ کو آگ میں داخل کرے گا۱؎تو فرمایا جائے گا اے رب سے جھگڑنے والے گرے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جاتب وہ انہیں اپنے نارو سے کھینچے گا حتی کہ انہیں جنت میں داخل کرے گا	

	۲؎ (ابن ماجہ)

۱؎ عربی میں سقط وہ بچہ کہلاتا ہے جو چھ ماہ پورے ہونے سے پہلے شکم مادر سے خارج ہوجائے۔یہاں جھگڑنے سے نازومحبت کا جھگڑنا مراد ہے نہ کہ مقابلے کا۔بچے جب ماں باپ سے روٹھ جاتے ہیں تو ماں باپ انہیں مناتے ہیں یہ روٹھنا زور کا نہیں ہے اور نہ منانا کمزوری کا بلکہ یہ محبت کے کرشمے ہیں یہ دنیا اس عالم کی مثال ہے۔

۲؎ حق یہ ہے کہ حدیث بالکل اپنے ظاہر معنے پر ہے اس میں کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں۔بچوں کی شفاعت بھی حق اور ان کا ماں باپ کو نارو میں لپیٹنا بھی اور اس طرح انہیں جنت میں لے جانا بھی درست جیسے کسی آنے والے کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے گھر میں لے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ اس بچہ کو جھگڑالو فرمانا انتہائی کرم کا اظہار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ رب فرماتا ہے اے ابن آدم اگر تو پہلے صدمہ پر صبر اور طلب اجر کرے تو میں تیرے لیئے جنت کے سوا کسی ثواب سے راضی نہ ہوؤں ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ اگرچہ صبر ہر وقت ہی اچھا ہے مگر نئے صدمے پر بہت اچھا کیونکہ اس وقت گھاؤ تازہ ہوتا ہے اس لیئے اس کا ثواب بھی بڑا۔خیال رہے کہ بعض شخصوں کو بعض اعمال کا ثواب جنت کے سوا بھی دے دیا جاتا ہے جیسے دنیاوی راحتیں وغیرہ مگر مؤمن صابر کا ثواب جنت ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت حسین ابن علی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ایسا کوئی مسلمان مرد عورت نہیں جسے کوئی مصیبت پہنچی ہوئی اگرچہ پرانی ہوچکی ہو اسے یاد آجائے تو اِنَّا لِلّٰہ پڑھ لے ۱؎ مگر اللہ تعالٰی اسے اس وقت نیا ثواب دیتا ہے ویسا ہی ثواب جو مصیبت پہنچنے کے دن دیا تھا ۲؎ (احمد،بیہقی،شعب الایمان)

۱؎ یاد آجانا اور ہے یادکرنا،یاد دلانا کچھ اور پہلی چیز قدرتی ہے جس پر ثواب ہے اور آخری دو چیزیں مصنوعی ہیں جن پر عذاب۔اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھنا اور شکر کرنا ثواب ہے مگر اس کی بھیجی مصیبتوں کو بھول جانا ثواب ہے اسی لیے اسلام میں خوشی کی یادگاریں منانا سنت ہے مگر غم کی یادگاریں قائم کرنا حرام۔ربیع الاول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ہے اور وفات بھی مگر اس مہینہ میں عیدِ میلاد منائی جاتی ہے نہ کہ غم وفات،حتی کہ اس مہینہ کو بارہ وفات کہنا بھی ناجائز ہے،ہاں ایصال ثواب کے لیئے کسی کی تاریخ وفات منانا جائز ہے نہ کہ رونے پیٹنے کے لیئے۔اسی لیئے فقہاء فرماتے ہیں کہ محرّم میں سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی یادگار قائم کرنے،ایصال ثواب کرنے،ان کا ذکر کرنے اور سننے کے لیئے مجلسیں منعقد کرنا ثواب ہے۔اس دوران میں اگر رونا بھی آجائے تو مضائقہ

نہیں مگر رونے پیٹنے کی غرض سے تعزیت کی مجلس منعقد کرنا حرام ہے کہ میت کے غم کی مجلس صرف تین دن تک منعقد کرسکتے ہیں،لہذا اس حدیث سے شیعہ حضرات دلیل نہیں پکڑ سکتے۔
۲؎کیونکہ اگرچہ مصیبت پرانی ہوچکی مگر تکلیف تو نئ ہوئی جیسے پرانی نعمت کے نئے شکر پر نیا ثواب ملتا ہے ایسے ہی پرانی مصیبت کے نئے صبر پر نیاثواب ملے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اِنَّالِلّٰہ پڑھے کہ یہ بھی مصیبتوں سے ہے ۱؎

۱؎یعنی اِنَّالِلّٰہ الخ پڑھنا کسی موت یا بڑی مصیبت پر ہی نہیں بلکہ ہر مصیبت و تکلیف پر پڑھنا چاہیئے خواہ کتنی ہی معمولی ہو۔حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغ گل ہوجانے پر بھی اِنَّالِلّٰہ الخ پڑھی۔

	روایت ہے حضرت ام الدرداء سے فرماتی ہیں میں نے ابوالدرداء کو فرماتے سنا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہارے بعد ایسی امت پیدا کرنے والا ہوں کہ جنہیں اگر پسندیدہ چیز ملے گی تو اللہ کی حمد کریں گے اور اگر ناپسند چیز ملے گی تو طلب اجر و صبر کریں گے ۱؎حالانکہ ان میں علم و حلم نہ ہوگا ۲؎عرض کیا الٰہی ان میں یہ خوبی حلم وعقل کے بغیر کیونکر ہوگی فرمایا انہیں اپنے علم و حلم سے دوں گا ۳؎ (بیہقی،شعب الایمان)

۱؎اس امت سے مراد امت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے ہم لوگوں کو پچھلی امتوں کے اچھے برے سارے حالات سنائے مگر پچھلی امتوں کو ہمارے اچھوں کے اچھے حالات سنائے گئے تھے۔لیکن بُروں کے بُرے حالات نہ بتائے گئے یہ اس امت مرحومہ پر خاص کرم خداوندی ہے،دیکھو اگرچہ اس امت میں ناشکرے اور بے صبرے بھی ہیں مگر رب نے عیسیٰ علیہ السلام کو صرف صابرین کے حال سنائے۔
۲؎یعنی وہ لوگ اُمی ہوں گے کتابوں کے ذریعہ بردباری اورعقل حاصل نہ کرسکے ہوں گے،مگر قدرتی طور پر انہیں صبر وشکر نصیب ہوگا۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس جگہ کسبی علم و عقل کی نفی ہے نہ کہ وہبی کی۔
۳؎یعنی انہیں علم لدنی کی طرح علم و عقل کی لدنی عطا فرمائی جائے گی۔الحمدللہ! اس امت میں اولیاء،علماء تاقیامت اس صفت کے موجود رہیں گے۔علم و حلم کتاب پر موقوف نہیں۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ کسبی علم وعقل فانی ہے،وہبی علم وعقل باقی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی اپنے مقرب بندوں کو اپنے صفات عطا فرماتاہے۔

باب زيارة القبور

قبروں کی زیارت کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اس جگہ چند مسائل یاد رکھو: (۱) تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ زیارت قبور سنت ہے کیونکہ اس سے زائر کو اپنی موت یاد آتی ہے جس سے دل میں نرمی پیدا ہو کر آخرت کی طرف توجہ اور دنیا سے بے توجہی حاصل ہوتی ہے۔(۲) زیارت قبور میں زائر کو بھی فائدے ہیں اور میت کو بھی۔ زائر کو ثواب آخرت کی یاد، دنیا سے بے رغبتی حاصل ہوتی ہے اور میت کو زائر سے اُنس اور اس کے ایصال ثواب سے نفع میسر ہوتا ہے۔(۳) یہ کہ زائر قبر پر پہنچ کر پہلے صاحب قبر کو سلام کرے، پھر قبر کی طرف منہ اور کعبہ کو پشت کرکے کھڑا ہو اور کچھ سورتیں پڑھ کر اس کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچائے۔(۴) یہ کہ ساری امت اس پر متفق ہے کہ انبیاء کرام خصوصًا حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے مدد لینا جائز ہے، غیر انبیاء کی قبروں کے متعلق بعض ظاہر بین علماء نے اختلاف کیا، مگر محققین فقہا اور تمام صوفیاء فرماتے ہیں کہ اولیاء اور علماء کی قبور سے مدد لینا جائز ہے، قبورِ اولیاء سے تاقیامت دینی و دنیاوی فیوض جاری رہیں گے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کے لیے مجرب تریاق ہے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ جن بزرگوں سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے ان سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے چار شخصوں کو دیکھا جو زندگی سے زیادہ اپنی قبروں سے دنیا میں تصرف کررہے ہیں، ان میں سے معروف کرخی اور حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی ہیں۔ سید احمد مرزوق فرماتے ہیں کہ زندے کی مدد سے مردے بزرگ کی مدد زیادہ قوی ہے، یہ تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ میت اپنے زائرین کو دیکھتی ہے اور ان کا کلام سنتی ہے، ابن قیم نے کتاب الروح میں لکھا ہے کہ بعد وفات روح کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ اکیلی روح ایسے ایسے کام کردیتی ہے جو لاکھوں آدمی نہ کرسکیں۔ چنانچہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق کی روح نے صدہا کافروں کو ایک آن میں تہ تیغ کردیا اور روح جنت میں رہتے ہوئے مشرق و مغرب کو دیکھ لیتی ہے۔(۵) قبر کے سامنے بلاآڑ نماز پڑھنا حرام، ہاں بزرگوں کی قبروں کے پاس مسجد بنانا یا وہاں نمازیں پڑھنا، برکت کے لیئے دعائیں مانگنا جائز ہے۔(۶) حق یہ ہے کہ قبر یعنی تعویذ قبر کو بوسہ نہ دے، نہ وہاں ناک یا پیشانی خاک پر رگڑے کہ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے، ہاں آستانہ بوسی اور چیز ہے۔(۷) جمعہ کے اول دن میں زیارت قبور بہت بہتر ہے۔ روایت میں ہے کہ اس دن میت کا علم و ادراک اور توجہ الی الدنیا زیادہ ہوتی ہے۔(۸) وفات کے بعد سات روز تک برابر صدقہ و خیرات کیا جائے، اس پر تمام علماء متفق ہیں اور اس بارے میں صحیح احادیث بھی وارد ہیں۔(۹) بعض روایتوں میں ہے کہ ہر جمعہ کی شب میت کی روح اپنے گھروں میں آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ میرے زندے میرے واسطے کچھ خیرات کرتے ہیں یا نہیں۔(از لمعات و اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت بریدہ سے۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۲ اب زیارت کیا کرو۳ اور میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ	

	قربانی کے گوشت سے منع کیا تھا اب جب تک چاہو رکھو۴؎ اور میں نے تمہیں مشکیزوں کے سواء میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا اب تمام برتنوں میں پیا کرو وہاں نشہ کی چیز نہ پینا۵؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام بریدہ ابن حصیب اسلمی ہے، مشہور صحابی ہیں، بدر سے پہلے ایمان لائے مگر بدر میں شریک نہ ہوسکے، بیعت الرضوان میں شریک ہوئے، مدنی ہیں مگر بعد میں بصرہ قیام کیا، آخر میں خراسان چلے گئے تھے، پھر یزید ابن معاویہ کی طرف سے مرو میں غازی ہو کر گئے، وہاں ۶۲ھ میں وفات پائی۔ (اکمال و مرقاۃ)

۲؎ شروع اسلام میں زیارت قبور مسلمان مَردوں عورتوں کو منع تھی کیونکہ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے، اندیشہ تھا کہ بت پرستی کے عادی ہونے کی وجہ سے اب قبر پرستی شروع کردیں، جب ان میں اسلام راسخ ہوگیا تو یہ ممانعت منسوخ ہوگئی، جیسے جب شراب حرام ہوئی تو شراب کے برتن استعمال کرنا بھی ممنوع ہوگیا تاکہ لوگ برتن دیکھ کر پھر شراب یاد نہ کرلیں، جب لوگ ترک شراب کے عادی ہوگئے تو برتنوں کے استعمال کی ممانعت منسوخ ہوگئی۔

۳؎ یہ امر استحبابی ہے۔ حق یہ ہے کہ اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہیں کہ انہیں بھی زیارت قبر کی اجازت دی گئی۔ (لمعات، اشعہ ومرقات) لیکن اب عورتوں کو زیارت قبور سے روکا جائے یعنی گھر سے زیارت قبور کے لیئے نہ نکلیں سوائے روضہ اطہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرانور کی زیارت کو نہ جائیں، ہاں اگر کہیں جارہی ہوں اور راستہ میں قبر واقع ہو تو زیارت کرلیں جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت عبدالرحمان کی قبر کی زیارت کی اور اگر کسی گھر میں ہی اتفاقًا قبر واقع ہو تو زیارت کرسکتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تھی جہاں آپ مجاورہ منتظمہ تھیں۔ خیال رہے کہ زُوْرُوْا مطلق امر ہے لہذا مسلمانوں کو زیارت قبر کے لیئے سفر بھی جائز ہے۔ جب ہسپتالوں اور حکیموں کے پاس سفر کرکے جاسکتے ہیں تو مزارات اولیاء پر بھی سفر کرکے جاسکتے ہیں کہ ان کی قبور روحانی ہسپتال ہیں، نیز اگر کہیں قبر پر لوگ ناجائز حرکتیں کرتے ہوں تو اس سے زیارت قبور نہ چھوڑے، ہوسکے تو ان حرکتوں کو بند کرے کیونکہ زُوْرُوْا مطلق ہے، دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے بتوں کی وجہ سے کعبہ نہ چھوڑا بلکہ جب موقعہ ملا تو بُت نکال دیئے۔ آج بھی نکاح میں لوگ ناجائز حرکتیں کرتے ہیں مگر اس کی وجہ سے نہ نکاح بند کیئے جاتے ہیں نہ وہاں کی شرکت۔ نکاح بھی سنت مطلقہ ہے اور زیارت قبور بھی سنت مطلقہ۔ نکاح وزیارت قبور دونوں کے لیئے سفر بھی درست ہے اور ناجائز امور کی وجہ سے ان میں شرکت ممنوع نہیں۔ یہ دونوں مسائل شامی نے جلد اول باب زیارت قبور میں بہت تفصیل سے بیان فرمائے۔

۴؎ یعنی شروع اسلام میں مسلمانوں پر غربت اور افلاس کا غلبہ تھا اس لیے قربانی کرنے والوں کو حکم تھا کہ جس قدر گوشت تم تین دن کے اندر کھاسکو وہ کھالو باقی غرباء میں خیرات کردو، پھر جب مسلمانوں کو رب نے مال عام دیا اور عام مسلمان قربانی کرنے لگے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اب چاہے سال بھر تک قربانی کا گوشت کھاؤ۔

۵؎ یعنی جب شراب حرام ہوئی تو اندیشہ تھا کہ مسلمان شراب کے برتن دیکھ کر پھر شراب نوشی شروع کردیں گے اس لیے اس کے برتنوں میں پانی، دودھ یا شراب زلال جسے نبیذ کہتے ہیں پینا حرام کردیا گیا، پھر جب مسلمان شراب بھول گئے تب اس کے برتنوں کی اجازت دے دی گئی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ اس حدیث میں تین چیزوں کی حرمت منسوخ کی گئی۔ فتویٰ اس پر ہے کہ پتلی نشہ والی چیز مطلقًا حرام ہے نشہ دے یا نہ دے لہذا جو، جوار اور کھجور وغیرہ کی شرابیں ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، امام اعظم کا یہ ہی آخری قول ہے۔ جمی ہوئی نشہ آور

چیزیں اگر نشہ دیں حرام یا انہیں طرب کے لیے کھانا حرام ہے ورنہ حلال۔ چنانچہ افیون، بھنگ اور چرس وغیرہ دواءً استعمال کر سکتے ہیں بشرطیکہ نشہ نہ دیں۔اس کی مکمل بحث ان شاءاللہ کتاب الاشربہ میں ہوگی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی ۱؎ تو روئے اور اپنے ارد گرد والوں کو رلایا ۲؎ پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی اور ان کی قبر شریف کی زیارت کی اجازت مانگی اس کی مجھے اجازت دے دی گئی ۳؎ قبروں کی زیارتیں کیا کرو کہ یہ موت یاد دلاتی ہیں (مسلم)

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا مزار پر انوار مقام ابواء میں ہے جو مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیان پرانے رستہ میں واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد سید نا عبداللہ رضی اللہ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، چھ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش پرورش میں رہے، حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ اپنے ننھیال مدینہ منورہ گئیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے واپسی پر مقام ابواء میں بیمار ہوئیں اور وہاں ہی وفات پا گئیں، وہاں ہی مدفون ہوئیں،اس بیماری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا سر دباتے تھے اور روتے جاتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو آپ کے چہرے پر گرے تو آنکھ کھولی اور اپنے دوپٹے سے آپ کے آنسو پونچھ کر بولیں دنیا مرے گی مگر میں کبھی نہیں مروں گی کیونکہ تم جیسا فرزند میں چھوڑ رہی ہوں جس کی وجہ سے مشرق و مغرب میں میرا چرچا رہے گا اس ولیہ وقت کا یہ قول نہایت درست ہوا۔

۲؎ یہ زیارت قبر انور کا واقعہ صلح حدیبیہ میں ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار صحابہ تھے۔(مرقاۃ) آپ اپنی والدہ ماجدہ کے فراق میں روئے کہ آج وہ زندہ ہوتیں ہماری یہ شان دیکھ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتیں۔ صحابہ بھی آپ کے گریہ اور آپ کی والدہ کو یاد کرکے رونے لگے۔ خدا مجھ گنہگار کو حضرت آمنہ کے مزار شریف کی زیارت نصیب کرے، تو ان کی قبر کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بناؤں کیونکہ وہ میرے پیارے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ہیں،ان کے احسانات تمام جہاں پر ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۳؎ اس جملہ کی وجہ سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ حضرت آمنہ خاتون کافرہ تھیں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے لیے دعائے مغفرت سے منع کردیا گیا۔اس رو میں قاری بھی بہہ گئے، عام دیوبندی یہ ہی کہتے ہیں مگر یہ محض غلط ہے۔ اگر آپ کافرہ ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیارت قبور کی بھی اجازت نہ ملتی،رب فرماتا ہے: "وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ"۔ زیارت قبر کی اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مؤمنہ ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے مغفرت سے اس لیے منع کیا گیا کہ حضرت آمنہ بالکل بے گناہ ہیں،انہوں نے احکام شرعیہ کا زمانہ پایا ہی نہیں پھر گناہ ان سے کیونکر سرزد ہوتے اور دعائے مغفرت گنہگار کو کی جاتی ہے۔ دیکھو بچہ کے جنازہ میں اس کے لیے دعائے مغفرت نہیں کرتے،آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے مغفرت منع، حضرت آمنہ خاتون کا ایمان قرآن کریم کی صریح آیت سے ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی "وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً

مُّسۡلِمَةً لَّكَ" پھر فرمایا "رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ" خدایا میری اولاد میں ہمیشہ ایک مؤمن جماعت رہے اور اے مولیٰ اسی مؤمن جماعت میں نبی آخر الزمان کو بھیج، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا یقینًا قبول ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد مؤمن ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" جلد اول میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کہیں اے مؤمنوں اور مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو ۱ ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں ۲ ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں ۳ (مسلم)	

۱ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں جاکر پہلے سلام کرنا پھر یہ عرض کرنا سنت ہے،اس کے بعد اہلِ قبور کو ایصال ثواب کیا جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ مردے باہر والوں کو دیکھتے پہچانتے ہیں اور ان کا کلام سنتے ہیں ورنہ انہیں سلام جائز نہ ہوتا کیونکہ جو سنتا نہ ہو یا سلام کا جواب نہ دے سکتا ہو اسے سلام کرنا جائز نہیں،دیکھو سونے والے اور نماز پڑھنے والے کو سلام نہیں کرسکتے۔

۲ یہ ان شاء اللہ یا تو برکت کے لیے یا ایمان پر موت کے لیے یعنی اگر رب نے چاہا تو ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا اور ہم تم سے ملیں گے،کفار کے پاس نہ جائیں گے ورنہ موت تو یقینًا آنی ہے وہاں ان شاء اللہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

۳ عوام مسلمین کی قبروں پر بعد سلام یہ الفاظ کہے جائیں،اولیاء اللہ کے مزارات پر یوں عرض کرے "سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا كَسَبۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ "اور شہداء کے مزارات پر یوں عرض کرے "سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ "۔(عالمگیری) یہاں دیار سے مراد قبور ہیں کیونکہ قبریں میتوں کے گھر ہیں اور قبرستان ان کا شہر۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کچھ قبروں پر گزرے تو ان کی طرف اپنا چہرہ پاک کیا ۱ پھر فرمایا اے قبر والو تم پر سلام ہو،اللہ ہمیں اور تمہیں بخشے تم ہمارے اگلو ہو،ہم تمہارے پیچھے ۲ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱ یعنی قبور کی طرف منہ کرکے اور قبلہ کو پشت کرکے کھڑے ہوئے،زیارت قبر کے وقت اسی طرح کھڑا ہونا چاہیے۔(مرقاۃ) قبر کو چومنا ممنوع ہے،البتہ عالمگیری و مرقات میں اس جگہ ہے کہ والدین کی قبریں چومنا جائز ہے۔

۲ یعنی ہم سے آگے تم چلے گئے، تمہارے پیچھے ہم بھی آرہے ہیں۔متقدمین کو سلف کہتے ہیں متاخرین کو خلف۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ہاں شب کی باری ہوتی توآپ آخر رات میں بقیع کی طرف نکل جاتے۱؎ فرماتے اے مؤمن قوم کے گھر والو تم پر سلام،تم سے جس چیز کا وعدہ تھا وہ تمہیں مل گئی کل کی تمہیں مہلت دی ہوئی ہے۲؎ اور ان شاءاللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۳؎ خدایا بقیع غرقد والوں کو بخش دے۴؎(مسلم)	

۱؎ اس سے معلوم ہوتاہے کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ آخری شب میں بقیع یعنی قبرستان مدینہ کی زیارت فرماتے تھے،اپنی باری کا ذکر اس لیئے فرماتی ہیں کہ آپ کے علم میں یہ ہی آیا۔عربی میں بقیع درخت والے میدان کو کہتے ہیں۔غرقد ایک خاص درخت کا نام ہے چونکہ اس میدان میں پہلے غرقد کے درخت تھے اسی لیئے اس جگہ کا نام بقیع الغرقد ہوگیا۔

۲؎ یعنی تمہارا وعدۂ موت پورا ہوچکا اور تم کو موت آچکی،اعمال کا ثواب کل قیامت میں ملے گا،ہماری ابھی موت بھی باقی ہے اور اجروثواب بھی۔اس صورت میں یہ دو جملے ہیں یا معنے یہ ہیں کہ جس اجروثواب کا تم سے وعدہ تھا وہ عنقریب یعنی کل قیامت میں تمہیں ملنے والا ہے،اس صورت میں یہ ایک جملہ ہے اَتَاکُمْ ماضی بمعنی مستقبل ہے،پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں۔

۳؎ یعنی وفات پاکر تم تک پہنچنے والے ہیں۔یہ مطلب نہیں کہ ہم بقیع میں دفن ہونے والے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرانور بقیع میں نہیں اپنے گھر شریف میں واقع ہوئی۔

۴؎ اس دعا کی وجہ سے بعض مؤمن بقیع میں دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں تاکہ اس خصوصی دعا میں وہ بھی شامل ہوجائیں۔دعا یہ ہے کہ الٰہی تمام بقیع والے مدفونوں کی مغفرت فرما۔رب تعالٰی اس پاک سرزمین میں دفن ہونا نصیب کرے۔

روایت ہے انہی سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت قبور میں کیا کروں۱؎ فرمایا یوں کہا کرو کہ مؤمنوں مسلمانوں کے گھروالوں پر سلام ہو اللہ ہمارے اگلے پچھلوں پر رحم فرمائے اور ان شاءاللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔(مسلم)	

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوتاہے کہ عورتوں کو زیارت قبور کی اجازت ہے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ خدا زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت کرے وہ منسوخ ہے،دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو زیارت قبور سے منع فرمایا،بلکہ انہیں اس کا طریقہ اور وہاں پڑھنے کی دعائیں سکھائیں۔بعض نے فرمایا کہ عام عورتوں کو زیارت قبور سے روکو جو وہاں رونا پیٹنا کریں،خاص عورتیں جنہیں اس کے احکام معلوم ہوں زیارت قبور کریں۔وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ! اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے ہوچکی۔

روایت ہے حضرت محمد ابن نعمان سے وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ	

	علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے ہیں۱؎ فرمایا جو اپنے ماں باپ یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ میں۲؎ زیارت کیا کرے تو اس کی بخشش کی جائے گی اور وہ بھلائی کرنے میں لکھا جائے گا۳؎ (بیہقی، شعب الایمان)

۱؎ یعنی محمد ابن نعمان اگرچہ تابعی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی مگر انہوں نے صحابی کے ذریعہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کی لہذا حدیث مرسل ہے۔

۲؎ یہاں جمعہ سے مراد یا تو جمعہ کا دن ہے یا پورا ہفتہ۔ بہتر ہے کہ ہر جمعہ کے دن والدین کی قبور کی زیارت کیا کرے، اگر وہاں حاضری میسر نہ ہو جیسے کہ یہ فقیر اب پاکستان میں ہے اور میرے والدین کی قبریں ہندوستان میں تو ہر جمعہ کو ان کے لیئے ایصال ثواب کیا کرے۔

۳؎ یعنی ماں باپ کی قبروں کی زیارت کرنے والا گویا اب بھی انکی خدمت کر رہا ہے۔ جو ثواب ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنے کا ہے وہ ہی ثواب ان کی وفات کے بعد ان کی قبور کی زیارت کا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ والدین کی وفات کے بعد تین کام کرو: ایک یہ کہ ہر جمعہ کو ان کی قبروں کی زیارت کرو، ان کے لیئے دعاء ختم وغیرہ پڑھو۔ دوسرے یہ کہ ان کے قرض ادا کرو، ان کے وعدے پورے کرو۔ تیسرے یہ کہ والد کے دوستوں اور والدہ کی سہیلیوں کو اپنا باپ وماں سمجھو اور ان کی خدمت کرو، ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب ان کی زیارتیں کیا کرو کیونکہ یہ دنیا میں بے رغبتی اور آخرت کی یاد پیدا کرتی ہے۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی ممانعت زیارت قبور منسوخ ہے اب اس کی اجازت ہے۔ حق یہ ہے کہ اس اجازت میں مرد و عورت سب ہی داخل ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اب عورتوں کو اس سے روکنا دوسری وجہ سے ہے۔ زیارت قبور سے دل بیدار ہوتا ہے، نفس مرتا ہے اور امراء وسلاطین کی ملاقاتوں سے دل غافل ہوتا ہے، نفس موٹا پڑتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت کی۱؎ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حسن صحیح ہے اور فرمایا کہ بعض اہلِ علم نے سمجھا کہ یہ حکم اس سے پہلے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیارت قبور کی اجازت دیں پھر جب اجازت دے ہی دی تو اس اجازت میں مرد عورتیں سب ہی آگئے، بعض نے فرمایا عورتوں کے لیے زیارت قبور ان کے صبر کی کمی اور بے صبری کی زیادتی کی وجہ سے مکروہ ہے ۲؎ (ختم شد)

۱؎ یہ حدیث منسوخ ہے جس کی ناسخ حدیثیں پہلے گزر چکیں اور اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ ان عورتوں پر لعنت ہے جو ہمیشہ ہر وقت بے پرواہ و بے حیائی سے قبرستانوں کی زیارتیں کرتی پھریں ان کا یہ مشغلہ ہو تو حدیث محکم ہے جیسا کہ ذَوَّارَاتٌ مبالغہ کے صیغہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

۲؎ غرضکہ عورتوں کی زیارت قبور کے متعلق علماء کے تین قول ہوئے: ایک یہ کہ مطلقًا ممنوع ہے۔ دوسرے یہ کہ مطلقًا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ عام عورتوں کو ممنوع ہے جو صبر نہ کرسکیں، خواص عورتوں کو جائز جو احکام شرعیہ سے واقف اور ان پر عامل ہوں مگر یہ اختلاف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے علاوہ دیگر قبور میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی حاضری ہر مسلمان مرد و عورت حاجی پر واجب ہے، رب فرماتا ہے: " وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ" الخ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں یوں ہی چادر اٹکارے چلی جاتی تھی۱؎ اور کہتی تھی ایک میرے زوج ہیں اور ایک میرے والد پھر جب حضرت عمر دفن ہوگئے تو رب کی قسم حضرت عمر سے شرم کے باعث بغیر کپڑا لپیٹے اس گھر میں نہ گئی۲؎ (احمد)	

۱؎ یعنی جب تک میرے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق مدفون رہے تب تک تو میں سر کھولے یا ڈھکے ہر طرح حجرے شریف میں چلی جاتی تھی کیونکہ نہ خاوند سے حجاب ہوتا ہے نہ والد سے۔

۲؎ جب سے حضرت عمر میرے حجرے میں دفن ہوگئے تب سے میں بغیر چادر اوڑھے اور پردہ کا پورا اہتمام کیئے بغیر حجرے شریف میں نہ گئی، حضرت عمر سے شرم و حیا کرتی ہوں۔اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ میت کا بعد وفات بھی احترام چاہیئے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کا ایسا ہی احترام کرے جیسا کہ اس کی زندگی میں کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کی قبور کا بھی احترام اور ان سے بھی شرم و حیا چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ میت قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتا اور انہیں جانتا پہچانتا ہے، دیکھو حضرت عمر سے عائشہ صدیقہ ان کی وفات کے بعد شرم و حیاء فرمارہی ہیں، اگر آپ باہر کی کوئی چیز نہ دیکھتے تو اس حیاء فرمانے کے کیا معنی۔ چوتھے یہ کہ قبر کی مٹی تختے وغیرہ تو میت کی آنکھوں کے لیئے حجاب نہیں بن سکتے مگر زائر کے جسم کا لباس ان کے لیئے آڑ ہے، لہذا میت کو زائر ننگا نہیں دکھائی دیتا ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ کا چادر اوڑھ کر وہاں جانے کے کیا معنے تھے، یہ قانون قدرت ہے۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب حضرت عمر قبر کے اندر سے زائر کو دیکھ رہے ہیں تو زائر کے کپڑوں کے اندر کا جسم بھی انہیں نظر آرہا ہے۔ پانچویں یہ کہ بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا رہنا درست ہے، حضرت عائشہ صدیقہ روضہ اطہر کی مجاورہ تھیں۔ چھٹے یہ کہ عورت بھی مجاورہ ہوسکتی ہے مگر باپردہ اور حیا کے ساتھ۔ ساتویں یہ کہ مجاورہ عورت کو قبر کی زیارت کی اجازت ہے کیونکہ وہ وہاں ہی رہتی ہے۔

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (سوم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الزکوۃ

زکوۃ کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ زکوۃ کے لغوی معنی ہیں پاکی اور بڑھنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی"۔چونکہ زکوۃ کی برکت سے نفس انسانی بخل کے میل سے پاک و صاف ہوتا ہے،نیز اس کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے اس لئے اسے زکوۃ کہتے ہیں۔زکوۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے اور اسکے شرائط:اسلام،آزادی،عقل،بلوغ اور قرض سے مال کا خالی ہونا ہے لہذا کافر،غلام،بچے اور دیوانے پر زکوۃ فرض نہیں۔حق یہ ہے کہ زکوۃ کا اجمالی حکم ہجرت سے پہلے آیا اور اس کی تفصیل ۲ھ میں بیان ہوئی لہذا آیات قرآنیہ میں تعارض نہیں۔کُل چار مالوں میں زکوۃ فرض ہے:سونا چاندی،مال تجارت،جنگل میں چرنے والے جانور،زمینی پیداوار۔(از مرقاۃ و اشعہ)تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھو۔پیداوار کی زکوۃ دسواں یا بیسواں حصّہ ہے،باقی مال تجارت و سونے چاندی کا چالیسواں حصّہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف روانہ کیا ۱؎ تو فرمایا کہ تم اہلِ کتاب قوم کے پاس جارہے ہو۲؎ تو انہیں اس گواہی کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقینًا محمد اللہ کے رسول ہیں۳؎ اگر وہ اس میں فرماں برداری کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائیں۴؎ پھر اگر وہ یہ بھی مان جائیں تو انہیں سکھانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے۵؎ جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقیروں پر لوٹائی جائے گی۶؎ پھر اگر یہ بھی مان لیں تو ان کے بہترین مالوں سے بچنا۷؎ اور ستم رسیدہ کی بددعا سے ڈرنا کہ اس کے اور رب کے درمیان کوئی آڑ نہیں۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بناکر بھیجا اور خود بنفس نفیس انہیں ثنیۃ الوداع تک پہنچانے گئے حضرت معاذ بحکم سرکار سواری پر تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل،ان سے جدا ہوتے وقت فرمایا کہ اب تم

میری قبر پر آؤ گے اور مجھے نہ پاؤ گے جس پر حضرت معاذ بہت روئے۔خیال رہے کہ حضرت معاذ یمن پر جہاد کرنے نہیں جارہے تھے وہ تو پہلے ہی قبضہ میں آچکا تھا بلکہ وہاں کے حاکم بن کر۔

۲؎ اگرچہ یمن میں اہل کتاب بھی تھے اور مشرکین بھی مگر چونکہ اہل کتاب مشرکین سے بہتر ہیں اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔

۳؎ یعنی صرف مشرکین کو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی دعوت دو اور تمام کفار کو "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کی کیونکہ مشرکین توحید کے منکر ہیں اور باقی موحد،کفار و اہل کتاب توحید کے تو قائل ہیں مگر رسالت مصطفوی کے منکر۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہر کافر کو مسلمان بناتے وقت وہ ہی چیز پڑھائی جائے جس کا وہ منکر ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار شرعی احکام کے مکلّف نہیں اور یہ کہ کفار کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جائے گا"لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"اور یہ کہ تبلیغ نرمی و خوش اخلاقی سے چاہیئے اور یہ کہ ذمی کفار کو تبلیغ اسلام کرنا سنت ہے اور حکام اور آفیسران صرف ملکی انتظام ہی نہ کریں بلکہ دینی تبلیغ بھی کریں حاکم مبلغ بھی ہونا چاہیئے اور یہ کہ آفیسران و حکام خود بھی شرعی احکام سے واقف ہونے چاہئیں ورنہ وہ تبلیغ نہیں کرسکتے۔

۴؎ یعنی جب وہ مسلمان ہوجائیں تو انہیں نماز کے احکام سناؤ سکھاؤ،چونکہ اسلام میں سارے احکام سے پہلے نماز کا حکم آیا،نیز یہ عبادت بدنی ہے،نیز یہ ہر مسلمان پر فرض ہے اس لیے کلمہ پڑھانے کے بعد ہی اس کا ذکر فرمایا۔خیال رہے کہ یہاں نماز جنازہ،عیدین،وتر وغیرہ کا ذکر نہ فرمایا صرف پانچ نمازوں کا فرمایا یا تو اس وقت ان کا حکم نہ ہوا تھا یا وہ تمام چیزیں پانچ نمازوں کے تابع فرمادی گئیں یا یہاں تمام احکام شرعیہ کا ذکر نہیں ہے خاص خاص کا ہے اسی لیے روزے کا ذکر نہیں زکوۃ کا ہے حالانکہ روزہ زکوۃ سے پہلے فرض ہوچکا تھا۔لہٰذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نماز عید یا وتر واجب نہیں اور نہ یہ حدیث حنفیوں کے خلاف ہے۔

۵؎ یہاں اِنْ بمعنی اِذَا ہے یعنی جب وہ نماز کے احکام سیکھ لیں تو زکوۃ کے احکام سکھاؤ،آہستگی سے تبلیغ کرو کہ انہیں سکھانا مقصود ہے نہ صرف بتادینا۔حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ مسلمان ہونے کے بعد نماز کو فرض مان لیں تب تو زکوۃ سکھانا اور اگر نماز کی فرضیت سے انکار کردیں تو زکوۃ نہ سکھانا کیونکہ مسلمان کا نماز سے انکار کرنا ارتداد ہے اور کسی کو مرتد ہوجانے کی اجازت نہیں لہٰذا حدیث پر کوئی بھی اعتراض نہیں اور زکوۃ کے لیے نماز شرط ہے۔

۶؎ یعنی ہم ٹیکس کی طرح تم سے زکوۃ وصول کرکے مدینہ منورہ نہ لے جائیں گے اور خود نہ کھائیں گے تاکہ تم سمجھو کہ اسلام کی اشاعت کھانے کمانے کے لیے ہے بلکہ تمہارے مالداروں سے زکوۃ لے کر تمہارے ہی فقراء کو دے دی جائے گی۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱)ایک یہ کہ کافر زکوۃ نہیں دے سکتے۔(۲)دوسرے یہ کہ بلاسخت مجبوری ایک جگہ کی تمام زکوۃ دوسری جگہ منتقل نہ کی جائے۔(۳)تیسرے یہ کہ مالدار صاحب نصاب زکوۃ نہیں لے سکتا جیسا کہ لفظ **فقراء** اور **ضَمِيْرُهُمْ** سے معلوم ہوا۔ضرورۃً زکوۃ کو منتقل کرنا بالکل جائز ہے جیسے کہ غنی کے اہل قرابت فقیر دوسرے شہر میں رہتے ہوں یا دوسری جگہ سخت فقرو تنگدستی ہو یا دوسری جگہ صدقہ کا ثواب زیادہ ہو لہٰذا اپنی کچھ زکوۃ مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ بھیجوانا جیسا کہ آج کل رواج ہے بالکل جائز ہے۔خیال رہے کہ یہاں **اغنیاء** سے مراد بالغ عاقل مالدار مراد ہیں کیونکہ نماز کی طرح زکوۃ بھی بچے اور دیوانے پر فرض نہیں،یہ بھی خیال رہے کہ باطنی مال یعنی سونے چاندی

وغیرہ کی زکوۃ خود غنی ہی ادا کرے گااور ظاہری مال جانور پیداوار کی زکوۃ حاکم اسلام وصول کرکے اپنے انتظام سے خرچ کرے گا،یہاں تُؤۡخَذُ میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔

۷؎ یعنی زکوۃ میں ان کے بہترین مال نہ وصول کرو بلکہ درمیانی مال لوہاں اگر خود مالک ہی بہترین مال اپنی خوشی سے دے تو ان کی مرضی ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ"۔اس جملہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ہلاک شدہ مال کی زکوۃ نہ لی جائے گی کیونکہ اموالھم ارشاد ہوا۔

۸؎ یعنی اے معاذ!تم حاکم بن کریمن جارہے ہو وہاں کسی پر ظلم نہ کرنا،نہ بدنی ظلم،نہ مالی نہ زبانی کیونکہ اللہ تعالٰی مظلوم کی بہت جلد سنتا ہے۔اس میں درحقیقت تاقیامت حکام کو عدل کی تعلیم ہے ورنہ صحابہ کرام ظلم نہیں کرتے،حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی نے کہا تھا"لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَجُنُوۡدُہٗ وَھُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ"کہیں تم اے چیونٹیو حضرت سلیمان اور ان کے لشکر سے کچلی نہ جاؤ اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔چیونٹی کا عقیدہ تھا کہ پیغمبر کے صحابہ چیونٹی پر بھی ظلم نہیں کرتے لہذا اس حدیث سے صحابہ کا ظلم ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی سونے چاندی والا نہیں جو اس کا حق(زکوۃ)ادا نہ کرے ۱؎ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے آگ کے پتر ے بنائے جائیں گے پھر ان پر دوزخ کی آگ میں دھونکا جائے گا۲؎ جس سے اس کے پہلو پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی۳؎ جب بھی لائے جائیں گے تو لوٹائے جائیں گے۴؎ یہ دن بھر ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے حتی کہ بندوں میں فیصلہ کردیا جائے۵؎ تو یہ جنت یا دوزخ کا اپنا راستہ دیکھے۶؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اونٹ ۷؎ فرمایا ایسا کوئی اونٹ والا نہیں جو ان کا حق ادا نہ کرے اور ان کا حق انہیں دوھنا بھی ہے انہیں گھاٹ پر لانے کے دن۸؎ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ ان اونٹوں کے سامنے کھلے میدان میں اوندھا ڈالا جائے گا جن میں سے ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا یہ اونٹ اسے اپنے سم سے روندیں گے اور اپنے منہ سے کاٹیں گے ۹؎ جب اس پر پہلا اونٹ گزرے گا تو پچھلا اونٹ واپس ہوگا۱۰؎ یہ اس دن ہوتا رہے گا جس کی	

مقدار پچاس ہزار برس ہے حتی کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے تو یہ اپنا راستہ جنت یا دوزخ کی طرف دیکھے عرض کیا گیا یارسول اللہ پھر گائے بکریاں ۱۱فرمایا ایسا کوئی گائے اور بکریاں والا نہیں جو ان کا حق(زکوۃ)نہ دیتا ہو۱۲ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے سامنے کھلے میدان میں الٹا ڈالا جائے گا جن میں سے کوئی جانور کم نہ ہوگا ان میں نہ تو کوئی ٹیڑھے سینگ والا ہو نہ نبڈا ۱۳یہ اسے اپنے سینگوں سے گھونپیں اور کھروں سے روندیں گے ۱۴جب بھی پہلا گزرے گا تو پچھلا واپس ہوگا یہ اس دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے حتی کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے ۱۵تو یہ اپنا راستہ جنت یا دوزخ کی طرف دیکھے عرض کیا گیا یارسول اللہ تو گھوڑا فرمایا کہ گھوڑے تین طرح کے ہیں ۱۶ایک کے لیے گھوڑا گناہ ہے دوسرے کے لیے آڑ تیسرے کے لیے ثواب ۱۷جس کے لیے گھوڑا گناہ ہے وہ تو وہ شخص جو دکھلاوے شیخی اور مسلمانوں کی عداوت کے لیے گھوڑا باندھے اس کے لیے گناہ ۱۸اور جس کے لیے گھوڑا پردہ ہے وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں مسلمانوں کے لیے گھوڑا باندھے ۱۹پھر اس کی پیٹھ میں اللہ کا حق نہ بھولے ۲۰نہ ان کی گردنوں میں ۲۱وہ گھوڑے اس کا پردہ ہیں ۲۲لیکن وہ گھوڑے جو اس کے لیے ثواب ہیں وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں مسلمانوں کے لیے کسی چراگاہ یا باغ میں باندھے ۲۳تو وہ گھوڑے اس چراگاہ یا باغ میں کچھ نہیں کھاتے مگر جس قدر کھاتے ہیں اسی قدر اس کے حق میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ان کے لید وپیشاب کے برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۲۴اور ایسا نہیں ہوتا کہ وہ گھوڑے اپنی رسی توڑ کر ایک دو ٹیلوں پر چڑھ جائیں مگر اللہ ان کے نشان قدم اور لید کی بقدر نیکیاں لکھتا ہے ۲۵اور ان کا مالک انہیں لے کر کسی

	نہر پر نہیں گزرتا جس سے وہ کچھ پی لیں حالانکہ مالک پلانے کا ارادہ بھی نہ کرتا ہو مگر اللہ ان کے پینے کی بقدر نیکیاں لکھتا ہے ۲۶؎عرض کیا گیا یارسول اللہ تو گدھے فرمایا گدھوں کے متعلق اس جامع آیت کے سوا کچھ حکم نازل نہ ہواجو ذرہ بھرنیکی کریگا اسے دیکھے گا اور جو ذرہ بھر برائی کریگا وہ دیکھے گا۔(مسلم)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ حق سے مراد زکوۃ مفروضہ ہےکیونکہ فطرہ،قربانی یا حقوق العباد ادا کرنے پر وہ وعید نہیں جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎یعنی اس کا سونا چاندی اوّلًا سخت گرم پتر بنائے جائیں گے جو گرمی کی وجہ سے گویا آگ ہی ہوں گے پھر ان گرم پتروں کو اور بھی گرم کرنے کے لیے دوزخ کی آگ میں رکھ کر دھونکا جائے گا اس کی تشریح قرآن کریم میں یوں ہے"یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡہَا فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ"لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آگ کے پترے نہیں ہوتے،نیز آگ کے پتروں کو پھر آگ میں دھونکنا سمجھ میں نہیں آتا۔

۳؎چونکہ یہ بخیل فقراء سے منہ موڑ لیتا تھا انہیں دیکھ کر پہلو پھیرکر چل دیتا تھا اس لیے ان دونوں مقام ہی پر داغ لگائے جائیں گے جیسے چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں کہ اس نے ان سے ہی چوری کی۔

۴؎یعنی یہ پترے جب بھی اس کا بدن داغ کر دوزخ میں پھر لائے جائیں گے تو تپا کر پھر اس کے بدن پر ہی لوٹائے جائیں گے بار بار گرم کرکے لگائے جائیں گے۔

۵؎یعنی یہ داغا جانا قیامت کے دن،دن بھر ہوتا رہے گا لوگ اپنے حساب و کتاب میں مشغول ہوں گے اوریہ سزا بھگت رہا ہوگا بعد قیامت سزا جزا علیحدہ ہے اور اس تکلیف کی وجہ سے اسے یہ دن پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا نیک کاروں کو بقدر چار رکعت نماز۔

۶؎یعنی بعد قیامت اپنا راستہ جنت یا دوزخ کا دیکھے یا دکھایا جائے۔یری معروف ہے یا مجہول یعنی یہ عذاب تو زکوۃ نہ دینے کا ہوا اب اگر اورگناہ نہ ہوں یا ہوں تو رب تعالٰی بخش دے تو جنت میں بھیج دےاور اگر نہ بخشے تو ان گناہوں کی سزا میں کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں بھیج دے اس جملہ کی یہ ہی توجیہ قوی ہے۔

۷؎یعنی سونے چاندی تو بخیل کو تپا کر لگائے جائیں گے اگر اونٹوں کی زکوۃ نہ دی ہو تو ان کی سزا کیا ہے اونٹ تو تپائے نہیں جاتے۔

۸؎عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو ہفتہ میں ایک دو بار پانی پلانے کے لیے گھاٹ یا کنوئیں پر لے جاتے تھے،اس دن فقراء کا وہاں مجمع لگ جاتا تھا،اونٹ والے اونٹنیاں دوھ کر ان فقراء اور مسافروں کو دودھ پلادیتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ یہ دودھ پلانا بھی ان اونٹوں کا حق ہے۔خیال رہے کہ جانوروں کی زکوۃتو فرض ہےمگر یہ دودھ پلانا مستحب ہے اور مستحب چھوڑنے پر عذاب نہیں ہوتا لہذایا تو اس سے مضطر فقراء کو دودھ پلانا مراد ہے جن کی بھوک سے جان نکل رہی ہو یا پہلے یہ فرض تھا اب مستحب ہے جیسے تنگی کے زمانہ یعنی شروع اسلام میں قربانی کا

گوشت صرف تین دن رکھنا جائز تھا۔مرقات نے فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیاسی اونٹنیوں کو نہ دوہو صرف گھاٹ پر لانے کے دن پانی پلا کر دوہو،یہ بھی خشک سالی کے زمانہ کے احکام میں سے ہے۔

۹؎ یعنی اس بخیل کی سزا یہ ہوگی کہ اسے ہموار میدان میں اوندھا ڈال کر اس پر اس کے سارے اونٹوں کو گھمایا جائے گا،یہ سب بہت اونچے اور موٹے ہوں گے اسے اپنے پاؤں سے روندیں گے۔

۱۰؎ یعنی یہ روندنے والے اونٹ لمبی قطار میں نہ ہوں گے کہ اس پر یہ قطار روندتی گزر جائے اور اس کا چھٹکارا ہوجائے بلکہ گول دائرہ کی شکل میں حلقہ باندھے ہوں گےاور آخری اونٹ کے گزرنے پر پھر پہلا اونٹ اس پر آجائے گا،اصل عبارت اس کے برعکس تھی یعنی اخری کا ذکر پہلے تھا اولیٰ کا بعد میں جیساکہ مسلم کی بعض روایات میں ہے۔مبالغہ کے لیے آخری کو اولیٰ فرمادیا گیا یعنی اس طرح لگاتار ہوکر اس پر گھومیں گے کہ گویا پچھلا اونٹ پہلا ہوجائے گا اور پہلا پچھلا،چونکہ اس کا بخل بھی دائمی تھا اس لیے یہ سزا بھی دائمی ہوئی،درمیان میں وقفہ نہ ہوا کہ اسے کچھ آرام مل جائے۔

۱۱؎ ان کا کیا حکم ہے جو شخص بقدر نصاب ان کا مالک ہو پھر ان کی زکوۃ نہ نکالے تو اس کی سزا کیا ہے۔

۱۲؎ مِنْهَا میں مِنْ بمعنی اجل یا بمعنی لام ہے یعنی بکریوں کی وجہ سے جو زکوۃ فرض ہوئی وہ ادا نہ کرتا ہو لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ جانور کی زکوۃ میں جانور ہی دیا جائے بلکہ جانور کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔(مرقات)

۱۳؎ یعنی اگرچہ دنیا میں اس کی بعض گائے بھینسیں ٹوٹے سینگ والی بھی تھیں اور بعض بالکل نبڈی مگر قیامت میں سب کے نوکیلے سینگ ہوں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں ہر چیز اپنے دنیاوی حالت پر اٹھے گی،رب تعالٰی فرماتا:"اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ"پھر بعد میں ان کے حالات بدلیں گے لہذا یہ جانور دنیا میں جیسے تھے ویسے ہی اٹھیں گے،بعد میں سب کو سینگ ملیں گے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۱۴؎ عربی میں گائے بھینس کے کھر کو ظلف کہتے ہیں،جمع اظلاف۔اور گھوڑے کی ٹاپ کو سُم یعنی بخیل کے یہ جانور اسے سینگ بھی گھونپیں گے اور کھروں سے بھی روندیں گے۔غرضکہ قربانی کے جانور پر سخی خود سوار ہوگا اور بے زکوتے جانور بخیل پر سواری کریں گے جیسے اچھے معدے والا جو بقدرضرورت کھانا کھائے تو وہ کھانے پر سوار ہوتاہے اور زیادہ کھا جانے والے پر کھانا سوار ہوجاتا ہے جسے یہ اٹھائے پھرتا ہے۔

۱۵؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی یعنی قیامت کے دن دوران حساب میں تمام مخلوق تو حساب و کتاب دیتی ہوگی مگر یہ بخیل اس عذاب میں مبتلا ہوگا۔

۱۶؎ خیال رہے کہ احناف کے نزدیک سائمہ گھوڑوں میں بھی زکوۃ فرض ہے،شوافع کے ہاں نہیں لہذا ہمارے ہاں اس جواب کا مقصد یہ ہے کہ گھوڑے میں علاوہ زکوۃ کے اور بھی پابندیاں ہیں جو آگے مذکور ہیں یعنی ان میں فقط زکوۃ کا سوال نہ کرو بلکہ غیر سائمہ یعنی گھر کھانے والا گھوڑا سواری کے لیے بھی ہو جس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اس کا بھی یہ حکم ہے اور اگر گھوڑے میں زکوۃ فرض نہ ہوتی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خچر گدھوں کی طرح یہاں بھی فرمادیتے کہ ان کے متعلق مجھ پر کوئی خاص حکم نہیں آیالہذا اس حدیث سے شوافع یہ دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ گھوڑے میں زکوۃ

نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب بطریق حکیمانہ ہے جیسے صحابہ کرام نے سوال کیا تھا کہ ہم کیا خیرات کریں تو رب تعالٰی نے جواب دیا فلاں فلاں جگہ خیرات کرو۔(قرآن کریم)یعنی جواب سوال کے مطابق نہیں بلکہ سائل کے حال کے مطابق ہے۔

۱۷؎ یعنی پالتو گھوڑا جو تجارت کے لیے نہ ہو وہ کسی کے لیے ثواب کا باعث ہے اور کسی کے لیے نہ ثواب نہ عذاب یا ایک ہی گھوڑا ایک ہی شخص کے لیے اس کی نیت کے اعتبار سے کبھی ثواب ہے کبھی عذاب اور کبھی کچھ نہیں،جیسی نیت ویسا پھل یہ ہی حکم عمارتیں بنانے اعلیٰ لباس پہننے کا ہے۔

۱۸؎ یعنی جو گھوڑا اس نیت سے رکھے کہ لوگوں پر میری بڑائی ظاہر ہو،دوسرے مسلمان میرے سامنے ذلیل و خوار نظر آئیں اور اگر کسی مسلمان سے میری لڑائی ہوجائے تو اس گھوڑے پر سوار ہوکر اس کے خلاف جنگ کروں،چوری ڈکیتی اسی کے ذریعہ کروں جیساکہ عام نمبردار چوہدری اور چور،ڈاکو گھوڑے اسی لیے رکھتے ہیں ان کے لیے گھوڑا رکھنا سخت عذاب کا باعث ہے۔

۱۹؎ یہاں اللہ کی راہ سے مراد جہاد نہیں یہ تو تیسری قسم میں آئے گا بلکہ اللہ کی راہ سے مراد اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنا ہے کیونکہ مسلمان کا دنیا کمانا بھی سبیل اللہ ہے یا تجارت کے لیے پالنا مراد ہے کہ تجارت بھی سبیل اللہ ہے دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔

۲۰؎ اس طرح کہ ضرورت کے وقت کسی مسلمان بھائی کو چند روز کے لیے عاریۃً گھوڑا دے دے جس سے وہ اپنا کام نکال لے یا کسی کی گھوڑی پر اپنا گھوڑا بلامعاوضہ چھوڑ دے کہ اس میں مسلمان بھائی کا کام نکالنا ہے۔خیال رہے کہ نر گھوڑے،بیل،بھینسے اور بکرے کا اجرت لے کر مادہ پر چھوڑنا منع ہے وہ اجرت ناجائز ہے جیساکہ آئندہ آئے گا۔

۲۱؎ گھوڑے کی پیٹھ کا حق تو وہ تھا جو اوپر ذکر ہوا،اس کی گردن کا حق یہ ہے کہ اگر تجارت کے لیے ہو تو اس کی قیمت میں چالیسواں حصہ زکوۃ دے فی سینکڑہ ڈھائی روپے،یہ جملہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ سائمہ اور تجارتی گھوڑے میں زکوۃ ہے جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کی گردن کا حق فرمایا،دوسرے حقوق تو اس کی پیٹھ کے حق میں آگئے تھے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن پر اس کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ نہیں وہاں گھوڑے سے مراد یا تو غازی کا گھوڑا ہے یا وہ گھوڑا جو گھر میں گھاس چارہ کھاتا ہو۔اس مسئلہ کی پوری تحقیق لمعات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ کریں۔خیال رہے کہ صرف گھوڑوں یا صرف گھوڑیوں میں زکوۃ نہیں بلکہ مخلوط میں زکوۃ ہے کہ یا تو ہر گھوڑے سے ایک دینار(اشرفی)دیدے یا اس کی قیمت لگا کر ہر ستاون روپے سے چالیسواں حصہ زکوۃ نکال دے۔چنانچہ حضرت عمر نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ تھا کہ گھوڑے والوں کو یہ اختیار دو۔(ہدایہ،کفایہ وغیرہ)

۲۲؎ یعنی آج اس کے اور لوگوں کی حاجت کے درمیان پردہ ہیں کل قیامت میں اس کے اور آگ کے درمیان پردہ ہوں گے یہ کلمہ دونوں کو شامل ہے۔

۲۳؎ یعنی جہاد کی نیت سے بغرض ثواب گھوڑا پالے،چونکہ جہاد کا نفع مسلمانوں کو پہنچتا ہے اس لیے لِاَھْلِ الْاِسْلَامِ بھی فرمایا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں بندگانِ خدا کی خدمت کی نیت کرنا عبادت کو ناقص نہیں کرتا بلکہ اسے کامل

ترکردیتا ہے جیساکہ قرآن کریم کی صریح آیت سے ثابت ہے۔عربی میں مرج اس وسیع میدان کو کہتے ہیں جس میں گھاس چارہ وغیرہ بکثرت ہو۔

۲۴؎ کیونکہ اس کھانے اور پیشاب ولید وغیرہ سے ان گھوڑوں کی بقاءہے اور جیسے نیکی کے اسباب جمع کرنا عبادت ہے ایسے ہی ان کی حفاظت بھی عبادت ہے،نیز یہ چارہ و گھاس مالک نے اپنے مال سے کھلایا اور یہ لید پیشاب اس چارہ سے بنا۔معلوم ہوا کہ نیکی متغیر ہونے کے بعد بھی نیکی ہی رہتی ہیں۔

۲۵؎ یہ گھوڑے کیل سے بندھے ہوئے جو حرکت کریں یا کھائیں پئیں وہ تو اس مالک کے لیے نیکیاں ہیں ہی، اگر مالک کے بغیر ارادہ رسی کو توڑا کر بھاگ جائیں اور اس حالت میں زمین پر ان کے قدم پڑیں یا وہ لید پیشاب کریں تب بھی مالک کو ثواب ہے۔خیال رہے کہ ثواب کے لیے اگرچہ نیت ضروری ہے مگر ہر آن نئی نیت لازم نہیں،مسجد بنانے والا مر بھی جائے تو اسے قبر میں ثواب پہنچتا رہتا ہے بناتے وقت کی نیت قیامت تک کام آتی ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ"۔خیال رہے کہ لیدوپیشاب کا ذکر فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ جب آلۂ جہاد یعنی گھوڑوں کی گندی چیزیں بھی ثواب میں شامل ہوجاتی ہیں تو اصل گھوڑے کا کیا پوچھنا اور پھر مالک کے درجہ کا کیا کہنا،گھوڑا صرف مثال کے لیے ہے اب گولی،بارود،بندوق،توپ،ہوائی جہاز اور راکٹ جو جہاد کے لیے ہوں سب کا یہ ہی حکم ہے۔

۲۶؎ یعنی یہ سب کام کرتا ہے گھوڑا اور نیکیاں پاتا ہے اس کا مالک اگرچہ مالک نے ارادہ بھی نہ کیا ہو اس کی وجہ ابھی بیان ہوچکی۔

۲۷؎ یعنی گدھوں میں زکوۃ واجب نہیں بلکہ ایک قاعدہ کلیہ کے ماتحت ان میں ثواب ہے کہ اگر گدھے،خچر وغیرہ نیک نیتی سے پالے گئے تو ان میں ثواب ہےاور اگر بدنیتی سے پالے گئے تو عذاب اور اگر دنیوی کاروبار کے لیے ہیں تو نہ ثواب نہ عذاب،چونکہ اس آیت کے الفاظ تھوڑے ہیں اور مضامین واحکام بہت زیادہ اس لیے اسے **جامعہ** فرمایا گیا اور چونکہ اس مضمون کی یہ ایک ہی بے مثال آیت ہے اس لیے اسے **فاذۃ** فرمایا گیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں میں زکوۃ ہے،گدھوں اور خچروں میں نہیں جیساکہ اوپر عرض کیا گیا،ہاں اگر گدھے و خچر تجارتی ہیں تو ان میں زکوۃ تجارت ہوگی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ مال دے ۱؎ پھر وہ اس کی زکوۃ نہ دے تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے سامنے گنجے سانپ کی شکل میں ہوگا جس کے دو گیسو ہوں گے ۲؎ قیامت میں اس کا طوق ہوگا پھر اس کے دونوں جبڑے پکڑے گا پھر کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں پھر حضورانور نے یہ آیت تلاوت کی جو بخل کرتے

	ہیں،الایہ ۳؎(بخاری)

۱؎ وہ مال جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور دے بھی بقدر نصاب جس میں وجوب زکوۃ کی ساری شرطیں موجود ہوں جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر مال پر زکوۃ واجب ہو۔
۲؎ جب پتلے زہریلے سانپ کی عمر زیادہ ہوجاتی ہے تو اس کے پھن پر قدرتی بال جم جاتے ہیں اور جب بہت زیادہ عمر ہوتی ہے تو اس کا زہر اتنا تیز ہوجاتا ہے کہ اس کی گرمی اور خشکی سے اس کے یہ بال جھڑ جاتے ہیں اسے اردو زبان میں گنجا سانپ کہتے ہیں اور عربی میں شجاع اقرع،ان میں سے خبیث ترین وہ ہوتا ہے جس کی آنکھوں پر دو کالے داغ ہوتے ہیں،اس کے زہر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس کی سانس سے گھاس جل جاتی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ بے زکوتا مال قیامت کے دن اس سانپ کی شکل کا ہوگا۔چونکہ یہ بخیل بھی اپنے مال پر سانپ کی طرح بیٹھ گیا تھا کہ کوئی غریب اس کے مال کی ہوا بھی نہ پاسکتا تھا اس لیے آج وہ مال اس کے لیے سانپ بن گیا۔حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،دنیا میں بھی مال بشکل سانپ خواب میں نظر آتا ہے،بعض لوگ جب مایہ دفن کرتے ہیں تو اس پر آٹے کا سانپ بناکر بٹھا دیتے ہیں مشہور یہ ہے کہ پھر اس میں قدرتی جان پڑ جاتی ہے۔
۳؎ قیامت کے مختلف مقامات ہیں اور ان کے مختلف حالات۔کبھی بخیل کا سوناچاندی اور سارا مال اس کے گلے کا سانپ ہوگا اورکبھی اس کا سونا چاندی آگ میں تپایا جائے گا جس سے اس کے پہلو اور پیشانی داغے جائیں گے یا بعض مال سانپ بنے گا اور بعض سے داغ لگے گا لہذا یہ حدیث اور مذکورہ آیت شریف داغ والی احادیث اور آیات کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ یہ سانپ اس کے جبڑے چبائے گا اور اس میں اپنے زہر کا ٹیکہ دے گا جس سے اس بخیل کو تکلیف سخت ہوگی مگر جان نہ نکلے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ایسا کوئی شخص نہیں جس کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں جن کا حق ادا نہ کرتا ہوا؎ مگر وہ جانور قیامت کے دن اتنے بڑے اور موٹے جتنے ہوسکتے ہیں کرکے لائے جائیں گے وہ اپنے کھروں سے اسے روندیں گے اور اپنے سینگ گھونپیں گے جب بھی آخری گزر جائے گا تو پہلا لوٹایا جائے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے ۲؎ (بخاری ومسلم)

۱؎ یہاں حق سے مراد شریعت کا حق فرضی ہے یعنی زکوۃ کیونکہ نفلی حق کے ترک پر عذاب نہیں ہوتاجو کبھی بھی زکوۃ ادا نہ کرے اس کی بھی یہی سزا ہے اور گنڈے دار زکوۃ دیتا ہو کہ کبھی دی کبھی نہ دی یا پوری نہ نکالی اس کی بھی یہی سزا کیونکہ یہاں لَایُؤَدِّیْ مطلق ہے۔

۲؎ اس کی سزا پہلے گزر چکی،یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ یہ وہی دنیا کے جانورہوں گے مگر جو دبلے تھے وہ موٹے ہوکر،جو بے سینگ تھے وہ سینگ والے ہوکر اس بخیل پر مسلط ہوں گے اوربخیل کو یہ عذاب دوران حساب میں ہوگا کہ لوگ حساب دے رہے ہوں گے اور یہ پڑا ہوا کچلا جارہا ہوگا،دوزخ کا عذاب اگر ہوا تو اس کے علاوہ ہوگا۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ قیامت میں جن و انس کی طرح جانور بھی زندہ کئے جائیں گے مگر دوزخ یا جنت میں بھیجنے کے لیے نہیں کیونکہ دوزخ صرف جن و انس کے لیے ہے اور جنت صرف انسانوں کے لیے بلکہ آپس میں ایک دوسرے کا بدلہ دینے کے لیے،فاسق مالکوں کو سزا دینے اور متقی مالکوں کی خدمت کرنے کے لیے۔حدیث شریف میں ہے کہ قربانی کا جانور مالک کی سواری ہوکر اسے پلصراط سے اتارے گا اس کے بعد یہ جانور مٹی کردیئے جائیں گے۔دوسرے یہ کہ اگر ایک جانور چند شخصوں کی ملکیت میں رہا تھا اور وہ سب بخیل تھے تو ان تمام مالکوں کو اپنے قدموں سے روندیں گے اور اگر کوئی جانور پہلے بخیل کی ملکیت میں رہا،پھر دوسرے مالک کے پاس قربانی میں ذبح ہوا تو بخیل کو روندے گا اور اس کے بعد قربانی والے کی سواری بنے گا۔

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمہارے پاس صدقہ وصول کرنے والا آئے ۱؎ تو وہ تم سے راضی ہو کر لوٹے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ مال ظاہری یعنی جانوروں اور پیداوار کی زکوۃ سلطان اسلام وصول کرتے اور اسے صحیح مصرف پر خرچ کرتے تھے۔یہ زکوۃ وصول کرنے کے لیے بہت آدمی ملازم رکھے جاتے تھے انہیں مصدق بھی کہتے تھے اور عامل بھی۔سرکار فرمارہے ہیں کہ ہمارا یا ہمارے بعد اسلامی عادل بادشاہوں کا زکوۃ وصول کرنے والا آدمی تمہارے پاس آئے۔

۲؎ اس طرح کہ تم اس سے خندہ پیشانی سے ملو اور سارا ظاہری مال اسے دکھادو تاکہ وہ آسانی سے حساب کرکے زکوۃ وصول کرے اسے دیکھ کر غمگیں نہ ہو،مال چھپانے کی کوشش نہ کرو ٹال مٹول سے کام نہ لو بلکہ باطنی مال یعنی سونے چاندی وغیرہ کی زکوۃ بھی خوشدلی سے دی جائے اور مسکین کو خوش کرکے دی جائے۔خدا کا شکر کیا جائے کہ اس نے ہمیں دینے کے قابل کیا نہ کہ لینے کے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی قوم اپنا صدقہ لاتی ۲؎ تو آپ فرماتے الٰہی فلاں کی اولاد پر رحمتیں نازل کر۳؎ میرے والد اپنا صدقہ لائے تو آپ نے فرمایا الٰہی ابی اوفی کی اولاد پر رحمت کر۴؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا صدقہ لاتا تو آپ فرماتے الٰہی اس پر رحمت کر۔	

۱؎ یہ دونوں باپ بیٹے صحابی ہیں اور یہ عبداللہ کوفہ کے آخری صحابی ہیں جنہوں نے وہاں وفات پائی۔(اشعہ)
۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد سونے چاندی وغیرہ باطنی مالوں کی زکوۃ ہے کیونکہ ظاہری مالوں کی زکوۃ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عامل جاکر خود ان کے گھروں سے لاتا تھا،صحابہ کرام کی عقیدت یہ تھی کہ ہمارے صدقات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے خیرات فرمائیں تاکہ اس ہاتھ کی برکت سے رب تعالٰی قبول فرمائے۔اب بھی مسلمان ایصال ثواب کرتے وقت پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف لیتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔
۳؎ اَللّٰھُمَّ صَلِّ درود ہے۔حق یہ ہے کہ غیر نبی پر مستقلًا درود پڑھنا منع ہے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد فرمانا آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ درود شریف آپ کا حق ہے آپ جس کو چاہیں اپنا حق دیں۔بعض نے فرمایا یہاں صلوۃ لغوی معنے میں ہے مگر پہلا قول قوی ہے۔(مرقات ولمعات)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس آیت پر عمل تھا"وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ"۔سنت یہ ہے کہ زکوۃ وصول کرنے والا دینے والے کو دعائیں دے اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ زکوۃ دینے والا اس وقت دعا کے لیے بھی نہ کہے کہ کہیں یہ دعا کرانا اس صدقہ کا عوض نہ بن جائے،دیکھو یہ صحابہ اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لیے نہیں کہتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے تھے تو وہ ایسے کریم ہیں کہ عطا کرکے دعا دیتے ہیں۔شعر

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا ۔۔۔ خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتے کا بھلا ہو

۴؎حضرت عبداللہ فخریہ طور پر خدا کا شکر ادا کررہے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہمیں اور ہمارے والد کو بھی مل چکی ہیں،بعض نے فرمایا کہ یہاں لفظ آل زائد ہے مگر حق یہ ہے کہ آل اپنے معنے ہی میں ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان لوگوں ہی کو نہیں بلکہ ان کے بال بچوں سارے گھر والوں کو بھی دعائیں دیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو صدقہ پر عامل بناکر بھیجا عرض کیا گیا کہ ابن جمیل ۱؎ اور خالد ابن ولید اور عباس نے نہ دیا۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن جمیل تو صرف اس لیے انکار کرتا ہے کہ وہ فقیر تھا اللہ رسول نے اسے غنی کردیا۳؎ لیکن خالد پر تم زیادتی کرتے ہو انہوں نے اپنی زرہیں اللہ کی راہ میں وقف کردیں۴؎ رہے عباس تو ان کی زکوۃ ساتھ میں اتنی اور میرے ذمہ ہے۵؎ پھر فرمایا اے عمر کیا تمہیں خبر نہیں کہ انسان کا چچا اس کے باپ کے برابر ہوتا ہے ۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ مصنف رحمۃاللہ علیہ نے فصل صحابہ میں فرمایا کہ ابن جمیل کا ذکر صرف کتاب الزکوۃ میں آیا اس کے نام کا پتہ نہیں،فتح الباری میں ہے کہ اس کا نام عبداللہ یا حمید تھا،پہلے یہ غریب آدمی تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مالداری کی دعا کرائی پھر مالدار ہوکر منافق ہوگیا اور زکوۃ کا انکارکرنے لگا اسی کے بارے میں یہ آیت کریمہ آئی"وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ"یہ شخص عہد مرتضوی میں منافقت پر ہی فوت ہوا۔خیال رہے کہ ابن جمیل نے صراحۃً زکوۃ کا انکار نہ کیا تھا ورنہ مرتد اور واجب القتل ہوجاتا بلکہ حیلے بہانے بنائے جس سے اس کی کبیدگی خاطر محسوس ہوئی۔

۲؎ ابن جمیل نے توبلاوجہ اور ان دو بزرگوں نے کسی معذوری سے۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم یا استاد سے رعایا شاگردوں کی پس پشت شکایات کرنا جائز ہے یہ غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

۳؎ یعنی ابن جمیل کا زکوۃ نہ دینا محض کفرانِ نعمت کی بنا پر ہے کسی مجبوری سے نہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دلوں کا حال جانتے ہیں۔دیکھو یہاں بظاہر تینوں صاحبوں سے ایک فعل واقع ہوا مگر ملامت صرف ایک پر کی گئی جس کے دل میں کھوٹ تھا۔دوسرے یہ کہ یہ کہہ سکتے ہیں اللہ رسول غنی کرتے ہیں اللہ رسول دونوں جہان کی نعمتیں بخشتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَغۡنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"اور فرماتاہے:"اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ"۔اسے شرک کہنے والے ان آیات واحادیث پر غورکریں۔

۴؎ یعنی خالد اتنے سخی ہیں کہ انہوں نے نفلی طور پر اپنا سامان جنگ تک وقف کردیا ہے توکیسے ہوسکتا ہے کہ وہ زکوۃ فرضی ادا نہ کریں ان پر زکوۃ فرض ہوگی ہی نہیں تم نے غلطی سے ان سے مطالبہ کیایا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ حتی کہ سامان جنگ بھی وقف کردیا اور مال وقف میں زکوۃ نہیں ہوتی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ کچھ وقف کردینے سے نصاب کی زکوۃ کیسے معاف ہوگئی۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ منقول چیزوں کا وقف مطلقًا جائز ہے یہی امام اعظم کا قول ہے،شیخین کے نزدیک منقول چیز غیرمنقول کے تابع ہوکر وقف ہوسکتی ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ واقف کا موقوف کو اپنے قبضہ میں رکھنا درست ہے جیسے بعض واقفین اپنی زندگی بھر تولیت اپنے لیے مقررکرلیتے ہیں۔

۵؎ اس جملے کی تفسیر میں بہت قول ہیں:بعض نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال کی زکوۃ پیشگی وصول فرماچکے تھے،بعض نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے وصول کرلیں گے ہم اس کے ضامن ہیں مگر یہ تفسیر اگلے جملہ کے موافق نہیں۔ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زکوۃ اپنے ذمہ لے لی اور فرمایا ان سے مت مانگنا ان کی زکوۃ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اتنا ہی صدقہ نفلی ان کی طرف سے ہم ادا کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ مالی عبادتوں میں نیابت جائز ہے یعنی ایک دوسرے کی طرف سے ادا کرسکتے ہیں۔حضرت عباس حضور علیہ السلام کے احسانات کے پہلے ہی عادی تھی انہیں خبر تھی کہ حضور انور میری زکوۃ ادا کردیں گے۔

۶؎ لہٰذا حضرت عباس جو میرے چچا ہیں وہ میرے والد حضرت عبداللہ کی مثل ہیں اس لیے مجھ پر ان کی خدمت لازم ہے،ان کی زکوۃ اداکرنا یہ بھی ان کی خدمت ہے اور اے عمر تم ان پر نہ تقاضاکرنا نہ ملامت بلکہ میرے اس رشتہ کی وجہ سے ان کا ہمیشہ ادب کرنا۔(ازمرقاۃ ولمعات)خیال رہے کہ صِنۡوُ ایک جڑ کے دو درختوں کو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"صِنۡوَانٌ وَّغَیۡرُ صِنۡوَانٍ"چونکہ چچا اور والد دادا کی اولاد ہوتے ہیں اس لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صِنۡوُ فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابو حمید ساعدی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو جنہیں ابن لتبیه کہاجاتا تھا صدقہ پر عامل بنایا۱؎ جب وہ واپس ہوئے تو بولے یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیۃً دیا گیا۲؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اللہ کی حمدوثناء کی پھر فرمایا حمدوثناء کے بعد سنو کہ ہم تم میں سے بعض کو ان چیزوں پر عامل بناتے ہیں جن کا اللہ نے ہمیں والی بنایا۳؎ تو ان میں سے بعض آکر کہتے ہیں کہ یہ تمہاراہے اور یہ مجھے ہدیہ نذرانہ دیا گیا تو وہ اپنے ابا اماں کے گھر کیوں نہ بیٹھ رہا پھر دیکھتا کہ اسے نذرانہ ملتا ہے یا نہیں۴؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی شخص اس میں سے کچھ نہ لے گا مگر قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھا کے لائے گا ۵؎ اگر اونٹ ہے تو وہ بلبلاتا ہوگا یا گائے ہے تو وہ چیختی ہوگی یا بکری کہ ممیاتی ہوگی ۶؎ پھر حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے حتی کہ ہم نے حضور کی بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر عرض کیا الٰہی کیا میں نے تبلیغ کردی اے مولٰی کیا میں نے تبلیغ کردی ۷؎ (مسلم،بخاری)خطابی نے فرمایا کہ حضور انور کے اس فرمان میں کہ وہ اپنی ماں کے گھر یا باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا کہ دیکھتا کیا اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں اس کی دلیل ہے کہ جسے ممنوع کام کا ذریعہ بنایا جائے وہ بھی ممنوع ہے ۸؎ اور جو چیز عقدوں میں داخل ہو اس میں غور کیا جائے کہ	

	آیا اس کا علیحدہ کا حکم دوسرے سے ملنے کے حکم کی طرح ہے یا نہیں ۹؎شرح سنہ میں یوں ہی ہے۔

۱؎ ان صاحب کا نام عبداللہ ہے،قبیلہ بنی لتب کے ہیں جو قحطان کا مشہور قبیلہ ہے۔(مرقات ولمعات)
۲؎ یعنی ان کے پاس وصول کردہ زکوۃ سے زیادہ مال تھا جو زکوۃ دینے والوں نے انہیں بطور ہدیہ علاوہ زکوۃ دیا تھا۔یہ ان صحابی کی انتہائی دیانتداری ہے کہ اس ہدیہ کو گھر نہ رکھ گئے سب کچھ بارگاہ شریف میں پیش کردیااور اصل واقعہ بیان کردیا۔
۳؎ یعنی صدقات و زکوۃ وصول کرنا ہمارے ذمہ ہے تم لوگ ہمارے نائب ہوکر جاتے ہو اور ہمیں تو صدقہ دینے والوں سے ہدیہ لینا منع ہے تو تمہیں کیوں جائز ہوگا۔
۴؎ یعنی یہ نذرانہ نہیں ہے بلکہ رشوت ہے کہ اس کے ذریعہ صاحب نصاب آئندہ اصل زکوۃ سے کچھ کم کرانے کی کوشش کریں گے،نیز جب اس کام کی اجرت پوری ہم دیتے ہیں تو یہ ہدیہ کیا چیز ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ حکام کے نذرانے اور خاص دعوتیں رشوت ہیں،ہاں حاکم عام دعوت ولیمہ وغیرہ کھا سکتا ہے،نیز جو نذرانے، ہدیہ اور ڈالیاں اس کے حاکم بننے کے بعد شروع ہوں وہ سب رشوتیں ہیں،ہاں جن لوگوں کے ساتھ اس کا پہلے ہی سے لین دین ہو اور اس کے معزول ہونے کے بعد بھی وہی لین دین رہے وہ رشوت نہیں جیسے عزیزوں اور قدیمی احباب سے نیوتے بھاجی وغیرہ،ان مسائل کی اصل یہ حدیث ہے۔
۵؎ یعنی جو عامل زکوۃ میں چوری یا خیانت کرے یا زکوۃ دینے والوں سے رشوت وصول کرے۔غرضکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ جس طرح بھی خفیۃً یا علانیۃً کچھ لے،لفظ **منہ** ان سب کو شامل ہے۔(مرقات)غرضکہ یہاں زکوۃ کی چوری ہی مراد نہیں کیونکہ ان صاحب نے کوئی چوری نہ کی تھی۔خیال رہے کہ یہاں توگردن کے اٹھانے کا ذکر ہے مگر قرآن شریف میں پیٹھوں پر لادنے کا کہ ارشاد ہوا "**وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ**"کیونکہ آیت میں کفار کا ذکر ہے اور یہاں گنہگار مسلمان کا،چونکہ کفار کے گناہ زیادہ اور بھاری ہوں گے اس لیے وہ پیٹھوں پر لادیں گے اور مسلمان گنہگار کے گناہ ان سے کم اور ہلکے ہوں گے اس لیے گردن پر اٹھائیں گے،یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیٹھ کی انتہا گردن ہے لہذا گردن پر اٹھانا گویا پیٹھ پر ہی اٹھانا ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے۔
۶؎ یعنی اگر خیانۃً یا رشوۃً اونٹ،گائے،بکری یا کوئی اور جانور بھی لیا ہوگا تو اسے بھی اپنی گردن پر اٹھائے پھرے گا وہ بوجھ سے دبے گا بھی اوران آوازوں کی وجہ سے سارے محشر میں بدنام بھی ہوگا۔معلوم ہوا کہ نیکیوں پر قیامت میں انسان سوار ہوگااور بدیاں انسان پرسوار ہوں گی۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی قیامت میں مسلمانوں کے خفیہ گناہ نہ کھولے گا ستاری فرمائے گا مگر جو بے غیرت دنیا میں علانیہ گناہ کریں اور ان پر فخر بھی کریں وہ ضرور کھلیں گے لہذا یہ حدیث عیب پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔
۷؎ **سبحان اللہ**! کیا پاکیزہ عرض ومعروض ہے رب تعالٰی سے کہہ رہے ہیں بندوں کو سنا رہے ہیں کہ میں اپنے فرض تبلیغ سے فارغ ہوچکا،اب کسی مجرم کو یہ عذر نہ ہوگا کہ مجھے خبر نہ تھی تاقیامت ہر مسلمان پر بقدر ضرورت دینی مسائل

سیکھنا فرض ہے،اب اگر کوئی خود نہ سیکھے اور بےخبر رہے تو اس کا اپنا قصور ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوتاہی نہیں۔

۸؎ یعنی جو کام بذات خود تو اچھا ہے مگر اس کے ذریعہ سے حرام کا ارتکاب کیا جائے تو یہ اچھا کام بھی حرام ہوجائے گا کیونکہ عامل بن کر جانا یا حاکم بننا اچھا کام ہے لیکن اگر رشوتیں لینے کے لیے کیا جائے تو حرام ہوگا جیسے کسی غریب کو قرض دینا نیکی ہے یا ضرورۃً کسی مقروض کی کوئی چیز رہن(گروی)رکھ لینا بھلائی ہے لیکن اگر قرض پر سود لیا جائے اور گروی مکان سے نفع لیا جائے تو یہ قرض بھی حرام ہوجائے گا۔

۹؎ یعنی جو عقد علیحدہ رہ کر حرام ہوگا وہ حلال سے مل کر بھی حرام ہوگا اور جو علیحدہ ہوکر حلال ہوگا وہ حلال سے مل کر بھی حلال رہے گا۔یہ قاعدہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو شرعی حیلے ناجائز کہتے ہیں مگر ہمارے ہاں ضرورۃً شرعی حیلے جائز ہیں لہذا ہمارے ہاں یہ قاعدہ کلیہ نہیں،ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ردّی کھجوریں زیادہ دے کر کھری کھجوریں کم لیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سود ہوگیا تمہیں چاہیئے تھا کہ یہ ردّی کھجوریں روپے کے عوض بیچتے پھر اسی روپے کے عوض خریدار سے کھری کھجوریں لے لیتے،دیکھو حرام سے بچنے کا یہ حیلہ ہے۔غرضکہ ناجائز عقد جائز عقد سے مل کر کبھی تو خود جائز بن جاتاہے اور کبھی جائز کردیتا ہے،یہ قاعدہ خوب یاد رکھا جائے۔ناپاک پانی پاک پانی میں مل کر کبھی خود پاک ہوجاتا ہے جیسے تالاب میں ڈالا جائے اور کبھی اسے بھی ناپاک کردیتا ہے جیسے کنوئیں میں۔

1780 - [9](صَحِیح) وعن عدی بن عمیرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من استعملناہ منکم علی عمر فکتمنا مخیطا فما فوقہ کان غلولا یأتی بہ یوم القیامۃ". رواہ مسلم	روایت ہے حضرت عدی ابن عمیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم تم میں سے جسے کسی کام پر عامل بنائیں پھر وہ ہم سے سوئی یا اس سے زیادہ چھپالے تو یہ بھی خیانت ہے جسے وہ قیامت کے دن لائے گا۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی خیانت چھوٹی ہو یا بڑی قیامت میں سزا اور رسوائی کا باعث ہے خصوصًا جو خیانت زکوۃ وغیرہ میں کی جائے گی کیونکہ یہ عبادت میں خیانت ہے اور اس میں اللہ کا حق مارنا ہے اور فقیروں کو ان کے حق سے محروم کرنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ"۔خیال رہے کہ مَافَوۡقَہٗ سے مراد یا سوئی سے کم چیز ہے یا سوئی سے زیادہ۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے

ہیں،الایۃ۔تو مسلمانوں پر بہت بھاری پڑا ۱؎ تو حضرت عمر بولے کہ تمہاری اس تنگی کو میں کھولتا ہوں ۲؎ آپ چلے عرض کیا یا نبی اللہ یہ آیت حضور کے صحابہ پر بھاری ہے حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے زکوۃ اس ہی لیے فرض فرمائی کہ تمہارے باقی مالوں کو پاک کردے ۳؎ اور میراثیں اسی ہی لیے فرض فرمائیں(اور کچھ کلام کیا)تاکہ وہ پاک مال تمہارے بعد والوں کا ہو ۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے تکبیر کہی ۵؎ پھر حضور نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ بہترین چیز نہ بتاؤں جو آدمی جمع کرے وہ اچھی بیوی ہے کہ جب اسے دیکھے تو پسند آئے اور جب اسے حکم دے تو وہ فرماں برداری کرے اور جب مرد غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے ۶؎ (ابوداؤد)	

۱؎ کیونکہ مسلمانوں نے کنز کے لغوی معنے مراد لیے یعنی مطلقًا جمع کرنا اور یہ سمجھے کہ سونے چاندی کو جمع کرنا بہرحال حرام ہے اور قیامت کے دن داغ کا باعث ہے حالانکہ بغیر کچھ جمع کیے دنیوی کاروبار نہیں چل سکتے۔

۲؎ یعنی آیت کے ظاہری معنے مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ اسلام درمیانی دین ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور قرآن کریم میانہ روی سکھانے والی کتاب،یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس دین میں مال جمع کرنا مطلقًا حرام ہوجائے پھر جہاد کیسے ہونگے اور زکوۃ کس چیز کی دی جائے گی ہماری سمجھ میں غلطی ہے۔

۳؎ یعنی یہاں کنز کے اصطلاحی معنے مراد ہیں کہ مال جمع رکھنا،اس سے اللہ کے حق نہ نکالنا،فقراء کے حقوق ادا نہ کرنا۔خیال رہے کہ زکوۃ نکالنے سے مال ایسا ہی پاک ہوجاتاہے جیسے جانور کا خون نکل جانے سے گوشت یا کیلے اور آم وغیرہ کا چھلکا علیحدہ کردینے سے مغز کھانے کے قابل ہوجاتاہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"خُذْ مِنْ اَمْوٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا"۔

۴؎ یعنی اگر مال جمع کرنا مطلقًا حرام ہوتا تو اس میں سے زکوۃ کیوں دی جاتی اور مالک کے مرنے کے بعد بطور وارثت دوسروں کو کیسے ملتا۔ان احکام سے معلوم ہورہا ہے کہ مال کا جمع کرنا منع نہیں بلکہ عبادت ہے کیونکہ بہت سی عبادتوں کا موقوف علیہ ہے اور عبادت کا موقوف علیہ بھی عبادت ہوتا ہے،زکوۃ جب ادا ہو جب سال بھر مال مالک کے پاس جمع

رہے اور میراث جب بٹے جب مرتے وقت تک مال مالک کے پاس جمع رہے۔خیال رہے کہ **وذکر کلمۃ** راوی کا قول ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اور بھی فرمایا جو مجھے یاد نہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بعد والوں کو مال ملے۔

۵؎ یعنی مسئلہ حل ہوجانے پر جناب فاروق اعظم کو خوشی ہوئی اور خوشی میں **اللہ اکبر** کہا۔اس سے معلوم ہوا کہ دینی مسئلہ معلوم ہونے پر خوش ہونا اور خوشی میں **اللہ اکبر** کا نعرہ لگانا سنت صحابہ ہے۔

۶؎ یعنی اے عمر اگرچہ مال جمع کرنا جائزہے مگر تم لوگ اسے اپنا اصل مقصود نہ بنالو اس سے بھی بہتر مسلمان کے لیے نیک بیوی ہے کہ صورت بھی اچھی ہو اور سیرت بھی کہ اس کے نفع مال سے زیادہ ہیں کیونکہ سونا چاندی اپنی ملک سے نکل کر نفع دیتے ہیں اور نیک بیوی اپنے پاس رہ کر نافع ہے،سوناچاندی ایک بار نفع دیتے ہیں اور بیوی کا نفع قیامت تک رہتا ہے مثلًا رب تعالٰی اس سے کوئی نیک بیٹا بخشے جو زندگی میں باپ کا وزیر بنے اور بعدموت اس کا خلیفہ۔حدیث شریف میں ہے کہ نکاح سے مرد کا دو تہائی دین مکمل ومحفوظ ہوجاتاہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جمیلہ عورت کا چہرہ جمال الٰہی کا آئینہ ہوتا ہے اور اس کی نیک خصلت صفات الٰہی کا مظہر ہوتی ہے۔**سبحان اللہ**! سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کتنا جامع ہے عورت کی سیرت دوکلموں میں بیان فرمادی کہ جب خاوند گھر میں موجود ہو تو اس کی ہر جائز بات مانے اور جب غائب ہو یعنی سفر میں ہو یا مرجائے تو اس کے مال،عزت و اسرار کی حفاظت کرے یعنی آمنہ امینہ ومامونہ ہو۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عتیک سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے پاس غیر پسندیدہ سوار آیا کریں گے تو وہ جب آئیں تم انہیں خوش آمدید کہو اور جو وہ چاہتے ہوں ان کے سامنے حاضر کردو ۲؎ پھر اگر وہ انصاف کریں تو اس میں ان کا فائدہ ہے اور اگر ظلم کریں تو انہیں مضر ہے تمہاری زکوۃ کی تکمیل ان کا راضی ہوناہے چاہیئے کہ وہ تمہیں دعائیں دیں ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ انصاری ہیں اور مشہور صحابی ہیں،آپ کے جنگ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے،باقی سارے غزووں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،عمر شریف ۹۱ سال ہوئی، ۶۱ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی آئندہ زمانہ میں کچھ سخت دل اور بداخلاق حکام بھی ہوں گے تم ان کی بداخلاقی کی بنا پر زکوۃ کے انکاری نہ ہوجانا کہ تمہاری زکوۃ اللہ کے لیے ہے نہ کہ ان کے لیے بلکہ انہیں دیکھ کر خوش ہونا کہ ان کے ذریعہ تمہارا فریضہ ادا ہوگا،بعض دیندار غنی زکوۃ دیتے وقت فقیر کا احسان مانتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ہمارا فرض ادا ہوا۔

۳؎ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ظاہر ظہور ظلم کریں کہ زکوۃ سے زیادہ لیں یا زکوۃ کے ساتھ رشوت مانگیں اور تم دے دو کیونکہ ظلم پر امداد بھی ظلم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کا کوئی فعل تمہیں ظلم معلوم ہو مگر واقع میں

ظلم نہ ہو تو تم اپنی رائے پر عمل نہ کرو ان کے حکم پر عمل کرو مثلًا زکوۃ میں درمیانہ جانور لینا چاہیئے ایک جانور کو تم اعلیٰ سمجھتے ہو وہ درمیانہ یا پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہیئے،تم ایک ڈھیڑ کو سو'' من سمجھتے ہو تو وہ سوا سو من ہے تو تم ان کی بات مان لو،اب اگر واقعی وہ زیادہ لے گئے ہیں تو اس کے جواب دہ وہ ہوں گے نہ کہ تم یا یہ کلام بطریق مبالغہ ہے کہ فرض کرو کہ واقع میں وہ ظالم بھی ہوں تو بھی تم ان کا مقابلہ نہ کرو گے اس میں سلطان اسلام کی بغاوت ہوگی جس کے دبانے کے لیے وہ قوت خرچ کریں گے جس سے کشت و خون و فساد ہوگا بلکہ ان کے ظلم کی شکایت بادشاہ سے کرو اور ان کے خلاف قانونی کاروائی کرو لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے اس میں ظلم کی اجازت نہیں دی گئی مگر پہلے معنے راجح ہیں کیونکہ ان سے دعا لینے کا حکم دیا گیا ظلم سے دعا کب لی جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ کچھ دیہاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے کہ زکوۃ وصول کرنے ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم پر ظلم کرتے ہیں حضور نے فرمایا کہ اپنے زکوۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو وہ بولے یارسول اللہ اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں فرمایا انہیں راضی کرو اگرچہ تم ظلم کئے جاؤ[1] (ابوداؤد)	

[1] اس کی شرح پہلے گزر چکی۔یہ بدوی حضرات شرعی مسائل سے پورے واقف نہ تھے اور زکوۃ وصول کرنے والے عامل جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر ہوتے تھے وہ قریبًا تمام مسائل سے خصوصًا زکوۃ کے مسائل سے پورے خبردار ہوتے تھے،یہ دیہاتی حضرات اپنی کم علمی کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ عاملین ہم پر زیادتی کررہے ہیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ تم ان کے جائز عمل کو ظلم ہی سمجھتے رہو مگر انکی بات مانو اور ان کے کہے پر عمل کرو،انہیں راضی کر کے واپس کرو کیونکہ میرے صحابہ ظالم نہیں ہوسکتے،وہ میرے صحبت یافتہ و تعلیم یافتہ ہیں اور بشہادت قرآن کریم وہ سب عادل ہیں،لہذا اس حدیث میں نہ تو حکام کو ظلم کی اجازت ہے اور نہ اس سے صحابہ کا ظالم و فاسق ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔خیال رہے کہ جو کسی صحابی کو ظالم مانے وہ چیونٹی سے بھی زیادہ بے وقوف ہے،قرآن کریم فرماتا ہے کہ چیونٹی نے اپنی سہیلیوں کو لشکر سلیمانی سے خبردار کرتے ہوئے یہ کہا"لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَجُنُوۡدُهٗ وَهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ"یعنی ایسا نہ ہو کہ تم لشکر سلیمانی یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابہ کے پاؤں تلے روندی جاؤ اور انہیں خبر نہ ہو۔مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات جان بوجھ کر چیونٹی کو بھی نہیں کچلتے،صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں"وَهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ"کے ماتحت ہوئیں،دیکھو یہاں حضور علیہ السلام نے ان لوگوں سے ظلم کی تفصیل نہ پوچھی کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ ظلم کرتے ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت بشیر ابن خصاصیہ سے[1] فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ زکوۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں تو کیا ہم ان کی زیادتی کی بقدر اپنے	

	مال چھپالیا کریں فرمایا نہیں۲؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کے والد کا نام معبد یا یزید ہے،ان کی کنیت خصاصیہ ہے،خصاصیہ ان کی ماں کا نام تھا کیونکہ وہ قبیلہ خصاص کی تھیں جو خاندان ازد کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عاملوں کی شکایت کرنے والوں کا منشاء یہ تھا کہ انہیں کچھ نصاب چھپالینے اور زکوۃ پوری ادا نہ کرنے کی اجازت دے دی جائے اور اگر اجازت دے دی جاتی تو یہ سلسلہ ایسا بڑھ جاتا کہ دنیا سے زکوۃ ہی مٹ کر رہ جاتی اس لیے فرمایا گیا چھپاؤ مت،اگر وہ زیادہ مانگیں تو ان سے مسئلہ شرعی پوچھو نہ مانیں تو ان کے خلاف قانونی کارروائی کرو۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زکوۃ کا سچا عامل اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے حتی کہ اپنے گھر واپس آجائے ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ یعنی جیسے مجاہد جاتے آتے ہر حال میں عبادت کا ثواب پاتا ہے ایسے ہی انصاف والا عامل ہر حال میں ثواب پائے گا کیونکہ مجاہد اسلام کے پھیلانے کا ذریعہ ہے اور یہ عامل اسلامی قانون پھیلانے،مالداروں کو ان کے فریضہ سے فارغ کرنے اور فقراء کو ان کا حق دلانے کا ذریعہ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نیت خیر ہو تو دینی خدمت پر تنخواہ لینے کی وجہ سے اس کا ثواب کم نہیں ہوتا،دیکھو ان عاملوں کو پوری اجرت دی جاتی مگر ساتھ میں یہ ثواب بھی تھا۔چنانچہ مجاہد کو غنیمت بھی ملتی ہے اور ثواب بھی،حضرات خلفائے راشدین سواء حضرت عثمان غنی کے سب نے خلافت پر تنخواہیں لیں مگر ثواب کسی کا کم نہیں ہوا،ایسے ہی وہ علماء یا امام و مؤذن جو تنخواہ لے کر تعلیم،اذان،امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں اگر ان کی نیت خدمت دین کی ہے تو ان شاءاللہ ثواب بھی ضرور پائیں گے۔ہم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرعی مسئلہ بتانے کی اجرت لینا حرام ہے مگر فتویٰ لکھنے کی اجرت لینا جائز،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَہِیۡدٌ"۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا نہ مال ایک جگہ منگانا جائز ہے نہ دُور لے جانا لوگوں کے صدقات ان کے گھروں میں ہی لیے جائیں۲؎(ابوداؤد)

۱؎ خیال رہے کہ عمرو ابن شعیب کی اسناد والی احادیث مسلم،بخاری نے ہرگز نہ لیں کیونکہ یہ ہر جگہ اسی طرح اسناد کرتے ہیں،حالانکہ ان کی ملاقات اپنے دادا محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے نہیں اور نہ ان محمد کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لہذا یہ اسناد منقطع ہے متصل نہیں،یہ بحث پہلے بھی ہوچکی ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی نہ تو عامل کو یہ جائز ہے کہ ایک جگہ بیٹھ جائے اور لوگوں سے کہے اپنے اپنے مال جانور وغیرہ یہاں لاکر مجھے دکھاؤ اور حساب سے زکوۃ دو کیونکہ اس میں مال والوں کو سخت دشواری ہوگی اور نہ مال والوں کو یہ جائز کو اپنے جانور وغیرہ بکھیردیں،دور دور بھیج دیں کہ عامل انہیں گننے کے لیے دوڑا پھرے کہ اس میں عامل کو بہت تکلیف ہے بلکہ عامل لوگوں کے ریوڑوں اور باغوں وکھیتوں میں جاکر ہر ایک کی زکوۃ وصول کرے۔سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مال حاصل کرے تو اس میں زکوۃ نہیں حتی کہ اس پر سال گزر جائے ۱؎(ترمذی)اور ایک جماعت نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر پر موقوف کیا۲؎	

۱؎ یعنی ادائے زکوۃ اور وجوب زکوۃ کے لیے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہیں جیساکہ پنجاب میں ماہ رجب کے اور کاٹھیاواڑ میں ماہ رمضان کو زکوۃ کا مہینہ سمجھا گیا ہے بلکہ جب مال پر سال گزرے گا زکوۃ واجب ہوگی۔خیال رہے کہ سال گزرنا زکوۃ کے لیے شرط وجوب ہے لہذا اگر کوئی مالک نصاب ہوتے ہی زکوۃ دیناشروع کردے اور سال پر حساب کرے یا چند سالوں کی زکوۃ ایک دم ادا کردے تو جائز ہیں اس حدیث کے خلاف نہیں،نیز اصل نصاب پر سال گزرنا ضروری ہے زائد پر ضروری نہیں،لہذا اگر کسی کے پاس گیارہ مہینے تک ہزار روپے رہے اور بارھویں مہینہ دس ہزار روپے اور آگئے تو یہ گیارہ ہزار کی زکوۃ دے گا اگرچہ اس دس ہزار پر تیس دن ہی گزرے ہیں کیونکہ اصل نصاب یعنی ہزار پر سال گزر چکا،یہ مسئلہ بھی اس حدیث کے خلاف نہیں۔اس کی پوری بحث فتح القدیر اور مرقات میں اسی مقام پر دیکھو،اگر ہر پیسہ پر الگ سال گزرنا شرط ہوتو تاجروں کو مصیبت آجائے کیونکہ ان کے پاس روزانہ سینکڑوں روپے آتے جاتے رہتے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مَنِ اسْتَفَادَ میں بڑی وسعت ہے،مال جیسے بھی حاصل ہو کماکر وراثت سے یا کسی کے عطیہ سے بہرحال سال کے بعد اس میں زکوۃ ہے کمانے ہی کی شرط نہیں۔

۲؎ یعنی خود ان کا قول نقل کیاحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہ کیا اور ہم یہ عرض کرچکے ہیں کہ ایسی موقوف حدیثیں جن میں قیاس کو دخل نہیں مرفوع کے حکم میں ہیں،یعنی ان صحابی نے حضور علیہ السلام سے سن کر ہی کہی ہیں۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوۃ فرض ہونے سے پہلے ادا کردینے کے متعلق پوچھا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دی ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ اور دارمی)	

۱؎ یعنی اگر کسی کے پاس بقدر نصاب مال آگیاتو سال گزرنے سے پہلے اس کی زکوۃ دے سکتے ہیں کیونکہ سال گزرنا زکوۃ کے لیے شرط وجوب ہےاس کا سبب مال ہے،اسی طرح فطرہ کہ عید سے پہلے ادا کیا جاسکتا ہے،نماز کے لیے وقت

وجوب کا سبب ہےاس لیے وہ وقت سے پہلے نہیں ہوسکتی۔امام مالک کے ہاں زکوۃ بھی سال گزرنے سے پہلے نہیں دے سکتے،یہ حدیث امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کی دلیل ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا تو فرمایا کہ جو کسی یتیم کا والی ہو جس کے پاس مال ہو تو وہ اس میں تجارت کرے اسے چھوڑے نہ رکھے کہ زکوۃ کھاجائے[1](ترمذی)فرمایا ترمذی نے کہ اس کی اسناد میں کچھ گفتگو ہے کیونکہ مثنٰی بن صباح ضعیف ہے۔	

[1] اس حدیث کی بنا پر امام شافعی و مالک و احمد نے فرمایا کہ نابالغ بچے کے مال میں زکوۃ واجب ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے ولی کو حکم دیا کہ یتیم کا مال تجارت سے بڑھاؤ ایسا نہ ہوکہ ہر سال اس میں زکوۃ نکلتی رہے اور مال ختم ہو جائے،امام اعظم کے نزدیک بچے اور دیوانے کے مال میں زکوۃ نہیں کیونکہ زکوۃ بھی نمازروزہ کی طرح محض عبادت ہے جب اس پر نماز روزہ اور حج نہیں تو زکوۃ بھی نہیں۔ابوداؤد،نسائی اور حاکم نے باسناد صحیح روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص مرفوع القلم ہیں:سونے والا حتی کہ جاگ جائے،بچہ یہاں تک کہ بالغ ہوجائے،دیوانہ تاآنکہ عاقل ہوجائے۔امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابن مسعود سے روایت فرمائی آپ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں،اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔رہی یہ حدیث وہ چند طرح مجروح ہے کیونکہ تدلیس ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ نہ عمرو ابن شعیب نے اپنے دادا محمد ابن عمرو کو دیکھا اور نہ ان کے دادا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی مگر طریقۂ بیان ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے دونوں ملاقاتیں ثابت ہیں یعنی غیر متصل معلوم ہوتی ہے اسی کو تدلیس کہتے ہیں، نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ مثنے ابن صباح راوی ضعیف ہیں اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں،دار قطنی نے اس کی دو اسنادیں نقل کیں اور دونوں کو ضعیف کہا۔ بہرحال یہ حدیث قابل حجت نہیں،مذہب حنفی نہایت قوی ہے۔خیال رہے کہ محض عبادت بچے پر فرض نہیں لیکن ٹیکس اور خراج بچے کے مال سے لیے جائیں گے کیونکہ وہ محض عبادت نہیں ان پر زکوۃ کو قیاس نہیں کرسکتے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور دیہاتیوں میں جو کافر ہوئے وہ ہوئے[1] تو حضرت عمر ابن خطاب نے حضرت	

	ابوبکر سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے جنگ کیسے کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا حتی کہ وہ کہیں لا الہ الا اللہ تو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنی جان و مال بچالیے مگر حق اسلام کے ماتحت اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۲ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا رب کی قسم میں اس پر جہاد کروں گا جو نماز و زکوۃ میں فرق کرے کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے۳ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس منع کرنے پر ان سے جہاد کروں گا۴ حضرت عمر فرماتے ہیں خدا کی قسم میرا یہ حال ہوا کہ میں نے یہ یقین سے جان لیا کہ اس جہاد کے لیے ابوبکر کا سینہ رب نے کھولا ہے میں پہچان گیا کہ یہ جہاد برحق ہے۵(مسلم،بخاری)

۱خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبیلہ غطفان فزارہ،بنی سلیم وغیرہ نے وجوب زکوۃ کا انکار کردیا اور بولے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِهِمۡ صَدَقَةً" یارسول اللہ ان کے مال کی زکوۃ آپ وصول کرو جب وصول کرنے والے تشریف لے گئے تو زکوۃ بھی ختم،حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں مرتد قرار دیا اور ان پر جہاد کی تیاری فرمائی،اسی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا تھا"وَمَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰهُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗۤ"الایۃ۔یہ صدیقی جماعت ہی وہ جماعت ہے جو ان مرتدین کی سرکوبی کے لیے رب تعالٰی کی طرف سے مقرر ہوئی،یہ خدا کو پیاری خدا اسے پیارا۔خیال رہے کہ اسی عہد صدیقی میں بہت سے لوگ مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے لگے اور مرتد ہوگئے،پہلے مرتدین پر آپ نے لشکر کشی کی ہی تھی کہ وہ توبہ کر گئے مگر ان دوسرے مرتدین سے بہت گھمسان کارن پڑا جس میں اکثر قاری اور حافظ صحابہ شہید ہوگئے جس پر جمع قرآن کی ضرورت پیش آئی اور حضرت صدیق نے قرآن پاک جمع فرمایا،اس موقعہ کی قرآن کریم نے اس طرح خبردی"قُلۡ لِّلۡمُخَلَّفِیۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ یُسۡلِمُوۡنَ"الخ۔

۲فاروق اعظم اولًا منکرین زکوۃ پر جہاد کے مخالف تھے ان کی دلیل اس حدیث کے ظاہری الفاظ تھے کہ کلمہ گو پر جہاد کیسا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری کلمہ پڑھنے والے منافقین پر جہاد نہ فرمایا تو یہ مانعین زکوۃ تو دل سے کلمہ

پڑھ رہے ہیں اور زکوۃ کے سوا تمام فرائض کے معتقد ہیں تو ان پر آپ جہاد کیسے کرسکتے ہیں۔فاروق اعظم کی پیش کردہ حدیث کی پوری شرح مکمل بحث کے ساتھ کتاب الایمان کے شروع میں ہوچکی کہ یہاں حتی بمعنی کے ہے۔

۳؎ صدیق اکبر کا یہ جواب نہایت جامع اور مختصر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اے عمر تم نے اپنی حدیث میں یہ لفظ نہ دیکھا اِلَّابِحَقِّهٖ یعنی کلمہ گو کو حق اسلام کی وجہ سے قتل کیا جاسکتا ہے،نماز بھی حق اسلام ہے اور زکوۃ بھی،جوان دونوں میں فرق کرے کہ نماز کو مانے زکوۃ کا انکارکرے وہ یقینًا مستحق جہاد ہے۔رہے منافقین ان کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں فرمایا"وَحِسَابُھُمۡ عَلَی اللهِ"یعنی ہم دل سے بحث نہ کریں گے جو کوئی بظاہر اسلام کے سارے ارکان کا اقرار کرے ہم اس پر جہاد نہ کریں گے،دل میں اس کے کچھ بھی ہو،منافقین کسی رکن اسلامی کے زبان سے منکر نہ تھے سبحان اللہ!کیا پاکیزہ استدلال ہے۔

۴؎ یعنی اے عمروجوب زکوۃ کا انکار تو بڑی چیز ہے اگر وہ لوگ ظاہری مال یعنی پیداوار اور جانوروں کی زکوۃ ہمارے بیت المال میں داخل نہ کریں تب بھی تو وہ سرکوبی کے مستحق ہیں کیونکہ اس میں ایک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدہ ودانستہ انکارہے۔اس جگہ مرقات میں ہے کہ اگر کوئی قوم اذان دینا چھوڑ دےتو سلطان اسلام ان سے بھی جنگ کرے گا کیونکہ اس میں شعار اسلامی کا بندکرنا ہے۔خیال رہے کہ اب چونکہ بادشاہ عمومًا لاپرواہ اور حکام فاسق ہوگئے جن سے امید نہیں کہ زکوتوں کو ان کے مصرفوں پر صرف کریں لہذا اب انہیں کوئی زکوۃ نہ دی جائے اسی لیے صدیق اکبر نے مَنَعُوۡنِیۡ فرمایا یعنی مجھے اور مجھ جیسے عادل سلطان اسلام(جس کے سارے حکام منصف ہوں)کو زکوۃ نہ دیں تو ان پر جنگ ہوگی۔مرقات نے اس جگہ فرمایا کہ عثمان غنی کے زمانہ میں لوگوں کا حال بدل گیا تھا اس لیے آپ نے زکوۃ وصول کرنے میں سختی نہ فرمائی بلکہ مال والے اپنی زکوتیں خود دینے لگے اور کسی صحابی نے آپ کے اس عمل پر انکار نہ کیا۔خیال رہے کہ وجوب زکوۃ کا انکار کفر ہے ایسے لوگوں پر اسلامی جہاد ہوگا اور اس زمانہ میں خلیفۃ المسلمین کو زکوۃ نہ ادا کرنا بغاوت تھی جس پر ان کے خلاف تادیبی کاروائی حتی کہ جنگ بھی کی جاسکتی تھی لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے اور اس کے شروع میں"کَفَرَ مَنۡ کَفَرَ"فرمانا بالکل درست ہے۔مرقات میں یہاں ہے کہ احناف کے نزدیک حاکم کو جبرًا زکوۃ وصول کرنے کا حق نہیں،شوافع کے ہاں ہے،یہ حدیث چونکہ منکرین زکوۃ کے متعلق ہے اس لیے احنا ف کے خلاف نہیں۔

۵؎ یعنی میں نے حضرت صدیق کی رائے کی طرف رجوع کرلیا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صدیق اکبر بعد نبی تمام مخلوق سے بڑے عالم اور بڑے سیاست دان تھے،انہی کے علم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن اپنے حجرے میں ہوا،انہی کے علم پر حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑا ہوا مال وقف بنا،انہی کے علم پر اس جہاد کی تیاری ہوئی،اگر آج آپ تھوڑی نرمی کرتے تو فرائض اسلامی کے انکار کا دروازہ کھل جاتااسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت آپ ہی کو جانشین امام نماز بنایا،انہی کی سیاست سے حجاز بلکہ عرب میں امن و امان بحال ہوا اور فاروقی فتوحات کے لیے راستہ صاف ہوا۔دوسرے یہ کہ ایک شعار اسلامی کا انکار بھی ایسا ہی کفر ہے جیسے سارے ارکان کا انکار۔تیسرے یہ کہ کلمہ گو مرتدین پر جہاد کیا جائے گا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہرایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ ہوگا جس سے اس کا مالک بھاگے گا اور مال اسے ڈھونڈے گا حتی کہ اس کی انگلیوں کو لقمہ کرے گا ۱؎(احمد)

۱؎ اس کی پوری شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی،چونکہ زکوۃ ہاتھ سے ادا کی جاتی ہے جس سے یہ بخیل محروم رہااس لیے وہ سانپ اس کی انگلیاں بھی چبائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے مال کی زکوۃ نہ دے مگر اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں اسے سانپ بنا کر ڈالے گا ۱؎ پھر آپ نے ہم پر اس دلیل میں قرآن شریف سے یہ آیت پڑھی کہ جو لوگ اللہ کے دیئے ما ل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں،الایہ ۲؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ پہلے یہ مال سانپ بن کر اس کے پیچھے بھاگے گا،پھر اسے پکڑ کر اس کے گلے میں طوق بن کر پڑ جائے گا،انگلیاں بھی چباتا رہے گا اور ڈستا بھی رہے گا،چونکہ گلے کا ہار ہر وقت نظر آتا ہےاور جیب کے اندر کی چیز ہر وقت نظر نہیں آتی اس لیے یہ سانپ گلے میں پڑے گا تاکہ مالک دیکھ کر ہر وقت ڈرتا رہے اور محشر کے دوسرے لوگ پہچان جائیں کہ کنجوس یہ ہے،یہ واقعہ مسلمان کی عیب پوشی کے خلاف نہیں جیسے کہ ابھی عرض کیا جاچکا۔

۲؎ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بخل صرف مال میں ہی نہیں ہوتا بلکہ مال،کمال،اعمال،احوال،افضال سب میں ہوتا ہے۔لفظ مِنْ فَضْلِهٖ سب کو شامل ہے۔عالم اور صوفی کو چاہیئے کہ لوگوں میں علم و ہدایت پھیلائیں ورنہ ان کی پکڑ مالی بخیل سے زیادہ ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ"۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کبھی زکوۃ مال میں مخلوط ہوگی تو اسے ہلاک ہی کردے گی ۱؎ (شافعی اور بخاری نے اپنی تاریخ میں)اور حمیدی نے یہ زیادتی بھی کی کہ فرمایا ایسا ہوتا ہے کہ تم پر زکوۃ فرض ہو اور تم نہ نکالو تو حرام حلال کو ہلاک کردے ۲؎ اسی حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے جو زکوۃ کو عین

مال کے متعلق مانتے ہیں،یوں ہی منتقٰی میں ہے۳؎ اور بیہقی نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ان کی اسناد حضرت عائشہ تک ہے۔امام احمد نے مخلوط ہونے کے تفسیر یہ کی کہ کوئی شخص زکوۃ لے لے حالانکہ وہ خود مالدار غنی ہو زکوۃ تو غریبوں کے لیے ہے ۴؎	

۱؎ مال میں زکوۃ مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ صاحبِ نصاب جس پر خود زکوۃ فرض ہووہ فقیر بن کر لوگوں سے زکوۃ لے اور اپنے مال میں ملا کر بڑھائے۔دوسرے یہ کہ آدمی زکوۃ نہ نکالےجو مال زکوۃ میں نکلنا چاہیئے تھا وہ اپنے مال ہی میں رکھے،پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں اور دوسرے معنے زیادہ قوی۔ہلاک کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ زکوۃ کے مخلوط ہونے کی وجہ سے سارے مال کی برکت مٹ جائے اور کچھ دنوں میں مال ختم ہوجائے یا کوئی ناگہانی آفت آپڑےجس سے سارا مال برباد ہوجائے جیسے بیماری، مقدمہ،چوری،ڈکیتی یا حرق و غرق یعنی جلنا ڈوبنا۔دوسرے یہ کہ یہ سارا مال اگرچہ رہے تو مگر اس سے نفع لینا جائز نہ ہوکیونکہ حرام اور حرام سے مخلوط چیز ناقابل انتفاع ہے۔دوسرے معنے ہی کی بنا پر صاحب مشکوٰۃ کا آئندہ کلام ہے۔

۲؎ قال کا فاعل امام بخاری ہیں یعنی حمیدی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کی یہ شرح فرمائی۔

۳؎ خیال رہے کہ امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ مالک کے ذمہ میں واجب نہیں ہوتی بلکہ عین مال میں ہوتی ہے لہذا ان کے ہاں ہر مال کی زکوۃ اسی سے ادا کرنا پڑے گی۔اس کی قیمت یا اس قیمت کا دوسرا مال زکوۃ میں نہیں دیا جاسکتا،بکریوں کی زکوۃ میں بکری ہی دی جائے گی اور سونے کی زکوۃ میں سونا اور چاندی ہی۔وہ زکوۃ کو قربانی یا ہدی پر قیاس کرتے ہیں کہ ان کی قیمت نہیں دی جاتی۔(لمعات)ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کی زکوۃ مالک کے ذمہ میں ہوتی ہےچاہے اس مال میں سے دے یا دوسرے مال میں سے یا قیمت حتی کہ سونے چاندی کی زکوۃ میں خودسوناچاندی یا اس کی قیمت یا اس قیمت کی روٹیاں، کوئی جانور،کپڑا،صابن وغیرہ دے سکتا ہےکیونکہ زکوۃ کا منشاء فقیر کو رزق پہنچانا اور اس کی حاجت روائی ہے، ان بزرگوں کا اس حدیث سے دلیل پکڑنا کچھ ضعیف ہی سا ہےکیونکہ ان حضرات نے لفظ خلط سے استدلال کیا ہے کہ خلط مال کا ہوتا ہے نہ کہ ذمہ کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے اسی لیے خود صاحب مشکوٰۃ اگلا کلام فرمارہے ہیں۔

۴؎ اس توجیہ نے حدیث کو بالکل واضح کردیا کہ جو مال زکوۃ بن کر امیر کے پاس سے نکل چکا اسے گویا غیر مستحق زکوۃ لے کر اپنے مال سے ملالےاب خلط کے معنے بالکل واضح ہوگئے۔

باب مایجب فیہ الزکوۃ

باب کس چیز میں زکوۃ واجب ہے [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] خیال رہے کہ جانور،سونا چاندی اور تجارتی مالوں میں بالاتفاق زکوۃ واجب ہے،البتہ سبزیاں میوے جو سال تک نہ ٹھہر سکیں ان میں اختلاف ہے،امام اعظم کے ہاں ان میں مطلقًا زکوۃ ہےاور دیگر اماموں کے ہاں نہیں،نیز کھجوروں اور چھوہاروں وغیرہ میں امام اعظم کے ہاں مطلقًا زکوۃ واجب ہے خواہ کتنے ہی پیدا ہوں اور صاحبین کے ہاں جب پانچ وسق ہوں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ وسق چھوہاروں سے کم میں صدقہ واجب نہیں[1]اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں صدقہ واجب نہیں[2]اور پانچ عدد اونٹوں سے کم میں صدقہ واجب نہیں[3](مسلم،بخاری)	

[1] وسق،صاع،رطل عرب کے پیمانوں کے نام ہیں۔ایک وسق ساٹھ صاع کا ہےاور ایک صاع ہمارے ۸۰ تولے والے سیر سے قریبًا ساڑھے چار سیر ہوتا ہے تو اس حساب سے ایک وسق چھ من تیس سیر ہوا اور پانچ وسق ۳۳ من ۳۰ سیر تقریبًا ہوئے تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قریبًا ۳۴ من سے کم میں زکوۃ نہیں،یہ حدیث امام شافعی وغیرہم کی دلیل ہے،امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مطلقًا پیداوار میں زکوۃ ہے کم ہو یا زیادہ،امام اعظم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے"وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ"اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے"مَا اَخۡرَجَتۡهُ الۡاَرۡضُ فَفِيۡهِ الۡعُشۡرُ"اور بخاری کی وہ روایت ہے"فِيۡمَا سَقَتِ السَّمَاءُ اَوِالۡعُيُوۡنُ اَوۡكَانَ عَشَرِيًّا الۡعُشۡرُ وَفِيۡمَا سُقِيَ بِالنَّضۡحِ نِصۡفُ الۡعُشۡرِ"اور مسلم شریف کی وہ روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"فِيۡمَا سَقَتِ الۡاَنۡهَارُ وَالۡغَيۡمُ الۡعُشۡرُ وَفِيۡمَا سُقِيَ بِالنَّضۡحِ نِصۡفُ الۡعُشۡرِ"۔اس آیت اور احادیث میں مطلقًا ما فرمایا گیا یعنی جو بھی زمین سے پیدا ہو اس میں دسواں یا بیسواں حصہ زکوۃ ہے،نیز عبدالرزاق نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز مجاہد اور ابراہیم رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ یہ سب حضرات فرماتے ہیں:"فیما انبتت الارض من قلیل وکثیر العشر"زمین کی ہر تھوڑی بہت پیداوار میں دسواں حصہ ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلہ وغیرہ کے تاجروں پر زکوۃ تجارت پانچ وسق سے کم میں نہ ہوگی کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم تھی تو پانچ وسق کی قیمت دو سو[200] درہم ہوئی،چاندی کا نصاب زکوۃ دوسو درہم ہی ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس حدیث میں پیداوار

کی ہی زکوۃ مراد ہے تو احادیث متعارض ہوں گی اور تعارض کے وقت احتیاط اسی میں ہے کہ کم کی بھی زکوۃ نکالی جائے۔خیال رہے کہ زکوۃِ تجارت اور ہے زکوۃِ پیداوار اور۔اس کی پوری تحقیق فتح القدیر میں اور اسی جگہ مرقات میں دیکھو۔ خیال رہے کہ ان اماموں کے نزدیک سڑگل جانے والے پھلوں اور سبزیوں میں بھی زکوۃ نہیں جو سال بھر ٹھہر سکے اس میں زکوۃ ہے۔امام اعظم کے نزدیک ان میں بھی زکوۃ ہے ان کے دلائل وہی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے۔

۲؎ ایک اوقیہ۴۰ درہم کا پانچ اوقیہ۲۰۰درہم ہوئے اور دس درہم سات مثقال کے اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اس حساب سے دو سو درہم باون تولہ چھ ماشہ ہوئے یہ چاندی کا نصاب ہے،درہم کی قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا لحاظ ہے۔

۳؎جانوروں کی زکوۃ کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہوتی ہے جب کہ وہ سائمہ ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ جنگل میں چریں مالک پر ان کے چارے کا خرچ نہ ہو۔خیال رہے کہ **ذود** کے معنے ہیں عدد یا نفر،یہ تین سے دس تک بولا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان پر ۱؎ نہ تو اس کے غلام میں صدقہ واجب ہے نہ اس کے گھوڑے میں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اس کے غلام میں زکوۃ تو نہیں مگر صدقہ فطر واجب ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ مسلمان کی قید سے معلوم ہوتاہے کہ کفار پر زکوۃ فرض نہیں اسی لیے کوئی کافر مسلمان ہوجانے پر زمانہ کفر کی نہ نمازیں قضا کرتا ہے نہ زکوۃ دیتا ہے،ہاں قیامت میں کفار کو عبادات نہ کرنے کی بھی سزا ملے گی،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ دوزخی کہیں گے"قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیۡنَ"الخ لہذا حدیث و قرآن میں تعارض نہیں۔

۲؎ تجارتی گھوڑوں اور غلاموں میں تمام اماموں کے نزدیک زکوۃ ہے اور سواری کے گھوڑے اور خدمت کے غلام میں کسی کے ہاں زکوۃ نہیں ہاں جو گھوڑے سواری و تجارت دونوں کے لیے نہ ہوں ان کی مادہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک زکوۃ ہے کہ مالک یا تو فی گھوڑی ایک اشرفی دے دے یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ نکال دے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں سواری کا گھوڑا اور خدمت کا غلام مراد ہے۔فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ گھوڑے اور غلام میں صاحبین کے مذہب پر فتویٰ ہے کہ ان میں زکوۃ نہیں اسی طرح مرقات میں ہے۔خیال رہے کہ خدمت کے غلام کا فطرہ مالک پر واجب ہے اس کی زکوۃ نہیں،نوکر چاکروں کا فطرہ آقا پر نہیں کیونکہ یہ اس کے غلام نہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ حضرت ابوبکر نے جب انہیں بحرین بھیجا ۱؎ تو انہیں یہ فرمان نامہ لکھ کر دیا مہربان رحمت والے اللہ کے نام سے یہ زکوۃ کا فریضہ	

ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض فرمایا اور جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ۲؎ تو جس مسلمان سے اس فہرست کے مطابق مانگا جائے وہ دے دے اور جس سے زیادہ کا مطالبہ کیا جائے تو نہ دے ۳؎ چوبیس اور اس سے کم اونٹوں کی زکوۃ بکری ہے کہ ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ۴؎ پھر جب یہ اونٹ پچیس کو پہنچیں تو پینتیس تک ایک سالہ مادہ اونٹنی ہے ۵؎ پھر جب چھتیس تک پہنچیں تو پینتالیس تک میں دو سالہ مادہ اونٹنی ہے ۶؎ پھر جب چھیالیس کو پہنچیں تو ساٹھ تک میں چار سالہ اونٹنی یعنی اونٹ کی جست کے لائق ۷؎ پھر جب اکسٹھ کو پہنچیں تو پچھتّر تک میں ایک پنج سالہ اونٹنی ۸؎ پھر جب چھہتر کو پہنچیں تو نوے تک میں دو عدد دو سالہ اونٹنیاں ۹؎ پھر جب اکیانوے کو پہنچیں تو ایک سو بیس تک دو چارسالہ اونٹنیاں نر اونٹ کی جست کے لائق ۱۰؎ پھر جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی ہے اور ہر پچاس میں چار سالہ ۱۱؎ اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں ہاں اگر مالک چاہے ۱۲؎ جب پانچ کو پہنچیں تو اس میں ایک بکری ہے اور جس کے اونٹوں کی زکوۃ پنجسالہ اونٹنی تک پہنچے اور اس کے پاس پنجسالہ ہو نہیں بلکہ چار سالہ ہو تو اس سے چار سالہ ہی لے لی جائے اور اس کے ساتھ دو بکریاں اگر میسر ہوں یا بیس درہم ۱۳؎ اور جس کے اونٹوں کی زکوۃ چہار سالہ کو پہنچے اور اس کے پاس چہار سالہ ہے ہی نہیں بلکہ پنجسالہ ہو تو اس سے پنجسالہ ہی وصول کرلی جائے اور زکوۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے ۱۴؎ اور جس کے اونٹوں کی زکوۃ چہار سالہ کو پہنچے مگر اس کے پاس دو سالہ ہی ہو تو اس سے دو سالہ ہی وصولی کرلی جائے اور مالک دو بکریاں یا بیس درہم بھی دے

اور جس کی زکوۃ دو سالہ کو پہنچے مگر مالک کے پاس
چہار سالہ ہو تو اس سے چہار سالہ ہی وصول کرلی جائے
اور اسے عامل بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے اور
جس کی زکوۃ دو سالہ کو پہنچے اور دو سالہ اس کے پاس
ہو نہیں بلکہ اس کے پاس یکسالہ ہو تو اس سے یکسالہ
ہی وصولی کرلی جائے اور اس کے ساتھ مالک بیس درہم
یا دو بکریاں دے ۱۵؎اور جس کی زکوۃ یکسالہ کو پہنچے اور
اس کے پاس یکسالہ ہو نہیں بلکہ اس کے پاس دو سالہ
ہو تو اس سے وہ ہی وصول کرلی جائے اور اس کو عامل
بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے اور اگر مالک کے
پاس زکوۃ کے مطابق یکسالہ مادہ ہو نہیں بلکہ اس کے
پاس یکسالہ نر ہو تو اس سے وہ ہی لے لیا جائے اور
اس کے ساتھ اور کچھ نہیں ۱۶؎اور بکریوں کی زکوۃ میں
۱۷؎یعنی جنگل میں چرنے والیوں میں جب چالیس ہوں تو
ایک سو بیس تک ایک بکری ہے ۱۸؎پھر جب ایک سو
بیس سے بڑھ جائیں تو دو سو تک میں دو بکریاں ہیں
اور جب دو سو سے زیادہ ہوں تو تین سو تک میں تین
بکریاں ہیں جب تین سو سے زیادہ ہوجائیں تو ہر
سینکڑے میں ایک بکری ہے ۱۹؎پھر جب کسی کی جنگل
میں چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو
ان میں زکوۃ نہیں لیکن اگر مالک چاہے تو(خیرات دید
ے)۲۰؎اور زکوۃ میں نہ تو بڑھیادی جائے نہ کانی ۲۱؎اور
نہ بکرا مگر یہ کہ عامل چاہے(تولے لے)۲۲؎اور نہ تو
متفرق مال کو جمع کیا جائے اور نہ زکوۃ کے ڈر سے جمع
مال کو متفرق کیا جائے۲۳؎اور جو نصاب دو شریکوں کے
درمیان ہو تو وہ آپس میں برابر برابر ایک دوسرے سے
لے لیں۲۴؎اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے اور
اگر صرف ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں کچھ زکوۃ
نہیں مگر یہ کہ مالک چاہے(تو دیدے)۲۵؎(بخاری)

۱؎ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت انس کو بحرین کا حاکم بناکر بھیجا تو انہیں جو قوانین لکھ کر دیئےان میں زکوۃ کا قانون حسب ذیل تھا۔خیال رہے کہ بحرین عرب کا ایک صوبہ ہے جو بصرہ سے قریب ہے،چونکہ یہ علاقہ دو دریاؤں کے بیچ میں ہے اس لیے اسے بحرین کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی زکوۃ کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور کسی حکم پر بغیر تفصیل معلوم ہوئے عمل نہیں ہوسکتااس لیے بعد ہجرت زکوۃ دینا فرض ہوئی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ زکوۃ کا حکم ہجرت سے پہلے آیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بعد ہجرت بیان کی۔چنانچہ مکی آیتوں میں ملتا ہے"وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ"۔حضرت صدیق کا منشاء یہ ہے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ اپنے اجتہاد یا قرآن و حدیث میں تاویل سے نہیں بلکہ اللہ کے صریح حکم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی بیان سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ فرضیت اور حرمت کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی جاسکتی ہے،یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نماز وروزہ فرض کیا یا شراب و زنا حرام کیا۔

۳؎ یعنی اگر عامل یا حاکم مالک سے ظلمًا زیادہ مانگیں تو زیادتی نہ دی جائے بلکہ اس تحریر کے مطابق ادا کی جائے یا ایسے ظالم کو بالکل زکوۃ نہ دی جائے مالک خود فقراء کو دے کیونکہ فاسق بادشاہ اور حاکم کا خلاف شرع حکم نافذ نہیں۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز قانون یا حاکم کے ناجائز حکم پر عمل کرنا شرعًاواجب نہیں بلکہ اگر قدرت ہو تو ایسے قوانین اور احکام کو توڑ دے۔وہ جوپہلے گزر چکا کہ عاملوں کو راضی کرو اگر چہ وہ ظلم ہی کریں اس کے تین چار مطلب پہلے بیان کئے جاچکے ہیں یعنی جو چیز تمہیں ظلم معلوم ہو اور واقع میں ظلم نہ ہوتو اس میں عامل سے نہ جھگڑو قانونی کارروائی کرو وغیرہ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۴؎ یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں،پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہے،دس اونٹوں میں دو بکریاں،پندرہ میں تین اور بیس میں چار۔خیال رہے کہ اونٹ کا یہ نصاب پانچ ہے اور زیادتی معافی ہےلہذا اگرکسی کے پاس نو اونٹ تھے اور زکوۃ دینے کے وقت چار ہلاک ہوگئے تب بھی پوری بکری ہی دے گااس سے کچھ کم نہ کرے گا،یہی حق ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

۵؎ یعنی چوبیس تک اونٹوں کی زکوۃ بکریاں سے دی جائے گی کہ ہر پانچ میں ایک بکریاور اس کے بعد خود اونٹ سے ہی دی جائے گی اور زکوۃ میں اونٹ کی مادہ لی جائے گی نہ کہ غیر۔بنت مخاض وہ اونٹنی ہے جو ایک سال کی ہوکر دوسرے سال میں قدم رکھ دے،چونکہ اس وقت اس کی ماں دوسرے بچے سے حاملہ ہوجاتی ہےاس لیے اسے بنت مخاض کہتے ہیں یعنی حاملہ کی بچی۔مخاض حمل کو بھی کہتے ہیں اور دردزہ کو بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاَجَآءَہَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ"یعنی حضرت مریم کو ان کا حمل یا دردزہ درخت کھجور کے پاس لایا۔

۶؎ یعنی بکریوں کی حالت میں پانچ پر نصاب بڑھتا تھا اور اب دس پر بڑھے گا۔بنت لبون وہ دو سالہ اونٹنی ہے جو تیسرے سال میں قدم رکھ دے،چونکہ اس وقت اس کی ماں دوسرے بچے کو دودھ پلاتی ہوتی ہے اس لیے اسے بنت لبون کہتے ہیں یعنی دودھ پلانے والی کی بچی۔لبون لبن سے ہے،بمعنی دودھ۔

۷؎ یعنی چھیالیس سے ساٹھ اونٹوں کی زکوۃ تین سالہ اونٹنی ہے جو چوتھے سال میں داخل ہوجائے،چونکہ اس وقت اونٹنی بوجھ اٹھانے کے لائق بھی ہوجاتی ہے اور نر کی جفتی کی مستحق بھی اس لیے اسے حقہ کہتے ہیں یعنی مستحق جفتی،اسی سے حقیق ہے،بمعنی لائق،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَقِیۡقٌ عَلٰۤی اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَی اللہِ اِلَّا الْحَقَّ"۔

۸؎ یعنی اس نصاب میں وہ اونٹنی واجب ہوگی جو پانچ کی ہوکر چھٹے سال میں قدم رکھ دے۔خیال رہے کہ جذع کے معنے ہیں اُگنا اسی لیے درخت کی جڑ کو جذع کہتے ہیں کہ اس پر شاخیں اُگتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَاَجَآءَہَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ"۔چونکہ اس وقت اونٹنی کے سارے دانت اگ آتے ہیں اس لیے اسے جذع کہا جاتا ہے۔

۹؎ ان عبارات سے پتہ لگ رہا ہے کہ دو نصابوں کے بیچ کی کسروں میں کچھ واجب نہیں لہذا اگر ان میں سے کچھ گھٹ جائے تو زکوۃ گھٹے گی نہیں۔

۱۰؎ فتح القدیر میں ہے کہ زکوۃ کے نصاب نماز کی رکعتوں کی طرح توقیفی چیز ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں۔خیال رہے کہ اونٹ کی زکوۃ میں صرف مادہ یا اس کی قیمت لی جائے گی،گائے اور بکریوں کی زکوۃ میں مادہ اور نر دونوں لیے جاسکتے ہیں۔

۱۱؎ اس کے ظاہری معنی پر بہت سے علماء کا عمل ہے کہ وہ ایک سو بیس اونٹوں کے بعد چالیس تک زکوۃ میں کچھ زیادتی نہیں کرتے،چالیس پر ایک بنت لبون بڑھاتے ہیں مگر امام نخعی اور سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم ایک سوبیس اونٹوں کے بعد پھر پہلے کی طرح زکوۃ میں زیادتی کرتے چلے جاتے ہیں۔چنانچہ ان کے ہاں ایک سوپچیس اونٹوں میں دو حقے ایک بکری اورایک سوتیس میں دو حقے دو بکریاں اسی طرح پہلی ترتیب کی مطابق زیادتی ہوگی،ان بزرگوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب اونٹ ایک سوبیس سے زیادہ ہوجائیں تو"ترد الفرائض الی اولھا"اور وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن حزم کو زکوۃ،دیّتوں وغیرہ کا فرمان نامہ لکھ کردیا جس میں اونٹ کی زکوۃ کے بارے میں تحرفرمایا:"ان الابل اذا زادت علی عشرین ومائۃ استونفت الفریضۃ"۔فتح القدیر نے اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی بہت تحریریں نقل فرمائیں جن میں سے بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ حضرت عمر فاروق کی تحریر اور بحوالہ نسائی باب الدیات اور بحوالہ مراسیل،ابوداؤد وعمرو ابن حزم کی تحریر نقل فرمائی۔شرح کنز میں بہت سی احادیث جمع کی ہیں جن سب میں یہی ہے کہ ایک سوبیس کے بعد نئے سرے سے زکوۃ واجب ہوگی۔یہ حدیث اگرچہ بخاری کی ہے مگر وہ احادیث بھی بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں اور امام بخاری کی پیدائش سے پہلے ہی اجتہاد مجتہدین کی بنا پر قوی ہوچکی تھیں،اگر کسی کی اسناد میں بعد کو ضعف پیدا ہوا ہو تو ان مجتہدین کو مضر نہیں۔(ازمرقات)

۱۲؎ یعنی اگر مالک چاہے تو چار اونٹوں سے ہی صدقہ نفلی ادا کردے۔کتنا ادا کرے یہ اسے اختیار ہے۔

۱۳؎ کیونکہ چار سالہ اونٹنی کی قیمت کم ہوتی ہے پنج سالہ کی زیادہ،مالک نے چونکہ واجب سے کم زکوۃ دی ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے یا ساتھ میں دو بکریاں دے یا بیس درہم یعنی پانچ روپے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں عموماً چار

سالہ اور پنجسالہ میں اتنا ہی فرق ہوتا تھا اور بکری کی قیمت ڈھائی روپے ہی تھی اس لیے یہ فرمایا گیا اب یہ حساب نہ ہوگا،اب تو ایک بکری چالیس پچاس روپے کی ہوتی ہے،اب آج کے حساب سے زیادتی کمی لی جائے گی۔

۱۴؎اس کی وجہ پہلے بیان ہوچکی یہ اس زمانہ کی قیمتوں کے حساب سے ہے۔

۱۵؎خلاصہ یہ ہے کہ اگر عامل نے زکوۃ سے زیادہ قیمتی جانور وصول کرلیا ہے تو بقدر زیادتی مالک کو واپس کرے اور اگر اس سے کم لیا ہے تو کمی پوری کرنے کے لیے کچھ اور بھی ساتھ لے مگر لین دین میں حساب برابر رکھا جائے گا کیونکہ انصاف کرنا ہے۔

۱۶؎یعنی اونٹ کی زکوۃ میں مادہ ہی واجب ہے لیکن اگر مادہ نہ ہو تو اس سے اونچی عمر کا نر لیا جائے گا تاکہ انوثیت کا بدلہ زیادتی عمر سے ہوجائے۔خیال رہے کہ مادہ نہ ہونے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مادہ موجود ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ موجود تو ہے مگر بیمار یا دبلی ہے یا موجود تو ہے مگر بہت فربہ موٹی،نہایت اعلیٰ درجہ کی ہےاور زکوۃ میں درمیانی لی جاتی ہے ان تینوں صورتوں میں زیادہ عمر کا نر لیا جائے گا۔(مرقات)

۱۷؎عربی میں بکری کو غنم کہتے ہیں کیونکہ اس کے پاس دشمن سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں اس لیے اسے ہر دشمن غنیمت کی طرح آسانی سے لے لیتا ہے۔بھیڑ اور دنبے بکریوں کے حکم میں ہیں۔

۱۸؎جنگل میں چرنے والی وہ بکری ہے جو سال کا اکثر حصہ جنگل کی قدرتی پیداوار کھاکر پلے اگر زیادہ حصہ گھر کے چارے پر گزارے تو اسے علوفہ کہیں گے اس میں زکوۃ نہیں ہاں اگر تجارت کی بکریاں ہیں تو ان میں تجارتی زکوۃ ہے گھر چریں یا جنگل میں۔خیال رہے کہ اگر بکریوں کے دودھ کی تجارت کرتا ہو نہ کہ عین بکری کی تو ان میں تجارت کی زکوۃ نہیں۔

۱۹؎خلاصہ یہ ہے کہ بکری کا نصاب چالیس ہے خواہ خالص بکریاں ہوں یا بکری بکرے مخلوط،خالص بکروں میں زکوۃ نہیں کیونکہ ان کی نسل نہیں چلتی پھر پہلی کسر ۸۰ ہے جس میں زکوۃ نہیں بڑھتی یعنی ایک سوبیس تک ایک ہی بکری واجب ہوتی ہے،ایک سو بیس کے بعد پھر ۸۰ کسر ہے جس سے زکوۃ نہیں بڑھتی،دو سوتک دو بکریاں ہی واجب ہوتی ہیں،پھر سو کسر ہے جن سے زکوۃ نہیں بڑھتی تین سو تک تین ہی بکریاں رہتی ہیں تین سو کے بعد بھی سو ہی کسر ہے،چارسو پر ۴ بکریاں واجب ہوں گی،عام علماء کا یہی قول ہے البتہ امام نخعی اور حسن ابن صالح رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر تین سو پر ایک بکری بھی زیادہ ہوگی تو چار بکریاں واجب ہوں گی مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے،ظاہری حدیث اسی کی تائید کررہی ہے۔

۲۰؎یہاں رجل سے مراد ہر بالغ عاقل مسلمان ہے مرد ہو یا عورت یعنی چونکہ بکری کا نصاب چالیس ہے لہذا اگر انتالیس بکریاں بھی ہوں تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی،ہاں اگر مالک کچھ صدقہ نفلی دیدے تو اسے اختیار ہے۔

۲۱؎بوڑھی میں بیمار بھی داخل ہے اور کانی میں ہر اس عیب والی جس سے قیمت کم ہوجائے،یہ حکم جب ہے جب مالک کے پاس جوان یا بے عیب بھی ہوں لیکن اگر اس کے پاس ساری بوڑھی یا عیب دار ہی ہوں تو انہی میں سے درمیانی بوڑھی یا عیب دار لی جائے گی۔(مرقات)

۲۲؎ صحیح یہ ہے کہ یہاں مصدق سے مراد صدقہ لینے والا عامل ہے نہ کہ دینے والا اور یہ استثناءصرف بکرے کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی زکوۃ میں بکرا نہ لیا جائے گا،ہاں اگر عامل بکرے ہی کو فقراء کے لیے مفید سمجھے تو لے لے کیونکہ وہ فقراء کا وکیل ہے ان کی بھلائی کا لحاظ کرے کبھی بکرا خصوصًا خصی قیمت میں بکری سے زیادہ ہوتاہے۔اس جملہ کی اور بہت سی شرحیں کی گئی ہیں لیکن فقیر کی یہ شرح سیدھی صاف اور بے گردو غبار ہے۔

۲۳؎ یہ جملہ بہت جامع ہے جس کے بہت معنے ہوسکتے ہیں اگر اس میں عامل کی طرف روئے سخن ہے تو معنے یہ ہوں گے کہ نہ تو عامل زکوۃ لینے کے لیے چند شخصوں کا تھوڑا مال ملا کر نصاب بنالے مثلًا دو شخصوں کے پاس بیس بیس بکریاں ہیں تو ان کو ملاکر چالیس بنالے اور زکوۃ لے لے یہ ناجائز ہے اور نہ زکوۃ بڑھانے کے لیے ایک شخص کے ایک مال کو متفرق کردے مثلًا کسی کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہیں جن میں ایک بکری واجب ہوتی ہے عامل انہیں چالیس کے تین نصاب بنالے اور تین بکریاں لے لے یہ ناجائز ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنے کئے اور اگر روئے سخن مالک کی طرف ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مالک تمام زکوۃ کم کرنے یا بچنے کے لیے متفرق مال جمع نہ کرے مثلًا دو شخصوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہیں جن میں الگ الگ ایک بکری واجب ہوتی ہے مگر یہ دونوں عامل کے سامنے اسے شرکت کا مال قرار دے کر ایک بکری دیں یہ جرم ہے یا دو آدمیوں کی شرکت میں چالیس بکریاں ہیں جن میں ایک بکری واجب ہوتی ہے مگر عامل کے سامنے یہ دونوں تھوڑی دیر کے لیے شرکت توڑ دیں اور اگر شرکت توڑ دیں اور الگ الگ بیس بیس بکریاں دکھا کر زکوۃ سے بچ جائیں یہ توجیہ امام شافعی کی ہےاور ہوسکتا ہے کہ روئے سخن مالک اور عامل دونوں کی طرف ہو یعنی مالک تو صدقہ سے بچنے یا کم کرنے کے لیے مجتمع کو متفرق نہ کرےاور عامل صدقہ بڑھانے یاواجب کرنے کے لیے متفرق کو جمع نہ کرے،خوف صدقہ دونوں کو شامل ہے۔مالک کو صدقہ واجب ہونے یا بڑھ جانے کا خوف ہوتا ہےاور عامل کو صدقہ واجب نہ رہنے یا گھٹ جانے کااور بھی اس کی بہت شرحیں ہوسکتی ہیں۔یہ ہے اس افصح الفصحاء کی جامع البیانی کہ دو لفظوں میں بہت صورتیں بیان فرمادیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۴؎ یعنی اگرایک مال کے دو مشترک مالک ہوں اوران پر بقدر حساب شرعی زکوۃ واجب ہو جائے توزکوۃ مشترکہ دے دیں،بعد میں حساب کرلیں مثلًادو شخصوں کی دوسو بکریاں مشترک ہیں اسطرح کہ چالیس ایک کی ہیں اور ایک سوساٹھ ایک کی،جس کی دو بکریاں بطور زکوۃ دی گئیں تو چالیس والا بھی اپنے ذمہ ایک بکری لے گا اور ایک سوساٹھ والا بھی ایک بکری،یہ نہ ہوگا کہ دو بکریاں کا 1/5 چالیس والا دے اور 4/5 ایک سوساٹھ والا،برابری سے یہی مراد ہے۔(لمعات وغیرہ) یہاں مرقات نے بہت بڑی بحث کی مگر جتنا فقیر نے عرض کردیا وہ کافی ہے۔خیال رہے کہ نصاب میں شرکت کی چند صورتیں:ایک یہ کہ ایک آدمی کے دو بیٹوں کو میراث ملی جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی۔دوسرے یہ کہ دو شخصوں نے اپنے مال مخلوط کرکے ان سے مشترکہ کاروبار شروع کردیا وغیرہ۔

۲۵؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ چاندی سونے کی زکوۃ وزن پر ہوتی ہے نہ کہ قیمت پر اور اس کا ادنیٰ نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہے، چالیسواں حصہ زکوۃ ہے یعنی سو روپے پر ڈھائی روپے اور ہزار پر پچیس۔اس کی پوری بحث کتب فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا اس زمین میں

	جسے آسمان یا چشمے سیراب کریں یا ہو فارغ۱اس میں دسواں حصہ ہے اور جسے پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے ۲ (بخاری)

۱عربی میں عثری وہ زمین کہلاتی ہے جو پانی سے قریب ہونے کی وجہ سے خود بخود تر رہتی ہو اور اس کا مالک اسے پانی دینے سے فارغ ہو۔حدیث شریف میں ہے کہ عثری آدمی برا ہے یعنی جو دین و دنیا سے فارغ ہو کر کچھ کام نہ کرے وہ بُرا ہے۔(ازمرقات و اشعہ)نیز جس درخت کی جڑیں گہرائی میں پہنچ کر زمین کی قدرتی تری خود لے لیں اسے عثری کہتے ہیں۔

۲خلاصہ یہ ہے کہ جس کھیت میں پانی دینے پر مالک کا خرچ ہو اس کی زکوۃ بیسواں حصہ ہے ورنہ دسواں۔کھینچنے میں کنوئیں سے،نہر سے،دریا سے کھینچنا سب شامل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جانوروں کا زخم باطل ہے ۱ اور کنواں باطل ہے اور کان باطل ہے ۲اور کان میں پانچواں حصہ ہے ۳(مسلم،بخاری)

۱یعنی اگر کسی کا کوئی جانور گھوڑا،گائے،بھینس بدک کر مالک سے چھوٹ جائے اورکسی کو زخمی کردے تو مالک پر اس زخم کا قصاص یا تاوان نہ ہوگاکیونکہ یہاں مالک بےقصور ہے ہاں اگر مالک کی غفلت یا اس کے قصور سے جانور نے کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا تو مالک ذمہ دار ہے جیسے کوئی اپنا کٹ کھنا کتا دن میں کھلا چھوڑے اور وہ کسی کو زخمی کردے یا کسی کا جانور ماردے۔ان شاءاللہ اس کی پوری تحقیق کتاب القصاص میں آئے گی۔

۲یعنی اگر کوئی شخص کسی کے کنوئیں یا کان میں گر کر مرجائے تو کنویں اور کان والے پر ضمان نہیں کہ وہ بےقصور ہے،ہاں اگر کوئی شخص راستہ میں کنواں یا گڑھا کھود دے جس میں کوئی گر کر مرجائے اب یہ ذمہ دار ہے کیونکہ مجرم ہے۔

۳یعنی اگر کسی کی زمین میں سونے چاندی یا کسی دھات کی قدرتی کان نکل آئے وہ پانچواں حصہ حکومت اسلامیہ کو دے گا اور چار حصہ اپنے خرچ میں لائے گا۔خیال رہے کہ رکاز رکز سے بنا جس کے معنے ہیں چھپنا یا خفیہ ہونا اسی لیے پاؤں کی آہٹ کو رکز کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَوۡ تَسۡمَعُ لَہُمۡ رِکۡزًا"۔جانور کے لات مار دینے کو بھی رکز کہتے ہیں۔اصطلاح میں رکز کان کو بھی کہتے ہیں اور دفینہ یعنی گاڑھے ہوئے خزانہ کو بھی۔امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں رکاز سے کان مراد ہے اور امام شافعی کے ہاں دفینہ،امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا رکاز کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ سونا جسے رب تعالٰی نے زمین میں قدرتی پیدا فرمایا۔(بیہقی عن ابی ھریرہ)نیز یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاز کا ذکر معدن کے ساتھ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی معدن ہی ہے۔مرقات نے فرمایا کہ کان سے بعض چیزیں گل جانے والی پیدا ہوتی ہیں جیسے سونا چاندی،لوہا اورباقی دھاتیں اور

بعض پتلی جیسے پانی،تیل اور تار کول اور بعض چیزیں خشک نہ گلنے والی جیسے چونا،ہڑتال،ہرقسم کے پتھر،یاقوت،نمک وغیرہ۔امام اعظم کے ہاں صرف دھاتوں میں خمس واجب ہے اور امام شافعی کے ہاں صرف سونے چاندی میں،وہ باقی دھاتوں کو شکار کے جانور کی مثل مانتے ہیں جس کو مل جائے اسی کی۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ کی تو معافی دے دی[1] مگر چاندی کی زکوۃ دو ہر چالیس میں ایک درہم ہے اور ایک سونوے میں کچھ نہیں جب دوسو کو پہنچیں تو ان میں پانچ درہم ہیں[2](ترمذی و ابوداؤد)اور ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت حارث ابن اعور سے ہے[3] وہ حضرت علی سے راوی زہیر کہتے ہیں مجھے خیال ہے حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی[4] کہ آپ نے فرمایا کہ چالیسواں حصہ دو ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے اور تم پر کچھ نہیں حتی کہ دو سودرہم پورے ہوجائیں تو جب دو سو درہم ہوجائیں تو ان میں پانچ درہم میں جو اس پر زیادہ ہو تو اسی حساب پر ہے[5] اور بکریاں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے[6] ایک سو بیس تک کہ اگر ایک زیادہ ہوجائے تو دو بکریاں دو سو تک اگر زیادہ ہوں تو تین بکریاں تین سو تک پھر اگر تین سو پر زیادہ ہوں تو ہر سینکڑے میں ایک بکری،اگر بکریاں انتالیس ہوں تو ان کا تم پر کچھ نہیں[7] اور گایوں میں ہر تیس میں ایک سالہ بچہ ہے[8] اور چالیس میں دو سالہ بچہ اور کام کاج کے جانوروں میں کچھ نہیں[9]

[1] گھوڑے سے مراد سواری کا گھوڑا اور غلام سے خدمت کا غلام مراد ہے یہاں گھوڑا اور غلام مثالًا بیان فرمایا گیا ورنہ حاجت اصلیہ میں گھرے ہوئے کسی مال کی زکوۃ نہیں یعنی میں نے ان چیزوں کی زکوۃ معاف کردی یہاں مرقات میں

ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ کے مالک ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے معاف کردی یعنی اگر چاہتا تو ان سب کی زکوۃ واجب کردیتا۔

۲؎حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہے جس سے کم میں زکوۃ واجب نہیں،پھر دوسو کے بعد انتالیس درہم تک معافی چالیس پر ایک درہم اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ چاندی سونے کی زکوۃ میں دو نصابوں کے درمیان نصاب کے پانچ حصہ سے کم معاف رہتا ہے اور پانچویں حصہ پر زکوۃ بڑھتی ہے۔چنانچہ ساڑھے سات تولہ سونے کے بعد ڈیڑھ تولہ سے کم میں معافی ہوگی اور ڈیڑھ تولہ پر زکوۃ بڑھے گی،چاندی میں ساڑھے باون تولہ کے بعد سوا دس تولہ تک معافی اور ساڑھے دس تولہ پر زکوۃ بڑھے گی۔

۳؎ان کا نام حارث ابن عبداللہ ہمدانی ہے،کنیت ابو زہیر ہے،تابعی ہیں۔مشہور یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں،بعض محدثین نے آپ میں جرح کی ہے،آپ نے حضرت علی سے کل چار حدیثیں روایت کی ہیں۔(مرقات وغیرہ)

۴؎یعنی زہیر جو راوئ حدیث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں بلکہ گمان ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں،حضرت علی کا خود اپنا قول نہیں ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

۵؎اس کی شرح ابھی گزر چکی۔خیال رہے کہ چاندی کی زکوۃ میں سکہ رائج الوقت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن ملحوظ ہے مگر تجارتی سامان کی زکوۃ میں سکہ رائج الوقت معتبر ہے کیونکہ چاندی میں خود اس پر زکوۃ ہے مگر تجارتی مال میں اس کی قیمت پر ہے لہذا دو سو درہم کا لفظ بہت وسیع ہے،چوری کی سزا میں بھی مسروقہ مال کی قیمت کا اعتبار ہے۔(مرقاۃ)اس حدیث کی بنا پر صاحبین فرماتے ہیں کہ دوسو درہم کے بعد ہر درہم پر زکوۃ واجب ہے کیونکہ **مَازَادَ** عام ہے مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ چالیس درہم سے کم میں زکوۃ نہیں،یہاں **مَازَادَ** سے مراد چالیس درہم ہیں جیسا کہ اوپر کے جملہ سے معلوم ہوا اور دوسری احادیث نے اس کی تصریح فرمادی،نیز ابوداؤد کی اس دوسری حدیث کی اسناد میں حارث وعاصم ہیں ان دونوں پر محدثین نے سخت جرح کی ہے لہذا یہ حدیث قابل سند نہیں۔غرضکہ **فمازادفعلی حساب ذالك** کی عبارت مجروح ہے لہذا حق یہ ہی ہے کہ دوسو درہم کے بعد چالیس درہم سے کم پر زکوۃ نہ ہوگی۔

۶؎یہ جملہ بھی تمام احادیث صحیحہ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتاہے کہ ہر چالیس بکریوں سے ایک بکری زکوۃ دی جائے تو ایک سوبیس میں تین بکریاں واجب ہوں،حالانکہ چالیس کے بعد ایک سو بیس تک زکوۃ نہیں بڑھتی۔مرقات نے فرمایا کہ لفظ **کُلُ** زائد ہے،بعض نے فرمایا کہ یہ **کُلُ** افرادی نہیں بلکہ بیان صنف کے لیے ہے یعنی بکری،بھیڑ دنبہ وغیرہ ان تمام میں چالیس پر زکوۃ ہے لہذا یہ آئندہ حدیث کے بھی خلاف نہیں اور دیگر احادیث کے بھی مخالف نہیں۔

۷؎اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے۔خیال رہے کہ بکریوں کی زکوۃ میں بکری کا چھوٹا بچہ نہ دیا جائے گا بلکہ جوان بکری یا بکرا جسے بکری کہہ سکیں مگر اس میں اونٹ و گائے کی طرح عمر مقرر نہیں کہ اتنے سال یا اتنے ماہ کی بکری۔

۸؎یعنی تیس گائیوں میں یکسالہ بچھڑی یا بچھڑا واجب ہے۔یکسالہ بچھڑے کو تبیعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت بچہ اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے،اونٹ کی زکوۃ میں صرف مادہ ہی وصول کی جاتی ہے مگر گائے کی زکوۃ میں فرمایا وہ دونوں لیے جاسکتے ہیں کیونکہ بعض لحاظ سے مادہ اچھی ہے کہ نسل دیتی ہے اور بعض وجوہ سے نر اچھا کہ کھیتی باڑی میں کام آتا ہے۔

۹؎اسی طرح اگر اونٹ کام کاج کے لیے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں پھر علوفہ یعنی گھر چارہ کھانے والی میں زکوۃ نہیں۔

روایت ہے حضرت معاذ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن میں بھیجا۱؎ تو حکم دیا کہ گائے میں ہر تیس سے ایک سالہ نر یا مادہ وصول کریں اور ہر چالیس سے دو سالہ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،دارمی)	

۱؎وہاں کا حاکم بناکر،چونکہ اس زمانہ میں اسلامی حکام لوگوں کے ظاہری مال یعنی جانوروں اور زمینوں کی زکوۃ بھی وصول کرتے تھے جو بعد میں اپنے مصرف پر بہت احتیاط سے خرچ کردی جاتی تھی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ تلقین فرمائی۔

۲؎ **بقر** کے معنی ہیں چیرنا پھاڑنا،چونکہ بیل زمین میں ہل چلاتے ہیں جن سے زمین چر جاتی ہے اس لیے اسے **بقر** کہتے ہیں،**بقرہ** میں تاتانیث کی نہیں،وحدۃ نوعی یا صنفی کی ہے لہذا یہ لفظ بیل پر بولا جاتا ہے،چونکہ عرب میں بھینس نہیں ہوتی اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا ورنہ بھینس کی زکوۃ بھی گائے کی طرح ہے۔خلاصہ یہ کہ گائے بھینس کا نصاب تیس ہے تیس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی واجب ہے،پھر چالیس تک زکوۃ نہ بڑھے گی اور چالیس میں دوسالہ بچھڑا یا بچھڑی واجب،ساٹھ میں دو تبیعے اور ستر میں ایک تبیعہ اور ایک مسنہ۔غرضکہ ہر تیس پر تبیعہ واجب ہوتا رہے گا(یکسالہ)اور ہر چالیس پر مسنہ(دو سالہ)چالیس کے بعد ساٹھ سے کم میں بہت اختلاف ہے،صاحبین کے ہاں اس زیادتی سے زکوۃ نہ بڑھے گی،امام اعظم سے اس میں تین روایتیں ہیں۔اس کی تحقیق ہدایہ کی شرح میں دیکھو،یہ حدیث اگرچہ منقطع ہے کیونکہ اس میں مسروق نے حضرت معاذ سے روایت کی مگر انہوں نے معاذ سے ملاقات نہیں کی لیکن چونکہ بہت احادیث سے اسے تقویت پہنچ چکی ہے اس لیے قابل عمل ہے اسی لیے ترمذی نے اسے احسن فرمایا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زکوۃ میں حد سے تجاوز کرنے والا زکوۃ نہ دینے والے کی طرح ہے۱؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎اس حدیث کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو عامل زکوۃ وصول کرنے میں زیادتی کرے کہ یا زیادہ لے یا بہترین مال لے وہ ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوۃ نہ دینے والا یا جو مالک زکوۃ دینے میں زیادتی کرے کہ یا تو کم دینے کی کوشش کرے یا ناقص یا ٹال مٹول کرے وہ ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوۃ نہ دینے والا۔علماء فرماتے ہیں کہ زکوۃ خوشدلی سے دو،اسے عبادت سمجھو ٹیکس نہ سمجھو،مستحق کو دو،جان بوجھ کر غیر مستحق کو نہ دو،دے کر احسان نہ جتاؤ،اگر اپنے عزیز فقیر کو دی ہے تو اسے طعنہ نہ دو بلکہ اس کاذکر کبھی بھی نہ کرو کہ ان سے صدقہ باطل ہوجاتاہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تُبْطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالْمَنِّ وَ الۡاَذٰی"۔اور یہ سب حد سے بڑھنے میں داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانوں اور کھجوروں میں زکوۃ نہیں	

حتی کہ پانچ وسق کو پہنچیں۱(نسائی)	

۱؎ اس حدیث کی مکمل شرح بھی کچھ پہلے ہوچکی کہ امام اعظم کے ہاں یہاں زکوۃ سے زکوۃ تجارت مراد ہے،چونکہ اس زمانہ میں ایک وسق یعنی ساٹھ صاع چالیس درہم کا ہوتا تھا اور پانچ وسق دوسو درہم کے اس لیے پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہ تھی،زکوۃ پیداوار مراد نہیں کہ یہ تو ہر تھوڑے زیادہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت موسیٰ ابن طلحہ سے۱ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت معاذ ابن جبل کی کتاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے فرمایا کہ انہیں حضور نے یہ حکم دیا کہ وہ گیہوں،جو کشمش،کھجور سے زکوۃ لیں۲(شرح سنہ)	

۱؎ آپ کا نام موسیٰ ابن طلحہ ابن عبداللہ ہے،تمیمی ہیں،قرشی ہیں،تابعی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا تو ہوئے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرسکے،آپ کا نام موسیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھا،آپ کے والد طلحہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۲؎ یہ حدیث ظاہری معنے سے امام اعظم کی دلیل ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں ان چیزوں کا وزن مقرر نہ کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار میں مطلقًا زکوۃ واجب ہے کم ہو یا زیادہ۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ فرمارہے ہیں ہمارے پاس معاذ ابن جبل کی ہی مضمون کی کتاب بھی ہے اور ہمیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر بھی پہنچی ہے۔اس صورت میں یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ تابعی نے بغیر ذکر صحابی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کردی،اسی معنے کی بنا پر مصنف نے اسے مرسل فرمایا اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ کی وہ کتاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو حضرت معاذ نے لکھ لیا تھا،اس صورت میں یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ متصل ہے۔

روایت ہے حضرت عتاب ابن اسید سے۱ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی زکوۃ کے بارے میں فرمایا کہ اس کا یوں ہی اندازہ لگایا جائے جیسے کھجور کا لگایا جاسکتا ہے پھر اس کی کشمش سے یوں ہی زکوۃ دی جائے جیسے کھجور سے چھوہاروں کی دی جاتی ہے۲(ترمذی و ابوداؤد)	

۱؎ آپ قرشی ہیں،اموی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا حاکم بنایا،صدیق اکبر نے اپنی خلافت میں آپ کو اس عہدہ پر بحال رکھا،صدیق اکبر کی وفات کے دن آپ کی مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی،وہیں دفن ہوئے،کل پچیس سال عمر پائی،بڑے صالح متقی تھے۔

۲؎حدیث بالکل ظاہر ہے کہ انگور کے باغ کا مالک سارے انگور توڑ کر وزن کرکے زکوۃ نہ نکالے بلکہ پہلے تو یہ اندازہ لگائے کہ کل پھل کتنا ہوگا،پھر یہ کہ کشمش ہوکر کتنا رہے گا اس کا دسواں یا بیسواں حصہ زکوۃ نکالے،چونکہ خیبر پہلے ۷ ہجری میں فتح ہوچکا تھا جہاں کھجور کے باغات ہیں وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن رواحہ کو اندازہ لگانے کے لیے بھیجاتھا اور طائف بعد میں فتح ہوا جہاں انگور کے باغات بکثرت تھےاس لیے حضور انور نے انگور کی زکوۃ کو کھجور کی زکوۃ سے تشبیہ دی۔(ازمرقات)

روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جب تم اندازہ لگاؤ تو تہائی چھوڑ دو اگر تہائی نہ چھوڑو تو چوتھائی تو ضرور چھوڑ دو۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یہ حکام کو حکم ہے یعنی اے حاکمو!جب تم باغوں یا کھیتوں میں زکوۃ لینے جاؤ تو خود بھی اور دوسرے واقف کاروں کی مدد سے بھی اندازہ لگاؤ کہ اس میں کل پھل یا دانہ کتنا ہے،اس کی زکوۃ کا حساب لگاؤ اور تہائی یا چوتھائی زکوۃ چھوڑ دو تاکہ وہ مالک خود اپنے ہاتھ سے اپنے غریب قرابت داروں وغیرہ کو دے اور دو تہائی یا تین چوتھائی خود لے آؤ۔خیال رہے کہ امام شافعی و ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ حکم خراج میں ہے زکوۃ پوری عامل وصول کرے گا،ان کے ہاں یہ حکم خیبر کے حکام کو تھا جو خیبر کے یہودیوں سے پیداوار کا نصف وصول کرنے جاتے تھے کیونکہ ان لوگوں سے اس پر صلح ہوئی تھی کہ پیداوار کا آدھا تمہارا ہوگا اور آدھامسلمانوں کا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروئے کرم حکم دیا کہ اپنے اندازے سے کچھ کم کرکے اس کا آدھا لوتاکہ ہماری طرف ان کا حق نہ آجائے ہمارا ان کی طرف رہ جائے تو حرج نہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو۱؎ یہود(خیبر)کی طرف بھیجتے تھے تو وہ کھجوروں کا اندازہ لگاتے تھے پکنے کے وقت کھائے جانے سے پہلے۲؎ (ابوداؤد)۳؎	

۱؎آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ مشہور صحابی ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہیں،غزوہ موتی میں شہید ہوئے،آپ کے ذمہ وہ خدمت تھی جو آگے آرہی ہے۔

۲؎گزشتہ حدیث میں عرض کیا گیا کہ یہودخیبر سے اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ کھجوروں کے باغات مسلمانوں کے ہوں گےاور محنت ان یہود کی،پیداوار آدھی آدھی،حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھل پکنے کے وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو اندازہ لگانے کے لیے خیبر بھیجتے تھے کیونکہ وہ اندازہ لگانے میں ماہر تھے۔چنانچہ آپ ان یہود سے فرمادیا کرتے تھے کہ اس باغ میں اتنے پھل ہیں تم یا اس کے آدھے پھل ہم سے لے لو اور باغ ہمیں چھوڑ دو یا آدھے پھل

ہمیں دے دو اور باغ تمہارا اس فیصلہ پر یہود بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ وہ عدل ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہیں،مسلمانوں کے عدل و انصاف کے کفار بھی قائل تھے۔

۳؎یہ حدیث ابوداؤد میں دو جگہ آئی ہے کتاب الزکوۃ میں اور کتاب البیوع میں،پہلی کی اسناد میں ایک مجہول شخص ہے،دوسری کی اسناد میں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے،تمام راوی ثقہ ہیں لہذا یہ حدیث حسن لغیرہٖ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے بارے میں کہ ہر دس مشک میں ایک مشک ہے۱؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ اس کی اسناد میں کلام ہے اور اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ منقول نہیں۲؎	

۱؎شہد کی زکوۃ کا مسئلہ بڑے معرکہ کا ہے،تین اماموں کے ہاں اس میں زکوۃ نہیں،امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں زکوۃ ہے،پھر اس کے نصاب کے بارے میں خود امام صاحب سے کئی روایتیں ہیں:ایک یہ کہ اگر شہد عشری زمین سے حاصل ہوا تو اس میں مطلقًا زکوۃ ہے تھوڑا ہو یا زیادہ کیونکہ سرکار فرماتے ہیں"مَآ اَخْرَجَتْهُ الْاَرْضُ فَفِيْهُ الْعُشْرُ"اور ایک روایت میں یہ ہے کہ شہد کی قیمت پر زکوۃ ہے،ایک روایت یہ ہے کہ اگر دس مشکیزے ہوں تو ایک مشکیزہ اس کی زکوۃ،یہ حدیث اس تیسرے قول کی دلیل ہے امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا۔

۲؎یعنی محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔خیال رہے کہ محدثین کی یہ جرح امام اعظم کو مضر نہیں کیونکہ یہ حدیث امام صاحب کو صحیح ملی تھی اس لیے کہ آپ کا زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہے،ان محدثین کو ضعیف ہوکر ملی،بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہ ہوگا،نیز یہ حدیث بہت روایتوں سے مروی ہے۔چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد سے عشر وصول فرمایا ہے،بعض احادیث میں یوں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شہد کا عشر لیا جاتا تھا،ہدایہ نے حدیث یوں نقل کی کہ بنی شبابہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو شہد کا عشر دیتے تھے،تعدد اسناد کی وجہ سے متن حدیث قوی ہوگیا۔

روایت ہے حضرت زینب زوجہ عبداللہ(ابن مسعود) سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کیا فرمایا کہ اے بیبیو خیرات دو اگرچہ اپنے زیور ہی سے ہو کیونکہ قیامت میں تم زیادہ دوزخی ہوگی۱؎(ترمذی)۲؎	

۱؎ یعنی پہننے کے سونے چاندی کے زیور میں بھی زکوۃ واجب ہے،یہاں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جیساکہ اگلی حدیث میں صاف آرہا ہے۔خیال رہے کہ پہننے کے ان زیوروں پر امام اعظم کے ہاں زکوۃ واجب ہے،امام شافعی کے قول جدید میں اور امام احمد کے ہاں اس میں زکوۃ نہیں،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے اس کا کچھ ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہے اور اس کے راوی سارے قوی،نیز اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے"وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ وَالۡفِضَّۃَ"الایہ۔رب تعالٰی نے سونے چاندی میں تجارت کی قید نہ لگائی۔معلوم ہوا کہ پہننے کا زیور بھی اسی حکم میں داخل ہے لہذا سونے چاندی کے استعمالی زیور پر زکوۃ فرض ہے جب کہ ان کا وزن نصاب کو پہنچ جائے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن(کڑے)تھے ان سے حضور انور نے فرمایا کہ تم ان کی زکوۃ دیتی ہو ۱؎ وہ بولیں نہیں تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے ۲؎ وہ بولیں نہیں فرمایا تو ان کی زکوۃ دیا کرو(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث مثنی ابن صباح نے روایت کی عمرو ابن شعیب سے اس کی مثل اور مثنی ابن صباح اور ابن لہیعہ حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ۳؎	

۱؎ یہ سونے چاندی کے کنگن پہننے کے لیے تھے،تجارتی نہ تھے،وزنی تھے کہ ساڑھے سات تولہ ان کا وزن تھااس لیے ان بیبیوں سے پوچھا گیا،یہ سوال فرمانا آئندہ حکم کی تمہید ہے جیسے رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے،کیوں پوچھا؟آئندہ کلام کی تمہید کے لیے لہذا اس سوال سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت نہیں ہوسکتی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کے ہر ایک عمل سے خبردار ہیں،دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے کس امتی کے اعمال آسمان کے تاروں کے برابر ہیں تو فرمایا عمر فاروق کے،رضی اللہ تعالٰی عنہ۔معلوم ہوا کہ ہر امتی کے اعمال بلکہ ان کے ٹوٹل کی بھی خبر ہے۔

۲؎ اس وعید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں زکوۃ سے مراد شرعی فرضی زکوۃ ہے نہ کہ نفلی صدقہ کیونکہ نفل ادا نہ کرنے پر سزا یا وعید نہیں ہوتی۔

۳؎ شاید امام ترمذی کو یہ حدیث صحیح ہو کر نہ ملی تو وہ اپنے علم کی بنا پر یہ فرما گئے ورنہ اصل حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔چنانچہ ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ بلکہ خود ترمذی نے بھی حضرت علی سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاندی کی زکوۃ ہر چالیس درہم سے ایک درہم ادا کرو،نیز ابوداؤدونسائی نے روایت کی کہ ایک عورت اپنی لڑکی کو لےکر حاضر بارگاہ نبوی ہوئی جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے تو فرمایا کہ کیا ان کی زکوۃ دیتی ہو

عرض کیا نہیں فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ کل تم کو دوزخ میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں تو اس نے فورًا کنگن اتار کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینک دیئے اور بولی یہ اللہ رسول کے لیے صدقہ ہیں یہ حدیث بالکل صحیح الاسناد ہے،نیز ابوداؤد نے عبداللہ ابن شداد ابن الہاد سے روایت کی کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں ہاتھوں میں کنگن پہنے بیٹھی تھی تو فرمایا اے عائشہ کیا ان کی زکوۃ دیتی ہومیں بولی نہیں تو فرمایا دوزخ میں جانے کے لیے یہ کافی ہیں،اسے حاکم نے بھی نقل فرمایا اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔غرضکہ زیور پر زکوۃ واجب ہونے کی صحیح احادیث بہت ہیں اور قرآنی آیات سے ان کی تائید ہے،اگلی حدیث بھی آرہی ہے۔(فتح القدیر،مرقات)خیال رہے کہ ابن لہیعہ کو امام ترمذی نے ضعیف کہا مگر امام طحاوی نے ان کی توثیق کی ہے،امام اعظم کا مذہب نہایت قوی ہے اور استعمالی زیوروں پر زکوۃ فرض ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں سونے کے کنگن پہنا کرتی تھی میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی خزانہ کرنا ہے[1] فرمایا جو وجوب زکوۃ کی حد کو پہنچے تو تم اس کی زکوۃ دیتی رہو تو خزانہ نہیں [2](مالک وابوداؤد)	

[1] خزانہ سے مراد وہ خزانہ ہے جس کی برائی قرآن کریم میں ہے"وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَالۡفِضَّۃَ"الایہ۔سوال یہ فرما رہی ہیں کہ اس سونے کی تجارت تو کرنا نہیں ہے صرف پہننے کے لیے ہے تو کیا یہ بھی اس آیت کریمہ کی زد میں آیا ہے،وہ سمجھی یہ تھیں کہ جیسے پہننے کے کپڑوں میں زکوۃ نہیں تو ہوسکتا ہے کہ پہننے کے زیور میں بھی نہ ہو،انہیں یہ خیال نہ رہا کہ کپڑا ضروریات زندگی کی چیز ہے زیور ایسا نہیں۔

[2] اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ استعمالی زیور پر زکوۃ ہے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔میرک نے فرمایا کہ اس کے راوی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں،اسے حاکم اور ابن قطان نے بھی نقل فرمایا ابن قطان نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔(مرقاۃ)مطلب یہ ہے کہ اگر زیور کی زکوۃ نہ دی جائے تو یہ بھی کنز میں داخل ہے جس پر قرآن کریم میں سخت وعید آئی اگر زکوۃ دی جائے تو کنز نہیں۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ اس مال کی زکوۃ دیں جو تجارت کے لیے رکھتے ہیں[1](ابوداؤد)	

[1] یعنی سونے چاندی میں تو بہرحال زکوۃ ہے تجارت کے لیے ہو یا پہننے کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے مگران دونوں کے علاوہ دوسرے مالوں میں زکوۃ جب ہوگی کہ تجارت کے لیے ہوں اس قاعدہ کلیہ میں تمام مال داخل ہیں حتی کہ کپڑے،زمین،غلہ،جانور بھی۔خیال رہے کہ جانوروں میں سائمہ کی زکوۃ اور ہے تجارتی کی زکوۃ کچھ اور،سائمہ کی زکوۃ تو وہ

ہے جو پہلے ذکر ہوئی کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری،دس میں دوالخ،مگر تجارتی اونٹ میں قیمت اگر دو سو درہم تک پہنچے تو چالیسواں حصہ،اسی طرح پیداوار کی زکوۃ اور ہے مگر دانہ،پھلوں کی زکوۃ کچھ اور۔پیداوار کی زکوۃ بیان ہوچکی کہ تھوڑی یا بہت زکوۃ واجب ہے دسواں یا بیسواں حصہ مگر ان کی تجارتی زکوۃ چالیسواں حصہ ہوئی جب کہ دوسو درہم کو پہنچیں لہٰذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں کہ یہاں تجارتی زکوۃ مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن سے وہ چند راویوں سے راوی[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال ابن حارث مزنی کو [2] قبیلہ کی کانیں جاگیر دیں[3] قبیلہ مقام فرع کے اطراف میں واقع ہے تو ان کانوں سے آج تک زکوۃ کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا ہے[4](ابوداؤد)

[1] یعنی حضرت ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن نے جو بڑے مشہور تابعی ہیں جن کا لقب ربیعہ رائے ہے بہت سے صحابہ سے یہ حدیث نقل فرمائی۔

[2] بلال ابن حارث صحابی ہیں،مزنیہ کے وفد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اسلام لائے،اسی۸۰ سال عمر پائی،۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

[3] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بلال کو مقام فرع کے پاس جو مکہ و مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے مدینہ منورہ سے پانچ منزل پر ہے وہاں نمک کی کانیں تھیں عطافرمائیں بطریق معافی جاگیر کہ وہاں سے سونا چاندی نکالیں اور اپنا گزارہ کریں،قبیل بھی ایک جگہ کا نام ہے۔معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام کسی کو کوئی زمین بطور جاگیر دے سکتا ہے۔

[4] یعنی کان سے نکلنے والی دھات میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے(خمس) مگر ان کانوں کے سونے چاندی میں خمس واجب نہیں ہوا بلکہ زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ واجب ہوا۔خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں جاگیر کی کان سے جو برآمد ہو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خمس ہی واجب ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے،حضرت امام اعظم کی دلیل وہ گزشتہ حدیث کہ "**وفی الرکاز الخمس**"یہ حدیث منقطع ہے لہٰذا اس سے دلیل نہیں پکڑ ی جاسکتی۔(مرقات)یا یہ حضرت بلال کی خصوصیات میں سے ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت علی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو سبزیوں میں زکوۃ[1] ہےاور نہ عرایا(عاریۃً) میں[2] اور نہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ [3]

	ہے نہ کام کاج کے جانور میں زکوۃ ہے۴؎ اور نہ پیشانیوں میں،امام صقر نے فرمایا کہ پیشانی سے مراد گھوڑے اور خچر اور غلام ہیں۵؎(دارقطنی)

۱؎امام اعظم کے نزدیک سبزیوں میں عشر یا بیسواں حصہ ہے،صاحبین کے ہاں نہیں،یہ حدیث صاحبین کی دلیل ہے،امام اعظم قدس سرہ کے ہاں اس سے زکوۃ تجارت مراد ہے،اس کی بحث پہلے ہوچکی۔سبزیوں سے مراد تمام نہ ٹھہرنے والی چیزیں ہیں جیسے ترکاریاں،پھول،بینگن،کدو وغیرہ۔

۲؎عرایا یا عریہ کی جمع ہے۔عریہ وہ درخت ہے جوکسی کو ایک دو فصلوں کے لیے عاریۃً دے دیا جاوے کہ وہ اس کے پھل کھایا کرے،اصل درخت مالک کا ہو،کبھی کسی سے خشک کھجوریں لےکر اس کے عوض درخت کی کھجوریں دے دیتے ہیں اسے بھی عریہ کہا جاتاہے۔اس کی پوری بحث کتاب البیوع میں ہوگی ان شاءاللہ۔

۳؎ اس کی بحث پہلے ہو چکی کہ امام اعظم کے نزدیک یہاں زکوۃ سے تجارتی زکوۃ مراد ہے،چونکہ اس زمانہ میں ایک وسق چالیس درہم کا ہوتا تھا تو پانچ وسق دوسو درہم کے ہوئے اس لیے یہ ارشاد ہوا ورنہ پیداوار کی زکوۃ ہر تھوڑی بہت پر ہوگی۔دلائل اسی باب میں ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے۔

۴؎یعنی کام کاج کے اونٹ گایوں وغیرہ میں زکوۃ نہیں کیونکہ یہ تجارتی مال نہیں اسی طرح علوفہ یعنی گھر کا چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوۃ واجب نہیں،یہ مسئلہ بھی پہلے گزر چکا۔

۵؎کہ جب یہ تجارت کے لیے نہ ہوں خدمت کے لیے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں،ہاں اس غلام کا فطرہ آقا پر واجب ہوگا۔

	روایت ہے حضرت طاؤس سے کہ حضرت معاذ ابن جبل کے پاس نصاب سے کم گائیں لائیں گئیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہیں دیا۱؎ (دارقطنی،شافعی)اور امام شافعی نے فرمایا کہ وقص وہ عدد ہے کہ نصاب کو نہ پہنچے ۲؎

۱؎کیونکہ وجوب زکوۃ کے لیے مال کا بقدر نصاب ہونا شرط ہے اونٹ کا نصاب پانچ ہے،گائے کا تیس،بکریوں کا چالیس،اس کا پہلے ذکر ہوچکا۔

۲؎اول ہی سے نصاب کو نہ پہنچے وہ بھی وقص ہے اور دو نصابوں کے درمیان کی کسر بھی وقص ہے،یہاں پہلی صورت مراد ہے کیونکہ انہوں نے اس کی بالکل زکوۃ نہ لی۔(مرقات و اشعہ وغیرہ)

باب صدقۃ الفطر

صدقہ فطر کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] فطرہ یا افطار سے ہے یا فطرۃ سے،چونکہ یہ ماہ رمضان گزر جانے اور عید کے دن افطار کرنے پر واجب ہوتا ہے اس لیے فطرہ کہاجاتاہے یا بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی طرف سے باپ پر ادا کرنا واجب ہوجاتاہے لہذا فطرہ ہے۔اصطلاح شریعت میں عید کے دن جو مالدار پر رمضان کا صدقہ واجب ہوتا ہے وہ فطرہ ہے۔احناف کے ہاں فطرہ واجب ہے،امام شافعی و احمد کے ہاں فرض،امام مالک کے ہاں سنت مؤکدہ،امام شافعی کے ہاں ہر اس امیروغریب پر جو ایک دن کی روٹی پر قادر ہو فطرہ فرض ہے،امام مالک کے ہاں نصاب پر فطرہ سنت مؤکدہ ہے نصاب نامی یعنی بڑھنے والا ہو یا نہ ہو۔نصاب میں احناف کا مذہب بھی یہ ہے۔فطرہ کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع [1] جو ہر غلام،آزاد،مرد،عورت چھوٹے اور بڑے مسلمان پر [2] مقرر فرمایا [3] اور حکم دیا کہ لوگوں کے عید گاہ جانے سے پہلے ادا کردیا جائے [4] (مسلم،بخاری)

[1] صاع عرب شریف کا مشہور پیمانہ ہے(ٹوپا)جس سے دانے ماپ کر فروخت ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں ہر علاقہ کا سیر مختلف ہے،ایسے ہی عراق،حجاز اور یمن کے صاع بھی مختلف ہیں،فطرہ میں حجازی صاع جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروج تھا معتبر ہے۔تحقیق یہ ہے کہ وہ صاع تین سوا اکیاون [351] روپیہ بھر ہے یعنی ہمارے پاکستانی اسی [80] روپیہ کے سیر کے چار سیر،ڈیڑھ پاؤ ایک تولہ لہذا اگر فطرہ میں جَو دے تو ایک شخص کی طرف سے اتنے دے اور اگرگیہوں دے تو آدھا صاع یعنی دو سیر تین چھٹانک چھ ماشہ۔اس کی تحقیق فتاویٰ رضویہ شریف میں ملاحظہ کریں۔

[2] خیال رہے کہ صدقہ فطر ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے کہ ایک بدنی عبادت روزے کی تکمیل کے لیے ہے اسی لیے غلام پر بھی واجب ہوا جیسے نماز روزہ اور دوسرے لحاظ سے مالی عبادت ہے کہ وہ مال سے ادا ہوتا ہے اس لیے غلام کا فطرہ اس کے مولیٰ پر واجب ہوانہ کوخودغلام پر،تیسری حیثیت سے یہ مالی ٹیکس کی حیثیت رکھتاہے جیسے پیداوار کاخراج اس لیے نابالغ بچے پر بھی واجب ہوامگر بچے کا فطرہ باپ دے گا،ہاں اگر بچہ خود غنی ہو تو اس کے اپنے مال سے دیا جائے گالہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب بچے پر روزہ،نماز،زکوۃ فرض نہیں تو فطرہ کیوں واجب ہوا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

وجوب فطرہ کا سبب بدنی علم ہے نہ کہ مال،مسلم مال تو وجوب فطرہ کی شرط ہے کیونکہ اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ کی طرف نسبت دی۔

۳؎ اس حدیث سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے دو مسئلے ثابت فرمائے ہیں:ایک یہ کہ فطرہ فرض ہے کیونکہ یہاں لفظ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔دوسرے یہ کہ ہر امیروغریب پر فرض ہے جس کے پاس ایک دن کے کھانے سے بچا ہوا ہو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں غنی کی قید نہ لگائی۔امام اعظم ابوحنیفہ پہلے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں فرض لغوی معنے میں ہے یعنی مقرر فرمائی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَیۡہِمۡ فِیۡۤ اَزۡوٰجِہِمۡ"۔اور اگر شرعی فرض ہی مراد ہو یعنی لازم کردینا تب بھی حدیث ظنی ہےاور فرضیت کے لیے دلیل قطعی چاہیئے،لہذا اس فرض سے وجوب ثابت ہوگا نہ کہ فرضیت اور دوسرے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس اطلاق سے تو یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہےکیونکہ یہاں ایک دن کی روٹی ہے زائد ملکیت کا بھی ذکر نہیں چاہیے کہ ہر آزاد و غلام پر فطرہ واجب ہو حتی کہ فقیر بے نوا بے دست و پا بھیک مانگ کر فطرہ دے،پھر لطف یہ ہے کہ جب ہر فقیر پر فطرہ دینا فرض ہوا تو فطرہ لے گا کون،امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بخاری نے تعلیقًا بخاری شریف میں نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"لاصدقۃ الا عن ظھر غنی"صدقہ تونگری سے واجب ہوتا ہے اب تونگری کی کوئی حد ہونا چاہیے وہ نصاب کی ملکیت ہے۔

۴؎ یہ حکم استحبابی ہے۔بہتر یہ ہے کہ فطرہ عید کے دن نکالے اور عید گاہ جانے سے پہلے دے،اگر نماز عید کے بعد دیا تب بھی جائز ہے اور اگر عید سے ایک دو دن پہلے دے دیا جب بھی درست ہے۔چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر کی ایک دراز روایت نقل کی جس کے آخر میں"وکانوا یعطون قبل الفطر بیوم اویومین"یعنی صحابہ عید سے ایک دو دن پہلے فطرہ دے دیتے تھے مگر عید کے دن نماز سے پہلے دینا بہتر ہے تاکہ فقراء بھی عید منالیں۔(ازمرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم صدقہ فطر ایک صاع غلہ۱؎ یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش نکالتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حق یہ ہے کہ یہاں طعام سے مراد گندم کے علاوہ دوسرا غلہ ہے جوار،باجرہ،مکئی وغیرہ کیونکہ گندم کا آدھا صاع فطرہ ہوتا ہےنہ کہ پورا صاع اور اگر گندم مراد ہو تو آدھا صاع فطرہ ہوگا اور آدھا صدقہ نفلی لہذا یہ حدیث نصف صاع گندم کی احادیث کے خلاف نہیں۔شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ اس زمانہ میں حجاز میں جوار کا زیادہ استعمال تھا۔

۲؎ یہ اَوْ اختیار دینے کے لیے ہے جس سے معلوم ہوتاہے کہ دینے والے کوا ختیار ہے کہ فطرہ ان میں سے کسی چیز سے دے لیکن اگر پیسے یا کپڑا یا صابن وغیرہ فطرہ میں دے تو سوا دو سیر گندم کی قیمت کا اعتبار کرے،اس قیمت کی یہ چیزیں دے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ نے رمضان کے آخر میں فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو یہ صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم فرمایا ہے ایک صاع کھجور یا جو یا آدھا صاع گندم ۱؎ ہر آزاد یا غلام مرد یا عورت چھوٹے یا بڑے پر ہے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ عید کے دن سے پہلے میں فطرہ دے سکتے ہیں،دیکھو حضرت ابن عباس نے آخر رمضان میں ہی فطرہ نکالنے کا حکم دیا۔دوسرے یہ کہ گندم کا آدھا صاع فطرہ میں دیا جائے نہ کہ پورالہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔

۲؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ مملوک غلام کا فطرہ مولیٰ دے گا غلام مسلمان ہو یا کافر،اسی طرح چھوٹے بچے کا فطرہ باپ پر ہےاگر بچے کے پاس اپنا مال نہ ہوورنہ خود بچے کے مال سے دیا جائے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطرہ لازم فرمایا روزوں کو بے ہودگی اور فحش سے پاک کرنے اور مسکینوں کو کھانا دینے کے لیے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی فطرہ واجب کرنے میں دو حکمتیں ہیں:ایک تو روزہ دار کے روزوں کی کوتاہیوں کی معافی اکثر روزے میں غصہ بڑھ جاتا ہے تو بلاوجہ لڑ پڑتا ہے،کبھی جھوٹ،غیبت وغیرہ بھی ہوجاتے ہیں،رب تعالٰی اس فطرے کے برکت سے وہ کوتاہیاں معاف کردے گا کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔دوسرے مساکین کی روزی کا انتظام۔بچوں پر اگرچہ روزے فرض نہیں مگر دوسری حکمت وہاں بھی موجود ہے لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر بچوں پر فطرہ کیوں ہے وہ تو روزہ رکھتے نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں منادی بھیجا ۱؎ کہ خبرار رہو صدقہ	

	فطر واجب ہے ہر مسلمان مرد،عورت،آزاد، غلام،چھوٹے بڑے پر گیہوں وغیرہ سے دومد۲یا اس کے ماسوا غلہ کا ایک صاع۳(ترمذی)

۱؎یہ اعلان فتح مکہ کے بعد ہواکیونکہ اس سے پہلے وہاں اسلامی احکام کے اعلان کی کوئی صورت ہی نہ تھی،چونکہ مدینہ کے مسلمانوں کو ہر وقت صحبت محبوب میسر تھی اس لیے انہیں اس اعلان کی ضرورت نہ تھی،مکہ معظّمہ کے اکثر مسلمان نو مسلم بھی تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے دور بھی اس لیے یہ اعلان کرائے گئے۔

۲؎ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے تو دو مد کا آدھا صاع ہوا یعنی گندم سے فطرہ آدھا صاع فی کس واجب ہے اور **کل مسلم** سے مراد ہر صاحبِ نصاب غنی مسلمان ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ صدقہ غنی کے بغیر واجب نہیں ہوتا اور آزاد و غلام چھوٹے بڑے سے مراد بلاواسطہ اور بالواسطہ ہے یعنی بالغ آزاد غنی تو اپنا فطرہ خود دے اور غنی کے غلام و چھوٹے بچوں کا فطرہ وہ غنی دے لہذا یہ حدیث نہ تو دیگر احادیث کے خلاف ہے نہ احناف کے مخالف۔

۳؎یہاں طعام کو گندم کے مقابل فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ اس سے سواء گندم دوسرے غلے مراد ہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی گویا شرح ہے جہاں فرمایا گیا تھا کہ طعام کا ایک صاع واجب ہے۔خیال رہے کہ فطرہ میں اصل گندم وجو،جوار ہیں،اگر ان کے سواءکسی اور غلہ یا دوسری چیز سے فطرہ دیا گیا تو ان مذکورہ دانوں کی قیمت کا لحاظ ہوگا لہذا چاول باجرہ آدھے صاع گیہوں کی قیمت کے دینے ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ثعلبہ سے یا ثعلبہ ابن عبداللہ ابن ابی صُعیر سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک صاع گندم دوشخصوں کی طرف سے ہے چھوٹے یا بڑے آزاد یا غلام مرد عورت لیکن ۲؎تم میں کے مالدار اللہ اسے تو پاک فرمادے گا اور لیکن تمہارا فقیر اللہ اسے دیئے سے زیادہ دے گا۳؎(ابوداؤد)

۱؎آپ عبداللہ ابن ثعلبہ ابن ابی صعیر ہیں،آپ تابعی ہیں مگر آپ کے والد ثعلبہ صحابی ہیں جن سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،صعیر کی وفات ۸۷ھ یا ۸۹ھ میں ہوئی،قریبًا نوے سال عمر پائی اور عبداللہ ابن ثعلبہ ہجرت سے چار سال پہلے پیدا ہوئے اور ۸۹ھ میں فوت ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے مگر کچھ سماعت ثابت نہیں۔(مرقات)

۲؎یعنی چھوٹے بڑے آزاد غلام سب کا فطرہ یکساں ہے آدھا صاع گندم۔

۳؎اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فقیر پر بھی فطرہ واجب ہے مگر یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ اس کے اسناد میں نعمان ابن راشد ہے جو سخت ضعیف ہے،امام بخاری نے فرمایا کہ یہ وہمی ہے،امام احمد نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں پھر ان راوی کے نام میں بہت گفتگو ہے،عبدالرزاق نے یہ حدیث **بسند صحیح ابن جریج عن ابن شہاب عن**

عبداللہ ابن ثعلبہ روایت کی تو اس میں فقیروغنی کا ذکر نہیں،صرف یہ ہے کہ ایک صاع گندم دو کی طرف سے ادا کرو۔اس کی پوری اور نفیس تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو،نیز اگر ہر فقیر و غنی پر صدقہ فطر دینا واجب ہوجائے تو پھر فطرہ لینے والا کون ہوگا کیونکہ یہ تو اصول اسلام کے خلاف ہے کہ فقیر فطرہ دے بھی اور دوسروں کا فطرہ لے بھی۔

باب من لا تحل لہ الصدقۃ

باب جن لوگوں کے لیے زکوۃ حلال نہیں۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی کن شخصوں کو صدقہ واجبہ،زکوۃ،ہدیہ،فطرہ نہیں دے سکتے۔یہاں چند مسائل خیال میں رکھنے چاہئیں: ایک یہ کہ صدقہ وہ مال ہے جو محض ثواب کے لیے کسی کو دیا جائے اور ہدیہ وہ مال ہے جو کسی کے احترام و رضاء کے لیے اسے دیا جائے،صدقہ میں دوسرے پر رحم ہے اور ہدیہ میں اس کی تعظیم، دوسرے یہ کہ چند شخصوں کو زکوۃ وغیرہ منع ہے:کافر،غنی مسلمان،بنی ہاشم،اپنی اولاد،اپنے اصولی یعنی صدقہ دینے والا جن کی اولاد میں ہے،شوہر یا زوجہ کو۔تیسرے یہ کہ کافر ذمی کو صدقہ واجبہ نہیں دے سکتےصدقہ نفلی دے سکتے ہیں اگرچہ وہ بھی مسلمان فقیر کو دینا بہتر ہے،چونکہ زکوۃ نہ لے سکنے والوں کو بتادینے سے لے سکنے والوں کا پتہ خودبخود لگ جاتا ہےاس لیے نہ لینے والوں کا ذکرکیا کہ یہ تھوڑے ہیں۔چوتھے یہ کہ ہدیہ کی تین قسمیں ہیں: نذرانہ جو چھوٹا بڑے کو دے،عطیہ جو بڑا چھوٹے کو دے،ہدیہ جو برابر والا دے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں ایک کھجور پر سے گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اسے کھالیتا۱ (مسلم،بخاری)	

۱ یعنی خطرہ یہ ہے کہ یہ کھجور زکوۃ کی ہو جو مالک کے ہاتھ سے گر گئی ہو اس لیے ہم اسے نہیں کھاتے،اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو ہم اسے کھالیتے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کی اولاد پر تاقیامت زکوۃ لینا حرام ہے کیونکہ یہ لوگوں کے ہاتھ و مال کا میل ہے ان ستھروں کو کیونکر جائز ہوسکتاہے جیساکہ آگے عرض ہوگا۔دوسرے یہ کہ لقطہ یعنی پڑی ہوئی چیز اگر معمولی ہوجس کی تلاش مالک نہ کرے گا نہ اس کے مالک کو ڈھونا ضروری ہے نہ اس کے سنبھالنے اور اعلان کرنے کی ضرورت ہے بلکہ فورًا اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔لقطہ کی احادیث قیمتی چیز کے متعلق ہیں جن کی مالک تلاش کرے۔تیسرے یہ کہ فتویٰ اور تقویٰ میں فرق ہے فتویٰ محرمات سے بچنے کا ہے مگر تقویٰ یہ ہے کہ شبہات سے بھی بچےمگر شبہ اور وہم میں فرق ہے وہمیات کا اعتبار نہیں۔ولایتی کپڑے کے تھان بازار میں فروخت ہوتے ہیں ان میں شبہ کرنا یہ گندے پانی سے دھوئے گئے ہوں گے تقویٰ نہیں وہم ہے، صحابہ کرام غنیمت میں کفار کے لباس پاتے تھے اور بے تکلف استعمال کرتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کے ہدیے لیے اور استعمال فرمائے۔خیال رہے کہ یہاں تعلیم امت کے لیے یہ ارشادہے کہ متشابہات سے بچو

ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک چیز کی حقیقت و اصلیت سے خبردار ہیں جیساکہ ہم بار ہا اسی شرح میں اور اپنی کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں ثابت کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت حسن ابن علی نے صدقہ کے چھوہاروں میں سے ایک چھوہارا لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخ اخ تاکہ وہ اسے تھوک دیں پھر فرمایا کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم صدقے نہیں کھایا کرتے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس حدیث نے فیصلہ فرمادیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو زکوۃ لینا حرام ہے۔آنَا جمع فرماکرتا قیامت اپنی اولاد کو شامل فرمالیایہ ہی حق ہے اسی پر فتویٰ ہے۔بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ حکم اس زمانہ میں تھا اب سید زکوۃ لے سکتے ہیں یا سید کی زکوۃ سید لے سکتے ہیں یہ تمام مرجوع قول ہیں،فتویٰ اس پر نہیں۔خیال رہے کہ بنی ہاشم سے مراد آل عباس، آل جعفر، آل عقیل،آل حارث ابن مطلب اور آل رسول ہیں،ابولہب کی مسلمان اولاد اگرچہ بنی ہاشم تو ہیں مگر یہ زکوۃ لے سکتے تھے اور لے سکتے ہیں کیونکہ زکوۃ کی حرمت کرامت و عزت کے لیے ہے،ابو لہب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کی کوشش میں رہا اسی لیے وہ اور اس کی اولاد اس عظمت کی مستحق نہ ہوئی۔(از لمعات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی ناسمجھ اولاد کو بھی ناجائز کام نہ کرنے دے،وہ دیکھو حضرت حسن اس وقت بہت ہی کمسن اور ناسمجھ تھے جیساکہ کخ کخ فرمانے سے معلوم ہورہا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی زکوۃ کا چھوہارا نہ کھانے دیا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ ناسمجھ لڑکوں کو سونے چاندی کا زیور پہنانا حرام ہے۔اس مسئلہ کی ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے یہ قاعدہ بہت مفید ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں ۱؎یہ نہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ آپ کی آل کو حلال ۲؎(مسلم)

۱؎اس طرح کہ زکوۃ و فطرہ نکل جانے سے لوگوں کے مال ا ور دل پاک و صاف ہوتے ہیں جیسے میل نکل جانے سے جسم یا کپڑا،رب تعالٰی فرماتاہے:"خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا" لہٰذا یہ مسلمانوں کا دھوون ہے۔

۲؎یہ حدیث ایسی واضح اور صاف ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی یعنی مجھے اور میری اولاد کو زکوۃ لینا اس لیے حرام ہے کہ یہ مال کا میل ہے لوگ ہمارے میل سے ستھرے ہوں ہم کسی کا میل کیوں لیں،اب بعض کا یہ کہنا کہ چونکہ سادات کو خمس نہیں ملتا اس لیے اب وہ زکوۃ لے سکتے ہیں غلط ہے کہ نص کے مقابل چونکہ اور کیونکہ نہیں سنا جاتا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا تو اس کے متعلق پوچھتے کہ آیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو صحابہ سے فرماتے کھالو۱؎ اور خود نہ کھاتے اور اگر عرض کیا جاتا کہ ہدیہ ہے تو ہاتھ شریف بڑھاتے اور ان کے ساتھ کھاتے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ غنی صحابہ اپنے واجب و نفلی صدقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے غرباء میں تقسیم فرمادیں کہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے رب تعالیٰ قبول فرمائے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ وغیرہ فقراءوصحابہ پر تقسیم فرمادیتے تھےاور بعض لوگ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ و نذرانہ لاتے تھے،چونکہ دو قسم کے مال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھےاس لیے اگر لانے والا صاف نہ کہتاتو سرکار خود پوچھ لیتے تھےہدیہ سے خود بھی کھالیتے تھےمگر صدقہ خود استعمال نہ فرماتے تھے۔یہاں صحابہ سے مراد فقراء صحابہ ہیں جو صدقہ واجبہ لے سکتے ہیں حضرت عثمان غنی وغیرہم غنی صحابہ مراد نہیں۔صدقہ و ہدیہ کا فرق اس باب کے شروع میں عرض کیا گیا ہے۔

۲؎ یعنی ہدیہ و نذرانہ کا کھانا خود بھی کھاتے تھے اور موجود صحابہ کو بھی اپنے ہمراہ کھلاتے تھے۔خیال رہے کہ غنی اور سید کو صدقہ نفل لینا جائز ہےوہ صدقہ ان کے لیے ہدیہ بن جاتا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نفل بھی نہ لیتے تھے کیونکہ اس میں صدقہ دینے والا لینے والے پر رحم و کرم کرتا ہے جس کا ثواب اللہ سے چاہتا ہے،سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کے خواستگار ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کون انسان رحم کرتا ہے،ہاں صدقہ جاریہ جیسے کنوئیں کا پانی،مسجد و قبرستان کی زمین اس کا حکم دوسراہے کہ یہ ہر غنی و فقیر بلکہ خود صدقہ کرنے والے واقف کو بھی اس کا استعمال جائز ہےیہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مباح تھا۔(از مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ میں تین شرعی حکم ہوئے۱؎ ایک حکم یہ کہ وہ آزاد کی گئیں تو انہیں اپنے خاوند کے متعلق اختیار دیا گیا۲؎ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ولا آزاد کرنے والے کے لیے ہے۳؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ ہانڈی گوشت سے ابل رہی تھی آپ کی خدمت میں روٹی اور گھر کا کوئی سالن پیش کیا گیا تو فرمایا کہ کیا مجھے گوشت کی ہانڈی نظر نہیں آرہی عرض کیا ہاں لیکن یہ وہ گوشت ہےجو بریرہ پر صدقہ کیا گیا اور حضور آپ صدقہ تو کھاتے نہیں تو فرمایا وہ ان پر

	صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بریرہ رضی اللہ عنھا بروزن کریمہ صحابیہ ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ کی مولاۃ یعنی آزادکردہ لونڈی ہیں،آپ نے حضرت ابن عباس،عروہ ابن زبیر سے احادیث روایت کیں یعنی حضرت بریرہ کے ذریعہ ہم کو تین شرعی مسائل معلوم ہوئے۔

۲؎ حضرت بریرہ کے خاوند کا نام مغیث تھا جو پہلے غلام تھا حضرت بریرہ کے آزاد ہونے کے وقت آزاد ہوچکے تھے،جب آپ آزاد ہوئیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خیار عتق دیا کہ چاہیں نکاح باقی رکھیں یا فسخ کرادیں۔معلوم ہوا کہ لونڈی کو آزادی پر خیار عتق ملتا ہے خاوند غلام ہو یا آزاد۔اس کی پوری بحث ان شاءاللہ **کتاب النکاح** اور **کتاب العتق** میں آئے گی۔

۳؎ حضرت بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھیں جس نے آپ کو مکاتب کردیا تھا کہ اتنا مال دو تو تم آزاد ہو،آپ مال دینے سے عاجز ہوئیں تو حضرت عائشہ صدیقہ سے عرض کیا آپ نے فرمایا تمہارا مال میں دے دیتی ہوں اپنے مالک سے کہو کہ تمہیں میرے ہاتھ فروخت کردے پھر میں تم کو آزاد کردوں گی ان کے مالک نے کہا کہ ہاں ہم فروخت تو کردیں گے مگر اس شرط سے کہ تمہاری ولاء یعنی آزاد کرنے کا حق ہم کو رہے یہ مسئلہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولاء آزاد کرنے والے کو ہے نہ کہ فروخت کرنے والے کو،یہ دوسرا مسئلہ حضرت بریرہ کے ذریعہ معلوم ہوا ولاء کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر آزاد کردہ غلام لاوارث فوت ہوجائے تو میراث مولے کو ملتی ہے اسی طرح اگر مولی لاوارث فوت ہو تو یہ غلام میراث لیتا ہے۔

۴؎ یعنی بریرہ سے کہو کہ اپنے اس گوشت میں سے جو انہیں صدقہ ملا ہے ہم کو بھی دیں کیونکہ صدقہ ان پر ختم ہوچکا اب ہم کو بریرہ کی طرف سے ہدیہ ہوکر ملے گا جو ہمارے لیے مباح ہوگا۔اس سے تین مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بنی ہاشم کا آزادکردہ غلام زکوۃ نہیں لے سکتا مگر دوسروں کا غلام زکوۃ لے سکتا ہے،چونکہ حضرت عائشہ قرشیہ تو تھیں مگر ہاشمیہ نہ تھیں اس لیے بریرہ کو صدقہ لینا درست ہوا۔دوسرے یہ کہ اپنی بیوی یا بیوی کی لونڈی یا اولاد سے کچھ مانگنا جس میں ذلت نہ ہو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز ہے چہ جائیکہ اور کوئی،جس سوال میں ممانعت ہے وہ ذلت والا سوال ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے گوشت طلب فرمایا۔تیسرے یہ کہ ملکیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے لہذا اگر فقیر کو زکوۃ دی گئی اس نے اس زکوۃ سے کسی غنی یا سید کی دعوت کردی یا وہ زکوۃ کی رقم کسی مسجد سرائے یا کنوئیں پر خیرات کرکے لگادی تو جائز ہے کہ زکوۃ تو فقیر پر ختم ہوگئی اب یہ فقیر کی طرف سے ہدیہ ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت کھالیا کہ اب یہ ہدیہ ونذرانہ بن گیا تھا،اس سے بہت سے فقہی مسائل حل ہوسکتے ہیں۔حضرت ابن عمر کو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا صدقہ دیا ہوا گھوڑا فقیر سے خریدنے کو منع فرمادیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کو اس لیے رعایت دینا چاہتا تھا کہ آپ نے اسے صدقہ دیا تھا یہ رعایت کرانا ممنوع تھا لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطافرماتے تھے ۱؎(بخاری)

۱؎ بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ دینے والے کو اپنی شان کے لائق بھاری عطیہ دیتے تھے،اب بھی جو اُمتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایصال ثواب کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دین و دنیا میں کہیں بہتر عوض فرماتے ہیں اور فرمائینگے جس کا تجربہ بارہا ہوا اور ہو رہا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عطیہ تاقیامت جاری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مجھے پائے (یعنی گائے بکری کے کُھر وغیرہ) کی طرف دعوت دی جائے تو قبول کرلوں گا اور اگر مجھے دستی دی جائے تو منظور فرمالوں گا۱؎

۱؎ یعنی ہم کو معمولی آدمی کی دعوت اور معمولی ہدیہ قبول فرمانے میں عار نہیں ضرور قبول فرمائیں گے،اس میں مالداروں بلکہ بادشاہوں کو تعلیم ہے کہ غریبوں اور اپنے نوکروں کے حقیر ہدیوں کو نہ ٹھکراؤان کے اخلاص کی قدر کرو اور ہم غریبوں کی ہمت افزائی ہے کہ جس قدر ہو سکے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں مال و اعمال کے ثوابوں کا ہدیہ کرتے رہیں۔یہاں کراع سے مراد کُھرے (گائے بکری کے پائے) ہیں نہ کہ کراع العمیم منزل جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی فقیر صدقہ کا معمولی مال بھی لے کر ہماری دعوت کردے تو ہم قبول فرمالیں گے کیونکہ صدقہ اس پر ختم ہوچکا اسی لئے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین وہ نہیں جو لوگوں پر چکر لگاتا پھرے اسے ایک دو لقمے یا ایک دو چھوہارے لوٹادیں لیکن مسکین وہ ہے جو غنا بھی نہ پائے جس کو لوگوں سے لاپرواہ ہوجائے اور اسے پہچانا بھی نہ جائے تاکہ اسے صدقہ دیدیا جائے اور نہ اٹھ کر لوگوں سے سوال کرے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جس مسکینیت پر ثواب ہے اور صابروں کے زمرہ میں داخل ہے وہ یہ بھکاری فقیر نہیں ہے بلکہ یہ تو عام حالات میں اسی سوال پر گنہگار ہے کہ جب وہ بھیک مانگنے کے لئے اتنی دوڑ دھوپ کرسکتا ہے تو وہ کمانے کے لیے بھی کرسکتا ہے،ہاں صابر وہ مسکین ہے جو حاجتمند ہو مگر پھر کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہ کرے،اپنے فقر کو چھپانے کی کوشش کرے،اسی مسکین کی رب تعالٰی نے قرآن پاک میں تعریف فرمائی ہے کہ فرمایا:"لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ"الآیۃ۔یہ خیال رہے کہ جس مسکینیت کی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے وہ مسکینیت دل ہے یعنی دل میں عجز و انکسار ہونا،تکبر و غرور نہ ہونا،ایسا شخص اگر مالدار بھی ہو تو مبارک مسکین ہے اور جن احادیث میں فقر و مسکینیت سے پناہ مانگی گئی ہے وہ ایسی تنگدستی ہے جو فتنہ میں مبتلا کردے لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور نہ یہ اعتراض ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسکینیت کی دعا کی مگر رب تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہ بنادیا یہ دعا قبول نہ ہوئی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو رافع سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو صدقہ پر مقرر کرکے بھیجا اس نے ابو رافع سے کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو کہ تم بھی کچھ پالو۱؎ وہ بولے نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھ لوں۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم کو صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام ان ہی میں سے ہوتا ہے۳؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎خلاصہ یہ ہے کہ کسی مخزومی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ پر عامل بنایا جس کو زکوۃ سے ہی معاوضہ دیا جاتا،اس مخزومی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام جن کا نام اسلم ہے کنیت ابورافع سے کہاتم بھی میرے ساتھ چلوجو اجرت ملے گی اس میں تمہارا حصہ ہوگا جس سے تمہارا کچھ کام چل جائے گا،یہ مطلب نہیں ہے کہ میں خود اجرت لے کر اپنی طرف سے تم کو ہدیۃً دے دوں گا۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں مسئلہ پوچھنامراد نہیں بلکہ ساتھ جانے کی اجازت حاصل کرنا مراد ہے ابو رافع اگرچہ جسمًا آزاد ہوچکے تھے مگر ان کا دل ہمیشہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوچکا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر پوچھے جنبش بھی نہیں کرتے۔

۳؎یعنی اے ابو رافع تم ہو ہمارے غلام اور ہم ہیں بنی ہاشم سے،چونکہ بنی ہاشم زکوۃ کے عامل بن کر اس سے اجرت بھی نہیں لے سکتے لہٰذا تم بھی یہ اجرت نہیں لے سکتے۔اس حدیث سے دو مسئلے نہایت اہم حاصل ہوئے:ایک یہ کہ حضرات بنی ہاشم خصوصًا سیدوں کی شان اسلام میں بہت اعلیٰ ہے کہ غنی عامل زکوۃ سے اجرت لے سکتا ہے مگر یہ حضرات تو کیا ان کا زر خرید غلام یہ اجرت بھی نہیں لے سکتا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج کل سیدوں کو زکوۃ کھانا جائز کرنے کی دھن میں ہیں،سادات کو زکوۃ لینا ہرگز جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ شان والوں کی نسبت سے ادنی بھی شان والے بن جاتے ہیں،دیکھو سید کا غلام اگرچہ کسی قوم سے ہو زکوۃ نہیں لے سکتا بلکہ زکوۃ سے اجرت عمل بھی نہیں وصول کرسکتا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں نسبت کیا چیز ہے صرف اپنے عمل اچھے چاہئیں۔تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احکام قرآنیہ کو عام و خاص فرماسکتے ہیں،دیکھو رب تعالٰی نے مطلقًا فرمایا:"وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْہَا"مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے اپنی اولاد بلکہ ان کے غلاموں کو علیحدہ کردیاورنہ قرآن کریم نے سید وغیر سید کافرق مصرف زکوۃ کے بیان میں کوئی نہ کیا۔چوتھے یہ کہ سچے پیغمبروں نے نبوت کو ذریعۂ معاش قرار

نہ دیا۔مرزا قادیانی اس نبوت کے ذریعہ خود مالا مال ہوگیا،بلکہ اپنی اولاد کو سکھا گیا کہ بہشتی مقبرہ کی قبریں بیچ کر مزے اڑایا کرو **نعوذباللہ منہ** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت اپنی اولاد کو زکوۃ کی آمدنی سے محروم فرمایاانہیں حکم دیا کہ تم زکوۃ دو مگر غریب ہوکرلو نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ نہ تو غنی کو حلال ہے نہ صحیح اعضاء والے کوا(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)	

اِیہ حدیث حضرت امام شافعی کی دلیل ہے،ان کے ہاں تندرست اور کمانے کی قدرت رکھنے والا زکوۃ نہیں لے سکتااگرچہ فقیر ہو،امام اعظم کے ہاں لے سکتا ہے،امام اعظم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے "**لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ**"الایہ۔اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ سرکار اصحاب صفہ کو جو ستر تھے اور سب کمانے پر قادر تھے مگر انہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کے لیے وقف کردیا زکوۃ دیتے تھے،اس کاذکراسی آیت مذکورہ میں ہے یہ حدیث اس آیت اس عمل سے منسوخ ہے یایہاں **لَایَحِلُّ** کے معنے ہیں لائق نہیں،یعنی غنی کو صدقہ لینا لائق نہیں حرام ہےاور تندرست فقیر کو لائق نہیں۔(غیر مناسب ہے)یا صدقہ سے مراد بھیک مانگنا ہےجیساکہ اگلے باب کی احادیث سے ثابت ہے،وہ احادیث اس حدیث کی شرح ہیں امام اعظم کا مذہب قوی ہےکیونکہ رب تعالٰی نے زکوۃ کے جو آٹھ مصرف بیان فرمائے"**اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ**"الایہ۔ان میں مجبور بیماریا تندرست کی قید نہ لگائی۔معلوم ہوا کہ ہر فقیر تندرست یا بیمار زکوۃ لے سکتا ہے۔

اور احمد و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے۔	

روایت ہے حضرت عبید اللہ ابن عدی ابن خیار سے فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخصوں نے خبر دی کہ وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ حجۃ الوداع میں تھے صدقہ تقسیم فرمارہے تھے اانہوں نے بھی حضور سے صدقہ مانگا تو حضور نے ہم پر نظر اٹھائی پھر جھکائی ہم کو تندرست و توانا دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تم کو دے دوں مگر اس میں نہ تو غنی کا حصہ ہے نہ کمائی کے لائق تندرست کا ۲(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض یعنی زکوۃ ہوگا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حجاج نے اپنی زکوۃ تقسیم کے لیے پیش کی ہوگی جیساکہ صحابہ کا دستور تھا،آج بھی مسلمان اپنے صدقات حرمین شریفین جانے والوں کو دے دیتے ہیں کہ وہاں تقسیم کردینااسی عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے،اہلِ حرمین جیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہاں صدقہ کا ثواب ایک کا ایک لاکھ تک ہے اس لیے یہ عمل کرتے ہیں،یہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ قوم کا صدقہ یا کسی شہر کا صدقہ اسی قوم و شہر میں خرچ کیا جائے کہ وہاں مقصد یہ ہے کہ سب صدقہ باہر یا دوسری قوم میں نہ بھیج دو اور اس شہر یا قوم کو بالکل محروم نہ کردو۔

۲؎ اس میں دونوں کو تقویٰ و طہارت کی تعلیم ہے یعنی چونکہ تم دونوں اگرچہ فقیر ہو مگر تندرست اور کمانے کے لائق ہو اس لیے اس سے لینا تمہارے لائق نہیں اگر ان کو یہ صدقہ لینا حرام ہوتا جیسا کہ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو تم کو دے دوں،اس اختیار دینے سے معلوم ہورہا ہے کہ دینا جائز تو ہے مگر بہتر نہیں۔

روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے مرسلًا۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ کے سواء کسی غنی کو صدقہ حلال نہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۲؎اور صدقہ پر عامل۳؎اور مقروض۴؎یا اسے جو اپنے مال سے صدقہ خریدے یا اسے جس کا کوئی پڑوسی مسکین تھا تو مسکین پر صدقہ کیا گیاپھر مسکین نے اس غنی کو ہدیہ دیا۵؎(مالک،ابوداؤد)	
اور ابوداؤد کی ایک روایت میں جوحضرت ابوسعید سے ہے یہ ہے کہ یا مسافر۔	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں،حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں،بڑے عالم و عابد تھے،چونکہ اس اسناد میں صحابی کا ذکر نہیں اس لیے یہ حدیث مرسل ہے اور احناف کے ہاں حدیث مرسل حجت ہے۔

۲؎امام شافعی کے ہاں صحابہ مالدار زکوۃ لے سکتا ہے،یہ حدیث ان کی دلیل ہے مگر ہمارے ہاں غازی مسافر جس کے پاس مال ختم ہوچکا وہ سفر کی بنا پر لے سکتا ہے نہ کہ محض جہاد کی بناپر،ہمارے ہاں وہ مسافر غازی ہی مراد ہے اور امام شافعی کے ہاں حدیث مرسل حجت نہیں اس لیے وہ اس حدیث سے دلیل نہیں لے سکتے، نیز دیگر احادیث میں صراحۃً فرمایا گیا کہ مالداروں سے زکوۃ لو اور فقراء کو دو،وہاں غازی کا استثناء نہیں یا ارشاد فرمایا کہ صدقہ غنی کو حلال نہیں۔فتح القدیر و مرقات نے فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے۔

۳؎عامل سے مراد وصولی زکوۃ کا کام کرنے والاہے جیسے عاشر،حاسب،کاتب وغیرہ،یہ سب اپنی اجرت زکوۃ سے لیں گے ان کے لیے یہ اجرت ہوگی نہ کہ زکوۃ مگر اللہ اکبر بنی ہاشم عامل ہوکر بھی زکوۃ سے اجرت نہیں لے سکتے۔

۴؎ حق یہ ہے کہ مقروض سے وہ مراد ہے جو مالک نصاب تو ہے مگراس کا نصاب قرض میں ڈوبا ہوا ہے مثلًا سو روپیہ کا مالک ہے مگر نوے روپے کا مقروض ہے اسے غنی میں داخل فرمانا ظاہری حال کی بنا پر ہے ورنہ درحقیقت وہ فقیر ہے۔

۵؎ یہ جواز اس بنا پر ہے کہ ملک بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا جو بریرہ کو صدقہ دیا گیا تھا لہذا جب مسکین سے زکوۃ خریدلی یا اس نے ہدیۃً اسے کچھ دے دی تو اب یہ زکوۃ نہ رہی،اس پر بہت سے شرعی احکام مرتب ہوں گے۔مگر خیال رہے کہ اس خرید و فروخت میں دھوکہ نہ ہو،رب تعالٰی نیت جانتا ہے لہذا صاحب نصاب فقیر سے اپنی زکوۃ دھوکے سے سستی نہ خریدے۔حضرت ابن عمر کو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے صدقہ کا گھوڑا فقیر سے خریدنے کو منع فرمادیااس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقیر حضرت ابن عمر کو اس لیے سستا دیتا تھا کہ انہیں کا صدقہ ہے لہذا یہ حدیث اس واقعہ کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت زیاد ابن حارث صدائی سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے بیعت کی ا؎ انہوں نے ایک دراز حدیث سنائی کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا بولا کہ مجھے صدقہ سے دیجئے ۲؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی صدقات کے متعلق نبی وغیرہ کے حکم سے راضی نہ ہوا حتی کہ اس کا خود حکم آیا ۳؎ مصرف کی رب تعالٰی نے آٹھ قسمیں کیں اگر تم ان آٹھ قسموں سے ہو تو میں تم کو دے دوں ۴؎ (ابوداؤد)	

ا؎ یہ بیعت بیعت اسلام تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مسلمان کرتے وقت استقامت علی الدین کی بیعت،توبہ کی تقویٰ کی،کسی خاص حکم پر عمل کرنے کی بھی بیعت لی ہے۔آجکل عمومًا مرشدوں سے توبہ یا تقویٰ کی بیعت کی جاتی ہے،بیعت اسلام کا ذکر اس آیت میں ہے"اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ" الایہ۔

۲؎ صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جیساکہ آئندہ جواب سے معلوم ہورہا ہے۔حضو ر انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنی صحابہ اپنی زکوتیں خیرات کو دے جاتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ فرض نہ تھی،یہاں وہ زکوتیں مراد ہیں۔

۳؎ یعنی رب تعالٰی نے براہ راست جس قدر تفصیل زکوۃ کے مصارف کی فرمائی اتنی تفصیل دوسرے احکام کی نہ کی حتی کہ خود زکوۃ و نماز کا اجمالی ذکر ہی فرمایا،نبی کے بیان پر کفایت نہ فرمائی۔عدم رضا سے مراد عدم کفایت ہے اس لفظ سے دھوکا نہ کھانا چاہیے اللہ تعالٰی اپنے محبوب اور ان کے سارے احکام سے راضی ہے،ان کے غلاموں کے بارے میں فرماتا:"رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ"۔ان کی شان تو بہت اعلیٰ ہے۔

۴؎اس کلام کا منشاء یہ ہے کہ تم ان آٹھ میں سے نہیں ہو لہذا تم زکوۃ نہیں لے سکتے،یہ گفتگو عتابانہ ہوتی ہے لہذا اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اندرونی حالات سے بے خبر ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم گھروں میں کھاتے بچاتے ہو میں تمہیں یہاں بتاسکتا ہوں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن شدہ مردوں کے متعلق فرمایا یہ چغل خور تھا،یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔خیال رہے کہ احناف کے ہاں زکوۃ تمام مصارف پر تقسیم کرنا ضروری نہیں صرف ایک مصرف کو بھی دے سکتے ہیں یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے دودھ پیا تو آپ کو پسند آیا تو پلانے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے لایا ۲؎اس نے بتایا کہ وہ ایک گھاٹ پر گیا تھا جس کا اس نے نام لیا تو وہاں صدقہ کے جانور تھے وہ پانی پلارہے تھے انہوں نے ان جانوروں کا دودھ دوہا تو میں نے اپنے مشکیزہ میں ڈال لیا ۳؎یہ وہ دودھ ہے تو حضرت عمر نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور قے کردی ۴؎(مالک،بیہقی شعب الایمان)

۱؎آپ تابعی ہیں،حضرت عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام ہیں،بڑے فقیہ و عابد تھے،آپ کے درس میں چالیس فقہاء بیٹھتے تھے حتی کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ کے درس میں شرکت فرماتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎مرقات نے فرمایا کہ یہ حضرت عمر کی فراست ہے،آپ نے محسوس فرمایا کہ روزانہ ہم دودھ پیتے تھے نفس اس قدر خوش نہ ہوتا تھا آج اتنا پسند کیوں کرتا ہے،نفس اس سے اتنا راضی و خوش کیوں ہوا اس میں کچھ راز ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

۳؎یعنی زکوۃ کے اونٹ کنوئیں یا گھاٹ پر پانی پینے آتے تھے ان کا دودھ خیرات کیا گیا میں نے بھی وہ خیراتی دودھ لے لیا کیونکہ میں فقیر ہوں۔عرب میں جب جانور پانی پلانے کے لیے جمع ہوتے تھے تو فقراء جمع ہوجاتے تھے جن کو دودھ خیرات کے طور پر دیا جاتا تھا۔

۴؎علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قے کردینا تقویٰ تھا کہ ہمارے پیٹ میں صدقہ کا دودھ نہ رہے اور جزوبدن نہ بنے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت ہدیۃً قبول فرمالینا فتویٰ۔نتیجہ یہ ہوا کہ فقیر کا ہدیہ کیا ہوا مال کھالینا شرعًا جائز ہے نہ کھانا احتیاط ہے،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر کو شبہ ہوا کہ شاید دودھ دینے والوں کو دینے کا اختیار نہ ہو یا یہ لینے والا لینے کا مستحق نہ ہو اس شبہ کی بنا پر آپ نے یہ احتیاط کی ہو۔

لطیفہ: ایک عالم کے بیٹے کو کسی لونڈی نے اپنا دودھ پلادیا انہوں نے اس کے حلق میں انگلی ڈال کر وہ دودھ نکال دیا اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ دنیہ عورت کا دودھ میرے بچے کا جزو بدن بنے اور اسکی طبیعت میں دناءت پیدا ہو،ان جیسی احتیاطوں کی اصل یہ حدیث ہے۔

باب لاتحل لہ المسئلۃ و من تحل لہ

باب مانگنا کسے حلال نہیں اور کسے حلال ہے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎یہاں مانگنے سے مراد ذلت و خواری کا مانگنا ہے یعنی بھیک مانگنا لہذاباپ کا اولاد سے یا آقا کا غلام سے یا اس کے برعکس یا ان سے کچھ مانگنا جن سے مانگنے میں عار نہ ہو جائز ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت اور انعام الٰہیہ اور اخروی نعمتوں کی بھیک مانگنا بادشاہوں کے لیے فخروعزت ہے۔اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ بلاضرورت مانگنا ممنوع ہے،اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ ہے یا حرام۔حق یہ ہے کہ حرام ہے،ضرورت سوال میں بہت تفصیل ہے جو آئندہ آرہی ہے۔خیال رہے کہ زکوۃ واجب ہونے کا نصاب اور ہے زکوۃ لینے کی حرمت کا نصاب اورمگر سوال حرام ہونے کا نصاب کچھ اور ہی ہے جس کے پاس دو وقت کھانے کو ہو یا کمانے پر قادر ہو وہ بھیک نہ مانگے الا بماھو یجیئی عن قریب۔

	روایت ہے حضرت قبیصہ ابن مخارق سے فرماتے ہیں کہ میں ایک قرض کا ضامن بن گیا تھا۱؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کے لیے کچھ مانگنے کو حاضر ہوا۲؎تو حضور نے فرمایا ٹھہرو حتی کہ صدقہ آجائے تو ہم اس کا تمہارے لیے حکم دے دیں گے۳؎پھر فرمایا اے قبیصہ تین شخصوں کے سواءکسی کو مانگنا جائز نہیں ایک وہ جوکسی قرض کا ضامن ہوگیا ہو اسے مانگنا جائز ہے حتی کہ بقدر قرض پالے پھر باز رہے ۴؎ایک وہ جس پر آفت آجائے جو اس کا مال برباد کردے اسے مانگنا حلال ہے ۵؎حتی کہ زندگانی کا قیام پائے یا فرمایا کہ زندگی کی درستی پائے ۶؎اور ایک وہ جسے فاقہ پہنچ جائے حتی کہ اس کی قوم کے تین عقل والے اٹھ کر کہہ دیں کہ فلاں فاقہ کو پہنچا ہے تو اسے مانگنا حلال ہے ۷؎ حتی کہ زندگی کا قیام یا زندگی کی درستی پائے،اے قبیصہ ان کے سواءمانگنا حرام ہے کہ مانگنے والا حرام کھاتا ہے

	۸؎(مسلم)

۱؎حمالہ یعنی اس ضمانت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو قومیں دیت یا دوسرے مال قرض کی وجہ سے آپس میں لڑنے لگیں،کوئی ان میں صلح کرانے اور دفع شر کے لیے مقروض کا قرض یا منقول کی دیت اپنے ذمے لے لے یعنی دفع فساد یا صلح کرانے کے لیے مال کا ضامن بن جانا یا اپنے ذمہ لے لینا۔(مرقات و لمعات وغیرہ)
۲؎تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال عطا فرمادیں جس سے میں وہ قرض چکا دوں یا دیت ادا کردوں۔
۳؎صدقہ سے مراد مال ظاہری جانوروں وپیداوار کی زکوۃ ہے جو حکومت اسلامیہ وصول کرتی تھی یا مال باطنی یعنی سونے چاندی وغیرہ کی زکوۃ جو غنی صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خیرات کریں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خیرات قبول ہو،یعنی اے قبیصہ اتنا توقف کرو کہ زکوۃ وصول ہوجائے تو اس سے تمہارا زرِ ضمانت ادا کردیا جائیگا۔
۴؎اس سے معلوم ہوا کہ ایسا ضامن اگرچہ مالدار بھی ہو تو صدقہ مانگ سکتا ہے کیونکہ یہ مانگنا اپنے لیے نہیں بلکہ اس مقروض فقیر کے لیے ہے جو فقیر ہے جس کا یہ ضامن ہے،رب تعالٰی نے زکوۃ کے مصارف میں غارمین(مقروضوں) کا بھی ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہی مقروض ہیں۔
۵؎یعنی یہ شخص غنی تھا آفت ناگہانی نے مال برباد کرکے اسے فقیر کردیا اگرچہ تندرست ہے کمانے پر قادر ہے مگر کمانے تک کیا کھائے وہ اس وقت تک کے لیے مانگ سکتا ہے جب کچھ گزارہ کے لائق کمائے تو سوال سے باز آجائے۔
۶؎ سدادٌ یا سدٌّ سین کے فتح سے،بمعنی رکاوٹ و آڑ یا سِدٌّ سین کے کسرہ سے ہے،بمعنی درستی و اصلاح یعنی اتنا مال حاصل کرے جس سے فقروفاقہ رک کر زندگی درست ہوجائے۔غرضکہ بھیک مانگنا مردار جانور کی طرح ہے جس کا جائز و حلال ہونا سخت ضرورت پر ہے۔
۷؎یہ گواہی کی قید اس کے لیے ہے جس کے متعلق لوگوں کو شبہ ہوکہ یہ غنی ہے اور بلاضرورت مانگ رہا ہے۔قوم سے مراد اس کے حالات سے خبردار لوگ ہیں خواہ اس کی برادری کے ہوں یا آس پڑوس کے یعنی کم از کم تین واقف حال لوگ جنہیں غریبی امیری حاجت و غنا کی پہچان ہو وہ بتادیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے اہل مدینہ قرض لینے اور سوال کرنے میں عار نہیں سمجھتے تھے ان کے وہ عادی تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عادتوں کو بدلنے کے لیے سوال پر تو یہ پابندیاں لگائیں۔مقروض کی نماز جنازہ خود نہ پڑھی دوسروں سے پڑھوادی تاکہ عبرت پکڑیں اور قرض حتی الامکان نہ لیں۔
۸؎خیال رہے کہ تین کا یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں،ان تین کے علاوہ اور صورتیں بھی ہیں جن میں سوال درست ہوتا ہے جیسے وہ بے دست و پا جو کمانے پر قادر نہ ہو،وہ طالب علم جس نے اپنے کو طلب علم کے لیے وقف کردیا ہو اور لوگ توجہ نہ کرتے ہوں بغیر طلب نہ دیتے ہو۔مرقات نے فرمایا کہ خانقاہوں کے وہ مجاور جنہوں نے اپنے کو ریاضت و مجاہدات کے لیے حقیقی معنے میں وقف کردیا ہوان کے لیے اُن ہی میں کا ایک سوال کرسکتا ہے،روٹیاں کپڑے جمع کرسکتا ہے،مگر خیال رہے کہ رب تعالٰی نیت سے خبردار ہے مانگنے کے لیے صوفی نہ بن جائے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مال بڑھانے کے لیے بھیک مانگے تو وہ انگارہ مانگتا ہے اب چاہے کم کرے یا زیادہ ۱؎(مسلم)

۱؎یعنی بلاسخت ضرورت بھیک مانگے بقدر حاجت مال رکھتا ہو زیادتی کے لیے مانگتا پھرے وہ گویا دوزخ کے انگارے جمع کررہا ہے،چونکہ یہ مال دوزخ میں جانے کا سبب ہے اسی لیے اسے انگارہ فرمایا۔اس حدیث سے آج کل کے عام پیشہ وربھکاریوں کو عبرت لینی چاہیے۔حال ہی میں راولپنڈی میں ایک بھکاری نے متروکہ مکان کے نیلام میں۴۵ ہزار روپے کی بولی دے کر مکان خریدا بھیک ہی مانگتا تھا۔افسوس ہے کہ آج مسلمانوں میں بھیک مانگنے کا مرض بہت زیادہ ہے،اس گناہ میں وہ بھی شریک ہیں جو ان موٹے مشٹنڈوں پیشہ ور بھکاریوں کو بھیک دیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے حتی کہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے میں گوشت کا پارہ نہ ہوگا۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی پیشہ ور بھکاری اور بلاضرورت لوگوں سے مانگنے کا عادی قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے میں صرف ہڈی اور کھال ہوگی گوشت کا نام نہ ہوگاجس سے محشر والے پہچان لیں گے کہ یہ بھکاری تھایا یہ مطلب ہے کہ اس کے چہرے پر ذلت و خواری کے آثار ہوں گے جیسے دنیا میں بھی بھکاری کا منہ چھپا نہیں رہتالوگ دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ سائل ہے۔خیال رہے کہ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں رب تعالٰی امت محمدی کی پردہ پوشی فرمائے گااس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ان کے دنیاوی چھپے عیب لوگوں پر ظاہر نہ کرے گا اور بھیک چھپا عیب نہ تھا،کھلا تھا جس پر بھکاری شرم بھی نہ کرتا تھایا یہ مطلب ہے کہ ہمارے عیوب دوسری امتوں پر ظاہر نہ کرے گا بھکاری کا یہ واقعہ خودمسلمانوں ہی میں ہوگالہذا حدیثوں میں تعارض نہیں۔مرقات میں اس جگہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل یہ دعاء مانگاکرتے تھے الٰہی جیسے تو نے میرے چہرے کو غیر کے سجدے سے بچایاایسے ہی میرے منہ کو دوسروں سے مانگنے کی لعنت سے بچا۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مانگنے میں زاری(ضد)نہ کرو ۱؎اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا تم میں سے کوئی مجھ سے کچھ مانگے اسکا مانگنا مجھ سے کچھ نکلوائے حالانکہ میں ناخوش ہوں تو اسے میرے عطیہ میں برکت دی جائے۲؎(مسلم)

۱؎یعنی سوال پر اڑ نہ جائے کہ سامنے والا دینا نہ چاہے اور تم بغیر لئے ٹلنا نہ چاہو،مانگنا ایک عیب ہے اور اس پر اڑنا دس گناہ عیب،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلْحَافًا"۔

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر تو اپنا فرمایا مگر قانون کلی فرمایا کہ جو بھکاری ضد یا اڑسے بھیک وصول کرے دینے والا دینا نہ چاہےتو اس بھیک میں سخت بے برکتی ہوگی۔امام غزالی فرماتے ہیں جو فقیر یہ جانتے ہوئے بھیک لے کر دینے والا محض شرم و ندامت کی وجہ سے دے رہا ہے اس کا دل دینے کو نہ چاہتا تھاتو یہ مال بھکاری کے لیے حرام ہے۔خیال رہے کہ بھکاری کی ضد اور ہے چندہ کرنے والوں کا لحاظ کچھ اور،ضد حرام ہے لحاظ کا یہ حکم نہیں۔آج مسجدوں،مدرسوں کے چندوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ شہر کا بڑا معزز مالدار آدمی زیادہ وصول کرسکتا ہے،پھر اپنے لیے مانگنے اور دینی کاموں کے لیے چندہ کرنے کے احکام میں بھی فرق ہے۔

	روایت ہے حضرت زبیر ابن عوام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنی رسی لے پھر اپنی پیٹھ پرلکڑیوں کا گٹھا لادے اسے بیچے جس سے اللہ اس کی عزت بچائے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے لوگ اسے دیں یا نہ دیں۱؎ (بخاری)

۱؎خلاصہ یہ ہے کہ معمولی سے معمولی کام کرنا اور تھوڑے پیسوں کے لیے بہت سی مشقت کرنا بہتر ہے اس سے عزت نہیں جاتی مگر بھیک مانگنا بُرا جس سے عزت جاتی رہتی ہے،برکت ہوتی نہیں۔اسمیں اشارۃً فرمایا گیا کہ اگر کسی بڑے آدمی پر کوئی وقت پڑ جائے تو محنت مشقت کرنے میں شرم نہ کرے کیونکہ یہ سنت انبیاء ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی سے معمولی کام بھی اپنے ہاتھ شریف سے کئے ہیں بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ بھکاری بھیک مانگنے میں بڑی محنتیں کرتے ہیں اگر مزدوری کریں یا چھابڑی فروخت کریں تو ان پر محنت بھی کم پڑےاور آبرو سے بھی کھائیں۔اس حدیث سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ جنگل کے خودرو درخت مباح ہیں ان پر جو قبضہ کرکے کاٹ لے وہ اس کا مالک ہوجائے گا جیسے جنگلی شکاریا عام کنوؤں کا پانی کیونکہ اگر یہ لکڑی کاٹنے والا اس کا مالک نہ ہوتا تو اس کا بیچنا جائز کیونکر ہوتا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو خیر کیوں فرماتے۔شعر

بدست آنکہ تفتہ کردن خمیر ۔۔۔ بہ ازدست برسینہ پیش امیر

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے۱؎فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا حضور نے دیا میں نے پھر مانگا حضور نے مجھے اور دیا۲؎پھر مجھ سے فرمایا اے حکیم یہ مال خوش نما خوش ذائقہ ہے۳؎جو اسے دلی لاپرواہی سے لے گا اسے اس مال میں برکت ہوگی اور جو اسے نفسانی طمع سے لے گا اسے برکت نہ ہوگی۴؎اور وہ اس کی طرح ہوگا جو کھائے اور سیر نہ ہو۵؎اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے ۶؎ حضرت حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں آپ کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگوں گا حتی کہ دنیا چھوڑ دوں ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ صحابی ہیں،حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں،آپ کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی،ایک سوبیس سال عمر پائی،ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے،ساٹھ سال اسلام میں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ مانگنے کو عیب نہ سمجھتے تھے بلاضرورت بھی دستِ سوال دراز کردیتے تھے،نو مسلم حضرات اسی عادت کے مطابق اولًا مانگتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انہیں دے کر سوال سے منع فرماتے تھے۔اعلیٰ حضرت مولانا احمدرضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا کہ آپ مسجد کے بھکاری کو پہلے دیتے پھر مسجد میں مانگنے سے منع کرتے شائد آپ کے عمل کا ماخذ یہ حدیث ہو۔

۳؎ **سبحان اللہ**! کیا بلیغ کلام ہے خوش نما سبزے سے آنکھ سیر نہیں ہوتی اور لذیذ کھانے سے دل نہیں بھرتا لیکن اگر بے قاعدہ کھاجاؤ تو تکلیف دیتا ہے،اسی طرح مال سے نہ آنکھ بھرے نہ دل لیکن ہوس کا انجام برا۔

۴؎لاپرواہی سے مراد طمع اور ہوس کا مقابل ہے یعنی جو مال لے تو لیکن صبروقناعت کے ساتھ کہ ناجائز کی طرف نظر نہ اٹھائے اور جائز مال کی بھی ہوس نہ ہو تو اگرچہ اس کے پاس مال تھوڑا ہو مگر برکت ہوگی کیونکہ اس میں اللہ رسول کی رضا شامل ہوگی۔خیال رہے کہ مال کی زیادتی اور ہے برکت کچھ اور زیادتی مال کبھی ہلاک کردیتی ہے مگر برکت مال دین و دنیا میں رب تعالٰی کی رحمت ہوتی ہے،برکت والا تھوڑا پانی پیاس بجھادیتا ہے بہت سا پانی ڈبو دیتا ہے،دیکھو طالوت کے جن ساتھیوں نے نہر سے ایک چلو پانی پر قناعت کی وہ کامیاب رہے اور بہت سا پینے والے مارے گئے کیونکہ چلو میں برکت تھی اور اس میں محض کثرت۔

۵؎ **جوع البقر** بیماری والا کھانے سے سیر نہیں ہوتااور استسقاء والا پانی سے،ان دونوں کی یہ بھوک اور پیاس کبھی ہلاکت کا باعث ہوجاتی ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی ہوس کو **جوع البقر** قرار دیا۔

۶؎ اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہے اور نیچے والے سے مانگ کر لینے والا،خواہ دینے والا نذرانہ کے طور پر نیچا ہاتھ کرکے ہی دے اور لینے والا اوپر ہاتھ کرکے ہی اٹھائے مگر پھر بھی دینے والا ہی اونچا ہے،یہاں دینے اور لینے سے مراد بھیک دینا اور لینا ہے،اولاد کا ماں باپ کو دینا،مرید صادق کا اپنے شیخ کامل کی خدمت میں کچھ پیش کرنا،انصار کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانے پیش کرنا اس حکم سے علیحدہ ہیں،اگر ہماری کھالوں کے جوتے بنیں اور رشتہ جان کے تسمے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے استعمال فرمائیں تو ان کے حق کا کروڑواں حصہ ادا نہ ہو۔اس حدیث سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ غنا فقر سے بہتر ہے اور غنی شاکر فقیر صابر سے افضل مگر حق یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے۔ہماری اس تقریر سے یہ حدیث غنی کے افضل ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہاں بھکاری فقیر کا ذکر ہے نہ کہ صابر کا،بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں اوپر والے ہاتھ سے فقیر صابر مراد ہے اور نیچے والے سے بھکاری،تب تو **سبحان اللہ**! بہت لطف کی بات ہے۔

۷؎ بعد کے معنے سوا بہت ہی مناسب ہیں جو شیخ نے اختیار کیے یعنی آپ سے تو جیتے جی قبر میں حشر میں مانگتا ہی رہوں گا کیوں نہ مانگوں میں بھکاری آپ داتا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ"اور فرماتا ہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"اور فرماتا ہے:"وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"۔آپ سے مانگنے میں ہماری عزت ہے،ہاں آپ کے سوا کسی سے نہ مانگوں گا۔شعر

اُن کے در کی بھیک چھوڑیں سروری کے واسطے ان کے در کی بھیک اچھی سروری اچھی نہیں

کل قیامت میں ساری خلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت وغیرہ کی بھیک مانگے گی،حضرت حکیم نے یہ وعدہ ایسا پورا کیا کہ اگر گھوڑے سے آپ کا کوڑا گرجاتا تو خود اتر کرلیتے کسی سے مانگتے نہیں۔خیال رہے کہ ارزء رزءٌ سے بمعنی کم کرنا،چونکہ مانگنے سے مانگنے والے کی عزت گھٹ جاتی ہے اور دینے والے کا کچھ مال بھی کم ہوتا ہے اس لیے اسے رزءٌ فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا جب کہ آپ صدقہ کا اور مانگنے سے باز رہنے کا ذکر فرمارہے تھے ۱؎ کہ اونچا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے،اونچا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچا ہاتھ مانگنے والا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی مالداروں کو صدقہ دینے کی رغبت دے رہے تھے اور فقیروں کو صبر اور مانگنے سے باز رہنے کا حکم دے رہے تھے۔

۲؎ الحمدللہ! اس حدیث نے فقیر کی گزشتہ شرح کی تائید فرمادی یعنی بھکاری دینے والے سے نیچا ہے،ہر لینے والا نیچا نہیں بہت مرتبہ دینے والا خادم ہوتا ہے لینے والا مخدوم جس کی مثالیں بھی عرض کی جاچکیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہ تفسیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے نہ کہ سیدنا ابن عمر کی جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ بھکاری اس لیے مفضول ہوا کہ وہ اس مانگنے سے مائل بغنی ہے اور سخی اس لیے افضل ہوا کہ وہ مائل بفقر ہے یعنی فقیر مال لے رہا ہے اور سخی مال دے کر کم کررہا ہے لہذا اس حدیث سے یہی ثابت ہوا کہ غنا سے فقر افضل۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ کچھ انصاری لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا ۱؎ حضور نے انہیں دیا پھر مانگا حضور نے پھر دیا حتی کہ جو آپ کے پاس تھا ختم ہوگیا ۲؎ پھر فرمایا جو کچھ مال میرے پاس ہوگا وہ تم سے ہرگز بچا نہ رکھوں گا ۳؎ جو سوال سے بچنا چاہے اللہ اسے بچائے گا اور جو غنا چاہے گا اللہ اسے غنا دے گا اور جو صبر چاہے گا اللہ اسے

صبر دے گا۴؎اور کسی کو صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز نہ ملی۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ مانگنا بلاضرورت تھا جیساکہ اگلے فرمان سے معلوم ہورہا ہے۔ضرورۃً مانگنے والوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دیتے تھے اوروں سے بھی دلواتے تھے۔

۲؎یعنی وہ حضرات مانگتے رہے اور حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم دیتے رہے انہیں سب کچھ دے کر پھر مسئلہ بتایا اس میں تبلیغ بھی ہے اور سخاوت مطلقہ کا اظہار بھی۔معلوم ہوا کہ بلاضرورت مانگنے والوں کو دینا حرام نہیں اگرچہ انہیں مانگنا ممنوع ہے۔خیال رہے کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خوش ہوکر دیا ہے وہ بہت عرصہ تک ختم نہ ہوا۔چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تھوڑے تھوڑے جو عطا فرمائے تھے جو ان بزرگوں نے سالہا سال کھائے اور کھلائے،پھر جب تولے تو اتنے ہی تھے مگر تولنے سے ختم ہوگئے،حضرت طلحہ کے ہاں ساڑھے چار سیر جو کی روٹی پر سینکڑوں آدمیوں کی دعوت فرمادی جیساکہ **باب المعجزات** میں آئے گا،لہذا اس ختم ہونے سے کوئی دھوکا نہ کھائے،یار کے رنگ مختلف ہیں جب خوشی سے دیں تو سب کچھ ہے اور اگر کوئی ناخوش کرکے لے تو اس میں برکت نہیں۔

۳؎ **خیر** سے مراد مال ہے،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مال حلال ہی لیتے تھے اس لیے اسے خیر فرمایا۔اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مال جمع نہ کیا اور نہ بعد وفات کچھ وراثۃً چھوڑا جو باغ وغیرہ تھے وہ سب مسلمانوں پر وقف رہے۔

۴؎یہ حدیث اس حدیث قدسی کی شرح ہے"اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ"یعنی رب تعالٰی فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب رہتا ہوں اس کا ظہور آخرت میں تو ہوگا ہی کہ اگر بندہ معافی کی امید کرتا ہوا مرجائے تو **ان شاءاللہ** اسے معافی ہی ملے گی،اکثر دنیا میں بھی ہوجاتا ہے کہ جو قرض نہ لینے یا نہ مانگنے کا خدا کے بھروسے پر پورا ارادہ کرلے تو اللہ تعالٰی اسے ان سے بچا ہی لیتا ہےاور جو یہ کوشش کرے کہ دنیا والوں سے لاپرواہ رہوں تو بہت حد تک اللہ اسے لاپرواہ ہی رکھتا ہے مگر یہ فقط زبانی دعویٰ نہ ہو عملی کوشش بھی ہو کہ کمانے میں مشغول رہے،خرچ درمیانہ رکھے،گلچھرے نہ اڑائے،اللہ رسول سچے ہیں ان کے وعدے حق،غلطی ہم کرجاتے ہیں۔

۵؎یعنی رب تعالٰی کی عطاؤں میں سے بہترین اور بہت گنجائش والی عطا صبر ہے کہ رب تعالٰی نے اس کا ذکر نماز سے پہلے فرمایا:"اسْتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ"اور صابر کے ساتھ اللہ ہوتا ہے،نیز صبر کے ذریعہ انسان بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرلیتا ہے اور بڑے بڑے درجے حاصل کرلیتا ہے،رب تعالٰی نے ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:"اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا"ہم نے انہیں بندہ صابر پایا،صبر ہی کی برکت سے حضرت حسین علیہ السلام سید الشہداء ہوئے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطیہ دینا چاہتے تو میں	

	عرض کرتا کہ یہ مجھ سے زیادہ حاجت مند کو عطا فرمایئے ۱؎ تو آپ فرماتے یہ لے لو اسے مال بنا لو اس کو صدقہ کرو تمہیں جو مال بغیر طمع اور بغیر مانگے ملے اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے اپنے کو نہ لگاؤ ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ صحبت پاک مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تاثیر تھی کہ حضرت عمررضی اللہ عنہ صرف غنی نہیں بلکہ غنی تر و غنی گر ہوگئے،مانگنا تو کیا بغیر مانگے آتی ہوئی چیز میں بھی ایثار ہی کرتے ہیں اور دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں،اپنے دور خلافت میں جب فارس اور روم کے خزانے مدینہ میں لاتے ہیں تو اس وقت بھی خود ایک قمیض ہی دھو دھو کر پہنتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا بے مثال تعلیم ہے۔مقصد یہ ہے کہ جو بغیر مانگے اور بغیر طمع کے ملے وہ رب تعالٰی کا عطیہ ہے اسے نہ لینا گویا اس عطیہ کی بے قدری ہے دنیا والوں سے استغناء اچھا اور اللہ و رسول کا ہمیشہ محتاج رہنا اچھا۔مشائخ کرام معمولی نذرانہ بھی قبول کرلیتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے پھر کیا خوب فرمایا کہ تم خود لے کر صدقہ کردو تاکہ تمہیں لینے کا بھی ثواب ملے اور دینے کا بھی۔

حکایت: حضرت بنان حمّالی کا پیشہ کرتے تھے ایک بار امام احمد بن حنبل کا کچھ سامان اجرت پر گھر پہنچایا وہاں تنور سے روٹیاں نکلتی دیکھیں،امام احمد نے اپنے بیٹے سے کہا کہ دو روٹیاں بنان کو بھی دے دو بنان نے انکار کردیا جب چلے گئے تو امام نے پھر دو روٹیاں ان کے پاس بھیجیں بنان نے قبول کرلیں،کسی نے امام احمد سے بنان کے اس رویّہ کی وجہ پوچھی کہ انہوں نے پہلے کیوں نہ لیں پھر کیوں لے لیں،امام نے فرمایا کہ وہ مرد متقی ہے پہلے ان کے نفس میں انتظار پیدا ہوچکا تھا نہ لیں،لوٹ جانے کے بعد مایوس ہوگئے تھے پھر لے لیں اور آپ نے یہی حدیث پڑھی۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سوال کھرونچے ہیں جن سے آدمی اپنا منہ کھرچتا ہے تو جو چاہے اپنے منہ پر یہ کھرونچے رکھے اور جو چاہے اس سے بچے ۲؎ مگر یہ کہ آدمی حکومت والے سے کچھ مانگے یا ایسی چیز کہ اس کے بغیر چارہ نہ پائے ۳؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے شاگردوں میں سے بڑے شاگرد ابن سیرین اور امام شعبی ہیں،بصرہ میں قیام رہا، ۵۵ھ میں وہیں وصال ہوا۔

۲؎ منہ کے کھرونچوں سے مراد ذلت کا اثر ہے کہ جیسے منہ کے زخم دور سے نظر آتے ہیں ایسے ہی بھکاری دور سے پہچانا جاتا ہے اس کے چہرے پر نہ رونق ہوتی ہے نہ وقار بلکہ یہ آثار ذلت قیامت میں بھی اس پر ہوں گے جیساکہ پہلے حدیث شریف میں آچکا۔

۳؎ یعنی یہ دو سوال جائز ہیں: مستحق کا حاکمِ وقت سے اپنے وظیفہ مقرر کرانا کہ یہ بھیک نہیں بلکہ اپنے حق کا مطالبہ ہے۔دوسرے سخت ضرورت کے وقت جب شرعًا اسے مانگنا جائز ہو تو کچھ مانگ لینا۔امام غزالی نے فرمایا کہ جس مالدار پر حج فرض ہوااور بلاوجہ حج نہ کرے پھر غریب ہوجائے تو اس پر واجب ہے کہ حج کا خرچہ مانگے اور حج کو جائے کہ اس میں اپنے کو فسق سے نکالنا ہے،جب مجبورًا بھوک یا برہنگی دفع کرنے کے لیے سوال واجب ہے تو یہ بھی ضروری ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگوں سے مانگے حالانکہ اس کے پاس بقدر دفع حاجت ہے ۱؎ تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے سوال اس کے چہرے میں کھروچن یا خارش یا زخم ہوں گے ۲؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدر غنا کیا ہے فرمایا پچاس درہم یا اس قیمت کا سونا ۳؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی اس کے پاس روزمرّہ کی ضروریات کھانا،کپڑا ہے اور کوئی خاص ضرورت درپیش نہیں لہٰذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں جہاں تھا کہ ضامن بن جانے والا سوال کرسکتا ہے کہ ضمانت نے اسے سوال کی ضرورت ڈال دی۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ تینوں ہی الفاظ أو کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں،راوی کا شک نہیں اور ان تینوں کے الگ الگ معنی ہیں ہر دوسرے لفظ میں پہلے سے ترقی زیادہ ہے جیساکہ ہم نے ترجمہ میں ظاہر کردیا،چونکہ بے ضرورت بھکاری تین قسم کے تھے معمولی کبھی کبھی مانگ لینے والے اور ہمیشہ کے بھکاری ضدی و ہٹ دھرم بھکاری اسی لیے ان کے چہروں کے آثار بھی تین طرح کے ہوئے جیسی بھیک ویسا اس کا اثر لہٰذا أو تقسیم کے لیے ہے شک کے لیے نہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ جس نصاب سے سوال حرام ہوتا ہے اس کی مقداریں مختلف آئی ہیں۔یہ تو پچاس درہم یعنی قریبًا ساڑھے بارہ روپے ارشاد ہوئے،دوسری روایت میں ایک اوقیہ ارشاد ہوا یعنی چالیس درہم تقریبًا دس روپے،تیسری روایت میں دن رات کا کھانا ارشاد ہوا جیساکہ آگے آرہا ہے،لہٰذا بعض شارحین نے ان دونوں حدیثوں کو دن رات کے کھانے والی حدیث سے منسوخ مانا لیکن چونکہ ہر شخص کی حاجت مختلف ہوتی ہے۔ بڑے کنبے والے کا روزانہ خرچ زیادہ ہوتا ہے درمیانی کنبے والے کا درمیانہ اور اکیلے آدمی کا خرچہ بھی بہت معمولی،سرکار کے یہ تین ارشاد تین قسم کے لوگوں کے لحاظ سے ہیں جیسا موقعہ اور جیسا مسئلہ پوچھنے والا ویسا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب۔حکیم کی ہر بات حکمت سے ہوتی ہے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اور ممکن ہے کہ حرمت سوال کا حکم تدریجًا آہستگی سے وارد ہوا۔اولًا پچاس درہم والوں کو

روکا گیا،پھر چالیس والوں کو،آخر میں دن رات کے کھانے پر قدرت رکھنے والے کو جیسے شراب کی حرمت کا حال ہوا کیونکہ اہل عرب سوال کے عادی تھےایک دم سوال چھوڑنہ سکتے تھے اس لیے یہ ترتیب برتی گئی۔

روایت ہے حضرت سہل ابن حنظلیہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مانگے حالانکہ اس کے پاس بقدرغنا ہو تو وہ آگ بڑھاتا ہے ۱؎نفیلی نے فرمایا جو دوسری جگہ اس حدیث کے ایک راوی ہیں ۲؎وہ غنا کیا ہے جس کے ہوتے سوال مناسب نہیں فرمایا اس قدر کہ صبح شام کھائے اور دوسری جگہ فرمایا کہ اس کے پاس ایک دن یا ایک دن و رات کی سیری ہو ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎اس سے معلوم ہورہا ہےکہ بلاضرورت سوال حرام ہےکیونکہ خصوصیت سے سخت عذاب کی وعید وارد ہوئی۔آگ بڑھانے سے مراد آگ کی تیزی،بھڑک،شعلے بڑھانا۔

۲؎نفیلی کا نام عبداللہ ابن محمد ہے،ابوداؤد سجستانی کے استاد ہیں،نفیل ان کے کسی دادا کا نام ہے۔

۳؎اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ دن رات کی خوراک کی حد ہر شخص کے لیے جداگانہ ہے،بڑے کنبہ والے کے لیے زیادہ مال ہے درمیانے کے لیے درمیانہ ایک دو آدمیوں کے لیے معمولی یہاں خاص آفت زدہ مستثنٰی ہے،مقروض،ضامن یا جس کا مال ہلاک ہوگیا اس کے لیے سوال جائز ہے اگرچہ دن رات کے کھانے کا مالک ہو لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ یہ مانگنے کا ذکر ہے۔رہا زکوۃ لینا اس کے متعلق یہاں مرقات نے فرمایا کہ فقیر اپنے اور اپنے بال بچوں کے ایک سال کا خرچ زکوۃ سے جمع کرسکتا ہے خرچ سے مراد کھانا اور کپڑا دونوں ہی ہیں۔

روایت ہے حضرت عطاء بن یسار سے وہ بنی اسد کے ایک شخص سے راوی ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو مانگے حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر ہوں تو وہ زاری سے مانگتا ہے ۲؎(مالک و ابوداؤد،نسائی)	

۱؎عطاءابن یسار تابعی ہیں اور ان کے شیخ جن کا انہوں نے نام نہ لیا صرف یہ کہہ دیا کہ بنی اسد کے ایک صاحب وہ صحابی ہیں،چونکہ صحابہ سارے ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اس لیے ان کا نام یا حال معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں،نہ ایسے صحابی کو مجہول کہا جاسکتا ہے نہ حدیث کو۔(مرقات)

۲؎یعنی قرآن شریف میں جو وارد ہوا"لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلْحَافًا"۔اس الحاف میں بے ضرورت مانگنا بھی داخل ہے،اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اس تعیین کی وجہ ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے۔

روایت ہے حضرت حبشی ابن جنادہ سے ۱؎فرماتے ہیں	

	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو غنی کو سوال جائز ہے نہ درست اعضاء والے کو مگر زمین سے ملے ہوئے فقیر یا رسوائی والے مقروض کو ۲؎ اور جو لوگوں سے مال بڑھانے کے لیے مانگے تو یہ سوال قیامت کے دن اس کے چہرے کے کھرونچے ہوں گے اور دوزخ کے انگارے جسے وہ کھائے گا اب جو چاہے وہ کم کرے جو چاہے بڑھائے ۳؎ (ترمذی)

۱؎ ان کی کنیت ابو الجنوب ہے،قبیلہ بنی بکر ابن ہوازن سے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں دیکھا،آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

۲؎ یہ استثناء صحیح الاعضاء سے ہے یعنی تندرست آدمی ان دونوں صورتوں میں مانگ سکتا ہے،ایک سخت فقیر جو اسے خاک نشین بنادے جس سے وہ نہ کہیں کاروبار کر سکے نہ کمانے کے لیے سفر،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ"۔ایسا مقروض جس کے قرض خواہ اس کی آبرو کے درپے ہوگئے ہوں وہ اگرچہ تندرست ہے مگر ان مصیبتوں کے دفعیہ کے لیے مانگ سکتا ہے۔

۳؎ یہ آخری جملہ اختیار دینے کے لیے نہیں بلکہ اظہار غضب کے لیے ہے،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ"۔رِضَفٌ رِضَفَۃٌ کی جمع ہے،رضفہ وہ تیز گرم پتھر ہے جس سے دودھ ابالا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک انصاری شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مانگنے کے لیے آیا ۱؎ آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے گھر میں کچھ نہیں ۲؎ عرض کیا ہاں ایک ٹاٹ ہے جو ہم کچھ بچھالیتے ہیں کچھ اوڑھ لیتے ہیں ۳؎ اور ایک پیالہ جس میں پانی پیتے ہیں اور فرمایا وہ دونوں ہمارے پاس لے آؤوہ یہ دونوں چیزیں حاضر لائے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا یہ کون خریدتا ہے ۴؎ ایک شخص نے کہا ایک درہم میں مَیں لیتا ہوں آپ نے دو یا تین بار فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے ۵؎ ایک صاحب بولے کہ میں دو درہم میں لیتا ہوں آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں انہیں دے دو ۶؎ اور دو درہم ان انصاری کو دیئے اور

فرمایا ان میں سے ایک کا غلہ خرید کر اپنے گھر میں ڈال دے اور دوسرے کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لائے وہ حضور کے پاس کلہاڑی لائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے اس میں دستہ ڈالا۸ پھر فرمایا جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور اب میں تمہیں پندرہ دن نہ دیکھوں۹ پھر وہ صاحب لکڑیاں کاٹتے اور بیچتے رہے پھر حاضر ہوئے اور دس درہم کما چکے تھے اس نے کچھ درہموں سے کپڑا اور کچھ سے غلہ خریدا۱۰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ اس سے بہتر ہے کہ سوالات قیامت کے دن تمہارے منہ میں داغ بن کر آئیں۱۱ تین شخصوں کے سواء کسی کو سوال جائز نہیں کمر توڑ فقیری یا رسوا کن قرض یا تکلیف دہ خون سے ۱۲(ابوداؤد)اور ابن ماجہ نے یوم القیامت تک روایت کی۔	

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے پہلے لوگ قرض و سوال میں گھرے ہوئے تھے۔چنانچہ یہود کے ہاں کی بہت زمینیں جائیدادیں،مال،مکان وغیرہ گِرو پڑے تھے،سوال کرلینے کا عام رواج تھا کیونکہ اکثر لوگ بہت غریب و نادار تھے اسی سلسلے میں یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال کرنے حاضر ہوئے۔

۲؎ سبحان اللہ! یہ ہے بگڑی قوم کا بنانا،یہاں یہ ممکن تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے کچھ دے دیتے مگر وہ چند روز میں کھاکر برابر کردیتا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے اس کی بلکہ اس کی نسل کی زندگی سنبھال دی فقیر کو دے دینا آسان مگر اس کی زندگی سنبھال دینا بہت مشکل ہے۔تجربہ ہے کہ پہاڑ ڈھا دینا اور دریا پاٹ دینا آسان مگر بگڑی قوم کو سنبھال دینا مشکل۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیئے جس کی مثال نہیں ملتی۔

۳؎ حلس ح کے کسرہ سے ٹاٹ کو بھی کہتے ہیں اور موٹے کمبل کو بھی جو اونٹ کی پیٹھ پر پالان کے نیچے ڈالا جاتا ہے یہاں دونوں معنے کا احتمال ہے۔بھلا غریبی کی حد ہوگئی کہ اس اللہ کے بندے کی سارے گھر میں کُل کائنات یہ دو چیزیں ہیں،حالت یہ کہ ایک ہی کمبل کو آدھا بچھا کر خود بیوی بچے سب لیٹ جاتے اور اسی کا آدھا یہ سب اوڑھ لیتے جیساکہ نَبْسُطُ کے جمع متکلم سے معلوم ہورہا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غریبوں کو تخت و تاج کا مالک بنایا ہے۔

۴؎ اگرچہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ سرکار اس مسکین سے ہی فرمادیتے کہ یہ دونوں چیزیں بیچ کر کلہاڑی خرید لو جس سے لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور اپنا کام چلاؤ مگر اس صورت میں وہ اہمیت ظاہر نہ ہوتی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف

سے ظاہر ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ صرف کہہ دینے سے قوم کی اصلاح نہیں ہوتی اس کے لیے کچھ کرکے بھی دکھانا پڑتا ہے،مبلغین قولی تبلیغ پر کفایت نہ کریں بلکہ عملی تبلیغ بھی کریں۔

۵؎ اس سے نیلام کا بھی ثبوت ہوا جسے عربی میں بیع مَنْ یَزِیْد کہتے ہیں اور نیلام میں باربار بولی مانگنا بھی ثابت ہوا یہ دونوں چیزیں سنت سے ثابت ہیں۔

۶؎ خیال رہے کہ جس حدیث میں دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ چڑھانا منع فرمایا گیا وہاں وہ صورت مراد ہے جہاں تاجروخریدار راضی ہوچکے ہوں اور یہ چڑھا کر ان کا بھاؤ بگاڑ دے یہاں یہ صورت نہیں،یہاں تو تاجر خود بھاؤ چڑھانے کا مطالبہ کررہا ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے بیع معاطات(جسے بیع تعاطی بھی کہتے ہیں)ثابت ہوئی یعنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کرنا صرف لین دین سے بیع کردینا جیسا آج کل عام طور پر ہوتا ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نہ اس سے ایجاب کرایا نہ خود قبول فرمایا صرف لے دے کر بیع کردی۔

۷؎ یعنی ایک درہم کے جو خرید کر اپنی بیوی کو دے تاکہ وہ پیس پکا کر خود بھی کھائے تجھے اور بچوں کو بھی کھلائے اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر مجھے دے جا اور روٹی کھا کر پھر آنا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ فقیر نادار پر بھی بیوی بچوں کا خرچہ واجب ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ بیوی سے بھی کمائی کرا۔دوسرے یہ کہ کمانا صرف مرد پر لازم ہے نہ کہ بیوی پر کہ حضور ا نور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلہاڑی صرف مرد کو دی دو کلہاڑیاں لے کر عورت و مرد میں تقسیم نہ فرمائیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو لڑکیوں سے کمائی کرانے کے لیے بی اے،ایم اے کرارہے ہیں اور جو ضروری مسائل لڑکیوں کو سکھانا فرض ہیں ان سے بالکل بے خبر ہیں۔

۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس سے کوئی کام کاج شروع کرایا جائے اس کی کچھ بدنی امداد بھی کی جائے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس کی مالی امداد نہ کی بلکہ بدنی امداد فرمائی کیونکہ مالی امداد سے اس کے مانگنے کی عادت نہ چھوٹتی،اب اسے عبرت ہوگئی کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھ سے اتنا کام کرسکتے ہیں تو میں کیوں نہ محنت کروں۔

۹؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنگلی لکڑیاں شکاری جانوروں کی طرح عام مباح ہیں جو قبضہ کرلے وہ اس کا مالک ہے کہ وہ اسے بیچ بھی سکتا ہے۔دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم با فرمان الٰہی مالک احکام ہیں،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ان پندرہ دنوں کی جماعت سے نماز معاف فرمادی حتی کہ درمیان میں جمعہ بھی آیا وہ بھی اس کے لیے معاف رہا،اسی دوران میں اسے مسجد نبوی میں آنا ممنوع ہوگیا کیونکہ اس کو فرمایا گیا تجھ کو میں دیکھو نہیں،اب اگر وہ مسجد میں حاضر ہوتے تو اس ممانعت کے مرتکب ہوتے،انہوں نے اس زمانہ میں دن کی نماز جنگل میں اور رات کی گھر پڑھیں۔

۱۰؎ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت پندرہ دن تک مسجد میں قطعًا حاضر نہ ہوئے ورنہ اگر اس دوران میں جماعت عشاء کے لیے بھی کبھی آئے ہوتے تو اس کا ضرور یہاں ذکر ہوتا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ان سے روزانہ کا حساب پوچھتے،یہ ان کی خصوصیت میں سے ہے،اب کسی تاجر یا پیشہ ور کو یہ جائز نہیں کہ کاروبار میں مشغول ہو کر جماعت ترک کرے۔

اا یعنی حلال پیشہ خواہ کتنا ہی معمولی ہو بھیک مانگنے سے افضل ہے کہ اس میں دنیا و آخرت میں عزت ہے۔افسوس آج بہت سے لوگ اس تعلیم کو بھول گئے،مسلمانوں میں صدہا خاندان پیشہ ور بھکاری ہیں۔

۱۲تکلیف دہ فقیری میں فاقہ اور فقیر کی معذوری یعنی بے دست و پا ہونا دونوں شامل ہیں اور رسوا کن قرض سے وہ قرض مراد ہے جس میں قرض خواہ مہلت نہ دے،مقروض کی آبرو ریزی پر تیار ہو۔تکلیف دہ خون سے یہ مراد ہے کہ اس نے کسی کو قتل کردیا جس کی دیت اس پر لازم ہوئی،اس کے پاس نہ مال ہے نہ اہل قرابت،یہ تینوں آدمی بقدر ضرورت سوال کرسکتے ہیں۔خیال رہے کہ یہ پابندیاں مانگنے کے لیے ہیں زکوۃ لینے کے لیے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے فاقہ پہنچے وہ اسے لوگوں پر پیش کرے تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا۱اور جو اسے اللہ پر پیش کرے اسے بہت جلد غنی کر دے گا یا فوری موت سے یا آئندہ غنا سے۲(ابوداؤد،ترمذی)	

۱ یعنی اپنی غریبی کی شکایت لوگوں سے کرتا پھرے اور بے صبری ظاہر کرے اور لوگوں کو اپنا حاجت رواں جان کر ان سے مانگنا شروع کردے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ اسے مانگنے کی عادت پڑ جائے گی جس میں برکت نہ ہوگی اور ہمیشہ فقیر ہی رہے گا۔

۲یعنی جو اپنا فاقہ لوگوں سے چھپائے،رب تعالٰی کی بارگاہ میں دعائیں مانگے اور حلال پیشہ میں کوشش کرے تو رب تعالٰی اسے مانگنے کی ضرورت ڈالے گا ہی نہیں،اگر اس کے نصیب میں دولت مندی نہیں ہے تو اسے ایمان پر موت نصیب کرکے جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور اگر دولتمندی نصیب میں ہے تو وہ جلدی نہ سہی دیر سے ہی عطا فرمادے گا کہ اس کی کمائی میں برکت دے گا۔ہماری اس تقریر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ موت سے غنا کیسے حاصل ہوتی ہے کیونکہ پہلے غنا سے مراد مالداری نہیں بلکہ لوگوں سے بے نیازی ہے۔خیال رہے کہ آدمی مرکر لوگوں کے مال سے بے نیاز ہوجاتا ہے اگرچہ ان کے ایصال ثواب کا منتظر رہتا ہے،یہاں مالی غنا مراد ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے ابن فراسی ۱سے کہ فراسی فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ میں مانگ سکتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اور اگر مانگنا پڑ جائے تو نیکیوں سے مانگو ۲(ابوداؤد،نسائی)	

۱آپ کے نام کا پتہ نہ چلا،آپ کی نسبت فراس ابن غنم ابن مالک ابن کنانہ کی طرف ہے،آپ کے والد فراسی صحابی ہیں۔

۲؎ مطلب یہ ہے کہ بلاسخت مجبوری کسی سے کچھ مانگو مت جب سخت مجبور ہوجاؤ جس سے شرعًا مانگنا درست ہوجائے تو اللہ کے متقی و نیک بندوں ہی سے مانگو کیونکہ ان کی روزی حلال ہوگی،نیز اس میں برکت ہوگی جو تمہیں بھی نصیب ہوجائے گی،نیز وہ تمہیں لعنت ملامت نہ کریں گے جھڑکیں گے نہیں،نیز وہ تمہارے حق میں دعا بھی کریں گے جس سے تمہاری فقیری دور ہوجائے گی،یہ حکم بھیک مانگنے کے متعلق ہے مگر برکت حاصل کرنے کے لیے ان کے تبرکات مانگنا بہت ہی بہتر ہے جس پر بادشاہوں کو فخر ہوتا ہے۔صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف،تہبند،فضالہ پانی حضور انور علیہ السلام سے مانگا ہے،بال اور تہبند شریف اپنی قبروں میں لے گئے،حضور خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ کے لنگر کا دلیہ سلاطین دکن مانگ مانگ کر حاصل کرتے رہے ہیں۔ہم کو اس پر فخر ہے ہم گدائے آستانہ غوثیہ ہیں رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت ابن ساعدی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر نے صدقہ پر عامل بنایا ۲؎ جب میں اس سے فارغ ہوا اور صدقہ آپ کی خدمت میں ادا کردیا تو مجھے اجرت کا حکم دیا میں نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے لیے کام کیا ہے میری اجرت اللہ پر ہے ۳؎ فرمایا جو تمہیں دیا جائے وہ لے لو میں نے بھی زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ عمل کیا تھا مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت دی تھی تو میں نے بھی تمہارے جیسی عرض کی تھی تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو کچھ تمہیں بغیر مانگے ملے وہ کھالو اور صدقہ کرو ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کو ابن سعدی بھی کہتے ہیں،اپنی اسی کنیت میں مشہور ہیں،صحابی ہیں،شام میں ۵۷ھ؁ وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حضرت عمرفاروق نے اپنے زمانۂ خلافت میں مجھے لوگوں کے ظاہری مال(جانور،زرعی پیداوار)کی زکوۃ وصول کرنے بھیجا،اس زمانہ میں وصولی زکوۃ کا باقاعدہ محکمہ ہوتا تھا جس میں ان لوگوں کو زکوۃ سے اجرت دی جاتی تھی انہیں عامل کہتے تھے ان کی اجرت کو عمالہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالْعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا"۔

۳؎ حضرت ابن ساعدی کا خیال یہ تھا کہ اجرت لے لینے سے ثواب جاتا رہے گا اور میں نے یہ کام ثواب کے لیے کیا ہے اس لیے قبول سے انکار کیا۔

۴؎ سبحان اللہ! کیا پیاری تعلیم ہے۔مقصد یہ ہے کہ بغیر مانگے جو رب دے اسے نہ لینا اللہ کی نعمت کا ٹھکرانا ہے جو اللہ تعالٰی کو سخت ناپسند ہے لہذا یہ ضرور لے لو۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نیک اعمال کی اجرت لینا جائز ہے۔چنانچہ علماء،قاضی،مدرسین حتی کہ خود خلیفہ کی تنخواہ بیت المال سے دی جائے گی،سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے باقی تینوں خلفاء نے بیت المال سے خلافت کی تنخواہ وصول کی ہے۔دوسرے یہ کہ جب کام کرنے

والے کی نیت خیر ہو تو تنخواہ لینے سے ان شاءاللہ ثواب کم نہ ہوگا۔صرف تنخواہ کے لیے دینی کام نہ کرے تنخواہ تو گزارے کے لیے وصول کرے اصل مقصد دینی خدمت ہو۔تیسرے یہ کہ غنی بھی یہ اجرتیں لے سکتا ہے صرف فقیر ہی کو اجازت نہیں،پھر لے کر خود بھی کھاسکتا ہے اس سے خیرات بھی کرسکتا ہے۔خیال رہے کہ امام احمد کے ہاں ہدیہ قبول کرنا واجب ہے،اس حدیث کی بنا پر باقی جمہورعلماء کے ہاں یہ حکم استحبابی ہے۔مرقات نے اس جگہ فرمایا کہ سلطان اسلام پر واجب ہے کہ ایسے علماء،مفتیوں،مدرسوں کی تنخواہیں مقرر کرے جنہوں نے اپنے کو دینی خدمات کے لیے وقف کردیا ہو۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ نے عرفہ کے دن ایک شخص کو سنا کہ لوگوں سے مانگتا ہے تو فرمایا کہ کیا اس دن میں اور اس جگہ غیر خدا سے مانگتا ہے آپ نے اسے کوڑے لگائے[1](رزین)	

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بھیک مانگنا ہمیشہ اور ہر جگہ ہی برا ہے لیکن مبارک تاریخوں اورمبارک مقامات پر بندوں سے بھیک مانگنا بہت زیادہ برا۔مرقات نے فرمایا کہ اسی طرح مسجدوں میں اور جمعہ کے دن بھیک مانگنا بہت برا ہے کہ یہ جگہ عبادات کے لیے ہیں بھیک مانگنے کے لیے نہیں۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی جگہ میں غیراللہ سے مانگنا رحمت کے دروازے بند کردیتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر سے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو یقین رکھو کہ طمع فقیری ہے اور ناامیدی غنا ہے اور انسان جب کسی چیز سے مایوس ہوجاتا ہے تو اس سے لاپرواہ ہوجاتا ہے[1](رزین)	

[1] اسی لئے کہاجاتا ہے کہ مایوسی بھی ایک قسم کی راحت ہے۔کسی نے حضرت ابو محسن شاذلی سے کیمیا پوچھی آپ نے فرمایا مخلوق سے امید توڑ دو اور تقدیر پر شاکر رہو،سب سے بڑی کیمیا یہ ہے۔شعر

آس بگزار بادشاہی کن　　　گردن بے طمع بلند بود

روایت ہے حضرت ثوبان سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھے اس کی ضمانت دے کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں[2] حضرت ثوبان نے کہا میں تو کسی سے کچھ نہ مانگتا تھا[3] (ابوداؤد،نسائی)	

[1] آپ ثوبان ابن وجد ہیں،آپ کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوعبدالرحمٰن ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ معظمہ اور یمن کے درمیان مقام سرات میں خریدا،آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک سفروحضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے کبھی جدا نہ ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد مدینہ میں دل نہ لگا شام چلے گئے،مقام اللہ میں کچھ دن رہے،پھر مقام حمص میں رہے،وہیں ۵۴ھ وفات پائی،بہت مخلوق نے آپ سے احادیث لی ہیں۔

۲؎ یعنی جو مجھ سے بھیک نہ مانگنے کا عہد کرے تو میں اس کی چار چیزوں کا ذمہ دار ہوتا ہوں،زندگی تقویٰ پر، موت ایمان پر ،کامیابی قبر میں،چھٹکارا حشر میں کیونکہ جنت ان چار چیزوں کے بعد نصیب ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جنت کا مالک و مختار بنایا ہے کیونکہ بغیر اختیار ضمانت کیسی۔یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال سے بچنے والے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امان میں لے لیتے ہیں،پھر اس پر نہ شیطان کا داؤ چلے نہ نفس امارہ قابو پائے،جسے وہ اپنے دامن میں چھپالیں اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اور حضور علیہ السلام کی امن و امان عالم میں قیامت تک جاری ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ضمانت صرف صحابہ کے لیے نہیں تاقیامت ہر سوال سے بچنے والے مومن کے لیے ہے۔شعر

ڈھونڈا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

یہاں شیخ نے فرمایا کہ انبیاءکرام کی یہ ضمانتیں باذن الٰہی ہیں اور برحق ہیں حتی کہ ایک پیغمبر کا نام ہی ذی الکفل ہے کیونکہ وہ اپنی امت کے لیے جنت کے کفیل ہوگئے تھے۔

۳؎ یعنی سب سے پہلے اس حدیث پر خود حضرت ثوبان نے ایسا عمل کیا کہ وفات تک کسی سے کچھ نہ مانگا۔ معلوم ہوا کہ علم پر عالم پہلے خود عمل کرے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے لیے بلایا کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگنا۱؎ میں نے عرض کیا ہاں فرمایا اگر تمہارا کوڑا گر جائے تو وہ بھی نہ مانگنا حتی کہ خود اتر کر لینا۲؎(احمد)	

۱؎ یعنی مجھ سے اس پر بیعت لی کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص احکام پر بھی بیعتیں لی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم ان ہی کے لیے خاص تھا ورنہ گرا ہوا کوڑا کسی سے اٹھوالینا ناجائز نہیں،بعض بزرگوں کے لیے بعض جائز چیزیں ناجائز کردی جاتی ہیں جیسے حضرت علی مرتضٰی کے لیے فاطمہ زہراء کی موجودگی میں دوسرا نکاح اور بعض بزرگوں کے لیے کچھ ناجائز چیزیں جائز کردی جاتی ہیں جیسے صدیق اکبر کے لیے بحالت جنابت مسجد سے گزرنا،بعض نے فرمایا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبالغۃً ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

باب الإنفاق وكراهية الإمساك

باب خرچ کرنا اور بخل کی برائی[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یعنی سخاوت کی تعریف اور بخل کی برائیاں اس باب میں بیان ہوں گی۔سخی وہ ہے جو اپنے مال سے خود بھی کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔جوّاد وہ ہے جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیے رب تعالٰی کو سخی نہیں کہہ سکتے جوّاد کہتے ہیں۔بخیل وہ ہے جو اپنا مال خود کھائے دوسروں کا حق نہ دے۔ممسک وہ ہے جو نہ خود کھائے اور نہ کسی کو کھانے دے جوڑے اور چھوڑے۔شیخ نے فرمایا کہ یہاں امساک سے مراد بخل ہے اور انفاق سے مراد فرائض سے زیادہ نوافل میں خرچ کرنا ہے کیونکہ زکوۃ کے خرچ کا ذکر پہلے ہوچکا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر سونا ہو تو مجھے یہ اچھا لگے گا کہ تین راتیں ایسی نہ گزریں کہ جن میں اس سونے سے کچھ بھی میرے پاس ہو بجز اتنے کے جسے ادائے قرض کے لیے رکھوں[1](بخاری)

[1] حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے،یہ گفتگو ظاہر کے لحاظ سے ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ چلاکرتے جیساکہ دوسری حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مقروض نفلی صدقہ نہ دے بلکہ پہلے قرض ادا کرے،نیز اتنی عظیم الشان سخاوت وہ کرسکتا ہے جس کے بال بچے بھی صابر شاکر ہوں ورنہ انہیں بھوکا مارکر نفلی خیرات نہ کرو۔حضرت صدیق اکبر نے جو سب کچھ خیرات کردیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر والے بھی صابرین کے سردار تھے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ تم پر تمہاری بیوی کا حق بھی ہے اور تمہارے بچوں کا بھی کیونکہ وہاں ہم جیسوں کے لیے قانون کا ذکر ہے اور یہاں ان حضور داتا کے خصوصی کرم کا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی دن نہیں جس میں بندے سویرا کریں اور دو فرشتے نہ اتریں جن میں سے ایک تو کہتا ہے الٰہی سخی کو زیادہ اچھا عوض دے اور دوسرا

	کہتا ہے الٰہی بخیل کو بربادی دے۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی سخی کے لیے دعاء اور کنجوس کے لیے بددعا روزانہ فرشتوں کے منہ سے نکلتی ہے جو یقینًا قبول ہے۔خیال رہے کہ خلف مطلقًا عوض کو کہتے ہیں دنیاوی ہو یا اخروی،حسی ہو یا معنوی مگر تلف دنیوی اور حسی بربادی کو کہا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ"کا تجربہ دن رات ہورہا ہے کہ کنجوس کا مال حکیم ڈاکٹر،وکیل یا نالائق اولاد برباد کرتی ہے۔

	روایت ہے حضرت اسماء سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب خرچ کرو مت گنو ورنہ اللہ تعالٰی بھی شمار فرمائے گا۱؎اور نہ بچاؤ ورنہ اللہ بھی تم سے بچائے گا جتنا کرسکتی ہو راہِ خدا میں دو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اے اسماء اپنے مال میں سے مطلقًا اور اپنے خاوند کے مال سے بقدر اجازت خرچ کرتی رہو نفلی صدقہ کا حساب نہ لگاؤ ورنہ شیطان دل میں بخل پیدا کردے گا لہذا یہ حدیث زکوۃ کے حساب کے خلاف نہیں،بے حساب اللہ کے نام پر دو تو وہاں سے تمہیں اتنا ملے گا کہ تم حساب نہ کرسکو گی،یہ مطلب نہیں کہ رب تعالٰی کے حساب سے باہر ہوگا۔کھیت میں پانی دیتے وقت ایک شخص کنوئیں سے پانی چھوڑتا ہے اور دوسرا کیاریوں میں پھیلاتا ہے جب تک یہ پھیلاتا رہتا ہے وہاں سے پانی آتا رہتا ہے،دینی راستے اللہ کی کیاریاں ہیں مالدار لوگ ان میں پانی پھیلانے والے ہیں اور روزی پہنچانے والے فرشتے پانی چھوڑنے والے۔

۲؎ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اتنی تھوڑی اور معمولی چیز اتنی بڑی بارگاہ میں کیا پیش کروں وہاں مال کی مقدار نہیں دیکھی جاتی دل کا اخلاص دیکھا جاتاہے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی فرماتاہے:"لَنۡ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ"جب تک کہ اپنی پیاری چیز خیرات نہ کرو بھلائی نہیں پاسکتے،اور جہاں حکم دیا گیا کہ جو ہوسکے خیرات کرواں دونوں میں تعارض نہیں۔آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہمیشہ معمولی چیز ہی خیرات نہ کرو اچھی چیزیں بھی خیرات کرواور اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ بڑی چیز کی انتظار میں چھوٹی خیراتوں سے باز نہ رہو جو چیز کھانے پینے سے بچ رہی اس کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے فورًا کسی کو دے دو ورنہ برباد ہوجائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی نے فرمایا ہے اے انسان خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ سبحان اللہ! کیسی نظر کرم ہے۔مقصد یہ ہے کہ اے انسان ختم ہونے اور مٹ جانے والا مال تو میری راہ میں دے میں تجھے اس سے کہیں زیادہ مال بھی دوں گا اور نہ مٹنے والا ثواب بھی،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"مَاعِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللہِ بَاقٍ"۔(از مرقات)خیال رہے کہ جس فانی چیز کو رب تعالیٰ قبول فرمالے وہ باقی ہوجاتی ہے،دنیا صِفر ہے یعنی خالی رضائے الٰہی عدد،صفر اکیلا ہو تو کچھ نہیں اور اگر عدد سے مل جائے تو دس گناہ۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ صدقہ سے تقدیر بدل جاتی ہے بدنصیب نصیب ور ہو جاتے ہیں۔تقدیر کی پوری بحث ہماری کتاب "تفسیر نعیمی"جلد دوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ فرماتا ہے ۱؎ اے انسان اگر تو بچا مال خرچ کردے تیرے لیے اچھا ہے اور اگر تو اسے روک رکھے تو تیرے لیے برا ہے ۲؎ اور بقدرضرورت پر ملامت نہیں اور اپنے عیال سے ابتدا کر۳؎(مسلم)	

۱؎ مشکوۃ شریف کے عام نسخوں اور مرقات میں بھی قال اللہ تعالٰی نہیں ہے مگر اشعۃ اللمعات میں یہ جملہ موجود ہے۔شیخ نے بھی فرمایا کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث بھی قدسی ہے اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابن آدم سے خطاب فرماسکتے ہیں۔

۲؎ یعنی اپنی ضروریات سے بچا ہوا مال خیرات کردینا خود تیرے لیے ہی مفید ہے کہ اس سے تیرا کوئی کام نہ رکے گا اور تجھے دنیا و آخرت میں عوض مل جائے گا اور اسے روکے رکھنا خود تیرے لیے ہی برا ہے کیونکہ وہ چیز سڑ گل یا اور طرح ضائع ہوجائے گی اور تو ثواب سے محروم ہوجائے گا اسی لیے حکم ہے کہ نیا کپڑا پاؤ تو پرانا بیکار کپڑا خیرات کردو نیا جوتا رب تعالیٰ دے تو پرانا جوتا جو تمہاری ضرورت سے بچا ہے کسی فقیر کو دے دو کہ تمہارے گھر کا کوڑا نکل جائے گا اور اس کا بھلا ہوجائے گا۔

۳؎ اس میں دو حکم بیان ہوگئے:ایک یہ کہ جو مال اس وقت تو زائد ہے کل ضرورت پیش آئے گی اسے جمع رکھ لو آج نفلی صدقے دے کر کل خود بھیک نہ مانگو۔دوسرے یہ کہ خیرات پہلے اپنے عزیز غریبوں کو دو پھر اجنبیوں کو کیونکہ عزیزوں کو دینے میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی اس کا ذکر آئندہ بھی آئے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کنجوس اور سخی کی کہاوت ان دو شخصوں کی سی ہے جن پر لوہے کی دو زرہ ہوں ۱؎ جنہوں نے ان کے دونوں ہاتھ ان کے پستانوں اور گلے سے باندھ دیئے ہوں ۲؎ سخی جب خیرات کرنے	

	لگے تو زرہ پھیل جائے اور کنجوس جب خیرات کا ارادہ بھی کرے تو زرہ اور تنگ ہوجائے اور ہر کڑی اپنی جگہ چمٹ جائے۳(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ تشبیہ مرکب ہے جس میں دو شخصوں کی پوری حالتوں کو دوسرے دو شخصوں کے پورے حال سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی کنجوس اور سخی کی حالتیں ان دو شخصوں کی سی ہیں جن کے جسم پر دو لوہے کی زرہیں ہیں،انسان کی خلقی اور پیدائشی محبت مال اور خرچ کرنے کو دل نہ چاہنے کو زرہوں سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے زرہ جسم کو گھیرے اور چمٹی ہوتی ہے ایسی محبت مال انسان کے دل کو چمٹی ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ"۔بعض لوگوں نے اسے جبتان ب سے پڑھا مگر جنتان صحیح ہے ن سے۔

۲؎ تراقی ترقوت کی جمع ہے۔ترقوت وہ ہڈی ہے جو سینہ سے اوپر اور گردن کے نیچے ہے،چونکہ یہ ہڈیاں گردن کے دو طرفہ ہوتی ہیں اس لیے دو آدمیوں کی چار ہڈیاں ہوں گی اس لحاظ سے تراقی جمع ارشاد ہوا۔اِضۡطُرَّتۡ مجہول فرماکراشارۃً یہ بتایا کہ انسان کا یہ بخل قدرتی ہے اختیاری نہیں۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تشبیہ ہے یعنی بخیل بھی کبھی خیرات کرنے کاارادہ تو کرتا ہے مگر اس کے دل کی ہچکچاہٹ اس کے ارادہ پر غالب آجاتی ہے اور وہ خیرات نہیں کرتااور سخی کو بھی خیرات کرتے وقت ہچکچاہٹ تو ہوتی ہے مگر اس کا ارادہ اس پر غالب آجاتاہے اسی غلبہ پر سخی ثواب پاتاہے پھر سخاوت کرتے کرتے نفس امارہ اتنا دب جاتاہے کہ اس کو کبھی خیرات پر ہچکچاہٹ پیدا ہی نہیں ہوتی،یہ بہت بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کھلے دل سے صدقہ کرنے لگتا ہے ہر عبادت کا یہی حال ہے کہ پہلے نفس امارہ روکا کرتا ہے مگر جب اس کی نہ مانی جائے تو پھر روکنا چھوڑ دیتا ہے،نفس کی مثال شیر خوار بچے کی سی ہےجو دودھ چھوڑتے وقت ماں کو بہت پریشان کرتا ہےمگر جب ماں اس کی ضد کی پرواہ نہیں کرتی تو وہ پھر دودھ نہیں مانگتا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہوگا۱؎اور کنجوسی سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کردیا کنجوسی نے انہیں رغبت دی کہ انہوں نے خون ریزی کی حرام کو حلال جانا ۲؎(مسلم)

۱؎ ظلم کے لغوی معنے ہیں کسی چیز کو بے موقعہ استعمال کرنا اورکسی کا حق مارنا۔اس کی بہت قسمیں ہیں:گناہ کرنا اپنی جان پر ظلم ہے،قرابت داروں یا قرض خواہوں کا حق نہ دینا ان پر ظلم،کسی کو ستانا ایذاء دینا اس پر ظلم،یہ حدیث سب کو شامل ہے اور حدیث اپنے ظاہری معنے پر ہے یعنی ظالم پلصراط پر اندھیریوں میں گھرا ہوگا،یہ ظلم اندھیری بن کر اس کے سامنے ہوگا جیسے کہ مؤمن کا ایمان اور اس کی نیک اعمال روشنی بن کر اس کے آگے چلیں گے،رب

تعالٰی فرماتاہے:"یَسۡعٰی نُوۡرُھُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ"چونکہ ظالم دنیا میں حق ناحق میں فرق نہ کرسکا اس لیے اندھیرے میں رہا۔

۲؎ عربی میں شح بخل سے بدتر ہے،بخل اپنا مال کسی کو نہ دینا ہے اور شح اپنا مال نہ دینا اور دوسرے کے مال پر ناجائز قبضہ کرنا ہے۔غرضکہ شح بخل،حرص اور ظلم کا مجموعہ ہے اسی لیے یہ فتنوں فساد،خون ریزی و قطع رحمی کی جڑ ہے،جب کوئی دوسروں کا حق ادا نہ کرے بلکہ ان کے حق اور چھیننا چاہے تو خواہ مخواہ فساد ہوگا۔

	روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا ۲؎ کہ کوئی شخص اپنا صدقہ لے کر چلے گا تو کوئی اس کا قبول کرنے والا نہ ملے گا آدمی کہیں گے کہ اگر تم کل لاتے تو میں لے لیتا آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں،حضرت عمر ابن خطاب کے سوتیلے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کے اخیافی بھائی،کوفہ میں قیام رہا۔

۲؎ کُمۡ سے مراد ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ کہ صحابہ کیونکہ مال کی یہ فراوانی قریب قیامت حضرت امام مہدی کے زمانہ میں ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ صحابہ سے ہی خطاب ہو اور سیدنا خضر علیہ السلام اس میں داخل ہوں کہ وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور وہ یہ زمانہ پائیں گے کہ ان کی وفات بالکل قیامت سے متصل ہوگی۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ قبول نہ کرنا غنا کی وجہ سے ہوگا کہ سارے لوگ اتنے مالدار ہوجائیں گے کہ آسانی سے کوئی زکوۃ لینے والا نہ ملے گا۔اس حدیث کی روش سے معلوم ہورہا ہے کہ اس وقت بھی فقیر ملیں گے تو مگر بہت تلاش اور دشواری سے ورنہ مالداروں پر زکوۃ فرض نہ رہتی جیسے جس کے اعضائے وضو ایسے زخمی ہوں جن پر نہ پانی پہنچے سکے نہ تیمّم کا ہاتھ پھیر سکے تو اس پر وضو اور تیمّم دونوں معاف ہوجاتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقراء کا ہونا بھی اللہ کی رحمت ہے کہ ان کے ذریعہ ہم بہت سے فرائض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس زمانے کے لوگ زاہد،صابر اور تارک الدنیا ہوجائیں گے جو زکوۃ لینا پسند کریں گے ہی نہیں۔واللہ اعلم!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے صدقہ کا بڑا ثواب ہے ۱؎ فرمایا یہ کہ تم اپنی تندرستی اور بخل کی حالت میں صدقہ کرو جب کہ تمہیں فقیری کا ڈر اور امیری کی امید ہو ۲؎ اور اتنی دیر

نہ لگاؤ کہ جب جان گلے میں پہنچے تو تم کہو کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا۳؎ حالانکہ وہ فلاں کا ہو ہی چکا ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ نفلی ہے،چونکہ یہ بہت سی قسم کا ہوتا ہے اور اس کے مختلف حالات ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا یعنی کس وقت کی کون سی خیرات بہتر ہے مسجد بنانا کنواں یا سرائے تیار کرنا یا کسی کو کھانا یا کپڑا دینا وغیرہ۔

۲؎ نہایت حکیمانہ جواب ہے یعنی تندرستی کا ہر صدقہ افضل ہے کیونکہ اس وقت خود اپنے کو بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے۔بخل سے مراد فطری محبت مال ہے یعنی تندرستی میں جب تمہیں خود بھی ضرورت ہے اپنی ضرورت پر دیں یا فقیر کی ضرورت کو مقدم رکھنا بڑی ہمت ہے اور اس کی بارگاہ الٰہی میں بڑی قدر ہے،شیطان بھی اسی وقت بہکاتاہے کہ ارے تیرے سامنے اتنے خرچ ہیں مت خیرات کر۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ فلاں سے مراد موصیٰ لہ ہے جس کے لیے وصیت کی جائے اور اتنے سے مراد مال کی مقدار ہے یعنی تم وارثوں سے کہو کہ میرا اتنا مال میرے بعد فلاں فلاں جگہ خرچ کرنا اور ممکن ہے کہ فلاں سے مراد مقرلہ ہو یا وارث کیونکہ وارث کو وصیت جائز ہے جب کہ دوسرے ورثاء راضی ہوں۔(اشعہ وغیرہ)

۴؎ یہاں فلاں سے مراد وارثین ہیں یعنی اب تم وصیت کرو یا نہ کرو تمہارے پاس سے مال چلدیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرض الموت کی حالت ہی میں بیمار کے مال میں وارثوں کا حق ہوجاتا ہے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ بیمار صرف تہائی مال کی وصیت کرسکتا ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حالت کے صدقہ و خیرات کا ثواب بہت کم ہےکیونکہ اب خود اسے ضرورت نہ رہی انسان کو چاہیے کہ تندرستی اور زندگی کو غنیمت سمجھے جو ہوسکے نیکیاں کرلے۔شعر

توشۂ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ ابھی ۔۔۔ کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ۔۔۔ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور کعبہ کے سایہ میں جلوہ گر تھے جب حضور نے مجھے دیکھا تو فرمایا رب کی قسم وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۱؎ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا وہ کون لوگ ہیں فرمایا بڑے مالدار لوگ بجز اس کے جو یوں اور یوں اور یوں دے۲؎ یعنی آگے پیچھے دائیں بائیں اور وہ ہیں بہت تھوڑے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت ابوذر غفاری وہ ہیں جنہوں نے امیری پر لات مار کر فقیری اختیار کی تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہمت افزا کلام ان کی عزت افزائی کے لیے فرمایا یعنی اے ابو ذر تم خسارہ میں نہیں خسارہ میں عمومًا مالدار لوگ ہیں۔

۲؎یہاں **قَالَ** بمعنی **فَعَلَ** ہے اور **فعل** سے مراد صدقہ و خیرات،یہ محاورہ عربی میں بہت عام ہے۔ (لمعات)یعنی وہ سخی جو بلا گنتی دونوں ہاتھ بھر بھر کر نیکیوں میں خرچ کرے خسارہ میں نہیں۔

۳؎ان چار سمتوں سے مراد ہر نیکی ہر جگہ نیکی ہر حال میں نیکی کرنا ہے اپنے وطن میں بھی خرچ کرے،حرمین شریفین میں بھی بھیجے،جہاں مسلمانوں کو یا اسلام کو ضرورت ہو وہاں پہنچائے۔واقعی ایسی توفیق والے تھوڑے مالدار ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ**"۔عمومًا مالداروں پر فضول خرچیوں،بدکاریوں اور عیاشیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں،اللہ تعالٰی عثمان غنی کے خزانہ کا پیسہ عطا فرمائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سخی اللہ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے آگ سے دور ہے۱؎اور کنجوس اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے آگ کے قریب ہے اور یقینًا جاہل سخی کنجوس عابد سے افضل ہے ۲؎(ترمذی)

۱؎ ہم سخی اور جوّاد کا فرق پہلے بیان کرچکے ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حقیقی سخی وہ ہے جو غنا پر رب تعالٰی کی رضا کو ترجیح دے۔اس کے تین قرب بیان ہوئے اور ایک دوری،اللہ تعالٰی تو ہر ایک سے قریب ہے لیکن اس سے قریب کوئی کوئی ہے۔شعر

یار نزدیک تراز بمعن است   دین عجب ہیں کہ من ازوے دُورم

اس حدیث میں اشارۃً فرمایا گیا کہ سخاوت مال حسن مال یعنی انجام بخیر کا ذریعہ ہے سخی سے مخلوق خود بخود راضی رہتی ہے۔

حکایت: کسی عالم سے پوچھا گیا کہ سخاوت بہتر ہے یا شجاعت فرمایا خدا تعالٰی جسے سخاوت دے اسے شجاعت کی ضرورت ہی نہیں لوگ خود بخود اس کے سامنے چت ہوجائیں گے،چونکہ صدقہ غضب کی آگ بجھاتا ہے اس لیے سخی دوزخ سے دور ہے۔

۲؎ یہاں عابد سے مراد عالم عابد ہے جیساکہ جاہل کے مقابلے سے معلوم ہورہا ہے یعنی جو شخص عالم بھی ہو عابد بھی مگر ہو کنجوس کہ نہ زکوۃ دے نہ صدقات واجبہ اداکرے وہ یقینًا سخی جاہل سے بدتر ہوگا کیونکہ وہ عالم حقیقتًا بے عمل ہے بخل بہت سے فسق پیداکردیتا ہے اور سخاوت بہت خوبیوں کا تخم ہے بلکہ وہ عابد بھی کامل نہیں کیونکہ عبادت مالی یعنی زکوۃ وغیرہ ادا نہیں کرتا،صرف جسمانی عبادت ذکروفکر پر قناعت کرتا ہے جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کا اپنی زندگی میں ایک درہم خیرات کرنا مرتے وقت سو خیرات کرنے سے بہتر ہے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ زندگی سے مراد تندرستی کی زندگی ہے اور موت کے وقت سے مراد مرض الموت ہے جب زندگی کی آس ٹوٹ جاتی ہے یعنی تندرستی میں تھوڑا مال خیرات کرنا مرتے وقت کے بہت مال کی خیرات سے بہتر ہے کیونکہ تندرستی کی خیرات میں نفس پر جہاد بھی ہے اور مرتے وقت کی خیرات میں اپنا نقصان نہیں بلکہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانا ہے۔اس کی پوری شرح ابھی پہلے ہوچکی۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی مثال جو مرتے وقت خیرات یا آزاد کرے اس کی سی ہے جو اپنے پیٹ بھر جانے پر کسی کو ہدیہ دے ۱؎ (احمد،نسائی،دارمی،ترمذی نے اسے صحیح کہا)	

۱؎ کہ اگر ہدیہ لینے والا غنی بھی ہو اور دینے والے کے اس طرز عمل سے خبردار بھی تو وہ اس کی قدر نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو مجھ پر مقدم رکھا اور سمجھا کہ یہ بچی چیز برباد ہوجائے گی لاؤ فلاں کو ہی بھیج دو،اسی طرح رب تعالٰی غنی بھی ہے اور ہماری نیتوں سے خبردار بھی۔صدقات اس کی بارگاہ میں ہدیے ہیں اگر ان کی بارگاہ الٰہی میں قدر چاہتے ہو تو تندرستی میں بھیجو کہ وہاں اخلاص دیکھا جاتا ہے۔شعر

ما بروں رانگریم وقال را | مادروں رابنگریم و حال را

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن میں دو خصلتیں کبھی جمع نہیں ہوتیں کنجوسی اور بدخلقی ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی کامل مؤمن بھی ہو اور ہمیشہ کا بخیل اور بدخلق بھی،اگر اتفاقًا کبھی اس سے بخل یا بدخلقی صادر ہوجائے تو فورًا وہ پشیمان بھی ہوجاتا ہے اس کے ایک معنے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مؤمن نہ بخیل ہوتا ہے نہ بدخلق،جس دل میں ایمان کامل جاگزیں ہو تو اس دل سے یہ دونوں عیب نکل جاتے ہیں۔(لمعات)خیال رہے کہ بدخلقی اور ہے غصہ کچھ اور،اللہ تعالٰی کے لیے غصہ کرنا عبادت ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ"۔ہماری اس شرح سے حدیث پر نہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ بعض مؤمن بخیل بھی ہوتے ہیں اور بدخلق بھی کیونکہ وہ یا تو مؤمن کامل نہیں ہوتے یا ان کے یہ عیب عارضی ہوتے ہیں اور نہ یہ اعتراض رہا کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے کہ قرآن کریم نے بعض عضوں کی تعریف فرمائی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں نہ تو فریبی آدمی جائے نہ کنجوس نہ احسان جتلانے والا ۲؎(ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام شریف عبداللہ ابن عثمان(ابوقحافہ)ابن عامر عمرو ابن کعب ابن سعد ابن تمیم ابن مرہ ہے،آپ ساتویں دادا یعنی مرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں،آپ کی کنیت ابوبکر اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا فرمائے ہوئے القاب صدیق اکبر اور عتیق ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوؤں میں شریک رہے،اسلام سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے،سب سے پہلے آپ ہی ہجرت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار کہلائے،آپ ہی افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں،عثمان غنی آپ کی تبلیغ سے ایمان لائے،حضرت بلال اور عامر فہیرہ رضی اللہ عنہما جیسے شاندار صحابہ آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ چار پشت کے صحابی ہیں،ماں باپ صحابی خود اور سارے گھر والے صحابی،ساری اولاد صحابی پوتے نواسے صحابی،ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ہی کی دختر نیک اختر ہیں،آپ کے فضائل میں بہت آیات اتریں،رب تعالٰی نے آپ کو ثانی اثنین فرمایا یعنی زندگی وفات وقبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی۔شعر

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

اسلام لانے والے رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور پھیلانے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ،فاروقی فتوحات کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی،آپ مکہ معظّمہ میں واقعۂ فیل سے دو سال پونے پانچ ماہ بعد پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں بائیس جمادی الاآخرہ ۱۳ھ؁ منگل کی رات مغرب اورعشاء کے درمیان وفات پائی،آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے آپ کو غسل دیا،عمر فاروق نے نماز جنازہ پڑھائی،۶۳سال عمر پائی،دو سال کچھ مہینے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں چھوٹے تھے وہی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پورے کئےاور پھر ہمیشہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں گنبد خضراء کے اندر آرام فرماہوگئے۔آپ کے فضائل آسمان کے تاروں اور ریگستانوں کے ذروں سے زیادہ ہیں،آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔(اکمال وغیرہ)

۲؎ یعنی جوان عیبوں پر مر جائےوہ جنتی نہیں کیونکہ وہ منافق ہے،مؤمن میں اولًا تو یہ عیب ہوتے نہیں اور اگر ہوں تو رب تعالٰی اسے مرنے سے پہلے توبہ نصیب کردیتا ہے۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسا آدمی جنت میں پہلے نہ

جائے گا،احسان جتانے سے طعنہ دینا مراد ہے ورنہ بعض صورتوں میں احسان جتانا عبادت ہے جب کہ اس سے سامنے والے کی اصلاح مقصود ہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمٰنِ"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کی بدترین خصلت گھبراہٹ والی کنجوسی اور ڈر والی بزدلی ہے۱؎ (ابوداؤد)ہم ابوہریرہ کی یہ حدیث لایجتمع الخ کتاب الجھاد میں بیان کریں گے۔ان شاءاللہ تعالٰی!

۱؎ یعنی انسان کے سارے عیبوں میں یہ دو عیب بدترین ہیں کہ جس سے صدہا عیب پیدا ہوجاتے ہیں۔شح کے معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ یہ بخل اور حرص کا مجموعہ ہے۔بڑی بزدلی وہ ہے جو انسان کو کفار کے ساتھ جہاد سے اور ابرار جیسے اعمال سے روکے۔حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی قید اس لیے لگائی کہ عورت میں یہ عیب اتنے برے نہیں جتنے مرد میں کیونکہ یہ سخاوت اور بہادری کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم سب میں پہلے آپ سے کون ملے گی۱؎ فرمایا تم میں لمبے ہاتھ والی۲؎انہوں نے بانس لے کر ہاتھ ناپنے شروع کردیئے۳؎تو حضرت سودہ دراز ہاتھ نکلیں بعد میں معلوم ہوا کہ درازئ ہاتھ سے مراد صدقہ خیرات تھی ہم سب میں پہلے حضور کے پاس زینب سدھاریں اور وہ سرکار خیرات بہت پسند کرتی تھیں۴؎(بخاری)مسلم کی روایت میں ہے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے پہلے مجھے وہ ملے گی جو لمبے ہاتھ والی ہو فرماتی ہیں کہ ازواج پاک جھگڑتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں فرماتی ہیں ہم سب میں لمبے ہاتھ والی زینب ہی ہیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور خیرات

	کرتی تھیں۵؎

۱؎ یہ سوال چند سوالوں کا مجموعہ ہے:ایک یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کا وقت موت کب ہے۔دوسرے یہ کہ ہم سب کی موت کس حال میں ہوگی ایمان پر اور ایمان کے کس درجہ پر۔تیسرے یہ کہ ہماری بقیہ زندگی تقویٰ کے کس درجہ پر گزرے گی۔چوتھے یہ کہ بعد وفات ہمارا مقام کہاں ہوگا کیونکہ بعد وفات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی مل سکتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو زندگی اعلیٰ درجے کے تقویٰ اور طہارت پر گزرے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ازواج مطہرات کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ عطا فرمائے ہیں کہ سرکار بعطائے الٰہی ہر ایک کا وقت موت بھی جانتے ہیں اور ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے بھی خبردار ہیں اور ہر ایک کے درجہ ایمان و مرتبہ تقویٰ سے بھی واقف ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بعد موت کس کا کیا درجہ ہوگا اور کون کہاں رہے گا کیوں نہ ہوتا کہ ان بیبیوں نے دیکھا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے زمین پر خط کھینچ کر بتا دیا تھا کہ کل فلاں کافر یہاں مارا جائے گا اور فلاں یہاں۔دوسرے یہ کہ ازواج پاک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد موت کی ایسی مشتاق تھیں جیسے عروس برات کی کیونکہ ان کے لیے موت لقائے حبیب کا ذریعہ تھی۔شعر

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں عاصی | جس کے جویاں تھے ہے اس گل کے ملاقات کی رات

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے | کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

۲؎ یعنی اے پاک بیبیو! تم سب ہی اعلیٰ تقویٰ پر جیوگی،کمال ایمان پر وفات پاؤ گی اور تم سب میرے ساتھ رہو گی مگر سب سے پہلے میرے پاس تم میں سے وہ پہنچے گی جو زیادہ سخی ہوگی۔اس جواب سے معلوم ہوا کہ مؤمن کامل مرتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے،وصال بعد قیامت پر موقوف نہیں،نیز معلوم ہوا کہ جو بعد موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہے وہ زندگی میں نیک اعمال اور صدقہ و خیرات زیادہ کرے۔

۳؎ یہ ہوئی خطائے اجتہادی،وہ بیبیاں یہ سمجھیں کہ ہاتھ سے یہ جسم کا ہاتھ مراد ہے ان بیبیوں نے اپنے ہاتھ خود ناپے تھے مگر تعظیم و احترام کے لیے اَخَذُوا جمع مذکر فرمایا گیا جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:" وَ کَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ"اور شاعر کہتا ہے"اِنۡ شِئۡتِ حَرَّمۡتُ النِّسَاءَ سِوَاکُمۡ"قانتین بھی مذکر ہے اور کُم بھی۔

۴؎ یعنی جسم کا ہاتھ تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دراز تھا مگر سخاوت کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا لمبا تھا،حضرت زینب کی وفات ۲۱ھ؁ میں ہوئی،آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور حضرت سودہ کی وفات ۲۴ھ؁ میں اور عائشہ صدیقہ کی وفات ۵۷ھ؁ میں ہے۔(مرقات ولمعات)

۵؎ چنانچہ اپنے ہاتھ سے کھالیں رنگتی تھیں انہیں بیچتی تھیں اور قیمت خیرات کردیتی تھیں،یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ازواج مطہرات کا نان نفقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذمہ ہے کیونکہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہیں لہذا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ محنت کرنا

اپنے خرچ کے لیے نہ تھا بلکہ راہِ خدا عزوجل میں خیرات کرنے کے لیے تھا،ان کا خیال تھا کہ اپنی محنت کا پیسہ خیرات کرنا زیادہ لائق ثواب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی بولا میں خیرات کروں گا۱ وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا تو کسی چور کے ہاتھ میں دے دیا۲ لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات چور کو خیرات دی گئی وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہے چور پر صدقہ۳ اب پھر صدقہ کروں گا وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا تو ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا۴ لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات زانیہ کو صدقہ دیا گیا۵ وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہے کیا زانیہ کو خیرات میں اور صدقہ کروں گا پھر وہ اپنا صدقہ لے کر چلا تو کسی مالدار کے ہاتھ میں دے دیا۶ لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات غنی کو صدقہ دیا گیا ۷ وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہی ہے کیا چور پر زاینہ پر اور غنی پر ۸ اسے جواب میں کہا گیا کہ الٰہی تیری رحمت خیرات چور پر تو شاید وہ چور چوری سے باز رہے لیکن زاینہ تو شاید وہ زنا سے باز رہے لیکن غنی تو شاید وہ عبرت پکڑے اور اللہ کے دیئے میں سے کچھ خیرات کرے ۹ (مسلم،بخاری)لفظ بخاری کے ہیں۔

۱ یعنی تم سے پہلے ایک بنی اسرائیلی نے اپنے دل میں کہا یا اپنے دوستوں یا گھر والوں پر اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا یارب تعالٰی کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آج میں خیرات دوں گا۔ظاہر یہ ہے کہ خیرات سے نفلی صدقہ مراد ہو۔ممکن ہے اس نے کوئی نذر مانی ہو جس کے پورا کرنے کا ارادہ کیا۔

۲ یعنی رات کے اندھیرے میں اکیلے میں ایک شخص کو فقیر جان کروہ خیرات دے دی،اس نے لوگوں میں پھیلادیا کہ مجھے ایک آدمی خیرات دے گیا جیساکہ آوارہ لوگوں کا طریقہ ہے کہ دھوکا دینے پر فخر کرتے ہیں اور دھوکا کھانے والے کا مذاق اڑاتے ہیں،اس کا لوگوں میں چرچا ہوگیا۔مرقات نے فرمایا ممکن ہے کہ لوگوں کو یہ خبر الہام الٰہی سے معلوم ہوئی ہواور ہوسکتا ہے کہ کوئی فرشتہ شکل انسانی میں آکر لوگوں سے یہ کہہ گیا ہو،غرضکہ اس کا چرچا ہوگیا۔

۳ یہ کلمہ تعجب کا ہے یعنی وہ شخص صدقہ ضائع ہونے پر دل تنگ نہیں ہوا بلکہ خدا کا شکر ہی کیااور تعجب کے طور پر یہ کہا اللہ کے مقبول بندے مصیبت پر بھی شکر ہی کرتے ہیں۔

۴؎ یعنی میرا وہ صدقہ تو بیکار گیا کیونکہ صحیح مصرف پر نہ پہنچا جیسے کھاری زمین میں دانہ اس کی جگہ اور صدقہ دوں گا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر صدقہ صحیح جگہ نہ پہنچے تو واپس نہ لے بلکہ اس کی بجائے اور صدقہ دے چونکہ آج بھی صدقہ چھپانے کے لیے اندھیری رات ہی میں نکلا تھا اس لیے ایک فاسقہ زانیہ عورت کو مسکین جان کر خیرات دے دی اور دھوکا کھا گیا۔

۵؎ اس چرچا کی وجہ ابھی بیان کردی گئی کہ یا خود زانیہ نے ہی لوگوں میں پھونکا یا فرشتہ کے ذریعہ اس کا اعلان ہوگیا۔

۶؎ اسے فقیر سمجھ کر یہ مالدار کوئی کنجوس تھا جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا اور حریص بھی کہ جانتے ہوئے خیرات لے لی جیساکہ آج کل بھی کنجوسوں کو دیکھا جاتا ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دینے والے نے دھوکا کیسے کھایا اور لینے والے نے غنی ہونے کے باوجود خیرات لے کیوں لی۔موجودہ زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے ان اعتراضوں کی گنجائش ہی نہیں۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ غنی نے خود کسی سے نہ کہا ہوگا کہ کنجوس حریص لوگ ان باتوں کا چرچا نہیں کرتے بلکہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں،یہ اعلان فرشتہ ہی کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

۸؎ یعنی مولے میں کیا صورت کروں کہ صدقہ صحیح جگہ پہنچے،تین دفعہ خیرات کرچکا ہر بار بیکار ہی گئی۔

۹؎ خلاصہ یہ ہے کہ تیرے یہ تینوں صدقے کارآمد ہیں کوئی بیکار نہ گیا،چور اور زانیہ کے لیے تو گناہوں سے بچنے کا ذریعہ بنے گا اور غنی کے لیے سخاوت کی تبلیغ ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر غلطی سے زکوۃ غیر مصرف پر خرچ کردی جائے مثلًا کسی کو فقیر سمجھ کر زکوۃ دی پھر پتہ لگا وہ غنی ہے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی اس کا اعادہ واجب نہیں،طرفین کا یہی قول ہے ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کیونکہ یہاں اسے چوتھی بار صدقہ دینے کا حکم نہیں دیا گیا مگر تمام آئمہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں صدقہ واپس نہ لے،ہاں اس میں اختلاف ہے کہ خود لینے والے کو یہ مال حلال ہے یا نہیں۔قوی یہ ہے کہ اگر اس نے غلطی سے لے لیا ہے تو حلال ہے،دانستہ لیا ہے تو حرام،اس کی دلیل حضرت معن ابن یزید کی وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی کہ فرماتے ہیں میرے والد نے صدقہ کے کچھ دینار مسجد میں رکھے میں نے اٹھا لیے،پھر یہ واقعہ بارگاہ نبوی میں پیش ہوا تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے یزید تمہارے لیے تمہاری نیت اور اے معن جو تم نے لیا وہ تمہارا ہے۔(فتح القدیر و مرقات)

روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ ایک شخص کسی زمین کے جنگل میں تھا اس نے بادل میں آواز سنی ۱؎ کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر یہ بادل ایک طرف گیا اور پتھریلی زمین پر پانی برسایا ۲؎ تو نالیوں میں سے ایک نالی نے یہ سارا پانی جمع کرلیا تب یہ شخص اس پانی کے پیچھے چل دیا دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہوا بیلچے	

سے پانی باغ میں پھیر رہا ہے۳؎ اس سے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے وہ بولا فلاں یعنی وہ ہی نام جو اس نے بادل میں سنا تھا۴؎ اس نے پوچھا اے اللہ کے بندے تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے تو یہ بولا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے ایک آواز سنی تھی کہ کوئی تیرا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو تو تو اس میں کیا نیکی کرتا ہے ۵؎ وہ بولا کہ جب تو پوچھتا ہے تو بتاتا ہوں کہ میں اس باغ کی پیداوار میں غور کرتا ہوں تو تہائی خیرات کردیتا ہوں اور تہائی میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور تہائی اس میں دوبارہ خرچ کردیتا ہوں ۶؎ (مسلم)	

۱؎ شاید یہ شخص اس زمانہ کے اولیاء میں سے ہوگا جس نے فرشتہ کی یہ آواز سنی اور سمجھ بھی لیا۔ظاہر یہ ہے کہ یہ بادل کی گرج ہی تھی،گرج فرشتہ کی آواز ہی ہوتی ہے جو بادلوں کو احکام دیتا ہے۔

۲؎ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بادل پر فرشتہ مقرر ہے جس کے حکم سے بادل آتے جاتے برستے اور کھلتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض نیک بندوں کے طفیل بدوں پر بھی بارش ہوجاتی ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! اس نیک بندے کی کیسی عزت افزائی کی گئی کہ پانی ایک پتھریلے علاقہ پر برسایا گیا،پھر اسے ایک نالی میں جمع کیا گیا،اس نالی کے ذریعہ اس کے باغ میں پانی پہنچایا گیا خود بادل اس باغ پر نہ برسایا گیا جیسے کہ وہ گنہگار جو ایک بستی میں گناہ کرکے دوسری بستی میں کسی عالم کے پاس توبہ کرنے جارہا تھا رستہ میں مر گیا،رب تعالٰی نے حکم دیا کہ یہ جس بستی سے قریب ہو اسی کے احکام اس پر جاری کیے جائیں،ناپا گیا تو بالکل بیچ میں تھا تو گناہ کی بستی پیچھے ہٹائی گئی اور توبہ کی بستی آگے بڑھائی،خود اس کی لاش کو حرکت نہ دی گئی اس کے احترام کی وجہ سے،اس نالہ کے کنارے والے کھیتوں کو بھی اس کے طفیل پانی مل گیا ہوگا۔

۴؎ غالب یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کا نام نہ بتایا بلکہ فلاں فرما دیا یہ راوی نہیں بھولے ہیں اور فلاں فرمانا اسی لیے ہے کہ نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا کم علمی ثابت نہیں ہوتی۔

۵؎ یعنی رب تعالٰی کے ہاں تیری یہ عزت کہ تیرے نام کی دہائی بادلوں میں ہے اور تیرے لیے دور سے بادل لائے جاتے ہیں،تیری کسی نیکی کی وجہ سے ہے بتا وہ خاص نیکی کون سی تو کرتا ہے۔معلوم ہوا کہ کسی کی چھپی ہوئی نیکیاں پوچھنا تاکہ خود بھی وہ نیکی کرے جائز بلکہ بہتر ہے،قرآن پاک جو فرماتا ہے:"وَلَا تَجَسَّسُوۡا" وہاں لوگوں کی عیب جوئی مراد ہے یعنی لوگوں کے خفیہ عیب مت ڈھونڈو،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۶؎ یعنی میرے پاس اور تو کوئی نیکی نہیں صرف یہ ہے کہ اس کی پیداوار گناہ میں خرچ نہیں کرتا،اپنے بچوں سے روکتانہیں خدا کا حق بھولتا نہیں ساری ایک دم خرچ نہیں کردیتااس کا تہائی خیرات کرنا نفلی صدقہ بھی تھااورنہ بنی اسرائیل کے ہاں ہر مال کی زکوۃ چوتھائی حصہ تھی،ہمارے ہاں پیداوار کی زکوۃ دسواں یا بیسواں حصہ ہےاورچاندی سونے وغیرہ کی چالیسواں حصہ۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اپنی خفیہ نیکیاں کسی کو بتانا تاکہ وہ بھی اس پر عمل کرے ریا نہیں بلکہ تبلیغ ہے فخر نہیں بلکہ رب تعالٰی کا شکر ہے۔

روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے کوڑھی گنجا اور اندھااللہ تعالٰی نے ان کا امتحان لینا چاہا۱؎ تو ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا کہ کوڑھی کے پاس آیا بولا تجھے کیا چیز پسند ہے وہ بولا اچھا رنگ اوراچھی کھال اور یہ بیماری جاتی رہے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۲؎ حضور نے فرمایا کہ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تواس کی بیماری جاتی رہی اور اسے اچھا رنگ اچھی کھال دیدی گئی۳؎ فرشتہ بولا تجھے کون سا مال پسند ہے وہ بولا اونٹ یا حضور نے فرمایا گائے،اسحاق کو شک ہے مگر کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا تھااور دوسرے نے گائے ۴؎ فرمایا کہ اسے گیابھن اونٹنی دے دی گئی فرشتے نے کہا اللہ تجھے اس میں برکت دے۵؎ فرمایا کہ پھر فرشتہ گنجے کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ تجھے کیا چیز پسند ہے وہ بولا اچھے بال اور یہ کہ میری بیماری جاتی رہے جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں فرمایا کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی گنج جاتی رہی فرمایا کہ اسے اچھے بال دے دیئے گئے ۶؎ پوچھا تجھے کون سا مال پسند ہے بولا گائے تو اسے گیابھن گائے دی اور کہا کہ اللہ تجھے اس میں برکت دے فرمایا پھر وہ اندھے کے پاس پہنچا کہا تجھے کون سی چیز پسند ہے وہ بولا کہ اللہ مجھے میری آنکھیں لوٹا دے جس سے میں لوگوں کو دیکھو فرمایا کہ اس نے اندھے پر ہاتھ پھیرا تو اللہ

نے اس کی بینائی لوٹا دی۷؎ پھر پوچھا کہ تجھے کون سا مال پسند ہے کہا بکریاں اسے گیابھن بکری دے دی پھر ان دونوں جانوروں نے بچے دیئے اور یہ بھی بیاہی تو اس کے پاس اونٹوں کا جنگل ہوگیا اور اس کے پاس گایوں کا جنگل اور اس کے پاس بکریوں کا جنگل ۸؎ فرمایا پھر فرشتہ کوڑھی کے پاس اپنی اسی شکل و صورت میں آیا۹؎ بولا مسکین آدمی ہوں بحالت سفر میرے سارے اسباب جاتے رہے ۱۰؎ تو اب اللہ کی توفیق پھر تیری مدد کے بغیر گھر نہیں پہنچ سکتا ۱۱؎ میں تجھ سے اس خدا کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اچھی کھال اور مال دیا تاکہ میں اپنے سفر میں مقصد پر پہنچ جاؤں ۱۲؎ تو وہ بولا کہ حقوق مجھ پر بہت ہیں ۱۳؎ فرشتہ بولا میں شاید تجھے پہچانتا ہوں تو کوڑھی فقیر نہ تھا؟ کہ تجھ سے لوگ گھن کرتے تھے پھر تجھے اللہ نے مال دیا وہ بولا کہ میں تو اس مال کا پشت درپشت وارث ہوا ہوں ۱۴؎ فرشتہ بولا کہ اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے جیساتھا ویسا ہی کردے ۱۵؎ فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی صورت میں آیا اس سے وہی کہا جو کوڑھی سے کہا تھا اور اس نے ویسا ہی جواب دیا جو اس نے دیا تھا ۱۶؎ فرشتہ بولا اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے ویسا ہی کردے جیسا تو تھا فرمایا پھر وہ اپنی شکل و صورت میں اندھے کے پاس آیا بولا مسکین و مسافر ہوں میرے سفر میں اسباب منقطع ہوچکے ہیں آج خدا تعالٰی کی پھر تیری مدد کے بغیر میں منزل تک نہیں پہنچ سکتا۱۷؎ میں تجھ سے اس اللہ کے نام جس نے تجھے آنکھیں لوٹائیں ایک بکری مانگتا ہوں جس کے ذریعہ اپنے سفر میں گھر پہنچ سکوں ۱۸؎ وہ بولا میں اندھا تھا اللہ نے مجھے روشنی لوٹائی تو جو چاہے لے لے اور جو چاہے چھوڑ دے رب کی قسم آج تو جو کچھ

	اللہ کے نام پر لے گا میں تجھے اس سے منع نہ کروں گا۱۹؎فرشتہ بولا اپنا مال رکھ تم سب کی آزمائش کی گئی ہے تجھ سے رب راضی ہوا اور تیرے دو یاروں سے ناراض۲۰؎(مسلم،بخاری)

۱؎ شفا اور مال دے کر اور پھر کچھ مال طلب فرماکر رب تعالٰی دے کر شکر کا امتحان لیتا ہے لیکن صبر کا یہ امتحان خود رب تعالٰی کے اپنے علم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ دنیا والوں کے سامنے مثال قائم کرنے کے لیے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت پکڑیں۔

۲؎یہ فرشتہ شکل انسانی میں آیا تھا جیساکہ حدیث کے اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔غالبًا طبیب کی شکل میں ہوگا یا مقبول الدعاء ولی کی تب ہی تو اس بیمار نے یہ خواہش ظاہر کی تاکہ وہ دوا یا دعا دے۔

۳؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقبولوں کے ہاتھ پھیرنے سے بیماریاں جاتی ہیں،مصیبتیں ٹل جاتی ہیں بلکہ ان کے دھوون سے شفائیں ملتی ہیں،آبِ زمزم حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی ایڑی کا دھون ہے جو تاقیامت شفاء ہے،حضرت ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کے پاؤں کا غسالہ شفا تھا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُرۡکُضۡ بِرِجۡلِکَ ہٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ"۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کا تکلیف کی جگہ ہاتھ رکھ کر فیض دینا جائز ہے اور عمل سلب امراض جائز ہے یعنی چھوکر بیماری دورکردینا،ان کی اصل یہ حدیث ہے اسی لیے رب تعالٰی نے فرشتہ کے واسطہ سے اس کو شفا دی۔

۴؎یعنی اسحاق ابن عبداللہ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں انہیں یہ شک ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کس کے لیے فرمایا اور گائے کس کے لیے۔غالب یہ ہے کہ اس گنجے نے اونٹ ہی مانگا تھا کیونکہ آگے گائے کا ذکر جزم سے آرہا ہے۔

۵؎ **عشراء** ع کے پیش اور ش کے فتح سے **عشر** سے بنا،بمعنی دس،دس ماہا حاملہ اونٹنی کو **عشراء** کہتے ہیں،پھر مطلقًا حاملہ کو **عشراء** کہنے لگے،بعد میں گھر بار گھوڑےاور جانور وغیرہ پر یہ لفظ بولنے لگے۔(اشعہ)غالبًا کنبہ کو عشیرہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ اس سے آدمی دسیوں گنا ہوجاتا ہے،فرشتے نے یہ اونٹنی قدرتی اس کو دی کہیں سے خرید کر یا کسی اور کامال نہ دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر دست غیب میں فرشتے کے ذریعہ غیبی مال ملے تو حلال ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔جنات کا لایا ہوا حلال نہیں کہ وہ اکثر دوسروں کا چوری کرکے لے آتے ہیں فرشتہ نے اسے خیرات بھی دی اور دعا بھی،اس دعا کی برکت سے ہی اس کا مال بہت بڑھا،جوّاد مال بھی دیتے ہیں اور دعا بھی۔شعر

لب پر یہ دعا تھی مرے منگتے کا بھلا ہو   جب دینے کو بھیک آئے سرکوئے گدایاں

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیراکیونکہ شفا دینے کے لیے بیماری کی جگہ کو ہی چھوا جاتاہے۔حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چھوتے ہی گنج بھی جاتی رہی اور کھال پر فورًا بال بھی

اگ آئے اور بڑھ بھی گئے،دوسروں کے بالوں سے زیادہ خوش نما تھے جیساکہ حَسَنًا سے معلوم ہورہا ہے۔غرق فرعون کے دن حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی وہاں سبزہ اگ آتا تھا،اسی خاک کو سامری نے سنبھال لیا،پھر فرعونی سونے کا بچھڑا بناکر اس کے منہ میں ڈال دی،تو بچھڑے میں جان پیدا ہوگئی اور وہ چیخنے لگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا" الایہ۔کوئی منکر حدیث اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتاکہ فرشتہ کے ہاتھ سے فورًا بال کیسے اگ سکتے ہیں،اور جب نوری فرشتہ کا یہ فیض ہوسکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء امت کا فیض کیسا ہوگا مولینا فرماتے ہیں۔شعر

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر   بہرحق سوئے غریباں یک نظر

یہ حدیث فیض ملائکہ کی بہترین دلیل ہے۔

ے یعنی فرشتہ کے ہاتھ لگاتے ہی اس کی دونوں آنکھیں روشن ہوگئیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتاہے کہ اللہ کے مقبول بندے اللہ کے حکم سے دافع البلاء ہوتے ہیں،دیکھو گنج،کوڑھ،اندھا پن سخت بلائیں ہیں جو فرشتہ کے ہاتھ لگتے ہی جاتی رہیں،یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کی سفید آنکھ پر لگی تو آنکھ روشن ہوگئی۔(قرآن حکیم)عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان عام فرمایاتھا"وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ"۔درود تاج میں جو آتا ہے"دَافِعُ الۡبَلَاءِ وَالۡوَبَاءِ"الخ اس کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیات اور احادیث ہیں۔جب اطباء کی گولیاں اور جنگل کی جڑی بوٹیاں دافع قبض،دافع جریان ہوسکتی ہیں،ایک شربت کا نام شربت فریاد رس ہوسکتا ہےتو کیا اللہ کے محبوبوں کا درجہ ان چیزوں سے بھی کم ہے۔

۸ے اس زمانہ میں جانوروں سے ہی مالداری ہوتی تھی تو مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے شہر کے بڑے مالدار بن گئے۔

۹ے ظاہر یہ ہے کہ دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف لوٹ رہی ہیں اور صورت سے مراد اس فرشتہ کی پہلی وہ صورت ہے جس صورت میں دینے کے وقت آیا تھا۔مقصد یہ ہے کہ یہ شخص مال پاکر ایسا احسان فراموش ہوگیاکہ اس نے اپنے محسن کو ایسا کورا جواب دیا اور ہوسکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع خود کوڑھی ہویعنی یہ فرشتہ اس کوڑھی کی شکل میں آیا جو پہلے خود اس کی اپنی شکل تھی تاکہ یہ اپنا کوڑھ یاد کرکے اس پر رحم کرے،پہلے معنے زیادہ واضح ہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ فرشتے ہر شکل میں آسکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ مغالطہ میں ڈال کر امتحان لینا جائزہے یہ دھوکا نہیں بلکہ امتحان ہے۔

۱۰ے علمی لحاظ سے یہ جملہ خبریہ نہیں تاکہ اسے جھوٹ کہا جائے بلکہ تخییل ہے،یہ تخییل امتحانات اور سوالات میں کام آتی ہے جیسے مسئلہ پوچھاجاتاہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی حالانکہ شہر میں نہ کوئی زید ہوتا ہے نہ اس کی بیوی فقط صورت مسئلہ پیش کی جاتی ہے،قرآن کریم فرمارہا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے شکل انسانی میں آئے ان میں سے ایک بولا"اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیۡ لَهٗ تِسۡعٌ وَّ تِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً"الایہ۔میرے اس بھائی کے پاس ننانوے بکریاں ہیں اور میرے پاس ایک،حالانکہ وہاں نہ بکریاں تھیں نہ کوئی جھگڑا،لہذااس پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتہ نے جھوٹ کیوں کہا۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کے ساتھ بندوں سے بھی امداد لینا جائز ہے اور بندے کا ذکر رب تعالٰی کے ساتھ ملا کر کرسکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"۔

۱۲؎ یعنی اپنے پرانے حال کو یاد کر اور اس تبدیلی حال کے شکریہ میں مجھے ایک اونٹ دے دے۔

۱۳؎ بال بچے،نوکر چاکر بہت رکھتا ہوں جن کے باعث خرچ زیادہ ہے انہیں کا پورا نہیں ہوتا تجھے کہاں سے دوں۔

۱۴؎ اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنی اصلی فقیری اور گزشتہ مصیبتیں یاد ہونی چاہئیں کہ یہ شکر کا ذریعہ ہے اور بدنصیب ہے وہ شخص جو عیش یا طیش میں اللہ کو بھول جائے اور کسی کے یاد دلانے پر جھوٹ بولے۔

۱۵؎ یہ اگر مگر شک کے لیے نہیں بلکہ امتحان ہی کے لیے ہے۔ظاہر یہ ہے کہ فرشتہ کی یہ بددعا اسے لگی اور وہ پھر فقیر اور کوڑھی ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ فقیروں کے بھیس میں کبھی صاحبِ دل بھی آجاتے ہیں اسی لیے رب نے فرمایا:"وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ"۔شعر

خاکساران جہاں رابحقارت منگر　　　　توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

۱۶؎ اپنی صورت کی شرح ابھی کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد اس گنجے کی صورت ہے یعنی گنجا اور فقیر بن کر آیا تھا یا خود فرشتہ وہ صورت جس میں دیتے وقت آیا تھا،اس سے مقصود گنجے کی ناشکری کا اظہار ہے۔

۱۷؎ کیونکہ اللہ تعالٰی کی امداد حقیقی ہے اور بندے کی مجازی اس لیے ثُمَّ فرمایا گیا تاکہ دونوں مددوں میں فرق معلوم ہو۔حدیث شریف میں ہے یہ نہ کہو کہ اگر اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے اور ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ یہ حکم بھی استحبابی ہے ورنہ واؤ سے بھی کہہ سکتے ہیں جس کی دلیل قرآن شریف سے پیش کی گئی۔

۱۸؎ یا اس طرح کہ اس کو فروخت کرکے قیمت سے توشہ اور سواری حاصل کرلوں یا اس طرح کہ بکری کو اپنے ساتھ رکھوں اور اس کا دودھ پیتا اور فروخت کرتا ہوا چلا جاؤں،دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں کہ اگر قیمت مقصود ہوتی تو اس سے پیسے ہی کیوں نہ مانگ لیتا لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بکری سے سفر کیسے ہوگا وہ تو سواری کے لائق نہیں جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں۔

۱۹؎ عبارت حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں:ایک یہ کہ یہ شخص مادر زاد اندھا نہ تھا بلکہ پہلے انکھیارا تھا بعد میں نابینا ہوا،ورنہ روشنی لوٹانے کے کیا معنے ہوتے،نیز عربی میں مادر زاد اندھے کو اَکۡمَہُ کہتے ہیں اور عارضی اندھے کو اعمٰی۔دوسرے یہ کہ یہ صدقہ فرضی نہ تھا بلکہ نفلی تھا کیونکہ صدقہ فرضی مقرر ہوتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارا مال فقیر کے سامنے رکھ دینا جتنا چاہے وہ لے لے اول درجہ کی سخاوت ہے۔

۲۰؎ سبحان اللہ! یہ ہوا اس امتحان کا نتیجہ کہ وہ دونوں دنیوی و اخروی غضب میں آگئے کہ ان کا مال بھی گیا اور صحت بھی اور رب تعالٰی کی ناراضی ان سب کے علاوہ،ادھر اس نابینا کے پاس مال بھی رہا آنکھیں بھی،خدا کی رضا

اس کے سوا۔اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کا ارادہ بھی اچھا ہے،دیکھو اس سے صدقہ لیا نہ گیا مگر چونکہ وہ دینے پر تیار ہوگیا تھا اس لیے فائدہ پہنچ گیا۔

روایت ہے حضرت ام بجید سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی غریب میرے دروازہ پر کھڑا ہوتاہے حتی کہ میں شرماجاتی ہوں ۲؎ اور اپنے گھر میں کچھ پاتی نہیں جو اس کے ہاتھ میں دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہاتھ میں کچھ ضرور دے دو اگرچہ جلی کھری ہو ۳؎ (احمد،ابوداؤد، ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔	

۱؎ آپ کا نام حواء بنت یزید ابن سکن ہے،حضرت اسماء بنت یزید کی بہن ہیں،صحابیہ ہیں انصاریہ ہیں۔

۲؎ یعنی میں اس کے بار بار سوال کرنے سے شرما جاتی ہوں اسے خالی لوٹانے میں غیرت آتی ہے اور پاس کچھ ہوتا نہیں جو دوں،اس کشمکش میں کیا کروں۔اس میں فقراء کی شکایت نہیں ہے بلکہ شرعی مسئلہ پوچھنا ہے کہ ایسی مجبوریوں میں اسے منع کردینا ناجائز تو نہیں۔

۳؎ جلی کھری فقط مثال کے لیے ہے مراد بہت معمولی غیرقیمتی چیز ہے یعنی یہ نہ سوچو کہ کوئی اعلیٰ چیز ہو تو ہی دوں بلکہ ادنے چیز بھی دے ڈالو۔خیال رہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مساکین کو کچھ نہیں دیا،وہ تعلیم مسئلہ کے لیے تھا کہ بلاضرورت سوال جائز نہیں یہ تبلیغ تھی نہ کہ سائل کا رد۔اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوگیا تھا کہ مدینہ پاک میں کوئی بھی شخص بلاسخت مجبوری مانگتا ہی نہ تھا،حضرت ام بجید کو یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اب مجبورومعذور لوگ ہی مانگتے ہیں لہذا انہیں محروم نہ پھیرا کرو لہذا یہ حدیث حکیم ابن حزام وغیرہ کی احادیث کے خلاف نہیں۔اب پیشہ ور سائلوں کو منع کردینا بھی جائز بلکہ ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت عثمان کے غلام سے فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ کو گوشت کا پارچہ ہدیہ بھیجا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا تو انہوں نے خادم سے فرمایا ۱؎ کہ اسے گھر میں رکھ چھوڑو تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھائیں خادمہ نے وہ طاق میں رکھ دیا ایک سائل آیا دروازہ پر کھڑا ہوا بولا اللہ تمہیں برکت دے ۲؎ کچھ خیرات کرو گھر والوں نے کہا اللہ تجھے برکت دے سائل چلا گیا ۳؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا اے ام سلمہ کیا	

	تمہارے پاس کچھ ہے جو ہم کھائیں ۴؎ عرض کیا ہاں خادمہ سے بولیں جاؤ وہ گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاؤ وہ گئیں تو طاق میں پتھر کے ٹکڑے کے سوا کچھ نہ پایا۵؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ تم نے سائل کو گوشت نہ دیا اس لیے وہ گوشت کا پتھر بن گیا۶؎ (بیہقی،دلائل النبوۃ)

۱؎ یہاں خادم سے مراد حضرت ام سلمہ کی لونڈی ہیں،خادم کا لفظ مرد و عورت دونوں پر بول دیا جاتاہے۔ پتہ نہیں لگا کہ یہ مولے عثمان کون ہیں اور یہ خادمہ کون تھیں مگر چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں،کوئی ان میں فاسق نہیں اس لیے ان کے نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے مضر نہیں اور نہ اس سے حدیث مجہول ہو۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ سائل کا سوال کرتے وقت اہلِ خانہ کو دعائیں دینا بہتر ہے۔بعض بھکاری صرف دعائیں دیتے ہیں،بعض صرف اپنی محتاجی کا رونا روتے ہیں،بعض کو دیکھا گیا کہ صرف غزلیں اور قصیدے ہی پڑھتے ہیں ہاں بھیک کی نیت سے آیات قرآنیہ پڑھنا سخت ممنوع ہے،دیکھو شامی وغیرہ۔

۳؎ عرب میں یہ دستور ہے کہ جب سائل کو منع کرنا ہوتا ہے تو کبھی کہہ دیتے ہیں"بَارَكَ اللهُ فِيْكَ" اور کبھی کہہ دیتے ہیں اللہ کریم اور کبھی کہتے ہیں"اَللهُ يُغْنِيْكَ عَمَّنْ سِوَاهُ" جیسے ہمارے ہاں کہہ دیتے ہیں معافی دے یا برکت ہے وغیرہ۔غرضکہ سائل کو جھڑکنا نہیں چاہیے بلکہ نرم الفاظ سے اشارۃً کنایۃً منع کرنا چاہیے،جب وہ باز نہ آئے تو صاف صاف منع کرے کہ اب وہ سائل نہیں بلکہ اڑیل ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"سائل کو نہ جھڑکو۔

۴؎ یعنی کچھ کھانا ہے جو ہم کھائیں،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کبھی کھانا ہوتا تھا کبھی نہیں اس لیے اس سوال کی نوبت آئی،نیز یہ سوال اگلے واقعہ کی تمہید ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خبر رہتی تھی کہ گھر میں کچھ ہے یا نہیں کیوں نہ ہو حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں: "وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ"جو کچھ تم کھاتے اور گھروں میں بچاتے ہو میں تمہیں بتاسکتا ہوں۔یہاں كُمْ ضمیر جمع ارشاد ہوئی احترام کے لیے یا سب کچھ گھر والوں سے خطاب ہے۔

۵؎ **مروہ** عربی میں چھوٹے یا سفید پتھر کو کہتے ہیں،اس پتھر کو بھی کہتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہے یعنی چقماق۔خلاصہ یہ ہے کہ خادمہ نے طاق میں بجائے گوشت کے وہ پتھر دیکھا جس کی رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

۶؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام باتوں کی خبر رہتی تھی جو آپ کے پیچھے گھروں میں ہوتے تھے،گھر والوں نے بھکاری کے آنے جانے کا واقعہ عرض نہ کیا تھا مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے **من وعن** بیان فرمادیا۔دوسرے یہ کہ بڑوں کے احکام اور ہیں چھوٹوں

کے کچھ اور،دیکھو صدقہ نفلی نہ دینا گناہ نہیں بلکہ جب چیز تھوڑی ہو گھر والوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو صدقہ نہ کرنا بہتر مگر شانِ نبوت یہ تھی کہ ان کے دروازے سے کوئی محروم نہ جائے اس لیے رب تعالٰی نے ان بزرگوں کو اس طرح متنبہ فرمایا۔شعر

موسیا آداب دانا دیگراند   سوختہ جان درد اناں دیگر اند

حدیث شریف بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں گوشت مٹی میں رہ کر مٹی بن جاتا ہے تو رب تعالٰی کی قدرت سے پتھر بھی بن سکتا ہے پچھلی امتوں میں مسخ ہوا،کوئی بندر یا سور بنی،بعض لوگ پتھر بن گئے اگر رب تعالٰی نے اس گوشت کو مسخ کرکے پتھر بنادیا تو کیا مشکل ہے۔غرضکہ حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں بدتر درجہ والے آدمی کی خبر نہ دوں عرض کیا گیا ہاں فرمایا وہ جس سے اللہ کے نام پر مانگا اور نہ دے[1] (احمد)	

[1] اس حدیث کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ وہ سائل منگتا بدترین سائل ہیں جو لوگوں سے اللہ کے نام کا واسطہ دے کر مانگیں اور انہیں ملے کچھ بھی نہیں یعنی یَسْئَالُ بصیغہ معروف ہو۔مطلب یہ ہوگا کہ ایسا سائل چونکہ رب تعالٰی کے نام پاک کی توہین کرتا ہے کہ ہر کس و ناکس سے اللہ کے نام پر مانگتا پھرتا ہے کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا۔معلوم ہوا کہ اللہ کے نام کو بھیک کا ذریعہ نہ بناؤ۔دوسرے یہ کہ وہ شخص بدترین آدمی ہے جس سے سائل اللہ کے نام پر مانگے اور اس کا دل رب کی نام پر بھی نہ پگھلے اور اسے کچھ نہ دے تب اس سے وہ صورت مراد ہوگی کہ سائل اضطرار و سخت مجبوری کی حالت میں ہو،خدا کے نام کا واسطہ دے کر اپنی جان بچانے کے لیے مانگ رہا ہو اور یہ جان بوجھ کر کچھ نہ دے،چونکہ یہ نہایت سخت دل ہے اس لیے بدتر ہے۔غرضکہ پیشہ ور بھکاریوں کے متعلق نہیں ارشاد ہورہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے انہوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی مل گئی ابو ذر کے ہاتھ میں ان کی لاٹھی تھی[1] حضرت عثمان نے کہا اے کعب عبدالرحمٰن کی وفات ہوئی انہوں نے بہت مال چھوڑا[2] اس بارے میں تمہاری رائے کیا ہے فرمایا کہ اگر اس میں اللہ کا حق ادا کرتے ہوں تو کوئی حرج نہیں[3] تب ابوذر نے لاٹھی اٹھاکر کعب کو ماری[4] اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اس پہاڑ برابر سونا ہو جسے میں خیرات کروں اور وہ قبول	

	ہو جائے کہ اسے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ دوں ۵؎ اے عثمان تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے حضور کو یہ کہتے سنا(تین بار فرمایا)آپ نے کہا ہاں ۶؎(احمد)

۱؎ کندھوں تک دراز لاٹھی تھی جو ان کے ساتھ رہتی تھی۔لاٹھی ساتھ رکھنا سنت ہے اور اس کے بہت فوائد ہیں۔
۲؎ یعنی عثمان غنی نے ابو ذرغفاری کی موجودگی میں کعب احبار سے مسئلہ پوچھا کہ عبدالرحمن ابن عوف بہت مال چھوڑ کر وفات پاگئے ہیں تمہارا کیاخیال ہے آیا مال جمع کرنا اور بال بچوں کے لیے چھوڑ جانا جائز ہے یا نہیں۔مرقات میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے دو لاکھ دینار چھوڑے تھے۔خیال رہے کہ حضرت ابوذر غفاری زاہد ترین صحابہ تھے ان کا خیال تھا کہ۔شعر

تج ڈال مال و دھن کو کوڑی نہ رکھ کفن کو جس نے دیا ہے تن کو دے گا وہی کفن کو

زہدوترک دنیا کی احادیث پر سختی سے عامل تھے اس لیے ان کی موجودگی میں یہ سوال وجواب ہوئے تاکہ وہ حکم شرعی اور زہد میں نیز تقویٰ و فتویٰ میں فرق کرلیں۔
۳؎ یعنی مال جمع رکھنا بعد وفات چھوڑ جانا حلال ہے جب کہ اس سے زکوۃ،فطرہ،قربانی،حقوق العباد ادا کئے جاتے رہے ہوں۔یہ کنز میں داخل نہیں جس کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے۔
۴؎ یہ مارنا بحالت جذب تھا،آپ اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے،چونکہ ابوذر بزرگ ترین صحابی تھے،تمام صحابہ آپ کا بہت احترام کرتے ان کی ناراضی یا مار پر ناراض نہ ہوتے تھے جیسے آج بھی سعادت مند جوان محلّہ کے بزرگوں کی سختی پر ناراض نہیں ہوتے اس لیے خلیفۃ المؤمنین نے ان سے قصاص کے لیے نہ کہا نہ حضرت کعب نے کچھ برا منایا۔ہوسکتا ہے کہ آپ کی یہ مارتادیب و سرزنش کے لیے ہو کہ تم تو کہہ رہے ہو کہ مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ امیر سخی بھی مسکینوں سے پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے،حساب میں دیر لگے گی۔یہاں مرقات میں ہے کہ بعد میں حضرت عثمان نے ابوذر غفاری کو مدینہ منورہ سے مقام ربزہ میں بھیج دیا تھاآپ تاوفات وہاں ہی رہے کیونکہ آپ کی طبیعت بہت جلالی تھی۔
۵؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اے کعب!تم تو کہتے ہو مال جمع کرنے میں حرج نہیں جب کہ اس سے فرائض ادا کردیئے جائیں مگر میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا مال سارا کا سارا خیرات کردینا کچھ باقی نہ رکھنا سنت ہے اور جمع کرنا خلاف سنت کیا خلاف سنت میں حرج نہیں ہوتا مگر یہ جودو سخا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب گھر والے سید المتوکلین تھے۔
۶؎ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حدیث سننے کا اقرار تو کیا مگر حدیث کا مطلب سمجھایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اپنے لیے فرمایا ہے عام مسلمانوں کو اس کا حکم نہ دیا،محض احترام و ادب کے لیے کہ اگر میں نے یہ کیا تو جناب ابو ذر جواب دینے کی کوشش کریں گے مجلس مناظرہ جم جائے گی اور آپ سے مناظرہ کرنا ہے نہیں۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن حارث سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ

	منورہ میں نماز عصر پڑھی آپ نے سلام پھیرا پھر تیزی سے کھڑے ہوئے ۱؎ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے بعض بیویوں کے حجرے میں تشریف لے گئے ۲؎ لوگ حضور کی جلدی سے گھبرا گئے پھر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ آپ کی جلدی سے تعجب کررہے ہیں ۳؎ فرمایا مجھے اپنے پاس سونے کا پترا یاد آگیا تو مجھے یہ ناپسند ہوا کہ وہ مجھے مشغول کرے میں نے اس کے تقسیم کردینے کا حکم دے دیا ۴؎ بخاری کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں نے گھر میں صدقہ کا پترا چھوڑا تھا تو رات کو اپنے گھر میں رکھنا ناپسند کیا ۵؎

۱؎ یعنی سلام پھیرتے ہی بغیر دعا مانگے بہت تیزی سے دولت خانہ میں تشریف لے گئے کیونکہ ابھی آپ کو واپس آکر دعا مانگنا تھا ورنہ بلاوجہ دعا کے بغیر مصلے سے چلاجانا نہیں چاہیے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ ضرورۃً لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے مسجد سے نکل جانا جائز ہے جیسے اگر امام کا دوران نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرکے گردنیں پھلانگتا ہوا ہی وضوء گاہ تک پہنچے گا۔جن احادیث میں گردنیں پھلانگنے کی ممانعت آئی ہے وہاں بلاضرورت پھلانگنا مراد ہے جیسے کوئی نماز کے لیے مسجد میں پیچھے پہنچے پھر لوگوں کو چیرتا ہوا اگلی صف میں جانے کی کوشش کرے یہ ممنوع ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳؎ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حال شریف کا بہت غور سے مطالعہ کرتے تھے اور ایسی معمولی جنبش پر دیوانہ وار گھبرا جاتے تھے،شروع مشکوٰۃ شریف میں آچکا کہ اگر سرکار خلاف معمول کبھی غائب ہوتے تو مدینہ منورہ کی گلیوں اور آس پاس کے جنگلوں میں ڈھونڈنے نکل پڑتے تھے،آج خلاف معمول جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر دعا مانگے جاتے دیکھا گھبرا گئے۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ سونے کا پترا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ملکیت تھااور فوری ضرورت سے زیادہ تھا اس کا گھر میں رکھنا بھی ناپسند آیا فورًا خیرات کرادیا۔مشغول رکھنے میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ اس کی وجہ سے نماز میں دھیان بٹے کہ اسے کہاں سنبھالیں کہاں رکھیں۔دوسرے یہ کہ رب تعالٰی سے قرب خاص میں یہ حارج ہو۔یہاں حضرت شیخ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کی طرف التفات مقرب بندوں کو بھی مشغول کرلیتا ہے،یہ زہد اور ترک دنیا کی انتہا ہے کہ جو چیز یار سے آڑ بنے اسے پھاڑدو،حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو فرزند کے گلے پر چھری چلادی،حضرت ادھم نے اپنے بیٹے ابراہیم کے لیے دعا کی خدایا اسے موت دیدے کہ اسے چومنے کی وجہ سے میں ایک آن تجھ سے غافل ہوگیا۔

۵؎ اگر یہ وہی واقعہ ہے تب تو یہ روایت اس کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ سونا آپ کے اپنے خرچ کا نہ تھا زکوۃ کا تھا اور اگر دوسرا واقعہ ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا مصرف پر جلد پہنچنا ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مرض میں آپ کے میرے پاس چھ یا سات دینار تھے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بانٹ دینے کا حکم دیا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے مجھے اس کی فرصت نہ دی پھر حضور نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا کہ ان چھ سات دینار کا تم نے کیا کیا اس نے عرض کیا اللہ کی قسم آپ کی بیماری نے مشغول رکھا آپ نے وہ منگایا اسے اپنے ہاتھ پر رکھا فرمایا کہ اللہ کے نبی کا خیال ہے اللہ سے اس حال میں ملے کہ یہ اس کے پاس ہو ۲؎ (احمد)

۱؎ آپ کے اپنی ملکیت کے جیساکہ لام سے معلوم ہورہا ہے کہ صدقہ کرنے کی نیت سے رکھے ہوں یا خرچ کے ارادہ سے۔

۲؎ یعنی حضور سید الانبیاء کی شان عالی کے یہ لائق نہیں کہ گھر میں کچھ مملوک مال چھوڑ کر وفات پائیں دل میں اللہ کا نور اور گھر میں اللہ کا نام کافی ہے۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ صدیق اکبر نے حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ کی ظلم کیا،حضور علیہ السلام نے مال چھوڑا ہی کیا تھاجو رہنے کامکان تھا وہ بھی وقف ہوگیا،اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف بنادی گئی۔خیال رہے کہ یہ واقعہ حدیث ہے سنت نہیں۔سنت وہ واقعات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد فتح خیبر ازواج مطہرات کو ایک سال کا خرچ دے دیا کرتے تھے یا بعض صحابہ کو سب کچھ بلکہ آدھے مال کی خیرات سے منع فرمایا تہائی خیرات کی اجازت دی اور فرمایا اس سے کم خیرات کرنا بہتر ہے اپنے وارثوں کو غنی کرکے جاؤ۔شعر

موسیا آداب دانا دیگر اند　　　سوختہ جان درد انا ں دیگر اند

معلوم ہوا کہ حدیث و سنت میں بڑا فرق ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے پاس تشریف لائے ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر تھا فرمایا اے بلال یہ کیا عرض کیا کہ اسے میں نے کل کے لیے جمع کیا ہے فرمایا کیا تمہیں اس سے خوف نہیں کہ تم کل اس کے سبب

	دوزخ کی آگ میں بخار قیامت کے دن دیکھو ا؎ اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا خطرہ نہ کرو۔

ا؎ اس میں حضرت بلال کو انتہائی تقویٰ اور ترک دنیا کی تعلیم ہے اور توکّل سے اعلیٰ توکّل کی طرف ترقی دیناہے یعنی اے بلال میں جس درجہ پر تمہیں پہنچانا چاہتا ہوں وہ جب ہی حاصل ہوگا جب کہ تم اپنے پاس اتنا بھی نہ رکھو تاکہ تمہیں قیامت کے دن اس کا حساب دینے میں کچھ بھی نہ ٹھہرنا پڑے یہی مطلب ہے دوزخ کے بخار دیکھنے کا،حضرت بلال اس وقت تن تنہا تھے،اہل وعیال نہ رکھتے تھے،آپ کے ذمہ کسی کے حقوق نہ تھے،فرمایا اکیلے دم کے لیے جمع کرنے کی فکر کیوں لگاتے ہیں رب ہمارے آستانے سے تمہیں دیئے جائے تم کھائے جاؤ۔صوفیائے کرام اپنے بعض مریدین کو کبھی چلوں سے مجاہدہ کراتے ہیں۔اس زمانہ میں ترک دنیا ترک حیوانات کامل کراتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے۔یہ حدیث جمع دنیا کے خلاف نہیں،اگر مال جمع کرنا حرام ہوتا تو اسلام کا ایک رکن یعنی زکوۃ ہی فوت ہوجاتی کہ زکوۃ واجب ہی جب ہوتی ہے جب مسلمان کے پاس ایک سال تک بقدر نصاب مال جمع رہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جو سخی ہوا اس نے اس درخت کی شاخ پکڑلی ا؎ وہ شاخ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کردے گی ۲؎ اور بخل آگ میں درخت ہے جو بخیل ہوا اس نے اس کی شاخ پکڑی وہ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ آگ میں داخل کرے گی ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

ا؎ یعنی سخاوت کی جڑ جنت میں ہے اور اس کی شاخیں دنیا میں،چونکہ سخاوت کی قسمیں بہت ہیں اس لیے فرمایا گیا کہ اس درخت کی دنیا میں شاخیں بہت پھیلی ہوئی ہیں جیسے قرآن کریم فرماتا ہے کہ کلمہ طیبہ کی جڑ مسلمان کے قلب میں ہے اور شاخیں آسمان میں ہمیشہ اپنے پھل دیتا ہے اس آیت میں بھی تمثیل ہے اس حدیث میں بھی۔

۲؎ شریعت میں سخاوت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ انسان فرض صدقے اداکرے اور طریقت میں ادنے درجہ یہ ہے کہ صرف فرض پر قناعت نہ کرے نوافل صدقے بھی دے۔حقیقت و معرفت والوں کے ہاں اس کا ادنے درجے یہ ہے کہ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دے ان میں سے ہر درجے کے صدقے کے نتیجے مختلف ہیں۔

۳؎ جو معانی سخاوت کے عرض کئے جاچکے ہیں اس کے مقابل بخل کے بھی معانی ہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ میں جلدی کرو ا؎ کہ بلاء

	اس سے آگے نہیں بڑھتی ۲؎(رزین)

۱؎اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جب کسی قسم کی جانی یا مالی بلا آئے تو بہت جلد صدقے دینا شروع کردو باقی تمام تدبیریں علاج وغیرہ بعد میں کرو تاکہ ان صدقات کی برکت سے اگلی تدبیریں بھی کامیاب ہوں۔بعض لوگ آفت آتے ہی میلاد شریف،گیارھویں شریف،ختم خواجگان،ختم غوثیہ،ختم بخاری،ختم آیت کریمہ کراتے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ ان کاموں میں اللہ کا ذکر،اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف وغیرہ بھی ہے اور صدقہ بھی،ذکراللہ بھی دافع بلا ہے اور صدقہ بھی،بعض لوگ بیماریوں میں اردو تیل یا بیمار کا جانور پر ہاتھ لگواکر اسے ذبح کرکے خیرات دیتے ہیں،ان سب کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے کہ یہاں صدقہ مطلق ہے۔دوسرے یہ کہ ہر حال میں ہمیشہ صدقے کرتے رہوکیونکہ ہر وقت ہی آفت آنے کا خطرہ ہے تم آفت سے پہلے صدقہ دے دو،بعض لوگ ہمیشہ میلاد شریف،گیارھویں شریف،ہر ماہ ختم خواجگان وغیرہ کراتے رہتے ہیں تاکہ آفات دور ہیں،ان کا ماخذ بھی یہ حدیث ہے۔شعر

دکھ میں ہر کو ہر بھجے سکھ میں بھجے نہ کوئے   جو کوئی سکھ میں ہر بھجے تو دکھ کا ہے کو ہوئے

۲؎اسی طرح کہ آنے والی آفت آتی نہیں اور جو آچکی ہے وہ پھرتی نہیں بلکہ لوٹ جاتی ہے،صدقہ انسان اور آفات کے درمیان مضبوط حجاب ہے۔(مرقات)یہ عمل بہت مجرب ہے اگر کبھی صدقہ سے آفت نہ جائے تو یہ رب تعالٰی کی آزمائش ہے اس پر صبر کرے۔

باب فضل الصدقۃ

باب صدقہ کی فضیلت ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎صدقہ صدق سے بنا،بمعنی سچائی،چونکہ خیرات سخی کے سچے مؤمن ہونے کی علامت ہے اس لیے اسے صدقہ کہتے ہیں۔مطلقًا صدقہ سے مالی خیرات مراد ہوتی ہے نفل ہو یا فرض یہاں وہ مراد ہے اگرچہ بعض بدنی اعمال کو بھی صدقہ کہا گیا ہے یعنی حکمی صدقہ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حلال کمائی سے چھوارے کی برابر صدقہ کرے ۱؎اللہ تعالٰی صرف حلال ہی کو قبول کرتا ہے ۲؎تو اللہ اسے داہنے ہاتھ میں قبول کرتا ہے پھر صدقہ والے کے لیے اس کی ایسی پرورش کرتا ہی جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی حتی کہ پہاڑ کی طرح ہوجاتا ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی معمولی سے معمولی چیز اللہ کی راہ میں دے،عرب شریف میں کھجور معمولی چیز ہے،پھر اس کی قاش تو بہت ہی معمولی ہوئی۔

۲؎یہ بہت ہی اہم قانون ہے کہ خیرات حلال کمائی سے کی جائے تب ہی قبول ہوگی،حتی کہ حج بھی طیب و پاک کمائی سے کرے۔یہاں دو قاعدے یاد رکھنا چاہئیں:ایک یہ کہ مال مخلوط سے اجرت،صدقہ،دعوت وغیرہ لینا جائز ہے،دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے ہاں پرورش پائی جن کا مال مخلوط تھا،اگر اس مال پر حرام کے احکام جاری ہوتے تو رب تعالٰی اپنے ان محبوبوں کو وہاں پرورش نہ کراتا۔دوسرا یہ کہ مال حرام دو قسم کا ہے:ایک وہ جو انسان کی ملکیت میں آتا ہی نہیں جیسے زنا کی اجرت،سود کا پیسہ اور بیع باطل کے معاوضے سور شراب وغیرہ کی قیمتیں۔دوسرا وہ کہ مالک کی ملک میں آجاتاہے اگرچہ مالک اس کاروبار پر گنہگار ہوتا ہے جیسے بیع بالشرط وغیرہ تمام فاسد بیعوں کی قیمت اور ناجائز پیشوں(گانے،بجانے،داڑھی مونڈنے وغیرہ)کی اجرت۔پہلی قسم کا حرام کسی کے قبضہ میں پہنچے حرام ہی رہے گا کیونکہ پہلا شخص ہی اس کا مالک نہ بنا اور دوسری قسم کا حرام دوسرے کی ملک میں پہنچ کر اس کے لیے حلال ہوگا۔وہ جو فقہاء فرماتے ہیں کہ جس کے پاس حرام یا مشکوک پیسہ ہو وہ دوسرے سے

قرض لے کر حج یا صدقہ کرے اور اپنے مال سے وہ قرض ادا کردے اس سے مراد یہی آخری حرام ہے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَةٌ"۔

۳؎ داہنے ہاتھ میں قبول کرنے سے مراد راضی ہوکر قبول فرماتاہے اور مطلب یہ ہے کہ مال و نیت خیر کا صدقہ رضائے الٰہی کا باعث ہے اور وہ صدقہ کے وقت سے لے کر قیامت تک بھاری ہوتا رہے گا حتی کہ میزان میں سارے گناہوں پر غالب آجائے گا جیسے اچھی زمین میں بوئی ہوئی ادرک آلو وغیرہ۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے"يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ"۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خیرات مال کم نہیں کرتی ۱؎ اور اللہ معافی کی وجہ سے بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے ۲؎ اور کوئی شخص اللہ کے لیے انکسار نہیں کرتا مگر اللہ اسے بلندی دیتا ہے ۳؎ (مسلم)

۱؎ بلکہ مال بڑھاتی ہے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ہر سال بڑھتی ہی رہتی ہے۔تجربہ ہے جو کسان کھیت میں بیج پھینک آتا ہے وہ بظاہر بوریاں خالی کرلیتا ہے لیکن حقیقت میں مع اضافہ کے بھر لیتا ہے،گھر کی رکھی بوریاں چوہے،سسری وغیرہ آفات سے ہلاک ہوجاتی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جس مال میں سے صدقہ نکلتا رہے اس میں سے خرچ کرتے رہوان شاءاللہ بڑھتا ہی رہے گا،کنوئیں کا پانی بھرے جاؤتو بڑھے ہی جائے گا۔

۲؎ یعنی جو بدلہ پر قادر ہوپھر مجرم کو معافی دے دے تو اس سے مجرم کے دل میں اس کی اطاعت اور محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اگر بدلہ لیا جائے تو اس کے دل میں بھی انتقام کی آگ بھڑک جاتی ہے۔فتح مکہ کے دن کی عام معافی سے سارے کفار مسلمان ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع فرمان ہوگئے،معافی سے دلوں پر قبضے ہوجاتے ہیں مگر معافی اپنے حقوق میں چاہیئے نہ کہ شرعی حقوق میں۔قومی ملکی،دینی مجرموں کو کبھی معاف نہ کرواپنے مجرم کو معاف کردو۔

۳؎ انکساری جو خود داری کے ساتھ ہو وہ بڑی بہتر ہے اس کا انجام بلندیٔ درجات ہے مگر بے غیرتی کی انکساری انکساری نہیں بلکہ احساس پستی ہے،جہاد میں کفار کے مقابل فخر کرنا عبادت ہے ،مسلمان بھائی کے سامنے جھکنا ثواب"اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خیرات کرے ۱؎ تو جنت کے دروازں سے بلایا جائے گا ۲؎ جنت کے بہت دروازے ہیں تو جو نماز والوں سے ہوگا

	وہ نماز کے دروازے سے پکاراجائے گا اور جو جہاد والوں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازے سے پکارا جائے گا اور جو صدقہ والوں سے ہوگا وہ صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ والوں سے ہوگا وہ دروازۂ ریان سے بلایا جائے گا ۳؎ تب حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت تو نہیں کہ کوئی تمام دروازوں سے بلایا جائے ۴؎ مگر کیا کوئی ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا حضور نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ایک جنس کی دو چیزیں جیسے دو پیسے دو روپے دو کپڑےدو روٹیاں وغیرہ۔لفظ زوج دو کے مجموعہ کو بھی کہتے ہیں اور دو میں سے ہر ایک کو بھی جیسے خاوند بیوی کو زوجین کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہیں:"مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ"۔اور ممکن ہے کہ زوجین سے مراد بار بار صدقہ یا دن رات میں صدقہ یا علانیہ اور خفیہ صدقہ مراد ہو۔مرقات نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ صدقہ سے ساری نیکیاں مراد ہوں دو روزے دو رکعت نماز وغیرہ کیونکہ فقیر کے لیے نفلی نمازوروزہ ایسا ہے جیسے امیر کے لیے خیرات۔

۲؎ یعنی باب الصدقہ سے یہاں احد پوشیدہ ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صرف صدقہ کی وجہ سے جہاد وغیرہ کے دروازوں سے کیوں بلایا گیا۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ بہت زیادہ خیرات کرنے والے کو ہر دروازہ سے جانے کا حق ہو اظہار عزت کے لیے۔

۳؎ یعنی جس پر جو عبادت غالب ہوگی وہ جنت کے اسی دروازے سے جائے گا۔عبادت کے غالب ہونے سے مراد نوافل کی زیادتی ہے مثلًا جو شخص نماز فقط فرض و واجب ہی ادا کرتا ہے مگر جہاد کا بہت شوقین ہے ہمیشہ جہاد یا اس کی تیاری میں مشغول رہتا ہے تو وہ جہاد کے راستے سے جنت میں جائے گا۔ریّان رَیٌّ سے بنا جس کے معنے ہیں سرسبزی،سیرانی اور شادابی،چونکہ روزہ دار دنیا میں بحالت روزہ خشک لب،تشنہ دہن رہااس لیے اس کے واسطے ایسا دروازہ تجویز ہواجو تشنہ لبی کا عوض ہوجائے۔

۴؎ یعنی جنت میں داخلے کے لیے ایک دروازہ سے بلایا جانا ہی کافی ہے ہر طرف سے پکار پڑنے کی ضرورت نہیں مگر اس پکار میں اس کی عزت افزائی ضرور ہے کہ ہر دروازہ کے دربان چاہیں کہ یہ جنتی ہمارے دروازے سے جائے اور ہمیں شرف خدمت نصیب ہو۔اس جملہ میں مَانافیہ ہے اور مِنۡ ضَرُوۡرَۃٍ کی مِنۡ زائدہ اور ضَرُوۡرَۃ مَا کا اسم،اَعۡلٰی مَنۡ دُعِیَ الخ اس کی خبر۔

۵؎ یعنی جو شخص ساری عبادات میں اول نمبر ہوگاوہ ان سارے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ ہر طرف اس کے نام کی دھوم مچ جائے گی اور چونکہ اے صدیق تم ساری ہی نیکیوں میں طاق ہولہذا تم بھی ان ہی میں سے ہوگے۔اس حدیث

سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم و عمل میں بعد انبیاء ساری خلق سے افضل ہیں کہ رب تعالٰی نے انہیں اَتْقٰی فرمایا یعنی بڑا ہی پرہیز گار"وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ "اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں صدیق اکبر کو امام بنایا،امام بڑے عالم ہی کو بنایا جاتا ہے۔خیال رہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عام نیکیوں میں سب سے بڑھ کر ہیں اور رب تعالٰی نے بعض خاص نیکیاں آپ کو ایسی عطا فرمائیں جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر غار ثور تک لے جانا،اپنے زانو پر سلانا،اپنے کو سانپ سے کٹوانا وغیرہ۔جب قرآن کریم کی رحل باقی لکڑیوں سے افضل ہے تو جس کا زانو قرآن کریم والے کی رحل بنے وہ تمام خلق سے افضل ہوگا۔دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ہر دنیوی اخروی حال سے واقف ہیں حتی کہ جانتے ہیں کون جنت میں کہاں جائیگا اور کس دروازہ سے جائے گا،صحابہ کا یہی عقیدہ تھا ورنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیوں پوچھتے۔خیال رہے کہ کریموں کا امید دلانا یقین کے لیے ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ"۔الفاظ حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے خوش نصیب لوگ بہت ہوں گے جن کے ناموں کی پکار جنت کے تمام دروازں پر پڑے گی،اس جماعت کے امیر صدیق اکبر ہوں گے رضی اللہ عنہ۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آج تم میں سے کس نے روزہ دار ہوکر صبح کی[1] حضرت ابوبکر نے کہا میں نے فرمایا آج تم میں سے کوئی جنازے کے ساتھ گیا حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں فرمایا آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھلایا حضرت ابوبکر نے کہا میں نے فرمایا آج تم میں سے کس نے کسی بیمار کی عبادت کی حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں نے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص میں یہ خصلتیں نہیں جمع ہوتیں مگر وہ جنت میں جاتا ہے[2] (مسلم)

[1] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت صحابہ سے یہ سوال فرمانا ان پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر کرنے اور انہیں آپ کے روزانہ کے اعمال دکھانے کے لیے ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک کے سارے ظاہر و خفیہ اعمال سے خبردار ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شٰهِدًا عَلَیْکُمْ"۔

[2] اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ شیخ کا اپنے مریدوں کے حالات کی تفتیش کرنا،یونہی استاد کا شاگردوں کے خفیہ حالات معلوم کرنا سنت سے ثابت ہے۔دوسرے یہ کہ امتی کا نبی سے مرید کا شیخ سے،شاگرد کا استاد سے اپنی

خفیہ نیکیاں بیان کرنا ریا نہیں بلکہ ان کی دعاء لے کر زیادہ قابل قبول بنانا ہے۔تیسرے یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عابد ترین صحابہ ہیں کہ آپ کے روزانہ کے یہ اعمال ہیں۔خیال رہے کہ اَنَا یعنی میں کہنا فخر وغیرہ کے لیے ہو تو منع ہے عجز و نیاز کے طور پر جائز ہے۔چوتھے یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بشادت حدیث و قرآن کریم جنتی ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے مؤمن بیبیو کوئی پڑوسن کا ہدیہ حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کی کھری ہی ہو ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اگر تم امیر ہو اور تمہاری پڑوسن غریب اور وہ غریب اپنی محبت سے کوئی معمولی چیز بطور ہدیہ بھیجے تو نہ اسے واپس کردو اور نہ اسے نگاہ حقارت سے دیکھو بلکہ خوشی سے قبول کرو کہ اس کا دل خوش ہوجائے اللہ تعالٰی اخلاص کا ایک پیسہ بھی قبول فرمالیتا ہے۔اس حدیث کا مطلب اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے یعنی کوئی عورت اپنی پڑوسن کو معمولی ہدیہ دینے میں نہ ہچکچائے جو کچھ جُڑے بنے دیتی رہے کہ ہدیوں سے محبتیں بڑھتی ہیں،چونکہ چیزوں میں عیب نکالنے کی عادت زیادہ عورتوں میں ہوتی ہے اس لیے انہی سے خطاب کیا گیا،یہ حدیث ہم غریبوں کے لیے بڑی ہمت افزا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکینوں کے معمولی ہدیہ ثواب وغیرہ کو بھی ردّ نہیں فرماتے۔

روایت ہے حضرت جابر و حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے ۱؎(مسلم،بخاری)۲؎	

۱؎ سبحان اللہ! کیا ہمت افزاء حدیث ہے یعنی صدقہ صرف مال ہی سے نہیں ہوتا بلکہ ہر معمولی نیکی اگر اخلاص سے کی جائے تو اس پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے حتی کہ مسلمان بھائی سے میٹھی اور نرم باتیں کرنا بھی صدقہ ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔اب کوئی فقیر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں صدقہ پر قادر نہیں۔

۲؎ اس طرح کہ بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لہذا راوی کے نام میں ہر کتاب مفرد ہے اور متن حدیث میں دونوں متفق۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھلائی کو حقیر نہ جانو اگرچہ یہ ہو کہ اپنے بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملے ۱؎(مسلم)	

۱؎ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کوئی نیکی حقیر جان کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے اور کوئی گناہ حقیر سمجھ کر کر نہ لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر پھونک دیتی ہے،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔مسلمان بھائی سے خوش ہوکر ملنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہے اور مؤمن کو خوش کرنا بھی عبادت ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مسلمان پر	

صدقہ ہے۱؎ صحابہ نے عرض کیا کہ اگر نہ پائے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود نفع اٹھائے اور خیرات کرے ۲؎ عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرسکے یا نہ کرے فرمایا تو کسی مظلوم حاجت مند کی مدد کرے ۳؎ بولے اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو اچھی بات کا حکم کرے۴؎ بولے اگر یہ بھی نہ کرے تو فرمایا کہ برائی سے بچے کہ اس کے لیے یہ ہی صدقہ ہے۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں عَلیٰ وجوب کے لیے نہیں بلکہ ترغیب کے لیے ہے یعنی مسلمان کو چاہیئے کہ شکر الٰہی کے لیے ان نفلی نیکیوں کو بھی اپنے پر لازم سمجھے اور روزانہ ان پر عمل کی کوشش کرے۔

۲؎ صحابہ کرام یہاں صدقہ سے مالی خیرات سمجھے تھےاس لیے انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ بعض مسلمان مسکین مفلوک الحال ہوتے ہیں جن کے پاس اپنے کھانے کو نہیں ہوتا وہ صدقہ کہاں سے کریں۔سرکار کے اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ مال کمانا بھی عبادت ہے کہ اس کی برکت سے انسان ہزار ہاگناہوں سے بچ جاتا ہے جیسے بھیک،چوری وغیرہ،نیز نکما آدمی اپناوقت گناہوں میں خرچ کرنے لگتا ہے نفس کو حلال کاموں میں لگائے رہو تاکہ تمہیں حرام میں نہ پھنسادے۔

۳؎ ہاتھ پاؤں کی مدد جیسے بھولے کو راستہ بتادینا،پردہ نشین بیوگان کا باہر والا کام کردینااس میں بھی ثواب ہے۔

۴؎ کہ اس میں نہ کچھ خرچ ہوتا ہے نہ ہاتھ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں اور مفت میں ثواب مل جاتا ہے کیونکہ تبلیغ عبادت ہے جس کا بڑا ثواب ہے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو احکام شرعیہ سیکھانا چاہئیں کیونکہ بغیر جانے دوسروں کو بتانا ناممکن ہوگا۔یہ بھی معلوم ہوا تبلیغ صرف علماء کا ہی کام نہیں جسے جو مسئلہ یاد ہو دوسرے کو بتادے۔

۵؎ برائی سے بچنے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ فساد کے زمانہ میں گھر میں گوشہ نشین بن جائےکہ نماز کے اوقات مسجد میں باقی گھر یا جنگل میں گزارے۔دوسرے یہ کہ بُری مجلسوں میں جائے مگر برائی کرنے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو برائی سے روکنے کے لیے کہ یہ بڑا جہاد ہے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ جیسے نیکیاں نہ کرنا گناہ ہے ایسے ہی گناہ نہ کرنا ثواب،نہ کرنے سے مراد بچنا ہے یعنی سلب عدولی نہ کہ سلب محض لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہم ہر وقت خصوصًا سونے کی حالت میں لاکھوں گناہوں سے بچے رہتے ہیں تو چاہیئے کہ ہمیں ہر سانس میں کروڑوں نیکیاں ملا کریں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی"۔یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے ہر جوڑ کے عوض ہر دن جس میں سورج چمکے اس پر صدقہ ہے۱؎ دو کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے اور کسی شخص	

	کی اس کے گھوڑے پر مدد کر دے کہ اس پر اسے سوار کردے یا اس پر اس کا سامان چڑھا دے یہ بھی صدقہ ہے اور اچھی بات صدقہ ہے ۲؎اور ہر وہ قدم جس سے نماز کی طرف جائے صدقہ ہے ۳؎اور راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا دے صدقہ ہے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ سُلامی س کے پیش سے ہےجس کے لغوی معنے ہیں عضو،ہڈی اور جوڑ یہاں تیسرے معنے مراد ہیں۔انسان کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں جیساکہ اگلی حدیث میں ہےاگرچہ ہمارا ہر رونگٹا اللہ کی نعمت ہے لیکن ہر جوڑ اس کی بے شمار نعمتوں کا مظہر ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا شکریہ ضروری ہوا۔صدقہ سے مراد نیک عمل ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔یہاں بھی علیٰ لغوی لزوم کے لیے ہے نہ کہ شرعی وجوب کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص پر اخلاقاً دیانۃً لازم ہے کہ روزانہ ہر جوڑ کے عوض کم از کم ایک نفل نیکی کیا کرے اس حساب سے روزانہ تین سو ساٹھ نیکیاں کرنی چاہئیں تاکہ اس دن جوڑوں کا شکریہ ادا ہو،سورج چمکنے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سورج تو ہر شخص پر چمکتا ہے تو شکریہ بھی ہر شخص پر ہے۔

۲؎یعنی تہذیب اخلاق،تدبیر منزل،سیاست مدنی،لوگوں سے اچھے برتاوے صدقہ ہیں بشرطیکہ رضائے الٰہی کے لیے ہوں،ہر معمولی سے معمولی کام جب ادائے سنت کی نیت سے کیا جائے گا تو وہ بڑا ہوجائے گاکیونکہ منسوب اگرچہ چھوٹا ہے مگر منسوب الیہ جن کی طرف نسبت ہے صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو بڑے ہیں۔

۳؎مرقات نے فرمایا کہ نماز کا ذکر مثالاً ہے ورنہ طواف،بیمار پرسی،جنازہ میں شرکت،علم دین کی طلب غرضکہ ہر نیکی کے لیے قدم ڈالنا صدقہ ہے۔

۴؎یعنی رستہ سے کانٹا،ہڈی،اینٹ،پتھر،گندگی غرض جس سے کسی مسلمان راہ گیر کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کو ہٹا دینا بھی نیکی ہے جس پر صدقہ کا ثواب اور جوڑ کا شکریہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اولاد آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا۱؎تو جو اللہ کی تکبیر کہے،اس کی حمد کرے،تہلیل کرے،تسبیح پڑھے،اللہ سے معافی چاہے،لوگوں کے راستہ سے پتھریا کانٹا یا ہڈی ہٹا دے یا اچھی بات کا حکم دے یا برائی سے منع کرے ان تین سو ساٹھ کی گنتی کے برابر تو وہ اس دن کی طرح چلے گا کہ اپنی جان کو آگ سے دور کرے گا ۲؎(مسلم)

۱؎انسان کی اس لیے قید لگائی تاکہ اس سے فرشتے اور جنات نکل جائیں کہ نہ ان کے جسموں میں اتنے جوڑ ہیں نہ ان کے یہ احکام۔ہمارے یہ جوڑانگلی کے پوروں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ہیں اگر ان میں سے ایک جوڑ خراب

ہوجائے تو زندگی دشوار ہوجائے،قدرت نے ہڈی کو ہڈی میں اس طرح پیوست کیا ہے کہ کواڑ کی چول کی طرح ہڈی گھومتی ہلتی ہے اس کے باوجود نہ گھستی ہے نہ خراب ہوتی ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسی جامع حدیث ہے جس میں عبادات معاملات اورورد و وظیفہ سب ہی آگئے۔مرقات نے فرمایا کہ اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے ممانعت زبانی بھی ہوتی ہے دلی بھی اور عملی بھی۔عالم کا دینی وعظ زبانی تبلیغ ہے،دینی کتاب لکھ جانا قلمی تبلیغ کہ جب تک اس کتاب کا فیض جاری ہے اس کا ثواب باقی اور لوگوں کے سامنے اچھے اعمال کرنا اور برے اعمال سے بچنا عملی تبلیغ ہے کہ جتنے لوگ اسے دیکھ کرنیک بنیں گے ان سب کا ثواب اسے ملے گا بلکہ روزانہ ملتا رہے گا اور اس کے جوڑوں کا شکریہ ادا ہوتا رہے گا۔اس حدیث کے آخری جملہ سے اشارۃً معلوم ہوتاہے کہ کبھی نفلی عبادت کے ترک پر بھی پکڑ ہوجاتی ہے کیونکہ سرکار نے فرمایا جس دن اتنے کام کرلیے اس روز اپنے کو آگ سے دور کرلیا۔جو شخص دو رکعتیں اشراق کی پڑھ لے اس کے تمام جوڑوں کا شکریہ ادا ہوگیا جیساکہ کتاب الصلوۃ میں گزر چکا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر تسبیح میں صدقہ ہے اور ہر تکبیر میں صدقہ ہے اور ہر حمد میں صدقہ ہے اور ہر تہلیل میں صدقہ ہے ۱؎ اور بھلائی کا حکم دینے میں صدقہ ہے اور برائی سے روکنے میں صدقہ ہے ۲؎ اور ہر ایک کی حلال صحبت میں صدقہ ہے ۳؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے تو اس میں اسے ثواب ملتا ہے فرمایا بتاؤ تو اگر یہ شہوت حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ ہوتا تو یوں ہی جب اسے حلال میں خرچ کرے گا تو اسے ثواب ملے گا ۴؎(مسلم)	

۱؎ اس فرمان عالی شان سے معلوم ہوا کہ جو کوئی سُبۡحَانَ اللہ یا اَللہُ اَکۡبَر یا اَلۡحَمۡدُلِلّٰہ یا لَااِلٰہَ اِلَّااللہ کسی طرح بھی کہے صدقہ نفلی کا ثواب پائے گاخواہ ذکراللہ کی نیت سے کہے یا کسی حاجت کی لیے بطور وظیفہ یہ الفاظ پڑھے یا عجیب بات سن کر سبحان اللہ وغیرہ کہے یا خوشخبری پاکر الحمدللہ پڑھے۔بہرحال ثواب ملے گا کیونکہ اللہ کا نام لینا بہرحال عبادت ہے،اگر کوئی شخص ٹھنڈک کے لیے اعضائے وضو دھوئے تب بھی وضو ہوجائے گا کہ اس سے نماز جائز ہوگی،اللہ کا نام زبان کا وضو ہے۔شعر

چوں بیاید نام پاکش در وہاں   نے پلیدی ماندونے آں وہاں

۲؎ یعنی ہر تبلیغ میں خیرات کا ثواب ہے بلکہ اس کا ثواب پہلے ثوابوں سے زیادہ کہ اس میں ذکر اللہ بھی ہے اور لوگوں کو فیض پہنچنا بھی۔قلمی تبلیغ صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک لوگ اس کی کتاب سے دینی فائدہ اٹھائیں گے تب تک اسے ثواب ملتا رہے گا،یہ ایک کلمہ بہت جامع ہے۔

۳؎ بضع کے لغوی معنے ہیں ٹکڑا مگر اصطلاح میں شرمگاہ کو کہتے ہیں،یہاں مراد صحبت حلال ہے۔یہاں فی ارشاد فرماکر اس جانب اشارہ فرمایا گیا کہ صحبت بذات خود ثواب نہیں بلکہ چونکہ اس کے ضمن میں زوجین کی عفت حق زوجیت کی ادا نیک اولاد کی طلب ہےاور یہ ساری چیزیں عبادت ہیں اس لیے صحبت عبادات پر شامل ہے۔اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت دیکھو کہ پہلی چیزوں میں ب ارشاد ہوا تھا اور یہاں فی تاکہ پتہ لگے کہ وہ چیزیں بذات خود عبادت تھیں اور یہ صحبت عبادات پر مشتمل ہے۔(لمعات)مرقات نے یہاں فرمایاظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال صحبت مطلقًا صدقہ ہے خواہ ان چیزوں کی نیت سے ہو یا نہ ہو۔

۴؎ یعنی بذات خود صحبت ثواب نہیں بلکہ شہوت کو حلال میں خرچ کرنا ثواب ہے جیسے عید کے دن یا رمضان کی سحریوں میں کھانا پینا بذات خود ثواب نہیں بلکہ ان وقتوں میں کھانا عبادت ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب ہواء ھدیٰ سے مل جائے تو زہد بن جاتی ہے اسی جانب قرآن کریم اشارہ فرمارہا ہے:"وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ"۔سبحان اللہ! ہواء ھدیٰ سے مل کر ایسی ہوتی ہے جیسے مکھن شہد سے مل کر۔(از مرقات)لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ بغیر نیت ثواب کیسا کہ نیت کی شرط عبادت محضہ میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین صدقہ بہت دودھ والی اونٹنی اور بہت دودھ والی بکری کا عطیہ ہے جو صبح کو برتن بھر کر دودھ دے اور شام کو دوسرا بھر کر ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عرب میں دستور تھا کہ جانوروں والے اپنا دودھ کا جانور عاریۃً چند روز کے لیے کسی عزیز مسکین کو دے دیتے تھے،اس زمانہ میں جانور کا خرچہ اس فقیر کے ذمہ ہوتا اور دودھ بھی وہی پیتا تھا،مدت گزرنے پر جانور واپس کردیا جاتا تھااسے منحہ کہتے تھے یہاں اسی کا ذکر ہورہا ہے فرمایا جارہا ہے کہ اس جانور کا ہر وقت کا دودھ صدقہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کوئی باغ لگائے یا کھیت بوئے پھر اس سے آدمی یا چڑیاں یا جانور کچھ کھالیں مگر اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عرب میں دستور تھا کہ باغ والے مسافروں کو دو ایک پھل توڑ لینے سے منع نہ کرتے جیسے ہمارے ہاں بھی چنے کا ساگ کاٹنے سے لوگ منع نہیں کرتے،مسافر بھی اس دستور سے واقف تھےوہ بھی چوری کی نیت سے نہیں بلکہ عرفی اجازت کی بنا پر دو چار دانے منہ میں ڈال لیتے تھے،نیز کبھی جانور کھیت پر سے گزرتے ہوئے سبزے میں ایک آدھ منہ

مار دیتے ہیں سرکار نے ان سب کو مالک کے لیے صدقہ قرار دیااس کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی کہ کبھی بغیر نیت بھی ثواب مل جاتاہے۔

	اور مسلم کی روایت میں حضرت جابر سے یوں ہے کہ جو اس سے چوری ہوجائے وہ بھی صدقہ ہے ۱؎

۱؎صبر کرنے اور اس نقصان کو برداشت کرنے پر ضرور ثواب ملے گا جیسے کانٹا لگ جانے پر ثواب ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس زانیہ عورت کی مغفرت ہو گئی ۱؎جو ایک کتے پر گزری کہ ایک کنوئیں کے کنارے ہانپ رہا تھا قریب تھا کہ پیاس اسے قتل کردیتی اس نے اپنا موزہ اتارا اسے اپنے دوپٹے سے باندھا اس طرح پانی نکالا ۲؎اس وجہ سے بخش دی گئی عرض کیا گیا کہ کیا ہم کو جانوروں میں بھی ثواب ہے فرمایا ہر تر کلیجے والے میں ثواب ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ **مُوْمِسَۃٌ وَمُسٌّ** سے بنا،بمعنی رگڑ،اس کا مصدر **ایماس** ہے،بمعنی زنا کرنا۔ظاہر یہ ہے کہ اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے تھے جیسے کہ **غفر** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔

۲؎یعنی اس کے پاس ڈول رسی تھے نہیں تو اس نے اپنے دوپٹہ کو رسی بنایا اور موزے کو ڈول کہ موزہ میں پانی بھر کر کتے کے منہ میں ڈال دیا جس سے اس کی آنکھ کھل گئیں اور وہ چلا گیا۔

۳؎تر کلیجے والے سے مراد ہر جاندار ہے مگر اس سے موذی جانور مستثنیٰ ہیں لہذا سانپ،بچھو،شیر وغیرہ کو مار دینا ثواب ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ معاف ہوسکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کبھی معمولی نیکی بڑے سے بڑے گناہوں کے بخشے جانے کا سبب بن جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ بعض صوفیاء اپنے ہاں انسانوں کے لنگر کے ساتھ جانوروں کے دانے پانی کا بھی انتظام کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کھانا متقی ہی کھائیں اس سے دعوت کا کھانا مراد ہے نہ کہ حاجت کا کھانا لہذا احادیث متعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے عذاب دی گئی ۱؎جسے اس نے باندھے رکھا حتی کہ بھوک سے مرگئی اسے نہ کھانا دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تاکہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس کے لیے عذاب جہنم کا حکم ہوگیا یا اس پر کوئی دنیوی عذاب نازل ہوا یا عذاب قبر میں گرفتار ہوئی ورنہ دوزخ کا عذاب تو بعد قیامت ہوگا،اسی عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ میں جلتے دیکھا مگر وہ اس لیے نہیں کہ وہ دوزخ میں پہنچ چکی تھی بلکہ اس لیے کہ نگاہ انبیاء قیامت کے بعد ہونے والے واقعات کو بھی دیکھ لیتی ہے۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ پالے ہوئے جانور کا بھی حق ہے کہ اسے کھانا پانی دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی گناہ ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم انسان کے ظلم سے بدتر ہے کیونکہ انسان زبان والا ہے اپنے دکھ دوسروں سے کہہ سکتا ہے بے زبان جانور خدا کے سواء کس سے کہے۔ تیسرے یہ کہ کبھی گناہ صغیرہ پر بھی عذاب ہوجاتا ہے،کبائر سے بچے یا نہ بچے،رب تعالٰی کا یہ فرمان"اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ"۔اس میں بخشش کا حتمی وعدہ نہیں ہے بلکہ امید دلائی گئی ہے اور یہ بخشش رب تعالٰی کی مشیت پر موقوف ہے کیونکہ دوسری آیت میں رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ"لہذا نہ تو آیات میں تعارض ہے اور نہ یہ حدیث کسی آیت کے خلاف۔بعض علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے کیونکہ اس عورت کا بلی کو ایک دن کھانا پانی نہ دینا گناہ صغیرہ تھا مگر متواتر عرصہ تک نہ دینے سے کبیرہ بن گیا مگر اس حدیث سے یہ استدلال ضعیف ہے اس کے لیے تو قرآنی آیت موجود ہے"وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص درخت کی شاخ پر گزرا جو برسر راہ پڑی تھی وہ بولا کہ اسے مسلمانوں کے راہ سے ہٹا دوں کہیں انہیں تکلیف نہ دے۱؎ وہ جنت میں داخل کیا گیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ وہ شاخ یا تو خاردار تھی جس کے کانٹے لوگوں کو چبھ جانے کا اندیشہ تھا اور اگر بے خار تھی تو اتنی موٹی تھی جس سے راہ گیر ٹھوکر کھاتے۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ موذی چیز کو راستہ سے ہٹانے میں مسلمانوں کی خدمت کی نیت کرے نہ کہ کفار کی۔

۲؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس شخص نے ہٹانے کی نیت ہی کی تھی اس نیت پر بخشا گیا نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اور ممکن ہے کہ اس نے ہٹا بھی دی ہو جس کا یہاں ذکر نہیں آیا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں مزے سے پھرتے دیکھا اس درخت کی وجہ سے جسے اس نے

	راستہ کے کنارے سے کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو باعث تکلیف تھا ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی وہ درخت خاردار تھا یا بے خاراس کی جڑ راستہ کے کنارہ پر تھی مگر شاخیں راستہ پر پھیلی ہوئی تھیں اس نے تکلیف دور کرنے کے لیے اسے جڑ سے ہی اکھیڑ دیا تاکہ آئندہ بھی شاخیں نہ پھیل سکیں اگر یہ درخت اس کی اپنی ملکیت تھا یا خود رو تھا تب تو اس کے کاٹ دینے اور اس کی لکڑی گھر لے جانے پر کچھ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگرکسی غیر کی ملکیت تھا تو اس نے فقط دفع ایذاء کے لیے کاٹ دیا ہوگا اس کی لکڑی پر قبضہ نہ کیا ہو گا۔اس صورت میں اس حدیث سے مسئلہ مستنبط ہوگا کہ موذی چیز کو ختم کردینا جائز ہے اگرچہ دوسرے کی ملکیت ہو،دیوانہ کتا جو کسی کا پالتو تھا،سرکس والوں کا بھاگا ہوا شیر،سپیروں کا چھوٹا ہوا سانپ ماردیئے جائیں،راستہ میں کھودا ہوا کنواں پاٹ دیا جائے اس میں مالک کی اجازت کی ضرورت نہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنت میں یا شب معراج میں دیکھا یا نماز کسوف میں جب آپ پر جنت پیش کی گئی یا عام حالت میں۔

	روایت ہے حضرت ابو برزہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے وہ بات سکھایئے جس سے نفع اٹھاؤں فرمایا مسلمانوں کے راستہ سے موذی چیز ہٹا دو ۱؎(مسلم)اور ہم حضرت عدی ابن حاتم کی یہ حدیث "اتقوا النار"ان شاءاللہ باب علامات نبوت میں بیان کریں گے ۲؎

۱؎ سائل نے تو کوئی پڑھنے کے لیے وظیفہ پوچھا ہوگا مگر سرکار نے یہ فرمایا کہ آخرت کی نجات صرف وظیفوں پر موقوف نہیں بلکہ مسلمانوں کی خدمت سے بھی میسر ہوجاتی ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ سائل کوئی جلیل القدر صحابی تھے جو سارے نیک اعمال پہلے ہی کرتے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ عمل بتاکر اشارۃً سمجھا دیا کہ خدمت خلق بھی ایک اعلیٰ نیکی ہے۔

۲؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی لیکن ہم نے مشکوۃ میں باب علامات نبوت میں بیان کی کیونکہ اس کے زیادہ مناسب تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سلام سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں حاضر ہوا ۲؎ جب میں نے چہرہ انور غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ پاک کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ۳؎

پہلی بات جو حضور نے فرمائی یہ تھی کہ اے لوگو سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ ۴؎ رشتے جوڑو سب لوگ سوتے ہوں تو نماز پڑھو سلامتی سے جنت میں چلے جاؤ ۵؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابویوسف ہے،یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں،علماء یہود میں سے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی،مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں وفات ہوئی،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ایک باغ میں کھجوریں توڑ رہے تھے تشریف آوری کی خبر پاتے ہی بے تابانہ دوڑے ہوئے آئے کھجوریں گود ہی میں تھیں انہیں رکھنا بھی بھول گئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھتے ہی دل میں ایمان آگیا۔

۲؎ باغ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ پر زیارت کے لیے آئے تو دیکھا کہ اس شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو پروانوں نے گھیرا ہوا ہے،لوگ فدا ہو رہے ہیں

۳؎ غور سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ علامات جو توریت شریف میں مذکور ہیں آپ کے چہرے انور سے ملائیں تو بالکل موافق پائیں بال برابر فرق نہ تھا تب میں نے یقین کرلیا کہ آپ کا دعویٰ نبوت برحق ہے غلط نہیں۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا مگر چونکہ کفار مکہ اور یہود مدینہ نے آپ کو جھٹلایا تھا اس لیے آپ یہ فرمارہے ہیں۔بعض علماء نے اس کے یہ معنے بیان کئے کہ میں نے فراست سے معلوم کیا کہ جھوٹ بولنے والے کا چہرہ ایسا نورانی نہیں ہوتا دل کی کیفیت چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔

۴؎ یعنی میں نے جو پہلی بات سنی وہ یہ تھی،چونکہ وہاں ہجوم عاشقاں تھا اس لیے الناس سے خطاب فرمایا۔سلام پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ سلام کو رواج دو،اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت سلام کا رواج نہ تھا "صبحك الله بالخير" وغیرہ کہتے تھے جیسے ہندوستان میں آداب عرض،گڈ مارننگ،بندگی،کورنش وغیرہ کہے جاتے تھے اسلام نے السلام علیکم کہنا سکھایا۔کھانا کھلانے سے مراد ہے مہمانوں،فقیروں،یتیموں کو کھانا دو۔بعض لوگوں نے کہا کہ سلام اونچی آواز سے کہو جو سامنے والا سن لے اور اپنے بچوں کو کھانا دو مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

۵؎ یعنی قرابت داروں کے حق ادا کرو،ان حقوق کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔اور نماز پنجگانہ پر ہی قناعت نہ کرو بلکہ آخری رات میں جب عمومًا لوگ سوتے ہوتے ہیں تو تم نماز تہجد پڑھا کروا گر تم نے ان چار باتوں پر عمل کرلیا تو عذاب و حجاب سے سلامت رہو گے اور جنت میں خیریت سے پہنچو گے جہاں تمہیں رب تعالٰی اور فرشتوں کی طرف سے سلام ہوا کریں گے۔ہماری اس شرح سے معلوم ہوا کہ بِسَلَامٍ کے دو معنے ہیں،چونکہ ابھی تک زکوۃ،روزہ،حج و جہاد کے احکام نہیں آئے تھے اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمٰن کو پوجو،کھانا کھلاؤ،سلام پھیلاؤ جنت میں سلامتی سے چلے جاؤ ۱؎	

(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ حدیث کچھ فرق سے ابھی گزر گئی۔رحمان کوپوجنا بہت جامع فرمان ہے جس میں ہر قسم کی عبادتیں داخل ہیں اگر یہ حدیث زکوۃ و روزہ کی فرضیت کے بعد کی ہو جب بھی درست ہے کہ عبادت رحمان میں وہ چیزیں بھی آگئیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ رب تعالٰی کے غضب کو بجھاتا ہے ۱؎اور بری موت کو دفع کرتا ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎یعنی خیرات کرنے والے سخی کی زندگی بھی اچھی ہوتی ہے کہ اولًا اس پر دنیوی مصیبتیں آتی نہیں اور اگر امتحانًا آبھی جائیں تو رب تعالٰی کی طرف سے اسے سکون قلبی نصیب ہوتا ہے جس سے وہ صبر کرکے ثواب کمالیتا ہے۔غرضکہ اس کے لیے مصیبت معصیت لے کر نہیں آتی مغفرت لے کر آتی ہے،معصیت والی مصیبت خدا تعالٰی کا غضب ہے اور مغفرت والی مصیبت اللہ کی رحمت لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سخیوں پر مصیبتیں آجاتی ہیں عثمان غنی جیسے سخی بڑی بے دردی سے شہید کئے گئے۔

۲؎ مَیْتَۃٌ مَوْتٌ سے بنا بیان نوعیت کے لیے اسے بروزن **فعلة** لائے تو میم کے کسرہ کی وجہ واؤ سے بدل گیا،بری موت سے مراد خرابی خاتمہ ہے یا غفلت کی اچانک موت یا موت کے وقت ایسی علامت کا ظہور ہے جو بعد موت بدنامی کا باعث ہو اور ایسی سخت بیماری ہے جو میت کے دل میں گھبراہٹ پیدا کرکے ذکر اللہ سے غافل کردے،غرضکہ سخی بندہ ان تمام برائیوں سے محفوظ رہے گا،میرے پاک نبی سچے،ان کا رب سچا،اللہ تعالٰی ان کے طفیل ہم سب کو سخاوت کی توفیق دے اور یہ نعمتیں عطا فرمائے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور بھلائی سے یہ بھی ہے کہ تو اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے ملے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں ڈول دے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ شروع باب میں صدقہ کے معنے عرض کئے جاچکے ہیں۔صدقہ حقیقی مال سے ہوتا ہے اور صدقہ حکمی اعمال سے بھی،مسلمان بھائی سے محبت سے ملنا اس کی خوشنودی دل کا ذریعہ ہے اور مسلمان کو خوش کرنا ثواب لہذا یہ عمل صدقہ،نیز کنوئیں پر جو لوگ پانی لینے کے لیے جمع ہوں ان کے برتوں میں پانی ڈال دینا بھی ان کی راحت اور خوشی کا ذریعہ ہے لہذا یہ بھی صدقہ،پانی ڈالنا بطور مثال بیان ہوا۔مقصد یہ ہے کہ مسلمان بھائی کے ساتھ معمولی سی بھلائی کرنا بھی ثواب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرادینا صدقہ ہے ۱؎اور بھلائی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی	

سے روک دینا صدقہ ہے اور تیرا کسی کو بہک جانے والی زمین میں راہ دکھادینا تیرے لیے صدقہ ہے ۲؎اور تیرا کسی کمزور نگاہ والے شخص کی مدد کردینا تیرے لیے صدقہ ہے ۳؎اور تیرا راستہ سے پتھر کانٹا ہڈی ہٹا دینا تیرے لیے ۴؎صدقہ ہے اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا تیرے لیے صدقہ ہے ۵؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ خوشی کا مسکرانا جس سے سامنے والا سمجھے کہ میرے آنے سے اسے خوشی ہوئی اس سے وہ بھی خوش ہو جائے،تمسخر کا مسکرانا مراد نہیں جس سے آنے والے کو تکلیف ہو کہ یہ تو گناہ ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا رب تعالٰی کی مہربانیاں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس امت کو ملیں وہ معمولی کام جن میں نہ خرچ ہو نہ تکلیف ثواب کا باعث بن گئے،کسی کو راستہ بتادینا یا مسئلہ سمجھا دینا بھی ثواب کا باعث ہوگیا۔

۳؎ یا اس طرح کہ اس کی انگلی پکڑ کر جہاں جانا چاہتا ہے وہاں پہنچا دے یا اس طرح کہ اس کا کام کاج کردے سب میں ثواب ہے کہ اندھوں اور کمزور نظر والوں کی خدمت نعمتِ آنکھ کا شکریہ ہے،ہر نعمت کا شکر جداگانہ ہے اور شکر پر زیادتی نعمت کا وعدہ ہے"لَئِنۡ شَکَرْتُمْ لَاَزِیۡدَنَّکُمْ"۔

۴؎ کہ اس سے لوگ تکلیف سے بچیں گے اور تمہیں ثواب ملے گا۔معلوم ہوا کہ جیسے مسلمان کو نفع پہنچانا ثواب ہے ایسے ہی انہیں تکلیف سے بچانا بھی ثواب ہے،کسی بھلے آدمی کو بدمعاش کی شر سے بچالینا ثواب ہے،اگر کوئی شریف النفس آدمی بے خبری میں خبیث النفس سے رشتہ کرنا چاہتا ہو اس سے بچالینا بھی ثواب ہے۔

۵؎ جب اپنے ڈول سے دوسرے کے ڈول میں پانی ڈال دینا ثواب ہوا تو جس کے پاس ڈول یا رسی ہی نہ ہو اسے پانی دینا تو بہت ہی ثواب ہوگا۔

روایت ہے حضرت سعد ابن عبادہ سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سعد وفات پا گئیں تو اب کون سا صدقہ بہتر ہے ۱؎فرمایا پانی ۲؎لہذا سعد نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ کنواں ام سعد کا ہے ۳؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی میں کونسا صدقہ دے کر ان کی روح کو اس کا ثواب بخشوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات میت کو نیک اعمال خصوصًا مالی صدقہ کا ثواب بخشنا سنت ہے،قرآن کریم میں جو فرمایا گیا:"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"یا فرمایا گیا"لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"۔جن سے معلوم ہوا کہ انسان کو صرف اپنی کی ہوئی نیکیاں فائدہ مند ہیں وہاں بدنی فرائض مراد ہیں اسی لیے وہاں کسبت یا سعٰی ارشاد ہوا یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نمازیں ادا نہیں

کرسکتا ثواب ہر عمل کا بخش سکتے ہیں لہٰذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں،قرآن کریم سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ نیکوں کی برکت سے بُروں کی آفتیں ٹل جاتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا"۔

۲؎ یعنی ان کی طرف سے پانی کی خیرات کرو کیونکہ پانی سے دینی دنیوی منافعے حاصل ہوتے ہیں خصوصًا ان گرم و خشک علاقوں میں جہاں پانی کی کمی ہو،بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں،عام مسلمان ختم فاتحہ وغیرہ میں دوسری چیزوں کے ساتھ پانی بھی رکھ دیتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ پانی کی خیرات بہتر ہے۔

۳؎ یعنی ام سعد کی روح کے ثواب کے لیے ہے۔یہ لام نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ثواب بخشتے وقت ایصال ثواب کے الفاظ زبان سے ادا کرنا سنت صحابہ ہے کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو پہنچے۔دوسرے یہ کہ کسی چیز پر میت کا نام آجانے سے وہ شئے حرام نہ ہوگی،دیکھو حضرت سعد نے اس کنوئیں کو اپنی مرحومہ ماں کے نام پر منسوب کیا،وہ کنواں اب تک آباد ہے اور اس کا نام بیرام سعد ہی ہے،فقیر نے اس کا پانی پیا ہے۔یہ "وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ" کے خلاف نہیں کہ وہاں وہ جانور مراد ہیں جو غیر خدا کے نام پر ذبح کئے جائیں۔خیال رہے کہ یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے۔چنانچہ ابوداؤد کی ایک اسنا دمیں یوں ہے"عَنْ اَبِیْ عَنْ اِسْحَاقَ الْبُسَّیْعِیْ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعْدِ ابْنِ عُبَادَةَ"۔چونکہ اس میں عَنْ رَجُلٍ آگیا لہٰذا یہ اسناد مجہول ہوگئی۔دوسری اسنادیوں ہے "عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ سَعْدًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ"الخ۔یہ اسناد ابوداؤد ونسائی ابن حبان میں بھی ہے۔تیسری اسنادیوں ہے "عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ الْمَسَیَّبِ وَالْحَسَنِ الْبَصَرِیِّ كِلَاهُمَا عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ" یہ دونوں اسنادیں منقطع ہیں کیونکہ سعید ابن مسیب اور حسن بصری کی ملاقات حضرت سعد ابن عبادہ سے نہ ہوئی۔(ازمرقات)مگر یہ انقطاع و جہالت کوئی مضر نہیں چند وجہوں سے:ایک یہ کہ حدیث اس بنا پر زیادہ سے زیادہ ضعیف ہوسکتی ہے اور یہ حدیث ضعیف فضائل اعمال اور ثبوت استحباب میں کافی ہوتی ہے دیکھو کتب فقہ اور شامی وغیرہ ایصال ثواب فرض یا واجب نہیں صرف سنت مستحبہ ہے۔دوسرے یہ کہ یہ کسی حدیث صحیح کے متعارض نہیں،کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ ایصال ثواب حرام ہے تاکہ یہ حدیث چھوڑ دی جائے۔تیسرے یہ کہ اس حدیث کی تائید بہت سی احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قربانی اپنی امت کی طرف سے کرتے تھے اور فرماتے تھے الٰہی اسے قبول کرلے امت مصطفٰے کی طرف سے۔(مسلم،بخاری)اور سیدنا علی مرتضٰے ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے رہے،فرماتے تھے مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔(ابوداؤد،ترمذی)چوتھے یہ کہ اس حدیث کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَفِیْۤ اَمْوٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ"اور فرماتا ہے:"وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ"۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول اور فہرست القرآن میں ملاحظہ کیجئے۔پانچویں یہ کہ ہمیشہ سے سارے مسلمان ایصال ثواب پر عمل کرتے رہے اور عمل امت کی وجہ سے حدیث ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے،دیکھو ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ دوم اور شامی وغیرہ۔چھٹے یہ کہ جب امام بخاری کی تعلیق قبول جس میں وہ اسناد بیان ہی نہیں کر

تے سیدھے کہہ دیتے ہیں قال ابن عباس کیونکہ امام بخاری ثقہ ہیں تو حضرت سعید ابن مسیب اور خواجہ حسن بصری کا انقطاع بھی قبول کیونکہ یہ دونوں حضرات امام بخاری سے کم ثقہ نہیں بلکہ اپنے یقین کامل کی بنا پر براہ راست حضرت سعد کا واقعہ بیان کردیا۔

روایت ہے ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو پہنائے اللہ تعالٰی اسے جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا ۱؎ اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھلائے تو اللہ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پلائے تو اللہ اسے نہر والی پاک وصاف شراب پلائے گا ۲؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ یعنی پہنانے والا بھی مسلمان ہو اور پہننے والا بھی خصوصًا نمازی ہو خواہ اسے ایک کپڑا پہنائے یا سارے کپڑے،جنتیوں کا لباس سبز ہوگا،رب تعالٰی نے فرمایا:"یَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا"۔

۲؎ غرضکہ مسلمان کی حاجت روائی رب تعالٰی کو بڑی پیاری ہے کھانا پینا اور لباس کی حاجت عامہ ہیں ان کی خیرات بڑی مقبول ہے،جنت میں پانی دودھ شہد وغیرہ کی نہریں بھی ہوں گی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ"اور بعض شرابوں کی سر بمہر بوتلیں بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ"الایہ لہذا نہ آیات متعارض ہیں اور نہ یہ حدیث آیتوں کے خلاف۔

روایت ہے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مال میں زکوۃ کے سوا اور بھی حقوق ہیں ۱؎ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی کہ بھلائی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے منہ پورب اور پچھم کو کرلو الایہ ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ جن میں سے بعض فرض ہیں جیسے نذر پوری کرنا یا حج اور بعض واجب جیسے فطرہ اور قربانی اور بعض نفل جیسے بھکاریوں کو بھیک دینا یا ضرورت مندوں کو قرض دینا یا ضرورت پر ڈول،ہانڈی،پیالہ وغیرہ عاریۃً دینا،پڑوسیوں کو آگ نمک وغیرہ دینا یہ حدیث ان سب کو جامع ہے۔

۲؎ اس آیت میں آگے یہ ہے"وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیۡنَ" الایہ۔لہذا یہ آیت حدیث کی مؤید ہے۔

روایت ہے حضرت بہیسہ ۱؎ سے وہ اپنے والد سے راوی	

	فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا پانی پھر عرض کیا یا نبی اللہ اور کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا نمک ۲؎ عرض کیا یا نبی اللہ اور کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا ہر اچھا کام کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۳؎(ابوداؤد)

۱؎ صحیح یہ ہے کہ حضرت بہیسہ خود بھی صحابیہ ہیں مگر آپ کی احادیث بہت کم ہیں۔

۲؎ یہاں جواز سے مراد شرعی جواز نہیں بلکہ عرفی جواز ہے یعنی مروت وغیرہ کہ ان چیزوں کا منع کرنا خلاف مروت ہے اور یہ بھی وہاں ہے جہاں پانی اور نمک کی خود مالک کو ضرورت نہ ہو ورنہ بعض وہ علاقے جہاں پانی کمیاب بلکہ نایاب ہے وہاں ضرورت کے وقت پانی نہ دینا نہ خلاف مروت ہے نہ گناہ یہی حال نمک کا ہے۔

۳؎ یہ عام حکم ہے یعنی اس کی تفصیل کہاں تک بیان کی جائے جو نیکی بن پڑے کر گزرو وقت کی قدر کرو کہ ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔رب تعالٰی فرماتاہے:"فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ"۔شعر

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

میاں محمد بخش صاحب فرماتے ہیں۔

صدا نہ بلبل باغیں بولے سدا نہ باغ بہاراں صدا نہ حسن جوانی ماپے سدا نہ صحبت یاراں

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو افتادہ زمین کو آباد کرلے ۱؎ تو اس میں اسے ثواب ہے اور جو جانور اس سے کھاجائیں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے ۲؎(دارمی)

۱؎ یعنی اپنی محنت سے بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنادے وہ بہت ثواب کا مستحق ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے رزق کا انتظام ہے۔حکومتیں اپنے غیر آباد علاقے لوگوں کو مفت دیتی ہیں ان کا ٹیکس معاف کردیتی ہیں بلکہ ہزار ہا روپے سے آباد کرنے والوں کی امداد کرتی ہیں اسکا ماخذ یہی حدیث ہے اس کے بارے میں آئمہ کا اختلاف آئندہ بیان ہوگا۔

۲؎ اس کی بحث پہلے ہوچکی کہ کبھی بغیر ارادہ نیکی ہوجانے پر بھی ثواب مل جاتاہے۔عافیہ عفیٌ سے بنا،بمعنی طلب رزق،عافی رزق کا متلاشی اب جانوروں اور پرندوں کو کہتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ ثواب تب ملے گا جب کہ اس پر صبر وشکر کیا جائے۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دودھ کا جانور عاریۃً دے یا چاندی قرضہ دے یا کسی کو راستہ بتائے تو اسے غلام آزاد کرنے

	کا ثواب ہے ۱ (ترمذی)

۱ یعنی کسی کو دودھ کا جانور کچھ روز کے لیے عاریۃً دینا کہ وہ اس کا دودھ پی لے یا کسی حاجت مند کو کچھ روپیہ قرض دینا،نابینا یا ناواقف کو راستہ بتادینے کا ثواب غلام آزاد کرنے کے برابر ہے جب قرض دینے کا یہ ثواب ہوا تو خیرات دینے کا کتنا ہوگا خود سوچ لو اس لیے یہ حدیث صدقات کے باب میں لائے۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کبھی قرض دینا صدقہ دینے سے بڑھ جاتاہے کیونکہ صدقہ تو غیرحاجت مند بھی لے لیتا ہے مگر قرض ضرورت مند ہی لیتا ہے اوراس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی معمولی نیکی کا ثواب بڑے سے بڑے کام سے بڑھ جاتا ہے،پیاسے کو ایک گھونٹ پانی پلاکر اس کی جان بچالینے کا ثواب سینکڑوں روپیہ خیرات کرنے سے زیادہ ہےاس لیے حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں نیکیوں کا ثواب بقدر عمل ملے گا۔

	روایت ہے حضرت ابو جری جابر ابن سلیم سے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا ۱ تو میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ان کی رائے سے کام کرتے ہیں وہ کوئی بات نہیں کہتے مگر لوگ اس پر عمل کرتے ہیں ۲ میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں لوگ بولے یہ رسول اللہ ہیں ۳ فرماتے ہیں میں نے دوبارہ عرض کیا علیك السلام یارسول اللہ ۴ تو فرمایا علیك السلام نہ کہا کرو کیونکہ علیك السلام مُردوں کا آپس میں سلام ہے ۵ بلکہ کہو السلام علیك ۶ میں نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں اللہ کا ایسا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے اور میں اس سے دعا کروں تو وہ تمہاری تکلیف دور کردے اور اگر تمہیں قحط سالی پہنچے میں اس سے دعا کردوں توتم پراگادے ۷ اورجب تم چٹیل زمین یاجنگ میں ہواور تمہاری سواری گم ہوجائے میں اس سے دعا کروں تواللہ وہ تمہیں واپس لوٹا دے ۸ میں نے عرض کیا مجھے نصیحت کیجئے فرمایا کسی کو گالی نہ دینا فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے کسی آزاد یا غلام اور اونٹ اور بکری کو گالی نہ دی ۹ فرمایا اور کسی اچھی بات کو حقیر نہ جاننا ۱۰ اور اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے کلام کیاکرنا یہ بھی نیکی ہے اور اپنا تہبند آدھی پنڈلی تک اونچا رکھنا اگر نہ مانو تو ٹخنوں تک ۱۱ اور تہبند زیادہ نیچا رکھنے سے

	ہمیشہ بچنا کہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالٰی تکبر کو پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور تمہیں کسی ایسے عیب سے عار دلائے جو تم میں وہ جانتا ہے تو تم اسے اس کے ایسے عیب سے عار نہ دلاؤ جو تم اس میں جانتے ہو۱۲اس کا وبال اس پر ہے۔(ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی نے ان سے سلام کی حدیث نقل کی اور ایک روایت میں ہے کہ تم کو اس کا ثواب ملے گا اور اس پر اس کا وبال ہوگا۱۳

۱؎ صحیح یہ ہے کہ آپ کا نام جابر ابن سلیم ہے،بعض نے سلیم ابن جابر بھی کہا ہے مگر یہ غلط ہے،صحابی ہیں مگر بہت ہی کم احادیث آپ سے مروی ہیں،دیہات کے رہنے والے تھے،کام کے لیے کبھی مدینہ پاک آتے تھے اس بار جو آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات نصیب ہوا جس کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔

۲؎ یعنی آپ کی ہر بات مانتے ہیں وجہ نہیں پوچھتے۔صَدَرُوْا صدور سے بنا جس کے معنے ہیں بے سمجھے سوچے چل پڑنا۔

۳؎ یعنی میں نے امراء حکام اور بادشاہوں کے خدام بھی دیکھے مگر کسی کے خدام ایسے بندہ بے دام نہ پائے مجھے تعجب ہوا کہ ان کی شان تو شاہانہ نہیں مگر فرمان شاہوں سے اعلٰی ہیں اس لیے تعجب سے پوچھا۔

۴؎ مگر آپ نے جواب نہ دیا کیونکہ سلام غلط تھا۔معلوم ہوا کہ صحیح سلام کا جواب دینا واجب ہے غلط سلام کو درست کرنا ضروری ہے۔ہمارے ہاں بعض جہلاء بھیا سلام،ابا سلام کہتے ہیں،یا آداب عرض،تسلیمات عرض ان میں سے کسی کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ انہیں سلام سکھانا چاہیئے۔

۵؎ اس جملہ کے بہت سے معنے کئے گئے ہیں:ایک یہ کہ قبرستان میں جاکر مردوں کو علیك السلام کہو مگر یہ غلط ہے کیونکہ وہاں بھی السلام علیکم کہنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ کفار عرب قبرستان جاکر مردوں کو یہ سلام کرتے تھے۔تیسرے یہ کہ جب مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو علیك السلام کہتے ہیں۔چوتھے یہ کہ علیك السلام کہنا مردوں کے لیے مناسب ہے زندے سلام تو السلام علیکم سے کریں اور جواب میں وعلیکم السلام بولیں۔واللہ اعلم! فقیر کے نزدیک تیسری توجیہ قوی ہے۔

۶؎ یعنی جب ایک دوسرے سے ملو تو السلام علیك کہو یا ہم سے ملاقات کے وقت تحیت کے لیے یہ کہو درود شریف کے موقعہ پر صلوۃ و سلام جمع کرکے کہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۷؎ مرقات نے فرمایا کہ یہاں تینوں صیغے متکلم کے ہیں اور اَلَّذِی رسول کی صفت ہے یعنی میں وہ رسول ہوں کہ میری دعا سے اللہ تعالٰی لوگوں کی مصیبتیں ٹالتا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ تینوں صیغے مخاطب کے ہوں اور اَلَّذِی اللہ تعالٰی کی صفت ہو یعنی میں اس اللہ کا رسول

ہوں کہ اگر تو مصیبتوں میں میرے وسیلہ سے اس سے دعائیں کرے تو پروردگار تیری آفتیں ٹال دے۔(مرقات)وسیلہ کی اس لیے قید لگائی کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی پہچان کرارہے ہیں وہ خدا کو تو پہلے ہی پہچانتا تھا۔فقیر کے نزدیک پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں کیونکہ اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت زیادہ ہے جو یہاں اصل مقصود ہے۔

۸؎دوسرے معنے کی بنا پر اس حدیث سے ثابت یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حاضر اور غائب غلاموں کے دکھ درد سے خبردار ہیں اور انہیں دعائیں دیتے رہے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ"۔

۹؎اگر سَبٌّ سے مراد فحش گالی ہے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے کہ مسلمان فحش گو نہیں ہوتا اور اگر برا کہنا مراد ہے تو اگرچہ بعض وقت کسی کو برا کہناجائز تو ہوتا ہے مگر اس سے بچنا بہتر،ان صحابی نے اس بہتر پر عمل کیا۔

۱۰؎یعنی اگر خدا تجھے تھوڑی نیکی کی بھی توفیق دے تو اسے کر گزر اور خدا کا بہت شکر کر،موقع کو غنیمت جان کہ کبھی تھوڑی نیکی سے ہی نجات ہوجائے گی اور شکر کی توفیق سے آئندہ بڑی نیکیاں بھی نصیب ہوجائیں گی۔

۱۱؎ یہ حکم مرد کے لیے ہے کہ اسے ٹخنوں کے نیچے پاجامہ یا تہبند رکھنا بطریق تکبر حرام ہے اور بے پرواہی سے خلاف اولٰی مگر آج کل آدھی پنڈلی تک کے پاجامے وہابیوں کی علامت ہیں جیسے ہمیشہ سر منڈانا لہٰذا ٹخنوں کے اوپر رکھے،عورتوں کا تہبند یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے چاہیئے۔

۱۲؎یہ انتہائی حسن اخلاق کی تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے عیب کھولے تو تم اس کے عیب نہ کھولو کسی نے کیا مزے کا شعر کہا۔شعر

بدی رابدی سہل باشد جزاء　　　اگر مردے اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ

مگر یہ اپنے ذاتی معاملات میں ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ اگر کوئی بدنصیب اللہ کے محبوبوں کو عیب لگائے تو اس کے سارے چھپے عیب کھول دینا سنت الٰہیہ ہے،دیکھو ولید ابن مغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہاتو رب تعالٰی جو ستّار عیوب ہے سورۂ نون میں اس کے دس عیب کھولے حتی کہ اخیر میں فرمایا: "عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ"کہ وہ حرام کا تخم ہے لہٰذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں۔اپنے دشمن کو معافی دینا کمال ہے اور دین کے دشمنوں سے بدلہ لینا کمال۔

۱۳؎خیال رہے کہ ذاتی معاملات میں کسی مسلمان کے عیب کھولنا سخت جرم ہے جس کا وبال بہت ہے مگر دینی معاملات میں خود مسلمان کے عیب کھولنا عبادت ہے۔محدثین حدیث کے راویوں کے عیوب بیان کرجاتے ہیں غیبت یا عیب لگانے کے لیے نہیں بلکہ حدیث کا درجہ معین کرنے کے لیے کہ اس کے راویوں میں چونکہ فلاں عیب ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے فضائل اعمال میں کام آئے گی،احکام میں کام نہ دے گی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ اہل بیت نے بکری ذبح کی ا؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں سے کیا بچا وہ بولیں کہ کندھے کے سواء کچھ نہ بچا

	۲؎فرمایا کندھے کے سوا سب بچ گیا ۳؎اور ترمذی نے اسے صحیح فرمایا۔

۱؎ بکری ذبح کرنے والے بعض صحابہ کرام تھے یا بعض ازواج پاک،دوسرے احتمال کو محدثین نے ترجیح دی ہے،چونکہ ازواج پاک کو اہلِ بیت بھی کہا جاتا ہے اور یہ لفظ مذکر ہے اس لیے جمع مذکر کا صیغہ ارشاد ہوا،فرشتوں نے بی بی سارا زوجہ ابراہیم علیہما السلام سے عرض کیا تھا"اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ"۔

۲؎یعنی سارا گوشت خیرات کردیا گیا صرف شانہ بچا ہے غالبًا یہ گھر کے خرچ کے لیے رکھا گیا ہوگا اور یہ بکری صدقہ کے لیے ذبح نہ کی گئی ہوگی کہ صدقہ کا گوشت گھر کے خرچ کے لیے نہیں رکھا جاتا۔

۳؎یعنی جو راہِ خدا میں صدقہ دے دیا گیا وہ باقی اور لازوال ہوگیااور جواپنے کھانے کے لیے رکھاگیا وہ ہضم ہوکر فنا ہوجائے گا،رب تعالٰی فرماتاہے:"مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا نہیں پہناتا مگر جب تک اس کے بدن پر اس کا ایک چیتھڑا بھی رہے یہ اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے ۱؎(احمد،ترمذی)

۱؎یعنی جب تک فقیر کے جسم پر اس کپڑے کی ایک چیز باقی ہے تب تک اللہ تعالٰی پہنانے والے کو آفات دنیاوی سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ صدقہ آفتوں سے بچانے میں بے مثال ہے یا مطلب یہ ہے کہ تب تک اللہ اس کی عیب پوشی فرماتا رہتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے تو اللہ اس کی عیب پوشی کرتا ہے،یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے۔یہ تو کپڑا پہنانے کا دنیاوی فائدہ ہوااُخروی فائدہ تو ہمارے خیال سے وراء ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس قدر صدقہ کی بقا اسی قدر اس کے فائدے کی بقا لہٰذا صدقہ جاریہ بہت ہی اعلٰی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ اسے مرفوع کرتے ہیں فرمایا تین شخصوں سے اللہ محبت کرتا ہے ۱؎ایک وہ جو رات کو اٹھ کر قرآن پڑھے ۲؎دوسرا وہ جو اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات کرے اور اسے چھپائے مجھے خیال ہے کہ فرمایا اپنے بائیں ہاتھ سے ۳؎تیسرا وہ جوکسی لشکر میں تھا کہ اس کے ساتھی بھاگ گئے تو یہ دشمن کے مقابل رہا ۴؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اس کے ایک راوی ابو بکر ابن

	عیاش ہیں جو بہت غلطیاں کرتے ہیں ۵؎

۱؎ خاص نوعیت کی محبت ورنہ عمومی محبت تو اللہ تعالٰی ہر مؤمن سے کرتا ہے،بعض کا مقابل صحابہ کرام سے اور قسم کی محبت فرماتاہے اور مختلف قسم کے شخصوں سے اور اقسام کی محبت،یہ ہی حال رضائے الٰہی کا ہے۔رب تعالٰی کی محبت خاص کی یہ علامت ہے کہ اسے نیک اعمال کی توفیق بخشتا ہےاور گناہوں سے بچاتا ہے اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔

۲؎ یا نماز تہجد میں یا ویسے ہی علاوہ نماز کے۔معلوم ہوا کہ آخر رات کی تلاوت ونماز بہت اعلٰی ہے کہ اس میں ریاء کا شائبہ نہیں۔اس میں وہ حفظ قرآن والے طلباء بھی شامل ہیں جو آخر شب میں قرآن پاک یاد کریں۔

۳؎ یہ چھپانے کے مبالغہ کے لیے ہے یعنی وہ اپنے زن و فرزند اور خاص دوستوں سے بھی اس صدقہ کا ذکر نہیں کرتا تاکہ ریاء کا شائبہ بھی نہ پیدا ہوجائے۔خیال رہے کہ صدقہ فرض اکثر ظاہر کرکے دینا افضل ہے تاکہ فسق کی تہمت سے بچے اور صدقہ نفل اکثر چھپا کردینا بہتر،ہاں چندہ وغیرہ پر صدقہ کا اعلان تاکہ دوسروں کو بھی دینے کی رغبت ہو بہتر ہے،مختلف حالات کے مختلف احکام ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَ اِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۴؎ اپنی فوج کے بھاگ جانے پر اور خود اکیلے رہ جانے پر دشمن کے مقابل ڈٹ جاتا گویا اپنی موت کو دعوت دینا ہے مگر چونکہ کلمۃ اللہ بلند کرنے کے لیے مرجانا بھی عبادت ہے اس لیے یہ غازی اللہ کا بڑا محبوب بنا اور اس پر خودکشی کا الزام نہ آیا اگر بحالت جنگ یہ حدیث ہر غازی کے سامنے رہے تو ان شاءاللہ اسلامی فوج کے قدم اکھڑ سکتے ہی نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ تینوں بندے مجاہد ہی ہیں اس لیے ان تینوں کے ایک ساتھ فضائل بیان کیئے گئے۔ تہجد گزار اس وقت سونے والوں کی مخالفت کرتا ہے اور نفس امارہ کا مقابلہ کہ اس وقت نفس کو نیند پیاری ہوتی ہے اور اسے اللہ کا ذکر پیارا اور سخی اپنے مال میں جہاد کرتا ہے اور اپنے نفس سے مقابلہ کہ نفس مال سے محبت کرتا ہے اور یہ خالقِ مال سے اور وہ ڈٹنے والا غازی تو ظاہر ظہور مجاہد ہے کہ اگر وہ غنیمت یا ناموری کے لیے گیا ہوتا تو ایسے نازک موقعہ پر میدان میں کبھی نہ ٹھہرتا۔

۵؎ یہ حضرت اپنے وقت کے امام تھے مگر حافظہ کمزور تھا اس لیے ضعیف ہیں مگر اسی مضمون کی احادیث اور اسنادوں سے بھی مروی ہیں جو اکثر صحیح ہیں جن میں سے کچھ فرق کے ساتھ ایک آگے بھی آرہی ہے،لہذا متن حدیث ضعیف نہیں۔(اشعہ و مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی تین شخصوں سے محبت کرتا ہے اور تین سے سخت ناراض ہے ۱؎ جن سے محبت کرتا ہے ایک تو وہ شخص ہے جو کسی قوم کے پاس پہنچا ۲؎ ان سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا اپنی آپس کی قرابت کی وجہ سے نہ مانگا ۳؎ لوگوں نے اسے منع کردیا تو ان ہی

میں سے ایک شخص پیچھے ہٹا اسے چھپ کر کچھ دے دیا جس کا عطیہ اللہ کے سواء اور اس دینے والے کے سواء کوئی نہیں جانتا ۴؎ اور ایک وہ قوم جو رات بھر چلتی رہی حتی کہ جب انہیں نیند ہر ماسوا سے پیاری ہوگئی تو سر رکھ کر سوگئے تو یہ کھڑے ہوکر میری خوشامد کرنے لگا اور میری آیات تلاوت کیں ۵؎ اور وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا دشمن سے جنگ کی لوگ بھاگ پڑے تو یہ اپنا سینہ تان کر کھڑا ہوگیا حتی کہ قتل کردیا گیا یا اس کی وجہ سے فتح ہو گئی ۶؎ اور وہ تین جن سے اللہ سخت ناراض ہے ایک بوڑھا زانی ۷؎ متکبر فقیر اور ظالم غنی ۸؎ (ترمذی،نسائی)	

۱؎ ان سے محبت کرنے کے معنے پہلے مذکور ہوگئے کہ خصوصی محبت مراد ہے،ناراضی سے بھی خصوصی ناراضی مراد ہے ورنہ رب تعالٰی تمام کفار اور فساق سے ناراض ہے لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ یہ پہنچنے والا اور مانگنے والا خدا کا محبوب نہیں محبوب تو وہ دینے والا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے اس کے صدقہ کی اہمیت دکھانے کے لیے یہ پورا واقعہ بیان فرمایا۔(از لمعات)

۳؎ اگرچہ قرابت دار فقیر کو دینے میں دگنا ثواب ہے مگر یہاں اس سخی کا اس اجنبی فقیر کو خیرات دینا بہت ہی کامل ہوا کیونکہ یہاں سواء رضائے الٰہی کے اور کوئی چیز فقیر کی ممنونیت وغیرہ ملحوظ نہ تھی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قرابت داروں کو خیرات دینا افضل ہے۔

۴؎ اَعطَاہُ میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ اس سے لینے والا فقیر مراد ہو۔دوسرے یہ کہ اس سے دینے والا سخی مراد ہو،دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اس سخی نے اپنا منہ چھپاکر یا اندھیرے میں اس طرح دیا کہ فقیر کو بھی پتہ نہ چلا کہ کون دے گیا،چونکہ اس شخص نے صدقہ بھی دیا،اس قوم کی مخالفت بھی کی اور فقیر کی ٹوٹی آس بھی پوری کی اس لیے یہ خدا کا زیادہ پیارا ہوا۔

۵؎ عرب میں عمومًا رات میں سفر ہوتا ہے اور تھکن اتارنے کے لیے مسافر آخر رات میں آرام کرلیتے ہیں، چونکہ اس تہجد خواں نے تین بہادریاں کیں اس لیے یہ خدا تعالٰی کو زیادہ محبوب ہوا(۱)ایسی حالت میں نیند پر عبادت کو ترجیح دینا(۲)سب کو سوتا دیکھ کر بھی نہ سونا،عابدوں میں عبادت آسان ہے غافلوں میں مشکل (۳)اور تہجد کی نماز۔**تملق ملق** سے بنا،بمعنی دوستی و نرمی،ناجائز نرمی کا نام چاپلوسی ہے اور جائز نرمی کا نام خوشامد نیاز مندی وغیرہ،یہاں دوسرے معنے۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ خوشامد اصل عرفان اور بندے ورب تعالٰی کے درمیان خاص تعلق کا باعث،یہ حال قال سے وراء ہے۔

۶؎ اس طرح کہ اس اکیلے کی جرأت ہمت دیکھ کر بھاگنے والوں میں دلیری پیدا ہوئی پلٹ پڑے اور جم کر لڑے جیسا کہ غزوہ حنین میں ہوا کہ اس دن سارے غازیوں کے قدم اکھڑ گئے تھا، سید الاشجعین صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں جمے رہے پھر وہی صحابہ پلٹ پڑے جم کر لڑے اور میدان جیت لیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ شیخ بمعنی بوڑھا ہے نہ کہ شادی شدہ جوان، چونکہ بڑھاپے میں موت قریب نظر آتی ہے، شہوانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں، بوڑھا بہت تکلف ہی سے صحبت کرسکتا ہے اس لیے اس کا زنا انتہائی خباثت کی دلیل ہے کہ اسے نہ موت کا خوف نہ اللہ رسول کی شرم۔

۷؎ اگرچہ ہر تکبر برا ہے مگر فقیر کا تکبر زیادہ برا کہ اس کے پاس اس کے اسباب نہیں ہیں محض شیطان کے دھوکے سے اپنے کو بڑا جانتا ہے۔خیال رہے کہ **تکبر**،**استغناء** اور **تعفف** میں بڑا فرق ہے اور مسلمانوں کو اپنے سے حقیر جاننا تکبر ہے اور اپنے کو ان سے بے نیاز سمجھنا صرف اللہ رسول ہی کا محتاج جاننا بہت اعلٰی وصف ہے اسی کو **استغناء** وغیرہ کہتے ہیں،اس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمایاہے۔شعر

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں   کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

ع   کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو۔ مرقات نے فرمایا کہ کفار اور متکبروں کے مقابلے میں تکبر کرنا عبادت ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضرت بشیر ابن حارث نے امیر المؤمنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا مجھے کچھ نصیحت کیجئے،فرمایا کہ امیروں کا فقیروں پر مہربانی کرنا بہت اچھا ہے مگر فقیروں کا خدا پر توکل کرکے امیروں سے تکبر کرنا اس سے بھی اچھا۔اس فقیر متکبر میں وہ جاہل بھی داخل ہیں جو علماء کو حقیر سمجھیں کہ وہ علم کے فقیر ہیں۔

۸؎ اپنے نفس پر ظالم کہ نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور مخلوق پر ظالم کہ انہیں بجائے نفع پہنچانے کے ستاتا ہے، چونکہ ان لوگوں کے جرم سخت ہیں لہٰذا اللہ تعالٰی ان سے سخت ناراض۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو زمین ہلنے لگی ۱؎ تو پہاڑوں کو پیدا فرمایا تو انہیں زمین میں گاڑ دیا تو زمین ٹھہر گئی ۲؎ تو فرشتوں نے پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب کیا بولے الٰہی کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے ۳؎ فرمایا ہاں لوہا ہے ۴؎ عرض کیا یا الٰہی کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں آگ ہے ۵؎ عرض کیا مولے کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں پانی ہے ۶؎ بولے یا **اللہ العالمین** کیا	

تیری مخلوق میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں ہوا ہے ۷؎ بولے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں وہ انسان جو داہنے ہاتھ سے خیرات کرے جسے بائیں ہاتھ سے چھپالے ۸؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور حضرت معاذ کی یہ حدیث کہ صدقہ خطائیں مٹا دیتا ہے کتاب الایمان میں ذکر ہوچکی۔	

۱؎ جیسے ہلکی کشتی و جہاز پانی پر ہلتا ہے اسی طرح زمین ہلتی تھی فرشتوں نے گمان کیا کہ اس سے لوگ نفع نہ اٹھا سکیں گے۔

۲؎مرقات نے فرمایا کہ پہلے ابوقبیس پہاڑ پیدا ہوا پھر دوسرے پہاڑ،ان پہاڑوں سے زمین ایسی ٹھہر گئی جیسے جہاز میں وزن لاددینے سے دریا پر ٹھہرجاتا ہے جنبش نہیں کرتا۔قَالَ قول سے بنا،بمعنی گاڑ دینا،پہاڑ زمین میں ایسے گڑھے ہیں جیسے زمین میں مضبوط درخت کہ پہاڑوں کی جڑیں دور تک پھیلی ہوتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوٰسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ"۔بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں قَالَ کہنے ہی کے معنے میں ہے یعنی پہاڑ پیدا فرماکر زمین سے فرمایا ٹھہر گئی،یعنی زمین کا ٹھہرنا کُنْ فرمانے سے ہے پہاڑ محض سبب ہیں مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎فرشتوں کو حیرت یہ ہوئی کہ پہاڑوں نے اتنی بڑی زمین کو اس طرح دبوچ لیا کہ اسے ہلنے نہیں دیتےتو ان سے سخت تر مخلوق کون سی ہوگی۔خیال رہے کہ پہاڑ زمین سے زیادہ وزنی نہیں مگر جیسے جہاز کا سامان جہاز کے وزن سے کہیں ہلکا ہوتا ہے مگر جہاز کو ہلنے نہیں دیتااسی طرح پہاڑ کا معاملہ ہے۔

۴؎کیونکہ لوہا پہاڑ کو توڑ دیتا ہے پہاڑ لوہے کو نہیں توڑتا۔

۵؎کہ آگ لوہے کو پگھلا دیتی ہے،بلکہ زیادہ تیز ہو تو لوہے کو گلا کر پانی بنادیتی ہے۔

۶؎کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اگرچہ آگ پانی کو گرم بھی کردیتی ہے اور جلا بھی دیتی ہے مگر کسی برتن کی مدد سے جب کہ پانی اس میں بند ہو اگر آڑ ہٹا دی جائے تو پانی ہی آگ کو بجھاتا ہےلہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں پانی قید میں رہ کر جلتا ہے۔

۷؎کیونکہ ہوا پانی سے لدے بادلوں کو اڑائے پھرتی ہے اور سمندر میں طلاطم پیدا کردیتی ہے جس سے وہاں طوفان برپا ہوجاتا ہے۔

۸؎کیونکہ ایسا سخی اس سرکش نفس کو تابعدار کرلیتا ہے جو پہاڑ سے زیادہ سخت سمندروہوا سے زیادہ طوفانی ہے۔نفس اولًا تو بخل سکھاتا ہے جب سخاوت کی جائے تو دکھلاوے کو پسند کرتا ہے یہ خفیہ سخاوت کرنے والا نفس کی دونوں خواہشوں کو کچل دیتا ہے اور نفس کی آگ کو بجھا دیتا ہے لہذا بڑا بہادر ہے،نیز خفیہ صدقہ سے غضب الٰہی کی آگ بجھتی

ہے،رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے،یہ نعمتیں پہاڑ،لوہے،آگ،پانی،ہوا سے حاصل نہیں ہوسکتیں لہذا یہ صدقہ ان سب سے بہتر۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سخاوت مال سے سخاوت حال افضل ہے اور سخاوت حال سے سخاوت کمال بہتر کہ سخاوت مال میں فقیر کی اسی زندگی کے دو ایک دن سنبھل جاتے ہیں مگر حال و کمال کی سخاوت سے ہم جیسے مسکینوں کے دونوں جہاں درست ہوجاتے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت لوگوں کے دین و دنیا سنبھال دیئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے داتا ہیں جیسے زمین پہاڑوں سے ٹھہری ایسے ہی ہمارے دل کسی کی نگاہ کرم سے ٹھہر سکتے ہیں ورنہ دل کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مسلمان اپنے ہر مال سے جوڑا اللہ کی راہ میں خیرات نہیں کرتا ۱؎ مگر جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے ان میں سے ہر ایک اس کی طرف بلائے گا جو اس کے پاس ہے ۲؎ میں نے عرض کیا یہ کیسے کرے فرمایا اگر اونٹ ہوں تو دو اونٹ دے اور اگر گائیں ہوں تو دو گائے دے ۳؎(نسائی)	

۱؎ بعض لوگ فقیر کو کپڑوں کا جوڑا اور جوتا بھی دیتے ہیں نیز روپیہ پیسہ خیرات کرتے ہیں تو کم از کم دو۔ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۲؎ یعنی جنت کے ہر دروازہ پر اس کی پکار پڑے گی کہ ادھر سے آؤ۔یہ اظہار عزت کے لیے ہوگا یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق کی فوج ہوں گے وہ اس جماعت کے سردار اعلیٰ رضی اللہ عنہ"یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمٰمِہِمۡ"۔

۳؎ اس شرح نے بتادیا کہ حدیث میں ایک جنس کی دو نوعیتیں مراد نہیں،یعنی روٹی و پانی،جوتا و ٹوپی بلکہ ایک نوع کی دو فردیں مراد ہیں یعنی پیسہ خیرات کرو تو دو روپے ہوں،کپڑے ہوں تو دو۔

روایت ہے حضرت مرثد ابن عبداللہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا قیامت کے دن مسلمان کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا ۲؎(احمد)	

۱؎ آپ کی کنیت ابوالخیر ہے،قبیلہ مزینہ سے ہیں،مصر کے رہنے والے تابعین میں سے ہیں،اپنے زمانہ کے مفتی اعظم تھے حتی کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز آپ سے فتویٰ لیتے تھے،حضرت ابن عمر،ابو ایوب عقبہ ابن عامر صحابہ سے ملاقات ہے۔

۲؎ یعنی مؤمن کے صدقہ و خیرات خصوصًا فی سبیل اللہ مسافر خانے،مسجدیں بنانااور باغات لگانا وغیرہ کل قیامت میں درخت سایہ دار کی شکل میں نمودار ہوں گے جن کے سایہ میں سخی ہوگااور قیامت کی گرمی سے محفوظ رہے گا کیونکہ دنیا میں غرباء،فقراء کو اس نے سایہ کرم میں رکھا تھا،حدیث بالکل ظاہری معنے پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں وہاں مال بلکہ اعمال کی مختلف شکلیں ہوں گی:بخیل کا مال گنجے سانپ کی شکل میں،سخی کا مال درخت سایہ دار کی صورت میں نمودار ہوگا۔آج دنیا میں ہم خواب میں ان چیزوں کو مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں،بادشاہ مصر نے قحط کے سال،خشک بال اور دبلی گایوں کی شکل میں دیکھے تھے۔(قرآن کریم)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ جو دسویں محرم اپنے بچوں کے خرچ میں فراخی کرے گاتو اللہ تعالٰی سارا سال اس کو فراخی دے گا ۱؎ سفیان فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کا تجربہ کیا تو ایسے ہی پایا ۲؎(رزین)

۱؎ یعنی محرم کی دسویں" تاریخ کو اپنے بال بچوں،نوکر خادموں،فقراء مساکین کے لیے مختلف قسم کے کھانے تیار کرے تو ان شاءاللہ تعالٰی سال بھر تک ان کھانوں میں برکت ہوگی،مسلمان عاشورہ کے دن حلیم پکاتے ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ حلیم میں ہر کھانا ہوتا ہے،گندم گوشت اور دالیں چاول وغیرہ توان شاء اللہ حلیم پکانے والے کے گھر ان تمام کھانوں میں برکت ہوگی۔

۲؎ یعنی سفیان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے تجربہ میں آئی ہے واقعی اس عمل سے برکت ہوتی ہے لہذا یہ حدیث قوی ہے۔خیال رہے کہ تجربہ سے بھی حدیث کو تقویت پہنچتی ہےاس لیے محدثین حدیث کی توثیق کے لیے کبھی اپنے تجربہ کا ذکر کردیتے ہیں،یہاں بھی ایسا ہی ہے اس کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ دوم میں دیکھئے۔خیال رہے کہ عاشورہ کے دن خود روزہ رکھو اور بچوں کو فقراء کو خوب کھلاؤ پلاؤلہذا یہ حدیث عاشورہ کے روزہ کے خلاف نہیں۔

	اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہی ابن مسعود اور ابوہریرہ اور ابوسعید و جابر سے روایت کیا اور اسے ضعیف فرمایا ۱؎

۱؎ بیہقی نے اسی جگہ فرمایا کہ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے،جو سب ضعیف ہیں مگر چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو قوی کردیتی ہیں لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔(اشعہ)امام عراقی نے فرمایا کہ اس حدیث کی بعض اسنادیں صحیح بھی ہیں امام مسلم کی شرط پر ہیں لہذا متن حدیث صحیح ہے۔(مرقاۃ)اگر حدیث ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں

قبول ہے،عاشورہ کے دن اور بہت سے اعمال کرنا چاہئیں جیسے غسل کرنا،سرمہ لگانا،روزہ رکھنا وغیرہ۔ان کی تفصیل ہماری کتاب "اسلامی زندگی"میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں عرض کیا ابوذر نے یا نبی اللہ فرمایئے تو صدقہ کا درجہ کیا ہے فرمایا وہ چند درچند(دونادون)ہے اور اللہ کے ہاں زیادتی علاوہ ہے[1]

[1] اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ صدقہ کی برکتیں دنیا میں تو چند در چند ہیں اور کل قیامت میں جو زیادتیاں ہوں گی وہ ہمارے حساب سے وراء ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ"۔تجربہ بھی ہے کہ صدقہ سے مال بہت بڑھتا ہے۔دوسرے یہ کہ قیامت میں صدقہ کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہےاور جو زیادتیاں رب عطا فرمائے گاوہ حساب سے زیادہ ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔

باب افضل الصدقۃ

باب بہترین صدقہ ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یوں تو ہر صدقہ بہرحال اچھا ہے مگر کبھی بعض عارضی حالات میں بہت اچھا ہوجاتاہے خواہ خیرات دینے والے کی ہو یا لینے والے کی ہو یا مال کی جیسے تندرستی کی خیرات مرتے وقت کی خیرات سے بہتر ہے یوں ہی متقی پرہیزگار عیالدار کو خیرات دینا فاسق کو دینے سے بہتر،اسی طرح جس چیز کی اس وقت تنگی ہو اس کا صدقہ افضل ہے جہاں پانی کی تنگی ہو وہاں کنواں کھدوانا بہت باعث ثواب ہے۔اس باب میں ان تمام حالات کا ذکر ہوگا جن سے صدقہ بہت بہتر ہوجاتاہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو قوت غنا سے ہو ۱؎ اور ان سے ابتداء کرو جن کی تم پرورش کرتے ہو ۲؎(بخاری) اور مسلم نے صرف حکیم سے روایت کی۔

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں لفظ ظھر زائد ہے جس کے کوئی معنے نہیں مگر حق یہ ہے کہ زائد نہیں بلکہ بمعنی قوت و غلبہ ہے یعنی صدقہ بہتر وہ ہے کہ صدقہ دینے والا صدقہ دے کر خود بھی خوب غنی رہے یا تو مال کا غنی رہے یعنی سب خیرات نہ کردے کہ کل کو خود اور اس کے بال بچے بھیک مانگتے پھریں۔غرضکہ صدقہ دے کر خود فقیر بھکاری نہ بن جاؤ یا دل کا غنی کہ سب کچھ دے کر بھی لوگوں سے بے نیاز رہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق نے سب کچھ راہ خدا میں دے دیا کہ گھر میں کچھ نہ رکھا لہذا یہ حدیث صدیق اکبر کے اس عمل کے خلاف نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ عوام مسلمین اصلی ضرورت سے زیادہ مال خیرات کریں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الْعَفْوَ"عفو سے مراد ضرورت سے بچا مال اور خاص متوکلین کل مال بھی لٹا سکتے ہیں،یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔

۲؎ یعنی اپنا مال پہلے اپنے پر،پھر اپنے بال بچوں پر،پھر غریب قرابت والوں پر،پھر دوسروں پر خرچ کرو،چونکہ مؤمن کو ان سب خرچوں میں صدقہ کا ثواب ملتا ہےاسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خرچوں کو صدقہ میں شامل فرمایا۔سبحان اللہ!کیسی پیاری ترتیب ہے اور کیسی نفیس تعلیم اہل قرابت کو صدقہ دینے میں صدقہ کا بھی ثواب ہے اور قرابت ادا کرنے کا بھی جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابومسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی طلب میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ گھر والوں سے مراد بیوی بچے اور سارے عزیز ہیں،انکی ترتیب کتب فقہ میں دیکھو۔اور طلب اجر سے مراد یہ ہے کہ ان سب پر خرچ کرے سنت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سنت کی نیت سے تو خود اپنا کھانا،سونا،ہنسنا،رونا بلکہ جینا مرنا عبادت ہے،اللہ تعالٰی نیت خیر نصیب کرے۔دنیا کو دکھانے اور اپنی ناموری کے لیے تو نماز پڑھنا بھی عبادت نہیں چہ جائیکہ یہ خرچ لہذا بیاہ شادیوں میں جو مختلف رسوم کے ماتحت اہل قرابت کو یا کمیوں کو نیک دستور یا حقوق دیئے جاتے ہیں ثواب نہیں کہ وہ اللہ کے لیے نہیں اپنے نام کے لیے ہیں۔اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب ثواب کی قید لگائی،اللہ تعالٰی نیت خیر و اخلاص نصیب کرے۔آمین!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اشرفی تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے ۱؎ اور جو اشرفی تو گردن آزاد کرنے میں خرچ کردے ۲؎ اور جو اشرفی تو کسی مسکین پر صدقہ کرے اور جو اشرفی تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے ان سب میں زیادہ ثواب اس کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے ۳؎(مسلم)

۱؎ یہاں اللہ تعالٰی کی راہ سے مراد حج و جہاد وغیرہ وہ مقامات ہیں جہاں کسی بندے کی رضا قطعًا مقصود نہ ہو۔

۲؎ اس میں مکاتب کی امداد،غلام کی آزادی،مقروض کو قرض سے آزاد کرانا،کسی مصیبت میں پھنسے ہوئے کو اس مصیبت سے نکالنا سب ہی داخل ہیں،نہایت جامع کلمہ ہے۔

۳؎ گھر والوں پر خرچ ان سب خیراتوں سے یا تو اس لیے بہتر ہے کہ وہ خیراتیں نفل تھیں اور یہ خرچ فرض ہے اکثر فرض نفل سے بہتر ہوتا ہے یا اس لیے کہ اس خرچ دینے میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی اہل قرابت کے حق کی ادائیگی اور دو نیکیاں ایک نیکی سے افضل ہیں اسی لیے بعض لوگ گیارھویں شریف وغیرہ کی شیرینی اکثر سیدوں کو دیتے ہیں کہ یہ حضرات اولاد رسول ہیں،اس میں خیرات بھی اور اولاد رسول کے حق کی ادائیگی بھی،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین اشرفی جو آدمی خرچ کرتاہے وہ اشرفی ہے جسے اپنے بال بچوں پر خرچ کرے اور وہ اشرفی ہے جسے اپنے اللہ واسطے کے گھوڑے پر

	خرچ کرے ۱؎اور وہ اشرفی ہے جسے اللہ کی راہ میں اپنے دوستوں پر خرچ کرے ۲؎(مسلم)

۱؎ یہ ترجمہ بہت مناسب ہے۔فی سبیل اللہ گھوڑے کی صفت ہےخرچ کے متعلق نہیں یعنی جو گھوڑا جہاد کے لیے پالا ہو اس پر خرچ کرنا بہتر ہے اور جو گھوڑا اپنی سواری وغیرہ کے لیے ہو وہ عیال میں داخل ہے یعنی بال بچے وغیرہ جن کی پرورش ہم پر لازم ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوستوں سے مراد سفرجہاد یا سفرِ حج کے ساتھی ہیں ان پرخرچ کرنا دوہرا ثواب ہےساتھی سے سلوک اور حاجی یا غازی کی امداد۔خیال رہے کہ اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ یہ تین خرچ دوسرے خرچوں سے افضل ہیں مگر ان تین میں سے کون دوسرے سے افضل ہےیہ پتہ نہ لگا کیونکہ واؤ جمع کے لیے آتا ہے ترتیب نہیں چاہتالہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کی افضلیت موقعہ ومحل کے لحاظ سے ہوگی،اگر جہاد کی سخت ضرورت آپڑی ہے تو غازیوں پر خرچ افضل اور گھر والے بہت ہی ضرورت مند ہوں تو ان پر خرچ بہتر۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے ۱؎فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں ابوسلمہ کے بچوں پر جو گویا میرے ہی بچے ہیں خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا فرمایا ان پر خرچ کرو تمہیں ان پر خرچ کا ثواب ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ام سلمہ کے پہلے خاوند کا نام عبداللہ ابن عبدالاسد تھا،کنیت ابو سلمہ،ان کی وفات کے بعد آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہوئیں،ابو سلمہ کی کچھ اولاد دوسری بیوی سے تھی جو ام سلمہ کی سوتیلی اولاد تھی،عمر،زینت اور کچھ اولاد خود ام سلمہ کے بطن سے تھی یعنی سلمہ کی حقیقی اولاد محمد،درّہ۔یہاں سوال سوتیلی اولاد کے متعلق ہےورنہ آپ بنی ابی سلمہ نہ فرماتیں لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎کیونکہ وہ یتیم بھی ہیں اور تمہارے عزیز ترین بھی،ان پر خرچ کرنا یتیم کو پالنا بھی ہےاور عزیز کا حق ادا کرنا بھی،اپنے فوت شدہ خاوند کی روح کو خوش کرنا بھی۔

	روایت ہے حضرت زینب زوجہ عبداللہ ابن مسعود سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیور سے ہی ہو ۱؎فرماتی ہیں عبداللہ کی طرف لوٹی ہوئی بولی کہ تم کچھ مسکین و تنگدست ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ کا حکم دیا ہے تم وہاں حاضر ہو کر پوچھ آؤ اگر تم کو میرا صدقہ کرنادرست ہو تو خیر ۲؎ ورنہ میں آپ لوگوں کے سواء کسی اور جگہ خرچ کروں ۳؎

	فرماتی ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بولے کہ تم ہی وہاں جاؤ ۴؎ میں چلی تو حضور کے دروازہ پاک پر ایک اور انصاری بی بی بھی تھیں جنہیں میرے جیسا ہی کام تھا ۵؎ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قدرتی ہیبت دی گئی تھی ۶؎ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس حضرت بلال آئے ہم نے ان سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ عرض کرنا کہ دروازے پر دو بیبیاں ہیں جو حضور سے پوچھتی ہیں ۷؎ کہ کیا ان کا اپنے خاوندوں اور یتیموں پر خرچ کر دینا جو ان کی پرورش میں ہوں صدقہ بن جائے گا ۸؎ اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں ۹؎ فرماتی ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون ہیں عرض کیا کہ ایک انصاری بی بی اور زینب ہیں ۱۰؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی زینب عرض کیا عبداللہ کی زوجہ ۱۱؎ تب رسول اللہ نے فرمایا کہ انہیں دوہرا ثواب ہے ایک ثواب قرابت کا دوسرا صدقہ کا ۱۲؎ (مسلم،بخاری) اور لفظ مسلم کے ہیں۔

۱؎ غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عید کے دن تھا،چونکہ اس زمانہ میں عورتیں بھی نماز عید کے لیے عیدگاہ جاتی تھیں اور ان کے لیے بعد نماز مخصوص وعظ ہوتا تھا اس وعظ میں آپ سے یہ سنا۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے استعمالی زیور پر زکوۃ فرض ہےاور یہ زکوۃ خود عورت پر فرض ہے نہ کہ اس کے خاوند پر خواہ میکے سے زیور ملا ہو یا سسرال والوں نے دیا ہو بشرطیکہ مالک کردیا ہولہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے،امام شافعی کے ہاں پہننے کے زیور میں زکوۃ نہیں۔ان شاءاللہ اس کی تحقیق مصارف زکوۃ میں ہوگی۔اس صورت میں زیور سے مراد چاندی سونے کا زیور ہے کیونکہ پہننے کے موتی،مرجان،لعل،ہیرے پر زکوۃ نہیں۔

۲؎ یعنی اگر تم کو میرا صدقہ دینا درست ہو تب تو میں تم ہی کو صدقہ دے دوں ورنہ کسی اور کو دوں۔اس سے معلوم ہوا کہ غنی عورت کا خاوند اور غنی خاوند کی بیوی ایک دوسرے کے غنی سے غنی نہ مانے جائیں گے جیسے امیر کی بالغ اولاد باپ کی غنا سے غنی نہیں ہوتی۔دیکھو حضرت ابن مسعود کی بیوی غنیہ تھیں مگر خود ابن مسعود مسکین تھے۔

۳؎حضرت ابن مسعود کی کچھ اولاد بھی تھی جو دوسری بیوی سے تھی اور اب حضرت زینب ان کی پرورش فرماتی تھیں۔غیرکم میں ان سب سے خطاب ہے یعنی اگر تمہیں اور تمہارے ان بچوں کو میرا صدقہ لینا درست ہو تو میں تمہیں دے دوں ورنہ دوسروں کو دوں۔

۴؎مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھتے شرم آتی ہے کہ اس سے بعض لوگ مجھے طمعی سمجھیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی سے باہر کا کام بھی کراسکتا ہے جب کہ حجاب و پردہ سے ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ خود نہ پوچھنا کسی دوسرے سے پوچھوالینا بھی درست ہے جب اس سے کچھ مانع ہو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذی کا مسئلہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ پوچھا بلکہ حضرت مقداد سے پوچھوایا۔

۵؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر ایک بی بی اور بھی یہ ہی پوچھنے کھڑی تھیں مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ ہم دو ہوگئے۔

۶؎یعنی رب العلمین نے دلوں میں آپ کی ہیبت ڈال دی تھی جس کی وجہ سے ہر شخص بغیر اجازت خدمت میں حاضر ہونے،عرض معروض کرنے کی ہمت نہ کرتا تھا اور حاضرین بارگاہ بھی ایسے خاموش اور باادب بیٹھتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں،حالانکہ سرکار انتہائی خلیق اور بہت رحیم و کریم تھے۔شعر

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مردِ صاحب دلق نیست

اسی وجہ سے یہ دونوں بیبیاں دروازے پر کھڑی رہ گئیں،بارگاہ پاک میں باریاب نہ ہوئیں۔

۷؎یعنی خود تو شرم و ہیبت کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتیں میری معرفت یہ مسئلہ پوچھوا رہی ہیں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسئلہ براہ راست پوچھنا بھی جائز اور کسی کی معرفت پوچھوانا بھی۔دوسرے یہ کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر معتبر ہے گواہی قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔دیکھو حضرت بلال ان بیبیوں کو جو بھی مسئلہ آکر بتاتے یہ قبول کرلیتیں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جب مطلع گرد آلود ہو تو رمضان کے چاند میں ایک کی خبر قبول ہے اور محدثین کہتے ہیں کہ حدیثوں میں خبرواحد معتبر ہے،ان کے دلائل قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ ہیں ان میں ایک حدیث یہ بھی ہے۔

۸؎شاید یتیموں سے ان کے خاوندوں کی وہ اولاد مراد ہے جن کی والدہ فوت ہوچکی تھیں،یعنی ان کی سوتیلی اولاد۔انہیں یتیم کہنا مجازاً ہے ورنہ انسان یتیم وہ نابالغ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہوجائے اور جانوروں میں وہ بچہ یتیم جس کی ماں مرجائے۔ان بیبیوں کا خیال یہ تھا کہ چونکہ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ ہی رہتے سہتے ہیں اور ساتھ کھاتے پیتے ہیں اگر انہیں صدقہ دیا گیا تو اس کا کچھ حصہ ہمارے کھانے میں بھی آجائے گا لہذا ناجائز ہونا چاہیئے۔

۹؎تاکہ حاضرین میں ہمارا نام نہ لیا جائے اور ہمارا سوال ریا نہ بن جائے یا ہم بلا نہ لی جائیں۔

۱۰؎حضرت بلال کا جواب نہایت ایمان افروز ہے کیونکہ ان بیبیوں نے کہا تھا کہ ہمارا نام نہ بتانا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نام بتاؤ تو حکم رسول و حکم امتی میں تعارض ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ترجیح ہوئی اور امتی کا حکم قابل عمل نہ رہا۔مرقات نے یہاں فرمایا کی حضرت بلال پر نام بتادینا فرض شرعی ہوگیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا فرض ہے،انہیں دوسری بی بی کا نام معلوم نہیں تھا ورنہ وہ بھی بتادیتے۔

۱۱؎یعنی مدینہ منورہ میں بہت عورتوں کا نام زینب ہے صاف بتاؤ کونسی زینب ہیں تب حضرت بلال نے عرض کیا کہ عبداللہ کی بیوی،اگرچہ عبداللہ نام کے بہت صحابہ تھے عبداللہ ابن عمر،عبداللہ ابن عباس،عبداللہ ابن زبیر،عبداللہ ابن عمروابن عاص وغیرہم مگر ان سب میں عبداللہ ابن مسعود بہت مشہور فقیہ ترین تھے،علم فقہ کی باعث فقط عبداللہ کہنے پر لوگوں کے ذہن انہیں کی طرف جاتے تھےاسی لیے حضرت بلال نے ابن مسعود نہ فرمایا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پھر نہ پوچھنا کون عبداللہ اسی جلالت شان کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ اکثر فقہیات میں حضرت عبداللہ ابن مسعود ہی کے پیروکار ہیں۔

۱۲؎سارے آئمہ اس پر متفق ہیں کہ خاوند اپنی بیوی کو اپنی زکوۃ نہیں دے سکتا مگر اس میں اختلاف ہے کہ بیوی خاوند کو زکوۃ دے سکتی ہے یا نہیں۔ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ نہیں دے سکتی،دیگر آئمہ فرماتے ہیں کہ دے سکتی ہے،ان بزرگوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہاں صدقہ نفل مراد ہے صدقہ فرض کی تصریح نہیں ممانعت کی صریح حدیث آگے آرہی ہے،نیز عورت و خاوند کے مال قریبًا مشترک ہوتے ہیں تو جب خاوند بیوی کو زکوۃ نہ دے سکا تو بیوی خاوند کو زکوۃ کیسے دے سکتی ہے۔صدقہ کا لفظ صدقہ نفلی پر عام شائع ہے۔چنانچہ کتاب الزکوۃ کی آخری حدیث میں آئے گا کہ ایک عورت نے اپنی ماں کو صدقہ دیا یعنی صدقہ نفلی۔

	روایت ہے حضرت میمونہ بنت حارث سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لونڈی آزاد کی پھر رسول اللہ سے اس کا تذکرہ کیا توفرمایا کہ اگر تم لونڈی اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تمہیں بڑا ثواب ملتا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس لیے کہ آزاد کرنے میں صرف صدقہ کاثواب ہے اور انہیں دینے میں صدقہ کا بھی ثواب ہوتا اور صلہ رحمی کا بھی۔معلوم ہوا کہ صلہ رحمی غلام آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔خیال رہے کہ ولیدہ وہ لونڈی کہلاتی ہے جو اپنے مملوک غلام اور لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہو یعنی خانہ زاداور یہ میمونہ ام المؤمنین ہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس کی خالہ۔(اشعہ ومرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کسے ہدیہ دیا کروں فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو ۱؎(بخاری)

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ پڑوسیوں کو ہدیہ دینا سنت ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔دوسرے یہ کہ اس کی علت پڑوسیت ہے جس قدر پڑوسیت قوی ہوگی اسی قدر ہدیہ کا استحقاق زیادہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ پڑوس کا قرب دروازہ سے ہوتا ہے نہ چھت سے نہ دیوار سے۔اگر ایک شخص کے مکان کی دیوار اورچھت تو ہمارے مکان سے ملی ہو مگر دروازہ دور ہو اور دوسرے کی نہ چھت ملی ہو نہ دیوار مگر دروازہ قریب ہو تو زیادہ قریب یہ دوسرا

ہی مانا جائے گا اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ دروازہ کی وجہ سے ملاقات ہوتی ہےاور اسی کے ذریعہ زیادہ خلط ملط رہتا ہے اور ایک کو دوسرے کے درد وغم میں شرکت کا زیادہ موقع ملتا ہے۔یہ حدیث اس آیتِ کریمہ کی تفسیرہے"وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ"۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ دور والے پڑوسی کو بالکل نہ دو مطلب یہ ہے کہ سب کو دو مگر قریب کو ترجیح دو۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب شوربہ پکاؤ تو اس کا پانی زیادہ کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو ۱؎(مسلم)	

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ معمولی سالن بھی پڑوسیوں کو بھیجتے رہنا چاہیئے کیونکہ سرکار نے یہاں شوربہ فرمایا گوشت کا ہو یا کسی اور چیزکا۔دوسرے یہ کہ ہر پڑوسی کو ہدیہ دینا چاہیئےقریب ہو یا دور اگرچہ قریب کا حق زیادہ ہے۔تیسرے یہ کہ ہمیشہ لذت پر الفت اور محبت کو ترجیح دینا چاہیئےکیونکہ جب شوربے میں فقط پانی پڑے گا تو مزہ کم ہوجائے گا لیکن اس کے ذریعہ پڑوسیوں سے تعلقات زیادہ ہوجائیں گے اسی لیے مَآءَھَافرمایا یعنی صرف پانی ہی بڑھادو اگرچہ گھی اور مصالحہ نہ بڑھاسکو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ بہتر ہے فرمایا غریب آدمی کی مشقت ۱؎اور ان سے شروع کرو جن کی پرورش کرتے ہو ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی غریب آدمی محنت مزدوری کرے پھر اس میں سے خیرات بھی کرے اس کا بڑا درجہ ہے۔خیال رہے کہ بعض لحاظ سے غنی کی خیرات افضل ہے جب کہ وہ توکل میں کامل نہ ہو اور بعض لحاظ سے فقیر کی خیرات افضل ہے جب کہ وہ اس کے گھر والے صبر و توکل میں کامل ہوں لہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ صدقہ غنٰی بہتر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہاتھ کا فقیر دل کا غنی تھوڑی سی خیرات کرے تو ہاتھ کے غنی کی بہت سی خیرات سے افضل ہے لہٰذا وہاں غنی والی حدیث میں دل کی غنا مراد ہوسکتی ہے تب بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ یعنی کوئی شخص اپنے بال بچوں کو بھوکا رکھ کر خیرات نہ کرے پہلے ان کا پیٹ بھرو،تن ڈھکو،پھر خیرات کرو۔یہ مطلب نہیں کہ اپنی زکوۃ پہلے اپنے بال بچوں کو دو،پھر دوسروں کوکیونکہ اپنی زکوۃ ا اپنی اولا اور بیوی کو نہیں لگتی۔

روایت ہے حضرت سلیمان ابن عامر سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عام مسکین پر صدقہ	

	کرنا ایک صدقہ ہے اور وہ ہی صدقہ اپنے قرابت دار پر دو صدقے ہیں ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی [1](احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

[1] پہلے مسکین سے مراد اجنبی مسکین ہے یعنی اجنبی مسکین کو خیرات دینے میں صرف خیرات کا ثواب ہے اور اپنے عزیز مسکین کو خیرات دینے میں خیرات کا بھی ثواب ہے اور صلہ رحمی کا بھی۔صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے،بہترین عبادت،پھر جس قدر رشتہ قوی اسی قدر اس کے ساتھ سلوک کرنا زیادہ ثواب ہےاس لیے رب تعالٰی نے اہل قرابت کا ذکر پہلے فرمایا کہ ارشاد فرمایا:"فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میرے پاس ایک اشرفی ہے[1]فرمایا اسے اپنے پر خرچ کر[2]عرض کیا میرے پاس دوسری بھی ہے فرمایا اسے اپنے بچوں پر خرچ کر عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اسے اپنے گھر والوں [3]پر خرچ کر عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر [4]عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا تم جانو[5](ابوداؤد،نسائی)

[1] یہاں سائل کا سوال بطور مثال تھا یعنی اگر میرے پاس ایک ہی اشرفی ہو جو ایک ہی شخص کو کافی ہو تو میں کس پر خرچ کروں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سائل نے جھوٹ بولا کہ اس کے پاس تھیں تو زیادہ اشرفیاں اور کہا ایک اشرفی ہے۔

[2] کیونکہ سب سے پہلے ہم پر اپنے نفس کا حق ہے کہ اگر ہم جیتے رہیں گے تو سارے حق ادا کریں گے اور اگر ہم ہی مرگئے تو عبادات معاملات سب کچھ ختم ہوگئے،ذات صفات پر مقدم ہے۔

[3] اہل یعنی گھر والوں سے مراد بیوی ہے،قرآن کریم نے اہل بیت بیوی کو فرمایا ہے اولاد کا حق بیوی پر چند درجہ سے مقدم ہے:ایک یہ کہ بیوی عاقلہ بالغہ ہے بوقت ضرورت کماسکتی ہے مگر چھوٹے بچے بالکل باپ کے محتاج ہیں کہ کمانے پر قادر نہیں۔دوسرے یہ کہ بیوی کا خرچ اس پر لازم نہیں اگر طلاق دیدے تو ختم ہوگیا مگر اولاد کا خرچ لازم ہے کہ وہ اس کی ولدیت سے نہیں نکل سکتے۔تیسرے یہ کہ بیوی بعد طلاق دوسرے کے نکاح میں جاکر اس سے خرچ لے سکتی ہے،چھوٹی اولاد دوسرے کو نہ باپ بنا سکے نہ اس سے خرچ لے سکے۔ یہاں اولاد سے فقیر اولاد مراد ہے اگر بیٹا غنی اور بالغ ہو تو بیوی اس پر مقدم ہوگی،چونکہ سائل کے ماں باپ نہ تھے اس لیے والدین کے خرچ کا ذکر نہ فرمایا۔

[4] خادم سے مراد خدمتگار ہے انسان ہو یا گھوڑا وغیرہ جانور کہ ان سب کا خرچہ مالک کے ذمہ ہے۔(اشعہ)

۵؎ یعنی تمہیں اختیار ہے اس بچے ہوئے دینار کو رکھ چھوڑو یا اپنے پڑوسی یا دوسرے عزیزوں پر خرچ کردو یا کسی اچھی جگہ لگادو۔سبحان اللہ! کیا نفیس ترتیب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تمہیں بہترین آدمی نہ بتاؤں ۱؎ وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے رہے ۲؎ کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اس کے بعد کون ہے وہ شخص ہے جو اپنی بکریوں میں رہے ان میں سے اللہ کا حق ادا کرتا رہے ۳؎ کیا میں تمہیں بدترین آدمی نہ بتاؤں وہ شخص ہے جو اللہ کے نام پر مانگا جائے اور اس پر بھی نہ دے ۴؎ (ترمذی،نسائی، دارمی)

۱؎ سرکار کا یہ پوچھنا سامعین کو شوق دلانے کے لیے ہوتا تھا کہ اس سے ان کو انتظار ہوجائے اور جو چیز انتظار کے بعد معلوم ہوتی ہے وہ یاد رہتی ہے اور یہاں خیروشر سے اضافی خیروشر مراد ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہترین بندہ مؤمن ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُولٰٓئِكَ هُمۡ خَيۡرُ الۡبَرِيَّةِ"اور بدترین انسان کافر ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُولٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ"۔

۲؎ یعنی ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہے اعلان جنگ کا منتظر رہے،چونکہ اس زمانہ میں گھوڑا جہاد کا بڑا ہتھیار تھا اس لیے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا آج توپ وبندوق کی مشق کرنے،ہوائی سروس کا آدمی جب تیاریٔ جہاد کے لیے یہ سب کچھ کرے وہ اس میں داخل ہوگا۔شیخ نے فرمایا کہ یہ کلام حصر کے لیے نہیں بلکہ شمول کے لیے ہے یعنی یہ مجاہد بھی بہترین لوگوں میں سے ہے۔

۳؎ عرب میں جانوروں والے لوگ جنگل میں اپنے گھر بنالیتے تھے وہاں ہی جانوروں میں رہتے تھے ان کی حفاظت بھی کرتے تھے اوراپنا گزارہ بھی۔انہیں اس لیے افضل فرمایا گیا کہ یہ بستی کے اکثر فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں لوگوں سے اختلاط بہت سے گناہوں کا سبب ہے۔

۴؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ وہ شخص بدترین ہے جس سے فقیر اللہ کے نام پر کچھ مانگے اور وہ نہ دے اس صورت میں دینے سے مراد مطلقًا دینا ہوگا اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو یا بحالت مجبوری فقیر کو دعا خیر دینا ہی ہو۔ایک یہ کہ وہ سائل بھکاری بدترین شخص ہے جو لوگوں سے اللہ کے نام پر مانگے اور لوگ اسے کچھ دیں نہیں کیونکہ یہ سائل اللہ تعالٰی کے نام کی توہین کرتا ہے کہ پیسہ پیسہ کے لیے اللہ کا نام ہر کس وناکس کے سامنے لیتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے ام بجید سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سائل کو دے کر لوٹاؤ اگرچہ جلی

	کھری ہی ہو۲؎(مالک،نسائی)اورترمذی و ابوداؤد نے اس کے معنے روایت کئے۔

۱؎آپ کا نام حوا بنت زید ابن سکن ہے مگر اپنی کنیت میں مشہور ہیں،انصاریہ ہیں،صحابیہ ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎یہاں سائل سے مراد حاجت مند سائل ہے اور جلی کھری سے مراد نہایت معمولی چیز ہے جس کی کوئی قیمت نہ ہو یعنی اگر کوئی حاجت مند سائل آئے تو اسے خواہ معمولی چیز ہی بن پڑے دے دو۔خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے،آج کل کے پیشہ ور سائل اور جن سائلوں کو دینا منع ہے وہ اس میں داخل نہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سائلوں کو نہیں بھی دیا ہے کیونکہ وہاں سائل غیرحاجتمند تھے یا ایسی چیز مانگتے تھے جس کے وہ مستحق نہ تھے یا پیشہ بھیک سے انہیں روکنا مقصود تھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تم سے اللہ کی پناہ لے اسے پناہ دے دو۱؎اور جو اللہ کے نام پر مانگے اسے کچھ دو اور جو تمہیں دعوت دے اس کی دعوت قبول کرو ۲؎ اور جو کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ کرو ۳؎اگر بدلہ کی چیز نہ پاؤ تو اس کو دعائیں دو ۴؎حتی کہ سمجھ لو کہ تم نے اس کا بدلہ کردیا ۵؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی جو تمہاری سختی یا غیر کی سختی سے تمہارے پاس اللہ کی پناہ مانگے تو اسے دیدوکہ اگر تم کسی کومارنا چاہتے ہو تو معافی دے دو یا کوئی دوسرا اس پر سختی کرنا چاہتا ہے اور تم دفع کرسکتے ہو تو کہہ دو،یہ حکم اپنے ذاتی معاملات میں ہے،قوم یا دین کے مجرم کو ہرگز معاف نہیں کرسکتےاگرچہ وہ کیسی ہی پناہ لے تاکہ امن ودین میں خلل نہ پڑےلہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ آپ نے فاطمہ مخزومیہ کو جس نے چوری کرلی تھی معافی نہ دی۔

۲؎بشرطیکہ وہ دعوت ممنوعات شرعیہ سے خالی ہو لہذا جس ولیمہ میں ناچ گانا خاص کھانے کی جگہ ہو وہاں نہ جائے ایسے ہی میت کے کھانے پر رسمی دعوت قبول نہ کرے لہذا یہ فرمان فتویٰ فقہاء کے خلاف نہیں۔

۳؎اس طرح کہ وہ جس قسم کا سلوک تم سے کرے قولی،عملی ،مالی تم بھی اس سے ویسا سلوک کرو۔رب تعالٰی فرماتاہے:"هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسٰنِ اِلَّا الْاِحْسٰنُ"اور فرماتاہے:"وَ اَحْسِنۡ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ"۔یہ حکم ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے لیے ہے ہمت والے تو اپنے دشمنوں کی برائی کا بدلہ معافی اور بھلائی سے کرتے ہیں۔شعر

لیا ظلم کا عفو ہے انتقام علیہ الصلوۃ علیہ السلام

۴؎اس طرح کہ کہو"جزاك الله"یا اس کا کھانا کھا کر کہو"اللهم اطعم من اطعمنا واسق من سقانا" وغیرہ حضرت عائشہ صدیقہ کو جب کوئی سائل دعائیں دیتاتو آپ پہلے اسے دعائیں دیتیں پھر بھیک عطا فرماتیں کسی نے پوچھا کہ آپ عطا سے پہلے دعا کیوں دیتی ہیں فرمایا کہ میرا صدقہ عوض سے بچارہے،رضی اللہ عنہا۔(مرقات)

۵؎ اس بنا پر حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ہی درود شریف پڑھنا چاہیئے کیونکہ کوئی شخص نہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ کرسکتا ہے اور نہ بقدر احسان دعائیں ہی دے سکتا ہے کہ ان کے احسانات ہر آن بے شمار پہنچ رہے ہیں،ہر کلمہ،ہر تلاوت،ہر نماز بلکہ ہر نیک عمل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر احسانات ہیں لہذا مرتے مرتے ان کو دعائیں دو یعنی درود پاک پڑھو۔شعر

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا | مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھاگیا | اس کے پیارے سے محبت کیجئے

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ اللہ کے نام پر صرف جنت ہی مانگی جائے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ شیخ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے:ایک یہ کہ کسی شخص سے اللہ کے نام پر کچھ نہ مانگو کیونکہ اللہ تعالٰی کے نام پر مانگنے کی چیز جنت ہےاور یہ شخص جنت دے نہیں سکتا۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی سے اس کے نام پر دنیاوی چیز نہ مانگوبلکہ اس کے نام پر اس سے جنت مانگو یہ عرض کرو"اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ اَنْ تُدْخِلَنَا الْجَنَّةَ"۔فقیر احمد یار کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالٰی کے نام پر جنت مانگوجیسے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی"اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ"۔بعض عشاق کہتے ہیں کہ خدا تعالٰی سے جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو مانگو اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالٰی کو مانگو۔

خدایا از تو عشق مصطفٰے را | محمد صلی اللہ علیہ وسلم از تو مے خواہم خدارا

حضرت ربیعہ نے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور ہی کو مانگا مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت ہی میں ملیں گے اس لیے جنت بھی مانگ لی عرض کیا آپ سے آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں جو جنت میں ہوگی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ باغوں والے تھے اور انہیں زیادہ پیارا مال باغ بیرحاء تھا۱؎جو مسجد شریف کے سامنے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف	

لے جاتے تھے اور وہاں کا بہترین پانی پیتے تھے ۲؎ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ "الخ نازل ہوئی ۳؎ تو حضرت ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر بولے یا رسول اللہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ تم بھلائی اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو اور مجھے بہت پسندیدہ مال باغ بیرحاء ہے اب وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے میں اللہ کے پاس اس کا ثواب اور اس کا ذخیرہ چاہتا ہوں ۴؎ یا رسول اللہ آپ اسے وہاں خرچ کریں جہاں رب تعالٰی آپ کی رائے قائم فرمائے ۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب خوب یہ تو بڑا نفع کا مال ہے ۶؎ جو تم نے کہا میں نے سن لیا میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے اہل قرابت میں وقف کردو ۷؎ ابوطلحہ بولے یا رسول اللہ میں یہ ہی کرتا ہوں پھر اسے ابوطلحہ نے اپنے عزیزوں اور چچا زادوں میں تقسیم کردیا ۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت طلحہ کے ایک باغ کا نام ہے۔اس نام کے محدثین نے آٹھ معنے کئے ہیں:جن میں سے ایک یہ کہ حاء ایک آدمی کا نام تھا جس نے یہ کنواں کھدوایا تھا،چونکہ یہ کنواں اس باغ میں تھا لہذا باغ کا نام بھی یہ ہی ہوا،وہ کنواں اب تک موجود ہے۔فقیر نے اس کا پانی پیا ہے۔دوسرے یہ کہ بیرحاء،بروزن فعیل ہے ایک ہی لفظ ہے براح سے مشتق،بمعنی کھلی زمین پہلی صورت میں اس کے معنے ہوں گے حاء کا کنواں دوسری صورت میں معنے ہوں گے کھلا باغ۔(ازمرقات وغیرہ)

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہاں کا پانی بہت محبوب تھااسی لیے حجاج باخبر ضرور اس کا پانی برکت کے لیے پیتے ہیں۔

۳؎ جس میں ارشاد ہوا کہ تم بھلائی یعنی رضائے الٰہی یا جنت اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔اس آیت کی مکمل تفسیر ہماری تفسیر "نور العرفان" میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎ حضرت ابوطلحہ کے اس عرض و معروض کا مقصد یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اس عمل خیر پر گواہ ہوجائیں اور مسلمانوں میں اس وقف کا اعلان ہوجائے۔خیال رہے کہ دوسرے نفلی صدقات اکثر خفیہ دینا بہتر ہیں مگر وقف کا ہر طرح اعلان کردینا سخت ضروری ہے تاکہ آئندہ اس موقوف چیز پر کوئی ناجائز قبضہ نہ کرسکے حتی کہ مسجد کی

عمارت میں مینار گنبد وغیرہ ایسے نشانات قائم کردیئے جائیں جس سے وہ دور سے ہی مسجد معلوم ہو اس میں ریا نہیں بلکہ وقف کا باقی رکھنا ہے،نیز آپ کا اپنا دلی اخلاص ظاہر کرنا ریاء کے لیے نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا حاصل کرنے کے لیے تھا لہذا حدیث پاک پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں اس باغ کی آمدنی لگادیں کہ وہاں خرچ ہوتی رہے،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہنا اپنے نفس کی طرح سے نہیں ہوتا بلکہ رب تعالٰی کی طرف سے ہوتاہے اسی لیے اس طرح عرض کیا"حَیْثُ اَرَاكَ اللہُ"صحابہ کرام اپنے صدقے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے خرچ کراتے تھے تاکہ اس ہاتھ کی برکت سے قبول ہوجائیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَ تُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا"یعنی آپ ان کے مالوں کے صدقے وصول فرمالیں اور ان کے ذریعہ انہیں پاک و صاف فرمادیں آج مسلمان ختم و فاتحہ میں عرض کرتے ہیں نذر اللہ نیاز رسول اللہ اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۶؎ عربی میں نہایت خوشی کے اظہار کے وقت کہا جاتا ہے بخ بخ یعنی خوب خوب۔رابح ربح سے بنا،بمعنی نفع،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَمَا رَبِحَتۡ تِّجٰرَتُہُمۡ"یعنی یہ مال بہت نفع والا ہے جیسے لابن دودھ والا اور تامر چھواروں والا یعنی اے ابوطلحہ!تمہیں اس باغ کے وقف سے بہت نفع ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعمال کی قبولیت کی بھی خبر ہے اور یہ بھی کہ کس کا کون سا عمل کس درجہ کا قبول ہے یہ باغ کیوں قبول نہ ہوتا باغ بھی اچھا تھا وقف کرنے والے بھی اچھے یعنی صحابی اور جن کی طفیل وقف کیا گیا وہ اچھوں کے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۷؎ یعنی اپنے عزیز و اقارب فقراء کو اس کا مصرف بنادو کہ ہمیشہ وہ اس کی آمدنی کھایا کریں تاکہ تمہیں صدقہ کے ساتھ اہل قرابت کے حقوق ادا کرنے کا بھی ثواب ملتا رہے۔خیال رہے کہ بعض اوقاف وہ ہوتے ہیں جن سے امیروغریب حتی کہ وقف کرنے والا بھی نفع حاصل کرسکتا ہے جیسے کنواں،مسجد،قبرستان،مسافر خانہ۔

۸؎ اس کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ باغ تو وقف رہا مگر اس کی تولیت تقسیم کردی گئی کہ اتنے حصے کے فلاں متولی کہ خود کھائیں اور دوسروں کو کھلائیں اور اتنے حصے کے فلاں۔دوسرے یہ کہ خود باغ ہی کو تقسیم کردیا کہ ان لوگوں کو ان حصوں کا مالک بنادیا مگر اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں ان کے اہل قرابت سے وہ باغ خرید لیا اور وہاں اپنی عمارتیں بنائیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم بطریق تملیک تھی بطریق تقسیم تولیت نہ تھی حضرت حسان ابن ثابت و ابی ابن کعب کو بھی اس سے حصہ ملا تھا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم کسی بھوکے کلیجے کو سیر کردو ۱؎(بیہقی فی شعب الایمان)	

۱؎ بھوکے کلیجے سے مراد ہر بھوکا جاندار ہے انسان ہو یا دیگر جانور پھر انسانوں میں مؤمن ہویا کافر۔(مرقات واشعہ)مگر اس سے موذی جانور علیحدہ ہیں جیسے شیر،بھیڑیا،سانپ وغیرہ۔بعض مشائخ کے ہاں لنگر عام جاری ہوتا ہے جہاں ہر آنے والا

کھاتا ہے،بعض بزرگوں کے ہاں جانوروں،کبوتروں،کووں وغیرہ کو دانہ ڈالا جاتا ہے،بعض لوگ مدینہ منورہ کے کبوتروں کے لیے حجاج کے ہاتھ دانہ بھیجتے ہیں ان سب کی اصل یہ حدیث ہے۔

باب صدقة المرأة من مال الزوج

باب خاوند کے مال سے بیوی کی خیرات۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اگرچہ باب میں صرف بیوی کا ذکر ہے مگر اس میں خازن نوکر چاکر سب شامل ہیں اسی لیے اس باب میں خازن کے خرچ کردینے کا بھی ذکر ہوگا،چونکہ عمومًا بیویاں ہی خاوند کے مال سے خیرات کیا کرتی ہیں خازن تو کسی کسی کے پاس ہوتے ہیں اس لیے بیویوں کا ذکر ہوا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عورت اپنے گھر کے کھانے سے کچھ خیرات کرے بشرطیکہ بربادی کی نیت نہ ہو تو اسے خیرات کرنے کا ثواب ہوگا۱ اور اس کے خاوند کو کمانے کا ثواب اور خزانچی کو بھی اس کے برابر جن میں کوئی دوسرے کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گا ۲(مسلم،بخاری)	

۱ اگرچہ حدیث پاک میں کھانے کی خیرات کا ذکر ہے مگر اس میں تمام وہ معمولی چیزیں داخل ہیں جن کے خیرات کرنے کی خاوند کی طرف سے عادۃً اجازت ہوتی ہے جیسے پھٹا پرانا کپڑا،ٹوٹا جوتا وغیرہ اور کھانے میں بھی عام کھانا روٹی سالن داخل ہے جس کو خیرات کرنے سے خاوند کی طرف سے ناراضی نہیں ہوتی،اگر خاوند نے کوئی خاص حلوہ یا معجون اپنے گھر کے لیے بہت روپیہ خرچ کرکے تیار کی ہے تو اس میں سے خیرات کی عورت کو اجازت نہیں۔مرقات نے فرمایا یہاں خرچ کرنے میں بچوں پر خرچ،مہمانوں کی خاطر تواضع پر خرچ،بھکاری فقیر پر خرچ سب ہی شامل ہے مگر شرط یہ ہی ہے کہ مال برباد کرنے کی نیت نہ ہو بلکہ حصول ثواب کا ارادہ ہو اور اتنا ہی خرچ کرے جتنے خرچ کردینے کی عادت ہوتی ہے۔

۲ یہاں اصل ثواب میں سب برابر ہیں اگرچہ مقدار ثواب میں فرق ہے۔کمانے والے کا ثواب ان سب میں زیادہ ہوگا لہذا یہ حدیث اگلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں عورت کے لیے آدھا ثواب فرمایا گیا ہے کہ یہاں اصل ثواب میں برابر مقصود ہے اور وہاں مقدار ثواب میں فرق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عورت اپنے خاوند کی	

کمائی سے ۱؎ اس کے صریحی حکم کے بغیر خیرات کرے تو اسے خاوند سے آدھا ثواب ہوگا۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ خاوند کی کمائی کی اس لیے قید لگائی کہ اگر عورت اپنی ملک سے خیرات کرے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

۲؎ یہ اس صورت میں ہے کہ خاوند نے صراحۃً تو خیرات کی اجازت نہ دی ہو مگر عرفًا اجازت ہو عورت کو معلوم ہو کہ خاوند اس خرچ سے ناراض نہ ہو گا عورت کو آدھا ثواب اسی لیے فرمایا کہ مرد کمانے والا ہے کمانے میں محنت زیادہ ہوتی ہے اور ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان امانت دار خزانچی کو ۱؎ جو اسے حکم دیا جائے وہ پورا اور مکمل خوش دلی سے خیرات کر دے اور اس کو دے جسے دینے کو کہا گیا وہ بھی دو میں سے ایک صدقہ دینے والا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ بادشاہوں امیروں کے ہاں خزانچی بھی ملازم ہوتے ہیں جن کے پاس مالک کا روپیہ جمع رہتا ہے جس کا وہ لین دین کرتے ہیں اور حساب رکھتے ہیں خزانچی مسلمان بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی اگلا اجر صرف مسلمان خزانچی کے لیے ہے کیونکہ کافر کسی نیکی کے ثواب کا مستحق نہیں،ثواب قبولیت پر ملتا ہے اور قبولیت کی شرط اسلام ہے۔اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ حتی الامکان خزانچی مسلمان رکھے اور کلیدی آسامیوں پر مسلمان کو لگائے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَۃً مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ"۔کفار کو اپنا مشیر نہ بناؤ،نیز امین اور حساب دان مسلمان کو خزانچی بناؤ۔

۲؎ یعنی اگر مسلمان امین خزانچی میں صدقہ دیتے وقت چار صفتیں جمع ہوجائیں تو مالک کی طرح اسے بھی صدقہ کا ثواب ملے گا:(۱) مالک کے حکم سے صدقہ دے۔(۲)پورا پورا صدقہ دے حکم سے کم نہ دے۔ (۳)خوشدلی سے دے جل کر نہ دے جیساکہ بعض خازنوں کی عادت ہے کہ مالک خیرات کرے ان کی جان جلے۔(۴) جہاں صدقہ دینے کو کہا گیا ہے وہاں ہی دے مصرف نہ بدلے،مسجد میں دینے کو کہا ہے تو مسجد میں دے،خانقاہ پر خرچ کرنے کو کہا ہے تو وہاں ہی خرچ کرے۔وحی کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:"فَمَنۡۢ بَدَّلَہٗ بَعْدَمَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ یُبَدِّلُوۡنَہٗ"۔یہ حدیث گویا اس آیت شریف کی تفسیر ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئی میرا خیال ہے کہ اگر کچھ بولتیں تو خیرات کرتیں ۱؎ تو کیا انہیں ثواب ہوگا اگر میں	

ان کی طرف سے خیرات کردوں فرمایا ہاں ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ سائل حضرت عبادہ ابن عبادہ تھے،ان کی والدہ عمرہ بنت مسعود ابن قیس ابن عمرو ابن زید تھیں، ۵ھ میں ہاٹ فیل(Heart Fail)یعنی حرکت قلب بند ہوجانے سے وفات پاگئیں،ناگہانی موت غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ اور نیک اعمال کا موقعہ نہیں ملتا مگر ذکر خدا میں رہنے والے مؤمن کے لیے رحمت کہ اللہ تعالٰی اسے بیماری کی شدتوں سے بچالیتا ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،آپ کی والدہ صحابیہ ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرچکی تھیں،بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔

۲؎ یعنی ہاں ان کی طرف سے تم صدقہ دو انہیں ضرور ثواب ملے گا۔لمعات میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے صدقہ اور اس کے لیے دعا کرنا سنت ہے اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔صدقہ کے ثواب پہنچنے میں تمام اہلِ حق کا اتفاق ہے البتہ بدنی عبادت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے ہم بیرام سعد کی حدیث میں اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان کرچکے ہیں کہ اس قسم کی ایصال ثواب کی احادیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہیں کہ "لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"اور نہ اسکے کہ "لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَيۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ"کیونکہ ان آیات میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے بدنی عبادتیں ادا نہیں کرسکتا کہ اس کی طرف سے نمازیں فرض ادا کردیا کرے یا روزے رکھ دیا کرے،ادائے فرض اور ہے ثواب کچھ اور اسی لیے آیات میں کسب اور سعی کا ذکر ہوا نہ کہ ثواب کا،ایصال تو قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے،دیکھو ہماری کتاب"فہرست القرآن"۔اشعۃ للمعات میں اسی جگہ ہے کہ شیخ عزیز الدین عبدالسلام کو کسی نے ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا فرمایا ہم دنیا میں تلاوت قرآن کے ثواب پہنچنے کے منکر تھے مگر اس جہاں میں آکر پتہ لگا کہ اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ میں فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت کچھ خرچ نہ کرے ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی نہیں فرمایا یہ تو ہمارا بہترین مال ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی بیوی خاوند کے مال سے بغیر اجازت خیرات نہ کرے اجازت خواہ صریحی ہو یا عرفی جیسے عام طورپر بیویوں کو خاوندوں کی طرف سے روٹی کا ٹکڑا،معمولی چیز خیرات کردینے،مہمانوں کی خاطر تواضع کردینے کی اجازت ہوتی ہے بلکہ خاوند اس پر مطلع ہوکر خوش ہوتے ہیں کہ ہماری بیوی سلیقہ مند ہے،مہمان نواز ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی کھانا تو بہترین مال ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے جب اپنے خاوند کی اجازت بغیر معمولی چیز بھی خرچ نہیں کرسکتی تو کھانے جیسی بہترین چیز کیسے خیرات کرسکتی ہے،اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک شاندار عورت شاید وہ مضر کی عورتوں سے تھی ۱؎ اٹھی اور بولی یا نبی اللہ ہم تو اپنے باپ،دادوں،اولاد اور خاوندوں پر بوجھ ہیں ۲؎ ہمیں ان کے مالوں سے کس قدر درست ہے فرمایا تر کھانا جسے تم کھالو اور ہدیہ دے سکو ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی حسین صورت دراز قامت عزت و شرف والی کہ قبیلہ مضر کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے آج مصری لوگ یعنی غالبًا وہ بی بی قبیلہ مضرابن نزار سے تھیں۔

۲؎ یعنی یہ لوگ ہم کو ہمارے حق پورے نہیں دیتے ہم پر خرچ کرتے گھبراتے ہیں۔خیال رہے کہ لڑکی کا خرچ شادی سے پہلے باپ کے ذمہ ہے شادی کے بعد خاوند کے ذمہ،صاحب اولاد ہونے کے بعد بیٹے پر ماں باپ کی ہر طرح کی خدمت لازم ہے مگر پھر بھی خاوند پراس کا خرچہ رہے گا۔

۳؎ یعنی پکے ہوئے کھانے تر میوہ جو زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتےانہیں خود بھی کھاؤ اور ہدیہ بھی دو ہر وقت علیحدہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان چیزوں کے ہدیہ کی عرفاً اجازت ہوتی ہے۔حق یہ ہے کہ یہ حدیث باپ،اولاد،خاوند سب کے مال کے متعلق ہے۔لڑکی باپ کے مال سے،ماں اولاد کے مال سے،بیوی خاوند کے مال سے بغیر صریحی اجازت کے اس قسم کی چیزوں میں سے صدقہ ہدیہ سب کچھ کرسکتی ہے حق یہ ہی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمیر سے جو ابی اللحم کے غلام ہیں ۱؎ فرماتے ہیں کہ میرے مولا نے مجھے گوشت سکھانے کا	

حکم دیا ۲؎ کہ ایک مسکین آگیا جسے میں نے اس میں سے کچھ دے دیا۳؎ اس کی خبر میرے مولا کو ہوئی تو اس نے مجھے مارا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا حضور سے عرض کیا ۴؎ حضور نے انہیں بلایا فرمایا تم نے انہیں کیوں مارا عرض کیا کہ یہ میرا کھانا میری بغیر اجازت دے دیتا ہے فرمایا ثواب تم دونوں کو ہے ۵؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں میں مظلوم تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنے مولا کے مال سے کچھ خیرات کردیا کروں فرمایا ہاں اور ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ہو گا ۶؎(مسلم)	

۱؎ عمیر صحابی ہیں،غزوہ خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،ان کے مولیٰ بھی صحابی ہیں،ان کے مولی کا نام عبداللہ ہے،لقب ابی اللحم یعنی گوشت کے انکاری،چونکہ یہ گوشت کی تجارت کرتے تھے مگر خود بالکل نہ کھاتے تھے اس لیے ان کا یہ لقب ہوا۔بعض نے فرمایا کہ یہ زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نام کا ذبح کیا ہوا گوشت نہ کھاتے تھے مشہور اور پرانے صحابہ میں سے ہیں،جنگ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ حنین میں شہید۔

۲؎ اَقْدِدُ قَدٌّ سے بنا یعنی گوشت کے لمبے پارچے کرنا،چونکہ یہ پارچے سکھانے کے لیے کئےجاتے ہیں اس لیے اب سکھانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اہلِ عرب گوشت سکھاکر مہینوں استعمال کرتے ہیں اب بھی سوکھا گوشت ولایت سے بند ڈبو ں میں آتا ہے۔

۳؎ چوری یا مولیٰ کے نقصان کی نیت سے نہیں بلکہ محض ثواب کی غرض سے کیونکہ غلاموں کو اس قسم کے صدقات کی عادۃً اجازت ہوتی ہے۔

۴؎ اس جملہ سے فقیر کی شرح کو قوت پہنچتی ہے اگر ان کی نیت فاسد ہوتی تو اس واقعہ کو دبالیتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت نہ لاتے۔شکایت کا منشا یہ ہی تھا کہ میں تو مولیٰ کے مال سے صدقہ کرکے ان کا فائدہ کرتا ہوں وہ مجھے مارتے ہیں۔

۵؎ یعنی اگر تم اس کے دیئے ہوئے سے راضی ہوجاؤ تو تم بھی ثواب پاؤ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ غلام کو مولیٰ کی بغیر اجازت اس کے مال میں تصرف کرنے کی مطلقًا اجازت دے دی جائے بلکہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی نیک نیتی پر مطلع تھے اس لیے ان کے مولیٰ کو ایک بہتر بات کی ہدایت دی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر مولیٰ بلاقصور بھی غلام کو مار دے تو مولیٰ پر اس کا قصاص نہیں،یونہی اگر باپ بیٹے کو،استاد شاگرد کو غلط فہمی کی بنا پر بلاوجہ بھی مارے تو قصاص نہیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بلاقصور ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے مگر اصل واقعہ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی بے قصوری معلوم ہونے پر ان کے لیے دعا کی لیکن قصاص نہ دیا لہذا نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کو حضرت عکاشہ کے سامنے پیش فرمادینا تعلیم عدل کے لیے ہے نہ کہ بیان قانون کے لیے۔

۶؎اس کا مطلب وہی ہے جو پہلے عرض کیا جاچکا کہ اس سے وہ صورتیں مراد ہوتی ہیں جن میں مولیٰ کی طرف سے غلام کو عرفًا خرچ کردینے کی اجازت ہوتی ہے ورنہ کسی کا مال اس کی بغیر اجازت خیرات نہیں کرسکتے۔

باب من لایعود فی الصدقۃ

باب کون شخص صدقہ واپس نہ لے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎صدقہ واپس لینے کی چند صورتیں ہیں:دیکر واپس لے لینا،دیکر خرید لینا،دینے کے بعد بطور میراث پھر صدقہ کا لوٹ آنا،پہلی صورت بالکل ناجائز ہے اور تیسری صورت بالکل جائز،دوسری صورت میں کچھ تفصیل ہے۔خیال رہے کہ ہدیہ دے کر واپس لینا جائز ہے اگرچہ بہت برا۔اس کی بحث پہلے ہوچکی مگر صدقہ دیکر واپس لینا جائز ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اللہ کی راہ میں گھوڑا دیا۱؎جس کے پاس وہ گھوڑا تھا اس نے اسے برباد کردیا ۲؎میں نے چاہا کہ گھوڑا خریدلوں میرا خیال تھا کہ سستا بیچ دے گا۳؎میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا اسے نہ خریدو اور اپنا صدقہ واپس نہ لو اگرچہ تمہیں ایک درہم میں دے دے ۴؎کیونکہ اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لے،ایک اور روایت میں ہے صدقہ واپس نہ لو کہ اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے دوبارہ کھالینے والا ہے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ بطور خیرات تاکہ اس پر جہاد وغیرہ کیا کرے،عاریۃً دینا مراد نہیں بلکہ مالک بنادینا مراد ہے۔
۲؎اس طرح کہ اس کی خدمت کم کی جس سے وہ کمزورودبلا ہوکر گویا برباد ہی ہوگیا۔
۳؎یا اس لیے گھوڑا کمزور ہوچکا ہےجس سے اس کی قیمت گھٹ گئی یا اس لیے کہ میں اس کا محسن ہوں مجھے رعایت سے دے گاکیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔
۴؎اس جملہ کی بناء پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ اپنے دیئے ہوئے صدقہ کا خریدنا حرام ہےمگر حق یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہےاور کراہت کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس موقعہ پر فقیر صدقہ دینے والے کی گزشتہ مہربانی کا خیال کرتے ہوئے اسے سستا دے دے گااور یہ قیمت کی کمی صدقہ کی واپسی ہے مثلًا اگر سو روپیہ کا مال اس نے ۸۰ میں دے دیاتو گویا صدقہ دینے والے نے بیس روپیہ صدقہ کرکے واپس لے لئے،لہٰذاحدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ملک بدلنے سے احکام بدل

جاتے ہیں۔اس کی مثال بالکل یوں سمجھ لوکہ اگر تم نے اپنے پڑوسی فقیر کو صدقہ دیااس نے اس مال کا کھانا پکاکر تمہاری دعوت کی یہ اگر اس مہربانی کے شکریہ میں ہوتو وہ دعوت ناجائز ہے اور اگر عام دعوت تھی جس میں اتفاقًا تمہیں بھی بلالیا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۵؎اس تشبیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ ممانعت تنزیہی ہے کیونکہ کتے کے اپنی قے کو چاٹ لینے سے اس کا پیٹ تو بھر ہی جائے گا مگر یہ کام گھناؤنا ہے ایسے ہی اپنے صدقہ کو خرید لینے سے ملکیت تو حاصل ہو ہی جائے گی اگرچہ کام بہت برا ہے،یہی تشبیہ ہبہ واپس لینے والے پر بھی دی گئی ہے حالانکہ ہبہ کی واپسی بالاتفاق جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی اور ماں فوت ہوگئی۱؎فرمایا تمہارا ثواب پورا ہوگیا اور میراث نے تمہیں لونڈی واپس دے دی ۲؎عرض کیا یارسول اللہ میری ماں پر ایک مہینہ کے روزے تھے کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ دوں فرمایا رکھ دو ۳؎بولی اس نے حج نہ کیا تھا کیا میں کروں فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کردو۴؎(مسلم)	

۱؎ اوروہ لونڈی بطور میراث مجھے مل رہی ہے آیا اسے لوں یا نہ لوں کسی اور کو خیرات دے دوں۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ غریب ماں باپ کو صدقہ نفلی دے سکتے صدقہ فرض نہیں دے سکتے ہیں۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی اور ہوسکتا ہے کہ ان بی بی نے اپنی ماں کو لونڈی ہدیۃً دی ہو اور صدقہ سے ہدیہ مراد لیا ہو۔

۲؎اس حدیث نے تصریح کردی کہ بطور میراث اگر اپنا صدقہ لوٹ آئے تو اس کا لینا جائز ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ دوسرے فقیر کو دے دےکیونکہ یہ حق اللہ بن چکا ہے مگر یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے لہذا رد ہے۔

۳؎امام احمد رحمۃ اللہ نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ میت کے قضا روزے وارث رکھ سکتا ہےلیکن امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک علیہم الرحمۃ و الرضوان فرماتے ہیں نہیں رکھ سکتا کیونکہ روزہ خالص بدنی عبادت ہے جس میں نیابت ناجائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"اور فرماتاہے:"لَهَا مَا كَسَبَتۡ"اور فرماتاہے:"وَعَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَهٗ فِدۡیَةٌ طَعَامُ مِسۡکِیۡنٍ"۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے،نہ روزے رکھے یہاں روزوں کا کفارہ دینا مراد ہے یعنی تم اپنی ماں کے روزوں کا فدیہ دے دو جو حکمًا روزہ ہے۔

۴؎خواہ انہوں نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اگر ان پر حج فرض تھا تو ان کی طرف سے تم کردو۔تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قریب الغنا بیمار یا بوڑھے کی طرف سے اور میت کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے کیونکہ حج خالص

بدنی عبادت نہیں بلکہ بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے جو سخت مجبوری اور معذوری کی حالت میں دوسری کے ادا کردینے سے ادا ہوسکتا ہے لہٰذا یہ حدیث ان تمام بزرگوں کی دلیل ہے ۔عبادات تین قسم کی ہیں: محض بدنی، محض مالی،بدنی و مالی کا مجموعہ۔محض بدنی عبادات میں نیابت مطلقًا ناجائز ہے جیسے روزہ،نماز اور محض مالی میں مطلقًا جائز جیسے زکوۃ اور صدقہ فطر وغیرہ اور مجموعہ میں دائمی عذر میں جائز ویسے ناجائز۔

کتاب الصوم

روزے کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ صوم کے لغوی معنے ہیں باز رہنا،قرآن کریم فرماتاہے:"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا"یعنی میں نے بات چیت سے باز رہنے کی نذر مانی ہے۔شریعت میں صبح سے شام تک بہ نیت عبادت صحبت سے اور کسی چیز کے پیٹ یا دماغ میں داخل کرنے سے باز رہنے کو صوم کہا جاتا ہے۔روزہ کا منشا ہے نفس کا زور توڑنا،دل میں صفائی پیدا کرنا فقرا اور مساکین کی موافقت کرنا،مساکین پر اپنے دل کو نرم بنانا۔مرقات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام زمانۂ قحط میں پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے تاکہ بھوکوں فاقہ مستوں کا حق نہ بھول جائیں۔ لمعات،مرقات اور درمختار وغیرہ میں ہے کہ ۲ھ ہجری میں تبدیلی قبلہ کے ایک مہینہ بعد ہجرت سے اٹھارھویں مہینہ دسویں شعبان کو روزے فرض ہوئے،روزے کی فرضیت میں چھ قسم کی تبدیلیاں ہوئیں جنہیں ہم نے اپنی"تفسیر نعیمی"پارہ دوم میں تفصیل وار بیان کیا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رمضان آتا ہے ۱تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اورایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۲اور دوزخ کے دروازے بندکردیئے جاتے ہیں شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۳ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں(مسلم،بخاری)

۱ رمضان رمض سے بنا بمعنی گرمی یا گرم،چونکہ بھٹی گندے لوہے کو صاف کرتی ہے اور صاف لوہے کو پرزہ بنا کر قیمتی کردیتی ہے اورسونے کو محبوب کے پہننے کے لائق بنادیتی ہےاسی طرح روزہ گنہگاروں کے گناہ معاف کراتا ہے،نیک کار کے درجے بڑھاتا ہے اور ابرار کا قرب الٰہی زیادہ کرتا ہے اس لیے اسے رمضان کہتے ہیں،نیز یہ اللہ کی رحمت،محبت،ضمان،امان اور نورلے کر آتا ہے اس لیے رمضان کہلاتا ہے۔خیال رہے کہ رمضان یہ پانچ ہی نعمتیں لاتا ہے اور پانچ ہی عبادتیں:روزہ،تراویح،اعتکاف،شب قدر میں عبادات اور تلاوت قرآن،اسی مہینہ میں قرآن کریم اترا اور اسی مہینہ کا نام قرآن شریف میں لیا گیا ماہ رمضان کے تفصیل وار فضائل ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"جلد دوم میں دیکھو۔

۲؎حق یہ ہے کہ ماہ رمضان میں آسمانوں کے دروازے بھی کھلتے ہیں جن سے اللہ کی خاص رحمتیں زمین پر اترتی ہیں اور جنتوں کے دروازے بھی جس کی وجہ سے جنت والے حورو غلمان کو خبر ہوجاتی ہے کہ دنیا میں رمضان آگیا اور وہ روزہ داروں کے لیے دعاؤں میں مشغول ہوجاتے ہیں حدیث اپنے ظاہر پر ہےکسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۳؎یہ جملہ بھی اپنے ظاہری معنے پر ہی ہے کہ ماہ رمضان میں واقعی دوزخ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے اس مہینہ میں گنہگاروں بلکہ کافروں کی قبروں پر بھی دوزخ کی گرمی نہیں پہنچتی۔وہ جومسلمانوں میں مشہور ہے کہ رمضان میں عذابِ قبر نہیں ہوتا اس کا یہی مطلب ہے اورحقیقت میں ابلیس مع اپنی ذریتوں کے قیدکردیا جاتا ہے۔اس مہینہ میں جو کوئی بھی گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس امارہ کی شرارت سے کرتا ہے نہ کہ شیطان کے بہکانے سے۔فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث کے متعلق بہت سے اعتراضات دفع ہوگئے مثلًا یہ کہ جب ابھی جنت میں کوئی جا ہی نہیں رہا تو اس کے دروازے کھلنے سے کیا فائدہ یا یہ کہ جب دوزخ کے دروازے بند ہوگئے تو رمضان میں گرمی کہاں سے آتی ہے یا یہ کہ جب شیطان بند ہوگیا تو اس مہینہ میں گناہ کیسے ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں ۱؎جن میں سے ایک باب الریان ہے جس میں صرف روزہ دار داخل ہوں گے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یا اس طرح کہ جنت میں آٹھ طبقے ہیں ہر طبقہ کا ایک دروازہ یا اس طرح کہ جنت کی پہلی ہی دیوار میں آٹھ دروازے ہیں تاکہ ہرقسم کے نیک لوگ اپنے اپنے الگ دروازے سے داخل ہوں۔

۲؎ ریان بروزن فعلان ریٌ سے بنا،بمعنی تروتازگی،سیرابی و سبزی۔چونکہ روزہ دار روزوں میں بھوکے پیاسے رہتے تھے اور بمقابلہ بھوک کے پیاس کی زیادہ تکلیف اٹھاتے تھے اس لیے ان کے داخلے کے لیے وہ دروازہ منتخب ہوا جہاں پانی کی نہریں بے حساب،سبزہ،پھل فروٹ اور سیرابی ہے،اس کا حسن آج نہ ہمارے وہم و گمان میں آسکتا ہے نہ بیان میں ان شاءاللہ دیکھ کر ہی پتہ لگے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ روزہ چور اور روزہ توڑ مسلمان اگرچہ رحمت خداوندی اور شفاعت مصطفوی کی برکت سے بخش بھی دیئے جائیں اور جنت میں داخل بھی ہوجائیں مگر اس دروازے سے نہیں جاسکتے کہ یہ دروازہ تو روزہ داروں کے لیے مخصوص ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایمان و اخلاص سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۱؎اور جو رمضان میں ایمان و اخلاص سے راتوں میں عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۲؎اور جو شب قدر میں ایمان و اخلاص کے ساتھ عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں

	گے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ احتساب حسبٌ سے بنا،بمعنی گمان کرنا اور سمجھنا،احتساب کے معنی ہیں ثواب طلب کرنا یعنی جس روزہ کے ساتھ ایمان اور اخلاص جمع ہوجائیں اسکا نفع تو بے شمار ہے۔دفع ضرر یہ ہے کہ اس کے سارے صغیرہ گناہ، حقوق اللہ معاف ہوجاتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے برت(روزہ)اور کافروں کے اپنے دینی روزوں کا کوئی ثواب نہیں کہ وہاں ایمان نہیں اور جو شخص بیماری کے علاج کے لیے روزہ رکھے نہ کہ طلب ثواب کے لیے تو کوئی ثواب نہیں کہ وہاں احتساب نہیں۔

۲؎اس عبادت سے مراد نماز تراویح ہے جو صرف رمضان میں ادا ہوتی ہے یا نماز تہجد۔

۳؎مرقات نے فرمایا کہ ان جیسے نیک اعمال سے گناہ صغیرہ تو معاف ہوجاتے ہیں اور گناہ کبیرہ صغیرہ بن جاتے ہیں اور بے گناہوں کے درجات بڑھ جاتے ہیں لہذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان میں روزوں کی برکت سے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں اور تراویح کی برکت سے گناہ کبیرہ ہلکے پڑ جاتے ہیں اور شب قدر کی عبادت کی برکت سے درجے بڑھ جاتے ہیں لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب روزوں سے گناہ معاف ہوگئے تو پھر تراویح اور شبِ قدر کی عبادت سے کیا ہوگا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کی ساری نیکیاں دس گُنے سے سات سوگُنے تک بڑھائی جائیں گی ۱؎رب تعالٰی فرماتے ہیں سوائے روزہ کے کہ روزہ تو میرا ہے ۲؎اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا۳؎وہ میرے لیے اپنی شہوت اور اپنا کھانا چھوڑتا ہے۴؎روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملتے وقت۵؎روزہ دار کی منہ کی بدبو اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو سے بہتر ہے ۶؎اور روزے ڈھال ہیں۷؎اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بری بات کہے نہ شور مچائے ۸؎اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا جنگ کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں ۹؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی قانونًا ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گناہ اور زیادہ سے زیادہ سات سو گناہ ہے اگر اللہ اور زیادہ دے تو اس کا کرم ہے۔اس حدیث سے دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے ایک تو"مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا"اور دوسری"كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ"۔

۲؎ اگرچہ ساری عبادتیں اللہ تعالٰی کی ہیں مگر خصوصیت سے روزہ کو فرمایا کہ یہ میرا ہے چند وجھوں سے:ایک یہ کہ دیگر عبادات میں اطاعت غالب ہے اور روزہ میں عشق غالب اور روزہ دار میں علامات عشق جمع ہوجاتی ہیں۔شعر

عاشقاں راشس نشان است اے پسر　　آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام　　کم خورد کم گفتن و خفتن حرام

اور مطیع کا عوض ثواب ہے عاشق کا عوض لقائے یار۔دوسرے یہ کہ دوسری عبادتوں میں ریا ہوسکتی ہے کیونکہ ان کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے اور ان میں کچھ کرنا ہوتا ہے مگر روزہ میں ریاء نہیں ہوسکتی کہ نہ اس کی کوئی صورت ہے اور نہ اس میں کچھ کرنا ہے،جو اندر باہر کچھ نہ کھائے پیئے وہ یقینًا مخلص ہی ہے،ریا کار گھر میں کھا کر بھی روزہ ظاہر کرسکتا ہے۔تیسرے یہ کہ کل قیامت میں دوسری عبادتیں اہل حقوق چھین سکتے ہیں حتی کہ قرض خواہ مقروض سے سات سو نمازیں تین پیسہ قرض کی عوض لے لے گا۔(شامی)مگر روزہ کسی حق والے کو نہ دیا جائے گا،رب تعالٰی فرمائے گا کہ روزہ تو میرا ہے یہ کسی کو نہیں ملے گا۔چوتھے یہ کہ کفار و مشرکین دوسری عبادتیں بتوں کے لیے بھی کرلیتے ہیں قربانی،سجدہ،حج و خیرات وغیرہ مگر کوئی کافر روزہ بت کے لیے نہیں رکھتا اگر روزہ رکھتے بھی ہیں تو صفائی نفس کے لیے تاکہ اس صفائی سے بتوں سے قرب حاصل ہو۔غرض کہ روزہ غیراللہ کے لیے نہیں ہوتا۔(ازمرقات،اشعہ وغیرہ)

۳؎ اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں اجزی معروف اور اجزی مجہول یعنی روزہ کا بدلہ میں براہ راست خود دوں گا،میں دینے والا روزہ دار لینے والا جو چاہوں دوں اس کی جزا مقرر نہیں یا روزہ کا بدلہ میں خود ہوں یعنی تمام عبادات کا بدلہ جنت ہے اور روزہ کا بدلہ جنت والا رب اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۴؎ یعنی دوسرے عابد عابد ہیں یہ عابد بھی اور عاشق بھی یا روزہ دار ریاء کے لیے کھانا پینا نہیں چھوڑتا وہ صرف میری رضا کے لیے چھوڑتا ہے ریا کار چھپ کر کھا کر روزہ ظاہر کرسکتا ہے۔

۵؎ سبحان اللہ!کیسا پیارا فرمان ہے روزہ دار کو افطار کے وقت روحانی خوشی بھی ہوتی ہے کہ عبادت ادا ہوئی رب تعالٰی راضی ہوا سینہ میں نور دل میں سرور ہوا اور جسمانی فرحت بھی کہ سخت پیاس کے بعد ٹھنڈا پانی بہت ہی فرحت کا باعث ہے اور تیز بھوک میں رب تعالٰی کی روزی بہت لذیذ معلوم ہوتی ہے اور ان شاءاللہ مرتے وقت بھی بروز قیامت بھی رب تعالٰی کی مہربانی دیکھ کر روزہ دار کو جو خوشی ہوگی وہ تو بیان سے باہر ہے وہ کریم فرمائے گا کہ دنیا میں جو میں نے کہا وہ تو نے کیا اب جو تو کہے گا وہ میں کروں گا اللہ تعالٰی خیریت سے وہ وقت دکھائے۔اللہ کا شکر ہے کہ فقیر حقیر گنہگار یہ بیان بھی آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ جمعرات کے دن لکھ رہا ہے۔رب تعالٰی اپنے فضل و کرم اور محبوب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے اس قال کو حال بنادے۔

۶؎ خیال رہے کہ منہ کی وہ بو جو دانتوں کے میل وغیرہ یا بیماری سے پیدا ہوکر نحر کہلاتی ہے اور جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا سے خلوف کہتے ہیں،دانتوں کے میل کی بو تو مسواک ومنجن سے جاسکتی ہے اور بیماری کی بو دواؤں سے مگر خلوف معدہ کی بو صرف کھانے سے جاسکتی ہے۔تجربہ ہے کہ یہ بو مسواک کے بعد بھی رہتی ہے لہذا یہ حدیث نہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس پر دلیل ہے کہ بعد زوال روزہ میں مسواک منع اور نہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے اس مسئلہ کے خلاف ہے کہ روزہ میں مسواک ہر وقت جائز ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ جملہ ایسا ہے جیسے ماں کہے کہ مجھے اپنے بچے کا پسینہ کیوڑے گلاب سے پیارا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پسینہ دھویا بھی نہ جائے۔روزہ میں مسواک کی پوری بحث ان شاءاللہ آگے آئے گی۔

۷؎ کہ دنیا میں نفس و شیطان کے شر سے بچاتے ہیں اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچائیں گے۔

۸؎ شور سے مراد جنگ و جدال کا شور ہے۔شریعت میں روزہ پیٹ اور دماغ کا ہوتا ہے مگر طریقت میں سارے اعضاء کا کہ انہیں گناہوں سے بچایا جائے اس جملہ میں اسی روزہ کی تعلیم ہے۔

۹؎ لہذا میں تجھ سے لڑنے کو تیار نہیں اس پر ان شاءاللہ وہ خود ہی شرمندہ ہوجائے گا یا یہ مطلب ہے کہ میں روزہ دار ہوں اللہ کی ضمان میں ہوں مجھ سے لڑنا گویا رب کا مقابلہ کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنی چھپتی عبادت کا اظہار جائز ہے بشرطیکہ فخر و ریا کے لیے نہ ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کردیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جن میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۱؎ اور پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی چاہنے والے آ۲؎ اور برائی چاہنے والے باز آ۳؎ اور اللہ کی طرف سے لوگ آگ سے آزاد کئے جاتے ہیں یہ ہر رات ہوتا ہے۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ ان تین جملوں کی شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی ہے کہ یہ تینوں جملے اپنے ظاہری معنے پر ہیں ان میں کسی کی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں،چونکہ ابلیس ایک ہے اور اس کی ذریت بہت قسم کی جن کے نام بھی الگ ہیں اور کام بھی الگ یہ سب ہی ایک مہینہ کے لیے گرفتار کرلیے جاتے ہیں اس لیے شیاطین جمع فرمایا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ رمضان کے علاوہ دیگر مہینوں میں جنت اور دوزخ کے دروازے کبھی کھلتے ہیں کبھی بند ہوتے ہیں مگر رمضان میں سارا مہینہ دوزخ کے دروازے بند رہتے ہیں جنت کے کھلے۔سبحان اللہ! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کا دروازہ دیگر مہینوں میں شبِ جمعہ کو کھلتا ہے مگر ماہ رمضان میں ہمیشہ کھلا رہتا ہے کیوں نہ ہو کہ وہ ہم غریبوں کی جنت ہے۔شعر

مسجد من کعبہ من خلد من　　　　آستان تو در تو کوئے تو

۲؎ اللہ کی طرف آ،رسول اللہ کی طرف آ،جنت کی طرف آ،مسجد کی طرف آ،عبادت کی طرف آ کیونکہ اب عمل قلیل پر جزائے جلیل ملے گی،زمانہ کمائی کا آگیا کچھ کمالے۔

۳؎ گناہوں سے باز آ،غیراللہ کی طرف سے بھاگنے سے باز آ،رمضان رب کا مہمان ہے اس سے شرم کر۔اس آواز کا اثر یہ دیکھا جارہا ہے کہ اس زمانہ میں بے نماز نمازی ہوجاتے ہیں،بخیل سخی بن جاتے ہیں،بچے اور بیمار جو نماز سے گھبرائیں روزہ پر حریص ہوتے ہیں حالانکہ روزہ نماز سے دشوار ہے روزہ میں عادۃً سستی اور نیند بڑھ جاتی ہے مگر پھر بھی مسجدیں بھری رہتی ہیں اور راتیں ذکر اللہ سے آباد۔

۴؎ یعنی مہینہ بھر روزانہ افطار کے وقت بہت سے ہم جیسے گنہگار جو اپنے گیارہ مہینوں کی بدکاریوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق ہوچکے ہوتے ہیں انہیں اللہ روزہ کی برکت سے معافی دے دیتا ہے فرماتا ہے اگرچہ گنہگار ہیں مگر روزہ دار ہیں بخش دیا۔

احمد نے ایک شخص سے روایت کی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۱؎	

۱؎ یعنی حدیث مرفوع غریب ہے موقوف صحیح ہے اور ہوسکتا ہے کہ غریب بھی ہو اور صحیح بھی کیونکہ غرابت حسن یا صحیح ہونے کے خلاف نہیں۔(مرقات)امام جزری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک راوی ابوبکر ابن عیاش بھی ہیں جن کے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے،بعض نے فرمایا کہ اگرچہ امام عاصم قاری کے شاگرد ہیں اور امام حفص پر قرأت میں مقدم ہیں اور فضائل و کمالات میں اپنے اہلِ زمانہ پر فوقیت رکھتے ہیں مگر کچھ حافظہ کے کمزور تھے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان آگیا برکت والا مہینہ ہے ۱؎ اللہ نے تم پر اس کے روزے فرض کئے ۲؎ اس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں ۳؎ دوزخ کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور اس میں مردود شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں ۴؎ اس میں ایک رات ہے ہزار مہینوں سے بہتر ۵؎ جو اس کی خیر سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم رہا ۶؎ (احمد،نسائی)	

۱؎ برکت کے معنی ہیں بیٹھ جانا جم جانا اسی لیے اونٹ کے طویلہ کو مبارك الابل کہا جاتا ہے کہ وہاں اونٹ بیٹھتے بندھتے ہیں اب وہ زیادتی خیر جو آکر نہ جائے برکت کہلاتی ہے،چونکہ ماہ رمضان میں حسی برکتیں بھی ہیں اور غیبی

برکتیں بھی اس لیے اس مہینہ کا نام ماہ مبارک بھی ہے رمضان میں قدرتی طور پر مؤمنوں کے رزق میں برکت ہوتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب ستر گناہ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کی آمد پر خوش ہونا ایک دوسرے کو مبارک بار دینا سنت ہے اور جس کی آمد پر خوشی ہونا چاہیئے اس کے جانے پر غم بھی ہونا چاہیئے۔دیکھو نکاح ختم ہونے پر عورت کو شرعًا غم لازم ہے اسی لیے اکثر مسلمان جمعۃ الوداع کو مغموم اور چشم پر نم ہوتے ہیں اور خطباء اس دن میں کچھ وداعیہ کلمات کہتے ہیں تاکہ مسلمان باقی گھڑیوں کو غنیمت جان کر نیکیوں میں اور زیادہ کوشش کریں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ یعنی سب پر روزۂ رمضان ہی فرض ہیں طاقتِ روزہ رکھنے والا فدیہ نہیں دے سکتا،رب تعالٰی فرماتاہے: "فَمَنۡ شَہِدَ مِنۡکُمُ الشَّہۡرَ فَلۡیَصُمۡہُ"حتی کہ حائضہ عورت نمازوں کی قضا نہیں کرتی مگر روزوں کی قضا کرتی ہے لہذا حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔

۳؎ آسمان میں بہت سی قسم کے دروازے ہیں:روزی اور فرشتے اترنے کے لیے دروازے،لوگوں کے اعمال جانے کے دروازے،عذاب آنے کے دروازے،مخصوص رحمتیں اترنے کے دروازے وغیرہ یہاں یہ آخری قسم کے دروازے مراد ہیں یعنی رمضان میں خاص رحمتوں یا خاص فرشتوں کی آمد کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آسمان کے دروازے تو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔

۴؎ اس جملہ کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں بہترین مطلب یہ ہے کہ عام شیاطین تو رب کے عام جیل خانوں میں بند کئے جاتے ہیں مگر بہت زیادہ سرکش شیاطین زنجیروں و طوقوں میں باندھے جاتے ہیں جیسے دنیاوی جیلوں میں پھانسی کے ملزم کال کوٹھری میں بند ہوتے ہیں اور ڈاکوؤں کو بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں اسی لیے یہاں تُغَلُّ فرمایا گیا۔تغل غل سے بنا،بمعنی زنجیرو طوق لہذا یہاں مردود کی قید احترازی ہے اور یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف بھی نہیں۔

۵؎ وہ رات شب قدر ہے جو بفضلہٖ تعالٰی ہر ماہ رمضان میں ہوتی ہے کہ دوسری ہزار مہینوں کی عبادت سے جس میں شبِ قدر نہ ہو اس ایک رات کی عبادت بہتر ہے اور غالبًا یہ رات ستائیسویں رمضان ہے۔اس کی نفیس بحث ہماری کتاب"مواعظ نعیمیہ"میں ملاحظہ فرمایئے۔خیال رہے کہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں اور سورۂ قدر میں یہ لفظ تین بار ارشاد ہوا نو۹ تین دفعہ ہوں تو ستائیس بنتے ہیں،نیز سورۂ قدر میں تیس کلمے ہیں آخری آیت"ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ"میں ھی ضمیر جو لیلۃ القدر کی طرف لوٹ رہی ہے ستائیسواں کلمہ ہے۔ان وجوہ سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں رمضان ہے۔

۶؎ یعنی جس نے یہ رات گناہوں میں گزاری یا اس رات بھی بلاعذر عشاء اور فجر جماعت سے نہ پڑھی اس لیے اس کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بقیہ دنوں میں بھی بھلائی نہیں کمائے گا۔شبِ قدر میں عبادتوں کی تین قسم ہیں جن میں سے آخری قسم ہے عشاء و فجر کا جماعت سے ادا کرنا جس نے یہ بھی نہ کیا واقعی وہ بڑا محروم ہے۔الحمدللہ! گنہگار احمد یار آج ستائیسویں رمضان ۹۷ھ۱۳ کو یہ مضمون لکھ رہا ہے آج شبِ قدر ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے ۱؎ روزے عرض کریں گے یارب میں نے اسے دن میں کھانے اور شہوت سے روکا لہذا اس کے بارے میں میری شفاعت قبول کر اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات میں سونے سے روکا لہذا اس کے متلق میری شفاعت قبول کر ۲؎ دونوں کی شفاعت قبول ہوگی ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی روزہ رکھنے والے تراویح پڑھنے والے گنہگار بندے کی تو معافی کی سفارش کریں گے اور بے گناہ بندے کی بلندیٔ درجات کی لہذا قرآن و رمضان کی شفاعت سے سارے ہی مؤمن فائدہ اٹھائیں گے،چونکہ قرآن کریم رمضان المبارک ہی میں آیا اور رمضان میں ہی اس کی تلاوت زیادہ ہوتی ہے اور دن میں روزہ رات کو تراویح میں تلاوت قرآن ہوتی ہے اسی لیے ان دونوں کو جمع فرمایا گیا۔

۲؎ یعنی روزہ افطار کرکے اس کی طبیعت آرام کی طرف مائل ہوتی تھی،ہاتھ پاؤں میں سستی پھیل جاتی تھی کہ نماز عشاء کی اذان کی آواز سنتے ہی تراویح میں مجھے سننے آجاتا تھا لہذا یہاں تراویح پڑھنے والے مراد ہیں تہجد والے ہی مراد نہیں کیونکہ تہجد تو سال بھر پڑھی جاتی ہے یہاں خصوصیت سے رمضان کا ذکر ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں رمضان نے تو اے رب عرض کیا مگر قرآن نے اے رب نہ کہا۔معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کلام الٰہی قدیم ہے اور مخلوق نہیں۔(مرقات)

۳؎ اس طرح کہ روزوں کی شفاعت سے گناہ معاف ہوں گے اور قرآن کی شفاعت سے درجے بلند یا روزوں کی شفاعت سے غضبِ الٰہی کی آگ ٹھنڈی ہوگی اور قرآن کی شفاعت سے رحمت الٰہی کی ہوا چلے گی وغیرہ وغیرہ۔روزے اور قرآن بلکہ سارے اعمال وہاں شکلوں میں نمودار ہوں گے جیسے آج دنیا میں ہم واقعات کو خواب میں مختلف شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔بادشاہ مصر نے آئندہ قحط سالیوں کو گایوں اور بالیوں کی شکل میں دیکھا تھا۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مہینہ تمہارے پاس آگیا ۱؎ اس میں رات ہے ہزار مہینوں سے بھلی جو اس رات سے محروم رہا وہ ساری خیر سے محروم رہا ۲؎ اور ساری خیر سے پورا بدنصیب محروم رہتا ہے ۳؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی ماہ رمضان وہ سخی ہے جو تمہارے پاس آکر دیتا ہے جیسے بادل آکر پانی دیتا ہے کنوئیں کی طرح بلاکر نہیں دیتا۔

۲؎ یعنی یہ ایک رات تو تراسی سال چار ماہ سے بہتر ہے اگر وہ شبِ قدر سے خالی ہوں۔

۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ اس رات کی عبادت میں مشقت نہایت ہی کم ہے اور ثواب بہت ہی زیادہ جو اتنی سی محنت بھی نہ کرسکے وہ پورا ہی محروم و بدنصیب ہے۔

	روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہم میں وعظ فرمایا تو فرمایا اے لوگو تم پر عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہورہا ہے ۱؎ یہ مہینہ برکت والا ہے جس کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے وہ یہ مہینہ ہے جس کے روزے اللہ نے فرض کئے اور جس کی رات کا قیام نفل بنایا ۲؎ جو اس ماہ میں نفلی بھلائی سے قربِ الٰہی حاصل کرے تو گویا اس نے دوسرے مہینہ میں فرض ادا کیا اور جو اس میں ایک فرض ادا کرے تو ایسا ہوگا جیسے اس نے دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کئے ۳؎ یہ صبر کا مہینہ ہے ۴؎ اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ غربا کی غم خواری کا مہینہ ہے ۵؎ یہ وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھایا جاتا ہے ۶؎ جو اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش اس کی گردن کی آزادی آگ سے ہوگی اور اسے روزہ دار کاسا ثواب ملے گا ۷؎ اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم ہو ۸؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے ہر شخص وہ نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے ۹؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہ ثواب اسے دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا کھجور یا گھونٹ بھر پانی ۱۰؎ سے افطار کرائے اور جو روزہ دار کو سیر کرے اللہ اسے میرے حوض سے وہ پانی پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہوگا حتی کہ جنت میں داخل ہوجائے ۱۱؎ یہ وہ مہینہ ہے جس کے اول میں رحمت، بیچ میں بخشش اور آخر میں آگ سے آزادی ہے ۱۲؎ اور جو اس مہینہ میں اپنے غلام سے تخفیف کرے تو اللہ اسے بخش دے گا اور آگ سے آزاد کردے گا ۱۳؎

۱؎ اس پیشگی اطلاع دینے میں ماہ رمضان کی فضیلت کا اظہار ہے اور مسلمانوں کو اس کی عبادات کے لیے تیار کرنا ہے۔اظل فرما کر اشارۃً بتایا کہ جیسے درخت یا چھت بندے کو اپنے سایہ میں لے کر سورج کی تپش سے بچالیتے ہیں ایسے ہی ماہ رمضان مؤمن کو اپنے سایہ میں لے کر دنیاوی و آخروی عذاب سے بچالیتا ہے گویا رمضان سایہ دار بار دار درخت ہے یا ڈھال ہے۔

۲؎ یہاں **نفل** لغوی معنی میں ہے یعنی زائد چیز اور رات کے قیام سے مراد تراویح ہے یعنی اس ماہ میں نماز تراویح زائد نماز ہے جو دوسرے مہینوں میں نہیں لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تراویح نفل ہو وہ تو سنت مؤکدہ ہے۔تراویح کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ دوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ یعنی ماہ رمضان کی نفل دوسرے مہینوں کی فرض کی برابر ہے اور اس ماہ کی فرض عبادت دوسرے ماہ کی ستر فرائض کی مثل ہے لہذا اگر مکہ معظّمہ میں رمضان المبارک میں ایک فرض ادا کیا جائے تو اس کا ثواب ستر لاکھ فرض کا ہے کیونکہ اور دنوں وہاں ایک کا ثواب ایک لاکھ ہےتو رمضان میں ستر لاکھ اس حساب سے مدینہ منورہ میں ماہ رمضان کی ایک فرض کا ثواب پینتس[۳۵] لاکھ ہے یہ زیادتی تو رمضان کے عام دنوں میں ہے شب قدر اور رمضان کے جمعہ کی نیکیاں تو بہت زیادہ ہوں گی۔ان شاءاللہ!

۴؎ یعنی دوسرے مہینہ شکر کے ہیں جن میں کھاؤ،آرام کرو اور شکر بجالاؤ اس مہینہ میں دن میں نہ کھاؤ،رات کو نہ سوؤ اور صبر کرو۔رمضان کے چار نام ہیں:ماہ رمضان،ماہ صبر،ماہ مواسات،ماہ مبارک ان ناموں کی وجہ ہم نے اپنی "تفسیر نعیمی"میں تفصیل سے لکھی ہے۔

۵؎ کہ اس مہینہ میں قدرتی طور پر مسلمانوں میں غرباء اقرباء کی غم خواری کا جذبہ موجزن ہوتا ہے،بعض لوگ رمضان میں اپنی شادی شدہ لڑکیوں کو بلالیتے ہیں بعض لوگ مہینہ بھر تک مسکینوں کو کھلاتے ہیں،ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے اور مواسات پر عمل ہے مواسات،بمعنی مساہمت ہے سہم بمعنی حصہ سے مشتق یعنی اپنی روزی میں دوسروں کو حصہ دار بنانا،سخاوت کرنا۔

۶؎ رزق حسی بھی اور معنوی بھی ہر سال اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہر روزہ دار کو رمضان میں وہ نعمتیں ملتی ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں ملتیں،نیز اس مہینہ میں قدرتی طور پر دل پر وہ اثر ہوتا ہے جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتا۔

۷؎ یعنی روزہ افطار کرنے والے کو تین فائدے ہوتے ہیں:گناہوں سے بخشش،دوزخ سےآزادی اور اسے روزہ کا ثواب۔بعض لوگ افطار کے وقت مسجدوں میں پھل فروٹ یا کھانے بھیجتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث شریف ہے۔کاٹھیاواڑ اور یوپی میں ہر نمازی مغرب کے وقت کچھ لے کر آتا ہےاور کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے کھانے سے روزہ افطار کرے اس کی اصل بھی یہ ہی حدیث ہے۔خیال رہے کہ روزہ افطار کرانے سے ثواب روزہ تو مل جاتا ہے مگر اس سے روزہ ادا نہیں ہوتا لہذا کوئی امیر لوگوں کو افطار کراکے خود روزہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا روزے تو رکھنے ہی پڑیں گے۔

۸؎ جیسے علم،روشنی،ہوا ان سے خواہ کتنے ہی لوگ فائدہ اٹھالیں کمی نہیں ہوتی ایسے ہی ثواب تقسیم ہونے سے کم نہیں ہوتا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ تقسیم ہوکر ثواب میں کمی کیوں نہیں ہوتی،مادی چیزیں بٹ کر گھٹتی ہیں،نور میں یہ قاعدہ نہیں،بلکہ سمندر اور چشمہ کا پانی بھی خرچ سے گھٹتا نہیں۔

۹؎ وہ حضرات سمجھے کہ روزہ افطار کرانے کے معنے ہیں اسے سیر کردینا اس لیے یہ سوال کیا۔

۱۰؎ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف پیٹ بھرنے پر یہ ثواب موقوف نہیں،جو چیز بھی اولًا روزہ دار کے حلق سے نیچے اتاری جائے یہ ثواب مل جاتا ہے بلکہ اگر چند آدمی مل کر روزہ دار کو کسی چیز سے افطار کرادیں تو سب کو الگ الگ روزے کا ثواب ہوگا،داتا کی دین کے بہانے ہوتے ہیں صدقہ ہے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

۱۱؎ یعنی صرف افطار کرانے کا ثواب تو بیان ہوچکا،روزہ دار کو سیر کرکے کھلانے کا ثواب یہ ہے۔خیال رہے کہ جیسے آج دنیا میں سب کو کھانے کی سخت ضرورت ہے ایسے ہی کل میدان محشر میں پانی کی سخت ضرورت ہوگی وہاں بھوک نہ ہوگی مگر پیاس ہوگی،اللہ تعالٰی حوض کوثر کی ایک نہر میدان محشر میں پہنچادے گا جس سے امت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہی یہ پانی پیئے گی اور پیاس سے امن میں رہے گی،ایک بار جس نے یہ پانی پی لیا تو جنت میں داخلہ تک پیاس نہ لگے گی،اللہ تعالٰی ہم سب کو وہاں اس حوض کا پانی نصیب کرے،پھر جنت میں پہنچ کر نہ بھوک ہوگی نہ پیاس لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ محشر میں حوض کوثر کہاں حوض تو جنت میں ہوگا،نہ یہ اعتراض رہا کہ پیاسا نہ ہونے کی انتہاء جنت میں داخلہ تک بیان کیوں فرمائی،کیا جنت میں پہنچ کر پیاس لگے گی،نہ یہ اعتراض رہا کہ کھانے کا بدلہ پانی کیا اس کا بدلہ تو کھانا ہی چاہئے تھا۔خیال رہے کہ جنت میں بھوک نہ ہوگی نہ پیاس مگر وہاں کھانا پینا سب کچھ ہوگا لذت کے لیے نہ کہ بھوک پیاس دفع کرنے کو اسی لیے وہاں میوے ہیں غلے نہیں کہ غلے بھوک دفع کرنے کو ہوتے ہیں میوہ لذت کو۔

۱۲؎ یعنی ماہ رمضان کے تین عشرہ ہیں:پہلے عشرہ میں رب تعالٰی مؤمنوں پر خاص رحمتیں فرماتا ہے جس سے انہیں روزہ تراویح کی ہمت ہوتی ہے اور آئندہ ملنے والی نعمتوں کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔دوسرے عشرہ میں تمام صغیرہ گناہوں کی معافی ہے جو جہنم سے آزادی کا اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے۔تیسرے عشرہ میں روزہ داروں کے جنتی ہوجانے کا اعلان اور وہاں کے داخلہ کا ویزہ(Viza)اور پاسپورٹ(Pasport)کی تحریر۔فقیر کی اس شرح سے اس ترتیب کی وجہ بھی معلوم ہوگئی اور یہ اعتراض بھی نہ رہا کہ جب پہلے دو عشروں میں رحمت و مغفرت ہوچکی تو تیسرے عشرہ میں آگ سے آزادی کے کیا معنے وہ تو پہلے ہی حاصل ہوچکی۔

۱۳؎ اسلامی بادشاہ رمضان میں ہر محکمہ میں چھٹی کرتے تھے،اب بھی تمام مدارس اسلامیہ رمضان میں بند رہتے ہیں تاکہ مدرسین کو فرصت اور طلباء کو فراغت ملے،بعض امراء اس مہینہ میں نوکروں سے کام یا تو لیتے نہیں یا بہت کم لیتے ہیں مگر ان کی تنخواہ اور کھانا وغیرہ برابر دیتے رہتے ہیں،ان سب کی اصل یہ حدیث شریف ہے تم اپنے ماتحتوں،نوکروں پر مہربانی کرو اللہ تم پر مہربانی کرے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب ماہ رمضان آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو	

چھوڑ دیتے تھے اور ہر منگتے کو دیتے تھے ۲	

۱؎ حق یہ ہے کہ یہاں قیدی سے مراد وہ شخص ہے جو حق اللہ یا حق العبد میں گرفتار ہواور آزاد فرمانے سے اس کے حق ادا کردینا یا کرادینا مراد ہے ورنہ اس زمانہ پاک میں سوائے ان کفار کے جو غزوہ جہاد میں قید ہو کر آئے اور کسی کو قید نہ کیا جاتا تھااور ایسے قیدیوں کو حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے کسی رمضان میں آزاد نہ کیا کہ ان کو چھوڑ دینا فتنہ سے خالی نہ تھاوہ پھر جاکر مسلمانوں کے مقابل ہوتے۔احناف کے نزدیک جنگ کے کفار قیدیوں کو چھوڑنا منسوخ ہےان کے لیے یا قتل ہے یاغلام بنانا یا فدیہ پر چھوڑنا"فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ" منسوخ ہے اس کا ناسخ ہے"فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ"ہاں شوافع کے ہاں آزاد کرنے کا بھی حق ہے،یہ معنے جو ہم نے عرض کئے متفق علیہ ہیں۔

۲؎ یوں تو سرکار ہمیشہ ہی ہر سائل کو دیتے تھےکریم ہیں،سخی ہیں،داتا ہیں مگر ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت کا سمندر موجیں مارتا تھا۔یہاں دوباتیں خیا ل میں رکھیئے:ایک یہ کہ امیروں سے صرف مال مانگے جاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مال،اعمال،کمال،رضائے رب ذوالجلال اور جنت،نیز دوزخ سے پناہ،ایمان پر خاتمہ سب کچھ ہی مانگا جاتا ہے،حضرت ربیعہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہمیشہ خصوصًا رمضان میں ہر سائل کو اس کی منہ مانگی مراد دیتے تھے۔دوسرے یہ کہ سرکار کی یہ بخششیں صرف اس زمانہ سے خاص نہیں تا قیامت ان کا دروازہ ہر فقیر کے لیے کھلا ہے،کیوں نہ ہو کہ رب تعالٰی نے فرمایا:"وَ اَمَّا السَّآىٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"سائل میں زمانہ ومکان کی قید نہیں لہذا اب بھی رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مؤمن کو رہائی بھی مانگنی چاہیے اور جنت وغیرہ بھی ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

شرم قیدی،یہ جرم و بے حیائی — رہائی یا رسول اللہ رہائی
رہائی کردی غزے زوے — عطا کن زیں بلا مارا رہائی
چھڑایا قید سے ہرنی کو تم نے — مجھے بھی اس بلا سے دورہائی

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ رمضان کے لیے جنت شروع سال سے اگلے سال تک سنواری جاتی ہے۱؎ فرمایا جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے آنکھ والی حوروں پر ایک خوشگوار ہوا چلتی ہے ۲؎ تو حوریں عرض کرتی ہیں یا رب اپنے بندوں کو ہمارا خاوند بنا ان سے ہماری آنکھیں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۳؎ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل فرمائیں۴؎	

۱؎ یعنی عیدالفطر کا چاند نظر آتے ہی اگلے رمضان کے لیے جنت کی آراستگی شروع ہوجاتی ہے اور سال بھر تک فرشتے اسے سجاتے رہتے ہیں جنت خود سجی سجائی پھر اور بھی زیادہ سجائی جائے،پھر سجانے والے فرشتے ہوں تو کیسی سجائی جاتی ہوگی اس کی سجاوٹ ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے،بعض مسلمان رمضان میں مسجدیں سجاتے ہیں،وہاں قلعی چونا کرتے ہیں،جھنڈیاں لگاتے،روشنی کرتے ہیں ان کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔

۲؎ یعنی یہ ہوا عرش سے شروع ہوتی ہے جنت کے درختوں،پھولوں سے معطر ہوکر حوروں پر پہنچتی ہے۔ مرقات نے فرمایا یہ روزہ داروں کے منہ کی بو کے اثر سے ہوتی ہے۔واللہ اعلم!

۳؎ یعنی ہم کو ان روزے داروں کے نکاح میں دے کہ وہ ہمارے خاوند ہوں ہم ان کی بیویاں بنیں۔خیال رہے کہ نکاح کے لیے نامزدگی تو پہلے ہی ہوچکی ہے کہ فلاں حور فلاں کی بیوی مگر نکاح جنت میں پہنچ کر ہوگا یا نکاح پہلے ہوچکا ہے رخصت یعنی عطا بعد قیامت ہوگی لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ"۔قرۃ خوشگوار ٹھنڈک کو کہتے ہیں اسی لیے بیٹے کو قرۃ العین کہتے ہیں۔

۴؎ یہ احادیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں لہذا قوی ہیں،کثرت اسناد ضعیف کو قوی کردیتی ہے۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی بخشش رمضان کی آخری رات میں ہوتی ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ شبِ قدر ہے تو فرمایا نہیں لیکن مزدور کو مزدوری جب ملتی ہے جب وہ اپنا کام پورا کرلیتا ہے ۱؎(احمد)	

۱؎ یعنی رمضان کی انتیسویں یا تیسویں رات کو روزہ داروں کی بخشش کا فرشتوں میں اعلان ہوجاتا ہے کہ ان کے روزے،تراویح،اعتکاف،شبِ قدر کی عبادتیں قبول فرمالی گئیں اور ان کی بخشش کا فیصلہ کردیا گیا،یہ ہی رات بندوں کے عمل سے فراغت کی رات ہے،رب تعالٰی کی عطاء کی رات بھی۔حسن اتفاق ہے کہ یہ گنہگار بندہ احمد یار آج انتیسویں رمضان دو شنبہ ۹ے۱۳ھ کو یہ شرح لکھ رہا ہے،خدا کرے اس رات میں اس گنہگار کی معافی بھی ہوگئی ہو اور جو مسلمان بھائی میری مغفرت کی دعا کرے اللہ اس کی مغفرت فرمادے۔آمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ تعالٰى عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحۡبِهٖ وَسَلَّم

باب رؤية الهلال

باب چاند دیکھنا[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] عربی میں تیسری شب تک کے چاند کو ہلال کہتے ہیں ان کے بعد کی راتوں میں قمر کہا جاتا ہے اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے،آخری راتوں میں محا ق،یہاں رمضان وغیرہ کی پہلی شب کا چاند مراد ہے۔بہت سی اسلامی عبادات چاند پر موقوف ہیں اس لیے ہر مہینہ کا ہی چاند دیکھنا چاہیے مگر خصوصیت سے شبِ برات،رمضان،شوال،بقر عید کا چاند ضرور دیکھنا چاہئے کہ ان سے روزے،عید،قربانی وغیرہ متعلق ہیں اس لیے مصنف نے چاند دیکھنے کا مستقل باب باندھا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزہ نہ رکھو حتی کہ رمضان کا چاند دیکھ لو اور افطار نہ کرو حتی کہ چاند دیکھ لو[1] اگر تم پر ابر کی وجہ سے چاند چھپ جائے تو مہینہ کا اندازہ لگا لو[2] اور ایک روایت میں ہے کہ مہینہ انتیس راتوں کا ہے تو روزہ نہ رکھو حتی کہ چاند دیکھ لو[3] پھر اگر تم پر چاند مشتبہ ہوجائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو[4](مسلم،بخاری)	

[1] یعنی نہ تو مشکوک دن میں روزہ رکھواور نہ مشکوک میں عید مناؤلہٰذا تیسویں شعبان کو روزہ نہ رکھو کہ شاید کل چاند ہوگیا ہواور تیسوں رمضان کو عید نہ مناؤاس شبہ پر کہ کل شاید شوال کا چاند ہوگیا ہوبلکہ جب رمضان یا شوال کا چاند یقینی طو ر پر ہوجائے تب روزہ یا عید مانو۔اس جملہ پر بہت سے شرعی احکام مرتب ہیں،فقہاء فرماتے ہیں کہ شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے اس کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔

[2] یعنی تیس دن پورے کرلوکیونکہ چاند کا مہینہ ۲۹ دن سے کم نہیں ہوتااور ۳۰ دن سے زیادہ نہیں ہوتا،چاند دیکھنے کی کچھ تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

[3] یعنی عربی مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے لیکن اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس کا ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاند میں دیکھنے کا اعتبار ہے،جنتری حساب وغیرہ شریعت میں بالکل غیر معتبر ہیں جیساکہ آگے آرہا ہے۔

[4] یہ جملہ اس آیت کی تفسیر ہے"وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ"یعنی ماہ رمضان کی گنتی پوری کرنا فرض ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر جنتری والا اپنے حساب سے روزہ رکھے یا عید کرے تو سخت گنہگار

ہوگا کیونکہ شریعت میں چاند دیکھنے کا اعتبار ہے اور اگر حساب پر عید منوائے تو سخت فاسق ہوگااور اگر اسی حساب پر لوگوں کے روزے تڑوادے تو سب پر کفارہ واجب ہوگااور اگر اس حساب پر عمل کو واجب جان کر روزہ یا عید کو فرض جانے تو کافر ہوجائے گا کیونکہ وہ آیت مذکورہ کا بھی منکر ہوااور احادیث متواترہ کا بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھواور چاند دیکھ کر افطارکرو۱پھر اگر چاند تم پر مشتبہ ہوجائے تو شعبان تیس دن کا شمار کرو۲(مسلم،بخاری)	

۱؎ صُوْمُوْا کا فاعل سارے مسلمان ہیں،لِرُؤْیَتِہٖ میں ہ ضمیر کا مرجع چاند ہے،لِرُؤْیَتِکُمْ نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ کہیں بھی چاند ہوجائے سب مسلمانوں پر روزہ فرض ہوجائے گا بشرطیکہ انہیں چاند کا ثبوت شرعی پہنچ جائے چاند میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہوگاجیساکہ شوافع کا خیال ہے کہ ایک علاقہ کی رویت دوسرے علاقہ والوں کے لیے معتبر نہیں مانتے یہ حدیث ان کے خلاف ہے اور احناف کی دلیل ہے۔شوافع کی دلیل حضرت عمر کا یہ فرمان"لَھُمْ رُؤْیَتُھُمْ وَلَنَا رُؤْیَتُنَا"اس کا جواب ان شاءاللہ اسی حدیث کے ماتحت دیا جائے گا کہ وہاں شرعی گواہی نہ ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا تھا۔بعض جہلا تیسویں رمضان کو عید کا چاند عصر کے وقت دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ عید کا چاند نظر آگیا روزہ کھول دو یہ غلط ہے یہاں افطار سے مراد کل روزہ نہ رکھنا اور عید منانا ہے نہ کہ روزہ توڑ دینا جیساکہ اگلے جملہ سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ چاند مشتبہ ہونے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ کہیں نظر ہی نہ آئے جنتری والے کہتے ہوں کہ کل چاند ہوگیا۔دوسرے یہ کہ اڑتے اڑتے معلوم ہوجائے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا شرعی گواہی نہ پہنچے۔فقیر نے ریڈیوں کی خبر کے متعلق فتویٰ یہ دیا ہے کہ اگر ریڈیو پر کہیں چاند ہونے کی خبر دی جائے تو معتبر نہیں اور سننے والے اس خبر پر روزہ یا عید نہیں مناسکتےلیکن اگر حکومت اسلامیہ کی قائم کردہ ہلال کمیٹی شرعی قواعد کی رو سے شرعی گواہی لے کر چاند ہوجانے کا فیصلہ کرے اور اپنے فیصلہ کا ریڈیو پر اعلان کرے تو معتبر ہے کیونکہ پہلی صورت میں چاند کی خبر کا اعلان ہے اور اس صورت میں حاکم کے فیصلہ کا،پہلا غیر معتبر دوسرا معتبر۔حاکم کے فیصلہ کی اطلاع تو فائر،گولہ،چراغاں وغیرہ سے کردینا بھی جائز ہے ریڈیو کی اطلاع تو اس سے کہیں زیادہ قوی ہے۔اس مسئلہ کی نہایت نفیس تحقیق ہمارے فتاوےٰ نعیمیہ میں دیکھو۔خیال رہے کہ فقیر کا یہ فتویٰ اس صورت میں ہے کہ ہلال کمیٹی کے اراکین مسائل شرعیہ سے واقف ہوں اور گواہی وغیرہ شرعی قواعد سے حاصل کریں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگ بے پڑھی جماعت ہیں نہ لکھیں نہ حساب لگائیں۱مہینہ یا تو اتنا اتنا اور اتنا ہے تیسری بار میں انگوٹھا شریف بند کرلیا پھر فرمایا کہ مہینہ اتنا اتنا اور اتنا یعنی پورے تیس دن کا یعنی انتیس کا اور	

کبھی تیس کا۲(مسلم،بخاری)	

۱؎ لفظ امی اُمٌّ سے بنا،بمعنی اصل یا ماں اس میں اشارہ اہل عرب کی طرف ہے۔امی کے معنے ہیں ام القریٰ یعنی مکہ یا حجاز والا یا بے پڑھا ہوا شخص کہ جیسے ماں کے شکم سے پیدا ہو ویسے ہی رہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو امی کہا جاتا ہے اس کی نفیس تفسیریں ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن"میں ملاحظہ فرمایئے یعنی ہم حجازی جماعت عمومًا حساب کتاب نہیں کیا کرتے یا عام صحابہ بے پڑھے ہیں حساب نہیں لگاتے مگر قیامت تک سارے مسلمان انہیں بے پڑھوں کے تابع ہیں۔(مرقاۃ)خیال رہے کہ امی کے معنے بے پڑھا ہے بے علم نہیں اللہ تعالٰی نے صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ایسا عالم بنایا کہ جہان بھر کے علماء ان کی شاگردی کریں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنے امی ہیں کہ پیدائشی عالم،عارف،معلم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔شعر

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوئے اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکے

وہ رازاک امی لقبی نے سمجھادیئے چند اشاروں میں

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ چاند میں حساب،جنتری،چاند کی رفتار کا قیاس،چاند کا چھوٹا بڑا ہونا،اٹھائیس تاریخ کو نظر نہ آنا وغیرہ کچھ بھی معتبر نہیں صرف رؤیت کا اعتبار ہے اگر انتیس کو رؤیت نہ ہو تو تیس دن پورے کرنا لازم ہیں۔

۲؎ سبحان اللہ! ان پاک اشاروں پر ہماری جانیں فدا ہوں دو اشاروں میں ہزار ہا مسائل حل فرمادیئے۔اس اشارہ فرمانے سے اشارۃً معلوم ہوا کہ حدود و قصاص کے سوا باقی اکثر احکام شرعیہ میں اشارہ معتبر ہے۔اگر کوئی اپنی بیوی کو تین انگلیاں دکھا کر کہے تجھے اتنی طلاقیں تو تین طلاقیں واقع ہوں گی،اگر حاکم کے سامنے کوئی دسوں انگلیاں دکھا کر کہے مجھ پر فلاں کے اتنے روپے قرض ہیں تو دس" روپے کا اقرار ہوا،اگرکسی عورت کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ تیرا نکاح اس سے کرتا ہوں تو نکاح ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ اسی طرح گونگا اشاروں سے نکاح،طلاق وغیرہ کرسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دو مہینے۱؎ کبھی کم نہیں ہوتے رمضان اور بقرعید۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ رمضان اور بقر عید چونکہ رمضان عید الفطر کا پیش خیمہ ہے یا اس کی ہر ساعت خوشی و مسرت کی ہے اس لیے اسے بھی ماہ عید کہہ دیا گیایا تغلیبًا تنبہ کردیا گیاجیسے چاند و سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر کو عمرین۔

۲؎ بعض نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ ایک سال میں ماہ رمضان و بقر عید دونوں انتیس کے نہیں ہوتے یا دونوں تیس کے ہوں گے یا ایک انتیس کادوسرا تیس کا مگر یہ غلط ہے مشاہدہ کے خلاف ہے۔بعض نے فرمایا کہ اکثریہ قاعدہ ہے مگر یہ بھی غلط ہے۔مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل نورمضان کے روزے رکھے جن میں دو تیسے تھے باقی سات انتیسے اب بھی بہت دفعہ رمضان و بقرعید دونوں انتیسے ہوجاتے ہیں لہذا یہاں کمی سے مراد ثواب و درجہ کی کمی ہے نہ کہ تعداد ایام کی کمی یعنی رمضان و بقر عید انتیس کے ہوں یا تیس کے ثواب عمل برابر ہی ملے گا

یعنی انتیس کاثواب تیس کے برابر یا بقر عید کے پہلے عشرہ کی نیکیوں کا ثواب رمضان کے پہلے عشرہ کی نیکیوں کے برابر ہےنہ یہ کم نہ وہ۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی رمضان سے پہلے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے ۱؎مگر ہاں جو کوئی روزہ رکھتا ہو تو وہ اس دن روزہ رکھے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی رمضان کے چاند سے ایک دو دن پہلے نفلی روزے نہ رکھے تاکہ نفل و فرض مخلوط نہ ہوجائیں جیسے فرض نماز سے ملا کر نفل نہ پڑھے بلکہ وقفہ کرکے جگہ تبدیل کرکے پڑھے یا اس لیے نہ ملائے تاکہ لوگوں کو رمضان کا چاند ہونے کا شبہ نہ ہوجائےلوگ سمجھیں کہ شاید اس نے چاند دیکھ لیا ہے یہ ممانعت تنزیہی ہےوہ بھی عوام کے لیے،خاص علماء اگر روزہ رکھ لیں اورکسی پر ظاہر نہ کریں تو درست ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے ماہ رمضان سے ملادیتے تھے۔(لمعات و مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ قضاء اور نذر کے روزے ان دنوں میں رکھنا بلاکراہت جائز ہے۔

۲؎یعنی اگرکسی مسلمان کی عادت ہے کہ ہر سوموار یا ہر جمعرات یا جمعہ کو نفلی روزہ رکھا کرتا ہےاور اتفاقًا انتیسویں شعبان اسی دن آئی تو اسے بلاکراہت یہ نفلی روزہ رکھ لینا جائز ہے کہ یہ شک کے دن کا روزہ نہیں بلکہ اپنی عادت کے دن کا روزہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی خاص دن میں ہمیشہ روزہ رکھنا یا نوافل پڑھنا یا خیرات کرنا جائز ہے،نہ یہ تعین حرام ہےاور نہ یہ تقرر مکروہ لہذا ہر ماہ کی بارہویں میلاد شریف کرنا،گیارہویں تاریخ کو غوث پاک کی فاتحہ کرنا،اس میں نوافل پڑھنا،ختم قرآن کرنا،صدقہ و خیرات کرنا جائز اور باعث ثواب ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نفلی عبادات میں مقرر کرنا حرام ہے،خود ان بزرگوں کے ہاں دینی مدارس کی تعطیلیں و امتحانات مقرر دنوں میں ہوتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ماہ شعبان آدھا گزر جائے تو روزہ نہ رکھو ۱؎(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یہ ممانعت ان کمزور لوگوں کے لیے ہےجو اس زمانہ میں نفلی روزے رکھ کر رمضان کے روزوں پر قادر نہ رہیں یا ان سے بہت تکلیف اٹھائیں یا ان لوگوں کے لیے جو شروع شعبان میں تو روزے نہ رکھیں پندرھویں شعبان کے بعد بلا وجہ مسلسل روزے شروع کردیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں وارد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سارے ماہ شعبان کے روزے رکھتے تھے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ ممانعت تنزیہی ہےاور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان جواز کے لیے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے لیے شعبان کے چاند کا حساب رکھو۱(ترمذی)

۱؎ اس طرح کہ شعبان کا چاند بہت تحقیق سے دیکھو اور اس کے دن گنتے رہوتاکہ رمضان کا آنا یقین سے معلوم ہو۔فقہاء فرماتے ہیں کہ شعبان کا چاند دیکھنا بھی ضروری ہےرمضان کے لیے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر دو ماہ روزے رکھتے نہ دیکھا سوائے شعبان و رمضان کے۱؎ (ابوداؤد ترمذی،نسائی ابن ماجہ)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے ہی شعبان کے اکثر روزے رکھتے تھے حتی کہ انتیسویں یا تیسویں شعبان کے بھی۔اس کی ممانعت کی تو جہیں پہلے کی جاچکی ہیں کہ کمزوروں کے لیے پندرہویں شعبان کے بعد روزے مناسب نہیں،قوت والوں کے لیے مناسب ہیں۔بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں روزے زیادہ رکھتے تھے اور افطار کم فرماتے تھے یعنی کبھی وہ عمل فرماتے تھے اور کبھی یہ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں جو شک کے دن روزہ رکھے اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ۱؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) ۲؎

۱؎ اس نافرمانی کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ سارے شعبان میں کبھی روزے نہ رکھے صرف شک کے دن بلاوجہ نفلی روزہ رکھے۔دوسرے یہ کہ شک کے دن رمضان کی نیت سے فرضی روزہ رکھے۔تیسرے یہ کہ اس روزہ میں متردد نیت کرے کہ آج اگر رمضان کی پہلی ہےتو یہ روزہ فرضی ہے اور اگر شعبان کی تیسویں ہےتو یہ روزہ نفلی ہے یہ تینوں صورتیں ممنوع ہیں،دوسری صورت زیادہ بری کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث اباحت کے خلاف نہیں۔مرقات میں ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ شوال کے چھ روزوں کا رمضان سے ملانا عوام کے لیے ناپسند کرتے تھے۔

۲؎ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا اور بخاری نے اسے تعلیقًا روایت کیا،حاکم نے اسے بشرط شیخین بتایا،طبرانی نے حضرت ابن عباس سے موقوفًا روایت کیا۔غرض کہ یہ حدیث صحیح ہے جن لوگوں نے اسے موضوع بتایا انہوں نے سخت غلطی کی۔خیال رہے کہ ترمذی وغیرہ میں اصل حدیث یوں ہے کہ حضرت صلح ابن زفر فرماتے ہیں کہ ہم شک کے دن حضرت عمار ابن یاسر کے پاس تھے،آپ کی خدمت میں بھنی بکری لائی گئی بعض لوگ پیچھے ہٹ گئے تب آپ نے فرمایا جو

اس دن روزہ رکھے اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔اس قسم کی موقوف حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں ایک بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بولا کہ میں نے چاند دیکھا ہے یعنی رمضان کا چاند [1] حضور نے فرمایا کیاتو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں بولاہاں فرمایا کیا یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بولا ہاں [2] فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں [3] (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)	

[1] یعنی اس نے نہ تو اپنے ساتھ کوئی اور گواہ پیش کیا اور نہ گواہی کے الفاظ ادا کئے۔اس سے معلوم ہوا کہ اس چاند میں خبر کافی ہوتی ہے۔

[2] اس زمانے میں چونکہ اسلام میں فرقے نہ بنے تھے صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لیے کافی تھا،نیز کلمہ طیبہ پڑھنا تمام عقائد اسلامیہ مان لینے کی دلیل تھااس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ دو اقرار کرائے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ رمضان کے چاند میں مسلمان کی خبر معتبر ہے نہ کہ کافر کی۔دوسرے یہ کہ کسی بات کے جواب میں ہاں کہہ دینا یہ بھی اقرار ہوتا ہے،اس سے اقرار نکاح طلاق کے بہت سے مسائل مستنبط ہوں گے،مثلًا کسی نے پوچھا کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اس نے کہا ہاں طلاق ہوگئی وغیرہ۔البتہ حدود قصاص میں اقرار کے صریح الفاظ بولنے ضروری ہیں وہاں فقط ہاں کافی نہیں کیونکہ یہ چیزیں شبہات سے ختم ہوجاتی ہیں۔فقیر نے حدیث کی جو شرح عرض کی اس سے معلوم ہوگیا کہ اب مرزائیوں وغیرہ مرتدین کا فقط کلمہ پڑھ لینا اسلام کے لیے کافی نہیں خود زمانہ نبوی میں(صلی اللہ علیہ وسلم)منافقوں کا کلمہ پڑھنا ان کے اسلام کے لیے کافی نہ تھالہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے"وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ"اور نہ ان احادیث کے مخالف جن میں فرمایا گیا کہ آئندہ زمانے میں لوگ قرآن اور نمازیں پڑھیں گے مگر اسلام سے دور ہوں گے۔

[3] فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر انتیسویں شعبان کو مطلع صاف نہ ہوتو ایک عادل مسلمان کی خبر سے رمضان کے چاند کا ثبوت ہوجائے گا،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوا کہ سارے صحابہ عادل ہیں کیونکہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلمہ کا اقرار کراکر اعمال کی تحقیق نہ فرمائی،نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے کی نیت دن میں بھی ہوسکتی ہے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردی کہ میں نے چاند دیکھ لیا حضور نے	

	خود روزہ رکھا اور لوگوں کو روزے کا حکم دیا ۱؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎ یعنی انتیسویں شعبان کو مطلع صاف نہ تھا،لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی کسی کو نظر نہ آیا،صرف میری خبر پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا حکم دے دیا۔خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں رمضان کے چاند میں جب کہ مطلع صاف نہ ہو دو شخصوں کی گواہی ضروری ہے مگر یہ احادیث ان کے اس فرمان کے خلاف ہیں اس لیے اکثر شوافع اس حدیث پر فتویٰ دے کر صرف ایک مسلمان کی خبر معتبر مانتے ہیں،ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صرف ایک عادل کی خبر کافی ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو بڑی جماعت کی گواہی سے چاند کا ثبوت ہوگا عید کے چاند میں اگر مطلع صاف نہ ہو تو دو کی گواہی ضروری ہے اور اگر صاف ہو تو بڑی جماعت کی گواہی درکار ہے کیونکہ رمضان کے چاند پر صرف شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں جن میں ایک کی خبر کافی ہوگی ہے مگر عید کے چاند سے بندوں کے حقوق وابستہ ہیں لہذا یہاں دو کی گواہی ضروری ہوئی۔ بڑی جماعت میں اختلاف ہے امام ابویوسف کے ہاں پچاس آدمی بڑی جماعت ہیں،بعض کے ہاں تعداد مقرر نہیں،اتنے لوگوں کی گواہی ضروری ہے جن سے چاند کا گمان غالب ہوجائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان کی اتنی نگرانی فرماتے تھے جتنی دوسرے مہینہ کی نہ کرتے تھے ۱؎ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے تھے پھر اگر مشتبہ ہوجاتا ۲؎ تو تیس دن پورے کرتے پھر روزہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ شعبان کا چاند بہت اہتمام سے دیکھتے تھے،پھر اس کے دن کی شمار رکھتے تھے کیونکہ اس پر ماہ رمضان کا دارومدار ہے،بقرعید کے چاند پر بھی اگرچہ حج وغیرہ کا دارومدار ہے مگر حج ہر سال ہر شخص نہیں کرتا اور نماز بقرعید و قربانی چاند سے دس دن بعد ہوتی ہے جس میں چاند کا پتہ لگ جاتا ہے،رمضان میں چاند ہوتے ہی ہر شخص روزے رکھتا ہے لہذا اس کے چاند کا اہتمام زیادہ چاہیے۔

۲؎ یعنی اگر رمضان کا چاند خود بھی نہ ملاحظہ فرماتے اور نہ شرعی ثبوت پاتے تو تیس دن شعبان کے پورے فرماتے۔

	روایت ہے حضرت ابوالبختری سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم عمرہ کے لیے روانہ ہوئے جب بطن نخلہ میں اترے ۲؎ تو ہم چاند دیکھنے جمع ہوئے ۳؎ بعض قوم نے کہا کہ یہ تیسری رات کا ہے اور بعض نے کہا دوسری رات کا ہے ۴؎ پھر حضرت ابن عباس سے ملے ہم نے عرض کیا

	کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو بعض نے کہاہے تیسری رات کا ہے اور بعض نے کہا دوسری رات کا ہے تو آپ نے فرمایا تم نے کس رات دیکھا ۵؎ ہم نے عرض کیا فلاں رات ۶؎ تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت دیکھنے تک کی رکھی لہذا وہ اسی رات کا ہے جب تم نے دیکھا ۷؎ انہی سے ایک روایت ہے کہ ہم نے رمضان کا چاند دیکھا جب ہم ذات عرق میں تھے ۸؎ تو ہم نے حضرت ابن عباس کے پاس ایک شخص مسئلہ پوچھنے بھیجا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے چاند کی مدت دیکھنے تک رکھی تو اگر تم پر مشتبہ ہوجائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو ۹؎ (مسلم)

۱؎ ان کا نام سعید ابن فیروز ہے،تابعین میں سے ہیں،کوفی ہیں،آدمی ٹھیک تھے،مائل بہ رفض تھے،ان کی سمعی حدیثیں مقبول ہیں دوسری نہیں۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ بطن نخلہ مکہ معظّمہ سے مشرق کی جانب طائف کے راستہ پر واقع ہے مشہور منزل ہے،اب اسے **مضیق** کہتے ہیں۔

۳؎ کہ میدان میں جمع ہوکر ایک دوسرے کو دکھانے لگے کہ وہ ہے چاند۔خیال رہے کہ چاند کی طرف اشارہ کرنا دکھانے کے لیے جائز ہے بلاضرورت مکروہ کہ فعل کفار ہے۔(مرقات وشامی)

۴؎ یعنی چاند اونچا اور بڑا تھا اس لیے بعض نے کہا دوسری شب کا ہے،بعض نے کہا تیسری شب کا ہے یعنی کسی نے کہا کل ہوچکا ہے،کسی نے کہا پرسوں ہوچکا ہے یہ چاند رمضان کا تھا یہ حضرات شعبان کے آخر میں عمرہ کرنے گئے تھے۔

۵؎ یعنی مجھے اپنا اندازہ نہ بتاؤ اپنی رؤیت کی خبردو کہ تم میں سے کس نے اس سے پہلے کب دیکھا تھا،کل یا پرسوں۔

۶؎ یعنی حضرت ابن عباس کے فرمانے پر اب ہم نے دیکھنے کی رات بتائی کہ مثلًا کل دیکھا تھا۔

۷؎ یعنی چاند میں چھوٹا بڑا ہونے یا اونچا ہونے کا اعتبار نہیں دیکھنے کا اعتبار ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت و نصیحت پکڑیں کہ صرف جنتری یا اخبار میں لکھی ہوئی تاریخ دیکھ کر یا چاند کی بڑائی دیکھ کر جھگڑتے ہیں۔

۸؎ ذات عرق عراق والوں کا میقات ہے جہاں یہ لوگ احرام باندھتے ہیں طائف کے راستہ پر واقع ہے،اب اس کا نام سہل ہے،لاری بسوں کا مشہور اڈہ ہے،فقیر وہاں سے گزرا ہے۔عراق سے مکہ معظّمہ جاتے ہوئے بھی اور مکہ معظّمہ سے طائف آتے جاتے بھی بڑے عمرہ کا احرام یہاں سے ہی باندھا جاتا ہے،یہاں کا پانی بہت لذیذ اور ہاضم ہے۔

۹؎ حضرت عبداللہ ابن عباس کا قیام طائف میں تھا،وہاں ہی آپ کا مزار پرانوار ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔غالبًا ان حضرات نے طائف پہنچ کر ان سے یہ مسئلہ پوچھا ہوگا۔جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی مدت رمضان کا چاند دیکھنے تک ہے حساب وغیرہ کا اعتبار نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں لیلۃً فرمانے سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگر دن میں زوال کے بعد

رمضان یا عید کا چاند نظر آجائے مگر بعد غروب آفتاب نظر نہ آئے تو اس دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں آفتاب ڈوبنے کے بعد رؤیت کا اعتبار ہے۔واللہ اعلم!

باب

باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ اس باب میں روزے کے متعلق مختلف احادیث لائیں گےاس لیے اس باب کا کوئی ترجمہ مقرر نہ فرمایا،بعض نسخوں میں باب السحور وغیرہ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ باب بغیر ترجمہ کے ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سحری کھاؤ۱؎ کہ سحری میں برکت ہے۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی کیونکہ روزہ کے لیے سحری مستحبہ ہےواجب یا فرض نہیں۔صبح سے پہلے کے وقت کو سحر کہتے ہیں اور اس وقت کھانے یا پینے کو سحری یعنی آخر رات کی غذا،سحری کا وقت آدھی رات سے شروع ہوجاتا ہے مگر سنت یہ ہے کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں کھائی جائے۔

۲؎ سحور سین کے پیش سے بھی ہے اور زبر سے بھی مگر زبر سے زیادہ فصیح ہے،بعض نے فرمایا کہ سحور سین کے پیش سے سحری کھانا،اور سین کے زبر سے اس وقت کی غذا۔(مرقات واشعہ)سحری کا کھانا مبارک ہےاور اس کھانے کے استعمال میں برکت ہےکیونکہ یہ سنت ہے اور سنت مبارکہ ہے،نیز اس کھانے سے روزے میں مدد ملتی ہے،نیز اس کھانے کی وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں وکفار کے روزوں میں فرق ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ علماء سے روشنائی،دوپہری میں قدرے آرام کرنا،روزوں میں سحری کھانا سب مبارک ہیں کہ ان کا تعلق عبادات سے ہے جب عبادت کے تعلق سے عادت مبارک بن جاتی ہےتو دنیا دین ہوجاتی ہےتو حضرات انبیاء واولیاء سے جس چیز کو نسبت ہوجائے وہ بھی یقینًا مبارک ہو جاتی ہے،دیکھو شب قدر مبارک،ماہ رمضان مبارک ہےکیونکہ انہیں عبادتوں سے تعلق ہے،عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا تھا:"وَّجَعَلَنِیۡ مُبَارَکًا"مجھے اللہ نے مبارک بنایا یہ حضرات بذات خود مبارک ہیں اور ان کیطرف منسوب چیزیں ان کی وجہ سے مبارک۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کے چند لقمے ہیں۱؎(مسلم)	

۱؎ اکلہ الف کے پیش اور کاف کے جزم سے،بمعنی لقمے یا نوالے اور الف کے زبر سے بمعنی کھانا یعنی سحری کے نوالے یا سحری کھانا مسلمان اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق کا باعث ہیں کیونکہ ان کے ہاں رات کو سونے کے بعد کھانا

حرام ہوجاتا ہے،اسلام میں بھی پہلے یہی حکم تھا اب پو پھٹنے تک کھانا پینا حلال کردیا گیا،سحری کھانے میں اللہ کی دعوت کا قبول کرنا ہے اور اس کی اس نعمت کا شکریہ۔**اُکْلَه** فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ سحری تھوڑی کھانا بہتر ہے اتنی زیادہ کہ دوپہر تک کھٹی ڈکاریں آئیں بہتر نہیں۔

روایت ہے حضرت سہل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار جلدی کرتے رہیں گے ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎ افطار جلدی کرنے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ افطار نماز مغرب سے پہلے کیا جائے،نماز پہلے پڑھ لینا بعد میں افطار کرنا اس حدیث کے خلاف ہے۔(مرقات)دوسرے یہ کہ آفتاب ڈوبنے کا یقین ہوجانے پر افطار کرلیا جائے پھر دیر نہ لگائی جائے۔خیال رہے کہ افطار کے وقت بھی تین ہیں:وقت مستحب،وقت مباح اور وقت مکروہ۔وقت مستحب تو وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ سورج کا آخری کنارہ چھپتے ہی روزہ افطار کیا جائے۔وقت مباح تارے گتھنے سے کچھ پہلے تک دیر لگانا اور تارے گھتے جانے پر افطار کرنا مکروہ۔اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہودی روزہ افطارتے ہیں،اس میں ان سے مشابہت ہے اور جلدی افطارنے میں اپنے عجز بندگی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی دی ہوئی اجازت کا جلدی قبول کرنا بھی۔(مرقاۃ)اسی مرقات میں ہے کہ بعض علماء نے فرمایا نفس پر مشقت ڈالنے اور مغرب و عشاء کو ملانے کے لیے دیر سے افطار کرنا بہتر ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ سنت رسول اللہ سیدھا راستہ ہے اور اس کی مخالفت گمراہی ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرتے تھے،نفس کشی کے لیے سنت کی مخالفت نہ کرو کہ یہ نفس کشی نہیں بلکہ رہبانیت ہے،ہماری نفس کشی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے اور اللہ کی دی ہوئی اجازت کا جلدی قبول کرنا بھی۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے ۱اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار افطار کرے ۲(مسلم،بخاری)	

۱؎ پہلے ادھر سے سمت مغرب مراد ہے اور دوسرے ادھر سے سمت مشرق مراد،چونکہ مغرب کی طرف سیاہی پہلے نمودار ہوتی ہے اور سورج کا آخری کنارہ پیچھے ڈوبتا ہے اس لیے اس سید الفصحاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے رات کے آنے کا ذکر پہلے فرمایا،دن کے جانے سے مراد سورج کا آخری کنارہ ڈوب جانا ہے نہ کہ سرخی غائب ہوجانا کیونکہ سرخی غائب ہونے پر تو صاحبین کے ہاں وقت عشاء آجاتا ہے اسی لیے اگلا جملہ ارشاد ہورہا ہے۔

۲؎ اس جملہ نے دن جانے کی شرح فرمادی یعنی سورج چھپتے ہی روزہ افطاروا ب نفس کشی کے بہانے یا وہمیات کی اتباع نہ کرو،اب خواہ مخواہ دن ہونے کا شبہ کرنا شک نہیں بلکہ وہم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے میں وصال کرنے سے منع	

فرمایا ۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ تو وصال کرتے ہیں ۲؎ فرمایا تم میں مجھ جیسا کون ہے ۳؎ میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ روزہ کا وصال یہ ہے کہ شب کو بغیر افطار کئے،بغیر کچھ کھائے پیئے دوسرا روزہ رکھ لیا جائے۔حق یہ ہے کہ یہ وصال ہمارے لیے مکروہ تحریمی ہے اور یہاں ممانعت حرمت کی ہےاس ممانعت میں صدہا حکمتیں ہیں:وصال سے جسم بہت کمزور ہوجاتا ہے،وصال سے دوسری عبادتیں بھاری پڑ جاتی ہیں،وصال میں جوگیوں،سادھوؤں کی مشابہت ہے وصال ساری امت کے لیے ناجائز ہے خواہ اولیاء ہو یا دیگر طبقہ کے لوگ۔

۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک دن کا نہیں بلکہ متواتر کئی کئی روز کا وصال فرماتے تھے کہ مسلسل روزے پر روزے رکھتے تھےاس لیے سائل کو شبہ ہوا کہ وصال تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیے منع کیوں ہے۔

۳؎ یہ استفہام انکاری ہےاور اَیُّکُم میں صحابہ اور تمام انسانوں سے خطاب ہے یعنی تم میں مجھ جیسا کوئی نہیں،جب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ ہوسکے اور کسی کا کیا منہ ہے جوان سے ہمسری کا دعوے کرے،ہمارا عقیدہ تو یہ ہے۔شعر

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم　　زاں کہ نسبت بسگ کوئے تو شدبے ادبی است

رب تعالٰی کے فرمان:"قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ"میں خالص بشریت میں تشبیہ ہے جس میں الوہیت کا خلط نہ ہو یعنی میں تمہاری طرح خالص بشر ہوں نہ خدا نہ خدا کا ساجھی،پھر میری بشریت سے نبوت کا خلط ہوا جسے یُوۡحٰۤی اِلَیَّ نے بیان کیا لہذا یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے خلاف نہیں،تمام جہان کے اولیاء ایک صحابی کی مثل نہیں ہوسکتے جس نے ایمانی نگاہ سے ان کا چہرہ ایک آن دیکھا ان کی ذات تو بہت اعلٰی ہے۔

۴؎ علماء نے اس کھلانے پلانے کی بہت توجیہیں کی ہیں:بعض نے کہا کہ اس سے قوت برداشت مراد ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے روحانی غذائیں مراد ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے معنوی فیضان اور مناجات کی لذتیں مراد ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے بھوک پیاس کا نہ ہونا مراد ہے وغیرہ مگر حضرت عشق کا فتوی یہ ہے کہ حدیث اپنے بالکل ظاہری معنے پر ہےاور اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی کی تین نعمتوں کا ذکر فرمایا:ایک یہ کہ تم سب اپنے بچوں بیوی کے پاس رات گزارتے ہو اور میں اپنے رب کے پاس۔ شعر

فرشی و براوج عرش منزل　　امی و کتاب خانہ در دل

امی و دقیقہ دان عالم　　بے سایہ و سائبان عالم

دوسرے یہ کہ میں رب تعالٰی کے پاس رہ کر خود نہیں کھاتا پیتا بلکہ مجھے رب تعالٰی کھلاتا پلاتا ہے کھلانے والا اس کا دست کرم کھانا والا میں۔تیسرے یہ کہ رب تعالٰی مجھے وہ روزی کھلاتا پلاتا ہےجس سے نہ روزہ ٹوٹے نہ روزوں کا تسلسل جائے یعنی جنت کے میوے اور سلسبیل تسنیم وغیرہ کے شربت۔اس جملہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱)ایک یہ کہ کوئی

شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور انور کی مثل نہیں ہوسکتا جب انسان کو ناطق کی قید نے تمام حیوانیات سے ذاتی امتیاز دے دیا تو نبوت اور وحی کی صفتوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں سے ذاتی ممتاز کردیا۔(۲)دوسرے یہ کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیت عبادت کھانا پینا چھوڑیں تو خواہ ہفتوں نہ کھائیں ضعف و کمزوری بالکل طاری نہ ہوگی اور اگر بطور عادت کھانا ملاحظہ نہ کریں تو ضعف بھی نمودار ہوگا اور شکم پاک پر پتھر بھی باندھے جائیں گے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی،عبادت میں نورانیت کا ظہور ہے اور عادت میں بشریت کی جلوہ گری لہذا یہ حدیث حضرت جابر کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت کھانا نہ کھانے پر دو پتھر پیٹ سے باندھے۔(۳)تیسرے یہ کہ جنتی میوے کھانے اور وہاں کا پانی پینے سے روزہ نہیں جاتا جیسے رب تعالٰی سے کلام کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے سے نماز نہیں جاتی۔بعض اولیاء خواب میں کھا پی لیتے ہیں کہ کھانے کی خوشبو بیداری کے بعد ان کے منہ میں پائی جاتی ہے مگر ان کا روزہ قائم رہتا ہے،دیکھو احتلام سے ہمارا روزہ نہیں جاتا۔(۴)چوتھے یہ کہ بعض بندوں کو اسی زندگی میں جنتی میوے ملتے ہیں،حضرت مریم علیہا السلام کا جنتی میوے کھانا قرآن پاک سے ثابت ہے۔(۵)پانچویں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام ہمارے لیے سنت نہیں بلکہ وہ کام سنت ہے جو ہمارے لیے لائق عمل ہو خصوصیات مصطفوی ہمارے لیے سنت نہیں۔روزۂ وصال،نو بیویاں نکاح میں جمع فرمانا ہمارے لیے نہ سنت ہیں نہ لائق عمل سنت و حدیث میں یہی فرق ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو فجر سے پہلے روزہ کا ارادہ(نیت)نہ کرے اس کے روزے نہیں ہوتے۱(ترمذی ابوداؤد نسائی،دارمی)ابوداؤد نے فرمایا کہ اسے معمر زبیدی ابن عیینہ اور یونس ایلی نے حضرت حفصہ پر موقوف کیا یہ تمام حضرات زہری سے راوی ہیں۱	

۱ یعنی روزے کی نیت رات سے کرنا چاہیئے صبح صادق سے پہلے تاکہ دن کا ہر حصہ روزے کی نیت سے گزارے۔یہاں اس سے مراد وہ روزہ ہے جو فرض ہو مگر مقرر نہ ہو جیسے رمضان کی قضایا مطلق نذر کا روزہ نفلی روزہ اور معین فرض روزے کی نیت دن میں ضحوۂ کبرے سے پہلے ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس صبح کو تشریف لاتے تو فرماتے کچھ کھانے کو ہے میں عرض کرتی کچھ نہیں تو فرماتے اچھا تو ہمارا روزہ ہے،نیز روایات میں ہے کہ ایک بار صبح کو رمضان کا چاند ہوجانے کی خبر ملی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ابھی تک کچھ نہ کھایا پیا ہو وہ روزہ رکھ لے۔فقیر کی اس شرح پر یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ وہاں نفلی روزہ ہے یا فرضی معین روزہ اور یہاں فرضی غیر معین روزہ مراد ہے۔

۲؎ اس حدیث کے متعلق ترمذی نے فرمایا کہ نافع نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا نسائی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے،دارقطنی نے اسے مرفوعًا نقل کیا،امام نووی نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے بہت ہی اسنادوں سے مروی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اپنی ضرورت پوری کئے بغیر اسے نہ رکھے۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی بوقت افطار اذان مغرب ہوتی رہے تم روزہ افطار تے رہو افطار سے فارغ ہوکر نماز کو آؤ اذان سن کر افطار کا کھانا پینا نہ چھوڑ دو یا سحری کے وقت اگر اذان فجر ہوجائے اور تمہیں غالب گمان ہو کہ ابھی پو نہیں پھٹی ہے مؤذن نے غلطی سے اذان کہہ دی ہے تو سحری کھاتے پیتے رہو۔(مرقات،اشعۃ اللمعات،لمعات)لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے اس پر یہ لازم نہیں آتا کہ فجر کی اذان کے وقت سحری کھاتے رہو۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرے بندوں میں مجھے بہت پیارے وہ ہیں جو افطار میں جلدی کریں ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی یہود و نصاری یا روافض سے بہتر مسلمان اہل سنت ہیں کہ وہ لوگ روزہ دیر سے کھولتے ہیں اور سنی مسلمان جلد افطار لیتے ہیں سورج ڈوب چکنے کے بعد دیر نہیں لگاتے کیونکہ جلدی افطار سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور جلدی افطار میں رب تعالٰی کی رحمت کی طرف جلد ی کرنا ہے اپنی حاجت مندی کا اظہار ہے۔(ترمذی)

روایت ہے حضرت سلیمان ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرنے لگے تو چھوارے پر افطارے کہ یہ برکت ہے۱؎ پھر اگر چھوارہ نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کہ یہ پاک کرنے والا ہے۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)اور انہ برکۃ کا لفظ ترمذی کے سواء کسی نے روایت نہ کیا۔(اپنی دوسری روایت میں)	

۱؎ چھوارے سے روزہ افطارنا چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے صحابہ کرام کی سنت ہے،نیز خالی پیٹ میٹھی چیز کھانا تندرستی خصوصًا نظر کے لیے بہت مفید ہےاس لیے یہ عمل دینی و دنیاوی برکتوں کا ذریعہ ہے کھجور محبوب بندوں کی غذا ہے۔

۲؎ یعنی پانی جیسے جسم کو پاک کرنے والا ہے ایسے ہی دل و دماغ کو بھی پاک و صاف کرنے والا ہے،نیز پانی میں حرام ہونے کا احتمال بہت کم ہوتا ہے کہ کنوئیں کا پانی جنگل کا شکار اصل میں مباح ہے دوسری چیزوں میں احتمال ہے کہ حرام کمائی سے حاصل کی گئی ہوں روزہ حلال سے افطار کرنا بہتر ہے یہ امر استحبابی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے چند تر کھجوروں پر روزہ افطار تے تھے ۱؎ اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک چھواروں پر ۲؎ اگر چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے ۳؎ (ترمذی، ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ اس سے دو مسئلے ہوئے:ایک یہ کہ روزہ دار افطار پہلے کرے نماز مغرب کے بعد افطار کرنا سنت کے خلاف ہے۔دوسرے یہ کہ چند کھجوریں افطار کے وقت کھانا مسنون ہے تین یا پانچ،بعض روایات میں تین خرمے کاذکر ہے۔مرقات نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہما کبھی بعد نماز مغرب افطار کرتے تھے یا تو بیان جواز کے لیے تاکہ لوگ نماز سے پہلے افطار کو فرض نہ سمجھ لیں یا اس لیے کہ اتفاقًا اس وقت افطارنے کے لیے کچھ موجود نہ ہوتا۔بہرحال نماز سے پہلے افطار سنت ہے اور نماز کے بعد افطار جائز مگر خلاف سنت،ہاں اگر کچھ موجود نہ ہو تو بعد نماز افطار کرلے یا حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں افطار سے مراد کھانا تناول کرنا ہے یعنی افطار تو نماز سے پہلے کرلیتے تھے اور کھانا بعد نماز کھاتے تھے،بہرحال حدیث واجب التاویل ہے۔

۲؎ اس ترتیب سے پتہ لگا کہ تر کھجور پر روزہ افطارنا بہت اچھا ہے،پھر اگر یہ نہ ملیں تو خشک چھواروں پر افطار کرنا،ہمارے رمضان شریف میں کثرت سے بازار میں کھجوریں آجاتی ہیں اور عام طور پر لوگ خریدتے ہیں، مسجدوں میں بھیجتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۳؎ غرضکہ روٹی چاول یا کسی پرتکلف چیز پر روزہ افطار نہ فرماتے تھے،پنجاب میں بعض روزہ داروں کو دیکھا گیاکہ سگریٹ سے روزہ افطارتے ہیں،**نعوذباللہ** روزہ دار کے منہ میں پہلے پاکیزہ چیز جانی چاہئیے سگریٹ گندی بدبو دار چیز بھی ہے اور اس سے روزہ افطارنا مضر صحت بھی ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ آگ سے پکی چیز سے روزہ نہ افطارے بلکہ گرمی میں پانی سے سردی میں کھجور سے افطارے،جب آگ کی پکی چیز سے روزہ نہ افطارنا چاہئیے تو خود آگ سے روزہ افطارنا کتنا برا ہو گا،بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ والے ہمیشہ آبِ زمزم سے روزہ افطاریں یہ غلط ہے سنت کے خلاف ہے،سنت ہے کھجوریا چھوارے سے افطارنا اگر یہ نہ لیں تو پانی سے افطارنا۔

روایت ہے حضرت زید بن خالد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو روزے دار کو افطار کرائے یا غازی کو سامان دے تو اسے ان ہی کی طرح ثواب ہے ۱؎ (بیہقی شعب الایمان) محی السنہ نے شرح سنہ	

	میں اسے روایت کیا اور فرمایا صحیح ہے۔[2]

[1] اس لیے کہ روزہ دار کو افطار کرانے یا غازی کو سامان دینے میں نیکی پر مدد کرنا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى"۔چونکہ روزہ دار نفس و شیطان سے جہاد کرتا ہے اس لیے اسے غازی کے ساتھ ذکر فرمایا۔خیال رہے کہ روزہ افطار کرانے سے ثواب روزہ مل جائے گا مگر اس سے روزہ ادا نہ ہوگا وہ تو رکھنے سے ہی ادا ہوگا،ثواب مل جانا اور ہے فرض ادا ہونا کچھ اور۔

[2] یہ حدیث ترمذی،ابن ماجہ،نسائی،ابن حبان وغیرہم محدثین نے نقل فرمائی،ترمذی نے اسے حسن صحیح فرمایا،شاید حضرت مصنف قدس سرہ ان اسنادوں پر مطلع نہ ہوئے اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطارتے تو فرماتے پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوئیں اور ان شاءاللہ ثواب ثابت ہوگیا [1](ابوداؤد)

[1] اس میں رب تعالٰی کا انتہائی شکر ہے کہ پیاس اور رگوں کی خشکی ایک عارضی چیزیں تھیں جو افطار کرتے ہی دور ہوگئیں مگر اس عارضی تکلیف پر جو رب تعالٰی نے ثواب عطا فرمایا وہ عظیم الشان ہے اور دائمی ہے۔ان شاءاللہ یا محض برکت کے لیے فرمایا گیا یا ہماری تعلیم کے لیے کہ ہم کو روزہ مقبول یا مردود ہونے کی خبر نہیں،اگر رب تعالٰی نے قبول فرمالیا ہو تو پھر اجر ہی اجر ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اِنَّ بمعنی اِذْ اور اس کا تعلق گزشتہ تینوں چیزوں سے ہے مگر پہلی توجیہ قوی بھی ہے اور موقعہ کے مناسب بھی۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن زہرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطارتے تو فرماتے الٰہی میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا [1](ابوداؤد مرسلًا)

[1] افطار کے وقت یہ دعا مانگنا سنت ہے،مرقات نے فرمایا کہ اگر یہ بھی کہہ لے وَبِكَ اٰمَنْتُ اگرچہ اس کلمہ کی کوئی اصل تو نہیں مگر درست ہے،بعض لوگ آخر میں یہ بھی کہہ لیتے ہیں"وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ"یہ کل کے روزے کی نیت ہے اور زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا بدعت حسنہ ہے،بعض لوگ افطار کے وقت یوں کہتے ہیں"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِرِزْقِكَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْلِىْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ"اس میں بھی حرج نہیں۔غرضکہ دعائیہ کلمات میں زیادتی جائز ہے،بعض لوگ اَلتَّحِيَّاتُ میں درود ابراہیمی میں لفظ مُحَمَّدٍ سے پہلے سَيِّدِنَا بڑھادیتے ہیں،بعض حجاج تلبیہ میں یہ زیادتی کردیتے ہیں"اِنَّ عَبْدَكَ وَابْنَ عَبْدَيْكَ وَاقِفٌ بَيْنَ يَدَيْكَ حَالُهٗ لَا يَخْفٰى

عَلَيْكَ"وغیرہ اس میں بھی حرج نہیں،ہاں درود وظیفوں کے الفاظ بالکل نہ بدلے جائیں کیونکہ وہ کسی خاص اثر کے لیے ہوتے ہیں اور یہ اثر منقولہ الفاظ سے وابستہ ہے اور دعائیں محض ثواب کے لیے یہاں جتنے الفاظ زیادہ اتنا ثواب زیادہ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کرتے رہیں ۱؎ کیونکہ یہود اور عیسائی دیر سے افطار کرتے ہیں ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی مسلمانوں کا جلدی روزہ افطارتے رہنا دین کے غلبے کا سبب ہے۔معلوم ہوا کہ سنتوں بلکہ مستحبات کی پابندی مسلمانوں کی شوکت اور دین کے ظہورودبدبہ کا باعث ہے،پھر فرائض کا کیا پوچھنا،ہندوستان کے مسلمان اذان اور گائے کی قربانی پر کفار سے لڑتے رہے،کیوں؟غلبۂ اسلام کو قائم رکھنے کے لیے۔خیال رہے کہ یہاں جلدی سے مراد وقت جواز میں جلدی ہےجب سورج ڈوب جائے پھر دیر نہ لگائے،بلاوجہ دیر لگانا سنت کے خلاف ہے اور اتنی دیر کہ تارے گتھ جائیں مکروہ تحریمی۔

۲؎ یعنی دیر سے افطار کرنے میں اہل کتاب سے مشابہت ہے۔مرقاۃ و اشعہ نے فرمایا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کی درستی سارے کفار کی مخالفت سے وابستہ ہے ان سے مشابہت میں دین کی کمزوری ہے۔ افسوس ان مسلمانوں پر جومحض عیسائیوں کی مشابہت کے لیے داڑھیاں منڈائیں،کھڑے ہو کر پیشاب کریں، ننگے سر پھریں،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ"اور فرماتاہے:"وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ"۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بہت دیر کرکے روزہ افطارنے کودین سمجھتے ہیں،سورج ڈوبتے ہی فورًا روزہ افطارنا چاہیئے اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا:"ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ"۔فِي الَّيْلِ نہ فرمایا یعنی روزے کو رات میں بالکل داخل نہ کرورات آتے ہی روزہ ختم کرو۔

روایت ہے حضرت ابو عطیہ سے فرماتے ہیں میں اور مسروق حضرت عائشہ کے پاس گئے ۱؎ ہم نے عرض کیا اے ام المؤمنین حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو حضرات ہیں ایک تو افطار بھی جلد کرتے ہیں اور نماز بھی جلد پڑھتے ہیں اور دوسرے صاحب افطار بھی دیر سے کرتے ہیں اور نماز بھی دیر	

	سے پڑھتے ہیں ۲؎ فرمانے لگیں کون صاحب نماز و افطار میں جلدی کرتے ہیں ۳؎ ہم نے عرض کیا عبداللہ ابن مسعود بولیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور دوسرے حضرت ابو موسیٰ ہیں ۴؎(مسلم)

۱؎ یہ دونوں حضرات جلیل القدر تابعی ہیں،ان میں نماز مغرب اور افطار روزہ میں اختلا ف ہوا،فیصلہ کے لیے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے کیونکہ آپ بڑی فقیہہ عالمہ تھیں۔

۲؎ نماز سے مراد نماز مغرب ہے اور جلدی سے بہت ہی جلدی آفتاب کا کنارہ چھپتے ہی بالکل متصل اور دیر سے مراد چند منٹ کی احتیاطًا دیر لگانا ہے نہ کہ تارے گتھ جانے تک کی تاخیر لہذا ان میں سے کسی بزرگ پر اعتراض نہیں،ایک صاحب عزیمت پر عامل ہیں دوسرے رخصت پر۔

۳؎ سبحان اللہ! جناب ام المؤمنین کا کیسا حکیمانہ سوال ہے،دیر لگانے والے کا نام نہ پوچھا تاکہ ان پر الزام کا ذکر نہ ہو۔

۴؎ آخری جملہ راوی کا اپنا ہے،حضرت ام المؤمنین نے جناب عبداللہ کے عمل کو سنت مستحبہ کے موافق بتایا اور قدرے تاخیر کو مستحب قرار دیا۔معلوم ہوا کہ جناب ام المؤمنین مزاج شناس رسول ہیں اور احوال دان مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔غالب یہ ہے کہ یہ خبر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو پہنچی ہوگی اور انہوں نے اپنے عمل میں تبدیلی کرلی ہوگی،صحابہ سے یہ توقع ہوسکتی ہی نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے واقف ہوکر اس کے خلاف کام کریں۔

	روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سحری کے لیے بلایا ۱؎ تو فرمایا برکت والے ناشتہ کے لیے آؤ کیونکہ سحری میں برکت ہے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عرباض سحری کے وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے تو فرمایا آؤ سحری کھالو انہیں باقاعدہ دعوت دے کر گھر سے نہ بلایا ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ کھاتے وقت اگر کوئی مسلمان آجائے تو اس پر کھانا پیش کردینا سنت ہے۔

۲؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ سحری کھانا سنت بھی ہے لہذا اس میں اخروی برکت ہے اور اس سے روزے میں مدد بھی ملتی ہے لہذا اس میں دنیوی برکت بھی ہے۔خیال رہے کہ هَلُمَّ اسم فعل ہے ایک کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بہت کے لیے بھی،رب تعالٰی نے سارے مشرکوں سے فرمایا:"هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی اچھی سحری چھوارے ہیں ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ سحری کے وقت کچھ کھانا کھاکر آخر میں کچھ چھوارے بھی کھالے تاکہ روزے کی ابتداء بھی چھواروں سے ہو اور انتہا بھی،سحری کھانا بھی سنت ہے اور چھوہارے کھانا بھی سنت ہے اس صورت میں دو سنتوں کا اجتماع ہوکر ان شاءاللہ روزہ نورٌعلی نور ہوجائیگا،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سحری میں بہت کھانا نہ کھاؤ جو بدہضمی کا باعث ہو چند کھجوری کھا کر پانی پی لو۔

باب تنزیہ الصوم

باب روزے کو پاک و صاف رکھنا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱تنزیہ کے لغوی معنی ہیں دور رکھنا یا الگ کرنا۔اصطلاح شریعت میں تنزیہ صوم یہ ہے کہ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا مکروہ ہوجاتا ہے یا اس کا ثواب کم ہوجاتاہے ان سے روزہ کو الگ رکھنا یعنی روزہ دار کا الگ رہنا تاکہ روزہ ہر نقصان سے پاک وصاف رہے یہ چیز بہت ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جھوٹی باتیں اور برے کام نہ چھوڑے ۱تو اللہ تعالٰی کو اس کے کھانا پانی چھوڑ دینے کی پرواہ نہیں۲(بخاری)

۱ یہاں جھوٹی بات سے مراد ہر ناجائز گفتگو ہے،جھوٹ،بہتان،غیبت،چغلی،تہمت،گالی،لعن طعن وغیرہ جن سے بچنا فرض ہے اور برے کام سے مراد ہر ناجائز کام ہےآنکھ کان کا ہو یا ہاتھ پاؤں وغیرہ کا،چونکہ زبان کے گناہ دیگر اعضاء کے گناہوں سے زیادہ ہیں اس لیے ان کا علیحدہ ذکر فرمایا،یہ حدیث بہت جامع ہے۔دو جملہ میں ساری چیزیں بیان فرمادیں اگرچہ برے کام ہر حالت میں اور ہمیشہ ہی برے ہیں مگر روزے کی حالت میں زیادہ برے کہ ان کے کرنے میں روزے کی بے حرمتی اور ماہ رمضان کی بے ادبی ہے اس لیے خصوصیت سے روزے کا ذکر فرمایا ہر جگہ ایک گناہ کا عذاب ایک مگر مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کا عذاب ایک لاکھ ہے،کیوں؟ اس زمین پاک کی بے ادبی کی وجہ سے۔

۲یہاں حاجت بمعنی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی ضرورتوں سے پاک ہے بلکہ بمعنی توجہ،التفات،پرواہ یعنی اللہ تعالٰی ایسے شخص کا روزہ قبول نہیں فرماتا قبول نہ ہونے سے روزہ گویا فاقہ بن جاتا ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ روزہ شرعًا تو درست ہوجائے گا کہ فرض ادا ہوجائے گا مگر قبول نہ ہوگا شرائط جواز تو صرف نیت ہے اور کھانا پینا،صحبت چھوڑدینا مگر شرائط قبول میں باتیں چھوڑنا ہے جو روزہ کا اصل مقصود ہے۔روزہ کا منشاء نفس کا زور توڑنا ہے جس کا انجام گناہ چھوڑنا ہے جب روزے میں گناہ نہ چھوٹے تو معلوم ہوا نفس نہ مرا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روزہ ہر عضو کا ہونا چاہیئے،صرف حلال چیزوں یعنی کھانے پینے کو نہ چھوڑو بلکہ حرام چیزوں یعنی جھوٹ و غیبت کو بھی چھوڑو،مرقات نے فرمایا کہ ایسے بے باک روزے دار کو اصل روزہ کا ثواب ملے گااور ان چیزوں کا گناہ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوس و کنار کرلیتے

	تھے اور حضور اپنے نفسی حاجت پر سب سے زیادہ مالک(قادر) تھے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ دار اگر اپنے نفس پر پورا قابو رکھتا ہو یا بیماری یا بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے یا تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے بوس و کنار کرسکتا ہےاور جو قابو نہ رکھےوہ ہرگز ہرگز یہ کام نہ کرے،اس لیے ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفسی حاجت پر قادر تھے،حضرت عائشہ کا ایسے واقعات بیان فرمانا مسئلہ شرعی کے بیان کے لیے ہے اسے بے غیرتی کہنا حماقت ہے،رب تعالیٰ فرماتاہے:"**لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ**"۔طبیب لوگ بیماریوں و علاجوں کے بیان میں کھلی کھلی باتیں بیان کرتے ہیں بے غیرتی کے لیے نہیں بلکہ بیان علاج کے لیے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں بحالت جنابت صبح ہوتی تھی ۱؎ احتلام کے بغیر ۲؎ پھر آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ نماز تہجد کے بعد اپنی ازواج مطہرات سے مقاربت فرماتے اور فورًا غسل نہ فرماتے تھے بلکہ نماز فجر کے وقت پوپھٹنے کے بعدکیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد فرض تھی جس کی بہت پابندی فرماتے تھے خصوصًا رمضان شریف میں۔

۲؎ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوسکتاکیونکہ احتلام شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ ابلیس عورت کی شکل میں خواب میں آتا ہےاور یہ حضرات اس کے اثر سے محفوظ ہیں بلکہ جو بیبیاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوتی ہیں انہیں بھی کبھی خواب سے احتلام نہیں ہوتا جیسا کہ ہم **باب الغسل** میں عرض کرچکے ہیں،ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بغیر خواب نیند میں انہیں انزال ہوسکتا ہے یا نہیں یعنی زیادتی منی کے باعث۔حق یہ ہے کہ وہ حضرات اس سے بھی محفوظ ہیں یہاں حضرت ام المؤمنین کا **مِنۡ غَیۡرِ حُلۡمٍ** فرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنابت مقاربت سے ہوتی تھی یہ منشاء نہیں کہ وہاں احتلام کا امکان ہے۔حضرت ام المؤمنین کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخالطت سے ہی جنبی ہوتےتھے نہ کہ احتلام سے کہ وہاں احتلام کا تو امکان ہی نہیں۔(مرقاۃ واشعہ)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ روزے کے بعض حصہ میں جنبی رہنا روزہ کو فاسد نہیں کرتاخواہ روزہ فرض ہو یا نفل،یہ قول صحیح ہے۔حضرت ابوہریرہ پہلے فرمایا کرتے تھے کہ جو جنابت میں سویرا پالے اس کا روزہ نہیں مگر یہ حدیث سن کر رجوع فرماگئے اور بولے کہ حضرت عائشہ و ام سلمہ رضی اللہ عنہما مجھ سے زیادہ جانتی ہیں اس حدیث کی تائید اس آیت سے بھی ہے"**فَالْـٰٔنَ بٰشِرُوۡہُنَّ**"نیز اس آیت سے بھی"**اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ**"کیونکہ

جب رمضان میں رات بھر صحبت کرنے کی اجازت دی گئی تو پوپھٹنے تک صحبت جائز ہوئی اب لامحالہ غسل پو پھٹنے پر ہی ہوگا،نیز اگر روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو روزہ میں کوئی نقصان نہیں،بعض علماء نے فرض و نفلی میں فرق کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام اور بحالت روزہ فصدلی ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محرم بھی تھے اور روزہ دار بھی،اس حال میں پچھنے لگوائے فصدلی جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا بلکہ دونوں واقعہ الگ الگ ہیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرا م بھی فصدلی ہے اور بحالت روزہ بھی۔معلوم ہوا کہ فصد سے نہ احرام خراب ہو نہ روزہ فاسد مگر احرام میں ضروری یہ ہے کہ بال نہ اکھڑے ورنہ کفارہ واجب ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد نہ تو روزہ توڑتی ہے اور نہ اس سے روزہ مکروہ ہوتا ہے،یہ ہی اما اعظم ابوحنیفہ کا فرمان ہے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے فصد کرنے والا اور کرانے والا دونوں کا روزہ باقی رہتاہےٹوٹتا نہیں۔امام احمد کے ہاں حاجم و مجحوم دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر ان پر کفارہ نہیں صرف قضا ہے،یہ حدیث ان کے خلاف ہے ان کی دلیل دوسری حدیث ہے جس کے متعلق اس کی شرح میں ان شاءاللہ عرض کیا جائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بحالت روزہ بھول جائے کھاپی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے ۱؎کہ اسے رب تعالٰی نے کھلایا پلایا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم فرض و نفل تمام روزوں کے لیے ہے کہ ان میں بھول کر کھاپی لینے سے روزہ نہیں جاتا۔بھول یہ ہے کہ روزہ یاد نہ رہے اور کھانا پینا ارادۃً ہو اس میں نہ قضا ہے نہ کفارہ۔خطا یہ ہے کہ روزہ یاد ہو مگر بغیرارادہ پانی حلق سے اتر جائے جیسے کلی یا غرارہ کرتے وقت اس میں قضا ہےکفارہ نہیں۔عمد یہ ہے کہ روزہ بھی یاد ہو کھانا پینا بھی ارادۃً ہو اس میں قضا بھی ہے کفارہ بھی،جماع بھی کھانے پینے کے حکم میں ہے لہذا اگر روزہ دار بھول کر صحبت کرلےتو بھی روزہ نہیں جائے گا،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔**فلیتم** امر سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزہ شروع کردینے سے فرض ہوجاتا ہے اس کا پورا کرنا فرض ہے۔

۲؎یعنی یہ بھول رب تعالٰی کی رحمت ہے،اس نےچاہاکہ میرا بندہ کھا پی بھی لے اوراس کا روزہ بھی ہوجائے۔ خیال رہے کہ ہماری بھول چوک غفلت و کمزوری کی بنا پر ہوتی ہے مگر اس پر معافی دینا رب تعالٰی کی طرف سے ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بھول تو شیطانی اثر سے ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَاۤ اَنۡسٰنِیۡہُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ"پھر اسے رب کی طرف منسوب کیوں فرمایا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا ۱؎ عرض کیا یارسول اللہ میں تو ہلاک ہوگیا ۲؎ فرمایا تجھے کیا ہوا عرض کیا میں نے بحالت روزہ اپنی بیوی سے صحبت کرلی ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو غلام پاتا ہے جسے آزاد کردے ۴؎ بولا نہیں فرمایا تو کیا مسلسل دوماہ کے روزے رکھ سکتا ہے بولا نہیں ۵؎ فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کا کھانا پاتا ہے بولا نہیں ۶؎ فرمایا بیٹھ جا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف فرمایا ۷؎ ہم اسی حال میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنبیل لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں عرق بڑی زنبیل ہوتی ہے ۸؎ فرمایا مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے بولا میں ہوں فرمایا یہ لے اور صدقہ کردے ۹؎ اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں خدا کی قسم مدینہ کے دو گوشوں یعنی دو سنگلاخوں کے بیچ میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی خاندان محتاج نہیں ۱۰؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتی کہ آپ کے دانت مبارک چمک گئے ۱۱؎ فرمایا اپنے گھر والوں کو ہی کھلا ۱۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حاضر ہونے والے صاحب حضرت سلمہ ابن صخر انصاری بیاضی ہیں،بعض نے فرمایا ان کا نام سلیمان انصاری ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔انہوں نے رمضان میں بحالت روزہ دن میں اپنی زوجہ سے صحبت کرلی تھی اس لیے حاضر بارگاہ ہوئے۔

۲؎ اس طرح کہ اسلامی قانون شکنی کرکے سخت سزا کا مستحق ہوچکا اور اپنی بیوی کو اس جرم میں مبتلا کردیا کہ وہ بھی روزہ دار تھیں اس لیے ہلاکت کو صرف اپنی طرف نسبت کیا یہ نہ کہا کہ ہم دونوں ہلاک ہوگئے کہ وہ بے قصور تھیں انہوں نے جبرًا صحبت کی تھی۔

۳؎ بیوی کو مجبور کرکے وہ اس پر نہ راضی تھی نہ اس کے لیے آمادہ تھی۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ماہ رمضان میں بحالت روزہ عمدًا دن میں صحبت کرلینے سے قضاء بھی واجب ہے کفارہ بھی۔دوسرے یہ کہ عمدًا کھا پی لینے سے بھی کفارہ واجب ہے کیونکہ کفارہ کا سبب رمضان میں روزہ توڑنا ہے،روزہ جیسے جماع سے ٹوٹ جاتا ہے ویسے ہی کھانے پینے سے۔تیسرے یہ کہ اگر عورت سے جبرًا صحبت کی ہو تو اس

پر کفارہ نہیں بلکہ مرد پر ہوگا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ میں صرف مرد سے خطاب فرمایا۔چوتھے یہ کہ کفارہ میں ترتیب معتبر ہے کہ اگر غلام آزاد کرسکتا ہے تو یہ کرے اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے اگر یہ ناممکن ہو تو ساٹھ مسکینوں کا کھانا۔دارقطنی میں

.بروایت حضرت ابوہریرہ ہے کہ ایک شخص نے رمضان کے دن میں بحالت روزہ عمدًا کھالیا تھا اسے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا،اسی دارقطنی میں.بروایت سعید ابن المسیب ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے روزہ توڑ دیا ہے اسے بھی کفارہ کا حکم دیا گیا۔بہرحال رمضان میں جس طرح بھی عمدًا روزہ توڑے کفارہ واجب ہے یہ ہی احناف کا قول ہے۔

۵یعنی مجھ میں دو ماہ مسلسل روزہ رکھنے کی طاقت نہیں کہ اپنے نفس کو بیوی سے نہیں روک سکتا جیساکہ دوسری روایت میں وارد ہے۔معلوم ہوا کہ روزے کی طاقت نہ ہونا،بڑھاپے،بیماری،غلبہ شہوت ہر طرح ثابت ہوجاتا ہے۔

۶یعنی میرے پاس اپنے کھانے کو نہیں ہے ساٹھ مسکینوں کو کہاں سے کھلاؤں جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔

۷یعنی انتظار فرمایا کہ کہیں سے کچھ آجائے تو اس کو ادائے کفارہ کے لیے دے دیا جائے۔خیال رہے کہ ایسے فقیر پر کفارہ واجب نہیں صرف توبہ کرے مگر یہاں کا یہ واقعہ خصوصیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

۸یہ کھجوریں صدقہ کی تھیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیرات کرنے کے لیے حاضر کی گئی تھیں۔عرق وہ بڑا ٹوکرہ ہے جس میں تیس صاع کھجوریں آتی ہیں۔کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو فی مسکین آدھا صاع کھجوریں دی جاتی ہیں لہذا یہ کھجوریں اس کے کفارے کے لیے کافی تھیں،بعض نے فرمایا کہ اس زنبیل میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں ہر مسکین کو چوتھائی صاع یعنی مد کھجوریں دی جائیں۔

۹یعنی اس صدقہ کا پہلے تو مالک بن جا پھر مالک ہوکر اپنی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو خیرات کردے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ شرعی حیلے درست ہیں کہ کسی فقیر کو زکوۃ کا مالک بنادیا پھر وہ زکوۃ اس سے دوسری جگہ خیرات کرادی،سید کو دلوادی یا مسجد میں خرچ کرادی۔حیلے کی مکمل بحث ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے جہاں آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے اس کا ثبوت دیا گیا۔

۱۰یعنی کفارہ فقیروں کو دینا چاہیے مگر مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ فقیرو حاجت مند ہم ہی ہیں۔مطلب یہ تھا کہ اجازت ہو تو اسے میں اور میرے بال بچے ہی کھالیں،طلب کے لیے بھی منہ چاہیئے کس ڈھنگ سے داتا سے مانگا۔

۱۱یعنی مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک میں سے کیلیاں ظاہر ہوگئیں۔

۱۲یعنی اپنا یہ کفارہ تو خود بھی کھالے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلا دے تیرا کفارہ ادا ہوجائے گا۔یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار خداداد کہ مجرم کے لیے اس کا کفارہ اس کے لیے انعام بنادیا ورنہ کوئی شخص اپنا کفارہ اپنی زکوۃ نہ تو خود کھاسکتا ہے نہ اس کے بیوی بچے مگر یہاں اس کا اپنا ہی کفارہ ہے اور اپنے آپ ہی کھارہا ہے۔یہاں بعض لوگوں نے بڑے غوطے کھائے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کفارہ نہ تھا کیونکہ وہ فقیر تھا اور ایسے فقیر پر مالی کفارہ واجب نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ابھی تو یہ کھالے جب کبھی تیرے پاس مال آئے تو کفارہ ادا کردینا مگر یہ غلط ہے چند وجہوں سے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا فَتَصَدَّقْ بِهٖ اس کا صدقہ دے دے پھر یہ

کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کفارہ نہ تھا،اگر فقیر کو بقدر کفارہ مال دے دیا جائے تو وہ کفارہ ضرور دے یہاں ایسا ہی ہوا۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ نہ فرمایا کہ آئندہ تو کفارہ دے دینا،تم یہ کہاں سے کہتے ہو یہ قید اپنی طرف سے ہے حدیث میں نہیں۔تیسرے یہ کہ روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف تجھے ہی کافی ہے دوسرے کو کافی نہ ہوگا۔(ہدایہ)اگر آئندہ کفارہ دلوانا ہوتا تو اس خصوصیت کے کیا معنے۔چوتھے یہ کہ دارقطنی میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ نے تیرا کفارہ ادا کردیا،پھرآئندہ کفارہ دینے کے کیا معنے۔ پانچویں یہ کہ امام زہری وغیرہ محدثین نے اسے اس شخص کی خصوصیات سے مانا،دیکھو مرقات و اشعۃ اللمعات وغیرہ۔غرضکہ یہ تاویل بہت رکیک ہے حق وہ ہی ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد اختیارات میں سے ہے۔اس اختیار کی پوری بحث ہماری کتاب"سلطنت مصطفٰی"میں ملاحظہ فرمایئے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ انہیں چومتے اور ان کی زبان شریف چوستے تھے ۱(ابوداؤد)۲	

۱ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ ماہ رمضان میں واقع ہوتا تھا جب کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی روزہ دار ہوتی تھیں اس لیے معلوم ہوا کہ روزہ دار اگر اپنے نفس پر قادر ہو تو اپنی بیوی کا بوسہ بھی لے سکتا ہےاور اس کی زبان بھی چوس سکتا ہے بشرطیکہ ایک دوسرے کا تھوک دوسرے کے منہ میں نہ جاوے،اگر جائے تو نگلے نہ بلکہ تھوک دے،یہ مسئلہ بتانے کے لیے حضرت ام المؤمنین یہ واقعہ بیان فرمارہی ہیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ طبیب بیان علاج میں بڑی بڑی خفیہ باتیں بیان کردیتے ہیں اس بیان میں شرم نہیں کرتے اگر شرم کریں تو علاج کیسے ہو،اسی طرح یہ حضرات مسئلہ شرعی بیان کرنے کے لیے بلاحجاب خفیہ باتیں بیان فرمادیتے ہیں اگر شرم کریں تو دینی مسائل کیونکر واضح ہوں اور لوگوں کو ہدایت کیسے ملے۔

۲ مرقاۃ،اشعۃ اللمعات وغیرہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی اسناد میں سعد ابن اوس بصری اور محمد ابن دینار ہیں،سعد ابن اوس تو ضعیف ہیں اور زبان چوسنے کی روایت سوائے محمد ابن دینار کے کسی نے نہ کی اور محمد ابن دینار بھی ضعیف ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ دار کے بوس و کنار کے متعلق پوچھا آپ نے اسے اجازت دے دی ۱ خدمت عالی میں دوسرا حاضر ہوا اور یہ ہی پوچھا تو اسے منع فرمادیا جس کو اجازت دی تھی وہ بڈھا تھا اور جسے منع کیا وہ	

	جوان تھا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تجھ جیسے روزہ دار کو بحالت روزہ بوس و کنار کی اجازت ہے یہ مسئلہ بتانا تھا۔

۲؎ اس تفریق سے مسئلہ فقہی واضح ہوا کہ بوڑھا یا بیمار یا کمزور یا بہت متقی جو بوس و کنار کے باوجود اپنے نفس پر قابو رکھے اسے اس کی اجازت ہے،دوسرے کے لیے نہیں تاکہ روزہ نہ توڑ بیٹھے،یہ حدیث صحیح ہے اس کی اسناد بہت جید و قوی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے روزہ کی حالت میں قے آجائے تو اس پر قضا نہیں اور جو جان کر قے کرے وہ قضا کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جسے ہم سوائے عیسٰی ابن یونس کسی سے نہیں معلوم کرتے،امام محمد بخاری نے فرمایا کہ میں انہیں محفوظ نہیں جانتا ۲؎

۱؎ اسی پر چاروں اماموں کا عمل ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ یاد ہوتے ہوئے عمدًا قے کرے تو روزہ جاتا رہے گا کیونکہ قے کا کچھ غیرمحسوس حصہ حلق میں واپس لوٹ جاتا ہے جس کا احساس نہیں ہوتا جیسے سونا وضو توڑ دیتا ہے کہ اس میں اکثر ریح نکل جاتی ہے مگر احساس نہیں ہوتا،ہاں امام ابو یوسف نے عمد کے ساتھ منہ بھر قے ہونے کی پابندی لگائی ہے مگر قے کردینے سے صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہ ہوگا۔قے کے پورے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎ اہ کی ضمیر کا مرجع حدیث ہے یعنی میں اس حدیث کو محفوظ نہیں جانتا۔خیال رہے کہ امام ترمذی و بخاری کو یہ حدیث غریب ہوکر ملی،اس کو حاکم ابن حبان،دارقطنی نے صحیح اسنادوں سے نقل فرمایا،حاکم نے فرمایا حدیث صحیح شرط شیخین ہے،دارقطنی نے فرمایا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں،مؤطاء میں امام مالک نے حضرت ابن عمر پر موقوفًا روایت کی،نسائی وعبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ پر موقوفًا روایت کی،ابن ماجہ نے مرفوعًا نقل فرمائی جس کا مضمون و الفاظ اس سے کچھ متفاوت ہے،غرضکہ متن حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت معدان ابن طلحہ ۱؎ سے کہ ابو الدرداء نے انہیں خبردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار کردیا ۲؎ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا میں نے کہا کہ حضرت ابوالدرداء نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار فرمادیا فرمایا انہوں نے سچ کہا اور میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی

	انڈیلا۳(ابوداؤد،ترمذی،دارمی)

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں،حضرت عمر حضرت ابوالدرداء وثوبان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے میں عمدًا قے کی کسی ضرورت سے تو اسے روزے کا مفسد مانا جس کے بعد کھانا وغیرہ ملاحظہ فرمالیا۔
۳؎ حضرت ثوبان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں،انہوں نے حضرت ابوالدرداء کی تصدیق فرماتے ہوئے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کو ناقض وضو بھی قرار دیا۔چنانچہ آپ نے وضو کیا اور پانی میں نے حاضر کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ منہ بھرکر قے روزہ بھی توڑ دیتی ہے اور وضو بھی،یہ ہی ہمارا مذہب ہے یہ حدیث ہمارے امام اعظم قدس سرہ کی دلیل ہے،امام شافعی کے ہاں قے سے وضو نہیں ٹوٹتاوہ یہاں وضو سے مراد کلی کرنا لیتے ہیں مگر قول امام اعظم قوی تر ہے بلاوجہ شرعی معنی چھوڑنا کمزور سی بات ہے۔

	روایت ہے حضرت عامر ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار دفعہ روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا۱(ترمذی،ابوداؤد)۲؎

۱؎ اس حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہ و مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روزے میں ہر وقت ہر قسم کی مسواک بلاکراہت جائز ہے زوال سے پہلے کرے یا بعد،تر مسواک کرے یا خشک،بہرحال بلاکراہت درست ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ روزے دار کی منہ کی بو اللہ تعالٰی کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے کیونکہ وہاں لفظ **خلوف** ہے نہ کہ لفظ **بخر**۔**خلوف** منہ کی وہ بو ہے جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے منہ میں پیدا ہوجاتی ہے وہ مسواک سے نہیں جاتی جیساکہ بار ہا کا مشاہدہ ہے۔رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور والا واقعہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے کہ آپ نے روزہ میں مسواک کرلی،پھر توریت لینے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا اے موسیٰ دس روزے اور رکھو تاکہ پھر وہ ہی مہک پیدا ہوجو مسواک سے جاتی رہی ہے ورنہ مسواک سے روزے کی قضا اور پھر دس روزے رکھنے کا حکم کسی امام کے ہاں نہیں،امام شافعی کے ہاں زوال کے بعد روزے میں مسواک مکروہ ہے اور امام احمد کے ہاں آخری دن میں مکروہ مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے۔چنانچہ دارقطنی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے دار کا بہترین مشغلہ مسواک ہے۔طبرانی میں حضرت عبدالرحمٰن ابن غنم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاذ ابن جبل سے پوچھا کیا میں روزے میں مسواک کرسکتا ہوں فرمایا ہاں پوچھا دن کے کس حصہ میں فرمایا ہر حصہ میں۔خیال رہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو رب تعالٰی کو ایسی ہی پیاری ہے جیسے غازی کے قدم کی گردوغبار،اگر غازی اپنے قدموں پر ویسے ہی خاک ڈال لے تو ثواب ملتا نہیں اور اگر وہ قدموں کی دھول جھاڑ دے تو ثواب گھٹتا نہیں،ایسے ہی اگر وہ روزہ دار بہ تکلف منہ میں بو پیدا کرلے تو ثواب ملتا نہیں اور اگر مسواک کرے تو ثواب گھٹتا نہیں اسی لیے بیہقی،ابن حبان،طبرانی وغیرہ میں عام صحابہ کا یہ عمل بیان ہوا کہ وہ حضرات روزے میں ہر وقت مسواک کرلیتے تھے۔ اس کی پوری تحقیق یہاں مرقاۃ میں دیکھو۔
۲؎ اس حدیث کو ترمذی نے حسن فرمایا اور احمد وابن خزیمہ نے بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میں آنکھوں کا بیمار ہوں کیا بحالت روزہ سرمہ لگاسکتا ہوں فرمایا ہاں۱(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ابوعاتکہ راوی ضعیف مانے جاتے ہیں۲	

۱یہی تینوں اماموں کا مذہب ہے یعنی امام ابوحنیفہ،شافعی و مالک کہ روزہ دار کو سرمہ لگانا،آنکھ میں خشک یا پتلی اگرچہ چکنی ہو دوا ڈالنا ہر وقت جائز ہے یعنی سونے سے پہلے بھی اور بعد بھی اگر دوا کا رنگ یا مزا حلق میں محسوس ہو جب بھی مضر نہیں،امام احمد سونے سے پہلے سرمہ لگانا مکروہ فرماتے ہیں یہ حدیث ان تینوں آئمہ کی دلیل ہے۔

۲یہ حدیث بہت طریقوں سے مختلف اسنادوں سے بہت کتب میں مروی ہے تمام اسنادیں ضعیف ہیں لیکن زیادتی اسناد اور عمل علماء کی وجہ سے قوی ہوگئی تمام اسنادیں بالتفصیل یہاں مرقات نے نقل فرمائیں اور اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ دوم میں دیکھو کہ تعدد اسناد اور عمل علماء سے حدیث ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔

روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج میں۱بحالت روزہ سر مبارک پر پیاس یا گرمی کی وجہ سے پانی ڈالتے دیکھا ۲(مالک،ابوداؤد)	

۱عرج مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک منزل کا نام تھا اور مدینہ منورہ میں ایک محلّہ بھی تھا،یہاں دونوں احتمال ہیں کہ یا یہ سفر کا واقعہ ہو یا گھر کا۔

۲یعنی غسل نہیں فرمارہے تھے بلکہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے صرف سر شریف پر پانی بہارہے تھے۔اس حدیث سے یہ دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسامات کے ذریعہ جو پانی وغیرہ جسم میں پہنچ جائے وہ روزہ کے لیے مضر نہیں لہذا روزے دار کا نہانا پانی میں غوطہ لگانا،سر یا جسم پر تیل کی مالش کرنا،بھیگا کپڑا جسم پر لپیٹنا روزے کے لیے مضر نہیں۔ٹیکے(Injection)گودنے کا مسئلہ پہلے بیان ہوچکا کہ ان سے روزہ نہیں جاتا جیسے سانپ،بچھو،بھڑ کے کاٹ لینے سے۔دوسرے یہ کہ روزے میں سر پر پانی ڈالنا،زیادہ نہانا مکروہ نہیں جب کہ گھبراہٹ کے اظہار کے لیے نہ ہو،اگر دکھلاوے اور گھبراہٹ کے اظہار کے لیے ہو تو مکروہ ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں ایک شخص پر تشریف لائے جو فصد لے رہا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے تھے۱رمضان کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے تو فرمایا فصد لینے والے اور فصد کرانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا ۲(ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی) شیخ امام السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے	

فرمایا کہ جن بعض علماء نے فصد کی اجازت دے دی وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ دونوں قریب الافطار ہوگئے فصد کرانے والا تو ضعف کی وجہ سے اور فصد کرنے والا اس لیے کہ وہ اس سے امن میں نہیں کہ سینگی چوسنے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں کچھ پہنچ جائے۳	

۱؎ یعنی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا لہذا میں نے آپ کے کلمات نہایت صحیح سنے یا یہ مطلب ہے کہ مجھ پر اس دن اللہ کا بڑا فضل تھا کہ میرا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا ہوا تھا۔

۲؎ یہی مذہب ہے امام احمد و اسحاق کا فصد سے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے روزے میں بارہا فصد کرائی ہے لہذا یہ حدیث یا منسوخ ہے یا اس کی تاویل لازم ہے۔چنانچہ علماء نے اس کی بہت تاویلیں کی ہیں جن میں سے ایک تاویل وہ ہے جو خود مشکوۃ شریف میں ہی آگے آرہی ہے ۔

۳؎ فصد لینے والا پہلے نشتر سے عضو پر زخم لگاتا ہے،پھر سنگی کا چوڑا حصہ زخم پر رکھ کر اس کا باریک حصہ اپنے منہ میں لے کر زور سے چوستا ہے پھر اس سوراخ کو آٹے وغیرہ سے بند کردیتا ہے جس سے عضو کا خون جمع ہوتا رہتا ہے خون نکل جانے کی وجہ سے فصد کرانے والا بہت کمزور ہوجاتا ہے بسا اوقات فورًا اسے کچھ کھانا پینا پڑتا ہےاور فصد لینے والے کے منہ بلکہ حلق میں بے اختیاری طور پر چوستے وقت کچھ خون پہنچ جاتا ہےلہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دونوں قریب الافطار ہوگئے،فصد لینے والا تو اس لیے کہ شاید کچھ خون حلق میں اتر گیا ہواور فصد کرانے والا اس لیے کہ شاید وہ زیادتی کمزوری کی بنا پر کچھ کھانے پینے پر مجبور ہوجائے۔ سنگی کو ملازم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زخم سے چپٹ جاتی ہے ۔بعض علماء نے فرمایا کہ وہ دونوں صاحب فصد کے وقت غیبتیں بھی کررہے تھے اس غیبت کی وجہ سے فرمایا کہ ان کا روزہ جاتا رہا یعنی روزے کا ثواب جاتا رہا،بعض نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی حضرات شام کے وقت افطار کے قریب فصد کا کام کررہے تھےتب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یعنی یہ دونوں افطار کرنے والے ہی تھے تھوڑا اور ٹھہر جاتے۔غرضکہ یہ حدیث واجب التاویل ہے اور فصد کرانے والی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے جو رمضان میں بغیر شرعی اجازت اور بغیر بیماری ایک دن کا روزہ نہ رکھے تو اگرچہ پھر عمر بھر روزہ رکھے اس کی قضا نہ کرے گا۱ (احمد،ترمذی، ابوداؤد،ابن ماجہ دارمی)اور بخاری نے ترجمہ باب میں روایت کیا۔ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد یعنی امام بخاری کو فرماتے سنا کہ ابو المطوس راوی سے اس حدیث	

	کے سواء اور حدیث مجھے معلوم نہیں ۲؎

۱؎ یعنی بلاوجہ رمضان میں ایک روزہ بھی نہ رکھنے والا اس کے عوض عمر بھر روزہ رکھے تو وہ درجہ اور ثواب نہ پائے گا جو رمضان میں رکھنے سے پاتا اگرچہ شرعًا ایک روزہ سے اس کی قضا ہوجائے گی ادائے فرض اور ہے درجہ پانا کچھ اور۔رخصت سے مراد شرعی اجازت ہے جیسے سفر یا عورت کا حمل یا بچہ کو دودھ پلانا وغیرہ۔اس سے معلوم ہوا کہ وقت پر عبادت کرلینا بہت بہتر ہے،نماز وغیرہ ساری عبادت کا یہی حال ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جوانی کی عبادت بڑھاپے کی عبادت سے افضل ہے کہ عبادات کا اصل وقت جوانی ہے۔شعر

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں جب بڑھاپا آگیا کچھ بات بن پڑتی نہیں

ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہوچکی یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آگئی

وقت کی قدر کرو،اسے غنیمت جانو۔ع! گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

۲؎ یعنی اس حدیث کی اسناد میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والے راوی ابوالمطوس ہیں ان سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے ابن خلف قرطبّی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر خیال رہے کہ ایک اسناد ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعیف ہوجانا لازم نہیں،ترمذی کی اسناد میں ابوالمطوس ہیں باقی ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی و احمد نے مختلف اسنادوں سے یہ حدیث نقل کی،تعدد اسناد ضعیف حدیث کو قوی کردیتاہے۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے روزے دار وہ ہیں جنہیں روزوں سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ۱؎ اور بہت سے شب خیز وہ ہیں جنہیں شب خیزی میں بے خوابی کے سواء کچھ میسر ۲؎(دارمی)اور لقلیط ابن صبرہ کی حدیث باب سنن الوضوء میں بیان کردی گئی۔

۱؎ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے میں گالی گلوچ،جھوٹ،غیبت،بہتان وغیرہ گناہوں سے نہیں بچتے کہ یہ لوگ بھوک پیاس کی تکلیف تو اٹھاتے ہیں مگر روزہ کا ثواب حاصل نہیں کرتے،چونکہ روزے میں بمقابلہ بھوک کے پیاس کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے اس لیے صرف پیاس کا ذکر فرمایا۔خیال رہے کہ ایسے روزے سے فرض شرعی ادا ہوجائے گا ادا اور چیز ہے اس کے شرائط کچھ اور اور قبولیت دوسری چیز ہے اس کے شرائط بھی دوسرے۔

۲؎ یعنی وہ تہجد خواں جو حضور قلبی کے بغیر تہجد پڑہیں وہ جاگنے کی مشقت تو اٹھالیتے ہیں مگر اس کا ثواب نہیں پاتے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مغصوب زمین میں نماز پڑھیں اور نماز میں ممنوعات سے بچیں نہیں اورسنن و مستحبات کا لحاظ نہ رکھیں اس فرمان کا منشاء یہ نہیں ہے کہ ایسے لوگ روزہ یا تہجد چھوڑ دیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ برائیاں چھوڑ دیں اللہ تعالٰی انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مقبول عبادتوں کی توفیق دے،ہم کمزور ہیں نفس امارہ اور شیطان جیسے قوی دشمنوں میں گھرے ہیں،اے قوی وقادر ہمیں اپنی امان میں لے لے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں فصد،قے،احتلام ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غیر محفوظ ہے اورعبد الرحمٰن ابن زید راوی حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں۲؎	

۱؎ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔قے سے مراد وہ قے ہے جو خود بخود ہوجائےلہذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں قے کو روزہ ٹوٹنے کا سبب قرار دیا گیا کیونکہ وہاں وہ قے مراد تھی جو خود کی جائے۔

۲؎ لہذا یہ شاذ بھی ہے اور ضعیف بھی۔خیال رہے کہ یہ حدیث صرف ترمذی کی اسناد میں ضعیف ہے اسے دار قطنی،بیہقی،ابوداؤد نے بھی روایت کیا،ابو حاتم نے کہا کہ ابوداؤد کی روایت اشبہ بالثواب ہے،ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت ہی صحیح ہے،بزار نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے اور طبرانی نے ثوبان سے مرفوعًا روایت کی،بزار نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت ثابت بنانی سے ۱؎ فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روزہ دار کے لیے فصد ناپسند کرتے تھی ۲؎ فرمایا نہیں مگر ضعف کی وجہ سے ۳؎(بخاری)	

۱؎ آپ ثابت ابن اسلم مشہور تابعی ہیں،بصرہ کے علماء اعلام میں سے تھے،حضرت انس کے ساتھ چالیس سال رہے۔

۲؎ صحابہ کرام سے فصد کے متعلق یہ سوالات اس حدیث کی وجہ سے ہوتے تھے جو لوگوں میں مشہور ہوچکی تھی"اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ"اس کا مطلب ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔

۳؎ یعنی چونکہ فصد لینے سے خون نکل جانے کے باعث آدمی کمزور پڑجاتا ہے ممکن ہے کہ روزہ پورا نہ کر سکے یا بہت تکلیف اٹھائے اس لیے روزے میں فصد بہتر نہ جانتے تھے اس حدیث نے گزشتہ حدیث"اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ"کی تفسیر کردی جیساکہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔

روایت ہے امام بخاری سے تعلیقًا ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر روزہ کی حالت میں فصد لیتے تھے پھر چھوڑ دی پھر رات میں فصد لیتے تھے ۲؎	

۱؎ بغیر اسناد حدیث بیان کرنے کو تعلیق کہتے ہیں،تعلیقات بخاری سب مقبول و معتبر ہیں کیونکہ امام بخاری اسی جگہ اسناد چھوڑتے ہیں جہاں انہیں حدیث کی صحت کا یقین ہوتا ہے جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو ثقہ تابعین کا ارسال بھی قبول ہے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرما دینا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا بالکل قبول ہے یہ حضرات امام بخاری سے زیادہ رتبہ والے ہیں۔

۲؎اس کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ جوانی اور طاقت کے زمانہ میں روزہ میں فصد لے لیتے تھے کہ اس وقت آپ کو ضعف کا اندیشہ نہ تھا پھر بڑھاپے اور کمزوری میں یہ عمل چھوڑ دیا کیونکہ فصد لے کر روزہ پورا کرنا دشوار تھا۔

	روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں اگر کلی کرے پھر منہ میں کا پانی اگل دے تو اسے تھوک کا اور جو پانی کا اثر اس کے منہ میں رہ گیا ہے اسے نگل جانا مضر نہیں ۱؎اور علک (مصطگی) نہ چبائے ۲؎ اگر علک والا تھوک نگل گیا تو میں یہ نہیں کہتا کہ روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اس سے منع کرنا چاہیے ۳؎(بخاری) ترجمہ باب

۱؎ یعنی روزہ دار کو کلی کرکے تھوک نگلنا جائز ہے اگرچہ اس میں پانی کی ٹھنڈک اور اس کا اثر رہ گیا ہو کیونکہ اس قدر اثر سے بچنا ناممکن ہے۔اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز سے روزہ دار نہ بچ سکے اس سے روزہ نہیں جاتا لہذا اگر گردو غبار،دھواں،مکھی،مچھر اور آٹے کی مشین کا اڑتا ہوا آٹا،کلی کے پانی کی تری روزہ دار کے حلق میں چلی جائے تو اس سے روزہ نہیں جائے گا۔

۲؎ علک عرب کا مشہور گوند ہے جسے دانتوں کی صفائی اور مضبوطی کے لیے چبایا جاتا ہے مصطگی کی طرح دانہ دانہ ہوتا ہے۔

۳؎خلاصہ یہ ہے کہ روزہ میں گوند مصطگی وغیرہ چباکر تھوک دینا مکروہ ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ گوند کے کچھ اجزاء حلق میں اتر جائیں گویا اس میں روزہ کو قریب الافطار کردینا ہے۔جو شخص یہ چباکر اچھی طرح تھوک دے پھر تھوگ نگلے تو اگرچہ گوند کے کچھ نامعلوم ذرے حلق میں اتر جائیں روزہ نہ جائے گا۔

مسئلہ: درزی نے رنگین دھاگہ دانت سے توڑا جس سے اس کا تھوک رنگین ہوگیا تو اگر دھاگہ کی طرح تیز رنگین ہوگیا اس کا نگلنا روزہ توڑ دیگا اور اگر خفیف رنگین ہوگیا تو نہیں۔

مسئلہ: عورتوں کے لیے مسواک مکروہ ہے کہ ان کے مسوڑھے کمزور ہوتے ہیں،ان کے لیے علک،سکڑا،انگلی موٹا کپڑا مسواک کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ: مردوں کے لیے مسی اور سکڑا ملنا مکروہ ہے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔

باب صوم المسافر

باب مسافر کا روزہ ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ شریعت میں مسافر وہ ہے جو اپنے شہر سے تین منزل یعنی چھتیس کوس(۵۷ میل) کے ارادہ سے نکلے پھر جب تک وہ گھر لوٹ نہ آئے یا کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے مسافر ہی ہوگا کہ اس پر نماز میں قصر واجب ہوگا اور روزہ قضا کرنے کی اجازت ہوگی۔امام ابوحنیفہ،مالک،شافعی و ثوری رضی اللہ عنہم کے ہاں مسافر کو روزہ رکھنا بہتر ہے اور امام احمدواوزاعی کے ہاں افطار بہتر،یہ عام حالات میں ہے بعض حالات میں اس پر افطار واجب ہوجاتاہے جیسے مسافر غازی جب روزہ کی وجہ سے بجائے جہاد کرنے کے دوسرے پر بوجھ بن جائیں۔(از لمعات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت حمزہ ابن عمر اسلمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھوں وہ بہت روزے رکھتے تھے ۱؎ تو حضور نے فرمایا اگر چاہو روزہ رکھو اگر چاہو افطار کرو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ آپ صائم الدھر یعنی ہمیشہ کے روزہ دار تھے چاہتے تھے کہ سفر میں بھی کبھی روزہ نہ چھوڑیں تب یہ سوال کیا سفر میں روزہ رکھنا گناہ تو نہیں شاید آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن چکے تھے کہ سفر میں روزہ اچھا نہیں اس لیے یہ سوال کیا۔

۲؎ اس جواب سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگرچہ مسافر کو روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے مگر عام حالات میں روزہ رکھ لینا بہتر تاکہ عام مسلمانوں کی موافقت بھی ہوجائے اور رمضان کے بعد قضاء گراں بھی نہ پڑے کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کا ذکر پہلے فرمایا۔خیال رہے کہ اگرچہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کا اختیار ہے مگر ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے کا اختیار نہیں لہذا بازاروں میں علانیہ نہ کھائے پیئے،نہ سگریٹ پیتا پھرے بلکہ چھپ کر کچھ کھائے پیئے،حیض و نفاس والی عورتوں کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ چھپ کر کھائیں پئیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا جب کہ ماہ رمضان کے سولہ دن گزر گئے تھے ۱؎ تو ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے	

	افطار کیا تو نہ روزہ داروں نے بے روزوں کو عیب لگایا اور نہ بے روزوں نے روزہ داروں کو ۲؎(مسلم)

۱؎ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی درمیان رمضان میں سفر کرے تو اسے افطار جائز نہیں اس پر روزہ ہی فرض ہے،افطار کی اجازت صرف اسے ہے جسے بحالت سفر رمضان شروع ہو۔اس حدیث میں ان کی کھلی تردید ہے،دیکھو سولہ رمضان کو سفر شروع ہوا اور بعض صحابہ نے روزے نہ رکھے۔

۲؎ یہ حدیث بظاہر ان علماء کی دلیل ہے جو سفر میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کو یکساں کہتے ہیں کسی کو ترجیح نہیں دیتے مگر یہ استدلال ضعیف سا ہے کیونکہ یہاں عیب لگانے کی نفی ہے ترک مستحب پر نہ عیب لگایا جاتا ہے نہ اعتراض ہوتا ہے۔خیال رہے کہ اس غزوہ میں حالات معمول پر ہوں گے ورنہ بحالت جنگ روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے تو لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک شخص کو ملاحظہ کیا جس پر سایہ کیا گیا تھا ۱؎ فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا ایک روزہ دار ہے فرمایا سفر میں یوں روزہ رکھنا بھلائی نہیں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ان صاحب کا نام قیس یا قیصر ہے،کنیت ابواسرائیل ہے،گرمی سخت تھی،سفر کی حالت تھی،غزوہ تبوک کا موقعہ تھا،جب کہ لشکر اسلام میں کھانے کی بھی کمی تھی،یہ ایک درخت کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے،بغیر سحری کا روزہ منہ میں تھا کہ بے ہوش ہو کر گر گئے،صحابہ کرام نے اپنی چادروں سے سایہ کرلیا یا ان پر خیمہ لگادیا کیونکہ عرب کے عام درختوں کا سایہ کافی نہیں ہوا کرتا۔(از مرقات)

۲؎ بلکہ برا ہے یا تو **الصوم** میں الف لام عہد خارجی ہے یا سفر میں یا دونوں میں یعنی ایسے سخت سفر میں ایسا بے سرو سامانی کا روزہ بھلائی نہیں بلکہ برا ہے اور رب تعالٰی کے اس فرمان کے خلاف ہے"**یُرِیۡدُ اللہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الْعُسْرَ**"لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سفر میں روزے رکھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ صالحین کی خدمت نوافل سے افضل ہے یعنی یہ صاحب اگر روزہ نہ رکھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی خدمت کرتے،اب روزہ رکھ کر خود جلیل القدر صحابہ سے خدمت لینے لگے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے ہم میں سے بعض روزہ دار تھے بعض بے روزہ ہم گرم دن میں ایک منزل پر اترے روزہ دار تو گر گئے ۱؎ اور بے روزہ کھڑے رہے انہوں نے خیمے لگائے اونٹوں کو پانی پلایا ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج بے روزہ ثواب

لے گئے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی روزہ دار حضرات ضعف کی وجہ سے منزل پر پہنچتے ہی لیٹ گئے کوئی کام نہ کرسکے،یہاں گرنے سے مراد بے ہوش ہوکر گرنا نہیں ورنہ ان پر بھی وہ عتاب ہوجاتا جو پچھلی حدیث میں گزرا۔

۲؎ اور تمام وہ ضروری کام کئے جو سفروں میں عموماً اور جہاد میں خصوصًا کئے جاتے ہیں لہذا یہ سارے کام ثواب ہیں۔

۳؎ ثواب سے مراد کامل ثواب ہے یعنی روزہ داروں نے توروزوں کا ثواب پایا جسے یہ لوگ بھی بعد رمضان قضاء کرکے حاصل کرلیں گے مگر بے روزوں نے جہاد کی تیاری اور لشکر اسلام کی خدمت کرکے وہ ثواب کمالیا جس کی وہ قضاء نہ کرسکیں گے۔شعر

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں　　　　نگاہوں کی قضا کب ادا ہوں

کیا تمہیں خبر نہیں کہ سیدنا علی مرتضٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نماز عصر قضاء کردی۔خیال رہے کہ چونکہ یہ روزہ دار حضرات بقیہ صحابہ پر بوجھ نہ بنے اس لیے ان پر عتاب نہ فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے ۱؎ توروزے رکھتے رہے حتی کہ عسفان پہنچ گئے ۲؎ پھر پانی منگایا تو اسے اپنے ہاتھ میں اٹھایا ۳؎ تاکہ آپ کو لوگ دیکھ لیں ۴؎ پھر افطار فرماتے رہے حتی کہ مکہ معظّمہ آگئے ۵؎ اور یہ واقعہ رمضان میں تھا ۶؎ چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ بھی رکھا ہے اور افطار بھی کیا ہے تو جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ فتح مکہ کے سال۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقعوں پر رمضان میں سفر کیا ہے ان دو سفروں کے علاوہ اور کبھی رمضان میں سفر ثابت نہیں۔(مرقات)وہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ ہم ایک بار سخت گرمی میں سفر جہاد میں تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء ہم میں کوئی روزہ دار نہ تھا وہاں رمضان کا ذکر نہیں۔

۲؎ عسفان مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کے راستہ پر دوسری منزل ہے،مشہور جگہ ہے۔

۳؎ یہ الیٰ بمعنی فی ہے جیسے "لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ"اور ہوسکتا ہے کہ بمعنی مع ہو جیسے "مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللہِ"یا جیسے "لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوٰلَہُمۡ اِلٰۤی اَمۡوٰلِکُمۡ"اور ممکن ہے کہ بمعنی علیٰ ہو اور ہوسکتا ہے کہ اپنے ہی معنے میں ہو یعنی انتہاء کے لیے اور اصل عبارت یوں ہو اِلٰی مَدِّیَدِہٖ یعنی پانی کا پیالہ اپنے ہاتھ میں اٹھایا اپنے ہاتھ پر یا

دست مبارک کے ساتھ پیالہ بھی اوپر اٹھایایا پیالہ ہاتھ میں لے کر ہاتھ پورا بلند کردیا،الحمدللہ! عبارت میں کوئی اشکال نہ رہا۔

۴؎ یہ لوگوں کو دکھانا ماہ رمضان کی بے حرمتی کے لیے نہ تھا بلکہ لوگوں کو مسئلہ بتانے کے لیےکیونکہ وہاں سب ہی مسافر تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر راستہ میں مسافروں کے ساتھ رمضان میں علانیہ کھاسکتا ہے۔

۵؎ بعض شارحین نے اَفْطَرَ کے معنے یہ سمجھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھ کر توڑ دیا،اسی بنا پر انہوں نے فرمایا کہ مسافر کو رمضان میں روزہ رکھ کر توڑ دینا بھی جائز ہےمگر یہ غلط ہے۔اَفْطَرَ کے وہی معنے ہیں جو فقیر نے عرض کئےورنہ ابھی حدیثوں میں گزر چکا کہ بعض صحابہ سفر جہاد میں روزہ کی وجہ سے بے ہوش ہوکر گر گئے،ان پر صحابہ نے سایہ تو کیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روزہ توڑنے کی اجازت نہ دی۔

۶؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے۲ رمضان ۸ھ میں بعدعصر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ (مرقات)اور بیس رمضان کو مکہ معظّمہ فتح ہوا،بعض مؤرخین نے دسویں۱۰ رمضان کو روانگی بیان کی ہے۔

۷؎ بعض شیعہ سفر میں روزہ مطلقًا ناجائز کہتے ہیں اور اس قول کو سیدنا عبداللہ ابن عباس کیطرف منسوب کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں،حضرت ابن عباس کا قول وہ ہے جو یہاں منقول ہوا۔

مسلم کی روایت میں حضرت جابر سے یوں ہے کہ آپ نے بعد عصر پانی پیا۱؎	

۱؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ سرکار نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ تھا اس کا اظہار عصر کے بعد اس طرح کیا،یہ مطلب نہیں کہ روزہ رکھ کر توڑ دیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پانی پینا ایک مسئلہ شرعیہ کی عملی تبلیغ تھی نہ کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس ابن مالک کعبی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے مسافر سے آدھی نماز معاف فرمادی ۲؎ اور روزہ مسافر دودھ پلانے والی اور حاملہ سے ۳؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ انس ابن مالک وہ مشہور انس نہیں جو ابوطلحہ انصاری کے سوتیلے بیٹے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں وہ تو انصاری نجاری خزرجی ہیں،بہت سی احادیث کے راوی ہیں بلکہ یہ انس ابن مالک عبداللہ ابن کعب کی اولاد سے ہیں اسی لیے کعبی کہلاتے ہیں،ان سے بہت ہی کم احادیث یعنی صرف یہ ہی مروی ہے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات میں فرمایا

کہ بیس صحابہ کے نام انس ہیں جن میں سے دو کے نام انس ابن مالک ہیں:ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص بہت سی احادیث کے راوی،دوسرے یہ،ان کا قیام بصرہ میں رہا۔

۲؎ اس طرح کہ مسافر پر نماز میں قصر واجب ہے صرف جائز نہیں جیساکہ ہم مسافر کے باب میں ثابت کرچکے ہیں اور اپنی کتاب "جاءالحق"حصہ دوم میں بہت دلائل سے بیان کرچکے ہیں۔

۳؎ یعنی ان تین شخصوں سے روزہ کا فوری وجوب معاف ہوچکا ہے اگر چاہیں تو قضا کردیں۔خیال رہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزے کی قضاء ہی واجب ہے وہ فدیہ نہیں دے سکتیں،یہ ہی ہم احناف کا مذہب ہے یہ دونوں اس حکم میں مسافر کی طرح ہیں،نیز ان دونوں عورتوں کو قضاء کی اجازت جب ہے جب کہ انہیں روزہ سے اپنے بچہ پر خوف ہو۔اشعہ نے فرمایا کہ مالدار عورت جس کا بچہ دودھ پیتا ہو وہ بچہ کے لیے دودھ پلائی رکھے اور خود روزہ رکھے۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن محبق سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے پاس سواری ہو جو اسے بحالت سیری منزل تک پہنچادے ۲؎ وہ رمضان کے روزے رکھے جہاں پائے ۳؎ (ابوداؤد) ۴؎

۱؎ آپ خود بھی صحابی ہیں اور آپ کے بیٹے سنان ابن سلمہ بھی صحابی،سنان بڑے پہلوان تھے،بہت سے غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎ یعنی آرام و آسائش سے منزل پر افطار سے پہلے پہنچ جائے یا اس کا سامان خورد و نوش ساتھ ہو تو وہ سفر میں روزہ قضا نہ کرے بلکہ تمام مسلمانوں کی موافقت میں روزے رکھے۔

۳؎ یہ حکم استحبابی ہے یعنی آرام کے سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے قضا کردینا مناسب نہیں۔آج کل ریل و موٹر کے سفروں میں تو بہت آسانیاں ہیں ان سفروں میں روزہ رکھنا ہی اچھا ہے۔

۴؎ اس حدیث کی اسناد میں عبدالصمد ابن حبیب ازدی ہے اکثر محدثین کے ہاں قوی نہیں ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے جیساکہ بار ہا عرض کیا گیا،یہاں بھی فضیلت عمل ہی کا ذکر ہے یعنی آسان سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے لہذا قبول ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے سال رمضان میں مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے ۱؎ تو روزے رکھتے رہے حتی کہ کراع الغمیم پہنچ گئے ۲؎ لوگ بھی روزہ دار رہے پھر حضور نے پانی کا پیالہ منگایا اسے اٹھایا حتی کہ آپ کو لوگوں نے دیکھا پھر

پیا ۳؎ اس کے بعد حضور سے عرض کیا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھ لیا ۴؎ فرمایا یہ لوگ گنہگار ہیں یہ لوگ گنہگار ہیں ۵؎ (مسلم)	

۱؎ فتح مکہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی بھی رمضان میں اور فتح فرمانا بھی رمضان میں جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔

۲؎ یہ مشہور جگہ ہے مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے،عسفان سے تین میل فاصلہ پر،چونکہ اس جنگل کا نقشہ بکری کی پنڈلی کی طرح ہے اس لیے اسے کراع کہا جاتاہے۔غمیم بمعنی جنگل یعنی بکری کی پنڈلی کے نمونہ کا جنگل۔

۳؎ یعنی آج تک روزہ رکھاآج سے افطار شروع فرمایا،یہ مطلب نہیں کہ آج روزہ رکھ کر توڑ دیا جیساکہ ظاہر ہے۔

۴؎ یعنی صحابہ کرام میں سے بعض نے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر عمل کرکے روزہ نہیں رکھا ہےاور بعض نے اس خیال سے رکھ لیا ہےکہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سفر میں اب سے روزہ نہ رکھنا سنت اور روزہ رکھنا خلاف سنت ہے۔غرضکہ ان سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی۔

۵؎ اس جملہ کی تکرار تاکید بلکہ تغلیظ کے لیے ہےیعنی یہ لوگ یقینًا سخت گنہگار ہیں دو وجہ سے:(۱)ایک یہ کہ میری موجودگی میں انہیں اجتہاد نہ کرنا چاہیے تھابلکہ براہ راست مجھ سے مسئلہ پوچھ لینا چاہیے تھاکیونکہ اجتہاد حدیث نہ مل سکنے پر ہوتا ہے۔(۲)دوسرے یہ کہ آج سے روزہ نہ رکھنا میری سنت ہوچکا تھالہٰذا ان کا روزہ رکھنا خلاف سنت ہوا اور سنت کی مخالفت یقینًا گناہ ہے۔فقیر کی اس تقریر سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ صحابہ کرام تو فسق سے پاک ہیں پھر وہ حضرات یہ گناہ کیسے کر بیٹھےکیونکہ ان بزرگوں نے نہ تو گناہ کی نیت سے یہ کام کیا تھا نہ بعد میں اس پر قائم رہے اور فسق کے لیے دونوں چیزیں ضروری ہیں اور یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ خطائے اجتہادی پر پکڑ نہیں اور نہ وہ گناہ ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گنہگار کیوں فرمایاکیونکہ سرکار نے اپنی موجودگی میں ان کے اجتہاد کو گناہ قرار دیا کہ انہیں مجھ سے پوچھنا چاہیئے تھا،یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اس پر وہ حضرات گنہگار کیوں ہوگئےکیونکہ اس وقت سے افطار کرنا سنت ہوچکا تھااور سنت کی مخالفت یقینًا گناہ ہے۔خیال رہے کہ عدم سنت اور ہے اور مخالفت سنت کچھ اور اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ روزہ نماز بذات خود ثواب کا باعث نہیں بلکہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ثواب کا باعث ہے۔جو عبادت ان کی اتباع سے خالی ہوجائے وہ گناہ بن جاتی ہے،عید کے دن کا روزہ ،سورج نکلتے ڈوبتے نماز پڑھنا منع ہےایسے ہی اب ان کے لیے روزہ گناہ ہوگیا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے پر مکہ معظّمہ میں رہنا گناہ ہوگیا تھا۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عوف سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر میں رمضان کے روزے رکھنے والا ایسا ہے جیسے گھر میں افطار کرنے والا ۱؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں اَلسَّفَر میں الف لام عہدی ہے اور اس سے وہ سفر مراد ہے جس میں روزہ ہلاکت یا سخت تکلیف کا باعث ہو یا وہ سفر جہاد مراد ہے جس میں روزہ دار بجائے جہاد کرنے کے دوسرے غازیوں پر بوجھ بن جائے لہٰذا یہ حدیث سفر میں روزہ رکھنے کی احادیث کے خلاف نہیں یعنی ایسا مسافر سفر میں روزہ رکھنے سے ایسا ہی گنہگار ہوگا جیسے غیر مسافر گھر میں رہ کر بلاعذر روزہ نہ رکھنے پر گنہگار ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اندر سفر میں روزہ کی طاقت رکھتا ہوں تو کیا مجھ پر گناہ ہے فرمایا وہ تو اللہ عزوجل کی طرف سے رخصت ہے جو اسے قبول کرے تو اچھا ہے اور جو روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر گناہ نہیں ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ حدیث گزشتہ احادیث کی تفسیر ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے کی بھی اجازت ہے اور نہ رکھنے کی بھی۔یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کو روزہ نہ رکھنا بہتر،رکھنا خلاف اولیٰ کیونکہ سرکار نے نہ رکھنے کو حسن فرمایا اور رکھنے کو لَاجُنَاحَ۔جواب یہ ہے کہ عرب کے سفر خصوصًا گرمی کے موسم کے عمومًا دشوار ہوتے تھے اور ان میں روزہ سخت تکلیف کا باعث،بعض لوگ اندازہ میں غلطی کرکے روزہ رکھ لیتے تھے اور پھر بڑی مشقت جھیلتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ ان حالات میں روزہ نہ رکھنا ہی بہتر لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں روزے کو افضل قرار دیا گیاورنہ عام حالات میں بحالت سفر روزہ رکھ لینا ہی بہتر ہے۔

باب القضاء

باب روزہ کی قضا ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ قضاء سے روزوں کی قضا مراد ہے جیساکہ اس موقعہ سے اور آئندہ حدیثوں سے معلوم ہورہا ہے۔خیال رہے کہ ہر عبادت کی قضا بہت جلد کرلینا چاہیئے کیونکہ موت کی خبر نہیں حتی کہ اگر حائضہ یا مسافر کے پانچ روزے قضا ہوگئے پھر حائضہ پاک ہونے اور مسافر گھر آنے کے تین دن بعد فوت ہوگئے تو ان تین دن کی پکڑ میں آجائیں گے۔رب کی پناہ!

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں مجھ پر رمضان کے روزے ہوتے تھے ۱؎تو میں سوائے شعبان کے قضا نہ کرسکتی تھی۲؎یحیی ابن سعید نے فرمایا آپ کی مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغولیت ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ جو نسائی عوارض یا بیماری کی وجہ سے رہ جاتے تھے پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں۔

۲؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں رمضان کے روزوں کی قضا شعبان سے پہلے نہ کرسکتی تھی شعبان میں قضا کرتی تھی کہ وہ آخری مہینہ ہوتا تھا جس کے بعد دوسرا رمضان ہوتا تھا یا ماہ شعبان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر روزے رکھتے تھے اس لیے میں فراغت پالیتی تھی۔

۳؎اس جملہ کا مطلب ہے کہ دس ماہ میں جس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیار رہتی تھی کہ نہ معلوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کس وقت شرف قربت عنایت فرمائیں اس لیے روزہ قضا نہ کرتی تھی۔معلوم ہورہا ہے کہ ام المؤمنین ان دس ماہ میں نفلی روزے بھی نہ رکھتی تھیں جب فرض قضا نہ کرسکتی تھیں تو نفل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خاوند کو حق ہے کہ ایک عورت کی باری کے دن میں دوسری عورت سے صحبت کرے کیونکہ باری صرف رات کے قیام کی ہوتی ہے نہ کہ صحبت کی۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دیگر عبادات سے افضل ہے،دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے نفلی روزے نہ رکھتی تھیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر روزہ دار رہتی تھیں۔تیسرے یہ کہ ام المؤمنین کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتادینے سے معلوم تھا کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں وفات نہ پاؤں گی۔اگر آپ کو اپنی وفات کا ہر دم خطرہ رہتا تو آپ پر قضا بہت جلد کرنا ضروری ہوتا

جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہونے پر پہلے سال حج نہ کیا کیونکہ آپ کو اپنی زندگی کا یقین تھا،ہم پر فرض ہوتے ہی کرلینا ضروری ہے تاخیر گناہ ہے۔چوتھے یہ کہ ایک سال کے رمضان کی قضا دوسرے رمضان آنے سے پہلے ضرور کرلینا چاہئیے شعبان میں ضروری کرلے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی عورت کو نہ تو یہ درست ہے کہ جب اس کا خاوند موجود ہو تو اس کی بغیر اجازت روزہ رکھے ۱؎ نہ یہ کہ اس کی بلا اجازت اس کے گھر میں کسی کو آنے دے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی خاوند جب گھر پر ہو تو اس کی صریحی یا عرفی اجازت کے بغیر نہ نفلی روزے رکھے نہ نفلی اعتکاف کرے کیونکہ مرد کو دن میں صحبت کرنے کا حق ہے اور اس کا روزہ یا اعتکاف اس حق کو روک دے گا لہذا حق والے سے اجازت لے لے،اس حکم سے نذر منتیں اور رمضان کے روزے علیحدہ ہیں کہ وہ حق شرع ہیں۔اگر عورت نے بغیر خاوند کی اجازت نفلی روزہ رکھ لیا تو وہ اس سے تڑوا کر صحبت کرسکتا ہے جس کی قضا واجب ہوگی اسی لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث باب القضاء میں لائے۔فقیر کی اس تقریر سے بہت سے اعتراضات اٹھ گئے،حدیث واضح ہوگئی۔خیال رہے کہ عورت کو نفل نماز سے منع نہیں فرمایا گیا کیونکہ وہ تھوڑی دیر میں ہوجاتی ہے اس سے خاوند کا حق صحبت نہیں مارا جاتا۔

۲؎ یعنی خاوند کی ناراضگی پر کسی مرد و عورت،اجنبی یا قریبی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ خاوند عورت کو اس کے ماں باپ سے ملنے سے نہیں روک سکتا،ہاں انہیں اپنے گھر میں آنے سے روک سکتا ہے،عورت وہاں جاکر ملے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذہ عدویہ سے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ حائضہ کا کیا حال ہے کہ وہ روزہ تو قضا کرتی اور نماز قضا نہیں کرتی ۱؎ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ عارضہ ہم کو آتا تھا تو ہم کو روزہ کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیاجاتا تھا ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی نماز بھی فرض ہے روزہ بھی فرض اور حیض و نفاس دونوں سے مانع،پھر نماز کی قضا کیوں نہیں ہوتی اور روزے کی کیوں ہوتی ہے۔معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کی عقلی حکمتیں پوچھنا برا نہیں،ہاں احکام شرعیہ پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔فقیر نے ایک کتاب لکھی"اسرار الاحکام"اس میں احکام شریعت و طریقت کی عقلی حکمتیں بیان کی ہیں۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز جواب ہے کہ مجھے عقلی حکمتوں سے غرض نہیں ہم تو حکم کے تابع ہیں، چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی قضا کا حکم دیا نماز کی قضا کا نہیں اس لیے یہ فرق ہوگیا،ہمیں عقلی حکمتوں سے کیا غرض۔بیمار طبیب کے نسخے پینے کی کوشش کرتا ہے دواؤں کے اوزان سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتا۔فقہاء فرماتے ہیں

کہ روزے کی قضا میں ندرت ہے کہ سال میں سات آٹھ روزے قضاء کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس میں دشواری نہیں اور قضائے نماز میں کثرت ہے کہ ہر مہینہ سات آٹھ دن کی فی دن پانچ نمازیں قضاء کرنی پڑتیں یعنی چالیس بلکہ بعض کو پچاس نمازیں اس میں بہت دشواری ہوتی اس لیے نمازوں کی قضا نہیں روزوں کی ہے۔**واللہ و رسولہ اعلم!**

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مرگیا اور اس پر روزے تھے تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے ادا کرے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جس شخص پر رمضان یا نذر کا روزہ قضا ہوگیا پھر اسے قضا کرنے کا موقعہ ملا مگر قضا نہ کیا کہ مرگیا تو اس کا ولی وارث اس کی طرف سے روزہ ادا کردے۔امام احمد کے ہاں اس طرح کہ روزے رکھ دے اور باقی تمام اماموں کے ہاں اس طرح کہ روزوں کا فدیہ دے دے چند وجہوں سے:ایک یہ کہ رب تعالٰی فرماتاہے: "**وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ**"جو روزہ کی طاقت نہ رکھیں ان پر فدیہ ہے اور میت بھی طاقت نہیں رکھتا۔دوسرے یہ کہ خود حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہوا کہ "**الا لا یصوم من احدٌ عن احد و لا یصلین احد عن احد**"کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے جیساکہ آگے آرہا ہے۔تیسرے یہ کہ خود صحابہ کرام کا فتوےٰ یہ رہا کہ میت کی طرف سے روزوں کا فدیہ دیا جاوے روزہ رکھا نہ جائے،دیکھو مرقات۔چوتھے یہ کہ قیاس شرعی بھی یہ ہی چاہتاہے کیونکہ نماز بمقابلہ روزہ زیادہ اہم اور ضروری ہے مگر میت کی طرف سے کوئی نمازیں نہیں پڑھتا تو روزے کیسے رکھ سکتا ہے محض بدنی عبادت خودہی کرنی پڑتی ہے دوسرے سے نہیں کرائی جاتی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہےحضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو مرجائے اور اس پر ماہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھلا دیا جائے ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر پر موقوف ہے۲؎	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے کہ وہاں ولی کے روزے رکھنے سے مراد حکمی روزہ تھا یعنی ادائے فدیہ۔فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کی نمازوں کا بھی فدیہ دے دیا جائے کیونکہ نماز روزے سے زیادہ اہم ہے۔حیلہ اسقاط کی اصل یہ حدیث ہے۔اس حیلہ کی تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ اگرچہ حدیث موقوف ہی صحیح ہے مگر یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ صحابہ کرام کے وہ اقوال جو عقل سے وراء ہوں وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں کہ صحابی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی یہ فرمایا ہے عقل کی اس میں گنجائش نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت مالک سے انہیں روایت پہنچی کہ حضرت عمر سے پوچھا جاتا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ دے یا نماز پڑھ دے تو فرماتے تھے کہ نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے۱؎ (موطا)

۱؎ اس حدیث کی تائید آیات قرآنیہ کررہی ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"اور فرماتاہے:"لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَيۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ"۔جن سے معلوم ہوا کہ سعی اور کسب یعنی بدنی عبادات خود بندے ہی کو کرنا ہوں گی دوسرے سے نہیں کراسکتا۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں یا بعد موت کوئی شخص کسی کی طرف سے محض بدنی عبادتیں روزہ نماز وغیرہ نہیں ادا کرسکتا۔نسائی شریف میں حضرت ابن عباس سے بعینہٖ یہ فتویٰ نقل فرمایا،عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر سے یہ قول نقل کیا،امام مالک نے فرمایا کہ میں نے کسی صحابی یا تابعی کے متعلق یہ نہ سناکہ کسی نے کسی کی طرف سے نماز یا روزہ ادا کردینے کی اجازت دی ہو،یہ گفتگو نماز و روزے میں نیابت کے متعلق ہے۔رہا ان عبادات کا ثواب بخشناوہ باتفاقِ اہلِ سنت بالکل جائزہے۔(مرقات)اس کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔

باب صیام التطوع

باب نفلی روزے ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ تطوع طوع سے بنا،بمعنی رغبت و خوشی،رب فرماتاہے:"قَالَتَآ اَتَيۡنَا طَآٮِٕعِيۡنَ"۔نفلی عبادات کو تطوع اس لیے کہا جاتا ہے کہ بندہ وہ کام اپنی خوشی سے کرتا ہےرب تعالٰی نے اس پر فرض نہ کی یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں مسلسل اتنے روزے رکھتے کہ ہم گمان کرتے یا اسے مخاطب تو گمان کرتا کہ آپ اس ماہ بالکل افطار نہ کریں گے اور کسی مہینہ میں مسلسل اتنا افطار فرماتے کہ معلوم ہوتا اس مہینہ میں آپ روزہ کوئی نہ رکھیں گے۔غرضکہ روزہ نفلی میں آپ ہیشگی نہ کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے رہتے حتی کہ ہم کہتے افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے رہتے حتی کہ ہم کہتے روزے نہ رکھیں گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ سوائے رمضان کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں ۱ اور میں نے حضور کو شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھتے نہ دیکھا ۲ ایک روایت میں یوں ہے فرماتی ہیں کہ قریبًا سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بجز تھوڑے دنوں کے سارے شعبان کے روزے رکھتے ۳ (مسلم،بخاری)	

۱ یہ کلی حکم ہے جس سے کوئی مہینہ مستثنٰی نہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے ماہ رمضان کسی مہینہ کے مکمل روزے کبھی نہ رکھے۔

۲ یعنی آپ رمضان کے علاوہ باقی تمام مہینوں میں روزے ضرور رکھتے تھے مگر شعبان میں زیادہ رکھتے تھے۔فِیۡ شَھۡرٍ اَکۡثَرَ کی ضمیر سے حال ہے اور فِیۡ شَعۡبَانِ مِنۡہُ کی ضمیر سے حال یا یہ دونوں ظرف ہیں۔

۳ اس عبادت کا دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے یعنی کل شعبان سے مراد قریبًا کل ہے،چونکہ شعبان رمضان کا پڑوسی ہے اس لیے وہ بھی حرمت والا ہے،نیز اس مہینہ میں رمضانی عبادات کی تیاری کرنا چاہیئے،اس لیے اس ماہ میں نفلی نماز روزے کثرت سے ادا کرنا بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ کے پورے روزے بھی رکھتے تھے ۱؎ بولیں مجھے خبر نہیں کہ رمضان کے سواء کسی اور پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں یا کسی مہینہ کا پورا افطار کیا ہو ہر مہینہ میں کچھ روزے رکھتے تھے ۲؎ حتی کہ اپنی راہ تشریف لے گئے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ خصوصیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدم و ہمراز تھیں اور آپ کے ہر حال پر نگاہ رکھتی تھیں، ساتھ ہی بڑی فقیہ و عالمہ بھی تھیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی و بیرونی حالات زیادہ تر آپ ہی سے پوچھے جاتے تھے۔

۲؎ حَتّٰی یَصُوْمَ میں حَتّٰی بمعنی کے ہے یعنی کسی مہینہ میں سارا افطار اس لیے نہ کیا تاکہ ہر ماہ میں بعض دن روزے رکھنا سنت ہوں اور ہوسکتا ہے کہ حَتّٰی انتہائے غایت کا ہو مگر اس میں بہت تکلیف ہے۔(مرقات)

۳؎ یہ حَتّٰی تین جملوں کی انتہا ہے اور اپنی راہ تشریف لے جانے سے مراد وفات پاجانا ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یا کسی اور سے پوچھا اور عمران سن رہے تھے تو حضور نے فرمایا اے ابو فلاں کیا تم نے آخر ماہ شعبان کے روزے نہ رکھے ۱؎ وہ بولے نہیں فرمایا جب یہ روزے رکھ چکو تو دو دن روزے رکھ لینا ۲؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ سرر اور اسرار مہینہ کے اول دنوں کو بھی کہتے ہیں، درمیانی کو بھی اور آخر کو بھی مگر زیادہ آخری رات کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں چاند بالکل چھپا ہوتا ہے، بعض لوگوں نے یہاں اول یا درمیانی مہینہ مراد لیا ہے کیونکہ شعبان کی آخری تاریخ میں روزہ منع ہے جیساکہ گزرچکا مگر لمعات، اشعۃ اللمعات، مرقات وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں آخری کے معنے ہی میں ہے یہ صاحب ہر مہینہ کے آخر روزہ رکھنے کے عادی تھے یا اس کی منت مان چکے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سن کر انہوں نے شعبان کے آخر میں روزہ نہ رکھا تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

۲؎ یعنی ہماری ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جو صرف شعبان کے آخر میں روزے رکھیں، تم چونکہ ہر ماہ آخر میں دو روزوں کے عادی ہو یا نذر مان چکے ہو اس لیے تم بعد عید اس کے عوض دو روزے رکھ لینا۔(لمعات و مرقات) اس شرح سے حدیث بالکل واضح ہوگئی اور اس پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں ۱؎ اور فرض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے ۲؎ (مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ محرم سے مراد عاشورہ کا دن ہے نہ کہ سارا ماہ محرم ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے زیادہ رکھا کرتے،چونکہ عاشورہ کا دن محرم میں واقع اور عاشورہ میں بڑے اہم واقعات ہوچکے ہیں:آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت،نوح علیہ السلام کی کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا،یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند یوسف علیہ السلام سے ملنا،فرعون کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام کی نجات،ایوب علیہ السلام کی شفا،یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا وغیرہ عاشورہ ہی کے دن ہوئے،بعد میں شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ اور قیامت کا آنا اسی دن میں ہونے والا تھا اس لیے سارے محرم کو اللہ کا مہینہ فرمایا گیا یعنی اللہ کے محبوبوں کا مہینہ کہ جو اللہ کے بندوں کا ہوجائے وہ اللہ کا ہوجاتا ہے اور جس دن یا جس مہینہ میں کوئی اہم کام ہوا ہو اس میں عبادتیں کرنا بہتر ہے لہذا ربیع الثانی کی گیارہویں،ربیع الاول کی بارھویں،رجب کی ستائیسویں افضل تاریخیں ہیں اور ان میں عبادات،روزہ،نوافل،میلاد شریف وغیرہ کرنا بہت بہتر ہے۔یہ حدیث بہت سے صوفیانہ و عالمانہ مسائل کا ماخذ ہے۔صوفیائے کرام بہت سے اعمال کی زکوۃ عاشورہ کے دن ادا کرتے ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھئے۔

۲؎ فرض سے مراد نماز پنجگانہ ہے مع سنن مؤکدہ اور وتر کے،اور رات کی نماز سے مراد تہجد ہے یعنی فرائض وتر اور سنن مؤکدہ کے بعد درجہ نمازِ تہجد کا ہے کیوں نہ ہو کہ اس نماز میں مشقت بھی زیادہ ہے اور خصوصی حضور بھی غالب،یہ نماز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ"۔رب تعالٰی نے تہجد پڑھنے والوں کے بڑے فضائل بیان فرمائے:"تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ"اور فرماتا ہے:"وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّ قِیٰمًا"وغیرہ۔فقیر کی وصیت ہے کہ ہر مسلمان ہمیشہ تہجد پڑھے اور اس نماز کا ثواب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ کردیا کرے بلکہ انہی کی طرف سے ادا کیا جائے ان شاءاللہ! وہاں سے بہت کچھ ملے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ آپ کسی دن کے روزوں کو دوسرے دنوں پر بزرگی دے کر تلاش کرتے ہوں ۱؎ سوائے اسی دن یعنی عاشوراء کے دن اور اس مہینے یعنی ماہ رمضان کے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس کو بہت بہتر بھی سمجھتے ہوں اور مبالغہ سے اس کی جستجو بھی کرتے ہوں اور سال بھر تک اس کا انتظار فرماتے ہوں یعنی آپ کا انتظار اور تلاش کرنا اتفاقًا نہ تھا بلکہ ان کو سب سے افضل بیان کرنا تھا۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنوں میں عاشورے کے دن کو بہت افضل جانتے تھے اور مہینوں میں رمضان کے مہینہ کو۔عاشورے کی افضیلت کے وجوہ ابھی عرض کئے گئے۔ماہ رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے، اس میں شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے اس کا آخری عشرہ اعتکاف کا زمانہ ہے،اس مہینہ میں جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے،نیز اس مہینہ میں دوزخ بند رہتی ہے جنت کے دروازے کھلے رہتے ہیں،شیطان قید ہوجاتے ہیں اس لیے یہ مہینہ دوسرے مہینوں سے افضل ہے۔خیال رہے کہ قریش عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور ہجرت سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی عمل تھا ہجرت کے بعد اسلام میں اس دن کا روزہ فرض ہوا،پھر رمضان کی فرضیت سے اس روزے کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر سنیت اور استحباب اب بھی باقی ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ صوم عاشورہ کا افضل اور یوم عرفہ کا افضل یعنی نویں ذی الحجہ کہ وہ حج کا دن ہے لہذا یہ حدیث عرفہ کی افضیلت کی حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا ۱؎ تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ دن ہے جس کی یہود و عیسائی تعظیم کرتے ہیں ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ہم سال آئندہ زندہ رہے تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ پہلے وجوبی حکم دیا اور فرضیت رمضان کے بعد استحبابی۔واقعہ یہ ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت یہود مدینہ کو روزہ رکھتے پایاان سے اس کی وجہ پوچھی وہ بولے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی کہ اسے غرق کیا،سرکار نے فرمایا"نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْكُمْ"بمقابلہ تمہارے موسیٰ علیہ السلام کا ہم پر زیادہ حق ہے یہ فرماکر عاشورہ کا روزہ مسلمانوں پر فرض کردیا،پھر روزہ رمضان سے اس کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر حضور استحبابًا خود بھی یہ روزہ رکھتے رہے اور صحابہ کو بھی حکم دیتے رہے تب وہ واقعہ پیش آیا جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎ لہذا اگر ہم بھی عاشورے کی تعظیم کریں گے تو اہل کتاب سے مشابہت ہوجائے گی اور کفار سے مشابہت اسلام میں حرام ہے،یہ عرض معروض ۱۰ھ میں ہوئی۔(مرقات)

۳؎ یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے اس طرح بچ جائیں گے کہ وہ صرف عاشورے کا ایک روزہ رکھتے ہیں اور ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھ کر دو کرلیا کریں گے یعنی مشابہت کے خوف سے نیکی بند نہ کریں گے بلکہ اس میں زیادتی کرکے فرق کردیا کریں گے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال تک تشریف فرما نہ رہے بلکہ اسی سال ربیع الاول میں وفات پا گئے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اب سنت یہی ہے کہ عاشورے کے دو روزے رکھے،سنت قولی تو صراحۃً ہے اور سنت فعلی ارادۃً۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا شرک یا حرام نہیں بلکہ رکن اسلام ہے۔نماز پنجگانہ کی رکعتیں بقرعید کی نماز و قربانی اور حج کے سارے ارکان یادگار انبیاء ہی ہیں(علیہم

السلام)دیکھو ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول لہٰذا عرس،میلاد شریف،گیارہویں پاک سب افضل چیزیں ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی احکام کے مالک و مختار ہیں،عاشورے کے روزے کی کوئی آیت موجود نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چاہا فرض ہوگیا اور جب چاہا مستحب رہ گیا۔تیسرے یہ کہ حدیث قرآن سے منسوخ ہوسکتی ہے،دیکھو عاشورے کا روزہ حدیث سے ثابت تھا اور اس کا نسخ رمضان سے ہوا جو قرآن سے ثابت ہے۔چوتھے یہ کہ کفار سے ہر تشبہ برا نہیں بلکہ بری باتوں میں یا ان چیزوں میں تشبہ حرام ہے جسے اسلام نے ان کا قومی یا مذہبی نشان قرار دیا ہو۔تشبہ اور اشتراک میں بڑا فرق ہے،دیکھو ۱۰ھ تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کا ایک ہی روزہ رکھا اور صحابہ کے عرض کرنے پر بھی اس روزے کو حرام نہ کہا۔پانچویں یہ کہ تھوڑے فرق سے تشبہ اٹھ جاتا ہے،تشبہ کے بہانے سے عبادات بند نہ کرو۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو میلاد شریف کو کنہیا جنم سے اور نیاز فاتحہ کو کناگتوں سے تشبیہ دے کر حرام کہتے ہیں،اللہ سچی سمجھ عطا فرمائے۔چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا علم تھا کہ اس سال ہوجائے گی اسی لیے صرف اس موقعہ پر اگر فرمایا،یہ اگر اپنے شک کے لیے نہیں بلکہ اوروں کو شک میں رکھنے کے لیے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا"۔

	روایت ہے حضرت ام الفضل بنت حارث سے[1] کہ کچھ لوگوں نے ان کے پاس عرفہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے متعلق گفتگو کی بعض نے کہا کہ حضور روزہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ حضور روزہ دار نہیں[2] تو ام الفضل نے ایک پیالہ دودھ حضور انور کی خدمت میں بھیجا جب کہ آپ عرفات میں اپنے اونٹ پر قیام فرما تھے تو آپ نے پی لیا[3](مسلم،بخاری)

[1] آپ کا نام لبابہ ہے،حضرت عباس کی بیوی عبداللہ ابن عباس و فضل ابن عباس کی والدہ ہیں،ام المؤمنین حضرت میمونہ کی بہن ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔

[2] یہ واقعہ حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہوا جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں قیام فرما تھے۔خیال رہے کہ یہاں صیام مصدر ہے جمع نہیں جیسے قیام کبھی مصدر ہے کبھی جمع،صیام صوم کی جمع بھی آئی ہے اور صائم کی بھی اور مصدر بھی۔

[3] سبحان اللہ! ام الفضل کی فراست پر قربان جاؤں کہ آپ نے نہایت آسانی سے ان کا جھگڑا ختم کردیا اور دودھ بھیجا کیونکہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ مرغوب تھا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ غیر حاجی کے لیے سنت ہے حاجی کے لیے سنت نہیں بلکہ ایسے کمزور کو جو روزہ رکھ کر ارکان حج ادا نہ کرسکے مکروہ ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر دودھ پینا اسی کے اظہار کے لیے تھا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقر عید کے عشرہ میں کبھی روزہ رکھتے نہ دیکھا ا؎ (مسلم)	

ا؎ اس میں ام المؤمنین اپنے علم کی نفی کررہی ہیں نہ کہ اصل روزے کی لہذا یہ حدیث نسائی کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ آپ نویں بقر عید کو روزہ رکھتے تھے،نیز سرکار نے فرمایا کہ بقر عید کے پہلے عشرے کا ہر روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس میں ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ بعد رمضان بقر عید کے پہلے عشرے کی عزت ہے۔خیال رہے کہ اگر نفی اور ثبوت کی احادیث میں تعارض ہو تو ثبوت والی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا آپ روزے کیسے رکھتے ہیں تو اس کی بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ا؎ جب حضرت عمر نے آپ کی ناراضی دیکھی تو عرض کیا ہم اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفٰے کے نبی ہونے سے راضی ہیں ہم اللہ و رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۲؎ حضرت عمر یہ بار بار کہتے رہے حتی کہ حضور کی ناراضی جاتی رہی ۳؎ پھر حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ جو ساری عمر روزے رکھے وہ کیسا فرمایا نہ اس نے روزے رکھے نہ افطار کیا یا فرمایا نہ روزہ رکھ سکا اور نہ افطار کرسکا ۴؎ عرض کیا جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا کیا کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے ۵؎ عرض کیا جو ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا یہ داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں ۶؎ عرض کیا جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا میری تمنا ہے کہ مجھے یہ طاقت ملتی ۷؎ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر ماہ میں تین دن کے روزے اور رمضان سے رمضان تک کے روزے ساری عمر کے روزے ہیں ۸؎ عرفہ کے دن کا روزہ مجھے اللہ کے کرم پر امید ہے کہ ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے کا کفارہ ہوجائے ۹؎ اور عاشورہ کے	

دن روزہ مجھے اللہ کے کرم پر امید ہے کہ پچھلے سال کا کفارہ بنادے۔(مسلم)	

۱؎ چند وجہ سے یہ ناراضی ہوئی:ایک یہ کہ سوال میں بے ادبی کا شائبہ ہے،سائل کو چاہیئے کہ اپنے متعلق سوال کرے نہ کہ مفتی کے بارے میں،انہیں پوچھنا چاہئیے تھا کہ میں کس طرح روزے رکھا کروں۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مختلف تھے آپ کبھی زیادہ روزے رکھتے تھے کبھی کم تو جواب دشوار تھا۔تیسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کم کرتے تھے تاکہ امت پر دشواری نہ ہو ان پر آسانی رہے۔چوتھے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام حقوق ازواج اور سلطنت کے انتظام،مہمانوں کی تواضع میں زیادہ مشغول رہتے تھے جس کی وجہ سے روزے کبھی کم رکھتے تھے۔پانچویں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑے اعمال پر وہ ثواب ملتا تھا جو دوسروں کو زیادہ اعمال پر بھی نہیں ملتا۔ممکن تھا کہ وہ سائل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے سن کر انہیں کم سمجھتا جیسے بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات سن کر انہیں کم جانا۔(مرقات و اشعہ ولمعات)

۲؎ یعنی میں سارے مسلمانوں کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ ہم سے جو بے ادبیاں سرزد ہوجاتی ہیں ان کی وجہ یہ نہیں کہ ہمیں آپ کے مراتب کا انکار ہے بلکہ محض درباری آداب سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔شعر

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں　　　　ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

مرقات نے یہاں فرمایا کہ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی پر رب تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے اس لیے جناب عمر نے اللہ کے غضب کا بھی ذکر کیا۔خیال رہے کہ اللہ رسول کے غضب سے سوائے رب کی بارگاہ کے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

۳؎ معلوم ہوا کہ عاجزی اور خوشامد بڑی اکسیر ہے۔شعر

عجز کار انبیاء و اولیاء ست　　　　عاجزی محبوب درگاہ خداست

۴؎ ایسا شخص ہمیشہ دن میں کھانے سے محروم رہا اور روزوں کا ثواب بھی نہ پاسکا کیونکہ سال میں پانچ دن روزے منع تھے وہ ان دنوں میں بھی روزے رکھ گیا گنہگار ہوا یا یہ حکم اس کے متعلق ہے جو ہمیشہ کے روزوں پر قادر نہ ہو بہت مشقت اٹھاکر اور نفس کو ہلاکت میں ڈال کر روزے رکھے اور ان روزوں کی وجہ سے حق والوں کے حقوق ادا نہ کرسکے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضرت ابو طلحہ انصاری اور حمزہ ابن عمرو اسلمی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ان پانچ دنوں کے سواء ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مطلع ہونے پر منع نہ کیا،نیز بیہقی شریف میں ہے کہ جو ہمیشہ روزے رکھے اس پر دوزخ ایسی تنگ ہوجائے گی جیسے نوے کا عدد کہ کلمہ کی انگلی کا کنارہ انگوٹھے کی جڑ میں لگادیا جائے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ تنبیہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ہمیشہ روزے رکھنے کی وجہ سے ایسے عادی ہوجائیں کہ انہیں روزے میں تکلیف ہو۔(لمعات و مرقات)لہذا امام اعظم ابوحنیفہ کا چالیس سال مسلسل روزے رکھنا اس عتاب کی زد میں نہیں آتا۔

۵؎ یعنی عام لوگوں پر بھی دشوار ہے اس سے بھی لوگوں کے سارے کاروبار بند ہوجائیں گے۔اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ ممانعت کی وجہ لوگوں کی کمزوری ہے اگر کسی میں ہمیشہ روزے رکھنے کی طاقت ہو جس سے اس کا کوئی کام بند نہ ہو تو اس کے لیے وہی افضل ہے۔

٦؎ یعنی آپ ہمیشہ یوں ہی روزے رکھتے تھے یہ بہتر طریقہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ عوام پر یہ بھی مشکل ہے یہ تو داؤد علیہ اسلام ہی تھے جو اس طرح روزے رکھ گئے دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے اور دوسری حدیثیں پہلے معنے کی تائید کرتی ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین روزے داؤد علیہ السلام کے پاس ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ عمل اتنا کرو جو تمہیں علم سے نہ روکے اور علم میں اتنے مشغول ہونا جو تمہیں اعمال سے نہ روکے،درمیانی چال اچھی۔

۷؎ یعنی مجھ پر امت کا بوجھ،ازواج کے حقوق،مملکت کے انتظامات نہ ہوتے تو میں اسی طرح روزے رکھا کرتا،اگر میں ایسے روزے رکھنے لگوں تو کمزور مسلمان بھی اس سنت پر عمل کرنے لگیں جس سے ان کے کاروبار بند ہوجائیں گے۔یہاں طاقت رکھنے سے مراد موقعہ پانا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ وصال رکھا کرتے تھے کہ وہ ہمیشہ نہ رکھتے تھے کبھی کبھی،پھر بھی صحابہ کو اس سے منع فرمادیا لہذا اس عبادت سے کوئی دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھے کہ **نعوذباللہ** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کمزور تھے اور آپ میں ان روزوں کی بھی طاقت نہ تھی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان حضرت بایزید بسطامی نے ایک بار تین سال تک پانی نہ پیا،اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب قدس سرہ نے ایک بار انتیس دن کچھ نہ کھایا اور کسی کام میں فرق نہ آیا۔یہ واقعہ مجھے میرے مرشد برحق صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا۔ہر مہینہ کی تیرھویں،چودھویں،پندرھویں تاریخ کے روزے رکھ لیے جائیں اور پورے ماہ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو اس سے ساری عمر کے روزوں کا ثواب مل جاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"**مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا**"۔جب ایک کا دس ملتا ہے تو ان شاءاللہ! تین روزوں میں تیس کا ثواب ملے گا اس حساب سے ساری عمر کے روزے ہوجائیں گے یہ سب رحمتیں اس رحمت والے محبوب کے صدقے سے ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم

۸؎ پہلے عرض کیا جاچکا کہ یہ **صِیام** مصدر ہے نہ کہ **صوم یاصائم** کی جمع یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ کا روزہ اگلے پچھلے دو سال کے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اگر گناہ صغیرہ نہ ہوں تو درجے بلند کردیتا ہے،گناہ کبیرہ بغیر توبہ اور بندوں کے حق بغیر ادا کئے معاف نہیں ہوتے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ آئندہ ایک سال کے گناہ مٹانے کے معنے یہ ہیں کہ اسے گناہ سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث غیر حاجیوں کے لیے ہے حاجی کے لیے عرفات میں اس دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

۹؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشورے کے روزے سے نویں بقرعید کا روزہ افضل ہے کیونکہ عاشورہ کا روزہ تو ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عرفہ کا روزہ دو سال کا مگر عاشورہ کا دن عرفے کے دن سے بعض اعتبار سے افضل ہے۔لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں عاشورے کے دن کی افضیلت بیان کی گئی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ا۱اس دن میں ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر قرآن اتارا گیا۲(مسلم)

۱؎ یا تو پوچھا گیا کہ اس دن میں روزہ رکھنا کیسا ہے اور اس کا کیا ثواب ہے یا یہ کہ یارسول اللہ آپ ہر پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں اس میں کیا خصوصیت ہے۔(مرقات و لمعات)

۲؎یعنی پیر کے دن دنیا کو دو نعمتیں ملیں:ایک میری تشریف آوری اور دوسرے نزول قرآن کی ابتداء کہ غار حرا میں پہلی وحی "اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ"الایہ پیر کے دن ہی آئی لہذا اس دن روزہ رکھنا بہت ہی بہتر ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وقت اور جگہ واقعات کی وجہ سے اشرف ہوجاتے ہیں۔(مرقات)دوسرے یہ کہ حضو ر انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کریمہ اللہ تعالٰی کی بڑی ہی نعمت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نعمتوں میں شمار کیا،رب تعالٰی نے صرف اس نعمت پر مَنَّ فرما کر احسان جتایا کہ فرمایا:"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤۡمِنِیۡنَ"الایہ۔تیسرے یہ کہ اہم واقعات کی یادگاریں منانا سنت سے ثابت ہے۔چوتھے یہ کہ یادگار میں کھیل کود نہ ہونا چاہیئے بلکہ عبادتیں ہوں اس لیے میلاد شریف،عید معراج،عرس وغیرہ کا ثبوت ہوتاہے۔پانچویں یہ کہ امام مالک کے ہاں پیر کا دن جمعہ سے بھی افضل ہے،ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذ عدویہ سے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھتے تھے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا کہ مہینہ کے کون سے حصہ میں روزے رکھتے تھے فرمایا اس کی پرواہ نہ کرتے تھے کہ کس حصہ میں روزہ رکھیں ۱؎(مسلم)

۱؎ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال نگاہ میں رکھتی تھیں اس لیے سرکار کے حالات زیادہ تر ام المؤمنین ہی سے پوچھے جاتے تھے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ میں مختلف روزے رکھتے تھے کبھی زیادہ کبھی کم مگر تین دن سے کم کبھی نہ رکھتے تھے،اکثر تیرہویں،چودھویں، پندرھویں کے روزے رکھتے تھے،کبھی ان کے علاوہ اور تاریخوں میں بھی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان تین تاریخوں میں روزے رکھتے تھے کیونکہ وہاں اکثری حالت کا ذکر ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ان تین روزوں کی تاریخ میں دس۱۰ قول ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب انصاری سے انہوں نے خبر دی ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رمضان

کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے ۲؎ تو ساری عمر کے روزوں کی طرح ہوگا ۳؎(مسلم)۴؎	

۱؎ اپنے سے نیچے راوی کو یعنی اپنے شاگرد ابن عمرو ابن ثابت کو،انہوں نے یہ حدیث بیان کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎ مسلسل یا متفرق مگر متفرق افضل،اس طرح کہ عید کے سویرے ایک روزہ رکھ لے،باقی پانچ روزے پورے مہینے میں کچھ فاصلہ کرتے ہوئے رکھ لے۔

۳؎ کیونکہ سال میں دن تقریبًا تین سو ساٹھ ہوتے ہیں اور ہر نیکی کا ثواب دس گناہ تو رمضان کے تیس روزے تین سو بن گئےاور یہ چھ روزے ساٹھ ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ ہر مہینہ میں تین روزے عمر بھر کے روزے ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان روزوں کا بھی یہی ثواب ہوا اور ان کا بھی یہی،ثواب ایک لیکن اس کے حاصل کرنے کے ذریعے بہت۔

۴؎ مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث قریبًا تیس صحابہ سے مروی ہے،ترمذی نے اسے حسن فرمایا،باقی انتیس اسنادیں اس کی نہایت صحیح ہیں۔چنانچہ اسے طبرانی،بزاز،ابن ماجہ،نسائی،ابن خزیمہ،ابن حبان،احمد،بیہقی وغیرہ کتب نے ابوہریرہ،جابر،ثوبان،براء ابن عازب،ابن عباس،سعد ابن سعید،ابو ایوب انصاری اور حضرت عائشہ صدیقہ سے روایتیں کیں،اس حدیث کو ضعیف کہنا سخت غلطی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید و قربانی کے دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ نحر کے دن سے تشریق کے سارے دن مراد ہیں،چونکہ ان میں سے اکثر میں قربانی ہوتی ہے اس لیے تغلیبًا ان سب کو نحر کا دن فرمادیا،دسویں ذی الحجہ صرف قربانی کا دن ہے،گیارھویں بارھویں قربانی کا دن بھی ہے اور تشریق کا بھی اور تیرھویں صرف تشریق کا دن ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے:یکم شوال اور دسویں،گیارھویں،بارھویں،تیرھویں ذی الحجہ۔

مسئلہ: جو شخص ان دنوں میں روزے کی نذر مان لے تو دوسرے اماموں کے ہاں وہ نذر ہی درست نہیں اور امام اعظم کے ہاں نذر صحیح ہے مگر اس کی قضاء واجب۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو دن روزہ جائز نہیں عید و بقرعید ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ دو دن سے مراد دو قسم کے دن ہیں اور بقر عید سے مراد دسویں ذی الحجہ سے مع تین دن بعد والے جیساکہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔غرضکہ یہ حدیث مجمل ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

	روایت ہے حضرت نبیشہ ہذلی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریق کا زمانہ کھانے اور پینے اور اللہ کے ذکر کا زمانہ ہے ۱؎(مسلم)۲؎

۱؎ بقرعید کے تین دن بعد تک یعنی ۱۳ تاریخ تک اہلِ عرب قربانی کے گوشت سکھاتے تھے اس لیے ان دنوں کو تشریق یعنی سکھانے اور دھوپ دکھانے کا زمانہ کہا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ چار دن بندوں کی مہمانی کے ہیں جن میں رب تعالٰی میزبان بندے مہمان اس لیے ان دنوں میں روزہ رکھنا گویا رب تعالٰی کی دعوت سے انکار،اس زمانہ میں خوب کھاؤ خوب پیئو اور خوب اللہ کا ذکر کرو،یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفصیل ہے جس نے بتایا کہ وہاں بقر عید سے مراد یہ چاروں دن تھے۔

۲؎ احمد،طبرانی،دار قطنی،ابن ابی شیبہ وغیرہم نے مختلف الفاظ سے روایتیں کیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منٰی کے زمانہ میں اعلان کراتے تھے،صحابہ منٰی کے بازار میں شور کرتے پھرتے تھے کہ خبردار ایام تشریق میں روزے نہ رکھنا یہ دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے ۱؎ مگر یہ کہ اس کے آگے پیچھے بھی روزہ رکھے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی نفلی روزہ صرف جمعہ کا نہ رکھے یا جمعرات جمعہ یا جمعہ ہفتہ دو دن روزے رکھے،اس کی تحقیق آگے آرہی ہے۔

۲؎ فتح القدیر میں ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام محمد کے ہاں صرف جمعہ کا روزہ جائز ہے یہ ممانعت تنزیہی ہے وہ بھی بعض صورتوں میں جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔نفلی روزہ صرف جمعہ کا نہ رکھنا بہتر اس کی وجہ اللہ رسول ہی جانتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ دن غسل کرنے،کپڑے بدلنے،خطبہ سننے،نماز جمعہ پڑھنے وغیرہ عبادات کا ہے ممکن ہے روزے کی وجہ سے بندہ یہ کام بخوبی انجام نہ دے سکے جیسے حاجی کے لیے عرفے کے دن روزہ رکھنا بہتر نہیں کہ وہ اس دن روزہ رکھ کر آج کے کام اچھی طرح نہ کرسکے گا۔شارحین نے اوربہت سی وجہیں بیان کی ہیں لیکن یہ وجہ زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔بعض نے فرمایا کہ یہود کے ہاں ہفتہ کا دن افضل ہے اور عیسائیوں کے ہاں اتوار بہتر،وہ لوگ ان دنوں میں روزے رکھتے ہیں اگر مسلمان اپنے افضل دن یعنی صرف جمعہ کا روزہ رکھیں تو ان سے مشابہت ہوجائے گی۔واللہ اعلم!

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کی رات کو دیگر راتوں میں شب بیداری سے خاص نہ کرو ۱؎ اور جمعہ کے دن کو دیگر دنوں میں روزے سے خاص نہ کرو ۲؎ مگر یہ کہ جمعہ اس تاریخ میں آجائے جس میں کوئی روزہ رکھتا ہو ۳؎(مسلم)

۱؎ اس طرح کہ صرف اسی رات میں عبادت کو لازم کرلو یا سمجھ لودوسری راتوں میں بالکل ہی غافل رہوبلکہ اور راتوں میں بھی عبادت کیا کرو،اس توجیہ پر حدیث بالکل صاف ہے یعنی جمعہ کی رات میں عبادت کرنا منع نہیں بلکہ اور راتوں میں بالکل عبادت نہ کرنا مناسب نہیں کہ یہ غفلت کی دلیل ہے،چونکہ جمعہ کی رات ہی زیادہ عظمت والی ہے،اندیشہ تھا کہ لوگ اس کو نفلی عبادتوں سے خاص کرلیں گے اس لیے اسی رات کا نام لیا گیا۔

۲؎ کیونکہ جمعہ ہفتہ بھر کی عید ہے صرف عید میں روزہ رکھنا کیسا۔لمعات میں امام مالک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کوئی فقیہ صرف جمعہ کے روزے کو منع نہیں کرتا بلکہ بعض فقہاء اراداۃً جمعہ ہی کا روزہ رکھتے ہیں۔ (اشعہ)خلاصہ یہ کہ تمام فقہاء کے ہاں یہ حدیث خلافِ اولیٰ کے لیے ہے کیوں کہ آگے صراحۃً حدیث میں آرہاہے کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو بہت کم افطار کرتے،روزہ ہی رکھتے تھے۔

۳؎ مثلا کوئی شخص ہر گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا عادی ہو اور اتفاق سے اس دن جمعہ آجائے تو رکھ لے اب خلاف اولی بھی نہیں،بعض لوگ مخصوص تاریخوں میں خاص عبادتیں کرنے کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے عبادت یا دن مقرر کرنا حرام ہے اور ان دو حدیثوں کی آڑ پکڑتے ہی،الحمدللہ اس جملے نے ان کے خیال کو باطل کردیا،صاف بتادیا کہ جمعہ کا روزہ مقرر کرنے کی وجہ سے حرام نہیں ہوا بلکہ اسکی وجوہ کچھ اور ہیں جو پہلے عرض کی گئیں ورنہ یہ تاریخوں کا مقرر کرنا کیوں درست ہوتا۔اس کی پوری بحث اس جگہ مرقات میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے تو اللہ اسے آگ سے ستر سال کی راہ دور رکھے گا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ عربی میں خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں،چونکہ اہلِ عرب اپنے کاروبار میں اس موسم سے سال شروع کرتے ہیں اس لیے اس سے پوراسال بھی مراد لے لیتے ہیں وہی یہاں مراد ہے اور حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے۔روزے سے نفلی روزہ مراد ہے اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث نفلی روزے کے باب میں لائے یعنی بندہ مسلم اگر ایک نفلی روزہ رکھے اور اللہ قبول کرے تو دوزخ میں جانا تو کیا وہ دوزخ سے قریب بھی نہ ہوگا اور وہاں کی ہوا بھی نہ پائے گا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبداللہ کیا مجھے یہ خبر نہ ملی کہ تم ہمیشہ دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو ۱؎ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھو،افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سوؤ بھی ۲؎ کیونکہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری آنکھو ں کا بھی حق ہے ۳؎ اور تم پر تمہاری بیوی	

کا بھی حق ہے اور تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے ۴؎ جس نے عمر بھر روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں ۵؎ ہر مہینہ تین روزے ساری عمر کے روزے ہیں ہر مہینہ میں تین روزے رکھو ۶؎ اور ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرو ۷؎ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں ۸؎ فرمایا تو تم بہترین روزے یعنی روزہ داؤد رکھو کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو اس سے زیادہ نہ کرو ۹؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ سوال انکاری ہے یعنی مجھے خبر ملی ہے کہ تم سوائے پانچ ممنوعہ دنوں کے باقی سال بھر مسلسل نفلی روزے رکھتے رہتے ہو اور رات کو عبادت کہ نہ دن میں کبھی افطار کرتے ہو نہ رات میں سوتے ہو۔

۲؎ ورنہ تم اتنے کمزور ہوجاؤ گے کہ فرضی عبادتیں اور لوگوں کے شرعی حقوق ادا نہ کرسکو گے اور نفل کی وجہ سے فرض چھوڑنا یا فرض چھوٹنے کے اسباب پر عمل کرنا نہ عقلًا مناسب ہے نہ شرعًا۔خیال رہے کہ اس صورت میں یہ ممانعت تحریمی ہے،جو چیز فرائض چھڑا دے وہ حرام ہے۔

۳؎ ہمیشہ روزہ رکھنے سے تمہارا جسم بہت کمزور ہوجائے گا اور بالکل نہ سونے سے نگاہ کمزور پڑجانے کا خطرہ ہے۔

۴؎ اور ہمیشہ روزہ رکھنے اور شبِ بیداری کرنے سے تم کما نہ سکو گے اور بیوی کو منہ نہ لگاؤ گے،ملاقاتی لوگ اور مہمان چاہتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ کھاؤ پیاوررات کو دو گھڑی ان سے بات چیت کرو،تم یہ بھی نہ کرسکو گے۔ان جملوں سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ روزے رکھنے کی ممانعت ہم جیسے لوگوں کے لیے ہے جو تمام حقوق چھوڑ بیٹھیں۔جن کے لیے ہمیشہ کا روزہ اور رات بھر کا جاگنا مذکورہ حقوق سے آڑ نہ ہوان کے لیے اس میں حرج نہیں مگر ایسے بہادر لوگ لاکھوں میں ایک آدھ ہیں،جیسے حضرت طلحہ وغیرہ صحابہ میں اور امام ابوحنیفہ تابعین میں۔

۵؎ یعنی کامل روزے نہ رکھے جس سے پورا ثواب ملے۔ہماری پہلی شرح سے معلوم ہوچکا کہ یہاں مَنْ سے مراد وہ عام مسلمین ہیں جو دن میں عبادتوں میں مشغول ہوکر باقی حقوق ادا نہ کرسکیں۔

۶؎ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہےتو ہر مہینہ میں تین روزوں کا ثواب پورے مہینہ کے روزوں کا ہوگا،بہتر یہ ہے کہ یہ تین روزے چاند کی ۱۳،۱۴،۱۵ کو رکھے جائیں۔

۷؎ یہ جملہ قرآن کریم کے تیس پارے بنانے کی اصل ہے،زمانہ نبوی میں قرآن کریم کی تقسیم سورتوں اور منزلوں پر تھی رکوع اور پاروں پر نہ تھی،پھر خلافت عثمانیہ میں اس میں رکوع قائم کئے گئے کہ حضرت عثمان غنی تراویح کی رکعتوں میں جس قدر تلاوت کرکے رکوع فرماتے اس کا نام رکوع رکھا گیا اور حاشیہ پر ع کا نشان لگایا گیاتاکہ تراویح کا باقاعدہ رواج دینے والے جناب عمر اور اس رواج کو تمام دنیا میں پھیلانے والے حضرت عثمان کی طرف اشارہ ہو،تراویح روزانہ بیس رکعت ہوتی تھیں اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن اس لیے قرآن کریم کے پانچ سو چالیس رکوع ہوئے،بہت عرصہ

بعد قرآن کریم کے تیس پارے کئے گئے تاکہ روزانہ تلاوت کرنے والوں کو آسانی رہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرلیا کریں۔

۸؎ لہذا مجھے زیادہ عبادت کی اجازت دیجئے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت سے ان کے لیے اتنے نوافل اور روزے ناجائز ہوگئے تھے اس لیے آپ خوشامد کرکے زیادہ کی اجازت حاصل کررہے ہیں۔اس سے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات خداداد معلوم ہوئے وہاں ہی صحابہ کا شوق عبادت بھی ظاہر ہوگیا،اللہ ان بزرگوں کے طفیل ہمیں بھی عبادت کا شوق دے۔

۹؎ کہ روزانہ فمی بشوق کی ترتیب پر ایک منزل پڑھوتاکہ ہفتہ میں ایک قرآن ختم ہو۔ابھی عرض کیا جاچکا کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمرو جیسی طاقت رکھتے ہوں،ان سے کمزور مہینہ میں ختم کریں اور ان سے زیادہ قوی ہفتہ سے کم میں بھی ختم کرسکتے ہیں،ایک مہینہ میں بھی ختم نہ کرنا بڑی محرومی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے ۱؎(ترمذی نسائی)	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جمعرات اور پیر کے دن نفلی روزے رکھتے تھے اس کی وجہ اگلی حدیث میں آرہی ہے۔پیر کو **یوم الاثنین** غالبًا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔بعض نے کہا کہ عرب میں ہفتہ اتوار سے شروع ہوتا ہے لہذا اتوارا پہلا دن ہوا اور پیر دوسرا اور جمعرات پانچواں مگر علماء کا قول یہ ہے کہ ہفتہ سنیچر سے شروع ہوتا ہے۔(مرقات)احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کا پہلا دن جمعہ ہے کہ اس دن ہی پیدائش عالم کی ابتداء پڑی۔**واللہ اعلم!**

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال پیرو جمعرات کو پیش کئے جاتے ہیں ۱؎ لہذا میں چاہتاہوں کہ میرے عمل اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ والا ہوں ۲؎(ترمذی)	

۱؎ اس طرح کہ اعمال لکھنے والے فرشتے بندوں کے ہفتہ بھر کے اعمال ان دودنوں میں رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔خیال رہے کہ اعمال کا اٹھانا یعنی آسمانوں پر پہنچانااور ہے اور رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیشی کچھ اور،اعمال کا اٹھانا تو روزانہ چوبیس گھنٹے میں دوبار ہوتا ہے کہ دن کے اعمال رات سے پہلے،اور رات کے اعمال دن سے پہلے وہاں پہنچائے

جاتے ہیں مگر پیشی ہفتہ میں دو بار لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں روزانہ دوبار اعمال اٹھانے کا ذکر ہے۔(مرقات)یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال لکھنے والے فرشتے اعمال نامے ان فرشتوں پر پیش کرتے ہیں جواعمال ناموں کی نقل اپنے رجسٹروں میں کرتے ہیں۔(اشعہ)تب تو یہ حدیث بالکل صاف ہے۔
۲؎ تاکہ روزے کی برکت سے رحمت الٰہی کا دریا جوش مارے۔خیال رہے کہ سال بھر کے اعمال کی تفصیلی پیشی شعبان میں ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ کے ہاں سال کا آخری مہینہ ہے اور رمضان سال کا شروع مہینہ جیسے دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔غرضکہ فرشی سال اور ہے جس کی ابتداء محرم سے انتہاء بقرعید پر،عرشی سال کچھ اور۔(ازمرقات)

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابو ذر جب تم ہر مہینہ تین روزے رکھو تو تیرھویں،چودھویں پندرھویں کے رکھو ۱؎(ترمذی،نسائی)	

۱؎ انہی دنوں کو عربی میں ایام بیض یعنی چمک دار دن کہا جاتا ہے جن کی راتیں روشن ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تاریخوں میں اکثر روزے رکھتے تھے جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں پہلی تین تاریخوں میں روزے رکھتے تھے ۱؎ اور جمعہ کے دن بہت کم افطار کرتے تھے ۲؎(ترمذی،نسائی)اور ابوداؤد نے تین ایام تک روایت کی۔	

۱؎ پہلی دوسری تیسری تاریخوں میں یا ان کے قریب۔حضرت ابن مسعود کی یہ روایت اپنے علم کے لحاظ سے ہے ورنہ سرکار کا یہ عمل کبھی کبھی تھا اکثر ۱۳،۱۴،۱۵ کو روزہ رکھا کرتے تھے لہذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے خلاف ہے کہ سرکار مہینہ کے روزوں میں خاص تاریخوں کے پابند نہ تھے اور نہ اس کے مخالف کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض یعنی تیرھویں،چودھویں،پندرھویں کے روزے رکھتے تھے۔
۲؎ یعنی اکثر جمعہ کو روزہ رکھتے تھے،چونکہ جمعہ کی نیکی کا ثواب ستر گناہ ہے۔ظاہر یہ ہے کہ آپ صرف جمعہ کا روزہ رکھتے تھے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے نہیں،ہر شخص کو اس دن کے روزے کی اجازت ہے لہذا یہ حدیث مذہب حنفی و فقہاء کے فتوی کی مؤید ہے کہ جمعہ کا روزہ ممنوع نہیں،جہاں ممناعت آئی ہے وہاں کسی عارضہ سے ہے یا بمعنی خلاف اولٰی ہے۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ میں ہفتہ اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے تھے اور دوسرے مہینہ میں منگل،بدھ اور جمعرات کا ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی آپ نے ہفتہ کے سارے دنوں میں اپنے روزے تقسیم کردیئے تھے تاکہ کوئی دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کی برکت سے محروم نہ رہے۔چنانچہ ایک مہینہ میں تین دن اور دوسرے مہینہ میں اگلے تین دن روزے رکھتے تھے اور جمعہ کے روزے کی تو عادت کریمہ تھی ہی جیساکہ ابھی حدیث پاک میں گزرگیا۔ ہم لوگ دنوں سے برکت حاصل کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات سے دن برکت پاتے تھے جیسے ہم چاند سے روشنی پاتے ہیں اور چاند سورج سے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے تھے کہ میں تین روزے ہر مہینہ میں رکھوں جن میں پہلا روزہ پیر یا جمعرات کا ہو ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یہ حکم استحبابی تھا نہ کہ وجوبی،اسی واسطے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے وہ روزے نفل ہوتے تھے۔مرقات نے فرمایا کہ اثنین پیر کے دن کا نام بن چکا ہے جیسے بحرین ایک علاقہ کا نام ہے اور ناموں میں تبدیلی نہیں ہوتی اس لیے یہاں رفع کی حالت میں اثنان نہ آیا بلکہ اثنین ہی آیا۔بعض کا خیال ہے کہ یہاں یوم پوشیدہ ہے اثنین اس کا مضاف الیہ ہے مگر پہلی بات بہت قوی ہے۔مطلب یہ ہے کہ کسی مہینہ میں پیر منگل اور بدھ کے روزے رکھو اور کسی میں جمعرات،جمعہ اور ہفتہ کے بعض شارحین کے خیال میں یہ واؤ بمعنی اَوْ ہے یعنی تمہیں اختیار ہے کہ پیر سے شروع کرو یا جمعرات سے۔

روایت ہے حضرت مسلم قرشی سے فرماتے ہیں کہ یا میں نے یا کسی اور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر بھر کے روزوں کے متعلق پوچھا ۱؎ تو فرمایا کہ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے رمضان کا اور اس کے متصل کا روزہ رکھو ۲؎ اور ہر بدھ و جمعرات کا روزہ رکھو تو تم نے ساری عمر کے روزے رکھ لیے ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ کہ پانچ ممنوعہ دنوں کے علاوہ باقی ساراسال روزہ رکھنے کا شرعی حکم کیا ہے ثواب ہے یا گناہ۔

۲؎ متصل سے مراد یا شعبان ہے یا شوال یعنی اکثر شعبان اور سارے رمضان کے روزے رکھو یاسارے رمضان اور چھ شوال کے روزے رکھو،یہ حدیث مجمل ہے جس کی شرح پہلی احادیث تھیں۔

۳؎ یعنی ان روزوں میں تمہیں ساری عمر کے روزوں کا ثواب مل جائے گا۔یہاں مرقات نے فرمایا اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عمر بھر کے روزے بذات خود ممنوع نہیں بلکہ اگر ضعف پیدا کریں جس سے مسلمان دوسرے حقوق ادا نہ کرسکے تو ممنوع ہیں لہذا بعض صحابہ کرام اور مشائخ عظام کا عمر بھر روزے رکھنا اس حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے مقام عرفات میں عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ا؎(ابوداؤد)

ا؎ یعنی حاجی کو نویں بقرعید کے دن عرفات شریف میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیاتاکہ حاجی اس دن دعا مانگے،نمازوں کے جمع کرنے اور حج کے دیگر کاموں سے عاجز نہ ہوجائےاور روزے کی وجہ سے اس کے اخلاق اپنے ساتھیوں کے ساتھ خراب نہ ہوجائیں،یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ نے بارہا اس دن روزہ رکھا ہے،حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اگر سردی میں ایسا موقع آئے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں گرمیوں میں نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے وہ اپنی بہن صماء سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہفتہ کے دن بجز اس کے جو تم پر فرض ہو اور روزہ نہ رکھو ا؎اگر تم میں سے کوئی انگور کی چھال یا درخت کی لکڑی کے سواء کچھ نہ پائے تو وہ ہی چبائے ۲؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)۳؎

ا؎ یعنی نفلی روزہ صرف ہفتہ کے دن نہ رکھوکیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے کہ وہ اگرچہ اس دن روزہ تو نہیں رکھتے مگر اس کی تعظیم بہت ہی کرتے ہیں تمہارے اس روزے میں ان سے اشتباہ ہوگا۔جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے لہذا یہ حدیث ہفتہ کے دن کے روزے کی احادیث کے خلاف نہ ہوگی کہ وہ بیان جواز کے لیے ہیں اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے۔اگر ہفتہ کے ساتھ اور دن کا بھی روزہ رکھ لیا جائے تو نہ مشابہت رہے گی نہ ممانعت۔یہاں فرض سے مراد صرف شرعی فرض نہیں بلکہ بمعنی ضروری ہے لہذا رمضان،قضائے
رمضان،نذر،کفارہ،عاشورے،گیارھویں،بارھویں وغیرہ متبرک تاریخوں کے روزے اس دن میں رکھنا بلاکراہت جائز ہیں۔(مرقات ولمعات)

۲؎ یعنی ہفتہ کے دن اتفاقیہ فاقہ بھی نہ کرے اگر گھر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ہوتو معمولی چیز نگل کر ہی فاقہ سے بچ جائے،یہ فرمان مبالغہ کے لیے ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت تحریمی ہواور حدیث منسوخ ہو۔

۳؎ اس حدیث کو حاکم نے صحیح اور شرط بخاری پر کہااور نووی فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے،ابوداؤد فرماتے ہیں حدیث منسوخ ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے ا؎تو اللہ تعالٰی اس کے اور آگ کے درمیان ایسی خندق کر دے گا جیسی آسمان اور زمین کے درمیان ۲؎(ترمذی)

۱؎ اللہ کی راہ سے مراد جہاد،حج،عمرہ،طلب علم دین کا سفر ہے یعنی ان میں سے جو مسافر ایک دن بھی رکھ لے یا اس سے مراد رضائے الٰہی ہے یعنی جو کوئی گھر یا سفر میں ایک نفلی روزہ رکھ لے۔
۲؎ یعنی پانچ سو سال کی راہ اس سے پہلے ستر سال کی راہ کا فاصلہ بھی آچکا ہے مگر ان میں آپس میں تعارض نہیں کیونکہ اخلاص کے فرق سے ثواب میں فرق ہوجاتا ہے۔خندق فرماکر اس جانب اشارہ فرمایا گیا کہ ان شاءاللہ اس تک آگ تو کیا آگ کی تپش بھی نہ پہنچ سکے گی جیسے اتنی لمبی چوڑی خندق پھلانگ کر دشمن نہیں پہنچ سکتا۔

	روایت ہے حضرت عامر ابن مسعود سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈی غنیمت جاڑوں کے روزے ہیں ۲؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث مرسل ہے ۳؎

۱؎ ان کے نام اور ان کی صحابیت میں بڑا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ یہ عامر ابن عبداللہ ابن مسعود ہیں،تابعی ہیں،بعض نے فرمایا کہ یہ عامر ابن مسعود ابن امیہ ابن خلف جمعی ہیں،یعنی صفوان ابن امیہ کے بھتیجے۔حق یہی ہے کہ آپ صحابی نہیں تابعی ہیں۔
۲؎ جن میں تکلیف بہت کم اور اصل روزے کا ثواب پورا جیسے جہاد میں دشمن بغیر مقابلہ بھاگ جائے اور سردی کا موسم بھی ہو کہ غازی بلا تکلیف ثواب اور غنیمت لے آتا ہے،سردی کے رمضان کا بھی یہی حال ہے۔خیال رہے کہ یہ اصل ثواب میں گفتگو ہے ورنہ گرمی کے روزوں میں زیادہ مشقت کا ثواب بھی ملے گا اسی لیے حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے تین چیزیں بڑی پیاری ہیں:اکرام الضیف،صیام الصیف،جہاد بالسیف،مہمان کی خدمت،گرمی کے روزے،تلوار سے جہاد۔
۳؎ کیونکہ عامر ابن مسعود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہ پائی۔خیال رہے کہ آپ ابراہیم ابن عامر قرشی کے والد ہیں اور آپ کی اس کے سواء کوئی حدیث نہیں۔

	اور حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث مامن ایام الحدیث قربانی کے باب میں ذکر ہوچکی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورے کے دن روزہ رکھتے پایا ۱؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو ۲؎ وہ

بولے یہ وہ عظمت والادن ہے جس میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبویا،موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا ہم بھی رکھتے ہیں۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۴؎ چنانچہ یہ روزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رکھا۵؎ اور اس روزہ کا حکم بھی دیا۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ہجرت کے دوسرے سال میں جب عاشورے کا دن آیا تو آپ نے یہود کو روزہ دار دیکھا کیونکہ ربیع الاول شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے تھے اس سال کا عاشورہ گزر چکا تھا۔

۲؎ خیال رہے کہ یہود کے مہینے اور تاریخیں اسلامی مہینوں اور تاریخوں کے علاوہ تھیں مگر انہوں نے عاشورے کے دن کو روزہ کے لیے چھانٹ لیا تھا جس میں چاند کے حساب سے ہی روزے رکھتے تھے محض برکت کے لیے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہود کے مہینہ ہی اور تھے تو ان کا عاشورا کے دن روزہ کیسا۔

۳؎ شرعی قاعدہ سے دینی باتوں میں کفار کی خبر معتبر نہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ خبر معتبر مانی یا اس لیے کہ عبداللہ ابن سلام وغیرہ علمائے یہود جو اسلام لاچکے تھے انہوں نے بھی یہ خبر دی یا اس لیے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ وحی سے معلوم تھا،اس کی تائید کرانے کے لیے ان سے یہ سوال فرمایا گیا یا اس لیے کہ یہود کے ہاں یہ خبر متواتر تھی،متواتر خبریں کفار کی بھی معتبر ہیں،تواتر مستقل بڑا ثبوت ہے۔

۴؎ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سارے بھائی ہیں اصل دین میں سب متفق ہیں۔اے یہود! تم نے تو ان کی کتاب ہی بدل دی اور تم اصل دین ہی میں ان کے مخالف ہوگئے تو جب تم ان کی خوشی میں شرکت کرتے ہو تو ہم بھی ان کی خوشی میں شریک ہوں گے اور ان کی یادگار قائم کریں گے۔اس میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ ہم عاشورہ کا روزہ تمہاری مشابہت کے لیے نہیں رکھتے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کے لیے رکھتے ہیں اور موافقت انبیاء علیہم السلام اسلام میں بڑی پیاری چیز ہے،دیکھو سورۂ ص کا سجدہ داؤد علیہ السلام کی موافقت کے لیے ہے نہ کہ داؤدیوں کی مشابہت کے لیے۔فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث سے یہ شبہ اٹھ گیا کہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت اسلام میں منع ہے۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شروع اسلام میں یہ مشابہت ممنوع نہ تھی بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی باتوں میں اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے حتی کہ اسلام کا پہلا قبلہ بیت المقدس رہا کیونکہ انہی کے تالیف قلوب کے لیے پھر جب ان کی ہٹ دھرمی کھل گئی تو اسلام میں ان کی مخالفت لازم کردی گئی۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ رکھنا موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کے لیے ہے نہ کہ ان کی متابعت کے لیے۔موافقت اور متابعت میں زمین وآسمان کا فرق ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ"یہاں موافقت کا ذکر ہے کہ آپ سارے انبیاء کی موافقت فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام تجلیات ظاہری

زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا،یہاں اتباع کا ذکر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے موافق ہیں اور انبیائے کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع۔

۶؎ چنانچہ شروع اسلام میں عاشوراء کا روزہ فرض رہا،پھر رمضان کی فرضیت سے عاشورا کے روزوں کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر سنیت اب بھی باقی ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ معظم واقعات کی یادگاریں منانا رکن اسلامی ہے۔دوسرے یہ کہ یہ یادگاریں محض اس لیے حرام نہ کہی جائیں گی کہ ان میں مشابہت کفار کا شائبہ ہے۔تیسرے یہ کہ اسلامی یادگاریں کھیل کود سے نہ منائی جائیں بلکہ عبادتوں سے منائی جائیں،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی یادگار میں روزہ رکھا جوکہ عبادت ہے۔چوتھے یہ کہ اللہ والوں کی خوشی میں شرکت کرنا کچھ ملنے کا بہانہ ہوجاتاہے،بادشاہوں کے نوکر چاکر شہزادوں کی سالگرہ میں دکھلاوے کی خوشی مناکر بھی کچھ پا لیتے ہیں تو اگر ہم عید میلاد،عید معراج دل سے منائیں تو ان شاءاللہ منہ مانگی مرادیں پائیں گے بلکہ پارہے ہیں ان تمام عیدوں کی اصل یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن دنوں میں روزے زیادہ رکھتے تھے ان میں اکثر ہفتہ و اتوار کو رکھتے تھے ۱؎ اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکین کی عید کے دن ہیں میں چاہتاہوں کہ ان کی مخالفت کروں ۲؎ (احمد)	

۱؎ خیال رہے کہ ہفتہ یا اتوار یا دونوں دنوں کے روزے رکھنا یہودیوں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کے لیے بہت ہی بہتر ہے اور ان دنوں کی تعظیم کے لیے روزہ رکھنا سخت منع لہذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہفتہ کے روزے سے منع فرمایا گیا تھا کیونکہ وہاں دوسری نوعیت کا روزہ مراد تھا اور یہاں پہلی قسم کا روزہ مقصود ہےاور ہوسکتا ہے کہ وہاں صرف ہفتہ کا روزہ مراد ہواور یہاں ہفتہ اتوار دونوں دن کا روزہ ہے۔

۲؎ یعنی ہفتہ کا دن یہود کی عید ہے اور اتوار کا دن عیسائیوں کی عید ان میں وہ خوب کھاتے پیتے ہیں اور عیش کرتے ہیں ہم نے ان کی مخالفت میں روزہ رکھا۔مشرکین سے مراد یہودی،عیسائی ہیں کیونکہ یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی لہذا یہ دونوں مشرک ہوئے۔قرآن شریف میں عموماً شرک بمعنی کفر اور مشرک بمعنی کافر استعمال ہوا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ"اور فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ"۔ان آیتوں میں شرک بمعنی کفر ہے،ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی مشرکین سے کفار مراد ہوں۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور ہم کو اس پر رغبت دیتے اور عاشورہ کے دن ہماری تحقیقات فرماتے تھے پھر جب رمضان فرض	

	ہوا تو نہ ہمیں اس کا حکم دیا نہ منع کیا نہ تحقیقات فرمائی [1](مسلم)

[1] یہ دونوں واقعے ہجرت کے بعد ہیں،ہجرت سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی روزہ کا حکم نہیں دیا تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں عاشورہ کا روزہ فرض تھاکیونکہ اس کا حکم دینا اور عاشورہ آنے پر تحقیقات فرمانا کہ کس نے روزہ رکھا اور کس نے نہیں فرضیت کی علامت ہے۔رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء کی فرضیت اٹھ گئی مگر سنیت باقی رہی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک یہ روزہ رکھاہے۔مسلم،بخاری میں حضرت سلمہ ابن اکوع سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے یہ اعلان کرایا کہ جس نے کچھ کھالیا ہو وہ بقیہ دن کچھ نہ کھائے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھ لے کیونکہ آج عاشورہ ہے،یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔

	روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار کام نہ چھوڑتے تھے عاشورہ کا روزہ،بقر عید کے دس دن اور ہر مہینہ تین دن کے روزے [1]اور فجر سے پہلے کی دو رکعتیں۔(نسائی)

[1] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک یہ تینوں قسم کے روزے رکھےلہذا یہ سب سنت ہیں،بقر عید کے دس دن سے مراد نو دن ہیں ورنہ دسویں بقرعید کو روزہ حرام ہے یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری عمل مراد ہے نہ کہ ہمیشہ کالہذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو بقرعید کے عشرہ میں روزہ رکھتے نہ دیکھا،بقر عید کا عشرہ بہت ہی بہترین زمانہ ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں بہترین ہیں کہ ان سب میں شب قدر ہے اور بقرعید کے پہلے عشرہ کے دن افضل ہیں کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی کے روشن دنوں میں روزے نہ چھوڑتے تھے نہ گھر میں نہ سفر میں [1](نسائی)

[1] یہاں مرقات نے فرمایا ایام بیض کے متعلق علماء کے نو قول ہیں جن میں سے زیادہ قوی قول یہ ہے کہ وہ چاند کی تیرھویں،چودھویں،پندرھویں راتیں ہیں،انہیں ایام بیض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی راتیں اجیالی ہیں اور یا اس لیے کہ ان کے روزے دنوں کو نورانی اور اجیالا کرتے ہیں اور یا اس لیے کہ آدم علیہ السلام کے اعضاء جنت سے آکر سیاہ پڑگئے تھے،رب تعالٰی نے انہیں ان تین روزوں کا حکم دیاہر روزے سے آپ کا تہائی جسم چمکیلا ہواحتی کہ تین روزوں کے بعد سارا جسم نہایت حسین ہوگیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کی زکوۃ ہے اور جسم کی

	زکوۃ روزہ ہے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ کہ روزے کی برکت سے اکثر آدمی دبلے ہوجاتے ہیں،جسم کا کچھ گوشت گل جاتا ہے یا روزہ کی برکت سے جسم گناہوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے یا روزہ کی برکت سے آگ روزہ دار تک نہ پہنچ سکے گی۔غرضکہ روزہ زکوۃ کے سے تینوں کام کرتا ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزے رکھتے تھے عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالٰی سوائے عداوت والوں کے باقی سب مسلمانوں کو بخش دیتا ہے ۱؎ان کے متعلق فرمایا ہے انہیں چھوڑ دو حتی کہ آپس میں صلح کرلیں ۲؎(احمد،ابن ماجہ)

۱؎ سبحان اللہ! یہ دونوں دن بڑی عظمت اور برکت والے ہیں کیوں نہ ہوں کہ انہیں عظمت والوں سے نسبت ہے،جمعرات تو جمعہ کا پڑوسی ہے اور حضرت آمنہ خاتون کے حاملہ ہونے کا دن ہےاور پیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن بھی ہے اور نزول قرآن کریم کا بھی جیساکہ پہلے گزر چکا۔بخاری شریف میں ہے کہ ایک صحابی(حضرت عباس رضی اللہ عنہ)نے ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا،پوچھا کیا حال ہے بولا سخت عذاب میں گرفتار ہوں مگر پیر کے دن میرا عذاب کچھ ہلکا ہوتا ہے اور اپنے داہنے ہاتھ کی پہلی انگلی سے مجھے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو اس انگلی کے اشارے سے کہا تھاجا تو آزاد ہے۔سبحان اللہ! تاقیامت ان دو دنوں میں اللہ کے فضل سے ہم گنہگار بخشش اور مغفرت کی مٹھائیاں لیتے رہیں گے۔شعر

خدا کی یہ نعمت بڑی چیز ہے بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے

یہاں مرقات نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پیر و جمعرات کے دن ان مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے جو ان دنوں میں روزہ رکھنے کے عادی ہیں۔

۲؎ یہ خطاب کہ انہیں چھوڑ دو یاتو اس فرشتے سے ہوتا ہے جو اعمال کے رجسٹروں سے لوگوں کے گناہ مٹانے پر مقرر ہے یا ان لوگوں سے ہوتا ہے جو ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔(مرقات،اشعہ)یعنی ابھی ان کے گناہ باقی رہنے دو جب تک کہ یہ آپس میں صلح نہ کرلیں۔عداوت سے مراد دنیاوی عداوتیں ہیں جو جائداد مال وغیرہ کے باعث ہوں دینی عداوتیں تو عبادت ہیں،ہر مسلمان ہر کافر سے عداوت رکھے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ مِنۡ اَزْوٰجِکُمْ وَ اَوْلٰدِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوۡھُمْ"۔اس معلوم ہوا کہ مسلمان سے کینہ وعداوت اللہ تعالٰی کی بڑی رحمت سے محرومی کا باعث ہے،سینہ پاک رکھو تاکہ اس میں مدینہ کے انوار دیکھو،گندی تختی پر حرف کندہ نہیں ہوتے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جو رضائے الٰہی کی تلاش میں ایک دن روزہ رکھے ۱؎ تو اللہ اسے دوزخ سے اتنا دور کردے گا جیسے اُڑنے والے کوّے کی دوری جب وہ بچہ ہو حتی کہ بوڑھا ہوکر مرجائے ۲؎ (احمد)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس روزے سے مراد نفلی روزہ ہے اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث نفلی روزوں کے باب میں لائے۔تلاش رضاء الٰہی کی قید اس لیے ہے کہ کوئی عمل بغیر اخلاص نہ قبول ہو،نہ اس کا کوئی ثواب،نہ اس کے فوائد کا ظہور ہو۔اس میں اشارۃً بتایا جارہا ہے کہ جب ایک نفلی روزے کے ثواب کا یہ حال ہے تو اندازہ لگالو کہ فرضی روزے کا ثواب کتنا ہوگا۔

۲؎ کوّے کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہے۔(مرقات)اور یہ بہت تیز اُڑتا ہے،یہاں دوزخ سے انتہائی دوری بتانے کے لیے بطور تمثیل ارشاد ہوا کہ کوّے کا بچہ اگر پیدا ہوتے ہی اُڑنا شروع کردےاور مرتے دم یعنی ایک ہزار سال تک برابر اڑتا رہے تو اندازہ لگالو کہ اپنے گھونسلے سے کتنی دور جالیگا،رب تعالٰی اس روزہ دار کو دوزخ سے اتنا دور رکھے گا۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے وہم و گمان سے وراء ہیں۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمہ ابن قیس سے روایت کی ۱؎	

۱؎ مرقات نے فرمایا حق یہ ہے کہ ان کا نام سلمہ ابن قیس نہیں بلکہ سلمہ ابن قیصر حضرمی ہے،طبرانی نے ان کا نام سلامہ بتایا۔واللہ اعلم!

باب

باب ا

الفصل الاول

پہلی فصل

اچونکہ اس باب میں گزشتہ بابوں کے متعلق مختلف مضامین بیان ہوں گے نفلی روزے،روزہ رکھ کر توڑ دینا،روزے کی قضا وغیرہ اس لیے مصنف نے اس کا ترجمہ یا عنوان قائم نہ فرمایا گویا یہ **باب المتفرقات** ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے ہم نے عرض کیا نہیں ا فرمایا تو اچھا ہمارا روزہ ہے ۲ پھر دوسرے اور دن تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں ہدیۃ آیا ہے ۳ فرمایا مجھے دکھاؤ میں نے تو آج روزہ دار ہو کر صبح کی تھی پھر آپ نے کھالیا ۴(مسلم)	

ا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال تمام ازواج پاک سے تھااور یہ جواب بھی سب کی طرف سے ہوایعنی نو ازواج میں سے کسی کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں جو مالک کونین ہے ان کے اپنے گھر کا یہ حال ہے۔شعر

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر و فاقہ اختیاری ہے،فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔

۲ یعنی چونکہ آج گھر میں کچھ کھانے کو نہیں لہذا ہم اب اس وقت سے روزہ نفلی کی نیت کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ روزے نفل کی نیت ضحوی کبرے یعنی نصف نہار شرعی سے پہلے پہلے ہوسکتی ہے رات سے ہونا ضروری نہیں۔مصنف اسی مقصد کے لیے یہ حدیث یہاں لائے۔

۳ یعنی کسی شخص نے کھجور کا حلوہ بطور ہدیہ بھیجا ہے حضور ملاحظہ فرمائیں۔عربی میں **حیس** کے معنی ہیں خلط یا مخلوط چیز۔اصطلاح میں یہ ایک حلوہ ہے جو مکھن،پنیر،کھجور سے یا آٹے،مکھن اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے۔حریسہ اس سے اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔فقیر نے مدینہ طیبہ میں حیس بھی کھایا ہے اور حریسہ بھی۔

۴ یہ صورت پہلے کا عکس ہوئی کہ وہاں تو گھر میں کھانا نہ ہونے کی وجہ سے روزے کی نیت کرلی گئی تھی اور یہاں کھانا دیکھ کر رکھا ہوا نفلی روزہ توڑ دیا گیا،ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ یا نماز شروع کرنے سے واجب ہوجاتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا ضروری ہوتاہے کیونکہ رب تعالٰی نے فرمایاہے: "لَا تُبْطِلُوْٓا

اَعۡمٰلَکُمۡ"اور فرماتاہے:"فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا"یعنی اہل کتاب نے نیک اعمال شروع کیے انہیں نبھایا نہیں۔معلوم ہوا کہ نیکی شروع کرکے پوری کرنا واجب ہے۔اگر کوئی شخص نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دے تو اس کی قضاء واجب ہے ان دو گزشتہ آیتوں کی وجہ سے اور اس حدیث کی وجہ سے جو بروایت حضرت عائشہ صدیقہ آگے آرہی ہیں اور نفلی حج و عمرہ پر قیاس کی وجہ سے کہ یہ دونوں چیزیں احرام باندھتے ہی واجب ہوجاتی ہیں کہ اگر انہیں پورا نہ کرسکے تو قضاء کرنا واجب ہے۔خیال رہے کہ نفلی روزہ اور نمازیں بلا عذر توڑنا ناجائز ہیں،دعوت اور مہمان کی آمد بھی عذر ہیں یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ توڑنا عذرًا تھا یعنی کئی روز سے کھانا ملاحظہ نہ فرمایااور اس میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے اس روزے کی قضا نہ کی لہذا یہ حدیث نہ شافعیوں کی دلیل ہے نہ مالکیوں کی اور نہ حنفیوں کے خلاف۔

نوٹ: شوافع کے ہاں نفلی روزہ توڑنے سے مطلقًا قضاء واجب نہیں اور مالکیوں کے ہاں اگر بلاعذر توڑا ہو تو قضاء واجب ہے،ہمارے ہاں مطلقًا قضا واجب۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے ہاں تشریف لائے ۱؎ تو وہ حضور کی خدمت میں چھوارے وگھی لائیں ۲؎ حضور نے فرمایا اپنا گھی تو مشکیزہ میں لوٹ دو اور اپنے چھوارے اس برتن میں ڈال دو میں روزہ دار ہوں ۳؎ پھر گھر کے ایک گوشہ میں کھڑے ہوئے تو فرض کے علاوہ نماز پڑھی پھر ام سلیم اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی ۴؎(بخاری)	

۱؎ ام سلیم بنت ملحان کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں کہ یہ حضرت انس کی والدہ ہیں اور ابوطلحہ کی زوجہ،ان کے نام میں بہت اختلاف ہے امامہ ہے یا طیکہ یا غمیصہ یارمیصاء،پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں،ان سے حضرت انس پیدا ہوئے،پھر حضرت ابو طلحہ سے اسلام کی شرط پر نکاح کیا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے اور ام سلیم نے خاطر وتواضع کے طور پر یہ پیش کیا باقاعدہ دعوت نہ تھی ورنہ ام سلیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روزہ کے دن دعوت نہ دیتیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزے کے عذر سے دعوت قبول نہ فرماتے،نیز دعوت میں عمومًا روٹی سالن پیش کیا جاتا ہے نہ کہ فقط کھجور گھی۔اس لیے معلوم ہوا کہ ملاقاتی اور مہمان کی خاطر وتواضع کرنا سنت ہے،علماء فرماتے ہیں کہ بغیر کھائے پیئے مُردوں کی سی ملاقات ہے۔

۳؎ روزے کا اظہار اس لیے فرمادیا تاکہ جناب ام سلیم کو اس رد فرمادینے پر رنج نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ دار کو اگر پتہ ہو کہ میرے روزے سے گھر والے مطلع ہو کر نہ کھانے پر ناراض نہ ہوں گے تو روزہ نہ توڑنا افضل ہےاور اگر انکے رنجیدہ ہونے کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑ دینا اور کچھ کھالینا بہتر ہے بعد میں قضاء کی جائے،یہ بھی معلوم

ہوا کہ اپنی چھپی عبادت کا ہر اظہار ریاء نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے پینے کا سامان جمع رکھنا توکل کے خلاف نہیں،دیکھو حضرت ام سلیم کے گھر گھی کی مشکیں بھری ہوئی تھیں اور چھواروں کے ٹوکرے۔

۴؎ گھر کے گوشہ میں نماز تو اس لیے پڑھی تاکہ وہ گھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل سے متبرک ہوجائے اور یہ جگہ گھر والوں کے لیے دائمی جائے نماز بن جائے اور دعا اس لیے کی تاکہ معلوم ہو کہ روزہ دار اگر کھانا نہ کھائے تو گھر والوں کے لیے دعا ضرور کردے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے اوروہ ہو روزہ دار تو کہہ دے میں روزہ دار ہوں ۱؎ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو قبول کرلے پھر اگر روزہ دار ہو تو دعا کردے اور اگر بے روزہ ہو تو کھالے ۲؎(مسلم)	

۱؎ یا اس طرح کہ دعوت قبول ہی نہ کرے یا اس طرح کہ قبول کرلے اور پہنچ بھی جائے مگر وہاں کھائے نہیں یہ عذر کر دے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔خیال رہے کہ نفلی روزے کا چھپانا بہتر ہے مگر چونکہ یہاں چھپانے سے یا صاحب خانہ کے دل میں عداوت پیدا ہوگی یا رنج و غم،مسلمان کے دل کو خوش کرنا بھی عبادت ہے اس لیے روزے کے اظہار کا حکم دیا گیا ۔

۲؎ دعا کا حکم تو استحبابی ہے کہ وہیں نفل پڑھ کر یا بغیر نفل پڑھے دعاکردینا بہتر ہے اور کھانے کا حکم وجوبی بھی ہوسکتا ہے اور استحبابی بھی جیسا دعوت دینے والااور جیسا موقعہ ویسا حکم۔(مرقات)لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دعوت کے موقعہ پر روزہ توڑنے کا حکم ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو حضرت فاطمہ زہرا آئیں اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانی حضور کے دائیں طرف تھیں ۱؎تو ایک لونڈی ایک برتن لائی جس میں شربت تھاحضور کو پیش کیا آپ نے اس سے پیا پھر ام ہانی کو دے دیا انہوں نے پیا۲؎پھر بولیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے روزہ توڑ لیا میں تو روزہ	

دار تھی ۳؎ تو فرمایا کیا تم کوئی روزہ قضاء کررہی تھیں بولیں نہیں فرمایا اگر نفلی روزہ تھا تو تمہیں کچھ ضرر نہیں ۴؎ (ابوداؤد،ترمذی،دارمی) اور احمد و ترمذی کی روایت میں اسی کی مثل ہے اور اس میں یہ ہے کہ آپ بولیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ دار تھی تو فرمایا نفلی روزہ دار اپنے نفس کا خود مختار ہے اگر چاہے روزہ پورا کرے اگر چاہے افطار کرلے ۵؎	

۱؎ غالبًا مجلس کی یہ ترتیب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھی کیونکہ ام ہانی فاطمہ زہرا کی نند بھی تھیں اور پھوپھی بھی،عمر میں بھی آپ سے بڑی تھیں اس لیے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں طرف بٹھالا اور ام ہانی کو دائیں طرف،اب بھی اجتماع کے موقع پرنشست گاہوں میں مرتبہ کے مطابق ترتیب چاہیئے۔غالبًا یہ واقعہ ام ہانی کے اپنے گھر میں نہ ہوا بلکہ کسی دوسرے گھر میں ورنہ ام ہانی میزبانی کی خدمت خود انجام دیتیں۔خیال رہے کہ ام ہانی نے مکہ معظّمہ سے ہجرت نہیں کی تھی۔

۲؎ سنت یہ ہے کہ مجلس میں پانی وغیرہ کا برتن پہلے بزرگ کی خدمت میں پیش کیا جائے،پھر داہنی طرف کو دور چلے کہ اگرچہ اس طرف چھوٹا آدمی یا بچہ ہی ہو اور بائیں طرف بڑا مگر دیا جائے داہنی طرف ہی اور یہاں تو اتفاقًا داہنی جانب ام ہانی تھیں جو رشتہ اور عمر میں فاطمہ زہرا سی بڑی تھیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزیز قرابت دار مرد و عورت ایک دوسرے کا جوٹھا پانی پی سکتے ہیں۔جن روایات میں ہے کہ عورت مرد کا جوٹھا نہ پیئے نہ مرد عوت کا وہاں اجنبی لوگ مراد ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۳؎ **سبحان اللہ!** کیا عجیب عمل ہے کہ ام ہانی نے پہلے روزہ توڑا پھر مسئلہ پوچھا،ان کے نزدیک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ تبرک پینا روزے سے افضل تھا،ان کے دل نے فتوٰی دیا کہ روزے کی قضاء یا کفارہ ادا کرلوں گی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوٹھا پھر کہاں ملے گا،عشق کے رنگ نرالے ہیں۔شعر

نیست ایں باراں ازیں ابر شما　　　　ہست باراں دیگر و دیگر سما

عشق کا مدرسہ ہی دوسرا ہے اور اس کے آسمان و زمین ہی کچھ اور۔

۴؎ یعنی اگر یہ روزہ نذر یا قضائے رمضان وغیرہ تھا تب تو اس کا توڑنا منع تھا اگر محض نفلی تھا تو توڑنا بالکل جائز اگرچہ اس کی قضاء واجب۔اس سے معلوم ہوا کہ مرید یا شاگرد اپنے پیر یا استاد کے تبرک کھانے کے لیے نفلی روزہ توڑ سکتا ہے دعوت کی طرح یہ بھی روزہ توڑنے کا ایک عذر ہے۔

۵؎ ان ظاہری الفاظ سے امام شافعی نے فرمایا کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے قضاء واجب نہیں لیکن یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ یہاں گناہ کی نفی ہے نہ کہ قضاء کی۔قضاء کا حکم تو اگلی حدیث میں آرہا ہے۔**اَمِیْرُ نَفْسِہٖ** کا مطلب یہ ہے کہ نفلی روزہ دار کسی موقعہ اور محل پر افطار بہتر سمجھے تو توڑ سکتا ہے۔اس حدیث پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ فتح مکہ رمضان میں ہوئی ام ہانی اس دن مسافر نہ تھیں ان پر روزہ رمضان فرض تھا نفلی روزہ نہ رکھ سکتی تھیں اس لیے ترمذی نے فرمایا کہ اس کی

اسناد میں کچھ ضعف ہے،نسائی نے کہا کہ اس کی اسناد میں بہت اختلاف ہے،امام منذری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں اور اگر صحیح ہو بھی تو یہاں فتح مکہ کے دن سے زمانہ فتح مکہ مراد ہے کیونکہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں عرصہ تک قیام فرمایا تھالہذا یہ واقعہ ماہ رمضان کے بعد پیش آیا۔شیخ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے لیے مدینہ منورہ سے سفر رمضان میں ہوا مگر فتح بعد رمضان لیکن پہلی توجیہ قوی معلوم ہوتی ہے کیونکہ سارے مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ بھی رمضان میں ہی ہوئی۔

	روایت ہے حضرت زہری سے وہ عروہ سے وہ عائشہ صدیقہ سے راوی فرماتی ہیں کہ میں اور حفصہ دونوں روزہ دار تھیں[1] اور ہمارے سامنے وہ کھانا آیا جس کی ہمیں رغبت تھی ہم نے اس میں سے کھالیا حضرت حفصہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں روزہ دار تھیں ہمارے سامنے مرغوب کھانا آیا تو ہم نے اس سے کھالیا[2] سرکار نے فرمایا اس کی جگہ ایک دن کی قضا کرو[3] ترمذی حافظین کی ایک جماعت نے اسے زہری سے انہوں نے حضرت عائشہ سے مرسلًا روایت کیا[4] اور اس میں عروہ کا ذکر نہ کیا یہ ہی صحیح تر ہے اور روایت کیا ابوداؤد نے اسے عروہ کے مولے زمیل سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا[5]۔

[1] اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگ بیبیوں کا یہ روزہ نفلی تھا قضائے رمضان یا نذر کا فرضی روزہ نہ تھاکہ فرضی روزہ توڑ دینے کی ہمت کوئی عام مسلمان بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ ازواج مطہرات محض اچھا کھانا دیکھ کر ایک اہم عبادت توڑ دیں لہذا بعض شافعیوں کا اسے فرضی روزہ قرار دینا درست نہیں ان بزرگوں کی شان کے خلاف ہے۔

[2] یہ دونوں بزرگ سمجھیں کہ جب دعوت کے لیے نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے تو ہدیہ کے لیے بھی جائز ہونا چاہیے کہ دونوں قریبًا یکساں ہیں یہ ہی اجتہادی غلطی یا خطا تھی۔

[3] یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کیونکہ اقضیاء امر ہے اور امروجوب کے لیے ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ اگر نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے اورجس کی قضاء واجب ہو وہ خود بھی واجب ہوتا ہے لہذا نفلی روزہ شروع کردینے سے واجب ہوجاتاہے۔شوافع فرماتے ہیں کہ یا تو یہ روزہ قضا یا نذر کا واجب روزہ تھا اس کا جواب تو ابھی عرض کر دیا گیا اور یا یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی کیونکہ نفل پہلے بھی نفل ہے اور بعد شروع بھی نفل،شروع کے بعد واجب ہوجانا اس کی نفلیت کے خلاف ہے مگر وہ حضرات بھی نفل حج وعمرہ کو شروع ہوجانے کے بعد واجب مانتے ہیں اور توڑ دینے یا چھوڑ دینے پر قضاء لازم سمجھتے ہیں لہذا ان کا یہ استدلال یہاں بھی کمزور ہے،نیز

جب نذرمان لینے سے نفل واجب ہوجاتے ہیں تو شروع کردینے سے بھی واجب ہوجانے میں کوئی مضائقہ نہیں اس مسئلے پر بہت قوی دلائل ہیں جو ابھی کچھ پہلے عرض کئے جاچکے ہیں۔دارقطنی نے حضرت جابر سے اور ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی دعوت کی جب سب حضرات کھانے لگے تو ایک صاحب الگ بیٹھ گئے بولے میرا روزہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا توڑ دو اور اپنے بھائی میزبان کو خوش کرو اور اس کی قضاء کرلو۔(مرقات و لمعات)

۴؎ یہاں مرسل سے اصطلاحی مرسل مراد نہیں یعنی صحابی کا چھوٹ جانا بلکہ لغوی مرسل مراد ہے یعنی اسناد میں راوی کا رہ جانا جسے محدثین کے ہاں منقطع کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جناب زہری و حضرت عائشہ کے درمیان عروہ ہیں جن کا اس اسناد میں ذکر نہیں۔

۵؎ یعنی اسناد میں بھی انقطاع ہے کیونکہ زمیل نے عروہ سے حدیث نہیں سنی،نیز زمیل مجہول شخص ہیں لہذا یہ اسناد ضعیف ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ یہ ضعف مضر نہیں کیونکہ ابن حبان وغیرہ نے **عن جریر ابن حازم عن یحیی ابن سعید عن عروہ عن عائشه** روایت کی اور ابن ابی شیبہ نے **عن خصیف عن سعید ابن جبیر عن عائشه** روایت کی اور طبرانی نے **عن خصیف عن عکرمة عن ابن عباس عن عائشه** روایت کی اور بزاز نے **عن حماد ابن ولید عن عبید الله ابن عمرو عن نافع عن ابن عمر عن عائشه** روایت کی اور طبرانی نے **عن محمد ابن عمرو عن ابی سلمه عن ابی هریرة عن عائشه** روایت کی۔جب اتنی صحیح اسنادیں موجود ہیں تو حدیث صحیح ہے اور اس سے دلیل پکڑنا درست لہذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے۔

روایت ہے حضرت ام عمارہ بنت کعب سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے حضور کے لیے کھانا منگایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم بھی کھاؤ بولیں میں روزہ دار ہوں ۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب روزہ دار کے پاس کچھ کھایاجائے تو اسے فرشتے دعائیں دیتے ہیں جب تک کہ وہ فارغ ہوں ۳؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ آپ کا نام نسیبہ ابن کعب ابن عوف ہے،کنیت ام عمارہ،صحابیہ ہیں،انصاریہ ہیں،عاصم ابن زید کی بیوی ہیں،بیعت عقبہ اور بیعت رضوان میں حاضر تھیں،غزوہ احد میں آپ نے گیارہ زخم کھائے حتی کہ زخموں کی وجہ سے آپ کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہا اس کے باوجود تمام غزووں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

۲؎ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا انہوں نے نہ کھایا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ روزہ دار مہمان کی تواضع خاطر کھانے سے کرسکتاہے،ہاں رمضان میں روزہ توڑوں اور روزہ چوروں کو نہ کھانا کھلائے نہ ان کے لیے

پکائے کہ یہ گناہ پر مدد ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔دوسرے یہ کہ اگر مہمان کی ناراضی کا اندیشہ نہ ہو تو میزبان نفلی روزہ نہ توڑے اور مہمان سے عذرکر دے۔

۳؎کیونکہ یہ روزہ دار دو عبادتیں کررہا ہے ایک روزہ دوسرا کھاناکھاتے دیکھ کر صبر اس لیے اس کا اجروثواب بھی زیادہ ہے اور فرشتوں کی دعائیں نفع میں۔ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں سے مراد اعمال لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ حضور ناشتہ کررہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال ناشتہ کرلو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ دار ہوں ۲؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنی روزی کھارہے ہیں اور بلال کی بہتر روزی جنت میں ہے ۳؎اے بلال کیا تمہیں خبر ہے کہ جب تک روزے دار کے سامنے کچھ کھایا جائے تب تک اس کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں اسے فرشتے دعائیں دیتے ہیں ۴؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،اسلمی ہیں، سہمی ہیں،زمانہ نبوی اور زمانہ خلفائے راشدین میں آپ نے اسلام کی شاندار خدمات کیں،جنگ جمل و صفین میں جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،یزید پلید کے زمانہ میں ۶۲ھ ہجری میں مقام مرو میں وفات ہوئی،وہیں آپ کا مزار ہے جس سے لوگ برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ اگر کھانا کھاتے میں کوئی آجائے تو اسے بھی کھانے کے لیے بلانا سنت ہے مگر دلی ارادہ سے بلائے جھوٹی تواضع نہ کرےاور آنے والا بھی جھوٹ بول کر یہ نہ کہے کہ مجھے خواہش نہیں تاکہ بھوک اور جھوٹ کا اجتماع نہ ہوجائے بلکہ اگر کھانا کم دیکھے تو کہہ دے بَارَكَ اللهُ،یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عبادات نہیں چھپانی چاہئے بلکہ ظاہر کردی جائیں تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گواہ بن جائیں یہ اظہار ریاء نہیں۔

۳؎یعنی آج کی روزی ہم تو اپنی یہیں کھائے لیتے ہیں اور بلال اس کے عوض جنت میں کھائیں گے،وہ عوض اس سے بہتر بھی ہوگا اور زیادہ بھی۔

۴؎حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے،واقعی اس وقت روزہ دار کی ہر ہڈی و جوڑ بلکہ رگ رگ تسبیح کرتی ہے جس کا روزہ دار کو پتہ نہیں ہوتا مگر سرکار سنتے ہیں یہ تسبیح اگرچہ بغیر اختیار ہے مگر اس پر ثواب بے شمار،جب سبزہ کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ جاتا ہے تو ان ہڈیوں کی تسبیح سے خود روزہ دار بلکہ اس کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی ثواب ملے گا۔

باب لیلۃ القدر

باب شب قدر کا۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎شبِ قدر اس امت محمدیہ کی خصوصیات سے ہے ہم سے پہلے کسی کو نہ ملی۔قدر کے معنے ہیں اندازہ لگانا،عزت و عظمت و تنگی،چونکہ اس رات میں سال بھر کے ہونے والے واقعات فرشتوں کے صحیفوں میں لکھ کر انہیں دے دیئے جاتے ہیں،ملک الموت کو سال بھر میں مرنے والوں کی فہرست مل جاتی ہے،حضرت میکائیل کو تقسیم رزق کی فہرست عطاہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ"۔نیز اس رات میں اتنے فرشتے زمین پر اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہوجاتی ہے،ارشاد باری تعالٰی ہے:"تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا"اس لیے اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں،نیز اس رات کی عزت وعظمت بہت زیادہ ہے،اس شب میں عبادت کرنے والا رب تعالٰی کے ہاں عزت پاتاہے لہذا اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں۔اس میں بہت اختلاف ہے کہ یہ رات کب ہوتی ہے۔بعض کے خیال میں یہ مقرر نہیں کسی سال کسی مہینہ اور کسی تاریخ میں،دوسرے سال کسی مہینہ اور تاریخ میں،بعض کا خیال ہے کہ رمضان شریف میں ہوتی ہے مگر تاریخ مقرر نہیں،بعض کے خیال میں رمضان کے آخری عشرہ میں ہے،بعض کہتے ہیں کہ اس عشرہ کی طاق تاریخوں میں ہے اکیسویں تیئیسویں وغیرہ مگر زیادہ قوی قول یہ ہے کہ ان شاءاللہ شب قدر ہمیشہ ستائیسویں رمضان کی شب ہے کیونکہ لیلۃ القدر میں ۹ حرف ہیں،یہ لفظ سورۂ قدر میں تین جگہ ارشاد ہوا ہے نوتیہ ستائیس ہوتے ہیں،نیز سورۂ قدر میں تیس حرف ہیں جن میں سے ستائیسواں حرف ہے "ھی"یہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹتی ہے۔(روح البیان)اس کی پوری تحقیق اور اس رات میں کرنے کے اعمال ہماری کتاب "مواعظ نعیمیہ"اور"اسلامی زندگی"میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق تاریخوں میں ڈھونڈو۱؎(بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے اتنامعلوم ہوا کہ شبِ قدر ہر سال ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور ہوتی بھی ہے آخری عشرہ میں،وہ بھی طاق تاریخوں میں،قرآن کریم بھی اس کی تائید فرمارہا ہے کیونکہ ایک جگہ ارشاد ہے:"شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الْقُرْاٰنُ"۔جس سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن ماہ رمضان میں ہے دوسری جگہ ارشاد ہے:"اِنَّاۤ اَنۡزَلْنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الْقَدْرِ"جس سے معلوم ہوا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا یہ دونوں آیتیں جب ہی جمع ہوسکتی ہیں جب کہ شبِ قدر رمضان میں

ہو۔خیال رہے کہ شبِ قدر کو رب تعالیٰ نے ہم سے چھپالیا تاکہ ہم اس کی تلاش میں بہت راتوں میں عبادات کریں۔تلاش کرنے سے مراد عبادتیں کرنا ہے۔حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کا علم دیا مگر اس کے اظہار کی اجازت نہ دی۔اسمِ اعظم کی طرح عوام سے اسے چھپا رکھا تاکہ اس کی تلاش رہے اور اچھی چیز کی تلاش بھی عبادت ہے لہذا یہ چھپانا ہمارے لیے بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کو شب قدر خواب میں دکھائی گئی کہ رمضان کے آخری ہفتہ میں ہے۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خوابیں آخری ہفتہ پر متفق ہوگئیں۲؎ ہیں تو جو شب قدر تلاش کرے وہ آخری ہفتہ میں تلاش کرے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ ترجمہ بہت احتیاط سے کیا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ کسی صحابی نے خواب دیکھا کہ وہ رمضان کی اکیسویں شب ہے،کسی نے دیکھا کہ تئیسویں ہے،کسی نے پچیسویں اور کسی نے ستائیسوں یا انتیسویں کہا ہے یعنی آخری عشرہ کی طاق راتیں،چونکہ ان میں اکثر راتیں آخری ہفتہ میں ہیں یعنی تئیسویں سے انتیسویں تک اس لیے آخری ہفتہ ارشاد ہوا۔اس جملہ کی شرح میں شارحین کو بہت دشواری ہوئی ہے،فقیر نے جو عرض کیا وہ زیادہ قرین ہے۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

۲؎ یعنی اے صحابہ تمہاری خوابیں شخصی تعیین میں تو مختلف ہیں مگر نوعی تعیین میں متفق ہیں کہ ہر شخص نے اسے رمضان کے آخری ہفتہ میں دیکھا۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کا خواب معتبر ہے خصوصًا جب کہ نبی کی تصدیق بھی ہوجائے،دیکھو اذان خواب ہی میں صحابہ نے دیکھی تھی جو آج تک اسلام میں جاری ہے بلکہ اسلام کا شعار ہے،ایسے ہی یہ بھی ہے لہذا اکیسویں،تیسویں،پچیسویں،ستائیسویں،انتیسویں میں اس کی تلاش کی جائے۔اس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو جب نو دن باقی رہیں سات دن باقی رہیں پانچ دن باقی رہیں ان میں۱؎(بخاری)	

۱؎ عرب میں دستور ہے کہ ابتدائی مہینہ میں تاریخوں کا اعتبار شروع مہینہ سے کرتے ہیں یعنی پانچویں تاریخ وہ جس سے پہلے چار تاریخیں گزر گئی ہوں،آٹھویں وہ جس سے پہلے مہینہ کے سات دن گزر چکے ہوں مگر مہینہ کے انتہا میں آخر کی طرف سے حساب لگاتے ہیں اس طرح کہ نویں تاریخ وہ جس کے بعد مہینہ کے نو دن باقی ہوں یعنی اکیسویں،ساتویں تاریخ وہ جس کے بعد مہینہ کے سات دن باقی ہوں یعنی تیسویں اور اس کے ساتھ لفظ تَبْقیٰ بول دیتے ہیں یعنی اس کے بعد اتنے روز باقی ہیں اسی محاورے سے یہ فرمان عالی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ شبِ قدر رمضان کی اکیسویں،تیسویں،پچیسویں وغیرہ میں تلاش کرو۔شارحین نے اس جملے کے اور بہت سے معنے کئے ہیں کہ سابعہ سے

ستائیسویں شب مراد ہے،تاسعہ سے انتیسویں اور خامسہ سے پچیسویں مگر فقیر نے جو معنی کئے آسان تر ہیں۔واللہ ورسولہ اعلم! اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنا آسان نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا ۱؎ پھر ترکی خیمہ کے اندر درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا ۲؎ پھر سر مبارک خیمہ سے نکال کر فرمایا کہ ہم نے اس رات کی تلاش میں پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا ۳؎ پھر ہمارے پاس آنے والا آیا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے ۴؎ تو جس نے ہمارے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرے ۵؎ مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی پھر بھلادی گئی ۶؎ میں نے اس رات کی سویرے اپنے کو کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا ہے ۷؎ لہذا تم اسے آخری عشرہ میں ڈھونڈو ہر طاق تاریخ میں تلاش کرو ۸؎ راوی فرماتے ہیں کہ اس نے بارش دیکھی اور مسجد پر چھپّر تھا ۹؎ چنانچہ مسجد ٹپکی اور میری آنکھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیسویں کے سویرے دیکھا کہ آپ کی پیشانی پاک پر کیچڑ کا اثر تھا ۱۰؎ مسلم،بخاری معنے اور لفظ مسلم کے ہیں اس مضمون تک کہ مجھے بتایا گیا وہ آخری عشرہ میں ہے باقی بخاری میں ہے۔	

۱؎ یہاں اول واو کے شد سے بھی ہوسکتا ہے تفعیل کا واحد مذکر کیونکہ لفظ **عشر** واحد بھی ہے مذکر بھی اور ہمزہ کے پیش واؤ کے زبر سے بھی اولیٰ کی جمع کیونکہ **عشر** معنے کے لحاظ سے مونث ہے اور جمع ہے،پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے اگلا جملہ بھی اس کی تائید کررہا ہے کہ اس میں **اوسط** واحد مذکر آیا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔

۲؎ اس خیمہ کو عربی میں خرتان کہتے ہیں اور فارسی میں خرکاء۔یہ نمدہ یا کمبل کا چھوٹا سا گول خیمہ ہوتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مسجد میں لگایا گیا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں اپنے لیے جگہ خاص کرلیتا ہے جہاں چادر وغیرہ تان لے جس میں بغیر اجازت کوئی نہ آسکے۔

۳؎ اس وقت تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کی اطلاع نہیں دی گئی تھی،آپ نے صرف اجتہاد سے یہ تلاش فرمائی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے بھی علم تھا کہ شب قدر رمضان ہی میں ہے دوسرے مہینوں میں نہیں،یہ حدیث ان بزرگوں کے خلاف ہوگی جو کہتے ہیں کہ شبِ قدر سال بھر میں کبھی ہوجاتی ہے۔

۴؎ چونکہ اس عشرہ کی ہر رات میں شبِ قدر ہونے کا احتمال تھااس لیے یہاں **اواخر** جمع ارشاد ہوا۔(مرقات)یعنی بیسویں تاریخ کو فرشتہ نےآکر عرض کیا کہ شبِ قدر اگلے عشرہ میں ہے رب تعالیٰ چاہتا تھا کہ محبوب کا سارا مہینہ اعتکاف میں گزرےاس لیے پہلے اطلاع نہ دی۔

۵؎ تاکہ اس کی یہ محنت رائیگاں نہ جائے اور شبِ قدر کی تلاش میں کامیاب ہوجائے۔اس جملے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر رمضان میں ہے اور آخری عشرہ میں ہے۔

۶؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کی خصوصی علامت بتائی گئی تھی پھر وہ بھلا دی گئی تاکہ امت اس کی تلاش میں کوشش کرے اور ثواب پائے،معین رات صراحۃً نہ بتائی گئی تھی کہ اس کا بھول جانا کچھ بعید ازعقل ہے۔خیال رہے کہ جو چیز ضروریات دین سے نہ ہو پیغمبر اسے بھول سکتے ہیں اور اس بھول میں اللہ کی بہت حکمتیں ہیں،یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر وغیرہ تمام چیزوں کا تفصیلی علم عطا ہوا،خود فرماتے ہیں:"**فتجلی لی کل شیئ و عرفت**"ہر چیز میں شب قدر بھی یقینًا داخل ہے بھلا دی گئی فرماکر یہ بتایا کہ یہ بھولنا ہماری اپنی کوتاہی سے نہیں ہوا بلکہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"**فَلَا تَنۡسٰۤی اِلَّا مَا شَآءَ اللہُ**"۔

۷؎ یعنی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس سال شبِ قدر میں بارش ہوگی،مسجد نبوی شریف ٹپکے گی جس سے مسجد میں کیچڑ ہوجائے اور ہم اس کیچڑ میں نماز فجر ادا کریں گے،یہ مطلب نہیں کہ ہر سال شبِ قدر میں بارش ہوا کرے گی اور ہم کیچڑمیں فجر پڑھا کریں گے۔

۸؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر بالکل نہ بھلائی گئی تھی بلکہ اس کا تقررو تعین بھلا دیا گیا تھااس لیے فرمایاکہ شبِ قدر آخری عشرہ رمضان کی طاق تاریخوں تیئیسویں،پچیسویں وغیرہ میں ہےڈھونڈو۔

۹؎ کہ بجائے ستونوں کے کھجور کے تنے تھے اور بجائے کڑیوں کے کھجور کی شاخیں تھیں جن پر کھجور کے پتے ڈال دیئے گئے تھے دھوپ بھی چھن کر آتی تھی اور بارش بھی اسی لیے تھوڑی بارش سے مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔

۱۰؎ تب ہمیں پتہ لگا کہ آج اکیسویں شب کو **لیلۃ القدر** ہوگئی۔اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ شب قدر اکیسویں رمضان میں ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سال اکیسویں شب تھی ہمیشہ نہیں۔ہم عرض کر چکے ہیں کہ دلائل ہر رات کے متعلق موجود ہیں مگر ستائیسویں شب کے دلائل ہی قوی اور زیادہ ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں پیشانی زمین پر ضرور لگائے اگرچہ فرش پر معمولی کیچڑ ہو اور نماز میں پیشانی وغیرہ پونچھے نہیں مٹی کیچڑ لگنے دے،ہاں بعد نماز پونچھ ڈالے کہ یہ عبادت کا اثر ہے جس کے اظہار میں ریاء کا اندیشہ ہے۔

	اور عبداللہ ابن انیس کی روایت میں ہے کہ فرمایا کہ وہ تئیسویں رات ہے۔۱

۱؎اس جملہ میں لَیْلَۃٌ کو یا تو زبر ہے تو معنے ہوئے کہ بارش وغیرہ کا یہ واقعہ تئیسویں رمضان کی شب میں ہوا تب راویوں کی یاد میں اختلاف ہے،حضرت ابو سعید خدری کو یاد رہا کہ اکیسویں شب کو بارش ہوئی اور حضرت عبداللہ ابن انیس کو تئیسویں شب یاد رہی اور یا لیلۃ کو پیش ہے تو معنے یہ ہوں گے کہ شب قدر تئیسویں رمضان کی رات ہے کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات بہت عبادت کرنے کا حکم دیا۔

	روایت ہے حضرت زرین بن حبیش سے۱؎فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی ابن کعب سے پوچھا میں نے کہا کہ تمہارے بھائی ابن مسعود فرماتے ہیں جو سال بھر شب بیداری کرے وہ شب قدر پالے گا ۲؎وہ بولے اللہ ان پر رحم کرے انہوں نے چاہا یہ لوگ بھروسہ نہ کرلیں ورنہ وہ جانتے ہیں کہ شبِ قدر رمضان میں ہے اس کے آخری عشرہ میں ہے اور وہ ستائیسویں شب ہے۳؎پھر آپ نے بغیر ان شاءاللہ کہے قسم کھائی کہ وہ ستائیسویں شب ہے۴؎میں نے کہا آپ کس دلیل سے یہ فرماتے ہیں اے ابو المنذر فرمایا اس نشانی یا اس دلیل سے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی کہ اس دن سورج بغیر شعاؤں کے طلوع ہوتا ہے ۵؎(مسلم)

۱؎ آپ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں،آپ کی عمر ایک سوبیس یا ایک سوتیس یا ڈیڑھ سو برس ہوئی،آدھی عمر جاہلیت میں گزاری،آدھی اسلام میں،زبردست قاری تھے،حضرت ابن مسعود و ابی ابن کعب کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲؎شبِ بیداری سے مراد نماز تہجد پڑھنا ہے کیونکہ تمام سال پوری رات جاگنا شرعًا ممنوع ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا"۔یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ شبِ قدر نہ تو رمضان کی کسی خاص تاریخ سے مخصوص ہے نہ خود رمضان شریف سے بلکہ سال کے کسی مہینہ میں ضرور ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے شب قدر کی صبح کو طلاق ہےتو کہنے سے سال بھر کے بعد طلاق واقع ہوگی کیونکہ نکاح یقینی تھا اور شبِ قدر کی تعیین میں شک ہے سال میں یقینًا ہوتی ہے یقینی چیز یقینی سے ہی زائل ہوسکتی ہے۔

۳؎ یعنی میرا بھی گمان غالب قریبًا یقین ہے اور حضرت ابن مسعود کا بھی کہ شبِ قدر ستائیسوئیں رمضان کی رات ہے مگر انہوں نے اس کا اظہار محض اس لیے نہ کیا کہ تم لوگ اس کی تلاش نہ چھوڑو تلاش میں لگے رہو کہ ثواب پاتے رہو کہ اچھی چیز کی تلاش بھی اچھی ہے۔

۴؎ یعنی یوں فرمایا کہ قسم خدا کی شبِ قدر ستائیسویں رمضان کی شب ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ پر قسم کھائی جاسکتی ہے مثلًا حنفی کہے قسم خدا کی آمین اونچی آواز سے پکارنا منع ہے یا اللہ کی قسم رفع یدین نہ کرنا سنت ہے،دیکھو حضرت ابی ابن کعب اپنے اجتہاد سے جانی ہوئی بات پر قسم کھارہے ہیں آپ کو اتنا اعتماد ہے۔

۵؎ یعنی شبِ قدر کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کے سویرے کو سورج کی بوقت طلوع شعاعیں نہیں پڑتیں،سفید بغیر شعاع طلوع ہوتا ہے بعد میں شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں اور میں نے یہ آزمالیا کہ ستائیسویں رمضان کو ایسا ہوتا ہے۔اس دلیل کا کبریٰ نص سے ثابت ہے اور صغریٰ ان کے اجتہاد سے لہذا دلیل اجتہادی ہوئی۔اشعۃ اللمعات میں اس جگہ فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے شبِ قدر کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشر کی ساتویں رات ہے خواہ سات باقی ہوں یا سات گزر گئی ہوں یعنی تیئیسویں یا ستائیسویں شب،جناب عمر نے پوچھا دلیل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ رب تعالٰی نے آسمان بنائے سات،زمین سات،ہفتہ کے دن سات،انسان کی پیدائش سات اندام سے،نیز انسان کھاتا ہے سات اعضاء سے،سجدہ کرتا ہے سات اعضاء پر،طواف میں سات چکر ہیں،رمی جمار میں سات کنکر ہی مارے جاتے ہیں لہذا شب قدر بھی سات کا ہی عدد چاہئیے حضرت عمر نے فرمایا اب ابن عباس تم نے وہ ہی چیز جان لی جو ہمارے علم میں بھی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرہ میں اس قدر مشقت فرماتے تھے جو دیگر ایام میں نہ کرتے تھے ۱؎(مسلم)	

۱؎ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بھی کرتے تھے اور عمومًا شب بیداری بھی یا تو اس لیے کہ اس عشرہ میں شب قدر ہے یا اس لیے کہ مہمان جارہا ہے الوداع سامنے ہے جو اوقات مل جائیں غنیمت ہے یا اس لیے کہ مہینہ کا خاتمہ زیادہ عبادتوں پر ہو۔بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں دنیا سے کنارہ کرکے عبادت زیادہ کرتے ہیں کہ اب چلتا وقت ہے جو ہوسکے کرلیں۔شعر

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے — اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ جب آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر بستر ہوجاتے ۱؎ راتوں کو خود جاگتے اور گھر والوں کو جگاتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ میزر ازار سے بنا،بمعنی تہبند یا پائجامہ،لفظی معنے ہوئے اپنا تہبند باندھ لیتے۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ہے شاق کاموں کے لیے تیار ہوجاتے جیسے کہا جاتا ہے اٹھ باندھ کمر کیا بیٹھا ہے اور ہوسکتاہے کہ مقصد یہ ہو کہ حضور انور صلی

اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں ازواج پاک سے قطعًا علیحدہ رہتے اعتکاف کی وجہ سے بھی اور زیادہ عبادتوں میں مشغولیت کے سبب سے بھی۔

۲؎ یعنی اس عشرہ کی راتوں میں قریبًا تمام رات جاگتے تھے تلاوت قرآن،نوافل،ذکر اللہ میں راتیں گزارتے تھے اور ازواج پاک کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور نے تمام رات بیداری و عبادت کبھی نہ کیں۔خیال رہے کہ یہاں احیاءؑ سے مراد ہے عبادت کے لیے جاگنا اور لیلہ اس کا ظرف ہے یعنی رات بھر عبادت کے لیے جاگتے،ہوسکتا ہے کہ لیلہ مفعول بہ ہو یعنی رات کے اوقات کو اپنی عبادت سے زندہ کردیتے یا زندہ رکھتے جو وقت اللہ کی یاد میں گزرے وہ زندہ ہے جو غفلت میں گزرے وہ مردہ۔جامع صغیر میں ہے کہ جو عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے اس نے گویا شب قدر میں عبادت کی،طبرانی نے بروایت حضرت ابو امامہ روایت کی کہ جو نماز عشاء جماعت سے پڑھے وہ گویا آدھی رات عبادت گزار رہا اور جو فجر بھی جماعت سے پڑھ لے تو گویا وہ تمام رات عابد رہا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے اگر میں جان لوں کہ شب قدر کون سی رات ہے تو اس میں کیا پڑھوں ۱؎ فرمایا یہ عرض کرو الٰہی تو معاف فرمانے والا ہے معافی پسند کرتا ہے مجھے معافی دے دے ۲؎ (احمد،ابن ماجہ،ترمذی)اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

۱؎ یعنی اگر کبھی میری آنکھوں سے حجاب اٹھ جائیں اور میں شجروحجر کو سجدہ کرتے،فرشتوں کو اترتے،شب قدر کا نور پھیلتے،روح فرشتہ کو زمین پر آتے دیکھوں جس سے معلوم کرلوں کہ یہ شبقدر ہے تو میں اس میں دعا کیا مانگوں۔معلوم ہوا کہ بعض اولیاء کبھی شبقدر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں مگر انہیں بھی چھپانے کا حکم ہے کہ شب قدر کو چھپانا سنت ہے۔(مرقاۃ)

۲؎ یہ دعا مختصر ہے اور بہت جامع ہے کیونکہ جب رب تعالٰی نے بندے کو معافی دے دی تو سب کچھ دے دیا۔خیال رہے کہ گنہگار گناہوں سے معافی مانگتے ہیں اور نیک کار نیکی کرکے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں کہ خداوند تیری بارگاہ کے لائق نیکی نہ ہوسکی تو معاف فرمانے والا ہے معافی پسند کرتا ہے مجھے معافی دے دے۔شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند　　　　عارفاں از اطاعت استغفار

حضرت عائشہ صدیقہ رب تعالٰی کے فضل سے گناہوں سے محفوظ ہیں،پھر بھی معافی مانگنے کا حکم دیا گیا،گناہوں سے معافی نہیں بلکہ وہ معافی جو عرض کی گئی۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ رات یعنی شبِ قدر ڈھونڈو جب نو دن باقی رہیں یا سات دن باقی رہیں یا پانچ دن باقی رہے یا تین دن یا آخری رات ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی شبِ قدر کو اکیسویں رمضان یا تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں کی راتوں میں تلاش کرو۔اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ عرب میں کبھی آخر ماہ سے حساب لگاتے ہیں۔وہاں **یبقین** یا **بقیت** کہہ دیتے ہیں اور یہ حساب اس حساب سے ہے کہ رمضان تیس دن کا ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے ۱؎(ابوداؤد)اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث سفیان و شعبہ نے ابو اسحاق سے حضرت ابن عمر پر موقوف روایت کی۔	

۱؎ اس جواب کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ ہمیشہ شبِ قدر رمضان میں ہوگی اس کے علاوہ دوسرے مہینہ میں نہیں ہوگی نہ تو یہ ہوگا کہ کوئی سال شب قدر سے بالکل خالی رہے کہ کسی مہینہ میں شبقدر نہ ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سواء کسی اور مہینہ میں ہو جاوے۔دوسرے یہ کہ رمضان کے ہر حصہ میں شب قدر ہوسکتی ہے آخری عشرہ سے خاص نہیں،کبھی شروع تاریخوں میں ہوگی،کبھی درمیانی میں اور کبھی آخری تاریخوں میں۔یہ حدیث ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیشہ شبقدر رمضان ہی میں ہوگی مگر تاریخ مقرر نہیں کبھی کسی تاریخ میں اور کبھی کسی میں۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن انیس سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرا ایک جنگل ہے جس میں میں رہتا ہوں ۱؎ اور **الحمدللہ** وہاں ہی نمازیں پڑھتا ہوں ۲؎ مجھے ایک رات بتادیجئے جس میں میں اس مسجد میں آیا کروں ۳؎ فرمایا تئیسویں رات آجایا کرو ۴؎ ان کے بیٹے سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد کیا کرتے تھے فرمایا جب عصر پڑھ لیتے تو مسجد نبوی میں چلے جاتے ۵؎ پھر کسی کام کے لیے نہ نکلتے حتی کہ نماز فجر پڑھ لیتے ۶؎ جب فجر پڑھ لیتے تو اپنی سواری مسجد کے دروازے پر پاتے اس پر سوار ہوکر اپنے جنگل چلے جاتے ۷؎(ابوداؤد)۸؎	

۱؎ یعنی میرا مکان مدینہ منورہ سے دور اپنی زمین میں واقع ہے جہاں میرا کنواں باغ وغیرہ ہے وہاں ہی میرے جانور رہتے ہیں اور وہاں ہی میرے بال بچے۔عرب میں یہ بات عام مروج تھی کہ باغوں زمینوں والے اپنی زمینوں میں رہتے تھے۔

۲؎ اس طرح کہ اس زمین میں میں نے مسجد بنالی ہے جہاں ہم سب گھر والے باجماعت نمازیں پڑھ لیا کرتے ہیں،راہگیر مسافر بھی وہاں نمازیں پڑھتے ہیں جیساکہ پنجاب میں کنوؤں کی مسجدوں میں ہوتا ہے لہذا ان صحابی پر ترک جماعت کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

۳؎ یعنی مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوجایا کروں رات بھر نوافل پڑھنے کے لیے یعنی شبِ قدر بتادیں تاکہ زمان اور مکان دونوں کی برکتیں حاصل کرلیا کروں،شبِ قدر ہو مسجد نبوی کی زمین پاک ہو اور میری جبین نیاز ہو اس طرح نوافل ادا کیا کروں رب تعالٰی کبھی ہم کو بھی یہ سعادت میسر کرے۔

۴؎ یعنی تیئیسویں رمضان کی رات یہاں آکر شب بیداری اور نوافل ادا کیا کروکہ یہ رات شبِ قدر ہے،یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ تیئیسویں رمضان شبِ قدر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضو انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کا علم دیا گیا۔

۵؎ یعنی میرے والد بائیسویں رمضان کی عصر پڑھ کر مسجد نبوی میں داخل ہوجاتے تھے.ظاہر یہ ہے کہ نماز عصر اپنے گھر پڑھ کر آتے تھے اور ہوسکتا ہے کہ نماز عصر یہاں مسجد نبوی شریف میں ہی پڑھتے ہوں،تب داخلہ سے مراد ٹھہرنے کا داخلہ ہوگا،اس طرح کہ یہاں عصر پڑھی پھر ضروریات سے فارغ ہوئے پھر رات بھر قیام کے ارادے سے مسجد میں آگئے۔

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ حاجت سے مراد مطلق ضرورت ہے تو آپ تمام ضروریات انسانی سے ایسے فارغ ہوکر مسجد میں داخل ہوتے تھے کہ پھر وضو کے لیے بھی باہر نہ آتے تھے وضو ٹوٹتا ہی نہ تھا اس جملہ کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت ہی مناسب ہے۔خیال رہے کہ آپ معتکف نہ ہوتے تھے کیونکہ فرضی اعتکاف تو چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے اور اعتکاف سنت رمضان کے پورے آخری عشرہ کا اور اعتکاف نفلی ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے مگر اس میں مسجد سے باہر آنا ممنوع نہیں جب چاہے معتکف باہر آجائے اور جب چاہے اندر جائے اور پھر نیت اعتکاف کرلے لہذا جن شارحین نے اس سے اعتکاف سمجھا وہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔آپ اس رات کی حاضری کو غنیمت جانتے تھے اور ایک منٹ کے لیے بھی باہر نہ آتے تھے۔

۷؎ اور پھر شہر میں کبھی کبھار آتے۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اس رات کو وہ شب قدر جان کر یہ عبادت کرتے تھے جیساکہ مرقات میں ہے۔

۸؎ ابوداؤد نے یہ حدیث ضمرہ ابن عبداللہ ابن انیس سے روایت کی،اس اسناد میں محمد ابن اسحاق راوی ہیں جن کا حال یہ ہے کہ اگر وہ حدثنا کہہ کر روایت کریں تو اسناد صحیح ہوتی ہے اصل حدیث مسلم کی ہے بروایت بشر ابن سعید۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شبقدر بتانے تشریف لائے ۱؎ تودو مسلمان مرد لڑ پڑے ۲؎ حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں شب قدر بتانے آیا تھا مگر فلاں فلاں لڑ پڑے تو شبِ قدر اٹھالی گئی ۳؎ ممکن ہے یہ اٹھالیا جانا تمہارے لیے بہتر ہی ہو ۴؎ اب اسے آخری نویں،ساتویں،پانچویں میں تلاش کرو ۵؎(بخاری)	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کی خبر بھی دے دی گئی اور بتانے کی اجازت بھی دے دی گئی اس لیے سر کار بتانے کے لیے تشریف لائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبقدر کا علم دیا۔

۲؎ غالبًا یہ حضرات عبداللہ ابن ابی حدرد اور کعب ابن مالک تھے جن کا جھگڑا قرض کے متعلق تھا جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا معاف کرادیا اور باقی آدھا ادا کرنے کا حکم دے دیا۔

۳؎ یعنی میرے علم سے اس کا تقرر دور کردیا گیا اور مجھے بھلا دی گئی،یہ مطلب نہیں کہ خود شب قدر ہی ختم کردی اب وہ ہوا ہی نہ کرے گی ان جھگڑنے والوں کا جھگڑانا حق بھی تھا اور اعتدال سے زیادہ بھی جس کا اثر یہ ہوا۔معلوم ہوا کہ دنیاوی جھگڑے منحوس ہیں ان کا وبال بہت ہی زیادہ ہے ان کی وجہ سے اللہ کی آتی ہوئی رحمتیں رک جاتی ہیں۔

۴؎ یعنی اس شر کے ضمن میں تمہارے لیے خیر ہے کہ اب تم شبِ قدر تلاش کرو گے اور اس کی تلاش بھی عبادت ہے،لہذا تم اس پر بھی بہت ثواب پاؤ گے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص شبِ قدر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو وہ بھی لوگوں پر ظاہر نہ کرے کہ اس کا ظاہر نہ کرنا سنت ہے اور ظاہر کردینا خلاف سنت اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کردیا تھا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحقیقی اطلاع نہ دی تھی یا علامتیں بتائیں یا نوعی تقرر ظاہر کیا۔

۵؎ یعنی رمضان کی انتیسویں،ستائیسویں،پچیسویں راتوں میں زیادہ جستجو کرو غالب یہ ہے کہ ان میں سے کسی رات میں ہے۔اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اس جھگڑے سے خودشبقدرنہ اٹھی تھی بلکہ اس کا تعین اٹھا ورنہ اس کے تلاش کرنے کے کیا معنی،تلاش وہ چیز کی جاتی ہے جو ہو مگر اس کا پتا نہ ہو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شبِ قدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت میں اترتے ہیں ۱؎ ہر اس کھڑے بیٹھے بندے کو دعائیں دیتے ہیں جو اللہ کا ذکر	

	کررہا ہو ۲؎ پھر جب بندوں کی عید کا دن ہوتا ہے تو اللہ ان بندوں سے اپنے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے ۳؎ فرماتا ہے اے میرے فرشتوں اس مزدور کی اجرت کیا ہونی چاہیے جو اپنا کام پورا کردے ۴؎ عرض کرتے ہیں الٰہی اس کی اجرت یہ ہے کہ اسے پورا ثواب دیا جائے ۵؎ فرماتا ہے اے فرشتوں میرے بندے بندیوں نے میرا فریضہ پورا کردیا جوان پر تھا پھر دعائیں شور مچاتے نکل پڑے ۶؎ مجھے اپنی عزت و جلال اپنے کرم اپنی بلندی اپنے غلبہ مرتبہ کی قسم میں ان کی دعا قبول کروں گا ۷؎ پھر فرماتا ہے لوٹ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا ۸؎ اور تمہاری برائیوں کو خوبیاں بنادیا ۹؎ فرمایا پھر یہ لوگ بخشے ہوئے لوٹتے ہیں ۱۰؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَ الرُّوْحُ فِیْهَا"۔اس سے پتہ لگا کہ وہاں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ملائکہ سے مراد فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو ان کے ساتھ اترتی ہے،یہ جماعت سوائے شبِ قدر کے اور کبھی نہیں اترتی بعض بزرگوں نے کبھی اس جماعت کو دیکھا بھی ہے روح کی تفسیریں اور بہت ہیں مگر قوی یہ ہی ہے کہ وہ حضرت جبریل ہیں۔

۲؎ اس تعلیم سے معلوم ہوا کہ شبِ قدر میں صرف نماز ہی پڑھنا لازم نہیں بلکہ نماز،تلاوت قرآن اور تمام قسم کے ذکر اللہ کئے جائیں پھر نماز نفل کھڑے ہو کر پڑھی جائے یا بیٹھ کر ہر طرح فرشتوں کی دعائیں مل جاتی ہیں۔

۳؎ فرماتا ہے اے فرشتو تم نے تو کہا تھا کہ خلافت الٰہیہ انسان کو کیوں عطا ہورہی ہے یہ تو خون ریزی کرے گا فساد پھیلائے گا دیکھو انسانوں میں ایسے عابد بھی ہیں جو دن کو روزے رکھ کر راتوں کو اس طرح جاگ لیتے ہیں اور ایسی عبادتیں کرلیتے ہیں جو کسی مخلوق سے نہ ہوسکے۔خیال رہے کہ روزہ جہاد اشاعت دین شہادت وغیرہ وہ عبادتیں ہیں جو صرف انسان ہی کر سکتا ہے فرشتوں سے بھی نہیں ہوسکتیں رکوع سجدہ تو عبادات مشترکہ ہیں مگر یہ عبادات انسان سے خاص ہیں اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا:"وَحَمَلَهَا الْاِنْسٰنُ"جنات سفر حج اور جہاد کی مشقتوں کو کیا جانیں۔

۴؎ یعنی ان بندوں نے رمضان کی عبادات پوری کرلیں روزے،تراویح،اعتکاف،شبِ قدر کی شب بیداری وغیرہ سب کام پورے کرچکے اب بتاؤ ہم کیا کریں ا ور انہیں کیا دیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انسان کا کام تو مرتے وقت پورا ہوتا ہے ابھی یہ کیوں فرمایا گیا،کیوں یہاں اس ماہ کی عبادات پوری کرلینا مراد ہے۔

۵؎ کہ یہ تو ان مزدوروں کا حق ہے جوتو نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا ہے آگے جو تو کرم فرمائے تو تیرا کرم ہے جو سب کے وہم گمان سے وراء ہے یہ کلام در پردہ فرشتوں کی سفارش ہے۔خیال رہے کہ فرشتے مؤمنوں کے لیے عمومی

دعا تو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"اور خصوصی دعائیں خاص موقعوں پر کرتے ہیں،یہ سب کچھ اسکا عوض ہے جو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں انسانوں کی شکایت کی تھی اسی لیے شبِ قدر میں فرشتے ہی دعائیں کرنے آتے ہیں،اور آج فرشتوں ہی سے یہ خطاب ہے۔

۶؎اس حدیث سے پتہ لگا کہ عیدالفطر کی نماز جنگل میں نکل کر پڑھنا بہتر ہے اور یہ نماز درحقیقت اس نعمت کا شکریہ ہے کہ جس نے ہمیں رمضان کی عبادات کی توفیق بخشی قرآن کریم فرماتاہے:"وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ"بے روزہ چوروں اور روزہ چھوڑوں اور روزہ توڑوں کو عید کی خوشی منانے کا حق ہی نہیں مگر آج کل عید کی زیادہ خوشی یہ ہی لوگ مناتے دیکھے گئے۔

۷؎یعنی بعد نماز عید جو دعا مانگیں گے وہ قبول کروں گا معلوم ہوا کہ نماز عید کے بعد دعا ضرور مانگے،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے نہیں مانگنا چاہیے۔

۸؎اس طرح کہ تمہارے سارے گناہ بخش دے،چھوٹے ہوں یا بڑے یہ ہی زیادہ ظاہر ہے۔

۹؎مرقات نے فرمایا کہ معافی و بخشش توگنہگاروں کے لیے ہے اور گناہوں کو نیکیاں بنا دیناتوبہ کرنے والوں کے لیے اس کی تائید اس آیت سے ہے"اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا فَاُولٰٓىٕكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نامۂ اعمال سے گناہ مٹا کر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں جن پر اجروثواب ملتاہے یہ رب تعالٰی کے کرم سے کوئی بعید نہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں ع گاہے بدشنامے خلعت دہند۔

۱۰؎یہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو عیدگاہ جا کر نماز پڑھتے ہیں رہے وہ لوگ جو وہاں نہیں جاتے جیسے دیہاتی لوگ اور عورتیں وغیرہ ان کی بخشش اس کے بغیر بھی ہوتی ہے جیسے عام مسلمانوں کی بخشش روزہ نماز سے بچوں اور دیوانوں کی بخشش محض کرم سے اس کی عطا ہماری طلب پر موقوف نہیں۔شعر

مانہ بودیم وتقاضا مانبود　　　　لطف تو ناگفتہ ماے شنید

باب الاعتکاف

اعتکاف کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱اعتکاف **عکف** سے بنا بمعنی ٹھہرنا یا قائم رہنا رب تعالٰی فرماتا ہے:"**یَعۡکُفُوۡنَ عَلٰۤی اَصۡنَامٍ لَّہُمۡ**" اورفرماتا ہے:"**وَ اَنۡتُمۡ عٰکِفُوۡنَ فِی الۡمَسٰجِدِ**"۔شریعت میں بہ نیت عبادت مسجد میں خاص ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔اعتکاف بڑی پرانی عبادت ہے رب تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ و اسمٰعیل علیہما السلام سے فرمایا تھا:"**اَنۡ طَہِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡعٰکِفِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ**"۔اعتکاف تین قسم کا ہے: اعتکاف فرض جیسے نذر مانا ہوا اعتکاف،اس میں روزہ شرط ہے اور اس کی مدت کم از کم ایک دن و رات ہے۔اعتکاف سنت،یہ بیسویں رمضان کی عصر سے عید کا چاند دیکھنے تک ہے۔اعتکاف نفل اس میں نہ روزہ شرط ہے نہ اس کی مدت مقرر جب بھی مسجد میں جائے تو کہہ دے میں نے اعتکاف کی نیت کی جب تک مسجد میں رہوں۔ حق یہ ہے کہ رمضان کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کسی نے نہ کیا تو سب سنت کے تارک ہوئے اگر ایک نے بھی کرلیا تو سب کی طرف سے ادا ہوگیا مرد تو جماعت والی مسجد میں ہی اعتکاف کرسکتا ہے جہاں نماز پنجگانہ باجماعت ہوتی ہو مگر عورت اپنے گھر میں کوئی جگہ صاف و پاک کرکے وہاں ہی اعتکاف کرلے جسے مسجد خانہ کہتے ہیں(لمعات مرقات)وغیرہ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے حتی کہ اللہ نے انہیں وفات دی ۱پھر آپ کی بیویوں نے آپ کے بعد اعتکاف کیا ۲(مسلم،بخاری)	

۱اس ہمیشگی سے معلوم ہوا کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہےاور چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم امت کو صراحۃً نہ دیا بلکہ رغبت دی معلوم ہوا کہ یہ اعتکاف واجب نہیں کیونکہ وجوب کے لیے حکم دینا ضروری ہے،لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ رمضان کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے،پھر سارے مدینہ منورہ میں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ ہی اعتکاف کرتے تھے سب مسلمان نہ کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔
۲یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج پاک نے ہمیشہ اپنے گھروں میں اعتکاف کیا نہ کہ مسجد نبوی شریف میں مسجد میں تو ایک بار ان بیویوں نے اعتکاف کیا تھا،اعتکاف کے لیے کپڑے کے خیمے لگائے تھے جو

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکھڑوادیئے تھے۔ فقہا فرماتے ہیں کہ اگرچہ عورت مسجد میں بھی باپردہ رہ کر اعتکاف کرسکتی ہے مگر اس کے لیے گھر میں اعتکاف بہت اچھا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام سے بڑھ کر ہر بھلائی کے سخی داتا تھے ۱؎ اور آپ رمضان میں تو بہت ہی سخاوت فرماتے تھے ۲؎ ہر رات جبریل امین آپ سے ملتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل پر قرآن پیش فرماتے تھے ۳؎ تو جب آپ سے جبریل ملتے تب آپ بھیجی ہوئی تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی بالخیر ہوتے تھے ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کہ ہمیشہ ہی مال کی،اعمال کی ،علم کی،ہر رحمت الٰہیہ کی سخاوت کرتے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی سخاوت آج تک نہ کسی نے کی نہ کوئی کرسکتا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی صفت جواد کے مظہر اتم ہیں قرآن کریم نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کریم یعنی سخی داتا فرمایا۔شعر

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

۲؎ کہ ماہ رمضان میں تو کسی کو کسی طرح رد فرماتے ہی نہ تھے،جنت مانگنے والوں کو جنت، رحمت کے سائلوں کو رحمت،خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور کو مانگنے والوں کو اپنی توجہ کرم،مال مانگنے والوں کو مال،اعمال،کمال، لقائے ذوالجلال غرضکہ جو سائل جو مانگتا تھا منہ مانگی پاتا تھا۔بعض عشاق اب بھی رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چیز مانگتے ہیں مسلمانوں کو بھی رمضان میں بہت سخاوت کرنا چاہیئے کہ یہ سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ ہر رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ساتھ اول سے آخر تک سارا قرآن مع تجوید و مخارج حروف کے دور فرماتے تھے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رمضان میں دور قرآن کرنا یا قرآن کا دورہ کرنا سنت رسول بھی ہے اور سنت جبریل بھی۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے سارا قرآن جانتے ہیں،نزول قرآن تو امت پر احکام جاری کرنے کیلیے ہوا،کیونکہ ہر رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پورا قرآن سن بھی رہے ہیں اور حضرت جبریل کو سنا بھی رہے ہیں،حالانکہ ابھی سارا قرآن نازل نہیں ہوا تھا،نزول کی تکمیل تو وفات سے کچھ پہلے ہوئی چونکہ یہ تلاوت خصوصیت سے اعتکاف میں ہوتی تھی اس لیے مصنف یہ حدیث اعتکاف کے باب میں لائے۔

۴؎ یعنی جیسے ہوا کی سخاوت پر عالم قائم ہے کہ ہر شخص ہوا سے ہی سانس لیتا ہے اور ہوا ہی سے بارش آتی ہے،ہوا سے ہی کھیت و باغ پھلتے پھولتے ہیں پھر ہر جگہ ہوا موجود ہے ہر جاندار وغیر جاندار کو ہر طرح فیض پہنچاتی ہے ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات جبریل کے موقعہ پر ہر ایک کو ہر طرح ہر چیز دیتے تھے۔ خیال رہے کہ رب تعالٰی رمضان میں بہت جودو کرم فرماتا ہے،اس سنت الٰہیہ کے مطابق حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں زیادہ سخاوت کرتے تھے،ہوئے جو رب تعالٰی کے مظہر اتم صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم پر سارا قرآن ایک بار پیش کیا جاتا تھا جس سال حضور انور کو وفات دی گئی اس سال دوبار پیش کیا گیا[1] اور حضور ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے وفات کے سال بیس دن اعتکاف کیا[2] (بخاری)

[1] یعنی شروع نبوت سے ما بعد ہجرت شروع سے ہر رمضان میں حضرت جبریل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک پارہ روز دورہ کرتے تھے جس سے پورے رمضان میں ایک ختم ہوتا تھا وفات کے سال دو پارہ روز دور کیا جس سے مہینہ میں دو ختم ہوئے۔ یوں سمجھو کہ افضل رسول پر افضل مہینہ میں افضل کلام افضل مقام میں لاکر سنتے اور سناتے تھے، یہاں معاوضہ سے مراد مدارستہ ہے یعنی دور شعر

نور آیا تو لایا نور پر نورانی رات اس لیے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے

[2] اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کی خبر تھی کہ اس سال ہوگی اسی لیے اس سال سفر آخرت کی تیاری خصوصیت سے فرمارہے ہیں یہ حدیث اہل سنت کے بہت سے مسائل کی اصل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص بڑھاپے میں یا مرض وفات میں خصوصیت سے آخرت کی تیاری کرے دنیاوی تعلقات کم کرنا شروع کردے یہ بھی سنت رسولی ہے،اللہ تعالٰی توفیق دے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو مسجد میں رہتے ہوئے میری طرف اپنا سر جھکادیتے میں کنگھی کردیتی[1] اور بجز ضروریات انسانی گھر میں تشریف نہ لاتے[2] (مسلم،بخاری)

[1] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کا دروازہ مسجد میں تھا تو بحالت اعتکاف آپ مسجد میں رہتے اور حضرت عائشہ گھر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے سر مبارک حجرہ میں کردیتے ام المؤمنین کنگھی کردیتی تھیں۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے :ایک یہ کہ معتکف کا اپنے بعض اعضاء مسجد سے نکال دینا جائز ہے یہ مسجد سے نکلنا نہیں کہا جاتا اسی طرح حائضہ عورت کا اپنے بعض اعضاء مسجد میں داخل کردینا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ کنگھی وغیرہ مسجد میں نہ کرنا بہتر ہے کہ اس سے بال مسجد میں گریں گے اڑیں گے۔چوتھے یہ کہ جو کام مسجد میں رہ کر کیئے یا کرائے جاسکتے ہیں ان کے لیے معتکف مسجد سے نہ نکلے۔

[2] حاجت انسانی سے مراد صرف پیشاب پاخانہ ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احتلام سے محفوظ ہیں۔ فقہاء صرف چار کاموں کے لیے معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت دیتے ہیں پیشاب پاخانہ غسل جنابت اور نماز جمعہ اگر اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو اور اس پر جمعہ فرض ہو،غسل جمعہ کے متعلق روایت نہ ملی۔حضرت شیخ نے یہاں اشعہ میں فرمایا کہ

معتکف غسل نفل کے لیے بھی مسجد سے نکل سکتا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ اگر مسجد میں رہتے ہوئے کسی ٹپ وغیرہ میں اس طرح غسل کرلے کہ مسجد میں مستعمل پانی بالکل نہ گرے تو وہاں ہی کرے غسل خانہ میں نہ جائے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں [1] ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی [2] فرمایا اپنی نذر پوری کرو [3] (مسلم،بخاری) [4]	

[1] زمانہ جاہلیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے زمانہ کو کہتے ہیں جب اہلِ عرب بالکل اندھیروں میں تھے گذشتہ نبیوں کی تعلیم گم ہوچکی تھی،مگر یہاں اشاعت نبوت سے پہلے کا زمانہ مرادہے کیونکہ حضرت عمر کی یہ نذر قبول اسلام کے بعد کی ہے کہ آپ نے مسلمان ہو کر یہ نذر مانی مگر پوری نہ کرسکے کیونکہ کفار مکہ کا بہت زور تھا وہ آپ کو مسجد حرام میں رات گزارنے نہ دیتے تھے وہاں ٹھہرنے میں آپ کو جان کا خطرہ تھا۔(مرقاۃ)

[2] رات سے مراد رات مع دن ہے،اہل عرب رات بول کر پورے چوبیس گھنٹے مراد لیتے ہیں،ورنہ نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور وہ دن ہی میں ہوتا ہے۔ امام شافعی کے ہاں صرف رات بھر کا بھی اعتکاف ہوسکتا ہے ان کے ہاں روزہ شرط نہیں وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں،مگر یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے آگے صراحۃً حدیث آرہی ہے کہ بغیر روزہ اعتکاف نہیں اس صریحی حدیث کے ہوتے ہوئے اس اشارہ پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

[3] یہ امر وجوبی ہے کیونکہ حضرت عمر کی نذر اسلام قبول کرلینے کے بعد کی ہے مسلمان کی نذر درست ہے،اگر کافر زمانہ کفر میں کسی اچھے کام کی نذر مانے،پھر مسلمان ہوجائے تو اسے نذر پورا کرنا مستحب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو کعبہ معظّمہ یعنی مسجد حرام میں اعتکاف کا حکم دیا، بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مسجد نبوی میں اعتکاف کی نذر مانی ہو تو دوسری مسجد میں اعتکاف نہیں کرسکتا،ان کی دلیل یہ حدیث ہے بعض کے ہاں کرسکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحبابی ہے۔

[4] یہ حدیث ابوداؤد،نسائی اور دارقطنی نے بھی نقل کی مگر ان کی روایت میں ہے کہ جناب عمر نے کعبہ معظّمہ کے پاس ایک دن و رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی،نسائی دار قطنی نے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعتکاف اور روزے کا حکم دیا۔(مرقات)فتح القدیر میں ہے کہ مسلم و بخاری کی روایت میں بھی ہے کہ حضرت عمر نے ایک دن و رات کے اعتکاف کی نذر پوری کی تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے	

	تھے ایک سال اعتکاف نہ کرسکے۱؎ جب اگلاسال آیا تو حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن اعتکاف کیا ۲؎(ترمذی)

۱؎ کسی مجبوری کی وجہ سے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاعذر اعتکاف کبھی نہ چھوڑا،ہمیشہ رمضان کےآخری عشرے میں کرتے تھے۔(مرقات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ گزشتہ رمضان کے اعتکاف کی قضاء نہ تھی ورنہ اس رمضان تک انتظار نہ فرماتے،وہ رمضان گزرتے ہی قضاء کرلیتے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری رمضان میں جس کے بعد وفات شریف واقع ہوئی بیس دن اعتکاف فرمایا تھا ایسے ہی اس رمضان میں کیا، ہوسکتاہے کہ دس دن گزشتہ رمضان کی قضاء ہی ہوں تو یہ قضا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے ورنہ آپ پر اعتکاف فرض نہ تھا اور قضاءصرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے جیسے ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ظہر چار رکعت رہ گئی تھیں تو بعد عصران کی قضاء کی پھر ہمیشہ یہ رکعتیں پڑھتے رہے،وہ بھی خصوصیات میں سے تھا۔مرقات نے فرمایا کہ موقف نفلوں کی قضا کرلینا بہتر ہے جیسے نفل تہجد۔

	اورابوداؤد،وابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو نماز فجر پڑھتے پھر اپنے اعتکاف گاہ میں داخل ہوجاتے ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس حدیث کی بنا پر امام اوزاعی و لیث نے فرمایا کہ اعتکاف بعدفجر شروع کیا جائے مگرباقی تمام آئمہ کے ہاں اعتکاف سنت و فرض بعد عصر شروع کیا جائے،وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت سے اعتکاف گاہ میں داخلہ تیاری اعتکاف کے لیے ہوتا تھا،اصل اعتکاف بعد عصر شروع فرماتے تھے اسی لیے آپ فرمارہی ہیں کہ اپنے اعتکاف گاہ میں داخل ہو جاتے یہ نہ فرمایا کہ اعتکاف شروع کردیتے تھے،اعتکاف شروع کرنا اور ہے اور اعتکاف گاہ میں داخلہ کچھ اور۔ اعتکاف گاہ سے مراد چٹائی کا وہ حجرہ ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کے لیے بنایا جاتا تھا کہ چٹائی گول شکل میں کھڑی کردی جاتی تھی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف بیمار کی مزاج پرسی یوں فرماتے تھے کہ اسی طرح چلتے رہتے تھے مڑتے نہ تھے اس کا مزاج پوچھ لیتے تھے۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف پیشاب یا پاخانہ کے لیے مسجد سے باہر جاتے اور اتفاقًا کوئی بیمار مل جاتا تو چلتے ہوئے ہی مزاج پرسی فرمالیتے نہ تو ٹھہرتے نہ اس کی خاطر راستہ سے مڑتے جمہور علماء کے ہاں معتکف کے لیے یہی حکم ہے اگر وہ مزاج پرسی کے لیے بقدر اداء نماز ٹھہرے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اس سے کم ٹھہرا تومکروہ ہوگا،جمہور علماء کا ماخذیہ حدیث ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ نہ تو بیمار کی مزاج پرسی کرے ۱؎ اور نہ جنازے ہی کو جائے ۲؎ نہ عورت کو ہاتھ لگائے نہ اسے چھوئے ۳؎ نہ کسی کام کو جائے سوائے ضروری کام کے ۴؎ بغیر روزہ اعتکاف نہیں ہوتا ۵؎ اور صرف جامع مسجد میں ہی اعتکاف کرے ۶؎ (ابوداؤد) ۷؎	

۱؎ نہ مزاج پرسی کے لیے مسجد سے نکلے اور نہ مسجد سے باہر اس کے لیے ٹھہرے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ وہاں چلتے ہوئے مزاج پرسی مراد تھی اور یہاں ٹھہر کر۔

۲؎ یعنی نماز جنازہ کے لیے مسجد سے باہر نہ جائے اگرچہ خارج مسجد میں نماز جنازہ ہو کہ معتکف اندرونِ مسجد رہنا چاہیے بلا ضرورت وضوو غسل کی جگہ بھی نہ جائے اگرچہ یہ جگہ مسجد کی حدود میں ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی معتکف اپنی بیوی کو نہ شہوۃً ہاتھ سے چھوئے نہ اسے چمٹائے نہ صحبت کرے صحبت سے تو اعتکاف یقینًا جاتا رہے گا اور بوس و کنار یا شہوۃً چھونے سے انزال ہوگیا تو اعتکاف گیا،ورنہ سخت مکروہ ہوا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی غسل گرمی کے غسل کے لیے مسجد سے نکلنا بھی جائز نہیں،صرف پیشاب پاخانہ غسل جنابت کے لیے نکل سکتا ہے حتی کہ جس پر جمعہ فرض نہیں جیسے عورت یا دیہاتی وہ نماز جمعہ کے لیے مسجد سے نہیں جاسکتا۔

۵؎ یہ حکم اعتکاف فرض یااعتکاف سنت کے لیے ہے کہ ان دونوں میں روزہ شرط ہے اعتکاف نفل میں نہ روزہ شرط ہے نہ وقت کی پابندی۔

۶؎ یہ حکم مرد کے اعتکاف کے لیے ہے،عورتوں کےاعتکاف کے لیے مسجد شرط نہیں وہ اپنے گھروں میں اعتکاف کریں۔ جامع مسجد سے مراد جماعت والی مسجد ہے جہاں مؤذن وامام مقرر ہواور نماز پنجگانہ باجماعت ہوتی ہوایسی ہی مسجد میں اعتکاف کرے اور اگراس سے جمعہ والی مسجد مراد ہو جہاں نماز جمعہ بھی ہوتی ہو تو یہ حکم استحبابی ہے کہ جمعہ والی مسجد میں اعتکاف مستحب ہے جائز تو ہر مسجد میں ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاَنۡتُمْ عٰکِفُوۡنَ فِی الْمَسٰجِدِ"۔خیال رہے کہ سب سے افضل اعتکاف حرم کعبہ یعنی مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں پھر وہاں جہاں کا امام افضل ہو پھر وہاں جہاں جماعت بڑی ہوتی ہو مرقات و لمعات،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ مرد مسجد میں ہی اعتکاف کرسکتا ہے۔

۷؎ یہ حدیث کچھ فرق سے نسائی نے بھی نقل کی مؤطا امام مالک میں کچھ تھوڑی تبدیلی سے ہے اس حدیث کی اسناد میں عبدالرحمٰن ابن اسحاق ہیں جن پر بعض محدثین نے جرح کی ہے مگر بعض محدثین نے انہیں ثقہ کہا اور جب جرح و

تعدیل میں تعارض ہوا تو تعدیل مقدم ہوتی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ فرمانا کہ سنت یہ ہے مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بات محض اٹکل و قیاس سے نہیں کہی جاسکتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ جب اعتکاف کرتے تو آپ کے لیے بستر بچھادیا جاتا یا ستون توبہ کے پیچھے آپ کا تخت پوش ڈال دیا جاتا ۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ستون توبہ کے پاس اعتکاف کرتے تھے وہاں آپ کے لیے کبھی تو صرف بستر بچھادیا جاتا تھا اور کبھی چار پائی کیطرح تخت بھی۔ معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں چار پائی یا تخت پر سو سکتا ہے بشرطیکہ بالکل پاک و صاف ہو ستون توبہ مسجد نبوی میں وہ ستون ہے جہاں ابولبابہ نے توبہ کی تھی اسی ستون سے انہیں باندھ دیا گیا تھا اب حجاج وہاں کھڑے ہو کر توبہ استغفار کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ اعتکاف گناہوں سے باز رکھتا ہے ۱؎اور معتکف کو تمام نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے تمام نیکیاں کرنے والے کیطرح ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اعتکاف کا فوری فائدہ تو یہ ہے کہ یہ معتکف کو گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ **عکف** کے معنی ہیں روکنا،باز رکھنا،کیونکہ اکثر گناہ غیبت،جھوٹ اور چغلی وغیرہ لوگوں سے اختلاط کے باعث ہوتی ہے معتکف گوشہ نشین ہے اور جو اس سے ملنے آتا ہے وہ بھی مسجد و اعتکاف کا لحاظ رکھتے ہوئے بری باتیں نہ کرتا ہے نہ کراتا ہے۔

۲؎یعنی معتکف اعتکاف کی وجہ سے جن نیکیوں سے محروم ہوگیا جیسے زیارت قبور، مسلمانوں سے ملاقات، بیمار کی مزاج پرسی،نماز جنازہ میں حاضری اسے ان سب نیکیوں کا ثواب اسی طرح ملتا ہے جیسے یہ کام کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے،ان شاءاللہ غازی،حاجی،طالب علم دین کا بھی یہ ہی حال ہے۔

کتاب فضائل القرآن

قرآن کے فضائل کا بیان ا؎

الفصل الاول

پہلی فصل

ا؎فضائل فضیلت کی جمع ہے فضیلت فضل سے بنا بمعنی زیادتی عرف میں فضیلت اس خصوصی بزرگی کو کہتے ہیں جو دوسرے کو حاصل نہ ہو۔ خیال رہے کہ فضل صفت ہے اور فضول عیب یعنی عبث یا فائدہ سے خالی۔ قرآن کی وجہ تسمیہ ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"جلد اول کے مقدمہ میں ملاحظہ کیجئے کہ یہ لفظ قرءٌسے بنایا قرأۃ سے یا قرن سے قرآن کے فضائل بعض عمومی ہیں یعنی سارے قرآن کے فضائل اور بعض خصوصی یعنی بعض سورتوں یا بعض آیتوں کے خصوصی فائدے و تاثیریں، جن آیات میں حمد و نعت ہیں وہ ذکر بھی افضل،ذاکر بھی اعلیٰ اور مذکور بھی بہتر مگر جن آیات میں کفار کا ذکر ہے وہاں ذکر اعلیٰ ذاکر افضل مگر مذکور بدترین خلق،اسی لیے قل ھو اللہ تین بار پڑھنے میں سارے قرآن کی تلاوت کا ثواب ہے کہ یہ حمد کی سورت ہےاور تبت یدا تین سو بار بھی پڑھ لو تو بھی یہ ثواب نہیں کعبہ معظّمہ سارا ہی خدا کا گھر ہے مگر رکن اسود بہت اعلیٰ ہے،مسجد ساری بیت اللہ ہے مگر محراب و منبر اعلیٰ ہیں لہذا اس فضیلت پر منکرین حدیث کا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ سارا ہی قرآن کلام الٰہی ہے پھر یہ فرق مراتب کیسا نبیوں،ولیوں میں فرق مراتب موجود ہے حالانکہ وہ سارے اللہ کے پیارے ہیں"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے ا؎(بخاری)	

ا؎قرآن سیکھنے سکھانے میں بہت وسعت ہے بچوں کوقرآن کے ہجے روزانہ سکھانا،قاریوں کا تجوید سیکھنا سکھانا،علماء کا قرآنی احکام بذریعہ حدیث وفقہ سیکھانا سکھانا صوفیائے کرام کا اسرار و رموز قرآن بسلسلہ طریقت سیکھنا سکھانا سب قرآن ہی کی تعلیم ہے صرف الفاظ قرآن کی تعلیم مراد نہیں،لہذا یہ حدیث فقہاء کے اس فرمان کے خلاف نہیں کہ فقہ سیکھنا تلاوت قرآن سے افضل ہے کیونکہ فقہ احکام قرآن ہے اور تلاوت میں الفاظ قرآن چونکہ کلام اللہ تمام کلاموں سے افضل ہے لہذا اس کی تعلیم تمام کاموں سے بہتر اور اسرار قرآن الفاظ قرآن سے افضل ہیں کہ الفاظ قرآن کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک پر ہوا اور اسرار و احکام کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ہوا،تلاوت سے علم فقہ افضل رب تعالٰی فرماتاہے:"نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ"عمل بالقرآن علم قرآن کے بعد ہے لہذا عالم عامل سے افضل ہے آدم علیہ السلام عالم تھے فرشتے عامل مگر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام افضل و مسجود رہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم صفہ میں تھے۱؎ فرمایا تم میں کون یہ چاہتا ہے کہ ہر صبح بطحان یا عقیق کی طرف نکل جایا کرے اور بغیر گناہ کئے بغیر رشتہ توڑے دو اونچی اونٹیاں لے آیا کرے ۲؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہم سب چاہتے ہیں۳؎ فرمایا تو تم میں سے ہر شخص روزانہ صبح کو کیوں نہ مسجد چلا جایا کرے وہاں قرآن کریم کی دو آیتیں سیکھ لیا کرے یا پڑھ لیا کرے ۴؎ یہ دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور تین تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار چار سے اور اسی قدر اونٹوں سے بہتر ہیں ۵؎(مسلم)

۱؎ صفہ کے معنی ہیں چبوترہ(تھڑا)مسجد نبوی سے متصل پیچھے کی جانب تھوڑا سا چبوترا بنادیا گیا تھا جہاں مہمان اترتے تھے اور علم سیکھنے والے فقراء صحابہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے یہ حضرات اصحاب صفہ کہلاتے انہیں کی سی صفات رکھنے والوں کو آج صوفیاء کہتے ہیں،یعنی صفائی دل اور صوف کا لباس رکھنے والی جماعت یہ حضرات کم و بیش ہوتے رہتے تھے کبھی ستر اور کبھی دو سو سے زیادہ گویا یہ مدرسہ نبوی تھا عقبہ ابن عامر اور ابوہریرہ بھی انہی میں سے تھے۔

۲؎ یعنی تھوڑی دور جا کر تھوڑی سی دیر میں بہت سا حلال مال لے آوے عرب میں اونٹنی بڑا عزیز مال تھا عقیق مدینہ منورہ سے دو تین میل پر ایک بازار ہے جہاں جانور زیادہ فروخت ہوتے ہیں بطحان مدینہ پاک کا ایک وسیع جنگل ہے بطح بمعنی وسعت یا پتھریلا علاقہ۔

۳؎ یعنی یارسول اللہ یہ تو ہم سب چاہتے ہیں۔خیال رہے کہ وہ حضرات اگرچہ تارک دنیا تھے مگر دین کے لیے دنیا حاصل کرنے کو بہت افضل جانتے تھے دنیا اگر دین کے لیے ہو تو عین دین ہے اور اگر طین(مٹی گارے)کے لیے ہو تو دنیا ہے یعنی دنی چیز لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ وہ لوگ تو محبِ دنیا نہ تھے پھر یہ جواب کیوں دیا۔

۴؎ یہ گفتگو صرف صفہ والے اصحاب سے نہیں ہے وہ تو ہر وقت گویا مسجد ہی میں رہتے تھے،بلکہ تاقیامت مسلمانوں سے ہے کہ دنیاوی کاروبار میں مشغول ہونے سے پہلے کچھ علم قرآن حاصل کرلیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی مدرسے مسجد میں ہونا بہتر ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ صفہ میں تھا جو مسجد سے متصل تھا گویا مسجد ہی میں تھا ،نیز معلوم ہوا کہ صبح سویرے علم قرآن حاصل کرنا افضل و صبح کے کام میں برکت ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء بلاتامل طلباء کو علم سکھایا کریں ۔

۵؎ یعنی پانچ آیات پانچ اونٹوں سے افضل اور چھ یا سات آیتیں اسی قدر اونٹوں سے افضل عرب میں ابل مطلقًا اونٹ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ اور جمل نر اونٹ کو ناقہ مادہ کو جیسے انسان یا آدمی مطلقًا انسان کو کہتے ہیں اور رجل مرد کو امراۃ عورت کو۔خیال رہے کہ یہاں آیت سے مراد آیت سیکھانا یا اس کی تعلیم میں مشغول رہنا ہے یعنی ایک آیت سیکھنا

ایک اونٹنی کی ملکیت سے بہتر ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آیت قرآنی تو تمام دنیا سے بہتر ہے ایک اونٹ کا ذکر کیوں ہوا یا یہ تفصیل ان اہل عرب کو سمجھانے کے لیے ہے جنہیں اونٹ بہت مرغوب ہے جیسے میٹھی نیند سونے والوں کو سمجھانے کے لیے فجر کی اذان میں کہتے ہیں"**الصلوۃ خیر من النوم**"نماز اس نیند سے بہتر ہے حالانکہ نماز تو ساری دنیا سے بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر لوٹے تو وہاں تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیاں پائے۱؎ ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا تو تین آیتیں جنہیں کوئی اپنی نماز میں پڑھ لے۲؎ وہ اسے تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے بہتر ہیں۳؎(مسلم)	

۱؎ یعنی جب سفر،بازار سے گھر پہنچے تو وہاں یہ حلال دولت پائے،اہل عرب مادہ اونٹنی کو خصوصًا جب وہ حاملہ بھی ہو اونچی اور موٹی بھی بہت ہی پسند کرتے ہیں،اس لیے یہ مثال ارشاد ہوئی کیونکہ اونٹنی سے نسل چلتی ہے اونٹ سے نہیں چلتی اور ظاہر ہے کہ اچھی نسل کی اونٹنی کی نسل بھی اچھی ہوگی ۔

۲؎ قرآن کریم اعلیٰ چیز ہے اور جب نماز میں پڑھا جائے تو **نورٌ علیٰ نور** ہے کہ نماز و قرآن کی برکتیں جمع ہوجاتی ہیں اور اگر تقدیر سے حرم مکہ یا حرم مدینہ میں نماز نصیب ہوجائے تو اس تلاوت کی برکتیں بے شمار ہو جاتی ہیں کہ تین خوبیاں جمع ہوگئیں،نماز،تلاوت،حرم کی زمین۔

۳؎ ان اونٹنیوں کا نفع صرف دنیا میں ہے اور آیات قرآنیہ کا نفع دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور فانی سے باقی بہتر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی مال میں مشغول ہو کر آخرت سے لاپرواہ نہ ہوجایئے،یہ مطلب نہیں کہ دنیا بالکل چھوڑ دو کہ اسلام میں ترک دنیا منع ہے بلکہ جو دنیا دین کمانے کا ذریعہ ہو وہ بھی دین ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا عالم۱؎ معزز فرشتوں اور محترم و معظم نبیوں کے ساتھ ہوگا۲؎ اور جو قرآن پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو اور قرآن اس پر گراں ہو اس کیلئے دو ثواب ہیں۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ قرآن کریم کا ماہر وہ عالم ہے جو الفاظ قرآن،معانی و رسائل قرآن اسرار و رموز قرآن کا واقف ہو،اس کا بڑا درجہ ہے۔

۲؎ شیخ نے فرمایا کہ یہاں سفرہ سے فرشتوں کی جماعت مراد ہے اور **کرام بررۃ** سے انبیاء کرام مقصود ۔مرقات نے فرمایا کہ یہ تینوں صفتیں فرشتوں کی ہیں۔**سَفَرَہ** یا تو **سَفَر** سے بنا ہے یعنی سفر کرتے رہنے والے فرشتے جو ہمیشہ حق تعالیٰ اور رسولوں کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں وحی وغیرہ کے لیے یا **سِفْرٌ** سے بنا بمعنی کتاب،جس کی جمع اسفار ہے"**یَحْمِلُ اَسْفَارًا**"یعنی وہ فرشتے جو لوح محفوظ سے مضامین صحیفوں میں نقل کرتے رہتے ہیں یا کاتبین اعمال فرشتے

یا سفار بمعنی اصلاح سے بنا یعنی وہ فرشتے جو رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر مصلحت و رحمت کی خبریں لاتے ہیں چونکہ یہ فرشتے اول درجہ کے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں اور گناہوں سے بہت ہی پاک و صاف اس لیے ان کے یہ تین لقب ہوئے قرآن کریم کا عالم ان فرشتوں اور نبیوں کا سا کام کرتا ہے اس لیے اس کا حشر بھی انہیں جماعتوں کے ساتھ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ قیامت میں اچھوں کا ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔شعر

گر محمد کا ساتھ ہوجائے　　　　پھر تو سمجھو نجات ہوجائے

بعض نے فرمایا کہ یہ تینوں صفتین صحابہ کرام کی ہیں کہ انہوں نے قرآن جمع بھی کیا اور وہ اللہ کے ہاں مقبول اور گناہوں سے محفوظ بھی ہیں مرقات۔

۳؎سبحان اللہ! عالم بالقرآن کا تو وہ مرتبہ ہے جو ابھی ذکر ہوا اور جو کند ذہن،موٹی زبان والا قرآن پاک سیکھ تو نہ سکے مگر کوشش میں لگا رہے کہ مرتے دم تک کوشش کئے جائے وہ ڈبل ثواب کا مستحق ہے،شوق محنت۔خیال رہے کہ یہ دوگنا ثواب عالم قرآن کے مقابلہ میں نہیں ہے،عالم قرآن تو فرشتوں نبیوں اور صحابہ کے ساتھ ہے بلکہ اس کے مقابلہ میں جو بے تکلف قرآن پڑھ کر بس کردے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو شخصوں پر غبطہ ہے ۱؎ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم قرآن دیا وہ دن و رات اسے پڑھتا ہو۲؎ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا وہ دن رات اس سے خیرات کرے۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں حسد بمعنی غبطہ،رشک ہے حسد تو کسی پر جائز نہیں نہ دنیا دار پر نہ دین دار پر شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام پر حسد ان کی دینی عظمت پر ہوا تھا نہ کہ دنیاوی مال و دولت پر مگر مارا گیا حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت پر جلنا اور اس کا زوال چاہنا،رشک کے معنے ہیں دوسرے کی سی نعمت اپنے لیے بھی چاہنا دینی چیزوں میں رشک جائز ہے۔

۲؎یعنی عالم دین ہو دن رات نمازیں پڑھتا ہو قرآن پر عمل کرتا ہو ہر وقت اس کے مسائل سوچتا ہو،اس میں غور و تامل کرتا ہو،**یقوم** میں یہ سب کچھ داخل ہے۔مبارک ہے وہ زندگی جو قرآن و حدیث میں تامل و غور کرنے میں گزر جائے اور مبارک ہے وہ موت جو قرآن و حدیث کی خدمت میں آئے اللہ نصیب کرے۔شعر

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے　　　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

انسان جس شغل میں جیئے گا اسی میں مرے گا اور ان شاءاللہ اسی میں اٹھے گا بعض صحابہ کرام قبر میں بھی سورۂ ملک پڑھتے سنے گئے جیسا کہ مشکوۃ شریف میں آئے گا۔

۳؎ چونکہ خفیہ خیرات علانیہ خیرات سے افضل ہے،اس لیے یہاں رات کا ذکر دن سے پہلے ہوا یعنی وہ مالدار خفیہ بھی خیرات کرے اور علانیہ بھی،خیال رہے کہ سنت کی نیت سے اپنے اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھا کرتا ہے ترنج کی سی ہے ۱؎ جس کی خوشبو بھی اچھی اور لذت بھی اعلیٰ ۲؎ اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا چھوارے کی سی ہے جس میں خوشبو کوئی نہیں مزا میٹھا ہے ۳؎ اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا،اندرائن(تمہ)کی سی ہے جس میں خوشبو کوئی نہیں اور مزا کڑوا ۴؎ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان گھاس کی سی ہے جس کی خوشبو اچھی اور مزہ کڑوا ۵؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ مؤمن جو قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے ترنج کیطرح ہے ۶؎ اور وہ مؤمن جو قرآن پڑھے تو نہیں اس پر عمل کرے چھوارے کی طرح ہے ۷؎

۱؎ یعنی تلاوت قرآن کرتا رہتا ہے منزل نہیں چھوڑتا،معلوم ہوا کہ ہمیشہ تلاوت قرآن کرنا بہت بڑی عبادت ہے خواہ معنے سمجھے یا نہ سمجھے،ترنج عرب کا مشہور پھل ہے جس کا رنگ بہت اچھا ہوتا ہے خوشبو نہایت اعلیٰ مزہ بہت بہترین،دماغ اور معدہ کو بہت قوت دیتا ہے اس کے بہت فوائد کتب طب میں مذکور ہیں۔

۲؎ یہ ہی اس مؤمن کا حال ہے کہ لوگ اس کی تلاوت سے ایمانی لذت بھی حاصل کرتے ہیں اور ثواب بھی خود اسے بھی لذت و ثواب دونوں ملتے ہیں،قرآن شریف بہت ہی لذیذ چیز ہے۔

۳؎ ایسے ہی یہ غافل مسلمان ہے کہ اس کا ظاہر خاص اچھا نہیں مگر باطن نور ایمانی سے منور ہے لوگ اس سے ظاہری فائدہ نہیں اٹھاتے مگر اس کی صحبت سے کچھ نہ کچھ باطنی فیض پالیتے ہیں مؤمن کی صحبت بھی اچھی ہے۔

۴؎ اندرائن ایک مشہور کڑوا پھل ہے جس میں کسی قسم کی بو نہیں اور سخت کڑوا ہوتا ہے،منافق کا نہ ظاہر اچھا نہ باطن۔

۵؎ یعنی بے دین جو ریاء کے لیے یا مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے قرآن پڑھے،اگرچہ خود تو بدمزہ ہے کہ منافق ہے مگر اس کی تلاوت سے سننے والوں کو کچھ نہ کچھ راحت ضرور مل جاتی ہے،جیسے ریحانہ گھاس(نیازبو) کہ ہے تو بدمزہ مگر اس کی خوشبو سے دماغ ضرور معطر ہوجاتا ہے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تلاوت قرآن کا اثر ظاہر و باطن میں ہوتا ہے کہ اس سے زبان، کان،دل،دماغ ایمان سب ہی تازہ ہوتے ہیں۔دوسرے یہ کہ قرآن پاک کی تاثیر یں مختلف ہیں جیسے پڑھنے والے کی زبان ویسے ہی تاثیر قرآن حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے انڈے

پر"قل ھو اللہ"پڑھ کر دم کردیا تو سونا ہوگیا،اور فرمایا کہ کلام ربانی کے ساتھ زبان فرید ہونی چاہیے دیکھو یہاں مؤمن ومنافق کی تلاوتوں میں فرق فرمایا گیا پھر جیسا مؤمن ویسی ہی تلاوت کی تاثیر ۔تیسرے یہ کہ ہر تلاوت قرآن کرنے والے سے دھوکہ نہ کھاؤ ان میں کبھی منافق بھی ہوتے ہیں،قرآن کریم ریڈیو کی پیٹی ہے، تلاوت والے کے دل کی سوئی اگر شیطان کیطرف لگی ہوئی ہے تو اس کے سامنے تو قرآن ہوگا مگر اس کے منہ سے شیطان بولے گا اور اگر دل کی سوئی مدینہ پاک کی طرف ہے تو ان شاءاللہ زبان سے مدینہ کے فیضان نکلیں گے۔

۶؎مرقات نے فرمایا کہ جس گھر میں ترنج ہو وہاں جنات نہیں آتے ایک شاعر کہتا ہے۔

کانکم شجر الاترجّ طاب معا　　　　حملا ونورًا وطاب العود والورق

۷؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت بھی مستقل عبادت ہے اور اس پر عمل مستقل نیکی محبوب کا پیغام،وطن کا خط پڑھنے،سننے میں بھی مزہ آتا ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن محض بے کار ہے قرآن عمل کے لیے ہے نہ کہ پڑھنے کے لیے کیونکہ دوا کھانے پینے اور برتنے کے لیے ہوتی ہے محض نسخہ پڑھ لینے سے شفا نہیں ہوتی،ان بے وقوفوں کو خبر نہیں کہ بعض دواؤں کا سونگھنا مفید ہوتا ہے بعض کا محض دیکھنا فائدہ مند،سبزہ دیکھنے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے اور بعض دواؤں کے سننے سے فائدہ ہوتا ہے،بیمار عشق کے لیے محبوب کا ذکر سننا بہت مفید دوا ہے لیموں یا ترش چیزوں کا ذکر کرو تو منہ میں پانی بھر جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس قرآن کے ذریعہ کچھ قوموں کو سر بلند کرے گا اور کچھ کو گرادے گا۱؎(مسلم)

۱؎یعنی جو مسلمان قرآن کریم کو صحیح طرح سمجھیں صحیح طرح عمل کریں تو وہ دنیا و آخرت میں بلند درجے پائیں گے اور جو اس سے غافل رہیں،یا غلط طرح سمجھیں،غلط طور پر عمل کریں وہ دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے،قرآن کریم سے زندگی و موت طیب ہوتی ہے یہ محبوبین کے لیے ماء(پانی) ہے،اور محجوبین کے لیے دماء (خون) ہے،اب بھی قرآن پاک کے صحیح متبع بڑی عظمت عزت کے مالک ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا"۔حضرت عمر نے ابن ابزی غلام کو مکہ معظّمہ کا حاکم بنایا لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ اگرچہ غلام ہے مگر قرآن کا ماہر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ حضرت اسید ابن حضیر۱؎فرماتے ہیں اس اثناء میں کہ وہ رات میں سورہ بقر پڑھ رہے تھے ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا تھا کہ گھوڑا کودنے لگا ۲؎وہ خاموش ہوگئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا وہ پھر چپ ہوگئے تو

	گھوڑا پھر ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا آپ نے قرأت بند کردی ۳؎ ان کا بیٹا یحیٰی گھوڑے سے قریب تھا آپ ڈرے کہ گھوڑا اس تک پہنچ جائے جب انہوں نے یحیٰی کو ہٹایا تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا دیکھا کہ شامیانہ کیطرح ہے جس میں چراغ جیسے ہیں ۴؎ جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کیا ۵؎ فرمایا اے ابن حضیر پڑھا کرو اے ابن حضیر پڑھا کرو ۶؎ عرض کیا یارسول اللہ میں ڈرا کہ یحیٰی کو گھوڑا روند دے یحیٰی اس سے قریب ہی تھے تو میں ان کے پاس چلا گیا ۷؎ اور میں نے آسمان کیطرف سر اٹھایا تو شامیانہ سا تھا جس میں چراغ جیسی چیزیں تھیں ۸؎ میں باہر آگیا حالانکہ وہ نظر نہ آئیں فرمایا کیا جانتے ہو یہ کیا تھا عرض کیا نہیں فرمایا یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز پر جھک پڑے تھے ۹؎ اگر تم پڑھتے رہتے فرشتے اس طرح سویرا کر دیتے لوگ انہیں دیکھتے فرشتے ان سے نہ چھپتے ہیں ۱۰؎ مسلم، بخاری، لفظ بخاری کے ہیں مسلم میں بجائے متکلم **فخرجت** کے یوں ہے کہ وہ شامیانہ اوپر چڑھ گیا ۱۱؎

۱؎ آپ نقباء انصار میں سے ہیں جلیل القدر صحابی ہیں ۲۰ یا ۲۱ھ میں وفات پائی حضرت عمر نے آپ کا جنازہ اٹھایا اور نماز پڑھائی۔

۲؎ غالبًا یہ تہجد کا وقت تھا، آپ نماز تہجد سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن کررہے تھے آخر شب میں نماز کے سواء تلاوت بھی ثواب ہے عمل صحابہ ہے۔

۳؎ بچے کی جان کے خوف سے اور اس واقعہ میں غور و تامل کرنے کے لیے کیونکہ تلاوت میں سکون قلبی نہ رہا تھا دل اور طرف متوجہ ہوگیا تھا سکون قلب حاصل کرنے کے لیے یہ تلاوت بند فرمائی، اگر نمازی کو عین نماز کی حالت میں سانپ بچھو نظر آئے تو انہیں مارا سکتا ہے تاکہ سکون دل میسر ہوا لہٰذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ آپ نے دنیاوی وجہ سے دینی کام کیوں بند کردیا یہ بند کرنا نہیں بلکہ اس کو کامل بنانے کی تدبیر ہے۔

۴؎ غالب یہ ہے کہ شامیانہ روزانہ ہی ان کی تلاوت پر لگ جاتا تھا مگر آج ان کی نگاہ سے حجاب اٹھا دیئے گئے ہیں اس لیے آپ کی نگاہوں نے اسے دیکھ بھی لیا، بلکہ آپ کی فیض صحبت سے آپ کے گھوڑے نے بھی اسے دیکھ لیا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ مرید اپنے شیخ کی خدمت میں قلبی واردات اور خفیہ اثرات اعمال کی مخفی تاثیریں عرض کرسکتا ہے اس میں ریاء نہیں، بلکہ کبھی اس سے اپنی خامی دور ہوتی ہے اور کبھی مدارج میں ترقی ہوتی ہے مریض اپنا ہر حال

طبیب سے عرض کرتا ہے حصول صحت کے لیے غرضکہ ان امور کا اظہار عوام پر نہ کرے،خواص پر خصوصًا اپنے شیخ پر کرے۔

۶؎ یعنی آئندہ بھی تلاوت قرآن کیا کرو ان جیسے واقعات دیکھ کر گھبرانا نہیں یہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے یہ ہی شرح زیادہ ظاہر ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ امر بمعنی ماضی ہے یعنی تم نے اور زیادہ تلاوت کی ہوتی بند کیوں کردی اور دوسری شرح کی بنا پر اگلا جواب بالکل ظاہری ہے جو حضرت اسید نے عرض کیا۔

۷؎ یعنی دل تو میرا بھی چاہتا تھا کہ تلاوت خوب کروں کسی سستی وغیرہ کی وجہ سے میں نے تلاوت بند نہ کی،بلکہ واقعہ یہ پیش آیا جس کی وجہ سے مجھے تلاوت بند کرنی پڑی۔

۸؎ اس عجوبہ کو پہلے گھوڑے نے دیکھا جس سے وہ بدکا،پھر میں نے اسے دیکھا اس کا بدکنا میرے دیکھنے کا باعث بنا۔

۹؎ حضرت اسید کا ان فرشتوں کو دیکھ لینا اس وجہ سے ہوا کہ آج رب تعالٰی نے ان کی آنکھ سے غیبی حجابات اٹھا دیئے تھے جیسے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تیز بارش دیکھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کو دفن کرنے قبرستان تشریف لے گئے تھے واپسی پر آپ نے عرض کیا کہ حضور اس بارش میں آپ کہاں تھے بھیگے کیوں نہیں،فرمایا تمہارے سر پر کیا کپڑا ہے عرض کیا آپ کا تہبند فرمایا اس تہبند کی برکت سے تم نے یہ غیبی نورانی بارش دیکھ لی،ورنہ یہ بارش کسی کو نظر نہیں آتی،مثنوی شریف میں اس واقعہ کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے،جس کے آخری اشعار یہ ہیں۔

گفت چہ برسر فگندی از ازار | گفت کردم آں ردائے تو خمار
گفت بہر آں نمود اے پاک حبیب | چشم پاکت را خدا باران غیب
نیست ایں باراں ازیں ابر شما | نیست باراں دیگر و دیگر سما

بعض بزرگ مرید کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو اس کی آنکھ سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں اور عالم غیب کا مشاہدہ کرلیتا ہے مولانا فرماتے ہیں شعر۔

سرمہ کن در چشم خاکِ اولیاء | تا بہ بنی زابتدا تا انتہاء

۱۰؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ فرشتے پرے باندھ کر ان کی تلاوت سن رہے تھے ان کے سامنے شامیانہ کیطرح حجاب بن گئے۔ان کے چہرے چراغوں کی طرح چمک رہے تھے نورانی اجسام کا اژدہام آڑ بن سکتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے فرمایا آج ہم نے شیطان پکڑ لیا تھا چاہا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیں،اگر باندھ دیتے تو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔

۱۱؎ کیونکہ وہ آسمان کے رہنے والے فرشتے تھے تلاوت سننے اور قاری سے قرب حاصل کرنے یہاں آئے تھے،تلاوت بند ہوجانے پر اپنے مقام پر چلے گئے،زمینی فرشتے نہ تھے کہ نیچے آتے اگرچہ فرشتے آسمان پر رہتے ہوئے زمین والوں کی آواز سن لیتے ہیں مگر قربت حاصل کرنے کے لیے ایسی مجلس خیر میں آتے ہیں نعت خواں ایک شعر پڑھا کرتے ہیں۔شعر

فرشتے محفل میلاد میں رحمت کے آتے ہیں | رسول اللہ خود اس بزم میں تشریف لاتے ہیں

شعر کا ماخذ یہ حدیث ہے مجلس ذکر میں اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا بہت سی روایات سے ثابت ہے دیکھو ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اس کے پہلو میں دراز رسیوں سے گھوڑا بندھا تھا تو ان پر ایک بادل چھا گیا وہ جھکنے لگا اور خوب جھکنے لگا اور ان کا گھوڑا بدکنے لگا۱ پھر جب صبح ہوئی تو وہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ماجرا عرض کیا فرمایا یہ سکینہ رحمت ہے جو قرآن کی وجہ سے اتری ۲ (مسلم،بخاری)

۱گھوڑے کا یہ بدکنا ایک عجیب چیز کے نظارہ کیوجہ سے تھا جیساکہ عرض کیا گیا۔

۲فرشتوں کی ایک جماعت کا نام سکینہ ہے چونکہ ان کے اترنے سے مؤمن کے دل کو سکون و چین حاصل ہوتا ہے اس لیے اسے سکینہ کہتے ہیں مؤمن پر بعض خاص حالات میں بھی اور خاص عبادات کے موقعہ پر بھی یہ فرشتے اترتے ہیں رب تعالٰی ہجرت کے غار کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت صدیق اکبر کے متعلق فرماتا ہے:"فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ"۔صدیق اکبر کو اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت غم اور کفار کا اندیشہ تھا اسی لیے ان پر سکینہ اتری۔خیال رہے کہ بزرگوں کے تبرکات سے بھی سکون قلبی نصیب ہوتا ہے انہیں بھی رب تعالٰی نے سیکنہ فرمایا ہے۔چنانچہ تابوت سکینہ جس میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات عمامہ نعلین وغیرہ تھے ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتاہے:"فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ"۔بعض لوگ قبروں پر تلاوت قرآن پاک کراتے ہیں تاکہ اس تلاوت سے میت کو سکون قلبی نصیب ہو اس کا ماخذ یہ حدیث ہے اور بعض لوگ اپنی قبروں میں اپنے بزرگوں کے تبرکات عمامہ وغیرہ اور اپنا شجرہ آیات قرآنیہ رکھ دینے کی وصیت کرتے ہیں تاکہ سکون قبر میسر ہو ان کا ماخذ قرآن کریم کی مذکورہ آیت ہے۔ صحابہ کرام نے اپنے کفنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن، بال تہبند شریف رکھوائے،خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی بی بی زینب کے کفن میں اپنا تہبند شریف رکھا اس کی بحث ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید ابن معلے سے فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۱ کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے جواب نہ دیا پھر میں حاضر ہوا ۲اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ رہا تھا فرمایا کیا اللہ تعالٰی نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ رسول

	جب تمہیں بلائیں تو فورًا جواب دو ۳؎ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں تمہارے مسجد میں جانے سے پہلے قرآن کریم کی عظیم الشان سورۃ نہ بتاؤں ۴؎ پھر حضور نے میرا ہاتھ پکڑا جب باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن کریم کی عظیم الشان سورہ بتاؤں گا ۵؎ فرمایا وہ الحمد للہ رب العلمین ہے یہ تو وہ سات مکرر آیتیں ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئیں ۶؎ (بخاری)

۱؎ یہ حضرت مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوئے جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم برسرمنبر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اور آیت "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" تلاوت فرما رہے تھے انہوں نے تحیۃ المسجد نفل کی نیت باندھ لی ایک گوشہ میں نماز پڑھنے لگے۔

۲؎ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوا سن لیا مگر نماز کی مشغولیت کی وجہ سے حاضر نہ ہوا پھر بعد سلام حاضر ہوا اور معذرت کے لیے یہ عرض کیا۔

۳؎ یہاں اللہ رسول کے بلانے سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا ہے ورنہ رب تعالٰی بلاواسطہ کسی کو نہیں بلاتا اس لیے دَعَا واحد کا صیغہ ارشا دہوا۔(مرقاۃ)اس فرمان سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اگر عین نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں تو اسی وقت اسی حالت میں حاضر بارگاہ ہوجانا واجب ہے۔دوسرے یہ کہ اس حاضر ہوجانے سے بلکہ جو خدمت سرکار فرمائیں اس کے بجالانے سے نماز ٹوٹے گی نہیں وہ نماز ہی میں رہے گا،اور خدمت سے فارغ ہو کر بقیہ رکعتیں پوری کرے گا جیسے حضور سے خطاب اور حضور کو سلام نماز نہیں توڑتا،ایسے ہی حضور کی یہ اطاعت نماز فاسد نہیں کرتی۔(مرقات) نمازی وضو ٹوٹنے پر پانی کے پاس جائے تو نماز نہیں جاتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت الٰہی کا سمندر ہیں آپ کے پاس آنے سے نماز کیسے جائے گی۔

۴؎ پہلے سے یہ فرماکر منتظر بنادیا،تاکہ خوب یاد رکھیں جو بات انتظار کے بعد ملے،اس کی قدر ہوتی ہے،سورۃ قرآن شریف کا وہ حصہ ہے جس میں مضمون مکمل ہو اور اس کا نام بھی ہو۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ تمام آسانی کتابوں کے مضامین قرآن شریف میں ہیں۔اور سارے قرآن شریف کے مضامین سورۂ فاتحہ میں اور ساری سورۂ فاتحہ کے مضامین بسم اللہ میں اور ساری بسم اللہ کے مضامین اس کے ب کے نقطہ میں۔ دیکھو ریلوے ٹائم ٹیبل یا جغرافیہ میں پورے ملک یا پورے شہر کی طرف ایک نقطہ سے اشارہ کردیا جاتا ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو بڑی سورہ فرمایا اور ہر رکعت میں یہ دہرائی جاتی ہے۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وعدہ یاد تھا مگر آپ نے ابتداً نہ تعلیم دی تاکہ ان کے اپنے شوق کا پتہ لگے کہ انہوں نے یہ بات یاد رکھی یا نہیں اور ان کا شوق پورا ہے یا نہیں۔

٦؎ خلاصہ فرمان یہ ہے کہ سورہ فاتحہ بہت سی خوبیوں کی جامع سورۃ ہے اس میں حمد الٰہی، نعت پاک مصطفوی، وعدے وعیدیں، حشر و نشر کا ذکر ، محبوب و مردود بندوں کا تذکرہ، رب تعالٰی سے سوال کی تعلیم، دین برحق کی پہچان وغیرہ تمام مضامین ہیں دیکھو ہماری تفسیر نعیمی کلاں، اس میں سات آیتیں ہیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں ان کا نزول دوبار ہوا ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد یہ سورۃ سات حرفوں سے خالی ہے: ث، ج، خ، ز، ش، ظ، ف لہٰذا یہ سبع مثانی ہے یعنی سات مقرر آیتیں، نیز یہ سورت اس امت کی خصوصیات سے ہے کسی کو ہم سے پہلے نہ ملی، اس لیے رب تعالٰی نے اس کی عطاء کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ ارشاد ہوا: "وَلَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ" اگرچہ قرآن پاک میں یہ سورۃ بھی تھی مگر اس کا ذکر مستقل طور پر فرمایا لمعات، مرقات۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی بعض سورتیں بعض سے اعلٰی و افضل ہیں اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ ١؎ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جائے ٢؎ (مسلم)	

١؎ یعنی گھروں میں مردے دفن نہ کرو کہ یہ تو خصوصیت انبیاء ہے یا اپنے گھروں کو ذکر اللہ سے خالی نہ رکھو جیسے قبرستان خالی ہوتا ہے ایسے گھر قبرستان ہیں اور وہاں کے باشندے مردے دوسرے معنے زیادہ موزوں ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ مؤمن مردے اپنی قبروں میں ذکر اللہ کرتے ہیں، مگر وہ ذکر ہم نہیں سنتے، ہم کو قبرستان سنسان معلوم ہوتا ہے اسی لیے یہ ارشاد ہوا، لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

٢؎ یعنی شیاطین کا سرگروہ ابلیس اس گھر سے دور رہتا ہے یا سورۂ بقر پڑھتے وقت قرین شیطان دور رہتا ہے اگرچہ بعد میں آجائے یا اس گھر کے باشندوں کو وہ جنت سے بہکا نہیں سکتا، انہیں بے دین بے ایمان نہیں بناسکتا، ان شاءاللہ لہٰذا حدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ شیطان کو دفع کرنیکی یہ تمام تدابیر ہیں، نفس امارہ ان سے نہیں مرتا اس کی موت اس کی مخالفت سے ہے اسی لیے اگرچہ رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے مگر لوگ گناہ کرتے ہیں نفس امارہ موجود ہے۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قرآن پڑھا کرو ١؎ کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی آئے گا ٢؎ دو چمکدار سورتیں یعنی سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھا کرو ٣؎ یہ دونوں قیامت کے دن یوں آئیں گی جیسے بادل کے ٹکڑے یا سائبان یا صف بستہ چڑیوں کی ٹولیاں ہیں ٤؎ اپنے پڑھنے والوں کیطرف سے جھگڑیں گی ٥؎ سورۂ بقر پڑھا کرو اس کالینا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ٦؎	

	جسے جھٹلانے والے جھٹلا نہیں سکتے ۷؎(مسلم)

۱؎یعنی ہمیشہ تلاوت کیا کرواور اس موقعہ کو غنیمت جانو قرآن کریم کی تلاوت مستقل عبادت ہے معنی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں مرکب دوائیں معجونیں مفید ہیں ان کے اجزاء معلوم ہوں یا نہ ہوں۔
۲؎گنہگاروں کی مغفرت کی سفارش کرے گا نیک کاروں کی بلندی درجات کی صحابہ سے مراد قرآن کی تلاوت کرنے والے، اس کو سیکھنے سکھانے،اس پر عمل کرنے والے سب ہی مراد ہوتے ہیں مگر یہاں تلاوت کرنے والے مراد ہیں جیساکہ اس مضمون سے ظاہر ہے۔
۳؎مرقات نے فرمایا کہ یہ دونوں سورتیں باقی سورتوں میں ایسی ہیں،جیسے تاروں میں چاند اس لیے انہیں زہرا دین یعنی چمک دار سورتیں فرمایا گیا ورنہ سارا قرآن نور ہے لہذا حدیث واضح ہے ۔
۴؎یہ تین تشبیہیں تین قسم کے تلاوت کرنے والوں کے لحاظ سے ہیں،جیسا قاری کا اخلاص کل قیامت میں ویسا ہی ان کا سایہ، بہت مخلص کے لیے یہ سورتیں ابر رحمت بن کر سایہ بھی کریں گی اور روشنی بھی دیں گی درمیانی اخلاص والے کے لیے سائبان و شامیانہ کی طرح اور معمولی اخلاص والے کے لیے پرندوں کی جماعت کی طرح یہ شک راوی کو نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا،نیز یہاں ثواب تلاوت مراد نہیں بلکہ خود یہ سورتیں کل ان شکلوں میں ہوں گی یہاں کے عرض اور اعمال وہاں جسم و جوہر ہوں گے آج ہم خواب میں آئندہ حالات کو جسمانی شکل میں دیکھتے ہیں بادشاہ مصر نے آئندہ قحط کے سات سال گایوں اور بالیوں کی شکل میں دیکھے تھے۔
۵؎یا تو اس کے دشمنوں سے جھگڑا کریں گی یا عذاب کے فرشتوں سے جھگڑ کر اسے چھڑائیں گی یا خود رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر اسے بخشوائیں گی مگر یہ جھگڑا ناز کا ہوگا نہ کہ مقابلہ کا آج پیارا بیٹااپنے باپ سے جھگڑکر دوسروں کی سفار ش کر تا ہے لہذا حدیث واضح ہے کوئی اعتراض نہیں۔
۶؎یعنی قیامت میں ان سورتوں کے پڑھنے والے کا ثواب دیکھ کر نہ پڑھنے والے کف افسوس ملیں گے،جنتی لوگ تمنا کریں گے کہ کاش ہم نے دنیا میں ایک سانس بھی بغیر ذکراللہ کے نہ لی ہوتی۔
۷؎اس جملہ کے کئی معنے ہیں ایک یہ منافقین ریاء کا ر یہ سورتیں یاد نہ کرسکیں گےیا ان کی تلاوت نہ کرسکیں گے یا انہیں یہ دونوں سورتیں بہت دراز اور گراں معلوم ہوں گی مخلصین پر آسان ہوں گی۔دوسرے یہ کہ جادو گر وغیرہ ان سورتوں کا اثر اپنے جادو کے زور سے زائل نہیں کرسکتے اور ان کی تلاوت کرنے والے کو نقصان نہیں پہنچاسکتے۔ تیسرے یہ کہ ان کی صداقت اس قدر ظاہر ہے کہ انہیں جھوٹے لوگ جھٹلا نہیں سکتے۔

	روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن قرآن اور قرآن والے جو اس پر عمل کرتے تھے یوں بلائے جائیں گے ۱؎کہ سورۂ بقرو آل عمران آگے آگے ہوں گی گویا سفید بادل ہیں یا کالے شامیانے ۲؎ جن کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا۳؎گویا وہ صف بستہ

پرندوں کی دو ٹولیاں اپنے عاملوں کیطرف سے جھگڑتی ہوں گی ۴؎(مسلم)	

۱؎عزت عظمت کے ساتھ وفد کی شکل میں بارگاہ الٰہی میں پیشی کے لیے لائے جائیں گے رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا وَّ نَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرۡدًا"۔

۲؎یعنی یہ سورتیں بعض بڑے مخلصین کے لیے سفید بادل کی طرح اور ان سے کم درجہ والوں کے لیے سیاہ شامیانہ کیطرح اوپر سایہ کئے ہوں گی،جن سے یہ لوگ گرمی محشر سے محفوظ ہوں گے یہ بادل و شامیانے ان لوگوں کے ساتھ چلتے ہوں گے تمام محشر والے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہ یہ حضرات قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں،اب جو کہے کہ قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمن و کافر کی بھی پہچان نہ ہوگی وہ جھوٹا ہے۔

۳؎عربی میں شرق بکری کے کان کی پھٹن کو کہتے ہیں،یہاں اس سے ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ مراد ہے یہ فاصلہ بسم اللہ شریف کا ہوگا،یہاں بھی بسم اللہ ہی دو سورتوں میں فاصلہ و فرق کرتی ہے،بعض نے فرمایا کہ شرق بمعنی نورو چمک ہے یعنی ان دونوں سورتوں کے درمیان روشنی ہو گی۔ مقصد یہ ہے کہ سورتیں خود گہرے بادل کی طرح ہوں گی مگر ان سے اندھیرا نہ ہوگا بلکہ محشر کی جگمگاہٹ ان کے نیچے ہی محسوس ہوگی،یہ چمک سورج وغیرہ کی نہ ہوگی نور الٰہی کی ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا"۔

۴؎یعنی اللہ تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر اپنے قاری عاملین وعالمین کو بخشوائیں گی پہلے عرض کیاجاچکاہے کہ یہ جھگڑا مقابلہ کا نہ ہوگا بلکہ نازو انداز کا ہوگا رب تعالٰی ہم کو بھی ان سورتوں کی شفاعت نصیب کرے آمین۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابو المنذر کیا جانتے ہو کہ تمہارے پاس کتاب اللہ کی کون سی شاندار آیت ہے ۱؎میں نے عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں فرمایا اے ابو المنذر کیا جانتے ہو تمہارے پاس کتاب اللہ کی کون سی شاندار آیت ہے ۲؎میں نے عرض کیا"اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم" ۳؎ تو حضور نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا تمہیں علم مبارک ہو ۴؎اے ابوالمنذر(مسلم)	

۱؎حضرت ابی ابن کعب اور آپ کے تین چچا زاد بھائی اس زمانہ میں پورے قرآن کریم کے حافظ تھے سوال یہ ہے کہ اے ابی ابن کعب بتاؤ جو قرآن کریم تم نے سارا حفظ کیا ہے اس میں بہت شاندار آیت کونسی ہے۔(مرقات)اس زمانہ میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا حفظ بقدر نزول ہوتا تھا۔

۲؎ اعظم سے مراد اخروی ثواب اور دنیاوی فوائد میں زیادہ ہے،یہ زیادتی اضافی ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کسی حدیث میں کسی آیت کو اعظم فرمایا اور دوسری حدیث میں دوسری آیت کو۔

۳؎ پہلی بار نہ بتانے اور پھر بتادینے کی شارحین نے بہت وجوہ بیان کی ہیں فقیر کی نظر میں قوی وجہ یہ ہے کہ ان دو سوالوں کے درمیان کے وقفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل میں جواب بطور فیضان القاء فرمادیا پھر پوچھا تو آپ نے وہ ہی القاء کیا ہوا جواب عرض کردیا حضرات صوفیاء کبھی نظر سے کبھی سینہ پرہاتھ رکھ کر کبھی مرید کو سامنے بٹھا کر کبھی کوئی بات پوچھ کر فیض دیتے ہیں،ان طریقوں کی اصل یہ حدیث ہے(ازلمعات واشعہ)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب کو نظر بھر کر دیکھا جس سے ان کے سینہ میں علوم کے دریا بہ گئے۔

۴؎ یہ فرمان ہمارے عرض کئے ہوئے مطلب کی تائید ہے یعنی اے ابی تمہیں یہ علم لدنی مبارک ہوکہ بغیر کتابیں پڑھے داتا کی دین اور راہبر کامل کی ایک نگاہ کرم سے تمہیں سب کچھ مل گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے فطرہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا ۱؎ تو ایک شخص آیا غلے سے لپ بھرنے لگا ۲؎ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں گا ۳؎ وہ بولا میں محتاج ہوں میرے بال بچے ہیں اور مجھے سخت حاجت ہے ۴؎ فرماتے ہیں میں نے اسے چھوڑ دیا ۵؎ جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ آج رات تمہارے قیدی کا کیا بنا ۶؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس نے سخت حاجت اور بال بچوں کا عذر کیا اس پر میں نے رحم کیا تو اس کو رہا کردیا ۷؎ فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا اور وہ پھر لوٹے گا ۸؎ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے یقین ہوگیا کہ وہ لوٹ کر آئے گا میں اس کی تاک میں رہا ۹؎ وہ پھر آیا اور غلے کے لپ بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا اب کے تو تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گا وہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے میں محتاج ہوں اور مجھ پر بال بچوں کا بہت بوجھ ہے میں اب نہ آؤں گا،مجھے رحم آگیا اسے رہا کردیا ۱۰؎ جب صبح ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارے قیدی کا	

کیا بنا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے سخت محتاجی اور بال بچوں کا عذر کیا مجھے اس پر رحم آگیا اسے رہا کردیا۱۱؎ فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا اور وہ پھر آئے گا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے سے وہ پھر آئے گا یقین ہوگیا کہ وہ ضرور آئے گا میں گھات میں رہا وہ آیا غلے سے لپیں بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا تو کہا کہ اب تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گا یہ آخری تیسری بار ہے کہ تو کہہ جاتا ہے کہ نہ آئے گا پھر آجاتا ہے ۱۲؎ وہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے میں آپ کو چند ایسے کلمات سکھائے دیتا ہوں کہ اللہ ان کی برکت سے آپ کو نفع دے گا۱۳؎ جب آپ بستر میں جائیں۱۴؎ تو آیۃ الکرسی **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** آخری آیت تک پڑھ لیں تو اللہ کی طرف سے حافظ رہے گا۱۵؎ اور صبح تک شیطان آپ کے قریب نہ بھٹکے گا۱۶؎ میں نے اسے چھوڑ دیا۱۷؎ جب صبح ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بنا تمہارے قیدی کا میں نے عرض کیا اس نے کہا کہ مجھے ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ مجھے نفع دے گا، حضور نے فرمایا وہ ہے تو جھوٹا مگر تم سے سچ بول گیا۱۸؎ کیا جانتے ہو کہ تم تین دن سے کس سے گفتگو کررہے ہو میں نے کہا نہیں فرمایا یہ شیطان ہے ۱۹؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی صحابہ کرام جو اپنے فطرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کرجاتے تھے تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود فقراء میں تقسیم فرمادیں تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے رب تعالٰی قبول فرمالے اس جمع شدہ فطروں کی حفاظت اس دفعہ حضرت ابوہریرہ کے سپرد ہوئی۔

۲؎ یعنی فطرے کا گندم چرانے اور لے جانے لگا میں نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔خیال رہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت دانہ،غذائیں پھل،مٹھائیاں سب کچھ کھاتے ہیں،ساتھ ہی کوئلہ وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بغیر بسم اللہ پڑھے کھائے تو شیطان کھانے میں شریک ہوجاتا ہے،لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ ابلیس کے

کھانے کی کیا حاجت اس سے معلوم ہوا کہ شیطان چوری کرتا ہے اس لیے آیۃ الکرسی وغیرہ مال پر دم کردی جائے تاکہ جن وانس کی چوری سے محفوظ رہے۔

۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اولیاء اللہ خصوصًا صحابہ کرام شیطان کو دیکھ سکتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برکت سے ان کی آنکھوں سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں،ان حضرات نے تو بار ہا فرشتوں کو دیکھا جن کی کیا حقیقت ہے دوسرے یہ کہ شیطان ان کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا،وہ لوگ نورانی ہیں،نور کی طاقت نار سے زیادہ ہے جن کا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہو اس کی گرفت سے کون چھوٹے۔ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے شیطان گھبراتا ہے،وہاں حاضری کی ہمت نہیں کرتا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم شیطان کے متعلق فرماتا ہے:"اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"کہ وہ اور اس کی ذریت تو تم کو دیکھتے ہیں مگر تم ان کو نہیں دیکھتے،آیت کا منشا یہ ہے کہ تم ان جنات کو ان کی اصل شکل میں نہیں دیکھ سکتے لیکن جب وہ شکل انسانی میں ہوں،تو انہیں دیکھا جاسکتا ہے لہٰذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں،مرقات یا آیت میں عام انسانوں کا ذکر ہے اور یہاں اللہ کے خاص بندوں کا تذکرہ۔

۴؎ ادائے قرض وغیرہ معلوم ہوا کہ شیطان جھوٹ بولتا ہے۔وہ نہ محتاج ہے نہ اس کے بال بچوں کو فاقہ ہے،دفینے کانیں اس کی نگاہ میں ہیں سفلی عمل کرنے والوں کو وہ روزانہ مال پہنچاتا ہے،جسے ناجائز دست غیب کہا جاتا ہے جائز دست غیب رب تعالیٰ کی رحمت ہے،ناجائز دستِ غیب حرام۔

۵؎ یا اس لیے چھوڑ دیا کہ ابھی اس نے چوری نہیں کی تھی ارادہ ہی کیا تھا یا چوری تو کرلی تھی مگر چوری حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے حق العبد رہتی ہے اور وہاں پہنچ کر حق اللہ بن جاتی ہے،پہلی صورت میں بندہ اس سے مال چھین کر اسے چھوڑ سکتا ہے۔ دوسری صورت میں بندہ معاف نہیں کرسکتا ہاتھ ہی کٹیں گے یا اس لیے کہ اگر زکوۃ و خیرات سے فقیر چوری کرے تو ہاتھ نہ کٹیں گے کیونکہ اس مال میں اس کا بھی حق ہے جیسے بیوی بخیل خاوند کے مال سے اپنے حق کے بقدر چوری کرے تو مجرم نہیں کہ اس نے چوری نہیں کی بلکہ اپنا حق لیا بہرحال حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انہیں چور کو چھوڑ دینے کا کیا حق تھا۔

۶؎ یعنی جب میں نماز فجر کے لیے حاضر بارگاہ ہوا تو بغیر میرے کچھ عرض کئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال فرمایا معلوم ہوا کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر ظاہر و چھپی چیزیں دیکھتی ہیں کوئی چیز ان سے مخفی نہیں وہ توقبر کے اندر کے عذاب اور دلوں کے حال سے خبردار ہیں۔**مصرع**

چشم تو بینندہ ما فی الصدور (اقبال)

۷؎ اس جملہ میں فقیر کی عرض کی ہوئی توجیہ کی تائید ہوئی کہ حضرت ابوہریرہ کو اس پر رحم کرنے کا بھی حق تھا اور چھوڑ دینے کا بھی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ پر عتاب نہ فرمایا کہ ابو ہریرہ تمہیں چھوڑ دینے کا کیا حق تھا۔

۸؎ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوا۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ ہونے والے واقعات کا رب تعالیٰ نے علم بخشا جو آئندہ ہونے والا ہے وہ بتارہے ہیں۔شعر

خدا مطلع ساخت برجملہ غیب علی کل شیئ خبیر آمدی

۹؎ یعنی آج شب کو میں خوب چوکنا رہا سویا نہیں،غافل نہ رہا،اسے پکڑنا بھی تھا اور اس کا تماشا بھی دیکھنا تھا۔
۱۰؎ حضرت ابوہریرہ نے اس کا یہ قول کہ اب نہ آؤں گا اس کی توبہ سمجھا اس لیے چھوڑ دیا،اسے سچا نہ سمجھا،کیونکہ اس کا جھوٹا ہونا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے معلوم ہوچکا تھا یہ رحمت اس کی توبہ پر ہے نہ کہ اسے غریب سمجھ کر اس بار بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ پر عتاب نہ فرمایا لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے کوئی اعتراض نہیں یا آپ نے خیال فرمایا کہ یہ جھوٹ سے توبہ کرچکا ہے اور اب سچ بول رہا ہے پہلے جھوٹا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ جھوٹ کی خبر دی تھی اور اب سچ بول رہا ہے۔
۱۱؎ اس رحم کی وجہ ابھی عرض کردی گئی اس چھوڑ دینے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پاک کی مخالفت نہیں ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آئندہ چھوڑ دینے سے منع نہ کیا تھا۔
۱۲؎ خیال رہے کہ شیطان نے صرف ایک دفعہ یعنی دوسری بار میں ہی کہا تھا کہ میں اب نہ آؤں گا مگر حضرت ابوہریرہ فرمارہے ہیں کہ تو کہہ جاتا ہے میں نہ آؤں گا اس لیے شارحین نے فرمایا کہ یہاں **تزعم** مضارع ہے مگر بمعنی ماضی ہے یعنی تو کہہ گیا تھا اب نہ آؤں گا اور پھر آگیا یا حکمی و حقیقی دونوں طرح کہہ جانا مراد ہے یعنی تو پہلی بار میں حکمًا اور دوسری بار میں حقیقتًا کہہ گیا تھا کہ اب نہ آؤں گا لہٰذا یہ حدیث واضح ہے۔
۱۳؎ یعنی میں آپ پر ایک عمل مجرب بتا کر احسان کرتا ہوں آپ اس کے عوض مجھ پر یہ احسان کردیں کہ مجھے چھوڑ دیں کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے ابلیس کی اس خوشامد سے معلوم ہوا کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہوئے بہت گھبراتا ہے ورنہ وہ حاضر ہوجانے پر راضی ہوجاتاہے اب جس کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت نہ ہو وہ شیطان سے بدتر ہے شیطان یا تو خدا سے ڈرتاہے کہ کہتاہے:"اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیۡنَ" یا جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی ہیبت چاہیے ڈاکٹر اقبال یوں دعا کرتے ہیں۔شعر

مکن رسوا بروئے خواجہ مارا حساب من زچشم اونہاں گیر

۱۴؎ یعنی سونے کے لیے لیٹیں بستر پر یا فرش خاک پر یا تخت پر،بستر کا ذکر عرف کی بنا پر ہے اور سونا خواہ دن میں ہو یا رات میں۔
۱۵؎ یعنی خود رب تعالٰی یا اس کا مقرر کردہ،فرشتہ آپ کے جان و مال کی حفاظت کرے گا کہ گھر تو گر جانے آگ لگ جانے وغیرہ سے محفوظ رہے گا اور مال چوری وغیرہ سے امان میں رہے گا جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔
۱۶؎ یعنی دینی یا دنیاوی نقصان پہنچانے کے لیے شیطان ابلیس آپ کے قریب نہ آسکے گا،مطلقًا قریب آنے کی نفی نہیں لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں رہا کہ بار ہا دیکھا گیا ہے کہ ہم آیۃ الکرسی پڑھ کر سوتے ہیں پھر بھی احتلام ہوجاتا ہے اور احتلام شیطان سے ہوتا ہے ہاں آیۃ الکرسی کی برکت سے شیطان نماز قضا نہ کراسکے گا کہ یہ دینی نقصان ہے یوں ہی اس

کی برکت سے اولًا تو گھر میں چور سانپ وغیرہ آئیں گے نہیں اگر اتفاقًا آگئے تو شیطان اسے اس موقعہ پر غافل نہ کرسکے گا کہ اس میں دنیاوی نقصان ہے،ان شاءاللہ آنکھ کھل جائے گی اور یہ شخص ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۱۷؎اس بار رحم کھا کر نہ چھوڑا بلکہ اس کے احسان کے عوض اور اس چھوڑ دینے میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہ تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ کیا تھا۔

۱۸؎اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ شیطان قرآن شریف سے بھی واقف ہے اور آیات قرآنیہ کے احکام و اسرار واشارات سے بھی خبردار ہے،امام فخرالدین رازی نے فرمایا کہ شیطان ہر دین کے اچھے برے اعمال سے تفصیل وار واقف ہے اور ہر شخص کی نیت وارادہ پر مطلع ہے،اس کے بغیر وہ خلق کو بہکا نہیں سکتا،جب اس بہکانے والے کے علم کا یہ حال ہے تو خلق کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا پوچھنا۔دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ چاہیئے قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"شیطان اور اس کی ذریت تم سب کو دیکھتے ہیں مگر تم انہیں نہیں دیکھے یعنی وہ حاضر ناظر ہے کیوں، لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے تو جس کے ذمہ خلق کی ہدایت ہے وہ بھی حاضر و ناظر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔دوسرے یہ کہ شیطان کافر بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مؤمن کو چاہیئے جہاں سے اسے علم ملے لے لے،ہاں بے دین کو استاد دین کا نہ بنائے یہاں حضرت ابوہریرہ نے شیطان کو استاد نہ بنایا جیسے قابیل کو کوے نے طریقہ دفن سکھایا،مگر کوا ان کا استاد نہ تھا۔خیال رہے کہ کافر و بے دین کی اچھی بات پر جلد اعتماد نہ کرے ممکن ہے وہ شہد میں زہر دے رہا ہوں،یہاں جناب ابوہریرہ نے شیطان کی جب مانی جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید و تصدیق فرمادی۔ چوتھے یہ کہ آیۃ الکرسی دفع شیطان کے لیے اکسیر ہے خود شیطان اس کی خبر دے گیا کہ میرے بھاگنے کا ذریعہ آیۃ الکرسی ہے بھگانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تائید فرمادی،اور بھاگنے والے مردود نے بھی اس کی خبر دے دی۔ پانچویں یہ کہ کافر کی سچی بات کی مسلمان تصدیق و تائید کرسکتا ہے۔

۱۹؎یعنی ابلیس تھا جو اس مال میں برکت مٹانے آیا تھا ورنہ اسے چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی،یہ حدیث تسخیر جنات کی اصل ہے،بعض عامل حضرات جنات کو اپنے عمل سے قید کردیتے ہیں۔بالکل حق ہے دلیل یہ حدیث ہے،فقیر کی اس مذکورشرح سے حسب ذیل اعتراضات اٹھ گئے:اول یہ کہ حضرت ابوہریرہ کو شیطان نظر کیسے آگیا۔قرآن پاک فرماتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے،دوسرے یہ کہ حضرت ابوہریرہ کی گرفت میں شیطان کیونکر آگیا،وہ ہوا یا آگ کے شعلہ کی طرح ہے جسے پکڑا نہیں جاسکتا۔ تیسرے یہ کہ شیطان کو چوری کی کیا ضرورت ہے، چوتھے یہ کہ حضرت ابوہریرہ کو اسے پکڑ کر چھوڑ دینے کا کیا حق تھا،پانچویں یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ وہ جھوٹا ہے اور پھر آئے گا تو جناب ابوہریرہ نے اس کی بات کا اعتبار کیوں کیا۔چھٹے یہ کہ شیطان کو کیا خبر کہ قرآن کریم کی کس آیت میں کیا تاثیر ہے ساتویں یہ کہ اس سے لازم آیا کہ شیطان حضرت ابوہریرہ کا استاد ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو آپ نے اوپر سے آواز سنی ۱؎تو آپ نے

سر مبارک اٹھایا حضرت جبریل نے عرض کیا یہ آسمان کا وہ دروازہ کھولا گیا ہے جو آج کے سوا کبھی نہ کھولا گیا ۲؎ اس سے ایک فرشتہ اترا جبریل بولے یہ وہ فرشتہ زمین پر اترا ہے جو آج کے سوا کبھی نہ اترا ۳؎ اس نے سلام کیا پھر بولا آپ خوش و خرم ہوں ان دو نوروں سے جو آپ کو دیئے گئے ۴؎ آپ سے پہلے کسی کو نہ دیئے گئے ۵؎ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقر کی آخری آیتیں ۶؎ ان دونوں کا ایک حرف بھی آپ نہ پڑھیں گے مگر آپ کو اس کا اجر ملے گا ۷؎ (مسلم)	

۱؎ سمع کا فاعل حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ اگلی ضمیریں بھی انہیں کی طرف راجع ہیں نقیض نقض سے بنا بمعنی ٹوٹنا چونکہ لکڑی وغیرہ کے ٹوٹنے کے وقت سخت آواز پیدا ہوتی ہے،اس لیے اب ہر سخت آواز کو نقیض کہہ دیتے ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ آسمان کے بے شمار دروازے ہیں،جن سے مختلف چیزیں آتی جاتی ہیں،بعض دروازوں سے رزق آتے ہیں،بعض سے عذاب بعض سے دعائیں و توبہ جاتی ہیں، بعض سے خاص فرشتے اترتے ہیں،ایک دروازہ وہ بھی ہے جو صرف معراج کی رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھولا گیا،آج کا یہ دروازہ اس فرشتے کے لیے کھولا گیا تھا اس سے پہلے نہ یہ فرشتہ کبھی زمین پر آیا تھا اور نہ یہ دروازہ کبھی کھلا تھا۔

۳؎ یعنی نہ کسی کام کے لیے یہ زمین پر آیا نہ کسی پیغمبر کو کوئی پیغام سنانے کے لیے یہ فرشتہ صرف آج ہی آیااور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں آیا ہے اس فرشتہ کا نزول حضوانور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و عزت کے اظہار کے لیے ہے ورنہ یہ پیغام تو حضرت جبریل بھی عرض کرسکتے تھے۔

۴؎ چونکہ یہ دونوں سورتیں دنیا میں سیدھے راستہ کی ہادی ہیں اورپلصراط پر روشنی جس کے ذریعہ ان کی تلاوت کرنے والا آسانی سے اسے طے کرلے گا۔اس لیے انہیں نور فرمایا۔ خیال رہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں پھر آپ پر یہ نور اترے تو بفضلہٖ تعالٰی نورٌ علی نور ہوئے۔

۵؎ یعنی آپ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کو ایسی شاندار آیات و سورتیں نہ ملیں تو ریت انجیل وغیرہ میں ایسی شان کی آیت نہیں،یوں تو سارا قرآن شریف ہی ان کتب سے افضل ہے مگر یہ آیات بہت ہی افضل۔

۶؎ یعنی سورۃ بقر کا آخری رکوع"لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ"تک۔

۷؎ یعنی ان آیات کے ہر حرف کی تلاوت پر آپ کو اور آپ کے صدقہ سے آپ کی امت کو خصوصی ثواب ملے گا علاوہ تلاوت کے ثواب کے کہ وہ ثواب تو قرآن شریف کے تمام حروف پر ہے۔(اشعہ) یا حرف سے مراد آیت ہے یعنی ان میں

جو آیات دعا ہیں، ان میں سے ہر آیت قبول کی اور اس آیت کی دعا ان شاءاللہ منظور ہوگی۔مرقات ان دونوں جگہ میں بہت شاندار دعائیں ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بقرہ کی آخری دو آیتیں ایسی ہیں کہ جو انہیں رات میں پڑھے تو وہ اسے کافی ہیں ا(مسلم،بخاری)	

ا یعنی دکھ درد رنج و غم میں کافی ہیں کہ ان کا تلاوت کرنے والا ان شاءاللہ دکھ درد سے محفوظ رہتا ہےاور اگر اتفاقًا کبھی آ بھی جائیں تو اللہ مشکل حل کردیتا ہے یا تمام ورد وظیفوں کی طرف سے کافی ہیں،یا نماز تہجد میں جوان آیتوں کی تلاوت کیا کرےتو بہت سی تلاوت سے کافی ہیں نماز تہجد میں اس کی تلاوت ضرور کی جائے کہ بہت ہی مفید ہے ایک رکعت میں یہ آیات پڑھے،دوسری میں"اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" سے لے کر"تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ"تک ان شاءاللہ ان سے حضور قلبی بھی نصیب ہوگا اور بہت فیضان بھی میسر ہوگا۔اگر شروع رات میں بھی پڑھ لی جائیں اور تہجد میں بھی بہت مفید ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شروع سورہ کہف کی دس۱۰ آیتوں پر پابندی کرے اوہ دجال سے بچ جائے گا ۲(مسلم)	

ا اس طرح کہ روزانہ ان کی تلاوت کرلیا کرے یا ہرجمعہ کو بعض لوگ ہر جمعہ کو سورۂ کہف کی تلاوت کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ دجال سے مراد وہ ہی بڑا دجّال ہے جو قرب قیامت نکلے گا اس کا فتنہ اتنا سخت ہوگا کہ ہر نبی نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا یعنی اگر اس کی تلاوت کرنے والے کے زمانے میں دجال ظاہر ہوا تو ان شاءاللہ اس کے فتنے سے یہ محفوظ رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ دجال سے مراد تمام فتنہ گر بے دین لوگ مراد ہوں جیساکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تیس دجال پیدا ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے ان آیات کی برکت سے یہ شخص ہر بے دین فتنہ گر کے شر سے بچا رہے گا۔ سورۂ کہف میں اصحاب کہف کا ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں کافر بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھا ان کی آیات پڑھنے والے پر ان شاءاللہ وہی فیضان ہوتا ہے بعض روایات میں تین آیات ارشا د ہوئیں مگر دس میں تین بھی داخل ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اس سے عاجز ہو کہ ہر رات تہائی قرآن پڑھ لیا کرو لوگ بولے کیسے تہائی قرآن پڑھا جاسکتا	

	ہے ۱؎فرمایا"قل ھو ل اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے ۲؎(مسلم)

۱؎یعنی روزانہ دس پاروں کی تلاوت مشکل ہے،ایک دو دن تو ہمت کرکے پڑھا جاسکتاہے۔

۲؎شارحین نے اس جملہ کے بہت معنے کئے ہیں،بہترین معنے یہ ہیں کہ ایک بار"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھنے کا ثواب دس پارے تلاوت کرنے کے برابر ہے۔لہٰذا تین بار تلاوت کرلینے سے سارا قرآن شریف پڑھ لینے کا ثواب ہے۔ ختم شریف وغیرہ میں تمام سورتیں ایک ایک بار پڑھی جاتی ہیں مگر سورۂ اخلاص تین بار،اس عمل کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔خیال رہے کہ قرآن کرم میں تین قسم کے مضامین ہیں: اللہ تعالٰی کی ذات و صفات،قصے،احکام اور سورۂ اخلاص میں ذات و صفات الٰہی کا مکمل ذکر ہے،اس لیے یہ سورۃ قرآ ن کریم کے تہائی کا ثواب رکھتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حمد کی آیات دیگر آیات سے افضل ہے۔

	بخاری میں حضرت ابو سعید سے یہ روایت ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا وہ اپنے ساتھیوں کی امامت نماز کرتا تھا۱؎تو ہمیشہ"قل ھو اللہ احد"پر قرأت ختم کرتا تھا۲؎جب صحابہ لوٹے تو یہ ماجرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے پوچھو ایسا کیوں کرتے تھے۴؎ان سے پوچھا وہ بولے اس لیے کہ رحمٰن کی صفت ہے مجھے اس کا پڑھنا بڑا پسند ہے۵؎تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے خبر دیدو کہ اللہ اس سے محبت کرتاہے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎کیونکہ امامت کا حق سلطان اسلام یا سردار قوم کو ہے جب کہ وہ علم شریعت رکھتے ہوں،چونکہ یہ اس فوج کے کمانڈر تھے اس لیے ان کے امام بھی رہے۔

۲؎یعنی ہر نماز کی آخری رکعت میں اور جماعت کی دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھا کرتے تھے قرأت ختم کرنے کے بعد کے یہ ہی معنے ہیں،یہ مطلب نہیں کہ ہر رکعت میں اور سورت پڑھ کر"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھتے تھے کہ یہ تو مکروہ ہے۔

۳؎ یا تو حکایۃً کہا گیا یا شکایۃً کیونکہ صحابہ کرام نماز میں کوئی سورت مقرر نہ کرتے تھے،فرائض میں یہ مکروہ بھی ہے ہاں نوافل میں سورتوں کا تقرر جائز ہے مثلًا کوئی شخص ہمیشہ تہجد میں"قُلْ هُوَ اللّٰهُ"ہی پڑھا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کی شکایت استاد سے مرید کی شکایت پیر سے حتی کہ اپنے امام کی شکایت سلطان اسلام سے کرسکتے ہیں یہ غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

۴؎ محض نماز کو مختصر کرنے کے لیے"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھتے تھے یا اس لیے کہ انہیں دوسری سورتیں کم یاد ہیں یا کسی اور وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ فریقین کا بیان لے کر حاکم کو فیصلہ کرنا چاہیئے۔ فتوے اور ہے فیصلہ کچھ اور فتوے صرف ایک فریق کے بیان پر دیا جاسکتا ہے،دیکھو داؤد علیہ السلام نے بکریوں والے فرشتوں میں سے ایک کا بیان سن کر فتوے دے دیا تھا یہ حدیث تعلیم فیصلہ کے لیے ہے۔

۵؎ یعنی مجھے اللہ تعالٰی سے محبت ہے اور عاشق کو اپنے محبوب کا ذکر پیارا ہوتا ہے اور وہ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے اس لیے میں بھی نماز میں اکثر یہ سورت پڑھاکرتا ہوں،ورنہ مجھے اور سورتیں بھی یاد ہیں۔

۶؎ یا تو اس سورۃ سے محبت کرنے کی بنا پر یا اللہ تعالٰی سے محبت کرنے کی بناء پر۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیات ذات و صفات الٰہی سے محبت کرنا اللہ تعالٰی کے محبوب بن جانے کا ذریعہ ہے ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بلکہ ان کی اطاعت خدا کی محبوبیت کا ذریعہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے فرمایا:"فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"۔یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب بندوں کے ایسے حالات سے خبردار ہیں جن کی خود ہمیں بھی خبر نہیں محبوب خدایا مردود بارگاہ ہونا ایک ایسی چھپی ہوئی حالت ہے جو کسی دلیل یا علامت سے معلوم نہیں ہوسکتی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بھی خبردار ہیں اس ایک جملہ میں اس کے تقویٰ پر استقامت، ایمان پر خاتمہ،قبر و حشر میں نجات،جنت میں داخلہ،سب کی خبردے دی گئی،ظاہر یہ ہے کہ ان صحابی کو ہمیشہ نماز میں سورہ اخلاص پڑھنے کی اجازت دے دی گئی،یہ اجازت ان کی خصوصیات سے ہے دوسروں کے لیے یہ عمل مکروہ ہے اسی لیے دوسرے صحابہ نے یہ خوشخبری سن کر خود یہ عمل شروع نہ کردیا،لہذا یہ حدیث فقہی مسئلہ کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا۱؎ یارسول اللہ میں اس سورۃ"قل ھو اللہ احد"سے بڑی محبت کرتا ہوں سرکار نے فرمایا تیری یہ محبت تجھے جنت میں پہنچادے گی ۲؎(ترمذی)اور بخاری نے اس کے معنے کی روایت کی ۳؎	

۱؎ اس عرض کرنے والے کا نام کلثوم یا کرزم ہے،پہلا قول زیادہ قوی ہے(مرقات)

۲؎ سبحان اللہ! کیسا مختصر اور جامع جواب ہے یعنی تو اس سورت سے محبت کی بناء پر اللہ کا پیارا بن جائے گااور اللہ کے پیارے کی جگہ جنت ہی تو ہے،بعض لوگ سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ،وَالضُّحٰی اور سورۂ فتح واحزاب سے بڑی محبت کرتے

ہیں اس لیے کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی سورتیں ہیں،ان کی یہ محبت بھی ان شاءاللہ جنتی ہونے کا ذریعہ ہے۔

۳؎ یہ مصنف پر اعتراض ہے کہ اس نے پہلی فصل میں ترمذی کی حدیث نقل کی،حالانکہ بخاری میں اس کی مثل موجود تھی۔چنانچہ بخاری نے حضرت انس سے تعلیقًا ایک بڑا واقعہ روایت کیا کہ ایک انصاری مسجد قباء شریف میں امام تھے وہ ہر رکعت میں الحمد پڑھ کر پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے پھر دوسری سورت اس پر مقتدیوں نے اعتراض کیا،انہوں نے فرمایا کہ میں امامت چھوڑ دوں گا مگر سورۂ اخلاص پڑھنا نہیں چھوڑوں گا۔چونکہ وہ افضل صحابہ میں سے تھے اس لیے لوگ ان کی امامت کو غنیمت جانتے تھے،ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء کی زیارت کے لیے تشریف لائے تب یہ مقدمہ بارگاہ عالی میں پیش کیا گیا۔جس پر سرکار نے ان امام کا بیان لے کر یہ فیصلہ دیا۔(مرقات)اس حدیث کو بزاز اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم دیکھتے نہیں کہ آج رات وہ آیتیں اتری ہیں جس کی مثل دیکھی نہ گئیں ۱؎ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" ۲؎ (مسلم)

۱؎ اَلَمْ تَرَ میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور یہ فرمان اظہار تعجب یا ان سورتوں کی اہمیت دکھانے کے لیے ہے یعنی تعوذ اور پناہ لینے کے متعلق جتنی آیتیں ہیں ان سب میں یہ سورتیں افضل ہیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قل ھو اللہ احد تو ان سورتوں میں بھی افضل ہے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ بسم اللہ سورت کا جزء نہیں کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کا ذکر نہ فرمایا قل اعوذ سے سورت کی ابتداء بتائی نیز پہلی وحی اقرا باسم ربك ہے بسم اللہ وہاں بھی نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ یہ دونوں سورتیں قرآن میں ہیں،اسی پر امت کا اجماع ہے لہذا جو انہیں قرآن نہ مانے وہ کافر ہے،وہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور ابی ابن کعب نے انہیں قرآن نہ مانا غلط ہے ان بزرگوں پر تہمت ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے ۱؎ تو اپنے ہاتھ جمع کرکے ان میں پھونکتے ۲؎ جن میں "قل ھو اللہ احد" اور "قل اعوذ برب الفلق" اور "اعوذ برب الناس" پڑھتے ۳؎ پھر جسم کے جس حصہ تک ہوسکتا وہ ہاتھ پھیرتے ۴؎ اپنے سر مبارک اور چہرے پاک کے سامنے والے حصے سے شروع فرماتے یہ تین بار کرتے

تھے ۵؎ مسلم،بخاری اور حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی الخ ان شاءاللہ باب المعراج میں بیان کریں گے۶؎	

۱؎ رات کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ عمل دن کے قیلولہ میں نہ کرتے تھے،صرف رات کو سوتے وقت کرتے تھے،بستر سے مراد خوابگاہ ہے لہذا اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جنگل میں بھی رات کو سوتے تو یہ عمل کرکے سوتے۔

۲؎ نفخ اور نفث دونوں کے معنے ہیں پھونکنا مگر نفخ میں محض سانس نکالنا ہوتا ہے اور نفث میں سانس کے ساتھ کچھ لعاب دہن بھی شامل ہوتاہے۔

۳؎ یہاں فقراء کی ف ایسی ہے جیسے رب تعالٰی کا فرمان:"فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ" یا جیسے "اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡھَکُمۡ" یعنی جب بستر پر لیٹتے اور دم کرنا چاہتے تو یہ سورتیں پڑھتے۔ یہ مطلب نہیں کہ دم تو پہلے کرلیتے اور سورتیں بعد میں پڑھتے لہذا ہمارا ترجمہ درست ہے ف کے خلاف نہیں بعض نسخوں میں ونفث واو سے ہے،تب تو بالکل واضح ہے۔

۴؎ تاکہ قرآن کی برکت کے ساتھ اپنے سانس اور ہاتھ شریف کی برکتیں بھی شامل ہوجائیں،اس سے بزرگوں کا دم درود یا مرض کی جگہ ہاتھ رکھ کر یا ہاتھ پھیر کر دم کرنا ثابت ہوا۔

۵؎ ہم کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے اس سے آفات سے حفاظت رہتی ہے۔

۶؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی مگر ہم اسے باب المعراج میں بیان کریں گے کیونکہ وہ اس باب سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی ۱؎ ایک قرآن کریم جو بندوں کی طرف سے جھگڑے گا ۲؎ قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ۳؎ دوسری امانت ۴؎ تیسری رحم ۵؎ جو پکارے گا کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے اپنے سے ملائے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے اپنے سے دور کرے گا ۶؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یعنی ان تین چیزوں کو بہت ہی عزت و قرب الٰہی عطا فرمایاجائے گا کہ خاص عرش اعظم کے نیچےانہیں جگہ دی جائے گی جیسے وزیر کی نشست بادشاہ کے بہت قریب ہوتی ہے۔اور ان کے طفیل ان کے عاملوں کو بھی عزت و قرب نصیب ہوگا،اللہ تعالٰی ان کا اجر ضائع نہ کرے گا۔

۲؎ بندوں سے مراد قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے والے مسلمان ہیں اور جھگڑنے سے مراد جھگڑ جھگڑ کر ان کی شفاعت کرنا ہے،یعنی قرآن شریف اپنے تلاوت کرنے والوں اور اپنے عاملین کی شفاعت رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر کرے گا،یہ جھگڑا مقابلہ کا نہیں بلکہ ناز کا ہوگا۔

۳؎ یعنی قرآن پاک کے بعض معنی ظاہر ہیں جو عام مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔بعض مخفی جو واجب التاویل ہیں،جن تک علماء کی رسائی ہے،یا تلاوت قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے،یعنی الفاظ کا زبان سے پڑھنا اور ایک باطن یعنی اس میں غور و تدبر کرنا یا شرعی احکام قرآن کا ظاہر ہے اور طریقت کے اسرار اس کا باطن جیسے بدن انسان ہمارا ظاہر ہے اور روح انسان ہمارا باطن۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کی شفاعت بقدر تعلق ہوگی ظاہر قرآن والوں کی شفاعت اور قسم کی کرے گا اور باطن قرآن سے تعلق رکھنے والوں کی شفاعت اور قسم کی کرے گا۔

۴؎ امانت سے مراد خلق و خالق کے حقوق ہیں جو ہمارے ذمہ واجب الادا ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ"الخ۔یہاں امانت کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں یا امانت سے مراد عشق الٰہی اور عشق رسول ہے کہ قرآن کو عشق سے بہت تعلق ہے۔

۵؎ رحم سے مراد انسانوں کے آپس کی قرابت داریاں ہیں چونکہ ان قرابت داریوں کا تعلق عورت کے رحم سے ہے اس لیے ان قرابتوں کو رحم فرمایا جاتا ہے چونکہ اہل قرابت کے حقوق ادا کرنا بہت ضروری ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ"۔الخ اس لیے یہ بھی وہاں ہوگا۔خیال رہے کہ دنیا کے اعراض کل قیامت میں جواہر ہوں گے ان اعمال کی شکل و صورت ہوگی،یہ بات بھی کریں گے جیسے یہاں خواب میں اعراض اجسام نظر آتے ہیں۔

۶؎ یعنی دنیا میں جس نے اپنے اہل قرابت کے حقوق ادا کئے تھے آج اسے قرب الٰہی اور رحمت الٰہی نصیب ہوں گے اور جس نے دنیا میں اپنے اہل قرابت کے حقوق ادا نہ کئے ان سے تعلق نہ رکھا،آج وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا رحم کا یہ پکارنا رب تعالٰی کے حکم سے ہوگا جیسے حکام کے چپڑاسی کچہری کے دروازے پر اعلانات کرتے ہیں۔خیال رہے کہ بندے پر تین قسم کے حق ہیں: اللہ تعالٰی کے عام انسانوں کے اور خاص قرابت والوں کے قرآن پاک کا تعلق حقوق اللہ سے ہے،امانت کا تعلق عام لوگوں سے اور رحم کا تعلق اپنے عزیزوں و قرابت داروں سے اس لیے یہ تین ہی عرش اعظم کے نیچے ہوں گے کامیاب بندہ وہ ہے جو ان سب حقوق کو ادا کرکے جائے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن والے سے کہا جائے گا ۱؎ پڑھ اور چڑھ ۲؎ اور یوں ہی آہستگی سے تلاوت کر جیسے دنیا میں کرتا تھا آج تیرا ٹھکانہ و مقام	

	وہاں ہے جہاں توآخری آیت پڑھے۳(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ قرآن والے سے مراد وہ مسلمان ہے جو ہمیشہ تلاوت کرتا ہواور اس پر عامل ہو،وہ شخص نہیں جو قرآن پڑھتا ہو،اور قرآن اس پر لعنت کرتا ہو کہ یہ تلاوت تو عذاب الٰہی کا باعث ہے،بعض آریہ اور عیسائی بھی قرآن پاک پر اعتراضات کرنے کے لیے قرآن پاک پڑھتے بلکہ حفظ تک کرلیتے ہیں،پنڈت کالی چرن چودہ پاروں کا حافظ ہوا۔(مرقات۔)

۲؎ جنت کے درجات اوپر تلے ہیں جس قدر درجے کی بلندی،اسی قدر بہتر ان شاء اللہ اس دن تلاوت قرآن مؤمن کے لیے پروں کا کام دے گی،یا اس سے مراتب قرب الٰہی میں ترقی کرنا مراد ہے،یعنی تلاوت کرتا جا اور مجھ سے قریب تر ہوتا جا۔

۳؎ یعنی جہاں تیرا پڑھنا ختم،وہاں تیرا چڑھنا ختم،وہاں اسی قدر تلاوت کرسکے گا جس قدر تلاوت دنیا میں کرتا تھا اور جس طرح آہستہ یا جلدی یہاں تلاوت کرتا تھا اسی طرح وہاں کرے گا۔اس سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنت کے چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ درجے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیات اتنی ہی ہیں اور ہر آیت پر ایک درجہ ملتا ہے،اگر درجے اس سے کم ہوں،تو یہ حساب کیسے درست ہواور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان مرقات۔ دوسرے یہ کہ جنت میں کوئی عبادت نہ ہوگی سوائے تلاوت قرآن کے،مگر یہ تلاوت لذت اور ترقی درجات کے لیے ہوگی،جیسے فرشتوں کی تسبیح۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں تلاوت قرآن کریم کا عادی بعد موت ان شاءاللہ حافظ قرآن ہوجائے گا،ورنہ یہ شخص وہاں بغیر قرآن دیکھے سارا قرآن کیسے پڑھتا۔چوتھے یہ کہ بغیر ترجمہ سمجھے بھی تلاوت بہت مفید ہے کہ یہاں تلاوت کو مطلق رکھا گیا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ قرآن میں تفکر کرنا محض تلاوت سے افضل ہے،اسی لیے حضرت صدیق اکبر حفاظ صحابہ سے افضل ہوئے جنت میں ساری امت سے اونچے درجے میں وہ ہی ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے سینے میں قرآن نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے ۱؎ترمذی،دارمی،اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ جوف کے حقیقی معنے ہیں پیٹ،اسی لیے معتل العین کو اجوف یعنی خالی پیٹ والا کہتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"**مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ**"مگر یہاں جوف سے مراد دل یا سینہ ہے گھر کی آبادی انسان و سامان سے ہے دل کی آبادی قرآن سے باطن یعنی روح کی آبادی ایمان سے تو جسے قرآن بالکل یاد نہ ہو یا اگرچہ یاد تو ہو مگر کبھی اس کی تلاوت نہ کرے یا اس کے خلاف عمل کرے اس کا دل ایسا ہی ویران ہے جیسے انسان و سامان سے خالی گھر۔شعر

آباد وہ ہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے   جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے،برباد ہے

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے جسے قرآن مجید میرے دوسرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے روک دے ۱؎ اسے میں مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا ۲؎ اور اللہ تعالٰی کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ویسی ہی ہے جیسے اللہ کی عظمت اپنی خلق پر ۳؎ ترمذی دارمی، بیہقی شعب الایمان ۴؎ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ قرآن سے مراد حفظ قرآن یا تلاوت قرآن یا تفکر و تدبر فی القرآن ہے۔یعنی جو حافظ یا قاری قرآن یا تجوید یاد کرنے میں عالم دین قرآن کریم سے مسائل مستنبط کرنے میں اتنا مشغول رہے کہ اسے دیگر وظیفے دعاؤں کا وقت ہی نہ ملے۔اسی طرح جو معلم تعلیم علوم قرآن کی مشغولیت کی وجہ سے درود وظیفے دعائیں نہ کرسکے یہاں دعاؤں وظیفوں سے مراد وہ دعائیں وظیفے ہیں جو قرآن مجید کے علاوہ ہیں ورنہ قرآن شریف میں خود بہت دعائیں وظیفے ہیں۔

۲؎ **اعطی** متکلم کا صیغہ ہے اسی لیے سائلین منصوب آیا۔خیال رہے کہ رب تعالٰی سے دعائیں مانگنا صراحۃً اور صاف صاف بھیک مانگنا ہے مگر تلاوت قرآن یا تعلیم قرآن بالواسطہ بھیک ہے جیسے ہمارے دروازہ پر بھکاری کھڑے ہو کر ہماری تعریفیں کرتے ہیں کہ آپ بڑے سخی داتا ہیں یوں ہی درود شریف در پردہ دعا ہے بھکاری غنی کے بال بچوں کو دعائیں دے کر در پردہ بھیک مانگتے ہیں بچے جیتے رہیں جان مال کی خیر ہو،ہم بھی رب تعالٰی کے محبوب کو دعائیں دے دے کر اس سے بھیک مانگتے ہیں اسی لیے درود شریف کے متعلق بھی مشکوۃ شریف میں گزر چکا کہ جو شخص درود شریف میں مشغولیت کی وجہ سے دعا نہ مانگ سکے اس کے تمام ضروریات خود ہی پوری ہوں گے،دکھ،درد، رنج غم خود بخود ہی دفع ہوتے رہیں گے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان عالی ہے یعنی کلام کی شان متکلم کی شان کے بقدر ہوتی ہے۔ ایک بات فقیر بے نوا کہے اس پر کوئی دھیان بھی نہیں دیتا وہ ہی بات بادشاہ کہے تو دنیا میں دھوم مچ جاتی ہے چونکہ کلام اللہ رب تعالٰی کا کلام ہے اس لیے تمام مخلوق کے کلام سے یقینًا افضل ہے،اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد خدا تمام خلق سے افضل ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تمام خلق کے کلاموں سے بعد قرآن افضل ہوں گی۔

۴؎ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے عطیہ عوفی کے کہ ان میں کچھ ضعف ہے مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی معتبر ہے۔خصوصًا جب کہ دوسری روایتوں یا قرآنی آیتوں سے اسے قوت پہنچ جائے اس حدیث کو دوسری اسنادوں سے قوت حاصل ہے اس لیے اسے ترمذی نے حسن فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب اللہ قرآن کریم کا	

	ایک حرف پڑھے ۱؎ تو اسے ایک نیکی اور نیکی کا دس گنا ۲؎ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے ۳؎ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف اور میم ایک حرف ۴؎ ترمذی دارمی، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث اسناد سے حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حرف سے مراد وہ حرف ہے جو جدا جدا پڑھا جائے لہذا الٓمّٓ تین حرف ہیں۔چنانچہ الف ایک حرف لام ایک حرف اور میم ایک حرف مرقات۔ مگر قوی تر یہ ہے کہ حرف سے مراد مطلقًا حرف ہے علیحدگی کے قابل ہوں یا نہ ہوں کیونکہ حدیث پاک میں کوئی قید نہیں،لہذا قرآن کریم میں لفظ اللہ پڑھنے سے چالیس نیکیاں ملیں گی خیال رہے کہ قرآن پاک میں خبیث چیزوں کے نام بھی ہیں جیسے ابی لہب،ابلیس شیطان،خنزیر،وغیرہ مگر ان ناموں کی تلاوت پر بھی ثواب اسی حساب سے ہوگا کہ یہ حروف یا ان کے ترجمے برے نہیں،بلکہ ان کے مصداق خبیث ہیں یہ تحقیق خیال میں رکھی جائے۔

۲؎ اس فرمان میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" یہ تو ادنی ثواب ہے،آگے رب تعالیٰ کا فضل ہماری شمار سے باہر ہے "وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ"۔مرقات میں فرمایا کہ یہ ثواب تو عام تلاوتوں کا ہے،مکہ معظّمہ و مدینہ میں تلاوت کا ثواب اس حدیث سے معلوم کر و کہ مکہ معظّمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور مدینہ پاک میں پچاس ہزار۔

۳؎ چونکہ عربی میں حرف،حرف معانی،حرف مبانی،یعنی حرف ہجاء اور جملہ مفیدہ مطلقًا کلمہ سب کو ہی کہا جاتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ تفسیر فرمائی۔

۴؎ الف،لام،میم کو حرف فرمانا مجازًا ہے ورنہ یہ حرفوں کے نام یعنی اسمائے حروف ہیں اس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ الف میں تین حرف ہیں،ا،ل،ف مگر اس کو ہم ایک حرف ہی مانتے ہیں کہ قرآنی تلاوت میں یہ ایک حرف ہوکر آتا ہے،اگرچہ اس کے اجزا تین ہیں بعض شارحین نے کہا کہ الم ترکیف میں الم کی تیس نیکیاں ہیں اور "الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ" میں الٓمّٓ کی نوے نیکیاں ہیں،کیونکہ اس میں حرف نو ہیں اسمائے حروف اگرچہ تین ہیں مگر یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے کیونکہ مکتوبی یعنی لکھے ہوئے حرف مراد ہیں نہ کہ مقروئی یعنی پڑھے ہوئے حر ف اور مکتوبی حرف سورۂ فیل و بقرہ میں یکساں ہیں۔

	روایت ہے حضرت حارث سے فرماتے ہیں میں مسجد میں گزرا تو لوگ بات چیت میں مشغول تھے ۱؎ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ۲؎ میں نے آپ کواس کی خبر دی تو فرمایا کیا لوگ یہ حرکت کرنے لگے میں بولا

	ہاں فرمایا آگاہ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب فتنے ہوں گے ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان سے رہائی کی سبیل کیا ہے ۴؎ فرمایا اللہ تعالٰی کی کتاب ۵؎ جس میں تمہارے اگلوں کی خبریں اور پچھلوں کی خبریں اور تمہارے آپس کے فیصلے ہیں قرآن فیصلہ کن ہے ۶؎ وہ غیر درست نہیں ہے جو ظالم اسے چھوڑ دے گا اللہ اس کے ٹکڑے اڑا دے گا ۷؎ اور جو اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا ۸؎ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور وہ حکمت والا ذکر ہے وہ سیدھا راستہ ہے ۹؎ قرآن وہ ہے جس کی برکت سے خیالات بگڑتے نہیں ۱۰؎ اور جس سے دوسری زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں ۱۱؎ جس سے علماء سیر نہیں ہوتے ۱۲؎ جو زیادہ دہرانے سے پرانا نہیں پڑتا ۱۳؎ جس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے ۱۴؎ قرآن ہی وہ ہے کہ جب اسے جنات نے سنا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو صلاحیت کی رہبری کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے ۱۵؎ جو قرآن کا قائل ہو وہ سچا ہے جس نے اس پر عمل کیا ثواب پائے گا اور جو اس پر فیصلہ کرے گا منصف ہوگا اور جو اس کی طرف بلائے گا وہ سیدھی راہ کی طرف بلائے گا ۱۶؎ ترمذی، دارمی اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد مجہول ہے اور حارث میں کچھ گفتگو ہوئی ہے ۱۷؎

۱؎ احادیث سے مراد دنیاوی باتیں ہیں جو مسجد میں حرام ہیں اگرچہ جائز باتیں ہی ہوں، وہاں غیبت و جھوٹ وغیرہ حرام گفتگو تو اور سخت حرام ہے، احادیث سے مراد احادیث نبویہ نہیں جیساکہ بعض جاہلوں نے سمجھا۔ مسجد میں حدیث شریف و فقہ وغیرہ دینی علوم کا درس بہترین عبادت ہے، اصحاب صفہ مسجد نبوی میں رہتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارے دینی علوم سیکھتے تھے، یہ حارث تابعی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدام خاص میں سے ہیں۔

۲؎ اگرچہ اس وقت اور صحابہ بھی موجود تھے، مگر آپ خصوصیت سے حضرت علی کے پاس گئے کہ حضرت علی دروازۂ شہر نبوت ہیں "انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابھا" یہ حدیث اگرچہ اسناد مقررہ سے ضعیف ہے مگر متن حدیث صحیح ہے۔ مرقات

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں فتنوں سے مراد وہ لڑائیاں اور جھگڑے ہیں جو صحابہ میں رونما ہوئے اور مسجدوں میں دنیاوی باتیں کرنا ان فتنوں کے ظہور کی علامت ہے یعنی اب وہ فتنے قریب آگئے کیونکہ مسجد میں دنیاوی باتیں ہونے لگیں،بعض نے اس سے مراد آگ کا یا دجال کا نکلنا مراد لیا مگر پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں۔ خیال رہے کہ فتنہ عام مصیبت یا آزمائش کو کہتے ہیں۔

۴؎ یعنی ایسا کون سا کام کیا جائے جس سے ان فتنوں سے مسلمان بچا رہے۔

۵؎ قرآن کریم پر عمل یا اس کی تلاوت میں مشغولیت،معلوم ہوا کہ بعض نیکیوں کی برکت سے انسان دنیاوی آفات سے محفوظ رہتا ہے،درود شریف کی کثرت موت و زندگی کے فتنوں سے محفوظ رکھتی ہے بفضلہٖ تعالٰی۔

۶؎ یعنی قرآن شریف ایسی جامع کتاب ہے کہ اس میں گزشتہ امتوں کے واقعات آئندہ تا قیامت بلکہ جنت و دوزخ کے حالات بھی ہیں اور عبادات و معاملات و سیاسیات بھی ہیں۔

۷؎ یہ جملہ یا خبر ہے یا بددعا یعنی جو شخص قرآن کے خلاف چلے خدا اس کے ٹکڑے اڑا دے گا یا جو اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرے گا خدا تعالٰی اسے برباد کردے گا یعنی وہ کافر ہوجائے گا۔ خیال رہے کہ قرآن شریف کو ناحق جان کر اسے چھوڑ دینا کفر ہےاور اس کو حق جان کر عمل نہ کرنا فسق اور مجبورًا اس پر عمل نہ کرسکنامعذوری ہے جس پر پکڑ نہیں یہاں پہلی صورت مراد ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

۸؎ غیر قرآن سے مراد علوم عقلیہ یا کفار کی پیروی ہے حدیث و فقہ غیر قرآن نہیں کہ یہ دونوں قرآن کریم کی شرحیں ہیں جیسے صرف و نحو قرآن پاک کے لیے ممدو معاون ہیں لہذا اس حدیث سے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۹؎ یہ تمام چیزیں قرآن کریم کے اوصاف بھی ہیں اور اس کے نام بھی قرآن پاک میں خود یہ نام موجود ہیں رسی کے ذریعہ بکھروں کو جمع کیا جاتا ہے رسی کے ذریعے کنوئں سے گروی کو اوپر نکالا جاتا ہے قرآن کریم میں یہ ساری صفات موجود ہیں رب تعالٰی نے فرمایا:"وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا"۔وہاں حبل اللہ سے مراد قرآن پاک ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دونوں۔ ذکر کے معنے عزت،شہرت،نصیحت تذکرہ ہیں قرآن کریم میں یہ ساری صفات موجود ہیں کہ اسی قرآن کی وجہ سے اہلِ عرب کی دنیا میں شہرت و عزت ہوگئی اس میں ہر قسم کی نصیحتیں اور ہر قسم کے تذکرے ہیں یہ خدا تعالٰی تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے جو اسے چھوڑ دےوہ رب تعالٰی تک نہیں پہنچ سکتا۔

۱۰؎ یعنی جو قرآن کریم سے صحیح طور پر استدلال کرے گاوہ اپنے خیالات کو بگڑنے سے محفوظ رکھے گا،اگر کوئی اس سے غلط استدلال ہی کرے اور گمراہ ہوجائے تو قرآن کریم کا قصور نہیں بلکہ اس کے استدلال کا قصور ہے قرآن کریم کو حدیث و فقہ کی روشنی میں سمجھو لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا"۔نیز اس حدیث سے موجود زمانہ کے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ وہ قرآن کریم کو صحیح طور سے سمجھتے ہی نہیں بعض شارحین نے اس جملہ کے معنے یہ کئے ہیں کہ قرآ ن کریم کو گمراہ لوگ بدل نہیں سکتے،یہ اسی طرح محفوظ رہے گا کیوں نہ ہو کہ رب تعالٰی اس کا حافظ ہے فرماتا ہے:"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ"۔اس صورت میں بہ کی ب

تعدیہ ہے تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کریم بدلنے کی بہت کوششیں کی گئیں،مگر بدلنے والے مٹ گئے قرآن کریم نہ بدل سکا۔

اا یعنی قرآن مجید کی عبارت دوسرے کلاموں سے ایسے ممتاز ہے کہ دوسراعربی کلام خواہ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو اس سے خلط نہیں ہوسکتا۔مخلوق کا کلام خالق کے کلام سے مشتبہ نہیں ہوسکتا۔یا اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کی زبان پر گراں نہیں پڑتا۔آسانی سے پڑھ لیاجاتاہے بلکہ حفظ کرلیا جاتاہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ"۔

۱۲ یعنی قرآن کریم کے اسرار و نکات کبھی ختم نہیں ہوتے،علماء جب بھی غور کرتے ہیں اس سے نئے مسائل و اسرار معلوم کرتے ہیں،قرآن کریم کی کنہ تک کوئی نہیں پہنچتا،یہ ان موتیوں کا وہ سمندر ہے جس کے موتی کبھی ختم نہیں ہوتے۔

۱۳ قرآ ن کریم کا کھلا معجزہ ہے کہ بغیر معنے سمجھے بھی اس کا پڑھنا اور سننا لذت دیتا ہے اور عمر بھر پڑھو ہر بار نیا لطف دیتا ہے اس سے دل اکتاتا نہیں دوسرے کلام کتنے ہی اعلیٰ ہوں مگر چند بار پڑھ لینے کے بعد دل اکتا جاتاہے۔

۱۴ یہ جملہ پہلے جملوں کی یا تو شرح ہے یا دلیل یعنی اس سے علماء سیر نہیں ہوتے،بار بار پڑھنے سے یہ پرانا نہیں پڑ تا کیونکہ اس کے عجیب مضامین کبھی ختم نہیں ہوتے ہر بار عجیب لطف دیتاہے۔

۱۵ یہ نصیبین کے جنات کا واقعہ ہے جو قرآن شریف نے سورۂ جنّ میں بیان فرمایا کہ جنات کے ایک گروہ نے سوق عکاظ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنا تو اپنی قوم میں جاکر یہ گفتگو کی۔

۱۶ یہ تمام خوبیاں قرآن کریم سے وہ حاصل کر سکتا ہے جو اسے محض اپنی رائے سے نہ سمجھے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیم سے سمجھے۔ورنہ آج ہر بے دین قرآن کریم ہی کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کررہاہے۔

۱۷ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی حارث ابن اعور تھے وہ اگرچہ حضرت علی کے ساتھ رہے ہیں اور ان سے چار حدیثیں بھی روایت کی ہیں،مگر اسے نسائی نے کہا یہ قوی نہیں،شعبی نے کہا یہ جھوٹاتھا مگر ابوداؤد نے فرمایا یہ بڑ ا فقیہ علم فرائض کا بڑا عالم اور بہت نسب دان تھا،بہرحال اگرچہ الفاظ حدیث میں کچھ ضعف ہو مگر معنے حدیث بالکل صحیح ہیں نیز فضائل میں حدیث ضعیف بھی قبول(مرقات،لمعات)

روایت ہے حضرت معاذ جہنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے اور اس کے احکام پر عمل کرے ۱ تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا ۲ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے اچھی ہوگی جواگرسورج تم میں ہوتا تودنیاوی گھروں میں ہوتی ۳ تو اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو اس پر عامل ہو ۴(احمد،ابوداؤد)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قرآن پڑھنے سے مراد روزانہ اس کی تلاوت کرنا ہے اور ہوسکتا ہے کہ قرآن پڑھنے سے مراد علوم قرآن سیکھنا ہو یعنی عالم باعمل کا ثواب وہ ہے جو آگے مذکور ہے۔

۲؎ یعنی عالم باعمل کے مؤمن ماں باپ کا درجہ یہ ہوگا خواہ انہوں نے اسے اپنی کوشش سے پڑھا ہو یا نہیں کیونکہ حدیث مطلق ہے پڑھانے کی قید نہیں۔

۳؎ یعنی اگر سورج زمین پر ہوتا تو بتاؤ اس کی چمک دمک روشنی تمہارے گھروں میں کتنی ہوتی اس سے زیادہ اس تاج کے موتی چمکتے ہوں گے۔

۴؎ یعنی پھر عالم باعمل کے متعلق سوچو کہ اس کا درجہ قیامت میں کیا ہوگا،وہ تو ہمارے خیال سے وراء ہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر قرآن کھال میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو وہ نہ جلے ۱؎ (دارمی)

۱؎ اس حدیث پاک کی بہت شرحیں کی گئی ہیں،قوی تر شرح یہ ہے کہ آگ سے مراد دوزخ کی آگ ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی عظمت یہ ہے کہ اگر بالفرض کسی کھال میں رکھ کر اسے دوزخ میں ڈالو تو نہ قرآن پاک کا کاغذ جلے نہ وہ کھال تو جس مؤمن کے دل میں اور دماغ میں قرآن پاک کے مضامین ہوں جسم پر قرآنی عمل ہو وہ دوزخ میں کیسے جل سکے گا،بعض نے فرمایا کہ قرآن کریم کا یہ معجزہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر تھا جیسے حضرت جابر کے ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے دستر خوان سے ہاتھ و منہ پونچھ لیے تھے تو وہ آگ میں نہ جلتا تھا مولانا فرماتے ہیں۔شعر

گفت روزے مصطفے دست و دہاں — پس بمالید اندراں دستار خواں

اے دل تر سندہ ازنا رو عذاب — باچنیں دست و وہاں کن انتساب

بعض نے فرمایا کہ یہ کلام فرض و تقدیر پر ہے یعنی قرآن پاک کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ آگ میں اس کا تھیلہ بھی نہ جلے جیسے رب تعالٰی کا فرمان کہ "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ"۔حضرت ابولبانہ سے روایت ہے فرماتے ہیں قرآنی سورتیں حفظ کرو کہ جس دل میں قرآن ہوگا اسے آگ سے عذاب نہ دیا جائے گا۔(لمعات و مرقات)خیال رہے کہ قرآن پاک کے یہ تمام فوائد مؤمن کے لیے ہیں۔اگر سارا قرآن حفظ کرلیں کفار تو بھی دوزخی ہیں،رام چندر دہلوی کو چودہ پارے حفظ تھے،بے جان جسم کو کوئی دوا مفید نہیں بے ایمان دل کو کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے پھر اسے یاد رکھے ۱؎ اس کے حلال کو حلال اس کے حرام کو حرام جانے ۲؎

	اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کے لیے دوزخ ضروری ہوچکی ۳؎احمد ترمذی،ابن ماجہ دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور حفص ابن سلیمان راوی قوی نہیں انہیں حدیث میں ضعیف مانا گیا ہے ۴؎

۱؎ استظھار کے معنے ہیں مدد لینا یعنی قرآن میں اپنے دل سے مدد لے کہ اسے یاد رکھے،ہر وقت اس کا خیال و لحاظ رکھے۔

۲؎یعنی صرف تلاوت و حفظ پر قناعت نہ کرے بلکہ اس کے عقائد کو مانے احکام پرعمل کرے لہذا اس میں حافظ و عالم با عمل دونوں داخل ہیں۔

۳؎ایسے باعمل عامل کو قرآن پاک سے دو عظیم الشان فائدے حاصل ہوں گے:ایک یہ کہ اول ہی سے جنت میں داخل کیا جائے گا۔دوسرے یہ کہ اس کے اہلِ قرابت میں سے دس دوزخی مسلمانوں کو اس کی شفاعت سے بخشا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ شفاعت بلندی درجات ہی کی نہ ہوگی بلکہ معافی سیئات کی بھی ہوگی اور علماء حافظ،شہداء وغیرہم کی شفاعت برحق ہے۔ خیال رہے کہ شفاعت کبرے کا سہرا صرف حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے شفاعت صغرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بھی کریں گے شفاعت کی تحقیق و تقسیم ہماری "تفسیرنعیمی"جلد سوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎یہ حدیث غریب بھی ہے اور حفص ابن سلیمان راوی کی وجہ سے اس کی یہ اسناد جس میں یہ راوی ہے ضعیف بھی ہے مگر ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ فضائل میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب سے تم نماز میں قرآن کیسے پڑھتے ہو ۱؎تو انہوں نے الحمد شریف پڑھی ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس جیسی سورت نہ توریت میں اتری نہ انجیل میں اور نہ زبور میں اور نہ قرآن میں ۳؎ اور یہ سات مکرر آیتیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئے ۴؎ترمذی اور دارمی نے ماانزلت کی روایت کی اور ابی ابن کعب کا واقعہ ذکر نہ کیا ۵؎ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔

۱؎ یعنی نماز کی ہر رکعت میں کون سی سورۃ پڑھتے ہو،اور کیسے پڑھتے ہو،مجھے پڑھ کر سناؤ۔معلوم ہوا کہ شاگردوں کا امتحان لینا سنت ہے۔فقیر کی اس شرح سے حدیث پر یہ اعتراض نہ رہا کہ حضرت ابی کا جواب سرکار کے سوال کے مطابق

نہیں کیونکہ یہاں قرأت،طریقہ قرأت اورمقرو سب کے متعلق تھا اس لیے جواب میں حضرت ابی کا سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنا دینا ہرسوال کا جواب ہوگیا۔

۲؎ سورۂ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں جن میں سے ایک نام ام القرآن بھی ہے کہ یہ سورۃ سارے قرآن کے سارے مضامین کو اپنے میں ایسے لیے ہوئے ہے جیسے ماں بچے کو اپنے پیٹ یا گود میں لیے ہوتی ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"پارہ اول میں ملاحظہ فرمائیے۔اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کا استاد کو پڑھا ہواسبق سنانا سنت صحابہ ہے۔

۳؎ یعنی ایسے فضائل و فوائد والی جامع سورہ کسی اور آسمانی کتاب میں تو کیا ہوتی خود قرآن کریم میں بھی نہیں ہے سورۂ فاتحہ کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں اس لیے یہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس کے فضائل وفوائد کی کچھ تفصیل ہماری "تفسیر نعیمی"پارہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔یہ سورۃ شفاء ہے امان ہے مؤمن کی حرز جان ہے۔

۴؎ یعنی قرآن مجید میں ارشاد ہوا"سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ"۔اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے،اس میں سات آیتیں ہیں،اور ہر رکعت میں بار بار پڑھی جاتی ہیں،نیز اس کا نزول ہجرت سے پہلے بھی ہوا اور بعد بھی اس لیے یہ سبع مثانی ہے یعنی سات مکرر آیتیں اور یہ قرآن عظیم بھی ہے کیونکہ قرآن کریم کی ہرآیت قرآن ہے جیسے پانی کا ہر قطرہ پانی ہے لہذا اس آیت کریمہ میں یہ دونوں وصف سورۃ فاتحہ کے ہیں۔

۵؎ یعنی دارمی کی روایت میں حضرت ابی ابن کعب کا یہ واقعہ مذکور نہیں صرف فضائل مذکور ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھو ۱؎ پھر اسے پڑھا کرو ۲؎ کیونکہ جو قرآن سیکھے اور اس کی قرأت کرے اور اس پر عمل کرے اس کی مثال اس تھیلے کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہو جس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہو ۳؎ اور جو اسے سیکھے پھر سویا رہے ۴؎ اس طرح کہ اس کے سینے میں قرآن ہو وہ اس تھیلے کی طرح ہے جو مشک پر سربند کردیا گیا ہو ۵؎ (ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ قرآن سیکھنے سے مراد عام ہے جس میں قرآن کے الفاظ معانی،احکام سیکھنا سب ہی شامل ہے فقہاء فرماتے ہیں حفظ قرآن فرض کفایہ ہے مختلف بستیوں میں اتنے حافظ ضرور رہیں جن سے قرآن کریم کا تواتر قائم رہے اور کوئی بے دین قرآن میں تبدیلی نہ کرسکے،لہذا اگر حفظ قرآن چھوڑ دیں تو سب گنہگار ہیں اور اگر اتنے لوگ حفظ کرلیں سب کا فرض ادا ہوگیا علم قرآن کا بھی یہ ہی حال ہے اور بقدر جواز نماز قرآن حفظ کرنا فرض عین ہے جیسے بقدر ضرورت مسائل یاد کرنا سیکھنا فرض عین ہے اور پورا عالم دین بننا فرض کفایہ۔

۲؎ یعنی قرآن شریف یادکرنے اور سیکھنے کے بعد اس کا دور نہ چھوڑ دو اور اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کرلو یہ بہت جلد ذہن سے اتر جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ قرأت قرآن یعنی تجوید سیکھو کہ بقدر جواز نماز تجوید سیکھنا بھی فرض عین ہے اور

پورا قاری بننا فرض کفایہ اس لیے عرس،ختم،میلاد اور گیارھویں شریف وغیرہ میں قرآنی رکوع پنج آیات پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں میں قرأت کا چرچا رہے یہ چیزیں خصوصًا تراویح کی نماز بقائے قرآن کا بڑا ذریعہ ہیں

۳؎ لہذا ایسے عالم و قاری کا سینہ گویا تھیلا ہے اور اس میں قرآن شریف گویا تھیلے میں بھرا ہوا مشک ہے اور اس قاری کا تلاوت کرنا اس مشک کی مہک ہے جس سے سننے والے فائدہ اٹھاتے ہیں ہر جگہ سے مراد قرآن سننے والے ہیں جو قرآنی علم کی اشاعت کر جائے اس کی مہک سے قیامت تک کے مسلمان فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں،رب تعالٰی خدمت قرآن کی توفیق بخشے۔

۴؎ کہ اس کی تلاوت نہ کیا کرے یا اس پر عمل نہ کیا کرے۔

۵؎ اس بند تھیلے میں اگرچہ مشک تو ہے اوراسی مشک کی وجہ سے تھیلہ قیمتی بھی ہے مگر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ایسے ہی یہ شخص اللہ کے نزدیک قیمتی ہے حافظ قرآن یا عالم قرآن ہونے کی وجہ سے مگر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ خود بھی فائدہ نہیں اٹھاتا کسی پنجابی شاعر نے کیا اچھا کہا۔شعر

علم ودھیرا پڑھ لیا عمل نہ کیتے نیک	آئی گھٹا اتر گئی بوند پئی نہ ایک
احمد یار احمق ہوئیوں علم ودھیرا پڑھ کے	پڑھے لکھے تے مان نہ کریو پھٹ جاندا ددھ کڑھ کے

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شخص صبح کے وقت سورۂ حم مؤمن الیہ المصیر تک ۱؎ اور آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی ۲؎ اور جوان دونوں کو شام کے وقت پڑھ لیا کرے تو صبح تک اس کی حفاظت ہوگی ۳؎ ترمذی،دارمی اور ترمذی نے فرمایا۔یہ حدیث غریب ہے ۴؎

۱؎ یعنی سورۂ مؤمن کی پہلی آیت "حٰمٓ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ" تک پڑھے۔

۲؎ کہ جو شخص نماز فجر سے پہلے یا اس کے بعد یہ دو آیتیں پڑھ لیا کرے خواہ آیۃ الکرسی سے پہلے پڑھے اور سورۂ مؤمن کی یہ آیت بعد میں یا اس کے برعکس،مرقات وغیرہ تو شام تک وہ اللہ کی امان و حفظ میں رہے گا کہ شیطان،جادو اور دوسری دنیاوی آفتیں اس تک ان شاءاللہ نہ پہنچ سکیں گی۔

۳؎ یعنی بعد نماز مغرب یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو صبح تک اللہ کی حفظ و امن میں رہے گا۔خیال رہے کہ بغیر نماز کوئی وظیفہ یا عمل مفید نہیں تمام وردوظیفوں کے لیے پابندی نماز ضروری ہے

۴؎ یہ حدیث احمد و ابن حبان نے بھی روایت کی۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے زمین و

	آسمان کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی ۱؎ جس میں سے دو آیتیں وہ اتاریں جن پر سورۂ بقرہ ختم فرمائی ۲؎ یہ ناممکن ہے کہ کسی گھر میں یہ آیتیں برابر تین شب پڑھی جائیں پھر شیطان اس کے پاس بھی پھٹکے ۳؎ ترمذی،دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴؎

۱؎ دو ہزار برس سے مراد اس قدر مدت کہ اگر سورج ہوتا تو اسی مدت کے دو ہزار برس بن جاتے ورنہ اس وقت سورج نہ تھا نہ دن رات،پھر دن مہینے ہفتے اور سال کیسے بن سکتے ہیں،لکھنے سے مراد فرشتوں کو لکھنے کا حکم دینا ہے خاص خدا م کا کام گویا سلطان ہی کا کام ہے۔خیال رہے کہ مخلوق کی تقدیریں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لکھی گئیں،مگر یہ تحریر دو ہزار برس پہلے ہوئی لہٰذا یہ حدیث پچاس ہزار برس کی روایت کے خلاف نہیں کہ و ہاں لوح محفوظ میں تقدیروں کی تحریر مراد ہے،اور یہاں قرآن کریم کی تحریر مراد اور ہوسکتا ہے کہ یہاں دو ہزار برس سے تحریر مراد نہ ہو بلکہ مطلق زیادتی بیان کرنا مقصود ہو۔(مرقات)

۲؎ یہ دو آیتیں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے آخر سورۂ بقر تک ہیں اگرچہ سارا قرآن شریف ہی لوح محفوظ میں تھا اور وہاں سے ہی نازل ہوا مگر ان آیتوں میں وہ خصوصیت ہے جس کا ذکر آگے ہورہا ہے اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔

۳؎ جب ان آیتوں کی برکت سے وہ گھر وہ عمارت وہ جگہ شیطان سے محفوظ ہوجاتی ہے جہاں تین دن یہ آیات پڑھ لی جائے تو جس زبان میں یہ آیتیں رہیں ان شاءاللّٰہ وہ بھی شیطان سے محفوظ رہیں گے۔ان جیسی تمام احادیث میں شیطان سے مراد ابلیس ہوتا ہے،ورنہ قرین شیطان اور نفس امارہ تو بہرحال انسان کے ساتھ رہتے ہیں ان موذیوں سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں جسے اللہ بچائے وہ ہی بچے۔

۴؎ اس حدیث کو نسائی،ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورہ کہف شروع سے تین آیتیں پڑھا کرے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا ۱؎ ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ اس کی شرح پہلے گزرچکی کہ چونکہ سورۂ کہف میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی نے اصحاب کہف کو دقیانوس بادشاہ کے ظلم و ستم سے بچالیا اور وہ بادشاہ ان بزرگوں کو دین حق سے نہ ہٹا سکا اب اس ذکر میں تاثیر ہے کہ روزانہ یا ہر جمعہ کو ان آیات کا پڑھنے والا دجال کے شر سے محفوظ رہے گا کہ اگر اس کی زندگی میں دجال آجائے تو اسے ایمان سے نہ ہٹا سکے گا بزرگوں کے ذکر میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اولا تو پوری سورۂ کہف میں یہ تاثیر رکھی تھی پھر اس کی دس اگلی آیتوں میں یہ تاثیر بخش دی پھر اس کی تین آیتوں میں یہ ہی تاثیر رکھ دی گئی رب تعالٰی

کی عطائیں مختلف رہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔جن میں پوری سورۂ کہف یا اس کی دس۱۰ آیتوں کی یہ تاثیر مذکور ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰس ہے ا؂جو سورۂ یسین پڑھے تو اللہ اسے اس کی تلاوت کی برکت سے دس بار قرآن ختم کرنے کا ثواب دے گا۲؂ترمذی و دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۳؂

ا؂ جیسے دل سے اصل زندگی وابستہ ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے تو جاندار جاندار ہے اس کو ٹھیس لگتے ہی بے جان ہوجاتا ہے ایسے ہی قرآن کریم کا اصل مقصود سورہ یسین سے وابستہ ہے،یہ سورہ پورے قرآن شریف کا گویا خلاصہ ہے کہ اس میں قیامت کے حالات کا مکمل بیان ہے،اس کی تلاوت سے دل زندہ ،ایمان تازہ ،روح شاداں و فرحاں ہوتے ہیں۔قریب موت اس کی تلاوت سے جان کنی آسان ہوتی ہے ۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ ایمان کا دل ہے قیامت کے حالات کو ماننا اور حالات قیامت جس تفصیل سے سورۂ یسین میں مذکور ہیں دوسری سورت میں مذکور نہیں اس لیے اسے قرآن کا دل فرمایا۔

۲؂اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سارا قرآن شریف ہی کلام الٰہی ہے مگر اس کی سورتوں کی تاثیریں مختلف ہیں ایک بار سورہ یسین کی تلاوت دس۱۰ قرآن کا ثواب رکھتی ہے یہ اس کی بے مثال خصوصیت ہے۔ خیال رہے کہ دس۱۰ ختم قرآن کا ثواب ملنا اور ہے اور حقیقتاً دس۱۰ قرآن کریم ختم کرنا کچھ اور۔ طبیب کہتے ہیں کہ ایک منقی گرم کرکے کھانے میں ایک روٹی کی طاقت ہے مگر پیٹ بھرے گا روٹی ہی کھانے سے، ختم قرآن ہوگا تیسوں پارے پڑھنے سے۔

۳؂اس لیے کہ اس کی اسناد میں ھارون ابن محمد ہیں جو محدثین کے نزدیک بہت قوی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے سورہ طٰہٰ اور یسین زمین و آسمان پیدا فرمانے سے ایک ہزار سال پہلے پڑھی ا؂ جب فرشتوں نے قرآن سنا تو بولے خیر و خوبی ہے اس امت کو جس پر یہ اترے گی اور خوبی ہے ان سینوں کو جو اسے اٹھائیں گے اور خوبی ہے ان زبانوں کو جو اسے پڑھیں گی ۲؂(دارمی)

ا؂ حدیث بالکل ظاہر معنی پر ہے واقعی رب تعالٰی نے یہ سورتیں پڑھیں،فرشتوں نے بلاواسطہ سنیں اب رب تعالٰی کی تلاوت کی نوعیت ہماری عقل سے وراء ہے اس طرح قرأت کی جو اس کی شان کے لائق ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یٰسٓ اور طٰہٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف ہیں،چونکہ ان سورتوں کی ابتداء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہوئی اس

لیے یہ سوتیں بہت عظمت والی ہیں اسی وجہ سے رب تعالٰی نے فرشتوں کو سنائیں۔معلوم ہوا کہ نعت کی سورتیں،آیتیں رب تعالٰی کو بڑی پیاری ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی پیدائش زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے ہے۔
۲؎طوبی جنت کا ایک درخت بھی ہے جس کی شاخیں جنت کے ہر محل میں ہیں اور بمعنی خوشخبری بھی یہاں دونوں معنے ہوسکتے ہیں یعنی ساری امت محمدیہ عموماًاور ان سورتوں کے حافظ و قاری خصوصًادرخت طوبی کے مالک ہیں یاانہیں خصوصی خوشخبری ہے یہ لوگ بڑے خوش نصب ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رات میں سورہ حٰمٓ الدخان پڑھے وہ اس طرح سویرا کرے گا کہ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کریں گے ۱؎ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور عمر ابن خثعم راوی ضعیف مانے گئے ہیں امام محمد بخاری نے فرمایا وہ منکر الحدیث ہے۲؎	

۱؎ یعنی اس کی تلاوت کے وقت سے صبح تک اتنے فرشتے اس کے لیے دعائیں مغفرت کرتے رہیں گے۔خیال رہے کہ اس دعا سے خصوصی دعا مراد ہے ورنہ حاملین عرش اور دوسرے فرشتے ہمیشہ ہی مؤمنوں کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَہٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّ عِلۡمًا"لہذا یہ حدیث اس قرآنی آیت کے خلاف نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ دخان پڑھنا ان معصوموں کی معصوم زبان سے دعائیں لینے کا درجہ ہے۔
۲؎امام عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا کہ محدثین کی اصطلاح میں منکر الحدیث کہنا ضعیف کہنے سے زیادہ سخت ہے یعنی عمر ابن خثعم کو دوسرے محدثین نے تو ضعیف فرمایا مگر امام بخاری نے اسے منکر فرمایا یعنی ضعیف سے بھی سخت تر،خیال رہے کہ یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے فضائل میں حدیث ضعیف قبول ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جمعہ کی رات حم الدخان پڑھے اس کی بخشش ہوگی۱؎ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ہشام ابو مقدام راوی کو ضعیف کہا گیا ہے۲؎	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ دخان دوسری راتوں میں پڑھنا تو اچھا ہے کہ اس کے ذریعہ ہزار ہافرشتوں کی دعائیں ملتی ہیں،لیکن شب جمعہ میں اس کی تلاوت بہت ہی بہتر ہے کہ اس سے فرشتوں کی دعائیں بھی ملتی ہیں اور رب تعالٰی کی مغفرت بھی گویا۔اس رات کی تلاوت سے دو نعمتیں ملتی ہیں۔
۲؎یہ نہ معلوم کہ ان کے ضعف کی وجہ کیا ہے،احناف کے ہاں جرح مجہول معتبر نہیں۔

	روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے تسبیح والی آیتیں پڑھاکرتے تھے[1] فرماتے تھے ان میں ایک آیت ہزار آیتوں سے بہتر ہے[2] ترمذی و ابوداؤد

[1] یعنی جن سورتوں کے اول میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ یا"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"یا سُبْحٰنَ ہے وہ سورتیں پڑھتے تھے یہ سورتیں کل سات ہیں سورۂ اسراء،حدید،حشر،صف،جمعہ،تغابن،اعلیٰ مرقات۔ظاہر یہ ہے کہ سرکار یہ پوری سورتیں نہ پڑھتے ہوں گے کہ یہ تو بہت زیادہ ہیں بلکہ ان کی چیدہ چیدہ آیات تلاوت فرماتے ہوں گے۔

[2] ان الفاظ سے یہ پتہ نہ لگا کہ وہ کون سی ہے بعض نے فرمایا کہ وہ آیت"لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ"الایہ ہے۔بعض نے فرمایا کہ وہ آیت ہرسورۃ کی شروع کی آیت ہے جس میں **سبح** یا **یسبح** ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ آیت رب تعالٰی کے اسم اعظم یا شبِ قدر کی طرح صیغہ راز میں رکھی گئی ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں **فیھن** سے مر اد **جمیعھن** ہے یعنی ان تمام سورتوں میں ایک ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل و بہتر ہے۔

	دارمی نے یہ حدیث خالد ابن معدان سے مرسلًا روایت کی[1] اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث ہے غریب ہے [2]

[1] کیونکہ خالد ابن معدان شامی ہیں،تابعی ہیں۔فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی ہے ہم نے پہلے عرض کیا کہ ثقہ تابعی کا ارسال معتبر ہے اور ان سے مرسل حدیث حجت ہے کہ وہ تابعی خود تو ثقہ ہے اور صحابہ سارے ہی عادل ہیں۔

[2] اسے نسائی نے حضرت عرباض ابن ساریہ سے مرفوعًا اور معاویہ ابن صالح سے موقوفًا روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ایک تیس آیتوں والی سورۃ نے[1] ایک شخص کی یہاں تک شفاعت کی کہ اس کی بخشش ہوگئی وہ سورہ **تبارك الذی بیدہ الملك** ہے [2] (احمد،ترمذی،ابوداؤد نسائی،ابن ماجہ)[3]

[1] اس سے معلوم ہوا کہ **بسم اللہ** شریف سورۃ کا جزء نہیں ورنہ سورۂ ملک کی آیتیں ۳۱ ہوجاتیں،کیونکہ سورۂ ملک کی **بسم اللہ** کے علاوہ تیس آیتیں ہیں۔

[2] یعنی ایک شخص سورۂ ملک کا ورد رکھتاتھا اس سے بہت محبت کرتا تھا اس کے مرنے کے بعد اس سورہ نے اس کی سفارش کی تو اس کی شفاعت کی برکت سے وہ شخص عذاب قبر سے محفوظ رہا لہذا یہاں **شفعت** بمعنی ماضی ہی ہے۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم کی ہربات ہر واقعہ کی تفصیلی خبر ملتی رہتی ہے یا خود ملاحظہ فرماتے رہتے

ہیں۔لمعات نے فرمایا کہ شفعت بمعنی مستقبل بھی ہوسکتا ہے یعنی سورۂ ملک اپنے عاملوں کی شفاعت کرے گی اور اس کی شفاعت کی برکت سے عامل کی بخشش ہوگی۔اس صورت میں یہ فرمان ترغیب کے لیے ہے تاکہ لوگ اس کی تلاوت کیا کریں اس کی شفاعت کی امید رکھیں۔
۳؎اسے ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا حاکم کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہتر ہوتا کہ یہ سورۃ ہر مسلمان کے دل میں ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ ڈال دیا انہیں خبر نہ تھی کہ یہاں قبر ہے ۱؎پتہ لگا کہ اس میں ایک شخص سورۂ تبارك الذی بیدہ الملك پڑھ رہا ہے حتی کہ اس نے ختم کرلی ۲؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی خبر دی ۳؎نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورہ روکنے والی ہے ۴؎نجات دینے والی ہے جو اللہ کے عذاب سے نجات دے گی ۵؎ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ اگر قبر کی خبر ہوتی تو وہاں ہرگز خیمہ نہ ڈالتے کیونکہ قبر پر بیٹھنا لیٹنا،اس پر چلنا پھرنا ممنوع ہے۔
۲؎مرقات نے یہاں فرمایا کہ بعض مردے قبر میں بھی بعض وہ نیکیاں کرتے رہتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس حال میں جیو گے اسی میں مرو گے اور جس حال میں مرو گے اسی میں اٹھو گے،اس لیے کوشش کرو کہ زندگی اچھے اعمال میں گزارو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت بلال اذان دیتے ہوئے قبر سے اٹھیں گے،ان کا ماخذ غالبًا ان جیسی روایات ہیں ان شاءاللہ نعت خواں مسلمان قبر میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہی پڑھیں گے۔رب تعالٰی قبول فرمائے ان صحابی کا یہ تلاوت سن لینا ان کی کرامت ہے ورنہ ہم لوگ نہیں سناکرتے۔
۳؎اور تعجب کا اظہار کیا کہ مردہ بھی تلاوت قرآن کررہا تھا۔
۴؎یعنی اس سورت کی تلاوت کرنے والے کو زندگی میں گناہوں سے، موت کے وقت خرابی خاتمہ سے، قبر میں عذاب و تنگی گورے، آخرت میں دہشت و سخت عذاب سے بچاتی ہے۔
۵؎یعنی عذاب قبروحشر سے بچائے گی۔خلاصہ جواب یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی زندگی میں اس سورۃ کی تلاوت کرتا تھا اب قبر میں بھی تلاوت کررہا ہے اور اس سے مذکورہ بالا فائدے حاصل کرچکا ہے اب بھی کر رہا ہے آئندہ بھی کرے گا۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نہ سوتے حتی کہ پڑھ لیتے الم تنزیل اور تبارك	

	الذی بیدہ الملك ۱؎ (احمد،ترمذی،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے یوں ہی شرح سنہ میں ہے اور مصابیح میں ہے کہ غریب ہے۲؎

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عشاء اور سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے،خواہ مسجد ہی میں یا بستر پر پہنچ کر۔معلوم ہوا کہ شب کو یہ سورتیں پڑھنا سنت ہے اوراس میں بہت فوائد ہیں۔

۲؎خیال رہے کہ حدیث کی غرابت اس کے صحیح ہونے کے مخالف نہیں ایک ہی حدیث صحیح بھی ہوتی ہے غریب بھی لہذا ترمذی کا اسے صحیح کہنا اور مصابیح کا غریب فرمانا دونوں درست ہیں،یہ حدیث نسائی ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بھی حضرت جابر سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس وانس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے ۱؎اور قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ۲؎اور قل یاایھاالکافرون چوتھائی قرآن کے برابر۳؎(ترمذی)

۱؎ یعنی سورۂ اذازلزلت کی تلاوت میں پندرہ پارے تلاوت کرنے کا ثواب ہے یا چونکہ قرآن کریم میں معاش و معاد دونوں کا ذکر ہےاور اذا زلزلت میں معاد کا ذکر ہے یعنی قیامت اور وہاں کے حالات کا لہذا اس کا مضمون مضامین قرآن پاک کا نصف ہے۔

۲؎اس کی شرح اور وجہ پہلے عرض کی گئی ہے اسی باب میں۔

۳؎کیونکہ قرآن مجید میں اصل مضامین چار ہیں شرک اور بدعقیدگیوں سے دوری ،توحید و رسالت اور تمام عقائد اسلامیہ کا اقرار،احکام قصص،سورۂ کافرون میں شرک سے بیزاری کا کامل طور پر ذکر ہے،لہذا قرآن کا چوتھائی مضمون اس سورۃ میں ہے اس لیے یہ سورۃ چار بار پڑھنے سے پورے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔لمعات و اشعہ وغیرہ جو کوئی سوتے وقت یہ سورۃ پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ اسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا،فقیر حقیر بفضل رب قدیر اس پر عامل ہے اور حسن خاتمہ کی رب تعالٰی سے امید رکھتاہے اللہ نصیب کرے۔

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو صبح کے وقت تین بار یہ کہہ لے کہ میں سننے والے جاننے والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۱؎مردود شیطان سے ۲؎پھر سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لے۳؎تو اللہ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادے گا جو شام تک اسے دعائیں

دیں گے اور اگر یہ اس دن مرجائے تو شہید مرے گا۴ اور جو یہ چیزیں شام کے وقت پڑھ لے تو اسی درجہ میں ہوگا۵ ترمذی دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی میری بات سننے والے،میرا درد دل جاننے والے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔خیال رہے کہ **اعوذ** جملہ خبریہ ہے بمعنی ان شاء یعنی اے اللہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

۲؎ تاکہ دن بھر وہ مردود مجھے بہکانہ سکے،عبادتوں میں دھیان نہ بٹا سکے،چونکہ سویرا زندگی کی دکان کھلنے کا وقت ہے اس لیے خصوصیت سے اسی وقت یہ دعا پڑھوائی گئی۔

۳؎ "هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ سے آخر سورة"وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ "تک یہ آیات خالص حمد کی ہیں۔

۴؎ یہاں فرشتوں کی دعا سے ان کی خصوصی دعائیں مراد ہیں،ورنہ فرشتے عمومی دعائے مغفرت تو ہر مسلمان کے لیےکرتے رہتے ہیں جیساکہ پہلے عرض کیا گیا اور شہید سے مراد شہادت حکمی ہے کہ بندہ اگرچہ اپنے بستر پر مرے مگر قیامت میں اس کا شمار ان شہداء میں ہو جو راہ خدا میں مارے گئے۔

۵؎ لغت میں صباح آدھی رات سے زوال تک کو کہتے ہیں اور مساء زوال سے اول نصف رات تک کو مگر اورادووظائف میں صبح صادق سے سورج نکلنے سے کچھ بعد تک ہے اور شام اس کے مقابل یعنی سورج چھپنے سے کچھ رات گئے تک یعنی وقت عشاء آنے سے پہلے۔(ازمرقات)اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے صبح و شام کی نہایت نفیس تحقیق اپنی کتاب "الوظیفۃ الکریم"میں فرمائی ہے ناظرین اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو روزانہ دو سو بار قل ھو اللہ پڑھ لیا کرے۱؎ تو اس کے پچاس سال کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے ۲؎ سوائے قرض کے۳؎ ترمذی،دارمی اور ایک روایت میں پچاس بار ہے اور قرض نہ ہونے کا ذکر نہیں۔	

۱؎ یعنی دن و رات کے کسی حصہ میں پوری سورۂ اخلاص دوسو۲۰۰ بار پڑھا کرے۔بہتر یہ ہے کہ ایک دم ہی پڑھے اور اگر مختلف مجلسوں میں پڑھے تو بھی اجر مذکور کی امید ہے۔

۲؎ یعنی عمر بھر یہ پڑھتا رہے تو ان شاءاللہ پچاس سال کے گناہ صغیرہ معاف ہوں گے اور اگر اتنے گناہ نہ ہوں تو درجے بلند ہوں گے کیونکہ جن اعمال سے گنہگاروں کے عفو سیئات ہوتی ہے نیک کاروں کے لیے رفع درجات۔ یہ قانون کرم ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو نیک لوگ یہ عمل نہ کیا کریں۔

۳؎ کہ قرض تو حق العبد ہے بغیر ادا کئے یا قرض خواہ کے بغیر معاف کئے ساقط نہیں ہوتا سارے حقوق العباد کا یہ ہی حال ہے۔

	روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور نے فرمایا جو اپنے بستر پر سونا چاہے ۱؎ تو داہنی کروٹ پر لیٹے ۲؎ پھر سو بار "قل ھو اللہ احد" پڑھ لے ۳؎ تو جب قیامت کا دن ہوگا رب تعالٰی فرمائے گا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں جا ۴؎ ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۵؎

۱؎ بستر کا ذکر اتفاق ہے اگر کوئی زمین پر بھی لیٹے تو یہ پڑھ لے مگر لیٹنا سونے کے لیے ہو ویسے لیٹنے کا حکم نہیں اس لیے اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے ارادے کا ذکر فرمایا۔

۲؎ اس طرح کہ قبلہ کو رخ ہو اور داہنی ہتھیلی داہنے رخسار کے نیچے رکھے کہ سنت اسی طرح لیٹنا ہے پھر بائیں کروٹ لے کر سوجائے، غرضکہ بستر کا رخ قبر کا سا ہو۔

۳؎ فقط لفظ "قل ھو اللہ احد" نہیں بلکہ پوری سورہ مع بسم اللہ کے ہر بار اگر چہ یہ عمل ہے تو مشکل مگر بہت مفید ہے۔

۴؎ یعنی چونکہ تو میرے محبوب کی سنت پر عمل کرتے ہوئے داہنی کروٹ لیٹتا تھا اور میری حمد والی سورۃ پڑھ کر سوتا تھا اس کے انعام میں آج تو جنت کے داہنے باغ میں داخل ہوجا وہ تیرا مقام ہے۔خیال رہے کہ جنتی لوگ تین قسم کے ہوں گے: مقربین حضرات علیین والے ہیں، ابرار یہ یمین والے ہیں، گنہگار جن کی شفاعت کی بنا پر مغفرت ہوچکی یہ یسار والے ہیں رب تعالٰی نے فرمایا ہے: "فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کا داہنا حصہ بائیں سے افضل ہے اور یہ کہ عرش کی داہنی طرف والے بائیں سمت والوں سے بہتر۔

۵؎ علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ درجہ صحیح کو نہ پہنچی مگر اس پر عمر میں کم از کم ایک بار ضرور عمل کرے کہ اس کے عامل کو بڑی بشارت ہے، فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے، مرقات۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک شخص کو "قل ھو اللہ احد" پڑھتے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی میں نے عرض کیا کیا واجب ہوگئی فرمایا جنت ۱؎ (مالک، ترمذی، نسائی)

۱؎ یعنی اس سورۃ شریف کی تلاوت کی برکت سے اس کے لیے جنت واجب و لازم ہوگئی۔خیال رہے کہ نیک اعمال جنت حاصل ہونے کے اسباب میں علت تامہ نہیں بڑے بڑے نیک لوگ پھسل جاتے ہیں مگر یہ شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کی وجہ سے جنتی یقینًا ہوگیا کہ آپ کی زبان رب تعالٰی کا قلم ہے اس شخص کا جنتی ہوجانا قطعی ہوگیا۔

روایت ہے حضرت فروہ بن نوفل سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے ایسی چیز سکھایئے جو میں بستر پر دراز ہوتے وقت پڑھ لیا کروں تو فرمایا"قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" پڑھ لیا کرو۲؎ کہ یہ شرک سے بیزاری ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ فروہ کی صحابیت میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں،مگر آپ کے والد نوفل صحابی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ بعض ر وایات میں یہ بھی ہے کہ"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھتے ہی سو جاؤ یعنی پھر کوئی دنیاوی بات نہ کرو اور اگر کرنا پڑ جائے تو دوبارہ پڑھ لو۔

۳؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس کا عامل ان شاءاللہ ایمان پر ہی مرے گا علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اور ابواء کے درمیان سفر کررہا تھا ۱؎ کہ اچانک ہمیں آندھی اور سخت تاریکی نے گھیر لیا ۲؎ تو رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ و سلم **تعوذ** فرمانے لگے **اعوذبرب الفلق** سے **اعوذبرب الناس** اور فرمانے لگے اے عقبہ ا ن دونوں سورتوں سے **تعوذ** کیا کرو کہ کسی پناہ لینے والے نے ان جیسی سے **تعوذ** نہ کیا ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ جحفہ اور ابواء دونوں مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے درمیا ن دو مقامات ہیں،ابواء تو وہ ہی جگہ ہے جہاں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کی وفات شریف ہوئی،جحفہ شام،مصر اور مغرب والوں کا میقات ہے جہاں سے یہاں کے حجاج احرام باندھتے ہیں اسی جگہ کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا مدینہ کی وبا جحفہ کی طرف منتقل فرمادے چنانچہ وہاں بیماریاں خصوصًا بخار بہت زیادہ ہے حتی کہ اگر پرندہ بھی وہاں سے گزرے تو اسے بھی بخار آجاتا ہے یہ جگہ رابغ کے پاس ہے۔بعض کا خیال ہے کہ اب اسی جحفہ کا نام رابغ ہے،جحفہ اور ابواء کے درمیان بیس میل کا فاصلہ ہے۔(لمعات ومرقات)

۲؎ یعنی کالی آندھی آگئی اور ہم اس میں گھر گئے سفر میں ایسی صورت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سورتیں صرف جادو کے لیے ہی نہیں بلکہ دوسری آفتوں میں بھی کام آتی ہیں اگر ان کا تعویذ لکھ کر ساتھ رکھا جائے تو بھی امان ملتی ہے قرآنی آیات سے تعویذ جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن خبیب سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک بارشی اور سخت اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے نکلے ۱؎ تو ہم نے حضور کو پالیا حضور نے فرمایا کہو میں بولا کیا کہوں فرمایا صبح و شام کے وقت "قل ھو اللہ احد" اور فلق و ناس تین تین بار پڑھ لیا کرو ۲؎ یہ تمہیں ہر چیز سے کافی ہوں گی ۳؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۱؎ یعنی ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو آگے بڑھ گئے ہم لوگ پیچھے رہ گئے تو ہم نے رفتار تیز کردی تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جائیں۔ چنانچہ ہم اپنے مطلوب ومحبوب تک پہنچ گئے اور اپنے مدعا کو پالیا۔

۲؎ ہمارے سلسلہ میں ایک عمل ہے کہ بعد نماز فجر و مغرب حسب ذیل سورتیں پڑھ لیا کرے سورہ حشر کا آخری رکوع، اذا زلزلت الارض، قل یاایھاالکفرون، قل ھو اللہ احد، تین بار فلق، ناس ہمیشہ اس پر عمل کرے ان شاءاللہ دنیاوی مصیبتوں سے محفوظ رہے گا اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا اور مرتے وقت اپنی جنت کی جگہ خواب میں دیکھ لے گا اور قریب موت اسے خواب میں اطلاع دے دی جائے گی کہ تیرا وقت قریب ہے تیاری کرلے فقیر نے یہ عمل اپنے بزرگوں سے پایا ہے اور بحمدہٖ تعالٰی اس پر عامل ہے اس کے نتائج کی اپنے رب سے امید رکھتا ہے اللہ نصیب کرے۔

۳؎ یعنی تجھ سے ہر آفت کے ٹالنے اور ہر مصیبت کو دفع کرنے میں کافی ہوں گی یا تجھے ہر ورد وظیفے سے غنی کردیں گی کہ ان کے ہوتے تجھے دفع ضرر کے لیے اور کوئی وظیفہ کرنا نہ پڑے گا اس دوسرے معنے کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ ان سورتوں سے بہتر کوئی تعویذ نہیں یہ بہترین تعویذ و امان ہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں سورہ ہود یا سورۂ یوسف پڑھاکروں ۱؎ فرمایا تم قل اعوذ برب الفلق سے بڑھ کر کوئی ایسی سورت نہیں پڑھ سکتے جو آسان تر اور رب کے نزدیک تمام تر ہو ۲؎ (احمد، نسائی، دارمی)

۱؎ اقراء سے ہمزہ استفہامیہ دور کردیا گیا ہے یعنی کیا میں آفات سے بچنے اور مصیبتوں کے دفع کرنے کے لیے سورۂ یوسف و ہود کا ورد رکھوں، لمعات و مرقات۔ غرضکہ یہاں تلاوت کی اجازت نہیں چاہ رہے ہیں بلکہ تعوّذ کی اجازت

حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وردو ظیفوں میں شیخ کی اجازت چاہئیے ورنہ ثواب تو مل جائے گا مگر اثر نہ ہوگا۔یہ حدیث اجازت شیخ کی اصل ہے۔

۲؎یعنی سورۃ فلق پڑھنے میں نہایت آسان ہے کہ مختصر سی سورۃ ہے اور بلائیں دفع کرنے میں تیر بہدف اور جامع ہے کیونکہ اس میں ہر مخلوق کی شر سے پناہ مانگ لی گئی ہے اور وظیفوں و دعاؤں میں جامع وظیفے و دعائیں بہتر ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ ممکن ہے اس سے دو سورتیں فلق و ناس مراد ہوں یعنی ایک کا ذکر فرما کر دونوں کی اجازت دی ہو کیونکہ سورۂ ناس سورۂ فلق کی ساتھی ہے واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو خوب ظاہر کرو ۱؎اور قرآن کے عجائبات کی پیروی کرو اس کے عجائب اس کے فرائض اور اس کے اسرار ہیں ۲؎

۱؎ اے عالمو قرآن کریم کی لوگوں میں خوب اشاعت کرو اسے چھپا نہ رکھو جیسے یہود و نصاریٰ نے اصل توریت و انجیل چھپادی سورج چھپنے کے لیے نہیں نکلتا چمکنے کے لیے نکلتا ہے قرآن کو چمکنے دو بلکہ خود بھی چمکاؤ اعراب کے معنے ہیں ظاہر کرنا عربی میں حرکات یعنی زبر،زیر،پیش کواسی لیے اعراب کہتے ہیں کہ اس سے کلمات کی فاعلیت مفعولیت وغیرہ ظاہر ہو کر عبارت کے معنے ظاہر ہوجاتے ہیں۔

۲؎یعنی غرائب سے مراد قرآنی متشابہات نہیں کیونکہ ان کی تاویلیں کرنا منع بلکہ مراد قرآنی احکام ہیں،جو بہت انوکھے اور نرالے ہیں یا فرائض سے مراد کرنے والے کاموں کے احکام ہیں اور حدود سے مراد نہ کرنے والی چیزیں یا فرائض سے مراد وراثت کے حصے ہیں اور حدود سے مراد باقی دیگر احکام ہیں یا فرائض سے مراد عام فہم معنے و احکام ہیں اور حدود سے مراد قرآنی اسرار ہیں یعنی قرآنی احکام اس کے معجزات اس کے وعدے وعید ہیں طلباء و عوام پر ظاہر کرو طلباء پر مدرسوں میں عوام پر مجلسوں اوروعظوں میں۔ قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن جیسے انسان کا ظاہر بدن ہے اور باطن قلب و روح،فرائض میں ظاہر کی طر ف اشارہ ہے،حدود میں باطن کی طرف۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے لیے علم نحو،صرف لغت بلاغت وغیرہ سیکھنا ضروری ہے کہ ان علموں کے بغیر قرآن کے ہر صفات ظاہر نہ ہوسکتے ہیں نہ کئے جاسکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا نماز میں قرآن پڑھنا بیرون نماز کی تلاوت سے افضل ہے۱؎اور بیرون نماز قرآن شریف پڑھنا تسبیح و تکبیر پڑھنے سے بہتر ہے ۲؎اور تسبیح پڑھنا،خیرات سے

	بہتر ہے ۳؎ اور خیرات روزے سے افضل ہے ۴؎ اور روزہ آگ سے ڈھال ہے ۵؎

۱؎ کیونکہ نماز میں تلاوت سے دو عبادتوں کا اجتماع ہے اور ایک عبادت سے دو افضل ہیں،نیز نماز میں جو یکسوئی ہوتی ہے وہ بیرون نماز میسر نہیں ہوتی،نیز نماز میں جو قرب الٰہی نصیب ہوتاہے وہ بیرون نماز نصیب نہیں ہوتا۔اس سے معلوم ہوا کہ دو عبادتوں کا اجتماع افضل ہے لہذا فاتحہ ختم وغیرہ بہترین چیز ہے کہ ان میں تلاوت و خیرات کا اجتماع ہوتا ہے یعنی یہ دو عبادتوں کا مجموعہ ہیں۔

۲؎ کیونکہ تسبیح و تہلیل قرآن کا جزء ہیں اور تلاوت میں کل قرآن ہے اور جزء سے کل افضل نیز قرآن میں وظیفہ بھی اور رب تعالٰی کے احکام بھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ سجدہ و رکوع و تشہد سے قیام افضل ہے کیونکہ قیام میں تلاوت قرآن ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ بیرون نماز تلاوت نماز کی تسبیح و تہلیل سے بھی افضل ہے۔

۳؎ یعنی اس خیرات سے بہتر ہے جو ذکر اللہ سے خالی ہو وجہ ظاہر ہے کہ صدقہ ہے ہمارا کام،تسبیح و تہلیل میں ہے رب کا نام، ہمارے کام سے رب کا نام افضل ہے چاہیئے کہ خیرات کے وقت اللہ کا ذکر بھی کیاجائے۔

۴؎ اس وجہ سے کہ صدقہ میں مال راہ خدا میں خرچ کرنا ہے اور روزے میں مال نفس کے لیے روکنا اور بچانا ہے کہ روزہ میں دوپہر کا کھانا بچ جاتا ہے اور مال بچانے سے خرچ کرنا راہ خدا میں بہتر۔بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ روزہ وہ بہتر جس میں بچا ہوا مال خیرا ت کردیا جائے یعنی جب نفلی روزہ رکھے تو دوپہر کا کھانا خیرات کردے تاکہ روزہ خیرات جمع ہو جائیں بلکہ روزہ میں ذکر اللہ زیادہ کرے تاکہ روزہ و تسبیح و تہلیل کا اجتماع نصیب ہو یا یہ وجہ ہے کہ روزہ میں اس صرف روزہ دار کا نفع ہے اور صدقہ میں دینے والے کا بھی اور فقیر کا بھی بھلااور لازم عبادت سے متعدی عبادت بہتر ہے۔خیال رہے کہ یہ فضیلت جزوی ہے ورنہ کلیۃً روزہ خیرات سے بہتر ہے لہذا یہ حدیث روزہ کے فضائل کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۵؎ جب روزہ جوان تمام عبادات میں سے آخر درجہ کی عبادت ہے اس کا یہ فائدہ ہے تو سوچ لو کہ اس سے اوپر والی عبادتوں کا کیا فائدہ ہوگا وہ ہمارے خیال و ہم سے وراءہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن اوس ثقفی سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کا بغیر قرآن کریم دیکھے تلاوت کرنا ہزار درجہ ہے ۱؎ اور قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا اس پر دوہزار درجہ افضل ہے ۲؎

۱؎ یعنی حفظ تلاوت قرآن کا ثواب دیگر عبادت سے ہزار گنا زیادہ ہے،اس کی وجہ پہلے بیان ہوچکی۔

۲؎ یعنی قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا ثواب دوسری عبادات سے دو ہزار گناہ زیادہ یا حفظ تلاوت سے دو ہزار حصہ زیادہ ہے کیونکہ قرآن کریم دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کی تلاوت بھی عبادت تو دیکھ کر پڑھنے والا دوہری عبادت کرتا ہے اور حفظ تلاوت کرنے والا ایک عبادت کرتا ہے۔خیال رہے کہ چند چیزوں کا دیکھنا عبادت ہے قرآن کریم کعبہ

معظّمہ،عالم دین کا چہرہ ،ماں باپ کو شفقت کی نظر سے دیکھنا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا تو بڑی ہی عبادت ہے کہ اس سے مؤمن صحابی بن جاتاہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ دل ایسے زنگ آلود ہوتے رہتے ہیں جیسے لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہوجاتا ہے ۱؎ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ان دلوں کی صیقل کیا ہے ۲؎ فرمایا موت کی زیادہ یاد ۳؎ اور قرآن کریم کی تلاوت ۴؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔	

۱؎ یعنی گناہوں دنیاوی الجھنوں میں مشغولیت ذکر محبوب سے غفلت و غیرہ دل کے زنگ کا سبب ہے یہ زنگ کبھی معمولی ہوتی ہے جو معمولی کوشش سے جاتی رہتی ہے اور کبھی بہت سخت کہ بہت کوشش کے بعد دور ہوتی ہے اور کبھی ناقابل دفع جیسے رین اور ختم کہا جاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتاہے:"کَلَّا بَلۡ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ"۔خیال رہے کہ یہاں "ھذہ القلوب"سے مراد عام انسانوں کے دل ہیں۔انبیائے کرام اور خاص اولیاءاللہ کے دل اس سے مستثنٰی ہیں۔جو ہمیشہ حفاظت الٰہی میں رہتے ہیں ان کے لیے ذکر موت اور تلاوت قرآن زیادتی نورانیت کے سبب ہیں۔

۲؎ یعنی ہر چیز کی صفائی کے آلات الگ الگ ہیں اور ہر ایک کی پالش جدا گانہ ہے تو دلوں کی پالش و صفائی کس چیز سے ہوگی۔

۳؎ کیونکہ موت کو یاد کرنے میں دل دنیا سے سرد ہوجاتا ہے آخرت کی طرف راغب ہو کر گناہوں سے متنفر اور نیکیوں کی طرف مائل ہوجاتا ہے جو شخص روزانہ موت کو یاد کرلیا کرے اس کو درجۂ شہادت ملے گا اگرچہ طبّی موت سے مرے۔(شامی)اسی لیے زیارت قبوت سنت ہے تاکہ اس سے اپنی موت یاد آتی رہے، موت خاموش و اعظ ہے۔

۴؎ کیونکہ قرآن گویا اپنے روحانی دیس کا خط ہے جو ہم پردیسیوں کو وہاں کی یاد دلاتا ہے اس دیس کی یاد اس جسمانی عارضی دیس سے دل سرد کردیتی ہے یہ بولتا ہوا واعظ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یاد موت کی کثرت دل کا زنگ دور کرتی ہے اور تلاوت مطلقًا خواہ زیادہ ہو یا کم یہ اثر کرتی ہے۔

روایت ہے حضرت ایفع ابن عبدالکلاعی سے ۱؎ فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی کون سی سورۃ بہت بڑی ہے فرمایا"قل ھو اللہ احد"۲؎ عرض کیا پھر قرآن کریم کی کون سی آیت بہت بڑی ہے ۳؎ فرمایا آیۃ الکرسی،یعنی "اللہ لا الہ الا ھو	

	الحی القیوم "۴؎ عرض کیا یا نبی اللہ کس آیت کے متعلق آپ چاہتے ہیں کہ اس کی برکت آپ کو اور آپ کی امت کو پہنچے ۵؎ فرمایا سورہ بقر کی آخری آیات ۶؎ کہ وہ اللہ تعالٰی کی رحمت کے عرشی خزانے ہیں جو اللہ نے اس امت کو بخشے ان آیتوں نے دنیاو آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہ چھوڑی جو اپنے میں لے نہ لی ہو ۷؎(دارمی)

۱؎ آپ کا نام ایفع ابن ناکور کلاعی ہے ذوالکلاع یمن کا مشہور قبیلہ ہے،شیخ نے فرمایا کہ آپ صحابی ہیں مگر مرقات نے فرمایا کہ آپ تابعی ہیں کیونکہ آپ یمن سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لیے روانہ ہوئے،راستہ میں تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

۲؎ کیونکہ اس سورت میں رب تعالٰی کی توحید کا نہایت جامع اور مکمل بیان ہے اور کلام کی عظمت اس کے مضمون کی عظمت سے ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ارشاد ہوا کہ سورۂ فاتحہ بڑی اعظم سورۃ ہے کہ وہاں اعظمیت اور لحاظ سے ہے کہ وہ بہت سے مضامین کی جامع ہے اور یہاں اعظمیت دوسری حیثیت سے غالبًا یہاں سوال بھی اسی اعظمیت کا تھا لہٰذا جواب سوال کے مطابق ہے۔

۳؎ جس میں رب کی ذات و صفات کا مکمل و جامع بیان ہو،پہلے سورۃ کے متعلق سوال تھا اب آیت کے متعلق سوال ہے۔

۴؎ آخر آیت "وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ" تک آیۃ الکرسی بہت ہی نافع آیت ہے اس کے فضائل حدوعد سے باہر ہیں۔

۵؎ یہاں برکت سے مراد دائمی ثواب و فائدہ ہے جو کبھی ختم نہ ہو برکت برک بنا بمعنی بیٹھ جانا نہ ہٹنا۔

۶؎ "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے آخر تک اور بہتر یہ ہے کہ "لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ" سے آخر تک پڑھا کرے ان خزانوں کا نزول عرش سے ہوا اور اس امت کے سواءکسی امت کو اس جیسی عظیم الشان نعمت نہ ملی۔

۷؎ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالٰی کی توحید ملکیت عامہ غفاری،ستاری وغیرہ صفات کا بھی اعلٰی بیان ہے اور جامع دعائیں بھی ہیں او ر رب تعالٰی کو بندے کا مانگنا بہت محبوب ہے یہ آیت عمومًا اور تہجد کی نماز میں خصوصًا پڑھنا چاہیئے اس کے بڑے فائدے دیکھے گئے ہیں۔

	روایت ہے عبدالملک ابن عمیر سے مرسلًا ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورہ فاتحہ میں ہر بیماری کی دعا ہے ۲؎(دارمی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ حدیث مرسل اس لیے ہے کہ عبدالملک ابن عمیر تابعی ہیں،امام شعبی کے بعد کوفے کے قاضی رہے،بڑے عالم و متقی وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحابی کا ذکر نہ کیا اسی کا نام ارسال ہے۔

۲؎ جسمانی خیالی اور روحانی تمام بیماریوں کی شفاء مطلق ہے بہت بیماریوں میں مختلف طریقوں سے استعما ل کی جاتی ہیں۔اور بہت مفید ہوتی ہے تجربہ ہے ایمان و یقین شرط ہے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرمایا جو رات کو آل عمران کی آخری آیات پڑھے اس کے لیے تمام رات عبادت کا ثواب لکھا جائے گا ۱؎	

۱؎ یہ حدیث اگرچہ حضرت عثمان پر موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ قرآنی سورتوں کے فضائل عقل سے نہیں معلوم ہوسکتے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان شریف سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں آخر آل عمران سے مراد آیت "اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" سے آخر تک ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تہجد کے لیے اٹھتے وقت بھی پڑھتے ہیں۔آسمان کے تاروں کو ملاحظہ فرماتے جاتے اور آیات پڑھتے جاتے۔بہتر یہ ہے کہ تہجد کے وقت اٹھنے پر بھی پڑھے اور نماز تہجد میں بھی مطلب یہ ہے کہ جو کوئی یہ آیتیں رات کے کسی حصہ میں خصوصًا تہجد میں پڑھتے تو اسے تمام رات نوافل پڑھنے کا ثواب ملے گا،سبحان اللہ! رب تعالٰی کی عطا ہمارے خیال سے وراء ہے۔

روایت ہے حضرت مکحول سے فرماتے ہیں جو جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھے تو رات تک فرشتے اسے دعائیں کرتے رہتے ہیں ۱؎ (دارمی)	

۱؎ یعنی حضرت مکحول شامی جو مشہور تابعی ہیں،فرماتے ہیں کہ جو جمعہ کے دن میں پوری سورۂ آل عمران پڑھ لے،وہ فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق ہے دعاؤں سے مراد خاص دعائیں کیونکہ ان کی عام دعائیں تو ہر مسلمان کے لیے وقف ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے،یہ اگرچہ حضرت مکحول کا قول ہے مگر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن نفیر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے سورہ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے ۱؎ جو مجھے اس کے عرشی خزانہ سے عطا ہوئیں لہذا انہیں سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ ۲؎ کہ یہ نماز اور باعث قرب الٰہی و دعا ہیں ۳؎ (دارمی) مرسلًا ۴؎	

۱؎ یعنی امن الرسول سے آخر سورۃ تک کی دو آیتیں عرشی خزانوں میں سے ہیں،خزانوں سے مراد رحمت کے معنوی خزانہ ہیں۔

۲؎ یعنی ان دونوں آیتوں کا ایک ایک کلمہ سیکھو اور سکھاؤ اسی لیے ھن جمع مونث ارشاد ہوا ورنہ دو آیتوں کے لیے ضمیر تثنیہ آنی چاہیئے تھی رب تعالٰی فرماتاہے:"ھٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا"اور فرماتاہے:"وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ

الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا "الخ۔عورتوں کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ بمقابلہ مردوں کے عورتیں گناہ زیادہ کرلیتی ہی اس لیے یہ دوزخی زیادہ ہیں یعنی یہ دو آیتیں اپنے سارے گھر والوں کو سکھاؤ کہ ان کے سکھانے سے چھوٹے بچے جلد سیکھ جائیں گے کہ بچوں کا پہلا مکتب ماں کی گود ہے۔

۳؎ صلوۃ سے مراد یا تو استغفار ہے جیسے "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ "میں فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد ہے استغفار یا یہ مطلب ہے کہ نماز میں تلاوت کی جانے والی آیتیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ نماز یا خارج نماز ان آیات کے پڑھنے میں بہت فائدے ہیں ان میں دعاء بھی ہے قربت الٰہی بھی استغفار بھی اور ان سے نماز بھی ہوتی ہے کہ ان میں غفرانك بھی ہے اور والیك المصیر بھی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا ذریعہ ہے ایسی جامعیت دوسری آیات میں کم ہے معلوم ہوا کہ آیات کے فضائل کبھی ا ن کے مضامین کی اہمیت کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔

۴؎ کیونکہ جبیر ابن نفیر تابعی ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ صحابی کا ذکر نہ آیا،حاکم نے حضرت ابوذر سے مرفوعاً روایت کی تھوڑے فرق سے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت کعب سے کہ رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھا کرو ا؎(دارمی)	

ا؎ ہود منصرف بھی ہے اور غیرمنصرف بھی اور جمعہ میم کے پیش سے بھی ہے اورسکون سے بھی مگر قرآن کریم میں میم کے پیش سے ہے۔ اس سے معلوم ہو اکہ جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھنا بہت برکتوں کا باعث ہے جیسے اسی دن سورۂ کہف کی تلاوت دفع بلاء کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن میں سورہ کہف پڑھے تواس کا نور ایمانی دو جمعوں کے درمیان چمکتا ہے ا؎(بیہقی،دعوات الکبیر)۲؎	

ا؎ یہ چمک اس کے چہرے پر ہوگی یا دل میں زندگی میں یا قبر میں یا قیامت کے دن اور دو جمعوں کے درمیان سے مراد اتنی مدت اور اتنا وقت ہے جو شخص ہر جمعہ کو یہ پڑھ لیاکرے تو ان شاء اللہ ہمیشہ ہی منور ہے یہ سورۂ فتنہ دجال سے امان بھی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا بلکہ یہ نور ہی دجّال کی آفت سے بچنے کا ذریعہ ہوگا ان شاء اللہ۔

۲؎ یہ حدیث مختلف طریقوں اور مختلف عبارتوں سے حاکم،دارمی،نسائی،طبرانی بزاز نے بھی روایت کی۔

روایت ہے حضرت خالد ابن معدان سے ا؎ کہ انہوں نے فرمایا نجات دینے والی سورہ پڑھا کرو جو الم تنزیل ہے ۲؎ مجھے خبر ملی ہے کہ ایک شخص یہ ہی سورہ پڑھتا تھا اس کے سواء کچھ نہ پڑھتا تھا ۳؎ اور وہ تھا بڑا گنہگار تو اس سورۃ نے اس کے اوپر اپنے پر پھیلا دیئے بولی یا رب	

	اسے بخش دے ۴؎کیونکہ یہ میری بہت تلاوت کرتا تھا رب تعالٰی نے اس کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی ۵؎اور فرمایا اس کے لیے ہر گناہ کے عوض نیکی لکھو اور درجہ بلند کرو ۶؎راوی نے یہ بھی فرمایا کہ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑے گی کہے گی الٰہی اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کرے؎اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اس سے مٹا دے ۸؎اور وہ پرندے کی طرح ہوجائے گی کہ اس پر اپنے پر پھیلا دے گی ۹؎اس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ اسے عذاب قبر سے بچالے گی اور سورہ ملک کے بارے میں اسی طرح فرمایا ۱۰؎اور حضرت خالد اسے بغیر پڑھے نہ سوتے تھے حضرت طاؤس نے فرمایا یہ دونوں سورتیں قرآن کی تمام سورتوں پر ساٹھ گنا بزرگی رکھتی ہیں ۱۱؎(دارمی)

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،ستر صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے،ثقہ ہیں،عالم ہیں۔(اشعہ)

۲؎یہ سورۃ دنیاوی آفات عذاب قبروحشر سے نجات کا ذریعہ ہے اس لیے اسے منجیہ کہتے ہیں جب قرآنی سورۃ کو منجیہ کہنا درست ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منجی یعنی نجات دہندہ کہا جاسکتاہے۔

۳؎یعنی صرف اس سورہ کا وظفیہ کرنا اس کے سوائے اس کا کوئی ورد وظفیہ نہ تھا۔

۴؎یعنی جب وہ قبر میں گیا تو یہ سورت پرندے کی شکل میں نمودار ہوئی اور اس پر اپنے پروں کا سایہ کرلیا تاکہ اس شخص پر عذاب نہ آسکے ظاہر یہ ہے کہ یہ خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دی ہو بعض صحابہ سے بعض گناہ سرزد ہوئے ہیں مگر ان میں فاسق کوئی نہیں گناہ اور ہے فسق کچھ اور۔

۵؎یعنی اس شفاعت کی برکت سے عذاب قبر دفع ہی ہوگیا۔اولًا تو اس نے عذابِ قبر سے بچایا پھر دفع کیا۔

۶؎یعنی اس کے نامۂ اعمال سے سارے گناہ مٹا دواور ہر گناہ پر نیکی کا ثواب دو یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ ہٹا کر یہ لکھ دو کہ اس نے نیکیاں کیں کہ یہ تو جھوٹ ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"۔بادشاہ خوش ہوتے ہیں تو گالی پر انعام دے دیتے ہیں گاہے بدشنام خلعت دہند،لہذاحدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ خطیئۃٌ سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں نہ کہ حقوق العباد،لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ الٓمٓ تنزیل پڑھنے والا لوگوں کے مال مارے چوری ڈکیتی کرتا رہے اور اس کو ان جرموں پر ثواب ملے۔

۷ے اور اس کی قبر میں وسعت،نور کردے،اور اسے سوالات نکیرین میں کامیاب فرمادے،کیونکہ یہ مجھے بہت تلاوت کرتا تھا آج اس کا پھل اسے دے۔

۸؎ یعنی مجھے لوح محفوظ سے مٹادے یا قرآنی اوراق سے یا اس کے سینے سے نکال دے۔یہ ناز کی عرض و معروض ہے جیسے ناز پروردہ غلام اپنے آقا سے کہے کہ اگر میں تیرا غلام ہوں،تو میری بات مان ورنہ مجھے فروخت فرمادے،یا بیٹا باپ سے عرض کرے کہ اگر میں آپ کا فرزند ہوں تو میرے حق کا لحاظ فرمادیں،اگر نہی ہوں تو مجھے اپنے گھر سے باہر نکال دیجئے،لہٰذا یہ اگر مگر شک و تردد کے لیے نہیں۔

۹؎ یعنی جیسے مرغی یا چڑیا اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے جس سے بچوں تک باہر کی تکلیف نہیں پہنچنے پاتی،ایسے ہی یہ سورۃ اپنے عامل کو قبر و قیامت میں اپنے پروں میں لے لے گی جس سے اس شخص تک گرمی،وحشت،دہشت وغیرہ نہ پہنچ سکے گی۔

۱۰؎ حضرت خالد ابن معدان نے سورہ ملک کے فضائل بھی تقریبًا ایسے ہی بیان کئے۔

۱۱؎ یعنی بعض خصوصی فائدوں میں دوسری تمام سورتوں سے ساٹھ گنا زیادہ ہیں،یا بعض حالات میں ان کی تلاوت دوسری سورتوں کی تلاوت سے ساٹھ گنا زیادہ مفید ہو جیسے نماز وتر میں"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"اور"قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ"اور"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"پڑھنا بہت بہتر ہے اور جمعہ کی فجر میں سورۃ سجدہ اور سورۂ دھر کی تلاوت افضل ہے لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے فضائل تو بہت ہیں۔

روایت ہے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شروع دن میں سورہ یٰس پڑھ لے اس کی تمام ضرورتیں پوری ہوں گی ۲؎ (دارمی مرسلًا)	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی بے مثل عالم اور بے نظیر فقیہ تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء سے بڑا تو کیا ان جیسا عالم وفقیہ نہ دیکھا،سیا رنگ،ایک آنکھ،چپٹی ناک،ایک ہاتھ شل تھا،پاؤں سے لنگڑے تھے،آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے،اٹھاسی سال عمر پائی ۱۱۵ھ میں وفات ہوئی،امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں اگر علم نسب یا دوسری خصوصیات سے ملتا تو عطاء کو نہ ملتا کہ ان میں کوئی ظاہر خصوصیت نہ تھی مگر علم کے خزانے ان کے سینے میں تھے پاک ہے وہ جس کی عطاء کسی کے کمال پر موقوف نہیں۔شعر

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکه شرط قابلیت داد اوست

آپ نے حضرت ابن عباس،ابوہریرہ،ابوسعید خدری،جابر ابن عمر،عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے احادیث لیں اور ان سے فیوض حاصل کئے۔

۲؎ بعض بزرگ نماز فجر کے بعد سورہ یٰس کی تلاوت کرتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے،یہ عمل نہایت مجرب ہے اس کا عامل ان شاءاللہ کبھی فقر و فاقہ یا دیگر آفات میں نہ پھنسے گا۔دفع حاجات کے لیے یہ سورہ اکسیر ہے۔

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار مزنی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رضائے الٰہی کے لیے سورہ یٰس پڑھے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے ۱؎ لہٰذا اسے مرنے والے کے پاس پڑھا کرو۲؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ سورۃ یٰس کااخروی فائدہ ہے بعض اس کی تلاوت کرنے والا دنیاوی آفات سے محفوظ رہے گا اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے ان شاءاللہ کبیرہ گناہ بھی۔(مرقات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں موتی سے مراد وہ ہے جس کی جان نکل رہی ہو،قریب الموت ہو،ایسی حالت میں سورہ یٰس تلاوت کرنے کا عام رواج ہے،اس کی اصل یہ حدیث ہے،چونکہ اس سورۃ سے مشکل بھی حل ہوتی ہے اورگناہ بھی معاف،اس لیے اس وقت سورۂ یٰس پڑھنا نہایت مناسب ہےاور ہوسکتا ہے کہ موتی سے مراد میت ہی ہو،یعنی قبر پر یا دفن سے پہلے سورہ یٰس پڑھا کرو پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں(لمعات و مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورۂ بقر ہے ۱؎اور ہر چیز کا ایک خلاصہ ہے اور قرآن کا خلاصہ مفصّل ہے ۲؎(دارمی)

۱؎ یعنی اونٹ کا حسن اونچے کوہان سے ہے مسجد کا حسن اونچے میناروں سے ہے اور قرآن کا حسن سورۃ بقرہ سے ہےکہ اکثر احکام شرعیہ اسی سورۃ میں ہیں،اور آیات جہاد بھی اسی سورۃ میں ہیں اور جہاد سے اسلام و قرآن سب ہی کی بقاءہے،نیز یہ سورۃ تمام سورتوں سے بڑی ہے۔

۲؎سورۂ **حجرات** سے **والناس** تک کو مفصّل کہتے ہیں،اس کے تین حصے ہیں **حجرات** سے **بروج** تک طوال مفصّل ہے اور **بروج** سے **لم یکن** تک اوساط اور **لم یکن** سے **والناس** تک قصار۔مرقات نے فرمایا کہ بقیہ قرآن کے مضامین توریت و انجیل کے مضامین کے مشابہ ہیں،مگر مفصل کے مضمون بے مثال ہیں،ایسے ہی مفصل ہیں اکثر ان مضامین کی تفصیل کر دی گئی ہے،جو بقیہ قرآن میں اجمالًا مذکور ہوئے،اس لیے اسے خلاصہ قرآن فرمایا گیا۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر چیز کی ایک زینت ہے اورقرآن کی زینت سورہ رحمٰن ہے۱؎

۱؎ چند وجہ سے سورۂ رحمان کو قرآن کی دلہن،زینت،فرمایا گیا اس سورۃ میں اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کا ذکر ہے اور ذات و صفات پر اعتقاد ایمان کی زینت ہے اس سورۃ میں جنت کی حوروں ان کے حسن و جمال ان کے زیورات کا ذکر ہے۔یہ چیزیں جنت کی زینت ہیں،اس سورۃ میں آیۃ کریمہ "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" ستائیس جگہ ارشاد ہوا اس سے سورۃ

کی زینت زیادہ ہوگئی۔خیال رہے کہ عربی میں عروس دولہا کو بھی کہتے ہیں اور دلہن کو بھی یہ عرس سے بنا ہے،بمعنی شادی بارات،چونکہ دولہا دلہن کو نہایت آراستہ پیراستہ کیا جاتا ہے اس لیے پھر یہ لفظ بمعنی زینت و زیبائش استعمال ہونے لگا۔یہاں اسی مجازی معنے میں ارشاد ہوا ہے،جنت میں رب تعالٰی سورۂ رحمان کی تلاوت فرمائے گا جنتی سنیں گے،اس سننے سے جو لذت و سرور حاصل ہوگا،وہ بیان بلکہ گمان سے وراء آج اچھے قاری کی تلاوت سن کر لوگ لوٹ پوٹ ہوجاتے ہیں،تو رب تعالٰی کی تلاوت کیسی ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے تو اسے فاقہ کبھی نہ ہوگا ۱؎ حضرت ابن مسعود اپنی لڑکیوں کو حکم دیتے تھے کہ ہر رات یہ پڑھا کریں ۲؎ یہ دونوں حدیثیں،بیہقی،شعب ایمان میں مروی ہیں۔	

۱؎ بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویلیں کی ہیں کہ اسے فاقہ میں بے صبری نہ ہوگی یا اسے توکل نصیب ہوگا یا اسے دلی فاقہ یعنی عبادت سے غفلت نہ ہوگی،مگر حق یہ ہے کہ حدیث ظاہر پر ہے سورۂ واقعہ ہر رات پڑھنے والا فقرو فاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔یہ عمل بہت مجرب ہے،اللہ تعالٰی نے بعض سورتوں،آیتوں میں دنیاوی فائدے بھی رکھے ہیں تاکہ لوگوں کو تلاوت قرآن کی رغبت ہو مختلف آیتوں میں مختلف دنیاوی تاثیریں بھی رکھی گئی ہیں،(لمعات)

۲؎ تاکہ تلاوت کا ثواب بھی پائیں اور فقرو فاقہ سے محفوظ بھی رہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی نفع و اثر کے لیے بھی قرآن پاک پڑھنا جائز ہے،ہاں ناجائز مقاصد کے لیے قرآن کریم پڑھنا یا کوئی عمل کرنا جرم ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات اور دوسری دعائیں بیماروں پر استعمال فرماتے تھے شفا کے لیے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ سے محبت کرتے تھے **سبح اسم ربك الاعلى** ۱؎(احمد)	

۱؎ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں یہ ہی سورۃ پڑھتے تھے،ویسے بھی اس کی تلاوت زیادہ کرتے تھے اس لیے کہ اس سورۃ میں حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام اور ان کے صحیفوں کا بھی ذکر ہے اورمشکلات آسان کرنے کا بھی وعدہ ہے جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ فتح دنیا و مافیہا سے زیادہ پیاری ہے کہ اس میں فتح مکہ کا وعدہ ہے،مغفرت کی بشارت ہے،مرقات میں اس جگہ فرمایا کہ انسان اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ میں اپنے نفس کا حساب لے کہ میں نے آج کتنے جرم کئے اور کیوں کئے دوسرے حصے میں اللہ تعالٰی کی صنعتوں میں غور کرے،تیسرے حصے میں تلاش معاش کرے اس سورۃ میں یہ تینوں چیزیں صراحۃً یا اشارۃً مذکور ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قرآن	

سکھایئے ۱؎ فرمایا الر والی تین سورتیں پڑھا کرو۲؎ عرض کیا میری عمر بہت ہوچکی دل سخت اور زبان موٹی ہوچکی ۳؎ فرمایا تو حٰمٓ والی تین سورتیں پڑھا کرو۴؎ تو اس نے پھر وہ ہی عذر کیا پھر وہ بولا یا رسول اللہ مجھے کوئی جامع سورۃ سکھایئے ۵؎ تو اسے رسول اللہ نے سورۃ اذا زلزلت پڑھائی حتی کہ اس سے فارغ ہوگئے ۶؎ وہ شخص بولا اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس پر کبھی کچھ زیادتی نہ کروں گا ۷؎ اس نے پیٹھ پھیری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار فرمایا یہ شخص کامیاب بامراد ہوگیا ۸؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی تلاوت قرآن کی اجازت دیجئے یا قرآنی ورد وظیفے بتایئے جو میں پڑھا کروں،یہ مطلب نہیں کہ مجھے قرآنی الفاظ کے ہجے یارواں کرنا سکھایئے جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہورہاہے۔

۲؎ یعنی جن سورتوں کے اول میں الف،لا،را ہے ان میں سے تین سورتیں روزانہ پڑھ لیا کرو،بہت فوائد دیکھو گے۔

۳؎ یعنی یہ سورتیں ہیں لمبی اور بڑھاپے کی وجہ سے میرا دل قابو میں ہے نہ زبان،زیادہ لمبے ورد نہیں پڑھ سکتا بہت زیادہ تلاوت نہیں کرسکتا۔

۴؎ یعنی اگر الر والی دراز سورتیں روزانہ نہیں پڑھ سکتے،تو حم والی سورتیں پڑھ لیا کرو کہ یہ ان سے چھوٹی ہیں۔

۵؎ یعنی ایسی سورۃ بتایئے،جو پڑھنے میں آسان ہوں،الفاظ میں مختصر ہو،فوائد میں جامع ہو کہ بڑی بڑی سورتوں کے فضائل وفوائد رکھتی ہو،جامع سے یہ ہی مراد ہے۔

۶؎ یعنی اس سے یہ سورت سنی اور سن کر اس کے ورد کی اجازت دے دی،حضرات صوفیاء دلائل الخیرات شریف وغیرہ وظیفے مریدوں کو سکھاتے ہیں،پھر ان سے سنتے ہیں،پھر ان کی اجازت دیتے ہیں جس سے ان کی تاثیر بہت زیادہ ہوجاتی ہے،اس سننے اور اجازت دینے کی اصل یہ حدیث بھی ہے کہ اس شخص نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذا زلزلت کے عمل کی اجازت لی،حضور علیہ السلام نے اسے اجازت مرحمت فرمائی کلام کے اثر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی چاہیئے،کارتوس کی طاقت کے ساتھ رائفل کی قوت بھی ضروری ہے۔

۷؎ یعنی صرف اسی سورت کا وظیفہ کیا کروں گا اگرچہ تلاوت سارے قرآن شریف کی کیا کروں گا یہ مطلب نہیں کہ سوائے اسی سورت کے اور کوئی آیت یا سورۃ کبھی نہ پڑھوں گا کہ یہ تو غلط ہے،نماز میں الحمد شریف پڑھنا واجب ہے اور اس کے بعد سورتیں بدل کر پڑھنا بھی ضروری ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مرید شیخ کے بتائے ہوئے ورد وظیفے میں نہ تو زیادتی کمی کرے نہ تبدیلی کرے ورنہ اثر نہ ہوگا۔

۸؎ سورۃ اذازلزلت فضائل و فوائد کے لحاظ سے بھی جامع ہے اور احکام مسائل شریعت و طریقت میں جامع ہے اس کی ایک آیت میں دونوں جہاں جمع ہیں"فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ"۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو جامعہ فاذّہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہر شخص کے آئندہ کے عمل اور اس کے خاتمہ کو جانتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس شخص کے متعلق دو خبریں دیں:ایک یہ کہ اسے اس عمل کے نبھانے کی توفیق ملے گی،دوسرے یہ کہ اس کا انجام بخیر ہوگا۔کیونکہ کامیابی انہیں چیزوں پر موقوف ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تمہارا کوئی یہ کرسکتا کہ روزانہ ہزار آیتیں پڑھ لیا کرے لوگ بولے روزانہ ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے۱؎ فرمایا کیا کوئی یہ نہیں کرسکتا الھکم التکاثر پڑھ لیا کرے۲؎ بیہقی شعب الایمان۔	

۱؎ یعنی ایک دو دن تو آدمی تمام کام بند کر کے ایک ہزار آیتیں پڑھ سکتا ہے،روزانہ نہیں پڑھ سکتا۔ورنہ دوسرے کاموں کے لئے وقت نہ ملے گا ہم لوگ کاروبار بھی کرتے ہیں۔

۲؎ کہ اس کی تلاوت میں ایک ہزار آیتوں کا تلاوت و عمل کا ثواب ہے،قرآن کریم میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیتیں ہیں،کسر کو نکالو تو چھ ہزار آیات رہتی ہیں،اور مقاصد قرآن چھ ہیں،جن میں سے ایک ہے آخرت کی پہچان یہ سورۃ تکاثر میں موجود ہے،اس لئے یہ سورۃ گویا قرآن کریم کا تقریبًا چھٹا حصہ ہے،اس میں غور کرنے سے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے آخرت میں رغبت،جس سے نفس گناہوں سے متنفر اور نیکیوں میں راغب ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے ارسالًا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو قل ھو اللہ احد دس بار پڑھے اللہ اس کے لیے جنت میں محل تیار کرے گا اور جو بیس بار پڑھے اللہ اس کی برکت سے جنت میں دو محل بنائے گا اور جو اسے تیس بار پڑھے اللہ اس کی برکت سے جنت میں تین محل تیار کرے گا ۱؎ حضرت عمر ابن الخطاب نے عرض کیا یارسول اللہ تب تو اللہ کی قسم ہم اپنے محل بہت بنوالیں گے ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس سے بھی زیادہ وسعت والا ہے۳؎ (دارمی)	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ ہر دس بار پر ایک بے مثل محل کا عطیہ ہے،یہ تکرار اس لیے مذکور ہوئی کہ کوئی شخص یہ نہ خیال کر لے کہ محل کی عطا صرف پہلے دس بار پر تو ہے،بعد میں نہیں،وسعت عطا ظاہر فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ جتنے دہا کے" پڑھو گے اتنے ہی محل پاؤ گے۔

۲؎ یہ عرض معروض تعجب کے طور پر ہے کہ اگر رب کی عطا کا یہ حال ہے تو ہم میں سے ہر شخص خوب تلاوت سورۂ اخلاص کیا کرے گا اور خوب محل بنوائے گا۔

۳؎ یعنی اے عمر تم اس عطاء پر تعجب نہ کرو،رب کی جنت بہت وسیع ہے اور اس کی عطاء بہت زیادہ اگر تمام انسان ایمان لاکر ہزارہا بار روزانہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کیا کریں تو ہر ایک کو اسی حساب سے جنتی محل عطا فرمائے گا اور اس کے خزانوں میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کی عطا کے مظہر اتم ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعہ پر معمولی خدمت پر جنت بخش دی۔شعر

جھولیاں کھولے ہوئے یونہی نہ دوڑے آتے	ہم کو معلوم ہے دولت تری عادت تیری

	روایت ہے حضرت حسن سے ۱؎ ارسالًا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک رات میں سو آیتیں پڑھے تو قرآن شریف اس رات کے متعلق اس سے خصومت نہ کرے گا ۲؎ اور جو رات میں دو سو آیتیں پڑھے تو اس کے لیے تمام رات کی عبادت لکھی جائے گی اور جو رات میں پانچ سو سے ہزار آیتوں تک پڑھے تو اسے صبح ہونے پر ثواب کا ڈھیر ملے گا عرض کیا ڈھیر کتنا فرمایا بارہ ہزار ۳؎ (دارمی)

۱؎ محدثین جب حسن مطلق بولتے ہیں،تو حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ مراد ہوتے ہیں جو جلیل القدر تابعی ہیں۔

۲؎ قیامت میں قرآن شریف کی ایک شکل وصورت ہوگی وہ اپنے عاملوں کی شفاعت اور غافلوں کی شکایت کرے گا قرآن کریم کی دو شکایتیں ہوں گی: ایک تو اس کے خلاف عمل کرنے والے کی،دوسرے اس حافظ کی جو قرآن کریم کا دور نہ کرے حتی کہ اسے بھول جائے یہاں دوسری شکایت کا ذکر ہے یعنی جو حافظ ہر شب سو آیتیں تلاوت کرلیا کرے تو قرآن کریم اس حافظ کی یہ شکایت نہ کرے گا،لہذا حدیث بالکل واضح ہے،بلاوجہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں،قرآن سے یہ ہی قرآن مراد ہے جو ہم پڑھا کرتے ہیں اور شکایت سے ظاہری شکایت ہی مراد ہے۔

۳؎ بارہ ہزار درہم یا دینار،یا بارہ ہزار اوقیہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔اور ایک اوقیہ آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ وسیع۔غرضکہ رب تعالٰی کی عطا ہمارے فہم وسمجھ سے وراء ہے۔(مرقات وغیرہ)عربی میں قنطار بہت مال کو کہتے ہیں رب تعالٰی نے فرمایا:"وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا"۔

باب

باب آدابِ تلاوت ا

الفصل الاول

پہلی فصل

ا مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف باب ہے یعنی قرآن کریم کے متعلق متفرق مسائل کا باب اور بعض نسخوں میں "باب اداب التلاوۃ" ہے اور بعض نسخوں میں ہے "باب اداب التلاوۃ ودرس القرآن"۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نگرانی رکھو ا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قرآن رسی میں بندھے اونٹ سے زیادہ بھاگ جانے والا ہے ۲(مسلم،بخاری)	

ا تعاھد عہد سے بنا،بمعنی حفاظت و نگرانی ومضبوط وعدے کو بھی اسی لیے عہد کہتے ہیں کہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے،قرآن شریف کی نگرانی کرنے سے مراد ہے اس کا دورکرتے رہنا،اس کی تلاوت کی عادت ڈالنا،خصوصًا حافظ صاحبان کے لیے ظاہر یہ ہے کہ قرآن سے مراد الفاظ قرآن،معانی قرآن علوم قرآن اور مسائل قرآن سب ہی ہے یعنی حفاظ اپنے حفظ کی،قاری صاحبان تجوید کی،علماءعلوم قرآنیہ کی تجدید و تکرار کرتے رہیں،ورنہ بھول جانے کا اندیشہ ہے۔

۲ عقل عین وقاف کے پیش سے ہے عقال کی جمع،بمعنی رسی جس سے جانور باندھا جاوے،یہاں فی بمعنی من ہے یعنی جیسے اونٹ کو باندھنے کے باوجود اس سے غافل نہیں ہوتے اسی لیے قرآن شریف حفظ کرنے کے باوجود اپنے یاد پر اعتماد نہ کرو،یہ بہت جلد بھول جاتا ہے کیوں نہ ہو کہ کلام الٰہی قدیم اور ہم حادث، ہم کو اس سے نسبت ہی کیا ہے یہ رب تعالٰی کی مہربانی ہے کہ ہم اسے سیکھ لیتے ہیں اور یہ ہمارے ذہنوں میں سما جاتا ہے تو ہماری ذرا سی غفلت اور لاپرواہی سے یہ نعمت ہم سے جاتی رہے گی پان والے ہمیشہ پان کے ڈھیر کو لوٹتے پلٹتے رہتے ہیں،تو قرآن والے ہمیشہ اس کی لوٹ و پلٹ رکھیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا یہ کہنا برا ہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا بلکہ وہ بھلادیا گیا ا اور قرآن یاد کرتے رہو کیونکہ قرآن لوگوں کے سینوں سے وحشی جانور سے بھی زیادہ بھاگ جانے والا ہے	

	۲؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ اپنی رسی سے۔

۱؎ یعنی اگر کسی شخص کو قرآن شریف یا کوئی یاد کی ہوئی سورۃ یا آیت یاد نہ رہے،تو یہ نہ کہے کہ میں بھول گیا کیونکہ اس میں اپنے گناہ کا اعلان ہے اور قرآن شریف کی بے ادبی،اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ میں نے قرآن شریف سے لاپرواہی برتی کہ اسے چھوڑ دیا،اسی لیے بھول گیا،یہ عیب کفار کا ہے"اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی"بلکہ یوں کہے کہ مجھ رب تعالٰی کی طرف سے بھلا دیا گیا،اس کلام میں اظہار حسرت ہے یعنی ہائے افسوس میں اس نعمت سے محروم کردیا گیا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ"۔بجائے اعلان گناہ کے اظہار حسرت کرے کہ اعلان گناہ بھی گناہ ہے اور اظہار حسرت ثواب۔خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشا دہوا"رجل اُوتی ایۃً فَنَسِیَهَا"یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ایک آیت کی تلاوت کرتے سنا تو فرمایا"لَقَدْ اَذْکَرَنِیْ اٰیَۃً کُنْتُ اسْقَطْتُهَا"۔اس جملے کی اور کئی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہترین ہے۔

۲؎ یعنی جیسے شکاری جانور کا وطن جنگل ہے وہ تمہاری قید میں جب تک ہی رہے گا جب تک کہ تم اس کی نگرانی رکھو،یوں ہی قرآن کریم کا وطن عالم بالا ہے وہ تمہارے ذہنوں میں جب تک ہی محفوظ رہے گا جب تک کہ تم اس کی نگہبانی کرتے رہو ورنہ یہ چڑیا اس پنجرے سے اڑ جائے گی۔یہ تجربہ بھی ہے کہ بڑے سے بڑا حافظ یا عالم اگر کچھ دن یہ مشغلہ نہ رکھے تو بھول جاتا ہے اسی لیے علامہ شامی نے فرمایا کہ قاضی کو کچھ روز بعد کتب بینی کے لیے چھٹی دی جائے تاکہ علم قرآن شریف بھول نہ جائے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن والے کی مثال بندھے اونٹ والے کی سی ہے اگر اس کی نگہبانی کرے گا تو اسے روک لے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو بھاگ جائے گا ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اونٹ تو مضبوط رسی سے کھونٹے پر رہتا ہے اور قرآن شریف ہمیشہ دور کرنے اور تکرار کرتے رہنے سے ذہن میں ٹھہرتا ہے،پھر جیسے اونٹ اگر ٹھہر جائے تو بڑے فائدے پہنچاتا ہے،سواری،باربرداری،گوشت، دودھ،نسل،اون وغیرہ سب ہی دیتا ہے ایسے ہی قرآن اگر ذہن میں ٹھہر جائے تو ایمان،عرفان رضائے رحمان وغیرہ سب کچھ اسی سے میسر ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک تمہارا دل لگے قرآن پڑھتے رہو ۱؎ پھر جب ادھر ادھر ہونے لگو تو اس سے اٹھ جاؤ ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ قاعدہ ان خوش نصیب لوگوں کے لیے ہے جن کو قرآن شریف کی تلاوت میں لذت اور حضور قلب میسر ہوتا ہے اور کبھی زیادہ تلاوت کی وجہ سے دل اکتا جاتا ہے،وہ دل لگنے تک پڑھتے رہیں مگر وہ شخص جس کا دل تلاوت میں لگتا ہی نہ ہو وہ دل کو مجبور کرکے تلاوت کرے دل نہ لگنے کے عذر سے تلاوت چھوڑ نہ دے پہلے کچھ دن دل پر جبر کرنا پڑے گا پھر ان شاءاللہ دل لگنے لگے گا جیسا کہ تجربہ ہے۔

۲؎ یعنی کچھ دیر کے لیے تلاوت بند کردو حتی کہ وہ حالت جاتی رہے تمام عبادات کا یہی حال ہے کہ دل لگاکر ادا کرو۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں حضرت انس سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کیسی تھی ۱؎ تو فرمایا مد سے تھی کھینچ کر پھر آپ نے پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ بسم اللہ کو کھینچتے تھے پھر رحمان کو اور رحیم کو کھینچتے تھے ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ تلاوت فرماتے تھے،ٹھہر ٹھہر کر یا جلدی اور تیزی سے تاکہ ہم بھی اسی طرح تلاوت کیا کریں۔معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کریم میں بھی سنت کا لحاظ رکھے ۔کوشش کرے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تلاوت کرے کیونکہ طریقہ تلاوت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی ہی نے سکھایاہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ"۔

۲؎ یہاں مد سے مراد اصلی وطبعی مد ہے کہ اگر الف،ی واو ساکن کو قدرے کھینچ کر نہ پڑھا جائے تو یہ حروف ادا نہیں ہوتے بلکہ زبر،زیر،پیش بن جاتے ہیں اسے مد اصلی کہتے ہیں ایک مد فرعی ہوتا ہے جس کے سبب دو ہیں یا تو ان ہی حروف یعنی الف ی و کے بعد ہمزہ آجائے یا حرف ساکن خواہ مشدد ہو یا غیر مشدد،تو انہیں کھینچ کر پڑھنا پڑتا ہے جیسے لام،میم،نون،کے الف ی واؤ یا دواب یا ضالین کے آ۔یا اسرائیل کا الف ہمزہ خواہ ایک ہی کلمہ میں ان حروف کے بعد واقع ہو جیسے السّماءُ،السُّوْءُ،جِیئَ یا دوسرے کلمہ میں جیسے مآ انزل،قالوا امنا وغیرہ مدّ کی پوری تحقیق کتب تجوید میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کو جتنا خوش الحانی سے تلاوت قرآن کا حکم دیا اتنا کسی اور چیز کا نہ دیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں نبی کریم سے مراد تمام انبیائے کرام ہیں اور قرآن سے مراد تمام آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں یعنی اللہ تعالٰی نے اپنے نبیوں کو جس قدر تاکیدی حکم اس کا دیا کہ اپنی کتب آسمانی خوش الحانی سے پڑھیں اتنا تاکیدی حکم اور دوسری چیزوں کا نہ دیا اور ممکن ہے کہ نبی سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور قرآن سے مراد یہ ہی قرآن

شریف ہو یعنی اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا تاکیدی حکم یہ دیا کہ قرآن کریم خوش الحانی سے تلاوت کریں اتنا تاکیدی حکم دوسرا نہ دیا کیونکہ خوش الحانی قرآن کریم کی زینت ہے جس سے قرآن کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کسی چیز کا اتنا حکم نہ دیا جتنا نبی کو خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کا حکم دیا ۱	

۱؎اس کی شرح ابھی اوپر والی حدیث میں گزر گئی،**تغنی بالقرآن** کے معنے ان شاءاللہ ابھی اگلی حدیث میں عرض کئے جائیں گے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ۱(بخاری)	

۱؎ **یتغن** یا تو **غناءٌ** سے بنا ہے بمعنی خوش الحانی اور اچھے لہجے سے پڑھنا یا **غنا** سے بنا بمعنی بے پرواہی بے نیازی یعنی جو شخص قرآن شریف خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے۔معلوم ہوا کہ بری آواز والا بھی بقدر طاقت عمدگی سے قرآن شریف پڑھے کہ خوش آواز ہی قرآن کریم کا زیور ہے،جس سے تلاوت میں کشش پیدا ہوتی ہے لوگوں کے دل مائل ہوتے ہیں۔اس لیے یہ تبلیغ کا ذریعہ ہے یا جسے اللہ قرآن کا علم دے اور وہ لوگوں سے بے نیاز نہ ہوجائے بلکہ اپنے کو ان کا محتاج سمجھے وہ ہمارے طریقہ یا ہماری جماعت سے خارج ہے عالم صرف اللہ رسول کا محتاج ہے اور باقی مخلوق عالم دین کی حاجت مند ہے،اس لیے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھ کر بھیک مانگنا یا علما کا مالداروں کے دروازوں پر ذلت سے جانا ممنوع ہے،اللہ تعالٰی علمائے دین کو کفایت بھی دے قناعت بھی۔(از لمعات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ منبر پر تھے میرے سامنے تلاوت کرو۱میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے کیا پڑھوں آپ پر ہی تو قرآن اترا ہے ۲؎ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے سے سنوں۳؎میں نے سورۂ نساء پڑھی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچ گیا کہ کیا ہوگا جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے ۴؎فرمایا اب بس کرو میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشک بار تھیں۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی تم قرآن پڑھو میں سنو۔شعر

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں　　　　　گفتہ آید از حدیث دیگراں

معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھنا،پڑھوانا،سننا،سنانا سب عبادت اور سنت رسول ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پڑھوانا نہ تو تعلیم کی لیے تھا نہ اصلاح کے لیے بلکہ صرف سننے کے لیے تھا۔

۲؎ یعنی حضور آپ کو تو حضرت جبریل قرآن سناتے ہیں تو میری کیا حقیقت ہے،یا قرآن کریم حکمت ہے حضور حکیم ہیں،جنہیں اللہ عزیز حکیم نے سکھایا،حکمت حکیم کے منہ سے سجتی ہے،میرا حضور کے سامنے پڑھنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔

۳؎ کیونکہ قرآن پڑھنا بھی عبادت ہے اور دوسرے سے پڑھواکر سننا بھی،پہلی عبادت تو ہم کرتے رہتے ہیں،آج چاہتے ہیں کہ دوسری عبادت بھی ادا کریں،عرب شریف میں اب بھی دستور ہے کہ جہاں چند احباب جمع ہوتے ہیں تو وہاں ایک دوسرے سے قرآن شریف سنتے ہیں،یہ اس حدیث پر عمل ہے۔

۴؎ یعنی اے محبوب قیامت کے دن ان کفار کا کیا بنے گاجب کہ ان کے انبیاء ان کے خلاف گواہی دیں گے اور اے محبوب تم ان تمام انبیاء کی تائیدی گواہی دو گے کہ مولیٰ یہ سارے انبیاء سچے ہیں ان کی قوموں نے واقعی بہت سرکشی کی تھی اپنے نبیوں کی بات نہ مانی تھی،اس آیت کریمہ کی نفیس تفسیر ہماری کتاب "شان حبیب الرحمان"اور "تفسیر نعیمی"میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی یا تو ہیبت الٰہی سے قیامت کے اس مقدمہ کے تصور سے یا اپنی امت پر رحمت کی وجہ سے۔مرقات نے فرمایا کہ اس آیت پر بعض لوگ بے ہوش ہوگئے اور بعض حضرات مر بھی گئے۔معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھ کر یا سن کر رونا سنت ہے بشرطیکہ بناوٹ سے نہ ہو۔بیہقی شریف میں ہے کہ قرآن کریم غم و رنج لیے ہوئے آیا ہے،اس لیے تم اس کی تلاوت پر روؤ(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے قرآن پڑھوں ۱؎ عرض کیا کہ اللہ نے میرا نام لیا فرمایا ہاں عرض کیا کیا رب العلمین کی بارگاہ میں میرا ذکر ہوا ۲؎ فرمایا ہاں تو آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے ۳؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مجھے اللہ نے حکم دیا کہ تم پر"لم یکن الذین کفروا"تلاوت کروں عرض کیا گیا رب تعالیٰ نے میرا نام لیا فرمایا ہاں ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں یا سورتیں خصوصیت سے تم کو سناؤں اگرچہ عمومًا ہر مسلمان کو سنانا احکام بتانا ہمارا تبلیغی فریضہ ہے۔معلوم ہوا کہ کسی خاص شخص کو قرآن پاک سنانا بھی سنت ہے۔

۲؎ یہ سوال تعجب کے لیے ہے کہ کیا مجھ جیسے عاجز مسلمان کا نام بھی رب تعالیٰ نے آپ کے سامنے عزت کے ساتھ لیا۔کیا میں ایسا خوش نصیب انسان ہوں سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں ایک تعجب بھی ہے۔

۳؎ یہ رونا انتہائی خوشی کا تھا اور اس اندیشہ کی بنا پر تھا کہ میں عاجز انسان اتنی بڑی نعمت کا شکریہ کس طرح ادا کرسکوں گا۔حضرت ابی ابن کعب نے قرآن سیکھنے میں بڑی محنت کی تھی حتی کہ آپ تمام صحابہ میں بڑے پائے کے قاری تھے اسی بنا پر رب تعالٰی نے فرمایا کہ اے محبوب چونکہ دنیا ان سے قرأت سیکھے گی لہذا آپ خصوصیت سے انہیں قرأت سنائیں آپ میرے شاگرد اعلیٰ ہیں یہ آپ کے شاگرد رشید ہوں۔

۴؎ خصوصیت سے یہ سورہ تلاوت فرمانے کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ حضرت ابی ابن کعب علمائے یہود سے تھے اور اس سورۃ میں علمائے اہل کتاب کا ذکر ہے اس کے سننے سے ان کا ایمان اور بھی قوی ہوگا،اس حدیث سے حضرت ابی ابن کعب کی عظمت کا پتہ لگا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ افضل مفضول کو مفضول افضل کو قرآن کریم سکھائے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی زمین میں قرآن کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرمایا ۱؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ قرآن لے کر سفر نہ کرو کہ مجھے اطمینان نہیں کہ اسے دشمن لے لے ۲؎	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ قرآن شریف سے مراد یہ ہی لکھا ہوا قرآن مجید ہےاور دشمن سے مراد کفار حربی ہیں اور جانے سے مراد وہ جانا ہے جس میں کفار سے قرآن کریم کی بے حرمتی کا اندیشہ قوی ہو لہذا اگر لشکر اسلام قرآن شریف لے کر دارالحرب میں جائے یا اکیلا مسلمان کفار کی امن لے کر وہاں جائے یا جو مسلمان کفار کی رعایا بن کر ان کے ملک میں رہتے ہوں اور ان کے پاس قرآن شریف ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ان صورتوں میں قرآن کی بے حرمتی کا قوی اندیشہ نہیں لہذا اب قرآن کریم کے پارسل کفار کے ملک میں بھیجنے یا خود کفار کے ہاتھ قرآن پاک فروخت کرنا یا کفار کے خط میں قرآنی آیت لکھنا یا انہیں قرآن سنانا سب کچھ جائز ہے کہ یہ تبلیغ ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں قرآن سے مراد حافظ قرآن ہیں یا وہ صحیفے جن میں زمانہ صحابہ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔مقصد یہ ہے کہ آج کل حافظ قراء اکیلے دشمن کے ملک میں نہ جائیں کہ اگر یہ شہید کردیئے گئے تو قرآن مجید ضائع ہوجائے گا یا یہ صحیفے لے کر دشمن کے ملک میں اکیلے نہ جاؤ کہ اگر یہ برباد ہوگئے تو قرآن کریم کا بہت حصہ جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔لمعات و مرقات نے فرمایا کہ اس میں غیبی خبر ہے کہ آئندہ قرآن کریم کتابی شکل میں جمع ہوگا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کتابی شکل میں نہ تھا۔

۲؎ اور لے کر اس کی توہین کرے یا تم کو واپس نہ دے یا اسے پھاڑ دے یا جلا دے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں کمزور مہاجروں کی جماعت میں بیٹھا تھا ۱؎ وہ حضرات	

برہنگی کے باعث بعض بعض کی آڑ لیتے تھے ۲؎ ایک قاری ہم پر تلاوت کررہے تھے ۳؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم کھڑے ہوگئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو قاری خاموش ہوگئے حضور نے سلام کیا ۴؎ پھر حضور نے فرمایا تم کیا کررہے تھے ۵؎ ہم نے عرض کیا ہم اللہ کی کتاب بغور سن رہے تھے ۶؎ فرمایا شکر ہے اس خدا کا جس نے میری امت میں وہ لوگ پیدا کئے جن کے ساتھ رہنے کا مجھے حکم دیا گیا پھر ہمارے درمیان ۷؎ تشریف فرما ہوگئے تاکہ اپنے کو ہمارے برابر رکھیں ۸؎ پھر ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ یوں ہوجاؤ لوگ حلقہ بن گئے کہ سب کے چہرے حضور کے سامنے ہوگئے ۹؎ فرمایا اے فقراء مہاجرین کی جماعت تمہیں قیامت کے دن کے مکمل نور کی بشارت ہو ۱۰؎ تم جنت میں مالداروں سے آدھا دن پہلے جاؤ گے یہ آدھا دن پانچ سو سال ہیں ۱۱؎ (ابو داؤد)	

۱؎ یعنی صفہ والے صحابہ کے ساتھ جو تقریبًا ستر تھے جنہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کے لیے وقف کردیا تھا۔

۲؎ یعنی ان کی غریبی و افلاس کا یہ حال تھا کہ بعض کے جسم پر بقدر تن پوشی بھی پورا کپڑا نہ تھا۔تو وہ دوسرے کی آڑ میں بیٹھا تھا کہ کچھ ستر پوشی ہو جائے اللہ اکبر۔شعر

یہ وہ تھے جن سے حق کا بول بالا ہونے والا تھا یہ وہ تھے جن سے دنیا میں اجالا ہونے والا تھا

۳؎ یعنی اس جماعت میں ایک قاری تلاوت قرآن کررہے تھے باقی تمام سن رہے تھے سب یک دم نہ پڑھتے تھے کہ یہ ممنوع ہے۔

۴؎ یعنی جب قاری خاموش ہوگیا،تب آپ نے سلام کیا،اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کسی دینی بزرگ کی تشریف آوری پر تلاوت بند کردینا،ان کے احترام کے لیے خاموش ہوجانا بالکل جائز بلکہ سنت صحابہ ہے،بلکہ قرآن مجید بند کرکے اس کی تعظیم کو کھڑا ہوجانا بھی درست ہے۔صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب عین نماز میں کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر مصلے امامت سے پیچھے ہٹ کر مقتدی بن گئے۔دوسرے یہ کہ آنے والا بحالت تلاوت سلام یا کلام نہ کرے جب تلاوت بند ہوجائے تب سلام کرے۔تیسرے یہ کہ اگر آتے وقت سلام کا موقع نہ ہو تو بعد میں بھی آمد کا سلام کرنا جائز ہے۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال اگلی خوشخبری کی تمہید ہے،ورنہ سرکار نے ان کی تلاوت سن لی تھی اور ان کی حالت دیکھ لی تھی،جیسے رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔

۶؎ برکت اور لذت ایمانی کے لیے تلاوت قرآن بہترین مشغلہ ہے،اللہ نصیب کرے،اس سے انسان دنیا کے سارے غم بھول جاتا ہے یہ ہی تاثیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پڑھنے لکھنے اس کی شرح کرنے میں ہے فقیر کا تجربہ ہے۔

۷؎ یعنی میری امت و صحابہ میں ایسے فقراء و مساکین پیدا کئے جو رب تعالٰی پر متوکل قرآن کے حامل ہیں اور مجھے حکم دیا کہ محبوب تم ان ہی غریبوں میں رہو کہ "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ" الایہ۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی ان ہی مساکین کے سینوں میں رہتے ہیں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنا ہے تو ان سینوں میں تلاش کرو ان کے سینے رحمت کے گنجینے ہیں مدینے ہیں۔

۸؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں ہم میں اس طرح بیٹھ گئے کہ ہم سب قرب میں یکساں ہوگئے نہ اونچی نشست پر جلوہ فرما ہوئے نہ ہم سے علیحدہ ہم فقراء کے زمرے میں ہم مساکین کے حلقہ میں ایسے بیٹھ گئے جیسے تاروں کے درمیان چاند قربان اس حلقہ پر یہ حلقہ ملائکہ سے افضل تھا۔

۹؎ تاکہ سب پر حضور کی نظر رحمت یکساں پڑے یہ رب تعالٰی کے اس فرمان پر عمل تھا "وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ"۔شعر

جو ہم واں ہوتے خاک گلشن،لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

عام مجلسوں میں حلقہ بنانا افضل ہے،نماز و جہاد میں صف بنانا بہتر۔

۱۰؎ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن فقراء مسلمین کا نور مسلمان مالداروں سے زیادہ ہوگا،کیونکہ صبر کا نور شکر کے نور سے قوی تر ہے،جیسے چاند کے نور سے سورج کا نور قوی ہے۔

۱۱؎ یعنی قیامت کا دن ایک ہزار سال کا اس کا آدھا پانچ سو سال ہوگا مالداروں کو حساب دینے میں دیر لگے گی،مگر ان فقراء سے وہ لوگ مراد ہیں جو صابر متقی ہوں،اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ فقیر صابر،غنی شاکر سے افضل ہے،یہ گفتگو ایک درجہ کے فقراء و اغنیاء میں ہے،ورنہ غیر صحابی فقیر صحابی کے قدم کی خاک کو نہیں پہنچ سکتا،یوں ہی خلفائے راشدین تک ان کے ماتحت حضرات نہیں پہنچ سکتے لہذا عثمان و زبیر ابن عوام وغیرہم بہت اونچی شان والے ہیں کہ یہ حضرات بے حساب جنتی ہیں نہ ان کا حساب ہوگا نہ انہیں دیر لگے گی۔خیال رہے کہ قیامت کا دن ہے تو ایک ہزار سال کا،مگر کفار کو پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا اور بعض خاص مؤمنین کو چار رکعت نماز کی بقدر۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے زینت دو ۱؎(احمد،ابن ماجہ،دارمی)۲؎	

ا یعنی خوش الحانی اور بہترین لہجے غمگیں آواز سے تلاوت کرو اور ہر حرف کو اس کے مخرج سے صحیح اداکرو مگر گا کر تلاوت کرنا جس سے مد شد میں فرق آجائے حرام ہے۔

۲ اسے نسائی،ابن حبان حاکم نے بھی روایت کیا،ان میں یہ بھی ہے کہ اچھی آواز قرآن کا زیور ہے۔

حکایت:ایک بار حضرت عبداللہ ابن مسعود کسی مجلس پر گزرے جہاں ایک گویا بہت اچھی آواز سے گا رہا تھا آپ نے فرمایا کاش یہ آواز قرآن شریف پر استعمال ہوتی یہ خبر گویے کو پہنچی اس نے سچی توبہ کی اور حضرت ابن مسعود کے ساتھ رہنے لگا حتی کہ قرآن کریم کا عالم و قاری ہوگیا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سعد ابن عبادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں جو قرآن پڑھ کر بھلا دے مگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی سے کوڑھی ہو کر ملے گا ا(ابوداؤد،دارمی)

ا اس حدیث کی بہت شرحیں کی گئیں جن میں قوی تر یہ ہے کہ جو شخص قرآن شریف پورا یا اس کی کوئی سورۃ حفظ کرے،پھر اس کا دور چھوڑ دے،جس سے وہ بھول جائے،تو یہ شخص قیامت میں کوڑھی اٹھے گا،اس کی کوڑھ اس کے اس جرم کی ملامت ہوگی۔جس سے سب لوگ پہچان لیں گے،بعض نے فرمایا کہ اجذم سے مراد دانت گرا ہوا ہے،بعض کا خیال ہے کہ اجذم سے مراد مقطوع الدلیل ہے جو رب تعالٰی کے سامنے بول نہ سکے وغیرہ مگر پہلی تفسیر اعلٰی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم کرے وہ سمجھے گا نہیں ا(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

ا یعنی جو شخص ہمیشہ تین دن سے کم میں ختم قرآن کیا کرے،وہ جلدی تلاوت کی وجہ سے نہ تو الفاظ قرآن صحیح طور پر سمجھ سکے گا اور نہ اس کے ظاہری معنے میں غور کرسکے گا۔خیال رہے کہ یہ حکم عام مسلمانوں کے لیے ہے کہ وہ اگر بہت جلدی تلاوت کریں،تو زبان لپٹ جاتی ہے حرف صحیح ادا نہیں ہوتے خواص کا حکم اور ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک ایک رکعت میں پانچ پانچ چھ چھ پارے پڑھ لیتے تھے۔حضرت عثمان غنی نے ایک رات میں ختم قرآن کیا ہے،داؤد علیہ السلام چند منٹ میں زبور ختم کرلیتے تھے،حضرت علی گھوڑا کسنے سے پہلے ختم قرآن کرلیتے تھے۔مرقات نے فرمایا کہ شیخ موسیٰ سدوانی شیخ ابو مدین کے اصحاب میں سے تھے ایک دن و رات میں ستر ہزار ختم کرلیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے کعبہ معظّمہ میں سنگ اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر پہنچ کر ختم قرآن فرمالیا اور لوگوں نے ایک ایک حرف سنا،ارواح ثلثہ میں مولوی اشرف علی صاحب نے اس کی تصدیق کی کہ مولوی محمد اسماعیل خان دہلوی نے ایک بار نماز عصر کے بعد سے نماز مغرب تک پورا قرآن ختم کیا کہ ہر حرف الگ الگ سنا گیا،لہٰذا اس حدیث کی بنا پر نہ تو مروجہ شبینوں کو حرام کہا جاسکتا ہے اور نہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان صحابہ کرام پر اعتراض کیا جاسکتا ہے جو ایک دن و رات میں پورا ختم کرلیتے تھے کہ یہ حکم عوام مسلمانوں کے لیے ہے جو اس قدر جلد قرآن شریف پڑھنے میں درست نہ پڑھ سکیں۔ختم قرآن میں عام بزرگوں کے طریقے مختلف رہے ہیں،بعض ایک ماہ میں ایک ختم کرتے تھے، بعض ایک ہفتہ میں ایک ختم، فہی

بشوق کی منزلوں کے لحاظ سے پہلی منزل سورہ فاتحہ پر شروع ہوتی تھی،دوسری مائدہ پر تیسری یونس پر چوتھی بنی اسرائیل پر پانچویں شعراء پر چھٹی والذاریٰت پر،ساتویں سورۂ قٓ پر بعض حضرات تین دن میں۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا خفیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

۱؎یعنی دونوں طرح تلاوت جائز اور باعث ثواب ہے،جیسے دونوں طرح کا صدقہ خفیہ و علانیہ باعث ثواب ہے۔ رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ"مگر بعض حالات میں بلند تلاوت افضل ہے کہ اس سے دل بیدار ہوتا ہے دوسروں کو تلاوت کا شوق پیدا ہوتا ہے،نیند بھاگتی ہے شیطان دفع ہوتا ہے رحمان راضی ہوتا ہے،اور بعض حالات میں آہستہ تلاوت افضل ہے جب کہ تلاوت میں ریا کا اندیشہ ہو،یا کسی نمازی وغیرہ کو تکلیف ہو(مرقات و شامی)یہ اختلاف احکام ان تلاوتوں میں ہے جن میں جہر یا اخفاء واجب نہ ہو،ورنہ نماز ظہر و عصر میں اخفاء اور فجر وغیرہ میں جہر واجب ہے۔(لمعات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت صہیب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص قرآن پر ایمان ہی نہ لایا جو اس کے محرمات کو حلال جانے ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ۲؎

۱؎یعنی تلاوت قرآن جب مفید ہے جب کہ اس کے احکام پر ایمان ہو،ایمان کے بغیر نہ تلاوت مفید ہے نہ قرآن ساتھ رکھنا اگرچہ سارے ہی محرمات کو حرام ماننا ضروری ہے،مگر چونکہ قرآن کریم بہت عظمت والا ہے،اس لیے خصوصیت سے اسی کا ہی ذکر فرمایا حلال و حرام پر ایمان نہ لانے والا کافر ہے پھر تلاوت کا ثواب کیسے پائے،غذا،دوا،زندہ کو مفید ہے نہ کہ مردے کو۔

۲؎اگرچہ حدیث بعض راویوں کی وجہ سے قوی نہ ہو،مگر قرآن مجید اس کی تائید فرمارہا ہے۔فرمایاہے:"اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُھُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ھُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّھُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا"۔

	روایت ہے حضرت لیث ابن سعد سے وہ ابوملیکہ سے وہ یعلٰی ابن مملک سے راوی ۱؎کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت قرآن کی

	متعلق پوچھا تو آپ حضور کی قرأۃ اس طرح بتانے لگیں کہ ایک ایک حرف الگ الگ ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎لیث ابن سعد مشہور تابعی فقیہ ہیں،مصر کے امام ہیں اور ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں مکہ معظّمہ کے قاضی تھے حضرت ابن زبیر کی طرف سے،آپ نے تیس صحابہ سے ملاقات کی ہے،یعلی ابن مملک بھی تابعین میں سے ہیں۔

۲؎یعنی حضرت ام سلمہ نے خود قرأت کرکے سنائی تو اس قرأت شریف میں دو خوبیاں تھیں ایک تو نہایت ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تھی،دوسرے ہر حرف اپنے مخرج سے صحیح ادا ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی قاریہ تھیں،ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأۃ کی نقل نہ کرسکتیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجھے ترتیل سے ایک سورۃ تلاوت کرنا بغیر ترتیل کے سارا قرآن پڑھنے سے زیادہ پسند ہے،زیادہ حسن اچھا ہے،ایک موتی،ہزار ہا روپیہ سے بہتر ہوتاہے۔

	روایت ہے حضرت ابن جریج سے وہ ابن ابو ملیکہ سے وہ حضرت ام سلمہ سے راوی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے تھے۱؎اس طرح کہ پڑھتے الحمد للہ رب العلمین پھر ٹھہر جاتے پھر پڑھتے الرحمن الرحیم پھر ٹھہر جاتے ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد مسلسل نہیں۳؎کیونکہ یہ حدیث لیث نے ابن ابی ملیکہ سے انہوں نے یعلی ابن مملک سے انہوں نے ام سلمہ سے روایت کی لیث کی حدیث زیادہ صحیح ہے۴؎

۱؎یعنی ہر آیت پر ٹھہرکر سانس توڑ دیتے تھے،پھر دوسری آیت تلاوت فرماتے تھے،سکتہ اور وقف میں یہ ہے فرق ہےکہ وقف میں سانس توڑ دی جاتی ہے پھر ٹھہرا جاتا ہے مگر سکتہ میں ٹھہرتے تو ہیں سانس نہیں توڑتے۔

۲؎قراء کہتے ہیں کہ وقف تین قسم کا ہے:وقف حسن،وقف کافی،وقف تام الرحمن الرحیم پر وقف کافی ہے،وقف حسن نہیں۔بہتر یہ ہے کہ ملك یوم الدین پر وقف کرے اسی طرح رب العلمین پر وقف تام تو ہے حسن نہیں۔وقف حسن یہ ہے کہ الحمد سے شروع کرکے یوم الدین پر ٹھہرے،ہمارے ہاں لوگ رب العلمین پر وقف کو سخت برا جانتے ہیں یہ بھی درست نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ہاں یہ کہو کہ بہتر نہیں۔

۳؎کیونکہ ابن ابی ملیکہ نے حضرت ام سلمہ سے ملاقات نہیں کی،لہذا درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گئے حدیث منقطع ہے۔

۴؎خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ سے لیث ابن سعد نے بھی روایت کی ہے اور جریج نے بھی مگر لیث ابن سعد کی روایت صحیح تر ہے کہ اس میں کوئی راوی چھوٹا نہیں،ام سلمہ سے پہلے یعلی ابن مملک کا ذکر ہے اور جریج کی روایت

میں راوی چھوٹ گیا ہے یہ مقطع ہے،لیث ابن سعد بہت ثقہ تھے،انہوں نے ابن ابی ملیکہ عطاء زہری سے روایات لیں۔اور ان سے بہت محدثین نے،انہیں بیس ہزار دینار کی سالانہ آمدنی تھی،مگر ان پر کبھی زکوۃ واجب نہ ہوئی،نیز اس حدیث کا متن بلاغت و لہجہ کے بھی خلاف ہے کہ الرحمن الرحیم پر وقف بہتر نہیں۔(مرقات وغیرہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے جب ہم قرآن پڑھ رہے تھے عربی اور عجمی سب ہی تھے ۱؎ فرمایا پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہو ۲؎ کچھ قومیں ایسی ہوں گی جو تلاوت کو ایسے درست کریں گی جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے ۳؎ دنیا میں اجرت لیں گے آخرت کے لیے نہ رکھیں گے ۴؎(ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی اس مجلس میں شہری صحابی بھی تھے اور دیہات کے باشندے بھی عربی و اعرابی میں یہ ہی فرق ہے کہ عربی عام ہے اعرابی خاص اہل دیہات اور عربی بھی تھے بیرون عرب کے بھی کہ بلال حبشہ کے تھے،سلمان فارس کے،صہیب روم کے رضی اللہ عنہم غرض کہ شعر

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

۲؎ یعنی قرآن شریف عجمی،عربی،شہری،بدوی سب کے لیے آیا ہے،سب ہی تلاوت کیا کرو عجمی یہ خیال نہ کریں کہ چونکہ ہمارا لہجہ عرب کا سا نہیں ہوسکتا لہذا ہم تلاوت ہی چھوڑ دیں،جو لہجہ بن پڑے اس میں پڑھو۔ہاں صحیح پڑھو لہجے کا اعتبار نہیں صحت کا اعتبار ہے اور اخلاص کا ثواب۔شعر

مادروں رابنگریم وحال را ما بروں را ننگریم وقال را

۳؎ یعنی آخری زمانہ میں محض ریاء و نمود کے لیے قرآن کا لہجہ درست کرنے میں بہت تکلفات کریں گے مگر ثواب سے محروم رہیں گے اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۴؎ یعنی ان کی یہ تمام محنتیں صرف لہجہ حسین کرنے کے لیے ہوں گی تاکہ دنیا دار پسند کریں،واہ واہ ہو،پیسے خوب ملیں اخلاص نہ ہوگا پھر ثواب کیسے پائیں،جان کی قیمت ہوتی ہے نہ کہ محض قالب کی،ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے اللہ تعالٰی اخلاص نصیب کرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی ان کی محنت پر نہیں بلکہ ریاء و نمود پر ہے۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید عربی لہجوں اور عربی آوازں سے پڑھو ۱؎ عشق والوں کی راگنیوں اور توریت و

انجیل والوں کے لہجوں سے بچو ۲؎ہمارے بعد وہ قومیں آئیں گی جو قرآن میں ایسی گلے بازیاں کریں گے جیسے گانے اور نوحے میں۳؎قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۴؎ ان کے اور انہیں پسند کرنے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہوں گے ۵؎(بیہقی شعب الایمان)اور رزین نے اپنی کتاب میں۔	

۱؎اہل عرب کی تلاوت میں صرف آواز کی عمدگی،مخارج کی صحت،اداء الفاظ کی نفاست ہوتی ہے تکلف اور موسیقی کے طریقوں سے خالی،چونکہ قرآن شریف عربی ہے اسے عربی طریقے سے پڑھو،لحن کے معنے ہیں خوش و طرب اور آواز کی لچک و لہر۔

۲؎یعنی نہ تو قرآن گیت کے نغموں سے گاؤں جیسے عشاق گویے ٹھمری،داد رے وغیرہ گاتے ہیں اور نہ ایسے تکلفات سے پڑھو جیسے یہود و نصاری توریت و انجیل پڑھتے ہیں جن سے اصل عبارت بگڑ جاتی ہے جہاں مدنہ ہو وہاں پیدا ہوجاتاہے جہاں شد ہو وہاں نہیں رہتا۔الف زبر بن جاتا ہے زبر الف وغیرہ،فقیر نے بعض قوالوں کو قرآنی آیات طبلے سارنگی پر نغموں کی طرح سے گاتے سنا کہ ان کے گیتوں میں آیتیں ہیں انہیں باجوں پر گاتے ہیں۔

۳؎یعنی قرآن میں گلے بازیاں،راگ راگنی و آوازیں بھرانے سے کام لیں گے اسے گیت یا قوالی کا شعر بنادیا کریں گے،جیسا کہ آج دیکھا جارہا ہے اس غیب دان نبی نے پہلے ہی اس کی خبر دے دی تھی۔

۴؎یعنی صرف زبان پر قرآن کے الفاظ ہوں گے دل پر قرآن کا کوئی اثر نہ ہوگا ایمان میں تازگی نہ پیدا ہوگی نہ ان کے سامعین کے کیونکہ جو منہ سے نکلتا ہے وہ کان پر گرتا ہے جو دماغ سے نکلتا ہے وہ دماغ پر گرتا ہے۔جو دل سے نکلتا ہے وہ دل پر گرتا ہے۔

۵؎یعنی خود ان کے اور سامعین کے دل اس تلاوت سے فائدہ نہ اٹھائیں گے بلکہ الٹا نقصان۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن بڑھا دیتی ہے ۱؎(دارمی)	

۱؎اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ ہر شخص کی آواز اس کے لحاظ سے ہوگی،ایک ہی شخص اپنی آواز بری بھی نکال سکتا ہے اور کچھ اچھی بھی تو قرآن کی تلاوت میں اچھی آواز استعمال کرو یہ مطلب نہیں کہ جس کی آواز اچھی نہ ہو وہ تلاوت قرآن ہی نہ کرے،حضرت بلال اسی موٹی آواز سے ہی اذان و تلاوت کرتے تھے رب تعالٰی کو وہ ہی پیاری تھی کہ وہاں دل کی آواز سنی جاتی ہے۔شعر

گفت ہا تف بازاز بانگ بلال　　　　خوش شدے بر عرش رب ذوالجلال

مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھوتاکہ سننے والوں کو قرآن کی طرف میلان ہو یہ نہ ہو کہ شعر

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی ‏ ‏ ‏ ‏ میروی رونق مسلمانی

یا اس اچھی آواز کامطلب وہ ہے جو اگلی حدیث میں آرہا ہے یعنی دور والی آواز جو درد دل کا پتہ دے،خشوع و خضوع ظاہر کرے۔

	روایت ہے حضرت طاؤس سے ارسالًا فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون شخص قرآن میں خوش آواز اور اچھی قرأت والا ہے۱؎فرمایا وہ جسے تم جب قرآن پڑھتے سنو تو محسوس کرو کہ وہ اللہ سے ڈررہا ہے ۲؎طاؤس فرماتے ہیں کہ طلق ایسے ہی تھے ۳؎(دارمی)

۱؎سبحان اللہ! کیا پیارا سوال ہے مقصد یہ ہے کہ لوگ اچھی آواز تو سریلی رسیلی آواز کو سمجھتے ہیں اور نغمہ والی تلاوت کو اچھی تلاوت سمجھتے ہیں،سرکار نے جو اچھی آواز میں تلاوت قرآن کا حکم دیا ہے کیا اس سے بھی یہ ہی مراد ہے یا کچھ اور۔

۲؎یہ حدیث تمام ان احادیث کی شرح ہے جس میں اچھی آواز،اچھی تلاوت کا حکم دیا گیا یعنی درد دل والی اداء اور خوف خدا والی قرأت اچھی ہے نفس آواز باریک ہو یا موٹی بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ ان کی آواز موٹی تھی مگر ان کی تلاوت سے خود ان کے اور سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے دل کانپ جاتے تھے،اللہ تعالٰی ایسی تلاوت نصیب کرے۔آمین!

۳؎یعنی طلق ابن علی ابن عمرو نخعی یمامی اسی طرح تلاوت کرتے تھے کہ خدا یاد آجاتا تھا،آپ قیس ابن طلق یمانی کے والد ہیں مشہور صحابی ہیں حضرت طاؤس نے ان سے ملاقات کی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبیدہ ملیکی سے ان کو جناب مصطفٰے کی صحبت میسر تھی ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نےاے قرآن والو ۲؎قرآن کو تکیہ نہ بناؤ ۳؎ اور دن رات اس کی تلاوت کرو جیسا کہ تلاوت کا حق ہے ۴؎ اور قرآن کا اعلان کرو اسے خوش آوازی سے پڑھو اس کے معنے میں غور کرو تاکہ تم کامیاب ہو۵؎اور اس کا ثواب جلدی نہ مانگو کہ اس کا ثواب بہت ہے۶؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ جملہ معترضہ ہے اور امام بیہقی کا قول ہے،یعنی عبیدہ ملیکی صحابی ہیں کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہے۔خیال رہے کہ صحابی بننے کے لیے ایک آن کی صحبت یا ایک نظر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا کافی ہے مگر تابعیت کے لیے صحابی کے ساتھ رہنا فیضان صحبت حاصل کرنا ضروری ہے۔

۲؎ اصطلاح میں اہلِ قرآن ہر قرآن کے ماننے والے پڑھنے والے اس پر عمل کرنے والے کو کہتے ہیں اور اہل حدیث وہ خاص جماعت ہے جو اپنی زندگی علم حدیث حاصل کرنے اور سکھانے میں گزار دے یعنی محدث،نہ تو اہل قرآن سے چکڑالوی منکر حدیث مراد ہوتے ہیں نہ لفظ اہل حدیث سے موجودہ وہابی منکر فقہ مراد ہوتے ہیں یعنی اے قرآن ماننے والے مسلمانو۔

۳؎ یعنی قرآن شریف پر سر رکھ کر نہ لیٹو کہ یہ بے ادبی ہے قرآن سے بے فکر نہ ہوجاؤ کہ اس کی تلاوت میں سستی کرو،اس پر عمل نہ کرو دوسرے معنی قوی ہیں،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ اس جملہ میں دو حکم ہیں ہمیشہ قرآن پڑھنا اور درست پڑھنا،قرآن کا حق تلاوت یہ ہے کہ اس کی تلاوت صحیح طریقہ سے کرے اور اس پر عمل کرے رضائے الٰہی کے لیے پڑھے نہ کہ محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ"الایہ۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ قرآن کریم پر تکیہ لگانا اس کی طرف پاؤں پھیلانا اس پر کوئی اور کتاب رکھنا اس کی طرف پیٹھ کرنا اسے پھینکنا وغیرہ سخت منع ہے قرآن کریم کو چومنا،سرپر رکھنا مستحب ہے اس سے فال نکالنا حرام ہے۔

۵؎ تَغَنُّوا کے دو معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھو اور قرآن کے ذریعہ لوگوں سے غنی وہ بے نیاز ہوجاؤ۔گانے کے معنی میں نہیں کہ قرآن شریف گا کر پڑھنا حرام ہے تدبر قرآن علماء کا اور ہے بے علم لوگوں کا کچھ اور علماء تو اس کے معنی و احکام میں غور کریں عوام یہ سمجھ کر پڑھیں کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے پڑھے تھے اللہ اکبر ہمارے کہاں نصیب کہ وہ الفاظ ہماری زبان پر بھی آئیں۔

۶؎ یعنی تلاوت قرآن،تعلیم قرآن،تجوید قرآن کا ثواب آخرت میں ملے گا جو تمہارے علم و فہم سے وراء ہے تم صرف یہاں ہی اس کا ثواب نہ لو یعنی دنیا کو اسی کا مقصد نہ بنالو۔

باب

باب ١

الفصل الاول

پہلی فصل

١یعنی قرأت قرآن کے متعلق متفرق مضامین کا باب۔بعض نسخوں میں یوں ہے باب فی اختلاف القرآن و جمع القرآن یعنی قرآن شریف کی مختلف قرأتوں اور جمع قرآن کا باب جمع قرآن سے مراد یکجا کتابی شکل میں جمع کرنا ہے۔

2211 - [1](متفق عليه)

وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال:سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان على غير ما أقرؤوها . وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم أقرأنيها فكدت أن أعجل عليه ثم أمهلته حتى انصرف ثم لببته بردائه فجئت به رسول الله صلى الله عليه وسلم . فقلت يا رسول الله إني سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على غير ما أقرأتنيها . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:أرسله اقرأ " فقرأت القراءة التي سمعته يقرأ . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" هكذا أنزلت " . ثم قال لي:" اقرأ " . فقرأت . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" هكذا أنزلت إن القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرءوا ما تيسر منه " . متفق عليه . واللفظ لمسلم

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے ہشام ابن حکیم ابن حزام کو سنا١کہ وہ سورہ فرقان اس کے خلاف پڑھ رہے ہیں جو میں پڑھتا تھا اور مجھے یہ سورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی ٢ قریب تھا کہ میں ان پر جلدی کر بیٹھوں مگر میں نے انہیں مہلت دی حتی کہ فارغ ہوگئے پھر میں نے انہیں ان ہی کی چادر میں لپیٹ لیا ٣پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا اور عرض کیا یارسول اللہ میں نے انہیں سنا کہ سورۂ فرقان اس کے علاوہ پڑھ رہے ہیں جو مجھے حضور نے پڑھائی ہے ٤تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو٥ہشام پڑھو انہوں نے وہ ہی قرأت تلاوت کی جو میں نے انہیں تلاوت کرتے سنی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں ہی اتری ہے پھر مجھ سے فرمایا پڑھو میں نے پڑھی فرمایا یوں بھی اتری ہے یہ قرآن سات قرأت پر اترا ہے۔جس طرح آسان ہو تلاوت کرلیا کرو ٦(مسلم،بخاری)اور لفظ مسلم کے ہیں ٧

١پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حکیم ابن حزام قرشی ہیں حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبری کے بھتیجے ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے آپ کے ساری اولاد صحابی ہے ان میں سے ہشام بھی ہیں۔

۲؎ یعنی مجھے اپنی قرأت کے صحیح ہونے کا یقین تھا کیونکہ میں نے کسی اور سے نہ سیکھی تھی خود حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے سیکھی تھی اس لیے مجھے شبہ ہوا کہ ہشام دیدہ و دانستہ قرآن غلط پڑھ رہے ہیں۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دین میں کسی کی رعایت نہیں عزیز قریبی ہو یا اجنبی معمولی آدمی ہو یا بڑا۔ دوسرے یہ کہ تلاوت قرآن کا بڑا احترام ہے کسی شخص کو دوران تلاوت میں اس سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہیئے نہ اس کی تلاوت میں رکاوٹ ڈالئے دیکھو حضرت عمر قرآن کے الفاظ میں فرق دیکھ کر طیش میں آگئے مگر تلاوت ختم ہونے پر حضرت ہشام کو گویا گرفتار کرلیا نہ رعایۃً نہ قرابۃً کی تلاوت۔

۴؎ اس لیے میں انہیں گرفتار کرکے آپ کی خدمت میں لایا ہوں تاکہ آپ اس سے منع فرمادیں اور گزشتہ قصور پر سزا دیں۔ معلوم ہوا کہ حتی الامکان کسی ملزم کو خود سزا نہ دو حاکم سے فیصلہ کراؤ۔

۵؎ چونکہ حضرت عمر کا یہ طیش نفس کے لیے نہ تھا اللہ کے لیے تھا،نیز حضرت عمر مثل استاد کے تھے اور حضرت ہشام مثل شاگرد کے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت عمر پر عتاب فرمایا اور نہ انہیں حضرت ہشام سے معافی مانگنے کا حکم دیا جیسے حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت ہارون کی بے قصور داڑھی سر کے بال پکڑ لیے انہیں کھینچا کیونکہ ماں باپ استاد شیخ اگر غلط فہمی سے کسی کو سزا ناجائز طور پر بھی دیدیں تب بھی مجرم نہیں۔

۶؎ محدثین فرماتے ہیں کہ قرآن شریف لغت قریش میں نازل ہوا مگر چونکہ عرب کے بہت سے قبیلے تھے جن کی زبانیں مختلف تھیں ہر قبیلہ کی زبان گراں معلوم ہوتی تھی،اپنی زبان آسان تھی اور زمانہ بالکل نیا تھا اندیشہ تھا کہ دوسرے قبیلے تلاوت قرآن چھوڑ دیں گے اسی لیے سات بلکہ سات سے بھی زیادہ طریقوں سے تلاوت کی اجازت دے دی گئی تھی،یہاں سات سے مراد بیان زیادتی ہے نہ کہ خاص یہ عدد اور حرف سے مراد طریقہ تلاوت ہے خواہ خود حرف کی ذات میں فرق ہو جیسے نُنْشِزُهَا ز سے اور نُنْشِرُهَا رائے مہملہ سے یا صفات حرف میں فرق ہو جیسے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" اور "مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" خواہ طریقہ ادا میں فرق ہو جیسے ادغام اظہار تفخیم،ترقیق،امالہ،مد قصر،تلیین وغیرہ مگر ان اختلاف کی وجہ سے معانی نہ بدلیں گے قرآن کریم کی سات قرأتیں تو متواتر ہیں اور چودہ شاذ،متواتر قرأتوں کی تلاوت کرے شاذ کی نہ کرے جیسے "فصیام ثلثه ایام متوالیات" یا جیسے "وصلوة الوسطی صلوة العصر" وغیرہ اب ہماری قرأت ابو حفص عن عاصم والی ہے قاریوں کو چاہیئے کہ اس کی قرأۃ کیا کریں،ورنہ عوام میں فتنہ پھیلے گا اور لوگ ان قرأتوں کا انکار ہی کردیں گے۔

۷؎ بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ حدیث متواتر ہے اکیس صحابہ سے مروی ہے شاید متواتر سے مراد متواتر المعنی ہو۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو تلاوت کرتے سنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو اس کے خلاف تلاوت کرتے سنا تھا تو میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا یہ سب بتایا تو میں نے حضور انور کے چہرہ منور میں ناراضی دیکھی ۱؎ فرمایا تم

	دونوں ٹھیک ہو ۲؎ آپس میں جھگڑو مت کیونکہ تم سے پہلے لوگ جھگڑے تو ہلاک ہوگئے ۳؎ (بخاری)

۱؎ یہ ناراضی قرآن شریف میں اختلاف کی وجہ سے ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان کتاب اللہ میں یہود ونصاریٰ کی طرح اختلاف نہ کرنے لگیں۔

۲؎ یعنی تم نے جو سنا وہ ٹھیک سنا اور انہوں نے جو پڑھا درست پڑھا تمہارا سننا ان کا پڑھنا دونوں ٹھیک ہیں چونکہ تمہیں یہ خبر نہ تھی کہ قرآن کریم کی قرأت مختلف طریقوں سے جائز ہے اس لیے تم یہ انکار کر بیٹھے تمہیں ان صحابی سے اچھا گمان کرنا چاہیئے تھا انہیں میرے پاس لانا نہ چاہیئے تھا۔

۳؎ اس طرح کہ یہود نے توریت کے اور عیسائیوں نے انجیل کے مختلف نسخے بنادیئے اور ہر جماعت نے دوسرے نسخے کا انکار کردیا اور کلام الٰہی کا انکار کفر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں، میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص آکر نماز پڑھنے لگا اس نے ایسی قرأت کی جس کا میں نے انکار کیا ۱؎ پھر دوسرا شخص آیا تو اس نے بھی اس پہلے والے کی قرأۃ کے سواء اور قرأت کی ۲؎ جب ہم نماز پڑھ چکے اور ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۳؎ تو میں نے عرض کیا کہ ان صاحب نے ایسی قرأت کی ہے جس کا میں انکاری ہوں اور دوسرے صاحب آئے تو انہوں نے ان کے سوا اور ہی قرأت کی تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا انہوں نے قرأت کی ۴؎ تو حضور نے ان کی تعریف کی اس سے میرے دل میں کچھ تردد پیدا ہوا ۵؎ جو زمانہ جاہلیت میں نہ ہوا تھا ۶؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر چھایا ہوا تردد ملاحظہ کیا تو میرے سینے پر دستِ اقدس مارا کہ میں پسینے سے نچڑ گیا اور ڈر سے میں ایسا ہوگیا گویا رب کو دیکھ رہا ہوں ۷؎ مجھ سے فرمایا اے ابی قرآن مجھ پر ایک قرأت میں بھیجا گیا تھا میں نے رب کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ الٰہی میری امت پر آسانی کر رب نے مجھے دوبارہ جواب دیا کہ دو قرأتوں پر پڑھ سکتے ہو پھر میں نے رب کی

طرف رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما رب نے تبارہ جواب دیا کہ سات قرأتوں پر تلاوت کرسکتے ہو ۸؎ اور اے محبوب تمہیں ہر بار عرض کے عوض ایک خصوصی دعا بخشتے ہیں جو تم ہم سے مانگ لینا ۹؎ میں نے عرض کیا الٰہی میری امت بخش دے الٰہی میری امت بخش دے ۱۰؎ اور میں نے تیسری دعا اس دن کے لیے بچا رکھی ہے جب ساری خلقت حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میرے در پر شفاعت کے لیے آئیں گے ۱۱؎ (مسلم)	

۱؎ غالبًا یہ قرأۃ نماز سے خارج ہوگی یعنی انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر قرآن کریم تلاوت کی اس تلاوت میں یہ واقعہ پیش آیا انکار کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور طرح تلاوت سیکھی تھی اور یہ دوسری طرح تھی ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ تلاوت قرآن مختلف طرح سے درست ہے یہاں انکار سے مراد دلی انکار ہے یعنی میں نے دل میں ان پر اعتراض کیا۔

۲؎ یعنی ان دوسرے صاحب کی قرأت میری قرأت کے بھی خلاف تھی اور اس پہلے شخص کی قرأۃ کے بھی خلاف،اس سے میرا تعجب و انکار اور بڑھ گیا۔

۳؎ مرقات نے فرمایا غالبًا یہ نماز چاشت تھی جو آگے پیچھے ان بزرگوں نے پڑھی،مسجد نبوی میں ان سب کا اجتماع ہوگیا فرض نماز ہوتی تو ایک ساتھ جماعت سے پڑھی جاتی لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے،بعد نماز یہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حجرے میں حاضر ہوئے جہاں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھے۔

۴؎ وہ ہی قرأتیں کی جو میں نے ان دونوں سے سنی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی ان مختلف قرأتوں کو صحیح فرمایا کہ تم بھی ٹھیک پڑھتے ہو اور تم بھی۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ **فسقط** معروف ہے اس لیے اس کے یہ معنے کیے گئے اور تکذیب سے مراد ہے اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کہ اگر یہ کلام ربانی ہوتا تو ایک ہی طرح ہوتا چند طرح کیسا۔خیال رہے کہ بے اختیاری برے خیال کو وسوسہ کہتے ہیں اس پر نہ عذاب ہے نہ سزا یہ وسوسہ ہی تھا اس لیے حضرت اُبَی پر نہ فتویٰ کفر لگ سکتا ہے نہ فتویٰ فسق،اس لیے **سقط** فرمایا یعنی غیر اختیاری طور پر دل میں بدگمانی سی پیدا ہوئی۔

۶؎ یعنی آج کا یہ انکار غیراختیاری اتنا قوی تھا کہ اس سے پہلے حالت کفر میں اس قسم کا اتنا سخت انکار میرے دل میں نہ آیا تھا۔خیال رہے کہ اس انکار کو اتنا سخت کہنا اس لیے ہے کہ پہلے تو وہ مسلمان تھے ہی نہیں اس وقت انکار کرنا اتنا بڑا جرم نہ تھا اب ہوچکے تھے مسلمان اور مسلمان ہو کر انکار بڑا جرم ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اتنا خطرناک انکار زمانہ کفر میں میرے دل میں نہ آیا تھا اس انکار کو خطرناک جاننا کمال ایمان کی دلیل ہے اور یہ ندامت بہترین عبادت۔ ہوسکتا ہے کہ پوشیدہ ہو اور **من التکذیب** کی تعلیہ یعنی اس غیر اختیاری تکذیب کی وجہ سے مجھے اتنی شرمندگی ہوئی اور

میرے دل میں ایسی ندامت واقع ہوئی کہ ایسی ندامت اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی نہ کفر میں نہ اسلام میں اس صورت میں معنی بالکل واضح ہیں۔

ے اس واقع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزے ظاہر ہوئے:ایک یہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ندامت و شرمندگی معلوم فرمالینا دوسرے دست اقدس رکھ کر اس انکار اور ندامت کو ختم فرمادینا،تیسرے حضرت ابی ابن کعب کواحسان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دینا کہ حضرت ابی کو یہ محسوس ہونے لگا کہ میں رب کو دیکھ رہا ہو ا اس وقت جو فیضان ہوا ہوگا وہ بیان سے باہر ہے حضرت ابی کو پسینہ آجانا قوت فیض کی بنا پر تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جاڑوں کے موسم میں وحی نازل ہونے پر پسینہ آجاتا تھا بعض مشائخ اپنے مریدین کو ان کے سینے پرہاتھ مار کر فیض دیتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۸ سرکار عالی کا یہ ارشاد فرمانا جنانی تسکین عطا فرمانے کے بعد لسانی تسکین ہے حضرت ابی کو اطمینان تو پہلے ہی ہوچکا تھا مگر وہ بیان میں نہ آسکتا تھا اب کلامًا ارشاد فرمایا جس کی تبلیغ بھی ہو سکتی ہے گویا پہلے طریقت سکھائی پھر شریعت بتائی۔

۹ یعنی اے محبوب ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ قرآن کریم کی قرأتیں سات ہوں گی مگر ہمارا منشاء یہ تھا کہ یہ آسانی تمہاری طلب پر دیں تاکہ ہماری یہ نعمت امت کو تمہارے طفیل ملے جیسے پچاس نمازوں کی پانچ رہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض اور تمہاری کوشش سے اور ہم کو تمہاری یہ عرض و معروض ایسی پیاری معلوم ہوئیں کہ ہم تمہیں ہر عرض پر ایک انعام خاص بخشتے ہیں کہ تم نے تین بار عرض کیا ہم تمہیں تین خصوصی دعائیں دیتے ہیں جو مانگو سو پاؤ۔

۱۰ اس رحمت والے داتا کے قربان اس کی دین کے صدقے اس وقت حضور اپنے اور اپنی اولاد کے لیے جو چاہتے مانگ لیتے مگر امت کو یاد فرمایا۔خیال رہے کہ پہلی بخشش سے کبیرہ گناہوں کی بخشش مراد ہے اور دوسری بخشش سے صغیرہ گناہوں کی مغفرت مقصود یعنی الٰہی میری امت کے چھوٹے بڑے سارے گناہ بخش دے چونکہ یہ بخششیں صرف مجرم مسلمانوں کے لیے ہی ہوسکتی ہیں اس لیے اپنی امت کا ذکر کیا۔

۱۱ یعنی تیسری دعا قیامت کے لیے اٹھا رکھی ہے اس دعا کا فائدہ کفار،مسلمان گنہگار،نیک کار انبیائے کرام،اولیائے عظام سب ہی اٹھائیں گے کہ اس دعا سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ کا دروازہ کھولیں گے اس کی برکت سے کفار کو میدان محشر سے نجات ہم گنہگاروں کو دوزخ سے نجات،نیک کاروں کو رفع درجات میسر ہوں گے اور سب کے لیے عرض حاجات کا دروازہ کھل جائے گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی دھوم مچ جائے گی۔شعر

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدہ میں گرے مولا | رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

اللھم صل وسلم وبارك على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل نے ایک قرأت پر قرآن پیش کیا تھا مگر میں نے انہیں واپس بھیجا میں	

رب سے زیادہ مانگتا رہا رب مجھے زیادہ دیتا رہا،حتی کہ سات قرأتوں تک پہنچ گیا[1]ابن شہاب فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ یہ سات قرأتیں حقیقتًا ایک ہی ہیں جو حلال و حرام میں مختلف نہیں [2](مسلم،بخاری)	

[1]یعنی پہلی ایک قرأت تو رب تعالٰی کی طرف سے میری بغیر طلب ملی،بقیہ چھ قرأتیں میری طلب پر عطا ہوئیں۔یہ قرآنی آیات بلکہ اسلامی احکام کا حال ہے کہ بعض تو خود ر ب تعالٰی نے عطا فرمائیں اور بعض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب و خواہش پر دی گئیں رب تعالٰی فرماتاہے:"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ"الایہ۔معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ کا حکم اور ا س کی آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کی بنا پر ہے اس خواہش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اظہار ہے ۔

[2]ابن شہاب یعنی امام زہری کا مقصد یہ ہے کہ یہاں **سبعۃ احرف** سے مراد احکام قرآنی نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا وہ بولے کہ قصے،مثالیں،امر،نہی حلال،حرام،محکم،متشابہ و غیرہ مضامین جو قرآن کریم میں وارد ہوئے یہاں وہ مرا دہیں،امام زہری فرماتے ہیں نہیں یہ مراد نہیں بلکہ سات قرأتیں مراد ہیں کہ ان قرأتوں میں صرف حروف کی ہیئتوں میں فرق ہوتا ہے معانی و احکام وغیرہ میں فرق نہیں ہوتا۔ علماء اصول نے فرمایا کہ قرآن میں مطلق
مفید،عام،خاص،نص،قول،ناسخ،منسوخ،مجمل مفسر وغیرہ ہیں، نحویوں نے کہا کہ اس میں
ذکر،حذف،تقدیم،،تاخیر،استعارہ،تکرار،کنایہ،حقیقت و مجاز وغیرہ ہیں۔صوفیاء نے فرمایا کہ قرآن میں زہد و
قناعت،یقین،حرف،خدمت،حیاء،کرم،مجاہدہ،مراقبہ،خوف،امید،رضاء،شکر و صبر محبت شوق،مشاہدہ وغیرہ ہیں،یہاں وہ مراد ہے،مگر امام زہری کا قول قوی ہے کہ یہاں سات قرأتیں مراد ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل امین نے ملاقات کی تو حضور نے فرمایا اے جبریل میں بے پڑھی جماعت کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں بوڑھی عورتیں بڑے بوڑھے بچے بچیاں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہ پڑھی ہو[1]انہوں نے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن سات قرأتوں پر اتارا گیا ہے [2](ترمذی)اور احمد و	

	ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے ان قرأتوں میں سے ہر قرأت شافی کافی ہے ۳؎ اور نسائی کی روایت میں ہے کہ فرمایا حضور انور نے جبریل و میکائیل میرے پاس آئے،جبریل تو میری داہنی جانب بیٹھ گئے اور میکائیل میری بائیں طرف ۴؎ جبریل بولے قرآن ایک قرأۃ پر تلاوت کیجئے حضرت میکائیل نے کہا یارسول اللہ زیادتی کا مطالبہ فرماؤ،۵؎ حتی کہ سات قرأتوں تک پہنچ گئے ہر قرأت شافی کافی ہے ۶؎

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم تاقیامت لوگوں کیے لیے آیا اور ان میں سب لائق و فائق ہی نہ ہوں گے بلکہ ہر قسم کے لوگ ہوں گے تو اگر اس کی قرأت صرف ایک رہی تو بہت لوگوں کو دشواری ہوگی کہ بعض لوگوں کی زبان پر امالہ آسان ہوتا ہے، بعض کی زبان پر تفہیم سہل اس لیے اس میں نرمی ہونی چاہیں جبریل امین سے یہ فرمانا درحقیقت رب تعالٰی سے عرض کیا کیونکہ حضرت جبرئیل رب و محبوب کے درمیان وسیلہ ہیں جیسے ہمارا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے درد کہنا در حقیقت حق تعالٰی سے عرض کرنا ہے۔معلوم ہوا کہ رب کے مقبول بندوں سی عرض مدعا کرنا درحقیقت رب تعالٰی ہی کو کہنا ہے۔بنی اسرائیل کو جو کچھ رب سے کہنا ہوتا تھا وہ موسیٰ علیہ السلام سے ہی عرض کرتے تھے،وسیلہ کا ثبوت ہوا۔

۲؎ یعنی قرآن کریم سات لغتوں میں نازل ہوا جس کو جو لغت آسان ہو اس میں قرأت کرلے اس کی مفصل شرح پہلے ہوچکی ہے۔

۳؎ یعنی ان سات قرأتوں میں سے جو قرأت پڑھ لی جائے وہ مؤمن کے لیے باعث شفا ہے،اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کافی دلیل ہے یا دنیا میں شافی ہے آخرت میں ثواب کے لیے کافی ہر قرأت کا ثواب یکساں،کیونکہ صرف الفاظ اور طریقہ ادا میں کچھ فرق ہے معنے یکساں ہیں۔

۴؎ سبحان اللہ! فرشتے نورانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور،نوروں نے نور کو گھیر لیا اور مجمع نور علی نور ہوگیا وحی حضرت جبریل لائے اور حضرت میکائیل صرف قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف فرشتے مختلف مقاصد لے کر حاضری دیتے تھے کوئی وحی دینے کو کوئی فیض لینے کو۔

۵؎ جبریل امین سے اور وہ عرض کریں رب العالمین سے،تاکہ آپ کی امت کو یہ فیض اور یہ آسانی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے توسل سے اور ان فرشتوں کے ذریعہ سے میسر ہو۔خیال رہے کہ حضرت جبریل کا عرض کرنا کہ ایک قرأت پر تلاوت قرآن کیجئے رب تعالٰی کی طرف سے تھااور حضرت میکائیل کی یہ عرض بھی حقیقتًا رب تعالٰی ہی کی طرف سے ہے کہ یہ عرض ان کے دل میں ڈال دی اس کی حکمتیں ہم ابھی کچھ پہلے عرض کرچکے ہیں۔

۶؎ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر جبریل امین بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہوئے اور دو قرأتوں کی اجازت لائے پھر دوبارہ فرمان عالی پا کر پھر وہاں پہنچے اور تین قرأتوں کی اجازت لائے غرض کہ محب و محبوب کے درمیان سات چکر لگائے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں نمازیں کم کرانے کو حضرت کلیم اور بارگاہِ رب العالمین کے درمیان دس دفعہ گردش فرمائی تھی یہ منظر بھی عجیب ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ وہ ایک قصہ خواں پر گزرے جو قرآن پڑھتا اور لوگوں سے مانگتا تھا ۱؎ آپ نے انا للہ پڑھی پھر فرمایا ۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو قرآن پڑھے تو اس کے ذریعہ صرف اللہ سے مانگے عنقریب ایسی قومیں ہوں گی جو قرآن پڑھیں گی اس کے ذریعہ لوگوں سے مانگیں گی (احمد،ترمذی) ۳؎	

۱؎ محدثین کی اصطلاح میں قاصّ پیشہ ور واعظ کو کہتے ہیں جو اپنی تقریر میں احکام شرعیہ بیان نہ کرے صرف شعر اشعار قصے کہانیاں سنا کر لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرے اگرچہ قرآن شریف ہی کے قصے سنائے مگر احکام سے خالی جیسے آج کل کے عام بے علم واعظین یہ سب قاص ہیں واعظ نہیں کہ واعظ تو نصیحت کرنے والوں کو کہتے ہیں وہ نصیحت نہیں کرتا صرف پیسے مانگتا ہے حاجت مند کسی کو نصیحت نہیں کر سکتا۔

۲؎ اس گناہ و بدعت و علامت قیامت کو دیکھ کر آپ کو سخت صدمہ ہوا اظہار رنج کے لیے آپ نے انا للہ پڑھی۔

۳؎ یا تو اس طرح کہ دوران تلاوت میں جب آیت رحمت پر گزرے تو اس کے حصول کی دعا مانگ لے اور جب آیت عذاب تلاوت کرے تو اس سے پناہ مانگ لے یا اس طرح کہ تلاوت سے فارغ ہو کر دعا مانگے،معلوم ہوا کہ تلاوت سے فراغت پر خصوصًا ختم قرآن کے موقع پر دعا ضرور مانگی جائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے اس کے ذریعہ لوگوں سے کھائے ۱؎ وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کے منہ میں ہڈیاں ہوں گی ۲؎ گوشت نہ ہوگا ۳؎ (بیہقی) شعب الایمان	

۱؎جیسا آج کل دیکھاجارہا ہے کہ بعض بھکاری مسجدوں میں بلکہ گلی کوچوں میں تلاوت کرتے پھرتے ہیں اور ہاتھ پھیلایا ہوتا ہے یہ حرام ہے کہ اس میں قرآن کریم کی توہین ہے۔خیال رہے کہ طلباء سے ختم قرآن شریف کرا کر ان کی دعوت بھی کی جاتی ہے اور کچھ نقدی بھی دی جاتی ہے یا علمائے دین سے جلسوں میں وعظ کراکر کرایہ و نذرانے دیئے جاتے ہیں یہ تمام صورتیں اس حکم سے خارج ہیں کہ وہاں ختم اور وعظ فی سبیل اللہ ہے اور ان کی خدمت فی سبیل اللہ جیسے مدرسین دینیہ کی تنخواہیں یا خلفائے اسلامیہ کے بھاری بھاری وظیفے نیز دم و تعویذ کی اجرت بھی اس سے خارج ہے کہ وہ تو علاج کی ہے نہ کہ تلاوت قرآن کی خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہ لی اور صحابہ نے سورت فاتحہ پڑھ کر مارگزیدہ پر دم کیا اجرت میں تیس بکریاں لیں جن کا گوشت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ملاحظہ فرمایا جیسا کہ اسی مشکوٰۃ شریف کتاب الاجارہ میں ان شاءاللہ آئے گا۔

۲؎اس طرح کہ بھکاری چند لقمے حاصل کرنے کے لیے دروازہ پر بجائے صدا دینے کے قرآن کریم پڑھے تاکہ لوگ کچھ دے دیں اسے قرآن پڑھانے والوں کی اجرت مدرسین و علماء کی تنخواہیں سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ روش حدیث سے ظاہر ہے۔

۳؎یعنی ان کے چہروں پر ذلت و خواری چھائی ہوگی جیسے آج بھی بعض لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ فقیر بھکاری ہے،خیال رہے کہ امت محمدیہ کے چھپے عیب اللہ تعالٰی بھی چھپائے گا،شان ستاری کی جلوہ گری ہوگی،مگر جو عیب خود ان لوگوں نے ہی علانیہ کئے ہوں وہ وہاں پر بھی علانیہ طور پر ظاہر ہوں گے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ بھکاری تو امت مصطفوی میں سے تھا پھر اس کا یہ عیب کیوں ظاہر فرمایا گیا کیونکہ یہ اظہار تو خود وہ ہی کرچکا ہے رب تعالٰی کسی کا پردہ فاش نہیں کرے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں میں فاصلہ نہ پہچانتے تھے حتی کہ آپ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم اتری تھی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎یہ حدیث مذہب حنفی کی قوی دلیل ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ سورتوں کے درمیان فیصلہ کے لیے نازل فرمائی گئی ہے اسی لیے امام جہری نمازوں میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتا اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پرسب سے پہلی سورۃ یعنی اقرأ باسم ربك اتری تو بسم اللہ نہ اتری کہ یہ نزول میں پہلی سورت تھی یہاں فصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس لیے بسم اللہ دوسری آیتوں سے ملا کر نہیں لکھی جاتی بلکہ علیحدہ سطر میں لکھی جاتی ہیں اوراس لیے سورۃ توبہ میں بسم اللہ نہ لکھی گئی کیونکہ وہاں بسم اللہ کی جگہ معلوم نہ ہوسکی سورۃ توبہ کا علیحدہ سورت ہونا مشکوک تھا اس لیے وہاں سورۃ کا نام تو لکھ دیا گیا بسم اللہ نہ لکھی گئی، بعض علماء نے فرمایا کہ بسم اللہ رحمت کی آیت ہےاور سورۃ توبہ عذاب و قہر کی سورۃ ہے اس لیے قہر کی سورت میں رحمت کی آیت مناسب نہیں۔(مرقات لمعات مع اضافہ)

	روایت ہے حضرت علقمہ سے فرماتے ہیں ہم حمص میں تھے حضرت ابن مسعود نے سورۂ یوسف پڑھی تو ایک شخص بولا یہ اس طرح نہیں اتری حضرت عبداللہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے یہ سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک پڑھی [1] جب کہ وہ شخص باتیں کررہا تھا کہ اس سے شراب کی بو محسوس کی تو عبداللہ نے فرمایا تو شراب پیتا ہے اور قرآن کو جھٹلاتا ہے پھر اسے حدلگائی [2] (مسلم، بخاری)

[1] یعنی تو تو کہتا ہے کہ سورۂ یوسف اس طرح نازل ہوئی اور خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ ہی سورۃ سنی اور تصدیق و تحسین فرمائی تھی یہ فخریہ نہ کہا تھا بلکہ نعمت الٰہی کے اظہار کے لیے فرمایا۔

[2] اسی کوڑے شراب پینے کی سزا اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ شراب کی بو منہ سے پائی جائے تو اس سے شراب پینے کا ثبوت ہوجائے گا، مجرم اقرار کرے یا نہ کرے،گواہی قائم ہو یا نہ ہو،مگر شرط یہ ہے کہ بو یقیناً شراب ہی کی ہو کھٹے سیب یا بہی کی نہ ہو،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔دوسرے یہ کہ شراب کی بو پائے جانے یا شراب کی قے کرنے پر بھی حد شرب یعنی شراب کی سزا دی جاسکتی ہے۔تیسرے یہ کہ نشہ والے کا ارتداد معتبر نہیں کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتا،دیکھو قرآن شریف کا یا اس کی متواتر قرأت یعنی طریقۂ ادا کا انکار کفر ہے،مگر حضرت ابن مسعود نے اسے مرتد قرار نہ دیا،بلکہ شرابی قرار دیا ورنہ آپ یا تو اسے قتل کراتے ورنہ تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم دیتے ایک بار حضرت حمزہ نے نشہ کی حالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر صحابہ سے کہہ دیا تھا"**ھل انتم الا عبید لابی**"یہ گفتگو کفر تھی،مگر انہیں کافر نہ کہا گیا فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر میت سے بحالت نزع روح کفریہ بات سنی جائے تو اسے کافر نہ مانا جائے گا،اس کی نماز جنازہ و دفن کیا جائے گا کہ اس وقت ہوش ٹھکانے نہیں ہوتے بے ہوشی میں کہہ رہا ہے۔ بعض صوفیاء سے سکر کی حالت میں کلمۂ کفر ثابت ہیں جیسے **انا الحق** یا **سبحانی ما اعظم شانی** وہ معذور ہیں کہ مدہوش ہیں،نیند کا بھی یہ ہی حال ہے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں مجھے ابو بکر صدیق نے جنگ یمامہ کے موقعہ پر بلایا [1] تو حضرت عمر ابن خطاب آپ کے پاس تھے ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ جناب عمر میرے پاس آئے تو بولے کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری بہت شہید ہو گئے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اور چند جنگوں میں قاری شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ضائع ہوجائے گا [2] لہذا میری رائے

یہ ہے آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیں ۳؎ میں نے عمر سے کہا تم وہ کام کیسے کرسکتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ۴؎ فرماتے ہیں کہ تب حضرت عمر نے کہا رب کی قسم یہ کام اچھا ہے حضرت عمر بار بار یہ کہتے رہے حتی کہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کشادہ کردیا ۵؎ اور میں نے حضرت عمر کی رائے میں مصلحت دیکھی حضرت زید کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر نے فرمایا تم جوان ہو عقلمند ہو ہمیں تم پر بداعتمادی نہیں ۶؎ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لکھتے رہے ہو ۷؎ لہذا تم ہی قرآن تلاش کرو اور اسے جمع کردو ۸؎ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کے ہٹادینے کا حکم دیتے وہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا قرآن جمع کرنے کا حکم مجھ پر بھاری پڑا ۹؎ فرماتے ہیں میں نے کہا آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا حضرت صدیق نے فرمایا خدا کی قسم یہ کام بہت ہی اچھا ہے ۱۰؎ پھر حضرت صدیق بار بار مجھے یہ فرماتے رہے حتی کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت صدیق و فاروق کا سینہ کھولا ۱۱؎ پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کی کہ اسے خرمے کی شاخوں، پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا ۱۲؎ حتی کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس پایا ان کے سواء کسی کے پاس نہ ملا ۱۳؎ یعنی لقد جاء کم رسول سے ختم سورۃ برات تک ۱۴؎ پھر یہ اوراق حضرت ابوبکر کے پاس رہے حتی کہ رب نے انہیں وفات دی دی پھر تاحین حیات حضرت عمر کے پاس پھر حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس ۱۵؎ (بخاری) ۱۶؎	

۱؎ یمامہ ایک سر سبز شہر ہے جو مدینہ منورہ سے سولہ منزل پر واقع ہے ،یمامہ عورت کے نام پر رکھا گیا،وہاں قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا اس پر بہت لوگ ایمان لے آئے ان مرتدین سے حضرت ابوبکر صدیق

نے جہاد کیا بڑے گھمسان کا رن پڑا بارہ سو مسلمان شہید ہوئے جن میں سات سو حافظ قرآن و قاری صحابہ بھی تھے قرآن کریم کی حفاظت خطرہ میں پڑ گئی حضرت خالد ابن ولید اسلامی سپہ سالار تھے،آخر حضرت وحشی نے مسلیمہ کو ہلاک کیا یہ کہہ کر کہ یہ حضرت حمزہ کے خون کا کفارہ ہے خولہ بنت جعفر حنیفہ اسی جنگ میں گرفتار آئیں، جو حضرت علی مرتضی کو دی گئیں جن سے محمد ابن حنیفہ پیدا ہوئے اس جنگ کی خبر قرآن کریم نے یوں"سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ"۔

۲؎ کیونکہ ابھی تک قرآن کریم نہ تو جمع ہوا ہے نہ کتابی شکل میں باقاعدہ لکھا گیا ہے صرف سینوں میں ہے اگر یہ سینے ہی ختم ہوگئے تو قرآن بھی ختم ہوجائے گا۔

۳؎ اے عمر فاروق اللہ تمہیں ہم سب کی طرف سے جزاء خیر دے تم ہی نے قرآن جمع کرایا اور تم ہی نے حفاظت قرآن کا ذریعہ قائم کیا،یعنی باقاعدہ تراویح کی جماعت میں ختم قرآن ہونا،اگر تراویح نہ ہوتی تو حفظ قرآن کا رواج بھی ختم ہوچکا ہوتا تمہارے احسان سے مسلمان تا قیامت سبکدوش نہیں ہو سکتے،اللہ تمہاری قبر انور نور سے بھر دے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۴؎ یعنی جمع قرآن بدعت ہے اور ہر بدعت بری ہوتی ہے لہذا یہ کام بھی برا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں نہ ہو وہ بدعت ہے اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کر کے فرمایا نعمت البدعة ھٰذہ یہ بڑی اچھی بدعت ہے یعنی سنت صحابہ شرعی بدعت ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ حیات میں قرآنی آیات کی ترتیب تو دے دی تھی کہ ہر آیت کے نزول پر فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد رکھو یہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق تھی مگر قرآن جمع نہ فرمایا تھا کیونکہ جمع ممکن نہ تھا آخر حیات شریف تک تو مختلف سورتوں کی مختلف آیتیں آتی رہی ہیں جمع قرآن کی یہ سعادت تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان غنی کے نصیب میں تھی۔

۵؎ اور میں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں حتی کہ بدعت حسنہ مستحب کبھی واجب اور کبھی فرض بھی ہوتی ہے،اس وقت جمع قرآن بدعت تھا مگر فرض تھا،اس سے بدعت حسنہ کا قوی ثبوت ہوا۔

۶؎ مجھے یقین ہوگیا کہ اس وقت جمع قرآن نہ کرنا یہ اس کے ضائع ہونے کا سبب ہوگا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جمع قرآن بدعت تھا مگر خیر بدعت۔

۷؎ یعنی جمع قرآن میں قوت کی بھی ضرورت ہے اور علم و حفظ اور دیانتداری کی بھی تم میں خدا کے فضل سے یہ سارے اوصاف جمع ہیں۔

۸؎ یعنی اکثر کتابت وحی تم نے کی ہے،مرقات نے فرمایا کہ کاتبین وحی چوبیس صحابہ تھے جس میں خلفائے راشدین بھی ہیں ہم نے اپنی کتاب،امیر معاویہ میں بحوالہ صواعق محرقہ وغیرہ لکھا ہے کہ کاتبین وحی تیرہ ہیں،یعنی زیادہ تر لکھنے والے

خلفائے راشدین[۴]،عامر ابن فہیرہ[۵]،عبداللہ ابن ارقم[۶]،ابی ابن کعب[۷]،ثابت ابن قیس[۸]،خالد ابن سعید ابن عاص[۹]،حنظلہ ابن ربیع سلمی[۱۰]،زید ابن ثابت[۱۱]،معاویہ ابن ابی سفیان[۱۲]،شرجیل ابن حسنہ[۱۳]۔

۹؎یعنی یہ کام قریبًا سارے صحابہ کریں گے،مگر اس کے منتظم تم ہو گے،لہذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو قرآن کریم متواتر نہ رہا ایک زید ابن ثابت کی روایت سے شروع ہوا۔

۱۰؎یا تو اس لیے کہ جمع قرآن کو میں نے بدعت جانا اور ناجائز سمجھا اس لیے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا جسمانی مشقت سے ہے اورجمع قرآن میں جسمانی اور روحانی دونوں مشقتیں ہیں یا اس لیے کہ پہاڑ ٹال دینے میں کوئی ذمہ داری نہیں اور جمع قرآن میں قیامت تک مسلمانوں کے ایمان و اعمال کی حفاظت کی ذمہ داری ہے کہ اگر ایک آیت میں ذرا سی بھی غلطی ہوگئی تو کسی کے نہ ایمان کی خیر ہے نہ اعمال کی۔

۱۱؎یعنی اگرچہ قرآن جمع کرنا بدعت ہے مگر اچھی بدعت ہے ۔خیال رہے کہ ایجادات صحابہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت فرمایا ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین لغوی معنے سے یعنی طریقہ و مسلک،رب تعالٰی نے فرمایاہے:"سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا"۔اور میں بھی سمجھ گیا کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بعض بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں جمع قرآن مجید ہے تو بدعت مگر اچھی ہے۔

۱۲؎خیال رہے کہ چار صحابہ کو قرآن کریم مکمل حفظ تھا،ابی ابن کعب،زید ابن ثابت،معاذ ابن جبل،ابوالدرداء رضی اللہ عنہم،مگر حضرت زید نے صرف اپنی یاد پر جمع نہ فرمایا بلکہ تمام صحابہ سے ہر آیت کی تائید حاصل کی چنانچہ مختلف آیتیں مختلف صحابہ سے مختلف طرح ملیں کسی کو صرف یاد تھیں،کسی کے پاس یاد کے علاوہ پتوں،پتھروں وغیرہ پر لکھی ہوئی بھی تھیں،حضرت زید بن ثابت نے ان تمام چیزوں کو جمع کیا،پھر اپنی یاد سے مقابلہ کیا پھر انہیں مختلف اوراق میں پرچوں کی شکل میں یکجا کرکے انہی دھاگہ سے باندھ کر ایک تھیلہ میں محفوظ کرلیا۔صدیق اکبر کے زمانہ میں جمع قرآن کی یہ نوعیت ہوئی کہ آیات قرآنیہ متفرق تھیں ایک دھاگہ اور ایک تھیلہ میں جمع ہوگئیں،حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں یہ تمام پرزے اور ورق ایک کتابی شکل میں جمع کرکے ان کی مختلف نقلیں کرا کر ہر طرف بھیجی گئیں کتابی شکل میں قرآن کا آنا عہد عثمانی میں ہوا،اس لیے حضرت عثمان کو جامع قرآن کہا جاتا ہے۔خلاصہ یہ کہ جمع قرآن تین بار ہوا ایک بار تو عہد نبوی میں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیں،پھر عہد صدیقی میں کہ مختلف اوراق ایک دھاگہ ایک تھیلہ میں جمع ہوگئے پھر عہد عثمانی میں قرآن شریف کتابی شکل میں آگیا،لمعات و مرقات،اس تقریر سے تمام شبہات دفع ہوگئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جمع قرآن کیوں نہ کیا،یہ کہ جب جامع قرآن ابوبکر صدیق ہیں تو عثمان غنی کو جامع قرآن کیوں کہا جاتا ہے۔یہ کہ پھر تو قرآنی آیات متواتر نہ رہیں بعض مشکوک ہوگئیں جو محض اوراق یا پتوں یا پتھروں سے لی گئیں وغیرہ۔

۱۳؎یعنی یہ آیت ابوخزیمہ انصاری کے سواء کسی کے پاس لکھی ہوئی محفوظ نہ تھی یاد مجھے بھی تھی اور دوسرے صحابہ کو بھی مگر میں نے صرف اپنی یاد پر آیات جمع نہ کیں لہذا اس سے لازم یہ نہیں کہ یہ آیت متواتر نہ تھی۔

۱۴؎ براءۃ سورۃ توبہ کا نام ہے کیونکہ اس کے اول میں ہے "بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ" یعنی سورۂ توبہ کی آخری آیت "لَقَدْ جَآءَكُمْ" سے "رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" تک صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس لکھی ہوئی ملی،مرقات نے فرمایا کہ الفاظ قرآن دلیل قطعی سے ثابت ہیں اور طریقہ کتابت دلیل ظنی سے۔

۱۵؎ چونکہ صدیق اکبر کی حیات شریف میں ہی حضرت عمر خلیفہ ہوگئے تھے۔اس لیے اوراق آیات کا یہ تھیلہ عمر فاروق کو خود صدیق اکبر ہی نے عطا فرمادیا تھا اور حضرت فاروق کی زندگی میں خلیفہ مقرر نہ ہوا تھا بعد میں چناؤ ہونا تھا،اس لیے یہ اوراق جناب عمر کی صاحبزادی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حفصہ کے پاس امانۃ محفوظ رہے جو پھر حضرت عثمان نے ان سے منگالیے جس کا ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے ۔

۱۶؎ یہاں مرقات نے حدیث حسن نقل کی کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر احسان عظیم فرمانے والے ابوبکر صدیق ہیں اللہ ان پر رحمتوں کی بارش کرے کہ مسلمانوں کو قرآن جمع کرکے دے گئے وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے خفیہ قرآن جمع کیا وہ روافض کی گھڑی ہوئی ہے ورنہ وہ ضرور اس قرآن کی اشاعت کرتے قرآن تو اشاعت کے لیے آیا نہ کہ غار میں چھپانے کے لیے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ" یعنی قرآن چھپانے والے پر اللہ کی اور سب خلق کی لعنت ہے۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے کہ حضرت حذیفہ ابن یمان جناب عثمان کی خدمت میں آئے جب کہ آپ فتح ارمینیہ میں شام والوں اور فتح آذربیجان میں عراق والوں سے جہاد کر رہے تھے حضرت حذیفہ کو لوگوں کی قرأت قرآن کے اختلاف نے گھبرا دیا تھا۱؎ چنانچہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے عرض کیا اے امیرالمؤمنین اس امت کی اس سے پہلے مدد کیجئے جب کہ وہ یہود و نصارٰی کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کر بیٹھیں ۲؎ تب جناب عثمان غنی نے بی بی حفصہ کو پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس وہ اوراق بھیج دو تاکہ ہم انہیں صحیفوں میں نقل کرلیں۳؎ پھر تمہیں واپس کردیں گے ۴؎ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے جناب عثمان کو بھیج دیئے آپ نے حضرت زید ابن ثابت عبداللہ ابن زبیر سعید ابن عاص عبداللہ ابن حارث ابن ہشام کو حکم دیا ۵؎ انہوں	

	نے اسے مختلف صحیفوں میں نقل کیا ۶؎ اور حضرت عثمان نے قریشی جماعت سے فرمایا جو تین صاحب تھے ۷؎ کہ جب تم اور زید ابن ثابت قرآن کی کسی آیت میں اختلاف کرو ۸؎ تو اسے زبان قریش ہی میں لکھنا کیونکہ قرآن زبان قریش میں اترا ہے ۹؎ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا حتی کہ جب یہ صحیفے دیگر مصاحف میں نقل کرلیے تو حضرت عثمان نے یہ اوراق بی بی حفصہ کو واپس کردیئے اور ان نقل شدہ میں سے ہر طرف ایک نسخہ بھیج دیا ۱۰؎ اور ان کے سواء بقیہ اور نسخوں کو جلا دینے کا حکم دے دیا ۱۱؎ ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے خارجہ ابن زید ابن ثابت نے خبر دی ۱۲؎ کہ انہوں نے حضرت زید ابن ثابت کو فرماتے سنا کہ میں نے سورۂ احزاب کی ایک آیت قرآن نقل کرتے وقت گم پائی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا ۱۳؎ ہم نے اسے بہت تلاش کیا تو اسے خزیمہ ابن ثابت انصاری کے پاس پایا ۱۴؎ یعنی یہ آیت کہ مؤمنوں میں بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالٰی سے کئے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا چنانچہ ہم نے اسے قرآن شریف میں اس سورت سے ملادیا۔(بخاری)۱۵؎

۱؎ بلادالغرب میں آذر بیجان مشہور شہر ہے اور اسی شہر کے نام سے علاقہ کو بھی آذر بیجان کہا جاتا ہے اس علاقہ میں آرمینیہ مشہور شہر ہے عہد عثمانی میں یہ علاقہ فتح ہوا اس جہاد میں شام و عراق کے غازی جمع تھے،

یہ حضرات قرآن کریم مختلف طرح پڑھتے تھے اور ہر ایک کہتا تھا کہ میرا قرآن صحیح دوسرے کا غلط ہے یہ اختلاف یا تو مختلف قرأتوں کی بناپر تھا جو زمانہ نبوی میں مروج ہوچکی تھیں یا اس لیے کہ بعض صحابہ کے پاس قرآنی آیتوں کے ساتھ کچھ تفسیری نوٹ تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے وہ اسے قرآن سمجھے بیٹھے تھے اور قرآن کی طرح ان کی بھی تلاوت کرلیتے تھے۔

۲؎ یعنی اے امیر المؤمنین ابھی تو عہد صحابہ ہے اگر اس وقت سے قرآن میں اختلاف پیدا ہوگیا تو آگے چل کر سینکڑوں قسم کے قرآن جمع ہوجائیں گے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوگا ہر فرقہ کہے گا کہ میرا قرآن درست ہے دوسرے کا غلط جیسا کہ آج توریت و انجیل کے نسخوں کا حال ہے۔

۳؎ حضرت عثمان غنی نے پہلے پچاس ہزار مسلمانوں کو جمع فرما کر ان سے مشورہ کیا سب نے بالاتفاق جمع قرآن کی رائے دیدی پھر آپ نے حضرت ام المؤمنین حفصہ بنت عمر فاروق سے جمع شدہ تھیلا منگایا یہاں مصحف سے مراد وہ اوراق ہیں جو

حضرت صدیق اکبر جمع فرما کر دھاگے سے باندھ کر یکجا کر گئے تھے اور مصاحف سے مراد قرآن کریم کے مکمل نسخے ہیں جو کتابی شکل میں ہوں لہذا حدیث واضح ہے۔

۴؎ کیونکہ حضرت حفصہ کے پاس قرآن بصیغہ امانت تھا نہ کہ یہ اوراق،قرآن مجید نقل کرکے اوراق انہیں بھیج دیئے گئے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت حفصہ کو وہ اوراق واپس کیوں کئے گئے۔

۵؎ یعنی قرآن کے جمع کے لیے یہ چار حضرات منتخب ہوئے جن میں سے حضرت زید ابن ثابت تو انصاری تھے باقی تین حضرات مہاجر قرشی تھے۔

۶؎ چار یا سات نسخے قرآن کریم کے جمع کئے جن میں سے ایک نسخہ یہاں مدینہ پاک میں رکھا گیا باقی تمام اطراف میں بھیج دیئے گئے۔

۷؎ جن کے نام ابھی ابھی ذکر کئے گئے عبداللہ ابن زبیر، سعید ا بن عاص،عبداللہ ابن حارث۔

۸؎ اس طرح کہ تمہاری قرأۃ کچھ اور طرح ہو،اور حضرت زید ابن ثابت کی قرأۃ دوسری طرح اس اختلاف کی وجہ وہ ہے جو پہلے گزر چکی کہ زمانہ نبوی میں تلاوت قرآن مختلف قرأتوں سے ہوتی تھی ۔

۹؎ یعنی نزول قرآن تو قریشی زبان میں ہوا پھر آسانی کے لیے دیگر لوگوں کو اپنی لغتوں میں تلاوت کی اجازت دی گئی تھی اس وقت کے لحاظ سے جیسے نزول تو ہوا"مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"مگر اجازت دی گئی"مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"پڑھنے کی بھی یا نزول تو ہوا ننشزھا ز نقطے والی سے مگر اجازت دی گئی ننشرھا پڑھنے کی بھی راء مہملہ سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے صرف جمع قرآن کا اہتمام فرمایا لغت قریش پر ہو یا دوسری لغت پر۔مگر حضرت عثمان نے جمع بھی کیا اور دوسری قرأتوں سے چھانٹ بھی دیا جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں ایک فرق یہ بھی ہے،حضرت حفصہ سے اوراق قرآن منگانے کا منشاء یہ تھا کہ کوئی آیت رہ نہ جائے نہ یہ کہ بعینہٖ نقل کردی جائے لہذا اس واقعہ پر اعتراض نہیں۔

۱۰؎ چنانچہ قرآن کریم کے سات نسخے نقل کئے گئے جن میں سے ایک مدینہ پاک میں رکھا گیا اور ایک کوفہ،ایک بصرہ ایک شام،ایک بحرین اور ایک مکہ معظّمہ کو بھیجے۔

۱۱؎ یحرق ح مہملہ سے ہے،بمعنی جلادینا،بعض نسخوں میں یخرق خ منقوطہ سے ہے بمعنی پھاڑ ڈالنا یعنی اس کے علاوہ قرآن کے دوسرے اوراق کے جلا ڈالنے کا حکم دیا یا پھاڑ دینے کا مگر یحرق حاء مہملہ سے زیادہ مشہور ہے۔ خیال رہے کہ بعض صحابہ کے پاس کچھ اوراق تھے جن میں وہ آیات بھی تھیں جو منسوخ التلاوت ہوچکی تھیں۔مگر انہیں نسخ کی خبر نہ ہوئی تھی اور بعض تفسیری نوٹ بھی تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے ساتھ بطور تفسیر ارشاد فرمائے تھے یہ حضرات ان سب کو قرآن ہی سمجھے ہوئے تھے جیسے حضرت ابی ابن کعب یا ابن مسعود کے مصاحف،اگر وہ اوراق باقی رہ جاتے تو مسلمانوں میں بڑا فتنہ پھیلتا،ہر فرقہ کہتا کہ یہ قرآن درست دوسرا غلط اس لیے باقی تمام نسخے جلوادیئے گئے بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ فضائل علی و اہل بیت کی آیات جلادی گئیں اور اب یہ موجودہ قرآن ناقص ہے مگر یہ محض غلط ہے ورنہ حضرت علی مرتضی اس وقت خاموش نہ بیٹھتے قرآن کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کردیتے کم از

کم اپنے دور خلافت میں اس اصلی قرآن کو جاری کرتے اور اس قرآن سے نماز وغیرہ کبھی ادا نہ کرتے،یہ بھی خیال رہے کہ اس وقت ان نسخوں کا جلا ڈالنا ہی بہتر بلکہ ضروری تھا کہ اگر وہ دفن ہوتےتو بعد میں پھر نکال لیے جاتےاور ان کی اشاعت سے فساد پھیلتا اور اتنے اوراق دھونا دشوار بھی تھا اور خطرناک بھی ورنہ بے کار قرآن کے اوراق کا دفن کردینا بہتر ہے یا اگر قلمی ورق ہو تو اسے دھو کر پی لینا افضل ہے کہ یہ پانی ہر مرض کی شفا ہے۔ مرقاۃ

۱۲؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے اور خارجہ زید ابن ثابت کے بیٹے ہیں،مدینہ منورہ کے بڑے علماء میں سے تھے تابعی ہیں انہوں نے اپنے والد زید ابن ثابت سے یہ سنا۔

۱۳؎ یعنی جب ہم نے صحیفہ صدیقی سے صحف عثمانیہ میں قرآن شریف نقل کیا تو اس صحیفہ میں یہ آیت نہ ملی غالب یہ ہے کہ وہ پرچہ اس عرصہ میں گم ہوگیا ہوگا یا گل گیا ہوگا ورنہ حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں ساری آیتیں مع ساری قرأتوں کے جمع ہوچکی تھیں ان بزرگوں کو یہ آیت بخوبی یاد تھا مگر کوشش یہ کی گئی کہ کہیں سے یہ آیت لکھی ہوئی بھی مل جائے اور ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کے وقت کا ہو۔

۱۴؎ یعنی لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ انصاری کے پاس تھی باقی دوسرے لوگوں کو یاد ضرور تھی حضرت خزیمہ کی کنیت ابو عمارہ ہے،اوسی ہیں،بدری ہیں،بدراور اس کے بعد کے تمام غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔

۱۵؎ اس طرح کہ یہ آیت سورۂ احزاب میں اپنی جگہ پر رکھ دی گئی،مرقات نے فرمایا کہ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ پہلی جمع کے وقت ہوا یعنی زمانہ صدیقی اس وقت سورہ توبہ کی آیت "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ"کا بھی یہی معاملہ ہوا تھا ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ زمانہ صدیقی میں تمام قرآن جمع ہوجائے اور پھر یہ آیت اس میں نہ ہو،یہ جمع ۲۵ھ میں ہوا۔مرقات نے فرمایا کہ عہد صدیقی کا جمع کیا ہوا قرآن مروان ابن حکم کے زمانہ میں جلادیا گیا حضرت حفصہ کی وفات کے بعد۔اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ حضرت علی نے بھی نزول کے مطابق قرآنی آیات جمع فرمائی تھیں مگر فتنہ کے خوف سے اس قرآن کی اشاعت نہ کی بلکہ اسے تلف کردیا تاکہ مسلمانوں میں دو قرآن نہ ہوجائیں کہ یہ سخت فتنہ کا باعث ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ تمہارے لیے اس کا کیا سبب ہوا کہ تم نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے سورۃ براءۃ سے ملادیا جو مائین میں سے ہے ۱؎ اور بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی ۲؎ اور تم نے اسے سات بڑی سورتوں میں رکھ دیا اس کی وجہ کیا ہوئی ۳؎ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زمانہ گزرتا رہتا تھا کہ آپ پر متعدد سورتیں نازل ہوتی	

	رہتی تھیں ۴ اور جب بھی آپ پر کوئی آیت اترتی تو بعض کاتبین وحی کو بلاتے اور فرماتے کہ یہ آیتیں اس سورہ میں رکھو جن میں فلاں فلاں چیزوں کا ذکر ہے ۵ پھر جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو فرماتے کہ اس آیت کو اس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے ۶ اور سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ پاک میں پہلے نازل ہوئیں اور سورہ برات نزول میں آخری قرآن ہے ۷ اور اس کا قصہ سورۂ انفال کے قصے سے مشابہ تھا ۸ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ صراحۃً بیان نہ فرمایا کہ یہ سورۂ انفال کا جز ء ہے ۹ اس لیے میں نے انہیں ملا تو دیا مگر **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کی سطر نہ لکھی اور میں نے اسے سات لمبی سورتوں میں رکھا ۱۰ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) ۱۱

۱؎ قرآن کریم کی تقسیم یوں ہے کہ اول قرآن کا نام مثانی ہے اس کے بعد **مئین**، پھر تواں یا تواقع پھر مفصل سورۂ حجرات سے آخر قرآن کا نام مفصل ہے مثانی سورت فاتحہ کا نام بھی ہے اور سارے قرآن کریم کا بھی، اور اس کی اگلی سات سورتوں کا بھی، حضرت ابن عباس نے حضرت عثمان سے دو سوال کئے ایک یہ کہ سورۃ انفال تمہارے جمع کے مطابق مثانی حصے کی سورۃ ہےاو ر سورۂ توبہ **مئین** حصہ کی سورت آپ حضرات نے ان دونوں سورتوں کو ملا کیوں دیا، نیز سورۂ انفال چھوٹی سورۃ ہے کہ پچھتّر آیتوں کی ہے، اور سورہ توبہ بہت بڑی کہ اس کی ایک سو انتیس آیتیں ہیں۔ چنانچہ مثانی سورتیں بڑی ہیں اور **مائین** چھوٹی، مگر آپ نے چھوٹی سورت کو مثانی میں داخل کیا اور بڑی یعنی توبہ کو مئین میں، چاہیئے تھا اس کے برعکس ہونا۔

۲؎ یہ دوسر ا سوال ہے یعنی تمام سورتوں کو **بسم اللہ** سے شروع کیا جاتاہے مگر تم نے سورۂ توبہ کے اول **بسم اللہ** نہ لکھی خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ کا سورت سے فصل دو چیزوں سے ہوتا ہے ایک سورۃ کا نام آیتوں، رکوعوں کی تعداد کا ذکر اور دوسرے **بسم اللہ** آپ نے ان دو سورتوں انفال و توبہ کے درمیان ایک فصل تو رکھا مگر دوسرا فصل **بسم اللہ** والا نہ کیا اس کی کیا وجہ ہے **سبحان اللہ**! دونوں سوال بہت ہی اہم ہیں۔

۳؎ یعنی سورۃ انفال کو جس کی آیتیں سو سے کم بھی ہیں مثانی میں رکھا حالانکہ مثانی سورتوں کی آیتیں تو **مئین** سے بھی زیادہ ہونی چاہئیں۔ خیال رہے کہ مئین سورتوں کی آیتوں سو سے زیادہ ہیں اس لیے انہیں **مئین** کہتے ہیں اور مثانی کی آیتیں تو **مئین** سے بھی زیادہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ پہلے چاہیئے تھی کہ بڑی ہے اور سورۂ انفال بعد کہ یہ چھوٹی ہے۔

۴؎ یعنی کبھی تو عرصہ تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نہ آتی تھی اور کبھی مسلسل سورتیں آتی رہتی تھیں پھر آیات کے نزول کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی سورۃ کی کوئی آیت آگئی اور کبھی دوسری سورہ کی کوئی آیت سورتوں کے نزول کا بھی یہ ہی حال تھا کہ کبھی پچھلی سورۃ پہلے آگئی اور کبھی اگلی سورۃ پیچھے نازل ہو گئی،کیونکہ سورتوں آیتوں کا نزول حسب ضرورت ہوتا تھا یہ ترتیب نزول کے مطابق نہیں بلکہ لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے ہے یہ کلام جواب کے علاوہ ہے۔

۵؎ یعنی جب کوئی آیت نازل ہوتی تو فرمادیتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ کی فلاں آیت کی بعد رکھو معلوم ہوا کہ ترتیب آیات توقیفی چیز ہے،جس میں عقل کو دخل نہیں،اسی لیے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم اپنے اہتمام سے ترتیب دلائی،کیو نکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر لوح محفوظ پر تھی،دیکھتے تھے کہ وہاں کون سی آیت کس جگہ ہے،ادھر دیکھ کر ادھر ترتیب دیتے تھے۔

۶؎ یہ دونوں جملے مکرر معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں فرق یہ ہے کہ وہاں شیئ فرمایا گیا جس سے چندآیتوں کا مجموعہ مراد ہے اور یہاں آیۃ ارشاد ہوا یعنی ایک آیت مطلب یہ ہوا کہ اگر چند آیتیں ایک دم آتیں تو ان میں بھی سرکار خود ہی ترتیب دیتے تھے،اور اور اگر صرف ایک آیت آتی تب بھی ترتیب دیتے۔ خیال رہے کہ آیتوں کی ترتیب توبالاتفاق توقیفی ہے جس میں عقل کو دخل نہیں مگر سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے بعض نے کہا وہ بھی توقیفی ہے بعض کے ہاں نہیں۔(مرقات)

۷؎ یعنی سورۃ انفال و براءت دونوں مدنی ہیں،اس لیے انہیں ایک ساتھ رکھا گیا،پھر سورۂ انفال پہلے اتری،اس لیے اسے آگے رکھا گیا،اور سورہ براءت بعد آئی،اس لیے اسے پیچھے رکھا گیا یہ وجہ جمع و ترتیب کی ہوئی۔

۸؎ یعنی سورۂ انفال و براءت کا مضمون یکساں ہے کہ سورۃ انفال میں اکثر دین کی سر بلندی کفر کی نگو نساری کا ذکر ہے اور سورہ براءت میں زیادہ تر منافقوں کی رسوائی ان کی پردہ دری و عتاب کا ذکر ہے جو دین کی بلندی کا نتیجہ ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی سورت ہیں۔

۹؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے نزول سے معلوم فرماتے تھے کہ یہ آیت مستقل علیحدہ سورۃ ہیں یہ ہی ہم کو بتادیتے تھے مگر سورۂ براءۃ کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر نہ دی کہ یہاں **بسم اللہ** آگئی ہے یہ سورۃ انفال سے علیحدہ سورت ہے۔

۱۰؎ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ ان دونوں سورتوں کا مدنی ہونا دونوں کے مضامین کا بہت مناسب ہونا درمیان میں **بسم اللہ** نہ آنا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورۃ ہیں اس لیے درمیان میں **بسم اللہ** نہ لکھی گئی مگر دونوں کے نزول میں اتنا فاصلہ ہونا کہ سورہ انفال شروع ہجرت میں نازل ہوئی اور سورت توبہ آخر میں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ دو سورتیں ہیں اس لیے میں نے ان کی علیحدگی کی ایک علامت تو رکھ دی یعنی درمیان میں لمبا خط سورۃ کا نام اس کی آیتوں رکوعوں کا ذکر اور دوسری علامت نہ رکھی یعنی **بسم اللہ**،پتہ لگا کہ جمع قرآن میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا گیا۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **بسم اللہ** رحمت کی آیت ہے اور سورہ توبہ کفار سے امان اٹھانے،عذاب آنے کی آیت ہے اسی لیے

رحمت کی آیت اس کے اول میں نہ لکھی گئی۔مرقات ولمعات اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب محض توقیفی نہیں اس میں کچھ عقل کو بھی دخل ہے۔

۱۱؎اس سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ جمع صدیقی کتابی شکل میں نہ تھی اوراق کو مرتب کرکے دھاگے باندھ دیا گیا تھااور جمع عثمانی میں قرآن کتابی شکل میں ہوا دوسرے یہ کہ جمع صدیقی میں تمام قرأتیں موجود تھیں مگر جمع عثمانی میں صرف ایک قرأۃ رکھی گئی کیونکہ مختلف قرأتوں کی اب ضرورت نہ رہی تھی لوگ اس قرأت کے عادی ہوچکے تھے اور اس جمع میں وہ ہی قرأت رکھی گئی جو جبریل امین لائے تھے باقی قرأتوں کی لوگوں کو اجازت دیدی گئی تھی،ضرورتًا کہ اپنی زبان میں قرآن پڑھ لیں۔ان قبیلوں کی زبانوں میں کچھ الفاظ میں معمولی فرق تھا جیسے مَلِكِ مَالِكِ ننشرُ اور ننشزُ راء مہملہ وزاء معجمہ ہے۔

کتاب الدعوات

دعاؤں کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ دعوات دعوت کی جمع ہے،بمعنی دعا چھوٹے کا اپنے بڑے سے اظہار عجز کے ساتھ مانگنا دعا کہلاتا ہے چونکہ دعائیں صد ہا قسم کی ہیں اس لیے دعوات جمع بولا۔دعا مانگنا بھی ایک عبادت ہے بلکہ عبادات کا مغز ہے حدیث، بعض علماء دعا کو افضل کہتے ہیں،بعض رضاء بالقضاء کو مگر بہتر یہ ہے کہ زبان سے دعا مانگے اور دل میں رضاء رکھے کہ اگر دعا قبول نہ ہو تو ملول نہ ہو،اس صورت میں دعاء رضا دونوں پر عمل ہوگا،بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عمومی حالات میں دعا مانگنا بہتر ہے کہ اس میں بندگی کا اظہار ہے،اسی لیے تمام انبیاء خصوصًا حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی ہیں مگر بوقت امتحان رضا بالقضاء افضل ہے اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نار نمرود میں جاتے وقت دعا نہ مانگی بلکہ حضرت جبریل کے عرض کرنے پر فرمایا "کفانی عن سوالی علمه بحالی" لہذا دونوں قسم کے واقعات آپس میں متعارض نہیں(از لمعات مع زیادۃ)دعا و ترک دعا کی اور بھی توجیہیں کی گئیں ہیں مگر یہ توجیہ بہت بہتر ہے احوال مختلف ہیں،جیسے حالت ویسا عمل۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نبی کی ایک دعا خصوصًا قبول ہوتی ہے تو ہر نبی نے اپنی وہ دعا یہاں استعمال کرلی ۱؎ اور میں نے اپنی دعا روز قیامت کے لیے بچا رکھی اپنی امت کی شفاعت کے واسطے چنانچہ میری وہ دعا ان شاءاللہ میرے ہر اس امتی کو پہنچے گی جو اس طرح مرے کہ رب تعالٰی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۲؎(مسلم)اور بخاری میں کچھ مختصر ہے۔	

۱؎ یعنی یوں تو انبیاء کرام کی قریبًا ساری دعائیں ہی قبول ہیں مگر رب تعالٰی کی طرف سے ہر نبی کو ایک خصوصی دعا عطا ہوتی ہے جس کے متعلق رب تعالٰی کا حتمی وعدہ ہوتا ہے کہ ہم ضرور قبول کریں گے تمام نبیوں نے اپنی اپنی دعائیں دنیا میں استعمال فرمالیں کسی بزرگ نے ہلاکت کفار کے لیے جیسے حضرت نوح،صالح،لوط و ہود علیہم الصلوۃ والتسلیمات اور بعض انبیائے کرام نے کسی اور مقصد کے لیے استعمال فرمالیں جیسے حضرت ابراہیم اسماعیل یعقوب و یوسف علیہم الصلوۃ والسلام کسی بزرگ نے اپنی دعا کسی مقصد میں استعمالی فرمالی یہ بہت وسیع مضمون ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی میں نے اپنی وہ دعا یہاں استعمال نہ کی بلکہ قیامت کے لیے اٹھا رکھی ہے اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور اسی کا فائدہ ہر وہ شخص اٹھائے گا جسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ خیال رہے کہ ایسے موقع پر شرک نہ کرنے سے مراد کفر نہ کرنا ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ"الخ لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مرزائیوں،چکڑالویوں وغیرہ مرتدین کو پہنچے گی کہ یہ لوگ مشرک تو نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میں نے تجھ سے ایک عہد لے لیا ہے تو ہر گز اس کے خلاف نہ کرے گا۱؎ کہ میں بشر ہوں،لہذا جس مسلمان کو میں ایذاء دے دوں اسے برا کہہ دوں بددعا کردوں کوڑا ماروں تو تو اس کے لیے رحمت و پاکی اور قربت بنا کہ جس کے ذریعہ اسے قیامت کے دن اپنے سے قریب فرما۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ عہد سے مراد دعا ہے اور یہ کلام اخبار نہیں بلکہ انشاء ہے یعنی اے مولٰی میں تجھ سے دعا کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ تو میری دعا رد نہ فرمائے گا کیونکہ نبی کی دعا رد نہیں ہوتی ان کی دعا مثل عہدِ الٰہی کے ہے جس کے خلاف کا احتمال نہیں مرقات۔

۲؎ یعنی چونکہ تو نے مجھ میں بشریت بھی ودیعت رکھی ہے اور بشریت کے لیے غصہ بھی لازم ہے اگر میں کسی وقت غصہ میں کسی کو زبانی یا بدنی تکلیف پہنچادوں تو تو میری بددعا یا میری مار کو اس شخص کے لیے رحمت بنادینا میری بددعا کو الٹی کرکے لگانا اس فرمان پاک سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بددعاؤں کو جو کسی امتی کے لیے ہوجائیں خود دعا بنادیا کہ عرض کیا خدایا وہ بددعائیں میری قبول نہ فرما بلکہ ان کے برعکس کردے،دوسرے یہ کہ نبی اگر کسی پر بلاوجہ سختی فرمادیں برا کہہ دیں،مار دیں تو ان پر قصاص نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی بھی پکڑ لی اور بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا بھی مگر قصاص نہیں دیا۔ تیسرے یہ کہ حضرت امیر معاویہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے یہ بددعا یقینًا ان کو دعا ہو کر لگی کہ غریب تھے پھر اتنے بڑے مالدار ہوئے کہ اما حسن و حسین علیہما السلام اور حضرت علی کے بھائی عقیل کو لاکھوں روپے نذرانے دیتے رہتے تھے دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔ خیال رہے کہ ان تمام سے وہ بددعائیں و سزائیں مراد ہیں جو غیر مستحق کو دی جائیں اور ممکن ہے کہ عام بددعائیں و سزائیں مراد ہوں،مستحق کو دی جائیں یا غیر مستحق کو بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں(اشعہ)یہاں مرقات نے فرمایا کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز بہت اصرار سے مانگی اور سرکار کا دامن پیچھے سے پکڑ کر کھینچا کہ مجھے وہ چیز دے کر جایئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا کہ تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں حضرت ام المؤمنین غمگیں بیٹھ گئیں،تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی بعض سے فرمادیا عقرٰی حلقٰی بعض کو فرمایا رغم انف ابی ذر۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے الٰہی اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر اگر تو چاہے تو مجھے روزی دے۱؎ بلکہ پورے عزم سے دعا مانگے کیونکہ رب تعالٰی جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۲؎(بخاری)	

۱؎ کیونکہ ان الفاظ سے کچھ بے رغبتی سی ظاہر ہوتی ہے مطلب یہ نکل آتا ہے کہ مجھے اس چیز کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر توچاہتا ہے تو دے دے وہاں دل کی رغبت دیکھی جاتی ہے۔

۲؎ یعنی تم دل کے یقین سے دعا کرو اور عرض کرو کہ مجھے ضرور یہ عطا فرمادے رہی عطا وہ تو بہرحال اس کے کرم پر موقوف ہی ہے تم خود تو یقین قبول رکھو۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے الٰہی اگر چاہے تو مجھے بخش دے لیکن عزم کرے اور خوب رغبت ظاہر کرے۱؎ کیونکہ رب تعالٰی کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں جو چاہے دیدے ۲؎(مسلم)	

۱؎ مثلًا کہے کہ خدایا یہ چیز مجھے ضرور دے دے مجھے اس کی ضرورت ہے میں تو تیرے دروازے سے لے کر ہی اٹھوں گا بتا تیرے سواء میرا دروازہ اور کون سا ہے،وغیرہ وغیرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی مانگو۔شعر

اگر میرا نیم ازور بمن ہمسادرِ دیگر　　　　کراخوانم کجانا لم اغثنی یارسول

۲؎ یعنی جو چیز ہمارے لیے مشکل ہے وہ رب تعالٰی کو آسان ہے،اگر تمام جہان کی ساری تمنائیں پوری کردے تو یہ تمام اس کے سمندر کرم کا ایک قطرہ بلکہ اس سے بھی کم اس کے کن فرمادینے میں ہمارا بیڑا پار ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ مانگے۱؎ جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لے عرض کیا گیا یارسول اللہ جلد بازی کیا ہے فرمایا یہ کہ کہے میں نے دعا مانگی اور مانگی مگر مجھے امید نہیں کہ قبول ہو لہذا اس پر دل تنگ ہوجائے اور دعا مانگنا چھوڑ دے۲؎(مسلم)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دعا نہ مانگے کہ خدایا مجھے شراب پینا نصیب کریا فلاں کو قتل کردینے کا موقع دے،نیز جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم ہے ان کے توڑنے کی دعا نہ کرے کہ خدایا مجھے میرے باپ سے دور رکھ۔ یہاں

مرقات نے فرمایا کہ ناممکن چیزوں کی دعا مانگنا بھی منع ہے جیسے خدا مجھے دنیا میں ان آنکھوں سے اپنا دیدار کرادے یا فلاں مسلمان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھ یا فلاں کافر کو بخش دے اسی لیے کفار و مرتدین کو مرحوم مغفور یا رحمۃ اللہ علیہ کہنا جرم ہے،مطلب حدیث کا یہ ہے کہ قبولیت دعا کی ایک شرط یہ ہے کہ ناجائز چیزوں کی دعا نہ کرے ورنہ قبول نہ ہوگی۔

۲؎یعنی قبول دعا کی دوسری شرط یہ ہے کہ اگر قبول دعا میں دیر لگے تو نہ دل تنگ ہو نہ رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس،دیکھو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی دعا کہ خدایا فرعون کو ہلاک کردے چالیس سال کے بعد قبول ہوئی یعنی قبول کا اظہار اتنے عرصہ بعد ہوا،یعقوب علیہ السلام فراق یوسف علیہ السلام میں چالیس یا اسی سال تک روئے مگر رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے بلکہ اپنے بچوں سے فرمایا"وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ"اے بچو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔غرضکہ ہر کام کا ایک وقت ہے،دعا مانگے جائے،مانگنا بندے کا کام ہے دینا رب تعالٰی کا کام اپنے کام کو اس کے کام پر موقوف نہ کیجئے۔شعر

حافظ وظیفہ تو دعا کردن است و بس — دربند آں مباش کہ شنید یا نہ شنید

قبول دعا کی بہت قسمیں ہیں،مدعا مل جانا،دعا کی برکت سے کوئی آفت ٹل جانا دعا کا ثواب مل جانا،درجات بلند ہوجانا،جو کچھ ہوجائے ہمارا مدعا حاصل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس کی پس پشت دعا ضرور قبول ہے۱؎اس کے سر کے پاس فرشتہ مقرر ہوتا ہے۲؎کہ وہ جب اپنے بھائی کے لیے دعا خیر کرتا ہے تو مقرر فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی اس جیسا ملے۳؎(مسلم)

۱؎کسی کے سامنے اس کے لیے دعا کرنے میں چاپلوسی،خوشامد،ریاء وغیرہ کا احتمال ہے مگر پس پشت دعا میں یہ کوئی احتمال نہیں،اس میں اخلاص ہی ہوگا اسی لیے پس پشت کی قید لگائی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کی خدمت بہترین عبادت ہے اور اس کی خیر خواہی بہترین عمل۔

۲؎یہ فرشتہ کوئی اور فرشتہ ہے جس کے ذمہ یہ ہی خدمت کہ ایسی دعاؤں پر آمین کہا کرے،محافظ یا کاتب اعمال فرشتہ نہیں وہ فرشتہ تو داہنے بائیں ہر وقت رہتے ہیں۔

۳؎یعنی تم مسلمان بھائی کے لیے دعا کرو تو فرشتہ تمہارے لیے دعا کرے گا اگر تم نے فرشتہ کی دعا لینا ہے تو دوسروں کو دعا دو بعض بزرگ جب کوئی دعا کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دوسروں کے لیے دعا کرتے ہیں اور اپنے لیے بھی جمع کے صیغہ سے دعا کرتے ہیں،ان عملوں کا ماخذ یہ حدیث ہے یہ عمل بھی ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کرلے پھر دوسرے کے لیے ربّ اغفرلی ولوالدیّ۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنی جانوں پر بددعا کرو اور نہ اپنی اولاد پر اور نہ اپنے مالوں پر ۱؎ ایسا نہ ہو کہ اتفاقًا وہ ایسی گھڑی ہو جس میں اللہ سے جو مانگا جائے وہ ملے اور تمہاری یہ ہی دعا قبول ہوجائے ۲؎ (مسلم)اور حضرت ابن عباس کی یہ حدیث کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کتاب الزکاۃ میں ذکر کی جاچکی۔

۱؎ دعا کے بعد اگر علیٰ آئے تو وہ دعا بمعنی بددعا ہوتی ہےاور اگر لام آئے تو بمعنی دعائے خیر یہاں علیٰ ہے۔مطلب یہ ہے کہ غصّے یا جوش میں اپنی جان،اولاد کو نہ کوسو،مال،جانور،غلام کی ہلاکت کی دعا نہ کربیٹھو۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ان بددعاؤں کے عادی ہوچکے ہیں،بات بات میں کہتے ہیں،مرجاؤں تو مٹ جائے،تجھے سانپ کاٹے،تجھے گولی لگے۔معاذاللہ! اور اگر کوئی ایسا حادثہ ہوجائے تو پھر سر پکڑ کر روتے ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ قبولیت کی گھڑی صرف جمعہ یا شبِ قدر یا آخری رات ہی میں نہیں ہے اور وقت میں بھی ہوتی ہے،مگر کبھی کبھی تو ہر ساعت میں احتمال ہے کہ وہ قبولیت کی ہو،اس لیے ہمیشہ اچھی دعائیں ہی مانگے،کبھی بددعا منہ سے نہ نکالے۔خیال رہے کہ لعان میں ایسے ہی مباہلہ میں اپنے کو بددعا دینا اظہار حق کے لیے ہوتا ہے وہ محض بددعا نہیں ہوتی وہاں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر میں حق پر نہ ہوں تو ہلاک ہوجاؤں،لہذا یہ حدیث آیت لعان اور آیت مباہلہ کے خلاف نہیں،وہ آیات اپنی جگہ حق ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا ہی عبادت ہے ۱؎ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ تمہارا رب فرماتا ہے مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ الدعاء میں الف لام عہدی ہے یعنی اللہ سے دعا کرنا بھی عبادت ہے کہ اس میں اپنی بندگی اور رب تعالٰی کی ربوبیت کا اقرار و اظہار ہے،یہ ہی عبادت ہے،لہذا اس پر بھی ثواب ملے گا،لہذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی بندے سے کچھ مانگنا گویا اس کی عبادت ہے یہ شرک ہے،لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا،حاکم سے حکیم سے مالداروں سے کچھ

مانگنا نہ یہ اصطلاحی دعا ہے اور نہ کفر و شرک،بندے بندوں سے دارو و دعا مانگا ہی کرتے ہیں غرض یہ کہ دعاء شرعی اور ہے اور دعائے لغوی کچھ اور جیسے صلوۃ شرعی اور ہے یعنی نماز دعالغوی کچھ اورنزول رحمت،دعائے رحمت وغیرہ،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ" یہاں صلوۃ شرعی مراد ہے اور صلوا علیه میں صلوۃ لغوی مراد یا یوں کہو کہ اللہ کے بندوں سے دعا مانگنا رب تعالٰی کی عبادت ہے نہ کہ ان بندوں کی،جیسے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا رب تعالٰی کی عبادت ہے نہ کہ کعبہ کی بہرحال یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

۲؎ یہ آیت شہادت کے طور پر پیش فرمائی کہ جیسے رب تعالٰی نے نماز روزے کا حکم دیا ہے ویسے ہی دعا کا حکم دیا ہے۔اور اس پر قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ قبولیت دعا کی تین صورتیں ہیں،مدعی پورا کردینا کوئی آفت ٹال دینا،درجات بڑا دینا،وغیرہ اس کے بعد رب تعالٰی فرمارہاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ"۔دعا کے بعد عبادت کا ذکر فرمانےسے معلوم ہوا کہ دعا عبادت ہے۔خیال رہے کہ دعا مانگنا اکثر مستحب ہے واجب نہیں لہذا آیت کی یہ وعید اس کے لیے ہے جو تکبر سے دعا نہ مانگےکہ یہ تو کفر ہے۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا عبادت کا مغز ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی دعا عبادت کا رکن اعلٰی ہے جیسے مغز کے بغیر ہڈی کی،گودے کے بغیر چھلکے کی کوئی قدر نہیں ایسے ہی دعا سے خالی عبادت کی کوئی قدر نہیں،رب تعالٰی مانگنے کو پسند فرماتاہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"الحج عرفة"حج عرفہ کا نام ہے یعنی عرفات کا قیام حج کا رکن اعلٰی ہے عبادت نام ہے اپنی انتہائی عاجزی رب تعالٰی کی انتہائی عظمت کے اظہار کا دعا میں یہ دونوں چیزیں اعلٰی طریقہ سے موجود ہیں کہ اس میں بندہ اقرار کرتا ہے کہ میں کچھ نہیں،تو کریم ہے غنی ہے اس لیے میں تیرے دروازہ پر ہاتھ پھیلائے آیا ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ہاں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز گرامی نہیں ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ رب خود فرماتاہے:"قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ"اگر تمہاری دعائیں نہ ہوں تو رب تعالٰی تمہاری پرواہ بھی نہ کرے معلوم ہوا کہ اگر ہماری بارگاہ الٰہی میں کچھ قدر و منزلت ہے تو دعاؤں کی برکت سے ہے،دعا میں ساری عبادات بھی شامل ہیں کہ وہ بھی بالواسطہ دعائیں ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللہِ اَتۡقٰکُمۡ"کہ دعا بھی تقویٰ کا رکن ہے۔

	روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں فرمایا

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کو دعا کے سواء کوئی چیز نہیں لوٹاتی ۱؎ اور نیک سلوک کے سواء کوئی چیز عمر نہیں بڑھاتی ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی دعا کی برکت سے آتی بلا ٹل جاتی ہے دعائے درویشاں رد بلا، قضاء سے مراد تقدیر معلق ہے یا معلق مشابہ با لمبرم کہ ان دونوں میں تبدیلی ترمیمی ہوتی رہتی ہے تقدیر مبرم کسی طرح نہیں ٹلتی، لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ"۔کہا جاتا ہے کہ بخار آگیا تھا دوا سے اتر گیا دوا نے تقدیر مبرم کو نہیں بدل دیا بلکہ اس کے اثر سے چڑھا ہوا بخار اتر گیا تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ اسے بخار آئے گا اگر فلاں دوا کرے تو اتر جائے گا اس کے اور بھی معنے کیے گئے ہیں مگر یہ توجیہ بہتر ہے۔

۲؎ یعنی لوگوں سے خصوصًا ماں باپ اور اہل قرابت سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے اس کی بھی وہ صورت ہے جو ابھی عرض کی گئی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ"۔معلوم ہوا کہ عمر میں زیادتی کمی ہوتی ہے۔اور فرماتا ہے: "يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثۡبِتُ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ"۔معلوم ہوا کہ تقدیر میں محوو اثبات ہوتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہے اللہ کا علم،ایک ہے اللہ تعالٰی کے فرشتوں کو اعلام تحریر سے ہو یا بغیر تحریر،ان دونوں کا نام تقدیر ہی ہے مگر پہلی تقدیر میں تبدیلی قطعًا ناممکن ہے دوسری تقدیر میں تبدیلی ممکن بلکہ واقع ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" جلد سوم میں ملاحظہ کیجئے۔حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر آدم علیہ السلام کی دعا سے ساٹھ سال سے سو سال ہوگئی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا نازل شدہ آفت میں بھی نافع ہے اور اس بلا میں بھی جو نہ اتری ہو ۱؎ تو اے اللہ کے بندو دعا کو مضبوط پکڑو ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی دعا کے دو فائدے ہیں: ایک یہ کہ اس کی برکت سے آئی بلا ٹل جاتی ہے۔دوسرے یہ کہ آنے والی بلا رک جاتی ہے،لہذا فقط بلا آنے پر ہی دعا نہ کرو بلکہ ہر وقت دعا مانگو شائد کوئی بلا آنے والی ہو کہ اس دعا سے رک جائے۔اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ یہ سب تقدیر معلق کے متعلق ہے۔

۲؎ اس طرح کہ حال میں دعائیں مانگو،دعا کیلیے بلاء آنے کا انتظار نہ کرو کہ جب آفت آئے گی تو دعا مانگ لیں گے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ جیسے ڈھال سلاح یعنی ہتھیار کا وار روک لیتی ہے اور جیسے پانی لگی پیاس بجھادیتا ہے یعنی ڈھال اور پانی ان کے اسباب ہیں ایسے ہی دعا آئی ہوئی بلا کا وار روک لیتی ہے اور لگی آگ بجھادیتی ہے،اسباب بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہیں اور مسببات بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَلۡيَاۡخُذُوۡا حِذۡرَهُمۡ وَاَسۡلِحَتَهُمۡ" جنگ میں اپنا بچاؤ اور ہتھیار لے کر جاؤ لہذا دنیا میں بھی انسان دعاؤں کا بچاؤ اور نیک اعمال کے ہتھیار لے کر رہے،ورنہ آفات کچل دیں گے۔

	اور احمد بروایت معاذ ابن جبل اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کوئی دعا مانگے تو ضرور اللہ تعالٰی اس کی منہ مانگی مراد دیتا ہے یا اس جیسی کوئی آفت دور کردیتا ہے ۱؎ جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے ۲؎(ترمذی)

۱؎ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے کہ "ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" مجھ سے دعا کرو میں تمہاری قبول کروں گا اس حدیث نے بتایا کہ قبولیت دعا کی چند صورتیں ہیں:ایک منہ مانگی مراد مل جانا،دوسرے اس جیسی آفت ٹل جانا،مثلًا کسی کے ہاں سو روپیہ کی چوری ہونی تھی،اس نے اللہ سے دعا مانگی کہ خدایا مجھے سو روپیہ دے اسے سو روپے تو نہ ملے مگر اتنی چوری ٹل گئی،بہرحال دعا رائیگاں نہ گئی لہذا مانگی مراد نہ ملنے پر دل تنگ نہ ہو بعض مرادیں نہ ملنا ہمارے لیے بہتر ہوتا ہے۔

۲؎یہ قبول دعا کی شرط ہے کہ انسان بری چیز کی دعا نہ مانگے کہ وہ قبول نہیں اور نہ اس دعا کی یہ تاثیریں ہیں۔خیال رہے کہ کبھی بندہ بری بات بھی مانگ لیتا ہے اور پالیتاہے مگر یہ اس کی دعا کی قبولیت نہیں بلکہ ہونا ایسا ہی تھا اتفاقًا اس نے مانگ بھی لیا،نیز اس دعا پر ثواب کوئی نہیں بلکہ گناہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی سے اس کا فضل مانگو ۱؎ کہ اللہ تعالٰی مانگنے کو پسند فرماتا ہے ۲؎ اور بہترین عبادت کشائش کا انتظار ہے ۳؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یعنی اس کا عدل نہ مانگو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے عدل وہ ہے جو کام کے عوض دیا جائے فضل وہ ہے جو بلا معاوضہ محض مہربانی سے دیا جائے۔اگر رب تعالٰی عدل فرمائے تو ہم گنہگار بڑی سزا کے مستحق ہیں فضل فرمائے اور بخش دے تو اس کی مہربانی ہے۔ مِنْ فرما کر یہ بتلایا کہ اس کا بعض فضل مانگو نہ کہ سارا کیونکہ اس کا فضل غیر متناہی ہے اور تمہاری جھولی متناہی،پیالی والا سارا سمندر سمیٹنے کی کوشش نہ کرے۔

۲؎ عجیب بارگاہ بے نیاز ہے دوسرے سخی مانگنے والوں سے گھبرا جاتے ہیں رب تعالٰی وہ کریم ہے کہ مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔ہر دل کے ساتھ اس کا نیا راز ہے اور اس کے دروازے پر ہر بھکاری کا نیا ناز وا نداز۔شعر

اے کہ باہر دل ترا رازے دگر | ہر گدارا بردرت نازے دگر

۳؎ یعنی گرفتار بلاشکایتیں نہ کرتا پھرے بلکہ اس کی مہربانی کا انتظار رکھے،وہاں آس والے کی آس توڑی نہیں جاتی۔خیال رہے کہ کسی سے دوا یا دعا کی درخواست کرنا شکایت نہیں اور نہ یہ اس انتظار کے خلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ تعالٰی سے نہ مانگے تو اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جو شخص غرور و تکبر اور اپنے کو رب تعالٰی سے بے نیاز سمجھ کر دعا نہ مانگے وہ غضب و لعنت کا مستحق ہے،ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے وقت دعا نہ مانگی کیونکہ وہ سمجھے کہ یہ میرا امتحان کا وقت ہے شاید دعا کرنا بے صبری میں شمار ہو۔فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ کے ذکر یا درود شریف کی کثرت دعا سے روک دے تو اسے دعائیں مانگنے والو ں سے زیادہ ملے گا یہ حدیث ان دونوں کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھولا جائے تو اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے ۱؎عافیت سے بڑھ کر کوئی کیسی چیز اللہ سے نہ مانگی گئی ہو جو اسے زیادہ پیاری ہو ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جسے ہر وقت ہر حال میں دعائیں مانگنے کی توفیق ملے تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے لیے رب تعالٰی نے رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں،اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ دعا کی طرف دل کا راغب ہونا پھر دعا کے لیے اچھے الفاظ مل جانا رب تعالٰی ہی کے کرم سے ہے جب وہ کچھ دینا چاہتا ہے تو ہمیں مانگنے کی توفیق بخشتا ہے۔شعر

مری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے　　　　قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

۲؎ لمعات نے فرمایا کہ عافیت کے معنے سلامتی ہیں،یہاں کامل سلامتی مراد ہے،یعنی زندگی موت،قبر حشر کی تمام ظاہری باطنی چھوٹی بڑی آفتوں سے سلامتی و حفاظت۔ ظاہر بات ہے کہ یہ دعاء جامع الدعاء ہے، مرقات نے فرمایا کہ رب تعالٰی نے مصیبتیں پیدا ہی اس لیے کی ہیں تاکہ بندہ ان سے سلامتی کی دعائیں مانگے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عافیت اسی میں ہے جس میں رب راضی ہے،لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر میں زہر کھالینا فاروق اعظم کا مصلائے مصطفے پر خنجر کھا کر شہید ہونا،عثمان غنی کا قرآن پڑھتے ہوئے ذبح ہوجانا،حسین علیہ السلام کا بے آب دانہ مثل پروانہ،شمع مصطفوی پر نثار ہوجانا،عافیت ہی تھا۔لہذا رب تعالٰی سے وہ عافیت مانگو جو اس کے علم میں ہمارے لیے عافیت ہے نہ وہ جو ہمارے علم میں ہمارے لیے عافیت ہو۔ حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی بہترین دعا سکھایئے فرمایا چچا جان،اللہ سے دین و دنیا کی عافیت مانگو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے کہ مصیبتوں کے وقت اللہ اس کی دعا قبول کرے تو وہ آرام کے زمانہ میں دعائیں زیادہ مانگا کرے[1](ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اس کی وجہ ظاہر ہے کہ صرف مصیبت میں دعا مانگنا اور راحت میں رب سے غافل ہوجانا خود غرضی ہے اور ہر وقت دعا مانگنا عبدیت ہے رب کو خود غرضی ناپسند ہے عبدیت پسند خود فرماتاہے:"وَ اِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسٰنِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ"۔ایسے خود غرض کا حشر یہ ہوتا ہے کہ رب تعالٰی فرماتاہے اس پر مصیبت رہنے دو تاکہ اسی بہانے میرے دروازے پر حاضر رہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے دعا کرو قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے[1]اور جان رکھو کہ اللہ غافل و لاپرواہ کی دعا قبول نہیں فرماتا[2](ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی دعا کرتے وقت یہ یقین کرلو کہ رب تعالٰی اپنے کرم سے میری یہ دعا ضرور قبول کرے گا اس میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ دعا کے وقت تمام شرائط قبول اور آداب دعا پورے کرو جس سے تمہارے دل کو قبولیت کا یقین خود بخود ہو جائے پھر ساتھ ہی اس کے کرم سے امید رکھو اللہ تعالٰی آس والوں کو ناامید نہیں فرماتا اس کا نام ہے رجاء السائلین ۔(از مرقات و لمعات)

[2] قبولیت دعا کی بہت سی شرطیں ہیں،جن میں سے بڑی اہم شرط دل لگنا ہے اسی لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دعا مانگنے کے وقت دل اور طرف ہو منہ اور طرف ہاتھ رب تعالٰی کی بارگاہ میں پھیلے ہوں،خیال بازار وغیرہ میں ہو تو دعا قبول نہیں ہوتی۔قبولیت دعا اس شرط سے ہے کہ ہاتھ،زبان،دل دھیان سب کا مرکز ایک ہی یعنی بارگاہ الٰہی۔

	روایت ہے حضرت مالک ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم اللہ سے دعا مانگو تو ہتھیلیوں سے مانگو ہاتھوں کی پشت سے نہ مانگو[1]

[1] یعنی دعا کے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف پھیلاؤ اور ہاتھوں کی پیٹھ زمین کی طرف رکھو کیونکہ مانگنے والا داتا کے سامنے لینے کے لیے ہتھیلی ہی پھیلاتاہے،نیز اس میں اظہار عجز زیادہ ہے ہاں جن دعاؤں میں کچھ مانگا جائے کسی آفت سے بچا جائے وہاں سنت یہ ہے کہ پہلے تو ہتھیلیاں پھیلاؤ اور پھر آسمان کی طرف ہاتھوں کی پیٹھیں کردو،نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء کے بعد ایسے ہی دعا مانگتے تھے اس ہاتھ پلٹنے میں اشارۃً یہ عرض کرنا ہے کہ مولا دنیا کا حال بدل دے۔خشکی ہے تری کردے،قحط ہے فراخی کردے،گرانی ہے ارزانی کردے۔

اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ سے دعا کرو ہتھیلیاں پھیلا کر نہ ہاتھ کی پشت سے پھر جب فارغ ہوجاؤ تو منہ پر ہاتھ پھیر لوا(ابوداؤد)	

اکیونکہ پھیلے ہوئے ہاتھوں پر اللہ کی رحمت اترتی ہے ان ہاتھوں کے منہ پر پھیر لینے سے رحمت منہ پر پہنچ جاتی ہے،یہ عملی سنت بھی ہے اتباع سنت میں برکت ہےمرقاۃ۔ہاں بعض علماء نے فرمایا کہ کھانے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے اگر مجمع میں کھانا کھایا جائے تو اس دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے تاکہ ان لوگوں کو شرمندگی نہ ہو جو ابھی تک فارغ نہ ہوئے۔حصن حصین شریف میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا آداب دعا سے ہے جن احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے استسقاء کے اور دعاؤں میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے وہاں زیادہ اونچے ہاتھ اٹھانا مراد ہے یعنی نماز استسقاء میں ہاتھ سر مبارک سے اونچے اٹھاتے تھے باقی دعاؤں میں سینے کے مقابل لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارا رب حیاء والا ہے کرم والا ہے اس سے حیاء فرماتا ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے وہ انہیں خالی لوٹا دے ا (ترمذی،ابوداؤد،بیہقی دعوات الکبیر)	

ااس میں ہاتھ پھیلانے کی حکمت کا بیان ہے ان شاءاللہ پھیلے ہوئے ہاتھ رب کی بارگاہ سے خالی نہیں لوٹیں گے ۔خیال رہے کہ رب تعالیٰ حیاء شرم وغیرہ کے ظاہری معنے سے پاک ہے اس کے لیے ان چیزوں کا نتیجہ مراد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایسا کرتا نہیں کہ بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو خالی پھیرے اس کے معنے ہم عرض کرچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مانگنے والے کو ضرور دیتا ہے خواہ اس طرح کہ اس کی مراد پوری کردے یا اس طرح کہ اس کی کوئی آفت ٹال دے یا اس طرح کہ درجات بلند کردے،لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت دفعہ ہاتھ پھیلا کر دعائیں کی جاتی ہیں اور مراد نہیں ملتی۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاتے تو بغیر منہ پر پھیرے ہاتھ نہ گراتے ا(ترمذی)	

ادعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور رزق و رحمت کے آنے کی جگہ یہ وجہ نہیں کہ رب تعالیٰ آسمان میں رہتا ہے جیسے تنخواہ لینے والے خزانے پرجمع ہوجاتے ہیں خزانے میں ان کی تنخواہیں ہیں نہ کہ خود بادشاہ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے تھے اور اس کے ماسوا دعائیں چھوڑ دیتے تھے [1](ابوداؤد)

[1]جامع دعا وہ کہلاتی ہے جس کے الفاظ تھوڑے ہوں، معانی زیادہ جیسے "رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً" الایہ۔اور جیسے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ"۔یہاں عمومی حالات مراد ہیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جامع دعائیں مانگتے تھے،خاص موقعوں پر خاص دعائیں بھی مانگی ہیں۔جیسے استسقاء میں بارش کی دعا وغیرہ لہٰذا یہ حدیث ان روایات کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جلد قبول ہونے والی دعا غائب کی غائب کے لیے ہے [1] (ترمذی،ابوداؤد)

[1]یعنی جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعائے خیر کرے تو بہت جلد قبول ہوتی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ شخص مسلمان بھائی کا خیر خواہ بھی ہے اور مخلص بھی،سامنے دعا کرنے میں ریاء دکھلاوے و خوشامد کا احتمال ہوسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن الخطاب سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کے لیے جانے کی اجازت مانگی [1]تو مجھے اجازت دی اور فرمایا اے میرے بھائی [2]ہمیں بھی اپنی دعا میں یاد رکھنا ہمیں بھول نہ جانا [3]حضور نے یہ ایسی بات فرمائی کہ مجھے اس کے عوض ساری دنیا مل جانا پسند نہیں [4](ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی کی روایت اس قول پر ختم ہوگئی کہ ہمیں بھول نہ جانا۔

[1]حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے عمرہ کی نذر مانی تھی جو پوری نہ کرسکے تھے کہ مسلمان ہوگئے،پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا نذر پوری کر و تب آپ عمرہ کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے روانہ ہوئے۔

[2]حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عمر کو بھائی فرمایا یہ انتہائی کرم کریمانہ ہے،جیسے سلطان اپنی رعایا سے کہے میں تمہارا خادم ہوں مگر کسی مسلمان کا حق نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"الایہ۔اسی لیے کبھی صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہہ کر نہ پکارا،روایت حدیث میں تمام صحابہ یہ ہی کہتے تھے قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ یعنی مکہ معظّمہ پہنچ کرہرمقبول دعا میں اپنے ساتھ میرے لیے بھی دعا کرنا معلوم ہوا کہ حاجی سے دعا کرانا اور وہاں پہنچ کر دعا کرنے کے لیے کہنا سنت ہے۔صوفیائے کرام اس جملہ کے معنے یہ کرتے ہیں کہ اے عمر ہر دعا میں ہم پر درود شریف پڑھنا ہمارے درود کو نہ بھولنا تاکہ اس کی برکت سے تمہاری دعائیں قبول ہوں حضور کے لیے اعلیٰ درجہ کی دعا آپ پر درود شریف پڑھنا ہے صلی اللہ علیہ وسلم کریم کے پیاروں کو دعائیں دینا درحقیقت اس سے مانگنے کی تدبیر ہے ہمارا بھکاری ہمارے دروازہ پر آکر ہمارے جان و مال اولاد کو دعائیں دیتا ہے ہم سے بھیک پاتا ہے۔ہم بھی رب تعالٰی کے محبوب کو دعائیں دیں رب تعالٰی سے بھیک لیں۔

۴؎ حضرت عمر کا یہ فرمان فخریہ نہیں بلکہ شکریہ کے طور پر ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھائی کے خطاب سے نوازا۔معلوم ہوا کہ میں دنیا وآخرت میں صحیح مؤمن ہوں پھر مجھے حکم دعا کہ حضور کو دعائیں دوں۔معلوم ہوا کہ میرا منہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے لائق ہے،پھر فرمایا مجھے بھولنا نہیں۔معلوم ہوا کہ میرا دل کاشانۂ یار بننے کے لائق ہے،یہ ایسی بشارتیں ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں ان پر قربان ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی ۱؎ روزہ دار کی جب افطار کررہا ہو ۲؎ انصاف والے حاکم کی ۳؎ اور مظلوم کی دعا کو تو اللہ تعالٰی بادلوں کے اوپر اٹھا لیتا ہے ۴؎ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب تعالٰی فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد سہی ۵؎(ترمذی)	

۱؎ شخصوں سے مراد مسلمان ہیں مرد ہوں یا عورت کفار اس میں داخل نہیں،دعا رد نہ ہونے کا وہ مطلب ہے جو پہلے عرض کیا جاچکا ہے،عطائے مدعی،رد بلا،رفع درجات۔

۲؎ کیونکہ یہ عبادت سے فراغت کا وقت ہے بعد عبادت دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لیے نماز،حج،زکوۃ،سے فراغت پر دعائیں کرنا چاہیئے۔ معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ بھی دعا کی جائے کہ وہ بھی رب کی عبادت ہے اور عبادت کے بعد دعا قبول ہے۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ مسلمان حاکم کا ایک گھڑی عدل و انصاف کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے کہ اس عدل سے خلق خدا کا نظام قائم ہے۔

۴؎ مرقات نے فرمایا کہ مظلوم جانور بلکہ مظلوم کافر و فاسق کی بھی دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ مسلمان مظلوم کی دعا زیادہ قبول ہے،کیونکہ مظلوم مضطرو بے قرار ہوتا ہے اور بے قرار کی دعا عرش پر قرار کرتی ہے رب فرماتاہے:"اَمَّنۡ

يُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ"دعا کو بادلوں پر اٹھانے اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جانے کا مطلب بہت جلد سننا اور اس کی دعا کی عزت افزائی اور اہمیت کا اظہا ر فرمانا۔

۵؎ حین عربی میں مطلقًا وقت کو کہتے ہیں مگر اکثر کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ چالیس سال پر بولتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں حلیم ہوں،لہذا ظالم کو جلد نہیں پکڑتا۔اسے توبہ اور مظلوم سے معافی مانگنے کا وقت دیتا ہوں،اگر وہ اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھائے تو پکڑتا ہوں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعائیں بلا شبہ مقبول ہیں۱؎باپ کی دعا ۲؎مسافر کی دعا ۳؎اور مظلوم کی دعا(ترمذی ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎خیال رہے کہ پہلی حدیث میں تین دعا کرنے والوں کا ذکر تھا۔اور یہاں تین دعاؤں کا تذکرہ ہے،یعنی یہ تین دعائیں بذات خود قابل قبول ہیں اور اپنے فاعلوں کی برکت سے بھی لائق قبول،اسی لیے وہاں عدل اور روزے کا ذکر فرمایا جس میں فاعل بہ تکلف مشقت اٹھاتا ہے۔یہاں مسافر اور باپ کا ذکر ہے جس میں تکلف و مشقت نہیں۔(مرقات)

۲؎اولاد کے حق میں باپ کی دعا قبول ہے اور بددعا بھی مگر چونکہ باپ اکثر دعائیں ہی دیتا ہے اس لیے دعاء کا ذکر فرمایا،والد سے مراد ماں باپ دونوں ہیں دادا بھی اس میں داخل ہے کہ بالواسطہ وہ بھی والد ہے ماں کی دعا بہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔

۳؎یوں تو مسافر کی بحالت سفر تمام دعائیں ہی قبول ہیں مگر اپنے محسن کے لیے دعا اور اپنے ستانے والے پر بددعا بہت قبول ہے۔(مرقات)اسی طرح مظلوم کی بددعا قبول مگر ستانے والے کے لیے بددعا اور امداد کرنے والے یا بچانے والے کے لیے دعاء بہت قبول ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص اپنے رب سے اپنی ساری حاجتیں مانگے حتی کہ جب جوتا کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس سے مانگے ۱؎	

۱؎یعنی بندہ یہ خیال نہ کرے کہ اتنے بڑے آستانہ سے چھوٹی چیز کیا مانگوں کوئی بڑی حاجت مانگوں گا،نہیں ہر حاجت مانگو چھوٹی ہو یا بڑی،اگر اس سے بڑی چیز مانگی جائے تو بتاؤ چھوٹی حاجتوں کے لیے کون سا دروازہ ہے،غلام اپنے آقا سے ہر

چیز مانگا ہی کرتے ہیں دیکھو موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے رب تعالیٰ سے مدین پہنچ کر روٹی کا ٹکڑا مانگاکہ عرض کیا" رَبِّ اِنِّی لِمَآ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ"۔

	ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسلًا یہ زیادتی بھی ہے کہ رب سے نمک تک مانگے اور جب تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ تک مانگے [1] (ترمذی)

[1] یعنی ایک ہانڈی کا نمک جو چند تولے ہوتاہے،ایسے ہی ایک جوتی کا تسمہ جو کوڑی دو کوڑی کا ہوتا ہے،وہ بھی رب تعالیٰ ہی سے مانگو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ اتنے اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل شریف کی سفیدی دیکھی جاتی [1]

[1] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سر سے اونچے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے حتی کہ اگر قمیص مبارک نہ پہنے ہوتے تو بغل شریف کے سفیدی نظر آجاتی۔خیال رہے کہ اس قدر اونچے ہاتھ اٹھانا یا تو نماز استسقاء میں ہوتا تھا یا کبھی کبھی بیان جواز کے لیے اور موقعوں پر بھی ورنہ عام دعاؤں میں سینے یا کندھے تک ہاتھ اٹھاتے تھے،لہذا یہ حدیث کندھوں یا سینہ تک ہاتھ اٹھانے کے خلاف نہیں اورنہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر قمیص کے نماز پڑھتے تھے یہ تو سخت مکروہ ہے،آج کل بعض لوگ بغیر قمیص نمازپڑھتے ہیں اور اس حدیث کو آڑ بنا تے ہیں مگر غلط ننگے کندھے نماز پڑھنے کی ممانعت باب الستر میں گزر گئی۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ حضور دعا کے وقت اپنی انگلیاں کندھوں کے مقابل کرتے تھے [1]

[1] یعنی پہلے آپ ہاتھ شریف اتنے اٹھاتے کہ ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں کے مقابل ہوجاتیں پھر دعا مانگتے تھے،یہ اکثری حالات کا ذکر ہے اور پہلی حدیث میں بعض مخصوص حال کا ذکر تھا۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو ہاتھ شریف اٹھاتے پھر ہاتھ منہ پر پھیر لیتے [1] ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے دعوات کبیرہ میں نقل کیا۔

[1] یعنی جن دعاؤں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے تھے ان میں ہاتھ منہ پر پھیر لیتے تھے اور جن میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے جیسے نماز،طواف،کھانے کے بعد کی دعائیں ان میں ہاتھ منہ پر بھی نہ پھیرتے تھے لہذا اذا دعا،کان کا ظرف ہے نہ کہ خبر اس کی خبر تو مسح یدیہ ہے لہذا حدیث صاف ہے۔

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے راوی ہے کہ آپ نے فرمایا طریقہ دعا یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کندھوں کے مقابل یا اُن تک اٹھاؤ ا اور طریقہ استغفار یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو ۲ اور عاجزی زاری طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ خوب پھیلادو ۳ اور ایک روایت میں فرمایا کہ زاری یوں ہے اور اپنے ہاتھ اٹھائے ہاتھوں کی پیٹھ چہرہ انور کے سامنے کی ۴ (ابوداؤد)

ا یعنی عام دعاؤں میں ہاتھ سینے تک اٹھانا سنت ہے کہ عادۃً بھکاری مانگتے وقت داتا کے سامنے یہاں تک ہی ہاتھ اٹھاتے اور پھیلاتے ہیں،لمعات

۲ یعنی استغفار پڑھتے وقت اپنی کلمہ کی انگلی اپنے نفس کی طرف کرکے عرض کرے کہ یا اللہ یہ نفس امارہ مجرم ہے اور یہ بندہ گنہگار حاضر ہے،بخش دے۔

۳ ابتھال کے معنے ہیں اظہار عجز اور انتہائی خشوع،اسی سے ہے مباہلہ،یہاں اس سے مراد دفع بلا کی دعا ہے،جیسے استسقاء میں قحط کے دفع ہونے کی دعا مانگی جاتی ہے ایسی دعاؤں میں ہاتھ سر سے اوپر اٹھانے چاہئیں۔

۴ یعنی ہاتھ پورے اٹھا دیئے جائیں حتی کہ ہاتھوں کی پیٹھ چہرے کی طرف ہوجائے۔

	روایت ہے ابن عمر سے وہ فرماتے تھے کہ تمہارا زیادہ ہاتھ اٹھانا بدعت ہے ا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ نہ اٹھائے یعنی سینہ تک ۲ (احمد)

ا یعنی اے لوگوں تمہارا ہر دعا میں سر سے اونچے ہاتھ اٹھانا اور دعاؤں میں فرق نہ کرنا کہ کس دعا میں اتنے اونچے ہاتھ اٹھائے جائیں یہ خلاف سنت ہے،اسے چھوڑ دیناچاہیئے،خیال رہے کہ بدعت کے ایک معنے تو ہیں نیا کام یعنی جو کام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہو،اس بدعت کی دو قسمیں ہیں،بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ،جس کی پوری بحث باب الاعتصام میں گزرچکی،جمع قرآن کے وقت بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے عرض کیا تھا کہ آپ وہ کام کیوں کر رہے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا یعنی یہ بدعت ہے تو حضرت صدیق نے فرمایا کہ واللہ ھو خیر رب کی قسم یہ اچھا کام ہے۔یعنی بدعت حسنہ ہے،دوسرے خلاف سنت کام یہ بدعت ہمیشہ سیئہ اور بری ہی ہوگی،یہاں دوسرے معنے مراد ہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عمومًا سینہ تک ہاتھ اٹھائے اور تم عمومًا سر سے اونچے اٹھاتے ہو تو اس سنت کو چھوڑتے ہو،اس سے باز آجاؤ۔

۲ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس سے عام دعائیں مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عمومی دعاؤں میں کبھی ہاتھ کم اٹھاتے تھے کبھی زیادہ مگر زیادتی سینہ سے اوپر نہ ہوئی،لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کبھی سر سے اونچے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر کرکے اسے دعا دیتے تو اپنی ذات سے دعا شروع کرتے ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن،غریب صحیح ہے۔

۱؎اس میں امت کو تعلیم ہے کہ تم جب کسی کے لیے دعا کرو تو پہلے اپنے لیے کرو پھر اس کے لیے صرف دوسرے کے لیے دعا کرنے میں اپنے استغنا اور بے نیازی کا شبہ ہوتا ہے،مگر یہ قاعدہ بھی اکثر یہ تھا کلیہ نہ تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمۃ اللہ اللہ اس پر رحم کرے یا فرماتے "اللھم صل علی ابی أبی اوفی" وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کوئی ایسی دعا مانگے جس میں نہ گناہ ہو نہ قطع رحمی ۱؎مگر اللہ تعالٰی اسے تین میں سے ایک ضرور دیتا ہے یا تو اس کی دعا یہاں ہی قبول کرلیتا ہے ۲؎یا آخرت میں اس کے لیے ذخیرہ کردیتا ہے ۳؎یا اس جیسی مصیبت ٹال دیتا ہے ۴؎ صحابہ نے عرض کیا تب تو ہم خوب زیادہ دعائیں کریں گے فرمایا رب کی عطا بہت زیادہ ہے۔۵؎(احمد)

۱؎یعنی اس دعا میں نہ تو لازم گناہ ہو نہ متعدی،مثلًا کہے کہ فلاں اجنبیہ سے وصال نصیب کر یا مجھے دولت دے تاکہ میں اپنے عزیزوں کو اپنا غلام بنا کر رکھوں کہ ایسی دعائیں ممنوع ہیں۔

۲؎کہ اس کی منہ مانگی مراد جلد یا کچھ دیر سے دے دیتا ہے۔

۳؎کہ دنیا میں تو اس کی مراد پوری نہیں کرتا مگر آخرت میں اس کے عوض اس کے گناہ معاف فرمادے گا اس کے درجے بلند کردے گا۔

۴؎معلوم ہوا کہ دعا سے رد بلا ہوتا ہے اس لیے مراد پوری نہ ہونے پر ملول نہ ہوناچاہیئے۔

۵؎کہ اگر سارا جہاں ہمیشہ دعائیں مانگے تو رب تعالٰی کے ہاں سے محروم نہ ہوں گے مگر۔شعر

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو　　　در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں پانچ دعائیں بہت قبول کی جاتی ہیں مظلوم کی دعا حتی کہ بدلہ لے لے ۱؎حاجی کی دعا حتی کہ لوٹ آئے ۲؎غازی کی دعا حتی کہ جنگ بند ہوجائے ۳؎بیمار کی دعا حتی کہ تندرست ہوجائے مسلمان بھائی کی پس پشت دعا پھر فرمایا ان سب میں مسلمان

	بھائی کی دعا پس پشت زیادہ قبول ہوتی ہے ۴؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیں۔

۱؎ زبان سے یا ہاتھ سے یا حاکم کے ہاں فریاد کرکے جس سے اس کی مظلومیت ختم ہوجائے۔

۲؎ خواہ حج اکبر یعنی حج کرے یا حج اصغر یعنی عمرہ کرے دونوں کی دعائیں اپنے وطن تک آنے تک قبول ہیں اس لیے حجاج سے دعائیں کراتے ہیں۔

۳؎ یا یہ غازی اپنے گھر لوٹ آئے مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **حتی یقعد** ہے یعنی مجاہد جہاد سے بیٹھ رہے یعنی یا تو فراغت جہاد کی وجہ سے یا درمیان جہاد اپنے گھر آجائے۔

۴؎ کیونکہ اس دعا میں خلوص بہت ہوتا ہے،نیز یہ شخص دوسروں کے لیے مفید ہے۔

باب ذکر اللہ عزوجل و التقرب الیہ

باب اللہ عزوجل کا ذکر اور اس سے قرب حاصل کرنا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ ذکر کے چند معنے ہیں: یاد کرنا، یاد رکھنا، اس کا چرچا کرنا، خیرخواہی عزت و شرف وغیرہ۔ قرآن کریم میں ذکر ان تمام معنوں میں وارد ہوا یہاں ذکر کے پہلے تین معنے ہوسکتے ہیں: یعنی اللہ کو یادکرنا اسے یاد رکھنا اس کا چرچا کرنااس کا نام جپنا۔ ذکر اللہ تین قسم کا ہے: ذکر لسانی، ذکر جنانی، ذکر ارکانی، ہر عضو کا ذکر علیحدہ ہے، آنکھ کا ذکر ہے خوفِ خدا میں رونا، کان کا ذکر ہے اس کا نام سننا وغیرہ ذکر اللہ بالواسطہ بھی ہوتا ہے اور بلاواسطہ بھی، اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کا تذکرہ یا انہیں سوچنا بلاواسطہ ذکر اللہ ہے، اس کے محبوبوں کا محبت سے چرچا کرنا اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر کرنا سب بالواسطہ اللہ کا ذکر ہیں۔ دیکھو سارا قرآن ذکر اللہ ہے مگر اس میں کہیں تو خدا کی ذات و صفات مذکور ہیں، کہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محامد کہیں کفار کے تذکرے۔ ذکر اللہ بہترین عبادت ہے اسی لیے رب تعالٰی نے اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاکیدی حکم دیا رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ" تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

گر تو خواہی زیستن با آبرو	ذکر اُوکُن ذکر اُوکُن ذکر او
ہر گدا را ذکراو سلطان کند	ذکر اوبس زیور ایماں بود
ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق	زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

حضرات نقشبندیہ کے ہاں ذکر خفی افضل ہے دوسرے سلسلوں میں ذکر بالجہر بہتر، فریقین کے دلائل ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے تقرب الی اللہ سے مراد مکانی قرب نہیں کہ رب تعالٰی مکان و جگہ سے پاک ہے بلکہ قبولیت کا قرب مراد ہے مردود دور رہے محبوب درحضور۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرماتے رسول اللہ نے ایسی کوئی جماعت نہیں جو اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھے ۱ مگر انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے ۲ ان پر سکینہ اترتا ہے ۳ اور اپنے پاس والے فرشتوں میں اللہ ان کا ذکر کرتا ہے ۴ (مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ بیٹھنے سے مراد کھڑے ہونے کے مقابل ہے،لہذا اس جملہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ذکر اللہ بیٹھ کر کرنا افضل ہے کہ اس میں سکون زیادہ ہوتا ہے۔دوسرے یہ کہ ذکر اللہ جماعت میں کرنا افضل ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے ممکن ہے کہ بیٹھنے سے مراد ہمیشہ ذکر اللہ کرنا ہو نیکی ہمیشہ کرنا افضل ہے۔

۲؎ یہاں فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں ذکر الٰہی کے طبقے ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اور رحمت سے مراد خاص رحمت الٰہی ہے جو ذاکرین کے لیے مخصوص ہے لہذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو انسان کو ہر وقت ہی گھیرے رہتے ہیں کیونکہ ہر وقت ساتھ رہنے والے فرشتے حافظین ہیں۔

۳؎ سکینہ کی شرح "باب فضائل القرآن" میں گزرچکی کہ یا تو اس سے مراد خاص ملائکہ ہیں یا دل کا نور یا دلی چین و سکون ہے اللہ کے ذکر سے دل کو چین نصیب ہوتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ"اور فرماتا ہے:"هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی کے ملائکہ مقربین ہیں جو ہمیشہ اس کے پاس رہتے ہیں انتظام عالم کے لیے نہیں آتے اور ارواح انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام میں لوگوں کا ذکر فخر سے عزت وعظمت سے کرتے ہیں۔(مرقاۃ) یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"پھر جس طرح بندہ رب کو یاد کرتا ہے اسی طرح رب بندے کو مثلًا بندہ کہتا ہے کہ مولٰی میں گنہگار ہوں رب فرماتا ہے بندے مت گھبرا میں غفار ہوں وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ میں جارہے تھے کہ ایک پہاڑ پر گزرے جیسے جمدان کہا جاتا ہے ۱؎ تو صحابہ سے فرمایا چلو یہ جمدان ہے ۲؎ سبقت لے گئے جدا رہنے والے ۳؎ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ الگ رہنے والے کون لوگ ہیں ۴؎ فرمایا اللہ کی بہت یاد کرنے والے مردوعورت ۵؎ (مسلم)	

۱؎ یہ پہاڑ مدینہ منورہ کے قریب ہے مکہ معظّمہ کے راستے پر یہاں سے مدینہ منورہ پیدل ایک رات کے فاصلے پر ہے،طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا کہ ایک دوسرے کو نام بنام پکارکر پوچھتے ہیں کہ کیا تجھ پر کوئی اللہ کا ذاکر گزرا،اگر کوئی پہاڑ کہتا ہے کہ ہاں مجھ پر گزرا تو سب کہتے ہیں مبارک ہو عوارف المعارف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ روزانہ صبح و شام زمین کے بعض حصے بعض سے پوچھتے ہیں کہ کیا تجھ پر کوئی بندہ ایسا گزرا یا بیٹھا جو اللہ کا ذکر کررہا ہو،اگر کوئی طبقہ کہتا ہے کہ ہاں مجھ پر گزرا ہے تو دوسرے طبقے کہتے ہیں تو ہم سب سے افضل ہے۔مرقات

۲؎ یعنی اے جماعت صحابہ یہ جمدان پہاڑ ہے یہاں اللہ کا ذکر کرتے چلو تاکہ کل قیامت میں تمہارا گواہ ہو۔

۳؎ مفردون تفرید سے ہے،بمعنی الگ کرنا،جدا رکھنا،یعنی جنہوں نے اپنے کو دنیاوی الجھنوں،اغیار کی مجلس سے الگ رکھا یا جنہوں نے تمام ذکروں سے اللہ کے ذکر کو چھانٹ لیا۔جس میں وہ ہر وقت لگے رہتے ہیں۔
۴؎ یہ ماسوال احوال کے لیے ہے نہ کہ سوال ذات کے لیے جیسے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا ومارب العلمین یعنی اللہ تعالٰی کے صفات کیا ہیں اسی لیے یہاں من نہ بولا ما اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھی وہ عنایت فرمایا جو سوال کے مطابق ہے۔
۵؎ چونکہ اللہ کے ذاکر مرد زیادہ ہیں عورتیں کم،اس لیے مردوں کا ذکر پہلے ہوا عورتوں کا بعد میں۔ مرقات نے فرمایا کہ اللہ کا بہت ذکر کرنے والا وہ ہے جو کسی حال میں رب کو نہ بھولے خلوص سے اس کی عبادت کرے خلقت سے مستغنی رہے فکر و شکر میں حریص ہو جو خدا سے غافل کرے اس سے دور رہے اللہ کے ذکر میں ایسی لذات پائے جو کسی اور چیز میں نہ پائے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا"یعنی تمام غیر اللہ سے کٹ کر رب کے ہوجاؤ۔

	روایت ہے حضرت ابو موسی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال جو رب کا ذکر کرے اور جو نہ کرے زندہ و مردہ کی سی ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)۲؎

۱؎ یعنی جیسے زندہ کا جسم روح سے آباد ہے مردہ کا غیر آباد،ایسے ہی ذاکر کا دل ذکر سے آباد ہے غافل کا دل ویران یا جیسے شہروں کی آبادی زندوں سے ہے مردوں سے نہیں ایسے ہی آخرت کی آبادی ذاکرین سے ہے غافلین سے نہیں،یا جیسے زندہ دوسروں کو نفع و نقصان پہنچاسکتا ہے مردہ نہیں،ایسے اللہ کے ذاکر سے نفع و نقصان خلق حاصل کرتی ہے غافل سے نہیں یا جیسے مردے کو کوئی دوا یا غذا مفید نہیں ایسے ہی غافل کو کوئی عمل وغیرہ مفید نہیں اللہ کا ذکر کرو پھر دوسرے اعمال،ذاکر مرکر بھی جیتا ہے غافل زندہ رہ کر بھی مردہ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اس میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ حی لایموت کا ذکر ذاکر کو حیات غیر فانیہ بخش دیتا ہے۔ اولیاءاللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں۔(مرقاۃ)
۲؎ مسلم شریف میں ہے کہ جو گھر اللہ کے ذکر سے آباد ہو وہ زندہ ہے اور جو گھراس کے ذکر سے خالی ہو وہ مردہ ہے گھر سے مراد مؤمن کا دل ہے کہ وہ اللہ کا گھر ہے مبارک ہے وہ جو اس گھر کو آباد رکھے منحوس ہے وہ جو اسے ویران کردے۔شعر

آباد وہ ہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے | جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو مجھ سے رکھے ۱؎ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا

	ہوں ۲؎ اگر بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں عبد سے مراد بندہ مؤمن ہے اور ظنّ بمعنی یقین بھی آتا ہے جیسے "یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ"اور بمعنی گمان نیک بھی جیسے "ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا"اور بمعنی بدگمانی بھی جیسے "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" یہاں دونوں معنے درست ہیں یعنی بندہ میرے متعلق جیسا یقین رکھے گا میں ویسا ہی معاملہ اس سے کروں گا یا بندہ میرے متعلق جیسا گمان کرے گا میں ویسا ہی کروں گا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ قبولیت کی امید یا یقین پر دعا و عبادت کرے گا تو میں اس کی دعا و عبادت ضرور قبول کروں گا اور اگر ردکا یقین یا گمان کرے گا تو رد ہی کروں گا۔مقصد یہ ہے کہ اعمال بھی کرو اور قبول کی امید بھی رکھو عمل نہ کرکے بخشش کی امید رکھنا ظن نہیں بلکہ نفس کا دھوکا وغرور ہے ظن و غرور میں فرق چاہیئے جو بو کر گندم کاٹنے کی امید، ٹھنڈا لوہا کاٹنا بے کار ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

بعض لوگ امید دھوکے میں فرق نہیں کرتے وہ اس حدیث سے دھوکا کھاتے ہیں،حدیث واضح ہے۔

۲؎ رحمت و کرم،توفیق و مہربانی خیال رہے کہ بندہ رب سے ذکر اللہ کرتے وقت بہت قریب ہوتا ہے،جو ہر وقت ذکر کرے وہ ہر وقت رب سے قریب ہے۔

۳؎ بہتر مجمع سے مراد ارواح انبیاء و اولیاء ہیں لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اور ہوسکتا ہے اس مجمع سے مراد مقرب فرشتوں کا مجمع ہو چونکہ بعض لحاظ سے فرشتے انسان سے افضل ہیں کہ ہم انسان نیک و بد ہر طرح کے کام کرلیتے ہیں،فرشتے صرف نیک کام ہی کرتے ہیں اسی لیے انہیں خیرًا منهم کہا گیا،لہٰذاحدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انسان فرشتے سے افضل ہے پھر یہاں فرشتوں کو انسان سے افضل کیوں فرمایا گیا۔

مسئلہ: ماہیت انسان ماہیت فرشتہ سے افضل ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ"اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے رہے افراد اس میں تفصیل یہ ہے کہ خاص انسان جیسے انبیاء و اولیاء خاص و عام تمام فرشتوں سے افضل ہیں مگر عام مسلمان سے خاص فرشتے افضل،رہے کفار وہ تو گدھے کتے سے بھی بدتر ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر افضل ہے کہ آہستہ ذکرکرنےوالوں کاذکر وہاں بھی خفیہ ہی ہوتا ہے اور مجمع لگاکر اونچا ذکر کرنے والوں کا وہاں بھی علانیہ ذکر ہی ہوتا ہے جیسے فرشتے و انبیاء و اولیاء سنتے ہیں ذکر بالجہر والوں کی یہ حدیث قوی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو ایک نیکی کرے اسے دس گناہ ثواب ہے اور زیادہ بھی دوں گا۱؎ اور جو ایک گناہ کرے تو ایک برائی کا بدلہ اس کے برابر ہی ہے یا اسے بخش دوں ۲؎ اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کے ایک گز نزدیک ہوجاتا ہوں اورجو مجھ سے ایک گز نزدیک ہو تاہے تو میں اس سے ایک باغ قریب ہوجاتا ہوں۳؎ جو میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے میں اس کی طرف دوڑتا ہوں۴؎ اور جو کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائے پھر زمین بھر گناہ لے کر مجھ سے ملے تو میں اتنی ہی بخشش کے ساتھ اس سے ملوں گا۵؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی نیکی کرنے والے مسلمان کو ایک کا دس تو قانونًا وعدۃً دیا جائے گا اور اس کے علاوہ فضل و کرم سے بطور انعام عطا ہوگا جو ہمارے گمان و وہم سے وراء ہے۔خیال رہے کہ ایک کا دس گناہ عام حالات میں ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"مَنۡ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا"اور کبھی زمانہ جگہ کی خصوصیت سے ایک نیکی کا عوض سات سو یا پچاس ہزار بلکہ ایک لاکھ تک ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔یہ صرف نیکی کا عوض نہیں بلکہ اس وقت یا جگہ کی خصوصیت بھی ہے لہذا نہ تو گزشتہ مذکورہ آیتیں آپس میں متعارض ہیں اور نہ یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف جن میں فرمایا گیا کہ مدینہ پاک کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار ہے یا مکہ مکرمہ کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ۔

۲؎ یہاں بھی مَن سے مراد مؤمن ہے اور عام گناہ مراد ہیں عام حالات میں مؤمن کے ایک گناہ کا عوض ایک ہی ہے یا وہ بھی بخشش دیا جائے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ مکہ معظّمہ کا ایک گناہ ایک لاکھ ہے۔

۳؎ جب انسان دونوں ہاتھ سیدھے کرکے پھیلائے تو داہنے ہاتھ کی انگلی سے بائیں ہاتھ کی انگلی تک کو باغ کہتے ہیں یہ کلام تمثیلی طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اخلاص کے ساتھ تھوڑے عمل کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرو تو رب تعالٰی اپنے کرم سے بہت زیادہ رحمت کے ساتھ تم سے قریب ہوگا۔لہذا عمل کئے جاؤ تھوڑا بہت نہ دیکھو۔

۴؎ یہ کلام بطور مثال سمجھانے کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ تمہاری طلب سے ہماری رحمت سبقت لے گئی ہے،اگر تم ایسے معمولی اعمال کرو جن سے بدیر ہم تک پہنچ سکو تو ہم تم کو اپنے کرم سے بہت جلد اپنے دامن رحمت میں لے لیں گے اگر رب تعالٰی سے قرب ہماری کوشش سے ہوتا تو قیامت تک ہم اس تک نہ پہنچ سکتے،اس تک رسائی اس کی رحمت سے ہے۔

۵؎ یہاں شرک سے مراد کفر ہے،اور بخشش سے مراد مطلقًا بخشش ہے جلد ہو یا دیر سے یعنی مسلمان کتناہی گنہگار ہو اس کی بخشش ضرور ہوگی خواہ پہلے ہی سے ہوجائے یا کچھ سزا دے کر اور ظاہر ہے کہ بخشش بقدر گناہ ہوگی،ایک گناہ کی بخشش بھی ایک اور لاکھوں گناہوں کی بخشش بھی لاکھوں۔مقصد یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا گنہگار بھی رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو بلکہ بخشش کی امید پر توبہ کرلے۔یہ مقصد نہیں کہ بخشش حاصل کرنے کے لیے خوب گناہ کرے کہ یہ تو خدا پر امن ہے اور امن کفر ہے لہذا یہ حدیث گناہوں کی آزادی دینے کے لیے نہیں بلکہ توبہ کی دعوت دینے کے لیے ہے رب فرماتاہے:"لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ"۔خیال رکھو کہ رب تعالٰی کی رحمت بھی وسیع ہے اور اس کا عذاب بھی سخت ہے نہ معلوم رحمت کسے پہنچے عذاب کسے پکڑے،لہذا امید و خوف دونوں رکھو اس معجون مرکب کا نام ایمان ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو میرے کسی ولی ۱؎ سے عداوت رکھے میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں ۲؎ اور میرے کسی بندے کا بمقابلہ فرائض عبادتوں کے دوسرے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہونا مجھے زیادہ پسند نہیں ۳؎ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے قریب ہوتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں ۴؎ پھر جب اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتاہے اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتاہے اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے ۵؎ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے دیتا ہوں اور اگر میری پناہ لیتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں ۶؎ اور جو مجھے کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی میں تردد نہیں کرتا جیسے کہ میں اس مؤمن کی جان نکالنے میں توقف کرتا ہوں جو موت سے گھبراتا ہے اور میں اسے ناخوش کرنا پسند نہیں کرتا ادھر موت بھی اس کے لیے ضروری ہے ۷؎ (بخاری)

۱؎ ولی اللہ وہ بندہ ہے جس کا اللہ تعالٰی والی وارث ہوگیا کہ اسے ایک آن کے لیے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ خود اس سے نیک کام لیتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ"۔اور وہ بندہ ہے جو خود رب

تعالٰی کی عبادت کا متولی ہوجائے،پہلی قسم کے ولی کا نام مجذوب یا مراد ہے اور دوسرے کا نام سالک یا مرید ہے وہاں ہر مراد مرید ہے اور ہر مرید مراد فرق صرف ابتداء میں ہے یہ مقام قال سے وراء ہے حال سے معلوم ہوسکتاہے۔

۲؎ یعنی جو میرے ایک ولی کا دشمن ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کو تیار ہوجائے،خدا کی پناہ۔یہ کلمہ انتہائی غضب کا ہے صرف دو گناہوں پر بندے کو رب تعالٰی کی طرف سے اعلان جنگ دیا گیا ہے ایک سود خوار دوسرے دشمن اولیاء رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَأْذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ"۔علماء فرماتے ہیں کہ ولی کا دشمن کافر ہے اور اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ ایک ہے ولی اللہ سے اس لیے عداوت و عناد کہ ولی اللہ ہے یہ تو کفر ہے اسی کا یہاں ذکر ہے اور ایک ہے کسی ولی سے اختلاف رائے یہ نہ کفر ہے نہ فسق لہٰذا اس حدیث کی بناء پر یوسف علیہ السلام کے بھائی اور وہ صحابہ جن کی آپس میں لڑائیاں رہیں ان کو برا نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں اختلاف رائے تھا عناد نہ تھا۔عناد و اختلاف میں بڑا فرق ہے،اس کے لیے ہماری کتاب امیر معاویہ دیکھئے حتی کہ حضرت سارا کو اس بنا پر برا نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل علیہما السلام کی مخالفت کی،اس لیے یہاں عادی فرمایا خالف نہ فرمایا اور لی ولیا فرمایا ولی اللہ نہ فرمایا۔

۳؎ یعنی مجھ تک پہنچنے کے بہت ذریعہ ہیں،مگر ان تمام ذرائع سے زیادہ محبوب ذریعہ ادائے فرائض ہے اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرائض کے بغیر نوافل قبول نہیں ہوتے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے افسوس ان لوگوں پر جو فرض عبادات میں سستی کریں اور نوافل پر زور دیں اور ہزار افسوس ان پر جو بھنگ،چرس حرام گانے بجانے کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھے نماز روزے کے قریب نہ جائیں۔

۴؎ یعنی بندہ مسلمان فرض عبادات کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ میرا پیارا ہوجاتا ہے کیونکہ وہ فرائض و نوافل کا جامع ہوتا ہے۔(مرقات)اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض چھوڑ کر نوافل ادا کرے محبت سے مراد کامل محبت ہے۔

۵؎ اس عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالٰی ولی میں حلول کرجاتا ہے جیسے کوئلہ میں آگ یا پھول میں رنگ و بوکہ خدا تعالٰی حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے بلکہ اس کے چند مطلب ہیں: ایک یہ کہ ولی اللہ کے یہ اعضاء گناہ کے لائق نہیں رہتے ہمیشہ ان سے ٹھیک کام ہی سرزد ہوتے ہیں اس پر عبادات آسان ہوتی ہے گویا ساری عبادتیں اس سے میں کرارہا ہوں یا یہ کہ پھر وہ بندہ ان اعضاء کو دنیا کے لیے استعمال نہیں کرتا،صرف میرے لیے استعمال کرتا ہے ہر چیز میں مجھے دیکھتا ہے ہر آواز میں میری آواز سنتا ہے،یا یہ کہ وہ بندہ فنا فی اللہ ہوجاتا ہے جس سے خدائی طاقتیں اس کے اعضاء میں کام کرتی ہیں اور وہ ویسے کام کرلیتا ہے جو عقل سے وراء ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے چلی ہوئی قمیص یوسفی کی خوشبو سونگھ لی،حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی حضرت آصف برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لاکر شام میں حاضر کردیا۔حضرت عمر نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند تک اپنی آواز پہنچادی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بچشم ملاحظہ فرمالیے۔یہ سب اسی طاقت کے کرشمے ہیں آج نار کی طاقت سے ریڈیو تار،وائرلیس ٹیلی

ویژن عجیب کرشمے دکھا رہے ہیں تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو طاقت اولیاء کے منکر ہے،بعض صوفیاء جوش میں سبحانی ما اعظم شانی کہہ گئے بعض نے کہا مافی حبیتی الا اللہ یہ سب اسی فنا کے آثار تھے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

چوں روا باشد انا اللہ از درخت   کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

۶؎ یعنی وہ بندہ مقبول الدعاء بن جاتا ہے کہ مجھ سے خیر مانگے یا شر سے پناہ میں اس کی ضرور سنتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اولیاء رب تعالٰی کی پناہ میں رہتے ہیں تو جو شخص ان سے دعا کرائے اس کی قبول ہوگی اور جو ان کی پناہ میں آئے وہ رب کی پناہ میں آجائے گا،مولانا جامی فرماتے ہیں۔شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام   ہمچو کاہے آمدم کوہے گناہ آوردہ ام

۷؎ سبحان اللہ! کیا نازو انداز والا کلام ہے یعنی میں رب ہوں اور اپنے کسی فیصلہ میں کبھی نہ توقف کرتا ہوں نہ تامل،جو چاہوں حکم کروں،مگر ایک موقعہ پر ہم توقف و تامل فرماتے ہیں وہ یہ کہ کسی ولی کا وقت موت آجائے اور وہ ولی ابھی مرنا نہ چاہے تو ہم اسے فورًا نہیں مار دیتے بلکہ اسے اولًا موت کی طرف مائل کردیتے ہیں جنت اور وہاں کی نعمتیں اسے دکھا دیتے ہیں اور بیماریاں پریشانیاں اس پر نازل کردیتے ہیں جس سے اس کا دل دنیا سے متنفر ہوجاتا ہے اور آخرت کا مشتاق پھر وہ خود آنا چاہتا ہے اور خوش خوش ہنستا ہوا ہمارے پاس آتا ہے،یہاں تردد کے معنے حیرانی و پریشانی نہیں کہ وہ بے علمی سے ہوتی ہے رب تعالٰی اس سے پاک ہے بلکہ مطلب وہ ہے جو فقیر نے عرض کیا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا واقعہ اس حدیث کی تفسیر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے وہ حضرات اپنے اختیار سے خوشی خوشی موت قبول کرتے ہیں اور یار خنداں رود بجانب یار کا ظہور ہوتا ہے ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔شعر

نشان مرد مؤمن با تو گویم   چوں قضاء آید تبسم برلب اوست

غرضکہ ہماری موت تو چھوٹنے کا دن ہے اور اولیاء انبیاء کی وفات پیاروں سے ملنے کا دن اسی لیے ان کی موت کے دن کو عرس یعنی شادی کا دن کہاجاتاہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے ارادہ مشیت،رضا کراہت میں بہت فرق ہے بعض چیزیں رب تعالٰی کو ناپسند ہیں مگر ان کا ارادہ ہے بعض چیزیں پسند ہیں مگر ان کا ارادہ نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذکر اللہ والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۱؎ پھر جب کسی قوم کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں،تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصد کی طرف آؤ ۲؎ چنانچہ وہ فرشتے ان ذاکرین کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں آسمان دنیا تک ہوجاتے ہیں۳؎ حضور نے فرمایا کہ رب تعالٰی تو علیم و خبیر ہے مگر ان سے پوچھتا ہے کہ میرے

وہ بندے کیا کہتے تھے ۴؎فرمایا عرض کرتے ہیں کہ تیری تسبیح و تکبیر تیری حمد اور تیری بزرگیاں بیان کررہے تھے ۵؎فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے فرمایا وہ عرض کرتے ہیں تیری قسم انہوں نے تجھے کبھی نہیں دیکھا ۶؎فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو تیری بہت عبادت کریں اور تیری بہت بڑائی بولیں اور تیری بہت ہی تسبیح کریں ۷؎فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے وہ مانگتے کیا تھے عرض کرتے ہیں تجھ سے جنت مانگ رہے تھے فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے،عرض کرتے ہیں یا رب تیری قسم نہیں دیکھی ۸؎فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا و ہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں تو اس کے بہت حریص اور بہت طلبگار اور اس میں بہت راغب ہوجائیں ۹؎فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے فرمایا وہ عرض کرتے ہیں آگ سے ۱۰؎فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے تو کیا انہوں نے آگ دیکھی ہے فرمایا عرض کرتے ہیں یارب تیری قسم نہیں دیکھی فرمایا رب فرماتا ہے اگر وہ لوگ دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا عرض کرتے ہیں اگر وہ لوگ دیکھ لیں تو اس سے بہت بھاگیں اس سے بہت ڈریں ۱۱؎فرمایا پھر رب تعالٰی فرماتاہے میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا ۱۲؎فرمایا کہ ان فرشتوں میں سے ایک عرض کرتا ہے کہ ان میں فلاں بھی تھا جو ذکر والوں سے نہ تھا۔وہ تو کسی کام کے لیے آیا تھا ۱۳؎ رب تعالٰی فرماتا ہے ذاکرین ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھ جانے والا بھی محروم نہیں رہتا ہے ۱۴؎ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فالتو فرشتے چلنے پھرنے گھومنے والے

ہیں جو ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے رہتے ہیں ۱۵؎جب کوئی ایسی مجلس پائیں جہاں ذکر ہو تو ذاکرین کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۱۶؎اور بعض بعض کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں ۱۷؎حتی کہ ان لوگوں اور آسمان دنیا کے درمیان فضا بھر دیتے ہیں ۱۸؎پھر جب لوگ بکھر جاتے ہیں ۱۹؎تو وہ فرشے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں ۲۰؎فرمایا کہ رب تعالٰی علیم و خبیر ہے مگر ان سے پوچھتا ہے کہاں سے آرہے ہوتو وہ عرض کرتے ہیں ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آرہے ہیں جو زمین میں تیری تسبیح، تکبیر تہلیل کررہے تھے ۲۱؎اور تیری حمد و ثنا کرتے تھے تجھ سے دعائیں مانگ رہے تھے رب فرماتا ہے وہ مجھ سے مانگتے کیا تھے عرض کرتے ہیں تیری جنت مانگتے تھے ۲۲؎فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے عرض کرتے ہیں یارب نہیں فرماتا ہے اگروہ میری جنت دیکھ لیں تو کیا ہو عرض کرتے ہیں مولا تیری پناہ مانگ رہے تھے فرماتا ہے کس چیز سے میری پناہ مانگتے تھے عرض کرتے ہیں تیری آگ سے فرماتا ہے کیا انہوں نے میری آگ دیکھی ہے عرض کرتے ہیں نہیں فرماتا ہے اگر میری آگ دیکھ لیں تو کیا ہو ۲۳؎عرض کرتے ہیں تجھ سے معافی مانگ رہے تھے فرمایا رب فرماتاہے میں نے انہیں بخش دیا جو مانگتے ہیں انہیں دے دیا اور جس سے پناہ مانگتے ہیں میں نے اس سے انہیں بچالیا۲۴؎ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں یارب ان میں فلاں بندہ بڑا گنہگار تھا۲۵؎وہ ان پر گزرتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا فرمایا رب فرماتاہے میں نے اسے بھی بخش دیا وہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بھی بدنصیب نہیں ہوتا۲۶؎	

۱؎یہاں فرشتوں سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ذکر اللہ سننے پر مقرر ہیں راستوں سے مسلمان خصوصًا ذاکرین کے راستے مراد ہیں یعنی یہ فرشتے ذاکرین کے راستوں میں چکر لگاتے رہتے ہیں تاکہ ان کی زیارت کریں اور ان سے اللہ تعالٰی کا ذکر

سنیں یعنی وقت سے پہلے وہ حضرات مجلس ذکر کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ انہیں ذاکرین اور ان کے محلوں کی خبر نہیں بے خبری میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

۲؎ آؤ دوڑوان ذاکرین کی زیارت کرو ان کی زبان سے اللہ رسول کا ذکر سنو۔ معلوم ہوا کہ دو سروں سے رسول کا ذکر سننا بھی محبوب ہے اور محفل میلاد شریف گیارھویں شریف وغیرہ میں رحمت کے فرشتے شرکت کرتے ہیں کہ یہ بھی اللہ رسول کے ذکر کی مجلسیں ہیں۔شعر

فرشتے محفل میلادمیں رحمت کےآتے ہیں رسول اللہ خوداس بزم میں تشریف لاتے ہیں

اس شعر کے پہلے مصرع کی اصل یہ حدیث ہے دوسرے مصرع کی اصل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

۳؎ یعنی یہ فرشتے پرے بنا کر ان مجلس والوں پر اس طرح چھا جاتے ہیں جیسے رحمت کے بادل زمین پر اور یہ پرے آسمان تک پہنچتے ہیں کہ نیچے ایک پرہ اس کے اوپر دوسرا اس پر تیسرا۔

۴؎ مجلس ختم ہونے پر لوگ تو اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں اوریہ فرشتے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوجاتے ہیں تب رب تعالٰی ان سے یہ سوال فرماتا ہے مگر یہ سوال رب کی بے علمی سے نہیں بلکہ فرشتوں کو اگلے مضمون پر گواہ بنانے کے لیے ہوتا ہے۔

۵؎ یا تو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس طرح کہ تیرے محبوبوں کا عظمت سے ذکر کررہے تھے اور تیرے دشمنوں کا حقارت سے تذکرہ کرتے تھے جیسا کہ شروع باب میں عرض کیا گیا۔

۶؎ بغیر دیکھے تیرے عاشق ہیں اللہ تعالٰی محبوب حقیقی ہے کہ بغیر دیکھے دلوں میں اس کا عشق ہے اس کا پر تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آج ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں عاشق جانباز کروڑوں۔

۷؎ یہ دونوں سوال تعجب کے اظہار کے لیے ہیں کہ جب میرے بندے مجھے بغیر دیکھے صرف میرے اوصاف سن کر میری ایسی والہانہ عبادت کر رہے ہیں تو اگر مجھے دیکھ لیں تو ان کی محبت و عبادت کا کیا حال ہو۔اس میں اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ اے فرشتوں تم نے تو کہا تھا انسان خونریز فاسد ہوگا دیکھو انہی انسانوں میں ایسے نمازی ذاکر بھی تو ہیں جن سے سارا عالم چھپا ہوا ہے اور عالم شہادت یعنی دنیا کے ہزار ہا جنجالوں میں گرفتار ہیں مگر پھر بھی رب کے ذاکر و پرستار ہیں۔معلوم ہوا کہ ایمان بالغیب رب تعالٰی کی بڑی نعمت ہے۔

۸؎ صرف سن کر اس پر ایمان لائے اور اس کے طلبگار ہوگئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت پیدا ہوچکی ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ بعد قیامت پیدا ہوگی غلط کہتے ہیں اس کی مکمل بحث ہماری "تفسیر نعیمی" جلد اول اور "اسرار الاحکام" میں ملاحظہ فرمایئے۔اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی سے جنت مانگنا برا نہیں،ہاں صرف جنت حاصل کرنے کے لیے عبادت کرنا برا ہے عبادت تو صرف رضائے الٰہی کے لیے چاہیئے جنت اس کے فضل سے ملے گی۔

۹؎ یعنی پھر تو یہ لوگ جنت کی طلب میں تارک الدنیا ہو بیٹھیں زن و فرزند کو بھول بیٹھیں کیونکہ معائنہ خبر سے زیادہ قوی ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانوں سے جنت چھپانے میں ہزار ہا حکمتیں ہیں،اگر جنت دکھادی جاتی تو کوئی شخص کوئی دنیاوی کام نہ کرتا۔

۱۰؎ یعنی دوزخ کی آگ سے خیال رہے کہ فرشتے یہ نہیں کہتے کہ دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے کیونکہ دوزخ میں داخلہ تو قیامت کے بعد ہوگا مگر آگ کا عذاب مرتے ہی شروع ہوجاتا ہے۔اس لیے آگ کے عذاب سے پناہ مانگنا چاہیئے قرآن کریم نے جو جامع دعا ہم کو سکھائی ہے اس کے آخری میں ہے **وقنا عذاب النار** نیز دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں بھی آگ ہی کا عذاب ہے گرم طبقوں میں آگ کے قریب سے عذاب ہے ٹھنڈے طبقوں میں آگ کی دوری سے عذاب جیسے دنیا میں گرم سرد موسموں میں سورج کی دوری و نزدیکی سے سردی گرمی ہوتی ہے۔

۱۱؎ اس طرح کہ پھر دوزخ کے خوف سے دنیا میں عیش و آرام بھول جائیں،ہمیشہ روتے رہیں کبھی نہ ہنسیں۔معلوم ہوا کہ اگر وہ عالم ظاہر کردیا جائے تو یہ عالم تباہ ہوجائے اگر رب تعالٰی کا نظارہ یہاں ہوجائے تو کوئی کافر نہ رہے۔شعر

کفرواسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے　　　تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہوجائے

۱۲؎ گزشتہ ساری گفتگو اسی آخری جملہ کے لیے تھی کہ فرشتوں کو ان ذاکر مؤمنوں کی بخشش پر گواہ بنانا تھا خیال رہے کہ رب تعالٰی نے یہ نہ فرمایا کہ ان کے گناہ بخشتا ہوں کہ اس میں شبہ ہوتا کہ شاید پچھلے گناہ بخشے گئے بلکہ فرمایا انہیں بخشتا ہوں یعنی آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق دوں گا اور اگر کبھی ان سے کوئی گناہ ہو بھی جائے گا تو اس کی بخشش کا آج فیصلہ کئے دیتے ہوں،گناہ بخشنا اور ہے گنہگار کو بخشنا کچھ اور یہاں گنہگار کو بخشا گیا ہے۔

۱۳؎ یعنی ذکر اللہ سننے نہ آیا تھا بلکہ کسی کام کو جارہا تھا راستہ میں یہ مجلس نظر پڑی تو کچھ دیر کے لیے بیٹھ گیا یا کھڑے کھڑے کچھ ذکر سن لیا یہ عرض و معروض اس کو بخشوانے کے لیے ہے۔معلوم ہوا کہ فرشتے ذاکرین کے بڑے خیر خواہ ہیں ہم کو بھی چاہیئے کہ ان کے لیے دعائے خیر کیا کریں،دلائل الخیرات میں بعض دعائیں فرشتوں کے لیے بھی آتی ہیں،ہمیں ان سے کام پڑتا ہے ان سے تعلق رکھنا چاہیئے۔

۱۴؎ یعنی ان مجلس والوں کو تو ذکر کی وجہ سے بخش دیا اور اس گزرنے والے کو ان اچھوں کی صحبت کی برکت سے بخش دیا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نیک صحبت ساری عبادات سے افضل ہے دیکھو صحابہ کرام سارے جہان کے اولیاء سے افضل ہیں کیوں اس لیے کہ صحبت یافتہ جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،اصحاب کہف کا کتا بھی بہتر ہوگیا اولیاء کی صحبت کی برکت سے۔مرقات نے فرمایا کہ اللہ کی صحبت اختیار کرو،اگر نہ ہوسکے تو اللہ کے پاس رہنے والوں کی صحبت کرو مولانا فرماتے ہیں۔شعر

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا　　　او نشیند در حضور اولیاء

۱۵؎ یعنی ان فرشتوں کے ذمہ سوائے اس گھومنے پھرنے کے اور کوئی ڈیوٹی نہیں بعض صوفیاء ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں جہاں عرس وغیرہ مجلس ذکر ہوتی ہیں شرکت کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔(مرقات)**فضل** بعض نسخوں میں ف کے پیش ض کے فتح سے ہے یعنی دوسرے فرشتوں سے افضل۔

۱۶؎ اس طرح کہ اس ٹوٹی چٹائی پھٹے فرش پر بیٹھ جاتے ہیں جہاں ذاکرین بیٹھے ہیں کوئی اعلٰی جگہ نہیں ڈھونڈتے تاکہ انہیں فیض دیں اور ان سے فیض لیں۔

۱۷؎ یعنی بعض فرشتے ان بعض انسانوں کو یا بعض فرشتے بعض فرشتوں کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں کہ نیچے والے اوپر والوں کے پروں کے سایہ میں ہوجاتے ہیں۔

۱۸؎معلوم ہوا کہ ذاکرین کی آواز آسمان تک پہنچتی ہے کہ وہاں تک کے فرشتے سنتے ہیں جب بجلی کے ذریعہ آج انسانی آواز ہزار ہا میل تک پہنچتی ہے،تو نورانی آواز کہاں تک پہنچے گی۔

۱۹؎اس طرح کہ مجلس ختم ہوجاتی ہے اور لوگ اپنے اپنے گھروں یا کاموں کو چلے جاتے ہیں۔

۲۰؎کیونکہ یہ فرشتے تو صرف مجلسی ذکر سننے آتے ہیں،اکیلوں کا ذکر سننا ان کا کام نہیں،اس کے لیےدوسرے فرشتے ہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر ذکر خفی سے افضل ہے یہ حدیث حضرات قادریہ چشتیہ کی دلیل ہے حضرات نقشبندیہ کی دلائل دوسری احادیث و آیات ہیں۔

۲۱؎وہ فرشتے ان بندوں کے نام اور جگہ کا پورا پتہ عرض کرتے ہیں،سبحان اللہ! ان لوگوں اور اس جگہ کے بھاگ جاگ جاتے ہیں کہ ذکر الٰہی کی برکت سے معصوموں کی زبان پر بارگاہِ الٰہی میں ان کے نام آجاتے ہیں،مبارک ہیں دینی مدرسے اورخانقاہیں جہاں ہمیشہ ہی اللہ کا ذکر رہتا ہے۔شعر

زہے مسجد و مکتب و خانقاہے　　　　که در دے بود قیل و قال محمد

۲۲؎خیال رہے کہ جنت کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے کیونکہ رب تعالٰی جنت کا خالق اور حقیقی مالک ہے اور کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعطائے الٰہی جنت کے مالک ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ"۔اور کبھی مسلمانوں کی طرف کیونکہ یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے اس کے مستحق ہیں انہی کی خاطر بنائی گئی ہے۔شعر

مسلمانوں کو کوئی خلد سے روکے تو کیوں روکے　　　　یہ اُمت ہے محمد کی وہ جنت ہے محمد کی

۲۳؎مسلم،بخاری کی روایتوں میں فرق یہ ہوا کہ بخاری کی روایت میں تعجب کا اظہار بھی مذکور ہے اور فرشتوں کا جواب بھی مگر مسلم کی روایت میں فرشتوں کا جواب مذکور نہیں صرف اظہار تعجب کا ہی ذکر ہے فرشتے جواب دیتے ہیں مگر یہاں اس کا ذکر نہیں۔

۲۴؎اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ایسے موقعوں پر خصوصیت سے آخرت کی نعمتیں مانگیں صرف دنیا مانگنا اچھا نہیں آخرت مانگو دنیا ان شاءاللہ خود بخود مل جائے گی پھول پتے ان شاءاللہ خود مل جائیں گے گلدستہ میں پھول بغیر پتہ کے نہیں ہوتے۔

۲۵؎معلوم ہوا کہ فرشتے ہر بندے کو بھی پہچانتے ہیں اور ہر شخص کے تمام نیک و بد اعمال کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں اور ہر شخص کے ہر ارادے سے باخبر ہیں ورنہ انہیں کیا خبر ہوتی کہ یہ بندہ کون ہے نیک ہے یا بد ہے یہاں کس ارادہ سے آیا ہے جب ان فرشتوں کا یہ حال ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا پوچھنا۔

۲۶؎جب عام ذاکروں کی مجلس کی یہ برکت ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کیسی بابرکت ہوگی،ان کا نام لیوا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا۔شعر

سلام اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی　　　　سلام اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی

دیکھو ایک گنہگار ان ذاکرین کی مجلس میں ایک آن کے لیے آیا تو بخشا گیا،تو جو حضرات سایہ کی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ان کی مغفرت میں شک کیسا ان کے متعلق رب تعالٰی نے اعلان فرمادیا:"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"۔

روایت ہے حضرت حنظلہ ابن ربیع اسیدی سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوبکر صدیق ملے پوچھا حنظلہ کیسے ہو میں بولا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا ۲؎ فرمایا سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو ۳؎ میں بولا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں،حضور جنت دوزخ کا ذکر ہمیں سناتے ہیں گویا وہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ۴؎ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹتے ہیں تو بیوی بچوں مال و اسباب میں گھل مل کر بہت سا بھول جاتے ہیں ۵؎ حضرت ابوبکر بولے اللہ کی قسم ہم سب ہی کو یہ درپیش رہتا ہے ۶؎ پھر میں اور حضرت ابوبکر صدیق چلے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچے میں نے عرض کیا یارسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصہ کیا ہے میں نے عرض کیا یارسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت و دوزخ کا ذکر یوں سناتے ہیں گویا وہ ہماری آنکھوں کے آگے ہیں ۷؎ جب آپ کے پاس سے ہم نکلتے ہیں تو بیوی بچوں مال و اسباب میں مشغول ہوجاتے ہیں بہت کچھ بھول جاتے ہیں ۸؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو تمہارا حال میرے پاس ہوتا ہے اگر اس پر ہمیشہ رہو ۹؎ تو فرشتے تمہارے بستروں پر تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کیا کریں ۱۰؎ لیکن اے حنظلہ وقتًا فوقتًا دو گھڑی تین بار فرمایا ۱۱؎ (مسلم)

۱؎یہ حنظلہ غسیل الملائکہ نہیں ہیں،بلکہ دوسرے صحابی ہیں،جو کاتبِ وحی تھے اسید ابن عمرو ابن تمیم کی اولاد سے ہیں،بڑی عمر پائی، حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲؎یعنی میر ی حالت منافقوں کی سی ہوئی کہ اس میں یکسانیت نہیں یہاں نفاق سے اعتقادی نفاق مراد نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے اور نہ اس کلام میں اپنے کفر یا نفاق کا اقرار ہے آپ کا یہ قول انتہائی خوف خدا پر مبنی ہے،اقرار کفر تو کفر ہے،مگر اقرار گناہ جو خوفِ خدا سے ہو عین تقویٰ ہے حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا تھا"اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ"حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا"رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا" جیسے ان بزرگوں کو ظالم نہیں کہا جاسکتا ایسے ہی ان صحابی کواس کلام کی بناپر عاصی یامنافق نہیں کہا جاسکتا لہذا یہ حدیث روافض کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۳؎تم کو نفاق سے کیا نسبت تم صحابی رسول ہو کاتب وحی ہو اپنے کلام کا مطلب خود بیان کرو۔

۴؎یعنی اس وقت ہم کو خوف و امید اس درجہ کی ہوتی ہے گویا ہم جنت دوزخ دیکھ کر اس سے ڈر رہے ہیں اور اسے چاہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں عین الیقین نصیب ہوجاتا تھا نہ معلوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کی نمازیں کیسی ہوتی ہوں گی۔اللہ تعالٰی ان کی تجلی کچھ ہم کو بھی نصیب کرے۔

۵؎ضیعات ضیعۃٌ کی جمع ہے،ضیعه وہ چیز ہے جس سے روزی وابستہ ہو اکثر زمین،باغات کھیتی باڑی کو ضیعہ کہا جاتا ہے ۔مطلب یہ ہے کہ ہم پر گھر پہنچ کر کچھ غفلت طاری ہوجاتی ہے،دل کا حال وہ نہیں رہتا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں ہوتا ہے،دل کا یکساں حال نہ رہنا ہی حال کی منافقت ہے۔

۶؎یعنی یہ اختلاف حال صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ ہم تمام صحابہ کا ہے،تو کیا ہم سب منافق ہوگئے یہ کیسے ہوسکتا ہے چلو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں۔

۷؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا معجزہ تھا کہ آپ کے بیان سے عالم غیب گویا عالم شہادت بن جاتا تھا بعض علماء کی تقریر میں سامعین کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے واقعہ سامنے ہورہا ہے،بار ہا ذکر معراج،ذکر ہجرت وغیرہ میں ایسا دیکھا گیا ہے،یہ بیان و اخلاص کا کمال ہے۔

۸؎بھول جانے سے مراد ہے توجہ تام نہ رہنا نہ کہ حفظ کا مقابل،لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب صحابہ کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ فورًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھول جاتے تھے تو ان سے روایت حدیث کیونکر د رست ہوئی۔

۹؎وفی الذکر کا واوٴ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ما کا بیان ہے اور ذکر سے مراد مشاہدہ و توجہ تام یعنی تمہارے قلب کا جو حال میر ی مجلس میں ہوتا ہے اور جو کشف و مشاہدہ تیقظ و بیداری یہاں ہوتی ہے،اگر ایسی ہی ہر وقت رہے۔

۱۰؎یعنی تو فرشتے تم سے علانیہ طور پر ملاقاتیں مصافحے کیا کریں ورنہ صحابہ کرام سے فرشتے مصافحے بھی کرتے تھے اور ملاقاتیں بھی مگر دوسری شکلوں میں۔

۱۱؎یعنی زندگی کی بعض گھڑیاں دینی انہاک کے لیے رہیں اور بعض گھڑیاں دنیاوی کاروبار کے لیے تاکہ دونوں جہاں آباد و قائم ر ہیں۔ایک ہندی شاعر نے کیا خوب کہا شعر

تو دنیا میں ایسا ہو رہ جوں مرغابی ساگر میں ڈگر پہ اپنے ایسے جانا جوں چت ناری گاگر میں

مرغابی دریا میں آکر تیرنے والا جانور بن جاتی ہے اور ہوا میں پہنچ کر پرندہ،پہاڑی عورت دو گھڑے سر پر ایک گھڑا بغل میں دوسرا ہاتھ میں لٹکائے اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتی راستہ طے کرلیتی ہے،بیک وقت راستہ پر بھی نظر رکھتی ہے اور گھڑوں کا دھیان بھی اور سہیلی کی طرف توجہ بھی،ایسے ہی مسلمان مسجد میں پہنچ کر فرشتہ صفت بن جائے،بازار میں جا کر اعلیٰ درجہ کا تاجر،دنیاو دین دونوں کو سنبھالے،خالق و مخلوق سب کے حقوق ادا کرتا ہوا زندگی کا راستہ طے کرے،سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے ۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کی ہر ساعت اللہ کے ذکر میں گزرتی ہے کہ دنیاوی کاروبار انہیں ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتے اور بعض لوگوں کے ہاں تقسیم ہوتی ہے کہ بعض گھڑیاں رب تعالٰی کے ذکر میں اور بعض گھڑیاں دنیاوی مشغلہ میں،صحابہ کرام میں بھی انہیں دو قسم کے حضرات تھے حنظلہ دوسری جماعت سے تھے اس لیے ان سے یہ فرمایا گیا،اسی لیے حضرت حنظلہ سے خطاب فرمایا،صدیق اکبر سے خطاب نہ فرمایا کہ حضرت صدیق پہلی جماعت سے تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں ایسے بہترین اعمال نہ بتادوں جو رب کے نزدیک بہت ستھرے اور تمہارے درجے بہت بلند کرنے والے اور تمہارے لیے سونا چاندی خیرات کرنے سے بہتر ہوں۱ اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمن سے جہاد کرو کہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہیں شہید کریں صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۲(مالک،احمد،ترمذی،ابن ماجہ)مگر مالک نے یہ حدیث حضرت ابوالدرداء پر موقوف کی۳

۱یعنی بدنی و مالی عبادات سے افضل ہوں۔

۲اگر یہاں ذکر اللہ سے مراد زبانی ذکر ہے تو اس کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ ذکر اللہ بلاواسطہ رب تعالٰی تک پہنچاتا ہے اور دوسری عبادتیں بالواسطہ اور ظاہر ہے کہ بلاواسطہ پہنچانے والا بالواسطہ سے افضل ہے۔اور اگر ذکر سے مراد قلبی و دلی ذکر اللہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ذکر دلی عبادت ہے اور دوسری عبادات بدنی عبادت اور دل بادشاہ ہے۔اعضاء اس کی رعایا بادشاہ کا عمل بھی رعایا کے اعمال سے افضل ہے،اسی لیے رب تعالٰی نے قرآن کریم میں ذکر اللہ کے بڑے درجے بیان فرمائے کہ فرمایا"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا حدیث قدسی ہے "انا جلیس

من ذکرنی"میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔اس سے معلوم ہواکہ بعض آسان عمل مشکل عملوں سے درجہ میں بھی بڑھ جاتے ہیں دیکھو ذکر اللہ آسان ہے اور جہاد دشوار مگر ثواب میں ذکر اللہ بڑھ گیا مگر یہ اس جہاد کا ذکر ہے جو اللہ کی یاد سے خالی ہو،لیکن اگر ہاتھ میں تلوار اور زبان پر ذکر یار ہو تو سبحان اللہ سب سے بہتر۔ شیخ نے فرمایا کہ بعض لازم عمل متعدی عمل سے بہتر ہوجاتے ہیں جیسا یہاں ہوا ۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاد میں کافروں کو مارا جاتا ہے اور ذکر اللہ میں نفس و شیطان کو اسی لیے ذکر اللہ جہاد اکبر ہے کہ اس میں دل کا تزکیہ ہے پھر ذکروں میں بعض ذکر دوسرے ذکروں سے افضل ہیں جیسے تلاوت قرآن شریف و درود شریف دوسرے اذکار سے بہتر ہیں۔

۳؎یعنی مؤطا امام مالک میں تو یہ حدیث موقوف ہےاور باقی محدثین کے ہاں مرفوع اسے حاکم نے بھی مستدرک میں مرفوعًا ہی نقل فرمایا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ایک بدوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کون شخص اچھا ہے فرمایا مژدہ ہو اسے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں ۲؎عرض کیا یارسول اللہ کون سا عمل افضل ہے فرمایایہ کہ تم دنیا کو اس حال میں چھوڑو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۳؎(احمد،ترمذی)

۱؎آپ خود اور آپ کے والد بسر آپ کے بھائی عطیہ،آپ کی بہن صحاء تمام صحابہ ہیں یہ حضرات ایک ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانا کھلایا اور ان کے لیے دعاء خیر فرمائی، شام میں سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان خبر ہے اور طوبٰی سے مراد مژدہ و خوشخبری ہے بعض نے فرمایا کہ یہ کلام دعائیہ ہے اور طوبٰی سے مراد جنت کا مشہور درخت طوبٰی ہے یعنی جس کی عمر دراز اور اعمال نیک ہوں،خدا کرے اسے طوبٰی درخت ملے مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔(مرقات)

۳؎دنیا چھوڑنے سے مراد مرنا ہے،یعنی جب تمہیں موت آئے تو تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں چل رہی ہو،یا ابھی ابھی چل چکی ہو لہذا اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کی زبان مرتے وقت بند ہوتی ہیں۔مگر بند ہوتے وقت ذکر اللہ پر بند ہوئی تھی۔ تر سے مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام بہ آسانی اس کی زبان پر جاری ہو تر لکڑ ی کو آگ نہیں جلاتی،اور تر زبان کو دوزخ کی آگ نہ جلائے گی ان شاءاللہ۔حق تعالٰی ایسی موت نصیب کرے،بعض علماء نے فرمایا کہ ذکر قلبی سے ذکر زبانی بہتر ہے ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے،ذکر زبانی نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے جس کے فرشتے گواہ ہوتے ہیں اور ذکر قلبی کی نہ تحریر ہوتی ہے نہ گواہی ۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ طبرانی میں مرفوعًا حدیث نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر خشک و تر چیز وں کے پاس ذکر اللہ کرو تاکہ یہ چیزیں تمہارے ایمان کی گواہ ہوں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو کچھ چرلیا کرو[1]لوگوں نے پوچھا جنت کی کیاریاں کیا ہیں فرمایا ذکر کے حلقے [2](ترمذی)	

[1]معلوم ہوا کہ ذکر اللہ غذاء روحانی ہے اور ذکر کے حلقے روحانی سبزہ زار جب انسان باغ کھیت سے گزرتا ہے تو کچھ کھاتا ہے لہذا جب ذکر اللہ پر گزرے تو کچھ ذکر کرلے یا سن لے۔

[2]اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ذکر الٰہی کے جلسوں میں جانا وہاں شرکت کرنا بہت بہتر ہے،لہذا میلاد شریف، درس قرآن،گیارھویں پاک اور عرس بزرگان میں شرکت افضل،دوسرے یہ کہ ذکر اللہ کے لیے حلقے بنا کر بیٹھنا افضل ہے،نماز میں صف بستہ کھڑے ہو کر فرشتے صف بستہ حاضر رہتے ہیں اور ذکر اللہ کے حلقے باندھو کہ جنتی لوگ حلقے بنا کر بیٹھا کریں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ یُطَافُ عَلَیۡهِمۡ بِاٰنِیَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ اَكۡوَابٍ"۔تیسرے یہ کہ اکیلے ذکر سے جماعت میں ذکر کرنا اور سننا افضل ہے اس سے ذکر بالجہر کا ثبوت ہوا،اگر مجمع کے ذکر میں ایک کا بھی ذکر قبول ہوا تو سب کا قبول ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو وہ اس کے لیے اللہ کی طرف سے حسرت و خسارہ ہوگی اور جو کسی خوابگاہ میں لیٹے کہ اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو یہ بھی اس پر اللہ کی طرف سے ندامت ہوگی [1](ابوداؤد)	

[1]اس حدیث میں مجلس سے مراد ہر جائز مجلس ہے جو کہ گندگی وغیرہ سے خالی ہو لہذا قضائے حاجت کی مجلس،اسی طرح شراب خوروں کی مجلس اس سے مستثنٰی ہے ان موقعوں پر خدا تعالٰی کا نام لینا بے ادبی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب کسی دینی یا دنیاوی مجلس میں بیٹھو اور جب بھی سونے کے لیے بستر پر دراز ہو تو اللہ کا ذکر ضرور کرلو ورنہ کل قیامت میں ان اوقات کے ضائع ہو جانے پر کف افسوس ملو گے۔ بعض لوگ ہر وقت درود شریف پڑھتے رہتے ہیں ا ن کی اصل یہ حدیث ہے،مؤمن کی کوئی حالت ذکر اللہ سے خالی نہ چاہیئے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی قوم یا جماعت نہیں جو کسی مجلس سے بغیر اللہ کا ذکر کیئے اٹھ جائے مگر وہ مردار گدھے کی مثل سے اٹھتے ہیں [1]اور یہ ان پر حسرت ہوتی ہے۔(احمد،ابوداؤد)	

۱یعنی گویا یہ غافل لوگ مردار گدھا کھا کر اٹھے جو پلید بھی ہے اور حقیر بھی اور اپنی زندگی میں حماقت میں مشہور بھی ہےاور شیطان کا مظہر بھی کہ اس کے بولنے پر لاحول پڑھی جاتی ہے۔غرضکہ اللہ کے ذکر سے خالی مجلسیں مردار گدھے کی طرح ہیں اور ان میں شرکت کرنےوالے اس مردار کے کھانے والے ہیں۔الحمدللہ مؤمن کی کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی وعدے پر ان شاءاللہ کہتا ہے چھینک پر الحمدللہ،جمائی پر لاحول ولاقوۃ الاباللہ،غم کی خبر پر انا للہ۔غرضکہ بات بات پر اللہ تعالٰی کا نام لیتا ہے،درود ہو اس دافع شر جن و انس پر،صلوۃ ہو اس غمخوار امت پر جس نے ہماری زندگی سنبھال دی اور ہماری مجلسیں اللہ کے ذکر سے آباد کردیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں نہ تو اللہ کا ذکر کرے اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھے ۱مگر یہ مجلس ان پر حسرت ہو گی اگر رب چاہے انہیں اس پر عذاب دے اور اگر چاہے بخش دے ۲(ترمذی)

۱اگرچہ ذکر اللہ میں درود شریف بھی داخل تھامگر چونکہ درود شریف ذکر اللہ کی بہترین قسم ہے اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا گیاکیونکہ درود پاک میں اللہ تعالٰی کا نام بھی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آل اولاد کو دعائیں بھی۔

۲اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عمومًا مجلسوں میں جھوٹ غیبت وغیرہ گناہ ہوجاتے ہیں،اگر ان میں حمد و صلوۃ وغیرہ بھی ہوتی رہے تو اس کی برکت سے یہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اگر مجلس ان خیر ذکروں سے خالی ہو تو گناہ تو پایا گیا،کفارہ نہ ادا ہوا لہٰذا اب پکڑ اور سزا کا سخت اندیشہ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اس جملہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:"وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ"الایہ۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی معافی گناہ کا ذریعہ ہے اس جملہ سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجلس میں اللہ رسول کا ذکر ہو تو اس کے گناہ یقینًا بخشے جائیں گے رب تعالٰی کا وعدہ ہے۔۔

	روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کا ہر کلام اس پر وبال ہے مفید نہیں ۱سوائے اچھی باتوں کے حکم یا بری باتوں سے منع کرنے کے یا اللہ کے ذکر کے ۲ترمذی،ابن ماجہ،اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱کیونکہ ہمارے کلام یا تو گناہ ہوتے ہیں جن کا مضر ہونا ظاہر ہے یا عبث و بے فائدہ جو لہو ولعب میں داخل ہیں یہ بھی وبال ہوئے اور جائز کلام بھی جب فائدہ اور ثواب سے خالی ہوئےتو آخرت میں ہم کو وبال محسوس ہوں گے،جیسے سفر

میں غیرضروری سامان لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے۔ خیال رہے کہ کل قیامت میں عبث کام ہم پر سوار ہوں گے اور نیک کاموں پر ہم سوار ہوں گے،لہٰذا عبث بھی وبال ہے۔

۲؎ کہ یہ تینوں نیکیاں وبال نہیں بلکہ نیک اعمال ہیں،پہلی دو نیکیاں متعدی ہیں اور آخری تیسری نیکی لازم اگرچہ تبلیغ بھی ا للہ کا ذکر ہی ہے مگر وہ بالواسطہ ذکر ہے اور یہاں بلاواسطہ ذکر مراد ہے اس لیے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا،ذکر اللہ میں سارے اذکار الٰہی داخل ہیں تلاوت قرآن ہو یا درود شریف یا کوئی اور ذکر خیر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ کے بغیر زیادہ باتیں نہ کروا؎ کیونکہ بغیر ذکر اللہ زیادہ باتیں دل کی سختی ہے۲؎ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور سخت دل والا ہے ۳؎(ترمذی)

۱؎ یہاں زیادہ باتوں سے مراد بیکار باتیں ہیں جن کا کوئی فائدہ نہ ہو لہٰذا تجارتی باتیں گھریلو مفید باتیں جتنی بھی ہوں زیادہ باتوں میں شامل نہیں۔

۲؎ سختی دل کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس میں وعظ نصیحت اثر نہیں کرتا،کبھی انسان اپنے گزشتہ گناہوں پر روتا نہیں آیات الٰہیہ میں غورنہیں کرتا اللہ تعالٰی محفوظ رکھے زیادہ کلام اور بہت ہنسنا دل کو سخت کرتا ہے اور زیادہ ذکر اللہ یا اللہ والوں کی صحبت موت کی یاد آخرت کا دھیان قبرستان کی زیارت دل میں نرمی پیدا کرتی ہے۔

۳؎ یہاں دل سے مراد دل والا ہے یعنی سخت دل والا آدمی دنیا میں بھی اللہ سے دور ہے اور آخرت میں بھی اسی لیے اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں سختی دل کی بہت برائیاں بیان فرمائی ہیں فرماتاہے:"ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَہِیَ کَالۡحِجَارَۃِ"اور فرماتاہے:"اَلَمْ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخْشَعَ قُلُوۡبُہُمْ لِذِکْرِ اللہِ"۔جب تک لوہا سخت ہے کچھ نہیں بن سکتا ہے مگر جب نرم ہوگیا تو اسے جس طرح چاہو ڈھال لو،اور جو چاہو اس کا بنالو،یوں ہی سخت دل نہ مؤمن بن سکے نہ عارف نہ متقی نہ پرہیزگار مگر دل نرم ہو کر ولی غوث و قطب سب کچھ بن جاتا ہے،لوہا نرم کرنے کے لیے یہ آگ چاہیئے اور دل نرم کے لیے عشق کی آگ درکار ہے رب تعالٰی نصیب کرے پھر فقط عشق کی آگ کافی نہیں،بلکہ ساتھ میں کسی کاریگر کے ہتھوڑے کی چوٹ بھی ضروری ہے،مصرع۔

چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی،غرضکہ دل کے لیے آگ عشق تو نرم کرنے والی چیز ہے،صحبت نیک عمدہ سانچہ ہے۔نگاہ مرد کامل کاریگر کا ہنر ہے ان تین چیزوں سے قلب کچھ کارآمد بنتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں الخ تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے بعض صحابہ نے فرمایا کہ سونے چاندی کے متعلق تو یہ

	آیت نازل ہوگئی۱اگر ہمیں پتہ لگ جاتا کہ کون سا مال اچھا ہے تو ہم وہ ہی جمع کرتے ۲حضور نے فرمایا بہترین مال ذاکر زبان شاکر دل اور مؤمنہ بیوی ہے جو ایمان میں اس کی مدد کرے ۳(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱یعنی اس آیت سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ سونا چاندی جمع کرنا دوزخ کا ذریعہ ہے اور ان چیزوں کے بغیر دنیاوی کام چلتا نہیں اب کیا کریں۔

۲اور ضرورت کے وقت اسی سے کام نکالتے کہ دنیاوی ضروریات بغیر مال پوری نہیں ہوتیں۔یہ حضرات غالبًا یہ سمجھے تھے کہ مطلقًا سونا چاندی جمع کرنا حرام ہے،حالانکہ آیت میں زکوۃ نہ دینے والوں کا ذکر ہے انہی کی برائی بیان ہورہی ہے۔

۳یہ جواب حکیمانہ ہے کہ سائلین نے مال کے متعلق سوال کیا تھا مگر جواب میں وہ چیز ارشاد ہوئی جو مال سے بھی زیادہ مفید ہے کیونکہ مال سے جسم کا نفع ہے اور ان چیزوں سے روح و ایمان کو فائدہ ۔خیال رہے کہ ایمان سے مراد دینی کام ہیں یعنی وہ بیوی جو مرد کو زنا،چوری،بدکاری،جوئے وغیرہ سے بچائے،نماز و روزے کا پابند بنادے،وہ بیوی بھی اللہ کی رحمت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ مسجد میں ایک حلقہ پر گزرے ۱پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے وہ بولے ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں ۲فرمایا کیا خدا کی قسم تمہیں اسی چیز نے بٹھایا ہے بولے اللہ کی قسم ہمیں اس کے سوا کسی اور چیز نے نہ بٹھایا ۳فرمایا میں نے تم پر تہمت کی بنا پر تم سے قسم نہ لی۴ایسا کوئی نہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مجھ جیسا قرب ہو۵پھر وہ آپ سے احادیث مقابلہ کرے کم روایت کرے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ایک حلقہ پر تشریف لائے تو پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا وہ بولے ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اس کا شکر کررہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی ہم پر بڑا احسان کیا ۶فرمایا کیا

	خدا کی قسم تمہیں صرف اس چیز نے بٹھایا ہے وہ بولے اللہ کی قسم ہم کو اس کے سواء کسی اور چیز نہ بٹھایا فرمایا میں نے تم پر تہمت رکھتے ہوئے تم سے قسم نہ لی ؎ لیکن میرے پاس جبریل آئے انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تم سے فرشتوں پر فخر کررہا ہے ۸؎(مسلم)

۱؎ کچھ لوگ مسجد نبوی یا کسی اور مسجد میں ذکر اللہ کے لیے حلقہ بنائے بیٹھے تھے،نماز کے انتظار میں نہ بیٹھے تھے،کیونکہ اس وقت صف بستہ بیٹھنا چاہیئے حلقہ بنانا منع ہے،لہذا یہ حدیث حلقہ بنانے کی ممانعت کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ اس طرح کہ ایک صاحب ذکر خیر کررہے ہیں اور باقی حضرات سن رہے ہیں،گویا مجلس وعظ کی مجلس ہے یا باری باری سے ہر شخص ذکر اللہ کررہا ہے یا سب ملکر کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ رہے ہیں۔

۳؎ پہلا اللہ اصل میں اواللہ تھا ہمزہ استفہامیہ واؤ قسمیہ،واؤ کوالف سے بدل دیا گیا،اور لفظ اللہ کو جر ہے بعض نسخوں میں زبر بھی ہے اس کی دوسری توجیہ ہے یعنی کیا خدا کی قسم تم لوگ صرف ذکر کے لیے ہی بیٹھے ہو دوسرے اللہ کی اصل عبارت یہ ہے اِوِیْ یا نعم نقسم باللہ۔

۴؎ یعنی میں نے آپ حضرات کو جھوٹا سمجھ کر قسم نہ لی ہے آپ حضرات صحابہ کرام ہیں صحابہ سب عادل ہیں بلکہ ادائے سنت کے لیے یہ قسم لی ہے۔

۵؎ کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سالا بھی ہوں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بھائی ہوں اور کاتب وحی بھی ہوں اسی لیے مولانا روم نے حضرت امیر معاویہ کو مسلمانوں کا امام فرمایا مگر روایت حدیث بہت کم کرتا ہوں احتیاط کے لیے دیکھو حضرت ابوبکر صدیق عمر بھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے مگر آپ نے روایت حدیث بہت کم فرمائیں،اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ کو حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق سے بھی زیادہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب رہا ہو،بلکہ آپ جن لوگوں سے خطاب کر رہے ہیں یا جو آپ کے زمانہ میں صحابہ موجود تھے ان کے مقابلہ میں اپنی جزوی فضیلت قرب بیان فرمارہے ہیں۔ خیال رہے کہ جن صحابہ نے حدیث کی روایت بالمعنی جائز سمجھی تھی وہ احادیث زیادہ روایت کرتے تھے اور جن کے نزدیک روایت بالمعنی جائز نہ تھی وہ بہت کم روایت کرتے تھے حضرت امیر معاو یہ دوسری جماعت سے ہیں۔

۶؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کی سب سے بڑی نعمت ہدایت ایمان ہے اور سب سے بڑا احسان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و سلم کا دامن پاک ہاتھ آجانا ہے،خود فرماتا ہے:"بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمٰنِ"اور فرماتا ہے:"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا"۔ایمان اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سواء کسی اور نعمت پر رب تعالٰی نے لفظ من ارشاد نہیں فرمایا۔شعر

رب اعلٰی کی نعمت پر اعلٰی درود   حق تعالٰی کی منت پہ لاکھوں سلام

یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے شکریہ کے لیے مجلسیں کرنا حلقے بنا کر بیٹھنا سنت صحابہ ہے یہ حدیث مجلس میلاد شریف کی اصل ہے۔

۷؎ کیونکہ ہر مؤمن پر عموما اور صحابہ کرام پر خصوصًا بدگمانی کرنا جائز نہیں بلکہ یہ قسم نہیں تمہاری عظمت و عزت کے اظہار کے لیے ہے۔

۸؎ اس طرح کہ فرشتوں سے فرمارہا ہے میرے ان بندوں کو دیکھو کہ نفس و شیطان کے تسلط میں ہیں،دنیاوی رکاوٹیں موجود ہیں،شہوت و غضب رکھتے ہیں اتنی رکاوٹیں ہوتے ہوئے سب پر لات مار کر میرا ذکر کررہے ہیں یقینًا تمہارے ذکر سے میرا یہ ذکر افضل ہے،چونکہ فرشتوں ہی نے انسان کی شکایت کی تھی کہ وہ خون ریزو فسادی ہوگا اس لیے انہی کو یہ سنایا جارہا ہے کہ دیکھو اگر انسان میں فساد ی ہیں تو ایسے نمازی و غازی بھی ہیں جو نفس و شیطان و طغیان و کفار سب سے ہی جہاد کرتے رہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اسلام کے احکام شرعیہ بہت ہیں۱؎ مجھے کوئی ایک بات ایسی بتادیں جسے میں مضبوط تھام لوں فرمایا تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں تر رہے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۳؎	

۱؎ جو تفصیل وار مجھے یاد نہیں ہوسکتے وہ مجھ پر غالب ہیں،معلوم ہوا کہ مکمل عالم بننا فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے،ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تمام مسائل سیکھنے کا حکم دیتے۔

۲؎ غالبًا سائل کا سوال نوافل کے متعلق تھا،اس لیے انہیں یہ جواب دیا گیا مقصد یہ ہے کہ ہر وقت زبان پر کوئی ذکر اللہ جاری رہے نہ معلوم موت کب آجائے جب بھی ملک الموت تمہاری جان نکالنے آئیں تو تمہیں غافل نہ پائیں،اللہ تعالٰی ایسی زندگی نصیب کرے،رطب فرما کر اشارۃً بتایا کہ جیسے تر لکڑی آگ میں نہیں جلتی ایسے ہی اللہ کا ذکر زبان کی تری ہے جس سے بندہ دوزخ میں نہ جل سکے گا۔

۳؎ یہ حدیث ابن حبان،ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون بندے اللہ کے نزدیک افضل اور قیامت کے دن بلند درجے والے ہیں ا؎فرمایا اللہ کا بہت ذکر کرنے والےاور بہت ذکر کرنے والی عورتیں ۲؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ اللہ کی راہ کا غازی کون ہے۳؎ فرمایا اگر غازی مشرکین اور کفار پر تلوار اتنی چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں رنگ جائے ۴؎تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے درجہ میں زیادہ ہوگا۵؎(احمد و ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

ا؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا اور جامع سوال ہے کہ ایسا بندہ کون ہے جس کا ثواب بھی زیادہ ہو اور قرب الٰہی بھی زیادہ۔ خیال رہے کہ ثواب اور ہے قرب و درجہ کچھ اور۔ اگر بادشاہ کسی موقع پر ایک سپاہی کو لاکھ روپیہ انعام دے دے اور وزیر کو کچھ نہ دے اس وقت اگرچہ انعام سپاہی نے پایا مگر درجہ وزیر ہی کا زیادہ ہے۔

۲؎ذکر سے مراد زبان و دل کے سارے ہی ذکر ہیں خصوصًا وہ ذکر جو احادیث شریفہ میں مذکور ہیں کہ وہ دوسرے ذکروں سے بہتر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ زیادتی ثواب کا بھی ذریعہ ہے اورزیادتی قرب الٰہی کا بھی وسیلہ، دین ودنیا کی نعمتیں ذکر اللہ سے ملتی ہیں، زیادتی ذکر سے مراد ہے کہ اس کے اکثر اوقات ذکر میں گھیرے ہوں، دوسرے مشغلوں کے لئے بہت کم وقت بچے۔(مرقات، لمعات)

احادیث شریفہ میں مذکور ہیں کہ وہ دوسرے ذکروں سے بہتر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ زیادتی ثواب کا بھی ذریعہ ہے اور زیادتی قرب الٰہی کا بھی وسیلہ،دین و دنیا کی نعمتیں ذکر اللہ سے ملتی ہیں،زیادتی ذکر سے مراد ہے کہ اس کے اکثر اوقات ذکر میں گھرے ہوں دوسرے مشغلوں کے لیے بہت کم وقت بچے۔(مرقات و لمعات)

۳؎بعض غازی غنیمت کے لیے بعض ملک جیتنے کی غرض سے بعض اپنی شجاعت دکھانے بعض اسلام پھیلانے کے لیے کفار پر جہاد کرتے ہیں ان سب میں فی سبیل اللہ غازی کون ہے۔

۴؎اس طرح کہ غازی اپنے خون میں لتھڑ جائے یعنی شہید ہوجائے۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص غازی بھی درجہ اول کا ہو اور شہید بھی اعلیٰ مرتبہ کا۔

۵؎اس کی وجہ ظاہر کہ ذکر مقصودی عبادت ہے اور جہاد غیر مقصودی عبادت کیونکہ جہاد اللہ کا ذکر پھیلانے ہی کے لیے تو ہوتا ہے،نیز جہاد ہے غازی کا کام اور ذکر اللہ میں ہے اللہ کا نام یقینًا رب تعالٰی کا نام ہمارے کام سے بہتر ہے نیز جہاد کی جزا ہے جنت اور ذکر اللہ کی جزاء ہے ذکر عبدہ ۔رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"کہ یہاں درجہ سے مراد جنسی درجہ ہے نہ کہ شخصی درجہ یعنی ذاکر مجاہد سے بدرجہا بہتر ہے اشارۃً یہ بھی فرمایا گیا کہ بوقت جہاد

غازی اللہ کا ذکر کرتا رہے کوئی نماز حتی المقدور نہ چھوڑے ہاتھ میں تلوار زبان پر ذکر یا ر ہو پھر سبحان اللہ کیا پوچھنا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے ۱جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے ۲(بخاری تعلیقًا)	

۱ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد قرین شیطان ہے۔ہر انسان کے ساتھ الگ الگ ایک شیطان رہتا ہے ابلیس مراد نہیں،وہ تو ان تمام شیاطین کا منتظم ہے یعنی شیطان کی منزل انسان کا دل ہے جہاں وہ ایسا چمٹا رہتا ہے جیسے شہد سے مکھی۔ خیال رہے کہ غافل کے دل پر شیطان کی منزل ہے،اور کافر کے دل میں شیطان کا گھر ہے،اس جگہ ابن آدم سے مراد غافل مسلمان ہے نہ کہ کافر جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ سے غفلت نہیں آتی بلکہ غفلت سے وسوسے آتے ہیں،لہذا ذکر اللہ و سوسوں کا علاج ہے یہاں ذکر سے مراد مسلمان کا ذکر اللہ ہے نہ کہ کافر کا، کافر کے دل میں سے شیطان تو ایمان سے نکلے گا،بغیر ایمان اگر سارا قرآن بھی پڑھ لے شیطان نہ نکلے گا۔کیونکہ مسافر کو منزل سے ہٹانا آسان ہے مگر کسی کو اس کے گھر سے نکلنا مشکل۔خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن کا دل مالا مال گھر ہے شیطان چور ہے غفلت تاریکی ہے اور ذکر اللہ نور و روشنی۔ چور ہمیشہ اندھیرے میں آتا ہے،اجیالا ہوتا ہی بھاگ جاتا ہے،مؤمن کو چاہیئے کہ اپنے دل کے گھر میں ذکر اللہ کا اجالا رکھے تاکہ اس چور سے امن رہے یوں تو ہر ذکر اللہ دفع وسوسہ کے لیے مفید ہے،مگر لاحول شریف اور اذان دفع شیطان کے لیے اکسیر ہے،اسی لیے بعد دفن قبر پر اذان کہی جاتی ہے کہ مردے سے شیطان دور رہے اور اسے وسوسہ نہ دے تاکہ مردہ امتحا ن میں کامیاب ہو۔

روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ۱غافلوں میں ا للہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگ جانے والوں میں مجاہد ۲اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں ہری شاخ۔	

۱امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعی ہیں لہذا اس حدیث میں اول کے دو راوی چھوٹ گئے تابعی اور صحابی مگر کوئی حرج نہیں امام مالک جیسے محدث کی ایسی احادیث مقبول ہیں ،جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو امام مالک کی تعلیق بدرجہ اتم معتبر ہے۔

۲؎ کہ جب سارے غازی کفار کے مقابلہ سے بھاگ جائیں اور ایک غازی اپنی جگہ ڈٹا رہے حتی کہ مارتے مارتے خود شہید ہوجائے وہ بڑے درجے والا ہے ایسے ہی غافل مسلمان بھگوڑے غازی ہیں ان میں اکیلا یہ ذاکر بڑا بہادر مجاہد ہے ذاکرین میں ذکراللہ کرنا آسان ہے مگر جب ماحول گندہ ہو پھر صاف رہنا بہت مشکل ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جیسے درختوں میں سبز درخت ۱؎ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ ۲؎ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو رب تعالٰی زندگی ہی میں اس کو جنت کا گھر دکھا دیتاہے ۳؎ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کی تمام بولنے والوں اور گونگوں کی بقدر بخشش ہوتی ہے بولنے والے انسان ہیں اور گونگے جانور ۴؎ (رزین)	

۱؎ جیسے باغبان کے دل میں اس ہری شاخ و ہرے درخت کی بڑی قدر ہے ایسے ہی رب تعالٰی کی بارگاہ میں ایسے ذاکر کی بڑی منزلت۔

۲؎ اندھیرے گھراور غافل دل میں ظلمت، غیوبت ونفور ہے،اجیالے گھراور ذاکر دل میں نور ہے، حضور ہےاور سرور ہے "اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ"۔

۳؎ یا خواب میں یا جاگتے ہوئے جیسے بعض صحابہ نے جہاد میں شہادت سے پہلے جنت دیکھ لی اور لوگوں کو خبر دی یا بوقت جانکنی کہ ملک الموت پہلے اسے اس کا جنتی گھر دکھاتے ہیں پھر جان نکالتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتاہے: "تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ"۔یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے،خیال رہے کہ ذاکروں کو مرتے وقت جنت دکھائی جاتی ہے اور عاشقوں کو نزع میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دکھاتے ہیں جس سے میت شدت نزع بالکل محسوس نہیں کرتا،جیسے مصری عورتوں کو جمال یوسفی دیکھ کر ہاتھ کٹنے کا درد محسوس نہ ہوا۔

۴؎ کیونکہ ذکر اللہ کی برکت سے انسان کو عذاب سے امن ملتی ہے اور جانوروں کو بھی لہذا ذاکر سے سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے ان سب کی بقدر اسے ثواب ملتا ہے۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں بندے نے بڑا کوئی ایسا عمل نہ کیا،جو ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دے ۱؎ (مالک،ترمذی،ابن ماجہ) ۲؎	

۱؎معلوم ہوا کہ ذکر اللہ دفع عذاب کے لیے اکسیر ہے،اسی لیے بعد موت میت کو زیادہ تر ختم شریف وغیرہ کا ثواب پہنچاتے ہیں کہ اگر میت عذاب میں ہو تو اس ذکر کی برکت سے نجات پا جائے ذکر اللہ یہاں مطلق فرمایا گیا،خواہ انسان خود کرے یا کوئی دوسرا ذکر کرکے اسے بخشے۔حدیث شریف میں ہے کہ اگر بارہ ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کسی کو بخشا جائے،تو اسے عذاب سے رہائی ملتی ہے اسے مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی نے بھی اپنی کتاب تحذیر الناس میں نقل فرمایا ہم بھی پہلے بحوالہ مرقات عرض کرچکے ہیں کہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے جیسا کہ محدثین کا قاعدہ ہے۔

۲؎یہ حدیث احمد طبرانی،ابن ابی شیبہ نے مرفوعًا روایت کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب کہ وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں ۱؎(بخاری)	

۱؎یعنی جب تک بندہ میرا ذکر چپتا رہتا ہے میں رحمت کرم سے ،محبت سے، توفیق خیر سے اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ خیال رہے کہ خدا تعالٰی ربوبیت سے ہر بندے کے ساتھ ہے قہر و غضب سے بے دینوں کے ساتھ ہے رحمت عامہ سے ہر مؤمن کے ساتھ ہے رحمت خاصہ سے ہر ذاکر کے ساتھ ہے اور اپنے نور و تجلی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ہونے میں بہت وسعت ہے یہ ہمراہیاں قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذاکرین کے پاس رہنا خدا تعالٰی کے پاس رہنا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور فرماتے تھے کہ ہر چیز کی صیقل ہے اور دلوں کی صیقل اللہ کا ذکر ہے ۱؎اور کوئی چیز ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات نہیں دیتی صحابہ نے عرض کیا کہ نہ اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا بلکہ نہ یہ کہ غازی اپنی تلوار سے کفار کو مارے حتی کہ تلوار ٹوٹ جائے ۲؎(بیہقی،دعوات کبیر)	

۱؎دنیاوی الجھنیں اور گناہ آئینہ دل کو میلا کرتے رہتے ہیں اور ذکر اللہ اس میل کو دور کرکے اس آئینہ کو شفاف بناتا رہتا ہے۔اگر انسان گناہ نہ کرے اور پھر ذکر اللہ کرے تو دل پر ایسی پالش ہوتی ہے کہ سارا عالم اس دل میں نظر آتا ہے جیسے کہ گھر کا سارا سامان دیوار میں لگے ہوئے شفاف آئینہ میں پھر بندہ عالم کے ہر ذرہ کو کف دست کی طرح دیکھتا ہے حضور غوث اعظم فرماتے ہیں۔شعر

نظرت الی بلاد اللہ جمیعا　　　　کخردلة علی حکم اتصال

قرآن کریم فرمارہا ہے کہ آصف بن برخیا نے شام سے بیٹھے ہوئے تختِ بلقیس کو جو یمن میں تھا دیکھ بھی لیا اور اٹھا بھی لائے،عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نہاوند کی جنگ کو دیکھ بھی لیا اور حضرت ساریہ کو نقشہ جنگ سمجھا بھی دیا۔یہ سب صفائی دل کے کرشمے ہیں ہر چیز کی صفائی علیحدہ ہے کپڑے کی صفائی صابن سے لوہے کی صیقل سے اور دل کی صفائی ذکر اللہ سے۔

۲؎یعنی تم تو صرف جہاد کو کہہ رہے ہو،اگر مجاہد اول درجے کا غازی بھی ہو شہید بھی ذاکر اللہ کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ اس کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے،یہاں **ینقطع** کا فاعل یا تو تلوار ہے یا غازی یعنی تلوار ٹوٹ جائے یا غازی کی زندگی کا تار ٹوٹ جائے ذکر اللہ کے جو معنے عرض کئے گئے ہیں وہ یاد رکھنا کہ اللہ کا ذکر یہ بھی ذکر اللہ اس کے محبوب بندوں کا عظمت سے ذکر یہ بھی ذکر اللہ ہے،اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر یہ بھی ذکر اللہ ہے،لہذا ہر وقت درود شریف پڑھنے والا بھی اسی میں شامل ہے،درس قرآن کریم،تعلیم حدیث و فقہ سب اس میں داخل۔

كتاب أسماء الله تعالٰی

اللہ تعالٰی کے ناموں کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اللہ تعالٰی کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام ذاتی ہے اللہ، باقی نام صفاتی۔ صفاتی نام تین قسم کے ہیں: صفت سلبی پر دلالت کرنے والے جیسے سبحان،قدوس،اولٰی وغیرہ،صفت ثبوتیہ حقیقیہ پر دال جیسے علیم،قادر یا ثبوتیہ اضافیہ پر دال جیسے حمید،ملیك،مالك،الملك وغیرہ یا صفت فعلیہ پر دال جیسے رازق،خالق وغیرہ۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے نام توقیفی ہیں کہ شریعت نے جو بتائے ان ہی ناموں سے پکارا جائے اپنی طرف سے نام ایجاد نہ کئے جائیں اگرچہ ترجمہ ان کا صحیح ہو لہذا رب کو عالم کہہ سکتے ہیں عاقل نہیں کہہ سکتے،اسے جواد کہیں گے نہ کہ سخی،حکیم کہیں گے نہ کہ طبیب،خدا رب کا نام نہیں بلکہ ایک صفت یعنی مالک کا ترجمہ ہے جیسے پروردگار، پالنہار، بخشنے والا وغیرہ۔ خدا تعالٰی کے بعض نام مخلوق پر بھی بولے جاتے ہیں جیسے رؤف، رحیم اللہ کا نام بھی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مگر مخلوق کے لیے ان ناموں کے اور معنے ہوں گے۔ جب کسی صفت الٰہی کی تجلی بندے پر پڑتی ہے تو اس وقت اس پر وہ نام بولا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو ۱؎ جو ان ناموں کی محافظت کرے جنت میں جائے گا ۲؎ اور ایک روایت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے ۳؎ ہے۔(مسلم،بخاری)

۱؎ حق تعالٰی کے دوسو ایک نام دلائل الخیرات شریف میں بیان ہوئے ہیں اور مدارج النبوت میں شیخ نے رب تعالٰی کے ایک ہزار نام گنائے، یہاں تو ننانوے نام وہ گنائے گئے جن کا یاد کرنا جنتی ہونے کا ذریعہ ہے کل نام یہ نہیں ہیں۔ ان ناموں میں سے بعض ذاتی ہیں، بعض صفاتی، بعض افعالی لہذا اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حق تعالٰی کے نام ننانوے سے زیادہ ہیں اور نہ یہ کہ رب کی صفات کمالیہ تو آٹھ ہیں پھر صفاتی نام زیادہ کیوں ہوئے۔

۲؎ یعنی جو مسلمان یہ نام یاد کرے اور روزانہ ان کا ورد کیا کرے وہ ان شاء اللہ اول ہی سے جنت میں جائے گا۔

۳؎ یعنی حق تعالٰی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریك ہے،وہ ان اعمال کو پسند فرماتا ہے جن میں اخلاص ہو، شرک کا شائبہ نہ ہو اور اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو دنیا سے کٹ کر اس کا ہو رہے، غرضکہ دوسرے وتر میں بہت احتمالات ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کے ننانوے نام ہیں جو ان کی حفاظت کرے گا۱ جنت میں جائے گا وہ اللہ وہ ہے کہ اس کے سواء کوئی معبود نہیں، مہربان ہے، رحم والا ہے ۲ بادشاہ ہے، پاک ہے، عیوب سے سلامت ہے ۳ امن دینے والا ہے، نگہبان ہے غالب ہے ۴ بدلہ کرنے والا ہے، بلند ہے ۵ پیدا کرنے والا، ایجاد فرمانے والا، صورت دینے والا ۶ گناہ بخشنے والا ے غالب ہے، دین ہار ہے ۸ روزی رساں ہے ۹ کھولنے والا، علم والا ۱۰ تنگی و فراخی دینے والا ۱۱ نیچا اونچا کرنے والا ۱۲ عزت و ذلت دینے والا ۱۳ سننے دیکھنے والا ۱۴ حکومت و انصاف والا ۱۵ مہربانی کرنے والا، خبر رکھنے والا ۱۶ حلم و عظمت والا ۱۷ بخشنے والا، قدر دان ۱۸ بلندی و بزرگی والا ۱۹ حفاظت فرمانے والا، قوت دینے والا ۲۰ حساب لینے والا، ۲۱ دعائیں قبول کرنے والا، فراخی دینے والا ۲۲ حکمت والا، بزرگی والا، اٹھانے والا ۲۳ حاضر ۲۴ دائم کارساز ۲۵ قوت واستواری والا ۲۶ مددگار لائق تعریف ۲۷ سب کو جاننے والا شروع کرنے والا، لوٹانے والا ۲۸ زندگی و موت بخشنے والا ۲۹ زندہ ہمیشہ قائم رکھنے والا ۳۰ وجود ہستی والا بزرگی والا ۳۱ ایک اکیلا ۳۲ لائق بھروسہ ۳۳ قدرت و قوت اقتدار والا ۳۴ آگے پیچھے کرنے والا ۳۵ سب سے پہلے سب سے آخر ۳۶ کھلا چھپا ۳۷ مددگار عظمت والا احسان فرمانے والا ۳۸ توبہ قبول کرنے والا بدلہ لینے والا معافی دینے والا ۳۹ رافت والا ملک کا مالک ۴۰ غضب و کرم والا ۴۱ انصاف والا جمع فرمانے والا بے پرواہ اور بے پرواہ کرنے والا ۴۲ دینے والا نہ دینے والا نفع نقصان کا مالک ۴۳ روشن کرنے والا ہدایت دینے والا ۴۴ بے مثال ہمیشہ باقی وارث ۴۵ ہدایت دینے والا صبر والا ۴۶ (ترمذی) بیہقی دعوات کبیر ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴۷

۱؎ چونکہ رب تعالٰی کے صفات و افعال بہت ہیں اس لیے اس کے نام بھی بہت ہیں، نیز اس کے بندوں کی حاجتیں بہت ہیں لہذا رب کے نام بھی بہت کہ بندہ جو حاجت لے کر آئے اسی نام سے اسے پکارے، بیمار پکارے یا شافی الامراض، گنہگار پکارے یا غفار، بدکار پکارے یا ستار وغیرہ۔ خیال رہے کہ جتنے نام رب کے ہیں اتنے ہی نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہیں جیسا کہ کتب تصوف دیکھنے والوں پر ظاہر ہے۔

۲؎ ان ناموں میں رب تعالٰی کے بہت سے مشہور نام نہیں آئے جیسے قدیم، وتر، شدید، کافی رب اکرم، اعلیٰ، اکرم الاکرمین، ذوالعرش المجید، فعال لما یرید، مالك یوم الدین، رفیع الدرجات، ذوالقوۃ المتین، ذوالعرش، احسن الخالقین وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کے کل نام یہ نہیں ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ رحمٰن کے معنے ہیں دنیا میں تمام بندوں پر رحم فرمانے والا اور رحیم کے معنی ہیں آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحم فرمانے والا، چونکہ دنیا آخرت سے پہلے ہے اس لیے رحمٰن کا ذکر رحیم سے پہلے ہو، اکثر علماء نے لا الہ الا ھو کو اسم اعظم مانا ہے۔

۳؎ دنیا کے بادشاہ تھوڑی زمین کے تھوڑے زمانہ میں بادشاہ ہوتے ہیں، رب تعالٰی بذات خود ہمیشہ سے بادشاہ ہے سارے عالموں کا مالک حقیقی ہے۔ قدوس کے معنے ہیں امکان و حدوث سے پاک، کسی کے وہم و خیال میں آنے سے پاک۔ سلام کے معنے ہیں عیوب سے پاک۔ غرضکہ رب تعالٰی ذاتی و صفاتی عیوب سے ہر طرح پاک ہے لہذا قدوس اور سلام میں بڑا فرق ہے یا سلام کے معنے ہیں مخلوق میں سے اہل ایمان کو سلامتی و امن بخشنے والا۔

۴؎ مؤمن کے معنے ہیں مخلوق کے لیے امن و امان کے سامان پیدا فرمانے والا، جسم کے لیے ہزارہا بلائیں ہیں، ہر بلا سے حفاظت و امن کا ذریعہ الگ ہے، روح کے لیے بھی لاکھوں آفات ہیں ان کی امان کے لیے ایمان تقویٰ، عرفان پیدا فرمانے والا۔ مھیمن کے معنے ہیں خلق کے اعمال، ارزاق، احوال کا حافظ۔ عزیز وہ غالب ہے جس کے آستانہ تک کسی کی رسائی بغیر اس کی کرم فرمائی کے نہ ہوسکے اس معنے سے رب تعالٰی کے سوا کوئی غالب نہیں۔

۵؎ جبار جبر سے بنا، بمعنی ٹوٹے کو جوڑنا، کسی کا حال درست کرنا، اسی سے ہے جبر، نقصان یعنی رب تعالٰی بندے کی برائیوں کا بدلہ بھلائیوں سے کرنے والا، ان کے ٹوٹے دلوں، شکستہ حالوں کو اپنے فضل و کرم سے جوڑنے والا۔ متکبر تکبر سے بنا جس کا مادہ ہے کبر، تکبر کے معنے ہیں انتہائی بڑائی یعنی مخلوق کے خیال و گمان سے وراء۔ شعر

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — واز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

بندہ متکبر وہ کہلاتا ہے جو بڑا نہ ہو اور اپنے کو بڑا جانے یعنی شیخی خورا۔

۶؎ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ خالق کے معنے ہیں اندازہ لگانے والا۔ باری کے معنے ہیں نیست کو ہست کرنے والا جو کچھ نہ ہو اسے سب کچھ کردینے والا۔ مصور کے معنے ہیں ہر چیز کو اس کے لائق صورت نقش عطا فرمانے والا لہذا خلق پہلے ہے پھر برء پھر تصویر۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا تھا: "اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَھَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ" رب تعالٰی نے فرمایا ہے: "وَّ تَخۡلُقُوۡنَ اِفۡکًا" اور فرماتا ہے: "فَتَبٰرَكَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ"۔ تمام آیتوں میں خلق بمعنی اندازہ کرنا ہے۔

۷؎ غفار غفر سے بنا، بمعنی چھپانا، غفار کے معنے ہیں دنیا میں بندے کے گناہ چھپانے والا اور آخرت میں معاف فرمانے والا، معافی بھی چھپانے ہی کی ایک قسم ہے۔خیال رہے کہ غفار بھی مبالغہ کا صیغہ ہے اور غفور بھی اور یہ دونوں رب تعالٰی کے نام ہیں مگر غفار میں مقدار کے لحاظ سے مبالغہ ہے اور غفور میں کیفیت کے لحاظ سے مبالغہ، کروڑوں گناہوں کو چھپانے و بخشنے والا اور ہر طرح چھپانے بخشنے والا۔

۸؎ قہار قہر سے بنا، بمعنی جائز غلبہ۔ناجائز دباؤ کو ظلم کہا جاتا ہے۔قہار مبالغہ ہے یعنی رب تعالٰی ایسا عظیم الشان غالب ہے کہ بڑی سے بڑی مخلوق اس کے دربار میں عاجز و سرنگوں ہے۔وھاب ھبہ سے بنا جس کے معنے ہیں بغیر عوض و بغیر غرض و لالچ دینا، وھاب مبالغہ ہے یعنی رب تعالٰی ہر مخلوق کو ہر چھوٹی بڑی نعمت بغیر معاوضہ بغیر کسی طمع ہر وقت دیتا ہے، معطی عام ہے وھاب خاص، رب کی عطا بالواسطہ بھی ہے اور بلاواسطہ بھی، فرماتا ہے: "وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ" لہذا ہمیں بذریعہ انبیاء اولیاء یا بذریعہ اغنیاء کچھ ملنا اس کی وہابیت کے خلاف نہیں۔

۹؎ رزاق رزق سے بنا، بمعنی حصہ، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَ تَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ"۔ رزاق کے معنی ہیں ہر ایک کا حصہ پیدا فرمانے والا اور اس کے مستحق کو پہنچانے والا۔رزق دو قسم کا ہے: رزق صوری جس کا تعلق جسم سے ہے اور رزق معنوی جس کا تعلق روح و دل سے ہے۔روٹی، پانی، دوا جسمانی روزی ہے، ایمان، عرفان، قرآن وغیرہ روحانی روزی جیسے جسمانی روزی میں لوگ مختلف ہیں کسی کو زیادہ ملی کسی کو کم ایسے ہی روحانی روزی میں لوگ مختلف ہیں۔

۱۰؎ یعنی اپنی رحمت کے دروازے اپنی مخلوق پر کھولنے والا اور ہر مستحق کا حال و استحقاق خوب جاننے والا۔علّام علم کا مبالغہ ہے اور علیم بھی مگر ان میں وہ ہی فرق ہے جو غفار و غفور میں عرض کیا گیا، غفار کا تعلق علیم سے بہت نفیس ہے جو رب تعالٰی کے علیم و خبیر ہونے پر دھیان رکھے وہ گناہ پر دلیری نہ کرسکے گا۔

۱۱؎ اس طرح کہ جس بندے کا رزق حسی یا معنوی جب چاہتا ہے کم کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے زیادہ کردیتا ہے، بڑے ہنرمند کبھی فقیر ہوجاتے ہیں اور بڑے بے ہنر کبھی امیر ہوجاتے ہیں، قبض و بسط ہر چیز میں ہوتا رہتا ہے، انبیاء و اولیاء کبھی عالَم کی خبر رکھتے ہیں، کبھی اپنی بھی خبر نہیں پاتے۔شعر

بگفت احوال آں برق جہاں است	دمے بیدار دیگر دم نہاں است
گہے برطارم اعلٰی نشینم	گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

۱۲؎ کافروں کو ذلت سے نیچا اور مؤمنوں کو عزت سے اونچا، دشمنوں کو بدبختی سے نیچا، دوستوں کو خوش نصیبی سے اونچا کرنے والا یا غافلوں کو نفس میں پھنسا کر نیچا، عاشقوں کو اپنی محبت کے اعلٰی علیین میں پہنچا کر اونچا فرمانے والا۔بندے کو چاہیے کہ اپنے کسی حال پر بھروسہ نہ کرے، ڈور رب کے ہاتھ میں مخلوق پتنگ کی طرح اس کے قبضے میں ہے۔

۱۳؎ یعنی اپنے دوستوں کو دنیا میں گناہوں سے بچاکر، نیکیوں کی توفیق دے کر، پھر ان کی مغفرت فرماکر، پھر انہیں دار کرامت تک پہنچاکر، پھر انہیں اپنا دیدار دکھاکر عزت دینے والا۔اور اپنے دشمنوں کو دنیا میں توفیق خیر سے محروم رکھ کر، اپنی معرفت سے ناآشنا کرکے آخرت میں دار عقوبت میں داخل کرکے، پھر اپنی لعنت کا طوق گلے میں ڈال کر ذلت و خواری دینے والا حقیقی عزت و ذلت یہ ہے۔

۱۴؎ یعنی ہر ایک کی ہر طرح ہر وقت زبان و دل خطرات کی آواز سننے والا ہر حال دیکھنے والا مگر کان وآنکھ سے وراء کہ کان وآنکھ بدلتے رہتے ہیں پھر ان کی طاقتیں محدود ہیں،رب تعالٰی بدلنے اور محدود ہونے سے پاک ہے۔خیال رہے کہ یہ صفتیں صفت علم کے علاوہ ہیں۔

۱۵؎ ایسا حاکم کہ اس کے حکم کی کہیں اپیل نہیں،اس کے فیصلہ میں خطاو غلطی کا احتمال نہیں،ایسا عادل کہ کسی پر کسی طرح ظلم نہیں۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کے حکم دو قسم کے ہیں: تکوینی و تشریعی۔تکوینی احکام میں ہم مجبور ہیں،تشریعی احکام میں ہم بااختیار اس لیے تکوینی پر سزاوجزا نہیں،تشریعی احکام پر سب کچھ ہے۔اور عدل مصدر ہے،بمعنی عادل،یہ عدل ظلم کا مقابل ہے نہ کہ رحم کا،اللہ تعالٰی کفار پر عدل فرمائے گا،مؤمن گنہگار پر عدل نہ کرے گا بلکہ فضل و کرم کرے گا لہذا احدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ عادل ہے تو رحیم کیسے ہوا۔

۱۶؎ لطیف کے بہت معنے ہیں اس کی ذات فہم وادراک سے وراء مولانا فرماتے ہیں۔شعر

یا خفی الذات محسوس العطآء	انت کالماء و نحن کالوحی
انت کالریح و نحن کالغبار	یختقی الریح وعنبراء جھاد

ایسی مہربانیاں فرمانے والا جو ہماری عقل سے وراء ہیں۔شعر

جھولیاں سب کی بھرتی رہتی ہیں	دینے والا نظر نہیں آتا

ایسی نعمتیں دینے والا جو بندے کو دونوں جہان میں کام آئیں یا لطیف و باریک چیزوں کا دیکھنے جاننے والا۔خبیر کے معنے ہیں ہر وقت ہر ظاہر و باطن پر اطلاع رکھنے والا بلکہ ہماری پیدائش سے پہلے ہمارے ہر حال سے خبردار۔

۱۷؎ حلیم کے معنے ہیں آہستگی و بردباری یعنی رب تعالٰی مستحق سزا کو جلدی نہیں پکڑتا توبہ کی مہلت دیتا ہے یا دنیا میں بُروں پر بھی کرم و مہربانی فرماتا ہے۔عظیم عظمت سے بنا،بمعنی بڑائی،بڑائی جسمانی بھی ہوتی ہے اور رتبے و عزت کی بھی،یہاں عظمت و عزت کی بڑائی مراد ہے یعنی ایسی عظمت والا کہ کسی کا گمان و وہم وہاں کام نہ کرسکے۔شعر

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا	پہچان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

۱۸؎ غفار کے معنے بھی ہیں بخشنے والا اور غفور کے معنے بھی ہیں بخشنے والا۔بہت سے گناہوں کو بخشنے والا غفار،ہمیشہ بڑے گناہوں کو بخشنے والا غفور،یعنی غفار میں مقدار کا مبالغہ ہے اور غفور میں کیفیت کا مبالغہ۔شعر

گنہِ رضاؔ کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا

مگر اے غفور ترے عفو کا حساب ہے نہ بے شمار ہے

شکر جب بندے کی صفت ہو تو اس کے معنے ہیں انعام پا کر منعم کی حمد و ثناء بجالانا اور جب رب تعالٰی کی صفت ہو تو معنے ہوتے ہیں تھوڑے عمل پر بہت فضل فرمانا جس کا ترجمہ قدردان بہت مناسب ہے کہ وہ کریم نہ بندہ کے لائق جزاء دیتا ہے نہ اس کے کام کے لائق بلکہ اپنی شان کے لائق دیتا ہے،ایک نیکی پر ہزاروں جزائیں،ایک نماز پر وضو کرنے کی جزاء علیحدہ،مسجد کے ہر قدم کی جزاء علیحدہ،پھر مسجد میں آکر انتظار نماز کی جزاء علیحدہ،پھر نماز میں قیام کی جزاء علیحدہ،رکوع کی سجود کی قرأت و تسبیح کی جزاء علیحدہ،بعد نماز دعا مانگنے کی جزائیں علیحدہ علیحدہ۔غرض اس کی عطا کا شمار نہیں ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے اے شکور اس بندہ گنہگار کی یہ محنت قبول فرما اور اسے صدقہ جاریہ بنا۔آمین بجاہ حبیبك الکریم!

۱۹؎ بلندی صفائی رکھنے والا علی اور بلندی ذات والا کبیر۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ علی وہ جس کے صفات تک عقل نہ پہنچ سکے۔کبیر وہ جس کے تصور ذات سے ذہن عاجز ہو۔علی کا مقابل **حقیر** ہے،کبیر کا مقابل **صغیر**۔حق تعالٰی کا رتبہ سب سے اونچا سارے رتبہ والے اس سے نیچے۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تمام صفات کی عموماً اور ان دو صفتوں کی خصوصًا تجلی ڈالی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات ہمارے وہم و گمان سے وراء ہیں۔شعر

اللہ اللہ آپ کا رتبہ صلی اللہ علیہ وسلم　　　پڑھتی ہے دنیا رُتبے کا خطبہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰؎ کہ تمام عالم اور عالم کی چیزوں کا بربادی سے محفوظ رہنا اس کی حفاظت کے باعث ہے ہمارے مزاج میں چار دشمنوں کو جمع فرمادیا،پھر ان میں سے ہر ایک محفوظ،یہ ہے اس کی شان حفیظی۔**مقیت قوت** سے بنا،بمعنی روزی یعنی جسمانی،جنانی،روحانی روزیاں پیدا فرمانے والا اور ہر ایک کو اس کے لائق روزی دینے والا کہ چیونٹی کو کن ہاتھی کو من دیتا ہے۔رزق و قوت میں فرق ہے اسی طرح رزاق اور **مقیت** میں فرق ہے۔

۲۱؎ **حسیب** بمعنی کافی بھی ہے یعنی اللہ ہر بندے کو ہر طرح کافی بھی ہے اسی واسطے بندے کہتے ہیں **حسبی اللہ**،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللہِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ" یا بمعنی حساب لینے والا کہ ساری خلق کا حساب چار گھنٹے میں لے لوں گا "اِنَّ اللہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ" یا دنیا میں ہر بندے کو حساب سے روزی دے رہا ہے۔**جلیل** کے معنے ہیں صفات جلالیہ سے موصوف یعنی بزرگی،جلالت و قدر والا۔امام غزالی نے فرمایا کبیر کمال ذاتی اور جلیل کمال صفاتی پر دال ہے۔کریم وہ ہے جو مجرم پر قادر ہو کر معافی دے دے،وعدہ کرے پورا کرے اور امید سے زیادہ دے اور اپنے پناہ لینے والے کو ضائع نہ کرے تمام وسیلوں سے بے نیاز ہو۔غرضکہ ایک لفظ کریم محامد کا مجموعہ ہے۔**رقیب** وہ حافظ جس کی حفاظت سے کوئی چیز ایک لمحہ کے لیے باہر نہ ہوسکے،رقابت میں علم و حفظ ہے لزوم ہے۔

۲۲؎ **مجیب** کے معنے ہیں پکارنے والے کو جواب دینے والا یا مانگنے والوں کی دعائیں،آرزوئیں پوری کرنے والا بلکہ ہماری پیدائش سے پہلے ہماری ضروریات پوری فرمانے والا۔شعر

مانہ بودیم و تقاضائے ما نبود　　　لطف تو ناگفتہ ما مے شنود

واسع وسعت سے بنا،بمعنی فراخی یا احاطہ۔رب ایسا واسع ہے کہ اس کا علم اس کی قدرت،رحمت،حکمت اور اس کی عطا فرش کو گھیرے ہے "وَسِعَ کُرۡسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ"۔کرسی کی نہایت نفیس تفسیر ہماری "تفسیر نعیمی" میں ملاحظہ کیجئے آیت الکرسی کے ماتحت۔

۲۳؎ **حکیم حکم** سے ہے یا **حکمت** سے یعنی ہر چیز پر اعلٰی حاکم کہ اس کے فیصلہ پر کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں یا اس کا ہر کام حکمت سے ہے کوئی چیز عبث نہیں بنائی۔**ودود ودٌّ** سے بنا،بمعنی صحیح محبت یعنی اپنے دوستوں سے ان کے اچھے اعمال سے محبت فرمانے والا،اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو پسند فرمانے والا۔**مجید مجد** سے بنا،بمعنی بزرگی یعنی ایسی بزرگی والا کہ اس کی بزرگی تک کسی کے وہم کی رسائی نہیں یا ہر طرح بزرگ کہ اس کی ذات و صفات و افعال سب بزرگ۔**باعث بعث** سے بنا،بمعنی اٹھانا یعنی سوتوں کو نیند سے،مردوں کو قبروں سے،مردہ دلوں کو علم سے اٹھانے والا۔غرضکہ باعث میں بہت وسعت ہے۔

۲۴؎ شھید شھادت سے بنا یا شھود سے یعنی رب تعالٰی بندے کے ہر عمل کا گواہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر عمل کو مشاہدہ کررہا ہے یا ہر جگہ حاضر ہے مؤمنوں کے ایمان میں حاضر،عارفوں کی جان میں حاضر۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کا نام شہید ہے حاضر نہیں کیونکہ رب کی ذات جسمانی یا مکانی حضور سے پاک ہے اور اس کا علم و قدرت و رحمت ہر جگہ موجود ہے۔حضور و شہود میں بڑا فرق ہے رب کی ذات ہر جگہ میں نہیں کہ مکان سے پاک و منزہ ہے۔

۲۵؎ حق باطل کا مقابل ہے،باطل بمعنی معدوم ہے تو حق بمعنی ثابت و موجود،رب تعالٰی ایسا موجود ہے کہ اس کے وجود کو فنا نہیں اور تمام موجودات اس کے کرم سے موجود ہیں جیسے تمام دھوپیں اور سایے آفتاب کے فیض سے ہیں۔رب تعالٰی گویا سورج ہے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم گویا دیوار،ساری خلق اس دیوار کا سایہ کہ اگر درمیان سے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات ہٹ جائے تو رب ہی ہو خلقت ختم ہوجائے۔مصرع اصل سے ہے ظل بندہاتم پہ کروڑوں درود۔

۲۶؎ امام غزالی نے فرمایا کہ قوت کے معنے ہیں کامل قدرت اور متانت کے معنے ہیں اس قدرت کی پختگی و مضبوطی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ"یعنی وہ مضبوط قدرت وطاقت والا ہے۔حول،قوت،قدرت میں بڑا فرق ہے جسے مرقات نے اس جگہ بہت تفصیل سے بیان کیا۔

۲۷؎ ولی یا تو ولی سے ہے،بمعنی قرب یا ولایۃ سے،بمعنی والی ہونا یا مددگار ہونا یعنی اللہ تعالٰی اپنے دوستوں کی ان کے دشمنوں کے مقابل مدد فرمانے والا ہے یا ان کا والی وارث و متولی امور ہے،فرماتا ہے:"وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ"اور فرماتا ہے:"اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"یا اللہ تعالٰی اپنے دوستوں سے قریب ہے۔حمید حمد سے بنا،بمعنی اسم فاعل یا بمعنی اسم مفعول یعنی اللہ اپنے محبوبوں کی حمد فرماتا ہے اسی لیے اس کا نام حامد ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا نام محمد۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا نام محمد ہے یعنی بہت ہی حمد کئے ہوئے اور رب کا نام ہے محمود یعنی حمد کیا ہوا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم تو اللہ کے محمد ہیں اور اللہ تعالٰی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا محمود اور ظاہر ہے کہ اللہ کی حمد بہت اعلٰی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی محمودیت بہت اکمل۔

۲۸؎ محصی احصاء سے بنا،بمعنی شمار کرنا اور گننا یعنی اللہ تعالٰی ایسا علیم ہے کہ سب کو تفصیلی عدد وار جانتا ہے اس کا علم گول مول اجمالی نہیں جیسے عظیم الشان مجمع دیکھ کر ہم کو مجمع کا اجمالی علم ہوجاتا ہے کہ دس ہزار آدمی ہیں مگر ان کی تفصیل نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کا علم تفصیلی ہے اس نے خلق کو پہلے پیدا کیا لہذا وہ مبدی ہے وہ قیامت میں سب کو دوبارہ اٹھائے گا وہ معید ہے یا اس نے ہم کو پہلے مٹی سے بنایا لہذا وہ مبدی ہے اور وہ ہی ہم کو موت دے کر پھر مٹی ہی میں لوٹا دیتا ہے لہذا وہ معید ہے۔خیال رہے کہ مردہ خواہ دفن ہو یا جلادیا جائے یا اسے جانور کھا جائے آخر کار بنتا مٹی ہی ہے کہ جل کر راکھ بنا یا جانور کے پیٹ میں پاخانہ بنا،پھر وہ راکھ یا پاخانہ مٹی بن گئی،رب تعالٰی نے فرمایا:"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ"بالکل حق ہے۔

۲۹؎ کہ جسموں کو جان سے اور جان کو ایمان سے،جنان کو عرفان سے،انسان کو علم و معرفتِ رحمان سے،زمین کو سبزوں سے زندگی بخشتا ہے،پھر کفار کو کفر سے،غافلوں کو غفلت سے موت دیتا ہے۔

۳۰؎ یعنی وہ خود زندہ و قائم ہے دوسروں کو زندہ و قائم رکھتا ہے کہ تمام کی بقاء اسی سے ہے اگر اس سے نسبت نہ رہے تو کوئی کچھ نہ رہے۔صوفیاء کی اصطلاح میں ولایت کا ایک درجہ بھی قیومیت کہلاتا ہے جس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے،وہاں قیوم کے معنے ہیں باعث قیام عالم۔لفظ قیوم

ایک ہے مگر رب تعالٰی کے لیے ایک معنی ہیں اور بندے کے لیے دوسرے معنے میں جیسے **حیی**،**سمیع**،**بصیر اللہ** تعالٰی کی بھی صفت ہے اور اس کے بندوں کی بھی مگر مختلف معنے سے اسی لیے اولیاء اللہ کو قیوم اول،قیوم ثانی وغیرہ کہا جاتا ہے۔

۳۱؎ کہ وہ ہی واجب الوجود ہے سب اسی کے موجود کرنے سے موجود ہیں،حقیقی بزرگی اسی کی ہے اور سب اس کے بنانے سے بزرگ بنے،واحد بمعنی کامل وجود و ہستی والا۔

۳۲؎ **واحد** بمعنی ایک اور **احد** بمعنی اکیلا و یگانہ یعنی ذاتًا بھی ایک کہ اس کے سوا دوسرا رب نہیں صفاتًا بھی ایک کہ اس جیسا کوئی نہیں،افعالًا بھی ایک کہ اس جیسا کوئی جمیل افعال والا نہیں لہٰذا واحد اور احد میں تکرار نہیں۔

۳۳؎ **صمد** کے بہت معنے ہیں:وہ مالک جہاں سرداری و مالکیت ختم ہے۔وہ بے خوف جسے کسی کا ڈر نہیں حاجت و آفت سے منزہ و بری و باقی جسے فنا نہیں،وہ مولے جس پر سارے بندے بھروسہ و توکل کریں۔**صمود** سے مشتق،بمعنی مقصد و ارادہ یعنی لائق توکل و بھروسہ اسی کی ذات ہے۔شیخ نے فرمایا کہ اس اسم کی تجلی جس پر پڑ جائے وہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے،دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وایمان و عرفان کسی سے حاصل نہ کیا سب نے سب کچھ حضور سے حضور نے اپنے پروردگار سے صلی اللہ علیہ وسلم،یہ ہے صمد کی تجلی۔

۳۴؎ قادر و مقتدر دونوں قدرت سے بنے مگر مقتدر میں مبالغہ ہے۔قادر جو مختار ہو چاہے کرے یا نہ کرے دے یا نہ دے،مقتدر وہ کہ اپنے کسی کام میں کسی کی مدد کا حاجت مند نہ ہو۔

۳۵؎ یا ذاتًا آگے پیچھے کرنے والا جیسے اسباب کو آگے کردیا **مسببات** کو پیچھے،ماں باپ کو آگے اولاد کو پیچھے فرمادیا یا صفاتًا کہ انبیاء و اولیاء کو درجے و مراتب میں سب سے آگے فرمادیا یا دوسروں کو ان کے پیچھے لگادیا یا ہمارے حضور کو آگے بھی کردیا کہ حضور ہی کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا(صلی اللہ علیہ وسلم)اور پیچھے بھی فرمادیا کہ آپ کا ظہور پیچھے ہوا(صلی اللہ علیہ وسلم)اس آگے پیچھے کے لذیذ معانی ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن" میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳۶؎ اس طرح کہ ہمیشہ سے ہے جس کی ابتداء نہیں لہٰذا وہ آگے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا جس کی انتہاء نہیں لہٰذا وہ سب سے پیچھے بھی ہے یا وجود میں اول ہے سلوک میں آخر یا سب کی ابتداء بھی اسی سے ہے لہٰذا اول ہے اور سب کی انتہاء بھی اس پر لہٰذا وہ آخر سب اسی کی طرف لوٹیں گے۔شعر

نہ گل چمن میں رہے گا نہ گل میں بو باقی	مٹیں گے سارے تجھی پر رہے گا تو باقی

۳۷؎ صفات،رحمت عطا سے سب پر کھلا ذات سب سے چھپی۔شعر

بے حجابی میں یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار	اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے	ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

۳۸؎ یعنی سب کا والی وارث،سب کے خیال و وہم سے بالا،تمام عیوب سے منزہ،سب پر احسان فرمانے والا کہ جسے جو دیا اپنے کرم سے دیا نہ کہ اس کے استحقاق سے،بڑے بڑے گنہگاروں کی توبہ قبول فرما کر انہیں بخشنے والا،بار بار توبہ کی توفیق دینے والا بلکہ گنہگاروں کو پکار پکار کر بلانے والا کہ "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ"،"اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا" جب وہ توبہ کی توفیق دیتا ہے تو بندہ توبہ کرتا ہے فرماتا ہے:"ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا" توبہ بندے کی بھی صفت ہے،بمعنی گناہوں سے رجوع کرنا اور رب کی صفت ہے،بمعنی ارادۂ عذاب سے رجوع فرمالینا۔

۳۹؎ یعنی کفار غدار سے بدلہ لینے والا،مؤمن گنہگار کو معافی دینے والا وہ عدل ہے یہ فضل،غفور سے عفو زیادہ مبالغہ ہے کہ غفر کے معنے ہیں چھپانا،عفو کے معنے ہیں مٹانا،غفور عیبی کے عیب چھپانے والا عفو عیبوں کو مٹانے والا۔

۴۰؎ رؤف رافتہ سے بنا،بمعنی بے حد رحمت جس کی انتہاء نہ ہو۔بعض عشاق نے فرمایا کہ بندے کی حاجت کی بناپر احسان کرنا رحمت ہے اور اپنی عادت کی بناپر احسان فرمانا رافتہ،ملک ظاہر خلق ہے اور ملکوت باطنی خلق،اللہ تعالٰی ہمارے جسموں کا مالک ہماری روح کا مالک لہذا وہ مالک الملک بھی اور مالکِ ملکوت بھی۔

۴۱؎ ذوالجلال رب کی صفت ذاتیہ ہے اور اکرام اس کی صفت فعلیہ یعنی جلال اسکی ذات میں ہے اور اکرام مخلوق پر ہے،بعض نے فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے۔

۴۲؎ قسط کے معنے ظلم بھی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَھَنَّمَ حَطَبًا" اور بمعنی عدل وانصاف بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ" مگر جب یہ باب افعال میں آئے تو عدل وانصاف ہی کے معنے میں ہوتا ہے یعنی عدل قائم کرنا یا ظلم زائل کرنا،مقسط کے معنے ہوئے مظلوموں سے ظالموں کا ظلم دور فرمانے والا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ"۔ جامع کے معنے خود تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے کہ تمام خوبیاں اس میں جمع ہیں یا تمام بکھری خلق کو قیامت میں جمع فرمائے گا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ" یا تمام بکھرے انسان کو بذریعۂ اسلام قرآن ایمان میں جمع فرمانے والا خود نما ہے کہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور مغنی بھی ہے کہ جسے چاہے اپنے ماسواء سے غنی وبے نیاز کردے اور اسے رب کے سوا کسی کی حاجت نہ رہے۔

۴۳؎ یعنی جسے جو چاہے دے جسے جو چاہے نہ دے،بے پرواہ جو ہوا یا لائق کو دینے والا نالائق کو نہ دینے والا یا اسباب خیر دینے والا اور اسباب شر نہ دینے والا کہ بندہ مانگتا ہے مگر وہ اپنے کرم سے نہیں دیتا اور نفع ونقصان سب اسی کی ملک ہے کسی کو نفع دیتا ہے تاکہ وہ شاکر بن کر قرب حاصل کرے کسی کو نقصان دیتا ہے کہ وہ صبر کرکے قریب ہو۔

۴۴؎ نور وہ جو بذات خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے،رب تعالٰی خود نور ہے کہ ظاہر بھی ہے اور اس نے اپنے محبوبوں کو خلق پر ظاہر بھی کردیا یا رب تعالٰی نور بخشنے والا ہے اپنے محبوبوں کو نور بنانے والا ہے،فرماتا ہے:"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور فرماتا ہے:"قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ" ہدایت کے معنے راہ دکھانا بھی ہیں اور مقصود پر پہنچانا بھی اللہ تعالٰی دونوں معنے سے ہادی ہے۔

۴۵؎ بدیع کے معنے ہیں خود بے مثال کہ کوئی ذات صفات میں اس کا مثل نہیں فرماتا ہے:"لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" یا بغیر مثال عالم بنانے والا یعنی موجد فرماتا ہے:"بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یا اپنے بندوں میں سے بعض کو بے مثال کرنے والا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثال پیدا فرمایا باقی کے معنے ہیں دائم الوجود کہ کبھی فنا نہ ہو وارث کے معنے ہیں بندوں کو فنا کے بعد باقی رہنے والا جب کوئی دعویدار نہ رہے تو بھی وہ رہے فرماتا ہے:"اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَیْھَا" وراثت کے دوسرے معنے سے رب تعالٰی پاک ہے یعنی مخلوق کے بعد مالک ہو پہلے نہ ہو۔معاذاللہ!

۴۶؎ رشید وہادی دونوں کے معنے میں ہدایت دینے والا مگران دونوں میں فرق یہ ہے کہ الہامی فطری ہدایت کو رشد کہتے ہیں اور اختیاری ہدایت کو ہدایت،سارے انسان بلکہ تمام جانور کھانے اور نہ کھانے کی چیزوں کو پہچانتے ہیں،یہ رشد ہے اور بذریعہ انبیائے کرام بعض کو ایمان ملتا ہے یہ رب کی ہدایت ہے رُشد کا مقابل **غوایة** ہے اور ہدایت کا مقابل ضلالت ہے رشید،غی اور مہتدی،ضال آپس میں مقابل ہیں۔**صبور** صبر سے بنا،بمعنی روکنا،ٹھہرنا،اگر یہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنے ہوتے ہیں گھبراہٹ سے اپنے کو روکنا اگر رب تعالٰی کی صفت ہو تو معنے ہوتے ہیں مجرموں کے عذاب میں جلدی نہ فرمانا وقت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا صبور وہ جو جلدی نہیں مگر دیر سے سزادے۔**حلیم** وہ جو کبھی سزا نہ دے رب تعالٰی کفار کے لیے صبور ہے اور گنہگار مؤمن کے لیے حلیم ہے،کریم ہے،رحیم ہے۔

۴۷؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ تمام اسماء الٰہیہ آیات ودیگر احادیث میں بھی آئے ہیں مگر صبور اس روایت کے سواء نہ کسی حدیث میں نہ آیت میں ہاں،ایک حدیث میں یہ ہے "**مَآ اَحَدٌ اَصۡبَرَ عَلٰی اَذًی یَّسۡمَعُہٗ مِنَ اللہِ**"۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اس لیے کہ تو معبود ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں ایک ہے لائق بھروسہ ہے جس نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ۱؎ تو حضور انور نے فرمایا اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے ۲؎ جب اسم اعظم سے مانگا جائے تو دیتا ہے اور جب اس نام سے دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی مولا تیرے ناموں کے توسل وسیلہ سے تجھ سے دعا مانگ رہا ہوں ان ناموں کے صدقے سے میری سن لے،یہ دعا مانگنے والے حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کے ساتھ دعا کرنا بہتر ہے وسیلہ خواہ اسماء الٰہیہ کا ہو خواہ اس کے کسی محبوب بندے کا۔

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ اسم اعظم ہے کیونکہ یہ اسم ذات ہے جو سوائے خدا تعالٰی کے کسی پر نہیں بولا جاتا،بعض نے فرمایا کہ "**لا الہ الا انت**"اسم اعظم ہے۔بعض کے خیال میں رب تعالٰی کے بعض نام بعض کے مقابلہ میں اسم اعظم ہیں جیسے رحمٰن بمقابلہ رحیم کے اسم اعظم ہے۔

۳؎ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دعا میں **اَللّٰھُمَّ** کہنا بہت بہتر ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اور میم میں تمام ان ناموں کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے **ملك**،**مالك**،**منان** وغیرہ۔دوسرے یہ کہ دعائے آداب سے یہ ہے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف،پھر اپنے گناہوں کا اعتراف،پھر عرض حاجات۔تیسرے یہ کہ **اللہ یا اَللّٰھُمَّ یا لا الہ الا انت** اسم اعظم ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے کہا الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں کیونکہ تیری ہی تعریف ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو مہربان نعمتیں دینے والا ہے ۱؎ آسمان وزمین کا	

	موجد ہے اے جلالت و کرم والے اے زندہ اے قائم رکھنے والے میں تجھ سے مانگتا ہوں۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے رب کے نام سے دعا مانگی کہ جب اس نام سے دعا مانگی جائے تو قبول فرمایا ہے اور جب اس نام سے کچھ مانگا جائے تو دیتا ہے۳(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)۴

۱ حنان کے معنے بہت مہربان،منان کے معنے ہیں بہت احسان کرنے والا۔اس میں اشارۃً عرض کیا گیا کہ تو نے جسے دیا اس کے استحقاق سے نہ دیا اپنے کرم سے دیا۔خیال رہے کہ بندے کا بندے کو احسان جتانا اگر طعنہ زنی کے لیے ہو تو برا ہے اگر مطیع کرنے کے لیے ہو تو اچھا،اللہ تعالٰی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جگہ اپنی نعمتوں کے احسان جتائے ہیں تاکہ بندے اس کی اطاعت کریں اس کا احسان مانیں یہ اسی کا کرم ہے،منّان کے ایک معنے یہ بھی ہیں یعنی احسان جتانے والا۔

۲ تیرے سواء کسی سے نہیں مانگتا کہ تو ہی میرا رب ہے میں تیرا ہی بندہ ہوں۔خیال رہے کہ انبیاء،اولیاء،اغنیاء،اطباء سے کچھ مانگنا بالواسطہ رب تعالٰی ہی سے مانگنا ہے،صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی ہے۔

۳ ان دونوں حدیثوں میں اللّٰھم اور لا الہ الا انت مشترکہ طور پر موجود ہیں اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ ان دونوں میں کوئی نام اسم اعظم ہے۔بعض نے فرمایا کہ جمعہ کی ساعت قبولیت دعا اور شبِ قدر کی طرح اسم اعظم بھی مخفی ہے تاکہ بندے اس کی تلاش میں رہیں،یہ تلاش بھی عبادت ہے۔

۴ اسے احمد،ابن حبان،حاکم،ابن ابی شیبہ نے کچھ فرق سے روایت فرمایا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے تمہارا معبود ایک معبود ہے جس کے سواء کوئی معبود نہیں رحم والا مہربان ہے اور سورۂ آل عمران کے شروع میں الم اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ قائم رکھنے والا۱(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ رب تعالٰی کا اسم اعظم لا الہ الا ھو ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں یہ ہی مشترک ہے۔امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ اسم اعظم الحی القیوم ہے،امام جزری نے فرمایا کہ اسم اعظم لا الہ الا ھو الحی القیوم ہے،حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس و ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اسم اعظم رب ہے،حضرت امام زین العابدین نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اسم اعظم اللہ الذی لا الہ الا ھو ربّ العرش العظیم ہے،بعض نے فرمایا کلمہ طیبہ اسم اعظم ہے۔غرض کہ اسم اعظم میں بہت روایات ہیں جنہیں امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ میں اور مولانا علی قاری نے مرقات میں جمع فرمایا۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے سارے ہی نام عظیم ہیں کوئی ناقص نہیں مگر بعض نام اعظم یعنی بہت بڑے ثواب و تاثیر والے ہیں،بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جو نام خلوص دل اور عشق و محبت سے لیا جائے وہی اسم اعظم ہے،یہ ہی امام جعفر صادق کا قول ہے۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مچھلی والے پیغمبر کی دعا جب انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب سے کی۱؎ یہ ہے، تیرے سواء کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں سے ہوں۲؎ کوئی مسلمان آدمی کسی حاجت میں یہ دعا نہ مانگے گا مگر قبول ہوگی۳؎(احمد،ترمذی)

۱؎ ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ آپ کچھ روز مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے مگر اس کی غذا بن کر نہیں کہ نبی کا جسم تو قبر کی مٹی بھی نہیں کھاتی چہ جائیکہ مچھلی کھائے بلکہ امانت الٰہی بن کر اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا:"فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ"انہیں مچھلی نے نگل لیا جیسے موتی کو نگل لیتی ہے یہ نہ فرمایا کہ مچھلی نے انہیں کھالیا۔علماء فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کا پیٹ عرش اعظم سے افضل ہے کہ ایک پیغمبر کا کچھ دن تجلی گاہ رہا جب مچھلی کا پیٹ عرش اعظم سے افضل ہو گیا تو حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا وہ شکم پاک جس میں سید الانبیاء نو ماہ تک جلوہ افروز رہے وہ تو عرش سے کہیں افضل ہے اس کی تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی" جلد اول میں ملاحظہ فرمایئے۔قیمتی موتی قیمتی ڈبی میں رکھا جاتا ہے۔

۲؎ اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوا کہ لا الہ الا انت اسم اعظم ہے اور یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کو رب تعالٰی کی طرف سے القاء ہوئی،اسی دعا کی برکت سے آئی آفتیں ٹل جاتی ہیں،اڑی مشکلیں حل ہوجاتی ہیں۔خیال رہے کہ ظلم کے تین معنے ہیں:کفروشرک،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ"۔گناہ،خطا بھول چوک یہاں تیسرے معنے مراد ہیں کیونکہ حضرات انبیاء بدعقیدگی و بدعملی سے معصوم و موصوف ہیں،نیز حضرت یونس علیہ السلام سے اس موقعہ پر صرف خطاء ہی سرزد ہوئی تھی جیسا کہ ان کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالٰی نے آپ کو مقام نینوٰی موصل کا نبی کیا۔جب قوم نے آپ کی اطاعت نہ کی تو آپ نے بحکم پروردگار انہیں خبر دی کہ تین دن بعد تم پر عذاب آجائے گا اور آپ نینوٰی سے جو موصل کا ایک شہر ہے بغیر حکم الٰہی آئے روانہ ہوگئے،یہ سمجھ کر کہ عذاب کی جگہ سے پیغمبر کو چلا جانا چاہیے پھر عذاب کا بادل نینوٰی پر چھا گیا،وہاں کے باشندوں نے سچی توبہ کرلی اور آیا ہوا عذاب ٹل گیا تین دن کے بعد آپ نے دور سے اس شہر کو دیکھا تو آباد تھا آپ شہر میں اس لیے نہ آئے کہ میں نے تو انہیں عذاب کی خبر دی تھی اور عذاب آیا نہیں اب میری وہاں بڑی بے عزتی ہوگی اور دوسری جگہ چلے گئے جاتے ہوئے دریا سامنے آیا کشتی میں بیٹھے،درمیان سمندر میں کشتی ٹھہر گئی،ملاحوں نے کہا کہ شاید اس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے جس سے کشتی آگے نہیں چلتی آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں اور دریا میں چھلانگ لگادی ایک مچھلی منہ پھاڑے بیٹھی تھی وہ آپ کو نگل گئی اور دریائے نیل پھر دجلہ میں ہوتی ہوئی شام کے علاقہ میں جا نکلی وہاں دریا نے آپ کو زمین پر اگل دیا پھر کدو کی بیل نے آپ پر سایہ کیا ہرنی آپ کو دودھ پلاتی رہی مرقات وغیرہ۔

۳؎ کیونکہ رب تعالٰی کا وعدہ ہے کہ فرمایا:"فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ"یعنی اس دعا کی برکت سے ہم نے انہیں بھی غم سے نجات دی اور تاقیامت مسلمانوں کو بھی اس کی برکت سے نجات دیا کریں گے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ بزرگوں کی زبان سے نکلی ہوئی دعاء بہت تاثیر والی ہوتی ہے کیوں نہ ہو کہ الفاظ دعا گولی،زبان رائفل جب دونوں قوتیں جمع ہوجائیں تو شکار یقینی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے وقت مسجد میں گیا تو وہاں ایک شخص بلند آواز سے تلاوت کر رہا تھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا حضور فرماتے ہیں کہ یہ ریاکار ہے۱؎ فرمایا بلکہ رجوع الی اللہ والا بندہ ہے۲؎ فرمایا اور ابوموسیٰ اشعری خوب بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قرأت غور سے سننے لگے۳؎ پھر ابوموسیٰ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے یوں کہا الٰہی میں گواہ ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں اکیلا ہے لائق بھروسہ ہے۴؎ جس کا کوئی ہمسر نہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے اللہ کے اس نام سے دعا مانگی کہ جب اس نام سے کچھ مانگا جائے تو رب دیتا ہے جب اس نام سے دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے۵؎ میں نے عرض کیا میں انہیں وہ بتادوں جو میں نے آپ سے سنا فرمایا ہاں میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی انہوں نے مجھ سے فرمایا تم آج سے میرے بھائی ہو کیونکہ تم نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچائی۶؎(رزین)

۱؎ یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص آپ کی مسجد شریف میں چیخ کر ذکر و تلاوت کررہا ہے،کیا حضور عالی فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ ریاکار ہے،اگر مخلص ہوتا تو اسے اس قدر چیخنے کی کیا ضرورت تھی یہ لوگوں کو دکھا سنا رہا ہے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کسی پر بدگمانی بلاوجہ نہ کرنی چاہیے مؤمن کا ہر عمل حتی الامکان اخلاص پر محمول کرنا چاہیے۔دوسرے یہ کہ ذکر بالجہر سنت صحابہ ہے اسے حرام کہنا سخت غلطی ہے۔

۳؎ یعنی یہ صاحب حضرت ابوموسیٰ اشعری تھے آپ بڑے ہی خوش الحان تھے،حضرت بریدہ آپ کو پہچان نہ سکے اس لیے آپ پر ریاکار ہونے کا احتمال کیا ورنہ آپ جلیل القدر صحابی ہیں آپ پر ریاکاری کا الزام بہت بعید ہے۔(مرقات)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قرأت سے بہت ہی خوش ہوتے تھے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے،یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی تلاوت سننا سنت ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ تلاوت کے بعد دعا مانگنا سنت صحابہ ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے رب تعالٰی کے اچھے اچھے نام لینا اور اس کے وسیلے سے دعا کرنا سنت ہے۔

۵؎ یعنی ان ناموں میں رب تعالٰی کا اسم اعظم ہے اور اسم اعظم کی یہ تاثیر ہے کہ اس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں رب تعالٰی کی جناب سے بھیک ملتی ہے،اس بناپر بعض نے فرمایا کہ لا الہ الا انت اسم اعظم ہے کیونکہ اس میں یہ نام شریف موجود ہے۔

۶؎ یعنی چونکہ تم نے مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پہنچائی لہذا تم آج سے میرے محسن بھائی ہو اور چونکہ تم نے مجھے ایک خوشخبری بھی سنائی لہذا آج سے تم میرے ولی دوست بھی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ محدثین وفقہاء سے محبت کرنا چاہیے کیونکہ یہ حضرات ہمارے محسن ہیں کہ ہم تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پہنچاتے ہیں یہ سنت ہے،بڑے بدنصیب ہیں وہ جو محدثین یا علماء سے نفرت یا عداوت رکھیں۔

باب ثواب التسبیح و التحمید و التھلیل و التکبیر

سبحان اللہ،الحمد للہ،لاالہ الا اللہ،اللہ اکبر کہنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے کیونکہ پہلے باب میں ذکراللہ کے فضائل بیان ہوئے،ذکراللہ میں یہ تسبیح وغیرہ بھی داخل تھی مگر چونکہ دیگر اذکار سے یہ ذکر افضل ہیں اسی لیے ان کے ثواب کے لیے علیحدہ باب باندھا۔خیال رہے کہ تسبیح کے معنے ہیں اللہ تعالٰی کو تمام نقصان و عیوب سے پاک جاننا یا پاک بیان کرنا۔اسمائے الٰہیہ وردکرنے والے پر اس نام کی تجلی وار ہوتی ہے تو جو سبحان اللہ کا ورد کیا کرے تو ان شاءاللہ خود یہ بندہ برائیوں سے پاک ہوجائے گا۔تسبیح بہت اعلیٰ ذکر ہے اسی لیے نماز شروع کرتے ہیں سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ سے، رکوع میں سُبۡحٰنَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ،سجدہ میں سُبۡحٰنَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی،خبرعجیب پر سُبۡحٰنَ اللہ کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت سمرہ بن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل کلمات چار ہیں ۱؎ سبحان اللہ،الحمدللہ،لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر ۲؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ کو پیارے کلمات چار ہیں سبحان اللہ ،الحمدللہ،لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر جس کلمہ سے ابتداءکرو مضر نہیں ۳؎(مسلم)	

۱؎ یعنی انسانی کلمات یا دوسرے وِردوظیفوں سے یہ چار کلمے بہت ثواب کا باعث ہیں کیونکہ ان کلمات میں رب تعالٰی کی بے شمار حمدیں مذکور ہیں۔سبحان اللہ کے معنے ہیں میں اللہ تعالٰی کو سارے عیوب سے پاک مانتا ہوں۔الحمدللہ کے معنے ہوئے تمام ہی تعریفیں رب تعالٰی کی ہیں کہ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔لاالہ الخ وہ کلمہ ہے جسے پڑھ کر بندہ مسلمان بنتا ہے اور اللہ اکبر میں اس کی کبریائی اور تمام مخلوق سے بڑے ہونے کا اعتراف ہے لہٰذا یہ کلمات رب تعالٰی کی جامع صفات ہیں،اب حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سب سے افضل تو قرآن شریف ہے پھر یہ کلمات کیسے افضل ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ چاروں کلمات قرآن شریف میں موجود ہیں اگلے تین تو صراحۃً چوتھا کلمہ اشارۃً و معنًی،دوسری روایت میں ہے کہ یہ کلمات باقیات صالحات سے ہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ ان کلمات کو کلام فرمانا لغۃً ہے نہ کہ اصطلاحًا لہٰذا اگر کوئی شخص کلام نہ کرنے کی قسم کھائے وہ ان کلمات کے پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کہ قسم میں کلام سے مراد انسان کا کلام ہے جسے اصطلاح میں کلام کہا جاتا ہے۔

۲؎ اللہ اکبر کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ہماری حمدوثنا بلکہ ہمارے خیال و وہم سے بڑا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے"لَا اُحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْكَ"میں تیری ثناء کما حقہ نہیں کرسکتا۔

۳؎ مرقات میں فرمایا کہ یہ ترتیب عزیمت ہے،اس کے خلاف رخصت یعنی بہتر یہ ہے کہ اس ترتیب سے ان کا ورد کرے اگر اس کے خلاف بھی کیا تو حرج نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سبحان اللہ،الحمدللہ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا مجھے اس سب سے پیارا ہے جس پر سورج طلوع ہوا؎(مسلم)

۱؎ یعنی یہ کلمات مجھے ساری دنیا سے پیارے ہیں کیونکہ دنیا فانی ہے اور ان کا ثواب باقی،نیز دنیا رب تعالٰی سے غافل کرنے والی ہے اور یہ سب رب تعالٰی کی یاد دلانے والے۔خیال رہے کہ"ماطلعت علیہ الشمس" سے مراد ساری دنیا ہے زمین یا زمین کی چیزیں ہوں یا آسمان اور آسمان کی چیزیں،رہا قرآن وحدیث ہماری عبادات وغیرہ اس سے علیحدہ ہیں کہ یہ چیزیں اگرچہ دنیا میں ہیں مگر دنیا نہیں نہ ان میں دنیا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ کلمات اور ان کے پڑھنے پر بھی تو سورج طلوع ہوتاہےاور یہ بھی تو دنیا میں ہیں۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ دل دنیا میں رکھو مگر دل میں دنیا نہ رکھو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے،کشتی دریا میں رہے تو خیر ہے لیکن اگر دریا کشتی میں آجائے تو ہلاکت ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دن میں سو بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے ۱؎ تو اس کی تمام خطائیں بخش دی جائیں گی اگرچہ کف دریا یعنی سمندر کے جھاگ برابر ہوں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ خواہ بیک وقت یا مختلف اوقات میں صبح کے وقت پڑھے یا شام کو یا کسی اور وقت میں۔غرضکہ کوئی پابندی نہیں اگرچہ بہتر یہ ہے کہ صبح یا شام پڑھے جیساکہ دوسری روایا ت میں ہے۔

۲؎ یعنی بے حدوبے شمار خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں جو حقوق اللہ کے متعلق ہوں،حقوق شرعیہ اور حقوق العباد اس سے علیحدہ ہیں لہذا فوت شدہ نماز،روزے،بندوں کے قرض اس وظیفہ سے معاف نہ ہوجائیں گے وہ تو ادا ہی کرنے ہوں گے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح و شام کے وقت سبحان اللہ وبحمدہ سو بار پڑھ لیا کرے ۱؎ تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے بہتر عمل نہ لائے گا اس کے سوا جو اس

طرح یا اس سے زیادہ پڑھا کرے۲(مسلم،بخاری)	

۱؎ یا اس طرح کہ کچھ تو صبح کے وقت پڑھ لیا کرے کچھ شام کے وقت یا اس طرح کہ صبح کو سو بار پڑھے اور شام کو بھی یعنی روزانہ دو سو بار یہ ہی بہتر ہے۔صبح سے مراد پو پھٹنے سے زوال تک کا وقت ہےاور شام سے مراد زوال سے لے کر صبح صادق تک ہے۔صوفیاء کی اصطلاح میں شام و سویرے کے یہ ہی معنے ہوتے ہیں مگر عاملین کا طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب یہ پڑھا کرتے ہیں لہذا یہ ہی افضل ہے۔

۲؎اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ تو کوئی اس کے برابر نیکیاں لاسکے گا نہ اس سے زیادہ،ہاں جو کوئی اس کے برابر یہ کلمات پڑھ لیا کرےوہ تو اس کے برابر نیکیاں لائے گا یا جو اس شخص سے زیادہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے وہ اس سے زیادہ نیکیاں لائے گامثلًا یہ شخص روزانہ دو سو بار یہ کلمات پڑھتا ہے اور دوسرا چارسو بار پڑھ لیا کرے یا یہاں یہ لفظ اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی جو شخص اس شخص کے برابر بھی پڑھے اور اس سے زیادہ بھی لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ برابر پڑھنے والااس شخص سے بڑھ کیوں گیااور نہ یہ اعتراض ہےکہ وظیفوں کی تعداد میں زیادتی کمی نہ چاہیے جس قدر منقول ہوں اتنی ہی بار پڑھے جائیں جیسے فرض نماز کی رکعات اور زکوۃ کی مقدار۔خیال رہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو پابندی سے یہ پڑھ لیاکرے اسے اللہ تعالٰی اس قدر نیکیوں کی توفیق بخشے گا کہ قیامت میں وہ دوسرے سے زیادہ نیکیاں لے کر آئے گا۔یہ مطلب نہیں کہ صرف یہ کلمات پڑھنے والا حاجیوں،نمازیوں،شہیدوں،علماء،مجتہدین،محدثین سے بڑھ جائے گا لہذا حدیث واضح ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بھاری رحمٰن کو پیارے ہیں۱؎ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری فصیح و بلیغ زبان ہے اس پیارے محبوب کی صلی اللہ علیہ وسلم۔خفیفتان، ثقیلتان یعنی بھارے ہلکے،اس میں متضادین کا اجتماع ہے لسان و میزان میں متناسبین کا اجتماع ہے کیونکہ لسان انسانی زبان کو بھی کہتے ہیں اور ترازو کی زبان کو بھی،جو ہاتھ کی مٹھی میں بروقت تولنے کے رہتی ہے،حبیبتان و رحمٰن اس میں ایسی مناسبت ہے کہ سبحان اللہ محبت و رحمت میں بہت ہی تعلق ہے یعنی یہ دونوں کلمے پڑھنے میں زبان پر بہت آسان ہیں مگر کل قیامت میں ان کا وزن بہت زیادہ ہوگاکیونکہ ہمارے کلام سے رب تعالٰی کا نام وزنی ہے،پھر خوبی یہ کہ رب تعالٰی کو یہ کلمات بڑے پیارے ہیں تو جوان کاورد کرے گا وہ بھی پیارا ہوگااس کی زبان پیاری ہوگی۔

۲؎یہ دو کلمے رب تعالٰی کی دونوں قسم کی حمدوں کو علٰی وجہ الکمال جامع ہیں۔عیوب سے پاکی کا مکمل بیان سبحان اللہ میں ہے اور صفات کمالیہ سے موصوف ہونے کا کامل بیان و بحمدہٖ میں ہےاسی لیے یہ کلمات بہت جامع ہیں اور رب تعالٰی کو پیارے ہیں۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں	

	ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو حضور نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرلیا کرے ہم نشینوں میں سے کسی نے پوچھا کہ کوئی روزانہ ہزار نیکیاں کیسے کرسکتا ہے ۱؎ فرمایا ایک سو دفعہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرے اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی ہزار خطائیں معاف کی جائیں گی ۲؎ (مسلم) اس کتاب مسلم میں ابوموسیٰ جھنی سے تمام روایات میں یوں ہے کہ یا معاف کی جائینگی ۳؎ ابوبکر برقانی فرماتے ہیں ۴؎ کہ اسے شعبہ و ابوعوانہ اور یحیی ابن سعید قطان نے حضرت موسیٰ سے روایت کی ان سب نے ویحط فرمایا الف کے بغیر (کتاب حمیدی میں اسی طرح ہے) ۵؎

۱؎ یعنی مسلسل روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرتے رہنا طاقت انسانی سے باہر ہے،یہ عام انسانوں کا حال ہے ورنہ بعض مخصوص بندے تو ہر سانس میں نیکی کرتے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی سو بار سبحان اللہ پڑھ لینے سے پڑھنے والوں کو ہزار نیکیاں بھی ملیں گی اور اس سے ہزار گناہ بھی معاف ہوں گے اور اگر اَوْ اپنے ہی معنی میں ہوتو مطلب یہ ہوگا کہ یہ رب تعالٰی کے کرم پرموقوف ہے چاہے تو اسے ہزار نیکیاں دے چاہے اس کے ہزار گناہ معاف کردے۔خطیئته سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ معاف ہوں گے حقوق العباد اور گناہ کبیرہ کی معافی اس سے نہ ہوگی۔

۳؎ یعنی مسلم شریف میں حضرت موسیٰ جُھنّی سے بہت سی روایات منقول ہیں ان سب میں اَوْ ہے،یہ موسیٰ جھنی ابن عبداللہ ہیں،قبیلہ جھنیہ سے ہیں،کوفی ہیں،انہوں نے حضرت مجاہد مصعب ابن سعد سے روایات لیں اور ان سے شعبہ،یحیی ابن سعید قطان نے احادیث نقل کیں۔

۴؎ آپ ابوبکر احمد ابن محمد خوارزمی برقانی ہیں،برقان خوارزم کی ایک بستی کا نام ہے۔

۵؎ یعنی ان روایات میں اَوْ نہیں بلکہ واؤ ہے یعنی اس کو ہزار نیکیاں بھی ملتی ہیں اور اس کے ہزار گناہ بھی معاف ہوتے ہیں لیکن اگر پہلی روایت میں اَوْ بمعنی واؤ ہو یا یہاں واؤ تنویع یعنی بیان نوعیت کے لیے ہو تو دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں اور ہوسکتا ہے کہ پہلی روایت میں رب تعالٰی کے قانون کا ذکر ہو اور اس روایت میں اس کے فضل و کرم کا رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"۔دوسرے مقام پر فرماتا ہے:"وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ"۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا کلام افضل ہے فرمایا جو اللہ تعالٰی نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمایا سبحان اللہ وبحمدہٖ ۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی سارے فرشتے ہمیشہ یہ پڑھا کرتے "سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ"اسی لیے فرشتوں نے عرض کیا تھا"نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"فرشتوں کا ہمیشہ یہ پڑھنا اللہ تعالٰی کی تعلیم سے ہے نہ کہ اپنی رائے سے۔قرآن کریم میں ہے"لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا"یعنی یہ کلمات بہت افضل ہیں کیونکہ یہ فرشتوں کا ذکر ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان فرشتوں کی عبادات کو بھی جانتے ہیں اور ان کے حالات سے بھی خبردار ہیں جو آسمانوں میں رہتے ہیں عرشی ہوں یا کرسی والے لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش والے انسانوں کے اعمال کی بھی یقینًا خبر ہے۔دوسرے یہ کہ جو وردو وظیفے بزرگوں سے منقول ہوں وہ دوسرے وظیفوں سے افضل ہیں،دیکھو فرشتوں کے وظیفے افضل قرار دیا گیا،ایک اعتبار سے فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔اگرچہ انسانیت ماہیۃً فرشتہ سے افضل ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ"۔

	روایت ہے حضرت جویریہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جب کہ نماز فجر پڑھی وہ اپنی مسجد میں تھیں ۲؎ پھر دوپہر کے بعد واپس ہوئے وہ وہاں ہی بیٹھی تھیں ۳؎ فرمایا کیا تم اسی طرح بیٹھی ہو جیسے میں تمہیں چھوڑ گیا تھا عرض کیا ۴؎ ہاں تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے پیچھے چار کلمے تین دفعہ پڑھ لیے ۵؎ اگر انہیں تمہارے تمام وظیفوں سے تولا جائے جو تم نے سارے دن میں پڑھے تو ان پر بھاری ہوجائیں ۶؎"سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ"۷؎(مسلم)

۱؎ حضرت جویریہ بنت حارث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں،مسلمانوں کی والدہ،آپ کا نام برہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جویریہ رکھا،آپ ۵ھ میں غزوہ مریسیع میں گرفتار ہوکر حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں انہوں نے آپ کو مکاتب کردیا،ان کا بدلِ کتابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا اور انہیں آزاد کرکے ان سے نکاح کیا،۶۵ سال عمر شریف ہوئی،ربیع الاول ۵۶ھ میں وفات پائی رضی اللہ عنہا۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز فجر آپ کے دولت خانہ سے باہر تشریف لے گئے اسوقت آپ اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی ذکر اللہ اور وظیفہ پڑھ رہی تھیں،مسجد سے مراد مصلے ہے یعنی سجدہ گاہ یا وہ جگہ جو گھر میں نماز کے لیے خاص کرلی جائے۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کے وقت (دوپہر کو) آپ کے پاس واپس آئے تو انہیں اسی مصلے پر اسی طرح بیٹھے دیکھا،اللہ اکبر یہ ہے ازواج پاک کا شوق عبادت۔

۴؎ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نیکیاں ظاہر کرنا ریا نہیں بلکہ ذریعۂ قبولیت ہے،اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گناہ عرض کرنا پردہ دری نہیں بلکہ معافی کا ذریعہ ہے۔

۵؎ یعنی ہم نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد یہ وظیفہ پڑھ لیا جو عمل میں بہت ہلکا اور آسان ہے۔

۶؎ یعنی اگر کل قیامت میں رب تعالٰی میزان کے ایک پلے میں تمہارا آج کا سارے دن کا یہ وظیفہ رکھے اور دوسرے پلے میں ہمارے یہ کلمات رکھے تو ثواب میں یہ کلمات بڑھ جائیں گے۔

۸؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں رب تعالٰی کی ایسی تسبیح کرتا ہوں جو تمام مخلوق کے برابر ہو،اس کی رضاء کا باعث ہو،اس کے عرش کی زینت ہو اور کلمات الٰہیہ کی جو روشنائی ہے اس کے برابر ہو۔ان جامع الفاظ میں ساری چیزیں آگئیں کوئی چیز باقی نہ رہی لہذا یہ جامع وظیفہ ہے اس لیے اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک دن میں سو بار یہ کہہ لے ۱؎ اللہ کے اکیلے کے سواء کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں،اسی کا ملک ہے،اسی کی تعریف ہے،وہ ہر چیز پر قادر ہے،اس کے لیے دس۱۰ غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا ۲؎ اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس دن دن بھر اس کی شیطان سے حفاظت ہوگی حتی کہ شام پالے ۳؎ اور کوئی شخص اس سے بہتر افضل عمل نہ کرسکے گا اس کے سوا جو اس سے زیادہ یہ پڑھ لے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ خواہ ایک دم ایک ہی مجلس میں سو بار کہے یا مختلف اوقات اور مختلف مجلسوں میں۔غرضکہ چوبیس گھنٹے میں یہ شمار پوری کرے۔(مرقات)

۲؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ وہ کلمہ توحید ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:"مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ"۔

۳؎ اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر بندہ رات میں یہ پڑھ لیا کرے تو صبح تک شیطان سے محفوظ رہے مگر چونکہ بندہ دن میں جاگتاہے اور جاگتے ہی میں شیطان زیادہ گناہ کراتا ہےاس لیے دن کا ذکر فرمایااگرچہ یہ کلمات ایک دم یا علیحدہ علیحدہ ہر وقت پڑھنا درست ہے لیکن صبح کے وقت ایک دم پڑھنا افضل ہے تاکہ دن بھر شیطان سے محفوظ رہے،یہ تاثیر تو سو بار پڑھنے کی ہےاگر اس سے زیادہ پڑھے تو زیادہ فائدہ ہوگا۔غرضکہ یہ عمل بہت ہی پر تاثیر ہے۔(مرقات)
۴؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہےیعنی کوئی وردوظیفہ پڑھنے والا نہ اس جیسا وظیفہ پڑھ سکے گا نہ اس جیسا ثواب وظیفہ پاسکے گا،یہ فضیلت دیگر وظیفوں سے ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو لوگ بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے۱؎ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو ۲؎ تم لوگ نہ بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع بصیر کو پکاررہے ہو۳؎ جو تمہارے ساتھ ہے جسے تم پکاررہے ہو وہ تم میں سے ہر ایک کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۴؎ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اپنے دل میں کہہ رہا تھا لاحول ولا قوۃ الا باﷲ تو حضور نے فرمایا اے عبداللہ ابن قیس کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں ایک خزانہ پر رہبری نہ کروں میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ولاحول ولا قوۃ الا باﷲ ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ جوش کے ساتھ تکبیر کے نعرے لگانے لگے نعرہ تکبیر اَللّٰہُ اَکۡبَرُ یہ نعرے برکت کے لیے تھے نہ کہ کسی خوشی کی وجہ سے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔یہ سفرغزوہ خیبر کا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے خیبر فتح فرمانے تشریف لے جارہے تھے جیساکہ دوسرے مقامات پر اس کی تصریح ہے۔
۲؎ یہاں شیخ نے لمعات اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس نعرہ تکبیر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا اس لیے نہ تھا کہ ذکر بالجہر منع ہے بلکہ اس لیے تھا کہ صحابہ پر سفرکرتے ہوئے یہ نعرے تکلیف کا باعث تھےاسی لیے فرمایا اپنی جانوں پر نرمی کروورنہ بہت موقعہ پر صحابہ کرام بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خوب بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے تھے۔چنانچہ جماعتِ نماز کے بعد چیخ کر ذکر کرتے تھے،صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کے دوران نعرہ تکبیر لگاتے تھے،نیز اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ خیبر پر ہم اچانک جا پڑیں لوگوں کو اس حملہ کی خبر بھی نہ ہوسکے تاکہ کفار تیاری نہ کرسکیں اور بہت کم خون خرابہ ہو اور خیبر فتح ہوجائے اس نعرہ سے یہ مقصد فوت

ہوجاتا۔بہرحال ذکر بالجہر منع کرنے والوں کی یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔ذکر بالجہر کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ یہاں ذکر بالجہر مفید نہیں،رب تعالٰی تو آہستہ ذکر بھی سنتا ہے بلکہ تمہیں نقصان دہ ہے کہ تم اس وقت ذکر سے تھک جاؤ گے اور تمہارا دشمن تمہاری آمد پر مطلع ہوجائے گا اس لیے آہستہ ذکر کرو۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ اس لیے چیخ کر اللہ کا ذکر کرنا خدا تعالٰی آہستہ ذکر سن نہیں سکتا منع ہے بلکہ بدعقیدگی ہے۔ذکر بالجہر تو اپنے نفس اور دوسرے غافلوں کو جگانے،شیطان کو بھگانے،درو دیوار کو اپنے ایمان کا گواہ بنانے کے لیے ہوتا ہے مگر اس پر موقعہ پر مضر ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا علم،قدرت،رحمت قریب ورنہ حق تعالٰی قرب مکانی سے پاک ہے،اس کی تفسیر وہ آیت ہے "اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ"۔

۵؎ یعنی تم جو اپنے دل میں لاحول شریف پڑھ رہے ہو ہم اس پر مطلع ہیں اس کے فضائل سے تم کو اطلاع دیتے ہیں۔خیال رہے کہ لاحول شریف میں انسان اپنی انتہائی بے بسی کا اقرار اور رب تعالٰی کی انتہائی قدرت کا اعتراف کرتا ہے یہ ہی بندگی کا مدار ہے اسی لیے یہ جنت کا خزانہ ہے۔حول کے معنی ہیں ظاہری طاقت،قوۃ کے معنی ہیں باطنی قدرت یا حول سے مراد ہے دفع شر کا حیلہ اور قوت سے مراد ہے خیر حاصل کرنے کا ذریعہ یعنی بندے میں بغیر رب تعالٰی کی مدد کے نہ ظاہری طاقت ہے نہ اندرونی قوت،اس کے بغیر کرم بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے نہ نیکیاں کرسکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دین،اس کے کرم سے بندہ میں ظاہری باطنی طاقتیں آسکتی ہیں جیساکہ اولیاءوانبیاء کے کرامات و معجزات سے معلوم ہوتا ہے۔حضرت سلیمان نے تین میل سے دور چیونٹی کی آواز سن کر سمجھ لی،حضرت آصف بن برخیا پل بھر میں یمن سے تخت بلقیس لے آئے یہ ربانی طاقتیں رحمانی عطا سے تھیں،بجلی کے بلب،پنکھے،مشین وغیرہ بغیر پاور محض بیکار ہیں پاور آجائے تو بہت طاقتور ہوجاتے ہیں،بجلی کا تار آدمی کیا ہاتھی کو ہلاک کردیتا ہے۔قرآن کریم میں جو من دون اللہ کی برائیاں آتی ہیں یہ وہی ہیں جو خدا سے الگ اور دور ہیں،رب تعالٰی نے فرمایا:"وَ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمُ امۡرَاَتَیۡنِ تَذُوۡدٰنِ"یعنی موسٰی علیہ السلام نے مردوں سے الگ دور دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور پکڑے کھڑی تھیں،دیکھو دون کے معنی الگ یا دور ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلموں کو خزانہ اسی لیے فرمایا کہ یہ کلمے جنتی نعمتوں کے خزانے ملنے کے سبب ہیں یا اللہ تعالٰی نے دوسری قوموں سے یہ کلمات ایسے چھپائے تھے جیسے خزانے غیروں میں چھپائے جاتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ پڑھے اس کے لیے جنت میں درخت بویا جائے گا۱؎ (ترمذی)

۱؎ جنت کی بعض زمین تو میوے پھولوں کے درختوں سے بھری ہے،بعض زمین خالی،اس خالی زمین میں ہمارے نیک اعمال مثل درختوں کے نمودار ہوتے ہیں یہاں اس خالی زمین کا ذکر ہے،جنت میں باغات تو ہیں مگر کھیت نہیں کیونکہ کھیت میں دانے ہوتے ہیں جو غذا کے کام آتے ہیں وہاں نہ بھوک ہے نہ غذا کی ضرورت،باغوں میں پھل پھول ہوتے ہیں جن سے لذت لی جاتی ہے،تمام درختوں میں کھجور کا درخت بہت ہی مفید ولذیذ ہے اس لیے لاحول شریف سے درختِ کھجور ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی صبح نہیں جسے بندے پائیں مگر ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ پاک بادشاہ کی تسبیح پڑھ لو ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی ہر صبح کو فرشتہ یہ آواز دیتا ہے کہ اس وقت تسبیح پڑھو یا آج دن بھر پڑھتے رہنا،چونکہ صبح کے وقت ہر مخلوق تسبیح کرتی ہےاس لیے خصوصیت سے انسانوں میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ تم **اشرف المخلوق** ہو دوسری مخلوق سے پیچھے نہ رہو،نیز چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نداء ہم تک پہنچادی اس لیے فرشتہ کا پکارنا رائیگاں نہ گیا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم فرشتے کی آواز سنتے ہی نہیں تو اس کے پکارنے سے کیا فائدہ۔بادشاہ کے فرمان عوام تک اخبارات،حکام وغیرہ کے ذریعے پہنچا کرتے ہیں۔تسبیح کرنے سے مراد یا تو مطلقًا کوئی سی تسبیح پڑھ لینا ہے یا یہ پڑھنا ہے "**سبحان الملك القدوس**" یا یہ پڑھنا ہے "**سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَّبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ**" یا یہ پڑھنا ہے "**سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم**"۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگ ترین ذکر **لا الہ الا اللہ** ہے ۱؎ اور بزرگ ترین دعا **الحمد للہ** ہے۔(ترمذی و ابن ماجہ)

۱؎ **لا الہ الا اللہ** سے مراد پورا کلمہ شریف ہے یعنی مع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورنہ صرف **لا الہ الا اللہ** تو بہت سے موحد کفار بلکہ ابلیس بھی پڑھتا ہے،وہ مشرک نہیں موحد ہے۔جس چیز سے مؤمن بنتے ہیں وہ ہے محمد رسول اللہ،چونکہ کلمہ شریف سے کفر کی گندگی دور ہوتی ہے،اسے پڑھ کر کافر مؤمن ہوتا ہے، اس سے دل کی زنگ دور ہوتی ہے،اس سے غفلت جاتی ہے،دل میں بیداری آتی ہے یہ حمد الٰہی و نعت مصطفوی کا مجموعہ ہےاس لیے یہ افضل الذکر ہوا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صفائی دل کے لیے کلمہ طیبہ اکسیر ہے۔

۲؎ دعا میں کریم کی تعریف اور اپنی عرض حاجت ہوتی ہے الحمدللہ میں یہ دونوں چیزیں موجوداسی لیے الحمد کو بہترین دعا فرمایا گیا۔جب مسکین سخی کے دروازے پر کھڑے ہوکر اس کی تعریف کرنے لگے تو سمجھو کچھ مانگ رہا ہے ،یوں ہی جب ہم فقیر رب کریم کے دروازے پر اس کی حمدوثنا کریں تو درپردہ اس سے مانگتے ہی ہیں۔سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہتے ہیں کیونکہ یہ الحمدللہ سے شروع ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد شکر کا سر ہے ۱؎ جس بندے نے خدا کی حمد نہ کی اس نے رب کا شکر ہی نہ کیا ۲؎	

۱؎ لہٰذا جو شکر حمد کے بغیر ہو وہ شکر صحیح نہیں جیسے بغیر سر کے جسم درحقیقت جسم ہی نہیں۔
۲؎ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ شکر کی اصل جگہ دل و اعضاء ظاہری ہیں،دل سے رب کی نعمتوں کا اقرار،اعضاء سے عبادت شکر ہے اور حمد کی اصل جگہ زبان ہےاور دل وغیرہ لوگوں سے مخفی ہیں،زبان لوگوں پر ظاہر اور شکر میں اظہار اصل مقصود ہے اسی لیے حمد کو شکر کا سرقرار دیا گیاکہ مقصدِ شکر حمد سے ادا ہوتا ہے۔(مرقات) سبحان اللہ! نہایت نفیس تحقیق ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ"اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو،یہ ہے کامل شکر اور چرچا زبان سے ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنہیں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ ہوں گے جو خوشی و غم میں اللہ کی حمد کرتے ہیں ۱؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔	

۱؎ اس طرح کہ ہر حال میں رب کی حمد کرتے رہتے ہیں،تبدیلی حالات ان کو نہیں بدلتی،راضی برضا رہتے ہیں،چونکہ یہ لوگ رب سے راضی رہے لہٰذا رب بھی ان سے راضی رہا،وہ رب کے تھوڑے رزق سے راضی تو رب ان کی تھوڑی عبادت سے راضی،وہ رب کے بھیجے ہوئے رنج وغم پر راضی تو رب ان سے گناہ سرزد ہونے پر بھی راضی،فرماتا ہے:"رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ"۔اللہ تعالٰی یہ درجہ نصیب کرے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا یارب مجھے وہ چیز سکھا جس سے تجھے یاد کیا کروں یا جس کے ذریعے تجھ سے دعا کروں ۱؎ رب نے فرمایا اے موسیٰ کہو لا الہ الا اللہ پھر عرض کیا یارب	

	یہ تو تیرے سارے بندے ہی کہتے ہیں میں تو کوئی ایسی خاص چیز چاہتا ہوں جس سے تو مجھے خاص کرے ۲؎ فرمایا اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور میرے سواء ان کی آبادی اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں ۳؎ اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو ان سب پر لا الہ الا اللہ بھاری ہوگا ۴؎ (شرح سنہ)

۱؎ یعنی اے مولیٰ مجھے خصوصی ذکر و دعا بذریعہ وحی یا الہام سکھا عمومی ذکر و دعائیں تو تو نے مجھے بہت عطا فرمائی ہیں لہذا حدیث پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ کیا اب تک موسیٰ علیہ السلام کو ذکر و دعا بھی معلوم نہ تھی اس کی تائید اگلے مضمون سے ہورہی ہے۔

۲؎ چونکہ فطرت بشری ہے کہ عام نعمت کے مقابلہ میں خاص نعمت سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اگرچہ عام نعمت کا نفع زیادہ ہی ہو،دیکھو ہوا،پانی،نمک وغیرہ کے مقابل سونے چاندی جواہر سے زیادہ خوش ہوتے ہیں،نماز پنجگانہ سے زیادہ نماز عید کی خوشی مناتے ہیں اسی لیے آپ نے یہ سوال فرمایا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلمہ سے خوش نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالٰی نے یہ سوال موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خود ہی ڈالا تھا تاکہ اس کے جواب سے لوگوں کو کلمہ طیبہ کے مسائل کا پتہ چلے۔خیال رہے کہ یہاں لا الہ الا اللہ سے مراد صرف یہ ہی الفاظ ہیں کیونکہ شریعت موسوی میں کلمہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہ ہوا تھا یہ جزء تو دین محمدی کی خصوصیات سے ہے۔

۳؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اے موسیٰ تم کوئی خاص عمل و وظیفہ ایسا چاہتے ہو جو لا الہ الا اللہ سے افضل ہو ایسا کوئی وظیفہ نہیں،تمام سے بہتر افضل یہ ہی کلمہ ہے۔ساتوں زمین و آسمان اور ان کے باشندوں میں انسان حیوانات اور ان کے سارے عمل داخل ہیں لہذا تمام وظیفے،اوراد،عبادات سب سے کلمہ طیبہ افضل ہوا کیونکہ رب کا نام مخلوق سے افضل و بہتر ہے ہاں اس کلمہ سے مختلف لوگ مختلف فائدے اٹھاتے ہیں۔جہاں تک اس کی فہم و عمل زیادہ وہاں تک اس کا فیض زیادہ،ہمارے کلمہ پڑھنے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنا کہیں افضل و بہتر ہے یہ ہی حال ساری عبادات کا ہے۔(از مرقات)

۴؎ یعنی اس کلمہ کا مضمون اور اس کا ثواب تمام مخلوق سے زیادہ وزنی ہے بشرطیکہ اخلاص سے پڑھا جائے ورنہ منافقین بھی کلمہ پڑھتے تھے،اب بھی بعض مشرکین کلمہ پڑھ لیتے ہیں ان کے کلمہ کا نہ وزن ہے نہ ثواب،وزن صرف الفاظ کا نہیں،اس کا مضمون کیا ہے،اللہ تعالٰی کی وحدانیت،یہ تمام صفات الٰہیہ سے اعلیٰ صفت ہے وہ یقینًا ساری خلق سے اعلیٰ ہے۔فقیر کی اس تقریر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ انبیائے کرام خصوصًا حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو اشرف الخلق ہیں اور یہ الفاظ لا الہ الا اللہ بھی خلق میں داخل ہیں تو نبی ان سے بھی افضل ہونا چاہئیں کیونکہ یہ الفاظ خلق ہیں مگر ان کا مضمون یعنی رب کی وحدانیت خلق نہیں رب کی صفت ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے الفاظ سے افضل ہیں مگر قرآن کلام الٰہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہے کہ وہ صفت الٰہی ہے اسی طرح الفاظ قرآن حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں تو قرآن بھی عربی،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکی تھے تو آیات قرآنیہ مکیہ ہوئیں،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہوگئے تو آیات قرانیہ بھی مدنیہ ہوگئیں مگر مضمون قرآن کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اتباع کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہتا ہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو رب تعالٰی اس کی تصدیق کرتا ہے کہتا ہے کہ واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں اور میں بہت بڑا ہوں ۱؎ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں تو رب فرماتاہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میں اکیلا ہوں میرا کوئی شریک نہیں ۲؎ اور جب بندہ کہتا ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے تو رب فرماتا ہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میرا ہی ملک ہے میری ہی تعریف ہے ۳؎ جب بندہ کہتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت تو رب فرماتا ہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میرے بغیر نہ قوت ہے نہ طاقت ۴؎ حضور فرماتے تھے کہ جو یہ کلمات اپنے مرض میں کہے پھر مرجائے تو اسے آگ نہ جلائے گی ۵؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی رب تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ یہ پڑھ رہا ہے اور وہ سچا ہے سچ کہہ رہاہے۔سبحان اللہ! بندے کی خوش نصیبی ہے کہ اسی کی تھوڑی سی لب کی حرکت سے اس کا ذکر بارگاہِ رب العالمین میں فرشتوں کے سامنے آجائے اور ساتھ میں خود رب تعالٰی تصدیق بھی فرمادے۔

۲؎ یعنی یہ بندہ وہ گواہی دے رہا ہے جس کی میں اور میرے فرشتے اور میری تمام خلق گواہی دیتے ہیں۔خیال رہے کہ ساری نیکیاں صرف بندے کرتے ہیں مگر گواہی توحید،حضور پر درود(صلی اللہ علیہ وسلم)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد خوانی وہ اعمال ہیں جو رب تعالٰی،فرشتوں اور تمام مخلوق کے عمل ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ"۔اللہ تعالٰی نے کسی نیکی کے حکم میں اپنا اور اپنے فرشتوں کا ذکر نہ فرمایا سواء درود شریف کے۔سبحان اللہ! کلمۂ توحید ایسی پاکیزہ نعمت ہے کہ رب تعالٰی بھی اس میں شرکت فرماتاہے۔

۳؎ ملک و ملکوت کا فرق پہلے بیان ہوچکا ہے۔ملک تو مجازًا بادشاہ کا بھی ہوجاتا ہیں مگر ملکوت وہ چیز ہے جو رب تعالٰی کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں۔یہاں لی الملك میں حصرحقیقت کے لحاظ سے ہے یعنی حقیقتًا ملک میرا ہی ہے عارضی طور پر مجازًا جسے ملک ملا وہ میری عطاء سے ملا۔شعر

درحقیقت مالک ہر شیئ خدا ست　　　　ایں امانت چند روزہ نزدما است

۴؎ حول و قوت کے نفیس فرق ابھی کچھ پہلے بیان ہوچکے اور لاحول شریف کے فوائدعرض کئے جاچکے۔بندہ رب سے کٹ کر کچھ نہیں نہ اس میں حول رہتی ہے نہ قوت مگر رب سے واصل ہو کر سب کچھ بن جاتا ہے کہ اس میں حول بھی آجاتی ہے اور قوت بھی،قطرہ دریا سے الگ ہو تو کچھ نہیں مگر دریا میں جاتے ہی اس میں روانی،طغیانی،فراوانی سب کچھ آجاتی ہے،شیشہ سائے میں رہے تو کچھ نہیں مگر آفتاب کے مقابل ہو کر اس میں شعاعیں روشنی تیزی دھوپ سب کچھ آجاتی ہے۔الا باالله میں ب الصاق کی ہے یعنی اللہ سے مل کر بندے میں حول و قوت سب کچھ آجاتی ہے۔

۵؎ یعنی اسے قبر حشر اور حشر سے فارغ ہونے کے بعد کبھی آگ کا عذاب نہ ہوگااور جب وہ پل صراط سے گزر گیا تو آگ کا اس پر اثر نہ ہوگا۔سبحان اللہ! یہ کلمات ایسا روحانی مصالحہ ہیں جس کے لگ جانے سے جہنم کی آگ اثر نہیں کرتی۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بی بی کے پاس گئے ۱؎ جن کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں ۲؎ تب حضور نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تم پر اس سے آسان بھی ہو اور بہتر بھی ۳؎ اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جسے آسمان میں پیدا فرمایا اور اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جسے زمین میں پیدا فرمایا اور اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جو ان کے درمیان ہے ۴؎ اور اللہ کی پاکی بولتاہوں اس کی برابر جسے وہ پیدا فرمانے والا ہے اور اللہ بہت بڑا ہے (اسی قدر)تمام تعریفیں اللہ کی ہیں(اسی قدر)اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اسی قدر)اور اللہ کے بغیر نہ قوت(اسی قدر)۵؎ (ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے	

۱؎ یہ بی بی صاحبہ یا تو حضرت سعد کی محرمات میں سے ہیں اور یا یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے یا جانے سے مراد صرف ان کے پاس پہنچنا ہے نہ کہ انہیں بے پردہ دیکھنا۔شیخ نے لمعات اور اشعہ میں فرمایا کہ یہ بی بی صاحبہ جناب ام المؤمنین جویریہ تھیں رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎ یعنی تسبیحیں ان دانوں پر شمار کررہی تھیں،یہ حدیث مروجہ دھاگہ والی تسبیح کی اصل ہے کہ بکھرے دانوں اور دھاگے میں پروئے ہوئے دانوں میں کوئی فرق نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تسبیح کبھی استعمال نہ کی،آپ ہمیشہ بطریق عقدانامل انگلیوں پر شمار فرماتے تھے مگر ایک صحابیہ کو یہ کرتے دیکھا منع نہ فرمایا لہذا تسبیح صحابی کی سنت عملی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکوتی۔مرقات نے فرمایا جن لوگوں نے اس تسبیح کو بدعت کہا غلط کہا۔مشائخ فرماتے ہیں کہ تسبیح شیطان پر کوڑہ ہے۔حضرت جنید ولایت کی انتہاء پر پہنچ کر بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے کسی نے اس کی وجہ پوچھی جواب دیا کہ اسی کے ذریعہ ہم خدا تک پہنچے ہیں اسے ہم کیسے چھوڑیں۔(مرقات)بعض بزرگ ختم آیت کریمہ کے لیے تھیلوں اور بوریوں میں بادام یا گٹھلیاں جمع کررکھتے ہیں ان کی اصل بھی یہ حدیث ہے۔

۳؎ یہ اَوْ بمعنی واؤ ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں تمہارا وقت بھی کم خرچ ہوگا اور تمہیں ان تکلفات کی ضرورت بھی نہ پڑے گی اور ان کلمات کاثواب تمہاری ان کنکریوں سے زیادہ ہوگا یا اَوْ بمعنی بَلْ ہے تب تو مطلب ظاہر ہے۔

۴؎ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ رب کی تسبیح میری گنتی شمار سے وراء ہے کیونکہ آسمان و زمین کی یہ چیزیں میرے علم و ادراک سے خارج ہیں،رب کی عطائیں ہمارے شمار سے باہر ہیں تو اس کی تسبیح بھی ہمارے شمار سے باہر ہونا چاہئیں۔

۵؎ یعنی گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کی بقدر اللہ اکبر بھی کہتا ہوں اور اسی قدر الحمدللہ بھی اور اسی قدر لاالہ الا اللہ بھی اور اسی قدر لاحول الخ بھی اس طرح یہ کلمات میرے پڑھنے میں تو ایک ہیں لیکن رب کے فضل سے ثواب میں ان چیزوں کی تعداد کے برابر۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے صبح کو سو بار سبحان اللہ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس کی طرح ہوگا جو سوحج کرے۱؎ اور جو صبح کو سو بار الحمدللہ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس جیسا ہوگا جو اللہ کی راہ میں سو گھوڑے خیرات کرے۲؎ اور جو صبح کو سو بار لاالہ الا اللہ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس کی طرح ہوگا جو اولاد حضرت اسماعیل سے سو غلام آزاد کرے۳؎ اور جو صبح کو سو بار اللہ اکبر پڑھے اور سو بار شام کو تو کوئی اس سے زیادہ نیکیاں اس دن نہ کرسکے گا بجز اس کے جو اتنی ہی بار یہ	

کلمات کہہ لے یا اس سے زیادہ۴ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

۱؎ یعنی شروع دن میں سو بار سبحان اللہ کہے اور شروع رات میں بھی سو بار تو اسے نفلی سو حجوں کے برابر ثواب ملے گا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ تسبیح سے مراد حضور دل کے ساتھ تسبیح پڑھنا ہےاور حج سے مراد وہ حج ہیں جو غفلت سے کیے جائیں۔مطلب یہ ہے حضور قلبی کے ساتھ آسان نیکی غفلت کے مشکل اعمال سے افضل ہوتی ہے۔خیال رہے کہ حج کا ثواب ملنا اور ہے حج کی ادا کچھ اور،یہاں ثواب کا ذکر ہے نہ کہ ادائے حج کا جیسے اطباء کہتے ہیں کہ ایک گرم کیے ہوئے منقہ میں ایک روٹی کی طاقت ہے مگر پیٹ روٹی ہی سے بھرتا ہے،کوئی شخص دو وقت تین تین منقے کھا کر زندگی نہیں گزار سکتا۔واقعی ان تسبیحوں میں اتنا ہی ثواب ہے مگر حج ادا کرنے ہی سے ہوں گے۔جو رب باجرے کے ایک دانہ سے سات بالیاں دے سکتا ہے جن کے دانے ہماری شمار میں نہیں ہوتے وہ رب تسبیحوں پر اتنا ثواب بھی دے سکتا ہے۔اس قسم کے ثوابوں کا وعدہ قرآن کریم میں بھی کیا گیا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوٰلَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ"الخ یعنی جولوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں ہر بالی سے سو دانے اور اللہ جسے چاہے اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائے گا اس قسم کی احادیث اور آیتوں کو مبالغہ یا جھوٹ سمجھنا بے دینی ہے،رب تعالٰی کی دین ہمارے خیال سے وراء ہے اسے روکنے والا کون ہے۔

۲؎ یعنی سو غازیوں کو جہاد کرنے کے لیے سو گھوڑے دے جوان پر سوار ہوکر جہاد کریں۔خیال رہے کہ جہاد وغیرہ کا اصلی مقصد ذکراللہ کی اشاعت ہے،مؤمن ملک گیری کے لیے نہیں لڑتا بلکہ ذکر سے رکاوٹیں دور کرنے کے لیے لڑتا ہے اور حمد الٰہی یقینًا سو جہادوں سے افضل ہے کہ جہاد مقصود لغیرہٖ اور یہ مقصود لعینہٖ۔

۳؎ کہ دیگر غلاموں سے اولاد اسماعیل علیہ السلام کا آزاد کرنا افضل ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اولاد اسمٰعیل سے مراد اہل عرب ہیں کہ وہ سب ان کی اولاد ہیں،چونکہ عرب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب رکھتے ہیں اس لیے ان پر احسان کرنا افضل۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد خصوصًا سادات کرام سے سلوک کرنا بہتر ہے۔

۴؎ یہ حدیث تسبیح قادری کی اصل ہے،سلسلہ قادریہ میں روزانہ صبح شام سبحان اللہ سو بار،الحمدللہ سو بار،لا الہ الا اللہ سو بار،اللہ اکبر سو بار پڑھا جاتا ہے یہ وظیفہ اس حدیث سے لیا گیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سبحان اللہ آدھی میزان ہے اور الحمدللہ اسے بھردے گی۱؎ اور لا الہ الا اللہ کے لیے رب سے کوئی آڑ نہیں سیدھا اس تک پہنچتا ہے ۲؎ (ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد قوی نہیں۳؎	

۱؎ یعنی میزان کی نیکی کا پلہ آدھا سبحان اللہ سے بھردے گا اور آدھا الحمدللہ سے،یہ دونوں کلمے ملکر اسے پورا بھردیں گے کیونکہ اللہ کے ذکر دو قسم کے ہیں:تنزیہہ اور تحمید سبحان اللہ میں تنزیہہ ہے یعنی رب تعالٰی کو سارے عیوب سے پاک جاننا اور الحمدللہ میں تحمید یعنی اسے تمام کمالات سے موصوف ماننا۔میزان تو ان دوکلموں سے ہی بھرگئی،باقی نیکیاں زیادہ بچیں جن کا ثواب علاوہ ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ ان دو کلموں نے سارے گناہوں کو تو ختم کردیا کہ سب گناہوں کے مقابلہ میں تو یہ دو کلمے ہی کافی ہوگئے باقی نیکیاں نفع میں بچیں۔

۲؎ اس میں اشارۃً فرمایا کہ لاالہ الااللہ ان دو کلموں سے بھی افضل ہے،کیوں نہ ہو کہ یہ ساری تنزیہہ و تحمید کو شامل ہے۔مطلب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ بہت جلد قبول ہوتا ہے،براہ راست رب تعالٰی تک پہنچتا ہے جس قدر ہمارا اخلاص زیادہ اسی قدر کلمے کی قبولیت اعلٰی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کلمہ تو منافقین بھی پڑھتے تھے تو کیا وہ مقبول بارگاہ تھے۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد واقعی ضعیف ہے مگر چونکہ اس میں حرام و حلال کے احکام مذکور نہیں صرف کلمہ طیبہ کے فضائل کا بیان ہےاس لیے مقبول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ کبھی خلوص دل سے لاالہ الااللہ نہیں کہتا مگر اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں حتی کہ وہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے جب تک کہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے ۱؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ گناہ کبیرہ سے بچنے کی شرط کمال ثواب اور کمال قبولیت کے لیے ہے یعنی متقی مسلمان کا کلمہ اعلٰی درجہ کا مقبول ہوتا ہےاور فاسق و فاجر کا کلمہ قبول تو ہوتا ہے لیکن اس درجہ کا نہیں،تمام ذکر مثل کارتوس ہیں اور ذاکر کی زبان مثل رائفل کے کہ شکار واقعی کارتوس کرتا ہے مگر رائفل کی طاقت سے،قلب کا اخلاص گویا بارود ہے کہ شکار گولی سے ہوگا مگر بارود کی امداد سے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گناہ نیکی کو نہیں مٹاتا بلکہ نیکی گناہوں کو مٹا دیتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ"یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔متقی کی نیکی فساق کی نیکی سے افضل ہے بلکہ جیسا عامل کا درجہ ویسا ہی اس کے عمل کا ثواب،صحابہ کا ساڑھے چار سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل،کیوں ؟ اس لیے کہ وہ عامل افضل ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شبِ معراج میں ہماری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ۱؎ انہوں نے فرمایا یارسول اللہ اپنی امت کو میرا سلام فرمادیں ۲؎ اور انہیں

بتادیں کہ جنت کی زمین بہت زرخیز ہے وہاں کا پانی بہت شیریں جنت میں سفید زمین بہت ہے وہاں کے درخت یہ کلمات ہیں اللہ پاک ہے اسی کی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ بہت بڑا ہے ۳؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایایہ حدیث اسناد سے حسن و غریب ہے۔	

۱؎ خصوصی ملاقات چھٹے آسمان پر وہاں ہی گفتگو ہوئی،عمومی ملاقات تو سارے انبیاء سے بیت المقدس میں ہوچکی تھی مگر وہاں یہ گفتگو نہ ہوئی وہاں کی گفتگو کچھ اور تھی جو ان شاءاللہ حدیث معراج کی شرح میں عرض کی جائے گی۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ کے مقبول بندے بعد وفات ایک دوسرے سے بھی ملتے ہیں،اور زندہ مقبول بندوں سے بھی۔دوسرے یہ کہ وہ حضرات زندوں کا سلام سنتے بھی ہیں اور انہیں سلام کہلواتے بھی ہیں۔تیسرے یہ کہ وفات یافتہ بندوں کو اور جو ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں ان کو بھی سلام کہلوانا جائز ہے جب کہ ان کو پہنچ سکے،ابراہیم علیہ السلام نے قیامت تک کے مسلمانوں کو سلام کہلوایا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم لوگوں تک پہنچ گیا،سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ خرقان پہنچے تو لوگوں کو خبر دی کہ اس سرزمین میں سو برس کے بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوں گے جو انہیں پائے میرا سلام پہنچائے۔مولانا فرماتے ہیں شعر

آں شنیدی داستان بایزید　　　　که از حال ابوالحسن از پیش دید

آخر میں مولانا فرماتے ہیں۔شعر

بلکہ قبل از زادن تو سالہا　　　　مرمر تراد اند بجملہ حالہا

صحابہ کرام قریب الوفات صحابہ سے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا سلام عرض کرنا۔چوتھے یہ کہ ہم کو بھی چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی سلام کیا کریں کہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔

۳؎ یعنی جنت کی بعض زمین درختوں سے بھری ہوئی ہے اور وہ درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اسی حصہ میں آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو رکھا گیا تھا اور بعض زمین سفیدہ ہے جس میں تمہارے وظیفوں و اعمال سے درخت لگیں گے،جب تم یہاں آؤ گے تو دونوں قسم کے باغ پاؤ گے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر وہاں کی زمین سفیدہ ہے تو اسے جنت کیوں کہتے ہیں،جنت کے معنی تو ہیں باغ اور نہ یہ اعتراض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں وہاں باغ اور پھل سب کچھ ملاحظہ فرمائے۔

روایت ہے حضرت یسیرہ سے آپ مہاجر بیویوں میں سے ہیں ۱؎ فرماتی ہیں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے بیبیو تسبیح وتہلیل اور رب کی پاکی بولنے کو لازم کرلو ۲؎ انگلیوں پر گنا کرو ۳؎ (عقدانامل) کہ انگلیوں سے سوال ہوگا انہیں گویائی بخشی جائے گی ۴؎ اور	

کبھی غافل نہ ہونا ورنہ تم رحمت سے بھلادی جاؤ گی ۵؎ (ترمذی و ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام یسیرہ بنت یاسر ہے،مشہور صحابیہ ہیں۔
۲؎اس طرح کہ کسی حال میں سبّوح قدّوس ربنا ورب الملئکۃ والروح یا سبحان الملك القدوس یا دیگر تسبیحیں اسی قسم کی کبھی نہ چھوڑو،اپنا منہ ان ذکروں سے تر رکھو۔
۳؎اس طرح کہ ان کا شمار انگلیوں کے پوروں پر کیا کرو یا عقد انامل کے ذریعہ پوری انگلیوں پر کیا کرو۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیبیاں عقد انامل جانتی ہوں گی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عقد انامل کا حکم تو دیا مگر اس کا طریقہ نہ بتایا۔
۴؎اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے"یَوۡمَ تَشۡہَدُ عَلَیۡہِمۡ اَلۡسِنَتُہُمۡ وَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ"الخ اور اس آیت سے ہے"وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ یَّشۡہَدَ عَلَیۡکُمۡ سَمۡعُکُمۡ وَلَاۤ اَبۡصٰرُکُمۡ وَ لَا جُلُوۡدُکُمۡ"۔اس سے معلوم ہوا کہ بمقابلہ دانوں پر شمار کرنے کے انگلیوں پر شمار کرنا افضل ہے اور یہ کہ اعضا کو اچھے کاموں میں لگانا چاہیے ورنہ یہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔
۵؎یعنی اگر تم خدا کو بھول گئیں تو رب تعالٰی تمہیں اپنی رحمت سے دور کردے گا،اگر اس کی رحمت چاہتی ہو تو اسے یاد رکھو رب تعالٰی بھول چوک سے پاک ہے اس لیے بھلائی جاؤ گی کہ وہ ہی معنی ہیں جو عرض کئے گئے یعنی رحمت سے دوری،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ"تم مجھے یادکرو میرے ذکر سے میں تمہیں یاکروں گا اپنی رحمت سے۔مولانا فرماتے ہیں شعر

گر تو خواہی زیستن با آبرو ذکرِ اُوکُن ذکرِ اوکن ذکرِ اُو

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوئے بولے مجھے کوئی وظیفہ سکھایئے جو میں پڑھ لیا کروں ۱؎فرمایا کہو اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں،اللہ بہت ہی بڑا ہے،اللہ کی بہت حمد ہے،اللہ پاک ہے،جہانوں کا پالنے والا،اللہ غالب حکمت والے کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت وہ	

بولے یہ تو رب کے لیے ہوئے میرے لیے کیا ہے ۲؎ فرمایا یوں کہو الٰہی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما،مجھے ہدایت دے،مجھے روزی دے۳؎ مجھے امن نصیب کر۴؎ راوی کو عَافِنِی میں کچھ شک ہے ۵؎(مسلم)	

۱؎ بطور وظیفہ نمازوں کے بعد یا ویسے ہی اوقات مقررہ میں۔معلوم ہوا کہ مشائخ سے وظیفے پوچھنااور ان کی اجازت حاصل کرنا سنت ہے کہ اجازت سے خاص تاثیر پیدا ہوجاتی ہے ثواب حاصل کرنے کے لیے کسی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ علاوہ نماز و تلاوت قرآن کے اور ورد و ظیفے بھی کرنے چاہئیں۔نماز و تلاوت تو روحانی غذائیں ہیں اور یہ وظیفے روحانی میوے،غذا اور میوے دونوں ہی فائدہ مند ہیں۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسے مزے کا سوال ہے یعنی یا حبیب اللہ ان الفاظ میں رب تعالٰی کی حمد تو ہوگئی کچھ دعائیہ کلمے نہ آئے میں اس کی حمد بھی کرنی چاہتا ہوں اور اس سے بھیک مانگنی بھی۔

۳؎ یعنی میرے گناہ بخش دے،مغفرت فرما،مجھ پر رحم کر کہ مجھے اطاعتوں کی توفیق دے،اچھی زندگی گزارنے کی توفیق دے،ہدایت دے،مجھے حلال روزی عطا فرما۔

۴؎ یعنی مجھے ایسی مصیبت میں گرفتار نہ کر جس کا انجام میرے لیے برا ہو۔(مرقات) عافیت کے یہ معنی نہایت نفیس ہیں اصل عافیت معصیت سے امن ہے۔

۵؎ غالبًا راوی سے مراد صحابی ہوں یعنی اسناد کے آخری راوی۔ہوسکتا ہے کہ کوئی اور راوی مراد ہوں ان میں یہ شک ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عَافِنِیْ فرمایا یا نہیں،بہتر یہ ہے کہ عَافِنِیْ بھی پڑھا جائے ممکن ہے کہ یہ بھی دعا کا جز ہو عافیت میں دین و دنیا کی ساری امتیں داخل ہیں،یوسف علیہ السلام نے معصیت کے مقابل مصیبت اختیار فرمائی کہ عرض کیا"رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ"کیونکہ معصیت کے مقابلے میں مصیبت عافیت ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک پتوں والے درخت سے گزرے تو اس میں اپنی لاٹھی شریف ماری پتے جھڑ گئے ۱؎ فرمایا الحمدللہ،سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر بندے کے گناہ یوں جھاڑ دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑگئے ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ ظاہر ہے کہ وہ درخت جنگلی تھا جس کا کوئی مالک نہیں،اس کے پھل پھول پتے ہر شخص لے سکتا ہے اور ممکن ہے کسی کے گھر یا باغ کا درخت ہو،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جان و مال کے مالک ہیں اس لیے حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اجازت درخت کے پتے جھاڑ دیئے ورنہ کسی کے مملوک درخت پر پتھر پھینکنا،لاٹھی سے اس کے پتے جھاڑنا ہمارے واسطے ممنوع ہے کہ یہ دوسرے کی ملک میں تصرف ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تشبیہ ہے یعنی گناہوں میں گرفتار انسان سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہے اور اس کے گناہ مثل پتوں کے اور یہ کلمات گویا عصائے محبوبی ہیں،جس سے وہ گناہ جھڑتے رہتے ہیں۔اس میں صوفیانہ اشارہ اس جانب بھی ہے کہ یہ کلمات گناہوں سے اس وقت پاک کریں گے جب یہ کسی کامل کے ذریعہ کئے جائیں گے کیونکہ اگرچہ درخت میں لگی لاٹھی ہی تھی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے۔

روایت ہے حضرت مکحول سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ زیادہ پڑھا کرو کہ یہ جنت کے خزانے سے ہے ۲؎ مکحول فرماتے ہیں جو کوئی پڑھا کرے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور لا منجا من اللہ الا الیہ تو اللہ تعالٰی اس سے ستر مصیبتوں کے در بند کردے گا جن میں سے ادنیٰ مصیبت فقیری ہے ۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں مکحول نے حضرت ابوہریرہ سے سنا نہیں ۴؎	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں،حبشی النسل ہیں،شام کے مفتی ہیں،امام زہری فرماتے ہیں کہ چار علماء بڑے کامل ہیں:مدینہ منورہ میں ابن مسیب اور کوفہ میں امام شعبی،بصرہ میں خواجہ حسن بصری،شام میں مکحول۔

۲؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی یعنی یہ جنت کی نفیس نعمتوں میں سے ہے جو اس دن کام آئیں گی جب مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں کہ محفوظ خزانے خاص ضرورت کے وقت ہی کھولے جاتے ہیں۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ یہاں فقیری سے مراد دل اور مال دونوں کی فقیری ہے یعنی اس کا عامل مال کا بھی غنی ہوگا اور دل کا بھی کیونکہ جو اپنے کو رب کے سپرد کردے وہ یقینًا غیر سے مستغنی ہوتاہے اس شخص پر اگر کبھی مال کی غریبی آبھی گئی تو وہ دل کا فقیر نہ بنے گا۔

۴؎ کیونکہ جناب مکحول نے حضرت انس ابن مالک واثلہ ابن اسقع اور ہندوزان صحابہ سے ملاقات کی ہے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مکحول جیسے جلیل القدر تابعی کا ایک راوی کا چھوڑ دینا کوئی مضر نہیں،جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے جس میں ایک راوی کا ذکر بھی نہیں ہوتاتو حضرت مکحول کاایک راوی چھوڑ دینا کیوں مضر ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ننانوے بیماریوں کی دعا ہے ۱؎ جن میں ادنی بیماری غم ہے	

	۲

۱؎ بیماریوں سے مراد جسمانی،روحانی،دنیاوی،اخروی بیماریاں ہیں کہ لاحول شریف ان سب کا مکمل علاج ہے۔
۲؎ غم دنیاوی ہو یا دینی و اخروی لاحول شریف کی برکت سے ہر طرح کا غم دور ہوتا ہے،معاش و معاد کی فکر سے بندہ آزاد ہوتا ہےاور ظاہر ہے کہ غم سے آزادی حق تعالٰی کی بڑی نعمت ہے کہ حق تعالٰی نے یونس علیہ السلام پر بڑا کرم یہ فرمایا کہ مچھلی کے شکم سے انہیں غم سے نجات دی،فرماتاہے:" فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ ۙ وَ نَجَّیۡنٰہُ مِنَ الۡغَمِّ "۔خیال رہے کہ غم آخرت رحمت بھی اور عذاب بھی۔یہاں غم سے مراد دوسری قسم کا غم ہے،شیطان کو بھی رب سے خوف ہے وہ کہتاہے"اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ"اور مؤمن کو بھی مگر شیطان کا خوف عذاب ہے جیسے مجرم کو حاکم سے ڈر لگتا ہےاور مؤمن کا یہ غم رحمت جیسے مطیع غلام کو آقا سے ہیبت ہوتی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں وہ کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے سے آیا۱؎ جنت کے خزانوں سے ہے ۲؎ وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ فرمانبردار ہوگیا اور اس نے اپنے کو میرے سپرد کردیا ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیں۔

۱؎ یہ ترجمہ بہت بہتر ہے کیونکہ مِنۡ تَحۡتَ الۡعَرۡشِ میں لفظ مِنۡ ابتدائیہ ہے،روزی کے خزانے آسمان میں ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ فِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ"مگر خاص رحمت کا خزانہ عرش اعظم کے نیچے ہے،اسی خزانہ سے سورۂ بقر کی آخری آیات آئیں اور اسی خزانہ سے لاحول شریف آئی۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی کے تمام خزانوں کی خبر ہےتب ہی تو فرماتے ہیں کہ یہ فلاں خزانہ کا موتی ہے۔
۲؎ یعنی لاحول شریف بنی عرش کے نیچے رہی،جنت کے خزانہ میں اس کا خزانہ تکوینی و تخلیقی زیر عرش ہے خزانہ امانت جنت ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیل وفرات جنت کی نہریں ہیں۔
۳؎ یعنی جو بندہ لاحول شریف کی کثرت کرے تو رب تعالٰی اس کے متعلق فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس بندے نے اپنے کو بالکل میرے سپرد کردیااب میں اس کی ہر بات کا والی وارث ہوگیا،بلا تشبیہ جیسے بچہ اپنے کو ماں کے حوالے کردیتا ہےتو اس کی ساری فکریں ماں اٹھالیتی ہے اور بچہ ہر فکر سے آزاد ہوجاتا ہے،یہ رب تعالٰی کی بڑی نعمت ہے کسی کسی کو میسر ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے فرمایا سبحان اللہ ساری مخلوق کی عبادت ہے ۱؎ اور الحمدللہ

	کلمہ شکر ہے ۲؎ اور لاالٰہ الا اللہ اخلاص کا کلمہ ہے ۳؎ اور اللہ اکبر آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بھردیتا ہے ۴؎ اور جب بندہ کہتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ تو رب تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ مطیع ہوگیا اور اپنے کو میرے سپرد کردیا۔(رزین)

۱؎ یعنی ہر مخلوق رب تعالٰی کی تسبیح بزبان قال کرتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"دوسری جگہ فرماتاہے:"قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسۡبِیۡحَہٗ"۔حق یہ ہے کہ ہر چیز کو رب تعالٰی کی معرفت حاصل ہے اور وہ بزبان قال نہ کہ فقط حال سے تسبیح کرتی ہے اولیاءاللہ ان تسبیحوں کو سنتے ہیں،صحابہ کرام کھاتے وقت لقمے کی تسبیح سنتے تھے حتی کہ سبزہ کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں تخفیف ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی شکر کا ستون ہے یا شکر کی چوٹی ہے جس کے بغیر شکر مکمل نہیں ہوتا۔(ازمرقات)

۳؎ لاالٰہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ ہے،اخلاص سے مراد ہے چھٹکارا اور رہائی یعنی اس کلمہ طیبہ کی برکت سے بندہ دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے رہائی پاتاہے یا اخلاص ریاء کا مقابل ہے،بمعنی خلوص نیت یعنی یہ کلمہ اگر خلوص نیت سے پڑھا جائے تو مفید ہے۔

۴؎ کہ اس کا ثواب اس کی عظمت ان تمام چیزوں کو بھر دیتی ہے یہ ہمیں سمجھانے کے لیے ہے کہ ہماری کوتاہ نظریں ان آسمان زمین تک ہی محدود ہیں،ورنہ رب تعالٰی کی کبریائی کے مقابل آسمان و زمین کی کیا حقیقت ہے یہ ایسے ہے جیسے رب تعالٰی نے فرمایا کہ "لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ"حالانکہ اس کی ملکیت آسمان و زمین میں محدود نہیں۔

باب الاستغفار و التوبۃ

بخشش مانگنے اور توبہ کرنے کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **استغفار** کے معنی ہیں گزشتہ گناہوں کی معافی مانگنا اور توبہ کی حقیقت ہے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرلینا یا زبان سے گناہ نہ کرنے کا عہد استغفار ہےاور دل سے عہد توبہ۔استغفار **غفر** سے بنا،بمعنی چھپانا یا چھلکا و پوست،چونکہ استغفار کی برکت سے گناہ ڈھک جاتے ہیں اس لیے اسے استغفار کہتے ہیں۔توبہ کے معنے رجوع کرنا،اگر یہ حق تعالٰی کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ارادۂ عذاب سے رجوع فرمالینااور اگر یہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں گناہ سے اطاعت کی طرف،غفلت سے ذکر کی طرف،غیبت سے حضور کی طرف لوٹ جانا۔توبہ صحیح یہ ہے کہ بندہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو،آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے اور جس قدر ہوسکے اسی قدر گزشتہ گناہوں کا عوض اور بدلہ کردے۔نمازیں ہوں تو قضا کرے،کسی کا قرض رہ گیا ہے تو ادا کردے۔حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ توبہ کا کمال یہ ہے کہ دل لذتِ گناہ بلکہ گناہ بھول جائے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی قسم میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ رب سے مغفرت مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ۱؎(بخاری)

۱؎ توبہ و استغفار روزے نماز کی طرح عبادت بھی ہےاسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عامل تھے یا یہ عمل ہم گنہگاروں کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں گناہ آپ کے قریب بھی نہیں آتا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گناہ کرکے توبہ کرتے ہیں اور وہ حضرات عبادت کرکے توبہ کرتے ہیں۔شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند　　　عارفاں از عبادت استغفار

سیدنا علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کے لیے دنیا میں دو امانیں ہیں:ایک نے پردہ فرمالیا اور دوسری قیامت تک ہمارے پاس ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور استغفار۔

	روایت ہے حضرت اغرمزنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے دل پر پردہ آتا رہتا ہے حالانکہ میں دن میں سو بار استغفار پڑھتا ہوں ۱؎(مسلم)

۱؎ یُغَانُ غین سے بنا،بمعنی پردہ اسی لیے سفید بادل کو غین کہا جاتاہے۔اس پردے کے متعلق شارحین نے بہت خامہ فرسائی کی ہے بعض کے نزدیک اس سے مراد حضور کی دنیا میں مشغولیت ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے سونا مراد ہے،بعض کے خیال میں اس سے مراد اجتہادی خطائیں ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں غین سے مراد اپنی امت کے گناہوں کو دیکھ کر غم فرمانا ہے اور استغفار سے مراد ان گنہگاروں کے لیے استغفار کرنا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت اپنی امت کے سارے حالات پر مطلع ہیں،ان گناہوں کو دیکھتے ہیں، دل کو صدمہ ہوتا ہے اس صدمے کے جوش میں انہیں دعائیں دیتے ہیں۔(لمعات،مرقات،اشعہ وغیرہ)اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے"عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَاعَنِتُّمْ"اے مسلمانو تمہاری تکلیفیں ان پر گراں ہیں۔شعر

آنچہ تو کردی کسے باخود نہ کرو	روح پاک مصطفٰی آمد بدرد
بدہنسیں تم ان کی خاطر	رات بھر روؤ کراہو
بدکریں ہر دم برائی	تم کہو ان کا بھلا ہو

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۱؎ دیکھو میں دن میں سو بار توبہ کرتاہوں ۲؎(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ لوگوں سے مراد مسلمان ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَتُوْبُوْۤا اِلَی اللہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ"۔اور ہو سکتا ہے کہ سارے انسانوں سے خطاب ہو یعنی اے کافروکفر سے توبہ کرو،اے گنہگاروگناہوں سے باز آجاؤ،اے نیک کارو اپنی نیکی کو کم جانو اور توبہ کرو۔معلوم ہوا کہ ہر شخص توبہ کا حاجت مند ہے۔

۲؎ جو پہلے عرض کیا گیا تھا اس کی تائید اس جملے سے ہوگئی یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعلیم کے لیے توبہ کرتے تھے۔مطلب یہ ہے کہ جب ہم معصوم ہوکر روزانہ سو بار توبہ کرتے ہیں تو تم کو چاہئیے کہ تم ہزاروں بار توبہ کیا کرو۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روایتوں میں جو حضور اپنے رب تبارک و تعالٰی سے روایت فرماتے ہیں کہ رب نے فرمایااے میرے بندوں میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام فرمالیا ہے ۱؎اور تمہارے آپس میں بھی ظلم کو حرام فرمادیا۲؎ لہذا ظلم نہ کرو اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو بجز اس کے جسے میں ہدایت دے دوں لہذا مجھ سے ہدایت مانگو ہدایت دوں گا۳؎ اے میرے بندو تم سب بھوکے ہوبجز اس کے جسے میں روزی دوں لہذا مجھ سے کھانا مانگو تمہیں دوں گااے میرے بندو تم سب ننگے ہو

	بجز اس کے جسے میں پہناؤں لہٰذا مجھ سے لباس مانگو میں دوں گا۴؎ اے میرے بندو تم دن رات کے خطا کار ہو اور میں سارے گناہ بخشتا رہتا ہوں مجھ سے مغفرت مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۵؎ اے میرے بندو تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچادو اور نہ میرے نفع تک تمہاری رسائی ہے کہ مجھے نفع دو۶؎ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن اپنے کسی بڑے پرہیزگار کے دل پر متفق ہو جائیں۷؎ تو تمہارا یہ متفقہ تقویٰ میرے ملک میں کچھ بڑھائے گا نہیں ۸؎ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن اپنے میں سے کسی بڑے بدکار کے دل پر متفق ہوجائیں تو تمہاری یہ متفقہ بدکاری میرے ملک میں کچھ کمی نہ کر دے گی۹؎ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن ایک میدان میں کھڑے ہوکر مجھ سے بھیک مانگیں پھر میں ہر انسان کا سوال پورا کردوں تو یہ میرے خزانوں کے مقابلہ ایسا حقیر ہوگا جیسے سوئی کی تری جب وہ دریا میں ڈبوئی جائے۱۰؎ اے میرے بندو میں تمہارے اعمال شمار میں رکھ رہا ہوں پھر ان کا بدلہ تمہیں پورا پورا دوں گا۱۱؎ جو نیکی پائے تو وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ صرف اپنے کو ہی ملامت کرے۱۲؎ (مسلم)

۱؎ یہاں حرمت سے مراد شرعی حرمت نہیں کیونکہ حق تعالٰی پر نہ کوئی حاکم ہے اور نہ اس پر شرعی احکام جاری ہیں بلکہ اس سے مراد ہے برتر ہونا، منزہ ہونا، پاک ہونا رب۔تعالٰی کے لیے کوئی شے ظلم ہوسکتی ہی نہیں کیونکہ ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملک میں زیادتی کرنا یا کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا ان دونوں سے پروردگار پاک ہے کیونکہ ہر چیز اس کی ملک ہے اور جس کے استعمال کے لیے جو جگہ مقرر فرمادے وہی اس کا صحیح مصرف ہے اس کے افعال یا عدل ہیں یا فضل۔اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ظلم سے منزہ اور پاک ہوں،میرا کوئی کام ظلم نہیں ہوسکتا۔بعض نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد بے قصور کو سزا دینا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم!

۲؎ لہٰذا تم کسی پر جانی،مالی یا آبروریزی کا ظلم نہ کرو یہ تمام جرموں سے بڑا جرم ہے کہ یہ حق العباد ہے توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

۳؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری پیدائش تاریکی میں ہوئی پھر ہم پر نور کا چھینٹا دیا گیا اگر ہم کو ہمارے نفسوں پر چھوڑ دیا جائے تو ہم عقیدتًا عملًا بدی ہی کریں گے،اگر وہ اپنا فضل کرے تو ہم نیکی کریں،ہم ببول کا درخت ہیں، ہمارے پاس سواء گناہوں کے کانٹوں کے اور کیا ہے،ہماری صفت ہے"اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا"لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ بچہ فطرت یعنی توحید پر پیدا ہوتا ہے کہ وہاں دنیا میں آنے کا ذکر ہے اور یہاں ہماری اصل پیدائش کا۔خیال رہے کہ حضرات انبیاءواولیاء بھی رب تعالٰی ہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہیں مگر وہ ہمارے لیے ہدایت کا مرکز ہیں کہ ہم ان سے ہی ہدایت لے سکتے ہیں جیسے سورج کو نور رب تعالٰی نے دیا ہے مگر چاند تارے اور زمین اس سے ہی نور لیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰى صِرٰطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ"۔

۴؎ یعنی تم روحانی و جسمانی غذاؤں میں میرے محتاج ہو اسی طرح قلب قالب،روح کے لباس میں میرے حاجت مند ہو،غذا کا ہرحیوان حاجت مند ہے اور لباس کا صرف انسان۔خیال رہے کہ تمام انبیاء اولیاء اور بادشاہ رب تعالٰی کے حاجت مند ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اللّٰهُ الۡغَنِیُّ وَ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ "مگر اس کے محبوب بندے مخلوق کے حاجت روا ہیں باذن پروردگار،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"۔بادل بھی رب کا محتاج اور زمین بھی مگر بادل زمین کا محتاج الیہ ہے کہ ہر وقت زمین کو بادل کی ضرورت ہے۔

۵؎ خطاٗ کے معنی ہیں غلط راستہ پر چلنا بھول کر ہو یا جان بوجھ کر لہذا اس میں خطائیں،بھول چوک،عمدًا گناہ سب داخل ہیں۔علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن عام بندوں سے ہے معصومین حضرات جیسے فرشتے،انبیاء اس حکم سے خارج ہیں کہ اگرچہ بعض انبیاء سے خطائیں سرزد ہوئیں مگر عمر بھر میں ایک دو نہ کہ دن رات اور ہر وقت،نیز ان کی وہ خطائیں بھی ان کی شان کے لائق ہیں ہماری عبادتوں سے افضل ہیں، سارے عالم کا ظہور حضرت آدم کی ایک خطا کی برکت سے ہے لہذا اس عصمت انبیاء پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔

۶؎ اس کی شرح اگلے جملے سے ہورہی ہے کہ تمہاری عبادتوں سے میرا نفع نہیں اور تمہارے گناہوں سے میرا نقصان نہیں بلکہ ان میں نفع نقصان خود تمہارا ہے۔

۷؎ یعنی دنیا کے کسی بڑے پرہیز گار کو لے لو پھر سوچو کہ اگر تمام جہان کا دل اس پرہیزگار کا سا ہوجائے اور ساری دنیا اس نیک و صالح کی طرح نیکیاں ہمیشہ کیا کرے۔اس ترجمہ سے یہ جملہ بالکل واضح ہوگیااس پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

۸؎ لہذا کوئی شخص یہ سمجھ کر عبادت نہ کرے کہ میری عبادت سے رب تعالٰی کے خزانے بڑھ جائیں گے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے اپنے آستانہ پر بلالیا۔

۹؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو پہلے جملہ میں عرض کیا گیا کہ دنیا کے بادشاہوں کا رعایا کے بگڑ جانے سے نقصان ہوتا ہے،آمدنی میں کمی ہو جاتی ہے،خزانہ خالی رہ جاتا ہے مگر رب تعالٰی وہ بے نیاز ہے کہ ساری خلق کی بدکاری سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔خیال رہے کہ یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر رب تعالٰی کے اولاد ہوتی تو پہلے میں ہی اسے پوجتا نہ رب تعالٰی کے اولاد ممکن ہے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے پوجنا ممکن،ایسے ہی تمام بندوں کا

گنہگار ہوجانا غیر ممکن ہے فرشتے،انبیاء معصومین اور اولیاء محفوظین بفضلہ تعالیٰ گناہ کرتے ہی نہیں۔رب تعالیٰ فرماتاہے:"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ"۔غرضکہ اس جملے سے عصمت انبیاء کے خلاف دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

۱۰؎اس جملے کا یہی ترجمہ درست ہےاس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میری یہ عطا میرے خزانوں کی سوئی کی تری کی بقدر کم کردیں گےوہاں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،سورج ہزار ہا سال سے دنیا کو روشنی دے رہا ہےمگر اس کی روشنی میں مطلقًا کمی نہ ہوئی،جب رب تعالیٰ کی تجلّیوں کا یہ حال ہے تو اس کے خزانو ں کا کیا حال ہوگا اور یہ نسبت بھی فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ رب تعالیٰ کے خزانے غیر محدود ہیں اور اسکی عطائیں محدود کیونکہ لینے والے محدوداور محدود کی غیر محدود سے نسبت کیسی۔

۱۱؎اس طرح کہ نیک کار کی جزاء میں کمی نہ کروں گااور بدکار کی سزا میں زیادتی نہ کروں گا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ نیک کار کو زیادہ نہ دوں اور گنہگار کو معاف نہ کروں۔یہاں عدل کا ذکر ہےعدل فضل کے خلاف نہیں لہذا حدیث واضح ہے نہ آیات قرآنی کے خلاف ہے اور نہ دیگر احادیث کے مخالف۔

۱۲؎خلاصہ یہ ہے کہ بندہ نیکیوں کو رب تعالیٰ کی توفیق سے سمجھے اورگناہوں کو اپنی شامت نفس سے جانےبلکہ ہر نقص کو اپنی طرف منسوب کرے اور کمال کو رب تعالیٰ کی طرف،ابراہیم علیہ السلام نے فرمایاتھا:"وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ"بیمار میں ہوتا ہوں شفاءوہ دیتاہےورنہ ہر خیروشر کا خالق و مالک رب تعالیٰ ہی ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں"وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی"۔

روایت ہےحضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمی مار ڈالے تھے۱؎پھر مسئلہ پوچھنے نکلا تو ایک پادری کے پاس پہنچا۲؎اس سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ ہوسکتی ہے وہ بولا نہیں۳؎اس نے اسے بھی مار دیا ۴؎اور مسئلہ پوچھتا پھرااسے کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں جا ۵؎اسی حال میں اسے موت آگئی تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کردیا ۶؎اس کے متعلق رحمت و عذاب کے فرشتوں نے جھگڑا کیا ۷؎رب نے اس بستی کی طرف حکم بھیجا کہ قریب آجا اور اس بستی کی طرف کہ دور ہوجا پھر فرمایا ان دونوں بستیوں کے درمیان ناپو پھر وہ اس بستی کی طرف ایک بالشت قریب پایا گیا چنانچہ اس کی مغفرت کردی گئی	

	۸؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ظلماً ڈکیتی سے یا کسی اور طرح۔
۲؎ یعنی جب اس کی موت قریب آئی تو رحمت خداوندی نے دستگیری کی،اپنے کئے پر پشیمان ہوااور اس گناہوں کے شہر سے نکل کھڑا ہوا،مسئلہ پوچھنے عالم وقت کے پاس گیا،راھب رھبٌ سے بنا بمعنی خوف۔اصطلاح میں راہب وہ پادری جوگی کہلاتے تھےجو خوف خدا میں تارک الدنیا ہوجاتے تھے،گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ ہی کرتے تھے،ان میں سے اکثر عالم بھی ہوتے تھے،یہودونصاریٰ کے ہاں ترک دنیا بہترین عبادت تھی ہمارے اسلام میں ممنوع ہے۔
۳؎ یا تو وہ راہب توبہ کے مسئلے سے جاہل تھااور یا اس کا مطلب یہ تھا کہ قتل حق العباد ہے،مقتول کے ورثاء سے اس میں معافی مانگنا ضروری ہے،اتنے بہت سے مقتولوں کے وارثوں کے پاس یہ کیسے پہنچے گا اور انہیں کیسے راضی کرے گا بہرحال اس راہب نے مسئلہ غلط بتایا۔
۴؎ بخشش سے مایوسی کی وجہ سے وہ گناہ پر دلیر ہوگیا،مایوس بلی کتے پر حملہ کردیتی ہے اسی لیے اسلام نے بڑے سے بڑے مجرم کو بھی بخشش سے مایوس نہ کیا،پھانسی والے ملزم کو تمام قیدیوں سے الگ کال کوٹھڑی میں رکھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اور دوچار کو قتل نہ کردے،آریوں کے ہاں توبہ کوئی چیزنہیں ان کے مذہب نے گناہ پر دلیر کیا ہے۔
۵؎ پہلا کذا نام بتانے کے لیے ہے اور دوسرا کذا بیان اوصاف کے لیے یعنی فلاں نام کی بستی جو فلاں طرف ہے جس میں اللہ کے بہت نیک بندے رہتے ہیں تو وہاں جا اور فلاں سے مسئلہ پوچھ۔
۶؎ یعنی اس طرح گر کر مرا کہ اس کا چہرہ اور سینہ تو اس عالِم کی بستی کی طرف تھا جہاں جارہا تھا اور پیٹھ اس گناہوں کی بستی کی طرف جہاں سے آرہا تھااللہ تعالٰی کو اس کی یہ ادا پسند آگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ پوچھنے کے لیے عالموں کے پاس جانا عبادت ہے،نیز عالم کے شہر کی تعظیم اور اس طرف منہ کرکے سونا یا مرنا بھی رب تعالٰی کو پسند ہے۔سنت یہ ہے کہ مؤمن کعبہ کو منہ اور سینہ کرکے سوئے،میت کو کعبہ کے رخ دفن کرو،بعض عشاق مدینہ منورہ یا بغداد شریف کی طرف منہ کرکے دعائیں مانگتے ہیں،نماز غوثیہ میں بعد نماز گیارہ قدم بغداد شریف کی طرف منہ کرکے چلتے ہیں اور ادھر ہی منہ کرکے دعا مانگتے ہیں ان سب کی اصل یہ حدیث ہے،دیکھواس شہر میں کعبہ یا بیت المقدس نہ تھا صرف ایک عالم کی بستی تھی جس کے ادب کی برکت سے بخشا گیا۔رب تعالٰی نے توبہ کرنے والے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا"اُدۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ"اس نبیوں کے شہر میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں ہم سے معافی مانگو۔
۷؎ یعنی یہ شخص بالکل بیچ میں تھا کہ اسے موت آگئی،اس کی روح کو لینے کے لیے رحمت کے فرشتے بھی آگئے اور عذاب کے بھی،عذاب والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے بڑے گناہ کرکے آیا تھا،رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے توبہ کرنے جارہا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کے لیے رب تعالٰی کی طرف سے قانون مقرر کردیا گیاہے،کس قسم کی میت کو عذاب کے فرشتے لیں اور کس کو رحمت کے وہ اسی قانون کے تحت ہر میت تک پہنچ جاتے ہیں لہذا اس

حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو خدا کے حکم سے آتے ہیں یہاں رب تعالٰی نے دونوں قسم کے فرشتے بھیجے ہی کیوں لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ"کیونکہ وہاں امر سے مراد کلی امر ہے جیسے رب تعالٰی نے ہم کو نمازوں وغیرہ کا کلی امر دے رکھا ہے۔

۸؎ یعنی اس کی موت بالکل درمیان میں واقع ہوئی تھی،رب تعالٰی نے ارادۂ توبہ کی وجہ سے اس کا اتنا احترام فرمایا کہ اس کی لاش کو اس بستی کی طرف نہ سرکایا بلکہ دونوں بستیوں کو حرکت دی کہ اس کو پیچھے ہٹایا اس کو آگے بڑھایا۔خیال رہے کہ رب تعالٰی جب بندے سے راضی ہوجائے تو اپنے حقوق تو خود معاف کردیتا ہے اور بندوں کے حقوق حق والوں سے معاف کرادیتا ہے۔اس موقعہ پر بھی رب تعالٰی نے مقتولوں کو کچھ دے کر معاف کرادیا لہٰذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ ظلمًا قتل حق العباد تھے بغیر بندوں کے معاف کئے اس کی بخشش کیسے ہوگئی اور نہ یہ کہ دو بستیوں کو کیوں ہٹایا لاش کو ہی کیوں نہ سرکادیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے اور ایسی قوم لائے جو گناہ کریں پھر معافی مانگیں تو اللہ انہیں بخشے ۱؎ (مسلم)

۱؎ اس حدیث کا مقصد لوگوں کو گناہ پر دلیر کرنا نہیں بلکہ توبہ کی طرف مائل کرنا ہے یعنی اے انسانو! اگر تم بھی فرشتوں کی طرح سارے ہی معصوم بے گناہ ہوتے تو کوئی قوم ایسی پیدا کی جاتی جو غلطی و خطاء سے گناہ کرلیا کرتی پھر توبہ کرتی اسے رب تعالٰی معاف کرتا کیونکہ خلقت رب تعالٰی کی صفات کا مظہر ہےاور جیسے رب کی صفت رزاق ہے ایسے ہی اس کی صفت غفار بھی ہے۔رزاقیت کا ظہور رزق و مرزوق سے ہوتا ہے غفاریت کی جلوہ گری گناہ اور گنہگار سے ہوتی ہے۔جو یہ حدیث دیکھ کر گناہ پر دلیر ہو اور پھر گناہ کرے تو کافر ہوااور یہاں ذکر گناہ کا ہے نہ کہ کفر کا۔خلاصہ یہ ہے کہ اے گنہگار رب کی رحمت سے مایوس نہ ہو بلکہ توبہ کر لے وہ غفور رحیم ہے تجھ سے گناہ کا صدور تقاضائے حکمت الٰہی ہے تم سے کوئی گناہ نہ ہو یہ ناممکن ہے۔یہاں سے جانے سے مراد ہلاک کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں آسمانوں پر پہنچادینا،فرشتوں کے ساتھ رکھنا اور زمین پر دوسری قوم قابلِ گناہ کو بسانا مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اپنا دستِ کرم رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے ۱؎ یہ کرم نوازی اس وقت تک ہوگی جب کہ سورج پچھم سے نکلے ۲؎ (مسلم)

۱؎ ہاتھ پھیلانے سے مراد عفووکرم کا وسیع کردیناپھیلا دینا ہے۔مقصد یہ ہے کہ رب کا کرم بہت وسیع ہے،گنہگار کو ہر وقت کرم میں لینے کو تیار ہے کوئی آنے والا ہو۔

۲؎اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمٰنُہَا" الخ۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس وقت سے ان لوگوں کی توبہ قبول نہ ہوگی جو سورج کو پچھم سے نکلتے دیکھیں لیکن جو لوگ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوں ان کی توبۂ کفر بھی قبول ہوگی اور توبۂ گناہ بھی کہ انہوں نے علامات قیامت دیکھی ہی نہیں۔حضرت استاذومرشد صدرالافاضل مراد آبادی قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس وقت کے بعد انسان کی پیدائش ہی بند ہوجائے گی۔غرضکہ آیت وحدیث میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پہلے گناہ کرتے رہے توبہ نہ کی،یہ علامت دیکھ کر توبہ کرنے لگےان کی توبہ قبول نہیں کہ غیب کھل جانے کے بعد توبہ کیسی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب اقرار گناہ کرلیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبول توبہ کی دو شرطیں ہیں:ایک اپنے گناہ کا اقرار۔دوسرے توبہ یعنی آئندہ نہ کرنے کا عہد اور کئے ہوئے گناہ کے بدلہ کی کوشش۔اعتراف اور توبہ میں یہ فرق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سورج کے مغرب کے نکلنے سے پہلے توبہ کرے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول کرے گا ۱؎(مسلم)	

۱؎ شاید یہاں توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی آفتاب کے پچھم سے نکلنے پر سارے کفار ایمان قبول کرلیں گے مگر اس وقت کا ایمان قبول نہ ہوگا کیونکہ ایمان بالغیب نہ رہا،گناہوں سے توبہ اس وقت بھی قبول ہوگی جیسے غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ قبول نہیں گناہوں سے توبہ قبول ہے،بعض کے ہاں حدیث اپنے اطلاق پر ہے کہ اس وقت نہ کفر سے توبہ قبول ہے نہ گناہوں سے،وہ فرماتے ہیں کہ اس وقت کا ایمان قبول نہ ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہےاور توبہ قبول نہ ہونا حدیث سے ثابت،دونوں برحق ہیں۔واللہ ورسولہ اعلم!(لمعات و مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے ۱؎جس کی سواری پٹپڑ زمین میں ہو وہ سواری بھاگ جائے اس پر اس کا کھانا پانی ہو یہ اس سواری سے	

مایوس ہوکر کسی درخت تک پہنچے اپنی سواری سے مایوس ہوکر درخت کے سایہ میں لیٹ رہے وہ اس حال میں ہو کہ ناگاہ اس کی سواری اس کے پاس آکھڑی ہو وہ اس کی مہار پکڑے ۲؎ پھر انتہائی خوشی میں یوں کہہ بیٹھے الٰہی تو میرا بندہ اور میں تیرا رب بہت خوشی سے بندہ خطا کر گیا ۳؎(مسلم)	

۱؎ ایسے مقامات پر خوشی سے مراد رضاء ہوتی ہے کیونکہ اصطلاحی فرحت و خوشی سے رب تعالٰی پاک ہے۔خیال رہے کہ رضاء اور ہے امر اور مگر ارادہ کچھ اور اللہ تعالٰی ہر بندے کے ایمان و شکر سے راضی ہے۔فرماتاہے:"اِنۡ تَشۡکُرُوۡا یَرۡضَہُ لَکُمۡ"اور ہر شخص کو اس نے ایمان کا حکم بھی دیا ہے کہ فرمایا:"اٰمِنُوۡا بِاللہِ وَرَسُوۡلِہٖ"لیکن ہر شخص کے ایمان کا ارادہ نہیں کیاورنہ دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا،بعض کے کفر کا ارادہ کیاہےاور بعض کے ایمان کا۔ان ارادوں میں صدہا حکمتیں ہیں جو علم کلام میں مذکور ہیں،دیکھو ذبح اسمٰعیل (علیہ الصلوۃ والسلام)کا حکم تھا ارادہ نہ تھا۔یہاں اس کی رضاء کا ذکر ہے نہ کہ ارادے کا۔

۲؎ یعنی جیسے اس شخص کو یاس کے بعد آس سے انتہائی خوشی ہوتی ہے جو بیان میں نہیں آسکتی کیونکہ اس بندے کو یاس بھی(ناامیدی)جان سے ہوچکی تھی ایسے ہی رب تعالٰی کی یہ رضا ہم بیان نہیں کرسکتے،یہ تشبیہ مرکب ہے جس میں پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے نہ کہ ہر حال کو ہر حال سے لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رب تعالٰی مایوس بھی ہوا ہو اور بعد میں اسکی آس بندھی ہو۔مقصد یہ ہے کہ رب تعالٰی ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہے جتنی خوشی ہم کو اپنی جان بچنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ خوشی اللہ تعالٰی کو بندے کے ایمان بچنے سے ہوتی ہے۔

۳؎ یہ کلام بھی انتہائی خوشی بیان فرمانے کے لیے ہے نہ کہ تشبیہ کے لیے کیونکہ رب تعالٰی غلطیوں اور خطا سے پاک ہے یعنی بندہ کی خوشی سے مت کٹ گئی وہ کہنا چاہتا تھا یارب میں تیرا بندہ تو میرا رب لیکن الٹا کہہ گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ خطاءً منہ سے کفر نکل جانے پر بندہ کا فر نہیں ہوتا نہ اس سے اس خطاکار کی بیوی نکاح سے خارج ہو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حکم کفر نہ فرمایا مگر یہ جب ہے جب کہ بندے کو اس خطا پر اطلاع نہ ہو،اطلاع ہونے پر فورًا توبہ کرے،طلاق کا یہ حکم نہیں لہذا اس حدیث سے وہ حضرات دلیل نہیں پکڑسکتے جو کلمہ یوں پڑھ لیتے ہیں لاالہ الا اللہ اشرفعلی رسول اللہ اور پھر بے اختیار زبان کا بہانہ کردیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرلیتا ہے پھر کہتا ہے مولٰی میں نے گناہ کرلیا مجھے معافی دے دے ۱؎ رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی	

	لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۲؎ پھر جتنا رب چاہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے کہتا ہے یارب میں نے گناہ کرلیا بخش دے ۳؎ رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا پھر بندہ ٹھہرا رہتا ہے جتنا رب چاہے پھر گناہ کر بیٹھتا ہے عرض کرتا ہے یارب میں نے گناہ کر لیا مجھے معافی دے تو رب فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا جو چاہے کرے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی زبان سے بھی کہتا ہے اور عمل سے بھی کہ گزشتہ پرنادم ہوتا ہے اور آئندہ کے لیے بچنے کا عہد کرتا ہےاور بقدر طاقت گزشتہ گناہ کا کفارہ بھی ادا کردیتا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ لوگوں کے مال مار کر فقط کہہ دو معافی ہوگئی۔

۲؎ یہ کلام فرشتوں سے ہوتا ہے اظہار کرم کے لیے۔مقصد یہ ہے کہ چونکہ بندے نے اپنے کو گنہگار اور مجھے غفار سمجھا میرے دروازے پر معافی مانگتا ہوا آیامیں نے اسے معاف کردیا۔

۳؎ یعنی توبہ کے وقت تو اس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ کبھی گناہ نہ کروں گا پھر کر بیٹھالہذا حدیث قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں"وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا"گناہ پر اصرار اورہے اور باربار گناہ ہوجانا اور توبہ کرتے رہنا کچھ اور۔

۴؎ یعنی گناہ کرنے کا عادی اور میں بخشنے کا عادی جب تو گناہ سے باز نہیں آتا تو میں اپنے بخشنے کی عادت کیوں چھوڑ دوں تو کرتا جا میں بخشا جاؤں،یہ فرمان گناہوں کی اجازت دینے کے لیے نہیں بلکہ وسعت مغفرت کے اظہار کے لیے ہے یعنی اس طرح بندہ اگر لاکھوں بار گناہ کرے گا میں بخش دوں گا کہ ہر توبہ کے وقت آئندہ گناہ نہ کرنے کا ہی عہد ہو مگر پھر کر بیٹھے لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔توبہ کے ارادے سے گناہ کرنا کفر ہے کہ چلو گناہ میں حرج ہی کیا ہے کل توبہ کرلیں گے یہ توبہ نہیں بلکہ شریعت کا مذاق اڑانا ہےاور خدائے تعالٰی پر امن،یہ دونوں باتیں کفر ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ایسے توبہ کرنے والے کو رب تعالٰی اپنی امن میں لے لیتا ہے کہ پھر اس سے گناہ ہوتے ہی نہیں،پھر فرمایا جاتا ہے کہ جو چاہے کرے جیسے پرندے کا پر کاٹ کر اس سے کہو کہ جا اڑتا پھر۔

	روایت ہے حضرت جندب سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا رب کی قسم اللہ تعالٰی فلاں کو نہ بخشے گا ۲؎ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا وہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھاتا ہے کہ فلاں کو نہ بخشوں

گا۳؎میں نے فلاں کو توبخش دیا اور تیرے عمل ضبط کرلیے ۴؎یا جیسے حضور انور نے فرمایا ۵؎(مسلم)	

۱؎ جندب حضرت ابوذرغفاری کا نام بھی ہے جو مشہورصحابی ہیں اور دوسرے صحابہ کا بھی،یہاں غالبًا دوسرے کوئی صحابی مراد ہیں کیونکہ محدثین حضرت ابوذر کو جندب کے نام سے بیان نہیں کیا کرتے اور ہوسکتا ہے کہ ابوذر غفاری ہی مراد ہوں،مرقات نے دوسری توجیہ کو ترجیح دی۔

۲؎ اس لیے نہ بخشے گا کہ اس نے گناہ بہت ہی بڑا کیا یا اس لیے کہ اس نے مجھ پر زیادتی کی ہے اور میں بڑا مقبول خدا ہوں،مجھ پرظلم کرنالائق بخشش نہیں۔پہلی صورت میں یہ کلام صرف غیبت ہے دوسری صورت میں غیبت بھی ہے اور اپنی شیخی بھی۔

۳؎ یَتَاَلّٰی تَاَلِّیْ سے بنا بمعنی قسم کھانااسی سے ایلاء ہے،یہ دونوں شخص مصر کے باشندے تھےپہلا فاسق تھا اور دوسرا متقی مگر اپنے کو گنہگار جانتا تھا اور یہ عابد اپنے زہدوتقویٰ پر نازاں تھا۔(از اشعہ)اس بارگاہ بے نیاز میں کسی کو نازکرنے کا حق ہی نہیں وہاں نیاز دیکھا جاتا ہے۔شعر

او گنہگاریاں عجز وکھاون قرب حضوری پاون عملاں والیاں نازوکھاون دور نکالیاں جاون

۴؎یعنی اس شخص کی شیخی کی وجہ سے میری غیرت کا دریا جوش میں آگیااس فاسق کو میں نے نیک بننے کی توفیق دے دی جس سے اس کے سارے گناہ بخشے گئے اور اس متکبر زاہد کی توفیق سلب کرلی جس سے یہ کافر ہو کر مرااور اس کی تمام نیکیاں ضبط ہوگئیں۔ اس شرح کی بناء پر حدیث بالکل واضح ہوگئی نہ آیات قرآنیہ کے خلاف رہی نہ دیگر احادیث کے۔ضبطی عمل کفر سے ہوتی ہے نہ کہ معمولی گناہ سے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں زاہد کے عمل ضبط ہونے سے مراد اس کی اس قسم کا جھوٹا کردینا ہے کہ فاسق کو بخش دیازاہد کی قسم کو جھوٹا کردیا اس صورت میں بھی یہ حدیث مذہب اہلسنت کے خلاف نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی کے انجام کے متعلق اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کرسکتا کہ فلاں جنتی ہے فلاں دوزخی،اللہ تعالٰی انجام بخیر کرے۔آمین!ہر شخص ڈرتا رہے۔شعر

پانی بھریں پنہاڑیاں رنگ برنگے گھڑے بھریا اس کا جانیئے جس کا توڑ چڑھے

۵؎ یہ شک راوی کی طرف سے ہے یعنی الفاظ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہی تھے یا کچھ اور مگر مضمون یہ ہی تھا۔معلوم ہوا روایت بالمعنی جائز ہے۔

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کا سردار یہ ہے ۱؎ کہ تم کہو الٰہی تو میرا رب ہے،تیرے سواء کوئی معبود نہیں،تو نے مجھے پیدا کیا،میں تیرا بندہ ہوں۲؎اور بقدر طاقت تیرے عہدوپیمان پر قائم ہوں ۳؎میں اپنے کئے کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۴؎تیری نعمت کا جو مجھ پر ہے اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقراری ہوں مجھے	

	بخش دے،تیرے سواء گناہ کوئی نہیں بخش سکتا۵؎حضور نے فرمایا کہ جو یقین قلبی کے ساتھ دن میں یہ کہہ لے پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے تو وہ جنتی ہوگا اور جو یقین دل کے ساتھ رات میں یہ کہہ لے پھر صبح سے پہلے مرجائے تو وہ جنتی ہوگا۶؎(بخاری)

۱؎ عربی میں سید وہ ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں میں رجوع کریں یعنی استغفار کے الفاظ بہت ہیں مگر یہ استغفار ان تمام کی جامع ہے کیونکہ اس میں گزشتہ پر ندامت آئندہ کے لیے عہد،رب تعالٰی کے انعامات،اپنی احسان فراموشی،بے وفائی سب کچھ ہی ہے۔

۲؎معلوم ہوا کہ استغفار توبہ بلکہ تمام دعاؤں میں اللہ تعالٰی کی حمد،اپنی بے کسی بیان کرنا بہتر ہے پھر جیسی دعا ہو ویسی ہی حمد چاہیے۔دیکھو یہاں توبہ کرنا ہے تو پہلے اللہ کی ربوبیت اور اپنی بندگی کا اقرار کیا یعنی تو پالنے والا ہم پلنے والے،پلنے والے قصور کیا ہی کرتے ہیں پالنے والے بخشا ہی کرتے ہیں،بچے کپڑے اور بستر گندے کیا ہی کرتے ہیں ماں انہیں پاک و صاف کیا ہی کرتی ہے حالانکہ وہ رب نہیں بلکہ مربی ہے۔

۳؎یعنی جہاں تک مجھ سے بن پڑے گا میں وہ عہد پورا کروں گا جو میثاق کے دن تجھ سے کیا ہے یا اسلام لاتے وقت تیرے پیارے حبیب سے کیایا بیعت ہوتے وقت تیرے کسی ولی سے کیا کیونکہ یہ سارے عہد تجھ سے ہی ہیں۔بقدر طاقت کی اس لیے قید لگائی کہ طاقت سے زیادہ کی پروردگار بھی تکلیف نہیں دیتا۔

۴؎ شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ کئے سے مراد گناہ بھی ہیں اور نیکیاں بھی۔گناہ کی شرط یہ ہے کہ اس سے توبہ کی توفیق نہ ملے اور نیکی کی شرط یہ ہے کہ اس پر تکبروغرور نہ ہوجائے۔خیال رہے کہ وہ گناہ جس کے بعد گریہ وزاری،عجز و نیاز و توبہ نصیب ہو اس نیکی سے بہتر ہے جس کے بعد تکبروغرور ہو۔حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا خطاءً گندم کھالینا شیطان کے سجدوں سے افضل تھا۔

۵؎ سبحان اللہ!کیسی پیاری عرض و معروض ہے یعنی میں اقراری ہوں کہ کانٹے میرے پاس ہیں پھول تیرے پاس،خطائیں میری طرف سے،عطائیں تیری طرف سے،بحکم قرآن پاک ظلوم وجہول میں ہوں غفور رحیم تو ہے،جس لائق میں تھا وہ میں نے کرلیا جو تیری شان کے لائق ہے وہ تو کر،بدکاری میں نے کرلی ستاری تو کر،گنہگاری میں نے کرلی غفاری تو کر،تیرے ایک چھینٹے سے ہمارا بیڑا پار ہے۔شعر

ماایم پر گناہ تو دریائے رحمتی   آنجا کہ فضل تست چہ باشد گناہ ما

۶؎یقین کی قید لگائی تاکہ معلوم ہو کہ بندہ دعا اور توبہ کے وقت اس کے فضل کا یقین رکھے یہ سمجھے کہ مجھے رب تعالٰی نے اپنے دروازے پر بلایاتو آیا ہوں اپنے آپ نہیں آیا اور کریم بھکاری کو بلاکر دیا ہی کرتے ہیں خالی نہیں پھیرتے جسے یہ یقین ہوگا ان شاءاللہ بخشا ہی جائے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے اے اولاد آدم جب تو مجھ سے دعا مانگے اور مجھ سے آس لگائے تو میں تجھے تیرے عیوب کے باوجود بخشتا رہوں گا۱میں بے پرواہ ہوں اے ابن آدم اگر تیرے گناہ کنارۂ آسمان تک پہنچ جائیں ۲پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا کچھ پرواہ نہ کروں گا اے اولاد آدم اگر تو زمین بھرکر خطاؤں کے ساتھ ملے مگر ایسے ملے کہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں زمین بھر بخشش کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا۳(ترمذی،احمد،دارمی عن ابی ذر) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱ علمائے کرام علیٰ ما کے معنے(باوجود)کرتے ہیں یعنی تیرے کیسے ہی گناہ ہوں میں بخش دوں گا،میں آنے والے کو نہیں دیکھتا بلکہ اپنے دروازے کو دیکھتا ہوں کہ کس دروازے پر آیا۔صوفیائے کرام اس کے معنے کرتے ہیں مطابق یعنی تجھے تیرے گناہ کے مطابق بخشوں گاچھوٹے گناہ کی چھوٹی بخشش،بڑے گناہ کی بڑی بخشش،لاکھوں گناہوں کی لاکھوں بخششیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے۔شعر

گنہ رضاؔ کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے کریم تیرے عفو کا نہ حساب نہ شمار ہے

۲عنان عین کے فتح سے بمعنی بادل اور عین کے زیر سے بمعنی ظاہر اور عنان عین کی جمع،بمعنی کنارہ،بعض نسخوں مین اعنان بھی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر توگناہوں میں ایسا گھر جائے جیسے زمین آسمان سے گھری ہوئی ہے کہ ہر طرف تیرے گناہ ہوں بیچ میں تو ہوپھر مجھ سے معافی مانگے تو میں تیرے سارے گناہ بخش دوں گا،بلکہ آسمان زمین کی چکی سب کو پیس دیتی ہے اس کے سوا جو رب سے لگ جائے۔کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا۔شعر

چکیا چکیا سب کہیں اور کلیا کہے نہ کوئے　　　جو کلیا سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوئے

۳ قراب قاف کے زیر یا پیش سے،بمعنی قریب المقدار۔مشارق میں فرمایا کہ قراب کسرہ سے تلوار کی میان اور سوار کا ہلکا توشہ اور ضمہ سے بمعنی قرب۔مطلب یہ ہے کہ جیسے رازق ہر مرزوق کو بقدر حاجت روٹی دیتا ہے،ہاتھی کو من اور چیونٹی کو کن دیتا ہے،ایسے ہی وہ غفار بقدر گناہ مغفرت عطا فرمائے گامگر شرط یہ ہے کہ گنہگار ہو غدار نہ ہواسی لیے شرط لگائی گئی کہ میرا شریک نہ ٹھہراتا ہو۔خیال رہے کہ ایسے مقامات پر شرک بمعنی کفر ہوتا ہے،رب تعالٰی

فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ"اور نبی یا کتاب یا اسلامی احکام میں سے کسی کا انکار درحقیقت رب تعالٰی کا ہی انکار ہے لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے اور اس میں کفار کی مغفرت کا وعدہ نہیں کفر و مغفرت میں تضاد ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں فرمایا اللہ تعالٰی نے جو جانے کہ میں گناہ بخش دینے پر قادر ہوں تو میں اسے بخش دوں گا کچھ پرواہ نہ کروں گا جب تک کہ وہ میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ۱؎(شرح سنہ)	

۱؎ سبحان اللہ! بہت امید افزا حدیث ہے یعنی جو مؤمن رب تعالٰی کو عذاب و مغفرت پر قادر مانے،پھر اس سے گناہ سرزد ہوجائے رب تعالٰی اپنے فضل سے اسے بخش دے گا۔مالم یشرك پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جو رب تعالٰی کو نبی کے بتانے سے ہر چیز پر قادر مانے وہ مؤمن ہی ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کی بخشش توبہ پر موقوف نہیں اسی طرح حقوق العباد کی معافی خود حق والے سے معاف کرانے پر موقوف نہیں کہ رب تعالٰی نے اس کے بغیر بخش ہی نہ سکے قانون اور ہے قدرت کچھ اور،قانون کے ہم پابند ہیں رب تعالٰی پابند نہیں۔اس حدیث میں رب تعالٰی کی قدرت کا ذکر ہے اور حقوق العباد والی حدیث میں قانون کا ذکر لہٰذا احادیث آپس میں متعارض نہیں اور نہ اس میں بندوں کو گناہ پر دلیر کرنا ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو استغفار کو اپنے پر لازم کرلے ۱؎ تو اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے چھٹکارا اور ہر غم سے نجات دے گا اور وہاں سے اسے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو ۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ اس طرح کہ روزانہ استغفار کے کلمے زبان سے ادا کیا کرے گناہ کرے یا نہ کرے۔بہتر یہ ہے کہ نماز فجر کے وقت سنت فجر کے بعد فرض سے پہلے ستر بار پڑھا کرے کہ یہ وقت استغفار کے لیے بہت ہی موزوں ہے، رب تعالٰی فرماتاہے:"وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ"۔

۲؎ یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔روزی سے مراد مال،اولاد،عزت سب ہی ہے۔استغفار کرنے والے کو رب تعالٰی یہ تمام نعمتیں غیبی خزانہ سے بخشتا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا"۔قرآن کریم میں استغفار پر پانچ نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس حدیث نے تین نعمتوں کا مگر ہماری اس

شرح سے وہ پانچوں نعمتیں ان تین میں آگئیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ"۔یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔

روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معافی مانگ لینے والا گناہ پر اڑیل نہیں اگرچہ دن میں ستر بار گناہ کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی وہ جو قرآن شریف میں فرمایا گیا:"وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا"کہ وہ اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے اڑتے نہیں وہاں اڑنے سے مراد یہ ہے کہ گناہ بار بار کرے اور توبہ کبھی نہ کرے،جو توبہ کرتا رہے وہ اڑیل نہیں۔توبہ کے معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ بوقت توبہ گناہ سے باز رہنے کا پورا ارادہ ہواور اگر توبہ کے وقت ہی یہ خیال ہے کہ گناہ کرتا رہوں گا تو یہ توبہ نہیں بلکہ اسلام کا مذاق ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسان خطا کار ہیں ۱؎ بہترین خطا وار رجوع کرلینے والے ہیں ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یہاں کل مجموعی ہے نہ کہ کل افرادی یعنی تمام انسان گنہگار ہیں نہ کہ ہر انسان کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں کہ گناہ کرسکتے ہی نہیں اور بعض اولیاء محفوظ کہ گناہ کرتے نہیں اور اگر یہ کل افرادی ہو تو خطاء میں لغزشیں بھی داخل ہوں گی یا یہ عام مخصوص منہ البعض ہے جس سے وہ پاک حضرات مستثنٰی ہیں لہذا یہ حدیث نہ تو قرآنی آیات کے خلاف ہے نہ ان احادیث کے جن میں ان مقبولوں کی عصمت کا ذکر ہے اور نہ اس حدیث کی بناء پر حضرات انبیاء کو گنہگار کہا جاسکتا ہے۔عصمت انبیاء کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"کے تتمہ میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎ یعنی لوٹنے والے گناہ سے نیکی کی طرف،خطاء سے معافی کی طرف،غفلت سے بیداری کی طرف،خلق سے خالق کی طرف،غیوبۃ سے حضور کی طرف،نفس سے رب غفور کی طرف۔غرضکہ جیسی خطا ویسی توبہ،یہ حدیث توبہ کی تمام اقسام کو جامع ہے،رب تعالٰی توبہ کی توفیق دے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ داغ لگ جاتا ہے ۱؎ اگر توبہ کرے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل صیقل ہوجاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہوتی ہے حتی کہ دل پر چھاجاتی ہے یہ ہی وہ زنگ ہے جس کا رب تعالٰی نے ذکر فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر	

	زنگ لگادی ۲؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎ خیال رہے کہ انسان کا دل صاف شفاف آئینہ کی طرح ہے ذرا سے غبار سے دھندلا ہوجاتا ہے،گناہ دل کے غبار ہیں اور کفر دل کا زنگ۔قلب کا قالب سے گہرا تعلق ہے جیسے جڑ کا شاخوں سے اس لیے گناہ جسم کرتا ہے اور سیاہ دل ہوتا ہے،دیکھو غم و فکر دل کو ہوتا ہے اور جسم دبلا و پیلا پڑ جاتا ہے،جسم کو صاف رکھنے،غسل کرانے،اچھی ہوا دینے سے دل کو شفا ہوتی ہے،یہ بھی خیال رہے کہ جیسے گناہ بہت آہستگی سے دل کو میلا کرتے ہیں ایسے ہی توبہ اور نیک اعمال بہت آہستگی سے میلے دل کو صاف کرتے ہیں مگر نبی کی عداوت یکدم شفاف دل کو میلا نہیں بلکہ زنگ آلود کردیتی ہے جیسے شیطان کا حال ہوا کہ لاکھوں سال کی عبادت ایک سیکنڈ میں برباد ہوکر اس کا دل ناقابل علاج،زنگ آلود ہوگیا اور مقبول بندے کی نگاہ کرم ایک آن میں زنگ آلود دل کو صاف کرکے اس پر پالش کردیتی ہے،موسیٰ علیہ السلام کی نظر سے برسوں کے مجرم جادوگر مؤمن، صحابی،صابر اور شہید ہوگئے،حضور غوث پاک کی ایک نظر سے چور قطب ہوگئے اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں۔شعر

یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با انبیاء — بہتر از ہزار سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با مصطفیٰ — بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

۲؎ مسلسل گناہ بغیر توبہ کی وجہ سے دل میں زنگ بلکہ کٹھ لگ جاتی ہے جو پھر صرف نیکیوں سے صاف نہیں ہوتی بلکہ نگاہ کامل سے صاف ہوتی ہے اسی لیے رب تعالٰی نے عرب جیسے کٹھ لگے ہوئے ملک میں ایسے شاندار رسول کو بھیجا،اندھے شیشوں میں کوئی خاص چمک والا ہی چمکتا ہے،وہاں چمکنا ہر ایک کا کام نہیں۔ران رین سے بنا بمعنی کٹھ یا بہت موٹی تہہ والا پردہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے غرغرہ سے پہلے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ نزع کی حالت کو جب کہ موت کے فرشتے نظر آجائیں غرغرہ کہتے ہیں۔اس وقت کفر سے توبہ قبول نہیں کیونکہ ایمان کے لیے ایمان بالغیب ضروری ہے اب غیب مشاہدہ میں آگیا اسی لیے ڈوبتے وقت فرعون کی توبہ قبول نہ ہوئی مگر گناہوں سے توبہ اس وقت بھی قبول ہے اگر توبہ کا خیال آجائے اور الفاظ توبہ بن پڑیں۔اسی لیے مرقات نے یہاں فرمایا کہ عبد سے مراد بندہ کافر ہے کہ غرغرہ کے وقت اس کی توبہ قبول نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبْتُ الْـٰٔنَ" الخ۔بعض علماء نے فرمایا کہ ملک الموت ہر مرنے والے کو نظر آتے ہیں مؤمن ہو یا کافر۔خیال رہے کہ قبض روح پاؤں کی طرف سے شروع ہوتا ہے تاکہ بندہ کی اس حالت میں دل و زبان چلتے رہیں،گنہگار توبہ کرلیں،کہا سنا معاف کرالیں،کوئی وصیت کرنی ہو تو کرلیں۔یہ بھی خیال رہے کہ غرغرہ کے وقت گناہوں

سے توبہ کے معنے ہیں گزشتہ گناہوں پر شرمندہ ہوجانا،اب آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد بیکار ہے کہ اب تو دنیا سے جارہا ہےگناہ کا وقت ہی نہ پاسکے گامگر یہ توبہ اس وقت کی قبول ہے کہ رب تعالٰی غفار ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان نے عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک بہکاؤں گا جب تک ان کی جانیں ان کے جسموں میں رہیں ۱؎ رب عزّوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلالت اور بلندیٔ درجات کی قسم میں انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں ۲؎ (احمد)	

۱؎ شیطان سے مراد ابلیس ہے اور بہکانے سے مراد اچھے عقیدوں یا اچھے اعمال سے الگ کردینا ہےیعنی میں بندوں کے مرتے وقت تک کوشش کروں گا کہ وہ بدعقیدہ ہوجائیں،اگر یہ نہ کرسکا تو کم از کم ان سے گناہ ہی کرادوں گا،اگر یہ بھی نہ ہوسکا تو انہیں نیکی سے روک دوں گا،اگر یہ بھی نہ ہوسکا تو بڑی نیکی سے روک کر چھوٹی نیکی میں مشغول کردوں گا،ابلیس کی یہ کوشش بندے کے مرتے وقت تک رہتی ہےبعد موت یہ کوشش تو ختم ہوجاتی ہے،اب قبر کے سوالات کے جوابات میں بہکاتا ہے اسی لیے بعد دفن میت کو تلقین کرنے کا حکم ہےلہٰذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے خلاف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد دفن میت کے لیے شیطان سے حفاظت کی دعا فرمائی اور نہ اس آیت کے خلاف ہے کہ "اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ"۔بہر حال کوئی شخص کسی حال میں اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے اللہ کی پناہ مانگے۔آدم علیہ الصلوۃ والسلام معصوم تھے اور جنت میں تھے جو جگہ محفوظ تھی مگر پھر بھی شیطان نے وہاں اپنا داؤ چلایاتو ہم نہ معصوم ہیں نہ دنیا جگہ محفوظ پھر ہم کس چیز پر شیخی ماریں۔یااللہ تیری پناہ !

۲؎ یعنی اگر جان نکلتے نکلتے بندہ توبہ کرے تو معافی ہوجائے گی۔معلوم ہوا کہ غرغرہ کی توبۂ گناہ قبول ہے جیسا پہلے عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت صفوان بن عسال سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے توبہ کے لیے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے ۲؎ وہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو ۳؎ یہ ہی اللہ عزوجل کا فرمان عالی شان ہے جس دن تمہارے رب کی بعض نشانیاں آئیں گی تو کسی ایسے نفس کو ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو ۴؎ (ترمذی،ابن	

	ماجہ)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، کوفہ میں قیام رہا، دس غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ یعنی آسمانوں میں بہت دروازے ہیں: بعض دروازے فرشتوں کے اترنے کے لیے، بعض رزق عباد نازل ہونے کے لیے، بعض اعمال عباد چڑھنے کے لیے، ایک دروازہ وہ ہے جس سے بندوں کی توبہ جاتی ہے اور بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتی ہے یہ دروازہ مدینہ منورہ سے جانب مغرب آسمان میں واقع ہے اس کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے تو اس کی لمبائی اور اونچائی کتنی ہوگی یہ رب ہی جانے۔ حدیث بالکل اپنے ظاہری معنے پر ہے کسی قسم کی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں، آسمان کے دروازے قرآن کریم سے ثابت ہیں "وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوٰبًا" الخ۔

۳؎ یعنی آسمان کے اور دروازے تو بعض اوقات میں بند ہوجاتے ہیں جیسے بندہ کے مرجانے پر اس کی روزی و اعمال کا دروازہ بند ہوجاتا ہے مگر توبہ کا دروازہ قریب قیامت ہی بند ہوگا۔

۴؎ اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ جو شخص پہلے دنیا میں موجود ہو اور ہو کافر اور اب سورج کو پچھم سے نکلتے دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا یہ ایمان قبول نہ ہوگا کیونکہ ایمان میں غیب پر ایمان معتبر ہے اور آج ایمان بالشہادۃ ہوگیا جیسے کہ غرغرہ کی حالت میں، یا رب کا ظاہری عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں، جو اس کے بعد پیدا ہوا اس کا ایمان معتبر ہوگا، یوں ہی گنہگار مسلمان کی توبہ قبول ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں بعض آیات سے مراد آفتاب کا پچھم سے نکلنا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کے بعد گناہوں سے توبہ بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ یہاں فرمایا "اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا" مگر یہ قول کچھ کمزور سا ہے "خَيْرَ فِي الْاِيْمَانِ" کچھ اور ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت بند نہ ہوگی۱؎ حتی کہ توبہ بند ہو اور توبہ بند نہ ہوگی حتی کہ سورج اپنے مغرب کی طرف سے نکلے ۲؎ (احمد، ابوداؤد، دارمی)

۱؎ ہجرت کے معنے ہیں چھوڑنا یا منتقل ہونا، یہاں اس سے مراد کفر سے ایمان کی طرف، دار شرک سے دارالسلام کی طرف، گناہوں سے توبہ کی طرف، غفلت سے بیداری کی طرف، کفران سے غفران کی طرف منتقل ہونا ہے، یہ ہجرتیں قریب قیامت تک ہوتی رہیں گی۔ مکہ معظّمہ سے ہجرت غلبۂ کفر نہ رہنے کی بنا پر ختم ہوچکی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا "لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْيَوْمِ" اور حضرت عباس کو ختم المہاجرین قرار دیا گیا یعنی مکہ معظّمہ سے آخری مہاجر لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ اور ہجرتوں کا سلسلہ قریب قیامت تک قائم رہے گا۔ خیال رہے کہ اسلام میں نہ زمین گھومتی ہے نہ آسمان بلکہ چاند سورج اور تارے آسمان پر تیر رہے ہیں جیسے سمندر میں کشتیاں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ

يَّسْبَحُوْنَ"تو جو رب انہیں ہمیشہ مشرق سے مغرب کی طرف تیرانے پر قادر ہے وہ اس کے برعکس بھی تیرا سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں دو محبت والے دوست تھے ۱؎ جن میں سے ایک تو عبادت میں کوشاں تھا اور دوسرا کہتے ہیں گنہگار تھا ۲؎ عابد کہنے لگا کہ ان کاموں سے باز آجن میں تو پھنسا ہے وہ کہنے لگا مجھے میرے رب پر چھوڑ دے ۳؎ ایک دن عابد نے اسے ایسے گناہ پر پایا جسے اس نے بہت ہی بڑا جانا تو بولا باز آجا وہ بولا مجھے میرے رب پر چھوڑ کیا تو میرا داروغہ مقرر ہوا ہے ۴؎ یہ بولا اللہ کی قسم تجھے رب نہ تو کبھی بخشے اور نہ کبھی جنت میں داخل کرے ۵؎ اللہ نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان دونوں کی روحیں قبض کیں ۶؎ یہ دونوں رب کے پاس جمع ہوئے ۷؎ تو رب نے گنہگار سے فرمایا تو میری جنت میں داخل ہوجا ۸؎ اور دوسرے سے فرمایا کیا تو میرے بندے پر میری رحمت روک سکتا ہے عرض کیا نہیں یارب ۹؎ فرمایا لے جاؤ اسے آگ میں ۱۰؎ (احمد)

۱؎ جن کی محبت رشتہ داری یا شرکت کاروباری کی وجہ سے تھی نہ کہ دین وتقویٰ کی بنا پر کیونکہ مؤمن،کافر،متقی،فاجر میں یہ محبت نہیں ہوسکتی،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ"الخ۔

۲؎ حق یہ ہے کہ يَقُوْلُ کا فاعل یا تو خود وہ بندہ ہے یعنی وہ بندہ کہتا تھا میں گنہگار ہوں یا اس زمانہ کے لوگ ہیں یعنی کہنے والے کہتے تھے کہ وہ گنہگار ہے،اس کے فاعل حضور نہیں کیونکہ حضور کو تو ان دونوں کے انجام کی خبر تھی کہ گنہگار سعید ہے اور وہ عابد شقی اسی لیے حضور انور نے اس عابد کو صالح نہ فرمایا بلکہ مجتھد فی العبادت فرمایا یعنی عبادت میں کوشاں۔(مرقات)بعض کے خیال میں يَقُوْلُ کا فاعل حضور ہی ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور فرماتے ہیں اس وقت وہ گنہگار تھا۔

۳؎ یعنی تو میری فکر نہ کر اپنی کر میرا معاملہ میرے رب کے ساتھ ہے اس کا یہ کلام رب تعالیٰ سے امید کی بنا پر ہے نہ کہ بے خوفی ہے ورنہ کفر ہوجاتا۔

۴؎غالبًا عابد نے اسے بہت جھڑکا ہوگا اور ذلیل وخوار اور لوگوں میں بدنام کیا ہوگااس لیے اس نے جل کر یہ کہا۔خیال رہے کہ تبلیغ بہت اچھی چیز ہے مگر دوسرے میں ضد پیدا کردینا اور اسے بدنام کرنا برا کہ اس سے سامنے والا گناہ چھوڑے گا نہیں بلکہ ضد میں آکر زیادہ گناہ کرے گا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ"لہذا اس کا یہ جواب بھی کفر نہ ہوگا۔

۵؎یہ وہ کلام ہے جو اس عابد پر عتاب کا باعث ہوا یعنی کسی گنہگار کے متعلق دائمی جہنمی ہونے کا فیصلہ کیونکہ مغفرت یا عذاب اللہ کے قبضہ میں ہے،نیز کوئی گنہگار دائمی جہنمی نہیں۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تجھے خدا نہ بخشے گا مجھے ضرور بخشے گا کہ میں نیک کار ہوں۔غرضکہ اس کلام میں دو جرم ہوئے۔

۶؎یہ فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو ہر مرنے والے کے پاس مع اپنے خدام کے پہنچتے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں کی بیک وقت روحیں قبض کی گئیں،گنہگار اپنی خطاؤں پر نادم ہوکر مرا اور عابد اس پرانے تکبر پر کہ میں بڑا عابد ہوں میری ضرور بخشش ہوگی۔

۷؎عرش اعظم کے نیچے۔(مرقات)رب تعالٰی بعض بندوں سے مرتے ہی کلام فرماتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔

۸؎اس طرح کہ میں نے اپنے فضل سے تجھے زندگی میں توبہ کی توفیق بخشی اور تیری توبہ قبول کی اور اگر بغیر توبہ بھی مرگیا تھاتو تیرے گناہ محض اپنے فضل سے معاف کردیئے۔خیال رہے کہ جنت میں داخلہ بغیر نیک اعمال ہوسکتا ہے۔مسلمانوں کے بچے،دیوانے جنتی ہیں بغیر عمل مگر دوزخ میں داخلہ بغیر جرم نہ ہوگااسی لیے دیوانے کفار اور کفار کی ناسمجھ اولاد جہنمی نہیں۔

۹؎یہ اقرار اس وقت کررہا ہے جب اقرارکرنا مفید نہیں ہوتا،اس کی جگہ دنیا تھی اس لیے قبول نہ ہوا اور سزا دی گئی۔

۱۰؎یعنی اسے کچھ روز کے لیے دوزخ میں لے جاؤ تاکہ یہ اپنے غروروتکبر کی سزا بھگتے،یہ شخص کافر نہ تھا متکبر تھا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہ گناہ جو انسان میں ندامت عجزوانکسار پیدا کرے اس عبادت سے بہتر ہے جو عابد میں تکبروغرور پیدا کردے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔(مرقات)دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کا خطاءً گندم کھالینا شیطان کی ہزارہا سال کی عبادت سے افضل ہوا کہ اس خطاء سے آپ بہت عرصہ تک توبہ کرتے رہے اور شیطان اس عبادت سے مغرور ہوگیااسی لیے حضرت آدم کے سر پر خلافت کا تاج رکھا گیا اور شیطان کے گلے میں لعنت کا طوق پڑا۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے۱؎فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۲؎اللہ تعالٰی سارے گناہ بخش دے گا اور پرواہ بھی نہ کرے گا ۳؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے اور شرح سنہ میں پڑھتے تھے کی بجائے فرماتے تھے،ہے۔

۱؎ آپ مشہور صحابیہ انصاریہ ہیں،یزید ابن سکن کی بیٹی ہیں،بڑی عاقلہ بہادر تھیں،غزوہ تبوک میں حاضر تھیں، چوب خیمہ سے نو کفار کو قتل کیا،آپ کے حالات زندگی پہلی جلد میں بیان ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ قول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہے اور **عباد** سے مراد غلام مسلمان ہیں۔(اشعہ)یعنی اے میرے غلام اب تو جنہوں نے گناہ کرلیے رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو،رب تمام گناہ بخش دے گا کیونکہ تم مسلمان ہو۔یہاں **یُقْرَأُ** بمعنی **یَقُوْلُ** ہے جیساکہ شرح سنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ وہاں **یَقُوْلُ** ہے کہ آیت کریمہ "**قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا**"الخ میں بھی محققین علماء کا یہ ہی قول ہے کہ وہاں بھی **عبادی** سے حضور کے بندے و غلام مراد ہیں کیونکہ کفار کے گناہ ناقابل معافی ہیں اور وہ رحمت الٰہی سے ناامید کردیئے گئے ہیں"**اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ**"۔مولانا فرماتے ہیں شعر

بندہ خود خواند احمد در رشاد　　　　جملہ عالم راجواں قل یا عباد

اس سے معلوم ہوا کہ عبدالرسول،عبدالنبی کہہ سکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"**مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ**"۔

۳؎ **لَا یُبَالِیْ** سے بھی معلوم ہو رہاہے کہ یہ کلام حدیث ہے قرآنی آیت نہیں،قرآن کریم میں **لایبالی** نہیں ہے۔(مرقات)یعنی تمام گنہگار مسلمان کو بخش دینے میں رب کو پرواہ بھی نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ و حقوق العباد بھی لائق بخشش ہیں بجز کفر ہر گناہ کی مغفرت ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے اللہ تعالٰی کے اس قول کے متعلق کہ **الا اللمم**۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی اگر تو بخشے تو بڑے گناہ بخش دے گناہ صغیرہ کس بندے نے نہیں کئے ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۳؎

۱؎ آیت کریمہ یہ ہے"**اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ**"جو لوگ گناہ کبیرہ اور بے حیائیوں سے بچے رہتے ہیں بجز چھوٹے گناہوں کے۔علماء فرماتے ہیں کہ جن گناہوں پر حد شرعی مقرر ہے وہ کبیرہ ہیں اور جن پر کوئی وعید نازل ہوئی وہ فاحشہ ہےاور جن پر ان دونوں میں سے کچھ نہیں وارد ہوا صرف ممانعت ہے وہ **لمم** یعنی گناہ صغیرہ ہے۔

۲؎ یہ شعر امیہ ابن ابی الصلت کا ہے اگرچہ امیہ زمانہ جاہلیت کے شعراء میں سے ہے مگر اس کے اشعار بہت حکمت و معرفت کے ہیں اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اشعار سنتے بھی تھے اور خود پڑھتے بھی تھے۔چنانچہ یہ شعر حضور انور نے بطور دعا پڑھا۔مطلب یہ ہے کہ اے مولیٰ تو تو کریم ہے اپنی بخشش میں گناہ صغیرہ کی قید نہ لگا،تو چاہے

تو بڑے بڑے گناہ بھی بخش دے،گناہ صغیرہ تو سارے ہی لوگ کرتے رہتے ہیں مولیٰ صغیرہ بھی بخش اور کبیرہ بھی،بتا کہ گناہ کبیرہ والے کس دروازے پر جائیں،ان کا ٹھکانہ بھی تیرا ہی دروازہ ہے۔

۳؎یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے جن میں سے بعض اسنادیں صحیح ہیں،بعض غریب لہذا متن حدیث صحیح بھی ہیں،حسن بھی اور غریب بھی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعر سنتے اور پسند کرتے بھی تھے اور خود بھی پڑھتے تھے۔رب جو فرماتاہے:"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ"وہاں شعر بنانا اور شعر گا کر پڑھنا مراد ہے۔(مرقات)یا شعر سے مراد جھوٹا کلام ہے اس کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق"میں ملاحظہ فرمائیے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتاہے اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سواء اس کے جسے میں ہدایت دوں لہذا مجھ سے ہدایت مانگو تمہیں ہدایت دوں گا۱؎اور تم سب فقیر ہو سواء اس کے جسے میں غنی کردوں لہذا مجھ سے مانگو میں تمہیں روزی دوں گا ۲؎اور تم سب مجرم ہو سواء اس کے جسے میں سلامت رکھوں تو تم میں سے جو یہ جان لے کہ میں بخش دینے پر قادر ہوں پھر مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے بخش دوں گا۳؎اور پرواہ بھی نہ کروں گا اوراگرتمہارے اگلے پچھلے،زندے مردے، ترو خشک میرے بندوں میں نیک ترین بندے کے دل پر ہوجائیں۴؎تو یہ ان کی نیکی میرے ملک میں مچھر کے برابر بڑھائے گی نہیں ۵؎اور اگر تمہارے اگلے پچھلے،زندے مردے،تروخشک میرے بندوں میں سے بدبخت ترین دل پر متفق ہو جائیں تو ان کے یہ جرم میرے ملک سے مچھر کے پر برابر کم نہ کریں گے ۶؎ اور اگر تمہارے پچھلے زندے مردے،تر و خشک ایک میدان میں جمع ہوں اور پھر تم میں سے ہر شخص اپنی انتہائی تمنا آرزو مجھ سے مانگے ۷؎پھر میں ہر منگتے کو دے دوں تو یہ میرے ملک کے مقابل ایسا ہی کم و تھوڑا ہوگا جیسے تم میں سے کوئی دریا پر گزرے اس میں سوئی ڈبوئے پھر اسے اٹھائے ۸؎یہ اس لیے ہے کہ میں داتا ہوں ۹؎بہت دینے والا جو چاہتا ہوں کرتا ہوں ۱۰؎میری	

	عطا صرف فرمادینا ہے اور میرا عذاب صرف فرمادینا ہے، میرا حکم کسی شئے کے متعلق یہ ہے کہ جب کچھ چاہتا ہوں فرمادیتا ہوں ہوجا وہ ہوجاتی ہے ۱۱(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث قدسی اس آیت کی شرح ہے"فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ"۔اس حدیث میں بتایا گیا کہ رب تعالٰی کی بڑی نعمت ہدایت ہے جسے میسر ہو،انسان کو چاہیئے کہ ہدایت کی دعا ضرور مانگے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ انبیاءواولیاء نے بھی رب تعالٰی ہی سے ہدایت لی ہے مگر وہ حضرات بحکم الٰہی ہمیں ہدایت دیتے ہیں سورج نے رب ہی سے نور لیامگر زمین کو نوردیتاہے لہذایہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"اے محبوب تم سیدھے راہ کی ہدایت دیتے ہو۔

۲؎ معلوم ہوا کہ رب تعالٰی نے بعض بندوں کو غنی فرمایاایسا غنی کہ وہ دوسروں کو بھی بحکم پروردگار غنی کردیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا ہمت افروزامید افزا کلام ہے بندہ اپنے گناہ سے رب کی رحمت کو زیادہ جانے اور اپنے آپ کو اپنے اعمال کو رب کی قدرت میں مانے ان شاءاللہ بخشا جائے گا۔

۴؎ کسی نہایت نیک پرہیزگار متقی بندے کو چن لو پھرغورکرو کہ اگر سارے انسان اس نیک آدمی کی طرح ہوجائیں کہ کوئی شخص کوئی گناہ ہی نہ کرے تو اس سے میرے خزانے بڑھتے نہیں۔

۵؎ یعنی دنیاوی بادشاہوں کے خزانے رعایا کی نیکی سے بھرتے ہیں،اگر رعایا باغی ہوکر ٹیکس دینے سے انکاری ہوجائےتو بادشاہ کے خزانے خالی رہ جائیں،ہمارے خزانوں کا یہ حال نہیں تمام جہان کی نیکیوں سے ہمارے خزانے میں مچھر کے پر برابر زیادتی نہیں ہوتی مخلوق کی نیکی سے خود ان کا اپنا بھلا ہے ہم بے پرواہ ہیں۔

۶؎ یعنی تم کسی بدترین شخص کو سوچو جیسے ابلیس اورغور کرو کہ اگر تمام مخلوق اس فاسق ابلیس کی طرح فاسق وفاجروگنہگار ہوجائےتو اس کے گناہوں سے میرا کچھ بگڑتا نہیں خود ان کا اپنا بگڑتا ہے۔خیال رہے کہ یہ تمام فرضی صورتیں ہیں جو سمجھانے کے لیے پیش کی گئی ہیں ورنہ فرشتے،انبیاء اوربعض اولیاء وہ ہیں جن سے گناہ سرزد ہوسکتے ہی نہیں لہذا یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف نہیں جیسے رب تعالٰی نے فرمایا ہے کہ اے محبوب فرمادو اگر خدا کے بیٹا ہوتا تو پہلے اسے میں پوجتانہ خدا کے بیٹا ہوسکتا ہے نہ حضور اس کی پوجا کرسکتے ہیں۔

۷؎ اُمْنِيَّتَهٗ ہمزہ کے پیش اوری کے شد سے ہے،بمعنی خواہش و آرزو،اس کی جمع منی یا امانی ہے،یہاں ممکن و جائز آرزو مراد ہے،کبھی ناجائز و نفسانی خواہش کو امنیہ کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ"

۸؎ یہاں نقص بمعنی کم ہونا ہے نہ کہ بمعنی کم کرنا یہ ترجمہ نہایت صحیح ہےیعنی اگر تمام مخلوق کی خواہشات پوری کردی جائیں اور ان کی تمنائیں دے دی جائیں تو یہ عطیہ ہمارے خزانوں کے سامنے ایسا ہوگا جیسے بھیگی سوئی کی تری سمندر

کے مقابل،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں ہم اندازے سے ہی اتارتے ہیں،یہ نسبت بھی سمجھانے کے لیے ہے ورنہ محدود متناہی کو غیر محدود لامتناہی سے نسبت ہی کیسی۔

۹؎ خیال رہے کہ سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے مگر جوّاد وہ ہے جو دوسروں کو کھلائے خود نہ کھائے۔سخی کا مقابل بخیل ہے اور جواد کا مقابل ممسک۔**ماجد مجد** سے بنا،بمعنی وسیع العطاء جس کی عطاء مخلوق کی وہم و گمان سے وراء ہو۔

۱۰؎ یعنی جو میں چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں جو مخلوق چاہتی ہے وہ نہیں کرتا کیونکہ مخلوق میرے تابع ہے نہ میں مخلوق کے تابع۔(مرقات)خیال ہے کہ جن بندوں نے اپنی مرضی رب کی مرضی میں گم کردی پھر جو وہ چاہتے ہیں وہ رب کرتا ہے کیونکہ وہ چاہتے ہی وہ ہیں جو رب چاہے اور رب چاہتا وہ ہے جو یہ بندہ چاہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"**وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی**"۔رب تعالٰی حدیث کی فہم صحیح نصیب کرے۔

۱۱؎ یہاں ہوجا فرمانے سے مراد ہے اس کا ارادہ کرلینا یعنی جس چیز کا ارادہ فرمالیتا ہوں وہ ہوجاتی ہے،ارادہ کے سواء کسی اور عمل کی مجھے ضرورت نہیں لہذا اس پر آریوں کا یہ اعتراض نہیں کہ معدوم چیز سے کہنا کہ ہو جا عقل کے خلاف ہے،معدوم چیز سننے کے قابل نہیں پھر ہوجا کس سے فرمایا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا وہ تقویٰ اور بخشش والا ہے حضور نے فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے ۱؎ جو مجھ سے ڈرے گا تو میں اس لائق ہوں کہ اسے بخش دوں ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی تقویٰ مصدر مجہول ہے اور اپنے مفعول کی طرف منسوب۔معنے یہ ہیں کہ میں اس لائق ہوں کہ ساری خلق مجھ سے ڈرے۔خیال رہے کہ ڈر بمعنی ہیبت ساری مخلوق کو ہے،انبیائے کرام،اولیاءاللہ،عام مؤمنین، خاص صالحین کے دل میں رب تعالٰی کی ہیبت بقدر قرب ہے جس قدر رب سے قرب زیادہ اسی قدر اس کی ہیبت زیادہ مگر خوف عذاب صرف گنہگاروں کو ہے اور خوف عقاب کفار کو لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "**لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ**"کہ وہاں خوف عذاب کی نفی ہے اور یہاں ہیبت الٰہی کا ثبوت ہے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا بہت بڑی نیکی ہے جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں:"**اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ**"لہذا بڑے سے بڑا مجرم بھی میرے خوف کی وجہ سے بخش دیا جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم اس فرمان کو ایک مجلس میں	

سو بار شمار کرلیتے تھے کہ عرض کرتے تھے یا رب مجھے بخش دے میری توبہ قبول فرما یقینًا تو توبہ قبول فرمانے والا ہے ۱؎(احمد،ترمذی،ابواؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ کام کے لیے تشریف فرما ہوتے تو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے یہ کلمات پڑھتے تھے اور اس کثرت سے پڑھتے تھے کہ اٹھنے سے پہلے سو بار تک فرمالیتے تھے،یہ تو عام مجالس پاک کا ذکر ہے خصوصی عبادات کی مجلسوں کا کیا پوچھنا۔مغفرت و توبہ کا فرق پہلے عرض کیا گیا،نیز یہ بھی کہ یہ کلمات ہماری تعلیم کے لیے ہیں،نیز ان کا پڑھنا عبادت اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے عابد ہیں لہذا یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت بلال بن یسار ابن زید سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ۱؎فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو یہ پڑھا کرے معافی مانگتا ہوں اس اللہ سے جس کے سواء کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تو اس کی بخشش کردی جائے گی اگرچہ وہ جہاد سے بھاگا ہو۲؎(ترمذی،ابوداؤد) لیکن ابوداؤد کے نزدیک راوی ہلال ابن یسار ہیں اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۳؎	

۱؎ غلام رسول اللہ ہونا حضرت زید کی صفت ہے نہ کہ بلال کی اور یہ زید ابن حارثہ نہیں ہیں بلکہ یہ زید ابن بولی نوبی ہیں جن کی کنیت ابو یسار ہے،زید تو صحابی ہیں مگر ان کے بیٹے یسار اور پوتے بلال وغیرہ تابعی ہیں،ان بلال سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے جیساکہ ابن حجر نے تقریب میں اور ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا۔

۲؎ یعنی جہاد میں دشمن کے مقابلہ سے بزدلی کی بنا پر بھاگ جانا بدترین گناہ ہے مگر اس استغفار کی برکت سے ان شاءاللہ وہ بھی معاف ہوجائے گا جیسے دواؤں کی جڑیاں بوٹیاں مختلف تاثیریں رکھتی ہیں کوئی معمولی بیماری میں مفید ہوتی ہے،کوئی سخت خطرناک بیماری میں ایسی روحانی بیماریوں کے لیے دعاؤں کے الفاظ مختلف تاثیر رکھتے ہیں یہ استغفار بدترین گناہوں کی بخشش کے لیے مفید ہے مگر وہ تاثیریں طبیب کو معلوم ہوتی ہیں اور یہ تاثیریں حبیب کو معلوم ہیں ہم،ان سے بے خبر ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ توبہ سچے دل سے ہو تب اس کی یہ تاثیریں ہیں کہ توبہ کے وقت آئندہ گناہ سے بچنے کا پورا ارادہ ہو،گناہ پر قائم رہتے ہوئے منہ سے توبہ توبہ بول دینا ایک طرح کا مذاق ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ بعض وقت جہاد سے بھاگ جانا جائز بھی ہوتا ہے جب کہ کفار کی یلغار بہت ہی زیادہ ہوجائے اور اب ٹھہرنا ہلاکت ہی ہو اس صورت میں ڈٹا رہنا جان دے دینا بہت ثواب ہے مگر بھاگ جانا بھی گناہ نہیں اور کبھی بھاگنا جنگی چال ہوتی

ہے کہ یہاں سے ہٹ کر مضبوط مرکز پر پہنچیں پھر وہاں جم کر جنگ کریں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ"یہ بھاگنا ثواب ہے نہ بھاگنا گناہ اور بلاوجہ بزدلی سے چھوڑکر بھاگ جانا سخت گناہ،وہ ہی یہاں مراد ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہےاس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎یعنی بلال کے نام میں اختلاف ہوگیا،بعض محدثین ہلال ہ سےفرماتے ہیں،بعض بلال ب سےمگر ب سے ہی زیادہ مشہور ہے۔حافظ منذری نے فرمایا کہ یہ حدیث بہت جید ہے،اس کی اسناد متصل ہے اوراس میں کوئی راوی ضعیف نہیں اور بہت طرق سے مروی ہے۔واللہ اعلم!

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نیک بندے کے جنت میں درجے بلند فرماتا ہے ۱؎تو بندہ عرض کرتا ہے الٰہی مجھے یہ بلندی درجہ کہاں سے ملی ۲؎رب فرماتا ہے تیرے بچے کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے ۳؎(احمد)

۱؎اس طرح کی پہلے تو اس کی قبر میں معمولی درجے کی جنت کی کھڑکی کھلتی ہے پھر اعلٰی درجے کی،پھر اس سے اعلٰی کی یا اس طرح کہ اسے خبر دی جاتی ہے کہ تیرا درجہ بلند ہورہا ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جنت تو قیامت کے بعد ملے گی درجے قبر میں کیسے بلند ہورہے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں عبدصالح سے مراد گنہگار مسلمان ہے جو بخشش کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے پہلے وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوتا ہےکہ اچانک عذاب موقوف ہوکر جنت کی کھڑکی قبر میں کھل جاتی ہےلہذا یہ حدیث صرف نیکوں سے مخصوص نہیں۔

۲؎میں تو قبر میں سو رہا ہوں اعمال کرنے کی طاقت نہیں رکھتا،پھر یہ تبدیلئ حال بغیر اعمال کیسے ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ!رب کی عطائیں بندے کے وہم سے وراء ہیں۔

۳؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نیک اولاد جو ماں باپ کو ان کے مرنے کے بعد دعائے ایصال ثواب استغفار وغیرہ سے یاد رکھے صدقہ جاریہ ہے اور رب تعالٰی کی رحمت ہےجس کے ذریعہ مردہ کو قبر میں فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔دوسرے یہ کہ شفاعت مؤمنین برحق ہےجس کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے،پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا کہنا ہی کیا۔تیسرے یہ کہ اولاد کو چاہیئےکہ ماں باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے حتی کہ نماز میں سلام پھیرتے

وقت "رب اغفرلی ولوالدی" پڑھے،ایسا بچہ نیکو کاروں میں شمار ہوگا۔خیال رہے کہ ولد یعنی بچہ میں بیٹا بیٹی اور ان کی اولاد در اولاد سب شامل ہے،کبھی ساتویں پشت کی اولاد ساتویں دادا کو کام آجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہی ہوتی ہے۱ کہ ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر کے پہنچنے کی منتظر رہتی ہے ۲پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیااور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے ۳اور اللہ تعالٰی زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے۴اور یقینًا زندہ کا مردوں کے لیے تحفہ ان کے لیے دعائے مغفرت ہے ۵(بیہقی شعب الایمان)	

۱عام گنہگار مسلمان تو اپنے گناہوں کی وجہ سے، خاص نیک مسلمان اسی پشیمانی کی وجہ سے کہ ہم نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہ کرلیں،مخصوص محبوبین اپنے چھوٹے ہوئے پیاروں کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں۔تازہ میت برزخ میں ایسی ہوتی ہے جیسے نئی دلہن سسرال میں کہ اگرچہ وہاں اسے ہر طرح کا عیش و آرام ہوتا ہے مگر اس کا دل میکہ میں پڑا رہتا ہے،جب کوئی سوغات یا کوئی آدمی میکے سے پہنچتا ہے تو اس کی خوشی کی حد نہیں رہتی،پھر دل لگتے لگتے لگ جاتا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں میت سے تازہ میت مراد ہے کہ اسے زندوں کے تحفے کا بہت انتظار رہتا ہے اسی لیے نئی میت کو جلد از جلد نیاز،تیجا،دسواں،چالیسواں وغیرہ سے یادکرتے ہیں۔فقیر کی اس شرح سے معلوم ہوگیا کہ یہ فقط گنہگار کا ہی حال نہیں۔

۲دوست سے مراد خاص دوست بھی ہے اور عام دوست یعنی ہر مسلمان بھی۔زندوں کو چاہیئے کہ مردوں کو اپنی دعاؤں وغیرہ میں یاد رکھیں تاکہ کل انہیں دوسرے مسلمان یاد کریں۔اس حدیث سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئےجو نیاز فاتحہ ایصال ثواب سے لوگوں کو طرح طرح کے بہانوں سے روکتے ہیں کل انہیں بھی مرنا ہے۔شعر

نام نیک رفتگان ضائع مکن　　　　تابماند نام نیکت برقرار

۳اس لیے کہ یہ مدد بہت سخت حاجت کے وقت پہنچتی ہے،نیز یہ پرانے وطن کا تحفہ و ہدیہ ہوتا ہے پردیس میں دیس کا خط بھی پیارا معلوم ہوتا ہے۔

۴صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیک عمل کا ثواب اسی شکل میں پہاڑ بن کر میت کو پہنچتا ہے اگر روٹی خیرات کی گئی تو وہ روٹی کی شکل میں اس کا ثواب میت کو ملے گااور کپڑے کی خیرات کا ثواب کپڑے کی شکل میں مگر اس میں رب کی طرف سے بہت برکت ہوتی ہے۔

۵؎خواہ دعائے مغفرت صراحۃً ہو جیسے "رب اغفر لی ولوالدی ولجمیع المسلمین"خواہ ضمنًا جیسے ان کی طرف سے صدقہ و خیرات کہ یہ چیزیں میت کی بخشش کا ذریعہ ہیں۔غرضکہ یہ حدیث قولی و عملی دونوں استغفاروں کو شامل ہے۔خیال رہے کہ یہ احادیث ان آیات کے خلاف نہیں"لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰى "اور"لَهَا مَا كَسَبَتۡ"وغیرہ کہ ان آیتوں میں بدنی عمل مراد ہیں یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز روزہ نہیں رکھ سکتااپنا فرض اپنے ہی کرنے سے ادا ہوگا۔اور یہ احادیث ثواب پہنچانے کے متعلق ہے،ثواب پہنچانااور ہے ادائے فرض اور یاآیت میں ملکیت کی نفی ہے اور حدیث میں بخشش کا ثبوت یعنی انسان کی ملک صرف اپنے ہی اعمال ہیں دوسروں کا کیا بھروسہ کوئی دے یا نہ دے،بغل میں توشہ منزل کا بھروسہ۔شعر

توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤاجی	کون پیچھے قبر میں بھیجے گاسوچو توسہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے	فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بہت خوبیاں ہیں جو اپنے نامہ اعمال میں بہت استغفار پائے ۱؎(ابن ماجہ)اور نسائی نے اس حدیث کو دن رات کے عمل میں روایت کیا۔	

۱؎یعنی اس نے مقبول استغفار بہت کئے ہوں جو اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاچکے ہوں اسی لئے یہاں بہت استغفار کرنے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ نامہ اعمال میں پانے کا ذکر کیا۔مقبول استغفار وہ ہے جو دل کے درد،آنکھوں کے آنسو اور اخلاص سے کی جائے صرف اخلاص بھی کافی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں عرض کرتے تھے الٰہی مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو نیکیاں کریں اور خوش ہو جائیں اور گناہ کریں تو معافی مانگ لیں ۱؎(ابن ماجہ)اور بیہقی نے دعوات کبیر میں۔	

۱؎ سبحان اللہ!کیسی پیاری دعاہے یعنی مجھے اس جماعت سے بنا جو اپنی نیکی پر فخر نہیں کرتے بلکہ توفیق خیر ملنے پر تیرا شکر کرتے ہیں اور گناہوں پر لاپرواہی نہیں کرتے بلکہ اس دھبہ کو فورًا توبہ کے پانی سے دھوڈالتے ہیں۔رب تعالٰی حضور کے صدقہ سے یہ صفتیں ہم کو بھی نصیب کرے آمین،فخر کی خوشی گناہ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡفَرِحِيۡنَ"اور شکر کی خوشی عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا"یہاں شکر کی خوشی مراد ہے۔

حضرت حارث ابن سوید سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ ابن مسعود نے دو حدیثیں سنائیں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے ۲؎فرمایا کہ مؤمن اپنے گناہوں کو یوں سمجھتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے ڈر رہا ہے کہ اس پر گر جائے ۳؎اور بدکار اپنے گناہوں کو اس مکھی طرح	

	سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر گذرے تو یوں کر دے یعنی اپنے ہاتھ سے اسے اڑادے ۴؎ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے ۵؎ جو کسی جانوروں والی ہلاکت کی زمین میں اترے اس کے ساتھ سواری ہے جس پر اس کا کھانا پانی ہے اس نے سر رکھا کچھ سو گیا ۶؎ جاگا تو اس کی سواری جاچکی تھی اسے بہت ڈھونڈ رہا تھا حتی کہ جب اس پر دھوپ یا پیاس یا جو اللہ نے چاہا غالب آگئی ۷؎ تو بولا کہ میں اپنی اس ہی جگہ لوٹ جاؤں جہاں تھا ۸؎ وہاں سو جاؤں حتی کہ مر جاؤں اپنے بازوؤں پر مرنے کے لئے سر رکھ دیا ۹؎ پھر جاگا تو اس کی سواری اس کے پاس تھی جس پر اس کا توشہ پانی تھا ۱۰؎ اللہ تعالٰی مؤمن بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو یہ سواری سے خوش ہوا ۱۱؎ مسلم نے صرف وہ ہی روایت نقل کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ابن مسعود سے مرفوع ہے اور بخاری نے ابن مسعود پر موقوف حدیث بھی روایت کی ہے ۱۲؎

۱؎ آپ جلیل القدر تابعی ہیں،اہل کوفہ سے ہیں، کسی نے حضرت امام احمد بن حنبل سے آپ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ان کی خوبیاں بیان سے بالا ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی ایک حدیث مرفوع اور دوسری حدیث موقوف بیان فرمائی جو خود ان کا اپنا قول ہے۔

۳؎ یعنی مؤمن کی پہچان یہ ہے کہ وہ گناہ صغیرہ کو بھی ہلکا نہیں جانتا وہ سمجھتا ہے کہ چھوٹی چنگاری بھی گھر جلا سکتی ہے اس لئے وہ ان کے کرلینے پر بھی جرأت نہیں کرتا اور اگر ہو جائیں تو فورًا توبہ کرلیتا ہے،گناہوں سے خوف کمال ایمان کی علامت ہے۔

۴؎ یعنی چھوٹے کیا بڑے گناہوں کو بھی ہلکا جانتا ہے، کہتا ہے کہ میں نے گناہ کرلیا تو کیا ہوا رب غفور رحیم ہے بخش دے گا۔یہ خیال امید نہیں بلکہ خدا تعالٰی سے بے خوفی ہے جو کفر تک پہنچادیتی ہے،انسان پہلے چھوٹے گناہ کو ہلکا جانتا ہے، پھر بڑے گناہوں کو، پھر کفر و شرک کو بھی معمولی چیز سمجھنے لگتا ہے۔

۵؎ یہاں خوشی سے مراد رضا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔حضرت ابن مسعود نے پہلے تو گناہ کو ہلکا جاننے کی برائی بیان فرمائی، پھر یہ حدیث سنائی تاکہ بندہ ہر چھوٹے گناہ پر بھی توبہ کرے اسے حقیر نہ جانے،رب تعالٰی بندہ کی ہر توبہ خواہ گناہ صغیرہ سے ہو یا کبیرہ بہت ہی راضی و خوش ہوتا ہے،رب تعالٰی کو راضی کرنا عبادت ہے تو ہر گناہ سے توبہ کرنا بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

۶؎ یعنی بہت معمولی سا سویا، سواری کی بھی فکر تھی اور جنگلی درندوں کا بھی اندیشہ۔دنیا درندوں والا جنگل ہے، نفس سواری جس پر ہمارا ہر طرح کا روحانی سامان ہے، یہاں غافل ہو کر سونا خطرناک ہے یہ محض تمثیل ہے۔

ے او ماشاء اللہ یا تو راوی کا قول اور او تردد و شک کے لئے ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو گرمی و پیاس کا ذکر فرمایا اور یا ماشاء اللہ فرمایا اور یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اور آو بمعنی بلکہ یعنی صرف بھوک و پیاس ہی غالب نہ آئی بلکہ تمام وہ مصیبتیں، فکریں، خوف و غم بھی غالب آگئے جو رب نے چاہے۔

۸ شاید وہاں سواری لوٹ آئی ہو یا لوٹ آئے، کیونکہ وہ جگہ اس نے جانی پہچانی ہے، اگر نہ آئی تو موت تو آہی جائے گی خلاصہ یہ کہ یا سواری پاؤنگا یا مر جاؤنگا۔

۹ اب بھی اہل عرب جب ریگستان میں پھنس جائیں، تو زندگی سے ناامید ہو کر اس طرح موت کی انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں ہی جان نکل جاتی ہے یہاں وہ ہی نقشہ کھینچا جارہا ہے۔

۱۰ یہاں جاگنے سے مراد سر اٹھا کر دیکھنا ہے، ورنہ ایسی حالت میں نیند کہا آتی ہے اور ممکن ہے کہ جاگنے سے حقیقتًا جاگنا ہی مراد ہو اور اتفاقًا اونگھ آگئی ہو، بہرحال یہ ایک تمثیل ہے جس میں یاس کے بعد آس کا نہایت بہترین نقشہ کھینچ کر پیش کیا گیا۔

۱۱ یعنی جیسی خوشی اس مایوس بندے کو اس آس پوری ہونے پر ہوسکتی ہے جس نے جان و مال سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیا اس سے زیادہ خوشی رب تعالٰی کو اپنے کھوئے ہوئے بندے کے واپس آنے پر ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روح انسان مسافر ہے بدن اس کی سواری جس پر اس کے اعمال کا سامان ہے، دنیا خطرناک جنگل ہے، یہاں کی غفلت اس مسافر کا سوجانا ہے جب روح غافل ہوکر جاگی تو دیکھا کہ بدن نفسانی خواہشات میں گم ہوچکا تھا، روح کے قبضہ سے نکل چکا تھا، روح نے بہت مشقت سے اسے واپس کرنا چاہا مگر وہ نہ لوٹا مایوس ہو کر روح کو اپنی موت کا یقین ہوگیا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب میں عذاب دائمی میں گرفتار ہوتی ہوں کہ اچانک رحمت الٰہی نے دستگیری کی اور گم شدہ جسم و نفس کی توفیق خداوندی نے دستگیری کی، روح نے اپنا مقصد پالیا، یا اس کے بعد اس کی آس پوری ہوگئی ایسی روح بہت مبارک ہے۔ (مرقات)

۱۲ غرضکہ اس حدیث کا جزء مرفوع تو متفق علیہ ہے اور جزء موقوف مفردات بخاری سے ہے پوری حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اس مؤمن کو پسند فرماتا ہے جو فتنوں میں گھرا ہوا ۱ توبہ کرتا ہو ۲

۱ گناہ و غفلتیں اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں، ہمیشہ نیکیاں ہی نہ کرتا ہو کیونکہ ہمیشہ نیکیاں کرنے والا کبھی تکبر و شیخی میں پھنس جاتا ہے اور گناہ میں پھنسا ہوا اکثر شرمندہ رہتا ہے۔ اس شرح سے معلوم ہوا کہ اس قاعدے سے زیادہ حضرات انبیاء و خاص اولیاء علیحدہ ہیں کیونکہ ان میں کبھی غرور پیدا ہوتا ہی نہیں لہذا حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گنہگار بندے انبیاء و اولیاء سے زیادہ پیارے ہوں، یہاں ان سے مقابلہ ہے جو نیکیوں پر اِترا جائیں، عجز پیدا کرنے والا گناہ فخر پیدا کرنے والی نیکی سے افضل ہے۔

۲ ہر طرف کی توبہ گناہ سے اطاعت کی طرف، غفلت سے بیداری کی طرف، غیبت سے حضور کی طرف اور معصیت سے مصیبت کی طرف لوٹتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی گناہوں سے ناراض ہے نہ کہ گنہگار سے، گنہگار سے تو توبہ

کرنے پر بہت راضی ہو جاتا ہے۔عشاق کہتے ہیں کہ بمقابلہ نیکوں کے بروں پر زیادہ کرم ہے،ماں بیمار لاچار بچہ پر زیادہ مہربان ہوتی ہے،نکمّے بیٹے کے لیے کماؤ بیٹے سے لیتی رہتی ہے اور کماؤ سے نکمّے کو دلواتی رہتی ہے،ہم نکمّے بندے ہیں ہمارے لیے اپنے حبیب سے فرماتاہے:"وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"اے محبوب اپنی کمائی سے ان نکمّوں کو کچھ دیتے رہوانہیں جھڑکو نہیں۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس آیت کے عوض ساری دنیا مل جاتی ۱؎اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ناامید نہ ہوؤ،الخ ۲؎ایک شخص بولا تو جو شرک کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر فرمایا یقینًا جو شرک کرے تین بار فرمایا(یعنی اس کی توبہ بھی قبول ہوگی۳؎	

۱؎ پھر میں اس دنیا سے لذات و خیرات سب کچھ حاصل کرتا۔

۲؎اس آیت میں عبادی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے غلام ہیں اور زیادتی سے مراد گناہ کرتے رہنا ہے،انہی سے مغفرت کا وعدہ ہے کہ شرک و کفر کی معافی نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ"۔

۳؎یعنی شرک و کفر بھی بخش دیا جائے گابشرطیکہ بندہ اس سے توبہ کرکے مسلمان ہوجائے،تب بھی بخشا جاسکتا ہے لہٰذا یہ حدیث مذکورہ آیت کے خلاف نہیں۔

حکایت: حضرت وحشی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اسلام میں شرک،قتل،زنا بہت بڑے بڑے گناہ ہیں اور میں نے یہ تینوں کئے ہیں،میری بخشش کیسے ہوگی،تب یہ آیت کریمہ آئی"اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا"وحشی بولے کہ مغفرت کی یہ شرطیں بہت سخت ہیں تو یہ نیک اعمال وغیرہ مجھ سے کیسے ہوں گے تب یہ آیت سنائی گئی"وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ"وحشی بولے اب بھی میری تسلی نہیں ہوتی نہ معلوم میری بخشش ہوگی یا نہیں تب یہ آیت نازل ہوئی"قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا"الخ تب وحشی بولے بس بس مجھے کافی ہے کافی ہے،صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ بشارتیں صرف وحشی کے لیے ہیں فرمایا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لیے۔(تفسیر معالم التنزیل و مرقات)غرضکہ یہ آیت بہت ہی امید افزاء ہے

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اپنے بندے کو بخشتا ہے	

	جب تک کہ آڑ نہ واقع ہوا۱لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آڑ کیا ہے فرمایا یہ کہ کوئی شخص شرک کرتے ہوئے مرجائے ۲ان تینوں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا اور بیہقی نے آخری حدیث کتاب البعث والنشور میں روایت کی۔

۱ یعنی وہ واقعہ ہوجائے جو بندہ اور رب تعالٰی کی رحمت کے درمیان آڑ ہے دوئی کی آڑ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَتَّخِذُوۡۤا اِلٰـهَيۡنِ اثۡنَيۡنِ‌ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ"۔

۲شرک سے مراد کفر ہے کہ کفر پر موت واقع ہوجانا رحمتِ الٰہی سے بڑی مضبوط آڑ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی ہر توبہ موقوف رہتی ہے،اگر ایمان لاکر مرا تمام گزشتہ توبہ قبول ہوگئیں،اگر کفر پر ہی مرگیا تو ساری توبہ بیکار گئیں۔حق یہ ہے کہ کفار کی بعض دعائیں قبول ہوجاتی ہیں،شیطان نے درازیٔ عمر کی دعا مانگی جو کچھ ترمیم سے قبول ہوگئی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالٰی سے اس طرح ملے ۱کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ جانتا ہو۲پھر اس پر گناہوں کے پہاڑ ہوں تو اللہ اسے بخش دے گا ۳(بیہقی کتاب البعث و النشور)

۱ یعنی اس حال میں مرے۔یہاں اللہ سے ملنے سے مراد دنیا سے جانا ہے نہ کہ قیامت میں اٹھنا کہ مرتے ہی سب ایمان لے آتے ہیں،پھر قیامت میں مشرک کون ہوگا،چونکہ بعدموت دنیا کے سارے تعلقات ختم ہوجاتے ہیں،بندہ کا تعلق صرف رب تعالٰی سے رہ جاتا ہےاسی لیے موت کو اللہ سے ملنا فرمایا گیا۔

۲اس طرح کہ کسی کو خدا کا شریک نہ مانتا ہو،چونکہ عرب میں عام طور پر کفار مشرکین ہی تھےاس لیے شرک کا ذکر فرمایا ورنہ موحد کافر کا بھی یہ ہی حال ہے۔خیال رہے کہ مشرک اپنے معبودوں کو خدا کے برابر ضرور مانتے ہیں کسی کو خدا کی اولاد،کسی کو خدا کا مددگار،کسی کو خدا کے مقابل اپنا کار ساز مانتے ہیںاسی لیے وہ قیامت میں اپنے شرکاء سے کہیں گے"اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ"۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"علم القرآن"میں ملاحظہ فرمایئے،رب تعالٰی فرماتاہے:"بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ"۔

۳ اگرچاہے توبخش دے یاتو بالکل ہی بخش دے یاکچھ تنبیہ فرما کر یاکچھ سزادے کر،رب تعالٰی فرمایاہے:"وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ"لہٰذا یہ حدیث نہ تو قرآنی آیات کے مخالف ہے نہ عذاب کی حدیثوں کے اور نہ اس میں مسلمانوں کو گناہ پر دلیر کیا گیا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس کا گناہ تھا ہی نہیں ۱؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)اور بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث میں نہرانی اکیلا ہے اور وہ مجہول الحال ہے ۲؎اور شرح سنہ میں ابن مسعود سے موقوفًا روایت کی آپ نے فرمایا نادم ہونا توبہ ہے اور توبہ والا ایسا ہے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں ۳؎

۱؎ توبہ سے مراد سچی اور مقبول توبہ ہے جس میں تمام شرائط جواز و شرائط قبول جمع ہوں کہ حقوق العباد اور حقوق شریعت ادا کردیئے جائیں،پھر گزشتہ کوتاہی پر ندامت ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔اس توبہ سے گناہ پر مطلقًا پکڑ نہ ہوگی بلکہ بعض صورتوں میں تو گناہ نیکیوں سے بدل جائیں گے۔حضرت رابعہ بصریہ سفیان ثوری اور فضیل ابن عیاض سے فرمایا کرتی تھیں کہ میرے گناہ تمہاری نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں،اگر میری توبہ سے یہ گناہ نیکیاں بن گئے تو پھر میری نیکیاں تمہاری نیکیوں سے بہت بڑھ جائیں گی۔(مرقات)خیال رہے کہ یہاں "کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ"سے انبیاء،اولیاء،ملائکہ خارج نہیں ہیں کیونکہ گنہگار توبہ کرکے ان جیسا نہیں ہوجاتا اگر اسے عذاب نہ بھی ہو مگر خجالت و شرمندگی تو ہوگی وہ حضرات ان سے بھی پاک ہیں۔یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو نہ معصوم ہوں نہ محفوظ مگر گناہ نہ کریں جیسے چھوٹے بچے اور دیوانہ مسلمان کہ تائب گنہگار توبہ کی برکت سے ان بے گناہوں کی طرح ہوجاتا ہے بے گناہی میں۔

۲؎ یعنی نہرانی کا پتہ نہ لگا کہ ثقہ تھا یا ضعیف لہذا یہ حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی،امام ابن حجر اور ملا علی قاری نے فرمایا کہ چونکہ یہ حدیث فضائل دعا و توبہ میں ہے لہذا اگر ضعیف بھی ہو تب بھی قبول ہے۔(مرقات)

۳؎ چونکہ گزشتہ پر ندامت توبہ کا رکن اعلیٰ ہے کہ اس پر باقی سارے ارکان مبنی ہیں اس لیے صرف ندامت کا ذکر فرمایا جو کسی کا حق مارنے پر نادم ہوگا تو حق ادا بھی کردے گا جو بے نمازی ہونے پر شرمندہ ہوگا وہ گزشتہ چھوٹی نمازیں قضا بھی کرلے گا لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں اگرچہ یہ حدیث موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کہ یہ بات محض قیاس سے نہیں کہی جاسکتی۔

باب

باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی گزشتہ بابوں کے تتمات ولواحق کاباب جس میں مختلف مضامین کی احادیث ہیں اکثر حدیثیں اللہ کی رحمت اور بندے کے مایوس نہ ہونے کے متعلق ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے مخلوق پیدا فرمانے کا فیصلہ کیا۱تو ایک تحریر لکھی جو رب کے پاس عرش کے اوپر ہے ۲ کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور ایک روایت میں غلبت ہے ۳(مسلم،بخاری)

۱اس طرح کہ مخلوق کو پیدا فرمادیا یا پیدا فرمانے کی ابتداء کی یا موجودات کے ظہور کا ارادہ قریب کیا یا جب میثاق کے دن تمام روحوں کو پیدا کیا۔

۲کتاب سے مراد لوح محفوظ ہےاورلکھنے سے مراد لکھنے کاحکم دیناہےفرشتوں کو یا قلم کو۔عرش کےاوپر سے مراد درجہ ومرتبہ میں اوپر ہے نہ کہ جگہ میں کیونکہ لوح محفوظ عرش کے نیچے ہے نہ کہ اس کے اوپر۔بعض علماء نے فرمایا کہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی ہے کہ اس میں سارے حالات درج ہیں اور حضرت اسرافیل حاملین عرش فرشتوں کے سردار ہیں،اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں۔(مرقات وغیرہ)

۳اس طرح کہ آثار غضب پر آثار رحمت غالب بھی ہیں اور زیادہ بھی ورنہ خود رحمت و غضب رب تعالٰی کی صفتیں ہیں،وہاں زیادتی کمی اور غالبت مغلوبیت ناممکن ہے۔مطلب یہ ہے کہ میری رحمت کا ظہور بمقابلہ غضب بہت زیادہ ہوگا۔چنانچہ رب تعالٰی کی رحمت تمام مخلوق کو پہنچتی ہے اور غضب کسی کسی کو کفار بھی رب کی رحمت ہی سے روزی پاتے ہیں،بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔چنانچہ رحمت کے بارے میں خودفرماتا:"وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ"اور عذاب کے بارے میں فرماتاہے:"عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ"۔(از لمعات مع زیادۃ)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی سو رحمتیں ہیں۱جن میں سے

	ایک رحمت جن انسان، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری جس سے یہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی اور رحم کرتے ہیں۲ اس رحمت سے وحشی جانور اپنے بچے پر مہربان ہوتے ہیں۳ اور ننانوے رحمتیں محفوظ رکھ چھوڑی ہیں جن سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۴ گا۵ (مسلم، بخاری)

۱ یعنی اللہ تعالٰی کی رحمت سو قسم کی ہے یا سینکڑوں قسم کی جن میں سے ہر قسم کے ماتحت ہزارہا انواع ہیں، ہر نوع کے نیچے ہزاروں صنفیں ہیں اور ہر صنف کے تحت ہزارہا افراد۔غرضکہ یہ حدیث حد بندی (تحدید) کے لیے بلکہ تکثیر و زیادت کے لیے ہے۔

۲ یعنی ان سینکڑوں اقسام میں سے ایک قسم یا کروڑوں افراد میں سے ایک فرد دنیا میں بندوں میں بانٹ دی گئی ہے جس کے حصے ہوکر ماں باپ، بہن بھائی، قرابت دار دوستوں کو ملے۔

۳ وحشی جانوروں کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ ان میں الفت و محبت کم ہے نفرت و غضب زیادہ یعنی وحشی درندے بھی اس رحمت کے حصے سے اپنے بچوں پر مہربان ہیں۔اگر رب تعالٰی ماں کے دل میں محبت پیدا نہ کرے تو وہ اپنے بچوں پر ہر گز مہربان نہ ہو جیسے ناگن اور مچھلی کہ ناگن تو اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے، مچھلی اپنے بچوں کو پہچانتی بھی نہیں اور اگر رب محبت پیدا فرمادے تو پتھر اور درخت محبت کرنے لگیں، دیکھو احد پہاڑ حضور سے محبت کرتا ہے، درخت گھاس پھوس حضور پر نثار ہیں۔(صلی اللہ علیہ وسلم)

۴ بندوں سے مراد مؤمن بندے ہیں اور ننانوے کا عدد تحدید کے لیے بلکہ زیادتی کے لیے ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایک قسم کی رحمت کا ظہور تو دنیا میں ہورہا ہے اور ننانوے قسم کی رحمت کی جلوہ گری آخرت میں ہوگی لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ روزانہ کعبہ معظّمہ پر ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں جن سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں پر۔(ازمرقات)

	اور مسلم کی روایت میں حضرت سلمان سے اسی کی مثل ہے اس کے آخر میں ہے کہ فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالٰی اس رحمت کو اس سے کامل فرمادے گا۱

۱ یعنی قیامت کے دن ان ننانوے رحمتوں کو اس دنیا کی ایک رحمت سے ملا کر پورے سو فرمائے گا۔معلوم ہوا کہ وہاں دنیوی رحمت بھی ہوگی مگر صرف مسلمانوں میں، کفار تو عذاب دیکھ کر اپنی اولاد، ماں باپ سے بھی بیزار ہوں گے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مؤمن جان لیتا کہ اللہ تعالٰی کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی امید نہ رکھتا اور اگر کافر جان لیتا کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت

	ہے تو اس کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہوتا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس میں رب تعالٰی کی انتہائی رحمت و عذاب کا ذکر ہے یعنی اس قدر بیان کرنے کے باوجود اللہ تعالٰی کی وسعت رحمت و عذاب کسی کے خیال میں نہیں آسکتی،اگر ان کی حقیقت معلوم ہوجائے تو عذاب دیکھ کر مومن کی آس ٹوٹ جائے اور اس کی رحمت میں غور کرکے کافر کے یاس جاتی رہے۔خلاصہ یہ ہے کہ نیک کار کو بھولنا نہ چاہیئے کیونکہ اللہ جباروقہار ہے اور گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ ستار و غفار ہے۔حضرت عمر فرماتے ہیں اگر قیامت میں رب اعلان فرمائے کہ صر ف ایک ہی بندہ جنتی ہے تو مجھے امید ہوکہ شائد میں ہی ہوں گا اور اگر اعلان ہوجائے کہ صرف ایک ہی بندہ دوزخی ہے تو مجھے خطرہ ہوگا کہ وہ میں ہی ہوں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندہ پر زندگی میں خوف غالب چاہیئے اور مرتے وقت امید۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت تم سے تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور آگ بھی ایسی ہی ہے ۱؎ (بخاری)

۱؎ اس طرح کہ کبھی منہ سے ایک بری بات نکل جاتی ہے تو ساری عمر کی نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں اور بندہ دوزخی ہوجاتا ہے اور کبھی منہ سے ایک بات اچھی نکل جاتی ہے جو رب کو پسند ہو اس سے بندہ کے عمر بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ جنتی ہوجاتا ہے۔غرضکہ ایک لفظ میں جنت و دوزخ ہے،چونکہ جنت ودوزخ اپنے عمل سے ملتی ہیں اور ان کے راستے عمل کے قدموں سے طے ہوتے ہیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرب کو جوتے کے تسمے سے تشبیہ دی یعنی ایک قدم میں جنت ہے اور ایک قدم میں دوزخ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص نے اپنی جان پر زیادتی کی تھی جب اسے موت آئی تو اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی ۱؎ کہ جب وہ مرجائے تو اسے جلادو پھر اس کو آدھا جنگل میں اور آدھا دریا میں اڑادو ۲؎ رب کی قسم اگر اللہ نے اس پر تنگی کی تو اسے وہ عذاب دے گا جو جہانوں میں کسی کو نہ دے ۳؎ پھر جب وہ مرگیا جو اس نے کہا تھا وہ ان لوگوں نے کیا،اللہ نے دریا کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا سب جمع کردیا اور جنگل کو

	حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا جمع کردیا پھر اس سے فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی وہ بولا یارب تیرے ڈر سے تجھے تو خود خبر ہے اسے رب نے بخش دیا۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ شخص کوئی اسرائیلی تھا کیونکہ بنی اسرائیل نے بار ہا خوف الٰہی میں بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب انبیاءکرام کی تعلیم دنیا سے گم ہوچکی تھی لوگ رب تعالٰی کی صفات سے بے خبر ہوگئے تھے لہذا اگلے واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ اگرچہ اس زمانہ میں دفن کا رواج تھا مگر اس ناسمجھ نے خیال کیا کہ دفن ہونے کی صورت میں میری لاش ایک ہی جگہ ہوگی جسے رب دوبارہ زندگی بخش دے گا اور اگر میری مٹی کے ذرے دریا اور خشکی میں بکھرگئے تو رب اسے جمع نہ کرے گا یا جمع نہ کرسکے گا۔اس کا یہ خیال قدرت الٰہی سے بے خبری کی بنا پر تھااور یہ بے خبری نور نبوت نہ پہنچنے کی وجہ سے تھی لہذا یہ بندہ معذور تھا اور اسے اس بنا پر کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسے زمانہ میں نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی ہوتا ہے۔

۳؎ یہ معنی بہت نفیس ہیں کہ قَدَرَ قَدْرٌ سے بنا نہ کہ قُدْرَۃٌ سے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَه"اور یونس علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:"فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ"اگر یہ قُدْرَۃٌ سے بنتا تو اس میں خدا کی قدرت کا انکار ہوتا جو کفر ہے،یہی معنے مرقات نے کئے یعنے اگر رب نے مجھ پر تنگی کی اور میرا حساب لیا تو مجھے عذاب دے گا۔خلاصہ یہ ہے کہ تم میری میت کو خود عذاب دے دینا(جلا کر اڑا کر)تاکہ رب تعالٰی مجھ پر عذاب نہ کرے،اگر قُدْرَۃٌ سے ہو جیسا کہ بعض شارحین نے فرمایا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ بندہ صفات الٰہی سے خبردار نہ تھا۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مردہ کو جلا ڈالنے اور اس کی مٹی کو اڑا دینے سے مردہ حساب و عذاب سے نہیں بچ سکتا،رب تعالٰی ایک آن میں اس کے تمام ذرے جمع فرماکر حساب بھی لے لیتا ہے اور عذاب و ثواب بھی دے دیتا ہے جیساکہ عذاب قبر کے باب میں عرض کرچکے ہیں۔دوسرے یہ کہ زمانہ فترت کے لوگ صرف عقیدۂ توحید پر بخشے جائیں گے،صفات الٰہی سے غفلت اور گناہوں پر ان کی پکڑ نہ ہوگی سوائے حقوق العباد اور ظلم کے کہ ظلم کی سزا تو جانوروں کو بھی ملے گی۔تیسرے یہ کہ خوف خدا رب تعالٰی کی بڑی ہی نعمت ہے جس سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں،دیکھو یہ بندہ عمر بھر کا گنہگار تھا محض غلبۂ خوف الٰہی سے بخشا گیا۔چوتھے یہ کہ عذاب و ثواب کا حکم تو مرتے ہی ہوجاتا ہے اس کا ظہور قیامت میں ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قیدی آئے تو قیدیوں میں ایک عورت کی چھاتیاں دودھ سے چھلک رہی تھیں۱؎ وہ دوڑ رہی تھی جب قیدیوں میں کوئی بچہ پاتی اسے پکڑتی

	اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلادیتی ۲؎ تب ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ خیال کرسکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں پھینک دے ہم نے عرض کیا اگر وہ پھینکنے پر قادر ہو تو کبھی نہ پھینکے فرمایا اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ اپنے بچے پر ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ اس کا بچہ اس سے جدا ہوچکا تھا اور یہ نئی والدہ تھی۔**تحلب** حلب سے بنا جس کے معنے ہیں دودھ دوہنا،یہاں دودھ کی وہ کثرت مراد ہے جسے پستان نہ سنبھال سکیں اور دودھ ٹپکنے لگے۔

۲؎ تاکہ دودھ کا جوش کچھ کم ہوجائے،نیز وہ اپنے بچہ کو یادکرکے دوسرے بچوں پرمہربانی کرتی تھی۔(مرقات)

۳؎ جیسے ماں نہیں چاہتی کہ میرا بچہ آگ میں جلے ایسے ہی رب تعالٰی نہیں چاہتا کہ میرا بندہ آگ میں جلے وہ تو ماں سے زیادہ مہربان ہے۔خیال رہے کہ یہاں چاہنا بمعنی راضی ہونا ہے نہ کہ بمعنی ارادہ کرنا رب تعالٰی نہ کفر سے راضی ہے نہ فسق سے،دنیا کا ہر کام رب تعالٰی کے ارادے سے ہے نہ کہ اس کی رضا سے،لوگ اپنی حرکتوں سے دوزخ میں جاتے ہیں رب تعالٰی ان کے اس جانے سے راضی نہیں لہذا حدیث صاف ہے اس پر مسئلۂ تقدیر کے اعتراضات نہیں پڑ سکتے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا ۱؎ لوگوں نے عرض کیا نہ آپ کو یارسول اللہ ۲؎ فرمایا نہ مجھے مگر یہ کہ اللہ مجھے مہربانی سے اپنی رحمت میں چھپالے ۳؎ لہذا ٹھیک رہو میانہ رو رہو اور صبح شام اور کچھ اندھیری رات میں نیکیاں کرلیا کرو میانہ رو رہو میانہ رو رہو پہنچ جاؤ ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی نیک اعمال دوزخ سے بچنے،جنت میں داخل ہونے کے اسباب تو ہیں مگر علت تامہ نہیں۔بہت سے لوگ بغیر نیک عمل جنتی ہیں جیسے مسلمانوں کے ناسمجھ بچے یا دیوانے یا وہ جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہوجائیں اور بعض لوگ نیکیوں کے باوجود دوزخی ہیں جیسے نیکیاں کرنے والے کفار یا جن کی نیکیاں مردود ہوگئیں۔ جنت ملنے کی علت تامہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے،محض تخم درخت کی علت تامہ نہیں بہت بار تخم ضائع ہوجاتاہے۔ اس فرمان کا مقصد لوگوں کو نیکیوں سے روکنا نہیں ہے بلکہ نیکوں کو اپنے اعمال پر ناز کرنے سے بچانا ہے کہ اے پرہیزگارو اپنے اعمال پرغرور نہ کرو،رب تعالٰی کا فضل مانگو شیطان کے اعمال سے،اس کے انجام سے سبق لو۔

۲؎ یعنی آپ کی نیکیاں تو قبولیت کی انتہائی منزل پر ہیں کیا یہ بھی حصول جنت کے لیے کافی وافی نہیں،کیا آپ کو بھی اللہ کی رحمت درکار ہے۔صحابہ سمجھے یہ تھے کہ ایسے موقعہ پر متکلم مستثنٰی ہوتا ہے شاید حضور یہ ہمارے لیے فرمارہے ہیں اس لیے یہ سوال کیا۔اس سوال سے معلوم ہوتا کہ صحابہ عمومی احکام پرحضور کو داخل نہ مانتے تھے۔

۳؎ یتغمدنی غمد سے بنا،بمعنی غلاف تلوار جو ہر طرف سے تلوار کو چھپائے ہوتا ہے یعنی میں بھی محض عمل سے بلافضل الٰہی جنت کا حقدار نہیں،ہاں رب تعالٰی کی رحمت ہر طرف سے مجھے گھیرے تو جنت میری ہے۔خیال رہے کہ تمام دنیا کے لئے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"اور رحمت الٰہی جنت ملنے کا ذریعہ ہے تو ہماری جنت کا وسلیہ عظمٰی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر خود رب تعالٰی کا فضل ربانی ہے:"وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا"لہذا ہم اور رحمت سے جنتی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رحمت سے،سورج و چاند دونوں کو نور رب نے دیا مگر چاند کو سورج کے ذریعہ اور سورج کو بلاواسطہ اپنی طرف سے لہذا اس حدیث سے حضور کا ہماری مثل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

۴؎ اس طرح کہ عقائد درست رکھو،عبادات میں درمیانی روش چلو کہ بقدر طاقت نوافل شروع کرو پھر ہمیشہ نبھادو اور صرف فرائض پر کفایت نہ کرو بلکہ نوافل بھی ادا کیا کرو خصوصًا آخری رات میں عبادت کیا کرو کہ یہ چیزیں رحمت الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ جنت کا ذریعہ رحمت الٰہی ہے اور رحمت کا ذریعہ نیک اعمال ہیں لہذا اعمال سے غافل نہ ہو منزل قریب ہے۔خیال رہے کہ رات میں سفر زیادہ طے ہوجاتا ہے ایسے مسافر آخر رات کے لیے رات کی عبادت سے جلد منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نہ تو جنت میں پہنچا سکے گا نہ آگ سے بچا سکے گا اور نہ مجھے مگر اللہ کی رحمت سے ۱؎(مسلم)	

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ دخول جنت اللہ کے فضل سے ہے اور وہاں کے درجات کا حصول اعمال کے وسیلہ سے ہے خواہ خود اپنے عمل ہوں یا اپنے ماں باپ یا اولاد کے عمل۔اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اللہ کے فضل سے جنت کا باعث بنے تو ماشما کس شمار میں ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندہ مسلمان ہو اور اس کا اسلام اچھا ہو۱؎ تو اللہ تعالٰی اس کے سارے کئے ہوئے گناہ مٹا دیتا ہے ۲؎ اس کے بعد قصاص ہوتا رہتا ہے ۳؎ کہ نیکی تو دس گنے سے لے کرسات سو گنا بلکہ بہت زیادہ گنا تک ہے ۴؎ اور گناہ اس کے برابر مگر یہ کہ اللہ تعالٰی معافی دیدے ۵؎(بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ اخلاص کےساتھ دل سے مسلمان ہو منافقت سے کلمہ نہ پڑھے۔

۲؎ زمانۂ کفر کے سارے گناہ اسلام سے ختم ہوجاتے ہیں حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لہذا زمانۂ کفر کے قرض، ظلمًا قتل وغیرہ اس کے ذمہ رہیں گے اسی لیے سیئۃ فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ زمانۂ کفر کی نیکیاں برباد نہیں ہوتیں بلکہ اسلام کے بعد وہ قبول ہوجاتی ہیں۔

۳؎ یعنی مسلمان ہوچکنے کے بعد بدلہ ہوا کرے گا اس بدلے کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۴؎ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے"مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا"اور"مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوٰلَہُمۡ" الخ۔زمانہ کفر کے سارے گناہ اسلام سے ختم ہوجاتے ہیں حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

۵؎ یہ رب تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایک نیکی پر سات سو بلکہ اس سے زیادہ تک جزاء اور ایک گناہ کی جزاء صرف ایک۔مگر خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی جزاء،بعض گناہ وہ ہیں جن سے نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں۔غرضکہ گناہ کی سزا مقدار میں نہ بڑھے گی۔رہی کیفیت اس میں فرق ہوگا،پھر رب کی معافی کی دو صورتیں ہیں:یا تو بندوں کو توبہ کی توفیق دے دی جائے یا بغیر توبہ ویسے ہی بخش دیا جائے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرمادیئے ہیں۱؎ تو جو نیکی کا ارادہ کرے مگر کرے نہیں تو اسے اللہ اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھتا ہے ۲؎ پھر اگر قصد کرے اور نیکی کرے تو اسے اپنے ہاں دس سے سات سو گنا تک بلکہ بہت زیادہ گنا تک لکھ لیتا ہے۳؎ اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں اس کے لیے بھی اللہ تعالٰی ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے۴؎ پھر اگر گناہ کا ارادہ کرے پھر کر بھی لے تو اسے اللہ تعالٰی ایک گناہ لکھتا ہے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ رب کے حکم سے فرشتوں نے لوح محفوظ میں یا بندے کی تقدیر میں تحریر فرمادیئے یا نامہ اعمال لکھنے والا فرشتہ لکھتا رہتا ہے۔خیال رہے کہ نیکی ہر وہ عمل ہے جو ثواب کا باعث ہو اور گناہ ہر وہ عمل ہے جو عذاب کا سبب ہے لہذا ممنوعہ وقتوں میں نماز پڑھنا گناہ ہے اور حضور پر نمازیں یا جان فدا کردینا ثواب ہے کبھی قضا نیکی ہوجاتی ہے اور ادا گناہ۔

۲؎ معلوم ہوا کہ نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اس پر بھی ثواب ہے مگر ثواب اور چیز ہے اداء فرض اور چیز لہذا صرف ارادہ سے فرض ادا نہ ہوگا۔

۳؎ یہ ثوابوں کا فرق کہ کسی کو ایک نیکی کا ثواب دس گنا،کسی کو سات سو گنا،کسی کو اس سے بھی زیادہ،عامل کی نیت عمل کے موقع و عمل سے ہے اکیلے نماز کا اور ثواب ہے باجماعت نماز کا کچھ اور۔

۴؎خیال رہے کہ خیال گناہ اور ہے اور گناہ کا پکا ارادہ کچھ اور پختہ ارادہ کرلینے پر انسان گنہگار ہوجاتا ہے۔یہاں خیال گناہ کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ جب دو مسلمان لڑیں اور ایک مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی کیونکہ مقتول نے بھی قتل کا ارادہ کیا تھا اگرچہ پورا نہ کرسکا وہاں گناہ کا عزم بالجزم مراد ہے،ایسے ہی جو چوری کرنے کا پورا ارادہ کرے مگر موقعہ نہ پائے وہ بھی گنہگار ہوگیا،جو کفر کا ارادہ کرے وہ کافر ہوگیا لہذا حدیث واضح ہے۔خیال گناہ،گناہ نہیں بلکہ بعد میں اس خیال سے توبہ کرلینا نیکی ہے۔

۵؎اس سے معلوم ہورہا ہے کہ بغیر ارادہ گناہ صادر ہوجانا گناہ نہیں گناہ میں قصد و ارادہ عذاب کا باعث ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل اور ارادہ دونوں کا ذکر فرمایا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی مثال جو پہلے گناہ کرتا ہو پھر نیکیاں کرنے لگے۱؎ اس کی سی ہے جس پر تنگ زرہ تھی جو اس کا گلا گھونٹ رہی تھی۲؎ پھر اس نے ایک نیکی کو تو ایک چھلا کھل گیا پھر دوسری نیکی کی تو دوسرا کھل گیا حتی کہ وہ زمین پر گر گئی ۳؎(شرح سنہ)	

۱؎گناہ چھوڑ کر یا گناہ کے ساتھ ساتھ بعض لوگ پہلے صرف گناہ کرتے ہیں بعد میں گناہ چھوڑ کر صرف نیکیاں کرنے لگتے ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں اور بعض لوگ پھر بعد میں اگرچہ گناہ کرتے رہیں مگر نیکیاں بھی کرنے لگتے ہیں یہ بھی غنیمت ہے۔غالب یہ ہے کہ یہاں پہلی جماعت مراد ہے۔

۲؎یہ بہت نفیس مثال ہے کہ جیسے زرہ سارے جسم کو گھیر لیتی ہے،اور اگر تنگ ہو تو تمام بدن کو تکلیف دیتی ہے ایسے ہی گناہوں میں گھرا ہوا ہر طرح برا ہوتا ہے اللہ کے نزدیک بھی اور بندوں کی نگاہ میں بھی اس کو قلبی کوفت بھی رہتی ہے،نیکی سے دل کو خوشی ہوتی ہے،گناہ سے دل کو رنج اگرچہ کبھی یہ خوشی و غم بعض اوقات محسوس نہ ہوں۔

۳؎اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ نیکیوں کی برکت سے گناہ معاف ہوتے ہیں رب فرماتاہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"یہ بھی پتہ لگا اولًا انسان بتکلف نیکی کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کا عادی بن جاتا ہے،اور قدرتی طور پر گناہوں سے نفرت ہوجاتی ہے قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ"۔رب تعالٰی ایسی نیکیاں نصیب فرمائے۔مطلب یہ کہ نیکیوں کے ذریعہ آخر کار گناہوں کی زرہ بالکل کھل کر زمین پر گر جاتی ہے ہم سے دور ہوجاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر منبر وعظ فرماتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں۱ میں نے کہا اگرچہ زنا کرلے اگرچہ چوری کرلے۲ یا رسول اللہ حضور نے پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ اس کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں میں نے دوبارہ کہا یارسول اللہ اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے حضور نے پھر تبارہ فرمایا کہ اسے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دوجنتیں ہیں تیسری بار عرض کیا گیا کہ اگرچہ زنا و چوری کرے یا رسول اللہ تو فرمایا اگر چہ ابوالدرداء کی ناک رگڑ جائے ۳(احمد)

۱یعنی جو کوئی اس خوف سے گناہ چھوڑ دے یا توبہ کرتا رہے کہ کل مجھے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اعمال کا حساب دینا ہے اسے دو جنتیں عطا ہوں گی،ایک جنت خوف خدا کے عوض اور دوسری گناہ چھوڑ دینے کے عوض یا ایک جنت عدل کی،دوسری جنت رب کے فضل کی یا ایک جنت جسمانی،دوسری جنت جنانی و روحانی یا ایک جنت دنیا میں کہ اسے ہمیشہ قربِ الٰہی میسر ہوگا جس سے وہ خوش و خرم رہے گا۔دوسری جنت آخرت میں،ان دو جنتوں کی بہت تفسیریں ہیں مگر صرف زبانی طور پر خوفِ الٰہی کا محض دعویٰ نہ ہو بلکہ عمل بھی ہو،رب تعالٰی ہم کو اپنا وہ خوف نصیب کرے جو گناہ چھوڑا دے آمین۔یہ وہ گوہر ہے جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتا۔

۲یعنی اس سے پہلے اگرچہ چوری و زنا کرچکا ہو اگرچہ اس خوف کے بعد زنا و چوری کر بیٹھے تب بھی دو جنتیوں کا مستحق ہے۔

۳یعنی اے ابوالدرداء اگر تم سوال کرتے کرتے اپنی ناک بھی رگڑ دو تب بھی حکم یہی رہے گا کہ اللہ سے ڈرنے والا دو جنتوں کا مستحق ہے خواہ اس سے قبل کتنے ہی بڑے گناہ کیوں نہ کرچکا ہو اور اگرچہ اس کے بعد بھی غلطی سے گناہ کر بیٹھے۔خوف الٰہی وہ صابن ہے جو دل کے سارے میل دھو ڈالتا ہے یا وہ سورج ہے جس کی کرنیں گندی سے گندی زمین کو خشک کردیتی ہیں حتی کہ اگر مؤمن کو مرتے وقت بھی خوفِ خدا نصیب ہوجائے اور اسی حال میں مرجائے تو ان شاءاللہ وہ بھی اس آیت کے ماتحت داخل ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ خائف سے مراد مؤمن ہے،مطلب یہ ہے کہ مؤمن کتنا ہی بڑا گنہگار کیوں نہ ہو مگر آخر کار دو جنتوں کا مستحق ہوگا،ایک اپنے ایمان کی جنت دوسرے رب کی عطا یا کافر کی میراث کی،معافی پا کر وہاں پہنچے یا سزا پاکر۔

	روایت ہے حضرت عامر الرام سے۱فرماتے ہیں کہ ہم

	ان کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ناگہاں ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر کمبل لپیٹا تھا عرض کیا یارسول اللہ میں ایک درخت کی جھاڑی پر گزرا تو میں نے اس جھاڑی میں چڑیا کے چوزوں کی آواز سنی ۲؎ میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ لیا ۳؎ اتنے میں ان کی ماں آگئی وہ میرے سر پر چکر لگانے لگی میں نے اس کے سامنے وہ بچے کھول دیئے وہ ان پر گر پڑی ۴؎ میں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا وہ سب یہ میرے ساتھ ہیں فرمایا انہیں رکھ دو ۵؎ میں نے رکھ دیا ان کی ماں انہیں چمٹی رہی ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کیا تم ان چوزوں کی ماں کی اپنے بچوں سے اتنی مامتا پر تعجب کرتے ہو اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی بچوں کی ماں چوزوں ۷؎ پر انہیں واپس لے جاؤ حتی کہ انہیں وہاں ہی رکھ آؤ جہاں سے پکڑا ہے اور ان کی ماں ان کے ساتھ رہی وہ انہیں واپس لے گیا ۸؎ (ابوداؤد)

۱؎ رام اصل میں رامی تھا، بمعنی تیرانداز چونکہ یہ فن تیر اندازی میں یکتا تھے اس لیے ان کا نام عام رام پڑ گیا۔

۲؎ غیضہ وہ جنگل ہے جہاں بہت گھنے درخت ہوں جسے اردو میں جھاڑی کہتے ہیں کبھی اس درخت کو کبھی غیضہ کہہ دیتے ہیں جس کی جڑ ایک ہوتنے اور شاخیں بہت ہوں اور گھنی ہوں جن سے دھوپ نہ چھن سکے۔ یہاں دوسرے معنی ظاہر ہیں، یہ حضرت چرواہے تھے جو جانوروں کو چرانے کے لیے دوردور نکل جاتے ہیں ایسے واقعات ان کو زیادہ درپیش آتے ہیں فراخ جمع فرخ کی ہے فرخ چڑیا کا وہ بچہ ہے جو ابھی اڑ نہ سکے اور اس کی ماں اسے دانہ دے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ جنگل کی چڑیاں اور ان کے بچے کسی کی ملک نہیں ہر شخص انہیں پکڑ سکتا ہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر انہیں تنبیہ نہ فرمائی، وہاں ایسے بچوں کو ماں سے جدا نہ کیا جائے بلکہ انہیں مع ماں کے اپنے گھر میں پال لے یا ان کی جگہ پہنچادے، مگر کسی کا پالتو جانور اور اس کے بچے دوسرا آدمی نہیں پکڑ سکتا اگر پکڑے گا تو مجرم ہوگا۔

۴؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق بے خوفی پیدا کرتا ہے اسی عشق سے دل میں قوت، بدن میں طاقت، طبیعت میں ہمت و جرائت پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو چڑیا انسان سے ڈرتی ہے مگر بچوں کے عشق نے اس کے دل سے ڈر، نفرت سب نکال

دیا،بلکہ کبھی ایسی چڑیا انسان پر حملہ کردیتی جب دنیا کے عشق کا یہ حال ہے تو جسے اللہ تعالٰی عشق مصطفٰی نصیب کرے اس میں دلیری کیوں نہ پیدا ہوجائے۔کربلا میں حسینی قافلہ بہتر۷۲ آدمیوں پر مشتمل تھا اور مقابلہ میں بائیس ہزار یزیدی مگر،حسینی قافلہ کی ہمت شجاعت دلیری آج تک مشہور ہے یہ دلیری کہاں سے آئی انہی حضرت عشق کی کرشمہ سازی تھی۔

۵؎یعنی اپنا کمبل زمین پر رکھ کر انہیں کھول دو تاکہ یہ نظارہ ہم سب بھی دیکھیں،معلوم ہوا کہ جانوروں کی حرکات کا تماشا دیکھنا اگر لہوو لعب کی نیت سے نہ ہو بلکہ عبرت حاصل کرنے کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔حرکتوں سے مراد ان کا ناچ و کود نہیں،بلکہ وہ تو محض کھیل کود ہے۔

۶؎یعنی لوگوں کا اتنا مجمع دیکھ کر بھی اپنے بچوں سے نہ بھاگی بلکہ اپنی جان پر کھیل کر انہیں اپنے پروں میں چھپائے رہی۔

۷؎بندوں سے مراد سارے بندے ہیں مؤمن ہوں یا کافر متقی ہوں یا فاجر پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں گناہوں سے نفرت ہے نہ گنہگار سے اسی رحمت کی بنا پر رب تعالٰی نے بندوں میں انبیاء و اولیاء بھیجے کا فریا مجرم خود اپنے کو مستحق کرلیتے ہیں رب تعالٰی ان کے جہنم میں جانے سے راضی نہیں مولانا عطار فرماتے ہیں۔شعر

خلق ترمبد از تو من تو سم ز خود　　　　کر تو نیکی دیدہ ام وزخویش

۸؎ اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں اُمُّھُنَّ کا رفع اور زبر مرقات اور اشعۃ اللمعات نے پہلی قرأت اختیار کی اور اس جملہ کو حال قرار دیا یعنی ان چوزوں کی ماں ان چوزوں کے ساتھ رہی،دوسری قرأت کی بناء پر معنی یہ ہوں گے کہ ان بچوں کے ساتھ ان کی ماں کو بھی رکھ آؤ،اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے چھوٹے بچوں کو ان کی ماں سے الگ نہ کیا جائے اسلام نے جانوروں پر بھی رحم کرنے کا حکم دیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم بعض جہادوں میں نبی کریم کے ساتھ تھے حضور انور ایک قوم پر گزرے پوچھا تم کون قوم۱؎ ہو وہ بولے ہم لوگ مسلمان ہیں ایک عورت ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی ۲؎جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا جب آگ بھڑک کر اونچی ہوتی تو عورت بچہ کو دور ہٹا دیتی ۳؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی بولی کیا آپ رسول اللہ ہیں۴؎فرمایا ہاں بولی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا اللہ تمام رحم والوں سے بڑھ کر رحیم	

	نہیں ۵؎ فرمایا ہاں بولی کیا اللہ اپنے بندوں پر ماں کے اپنے بچہ سے زیادہ مہربان نہیں ۶؎ فرمایا ہاں ۷؎ تو بولی کہ ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی ۸؎ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکالیا بہت روئے پھر سر مبارک اس کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ تعالٰی اپنے بندوں میں صرف سرکش متکبر ہی کو عذاب دے گا جو اللہ تعالٰی پر سرکشی کرے اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکاری ہو ۹؎ (ابن ماجہ)

۱؎ مسلمان ہو یا کفار غالبًا ان پر کوئی علامت موجود نہ تھی اسی لیے ان لوگوں نے جواب میں مسلمون فرمایا،یہ نہ کہا کہ ہم قریشی یا نضری ہیں۔خیال رہے کہ پوچھنا بے علمی کی دلیل نہیں،اس پوچھنے میں اور بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں،رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔

۲؎ تحصب حصب سے بنا،حصب آگ روشن کرنے کو بھی کہتے ہیں اور ان تیلیوں و ایندھن کو بھی جس سے آگ سلگائی جائے، رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ"تم اور تمہارے جھوٹے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں۔

۳؎ یعنی اس عورت کاایک بچہ جو گھٹنوں چلتا تھا بار بار آگ کو کھلونا سمجھ کر دیگچی کے پاس آجاتا اور آگ کو پکڑنا چاہتا مگر عورت بار بار دور ہٹا آتی۔

۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس سے پہلے کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی تھی اور آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار خوشبو وغیرہ دیکھ کر آپ کو پہچان گئی اسی لیے کسی دوسرے سے اس نے یہ سوال نہ کیا۔

۵؎ یعنی مخلوق میں بہت رحم کرنے والے ہیں ماں باپ،استاد،سلاطین،مگر رب تعالٰی تمام سے زیادہ مہربان ہے یہ عرض آئندہ سوال کی تمہید ہے۔

۶؎ چونکہ ماں سب سے زیادہ مہربان ہے،اسی لیے اس نے ماں کے متعلق خصوصیت سے سوال کیا ورنہ یہ سوال بھی پچھلے سوال میں آگیا تھا اور راحمین میں ماں بھی شامل تھی۔

۷؎ چنانچہ ملاحظہ فرمالیجئے کہ میں بچہ کی وجہ سے بار بار چولہا چھوڑتی ہوں اور بچے کو دور ہٹا آتی ہوں پھر رب تعالٰی اپنے بندوں کو دوزخ میں کیوں بھیجے گا سبحان اللہ! کیسا پیار ا سوال ہے۔

۸؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا اس عورت کی مامتا دیکھ کر اور پھر رب کی رحمت یاد فرما کر تھا،رونا کبھی خوف سے ہوتا ہے،کبھی شوق سے ،کبھی ذوق سے،کبھی جوش سے ۔یہ رونا جوش سے تھا جو اللہ کی رحمت یاد آکر پیدا ہوا اور اس یاد کی وجہ عورت کے حال کا ملاحظہ فرمانا تھا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ رونا کیوں تھا۔

۹؎ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب صرف کفار کو ہوگا وہ بھی ان کے اپنے قصور و سرکشی سے جیسے مہربان ماں نالائق و سرکش بیٹے کو عاق کرکے نکال دیتی ہے،رہے گنہگار مسلمان،انہیں دوزخ میں کچھ روز کے لیے ڈالنا تعذیب نہیں بلکہ تہذیب ہے یعنی ان کی صفائی کرکے انہیں جنت کے لائق بنانا،جیسے سونے کو آگ میں تپا کر زیور بنا کر محبوب کے گلے کے لائق بنایا جاتا ہے،تو یہ آگ گویا نالائق کے لیے رحمت ہوگی ماں گندگی میں بھرے ہوئے بچے کو سخت سردی میں نہلاتی دھلاتی ہے جس سے بچے کو تکلیف ہوتی ہے مگر اس سے اسے صفائی میسر ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا کہ بندہ اللہ کی رضا تلاش کرتا رہتا ہے اسی جستجو میں رہتا ہے۱؎ اللہ تعالٰی حضرت جبریل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا بندہ مجھے راضی کرنا چاہتا ہے مطلع رہو کہ اس پر میری رحمت ہے۲؎ تب حضرت جبرائیل کہتے ہیں فلاں پراللہ کی رحمت ہے،یہ ہی بات حاملین عرش فرشتے کہتے ہیں یہ ہی ان کے اردگرد کے فرشتے کہتے ہیں حتی کہ ساتویں آسمان والے یہ کہنے لگتے ہیں۳؎ پھر یہ رحمت اس کے لیے زمین پر نازل ہوتی ہے۴؎(احمد)	

۱؎ اس طرح کہ اپنے دینی و دنیاوی کاموں سے رب تعالٰی کی رضا چاہتا ہے کہ کھاتا پیتا،سوتا جاگتا بھی ہے تو رضائے الٰہی کیلئے نماز و روزہ تو بہت ہی دور ہے خدا تعالٰی اس کی توفیق نصیب کرے۔

۲؎ یعنی اس پر میری کامل رحمت ہے اس طرح کہ میں اس سے راضی ہوگیا۔خیال رہے کہ اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلی نعمت ہے،جب رب تعالٰی بندے سے راضی ہوگیا تو کونین بندے کے ہوگئے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ"پھر بندے پر وہ وقت آتا ہے کہ رب تعالٰی بندے کو راضی کرتا ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق فرماتا ہے"ولسوف یرضی"اللہ تعالٰی صدیق کو اتنا دے گا کہ وہ راضی ہوجائیں گے۔

۳؎ غرضکہ آسمانوں میں اس کے نام کی دھوم مچ جاتی،شور مچ جاتا ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کلمہ دعائیہ ہے،یعنی اللہ تعالٰی اس پر رحمت کرے،یہ دعا یا تو فرشتوں کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے یا خود وہ فرشتے اپنے قرب الٰہی بڑھانے کے لیے یہ دعائیں دیتے ہیں اچھوں کی دعائیں دینا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے جیسے ہمارا درود شریف پڑھنا۔شعر

قلب کی حالت غنچہ بستہ اس کو کرم سے کردو شگفتہ دے دعائیں حافظ خستہ صلی اللہ علیہ وسلم

۴؎ اس طرح کہ قدرتی طور پر انسانوں کے منہ سے اس کے لیے نکلنے لگتا ہے رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں،دلوں کی قدرتی کشش محبوبیت الٰہی کی دلیل ہے۔دیکھئے حضور غوث پاک خواجہ اجمیری جیسے بزرگوں کو ہم لوگوں نے دیکھا نہیں مگر سب کو ان سے دلی محبت ہے۔مسلم شریف میں حضرت

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل سے فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو،حضرت جبریل آسمانوں میں اعلان کردیتے ہیں کہ فلاں سے اللہ تعالٰی محبت کرتا ہے،آپ سب بھی اس سے محبت کریں،چنانچہ تمام فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت پھیلادی جاتی ہے،یہ حدیث اس کے قریب قریب ہی ہے یہ غیبی وقدرت محبت ہے۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اللہ عزوجل کے اس فرمان کے متعلق کہ بعض لوگ اپنی جانوں پر ظالم ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۱حضور نے فرمایا یہ سب جنتی ہیں ۲(بیہقی،کتاب البعث و النشور)	

۱اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی تین جماعتوں کا ذکر فرمایا،ظالمین،میانہ رویں،سابقین ظالمین وہ جن کے گناہ نیکیوں پر غالب ہوں،میانہ رو وہ جن کے دونوں عمل برابر ہوں سابقین وہ جن کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہوں۔یا نیکیوں نے گناہ مٹادیئے ہوں،ان تین کلمات کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں۔

۲اس طرح کہ سابقین تو بغیر حساب جنتی ہیں اور مقتصدین حساب یسیر کے بعد جنتی،اور ظالمین یا تو صرف سخت حساب کے بعد یا کچھ سزا پا کر جنتی میں بیہقی اور ابن مردویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کی کہ سابق تو سابق ہیں ہی اور مقتصد ناجی ہیں اور ظالم مغفور۔امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی نے ان تینوں فرقوں کو عبادنا فرمایا اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالٰی اپنے سابقین بندوں کے طفیل سے ہم ظالمین پر رحم فرمائے،ہمارے گناہ معاف کرے۔آمین آمین یا رب العلمین !

بجاہ نبی الکریم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم آمین یارب العلمین

الحمدللہ الکریم کہ مرآت شرح مشکوٰۃ جلد سوم ۱۶ جمادی الاوّل ۹ے۱۳ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۵۹ء یوم دوشنبہ کو شروع ہو کر آج ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۶۰ء پنجشنبہ کو ختم ہوئی۔جو اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار کے لیے دعائے مغفرت و قبولیت فرمائے رب تعالٰی اسے جزاء خیر دیگا۔

ناچیز احمد یار خاں نعیمی اشرفی،مقیم گجرات،پاکستان

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (چہارم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

مرآت جلد چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ما یقول عند الصباح و المساء و المنام

باب صبح شام اور سوتے وقت کیا کہے ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صبح شام سے مراد دن کے دونوں کنارے ہیں،یعنی نماز فجر سے پہلے اور بعد تا طلوع آفتاب اور مغرب کی نماز کے بعد سے تا غروب شفق۔منام مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے اور ظرف بھی یعنی سونے پر یا سونے کے وقت کیا پڑھے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں سونے سے مراد رات کا سونا ہے نہ کہ دوپہر کا قیلولہ وآرام کیونکہ اس باب میں رات کے سونے ہی کی دعائیں بیان ہونگی۔رات میں اصل آرام ہے،دنیاوی کاروبار اس کے تابع ہے اور دن میں اصل کاروبار ہے،سونا اس کے تابع،رب فرماتا ہے:"وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّ جَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا"لہذا حقیقتًا سونے کا وقت رات ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام پاتے تو فرماتے ہم نے شام پائی اور اللہ کے ملک نے شام پائی سب تعریفیں اللہ کو ہیں ۱؎ اس اکیلے کے سواء کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے،اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۲؎ الٰہی میں تجھ سے اس رات کی اور جو اس رات میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات کی اور جو اس میں ہے اس کی شر سے تیری پناہ لیتا ہوں ۳؎ خدایا میں سستی،بڑھاپے اور زیادتی عمر کی برائیوں سے ۴؎ اور دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں ۵؎ اور جب سویرا پاتے تو ساتھ یہ بھی کہتے ہم نے سویرا پایا اور اللہ کے ملک نے سویرا پایا ۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یارب میں آگ میں عذاب اور قبر میں عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں ۷؎(مسلم)

۱؎ یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت دن گزار لیا اور شام پالی،ہمارے ساتھ رب تعالٰی کے ملک نے بھی شام پالی،یہ دونوں چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں،اگر ملک تباہ ہوجاتا صرف ہم ہی رہ جاتے تب بھی مصیبت تھی۔یہاں ملک سے مراد عالم اجسام سفلی ہے جہاں دن رات ہوتے ہیں۔عالم

انوار،عالم امر،جنت دوزخ وغیرہ میں نہ دن ہو نہ رات وہاں تو رب کی تجلی ہے نہ کہ سورج کی جیسے قیامت میں ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَ اَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا"۔

۲؎ یعنی ان دن رات کے آنے جانے صبح وشام کی تبدیلیوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو گردش دینے والا اکیلا معبود ہے جس کا کوئی ساتھی نہیں اور ہر چیز پر قادر ہے۔سبحان اللہ! کیسا پیارا استدلال ہے کہ گھومنے والی چیزوں سے گھمانے والے کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔

۳؎ ہر وقت اپنے ساتھ خیر یا شر لاتا ہے،کسی وقت میں خطرناک حادثے ہوجاتے یا ہم سے برے اعمال سرزد ہوجاتے ہیں اور کسی وقت میں اچھے واقعات رونما ہوتے ہیں یا ہم کو اچھے اعمال کی توفیق ملتی ہے۔اس دعا میں عرض کیا گیا ہے کہ خدایا اس وقت کے حادثات،برے اعمال سے تیری پناہ اور اس وقت کے اچھے واقعات اور نیک اعمال کی توفیق کی تجھ سے طلب ہے۔معلوم ہوا کہ اوقات کو حادثات و اعمال میں دخل ہے۔

۴؎ کسل کے معنی ہیں طبیعت کا بوجھ جس سے عبادات بخوبی ادا نہ ہوسکیں اگرچہ جسم میں طاقت ہو۔ہرم وہ بڑھاپا جس سے زندگی کا اصل مقصود فوت ہوجائے یعنی علم و عمل جاتے رہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے: "لِکَیۡ لَا یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا"اور بڑھاپے کی برائی سے مراد سٹھ جانا ہے کہ مت کٹ جائے اور انسان دوسروں پر بوجھ بن جائے کہ اپنے عزیز اس کی موت کی تمنا کرنے لگیں۔معلوم ہوا کہ شیخوختہ،ہرم اور کبر اگرچہ تینوں کے معنی بڑھاپا ہی ہیں مگر ان تینوں کا آپس میں بڑا فرق ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں ھرم و سوء کبر میں تکرار نہیں بلکہ ان کے معنی جدا جدا ہیں۔

۵؎ دنیا کے فتنے،محبت دنیا اور غفلت عیش ہیں،یہ دونوں چیزیں تمام گناہوں کی خبر ہیں۔عذاب قبر سے مراد یا تو خود وہاں کا عذاب ہے یا اس عذاب کے اسباب جیسے چغل خوری یا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا وغیرہ بہرحال یہ دعا بہت نفیس ہے۔

۶؎ باقی تمام وہ الفاظ کہتے جو شام کے وقت کی دعا میں گزر گئے اور ان کی وہ ہی تفسیر ہے جو ابھی عرض کردی گئی۔

۷؎ خیال رہے کہ دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے کہ بندہ آگ میں داخل ہوکر عذاب پائے گا اور قبر میں عذاب آگ کا عذاب ہے کہ قبر میں دوزخ نہیں آجاتی بلکہ دوزخ کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے وہاں کی لپٹ،گرمی،دھواں،بدبو وغیرہ آتی رہتی ہے،رب تعالٰی دونوں سے بچائے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اپنا بستر لیتے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے ۱؎ پھر کہتے الٰہی میں تیرے نام پر مروں گا اور جیوں گا ۲؎ اور جب بیدار ہوتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں مرجانے کے بعد زندہ کیا اسی کی طرف اٹھنا ہے ۳؎ (بخاری)اور مسلم نے حضرت براء سے۔	

۱؎ آپ کا بستر شریف قبر کے رُخ بچھایا جاتا ہے کہ قبلہ کے داہنے سر مبارک ہوتا اور قبلہ کے بائیں پاؤں شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھی کروٹ پر لیٹتے،داہنا ہاتھ داہنے رخسارہ کے نیچے رکھتے تھے۔قبر میں میت کی ہیئت بھی یہ ہی ہوتی ہے،چونکہ نیند موت کا نمونہ ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کا بستر قبر کے نمونہ کا ہوتا تھا تاکہ لیٹنے کے وقت موت یاد آئے کہ کبھی قبر میں بھی لیٹنا ہے۔

۲؎ یہاں موت وزندگی سے مراد سونا جاگنا ہے،رب تعالٰی کا نام شریف **ممیت** بھی ہے اور **محیی** بھی یعنی **ممیت** کے نام پر مروں گا اور **محیی** کے نام پر جیوں گا یعنی بیدار ہوں گا کہ میرے یہ دو حال تیرے ان دو ناموں کا مظہر ہیں۔(مرقات)

۳؎ یعنی یہ جاگنا یہ کل قیامت میں اٹھنے کی دلیل ہے۔نشور نشر سے بنا بمعنی متفرق ہونا،پھیل جانا،اسی سے انتشار اور منتشر بنا،جاگنے کو نشور اسی لیے کہتے ہیں کہ بندے جاگ کر طلب رزق وغیرہ کے لیے پھیل جاتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں۔خیال رہے کہ عربی میں نیند،سکون،بے عقلی،جہالت،بھیک مانگنے،گناہ،بڑھاپے،ناگوار حالت جیسے ذلت،فقر وغیرہ کو موت کہہ دیتے ہیں اور ان کے مقابل کو حیات یعنی زندگی،یہاں موت بمعنی نیند ہے اور احیاء بمعنی بیداری،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ"اور فرماتا ہے:"اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی"ان دونوں آیتوں میں موت سے مراد جہالت ہے اور میت سے مراد جاہل وکافر۔(مرقات ولمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر جائے تو اپنے تہبند کے داخلی پلو سے بستر جھاڑ دے۱؎ اسے کیا خبر کہ بستر پر کیا چیز پڑی ہے۲؎ پھر کہے یارب میں تیرے نام پر اپنا پہلو رکھ رہا ہوں۳؎ اور تیرے نام پر ہی اٹھاؤں گا۴؎ اگر آج میری جان تو قبض کرے تو اس پر رحم فرمانا۵؎ اور اگر واپس بھیجے تو اس کی اس ہی سے حفاظت فرمانا جس سے اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنے داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر کہے بِاسْمِكَ،الخ (مسلم،بخاری)۷؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنے کپڑے کے پلو سے بستر تین بار جھاڑے۸؎ اور یوں کہے کہ اگر تو میری جان قبض فرمالے تو اسے بخش دیجیو۔	

۱؎ عرب شریف میں دن ورات بستر بچھے ہی رہتے تھے،ہمارے ملک کی طرح صبح کو سمیٹے نہ جاتے تھے،اور اس زمانہ میں تہبند ہی پہنے جاتے تھے اس لیے فرمایا جارہا ہے کہ جب سونے کے لیے بستر پر جاؤ اور کوئی فالتو کپڑا نہ ہو تو تہبند کے پلے سے ہی بستر جھاڑ دو پھر لیٹو۔

۲؎ گرد وغبار،کانٹا،ہڈی یا کوئی موذی جانور،نجاست وغیرہ لہذا اس جھاڑ لینے میں جان وایمان دونوں کی امن ہے،یہ حکم استحبابی ہے۔

۳؎ یعنی بستر جھاڑ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر لیٹ کر یہ کہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔

۴؎ یعنی تیرا نام لے کر سوتا ہوں اور تیرا نام لے کر اٹھوں گا،دکانِ زندگی بند بھی تیرے نام پر کررہا ہوں اور تیرے نام پر ہی کھولوں گا،میں کسی وقت نہ تجھ سے لاپراہ ہوں نہ تجھ سے غافل،اللہ یہ قال بھی نصیب کرے اور یہ حال بھی۔

۵؎ اس طرح مجھے بخش دینا اور میری معمولی نیکیاں قبول فرمالینا،چونکہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہی ہے جس کے بعد بیداری موہوم ہے یقینی نہیں اس لیے دعا کرکے سونا بہت مناسب ہے۔

۶؎ یعنی اگر تو مجھے اپنے فضل وکرم سے دوبارہ زندگی بخشے کہ بیدار کردے۔تو جیسے کہ اپنے نیک بندوں کو نفس وشیطان،برے عقیدے واعمال سے بچائے رکھتا ہے مجھے بھی ان چیزوں سے بچانا۔خلاصہ یہ کہ جسم کی حفاظت کے ساتھ روح کی حفاظت بھی فرمانا۔

۷؎ بہتر یہ ہے کہ پہلے داہنی کروٹ پر لیٹے،پھر چت،پھر بائیں پر،پھر دوبارہ داہنی کروٹ لیٹ کر سوجائے کہ داہنی کروٹ پر سونے سے غفلت زیادہ نہیں ہوتی،وقت پر آنکھ کھلتی ہے کیونکہ دل بائیں طرف ہے داہنی کروٹ پر لیٹنے سے دل معلق رہتا ہے۔یہ فرق ہمارے لیے ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کروٹ پر لیٹیں آپ کو غفلت آتی ہی نہیں،یہ عمل بہت مفید ہے۔(مرقاۃ)

۸؎ یہ جھاڑ نالیٹنے سے پہلے ہے نہ کہ لیٹ جانے کے بعد۔کپڑے سے مراد چادر،رومال یا تہبند ہے،اس جھاڑ نے کی حکمتیں پہلے بیان ہوچکی ہیں،یہ حکم استحبابی ہے۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے پھر یوں کہتے الٰہی میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا ۱؎ اور اپنا کام تیرے سپرد کیا تیرے کرم پر ٹیک لگائی تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے ۲؎ تجھ سے نہ کہیں پناہ ہے نہ رہائی سواء تیری طرف کے ۳؎ میں تیری اتاری کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا ۴؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو یہ کلمات کہہ لے پھر اسی رات مر جائے تو ایمان پر مرے گا ۵؎ اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اے فلاں جب تو اپنے بستر پر جائے تو نماز کا سا وضو کرے ۶؎ پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے پھر کہے الٰہی میں نے اپنے کو تیرے سپرد کیا،آخر کلام ارسلت تک ۷؎ اور فرمایا کہ اگر تم اسی رات میں مر گئے تم اسلام پر مرو گے اور اگر تم صبح پاؤ گے تو بہت بھلائی حاصل کرو گے ۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ نفس سے مراد ذات یا جان ہے اور وجہ سے مراد چہرہ یا توجہ یا دل کا رخ یا ان دونوں جملوں میں اپنے ظاہر و باطن کیطرف اشارہ ہے یعنی الٰہی میرا باطن بھی تیرے مطیع ہے کہ اس میں ریاء (شرک) سرکشی نہیں اور میرا ظاہر بھی تیرا فرمانبردار کہ میرا کوئی عضو باغی نہیں،غرضکہ میرا اپنا کچھ نہیں،سب کچھ تیرا ہے سوتے وقت یہ کلمات اس لیے عرض کیے تاکہ معلوم ہوا کہ میرا سونا بھی تیرے حکم کے ماتحت ہے۔(لمعات وغیرہ)

۲؎ لہٰذا مجھے اندرونی و بیرونی آفات سے بچالے اور میری معاش و معاد اچھی کردے،رغبت تو تفویض کے لحاظ سے ہے اور ہیبت الجآت کے اعتبار سے ہے،چونکہ بیداری میں انسان کچھ ذمہ دار ہوتا ہے اور بااختیار مگر سوجانے پر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اسی لیے اس موقعہ پر یہ دعا بہت ہی موزوں ہے،نیز سوتے وقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ اب سویرے کو اٹھوں گا یا قیامت میں اس لیے یہ کہہ کر سونا بہتر ہے کہ خدایا اب سب کچھ تیرے سپرد۔شعر

سپردم تبو مایہ خویش را   تو دانی حساب کم و بیش را

۳؎ یعنی تیرے غضب سے پناہ صرف تیری رحمت کے دامن میں ہی مل سکتی ہے اور تیری پکڑ سے رہائی صرف تو ہی دے سکتا ہے،تیرے غضب کی آگ کو صرف تیری رحمت ہی کا پانی بجھا سکتا ہے،اگر تو عدل کرے تو اونچے اونچے کانپ جائیں اگر فضل فرمائے تو گنہگاروں کی بھی امید بندھ جائے۔شعر

عدل کریں تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے   فضل کریں تو بخشے جاون میرے جیسے منہ کالے

۴؎ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ الفاظ ہماری تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ میں اپنی رسالت پر ایمان لایا،نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات یعنی نبوت و رسالت

وغیرہ کا علم حضور کے لیے علم حضوری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کے لیے عین ایمان ہیں جیسے اللہ تعالٰی اپنی توحید و صفات کو جانتا تو ہے مگر اسے موحد یا مؤمن اس معنے سے نہیں کہہ سکتے،یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت و رسالت کو جانتے تو ہیں مگر اس جاننے کو ایمان نہیں کہا جائے گا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے قرآن کے مؤمن ہیں نہ کہ اپنے اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا:"اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ"یہ نہ فرمایا:"امن الرسول برسالته"ہاں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا قرآن پر ایمان ہے اور قرآنی آیات میں حضور کی رسالت کی بھی آیات ہیں حضور ان کے مصداق ہیں اسی لحاظ سے اپنے بھی مؤمن۔(از مرقات مع زیادۃ)

۵؎ یعنی یہ دعائیہ کلمات صبح تک اس کے ایمان کی گارنٹی ہیں،پھر سویرے کو نیا روز نئی روزی ہے۔

۶؎ یعنی اگر سوتے وقت تمہارا وضو نہ ہو تو اس اہتمام سے وضو کرلو جس اہتمام سے نماز کے لیے کرتے ہو مع مسواک و ادائے سنن و مستحبات،یہ حکم استحبابی ہے،پہلے بحوالہ مرقات عرض کیا جاچکا ہے کہ اگر اس وقت تیمّم بھی کرے جب بھی ان شاءاللہ یہ ہی فائدہ ہوگا۔

۷؎ یہ تمام کلام حضرت براء کا ہے جو اختصارًا بیان فرمایا۔ظاہر یہ ہے کہ اس دعا میں کتاب سے قرآن شریف اور نبی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور ممکن ہے کہ کتاب سے تمام آسمانی کتب اور نبی سے تمام نبی مراد ہوں کہ سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔(اشعہ)نبی یا تو نباء سے بنا بمعنی خبر،نبی خبر دینے والا کس کی اللہ کی ذات و صفات،معاش و معاد کی۔یا نبءٌ ۃ سے بنا بمعنی بلندی درجہ،نبی بلند درجے والا۔(مرقات)

۸؎ بعض روایات میں انہی براء ابن عازب سے ہے کہ میں نے دوبارہ یہ ہی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو بجائے بنبیّك کے برسولك کہہ دیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ ہی کہوں بنبیّك۔معلوم ہوا کہ وظیفے کے الفاظ بالکل نہ بدلے ورنہ تاثیر نہ ہوگی۔علماء فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنی نہ کرے،حدیث کی روایت بالمعنی جب درست ہے جب کہ الفاظ یاد نہ رہے ہوں،یونہی قرآن کریم کے الفاظ،شد،مد،مخارج،طریقۂ ادا میں حتی الامکان تبدیلی نہ ہونے دے۔اس حدیث میں وعدہ فرمایا گیا کہ سوتے وقت یہ پڑھنے والا ان شاءاللہ ایمان پر مرے گا،اسلام و تقویٰ پر جیئے گا،بڑی ہی مجرب دعا ہے،فقیر بفضلہ تعالٰی اس پر عامل ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو فرماتے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا بچایا اور ہمیں پناہ دی ۱؎ کیونکہ بہت وہ ہیں جنہیں نہ کوئی بچانے والا ہے نہ پناہ دینے والا ۲؎(مسلم)	

۱؎ کفایت سے مراد موذی جانوروں،آفتوں،بلاؤں سے محفوظ رکھنا،بچانا،حاجات پوری فرمانا۔پناہ دینے سے مراد ہے رہنے کے لیے گھر دینا،سردی گرمی سے بچنے کو بستر وغیرہ عطا فرمانا۔

۲؎ چنانچہ کفار کو رب تعالٰی نے نفس،شیطان کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا،اب وہ ہر طرح ان کے بس میں ہیں،اسی طرح بعض وہ مساکین ہیں جن کے پاس نہ در ہے نہ بستر،ایمان نفس و شیطان سے امان ہے،مکان و بستر مصیبتوں سے امان ہے،اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو دونوں امان عطا فرمائیں۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ جناب فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس تکلیف کی شکایت کرنے جو ان کے ہاتھ کو چکی سے پہنچتی تھی ۱؎ انہیں جب خبر لگی تھی کہ حضور کے پاس غلام	

	آ ئے ہیں انہوں نے حضور کو نہ پایا تو حضرت عائشہ سے کہہ آئیں ۲؎ جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ قصہ عرض کیا ۳؎ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم بستر پکڑ چکے تھے تو ہم اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی جگہ رہو تشریف لائے میرے اور فاطمہ زہرا کے درمیان بیٹھ گئے حتی کہ میں نے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی ۴؎ فرمایا میں تمہیں تمہارے سوال سے بہتر چیز نہ بتادوں ۵؎ جب تم اپنے بستر لو تو ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھ لو اور ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حضرت فاطمہ زہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی پیاری چہیتی صاحبزادی تھیں،شادی سے پہلے کام کاج نہ کیا تھا،حضرت علی کے ہاں آکر تمام کام کرنے پڑے،کام سے کپڑے کالے اور چکی سے ہاتھوں میں چھالے پڑگئے تھے جو پھوٹ کر زخم بن گئے تھے۔شعر

آئیں جب خاتون جنت اپنے گھر — پڑگئے سب کام ان کی ذات پر

کام سے کپڑے بھی کالے پڑگئے — ہاتھ میں چکی سے چھالے پڑگئے

۲؎ یعنی اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے گھر تھا اس لیے خاتون جنت انہیں کے گھر تشریف لائیں مگر اتفاقًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تھے دولت خانے میں نہ تھے اس لیے والدہ ماجدہ سے عرض کر کے واپس ہوگئیں۔شعر

پر نہ تھے دولت کدہ میں شاہ دیں — والدہ سے عرض کر کے آگئیں

خود حضرت علی نے حضرت خاتون جنت کو بتایا تھا کہ آج قیدی غلام حضور کے ہاں آئے ہیں،حضور غلام بانٹ رہے ہیں ایک لونڈی تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ لو جو گھر کا کام کاج کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد بھی اولاد ماں باپ سے مانگ سکتی ہے،اس میں نہ گناہ ہے نہ شرم۔

۳؎ شعر

گھر میں جب آئے حبیب کبریا — والدہ نے ماجرا سارا کہا

فاطمہ چھالے دکھانے آئی تھیں — گھر کی تکلیفیں سنانے آئی تھیں

ایک لونڈی آپ اگر ان کو بھی دیں — چکی اور چولہے کے دکھ سے وہ بچیں

۴؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت عائشہ کو کچھ جواب دیا،نہ دن میں حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لائے رات کو سوتے وقت تشریف لائے تو بستر فاطمہ پر اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ ایک قدم فاطمہ پر تھا دوسرا جناب علی کے سینہ پر انوار پر،اس سینہ کے قربان جو قدم رسول چومے۔

۵؎ یعنی لونڈی خادم کا فائدہ تم کو صرف دنیا میں پہنچے گا مگر اس دعا کا فائدہ دنیا،قبر،حشر ہر جگہ پاؤ گی،حضور نے انہیں خادم کیوں نہ عطا فرمایا۔شعر

شب کو آئے مصطفٰی زہرا کے گھر — اور کہاں دختر سے اے جان پدر

ہیں یہ خادم ان یتیموں کے لیے — باپ جن کے جنگ میں مارے گئے

تم پہ سایہ ہے رسول اللہ کا آسرا رکھو فقط اللہ کا

۶؎ اس کا نام تسبیح فاطمہ ہے جو تمام سلسلوں میں خصوصًا سلسلہ قادریہ میں بہت معمول ہے،اس تسبیح کے لیے عام تسبیحوں میں ہر ۳۳ دانہ پر چھوٹا امام پڑا ہوتا ہے۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضرت ابو بکر پر اس لیے طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے فاطمہ زہرا کا مطالبہ پورا نہ کیا انہیں میراث نہ دی جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچی،وہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا فتویٰ دیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادم مانگنے آئیں ۱؎ تو فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دو جو خادم سے بہتر ہے ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھا کرو اور ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت پڑھ لیا کرو ۲؎ (مسلم)

۱؎ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر کیونکہ اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام انہی کے دولت خانہ میں تھا کیونکہ حضرت خاتون جنت کو توجناب علی نے خبر دی تھی کہ آج حضور کے ہاں بہت لونڈی غلام آئے ہیں اور حضور انہیں مسلمانوں میں تقسیم فرمارہے ہیں تم بھی جاؤ ایک لونڈی حاصل کر لو جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا۔خیال رہے کہ خادم مذکر مؤنث دونوں کو کہا جاتا ہے،یہاں مؤنث مراد ہے کیونکہ حضرت خاتون جنت نے لونڈی مانگی تھی جو چکی چولہے کا کام کرسکے۔(از مرقات)

۲؎ پچھلی حدیث میں صرف صبح شام کا ذکر تھا یہاں ہر نماز کا ذکر ہے۔ممکن ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو صرف صبح شام کا حکم دیا ہو بعد میں ہر نماز کے بعد یا اس کے برعکس بہر حال احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقر غنا سے افضل ہے اور صبر شکر سے بہتر،یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو محنتی،عابد،زاہد،متقی بنائیں۔انہیں صرف مالدار کرنے کی کوشش نہ کریں لڑکی کے لیے بہترین جہیز اعمال صالحہ ہیں نہ کہ صرف مال،یہ حدیث تربیت و تعلیم کا خزانہ ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی سسرال کی تکالیف کی شکایت ماں باپ سے کرسکتی ہے ازالۂ تکلیف کے لیے،یہ بھی معلوم ہوا کہ سسرال کی تکلیف پر ماں باپ لڑکی کو گھر نہ بٹھالیں بلکہ وہاں ہی رکھیں اور صبر و شکر کی تلقین کریں،اس سے خانگی زندگی کے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے الٰہی ہم نے تیری مہربانی سے صبح پائی اور تیری مہربانی سے ہی شام کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں گے اور تیرے فضل سے مریں گے ۱؎ اور تیری ہی طرف رجوع ہے اور جب شام پاتے تو کہتے الٰہی تیرے فضل سے ہم نے شام پالی اور تیرے فضل سے ہی صبح کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں مریں گے تیری ہی طرف اٹھنا ہے ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ خیال رہے کہ انسان کے مرنے پر تعجب نہیں بلکہ اس کی زندگی حیرت ناک ہے کیونکہ اندرونی اور بیرونی دشمن اتنے ہے کہ خدا کی پناہ! اتنے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اس کا زندہ رہنا اللہ کی قدرت ہی ہے۔اس دعائے شریف کا یہ یہی مطلب ہے کہ خدایا تیرے ہی کرم اور مہربانی سے ہم شام سے سویرا پالیتے ہیں اور سویرے سے شام،ہماری زندگی اور موت تیرے ہی قبضہ میں ہے،یہ معنے تو بالکل ظاہر ہیں،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ خدایا ہماری زندگی و موت نفس دنیا یا شیطان کے لیے نہیں بلکہ الحمدللہ تیری عبادت کے لیے ہے۔

۲؎ نشور نشر سے بنا بمعنی پھیلنا،اسی سے ہے منتشر،چونکہ قیامت کی زندگی پھیلے ہوئے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کرکے ہوگی اس لیے اس زندگی کو نشور کہا جاتا ہے اسی لیے مرقات وغیرہ نے اس کا ترجمہ کیا بعث بعد الموت۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں کافر،مؤمن،منافق سب جمع ہیں مگر قیامت میں سب چھٹ جائیں گے کہ حکم ہوگا "وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ" اس لیے اس اٹھنے کا نام نشور ہے اسی وجہ سے مرقات نے اس کے معنے کیے والتفرق بعد الجمع۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت ابوبکر نے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں صبح شام کے وقت پڑھ لیا کروں۱؎ فرمایا یوں کہا کرو اے اللہ اے کھلی،چھپی چیزوں کے جاننے والے،اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے،اے ہر چیز کے رب ومالک۲؎ میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اپنے نفس کی شرارت اور شیطان کی شرارت اور اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۳؎ جب صبح پاؤ جب شام پاؤ جب اپنے بستر پر لیٹو یہ پڑھ لیا کرو۔(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ بطور وظیفہ جو میرے لیے دین و دنیا میں مفید ہو۔اس سوال سے معلوم ہوا کہ وظیفے شیخ سے پوچھ کر اور شیخ کی اجازت سے پڑھنے چاہئیں کہ اس میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہوجاتی ہے،جب صدیق اکبر جیسی ہستی کو اجازت کی ضرورت ہے تو ماوشماکس شمار میں ہیں۔

۲؎ خلق بمعنی پیدا کرنا اور فطر کے معنے ہیں بغیر مثال کے پیدا فرمانا یعنی ایجاد کرنا،رب تعالٰی آسمانوں کا خالق بھی ہے اور فاطر بھی،ہمارا خالق ہے فاطر نہیں کیونکہ ہم سے پہلے بہت سے انسان پیدا فرماچکا ہے۔مالك بمعنی ملکیت والا اور مليك کے معنی میں ہر طرح مالکیت والا ظاہر کا بھی باطن کا بھی،ہم لوگ اپنی چیزوں کے مالک تو ہیں مگر ملیک نہیں ہماری ملکیت صرف ظاہر پر ہے وہ بھی چند روز۔

۳؎ خیال رہے کہ ہمارے نفس امارہ کی شرارتیں شیطان کے شر سے کہیں زیادہ ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کا دل معدن اسرار ہے اور منبع اشرار شیطان تو فقط نفس کو رائے دیتا ہے،اصل سرکش نفس ہی ہے۔نیز شیطان لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے مگر یہ نفس نہ کسی وظیفہ سے بھاگے نہ کسی عمل سے یہ تو صرف رب تعالٰی کے فضل سے ہی دبتا ہے اسی لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کا ذکر پہلے فرمایا اور شیطان کا بعد میں،۔خیال رہے کہ یہ ذکر ہمارے اپنے نفسوں کا ہے،نفس صدیقی جو اللہ کی مہربانی اور اس کے حبیب کے کرم سے نورانی ہوچکا تھا وہ تو صدق و صفا کی کان ہے،حضور سنارہے ہیں حضرت صدیق کو اور بتارہے ہیں ہم کو۔شرک میں دو احتمال ہیں: ش کا زیر اور ر کا جزم بمعنی کفر ایمان کا مقابل اور ش و ر،دونوں کا زبر بمعنی شکاری کا جال۔(لمعات،مرقات)

روایت ہے حضرت ابان ابن عثمان سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی بندہ نہیں جو ہر دن صبح شام اور ہر رات تین بار یہ کہہ لیا کرے میں نے اس کے نام سے صبح وشام کی جس کے نام کی برکت سے نہ زمین کی کوئی چیز نقصان دے نہ آسمان کی اور وہ سنتا جانتا ہے پھر اسے کوئی چیز نقصان بھی دے دے۲؎ حضرت ابان کو کچھ فالج ہوگیا تو ایک شخص انہیں غور سے دیکھنے لگا۳؎ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو مجھے کیا دیکھتا ہے حدیث ویسی ہے جیسی میں نے تجھے سنائی لیکن اس دن میں یہ دعا نہ پڑھ سکا کہ اللہ مجھ پر اپنی قضا قدر نافذ کردے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ،ابواؤد)ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ اسے صبح بلاء ناگہانی نہ پہنچے گی اور جو صبح کو یہ پڑھے تو اسے شام تک آفت ناگہانی نہ پہنچے گی ۵؎

۱؎ آپ قرشی ہیں،تابعی ہیں،حضرت عثمان ابن عفّان کے فرزند ہیں،اپنے والد اور دیگر صحابہ سے بہت سی احادیث لیں اور ان سے امام زہری وغیرہ اکابر ملت نے،مدینہ منورہ میں قیام رہا،یزید ابن عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ دعا مجرب ہے،فقیر بفضل رب قدیر اس کا عامل ہے،الحمدللہ اس کی برکت سے ہر آفت سے امن رہا ہے،صبح پڑھ لو شام تک حفاظت ہے اور شام کو پڑھو تو صبح تک امن۔

۳؎ یعنی جن لوگوں نے آپ سے یہ حدیث سنی تھی ان سے کوئی تعجب کرکے آپ کو دیکھنے لگا کہ آپ تو یہ حدیث روایت کرتے تھے اور یقین ہے کہ آپ اس پر عامل بھی ہوں گے اور یہ دعا پڑھتے بھی ہوں گے پھر آپ پر فالج کا اثر کیوں ہوگیا اور اس آفت سے آپ امن میں کیوں نہ رہے،حضرت ابان ان کا تعجب سمجھ گئے اس لیے آپ نے وہ جواب دیا جو آگے آرہا ہے۔

۴؎ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ فرمان ہے کہ حدیث سچی حدیث والے محبوب سچے ارادۂ الٰہی برحق،جس دن مجھے فالج ہونے والا تھا اس دن میں یہ عمل پڑھنا ہی بھول گیا تھا اس لیے یہ فالج ہوا۔

۵؎ یہ الفاظ گزشتہ الفاظ کی گویا شرح ہے کہ اس دعا کی برکت سے ناگہانی بیماری اور زہریلے جانور کے کاٹنے اور دوسری اچانک آفتوں سے حفاظت رہتی ہے دوسری قسم کی مصیبت آسکتی ہے۔خیال رہے کہ کسی دعا سے موت نہیں ٹل سکتی وہ تو یقینی آتی ہے جسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکتی نہ دعا،نہ دوا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ فجاءت سے مراد کوئی بڑی آفت ہے جو انسان کو گھبرادے،اچانک ہو یا آہستہ،معمولی تکالیف و بیماریاں تو انسان کو لگی ہی رہتی ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ۱؎ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت یہ پڑھتے تھے ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے شام پالی ۲؎ اللہ کا شکر ہے،اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں،اس کا ملک ہے،اسی کی تعریف ہے ۳؎ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔الٰہی میں تجھ سے اس رات کی بھلائی،اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس

	رات کی شر اور اس کے بعد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں ۴ یارب میں سستی اور بڑھاپے.برے ۵ یا کفر سے اور ایک روایت ہے کہ.برے.بڑھاپے اور تکبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۶ یارب میں آگ کے عذاب اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۷ اور جب سویرا پاتے تو بھی کہتے کہ ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے صبح پالی۔(ابوداؤد،ترمذی)اور ایک روایت میں کفر کی ہر برائی کا ذکر نہ فرمایا۔

۱ عبداللہ سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہیں جو بڑے فقیہ مشہور صحابی ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲ اللہ کے سارے ملک سے مراد عالم اجسام ہے کیونکہ عالم انوار اور عالم امر وغیرہ پر نہ رات آئے نہ دن،اسی طرح جنت و دوزخ میں سورج کا اثر نہیں وہاں رب کی تجلی ہے۔اَمۡسَیۡنَا میں یا تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے یا سارے مسلمان یا سارے انسان اگرچہ ملک اللہ میں انسان بھی داخل تھا مگر چونکہ یہ اشرف المخلوق ہے اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

۳ یعنی حقیقی ملک اور حقیقی حمد صرف رب تعالٰی کی ہے،دوسروں کا ملک بھی مجازی و عارضی ہے اور حمد بھی مجازی،مصنوع کی تعریف دراصل صانع کی تعریف ہے۔

۴ یعنی اس رات کی شر سے بھی تیری پناہ اور آئندہ راتوں کی شر سے بھی تیری پناہ۔شر سے مراد تشریعی تکوینی دونوں شریں ہیں۔راتوں میں نیکیوں کی توفیق نہ ملنا،گناہ سرزد ہوجانا،راتیں غفلت میں گزارنا ان کی تشریعی شر ہے اور راتوں میں چوری ڈکیتی گھر گر جانا،اندھیرے میں زہریلے جانوروں کا کاٹ کھانا وغیرہ تکوینی شریں ہیں،یہ ایک لفظ ان تمام کو شامل ہے۔

۵ سستی سے مراد نیکیوں میں سستی ہے جس سے یا تو نیکیاں ہوں ہی نہیں یا ہوں مگر بگڑ کر اور برے.بڑھاپے سے مراد وہ.بڑھاپا ہے کہ قوتیں جواب دے جائیں اور دوسروں پر انسان بوجھ بن جائے،اللہ اس عمر سے بچائے۔شعر

دانت گرے اور کھر گھسے پیٹھ بوجھ نہ لے ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ کر بُھس دے

۶ تکبر اللہ تعالٰی کی توصفت اس کا نام ہے متکبر یعنی بہت ہی بڑائی والا مگر بندے کے لیے تکبر کبھی عیب ہے،کبھی خوبی،بندے کے لیے اس کے معنے ہیں.بڑائی کا اظہار اگر یہ کفار کے مقابلہ میں ہو خصوصًا جنگ کی حالت میں تو بہت ہی اچھا ہے،خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین میں فرمایا انا ابن عبد المطلب اور مسلمان کے مقابلہ میں ہو شیخی کے طور پر تو برا اور اگر رب تعالٰی کی نعمت کے اظہار کے لیے ہو تو اس کا نام شکر ہے یہ عبادت ہے اور اللہ رسول کے مقابلہ میں تکبر کفر ہے،یہاں تکبر سے.برا تکبر مراد ہے جو حرام یا کفر ہے۔

۷ دوزخ اور قبر دونوں جگہ آگ ہی کا عذاب ہوگا اگر دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے اور قبر کا عذاب آگ سے عذاب ہے کہ آگ دوزخ میں ہے مگر اس کی گرمی قبر میں،چونکہ دوزخ کا عذاب سخت ہے اور قبر کا عذاب اس سے نرم وہلکا اسی لیے پہلے دوزخ کے عذاب کا ذکر فرمایا بعد میں قبر کے عذاب کا یعنی میں دوزخ و قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔مقصد یہ ہے کہ خدایا مجھے زندگی میں ایسے اعمال سے بچالے جو عذابِ دوزخ یا عذابِ قبر کا سبب ہیں اور بعد موت قبر کے عذاب سے بچا اور بعد حشر دوزخ کے عذاب سے۔

	روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں سے ۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے کہ فرماتے تھے صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرو اللہ پاک ہے اسی کا شکر ہے اللہ کے بغیر قوت نہیں جو اللہ

	نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا ۲؎ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے جو صبح کے وقت یہ کہہ لے گا تو شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جو شام کے وقت یہ کہے گا تو صبح تک اس کی حفاظت ہو گی ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ حضور علیہ السلام کی صاحبزادیاں چار ہیں: زینب،رقیہ،ام کلثوم،فاطمہ،تمام نے حضور علیہ السلام کو جوانی میں دیکھا ہے،سب کی شادی خود کی ہے،یہاں حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت زینب وغیرہا مراد ہیں،چونکہ تمام صاحبزدیاں متفقہ طیبہ طاہرہ ہیں اس لیے ان کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے مضر نہیں۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری حمد ہے یعنی اللہ نے جس چیز کا ہونا چاہا وہ ہوگئی اور جس کا ہونا نہ چاہا وہ نہ ہوئی اور چاہنے نہ چاہنے میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے اور برائیوں کو چاہنا اچھائیوں کو نہ چاہنا اس کی شان سے بعید ہے۔خیال رہے کہ ارادہ،رضاء،مشیت میں فرق ہے۔رب تعالٰی ہر اچھی بری چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اس کے ارادہ سے ہے مگر برائیوں سے راضی نہیں،کفار کا کفر،گنہگار کے گناہ رب تعالٰی کے ارادہ سے ہیں مگر اس کی رضا سے نہیں،یہاں مشیت بمعنی ارادہ ہے یعنی ہر چیز کا وجود اس کی خلق وارادہ سے ہے۔

۳؎ حصن حصین شریف میں ہے کہ ابوداؤد،نسائی،ابن سنی نے عمل الیوم اللیلہ میں عبدالحمید مولی بنی ہاشم عن امه عن بعض بنات النبی ہے،عبدالحمید کی والدہ کا نام معلوم نہ ہوسکا غالبًا یہ صحابیہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو صبح کے وقت کہہ دے کہ اللہ کی پاکی ہے شام و سویرا پاتے وقت اس کی حمد ہو رہی ہے آسمانوں اور زمین میں اور عصر اور ظہر کو بھی تسبیح پڑھو،الخ ۱؎ کذلك تخرجون تک۔تو اس دن میں جو نیکی چھوٹ گئی ہو اسے پالے گا اور جو شام کے وقت یہ پڑھ لے گا تو اس رات میں چھوٹی نیکیاں پائے گا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اس آیت کریمہ میں سبحان اللہ سے مراد یا تو رب تعالٰی کی تسبیح پڑھنا ہے یعنی اے مسلمانوں صبح وشام رب تعالٰی کی بارگاہ میں تسبیح کا ہدیہ پیش کیا کرو اور یا اس سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ نماز شروع سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ سے ہوتی ہے جز و بول کر کل مراد لیا گیا یعنی صبح شام نماز فجر و مغرب پڑھا کرو،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔وَلَهُ الْحَمْدُ جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان وزمین والے رب تعالٰی کی حمد وثناء کرتے ہیں ہر ذرہ قطرہ ہر فرشتہ وتارہ حمد الٰہی کرتا ہے تو مسلمانو تم کیوں خاموش رہتے ہو اس کے بعد پھر نماز کا ذکر ہوا "وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ"۔عشیا سے وقت عصر مراد ہے اور تظهرون سے وقت ظہر مراد۔غرضکہ اس آیت میں نماز پنجگانہ کا حکم ہوا کیونکہ تُمْسُوْنَ یعنی شام کے وقت میں مغرب وعشاء داخل ہیں کیونکہ ان اوقات میں انسان کے حالات تبدیل ہوتے ہیں اور رب تعالٰی کی نعمتوں کی تجدید اس لیے خصوصیت سے ان اوقات میں تسبیح و تہلیل کا بھی حکم ہے اور ان ہی وقتوں میں نمازیں بھی فرض ہیں تاکہ ہر حال رب کی حمد سے شروع ہو۔ان اوقات کی اہمیت ہماری کتاب " تفسیر نعیمی" میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ نیکی چھوٹ جانے سے مراد نوافل نیکیاں چھوٹ جانا ہیں یا فرائض عبادات میں نقصان رہ جانا ہے،یعنی رب تعالٰی آیتِ کریمہ کی برکت سے بہت ہی نفلی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا اور اگر آج دن رات کے فرائض میں کچھ نقصان واقع ہوگیا ہوگا تو رب تعالٰی نقصان پورا فرمادے گا۔اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام فرائض و واجبات چھوڑ دو صرف یہ ہی آیت صبح شام پڑھ لیا کرو۔

	روایت ہے حضرت ابوعیاش سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے،اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے ۲؎ اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے ۳؎ اور اس کے لیے شام تک شیطان سے حفاظت ہوگی ۴؎ اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے تو صبح تک اسے یہ ہی ملے گا،ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ۵؎ عرض کیا یارسول اللہ ابوعیاش آپ سے ایسی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں،فرمایا ابوعیاش سچے ہیں ۶؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) ۷؎

۱؎ ابوعیاش دو ہیں:ایک کا نام تو زید ابن صامت ہے،کنیت ابوعیاش،یہ انصاری ہیں،دوسرے زید ابن عیاش مخزومی ہیں،یہ تابعی ہیں،یہاں پہلے ابوعیاش مراد ہیں جو صحابی ہیں۔(لمعات،اشعہ)مصابیح کے بعض نسخوں میں یہاں ابن عباس ہے وہ غلط ہے صحیح ابو عیاش ہی ہے۔(مرقات)

۲؎ اسلام میں یوں تو غلام آزاد کرنا بڑا ثواب ہے خصوصًا جب کہ غلام اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہو اس کا آزاد کرنا تو بہت ہی ثواب ہے کہ اس میں ایک نبی کی اولاد پر احسان بھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد پر مہربانی کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔بعض حضرات گیارھویں شریف کا تبرک حضرات سادات کرام کو دیتے ہیں ان کی اصل یہ ہی حدیث ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کی نعمت ہے،شرافت خاندان سے بھی ملتی ہے۔اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب "**الکلام المقبول فی شرافة نسب الرسول**" میں ملاحظہ فرمایئے۔اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل عرب کو غلام بنایا جاسکتا ہے یہاں تو ان عرب غلاموں کی آزادی کا ذکر ہے جو پہلے سے غلام بنائے جاچکے تھے۔

۳؎ درجوں سے مراد یا تو دنیا میں ایمانی درجے ہیں یا آخرت کے جناتی درجے یعنی یہ کلمات پڑھ لینے والے کے ایمان دس درجہ بڑھیں گے یا قیامت میں اس کے دس درجے جنت میں اونچے ہوں گے ان درجوں کی بلندی رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔

۴؎ اس طرح کہ ان شاء اللہ شام تک شیطان اسے نہ گمراہ کرسکے گا نہ اس سے گناہ کبیرہ کراسکے،ہاں نفس کی شرارت سے گناہ ہوجائیں تو ہوجائیں یا شیطان اسے دیوانہ و بیمار نہ کرسکے گا،بعض بیماریاں و جنون شیطانی اثر سے ہوتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الْمَسِّ**"۔غرضکہ یہ دعا ایک مضبوط قلعہ ہے۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ خواب دیکھنے والا راویان حدیث میں سے کوئی راوی ہے۔ممکن ہے کہ کوئی اور صاحب ہوں جنہیں یہ حدیث پہنچی ہو۔

۶؎ یہ خواب یہاں اس لیے نقل فرمایا کہ اس سے حدیث کی صحت معلوم ہوتی ہے۔پتہ لگا کہ کبھی سچے خواب سے حدیث کو قوت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ خواب مخالف قانون شرعی نہ ہو،کیوں نہ ہو کہ خواب نبوت کے فیضان کا چھیالیسواں ۴۶ حصہ ہے،جب سچے خواب سے حدیث کو تقویت پہنچ سکتی ہے تو ولی کے صحیح کشف سے بھی قوت پہنچ سکتی ہے۔مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے حضرت جنید کا واقعہ اپنی کتاب تحذیر الناس میں نقل فرمایا کہ بارہ ہزار کلمہ شریف سے عذاب سے نجات ہونے کی حدیث کو ایک جوان صالح کے کشف سے قوت ہوئی مگر جو خواب یا الہام خلاف شرع ہو وہ الہام نہیں بلکہ وسوسہ شیطان ہے۔

۷؎ اسے نسائی،ابن ابی شیبہ اور سنی نے بھی روایت کیا،ان کی روایات کے آخر میں کچھ کلمات زیادہ ہیں۔

روایت ہے حضرت حارث بن مسلم تمیمی سے وہ اپنے والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خفیۃً ۱؎ فرمایا کہ جب تم نماز مغرب سے فارغ ہو تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار یہ پڑھ لو الٰہی مجھے آگ سے بچالے ۲؎ جب تم یہ کہہ لو گے پھر اگر تم اس رات مر جاؤ گے تو تمہیں آگ سے گزر لکھی جائے گی اور جب تم فجر پڑھو تو یہ ہی کہہ لو پھر اگر تم اس دن فوت ہو جاؤ تو تمہارے لیے آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ اَسَرَّ اسرا سے بنا،جس کے معنی خفیہ بھی ہیں یعنی سرّ بھید کی بات بتانا اور اعلان بھی،اس طرح کہ اسراء کی ہمزہ سلب کے لیے ہو،یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خفیہ یہ عمل بتایا تاکہ در مکنون کی طرح اس کی قدر کریں اور اس کو سنبھالیں یا علانیہ ارشاد فرمایا تاکہ دوسرے سامعین کو بھی اس کا فائدہ ہو۔(مرقات) مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ اشعہ اور لمعات وغیرہ میں ہے۔

۲؎ یعنی نماز مغرب پڑھ کر بغیر کسی سے دنیاوی کلام کیے ہوئے سات بار یہ دعا پڑھو،دنیاوی کلام کرلینے سے نماز کا دلی خشوع و خضوع کم ہوجاتا ہے اور زبان پر نماز کی تاثیر کم ہوجاتی ہے اس لیے بعض دعاؤں میں دنیاوی کلام نہ کرنے کی قید ہوتی ہے حتی کہ تلاوت قرآن و دعاؤں کے دوران بھی اور وضو میں بھی دنیاوی کلام نہ کرنا چاہیے۔سات بار کی قید اس لیے ہے کہ دوزخ کے دروازے سات ہیں اس عدد کی برکت سے اللہ تعالٰی اس پر وہ ساتوں دروازے بند کردے گا،ہر عدد ایک قفل کا کام دے گا۔ان شاءاللہ !

۳؎ جواز کا ترجمہ آج کل اصطلاح میں یا پاسپورٹ (Pasport) ہے یعنی نکل جانے کا اجازت نامہ جیسے ویزا (Veza) داخلہ کا اجازت نامہ ہوتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان کلمات کی برکت سے آج تمہیں نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق ملے اور اگر آج موت آئی تو ایمان پر خاتمہ میسر ہوگا،یہ مطلب نہیں کہ یہ دعا پڑھ لو اور خواہ کتنی ہی بدکاریاں کرو،شرک کرو جنتی ہوگئے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام کے وقت یہ کلمات پڑھنا کبھی نہ چھوڑتے تھے ۱؎ الٰہی میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں دنیا و آخرت کی ۲؎ الٰہی میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور گھر بار و مال میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں ۳؎ الٰہی میرے عیبوں کو چھپالے اور مجھے خوفوں سے امن دے ۴؎ الٰہی مجھے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور اوپر سے محفوظ رکھ ۵؎ میں تیری عظمت کی پناہ مانگتا ہوں اس	

	لیے کہ نیچے سے ہلاک کیا جاؤں یعنی زمین میں دھنسا کر۔٦(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح فرمانا کہ لم یکن یدع مبالغہ کے لیے ہے یعنی میں سفر وحضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے تو یہ دیکھا کہ حضور یہ پڑھنا کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ آپ پر یہ دعا پڑھنی فرض تھی۔ معلوم ہوا کہ مستحب کام ہمیشہ کرنا حرام نہیں لہذا بزرگوں کے بتائے وظیفے اور عملیات، عرس بزرگان، گیارھویں ومیلاد شریف کی مجلسیں ہمیشہ کرنا بہتر ہے حرام نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔

۲؎ عافیت کے معنی ہیں آفات سے سلامتی وحفاظت،آفات میں دنیاوی آفتیں بھی داخل ہیں جیسے ناگہانی مصیبتیں،بری بیماریاں وغیرہ،اخروی آفتیں بھی شامل جیسے گناہ میں مشغولیت، نیکیوں سے دوری، بے صبری، ناشکری وغیرہ اسی لیے آگے دین ودنیا کا ذکر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ دنیا کی عافیت گناہوں سے حفاظت ہے اور آخرت کی عافیت عذاب سے بچالینا ہے بہرحال یہ دعا بہت جامع ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری دعا ہے۔انسان پر تین قسم کی ہی مصیبتیں آتی ہیں: جانی،مالی اور عیالی پھر یہ تینوں مصیبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں دنیاوی اور دینی گویا کل چھ قسم کی آفتیں ہوئیں ان چھ قسم کی مصیبتوں سے ایک چھوٹے سے جملے میں امن مانگ لی۔خیال رہے کہ گناہ سے بچالینا عافیت اور گناہ سرزد ہوچکنے کے بعد معاف کردینا عفو۔اس پیارے محبوب نے ہم کو سب کچھ سکھادیا اللہ تعالٰی ہمیں سیکھنے کی توفیق دے۔

۴؎ چونکہ ہمارے عیوب بے شمار ہیں اور خطرناک چیزیں بے حد اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورات اور روعات جمع فرمائے۔روع بمعنی گھبراہٹ یہاں گھبراہٹ میں ڈالنے والی چیزیں مراد ہیں عورۃ،روعاتی میں نہایت نفیس مقابلہ ہے۔خیال رہے کہ یہ دعا ہم گنہگاروں کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ جس پر ان کی نظر کریمانہ ہوجائے وہ عیبوں سے پاک ہوجائے۔

جس طرف بھی اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے
میں تیری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

۵؎ اس مبارک جملہ میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے "لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ"۔مقصد یہ ہے کہ شیطان کے آنے کے چار راستے ہیں میرے مولٰی مجھے ان چاروں راستوں سے محفوظ فرمادے کہ کسی طرف سے شیطان مجھ تک نہ پہنچ سکے یا مقصد یہ ہے کہ آفات وبلائیں ان طرف سے آسکتی ہیں مولٰی ان اطراف کو محفوظ فرمادے۔

٦؎ اُغۡتَالَ غیل سے بنا بمعنی دھوکہ یا اچانک،اغتیال کے معنی میں اچانک قتل یا اچانک ہلاکت، چونکہ دھنسا کر ہلاک کردینا تمام آفتوں سے سخت تر آفت ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر چہار طرف سے آفت کا انسان کچھ تدارک ان سے بچنے کی تدبیر کرسکتا ہے مگر زمین میں دھنسنا وہ آفت ہے جس کی کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی اس لیے اسے علیحدہ بیان کیا مگر پہلی بات قوی ہے کیونکہ دوسری آفتوں کا مقابلہ کبھی انسان سے ناممکن ہوجاتا ہے، بارش اوپر سے اور دریاؤں کا سیلاب ہر چہار طرف سے آتا ہے اور انسان کو بے بس کردیتا ہے،انسان تو مکھی مچھر کا مقابلہ نہیں کرسکتا، بس اللہ تعالٰی اپنی امان میں رکھے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح کے وقت یہ کہہ لے الٰہی ہم نے سویرا پالیا۱؎ ہم تجھے اور تیرا عرش اٹھانے والوں اور دیگر فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتے

	ہیں۲ کہ تو اللہ ہے، تجھ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں، تیرا کوئی ساجھی نہیں اور یہ کہ محمد تیرے بندہ اور تیرے رسول ہیں مگر اللہ اس کے اس دن کے سارے گناہ معاف کردے گا اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے گا تو اللہ اس رات کے اس کے سارے گناہ معاف کردے گا۔۳ (ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱یہ عرض معروض شکر کے لیے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کو خبر دینے کے لیے، تیرا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت سویرا پالیا رات میں ہلاک نہ ہوگئے، مرکر دوبارہ زندگی پالی۔

۲یعنی اللہ تعالیٰ تو بھی گواہ رہ اور تیری مخلوق میں سے اعلیٰ ادنی ہر چیز گواہ رہے کہ نہ ہم کسی وقت تجھ سے غافل ہیں نہ تیری نعمتوں کے منکر۔اس جملے سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تجدید ایمان کرتے رہنا بہت ہی اعلیٰ چیز ہے۔دوسرے یہ کہ اپنے ایمان پر خالق و مخلوق کو گواہ بنالینا بہت بہتر ہے یہ گواہیاں قیامت میں بڑے کام آئیں گی۔بعض روایات میں ہے کہ ہر جنگل و دریا میں بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا کرو کہ ذرے و قطرے تمہارے ایمان کے گواہ بن جائیں،مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک کی ہر چیز اس کے ایمان کی گواہ ہے،بعض زائرین مدینہ منورہ میں روضہ اطہر پر حاضر ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کا گواہ بناتے ہیں عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گواہ ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضور بھی گواہ رہیں کہ میں آپ کا گنہگار امتی ہوں پڑھتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے اور اس کے بڑے فائدے ہیں۔

۳یا اس طرح کہ اسے دن بھر کے گناہوں سے بچنے کی توفیق دے گا یہ بھی معافی کی ایک صورت ہے یا اس طرح کہ جو گناہ اس سے آج سرزد ہوں گے انہیں معاف فرمادے گا۔سبحان اللہ!ساری مخلوق کو اپنے ایمان کا گواہ بنالینا اتنا مفید ہے تو جن لوگوں نے جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گواہ بنالیا ان کی قسمت کا کیا کہنا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب شہدائے احد کو دفن فرمارہے تھے تو فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں کے ایمان کا گواہ ہوں،درّہ والے قسمت والے شہیدو جو حضور کے ہاتھوں دفن ہوگئے تمہاری تو مٹی ٹھکانے لگ گئی،محنت وصول ہوگی۔

میں سمجھوں گا مٹی ٹھکانے لگی　　　مدینہ میں بربادگر ہوگئی

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی بندہ مسلمان نہیں جو شام اور صبح تین بار یہ کہہ لیا کرے میں اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہوا۱ مگر اللہ کے ذمہ کرم ہوگا کہ قیامت میں اسے راضی فرمالے۲(احمد،ترمذی)

۱ اللہ سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قضاء سے راضی رہے،رضاء بالقضاء خاص بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے اور اسلام سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے تمام احکام پر خوش ہو سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور کو اپنے جان مال اولاد کا صحیح معنی میں مالک جانے اور حضور کو تمام چیزوں سے پیارا جانے،اللہ تعالیٰ اس قال کو حال کردے اور حقیقت یہ ہے کہ جب حضور کی ہر چیز پیاری،حضور کا قرآن،حضور کا اسلام،بلکہ حضور کا رب بھی پیارا،عشق مصطفوی تمام محبتوں کا ذریعہ ہے۔شعر

محمد از تو مے خواہم خدا را　　　خدایا از تو عشق مصطفٰے را

اکثر دعائیں تین بار پڑھی جاتی ہیں تاکہ جماعت ہو جائے اور جماعت پر اللہ کی رحمت ہے اسی لیے یہ کلمات بھی تین تین بار کہے۔

۲؎ یعنی قیامت میں رب اسے اتنا دے گا کہ بندہ خوش ہو جائے گا۔خیال رہے کہ یہ صفت کہ رب بندے کو راضی کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے،رب تعالٰی نے فرمایا: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" پھر حضور کے صدقہ سے حضرت صدیق اکبر کو یہ وصف ملا کہ رب تعالٰی نے ان کے متعلق فرمایا "وَلَسَوْفَ يَرْضٰى" پھر ان سرکار کے صدقے سے یہ کلمات پڑھنے والے کو بھی عطا ہوا،حضرت صدیق اکبر عملی طور پر اللہ،اسلام اور حضور سے راضی تھے انہوں نے یہ کر کے دکھا دیا رضی اللہ عنہ۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سونا چاہتے تو اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے۱؎ پھر فرماتے الٰہی مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے یا اپنے بندوں کو اٹھائے۲؎ (ترمذی) اور احمد نے حضرت براء سے روایت کی۔

۱؎ اس طرح کہ ہاتھ شریف کا بعض حصہ سر مبارک کے نیچے رہتا اور بعض حصہ رخسار مبارک کے نیچے یا کبھی سر کے نیچے ہاتھ رکھتے کبھی رخسار کے نیچے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں رخسار کے نیچے ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے۔

۲؎ یہ کلمات تین بار فرماتے تھے۔(مرقات) یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لیے ہے ورنہ ہم گنہگاروں کو حضور عذاب الٰہی سے بچائیں گے شفاعت فرمائیں گے۔

	روایت ہے حضرت حفصہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسارہ کے نیچے رکھتے۱؎ پھر تین بار عرض کرتے خدایا مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سوتے یا رات میں سوتے یا بحالت سفر جنگل میں ہمیشہ قبر کے رخ پر لیٹتے تھے،داہنی کروٹ پر قبلہ رو ہو کر اور داہنا ہاتھ داہنے رخسارے کے نیچے رکھتے اس طرح کہ ہاتھ کا کچھ حصہ سر کے نیچے بھی ہوتا تھا،اسطرح سونا سنت ہے اور یوں ہی دفن بھی کیا جائے تو بہتر۔

۲؎ یعنی قیامت اور بعد قیامت کے عذاب سے بچا کہ اصل عذاب تو وہی ہے،قبر کا عذاب یا نزع کے وقت کا عذاب تو اس عذاب کا پیش خیمہ ہے جو قیامت کے عذاب سے محفوظ ہو گا تو امید ہے کہ ان عذابوں سے بھی بچا رہے گا۔خیال رہے کہ مؤمن کو نزع کی شدت یا قبر کی وحشت عذاب نہیں گنہگار کے لیے عتاب ہے اور نیک کار کے لیے رحمت جیسا کہ باب عذاب قبر میں عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیٹتے وقت کہتے تھے الٰہی میں تیری ذات کریم کی اور تیرے کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں ۱؎ اس کے شرارت سے تو جس کی پیشانی پکڑے ہے۲؎ الٰہی تو ہی قرض اور گناہ کو دور کرتا ہے۳؎ الٰہی تیرا لشکر کبھی شکست نہیں پاتا تیرا وعدہ تیرے خلاف نہیں ہوتا۴؎ اور تیرے مقابل بختاور کو بخت نفع

	نہیں دیتا۵ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔(ابوداؤد)

۱؎ وجہ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ"اور کلمات الٰہیہ سے مراد اس کے اسماء وصفات ہیں یاآیات قرآنیہ،یا کُن فرمانا یعنی میں تیری ذات وصفات آیات کی پناہ لیتا ہوں،چونکہ یہ تمام چیزیں کامل ہیں نقصانات سے پاک اس لیے انہیں تامات فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں خصوصًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کلمات اللہ ہیں،حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ ہیں جیسا کہ "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ"کی تفسیر صوفیانہ میں ہے۔

۲؎ یعنی ساری موذی چیزیں تیرے قبضہ میں ہیں جسے تو بچانا چاہے اسے یہ موذی تکلیف نہیں دے سکتیں،پیشانی پکڑنے سے مراد قبضہ میں ہونا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا"۔

۳؎ ممکن ہے کہ قرض سے مراد اللہ تعالٰی کے فرض ہوں جیسے وہ فرض واجب عبادات جو ادا نہ کی گئیں اور ماثم سے مراد وہ گناہ ہوں جو نہ کرنے تھے اور کرلیے گئے یامغرم سے مراد وہ ناجائز قرض ہیں جن سے رب ناراض ہے جسے حرام کام میں خرچ کرنے کے لیے قرض لینا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے اتنی پناہ مانگی ہے تو آپ پر قرض کیوں ہوتا تھا حتی کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ قرض میں گروی تھی۔بعض قرض ثواب ہیں اور بعض قرض گناہ،قرض گناہ سے پناہ مانگی۔(از مرقات مع زیارت)یاقرض سے وہ قرض مراد ہے جو ادا نہ ہوسکے،حضور کے تمام قرض ادا ہوگئے حتی کہ حضور کے بعد صدیق اکبر نے ادا کیے۔

۴؎ اللہ کے لشکر سے مراد یاتو فرشتوں کا لشکر ہے یاجانوروں وغیرہ کا وہ لشکر جو عذاب دینے آئے جیسے فیل والوں پر ابابیل یااحزاب کے کفار پر ہوا لشکر یاطوفان نوحی میں پانی کا لشکر یالشکر سے مراد مؤمن غازیوں کا لشکر ہے جو محض رضائے الٰہی کے لیے جہاد کرے کہ انجام کار فتح اسی کی ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"والعاقبة للمتقين"کبھی ان کی شکست ہوتی ہے تو عارضی وہ بھی اپنی کسی غلطی کی وجہ سے،کربلا میں امام حسین کی فتح ہوئی کہ اسلام بچ گیا،حسینی لشکر اللہ کا لشکر تھا،نیز رب کے وعدہ میں خلاف ناممکن ہے،اس کا وعدہ ہوچکا"اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"۔

۵؎ جد کے معنی مال بھی ہیں اور بخت ونصیب بھی،دوسرے معنی یہاں زیادہ موزوں ہیں۔نصیب میں مال،سلطنت،فوج،مکان و قلعہ وغیرہ سب ہی داخل ہیں یعنی جب تو کسی کو پکڑے تو اسے نہ سلطنت بچاسکتی ہے نہ فوج وخزانہ اور قلعہ،تیری پکڑ سے تیری رحمت ہی بچاسکتی ہے،یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند لوگ حاضر تھے کوئی جدی الامل،کسی نے کہا جدی الزرع،کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ،تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنا کر یہ دعا کی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بستر پر جاتے وقت یہ کہہ لے میں اس اللہ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۱؎ وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور اس بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۲؎ (تین بار کہے)تو اللہ اس کے

	گناہ بخش دے گا اگرچہ سمندر کے جھاگ یا ریگ رواں یا درختوں کے پتوں یا دنیا کے دنوں کے برابر ہوں۳ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱ سوتے وقت یہ دعائیں واستغفار اس لیے پڑھائے گئے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے نہ معلوم اب جاگنا ہو یا نہ ہو لہٰذا توبہ کرکے سوؤ کہ اگر یہ آخری نیند ہو تو اللہ تعالٰی کے نام پر ہو۔ شعر

سونے والے اللہ اللہ کرکے سو   کیا خبر اب جاگنا ہو یا نہ ہو

اس استغفار میں بندے کی اپنی بے بسی اور رب تعالٰی کی انتہائی قدرت و قوت کا اظہار ہے ان دونوں باتوں کا اقرار ہی توبہ کی جان ہے۔
۲ اس طرح کہ جو ہوگیا، ہوگیا اب کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا، تو کریم ورحیم ہے معافی دے دے۔
۳ ظاہر یہ ہے کہ گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ ممکن ہے کہ گناہ کبیرہ بھی مراد ہوں، اس کی رحمت ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے کہ ہمارے گناہ محدود ہیں رب تعالٰی کی رحمت غیر محدود، ایام دنیا سے مراد اوقات دنیا ہیں یعنی گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ۔ عالج علج سے بنا بمعنی دخول اس لیے خاص خادم کو عالج کہتے ہیں کہ ہمارے کاموں میں دخیل ہوتا ہے دوا کرنے کو علاج کہتے ہیں کہ وہ دوا مرض میں یا بدن میں داخل ہوکر اثر کرتی ہے، بہت زیادہ ریتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض ریتہ بعض میں دھنسا جارہا ہے اس لیے اسے عالج کہتے ہیں یہ ریتہ دور سے دریا معلوم ہوتا ہے اسی لیے اس رمل عالج کا ترجمہ ریگ رواں کیا جاتا ہے۔ (مرقات مع اضافہ)

	روایت ہے حضرت شداد بن اوس۱ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو بستر پر لیٹے قرآن شریف کی کوئی سورۃ پڑھ لے۲ مگر اللہ تعالٰی اس پر فرشتہ مقرر فرمادیتا ہے پھر کوئی ایذادہ چیز اس کے پاس نہیں پھٹکتی حتی کہ بیدار ہو جب بھی۳ (ترمذی)

۱ پہلے عرض کیا جاچکا کہ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھائی ہیں، انصاری بڑے عالم وعابد تھے۔
۲ اس طرح کہ لیٹ کر سورت پڑھ کر لیٹے مگر یہ سورۃ کا پڑھنا لیٹنے کے ارادہ سے ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ سورۃ سے مراد پوری سورۃ ہے نہ کہ کسی سورۃ کی کچھ آیات جیسے فلق وناس یا قل یا ایھا الکافرون وغیرہ بعض لوگ آیت الکرسی بھی پڑھ لیتے ہیں اور سورۃ کافرون بھی، یہ بہت ہی اچھا ہے۔
۳ بزاز نے حضرت انس سے روایت کیا ہے مرفوعًا کہ لیٹتے وقت سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر سوؤ، رات بھر امن میں رہو گے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ سورۂ بقر کی آخری تین آیات پڑھ کر سویا کرو محفوظ رہو گے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی مسلمان آدمی انہیں اختیار نہیں کرتا مگر جنت میں ضرور جائے گا۱ وہ ہیں تو آسان مگر ان پر عامل تھوڑے ہیں۲ ہر نماز کے بعد دس بار اللہ کی تسبیح کہے، دس بار اس کی حمد کرے، دس بار تکبیر کہے۳ راوی فرماتے ہیں پھر

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے عقد انامل فرما کر فرمایا کہ یہ زبان میں تو ڈیڑھ سو ہیں ۴ مگر میزان یعنی ترازو میں ڈیڑھ ہزار ہوں گے ۵ اور جب اپنا بستر لے تو سو بار تسبیح تکبیر اور حمد کرے ۶ تو یہ زبان میں ایک سو ہیں اور میزان میں ایک ہزار ۷ بتاؤ تو تم میں سے کون ہے جو ایک دن و رات میں ڈھائی ہزار گناہ کرے ۸ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم ان کلمات کی کیوں نہ پابندی کریں گے ۹ فرمایا جب کوئی نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس پہنچ کر کہتا ہے فلاں بات یاد کرو فلاں بات یاد کرو حتی کہ نمازی کو باز رکھ دیتا ہے تو شاید وہ یہ عمل نہ کرسکے ۱۰ اور شیطان اس کے خوابگاہ پر پہنچ کر اسے سلاتا رہتا ہے حتی کہ وہ سو جاتا ہے ۱۱ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا دو خصلتیں یا دو عادتیں ایسی ہیں جن کی کوئی بندہ مسلمان حفاظت نہیں کرتا ۱۲ الخ اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں اس کلام کے بعد کہ میزان میں ڈیڑھ ہزار میں یہ ہے کہ فرمایا ۳۴ بار تکبیر کہے جب اپنا بستر لے اور ۳۳ بار الحمد للہ پڑھے اور ۳۳ بار سبحان اللہ کہے ۱۳ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔	

۱؎ ایسے مقامات میں رجل بمعنی آدمی ہوتا ہے نہ کہ بمعنی مرد لہذا یہ مطلب نہیں کہ مرد مسلمان تو یہ عمل کرے عورت مسلمہ نہ کرے بلکہ جو بھی کرے مرد یا عورت سب کو مفید ہے۔ مسلم کی قید اس لیے لگائی گئی کہ کافر کا کوئی عمل وظیفہ نہ قبول ہے نہ باعث ثواب۔ خیال رہے کہ بعض اعمال کی دنیاوی تاثیر کفار سے صادر ہو جاتی ہے جیسے گالی کا برا اثر اور اچھے الفاظ کا دل پر اچھا اثر، بہرحال ہوتا ہے خواہ کافر کی طرف سے ہو یا مؤمن کی طرف سے۔ لایحصیھما احصاءٌ سے بنا جس کے لغوی معنی تو ہیں شمار کرنا مگر اصطلاح میں حفاظت کرنے، طاقت رکھنے کے معنی میں آتا ہے خصوصًا جب کہ وہ چیز گنتی والی ہو یہاں اصطلاحی معنی مراد ہے۔

۲؎ اس میں غیبی خبر ہے کہ یہ عمل کچھ بھاری نہیں مگر بہت آسان ہے لیکن اس کی توفیق کم لوگوں کو ملے گی جیسے رب تعالٰی نماز کے متعلق فرماتا ہے: "وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ" یہ نماز خاشعین کے سوا دوسروں پر گراں ہے، اس کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے کہ روزہ حج جو مشکل چیزیں ہیں لوگ خوشی و شوق سے کرتے ہیں حتی کہ بچے روزے کے لیے ضد کرتے ہیں مگر نماز کا پابند کوئی کوئی ہے، اسی طرح اس عمل کے پڑھنے والے اب بھی کم دیکھے جاتے ہیں، یہ ہے اس مخبر صادق کی سچی خبر صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ اس طرح کہ پہلے دس بار سبحان اللہ کہے، پھر دس بار الحمد للہ، پھر دس بار اللہ اکبر، یہ نہ کرے کہ سبحان اللہ والحمد للہ اللہ اکبر ملا کر دس بار کہے کہ یہ مقصد حدیث کے خلاف ہے۔

۴؎ اس طرح کہ ہر نماز کے بعد تیس ہوئے اور پانچ نمازیں ہیں تو تیس پنجہ ڈیڑھ سو ہوئے۔

۵؎ یعنی یہ کلمات روزانہ پڑھنے میں ڈیڑھ سو مگر ثواب میں ڈیڑھ ہزار کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے " مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" یہ تو ہے قانون اور فضل رب کا کوئی حساب نہیں۔

٦؎ یعنی سوتے وقت بستر پر لیٹنے سے پہلے سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرے۔واؤ ترتیب کے لیے نہیں لہذا اللہ اکبر الحمدللہ کے بعد پڑھے اور اس کا ذکر حمد سے پہلے ہے یہ ہی بزرگوں کا عمل ہے اور دوسری احادیث بھی اس کی تائید فرماتی ہے۔

۷؎ یہاں بھی وہ ہی حساب ہے کہ قانونًا ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے تو سو کلمات کا ثواب ہزار گنا ہوا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں وزن نیکی کے ثواب کا ہوگا نہ کہ محض الفاظ کا اسی لیے کفار کی نیکیاں بالکل وزنی نہ ہوں گی اور گناہ بہت بھاری،ان شاء اللہ! مؤمن کی نیکیاں بقدر اخلاص وزنی ہوں گی اور گناہ کا یا تو وزن ہوگا ہی نہیں اگر ہوگا تو بہت ہلکا،رب تعالٰی کفار کی نیکیوں کے متعلق فرماتا ہے:"فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا" لہذا فی المیزان فرمانا بہت موزوں ہے۔

۸؎ یعنی یہ کلمات سارے مل کر پڑھنے میں تو ہوئے ڈھائی سو اور ثواب میں ہوئے ڈھائی ہزار اور ہر ایک کلمہ ایک ایک گناہ مٹاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔چنانچہ ان کا مجموعہ ڈھائی ہزار گناہ مٹانے کے لیے کافی ہے اور بمشکل ہی کوئی مسلمان ایسا ہوگا جو ڈھائی ہزار گناہ روزانہ کرے،توان شاءاللہ اب یہ کلمات خالص نفع ہی میں بچے،کچھ نے تو گناہ مٹائے اور جو گناہوں سے بچے انہوں نے درجے بڑھائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکیاں ثواب کا باعث بھی ہیں اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ بھی،داتا کی دین کے بہانے ہیں۔

۹؎ یہ سوال تعجب کے لیے ہے کہ یا حبیب اللہ اتنا آسان عمل اور اتنے فائدے والا عمل کون چھوڑے گا اور کیوں چھوڑے گا،کیسے چھوڑے گا۔

۱۰؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا جواب ہے یعنی جب شیطان فرائض عبادات میں یوں خلل ڈال دیتا ہے تو یہ عمل تو ایک نفلی کام ہے اس سے کیوں نہ روکے گا،نماز کے بعد تمہیں ایسے کام یاد دلائے گا کہ تم مسجد سے جلد جانے کی کوشش کرو گے اور کہے گا کہ یہ عمل صرف نفلی ہی تو ہے اسے چھوڑ دو،فلاں کام چل کر کرو۔

۱۱؎ یعنی نماز والے عمل سے تو اسی طرح روکے گا جو بیان ہوئی اور سوتے وقت کے عمل سے یوں روکے گا کہ اسے بستر پر پہنچتے ہی سلادے گا کہے گا کہ یہ عمل صرف نفلی ہے اسے چھوڑ دے اور جلد سو جاؤ تاکہ فجر کے لیے وقت پر آنکھ کھلے۔خیال رہے کہ شیطان دینداروں کے پاس پہنچ کر دین دکھا کر بہکاتا ہے۔

۱۲؎ یعنی ابوداؤد کی روایت میں شک سے ہے خلتان فرمایا یا خصلتان اگرچہ ان دونوں لفظوں کے معنے ایک ہی ہیں مگر محتاط راوی الفاظ رسول اللہ کی پابندی کرتے تھے اور حدیث کو قرآن شریف کی طرح یاد کرتے تھے اگر کہیں ذرا سا تردد ہو جاتا تو بیان کردیتے تھے۔

۱۳؎ یہاں بھی وہ بات یاد رہے جو ابھی پہلے عرض کی گئی کہ واؤ ترتیب نہیں چاہتا لہذا بیان میں تکبیر پہلے ہے اور تسبیح بعد میں مگر پڑھنے میں سبحان اللہ پہلے ہوگی اور اللہ اکبر بعد میں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن غنام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح کے وقت یہ پڑھے الٰہی تیری جو نعمت مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ صرف تیرے اکیلے کی طرف سے ہے ۱؎ تیرا

کوئی شریک نہیں لہذا تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر۲ تو اس نے آج کے دن کا شکریہ ادا کردیا۳ اور جو اسی طرح شام کے وقت کہہ لے تو اس نے اس رات کا شکریہ ادا کردیا۴(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جسے جو دینی یا دنیاوی نعمت ملی بلاواسطہ یا بالواسطہ وہ تیری ہی طرف سے ہے۔اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ"۔خیال رہے کہ نعمت ومصیبت سب اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے مگر ادب یہ ہے کہ نعمتوں کو رب کی طرف نسبت دو اور مصیبت کو اپنی طرف،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَآ اَصٰبَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ"۔

۲؎ یعنی حقیقی حمد اور حقیقی شکر تیرے ہی ہیں کہ حقیقی منعم تو ہی ہے،تیرے سواء جس کا بھی شکر و حمد ہوں گے وہ مجازی ہوں گے لہذا یہ دعا قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں"اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوٰلِدَيْكَ"میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ وہاں ماں باپ کا شکریہ مجازی مراد ہے۔

۳؎ یعنی صبح شام اس دعا کے پڑھنے والوں کو توفیق ملے گی کہ رب تعالٰی کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور اگر شکریہ میں کچھ کوتاہی ہوگئی تو رب تعالٰی اس کی برکت سے وہ کمی پوری فرمادے گا،یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز،زکوۃ،روزہ کچھ نہ کرو صرف یہ دعا پڑھ لیا کرو کیونکہ ساری عبادتیں رب کا شکریہ ہیں اور شکریہ تو اس دعا سے پورا ہوگیا اب اور شکر کی کیا ضرورت ہے۔غرضکہ حدیث صاف ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ شکریہ دلی بھی ہوتا ہے،زبانی بھی،یہاں شکر سے مراد قولی شکر ہے یعنی ان کلمات میں ایسا ثواب ملے گا جیسے کوئی دن بھر زبانی شکریہ ادا کرتا رہے،رہا عملی شکریہ وہ اس کے علاوہ ہے۔

۴؎ اسے نسائی نے انہی عبداللہ ابن غنام سے روایت کیا اور ابن حبان وابن سنی نے حضرت ابن عباس سے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور جب اپنے بستر پر جاتے تو عرض فرماتے ۱؎ اے اللہ اے آسمانوں کے رب اے زمین کے رب اے ہر چیز کے رب ۲؎اے دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ نکالنے والے ۳؎ اے توریت انجیل اور قرآن کو اتارنے والے ۴؎میں ہر اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے ۵؎ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں ۶؎ تو ہی ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو ہی چھپا ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں ۷؎ میرا قرض ادا کردے اور مجھے فقیری سے غنا بخش ۸؎(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)اسے مسلم نے کچھ تھوڑے فرق کے ساتھ روایت کیا۔	

۱؎ یعنی بستر پر جاتے وقت لیٹنے سے پہلے اور حصن حصین میں ہے کہ سرکار بستر پر لیٹ کر یہ پڑھتے تھے،ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ ہو کبھی وہ لہذا دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔

۲؎ آسمانی وزمینی اصولی نعمتیں ہیں درمیان کی چیزیں فروعی نعمتیں یعنی تمام اصولی وفروعی نعمتوں کے رب۔ مسلم کی روایت میں سماوات کے ساتھ سبع بھی ہے اور حصن حصین میں ورب العرش العظیم بھی ہے۔

۳؎ نوی کھجور کی گٹھلی کو کہتے ہیں، چونکہ عرب میں کھجور زیادہ ہوتی ہے، نیز تمام درختوں سے کھجور افضل بھی اور زیادہ نافع بھی ہے، اس لیے دانوں کے بعد اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا یعنی اے تخم اور گٹھلی کو چیر کر اس میں سے درخت نکالنے والے مولیٰ، چونکہ دانوں سے غذا اور گٹھلی سے پھل پیدا ہوے ہیں غذا اور میووں سے جسمانی رزق ہے اس لیے دونوں کا ذکر فرمایا۔

۴؎ یعنی جسمانی روزیوں کے ساتھ ہم کو روحانی روزی دینے والے کیونکہ آسمانی کتابیں روحانی روزی کا ذریعہ ہیں، چونکہ زبور شریف میں صرف دعائیں تھیں، احکام توریت ہی میں تھے، نیز توریت شریف زبور پر حاوی تھی اس لیے زبور کا ذکر نہ فرمایا، حصن حصین میں بجائے قرآن کے فرقان ہے۔

۵؎ مطلب یہ ہے کہ ہر شر والی چیز تیرے قبضہ میں ہے کہ اس کا خالق ومالک ہے مولیٰ میں اس کی شر سے تیری پناہ لیتا ہوں، ضعیف ہوں تو قوی، اے قوی مجھ ضعیف کو اپنی پناہ میں لے لے۔

۶؎ یعنی تو ہی ازلی ہے کہ عدم سابق سے پاک ہے اور تو ہی ابدی ہے کہ عدم لاحق سے پاک۔ خیال رہے کہ رب کے سوا کوئی چیز ازلی وقدیم نہیں ہر چیز حادث ونوپید ہے مگر رب کے ارادے سے بعض چیزیں ابدی ہیں جیسے دوزخ اور وہاں کے عذاب، اسی طرح جنت اور وہاں کے ثواب ارواح اور جنتی و جہنمی لوگ وہاں پہنچ کر کہ یہ سب کچھ ابدی ہیں جنہیں فنا نہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اُکُلُهَا دَآئِمٌ" اور فرماتا ہے: "خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا" اگر ان میں سے کسی چیز کو فنا ہوتی تو خلدین کیسے اور ابدًا کیسے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدیم وازلی رب تعالٰی کے سواء کوئی نہیں مگر ابدی بہت چیزیں ہیں لیکن رب تعالٰی ذاتی حقیقی ابدی اور وہ چیزیں مجازی وعرضی ابدی۔ اور ہو سکتا ہے بعدك بمعنی غیرك ہوا اور مطلب یہ ہو کہ تیرے سوا کسی کو ذاتی طور پر بقا نہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الا کل شیئ ما خلا اللہ باطلٌ" بے دینوں نے اس حدیث سے دلیل پکڑی کہ جنت ودوزخ کو فنا ہے مگر یہ بات باطل ہے اور مطلب حدیث کا وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

۷؎ یعنی اے میرے مولیٰ تو صفات وافعال کے لحاظ سے ایسا ظاہر ہے کہ اس کے ظہور پر کسی کا ظہور نہیں اور ذات کے لحاظ سے ایسا چھپا ہوا ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی چھپی چیز نہیں۔ شعر

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار	اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے	ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

یہاں مرقات نے فرمایا کہ دُون بمعنی غیر بھی آتا ہے اور بمعنی قریب بھی، یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں یعنی تیرے سوا کوئی حقیقی چھپا ہوا نہیں یا کوئی چیز چھپنے میں تجھ سے قریب بھی نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی بصارت سے چھپا ہے اور بصیرت سے ظاہر یعنی نظر سے چھپنا فکر میں ظاہر۔

۸؎ قرض سے مراد مخلوق کا قرض ہے کیونکہ اس قرض سے بہت گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرض رات کا غم اور دن کی ذلت ہے، فقیری سے مراد مخلوق کی محتاجی ہے یا اس سے دلی فقر مراد ہے جس کے متعلق فرمایا گیا کہ فقر کفر تک پہنچا دیتا ہے لہذا یہ حدیث نہ اس آیت کے خلاف ہے "وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ" اور نہ اس حدیث کے مخالف الفقر فخری۔

روایت ہے حضرت ابو ازہر انماری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب رات کو اپنی خوابگاہ قبول فرماتے ۱؎ تو کہتے اللہ کے نام پر اللہ کے لیے میں نے اپنی کروٹ رکھ دی ۲؎ الٰہی میرے گناہ بخش دے اور میرے شیطان کو دور فرمادے میرا رہن چھوڑادے ۳؎ اور مجھے اعلیٰ مجلس میں داخل فرما ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی یہ دعا رات کے آرام کی ہے نہ کہ دوپہر کی۔

۲؎ محض آرام کے لیے، مؤمن کا جاگنا، سونا، جینا، مرنا اللہ کے لیے چاہیے "وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" بعض نسخوں میں اللہ نہیں ہے۔

۳؎ میرے گناہ سے مراد یا تو میری امت کے گناہ ہیں یا خطائیں مراد ہیں یا یہ لفظ ہماری تعلیم کے لیے ورنہ حضور گناہوں سے معصوم ہیں۔ شیطان سے مراد انسانی شیطان ہیں یا قرین شیطان ہے، رب تعالٰی نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی کہ آپ کا قرین شیطان مؤمن ہوگیا۔ اخساخساءؓ سے بنا بمعنی کتے کو دُور کارنا، رہن گروی چیز کو کہتے ہیں یہاں مراد اپنی ذات ہے کیونکہ انسان کی ذات اپنے اعمال میں گروی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: "كُلُّ امْرِیٍٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ" یعنی مجھے نیک اعمال کی توفیق دے کر میرے نفس کو گروی ہونے سے چھوڑادے۔

۴؎ ندیٰ مجلس کو بھی کہتے ہیں اور مجلس والوں کو بھی یہاں مجلس مراد ہے اور اعلیٰ مجلس سے مراد قرب الٰہی غیر شناختی ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم تمام خلق سے اعلیٰ ہیں ان سے اعلیٰ مجلس والا کون ہوگا اور حضور کی مجلس والے صحابہ تمام مجلس والوں سے افضل ہیں اس جملہ کے اور بھی معنے کیے گئے ہیں مگر یہ معنے زیادہ مناسب ہیں یا یہ دعا ہماری تعلیم کے لیے ہے تو ندیٰ سے مراد مجلس والے ہیں یعنی خداوند مجھے ملائکہ، انبیاء، اولیاء کا مجلس والا بنا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر اختیار فرماتے تو فرماتے شکر ہے اس اللہ کا جو میرے لیے کافی ہوا اور جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور جس نے مجھ پر احسان پھر فضل کیا ۱؎ اور جس نے مجھے دیا تو بہت زیادہ دیا ۲؎ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے ۳؎ اے اللہ ہر چیز کے رب اور بادشاہ اے ہر چیز کے معبود میں آگ سے تیری پناہ لیتا ہوں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس دعا میں رب تعالٰی کی چھ نعمتوں کا ذکر ہے: کفایت یعنی مخلوق سے بے نیاز کردینا، اواء یعنی رہنے کے مکان عطا فرمانا، کھانا پانی عطا فرمانا، دیگر نعمتیں دینا اور سب سے اعلیٰ دینا۔ واقعی رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دیا کہ جتنا کسی کو نہ دیا، خود فرماتا ہے: "وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا" محبوب آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے اور فرماتا ہے: "اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا، یہاں اس عطا کا شکر ہے۔

۲؎ افضل میں کیفیت کی زیادتی مراد تھی اور اجزل میں مقدار کی زیادتی مقصود ہے یعنی مجھے رب تعالٰی نے بہت زیادہ اعلٰی دیا لہذا کلمات میں تکرار نہیں۔

۳؎ یعنی فقر وغنا،رنج وعنا،راحت ومصیبت ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔خیال رہے کہ رب کی بھیجی ہوئی مصیبت وغم بھی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے ہزار گناہ معاف ہوجاتے ہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ شکر تو صرف نعمت پر ہوتا ہے پھر ہر حال میں شکر کیسا۔

۴؎ مالک وملیک کا فرق بارہا بیان ہوچکا کہ ظاہری عارضی ملک رکھنے والا بھی مالک کہلاتا ہے،مگر حقیقی دائمی ملک والا ملیک۔مالک ملیک سے عام۔اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت رب تعالٰی کو اس کے اچھے ناموں سے یاد کرنا چاہیے،حمد الٰہی دعا کا رکن ہے،آگ سے پناہ مانگنے کے یہ معنے بھی ہیں کہ رب تعالٰی ہمیں دوزخ والے اعمال سے بچائے اور یہ معنے بھی ہیں کہ گناہوں کی معافی دے کر دوزخ سے نجات دیدے،دوزخ سے نجات ملنے پر ان شاء اللہ جنت ملنالازمی ہے کیونکہ سواء جنت ودوزخ کے انسانوں کے لیے تیسرا کوئی مقام نہیں۔اعراف ایک عارضی جگہ ہوگی جس کے بعد جنت ملے گی لہذا حدیث پر یہ سوال نہیں کہ یہاں جنت کی طلب نہیں کی گئی۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ خالد ابن ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی عرض کیا یارسول اللہ میں بے خوابی کے باعث رات کو سوتا نہیں ۱؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو اے اللہ اسے سات آسمانوں کے اور جن پر یہ آسمان سایہ فگن ہیں ان کے رب اور زمینوں کے اور جنہیں زمین اٹھائے ہے ان کے رب ۲؎ اور اے شیطانوں کے اور جنہیں وہ گمراہ کریں ان کے رب ۳؎ تو اپنی ساری مخلوق کی شر سے میری پناہ ہوجا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی یا ظلم کرے ۴؎ تیری پناہ غالب ہے،تیری ثنا شاندار ہے،تیرے سوا کوئی معبود نہیں صرف تو ہی معبود ہے ۵؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور حکیم ابن ظہیر راوی کی حدیث کو بعض محدثین نے چھوڑ دیا ہے ۶؎	

۱؎ شکا الف سے بھی لکھا جاتا ہے،یہ شکوت سے بنا اور شکیٰ ی سے بھی جو شکیت سے بنا شکوت وشکیت دونوں لغتیں درست ہیں۔مشکوۃ شریف کے اس نسخہ میں سے ہے۔ارق مطلقًا بے خوابی کو کہتے ہیں خواہ فکر یا رنج سے ہو یا خشکی سے،خوشی سے بے خوابی ارق نہیں کہلاتی کہ وہ بیماری نہیں،یہاں وسوسہ یا فکر سے نہ سونا مراد ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی،اگر خشکی سے ہوتی تو دوا بتائی جاتی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم روحانی بھی ہیں حکیم جسمانی بھی،حضرت خالد کو کئی راتوں سے نیند نہ آئی تھی یا وسوسوں سے یا رنج وگم سے آپ پریشان ہوگئے تھے تب یہ عرض کیا۔

۲؎ اس چھوٹے سے جملے میں تمام عالم اجسام کی چیزیں داخل ہیں آسمان میں فرشتے وغیرہ آگئے آسمان کے زیر سایہ ہیں۔تمام فضا کی چیزیں وزمین اور زمینی چیزوں میں زمین پر اور زمین کے اندر کی تمام چیزیں داخل ہوگئیں۔

۳؎ شیاطین سے مراد گمراہ کن چیزیں ہیں آدمی ہوں یا جنات،اس سے عام چیزیں مراد ہیں خواہ عقل والی ہوں یا غیر عاقل،اگرچہ یہ چیزیں بھی پہلے جملے میں داخل تھیں مگر خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ کیا گیا کیونکہ اس دعا میں انہیں کے شر سے حفاظت مانگی گئی ہے لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۴؎ یہاں جار بمعنی حافظ،ناصر،امان دہ ہے نہ کہ بمعنی پڑوسی بلکہ پڑوسی کو بھی جار اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ امن وامان کا ذریعہ ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ"یعنی خدا تو میرا مددگار،حافظ،امان ہو جا،مجھے اس سے امن میں رکھ کہ کوئی موذی چیز ایذا دے۔

۵؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ جار بمعنی مستجیر ہے یعنی جو تیری امان میں آجائے وہ سب پر غالب ہی رہتا ہے،دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے،رب تعالٰی نے فرمایا:"اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ"تم کو امن ہے یعنی جو تیری امان میں آجائے وہ سب پر غالب رہے،جسے سلطنت دنیاوی پناہ دے دے وہ غالب ہوجاتا ہے تو جسے رب پناہ دے دے اسے کون مغلوب کرسکتا ہے،رب کی حمد ثناء تمام حمدوں سے شاندار ہے کہ تمام مخلوق اس کے گن گارہی ہے۔

۶؎ چنانچہ حکم یا حکیم ظہیر کے متعلق بخاری،ابوزرعہ،نسائی،ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے،ابن معین نے فرمایا کہ اس حدیث میں کچھ نہیں،ابن عدی نے فرمایا کہ اس کی اکثر حدیثیں غیر محفوظ ہیں،اس حدیث کو ابن ابی شیبہ،طبرانی اور حصن حصین نے بھی نقل فرمایا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابومالک سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سویرا پالے تو کہہ لے ہم نے صبح کی اور اللہ رب العلمین کے ملک نے صبح پائی۲؎ اے اللہ میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اس کی کشادگی اس کا نور اس کی برکت اور اس کی ہدایت مانگتا ہوں ۳؎ اور جو اس دن میں ہے اس کی اور اس کے بعد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں ۴؎ پھر جب شام پائے تو اس طرح کہہ لے۵؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام کعب ابن مالک ہے،کنیت ابومالک اشعری ہے یا اشجعی،آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے جو ہم نے عرض کیا وہ ہی قوی ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگوں نے بخیر و خوبی سویرا پالیا۔یہاں ملک الٰہی سے وہ حصہ دنیا کا مراد ہے جس پر اس وقت سویرا ہوا آدھی دنیا کیونکہ آدھی زمین پر دن رہتا ہے اور آدھی پر رات،جب یہاں سویرا ہوتا ہے تو دوسرے حصہ میں شام۔

۳؎ کہ تو مجھے اس دن میں علم،عمل،حلال روزی،عبادات کی توفیق بخش۔

۴؎ یعنی دن بھر مجھے برے عمل،حرام روزی،گناہوں سے محفوظ رکھ،ایسی شر سے بھی بچالے جس کا اثر آج ہی ختم ہوجائے اور ایسی شر سے بھی بچا جس کا اثر بعد تک رہے،بعض جرموں کی وجہ سے دو تین سال کی جیل یا پھانسی ہوجاتی ہے،یہ ہے شر ما بعدہ۔

۵؎ مگر اس وقت بجائے اصبحنا کے امسینا کے باقی کلمات وہ ہی کہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے	

	اپنے والد سے عرض کیا ابا جان میں آپ کو ہر صبح یہ کہتے سنتا ہوں۲؎ الٰہی مجھے میرے بدن میں عافیت دے،الٰہی مجھے میرے کانوں میں عافیت دے،الٰہی مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے۳؎ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اسے تین بار مکرر کرتے جب سویرا ہوتا اور تین بار جب شام ہوتی ۴؎فرمایا اے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعائیں مانگتے سنا تو میں بھی چاہتا ہوں کہ اس سنت کی پیروی کروں۵؎(ابوداؤد)

۱؎ابو بکرہ کا نام نفیع ابن حارث ہے،آپ طائف کی فتح کے دن کفار طائف سے بچتے ہوئے ایک کنوئیں کی چرخڑی سے لٹک کر قلعہ طائف سے باہر آگئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابو بکرہ ہو یعنی چرخڑی والے۔ بکرہ عربی میں کنوئیں کی چرخڑی کو کہتے ہیں۔آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن تابعین میں سے ہیں۔

۲؎معلوم ہوا کہ نیک بچے اپنے ماں باپ کے ہر عمل کو بغور دیکھتے سنتے ہیں اور ان کی عبادتوں دعاؤں کو یاد کر کے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باپ کو چاہیے کہ اچھا نمونہ بنیں کہ اولاد ان کی نقال ہے، بچوں کا پہلا مدرسہ ان کا گھر ہے اور پہلے معلم ان کے ماں باپ۔

۳؎اگرچہ بدن میں کان وآنکھ بھی آگئے تھے مگر چونکہ زیادہ اچھے برے اعمال ان دو اعضاء سے ہوتے ہیں، نیز آنکھوں سے آیات الٰہیہ دیکھی جاتی ہیں اور کانوں سے آیات قرآنیہ سنی جاتی ہیں اس لیے ان دونوں اعضاء کا ذکر علیحدہ فرمایا اور بمقابلہ آنکھ کے کان زیادہ کار آمد ہیں کہ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے مگر کان ہر طرف کی آواز سنتا ہے اس لیے کان کا ذکر پہلے ہوا آنکھ کا بعد میں، کوئی پیغمبر کان سے معذور نہ ہوئے۔

۴؎یعنی نماز فجر ومغرب کے بعد آپ یہ دعا تین تین بار پڑھتے ہیں،ان دو وقتوں کی خصوصیت اور اکثر دعاؤں وظیفوں کے تین بار ہونے کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی ہے۔

۵؎یعنی میں ثواب کی نیت سے یہ کلمات پڑھتا ہوں کہ انکا پڑھنا سنت ہے اور ہر سنت پر عمل ثواب، مجھے اس سے بحث نہیں کہ ان کی تاثیر کیا ہے اور ان کی تاثیر کیا ہے اور ان سے دوسرے فوائد کیا ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام ذکر اور وظیفے پڑھنے کا ثواب اجازت پر موقوف نہیں وہ ضرور ملے گا کہ اللہ کا ذکر ثواب ہے اور جو وظیفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کا دہرا ثواب ہے ایک ذکر خیر کا ثواب دوسرا اداء سنت کا،رہی ان کی تاثیر اس کے لیے اجازت بہت ہی مفید ہے بغیر اجازت بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے مگر اجازت سے تاثیر بہت بڑھ جاتی ہے، تلوار چاقو کسی کی سان پر چڑھا ہوا خوب کاٹ کرتے ہیں، یہ دعائیں تلوار ہیں بزرگوں کی اجازت ان کی سان۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو یوں کہتے ہم نے اور اللہ کے ملک نے سویرا پالیا اللہ کی ہی حمد اور بڑائی ہے اور عظمت اللہ کے لیے ہے۱؎ اور خلق، حکم اور رات دن اور جو ان میں رہیں سب اللہ کے لیے ہیں۲؎ الٰہی اس دن کا اول درستی بنا اور درمیان کو کامیابی اور آخر کو چھٹکارا بنا اے تمام رحم والوں سے بڑے۳؎ اسے امام نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے بیان کیا۔

۱؎ کبریائی سے مراد رب تعالیٰ کے صفات ذاتیہ ہیں اور عظمت سے مراد صفات فعلیہ ان دونوں کے صفات کا فرق علم کلام میں تفصیل وار مذکور ہے۔ صفات ذاتیہ کا تعلق ذات رب سے ہے اور فعلیہ کا تعلق مخلوق سے، سورج کا چمکنا اس کا وصف ذاتی ہے اور دوسروں کو چمکانا صفت فعلیہ۔
۲؎ آہستگی سے پیدا فرمانا خلق ہے اور ایک دم پیدا فرمادینا امر یا مادیات کو پیدا فرمانا خلق ہے اور مجردات کی پیدائش امر، یا بالواسطہ پیدا فرمانا خلق ہے اور بلاواسطہ پیدائش امر، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ" یعنی روح عالم امر سے ہے یا صرف کلمۂ کُن سے بنی ہے کسی مادہ وغیرہ سے نہیں بنی، آسمان اور ان کے نیچے کی چیزیں دن رات میں رہتی ہیں مگر جنت دوزخ عالم انوار کی خبریں دن رات میں نہیں رہتیں کہ وہاں تک دن رات کی پہنچ نہیں، چونکہ ہماری نظر ان ہی چیزوں پر ہے اس لیے ان کا ہی ذکر فرمایا ورنہ ہر مخلوق اللہ کی ہے۔
۳؎ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا ہے۔ دن کے تین حصے ہیں: اول، درمیان، آخری، ان تینوں حصوں میں تین نعمتیں مانگی اول دن میں دین و دنیا کی درستی اور درمیان میں دین و دنیا کی کامیابی اور آخر میں وہ ظفر جو اچھا خاتمہ نصیب کرے۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں دن کے تین حصوں سے مراد سارے اوقات ہیں، چونکہ دن کام کا وقت ہے جب اس کے ہر حصے میں ہر نعمت مانگ لی تو رات جو آرام کا وقت ہے اس میں بھی ہر نعمت مانگ لی۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابزی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے ہم نے اللہ کے دین پر اور اخلاص کے کلمے پر ۱؎ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ۲؎ اور اپنے والد حضرت ابراہیم کی ملت پر سویرا پایا حضرت ابراہیم ہر برائی سے دور تھے مشرکوں سے نہ تھے ۳؎ (دارمی)	

۱؎ فطرت کے لغوی معنی ہیں، پیدائش، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا" اور فرماتا ہے "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"۔ پھر اصطلاح میں پیدائشی حالت کا نام فطرت ہوا، شریعت میں سنت انبیاء کو بھی فطرت کہتے ہیں اور ملت کو بھی، چونکہ اسلام ہی انسان کا پیدائشی دین ہے کہ ہر بچہ ایمان پر پیدا ہوتا ہے، پھر مختلف صحبتیں پاکر مختلف دین اختیار کرتا ہے اس لیے اسے فطرت کہا جاتا ہے یہاں آخری معنی ہی مراد ہے۔
۲؎ یہ فطرت اسلام کا بیان ہے۔ لغۃً ہر نبی کا دین اسلام ہے، یعقوب علیہ اسلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا "وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ" اسی لیے فرمایا کہ اسلام سے مراد دین محمدی ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسلام پر ہیں اور حضور کی امت بھی مگر حضور اس دین پر ہیں ہم کو چلانے کے لیے، ہم اس راہ پر ہیں چلنے کے لیے، ریلوے لائن پر انجن بھی ہے اور پیچھے والے ڈبے بھی مگر انجن چلانے کے لیے اور ڈبے چلنے کے لیے، رب فرماتا ہے: "اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلٰی صِرٰطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ" بلکہ اپنے متعلق بھی فرماتا ہے: "اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرٰطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ" یعنی رب تعالیٰ سیدھے راستہ پر ملتا ہے جیسے کہا جاتا ہے لاہور سیدھی سڑک پر۔
۳؎ کفار عرب شرک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم دین ابرہیمی پر ہیں اس جملہ میں ان کی تردید ہے کہ حضرت ابراہیم تو مشرک نہ تھے تم مشرک ہو پھر تم ان کے دین پر کیسے ہوئے ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین ابرہیمی پر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا دین ملت ابراہیمی کے مطابق ہے نہ یہ کہ آپ ان کے متبع ہیں۔ چنانچہ ختنہ حجامت، قربانی، مہمان نوازی تمام احکامِ ابراہیمی اسلام میں موجود ہیں۔

باب الدعوات فی الاوقات

باب خاص وقتوں کی دعائیں [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یعنی مختلف اوقات کی مختلف دعاؤں کا باب۔ پچھلے باب میں دائمی اوقات کی دعاؤں کا ذکر تھا جیسے صبح شام سونے جاگنے کے وقت کی دعاؤں مگر اس باب میں عارضی اوقات وعارضی حالات کی دعاؤں کا ذکر ہوگا جیسے نکاح،جہاد،وطی وغیرہ کے وقت کی دعائیں اس باب میں مختلف اوقات اور مختلف حالات دونوں کی دعاؤں کا ذکر ہوگا۔مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں اتباع سنت کے لیے کم از کم عمر میں ایک بار ضرور پڑھ لی جائیں اور یہ منقول دعائیں دوسری دعاؤں سے افضل ہیں بلکہ بعض حالات کی دعائیں تلاوت قرآن سے بھی افضل ہیں کہ ان میں اتباع سنت ہے،دیکھو رکوع وسجود التحیات میں منقول دعائیں ہی پڑھی جائیں گی نہ کہ قرآن کریم۔اکثر نوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بھی افضل ہیں کہ ان میں سرکار کی اتباع ہے،افضیلت تو ان کے دم قدم سے وابستہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم میں سے کوئی جب اپنی بیوی کے پاس جانا چاہے تو یہ کہہ لے [1] بسم اللہ خدایا ہم کو شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس بچے سے دور رکھ جو تو ہمیں دے [2] تو اگر اس صحبت میں ان کے نصیب میں بچہ ہوا تو اسے شیطان کبھی نقصان نہ دے سکے گا [3] (مسلم،بخاری) [4]	

[1] یہ دعا ستر کھولنے سے پہلے پڑھے اور حلال صحبت پر پڑھے،حرام پر پڑھنا سخت جرم ہے بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے جیسے شراب نوشی یا خنزیر کھانے یا جوئے پر بسم اللہ پڑھنا،اھل سے مراد بیوی یا لونڈی ہے۔

[2] یعنی اس صحبت میں شیطان نہ شریک ہو اور نہ بچے کو شیطان کبھی بہکائے،بسم اللہ سے مراد پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔خیال رہے کہ جیسے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاتا ہے ایسے ہی صحبت میں بھی اور جیسے کھانے پینے کی برکت شیطان کی شرکت سے جاتی رہتی ہے ایسے ہی صحبت میں شیطان کی شرکت سے اولاد نالائق اور جناتی بیماریوں میں گرفتار رہتی ہے اور جیسے بسم اللہ پڑھ لینے سے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا ایسے ہی بسم اللہ کی برکت سے صحبت میں شیطان کی شرکت نہیں ہوتی جس سے بچہ نیک ہوتا ہے اور آسیب وغیرہ سے بفضلہٖ تعالٰی محفوظ بھی رہتا ہے،بہتر یہ ہے کہ خاوند بیوی دونوں پڑھ لیں۔

[3] یعنی بسم اللہ وغیرہ کی برکت سے بچہ کو نہ تو ابلیس کبھی نقصان پہنچا سکے گا نہ اس کی ذریت،بچہ جنون،مرگی وغیرہ جناتی امراض سے بھی محفوظ رہے گا اور مؤمن رہے گا ان شاءاللہ(مرقات)اس لیے یہاں شیطان نکرہ فرمایا گیا،ایسے بچہ کو ان شاءاللہ نیک اعمال کی بھی توفیق ملے گی۔

۴؎ اس حدیث کو ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا،یہ عمل نہایت مجرب ہے۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف کے وقت یہ کہتے الله کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ عظمت والا حلم والا ہے ۱؎ الله کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑے عرش کا رب ہے الله کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور کرم والے عرش کا رب ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ کرب سے مراد وہ سخت تکلیف یا رنج و غم ہے جو دل کو گھیرے۔حلیم کے معنے ہیں عذاب میں جلدی نہ فرمانے والا بلکہ اپنے مجرم کو باز آجانے پر بخش دینے والا اور اس کا غم وغیرہ دور کردینے والا یعنی یہ تکلیف ہماری کسی خطا کی وجہ سے ہے،رب تعالٰی حلیم ہے معافی دے گا اور اسے دور فرمادے گا۔

۲؎ کریم یا تو رب کی صفت ہے اور مرفوع ہے یا عرش کی صفت ہے اور مجرور۔خیال رہے کہ یہاں صرف رب تعالٰی کی حمد ہے دعا کا لفظ ایک بھی نہیں مگر چونکہ کریم کی حمد بھی دعا ہے،نیز ذکر الله سے بلائیں ٹلتی ہیں اس کے لیے اس کا نام دعائے کرب ہے اور اسی کا نام دفع کرب ہے۔(لمعات،نووی) یا یہاں زبان پر حمد ہے دل میں سوال۔(مرقات)

روایت ہے سلیمان ابن صرد سے فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپس میں گالی گلوچ کی ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ۱؎ ان میں سے ایک شخص دوسرے کو غضب میں برا بھلا کہہ رہا تھا اس کا منہ سرخ ہوگیا ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی دعا جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کہہ دے تو اس کی یہ حالت جاتی رہے ۳؎ جسے محسوس کررہا ہے میں مردود شیطان سے الله کی پناہ مانگتا ہوں ۴؎ لوگوں نے اس سے کہا کیا تو سنتا نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں وہ بولا میں دیوانہ نہیں ہوں ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کے آس پاس بیٹھے تھے کھڑے نہ تھے کیونکہ اس طرح کھڑے ہونے کو حضور انور منع فرماتے تھے کہ بزرگ بیٹھا ہو اور لوگ ادبًا سامنے کھڑے ہوں۔گالی گلوچ کرنے والے غالبًا دو بدوی نو مسلم ہوں گے جنہیں ابھی نہ آداب مجلس کی خبر تھی نہ تہذیب سے خبردار تھے جیسے ایک بدوی نے خاص محراب مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والی بہت مہذب تھے۔

۲؎ زیادتی غصہ کی وجہ سے کیونکہ دل کا اثر پہلے چہرے پر ہی پڑتا ہے،چہرہ دل کی کتاب ہے۔

۳؎ یعنی ان کلمات کی برکت سے دل کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے،اعتدال پر آجائے،جوش ختم ہوجائے۔

۴؎ اس عمل کا ماخذ یہ آیت ہے"وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ"الخ۔ہر شیطانی اثر پر شیطان سے الله کی پناہ مانگنی چاہیے یہ غصہ بھی شیطانی تھا کیونکہ مسلمان بھائی پر تھا اور نفس اور دنیاوی وجہ سے تھا اور گالی گلوچ کرنا بھی شیطانی عمل تھا اس لیے اعوذ باللہ کا حکم

دیا گیا۔ کفار پر غصہ یا مسلمان پر کسی دینی وجہ سے غصہ تو عبادت ہے لہذا حدیث شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر غصہ شیطانی چیز ہے تو خود حضور نے بارہا غصہ فرمایا ہے کہ حضور کا غضب عبادت کیونکہ دین کے لیے تھا،اللہ تعالٰی بھی مجرموں پر غضب فرماتا ہے۔

۵؎ صحابہ کرام نے اس کا جوش ٹھنڈا ہو جانے پر اس سے یہ کہا۔اُس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ **اعوذ** تو دیوانہ پر پڑھی جاتی ہے میں دیوانہ نہیں ہوں کہ **اعوذ** پڑھوں۔فقیر نے عرض کیا تھا کہ یہ شخص یا منافق تھا یا کوئی بدوی نو مسلم جو تہذیب و تمدن سے یکسر خالی ہوتے ہیں،اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔مؤمن اور واقف شریعت تو حضور کے ہر حکم پر مرمٹتا ہے۔ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاذ تھے،خدا معلوم کون معاذ مراد ہیں اگر معاذ ابن جبل مراد ہیں تو یہ واقعہ یا ان کے اسلام سے پہلے کا ہے یا بالکل نو مسلم ہونے کے وقت کا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم مرغ کی اذان سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو ۱؎ کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھتا ہے ۲؎ اور جب تم گدھے کا رینگنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے ۳؎ (مسلم،بخاری) ۴؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ہر مرغ کی ہر آواز مراد ہے جسے ہم مرغ کا اذان دینا کہتے ہیں۔بعض لوگوں نے تہجد کے وقت کی مرغ کی آواز مراد لی،بعض نے صبح صادق کے وقت کی آواز مگر پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں کہ حدیث میں کوئی قید نہیں،مرغ کی ہر اذان پر دعا مانگنا چاہیے۔

۲؎ یعنی مرغ رحمت کا فرشتہ دیکھ کر بولتا ہے،اس وقت کی دعا پر فرشتے کے آمین کہنے کی امید ہے۔بعض روایات میں ہے کہ عرش اعظم کے نیچے ایک سفید مرغ ہے اس کی آواز پر زمین کے مرغ بولتے ہیں۔**واللہ اعلم**!(اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مجلس میں دعا کرنی چاہیے کیونکہ جب بزرگوں کے ذکر پر اللہ کی رحمت اترتی ہے تو ان لوگوں کی موجودگی تو بڑی ہی رحمت کا باعث ہے۔(مرقات)اولیاءاللہ فرشتوں سے افضل ہیں،جب فرشتے کی موجودگی سے دعائیں قبول ہوتی ہیں تو اولیاءاللہ کی موجودگی یقینًا باعث قبولیت ہے۔معلوم ہوا کہ جانور غیبی فرشتوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

۳؎ یعنی گدھا کسی خاص شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے اکثر اس کا بولنا شہوت میں ہوتا ہے،یہ اعلان کرکے مادہ سے صحبت کرتا ہے اس وجہ سے بھی یہ آواز خبیث ہے،رب تعالٰی نے اس کے متعلق فرمایا:"**اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوٰتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ**"بدترین آواز گدھے کی ہے اور فرمایا:"**لَهُمۡ فِیۡهَا زَفِیۡرٌ وَّ شَهِیۡقٌ**"دوزخیوں کی آواز گدھوں کی سی ہوگی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بروں کی آمد پر اور بروں کو دیکھ کر **اعوذ باللہ** پڑھنی چاہیے۔دوسرے یہ کہ بری بکواس کی آواز گدھے کی سی آواز ہے،غیبت،جھوٹ،گانے بجانے،بے دینی کی تقریریں اسی میں داخل ہیں کہ یہ سب شہوت نفسانی کی آوازیں ہیں۔

۴؎ یہ حدیث ابوداؤد،ترمذی،نسائی،حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو نکلتے ہوئے اونٹ پر سوار ہوجاتے تو تین بار تکبیر کہتے ۱؎ پھر یہ فرماتے پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے ہمارا تابع کردیا ہم اسے مطیع نہ کرسکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں ۲؎ الٰہی ہم تجھ

	سے اپنے سفر میں بھلائی پرہیزگاری اور تیرے پسندیدہ عمل کی توفیق مانگتے ہیں ۳؎ اے اللہ ہم پر اس سفر کو آسان فرمادے اور اس کی درازی سمیٹ لے ۴؎ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھربار میں والی ہے ۵؎ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی مشقتوں سے اور برے انتظار سے اور بری واپسی سے مال اور گھربار میں ۶؎ جب واپس ہوتے تو بھی یہی فرماتے ان کلمات میں سے اور بڑھادیتے ہم لوٹنے والے توبہ کرنے والے رب کے ثناگو ہیں ۷؎ (مسلم)

۱؎ چونکہ اونٹ وغیرہ بلند چیز پر سوار ہوتے وقت انسان کو اپنی بلندی نظر آتی ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رب تعالٰی کی کبریائی بیان فرماتے تھے۔چنانچہ ٹیلہ پہاڑی پر چڑھتے وقت بھی تکبیر کہتے تھے یا اس تعجب پر تکبیر کہتے تھے کہ رب تعالٰی نے ایسے جانور کو ہمارے قبضہ میں کیسے کردیا جب کہ مکھی، مچھر ہمارے قبضہ سے باہر ہیں۔

۲؎ یہ قرآن شریف کی آیت ہے،اس میں ہم اپنے عجز،رب تعالٰی کی رحمت کا اقرار کرتے ہیں کہ کہاں ہم جیسے ضعیف النسیان انسان اور کہاں یہ قوی جانور مگر رب تعالٰی کی مہربانی ہے یہ کہ ہمارے تابع فرمان ہیں،یہ ہماری بہادری نہیں بلکہ رب تعالٰی کی مہربانی ہے،دیکھو ہرن،نیل،گائے بلکہ مکھی وغیرہ کسی طرح ہمارے قابو میں نہیں آتے حالانکہ وہ اونٹ وہاتھی سے کہیں کمزور ہیں،پھر اپنے معاد کا بھی ذکر فرمایا کہ ہمارے یہ قبضے قدرتیں رہنے والی نہیں،ہم ایک دن عاجز ہوکر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں گے ہمیں وہ وقت یاد ہے،ہم متکبر نہیں،زندگی کی سواری سے بھی ایک دن اترنا پڑے گا۔

نوٹ: جو کوئی خشکی کی سواری،ریل،موٹر،ہوائی جہاز،تانگہ وغیرہ پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو ان شاءاللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

۳؎ سفر میں کبھی ساتھیوں سے لڑائی بھی ہوجاتی ہے اور نیک اعمال میں کمی بھی اس لیے رب تعالٰی سے.بریعنی بھلائی کی بھی توفیق مانگی اور پرہیزگاری کی بھی۔تقویٰ سفر کا روحانی توشہ ہے،بر سے مراد یا تو ساتھیوں سے اچھا سلوک ہے یا رب تعالٰی کی عطا یا نیک اعمال اور تقویٰ سے مراد بدخلقی،لڑائی،جھگڑے اور بدعملیوں سے بچنا۔خیال رہے کہ محبت و رضا ہم معنی ہیں جیسے کہ ارادہ و مشیت ہم معنی ہیں مگر رضا و ارادہ میں بڑا فرق ہے،**ماترضیٰ** ارشاد ہوا نہ کہ تریں۔

۴؎ یعنی سفر میں ہم کو بدنی و روحانی راحتیں عطا فرما اور دراز سفر کو مختصر کردے،جب رب چاہے تو طویل راستہ کو چھوٹا کردیتا ہے،فرشتے،جنات ہمارے دور نظر خیال کے لیے،نیز انبیاء و اولیاء کے لیے دور دراز سفر بہت چھوٹے ہوجاتے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں کروڑوں میل آنا جانا طے کیے،اس دعا کی برکت سے ان شاءاللہ طویل سفر ہلکا بھی ہوجائے گا اور سفر کی تکلیف سے بھی امن رہے گی۔

۵؎ کہ میرا بھی تو حافظ ہے اور میرے پیچھے میرے گھر والوں کا والی وماویٰ ہے۔

۶؎ یعنی اس سفر میں نہ تو میں برائی کے ساتھ لوٹوں کہ گھر والے مجھے دیکھ کر گھبرا جائیں اور نہ ہی گھر والے کسی آفت میں مبتلا ہوں کہ میں واپسی پر انہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں۔بہت جامع دعا ہے اس میں چوری،یاری،ہلاکت ودیگر ناگہانی آفات سے پناہ مانگ لی گئی۔

۷؎ یعنی جب سفر سے گھر کی طرف روانہ ہوتے تب تو **اللھم انا نسئلك** الخ فرماتے اور جب مدینہ منورہ کی بستی دیکھتے تو **آئبون تائبون** الخ فرماتے لہذا احدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گھر پہنچ کر تو سفر ختم ہوتا ہے پھر سفر کی دعا کیوں پڑھتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سرجس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تو ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے سفر کے نقصانات سے۱؎ اور واپسی کی تکالیف سے ۲؎ اور بھلائی کے بعد برائی سے ۳؎ مظلوم کی بددعا سے ۴؎ اور گھر بار و مال میں برائی دیکھنے سے۔(مسلم)	

۱؎ وعثاء و عثٌّ سے بنا بمعنی نقصان یا وہ مشقت جو رب کے ذکر اور آخرت کی فکر سے روک دے،چونکہ سفر گو سفر یعنی دوزخ کا ٹکڑا ہے اس کے لیے یہ دعا فرماتے۔

۲؎ اس طرح کہ جب گھر لوٹوں تو کوئی نقصان دہ چیز نہ دیکھوں،اسی طرح جب سفر دنیا سے وطن آخرت کی طرف واپس جاؤں تو کوئی مصیبت نہ اٹھاؤں،اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ"۔

۳؎ کور عمامہ کے پیچ کو کہتے ہیں اور حور اس پیچ کا کھل جانا یعنی زیادتی کے بعد نقصان،اصلاح کے بعد فساد،جمع ہونے کے بعد بکھرنا،جماعت میں ہونے کے بعد الگ ہوجانا،آرام کے بعد تکلیف،بھلائی کے بعد برائی،ثابت قدمی کے بعد بدل جانا ان سب سے تیری پناہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ"اور فرماتا ہے:"يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ"۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ترقی کے بعد تنزل،توبہ کے بعد گناہ،ذکر کے بعد غفلت،حاضری کے بعد غائب ہوجانا ان سب سے پناہ۔(لمعات،مرقات مع زیادت)

۴؎ چونکہ سفر میں ساتھیوں سے جھگڑے بھی ہوجاتے ہیں،خصوصًا عرب میں پانی پر اور کبھی ان جھگڑوں میں ظلم بھی ہوجاتا ہے اس لیے سفر کے موقعوں پر مظلوم کی بددعا سے خصوصیت سے پناہ مانگی گئی،مظلوم کی بددعا اور قبولیت کے درمیان حجاب نہیں۔

روایت ہے حضرت خولہ بنت حکیم سے۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا،جو کسی منزل پر اترے تو یہ کہہ لے میں اللہ کے پورے وکامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوق کی شر سے ۲؎ تو اس منزل سے کوچ کرتے وقت تک اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی ۳؎(مسلم)	

۱؎ آپ حضرت عثمان ابن مظعون کی بیوی ہیں،نہایت نیک اور عالمہ تھیں مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے۔

۲؎ ان کلمات سے مراد یا تو قرآن کریم ہے یا ساری آسمانی کتب یا اسمائے الٰہیہ یا رب کا کلام نفسی یا اس کا علم یا اس کے فیصلے۔تام سے مراد ہے نقصان و عیب سے پاک۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ کلمات اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ان کی ہر بات وحی الٰہی ہے،عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں،موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور ہمارے حضور کلمات اللہ۔مخلوق سے وہ مخلوق مراد ہے جس سے شر ہوسکے،اس میں اپنا نفس بھی داخل ہے اور چیزیں بھی۔

۳؎ کفار عرب سفر کی منزلوں میں اترتے وقت کہتے تھے کہ ہم اس جنگل کے سردار کی پناہ لیتے ہیں یعنی جنات کی،اللہ کے محبوب نے تو ہم کو اس کے عوض یہ دعا سکھائی۔یہ دعا سفر و حضر میں ہمیشہ ہی صبح شام پڑھا کریں،زہریلی چیزوں سے محفوظ رہو گے بہت مجرب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بولا یارسول اللہ آج رات مجھے بچھو کے کاٹ لینے سے بہت ہی تکلیف پہنچی ۱؎ فرمایا اگر تم شام کے وقت	

	یہ کہہ لیتے کہ میں اللہ کے کامل کلموں کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوق کی شر سے تمہیں بچھو تکلیف نہ پہنچا سکتا۲ (مسلم)

۱؎ مَا موصولہ ہے اور جملہ مبتداء ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یعنی مجھے جتنی تکلیف پہنچی بیان نہیں کر سکتا یا مَا استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب کے لیے یعنی تعجب ہے کہ مجھے کتنی تکلیف پہنچی۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا ہمیشہ ہی پڑھنی چاہیے، صبح کے وقت پڑھ لینے سے شام تک زہریلی چیزوں سے امن ہے اور شام کو پڑھ لینے سے صبح تک امن۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم جب سفر میں ہوتے اور سویرا پاتے تو یہ فرماتے سننے والے سن لیں کہ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اس کی ہم پر اچھی نعمت ہے ۱؎ اے ہمارے رب تو ہمارا ساتھی ہو جا اور ہم پر فضل کر ۲؎ آگ سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (مسلم)

۱؎ اس جملہ کی قرأت اور ترجمے میں شارحین نے بہت موشگافیاں کی ہیں۔ فقیر صرف ایک مطلب عرض کرتا ہے سمّع یا تو تفعیل کا ماضی ہے یا باب علم کا اور بہر حال ماضی بمعنی خبر ہے یعنی ہر سننے والا ہماری حمد سن لے یا ہر سننے والا ہماری حمد دوسروں کو سنادے تاکہ کل قیامت میں گواہی دے۔ بلاء سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو بغرض امتحان ہم کو دی گئیں اور حسن کا عطف حمد پر ہے اور یہاں اقرار پوشیدہ ہے یعنی ہر سننے والا ہماری حمد بھی سن لے اور رب تعالٰی اچھی آزمائش یعنی اس کی نعمتوں کا اقرار بھی سن لے کہ ہم نعمتوں کے اقراری ہیں ان پر شاکر ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَ الۡخَيۡرِ فِتۡنَةً" یہ معنے آسان بھی ہیں اور بہتر بھی، باقی اپنے حبیب کی مراد کو رب جانے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ایمان واعمال پر لوگوں بلکہ پانی وذروں کو گواہ بنالینا بہتر ہے کہ کل قیامت میں ان کی گواہی کام دے گی، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سمع خبر ہی ہو اور معنی یہ ہوں کہ ہماری حمد ڈھکی چھپی نہیں بلکہ سننے والوں نے سنی ہے وہ خوب جانتے ہیں۔

۲؎ یعنی الٰہی تو ہمارا حافظ و ناصر ہو جا اور ہم پر اپنا فضل و کرم دائم قائم رکھ۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اس دعا کا جز ہے اور حضور علیہ السلام کا فرمان یعنی میں آگ سے اللہ کی پناہ لیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوں اور ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا کلام ہو یعنی حضور علیہ السلام رب کی پناہ لیتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے۔ عائذا مصدر نہیں بلکہ اسم فاعل ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپس ہوتے ۱؎ تو ہر اونچی زمین پر تین بار تکبیر کہتے ۲؎ پھر کہتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے، اسی کی تعریف ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے ۳؎ ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، اپنے رب کی حمد کرتے ہیں ۴؎ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اپنے بندے کی مدد سے اور احزاب کو اکیلے ہی بھگا دیا ۵؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یعنی اپنے ہر سفر سے واپسی میں یہ فرماتے، مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت سفر دنیا کے لیے کیے ہی نہیں بلکہ آپ کے سفر ان تین قسموں کے ہی ہوئے اس لیے راوی نے اس طرح بیان کیا۔

۲؎ تاکہ اس کی حمد مطابق حال کے ہو کیونکہ اس وقت خود زمین سے بلند ہورہے ہیں اس لیے اللہ کی بلندی کا ذکر کیا اور اترتے وقت رب کی تسبیح پڑھتے تھے۔

۳؎ ان کلمات کی شرح بارہا ہوچکی ہے یہ چوتھے کلمے کے الفاظ ہیں اور رب تعالٰی کی بہترین حمد اس موقع پر یہ اس لیے پڑھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ ہمارا بخیریت لوٹنا رب تعالٰی ہی کی قدرت سے ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی موت تعجب نہیں بلکہ اس کی زندگی تعجب ہے کہ اتنی آفتوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود کیسے جینا ہے اور کیسے چلنا پھرنا ہے۔

۴؎ یعنی ہم بفضلہٖ تعالٰی بخیریت اپنے وطن کو لوٹ رہے ہیں اور اس سفر میں جو عبادتوں میں کوتاہی ہوگئی ہو اس سے توبہ کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہمیشہ رب کے عابد اور اس کے حضور ساجد رہیں گے۔ترمذی کی روایت میں بجائے سَاجِدُوْنَ کے سَائِحُوْنَ ہے،سیحٌ سے مشتق بمعنی پانی کا بہنا یعنی ہم مطلوب کی طرف بآسانی جارہے ہیں۔

۵؎ اس میں خدا کی تین نعمتوں کا ذکر ہے:ایک اسلام کے غلبے کا وعدہ فرمانا ہے اور اسے پورا کردینا۔دوسرے اپنے بندہ خاص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری مدد صحابہ کے ذریعہ اور باطنی مدد ہواؤں اور فرشتوں کے ذریعہ فرمانا اور تیسرے غزوہ احزاب جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں اس میں کفار کے لشکر جرّار کو تیز ہوا سے بھگادینا ورنہ مسلمان اس وقت بچ نہ سکتے تھے کیونکہ بارہ ہزار کفار کا لشکر مدینہ منورہ پر باہر سے حملہ آور ہوا تھا اور ادھر خود مدینہ کے یہود نے عہد شکنی کرکے مسلمانوں کو فنا کرنے کی ٹھان لی تھی،اندیشہ تھا کہ اس موقعہ پر مسلمان ان بیرونی اور اندرونی دشمنوں میں پھنس کر ایسے پس جاتے تھے جیسے چکی میں دانہ،رب تعالٰی خود فرماتا ہے:"اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا"اور ہوسکتا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی ساری جماعتیں ہوں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن مشرکوں پر بددعا کی عرض کیا اے اللہ اے کتاب اتارنے والے جلد حساب لینے والے اے اللہ احزاب کو بھگادے اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا ڈال ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ احزاب یعنی غزوہ خندق کا کچھ ذکر ابھی ہوچکا،چونکہ اس موقعہ پر عرب کی ساری ہی کفار جماعتیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے آس پاس خندق کھدوائی تھی اس لیے اسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اور خندق بھی۔دعا کا مقصد یہ ہے کہ اے مولٰی تو تو ایسی قدرت والا ہے کہ آسمان سے کتابیں اتار سکتا ہے،ساری مخلوق کا حساب قیامت میں چار گھنٹہ میں لے لے گا،تیرے نزدیک ان سارے کفار کو بھگادینا ہمیں ان سب کے شر سے بچالینا کیا مشکل ہے،خدایا اپنی قدرت دکھادے،انہیں بھگادے ہمیں بچالے،حضور علیہ السلام کی دعا لفظ بلفظ قبول ہوئی کہ ایک تیز ہوا چلی جس سے کفار کے خیمے اڑ گئے،جانور بھاگ گئے اور ان کی جماعتیں،تتر بتر ہوگئیں،اگر حضور علیہ السلام دعا کردیتے کہ انہیں ہلاک کردے تو ایک کافر بھی بچ کر نہ جاتا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم ہمارے والد کے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا اور کھجور کا حلوہ پیش کیا۱ اس سے حضور نے کچھ کھایا پھر چھوارے حاضر کیے گئے تو انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں دو انگلیوں کے بیچ لے کر پھینکنے لگے۲ کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی جمع فرماتے اور ایک روایت میں ہے کہ گٹھلیاں اپنی کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر ڈالنے لگے پھر پانی لایا گیا حضور نے پیا پھر میرے والد نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر عرض کیا حضور ہمارے حق میں اللہ سے دعا فرمایئے۳ تو فرمایا الٰہی جو تو انہیں روزی دے اس میں برکت دے اور انہیں بخش ان پر رحم کر ۴(مسلم)

۱ مشکوۃ کے بعض نسخوں میں رَطْبَۃً ہے ر کے ساتھ، بعض نسخوں میں وَطِیْئَۃً ہے بمعنی ملی ہوئی کھجوریں جس میں مکھن ملا ہو اور بعض میں وَطْبَۃً ہے یعنی گٹھلی نکالی ہوئی کھجوریں جنہیں گھی یا پنیر یا مکھن سے کھایا جائے یہی زیادہ مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وطبہ کھجور کے شربت کو کہتے ہیں مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے یعنی ہم نے آپ کی خدمت میں تین چیزیں پیش کیں: کھانا، کھجور کا حلوا اور چھوارے۔ معلوم ہوا کہ مہمان کی خدمت کے لیے کھانے میں قدرے تکلف کرنا سنت ہے۔

۲ یعنی چھوارے کھا کر اس کی گٹھلیاں اس انداز سے پھینکتے تھے کہ کلمہ اور بیچ کی انگلی ملا کر ان کی پشت پر لیتے اور پھینک دیتے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی اداؤں کو بھی یاد رکھتے اور ان کی روایت کرتے تھے۔

۳ یعنی میرے والد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنچانے کے لیے لگام شریف پکڑ کر آگے چلے اور جب کچھ دور پہنچا کر لوٹنے لگے تو دعا کے لیے عرض کیا۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کی لگام یا رکاب پکڑنا اظہار عجز کے لیے سنت صحابہ ہے اور مہمان کو وداع کے وقت کچھ دور پہنچانے جانا بھی سنت ہے۔ خیال رہے کہ ان صحابی نے کھانا کھلاتے ہی اس دعا کی درخواست نہ کی تاکہ یہ دعا اس خدمت کا معاوضہ نہ بن جائے اور اخلاص میں فرق نہ آجائے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ مہمان کو کھانا کھلا کر دعا نہ کراؤ اور فقیر کو صدقہ دے کر دعا نہ کراؤ، وہ خود دعا کریں تو ان کی مہربانی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں سے دعا کرانا سنت صحابہ ہے اگرچہ یہ خود بھی بزرگ ہوں، حضرات صحابہ کرام اولیاء کے اولیاء ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرتے ہیں۔

۴ بہت جامع دعا ہے۔ روزی میں جسمانی روحانی تمام روزیاں داخل ہیں، مغفرت سے گناہوں کی بخشش اور رحم سے خیر کی توفیق اور اس کی قبولیت مراد ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے۱ تو کہتے اے اللہ اسے ہم پر امن وامان، سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر چمکا۲ اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے۳ (ترمذی) اور

	ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ عربی میں پہلی دوسری تیسری رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں، پھر قمر یعنی جب سرکار مہینہ کا چاند پہلی بار دیکھتے تو یہ دعا مانگتے۔

۲؎ اس طرح کہ یہ چاند ہمارے لیے تیری یہ نعمتیں لایا ہو اور اس مہینہ میں ہمیں تیری یہ نعمتیں ملیں۔خیال رہے کہ اوقات راحات وآفات کا ظرف تو ہیں مگر کبھی سبب بھی ہوتے ہیں جیسے گرمی اور سردی کا سبب وقت ہے، نمازوں کے وجوب کا سبب وقت ہے،ایسے ہی کبھی روحانی حالات کا سبب بھی وقت بن جاتے ہیں لہٰذا یہ دعا اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۳؎ اس میں مشرکین کی تردید ہے جو چاند سورج کو معبود جان کر ان کی پوجا کرتے تھے،خطاب چاند سے ہے سنانا انسان کو ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب اور حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی شخص نہیں جو کسی گرفتار بلا کو دیکھے۱؎ تو یہ کہہ لے شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اس آفت سے بچایا جس میں تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے بہت سی مخلوق پر بزرگی بخشی۲؎ مگر اسے یہ بلا نہ پہنچے گی جو بلا بھی ہو۳؎(ترمذی)اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابن عمر سے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور عمرو ابن دینار راوی قوی نہیں ۴؎

۱؎ بلا خواہ جسمانی ہو جیسے کوڑھ،اندھاپن یا اور کوئی بیماری یا مالی جیسے قرض، فقر، تنگی رزق وغیرہ، یا دینی جیسے کفر، فسق، ظلم،بدعت وغیرہ۔ غرضکہ ہر مصیبت کے لیے یہ دعا اکسیر ہے۔(لمعات، مرقات)

۲؎ یہ دعا بہت آہستہ کہے کہ وہ مصیبت زدہ نہ سنے،ورنہ اسے رنج ہو گا۔(لمعات) مگر فاسق وفاجر کو سنا کر یہ دعا پڑھے تاکہ اسے عبرت ہو اور فسق سے توبہ کرے۔(مرقات) خیال رہے کہ یہ شکریہ اپنی عافیت پر ہے نہ کہ اس کی آفت پر کیونکہ دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونا سخت جرم ہے،چونکہ یہ دعا آفت زدہ کو دیکھتے ہوئے پڑھی جائے گی اس لیے خطاب کی ضمیر آئی۔

۳؎ یہ دعا اکسیر اعظم ہے،بہت لوگوں نے اس کی آزمائش کی ہے، فقیر کا اس پر خود عمل ہے اسے نہایت مجرب پایا،ہر مسلمان اسے یاد کرلے ان شاءاللہ بہت فائدہ اٹھائے گا۔

۴؎ ترمذی نے یہ حدیث دو اسنادوں سے روایت کی، حضرت ابوہریرہ اور سیدنا عمر ابن خطاب سے پہلی اسناد کو حسن اور دوسری کو ضعیف کہا مطلقًا ضعیف نہ کہا اور اگر ضعیف بھی ہوتی تب بھی عمل امت اور تجربہ امت سے قوی بن جاتی جیسا کہ بارہ ہزار کلمہ والی حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن کشف اولیاء اور تجربہ امت سے حدیث صحیح مانی گئی۔اس ضعیف کے قوی ہو جانے کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں مطالعہ فرمائیے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہونے پر یہ کہہ لے۱؎ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اکیلا ہے وہ جس کا کوئی ساجھی نہیں،اسی کا ملک ہے،اسی کی تعریف ہے زندگی اور موت دیتا ہے وہ خود زندہ ہے جو کبھی نہ مرے گا اسی کے قبضہ میں خیر ہے۲؎ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۳؎ تو اللہ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس لاکھ گناہ مٹاتا ہے اور اس کے دس

	لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور شرح سنہ میں یوں ہے ۵؎ کہ جو بھرے بازار میں جائے جہاں تجارت ہوتی ہے۔(مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ کے عوض)٦؎

۱؎ عربی میں بازار کو سوق کہتے ہیں کیونکہ یہ سَوق سے بنا بمعنی جانا اور لے جانا،چونکہ لوگ بازار میں خود بھی جاتے ہیں اور اپنے سامان بھی لے جاتے ہیں اس لیے اسے سوق کہا جاتا ہے،بعض نے کہا کہ یہ ساق کی جمع ہے بمعنی پنڈلی،چونکہ لوگ بازار میں اکثر اپنی پنڈلیوں پر کھڑے ہی ہوتے ہیں بیٹھتے کم ہیں اس لیے اسے سوق کہتے ہیں۔بازار غفلت،شیطان کے تسلط اور اکثر جھوٹ دھوکے کی جگہ ہے اس لیے وہاں جاتے وقت اس دعا کا ثواب بھی زیادہ ہے۔بہتر ہے کہ یہ دعا آہستہ پڑھے تاکہ ریاء سے دور رہے اور اگر اس لیے کچھ آواز سے بھی پڑھ لے کہ دوسرے بھی یہ پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں۔

۲؎ اگرچہ شر بھی اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے مگر چونکہ شر کو رب تعالٰی کی طرف نسبت دینے میں بےادبی سی ہے اس لیے صرف خیر کا یہاں ذکر کیا،کہنا یہ چاہئے کہ خیر رب تعالٰی کی طرف سے ہے شر میری طرف سے۔

۳؎ اس دعا کی برکت سے ان شاءاللہ یہ محض اس مبارک جماعت میں داخل ہوجائے گا جس کا ذکر اس آیت میں ہے"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجٰرَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ"وہ لوگ جنہیں تجارتی کاروبار اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان بازار ہی میں اپنے انڈے بچے دیتا ہے وہاں ہی اس کے جھنڈے گڑھتے ہیں،وہاں ہی نوے فی صد گناہ ہوتے ہیں اس لیے وہاں یہ دعا پڑھنا بہت بہتر ہے،دکاندار حضرات ضرور پڑھ لیا کریں کہ انہیں اکثر وقت وہاں ہی رہنا ہوتا ہے۔آج کل کچہریاں بازاروں سے بدتر ہیں،وہاں بھی یہ دعا ضرور پڑھے۔(از مرقات مع زیادۃ)

۴؎ اگر دونوں الف کو زبر اور درجہ کو بھی زبر پڑھا جائے تو معنی ہوں گے ہزار ہزار یعنی ہزار ہا نیکیاں،یہ ہی ترجمہ اشعۃ اللمعات نے کیا اور اگر پہلے الف کو زبر اور دوسرے الف کو کسرہ یعنی زیر اور حسبۃ کو زیر ہی پڑھا جائے تو معنی ہوں گے کہ ہزار جگہ ہزار یعنی دس لاکھ سو ہزار ایک لاکھ،دس سو ہزار دس لاکھ۔دوسرے معنی فقیر نے اس لیے اختیار کیے کہ رب تعالٰی کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے خزانوں میں کمی نہیں۔

۵؎ شرح سنہ صاحب مصابیح کی کتاب ہے جیساکہ دیباچہ میں عرض کیا گیا۔

٦؎ بازار کی جتنی رونق زیادہ اور وہاں جتنا کاروبار زیادہ اتنے ہی وہاں گناہ زیادہ اسی لیے اس قدر دعا کا ثواب زیادہ مرقات نے فرمایا کہ **وقتیبہ** ابن مسلم بادشاہ خراسان یہ حدیث سن کر یہ دعا،پڑھنے کے لیے روزانہ بازار جاتے تھے اور یہ دعا پڑھ کر لوٹ جاتے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا مانگتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا الٰہی میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری نعمت کون چیز ہے ۱؎ وہ بولا کہ یہ ایک دعا ہے جس سے میں بھلائی کی امید کرتا ہوں ۲؎ تو فرمایا کہ پوری نعمت جنت کا داخلہ اور آگ سے نجات ہے ۳؎ اور ایک شخص کو کہتے سنا اے بزرگی و اکرام والے تو فرمایا تیری قبول

	ہو گئی اب مانگ لے ۴؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا الٰہی میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں تو فرمایا کہ تو آفت مانگ رہا ہے اللہ سے عافیت مانگ ۵؎ (ترمذی)

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال امتحان کے طور پر ہے کہ تیری دعا تو بڑی ہی پیاری ہے، بتا تو نے اس کا مطلب کیا سمجھا ہے اور کس نیت سے یہ دعا مانگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دعا کے الفاظ بھی اچھے چاہئیں اور نیت بھی اعلیٰ، وہاں لفظ کے ساتھ نیت بھی دیکھی جاتی ہے۔

۲؎ بھلائی سے مراد بہت مال ہے یعنی تمام نعمت سے میری مراد بہت سامال ہے رب مجھے خوب مالدار کر دے، سچ ہے۔

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

۳؎ یعنی پہلے ہی جنت میں پہنچ جانا اس طرح کہ دوزخ میں بالکل نہ جائے یہ تمام نعمت ہے اور اگر دوزخ میں کچھ سزا پا کر پھر جنت میں جائے تو یہ بھی اگرچہ نعمت تو ہے مگر پہلی نعمت اس سے اعلیٰ ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من فرما کر یہ بتایا کہ اور چیزیں بھی تمام نعمت ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ" اسلام پر جینا ایمان پر مرنا بھی تمام نعمت ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صرف مال کی زیادتی تمام نعمت نہیں تو اس کی نیت ہی نہیں کیا کر بلکہ آگ سے نجات کی نیت کر۔

۴؎ بعض لوگوں نے ذو الجلال و الاکرام کو اسم اعظم مانا ہے ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حمد الٰہی قبول دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے پھر جیسی اعلیٰ حمد ہو گی ویسی ہی اعلیٰ قبولیت بھی ہو گی ان شاء اللہ۔ یہ ہی درود شریف کا حال ہے کہ جس قدر اخلاص کے ساتھ جیسا اعلیٰ درود شریف ہو گا ویسی ہی دعا کی قبولیت۔

۵؎ یعنی صبر تو آفت یا مصیبت پر ہوتا ہے تو صبر مانگنا در پردہ اپنی آفتوں کا مانگنا ہے بلکہ آفت آجانے پر بھی بعض اولیاء اللہ صبر نہیں مانگتے بلکہ آفت کا دفعیہ مانگتے ہیں، ہاں بوقت امتحان صبر طلب کرتے ہیں جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر بھی دی اور صبر کی دعا بھی غرضکہ مختلف موقعے مختلف ہی دعا حسب حال مانگنی چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی جگہ بیٹھے جہاں شور و شغب زیادہ ہوا ۱؎ تو اٹھنے سے پہلے یہ کہہ لے پاک ہے تو اے اللہ اور تیری حمد ہے ۲؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ۳؎ مگر اس کی تمام وہ حرکات معاف کر دی جائیں گی جو اس مجلس میں ہوئیں ۴؎ (ترمذی، بیہقی، دعوات کبیر)

۱؎ لغطٌ سے مراد بے فائدہ گفتگو جس میں وقت ضائع ہو کہ یہ بھی نقصان دہ چیز ہے۔ بعض نے فرمایا کہ بے ہودہ گفتگو غلط ہے جس میں حق اللہ ضائع ہو۔ غرضکہ فریب، جھوٹ، غیبت اس سے خارج ہیں کہ یہ چیزیں حقوق العباد میں سے ہیں بغیر معاف کرائے معاف نہ ہوں گی۔

۲؎ اس دعا کا ماخذ یہ آیت ہو سکتی ہے "وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ"۔

۳؎ یعنی اس اضاعت وقت کے قصور اور تیری نعمت زبان کو غلط استعمال کرنے کی غلطی سے توبہ کرتا ہوں، میں قصور مند بندہ ہوں تو غفور رحیم رب ہے معافی دے دے۔ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ دعا ہے۔

۴؎ بخشش سے وہ ہی مراد ہے جو ابھی اوپر عرض کیا گیا کہ جیسے مال برباد کرنا گناہ ہے ایسے ہی وقت برباد کرنا بھی گناہ، وقت مال سے زیادہ لائق قدر ہے اسی گناہ کی معافی مانگی گئی۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ کی خدمت میں سواری کے لیے گھوڑا لایا گیا ۱؎ آپ نے جب رکاب میں پیر رکھا ۲؎ تو فرمایا بسم اللّٰہ جب اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے تو فرمایا الحمدللّٰہ ۳؎ پھر فرمایا پاک ہے وہ رب جس نے اسے ہمارا تابعدار بنادیا اور ہم اسے مطیع نہ کرسکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ۴؎ پھر تین بار کہا الحمدللّٰہ اور تین بار اللّٰہ اکبر پاک ہے تو میں نے یقینًا اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا ۵؎ پھر آپ ہنسے ۶؎ عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین آپ کس چیز سے ہنس رہے ہیں تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وہ ہی کیا جو میں نے کیا پھر آپ ہنسے ۷؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا کہ تمہارا رب اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے ۸؎ جب وہ کہتا ہے خدایا میرے گناہ بخش دے، رب فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ بخشتا نہیں ۹؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ لغۃً دابۃ ہر جانور کو کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" مگر اصطلاح میں دابۃ گھوڑے کو کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے آپ کی خدمت میں گھوڑا حاضر کیا گیا تھا۔

۲؎ رکاب بمعنی آلہ رکوب جس میں پاؤں رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔

۳؎ یہ حمد سواری ملنے کے شکریہ پر ہے یعنی خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہماری آسانی کے لیے ہم کو سواری بخشی، بہت لوگ مجبورًا پیدل سفر کرتے ہیں۔

۴؎ یہ قرآن شریف کی آیت ہے، اس کی شرح ابھی فصل اول میں گزر گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مولٰی ان قوی جانوروں کا ہم کمزور انسانوں کے قبضہ میں آجانا تیری مہربانی سے ہے، ہم تو مچھر مکھی کو تابع نہیں کرسکتے، پھر ہم پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ ہم کو خود اپنے ہاتھ پاؤں پر بھی اختیار و قبضہ نہ رہے گا یعنی بعد موت ہم کو وہ وقت یاد ہے، ہم اس نعمت پر متکبر نہیں تیرے شکر گزار ہیں۔ سبحان اللّٰہ! کیسی جامع اور برمحل دعا ہے۔

۵؎ یعنی میری خطاؤں وگناہوں کے باوجود تو نے مجھے یہ سواری وغیرہ کی نعمتیں بخشیں تو مجھے امید ہے کہ تو اپنے کرم سے مجھے معافی بھی دے دے گا میں نے وہ ہی کیا جو گنہگار کرتے ہیں تو وہ ہی کر جو ستار و غفار کی شان ہے۔

۶؎ یعنی مسکرائے ٹھٹھا نہ لگایا، مسکرانا اظہار خوشی کے لیے ہوتا ہے ٹھٹھا دل کی غفلت سے اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے بہت تھے ٹھٹھا کبھی نہ لگا۔

۷؎ یعنی میں قولی و عملی سنتوں پر عمل کررہاہوں اس موقعہ پر یہ دعامانگنا سنت قولی ہے اوراس وقت تبسم کرنا سنت عملی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی نقل کرتے تھے اسے ثواب سمجھتے تھے اور یہ بھی پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کی ہر سنت پر عمل کرنا باعث ثواب ہے حتی کہ ہنسنا اور رونا بھی۔

۸؎ خلاصہ یہ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں ہنس رہاہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی کی موافقت میں تبسم فرمایا تھا تو یہ عملی سنت رسول بھی ہے اور سنت الٰہیہ بھی،رب تعالٰی تعجب کرنے،ہنسنے سے پاک ہے اس لیے وہاں ان الفاظ کے معنے ہوتے ہیں خوش ہونا۔رب تعالٰی کی رضاخوشی اس کی شان کے لائق ہے،ہماری رضاوخوشی ہماری حیثیت کے موافق ہے۔

۹؎ معلوم ہوا کہ رب تعالٰی اس بندے سے بہت راضی وخوشی ہوتا ہے جو اپنے کو بے کس وگنہگار جانے اور رب تعالٰی کو قادر وغفار جانے،یہ ہی حال بارگاہِ مصطفوی کا ہے کہ وہاں بھی بے کسی پر رحم بہت ہوتا ہے۔شعر

دیکھی جو بے کسی تو انہیں رحم آگیا | گھبرا کے ہوگئے وہ گنہگار کی طرف

خیال رہے کہ گناہ تو اللہ تعالٰی ہی بخشتا ہے،اس کے محبوب بندے شفاعت تو کرتے ہیں مگر براہ راست گناہ بخشتے نہیں مگر حقوق بندے بھی معاف کرسکتے ہیں،میں اپنا قرض یاخون معاف کرسکتا ہوں لہذا احادیث بالکل واضح ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے گناہ یا کفارے معاف فرمادیئے وہ باذن الٰہی تھے،ان معافیوں کی بہت مثالیں ہیں جو ہم نے اپنی کتاب "سلطنت مصطفٰی"میں بیان کی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو وداع فرماتے ۱؎ تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے خود اسے نہ چھوڑتے حتی کہ وہ شخص ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چھوڑ دیتا ۲؎ اور فرماتے میں تیرا دین تیری امانت اور تیرا آخری عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں ۳؎ اور ایک روایت میں ہے خاتمہ کا عمل (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ) ان دونوں کی روایات میں آخر عملك کا ذکر نہیں۔

۱؎ صحابہ کرام سفر کو جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس بارگاہ عالی سے وداع ہوتے تھے اس وقت کا یہاں ذکر ہورہاہے،اب بھی زائرین مدینہ منورہ سے چلتے وقت آخری سلام کے لیے روضہ انور پر حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں "الوداع الوداع یارسول اللہ الفراق الفراق یاحبیب اللہ" ہم نے ایک وداعیہ قصیدہ عرض کیا تھا جس کے کچھ شعر یہ ہیں۔شعر

دور سے آئے تھے پردیسی غلام | عرض کرنے کو غلامانہ سلام
آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب | یہ فرماؤ کہ بلواؤ گے کب
چشم رحمت سے نہ تم کریو جدا | رکھیو اپنے سایہ میں ہم کو سدا

اس وقت جو دل کا حال ہوتا ہے وہ وداع ہونے والا ہی جانتا ہے۔شعر

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینے سے | ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینے سے
روضہ اچھا زائر اچھے،اچھی راتیں،اچھے دن | سب کچھ اچھا ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

۲؎ یہ حضور کی بندہ نوازی اور شان کریمانہ ہے کہ غلاموں سے خود ہاتھ نہیں چھوڑاتے،اب بھی وہ ہم گنہگاروں کو خود نہیں چھوڑتے،اللہ تعالیٰ ان کے قدموں سے وابستگی عطا کرے۔

۳؎ یعنی خدا تیرے دین وایمان وخاتمہ کی حفاظت کرے،سب کچھ اس کے سپرد ہے۔امانت سے مراد یاتو اعمال شرعیہ ہیں،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"الخ یا مسافروں کے آپس کے اخلاق ومالی معاملات،چونکہ سفر میں کبھی آپس میں تلخی ترشی بھی ہوجاتی ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔اس دعا میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ اے مدینہ میں میرے پاس رہنے والے اب تک تو تو میرے سایہ میں تھا کہ ہر مسئلہ مجھ سے پوچھ لیتا تھا ہر مشکل مجھ سے حل کرلیتا تھا اب تو مجھ سے دور ہورہا ہے کہ ہر حاجت میں مجھ سے پوچھ نہ سکے گا تو تیرا ہر کام خدا کے سپرد ہے۔کیسی پیاری دعا ہے اور کسی مبارک وداع! آخر عمل سے مراد وقت موت ہے یعنی اگر اس سفر میں تجھے موت آئے تو ایمان پر آئے،تیری زندگی و موت رب کے حوالہ۔

روایت ہے حضرت عبداللہ خطمی سے۱؎ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو وداع کرنا چاہتے تھے تو کہتے میں تم لوگوں کا دین تم لوگوں کی امانت تم لوگوں کے آخری عمل اللہ کے سپرد و حوالے کرتا ہوں ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام ابوموسیٰ عبداللہ ابن زید ابن حصین ابن عمرو ابن حارث ابن حطمہ ابن خشعم ابن مالک ابن اوس ہے،سترہ برس کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے،عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں کوفے کے حاکم رہے،وہاں ہی وفات پائی۔

۲؎ اس کی شرح ابھی ہوچکی،چونکہ یہاں پورے لشکر کو وداع فرمانا ہے،اس لیے ضمیر جمع لائی گئی۔معلوم ہوا کہ لشکرِ اسلام جنگی سامان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بھی ساتھ لیتا تھا۔محمود غزنوی جب سومنا تھ مندر حملہ آور ہوا تھا تو حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی دعائیں اور ان کا جبہ ساتھ لایا تھا،ان مجاہدین کی تلواریں آستانہ محبوبین پر دھاروار ہوتی تھیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا یارسول اللہ میں سفر کا ارادہ کررہا ہوں مجھے کچھ توشہ دیجئے ۱؎ فرمایا اللہ تمہیں پرہیزگاری کا توشہ دے ۲؎ عرض کیا کچھ زیادہ دیجئے فرمایا تمہارے گناہ بخش دے عرض کیا میرے ماں باپ فدا کچھ اور عطا کیجئے ۳؎ فرمایا اللہ تمہیں بھلائی میسر کرے تم جہاں بھی ہو ۴؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۵؎	

۱؎ یعنی میرے لیے ایسے وداعیہ دعا فرمایئے کہ جو توشہ کی طرح سفر دنیا و سفر آخرت میں ساتھ رہے اور مجھے توشہ کی طرح ہر وقت کام آئے۔زاد وہ زائد کھانا ہے جو مسافر کی موجودہ ضرورت سے بچا ہوا آئندہ کام آوے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَ تَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی"۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے توشہ دارین سمجھتے تھے اور ہر موقعہ پر آپ سے دعائیں کراتے تھے اپنی دعاؤں پر کفایت نہ کرتے تھے۔

۲؎ یعنے تمہیں دنیا میں لوگوں سے غنا دے کہ تم سوال سے بچو اور آخرت کے لیے نیک اعمال کی توفیق بخشے،بہت جامع دعا ہے۔

۳؎ یعنے ابھی فقیر کی سیری نہیں ہوئی داتا کچھ اور ملے،دنیا میں صبر بہتر،آخرت کے معاملہ میں بے صبری و حرص افضل۔شعر

حاجتے نیست مرا سیر ازیں آبِ حیات ضاعف اللہ علیٰ کل زمانٍ عطشی

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی تمہیں جیتے مرتے،قبر و حشر ایسی بھلائیاں عطافرمادے جس سے تمہیں پوری کامیابی نصیب ہو۔**حیث ما کنت** میں سفر،حضر،زندگی و قبر ہر جگہ داخل ہے۔سبحان اللہ سائل کی جھولی بھر دی نہ معلوم ان الفاظ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دے دیا ہو اور سائل نے کیا کچھ لے لیا،یہ تو دینے والے اور لینے والے جانیں۔

۵؎ اسے حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں سفر کا ارادہ کررہا ہوں مجھے کچھ وصیت فرمایئے ۱؎ فرمایا اللہ کا خوف گرہ باندھ لو اور ہر بلندی پر تکبیر کہو ۲؎ جب اس شخص نے پیٹھ پھیری تو فرمایا الٰہی اس کے لیے دوری لپیٹ دے ۳؎ اور اس پر سفر آسان کر ۴؎ (ترمذی)

۱؎ جس پر میں سفر میں عمل کرتا رہوں،وصیت اگرچہ مرتے وقت کے کلام کو کہتے ہیں جس کا تعلق بعد موت سے ہو مگر کبھی تاکید حکم کو بھی وصیت کہہ دیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوۡلٰدِکُمۡ**"اور کسی آخری حکم کو بھی یہاں دونوں معنٰی بن سکتے ہیں یعنی مجھے تاکیدی نصیحت فرمادیں،یا آخری نصیحت فرمادیں کیوں کہ اب میں بارگاہِ عالی سے رخصت ہورہا ہوں نہ معلوم اب حاضری میسر ہو یا نہ ہو۔

۲؎ یعنی ہر جگہ ہر حال میں خوفِ خدا دل میں رکھو کہ یہ تمام نیکیوں اور گناہوں سے بچنے کی اصل ہے اور دورانِ سفر میں جب کسی ٹیلہ یا پہاڑی پر چڑھو تو اللہ اکبر کہہ لو،غرض دل و زبان دونوں کا انتظام فرمادیا،چڑھتے وقت تکبیر کہنے کی حکمتیں ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہیں۔

۳؎ اس طرح کہ دراز سفر اسے مختصر معلوم ہو یا واقعی بڑی مسافت اس کے لیے چھوٹی ہوجائے۔کراماتِ اولیاء معجزات انبیاء سے یہ بھی ہے کہ ان کے لیے زمین لپٹ جاتی ہے قرآن کریم فرمارہا ہے کہ حضرت آصف برخیا تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے شام میں لے آئے کہ گئے بھی لوٹ بھی آئے،قرآن کریم فرماتا ہے:"**اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ**"۔

۴؎ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی وہ نعمت بھی دے اور ہر طرح اسے آسانی میسر فرما۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات سے پہلے سفر کرتے تو فرماتے اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ ہے ۱؎ میں تیرے اور تیری اندرونی چیزوں کی اور جو کچھ تجھ میں پیدا کیا گیا ہے اس کی اور جو تجھ پر چلتے ہیں ان کی شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۲؎ میں شیر سے کالے سانپ سے عام سانپوں سے اور بچھوؤں سے اور شہر میں رہنے والوں کی شر سے اور ہر جننے والے اور جنے ہوئے کی شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام شجر و حجر کلام بھی کرتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداو کلام کو سنتے بھی ہیں لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین کو یہ خطاب فرمانا حقیقت پر مبنی ہے،رب تعالٰی نے زمین و آسمان سے یوں خطاب فرمایا تھا: "یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ وَ یٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ "اے زمین اپنا پانی نگل جانا اور اے آسمان اپنا پانی روک لے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نائب جنابِ کبریا ہیں،زمین و آسمان حضور علیہ السلام کا کلام سنتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔(از مرقات)رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَسَخَّرۡنَا لَہُ الرِّیۡحَ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖ" ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان کے لیے مسخر و تابع کردیا کہ ہوا آپ کے حکم سے چلتی تھی۔

۲؎ زمین کی شر زلزلہ،دھنسنا،گرجانا،راستہ بھول جانا وغیرہ ہیں اور اندرونی زمین کی شر سیلاب،سخت گرمی،سخت ٹھنڈک وغیرہ۔زمین کی مخلوقات کی شر اندرونی کیڑے مکوڑے وغیرہ ہیں کہ سفر میں انہی کی وجہ سے حادثات زیادہ پیش آتے ہیں۔

۳؎ اگرچہ یہ چیزیں بھی زمین پر چلنے والوں میں داخل تھیں لیکن چونکہ ان کی شر خصوصًا مسافر کو بہت زیادہ پہنچتی ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا،بعض لوگوں نے والد سے مراد ابلیس اور ولد سے اس کی ذریت لی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے۔(لمعات)کیونکہ مسافر واجنبی شہر میں چوراچکوں سے بھی بہت تکلیف پہنچ جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب جہاد کرتے تو کہتے الٰہی تو میری قوت بازو ہے،میرا مددگار ہے،تیرے بھروسہ ہی سے دفع کرتا ہوں تیری مدد پر حملہ کرتا ہوں،تیری امید سے جہاد کرتا ہوں ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ احول حولٌ سے بنا بمعنی دشمن کے مکر وفریب کو پھیر دینا یا برائی سے اچھائی کی طرف پھر جانا یعنی الٰہی میں دشمن کے مقابل اپنی قوت،فوج،ہتھیاروں کے بھروسہ پر نہیں آیا ہوں،یہ تو فقط اسباب ہیں،بھروسہ تجھ پر ہے تو چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے،کمزور مسلمان سے قوی کفار کو ہلاک کرادے،دو بچوں سے ابوجہل کو ٹھکانے لگادے۔یہ وہ چیز ہے جو کفار کے پاس نہیں اور مسلمان انہی کی برکتوں سے فتح پاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے خطرہ محسوس فرماتے ۱؎ تو کہتے اے اللہ ہم ان کے مقابل تجھے کرتے ہیں ۲؎ اور ان کی شر سے تیری پناہ لیتے ہیں ۳؎(احمد،ابوداؤد)۴؎	

۱؎ اس طرح کہ آپ کو پتہ چلتا کہ فلاں قوم ہمارے خلاف سازش یا جنگی تیاری کررہی ہے۔خیال رہے کہ خوف بہت طرح کا ہے خوف اطاعت وبندگی صرف رب تعالٰی کا ہی ہونا چاہیے اور خوف نفرت شیطان وغیرہ دشمنوں سے اور خوف بمعنی خطرہ تکلیف ہر خطرناک چیز سے ہوسکتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کو وادیٔ سینا میں سانپ سے خوف ہوا،آپ نے فرعونیوں سے خوف کیا یہ واقعات اس آیت کے خلاف نہیں "لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ" کہ وہاں خوف اطاعت مراد اس ہی کی نفی ہے اور خوف بمعنے خطرہ۔

۲؎ نحر سینہ کو بھی کہتے ہیں اور جانور ذبح کرنے کو بھی "فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ"۔چونکہ دشمن کے مقابلہ میں سینہ تان کر ہی کھڑے ہوتے ہیں اس مقابلہ کو اس لفظ سے تعبیر فرمایا،نیز اس میں نیک فال بھی ہے کہ خدایا دشمن کو ذبح کردے کہ وہ ہمارے مقابلہ کے لائق ہی نہ رہے۔

۳؎ یعنی ہمارے اور دشمن کی شر کے درمیان تو آڑ ہو جا تا کہ ان کی شر ہم تک نہ پہنچ سکے، یہ دعا بہت ہی مجرب ہے، ایک دشمن کے مقابل بھی کام آتی ہے اور بہت دشمنوں کے مقابل بھی فقیر اس کا عامل ہے اور اس کی برکت سے شر اعدا سے محفوظ ہے۔

۴؎ اسے نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیں۔ حصن حصین شریف میں ہے دشمن کے خوف کے وقت "لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ "پڑھنا بڑی امان ہے۔ امام نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا کہ لِاِیْلٰفِ کو بہت اولیاء اللہ نے آزمایا ہے، بہت مجرب ہے۔ حضرت زید ابن علی عن عتبہ ابن غزوان عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روایت، نیز حصن حصین شریف میں اسے نقل کیا کہ جب مدد درکار ہو خصوصًا سفر میں تو کہے یَاعِبَادَاللہِ اَعِیْنُوْنِیْ اے اللہ اے بندو میری مدد کرو ان شاء اللہ بہت جلد مدد پہنچے گی، کہ بعض اللہ کے غیبی بندے اس پر مامور ہیں۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ یہ حدیث یا عبادالله حدیث حسن ہے ومشائخ کی مجرب، مسافروں کو اس کی بہت ضرورت ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو مدد کے لیے پکارنا بھی سنت ہے اور ان سے مدد لینا بھی سنت، یہ شرک نہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو کہتے شروع اللہ کے نام سے ۱؎ اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں خدایا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم پھسلیں اور بہکیں ۲؎ یا ستائیں یا ستائے جائیں یا جہالت کریں یا ہم پر جہالت کی جائے ۳؎ (احمد، ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ کی روایت یوں ہے کہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میرے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ نکلے مگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے ہوئے ۴؎ پھر کہتے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ بہکوں یا بہکایا جاؤں یا ظلم کروں یا ستایا جاؤں یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے ۵؎	

۱؎ یعنی اس نکلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے کرتا ہوں تاکہ نکلنا برکت والا ہو۔

۲؎ بلا ارادہ گناہ ہو جانا ذلت ہے اور ارادۃً قصدًا گناہ کرنا ضلالت یا گناہ صغیرہ ذلت ہے گناہ کبیرہ ضلالت یا عملی غلطی ذلت ہے اور اعتقادی غلطی ضلالت، چونکہ گھر سے باہر نکل کر ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے، اچھوں سے بھی بُروں سے بھی اس لیے اس موقعہ پر یہ دعا بہت مناسب ہے یعنی یا اللہ گناہوں، بد عقیدگیوں سے تو ہی مجھے بچانا اب ہر طرح کے لوگوں سے مجھے ملنا ہے۔ خیال رہے کہ دعائیں تعلیم اُمت کے لیے ہیں۔

۳؎ حقوق العباد مارنا ظلم ہے اور حقوق اللہ ضائع کرنا جہالت یعنی خدایا نہ تو میں کسی کا حق ماروں نہ کوئی میرا حق مارے اور نہ میں تیرے حقوق میں کوتاہی کروں نہ کوئی مجھ سے کوتاہی کرائے۔ اس جملہ کی اور بہت تفسیریں ہیں، سلامتی دین اسی میں ہے کہ انسان نہ ظالم ہو نہ مظلوم نہ جاہل ہو نہ مجہول۔ (اشعہ مع زیادت)

۴؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کعبہ قبلہ عبادت ہے اور آسمان قبلہ حاجات کہ سب کی جسمانی و روحانی روزی آسمان سے ہی آتی ہے اس لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا پھیلانا ادھر دیکھنا بہتر ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ"۔ اس نظر اٹھانے

کا مقصد یہ نہیں ہے کہ رب تعالٰی آسمان میں رہتا ہے،وہ توہر جگہ وجہت سے پاک ہے ہر وقت ہمارے ساتھ ہے "وَ هُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ"۔

۵؎ دونوں آیتوں میں بڑا فرق نہیں قریبًا یکساں ہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ ہم لوگوں کے ساتھ مل کر کبھی تو دینی معاملے میں غلطی کر جاتے ہیں کہ خلاف عقیدہ باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں کبھی دنیوی معاملے میں یااس طرح کہ کسی پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں اور یا اس طرح کہ ساتھی کا حق صحبت ادا نہیں کرتے،اس دعا میں ان تینوں چیزوں سے پناہ مانگی گئی۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے۱؎ تو کہہ لے اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت۲؎ تب اس سے کہا جاتا ہے تجھے ہدایت وکفایت دی گئی اور تو محفوظ کردیا گیا۳؎ پھر شیطان دور بھاگ جاتا ہے اور اس سے دوسرا شیطان کہتا ہے تجھے اس شخص سے کیا تعلق ہے جسے ہدایت وکفایت دی گئی اور جو محفوظ کیا گیا۴؎ (ابوداؤد)اور ترمذی نے له الشيطان تک)

۱؎ گھر سے مراد رہنے کی جگہ ہے خواہ یہی گھر ہو جس میں بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں یا مسجد کا حجرہ،خانقاہ وغیرہ جہاں صوفیاء،طلباء اور مشائخ رہتے ہیں۔غرضکہ ہر شخص اپنے ٹھکانے سے نکلتے وقت یہ پڑھ لیا کرے۔

۲؎ یعنی اللہ کے نام سے نکلتا اور اپنے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں،میں کمزور ہوں وہ قوی ہے،اس کے بغیر نہ کسی میں طاقت ہے نہ قوت۔حول و قوت کے بہت نفیس فرق پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔گناہ سے بچنے کی طاقت حول ہے،نیکی کرنے کی طاقت قوت ہے۔دنیا کے جنجال سے بچنے کی طاقت حول ہے،رب ذوالجلال تک پہنچنے کی طاقت قوت ہے،اچھے کام کرنے کی طاقت حول ہے اور مقبول کام کرنے کی طاقت قوت۔خیال رہے ہر مقبول اچھا ہے ہر اچھا مقبول نہیں مردودیت سے پہلے شیطان کے سجدے اچھے تو تھے مگر مقبول نہ تھے۔

۳؎ یعنی اس دعا کے پڑھنے پر غیبی فرشتہ اس سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ تو نے بسم اللہ کی برکت سے ہدایت پائی اور توکل علی اللہ کے وسیلہ سے کفایت اور لاحول کے واسطہ سے حفاظت،تین چیزوں پر تین نعمتیں ملیں۔خیال رہے کہ اگرچہ ہم فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں مگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک یہ کلام پہنچ گیا تو اس کا کہنا عبث نہ ہوا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم اس پر فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں تو اس کا کہنا بیکار ہے،نیز فرشتہ کے اس کلام کا عملی طور پر ظہور بھی ہوجاتا ہے کہ اس بندے کو یہ تینوں نعمتیں مل جاتی ہیں۔

۴؎ یعنی فرشتے کے اس کہہ دینے پر اس کا قرین شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اس سے بھاگ جاتا ہے،پھر جب شام شیاطین کا سردار ابلیس اس سے دن بھر کے کارکردگی کا امتحان لیتا ہے تو یہ قریں اس بندے کی دعا کا ذکر کرکے افسوس کرتا ہے کہ میں آج اسے بہکا نہ سکا تب ابلیس اس کی تسلی کے لیے یہ کہتا ہے کہ تجھ پر کوئی میرا عتاب نہیں تو معذور تھا وہ بندہ فرشتہ کی امن میں آچکا تھا اس کی اور شرحیں بھی ہوسکتی ہیں مگر یہ شرح قوی ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ فرشتہ کی امان میں آجانا امن وامان کا ذریعہ ہے،پھر جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں آجائے اس کا کیا کہنا۔دوسرے یہ کہ ابلیس فرشتوں اور ان کی امان و حفاظت کو دیکھتا ہے۔بدر میں ابلیس نے امدادی فرشتوں کو دیکھا تھا اور کہا

تھا "اِنِّیۡۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوۡنَ"۔ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ناری اور نوری مخلوق چھپی ہوئی نہیں، حضور علیہ السلام فرشتوں، شیاطین کو ملاحظہ بھی فرماتے ہیں اور ان کے کلام بھی سنتے ہیں، پھر ہم خاکی مخلوق حضور علیہ السلام سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کہہ لے۱؎ الٰہی میں تجھ سے داخلے کی اور نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا پھر گھر والوں کو سلام کرے۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ اپنے گھر سے مراد اپنے رہنے کا گھر ہے خواہ ملکیت سے ہو یا کرایہ سے اور خواہ عارضی ہو یا دائمی، لہذا جو شخص سرائے کے کسی حجرے میں مع بال بچوں یا دوستوں کے شب بھر کے لیے مقیم ہو وہ بھی داخل ہوتے وقت یہ عمل کرے۔

۲؎ شیخ عبدالله نے اشعۃ اللمعات میں بیان فرمایا کہ اگر گھر میں لوگ ہوں تو انہیں سلام کرے، اگر خالی ہو تو فرشتوں کو سلام کی نیت سے یہ کہے السلام علی عباد اللہ الصالحین۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالی گھر میں جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرے۔(از شفاء شریف) ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت کہے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" جلد اول میں ملاحظہ کیجئے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے نکاح پر دعا کرتے تو فرماتے اللہ تجھے برکت دے اور تم دونوں پر برکت کرے تم دونوں کو بھلائی میں جمع رکھے ۱؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ ہر نکاح کرنے والے کو یہ دعا دینا سنت ہے اگر مجلس نکاح میں موجود ہو تو ایجاب و قبول کے بعد یہ دعا دے اگر وہاں نہ ہو تو دولہا کو مبارکباد دیتے وقت یہ کلمے کہے۔ تجھے برکت دے سے مراد دنیاوی برکت ہے اولاد، مال وغیرہ میں برکت، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ" اور تم پر برکت سے مراد دینی ہے، بعد نکاح خیر کی توفیق بخشے۔ بھلائی میں جمع رکھے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی ایک دوسرے کی بھلائی میں مدد کریں برائی روکیں۔ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے، رب تعالٰی نصیب کرے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے نکاح کرے یا غلام خریدے تو کہہ لے۱؎ الٰہی میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس پر تو نے اسے پیدا کیا اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی شر سے اور اس کی شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا۲؎ اور جب اونٹ خریدے تو اس کا کوہان پکڑ کر اس طرح کہہ لے

۳؎اور ایک روایت میں عورت و خادم کے متعلق ہے کہ پھر اس کی پیشانی پکڑے اور دعائے برکت کرے ۴؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)۵؎	

۱؎بیوی یا لونڈی یا غلام کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے،سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ رکھ کر بھی پڑھ سکتا ہے۔(مرقات)

۲؎عموماً ہر انسان فطری طور پر برائی کی طرف مائل ہے،بھلائی رب تعالٰی کے فضل سے نصیب ہوتی ہے۔جبلتھا سے یہ ہی طبعی میلان مراد ہے لہذا احادیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے اور یہاں فرمایا گیا کہ شر پر پیدا ہوتا ہے کیوں کہ وہاں پیدائشی حالت کا ذکر ہے کہ بچہ اس عہد و پیمان پر پیدا ہوتا ہے جو میثاق کے دن رب تعالٰی سے کیے گئے تھے"اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی"اور یہاں اس کے میلان طبع کا ذکر ہے خود ہمارا اپنا یہ میلان ہے اسی لیے ہر خطبہ کے اول سرکار پڑھا کرتے تھے"و نعوذ باللہ من شرور انفسنا" رب تعالٰی شر سے بچائے۔

۳؎ گائے بھینس بکری وغیرہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پڑھے۔

۴؎حصن حصین میں ہے کہ بیوی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گزشتہ مذکورہ دعا بھی پڑھے اور یہ دعائے تسخیر بھی کرے،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے اور بہت مفید ہے،اس دعا کی برکت سے گھر میں اتفاق رہتا ہے،بیوی ہر طرح خاوند کی خیر خواہ اور مطیع رہتی ہے،جانبین میں محبت قائم رہتی ہے،نبھاؤ بہت اچھا ہوتا ہے،زندگی بہت بہتر گزرتی ہے،دونوں کو دین پر استقامت میسر ہوتی ہے۔

۵؎اس کا پہلا جزء ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،ابولیلے موصلی،حاکم نے اور اس کا دوسرا جزء ابوداؤد،نسائی،ابولیلے نے بھی روایت کیا ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو بکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غم گین کی دعائیں یہ ہیں ۱؎الٰہی میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں تو تو مجھے پلک جھپکنے کی بقدر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر ۲؎ اور میرے سارے کام بنا،تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔(ابوداؤد)۳؎	

۱؎مکروب سے مراد وہ شخص ہے جس کو کسی خاص غم و رنج یا فکر نے گھیر لیا ہو جس سے خلاصی کی صورت نہ بنتی ہو،چونکہ یہ دعا بہت سی دعاؤں پر مشتمل ہے اس لیے اسے دعوات یعنی دعائیں فرمایا گیا،یہ دعا دفع رنج و غم کے لیے بہت مجرب ہے۔

۲؎یعنی میں صرف تیری رحمت ہی کا امیدوار ہوں اور تیرا نام رجاء السائلین بھی ہے کوئی آس لگا کر آنے والا سائل تیرے در سے مایوس نہیں لوٹتا۔لہذا مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کردے کہ میرا سب سے بڑا دشمن یہ ہی ہے اور ساتھ ہی میں کمزور بھی ہوں،میں کسی چیز میں تیری مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

۳؎اسے ابن حبان،ابن ابی شیبہ،ابن سنی،طبرانی نے بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے غم و قرض چمٹ گئے ۱؎فرمایا تو کیا میں تمہیں وہ دعا نہ سکھادوں کہ جب تم اسے پڑھ لو تو اللہ تمہارے غم مٹادے اور تمہارا قرض اتار دے ۲؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں ضرور،فرمایا	

روزانہ صبح اور شام کے وقت یہ پڑھ لیا کرو۳؎ الٰہی میں رنج و غم سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۴؎ اور عاجزی و سستی سے تیری پناہ لیتا ہوں ۵؎ اور کنجوسی و بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں ۶؎ اور قرض کے چھاجانے اور لوگوں کے غالب آجانے سے تیری پناہ لیتا ہوں ۷؎ فرماتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ نے میرا غم مٹادیا اور میرا قرض ادا کردیا ۸؎ (ابوداؤد)

۱؎ مرقات نے فرمایا کہ اس عرضی کا مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ یعنی طلب مدد اور فریاد کرنا ہے یعنی مجھے ایسے بڑے غم و قرض نے گھیر لیا جو کسی طرح دفع نہیں ہوتے،آپ سے فریاد ہے کیوں کہ آپ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ عظمٰی ہیں،انہیں آپ کا وسیلہ عظمٰی ہی دور کرسکتا ہے۔(مرقات) معلوم ہوا کہ مصیبتوں میں حضور علیہ السلام کی پناہ لینا حضور علیہ السلام سے مدد مانگنا سنت صحابہ ہے شرک نہیں۔

۲؎ یعنی اس دعا کی برکت اور میرے وسیلے اور میری تعلیم کے اثر سے رب تعالٰی تمہارے رنج و قرض سب کچھ دور کردے گا،کام رب ہی کرتا ہے مگر وسیلہ کے ذریعہ سے۔بزرگوں سے حاصل کی ہوئی دعاؤں میں دو تاثیریں ہوتی ہیں:الفاظ کی تاثیر اور ان کی زبان کی تاثیر،تلوار کسی کی سان پر رکھو،تیز کرو پھر اس سے وار کرو۔

۳؎ صبح شام سے مراد یا تو بعد نماز فجر و مغرب کے اوقات میں یا ہمیشہ پڑھنا۔(مرقات) صوفیاء خاص ضرورت پر ہر نماز کے بعد ایک ایک بار یہ دعا پڑھا کرتے ہیں۔

۴؎ **ھم** و **حزن** یا تو ہم معنے ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے،کیا فرق ہے؟اس میں بہت گفتگو ہے۔صحیح تر یہ ہے کہ آئندہ مصیبت کے خطرہ کو **ھم** کہتے ہیں اور گزشتہ نازل شدہ مصیبت کی تکلیف کو **حزن** اسی لیے پختہ ارادے کو **ھم** کہا جاتا ہے "**وَلَقَدۡ ھَمَّتۡ بِہٖ**" یا تکلیف دہ چیز واقع ہوجانے پر جو صدمہ ہے وہ **ھم** اور کسی مطلوب کے فوت ہوجانے پر صدمہ **حزن**۔**واللہ اعلم**! بہرحال یہ دعا بہت جامع ہے۔

۵؎ یعنی نیکی پر قادر نہ ہونے اور قادر ہو کر اس کے کرنے میں بوجھل ہوجانے سے تیری پناہ،عجز و کسل میں یہ ہی فرق ہے،نیکی پر قدرت بھی اللہ کی رحمت ہے اور قدرت کے بعد کر لینے کا موقعہ مل جانا یعنی توفیق بھی اس کا کرم۔

۶؎ صدقات واجبہ،صدقات نفلیہ نہ ادا کرنا،سائل کو بھیک کبھی نہ دینا،مہمان نوازی نہ کرنا،حقوق مالیہ ادا نہ کرنا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر درود شریف نہ پڑھنا وغیرہ بخل ہے اور تبلیغ کی ہمت نہ ہونا،جہاد میں بزدلی آجانا،رزق کے معاملہ میں اللہ پر توکل نہ ہونا،**جبن** یعنی بزدلی ہے۔مسلمان بھائی سے لڑنے کی ہمت نہ کرنا بزدلی نہیں،فضول خرچی سے بچنا بخل نہیں،آج لوگوں نے سخاوت و فضول خرچی یوں ہی بخل و کفایت شعاری،یوں ہی بہادری اور ایذاء رسانی،یوں ہی بزدلی و نرمی دل میں فرق کرنا چھوڑ دیا۔

۷؎ خیال رہے کہ نفس قرض برا نہیں قرض تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لیا ہے غلبہ دین برا ہے جس کے ادا کی صورت نظر نہ آئے یا جو مقروض کو ذلیل کردے یا جس سے مقروض جھوٹ بولنے وعدہ خلافی کرنے پر مجبور ہوجائے اسی لیے یہاں غلبہ دین کا ذکر فرمایا قہر رجال میں یا تو قرض خواہوں کا غلبہ یا بادشاہ کا ظلم یا ظالموں کا گھیر لینا مراد ہے اللہ تعالٰی ہر مسلمان کو ان سب مصیبتوں سے محفوظ رکھے۔

۸؎ یعنی یہ دعا میری مجرب بھی ہے تیر بہدف نسخہ ہے،ہر مسلمان ہمیشہ ہی یہ دعا ہر نماز کے بعد ضرور ایک بار پڑھ لیا کرے ان شاءاللہ قرض و ظلم سے محفوظ رہے گا۔فقیر بفضل رب قدیر اس کا عامل ہے اس دعا کے زیر سایہ ہر بلا و قرض سے محفوظ ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ کے پاس ایک مکاتب آیا بولا میں

	اپنی ادائے کتابت سے عاجز آگیا ہوں میری کچھ مدد فرمایئے۱؎ فرمایا کیا میں تجھے وہ کلمے نہ سکھادوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے اگر تجھ پر پہاڑ برابر بھی قرض ہو تو اللہ تجھ سے ادا کرادے ۲؎ یہ پڑھا کرو۳؎ خدایا مجھے اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے تو کافی ہو جا۴؎ اور مجھے اپنی مہربانی سے اپنے سوا سے بے پرواہ کردے ۵؎(ترمذی، بیہقی، دعوات کبیر)۶؎ اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ جب تم کتوں کا رونا سنو،الخ برتن ڈھکنے کے باب میں ان شاء اللّٰه ذکر کریں گے ۷؎

۱؎ یعنے میرے مولانے کچھ مال پر میری آزادی موقوف رکھی ہے جسے ادا کرکے میں آزاد ہوں اور میرے پاس وہ مال نہ ہے اور نہ اس کے حاصل کرنے پر قدرت ہے،براہ کرم مال یا دعا سے میری مدد فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی بفضل اللہ العلی مشکلکشا دافع بلا ہیں،ان سے مصیبت میں مدد لینا شرک نہیں بلکہ سنت بزرگاں ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ جناب علی نے دانستہ طور پر اس کی مالی مدد نہ کی کہ اس سے اس کا کام تو چل جاتا مگر اسے غنا میسر نہ ہوتا،آپ نے اسے وہ دعا بتائی جس سے وہ ہمیشہ کے لیے لوگوں سے غنی ہوگیا وقتی حاجت روائی سے سائل کو غنی بنادینا بہتر ہے۔

۳؎ ہر نماز کے بعد ایک بار۔غالب یہ ہے کہ لفظ قل حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور ہوسکتا ہے کہ آپ کا خود اپنا قول ہو۔(مرقات) مشائخ کو ہمیشہ حسب ضرورت اوراد و وظیفہ ایجاد کرنے کا حق ہے جیسے اطباء کو معجونیں دوائیں ایجاد کرنے کا حق ہے اور منقولہ دعاؤں کی اجازت دینے کا بھی اختیار ہے۔

۴؎ یعنی حلال روزی بھی اتنی دے کہ مجھے حرام کی طرف توجہ نہ ہو اور میرے دل میں حرص بھی نہ پیدا ہونے دے تاکہ میں حرام سے بچا رہوں خلاصہ یہ ہے کہ کفایت وہ قناعت دونوں نصیب کر۔

۵؎ کہ دنیا والوں کے پاس حاجت لے کر مجھے نہ جانا پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پرواہی تو سخت محرومی بلکہ کفر ہے،شیطان نبوت سے بے پرواہ ہو کر مارا گیا۔

۶؎ اسے حاکم نے بھی روایت کیا،یہ دعا بہت مجرب ہے فقیر کا اس پر عمل ہے اور اس کا بہت فائدہ فقیر زمارہا ہے۔

۷؎ یعنے مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی مگر میں نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس باب میں ذکر نہ کیا۔ان شاء اللّٰه اس کی وجہ مناسبت وہاں ہی بیان کی جائے گی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات کہتے۱؎ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کلمات کے متعلق پوچھا تو فرمایا اگر اچھی بات

	کی جائے ۲؎ تو ان پر روز قیامت مہر ہو جائے اور اگر بری بات کی گئی ہو تو اس کا کفارہ ہو جائیں ۳؎ الٰہی تو پاک ہے، تیری حمد ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں ۴؎ (نسائی)

۱؎ فارغ ہو کر بلکہ وہاں سے اٹھتے وقت یہ کلمات کہتے تھے۔(مرقات)

۲؎ یا تو اَنْ الف کے زبر سے ہے اور تکلم ت و ك کے پیش سے یعنی ان کلمات کا بول لینا، پڑھ لینا یا اِن الف کے کسرہ (زیر) سے اور تکلم ت اور ك کے زبر سے ہے یعنی اے عائشہ اگر تم یہ کلمات پڑھ لیا کرو، پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

۳؎ یعنی جو دعائیہ کلمے میں پڑھا کرتا ہوں ان کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی باتیں کرکے یا کوئی عبادت کرکے یہ کلمات پڑھ لے تو یہ کلمات ان باتوں یا عبادتوں کے لیے مثل مہر کے ہوں گے کہ تا قیامت محفوظ رہیں گے اور حساب کے وقت وہ مقبول ہوں گے خود وہ کلمات بھی اور وہ عبادت یا دعا بھی جن پر یہ کلمات پڑھے گئے اور اگر کوئی بری باتیں بول کر یہ کلمات آخر میں کہہ لے تو یہ کلمات ان بری باتوں کا کفارہ بن جائیں گے کہ ان کی برکت سے رب تعالٰی ان برائیوں پر پکڑ نہ فرمائے گا اس لیے ہم ہر مجلس کے آخر میں یہ کلمات پڑھ لیتے ہیں۔

۴؎ یہ ان کلمات کا بیان ہے جن کا فائدہ ابھی بیان ہوا۔استغفار و توبہ کا فرق بیان ہو چکا ہے کہ گناہ سے معافی مانگنے کا نام استغفار ہے اور عیوب سے معافی مانگنے کا نام توبہ، یا بڑے گناہوں سے معافی مانگنا استغفار ہے چھوٹے گناہوں سے معافی کا نام توبہ، یا کھلے گناہوں سے معافی استغفار اور چھپے گناہوں سے معافی توبہ وغیرہ، یہ بہت جامع دعا ہے جس میں رب تعالٰی کی حمد و ثناء بھی ہے اور توبہ و استغفار بھی۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے انہیں خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے بھلائی و ہدایت کا چاند ہو ۱؎ بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو، بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو تین بار فرماتے اس پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا ۲؎ پھر فرماتے اس رب کا شکر ہے جو فلاں مہینہ لے گیا اور فلاں مہینہ لایا ۳؎ (ابوداؤد) ۴؎

۱؎ یعنی خدایا یہ مہینہ ہمارے لیے نیک اعمال کرنے کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کی توفیق لے کر آیا ہو مہینے اور وقت میں بھی تاثیریں ہیں جیسے بعض وقت گرم ہوتے ہیں، بعض سرد، بعض زمانہ بیماریوں کے ہوتے ہیں، بعض صحت کے، ایسے ہی بعض اوقات گناہوں کے ہوتے ہیں، بعض نیکیوں کے اس لیے چاند دیکھنے پر یہ دعا پڑھتے تھے، جس چیز کی ابتداء اچھی ہو اس کی بقاء و انتہا بھی ان شاء اللہ اچھی ہو گی۔ مہینہ کی ابتداء اگر دعا سے ہے تو ان شاء اللہ سارا ماہ خیر رہے گی۔ ھلال مرفوع ہے ھذا کی خبر، یعنے ان شاء اللہ یہ بھلائی کا چاند ہے یا خدایا یہ بھلائی کا چاند ہو۔

۲؎ اس میں چاند کے پجاریوں کی تردید ہے یعنی اے چاند میں تجھ پر ایمان نہیں لایا بلکہ اس رب پر ایمان لایا ہوں جو تیرا اور میرا خالق ہے۔

۳؎ دونوں جگہ فلاں کی جگہ مہینے کا نام لیتے تھے، چونکہ قریبًا سارے دینی کام چاند و سورج سے وابستہ ہیں اس لیے ان اوقات کے بخیریت جانے آنے پر خدا کا شکر کرنا چاہیے، زکوۃ، حج، بیوہ عورتوں کی عدت، دودھ پلانے کی مدت چاند ہی سے وابستہ ہیں، نماز کے اوقات، سحری و افطار وغیرہ سورج کی رفتار سے وابستہ ہے۔

۴؎ اسے طبرانی نے حضرت نافع ابن خدیج سے کچھ فرق سے مرفوعًا روایت کیا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفًا مگر کچھ فرق سے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے رنج وغم زیادہ ہو جائیں وہ یہ پڑھے ا الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا اور تیری بندی کا بچہ ہوں ۲ اور میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے ۳ مجھ میں تیرا حکم جاری ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے ۴ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کی برکت سے جو تو نے اپنا رکھا یا جو نام اپنی کتاب میں اتارا یا جو نام اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو نام اپنے پاس پردہ غیب میں پوشیدہ یہ مانگتا ہوں ۵ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے رنج و غم کا دفعیہ بنادے ۶ یہ کلمات کوئی بندہ نہیں کہتا مگر اللہ اس کا غم دور کردیتا ہے اور اس کے عوض کشادگی دیتا ہے ۷ (رزین) ۸	

ا یعنی رنج وغم میں گھرا ہوا آدمی یہ دعا پڑھا کرے، مراد دنیاوی رنج وغم ہیں جن کے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے آخرت کے رنج وغم تو اللہ کی نعمت ہیں ان کے دفع کی کوشش نہ کرے بلکہ ان کے بقا کی دعا مانگے، عشق خدا اور رسول کا رنج وغم تو مقصد حیات ہے۔ شعر

ترا غم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے — یہ ہی میری بندگی ہے یہ ہی میری زندگی ہے

ترا درد میرا درماں ترا غم مری خوشی ہے — مجھے درد دینے والے تیری بندہ پروری ہے

۲ یعنی خدایا میں تین طرح تیری رحمت کا حقدار ہوں ایک یہ کہ میں خود تیرا بندہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ میرا باپ بھی تیرا بندہ ہے۔ تیسرے یہ کہ میری ماں بھی تیری بندی اور بارگاہِ عالی کی لونڈی ہے پھر ان نسبتوں کے ہوتے ہوئے تیرے در سے کیسے محروم رہوں گا۔

۳ یعنی میں تیرے ملک و تصرف میں ہوں۔ پیشانی بول کر ذات مراد لیتے ہیں یہ جملہ قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے "مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا"۔

۴ یعنی میرے اختیاری اعمال اور غیر اختیاری حالات پر تیری قضاو قدر نافذ ہے اور جو کچھ تو نے مجھ پر حکم نافذ فرمایا ہے وہ عین عدل و انصاف ہے۔ خیال رہے کہ یہاں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے نہ کہ تشریعی۔ حکم و امر میں بڑا فرق ہے، دنیا میں سب کچھ رب تعالٰی کے حکم قضاو قدر سے ہو رہا ہے اس کے امر سے نہیں ہو رہا ہے۔ سب کو ایمان لانے، نماز پڑھنے کا امر ہے مگر بہت لوگ نہ ایمان لاتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں، نیز یہاں عدل سے مراد ظلم کا مقابل ہے نہ کے فضل کا یعنی تو ظلم سے پاک ہے۔

۵ اس عبارت سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رب تعالٰی کے نام بہت ہیں صرف ۹۹ نہیں جن احادیث میں ۹۹ نام مذکور ہیں وہاں مقصد یہ ہے کہ جو ان ناموں کا وظیفہ پڑھے گا بخشا جائے گا، یہ مطلب نہیں کہ رب کے صرف اتنے ہی نام ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسماء الٰہیہ تین قسم کے ہیں: بعض وہ جو آسمانی کتابوں میں مذکور ہوئے اور عام مؤمنین نے جان لیے اور بعض وہ جو صرف انبیائے کرام، فرشتوں یا بعض اولیاء کو الہامًا سکھائے گئے اور بعض جو درمکنون کی طرف پردۂ غیب میں رکھے گئے کسی کو نہ بتائے گئے۔ تیسرے یہ کہ اسماء الٰہیہ کی برکت ان کے توسل سے دعا مانگنا چاہیے خواہ ہم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، ایسے اللہ کے مقبول بندوں، نبیوں، ولیوں کی طفیل دعاء مانگنی چاہیے ہمیں ان کی تفصیل معلوم ہو یا نہ ہو۔

۶؎ یعنی جیسے موسم بہار زمین کی تمام خشکی بے رونقی دور کرکے اسے طرح طرح کی زینتوں سے آراستہ کردیتا ہے ایسے ہی قرآن شریف کے ذریعے میرے دل کے رنج و غم، تاریکی سیاہی، گناہوں کی طرف میلان، حرص و ہوس، حسد دور فرماکر اس میں ایمان و عرفان، خوف خدا، عشق جناب مصطفٰے کے پھل پھول لگادے۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف مؤمن کے دل کی بہار ہے ایسے ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اس بہار کی جان ہیں۔

۷؎ اس طرح کہ رنج و غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور دل میں خوشی و راحت کی بارشیں ہوتی ہیں۔

۸؎ اسے احمد ابن حبان حاکم ابویعلے موصلی، بزاز، طبرانی، ابن ابی شیبہ نے بھی انہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جب ہم چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اترتے تو تسبیح کہتے تھے۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی ہم سفر میں جب کسی ٹیلے پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے کہ وہ رب کریم تمام اونچوں سے بڑا ہے اور جب نشیبی زمین پر اترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے کہ رب تعالٰی نزول اور اترنے سے پاک ہے کہ اس میں کمی و نقصان کا شائبہ ہے۔اسے ابوداؤد، نسائی نے بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز غمگیں کرتی تو آپ فرماتے اے دائمی زندہ اے قائم رکھنے والے تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں۱؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور محفوظ نہیں ۲؎	

۱؎ یعنی تو حیّ و قیّوم ہے میری مدد کر، مجھے اس مصیبت سے نجات دے، تیرے سواء میرا کون ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ حیّ و قیّوم اسم اعظم ہے، قرآن کریم میں یہ نام صرف تین جگہ مذکور ہوئے۔

۲؎ اسے حاکم ابن سنی نے حضرت ابن مسعود سے اور نسائی نے حضرت علی سے مرفوعًا روایت کیا اس کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا سجدہ کرکے مانگتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے خندق کے دن عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی وظیفہ ایسا ہے جو ہم پڑھیں دل گلوں میں پہنچ گئے۱؎ فرمایا ہاں اے اللہ ہمارے عیب ڈھک لے ہمارے خوفوں کو امن میں بدل دے ۲؎ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہوا کے ذریعہ اپنے دشمنوں کے منہ پھیر دیے، اللہ نے انہیں ہوا کے ذریعے بھگادیا ۳؎ (احمد)	

۱؎ یعنی جنگ احزاب کے موقع پر ہم خندق کھودنے میں مشغول تھے بھوک و خوف سے پریشان تھے، بیرونی اندرونی دشمنوں سے بہت تنگ آچکے تھے تب یہ عرض کیا۔معلوم ہوا کہ اپنے رنج و غم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا نہ تو شرک و کفر ہے نہ بے صبری، اگر مریض حکیم سے شکایت نہ کرے تو شفا کیسے پائے۔

۲؎ یہاں عیب سے مراد گناہ نہیں بلکہ دشمن کا خوف اور دل کی گھبراہٹ ہے جس کا اظہار نہیں کیا جاتا تاکہ دشمن دلیر نہ ہوجائے یعنی ہماری موجودہ کمزوری چھپالے،دشمن اس پر مطلع نہ ہونے پائے اور گھبراہٹ کے اسباب دور فرماکر دلوں میں امن پیدا فرمادے۔ خیال رہے کہ امن اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! یہ ہوا اس دعا کا اثر کہ رب تعالٰی نے ابابیل سے فیل مروا دیئے،تیز ہوا سے اتنے بڑے لشکر جرّار یعنی کفار کو بھگادیا۔

رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار میں داخل ہوتے تو کہتے اللہ کے نام سے الٰہی میں تجھ سے اس بازار کی خیر اور جو اس میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں۱؎ اور اس بازار کی شر اور جو اس میں ہے اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں۲؎ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ گھاٹے کا سودا کروں۳؎(بیہقی دعوات کبیر)

۱؎ نفع کے سودے حلال روزی اور دل میں غفلت کا نہ پیدا ہونا بازار کی خیر ہے،یہ تمام چیزیں رب تعالٰی سے مانگے،بازار ہی سے قوم و ملک کا بقا ہے۔

۲؎ نقصان کی تجارت،حرام روزی،وہاں جھوٹ بول کر سودے بیچنا،غافل ہوجانا،بازار کی شر ہے اس لیے بازار کو بدترین جگہ فرمایا گیا۔

۳؎ دینی گھاٹا یا دنیاوی گھاٹا دونوں ہی مراد ہیں دونوں ہی سے پناہ مانگنی چاہیے صدقہ و خیرات نافع ہے مگر مہنگی چیز بیچنا یا سستی فروخت کردینا گھاٹا کھاکر حماقت بھی ہے اور باعث نقصان بھی جس کا نہ دنیا میں نفع ہے نہ آخرت میں۔اسے حاکم اور ابن سنی نے بھی روایت کیا۔

باب الاستعاذة

تعویذوں کا باب۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی ان دعاؤں کا باب جن میں اعوذ یا استعیذ آتا ہے عوذ کے معنی ہیں پناہ،استعاذہ کے معنی پناہ لینا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ"۔تلاوت قرآن کے وقت اعوذ پڑھنا سنت ہے ویسے بھی مصیبتوں اور عام حالات میں پناہ لینے کی دعائیں پڑھتے رہنا چاہیے،صبح سورۂ فلق وناس پڑھنے سے آفات سے امن رہتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی پناہ مانگو آفت کی مشقتوں سے ۱؎ اور بدبختی کے پہنچنے سے اور برے فیصلے سے ۲؎ اور دشمنوں کے طعنوں سے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آفتوں کی مشقت سے مراد وہ دنیاوی یا دینی مصیبتیں ہیں جن کے دفع پر انسان قادر نہ ہو حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ کثرت عیال و قلّت مال جہد بلا ہے کہ اس سے انسان کبھی کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔حدیث شریف میں ہے"کاد الفقر ان یکون کفرًا"۔

۲؎ دوزخ کے کام کر بیٹھنا درک شقاء ہے اصل بدبختی دوزخ کا داخلہ ہے دوزخی عرض کریں گے "رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَیۡنَا شِقۡوَتُنَا"اور دوزخ میں پہنچانے والے عقیدے یا اعمال اختیار کرلینا شقاء بدبختی کا پانا ہے۔اس سے اللہ کی پناہ!بُرے فیصلہ سے مراد ہے کفر پر مرنے کا فیصلہ یعنی میرے مولا میں دوزخیوں کے کاموں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی تیری پناہ لیتا ہوں کہ تو میری بدکاریوں کی وجہ سے میرے دوزخی ہونے کا فیصلہ کردے۔اس شرح سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ فیصلہ الٰہی تو پہلے ہوچکا اب اس سے پناہ مانگنے کے کیا معنی کیونکہ یہاں وہ فیصلہ مراد نہیں۔

۳؎ یعنی مولٰی مجھے ایسی دینی و دنیاوی مصیبتوں میں نہ پھنسا جن سے میرے دشمن خوش ہوں اور مجھ پر طعنے کریں،آوازے کسیں،اس سے بھی تیری پناہ ،یہ دعا بہت جامع ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں،رنج و غم سے عاجزی و سستی سے اور بزدلی و کنجوسی سے،قرض چڑھ جانے اور لوگوں کے غلبہ سے ۱؎(مسلم،بخاری)۲؎	

۱؎ ان الفاظ کی شرح اور رنج و غم کا فرق پہلے باب میں عرض کیا گیا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرض کی فکر عقل خراب کردیتی ہے۔حدیث شریف میں "اَلدَّیْنُ شَیْنُ الدِّیْن "قرض دین کا عیب ہے۔(مرقات) لوگوں سے مراد ظالم یا قرض خواہ ہیں۔یہ دعا بھی بہت جامع ہے کہ اس میں خارجی داخلی مصیبتوں اور جسمانی روحانی اذیتوں سے پناہ مانگ لی گئی ہے۔

۲؎ اس حدیث کو ابوداؤد،ترمذی،نسائی نے بھی روایت کیا،حصن حصین شریف میں یہ حدیث صرف بخاری کی قرار دی۔واللہ اعلم !

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں سستی سے،بڑھاپے سے،قرض سے اور گناہ سے ۱؎ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ کے عذاب سے،آگ کے فتنہ سے ۲؎ اور قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے ۳؎ اور مالداری اور فقیری کے فتنہ سے ۴؎ اور مسیح دجال کے فتنوں سے،اللہ میری خطائیں دھودے برف کے اولے کے پانی سے ۵؎ اور میرا دل ایسا صاف کردے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے ۶؎ اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسا فاصلہ کردے جیسے پورب و پچھم کے درمیان ہے ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ سستی سے مراد عبادات اور نیک اعمال کا طبیعت پر گراں ہوجانا اور بڑھاپے سے وہ حالت مراد ہے جب انسان کی عقل کٹ جائے،قوتیں جواب دے جائیں،دوسروں پر بوجھ بن جائیں۔شعر

دانت گرے اور کھُر گھسے اور پیٹھ بوجھ نہ لے ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے

اللہ تعالٰی اپنے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا محتاج رکھے۔

۲؎ کفار آگ میں معذّب ہوں گے مؤمن گنہگار معذب نہ ہوں گے بلکہ مؤدب و مہذب ہوں گے یعنی انہیں آگ کے ذریعہ پاک و صاف کرکے جنت کے لائق بنایا جائے گا۔آگ کے فتنہ سے مراد وہ گناہ ہے جو آگ میں جانے کا باعث بنا لہذا کلام میں تکرار نہیں،آگ کا عذاب اور ہے آگ کا فتنہ کچھ اور۔

۳؎ یعنی اے مولٰی اس سے بھی تیری پناہ کہ قبر کے سوالات کے جوابات مجھے بن نہ پڑیں اور اس سے بھی تیری پناہ کہ وہاں فیل ہوجانے پر سزا پاؤں۔

۴؎ شیخی غفلت اور سرکشی،گناہوں کی طرف میلان،مال و عزت پر پھول جانا غنی کا فتنہ ہے۔مالداروں پر حسد،طمع ذلت،فکر،فقیری کے فتنے،اللہ تعالٰی دونوں قسم کے فتنوں سے بچائے۔خیال رہے کہ نہ امیری بُری ہے نہ فقیری،دونوں جنابِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے ہیں،بلکہ ان کے فتنہ برے ہیں۔ مصرع فقر و شاہی وارداتِ مصطفٰے است

اس میں اختلاف ہے کہ فقیری افضل ہے یا امیری۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض کے لیے فقیری افضل ہے،بعض کے لیے امیری،جس کے ذریعہ یا رملے وہ ہی بہتر،بعض بیماروں کو کڑوی دوا مفید ہوتی ہے بعض کو میٹھی،یہ تمام دعائیں اُمت کی تعلیم کے لیے ہیں،اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کو ہر فتنہ سے محفوظ فرمایا تھا،آپ کا فقر بھی اکسیر تھا اور غنا بھی۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

۵؎ خطاؤں کو دوزخ کی آگ قرار دیا اور مغفرت و رحمت کو برف کا پانی،جو آگ بجھا بھی دے اور اس جگہ کو ٹھنڈا بھی کردے یعنی مجھے قسم قسم کی رحمتوں و مغفرتوں کے ذریعہ دوزخ کے اسباب سے پاک و صاف کردے۔

۶؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ہمارے دل فطرۃً میلے ہوتے رہتے ہیں تیری رحمت ہو تو صاف ہو جائیں اور جیسے میلے کپڑے والا اچھوں میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہوتا، جب کپڑے صاف ہو جائیں تو اچھی جگہ اُٹھ بیٹھ سکتا ہے، خدایا ایسے ہی ہم تیری جنت کے لائق بذات خود تو نہیں ہاں تو کرم کردے تو ہو جائیں، یہ سب امت کو تعلیم ہے۔

۷؎ یعنی جو خطا مجھ سے ہو چکی ہے انہیں معاف فرما کر مجھ سے دور کردے اور آئندہ جو خطائیں مجھ سے سرزد ہو سکتی ہیں ان سے بچالے جیسے مشرق و مغرب آپس میں نہیں مل سکتے ایسے ہی وہ خطائیں مجھ تک نہ پہنچ سکیں ایسا فضل کردے، لہٰذا خطاؤں سے مراد واقعی و امکانی دونوں خطائیں ہیں۔

	روایت ہے زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں عاجز رہ جانے، سستی، بزدلی، کنجوسی، بڑھاپے ۱؎ اور عذابِ قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں ۲؎ الٰہی تو میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری دے اسے پاک کردے تو بہترین پاک کرنے والا ہے ۳؎ تو ہی نفس کا والی وارث ہے ۴؎ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے ۵؎ اور اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جس کی قبولیت نہ ہو ۶؎ (مسلم)

۱؎ عاجزی سے مراد عبادات نہ کرسکنا ہے جیسے روزہ، نماز، حج، جہاد وغیرہ اور سستی سے مراد ہے کہ قادر ہونے کے باوجود نہ کرنا، کنجوسی سے حقوق مالیہ ادا نہ کرنا ہیں خواہ حقوق اللہ ہوں جیسے زکوۃ، قربانی اور حج وغیرہ یا حقوق العباد جیسے بیوی بچوں، والدین، عزیزوں کے نان و نفقات نہ دینا۔ بڑھاپے سے مراد وہ بے عقلی اور مٹ کٹ جانا ہے جو زیادتی عمر کے سبب ہو جاتی ہے۔

۲؎ کہ تو مجھے دنیا میں عذاب قبر والے اعمال سے بچالے اور بعد موت خود اس عذاب سے محفوظ رکھ۔ خیال رہے کہ عذاب قبر کفار کو دائمی ہوتا ہے، بعض مؤمن گنہگاروں کو عارضی مگر ضغطۂ قبر یعنی تنگی وہ کبھی صالحین کو بھی ہو جاتی ہے اس لیے یہاں عذاب فرمایا تنگی کا ذکر نہ کیا۔

۳؎ عربی میں ظاہری پاکی کو طہارت اور باطنی پاکی کو تزکیہ کہتے ہیں اسی لئے مذبوح جانور کو مزکّٰی کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "**قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی**" تقویٰ سے مراد فسق و فجور کا مقابل ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "**فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰىهَا**"۔ خیال رہے کہ کسب طہارت بندے کا کام ہے اور خلق طہارت رب کا کرم جیسے بیج بو دینا بندے کا کام ہے پیدوار رب کا فضل یعنے ہمارے کسب سے تیرا کرم افضل و اکمل ہے۔

۴؎ یعنی میرے نفس کو تقویٰ دے کیونکہ تو اس کا ولی ہے اور اسے پاک کردے کیونکہ تو اس کا وارث ہے، دو نعمتوں کے لیے دو صفت الٰہیہ کا ذکر ہوا۔

۵؎ غیر نافع علم سے مراد یا تو دنیاوی علوم ہیں جن سے دین میں کوئی نفع نہ ہو جیسے سائنس، ریاضی، منطق، فلسفہ جن سے دین کی خدمت نہ لی جائے یا وہ علم دین ہیں جو دنیا طلبی کے لیے سیکھے جائیں یا جن پر عالم خود عمل نہ کرے دوسروں کو سکھائے نہیں یا اس سے نقصان دہ علوم مراد ہیں جیسے جادو وغیرہ کے علوم جن سے فساد پھیلایا جائے۔

۶؎ جس دل میں اللہ کے ذکر سے چین، عذاب کے ذکر سے خوف، جنت کے ذکر سے شوق، حضور علیہ السلام کے ذکر سے وجدان نہ پیدا ہو وہ سخت ہے اللہ اس سے بچائے اور جس نفس میں قناعت و سیری نہ ہوں ایسے حریص نفس سے خدا کی پناہ۔ خیال رہے کہ تین نعمتیں کسی کسی کو ملتی ہیں: کفایت، قناعت، ریاضت جسے یہ تین نعمتیں مل گئیں وہ بادشاہوں سے زیادہ خوش نصیب ہے، اس جملہ میں تینوں نعمتیں مانگ لی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے یہ تھی الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں تیری نعمت کے زائل ہو جانے سے اور تیری عافیت کے منقلب ہو جانے سے ۱؎ اور تیرے اچانک عتاب سے اور تیری تمام ناراضگیوں سے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ زوال و انقلاب میں فرق یہ ہے کہ نعمت کا چھن جانا زوال ہے اور نعمت کے عوض نقمت و مصیبت آجانا انقلاب۔ نعمت سے مراد اسلام، ایمان، تندرستی، غناوغیرہ تمام دینی و دنیاوی نعمتیں ہیں، اللہ تعالٰی دے کر نہ لے وہ تو نہیں چھینتا ہم اپنی بدعملیوں سے زائل کردیتے ہیں "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ"۔

۲؎ یعنی خدایا ہمیں ایسے کاموں سے بچا جو تیری ناراضی کا باعث ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کیئے کی برائی سے اور نہ کیئے کی برائی سے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی جو برائیاں میں کرچکا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کی معافی دے دے اور جو برائیاں ابھی نہیں کی ہیں آئندہ کرنے والا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کے نہ کرنے کی توفیق دے یا جو مصیبتیں خود میرے کیئے سے آتی ہیں ان سے بچا اور جو ایک کے کرنے سے ساری قوم پر آتی ہیں نہ کرنے والے بھی رگڑے جاتے ہیں ان سے بچا، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً" یا مجھے ناکردہ گناہوں کی مصیبت سے بچا کہ شبہ میں گرفتار بلا ہو جاؤں، اس جملہ کی اور بھی تفسیریں ہوسکتی ہیں۔

روایت ہے ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیرا مطیع ہوا تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا ۱؎ اور تیری طرف رجوع کیا اور تیرے بھروسہ پر کفار سے جھگڑتا ہوں ۲؎ الٰہی میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس سے کہ تو مجھے گمراہ کرے ۳؎ تو وہ زندہ ہے جسے موت نہیں اور تمام جن و انسان مرجائیں گے ۴؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ ظاہری اطاعت کو اسلام اور باطنی فرمانبرداری کو ایمان فرمایا گیا ہے یعنی الٰہی میرا ظاہر و باطن، قالب و قلب تیرا مطیع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حقیقت بیان فرمارہے ہیں، ہم گنہگار یہ دعا حضور کی نقل کرتے ہوئے پڑھیں ہمیں خود اپنا پتہ ہے کہ کتنے درجے سے مطیع ہیں خدا کرے اصل کی برکت نقل پر بھی آجائے۔

۲؎ یعنی خدایا میں اپنی قوت وطاقت یا فوج وہتھیار کے بھروسہ پر جہاد نہیں کرتا صرف تیرے بھروسہ پر کرتا ہوں یہ توکل وہ قوت ہے جو کفار کے پاس نہیں صرف مسلمانوں کو حاصل ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا پیاری عرض ہے۔یعنی مولیٰ عزت والے آقا اپنے غلاموں کو ذلیل نہیں ہونے دیتے،تجھے اپنی عزت وغلبہ کا واسطہ کہ مجھے ذلت کے اسباب یعنی گمراہی وغیرہ سے بچالے۔

۴؎ اس جملہ میں مسلمان کارد ہے جو مصیبتوں میں جنات کی پناہ لیتے تھے خصوصًا بحالت سفر جب کسی منزل پر ٹھہرتے یعنی فانی کی پناہ بھی فانی ہے باقی کی پناہ بھی باقی،تیری پناہ دنیاوآخرت ہر جگہ کام آئے گی۔خیال رہے کہ سردی گرمی میں لباس ومکان کی پناہ بیماری میں حکیم کی،مظلومیت میں حاکم کی،معصیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ اس دعا کے خلاف نہیں کہ یہ تمام چیزیں رب تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ اسباب ہیں،ان کی پناہ رب تعالیٰ کی پناہ ہے۔مولانا جامی فرماتے ہیں۔شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہے آمدم ہے گناہ آوردہ ام

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں چار چیزوں سے تیری پناہ لیتا ہوں ۱؎ اس علم سے جو نفع نہ دے ۲؎ اس دل سے جس میں عجز نہ ہو ۳؎ اس نفس سے جو سیر نہ ہو ۴؎ اس دعا سے جو سنی نہ جائے ۵؎ (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے اسے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کیا اور نسائی نے ان دونوں صاحبوں سے۔

۱؎ ان چار کا ذکر حصر کے لیے نہیں بلکہ اظہار اہمیت کے لیے ہے یعنی تمام نقصان دہ چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں،خصوصًا ان چاروں سے کہ ان کا نقصان بہت زیادہ ہے۔

۲؎ اس طرح کہ وہ علم ہی مضر ہو جیسے جادو وغیرہ کا علم یا غیر مفید ہو جیسے غیر ضروری علوم یا علم بذات خود تو مفید ہو مگر میں اس سے فائدہ نہ اٹھاؤں جیسے علم دین جو محض دنیا کمانے کے لیے سیکھا جائے لیکن اس پر عمل نہ کیا جائے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم با عمل کل ہمارا گواہ ہوگا اور علم بے عمل ہمارا خلاف گواہ۔خیال رہے کہ کوئی علم بذاتِ خود برا نہیں بلکہ نتیجہ اور نیت کے لحاظ سے برا بن جاتا ہے،اگر کوئی علم بذات خود برا ہوتا تو پروردگار کو نہ ہوتا لہذا اس دعا سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور علیہ السلام کو بعض علوم نہ تھے۔سب سے بدتر چیزیں کفر اور جادو ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ ان کا سیکھنا کبھی فرض ہے بچنے کے لیے۔

۳؎ عاجز دل زرخیز زمین کی طرح ہے جس میں پیداوار خوب ہوتی ہو اور سخت دل اس پتھریلے علاقہ کی طرح ہے جس میں بکھیرا ہوا بیج بیکار جاتا ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ"۔

۴؎ یعنی دنیا سے سیر نہ ہو جیسے استسقاء کی بیماری والا پانی سے سیر نہیں ہوتا،آخرت کی نیکیوں سے سیر نہ ہونا خدا کی رحمت ہے۔شعر

حاجتے نیست مرا سیر ازیں آبِ حیات ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

ہمارے حضور ہمیں دینے سے سیر نہیں ہوتے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ"تو ہم ان سے لینے سے کیوں سیر ہوں۔

۵؎ یعنی بارگاہِ الٰہی میں قبول نہ ہو کیونکہ مردود دعا کبھی دعا کرنے والے کی مردودیت کی علامت ہوتی ہے۔خیال رہے کہ انبیائے کرام کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی،ہاں کبھی انہیں دعا سے روک دیا جاتا ہے،دعا سے روکنا اور ہے اور رد کرنا کچھ اور۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے،بزدلی سے،بخل سے،بری عمر سے ۱؎ سینوں کے فتنوں اور قبر کے عذاب سے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ قتال نہ کرسکنا بزدلی ہے اور مال خرچ نہ کرنا بخل اور بری عمر سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت ہے جب اعضاء جواب دے جائیں اور انسان اپنے گھر والوں پر بوجھ بن جائے،اس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔(لمعات)

۲؎ عقیدے،برے اخلاق،حسد،کینہ،وغیرہ سب سینوں کے فتنے ہیں۔عذاب قبر سے مراد وہ اعمال ہیں جو قبر کے عذاب کا باعث بنیں یا خود قبر کا عذاب،اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں فقیری اور کمی اور ذلت سے ۱؎ اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ستاؤں یا ستایا جاؤں ۲؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ فقیری سے مراد یا دل کی فقیری ہے یعنی قناعت نہ ہونا یا مال کی فقیری جو کفر یا گناہوں تک پہنچادے اور کمی سے مراد نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی کمی یا مسلمانوں کی تعداد کی کمی ہے،ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال واسباب کی زیادتی پسند نہ فرماتے تھے۔(مرقات)ذلت سے مراد لوگوں کی نگاہ میں حقارت ہے یا مالداروں کے سامنے عاجزی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ فقر کے معنی ہیں پیٹھ توڑنے والی چیز،فقار پیٹھ کے جوڑ،یہ چار قسم کا ہے:(۱) ایک حاجتوں اور ضرورتوں کا پیش رہنا،یہ سارے انسانوں کو ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ"(۲)دوسرا ضروریات کا پورا نہ ہونا جس سے انسان زکوۃ لینے کے قابل ہوجاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا"یا فرماتا ہے:"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ"۔(۳)تیسرے دل کی ہوس۔(۴)چوتھے رب کی طرف محتاجی۔حضور علیہ السلام نے تیسرے قسم کے فقر سے پناہ مانگی ہے اور چوتھے فقر میں یہ فرق ہے کہ پہلا اضطراری ہے اور چوتھا اختیاری جو انبیاء اور خاص اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔

۲؎ اس طرح کہ میں اپنے نفس پر ظلم کروں یا نفس مجھ پر یا میں دوسروں پر ظلم کروں دوسرے مجھ پر ظلم بمعنی حق مارنا۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں عداوت و منافقت اور بدخلقی سے ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ شقاق سے مراد ہے حق کی مخالفت یا حق والوں سے نفرت اور نفاق سے مراد نفاق اعتقادی و عملی دونوں ہیں۔بدخلقی سے مراد بری عادتیں ہیں جیسے زنا،چوری،حسد اور دوسروں سے ہمیشہ اکڑنا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ زیادہ کھانا اور زیادہ سونا بھی بدخلقی ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے تھے	

	الٰہی میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بری بستر کی ساتھی ہے ۱؎ اور خیانت سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بدترین مشیر کار ہے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ بھوک سے وہ بھوک مراد ہے جو عبادات سے روک دے، خیال پراگندہ کردے کہ اس سے انسان بہت سے گناہ کر بیٹھتا ہے، روزہ کی بھوک تو عبادت ہے۔ خیال رہے کہ کبھی زیادتی بھوک میں حرام حلال ہو جاتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَةٍ"۔

۲؎ خیانت امانت کی ضد ہے۔ خفیۃً کسی کا حق مارنا خیانت کہلاتا ہے خواہ اپنا حق مارے یا اللہ رسول کا یا اسلام کا یا کسی بندہ کا، رب تعالٰی فرماتا ہے: "لَا تَخُوۡنُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ وَ تَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمۡ"۔ بطانۃ، استر، ظھارہ، ابرہ، اب بطانہ وہ خفیہ بات جو پیٹ میں رکھی جائے پھر مشیر خاص کو جو اپنا صاحب اسرار ہو اور خلوت و جلوت میں ساتھ رہے بطانہ کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ" یہاں یہ آخری معنی ہی مراد ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں برص سے کوڑھ سے دیوانگی سے ۱؎ اور بری بیماریوں سے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ برص یا تو جسم کے سفید داغ ہیں اور جسم میں سودا پھیل کر جو اعضاء کی اصل صورت بدل دے جس سے کبھی انگلیاں جھڑ جاتی ہیں، جسم پر پھوڑے پھیل جاتے ہیں یہ جذام ہے یعنی کوڑھ اور عقل کا جاتا رہنا یا بگڑ جانا جنون ہے، چونکہ برص و جذام میں تکلیف بھی ہے اور لوگوں کی نفرت بھی جن کی وجہ سے انسان بہت سی عبادات سے محروم ہو جاتا ہے اور عقل بگڑ جانے پر آدمی برے بھلے میں تمیز نہیں کرتا اس لیے ان بیماریوں سے پناہ مانگی۔

۲؎ جیسے استسقاء، سل، دق اور وہ لمبی بیماریاں جن میں انسان صبر نہیں کرسکتا، لوگوں پر بوجھ بن جاتا ہے، لوگ اس سے گھبرا کر اس کی موت کی دعائیں کرنے لگتے ہیں، بندہ ان کی وجہ سے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی چلتے ہاتھ پاؤں اٹھالے آمین۔ خیال رہے کہ یہ دعا ہماری تعلیم کے لیے ہے ورنہ تمام انبیاء کرام حضور سید الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ان امراض سے محفوظ ہیں۔ بعض لوگ جذام کو متعدی بیماری سمجھتے ہیں یعنی اڑ کر لگنے والی، اس کی تحقیق ان شاء اللہ "لا عدوٰی" کی شرح میں ہوگی۔

	روایت ہے حضرت قطبہ ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں بری عادتوں سے برے کاموں سے اور بری خواہشوں سے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ برے اخلاق سے مراد باطنی و اندرونی اعمال ہیں جو خلاف شرع ہوں جیسے بد عقیدگی، حسد، کینہ وغیرہ اور برے اعمال سے وہ ظاہری اعمال ہیں جو خلاف شریعت ہیں جیسے زنا، چوری، جھوٹ، غیبت وغیرہ اور بری خواہشوں سے مراد برائیوں کی طرف دل کا میلان ہے۔ ھوٰی کے لغوی معنی ہیں محبت، بری چیز سے ہو یا اچھی سے پہلی ھوٰی بری ہے دوسری اچھی مگر اس کا اکثر استعمال بری رغبتوں میں ہوتا ہے، رب تعالٰی فرماتا

ہے: "وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ"۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ھویٰ ھدیٰ سے مل جائے تو ایسی ہے جیسے شہد اور مکھن ملا ہوا کبھی برے عقیدوں کو بھی ھویٰ کہہ دیتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰٮهُ"۔

روایت ہے حضرت شبیر ابن شکل ابن حمید سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی تعویذ سکھایئے جس سے میں تعویذ کیا کروں ۱؎ فرمایا کہو الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اپنے کان اپنی آنکھ زبان دل اور منی کی شر سے ۲؎ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)	

۱؎ یعنی وہ دعائیہ کلمات سکھایئے جن کے ذریعہ برائیوں سے رب تعالٰی کی پناہ لوں، تعویذ اس کاغذ کے پرزے کو بھی کہتے ہیں جس میں قرآنی آیت یا دعائیں لکھ کر اپنے پاس رکھیں کہ اس سے مقصود بھی پناہ لینا ہے اس لفظ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲؎ بری چیز، گانے بجانے وغیرہ سننا کان کا شر ہیں، جھوٹ اور غیبت اور نقصان دہ یا بیکار باتیں کرنا زبان کا شر اور حسد، کینہ، برے عقیدے دل کا شر ہے اور زنا و اسباب زنا میں مبتلا ہونا منی کا شر ہیں۔ منی سے مراد وہ ہی مشہور چیز ہے جس کے خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ منی مَنْيَةٌ کی جمع ہے بمعنی موت یا اُمْنِيَةٌ کی جمع ہے یعنی آرزو وتمنا خدایا بری قسم کی موتوں سے تیری پناہ، یا دنیوی لمبی امیدوں سے تیری پناہ مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔ (مرقات، واشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوالیسر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں عمارت گرنے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اوپر سے گرجانے اور ڈوب جانے جل جانے ۱؎ اور بڑھاپے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ شیطان مجھے وسوسے دے موت کے وقت ۲؎ اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیری راہ میں پیٹھ پھیرتا مروں اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ سانپ سے ڈسا ہوا مروں ۳؎ (ابوداؤد، نسائی) اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے کہ غم سے ۴؎	

۱؎ اگرچہ یہ چاروں قسم کی موتیں شہادت ہیں مگر چونکہ ناگہانی آفتیں بھی ہیں جن میں انسان مبتلا ہو کر کبھی گھبرا کر ایمان کھو بیٹھتا ہے اور ان سے موت ناگہانی بھی ہے جن میں توبہ اور تیاری موت کی مہلت نہیں ملتی اس لیے ان سے پناہ مانگی جیسے جہاد عبادت ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و عافیت کی دعائیں مانگی ہیں اور ہر بیماری میں اجر ہے مگر سرکار نے اس سے پناہ مانگی (از لمعات)

۲؎ بڑھاپے سے مراد برابر بڑھاپا ہے جس میں مت کٹ جاتی ہے۔ خبط سے مراد ہے دیوانگی یا بے عقلی، شیطان کا زیادہ زور موت کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اسی پر اعمال کا مدار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان دیوانگی اور بیماریاں انسان میں پیدا کر سکتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: "يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ" لہذا حضرات انبیاء کرام و اولیاء اللہ باذن پروردگار شفا بھی دے سکتے ہیں۔

۳؎ یہ دعا بھی تعلیم امت کے لیے ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں پیٹھ پھیرنے اور وفات کے وقت شیطان کی مس سے محفوظ ہیں۔لدیغ ہر زہریلے جانور کے کاٹے ہوئے کو کہتے ہیں بچھو ہو یا سانپ۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موت سے پناہ مانگی ہے لہٰذا وہ واقعہ اس دعا کے خلاف نہیں جو طبرانی نے سیدنا علی مرتضٰی سے نقل کیا کہ ایک بار حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے اس پر پانی اور نمک لگایا اور سورۂ کافرون،فلق وناس دم کی۔(مرقات)

۴؎ غم سے مراد وہ دنیوی سخت تکلیف ہے جو فکرِ آخرت سے روک دے۔

	روایت ہے حضرت معاذ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اللہ کی پناہ مانگو اس طمع سے جو مہر لگ جانے تک پہنچادے ۱؎ (احمد،بیہقی دعوات الکبیر)

۱؎ طمع کے لفظی معنے ہیں لوگوں سے مال کی امید رکھنا اور طبع لوہے کی وہ زنگ ہے جو اسے مٹی بنادے(اشعہ) مگر یہاں طمع سے مراد نفس کا اپنی خواہشات میں محو ہوجانا ہے اور طبع سے مراد وہ عیب ہیں جو زائل نہ ہوسکیں یعنی خدایا مجھے اس دنیوی حرص سے بچالے جو حریص کو ذلیل کردیتی ہے اور اسے ذلت کا احساس بھی نہیں ہوتا،طبع مہر لگانے کو بھی کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے: "بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا"ظاہری گناہ کبھی دل پر مہر لگ جانے کا باعث بن جاتے ہیں خصوصًا حرص دنیا،مہر لگنے سے انسان برے بھلے میں تمیز نہیں کرتا۔حرص کا انجام یہ ہی ہے کہ حریص اچھا برا،حلال حرام ہر طرح کا مال رگڑ جاتا ہے،یہ شخص کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز میں منہ ڈالتا ہے مگر یہ بغیر سوچے ہی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھا ۱؎ تو فرمایا اے عائشہ اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگو ۲؎ یہ ہی وہ غائب ہوجانے والا ہے گرہن لگتے وقت ۳؎ (ترمذی)

۱؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ تیسری تاریخ کے بعد کے چاند کو قمر کہتے ہیں،اس سے پہلے ہلال کہلاتا ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ ھذا سے اشارہ چاند ہی کی طرف ہے نہ کہ رات کی طرف جیسا کہ بعض شارحین کا خیال ہے۔

۳؎ اس فرمان میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے "مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ"آیت کریمہ میں غاسق اور وقب کی بہت سی تفسیریں کی گئی ہیں،غاسق رات تاریک اور وقب شفق غائب ہونا،چونکہ بہت سے گناہ چوریاں،قتل،زنا اندھیری رات میں ہی ہوتے ہیں اس لیے اس سے پناہ مانگی گئی۔غاسق چاند،کیونکہ یہ بھی سب میں چھپ کر اندھیرا پھیلادیتا ہے اور وقب گرہن لگنا،چونکہ چاند گرہن بہت ہیبت ناک چیز ہے اور اس وقت اکثر جادو ٹونے ہوتے ہیں اس لیے اس سے پناہ مانگی،یہ حدیث پاک اسی معنی کی طرف اشارہ کررہی ہے۔غاسق اور وقب کی اور بہت تفسیریں ہیں جو طوالت کے خوف سے چھوڑ دی گئیں۔معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات منحوس ہوتے ہیں،بعض سعید،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و معراج کی ساعتیں بڑی سعید و مبارک ہیں۔منحوس ساعتوں سے پناہ مانگو اور مبارک ساعتوں سے برکت لو۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے اے حصین تم آج کل کتنے معبودوں کو پوجتے ہو میرے والد بولے سات چھ زمین کے ۲ اور ایک آسمان کا تو فرمایا کہ ان میں سے خوف و امید کس سے رکھتے ہو بولے اس آسمان والے سے ۳ فرمایا اے حصین اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو دعائیں ایسی سکھاؤں جو تمہیں بہت فائدہ دیں ۴ فرماتے ہیں جب حصین مسلمان ہوگئے تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ دعائیں سکھایئے جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا ۵ فرمایا یہ پڑھا کرو الٰہی مجھے میری ہدایت کا الہام کر اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے پناہ دے ۶ (ترمذی)	

۱ آپ کا نام عمران، کنیت ابوالخیر ہے، خزاعی کعبی ہیں، خیبر کے سال اپنے والد حصین کے ساتھ ایمان لائے، عہدِ فاروقی میں بصرے بھیجے گئے، پھر وہاں رہ گئے، بصرے ہی میں ۵۲ھ میں وفات ہوئی۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ عمران جیسا پرہیزگار و افضل کوئی بصرہ میں نہ تھا، آپ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔(کتاب الکاشف مولانا عبدالحق، از حاشیہ اکمال)

۲ یعنی لات، منات، یغوث، یعوق، نسر، عزےٰ ان تمام کا ذکر قرآن شریف میں ہے یہ تمام بت عورتوں کے نام پر تھے مگر چونکہ ان میں اللہ تعالٰی کو ساتواں معبود کہا گیا تو مؤنث نہیں ہے اس لیے سبعة ت سے کہا جو مذکر کے لیے بولا جاتا ہے۔

۳ یعنی مصیبت میں فریاد، حاجت میں داد اس رب سے چاہتے ہیں جو آسمان والا ہے یعنی اللہ تعالٰی سے باقی یہ چھ تو اعزازی ٹمپریری (Temporary) ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالٰی آسمان میں رہتا ہے، چونکہ ابھی یہ کافر تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کسی بات کی تردید نہ فرمائی لہذا اس خاموشی سے یہ لازم نہیں کہ اسلام کا بھی یہ عقیدہ ہے۔

۴ سبحان اللہ! کیسی نفیس تبلیغ ہے کسی کو لالچ دے کر کسی کو ڈرا کر، کسی کو اپنا دیوانہ بنا کر دعوت اسلام دی، حضرت بلال کو کیا دے کر بلایا، اپنا عشق دے کر اپنا شوق دے کر، یوں کہو سب کچھ دے کر ان کا سب کچھ دکھ و درد دور کردیا۔

۵ یعنی حضرت حصین اس وقت تو ایمان نہ لائے مگر تیر نظر کے گھائل ہوچکے تھے اس گھاؤ نے اپنا کام کردیا، کچھ عرصہ بعد ایمان لائے تو یہ وعدہ یاد دلایا۔ جھاگ لگانے کے کچھ دیر بعد دہی جمتا ہے۔

۶ ہر شخص کی خاص ہدایت جداگانہ ہے جو رب تعالٰی نے اس کے نصیب میں رکھی ہے، کسی کو صرف ایمان کی ہدایت، کسی کو تقویٰ کی، کسی کو عرفان کی، کسی کو عشق رحمان کی۔ مقصد یہ ہے کہ مولیٰ میں ایمان تو لے آیا، اب میرے نصیب میں جو مخصوص ہدایت تو نے کی ہے وہ عطا فرما اور میرا نفس شرارتوں کی جڑ ہے اس کی شر سے مجھے بچا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضرت حصین ہدایت تو پاچکے تھے پھر ہدایت کیوں مانگی۔ ہدایت کی تحقیق اس کے اقسام ہماری تفسیر نعیمی میں "اِهۡدِنَا الصِّرٰطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ" کی شرح میں ملاحظہ فرمایئے۔ خیال رہے کہ شیطان کی شرارت سے نفس کی شرارت زیادہ ہے کہ شیطان تو لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے، یہ مار آستین کسی عمل سے قبضہ میں نہیں آتا ہے، صرف رب تعالٰی کے فضل سے آتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا	

	سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرا جائے ۱؎ تو کہہ لے میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں ۲؎ اس کی ناراضی، اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کی شر اور شیطانوں کے وسوسوں سے ۳؎ اور ان کی حاضری سے تو تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا ۴؎ عبداللہ ابن عمرو اپنی بالغ اولاد کو یہ سکھا دیتے تھے اور ان میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے ۵؎ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کے یہ لفظ ہیں۔

۱؎ یا سوتے میں برا خواب دیکھ کر گھبرائے یا سوتے وقت برے خواب کے خطرے سے گھبرائے پہلی صورت میں تو اس برے خواب کا ظہور نہ ہوگا، دوسری صورت میں یہ شخص بدخوابی سے بچے گا۔

۲؎ پورے کلمات کی شرح گزر چکی کہ اس سے مراد اسماء الٰہیہ ہیں یا آیات قرآنیہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کلمات اللہ ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ۔

۳؎ عقاب سے مراد عذاب یا حجاب ہے اور بندوں کی شر سے مراد ظلم، گناہ وغیرہ اور شیطان کے وسوسوں سے مراد فتنے اور برے عقیدے ہیں، بہت ہی جامع و مکمل دعا ہے۔

۴؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اگر سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لی گئی تو بدخوابی سے حفاظت ہوگی اور اگر برا خواب دیکھ کر پڑھی تو وہ خواب باطل ہو جائے گا ان شاء اللہ اس کا ظہور نہ ہوگا، یعنی حضرت عمرو ابن شعیب کے دادا حضرت عبداللہ بن عمر ابن العاص سمجھ دار بچوں کو تو یہ دعا یاد کرا دیتے تھے تاکہ وہ خود پڑھ لیا کریں اور ناسمجھ بچے جو نہ یاد کرسکیں ان کے گلے میں اس دعا کا تعویذ بنا کر ڈال دیتے تھے، یہاں بالغ سے مراد سمجھ دار ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ آیات قرآنیہ اسمائے الٰہیہ اور دعوات ماثورہ کا جو فائدہ پڑھنے سے ہوتا ہے وہ ہی فائدہ بفضلہٖ تعالٰی لکھ کر ساتھ رکھنے سے ہوتا ہے لُو کے زمانے میں لوگ اپنے ساتھ پیاز رکھتے ہیں تو لُو سے محفوظ رہتے ہیں جب پیاز لُو سے بچا سکتی ہے کہ اسماء الٰہیہ پاس رکھنے سے آفات سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔دوسرے یہ کہ تعویذ لکھنا ہاتھ یا گلے میں باندھنا سنتِ صحابہ ہے۔جن تعویذ گنڈوں سے منع کیا ہے وہ کفار کے جنتر منتر کے تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں۔ تیسرے یہ کہ دعاؤں کے الفاظ بھی نافع ہیں اور ان کے نقوش بھی، بلکہ وہ کاغذ بھی جن پر یہ نقوش لکھے جائیں، بعض دعائیں لکھ کر دھو کر ان کا پانی پلایا جاتا ہے ان کی اصل بھی یہ حدیث بن سکتی ہے۔اس پانی اور اس کاغذ کو اللہ کے نام سے نسبت ہوگئی تو شفا بن گئے، حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں جان ڈال دی، ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھون شفا تھا۔(قرآن حکیم) آبِ زمزم شفا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی ایڑی سے جاری ہوا۔(حدیث پاک)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ سے تین بار جنت مانگے تو جنت کہتی ہے الٰہی اسے جنت میں داخل فرمادے اور جو تین بار آگ سے پناہ مانگے تو آگ کہتی ہے الٰہی اسے آگ سے امان دے دے ۱؎ (ترمذی، نسائی)

۱؎ یعنی جو روزانہ صبح و شام یا دن میں ایک بار یا عمر میں ایک بار تین دفعہ یہ کہے "اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْنِی الْجَنَّۃَ" اور تین دفعہ یہ کہہ لے "اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ" تو خود جنت اس کے لیے داخلہ کی دعا کرے گی اور خود دوزخ اپنے سے پناہ کی بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گی۔ حق یہ ہے کہ حدیث

اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،جنت کے درو دیوار،برگ و بار،وہاں کے حور و غلمان وفرشتے سبھی اس لیے دعا کرتے ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"وَ تَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ"آگ کہے گی اے خدا مجھے اور زائد کردے اور فرماتا ہے:"وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"ہر چیز رب تعالٰی کی تسبیح و تحمید کرتی ہے،حضور علیہ السلام سے پتھروں،لکڑیوں نے کلام کیا لہٰذا نہ تو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ جنت بزبان حال کہتی ہے اور نہ یہ کہ وہاں کے حور و غلمان وملائکہ کہتے ہیں۔(لمعات و مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت قعقاع سے کہ جناب کعب احبار فرماتے ہیں[1] کہ اگر میں تین کلمات نہ کہہ لیتا ہوتا تو یہود تو مجھے گدھا بنادیتے[2] ان سے عرض کیا گیا وہ کیا ہیں فرمایا پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی عظمت والی ذات کی جس سے بڑی کوئی چیز نہیں[3] اور اللہ کے پورے کلموں کی جن سے کوئی نیک کار و بدکار آگے نہیں بڑھ سکتا اور اللہ کے اچھے ناموں کی جو مجھے معلوم ہیں اور معلوم نہیں ان تمام کی شر سے جنہیں رب نے پیدا کیا پھیلایا اور ٹھیک کیا[4] (مالک)	

[1] قعقاع تابعی ہیں،کعب احبار یہود کے بڑے عالم تھے،انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے،زمانہ فاروقی میں ایمان لائے لہٰذا دونوں حضرات تابعی ہیں۔

[2] یعنی میرا اسلام یہود پر اتنا گراں ہے اور وہ میرے ایسے دشمن ہوگئے ہیں کہ اگر میرے پاس یہ عمل نہ ہوتا تو جادوگر یہودی اپنے جادو کے زور سے میری شکل یا میری عقل گدھے کی سی کردیتے۔خیال رہے کہ جادو سے عقل بھی خراب کی جاسکتی ہے اور اگر جادو قوی ہو تو شکل بھی بدل جاتی ہے،فرعون کے جادوگروں نے رسّوں اور بلّوں کو سانپ بنادیا تھا مگر حقیقت تبدیل نہیں ہوتی،بعض شعبدہ باز مٹی کو روپیہ بنادیتے ہیں مگر پھر پیسہ پیسہ لوگوں سے مانگتے ہیں اور معجزہ میں حقیقت تبدیل ہوجاتی ہے عصائے موسوی واقع میں سانپ بن جاتا تھا اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھو۔(از مرقات ولمعات)

[3] یعنی میں اللہ کی ذات اور اس کے ان کلموں کی پناہ لیتا ہوں کہ جسے ان کی حفاظت نصیب ہوجائے وہ ہر برے بھلے کے شر سے بچ جائے ان کے حصار کو نہ توڑ سکے۔برے سے مراد شیاطین ہیں اور بھلے سے مراد انسان کہ یہ بذات خود تو بھلا ہے مگر اس میں کبھی شر پیدا ہوجاتی ہے،کلمات اللہ کے معنے بارہا بیان کیے جاچکے۔

[4] اس دعا میں اللہ تعالٰی کی ذات اور اللہ کے کلمات یعنی آیاتِ قرآنیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالٰی کے ناموں کی پناہ لی گئی ہے۔معلوم ہوا کہ ماسوی اللہ کی پناہ لینا جائز ہے،خَلَقَ،ذَرَءَ اور بَرَءَ تینوں قریب المعنے ہیں،عدم سے وجود بخشا خلق ہے،موجودات کو عالم میں پھیلانا ذَرَءَ اور ہر چیز کو اس کے حال کے مطابق صورت وسیرت بخشا بَرَءَ۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت مسلم ابن ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ میرے والد ہر	

	نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر، فقیری اور قبر کے عذاب سے تو میں بھی پڑھنے لگاآپ نے فرمایا اے میرے بچے تو نے یہ دعا کس سے لی میں نے کہاآپ سے ۲؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے ۳؎ (ترمذی،نسائی) لیکن نسائی نے نماز کے بعد کا ذکر نہ کیااور احمد نے اس حدیث کے الفاظ روایت کیے اور ان کے نزدیک ہر نماز کے پیچھے ہے۔

۱؎ نماز کے بعد سے مراد ہے سلام پھیرنے کے بعد، کفر سے ہر قسم کا کفر مراد ہے اور فقر سے فقیری کے فتنے یا کفران نعمت یعنی دل کا فقر مراد ہے۔ عذابِ قبر سے وہ اعمال مراد ہیں جو عذابِ قبر کا باعث ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے سامنے تلاوت قرآن اور دعاؤں کا ورد چاہیے تاکہ وہ اچھی باتیں سیکھیں،اب تو مسلمان بچوں کو گانا بجانا سکھاتے ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے منقول ہو اس دعا سے بہتر ہے جو ہم خود بنائیں کیونکہ اس میں الفاظ اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہوتی ہیں۔

۳؎ یعنی میں بھی اس دعا کا موجد نہیں ہوں بلکہ حضور علیہ السلام کا ناقل ہوں۔اس حدیث کی بناپر صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی دعائیں محض سن کر پڑھنا بھی مفید ہیں اگر کسی عامل کی اجازت بھی مل جائے تو بہت اچھا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کفر اور قرض سے ۱؎ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیاآپ کفر کو قرض کے برابر سمجھتے ہیں فرمایا ہاں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور فقیری سے ایک شخص بولا کیا یہ دونوں برابر ہیں فرمایا ہاں ۳؎ (نسائی)

۱؎ قرض سے وہ قرض مراد ہے جو مقروض پر غالب آجائے جسے مقروض ادا نہ کرسکے اور اس کی وجہ سے وہ ذلیل اور رسواء ہو، لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے قرض تو لیا ہے کیونکہ جس قرض سے پناہ مانگی ہے وہ اور قرض ہے اور جو لیا وہ اور ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ ضرورۃً خصوصًا نکاح دوسری دینی ضرورتوں کے لیے قرض لینا سنت ہے جب کہ ادا کی پوری نیت ہو، نکاح کے قرض سے مراد بھاری جہیز یا حرام رسموں کے لیے قرض نہیں،یہ تو فضول خرچی ہے بلکہ وہ ضروری خرچ مراد ہیں جو حدیث شریف سے ثابت ہیں۔

۲؎ کیونکہ مجبور مقروض اکثر جھوٹے وعدے کرتا ہے، جھوٹے وعدے منافق کی علامت ہیں، نیز کافر کا مسلمان مقروض کبھی قرض کے دباؤ میں اسلام چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ ضلع متھرا اور ضلع آگرہ کے ملکھانہ راجپوتوں میں دیکھا گیا،شُدّھی کا فتنہ زیادہ تر قرض سے پھیلا۔

۳؎ کیونکہ فقیر بے صبرے عمومًا چوری، جھوٹی گواہی دے کر گناہ تو کیا ہی کرتے ہیں مگر کبھی رب تعالٰی کی ایسی شکایتیں کر ڈالتے ہیں جو صریح کفر ہوتی ہیں، یہاں وہ ہی فقر مراد ہے جس کے ساتھ بے صبری ہو،**الفقر فخری** والا فقر کچھ اور ہے۔

باب جامع الدعاء

جامع دعائیں ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ گزشتہ بابوں میں خاص اوقات یا خاص مقاصد کی دعائیں مذکور ہوئیں،اس باب میں وہ دعائیں بیان ہوں گی جو کسی وقت اور کسی حالت و مقصد سے خاص ہیں جن کے الفاظ تھوڑے، معنے و مقصد بہت زیادہ ہیں۔(اشعہ و مرقات)

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔الٰہی میری خطائیں، میری نادانی اور میرے ہر کام میں حد سے بڑھ جانے کو بخش دے ۱؎ اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اسے بخش دے ۲؎ الٰہی میری دانستہ اور نادانستہ اور ساری خطائیں اور برے ارادے جو میرے پاس ہیں ۳؎ بخش دے الٰہی وہ بخش دے جو میں نے آگے کیے اور جو پیچھے کیے جو چھپ کر کیے ۴؎ اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے ۵؎ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے تو ہی پیچھے کر دینے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے ۶؎ (مسلم،بخاری) ۷؎	

۱؎ خطا سے مراد مطلقًا گناہ ہیں اور جہل سے مراد ان چیزوں سے ناواقفیت جن سے واقف ہو نافرض تھا یا وہ بد عملیاں ہیں جو دینی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے سرزد ہو جائیں۔اسراف سے مراد مطلقًا زیادتی ہے یعنی بندگی کی حدود توڑ دینا،اسراف خطاء سے زیادہ عام ہے۔

۲؎ یعنی میرے سارے وہ گنا جو مجھے یاد بھی نہ رہے یا وہ گناہ جنہیں میں نیکی سمجھ کر بیٹھا مگر واقع میں وہ گناہ تھے وہ بھی بخش دے۔

۳؎ یعنی میرے سارے وہ گناہ جو ابھی تک بخشے نہ گئے بلکہ میرے پاس یعنی میرے نامہ اعمال میں موجود ہیں وہ بخش دے۔ خیال رہے کہ میرے ارادے بھی گناہ ہیں ہاں میرے خیالات جو غیر اختیاری طور پر دل میں آجائیں وہ معاف ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب میرے ارادے گناہ ہی نہیں تو ان سے معافی مانگنے کے کیا معنے۔

۴؎ یعنی پرانے اور نئے گناہ یوں ہی علانیہ اور خفیہ گناہ بخش دے،علانیہ خفیہ سے زیادہ برے ہیں کیونکہ گناہ کا اظہار بھی تو گناہ ہے۔

۵؎ میرے وہ گناہ بھی بخش دے جو میرے خیال میں تو معمولی و صغیرہ ہیں مگر تیرے علم میں بڑے ہیں اور کبیرہ ہیں۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا"اور کبھی بندے کے منہ سے ایک معمولی سی بات نکل جاتی ہے جسے بندہ محسوس بھی نہیں کرتا مگر رب تعالٰی کے نزدیک بندہ اس سے دوزخی بن جاتا ہے۔اس قسم کی تمام دعائیں ہماری تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضرات انبیاء بعد نبوت تو ہر گناہ صغیرہ یا کبیرہ سے معصوم ہیں اور قبل نبوت گناہ کبیرہ سے اور ان صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں جو نفرت کا باعث ہوں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نبوت سے پہلے یا بعد کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا چہ جائیکہ گناہ

کرنا۔اس عظمت انبیاء کی نفیس تحقیق ہماری کتاب "قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء" میں ملاحظہ کیجئے اور یہاں مرقات نے بھی اس پر کچھ بحث کی ہے، تفسیرات احمدیہ اور شرح فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کی۔

۶؎ یعنی تو جسے چاہے توفیق خیر دے کر آگے بڑھادے کہ اس کے درجے بلند کردے اور جسے چاہے توفیق نہ دے، جس سے وہ اپنی بدعملیوں کے باعث دوزخ میں پہنچ جائے لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جب رب تعالٰی نے ہمیں پیچھے کردیا تو ہمارا کیا قصور ہے کیونکہ ہمارا پیچھے ہٹ جانا اپنی بدعملی سے ہے۔

۷؎ یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی مختلف طریقوں سے نقل فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے الٰہی میرا دین ٹھیک فرما جو میرے کام کی حفاظت ہے ۱؎ اور میری دنیا درست کردے جس میں میری زندگی ہے ۲؎ اور میری آخرت درست فرمادے جہاں مجھے لوٹنا ہے ۳؎ اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں زیادتی بنا ۴؎ اور میری موت کو ہر تکلیف سے راحت قرار دے ۵؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی دینداری ہی وہ صفت ہے جو میرے نفس، مال، عزت وآبرو کی اصلاح کرتی ہے تو میرے دین کو درست رکھ، ہر چیز کی درستی دین سے ہے اور دین کی درستی تیرے فضل سے، عقائد اخلاق کی درستی، دل کی سیاہی دور ہونا سب دین میں داخل ہے، جسے یہ نعمت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔(لمعات)

۲؎ دنیا سے مراد صحت تندرستی اور روزی ہے، حلال روزی جو اطاعت الٰہی پر مدد دے رب تعالٰی کی نعمت ہے اور حرام روزی جس سے انسان میں سرکشی اور غفلت وغیرہ پیدا ہوتی ہے اللہ کا عذاب یعنی مجھے وہ تندرستی ومال دے جو تیری اطاعت میں صَرف ہو۔

۳؎ آخرت سے مراد قبر وحشر اور بعد حشر ابدالآباد تک کی زندگی ہے، چونکہ ہم اس عالم سے دنیا میں آئے ہیں اس لیے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا۔

۴؎ یعنی میری زندگی کی ہر گھڑی نیکیوں کی زیادتی کا ذریعہ ہو کہ ہر ساعت نیکیاں کرتا رہوں جس سے میرا نیک نامہ اعمال پُر ہوتا رہے۔سبحان اللہ! رب تعالٰی ایسی زندگی نصیب کرے۔سوتے وقت انسان دن بھر کا حساب لگایا کرے کہ آج میں نے کتنے گناہ کیے اور کتنی نیکیاں،گناہوں سے توبہ کرکے نیکیوں پر شکر کرکے سوئے۔

۵؎ اس طرح کہ میری موت ایمان پر توبہ پر ہو تاکہ بعد موت میں دنیا کی مشقتوں سے تو چھوٹ جاؤں اور قبر وحشر میں مصیبت نہ دیکھوں بلکہ راحت دیکھو۔خیال رہے کہ پرہیزگار مرکر دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ جاتا ہے اور لوگ اسے روتے ہیں، وہ رب تعالٰی کی رحمت دیکھ کر ہنستا ہے اور بدکار مرکر اور زیادہ مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے،لوگ اس سے راحت پاجاتے ہیں وہ وہاں روتا ہے اور لوگ اس کی موت پر خوشیاں مناتے ہیں،اعلٰی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

واسطہ محبوب کا دنیا میں جو سنی مرے — یوں نہ فرمائیں تیرے شاہد کہ وہ فاجر گیا

عرش پر دھومیں مچیں وہ بندہ صالح ملا — فرش پر ماتم اُٹھے وہ طیب وطاہر گیا

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و	

	سلم سے راوی کہ آپ کہا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور تونگری مانگتا ہوں۱ (مسلم)

۱ہدایت سے مراد اچھے عقائد ہیں، تقویٰ سے مراد اچھے اعمال، پاکدامن سے مراد برائیوں سے بچنا ہے اور تونگری سے مراد مخلوق کا محتاج نہ ہونا اللہ رسول کا حاجتمند رہنا ہے اس میں دین و دنیا کی تمام بھلائیاں مانگ لی گئیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی کہو الٰہی مجھے ہدایت دے مجھے ٹھیک رکھ۱ اور ہدایت سے راستہ کی ہدایت کا خیال کرنا اور درستی سے تیر جیسی درستی مراد لینا۲ (مسلم)

۱دنیا میں انسان سوار کی طرح ہے، مسافر کی سواری کتنی ہی اچھی ہو لیکن اگر اسے راستہ صحیح نہ ملے یا صحیح راستہ تو ملے مگر اس پر صحیح چل نہ سکے، تو کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ مولیٰ مجھے اپنے تک پہنچنے والا راستہ بھی دکھا اور دکھا کر اس پر چلنے کی توفیق بھی نصیب کرے۔

۲یعنی جب یہ دعا مانگو تو ہدایت سے راہ الٰہی مراد لو جس پر چلنے سے رب تعالیٰ تک پہنچا جاسکے اور درستی و سیدھائی سے کامل درستی اور پورا سیدھا پن مراد لو، تیر کی تشبیہ سے یہ ہی مراد ہے اس جملہ کی اور شرحیں بھی کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو مالک اشجعی سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا ہے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نماز سکھاتے۱ پھر اسے حکم دیتے کہ ان کلمات سے دعا مانگا کرے الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت دے مجھے عافیت دے مجھے روزی دے۲ مسلم

۱معلوم ہوا کہ مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے، جب تک کہ قرآن شریف و دیگر ارکان یاد نہ ہوں وہ جماعت سے ادا کرتا رہے اور بہت جلد خود یاد کرے یہاں نماز سے مراد ترتیب وار نماز کے مسائل ہیں۔

۲ ہدایت سے مراد یا تو ملی ہوئی ہدایت پر قائم رکھنا ہے یا ایمان کی ہدایت کے بعد نیک اعمال کی ہدایت مانگنا ہے، عافیت سے مراد دینی و دنیاوی امان ہے، رزق سے مراد حلال روزی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ دعا یہ تھی۱ الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے۲ اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ سے بچالے (مسلم، بخاری)۳

۱کہ آپ نماز کے اندر اور دعا بعد نماز میں اور اس کے علاوہ اکثر حالات میں یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

۲ یہ دعا بہت ہی جامع ہے جس میں دین و دنیا کی ساری نعمتیں مانگی گئی ہیں، رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی یہ دعا سکھا کر اس کے مانگنے والوں کے متعلق فرمایا: "اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا" الایہ۔ قرآن شریف میں اس دعا اور استغفار کے بڑے فوائد بیان

فرمائے۔مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پالنے والے ہم کو موت سے پہلے والی تمام نعمتیں عطا فرما جیسے صحت،روزی،نیکیوں کی توفیق،دین پر استقامت،حسنِ خاتمہ،علم و عمل وغیرہ اور آخرت کی تمام نعمتیں بخش جیسے حساب قبر و حشر میں آسانی و کامیابی،اعمال کی قبولیت،جنت اور وہاں کی تمام نعمتیں اور ہم کو دوزخ سے بالکل بچالے کہ وہاں کا عذاب ہم کو بالکل نہ چھوئے یہ نہ ہو کہ سزا پاکر جنت میں جائیں۔حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس کے مانگتے وقت تمام نیکیوں و نعمتوں کا خیال کرلینا چاہیے۔بہتر یہ ہے کہ دنیا کی نعمت سے کمال مصطفوی اور آخرت کی بھلائی سے جمال مصطفوی مراد لے،یعنی ہم کو دنیا میں ان کے کمال کا چھینٹا دے،آخرت میں ان کا جمال دکھا کہ ان میں سب کچھ آگیا۔

۳؎ اسے ابوداؤد،نسائی نے بھی روایت کیا۔حصن حصین شریف میں رَبَّنَآ اٰتِنَا ہے اگر اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا کہے تو بہتر ہے کہ اس میں دونوں روایتوں پر عمل ہے اور اگر فقط رَبَّنَآ اٰتِنَا کہے تو بھی ٹھیک ہے کہ قرآن کریم میں یوں ہی ہے۔(از مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تو یوں عرض کرتے یارب میری مدد کر مجھ پر مدد اوروں کو نہ دے ۱؎ مجھے نصرت بخش میرے مقابل نصرت نہ دے ۲؎ میرے لیے تدبیر فرما میرے مقابل تدبیر نہ فرما ۳؎ مجھے ہدایت دے اور میرے لیے ہدایت آسان فرما ۴؎ مجھے ان پر فتح دے جو مجھ پر بغاوت کریں ۵؎ یارب مجھے اپنا شکر گزار اپنا ذاکر اپنے سے خوف کرنے والا اپنا مطیع تیری طرف رجوع کرنے والا آہ وزاری کرنے والا لوٹنے والا بنا ۶؎ یارب مری توبہ قبول کر میرے گناہ دھو دے میری دعا قبول فرما ۷؎ میری دلیل مضبوط کر،میری زبان درست رکھ،میرے دل کو ہدایت دے میرے سینے کی سیاہی دور کردے ۸؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما اور جن و شیاطین،نفس امارہ کو میرے مقابل مدد نہ دے کہ وہ مجھے نیک اعمال سے روکیں۔

۲؎ یعنی کفار پر مجھ کو غلبہ دے،ان کو ہم پر غلبہ نہ دے،کفار خواہ انس ہوں یا جن یا ہمارے نفوس ان سب کو ہمارا مطیع بنا ہم کو ان کا فرمانبردار نہ کر بلکہ اپنا فرماں بردار رکھ۔

۳؎ رب تعالٰی کے لیے مکر کے یہ ہی معنی مناسب ہیں نہ کہ فریب دھوکا،یہ عیوب ہیں رب تعالٰی عیوب سے پاک ہے یعنی مجھے دشمنوں کے مقابل خفیہ تدبیروں کی تلقین کر،انہیں میرے مقابل تدبیریں نہ القا کر۔

۴؎ جس سے مجھے نیک اعمال آسان معلوم ہوں،گناہ گراں و بھاری،یہ دونوں نعمتیں رب تعالٰی ہی کے کرم سے نصیب ہوتی ہیں۔

۵؎ بغاوت سرکشی کرنے والے خواہ دشمن جان ہوں یا دشمن ایمان یا دشمن مال یا دشمن آبرو۔

۶؎ یہ وہ صفات ہیں جو مسلمان میں ہونی چاہیے۔راہب کے معنے ہیں ظاہر و باطن ہر حال میں رب سے ڈرنے والا دنیا میں نہ پھنسنے والا۔جس رہبانیت سے حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے وہ بمعنی ترک دنیا ہے کہ اسلام میں تارک الدنیا ہو کر جوگی سادھو بن جانا منع ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔مخبت کے معنے ہیں نیچی زمین میں اتر جانے والا،خبت پست زمین کو کہتے ہیں،اب اسے تواضع وترقی کرنے والے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَخْبَتُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ"۔اوّاہًا مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت آہ وزاری کرنے والا،خوف خدا میں کانپنے لرزنے والا،رب تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں فرماتا ہے:"اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ"۔

۷؎ یعنی اے مولٰی مجھے تمام شرائط کی جامع توبہ نصیب فرما پھر اسے قبول بھی فرما،رب تعالٰی فرماتا ہے:"تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا"توبہ نصوح وہ ہے جو تمام شرائط کی جامع ہو بارگاہِ عالی میں قبول ہو اور بندہ پھر توبہ کبھی توڑے نہیں۔حوب کے لغوی معنی ہیں جھڑک،ڈانٹ۔اصطلاح میں گناہ کو حوب کہتے ہیں کہ یہ جھڑک کا ذریعہ ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا"گناہ دل کا میل ہے،رب تعالٰی کی مہربانی اس کا پانی،قبولیت دعا بھی اللہ کی رحمت ہے،جس قدر تقویٰ زیادہ اسی قدر دعا کی قبولیت زیادہ۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی بے قراری قبول دعا کے لیے اکسیر ہے،رب تعالٰی تعالٰی فرماتا ہے:"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ"اس لیے مظلوم کی دعا قبول ہے اگرچہ وہ فاسق ہو کہ اس کا دل بے قرار ہے۔

۸؎ ان جملوں میں چار چیزیں مانگیں:دنیاوآخرت میں اپنی دلیل قوی ہونا کہ ہم کفار کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرسکیں،زبان کا سیدھا چلنا کہ زبان اگر سیدھی چلے تو زبان ہے اور اگر ٹیڑھی چلے تو زبون یعنی فساد اور اگر زیادہ چلے تو زیان یعنی نقصان،دل کی ہدایت کہ اگر دل ٹھیک ہوگیا تو سب کچھ ٹھیک ہے اور سینہ کی صفائی تاکہ یہ مدینہ بن جائے جس میں رحمت کا خزینہ ہے۔شعر

بنادو میرے سینہ کو مدینہ ۔۔۔ نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

	روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر قیام فرما ہوئے پھر روئے ۱؎ تو فرمایا اللہ سے معافی اور امن مانگو۲؎ کیونکہ کسی کو ایمان کے بعد امن سے بہتر کوئی نعمت نہ ملی ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن ہے،غریب ہے۔

۱؎ حضور علیہ السلام کا یہ رونا اپنی امت کے آئندہ حالات ملاحظہ فرما کر تھا کہ اکثر لوگ فتنوں،شہوت مال کی حرص،اقتدار کی خواہش میں گرفتار ہوجائیں گے۔(مرقات)

۲؎ معافی سے مراد محو ذنوب وستر عیوب ہے اور عافیت سے یہ مراد ہے کہ لوگ تم سے اور تم لوگوں سے امن میں رہو یا دین کا فتنوں سے اور بدن کا سخت بیماریوں سے محفوظ رہنا یعنی گناہوں سے معافی اور زندگی،موت،قبر،حشر کی آفتوں سے سلامتی مانگو۔(لمعات)

۳؎ حق یہ ہے کہ ایمان بھی عافیت ہی کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور ایمان کے معنی ہی ہیں اپنے کو آفتوں سے امن وعافیت دینا۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

	کی خدمت میں حاضر ہوا،عرض کیا یارسول اللہ دعا کون سی افضل ہے ۱؎ فرمایا اپنے رب سے دنیا وآخرت میں امن و چین مانگو ۲؎ پھر وہ دوسرے دن حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا افضل ہے حضور نے اسی طرح پھر فرمایا ۳؎ پھر وہ تیسرے دن حاضر ہوا پھر اسی طرح عرض کیا حضور نے فرمایا کہ جب تجھے دنیا و آخرت میں امن و معافی دے دی جائے تو تو کامیاب ہو جائے گا ۴؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اسناد سے غریب ہے ۵؎

۱؎ یعنی مجھے کون سی دعا زیادہ فائدہ مند ہے یا سارے لوگوں کے لیے ساری دعاؤں میں سے کون سی افضل۔اس سوال سے معلوم ہوا صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں،ہم غلطی سے نقصان دہ دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں،حضور کی بتائی ہوئی دعا میں یہ احتمال نہیں اسی لیے دعائے ماثور جو بزرگوں سے منقول ہو غیر ماثورہ سے افضل ہے۔

۲؎ یعنی دین و بدن میں امن اور مخلوق کی شر سے چین کہ کوئی جن وانس ہمیں بے چین نہ کرسکے،نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

۳؎ خیال یہ تھا کہ شاید لمبی چوڑی دعائیں جن میں وقت بہت صرف ہو مانگنی چاہئیں اس مختصر دعا کی اہمیت نہ سمجھ سکے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ میرے غلام کام کاج والے ہیں انہیں چھوٹی مگر جامع دعائیں بتائی جائیں تاکہ ان کے دنیوی کام بھی بند نہ ہوں اس لیے یہ سوال جواب واقع ہوئے۔

۴؎ کیونکہ معافات میں جسمانی،روحانی،نفسانی،شیطانی تمام آفتوں سے سلامتی شامل ہے جسے ان تمام آفات سے امن مل گئی،اس کے لیے باقی کون سی چیز رہ گئی اس لیے لمبی دعا کی خواہش نہ کر۔

۵؎ خیال رہے کہ اسناداً غریب کی تمیز ہے نہ کہ حسن کی کیونکہ غرابت کبھی متن حدیث میں ہوتی ہے کبھی اسناد حدیث میں مگر حسن صرف اسناد ہی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ متن کے،اس کے لیے اسناداً کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔طبرانی میں حضرت عباس سے روایت اس طرح ہے کہ ایک بار میں نے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے کچھ دعا سکھایئے،سرکار نے فرمایا اللہ سے عافیت مانگو،کچھ روز بعد پھر میں حاضر ہوا اور میں نے یہ ہی عرض کیا تو فرمایا کہ چچا جان عافیت کی دعا زیادہ مانگا کرو کیونکہ یہ دعا مقاصد حاصل کرنے اور بلائیں دفع کرنے کے لیے کافی ہیں۔

2491 - [10]لم تتم دراستہ وعن عبداللہ یزید الخطمی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إنہ کان یقول فی دعائہ: "اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک اللھم ما رزقتنی مما اِحب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب اللھم مازویت عنی مما اِحب فاجعلہ فراغا ی فیما تحب". رواہ الترمذی	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن یزید خطمی سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے الٰہی مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت تیرے ہاں نفع دے ۲؎ الٰہی مجھے جو تو میری پسندیدہ چیز دے تو اس میں مجھے اس کی قوت بخش جسے تو پسند فرماتا ہے ۳؎ الٰہی جو میری محبوب چیز تو مجھ سے دور رکھے تو اسے میرے لیے اپنی محبوب چیز میں فراغت بنادے ۴؎ (ترمذی)

۱؎ خطم قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے،یہ عبداللہ انصاری ہیں،سترہ سال کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

۲؎ اس عبارت کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں:ایک یہ کہ تو اور تیرے پیارے بندے مجھ سے محبت کریں۔دوسرے یہ کہ میں تجھ سے اور تیرے پیارے بندوں سے محبت کروں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یُّحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ"۔دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں یعنی مجھے ان لوگوں ان چیزوں ان اعمال کی محبت دے جن کی محبت آخرت میں فائدہ مند ہو۔انبیاء،اولیاء،قرآن مجید،کعبہ معظّمہ،نماز،روزہ تمام کی محبتیں اس میں شامل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزوں کی محبت نقصان دہ ہے،بعض کی بے فائدہ اور بعض کی محبت دنیا میں مفید ہے،بعض کی آخرت میں آخری محبت مانگے۔

۳؎ یعنی جو منہ مانگی مراد تو مجھے دے اسے اپنی رضا میں صرف کرنے کی توفیق بھی دے،جسمانی قوت،اولاد،مال کو ہمیشہ تیری راہ میں خرچ کروں تاکہ میں غنی شاکر بن جاؤں۔

۴؎ یعنی اگر تو میری کسی آرزو کو پورا نہ کرے اور میری منہ مانگی مراد نہ دے تو مجھے اپنی دی ہوئی نعمتوں اور عبادتوں میں اتنا مشغول کردے کہ مجھے اس کی ضرورت ہی نہ رہے تاکہ میں مسکین صابر بنوں،میرا دل اس مانگی مراد میں مشغول نہ رہے تاکہ میری عبادتیں ناقص نہ ہوں،رضاء بالقضاء اللہ کی نعمت ہے۔

2492 - [11] لم تتم دراسته وعن ابن عمر قال: قلماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم من مجلس حتى يدعو بهؤلاء الدعوات لأصحابه: "اللهم اقسم لنا من خشيتك ما تحول به بيننا وبين معاصيك ومن طاعتك ماتبلغنا به جنتك ومن اليقين ماتهون به علينا مصيبات الدنيا ومتعنا بأسماعنا وإبصارنا وقوتنا ما إحييتنا واجعله الوارث منا واجعل ثأرنا على من ظلمنا وانصرنا على من عادانا ولا تجعل مصيبتنا في ديننا ولا تجعل الدنيا إكبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علينا من لايرحمنا" . رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن غريب	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم کسی مجلس سے اٹھتے حتّٰی کہ اپنے صحابہ کے لیے یہ دعائیں مانگ لیتے۱؎ الٰہی ہمیں اپنے خوف سے وہ حصہ عطا فرما جس سے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان آڑ ہوجائے۲؎ اور اپنی اطاعت سے وہ حصہ دے جس سے ہمیں تو اپنی جنت میں پہنچا دے۳؎ اور یقین کا وہ حصہ دے جس سے تو ہم پر دنیاوی مصیبتیں آسان کردے۴؎ اور ہمیں ہمارے کانوں اور آنکھوں اور قوت سے نفع دے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے۵؎ اور اسے ہمارا وارث بنا۶؎ اور ہمارا غضب اس پر ڈال جو ہم پر ظلم کرے۷؎ اور ہم کو ان پر فتح دے جو ہم سے دشمنی کریں۸؎ اور ہمارے دین میں ہم پر مصیبت نہ دے۹؎ اور دنیا کو ہمارا نہ بڑا مقصود بنا اور نہ ہمارے علم کا منتہا بنا۱۰؎ ہم پر اسے مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے۱۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۱۲؎

۱؎ یعنی اکثر کسی مجلس سے اٹھتے وقت سرکار یہ دعا مانگ لیتے تھے اور یہ سب کچھ صحابہ کرام کی اور ان کے ذریعہ ہماری تعلیم کے لیے تھا۔خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کی جن دعاؤں میں مغفرت کی طلب یا گناہوں کا اقرار ہے ان سب میں تعلیم اُمت مقصود ہے ورنہ سرکار خود معصوم ہیں بلکہ ارادۂ گناہ سے محفوظ ہیں۔

۲؎ یعنی ہم سب کو اپنا دلی خوف دے جس کی برکت سے ہم گناہوں سے محفوظ رہیں۔تَحُوۡلُ واحد مخاطب ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ خوفِ خدا اللہ کی نعمت ہے اور اس خوف کے بعد بھی ہمیں گناہوں سے رب ہی بچاتا ہے ہم خود نہیں بچتے،مطلقًا خوفِ خدا تو شیطان کو بھی حاصل

ہے،رب تعالٰی نے اس کا قول قرآن پاک میں نقل فرمایا:"اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیۡنَ"خوف خدا اور عشق جناب مصطفٰی اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔

۳؎ یعنی ہمیں اپنی بندگی کی توفیق بھی دے اور اسے قبول بھی فرما،یہاں بھی وہی اشارہ ہے کہ فقط عبادت جنت میں پہنچنے کے لیے کافی نہیں،مؤمن جنات اور فرشتوں کی عبادتیں انہیں جنتی نہیں بناتی۔

۴؎ رب تعالٰی نے قرآن کریم میں ہر مصیبت کے بعد دو۲ آسانیوں کی بشارت دی ہے"فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا"خدایا ہمیں اس بشارت پر ایسا یقین ہوجائے کہ ہم ہر مصیبت کو آئندہ راحت کا پیش خیمہ سمجھیں جس کی وجہ سے یہ زحمت رحمت بن جائے۔شعر

ناخوش اور خوش بود در جان من　　　جان فدائے یار دل رنجان من

۵؎ یعنی ہمیں توفیق دے کہ اپنے حواس و قوتوں کے ذریعہ دنیوی واخروی نفع اٹھائیں کہ انہیں تیری طاعتوں میں صرف کریں۔

۶؎ اس جملہ کی بہت شرحیں ہیں،بہترین شرح یہ ہے کہ وارث سے مراد میراث ہے یعنی ہمارے تقویٰ اور مذکورہ نفع کو ہماری میراث بھی بناکہ ہمارے بعد لوگ ہماری ان صفات کو اختیار کرلیں اور فائدے اٹھائیں،ہماری میراث صرف مال نہ ہو بلکہ مال،حال،اعمال،کمال اور خوف ذوالجلال سب کچھ ہماری میراث ہو۔خیال رہے کہ میراث اضطراری صرف یعنی رشتہ داروں کو ملتی ہے مگر میراث اختیاری تاقیامت سارے انسانوں کو۔کنویں،مساجد،سرائیں،قبرستان،وغیرہ موقوفہ چیزوں سے سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں،یہ مال کی میراث اختیاری ہے،علمائے کے علم،صوفیاء کے تقوے اور حضور علیہ السلام کے کمالات سے تاقیامت دنیا فائدہ اٹھائے گی،سخیوں کی کمائی میں فقیروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔شعر

ہاتھ اٹھاکر ایک ٹکڑا اے کریم　　　ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

۷؎ یعنی ہمیں توفیق دے کہ ہم بدلہ لینے میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑیں صرف ظالم سے ہی بدلہ لیں،جاہلیت والوں کی طرح ایک فرد کا بدلہ ساری قوم سے نہ لیں۔ثار کے لغوی معنی ہیں کینہ،غصہ اور بدلہ،اس جملہ کی اور بھی شرحیں کی گئیں ہیں مگر یہ شرح بہتر ہے۔

۸؎ اس طرح کہ ہمیں ذاتی دشمنوں کو معاف کرنے کی ہمت دے اور قومی و دینی دشمنوں کو مغلوب کرنے کی طاقت دے۔

۹؎ یعنی ہم پر ایسی مصیبت نہ بھیج جو ہمارا دین برباد کردے کہ ہمیں بدعقیدہ بنادے یا ناقص کردے کہ ہم حرام کھانے لگیں یا عبادات میں کوتاہی کرنے لگیں۔

۱۰؎ یعنی نہ تو ہمارا یہ حال ہو کہ مال،عزت،سلطنت وغیرہ ہمارا اصل مقصد بن جائے اور نہ یہ حال ہو کہ ہمارے علم اور فکر دنیا ہی کے لیے وقف ہوں یا فقط ہم دنیاوی علوم ہی پڑھیں دینی علوم کی طرف توجہ ہی نہ دیں اور دینی علم بھی سیکھیں تو صرف اپنی تعظیم کرانے اور مال کمانے کے لیے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ لَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ"۔اس دعا میں اشارۃً فرمایا گیا کہ دنیا کا قصد اور علم سے دنیا حاصل کرنا قدرے جائز ہے بلکہ اگر یہ دنیا دین کے لیے ہو تو اس کا طلب کرنا عبادت ہے،دنیا صفر ہے اور دین عدد،صفر اگر اکیلا ہو تو کچھ بھی نہیں اور اگر عدد سے مل جائے تو اسے دس گناہ کردیتی ہے۔

۱۱؎ یعنی دنیا میں ہم پر نفس امارہ،شیطان،کافر وظالم سلطان کو مسلط نہ کر اور قبر و حشر میں عذاب کے فرشتوں کو ہم پر مقرر نہ فرما لہذا یہ جملہ نیا ہے پہلے جملوں کا تکرار نہیں۔

۱۲؎ اسے نسائی نے اور حاکم نے علٰی شرط بخاری نقل فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ	2493 - [12]لم تتم دراستہ

وعن إبي ہريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "اللهم انفعني بما علمتني وعلمني ما ينفعني وزدني علما الحمد لله على كل حال وإعوذ بالله من حال إهل النار". رواه الترمذي وابن ماجه وقال الترمذي: ہذا حديث غريب إسنادا	علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے الٰہی تو مجھے اس سے نفع دے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے نافع چیزیں سکھا اور میرا علم بڑھا ۱؎ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے ۲؎ اور دوزخیوں کے حال سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے۔

۱؎ علم چند قسم کے ہیں: نقصان دہ، بیکار، صرف اپنے کو نافع دوسروں کو بھی نافع، یہاں چوتھی قسم کے علم کی طلب ہے، بعض علم اوروں کو مفید خود اپنے کو مضر یا بیکار ہیں اس سے بھی اللہ بچائے، جیسے بد عمل یا بے عمل عالم کا عمل۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم بے عمل ایسا ہے جیسے شب تار میں اندھا شمع دار۔

۲؎ یعنی رنج و خوشی، تنگی و فراخی میں اللہ کا شکر (عمل) جو شخص چھینک پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کہہ کر سارے دانتوں پر زبان پھیرے تو ان شاء اللہ اس کے دانت خراب نہ ہوں گے اور اگر ساتھ ہی ہر وضو میں مسواک بھی کیا کرے تو سبحان اللہ!

۳؎ دنیا میں کفر و فسق اور آخرت میں عذاب و عقاب دوزخیوں کے حالات ہیں ان سب سے اللہ بچائے۔

2494 - [13] لم تتم دراسته وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا إنزل عليه الوحي سمع عند وجهه دوي كدوي النحل فإنزل عليه يوما فمكثنا ساعة فسري عنه فاستقبل القبلة ورفع يديه وقال: "اللهم زدنا ولا تنقصنا وإكرمنا ولا تهنا وإعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وإرضنا وإرض عنا". ثم قال: "إنزل علي عشر آيات من إقامهن دخل الجنة" ثم قرإ: قد إفلح المؤمنون حتى ختم عشر آيات. رواه إحمد والترمذي	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپ کے چہرہ انور کے پاس شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنی جاتی تھی ۱؎ ایک دن آپ پر وحی اتری تو ہم کچھ ٹھہرے پھر وہ حالت جاتی رہی ۲؎ حضور نے قبلہ کو منہ کیا دونوں ہاتھ اٹھائے ۳؎ اور عرض کیا الٰہی سب کو بڑھادے گھٹا مت، ہمیں عزت دے ہمیں ذلیل نہ کر، ہمیں عطائیں دے محروم نہ کر، ہم کو ترجیح دے ہم پر اوروں کو ترجیح نہ دے، ہم کو راضی کر ہم سے راضی ہوجا ۴؎ پھر فرمایا ہم پر دس آیتیں اتری ہیں جو انہیں قائم کرے (عمل کرے) تو جنت میں جائے گا پھر تلاوت کی "قد افلح المومنون" دس آیات تک ۵؎ (احمد،ترمذی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ آواز حضرت جبریل علیہ السلام کی ہوتی تھی جسے صحابہ سنتے تو تھے مگر سمجھ نہ سکتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں جب کسی کی ہلکی آواز سنی جائے اور الفاظ سمجھ میں نہ آئیں تو شہد کی مکھی کی سی بھنبھناہٹ ہی معلوم ہوتی ہے۔بعض شارحین نے کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹہ کی آواز ہوتی تھی جو نزول وحی کے وقت بے اختیار آپ سے صادر ہوتی تھی،اس سے تو حضور کو سخت سردی میں پسینہ بھی آجاتا تھا اور جسم مبارک بہت بھاری ہوجاتا تھا حتی کہ اگر کسی پر ران شریف رکھی ہوتی تو وہ شخص ران شریف میں بہت ہی زیادہ وزن محسوس کرتا تھا مگر پہلی شرح درست ہے کہ وہ حضرت جبریل کی آواز ہوتی تھی۔(لمعات و مرقات)

۲؎ نزول وحی ختم ہوجانے پر کچھ دیر تک یہ ہی حالت رہتی تھی، پھر جب یہ حالت منقطع ہوتی تھی تب حضور علیہ السلام صحابہ کو وحی سناتے تھے کہ آج یہ آیت یا یہ حکم آیا ایسے ہی آج ہوا۔

۳؎ یعنی دعا مانگنے کے لیے آپ روبقبلہ بھی ہوگئے دونوں ہاتھ آسمان کیطرف بھی اٹھائے کہ یہ دونوں کام سنت ہیں،دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے چاہئیں کہ مولٰی ہم کو دونوں جہان کی نعمتیں دے۔(مرقات)

۴؎ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں مانگیں،پھر سورۂ مومنون کی دس اگلی آیتیں سنائیں کیونکہ ان آیات میں دس احکام ہیں جن کی عاملین کو رحمت کی بشارت ہے غافلین کو عذاب کی دھمکی۔ان دعاؤں کا مضمون یہ ہے کہ الٰہی ہماری تعداد یا ہماری نعمتیں بڑھاتا رہ گھٹا نہیں،ہمیں دنیا و آخرت میں عزت دے ذلیل نہ کر،دوسروں کے مقابل ہم کو ہر نعمت سے ترجیح دے ہمارے مقابل دوسروں کو ترجیح نہ دے،ہمیں اپنے سے راضی رکھ اور ہم سے تو راضی رہ۔

۵؎ ان آیتوں میں نماز میں عجز و نیاز،بیہودہ باتوں سے علیحدہ رہنا،زکوۃ کی ادائیگی،بدخلقی سے بچنا اپنی پارسائی کی حفاظت،امانتوں کی ادائیگی اور وعدوں کی پابندی،حق گوئی نہ چھپانا وغیرہ مذکور ہیں اور ان کی پابندی پر جنت کا وعدہ ہے،رب تعالٰی ان پر عمل نصیب کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

2495 - [14] صحیح عن عثمان بن حنیف قال:إن رجلا ضریر البصر أتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال:ادع اللہ إن یعافینی فقال:"إن شئت دعوت وإن شئت صبرت فھو خیر لک". قال:فادعہ قال:فأمرہ إن یتوضأ فیحسن الوضوء ویدعو بھذا الدعاء:"اللھم إنی إسألک وإتوجہ إلیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ إنی توجھت بک إلی ربی لیقضی لی فی حاجتی ھذہ اللھم فشفعہ فی". رواہ الترمذی وقال:ھذا حدیث حسن صحیح غریب	روایت ہے حضرت عثمان ابن حنیف سے فرماتے ہیں ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ۱؎ عرض کیا حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے آرام دے ۲؎ فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کردوں اور اگر چاہے تو صبر کر یہ صبر تیرے لیے اچھا ہے ۳؎ وہ بولا حضور رب سے دعا کردیں ۴؎ راوی کہتے ہیں تو حضور نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے ۵؎ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف رحمت والے نبی حضور محمد مصطفٰی کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں ۶؎ یارسول اللہ میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کردے ۷؎ الٰہی میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول کر ۸؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص بالکل نابینا تھا،بعض شارحین نے جو کہا کہ وہ ضعیف البصر تھے یا ان کی ایک آنکھ بیکار تھی خلاف ظاہر ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بیماریوں کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے اور اکثر براہ راست خود رب تعالٰی سے دعا نہ مانگتے تھے بلکہ عرض کرتے تھے کہ حضور ہمارے لیے دعا مانگیں تاکہ الفاظ کے ساتھ زبان کی برکت و تاثیر بھی حاصل ہو،یہ ہے توسل کا عقیدہ،رب تعالٰی کی کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں ملتی۔

۳؎ کیونکہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ جس کی آنکھیں میں بیکار کردوں پھر اس پر صبر کرے تو میں اسے جنت ہی دوں گا،آنکھوں سے جنت بہتر ہے۔

۴؎ ان نابینا صحابی کا مطلب یہ تھا کہ حضور مجھے آنکھیں بھی مل جائیں اور آخرت کی بھلائی بھی،آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے۔شعر

جھولیاں کھول کے بے سمجھے نہیں دوڑ آئے ہمیں معلوم ہے دولت تری عادت تری

یا یہ مطلب تھا کہ حضور کے صدقہ مجھے آخرت کی نیکیاں تو مل ہی گئی ہیں کہ مجھے رب تعالٰی نے ایمان دیا،تقویٰ بخشا،آپ کی صحابیت نصیب کی میری یہ ضرورت بھی پوری ہوجائے لہذا نہ تو سائل پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح کیوں دی۔حق یہ ہے کہ

انہوں نے تو اس آیت پر عمل کیا "رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو دعا کیوں سکھائی، سرزنش کیوں نہ کی، نیز اس عرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صبر سے سرتابی نہیں ہے انہیں صبر کا حکم دیا ہی کب گیا، بطور مشورہ اختیار دیا گیا تھا بلکہ ناز غلامانہ کے انداز پر داتا سے زیادہ مانگنا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر عرفات میں حاجیوں کی بخشش کی دعا کی، حقوق اللہ معاف کیے گئے پھر مزدلفہ میں حقوق العباد کی معافی کے لیے بھی دعا فرمائی۔

۵؎ یعنی مسواک اور تمام سنتوں کے ساتھ وضو کرکے دو رکعت نماز حاجت پڑھے پھر یہ دعا مانگے۔(مرقات) معلوم ہوا کہ دعا کے لیے وضو اور نفل بہتر ہے۔خیال رہے کہ اس موقعہ پر انہیں سرکار نے خود دعا نہ دے دی بلکہ دعا اور اپنے وسیلہ کے الفاظ انہیں سکھائے تاکہ قیامت تک کہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں،اگر سرکار خود ہی دعا دے دیتے تو بعد والے لوگ یہ فیض کیسے پاتے۔بعض شارحین نے یہاں فرمایا کہ سرکار ان پر ناراض ہوگئے تھے کیونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بات نہ مانی اس لیے دعا نہ فرمائی مگر یہ صحیح نہیں،ورنہ سرکار نہ انہیں دعا سکھاتے نہ انہیں اپنے وسیلہ کی تعلیم دیتے۔

۶؎ یعنی تیری بارگاہ میں براہ راست بغیر وسیلہ نہیں حاضر ہوا ان کا وسیلہ لے کر آیا ہوں جو خود رحمۃ للعالمین ہیں اور ان کی امت امت مرحومہ ہے یعنی تو ارحم الرحمین ہے اور تیرے نبی رحمۃ للعلمین ہیں اور میں تیرے فضل و کرم سے مرحوم۔

۷؎ یاک میں حضور سے عرض معروض ہے، بعض روایتوں میں یوں ہے یا محمد انی توجھت بك الی ربی لتقضی الخ ت کے ساتھ۔ (مرقات) اس لتقضی میں دو احتمال ہیں: واحد مؤنث مجہول ہو یعنی تاکہ میری حاجت پوری کردی جائے یا واحد مخاطب معروف ہو یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری حاجت پوری کردیں،اس آخری معنی کی تائید قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتی ہے "لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ" اے موسیٰ علیہ السلام اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کردیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔مذکورہ آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوبین بحکم پروردگار دافع بلاء اور صاحب عطا ہیں اور حاجتوں میں انہیں پکارنا جائز ہے کیونکہ یہ دعا قیامت تک کے مسلمان پڑھ سکتے ہیں اور اس میں حضور علیہ السلام کو پکارا بھی گیا ہے اور حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی لیا گیا ہے۔

۸؎ سبحان اللہ! اس دعا میں تین خطاب ہیں آگے پیچھے رب سے اور بیچ میں اس کے حبیب سے جیسے انگوٹھی کے وسط میں نگینہ۔

2496 - [15] لم تتم دراسته وعن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كان من دعاء داود يقول: "اللهم إني أسألك حبك وحب من يحبك والعمل الذي يبلغني حبك اللهم اجعل حبك أحب إلي من نفسي ومالي وأهلي ومن الماء البارد". قال: وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ذكر داود يحدث عنه يقول: "كان أعبد البشر" رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن غريب	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داؤد علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ آپ عرض کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوبوں کی محبت مانگتا ہوں ۱؎ اور وہ عمل مانگتا ہوں جو تیری محبت تک پہنچادے ۲؎ الٰہی مجھے اپنی محبت کو میری جان و مال گھر بار اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنادے ۳؎ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو کہتے کہ وہ عابد ترین انسان تھے ۴؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ اس جملہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ مجھے توفیق دے کہ تجھ سے بھی محبت کروں اور ان بندوں سے بھی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں علماء، اولیاء، انبیاء سے محبت بالواسطہ تجھ سے ہی محبت ہے۔ دوسرے یہ کہ خدایا مجھ سے تو بھی محبت کر اور تیرے محبوب بندے بھی محبت کریں یعنی حبّ کی اضافت یا مفعول کی طرف ہے یا فاعل کی طرف۔

۲؎ اس کے بھی وہی دو معنی ہیں کہ ایسے عمل کی توفیق دے جس کی برکت سے تو میرا محبوب بن جائے یا میں تیرا محبوب بن جاؤں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال میں عشق و محبت پیدا کرنے کی تاثیر ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی مجھے توفیق دے کہ تو مجھے میری اپنی ذات گھر بار مال و دولت سے زیادہ پیارا ہو جائے بلکہ جیسے سخت گرمی اور پیاس کی شدت میں ٹھنڈا پانی پیارا ہوتا ہے، اس سے زیادہ تیری محبت مجھے پیاری ہو۔ خیال رہے کہ محبوبیت کے لیے اس کے محبوب بندوں کی محبت لازم ہے۔ شعر

حاصل نشود رضائے سلطاں　　　　تا خاطر بندگاں بجوئی

۴؎ یعنی داؤد علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عابد تھے جیسے رب تعالٰی بنی اسرائیل سے فرماتا ہے: "اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ" لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ داؤد علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عابد ہوں اور نہ یہ فرمان اس آیتِ کریمہ کے خلاف ہے جس میں نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا: "اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا"۔

2497 - [16] صحیح

وعن عطاء بن السائب عن أبيه قال: صلى بنا عمار بن ياسر صلاة فأوجز فيها فقال له بعض القوم: لقد خففت وأوجزت الصلاة فقال أما على ذلك لقد دعوت فيها بدعوات سمعتهن من رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قام تبعه رجل من القوم هو أبي غير أنه كنى عن نفسه فسأله عن الدعاء ثم جاء فأخبر به القوم: " اللهم بعلمك الغيب وقدرتك على الخلق أحيني ما علمت الحياة خيرا لي وتوفني إذا علمت الوفاة خيرا لي اللهم وأسألك خشيتك في الغيب والشهادة وأسألك كلمة الحق في الرضى والغضب وأسألك القصد في الفقر والغنى وأسألك نعيما لا ينفد وأسألك قرة عين لا تنقطع وأسألك الرضى بعد القضاء وأسألك برد العيش بعد الموت وأسألك لذة النظر إلى وجهك والشوق إلى لقائك في غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة اللهم زينا بزينة الإيمان واجعلنا هداة مهديين " . رواه النسائي

روایت ہے حضرت عطا بن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں ہم کو حضرت عمار ابن یاسر نے نماز پڑھائی تو اس میں اختصار فرمایا ۲؎ تو ان سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے نماز بہت ہلکی اور مختصر پڑھی تو فرمایا مجھے اس کا کوئی نقصان نہیں میں نے اس میں وہ دعائیں مانگ لی ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے سنیں ۳؎ جب آپ اُٹھے تو قوم میں سے ایک شخص آپ کے پیچھے چلا وہ میرے والد تھے، ہاں انہوں نے اپنی ذات کو کنایۃً ذکر کیا ۴؎ تو ان سے وہ دعا پوچھی پھر آئے وہ دعا قوم کو بتائی ۵؎ الٰہی اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے صدقہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندگی کو میرے لیے بہتر جانے اور وفات دے دے جب موت کو میرے لیے بہتر جانے ۶؎ الٰہی میں تجھ سے تیرا خوف مانگتا ہوں ظاہر و باطن میں ۷؎ اور تجھ سے خوشی و ناخوشی میں سچی بات کی توفیق مانگتا ہوں ۸؎ اور تجھ سے امیری غریبی میانہ روی مانگتا ہوں ۹؎ اور تجھ سے نہ مٹنے والی نعمت مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ آنکھ کی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو بند نہ ہو ۱۰؎ اور تجھ سے رضا بقضا مانگتا ہوں اور تجھ سے

	بعد موت کے ٹھنڈی زندگی مانگتا ہوں اا اور تجھ سے تیری ذات کو دیکھنے کی لذت اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں بغیر مضر چیز کے نقصان اور بغیر گمراہ کن فتنہ کے ۱۲ اے اللہ ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ کر ۱۳ اور ہم کو ہدایت دینے والے ہدایت پانے والا بنا ۱۴ (نسائی) ۱۵

۱ حضرت عطاء تابعی ہیں اور ان کے والد سائب ابن یزید صحابی ہیں کہ ان کی پیدائش ۳ھ میں ہوئی اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کی عمر سات سال تھی اپنے والد یزید کے ساتھ اس حج میں شریک ہوئے تھے۔(مرقات)

۲ غالبًا یہ کوئی نفل نماز تھی، بعض نوافل کی جماعت اہتمام سے بھی جائز ہے جیسے نماز کسوف اور بلا اہتمام تو ہر نفل کی جماعت جائز آپ نے یا تو اس نماز کی قرأت قرآن میں اختصار کیا یا دعائیں تھوڑی مانگیں۔لمعات نے پہلی بات کو ترجیح دی اور مرقات نے دوسری کو۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے ارکان نماز بھی صحیح طور پر ادا نہ کیے کہ یہ صحابہ کی شان سے بعید ہے۔

۳ اس اَمَا میں شارحین نے بہت احتمال نکالے ہیں۔ظاہر تر یہ ہے کہ ہمزہ نداء قریب کا ہے اور مَا نافیہ یعنی اے دوست اس اختصار میں کوئی نقصان نہیں کیونکہ میں نے وہ دعائیں پڑھ لی ہیں جن سے اس مختصر تلاوت یا چھوٹی دعاؤں کا بدلہ ہوجائے گا کہ ان کے الفاظ تھوڑے ہیں اور ثواب و فائدے زیادہ۔ظاہر یہ ہے کہ یہ دعائیں نماز کے اندر ہی مانگی تھیں،سجدے یا سلام سے پہلے قعدہ میں۔

۴ هُوَ اَبِي سے یہاں تک کلام عطاء کا ہے یعنی میرے والد کہتے تھے کہ قوم میں سے ایک شخص حضرت عمار کے پیچھے دعا پوچھنے کے لیے گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جانے والے والد سائب ہی تھے،انہوں نے اپنا نام نہ لیا بلکہ ایک شخص کہہ دیا تاکہ اپنی بڑائی ظاہر نہ ہو۔

۵ بعض صحابہ کی ہیبت زیادہ تھی کہ ان سے ہر شخص بات نہیں پوچھ سکتا تھا اس لیے صرف حضرت سائب نے پوچھا وہ بھی علیحدہ جاکر۔خیال رہے کہ یہ دعا تو ایک ہی ہے مگر اس میں مانگی بہت چیزیں گئی ہیں اسی لیے یہاں دعا واحد فرمایا اور وہاں دعوات جمع۔

۶ بِعِلْمِكَ میں ب استعطاف کی ہے یعنی اپنے علم غیب اور اپنی قدرت کے صدقہ میں مجھے یہ نعمتیں بخش۔معلوم ہوا کہ صفات الٰہی کو وسیلہ بناسکتے ہیں۔خیال رہے کہ جب تک بندہ کو نیکیوں کی توفیق ملے اور دنیا میں فتنہ نہ پھیلے اور بندہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے تب تک تو زندگی موت سے افضل ہے اور جب ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات فوت ہوجائے تو موت زندگی سے بہتر ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ شر کی زندگی سے خیر کی موت اچھی۔شعر

وانکہ خوابش بہتر از بیداری است　　　زاں چناں بد زندگانی مردہ بہ

۷ درمیان دعا میں بار بار رَبّنَا یا اَللّٰھم کہنا سنت ہے،اس میں دعا کی قبولیت کی قوی امید ہے اسی طرح ہر عوض کے اول واو بولنا بھی بہتر ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا"ظاہر و باطن سے مراد یا تو علانیہ و خفیہ ہے یا قالب و قلب یعنی الٰہی مجھے ہر حال میں اپنا خوف دے خواہ لوگوں کے سامنے ہوں یا تنہائی میں یا میرا دل و جسم دونوں پر تیرا خوف ہو کہ دل میں ڈر ہو،آنکھیں تر ہوں،دل میں درد ہو،منہ میں آہ سرد ہو۔

۸ یعنی خلق مجھ سے راضی ہو یا ناراض میں حق بات کہوں یا میں لوگوں سے راضی ہوں یا ناراض ہر حال میں حق بولوں،نہ میں حق کو چھوڑوں نہ حق مجھے چھوڑے۔

۹؎ یعنی امیری غریبی میں مجھے روزی، گفتار، رفتار، خرچ وغیرہ میں درمیانی چال چلنے کی توفیق دے کہ نہ تو امیری میں فضول خرچ بن جاؤں، نہ غریبی میں ننگا بھوکا ہو جاؤں، درمیانی چال اللہ کی رحمت ہے جسے نصیب ہو جائے۔

۱۰؎ یعنی جنت کی لازوال نعمتیں اور وہاں کی پاک بیویاں مانگتا ہوں جو آنکھ کی ٹھنڈک کا باعث ہوں یا نہ مٹنے والی مؤمن نسل یا نماز دائمی کی توفیق مانگتا ہوں، اولاد ازواج، نماز سب کچھ آنکھ کی ٹھنڈک ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوٰجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ"۔ خیال رہے کہ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے، آخرت کی ہر چیز کو بقا۔ ریا کی عبادات دنیا میں فنا ہو جائیں گی، اللہ کے لیے کھانا پینا بھی آخرت کا توشہ ہے اور لافانی ہے، گھڑے کا پانی فانی ہے نلکے کا پانی باقی ہے کہ مرکز سے وابستہ ہے ہم کو حضور علیہ السلام سے وابستگی چاہیے جو عزت و عظمت وغیرہ کا مرکز ہیں۔

۱۱؎ یعنی برزخ و محشر میں آرام کی زندگی کا طلبگار ہوں۔

۱۲؎ یعنی مجھے آخرت میں اپنا دیدار دے اور دنیا میں شوق دید نصیب کر مگر ایسا شوق دے جو مجھے سیر الی اللہ سے منع نہ کر دے، جذب نہیں مانگتا سلوک مانگتا ہوں۔

۱۳؎ جسم کی ظاہری زینت لباس اور زیور سے ہے، دل کی زینت ایمان سے اور بدن کی حقیقی زینت نیک اعمال سے ہے، خدایا تو مجھے جسمانی و دلی زینت نصیب کر۔

۱۴؎ اس طرح کہ ہم خود بھی ہدایت پر ہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت پر رکھیں۔

۱۵؎ اسے حاکم، احمد اور طبرانی نے بھی روایت کیا۔

2498 - [17] لم تتم دراستہ وعن أم سلمة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول في دبر صلاة الفجر: "اللهم إني أسألك علما نافعا وعملا متقبلا ورزقا طيبا". رواه أحمد وابن ماجه والبيهقي في الدعوات الكبير	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد یہ کہتے تھے الہی میں تجھ سے نفع بخش علم، مقبول عمل اور حلال طیب روزی مانگتا ہوں ۱؎ (احمد، ابن ماجہ، بیہقی دعوات کبیر)

۱؎ علم دل کا رزق ہے عمل بدن کی معنوی روزی اور حلال رزق ان دونوں کی اصل۔ حرام روزی سے نہ دل میں نور معرفت پیدا ہو، نہ اعمال میں لذت آئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر علم نافع کے عمل صالح کی توفیق نہیں ملتی، تم جس کا علم و عمل تو اچھا دیکھو مگر اس کی روزی حرام ہو تو اس کی مچھر کے پر برابر پرواہ نہ کرو۔ عبادات خزانہ الٰہی میں محفوظ ہیں، دعا اس خزانہ کی چابی ہے اور رزق حلال اس چابی کے دانتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام بھرا ہو۔ خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ دعا بعد نماز فجر یا تو گھر میں ہوتی تھی یا مسجد میں مگر بلند آواز سے جو گھر تک پہنچ جاتی تھی یا حضرت ام سلمہ خود جماعت کی آخری صفوں میں ہوتی تھیں اس لیے آپ کی دعا سنتی تھی۔

2499 - [18] لم تتم دراستہ وعن أبي هريرة قال: دعاء حفظته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لا أدعه: "اللهم اجعلني أعظم شكرك وأكثر ذكرك وأتبع نصحك وأحفظ وصيتك". رواه الترمذي	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے ایک دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہے جسے میں کبھی نہیں چھوڑتا، الٰہی مجھے تو ایسا کر دے کہ تیرا بہت شکر کروں اور تیرا بہت ذکر کروں ۱؎ اور تیری نصیحت کی پیروی کروں اور تیری وصیت کی حفاظت کروں ۲؎

	(ترمذی)

۱؎ اُعْظِمَ اور اُکْثِرَ باب تفعیل سے بھی ہو سکتے ہیں اور باب افعال سے بھی مگر افعال سے ہو نا زیادہ بہتر ہے یعنی الٰہی مجھے بہت نعمتیں دے اور ہر نعمت کے ہر شکر کی توفیق دے، شکر قولی بھی اور شکر عمل کی بھی اور مجھے توفیق دے کہ میں لسانی جنانی ارکانی ہر طرح تیرا ذکر کروں۔ذکر و شکر کی تفصیل ہماری "تفسیر نعیمی" جلد دوم میں دیکھئے۔

۲؎ نصیحت کے معنی ہیں خیر خواہی اور وصیت سے مراد رب کے تاکیدی حکم،چونکہ رب کے ہر حکم میں ہماری خیر خواہی ہے اگرچہ وہ حکم ہم پر گراں ہوں اور ہماری بہت دعائیں جو رد ہو جاتی ہیں۔اس میں بھی ہماری خیر خواہی ہوتی ہے کہ ہم ناسمجھی سے بری چیزیں مانگ لیتے ہیں اس لیے رب کی قضاء پر رضا اور اس کے احکام کی اتباع چاہیے۔

2500 - [19]لم تتم دراستہ وعن عبد اللہ بن عمرو قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "اللھم إني إسألک الصحۃ والعفۃ والأمانۃ وحسن الخلق والرضی بالقدر "	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تجھ سے تندرستی، پاک دامنی،امانت داری اور اچھے اخلاق اور تقدیر پر رضا مانگتا ہوں ۱؎

۱؎ یہ پانچ چیزیں لاکھوں نعمتوں کی جڑ ہیں، تندرستی میں ساری بیماریوں سے حفاظت آگئی اور پاکدامنی میں برے اعمال،اقوال و احوال سے حفاظت اور امانت میں تمام دلی بیماریوں سے امن اور حسن خلق میں ہر قسم کی بد معاملگی سے نجات اور رضا بالقضا میں دل کی بے چینی اور گھبراہٹ سے امان داخل ہے جسے یہ پانچ نعمتیں مل جائیں اسے سب کچھ مل گیا۔

2501 - [20]لم تتم دراستہ وعن إم معبد قالت: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "اللھم طہر قلبي من النفاق وعملي من الریاء ولساني من الکذب وعیني من الخیانۃ فإنک تعلم خائنۃ الأعین وما تخفي الصدور ". رواھما البیہقي في الدعوات الکبیر	روایت ہے حضرت ام معبد سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا الٰہی میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو دکھلاوے سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو بددیانتی سے پاک رکھ ۲؎ کیونکہ تو جانتا ہے خیانت والی آنکھ کو اور اس کو جسے سینے چھپاتے ہیں ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیں۔

۱؎ ام معبد دو ہیں: ام معبد بنت خالد اور ام معبد بنت کعب ابن مالک انصار یہ دونوں صحابیہ ہیں،پہلی ام معبد کے گھر میں بحالت ہجرت کچھ دن قیام فرمایا تھا جن کا واقعہ مشہور ہے، یہاں دوسری ام معبد مراد ہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ چونکہ سرکار ان تمام عیبوں سے پاک ہیں اس لیے اس دعا کے یہی معنی کیے جائیں گے کہ پاک رکھ یعنی مجھے اس پر استقامت دے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ" یعنی اے نبی کریم یونہی اللہ سے ڈرے جاؤ۔

۳؎ خیانت والی آنکھ سے مراد چور نظری کرنے والی آنکھیں ہیں کن انکھیوں سے ناجائز چیزوں کو دیکھنا چور نظری ہے اور سینہ کے سارے عیوب حسد،کینہ ،بغض،نفاق مَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرِ میں داخل ہیں۔اس کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح مختصر بھی ہے اور قوی بھی۔

2502 - [21] صحیح وعن إنس: إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاد رجلا من المسلمین قد	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی بیمار پرسی فرمائی جو بہت کمزور ہو گیا تھا ۱؎ کہ چوزہ کی

خفت فصار مثل الفرخ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " ہل کنت تدعواللہ بشیء إو تسألہ إیاہ ؟ " . قال : نعم کنت إقول : اللہم ماکنت معاقبی بہ فی اآخرۃ فعجلہ لی فی الدنیا . فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " سبحان اللہ لاتطیقہ ولا تستطیعہ إفلا قلّت : اللہم آتنافی الدنیاحسنۃ وفی اآخرۃ حسنۃ وقناعذاب النار " . قال : فدعااللہ بہ فشفاہ اللہ . رواہ مسلم	طرح ہو گیا تھا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اللہ سے کوئی خاص دعا کرتا تھا یا کوئی مانگتا تھا۲ وہ بولا میں یہ کہتا تھا الٰہی تو جو سزا مجھے آخرت میں دینے والا ہو وہ مجھے دنیا میں ہی دے دے ۳ تب اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اس کی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا ۴ تو نے یہ کیوں نہ کہا خدایا ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے ۵ فرماتے ہیں اس نے اللہ سے یہ ہی دعا مانگی تو اللہ نے اسے شفا بخشی ۶ (مسلم)

۱ **خفت** کے معنی ہیں کمزور آواز جو بمشکل سنائی دے،اہل عرب کہتے ہیں **خفت المیت** مرنے والا خاموش ہو گیا یعنی وہ بیمار بوجہ کمزوری کے ضعیف الآواز والا ہو گیا تھا جس سے بطور لزوم اس کی کمزوری جسم بھی معلوم ہو گئی لہذا اگلا کلام اس سے پورا ربط رکھتا ہے۔

۲ یہاں راوی کو شک ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو یہ فرمایا کہ تو خاص چیز مانگتا تھا۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کا حکیم مطلق بنا کر بھیجا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے اسباب جانتے ہیں۔

۳ ان صحابی کی یہ عرض و معروض خوف آخرت اور خوف عذاب کی بناپر ہے وہ سمجھے یہ تھے کہ گناہوں پر سزا ضرور ملتی ہے،اگر آخرت میں ملی تو سخت اور دیرپا ہوگی اور اگر دنیا میں ملی تو ہلکی اور عارضی ہوگی کہ موت ہر مصیبت کی انتہا ہے۔ان کی نظر اللہ کی معافی کی طرف نہ گئی۔معلوم ہوا کہ ہمیں تو رب تعالٰی سے مانگنا بھی نہیں آتا جب تک کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نہ سکھائیں۔

۴ یعنی نہ تو تو دنیا کے عذاب کی طاقت رکھتا ہے اور نہ آخرت کے عذاب کی لہذا یہ کلمہ ممکن نہیں اگرچہ خطاب ان صاحب ہی سے ہے مگر روئے سخن سب کی طرف ہے یعنی ساری مخلوق اس کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتی وہ اپنا کرم ہی کرے۔

۵ اس دعا کی شرح پہلے کی جاچکی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھلائی سے مراد گناہوں کی معافی، نعمتوں کی عطاء اور دونوں جہاں کی عافیت و امان ہے۔

۶ یا تو اس دعا ہی کی برکت سے بغیر دوا شفا دی یا کسی دوا کے ذریعہ۔ صحیح دوا کا میسر آنا اور اس کی تاثیر رب تعالٰی کے کرم سے ہے،دوسرے معنے مرقات نے اختیار فرمائے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔

2503 - [22]لم تتم دراستہ وعن حذیفۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " لاینبغی للمؤمن إن یذل نفسہ " . قالوا : وکیف یذل نفسہ ؟ قال : "یتعرض من البلاء لما لایطیق " رواہ الترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی شعب الإیمان . وقال الترمذی : ہذاحدیث حسن غریب	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو یہ لائق نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے ۱ لوگوں نے پوچھا حضور ذلیل کیسے کرے فرمایا اپنے کو ان آفتوں پر پیش کرے جن کی طاقت نہ رکھتا ہو ۲ (ترمذی،ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱ یعنی اپنی خواہش اور مرضی سے اپنے کو ذلت میں نہ ڈالے لہذا یہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں کہ مؤمن علت و قلّت یا ذلت سے خالی نہیں رہتا، یہاں ذلت سے مراد عزت کے مقابلے میں ذلت نہیں بلکہ بے بسی مراد ہے

۲؎ یعنی یا تو رب سے سختیاں مانگ لے یا اپنے آپ کو بلا ضرورت سختیوں میں ڈال لے لہذا یہ حدیث احکام جہاد کے خلاف نہیں۔ بدر میں ۳۱۳ بے سامان صحابہ ہزار ہتھیار بند کفار کے مقابلہ میں ڈٹ گئے کہ وہاں دینی ضرورت تھی۔

2504 - [23]لم تتم دراستہ وعن عمر رضی اللہ عنہ قال: علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: " قل: اللھم اجعل سریرتی خیرا من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ اللھم إنی إسائک من صالح ماتؤتی الناس من الأہل والمال والولد غیر الضال ولا المضل " رواہ الترمذی	روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی فرمایا کہو الٰہی میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کردے اور میرے ظاہر کو نیک و صالح بنادے۱؎ اے اللہ میں تجھ سے وہ اچھا گھر بار، مال،اولاد جو نہ گمراہ ہو اور نہ گمراہ گر مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو دیتا ہے۲؎ (ترمذی)

۱؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری دعا ہے یعنی خدایا مجھے جسمانی پرہیزگاری بھی عطا فرما اور دلی تقویٰ ظاہری پرہیزگاری سے اعلیٰ ہو،ظاہر کا باطن سے اعلیٰ ہونا غضب الٰہی ہے کہ یہ ریاء ہے، نیز ظاہر خراب ہونا دل کا اچھا ہونا بھی برا کہ یہ فسق ہے، غذا بھی اچھی و اعلیٰ چاہیے اور برتن بھی صاف ستھرا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ گمراہ اور گمراہ گر ولد کی صفت ہے کیونکہ مال اگرچہ گمراہ گر تو ہوتا ہے مگر گمراہ نہیں ہوتا اور ہوسکتا ہے کہ ضال سے مراد خبیث اور برا ہو تو یہ تینوں کی صفت ہے یعنی خدایا ہمیں ایسی بیوی بچے اور مال نہ دے جو خود بھی خبیث ہوں اور ہمیں بھی خبیث کردیں۔

الحمدللہ کہ دعاؤں کا باب بخیر و بخوبی ختم ہوا،دعاؤں کے متعلق آخری گزارش یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعائیں بفضلہٖ تعالٰی تیرے بہدف ہیں مگر دعاؤں کی قبولیت کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں: سچی زبان،حلال روزی،دل حاضر،آنکھیں تر، قبولیت کی امید، تقویٰ و پرہیزگاری،رات کے آخری حصہ کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں،اگر کبھی کسی دعا کے ظہور میں دیر لگے تو یقین کرنا چاہیے کہ ہم میں کچھ کوتاہی ہے،رب سچا،اس کے محبوب سچے ہم جھوٹے ہمارے اعمال کھوٹے ہیں۔ شعر

مری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں   میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

کبھی دعا اس لئے بھی قبول نہیں ہوتی کہ کسی کی بددعا ہمارے پیچھے پڑی ہوتی ہے پہلے بددعاؤں کو بند کروں تاکہ دعائیں قبول ہوں،رب تعالٰی مقبول دعائیں نصیب کرے۔ احمد یار خاں!

کتاب المناسک

کتاب حج کے ارکان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎مناسك منسك کی جمع ہے جونسیکه سے بنا،نسیکه کے معنی ہیں عبادت اسی لیے قربانی کونسیکه اور قربانی کے وقت یا جگہ کو منسك کہا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا"۔اب شریعت میں مناسک ارکان حج کو کہتے ہیں یعنی اس باب میں حج کا ذکر ہوگا۔حج کے معنی ہیں قصد اور ارادہ،عبادت کی نیت سے کعبہ شریف کا ارادہ کرنا حج ہے۔حج کا سبب کعبہ معظّمہ ہے،کعبہ شریف سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا بیت المعمور کے مقابل اسی کا نام فرشتوں کے ہاں ضراح تھا،آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے سے فرشتے اس کا حج کرتے تھے،پھر آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف انبیائے کرام نے حج کعبہ کیا،کسی امت پر حج فرض نہ تھا، ۵ھ یا ۶ھ یا ۹ھ میں مسلمانوں پر حج فرض فرمایا گیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت حج سے پہلے قبل ہجرت جو حج کیے وہ بطور عادتِ کریمہ تھے،آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس حج کیے،حضور علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و یونس علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام نے بھی شرکت کی اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حج کیا۔معلوم ہوا کہ انبیائے کرام زندہ ہیں عبادتیں کرتے ہیں مگر ان کی یہ عبادتیں شرعی تکلیف سے نہیں ان کی خود اپنی خوشی سے ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو حضور علیہ السلام نے ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔(مرقات و لمعات و اشعہ)

2505 - [1] (صحیح)	
عن ابی ہریرۃ قال::خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال:"یاایہا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا" فقال رجل:اکل عام یارسول اللہ؟فسکت حتی قالہا ثلاثا فقال:"لو قلت:نعم لوجبت ولما استطعتم" ثم قال:ذرونی ما ترکتکم فانما ہلک من کان قبلکم بکثرۃ سؤالہم واختلافہم علی انبیائہم فاذا امرتکم بشیء فاتوا منہ ما استطعتم واذا نہیتکم عن شیء فدعوہ". رواہ مسلم	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا۱؎ تو فرمایا اے لوگو!تم پر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو ۲؎ ایک شخص نے عرض کیا۳؎ یارسول اللہ کیا ہر سال حضور خاموش رہے حتی کہ اس شخص نے تین بار کہا۴؎ تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوجاتا اور تم نہ کرسکتے۵؎ پھر فرمایا مجھے چھوڑے رہو جس میں میں تم کو آزادی دوں۶؎ کیونکہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ پوچھ گچھ اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے۷؎ لہذا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہوسکے کر گزرو اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۸؎(مسلم)

۱؎ یہ خطبہ حج فرض ہونے کے سال مدینہ منورہ میں تھا، ۸ھ میں فتح مکہ ہوئی تو بعض لوگوں نے حج کیا، ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق نے لوگوں کو حج کرایا اور ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا،ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت ۵ھ یا ۶ھ یا ۹ھ میں ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنے عرصہ تک حج نہ کرنا اس لیے تھا کہ آپ کو اپنی زندگی اور اپنے حج کرنے کا علم تھا۔حق یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے بھی دو یا تین حج کیے ہیں جیسا کہ ترمذی،ابن ماجہ و حاکم نے حضرت جابر و غیرہم سے روایت کی۔(مرقات)

۲؎ اگر حج کی فرضیت فتح مکہ سے پہلے ۵ھ یا ۶ھ میں ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تمہیں مکہ معظّمہ پہنچنا میسر ہو جائے تو حج کرنا،فرض تو ابھی ہو گیا ہے مگر اس کی اداء واجب لازم ہو گی اور اگر فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سال ہی حج کرو۔

۳؎ یہ عرض کرنے والے حضرت اقرع ابن حابس تھے،وہ سمجھے یہ کہ ہر رمضان میں روزے فرض ہوتے ہیں تو چاہیے کہ بقر عید میں حج فرض ہو کہ پھر یہ سوچا کہ اس میں لوگوں کو بہت دشواری ہوگی کیونکہ روزے تو اپنے گھر میں ہی رکھ لیے جاتے ہیں مگر حج کے لیے مکہ معظّمہ جانا پڑتا ہے اور اطراف عالم سے ہر سال بیت اللہ شریف پہنچنا بہت مشکل ہوگا اس لیے آپ نے یہ سوال کیا اور بار بار کیا تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

۴؎ اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اس لیے تھی کہ سائل سوال سے باز آجائے تاکہ ہم کو جواب کی ضرورت نہ ہو مگر سائل شوق کی زیادتی سے یہ اشارہ نہ سمجھ سکا۔

۵؎ یعنی پورا جواب تو کیا معنی،اگر ہم صرف ہاں کہہ دیتے تب بھی ہر سال حج فرض ہو جاتا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ آپ کی ہاں اور نہ میں تاثیر ہے جس کے قوی دلائل موجود ہیں کیوں نہ ہو کہ آپ کا کلام وحی الٰہی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الْہَوٰی اِنْ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی"۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں ملاحظہ فرمایئے۔دوسرے یہ کہ بزرگوں سے اعمال اور وظیفوں میں قید یا پابندی نہ لگوانی چاہیے بلا قید عمل کرنا چاہیے۔

۶؎ یعنی ہمارے احکام میں کیوں،کیسے اور کب کہہ کر قید نہ لگائیں ہم شرعی احکام کی تبلیغ ہی کے لیے تو بھیجے گئے ہیں ضروری چیزیں ہم خود بیان فرمادیں گے۔(لمعات)

۷؎ اس طرح کہ انہوں نے زیادہ پوچھ پوچھ کر پابندیاں لگوالیں،پھر ان پابندیوں پر عمل نہ کرسکے یا انہوں نے عمل تو کیا مگر بہت مشکل سے جیسے ذبح گائے کا واقعہ ہوا۔

۸؎ یعنی میرے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور ممنوعات سے بچنا لازم،یہ دونوں کام بقدر طاقت ہیں اگر نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو،اگر جان پر بن جائے تو مردار کھالو۔اس سے معلوم ہوا کہ جیسے وجوب و فرضیت کے لیے امر ضروری ہے ایسے ہی حرمت و ممانعت کے لیے نہی لازم،جس چیز کا حکم بھی نہ ہو اور ممانعت بھی نہ ہو وہ جائز ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا"۔بعض جو کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نہ کیا ہو وہ حرام ہے غلط ہے قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور اس قسم کی احادیث کے بھی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ رسول پر ایمان لانا ۱؎ عرض کیا گیا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا،عرض کیا گیا پھر کون سا فرمایا مقبول حج ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ افضل سے مراد درجہ اور ثواب میں زیادہ، چونکہ ایمان عقائد کا نام ہے اور عقیدہ دل کا عمل ہے اس لیے ایمان کو اعمال میں داخل کیا گیا، نحوی لوگ جاننے پہچاننے اور ماننے کو افعال قلوب کہتے ہیں، چونکہ سارے اعمال کی صحت و قبولیت ایمان پر موقوف ہے اس لیے ایمان کا سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔
۲؎ اللہ کی راہ کا جہاد وہ جنگ ہے جس میں محض رب کو راضی کرنا اور اسلام کی اشاعت منظور ہو، مال، ملک، عزت حاصل کرنے کے لیے جنگ کرنا فتنہ ہے جہاد نہیں۔ شعر

جنگ شاہاں فتنہ و غارت گری است — جنگ مؤمن سنت پیغمبری است

چونکہ حج بدنی ومالی عبادات کا مجموعہ ہے اس لیے اس کا بھی بڑا درجہ ہے۔ حج مقبول و مبرور وہ ہے جو لڑائی جھگڑے گناہ وریاء سے خالی ہو اور صحیح ادا کیا جائے۔ خیال رہے کہ بعض احادیث میں ایمان کے بعد نماز کا ذکر ہے مگر یہاں جہاد کا ذکر آیا اس لیے کہ جہاد فی سبیل اللہ اکثر نمازی ہی کرتے ہیں یا بعض ہنگامی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہو جاتا ہے، دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں زیادہ مشغولیت کی بنا پر پانچ نمازیں قضاء فرمادیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ ہنگامی حالات اور ہوتے ہیں معمول پر پہنچنے کے بعد دوسرے حالات۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کے لیے حج کرے تو نہ فحش کلامی کرے نہ فسق کی باتیں تو ایسا لوٹے گا جیسے اسے ماں نے آج جنا ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ حج کے بیان میں رفث سے مراد ہوتا ہے بیوی سے صحبت یا صحبت کے اسباب پر عمل یا صحبت کی گفتگو اور فسق سے مراد ہوتا ہے ساتھیوں سے لڑائی جھگڑا یعنی جو رضائے الٰہی کے لیے حج کرے اور حج کو فحش باتوں، لڑائی جھگڑوں سے پاک وصاف رکھے تو گناہ صغیرہ سے تو یقینًا اور کبیرہ سے احتمالًا بالکل صاف ہو جائے گا حقوق العباد تو ادا ہی کرنا پڑیں گے۔ حق یہ ہے کہ تاجر حاجی کو بھی ثواب ملے گا مگر مخلص حاجی سے کم۔ (مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ سے دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے ۱؎ اور مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں ۲؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ دو عمروں کے درمیان کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج مقبول میں گناہ کبیرہ کی معافی کی بھی قوی امید ہے۔
۲؎ یعنی حج مقبول کی جزاء تو یقینًا ہے اس کے علاوہ دنیا میں غنا، دعا کی قبولیت بھی عطا ہو جائے تو رب کا کرم ہے حصر ایک جانب میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی ماہ رمضان میں کسی وقت عمرہ دن یا رات میں اس کا ثواب حج کے برابر ہے۔ معلوم ہوا کہ جگہ اور وقت کا اثر عبادت پر پڑتا ہے۔ اعلیٰ جگہ اور اعلیٰ وقت میں عبادت بھی اعلیٰ ہوتی ہے۔ (مرقات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے عمرہ ذیقعدہ میں ہوئے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام روحاء میں ایک قافلہ سے ملے ۱؎ تو فرمایا یہ کون قوم ہے وہ بولے ہم مسلمان ہیں، پھر بولے آپ کون ہیں فرمایا اللہ کا رسول ۲؎ تب آپ کی خدمت میں کسی عورت نے ایک بچہ آپ کی طرف اٹھایا بولی کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے ۳؎ فرمایا ہاں تجھے ثواب ہے ۴؎ (مسلم)	

۱؎ روحاء مدینہ منورہ سے چھتیس ۳۶ یا چالیس میل دور مکہ معظّمہ کے راستہ پر ایک منزل ہے، یہاں ہی حضرت آمنہ خاتون کا انتقال ہوا۔
۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے جارہے تھے ادھر سے کوئی اور قافلہ بھی حج کے لیے آرہا تھا کہ ملاقات ہوگئی اور یہ سوال و جواب واقع ہوئے۔
۳؎ غالبًا یہ بچہ شیر خوار تھا اس نے عرض کیا کہ اگر میں اس کا احرام بندھوادوں اور اسے گود میں لے کر سارے ارکان حج ادا کروں تو کیا میرے حج کے ساتھ اس کا حج بھی ہوجائے گا۔
۴؎ یعنی بچہ کو بھی اس کا ثواب ملے گا حج کرنے کا اور تجھے بھی اس کے حج کا ثواب ملے گا حج کرانے کا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگرچہ نابالغ بچہ کا حج ثواب کے لحاظ سے تو ہوجائے گا مگر اس سے حجۃ الاسلام ادا نہ ہوگا، بالغ ہونے پر پھر حج کرنے پڑے گا لیکن اگر فقیر یا غلام حج کرے تو ان کا حجۃ الاسلام ادا ہوجائے گا کہ امیری یا آزادی کے بعد انہیں دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں کہ ہر شخص مکہ معظّمہ پہنچ کر وہاں کا ہی مانا جاتا ہے، مکہ کا فقیر یا غلام حج اسلام کرسکتا ہے مگر معظّمہ کے چھوٹے بچوں کے حج سے حجۃ الاسلام ادا نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کی نیکیوں کا ثواب ماں باپ کو بھی ملتا ہے لہذا انہیں نماز روزہ کا پابند بناؤ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا ۱؎ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فریضہ نے جو حج کے متعلق بندوں پر ہے میرے باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تھا ۲؎ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کردوں فرمایا ہاں یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہ وہ عورت ہے جس کے متعلق بیہقی شریف میں ہے کہ ایک حسینہ عورت نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہی مسئلہ پوچھا حضرت فضل ابن عباس جو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار تھے اسے دیکھنے لگے اور وہ انہیں دیکھنے لگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا اور فرمایا کہ زمانہ حج میں جو شخص اپنے آنکھ کان زبان کی حفاظت کرے ان کا مالک رہے تو اس کی ضرور بخشش کی جاتی ہے۔ (مرقات وغیرہ) حضرت فضل ابن عباس بھی بہت خوبصورت جوان تھے اس لیے وہ عورت بھی اس طرف دیکھتی تھی۔ (اشعہ)
۲؎ یعنی میرے باپ پر بڑھاپے میں حج فرض ہوا ہے یا اس طرح کہ اسلام میں فرضیت حج کا حکم جب آیا تو بڈھے تھے یا اس طرح کہ ان کے پاس مال بڑھاپے میں ہی آیا ہے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے حج نہ کیا حتّٰی کہ بڈھا ہوگیا، پہلے معنی پر یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ اگر بہت بڑھاپے و معذوری کی حالت میں مسلمان صاحب نصاب ہو جب کہ سواری پر بھی سفر نہ کرسکے تو امام ابوحنیفہ کے ہاں اس پر حج فرض نہ ہوگا کہ وہ "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا" میں داخل نہیں۔ امام شافعی کے ہاں فرض ہوجائے گا، ہاں صاحبین کے ہاں اگر یہ بڈھا دوسرے ساتھی مددگار کے خرچہ پر بھی قادر ہو تو حج فرض ہوجائے گا۔
۳؎ اس جواب سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ایسا معذور شخص جس میں طاقت آنے کی امید نہ ہو حج بدل کراسکتا ہے، حج نفل میں طاقتور آدمی بھی کراسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عورت مرد کی طرف سے حج کرسکتی ہے اگرچہ مرد و عورت کے طریقہ حج میں قدرے فرق ہوتا ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میری بہن نے حج کی منت مانی تھی اور

وہ مر گئی ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا بولا ہاں ضرور فرمایا تو اللہ کا قرض بھی ادا کر۲؎ وہ تو زیادہ ادا کے لائق ہے۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی وہ بہن حج نذر ادا کیے بغیر مر گئی،کیا میں اس کی طرف سے حج کروں یا کسی سے کرادوں۔غالبًا یہ شخص اس بہن کے مال کا وارث ہوا تھا۔

۲؎ امام شافعی کے ہاں میت کا حج فرض اصل مال سے کرایا جائے گا کہ حج ایک قسم کا قرض ہے اور قرض میراث پر مقدم ہوتا ہے۔ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر میت حج بدل کرانے کی وصیت کر گیا ہے تو تہائی مال سے حج کرایا جائے گا۔غرضکہ امام شافعی کے ہاں میت کے ذمہ کا حج قرض کی طرح ہے اور ہمارے ہاں وصیت۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہی قیاس برحق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق اللہ کو حق العبد پر قیاس فرمایا،یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی بھی قیاس کرسکتے ہیں۔

۳؎ کیونکہ خدا تعالٰی کا حق بندوں کے حق سے زیادہ ہے کہ وہ ہمارا مالک و مولٰی ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان استحباب پر مبنی ہے یعنی بہتر ہے کہ تو اس کی طرف سے حج کردے ورنہ اگر میت کی ذمہ زکوۃ یا کفارہ قسم وغیرہ رہ گئے ہوں تو وہ کسی کے ہاں میراث پر مقدم نہیں بلکہ وصیت کی صورت میں تہائی مال سے ادا کیے جائیں گے لہذا مذہب حنفی نہایت قوی ہے،بندوں کے قرض میراث پر مقدم نہیں کہ بندہ محتاج ہے رب غنی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کسی عورت سے خلوت نہ کرے ۱؎ اور کوئی عورت اس کے بغیر سفر نہ کرے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو۲؎ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں فلاں جہاد میں لکھ لیا گیا ہوں اور میری بیوی حج کو جارہی ہے فرمایا جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جس عورت سے نکاح جائز ہو اس کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے،ماں،بہن،بیٹی کا یہ حکم نہیں۔

۲؎ محرم عورت کا وہ عزیز ہے جس سے نسب یا رضاعت یا صہریت کی وجہ سے ہمیشہ نکاح حرام ہو لہذا رضاعی بھائی سسر و داماد وغیرہ کے ساتھ سفر جائز ہے لہذا اگر عورت مکہ معظّمہ سے تاحدِ سفر دور ہو اس پر بغیر محرم حج فرض نہ ہوگا،یہ ہی مذہب احناف ہے۔

۳؎ اس وقت جہاد فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا کہ تھوڑے مسلمان کفار کا مقابلہ کرسکتے تھے اس لیے اس کا نام مجاہدین کی فہرست سے خارج کردیا گیا۔خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں چند عورتیں ثقہ مل کر حج کرسکتی ہیں،امام مالک کے ہاں ثقہ مرد کے ساتھ بھی حج جائز ہے جیسے ہجرت،بعض اماموں کے ہاں اگرچہ چند عورتیں مل کر حج کریں اور ان میں سے ایک عورت کا محرم ساتھ ہو تو سب کا حج درست ہے مگر مذہب احناف قوی ہے،چونکہ اس شخص کی جگہ دوسرا آدمی جہاد کرسکتا تھا مگر دوسرا آدمی اس کی بیوی کو حج نہیں کراسکتا تھا اس لیے مجاہدین سے نکال کر حج کرانے کا حکم دیا گیا کہ ابھی انکی بیوی حج کو روانہ نہ ہوئی تھی بلکہ تیاری کررہی تھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے متعلق اجازت مانگی ۱؎ تو فرمایا عورتوں کا جہاد حج ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ کہ مجھے بھی میدان جہاد میں اپنے ساتھ لے چلیں،مجاہدین کی مرہم پٹی و دیگر خدمات کروں گی اور اگر ضرورت پڑی تو کفار سے لڑوں گی بھی۔

۲؎ یعنی عورتوں پر جہاد فرض نہیں حج فرض ہے اگر ان میں اس کی طاقت ہو۔خیال رہے کہ کبھی ہنگامی حالات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ عورتوں کا بھی جہاد کرنا پڑتا ہے جب کہ مرد جہاد کے لیے ناکافی ہوں، کفار کا دباؤ بڑھ جائے، یہ حدیث نارمل (Normal) حالات کی ہے۔اور جن احادیث میں عورتوں کا جہاد میں جانا ثابت ہے وہ ہنگامی حالات میں ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جوان لڑکیوں کو تعلیم کے بہانہ اکیلی پردیس میں بھیج دیتے ہیں جہاں اسکولوں میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے،وہ بھی عبرت پکڑیں جو جہاد پریڈ (Prade) کے بہانہ عورتوں کو بے پردہ پھراتے ہیں۔شعر

کر اب یہ فکر کہ بیٹا حج خفیفہ ہو یہ فکر چھوڑ کہ بیٹی تیری عفیفہ ہو

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی عورت ایک دن و رات کا سفر اس کے بغیر نہ کرے ا؎ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو ۲؎ (مسلم،بخاری)	

ا؎ اس ممانعت کے حکم سے مہاجرہ اور کفار کی قید سے چھوٹنے والی عورت خارج ہے کہ یہ دونوں عورتیں بغیر محرم اکیلی ہی دارالسلام کی طرف سفر کرسکتی ہیں بلکہ یہ سفر ان پر واجب ہے،اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ عورت اکیلی بصرہ سے بیت اللہ آئے گی اور بجز رب تعالٰی کے کسی سے خوف نہ کرے گی۔(بخاری) لہذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے مخالف ہے نہ حکم فقہاء اس حدیث کے خلاف۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ محرم کے معنی پہلے بیان کیے گئے کہ جس عورت سے نسبتی و رضاعی رشتہ کی بنا پر نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو لہذا بہنوئی کے ساتھ سالی،دیور کے ساتھ بھاوج،یوں ہی بالشبہ ہو،موطوہ کی ماں اس داماد کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی کہ دیور اور بہنوئی سے نکاح دائمًا حرام نہیں اور بالشبہ موطوہ کی ماں سے اگرچہ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے مگر وہ محرم نہیں ان سے پردہ فرض ہے۔خیال رہے کہ یہاں تو ایک دن رات کا ذکر ہوا اور بعض روایات میں دو دن دو رات کا ذکر ہے،بعض میں تین دن تین رات کا ذکر ہے۔معلوم ہوا کہ ان احادیث میں حد بندی مقصود نہیں۔مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بڑا کوئی سفر اکیلے نہ کرے یا یہ احکام مختلف حالات میں ہیں،نازک حالات میں ایک دن رات کا سفر بھی اکیلے نہ کرے،بعض نارمل (normal) حالات میں تین دن سے کم کا سفر اکیلے کرسکتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے جو ذوالحلیفہ کو (میقات) احرامگاہ بنایا اور شام والوں کے لیے جحفہ کو ا؎ اور نجدیوں کے لیے قرن منازل کو ۲؎ اور یمن والوں کے لیے یلملم کو ۳؎ یہ میقات ان کے باشندوں کے لیے بھی ہیں اور ان کے لیے بھی جو ان کا باشندہ نہ ہو مگر ان پر سے گزرے ۴؎ جو حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہو ۵؎ پھر جو ان میقاتوں کے اندر کا باشندہ ہو تو اس کا احرام اپنے گھر سے ہے اور اسی طرح حتی کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں ۶؎ (مسلم،بخاری)	

ا؎ میقات وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں سے حاجی یا عمرہ کرنے والے کو بغیر احرام آگے بڑھنا حرام ہے۔مکہ مکرمہ کے چار راستے ہیں،ان چاروں راستوں کے لیے یہ چار حدود ہیں۔چنانچہ مدینہ والوں کے لیے مقام ذوالحلیفہ میقات ہے جو مدینہ طیبہ سے قریبًا تین میل ہے جسے اب بیر علی کہتے ہیں فقیر نے

زیارت کی ہے بعض روافض کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کنوئیں میں جنات سے جنگ کی تھی اس لیے اسے بیر علی کہا جاتا ہے مگر یہ محض جھوٹ ہے۔(مرقات)اب شام کے لوگ مدینہ منورہ کے راستے جاتے ہیں لہذا ان کا میقات بھی یہ ہی ہے ان کے پرانے راستے پر جحفہ میقات تھا،جحفہ مکہ معظّمہ سے پچاس ۵۰ کوس جانب شام ہے۔جحفہ کے معنی ہیں سیلاب کا بہاؤ،یہاں ایک دفعہ زبردست سیلاب آیا تھا اس لیے جحفہ نام ہوا،اصلی نام مہیعہ ہے اسے ایک شخص مہیعہ نامی نے آباد کیا تھا۔(مرقات)

۲؎ نجد کے معنی ہیں اونچی زمین غور کا مقابل،اب یہ عرب کا ایک صوبہ ہے جو یمامہ سے عراق تک پھیلا ہوا ہے قرن منازل کے معنی ہیں منزلوں کے ملنے کی جگہ یہ ایک گول پہاڑ ہے چکنا۔

۳؎ یلملم یا الملم بھی ایک پہاڑ ہے،ہندی اور پاکستانیوں کا میقات بھی یہ ہی ہے جو کامران سے نکل کر سمندر میں آتا ہے وہاں ہی ہم لوگ احرام باندھتے ہیں کیونکہ ہم لوگ براستہ عدن مکہ معظّمہ جاتے ہیں،عدن یمن کا مشہور شہر ہے۔

۴؎ یعنی جو حاجی ان مقامات سے گزرے وہ ان ہی جگہوں سے احرام باندھے خواہ یمن کا باشندہ ہو۔

۵؎ یعنی احرام باندھنا ان مقامات پر اسے لازم ہے جو بارادہ حج یا عمرہ یہاں سے گزرے مگر جو مکہ معظّمہ جا ہی نہ رہا ہو تو ان میقاتوں پر اسے احرام باندھنا لازم نہیں جیسے اب جو حجاج پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیں وہ میقات سے بغیر احرام گزر جائیں،پھر زیارت مدینہ منورہ کے بعد جب مکہ معظّمہ چلیں تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں۔امام شافعی اس جملہ کے معنی یہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ معظّمہ تو جارہا ہو مگر حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کام کے لیے وہ بغیر احرام میقات سے گزر سکتا ہے،ہمارے مذہب میں بیرون میقات رہنے والا کسی نیت سے مکہ معظّمہ جائے میقات پر اسے احرام لازم ہے،ہاں خود مکہ والا اگر کسی وجہ سے میقات سے باہر گیا پھر مکہ معظّمہ لوٹا اسے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں جیسے دن رات مکہ معظّمہ سے لوگ طائف آتے جاتے ہیں ہماری دلیل وہ حدیث ہے "**لایجاوز احد المیقات الا محرما**" کوئی شخص میقات سے بغیر احرام آگے نہ بڑھے اور اس جملہ کے دو معنی ہیں جو عرض کیے گئے کہ مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ کرے تو احرام باندھے۔

۶؎ یعنی میقات کے اندر رہنے والے حج کا احرام اپنے گھر سے باندھیں حتی کہ مکہ والے بھی اپنے گھر سے باندھیں لہذا جدہ والے حج یا عمرہ کا احرام گھر باندھ کر ہی چلیں۔خیال رہے کہ مکہ والے عمرہ کا احرام حرم شریف کی حدود سے باہر آکر باندھیں گے اور حج کا احرام گھر سے کیونکہ عمرہ مکہ معظّمہ میں ادا ہوتا ہے اور حج بیرون حرم عرفات میں ادا ہوتا ہے تو کچھ سفر کرانے کے لیے شریعت نے مکہ کے عمرہ کے لیے یہ پابندی لگائی،اب مقام تنعیم مسجد عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مدینہ والوں کا احرام گاہ ذوالحلیفہ سے ہے اور ان کا دوسرا راستہ جحفہ ہے ۱؎ اور عرق والوں کا احرام گاہ ذات عرق سے ہے ۲؎ اور نجد والوں کا احرام گاہ قرن ہے اور یمن والوں کا احرام گاہ یلملم ہے۔(مسلم)

۱؎ یعنی مدینہ والے اگر براستہ شام مکہ معظّمہ جائیں کہ ان کی راہ میں ذوالحلیفہ بھی آئے اور جحفہ بھی تو ان پر جحفہ سے احرام باندھنا واجب ہے لیکن اگر ذوالحلیفہ سے ہی احرام باندھ لیں تو بہتر ہے،یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ جو شخص دو میقاتوں سے گزرے اس پر آخری میقات سے احرام باندھنا فرض ہے نہ کہ پہلے میقات پر،امام شافعی کے ہاں پہلے میقات پر احرام باندھنا فرض ہے،یہ حدیث ہماری تائید فرمارہی ہے۔

۲؎ عرق کے لغوی معانی ہیں کنارہ دریا،چونکہ عراق کا علاقہ دجلہ وفرات کے کناروں پر ہے اس لیے اسے عراق کہتے ہیں عراق کی لمبائی عبادان سے موصل تک ہے اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک۔ذات عرق،قرن منازل کے مقابل واقع ہے،عراق کے مشہور مقامات

بصرہ، بغداد، کربلا، نجف، موصل ہیں۔اگرچہ عراق و شام عہد فاروقی میں فتح ہوئے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ یہ علاقے فتح ہوں گے اور یہاں سے حجاج آیا کریں گے اسی لیے ان کے میقات مقرر فرمادیئے،ان پر عمل عہد فاروقی سے ہوا،جن روایات میں ہے کہ ان دونوں میقاتوں کو حضرت عمر نے مقرر فرمایا وہاں عملی تقرر مراد ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے۱ جو سب ذیقعدہ میں تھے سوائے اس عمرہ کے جو آپ کے حج کیساتھ تھا۲ حدیبیہ کا عمرہ ذیقعدہ میں سال آئندہ کا عمرہ ذیقعدہ میں ہی۳ اور جعرانہ کا عمرہ جہاں حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں وہ بھی ذیقعدہ میں۴ اور ایک عمرہ آپ کے حج کے ساتھ والا۵ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کیے بیرون مکہ سے آکر۔(مرقات)

۲؎ یعنی حج کے ساتھ والا عمرہ تو ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا باقی تین ذیقعدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قران کیا تھا یہ ہی قوی ہے۔

۳؎ مکہ معظّمہ سے نو میل دور جانب مدینہ منورہ ایک میدان اور وہاں کے ایک درخت کا نام حدیبیہ ہے اس کا اکثر حصہ حرم شریف میں داخل ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ذی قعدہ ۶ھ؁ پیر کے دن مدینہ منورہ سے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے جب حدیبیہ میں پہنچے تو قریش مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ سے روک دیا،آخر کار اس پر صلح ہوئی کہ سال آئندہ عمرہ کریں،اس سال ویسے ہی بغیر عمرہ کیے واپس جائیں،پھر ۷ھ؁ ذیقعدہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضاء کیا اگرچہ ۶ھ؁ میں عمرہ نہ ہوسکا مگر اسے عمرہ ہی شمار کیا گیا کہ ثواب تو عمرہ کامل ہی گیا۔غرضکہ بعد ہجرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے حقیقی کیے اور ایک عمرہ حکمی کیا۔اس سے مذہب حنفی ثابت ہوا کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے واجب ہوجاتی ہے کہ اگر پوری نہ ہوسکے تو قضاء کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ عمرہ نفل تھا جس کے رہ جانے پر قضا کرنی پڑتی ہے۔

۴؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا عمرہ وہ ہے جو جنگ حنین میں فتح فرمانے کے بعد تقسیم غنیمت فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ بارہ ذیقعدہ ۸ھ؁ میں بعد نماز عشاء مقام جعرانہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے اور راتوں رات عمرہ کرکے واپس آئے،نماز فجر جعرانہ میں ہی ادا کی،جعرانہ مکہ معظّمہ سے قریبًا تین میل طائف کے راستہ پر واقعہ ہے،اب اسے سہل کہتے ہیں،فقیر نے اس میدان کی زیارت کی ہے۔

۵؎ یعنی چوتھا عمرہ ۱۰ھ؁ میں حج کے ساتھ کیا یہ عمرہ شروع ذی الحجہ میں ہوا مگر حجۃ الاسلام حضور نے ایک ہی کیا،ہجرت سے پہلے قریش کے ساتھ بہت حج کیے جن کی تعداد معلوم نہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے ذیقعدہ میں دوبار عمرے کیے۱ (بخاری)	

۱؎ یہاں حقیقی عمرے مراد ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتًا کل تین عمرے کیے:دو تو حج سے پہلے،ایک حدیبیہ کی قضاء کا،دوسرا فتح حنین کے بعد جعرانہ سے احرام باندھ کر،تیسرا حج کے ساتھ جس کا احرام ذیقعدہ کی آخری تاریخوں میں باندھا اور افعال عمرہ چار ذی الحجہ کو ادا کیے جن راویوں نے چار عمروں کی روایت کی وہ حکمی عمرے کو بھی شامل کرکے ہے یعنی خود صلح حدیبیہ کے سال کا عمرہ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ نے تم پر حج فرض کیا تو اقرع بن حابس کھڑے ہوگئے ۱؎ عرض کیا یارسول اللہ کیا ہر سال فرمایا اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو اسی طرح فرض ہوجاتا ۲؎ اور اگر یہ فرض ہوتا تو تم نہ عمل کرتے اور نہ کرسکتے پس حج تو ایک بار ہی ہے جو زیادہ کیا تو نفل کیا ۳؎ (احمد،نسائی، دارمی) ۴؎	

۱؎ اس کی شرح پہلے گزرچکی کہ اقرع ابن حابس نے حج کو روزہ اور زکوۃ پر قیاس کیا کہ جب وہ ہر سال ہوتے ہیں تو یہ بھی ہر سال چاہیے مگر چونکہ حج ہر سال واجب ہونے میں انہیں دشواری ہوگی اس لیے یہ سوال کیا۔خیال رہے کہ حضرت اقرع بن حابس فتح مکہ کے موقعہ پر بنی تمیم کے وفد میں حاضر ہو کر اسلام لائے اسلام سے پہلے بھی اور بعد اسلام بھی بہت شاندار بتائے گئے۔

۲؎ قُلْتُهَا میں هَا کلمہ اقرع کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہاں مضاف پوشیدہ ہے یعنی اگر ہم کلمہ اقرع کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو ایسا ہی ہوجاتا۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

۳؎ یعنی مکہ والوں اور غیر مکی پر عمر میں ایک بار ہی حج فرض ہے اس کے علاوہ نفل،بعض شافعی لوگ کہتے ہیں کہ ایک بار حج فرض عین ہے اس کے سواء فرض کفایہ۔یہ حدیث ان کے صراحتًا خلاف ہے اور اس کی احکام شرعیہ میں نظیر بھی نہیں ملتی ہاں جسے خدا قدرت دے اسے ہر پانچ سال میں ایک بار حج کرنا مستحب ہے۔ابن حبان نے مرفوعًا روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے خدا تندرستی،مال اور قدرت دے،پھر وہ پانچ سال تک حج نہ کرے وہ محروم ہے،بعض لوگوں نے اس حدیث کی بناپر پانچ سال میں ایک بار حج واجب مانا ہے مگر یہ خلاف اجماع ہے۔(مرقات)

۴؎ اسے دارقطنی،حاکم،ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا علی شرط شیخین فرمایا۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص توشہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے ۱؎ پھر حج نہ کرے تو اس میں فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر ۲؎ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک کا راستہ طے کرسکے ۳؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جس کی اسناد میں کچھ گفتگو ہے،ہلال ابن عبداللہ مجہول آدمی ہے اور حارث حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے ۴؎	

۱؎ زاد سے مراد بقدر ضرورت اپنا اور اپنے بچوں کا خرچ ہے یعنی اپنا تو سفر کا خرچ اور اپنے لوٹنے تک بچوں کا گھر کا خرچ،یہ مصارف مکہ معظّمہ سے قریب و بعد اور زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اس لیے اس کا تقرر نہیں ہوسکتا اور سواری سے مراد ہر قسم کی ضروری سواری ہے جیسے آج کل

ریل، جہاز، موٹر کار کا خرچ۔ملکیت سے مراد سواری کے نفع کی ملکیت کی ہے لہذا جو سواری کے کرایہ پر قادر ہو اس پر حج فرض ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔سواری میں جانے آنے کا خرچ مراد ہے نہ کہ صرف جانے کا۔

۲؎ یعنی اس تارک حج کی موت اور یہودی و عیسائی کی موت میں فرق نہیں کہ اللہ تعالٰی نہ اس سے راضی ہوگا نہ ان سے اگرچہ دونوں پر ناراضگیوں میں فرق ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر یہ شخص حج کا منکر ہوکر مرا تو اس میں اور اہلِ کتاب میں کفر میں فرق نہیں اور اگر حج کا تارک ہوکر مرا تو کفران یعنی ناشکری میں فرق نہیں۔بہرحال اس کلام میں انتہائی غضب کا اظہار ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حج نہ کرنا کفر ہے۔

۳؎ اس آیت کے آخر میں "وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی ہوگی کہ محل استدلال آخر میں ہے مگر راوی نے صرف اس قدر تلاوت کی۔

۴؎ یعنی اس حدیث کا ایک راوی تو مجہول ہے جس کے حالات کا پتہ نہیں اور دوسرا ضعیف ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث مرفوع بہت اسنادوں سے مروی ہے،اس کی روایت ابوامامہ سے بھی ہے اور اسے ابن عدی نے ابوہریرہ سے بھی روایت کیا اور جب ضعیف حدیث مختلف اسنادوں سے مروی ہوجائے تو اس میں قوت آجاتی ہے اور حضرت عمر پر موقوف صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ صرورت بروزن ضرورت،صرٌّ سے مشتق ہے بمعنی روکنا یا منع کرنا یا باز رہنا۔ترک دنیا یعنی تَبَتُّلْ کو بھی صرورۃ کہتے ہیں اور ترک حج کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی اسلام میں تارک الدنیا ہوجانا منع ہے کہ کوئی نکاح کرنے یا اچھا کھانا پینا ترک کرنے کا عہد کرے یا اسلام میں قادر و مالدار کو حج نہ کرنا منع ہے۔غالبًا صاحب مشکوٰۃ کے نزدیک صرورت کے یہ ہی معنی ہیں اسی لیے وہ یہ حدیث حج کے بیان میں لائے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کا ارادہ رکھتا ہو تو جلدی کرے ۱؎(ابوداؤد،دارمی)۲؎	

۱؎ کیونکہ موت آجانے اور مال یا قوت چلے جانے کا ہر وقت اندیشہ وخطرہ ہے اور ایک حج رہ جانے پر سال بھر تک انتظار کرنا ہے سال کس نے دیکھا ہے۔فقہا فرماتے ہیں کہ حج علی الفور واجب ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا منع ہے،بلکہ امام ابویوسف وامام مالک کے ہاں یہ شخص فاسق ناقابل گواہی ہے،دیگر اماموں کے ہاں فاسق نہیں۔خیال رہے کہ تمام آئمہ کے ہاں حج علی الزمان واجب ہے یعنی جب بھی کرے گا ادا ہی ہوگا،قضاء نہ ہوگا کہ اس کا وقت عمر بھر ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا فسق ہے یا نہیں۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مالدار ہوتے ہیں بچوں کی شادیاں وغیرہ کے لیے حج نہیں کرتے۔بعض جہلاء میں مشہور ہے کہ حج بڑھاپے میں کرنا چاہیے حالانکہ حج تو جوانی کا ہے جب کہ طواف وسفر بہ آسانی کرسکے اکثر لوگ بڑھاپے کے انتظار میں بغیر حج مر جاتے ہیں۔

۲؎ اسے حاکم نے بھی روایت کیا،بعض روایات میں ہے کہ اس سے پہلے حج کرلو جب کہ حج نہ کرسکو۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حج و عمرہ ملاکر کرو ۱؎ کہ یہ دونوں غریبی اور گناہوں کو ایسے مٹادیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو ۲؎ اور مقبول حج کا ثواب جنت کے سوا اور کچھ نہیں ۳؎(ترمذی،نسائی)اور	

	احمد،ابن ماجہ نے حضرت عمر سے لوہے کے میل تک روایت کی ۴

۱؎ یعنی ایک سفر میں حج و عمرہ دونوں ادا کرلو خواہ قران کرو یا تمتع،یہ تو باہر والے کے لیے ہوا یا اے مکہ والو حج کے بعد عمرہ بھی کرلو کیونکہ مکہ والوں کو زمانہ حج میں عمرہ منع ہے۔بہرحال یہ حدیث سارے ہی مسلمانوں کے لیے ہے مکی ہوں یا غیر مکی اور اس پر یہ اعتراض نہیں کہ مکہ والے اس پر کیسے عمل کریں۔

۲؎ خبث،خ،ب کے زبر سے بھی پڑھا گیا ہے اور خ کے پیش ب کے زبر سے بھی مگر دوسری قرأت زیادہ موزون ہے یعنی قران یا تمتع یا حج و عمرہ ملاکر کرنے سے دل کی اور ظاہری فقیری بھی بفضلہٖ تعالٰی دور ہوتی ہے اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اس کا تجربہ بھی ہے۔خیال رہے کہ گناہ و فقر دور کرنا رب کا کام ہے مگر یہاں اسے حج و عمرہ کی طرف نسبت کیا گیا ہے کہ یہ اس کا سبب ہے لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول غنی کردیتے ہیں،رب فرماتا ہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"۔

۳؎ حج مبرور کی تعریف پہلے ہوچکی کہ یہ وہ ہے جو حلال کمائی اور صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے،اخلاص کے ساتھ اور مرتے دم تک کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے حج باطل ہوجائے یعنی مقبول کا بدلہ صرف دنیاوی غذا اور گناہوں کی معافی یا دوزخ سے نجات یا تخفیف عذاب نہ ہوگا،بلکہ جنت ضرور ملے گی۔

۴؎ منذری کی روایت میں ہے کہ جو حج کے لیے اخلاص سے جائے تو اس کی بخشش بھی ہوگی اور اس کی شفاعت بھی قبول ہوگی اور حاجی گھر واپس آنے تک اللہ کی امان میں رہتا ہے،حج میں ایک درہم خرچ کرنا دوسرے مقامات پر دس لاکھ درہم خرچ کرنے سے افضل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ کون چیز حج فرض کرتی ہے فرمایا توشہ اور سواری ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ توشہ سے مراد اپنا سفر کا سامان نان و نفقہ و دیگر خرچ ہے اور اپنے بال بچوں کے گھر کا خرچ اس کی واپسی تک اور سواری میں وہ ساری سواریاں داخل ہیں جن سے مکہ معظّمہ کا راستہ طے ہو جیسے ہم پاکستانیوں کے لیے کراچی تک ریل پھر کراچی سے جدہ تک جہاز اور جدہ سے مکہ معظّمہ تک لاری بس،یہ سواریاں مختلف فاصلوں کے لیے مختلف ہیں،یہ حدیث امام مالک کے خلاف ہے کہ ان کے ہاں پیدل چلنے کی طاقت رکھنے والے پر پیدل حج فرض ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا حاجی کون ہے فرمایا میلا بُو والا ۱؎ پھر دوسرا کھڑا ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا حج افضل ہے ۲؎ فرمایا خون بہانا شور مچانا ۳؎ پھر دوسرا اٹھا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبیل کیا چیز ہے ۴؎ فرمایا توشہ اور سواری ۵؎ اسے شرح سنہ میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مگر انہوں نے آخری چیز بیان نہ کی۔

۱؎ سوال یہ تھا کہ کامل حاجی کون ہے؟ فرمایا جس پر دو علامتیں ہوں پراگندگی بال سر میلا کیونکہ بحالت احرام بال ٹوٹنے کے اندیشہ سے سر کم دھوتے ہیں اور بو والا کیونکہ بحالت احرام خوشبو لگانا منع ہے اور بسا اوقات پسینہ اور لوگوں کے اژدہام سے کچھ بُو سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حاجی بحالت حج دنیاوی تکلفات سے ایک دم کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

۲؎ یعنی ارکان حج کے بعد کون سا عمل حج میں بہتر ہے، زیادہ کون سی صفات ہیں جن سے حج افضل ہو جاتا ہے، ارکان تو سب ہی ادا کرتے ہیں۔ شعر

حاجی تو سارے کہلاویں حج کرے کوئی ایک | ہزاروں میں تو ہے نہیں لاکھوں میں جا دیکھ

۳؎ یعنی احرام باندھتے ہی بلند آواز سے تلبیہ کہتے رہنا اور دسویں ذوالحجہ کو قربانی دینا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے سارے اعمال حج مراد ہیں کیونکہ شور مچانا، تلبیہ کہنا اول عمل ہے اور قربانی آخر عمل، درمیان کے اعمال ان میں خود ہی آگئے یعنی تلبیہ سے قربانی تک سارے عمل افضل ہیں۔

۴؎ یعنی رب تعالٰی نے جو فرمایا: "وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیۡتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا" کہ بیت اللہ کا حج اس پر فرض ہے جو وہاں تک راستہ کی طاقت رکھتا ہو، راستہ سے کیا مراد ہے۔

۵؎ بعض اماموں نے اس حدیث کی بناپر فرمایا کہ فرضیت حج کے لیے صحت و تندرستی ضروری نہیں اگر مدقوق مریض یا بہت بوڑھے کے پاس مال آیا جو سواری پر بیٹھتا تو کیا حرکت بھی نہیں کرسکتا اس پر بھی حج فرض ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تندرستی کا ذکر نہ فرمایا مگر یہ استدلال کچھ ضعیف سا ہے اس لیے کہ یہاں تو راستہ کے امن کا بھی ذکر نہیں حالانکہ اگر امن نہ ہو تو بالاتفاق حج فرض نہیں، اگر کہا جائے کہ سواری میں راستہ کا امن بھی داخل ہے تو جواب یہ ہے کہ سواری میں اس پر بیٹھ سکنے کی طاقت بھی داخل ہے لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں، ہاں جو پہلے سے مالدار تھا مگر حج نہ کیا پھر بیمار یا بہت بوڑھا ہو گیا تو اس پر حج فرض ہے۔

روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد بہت بوڑھے ہیں جو نہ حج و عمرہ کی طاقت رکھتے ہیں نہ سوار ہونے کی ۱؎ فرمایا اپنے باپ کی طرف سے حج و عمرہ کرو ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ یعنی میرے والد زیادہ بوڑھے ہونے کی وجہ سے نہ تو حج و عمرہ کے ارکان ادا کرسکتے ہیں طواف سعی وغیرہ اور نہ سواری پر بیٹھ سکتے ہیں جو مکہ معظّمہ تک پہنچائے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ غالبًا ان کے والد پر پہلے سے حج فرض تھا کسی مجبوری کی وجہ سے حج نہ کیا تھا ورنہ ایسے بوڑھے پر اگر اس کمزوری میں مال آئے تو حج فرض نہیں۔

۲؎ یا تو ان کی طرف سے حج و عمرہ خود کردو یا کسی سے کرادو۔ خیال رہے کہ حج بدنی و مالی عبادات کا مجموعہ ہے لہذا بوقت مجبوری دوسرا اس کی طرف سے کرسکتا ہے یعنی حج بدل مگر قدرت ہوتے ہوئے خود ہی کرنا ہوگا، محض بدنی عبادات میں نیابت مطلقًا ناجائز ہے اور محض مالی عبادات میں مطلقًا جائز لہذا کوئی کسی کی طرف سے نماز روزہ کبھی ادا نہیں کرسکتا اور زکوۃ قربانی بہر حال ادا کرسکتا ہے اس کی اجازت سے۔ خیال رہے کہ عمرہ فرض یا واجب نہیں سنت ہے لہذا حدیث میں دونوں کا حکم دینا استحبابًا ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی باپ کی طرف سے ادا کرو، آیت کریمہ "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ" میں عمرہ شروع کردینے کے بعد اس کے پورا کردینے کا حکم ہے یعنی جب حج و عمرہ شروع کردیا تو انہیں ضرور پورا کروں کیونکہ ہر نفل شروع کردینے سے فرض ہو جاتا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یوں کہتے سنا لبیك (حاضر ہوں) شبرمہ کی طرف سے ۱؎ (فرمایا شبرمہ کون، عرض کیا میرا بھائی ہے یا عزیز ہے فرمایا کیا تم اپنا حج کرچکے ہو عرض کیا نہیں فرمایا اپنا حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو۲؎(شافعی،ابوداؤد،ابن ماجہ)۳؎

۱؎ وہ صاحب شبرمہ کی طرف سے حج بدل کررہے تھے اس لیے ان ہی کے نام سے تلبیہ کہہ رہے تھے۔

۲؎ اس حدیث کی بناپر امام شافعی،امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو وہ حج بدل ہرگز نہیں کرسکتا،اگر کرے گا تو وہ خود اس کا اپنا حج ادا ہوگا نہ کہ بدل والے کا مگر امام اوزاعی،امام مالک،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حج بدل ادا تو ہوجائے گا مگر ایسا کرنا بہتر نہیں۔چاہیے یہ کہ پہلے اپنا حج کرے پھر حج بدل اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت دی اور یہ نہ پوچھا کہ تو اپنا حج کرچکی ہے یا نہیں لہذا وہ حدیث بیان جواز کے لیے تھی اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے ہے۔

۳؎ امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں مضطرب ہے کیونکہ اس کے راوی سعید ابن عروبہ اولًا بصرہ میں تو اسے حضرت ابن عباس پر موقوفًا روایت کرتے تھے پھر بعد میں کوفہ آکر مرفوعًا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے لگے۔معلوم ہوا کہ ان پر یہ حدیث مشتبہ ہے،نیز اس میں تدلیس ہے۔(مرقات)لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورب والوں کے لیے عقیق کو میقات بنایا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ اہل مشرق سے مراد عراق والے ہیں۔عقیق عق سے بنا بمعنی قطع ہوجانا،چونکہ اس جگہ پانی کا سیلاب آتا رہتا ہے جس سے یہ علاقہ دوسری زمین سے کٹ جاتا ہے اس لیے اسے عقیق کہتے ہیں یہ عقیق وہ عقیق نہیں ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے،بلکہ یہ عقیق مکہ معظّمہ سے شرقی جانب ہے ذات عرق کے مقابل۔امام طیبّی نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ میقات حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عراق فتح فرماکر مقرر کیا یہ حدیث مرفوعًا صحیح نہیں۔(اشعہ،مرقات)بلکہ عراق والوں کے لیے میقات ذات عرق ہے جیسے اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق والوں کے لئے ذات عراق کو میقات بنایا ۱؎(ابوداؤد،نسائی)۲؎

۱؎ اس حدیث سے بعض لوگوں نے فرمایا کہ عراق والوں کے لیے دو میقات ہیں:عقیق اور ذات عرق،جس سے عقیق پہلے ہے اور ذات عرق بعد میں لہذا اگر عراق والے حجاج عقیق سے ہی احرام باندھ لیں تو بہت بہتر ہے اور اگر ذات عرق سے احرام باندھیں تو گنہگار نہیں۔

۲؎ یہ حدیث دارقطنی نے بھی روایت کی جس کی سند علیٰ شرط بخاری ہے اور یہ حدیث مسلم شریف کے موافق ہے جو پہلی فصل میں گزر چکی۔بخاری نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ جب عہد فاروقی میں عراق فتح ہوا تو عراقیوں نے فاروق اعظم کی خدمت میں عرض کیا کہ امیر المومنین ہمارا میقات کیا ہے کیونکہ نجد کا میقات قرن ہم سے بہت دور ہے تو آپ نے قرن کے مقابل ذات عرق مقرر کیا کہ انہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مقرر فرمادینے کی خبر نہ تھی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک حج یا عمرہ کا

	احرام باندھے ۱؎ تو اسکے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یا اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) ۳؎

۱؎ اس طرح کہ پہلے بیت المقدس کی زیارت کرے،پھر وہاں سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ حاضر ہو کر حج یا عمرہ کرے۔

۲؎ یہ شک راوی کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کا وعدہ فرمایا یا جنت کی عطاء کا۔اس سے معلوم ہوا کہ جس قدر دور سے احرام بندھے گا اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔خیال رہے کہ اشهر حرم سے پہلے حج کا احرام باندھنا ہمارے ہاں مکروہ ہے۔امام شافعی کے ہاں وہ احرام عمرہ کا ہو جائے گا یا بندھے گا ہی نہیں مگر میقات سے پہلے حج کا احرام باندھ لینا حتی کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلنا افضل ہے بشرطیکہ احرام کی پابندیاں پوری کرسکے الشهر حج یعنی حج کے مہینہ شوال،ذیقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں کل دو ماہ دس دن۔

۳؎ حاکم نے مستدرک میں عبداللہ ابن سلمہ مری سے روایت کیا۔حضرت علی سے کسی نے اس آیت کے متعلق پوچھا"وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ"کہ حج و عمرہ کا پورا کرنا کیا ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلو،مشکوۃ کی اس حدیث کو بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کیا،امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث قوی نہیں،دیگر محدثین نے فرمایا حسن ہے،غرضکہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور دونوں کلاموں میں تعارض نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کرنے آتے تو توشہ ساتھ نہ لاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل لوگ ہیں ۱؎ پھر جب مکہ معظّمہ پہنچے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے ۲؎ اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ توشہ ساتھ لو کیونکہ بہترین توشہ سوال سے بچنا ہے ۳؎ (بخاری)

۱؎ یا تو یہ لوگ بالکل ہی توشہ ساتھ نہ لاتے تھے مانگتے کھاتے آتے تھے یا اس قدر تھوڑا توشہ لاتے تھے جو راستہ میں ہی خرچ ہو جاتا اور مکہ معظّمہ پہنچ کر بے خرچ رہ جاتے،وہ اپنے کو متوکل کہتے تھے مگر درحقیقت متاکل تھے یعنی مانگنے والے وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر جارہے ہیں،اس کے مہمان ہیں،مہمان ساتھ کھانا کیوں لائے۔

۲؎ بلکہ جب بھیک مانگنے سے کام نہ چلتا تو چوری ڈکیتی کرتے تھے۔(مرقات)یہ غلط توکل آج بھی بعض نکموں کے دل میں سمایا ہوا ہے کہ بیکار رہنے بھیک مانگنے کو توکل کہتے ہیں حالانکہ توکل کے معنی یہ ہیں۔شعر

گر توکل مے کنی دو کار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

۳؎ یعنی دنیا میں حج وغیرہ کے موقعہ پر بقدر ضرورت توشہ تو ساتھ لو،یہ توشہ توکل کے خلاف نہیں۔پرہیزگاری اسی میں ہے کہ بھیک،چوری،ڈکیتی،قرض اور غضب سے بچا جائے۔صوفیائے فرماتے ہیں کہ دنیا کے سفر کا توشہ مال ہے اور آخرت کے سفر کا توشہ نیک اعمال،رب تعالٰی تک پہنچنے کا توشہ کمال۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں ان پر وہ جہاد ہے جس میں جنگ نہیں ۱؎ یعنی حج وعمرہ۔(ابن ماجہ)	

۱؎ بلکہ ان کے جہاد میں سفر تھکن اور مشقت ہے جنگ نہیں،اسی مناسبت سے حج کو جہاد فرمایا،اس حدیث کی بنا پر بعض شوافع نے عمرہ کو واجب فرمایا کہ علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے اس کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔

روایت ہے حصرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو حج سے کوئی ظاہری ضرورت ہے یا ۱؎ ظالم بادشاہ ۲؎ یا روکنے والی بیماری نہ روکے ۳؎ پھر وہ حج کئے بغیر مرجائے تو چاہے یہودی ہو کر مرے اور چاہے عیسائی ہو کر مرے ۴؎(دارمی)	

۱؎ جیسے فقیری یعنی توشہ وسواری پر قدرت نہ ہونا کہ ہر دونوں چیزیں وجوب حج کی شرطیں ہیں۔

۲؎ یا تو خود اپنے ملک کا بادشاہ ظالم ہو کہ ظلمًا حج کو جانے کی اجازت نہ دیتا ہو یا راستہ میں کسی سلطان کی حکومت ہو وہ حجاج کو گزرنے نہ دیتا ہو یا مکہ معظّمہ کا بادشاہ ظالم ہو کہ حجاج کو داخل نہ ہونے دے۔ان تینوں صورت میں راستہ کا امن مفقود ہے اور راستہ کا امن وجوب ادائے حج کی شرط ہے۔ظالم کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر بادشاہ حجاج کو مہربانی ومحبت سے روکے تو اس کا اعتبار نہیں حج فرض ہوگا۔(مرقات)

۳؎ بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر سے مانع ہو۔تندرستی بعض کے نزدیک شرط وجوب ہے اور بعض کے ہاں شرط ادا،پہلی صورت میں بیمار کی طرف سے حج بدل کرانا لازم ہوگا دوسری صورت میں نہیں،ہمارے امام صاحب کا ہاں شرط ادا ہے کہ اگر کسی کے پاس مال سخت بیماری یا معذوری کی حالت میں آیا اس پر حج فرض نہیں۔(مرقات)

۴؎ یعنی اس کی موت یہود ونصاریٰ کی سی ہے کہ وہ لوگ کتاب اللہ پڑھتے تھے مگر عمل نہ کرتے تھے ایسے ہی یہ قرآن شریف پڑھتا رہا اور حج کی آیت پر بلاعذر عمل نہ کیا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بدعملی فسق ہے کفر نہیں،پھر اس کی موت کو یہودیوں عیسائیوں کی موت کیوں فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا حج وعمرہ کرنے والے اللہ کی جماعت ہیں ۱؎ اگر یہ خدا سے دعا کریں تو رب ان کی قبول کرلے اور اگر اس سے مغفرت مانگیں تو انہیں بخش دے ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ جو اللہ تعالٰی کے گھر جارہے ہیں رب سے ملنے جارہے ہیں اور سلطان اپنے ملاقاتیوں کی بات مانتا ہے،ان کی سفارش قبول کرتا ہے اس لیے یہ لوگ بھی مقبول الدعا ہیں۔ان شاء اللہ!

۲؎ مسلمانوں کا طریقہ ہے کہ حجاج کو پہنچانے،وداع کرنے اور واپسی پر ان کا استقبال کرنے کے لیے اسٹیشن تک جاتے ہیں ان سے دعا کراتے ہیں۔یہ اس حدیث پر ہی عمل ہے کہ حاجی گھر سے نکلتے ہی مقبول الدعا ہے اور واپس گھر میں داخل ہونے تک مستجاب الدعوات رہتا ہے۔خیال رہے کہ حاجی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واحد فرمایا اور عمرہ کرنے والوں کو جمع تاکہ پتہ لگے کہ عمرہ والے سے حج والے کا درجہ زیادہ ہے کہ ایک حاجی عمرہ والوں کی جماعت کے برابر ہے کیوں نہ ہو کہ حج فرض ہے اور عمرہ سنت،یہ ہی مذہب احناف ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	

کو فرماتے سنا کہ اللہ کی جماعتیں تین ہیں ۱؎ غازی حاجی اور عمرہ کرنے والا ۲؎ (نسائی، بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی تین شخص یا تین قسم کے لوگ ہیں۔وفد وہ جماعت کہلاتی ہے جو اپنی قوم کی نمائندہ بن کر سلطان کی خدمت میں عرض معروض کرنے پر حاضر ہو۔

۲؎ چونکہ یہ حضرات راہِ الٰہی میں بہت محنت و مشقت اٹھاتے ہیں اور ان کی دعائیں تمام مسلمانوں کو کام آتی ہیں اسی لیے انہیں وفد اللہ فرمایا گیا یعنی اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آنے والے لوگ۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم حاجی سے ملو ۱؎ تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو ۲؎ اور اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی دعائے مغفرت کے لیے کہو کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے ۳؎ (احمد)	

۱؎ ایک حاجی یا حاجیوں کی جماعت سے کہ حاج دونوں پر بولا جاتا ہے۔(اشعہ) مراد وہ ہے جو حج کرکے واپس وطن آیا،عمرہ یا زیارت مدینہ منورہ کرنے والا،غازی طالب علم بھی اسی حکم میں ہیں۔(مرقات) ان سب سے دعا کرانا چاہیے۔

۲؎ یعنی کوشش کرو کہ تم ہی سلام و مصافحہ کی ابتداء کرو،اگر حاجی غریب ہے اور تم امیر تو اسے سلام و مصافحہ کرنے میں اپنی توہین محسوس نہ کرو۔

۳؎ اور ابھی اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے کہ گھر میں نہیں پہنچا ہے،سفر ختم نہیں کیا ہے۔معلوم ہوا کہ حاجی کے آتے جاتے ہوئے راستہ کے گناہ بھی معاف ہیں،گھر میں آکر گناہ شروع ہوں گے،یہ بھی معلوم ہوا کہ مغفور لوگوں سے دعا کرانی چاہیے لہٰذا اولیاء اللہ اور چھوٹے بچوں سے دعا کرانی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا ہو کر نکلا پھر راستہ میں مرگیا ۱؎ تو اس کے لیے غازی،حاجی اور عمرہ والے کا ثواب لکھ دیا گیا ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی جاتے ہوئے مرگیا،حج یا عمرہ یا غزوہ نہ کرسکا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس کی تائید اس آیت سے ہے "وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللہِ"جو اپنے گھر سے مہاجر ہو کر نکلا پھر اسے موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہوگیا مگر جو حج فرض ہونے کے بعد برسوں حج کو نہ گیا،پھر بڑھاپے میں گیا اور راہ میں مرگیا تو وہ ضرور اس دیر لگانے کا گنہگار ہے۔یہ حدیث اس کے لیے ہے جو بلا عذر حج میں دیر نہ لگائے کیونکہ حج فورًا ادا کرنا چاہیئے اور ہوسکتا ہے کہ یہ شخص بھی دیر لگانے کا گنہگار ہو مگر اس کا یہ حج ہوجائے اللہ تعالٰی کریم ہے۔(مرقات)

باب الاحرام و التلبیۃ

تلبیہ کہنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ احرام و تحریم دونوں کے معنے ہیں حرمت میں یا حرمت والی چیز میں داخل ہوجانا،نماز کی پہلی تکبیر کو تحریمہ اور حج یا عمرہ کی نیت و تلبیہ کو احرام اس لیے کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی مسلمان پر کھانا،پینا،بولنا وغیرہ حرام ہوگیا۔اور وہ حرمت والی چیز یعنی نماز میں داخل ہوگیا اور حج و عمرہ کا احرام باندھتے ہی اس پر شکار،سلا کپڑا،سر ڈھکنا وغیرہ حرام ہوگیا اور وہ زمین حرم میں داخل ہونے کے لائق ہوگیا۔احرام ہمارے امام صاحب کے ہاں شرط حج و عمرہ ہے،بعض اماموں کے ہاں رکن۔تلبیہ کے معنی ہیں لبیک کہنا،جیسے تکبیر کے معنی ہیں اللہ اکبر کہنا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشبو تیار کررہی تھی آپ کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے ۱؎ اور آپ کے کھولنے کے لیے طواف بیت اللہ سے پہلے ایسی خوشبو جس میں مشک ہوتا تھا ۲؎ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک بحالت احرام دیکھ رہی ہوں ۳؎ (مسلم،بخاری)۴؎	

۱؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ کے احرام کا ارادہ فرماتے تو میں خوشبو تیار رکھتی،آپ غسل فرما کر بغیر سلے کپڑے پہن کر خوشبو ملتے،پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ حجۃ الوداع میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور اس سے پہلے عمروں میں بھی تب ہی ماضی استمراری فرمارہی ہیں۔

۲؎ بقرعید کے دن حاجی جمرہ عقبہ کی رمی کرکے کچھ حلال ہوجاتا ہے،پھر طواف زیارت کرکے پورا حلال ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی عورت سے صحبت بھی جائز ہوجاتی ہے،فرماتی ہیں کہ میں ناقص حل پر ہی خوشبو حضور کو لگادیتی تھی،اس کے بعد آپ زیارت کرتے تھے۔

۳؎ یعنی احرام باندھتے وقت جو خوشبو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم استعمال کرتے تھے وہ بعینہٖ آپ کی مانگ شریف میں بعد احرام بھی باقی رہتی تھی گویا میں تصور میں اب بھی اسے دیکھ رہی ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بحالت احرام خوشبو لگانا حرام ہے مگر احرام سے پہلے کی خوشبو کا بقا جائز ہے خواہ خوشبو کا جرم باقی رہے یا اثر،یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔امام مالک و شافعی کے ہاں پہلی خوشبو کا بقا بھی حرام ہے بلکہ اس میں بھی فدیہ واجب ہے یہ حدیث ان کے صراحۃً خلاف ہے،حضرت عبداللہ ابن عمر نے جو اس کے خلاف فرمایا تھا انہیں حضرت عائشہ کی

یہ حدیث نہ پہنچی تھی،یہ حدیث سن کر انہوں نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا تھا۔(مرقات) لہٰذا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں،مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

۴؎امام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری،مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص خوشبو میں لتھڑا ہوا احرام باندھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے اس سے فرمایا کہ خوشبو دھو ڈال،اپنا جبہ اتار دے،پھر عمرہ کے ارکان ادا کر،وہ فرماتے ہیں کہ احرام میں خوشبو لگی رہنا،حضور انور کی خصوصیات سے ہے،ورنہ اس شخص کو خوشبو دھونے کا حکم کیوں دیتے مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس شخص نے بعد احرام خوشبو لگائی تھی۔(ابن ہمام و مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چمٹائے تلبیہ کہتے سنا۱؎ کہ فرماتے تھے حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں،حاضر ہوں ۲؎ تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں،یقینًا حمد و نعمت تیری ہے اور ملک تیرا ہے تیرا کوئی شریک نہیں ان کلمات پر زیادتی نہ فرماتے تھے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہل اھلال سے بنا بمعنی چیخنا،شور مچانا،لغوی معنی ہیں چاند دکھانا مگر چونکہ چاند دکھاتے وقت شور مچاتے ہیں کہ وہ ہے چاند اس لیے اب اس کے معنی ہیں چلانا۔ملبد تلبید سے بنا بمعنی بال چپکانا کسی گوند وغیرہ سے تاکہ بال نہ اڑیں اور ان میں گردو غبار نہ بھرے،امام شافعی کے ہاں بحالت احرام تلبید جائز ہے،امام اعظم کے ہاں ممنوع کہ یہ سر ڈھکنے کے حکم میں ہے،یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے،اما م اعظم کے ہاں یہ تلبید لغوی معنی میں ہے یعنی بالکل مطلقًا جمع کرلینا،انہیں پریشان نہ رکھنا۔

۲؎لبیك کا ترجمہ ہے حاضر جناب،یہ لفظ کسی پکارنے والے کے جواب میں بولا جاتا ہے،پکارنے والے حضرات ابراہیم خلیل اللہ تھے کہ انہوں نے تعمیر کعبہ کے بعد چار آوازیں رب تعالٰی کے حکم سے دی تھیں"عباداللہ تعالوا الی بیت اللہ"اے اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ،حاجی احرام باندھ کر اس پکار کا جواب دیتا ہوا جاتا ہے کہ حاضر جناب حاضر جناب،بعض نے فرمایا کہ پکارنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،بعض نے فرمایا کہ خود رب تعالٰی ہے مگر پہلی بات قوی ہے۔(مرقات)

۳؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات تلبیہ میں ان الفاظ پر زیادتی نہ فرماتے تھے کبھی زیادتی بھی فرماتے تھے،امام طحاوی کے ہاں زیادتی کرنا مکروہ ہے اسی بنا پر مگر دوسرے اماموں کے ہاں زیادتی جائز بلکہ مستحب ہے۔چنانچہ صحابہ و تابعین تلبیہ یوں کہتے تھے لَبَّیْكَ وَسَعَدَیْكَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی یَدَیْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَیْكَ وَالْعَمَلُ لَكَ لَبَّیْكَ اور بہت زیادتیاں فرماتے تھے جیساکہ کتب احادیث میں موجود ہے،ہاں منقولہ الفاظ سے کمی کرنا مکروہ ہے،مرد کو تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیے اور عورت کو آہستہ آواز سے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا پاؤں شریف رکاب میں داخل فرمایا اور آپ	

کو لے کر آپ کی اونٹنی سیدھی کھڑی ہوئی ۱؎ تو آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے پاس بآواز تلبیہ کہا ۲؎ (مسلم،بخاری) ۳؎	

۱؎ یعنی حضور علیہ السلام نے ذوالحلیفہ (بیر علی) پہنچ کر احرام کے نفل ادا کیے،پھر مکہ کی طرف روانگی کے لیے اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے،جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوگئی۔

۲؎ یہ دوسری بار تلبیہ کہا پہلی بار نفل پڑھتے ہی کہا تھا کیونکہ احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ کہنا چاہیے،پھر بار بار کہتا رہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،نہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں فرمایا گیا کہ آپ نے بعد نفل بیٹھے ہوئے تلبیہ کہا۔

۳؎ بیہقی و ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ ہی کہا اسے بیہقی نے توضعیف کہا مگر ترمذی نے حسن فرمایا،ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ان دونوں حدیثوں کی تطبیق یوں روایت کی،بعض لوگوں نے حضور کا نفل کے بعد والا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کردیا اور دوسروں نے ناقہ پر سوار ہوتے وقت کا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کردیا،دونوں وقت تلبیہ کہنا سنت ہے۔(از مرقات)امام شافعی کے ہاں پہلے تلبیہ اونٹ پر سوار ہوکر کہے،امام اعظم کے ہاں نفل سے فارغ ہوتے ہی کہے،امام مالک و احمد،امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہم کے ساتھ ہیں،یہ ہی عمل بہتر ہے۔(لمعات)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہ حج کا خوب شور مچاتے تھے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ کیونکہ صحابہ نے اولًا صرف حج کا احرام باندھا تھا پھر انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس احرام میں عمرہ بھی داخل کرلیں اور بجائے افراد کے قران کریں یہ اول حالت کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث آئندہ احادیث کے خلاف نہیں۔اولًا ان حضرات نے تلبیہ میں صرف حج کا ذکر کیا پھر حج وعمرہ دونوں کا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں حضرت ابو طلحہ کا ردیف تھا ۱؎ تمام صحابہ حج و عمرہ دونوں کا شور مچاتے تھے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ حضرت ابوطلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں،ایک گھوڑے یا اونٹ پر دو شخص سوار ہوں تو پیچھے والے کو ردیف کہا جاتا ہے یعنی میں اپنے والد کے پیچھے ایک ہی اونٹ پر سوار تھا۔

۲؎ یعنی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تلبیہ میں حج و عمرہ دونوں میں تلبیہ کا نام پکارتے تھے "لبیك اللھم لبیك بالحج والعمرۃ "۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں قران کیا اور قران افراد و تمتع دونوں سے افضل ہے۔دوسرے یہ کہ قارن تلبیہ میں بار بار حج و عمرہ کا نام لے یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں افراد قران سے افضل ہے اور صرف پہلے تلبیہ میں حج و عمرہ کا ذکر کرے پھر نہیں،یہ حدیث ان کے مخالف ہے امام اعظم کی مؤید ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم رسول اللہ صلی	

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے تو ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا[1] اور ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے حج و عمرہ کا احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے حج کا احرام باندھا تھا[2] تو جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو کھل گئے[3] لیکن جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج و عمرہ جمع کیا تھا وہ دسویں تاریخ تک نہ کھلے[4] (مسلم،بخاری)	

[1] مرقات نے اَھَلَّ کے معنی کئے لبّٰی یعنی،بعض لوگ تلبیہ میں حج کا نام لے رہے تھےاور بعض صرف عمرہ کا اور بعض حج و عمرہ دونوں کا مگر احرام عموماً سب کا حج و عمرہ دونوں کا تھا یعنی قران کااور ہوسکتا ہے کہ اَھَلَّ کے معنی احرام باندھنا ہوں یعنی بعض صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھاکیونکہ وہ حج اس سے پہلے سال کرچکے تھے یا انہوں نے تمتع کیا ہو۔

[2] خیال رہے کہ بعض راویوں نے حضور سے صرف عمرہ کی روایت کی ہے بعض نے صرف حج کی،بعض نے حج و عمرہ دونوں کی،حضرت ام المؤمنین نے یہاں صرف حج کی روایت کی،وجہ یہ ہے کہ حضور انور نے قرآن کیا تھالہذا آپ تلبیہ میں کبھی صرف حج کا نام لیتے تھے کبھی صرف عمرہ کا اور کبھی حج و عمرہ دونوں کا جیساکہ قارن کو اختیار ہے،ہر راوی نے جو سنا اسی کی روایت کی لہذا احادیث میں تعارض نہیں لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے افراد کیا تھا جیساکہ شوافع نے سمجھا اور نہ یہ امام اعظم کے خلاف ہے۔

[3] طواف وسعی کرکے عمرہ سے کھل گئے،پھر بعد کو حج کا احرام باندھا اس درمیان میں حلال رہے۔

[4] یعنی جن حضرات نے اول ہی سے حج و عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ اور جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا بعد میں عمرہ بھی شامل فی الاحرام کرلیا تھا وہ یہ دونوں قسم کے حضرات دسویں ذی الحجہ کو احرام سے فارغ ہوئے،جمرہ عقبہ کی رمی کرکے سوائے عورتوں کے تمام چیزیں انہیں حلال ہوگئیں اور طواف زیارت کرکے بیوی سے صحبت بھی حلال ہوگئی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا[1] ابتداء عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھ لیا[2] (مسلم،بخاری)	

[1] یہاں تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی ایک سفر میں حج و عمرہ سے فائدہ اٹھانا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا،پھر عمرہ کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا اور قران فرمالیالہذا یہ حدیث عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تلبیہ فرماتے سنالَبَّیْكَ عُمْرَۃً وَحَجًّا۔امام ابن حزم نے ایک مستقل کتاب اس بارے میں لکھی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران فرمایا۔خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں قران افضل ہے،امام شافعی کے ہاں افراد بہتر،امام احمد کے ہاں تمتع افضل،یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسا حج کیا

جن امام کے ہاں جس حج کا ثبوت ہوا انہوں نے اسی کو افضل کہا،ہمارے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قران کا ثبوت ہے لہذا وہ ہی افضل ہے،مذہب حنفی قوی ہے(از مرقات ولمعات)

۲؎ عمرہ کرنے سے پہلے ہی لہذا قران کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے احرام کے لیے کپڑے اتارے اور غسل کیا ۱؎(دارمی،ترمذی)	

۱؎ یعنی آپ نے سلے کپڑے اتار دیئے اور غسل کرکے بغیر سلے کپڑے پہنے،پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہا۔معلوم ہوا کہ احرام کے وقت غسل سنت ہے اگرچہ وضو بھی جائز ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے اپنے سر کے بال شریف خطمی سے چپکائے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یہاں غسل غین کے کسرہ سے ہے،مَایُغْسِلُ بِہٖ جس سے غسل کیا جائے،چونکہ خطمی سے نہاتے ہیں اس لیے غسل کہہ دیتے ہیں۔احناف کے نزدیک یہ غسل اور بال شریف چپکانا احرام کے وقت نہ تھا بلکہ احرام سے پہلے تھا کیونکہ بحالت احرام بال چپکانا منع ہے،بعض لوگوں نے اسے عسل پڑھا بمعنی شہد مگر یہ غلط ہے۔

روایت ہے حضرت خلاد ابن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس جبریل آئے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں ۱؎ کہ احرام یا تلبیہ اونچی آواز سے کریں ۲؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے کہ جبریل نے مجھے حکم پہنچایا خود حکم دیا نہیں بلکہ حکم الٰہی بطور قاصد پہنچایا کیونکہ حضرت جبرئیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور پیغام رساں ہیں،خدام حکم دے نہیں سکتے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نبی مطاع ہیں حضور انہیں حکم دیں گے اسی لیے جبرئیل امین خود صحابہ سے نہیں کہتے تھے کہ میں جبرئیل تمہیں یہ حکم دیتا ہوں،بلکہ حضور سے کہلواتے تھے۔

۲؎ شک راوی کو ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اھلال فرمایا یا تلبیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شک نہیں ہے۔اصحاب سے مراد ساری امت کے مرد ہیں،عورتوں کو اونچی آوا زسے تلبیہ کہنا منع ہے،وہ اتنی پست آواز سے کہیں کہ خود اپنی آوا زسن

سکیں،مرد بھی اتنی اونچی آواز نہ کریں کہ مشقت میں پڑھ جائیں بلکہ درمیانی اونچی آواز سے کہیں۔(مرقات)یہ بلند آواز سنت ہے جس کا ثواب زیادہ ہے اگر پست آواز سے کہیں تو گنہگار نہیں ہاں ثواب کم ہوجائے گا۔

	روایت ہے سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو تلبیہ کہے مگر انتہا زمین تک ادھر ادھر یعنی دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تلبیہ کہتے ہیں ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ حاجی کے قریب کے درخت و پتھراور کنکر تلبیہ کہتے ہیں۔ان سے سن کر ان کے قریب کے کنکر پتھر وغیرہ ان سے سن کر ان کے قریب کے یہاں تک کہ ساری دنیا کے کنکر پتھر ڈھیلے تلبیہ کا شور مچاتے ہیں۔یہ تلبیہ بزبان قال کہتے ہیں صرف زبان حال سے نہیں،اللہ نے پتھر لکڑیوں میں احساس بھی دیا ہے،گویائی بھی بخشی ہے جس سے وہ رب تعالٰی کی تسبیح کرتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"بلکہ بزرگانِ دین نے ان کی تسبیح وغیرہ سنی بھی ہیں۔(مرقات)مولانا فرماتے ہیں۔شعر

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس حواس اہلِ دل

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا تلبیہ سنتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل پڑھتے تھے ۱؎ پھر جب مسجد ذوالحلیفہ کے پاس آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوجاتی تو ان کلمات سے تلبیہ کہتے کہ فرماتے ۲؎ حاضر ہوں میں یا اللہ حاضر ہوں حاضر ہوں خدمت میں حاضر ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے ۳؎ حاضر ہوں رغبت و اعمال تیرے لیے ہیں ۴؎(مسلم،بخاری)اور لفظ مسلم کے ہیں ۵؎

۱؎ احرام کے لیے دو نفل جس کے اول رکعت میں سورۂ کافرون،دوسری میں قل ھو اللہ۔غالبًا غسل و تبدیلی لباس گھر پر ہی کرلیتے تھے،ظاہر یہ ہی ہے۔

۲؎ پہلی بار تو نفل پڑھتے ہی کہتے تھے،پھر اونٹنی پر سوار ہوکر جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔غالبًا حضرت ابن عمر نے یہ ہی تلبیہ سنا اس لیے اس طرح روایت کی لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نفل کے بعد ہی تلبیہ کہتے تھے۔

۳؎ اگرچہ تمام خیروشر اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے،اس کے ارادہ سے ہے مگر ادب یہ ہے کہ بندہ خیر کو رب کی طرف اور شر کو اپنی طرف نسبت کرے۔

۴؎ یعنی ہر حال میں تیری طرف راغب اور تجھ سے راضی ہوں اور میری نیکیاں تیرے قبضہ میں ہی ہیں،قبول فرمائیے یا نہ فرمائے تو مالک ہے۔

۵؎ نسائی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یعنی قصر پڑھی پھر ناقہ پر سوار ہوئے اور تلبیہ کہا،اس بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد احرام باندھے مگر جمہور علماء کا فرمان ہے کہ احرام کے لیے مستقل نفل پڑھے یہ ہی بہتر ہے،بعض علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رکعتیں نماز فجر تھی مگر حق یہ ہی ہے کہ نفل نماز تھی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمارہ ابن خزیمہ ابن ثابت سے وہ اپنے والد سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ سے اس کی رضا اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے وسیلہ سے آگ سے پناہ مانگتے تھے ۲؎ (شافعی)

۱؎ عمارہ تابعی ہیں ان کے والد خزیمہ ابن ثابت مشہور صحابی ہیں،انہی کی گواہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہیوں کے برابر قرار دی تھی،آپ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،اسی جنگ میں شہید ہوئے۔(مرقات)

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ کے الفاظ ادا فرما کر پھر یہ دعائیں آہستہ مانگتے تھے اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ حاجی تلبیہ کہہ کر آہستہ آواز سے درود شریف پڑھے،پھر یہ دعائیں مانگے اور ہر بار تین دفعہ تلبیہ کہے مسلسل کہے جن میں دنیاوی بات کا فاصلہ نہ ہو۔تلبیہ کہنے والے کو کوئی سلام بھی نہ کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان فرمایا ۱؎ پھر لوگ جمع ہوگئے پھر جب میدان میں پہنچے تو احرام باندھا ۲؎ (بخاری)

۱؎ سارے عرب میں اپنے حج کا اعلان فرمایا کہ ہم فلاں تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہورہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حج وہ عبادت ہے جس کا اعلان کرنا افضل ہے تاکہ دوسروں کو بھی شوق ہو اور لوگ آکر اس سے دعا وغیرہ کرالیں،حرمین شریفین کو تحفے صدقے،دانہ اس کی معرفت بھیج دیں آج کل جو رواج ہے کہ حاجی کو جلوس کی شکل میں اسٹیشن پہنچانے جاتے ہیں،گلے میں ہار پھول ڈالتے ہیں ان تمام کاموں کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ یہ سب اعلان کی صورتیں ہیں۔

۲؎ یوں تو بیداء ہر میدان کو کہتے ہیں مگر یہاں ذوالحلیفہ کا خاص میدان ہے۔احرام کے معنی ہیں حضور علیہ السلام نے یہاں اپنے احرام کا اظہار فرمایا ورنہ اصل احرام تو مسجد ذوالحلیفہ میں بندھ چکا تھا جیسا کہ پچھلی روایتوں میں گزر چکا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مشرکین کہتے تھے حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے تمہیں خرابی ہو بس کرو بس کرو۱؎ وہ کہتے مگر تیرا ایک شریک ہے کہ تو اس کا اور اس کی ملک کا مالک ہے ۲؎ یہ کہتے جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔(مسلم)

۱؎ یعنی جب مشرکین لا شریك لك پر پہنچتے تو سرکار فرماتے بس اسی پر رہو آگے شرکیہ لفظ نہ بولو یعنی الا شریکا الخ نہ کہو،مگر وہ کب باز آتے تھے۔

۲؎ ایک شریک سے مراد ایک قسم کا شریک ہے اس سے وہ اپنے سارے بت مراد لیتے تھے،ان بتوں کو وہ خدا کا بندہ بھی مانتے تھے اور اس کا مملوک بھی،پھر خدا کی برابر و مثل بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"گویا یہ بت ان کے عقیدے میں پارلیمنٹ کے ممبر تھے کہ رب تعالٰی ان کی مدد کے بغیر اکیلا دنیا کا انتظام فرماسکتا ہی نہ تھا اور بعض مشرکین فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مانتے تھے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ بتوں کو رب کا بندہ اور مملوک مانتے تھے تو مشرک کیوں تھے،کوئی مسلمان کسی نبی ولی کو الٰہی پارلیمنٹ کا نہ ممبر مانتا ہے نہ رب کی اولاد بلکہ کہتا ہے عبدہ ورسولہ اس کی تحقیق ہماری کتاب"علم القرآن"ملاحظہ فرمایئے۔

باب قصة حجة الوداع

باب وداعی حج کا قصہ[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] وداع واؤ کے فتح یا کسرہ سے بمعنی رخصت ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اسلام صرف ایک یہ ہی کیا ہے جو ۱۰ھ میں ہوا،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں لوگوں کو وداعیہ کلمات فرمائے اور اپنی وفات شریف کی خبر دی اس لیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔حجۃالوداع کا تفصیلی واقعہ حضرت جابر ہی سے مروی ہے۔امام محمد باقر نے بھی حضرت جابر سے احادیث اور حجۃ الوداع کا واقعہ روایت کیا،حضور انور نے فرمایا تھا کہ اے جابر میرے اہل بیت میں سے ایک شخص تم سے علم لے گا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو برس مدینہ پاک میں مقیم رہے کہ حج نہ کیا[1] پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے والے ہیں چنانچہ بہت ہی لوگ مدینہ پاک میں آگئے[2] ہم آپ کے ہمراہ نکلے[3] حتی کہ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں محمد ابن ابوبکر صدیق پیدا ہوئے[4] ان بی بی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اب میں کیا کروں[5] فرمایا نہالو اور کوئی کپڑا باندھ لو اور احرام باندھ لو[6] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز ادا کی پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے[7] حتی کہ جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں سیدھی کھڑی ہوئی تو حضور نے کلمہ توحید بلند آواز سے پکارا[8] حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں[9] بے شک تعریف نعمت ملک تیرے ہیں تیرا کوئی شریک نہیں حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم صرف حج ہی کی نیت سے تھے عمرہ کو جانتے بھی نہ تھے[10] حتی کہ ہم جب کعبہ شریف میں حضور انور کے

ساتھ پہنچے ١١؎ تو حضور نے رکن کو بوسہ دیا پھر سات پھیرے طواف کیا جس میں تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں معمولی چال چلے ١٢؎ پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے تو یہ آیت تلاوت کی کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کرلیا ١٣؎ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں ر کعتوں میں قل ھو اللہ احد اور قل یا ایھا الکافرون پڑھیں ١٤؎ پھر رکن اسود کی طرف لوٹے اسے چوما پھر دروازے سے صفا پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے جب صفا سے قریب ہوئے تو یہ آیت تلاوت کی کہ صفا و مروہ اللہ کی دینی نشانیوں میں سے ہیں ہم اس سے ابتداء کریں گے جس سے رب نے ابتداء کی چنانچہ آپ نے صفا سے سعی شروع کی ١٥؎ اس پر چڑھے حتی کہ کعبہ معظّمہ کو دیکھ لیا تو کعبہ کو منہ کیا اللہ کی توحید و تکبیر بیان کی ١٦؎ اور فرمایا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے ١٧؎ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنا وعدہ پورا کردیا اپنے بندے کی مدد کی اس اکیلے نے احزاب کو بھگایا ١٨؎ پھر ان ذکروں کے درمیان دعا مانگی ١٩؎ تین بار یہ فرمایا ٢٠؎ پھر اترے پھر مروہ کی طرف چلے حتی کہ بطن وادی میں آپ کے قدم شریف برابر سیدھے ہوگئے ٢١؎ پھر دوڑے حتی کہ جب آپ کے قدم چڑھنے لگے تو معمولی چال چلے ٢٢؎ حتی کہ مروہ پہنچے پھر مروہ پر وہ ہی کیا جیسا صفا پر کیا تھا ٢٣؎ حتی کہ جب مروہ پر آخری چکر ہوا تو آپ نے آواز دی حالانکہ آپ مروہ پر تھے اور لوگ آپ سے نیچے تو فرمایا اگر ہم اس کام کا پہلے سے خیال کرتے جس کا بعد میں خیال آیا تو ہم ہدی نہ لاتے اور اسے عمرہ قرار دیتے ٢٤؎ لہذا تم میں سے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنالے ٢٥؎ تب حضرت سراقہ ابن مالک بن جعشم کھڑے ہو کر بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم کیا یہ حکم ہمارے اس ہی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ۲۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں اور دوبارہ فرمایا کہ عمرہ حج میں داخل ہوگیا یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے ۲۷؎ جناب علی یمن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے اونٹ لے کر آئے ۲۸؎ تو ان سے حضور نے پوچھا کہ جب تم نے حج کی نیت کی تو کیا کہا تھا عرض کیا میں نے کہا تھا الٰہی میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا ۲۹؎ فرمایا میرے ساتھ تو ہدی ہے لہٰذا تم حلال نہ ہونا ۳۰؎ راوی فرماتے ہیں کہ مجموعہ ان ہدیوں کا جو جناب علی یمن سے لائے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے کل سو تھا ۳۱؎ فرماتے ہیں پھر تمام لوگ حلال ہوگئے اور بال کٹوالیے ۳۲؎ سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان حضرات کے جن کے ساتھ ہدی جانور تھا ۳۳؎ پھر جب آٹھویں بقرعید ہوئی تو لوگوں نے منی کا رخ کیا تب حج کا احرام باندھا ۳۴؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے تو منی میں ظہر،عصر،مغرب،عشاء اور فجر پڑھی ۳۵؎ پھر تھوڑا ٹھہرے حتی کہ سورج نکل آئے اور حضور نے حکم دیا تھا تو نمرہ میں حضور کے لیے اونی خیمہ لگادیا گیا تھا ۳۶؎ چنانچہ رسول اللہ چلتے رہے قریش کو اس میں شک و تردد ہی نہ تھا کہ آپ مشعر حرام کے پاس قیام کریں گے ٹھہر جائیں گے ۳۷؎ جیسے اسلام سے پہلے قریش کرتے تھے ۳۸؎ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے بڑھ گئے حتی کہ عرفہ پہنچ گئے تو آپ نے مقام نمرہ میں خیمہ لگا ہوا پایا وہاں ہی اتر پڑے ۳۹؎ حتی کہ سورج ڈھل گیا تو اونٹنی قصواء کا حکم دیا اسے کجاوا کس دیا گیا آپ بطن وادی میں تشریف لائے ۴۰؎ لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے خون تمہارے آپس کے مال تم پر یوں ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی اس مہینہ اور اس شہر میں حرمت ۴۱؎ خبردار رہو زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدم

کے نیچے روند دی گئیں ۴۲؎ اور جاہلیت کے زمانہ کے خون ختم کردیئے گئے ۴۳؎ میں اپنے خونوں میں سے پہلا خون ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ ابن حارثہ کا خون ہے ۴۴؎ یہ بنی سعد میں شیر خوار تھے تو انہیں قوم ہذیل نے قتل کردیا تھا ۴۵؎ اور جاہلیت کے زمانہ کے سود ختم ہیں میں اپنے سودوں میں سے پہلا سود ختم کرتا ہوں وہ عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارا ہی ختم ۴۶؎ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے انہیں اللہ تعالٰی کی امان میں لے لیا ہے اور کلمہ الٰہیہ سے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے ۴۷؎ تمہارے ان پر یہ حقوق ہیں کہ وہ تمہارے بستروں کو ان سے پامال نہ کرائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو ۴۸؎ پھر اگر وہ عورتیں ایسا کریں تو تم انہیں غیر مہلک مار مارو ۴۹؎ اور عورتوں کی تم پر بھلائی سے ان کی روزی اور بھلائی سے ان کا کپڑا ہے ۵۰؎ میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اس کے ہوتے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم اسے تھامے رہے یعنی قرآن کریم ۵۱؎ اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے،سب بولے ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ فرمادی اور امانت ادا کردی اور خیر خواہی فرمائی ۵۲؎ تو آپ نے اپنے کلمہ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکائی فرمایا خدایا گواہ ہو جاؤ خدایا گواہ ہو جاؤ (تین بار) ۵۳؎ پھر حضرت بلال نے اذان دی پھر تکبیر کہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھی پھر تکبیر کہی تو عصر پڑھ لی ان دو نمازوں کے درمیان کچھ نہ پڑھا ۵۴؎ پھر سوار ہوئے حتی کہ عرفات کے جائے قیام پر تشریف لائے تو اپنی قصواء کا پیٹ بڑے پتھروں کی طرف کردیا اور جبل مشاۃ کو اپنے سامنے لیا اور قبلہ کو منہ کیا ۵۵؎ پھر وہاں اتنا ٹھہرے رہے کہ سورج ڈوب گیا اور کچھ زردی غائب ہوگئی تاآنکہ سورج کی ٹکیہ پوری چھپ گئی ۵۶؎ اور حضرت اسامہ کو ردیف بنایا اور روانہ ہوگئے حتی کہ مزدلفہ پہنچ گئے ۵۷؎ پھر وہاں ایک اذان اور دو تکبیروں سے نماز مغرب و عشاء پڑھی درمیان

میں نوافل کچھ نہ پڑھے ۵۸؎ پھر کچھ لیٹ گئے ۵۹؎ حتی کہ فجر طلوع ہوگئی تو سویرا چمکتے ہی اذان و تکبیر کے ساتھ فجر پڑھی ۶۰؎ پھر قصواء پر سوار ہولیے حتی کہ مشعر پہاڑ کے پاس تشریف لائے پھر قبلہ کو منہ کیا اور رب سے دعا مانگی تکبیر وتہلیل و توحید کہتے رہے وہاں ٹھہرے رہے حتی کہ خوب اجیالا ہوگیا ۶۱؎ تو سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوگئے اور حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کرلیا ۶۲؎ حتی کہ بطن وادی میں آئے تو اپنی اونٹنی کو کچھ حرکت دی ۶۳؎ پھر درمیانی راستے پر پڑ گئے جو بڑے جمرے پر نکلتا ہے ۶۴؎ حتی کہ اس جمرہ پر پہنچے جو درخت کے پاس ہے ۶۵؎ تو اسے سات کنکر مارے جن میں سے ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے جو کنکر ٹھیکری جیسے تھے ۶۶؎ بطن وادی سے رمی کی ۶۷؎ پھر قربانی گاہ کی طرف لوٹے تو تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربانی کئے پھر حضرت علی کو مرحمت فرمائے تو بقیہ انہوں نے قربانی کئے ۶۸؎ اور حضور نے انہیں اپنی ہدی میں شریک کر لیا ۶۹؎ پھر حکم دیا تو ہر اونٹ کی ایک بوٹی لے کر ہانڈی میں ڈالی اور پکائی گئی تو ان دونوں صاحبوں نے وہ گوشت کھایا اس کا شوربا پیا ۷۰؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف چلے تو نماز ظہر مکہ میں پڑھی ۷۱؎ پھر بنی عبدالمطلب کے پاس تشریف لائے جو زمزم پر پانی کھینچ رہے تھے فرمایا اے بنی عبدالمطلب کھینچے جاؤ ۷۲؎ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب لوگ تمہارے پاس کھینچنے میں تم پر غلبہ کرلیں گے تو میں تمہارے ساتھ پانی کھینچتا ۷۳؎ لوگوں نے حضور کو ڈول پیش کیا آپ نے اس سے پیا ۷۴؎ (مسلم) ۷۵؎

۱؎ حج ۶ھ یا ۹ھ میں فرض ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہوتے ہی نہ کیا کہ آپ کو اپنی زندگی شریف کی خبر تھی کہ ابھی وفات نہیں ہے،ہم پر فورًا اس لیے فرض ہوتاہے کہ ہمیں زندگی کی خبر نہیں، ۱۰ھ میں حج کیا،اسی کا نام حجۃ الوداع ہے لہذا حضور انور نے بعد فرضیت حج صرف ایک حج کیا،حضور نے عمرے کل چار کئے ہیں۔

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ کل ایک لاکھ تیس ہزار حجاج جمع ہوگئے۔اشعہ میں ہے کہ وہ حضرات ایک لاکھ تھے یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار، ہوسکتا ہے کہ اولًا تھوڑے ہوں،آگے جاتے ہوئے ملتے ہوں گے۔خیال رہے کہ کل صحابہ ایک

لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں سے اصحاب بدر تین سو تیرہ،پھر ان میں خلفائے راشدین چار،ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں جیسے نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں،رسول تین سو تیرہ،مرسلین چار،ان میں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔دیکھو ہماری کتاب "امیر معاویہ"۔یہ حضرات اپنے گھر سے سیدھے مکہ معظّمہ نہ پہنچ گئے بلکہ پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تاکہ کعبہ ایمان کے ساتھ کعبہ اجسام کی طرف سفر کریں،اب بعض عشاق پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں،پھر مکہ معظّمہ اسی سنت پر عمل کرنے کے لیے،بعض اس کے برعکس کرتے ہیں وللناس فیما یعشقون مذاھب۔

۳؎ یہ روانگی ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ بعد ظہر ہوئی جیساکہ ترمذی،ابن ماجہ نے حضرت انس سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی جس کجاوے پر حضور انور سوار تھے اس کی قیمت چار درہم یعنی ایک روپیہ دو آنے تھی۔(مرقات)

۴؎ اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کی زوجہ تھیں،ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں،آپ کے بعد حضرت علی مرتضٰی نے نکاح کیا،محمد ابن ابی بکران سے پیدا ہوئے،پھر حضرت علی سے یحیٰی ابن علی انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔(مرقات)محمد ابن ابوبکر صدیق صغر سن صحابی ہیں، ۳۸ھ میں اصحاب امیر معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔(مرقات)

۵؎ یعنی میں اس حالت میں احرام یا حج کیسے ادا کروں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں عصر، مغرب،عشاء اور اگلی فجر و ظہر پڑھیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج پاک آپ کے ساتھ تھیں۔(مرقات) حضرت اسماء کا جوش ایمانی اور شوق حج قابل داد ہے کہ اس حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

۶؎ یعنی نفاس نہ تو احرام سے مانع ہے نہ ادائے حج و عمرہ سے صرف طواف ممنوع ہے کہ وہ مسجد میں ہوتا ہے اور نفساء کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں اور احرام کے وقت یہ عورت نفل نہ پڑھے کہ نفاس میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے احرام کے نفل علاوہ فرض ظہر کے ادا کئے،پھر قصواء پر سوار ہوئے۔قصواء قصی بمعنی دوری سے بنا،یا قصوٌ بمعنی کان کٹنے سے بنا،چونکہ یہ اونٹنی بہت تیز رفتار اور دور تک جانے والی تھی یا چونکہ اس کے ایک کان کا کچھ حصہ کٹا ہوا تھا اس لیے اسے قصواء کہتے تھے،یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی خاص اونٹنی تھی۔

۸؎ یہاں اھل کے معنی ہیں بلند آواز سے پکارا،توحید سے مراد ہے رب تعالٰی کی وحدانیت یعنی رب کی توحید پکاری،چونکہ تلبیہ میں لاشریك لك بھی ہوتا ہے اس لیے بالتوحید فرمایا۔بعض شوافع نے توحید کے معنی اذا وحج کئے یعنی صرف حج کا تلبیہ فرمایا اور اس سے ثابت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد کیا مگر یہ معنی بہت ہی بعید ہیں،قوی وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا لہذا یہ جملہ شوافع کی تائید نہیں اور احناف کے خلاف نہیں۔

۹؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حاجی کا لبیك کہنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور بلاوے کا جواب ہے۔چنانچہ حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا کہ جب جناب خلیل بناء کعبہ سے فارغ ہوئے تو رب نے فرمایا لوگوں کو حج کے لیے بلاؤ،عرض کیا مولٰی میری آواز سب تک کیسے پہنچے گی فرمایا پکارنا بلانا تمہارا کام ہے تمہاری آواز سب تک پہنچانا ہمارا کام۔چنانچہ آپ نے پکارا زمین وآسمان میں آپ کی آواز پہنچی اور یہ لَبَّیْك اسی پکار کا جواب ہے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ بحکم پروردگار نبی کی آواز زمین و آسمان

میں پہنچ سکتی ہے،آج بذریعہ ریڈیو(Radio)تار(Telegraph)کی طاقت سے لاکھوں میل دور آواز پہنچادی جاتی ہے تو نور کی طاقت نار سے کہیں زیادہ ہے۔

۱۰؎ کفار عرب اسلام سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ اور بدترین جرم سمجھتے تھے ماہ صفرسے عمرہ جائز مانتے تھے۔چنانچہ حضرات صحابہ کا اس موقعہ پر عمرہ کی طرف دھیان بھی نہ گیا۔بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ حضور انور نے احرام کے وقت ہی لوگوں کو احرام کے اقسام بتا کر فرما دیا تھاکہ جو حج کا احرام باندھنا چاہے وہ یہ احرام باندھے،جو عمرہ کرنا چاہے وہ عمرہ کا احرام باندھے۔(مرقات)

۱۱؎ اس طرح کہ تین ذی الحجہ ہفتہ کے دن ذی طوی پہنچ گئے وہاں رات گزاری اور۴ ذی الحجہ اتوار کے دن صبح کے وقت باب السلام کی طرف سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے طواف قدوم کیا،بیت اللہ شریف کی تحیۃ طواف ہے دوسری مسجدوں کی تحیۃ دو رکعت نفل۔

۱۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ سلام سے سیدھے رکن اسود پر پہنچےاس کو بوسہ دے کر طواف قدوم کیا،طواف میں اکڑکر چلنے کو رمل کہتے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکروں میں رمل کیایعنی پہلوان کی طرح اظہار قوت دکھاتے چلے،رمل کی وجہ اور جگہ بیان ہوگی۔ان شاء اللہ اور چار چکر آہستہ معمولی رفتار پر۔

۱۳؎ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر جناب خلیل اللہ نے کعبہ کی دیواریں اونچی فرمائیں ہر -طواف کے بعد دو نفل پڑھے جاتے ہیں،یہ نفل اسی جگہ پڑھنا سنت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس پتھر پر نبی کے قدم پڑ جائیں وہ پتھر بھی قابل احترام ہوجاتا ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ عین نماز میں بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم کرنا ثواب ہےشرک نہیں تو جو کہے نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرنا شرک ہے وہ دراصل حضور کی اہانت کرتا ہے،جب جناب خلیل اللہ کے نشانِ قدم والے پتھر کو آگے رکھ کرنماز پڑھنا درست ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو بہت اعلیٰ ہے۔

۱۴؎ واؤ ترتیب کے لیے نہیں صرف جمع کے لیے ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفل طواف کی پہلی رکعت میں قل یاایھا الکفرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی کہ یہ جگہ پہلے بت خانہ بنی ہوئی تھی۔اب رب تعالٰی کے کرم سے پاک و صاف ہوئی تو پہلی رکعت میں شرک سے بیزاری کا اظہار اور دوسری رکعت میں توحید الٰہی کا اعلان فرمایا،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ قرأت میں بھی بعض لفظ اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔اس لیے لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ فلاں رکعت میں فلاں سورت پڑھی۔

۱۵؎ باب الصفا سے صفا پہاڑ کی طرف گئے اور یہ آیت پڑھ کر صفا پر کچھ چڑھے وہاں دعائیں مانگیں۔خیال رہے کہ صفا مروہ وہ پہاڑ ہیں جن پر بی بی ھاجرہ رضی اللہ عنہا تلاش پانی میں سات بار چڑھیں،چونکہ ان پہاڑوں کو اس بی بی پاک کی قدم بوسی میسر ہوئی اس لیے انہیں رب تعالٰی نے شعائراللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں قرار دیا۔معلوم ہواکہ بزرگوں کے مزارات ان کے تبرکات شعائر اللہ بن جاتے ہیں،ان کی تعظیم ثواب ہے شرک نہیں۔سعی میں صفا سے شروع کرنا سنت ہے اور حج میں صفا مروہ کے درمیان سعی واجب ہے رکن نہیں،یہ ہی مذہب احناف ہے۔

۱۶؎اس زمانہ میں صفا اور کعبہ معظّمہ کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی اس لیے صفا پر کچھ چڑھنے میں کعبہ معظّمہ نظر آتا تھا،اب آڑ واقع ہوچکی ہے اب کعبہ معظّمہ نظر نہیں آتا لیکن نظر آنا ضروری نہیں صرف کعبہ کو منہ کرنا ضروری ہے۔اب تو صفا پہاڑ پر حرم مسجد وسیع کردی گئی ہے کہ سعی مسجد ہی میں ہوتی ہے۔

۱۷؎اب بھی سنت یہ ہے کہ صفا شریف پر یہ ہی دعا پڑھی جائے۔

۱۸؎اس کلمہ میں غزوہ خندق کی طرف اشارہ ہے جب کہ ہر قسم کے کفار نے متفقہ طور پر مدینہ طیبہ پر یلغار کی تھی،رب تعالٰی نے تیز سرد ہوا کے ذریعہ انہیں بھگادیا۔اس سے معلوم ہوا کہ سخت مصیبت کا وقت یاد رکھنا اور اس کے دفعیہ پر رب تعالٰی کا شکر کرتے رہنا سنت ہے،یہ واقعہ بہت پہلے ہوچکا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک وقتًا فوقتًا اس کا ذکر فرماتے رہے رب تعالٰی کی حمدوشکر کے لیے۔

۱۹؎اس طرح کہ پہلے بھی اللہ کا ذکر کیا بعد میں بھی اور درمیان میں دعائیں مانگیں،سنت یہ ہی ہے کہ دعا اللہ کے ذکر سے گھری ہو کہ ایسی دعا ان شاءاللہ رد نہیں ہوتی۔

۲۰؎اولًا ذکر الٰہی پھر دعا پھر ذکر الٰہی یہ ایک بار ہو،اس طرح تین دفعہ عمل کیا،حاجی اسی پر عمل کرے۔

۲۱؎یعنی صفا کی ڈھلائی اور مروہ کی چڑھائی کے درمیان جو ہموار زمین ہے جسے بطن وادی کہتے ہیں وہاں سعی کی۔سعی کے معنی ہیں دوڑ لگانا،چونکہ اسی جگہ حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سعی فرمائی،اس مقبول بی بی کی پوری نقل اتارنا سنت ہے،مقبولوں کی نقل بھی اچھی کہ اللہ تعالٰی اصل کے طفیل نقل پر کرم فرمادے،بطن وادی لغۃً پہاڑ یا ٹیلے کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں۔

۲۲؎یعنی جب مروہ شریف کی چڑھائی شروع ہوئی تو پھر معمولی رفتار سے چلنا شروع فرمادیا،دوڑ ختم کردی۔

۲۳؎یعنی اس قدر چڑھنا کہ کعبہ معظّمہ سامنے آجائے،کعبہ معظّمہ کو منہ کرنا اللہ کا ذکر و دعائیں کرنا۔غرضکہ جو کچھ صفا پر کیا وہ ہی مروہ پر بھی کیا،وہ ہی دعائیں و ذکر جو صفا پر کیا تھا وہ ہی مروہ پر کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل سعی فرمائی سواری پر نہ کی،یہ ہی سنت ہے بلاعذر سواری پر سعی کرنا خلاف سنت ہے۔مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سعی فرمائی وہ عمرہ قضاء کا واقعہ ہے اور وہ سوار ہونا بھی دشواری و معذوری کی وجہ سے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے مکہ والے ہجوم بن کر آئے اور حضور کے پاس سے ہٹتے نہ تھے،پیدل سعی ناممکن ہوگئی تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقات)

۲۴؎یعنی ہم نے قران کا احرام باندھ لیا اور ہدی ہمارے ساتھ ہے،اب ہم کو عمرہ کرکے احرام کھول دینا جائز نہ رہا۔اور ہم نے تم کو حکم دیا کہ عمرہ کرکے احرام کھول دو شاید تم کو احرام کھولنا گراں گزرے کہ تم ہماری سنت پر عمل کرنے کے دلدادہ ہو تم ہمارے سے اعمال کرنا چاہتے ہو اگر ہمیں احرام سے پہلے یہ خیال آجاتا تو ہم ہدی ساتھ نہ لاتے اور نہ قران کا احرام باندھتے اور ہم بھی عمرہ کرکے کھل جاتے تاکہ تم کو عمرہ پر کھل جانا گراں نہ ہوتا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا اور قران ہی افضل ہے۔دوسروں کو عمرہ کرکے کھل جانے کا حکم ایک مصلحت کی بناء پر دیا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا اور حج کے قریب تک حلال رہنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا،وہ رسم توڑنا تھی۔دوسرے یہ کہ صحابہ کرام حضور کی ہر ادا کی نقل کرنا سعادت سمجھتے تھے۔

۲۵؎ یعنی صرف حج یا عمرے کا احرام بندھا ہو اور اس کے ساتھ ہدی ہو تو ہدی کی قربانی کے بعد احرام کھولے دسویں ذی الحجہ کو مگر جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس کے ساتھ ہدی نہ ہو تو وہ عمرے کے افعال ادا کرکے احرام کھول دے اس طرح کہ حج کے احرام کو عمرہ بنادے،اسے فتح حج الی العمرۃ کہتے ہیں۔یہ فتح صرف اس سال ہی صحابہ کے لیے جائز ہوا،اب تاقیامت کسی کو جائز نہیں اب حج کا احرام بعد حج ہی کھل سکتا ہے۔چنانچہ روایات میں ہے کہ بلال ابن حارث نے عرض کیا یارسول اللہ فتح ہمارے لیے خاص ہے یا آئندہ بھی ہوگا،فرمایا صرف تمہارے لیے خاص طور پر ہے۔(مرقات)

۲۶؎ چار وجہ سے یہ حکم حاضرین پر گراں ہوا:ایک تو زمانہ حج میں عمرہ کرنا کیونکہ اسلام سے پہلے زمانہ حج میں عمرہ گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔دوسرے حج کا احرام عمرہ کرکے کھول دینا اور تیسرے یوم عرفات کے قریب احرام کھولنا۔چوتھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میسر نہ ہونا کہ حضور تو احرام میں ہیں اور ان حضرات کے احرام کھل گئے،سرکار کا یہ حکم صرف اس لیے تھا کہ لوگ اس زمانہ میں عمرہ کو گناہ نہ سمجھیں۔حضرت سراقہ ابن مالک نے بھی پہلے مسئلہ کے متعلق سوال کیا کہ یارسول اللہ زمانہ حج میں عمرہ کا جواز صرف اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے،بقیہ تین مسائل کے متعلق نہیں ہے جیساکہ جواب عالی سے معلوم ہورہا ہے لہذا اب فتح حج ہرگز جائز نہیں۔

۲۷؎ یعنی عمرہ کا جواز زمانہ حج میں قیامت کے لیے ہے،امام احمد اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ **فتح حج الی العمرۃ** تاقیامت رہے گا۔ان کے ہاں اب حج کا احرام عمرہ کرکے کھول سکتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ شافعی،مالک و جمہور علماء رضی اللہ عنہم کے ہاں نہیں کرسکتے،ان کی دلیل مسلم کی یہ حدیث ہے کہ متعہ یعنی فتح حج صرف صحابہ کے لیے تھااور نسائی کی وہ روایت ہے کہ یارسول اللہ فتح حج صرف ہم لوگوں کے لیے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے فرمایا صرف ہم لوگوں کے لیے۔(مرقات و لمعات)ہاں یہ جائز ہے کہ عمرہ کا احرام والا جب عمرہ نہ کرسکے کہ تنگ وقت میں مکہ معظّمہ پہنچے یا عورت کو حیض آجائے جس سے وہ طواف نہ کر سکے تو اس پر حج کا احرام باندھ لے پہلے حج کرے بعد میں عمرہ جیساکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس موقعہ پر کیا تھا۔

۲۸؎ اس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے انہیں وہاں ہی اطلاع دے دی گئی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو جارہے ہیں تم مکہ معظّمہ پہنچواور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ ہدیٰ ساتھ لیتے آؤ کچھ اونٹ تو حضور خود لے گئے تھے اور بہت سے اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جناب علی رضی اللہ عنہ لے کرآئے تھے کل سو اونٹ ہوگئے تھے۔

۲۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ حج میں تعلیقًا نیت کرسکتے ہیں کہ خدایا جو فلاں بزرگ کی نیت وہ میری نیت،نماز میں تعلیق نیت درست نہیں جیساکہ فقہ میں مصرح ہے۔

۳۰؎ یعنی ہماری طرح تمہارا احرام بھی قران کا ہوگیا اور ہمارے ساتھ بھی ہدی ہے تمہارے ساتھ بھی لہذا ہماری طرح تم بھی عمرہ کرکے احرام پر قائم رہنا۔خیال رہے کہ جناب علی اپنے لیے بھی ہدی لائے تھے۔

۳۱؎ یہ نہیں پتہ لگا کہ حضور انور مدینہ منورہ سے اپنے ہمراہ کتنے اونٹ قربانی کے لیے لائے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کتنے لائے،بعض نے فرمایا کہ چالیس اونٹ سرکار لائے تھے اور ساٹھ اونٹ حضرت علی۔**واللہ اعلم!**

۳۲؎ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ علیحدہ ہیں کہ آپ کے ساتھ ہدی نہ تھی پھر بھی آپ کو حلال ہوجانے کا حکم نہ دیا گیا بلکہ عمرہ کے احرام پر حج کا احرام بندھوادیا گیا۔(مرقات)خیال رہے کہ احرام کھولتے وقت سر منڈانا افضل ہے مگر صحابہ نے اس موقع پر بال کٹوائے تھے منڈائے نہیں کیونکہ عنقریب ہی انہیں حج کا احرام باندھ کر کھولنا تھا،اس وقت تک منڈے ہوئے بال بڑھ نہ سکتے تھے،نیز انہوں نے چاہا کہ ہم **محلقین رؤسکم و مقصرین** دونوں پر عمل کریں،اس وقت بال کٹوالیے اور حج کا احرام کھولتے وقت منڈوادیئے۔(اشعہ)

۳۳؎ کہ وہ حضرات حلال نہ ہوئے مگر وہ تھوڑے تھے،زیادہ تر بغیر ہدی والے تھے۔

۳۴؎ آٹھویں ذی الحجہ کو ترویہ کہتے ہیں بمعنی سیراب کرنا یا بمعنی غور کرنا،چونکہ اہل عرب حج کے لیے آٹھویں ذی الحجہ کو اونٹ کو پانی پلالیتے تھے یا حضرت خلیل اللہ نے آٹھویں ذی الحجہ کو اپنی خواب کے متعلق غور کیا تھا کہ قربانی کس چیز کی دوں اس لیے اسے ترویہ کہتے ہیں۔غرضکہ ترویہ یا روئ سے ہے یا رائ سے۔منٰی کے معنی ہیں بہانا،چونکہ اس میدان میں قربانیوں کا خون بہایا جاتا ہے لہذا منے کہا جاتا ہے۔

۳۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ آٹھویں ذی الحجہ کی نماز فجر پڑھ کر سورج نکلتے مکہ معظّمہ سے منٰی روانہ ہو گئے،منٰی کا یہ قیام احناف کے ہاں واجب نہیں سنت ہے۔

۳۶؎ **نمرہ** عربی میں چیتے کو کہتے ہیں،عرفات کے قریب کنارہ حرم پر ایک پہاڑی کا نام **نمرہ** ہے جس پر حضرت عمر نے مینار بنایا تھا تاکہ حد حرم کی علامت رہے،چونکہ اس پر سیاہ و سفید پتھر ہیں جو چیتے کے داغ کے مشابہ ہیں اس لیے اسے **نمرہ** کہتے ہیں۔(لمعات و اشعہ)اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے خیمہ لگادیا گیا تھا۔معلوم ہوا کہ عرفات وغیرہ میں پہلے سے اپنے واسطے خیمہ لگالینا جگہ پر قبضہ کرلینا جائز ہے جیساکہ عموماً معلم حضرات آج کل کرتے ہیں اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۳۷؎ اسلام سے پہلے کفار عرب کا دستور تھا کہ قریش مکہ تو مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے،عرفات نہ پہنچتے تھے اور عوام حجاج عرفات شریف جاتے تھے،تمام مسلمانوں کو یقین تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزدلفہ میں ہی قیام کریں گے عرفات تشریف نہ لے جائیں گے کہ آپ تو قریش کے سردار ہیں،قرشی ہی، ہاشمی ہیں،مطلبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نبوت سے پہلے جو حج کئے ان میں عوام کے ساتھ عرفات شریف میں ہی قیام فرماتے رہے۔

۳۸؎ قریش کہتے تھے کہ ہم حرم شریف کے کبوتر ہیں حرم سے باہر نہ جائیں گے عرفات حرم سے باہر ہے،نیز اس میں اپنا شرف بھی ظاہر کرتے تھے کہ ہم سردار معلوم ہوں۔

۳۹؎ یعنی اس قبہ میں قیام پذیر ہوئے۔معلوم ہوا کہ بحالت احرام چھت،چھتری،خیمہ وغیرہ کا سایہ لینا جائز ہے،امام مالک و احمد کے ہاں ممنوع ہے،یہ حدیث ان کے خلاف نہیں۔

۴۰؎ بطن وادی عرفات میں ایک میدان کا نام ہے جسے بطن عرفہ بھی کہتے ہیں،یہ جگہ عرفات میں داخل نہیں ہے،یہاں مسجد ابراہیم ہے۔صحیح یہ ہے کہ ابراہیم قتیبس عباسی کی طرف منسوب ہے،اب بھی نماز ظہر و عصر وہاں ہی ہوتی ہے،اسی میدان میں ہی مسجد شریف واقع ہے جسے مسجد نمرہ کہتے ہیں۔

۱؎ یعنی جیسے ماہ ذی الحجہ خصوصًا عرفہ کے دن حرم شریف کی زمین میں گناہ کرنا بدترین جرم ہے کہ اس میں تین جرموں کا مجموعہ ہے:گناہ جرم محترم جگہ کی بے حرمتی جرم،حرمت والی تاریخ و مہینہ کی بے ادبی جرم،ایسے ہی مسلمان کا خون بہانا،مال مارنا کئی جرموں کا مجموعہ ہے کہ یہ ظلم بھی ہے اور اللہ تعالٰی کی ناراضی کا باعث بھی اور میری تکلیف و ایذاء کا سبب بھی ہے،بعض نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس یعنی خون کی حرمت کو حرم شریف کی حرمت سے تشبیہ دی جو دائمی و باقی ہے اور حرمت مال کو اس زمانہ کی حرمت سے تشبیہ دی جو عارضی ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے اور یہ کلام شریف بہت ہی بلیغ ہے۔

۲؎ یعنی ہم نے اسلام سے پہلے والی تمام بری رسمیں مٹا دیں،نوحہ،ماتم،بتوں کے نام کے ذبیحہ وغیرہ تمام مٹادیں،اب کوئی وہ رسوم ادا نہ کرے۔

۳؎ یعنی اسلام سے پہلے جو ظلمًا خون کردیئے گئے تھے اور ان کا قصاص باقی تھا وہ تمام خون معاف کردیئے گئے اب ان میں سے کسی قاتل پر قصاص نہیں،اب نیا راج ہے نیا راجہ،نیا دور ہے نئے دور والا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴؎ اس بچے کا نام ایاس ابن ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب ہے،حارث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں،ان کے بیٹے ربیعہ صحابی ہیں جنہوں نے خلافت فاروقی میں وفات پائی۔

۵؎ اس طرح کہ بنی سعد و ہذیل قبیلوں میں جنگ ہوئی تھی۔ہذیل کا ایک پتھر ایاس کے لگا جس سے وہ وفات پاگئے۔ مشکوۃ کے بعض نسخوں میں دم ربیعہ ہے بغیر ابن کے،خون سے مراد ربیعہ کے خون کا مطالبہ ہے جس کے وہ ولی ہیں ورنہ مقتول ایاس ابن ربیعہ ہیں نہ کہ خود ربیعہ۔

۶؎ یعنی زمانہ جاہلیت کے تمام غصب کئے ہوئے لوٹے ہوئے اور سودی کاروبار کے مال معاف ہیں جن کے ذمہ کسی کا قرض ہے اور سود بھی چڑھا ہوا ہے ان کے سود معاف،وہ اصل رقم ادا کردے۔حضرت عباس اسلام سے پہلے سود لیتے تھے،ان لوگوں پر بہت قرض و سود تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیئے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے جان و مال کے مالک ہیں،دیکھو آپ بذات خود خون بھی معاف فرمارہے ہیں اور مال بھی ان حق والوں سے معاف نہیں کرایا۔دوسرے یہ کہ قانون پر پہلے بادشاہ اور اس کے اہل قرابت عمل کریں پھر رعایاء سے عمل کرائیں تب قانون چلتا ہے اگر خود عمل نہ کریں تو رعایا عمل نہ کرے گی جیسے آج دیکھا جارہا ہے کہ قانون فٹ بال(Foot Ball)بن کر رہ گئے ہیں۔دیکھو سرکار نے یہ دونوں قانون پہلے اپنے اور اپنے اہل قرابت پر جاری فرمائے۔

۷؎ یہ ف عاطفہ ہے یعنی مال و خون کے معاملات میں ظلم نہ کرو،پھر اپنی بیویوں پر بھی زیادتی نہ کرو۔امان بمعنی امانت و عہد ہے یعنی تم نے انہیں اللہ کی ضمانت پر اپنے نکاح میں لیا ہے۔کلمۃ اللہ سے مراداللہ کا حکم ہے کہ **فانکحو ھن** یعنی اللہ تعالٰی کے فرمان کے ماتحت تمہارے لیے وہ حلال ہوئی ہیں،ہمارے ہاں بوقت نکاح دولہا دلہن کو کلمہ پڑھاتے ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے تاکہ دونوں کا معاہدہ مضبوط رہے،کلمہ پڑھ کر عہد و پیمان کریں۔

۸؎ یعنی تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں اور تمہارے بستروں پر کسی ایسے کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا بیٹھنا تم ناپسند کرتے ہو۔فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت کے میکے والے حتی کہ اس کے ماں باپ بھی بغیر خاوند کی اجازت اس کے گھر

نہ جائیں،اگر خاوند کا آنا اپنے گھر میں ناپسند کرے تو عورت انہیں نہ بلائے بلکہ میکے جاکران سے مل آئےاس کا ماخذ یہ حدیث ہے،ہاں مرد عورت کو ماں باپ کے ملنے سے منع نہیں کرسکتا کہ اس میں قطعیت رحم ہے۔

۴۹؎ یعنی انہیں اس قصور پر سزا دے سکتے ہو۔معلوم ہوا کہ مرد عورت کو سزاءً معمولی طور پر مارسکتا ہے کیونکہ مرد عورت کا حاکم ہے جیسے ماں،باپ،استاد اپنی اولاد شاگرد کو تنبیہًا مار پیٹ سکتے ہیں ایسے ہی خاوند بیوی کومگر مار معمولی ہو اس لیے غیر مبرّح فرمایا کہ اس مار سے ایذاء مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔

۵۰؎ بھلائی سے روٹی کپڑے کے معنے یہ ہیں کہ خوشدلی سے دوان کے خرچ کو بوجھ نہ سمجھو اور جیسا خود کھاؤ پہنو ویسا ہی انہیں کھلاؤ پہناؤ۔

۵۱؎ یعنی میں جارہا ہوں اور قرآن کریم تم میں چھوڑے جاتا ہوں،اگر تم نے اپنے عقائد و اعمال اس کے مطابق رکھے تو گمراہ نہ ہوگے۔خیال رہے کہ پورے قرآن پر عمل ضروری اور قرآن شریف میں تو یہ حکم بھی ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرواور یہ بھی ہے کہ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی،اس نے اللہ کی اطاعت کی،لہذا سنت پر عمل لازم ہوا،اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ سنت پر عمل ضروری نہیں قرآن کافی ہے۔

۵۲؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمان کی گواہی دیں گے اور ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی گواہی دیں گے،ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کوئی بے ایمان انکار نہ کرسکے گا تاکہ پھر اس کی تحقیق کی جائے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "**لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ**" یہ سوال اور ہے اور جس سوال کی نفی ہے وہ اور سوال ہے۔

۵۳؎ یعنی مولیٰ تو ان کی گواہی کا گواہ ہوجا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَکَفٰی بِاللہِ شَہِیۡدًا**"رب تعالٰی احکم الحاکمین بھی ہے اور گواہوں کا گواہ بھی،ہر حاکم گواہوں کا گواہ ہوتا ہے لہذا یہ گواہی رب تعالٰی کی حاکمیت کے خلاف نہیں،بعض نسخوں میں **ینکبھا** ب سے ہے **نکب** بمعنی جھانکنا اور **نکت** ت سے بمعنی کریدنا۔

۵۴؎ یہ جمع صلوتین ہے،عرفات میں ظہر و عصر ایک اذان اور دو تکبیروں سے ظہر کے وقت میں ادا کی جاتی ہے،ظہر کی سنتیں و نفل چھوڑ دی جاتی ہیں تاکہ عرفات پہاڑ پر جلد پہنچیں اور دعاؤں کے لیے کافی وقت ملے۔

لطیفہ معمہ: سوال:وہ کون سی جگہ ہے جہاں نفل کی وجہ سے فرض چھوڑ دیا جاتا ہے؟

جواب: وہ عرفات ہے جہاں نفل یعنی دعاؤں کی وجہ سے عصر کا وقت جو فرض ہے چھوڑ دیا جاتا ہے،امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں یہ جمع صلوتین حج کی وجہ سے ہے،امام شافعی کے ہاں سفر کی وجہ سے مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ خود مکہ والے جو مسافر نہیں ہوتے وہ بھی یہاں جمع صلوتین کرتے ہیں اب امام مکہ معظمہ میں رہتا ہے مگر جمع کرتا ہے۔

۵۵؎ حبل ریگ رواں کو کہتے ہیں جس پر رسیوں کی طرح سلوٹیں پڑی ہوتی ہیں **مشاۃ ماش** کی جمع بمعنی چلنے والے،چونکہ ریگ کی وجہ سے یہاں سواری پر نہیں چل سکتے پیدل چلنا پڑتا ہے اس لیے اسے **حبل مشاۃ** کہتے ہیں۔یہ ایک میدان ہے عرفات شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھریلے علاقہ پر اونٹنی کھڑی کی،اس طرح کہ ریگستانی خطہ حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے آگیا اور قبلہ کو آپ کا منہ ہوگیا،حجاج کو اس جگہ کھڑے ہونے کی کوشش کرنی چاہیے،شاید کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام پر کھڑا ہونا نصیب ہوجائے۔

۵۶؎ پہلے غائب ہونے سے مراد تھا سورج کا کچھ حصہ غائب ہونا اوراس غائب ہونے سے مراد ہے پورا سورج ڈوب جانا۔بیان میں ترتیب نہیں کیونکہ زردی سورج ڈوب چکنے کے بعد غائب ہوجاتی ہے۔راوی نے غروب آفتاب کا ذکر دو بار کیا تاکید کے لیے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ غروب سے قریب غروب ہونا مراد ہے۔

۵۷؎ یعنی آفتاب عرفات ہی میں غروب ہوگیا،اس کے بعد آپ مزدلفہ کی طرف اس طرح روانہ ہوئے کہ حضرت اسامہ ابن زید کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار کرلیا۔مزدلفہ زلف بمعنی قریب سے ہے یا زَلَفٌ،بمعنی ہموار زمین سے،چونکہ یہ جگہ منٰے سے قریب ہے،نیز اسی جگہ حضرت آدم علیہ السلام و حواعلیہا السلام کی ملاقات کاقرب ہوا اور یہاں کی زمین ہموار ہےاس لیے اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔مزدلفہ میں رات گزارنا ہمارے ہاں اور امام احمد کے ہاں سنت ہے،بعض شوافع کے ہاں فرض ہے۔(لمعات و اشعہ)بعض کے ہاں واجب۔

۵۸؎ امام احمد و زفر کے ہاں یہ ہی طریقہ ہے،ہمارے ہاں یہ دونوں نمازیں ایک ہی اذان اورایک ہی تکبیر سے ہوں گی کیونکہ عرفات میں تو عصر وقت سے پہلے ہوئی تھی اسی لیے اس کی علیحدہ اطلاع ضروری تھی مگر یہاں عشاء اپنے وقت میں ہورہی ہےاس کی نئی اطلاع کی ضرورت نہیں۔مسلم و ترمذی نے حضرت ابن عمر سے ایک تکبیر کی روایت کی،ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا۔(اشعہ)

۵۹؎ عشاء کی سنتیں و وتر و نفل پڑھ کر لیٹے اس لیے ثم ارشاد فرمایا اب بھی حاجی کو مزدلفہ میں پوری عشاء مع سنت وتر پڑھنا چاہیے۔(مرقات)مرقات نے فرمایاکہ سنت مغرب بھی پڑھنا بہتر ہے۔اس صورت میں یہاں نوافل اوابین کی نفی ہوگی۔

۶۰؎ آپ ہمیشہ تو فجر اجیالے میں پڑھا کرتے تھے مگر آج مزدلفہ میں فجر اول وقت پو پھٹتے ہی پڑھی۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ فجر اجیالے میں پڑھنا چاہیے،معلوم ہوا کہ مزدلفہ کی شب میں حاجی کو سونا سنت ہےاگرچہ عموماً عید کی رات کو جاگنا بہتر ہے۔

۶۱؎ مشعر حرام مزدلفہ میں ایک خاص جگہ کا نام ہے جہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔یہ جگہ قزح پہاڑ کے قریب ہےاسی جگہ حاجی کو ٹھہرنا چاہیے۔

۶۲؎ کفار مکہ سورج نکلنے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوتے تھے جب کہ پہاڑ کی چوٹی چمک جاتی تھی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلنے سے پہلے روانگی فرمائی اور یہاں سے حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔

۶۳؎ وادی محسر مزدلفہ و منٰی کے درمیان ایک جنگل ہے۔محسر کے معنی ہیں تھک جانے کی جگہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ"اصحاب فیل کا ہاتھی اس جنگل میں پہنچ کر تھک گیا تھااس لیے **محسر** کہتے ہیں،بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں ہی اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا اس لیے یہاں سے جلد گزرجانا چاہیے جیسے قوم ثمود و عاد کی زمین سے جلد گزرجانا چاہیے،بعض نے فرمایا کہ یہاں مشرکین ٹھہر جاتے تھے ان کی مخالفت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے جلد گزرے۔واللہ اعلم (اشعہ)

۶۴؎ یعنی عرفات کو جاتے وقت اور راستہ اختیار کیا تھا واپسی پر دوسرا راستہ اختیار فرمایا،یہ راستہ جمرہ عقبہ پر نکلتا ہے۔معلوم ہوا کہ عرفات کو جاتے آتے علیحدہ راستے اختیار کرنا سنت ہے۔

۶۵؎ یہ جمرہ عقبہ ہے شاید اس زمانہ میں یہاں کوئی درخت ہوگا اب وہاں کوئی درخت نہیں ہے،یہ جمرہ مسجد حنیف سے دور ہے مکہ معظّمہ کی جانب ہے،آخری جمرہ ہے،چونکہ اس پہاڑ کے پیچھے ہے جہاں بیعت عقبہ ہوئی اسی لیے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔

۶۶؎ خذف کے لفظی معنے ہیں انگلیوں سے کنکر پھینکنا،یہ کنکر باقلا کے دانہ کے برابر تھے جو کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ کر جمرہ(ستون)پر مارے جاتے تھے اب بھی ایسے ہی کنکر مارنا چاہئیں،بعض جہلا بڑے بڑے پتھر مارتے ہیں،بعض جوتے مارتے ہیں یہ غلط بھی ہے اور حماقت بھی۔

۶۷؎ یعنی جمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر ہموار زمین سے رمی کی جسے بطن وادی کہتے ہیں،اوپر کے حصہ سے رمی نہ کی،بطن وادی کا پتہ وہ جگہ دیکھ کر ہی لگتا ہے۔

۶۸؎ قربانی گاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام گاہ سے قریب ہی تھا مسجد حنیف کے قبلہ کی طرف جمرہ عقبہ سے قریب اگرچہ منٰی سارا ہی قربانی گاہ ہے مگر بہتر یہ ہے کہ حضور انور کی قربانی گاہ میں پہنچ کر کی جائے۔(از مرقات)

۶۹؎ اس طرح کہ اپنی ہر قربانی میں حضرت علی مرتضٰی کا بھی حصہ رکھا،یہ جناب علی کی بڑی عظمت ہے۔

۷۰؎ یعنی حضرت علی مرتضٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیگچی سے بوٹیاں بھی کھائیں اور شوربا بھی پیا۔معلوم ہوا کہ اپنی قربانی کا گوشت کھانا سنت ہے،بعض نے واجب کہا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَكُلُوْا مِنْهَا"۔

۷۱؎ حق یہ ہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ پہنچ کر زوال سے پہلے طواف زیارت کیا پھر وہاں ہی ظہر پڑھی۔جن روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی سے واپس ہوکر پڑھی وہاں راوی کو دھوکا ہوگیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل پڑھے علاوہ فرض ظہر کے،ورنہ ظہر غیر وقت مستحب میں پڑھنا لازم ہوگا،اب بھی مستحب یہ ہی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو ہی طواف زیارت کرے اور ظہر حرم شریف میں ہی پڑھے مگر یہ بمشکل میسر ہوتا ہے کہ اس دن کام زیادہ ہوتے ہیں اور قربانی میں بہت دیر لگ جاتی ہے اکثر حجاج مکہ معظّمہ میں پڑھتے ہیں۔

۷۲؎ یہ لوگ حضرت عباس کی اولاد اور کچھ دوسرے حضرات تھے وہاں چاہ زمزم سے ہر شخص پانی نہیں بھر سکتا یہ بھی خاص لوگوں کا حق ہے۔

۷۳؎ یعنی اگر ہم نے یہ پانی کھینچا تو یہ عمل سنت ہو جائے گا اور ہر شخص اس سنت پر عمل کرے گا تمہیں یہاں سے نکلنے پڑے گا اس لیے ہم خود نہیں کھینچتے۔

۷۴؎ آپ نے کھڑے کھڑے ہی ڈول سے زمزم پیا،بقیہ پانی چاہ زمزم میں ڈال دیا گیا،اب اس پانی میں دو برکتیں ہیں: ایک تو حضرت ذبیح اللہ کے پاؤں شریف کا دھوون ہے اور دوسرے حبیب اللہ کا پیا ہوا پانی اس میں ہے،مبارک ہیں وہ جنہیں اس کا پینا نصیب ہو۔

۷۵؎ یہ حدیث ابن ابی شیبہ،ابوداؤد،نسائی،عبدابن حمید بزاز،دارمی نے بھی حضرت امام جعفر صادق عن ابیہ عن جابر روایت کی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ۱؎ ہم نبی صلی اللہ علیہ و	

سلم کے ساتھ حجۃالوداع میں روانہ ہوئے تو ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا ۲؎ ہم جب مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی نہ لایا ہو وہ حلال ہوجائے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی لایا ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے ۳؎ پھر حلال نہ ہو حتی کہ ان دونوں سے حلال ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر حلال نہ ہو حتی کہ ہدی کی قربانی کرلے ۴؎ اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے ۵؎ فرماتی ہیں کہ میں کپڑوں سے ہوگئی حالانکہ میں نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا تھا نہ صفا اور مروہ کی سعی تو میں کپڑوں سے ہی رہی، حتی کہ عرفہ کا دن آگیا ۶؎ اور میں نے صرف عمرہ کا ہی احرام باندھا ہوا تھا تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنے بال کھول دوں اور کنگھی کرلوں اور حج کا احرام باندھ لوں عمرہ چھوڑ دوں ۷؎ میں نے ایسا ہی کیا حتی کہ میں نے اپنا حج پورا کرلیا ۸؎ میرے ساتھ عبدالرحمان ابن ابوبکر صدیق کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے چھوٹے ہوئے عمرہ کی جگہ مقام تنعیم سے عمرہ کروں ۹؎ فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی پھر حلال ہوگئے ۱۰؎ پھر منٰی سے لوٹنے کے بعد ایک طواف کیا ۱۱؎ لیکن جنہوں نے حج وعمرہ جمع کیا تھا انہوں نے ایک ہی طواف کیا ۱۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ہم تمام ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام۔

۲؎ صرف حج کا یا حج مع عمرہ کا یا بعض نے صرف حج کا بعض نے حج و عمرہ دونوں کا۔غرضکہ صحابہ کے حالات مختلف تھے۔(مرقات)

۳؎ یعنی یہ دونوں قسم کے حضرات تمتع کریں،ہدی لانے والے تو ہدی کا تمتع کریں کہ درمیان میں حلال نہ ہوں اور ہدی نہ لانے والے بغیر ہدی کا تمتع کرے کہ درمیان میں حلال ہوجائیں۔خیال رہے کہ حج چار قسم کا ہوتا ہے: افراد،قران،تمتع ہدی والا،تمتع بغیر ہدی۔

۴؎ دونوں عبارتوں کا مطلب قریبًا یکساں ہے کیونکہ قارن اور ہدی والا تمتع دسویں بقرعید کو ہی قربانی کرتے ہیں اور اسی دن دونوں احراموں سے کھلتے ہیں۔
۵؎ یعنی افراد بالحج والا خواہ ہدی لایا ہو یا نہ لایا ہو بقر عید کے دن ہی احرام کھولے جیساکہ مفرد کرتے ہیں۔
۶؎ یعنی میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا مگر حج سے پہلے عمرہ نہ کرسکی کیونکہ میں ایام آجانے کی وجہ سے طواف نہ کرسکی اور بغیر طواف صفا مروہ کی سعی ہوتی نہیں لہذا عمرہ کا کوئی رکن ادا نہ کرسکی۔خیال رہے اگر عورت کو طواف کے بعد ایام آجائیں تو وہ سعی کرسکتی ہے،اگر طواف سے پہلے آجائیں تو نہ طواف کرسکتی ہے نہ سعی۔
۷؎ اسے فسخ عمرہ یا رفض عمرہ کہتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھ کر بغیر عمرہ کئے کھل جانا یعنی خلاف احرام افعال کر لینا۔
۸؎ اس طرح کہ حج کا احرام باندھ کر بغیر طواف قدوم کئے عرفات چلی گئی،پھر عرفات مزدلفہ منٰی کے افعال سے فارغ ہوکر طواف زیارت کرلیا کہ اب میں ایام سے فارغ ہوچکی تھی طواف قدوم ایام کی وجہ سے نہ کرسکی تھی،اب بھی عورت کو عارضہ آجانے پر یہ ہی حکم ہے کہ اسے طواف قدوم بلکہ طواف وداع بھی معاف ہوجاتا ہے۔
۹؎ تنعیم مکہ معظّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم سے باہر جگہ ہے،اب وہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے،عام حجاج وہاں جاکر نفلی عمروں کا احرام باندھتے ہیں،یہ جگہ قریب ترین حد حرم ہے۔یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ حائضہ عورت اپنا عمرہ چھوڑ دے اور بعد حج اس کی جگہ دوسرا عمرہ یعنی عمرہ قضا کرے۔حضرت عائشہ صدیقہ کا تمتع ہوا نہ کہ قران اور یہ بعد والا عمرہ عمرہ واجبہ تھا نہ کہ عمرہ نفلی جیساکہ شوافع نے سمجھا۔
۱۰؎ یہ حضرات ۷ ذی الحجہ تک حلال رہے آٹھویں کو احرام باندھ کر منٰی روانہ ہوگئے جیساکہ تمتع والے اب بھی کرتے ہیں
۱۱؎ طواف زیارت جس کا وقت دسویں بقر عید سے بارھویں بقر عید کی شام تک ہے،یہ طواف فرض ہے۔
۱۲؎ یعنی قران والوں نے بھی منٰی سے واپس ہوکر صرف ایک طواف ہی کیا،طواف زیارت انہوں نے قران کی وجہ سے اب دو طواف نہ کئے لہذا یہ حدیث نہ تو احناف کے خلاف ہے نہ شوافع کی دلیل۔خیال رہے کہ قارن احناف کے نزدیک بعد ادائے عمرہ عرفات جانے سے پہلے طواف قدوم اور صفا مروہ کی سعی کرے گا اور بعد عرفات طواف زیارت کرے گا،امام شافعی کے ہاں قارن طواف قدوم نہیں کرتا،صرف بعد عرفات طواف زیارت کرتا ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگر آپ نے عمرہ کے بعد طواف قدوم کیا،نیز دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگر آپ نے عرفہ سے دو طواف کئے اور دو سعی،ایک طواف وسعی عمرہ کا،دوسرا طواف وسعی حج کا،نیز طحاوی نے عمران ابن حصین،علی،عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ قارن دو طواف کرے اور دو سعی لہذا اس حدیث عائشہ کے یہ ہی معنی ہیں کہ عرفات کے بعد قارن صحابہ رضی اللہ عنھم نے ایک طواف کیا تاکہ تمام احادیث جمع ہوجائیں اور یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وداعیہ حج میں حج و عمرہ کا تمتع کیا ۱؎ تو اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے ہدی لے گئے تو ابتداء یوں فرمائی کہ پہلے عمرہ کا پھر حج کا احرام باندھا ۲؎ لوگوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ حج و عمرہ کا تمتع کیا۳؎ بعض لوگ تو ہدی لے گئے تھے اور بعض نہ لے گئے تھے تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا کہ تم سے جو ہدی لایا ہو وہ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہو۴؎ تا آنکہ حج پورا کرلے اور جو ہدی نہ لایا ہو وہ کعبہ کا طواف کرے اور صفا مروہ میں دوڑے اور بال کٹوائے حلال ہوجائے۵؎ پھر حج کا احرام باندھے اور قربانی دے جو قربانی نہ پائے وہ تین روزے زمانہ حج میں رکھے اور سات روزے گھر لوٹتے وقت ۶؎ پھر جب حضور انور مکہ آئے تو طواف کیا سب سے پہلے سنگ اسود چوما پھر تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں عام رفتار سے چلے۷؎ پھر جب طواف کعبہ پورا کرچکے تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا پھر لوٹے تو صفا پر آئے صفا مروہ کا سات بار طواف کیا پھر آپ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہوئے۸؎ حتی کہ حج پورا فرمالیا اور قربانی کے ہدی ذبح کردیئے اور منٰی سے چلے بیت اللہ کا طواف کیا پھر تمام حرام شدہ چیزوں سے حلال ہوگئے۹؎ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سے کام تمام ہدی لانے والے لوگوں نے کئے۱۰؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں تمتع بمعنی لغوی میں ہے حج و عمرہ دونوں سے نفع حاصل کرنا تمتع عرفی یعنی قران کا مقابل مراد نہیں تاکہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہ ہو جن میں قران ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولًا حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا بھی باندھ لیا جس سے قران ہوگیا۔(اشعہ،مرقات،لمعات)یا اس کے برعکس دوسری صورت زیادہ ظاہر ہے۔

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا مگر چونکہ قران میں عمرہ پہلے ہوتا ہے حج بعد میں اس لیے عمرہ کا پہلے ذکر ہے۔بعض نے اس کو ظاہری معنی پر رکھا اور کہا کہ جن روایات میں اس کے برعکس ہے وہاں حج کے فرض کی وجہ سے اس کا ذکر پہلے ہے۔واللہ اعلم!(مرقات)

۳؎ یعنی بعض صحابہ نے بھی قران کیا،یہاں بھی تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی حج و عمرہ سے نفع حاصل کرنا۔

۴؎ یعنی ہدی والے تو احرام پر قائم رہیں اور بغیر ہدی والے عمرہ کرکے احرام کھول دیں اس کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی ہے۔شیخ نے یہاں فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا جن لوگوں نے پہلا احرام دیکھا انہوں نے افراد کی روایت کی اور جنہوں نے بعد کا حال دیکھا انہوں نے قران کی روایت کی،تمتع والی روایات میں تمتع سے لغوی معنی مراد ہیں،قران بھی لغۃً تمتع ہے لہذا تمام احادیث درست ومطابق ہیں۔(اشعہ)

۵؎خلاصہ یہ ہے کہ حج کا احرام والا بھی عمرہ کرکے کھل جائے حج کو فسخ کردے،پھر بعد میں نئے احرام سے حج کرے تاکہ لوگوں کا یہ خیال ٹوٹ جائے کہ حج کے زمانہ میں عمرہ حرام ہے یا احرام کھولنا حرام،اب یہ درست نہیں کہ حج کا احرام باندھ کر عمرہ کرکے کھول دے۔جن صحابہ کرام نے تمتع کا انکار کیا ان کی یہ ہی مراد ہے یعنی حج فسخ کرکے عمرہ کرنا پھر حج کرنا،یہ بات خوب ذہن میں رکھیئے۔

٦؎متمتع یا قارن اگر قربانی کے لیے جانور میسر نہ پائیں تو دس روزے رکھیں تو حج سے پہلے اشہر حج میں شوال،ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن میں،مگر بہتر یہ ہے کہ تیسرا روزہ نویں ذوالحجہ کو ہواور سات روزے حج کے بعد گھر پہنچ کر یا ایام تشریق کے بعد مکہ معظّمہ میں۔(مرقات وکتب فقہ)

۷؎رمل یا خوب اکڑکر چلنے یا بہادروں کی رفتار سے چلنے کو کہتے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے عمرہ قضا کے طواف میں تین چکروں میں رمل کیا تھامشرکین مکہ کو اپنی طاقت و قوت دکھانے کے لیے،پھر یہ رمل دائمی سنت ہوگیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع کے طواف قدوم میں بھی کیا اب بھی حجاج رمل کرتے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال کی نقل عبادت ہے،اس رب کے گھر میں طواف جو عبادت ہے اس کی حالت میں اکڑنا عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے،بارگاہِ الٰہی میں عجزو انکسار چاہیے مگر چونکہ یہ اکڑنا سنت ہے لہذا محبوب ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ عین عبادت کی حالت میں کفار کو اپنی طاقت دکھانا بہتر ہے کہ اسلامی قوت کا اظہار بھی عبادت ہے،اب بھی فوجی پریڈ و فوجی سلاموں میں پھرتی و طاقت کا اظہار ہوتا ہے ۔

۸؎بلکہ احرام پر قائم رہے کیونکہ آپ قارن تھے اور قران میں بقر عید کے دن ہی احرام کھولا جاتا ہے،یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھالہٰذا یہ ہی ظاہر ہے کہ حج و عمرہ کے احرام ایک ساتھ ہی باندھے تھے اور قران ہی کیا تھا،یہ احناف کا مذہب ہے کہ قران افضل ہے۔

۹؎اس طرح کہ بقر عید کے دن رمی جمرہ سے تو حل ناقص ہوا جس سے سواء جماع باقی تمام چیزیں حلال ہوگئیں اور طواف زیارت سے حل کامل ہوگیاکہ صحبت بھی درست ہوگئی۔

۱۰؎یعنی ہدی والے صحابہ کرام تو احرام سے بقر عید کے دن فارغ ہوئے اور بغیر ہدی والے صحابہ خواہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا یا حج کا عمرہ کرکےاحرام سے کھل گئے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو محرم ہوئے جیساکہ گزر گیا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وہ عمرہ ہے جس سے ہم نے تمتع کرلیا۱؎ تو جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ پورا پورا حلال ہوجائے ۲؎کیونکہ اب قیامت تک کو عمرہ حج میں داخل ہوگیا ۳؎(مسلم)یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔	

۱؎یہاں بھی **تمتع** لغوی معنی میں ہے یعنی حج و عمرہ سے نفع اٹھالے دونوں ایک سفر میں کرنا قران کا مقابل نہیں یعنی الگ الگ احرام سے حج و عمرہ کرنا جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا۔

۲؎ پورا حلال ہونا یہ ہے کہ بیوی سے صحبت بھی جائز ہوجائے،ناقص حل یہ ہے کہ سلا کپڑا،خوشبو،سر ڈھانپنا تو حلال ہوجائے مگر صحبت حرام رہے اس حکمت سے یہاں پورے حلال کا حکم دیا۔

۳؎ یعنی عمرہ حج کے مہینوں میں داخل ہوگیا،کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ کرنا حرام ہے ماہ صفر سے جائز ہوتا ہے یہ عقیدہ ختم فرمادیا گیا،بعض علماء جو فرماتے ہیں کہ مکہ والے حج کے زمانہ میں عمرہ نہ کریں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے عمرہ کرنے سے ہجوم زیادہ ہوجائے گا اور باہر والوں پر طواف وسعی میں دشواری ہوگی،یہ لوگ تو ہمیشہ عمرہ کرسکتے ہیں،باہر کے حجاج کو اس زمانہ میں عمرہ آسانی سے کرنے دیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں میں نے اپنے ساتھی لوگوں کی جماعت میں حضرت جابر بن عبداللہ کو سنا فرماتے تھے ۱؎ کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خالص حج کے لیے احرام باندھا ۲؎ عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار بقر عید کی تاریخ کی صبح مکہ معظّمہ پہنچے تو ہم کو کھل جانے کا حکم دیا عطا کہتے ہیں کہ فرمایا حلال ہوجاؤ،عورتوں سے صحبت کرو ۳؎ عطا کہتے ہیں صحبت ان پر واجب نہ کی لیکن ان کے لیے عورتیں حلال فرمادیں ۴؎ ہم نے سوچا کہ جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن باقی رہ گئے تو ہم کو بیویوں کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو کیا ہم عرفہ کو اس حال میں جائیں کہ ہمارے ذکر منی ٹپکاتے ہوں ۵؎ راوی کہتے ہیں حضرت جابر اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے گویا میں ان کا ہاتھ ہلتا دیکھ رہا ہوں ۶؎ فرماتے ہیں تو ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا سب سے زیادہ سچا اور نیک اعمال ہوں ۷؎ اگر میری ہدی نہ ہوتی تو جیسے تم حلال ہورہے ہو میں بھی حلال ہوجاتا اور جو بات بعد میں کھلی اگر پہلے سے ہم جانتے تو ہدی لاتے ہی نہیں ۸؎ لہذا حلال ہوجاؤ چنانچہ ہم حلال ہوگئے ہم نے آپ کا حکم سنا اور بجا لائے ۹؎ عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے

	کہا پھر حضرت علی اپنے دارالعمالہ سے آئے ۱۰؎ حضور انور نے پوچھا کون سا احرام باندھا عرض کیا وہ جو اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا حضور نے فرمایا ہدی ذبح کرو اور احرام میں ٹھہرو حضرت علی ہدی لائے تھے ۱۱؎ حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے فرمایا ہمیشہ کے لیے ۱۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام عطاء ابن ابی رباح ہے، جلیل القدر تابعی ہیں،مکہ معظّمہ کے رہنے والے ساتھیوں کی جماعت کا ذکر قوت استدلال کے لیے کیا یعنی میں نے اکیلے یہ حدیث نہ سنی اس کے سننے والے دوسرے لوگ بھی ہیں۔

۲؎ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یا ہدی نہ لے جانے والے صحابہ نے حج کا احرام باندھا یا حضرت جابر نے اپنے اندازے سے یہ فرمایاورنہ بہت سے صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔خیال رہے کہ یہاں صحابہ کا ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قران کیا تھا جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا،بہرحال یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی پورے حلال ہوجاؤ جس میں بیوی سے صحبت بھی جائز ہےاس موقعہ پر کھل جانے کاحکم تو وجوبی تھا اور صحبت کا حکم اباحت کا،زیادہ سے زیادہ استحباب کا بہرحال دونوں حکم یکساں نہیں ہیں۔

۴؎ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ امر اباحت کا تھا مگر اس وقت ان لوگوں پر اپنی بیویوں سے صحبت مستحب ہوچکی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔

۵؎ یہ کہنا یا سوچنا انکار کے لیے نہ تھا بلکہ حیرت کے لیے تھا جیساکہ فرشتوں نے خلیفہ الٰہی کا اعلان سن کرعرض کیا تھا **اتجعل فیھا**،لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ نبی کے فرمان کا انکار تو کفر ہے،چونکہ یہ عمل صدیوں کے مروجہ عقیدے و عمل کے خلاف تھا اس لیے انہیں حیرت ہوئی اس کا پہلے سے اعلان ہوا کبھی نہ تھا اچانک حکم پہنچا۔

۶؎ یہ حضرت عطاء کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے یہ کلام ہاتھ ہلاکر کیا جیساکہ عادتًا بات کرتے ہیں ہاتھ ہلاتے جاتے ہیں یا بقیہ مدت کی کمی بیان کرنے کے لیے ہاتھ ہلایا کہ جب اتنی سی رتی بھر گھڑیاں باقی رہ گئیں عرفہ کا دن بالکل قریب ہی آگیا تو صحبت حلال کی گئی،بعض شارحین نے فرمایا کہ ہاتھ کی حرکت ذکر کر کے منی ٹپکانے کی طرف اشارہ ہے مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا،ورنہ پھر انگلی ہلائی جاتی نہ کہ ہاتھ،پہلی دو توجیہیں بہت قوی ہیں۔(مرقات)

۷؎ سرکار کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی درستی میں کچھ شبہ نہ ہوا تھا نہ انہیں قبول حکم سے سرتابی تھی،صدیوں کے عقیدے کے خلاف پر تعجب تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کا شوق تھا کیونکہ حضور عالی خود حلال نہ ہوئے تھےتو گویا اس وقت حلال نہ ہونا انہوں نے سنت جانا حلال ہوجانا بالکل ناجائز مانا،شوق تھا کہ افضل پر عمل کریں لہذا اس سے روافض دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۸؎ اس جملہ نے معاملہ صاف کردیا کہ صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شوق تھا نہ کہ حکم سے سرتابی اگر مجھے تمہارے اس شوق کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں بھی نہ لاتا اور تمہارے ساتھ میں بھی حلال ہوجاتاتاکہ تمہیں حلال ہونے میں

تکلف نہ ہوتا۔خیال رہے کہ لَوِاسْتَقْبَلْتُ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں ہوتی،یہاں ظہور واقعہ مراد ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا"یا جیسے"وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ"الخ اب تک رب نے انہیں نہ جانا یا یہ کلام اظہار افسوس کے لیے ہوتاہے کہ اگر ہمیں پہلے سے یہ اندازہ ہوتا کہ تمہیں اتباع سنت کا اتنا شوق ہے تو ہم بھی ہدی نہ لاتے۔

۹؎اس سے معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ عمل میں خصوصیت کا احتمال ہے،یہ احناف کا مذہب ہے صحابہ کرام نے اطاعت خوشی سے کی نہ کہ ناراضگی سے،جو کچھ تامّل تھا وہ پہلے ہی ظاہر کر دیا۔اس لیے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ یہ اطاعت منافقت سے تھی۔

۱۰؎اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن کے ساعی تھے جو صدقات وصول فرمانے وہاں تشریف لے گئے تھے،غالبًا اس گفتگو کے بعد حضرت علی یمن سے یہاں پہنچے۔

۱۱؎یعنی تم بھی ہماری طرح قارن ہو اور تمہارے ساتھ بھی ہماری طرح ہدی ہے لہذا تم بھی احرام نہ کھولو حج سے فارغ ہوکر کھولنا۔

۱۲؎یعنی تا قیامت حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا درست ہوگیا وہ دستورختم کردیا گیا کہ شوال سے صفر تک عمرہ حرام ہو مگر حج کا فتح صرف اس سال کے لیے تھا آئندہ کبھی جائز نہ ہوگا۔یہ اشارہ جواز عمرہ کی طرف ہے نہ کہ فتح حج کی جانب،یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے۔(مرقات ولمعات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بقرعید کے چار پانچ دن گزر گئے تو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو میرے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو کس نے رنجیدہ کیا خدا اسے دوزخ میں ڈالے ۱؎فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے لوگوں کو ایک حکم دیا تو وہ اس میں تردد کرتے ہیں ۲؎اور اگر ہم پہلے سے وہ جانتے جو بعد میں جانا تو ہم اپنے ساتھ ہدی نہ لاتے حتی کہ یہاں سے ہی قربانی خرید لیتے پھر جیسے یہ حلال ہورہے ہیں ہم بھی حلال ہو جاتے ۳؎(مسلم)	

۱؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضگی ان حضرات کے فتح حج میں تامّل کرنے کی وجہ سے تھی کہ ان لوگوں نے ہمارے حکم پر عمل کرنے میں دیر کیوں لگائی۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ بددعا اظہار ناراضی کے لیے ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غصے اور حضرت عائشہ کی اس ناراضی سے حضرات صحابہ اسلام سے خارج نہ ہوگئے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ حج نہ کراتے بلکہ پہلے انہیں دوبارہ کلمہ پڑھواکر مسلمان کرتے،ان کے نکاح نئے کراتے کیونکہ کافر

حج نہیں کرسکتا نہ مکہ معظّمہ حج کے لیے جاسکتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:" فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" کوئی کافر اس سال کے بعد مکہ معظّمہ سے قریب بھی نہ ہو،یہ ناراضی ایسی ہی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی پر ناراض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تھا حتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر علی کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا ہے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں،باپ بیٹے پر غصہ کرتا ہے عداوت نہیں کرتا،سعید بیٹا باپ پر ضد کرتا ہے دشمنی نہیں کرتا۔

۲؎ تردد اعتقاد میں نہیں عمل میں تھاوہ بھی حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کے شوق میں،اگر اس موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی احرام کھول دیا ہوتا تو کسی صحابی کو کوئی تردد و تامّل نہ ہوتا۔

۳؎ اور ہمارے حلال ہو جانے کی صورت میں ان حضرات کو حلال ہوجانے میں کوئی تامّل نہ ہوتا۔

باب دخول مکۃ و الطواف

باب مکہ کا داخلہ اور طواف ١

الفصل الاول

پہلی فصل

١اس باب میں دو باتیں ہوں گی:مکہ معظّمہ میں داخلہ کے آداب کہ کس وقت آئے،کس طرف سے آئے اور کدھر سے جائے اور طواف کعبہ کا طریقہ کہ طواف کس عمل سے شروع کرے اور کس پر ختم کرے۔مکہ **مکٌّ** سے بنا بمعنی ہلاکت اور سر کچل ڈالنا،چونکہ اللہ تعالٰی نے کئی بار مکہ معظّمہ کے دشمنوں کو ہلاک کیا،انہیں کچل ڈالا اس لیے اسے مکہ کہتے ہیں یا چونکہ مکہ معظّمہ متکبرین و غرور والوں سے مجاہدے ریاضات کراکے ان کے تکبر کو کچل ڈالتا ہے لہذا مکہ کہلاتاہے۔مکہ معظّمہ کے نام و فضائل ان شاءاللہ آخرباب حج میں بیان ہوں گے،صاحب مشکوۃ خود اس کا ایک باب باندھیں گے۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کبھی مکہ معظّمہ داخل نہ ہوتے مگر پہلے صبح تک ذی طوی میں رات گزار لیتے غسل کرتے،نماز پڑھتے پھر دن میں مکہ معظّمہ میں داخل ہوتے ١ اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو ذی طوی پر گزرتے وہاں رات گزارتے حتی کہ صبح ہوجاتی اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل کرتے تھے ٢(مسلم،بخاری)	

١ذی طوٰی مکہ معظّمہ سے قریب مدینہ کے راہ ایک چھوٹی سی بستی یا کنواں کا نام ہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رات میں پہنچ گئے تھے،رات وہاں گزارکر بعد نماز فجر وہاں سے چلے تھے اور دن میں مکہ معظّمہ داخل ہوئے تھے، حضرت ابن عمر اس سنت پر عامل رہے۔علماء فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ دن میں داخل ہونا کہ کعبہ معظّمہ پر پہلی نظر ہیبت و جلال سے پڑے اور دعا خوب دل سے مانگی جائے،اول نظر پر دعا بہت قبول ہوتی ہے،کعبہ کی تجلی دن میں خوب نظر آتی ہے۔بہتر یہ ہے کہ چاشت کے وقت داخل ہو۔(اشعہ)غسل کرکے مکہ معظّمہ میں داخل ہونا بہت بہتر ہے۔(مرقات)نسائی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر دن میں مکہ معظّمہ تشریف لائے اور عمرہ کے وقت رات میں۔سیدنا عبداللہ ابن عمر رات کے وقت مکہ معظّمہ میں داخل ہونے سے منع فرماتے تاکہ حجاج کا سامان گڑبڑ نہ ہو۔ابن حبان میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انبیاءکرام مکہ معظّمہ میں پیدل برہنہ پا داخل ہوتے تھے،عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حج کعبہ سات لاکھ بنی اسرائیل نے کیا جو مقام تنعیم سے ننگے پاؤں ہوجاتے تھے۔(مرقات)

۲؎ واپسی پر ذی طویٰ میں رات گزارنا اس لیے تھا کہ تمام صحابہ جمع ہوجائیں اور اب یہاں سے سفر مدینہ کی تیاری کرلی جائے غرضکہ آتے جاتے دونوں بار ذی طویٰ میں قیام فرمایا مگر مختلف مصلحتوں سے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ آئے تو مکہ کے اوپر کے حصہ سے داخل ہوئے اور اس کے نچلے حصے سے تشریف لے گئے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جس میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، مکہ معظمہ اس طرف سے داخل ہوئے جس کا نام کداء تھا،مکہ معظمہ کے قبرستان جنت معلیٰ کی طرف جسے اب **حجون** کہتے ہیں اور واپسی کے وقت اس طرف سے نکلے جسے ہدی کہتے تھے۔اب اسے **باب الشبیکہ** کہا جاتا ہے،فتح مکہ میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں راستوں سے داخل و خارج ہوئے،یہ تبدیلی راہ انہیں مصلحتوں سے فرمائی جو عید کے دن عیدگاہ جاتے آتے وقت ہوا کرتی تھیں کہ تبدیلی راہ تبدیلی حال کی علامت ہو دونوں راستے گواہ ہوجاویں،سارے شہر کی برکتیں میسر ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔

روایت ہے حضرت عروہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو مجھے حضرت عائشہ نے خبر دی ۱؎ کہ پہلا وہ کام جس سے حضور انور نے مکہ معظمہ آتے وقت ابتداء کی یہ تھا کہ آپ نے وضو کیا پھر بیت اللہ کا طواف کیا ۲؎ پھر عمرہ نہ ہوا ۳؎ پھر حضرت ابوبکر نے حج کیا تو پہلا وہ کام جس سے ابتداء کی یہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت عمر نے حضرت عثمان نے اسی طرح عمل کیا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ عروہ ابن زبیر ثقہ تابعین میں سے ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے یعنی اسماء کے صاحبزادے،آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایات کیں۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غسل تو ذی طویٰ میں فرماچکے تھے اب بھی باوضو تھے یہ وضو پر وضو فرمایا۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک طواف کے لیے طہارت واجب ہے،دوسرے اماموں کے ہاں شرط ہے،ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طواف نماز ہی ہے،ہاں طواف میں رب نے کلام جائز فرمادیا ہے۔جب طواف نماز ہے تو نماز میں طہارت شرط ہے لہذا طواف میں بھی شرط ہے مگر استدلال ضعیف ہے اولًا تو وہ حدیث ہی صحیح نہیں،دوم تشبیہ ہر بات میں نہیں ہوتی،دیکھو نماز میں کھانا پینا مفسد ہے مگر طواف میں کھانا پینا بالاتفاق طواف نہیں توڑتا۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا حج کے ساتھ والے عمرہ کے اور دوسرا عمرہ نہ کیا،آپ سے دوسرا عمرہ ثابت نہ ہوا،بعض شارحین نے اس جملہ کے اور معانی بھی کیے ہیں مگر یہ معنی بہت قوی ہیں۔

۴؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے بھی اسی طرح عمل کیا کہ مکہ معظّمہ میں آتے ہی طواف کیا اور حج سے پہلے صرف یہ ہی ایک عمرہ کیا جس کا احرام حج کے احرام کے ساتھ باندھا تھا،بعض حجاج حج سے پہلے اور حج کے بعد بہت سے عمرے کرتے رہتے ہیں یہ بھی اچھا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ مکہ معظّمہ سے عمرہ کے لیے باہر جانا صحابہ سے ثابت نہیں بجز حضرت عائشہ صدیقہ کے کہ آپ رہے ہوئے عمرہ کو پورا کرنے کے لیے تنعیم سے احرام باندھ کر آئیں۔(مرقات)لم تکن عمرۃ حضرت عروہ کا قول ہے نہ کہ عائشہ صدیقہ کا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کا آتے ہی طواف کرتے تو تین چکروں میں تیز چلتے اور چار میں درمیانی چال چلتے ۱؎ پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر صفا ومروہ کا طواف فرماتے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ایک طواف میں سات چکر ہوتے ہیں،پہلے طواف میں تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے بہادری دکھاتے ہوئے چلنا،بقیہ چار چکروں میں معمولی رفتار پر چلنا سنت ہے،باقی طوافوں میں رمل نہ کرے۔

۲؎ ہر طواف کے بعد دو نفل پڑھنا سنت ہے،بہتر یہ ہے کہ یہ نفل مقام ابراہیم کے سامنے پڑھے،اگر فجر یا عصر کے بعد طواف کرے تو ان وقتوں میں نفل نہ پڑھے،جتنے طواف کرلیے ہوں اتنے نوافل بعد میں پڑھے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنگِ اسود تک تین تین چکروں میں رمل فرماتے اور چار میں معمولی رفتار ۱؎ اور جب صفا مروہ کا طواف کیا تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے ۲؎(مسلم)

۱؎ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ رکن یمانی و رکن اسود کے درمیان رمل نہ کرے معمولی رفتار سے چلے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے چکر میں رمل کرے،طواف کا ہر چکر رکن اسود سے شروع ہوتا ہے اور وہاں ہی ختم ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دوہرے میلوں کے درمیان تو دوڑتے تھے آگے پیچھے راستہ میں رفتار سے چلتے تھے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظّمہ تشریف لائے تو حجر اسود پر پہنچے اسے چوما ۱؎ پھر اس کی داہنی طرف چلے تو تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں معمولی چال اختیار کی ۲؎(مسلم)

۱؎ سنگ اسود چومنے کے چار طریقے ہیں:خود اس پر لب لگا کر بوسہ دینا،اسے ہاتھ سے چھوکر ہاتھ چوم لینا،چھڑی وغیرہ لگا کر چھڑی چوم لینا،دور سے سنگِ اسود کی طرف ہاتھ کرکے ہاتھ چوم لینا۔پہلی صورت بہت بہتر ہے اگر میسر ہو باقی دو

صورتیں بھی جائز ہیں،یہاں پہلی صورت مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طرف سنگ اسود چوما ہے،منہ لگا کر چومنا کبھی کبھی میسر ہوتا ہے اکثر چوتھی صورت ہی میسر ہوتی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف شروع کرتے وقت سنگِ اسود چومنا سنت ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ اگلے تین چکروں میں پورے چکر میں رمل فرمایا،سنگِ اسود سے سنگِ اسود تک۔

روایت ہے حضرت زبیر ابن عربی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت ابن عمر سے سنگ اسود چومنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے دیکھا ۲؎(بخاری)

۱؎زبیر ابن عربی تابعی بصری ہیں،حضرت ابن عمر سے سماع ثابت ہے ان سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔(اشعہ)اور زبیر ابن عدی کوفی ہیں،تابعی ہیں،انہوں نے حضرت انس ابن مالک سے سنا ہے۔(مرقات)

۲؎کہ یہ چومنا جائز ہے یا ناجائز،اگرجائز ہے تو سنت بھی ہے یا نہیں،بعض جہلاء کو خیال ہوگیا تھا کہ یہ پتھر پرستی ہے،ان پر شیطانی توحید کا زور ہوگیا تھااس لیے صحابہ کرام سے یہ سوالات ہوتے تھے اس طرح کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر چوما اور کبھی ہاتھ سے سنگ اسود چھوا اور ہاتھ شریف چوم لیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے دو گوشوں یمانیوں کے سوا کسی اور چیز کو چومتے نہ دیکھا۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎خانہ کعبہ کے چار گوشہ ہیں،ہر گوشہ کو رکن کہتے ہیں رکن اسود،رکن یمانی،رکن عراقی،رکن شامی۔رکن اسود کو دو عظمتیں حاصل ہیں:ایک یہ بناء ابراہیمی پر ہے،دوسرے اس میں سنگ اسود واقع ہے اس لیے اسے منہ یا ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے۔رکن یمانی کو صرف ایک عظمت حاصل ہے بنیاد ابراہیمی پر ہونااس لیے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے منہ نہ لگانا بہتر۔(مرقات) باقی دو رکن عراقی،شامی کو ان دونوں میں سے کوئی عظمت حاصل نہیں کیونکہ یہ درمیان کعبہ میں ہیں،حطیم شریف بھی داخل کعبہ ہے اس لیے اسے چومنا سنت نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع میں اونٹ پر طواف کیا ۱؎اور رکن اسود کو چھڑی سے چومتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بلامجبوری و معذوری سواری پرطواف کرنا ممنوع ہے،طواف میں چلنا واجب ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر طواف لوگوں کی تعلیم کے لیے تھا تاکہ تمام لوگ یہ طواف دیکھ کر طواف کرنا سیکھ لیں لہذا یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے اور یہ حضور کا معجزہ ہے کہ اونٹ نے اس وقت پیشاب پائخانہ نہ کیا۔ہم لوگ مجبوری کی حالت میں بھی اونٹ،گھوڑا حرم شریف میں نہیں لے جاسکتے،ڈولی میں طواف کریں گے جیسا کہ بیمارو بڈھے لوگ کرتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طوف قدوم تو پیدل کیا اور طواف زیارت سواری پرلہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف میں رمل کیا اور سواری پر رمل ناممکن ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور اس وقت بیمار تھے اس لیے سواری پر طواف کیا مگر یہ غلط ہے،ہاں بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ایک عمرہ میں صفا مروہ کی سعی سواری پر کی مگر بیماری کی وجہ سے اس سعی میں حضور ان پہاڑوں پر چڑھے بھی نہیں،صفا مروہ کی سعی سواری پر کرنا ممنوع ہے۔(از مرقات)

۲؎ کوئی بڑی چھڑی حضور انور کے ہاتھ شریف میں تھی جو اونٹ سے سنگ اسود تک پہنچ جاتی تھی اس طرح چومنا جائز ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیاجب بھی رکن پر آتے تو اپنے ہاتھ کی کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کردیتے ۱؎(بخاری)

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سواری پر طواف کرنے والا صرف رکن اسود پر اشارہ سے بوسہ دے گا۔رکن کی طرف اشارہ کرنا نہیں چاہیے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا ہی سنت ہے۔دوسرے یہ کہ رکن اسود سے کوئی لمبی چیز لگاکر اسے چومنا بھی سنت سے ثابت ہے اور صرف اشارہ کرکے ہاتھ چومنا لینا بھی درست ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو طفیل سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا ۱؎ آپ اپنے پاس ہاتھ کی چھڑی سے سنگ کو چھوتے اور چھڑی چوم لیتے۔(مسلم)

۱؎ یعنی میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر طواف کرتے دیکھاتب ہی تو حضور علیہ السلام نے چھڑی سے سنگ اسود کو مس کرکے چھڑی چوم لی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے حج کے سواء کسی چیز کا خیال بھی نہ کرتے تھے ۱؎ جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میں کپڑوں سے ہوگئی ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں رو رہی تھی فرمایا شاید تم مہینے سے ہوگئی میں نے عرض کیا ہاں ۳؎ فرمایا کہ یہ تو وہ شے ہے جو اللہ تعالٰی نے عورتوں پر مقرر فرمادی ۴؎ جو کچھ حجاج کریں تم بھی کرو بجز اس کے کہ طواف بیت اللہ نہ کرنا حتی کہ پاک ہوجاؤ ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ صدیوں سے اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ جائز نہیں یہ حج کے مہینے ہیں،ہم بھی یہ ہی خیال لیے ہوئے حج کو گئے تھے مگر یہ فرمان پچھلی روایت کے خلاف ہے جہاں آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا،ممکن ہے کہ یہاں عوام کا خیال مراد ہو نہ کہ اپنا۔

۲؎ سرف مکہ معظّمہ سے چھ میل کے فاصل پر جانب مدینہ منورہ پر ایک مقام ہے،اب مدینہ منورہ کا راستہ بدل چکا ہے سرف نہیں،یہاں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے۔

۳؎ نفست نون کے فتح سے بمعنی حضت ہے اور نون کے پیش سے ولادت کے خون کے معنی میں آتا ہے،یہاں پہلے معنی میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ سمجھی تھیں کہ ماہواری کی حالت میں عورت حج نہیں کرسکتی کیونکہ طواف حج کا رکن اعلیٰ ہے جب وہ ہی نہ ہوسکا تو باقی ارکان بھی ادا نہ ہوسکیں گے اس لیے آپ روئیں کہ اب کیا کروں۔

۴؎ بنات آدم سے ساری عورتیں مراد ہیں جن میں حضرت حوا بھی داخل ہیں کہ انہیں بھی ماہواری آتی تھی،بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت مریم کو اور بعض نے کہا فاطمہ زہرا کو بھی ایام نہ آتے تھے،یعنی اے عائشہ اس میں رونے کی کیا بات ہے یہ عارضہ تو ساری عورتوں کو ہوا ہی کرتا ہے۔

ع مرگ،انبوہ جشنے دارد

۵؎ کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ عورت مسجد میں جا نہیں سکتی،نیز بعد والی سعی بھی نہیں کرسکتی سعی طواف کے بعد میں چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں حضرت ابو بکر نے اس حج میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر الحج بنایا تھا یعنی حجۃالوداع سے پہلے ۱؎ بقرعید کے دن مجھے ایک جماعت میں بھیجا جسے آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کردو ۲؎ کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی کافر حج نہ کرے اور کوئی ننگا طواف نہ کرے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں حج فرض ہوا مگر اس سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف نہ لے گئے کیونکہ حضور کو علم تھا کہ ابھی ہماری وفات ہونے والی نہیں اور دینی امور میں بہت مشغولیت تھی بلکہ حضرت صدیق اکبر کو مع حضرت علی چند صحابہ کے امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو حج بھی کرادیں اور یہ اعلان بھی کردیں اس میں خلافت صدیقی کی طرف اشارہ ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر ہی کو حج کا امام بنایا اور انہیں کو نماز کا امام بناکر اپنے مصلےٰ پر کھڑا کیا عمل استخلاف ہوگیا۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق کو حج کا امیر بنایااور جناب صدیق نے مجھے اس کا اعلان کا حکم دیا،چونکہ اس جماعت مؤذن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امیر تھے دوسرے حضرات ماموراس لیے ضمیر واحد ارشاد ہوئی۔

۳؎ سوائے قریش کے باقی تمام کفار عرب بالکل ننگے طواف کرتے تھے کہتے تھے کہ قریش تو ہوئے بے گناہ ہم ہیں گنہگار،ہم ان کپڑوں میں طواف نہ کریں گے جن میں گناہ کرتے رہے ہیں یا آئندہ گناہ کریں لہذا نہ تو پرانے کپڑوں میں طواف کرتے تھے نہ نئے سلوا کر ان نئے کپڑوں میں،ہاں اگر کسی کو قرشی کرایہ پر کپڑا دے دیتا وہ پہن کر طواف کرسکتا تھا،ان کپڑوں کے کرایہ سے انہیں بہت آمدنی تھی،اس اعلان میں دو چیزوں سے روکا گیا:مشرکوں و کفار کو حج کرنے سے،رب تعالٰی فرماتا

ہے:"اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا"مشرک و کفار گندے ہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔دوسرے ننگے طواف کرنے سے،رب تعالٰی فرماتاہے:"خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"۔اس سے معلوم ہوا کہ عام مسجدوں میں کفار کو اپنی عبادات کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔خیال رہے کہ ننگے طواف کرنا ہمیشہ ہی کے لیے منع فرمادیا گیا حج میں ہو یا بعد حج،یہ حکم دائمی ہے غیر منسوخ۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت مہاجر مکی سے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھ کر اپنے ہاتھ اٹھائے فرمایا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم تو یہ نہ کرتے تھے[1] (ترمذی،ابوداؤد)	

[1] یعنی بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا بدعت ہے سنت نہیں،امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہے،امام احمد کے ہاں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔مرقات نے فرمایا کہ ان تین اماموں کے ہاں بھی کعبہ دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے،فتح القدیر و مرقات میں بیہقی سے ہے کہ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھو تو ہاتھ اٹھا کرپڑھو اللھم انت السلام شافعی نے حضرت ابن جریج سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا کرتے تھے"اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا"الٰہی اس گھر کی عزت و شرف اور بڑھادے،بیہقی نے بھی اس کی مثل روایت کی جب کہ ثبوت و نفی کی روایات میں تعارض ہوا تو ثبوت کی روایت کو ترجیح ہوگئی،نفی کرنے والوں کو اس کی خبر نہ ہوئی یا یوں کہو کہ اول نظر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے پھر جب بھی کعبہ نظر آئے بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرے،اس طرح دونوں روایتیں جمع ہیں۔بہرحال ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے،حجراسود کے سامنے آئے اسے چوما پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پر تشریف لائے[1] تو اس پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آگیاتو اپنے ہاتھ اٹھائے تو اس قدر اللہ کا ذکر و دعا کرتے رہے جتنا رب نے چاہا[2] (ابوداؤد)	

[1] یہ واقعہ یا تو حجۃالوداع کا ہے یا کسی عمرہ کا اور صفا کی طرف جانا طواف اور طواف کی نماز ادا کرکے ہے۔

۲؎اس زمانہ میں صفا پر بہت اوپر چڑھ کر کعبہ نظر آتا تھا،اب تو زمین پر ہی نظر آجاتا ہے کہ زمین بہت اونچی ہوچکی ہے اور مروہ پر بالکل نظر نہیں آتا مگر ادائے سنت کے لیے کچھ چڑھ جانا چاہیے۔بہتر یہ ہے کہ وہاں جو دل چاہے دعا مانگے کوئی خاص مقرر نہ کرے کہ اس مقرر کرنے میں دل میں خشوع نہیں پیدا ہوتا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے۱؎بجز اس کے کہ تم اس میں بات کرسکتے ہو تو جو طواف میں کلام کرے تو اچھا ہی کلام کرے۲؎(ترمذی،نسائی،دارمی)اور ترمذی نے اس جماعت کا ذکر کیا جنہوں نے اسے ابن عباس پر موقوف کیا۔

۱؎طواف بھی نماز کی طرح بہترین عبادت ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ مکہ والوں کے لیے نماز طواف سے افضل ہے اور باہر والوں کے لیے طواف نماز سے افضل کہ انہیں اس خاص زمانہ ہی میں طواف میسر ہوتاہے۔(اشعہ)

۲؎یعنی طواف کی حالت میں دنیاوی کلام بھی جائز ہے لیکن جائز کلام کرلے ناجائز باتیں،غیبت،جھوٹ وغیرہ نہ کرے۔اس حدیث کی بناء پر بعض اماموں نے طواف میں وضو فرض مانا کہ نماز میں وضو فرض ہے اور طواف نماز کی طرح ہے لہذا اس میں بھی وضو فرض ہو،امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں وضو فرض نہیں۔اولًا تو اس لیے کہ یہ حدیث ظنی ہے اور ظنیات سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔دوسرے اس لیے کہ کپڑوں کی پاکی،کعبہ کومنہ، قرأت قرآن،رکوع سجود وغیرہ ان اماموں کے ہاں بھی طواف میں فرض نہیں،حالانکہ یہ چیزیں نماز میں فرض ہیں۔ معلوم ہواکہ طواف کو نماز سے صرف عبادت ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے،نہ کہ شرائط وارکان کے اشتراط میں۔(اشعہ)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حجر اسود جنت سے آیا۱؎وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا،اسے آدمیوں کے گناہوں نے سیاہ کردیا ۲؎(احمد،ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ۳؎

۱؎حدیث بالکل ظاہری معنی میں ہے بلاوجہ کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں،واقعی یہ پتھر جنت سے آیا۔ہوسکتا ہے کہ وہ گھر جو آدم علیہ السلام کے طواف و سجدوں کے لیے جنت سے آیا تھا جو طوفان نوح کے وقت اٹھالیا گیا اسی کا یہ پتھر ہو جو باقی رکھا گیا یا مستقل طور پر وہاں سے یہ پتھر لایا گیا ہو۔

۲؎یعنی یہ پتھر شفاف آئینہ یا سیاہی چوس کاغذ کی طرح ہے جیسے شفاف آئینہ گردو غبار سے میلااور سیاہی چوس کاغذ گیلے حرفوں پر لگنے سے سیاہ ہوجاتا ہےایسے ہی یہ پتھر ہم گنہگاروں یا گزشتہ مشرکوں کے ہاتھ لگنے سے برابر سیاہ ہوتا چلا گیا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب ہمارے گناہوں سے سنگ اسود سیاہ ہوگیا توگناہوں سے دل بھی میلا ہوجاتا ہے اور

بدکاروں گنہگاروں کی صحبت سے اچھے برے بن جاتے ہیں،بروں کی صحبت سے پر ہیز چاہیے،رب تعالٰی فرماتا ہے فرماتا ہے:"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"صحبت کی تاثیر ضروری ہے۔

۳؎یہ حدیث احمد،نسائی،ابن عدی،بیہقی،طبرانی وغیرہ نے مختلف اسنادوں سے روایت کی،غرضکہ حدیث بہت قوی ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کے متعلق فرمایا رب کی قسم اللہ اسے قیامت کے دن ایسے اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتا ہوگا حق سے چومنے والوں کو گواہی دے گا۱؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں،قیامت میں قرآن،ہمارے نیک اعمال وغیرہ تمام کی شکلیں ہوں گی اور سب کلام کریں گے بلکہ ہمارے اعضاء بھی بولیں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ"۔جو رب تعالٰی ان چیزوں کو گویائی بخش سکتا ہے وہ سنگ اسود کو بھی گویائی،آنکھ وغیرہ بخش سکتا ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔دوسرے یہ کہ سنگ اسود بحکم الٰہی نافعی ہے۔تیسرے یہ کہ سنگ اسود کا چومنا مفید ہے،قیامت میں کام آئے گا۔چوتھے یہ کہ کروڑوں آدمیوں نے اسے چوما یہ ان سب کو جانتا پہنچانتا ہے۔پانچویں یہ کہ سنگ اسود ہمارے دلوں کے اخلاص و نفاق کو بھی جانتا ہے کہ کون اخلاص سے چوم رہا ہے اور کون نفاق سے۔چھٹے یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کے اچھے برے خاتمہ کو جانتا ہے کہ کون ایمان پر مرا اور کون کفر پر،تب ہی تو وہ مؤمن مخلص کی شفاعت کرے گا مرتد منافق کی شفاعت نہ کرے گا۔جب ایک پتھر کے علم و نفع کے یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کو رب نے سید الخلق بنایا ان کے علوم کا کیا پوچھنا،جو لوگ حضور انور کے لیے علوم خمسہ نہیں مانتے وہ اس حدیث میں غور کریں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں جن کی روشنی اللہ نے چھپالی ہے۱؎اگر ان کی روشنی نہ چھپاتا تو یہ پورب و پچھم کے درمیان کو جگمگادیتے۲؎(ترمذی)	

۱؎یعنی ان دونوں جنتی یاقوتوں کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کا اصل نور چھپالیا گیا تاکہ جنت پر ایمان بالغیب رہے،حجر اسود اور مقام ابراہیم دونوں ہی جنت کے جواہرات میں سے ہیں۔

۲؎اور ان کی جگمگاہٹ سورج کو خیرہ کردیتی،سنگ اسود کو کفار قرامطہ اٹھالے گئے تھے،انہوں نے مکہ معظّمہ میں اتنا قتل و خون کیا تھا کہ حرم شریف اور چاہ زمزم لاشوں سے بھر گیا تھا،حجر اسود سے بولے کہ تو ہی شرک کا سرچشمہ ہے خدا کے سواء تو کب تک بنا رہے گا،پچیس سال تک یہ ان کے قبضہ میں رہا،پھر مکہ والوں نے انہیں بہت سا مال دے کر سنگِ اسود مانگا،وہ

بولے کہ وہ پتھر دوسرے پتھروں سے مخلوط ہوگیا ہے آؤ پہچان کر لے جاؤ،مکہ معظّمہ کے علماء نے کہا کہ جس پتھر پر آگ اثر نہ کرے وہ سنگ اسود ہے کیونکہ جنتی چیز میں آگ اثر نہیں کرتی۔چنانچہ پتھر آگ سے تپ گئے یہ گرم بھی نہ ہوا،اس علامت سے واپس لائے،جاتے وقت اس پتھر کے بوجھ سے کئی سو اونٹ دب کر مر گئے تھے مگر واپسی کے وقت ایک دبلا اونٹ اسے مکہ لے آیا۔غرضکہ سنگ اسود عجیب نورانی بابرکت پتھر ہے۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت عبید ابن عمیر سے ۱؎ کہ حضرت ابن عمر دورکنوں میں اس قدر بھیڑ میں گھستے ۲؎ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو وہاں اس قدر گھستے نہ دیکھا ۳؎ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ کرتا ہوں تو درست ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ان کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے ۴؎ اور میں آپ کو فرماتے سنا کہ جو اس بیت اللہ کا ایک ہفتہ نہایت حفاظت و احتیاط سے طواف کرے ۵؎ تو غلام آزاد کرنے کی طرح ہوگا اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ طواف کرنے والا ایک قدم نہیں رکھتا اور دوسرا نہیں اٹھاتا مگر رب تعالٰی ان کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک نیکی لکھتا ہے ۶؎(ترمذی)

۱؎ آپ جلیل القدر تابعین سے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پیدا ہوئے تھے مگر زیارت نہ کر سکے،آپ کی کنیت ابوعاصم ہے،قبیلہ بنی لیث سے ہیں،حجازی ہیں،مکہ معظّمہ کے قاضی رہے،حضرت ابن عمر کی وفات سے کچھ پہلے ہی وفات پاگئے۔

۲؎ یعنی ہر طواف کے اول و آخر میں حضرت ابن عمر سنگ اسود و یمانی چومنے کی بہت کوشش کرتے تھے بھیڑ میں گھس کر چومتے تھے مگر اس طرح کہ کسی کو آپ سے ایذاء نہ ہو کہ وہاں ایذاء دینا ممنوع ہے۔

۳؎ حتی کہ کبھی حضرت ابن عمر کی ناک شریف اس بھیڑ میں زخمی ہوجاتی تھی دیگر صحابہ کرام اس ایذاء کو دیکھ کر بھیڑ میں نہ گھستے تھے بلکہ اشارہ سے چوم لیتے تھے آج کل ان صحابی کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔اگر چومنے کا شوق ہو تو رات کے آخری حصہ میں یا دوپہری میں طواف کرلے ان اوقات میں آسانی سے بوسہ نصیب ہوجاتا ہے،فقیر کا تجربہ ہے۔

۴؎ گناہ صغیرہ کا نہ کہ حقوق العباد کا،بعض لٹیرے بدّو حجاج کو قتل،ان کا مال لوٹ کر،سنگ اسود چوم جاتے،طواف کر جاتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ جو ہم کر آئے تھے وہ معاف ہوگیا یہ ان کی جہالت و حماقت تھی،اب تو وہاں بہت امن ہے۔

۵؎ اس طرح کہ مسلسل ایک ہفتہ طواف کرے کوئی دن ناغہ نہ ہو اور طواف کی تمام سنتیں و مستحبات ادا کرے یہ دونوں چیزیں احصاہ سے ثابت ہوئیں۔

۶؎ اس طرح کہ ایک قدم رکھنے پر گناہ کی معافی دوسرا قدم اٹھانے پر بلندی درجہ میسر ہوتی ہے اور بے گناہ آدمی کو دونوں قدموں پر بلندی درجات ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکنوں کے درمیان فرماتے سنا الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے[1](ابوداؤد)	

[1] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی حالت میں رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان ہوتے تو یہ جامع دعا مانگتے تھے کیونکہ اس جگہ ستر ۷۰ فرشتے مقرر ہیں جو طواف والے کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں اور یہاں فاصلہ بھی اتنا ہی ہے کہ یہ مختصر دعا پڑھ لی جائے اس لیے سرکار یہاں یہ جامع دعا پڑھتے تھے۔شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت طواف اس دعا کے سواء کوئی اور دعا منقول نہیں۔اب جو طواف کے ساتھ چکروں کی الگ الگ دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ سلف صالحین سے منقول ہیں۔اس دعا کی شرح ہم کتاب الدعوات میں کرچکے ہیں،یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کی ستر شرحیں کی گئی ہیں مگر مختصر و جامع و لذیذ شرح یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی اتباع آقا و اطاعت مولیٰ ہے،آخرت کی بھلائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب،رب کا دیدار ہے اور عذاب نار،حجاب یار ہے،اللہ تعالٰی یہ نعمتیں نصیب کرے اور حجاب سے بچائے۔آمین۔

روایت ہے حضرت صفیہ بنت شیبہ سے[1] فرماتے ہیں مجھے ابی تجارہ کی بیٹی نے خبر دی فرماتی تھیں کہ میں چند قرشی بیبیوں کے ساتھ ابی حسین کے خاندان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے گئی [2]جب کہ آپ صفا و مرہ کے درمیان سعی کر رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا تہبند شریف تیز دوڑنے کے باعث گردش کررہا تھا [3]اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ لوگو سعی کرو اللہ نے تم پر سعی واجب کی[4](شرح سنہ)اور احمد نے کچھ اختلاف سے روایت کی۔	

[1] یہ صفیہ تابعین میں سے ہیں،ان کا نام صفیہ بنت شیبہ ابن عثمان ابن طلحہ حجبی ہے یعنی عثمان ابن طلحہ جو کعبہ شریف کے کلید بردار ہیں ان کی پوتی ہیں اور بنت ابی تجراۃ کا نام حبیبہ ہے،بنی عبدالدار سے ہیں،تجراۃ ت کے زبر یا پیش سے جیم کے سکون ر کے زبر سے ہے۔

[2] آل حسین کا یہ گھر سعی کے کنارے پر تھا جہاں سے سعی بخوبی دیکھی جاسکتی تھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی دیکھنے اس لیے گئیں کہ سعی کا طریقہ سیکھ لیں اور حضور انور کی زیارت سے شرف حاصل کریں جو تمام عبادات سے بہتر عبادت ہے کہ کعبہ کے دیکھنے سے انسان حاجی بنتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے صحابی اور ایک صحابی تمام جہان کے حاجیوں غازیوں سے افضل ہے،کوئی شخص صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ"یعنی دوسرے مسلمان صحابہ کو نہیں مل سکتے۔

۳؎ اس حدیث سے صراحةً معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی پیدل کی نہ کہ سواری پر،یہ ہی سنت ہے بلا عذر سواری پر سعی کرنا مکروہ و خلاف سنت ہے۔جن روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سعی کی وہ کسی عمرے میں تھی جو بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے یا لوگوں کی تعلیم کے لیے تھی جیسے حضور انور نے بغرض تعلیم سواری پر طواف بھی کیا۔

۴؎ حج میں سعی امام شافعی و احمد و امام رحمہم اللہ تعالٰی کے ہاں فرض ہے کہ اس کے رہ جانے پر حج باطل ہوگا مگر امام اعظم قدس سرہ کے ہاں واجب ہے کہ اس کے رہ جانے پر دم واجب ہوگا،ان اماموں کی دلیل یہ حدیث ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی،بعض علماء کے ہاں سعی نفل ہے،ان کی دلیل یہ آیت ہے"فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا"مگر یہ دلیل کمزور ہے۔(مرقات و لمعات وغیرہ) حضرت ابن عباس،ابن زبیر،انس ابن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سعی کو نفل ہی مانتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کے درمیان اونٹ پر سعی کرتے دیکھا ۲؎ جس میں نہ اونٹ کا مارنا پیٹنا تھا نہ لوگوں کو ہٹانا نہ ہٹو بچو فرمانا ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،ضعفاء مکہ معظّمہ سے تھے اس لیے وہاں سے ہجرت نہ کرسکے۔(اشعہ)

۲؎ یہ سعی حجۃالوداع کی سعی نہیں بلکہ کسی عمرہ کی سعی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر سعی کرنا کسی سخت مجبوری یا بیماری کی وجہ سے ہے لہٰذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور کا تہبند شریف زیادہ تیز دوڑنے کی وجہ سے گھوم رہا تھا کہ یہ واقعہ حجۃالوداع کا ہے۔

۳؎ اس میں ان امراء و سلاطین پر طعن ہے جو سعی میں راستہ خالی کراتے تھے یا ہٹو بچو کہتے تھے،چاہیے یہ کہ امیر و فقیر ایک ساتھ سعی کریں،وہاں ہٹو بچو کیسی،موت،نماز،حج و عمرہ دنیاوی فرق مٹاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت یعلی ابن امیہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز چادر بغل سے نکالے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ، دارمی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین،طائف و تبوک میں حاضر ہوئے، حضرت عمر کی طرف سے نجران کے حاکم تھے،جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے،اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

۲؎ اضطباع کے معنی عرض کیے جاچکے ہیں کہ احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر داہنا کندھا کھلا رکھنا اور بایاں کندھا ڈھکا رکھنا،چادر بردیمانی تھی،یہ ہی حضور انور کا محبوب کپڑا تھا۔علماء فرماتے ہیں کہ سبز چادر سے مراد مخطط بسبز ہے نہ کہ خالص سبز کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خالص سبز یا سرخ کپڑا نہیں پہنا،اضطباع یعنی داہنا کندھا کھولنا صرف اس

طواف کے وقت مستحب ہے،بعض حجاج احرام کے وقت سے ہی کندھا کھلا رکھتے ہیں یہ غلط ہے اس طرح نماز مکروہ ہوگی۔(مرقات)بعض وارثی فقراء ہمیشہ احرام کا لباس پہنتے ہیں اس میں حرج نہیں لیکن اضطباع نہ کریں اور نہ ننگے سر رہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے عمرہ کیا۱؎ تو بیت اللہ شریف کا تین بار رمل کیا اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے لیا پھر انہیں اپنے بائیں کندھے پر ڈالا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ جعرانہ مکہ معظّمہ سے جانب طائف ایک منزل فاصلہ پر ہے وادی حنین سے وھوازن سے متصل اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں اور یہاں سے ہی عمرہ کیا،یہاں سترہ دن یا کچھ کم و بیش قیام فرمایا،اب بھی بعض عشاق مکہ معظّمہ سے یہاں آکر عمرہ کا احرام باندھتے ہیں جسے بڑا عمرہ کہتے ہیں،فقیر نے اس مقام کی زیارت کی ہے۔اشعہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ راتوں رات کیا تھا،کسی کو اطلاع نہ تھی،صحابہ کرام نے اس کے بعد دوسرے وقت میں عمرہ کیا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اضطباع صرف طواف میں کیا جائے گا نہ سعی میں ہوگا نہ کسی اور وقت یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں سعی میں اضطباع سنت ہے طواف پر قیاس کرتے ہوئے مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ طواف میں اضطباع رمل کی طرف شجاعت ظاہر کرنے کے لیے تھا،حضور انور نے اور کسی موقع پر نہ اضطباع کیا نہ رمل۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم نے رکن یمانی و اسود کا چومنا چھونا سہولت یا دشواری میں کبھی نہ چھوڑا جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں چومتے دیکھا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگِ اسود کو منہ مبارک لگا کر چوما مگر رکن یمانی کو ہاتھ لگا کر البتہ بیہقی و حاکم سند ضعیف اور امام احمد نے بسند صحیح منہ لگا کر بوسہ دینے کی بھی روایت کی ہے اسی لیے امام محمد فرماتے ہیں کہ اسے بھی منہ لگا کر چومے ہوسکتا ہے کہ یہ منہ لگانا شاذونادر ہوا ہو۔(مرقات)

	اور ان کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ سنگِ اسود کو اپنا ہاتھ لگاتے پھر ہاتھ چوم لیتے اور فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے دیکھا تب سے کبھی نہ چھوڑا ۱؎

۱؎ یعنی طواف کے کسی چکر میں اس کا بوسہ نہ چھوڑا موقعہ ہوا تو منہ لگا کر چوما،ورنہ ہاتھ لگا کر اور اگر نہ بن پڑا تو اشارہ کرکے۔اس سے معلوم ہوا کہ رکن عراقی و شامی کو نہ چوما جائے گا،یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سنت پر ہیشگی کرنا برا نہیں۔بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے سنگ اسود کو چوما بھی اور اس پر سجدہ بھی کیا اور فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنگ اسود پر سجدہ کرتے دیکھا،جناب عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو اس پر سجدہ کرتے دیکھا،حاکم نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ آپ نے سنگ اسود پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیالہٰذا امام مالک کا یہ فرمانا کہ اس پر سجدہ کرنا بدعت ہے درست نہیں۔(مرقات)ان روایات سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم سنگ اسود کے بوسہ سے ناراض تھے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بیمار ہوں تو فرمایا کہ تم لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کرلو ۱؎ تو میں نے طواف کیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے متصل نماز پڑھ رہے تھے اور سورۂ **وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ** پڑھ رہے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بیماری سے وہ مرض مراد ہے جس میں چلنا پھرنا اور طواف دشوار ہوجائے اور سواری سے ڈولی پر سواری مراد ہے جسے لوگ اپنے کندھوں پر اٹھاکر مریض کو طواف کرادیں نہ کہ جانور پر سواری،جانور پر طواف کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے ہم کو حرم شریف میں جانور لے جانا جائز نہیں۔لوگوں کے پیچھے کی قید اس زمانہ کے لحاظ سے ہے کہ اس وقت مسجد حرام اتنی ہی بڑی تھی جتنا اب مطاف ہے(طواف کی جگہ)اب جب کہ مسجد چوطرفہ بہت دور تک پھیل گئی ہے تو صرف جماعت کے وقت مطاف میں نماز ہوتی ہے اس کے بعد پورا مطاف طواف والوں کے لیے خالی کردیا جاتا ہے اور وہ لوگ باقی حصوں میں نماز پڑھتے رہتے ہیں،وہاں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔

۲؎ یہ نماز فجر تھی،چونکہ حضرت ام سلمہ فجر پڑھ چکی تھیں اور بعد فجر نفل جائز نہیں اس لیے آپ اس وقت طواف کرتی ہیں۔غالب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں رکعتوں میں سورت **والطور** پڑھی۔

	روایت ہے حضرت عابس ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ آپ سنگِ اسود چومتے تھے اور کہتے تھے میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان ۱؎ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اے سنگ اسود میں تجھے پوجتا نہیں بلکہ چومتا ہوں،تجھے عبادت کا بوسہ نہیں دیتا بلکہ تعظیم کا بوسہ دیتاہوں کیونکہ عبادت اس اللہ کی ہے جو بذات خود نفع نقصان کا مالک ہے یہ اس لیے فرمایا کہ عہد فاروقی کے نو مسلم لوگ جواب تک پتھر پوجتے تھے وہ اس تعظیم کو پتھر کی عبادت نہ سمجھ لیں۔مرقات میں ہے کہ یہاں نفع نقصان سے مراد بالذات نفع پہنچانا ہے ورنہ اسود بحکم پروردگار بہت نافع ہے کہ اس کا چومنا عبادت اور باعث ثواب ہے اور ابھی کچھ پہلے عبداللہ ابن عباس کی روایت گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اس کی آنکھیں بھی ہوں گی اور زبان بھی،اپنے اخلاص سے چومنے والوں کے ایمان کی گواہی دے گا۔

۲؎ یعنی تجھے چومنا ایک تعبدی چیز ہے اور حضور انور کی اتباع میں ہے اس جگہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اور شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں،مولانا عبدالحی لکھنوی نے فدایۃ الھدایہ اور ابن حمام نے بروایت حاکم فرمایا کہ فاروق اعظم کے اس فرمان پر حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا اے امیر المؤمنین یقینًا سنگ‌اسود مفید بھی ہے اور مضر بھی،رب العالمین نے تمام روحوں سے جو اپنی وحدانیت کا اقرار لیا تھا وہ اقرار نامہ اسی پتھر میں محفوظ ہے اور یہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی آنکھیں و ہونٹ ہوں گے،مخلصین کی گواہی دے گا،یہ اللہ کا امین ہے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ ابوالحسن جس زمین میں تم نہ ہو مجھے خدا و ہاں نہ رکھے۔مرقات نے فرمایا کہ حدیث بشرط شیخین نہیں ہے کیونکہ اس کی اسناد میں ابو ہارون عبدی ہیں جن سے مسلم و بخاری حدیث نہیں لیتے(یعنی حدیث صحیح ہے اگرچہ بشرط شیخین نہیں)اسی جگہ مرقات نے فرمایا مستحب یہ ہے کہ سنگ اسود کو چومنے کے بعد اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ بھی کرےاور ابن حمام نے فرمایا کہ ابن ماجہ میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگِ اسود پر ہونٹ مبارک رکھے اور بہت دیر تک روتے رہے پھر فاروق اعظم سے فرمایا کہ اے عمر اس جگہ آنسو بہائے جاتے ہیں۔(مرقات)فقیر حقیر احمد یار کہتا ہے کہ حضرت عمررضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کے جہلا کا انتظام فرماتے ہوئے سنگ اسود سے یہ فرمایا اور حضرت علی مرتضٰی نے قیامت تک کے وہابیوں کا انتظام فرماتے ہوئے اس کے یہ فضائل بیان فرمائے دونوں بزرگوں کے کلام برحق ہیں اور مسلمانوں کو مفید۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں ۱؎ تو جو کہتا ہے الٰہی میں تجھ سے معافی اور امن و عافیت دینی و دنیاوی مانگتا ہوں ۲؎ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے تو فرشتے کہتے ہیں آمین ۳؎(ابن ماجہ)

۱؎ یعنی بہٖ کی ضمیر کا مرجع رکن یمانی ہے،یہ تفسیر غالبًا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲؎ ذنوب کی معافی عفو ہے اور عیوب کی معافی عافیت یا دنیا میں معافی عفو ہے اور آخرت میں معافی عافیت،رکن یمانی اور سنگِ اسود کے درمیان بحالت طواف یہ دعا ضرور مانگے۔

۳؎ یعنی چونکہ اس جگہ کی دعا پر رکن یمانی والے یہ فرشتے آمین کہتے ہیں اس لیے یہاں جامع دعا مانگنی چاہیے،یہ مطلب نہیں کہ اس دعا پر تو آمین کہتے ہیں اور اگر کوئی اور دعا مانگی جائے تو آمین نہ کہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ طواف کے چکروں

میں دعائیں مقرر نہیں کہ فلاں چکر میں یہ دعا مانگے فلاں میں یہ،ہاں بحالت طواف قرآن مجید حضور انور سے ثابت نہیں،بہتر یہ ہے کہ دعائیں ہی مانگے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کا طواف سات چکر کرے اور اس کے سوا اور بات چیت نہ کرے ۱؎ کہ اللہ پاک ہے،اللہ کی تعریف ہے،اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا نہ طاقت ہے نہ قوت تو اس کے دس گناہ مٹادیئے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے ۲؎ اور جو شخص طواف کرے اور اسی حالت میں باتیں کرے تو رحمت میں اپنے دونوں پاؤں سے ایسے گھس جائے گا جیسے پانی میں پاؤں سے گھس جاتا ہے ۳؎(ابن ماجہ)

۱؎ نہ دنیاوی بات کرے نہ تلاوت قرآن یا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے اور کوئی دعا ہی نہ مانگے۔خیال رہے کہ رکن یمانی اور سنگ اسود کا درمیانی فاصلہ اس حکم سے علیحدہ ہے،وہاں وہ دعا مانگے جو ابھی گزر چکی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی پورے طواف کا یہ فائدہ ہوگا یا ہر چکر کا یا ہر دفعہ یہ دعا پڑھنے کا مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کی حمد کرنا بھی دعا ہے،دیکھو ان کلمات میں دعائیہ لفظ ایک بھی نہیں،صرف رب کی حمد و ثناء ہے مگر اس کے اتنے بڑے فائدے ہیں۔خیال رہے کہ یہ فائدے ہم گنہگاروں کے لیے ہیں،بے گناہ بندوں کے لیے تیس درجوں کی بلندی ہوگی۔

۳؎ اس جملے کی بہت شرحیں ہیں۔محقق شرح یہ ہے کہ باتیں کرنے سے مراد یہی کلمات بولنا ہیں،چونکہ ان کلمات کا اب دوسرا فائدہ بیان ہورہا ہے اس لیے اس طرح ارشاد فرمایا،بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جو شخص طواف میں دنیوی باتیں کرے وہ تو گھٹنوں گھٹنوں دریائے رحمت میں آجاتا ہے اور جو گزشتہ کلمات پڑھے وہ دریائے رحمت میں غوطے لگاتا ہے مگر یہ شرح ضعیف سی ہے کیونکہ مسجد میں خصوصًا طواف میں دنیوی باتیں مکروہ ہیں جن سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں اس پر ثواب کا وعدہ کیسا،حضرت آدم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو آپ سے فرشتوں نے مصافحہ کرکے عرض کیا کہ ہم دو ہزار سال سے یہاں طواف کررہے ہیں،آپ نے پوچھا کہ تم طواف میں کیا پڑھتے ہو وہ بولے سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس پر یہ زیادہ کیا کریں گے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔(مرقات)

باب الوقوف العرفۃ

باب عرفہ میں ٹھہرنا ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ عرفہ عرفٌ سے بنا بمعنی پہچاننا،نویں تاریخ کو بھی عرفہ کہتے ہیں اور عرفات میدان کو بھی مگر لفظ عرفات صرف میدان کو کہا جاتا ہے نہ کہ اس دن کو،رب فرماتاہے:"فَإِذَآ أَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفَٰتٍ"۔چونکہ اس جگہ کا ہر حصہ عرفہ ہےاس لیے اسے جمع عرفات کہا جاتا ہے۔اس جگہ کو چند وجہ سے عرفہ کہتے ہیں:(۱)اسی جگہ حضرت آدم و حوا کی ملاقات تین سو برس کے فراق کے بعد ہوئی اور ایک دوسرے کو پہچانا(۲)اسی جگہ جبرئیل امین نے جناب خلیل کو ارکان حج سکھائےاور آپ نے فرمایا عَرَفْتُ میں نے پہچان لیا(۳)یہ جگہ تمام دنیا میں جانی پہچانی ہے کہ یہاں حج ہوتا ہے یعنی مشہور ہے(۴)رب تعالیٰ اس دن حاجیوں کو مغفرت کا تحفہ دیتا ہے۔عرف بمعنی عطیہ،رب فرماتاہے:"عَرَّفَهَا لَهُمۡ"(۵)تمام حجاج وہاں پہنچ کر اپنے گناہوں کا اقرار وا عتراف کرتے ہیں۔خیال رہے کہ قیام عرفہ حج کا رکن اعلیٰ ہے جسے یہ مل گیا اسے حج مل گیا۔

روایت ہے حضرت محمد ابن ابی بکر ثقفی سے کہ انہوں نے منٰی سے عرفہ جاتے ہوئے حضرت انس ابن مالک سے پوچھا کہ آپ حضرات اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا کہا کرتے تھے ۱؎ تو وہ بولے کہ ہم میں تلبیہ کہنے والا لبیك کہتا تھا اور اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا اور ہم میں سے تکبیر والا اللہ اکبر کہتا تھا اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ شاید سائل کا خیال تھا کہ حجاج کو عرفات پہنچ کر کوئی خاص عبادت کرنا ہوتی ہوگی اس لیے یہ سوال کیا حالانکہ کچھ پڑھنے کا نام حج نہیں ہے بلکہ حاجی کا اس دن میں اس جگہ پہنچ جانے کا نام حج ہے۔

۲؎ عرفہ میں حاجیوں کا تلبیہ کہنا سنت ہے اور تکبیر کہنا جائز،تلبیہ دسویں بقرعید جمرہ عقبی کی رمی پر خاتم ہوتاہے۔ خیال رہے کہ نماز پنج گانہ کے بعد تکبیر تشریق کہنا اور جگہ واجب ہے عرفات میں نہیں۔(مرقات)لہذا صحابہ کرام کا یہ تکبیر کہنا ذکر اللہ کی بناء پر تھا،یہ تکبیر تشریق نہ تھی۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے یہاں قربانی کرلی ہے مگر سارا منٰی ہی	

قربانی گاہ ہے لہذا اپنی منزلوں میں قربانی کرسکتے ہو ۱؎ اور ہم نے یہاں قیام فرمایا ہے مگر سارا عرفہ ہی قیام گاہ ہے ۲؎ اور ہم نے یہاں وقوف مزدلفہ کیا ہے مگر سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ ھھنا سے منٰی کی اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی یعنی صرف یہاں ہی قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سارا ہی منٰے قربانی گاہ ہے جہاں بھی کرلو گے ہوجائے گی حتی کہ اپنے خیموں میں بھی قربانی کرسکتے ہو،اب حکومت نے منی میں قربانی کے لیے الگ جگہ خاص کردی تاکہ خیموں اور راستوں میں خون نہ بہے اور بیماری نہ پھیلے،یہ حکم انتظامی ہے نہ کہ شرعی اور سرکار کا یہ فرمان اباحت کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حنیف کے پاس قربانی کی تھی وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد نحر کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی ہم نے جبل رحمت کے پاس وہاں کی چٹانوں سے متصل اپنا خیمہ ڈالا اور قیام فرمایا،عرفات میں قیام کی جگہ صرف یہی نہیں بلکہ بطن عرفہ کے سواء سارا میدان قیام گاہ ہے۔

۳؎ یعنی ہم نے مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس قیام کیامگر وادی محسّر کے سواء سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے۔مزدلفہ زَلْفٌ سے بنا باب افتعال کی ت دال بن گئی اس کے معنی ہیں قرب کی جگہ،چونکہ حاجی یہاں پہنچ کر اللہ سے قریب ہوتا ہے،نیز یہ جگہ منٰی سے قریب ہےاس لیے مزدلفہ کہا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ"۔علماء فرماتے ہیں کہ ان تینوں مقامات میں جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے قرب ہو اتنا ہی اچھا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ سے بڑھ کر ایسا کوئی دن نہیں جس میں اللہ اپنے بہت سے بندوں کو آگ سے آزاد کردے ۱؎ رب تعالٰی اس دن بہت ہی قریب ہوتا ہے پھر ان فرشتوں پر فخر فرماتا ہے کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی سال بھر کے تمام دنوں سے زیادہ نویں ذی الحجہ کو گنہگار بخشے جاتے ہیں۔عبد کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس دن حاجیوں کے علاوہ اور بندوں کو بھی بخشتا ہےاسی لیے غیر حجاج کے لیے اس دن روزہ سنت ہے۔

۲؎ یعنی اس دن اللہ کی رحمت بندوں سے قریب تر ہوتی ہے اور رب تعالٰی فرشتوں پر حاجیوں کی افضلیت،ان کی شرافت و کرامت ظاہر فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم نے کہا تھا کہ انسان خونریزی و فساد کرے گا تم نے اس پر غور نہ کیا کہ انسان اپنا گھر بار وطن چھوڑ کر پردیسی بن کر،پریشان بال،کفن پہنے لبیك لبیك کی صدائیں لگاتا عرفات کے میدان میں بھی آئے گا،بتاؤ ان حاجیوں نے سواء میری رضاء کے اور کیا چاہاہے،صرف مجھے راضی کرنے کے لیے یہ لوگ ان میدانوں میں مارے مارے پھررہے ہیں یہ شرف نہ ملائکہ کوحاصل ہے نہ جنات کو صرف ان ہی کا حصہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو بن عبداللہ ابن صفوان سے وہ اپنے ماموں سے راوی جنہیں یزید ابن شیبان کہا جاتا تھا۱؎ فرماتے ہیں ہم عرفات میں اپنی منزل میں تھے عمرو نے فرمایا کہ وہ جگہ امام کی جگہ سے بہت دور تھی ۲؎ تو ہمارے پاس ابن مربع انصاری آئے بولے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہاری طرف پیغامبر ہوں۳؎ حضور تم سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو ۴؎ تم لوگ اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو ۵؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ حضرت عمرو ثقہ تابعین میں سے ہیں،جمحی ہیں،قرشی ہیں اور یزید ابن شیبان ازدی صحابی ہیں۔

۲؎ اسلام سے پہلے کفار مکہ نے عرفات کے حصے بخرے کرلیے تھے کہ ہر قبیلہ کے قیام کا الگ ٹھکانہ تھا۔چنانچہ یزید ابن شیبان کے قبیلہ کا بھی ایک مقام تھا،قدیم رسم کے مطابق یہ حضرت اپنی خاندانی قیام گاہ میں ٹھہرے مگر آج دل کی کیفیت کچھ اور تھی،اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے بہت دور دیکھ کر پیشیمان ہوئے اس لیے اگلا واقعہ پیش آیا۔

۳؎ ان کا نام زید یا یزید ابن مربع ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور افتادگان حجاج کی دلی کیفیت خود معلوم فرمائی اس لیے یہ پیغام بھیجا ان حضرات نے چاہا تھا کہ اس جگہ سے منتقل ہوکر حضور کے قدموں میں جا پڑیں اس لیے یہ پیغام آیا سرکار ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں۔

۴؎ **مشاعر مشعر** کی جمع ہے بمعنی عبادت گاہ یعنی زمانہ جاہلیت سے جو تمہارے مقام مقرر ہوچکے ہیں اور اب تم آکر ٹھہر گئے ہو وہاں سے منتقل نہ ہو کہ اس میں سخت دشواری ہوگی سارا عرفات قیام گاہ ہے،مجھ سے دوری تمہارے لیے مضر نہیں۔(لمعات)

۵؎ سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ فرمان ہے یعنی تم اپنے جاہل باپ دادوں کی پیروی میں یہاں نہ ٹھہرو بلکہ سنت ابراہیمی سمجھ کر یہاں قیام کرو اور میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ**"۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفات جائے وقوف ہے اور سارا منٰی قربانی گاہ ہے اور سارا مزدلفہ قیام گا ہے اور مکہ معظّمہ کی ہر سڑک راستہ اور قربانی گاہ ہے ۱؎(ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ فجاج فج کی جمع ہے بمعنی چوڑا راستہ یعنی اگرچہ ہم براستہ کداء مکہ معظمہ پہنچے لیکن مکہ معظمہ تک پہنچنے والے تمام راستے ٹھیک ہیں جس راستہ سے یہاں آؤ درست ہےاور سارا مکہ معظّمہ قربانی گاہ ہے کہ حج کی قربانی حرم میں چاہیے جہاں بھی ہوجائے حجاج اپنی آسانی کے لیے منیٰ میں قربانی کرلیتے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ حج وعمرہ کی قربانی سارے حرم میں ہوسکتی ہے لیکن حج کی قربانی منٰی میں افضل ہے اور عمرہ کی قربانی مکہ معظّمہ میں خصوصًا مروہ پہاڑ کے پاس بہتر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت خالد ابن ہوذہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عرفات میں اونٹ پر دورکابوں کے درمیان کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہ خطبہ حج ہے جو نویں بقرعید کو عرفات میں دیا جاتاہےجس میں عرفات سے چلنے،مزدلفہ میں ٹھہرنے،منٰی میں قربانی اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھائے جاتے ہیں۔قَآئِمًا بمعنی وَاقِفًا ہے،یہ مطلب نہیں کہ آپ اونٹ پر کھڑے ہوئے تھے کہ یہ تو بہت مشکل ہے،مطلب یہ ہے کہ آپ وقوف عرفات اونٹ پر کررہے تھے۔فِی الرِّکَابَیۡنِ کے معنی یہ ہیں کہ دونوں قدم شریف رکاب میں رکھے ہوئے تھے،چونکہ وہاں منبر تھا نہیں اور منشاء یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اونچے رہیں تاکہ دور تک کے لوگ آپ کی زیارت بھی کرسکیں اور آپ کا کلام شریف بھی سن سکیں،اس لیے یہ خطبہ اونٹ پر دیا،اب بھی عرفات شریف میں امام اونٹ پر خطبہ دیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کے دن کی دعاؤں میں سے بہترین ۱؎ اور جو ہم نے اور ہم سے پہلے نبیوں نے عرض کیا ان میں سے بہترین عرض یہ ہے کہ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں،اسی کا ملک ہے،اسی کی تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۲؎(ترمذی)اور مالک نے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ سے لاشریك له تک روایت کی۔

۱؎ کیونکہ اس دن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اس پر مانگنے سے زیادہ ملتا ہے،ثواب دعا اس کے علاوہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں بقرعید کی دعا بہترین عمل ہے خواہ کہیں مانگی جائے،اگر حج میسر ہو اور میدان عرفات میں مانگی جائے تو زہے نصیب ورنہ اپنے گھر یا مسجد وغیرہ جہاں ہوسکے مانگے،یہ دن غفلت میں نہ گزار دےاسی لیے سمجھ دار لوگ نویں بقر عید کو روزہ رکھتے ہیں،عبادات و دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں اس دن کو لہو و لعب میں نہیں گزارتے۔

۲؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اس دن صرف دعا ہی نہ مانگے بلکہ رب تعالٰی کی حمد و ثناء بھی کرے کہ اللہ کے ذکر سے دل کو چین اور قرار ہے اور ذکروں میں بہترین ذکر یہ ہے کہ اس میں رب تعالٰی کی اعلیٰ درجہ کی حمد و ثناء ہے اور سنت انبیاء پر عمل بھی یعنی ذکر اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہیں اسی لیے لوگ دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے

منقول ہوں زیادہ پڑھتے ہیں۔دوسرے یہ کہ تمام دعاؤں میں بہترین دعا یہ ہے کہ کیونکہ حق تعالٰی کی حمد و ثنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کہنا یہ دعا ہے،حدیث قدسی میں ہے کہ جسے میرا ذکر دعا مانگنے سے روک دے تو اسے میں مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا،نیز اس میں رضاء بالقضاء علے وجہ الکمال ہے،شاعر کہتا ہے۔شعر

وَكَلْتُ اِلَى الْمَحْبُوْبِ اَمْرِىْ كُلَّهٗ　　فِاِنْ شَاءَ اَحْيَانِىْ وَاِنْ شَاءَ اَتْلَفَ

یہ کلمات چوتھے کلمے کے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے ہی یہ پڑھا کرتے تھے جیساکہ گزر چکا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلٰی تاریخوں میں ذکر الٰہی افضل ہے کہ اس صورت میں ذکر کے ساتھ وقت کی فضیلت بھی جمع ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ ابن کریز سے [1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان بہت چھوٹا بہت پھٹکارا ہوا اور بہت ذلیل و غمگین نہ دیکھا گیا [2] یہ صرف اس لیے ہے کہ وہ آج کے دن رحمت باری کا نزول اور اللہ کا بڑے گناہوں کی معافی دینا مشاہدہ کرتاہے [3] اس کے سواء جو بدر کے دن دیکھا گیا [4] عرض کیا گیا حضور بدر کے دن کیا دیکھا گیا فرمایا اس نے حضرت جبریل کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صف آرائی کررہے ہیں [5] (مالک)مرسلًا اور شرح سنہ میں لفظ مصابیح سے۔

[1] یہ طلحہ تابعی ہیں،اہل شام میں سے ہیں اسی لیے مصنف نے ان کے دادا کا نام بھی لے دیاکیونکہ طلحہ ابن عبید اللہ ابن عفان مشہور صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،ان کے دادا عثمان یعنی ابو قحافہ صدیق اکبر کے والد ہیں،فقط طلحہ سے ذہن انہی کی طرف منتقل ہوتا ہے جیسے صرف عبداللہ سے عبداللہ ابن مسعود اور صرف حسن سے خواجہ حسن بصری سمجھ میں آتے ہیں۔

[2] اصغر صغار سے ہے بمعنی حقارت ادحر دحر سے بنا بمعنی ذلت کے ساتھ نکالنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوۡرًا"اور فرماتا ہے:"اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا"۔شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا وہ اور اس کی ساری ذریت یعنی یوں تو شیطان ہمیشہ ہی ذلیل و خوار اور غمگین رہتا ہے مگر نویں بقرعید کو حاجیوں کو عرفہ میں دیکھ کر بہت غمگین ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ نیک کام پر غم کرنا اور نیکیوں سے جلنا شیطانی عمل ہے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی نگاہ سے غیبی پردے اٹھے ہوئے ہیں جن سے وہ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتا ہے،اللہ کی رحمت اترتے ہوئے دیکھتا ہے اور رب تعالٰی کے فیصلوں سے بھی خبردار رہتا ہے ورنہ اس دن اس کے زیادہ غمگین ہونے کے کیا معنی،جب اس ناری کا یہ حال ہے تو نوری مخلوق کی شان کیا ہوگی۔

[4] کہ اس دن وہ عرفہ کے دن سے بھی زیادہ پریشان غمگین و ذلیل و خوار تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے شیطان اور اس کی ذریت چھپی ہوئی نہیں،حضور تو اس کی دلی کیفیتوں تک سے مطلع ہیں کہ اس کے دل پراس وقت کیا گزررہی ہے۔رای سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اسے آنکھوں سے دیکھا۔

۵؎ یَزَعُ وَزَعٌ سے بمعنی تقسیم وترتیب،رب تعالٰی فرماتا ہے:" فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ "اہل عرب صفیں ترتیب دینے والے کو وازع کہتے ہیں،یہاں فرشتوں سے وہ پانچ ہزار فرشتے مراد ہیں جو مسلمانوں کی امداد کے لیے جنگ بدر کے دن آئے،یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے ورنہ ایک فرشتہ پورے ملک کو ہلاک کرسکتا ہے بلکہ مسلمانوں کی معیت اور حضور کی ماتحتی کی عظمت حاصل کرنے آئے تھے جیسے بدری صحابہ تمام صحابہ سے افضل ہیں ایسے ہی بدری فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل۔شعر

معلوم ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں ۔۔۔ اصل الاصول بندگی اسی تاجور کی ہے

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو رب تعالٰی دنیاوی آسمان کی طرف نزول کرم فرماتا ہے ۱؎ تو حجاج کے ذریعے فرشتوں پر فخر کرتا ہے ۲؎ فرماتا ہے میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس بکھرے بال گرد آلود دور دراز کے راستوں سے شور مچاتے آئے ہیں میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا ۳؎ فرشتے عرض کرتے ہیں یارب فلاں مرد اور فلاں عورت تو بدکاری کرتے رہے ہیں ۴؎ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے میں نے انہیں بھی بخش دیا ۵؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عرفہ سے زیادہ کوئی دن لوگوں کے آگ سے چھٹکارا پانے کا نہیں ۶؎(شرح سنہ)	

۱؎ اللہ تعالٰی اترنے چڑھنے آنے جانے سے پاک ہے ایسے مقام پر اللہ کی رحمت اس کی مغفرت کا اترنا مراد ہوتا ہے۔آسمان دنیا سے پہلا آسمان مراد ہے جو زمین سے قریب تر ہے،چونکہ اس آسمان کے فرشتے زمین والوں سے بہت واقف ہوتے ہیں اس لیے رب تعالٰی کی رحمتیں پہلے اس آسمان پر اترتی ہیں پھر زمین پر تاکہ ان فرشتوں کی نگاہ میں خصوصیت سے مسلمانوں کا وقار قائم ہو اور ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۲؎ رب کے فخر فرمانے کے معنی ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔حجاج سے مراد عرفہ میں ٹھہرے ہوئے حاجی ہیں اور فرشتوں سے مراد عموماً سارے فرشتے ہیں اور خصوصًا پہلے آسمان کے،چونکہ فرشتے انسانوں کے گناہ دیکھتے رہتے ہیں اس لیے انہیں خصوصیات سے مسلمانوں کی نیکیاں دکھائی جاتی ہیں،یہ رب کی بندہ نوازی ہے کہ ہمارے گناہوں پر فرشتوں کو اس طرح اہتمام سے متوجہ نہیں کیا جاتا مگر نیکیوں پر جو اسی کی توفیق سے ہیں فرشتوں کو متوجہ بھی کیا جاتا ہے اور ثواب بھی انہیں گواہ بناکر دیا جاتا ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا پیارے کلمات ہیں بحالت احرام حجاج پراگندہ بال بھی ہوتے ہیں کہ اس حال میں کنگھی کرنا منع ہے اور گردو غبار میں آٹے ہوئے بھی کہ وہ ریگستانی علاقہ ہے،حجاج زیادہ غسل بھی نہیں کرسکتے،دور دراز ملک سے لبیک کا شور کرتے

پہنچتے ہیں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کسی برکت والی جگہ جانا رب کے پاس جانا ہے،دیکھو عرفات میں پہنچنے والوں کو فرمایا گیا کہ یہ میرے پاس آئے کیونکہ عرفات وہ مقام ہے جہاں انبیائے کرام گزرے یا رہے ہیں لہٰذا انبیاء و اولیاء کے مزارات پر حاضری دینا رب کے پاس ہی جانا ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ کے مقبولوں کو اچھے کام پر گواہ بنالینا چاہیے،ہم نے لوگوں کو کہتے سنا کہ نیکیاں مقبولوں کے سامنے کرو اور گناہ ان سے چھپاؤان سے غیرت کرو۔

۴؎ یہ کلام اظہار تعجب کے لیے ہے کہ خدایا ہم نے فلاں حاجی اور فلاں حجبن کو فسق اور بڑے بڑے گناہ گزشتہ زمانہ میں کرتے دیکھا ہے کیا یہ بھی بخش دیئے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کے رہنے والے فرشتے بھی ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:" **یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ**"تو اگر اللہ کے حبیب گنبد خضرا میں رہتے ہوئے ہمارے ہر عمل سے خبردار ہوں اور ہماری بدکاریوں کی ستاری اور ہماری گنہگاریوں کی شفاعت اور نیک کاریوں کی دعائے قبولیت فرماتے ہوں تو کیا تعجب ہے۔

۵؎ کیونکہ یہ اگرچہ برے ہیں مگر اچھی جگہ،اچھوں کی جگہ اور اچھوں کے پاس آگئے،میں نے انہیں بھی بخش دیا کہ اچھوں کا ساتھی بھی مجرم نہیں رہتا،اور لکڑی کے سنگ لوہا بھی تیر جاتا ہے۔

۶؎ چنانچہ حاکم کی روایت میں یوں ہے کہ اے میرے حاجی بندو اگر تمہارے گناہ ریگستانوں کے ذروں،پانی کے قطروں،درختوں کے پتوں کے برابر بھی ہوں جب بھی تمہیں بخش دیا،جاؤ میں نے تمہیں بھی بخشااور جس کی تم سفارش کرو اس کو بھی بخشا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ نویں بقر عید کو عام مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے حاجی ہوں یا غیر حاجی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں قریش اور ان کا طریقہ کرنے والے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے ۱؎ اور انہیں حمس(بہادر وغیرہ)کہا جاتا تھا ۲؎ باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالٰی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات پہنچیں وہاں ہی ٹھہریں پھر وہاں سے واپس ہوں ۳؎ یہ حکم ہے اللہ عزوجل کا کہ تم وہاں سے چلو جہاں سے لوگ چلیں ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی سرداران عرب خواہ قریش یا غیر قریش حج کے موقعہ پر اپنی بڑائی اس طرح ظاہر کرتے تھے کہ غریب حاجی تو عرفات پہنچتے تھے اور یہ لوگ مزدلفہ تک آکر لوٹ جاتے تھے۔

۲؎ **حمس** ح کے پیش سے **احمس** کی جمع،**حماسه** سے بنا بمعنی سختی و بہادری اسی لیے کعبہ کو **حمساء** کہتے ہیں کہ وہ مضبوط پتھروں سے بنایا گیا،نیز وہ کہتے تھے کہ ہم حرم کے کبوتر ہیں حدود حرم سے آگے نہ بڑھیں گے۔

۳؎ کیونکہ حج کی جان اور اس کا رکن اعلیٰ تو حج کا قیام ہی ہے جس سے یہ لوگ تکبر اور فخر کی بناء پر محروم رہے اے محبوب آپ وہاں ہی قیام کریں، صرف مزدلفہ سے واپس نہ ہوں۔معلوم ہواکہ متکبر انسان کبھی بڑی رحمتوں سے محروم رہتا ہے۔

۴؎ یعنی عرفات سے جہاں سے حجاج واپس ہوتے ہیں تاکہ متکبروں کا غرور ٹوٹے۔خیال رہے کہ قبرستان اور عرفات کا میدان، جماعت نماز کی صفیں وہ مقامات ہیں جہاں سب چھوٹے بڑے برابر کردیئے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عباس ابن مرداس سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی امت کے لیے دعائے مغفرت کی ۲؎ تو جواب ملا کہ حقوق العباد کے سوا باقی گناہ بخش دیئے مظلوم کا حق تو لوں گا ۳؎ عرض کیا یارب اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے دے اور ظالم کو بخش دے ۴؎ اس شام کو تو جواب نہ ملا مگر جب مزدلفہ میں حضور نے صبح کی تو وہ ہی دعا دوبارہ کی تب آپ کا سوال پورا کیا گیا ۵؎ راوی فرماتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یا مسکرائے ۶؎ خدمت عالی میں حضرت ابوبکر و عمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ فدا اس گھڑی حضور ہنسا نہ کرتے تھے اللہ حضور کو خوش و خرم رکھے کیا چیز آپ کو ہنسارہی ہے ۷؎ فرمایا کہ جب اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا کہ اللہ تعالٰی نے میری دعا قبول کرلی اور میری امت کو بخش دیا ۸؎ تو مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے لگا اور ہائے وائے پکارنے لگا ۹؎ ہم نے جو اس کی گھبراہٹ دیکھی جس سے ہمیں ہنسی آگئی ۱۰؎ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں اس کی مثل روایت کی ۱۱؎

۱؎ آپ کی کنیت ابوالہیثم ہے، قبیلہ بنی سلیم سے ہیں، بڑے پایہ کے شاعر تھے، فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے، مؤلفۃ القلوب سے تھے، فتح مکہ میں آپ پانچ سو ساتھیوں کے ساتھ شریک تھے، زمانہ جاہلیت میں آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے پر شراب حرام کرلی تھی اور آپ اپنی قوم کے سردار تھے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ امت سے مراد تاقیامت حجاج ہیں کہ جو حج کو آئے بالکل بخشا جائے، بعض شارحین نے ساری امت مراد لی ہے اور بعض نے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والے فرمایا مگر پہلی بات قوی تر ہے۔(لمعات،مرقات)

۳؎ مظالم سے مراد حقوق العباد ہیں خواہ مالی حق ہوں یا جانی۔حق العبد وہ ہے جو بندے کے معاف کردینے سے معاف ہوجائے اور حق اللہ وہ ہے جسے بندہ معاف نہ کرسکے لہذا قتل کی سزا حق العبد ہے اور زنا کی سزا حق اللہ اور چوری کی سزا مقدمہ پہنچنے سے پہلے تو حق العبد ہے، پھر حق اللہ بن جاتی ہے یعنی حق اللہ حج سے معاف نہ ہوگا وہ تو ادا ہی کرنا ہوگا۔خیال رہے کہ یہ حج مقبول کی جزا ہے، حج مقبول ہوتا ہی وہ ہے جو نمازیں وغیرہ ادا کرکے کیا جائے لہذا اس حدیث کا مطلب یہ

نہیں ہے کہ عمر بھر تارک نماز اور شرابی،زانی رہو،حج کر آؤ،سب معاف ہوگیابلکہ پہلے ان جرموں سے صحیح توبہ کرو پھر آئندہ ان کے قریب نہ جاؤ،تو ان شاءاللہ گزشتہ کوتاہیوں کی معافی ہوجائے گی۔

۴؎ یعنی مظلوم کو جنت دے کر ظالم سے راضی کرادے کہ مظلوم ظالم کو معافی دے دے۔اپنا حق مظلوم معاف کردے اور اے مولیٰ تو اپنا حق معاف فرما دے۔خیال رہے کہ ہر حق العبد میں حق اللہ بھی داخل ہوتا ہے ہاں غالب حق العبد ہوتا ہے قاتل جیسے مقتول کا مجرم ہے ایسے ہی رب کا بھی مجرم کہ اس نے رب کا قانون توڑالہٰذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پرڈال دینایا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوا دینا عدل ہے مگر مظلوم کو جنت دے کر راضی کردینا اور ظالم کی معافی کرادینا یہ رب تعالٰی کا فضل ہے،یہاں یہ تیسری صورت مراد ہے۔

۵؎ یعنی حقوق العباد کا بھی وعدہ کرلیا گیا،اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیالہٰذا اگر مقروض نے ادائے قرض میں ٹال مٹول کی تھی پھر ادا کرکے حج کو گیا تو حج کی برکت سے ٹال مٹول کا گناہ معاف ہوگیا اور اگر قرض خواہ لاپتہ ہوگیا تھا یا کسی وجہ سے ابھی قرض ادا نہ کیا تھا کہ حج کرلیا تو بھی اب تک تاخیر کا گناہ معاف ہے لیکن اگر حج کے بعد بھی قرض ادا نہ کیا تو اب ٹال مٹول کا گناہ اب از سر نو شروع ہوگا۔ہاں اگر حج میں مرگیا اور بعد میں ورثاء نے بھی ادا نہ کیا مگر اس حاجی کی نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ معافی ہوجائے۔غرضکہ اس حدیث پر چکڑالویوں کا کوئی اعتراض نہیں،اس قسم کی امید افزاء آیات قرآن کریم میں بھی بہت ہیں،نیز حجاج کو اس حدیث کی بناء پر دلیر ہونا جائز نہیں کیا خبر کس کا حج قبول ہوا اور اس بشارت کا اہل ہو۔

۶؎ یہ شک کسی نیچے کے راوی کو ہے نہ کہ حضرت عباس کو،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی شریف میں کبھی ٹھٹھا نہ لگایا تبسم فرماتے تھے۔

۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ادائے عبادت کے موقعہ پر تبسم نہ فرماتے تھے بلکہ اکثر گریہ و زاری فرماتے تھے،اللہ تعالٰی حضور کے دندان عالی کو ہمیشہ ہی خوش رکھے،آج مزدلفہ میں سجدہ فرماکر یہ تبسم کیا۔معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی بگڑی بنوادی،اس پر خوشی ہے۔سبحان اللہ! کیا نیارا سوال ہے اور کس خوش اسلوبی سے ہے،دعا دے کر کلام کرنا غلاموں کا طریقہ چاہیے۔

۸؎ معلوم ہوا کہ شیطان جہاں بھی ہو عالم کے ہر حال کی خبر رکھتا ہے اور ہر ظاہر و چھپی باتوں کو سنتا جانتا ہے۔ظاہر ہے کہ ابلیس اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو تھا نہیں نہ آپ کے سجدہ کے وقت وہاں کان لگائے ہوئے تھا،وہ مردود اپنی جگہ تھامگر یہاں سے خبردار تھا،جب ناری کی یہ کیفیت ہے تو نوری جماعتوں کے علم و فضل اور باخبری کا کیا پوچھنا،رب تعالٰی ابلیس کے متعلق فرماتا ہے:"اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"۔

۹؎ ابلیس کی یہ گریہ زاری اپنی نامرادی اور ناکامی پر تھی کہ میں عمر بھر کوشش کرکے بندوں سے گناہ کراؤں گا مگر ایک حج کر کے وہ گناہوں سے پاک و صاف ہوجائیں گے۔

۱۰؎ معلوم ہوا کہ بے دینوں کے ایسے غم پر مؤمنوں کو خوش ہونا چاہیے کہ یہ خوشی بھی عبادت ہے اور سنت بھی ہے۔

۱۱؎ یہ حدیث طبرانی ابو یعلی خطیب وغیرہ محدثین نے مختلف اسنادوں،مختلف عبارتوں سے نقل فرمائیں جن کی تمام اسنادیں ضعیف ہیں،ابن جوزی نے اسے موضوع بتایا،بیہقی نے اس حدیث کے ماتحت فرمایا کہ کوئی حاجی اس حدیث سے دھوکا نہ کھائے اور اپنے کو بالکل مغفور نہ جانے خدا سے خوف رکھے،بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے،رب تعالٰی نے اعلان فرمادیا کہ:"**وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ**"۔(مرقات)امام عسقلانی نے ایک کتاب لکھی ہے **قوت الحجاج فی عموم المغفرۃ للحاج** جس میں ابن جوزی کی موضوع کہنے کی تردید کی ہے اور فرمایا کہ اگرچہ اس حدیث کی اسنادیں ضعیف ہیں مگر چند ضعیف اسنادیں مل کرحدیث قوی کردیتی ہیں۔بہرحال حاجی رب تعالٰی کے کرم کی امید تو رکھے مگر مغرور نہ ہوجائے۔ذنوب کی معافی کی امید رکھے اور حقوق فورًا اداکردے خواہ حقوق شرعیہ ہو جیسے قضاء نمازیں یا حقوق عباد جیسے قرض وغیرہ۔(لمعات،اشعہ،مرقات)

باب الدفع من عرفة و المزدلفة

باب عرفہ اور مزدلفہ سے روانگی ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یا تو دفع سے مراد نکلنا ہے نہ کہ نکالنا یا اپنی سواری کو اژدہام سے نکالنا ہے کہ ان روانگیوں میں ہجوم بہت ہوتا ہے جہاں سے حاجی بڑی ہوشیاری سے اپنی سواری کو نکالتا ہے لہٰذا سے دفع کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ہشام ابن عروہ سے ۱ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ اسامہ ابن زید سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جب عرفہ سے روانہ ہوئے تو کس چال سے چلتے رہے فرمایا آپ قدرے تیز چلتے رہے (دلکی) پھر جب کھلا راہ پاتے تو زیادہ تیز چلتے (میدانی) ۲ (مسلم، بخاری)

۱ ہشام بھی تابعی ہیں اور ان کے والد عروہ ابن زبیر ابن اعوام بھی تابعی ہیں، عروہ ابن زبیر مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء سے ہیں، آپ کا کنواں اور باغ بیر عروہ کی فقیر نے زیارت کی ہے، اس کا پانی بھی پیا ہے۔

۲ **فجوہ** کے معنی ہیں کشادگی اور کھلی جگہ۔رب تعالٰی فرماتا ہے: "**وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ**" اصحاب کہف غار کی کھلی جگہ میں ہیں، نص اور عنق اونٹ کی رفتاروں کے نام ہیں۔نص عنق سے زیادہ تیز ہوتی ہے جیسے گھوڑے کی رفتاروں کے نام دلکی، میدان، سرپٹ وغیرہ ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ عام حالت میں معمولی رفتا رپر چلایا اور اگر کوئی جگہ خالی ملی تو تیز رفتار سے تاکہ حتی الامکان اگلے مقام پر جلد پہنچ کر عبادات کریں یہ بھی سبقت الی الخیرات کی قسم ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس ہوئے ۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اونٹوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ اور مار سنی ۲ تو انہیں اپنے کوڑے سے اشارہ فرمایا اور حکم دیا کہ اے لوگو اطمینان اختیار کرو تیز دوڑنے میں خوبی نہیں ۳ (بخاری)

۱ عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلے دسویں ذوالحجہ کی شب کو، چونکہ یہ شب بھی نویں تاریخ میں داخل ہے اس لیے اسے یوم عرفہ فرمایا گیا، بعض لوگوں نے یوم عرفہ سے دھوکا کھایا اور منٰی سے عرفات کی روانگی سمجھے یہ غلط ہے۔ (مرقات) دسویں ذی الحجہ کی شب میں جو عرفات پہنچ جائے اسے حج مل جاتا ہے۔

۲؎ کہ حجاج اونٹوں کو دوڑانے کے لیے انہیں ڈانٹ ڈپٹ و مار کررہے تھے۔
۳؎ یعنی اس جگہ اونٹ دوڑانا ثواب نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ گناہ بن جائے کہ ہجوم زیادہ ہے تیز دوڑانے میں حجاج کے کچل جانے چوٹ کھا جانے کا خطرہ ہے،بلکہ ثواب تو اطمینان سے اراکان ادا کرنے میں ہے،اب بھی حجاج کو چاہیے کہ وہ بھاگ دوڑ سے بچیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ حضرت اسامہ ابن زید عرفہ سے مزدلفہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف (پیچھے سوار)رہے پھر حضور انور نے مزدلفہ سے منٰی تک حضرت فضل کو پیچھے بٹھالیا۱؎ان دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کو کنکر مارنے تک تلبیہ کہتے رہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ عرفات سے منٰی تک دو حضرات کو آگے پیچھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکابی کی سعادت میسر ہوئی،عرفات سے مزدلفہ تک حضرات اسامہ ابن زید ابن حارث رضی اللہ عنہ حضور انور کے ساتھ حاضر تھے اور مزدلفہ سے منٰی تک حضرت فضل ابن عباس کو اس کا شرف ملا،چونکہ حضور انور کی ہمرکابی اعلیٰ درجہ کا شرف ہے،نیز اس قرب سے حضور کے اعمال طیبہ بخوبی معلوم ہوسکتے ہیں اس لیے یہ واقعہ بیان فرمایا۔
۲؎ معلوم ہوا کہ حج کا تلبیہ دسویں ذی الحجہ رمی جمرہ عقبہ تک رہتا ہے یہاں پہلا کنکر مارتے ہی تلبیہ ختم ہوجاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء جمع کرکے پڑھیں ۱؎ کہ ان میں سے ہر نماز علیحدہ تکبیر سے ادا کی اور نہ ان کے درمیان نفل پڑھے اور نہ ان میں سے کسی نماز کے پیچھے ۲؎(بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی کہ وہاں آج مغرب کا وقت یہ ہی ہے،اگر کوئی عرفات میں یا راستہ میں نماز مغرب پڑھ بھی لے گا تو نہ ہوگی کہ اس نے وقت سے پہلے پڑھ لی۔خیال رہے کہ عرفات شریف میں تو عصر اپنے وقت سے آگے پڑھتے ہیں کہ ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہےاس لیے وہاں دونوں نمازوں کے لیے تکبیریں بھی دو ہوں گی اور جو حاجی جماعت امام کے ساتھ پڑھے گا وہ ہی جمع صلوتین کرے گامگر مزدلفہ میں نماز مغرب پیچھے ہٹ گئی کہ عشاء کے وقت میں پڑھی گئی تو خواہ باجماعت نماز پڑھے یا علیحدہ اور خواہ امام کے ساتھ جماعت پڑھے یا اپنی جماعت علیحدہ کرے،بہر حال جمع صلوتین کرے گا۔خلاصہ یہ ہے کہ عرفات میں دونوں نمازوں کے لیے اذان ایک اور اقامت دو ہوں گی۔
۲؎ یہ مذہب امام زفر کا ہے کہ مزدلفہ میں بھی مغرب و عشاء دو تکبیروں سے پڑھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ یہاں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک،ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جو مسلم شریف نے حضرت سعید ابن جبیر سے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک اذان ایک اقامت

سے دونوں نمازیں پڑھیں وہ احادیث مطابق قیاس ہیں اور یہ حدیث بخاری خلاف قیاس لہذا ان روایات کو ترجیح ہے کیونکہ تکبیر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ہوتی ہے لوگ پہلی اذان و تکبیر پر جمع ہوچکے ہیں اور نماز عشاء کا وقت بھی ہے تو ظاہر ہے کہ بغیر عشاء پڑھے نہ متفرق ہوں گے مگر عرفات میں ظہر اپنے وقت میں ہے اندیشہ ہے کہ لوگ سلام پھیرتے ہی چل دیں گے اس لیے تکبیر فورًا ہی کہہ دی جائے کہ عصر بھی ابھی ہورہی ہے جاؤ مت،بہرحال مذہب آئمہ قوی ہے،امام طحطاوی نے امام زفر کا مذہب اختیار کیا ان دونوں نمازوں کے درمیان یا بعد میں نوافل و سنن وغیرہ ہرگز نہ پڑھے کہ یہ ہی سنت ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو۱ سواء دو نمازوں کے مزدلفہ میں تو مغرب و عشاء ۲ اور اس دن نماز فجر اپنے وقت معہود سے پہلے پڑھ لی ۳(مسلم،بخاری)	

۱یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفر میں جمع بین الصلوتین نہ کیا یعنی چند نمازیں بیک وقت نہ پڑھیں،وہاں جمع صوری تھا کہ ظہر آخر وقت میں پڑھی اور عصر اول وقت میں،رہا غزوۂ خندق میں چند نمازیں یکدم پڑھنا وہ جمع نہ تھا بلکہ قضاء پڑھی گئی تھیں،جمع اور ہے قضاء کچھ اور۔

۲یعنی مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو حقیقتًا جمع فرمایا کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی اور دوسری عرفات میں کہ وہاں عصر ظہر کے وقت میں پڑھی،چونکہ وہ جمع صلوتین دن میں اور سب کے سامنے ہوا تھا اسی لیے اس کا علیحدہ نام نہ لیا اور مزدلفہ میں نمازوں کا اجتماع رات میں تھا جس میں سارے حجاج جمع نہ تھے اس لیے صرف اس کا ذکر صراحۃً علیحدہ بھی کردیا لہذا حدیث واضح ہے دو نمازوں سے مراد عرفہ و مزدلفہ کی نمازیں ہیں۔

۳یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر خوب اجیالا میں پڑھتے تھے مگر آج مزدلفہ میں پو پھٹنے کے بعد اندھیرے میں پڑھی،یہ حدیث امام اعظم قدس سرہ کی قوی دلیل ہے کہ ہمیشہ فجر اجیالہ میں پڑھی جائے،صرف مزدلفہ میں اندھیرے منہ پڑھے کیونکہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی نماز فجر پو پھوٹتے ہی پڑھتے ہوتے تو آج وقت معتاد سے پڑھنے کے کیا معنی،کیا وقت سے پہلے پڑھ لی ہرگز نہیں لہذا قول احناف قوی ہے،یہاں تمام آئمہ کے ہاں وقت سے مراد وقت معتاد ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات ضعیف بال بچوں کے ساتھ آگے بھیج دیا ۱(مسلم،بخاری)	

۱**ضعفہ** جمع ضعیف کی ہے بمعنی کمزور،اس سے مراد چھوٹے بچے اور عورتیں ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں بقر عید کی رات میں اپنے گھر والی بیبیاں اور چھوٹے بچے رات ہی میں مزدلفہ سے منٰی روانہ کردیئے تاکہ صبح کو بھیڑ بھاڑ میں تکلیف نہ ہو اور یہ حضرات منٰی میں پہلے پہنچ کر آرام سے خیمہ میں پہنچ جائیں،اب بھی یہ جائز ہے مگر طاقتور لوگوں کو

یہ ساری رات مزدلفہ میں گزارنی ہوگی،بعد نماز فجر سورج نکلنے سے کچھ پہلے یہاں سے روانہ ہوں گے۔مسلم،بخاری میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھاری جسم تھیں وہ بھی نصف رات کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوگئیں حضور سے پوچھ کر،یہ عذر کی بنا پر اجازت ہے۔

روایت ہے انہی سے وہ حضرت فضل ابن عباس سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے کہ حضور انور نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کے سویرے جب لوگ روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا سکون اختیار کرو حضور خود بھی اپنی اونٹنی کی لگام کھینچے ہوئے تھے ۱؎ حتی کہ وادی محسر میں داخل ہوگئے جو منٰی کا ہی حصہ ہے ۲؎ فرمایا کنکریاں چن لو ٹھیکریوں کی طرح جن سے جمرہ کو مارا جائے ۳؎ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہے۔(مسلم)	

۱؎ یعنی ان دونوں روانگیوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کو اطمینان سے آہستہ چلنے کا حکم دیا عرفہ سے مزدلفہ آتے وقت اور پھر صبح کو مزدلفہ سے منٰی آتے وقت اگر یہ اطمینان نہ ہو تو بہت لوگ کچل کر مرجائیں،اب تو بسیں چلتی ہیں مگر وہ بھی دو تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پھر بھی ٹھہرتی ہوئی۔

۲؎ یہ راوی کی تفسیر ہے علماء کے اس کے متعلق مختلف خیال ہیں۔بعض کے نزدیک یہ منٰی میں داخل ہے بعض کے خیال میں مزدلفہ میں بعض کہتے ہیں کہ یہ ان دونوں کے درمیان برزخ ہے،یہ تیسرا قول ہی قوی ہے اور اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ وہ منٰی سے قریب ہے۔(لمعات،اشعہ و مرقات)منٰی جمرہ عقبہ سے وادی محسر تک کے علاقہ کا نام ہے اس طرح یہ دونوں حدود منٰی سے خارج ہیں۔(مرقات)

۳؎ خذف چٹکی سے پھینکنے کو کہتے ہیں پھر ٹھیکری کو کہنے لگے کہ وہ چٹکی سے ہی پھینکی جاتی ہے ان کنکروں کی مقدار باقلا کے دانہ کے برابر چاہیے۔بہتر یہ ہے کہ وادی محسر سے چنے جائیں اگر مزدلفہ سے ہی چن لیے گئے تب بھی جائز ہے ستر ۷۰ کنکر لیے جائیں جو سات دسویں ذی الحجہ کو کام آویں اور ۶۳ گیارہویں،بارہویں،تیرھویں کو کیونکہ آج صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوگی،ان تواریخ میں تینوں جمروں کی ہر جمرہ پر سات کنکر،بعض بے وقوف بڑے بڑے پتھر بلکہ جوتے مارتے ہیں اور شیطان کو گالیاں دیتے جاتے ہیں،یہ جہالت ہے،خیال رہے کہ یہاں جمرہ سے مراد جنس جمرہ ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے یوں روانہ ہوئے کہ آپ پر نہایت سکون و اطمینان تھااور لوگوں کو بھی سکون کا ہی حکم دیا اور وادی محسر میں سواری کچھ تیز کی ۱؎ اور انہیں حکم دیا کہ ٹھیکریوں کی سی کنکریوں سے رمی کریں اور فرمایا شاید تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھوں گا ۲؎ میں نے یہ حدیث مسلم،بخاری میں نہ	

	پائی صرف ترمذی میں پائی وہ بھی کچھ تقدیم و تاخیر سے ۳؎

۱؎ یعنی مزدلفہ سے منٰی تک کا بقیہ راستہ تو آہستگی سے طے فرمایا مگر یہ مقام قدرے تیزی سے،اس کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے مگر یہ تیزی بھی ایسی نہ تھی جس سے لوگوں کو تکلیف ہو اسی لیے اوضع فرمایا،ایضاع کے معنی ہیں جانور کو ایڑھ لگانا تاکہ وہ قدرے تیز ہوجائے۔

۲؎ یعنی یہ ہمارا آخری حج ہے بلکہ مکہ مکرمہ کی حاضری بھی آخری ہےاور ہماری حیات کا آخری سال ہے،جو کچھ سیکھنا ہے ہم سے جلد سیکھ لو،اے مشتاق آنکھوں دیدار محبوب سیر ہوکر کرلو،پھر ترسو گے۔یہ لَعَلَّ یقین کے لیے ہے جیسے قرآن کریم میں جگہ جگہ لَعَلَّ فرمایا گیااور دیکھنے سے مراد ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہے،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی عالم کے ذرہ ذرہ کو ملاحظہ فرمارہے ہیں جس پر بہت دلائل قائم ہیں،دیکھو ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول انہی الفاظ کی بنا پر اس حج کا نام حجۃ الوداع ہوا کہ حضور نے اس میں اپنے وداع کی خبر دی اور امت کو وداع فرمایا اور ہوا بھی ایسا ہی کہ چند ماہ بعد یعنی بارہویں ربیع الاول کو وفات ہوگئی۔خیال رہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں حجۃالوداع ہوااور ربیع الاول ۱۱ھ میں وفات تین مہینہ بعد ۔

۳؎ اس میں مصنف پر دو اعتراض ہیں:ایک یہ کہ مصنف ترمذی کی حدیث فصل اول میں لے آئے،یہ ان کے قاعدہ کے خلاف ہے وہ فصل اول میں صرف شیخین کی روایات لاتے ہیں۔دوسرے یہ کہ روایت ترمذی کی بھی ترتیب الفاظ بدلی ہوئی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت محمد ابن قیس ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا کہ جاہلیت والے جب عرفہ سے چلتے تھے ۱؎ جب کہ سورج ایسا ہوجاتا تھا جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں ۲؎ غروب سے پہلے اور مزدلفہ سے آفتاب چمکنے کے بعد جب کہ دھوپ ایسی ہوتی جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں اور ہم عرفہ سے سورج ڈوبنے تک روانہ ہوں گے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے چلیں گے ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف ہوگا ۳؎ (بیہقی)وہاں یہ بھی روایت کی کہ ہم پر حضور نے خطبہ ارشاد کیا پھر اس کی مثل روایت کی ۴؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ عرفات میں دیا کیونکہ وہاں ارکان حج سکھائے جاتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ حج سے پہلے کسی جمعہ میں ارشاد فرمایا ہوتا کہ حج کو جانے والے ابھی سے احکام سیکھ لیں،اہلِ جاہلیت سے مراد قریش کے سواء دیگر کفار ہیں،قریش توعرفات جاتے ہی نہ تھےمزدلفہ سے ہی لوٹ جاتے تھے۔

۲؎ یعنی آفتاب ڈوبنے سے کچھ پہلے وہ عرفات سے روانہ ہوجاتے تھے جب سورج کنارہ مغرب میں پہنچ جاتا اور اس کی دھوپ چہروں پر ایسی ہلالی پڑتی تھی جیسے پیشانی پر عمامہ کا حصہ یعنی سروں پر دھوپ نہ رہتی صرف چہروں پر اس طرح رہتی یا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں پر دھوپ ایسی پڑتی تھی جیسے چہروں پر پگڑی کا کنارہ،عمامہ کی شکل نصف کرہ کی ہےایسے ہی پہاڑوں پر دھوپ کی شکل ہوجاتی تھی۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرفات سے سورج ڈوبنے سے پہلے چلتے تھے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد اسلام میں اس کے برعکس ہے کہ عرفات سے سورج ڈوبنے کے بعد چلتے ہیں تاکہ وہاں ہی رات کی ایک ساعت بھی گزر جائےاور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوجائیں کیونکہ پو پھٹنے پر دن نکل آتا ہے،رات و دن کا اجتماع عرفہ میں بھی کریں گے اور مزدلفہ میں بھی۔مرقات میں ہے کہ اکثر علماء کے ہاں دن چھپے تک عرفہ میں رہنا واجب ہے اور دن نکلتے وقت تک مزدلفہ میں ٹھہرنا سب کے ہاں سخت مکروہ ہے۔

۴؎ یہاں مشکوۃ شریف میں سفیدی چھوڑی ہوئی ہےیعنی مؤلف کو یہ حدیث کہیں نہیں ملی،مگر شیخ ابن حجر اور جزری نے فرمایا کہ یہ حدیث بیہقی شعب الایمان میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بنی عبدالمطلب کے بچوں کو خچروں پر سوار کرکے آگے روانہ کردیا حضور انور ہماری رانوں کو ہاتھ لگاتے ۱؎ اور فرماتے تھے بچو سورج نکلنے سے پہلے جمرہ کو کنکر نہ ماریو ۲؎ (ابوداؤد،نسائی ابن ماجہ)

۱؎ **یلطح لطحؒ** سے بنا،اس کے معنی ہتھیلی سے تھپکورنا۔اس سے معلوم ہوا کہ خچر پر حج کرنا بلاکراہت جائز ہے۔

۲؎ یعنی تم اگرچہ رات ہی میں منٰی پہنچ جاؤ گے مگر جمرہ کی رمی آفتاب نکلنے کے بعد کرنا۔امام شافعی کے ہاں آدھی رات کے بعد رمی جائز ہےاور امام ابوحنیفہ و احمد کے ہاں پو پھٹنے کے بعد رمی جائز ہے مگر امام صاحب کے ہاں مستحب یہی ہے کہ آفتاب نکلنے کے بعد رمی کی جائے،یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے اور امام شافعی صاحب کے خلاف۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو بقر عید کی رات بھیج دیا ۱؎ انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ کے کنکر مارلیے ۲؎ پھر وہ چلی گئیں تو طواف زیارت کرلیا ۳؎ یہ دن وہ تھا جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیام فرما ہوتے تھے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی دسویں بقرعید کی شب مزدلفہ سے منٰی روانہ فرمادیا مع بچوں اور دوسری ازواج کے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔
۲؎ ظاہر یہ ہے کہ فجر سے مراد نماز فجر ہے نہ کہ وقت فجر یعنی حضرت ام سلمہ نے پو پھٹنے کے بعد پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی پھر نماز فجر پڑھی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا تھا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے رمی نہ کرنا کہ وہاں بیان استحباب تھا اور یہاں جواز پر عمل ہے۔ جن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ رات میں بھی رمی جائز ہے نصف شب کے بعد یہ حدیث ان کی دلیل نہیں اور نہ حنفیوں کے خلاف،وقت رمی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حج کے احکام میں آئندہ راتیں دن میں شمار ہوتی ہیں نہ کہ گزشتہ راتیں،دیکھو نویں تاریخ کے بعد والی شب میں عرفات میں ٹھہر جانے سے حج مل جاتاہے لیکن اس سے پہلی رات میں حج نہیں ملتا،ایسے ہی گیارھویں بقرعید کی شب دسویں میں شمار ہوگی کہ اگر اس میں جمرہ عقبہ کی رمی کی گئی تو ہوجائے گی اگرچہ مکروہ ہوگی مگر دسویں کی شب میں رمی درست ہی نہ ہوگی۔
۳؎ طواف زیارت کا وقت دسویں بقر عید کی صبح سے بارھویں کی مغرب تک ہے مگر دسویں کو کرلینا بہت بہتر ہے۔
۴؎ یعنی حضرت ام سلمہ نے ان کاموں میں جلدی اس لیے کی کہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ان کے ہاں تھا تو آپ نے چاہا کہ ان عبادات سے جلد فارغ ہوجائیں تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اچھی طرح کرسکیں کہ وہ تمام عبادات سے افضل ہے،دیگر ازواج کی چونکہ باری نہ تھی اس لیے انہوں نے دن چڑھے اطمینان سے رمی کی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہی کہ مقیم یا عمرہ کرنے والا حجر اسود چومنے تک تلبیہ کہے۱؎(ابوداؤد)ابوداؤد نے فرمایا یہ حضرت ابن عباس سے موقوفًا مروی ہے۔

۱؎ یہ **أو** راوی کے شک کی بنا پر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے **مقیم** فرمایا یا**معتمر**۔(لمعات)اور ہوسکتا ہے کہ **مقیم** سے مراد وہ شخص ہو جو مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا ہوخواہ وہاں کا باشندہ ہو یا باہر کا آدمی ٹھہر گیااور **معتمر** سے مراد وہ ہے جو باہر سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ وارد ہوا،دونوں سے مراد عمرہ کرنے والے ہی ہیں یعنی عمرہ والا کوئی بھی ہو مکہ کا یا باہر کا سنگ اسود چومتے ہی تلبیہ ختم کردے جیسے کہ حاجی جمرہ عقبہ کی رمی پر تلبیہ ختم کرتا ہے۔مرقات میں یہ حدیث اس باب میں تبعًالائی گئی کہ اس سے حج کے تلبیہ بند کرنے کا حکم اشارۃً معلوم ہوتا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت یعقوب ابن عاصم ابن عروہ سے کہ انہوں نے حضرت شرید کو فرماتے سنا۱؎ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات چلا تو آپ کے قدم شریف زمین سے نہ لگے حتّٰی کہ مزدلفہ میں پہنچ گئے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعقوب ابن عاصم ابن عروہ ابن مسعودتابعی ہیں،ثقفی ہیں اور شرید ابن سوید کا نام مالک ہے،یہ زمانہ جاہلیت میں اپنی قوم کا ایک آدمی قتل کرکے مکہ بھاگ آئے تھےاس لیے ان کا لقب شرید ہوگیا۔(مرقات)

۲؎ یعنی سرکار عرفات سے مزدلفہ تک پیدل چلنے کے لیے کہیں نہ اترے سواری پر ہی رہے لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ میں ایک جگہ پیشاب کے لیے اترے،استنجاء فرماکر وضو کیا،عرض کیا گیا،حضور نماز مغرب ؟ فرمایا نماز آگے ہے،چونکہ یہاں چلنے کے لیے اترنے کی نفی ہے اور وہاں حاجت کے لیے اترنے کا ثبوت۔خیال رہے کہ پیدل حج کا بہت ثواب ہے کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں کا وعدہ ہے اور سواری پر حج سنت رسول ہے ثواب اس کا زیادہ تقرب اس میں زیادہ جیسے بعد وتر نفل کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب زیادہ اور بیٹھ کر پڑھنے کا تقرب زیادہ کہ سرکار یہ نفل بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے،یہاں پیدل حج سے مراد مکہ مکرمہ سے عرفات جانا آنا ہے نہ کہ گھر سے پیدل جانا۔

	روایت حضرت ابن شہاب سے فرماتے ہیں مجھے سالم نے خبر دی کہ جس سال حجاج ابن یوسف نے حضرت زبیر پر حملہ کیا ۱؎ تو اس نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ ہم عرفہ کے دن قیام گاہ میں کیا کریں سالم نے فرمایا کہ اگر تو سنت پر عمل چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز ظہر دوپہری میں ہی پڑھ ۲؎ اس پر عبداللہ ابن عمر نے فرمایا یہ سچے ہیں صحابہ کرام بطریق سنت ظہر و عصر جمع کرکے پڑھتے ۳؎ تھے تو میں نے سالم سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ عمل کیا ہے تو سالم نے فرمایا کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کی پیروی کرتے تھے ۴؎(بخاری)

۱؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے اور سالم عبداللہ ابن عمر کے فرزند ہیں،حجاج ابن یوسف ثقفی مشہور ظالم حاکم گزرا ہے جو عبدالملک ابن مروان کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا،اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی باندھ کر قتل کرائے۔(مرقات)جو جنگوں میں مارے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں،اس نے عبداللہ ابن زبیر پر حملہ کیا تھا جو کہ مکہ مکرمہ اور عراق کے بادشاہ بن چکے تھے انہیں سولی دی،عبدالملک نے اسی سال اسے حکم دیا تھا کہ تو حج پر جا اور عبداللہ ابن عمر کی پیروی کر،ہر کام ان سے پوچھ کر کرنا،کسی کام میں ان کی مخالفت نہ کرنا تب اس نے آپ سے پوچھا۔

۲؎ یعنی روزانہ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھتے ہیں مگر نویں ذی الحجہ عرفات میں دوپہری میں زوال ہوتے ہی پڑھ لو۔

۳؎ یعنی عرفہ میں دو کام نئے ہوں گے:ایک ظہر جلدی پڑھنا،دوسرے ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا۔

۴؎ یعنی ابن شہاب(امام زہری)نے حضرت سالم سے پوچھا کہ عرفات میں ظہر جلد پڑھنا اور عصر و ظہر ملا کرپڑھنا صرف صحابہ کا اپنا اجتہادی عمل تھا یا سنت رسول اللہ بھی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ سنت ہے۔خیال رہے کہ حضرت سالم اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا اس موقعہ پر صحابہ کا عمل پیش فرمانا اس لیے تھا کہ حجاج ظالم کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔عمل عام کی مخالفت آسان نہیں ہوتی،سیدنا عبداللہ ابن عمر کو حجاج ہی نے ایک حیلہ سے شہید کرادیا کہ آپ کے پاؤں شریف میں زہر آلودہ برچھی بہانہ سے چبھوادی،علیہ ما علیہ۔(مرقات)

باب رمی الجمار

باب،رمی جمروں کی۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎جمار جمرہ کی جمع ہے،عربی میں جمرہ چھوٹے کنکر یا سنگریزے کو کہتے ہیں مگر حج کے موقعہ پر ان سنگریزوں کو جمرہ کہا جاتا ہےجو دسویں،گیارھویں،بارہویں بلکہ تیرھویں ذی الحجہ کو تین ستونوں پر مارے جاتے ہیں،پھر خود ان ستونوں کو جمرہ کہا جانے لگاجنہیں یہ کنکر مارے جاتے ہیں کیونکہ وہاں ان کنکروں کا اجتماع ہوتا ہے۔بعض لغت والے کہتے ہیں کہ اجمار کے معنی ہیں جلدی کر نا،تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جن حجاج کے کنکر قبول ہوجاتے ہیں وہ غائب کردیئے جاتے ہیں صرف غیر مقبول کنکر ہی وہاں رہتے ہیں ورنہ وہاں ہر سال کنکریوں کے پہاڑ لگ جایا کرتے۔اشعۃ المعات میں لکھا ہے کہ ان مقامات میں آدم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکر مارے تھے جس سے وہ تیزی سے دوڑ گیا تھا یہ انہی کی نقل ہے،بعض روایات میں ہے کہ یہاں اسمٰعیل علیہ السلام نے شیطان کو کنکر مارے تھے،بہرحال یہ فعل بھی بزرگوں کی نقل ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے دن اپنی سواری پر رمی کرتے دیکھا۱؎آپ فرماتے جاتے تھے اپنی ارکان حج سیکھ لو مجھے خبر نہیں شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کروں ۲؎(مسلم)

۱؎تمام آئمہ کے ہاں سواری پر رمی کرنا جائز ہےالبتہ افضلیت میں فرق ہے،امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ جس رمی کے بعد اور بھی رمی ہو وہ رمی پیادہ افضل کیونکہ اس وقت دعا مانگنا سنت ہےاور دعا میں خشوع خضوع پیادہ ہونے سے زیادہ ہوگا اور جس رمی کے بعد دوسری رمی نہیں وہ سواری پر افضل کیونکہ اس کے بعد کوئی دعا نہیں،یہ مسئلہ امام ابویوسف نے اپنے نزع کی حالت میں ابراہیم ابن جراح کے سوال پر بیان فرمایا اور اس پر اسی وقت آپ کا انتقال ہوگیا،طرفین کے ہاں تمام رمی اس حدیث کی وجہ سے سوار ہوکر افضل،امام ابویوسف نے اس سواری کو تعلیم پر معمول فرمایا،امام شافعی کے ہاں دسویں ذی الحجہ کو اگر منٰی میں سوار ہوکر پہنچا تو سوار ہوکر رمی افضل اور اگر پیادہ پہنچا تو رمی پیادہ افضل۔گیارہویں،بارہویں کو پیادہ افضل اور تیرھویں کو سوار افضل۔واللہ اعلم!(مرقات،اشعہ و لمعات) خلفاءراشدین کا عمل مختلف رہا ہے،بعض نے پیدل رمی کی بعض نے سواری پر۔

۲؎یعنی مجھے خبر ہے کہ میری وفات قریب ہے اگلا حج میری زندگی میں نہ آئے گامگر یہ خبر درایت یعنی اٹکل و قیاس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے ہےاس لیے لَاۤاَدْرِی بھی فرمایا اور لا احج بھی۔ درایت اٹکل و قیاس کے علم کو کہتے ہیں اسی لیے خدا

کے علم کو درایت نہیں کہا جاتا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمٰنُ"۔تم اٹکل و قیاس سے کتاب و ایمان کو نہیں جاتے تھے ورنہ نبی کبھی ایمان سے بے خبر نہیں ہوتے،عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا انی عبداللہ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جمرہ کو ٹھیکری کے برابر کنکروں سے رمی کیا ۱؎(مسلم)

۱؎اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ یہ کنکر باقلا کے دانہ سے لے کر چھوہارے کی گٹھلی یا انگلی کے پورے کے برابر ہوں اور بہتر یہ ہے کہ اسے کلمہ کی انگلی پر رکھ کر انگوٹھے کے سرے سے پھینکے مگر اب یہ کثرت ہجوم کی وجہ سے مشکل ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بقر عید کے دن دوپہر کے وقت جمرہ کی رمی کی مگر اس کے بعد سورج ڈھل جانے پر ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرلے اور گیارھویں بارہویں کو زوال کے بعد،فتح القدیر میں ہے کہ ان دو تاریخوں میں زوال سے پہلے رمی کا وقت ہوتا ہی نہیں،ہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک غیر مشہور سی روایت ہے کہ ان دو دنوں میں زوال کے بعد رمی افضل ہے اور پہلے بھی جائز۔بخاری شریف میں عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ ہم تمام صحابہ سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے تھے،ڈھلنے پر رمی کرتے تھے،امام ماوردی نے اس جگہ مسئلہ اجماع بیان فرمایا،تیرھویں ذی الحجہ کو بالاتفاق زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ بڑے جمرہ پر پہنچے تو بیت اللہ کو اپنے بائیں اور منٰی کو اپنے دائیں رکھا اور سات کنکریاں ماریں ۱؎کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے پھر فرمایا اسی طرح انہوں نے رمی کی جن پر سورۂ بقرہ اتری ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ نے جمرہ عقبہ کی اس رخ پر کھڑے ہوکر رمی کی اور باقی جمرہ کی روبقبلہ ہوکر،یہی ہمارے ہاں مستحب ہے جمہور کا یہی قول ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،بعض کے نزدیک ہر جمر ہ کی رمی رو بقبلہ ہوکر کی جائے،امام شافعی کے ہاں جمرہ عقبہ کی رمی کعبہ کو پشت کرکے کی جائے،یہ حدیث ان سب کے خلاف ہے۔

۲؎ساتھ سے مراد متصل ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہر کنکری کے بعد تکبیر کہی، رب تعالٰی بلقیس کا قول نقل فرماتا ہے"اَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَیۡمٰنَ"یہاں بھی معیت سے اتصال مراد ہے،سیدنا عبداللہ ابن عمر ہر کنکر پر یہ پڑھتے تھے "اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡہُ حَجًّا مَبۡرُوۡرًا وَذَنۡبًا مَغۡفُوۡرًا وَ عَمَلًا مَشۡکُوۡرًا"اور فرماتے تھے کہ میں نے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا،چونکہ ارکان حج زیادہ سورۂ بقر میں ہیں اس لیے سورۂ بقر کا ذکر کیاورنہ حضور پر سارا ہی قرآن اترا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا طاق بار ہے۱؎جمروں کی رمی طاق بار اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا طاق بار اور طواف طاق بار۲؎اور جب تم میں سے کوئی ڈھیلے لے تو طاق بار۳؎(مسلم)

۱؎یہ حکم استحبابی ہے یعنی پاخانہ کے استنجاء میں تین ڈھیلے مستحب ہیں یا میت کے کفن کو دھونی تین بار دینا مستحب ہے،استجمار کے دونوں معنی ہیں۔(اشعہ)

۲؎جمرہ کی رمی اور صفا مروہ کی دوڑ سات بار واجب ہے لیکن طواف کے چار چکر فرض ہیں باقی تین واجب یہ مذہب احناف ہے،دیگر آئمہ کے ہاں ساتوں فرض۔

۳؎یہ کلام مکرر نہیں کیونکہ پہلے **استجمار** سے دھونی مراد ہے یہاں ڈھیلے یا اس کے برعکس۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے۱؎فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے دن سرخ اونٹنی پر رمی کرتے دیکھا۲؎نہ اونٹنی کو مار تھی نہ ہانک اور نہ ہٹو بچو فرمانا۳؎(شافعی،ترمذی،ابن ماجہ،نسائی،دارمی)

۱؎آپ مکہ معظّمہ کے باشندے قدیم الاسلام صحابی ہیں،ہجرت نہ کرسکے،حجۃالوداع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،قبیلہ بنی کلاب یا بنی عامر سے ہیں۔

۲؎ **صہباء اصہب** کا مؤنث ہے۔اصہب وہ اونٹ ہے جس کے بالوں کی نوکیں سرخ ہوں،جڑیں وغیرہ سفید،یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اونٹنی پر سوار تھے جس کے بال ایسے تھے،غالبًا یہ اونٹنی قصوا تھی۔(لمعات)

۳؎یعنی جیسے امراء و سلاطین عمومًا لوگوں کو ہٹاتے بچاتے ہوئے اپنی سواری بڑھاتے ہیں،یہ عمل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ تھا،یہ سب ہم کو مساوات سکھانے کے لیے ہے،حج نماز وہ عبادات ہیں جو شاہ وگدا کو ایک کردیتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جمروں کی رمی اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ،ذکر اللہ قائم کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے۱؎(ترمذی،دارمی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎یعنی رمی اور سعی کے درمیان جو تکبیریں اور دعائیں ہوتی ہیں وہی ان عبادتوں کا مغز ہیں،تو جو شخص یہ کام تو کرے اور ان میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اس نے عبادت کا قالب تیار کیا مگر اس میں روح نہ پھینکی یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام گزشتہ بزرگوں کی یادگاریں ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان مقامات پر شیطان کے کنکر مارےجب اس نے آپ کو قربانی سے روکنے کی کوشش کی اور آدم علیہ السلام نے بھی جمرہ عقبہ کی جگہ شیطان کو کنکر مارے اسی لیے دسویں بقر عید کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرتے ہیں اور باقی دو یا تین دن میں تینوں جمروں کی تاکہ دونوں بزرگوں کی یادگاریں قائم رہیں،ایسے ہی صفا مروہ کے درمیان دوڑ حضرت ہاجرہ کی اس دوڑ کی یادگار ہے جو آپ نے تلاش پانی میں کی جس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پانی کا چشمہ پیدا ہوا،آپ خوشی خوشی آئیں اور اس چشمہ کے آس پاس ریت کی دیوار بنادی اور فرماتی تھیں یَامَاءِ زَمْ زَمْ اے پانی تھم تھم،تو ہر حاجی کو یہ افعال انہی بزرگوں کی نقل میں کرنے چاہئیں کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہوتی ہے۔(مرقات واشعہ)ورنہ ان فعلوں کا عبادت ہونا عقل سے وراء ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم منٰی میں آپ کے لیے کوئی گھر نہ بنادیں جو آپ پر سایہ کرے ۱؎فرمایا نہیں،منٰی اس کی جگہ ہے جو پہلے پہنچ جائے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یعنی آپ کے لیے یہاں پختہ عمارت بنادیں جو ہمیشہ آپ کے اور آپ کی اولاد کے لیے خاص رہے،کسی کو وہاں ٹھہرنے کا حق نہ ہو لہذا اس سے عارضی خیمے ڈال لینا منع نہیں۔سایہ سے مراد قوی سایہ ہے جس میں دھوپ کا اثر نہ ہو وہ چھت ہی کا ہوتا ہے خیمہ کا سایہ ضعیف ہے۔

۲؎ مُنَاخٌ اِنَاخَةٌ کا اسم مفعول ہے بمعنی طرف اِنَاخَةَ کے معنی ہیں اونٹ بٹھانا،یعنی سارا منٰی زمین موقوفہ ہے جس میں سارے مسلمان شریک ہیں اور برابر کے حقدار،اگر یہاں عمارتیں بننا شروع ہوگئیں،تو حجاج پر سخت تنگی ہوگی، سڑکوں راستوں اور بازار کے عمومی مقامات کا یہی حکم ہے،امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین حرم ساری موقوف ہے،اس کے کسی حصہ کا کوئی مالک نہیں۔(مرقات)امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے" سَوَآءًۨ الْعٰكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ "۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر پہلے دو جمروں کے پاس بہت دراز ٹھہرتے تھے ۱؎اللہ کی تکبیر،تسبیح اور حمد کرتے رہتے تھے،اللہ سے دعا مانگتے رہتے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرتے ۲؎(مالک)	

۱؎یعنی جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کی رمی کے بعد بقدر سورۂ بقر ٹھہرکر دعائیں کرتے تھے،اسی طرح کہ دونوں جگہ کے قیام سورۂ بقر کی تلاوت کے بقدر ہوتے،ان دونوں جگہ میں تمام اماموں کے نزدیک ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا سنت ہے،امام مالک کے ہاں ہاتھ اٹھانا منع،شاید انہیں ہاتھ اٹھانے کی حدیث نہ پہنچی،یہ حدیث بخاری میں ہے۔
۲؎یعنی جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ٹھہرکر دعا نہ مانگتے تھے ٹھہرنے کی نفی ہے نہ کہ دعا مانگنے کی،جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد نہ دسویں ذی الحجہ کو ٹھہرتے تھے نہ اس کے بعد۔

باب الهدى

ہدی کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] ھدی ھدیۃٌ کی جمع ہے بمعنی پیش کش کی چیز۔شریعت میں ہدی وہ جانور ہے جو بیرون حرم سے حرم شریف میں قربانی کے لیے لایا جائے،اونٹ اور گائے کی ہدی بالاتفاق جائز ہے،بھیڑ بکری کی ہدی ہمارے امام صاحب کے ہاں جائز،دیگر اماموں کے ہاں منع۔خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کی ہدی بھی جائز ہے،ہدی صرف زمین حرم میں ہوسکتی ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ"اور قربانی ہر جگہ،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ"۔مسلم،بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج وداع میں سو اونٹ ہدی لے گئے،بعض روایات میں ہے کہ آپ عمرہ حدیبیہ میں ستر ۷۰ اونٹ اور اس کی قضاء میں ساٹھ ۶۰ اونٹ۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں ظہر پڑھی[1] پھر آپ نے اونٹنی منگائی اس کے کوہان کے داہنے حصہ میں نیزہ مارا اور اس سے خون لیپ دیا اور دو جوتوں کا اسے ہار پہنایا[2] پھر اپنی سواری پر سوار ہوگئے پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء میدان میں سیدھی ہوئی تو حج کا تلبیہ پڑھا[3] (مسلم)	

[1] حج وداع کے موقعہ پر اور یہیں سے احرام باندھا،یہ جگہ اہل مدینہ کا میقات ہے جو مدینہ منورہ سے قریبًا تین میل فاصلہ پر ہے،اب اسے بیر علی کہتے ہیں۔

[2] یہ اونٹنی ہدی کی تھی منجملہ دیگر اونٹنیوں کے،اہل جاہلیت ہدی کے جانور کا کوہان چیر کر اس کا کوہان خون سے رنگ دیتے تھے اور گلے میں جوتا ڈال دیتے تھے تاکہ یہ ہدی کی علامت ہو،کوئی ڈاکو و چور اس پر حملہ نہ کرے اور اگر یہ جانور راستہ میں تھک کر رہ جائے کہ اسے وہیں ذبح کرنا پڑ جائے تو اس کا گوشت اس علامت کی بنا پر صرف فقراء کھائیں امیر نہ کھائیں،چونکہ اس کام میں کوئی برائی نہ تھی فائدہ ہی تھا اس لیے اسلام نے اسے باقی رکھا،یہ فصد و ختنہ اور زخم پر داغ لگانے کی طرح ہے،ہمارے امام صاحب نے مطلقًا اشعار (کوہان چیرنا) کو منع نہ فرمایا،بلکہ اپنے زمانہ کے اشعار کو منع کیا کہ لوگ اتنا گہرا گھاؤ لگاتے تھے جو ہدی میں سرایت کر جاتا تھا اور مکہ مکرمہ پہنچتے پہنچتے اس میں کیڑے پڑ جاتے تھے،غرضکہ جسے اشعار کرنا نہ آئے اسے مکروہ ہے۔(مرقات،لمعات،اشعہ) دیکھو آج عمومًا اونٹ کو ذبح کرتے ہیں نحر نہیں کرتے کیونکہ نحر جانتے

نہیں حالانکہ اونٹ میں نحر سنت ہے۔خیال رہے کہ اشعار صرف اونٹ اور گائے میں ہوگا بکری میں نہ ہوگا کیونکہ وہ کمزور ہے،اس میں صرف ہار ڈالا جائے گا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۳؎ یعنی احرام کے سارے کام غسل،تبدیلی لباس اور نوافل تو پہلے ادا کرلیے مگر بلند آواز سے تلبیہ اب کہا جائے گا،یہاں فقط حج کا ذکر ہے مگر حضرت انس کی روایت میں جو مسلم،بخاری میں ہے حج و عمرہ دونوں کا ذکر ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا شاید اس روای نے لفظ عمرہ سنا نہیں یا اس کا ذکر نہیں کیا کہ حج مقصود ہے اور عمرہ تابع۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف بکری ہدی بھیجی جسے ہار پہنادیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بکری کی ہدی بھی جائز ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔دوسرے یہ کہ بکری کا اشعار نہ ہوگابلکہ اسے صرف ہار یعنی رسی میں جوتا ڈال کر پہنایا جائے گا اس پر تمام آئمہ متفق ہیں۔تیسرے یہ کہ بکری کی ہدی میں ہار پہنانا سنت ہے،اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔خیال رہے کہ یہ بکری قربانی کی نہ تھی اسی لیے مکہ معظمہ بھیجی گئی،قربانی ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں کی ہے،جہلاء نے اس حدیث کی بنا پر کہہ دیا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ میں ہوسکتی ہے اور جگہ نہیں ہوسکتی۔**نعوذ باللہ!**

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف سے بقر عید کے دن ایک گائے قربانی کی ۱؎(مسلم)	

۱؎ غالبًا یہ قربانی ہے جو مدینہ منورہ میں کی گئی۔گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں مگر ایک کی طرف سے بھی جائز ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ گائے کی قربانی بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔دوسرے یہ کہ کسی کا کار مختار اس کی طرف سے قربانی کرسکتا ہے،اذن خصوصی سے بھی اور اذن عمومی سے بھی اس لیے کہ یہاں ام المؤمنین کی خصوصی اجازت لینے کا ذکر نہیں،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محض ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے قربانی گائے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلاف اسلام ہے،مرقات نے فرمایا کہ افضل قربانی اونٹ کی ہے پھر گائے کی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی تمام بیویوں کی طرف سے ایک گائے قربانی کی ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ دوسرا واقعہ ہے جو حج میں ہوااور یہ قربانی نہیں کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج میں مسافر تھے بلکہ یہ حج کا دم ہے نحر بمعنی ذبح ہے کیونکہ گائے کو نحر کرنا منع ہےاگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے دی ہے تو یہ حضور کی خصوصات سے ہے،آپ نے تو اپنی ساری امت کے فقراء کی طرف سے ایک بکری بھی قربانی دی ہے،فقراء کروڑوں ہیں اور اگر یہ گائے کچھ ازواج کی طرف سے تھی اور کچھ ازواج کو ان سو اونٹوں میں

شریک فرما لیا ہو تو عمومی حکم ہے۔امام مالک اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ ایک گائے تمام گھر والوں کی طرف سے درست ہے اگرچہ سات سے زیادہ ہوں مگر یہ استدلال کچھ کمزور سا ہے کہ اس میں وہ احتمالات ہیں جو عرض کیے گئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی کریم کی ہدیوں کے ہار بٹے حضور نے انہیں پہنائے اور ان کا اشعار کیا اور ان کی ہدی بھیجی ۱؎ اس سے آپ پر کوئی حلال چیز حرام نہ ہوگی ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے ایک سال پہلے کا ہے جب آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو حج کے موقعہ پر مکہ معظّمہ کچھ اعلانات کے لیے امیر حج بنا کر بھیجا۔
۲؎ ام المؤمنین کو خبر پہنچی تھی کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس ہدی بھیجنے والے کو محرم مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک مکہ معظّمہ میں اس کی ہدی ذبح نہ ہوجائے تب تک یہ تمام ممنوعات احرام سے بچے ان کے جواب میں آپ یہ فرمارہی ہیں کہ ہدی بھیجنے سے انسان محرم نہیں ہوجاتا۔سیدنا عبداللہ ابن عمر،عطاء،مجاہد،سعید ابن جبیر کا بھی یہی مذہب تھا،شاید ان بزرگوں کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں میں نے اپنے پاس کی اون سے ہدیوں کے ہار بٹے پھر حضور انور نے وہ مکہ معظّمہ میرے والد کے ساتھ بھیج دیئے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ پہلی حدیث کا ہی بیان ہے،آپ سے جناب مسروق و دیگر تابعین یہ مسئلہ پوچھنے آتے تھے تو آپ مختلف عنوان سے اسے بیان فرماتی تھی،صحاح،ستہ،بزاز،وغیرہ میں مختلف الفاظ سے یہ حدیث منقول ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہدی کا ایک اونٹ ہانک رہا ہے ۱؎ فرمایا اس پر سوار ہوجا وہ بولا یہ تو بدنہ ہے ۲؎ فرمایا سوار ہوجا وہ پھر بولا یہ بدنہ ہے تو دوسری یا تیسری بار میں فرمایا تجھ پر افسوس ہے ارے سوار ہوجا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ کیونکہ خود اس کے پاس سواری نہیں ہے پیدل چل رہا ہے،سخت مشقت میں ہے اور ہدی کو ہانکتا ہوا لے جارہا ہے۔
۲؎ یعنی ہدی ہے،ہدی کو بدنہ اس لیے کہتے ہیں کہ مسلمان ایسے جانور کو کھلاپلا کر خوب موٹا کرتے تھے جیسے آج بعض شوقین اپنی قربانی سال بھر تک کھلا پلاکر موٹی کرتے ہیں،بدنہ کے معنی ہیں ڈیل ڈار لحیم شحیم جانوراسی لیے بکری کو بدنہ نہیں کہتے صرف اونٹ یا گائے کو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ "الخ وہاں بھی اونٹ اور گائے ہی مراد ہے۔
۳؎ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ بدنہ یعنی ہدی کے اونٹ پر سوار ہونا واجب ہے کیونکہ یہ امروجوب کے لیے ہے،بعض نے فرمایا مطلقًا جائز ہے،بعض نے فرمایا جائز ہے مگر اس شرط سے کہ اس سواری سے جانور میں عیب نہ پیدا

ہوجائے مگر امام ابوحنیفہ و شافعی رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ مجبورًا و ضرورۃً جائز بلا اجازت منع جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے یہاں پر وہ شخص مجبور و معذور تھا جیساکہ لفظ یَسُوْقُ سے معلوم ہورہا ہے۔(ازمرقات)

	روایت ہے حضرت ابوالزبیر سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو سنا کہ ان سے ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس پر احتیاط و اعتدال سے سوار ہوجاؤجب تمہیں اس کی ضرورت پڑے حتّٰی کہ دوسری سواری پالو ۲؎(مسلم)

۱؎ آپ کا نام محمد ابن مسلم ہے،تابعی ہیں،مکی ہیں،وسیع العلم عالم ہیں،آپ نے صرف حضرت جابر سے احادیث سنی ہیں،۱۲۵ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ دو شرطوں سے ہدی پر سواری جائز ہے:ایک یہ کہ حاجی اس پر مجبور ہو،دوسرے یہ کہ احتیاط سے سواری کرے،اسے دوڑا کر یا مار پیٹ کر ناقص نہ کردے،بعض علماء کے ہاں اگر ناقص کردیا تو اس کا بدل نقصان خیرات کرنا پڑے گا،امام اعظم کے ہاں ہدی پر سامان لادنا ضرورۃً بھی جائز نہیں،امام شافعی،مالک و احمد علیہم الرحمۃ کے ہاں جائز ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ساتھ سولہ ہدی کے اونٹ بھیجے کہ اسی شخص کو ان کا منتظم بنایا ۱؎ اس نے عرض کیا یارسول اللہ کہ ان میں سے اس کا کیا کروں جو تھک رہے ۲؎ فرمایا اسے ذبح کردو پھر اس کے جوتے اس کے خون میں رنگ دو پھر وہ جوتے اس کے کوہان کے حصہ پر رکھ دو ۳؎ اور اس سے نہ تم کھاؤ،نہ تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی کھائے ۴؎(مسلم)

۱؎ ان صاحب کا نام ناجیہ ابن جندب اسلمی ہے،ان کے ذمہ راستہ کی حفاظت اور وہاں پہنچ کر ذبح کا انتظام تھا،یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے حج سے ایک سال پہلے ہی کا ہے جس میں ابوبکر صدیق امیر الحج تھے اور یہ صاحب امیر ہدی اس لیے فیھا فرمایا۔

۲؎ ابداع کے معنی ہیں تھک کر رہ جانا،اگر اس کے بعد ب آئے تو معنے ہوتے ہیں انسان کا بے سواری رہ جانا کہ وہ سواری پر تھا سواری چلنے کے قابل نہ رہی یہ پیدل رہ گیا اور اگر علیٰ آئے تو معنی ہوتے ہیں جانور کا رہ جانا چونکہ یہ حضرت ہدی پر سوار نہ تھے اس لیے عَلَیَّ فرمایا یعنی اگر کوئی ہدی جانور راستہ میں تھک کر آگے چلنے کے قابل نہ رہے تو اس کا کیا کروں۔

۳؎ تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے علامت ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے تو کوئی امیر نہ کھالے فقراء کھائیں۔

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہدی کا جانور حرم شریف میں پہنچ کروقت پر ذبح ہو تو اسے ہدی والا بھی کھاسکتا ہےاور دوسرے امیروغریب بھی لیکن اگر راستہ ہی میں ذبح کرنا پڑ جائےتو ہدی والا بھی نہ کھائے،کوئی امیر بھی نہ کھائے،یہ صدقہ ہےصرف فقراء کھائیں جیسے قربانی کا جانور اگر قربانی کے دنوں میں ذبح ہو تو قربانی والا اور سارے مسلمان امیر و غریب کھائیں،اگر وقت سے پہلے ذبح کرنا پڑ جائے تو بعض صورتوں میں صرف فقراء کھا سکتے ہیں،قربانی والا اور امراء نہیں کھاسکتےاور بعض صورتوں میں اس کے احکام جداگانہ ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ ابن جندب اور ان کے ساتھیوں کو کھانے سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ سب حضرات غنی تھے ان میں فقیر کوئی نہ تھا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور سات کی طرف سے گائے ذبح کی ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ حدیث آئمہ کرام کی دلیل ہے کہ اونٹ و گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں،جنہوں نے کہا کہ اونٹ میں دس اور گائے میں سات ان کے خلاف ہے۔خیال رہے کہ احناف کے ہاں بدنہ اونٹ و گائے دونوں کو کہتے ہیں،امام شافعی کے ہاں صرف اونٹ کو،بظاہر یہ حدیث ان کی دلیل ہےمگر عربی میں تجرید کرکے لفظ کو بعض معنی میں استعمال کرلیتے ہیں،یہاں ایسا ہی ہے کہ بدنہ سے مراد اس کا ایک فرد یعنی اونٹ لیا اور گائے کا ذکر علیحدہ کیاجب کہ یہاں ہی لفظ میں تضمین کرکے نحر و ذبح دونوں مراد لیے گئے،ورنہ نحر صرف اونٹ کا ہوتا ہے،گائے کو ذبح ہی کرنا چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ ایک شخص پر گزرے جس نے ہدی کا اونٹ نحر کرنے کے لیے بٹھایا تھا فرمایا اسے اٹھا کر کھڑا کرو پاؤں باندھ دے،یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ کی نحر سنت ہےاور ذبح خلاف اولیٰ۔نحر کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے اونٹ کا بایاں پاؤں رسی سے باندھ دیں،پھر سینے سے متصل گردن میں نیزہ ماریں اور اوپر کو کھینچیں تاکہ رگیں و حلقوم طول میں چر جائیں جب گرجائے تو استعمال کریں لیکن جسے نحر نہ آتا ہو وہ ذبح کرے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ"کے معنے ہیں تین پاؤں پر کھڑا ہوااور فرماتا ہے:"فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا"جب اونٹ کی کروٹ زمین پر گرے۔معلوم ہوا کہ کھڑا کرکے نحر کرو،نحر کے بعد وہ گرے۔گائے بکری وغیرہ میں ذبح چاہیے،ذبح لٹا کر ہوتا ہے رگیں و حلقوم چوڑائی میں کاٹی جاتی ہیں۔(اشعہ و مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے قربانی کے اونٹوں کا	

انتظام کروں ۱؎اور ان کے گوشت کھالیں اور جھولیں خیرات کردوں ۲؎اور یہ کہ ان میں سے قصائی کو کچھ نہ دوں فرمایا ہم قصائی کو اپنے پاس سے اجرت دیں گے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ واقعہ حج وداع کا ہے،حضور انور نے سو اونٹ قربان کیے تھےکچھ اپنے دست اقدس سے اور کچھ حضرت علی سے قربانی کرائے،ان اونٹوں کے متعلق یہاں ذکر ہے جو جناب علی سے قربانی کرائے گئے۔

۲؎اب بھی قربانی اور ہدی وغیرہ کا یہ ہی حکم ہے،جھول سے مراد وہ جھولیں ہیں جو قربانی کے جانور کے لیے خریدی گئی ہوں یا اس کے ساتھ آئی ہوں اور اگر اپنے پالتو جانوروں کی جھول قربانی کے جانور پر عارضی طور سے ڈال دی تو وہ اپنی ملکیت ہے اپنے کام میں لائے،کھال کا خیرات کردینا استحبابی حکم ہے،اگر چاہے تو قربانی والا اپنے کام میں لائے،جوتا یا ڈول،مصلے وغیرہ بنالےلیکن اگر کھال فروخت کردی تو قیمت خیرات ہی کرنی پڑے گی۔

۳؎ قال کا فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی ہم قصائی کی مزدوری اپنی گرہ سے ادا کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ قصائی کو اجرت میں قربانی کا گوشت،جھول،کھال وغیرہ دینا ہرگز جائز نہیں،اسے اجرت علیحدہ دو،ہاں اجرت کے علاوہ اسلامی رشتہ سے اسے کچھ گوشت دے دو تو حرج نہیں۔ہمارے پنجاب میں قصائی قربانی کی مزدوری بھی لیتے ہیں اور خود ہی گوشت بھی رکھ لیتے ہیں بعض دفعہ وہ گوشت فروخت کرتے بھی دیکھے گئے یہ سخت ناجائز ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہم اپنی قربانیوں کے گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھاتے تھے ۱؎پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی فرمایا کھاؤ اور توشہ بچاؤ پھر ہم نے کھایا بھی بچایا بھی ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حکم شروع اسلام میں تھاجب مسلمانوں میں غریبی زیادہ تھی،قربانی کرنے والے امیروں کو حکم تھا کہ تین دن کی بقدر گوشت رکھ لو باقی خیرات کردو تاکہ زیادہ فقراء گوشت کھاسکیں۔

۲؎اب منیٰ شریف میں عرب لوگ قربانی کے گوشت سکھا کر سال بھر تک کھاتے ہیں بالکل درست ہے کہ وہ ممانعت منسوخ ہوچکی،اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو غنی کردیا،علت گئی حکم بھی گیا۔خیال رہے کہ اگر ہدی حرم میں پہنچنے سے پہلے یا قربانی کے وقت سے پہلے مجبورًا ذبح کرنی پڑ جائے تو اس کا حکم یہ نہیں،پھر وہاں صدقہ کرنا عبادت ہےذبح کرنا عبادت نہیں اور جو اپنے وقت اپنی جگہ میں قربانی ہواس کا ذبح کرنا عبادت ہے،کھائے جس کا جی چاہے کہ عبادت ادا ہوچکی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال ہدی بھیجی ۱؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدیوں میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا جس کے سر میں	

	چاندی کی بالی تھی اور ایک روایت میں ہے سونے کی بالی تھی جس سے مشرکین کو جلائیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جس سال حضور انور عمرہ کرنے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک لیا یعنی ۶ھ میں،اسی سال آپ اپنے ہمراہ ہدی لے گئے تھے،بھیجنے سے مراد خود لے جانا ہے کیونکہ حضور انور نے ہدی کے جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کردیئے تھے کہ وہ جگہ حدود حرم میں ہے،مکہ معظّمہ نہیں بھیجے تھے،بلکہ بہتر یہ ہے کہ اھدی کے معنے کیے جائیں حضور ہدی لے گئے تاکہ یہ دھوکہ نہ پڑے کہ حضور خود تو حدیبیہ میں رہ گئے اور ہدی مکہ معظّمہ میں بھیج دی۔

۲؎ ابوجہل کا یہ اونٹ جنگ بدر میں بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لیا تھا اس سال مکہ معظّمہ اسے لے جانا مشرکین کو جلانے کے لیے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں سے مشرکوں کو جلانا بھی عبادت ہے،قربانی گائے میں یہ راز بھی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ"۔شعر

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل　　　یارسول اللہ کی کثرت کیجئے

بعض روایات میں ہے کہ تانبے کی بالی اس کے سر میں تھی،ہوسکتا ہے کہ اس کی ناک کان وغیرہ میں مختلف سوارخ ہوں کسی سوارخ میں سونے کی بالی ہو،کسی میں چاندی کی،کسی میں تانبے کی،روایات متعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ناجیہ خزاعی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس ہدی اونٹ کا میں کیا کروں جو تھک کر رہ جائے فرمایا اسے ذبح کردو پھر اس کی جوتی اس کے خون میں بھگو دو پھر اسے لوگوں میں چھوڑو کہ اسے کھالیں ۲؎(مالک،ترمذی،ابن ماجہ)ابوداؤد،دارمی نے یہ حدیث ناجیہ اسلمی سے روایت کی ۳؎

۱؎ آپ کا نام ذکوان ابن جندب یا ابن عمرو ہے،چونکہ آپ نے قریش کے شر سے نجات حاصل کی تھی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام ناجیہ رکھا یعنی بہت نجات پانے والا۔امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،آپ کا لقب صاحبِ بدن ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنے لے جانے والے۔(اکمال،اشعہ)

۲؎ یعنی جوہدی حرم شریف تک نہ پہنچ سکے راستہ ہی میں مرنے لگے تو اسے وہاں ہی ذبح کردواور تمہارے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں میں جو غریب فقیر ہوں وہ اس کا گوشت کھائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہدی کا جانور صرف حرم شریف میں ذبح ہوسکتا ہے اور جگہ نہیں،اگر اس کی قربانی دوسری جگہ بھی ہوجاتی تو ہر فقیر وامیر بلکہ خود قربانی والے کو بھی کھانا جائز ہوتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار جانور کا گوشت حلال ہے،حرام یا مکروہ نہیں۔

۳؎ تقریب میں ہے کہ ناجیہ ابن جندب ابن عمیر اسلمی اور صاحب ہیں اور ناجیہ ابن حارث خزاعی دوسرے صحابی ہیں،بعض لوگوں نے ان دونوں کو ایک سمجھ لیا یہ غلط ہے۔تہذیب میں ہے ناجیہ ابن جندب ابن کعب ابن جندب یا ناجیہ ابن کعب

ابن عمیر ابن یعمر اسلمی ہیں مگر امام احمد نے انہیں ناجیہ اسلمی فرمایا۔(مرقات)اشعہ نے فرمایا کہ نسبتوں میں فرق ہے ذات ایک ہی ہے،کسی نے انہیں اسلمی کہا کسی نے خزاعی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن قرط سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ کے نزدیک بہت عظمت والا دن بقرعید کا دن ہے ۲؎ پھر قرار کا دن،ثور فرماتے ہیں وہ دوسرا دن ہے ۳؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانچ چھ اونٹ ذبح کے لیے پیش کیے گئے تو وہ اپنے کو حضور کے آگے کرنے لگے کہ کس سے حضور ذبح شروع کریں ۴؎ پھر جب وہ کروٹوں کے بل گر گئے تو حضور نے آہستہ سے کچھ فرمایا جسے میں سمجھ نہ سکا،میں نے پوچھا ۵؎ کہ حضور نے کیا فرمایا تو بتایا کہ یہ فرمایا جو چاہے اسے کاٹ لے ۶؎(ابوداؤد)اور حضرت ابن عباس و جابر کی حدیث قربانی کے باب میں ذکر کی گئی۔	

۱؎ ان کا نام زمانہ جاہلیت میں شیطان تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا۔

۲؎ یعنی قربانی کے دنوں میں سب سے افضل دن دسویں بقرعید ہے یا عشرہ ذی الحجہ میں یہ دن افضل ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ عرفہ کا دن افضل ہے بعض میں ہے کہ ماہ رمضان کا عشرہ افضل ہے،اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے سب ہی افضل ہوں مختلف جہات سے لہذا حدیث واضح ہے۔

۳؎ یعنی بقر عید کی گیارھویں،چونکہ دسویں بقرعید کو حجاج مزدلفہ سے منٰے پہنچتے ہیں اور بارھویں کو منٰے سے مکہ معظّمہ روانہ ہوجاتے ہیں اس لیے انہیں یوم النفر کہا جاتا ہے اور گیارھویں کو حجاج منٰے میں ہی ٹھہرے رہتے ہیں اس لیے اسے یوم القرّ کہتے ہیں ۔خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کے تین دنوں میں افضل دن دسواں،پھر گیارھواں،پھر بارھواں اور ہفتہ کے دنوں میں جمعہ سال کے ایام میں عرفہ افضل۔(اشعہ)

۴؎ یعنی ہر اونٹ چاہتا تھا کہ حضور میری قربانی پہلے کریں اور آپ کے ہاتھ سے ذبح ہونے کا شرف مجھے حاصل ہو،اس لیے ہر ایک اپنی گردن پیش کرتا تھا۔شعر

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہا دہ برکف ۔۔۔ بامید زانکہ روزے بشکار خواہی آمد

اور شکار شکاری سے بھاگتے ہیں مگر محبوب ایسے شکاری ہیں کہ شکار اپنی گردنیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں،عشاق تو اپنے دل قربانی کے لیے پیش کرتے ہیں۔مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،شعر

ادیم طائفی در زیر پاکن ۔۔۔ شراک از رشتہ جانہائے ماکن

حضور کی یہ محبوبیت آپ کا زندہ جاوید معجزہ ہے،جانور بھی حضور کے ہاتھ سے ذبح ہوجانے کو زندگی سے بہتر جانتے ہیں۔

۵؎ یعنی جو شخص حضور سے قریب تھا اس سے میں نے پوچھا کیونکہ میں کچھ دور ہونے کی وجہ سے سن نہ سکا تھا۔

۶؎ معلوم ہوا کہ قربانی کے گوشت کی تملیک بھی جائز ہے اور اباحت بھی،بعض علماء نے اس حدیث سے نچھاور بکھیر اور چھوہارے و پیسے لٹانے پر دلیل پکڑی ہے کہ وہاں عملًا اباحت عامہ ہی ہوتی ہے۔(اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو قربانی کرے تو تیسرے کے بعد سویرا اس حال میں نہ ہو کہ اس کے گھر میں قربانی سے کچھ ہو۱؎ پھر جب اگلا سال ہوا تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم پچھلے سال کی طرح اس سال بھی کریں فرمایا خوب کھاؤ کھلاؤ اور بچاؤ(ذخیرہ کرو) کیونکہ پارسال تو لوگوں کو بھوک تھی اس لیے ہم نے چاہا کہ تم ان کی مدد کرو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اپنی قربانی کرنے سے تین دن اس کا گوشت کھا سکتے ہو،چوتھے دن سے پہلے ہدیہ و خیرات کرکے ختم کردو لہذا جس نے بارھویں تاریخ کو قربانی کی ہے وہ چودھویں بلکہ پندرھویں تک اس کا گوشت کھاسکتا ہے۔شئی سے مراد گوشت ہے،کھال و بال اس میں داخل نہیں۔

۲؎ جھد جیم کے فتح سے بمعنی مشقت اور جیم کے پیش سے بمعنی کوشش کرنا،یہاں دونوں بن سکتے ہیں یعنی وہ حکم منسوخ ہے اور ایک ضرورت کی بنا پر عارضی طور پر دیا گیا تھا کہ اس وقت مسلمانوں پر غربت زیادہ تھی بہت کم مسلمانوں نے قربانیاں کی تھیں اگر قربانی والے ہی گوشت کا ذخیرہ کرلیتے تو فقراء کو کیا ملتا،اس سال رب کا فضل ہے قربانیاں عام ہوئی ہیں،لہذا خوب کھاؤ خوب بچاؤ۔فَأَرَدْتُّ سے معلوم ہوا کہ حضور احکام شرعیہ کے مالک ہیں،آپ کو حرام و حلال فرمادینے کا رب نے اختیار دیا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَلِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ" اور فرماتا ہے:"وَ لَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَلَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الۡحَقِّ" یعنی اے اہل کتاب یہ نبی اس لیے تشریف لائے ہیں تاکہ تم پر بعض حرام کردہ چیزوں کو حلال فرمائیں اور وہ کفار اللہ رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت نبیشہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم نے تم لوگوں کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا تاکہ تم سب کو فراخی ہو۱؎ اب اللہ تعالٰی نے گنجائش و غنا بخش دی لہذا اب کھاؤ اور

	ذخیرہ کرواور ثواب کماؤ ۲؎ یہ کھانے پینے اور ذکر الٰہی کرنے کے دن ہیں ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ تھوڑے گوشت کو امیر فقیر سب مل بانٹ کر کھائیں،یعنی وہ گوشت تم سب میں کچھ نہ کچھ پہنچ جائے۔
۲؎ یعنی خیرات کرکے ثواب کماؤ یعنی کچھ کھاؤ،کچھ بچاؤ،کچھ خیرا ت کرو،کھانے میں اپنا کھانا بھی داخل ہےاور دوست و احباب کا بھی۔قربانی کے گوشت کے تین حصے کر نا بہتر ہیں:ایک اپنے لیے،دوسرا حباب کے لیے تیسرا فقراء کے لیے،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس گوشت کے کھانے،بچانے،لٹانے سب میں ثواب ہے۔
۳؎ اسی لیے ان دونوں یعنی ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہےکیونکہ سب مسلمان اللہ کے مہمان ہیں۔

باب الحلق

سر منڈانے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حج و عمرہ سے فارغ ہونے پر مردوں کو سر منڈانا بھی جائز ہے اور کتروانا بھی مگر منڈانا افضل،لیکن عورتوں کو منڈانا حرام لہذا وہ اپنے بال کی نوکیں کٹوائیں گی چہارم سر کے بال کٹوانا یا منڈوانا ضروری ہے،پورا سر سنت جیسے کہ مسح سر میں ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواء حج و عمرہ کے کبھی سر نہ منڈایا،داڑھی منڈانا حرام ہے،جسم کے باقی بالوں میں بہت تفصیل ہے۔گنجا شخص بھی احرام کھولتے وقت سر پر اُسترہ پھروائے اور جو روزانہ عمرہ کرے وہ بھی ہر دفعہ سر پر اُسترہ پھرالیا کرے۔(از اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اور کچھ صحابہ نے حجۃالوداع میں سر منڈائے اور بعض نے بال کٹوائے۱(مسلم،بخاری)	

۱یعنی حجۃالوداع کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام نے سر مبارک منڈائے اور بعض صحابہ نے بال کٹوائے عمرہ میں حضور نے بال کٹوائے جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے لہذا سر منڈوانا اور کتروانا دونوں جائز ہیں، رب تعالٰی فرماتاہے:"مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَ مُقَصِّرِیۡنَ"مگر منڈانا افضل ہے سارا سر منڈانا یا کتروانا چاہیے کہ بعض سر منڈانا کتروانا قزع کہلاتا ہے جو شرعًا مکروہ ہے،امام مالک کے ہاں پورا سر منڈانا یا کتروانا فرض ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میں نے مروہ کے پاس تیر سے ۱نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹے تھے ۲(مسلم،بخاری)	

۱مشقص کے حقیقی معنے ہیں لمبا دھار،دار تیز۔مجازًا قینچی کو بھی کہہ دیتے ہیں یہاں یا حقیقی معنے میں ہے کیونکہ بڑھے ہوئے بال کسی چیز پر رکھ کر تیر کی نوک سے کاٹ دیتے ہیں یا مجازی معنے میں ہے یعنی قینچی۔(مرقات)

۲محدثین نے اس حدیث کو بہت مشکل فرمایا ہے کیونکہ حجۃالوداع میں حضور انور نے قران کیا تھااور قارن منٰی میں بال اتروانا ہے نہ کہ مروہ پہاڑ پر اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضا کیا تھا تو امیر معاویہ اسلام نہ لائے تھے،آپ تو فتح مکہ کے دن ایمان لائے اس لیے بعض شارحین نے کہا کہ شاید یہ عمرہ جعرانہ میں ہوگا،جب غزوہ حنین سے فارغ ہو کر حضور نے راتوں رات عمرہ کیا تھا،ہم نے اپنی کتاب "امیر معاویہ" پر ایک نظر میں ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ عمرہ قضاء میں ہوا

اور امیر معاویہ صلح حدیبیہ کے دن ایمان لاچکے تھے مگر ایمان کا اظہار فتح مکہ کے دن کیا جیسے حضرت عباس ابن عبدالمطلب قدیم الاسلام تھے مگر اظہار فتح مکہ میں کیا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا ۱؎ اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم کر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کترانے والوں پر بھی حضور نے فرمایا الٰہی سر منڈانے والوں پر رحم کر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کترانے والوں پر بھی تو فرمایا کترانے والوں پر ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ دعا یا تو منٰے میں مانگی یا اس دن جس دن صحابہ نے عمرہ کرکے احرام کھولے۔خیال رہے کہ بعض روایات میں ہے کہ حضور نے حدیبیہ کے دن یہ دعا کی،ہوسکتا ہے کہ دونوں موقعہ پر کی ہو۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ احرام کھولتے وقت سر منڈانا افضل ہے کہ حضور انور نے منڈانے والوں کے لیے تین بار دعا کی۔**والمقصرین** میں منڈانے والوں کا بھی ذکر ہے اور کترانے والوں کے لیے ایک بار،وہ بھی صحابہ کرام کی عرض پر،رب توفیق دے تووہاں منڈائے،رب تعالٰی نے بھی پہلے منڈانے والوں کا ذکر فرمایا پھر کترانے والوں کا۔

	روایت ہے حضرت یحیٰی ابن حصین سے وہ اپنی دادی سے راوی ۱؎ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں سنا کہ آپ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار دعا کی اور کترانے والوں کے لیے ایک بار ۲؎ (مسلم)

۱؎ ان کی دادی صاحبہ کا نام حصین بنت اسحاق ہے،قبیلہ بنی احمس سے ہیں،حجۃ الوداع میں حضور کے ہمراہ تھیں،صحابیہ ہیں،مگر یحیٰی ابن حصین تابعی ہیں۔

۲؎ یہ حدیث پچھلی حدیث کی شرح ہے کہ وہاں بھی منڈانے والوں کو تین بار دعا دی گئی ہے،دوبار صراحۃً اور ایک بار **والمقصرین** کے ساتھ کہ واؤ اشتراک کے لیے ہے،چونکہ منڈانے والا بالکل ہی ترک زینت کرتا ہے اور کترانے والا اپنی زینت باقی رکھتا ہے،لہٰذا پہلا شخص ہی زیادہ دعا کا مستحق ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں تشریف لائے تو جمرہ پر آئے اسے کنکر مارے پھر اپنے منٰی کے خیمہ میں تشریف لائے اور قربانی کا جانور ذبح کیا پھر مونڈنے والے کو بلایا ۱؎ اور اسے اپنی داہنی جانب پیش کی اس نے مونڈ دی ۲؎ پھر ابوطلحہ انصاری کو بلایا وہ بال انہیں عطا فرمادیئے پھر بائیں جانب حالق کے سامنے کی فرمایا مونڈدو اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابوطلحہ کو عطا فرماکر فرمایا انہیں

لوگوں میں بانٹ دو ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ان مونڈنے والے کا نام معمر ابن عبداللہ قرشی عدوی ہے جو قدیم الاسلام صحابی ہیں،مسند امام احمد میں ہے کہ جب معمر نے داہنے ہاتھ میں استرہ لیا اور مونڈنے لگے تو حضور نے فرمایا اے معمر اس نعمت کی قدر کرو،انہوں نے عرض کیا کہ مجھ پر اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ آج میرا ہاتھ حضور کے سر مبارک پر ہے۔(اشعہ)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی بقرعید کے دن پہلے رمی،پھر قربانی،پھر حجامت کرے،ہمارے ہاں یہ ترتیب واجب ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن سو قربانیاں کی تھیں،۶۳اپنے دست مبارک سے باقی ۳۷ سیدنا علی سے کرائیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حجامت میں دایاں حصہ پہلے،بایاں حصہ بعد میں منڈانا چاہیے،امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نائی کا دایاں اور بایاں معتبر ہے کہ فاعل وہ ہے،اس صورت میں مخلوق کا بایاں پہلے منڈے گا دایاں بعد میں مگر یہ حدیث سن کر امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع کرلیااور فرمایا کہ حدیث قیاس پر مقدم ہے اگر نائی پیچھے کھڑا ہو کر حجامت بنائے تو دونوں کا دایاں بایاں ایک ہی سمت میں ہوگا۔(مرقات)حجامت کے بعد لب و داڑھی بنوانا،پھر ناخن ترشوانا سنت ہے۔(مرقات)

۳؎اس موقعہ پر حضور انور نے اپنے ناخن شریف بھی لوگوں میں تقسیم کرائے،یہ بال و ناخن تبرک کے لیے ساروں میں تقسیم کیے گئے،ان میں سے بعض حضرات تو یہ تبرکات اپنی قبروں میں لے گئے تاکہ وہاں کی مشکلات آسان ہوں جیسے حضرت امیر معاویہ و عمرو ابن عاص وغیرہم اور بعض حضرات چھوڑ گئے تاکہ قیامت تک مسلمان ان کی زیارت کرتے رہیں۔چنانچہ آج تک مختلف جگہ یہ بال شریف موجود ہیں اور ان کی زیارتیں ہورہی ہیں،صحابہ کرام ان بالوں کو پانی میں غوطہ دے کر دواءً پیتے تھے،حضرت شیخ نے یہاں ایک شعر لکھا۔شعر

مرا از زلف تو موئے سند است   فضولی مے کنم بوئے سند است

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ انسان کے بال جدا ہوکر بھی پاک ہیں۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کے بعض اجزاء بدن شریف محفوظ رکھے ہیں۔تیسرے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات خصوصًا حضور کے بال و ناخن شریف سنبھال کر رکھنا،ان کی زیارت کرنا،ان سے شفا حاصل کرنا،ان کے توسل سے دعائیں مانگنا،قبر میں انہیں ساتھ لے جانا سب جائز و بہتر ہے کہ یہ تقسیم انہی مقاصد کے لیے ہوتی تھی،اس کی تحقیق شامی اور ہماری کتاب"جاءالحق" حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے اور ان شاءاللہ اس شرح میں بھی اپنے موقعہ پر اس کا ذکر آئے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے اور بقر عید کے دن بیت اللہ کے طواف سے پہلے وہ خوشبو ملتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ام المؤمنین اس میں ان لوگوں کی تردید فرمارہی ہیں جو کہتے تھے کہ بقر عید کے دن طواف زیارت سے پہلے حاجی کو خوشبو لگانا حلال نہیں طواف کے بعد حلال ہوگی،فرماتی ہیں کہ میں نے خود حضور انور کے کپڑوں میں طواف زیارت سے پہلے خوشبو ملی ہے۔معلوم ہوا کہ حاجی کو قربانی یا حلق سے ناقص تحلل حاصل ہوجاتا ہے جس سے بیوی بھی حلال ہوجاتی

ہے۔خیال رہے کہ حضورانور نے حج تو صرف ایک ہی کیا مگر عمرہ چار کیے ہیں لہذا ام المؤمنین کا فرمانا کہ خوشبو ملتی تھی مجموعہ کے لحاظ سے ہے،لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔علما فرماتے ہیں کہ بہترین خوشبو مشک و گلاب ہے کہ اس میں مہک اچھی ہوتی ہے مگر رنگت نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بقر عید کے دن طواف زیات کیا پھر لوٹ کر نماز ظہر منٰی میں پڑھی [1] (مسلم)	

[1] یہاں ارشاد ہوا کہ حضور انور نے منٰے میں ظہر ادا کی اور حضرت عائشہ و جابر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور انور نے مکہ معظّمہ میں ہی ظہر ادا کی تھی،ہوسکتا ہے کہ ظہر تو مکہ معظّمہ میں ہی پڑھی ہو،منٰی میں واپسی پر جماعت ظہر تیار ہو اور بہ نیت نفل یہاں بھی شرکت فرمالی ہو،لہذا دونوں روایتیں درست ہوگئیں یا فرائض ظہر تو مکہ میں پڑھے ہوں اور سنن و نوافل منی میں،بہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی و عائشہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت سر منڈائے [1] (ترمذی)	

[1] عورت کو سر منڈانا حج و عمرہ میں بھی حرام ہے ان کے علاوہ بھی،یوں ہی فیشن کے لیے بال کٹوانا حرام ہے،حضور انور نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکلیں بنائیں،عورت کو سر منڈانا ایسا حرام ہے جیسا مرد کو داڑھی منڈانا حرام کہ یہ مثلہ یعنی شکل بگاڑنا ہے،ہاں ضرورت و معذوری میں تو اعضاء کٹوانا بھی درست ہوجاتا ہے ضرورت مستثنٰی ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ عورتوں پر سر منڈانا نہیں عورتوں پر کتروانا ہے [1] (ابوداؤد،دارمی)	

[1] یعنی حج و عمرہ سے فارغ ہوکر مرد تو سر منڈائے یا بال کٹوائے اسے اختیار ہے اور کٹوانے میں خواہ بالوں کی نوکیں ایک پورا بھر کٹوائے یا مشین چلا کر بالکل کٹوائے مگر عورت احرام سے فارغ ہونے پر بالوں کی نوکیں ایک پورے بھر کٹوادے چہارم سر کے کٹوانا واجب ہے پورے سر کے کٹوانا بہتر۔(لمعات،ومرقات)لہذا اس سے آج کل کی عورتوں کے فیشنی بال کٹوانا ثابت نہیں ہوتا۔(یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے)

باب

باب ؁

الفصل الاول

پہلی فصل

؁ یہاں مصنف نے باب کا ترجمہ وعنوان مقرر نہ فرمایا کیونکہ اس میں ارکان حج میں تقدیم وتاخیر ودیگر چیزیں مذکور ہیں لہذا یہ **باب المتفرقات** ہے ترجمہ مقرر نہ فرمانا اس طرف اشارہ ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع کے موقعہ پر منٰی میں لوگوں کے سامنے قیام فرمایا ؁ لوگ آپ سے مسائل پوچھتے تھے کہ ایک آدمی حاضر ہوا عرض کیا مجھے خبر نہ تھی ذبح سے پہلے سر منڈالیا؂ فرمایا اب ذبح کرلو کوئی حرج نہیں پھر دوسرا آیا عرض کیا مجھے مسئلہ معلوم نہ تھا میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ؃ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق جو آگے پیچھے کردی گئی ہو سوال نہ ہوا مگر حضور نے یہ ہی فرمایا اب کرلو کوئی حرج نہیں ؄(مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا عرض کیا میں نے رمی سے پہلے سر منڈالیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں دوسرا آیا عرض کیا میں نے بیت اللہ کا طواف رمی سے پہلے کرلیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ؅	

؁ صحیح تر یہ ہے کہ **حجۃ** کی ح اور **الوداع** کا واؤ دونوں مفتوح ہیں، حضور انور کسی عام جگہ اپنی ناقہ پر منٰے میں اس لیے کھڑے رہے کہ لوگ حضور سے حج کے مسائل دریافت کرلیں۔ معلوم ہوا کہ علماء کو ایسا وقت نکالنا چاہیے کہ لوگ ان سے مل کر مسائل پوچھ سکیں، یہ بھی سنت ہے۔

؂ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد پہلے قربانی کرتا پھر سر منڈاتا مگر میں نے غلطی سے اس کے برعکس کرلیا کہ سر تو پہلے منڈالیا اور قربانی بعد میں کی یا تو مشغولیت ارکان کی وجہ سے خیال نہ رہا یا مسئلہ معلوم نہ تھا۔خیال رہے کہ اس وقت مسئلہ معلوم نہ ہونا عذر تھا کہ حج نیا نیا فرض ہوا تھا،اس کے مسائل پورے طور پر شائع نہ ہوئے تھے،اب مسائل سے بے خبری عذر نہیں کہ مسائل شائع ہوچکے،لوگوں پر بقدر ضرورت مسائل سیکھنا فرض ہے۔غرضکہ اب خطا تو عذر ہے جہالت عذر نہیں جیسا کہ تمام کتب میں مذکور ہے۔

؃ یعنی چونکہ تم نے یہ کام خطا یا بے علمی میں کیا لہذا تم پر کوئی گناہ نہیں،حرج بمعنی گناہ ہے۔

۴؎ دسویں ذی الحجہ کو حج کے افعال چار ادا ہوتے ہیں اولًا جمرہ عقبہ کی رمی، پھر قربانی، پھر سر منڈانا، پھر طواف زیارت ان چاروں ارکان میں ترتیب امام شافعی، احمد، اسحاق کے ہاں سنت ہے کہ اس کے بدل جانے سے دم واجب نہیں صرف ثواب میں کمی ہوگی مگر ابن جبیر، امام مالک و امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کے ہاں ان بعض میں ترتیب واجب ہے کہ بدل جانے سے دام واجب ہے۔ان بزرگوں کے ہاں لاحرج کے معنے ہیں تم پر گناہ نہیں مگر ان حضرات کے ہاں اس کے معنے ہیں تم پر فدیہ یا قربانی واجب نہیں مگر قول امام ابو حنیفہ قوی ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے بھی اسی کی مثل روایت فرمائی مگر وہ ترتیب بدلنے سے قربانی واجب فرماتے ہیں، جب راوی کا مذہب یہ ہے تو معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی اس حدیث کے یہ ہی معنی ہیں۔(مرقات و لمعات)

۵؎ خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں رمی، ذبح، سر منڈانا ان میں ترتیب قارن اور متمتع پر واجب ہے، صاحبین کے ہاں سنت، یوں ہی قربانی حج کا صرف قربانی کے دنوں میں ہونا امام اعظم کے ہاں واجب ہے مگر حرم میں ذبح ہونا بالاتفاق واجب کہ حرم کے علاوہ اور جگہ حج کی قربانی ادا نہیں ہوسکتی مگر حلق و طواف یا رمی و طواف میں ترتیب واجب نہیں یہ فرق بہت خیال میں رہے لہذا اگر کوئی طواف پہلے کرے پھر رمی تو اس پر دم واجب نہ ہوگا، دیکھو اس کی تفصیل کتب فقہ و مرقات میں اسی جگہ۔یہ بھی خیال رہے کہ جیسے نماز کے واجب رہ جانے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ایسے ہی حج کا واجب رہ جانے سے دم یعنی قربانی واجب ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم منٰی میں بقر عید کے دن سوالات کیے جاتے تھے حضور یہ ہی فرماتے تھے ۱؎ کوئی حرج نہیں ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میں نے شام کے بعد رمی کی فرمایا کوئی حرج نہیں ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی دن بھر سوالات وجوابات کا سلسلہ قائم رہا کہ لوگ حضور سے پوچھتے تھے۔حضور خندہ پیشانی سے جواب دیتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ حضور نے بہت حج کیے اور ہر حج میں یہ سوال وجواب کے واقعات پیش آئے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ شام سے مراد سورج ڈوبنے کے بعد کا وقت ہے صبح کا مقابل لہذا یہ حدیث احناف کے موافق ہے اور شوافع کے خلاف کہ ان کے ہاں بقر عید کے دن کی رمی اگر سورج ڈوبے کی جائے تو قربانی واجب ہے، ہمارے ہاں گنہگار ہوگا قربانی واجب نہ ہوگی، البتہ اگر گیارھویں تاریخ کو یہ رمی کرے تو دم واجب ہے۔خیال رہے کہ بقر عید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے مکروہ ہے، سورج نکلنے سے زوال سے پہلے تک سنت، زوال سے سورج چھپنے تک جائز، رات میں جائز مگر مکروہ اور کل کو کرنا خلاف واجب ہے، جس میں قربانی لازم۔گیارھویں، بارھویں بقر عید کو جمروں کی رمی زوال کے بعد سے سورج ڈوبے تک سنت ہے اور رات میں مکروہ تیرہ [۱۳] ذی الحجہ تک ان کی قضا کا وقت ہے، تیرھویں کے بعد نہ ادا کا وقت ہے نہ قضا کا، یہ تفصیل یاد رکھنی چاہیے، یہاں حرج نہیں کہ معنے ہیں قربانی واجب نہیں۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا بولا یارسول اللہ میں نے سر منڈانے سے پہلے طواف کرلیا فرمایا کوئی حرج نہیں اب منڈالو یا کترو الو ۱؎ دوسرا آیا عرض کیا میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا فرمایا کوئی	

حرج نہیں رمی کرلو۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی طواف سر منڈانے کے بعد سنت تھا لیکن اگراس کے برعکس ہو گیا تو خیر،نہ اس میں گناہ ہے نہ قربانی،نہ کفارہ نہ کوئی فدیہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

۲؎ رمی سے پہلے ذبح کرلینے میں مفرد یعنی صرف حج کرنے والے پر نہ گناہ ہے نہ فدیہ،نہ کفارہ یا نہ قربانی،ہاں بہتر تھا کہ رمی کے بعد کرتا مگر قران و تمتع والے پر عمدًا ایسا کرنے میں گناہ بھی ہے کفارہ بھی اور خطاءً ایسا ہو جانے پر گناہ تو نہیں مگر کفارہ واجب ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں اور مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔یہ شخص اگر مفرد تھا تب تو گناہ و کفارہ دونوں کی نفی ہے اور اگر قارن یا متمتع تھا اور خطاءً ایسا کر بیٹھا تو گناہ کی نفی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے۱؎ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں نکلا لوگ آپ کے پاس آتے تھے تو کوئی ملنے والا کہتا یارسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی ۱؎ یا کوئی رکن پیچھے کردیا۲؎ یاآگے کرلیا تو آپ فرماتے تھے کوئی حرج نہیں ۳؎ ہاں حرج اس شخص پر ہے جو ظلم کرتے ہوئے کسی مسلمان کی آبروریزی کرے یہ وہ شخص ہے جو نقصان میں گیا اور ہلاک ہو گیا۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ اسامہ ابن شریک ذبیانی ثعلبی ہیں،کوفہ کے ہیں،صحابی ہیں،ان سے زیادہ ابن علاقہ وغیرہ نے روایات لیں۔

۲؎ یعنی احرام باندھ کر جب مکہ معظّمہ حاضر ہوا تو طواف قدوم سے پہلے سعی کرلی،پھر طواف قدوم کیا،حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ پہلے طواف قدوم کرتا پھر سعی۔

۳؎ حرج کے معنے پہلے عرض کردیئے گئے کہ ان تبدیلیوں سے حج باطل نہ ہوگا یا گناہ نہیں جب کہ سہوًا کیا ہو کہ حج میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے غلطیاں ہو جاتی ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں دم یا کفارہ ہو جائے گا۔

۴؎ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ تمام جگہ حرج سے مراد گناہ تھا نہ کہ کفارہ وغیرہ۔ظلم کی قید اس لیے لگائی کہ ضرورۃً یا سزاءً تو مسلمان کی جان بھی لے سکتے ہیں،آخر قصاص،رجم میں جان لی جاتی ہے۔خلاصہ جواب یہ ہے کہ عبادات کی غلطی کا بدل ہو سکتا ہے۔معاملات درست کرو کہ معاملات میں زیادتی،حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے،حاجی کو چاہیے کہ حج کے بعد اپنے معاملات بہت صاف رکھے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرے جس سے حج برباد ہو جائے،حج کو سنبھالے رکھنا آسان ہے مگر بچانا مشکل۔

باب خطبة يوم النحر و رمى ايام التشريق و التوديع

باب بقر عید کے دن کا خطبہ اور تشریق کے دنوں کی رمی اور رخصتی طواف ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱اس باب میں تین چیزیں بیان ہوں گی:بقر عید کے دن کا خطبہ اور گیارھویں اور بارھویں کی رمی اور واپسی کے وقت کا طواف وداع۔خطبہ خ کے کسرہ سے بمعنی عورت کو پیغام نکاح دینا،خ کے پیش سے عظیم الشان کام یا اعلیٰ مسجع کلام بشرطیکہ نظم میں نہ ہو نثر میں ہو،بقرعید کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کے بعد والے تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں کہ ان دنوں میں اہل عرب قربانی کے گوشت سکھاتے انہیں دھوپ دیتے ہیں۔تشریق بمعنی سکھانا،دھوپ دینا۔بہتر یہ ہے کہ طواف وداع مکہ معظّمہ سے واپس ہوتے وقت کرے پہلے نہ کرے،اہل مکہ پر نہ طواف قدوم ہے،نہ طواف وداع یہ دونوں طواف باہر والوں کے لیے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ بقر عید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا۱فرمایا کہ زمانہ گھوم پھرکر اپنی اسی حالت پر آگیا ۲جس پر اللہ نے اسے آسمان و زمین بنانے کے دن کیا تھا۳سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں ۴تین تو مسلسل ہیں ذیقعدہ،ذی الحجہ،محرم چوتھا قبیلہ مضر کا ماہ رجب جو دو جمادوں اور شعبان کے درمیان ہے ۵فرمایا یہ کون مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ ورسول جانیں حضور انور خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور اس کا اس کے نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے ۶تو فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا یہ کون سا شہر ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے آپ اس کے نام کے علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے ۷فرمایا کیا یہ مکہ معظّمہ شہر نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا اچھا یہ کون دن ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں

گے(اصلی نام کے سوا)فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہم نے عرض کیا ہاں ۸؎فرمایا تو تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسے ہمارے اس دن کی حرمت ہمارے اس شہر اور اس مہینہ میں ۹؎تم عنقریب اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۱۰؎تو خبردار میرے بعد گمراہ ہوکر نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں ۱۱؎ خبردار رہو کیا میں نے تبلیغ کر دی سب بولے ہاں فرمایا الٰہی گواہ ہوجا لازم ہے کہ حاضرین غائبوں کو پہنچادیں بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے ۱۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ خطبہ بمعنی وعظ و نصیحت ہے نہ کہ وہ خطبہ مسنونہ جو حج میں ہوتا ہے کہ وہ گیارھویں بقرعید کو منیٰ میں ہے،یہ خطبہ اس خطبہ کے علاوہ ہے جو نویں کو عرفات میں دیا جاتا ہے،ان خطبوں میں بقیہ ارکان حج کی تعلیم ہوتی ہے۔اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ خطبہ حج نہیں ہے ورنہ اس میں مسائل حج بیان ہوتے،یہ خطبہ بعد نماز ظہر تھا۔

۲؎زمانہ مطلقًا وقت کو کہتے ہیں،یہاں بمعنی سال ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے،سال بھی قمری مراد ہے نہ کہ شمسی۔

۳؎اہل عرب زمانہ جاہلیت میں دو حرکتیں کرتے تھے ایک تو کبھی سال کو تیرہ ماہ کا بنادینا۔دوسرے مہینوں کی تبدیلی اگر اُن کی جنگ کے زمانہ میں ماہ حرم مثلًا رجب آجاتا اور ابھی جنگ باقی ہوتی تو اسے کوئی اور مہینہ قرار دے لیتےتاکہ جنگ جاری رکھ سکیں،پھر جنگ ختم ہونے کے بعد کسی اور مہینے کو رجب مان لیتے،یوں ہی بقرعید میں تبدیلی کرلیتے تھے تاکہ حج جس موقعہ پر آسان ہو اس پر کرلیں۔چنانچہ جس سال جناب آمنہ خاتون حاملہ ہوتی ہیں اسی سال رجب کو بقرعید مان کر حج کیا گیا تھا اسی لیے روایات میں آتا ہے کہ جناب آمنہ کا حاملہ ہونا ایام منٰی میں ہوا،جس سال حضور انور نے حج کیا اسی سال حسن اتفاق سے سال بارہ ماہ کا ہوا اور ہر مہینہ اپنے اصل پر منایا گیا۔اس فرمان عالی میں یہ ہی ارشاد ہے کہ اس سال ہر مہینہ اس وقت ہوا ہے جس وقت رب نے اسے مقرر کیا تھا مہینے گھومتے پھرتے ہوئے اس سال اپنے صحیح وقت پر گزرے۔ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ جب استقرار حمل شریف ایام حج میں ہوا اور ربیع الاول میں ولادت مبارک ہوئی تو نو ماہ کیسے پورے ہوئے۔معلوم ہوگیا کہ وہ ماہ رجب تھا جسے بقر عید بنا کر حج کیا گیا تھا۔

۴؎حق یہ ہے کہ السنة جملہ مستقلہ ہے اور اثناعشر بوجہ خبر مبتداء ہونے کے مرفوع ہے،بعض کے خیال میں السنة خلق کا مفعول اولیٰ ہے اثناءعشر مفعول دوم۔اس فرمان میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ"الخ۔

۵؎ زمانہ جاہلیت میں یہ چار ماہ بڑی حرمت والے تھے جن میں جنگ حرام تھی،اسلام میں ان مہینوں کی حرمت تو برقرار رکھی کہ ان میں گناہ کو سخت جرم قرار دیا جیسے بحالت احرام حرم شریف میں گناہ سخت جرم ہے مگر جنگ کی حرمت کو منسوخ فرمادیا۔چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف شوال میں اور غزوہ حنین ذی قعدہ میں کیا، حضور انور کے بعد صحابہ کرام ہر مہینہ میں جہاد کرتے رہے۔مضر ایک قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا نام ہے جس کے نام سے یہ قبیلہ مضر کہلاتا ہے،چونکہ وہ شخص لسی بہت پسند کرتا تھا اور اس کا رنگ بھی لسی کی طرح سفید تھا اس لیے اسے مضر کہتے تھے،مُضَر کے معنے ہیں مٹھایا لسی،چونکہ یہ قبیلہ ماہ رجب کا بہت ہی ادب و احترام کرتا تھااس لیے رجب اس قبیلہ کی طرف منسوب فرمایا گیا۔خیال رہے کہ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہوا،اس سال حضور انور نے امیر الحج عتاب ابن اسید کو مقرر کیا اور ۹ھ کے حج کا امیر ابوبکر صدیق کو اور ۱۰ھ میں خود حج فرمایا تو یقینًا ۹ھ و ۱۰ھ میں بھی ہر مہینے اپنے موقعہ پر تھا اور حج صحیح وقت پر ادا ہوا تھاورنہ سرکار کبھی غلط وقت پر حج کی اجازت نہ دیتے لہذا اس جملہ شریف کے یہ معنے نہیں کہ صرف اس سال ہی سال درست گزرا،بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سال صحیح حج ہوا گزشتہ سالوں کی طرح اور اب تم مہینے اس حساب سے گزارنا۔(مرقات وفتح الباری)خیال رہے کہ قبیلہ مضر نے ماہ رجب میں کبھی تبدیلی نہ کی تھی اس لیے رجب کو انہیں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور انہیں کے رجب سے حساب لگتا تھا۔

۶؎ یہ صحابہ کرام کاادب بارگاہ رسالت ہے کہ باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ آج حج ہے،بقر عید کا مہینہ ہے،دسویں ذی الحجہ ہے مگر جواب نہ دیا کیونکہ رب نے فرمایا:"لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ خاموش رہنا اہتمام کے لیے تھا کہ جو چیز انتظار کے بعد معلوم ہو وہ یاد خوب رہتی ہے،اس جواب سے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ رسول جانیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رب کے ساتھ کرناشرک نہیں عین ایمان ہے،اللہ رسول کے ملانے کا نام ایمان ہے الگ کرنے کا نام کفر،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ"اورفرماتا ہے:"اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰفِرُوۡنَ حَقًّا"۔

۷؎ صحابہ کے اس گمان سے معلوم ہورہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام تبدیل کرنے کا اختیار ہےاور آپ ہی کا رکھا ہوا نام باقی رہے گا،دیکھو حضور نے ایک صحابی کا نام رکھ دیا ابوہریرہ یعنی بلیوں والےتو ان کے ماں باپ کا رکھا ہوا نام گم ہوگیا۔

۸؎ بلدہ ہر شہر کو اورنحر ہر ذبح کو کہتے ہیں مگر اب عرف میں بلدہ سے مکہ معظمہ اور نحر سے قربانی مراد ہوتی ہے جیسے بیت لغۃً ہر گھر ہے مگر اب عرف میں مطلقًا بیت کعبہ معظمہ یعنی بیت اللہ کو کہتے ہیں اسی بنا پر یہ گفتگو ہورہی ہے۔مکہ معظمہ ہمیشہ سے شہر رہا ہے اور ان شاءاللہ شہر رہے گا۔جن بزرگوں نے کہا کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کے مسلمان اس کی بڑی مسجد میں نہ سماسکیں یہ غلط ہے ورنہ پھر مکہ معظمہ تو شہر نہ رہے گا کہ حرم شریف میں مکہ والے تو کیا سارے حجاج سما جاتے ہیں اور چھوٹے گاؤں جن کی مسجد چھوٹی سی ہو شہر بن جائے گا۔

۹؎ عام علماء فرماتے ہیں کہ حدود حرم میں جیسے نیکی ایک کی ایک لاکھ بن جاتی ہے ویسے ہی گناہ بھی ایک کا لاکھ ہےاس لیے حضور نے ارشادفرمایا جیسے یہاں کاگناہ دوسرے مقامات کے گناہ سے سخت ترہے ایسے ہی مسلمان کے خون مال آبرو ظلمًا برباد کرنا سخت تر

ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ"۔محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی کیفیت میں ہے نہ کہ مقدار میں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰۤى اِلَّا مِثۡلَهَا"۔

۱۰؎ یعنی قیامت میں رب تعالٰی تمہارے ہر چھوٹے بڑے جانی مالی اعمال کا حساب فرمائے گا ابھی سے اس حساب کا خیال رکھو حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں"حاسبوا قبل ان تحاسبوا"حساب دینے سے پہلے اپنا حساب خود لیتے رہو۔

۱۱؎ یہاں ضلال فرمایا گیا ضال کی جمع،بعض روایات میں کفار ہے یعنی میرے بعد تم لوگ گمراہ یا کفار جیسے ظالم نہ بن جانا کہ بعض مسلمان بعض کو ظلمًا قتل کرنے لگیں،یہ خطاب صرف صحابہ کرام سے نہیں بلکہ تاقیامت ساری امت سے ہے۔خیال رہے کہ آخری خلافت عثمانیہ اور خلافت مرتضویہ میں جو صحابہ کرام میں لڑائیاں ہوئیں وہ غلط فہمی یا خطاء اجتہادی کی بنا پر تھیں نہ کہ نفسانیت و ظلم سے جیسے حضرت خالد نے خود حضور انور کے زمانہ میں ایک قوم کو جنہوں نے صبانا کہا تھا کافر سمجھ کر قتل کردیا اور حضورانورنے حضرت خالد کو نہ فاسق قرار دیا نہ ظالم یا کافر بلکہ انہیں توبہ کا بھی حکم نہ دیا۔یہاں ظالم قاتل کو کافر یا گمراہ فرمانا عمل کے لحاظ سے ہے نہ کہ عقیدے کے اعتبار سے یعنی یہ قتل و خوں ریزی کفار کا طریقہ ہے،جیسے قرآن کریم فرماتاہے:"وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ"تم لوگ نماز قائم کرو مشرکوں سے نہ ہو جاؤ حالانکہ نماز نہ پڑھنا شرک نہیں لہذا اس حدیث سے روافض یہ نہیں کہہ سکتے کہ صحابہ حضور کے بعد آپس کی جنگوں کی وجہ سے کافر ہوگئے۔

۱۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تین چیزیں فرمائیں:اپنی تبلیغ پر تمام کو گواہ بنایا،اب بھی حجاج روضہ اقدس پر عرض کرتے ہیں یارسول اللہ آپ نے پوری تبلیغ فرمادی یہ عرض اس سوال کا جواب ہے۔دوسرے تمام صحابہ کو احادیث کی تبلیغ کا حکم دیا علماء کو چاہیے کہ دین چھپائیں نہیں،یہ حضور کی امانت ہے امت کے حوالہ کردیں۔تیسرے یہ کہ رحمت الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا چمن اسلام میں پھول کھلتے رہیں گے میرے بعد بعض علماء آج کل کے بعض صحابہ سے زیادہ ذہین و نکتہ رس ہوں گے،رب نے اپنے حبیب کی اس بات کو کیسا سچا کیا۔سبحان اللہ! چاروں امام مجتہدین دیگر فقہاء صوفیاء بعد میں پیدا ہوئے جنہوں نے ان ہی احادیث سے قیمتی موتی نکالے دین کو واضح کردیا۔

روایت ہے حضرت وبرہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا ۱؎ کہ میں جمروں کی رمی کب کروں فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی کر و ۲؎ میں نے پھر یہ ہی سوال کیا تو فرمایا ہم وقت کے منتظر رہتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرلیتے تھے ۳؎ (بخاری)	

۱؎ وبرہ ابن عبدالرحمٰن تابعی ہیں،حضرت ابن عمرو سعید ابن جبیر سے روایات کرتے ہیں،آپ کی کنیت ابو خزیمہ حارثی ہے۔

۲؎ یعنی تم میں جب بڑے علماء رمی کریں تم بھی کرو،ہر مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں،علماء کی پیروی کرنا چاہیے،عالم کی پیروی کرنے والا رب سے سالم ہو کر ملے گا،یہاں یوم النحر کے بعد کی رمی کے متعلق سوال تھا جیساکہ جواب سے معلوم ہورہا

ہے۔پتہ لگا کہ ہر بات عالم سے پوچھنا ہی نہ چاہیے بلکہ ان کو دیکھ کر بھی مسائل حل کرلینا چاہئیں،یہاں عالم باعمل کا ذکر ہے۔

۳؎ یعنی ہم دسویں بقرعید کے بعد کی رمی بعد نماز ظہر کیا کرتے تھے،یہاں بھی آپ نے صحابہ کا عمل ہی بتایا یعنی مسئلہ عمل علماء سے ثابت کیا۔رمی کے اوقات کا ذکر تفصیل وار پہلے ہوچکا ہے۔

	روایت ہے حضرت سالم سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی کہ وہ قریبی جمرہ کی ۱؎ سات کنکروں سے رمی کرتے تھے ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے ۲؎ پھر آگے بڑھ جاتے حتی کہ نرم زمین میں آجاتے پھر روبقبلہ دیر تک کھڑے رہتے ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے ۳؎ پھر درمیانی جمرہ کی سات کنکریوں سے رمی کرتے ۴؎ جب بھی کنکری پھینکتے تو تکبیر کہتے پھر بائیں طرف ہٹ جاتے نرم زمین میں پہنچ جاتے روبقبلہ کھڑے ہوتے پھر ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہتے دیر تک کھڑے رہتے پھر بطن وادی سے پیچھے والے جمرہ کو سات کنکریاں مارتے ۵؎ کہ ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے مگر اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے ۶؎ پھر واپس ہوجاتے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عمل کرتے دیکھا ہے۔(بخاری)

۱؎ اس ستون کا نام جمرہ اولیٰ بھی ہے اور جمرہ دینا بھی کیونکہ مسجد حنیف سے قریب ہے،اسی کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں قیام فرمایا تھا۔

۲؎ اس جمرہ کی رمی گیارھویں،بارھویں،تیرھویں بقرعید کو ہوتی ہے،دسویں کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہے،ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنا چاہیے نہ کہ بعد **علی اثر** سے یہ ہی مراد ہے،کنکری پھینکنے کی ابتداء اللہ پر اور انتہاء اکبر ہوتی ہے لہذا **علی اثر** فرمانا درست ہے،صرف اللہ اکبر کہنا کافی ہے،بعض حجاج **بسم اللہ اللہ اکبر** کہتے ہیں،بعض لوگ کچھ دعا بھی پڑھتے ہیں اس میں حرج نہیں۔(مرقات و فتح القدیر)

۳؎ یعنی زمین کے سخت حصہ پر کھڑے ہو کر تو رمی کرتے پھر بعد رمی وہاں سے ہٹ جاتے تاکہ دوسرے رمی والوں کے لیے جگہ خالی ہوجائے اور نرم حصہ میں آکر روبقبلہ ہو کر دیر تک دعائیں مانگتے رہتے،اب یہ ہی سنت ہے سورۂ بقرہ تلاوت کرنے کی بقدر کھڑے رہ کر دعائیں کرتے رہتے،اب لوگ مختصر ٹھہرتے ہیں۔

۴؎ رمی میں جمروں کی ترتیب احناف کے ہاں سنت ہے شوافع کا ہاں واجب اور لگاتار رمی کرنا کے ہر جمرہ کی رمی دعا کے بعد فورًا دوسرے کی رمی کرنا احناف کے ہاں سنت ہے،امام مالک کے ہاں واجب اسی لیے حجاج کو چاہیئے کہ ترتیب وار اور لگاتار ہی رمی کریں جیسے اعضاء وضو کا دھونا ترتیب وار اور لگاتار چاہیئے۔

۵؎ جمرہ عقبہ کے سامنے کنارہ راہ پر نشیبی زمین ہے اور اس کے مقابل بلند زمین،سنت یہ ہے کہ نشیبی زمین سے رمی کرے تاکہ اوپر والی زمین پر کھڑے ہوئے آدمی کو کنکر نہ لگے،اوپر کی طرف سے رمی کرنے میں نیچے والوں کو لگ جانے سے تکلیف پہنچنے کا اندشیہ ہے،مگر یہ سنت ہے اگر کوئی بلندی کی طرف سے رمی کرے تو بھی جائز ہے،بعض صحابہ نے یہ کیا تو دوسرے حضرات نے اس پر،نہ اعتراض کیا نہ اعادہ کا حکم دیا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشیبی زمین سے رمی کی مگر بلندی کی طرف سے رمی کی ممانعت نہ فرمائی لہذا حق یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور وہ جائزہے۔(مرقات)اس نشیبی زمین کا نام بطن وادی ہے۔

۶؎ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرنا اور فورًا اپنی منزل وغیرہ پر آجانا سنت ہے یا اس لیے کہ یہ جگہ برسر راہ ہے یہاں کھڑا ہونا اور لوگوں کی تکلیف کا باعث ہے یا اس لیے کہ اب رمی کی عبادت ختم ہوچکی دوران عبادت کی دعا کافی ہوگئی یا اس لیے کہ حاجی پر رحمت الٰہی کا نزول ہوچکا ہے۔اب ٹھہرنے کی مشقت برداشت کرنا ضروری نہیں،بہرحال سنت یہ ہی ہے کہ اس رمی پر نہ ٹھہرے۔واللہ ورسولہ اعلم!(مرقات)

۷؎ یعنی یہ مذکورہ عمل سنت رسول اللہ بھی ہے اور سنت صحابہ بھی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منٰی کی راتوں میں مکہ معظمہ رہنے کی اجازت مانگی۱؎ زمزم پلانے کی وجہ سے ۲؎ تو حضور نے انہیں اجازت دے دی۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی عرض یہ کیا کہ میں گیارھویں،بارھویں،تیرھویں ذی الحجہ کو دن میں منٰی آکر جمروں کی رمی کر جایا کروں گا باقی اوقات مکہ معظّمہ میں ہی رہوں گا،اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۲؎ یعنی چونکہ میرے ذمہ کنوئیں سے آب زمزم نکالنے اور لوگوں کو پلانے کی خدمت ہے،لوگ ہر وقت خصوصًا طوافوں کے بعد اور خصوصًا ان دنوں میں طواف زیارت کے بعد زمزم پیتے ہیں اگر میں منیٰ میں رہوں تو یہ خدمت بخوبی انجام نہیں پاسکتا۔خیال رہے کہ یہ زمزم نکالنے اور پلانے کی خدمت قصئ ابن کلاب کو ملی تھی،پھر ان کے بیٹے عبدالمناف کو،پھر ان کے بیٹے ہاشم کو،پھر ان کے بیٹے عبدالمطلب کو ملی،پھر ان کے فرزند عباس کو منتقل ہوئی،ان سے عبداللہ ابن عباس کو ان سے ان کے فرزند علی ابن عبداللہ کو ملی اور اب تک یہ خدمت آل عباس ہی کے قبضہ میں ہے جیسے کہ کعبہ معظّمہ کی کلید برداری طلحہ ابن عبداللہ شیبی کی اولاد کے قبضہ میں ہے وہاں کی خدمات تقسیم ہوچکی ہیں،جو وراثۃً منتقل ہوتی ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ منٰی کے زمانہ میں راتیں منٰی میں گزارنا ہمارے ہاں سنت ہے،امام شافعی کے ہاں اکثر رات وہاں رہنا واجب مگر ان دونوں اماموں کے ہاں سخت مجبوری یا معذوری میں یہ حکم اٹھ جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے سقایہ(مٹی)پر تشریف لائے پانی مانگا۱؎ تو حضرت عباس نے فرمایا اے فضل اپنی والدہ کے پاس جاؤ ان کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے آؤ ۲؎ حضور انور نے فرمایا مجھے پانی پلاؤ ۳؎ عرض کیا یارسول اللہ اس	

میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں فرمایا ہم کو پانی پلاؤ چنانچہ حضور نے اس ہی سے پیا ۴؎پھر چاہ زمزم پر تشریف لائے جب کہ وہ پانی بھررہے تھے اور اس میں کام کاج کررہے تھے تو فرمایا کئے جاؤ تم لوگ اچھے کام میں لگے ہوئے ہو۵؎پھر فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہوجاؤ گے تو ہم خود اترتے حتی کہ رسی اس پر رکھتے اور اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا ۶؎(بخاری)	

۱؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خود چاہ زمزم پر جانا اور پانی بھرنے والوں سے مانگ کر زمزم پینا بھی سنت ہے جیسے کہ گھر پر منگاکر پینا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ پانی وغیرہ مانگنا ممنوع نہیں اور یہ ان سوالات سے نہیں جن میں ذلت ہے اور جن سے شریعت میں ممانعت ہے،سوال ذلت اور ہے سوال خدمت کچھ اور۔غالبًا یہ واقعہ دسویں بقرعید کا ہے جب حضور انور منٰی سے طواف فرمانے مکہ معظّمہ تشریف لائے اور طواف کے بعد منٰی واپس ہوگئے اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کے بعد زمزم پینا سنت ہے۔

۲؎یعنی اے فرزند فضل ہم نے تم لوگوں کے لیے زمزم اپنے گھر بھیج دیا ہے،جس میں لوگوں کے ہاتھ نہیں پڑے ہیں کسی کے استعمال میں نہیں آیا،حضور انور کے لیے اس میں سے پانی لاؤ۔معلوم ہوا کہ زمزم شریف گھروں میں بھیجنا بھی سنت ہے جیساکہ اب بھی وہاں رواج ہے کہ حجاج کے ٹھکانوں پر معلم لوگ روزانہ زمزم بھجواتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

۳؎یعنی اسی سقایہ سے پلاؤ جہاں سے عام حجاج پی رہے ہیں تاکہ یہاں ہر بڑے چھوٹے کی برابری کا ظہور ہو۔

۴؎دارقطنی نے اپنے افراد میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ تواضع و انکسار سے یہ ہے کہ انسان مسلمان بھائی کا جھوٹا پانی پیئے،بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے وضو سے بچا ہوا پانی پینا پسند فرماتے تھے،غرضکہ عمومًا اور حج میں خصوصًا اپنے کو بڑائی و فخر سے بچائے۔

۵؎کیونکہ زمزم شریف کنوئیں سے نکالنا بھی عبادت ہے اور پلانا بھی عبادت۔خیال رہے کہ حضرت عباس زمزم کے منتظم تھے،ان کے ماتحت بہت سے لوگ پانی نکالتے اور پلاتے تھے،انتظام ان ہی کا تھا۔

۶؎یعنی اگر ہم لوگوں کے سامنے زمزم بھرنا شروع کردیں تو لوگ اسی عمل کو سنت سمجھ کر اسی کام کے لیے دوڑ پڑیں گے،پھر ڈول رسی تمہارے ہاتھ نہ آئے گااس لیے ہم یہ نہیں کرتے ورنہ دل چاہتا ہے کہ ہم بھی ڈول بھریں۔بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ڈول بھرا اور ڈول سے ہی زمزم پیا پھرکچھ پانی ڈول میں ڈالاوہ ڈول کنویں میں ڈال دیا،یہ دوسرے موقعہ پر ہے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقات)علماءفرماتے ہیں کہ چاہ زمزم پر چڑھ کر اس میں جھانکنا نفاق کو دورکرتا ہےاورخود ڈول بھرنا بہت بہتر ہے اگر میسر ہواس کی اصل بھی موجود ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام محصب ۱؎میں ظہروعصر مغرب اور عشاء پڑھی پھر کچھ سوئے پھر بیت اللہ کی طرف سوار ہوگئے تو اس کا طواف کیا	

۲؎(بخاری)	

۱؎محصب عربی میں کنکریلی زمین کو کہتے ہیں،اب ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے سے منٰی جاتے راستہ میں آتی ہے۔جنت معلے یعنی مکہ معظّمہ کے قبرستان سے متصل ہے اسے ابطح،بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔یہ واقعہ تیرھویں ذی الحجہ کا ہے جب سرکار عالی منٰی سے فارغ ہو کر مکہ معظّمہ واپس ہورہے تھے،طواف زیارت تو حضور انور دسویں ذی الحجہ کو ہی کرچکے تھے مکہ معظّمہ پہنچنے کی جلدی نہ تھی،اگر رب نصیب کرے تو اب بھی محصب میں ٹھہرے۔

۲؎یہ طواف وداع تھا جو مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانگی کے وقت کیا گیا،حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ محصب میں یہ قیام ارادۃً نہ تھا اتفاقًا تھا۔(بخاری)حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ مجھے حضور انور نے محصب میں خیمہ لگانے کا حکم نہ دیا تھا میں نے خود ہی اپنے طور وہاں خیمہ لگادیا اور سرکار نے وہاں قیام فرمایا۔(مسلم)حضرت اسامہ ابن زید فرماتے ہیں کہ حضور انور نے مجھ سے منٰی میں فرمایا تھا کہ ہم کل خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں قریش نے مسلمانوں کے بائیکاٹ پر حلف اٹھایا تھا،خلفائے راشدین بھی حج کے موقعہ پر اس تاریخ میں یہاں قیام فرماتے تھے۔مقصد تھا رب کی نعمت کا شکر کرنا کہ کل ہمارے بائیکاٹ پر یہاں حلف اٹھائے جاتے تھے اور آج ہم کو اللہ نے یہاں آزادی بخشی ہے،ان روایات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محصب میں ٹھہرنا سنت ہے مگر واجب نہیں،میسر ہو تو بہت اچھا۔(مرقات و لمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت عبدالعزیز ابن رفیع سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا میں نے کہا مجھے وہ چیز بتایئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھی یاد کی ہو،حضور انور نے آٹھویں بقرعید کو ظہر کہاں پڑھی ۱؎فرمایا منٰی میں ۲؎عرض کیا پھر واپسی کے دن عصر کہاں پڑھی فرمایا مقام ابطح میں ۳؎پھر فرمایا جیسا تمہارے امیر کریں ویسا تم بھی کرو ۴؎(مسلم)	

۱؎یعنی حضور نے آٹھویں بقرعید کو فجر تو مکہ معظّمہ میں پڑھی،فرمایئے ظہر کہاں پڑھی۔

۲؎معلوم ہوا کہ آٹھویں بقر عید کو بعد نماز فجر مکہ معظّمہ سے منٰی روانہ ہوجانا سنت ہے ظہر منٰی میں پڑھے۔

۳؎واپسی کے دن دو ہیں:نفراول یہ دسویں بقر عید کو ہے جب منٰی سے مکہ معظّمہ طواف کرنے آتے ہیں اور نفردوم تیرھویں بقر عید کو جب منٰی کے افعال سے فارغ ہوکر لوٹتے ہیں،یہاں نفردوم کے متعلق سوال ہے۔جب معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور نے آج عصر محصب یعنی ابطح میں پڑھی اور گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر یہاں پڑھی،ہوسکتا ہے کہ آج تیرھویں کو بعد زوال رمی کی ہو اور عصر کے قریب یہاں پہنچ کر ظہر و عصر یہاں ہی پڑھی ہو۔

۴؎یعنی اب جو امیر حج کرے تم بھی کرو،اگر وہ محصب میں ٹھہرے تم بھی ٹھہرو اگر نہ ٹھہرے تم بھی نہ ٹھہرو کہ ان کی مخالفت میں خطرہ ہے،یہاں ٹھہرنا واجب نہیں تاکہ ضرور کیا جائے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مقام ابطح میں اترنا سنت نہیں ۱؎وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے	

اترے تھے کہ آپ کی روانگی کے لیے آسان تر تھا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی سنت مؤکدہ نہیں یا حج کی سنت نہیں جس کے چھوٹ جانے سے حج ناقص ہوجائے یا سنت ہدی نہیں بلکہ سنت زائد ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام جو امت کے لیے لائق عمل ہو سنت ہے،اگرچہ حضور انور نے ایک بار ہی کیا ہواور اگرچہ عادت کریمہ کے طور پر ہی ہو،ہاں جو خلاف اولیٰ کام بیان جواز کے لیے کیے ہیں یا تعلیمًا کیے وہ اس سے خارج ہیں۔سنت کی پوری بحث مع اقسام کے ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎ یعنی منٰی سے واپسی پر وادی محصب میں جسے ابطح بھی کہتے ہیں۔اترنا وہاں قیام یا آرام کرنا سنت حج نہیں،حضور انور نے اسی لیے وہاں قیام فرمایا کہ اس قیام میں اپنا سامان وہاں ہی چھوڑ دیا اور مکہ معظّمہ جاکر طواف وداع کیا پھر اسی راستے سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے راستہ میں یہاں سے اپنا سامان لے لیا،اس شرح کی بنا پر حدیث بالکل واضح ہے،اس میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔خیال رہے کہ حضرات خلفائے راشدین وابن عمر وغیرھم رضی اللہ عنہم اس قیام ابطح کو سنت حج فرماتے تھے،ان کے نزدیک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادۃً یہاں قیام فرمایا تھا تاکہ مشرکین کا رد عمل ہو اور خدا کا شکر کریں کہ کل تک یہاں اسلام کے خلاف بائیکاٹ کی کمیٹیاں ہوتی تھیں اور آج ہم آزادانہ یہاں نمازیں پڑھ رہے ہیں جیسے طواف میں رمل اور حضرت عائشہ صدیقہ ابن عباس،ابو رافع وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں یہ سنت حج نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقًا یہاں قیام فرمایا تھا،یہ ہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے مگر وہاں قیام اگر نصیب ہو تو بہتر ہے کہ اگرچہ یہ سنت حج نہیں مطلقًا سنت تو ہے۔(لمعات و اشعہ)

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھا پھر میں مکہ معظّمہ آئی اپنا عمرہ پورا کیا ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا حتی کہ میں فارغ ہوگئی ۲؎ پھر لوگوں کو کوچ کا حکم دیا پھر آپ وہاں سے آئے تو بیت اللہ شریف پر گزرے فجر سے پہلے اس کا طواف کیا ۳؎ پھر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے میں نے یہ حدیث مسلم،بخاری کی روایت سے نہ پائی بلکہ آخر میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ ابوداؤد کی روایت سے پائی ۴؎	

۱؎ ام المؤمنین کا یہ عمرہ وہ ہے جو حج سے پہلے رہ گیا تھا کہ عمرہ کا احرام تھا مگر بوجہ ماہواری عارضہ کے ادا نہ ہوسکا،اب بعد میں کیا گیا،چونکہ عمرہ کا احرام حرم سے باہر باندھتا ہے اس لیے آپ مقام تنعیم گئیں جو حدود حرم سے باہر مکہ معظّمہ سے تین میل دور جگہ ہے،اب یہاں مسجد عائشہ ہے عام حجاج عمرہ کا احرام باندھنے وہاں جاتے ہیں۔

۲؎ ام المؤمنین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محصب میں قیام فرمانے کی یہ دوسری وجہ بیان فرمارہی ہیں کہ یہاں حضور انور نے میرے عمرہ کے انتظار میں قیام فرمایا تھا مقصد وہی ہے کہ یہ قیام سنت حج نہیں۔

۳؎ یہ طواف وداع تھا جس کو مکہ معظّمہ سے چلتے وقت حجاج اداکرتے ہیں نہ اس میں رمل ہے نہ اس کے بعد سعی،یہ طواف کرکے وہاں سے روانہ ہوجاتے ہیں۔غالبًا حضور انور نے یہ طواف تو نماز فجر سے پہلے کیا ہوگا مگر وہاں سے روانگی بعد فجر اشراق و سنت،طواف ادا کرکے کی ہوگی۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ صرف طواف کرکے روانہ ہوگئے ہوں اور کچھ راستہ طے کرکے فجر پڑھی ہو وہاں ہی نفل طواف ادا کئے ہوں،طواف کے نفل ہر جگہ درست ہیں۔

۴؎ اس جملہ میں صاحب مصابیح پر دو اعتراض ہیں:ایک یہ کہ فصل اول میں وہ مسلم،بخاری کے علاوہ حدیث لائے۔دوسرے یہ کہ حدیث ابوداؤد میں تو ہے مگر اس کے الفاظ بعینہٖ یہ نہیں ان میں کچھ فرق ہے،مصنف یہاں مسلم،بخاری کی روایت لاتے یا ابوداؤد کی روایت بعینہٖ ان ہی الفاظ سے لاتے جن میں وہاں موجود ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ لوگ ہر طرف چل دیتے تھے ۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی واپس نہ ہو حتی کہ اس کا آخری کام بیت اللہ سے ہو ۲؎ مگر حائضہ سے یہ حکم ہلکا کردیا گیا ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی پہلے حجاج رخصت کے وقت طواف وداع نہ کرتے تھے یوں ہی چلے جاتے تھے۔مِن کُلِّ وجہٍ کے معنے ہیں ہر طرف سے ہر محلّہ سے روانہ ہوجاتے تھے یہ گویا بے قاعدگی سی تھی۔

۲؎ یعنی بیت اللہ کا طواف کرکے مکہ معظّمہ سے روانہ ہوؤ تاکہ تمہاری آمد طواف سے ہو اور روانگی بھی طواف سے،یہی حال مدینہ منورہ کا ہے کہ حجاج پہنچتے ہی سلام عرض کرتے ہیں اور چلتے وقت سلام وداع کرکے چلتے ہیں،اس وقت جو دل کی کیفیت ہوتی ہے بیان نہیں ہوسکتی۔

بدن سے جاں نکلتی ہے آہ سینہ سے ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے

۳؎ یعنی حائضہ و نفساء عورت طواف وداع کے لیے حیض بند ہونے کا انتظار نہ کرے بلکہ یوں ہی چلی جائے ورنہ بہت دشواری ہوگی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ واپسی کے دن حائضہ ہوگئیں ۱؎ تو بولیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں تم کو روک ہی لوں گی ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اری بانجھ منڈی کیا تم نے بقر عید کے دن طواف کرلیا تھا عرض کیا ہاں فرمایا تو چلو ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حضرت صفیہ بنت حییّ ابن اخطب ان کے والد یہودی تھے،خیبر کے باشندے بنی اسرائیل تھے،حضرت ہارون کی اولاد سے،آپ جنگ خیبر میں گرفتار ہوکر آئیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا،آپ ام المؤمنین ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ میں عارضہ میں مبتلا ہوگئیں اور طواف وداع نہ کرسکوں گی،طواف کے لیے ایام گزرنے کا مجھے انتظار کرنا پڑے گا اور آپ حضرات میری وجہ سے ٹھہریں گے۔

۳؎ بانجھ منڈی فرمایا غضب کے لیے نہیں بلکہ محبت کے اظہار کے لیے ہے جیسے بچوں کو ارے پاگل،ارے بےوقوف یا پنجابی اڑ جانیئے وغیرہ کہہ دیتے ہیں ورنہ حضرت صفیہ کا اس میں قصور کیا تھا جو ان پر غصہ آتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کو طواف زیارت معاف نہیں اس کے لیے اسے ٹھہرنا پڑے گا،طواف وداع معاف ہے۔

مسئلہ: مکہ والوں پر یا جس نے مکہ معظّمہ میں مستقل رہائش کا ارادہ کرلیا تھا مگر اب روانہ ہورہا ہے اس پر جو حج کا احرام باندھ کر حج نہ کرسکا عمرہ کرکے کھل گیا اس پر طواف وداع واجب نہیں،یوں ہی صرف عمرہ کرنے والے پر واجب نہیں۔بہتر یہ ہے کہ طواف کے بعد پھر زیادہ دیر مکہ معظّمہ میں نہ ٹھہرے اور اگر دن میں طواف وداع کیا تھا مگر رات تک وہاں ٹھہرنا پڑ گیا تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ طواف کرے،یہ ہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔(مرقات وغیرہ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن احوص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں فرماتے سنا یہ کون دن ہے صحابہ نے عرض کیا حج اکبر کا دن ۱؎ فرمایا تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں آپس میں ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے اس شہر میں اس دن کی حرمت ۲؎ خبردار کوئی مجرم اپنی جان پر ظلم نہ کرے ۳؎ خبردار کوئی مجرم اپنی اولاد پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی فرزند اپنے باپ پر ۴؎ خبردار شیطان اس سے تو مایوس ہوچکا کہ تمہارے اس شہر میں کوئی اسے پوجے ۵؎ مگر جن گناہوں کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت ہوجایا کرے گی جس سے وہ راضی ہوتا رہے گا ۶؎ (ابن ماجہ،ترمذی)اور ترمذی نے اسے صحیح کہا۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ بعض صحابہ نے یہ جواب دیا اور بعض نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم! یا یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ صحابہ نے اللہ و رسولہ اعلم کہا۔حج اکبر کے بہت سے معانی ہیں:(۱) بقر عید کا دن حج اکبر ہے کیونکہ اکثر ارکان حج اسی دن میں ہوتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاَذٰنٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ"۔یہ اعلان بقرعید کے دن منٰی میں ہوا۔(۲) یا نویں عید کا دن حج اکبر کا دن ہے کہ اسی دن قیام عرفات ہے جو حج کا رکن اعلٰی ہے(۳) یا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج حج اکبر تھا کہ رسول اکبر نے حج فرمایا تھا اور حسن اتفاق سے اس دن یہود،نصارٰی مجوسی وغیرہ کی چھ عیدیں جمع ہوگئیں تھیں (۴) یا جب نویں بقر عید جمعہ کوواقع ہو کہ اس کا ثواب

ستر ۷۰ حج کے برابر ہے یہ زیادہ مشہور ہےاور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج بھی جمعہ ہی کا ہوا تھا(۵) یا ہر حج اکبر ہے اور عمرہ حج اصغر غرضکہ اس کے بہت معانی ہیں(مرقات، لمعات، اشعہ)

۲؎ یعنی جیسے مکہ معظّمہ میں ان حج کی تاریخوں میں احرام کی حالت میں گناہ کرنا حرام کہ اس گناہ میں حرم شریف، مبارک تاریخ اور احرام کی بے حرمتی تین جرم اور شامل ہوجاتے ہیں، ایسے ہی کسی مسلمان بھائی کا ناحق خون کرنا، مال مارنا، بے آبروئی کرنا بہت سے جرموں کا مجموعہ ہے کہ اس میں اس مظلوم بندہ کی حق تلفی بھی رب تعالٰی کی قانونی شکنی اور میرے مخالفت ہے مجھے اپنی امت بہت عزیز ہے، اسے ستانے والا مجھے کب پیارا ہوسکتا ہے۔

۳؎ یعنی خودکشی نہ کرے کہ یہ اپنی جان پر ظلم و زیادتی ہے یا دوسرے مسلمانوں پر ظلم نہ کرے کہ یہ درحقیقت اپنے پر ظلم ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ" یعنی اپنے کو قتل نہ کرو یعنی بعض بعض کو قتل نہ کرے۔ لا یَجنِی صیغہ تو نفی کا ہے مگر بمعنی نہی ہے، جیسے "لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" یا جیسے رحمہ اللہ یا غفرلہ کہ سب خبریں بمعنی انشاء ہیں۔

۴؎ یہ جملہ یا تو نہی ہے تو معنے یہ ہیں کہ ماں باپ اولاد پر ظلم نہ کریں کہ ان کا حق نہ دیں، انہیں تعلیم وغیرہ سے محروم رکھیں اور اولاد ماں باپ پر ظلم نہ کرے کہ ان کا ادائے حق خدمت نہ کرے یا بمعنی نفی یعنی ماں باپ کے جرم میں اولاد گرفتار نہ ہوگی اور اولاد کے جرم میں ماں باپ کو پکڑ نہ ہوگی اپنی کرنی، اپنی بھرنی "اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" اہل جاہلیت باپ کا بدلہ اولاد سے اور اولاد کا بدلہ ماں باپ سے لیتے تھے اسی سے ممانعت ہے۔

۵؎ شیطان کو پوجنے سے مراد بت پرستی ہے اور اس میں غیبی خبر ہے، ان شاءاللہ مکہ معظّمہ میں تاقیامت شرک و بت پرستی نہ ہوگی۔ مرقات نے فرمایا کہ علانیہ نہ ہوگی کوئی خفیۃً وہاں جاکر چھپ کر بت پرستی کرے تو اس کی بدنصیبی ہے، غرضکہ یہ جگہ شرک سے محفوظ ہے۔

۶؎ یعنی مکہ معظّمہ میں مسلمان گناہ، لڑائی، چوری، غیبت جھوٹ وغیرہ کرلیا کریں گے اور شیطان اس پر خوش ہوجایا کرے گا کہ میں ان سے کفر تو نہ کراسکا یہ غنیمت ہے یا سارے مسلمانوں سے روئے سخن ہے کہ مؤمن کے گناہوں سے شیطان راضی ہے اور کافر کے کفر سے راضی اسی لیے جھوٹ، خیانت دوسرے گناہ مسلمانوں میں زیادہ ہیں دوسری قوموں میں کم کہ شیطان کفار سے جب کفر کرالیتا ہے تو پھر دوسرے گناہ کرانے کی کوشش نہیں کرتا مگر جب مسلمانوں سے کفر نہیں کراسکتا تو ان سے دوسرے گناہ کرانے کی بہت کوشش کرتا ہے، ہمیشہ چور بھرے گھر میں جاتا ہے جس میں ہو ہی کچھ نہیں وہاں چور لے گا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں وسوسہ نہ آئیں وہ یہود و عیسائیوں کی سی نماز ہے۔(مرقات) مگر وسوسہ آنا اور ہے لانا کچھ اور۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان وسوسوں کے باعث نماز سے بددل نہ ہوجائیں، لہذا حضرت علی کے فرمان پر کوئی اعتراض نہیں، کھانے پر مکھیاں آتی ہیں مکھیاں اڑائے جاؤ اور کھانا کھائے جاؤ۔

روایت ہے حضرت رافع ابن عمرو مزنی سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منٰی میں اپنے چتکبرے خچر پر خطبہ پڑھ رہے تھے جب کہ دن چڑھ	

	چکا تھا۱؎ اور جناب علی اس کی تفسیر و تعبیر کررہے تھے لوگ کچھ بیٹھے تھے کچھ کھڑے تھے۲؎(ابوداؤد)

۱؎ غالبًا یہ وعظ دسویں بقرعید کو فرمایا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی تو اونٹنی پر کی اور وعظ خچر پر۔
۲؎ یعنی کچھ فاصلہ پر جہاں تک حضور انور کی آواز پہنچ رہی تھی وہاں جناب علی کھڑے ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس حج میں ایک لاکھ تیس ہزار مسلمان شریک تھے مگر صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے،حج میں ایک لاکھ سے زیادہ نے شرکت کی،یہ ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔صحابہ کی تعداد انبیاءکرام کی تعداد کے برابر ہے۔خیال رہے کہ حج میں تین خطبے سنت ہیں:آٹھویں بقر عید کو مکہ معظّمہ میں،نویں کو عرفات میں،دسویں کو منٰی میں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ اور ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن طواف زیارت رات تک مؤخر فرمایا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں تاریخ کو طواف زیارت کی رات تک اجازت دی کہ جو آج طواف کرنا چاہے وہ رات تک کرلے،رات میں جا کر نہ کرے۔اس کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ حضور نے آج رات میں طواف کیا حضور انور نے ظہر سے پہلے طواف کیا اور ظہر مکہ معظّمہ بلکہ منٰی میں واپس آکر ادا کی،نہ یہ مطلب ہے کہ صرف آج رات طواف کا وقت ہے،اس کا وقت احناف کے ہاں دسویں کی فجر سے بارھویں کی غروب آفتاب سے پہلے تک ہے زیادہ تاخیر سے دم واجب ہے،شوافع کے ہاں دسویں کی آدھی رات سے جب تک چاہے۔(مرقات)

	روایت حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہ کیا ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ رمل نہ تو طواف زیارت میں ہے نہ طواف وداع میں صرف طواف قدوم میں ہے۔رمل کے معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے چلنا رمل کہلاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو اس کے لیے بیوی کے سوا ہرچیز حلال ہوگئی ۱؎(شرح سنہ)اور فرمایا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے اور احمد و نسائی کی روایت میں حضرت ابن عباس سے یوں ہے کہ خود ان ہی نے فرمایا کہ جب جمرہ کی رمی کرے تو عورتوں کے سوا سب حلال ہے ۲؎

۱؎ یعنی جب حاجی دسویں بقرعید کو جمرہ عقبہ کی رمی کرچکے تو جو چیزیں احرام سے حرام ہوچکی تھیں وہ تمام حلال ہو گئیں،ہاں ابھی بیوی سے صحبت حلال نہ ہوئی یہ تو طواف زیارت سے حلال ہوگی۔امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں نساء سے

مراد اپنی بیوی سے صحبت ہے،امام شافعی کے ہاں اس سے مراد عورت سے نکاح کرنا ہےکیونکہ ان کے ہاں احرام میں نکاح کرنا بھی حرام ہےطواف زیارت کے بعد حلال ہوتا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے مراد رمی مع ملحقات ہے،یعنی سر منڈانا و قربانی کرنا کہ ان تین کاموں سے ہر چیز حلال ہوتی ہےاور یہ دونوں چیزیں رمی کی ملحقات سے ہیں لہذا رمی کے بعد سرمنڈانے اور قربانی سے پہلے سلے کپڑے اور خوشبو استعمال نہیں کرسکتا۔

۲؎یعنی احمد و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عباس کا خود اپنا قول نقل کیا،مرفوع حدیث نقل نہ کی مگر اس قسم کی موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔خیال رہے کہ احرام سے فارغ ہونے پر حجامت ہمارے ہاں واجب ہے،امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں سنت،ہماری دلیل رب تعالٰی کا یہ فرمان ہے:"ثُمَّ لۡیَقۡضُوۡا تَفَثَہُمۡ"۔اس سے مراد حجامت ہےاور رب تعالٰی کا یہ فرمان:"اٰمِنِیۡنَ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَ مُقَصِّرِیۡنَ"مگر چونکہ یہ استدلال ظنی ہے اس لیے اس سے وجوب ثابت ہے نہ کہ فرضیت۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے دن کے آخری حصہ میں جب کہ ظہر پڑھ چکے تو طواف زیارت کیا پھر منٰی لوٹ آئے ۱؎پھر تشریق کے زمانہ میں وہاں ہی قیام فرمایا کہ سورج ڈھل جانے پر جمرہ کی رمی کرتے تھے ۲؎ہر جمرہ کی ساتھ کنکریوں سے ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے ۳؎ پہلے اور دوسرے جمروں کے پاس کچھ ٹھہرتے تھے تو دراز قیام کرتے تھے عاجزی زاری کرتے تھے اور تیسرے جمرہ کی رمی کرتے تو وہاں نہ ٹھہرتے ۴؎(ابوداؤد)

۱؎اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت نماز ظہر پڑھ کر کیابلکہ یہ کہ ظہر منٰی میں پڑھی،پھر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے مگر پہلے گزرچکا کہ حضور انور نے نماز ظہر سے پہلے طواف کیابعد میں ظہرپڑھی مکہ معظّمہ میں یا منٰی واپس آکر،اس لیے بعض شارحین نےاس کے معنی یہ کئے ہیں کہ حضورانور نے ظہر سے پہلے توخود آپ طواف زیارت کیا پھر بعد نماز ظہر اپنی ازواج مطہرات کو طواف کرانے لے گئے،دسویں بقر عید کو دوبارہ مکہ معظّمہ تشریف لائے،ان گزشتہ احادیث میں اپنے طواف کرنے کا ذکر ہے اور یہاں ازواج پاک کو طواف کرانے کا تذکرہ یا ازواج پاک کو یہ طواف گیارھویں یا بارھویں کو کرایا،یہاں اسی کا ذکر ہے،بہرحال یہ حدیث واجب التاویل ہے۔(مرقات وغیرہ)

۲؎پہلے بتایا جاچکا ہے کہ دسویں بقر عید کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوگی اور زوال سے پہلے،پھر باقی گیارھویں بارھویں کو تینوں جمروں کی رمی ہوگی مگر زوال کے بعد آج کل حجاج بارھویں کو زوال سے پہلے ہی جمروں کی رمی کرکے مکہ معظّمہ روانہ ہوجاتے ہیں،یہ سخت برا ہے خلاف سنت ہے،جب حج کرنے اتنی دور سے اتنا خرچ کرکے آئے ہو تو اچھی طرح کرو کہ کوشش کرو کہ دسویں کو طواف زیارت کرلو تاکہ آج بارھویں کو بھاگنا نہ پڑے۔

۳؎صرف اللہ اکبر یا بسم اللہ اللہ اکبر اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔

۴؎ یہ ہی سنت ہے کہ آخری جمرہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرے پہلے دو جمروں کی رمی کے بعد ٹھہرے اور وہاں دعائیں مانگے،اس کی حکمتیں پہلے عرض ہوچکی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو البداح ابن عاصم ابن عدی سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اونٹ چرانے والوں کو شب گزاری کی اجازت دی ۲؎ کہ بقر عید کے دن رمی کرلیں پھر بقر عید کے بعد دو دن کی رمی جمع کرلیں اس طرح کہ ان دونوں میں سے ایک ہی رمی کریں ۳؎ (مالک،ترمذی،نسائی،)اور ترمذی نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔	

۱؎ مرقات نے فرمایا کہ ابن عاصم ابوالبداح کا بدل ہے اور ان کی کنیت ابو عمرو ہے،ابوالبداح لقب ہے،آپ اپنے لقب میں مشہور ہوگئے ہیں،بعض کے خیال آپ تابعی ہیں مگر حق یہ ہے کہ صحابی ہیں جیسا کہ ابن عبدالبر نے فرمایا۔

۲؎ کہ منٰی کے زمانہ میں راتیں اپنے گھر گزاریں،منٰے میں رات گزارنا ان پر لازم نہیں۔

۳؎ اس کی صورت یہ ہے کہ بقرعید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کرلیں،گھر چلے جائیں،گیارھویں کو نہ آئیں،بارھویں کو دونوں دنوں یعنی گیارھویں بارھویں کی رمی کرلیں۔امام شافعی و مالک بلکہ امام اعظم کے ہاں بھی تقدیم جائز نہیں بلکہ تاخیر جائز ہے،یعنی گیارھویں کو دونوں دن کی رمی نہ کریں بلکہ بارھویں کو کریں۔

باب ما یجتنبہ المحرم

باب جن چیزوں سے محرم بچے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی بحالت احرام محرم کون کام کرسکتاہے اور کون کام نہیں کرسکتا،نہ کرسکنے میں تمام ممنوعات داخل ہیں خواہ ان سے قربانی واجب یا صدقہ یعنی آدھا صاع(سوا دوسیر)گندم یا ایک صاع(ساڑھے چار سیر جو)یا کچھ و اجب نہ ہومگر اس کا کرنا اچھا۔اس باب میں یہ تمام چیزیں مذکور ہیں اور ان کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہیں،حج میں ترک واجب سے قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کون سے کپڑے پہنے ۱؎ تو فرمایا کہ نہ قمیص پہنو،نہ پگڑیاں،نہ پائجامے اور نہ ٹوپیاں ۲؎ نہ موزے بجز اس کے جو جوتے نہ پائے تو وہ موزے پہن لے اورا نہیں ٹخنوں کے نیچے کاٹ لے ۳؎ اور نہ وہ کپڑے پہنو جنہیں زعفران لگا ہو نہ وہ جنہیں ورس لگا ہو ۴؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں بخاری نے زیادہ کیا کہ محرمہ عورت منہ پر نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے ۵؎

۱؎ سائل کو سوال کرنا نہ آیا پوچھنے والی بات یہ تھی کہ کون سے کپڑے نہ پہنے،اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پہننے والے کپڑے بتائے جواب حکیمانہ دیا۔

۲؎ چونکہ روئے سخن مرد حجاج کی طرف ہے اس لیے پگڑی وہ ٹوپی کا بھی ذکر فرمایا،مطلب یہ ہے کہ مرد حاجی سلا کپڑا نہ پہنے اور نہ سر ڈھکے ان دونوں حکموں سے عورتیں علیحدہ ہیں۔ پہننے سے مراد عادت کے مطابق پہننا ہے پائجاموں میں پاؤں ڈال کر اور قمیص کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر،اگر کوئی محرم تہبند کی طرح پائجامہ لپیٹ لے اور چادر کی طرح قمیص اوڑھ لے تو جائزہے کہ یہ لبس یعنی پہننا نہیں۔برنس ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو پہلے مروج تھی مگر یہاں مطلقًا سر ڈھکنے والی چیز مراد ہے لہذا محرم سر پر کپڑا،چادر،دوپٹہ بھی نہیں ڈال سکتاجب وہ سر سے متصل ہو،ہاں چھتری لگانا،خیمہ میں بیٹھنادرست ہے کہ چھتری اور خیمہ کی چھت سر سے علیحدہ رہتی ہے۔

۳؎ احناف کے ہاں یہاں **کعبین** سے مراد درمیان قدم پر ابھری ہوئی سخت ہڈی ہے اس کا کھلا رہنا ضروری ہےاور ڈھانپنا منع،شوافع کے ہاں وہ ہی عرفی ٹخنے یعنی قدم کے آس پاس کی دو ہڈیاں مراد ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ محرم کو بحالت احرام نہ

موزہ پہننا درست ہے،نہ ایسا جوتا یا بوٹ جس سے وسط قدم کی ہڈی ڈھک جائے۔**خفین** چمڑہ کے موزے کو کہتے ہیں،سوتی یا اونی موزے کو جرابیں کہا جاتا ہےوہ ممنوع نہیں۔مطلب یہ ہے کہ اگر حاجی کے پاس جوتے نہ ہوں تو چمڑے کے موزے کو کاٹ کر جوتے کی طرح بنالے پھر پہن لے۔

۴؎ چونکہ پہلا حکم صرف مردوں کو تھا اور یہ حکم مرد و زن سب کو اسی لیے **لاتلبسوا** مکرر ارشاد ہوااور **ورس** عرب کی ایک مشہور گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں،اس کا رنگ بھی زعفران کی طرح پیلا ہوتا ہے،یعنی کوئی محرم مرد ہو یا عورت زعفران یا ورس میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے،یہاں پہننے سے مراد استعمال کرنا ہے لہذااس رنگ کی چادر،تہبند بھی استعمال نہیں کرسکتا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ محرم عورت سر پر کپڑا ڈال سکتی ہے مگر منہ پر نقاب نہیں ڈال سکتی،جب کہ نقاب منہ سے متصل ہو،اگر منہ سے دور رہے تو جائز ہے،ایسے ہی اگر پنکھا وغیرہ آڑ کرکے منہ چھپالے تو کوئی بھی حرج نہیں جیسے مرد کے سر کے لیے چھتری یا جبہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے سنا آپ فرماتے ہیں کہ جب محرم جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور جب تہبند نہ پائے تو پائجامہ پہن لے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کا مطلب احناف کے یہاں یہ ہے کہ جس محرم کے پاس جوتا نہ ہو وہ موزے کاٹ کر پہنے جیساکہ پہلے گزر گیامگر صدقہ پھر بھی دینا ہوگااور اگر تہبند نہ ہوتو پائجامہ چادر کی طرح لپیٹ لےاس میں فدیہ نہیں،اگر پائجامہ عادت کے مطابق پہنا تو دم یعنی قربانی دینا ہوگی،دوسرے اماموں کے ہاں اس کے اور معانی ہیں،امام شافعی کے ہاں موزے کاٹ کرپہننے میں فدیہ بھی نہیں۔

روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام جعرانہ میں تھے ۲؎ کہ آپ کے پاس ایک بدوی حاضر ہوئے جن پر قبا تھی اور وہ خلوق خوشبو میں لتھڑے ہوئے تھے ۳؎ تو بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور مجھ پر یہ ہے فرمایا اپنی خوشبو تو تین بار دھوڈالو ۴؎ رہا جبہ تو اسے اتار ڈالو،پھر عمرہ میں وہ ہی کرو جو حج میں کرتے ہو ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،فتح کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے،تمیمی ہیں،حنظلی ہیں،جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تھے،اسی میں شہید ہوئے۔

۲؎ یہ جگہ حرم شریف سے خارج ہے،طائف کے راستہ پر ہے،آج کل اس کا نام سہل ہے،فقیر وہاں دوبار حاضر ہوا ہے۔بعض آئمہ کے ہاں عمرہ کا احرام جعرانہ سے باندھنا افضل ہے،ہمارے امام اعظم کے ہاں تنعیم سے باندھنا بہتر کہ جعرانہ سے احرام کا عمل حضور نے فرمایا تھااور تنعیم سے احرام باندھنے کا حضرت عائشہ صدیقہ کو حکم دیا اور حکم عمل سے اعلی ہوتا ہے،اب تنعیم والے عمرہ کو چھوٹا عمرہ کہتے ہیں اور جعرانہ والے کو بڑا عمرہ۔

۳؎ خلوق عرب کی مشہور خوشبو ہے جس میں زعفران ہوتا ہے بہت مہکتی ہے اور رنگت بھی رکھتی ہے۔

۴؎ چونکہ اس خوشبو میں زعفران ہوتا ہے رنگت دیتی ہے اس لیے مرد کو بہرحال ممنوع ہےاسی لیے اس کے دھو ڈالنے کا حکم دیاورنہ محرم اگر احرام سے پہلے خوشبو لائے پھر احرام باندھےوہ خوشبو باقی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔جن لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے والی خوشبو کو بھی منع کیا انہوں نے غلطی کی۔

۵؎ یعنی جن چیزوں سے حج میں بچتے ہوان سے ہی عمرہ میں بچویا جیسے طواف و سعی حج میں کرتے ہو عمرے میں بھی کرو،یہ مطلب نہیں کہ عمرہ میں حج کے سارے ارکان ادا کرو۔خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اگر بھول کر بھی اس قسم کی غلطی کرے تو بھی اس پر فدیہ ہےدیگر آئمہ کے ہاں بھول میں فدیہ نہیں،یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کا حکم نہ دیامگر ظاہر ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کی دلیل نہیں،عدم ثبوت اور ہے ثبوت عدم کچھ اور۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم نہ نکاح کرے نہ کرائے اور نہ نکاح کا پیغام دے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ حدیث امام شافعی و دیگر ان اماموں کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ بحالت احرام نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے،ہمارے امام اعظم کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے یا لاینکح نفی مضارع کا صیغہ ہےیعنی بحالت احرام محرم اپنے ارکان ادا کرنے میں مشغول رہتا ہے اور دنیاوی کاموں میں پھنستا نہیں،یہاں کاموں کے لیے نہیں آیا ہے،ان کاموں کے لیے اور وقت ہیں اس لیے کہ خود حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے بحالت احرام نکاح کیا ہے جیساکہ اگلی حدیث میں ہے۔بہرحال یہ کراہت تنزیہی ہےاور نکاح کرنے سے مراد ان کاموں میں پھنسناہے۔(مرقات،اشعہ،لمعات)ورنہ ظاہر حدیث ان حضرات کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں محرم کو نکاح کرنا حرام ہے،نکاح کی وکالت یا پیغام کو وہ بھی حرام نہیں فرماتے لہذا مذہب حنفی قوی ہےاور یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی میمونہ سے بحالت احرام نکاح کیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ نکاح عمرہ قضا میں ہوا،بمقام سرف جو مکہ معظّمہ سے قریبًا چھ میل فاصلہ پر ہے وادی فاطمہ کے قریب۔خیال رہے کہ حضرت میمونہ ہ بنت حارث ہلالیہ ہیں،ان کی سگی بہن لبابہ کبریٰ ام الفضل حضرت عباس کے نکاح میں ہیں اور اخیافی بہن اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کے نکاح میں اور دوسری اخیافی بہن سلمٰی بنت عمیس جناب حمزہ کے نکاح میں ہیں،لہذا حضرت میمونہ ابن عباس کی سگی خالہ ہیں،حضرت میمونہ کے اس نکاح میں حضرت عباس وکیل میمونہ تھے،انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ و

سلم سے آپ کا نکاح کیا،واپسی پر اسی مقام میں زفاف ہوا ا ور اسی جگہ حضرت میمونہ کی وفات و قبر ہوئی لوگ زیارت کرتے ہیں۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ اس نکاح کا حال جس قدر حضرت ابن عباس کو معلوم ہوسکتا ہے دوسرے کو نہیں کہ یہ خود ان کی خالہ کا معاملہ ہے اور آپ کے والد ماجد اس نکاح میں وکیل ہیں،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ محرم بحالت احرام نکاح کرسکتا ہے،یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے اور گزشتہ بیان استحباب کے لیے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت یزید ابن الاصم سے جو حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں۱؎وہ جناب میمونہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے بحالت حلال نکاح کیا ۲؎(مسلم)حضرت شیخ امام محی السنہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس پر ہیں کہ حضور انور نے ان سے نکاح تو بحالت حلال کیا مگر بحالت احرام نکاح کا حال کھلا پھر مکہ معظمہ کے راستہ میں مقام سرف میں آپ سے زفاف حلال ہو کر کیا۳؎

۱؎ یزید ابن اصم بھی حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں اور حضرت ابن عباس بھی مگر یزید ابن اصم تابعی اور ابن عباس فقیہ صحابی ہیں لہذا یزید ابن اصم سن کر فرمارہے ہیں اور حضرت ابن عباس وہ نکاح دیکھ کر کیونکہ وہ خود اس نکاح میں موجود تھے،ان کے والد حضرت عباس وکیل نکاح تھے،یہ نہیں خبر کہ یزید ابن اصم نے یہ واقعہ کس کس سے سنا،خود حضرت میمونہ سے یا کسی اور سے،انہوں نے حضرت میمونہ سے یہاں **عن میمونہ** ہے **سمعت میمونۃ** نہیں ہے۔

۲؎ **تزوّج** سے مراد تیاری نکاح ہے اور حلال سے مراد احرام سے پہلے کا حل ہے یعنی احرام باندھنے سے پہلے بحالت حل تیاری نکاح فرمائی اور احرام کے بعد نکاح کیا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ**"اور فرماتا ہے:"**اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ**"یعنی جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو **اعوذ باللہ** پڑھو اور جب تم نماز پڑھنا چاہو تو وضو کرو،یوں ہی **تزوّج** کے معنے ہیں نکاح کرنا چاہا،تیاری نکاح نکاح سے پہلے ہوتی ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عباس کے خلاف نہیں اور اگر خلاف بھی ہو تب بھی حدیث ابن عباس کو ترجیح ہے جیساکہ ہم نے ابھی عرض کیا۔

۳؎ یہاں **اکثرون** سے مراد شوافع علماء ہیں انہوں نے یہ تاویل کی ہے مگر یہ تاویل بالکل خلاف ظاہر ہے کیونکہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح احرام میں کیا ہو اور ظہور نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہوا ہو،نیز **تزوّج** کو ظہور نکاح کے معنے میں لینا بہت ہی بعید ہے۔غرضکہ مذہب احناف بہت قوی ہے،امام زہری نے جب یزید ابن اصم کی حدیث عمرو ابن دینار پر پیش کی تو عمرو نے فرمایا کہ یزید جو دیہات کے باشندے تھے حضرت ابن عباس کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں،حدیث ابن عباس کو صحاح ستہ نے روایت کیا اور حدیث یزید کو مسلم نے۔ابورافع کی حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح بحالت حلال کیا اور میں ہی اس نکاح میں پیغام رساں تھا،یہ حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی اسے ابن حبان نے نقل کیا اور ترمذی نے اسے صحیح نہ کہا حسن کہا اور اگر صحیح بھی ہو تو مطلب وہ ہی ہے کہ تیاری نکاح بحالت احرام تھی،پیغام رسانی ارادہ نکاح میں ہوتی ہے نہ کہ عین نکاح کے وقت،اس وقت تو وکالت ہوتی ہے جو حضرت عباس نے کی،حضرت ابن عباس کی جو روایت

ہے کہ آپ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا وہ بالکل سن کر ہے جسے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے اور اگر یہ روایات متعارض مان لی جائیں تو دونوں قسم کی حدیثیں ناقابلِ عمل ہوں گی اور قیاس پر عمل ہوگا جیساکہ تعارض کا حکم ہے۔قیاس چاہتا ہے کہ نکاح محرم درست ہو کیونکہ نکاح دوسرے عقود بیع،اجارہ وغیرہ کی طرح ایک عقد ہے،جب محرم بیع اجارہ کرسکتا ہے تو نکاح بھی کرسکتا ہے،نیز اصل اشیاء اباحت ہے اور حرمت عارضی،حدیث ابن عباس نکاح محرم کی اباحت ثابت کررہی ہے لہذا اسی کو ترجیح ہے کہ اباحت اصلیہ اس کی مرجح ہے،نیز حدیث ابن عباس مثبت ہے،یہ احادیث نافی اور مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔(ازمرقات مع الزیادۃ)

	روایت ہے حضرت ابو ایوب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم بحالت احرام اپنا سر مبارک دھولیتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ احرام کی حالت میں سر محض پانی سے دھونا جائز ہے جب کہ بال نہ ٹوٹے،خطمی سے دھونے میں قربانی واجب ہے۔(حنفی،مالکی)اشنان یا خوشبودار چیز سے دھونے میں صدقہ واجب ہے،بیری،صابن سے دھونا جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام پچھنے لگوائے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ محرم کو پچھنے لگوانے بھی جائز ہیں جب کہ بال نہ ٹوٹے،کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ محرم کو اپنا سر یا بدن کھجلانا کیسا ؟ تو آپ نے فرمایا جائز ہے مگر بال نہ ٹوٹنے پائے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عثمان سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اس شخص کے بارے میں حدیث نقل کی جس کی آنکھیں دکھتی ہوں اور وہ محرم ہو کہ ایلوے سے لیپ کرے ۱؎(مسلم)

۱؎ چونکہ ایلوے میں کوئی خاص خوشبو یا مہک نہیں اس لیے دواءً اس کا استعمال جائز ہے مگر خوشبودار سرمہ یا دوا لگانا ممنوع ہے جس سے صدقہ واجب ہوگا،مہندی لگانا محرم کو منع ہے کہ اس میں خوشبو ہے۔

	روایت ہے حضرت ام الحصین سے فرماتی ہیں میں نے حضرت اسامہ و بلال کو دیکھا کہ ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور دوسرے صاحب اپنا کپڑا تانے ہوئے تھے ۱؎ آپ کو گرمی سے بچاتے تھے حتی کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی کرلی ۲؎(مسلم)

۱؎ حضرت بلال تو اونٹنی کی مہار پکڑے تھے اور حضرت اسامہ سر انور پر سایہ کئے ہوئے تھے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے خواہ خدام تنخواہ دار نوکر ہوں،یا اپنے شاگرد،مرید،معتقد۔دوسرے یہ کہ محرم بحالت احرام چھتری،خیمہ،چادر کا سایہ لے سکتا ہے بشرطیکہ یہ چیزیں اس کے سر سے علیحدہ رہیں،روافض کے ہاں چھتری وغیرہ سے سایہ لینا بھی محرم کو درست نہیں۔

۲؎ اس میں یہ تصریح نہیں کہ یہ رمی دسویں بقر عید کی تھی،ممکن ہے کہ بعد والے دنوں کی ہو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گزرے جب کہ وہ مقام حدیبیہ میں تھے مکہ معظّمہ داخل ہونے سے پہلے ۲؎ وہ محرم تھے اور ہانڈی کے نیچے آگ جلارہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گررہی تھیں ۳؎ تو فرمایا کیا تمہیں جوئیں دکھ دے رہی ہیں عرض کیا ہاں فرمایا تو اپنا سر منڈا دو اور ایک فرق(تین صاع)۴؎ دانے مسکینوں میں بانٹ دو ۵؎ فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا تین دن کے روزے رکھ لو یا قربانی دے دو ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے،زمانہ جاہلیت میں عبادہ ابن صامت سے دوستی تھی،آپ کا ایک بت تھا جس کی پرستش کرتے تھے،ایک دن حضرت عبادہ نے ان کی غیر موجودگی میں بت توڑ دیا،آپ نے آکر بت کو ٹوٹا ہوا اور حضرت عبادہ کو وہاں بیٹھا ہوا پایاتو حضرت عبادہ پر غصہ آیا مگر فورًا دل سے آواز آئی کہ اے کعب اگر بت کچھ کرسکتے ہوتے تو اپنے کو عبادہ سے کیوں نہ بچاتے یہ خیال آتے ہی اسلام قبول کرلیا۔(اشعہ)کوفہ میں قیام رہا،مدینہ منورہ میں وفات پائی،پچھتر ۷۵ سال عمر پائی ۵۱ھ میں انتقال ہوا۔(اکمال)

۲؎ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے سال کا ہے،ابھی کفار مکہ سے صلح کی گفتگو شروع نہ ہوئی تھی،مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی قوی امید تھی۔

۳؎ یعنی سر میں جوئیں بہت ہوگئیں تھیں مگر احرام کی وجہ سے نہ مارسکتے تھے نہ سر خطمی وغیرہ سے دھو سکتے تھے حتی کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چہرے پر جوئیں رینگنے لگیں۔

۴؎ فرق عرب کے ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں سولہ رطل یا بارہ مد یا تین صاع گندم سماتے ہیں،راء کے سکون سے بھی ہے اورفتح سے بھی۔

۵؎ لہذا ہر مسکین کو آدھا صاع ملے گا،دانہ سے مراد گندم ہے۔ہمارا یہ ہی مذہب ہے کہ محرم پر سر منڈانے کی صورت میں تین صاع گندم چھ مسکینوں میں تقسیم کرنا لازم ہے۔(مرقات)

۶؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر"وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ‌ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ"یعنی قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے سر نہ منڈاؤ،جو تم میں بیمار یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس پر فدیہ لازم ہے روزے یا صدقہ یا قربانی۔حدیث شریف نے بتایا کہ روزے تین واجب ہوں گےاور اگر صدقہ دے تو تین صاع مسکینوں کو دے گا،ہر مسکین کو نصف صاع،غرض کہ ضرورۃً سر منڈانے کا محرم پر کفارہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عورتوں کو بحالت احرام دستانوں اور نقاب سے اور ان کپڑوں سے جنہیں ورس یا زعفران لگا ہو منع فرماتے تھے ۱؎ہاں احرام کے بعد جو رنگ برنگے کپڑے سرخ یا ریشمی یا زیور یا پائجامہ یا کرتہ یا موزہ چاہے پہنے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی عورت کو بحالت احرام تین چیزیں منع ہیں:دستانہ پہننا،چہرے پر نقاب اس طرح ڈالنا کہ کپڑا منہ کو لگے،بدن یا کپڑے پر خوشبو ملنا۔

۲؎ **بعد ذلك** کے معنے اشعۃ اللمعات میں تو یہ کئے کہ احرام کے بعد جو چاہے پہنے کہ مانع جاتا رہامگر مرقات میں **بعد** کے معنے کئے**سواء ذالك** سے اشارہ کیا گزشتہ تین چیزوں کے طرف اور معنے یہ کئے کہ ان تین لباسوں کے علاوہ محرمہ عورت بحالت احرام جو چاہے لباس پہنے۔مطلب یہ ہے کہ عورت پر مردوں کی سی پابندی نہیں سر نہ ڈھکے یا سلے کپڑے نہ پہنے وغیرہ بلکہ اسے سر ڈھکنا،سلے کپڑے پہننا سب جائز ہے بلکہ اگر نقاب چہرے سے الگ رہے تو وہ بھی جائز ہے،مرقات کے یہ دوسرے معنے زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم!**

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہم پر قافلے گزرے تھے جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھےجب قافلے ہم پر گزرتے ۱؎تو ہم میں سے ہر ایک اپنے سر سے چہرے پر چادر ڈال لیتی ۲؎پھر جب وہ آگے بڑھ جاتے تو ہم منہ کھول لیتے تھے ۳؎(ابوداؤد)ابن ماجہ کی روایت میں اس کے معنی ہیں۔	

۱؎یعنی ویسے تو ہم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے چہرے کھلے رکھتے تھےمگر جب قافلے ہم پر گزرتے تو ان میں مرد بھی ہوتے تھے ان سے ہم پردہ کرنے کی کوشش کرتے تھے لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حضرات اپنے مدینہ والے مردوں سے پردہ نہ کرتی تھیں،جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا،پردہ ہر اس مرد سے واجب ہے جس سے نکاح درست ہو،خواہ مدینہ کا ہو یا باہر کا۔

۲؎مگر ا سطرح کہ چادر کا یہ حصہ چہرے سے مس نہ کرےاس سے علیحدہ رہے کہ اس میں پردہ بھی ہوگیا،نقاب چہرے سے مس بھی نہ ہو،لہذا یہ حدیث گزشتہ نقاب کی ممانعت کی حدیث کے خلاف کے نہیں۔

۳؎ کیونکہ اب کوئی نامحرم مرد نہ رہتا تھا جس سے پردہ ہو۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ"مگر پردہ حجاب ان پر بھی فرض ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِذَا سَاَلۡتُمُوۡہُنَّ مَتٰعًا فَسۡـَٔلُوۡہُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ"اب موجودہ زمانہ کی بے پردہ عورتوں کو اس حدیث سے عبرت لینا چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحالت احرام روغن زیتون لگالیتے تھے جو کسی خوشبو سے مہکایا نہ جاتا تھا ۱؎(ترمذی)	

۱؎ مقتت تقتیت سے بنا بمعنی روغن کو خوشبو سے مہکانایا تو خوشبو کے ساتھ پکا کر یا تلوں وغیرہ کو پھولوں میں بسا کر یا تیل میں پھول ڈال کر،یہ سب تقتیت کی صورتیں ہیں۔خیال رہے کہ خوشبودار تیل عضو کامل پر لگانے سے محرم پر بالاتفاق قربانی واجب ہےمگر خالص تل یا زیتون کے تیل لگانے میں اختلاف ہے،امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسے خوشبو مانتے ہیں کہ اس کے لگانے سے امام صاحب کے ہاں قربانی اور صاحبین کے ہاں صدقہ واجب ہےمگر جب کہ خوشبو کے لیے ملا جائے،اگر دواءً استعمال یا اس کی مالش کی جائےتو ہمارے یہاں بھی کچھ واجب نہیں،دیگر آئمہ کے ہاں ان تیلوں سے کچھ واجب نہیں،امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں اس حدیث میں دواءً تیل لگانا مراد ہے،دوسرے اماموں کے ہاں خوشبوکے لیے لگانا مرادلہٰذا یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر نے سردی محسوس کی تو فرمایا اے نافع مجھ پر کپڑا ڈال دو۱؎ تو میں نے آپ پر ایک برنس ڈال دی ۲؎ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ پہ ڈالتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ حضرت ابن عمر محرم تھے،موسم سرد تھا یا اتفاقًا سردی ہوگئی جیسے کبھی جون جولائی میں بھی بارش یا اولے پڑ جانے سے عارضی سردی ہوجاتی ہے۔

۲؎ برنس لمبی ٹوپی کو بھی کہتے ہیں اور لمبی چادر کو بھی جو سر بھی ڈھانپ لے،یہاں دوسرے معنے مراد ہیں یعنی میں نے ان پر وہ لمبی چادر ڈال دی جس سے ان کا سر بھی ڈھک گیا،برنس میں ایسی سلائی ہوتی ہے جس میں سر ڈھکنے کا حصہ بن جاتا ہے۔

۳؎خیال رہے کہ محرم کو سلا کپڑا پہننا منع ہے حتی کہ اس کا اپنے پر ڈالنا۔پہننا یہ ہے کہ سلائی کے ذریعہ کپڑا جسم پر رُکے،ڈالنا یہ ہے کہ کسی اور ذریعہ سے اسے روکا جائے۔حضرت ابن عمر نے یاتو اس لیے منع فرمایا کہ آپ کا سر ڈھک گیا تھا اور محرم کو سر ڈھانپنا منع ہے یا آپ نے سلا کپڑا ڈالنا بھی مکروہ سمجھا۔فتح القدیر میں فرمایا کہ سلا کپڑا اس طرح اپنے پر ڈالنا کہ پہننے کے مشابہ ہوجائے مکروہ ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام اپنے سر کے وسط میں مکہ معظّمہ کے راستہ میں لُحی جمل میں پچھنے لگوائے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ظاہر ہے کہ وسط پر بال ہوتے ہیں وہ دور کئے بغیر وہاں فصد نہیں ہوسکتی اور بال اکھیڑنا،مونڈنا بحالت احرام جرم ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورۃً یہاں کے بال علیحدہ کرکے فصد کھلوائی ہوگی اور بعد میں فدیہ بھی ادا کردیا ہوگا،یہاں فدیہ کا ذکر نہیں ہے،سرمنڈانے پر فدیہ واجب ہونا آیت قرآنی سے ثابت ہے۔ہماری اس توجیہ کی بنا پر نہ تو حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہے اور نہ ان احادیث کے جن میں حاجی کو فصد لینے یا بال منڈانے سے منع فرمایا گیا ہے کہ یہ عمل ضرورۃً تھا اور وہ فرمان بلاضرورت کی صورت میں ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام ایک درد کی وجہ سے جو آپ کو تھا قدم کی پشت پر پچھنے لگوائے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎چونکہ درمیان قدم پر بال ہوتے ہی نہیں لہذا وہاں فصد کی صورت میں بال دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا اس حدیث میں کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں،خصوصًا جب کہ یہ فصد عذر کی بنا پر تھی،عذر میں تو بال مونڈکر فصد لینا بھی جائز ہے اگرچہ فدیہ واجب ہوگا۔(لمعات واشعہ وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے حلال ہونے کی صورت میں نکاح کیا اور حلال ہی ہونے کی حالت میں ان سے زفاف فرمایا میں ہی دونوں کے درمیان پیغام رساں تھا ۲؎(احمد،ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎آپ کا نام مصعب یا ابراہیم ہے،کنیت ابو رافع،آپ پہلے حضرت عباس کے غلام تھے،کسی قبطی نے آپ کو عطیہ دیا تھا،حضرت عباس نے بطور نذر حضور کو ان کا مالک بنادیا،بدر سے کچھ پہلے ایمان لائے مگر بدر میں حاضر نہ ہوسکے،جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس کے ایمان لانے کی خبر دی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر انہیں آزاد کردیا۔اکمال میں ہے کہ آپ کا انتقال شہادت حضرت عثمان سے کچھ پہلے ہوا ہے مگر بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ آپ کا انتقال خلافت مرتضوی میں ہوا۔(اشعہ و اکمال)مگر آپ آزاد ہونے کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے۔

۲؎ اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے حضرت ابن عباس کی حدیث کے ماتحت ہوچکی کہ مسلم،بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور نے یہ نکاح بحالت احرام کیا لہٰذا اس حدیث ابو رافع میں تزوّج کے معنے ہیں تیاری نکاح فرمائی اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ رسالت و پیغام رسانی نکاح کے وقت نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوتی ہے۔اَنَاالرَّسُوْلُ سے معلوم ہورہا ہے کہ نکاح سے پہلے کا واقعہ ہے۔وکیل نکاح حضرت عباس تھے،ان کے فرزند فرماتے ہیں کہ نکاح بحالت احرام ہوالہٰذا حق یہی ہے کہ نکاح احرام میں ہواہے اور محرم کو نکاح کرنا جائز ہے صحبت حرام۔

۳؎ یعنی یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ حسن ہے اور حدیث ابن عباس جس میں نکاح بحالت احرام ثابت ہے صحیح ہے مسلم،بخاری کی روایت ہے،لہٰذا وہ اس پر راجح ہے۔

باب المحرم یجتنب الصید

باب محرم شکار سے بچے [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اگر بابٌ کو تنوین پڑھی جائے تو یہ ھذا پوشیدہ کی خبر ہے اور المحرم مبتدا یجتنب خبر اور اگر باب کو تنوین نہ پڑھی جائے تو المحرم بوجہ مضاف الیہ ہونے کے مجرور ہوگا اور یجتنب اس کا حال۔صید کے معنے ہیں شکار کرنا یا شکار کھانا یعنی محرم شکار کرنے سے بچے یا شکار کھانے سے بچے۔خیال رہے کہ محرم کو دریائی شکار مطلقًا حلال ہے جانور حلال ہو یا حرام دریا حرم کا ہو یا بیرون حرم کا،رہا خشکی کا شکاراس میں تفصیل ہے۔درندے و شکاری جانورکا شکار حلال ہے جیسے سانپ،شیر،بھیڑیا وغیرہ،دیگر حرام جانور جو بذات خود موذی تو نہیں مگر کبھی حملہ کردیتے ہیں تو حملہ کرنے کی صورت میں ان کا شکار حلال ہے ورنہ نہیں،حلال جانور کا نہ خود شکار کرے نہ شکاری کی امداد کرے،نہ اس کی طرف اشارہ کرے،اگر کرے گا تو اس کی قیمت دینا ہوگی،رہا شکار کھانااس میں بہت تفصیل اور آئمہ کا بہت اختلاف ہے۔مذہب امام اعظم یہ ہے کہ محرم کا کیا ہوا شکار حرام خواہ خود ہی شکار کرے یا دوسرا محرم یا اس محرم کی امداد یا اشارہ سے حلال شکار کرے،رہا حلال کا شکار وہ محرم کھاسکتا ہے خواہ اس نے اپنے لیے کیا ہو یا محرم کے لیے جیساکہ حدیث ابو قتادہ میں آئے گا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ وَطَعَامُهٗ مَتٰعًا لَّکُمۡ وَلِلسَّیَّارَةِ"اور فرماتا ہے:"وَحُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ صَیۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا"۔خیال رہے کہ شکار وہ جانور ہے جو خلقت کے لحاظ سے وحشی ہو،اس کی پیدائش و پرورش جنگل میں ہو۔(از مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت صعب ابن جثّامہ سے [1] کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گورخر پیش کیا [2] جب کہ حضور انور مقام ابواء یاودّان میں تھے [3] تو آپ نے وہ واپس فرمادیا پھر جب حضور نے ان کے چہرے کی حالت دیکھی تو فرمایا کہ ہم نے صرف اس لیے واپس کیا کہ ہم محرم ہیں [4] (مسلم،بخاری)	

[1] آپ صحابی ہیں،حضرت ابن عباس آپ سے احادیث لیتے ہیں،خلافت صدیقی میں وفات ہوئی۔(اشعہ،اکمال)

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ زندہ جانور پیش کیا تھا اور بعض میں ہے کہ ذبح کرکے اس کا کوئی عضوپاؤں سرین وغیرہ، ہوسکتا ہے کہ پہلے زندہ گورخر پیش کیا ہوبعد میں ذبح کرکے اس کا کوئی عضو لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں،حمار وحشی کا فارسی میں نام گورخر ہے اردو میں بھی یہی ہے۔

۳؎ ابواء مدینہ منورہ سے دس میل فاصلہ پر مکہ معظّمہ کے شرقی قدیمی راستہ پر ہے اور ودّان آٹھ میل فاصلہ پر،ابواء کے مقام میں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا مزار مقدس ہے۔اللہ تعالٰی کبھی مجھے وہاں کی حاضری نصیب کرے تو ان کی تربت اطہر کی مٹی کا سرمہ لگاؤں،حضرت صعب مقام ابواء کے رہنے والے تھے۔

۴؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شکار واپس کیا تو انہیں رنج ہواجس کا اثر ان کے چہرے پرمحسوس ہوا تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی اس ارشاد عالی سے فرمادی،اگر زندہ شکار کو واپس فرمایا ہے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے کہ محرم کو زندہ شکار نہ پکڑنا درست ہے نہ پکڑا ہوا رکھنا یاذبح کرنا درست ہےاور اگر اس کا گوشت واپس فرمایا ہے تو اس کی وجہ شوافع کے ہاں تو یہ ہے کہ حضرت صعب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا تھا،احناف کے ہاں اس لیے رد فرمایا کہ اس شکار میں کسی محرم نے کوئی مدد کی تھی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ تھا،یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ابواء پہنچے تو حضرت صعب نے حضور کی میزبانی اس طرح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۱؎ تو اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے وہ ساتھی تو محرم تھے یہ محرم نہ تھے انہوں نے حضرت ابوقتادہ کی نظر پڑنے سے پہلے ایک گورخر دیکھا، دیکھا تو چھوڑ دیا۲؎ حتی کہ اسے ابو قتادہ نے دیکھ لیا تو آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے ساتھیوں سے کہا کہ ان کا کوڑا اٹھا دیں انہوں نے انکار کیا۳؎ آپ نے خود اٹھا لیا شکار پر حملہ کیا اس کے پاؤں کاٹ دیئے پھر ابوقتادہ نے کھایا اور ساتھیوں نے بھی پھر اس پر نادم ہوئے۴؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ سے مسئلہ پوچھا حضور نے فرمایا کیا تمہارے پاس اس کا کچھ ٹکڑا ہے بولے ہمارے ساتھ اس کا پاؤں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پاؤں لیا اور کھایا ۵؎ (مسلم،بخاری)ان دونوں کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے انہیں حملہ کرنے کو کہا تھا،اس طرف اشارہ کیا تھا بولے نہیں فرمایا تو

	بقیہ گوشت بھی کھالو ۶؎

۱؎ یہ واقعہ ۶ھ؁ صلح حدیبیہ کا ہے،چونکہ تمام حضرات عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے اس لیے انہوں نے احرام باندھ لیا تھااور حضرت ابوقتادہ مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ نہ رکھتے تھےکچھ دور ساتھ ساتھ گئے تھے اس لیے آپ نے احرام نہ باندھالہٰذا حدیث پر یہ عتراض نہیں کہ ابوقتادہ بغیر احرام میقات سے آگے کیوں بڑھ گئے،اہل مدینہ کا میقات تو ذوالحلیفہ ہے۔

۲؎ ترکوہ میں ہٗ ضمیر یا تو ابوقتادہ کی طرف ہے یا شکار کی طرف یعنی محرم صحابہ نے حضرت ابوقتادہ کو شکار کی رہبری سے چھوڑ دیا،انہیں بتایا نہیں یا اس شکار کو چھوڑ دیا کہ نہ اس کی طرف اشارہ کیا نہ حملہ۔

۳؎ بعض روایات میں بجائے سَوْطَهٗ کے رُمْحَهٗ یعنی اپنا نیزہ بھالا مانگا،ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مانگے ہوں یعنی جلدی میں بغیر کوڑاونیزہ گھوڑے پر سوار ہوگئے تھے،پھر خیال آیا تو مانگا۔محرم صحابہ نے اٹھاکر دینے سے اس لیے انکار کیا کہ یہ شکار پر مدد ہے جو محرم کو حرام ہے۔

۴؎ یعنی محرم صحابہ شکار کا گوشت کھانے پر نادم ہوئے،ان کا خیال تھا کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا مطلقًا حرام ہے کسی طرح حلال نہیں،پہلے خیال نہ آیا کھالیاپھر خیال آیا تو پچھتائے۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عملی جواب دیا کہ اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ اس شکار میں کسی محرم کی مدد اور تعاون شامل نہیں۔جواب قولی بھی ہوتا ہے عملی بھی مگر عملی جواب قوی تر ہے۔(مرقات)

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیرمحرم شکارکرے اورمحرم کسی قسم کی اس میں مدد نہ دے تو محرم اس کا گوشت کھاسکتا ہےخواہ اس نے صرف اپنے لیے شکار کیا ہو یا محرم کے لیے بھی کیونکہ حضرت ابوقتادہ نے اتنا بڑا گورخرصرف اپنے لیے تو مارا نہ تھا سب کو کھلانے کی نیت تھی لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل قوی ہے۔دلالۃ و اشارۃ میں فرق یہ ہے کہ دلالت یعنی رہبری تو زبان سے بتانا ہے اور اشارہ ہاتھ سے،بعض نے فرمایا کہ غائب چیزکا بتانا دلالت ہے اور حاضر چیزکو دکھانا اشارہ۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پانچ جانور وہ ہیں ۱؎ جنہیں احرام میں قتل کرنے والے پر گناہ نہیں:چوہا،کوّا،چیل،بچھو اور دیوانہ کتا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ پانچ جانورموذی ہیں یعنی اپنے نفع کے بغیر دوسرے کا نقصان کردینے والے،ان کا قتل ہر جگہ اور ہر حال میں درست ہے،موذی کی یہ تعریف خیال میں رہے۔

۲؎ یعنی یہ پانچ جانور چونکہ موذی ہیں کہ ابتداءً لوگوں کو ستاتے ہیں اور بغیر اپنے نفعے کے لوگوں کا نقصان کردیتے ہیں لہٰذا انہیں ہر جگہ حل و حرم اور ہر حالت حلال و حرام میں قتل کرسکتے ہو۔حداءۃٌ بروزن عِنَبَۃٌ اس کے معنے ہیں چیل،اسی سے حُدَیَّۃٌ تصغیر بن جاتی ہے۔دیوانہ کتا فرمانے سے معلوم ہوا کہ شکاری یا آوارہ یا پالتو کتا مارنا درست نہیں کہ یہ موذی نہیں۔(مرقات)خیال رہے کہ ان پانچ کا ذکر حصر کے لیے نہیں لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ

جانور کا ذکر ہے۔چنانچہ سانپ،درندہ شکاری موذی جانور جیسے شیر،بھیڑیا وغیرہ بھی حل و حرم میں،احرام و احلال میں قتل کیا جائے۔بعض علماء نے شیر وغیرہ میں حملہ کی قید لگائی کہ اگر یہ حملہ کریں تو دفاعی طور پر انہیں مارا جاسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا پانچ جانور موذی ہیں حل و حرم میں قتل کیے جائیں ۱؎ سانپ چتکبرا،کوا،چوہا،دیوانہ کتااور چیل۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ موذی کے معنے ابھی عرض کیے جاچکے ہیں کہ اپنے فائدہ کے بغیر انسان کا نقصان کردینے والا جانور لہذا جوں کھٹمل وغیرہ اگرچہ تکلیف دہ ہیں مگر شرعی موذی نہیں کہ وہ اپنا پیٹ بھرنے کو ہمیں کاٹتے ہیں۔

۲؎ چتکبرا کوا جنگلی کوّے کو کہتے ہیں جس کی پیٹھ و پیٹ سفید باقی جسم سیاہ ہوتا ہے،چتکبرا کتا بھی ہوتا ہے آدمی بھی۔چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ایک چتکبرے کتے کو دیکھتا ہوں کہ میرے اہل بیت کا خون کررہا ہے۔چنانچہ شمر مردود حضرت حسین علیہ السلام کا قاتل کوڑھی تھا،جسم پر سفید داغ والا۔(اشعہ)حق یہ ہے کہ پانچ میں حصر نہیں اور جانور بھی موذی ہیں جن کا قتل حرم و احرام میں درست ہے۔(لمعات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے شکاری گوشت حلال ہے جب تک کہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو۱؎ یا تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو ۲؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)	

۱؎ محرم کے شکار کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ محرم بذات خود شکار کو قتل کرے یہ جانور تو تمام مسلمانوں کے لیے حرام ہے کہ محرم کا شکار کسی کو حلال نہیں۔دوسرے یہ کہ محرم حلال کو شکار بتائے یا مدد کرے،یہ شکار حلال تو کھاسکتا ہے محرم نہیں کھاسکتا مگر ان دونوں صورتوں میں محرم پر شکار کی قیمت خیرات کرنی ہوگی،**تصیدوہ** میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔

۲؎ یہ مذہب شافعی ہے کہ اگر محرم کے لیے کوئی حلال شکار کرے تو محرم کو اس کا کھانا حرام ہے،ہمارے ہاں حلال ہے،ہماری دلیل حضرت ابوقتادہ کی گزشتہ حدیث ہے۔اس حدیث کی توجیہ ہمارے ہاں یہ ہے حلال زندہ شکار محرم کے لیے پکڑے اور پیش کرے یا اس میں کسی محرم کی مدد شامل ہوتاکہ یہ حدیث حضرت ابوقتادہ کی حدیث کے خلاف نہ ہو،ہاں اگر محرم کے حکم سے حلال نے شکار کیا تو بھی محرم کو حرام ہے **یصادلکم** کی یہ تین توجیہیں ہوئیں۔(لمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایاٹڈی دریائی شکار سے ہے۱؎(ابوداؤد،ترمذی)۲؎	

۱؎ بعض علماء نے اس حدیث سے ثابت کیا،ٹڈی کا شکار محرم کرسکتا ہے کہ یہ دریائی شکار ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:" اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ "۔ہمارے امام اعظم کے ہاں ٹڈی خشکی کا شکار ہے کہ یہ خشکی میں ہی انڈے بچے دیتی ہے اور خشکی ہی میں جنتی پلتی ہے اور خشکی کے ہی پتے وغیرہ کھاتی ہے۔اس حدیث کے متعلق احناف کہتے ہیں کہ ٹڈی دو قسم کی ہے:بحری وبری۔بحری ٹڈی مچھلی کے ناک سے کیڑوں کی طرح نکلتی ہے،یہاں اسی کا ذکر ہے اور اگر یہ ٹڈی معروفہ ہی مراد ہوتو مطلب یہ ہے کہ یہ بھی دریائی شکار یعنی مچھلی کی طرح بغیر ذبح حلال ہے۔مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "**تمرة خير من جرادة**"یعنی اگر محرم ٹڈی کا شکار کرے تو ایک کھجور خیرات کرے،حضرت کعب نے فرمایا تھا کہ ٹڈی کے شکار پر محرم ایک درہم خیرات کرے،اس کے جواب میں حضرت عمر نے یہ فرمایا اگر اس کے شکار پر قیمت واجب نہ ہوتی تو یہ حضرات اس کی قیمت کے تخمینے کیوں لگاتے۔(مرقات ولمعات)

۲؎ تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اسنادًا ضعیف ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا محرم حملہ کرنے والے درندہ کو قتل کرسکتا ہے۱؎ (ترمذی،ابوداؤد، ابن ماجہ)	

۱؎ اس کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جب درندہ محرم پر حملہ کرے تو محرم اسے قتل کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔دوسرے یہ کہ حملہ کرنے والے درندوں کا قتل محرم کو جائز ہے یعنی درندے چونکہ حملہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں لہذا ان کا قتل محرم کو بھی درست ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی عمار سے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے بجّو کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے فرمایا ہاں ۱؎ میں نے کہا کیا اسے کھایا جاسکتا ہے فرمایا ہاں میں نے کہا کہ یہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے فرمایا ہاں ۲؎ (ترمذی،نسائی،شافعی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔	

۱؎ یعنی کیا بجّو خشکی کا شکار ہے جو محرم کو کرنا حرام ہے آپ نے جواب دیا ہاں خشکی کا شکار ہے لہذا اگر محرم اس کا شکار کرے گا تو قیمت واجب ہو گی۔

۲؎ یہ حدیث امام شافعی و امام احمد کی دلیل ہے،امام اعظم و مالک کے ہاں حرام،ان کی دلیل آگے آرہی ہے،نیز صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے جانور سے منع فرمایااور بجّو کیل دار جانور ہے لہذا حرام ہےاور یہ حدیث منسوخ ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجّو کے متعلق پوچھا فرمایا وہ شکار ہے ۱؎ اور جب محرم اسے شکار کرے تو اس کے عوض بھیڑ دے دے	

۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ خیال رہے کہ لفظ **ضبع** مؤنث ہے لہذا **ھو** ضمیر کا مذکر لانا یا تو اس لیے ہے کہ اس کی خبر یہاں **صید** مذکر ہے یا **ضبع** سے مراد بجّو کی جنس ہے۔حضرت جابر کے سوال کا منشاء یہ ہے کہ بجّو کے قتل میں محرم پر جزیہ یا کفارہ ہے یا نہیں،اگر یہ موذی جانوروں سے ہے تب تو اس کا قتل محرم کو جائز ہے اور کفارہ وغیرہ بھی اس میں کچھ نہیں،اگر شکاری جانوروں سے ہے تو محرم کو اس کا قتل کرنا بھی حرام ہوگااور اس کی قیمت بھی دینا ہوگی،فرمایا یہ موذی نہیں بلکہ شکار ہے۔

۲؎ یعنی محرم کے اس شکارکرلینے پر اس کے عوض ایک بھیڑ خیرات کرنی ہوگی،امام شافعی کے ہاں حلال شکار پر جزا واجب ہوتی ہے حرام شکار پر نہیں،ہمارے امام اعظم کے ہاں مطلقًا شکار پر جزا واجب ہے جانور حرام ہو یا حلال لہذا ہمارے اصول پر اس حدیث سے بجّو کی حلت ثابت نہ ہوگی۔

روایت ہے حضرت خزیمہ ابن جزی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجّو کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کوئی بجّو بھی کھاتا ہے ۲؎ اور آپ سے بھیڑیا کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ جس میں بھلائی ہو وہ بھیڑیا کھاسکتا ہے ۳؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ۴؎	

۱؎ **خُزیمہ** خ کے پیش ز کے زبر (فتح)سے ہے اور **جزیمہ** جیم کے زبرز کے زیر(کسرہ)سے،آپ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی کیا کوئی مسلمان بجّو کھائے گا حالانکہ یہ کیل والا جانور ہے اور کیل والے جانور حرام ہیں،یہ حدیث امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما کی دلیل ہے کہ بجّو کھانا منع ہے،خواجہ حسن بصری،سعید ابن مسیب اور سفیان ثوری کا بھی یہ ہی مذہب ہے کہ بجّو حرام ہے،دیکھو مرقات شرح مشکوۃ۔

۳؎ بھلائی سے مراد ایمان ہے یعنی مؤمن بجّو بھیڑیا وغیرہ جانور کبھی نہیں کھاسکتا،مؤمن کو اس سے طبعًا نفرت ہونی چاہیے۔

۴؎ یعنی یہ حدیث (۱)امام ترمذی کو غیر قوی ہوکر ملی مگر جب امام اعظم نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا تو اس وقت بالکل صحیح درست و قوی تھی،جس راوی کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہ رہی وہ اس کی اسناد میں اس وقت شامل تھا ہی نہیں،امام ترمذی کے زمانہ کے ضعف پہلے والوں کو مضر کیوں ہوگا(۲)اس حدیث سے خواجہ حسن بصری،سفیان ثوری نے بھی استدلال فرمایا(۳)اور اس کی تقویت ابن ماجہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے(۴)اور جب حلت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا یہ ہی راجح ہے کہ بجّو حرام ہے۔(مرقات)

لطیفہ: مذہب حنفی کی قوت کی دلیل یہ ہے کہ جو جانور حنفی حرام کہتے ہیں دوسرے امام حلال انہیں کھاتا کوئی نہیں،دیکھو گھوڑا،گوہ،بجّو وغیرہ کو دوسرے آئمہ نے حلال تو کہا مگر اس کے گوشت آج تک نہ کہیں مارکیٹ میں فروخت ہوتے دیکھے،نہ کسی کو کھاتے دیکھا،صرف کتابوں میں ہی حلت مذکور ہے(۵)خیال رہے کہ ترمذی نے بھی اس حدیث کو ضعیف نہ کہا بلکہ **لیس بقوی** فرمایا،اس میں حدیث حسن بھی شامل ہے،نیز(۶)ترمذی نے اس حدیث پر جرح مجہول کی اور جرح مجہول احناف کے ہاں نہیں،ان چھ وجھوں سے یہ حدیث قابلِ عمل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عثمان تیمی سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم طلحہ ابن عبید اللہ کے ساتھ تھے اور ہم احرام باندھے تھے تو ان کے لیے پرندے لائے گئے اور حضرت طلحہ سو رہے تھے تو ہم میں سے بعض نے وہ کھالیئے اور بعض نے احتیاط برتی ۲؎ پھر جب طلحہ جاگے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت کی کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پرندے کھائے ۳؎(مسلم)

۱؎ عبدالرحمٰن ابن عثمان ابن عبید اللہ صحابی ہیں،حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کے بھتیجے ہیں،بیعت الرضوان کے بعد ایمان لائے،حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ شہید کیے گئے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی چڑیوں کا بھنا ہوا گوشت لایا تو گیا تھا حضرت طلحہ کے لیے مگر وہ سورہے تھے ان کے بعض ساتھیوں نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ انہیں حلال نے شکار کیا ہے نہ کہ محرم نے لہذا ہمارے لیے ان کا کھانا درست ہے اور یہ بھی خیال کیا کہ حضرت طلحہ ہمارے کھالینے پر ناراض نہ ہوں گے کھائے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہ چڑیاں حضرت طلحہ کے لیے لائی گئیں تھیں تو دوسروں نے کیوں کھائیں کیونکہ یہ کھانے والے ان کے بے تکلف دوست تھے۔

۳؎ غالبًا **فاکلنا** کی **ف** تعلیلیہ ہے یعنی آپ نے فرمایا کہ یہ گوشت ہمارے لیے حلال ہے کیونکہ ہم نے اس قسم کے ہدایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھائے ہیں۔اس سے بھی مذہب حنفی ثابت ہوتا ہے کہ جس شکار میں محرم نے مدد نہ دی ہو محرموں کو اس کا کھانا حلال ہے۔

باب الاحصار و فوت الحج

روکے اور حج چھوٹ جانے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]احصار حصر سے بنا بمعنی روکنا و باز رکھنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ"۔شریعت میں احصار یہ ہے کہ انسان بعد احرام حج کرنے پر قادر نہ ہو۔مسئلہ احصار میں تین قسم کا اختلاف ہے:ایک یہ ہے کہ ہمارے امام اعظم کے ہاں دشمن،مرض،خرچہ،ہلاک ہوجانے،راستہ میں عورت محرمہ کے محرم مرجانے سے احصار ہوجاتا ہے،دیگر اماموں کے ہاں احصار صرف دشمن کافر سے ہوگا اور کسی وجہ سے نہیں۔دوسرے یہ کہ ہمارے مذہب میں احصار کی قربانی حرم شریف میں ہی بھیجی جائے گی کہ وہاں ذبح ہو،دیگر آئمہ کے ہاں جہاں احصار ہو وہاں ہی ذبح کردی جائے،وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی حدیبیہ میں ہی کردی تھی،ہم کہتے ہیں کہ وہ مجبورًا ہوا کہ وہاں سے حرم تک قربانی لے جانے والا کوئی نہ تھا،سب ہی روک دیئے گئے تھے ایسی مجبوری میں ہم بھی کہتے ہیں حل میں قربانی کردے۔(اشعہ)یا حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے،یہ قربانیاں داخل حرم والے حصہ میں ہوئیں۔تیسرے یہ کہ ہمارے ہاں محصر پر قضا واجب ہے،امام شافعی کے ہاں نہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ قضا ہماری تائید کرتا ہے۔حج کا فوت قیام عرفات رہ جانے سے ہوتا ہے،قیام عرفات کا وقت نویں بقر عید کے زوال سے دسویں کی پو پھٹنے تک ہے اگرچہ ایک ساعت ہی وہاں ٹھہر جائے حتی کہ تنگی کے وقت اس وقوف کے لیے نماز عشاء قضا کردے۔(اشعہ و مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روک دیئے گئے تھے تو آپ نے سر شریف منڈادیا تھا اور اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی اپنی ہدی قربان کر دی حتی کہ اگلے سال عمرہ کیا[1](بخاری)	

[1]یعنی ۶ھ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا،حدیبیہ کے میدان میں کفار مکہ نے آپ کو عمرہ سے روک دیا تب آپ اس میدان میں حلال ہو گئے اور وہاں ہی قربانی احصار دے دی،سال آئندہ ۷ھ میں آپ نے اس فوت شدہ عمرہ کی قضا کی۔اس قضا سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے واجب ہوجاتی ہے کہ اس کی قضا ہوتی ہے،شوافع کہتے ہیں کہ یہ دوسرا عمرہ نفلی تھا اس لیے سب نے ادا نہ کیا،سال حدیبیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ[14] سو صحابہ تھے قضا میں سات سو بھی نہ تھے،اگر قضا واجب ہوتی تو سب کرتے،ہم کہتے ہیں کہ سب نے قضا کی بعض نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض نے بعد میں۔(مرقات)اگر یہ دوسرا عمرہ نفلی ہوتا تو اسے عمرہ قضا نہ کہا جاتا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے ۱؎ تو کفار قریش بیت اللہ شریف سے آڑے آگئے ۲؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدیاں قربانی کردیں اور آپ نے سر منڈادیا اور صحابہ نے بال کٹوادیئے ۳؎(بخاری)

۱؎ عمرہ کرنے ۶ھ میں چودہ سو صحابہ۔

۲؎ یعنی ہم کو انہوں نے بیت اللہ تک نہ پہنچنے دیا۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ عمرہ کا فوت بیت اللہ کے طواف سے روکنے سے ہوتا ہے مگر حج کا فوت عرفات سے روکے جانے پر ہوجاتا ہے۔

۳؎ یعنی بعض صحابہ نے بال منڈوائے اور بعض نے کتراوئے،ہمارے امام صاحب کے ہاں محصر پر یہ منڈانا کتروانا واجب نہیں،بعض کے ہاں واجب ہے لیکن کرنے پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں۔(طحاوی،مرقات)

	روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے سے پہلے ذبح فرمایا اور اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا ہے ۱؎(بخاری)

۱؎ یہ واقعہ بھی حدیبیہ کا ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد صلح مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ فرمایاتو ہدی وہاں ہی قربانی فرمادی اور سر منڈادیا۔امام اعظم قدس سرہ کے ہاں محصر پر منڈوانا یا کتروانا نہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل و حکم شریف اس لیے تھا کہ لوگوں پر آپ کا مصمم ارادہ ظاہر ہوجائے کہ اب عمرہ کرنے کا ارادہ بالکل ہی ترک فرمادیا ہے اور واپسی کا ارادہ ہوچکا ہے اور جو کام ضرورۃً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے وہ سنت نہیں کہلاتے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ سر منڈانے یا کتروانے کا عبادت ہونا خاص جگہ اور خاص وقت میں ہے یعنی عمرہ یا حج کے ارکان ادا کرچکنے کے بعد،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ"۔معلوم ہوا کہ بیت اللہ میں داخل ہوکر عمرہ کرنے،حلق و قصر عبادت ہے،صاحبین کے ہاں محصر پر سر منڈانا ہے مگر نہ کرنے پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں،تفصیل کتب فقہ میں ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے آپ نے فرمایا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں اگر تم میں سے کوئی حج سے روک دیا جائے ۱؎ تو بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کرے پھر ہر چیز سے حلال ہوجائے حتی کہ سال آئندہ حج کرے ۲؎ تو ہدی لائے یا اگر ہدی میسر نہ ہو تو روزے رکھ لے ۳؎(بخاری)

۱؎ یہاں سنت سے مراد قولی سنت ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی نہ کہ عملی سنت کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم احرام عمرہ میں روکے گئے تھے نہ کہ احرام حج میں۔حج روک دیئے جانے کے معنے یہاں یہ ہیں کہ محرم مکہ معظمہ حج

ہوچکنے کے بعد پہنچے یا کوئی دشمن یا بیماری اسے مکہ معظّمہ سے عرفات نہ جانے دےتو وہ محرم حج اب عمرہ کرکے احرام کھول دےاور اگر محرم مکہ معظّمہ پہنچ ہی نہ سکا اس کے احکام دوسرے ہیں۔

۲؎یعنی گزشتہ سال والے رہے ہوئے حج کی قضا کرے وہ حج خواہ فرض تھا یا نفلی یوں ہی اگر محرم حج کو فاسدکردے تب بھی قضا واجب ہے اگرچہ حج نفل ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر نفلی عبادت شروع کردینے سے فرضی ہوجاتی ہے،امام شافعی حج میں تو اس کے قائل ہیں مگر دیگر عبادات میں قائل نہیں،ان کے ہاں نفلی نماز و روزہ شروع کردینے کے بعد بھی نفل ہی رہتے ہیں کہ توڑ دینے پر قضاء نہیں۔

۳؎شاید کوئی ان احکام کا منکر تھااس لیے حضرت ابن عمر نے یہ حکم بیان فرمایا مع دلیل کے۔خیال رہے کہ مفرد کا حج رہ جانے میں صرف حج کی قضا واجب ہوگی قضا کے وقت نہ عمرہ واجب ہوگا نہ ہدی،امام شافعی کے ہاں قربانی واجب ہوگی،اگر قارن کا حج رہ گیا تو وہ عمرہ تو ادا کرے پھر فوت شدہ حج کے لیے عمرہ کرے اس سے قران کی قربانی معاف ہو گئی،اگر متمتع کا حج رہ گیا تو تمتع جاتا رہا۔(مرقات و کتب فقہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضباعہ بنت زبیر کے پاس تشریف لے گئے ۱؎ تو ان سے فرمایا شاید تم حج کا ارادہ رکھتی ہو۲؎ وہ بولیں اللہ کی قسم میں تو اپنے کو بیمارپاتی ہوں۳؎ حضور نےان سے فرمایا حج کو چلو اور یوں کہہ لو کہ الٰہی میرے کھلنے کی جگہ وہ ہی ہے جہاں تو مجھے روک دے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ضباعہ زبیر ابن عبدالمطلب کی بیٹی ہیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن،زبیر اسلام نہ لائے تھے، ضباع صحابیہ ہیں،مہاجرات سے ہیں،حضرت مقداد کی زوجہ ہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲؎یعنی ہم نے سنا ہے کہ حجۃالوداع میں ہمارے ساتھ تم بھی حج کو چلنا چاہتی ہو،یہ واقعہ حجۃالوداع کی تیاری کے وقت کا ہے۔معلوم ہوا کہ حاجی دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ حج کو چلنے کی رغبت دے۔

۳؎یعنی ابھی بیماری سے اٹھی ہوں،کمزور ہوں،اندیشہ ہے کہ سفر سے پھر مرض عود کر آئے اور میں احرام کے بعد حج پورا نہ کرسکوں۔

۴؎یعنی احرام باندھتے وقت یہ کہہ لینا کہ خدایا اگر میں بعد احرام ادائے حج سے قاصررہوں،بیمار ہو جاؤں تو جہاں بیمار ہوں گی وہاں ہی احرام کھول دوں گی۔اس سے معلوم ہوا کہ احصار مرض سے بھی ہوجاتا ہےلہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ احصار دشمن ہی سے نہیں ہوتا مرض سے بھی ہوتا ہے۔خیال رہے کہ زبان سے یہ شرط لگالینااستحبابًا ہے،اگر شرط نہ بھی لگائی ہو تب بھی بیمار محرم احرام کھول سکتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس شرط لگانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ بیمار فورًا حج سے کھل سکتا ہے،اگر بغیر شرط لگائے ایسا حادثہ پیش آیا دوسرے حجاج کے ہاتھ ہدی بھیجے گا اور ہدی حرم شریف میں ذبح ہوچکنے کے بعد احرام کھولے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال جو قربانیاں دی تھیں ۱؎ عمرہ قضا میں ان کے عوض اور دیں ۲؎	

۱؎ یعنی جو قربانی تم گزشتہ سال دے چکے ہو وہ تو قبول ہوگئی اب دوبارہ قضا عمرہ میں پھر قربانی دو،اگر گزشتہ قربانی حل میں واقع ہوئی تھی تب تو وہ درست ہی نہ ہوئی تھی اب دینا ضروری ہے اور اگر حرم کے حدود میں واقع ہوئی تھی تو اب دوبارہ دینے کا حکم استحبابی ہے۔(مرقات،واشعہ)

۲؎ اس جگہ مشکوۃ شریف میں جگہ چھوٹی ہوئی ہے مگر یہ روایت ابوداؤد میں ہے،چونکہ اس کی اسناد میں محمد ابن اسحاق ہے اس لیے حدیث اس اسناد میں ضعیف ہے۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت حجاج ابن عمرو انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا پاؤں ٹوٹ جائے یا لنگڑا ہوجائے تو وہ احرام کھول دے اور اس پر سال آئندہ حج ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) اور ابوداؤد نے یہ زیادہ کیا کہ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ یا وہ بیمار ہوجائے ۲؎ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اور مصابیح میں ہے کہ ضعیف ہے ۳؎	

۱؎ یعنی جس نے احرام حج باندھ لیا ہو پھر اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ جائے یا ہڈی تو نہ ٹوٹے لنگ پیدا ہوجائے جس سے وہ آگے سفر اور ارکان حج ادا نہ کرسکے تو وہ اپنا احرام کھول دے اور وہاں سے لوٹ جائے یا ٹھہر جائے،ہدی مکہ معظّمہ بھیج دے اور تاریخ ذبح پر احرام کھول دے،سال آئندہ قضاء کرے۔اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ احصار صرف دشمن ہی سے نہیں ہوتا بلکہ بیماری وغیرہ سے بھی ہوجاتا ہے۔دوسرے یہ کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے فرض ہوجاتی ہے کہ اگر پوری نہ ہو سکے تو اس کی قضا لازم ہے کیونکہ یہاں حج مطلق فرمایا گیا ہے فرضی ہو یا نفلی لہذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے ،بعض نے فرمایا کہ اگر شرط سے احرام باندھا ہے تب مرض سے احصار ہوسکے گا ورنہ نہیں مگر یہ بھی صحیح نہیں،اس حدیث پاک میں شرط کا ذکر نہیں نص میں مطلق کا اطلاق باقی رکھنا چاہیے۔

۲؎ بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر یا ادائے حج سے روک دے مطلقًا بیماری نہیں جیساکہ ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے: ترمذی والی اسناد میں تو حسن ہے اور امام بغوی یعنی صاحب مصابیح کی اسناد میں ضعیف مگر اس اسناد کا ضعف دوسری اسناد کے حسن کو مضر نہیں ہوسکتا۔فتح القدیر میں ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس و ابوہریرہ پر پیش کی گئی تو ان دونوں نے فرمایا کہ حجاج سچے ہیں،طحطاوی میں ہے کہ حضرت علقمہ فرماتے ہیں ہمارے اس ساتھی

کو سانپ نے کاٹ لیا وہ عمرہ کا محرم تھاہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہدی بھیج دے اور صحت ہو جانے کے بعد عمرہ ادا کرے فی الحال کھل جائے۔(مرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن یعمر دیلمی سے[۱] فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حج عرفہ ہے جو مزدلفہ کی شب فجر طلوع ہونے سے پہلے عرفہ کا قیام پالے اس نے حج پالیا[۲] منیٰ کے دن تین ہیں[۳] تو جو دو دن میں جلدی کرے تو اس پر گناہ نہیں اور جو دیر سے لوٹے تو اس پر گناہ نہیں[۴] (ترمذی،ابوداؤد، نسائی،ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔	

[۱] **یعمر** ی کے فتح،ع کے جزم،میم کے فتح سے ہے۔**دیل** د کے کسرہ،ی کے سکون سے،آپ صحابی ہیں،کوفہ میں رہے،خراسان میں وفات پائی۔

[۲] یعنی حج کا رکن اعلیٰ جس پر حج پانے نہ پانے کا مدار ہےوہ قیام عرفات ہے اس کے وقت میں اتنی گنجائش کردی گئی ہے کہ اگلی رات بھی نویں تاریخ میں شامل کردی گئی لہذا جو حاجی دسویں کی فجر سے پہلے پہلے اگر ایک ساعت کے لیے بھی عرفات پہنچ جائے اسے حج مل جائے گا،بعض علماء نے فرمایا کہ جمعہ کا بھی یہ ہی حال ہے کہ ہفتہ کی رات بھی اس میں شمار ہے کہ اس شب میں مرجانے والا جمعہ کا ہی میت ہوگا۔

[۳] گیارھویں،بارھویں،تیرھویں بقر عید جنہیں ایام تشریق کہا جاتا ہے۔

[۴] یعنی جو بارھویں بقر عید کو رمی کرکے لوٹ جائے وہ بھی گنہگار نہیں اور جو تیرھویں کی رمی کے لیے ٹھہر جائے وہ بھی گنہگار نہیں بلکہ ثواب پائے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہی عمل ہوا۔تیرھویں کی رمی زوال سے پہلے بھی ہوسکتی ہے،گیارھویں بارھویں کی رمی بعد زوال ہے،بعض کفار عرب دو دن ٹھہرنے کو برا کہتے تھے،بعض تین دن کو برا سمجھتے تھے،رب تعالٰی نے دونوں کی تردید قرآن میں فرمادی،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل شریف سے استحباب ثابت فرمایا۔

باب حرم مكة حرسها الله تعالى

باب مکہ معظّمہ حرم اللہ اس کی حفاظت فرمائے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مکہ معظّمہ اوراس کے آس پاس کی وہ زمین جہاں شکار وغیرہ کرنا حرام ہے حرم شریف کہلاتا ہے،جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ میں سنگ اسود نصب فرمایاتو یہ بہت چمکدار تھاجہاں تک اس کی روشنی پہنچی وہاں تک حدود حرم مقرر ہوئے،ان حدود پر مینارہ قائم کردیئے گئے ہیں سوائے جدہ اور جعرانہ کی جانب کے کہ اس طرف مینارہ نہیں یہ علامات حرم سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائے،پھر اسماعیل علیہ السلام نے،پھر عدنان ابن اوسی نے،پھر قریش نے،پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال،پھر حضرت عمر نے،پھرحضرت عثمان نے،پھرحضرت امیر معاویہ نے اب تک امیر معاویہ کے قائم کردہ نشان موجود ہیں،یہ حدود ہر طرف یکساں نہیں،قریب تر حدِ مقامِ تنعیم ہےجہاں سے عمرہ کے احرام باندھے جاتے ہیں وہاں ہی مسجد حضرت عائشہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہ رہی ۱؎ لیکن جہاد اور نیت ہے ۲؎اور جب جہاد کے لیے بلائے جاؤ تو نکل پڑو۳؎اور فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ نے اس دن ہی حرم بنا دیا جس دن آسمان و زمین پیدا کیے لہذا یہ قیامت تک اللہ کے حرم فرمانے سے حرام ہے ۴؎اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں جنگ جائز نہ ہوئی ۵؎اور مجھے بھی ایک گھڑی دن کی حلال ہوئی چنانچہ اب وہ تاقیامت اللہ کے حرام کئے سے حرام ہے کہ نہ یہاں کے کانٹے توڑے جائیں۶؎اور نہ یہاں کا شکار بھڑکایا جائے ۷؎اور نہ یہاں کی گری چیز اٹھائی جائے ہاں جو اس کا اعلان کرے وہ اٹھائے ۸؎اور نہ یہاں کی خشک گھاس کاٹی جائے ۹؎حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ اذخر کے سواء کہ وہ تو ہاروں اور یہاں کے گھروں میں کام آتی ہے ۱۰؎فرمایا سوائے اذخر کے ۱۱؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں	

ہے کہ وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور سوا تلاش کرنے والے کے وہاں کی گری چیز کوئی نہ اٹھائے ۱۲؎	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظّمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرما جانے کے بعد مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی اور مکہ معظّمہ میں بلا عذر رہنا حرام تھا کہ وہ جگہ دارالحرب ہوگئی تھی فتح مکہ سے وہ جگہ دارالاسلام بن گئی اوراب اس ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی یہاں یہ ہی ارشاد ہے یعنی مکہ معظّمہ سے ہجرت کرجانا اب فرض نہ رہالہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہجرت قیامت تک ہے وہاں دوسرے دارالحرب سے ہجرتیں مراد ہیں۔ہوسکتا ہے کہ خبر غیبی ہے کہ اب مکہ معظّمہ تا قیامت کبھی دارالحرب نہ بنے گا اور نہ یہاں سے ہجرت فرض ہوگی،الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔

۲؎ یعنی اب جسے جہاد میسر ہو وہ جہاد کرے اور جو جہاد نہ پائے وہ نیت کرے کہ جب مجھے خدا موقع دے گا جہاد کروں گا کہ نیت جہاد بھی ثواب ہے۔

۳؎ اگر جہاد اس وقت فرض کفایہ ہو تو بقدر ضرورت لوگ نکلیں اور اگر فرض عین ہوگیا ہو تو ہر مرد وزن نکلے یہ کلمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

۴؎ یعنی اس شہر پاک کا حرم شریف ہونا صرف اسلام میں نہیں ہے بلکہ بڑا پرانا مسئلہ ہے،ہر دین میں یہ جگہ محترم تھی۔وہ جو باب حرم مدینہ میں آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظّمہ کو حرم بنایاوہاں یہ مطلب ہے کہ اس کے حرم ہونے کا اعلان ابراہیم علیہ السلام نے کیاکیونکہ طوفان نوحی میں جب بیت المعمور آسمان پر اٹھالیا تو لوگ یہاں کی حرمت وغیرہ بھول گئے حضرت خلیل نے پھر اس کا اعلان فرمایالہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(اشعہ)الی یوم القیامۃ فرما کر بتایا کہ یہ حرمت کبھی منسوخ نہ ہوگی کہ جیسے ازلی ہے ویسے ہی ابدی بھی ہے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو فتح مکہ کے دن حضرت خالد ابن ولید سے صادر ہوا کہ ستر۷۰ کفار آپ کے ہاتھوں قتل ہوگئے اس قتل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عتاب بھی نہ فرمایا اس کی وجہ یہاں بیان ہوئی کہ اس دن ہمارے لیے ایک ساعت کے قتال بھی حلال ہوگیااور بغیر احرام مکہ معظّمہ میں داخلہ بھی جائز ہوا۔چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے یعنی بغیر احرام ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا۔خیال رہے کہ فتح مکہ مذہب احناف میں غلبہ سے ہوئی اور امام شافعی کے ہاں صلح سے اسی لیے ان کے ہاں مکہ معظّمہ کے مکانات و زمین کی بیع درست اور کرایہ جائز ہے کہ تمام مقامات کفار مکہ کے اپنے رہے جیساکہ صلح میں ہوتا ہے،ہمارے امام صاحب کے ہاں وہاں کی زمین وغیرہ کی بیع و کرایہ درست نہیں کیونکہ ان تمام کے حضور انور مالک ہوگئے تھے کیونکہ فاتح بادشاہ مفتوح علاقہ کا مالک ہوجاتا ہے،حضور انور نے مالک ہوکر وقف فرمادیا،وقف کی نہ بیع ہوتی ہے نہ اجارہ،قول امام اعظم بہت ہی قوی ہے یہ حدیث ان کی دلیل ہے کہ مجھے اس دن قتال درست ہوگیا،صلح میں قتال کیسا،نیز رب تعالٰی نے اسے فتح فرمادیا:"اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ"۱ ور فتح جنگ سے ہی ہوا کرتی ہے۔(اشعہ مع زیادت)

۶؎ یعنی حرم کے خود رو درخت تو کیا کانٹے توڑنا بھی جائز نہیں،اذخر و کمائت کے سوا وہاں کی سبز گھاس کاٹنا یا اس پر جانور چرانا بھی ہمارے ہاں ممنوع ہے،امام یوسف و شوافع و مالک کے ہاں چرانا درست ہے،امام احمد ہمارے ساتھ ہیں مذہب احناف قوی ہے،یہ حدیث ہماری دلیل ہے حتی کہ ایذاء دینے والا کانٹا بھی ہمارے ہاں نہ کاٹا جائے،خلافًا للشافعی۔

۷؎ یعنی حرم کا شکار مارناتو کیا اسے اس کی جگہ سے ہٹانا بھڑکانا بھی منع ہےاور اگر بھڑکانے سے وہ ضائع ہوجائے تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔(اشعہ)

۸؎ اس کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ دیگر مقامات کی ملی ہوئی چیز کا کچھ عرصہ تک اعلان کیا جاتا ہے پھر مالک نہ ملنے پر یا خیرات کردی جاتی ہے یا پانے والا اگر فقیر ہو تو خود مالک ہوجاتا ہےمگر حرم شریف کی ملی ہوئی چیز کا اعلان زیادہ کیا جائے گا،ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جو لقطہ کے بیان میں آئیں گی۔اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ صرف زمانہ حج میں اعلان نہ کرے بلکہ بعد میں بھی اعلان کرتا رہے۔

۹؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ خلا ترگھاس کو کہتے ہیں اور حشیش خشک کواور بعض کے ہاں اس کے برعکس ہے۔مقصد یہ ہے کہ حرم شریف کی نہ تر گھاس کاٹی جائے نہ خشک کیونکہ خشک گھاس کانٹے کے حکم میں ہے۔

۱۰؎ اذخر ایک لمبی گھاس ہوتی ہے جو عرب میں بجائے لکڑی اور کوئلے کے بھٹیوں میں بھی استعمال کی جاتی ہے اور گھر و قبر کی چھتوں میں بھی جیسے ہمارے ہاں گاؤں میں سینٹھے و سرکرے۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ اپنے اختیار سے آپ باذن پروردگار حرام و حلال کرسکتے ہیں،دیکھو سرکار عالی نے حضرت عباس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اچھا رب کی بارگاہ میں دعا کریں گے یا جبریل امین سے پوچھیں گے بلکہ خود ہی فرمادیا اِلّا الاذخر،اگر حضرت عباس حضور سے یہ نہ کہلوالیتے تو اذخر بھی حرام ہی رہتی۔(اشعہ)

۱۲؎ اکثر شوافع کے ہاں حرمین شریفین کی مٹی یا پتھر باہر لے جانا بھی منع ہے اور باہر کی مٹی وہاں پہنچانا خلاف اولیٰ،ہاں آبِ زمزم تبرک کے لیے اور مدینہ پاک کی کھجوریں باہر لے جانا سنت ہے۔چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل ابن عمرو سے حدیبیہ کے سال آب زمزم دو مشکیزے مدینہ طیبہ منگوایااور حج کے موقعہ پر خود سرکار آب زمزم مشکیزوں و برتنوں میں لے گئے اور عرصہ تک وہ پانی بیماروں کو دواءً پلاتے رہے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار آبِ زمزم باہر بھیجا۔(مرقات)مدینہ پاک سے خاک شفا لانا اور اسے دواءً استعمال کرنا سنت مسلمین ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا"تربۃ ارضنا یشفی سقیمنا" ہماری زمین مدینہ کی مٹی بیماروں کو شفا دیتی ہےبلکہ وہاں کا گردو غبار اپنے منہ اور سینہ پر لے،یہ برص و جذام کے لیے بہت مفید ہے،مسجد نبوی خصوصًا روضہ مطہرہ کا غبار مؤمنوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے اور عشاق کے زخمی دلوں کا مرہم۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کسی کو یہ حلال نہیں کہ مکہ معظّمہ میں ہتھیار اٹھائے پھرے ۱؎(مسلم)

۱؎ مکہ معظّمہ میں کھلے ہتھیار اٹھائے پھرنا تاکہ مسلمان مرعوب ہوں حرام ہے،غلاف میں ڈھکے ہتھیار اٹھانا اپنی حفاظت وغیرہ کے لیے درست ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا میں ہتھیار لے کر وہاں داخل ہوئے مگر غلاف میں یہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ معظّمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا۱؎ پھر جب خود اتارا تو ایک شخص آیا اور بولا کہ ابن خطل کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے فرمایا اسے قتل کردو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی آپ بغیر احرام مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا،آج چونکہ زمین حرم حضور انور کے لیے حلال ہوگئی تھی کہ وہاں قتال حلال ہوگیا تھا اس لیے آج بغیر احرام داخلہ بھی حضور انور کا درست ہوگیالہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں کہ کسی نیت سے مکہ معظّمہ جائے احرام و عمرہ ضروری ہےاور نہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کہ جو کسی اور کام کے لیے مکہ معظّمہ جائے وہ بغیر احرام جاسکتاہے۔

۲؎ یہ خبر دینے والے فضل ابن عبید یعنی ابو برزہ اسلمی تھے،ابن خطل کا نام عبداللہ اور لقب غالب تھا،یہ پہلے مسلمان ہوا پھر اپنے ایک خادم مسلمان کو قتل کرکے مرتد ہوکر مکہ معظّمہ بھاگ آیا تھا،آج ڈر کے مارے غلاف کعبہ میں چھپ گیا،چونکہ آج زمین حرم میں قتال جائز تھا اس لیے اسے قصاصًا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کرادیا گیا یا تو حرم شریف میں یا وہاں سے باہر نکال کر ورنہ باہر کا مجرم اگر حرم میں آجائے تو اسے قتل نہیں کیا جاتا،رب تعالٰی فرماتا فرماتاہے:"وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا"بعض امام حرم شریف میں حدو قصاص جائز مانتے ہیں اس حدیث کی بنا پر مگر یہ استدلال ضعیف ہے،ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضورا نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میقات سے آگے بغیر احرام نہ بڑھو،نیز فرماتے ہیں کہ میرے لیے ایک ساعت کے واسطے یہ حرم کی زمین حلال کردی گئی تھی اب پھر اس کی حرمت لوٹ آئی۔

روایت ہے جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ معظّمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ بغیر احرام کے تھے اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۱؎(مسلم)	

۱؎ یا تو حدود حرم میں داخلہ کے وقت حضور انور نے خود بھی پہنا ہوا تھا یعنی لوہے کی ٹوپی اور عمامہ شریف بھی یا حدود حرم شریف میں داخلہ کے وقت تو خود پہنے تھے اور بیت اللہ شریف میں یعنی مسجد حرام میں داخلہ کے وقت خود اتار دیا تھا اور عمامہ پہن لیا تھالہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ لباس سفید افضل ہے مگر عمامہ سیاہ بھی جائز ہے،خصوصًا خطبہ کے وقت سارے کپڑے کالے پہننا خصوصًا محرم میں روافض سے تشبیہ ہے۔(ازمرقات مع زیادت)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک لشکر کعبہ معظّمہ پر حملہ کرے گا تو	

جب میدانی زمین میں ہوں گے تو ان کے اگلے پچھلے سب کو دھنسا دیا جائے گا۱؎میں نے عرض کی یارسول اللہ ان کے اگلے پچھلوں کو کیسے دھنسایا جائے گا ان میں سوداگر بھی ہوں گے اور وہ بھی جو اس لشکر سے نہیں۲؎فرمایا کہ دھنسایا تو سارے اگلے پچھلوں کو جائے گا پھر اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا کہ ایک بڑا لشکر بربادی خانہ کعبہ کے لیے مکہ معظّمہ پر حملہ کرے گا اور دھنسایاجائے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ واقعہ ہوچکامہدی موعود شاہ سفیان شاہ مصر کے زمانہ میں مگر حق پہلی بات ہے۔

۲؎اسواق یا تو سوقه کی جمع ہے بمعنے رعایا اور کام کاج والے یا سوق کی جمع ہے،بمعنی بازار میں رہنے والے سوداگر۔سوال کا منشاء یہ ہے کہ مجرم تو ان میں سے بعض ہیں سزا ملی سب کوکیونکہ اس لشکر میں تجارتی کاروبار کرنے والے سپاہیوں کے خدمتگار اور کھانا وغیرہ پکانے والے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو جبرًا لائے گئےان کی نیت حملے کی نہ تھی۔

۳؎یعنی چونکہ ان لوگوں نے بھی اس لشکر کی تعداد بڑھائی ان کی اس جرم پر امداد کی اور مجرموں کے ساتھ رہے اس لیے یہ بھی سزا کے مستحق ہوگئے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ"۔معلوم ہوا کہ بروں کی امداد کرنا بھی برا،ہاں پھر قیامت میں یہ فرق ہوجائے گا کہ ان میں سے مؤمن مؤمنوں کے زمرے میں اٹھیں گے اور کافر کافروں کے ساتھ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو حبشہ کا دو چھوٹی پنڈلیوں والا ڈھائے گا۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ سُوَیق ساق کی تصغیر ہے جس کے معنے ہیں چھوٹی پنڈلی،پتلی پنڈلی یا کمزور پنڈلی یعنی بہت پست قد دبلا پتلا کمزور شخص حبشہ کے لشکر میں ہوگاجو مکہ معظّمہ پر غالب آنے کے بعد کعبہ معظّمہ ڈھا دے گا،یہ واقعہ قیامت کے قریب ہوگا جس کے بعد دنیا برباد ہوجائے گی اور قیامت آجائے گی کیونکہ دنیا کی آبادی کعبہ معظّمہ سے وابستہ ہے جب تک یہ ہے دنیا قائم ہے یہ گرا اور برباد ہوا کہ دنیا گئی،ان دو واقعات میں رب کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ بڑا لشکر جس کا ذکر پہلے گزرا کعبہ کو تباہ نہ کرسکے گاخود تباہ ہوجائے گامگر یہ کمزور،دبلا آدمی کعبہ کو برباد کردے گا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ کالا چوڑی ٹانگوں والا ہے کعبہ کے پتھر پتھر اکھیڑ رہا ہے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ بِهٖ کا متعلق فعل پوشیدہ ہے مُتَلَبِّسٌ یا مُتَّصِلٌ اَسْوَدَ بِهٖ کی ضمیر کا حال ہے،افج وہ ناقص الخلقت انسان جس کی ٹانگیں چلنے میں چوڑی رہیں جیسے دودھ نکالتے وقت گائے بکری کی ٹانگیں یعنی گویا وہ میرے پاس ہے اور میں اس کی یہ حرکت دیکھ

رہا ہوں کہ وہ کعبہ ڈھا رہا ہےاور اس کا ایک ایک پتھر گرارہا ہے،اس کے گرانے کو پتھروں کے گرنے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور پتھر گرنے کی آواز کانوں سے سن رہا ہوں۔(از اشعہ)معلوم ہوا کہ نگاہ نبی ہمارے خواب و خیال سے زیادہ قوی ہے کہ اگلے پچھلے واقعات ملاحظہ فرمالیتی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت یعلیٰ ابن امیہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرم شریف میں غلہ بند رکھنا یہاں بے دینی کرنے کی طرح ہے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎احتکار کے معنے ہیں بوقت ضرورت انسان یا جانوروں کی خوراک کو روکنا تاکہ زیادہ قحط پڑنے پر فروخت کیا جائے،یہ حرکت ہر جگہ ہی جرم ہے کہ اس میں اللہ کی مخلوق کی ایذا رسانی ہے مگر مکہ معظّمہ میں ایسی حرکت بہت ہی سخت جرم ہے،وہاں احتکار کرنے والا ابوجہل وغیرہ کفار کی طرح ہے جنہوں نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کرکے انہیں ستایااور روزی ان پر تنگ کی،مکہ معظّمہ کا غلہ روکنا ایسا سخت جرم ہے جیسے وہاں رہ کر بے دینی کرنا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ"۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ جیسے مکہ معظّمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے ایسے ہی وہاں گناہ کرنے کا عذاب بھی بہت سخت ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عباس مکہ معظّمہ نہ رہے سبلکہ وہاں سے کچھ فاصلہ پر طائف شریف میں رہے وہیں ہی آپ کا مزار پرانوار ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ سے فرمایا ۱؎تو کیسا پاکیزہ شہر ہے اور تو مجھے کیسا پیارا ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور بستی میں نہ رہتا ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی۔

۱؎غالبًا یہ فرمان عالی ہجرت کی رات ہے جب حضور انور حضرت صدیق کو ہمراہ لےکر جانب مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور مکہ معظّمہ سے باہر پہنچے تو حسرت بھری نگاہوں سے بستی مکہ معظّمہ پر نگاہ کی اوریہ فرمایا،مرقات نے کہا کہ یہ کلام فتح مکہ کے دن وہاں سے واپسی کے وقت ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔واللہ اعلم!

۲؎جمہور علماء کے نزدیک مکہ معظّمہ شہر مدینہ منورہ سے افضل اور حضور کو زیادہ پیارا ہےان کی دلیل یہ حدیث ہے، امام مالک کے ہاں مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے،وہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں پہلی حالت کا ذکر ہے،پھر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہوگیا جیساکہ اگلے باب میں آرہا ہے۔فتویٰ یہی ہے کہ مکہ معظّمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے مگر عشاق کی نگاہ میں مدینہ منورہ افضل کیونکہ وہ محبوب کی آرام گاہ ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عدی ابن حمراء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے دیکھا[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ کی قسم تو اللہ کی ساری زمین میں بہترین زمین ہے اور اللہ کی تمام زمین میں خدا کو زیادہ پیاری ہے[2] اگر میں تجھ سے نکالا نہ جاتا تو کبھی نہ نکلتا[3] (ترمذی،ابن ماجہ)[4]	

[1] حزورہ بروزن **قسورہ**،ح کے فتح سے اور ز کے جزم سے،اس کے معنے ہیں چھوٹا ٹیلہ،چونکہ یہاں کبھی ٹیلہ تھا اس لیے اس جگہ کا نام حزورہ ہوگیا،بعض نے فرمایا کہ قبیلہ جرہم کے بعد وکیع ابن سلمہ ابن زبیر ابن ایاد کعبہ معظّمہ کا متولی ہوا اس نے یہاں ایک عمارت بنائی جس میں اپنی لونڈی حزور کو ٹھہرایااس کے نام سے یہ جگہ حزورہ کہلائی پھر یہاں مکہ معظّمہ کا بازار رہا،اب وہاں مسجد حرام کا ایک دروازہ ہے جسے **باب الوداع** کہتے ہیں۔

[2] علماء فرماتے ہیں کہ حاجی طواف وداع کرکے جب چلے تو کعبہ معظّمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھے اور کچھ کلمات وداعیہ بھی منہ سے نکالے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات حج وداع میں کعبہ معظّمہ سے رخصت ہوتے وقت فرمائے اور **باب الوداع** سے نکلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف سے روانہ ہوئے تھے،بلکہ اس وقت الٹے پاؤں کعبہ معظّمہ کو دیکھتا ہوا روتا ہوا چلے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور سیدنا ابن مسعود مرفوعًا فرماتے ہیں کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ شئے اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ (مرقات)

[3] یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ مکہ معظّمہ کی بستی مدینہ منورہ سے افضل ہے اور حضور انور کو بڑی پیاری ہے کیونکہ یہ فرمان ہجرت کے بہت عرصہ بعد ہے۔ خیال رہے کہ افضلیت میں یہ اختلاف بستیوں کے متعلق ہے،حضور کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم اطہر سے متصل ہے وہ مکہ معظّمہ،کعبہ معظّمہ بلکہ عرش معلے سے بھی افضل ہے۔(مرقات) شیخ نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی عمرہ قضاء میں ہے جب کہ تین دن کے بعد کفار مکہ نے آپ سے مکہ معظّمہ خالی کردینے کے لیے کہا،بعض نے فرمایا کہ یہ بھی ہجرت کی شب تھامگر یہ ضعیف ہے کہ اس وقت عبداللہ ابن عدی نے حضور کو کیونکر دیکھ لیا،بعض نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن ہے مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس وقت اخراج نہ تھا۔**واللہ اعلم**!(اشعہ)

[4] یہ حدیث بہت کتابوں میں بہت اسنادوں سے مروی ہے صحیح ہے اور بہت قوی ہے،طبرانی میں بسند ضعیف ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مکہ سے افضل ہے،بعض علماء نے فرمایا کہ حضور کی حیات شریفہ میں مدینہ منورہ بعد ہجرت افضل تھا،بعد وفات مکہ مکرمہ افضل۔(مرقات)

مسئلہ: مکہ مکرمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ ہے اورایک گناہ بھی ایک لاکھ ہے،مدینہ منورہ کی ایک نیکی پچاس ہزار ہے مگر ایک گناہ ایک ہی ہے،اس کی بھی شفاعت سے بخشش کی امید ہےاسی لیے امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بیرونی آدمیوں کو مکہ معظّمہ رہنے سے وہاں سے وطن لوٹ آنا افضل وہاں جاتا آتا رہنا بہتر،دیکھو حضرت ابن عباس نے بجائے مکہ

معظّمہ مکرّمہ کے طائف کو اپنا قیام گاہ قرار دیا،حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ارادۂ گناہ پر کہیں پکڑ نہیں سوائے مکہ مکرمہ کے،پھر آپ نے یہ آیت پڑھی"وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ،الخ۔ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ جو مکہ مکرمہ کا رمضان پائے پھر وہاں کے روزہ اور تراویح کی پابندی کرے تو ایک لاکھ رمضانوں کا ثواب پائے گااور ہر دن و ہر رات ایک ایک غلام آزاد کرنے اور ایک ایک غازی کو میدانِ جنگ میں بھیجنے کا ثواب پائے گا۔مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بھی بہت برکت کا باعث ہے بشرطیکہ وہاں کا احترام کرسکے۔ (مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو شریح عدوی سے انہوں نے عمرو ابن سعید سے فرمایا ۱؎ جب کہ وہ مکہ معظّمہ پر لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر مجھے اجازت دے کہ میں تجھے وہ فرمان پاک سناؤ جسے کل فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا ۲؎ جسے میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ کیااور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میری آنکھوں نے کلام کرتے وقت دیکھا ۳؎ اپنے اللہ کی حمد و ثنا کی بھی فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے کسی انسان نے نہ بنایا ۴؎ تو کسی بھی اس شخص کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہاں خون بہائے اور نہ وہاں کا درخت کاٹے ۵؎ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادسے اجازت سمجھے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو نہ دی ۶؎ رب نے مجھے دن کی ایک گھڑی اجازت دی تھی اب آج اس کی حرمت کل کی طرح ہی لوٹ آئی ۷؎ حاضرین غائبین کو پہنچادیں ابو شریح سے کہا گیا کہ پھر تم سے عمرو نے کیا کہافرمایا وہ بولا اے ابو شریح میں تم سے یہ زیادہ جانتا ہوں کہ حرم شریف نہ تو مجرم کو پناہ دے سکتا ہے ۸؎ نہ خون کرکے بھاگے ہوئے کو ۹؎ نہ فساد کرکے بھاگے کو ۱۰؎ (مسلم،بخاری)اور بخاری میں ہے کہ خزبہ خیانت ہے۔	

۱؎آپ کا نام خویلا ابن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہے،کنیت ابو شریح،صحابی ہیں،فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، ۶۸ھ؁ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔(اکمال)اور عمرو ابن سعید ابن عاص اموی قرشی اپنے چچا زاد بھائی عبدالملک ابن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا،پھر اسے عبدالملک نے سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے پر مقرر کیا،حضرت ابن زبیر مکہ معظّمہ و عراق وغیرہ کے سلطان برحق تھے۔(اشعہ ومرقات) جب عمرو نے مکہ معظّمہ پر چڑھائی کرنے کے لیے لشکر تیار کیا،حضرت ابو شریح نے اسے عظمت مکہ معظّمہ کی طرف متوجہ فرمایا۔

۲؎غد سے مراد یا تو فتح مکہ سے دوسرا دن ہے یعنی فتح کی کل یا مطلب یہ ہے کہ یہ کل کی بات ہے ابھی اسے کچھ عرصہ نہ گزرا تو نے ابھی سے اس پر عمل چھوڑ دیاتو آئندہ کیا بنے گا۔

۳؎یعنی یہ واقعہ اور یہ حدیث میں کسی سے سنی سنائی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اسے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہےاور دور سے نہیں سنابلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں بہت قریب تھااور بغیر سمجھے نہیں سنا بلکہ سمجھ کر سنالہٰذا اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے حدیث بالکل صحیح ہے۔

۴؎یعنی مکہ معظّمہ کو حرم بنانے والا خود رب تعالٰی ہے،کسی شخص نے اپنی رائے سے اسے حرم نہیں بنایا ہے تاکہ دوسرے آدمی کی رائے سے اس کی حرمت جاتی رہےلہٰذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں کہ وہاں یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم ہونے کی دعا کی رب نے اسے حرم بنادیا وہاں اسناد مجازی ہے یہاں حقیقی۔

۵؎اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ساری ایمانیات کا معتقد ہو دو کناروں کا ذکر فرمایا۔تمام عقائد مراد لیے گئے،درخت سے مراد خود رو درخت ہیں اپنے بوئے ہوئے درخت حرم شریف میں کاٹے جاسکتے ہیں،خون بہانے سے مراد اس کا خون بہانا ہے جو شرعًا واجب القتل ہو اور حرم شریف میں پناہ لے لے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا،ورنہ حرم شریف میں جانور ذبح ہوتے ہیں،وہاں کے مجرم کو قتل کیا جاسکتا ہے محفوظ الدم شخص کا خون بہانا غیر حرم میں بھی حرام ہے لہٰذا حدیث واضح ہے۔

۶؎یعنی فتح مکہ کے دن ہمارا مکہ معظّمہ پر حملہ کرنا اور حملہ کے دوران میں حضرت خالد بن ولید کی تلوار سے ستر۷۰ انسانوں کا حرم شریف میں خون ہوجانا یہ ہماری خصوصیات سے ہےاور خصوصیات میں پیروی نہیں ہوتی،نہ وہ افعال و اعمال سنت کہلاتے ہیں ہمارے واسطے وہ قتال وقتی طور پر حلال تھا تمہارے لیے دائمی حرام۔

۷؎کل سے مراد سارا گذشتہ زمانہ ہے یعنی جیسے حرم محترم کی حرمت کل تھی ایسے ہی آج ہے اور تاقیامت رہے گی۔

۸؎اس کا مقصد یہ تھا کہ عبدالملک خلیفہ برحق ہے اور حضرت عبداللہ ابن زبیر اس کے باغی ہیں،مکہ معظّمہ میں باغیوں کی سرکوبی کرنا جائز ہے میں اس فعل پر مجرم نہیں۔

۹؎یعنی جو حرم کے باہر خون کرے اور حرم میں پناہ لے لے اسے امن نہیں بلکہ اس پر روزی تنگ کی جائے تاکہ وہ نکلے اور باہر ہونے پر قتل کردیا جائےاور اگر اس مردود کا مقصد یہ ہے کہ باہر حرم کا مجرم حرم میں قتل کیا جائے گا تو غلط ہے،وہ عمرو ابن سعید ظالم وفاسق بھی تھا اور نرا جاہل بھی لہٰذا یہ جملہ شوافع کی دلیل نہیں،جہلاء کے اقوال سے دلیل کیسی۔(مرقات)

۱۰؎خربہ خ کے پیش ر کے جزم سے،اس کے لغوی معنے ہیں اونٹ کی چوری،اب اصطلاح میں مطلقًا فساد کو کہتے ہیں اس کی مراد فساد سے جانی مالی ملکی فساد ہے۔

	روایت ہے حضرت عیاش ابن ابو ربیعہ مخزومی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امت بھلائی پر رہے گی جب تک اس حرمت کا بحق تعظیم احترام کریں جب اسے برباد کریں گے ہلاک ہوجائیں گے ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎ آپ ابوجہل کے اخیافی بھائی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کرتے ہی ایمان لائے،حضرت عمر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے،پھر حضرت عمر کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئے،ابوجہل اور حارث ابن ہشام نے دھوکہ سے انہیں مکہ معظّمہ بلایا کہ تیری ماں تیرے لیے بے قرار ہے اور وہاں آپ کو قید کردیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ میں آپ کی رہائی کی دعا کی کہ الٰہی عیاش ابن ربیعہ کو نجات دے،آپ عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔(اکمال)

۲؎ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جس بادشاہ نے کعبہ معظّمہ یا حرم شریف کی بے حرمتی کی ہلاک و برباد ہوگیا،یزید پلید کے زمانہ میں جب حرم شریف کی بے حرمتی ہوئی یزید ہلاک ہو،اس کی سلطنت ختم ہوگئی۔

باب حرم المدینۃ حرسها الله تعالی

باب مدینہ منورہ کا حرم اللہ اسے محفوظ رکھے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدود مدینہ منورہ کا ادب و احترام مکہ معظّمہ کی حدود کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر اختلاف اس میں کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا حلال ہے یا حرام؟اگر حرام ہے تو اس کی جزا یعنی فدیہ یا کفارہ واجب ہے یا نہیں،ہمارے امام اعظم کے ہاں وہاں شکار بھی حلال ہے اور درخت وغیرہ کا کاٹنا بھی درست کیونکہ ان چیزوں کی حلت تو قرآن کریم کی صریحی آیات سے ثابت ہے مگر حدود مدینہ میں ان کی حرمت کی نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث قطعی بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت انس کے بھائی ابو عمیر نے مدینہ منورہ میں ایک چڑیا پالی تھی جو پنجرے میں رکھی تھی اگر مدینہ منورہ میں شکار حرام ہوتا تو چڑیا کو پنجرے میں بند کرنا بھی حرام ہوتا،حرم مکہ میں شکار حرام ہونا اور کرلینے پر جزاء واجب ہونا قرآن کریم سے بھی ثابت ہے اور احادیث قطعیہ سے بھی،بعض آئمہ کے ہاں حرم مدینہ میں شکار حرام تو ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں،بعض کے ہاں جزاء بھی واجب ہے،بعض کے نزدیک وہاں پرندوں کا شکار حلال ہے چرندوں کا حرام،بہرحال مسئلہ اختلافی ہے اور اس بارے میں مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن کے اور اس کے جو اس کتاب میں ہے کچھ اور نہ لکھا ۱؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مدینہ منورہ عیر سے ثور تک کے درمیان حرم ہے ۲؎ تو جو اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ۳؎ اس کے نہ فرائض قبول ہوں نہ نفل ۴؎ مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے کہ ان کا ادنی آدمی بھی کوشش کرسکتا ہے ۵؎ جو کسی مسلمان کی عہد شکنی کرے اس پر اللہ،فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول نہ نفل ۶؎ جو اپنے کو اپنے دوستوں کی بغیر اجازت کسی قوم سے عقد دوستی باندھے اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں نہ نفل	

	۷(مسلم،بخاری)انہی کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف منسوب کرے ۸یا اپنے غیر مولاؤں سے ولاء کرے تو اس پر اللہ کی،فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں اور نہ نفل ۹

۱حضرت علی کے زمانہ خلافت میں رفض اور خروج کی جڑیں قائم ہوئیں چھپے منافق ان گروہوں کی شکل میں نمودار ہوئے،روافض نے مشہور کیا کہ حضرت علی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی وصیت نامہ اور خلافت نامہ ہے جس میں لکھا ہے کہ آپ اسلام کے خلیفہ اول ہیں لہذا گزشتہ خلافتیں باطل تھیں اور یہ کہ آپ کے پاس کوئی خاص چھپا ہوا قرآن ہے اور وہی اصلی ہے اس لیے بعض لوگ آپ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور جناب علی مرتضٰی یہ جواب دیتے تھے،بعض روافض کو آپ نے زندہ جلوادیا جیسا کہ مشکوٰۃ کتاب الحدود میں آئے گا مگر یہ دبی چنگاری سلگتی ہی رہی۔صحیفہ ایک کاغذ تھا جس میں کچھ شرعی احکام لکھے ہوئے تھے جو جناب علی کی تلوار کے پرتلہ میں رہتا تھا جو آپ لوگوں کو دکھایا بھی کرتے تھے اور سناتے بھی تھے،وہی واقعہ یہاں بیان ہورہا ہے آپ فرمارہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی اور قرآن نہیں یہی قرآن ہے اور حضور انور کی کوئی خاص وصیت یا تحریر نہیں صرف یہ ورق ہے جس میں کچھ احکام لکھے ہوئے ہیں۔

۲عیرو ثور کے متعلق شارحین کے بہت اقوال ہیں۔حضرت شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں جو مدینہ منورہ کے کناروں پر واقع ہیں،بعض نے فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ مکہ معظّمہ میں ہیں۔ثور پہاڑ وہ ہے جس کے غار میں ہجرت کی رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع صدیق اکبر چھپے تھے اس لیے اسے غار ثور کہتے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنا فاصلہ مکہ کے دو پہاڑوں عیرو ثور کے درمیان ہے اتنا فاصلہ مدینہ منورہ کا حرم ہے،بعض نے فرمایا کہ عیر تو مدینہ منورہ میں ہے اور ثور مکہ معظّمہ میں،بعض کے خیال میں ہے کہ عیر و ثور پہاڑ نہیں بلکہ اطراف مدینہ کے دو میدانوں کا نام ہے جنہیں حرّتین کہتے ہیں،بعض روایات میں عیرواُحد ہے راوی نے غلطی سے بجائے احد کے ثور کہا،بہرحال مدینہ منورہ کے حدود مراد ہیں۔

۳یہ فرمان امام اعظم کی قوی دلیل ہیں کہ حدود مدینہ میں شکار حرام نہیں بلکہ یہ چیزیں حرام ہیں جو حضرت علی نے بیان فرمائیں یعنی یہاں بدعتیں ایجاد کرنا بدعتیوں کو مدینہ میں جگہ دینا سخت گناہ ہے کہ اس میں مدینہ منورہ کی بے حرمتی بھی ہے اور دین میں فساد بھی۔خیال رہے کہ بدعت و بدعتی سے عقیدہ کی بدعتیں و بدعتی مراد ہیں جیسے رفض و خوارج،وہابیت وغیرہ نہ کہ عملی بدعتیں کہ وہ تو کبھی فرض واجب بھی ہوتی ہیں جیسے کتب حدیث کا جمع کرنا یا قرآن کریم کے تیس پارے اور علم فقہ وغیرہ،اگرچہ ہر جگہ ہی بدعتیں بری ہیں مگر مدینہ پاک میں زیادہ بری۔

۴صَرف سے مراد فرائض ہیں یا شفاعت یا توبہ اور عدل سے مراد نوافل ہیں یا فدیہ گناہ کہ صرف کے معنے ہیں پھیرنا فرائض کی ادا یا شفاعت یا توبہ سے عذاب الٰہی پھر جاتا ہے،لوٹ جاتا ہے،عدل کے معنے ہیں برابری نفل کبھی فرض کی کمی پوری کرکے کامل فرض کے برابر کردیتے ہیں یا فدیہ اصل فوت شدہ کے برابر ہوتا ہے۔

۵؎یعنی اگر معمولی درجے کا مسلمان کسی کافر کو امان یا ذمہ یا پناہ دے دے تو تمام مسلمانوں پر اس کا پورا کرنا لازم ہےاسے توڑنا حرام ہے اور باعث مذمت،سارے مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں کہ روح سب کی ایک ہے کوشش کرنے سے مراد والی یا متولی یا ذمہ دار ہوتاہے۔

۶؎یعنی جو مسلمان دوسرے مسلمان کے ذمہ یا اس کی دی ہوئی امان توڑے یا اس کے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف کرے اس پر لعنت ہے۔

۷؎ولاء دو قسم کی ہے ولاء مولات اور ولاء عتاقۃ،ولاء مولات قوموں کے معاہدے کو کہتے ہیں کہ چند قومیں کسی معاہدے میں شریک ہوکر ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں،ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیے کسی اور قوم سے معاہدہ نہ کرے کہ اس میں عہدشکنی ہے جو حرام ہے یا یہ مطلب ہے کہ آزاد کردہ غلام اپنے آزاد کرنے والے مولیٰ کا عتاقہ ہے کہ اسے اس غلام کی میراث کا حق پہنچتا ہے،یہ غلام دوسرے کو اپنا مولیٰ نہ بتائے جس کا معتق ہے اسی کا رہے یا یہ مطلب ہے کہ کوئی مسلمان بھائی،بھائی مسلمان کو ستانے کے لیے کافر سے دوستی نہ کرے ورنہ لعنت کا مستحق ہوگا۔غرضکہ اس جملہ کی تین شرحیں ہیں۔اس کلام سے معلوم ہوا کہ علم لکھ لینا سنت صحابہ ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ روافض کا یہ قول غلط محض ہے کہ حضور انور نے اہل بیت کو خلافت کی وصیت کی یا کوئی خاص قرآن دیا یا انہیں قرآن کے ایسے خاص اسرار لکھائے جو دوسروں سے چھپائے۔**نعوذ باللہ!**

۸؎اس طرح کہ غیر باپ کو اپنا باپ بتائے کہ فلاں کا بیٹا ہوں یا اپنے کو غیر قوم کی طرف نسبت کرے،سید نہ ہو مگر کہے کہ میں سید ہوں اس میں ماں کو گالی دینا ہے اور سخت لعنت و عذاب کا استحقاق۔

۹؎اس فرمان عالی سے آج کل کے وہ لوگ عبرت پکڑیں جنہیں سید یا شیخ یا پٹھان بننے کا شوق ہے،اس بیماری میں بہت مسلمان گرفتار ہیں رب تعالیٰ اس مرض سے شفا بخشے۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں مدینہ کے دو کناروں کے درمیان یہاں سے کانٹے کاٹنا یا یہاں کا شکار قتل کرنا حرام کرتا ہوں ۱؎فرمایا مدینہ مسلمانوں کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوتے ۲؎ایسا کوئی نہیں جو مدینہ سے رغبتی کرتے ہوئے اسے چھوڑے مگر اللہ اس مدینہ میں اس کو اچھا رہنے والا بسائے گا۳؎اور کوئی شخص مدینہ کی سختی اور بھوک پر صبر نہ کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا ۴؎(مسلم)

۱؎یہ حدیث ان محدثین و فقہاء کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ کے حدود میں شکار کرنا خود رو درخت کاٹنا حرام تو ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں۔ہم عرض کرچکے ہیں کہ شکار کی حلت قرآنی آیات سے ثابت ہے لہذا اس کی حرمت اس جیسی ظنی حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ دوسری احادیث اس کے خلاف ہیں۔لابہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں،مدینہ منورہ کے آس پاس کی زمین پتھریلی ہے،**عضاۃ** درخت خار دار کو۔

۲؎ یعنی اگر شام وغیرہ سرسبز ملکوں میں دنیاوی آرام زیادہ ہیں مگر جس مسلمان کو مدینہ پاک میں رہنا سہنا نصیب ہوجائے تو اس کی خوش نصیبی ہے وہ اسے تمام سرسبز ملکوں سے بہتر جانے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ ہمیشہ آباد رہے گا کبھی ویران نہ ہوگا،اگر کوئی قوم یا جماعت اسے چھوڑ بھی جائے تو دوسری قوم اسے آباد کرے گی،یہاں رہنے والے بہت ہیں جو یہاں آباد ہونے کی آرزو کرتے ہیں،یہ خبر بالکل برحق ہے جس کا ثبوت مشاہدہ سے ہورہا ہے،کتنے کنبے اور کتنی قومیں ہیں جو وہاں آباد ہوگئیں اور کتنے سینے ہیں جن میں وہاں کی تڑپ ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثٰلَکُمۡ"۔حق یہ ہے کہ یہ قانون قیامت تک کے لیے ہے۔

۴؎ لاواء اور جھد یا ہم معنے ہیں یا قریب المعنے یعنی جو مدینہ منورہ کی غربت و بے کسی کی زندگی یہاں کی تکالیف و قحط و بھوک پر صبر کرکے حضور کے قدموں میں پڑا رہے گا ان شاءاللہ اس کا خاتمہ بخیر ہوگا اور حضور انور اس کے گناہوں کی شفاعت نیکیوں کی گواہی ادا فرمائیں گے یا حضور انور اپنے زمانہ میں مرنے والوں کی گواہی اور بعد میں وہاں مرنے والوں کی شفاعت کریں گے اگرچہ حضور اپنے ہر امتی کے گواہ بھی ہیں اور شفیع بھی مگر مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت بھی خصوصی ہوگی اور گواہی بھی خصوصی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان حرمین طیبین خصوصًا مدینہ منورہ میں رہنے مرنے کو رب تعالٰی کی اعلٰی نعمت جانے،اگر یہ مٹی وہاں کی پاک مٹی سے مل جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے۔شعر

پس مرگ مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی   میسر گر مجھے دو گز مدینہ کی زمیں ہوتی

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ میرا کوئی امتی مدینہ کی سختیوں اور تکلیف پر صبر نہ کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا ۱؎ (مسلم)	

۱؎ شفاعت خصوصی،حق یہ ہے کہ یہ وعدہ ساری امت کے لیے ہے کہ مدینہ میں مرنے والے حضور انور کی اس شفاعت کے مستحق ہیں۔شعر

طیبہ میں سر کے سیدھے چلے جاؤ آنکھیں بند   سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

خیال رہے کہ حضور انور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں رہنا بہتر تھا اور ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ معظّمہ میں رہنا مسلمان کو منع ہوگیا ہجرت واجب ہوگئی اور فتح مکہ کے بعد وہاں رہنا تو جائز ہوا مگر مدینہ منورہ میں رہنا افضل قرار پایا کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب ہے اسی لیے زیادہ تر فضائل مدینہ پاک میں رہنے کے آئے ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے تھے ۱؎ جب حضور اسے لیتے تو فرماتے الٰہی ہمارے پھلوں میں ہمارے لیے برکت دے ہمارے مدینہ میں برکت دے ۲؎	

	ہمارے صاع میں ہمارے مد میں ہمارے واسطے برکت دے ۳؎ الٰہی ابراہیم تیرے بندے تیرے خلیل تیرے نبی ہیں اور میں تیرا بندہ تیرا نبی ہوں ۴؎ انہوں نے مکہ کے لیے دعا کی ۵؎ اور میں مدینہ کے لیے ویسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی انہوں نے مکہ کے لیے دعا کی اور اتنی ہی اس کے ساتھ اور ۶؎ فرمایا پھر کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اسے یہ پھل عطا فرمادیتے ۷؎ (مسلم)

۱؎ یعنی باغ والے اپنے باغ کا پہلا پھل،یوں ہی مدینہ والے جب بازارمیں نیا پھل دیکھتے تو حضور انور کی خدمت میں ہدیۃً لاتے تاکہ باغ میں اور گھروں میں برکت رہے،بعض لوگ پہلے پھل پر فاتحہ دےکر بچوں میں تقسیم کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،فاتحہ میں ثواب کا نذرانہ ہوتا ہےاگر ہم کو وہ میسر نہ ہوا تو ہدیہ ثواب ہی کریں۔

۲؎ یعنی مدینہ کی آبادی میں بھی برکت دے اور یہاں کے پھل فروٹ میں بھی حضور کی دعائیں قبول ہوئیں۔چنانچہ زمانہ فاروقی میں مدینہ میں چالیس ہزار سوار فوجی تھے،پیادے ان کے علاوہ دوسری آبادی ان کے سواء اور وہاں کے پھلوں کی برکت تو مشہور ہی ہے۔(مرقات)

۳؎ صاع و مد سے مراد ان پیمانوں میں نپنے والے دانہ ہیں جیسے گندم جو وغیرہ،پھلوں کی برکت کی دعا پہلے گزر گئی اور غلہ کی برکت کی دعا یہ ہے،ہمارے لیے فرما کر یہ بتایا کہ یہ برکتیں مسلمانوں کے لیے ہوں۔

۴؎ حضور انور نے حضرت ابراہیم کے خلیل ہونے کا تو ذکر فرمایا مگر اپنے حبیب ہونے کا ذکر نہ فرمایا تواضع و انکسار کے لیے۔خلیل وہ جو رب کی مانے،حبیب وہ کہ رب اس کی مانے،خلیل بیرونی دوست،حبیب اندرونی دوست،دوستوں سے ملاقات پردہ کے باہر ہوتی ہےحبیب سے ملاقات پردہ کے اندر۔شعر

تم تو مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست   تم ہو درون سراتم پہ کروڑوں درود

نبی و رسول کبھی ہم معنے ہوتے ہیں اور کبھی نبی رسول سے عام نبوت میں رب تعالٰی سے فیض لیتا ہےاور رسالت میں دوسروں کو فیض دیتا ہے۔حق یہ ہے نبوت سے رسالت افضل ہےرسول تین سو تیرہ ہیں،نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش،نبی کی ولایت ان کی نبوت سے بعض کے نزدیک افضل ہے،بعض کے ہاں برعکس۔(مرقات)

۵؎ جناب خلیل نے مکہ معظمہ کے لیے دعا کی تھی"فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ" خدایا لوگوں کے دل مکہ معظّمہ کی طرف مائل فرمادے اور یہاں کے باشندوں کو پھل دے تاکہ وہ شکر ادا کریں۔

۶؎ اور سے مرادصرف دوگنی نہیں بلکہ کئی گنی یعنی مدینہ کی طرف لوگوں کے دل خوب مائل کردے اور یہاں بہت پھل فروٹ پیدا فرما،برکتیں دے،اس دعا شریف کا اثر آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ مکہ معظّمہ سے زیادہ مدینہ پاک کی طرف لوگوں کا میلان قلبی ہے،مدینہ کی تعریف میں ہزار ہا قصیدے لکھے گئے،وہاں کا سا پانی،کھانا پھل اور جگہ دیکھے نہ گئے۔

ے اس حدیث سے پہلے پھل پر، پھل سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بچوں میں تقسیم کرنا سب کچھ ثابت ہے کہ حضور انور پھل سامنے رکھ کر یا ہاتھ میں لے کر یہ دعا پڑھتے تھے،فاتحہ میں کھانا، پھل سامنے ہوتے ہیں،ایصال ثواب اور دعائیہ کلمات کہے جاتے ہیں،حضور انور نے بچہ کو یہ پھل دیئے،اب بھی بچوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا ا اسی کے لیے احرام بنایا ۲ اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں ۳ اس کے گوشوں کے درمیان کو ۴ کہ اس میں نہ خون بہایا جائے نہ اس میں جنگ کے لیے ہتھیار اٹھایا جائے ۵ نہ بجز چارے کے یہاں کا درخت کاٹا جائے ۶ (مسلم)	

ا اس طرح کہ آپ نے مکہ معظّمہ کو حرم بنانے کی رب سے دعا کی اور رب نے آپ کی دعاء سے حرم بنایا،چونکہ آپ کی دعا حرم بننے کا سبب ہوئی اس لیے گویا انہوں نے ہی حرم بنایا لہذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالٰی نے خود ہی اسے حرم بنایا جب کہ آسمان و زمین پیدا فرمائے،حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ سے اس کے وہ احکام جاری ہوئے جو آج بھی باقی ہیں یعنی یہاں کے شکار کرلینے پر قیمت کا فدیہ واجب ہونا،باقی اس بقعہ پاک کا احترام وہ تو ابتداء خلق سے ہورہا ہے اس لیے اس کے حرم بنانے کی نسبت حضرت خلیل کی طرف درست ہے۔

۲ یعنی مکہ معظّمہ میں احرام باندھ کر آنا،بغیر احرام داخلہ منع ہونا،حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے آپ کی دعا سے ہوا،اس جملہ نے حرم بنانے کے معنے واضح کردیئے۔

۳ یعنی اس زمین مدینہ کو تاقیامت محترم و معظم قرار دیتا ہوں حضرت خلیل اور حبیب کے حرم بنانے میں بہت طرح فرق ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ جناب خلیل نے اس زمین مکہ کو حرم بنایا جو بعض وجوہ سے پہلے بھی حرم تھی اور لوگوں سے جو عظمت اس کی گم ہوگئی تھی وہ ظاہر فرمائی مگر حضور انور نے اس زمین مدینہ کو حرم بنایا جو پہلے سے معظم نہ تھی بلکہ لوگ اس سے گھبراتے تھے کہ یہ جگہ وباؤں کی تھی حتی کہ اس کا نام بھی یثرب تھا یعنی بلاؤں کا گھر۔

۴ **ماز م** دو پہاڑوں کے درمیان تنگ راستہ کو کہتے ہیں جو کہیں بالکل مل جائے اور کہیں وسیع ہوجائے،اس سے مراد اطراف مدینہ ہیں۔(مرقات)

۵ **لایحمل** الخ خون نہ بہانے کی تفسیر ہے یعنی مدینہ کی حدود میں مسلمان لڑیں بھڑیں نہیں جس سے خون خراب ہو کہ اگرچہ یہ حرکت ہر جگہ ہی بری ہے مگر مدینہ میں زیادہ بری،کسی امام کے ہاں اس کے یہ معنے نہیں کہ اگر مستحق قتل مجرم زمین مدینہ میں پناہ لے لے تو اس سے قصاص نہ لیاجائے یہ صرف مکہ معظّمہ کی شان ہے کہ "**مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا**"۔

۶ یہ جملہ امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ حرم مدینہ میں درخت کاٹنا درست ہے کہ یہاں چارے کے لیے کاٹنے کی اجازت دی،اگر درخت کاٹنا حرام ہوتے تو چارے کے لیے بھی نہ کاٹے جاتے جیساکہ مکہ معظّمہ کے حرم میں ہے،رہا وہاں کے شکار کا حرام ہونا تو چڑیوں و دیگر پرندوں کے شکار کے جواز پر قریبًا سب ہی کا اتفاق ہے،چرندے کے شکار کو اکثروجمہور صحابہ درست

مانتے ہیں،بعض نے منع فرمایا مگر اس شکار کی بھی قیمت خیرات کرنا کسی کے ہاں واجب نہیں اور نہ کسی حدیث سے اس کا وجوب ثابت ہے۔غرضکہ حرم مکہ بمعنی تحریم ہے اور حرم مدینہ بمعنی احترام، مدینہ منورہ کا احترام مکہ معظّمہ سے بھی زیادہ ہے۔خیال رہے کہ حرم مدینہ کو حرم مکہ سے تشبیہ دینا بعض وجوہ یعنی احترام و تعظیم کے لحاظ سے نہ کہ تمام وجوہ سے جیسے رب تعالٰی کا فرمان:"اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ "کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ مدینہ منورہ دارالہجرۃ ہے یہاں لوگ کثرت سے حاضر ہوں گے لہٰذا یہاں سے درخت وغیرہ نہ کاٹوتاکہ یہاں کی زینت نہ جاتی رہے،آج دیگر سرکاری جگہ میں پھول توڑنا،درخت کاٹنا منع ہوتا ہے،کیوں ؟بقاء زینت کے لیے یہ حکم بھی ایسے ہی ہے کہ چارے کے لیے کاٹ لو بلاضرورت نہ کاٹو۔

روایت ہے حضرت عامر ابن سعید سے کہ جناب سعد اپنے ڈیرے کی طرف سوار ہوئے جو عقیق میں تھا تو ایک غلام کو درخت کاٹتے یا پتے جھاڑتے دیکھا ۱؎ تو اس کے کپڑے چھین لیے جب حضرت سعد لوٹے تو ان کے پاس غلام والے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ان کے غلام کو یا ان کو وہ سامان واپس کردیں جو ان کے غلام سے لیا ہے ۲؎ تو آپ نے فرمایا معاذ اللہ کہ میں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمۃً عطا فرمائی ہے اور واپس کرنے سے انکار کردیا ۳؎(مسلم)	

۱؎ عقیق مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے ذوالحلیفہ کے راستہ میں،چونکہ یہ جگہ حرم مدینہ میں داخل ہے اس لیے یہ واقعہ درپیش ہوا،شک راوی کو ہے کہ یہ غلام اپنے جانوروں کے لیے یا تو خودرو چھوٹے درخت کاٹ رہا تھا یا کسی بڑے جنگلی درخت کے پتے جھاڑ رہا تھا۔

۲؎ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا مذہب یہ ہی ہے کہ حرم مدینہ کے درخت کاٹنے یا پتے جھاڑنے پر ضمان نہیں ہے،حضرت سعد ابن ابی وقاص نے جو اس غلام کے کپڑے اور سامان چھین لیا وہ یا تو سیاسۃً ہے یا انہوں نے اس حدیث کا مطلب سمجھا نہیں جس میں سامان چھین لینے کا حکم ہے،ورنہ یہ حضرات حضرت سعد ابن ابی وقاص سے سامان واپس نہ مانگتے بلکہ ان کی تائید کرتے کہ احکام شرعیہ پر عمل ضروری ہے اس کے خلاف کا مشورہ دینا گناہ ہے،یہ واپسی کا مطالبہ قابل غور ہے۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کسی کو حرم مدینہ کے درخت یا پتے کاٹتے دیکھو تو بطور غنیمت سامان چھین لو اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سامان کی قیمت دے دوں مگر سامان نہ دوں گا،یہ حدیث تمام آئمہ کے ہاں واجب التاویل ہے کسی کا اس پر عمل نہیں کیونکہ یہ کوئی نہیں کہتا کہ درخت کاٹنے والے کا سامان کپڑے وغیرہ چھین لو،حرم مکہ میں بھی شکار یا درخت کی قیمت خیرات کرنا ہوتی ہے کوئی شکاری کا سامان چھین نہیں سکتا لہٰذا یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اس کے کپڑے چھین لو تشدیدًا ہے جیسے فرمایا گیا کہ جو نمازی کے آگے سے گزرنے لگے اس سے جنگ کرو یا نوحہ کرنے والی عورتوں کے منہ میں خاک ڈال دو یا جو کسی کی

تعریف اس کے سامنے کرے تو اس کے منہ میں خاک جھونک دو،یہ احادیث اپنے ظاہری معنے پر نہیں ایسے ہی یہاں سامان چھیننے کے ظاہری معنے مراد نہیں بلکہ مراد ہے سختی سے منع کردینا ۔حضرت سعد کا یہ اجتہادی حکم ہے کافر حربی کا مال غنیمت ہوتا ہے ذمی کافر کا مال بھی غنیمت نہیں ہوتا چہ جائیکہ مسلمان کا۔خیال رہے کہ امام مالک و شافعی کے ہاں مدینہ کے شکار اور درخت کاٹنا حرام تو ہیں مگر ان کی جزاء واجب نہیں،بعض آئمہ کے ہاں جزاء یعنی قیمت خیرات کرنا واجب ہے،ہمارے ہاں نہ جزاء ہے نہ یہ کام حرام مکروہ ہے جیساکہ پہلے عرض کیاگیا، حضرت ابن مسعود،ابن عمر،عائشہ صدیقہ کا یہی مذہب ہے،خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت وہاں کی کھجوریں وغیرہ کاٹ کاٹ دیں،مشرکین کی قبریں اکھیڑ دیں اور وہاں مسجد بنادی،حضرت ابن مسعود اور ابن زبالہ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسلمہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم عقیق میں شکار کھیلو تو ہم تمہاری امداد کریں جیساکہ ابن ابی شیبہ طبرانی منذری نے باسناد حسن روایت کی،نیز طبرانی میں حضرت انس سے مرفوعًا منقول ہے کہ حضور انور نے فرمایا جب تم احد پہاڑ پر جاؤ تو وہاں کے درخت یا کچھ گھاس کھا لو اور کھانا بغیر اکھیڑے یا کاٹے ناممکن ہے،دیکھومرقات وغیرہ

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر و بلال کو بخار آگیا[1] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے حضور انور کو یہ خبر دی تو فرمایا الٰہی مدینہ ہمیں ایسا پیارا کردے جیسے مکہ پیارا تھایا اس سے بھی زیادہ اور اسے صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع و مد میں ہمیں برکت دے اور یہاں کے بخار کو منتقل کرکے جحفہ میں بھیج دے[2] (مسلم،بخاری)	

[1] اور یہ دونوں حضرات بخار کی شدت میں مکہ معظّمہ کو بہت یاد کرتے تھے۔چنانچہ حضرت بلال یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔شعر

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ بواد و عندی اذخر و جلیل

وھل اردن یوما میاہ مجنۃ وھل تبدون بی شامۃ والفیل

غرضکہ مکہ کی آب و ہوا اور شیریں پانی حتی کہ وہاں کے گھاس و پہاڑ بھی یاد ہوتے تھے۔

[2] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام دعائیں قبول ہوئیں۔چنانچہ آج بھی ہر مسلمان کو بمقابلہ مکہ مکرمہ کے مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہےاور مدینہ پاک کی آب و ہوا بہت ہی صحت بخش ہے حتی کہ وہاں کی خاک خاک شفا کہلاتی ہے،وہاں کی روزی میں بڑی برکت ہے۔جحفہ حرمین طیبین کے درمیان چھوٹی سی بستی ہے جہاں اس زمانہ میں یہود آباد تھے،اب بھی وہاں کی آب و ہوا نرا بخار ہےکہ اگر پرندہ وہاں سے گزر جائے تو بیمار پڑ جاتا ہے۔(لمعات)یہ حدیث امام مالک کی دلیل ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی خواب کے متعلق جو مدینہ کے بارے میں دیکھی[1] فرمایا	

میں نے ایک کالی بال بکھیرے عورت دیکھی کہ مدینہ سے نکلی حتی کہ مہیعہ ہی اتر گئی ۲؎ہم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مدینہ منورہ کی وباء مہیعہ کی طرف منتقل ہوگئی،مہیعہ جحفہ کا نام ہے ۳؎(بخاری)	

۱؎یعنی حضرت ابن عمر نے حضور کی خواب کا ایک بڑا واقعہ بیان کیا جس میں الفاظ یہ بھی ہیں جو یہاں منقول ہیں۔

۲؎**مہیعہ** کے معنے ہیں وسیع زمین یا فراخ بستی جب سیلابوں نے اس بستی کو برباد کردیا تو اس کا نام جحفہ ہوگیا،یعنی کٹی ہوئی زمین۔(مرقات)غالبًا یہ خواب اس دعا شریف کے بعد دیکھی ہوگی جو پہلے گزری۔

۳؎یہاں وباء سے مراد طاعون،ہیضہ وغیرہ وبائی بیماریاں نہیں بلکہ خرابی آب و ہوا کی بنا پر عام بیماریاں مراد ہیں لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جہاں وباء ہو وہاں جانا منع ہے،پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کیوں تشریف لائے ؟ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اب جحفہ کا یہ حال ہے کہ وہاں ایک مقام غدیر خمّ ہے وہاں کوئی شخص بلوغ تک زندہ نہیں رہتا،اس سے پہلے ہی بیماریوں کا شکار ہوکر ہلاک ہوجاتا ہے لہٰذا اب وہ جگہ ویران ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کفار کی بستیوں پر بمباری و تیراندازی کرسکتے ہیں ایسے ہی وہاں کے لیے بیماری کی بددعا بھی کر سکتے ہیں لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مدینہ کی وباء دوسروں پر کیوں منتقل فرمادی۔

روایت ہے حضرت سفیان ابن ابی زہیر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب یمن فتح ہوگا تو ایک قوم دوڑتی ہوئی خوشی خوشی آئے گی ۱؎اور اپنے بال بچوں اور اپنے خدام کو وہاں لے جائے گی حالانکہ اگر وہ سمجھتے تو مدینہ ان کے لیے بہتر تھا ۲؎اور شام فتح ہوگا تو ایک قوم خوشی خوشی دوڑتی آئے گی تو گھر والوں اور خدام کو وہاں لے جائے گی حالانکہ ان کے لیے مدینہ اچھا تھا اگر وہ جانتے اور عراق فتح ہوگا ۳؎تو ایک قوم خوشی خوشی دوڑتی آئے گی اور اپنے بال بچوں اور خادموں کو لے جائے گی حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا اگر جانتے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ **یَبُسُّوْنَ بَسٌّ** سے بنا بمعنی نرم رفتار،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا**"یعنی فتح یمن کے بعد بعض مدینہ والے وہاں جاکر وہاں کے عیش و آرام دیکھیں گے تو خراماں خراماں خوش خوش مدینہ آئیں گے اور اپنے بال بچوں کو یمن لے جائیں گے،مدینہ منورہ کی رہائش چھوڑ کر یمن کی بودوباش اختیار کرلیں گے بعض شارحین نے اس جملہ کے یہ معنے کیے کہ فتح یمن کے بعد بعض یمنی لوگ اپنے بال بچے مدینہ منورہ لے آئیں گے اور مدینہ کی بود باش اختیار کرلیں گے مگر یہ معنے بعید ہیں اگلا مضمون اس کے موافق نہیں الا بالتاویل البعید۔(ازمرقات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ لو تمنا کا ہے یعنی کاش یہ چلے جانے والے لوگ یہ جان لیتے کہ دوسرے شہروں سے مدینہ منورہ ان کے لیے بہتر ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ہے،مسجد نبوی شریف میں نماز میسر ہے،یہ سرزمین جائے نزول وحی ہے،یہاں دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں۔
۳؎ خیال رہے کہ عراق عہد صدیقی میں فتح ہوا اور شام خلافت فاروقی میں لہذا یہاں ذکر کی ترتیب واقع کی ترتیب کے موافق نہیں ہے۔
۴؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمن،شام،عراق غرضکہ تمام ملکوں سے مدینہ منورہ بہتر اور افضل ہے اگرچہ شام میں ہزار ہا انبیاء کرام کے مزارات ہیں وہاں بیت المقدس ہے اور مدینہ منورہ میں صرف حضور انور آرام فرما ہیں مگر مدینہ ہی افضل ہے کہ سارے تارے شام میں ہیں اور سورج مدینہ میں،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کے معنے یہ کرتے ہیں کہ تمام جگہ سے بہتر مدینہ ہے،اس میں مکہ معظّمہ بھی داخل ہے،اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ افضل ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ تمام اماموں کا ہاں مدینہ میں رہنا افضل ہے،مکہ میں رہنے سے بھی کسی حدیث میں مکہ معظّمہ کے رہنے پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا مدینہ پاک میں رہنے پر دیا گیا ہے،مکہ معظّمہ کا افضل ہونا اور ہے اور وہاں رہنے سہنے کا افضل ہونا کچھ اور۔ہم اس کے متعلق پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے طائف شریف کا قیام اختیار فرمایا۔شعر

میرا دل زار مدینہ میں ہے میں ہوں یہاں یار مدینہ میں
خلد کا مختار مدینہ میں ہے دید کا بازار مدینہ میں

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی ۱؎لوگ اسے یثرب کہیں گے حالانکہ وہ مدینہ ہے ۲؎لوگوں کو ایسے صاف کردے گی جیسے بھٹی لوہے کے میل کو ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎غالبًا یہ ارشاد گرامی ہجرت سے پہلے ہوا کہ مجھے ہجرت کرکے وہاں جانے کا حکم دیا ہے،ہوسکتا ہے کہ بعد ہجرت کا یہ فرمان ہو یعنی مجھے رب تعالٰی نے اس مدینہ کی بستی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔کھا جانے کے معنے یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تمام ملکوں کو فتح کریں گے اور ان کے مال اور خزانے مدینہ میں پہنچ جائیں گے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شام،فارس اور روم کے خزانے مدینہ پہنچے یا یہاں کے باشندے پہلے بھی دوسروں پر غالب آتے رہے ہیں۔چنانچہ پہلے مدینہ منورہ میں قوم عمالقہ رہی تو وہ بہت ملکوں پر غالب آگئی پھر یہاں یہود آباد ہوئے تو وہ عمالقہ پر غالب آئے پھر مہاجرین مؤمن یہاں رہے وہ تمام روئے زمین پر غالب آگئے۔
۲؎مدینہ منورہ کے نام سو سے بھی زیادہ ہیں،طیبہ،طابہ،بطحے،مدینہ،ابطح وغیرہ،ہجرت سے پہلے لوگ اسے یثرب کہتے تھے یا تو اس لیے کہ یہاں قوم عمالقہ کا جو پہلا آدمی آیا اس کا نام یثرب تھا یا یہ لفظ ثرب سے مشتق ہے بمعنی سرزنش،سزا مصیبت

وبلا،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ"اب اسے یثرب کہنا سخت منع ہے،قرآن کریم میں جو اسے یثرب کہا گیا"يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ"وہ قول منافقین ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ کو یثرب کہے وہ توبہ کرے،بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ جو ایک بار اسے یثرب کہے وہ بطور کفارہ دس بار اسے مدینہ کہے۔مدینہ کے معنے ہیں اجتماع کی جگہ،مدن سے مشتق ہے بمعنی اجتماع اسی سے ہے تمدن و مدنیت،شہر کو مدینہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہاں ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے،کسی شاعر نے مدینہ کے عجیب معنے یہ بیان کیے۔

مدنے شق کرلیا ہے دین کو آغوش میں   معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں

۳؎ یہ زمین مدینہ کی تاثیر ہے کہ اس نے وہاں سے مشرکین و کفار کو یا تو مؤمن بنادیا اور یا وہاں سے نکال دیا۔چنانچہ اوس و خزرج تو مؤمن ہوگئے بنی قریظہ ہلاک اور بنی نضیر وہاں سے جلا وطن کردیئے گئے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبیث وہاں مر کر دفن بھی ہوجائے تو فرشتے وہاں سے اس کی نعش کسی دوسری جگہ منتقل کردیتے ہیں اور اگر کوئی وہاں کا عاشق دوسری جگہ دفن ہوجائے تو اس کی نعش مدینہ منورہ پہنچادیتے ہیں،غرضیکہ زمین مدینہ بھی بھٹی ہے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی لوح محفوظ میں مدینہ منورہ کا نام طابہ،طیبہ ہے یارب تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اس کا نام طابہ رکھیں،اس کے معنی ہیں پاک و صاف اور خوشبو دار جگہ،اسے رب تعالٰی نے کفر و شرک سے پاک کیا،یہاں کے باشندوں کو بدخلقی وغیرہ سے صاف فرمایا جیسا کہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندے اخلاق وعادات اور نرمی طبیعت میں بہت اعلیٰ ہیں،نیز زمین مدینہ بلکہ درو دیوار میں ایک خاص مہک ہے وہاں کے خس و خاشاک اگرچہ گلی کوچوں میں جمع رہیں مگر بدبو نہیں دیتے،وہاں کی مٹی میں قدرتی خوشبو ہے مگر محسوس اسے ہو جس کے دماغ میں کفرونفاق کا نزلہ زکام نہ ہو۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ۱؎ پھر اسے مدینہ منورہ میں بخار آگیا ۲؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری بیعت فسخ فرمادیجئے ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا ۴؎ وہ پھر حاضر ہوا بولا میری بیعت فسخ کردیجئے ۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا وہ پھر آیا بولا میری بیعت فسخ فرمادیجئے حضور نے انکار کیا وہ بدوی آخر چلا گیا ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو لوہے کے میل کو دور کردیتی ہے اور اچھے کو خالص کرلیتی ہے	

	ے(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی ایک دیہاتی آدمی ایمان لایا،پھر اس نے ہجرت پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ میں اپنے وطن میں جو دارالکفر ہے قیام نہ رکھوں گا بلکہ مدینہ منورہ آپ کے قدموں میں آن بسوں گا۔

۲؎وہ بے وقوف سمجھا کہ مدینہ کی آب و ہوا مجھے موافق نہیں اور یہ بیعت مجھے راس نہ آئی جس سے میں بیمار ہوگیااس لیے اس نے اگلا کلام عرض کیا۔

۳؎اور مجھے اجازت دیجئے کہ اسلام سے پھر جاؤں یا اپنی ہجرت توڑ کر اپنے وطن چلا جاؤں۔

۴؎کیونکہ پہلی صورت میں تو فسخ بیعت سے اسے ارتداد کی اجازت دینا لازم ہوگا اور دوسری صورت میں مہاجر کو ہجرت ختم کردینے کی اجازت ہوگی،پہلی جز کفر ہے دوسری جز حرام،فتح مکہ کے بعد بھی حضور انور نے کسی مہاجر کو مکہ معظّمہ بسنے کی اجازت تو کیا وہاں تین دن سے زیادہ بلا ضرورت رہنے کی اجازت نہ دی۔

۵؎وہ سمجھا یہ تھا کہ جیسے بیع،نکاح بعض صورتوں میں فسخ ہوجاتے ہیں ایسے ہی بیعت اسلام یا بیعت ہجرت بھی فسخ ہوسکتی ہے اس لیے بار بار یہ کہتا رہا۔ظاہر یہ ہے کہ وہ مرتد ہونا نہ چاہتا تھا بلکہ ہجرت چھوڑنا چاہتا تھا ورنہ واجب القتل ہوتا کہ کفر و ارتداد کا ارادہ کرلینا بھی کفر ہے۔

۶؎یعنی بغیر اجازت ہی مدینہ منورہ سے نکل گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال اس کا ارادہ ترک اسلام نہ تھا ترک ہجرت تھا اس کی وہ اجازت مانگتا تھا۔

۷؎اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین مدینہ میں کھوٹوں کو نکالنے،کھروں کو چھانٹ لینے کی تاثیر اول ہی سے ہے اور آخر تک رہے گی صرف قریب قیامت نہ ہوگی،جو منافقین یا یہود وہاں ہی مرکر وہاں ہی دفن ہوگئے ان کی نعشیں وہاں سے نکال دی گئیں۔غرضکہ زمین مدینہ کسی خبیث کو اس کی زندگی میں ہی نکال دیتی ہے کسی کو بعد موت لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،ہاں قریب قیامت اس چھانٹ کا خصوصی اثر نمودار ہوگا جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گالہذا یہ حدیث اگلی آنے والی حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ مدینہ منورہ برے لوگوں کو یوں نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے۱؎(مسلم)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ظہور دجّال کے زمانہ کا واقعہ ہے،دجّال تو مدینہ منورہ میں نہ داخل ہوسکے گا مگر مدینہ پاک میں زلزلہ سا ہوگا جس سے منافقین یہاں سے بھاگ جائیں گے اور دجّال کے جال میں پھنس جائیں گے۔مخلصین نہ نکلیں گے یہ ہوگی مدینہ پاک کی چھانٹ۔ہوسکتا ہے کہ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی مراد ہوکیونکہ حضور کی تشریف آوری بھی علامت قیامت ہےیعنی چونکہ اب قیامت قریب آگئی اس لیے مدینہ منورہ کی یہ تاثیر ظاہر ہونے لگی۔(مرقات)مگر پہلے معنے زیادہ واضح ہیں۔ شرار سے مراد منافقین اور مدینہ کے غیر مناسب لوگ ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ مدینہ منورہ کے راستوں پر فرشتے ہیں یہاں نہ طاعون آسکتی ہے اور نہ دجّال[۱] (مسلم،بخاری)	

[۱] انقاب نقب کی جمع،پہاڑ کے درّہ یا دو پہاڑوں کے درمیان کے راستہ کو نقب کہتے ہیں،یہاں مطلقًا راستہ مراد ہے۔ مدینہ منورہ پر فرشتوں کا یہ پہرہ دائمی ہے کہ اس کے تمام راستوں پر ایسے فرشتے پہرہ دے رہے ہیں جن کی وجہ سے وہ جنات مدینہ پاک میں نہیں آسکتے جن کے اثر سے طاعون پھیلتی ہے،آج تک وہاں طاعون نہ پھیلی اور نہ ان شاءاللہ پھیلے گی،دجّال بھی وہاں نہ پہنچ سکے گا،پیداوار والے ممالک میں قحط پڑتے رہتے ہیں،لوگ بھوک سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر آج تک حرمین شریفین میں قحط نہیں سنا گیا،نہ لوگ وہاں بھوک سے ہلاک ہوئے اگرچہ وہاں پیداوار کوئی نہیں یہ کھلا معجزہ ہے۔خیال رہے کہ شہر مدینہ کی حفاظت پر اور قسم کے فرشتے مامور ہیں اور روضہ اطہر پر سلام عرض کرنے کے لیے ستر ہزار دوسرے فرشتے مامور ہیں جن کی دن رات تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی شہر نہیں جسے دجّال روند نہ ڈالے سوائے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے[۱] اس کے راستوں میں سے ایسا کوئی راستہ نہیں جس میں صف بستہ فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں[۲] چنانچہ وہ زمین شور میں اترے گا پھر مدینہ اپنے باشندوں پر تین بار کانپے گا[۳] تو دجّال کی طرف ہر کافر و منافق نکل جائے گا[۴] (مسلم،بخاری)	

[۱] یعنی دجّال تمام دنیا کے سارے شہروں گاؤں میں پہنچ کر فساد پھیلادے گا مگر حرمین طیبین میں داخل نہ ہوسکے گا اور یہاں پہنچ کر فساد نہ پھیلا سکے گا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جسم پاک مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مدینہ منورہ دجّال سے محفوظ ہے تو جس دل پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہوجائے وہ بھی یقینًا شیطان سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

[۲] دجّال مدینہ منورہ میں داخل ہونا چاہے گا مگر ان فرشتوں کو دیکھ کر آگے نہ بڑھ سکے گا جیسے شیطان فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے ایسے ہی وہ بھی دیکھ لے گا۔

[۳] سبخہ شورستان یعنی کھاری زمین کو کہتے ہیں اور مدینہ منورہ سے قریب ایک جگہ کا نام بھی ہے ۔**باھلھا** میں ب یا سببیہ ہے یا صلہ کی،پہلی صورت میں اہل سے مراد وہاں کے منافق و کافر باشندے ہیں،دوسری صورت میں سارے اہل مدینہ مراد ہیں یعنی زمین مدینہ وہاں کے بے دینی باشندوں کی وجہ سے یا تمام باشندوں پر تین بار کانپے گی یعنی زلزلہ آئے گا تاکہ بے دین نکل کر دجّال کے پاس پہنچ جائیں اور مخلصین یہیں رہ جائیں،مخلصین کسی مصیبت میں بھی مدینہ پاک نہیں چھوڑتے،یہ زلزلے کھروں کھوٹوں میں چھانٹ کے لیے ہوں گے ان سے وہاں کے مکانات نہ گریں گے صرف انسانوں کو جھٹکے محسوس ہوں گے اسی لیے **باھلھا** فرمایا۔

[۴] معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ میں کفار ہوں گے چھپے یا کھلے یا وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کریں گے مگر ہوں گے کافر،مشرک نہ ہوں گے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ جزیرہ عرب میں شیطان کی عبادت نہیں ہوسکتی۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص مدینہ والوں سے فریب نہ کرے گا مگر وہ ایسے گھل جائے گا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ بالکل صحیح اور مجرب ہے کہ جس نے اہلِ مدینہ کو ستایا چین نہ پایا،یزید پلید واقعہ حرہ کے بعد دق اور سل میں مبتلا ہو کر مرگیا،حجاج ابن یوسف برے حال سے ہلاک ہوا۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے اور مدینہ پاک کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز فرمادیتے اگر گھوڑے پر ہوتے تو اسے ایڑی لگاتے اس کی محبت کی وجہ سے ۱؎(بخاری)

۱؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پاک اتنا پیارا تھا کہ ہر سفر سے واپسی میں یوں تو معمولی رفتار پر جانور چلاتے تھے مگر مدینہ پاک کو دیکھتے ہی وہاں جلد پہنچ جانے کے لیے سواری تیز فرمادیتے تھے،اسی محبت کا اثر ہے کہ مسلمان مدینہ پر دل و جان سے فدا ہیں کیونکہ یہ محبوب کا محبوب ہے اس مقدس شہر کی سینکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور نظم و نثر میں ہزار ہا اس کی منقبتیں۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد چمکا ۱؎تو فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں ۲؎یقینًا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظّمہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کے گوشوں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں ۳؎(بخاری،مسلم)

۱؎یا تو سرکار عالی سفر سے لوٹ رہے تھے کہ احد نمودار ہوا یا مدینہ منورہ ہی میں ایک بار احد پر نظر پڑی اور یہ فرمایا۔احد شریف مدینہ پاک سے بجانب مشرق تقریبًا تین میل دور ایک پہاڑ ہے مدینہ منورہ خصوصًا جنت البقیع سے صاف نظر آتا ہے،وہاں شہداء احد خصوصًا سید الشہداء امیر حمزہ کے مزارات ہیں،زائرین جوق در جوق اس پہاڑ کی زیارت کرتے ہیں،میں نے حجاج کو اس پہاڑ سے لپٹ کر روتے اور وہاں کے پتھروں کو چومتے دیکھا ہے۔ہر مؤمن کے دل میں قدرتی طور پر اس کی محبت ہے۔

۲؎بعض ظاہر بین شارحین نے کہا ہے کہ اس سے احد کے باشندوں کی محبت مراد ہے مگر حق یہ ہے کہ خود پہاڑ ہی حضور سے محبت کرتا ہے،لکڑیوں پتھروں میں احساس بھی ہے اور محبت و عداوت کا مادہ بھی،حضور کے فراق میں اونٹ بھی روئے اور لکڑیوں نے بھی گریہ و زاری و فریاد کی ہے۔(لمعات،مرقات،محی السنہ)لہذا حق یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ سے،اس علاقہ سے،وہاں کے پتھروں سے محبت فرماتے ہیں اور یہ تمام چیزیں بعینہٖ حضور سے محبت کرتی ہیں،احادیث سے ثابت ہے کہ حضور انور احد پر چڑھے تو احد کو وجد آگیا اور وہ جھومنے لگا۔

۳؎ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے حدود مکہ معظّمہ کو اپنی دعا سے حرم بنایایا اس کی حرمت کو ظاہر فرمایاورنہ وہ حرم تو خدا تعالٰی کے حکم سے ہے اور پہلے سے ہی ہے اور میں حدود مدینہ کو اپنے اختیار خداداد سے حرم بناتا ہوں اس سے پہلے مدینہ حرم نہ تھا نہ اس کی حرمت قرآن پاک میں مذکور ہے۔مدینہ کو حرم بنانے کے معنے وہ ہی ہیں جو پہلے عرض کیے گئے کہ اس مقدس مقام کی تعظیم و توقیر واجب ہے،اسے اجاڑنے ویران کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے،یہاں شکار وغیرہ مکروہ ہے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۱؎(بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے چند ایمان افروز مسائل ثابت ہوئے:(۱) ایک یہ کہ تمام حسین صرف انسانوں کے محبوب ہوئے، حضور انور انسان،جنّ،لکڑی،پتھر،جانوروں کے بھی محبوب ہیں یعنی خدائی کے محبوب ہیں کیونکہ خدا کے محبوب ہیں(۲)دوسرے یہ کہ دوسرے محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا مگر عاشق ایک دو ہوں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آج ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں اور عاشق کروڑوں ہیں۔شعر

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

تیسرے یہ کہ حضور انور کو پتھر کے دل کا حال معلوم ہے کہ کس پتھر کے دل میں ہم سے کتنی محبت ہے تو ہمارے دلوں کا ایمان،عرفان،محبت و عداوت وغیرہ بھی یقینًا معلوم ہے یہ ہے علم غیب رسول۔چوتھے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عشق و محبت جتانےظاہر کرنے کی ضرورت نہیں انہیں ہمارے حالات خود ہی معلوم ہیں،احد نے منہ سے نہ کہا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں یا آپ کا چاہنے والا ہوں۔پانچویں یہ کہ جس انسان کے دل میں حضور کی محبت نہ ہو وہ پتھر سے بھی سخت ہے،اللہ تعالٰی حضور کی محبت نصیب کرے۔چھٹے یہ کہ حضور کی محبت ان کی محبوبیت کا ذریعہ ہے جو چاہتا ہے کہ حضور اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ حضور انور سے محبت کرے،دیکھو یہاں فرمایا کہ ہم بھی احد سے محبت کرتے ہیں۔ساتویں یہ کہ جو حضور انور کا محبوب بن گیاتو تمام عالم کا پیارا ہوگیا دیکھو آج احد پہاڑ ہر مؤمن کی آنکھ کا تارا ہے ایسے ہی آج وہ حضرات بھی حضور انور کے چاہنے والے بن گئے خلقت کے محبوب ہوگئے،ان کے آستانے مرجع خلائق ہوگئے،دیکھو حضرت خواجہ اجمیری،حضور غوث پاک،حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم کے آستانوں کی رونقیں یہ اسی محبوبیت کی جلوہ گری ہے،اعلٰی حضرت فرماتے ہیں۔شعر

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سلیمان ابن ابی عبداللہ سے فرماتے ہیں میں نے سعد ابن ابی وقاص کو دیکھا کہ آپ نے اس شخص	

	کو پکڑ لیا جو حرم مدینہ میں شکار کررہا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا ہے ۱؎ تو آپ نے اس کے کپڑے اتار لیے پھر اس کے مالک آپ کے پاس آئے اور اس بارے میں آپ سے کلام کیا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرم قرار دیا اور فرمایا کہ جو یہاں کسی کو شکار کرتے ہوئے پکڑے تو اس کے کپڑے چھین لے لہذا وہ مال میں تم کو واپس نہ دوں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا لیکن اگر تم چاہو تو تمہیں اس کی قیمت دے دوں ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی مدینہ منورہ کے حدود جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مدینہ قرار دیا جس کی حرمت و احترام واجب ہے اس کے حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علی نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا اور حضرت حسین کربلا چلے گئے تاکہ ہماری وجہ سے حرم مدینہ میں خون خرابہ نہ ہو، حضرت عثمان نے مصر والوں کا نہ خود مقابلہ کیا نہ اپنے کسی غلام کی مقابلہ کی اجازت دی بلکہ صبر سے جام شہادت پی لیا یہ اس حرمت کا لحاظ تھا۔

۲؎ اس کی نہایت نفیس تحقیق ابھی کچھ پہلے اس جیسی حدیث کی شرح میں گزرگئی کہ یہ حدیث ہی بتارہی ہے کہ حرم مدینہ کے شکار کا حکم مکہ معظّمہ کے شکار کی طرح نہیں کہ مکہ کے شکار کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوتی ہے نہ کہ شکاری کے کپڑے چھین لینا اور چھین کر خود آپ مالک بن جانا، حضرت سعد نے یہ حدیث اپنے ظاہری معنے پر محمول کی، یہ ان کا اجتہاد ہے ورنہ کسی صحابی کسی امام کا مذہب یہ نہیں کہ جو کسی کو حدود مدینہ میں شکار کرتے دیکھے وہ اس کے کپڑے چھین کر خود اپنے استعمال میں لائے، ہم اس چھیننے کے معنے پہلے عرض کرچکے ہیں۔ خیال رہے کہ اسلام میں کسی جرم پر مالی جرمانہ کرنا حرام ہے کہ مجرم سے کچھ پیسے لے کر اپنے خرچ میں لاؤ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں اس کی قیمت واپس دے سکتا ہوں یہ اور بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ حرم مدینہ کے شکار کے احکام مکہ معظّمہ کے شکار کے سے نہیں کہ وہاں کا شکاری فقراء کو صدقہ دے کر صدقہ کی قیمت ان سے نہیں لے سکتا۔

	روایت ہے حضرت صالح سے جو سعد کے غلام ہیں ۱؎ کہ حضرت سعد نے مدینہ کے غلاموں میں سے کچھ غلاموں کو مدینہ منورہ کے درخت کاٹتے دیکھا تو آپ نے ان سب کا سامان چھین لیا ۲؎ اور ان کے مولاؤں سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ۳؎ کہ آپ مدینہ منورہ کے کسی درخت کے کاٹنے سے منع فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ان میں سے کچھ بھی کاٹے تو پکڑنے والے کے لیے ہے اس کا سامان ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہاں مؤلف یا کاتب سے غلطی ہوئی ہے اصل عبارت یوں ہے **عن صالح عن مولی سعد عن** رہ گیا یعنی صالح نے حضرت سعد کے غلام سے روایت کی صالح خود حضرت سعد کے غلام نہیں بلکہ تُوامہ کے غلام ہیں،صالح خود تو ثقہ ہیں مگر سعد کے اس غلام کا پتہ نہیں جو ان کا شیخ ہے کہ وہ کیسا ہے لہذا یہ حدیث مجہول ہے۔(مرقات)اسماء الرجال کی کتب سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت سعد کا کوئی غلام صالح نامی تھا،لہذا یہ حدیث اصل سے ہی مجروح ہے۔

۲؎ یعنی درخت کاٹنے والے کے صرف کپڑے نہ چھینے بلکہ کلہاڑی،رسی اور اگر بکریاں وغیرہ ساتھ تھیں تو وہ بھی۔لطف یہ ہے کہ غلام کا مال دراصل مالک کا ہوتا ہے تو لازم یہ آیا کہ جرم تو کیا غلام نے اور جرمانہ ہوا اس کے مالک پر،اس کا سارا مال ضبط ہوا۔

۳؎ اس غلام کے مولاؤں نے آپ سے اپنے مال کا مطالبہ کیا ہوگا کہ یہ واپس فرمادیں تب یہ فرمایا۔

۴؎ یعنی جیسے جہاد میں جو غازی کسی کافر کو قتل کرے تو مقتول کا سامان اس غازی کا ہوگا ایسے ہی حرم مدینہ کا جو شخص درخت کاٹے تو اس کا سامان پکڑنے والے کا ہوگا،اس کا مطلب پہلے عرض کیا جاچکا ہے اگر حدیث ظاہری معنے پر بھی ہو تب بھی یہ سامان خود اس شکاری غلاموں کا نہ تھا بلکہ ان کے آقاؤں کا تھا وہ مجرم نہ تھے۔

روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقام وجّ کا شکار اور وہاں کے درخت حرام ہیں ۱؎ جنہیں اللہ نے حرام کیا(ابوداؤد)اور محی السنہ نے فرمایا کہ وج کے متعلق لوگ کہتے ہیں وہ طائف کے اطراف سے ہے اور خطابی نے بجائے **انها** کے **انه** فرمایا ۲؎	

۱؎ وَجّ واؤ کے فتح جیم کے شد سے،وادی حنین سے آگے طائف سے قریب ایک وادی کا نام ہے جہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔**عضاہ** خار دار درختوں کو کہتے ہیں،اس مقام کی حرمت کسی خاص وقت میں ہوگی جو بعد میں منسوخ ہوگئی،یہ جگہ حرم مدینہ سے بہت دور ہے نہ مکہ معظّمہ کے حرم میں داخل ہے نہ مدینہ منورہ کے حرم میں،طائف مکہ معظّمہ سے ستر ۷۰ میل فاصلہ پر ہے اور وادی وجّ وہاں سے قریب ہے تو اسے مدینہ پاک سے تو کوئی قرب ہے ہی نہیں۔

۲؎ یعنی خطابی کی روایت میں بجائے مؤنث ضمیر کے مذکر ضمیر ہے مگر اسمیں فرق نہیں پڑتا ایک جگہ کو موضع کے معنے میں مذکر کہہ سکتے ہیں اور بقعہ کے معنے سے مؤنث مقامات کے ناموں میں وسعت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ میں مرسکے وہ وہاں ہی مرے کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا ۱؎ (احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے حسن بھی ہے،صحیح بھی ہے اور غریب بھی ۲؎	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ بشارت اور ہدایت سارے مسلمانوں کو ہے نہ کہ صرف مہاجرین کو یعنی جس مسلمان کی نیت مدینہ پاک میں مرنے کی ہو وہ کوشش بھی وہاں ہی مرنے کی کرے کہ خدا نصیب کرے تو وہاں ہی قیام کرے،خصوصًا بڑھاپے میں اور بلا ضرورت مدینہ پاک سے باہر نہ جائے کہ موت و دفن وہاں کا ہی نصیب ہو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ مولیٰ مجھے اپنے محبوب کے شہر میں شہادت کی موت دے،آپ کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ سبحان اللہ! فجر کی نماز مسجد نبوی محراب النبی،مصلےٰ نبی اور وہاں شہادت۔ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ تیس چالیس سال سے مدینہ منورہ میں ہیں،حدود مدینہ بلکہ شہر مدینہ سے بھی باہر نہیں جاتے اسی خطرہ سے کہ موت باہر نہ آجائے، حضرت امام مالک کا بھی یہ ہی دستور رہا،یہاں شفاعت سے مراد خصوصی شفاعت ہے،گنہگاروں کے سارے گناہ بخشوانے کی شفاعت اور نیک کاروں کے بہت درجے بلند کرنے کی شفاعت،ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری ہی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔خیال رہے کہ مدینہ پاک میں رہنا بھی افضل وہاں مرنا بھی اعلیٰ اور وہاں دفن ہونا بھی بہتر،بعض صحابہ بعد موت مدینہ میں لاکر دفن کیے گئے۔اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مدینہ پاک میں مرے دفن ہونے کی کوشش کرے وہ ان شاءاللہ ایمان پر مرے گا کیونکہ اس کے لیے شفاعت خاص کا وعدہ ہے اور شفاعت صرف مؤمن کی ہوسکتی ہے۔(از مرقات)

۲؎ یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں میں صحیح ہے بعض میں حسن،بعض میں غریب۔علماء فرماتے ہیں کہ بمقابلہ حجوں کے بقیع میں دفن ہونا افضل ہے کہ یہ قبرستان روضہ اطہر سے قریب ہے اس میں بہت صحابہ کے مزارات ہیں،جتنا ان سے قرب ہو اتنا ہی اچھا۔(مرقات)شعر

مٹی عزیز بلبل بے بال و پر کی ہے

یہ فقیر گنہگار شرم سار احمد یار بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ صدقہ اپنے محبوب اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھے رب تعالٰی مدینہ پاک کا قیام،وہاں کی مسجد نبوی شریف کا اعتکاف،وہاں کی موت،وہاں کا دفن نصیب کرے اگر وہاں دفن میسر ہوجائے تو میری مٹی عزیز ہو جائے۔آمین یارب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم شعر۔

در کو تکتے تکتے ہوجاؤں ہلاک ۔۔۔ وہاں کی خاک پاک سے مل جائے خاک

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام کی بستیوں میں سے آخری بستی جو ویران ہوگی وہ مدینہ پاک ہے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔	

۱؎ اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئیں:ایک یہ کہ قریب قیامت بڑی بڑی بستیاں ویران ہوجائیں گی مگر مدینہ منورہ آباد رہے گا،یہ بالکل قیامت سے متصل ویران ہوگا۔دوسرے یہ کہ عالم کی آبادی مدینہ پاک کی آبادی سے وابستہ ہے جب یہ اجڑ گیا دنیا اجڑ جائے گی قیامت آجائے گی۔(اشعہ،مرقاۃ)خیال رہے کہ یہاں قریۃ بمعنی بستی ہے جو شہر و گاؤں سب کو شامل ہے بمعنی گاؤں نہیں،عربی میں گاؤں کو قریہ،قصبہ کو بلد،اس سے بڑی بستی کو مدینہ،اس سے بڑی کو مصر کہتے ہیں،بعض نے بلد اور مدینہ کو یکساں کہا ہے مگر کبھی قریہ بمعنی مطلقًا بستی میں آجاتا ہے چھوٹی ہو یا بڑی۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ	

علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے وحی فرمائی ان تینوں بستیوں میں سے جہاں ۱؎ بھی آپ قیام فرمائیں وہ ہی آپ کا مقام ہجرت ہے مدینہ منورہ یا بحرین یا قنسرین۲؎(ترمذی)	

۱؎ لفظ اَیَّ ھٰؤُلَاءِ فعل پوشیدہ سے منسوب ہے جس کی تفسیر آگے نزلت کررہا ہے۔اوحٰی سے مراد وحی خفی ہے جو قرآن شریف میں موجود نہیں۔

۲؎ حق یہ ہے کہ پہلے رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ ان تین شہروں میں سے جہاں چاہیں ہجرت فرمادیں،پھر مدینہ پاک کو معین فرمادیالہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ مجھے خواب میں مدینہ دکھایا گیا اور فرمایا گیا کہ آپ کا دارالہجرت یہ ہے۔مدینہ پاک حجاز کا شہر ہے،بحرین ایک شہر کا نام بھی ہے اور علاقہ کا بھی جو عمان کے قریب ہے،قنسرین شام کا ایک مشہور شہر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوبکر ہ سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں مدینہ میں مسیح دجّال کا رعب نہ آسکے اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازہ پر دو فرشتے ۲؎(بخاری)	

۱؎ آپ کا نام نفیع ابن حارث ابن کلاہ،ثقفی ہے،طائف کے رہنے والے تھے،جب حضور انور نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ نے اپنے کو طائف کے قلعہ سے ایک بیرونی کنویں کی چرخی پر ڈال دیااور اس طرح وہاں سے نکل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوگئے ،اسلام لے آئے،آپ کا نام ابوبکرہ یعنی چرخی والے،بکرہ چرخی کو کہتے ہیں بعد میں بصرہ میں مقیم رہے، ۹۴ھ؁ میں وہاں ہی وفات پائی اور وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ و اکمال)

۲؎ یعنی ان فرشتوں کی وجہ سے جو حفاظت مدینہ پر مامور ہوں گے نہ تو مدینہ پاک میں دجّال ہی آسکے گا اور نہ اس کا اثرو ہیبت یہاں پہنچ سکے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجّال کی ہیبت ہر جگہ پہنچ جاوے گی کہ بعض لوگ اس کی ہیبت سے اسے مان لیں گے مدینہ طیبہ اس سے بھی محفوظ رہے گا۔مقبول بندوں کے اثر سے دل میں قوت ہوتی ہےبلکہ ان کی برکت سے شہروں میں امن و امان رہتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے فرشتے مامور ہوئےاور فرشتوں کی برکت سے مدینہ کی زمین دجّال تو کیا اس کے اثر سے بھی محفوظ رہی۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا الٰہی جو برکتیں تو نے مکہ مکرمہ میں دی ہیں اس سے دوگنی برکتیں مدینہ منورہ میں دے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎بعض علماء نے برکت سے ظاہری و باطنی برکت مراد لی ہے یعنی مدینہ کی عبادات اور یہاں کے رزقوں میں برکت مکہ معظّمہ سے دوگنی دے کہ یہاں کی عبادات کا ثواب مکہ معظّمہ کی عبادات سے دوگنا ہو اور یہاں کے غلہ و میوے میں برکتیں مکہ معظمہ سے دوگنی ہوں،اس بنا پر انہوں نے مدینہ منورہ کو مکہ معظّمہ سے افضل مانااور یہاں کی عبادات کا ثواب مکہ معظّمہ کی عبادات سے زیادہ قرار دیا،بعض نے فرمایا کہ یہاں رزق کی برکتیں مراد ہیں یعنی حسی برکتیں،وہ فرماتے ہیں کہ ثواب کی برکتیں مکہ معظّمہ میں دوگنی ہیں اور روزی کی برکتیں مدینہ پاک میں دوگنا لہذا حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ مکہ معظّمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور مدینہ منورہ میں۵۰ ہزار مدینہ پاک کی رزق کی برکتیں تو آج بھی آنکھوں دیکھی جارہی ہیں کہ وہاں پھل فروٹ میسر ہوتے ہیں اور وہاں کی آب و ہوا ایسی پیاری ہے کہ مکہ مکرمہ کی نہیں۔فیصلہ عشق یہ ہے کہ مکہ معظّمہ کی عبادت کا ثواب زیادہ اور مدینہ پاک کی عبادات کا قرب زیادہ،درجہ اعلیٰ لہذابرکت قرب و درجہ مدینہ پاک میں دوگنا ہے برکت ثواب مکہ معظّمہ میں دوگنا،دونوں حدیثیں درست و صحیح ہیں۔

روایت ہے اولاد خطاب کے ایک مرد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قصدًا میری زیارت کرے وہ قیامت کے دن میری امان میں ہوگا ۱؎ اور جو مدینہ منورہ میں رہے اور یہاں کی تکالیف پر صبر کرے میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا ۲؎اور جو دونوں حرم سے کسی حرم میں مر جائے وہ قیامت کے دن امن والوں سے ہوگا۳؎	

۱؎اس جملہ کے علماء نے اور معنے کیے ہیں عشاق نے کچھ اور۔علماء فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ صرف روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے جائے،نام نمود یا کوئی تجارتی کاروبار دنیاوی کام مقصود نہ ہو وہ قیامت میں حضور کا پڑوسی اور حضور کی امان میں ہوگا۔مسجد نبوی کی زیارت بقیع اور مسجد قبا کی حاضری اسی کے تابع ہو،اصل مقصود حاضری بارگاہ عالی ہو جیسے نفل نماز میں اصل مقصود رضاءالٰہی ہے مگر کبھی قضاء حاجات اداء شکر،تحیۃ الوضو وغیرہ بھی اس سے ادا ہوجاتے ہیں مگر تبعًا لیکن عشاق کہتے ہیں کہ مدینہ پاک کی حاضری میں مسجد نبوی شریف جنت البقیع وغیرہ کی حاضری کی بھی نیت نہ کرے بلکہ بعض عشاق تو حج کے سفر میں مدینہ پاک حاضر نہ ہوئے بلکہ مدینہ کے لیے علیحدہ مستقل علیحدہ سفر کیا اور اس حدیث کو بالکل ظاہری معنے پر محمول فرمایا۔مدینہ پاک کی حاضری صرف زیارت کے لیے ہو۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ وہاں کی حاضری صرف مسجد نبوی کی نماز کی نیت سے ہو،زیارت کی نیت نہ ہو**معاذ اللہ!** مسجدیں تو دنیا میں ہزار ہا ہیں اس مسجد کی عظمت زیادہ کیوں ہے ؟صرف حضور کے دم قدم سے۔اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور کی امان ہی کام آئے گی۔اس سے وہ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی امان نہیں۔(از مرقات ولمعات و اشعہ)

۲؎یعنی تاقیامت اور خصوصًا میرے حیات شریف کے زمانہ میں جو مدینہ پاک کی ظاہر تکالیف پر صبر کرجائے اسے کل قیامت میں میری خاص شفاعت میسر ہوگی جو دوسروں کو نصیب نہ ہوگی۔

۳؎یعنی مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ میں مرنے والا قیامت کی بڑی گھبراہٹ جسے فزع اکبر کہتے ہیں،اس سے محفوظ رہے گا مگر یہ فوائد مسلمانوں کے لیے ہیں لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ابوجہل وغیرہ کفار بھی وہاں ہی مرے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا کہ جو میری وفات کے بعد حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے ۱؎وہ اسی طرح ہوگا جو میری زندگی میں میری زیارت کرے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ف سے معلوم ہوتا ہے کہ حج پہلے کرے مدینہ پاک بعد میں حاضر ہو۔علماء کرام نے فرمایا کہ حج فرض میں پہلے حج کرنا افضل ہے اور حج نفل میں پہلے زیارت مدینہ طیبہ بہتر ہے تاکہ مدینہ پاک سے حج کے لیے رخصت ہو نہ کہ گھر جانے کے لیے یہ تفصیل بہت اعلیٰ ہے،بعض عشاق حج نفل میں زیارت کی نیت سے گھر سے چلتے ہیں راستہ میں مکہ مکرمہ پڑتا ہے تو حج بھی کرلیتے ہیں۔شعر

پوچھا کسی نے ہم کو نہضت کدھر کی ہے　　　کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا

روشن انہیں کے نور سے پتلی حجر کی ہے　　　کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل

۲؎یہ اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں بحیات حقیقی دنیاوی زندہ و حیات ہیں کہ آپ سے ہر طرح کی مدد و نصرت حاصل کی جاتی ہے۔(مرقات و لمعات و اشعہ)شہداء کی حیات معنوی ہے حضور انور کی حیات حقیقی دنیاوی ہے کہ رزق بھی ملتا ہے۔(اشعہ)ہم **حیات النبی** کی بحث **باب الجمعہ** میں کرچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت یحیٰی ابن سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مدینہ منورہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی ۱؎تو ایک شخص قبر میں جھانک کر بولا کہ یہ مؤمن کا بڑا برا ٹھکانہ ہے ۲؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ غلط کہا ۳؎وہ صاحب بولے میری یہ نیت نہ تھی اللہ کی راہ میں شہادت میری مراد تھی ۴؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(یہاں کا دفن)شہادت فی سبیل اللہ کے برابر بھی نہیں ۵؎زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں مجھے اپنی قبر کا ہونا اس جگہ سے زیادہ پیارا ہو تین بار فرمایا ۶؎(مالک)مرسلًا ۷؎	

۱؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے جنازے میں تشریف لے گئے،قبر میں دیر تھی،سرکار عالی اور بندگان خاص اس قبر کے اردگرد تشریف فرما تھے،زہے نصیب اس مرنے والے کے۔شعر

نسخہ کونین رادیباچہ اوست　　　جملہ عالم بندگان خواجہ اوست

۲؎یعنی مؤمن پر جس قدر تکالیف آتی ہے ان سب میں قبر کی وحشت و دہشت زیادہ سخت ہے جس سے دل کانپتا ہے۔

۳؎ کیونکہ مؤمن کی قبر خصوصًا جب کہ زمین مدینہ میں ہو جنت کی کیاری ہے،مؤمن کو وہاں دہشت وحشت کیسی ؟ بلکہ وہ تو یار سے ملنے کی جگہ ہے۔

۴؎ یعنی میرا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ شخص میدان جنگ میں شہید ہوتا اور اسے دفن بھی میسر نہ ہوتا تو اس کو بستر پر مرنے اور دفن ہونے سے بہتر ہوتا،بستر کی موت و دفن شہادت کی موت اور بے گوری و بے کفنی سے بری ہے مطلقًا قبر کو برا نہ کہا ہے بلکہ شہادت کے مقابلہ میں۔

۵؎ یعنی مدینہ پاک میں مرنا یہاں دفن ہونا دوسری جگہ شہید ہونے اور نعش پامال ہونے سے بھی افضل ہے،جب مدینہ کی موت دوسری جگہ کی شہادت سے افضل ہے تو ان شاءاللہ مدینہ پاک کی زندگی دوسری جگہ کی بعض عبادات سے یقینًا بہتر ہے کہ وہاں رہنا بھی عبادت ہے مگر ایمان کے ساتھ،اس صورت میں یہ کلام عالی اس کے کلام کی تردید ہے،یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے کلام کی تائید ہو یعنی ہاں شہادت فی سبیل اللہ مدینہ کی موت و دفن سے افضل ہےاگر کسی کو شہادت میسر نہ ہو تو مدینہ میں مرنے کی کوشش کرے۔(اشعہ)مگر یہ معنے کچھ بعید سے ہیں پہلے معنے قوی تر۔

۶؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری جملہ تین بار فرمایا کہ مجھے زمین مدینہ میں دفن ہونا اس قدر پیارا ہے کہ اور جگہ کی شہادت بھی اتنی پیاری نہیں،میں یہاں کا دفن بہت ہی پسند کرتا ہوں۔بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر چند مسائل فرمائے:ایک یہ کہ مدینہ منورہ مکہ معظّمہ سے افضل ہے۔دوسرے یہ کہ مدینہ منورہ کی موت مکہ معظّمہ کی موت سے بہتر ہے(اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے)۔تیسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں جینامکہ معظّمہ میں جینے سے بہتر ہے۔چوتھے یہ کہ مدینہ پاک کی موت دوسری جگہ شہادت فی سبیل اللہ سے اعلیٰ ہے۔پانچویں یہ کہ مدینہ منورہ میں حضر کی موت دوسری جگہ سفر و غربت کی موت سے اعلیٰ ہے،بعض روایات سے شہادت اور غربت کی موت کی افضیلت ثابت ہے وہ افضیلت جزوی ہوگی اور یہ افضیلت کلیہ ہے لہذا ان میں تعارض نہیں اور اگر مدینہ منورہ میں شہادت و غربت کی موت نصیب ہوجائے تو پوچھنا ہی کیا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی،اللھم ارزقنا الموت فی بلد حبیبك صلی اللہ علیہ وسلم۔(مرقات)

۷؎ کیونکہ یحیی ابن سعید تابعین میں سے ہیں جنہوں نے انس ابن مالک سائب ابن یزید اور بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات و روایات کیں اور ان سے ہشام ابن عروہ،مالک ابن انس،شعبہ ثوری،ابن عیینہ، ابن مبارک وغیرہ بزرگوں نے روایات کیں۔تابعی اگر صحابی کا ذکر نہ فرمائیں تو حدیث مرسل ہوتی ہے لہذا یہ حدیث مرسل ہے اور ثقہ تابعی کا ارسال قبول ہے جیسے امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے۔خیال رہے کہ یہ یحیی ابن سعید انصاری ہیں اور یحیی ابن سعید قطان دوسرے بزرگ ہیں جو آئمہ محدثین سے ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت عمر ابن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب کہ آپ عقیق کے میدان میں تھے ۱؎ کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے کوئی آنے والا آیا اس نے کہا کہ آپ اس مبارک جنگل میں نماز پڑھیں اور فرمائیں عمرہ حج میں ہے ۲؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایئے عمرہ اور	

	حج۔(بخاری)

۱؎وادی عقیق مدینہ منورہ کے قریب ذوالحلیفہ سے متصل ایک میدان ہے بہت متبرک یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہےاور وادی عقیق ذات عرق کے پاس ایک جنگل کا بھی نام ہے وہ یہاں مراد نہیں۔

۲؎اگر یہ واقعہ سفر حج کا ہے تو نماز سے مراد کوئی اور نفل نماز ہے نہ کہ احرام کی نماز کیونکہ حضور انور نے وادی عقیق سے احرام نہ باندھا تھا بلکہ ذوالحلیفہ سے اور قُل الخ سے تلبیہ فرمانا ہے یعنی آپ اس جنگل میں نفل نماز بھی پڑھیں اور تلبیہ بھی کہیں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ یہ عمرہ مع حج کے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ تمتع اور افراد سے قران افضل ہے اور اگر کسی اور سفر کا واقعہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ یہاں نماز پڑھیں اور لوگوں سے فرمادیں کہ یہاں کی نماز حج و عمرہ کے برابر ثواب رکھتی ہے جب بھی قران کی افضیلت ثابت ہے۔

کتاب البیوع

تجارتوں کا باب ۱

باب الکسب و طلب الحلال

باب کمائی کرنا اور حلال روزی تلاش کرنا ۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ بیوع بیعٌ کی جمع ہے،بیع بوعٌ یا باعٌ سے بنا بمعنی ہاتھ لمبے کرنا،چونکہ تجارت میں خریدار اور بیوپاری ہاتھ بڑھا کر ایک دوسرے کا مال لیتے ہیں اس لیے اسے بیع کہا جاتاہے۔شریعت میں مال کا مال سے تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے۔کبھی پورے عقد کو بیع کہتے ہیں،کبھی فقط بیچنے کو،کبھی اس کے نتیجہ یعنی ملکیت کو بیع کہا جاتا ہے یہاں پورے عقد کے معنے میں ہے کیونکہ بیع کی بہت اقسام ہیں:بیع مطلق،بیع صرف،بیع مقایضہ،بیع سلم،تولیہ،مرابحہ،وضیعہ وغیرہ اس لیےبیوع جمع فرمایا۔خیال رہے کہ شرعی احکام چند قسم کے ہیں:خالص حقوق اللہ،خالص حقوق العباد،عقوبات،کفارات وغیرہ مصنف نے خالص حقوق اللہ یعنی عبادات کا ذکر پہلے کیا،اب خالص حق العبد یعنی تجارتوں کا ذکر کیا،چونکہ تجارت کے فضائل براہ راست حدیث میں وارد نہیں ہوئے تھےاس لیے باب الکسب منعقدکرکے اس کے فضائل بیان کردیئے۔

۲؎ کسب کے معنے ڈھوڈنا اور تلاش میں دوڑنا ہے یہاں مراد مال کمانا ہے،حلال سے مراد حرام کا مقابل ہے۔

روایت ہے حضرت مقداد ابن معد یکرب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے اچھا نہ کھایا کہ انسان ہاتھوں کی کمائی سے کھائے ۱؎ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کھاتے تھے ۲؎(بخاری)	

۱؎ ہاتھوں سے مراد پوری ذات ہے،ہاتھ سے کمائے یا پاؤں سے یا آنکھ یا زبان سے غرضیکہ اپنی قوت سے حلال روزی کمائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ"وہاں بھی ایدی یعنی ہاتھوں سے ذات ہی مراد ہے۔مقصد یہ ہے کہ دوسروں کی کمائی پر اپنا گزارا نہ کرے خود محنت کرے۔

۲؎ یعنی باوجود یہ کہ آپ بادشاہ تھے مگر آپ نے کبھی خزانہ سے اپنے پر خرچ نہ کیا بلکہ روزانہ ایک زرہ بناتے تھے جسے چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے دو ہزار اپنے بال بچوں پر خرچ فرماتے تھے اور چار ہزار فقراء بنی اسرائیل پر خیرات کرتے تھے۔(مرقات)علماء فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت کمائی فرض ہے اور زیادہ مباح اور فخرو زیادتی مال کے لیے کمائی مکروہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی طیب ہے اور طیب ہی کو قبول فرماتا ہے ۱؎ اوراللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو اس چیز کا حکم دیا جس کا انبیائے کرام کو حکم دیا ۲؎ فرمایا اے نبیو! طیب اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو ۳؎ اور رب تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو ہماری دی ہوئی طیب و لذیذ روزی کھاؤ ۴؎ پھر ذکر فرمایا کہ آدمی پراگندہ گرد آلود بال لمبے لمبے سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہتا ہے اے رب اے رب اور اس کا کھانا حرام اور پینا حرام لباس حرام اور حرام کی ہی غذا پاتا ہے ۵؎ تو ان وجوہ سے دعا کیسے قبول ہو ۶؎ (مسلم)

۱؎ یعنی رب تعالٰی بے عیب ہے اور بے عیب صدقات اور نقصانات سے خالی عبادات کو قبول فرماتا ہے۔

۲؎ یعنی کسب حلال و طلب معاش ایسا مبارک مشغلہ ہے جس میں رب تعالٰی نے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور عوام کو جمع فرمادیا ہے لہذا یہ حکم خداوندی بھی ہے سنت مصطفوی بھی اور سنت انبیاء بھی اس لیے کسب حلال سنت سمجھ کر کرنا چاہیے،اس میں دنیا کی عزت بھی ہے آخرت کی سرخروئی بھی۔

۳؎ یا تو میثاق کے دن رب تعالٰی نے نبیوں سے یہ خطاب بیک وقت فرمایا تھا یا ہر نبی سے ان کے زمانہ میں یہ خطاب ہوا جو قرآن کریم میں نقل فرمایا گیا اور حضور انور کو سنایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رہبانیت اور ترک دنیا نہ اسلام میں ہے نہ پہلے کسی نبی کے دین میں تھی۔چنانچہ انبیائے کرام نے مختلف پیشے اختیار کئے کسی نے چندوں یا سوال پر زندگی نہ گزاری سوائے مرزا قادیانی کے۔آدم علیہ الصلوۃ والسلام اولًا کپڑا سازی پھر کھیتی باڑی کرتے تھے،نوح علیہ السلام لکڑی کا پیشہ،ادریس علیہ السلام درزی گری،ہود و صالح علیہما السلام تجارت،ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے،شعیب علیہ السلام جانور پالتے تھے،لوط علیہ السلام کھیتی باڑی،موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرانا،داؤد علیہ السلام زرہ بناتے،سلمان علیہ السلام اتنے بڑے ملک کے مالک ہوکر پنکھے اور زنبیلیں بنا کر گزارہ کرتے تھے،عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سیاحی کرتے تھے،ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولًا تجارت پھر جہاد کئے۔(اسلامی زندگی)

۴؎ طیب خبیث کی ضد ہے،حلال،پاک،لطیف،پسندیدہ،شرعی چیز طیب ہے،اللہ تعالٰی طیب ہے کہ خبیث چیزیں ناپسند کرتا ہے تمام صفات غیر کمالیہ سے بری و پاک ہے،مسلمانوں کو حکم دیا کہ ظاہری و باطنی نجاست سے دور رہیں نیک اعمال کریں،چیزیں انسان کے لیے ہیں اور انسان رحمان کے لیے۔

۵؎ یعنی بچپن سے ہی حرام میں پلا اور جوان ہوکر حرام کمائی ہی کی جس سے غذا لباس حرام کا رہا۔

۶؎ یہاں روئے سخن یا حرام خور حاجی یا غازی کی طرف ہے یعنی حرام کمائی سے حج یا غزوہ کرنے گیا،پرا گندا حال پریشان حال رہا،کعبہ معظّمہ یا میدان جہاد میں دعائیں مانگیں مگر قبول نہ ہوئیں کہ روزی حرام تھی جب ایسے حاجی و غازی کی دعا بھی قبول نہیں تو دوسروں کا کیا کہنا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ دعاء کے دو بازو یعنی پر ہیں:اکل حلال،صدق مقال اگر ان سے دعا خالی ہو تو قبول نہیں ہوتی۔تقویٰ کی پہلی سیڑھی حلال روزی ہے،حرام سے بچنا عوام کا تقویٰ ہے،شبہات سے بچنا خواص کا تقویٰ،ذریعۂ معصیت سے بچنا صدیقین کا تقویٰ اللہ نصیب کرے۔جو محرمات میں پھنس جائے اور لاچار ہوجائے تو اھون پر کفایت کرے۔چنانچہ بحالت اضطرار اگر مردار بکری بھی ہو گدھا بھی تو بکری کھا کر جان بچائے اور اگر کتا و سور ہی میسر ہو اور بھوک سے جان نکل رہی ہو تو کتے سے جان بچالے اور سور کو ہاتھ نہ لگائے۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ لوگوں میں ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان پرواہ نہ کرے گا کہاں سے لیا حلال سے یا حرام۱؎(بخاری)

۱؎ یعنی آخر زمانہ میں لوگ دین سے بے پرواہ ہوجائیں گے،پیٹ کی فکر میں ہر طرح پھنس جائیں گے،آمدنی بڑھانے مال جمع کرنے کی فکر کریں گے،ہر حرام و حلال لینے پر دلیر ہوجائیں گے جیساکہ آج کل عام حال ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایسا بے پرواہ آدمی کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز منہ میں ڈالتا ہے مگر یہ بغیر تحقیق بلا سوچے سمجھے ہی چیز کھالیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ شبہ کی چیزیں ہیں جنہیں بہت لوگ نہیں جانتے ۲؎ تو جو شبہات سے بچے گا وہ اپنا دین اور اپنی آبرو بچالے گا اور جو شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں واقع ہو جائے گا ۳؎ جیسے جو چرواہا شاہی چراگاہ کے آس پاس چرائے تو قریب ہے کہ اس میں جانور چرلیں ۴؎ آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ چراگاہ اس کے محرمات ہیں،آگاہ رہو کہ جسم میں ایک پارہ گوشت ہے جب وہ ٹھیک ہوجائے تو سارا جسم ٹھیک ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے،خبردار وہ دل ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ بُشَیْر بروزن زُبَیْر ہے،آپ بہت خورد سال صحابی ہیں،ہجرت سے چودہ ماہ بعد پیدا ہوئے،آپ انصار میں پہلے بچہ ہیں جو پیدا ہوئے جیسے مہاجرین میں اول حضرت عبداللہ ابن زبیر پہلے بچے ہیں،حضور کی وفات کے وقت آٹھ سال سات ماہ کے تھے،کوفہ میں قیام رہا،امیر معاویہ کی طرف سے عراق کے حاکم تھے،جب حضرت امام حسین نے مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجا تو آپ اس وقت یزید ابن معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے،آپ نے حضرت مسلم سے کوئی تعرض نہ کیا اس لیے یزید نے آپ کو

معزول کردیا اور عبید اللہ ابن زیاد کو مقرر کیا،جب سر مبارک امام حسین کو کوفہ سے شام بھیجا گیااس وقت اہل بیت پر یہ ہی نعمان مقرر تھے،آپ نے راہ میں اہل بیت کی بہت خدمات انجام دیں اور اہل بیت اطہار نے آپ کو بہت دعائیں دیں،رضی اللہ عنہ۔(اشعہ)

۲؎ یہ حدیث اصل اصول دین ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ چیزیں تین قسم کی ہیں:بالکل حلال جن کی حلت منصوص ہے،بالکل حرام جن کی حرمت منصوص ہے جیسے محرمات و فواحش اور مشتبہات جن میں حلت و حرمت کے دلائل متعارض ہیں یا حلت و حرمت کی دلیل نہیں،اصل حلال پر عمل کرو،اصل حرام سے ضرور بچو اور مشتبہات سے احتیاطًا پرہیزکرو کہ شاید حرام ہوں مگر جن میں حلت کی اصل موجود ہو وہ مشتبہ نہیں،انہیں حرام سمجھنا محض باطل وہم ہے لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ میلاد شریف عرس بزرگانِ دین کو بعض علماء حرام بھی کہتے ہیں لہذا یہ مشتبہات سے ہے۔(ازمرقات)

۳؎ یعنی جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہ کریگا وہ آخر کار محرمات میں بھی پھنس جائیگا اس لئے مشتبہات سے بچو۔

۴؎ شاہی چراگاہ میں جانور چرانا سخت جرم ہوتا ہے ہوشیار چرواہے شاہی چراگاہ سے دور ہی رہتے ہیں تاکہ کوئی جانور بے قابو ہوکر اس چراگاہ میں نہ گھس جائے اور ہم مجرم ہوجائیں مگر بے احتیاط چرواہے وہاں قریب پہنچ جاتے ہیں اور آخر کار ان کا جانور وہاں گھس جاتا ہے اور یہ مجرم ہوکر پکڑے جاتے ہیں،ایسے ہی مشتبہات میں واقع ہونے والا کبھی حرام میں بھی گرفتار ہوجائے گا تم چرواہے ہو،نفس بے سمجھ جانور،محرمات شرعیہ شاہی چراگاہ ہے،مشتبہات اس چراگاہ کے متصل زمین۔

۵؎ یعنی دل بادشاہ ہے جسم اس کی رعایا جیسے بادشاہ کے درست ہوجانے سے تمام ملک ٹھیک ہوجاتا ہے ایسے ہی دل سنبھل جانے سے تمام جسم ٹھیک ہوجاتا ہے،دل ارادہ کرتا ہے جسم اس پر عمل کی کوشش کہ دل میں برے ارادے نہ پیدا ہوں اس لیے صوفیاء کرام دل کی اصلاح پر بہت زور دیتے ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کو اپنی منزلوں میں رکھو،اس کی منزل فرض،واجب،سنت،مستحب،آداب مباح ہیں ان حدود میں رہا تو خیر ہے اگلی منزلیں خطرناک ہیں ادھر نہ جانے دو،اگلی منزلیں مکروہ تنزیہی،مکروہ تحریمی،حرام و کفر ہیں،مکروہ تنزیہی سے بچاؤ تاکہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرے۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کتے کی قیمت خسیس ہے اور زانیہ کی خرچی حرام اور فصد لینے والے کی اجرت خسیس ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ آپ مشہور انصاری،صحابی ہیں،غزوہ بدر میں صغرسنی کے باعث شریک نہ ہوسکے،باقی احد وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے،غزوہ احد میں تیر سے زخمی ہوئے تو حضور انور نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہارے زخم و ایمان کا گواہ ہوں،یہ ہی زخم عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں پھر ہرا ہوگیا اور اس زخم سے ۷۴ھ میں چھیاسی سال کی عمر میں وفات مدینہ منورہ میں پائی،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۲؎ خبیث طیب کا مقابل ہے،طیب کے دو معنے ہیں حلال اور نفیس لہذا اس کے مقابل خبیث کے بھی دو معنے ہیں حرام اور خسیس رنڈی کے زنا کی اجرت بالاتفاق حرام ہے اور فصد لینے والی کی اجرت بالاتفاق ناپسندیا مکروہ ہے،کتے کی قیمت میں اختلاف ہے امام شافعی کے ہاں حرام ہے،ہمارے ہاں حلال مگر ناپسندیدہ لہذا لفظ خبیث یہاں بطریق عموم مشترک دونوں معنے میں

استعمال ہوا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فصد لے کر اس کی اجرت عطا فرمائی اور یہاں اسے خبیث فرمایا بمعنی ناپسندیدہ،وہ عمل بیان جواز کے لیے تھا یہ فرمان کراہت کے لیےلہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت ۱؎ زانیہ کی خرچی اور نجومی کی مٹھائی سے منع فرمایا ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ امام ابوحنیفہ کے ہاں یہ ممانعت یا تو تنزیہی ہے یا اس وقت کی ہے جب کتا پالنا اسلام میں مطلقًا ممنوع تھا،جب شکارو حفاظت کے لیے اس کی اجازت ہوگئی تو یہ ممانعت بھی منسوخ ہوگئی،امام شافعی و دیگر آئمہ کے ہاں اب بھی کراہت تحریمی باقی ہے،دیوانہ کتے کی قیمت ہمارے ہاں بھی ممنوع ہے کہ وہ قابل نفع مال نہیں جیسے گندا انڈامال نہیں۔

۲؎ مہر بغی سے مراد زانیہ کی اجرت زنا ہےاور کاہن کی مٹھائی سے مراد اس کے فال کھولنے غیبی باتیں بتانے یا ہاتھ دیکھ کر تقدیر بتانے کی اجرت ہے،چونکہ یہ اجرت بغیر محنت حاصل ہوجاتی ہے اس لیے اسے مٹھائی فرمایا،یہ دونوں اجرتیں بالاتفاق حرام ہیں کہ یہ دونوں کام حرام لہذا ان کی اجرت بھی حرام۔

روایت ہے حضرت ابوجحیفہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت کتے کی قیمت اور زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا ۲؎ اور سود کھانے والے اور کھلانے والے ۳؎ اور گودنے والی اور گدوانے والی ۴؎ اور فوٹو لینے والے پر لعنت فرمائی ۵؎ (بخاری)	

۱؎ آپ کم عمر صحابہ سے ہیں،حضور انور کی وفات کے وقت نابالغ تھے لیکن حضور انور سے کلام مبارک سنا ہے،کوفہ میں مقیم رہے۔

۲؎ خون کی قیمت سے مراد یا تو خون نکالنے کی اجرت ہے یعنی فصد کھولنا یا خود خون کی قیمت ہے،خون نجس ہے کسی کا ہو انسان کا یا جانور کا اس کی قیمت حرام ہے خون کی بیع ہی حرام ہے کہ خون نجس ہے۔آج کل جو آدمیوں کا خون خریدا جاتا ہے یا دوسرے آدمی میں داخل کیا جاتا ہے سب حرام ہے کہ انسان کے اجزا کی فروخت اور دوسرے کا استعمال کرنا ممنوع ہے،ہاں اگر طبیب حاذق کہے کہ اس بیمار کی شفا خون داخل کرنے کے سواء اور کسی چیز سے نہیں تو ایسا ہی جائز ہوگا کہ جیسا کان کے درد میں کبھی عورت کا دودھ کان میں ٹپکانا درست ہوتا ہے جیساکہ علامہ شامی وغیرہ نے فرمایا۔

۳؎ سود لینا دینا دونوں حرام ہیں اور باعث لعنت اگرچہ سود لینا زیادہ جرم ہے کہ اس میں گناہ بھی ہے اور مقروض پر بلکہ اس کے بچوں پر ظلم بھی،گویا حق اللہ حق العباد دونوں اس میں جمع ہیں۔

۴؎ گودنے گدوانے سے مراد سوئی کے ذریعہ نیل یا سرمہ جسم میں لگاکر نقش و نگار کرانا یا اپنا نام لکھوانا یہ دونوں کام ممنوع ہیں،طریقہ مشرکین ہیں اور طریقہ کفاروفجار۔

۵؎ جاندار کا فوٹو لینا حرام ہے خواہ قلم سے ہو یا کیمرہ سے۔فوٹو لینے والے پر لعنت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھچوانے والے پر لعنت نہیں فرمائی،اگر کسی کا بے خبری میں فوٹو لے لیا گیا تو ظاہر ہے کہ وہ بے قصور ہے اور اگر عمدًا کھچوایا تو کھچوانا ممنوع ہے کہ یہ جرم پر امداد ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کے سال جب آپ مکہ معظّمہ میں تھے فرماتے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب مردار،سور اور بتوں کی تجارت کو حرام کیا۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ مردار کی چربیوں کے متعلق تو فرمایئے ان سے توکشتیاں ملی جاتی ہیں ان کی کھالیں روغنی جاتی ہیں لوگ ان سے چراغ جلاتے ہیں ۲؎ تو فرمایا نہیں وہ حرام ہے ۳؎ پھر اس موقعہ پر فرمایا یہود کو خدا غارت کرے جب اللہ نے مردار کی چربی حرام کی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ پتلی نشہ آور چیز خواہ شراب انگوری ہو یا کھجور وغیرہ کی یا تاڑی یا کوئی اور چیز مطلقًا حرام ہے،نشہ دے یا نہ دے اس پر فتویٰ ہے،ان سب کی تجارت بھی حرام ہے۔خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ،افیون وغیرہ کا استعمال نشہ کے لیے حرام ہے اور دواؤں میں جب کہ یہ نشہ نہ دیں تو حلال لہذا ان کی بیع حلال ہے کہ ان سے انتفاع حلال بھی ہے۔مردار سے مراد وہ مرا ہوا جانور ہے جو بغیر ذبح کھایا نہیں جاتا لہذا مری مچھلی کی تجارت درست ہے،بتوں کی تجارت خواہ فوٹو کی شکل میں ہوں یا مجسم حرام ہے جیسے ہنومان،بھوانی،رامچندر وغیرہ کے مجسمے یا فوٹوان کی تجارت حرام ہے،بچوں کے کھلونے گڑیاں وغیرہ کی تجارت حرام نہیں کہ یہ بت نہیں۔

۲؎ سائل کا مقصد یہ تھا کہ اگر مردار کی چربی کی تجارت یا اس کا استعمال بند کردیا گیا تو بہت سے ضروری کام بند ہوجائیں گے لہذا اس کی اجازت دی جائے۔

۳؎ یعنی مردار کی چربی کا استعمال حرام ہے(حنفی)یا اس کی تجارت حرام ہے(شافعی)احناف کے ہاں مردار کی چربی،صابن،چراغ یا چمڑوں میں استعمال کرنا حرام ہے،نجس تیل فروخت بھی کرسکتے ہیں اور ان مقامات میں استعمال بھی کرسکتے ہیں،کافر کی نعش بیچنا حرام ہے۔چنانچہ نوفل مخزومی جو غزوہ خندق میں مارا گیا تھا کفار نے دس ہزار درہم میں اس کی نعش کی قیمت پیش کی حضور نے انکار فرمادیا۔یوں ہی نجس شہد،نجس دودھ،نجس کھانا جانور کو کھلا دینا جائز ہے مگر مردار کی چربی ان میں سے کسی جگہ خرچ نہیں کرسکتے۔(مرقات واشعہ)نجس تیل کا چراغ مسجد میں جلانا منع ہے۔(لمعات و اشعہ)

۴؎ مشکوۃ کے عام نسخوں میں **شحومھا** واحد مؤنث کی ضمیر سے ہے اس کا مرجع میت ہے،بعض نسخوں میں **شحومھما** ہے تثنیہ کی ضمیر سے اس کا مرجع گائے بکری ہیں کہ ان کی چربیاں یہود پر حرام تھیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ مِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ**

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ"یعنی یہود پر مردار کی یا گائے بکری کی چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور قیمت استعمال کی بو لے کہ ہم نے شحم نہیں کھائی بلکہ پگھلی چربی کی قیمت کھائی ہے۔ معلوم ہوا کہ حرام کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے،ہاں حرام سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا اچھاہے۔(لمعات،مرقات،اشعہ) مسلمان ضرورت پر حرام سے بچنے کا حیلہ کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کو خدا غارت کرے۱؎ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر بیچا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ کلمہ بددعا کے لیے ہے یا اظہار غضب کے لیے،اس میں مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ تم نے مردار کی چربی اس طرح استعمال کی تو تم بھی میری بددعا کے مستحق ہوگے اس سے سخت پرہیز کرو۔

۲؎یہود کچی چربی کو شحم اور پگھلی ہوئی کو ودک کہتے تھے،انہوں نے کہا ہم پر شحم حرام ہے ودک حرام نہیں پھر ہم ودک بھی نہیں استعمال کرتے بلکہ اس کی قیمت کام میں لاتے ہیں۔خیال رہے کہ مردار کی کھال پکا کر کام آسکتی ہے مگر چربی پگھلا کر بھی کام نہیں آسکتی،اس حدیث میں چربی کا یہ ہی حکم بتانا مقصود ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا۱؎(مسلم)

۱؎یا تو کتے بلی سے مراد غیر نافع کتے بلی ہیں جیسے دیوانہ کتا،وحشی بلی کہ اگر اسے باندھ کر رکھو تو چوہوں کا شکار نہ کرسکے اور اگر کھول دو تو بھاگ جائے اور یا مطلقًا کتا بلی مراد ہے اور نہی کراہت تنزیہی کے لیے ہے یعنی ان کا فروخت کرنا غیر مناسب ہے،یہ جانور تو یوں ہی بطور ہبہ دے دینا چاہئیں۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ کتے کی بیع جائز ہے کیونکہ بلی کی بیع تمام آئمہ کے ہاں درست ہےاور یہاں ممانعت میں کتے بلی دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ کتے کی بیع بھی بلی کی طرح جائز مگر غیر مناسب ہے،یہ حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابو طیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصدلی تو حضور نے اس کے لیے ایک صاع کھجوروں کا حکم دیا۱؎اور اس کے مالکوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے وظیفہ آمد سے کمی کردی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ابو طیبہ کا نام نافع یا دینارہے،لقب میسرہ،یہ بنی بیاضہ کے غلام تھے،ان کے مولیٰ کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے،یہ فصد لینے کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد کی اجرت جائز ہے،جہاں جہاں ممانعت آئی ہے وہاں تنزیہی کراہت مراد ہے،وہ فرمان عالی کراہت کے بیان کے لیے ہے اور یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے لہذا احادیث متعارض نہیں۔

۲؎ خراج سے غلام کی آمدنی مراد ہے،مولیٰ اپنے غلام کو کاروبار کی اجازت دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تو مجھے روزانہ اتنے پیسے دے دیا کر باقی کمائی تیری جیسے آج بعض لوگ تانگے،گاڑیاں ٹھیکے پر دے دیا کرتے ہیں اسے خراج کہتے تھے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دواو علاج جائز ہے۔دوسرے یہ کہ معالج و طبیب کو اجرت دینا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ خراج کم کرنے کی سفارش کرنا جائز ہے۔چوتھے یہ کہ فصد لینا جائز ہے۔پانچویں یہ کہ فصد کی اجرت جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پاکیزہ غذا جو تم کھاؤ وہ تمہاری اپنی کمائی اور تمہاری اولاد تمہاری اپنی کمائی ہے۱؎ (ترمذی، نسائی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ پاکیزہ تریں غذاجو انسان کھائے وہ اپنی کمائی کی ہے اور اس کا بیٹا اس کی کمائی سے ہے۲؎

۱؎یعنی اپنے کو بے کار نہ رکھو بلکہ روزی کماؤ اور کما کر کھاؤ اور اولاد کی کمائی بھی تمہاری اپنی کمائی ہی ہے کہ بالواسطہ وہ گویا تم ہی نے کمایا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اولاد پر والدین کا خرچہ بوقت ضرورت واجب ہےاور اگر انہیں حاجت نہ ہو تو مستحب ہےاور وجوب کی حالت میں ماں باپ‌اولاد کی اجازت کے بغیر اس کا کھانا کھا پی سکتے ہیں‌مگر غائب اولاد کی چیز اپنے نفقہ میں فروخت نہیں کرسکتے۔الا باذن حاکم،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎اگرچہ ولد مطلق اولاد کو کہتے ہیں لڑکی ہو یا لڑکامگر ایسے مقامات پر عموماً لڑکا مراد ہوتا ہےکیونکہ لڑکیاں کمائی کم کرتی ہیں خود ان کا اپنا خرچ خاوند پر ہوتا ہےلیکن اگر لڑکی امیر ہو اور باپ فقیر تو لڑکی پر بھی اپنے مال سے باپ کا خرچ لازم ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے آئی ہے،ایک روایت میں ہے"اذھب انت ومالك لابیك"یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے،دوسری روایات میں ہے"انت ومالك لابیك"۔غرضکہ باپ کو اولاد کا مال خرچ کرنے کا شرعًا بھی حق ہے اور قانونًا بھی۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر اولاد کی کمائی خالص حرام ہے تو باپ نہ کھائے کہ اپنی حرام کمائی کھانا بھی حرام ہےتو اولاد کی حرام کمائی کیسے حلال ہوگی‌اسی لیے اسے کسب فرمایا۔

	روایت ہےحضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس سے خیرات کرے تو وہ قبول ہوجائے۱؎اور نہ یہ کہ اس سے خرچ کرے تو اس میں اسے برکت ہو ۲؎اور اس حرام کو اپنے پس مرگ کے لیے نہ چھوڑے مگر یہ اس کا آگ کا توشہ ہوگا۳؎اللہ تعالٰی برائی سے

برائی نہیں مٹاتا لیکن بھلائی سے برائی مٹاتا ہے۴ یقینًا پلید پلید کو مٹاتا نہیں ۵ (احمد)شرح سنہ میں بھی یوں ہی ہے۔	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ حرام مال کا صدقہ قبول نہیں،رب کی بارگاہ میں حلال مال پیش کرو۔خیال رہے کہ حرام مال وہ ہے جو حرام ذریعہ سے حاصل کیا جائے،سود،چوری،زنا،شراب،گانا،ناچنا وغیرہ۔

۲؎ یعنی حرام کمائی میں خود بھی برکت نہیں،حلال میں برکت ہے کتیا سال میں دس بارہ بچے دیتی ہے اور ایک بھی ذبح نہیں ہوتا اور بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہے اور روزانہ ہزاروں ذبح ہوتے ہیں مگر گلے بکریوں کے نکلتے ہیں نہ کہ کتوں کے کیونکہ کتا حرام ہے بکری حلال اور حلال میں برکت ہے حرام میں بے برکتی۔

۳؎ یعنی جب تک اس کے وارثین اس کا حرام مال کھائیں گے یا برتیں گے اسے دوزخ میں عذاب ہوتا رہے گا کیونکہ یہ حرام کا سبب بنا۔ معلوم ہوا کہ جیسے بعض صدقے جاریہ ہوتے ہیں ایسے ہی بعض حرام بھی گناہ جاری ہوجاتے ہیں۔یہ خیال رہے کہ سود چوری کا پیسہ تو ملک بنتا ہی نہیں نہ اس کی میراث جاری ہو بلکہ حق والے پر واپس کردینا لازم ہے اور اگر اس کا پتہ نہ لگے تو اس کے نام پر خیرات کردیا جائے،یہاں ان حرام مالوں کا ذکر ہے جو حرام ذریعوں سے اپنے ملک میں آئیں جیسے گاکر بجاکر پیسہ کمانا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حرام مال کی میراث کیسی۔

۴؎ سبحان اللہ! کیسا نفیس قاعدہ بیان فرمایا کہ وہ جو قرآن شریف میں "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ" کہ بھلائیاں برائیوں کو دفع کردیتی ہیں اور صدقہ کرنا بھلائی ہے،اس صدقے سے حرام کمائی کا گناہ کیوں نہ مٹا،ارشاد فرمایا کہ حرام مال سے صدقہ کرنا بھلائی نہیں بلکہ برائی ہے اور برائی سے برائی نہیں مٹتی،پاک پانی گندے کپڑے کو پاک کرسکتا ہے نہ کہ ناپاک پانی،ایسے ہی طیب و حلال صدقہ گناہ مٹائے گا نہ کہ حرام کا صدقہ۔

۵؎ خبیث کے معانی پہلے بیان کئے گئے،یہاں یا گندگی کے معنے میں ہے یا حرام کے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت جنت میں نہ جائے گا جو حرام سے اگا ہو۱ اور جو گوشت حرام سے اُگے اس سے آگ بہت قریب ہے ۲ (احمد،دارمی،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی اولًا نہ جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد یا جنت کے درجہ عالیہ میں نہ جائے گا بلکہ ادنے درجہ میں۔گوشت سے مراد خود گوشت والا ہے اور اُگنے سے مراد پرورش پانا ہے یعنی جو شخص حرام کھا کر پلاوہ جنت میں کیسے جائے طیب جگہ طیب لوگوں کے لیے ہے۔

۲؎ یعنی حرام خور دوزخ کی آگ کا مستحق ہے کہ مرے اور آگ میں پہنچے کیونکہ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ گندے لوگوں کے لیے گندی چیزیں ہیں،اگر یہ شخص توبہ کرے یا صاحب حق سے معاف کرالے یا شفاعت سے معافی ہوجائے تو ہوسکتی ہے۔یہ صورتیں اس قاعدہ سے علیحدہ ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت حسن ابن علی سے فرماتے ہیں میں نے	

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یہ بات یاد کی ہے ۱؎ کہ اسے چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے ادھر رجوع کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے ۲؎ کیونکہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ تردد ہے ۳؎(احمد،ترمذی،نسائی)اور راوی نے پہلی چیز روایت فرمائی۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بلاواسطہ حضور سے یہ سنا اور یاد کیا کیونکہ حضور انور کی زندگی شریف میں امام حسن علیہ السلام قدرے سمجھدار تھے،بچوں کا حدیث سننا معتبر ہے جب کہ کچھ سمجھدار ہوں اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے کسی صحابی سے سنا ہو،چونکہ یہ قول رسول تھا اس لیے اسے حضور کی طرف نسبت فرمادیا جیسے ہم کہہ دیتے ہیں کہ حضور نے یہ فرمایا یا ہمیں حضور کا یہ فرمان یاد ہے۔

۲؎ یعنی جو کام یا کلام تمہارے دل میں کھٹکے کہ نہ معلوم حرام ہے یا حلال اسے چھوڑ دو اور جس پر دل گواہی دے کہ یہ ٹھیک ہے اسے اختیار کرو مگر یہ ان حضرات کے لیے ہے جو حضرت حسن جیسی قوت قدسیہ و علم لدنی والے ہوں جن کا فیصلہ قلب کتاب و سنت کے مطابق ہو،عام لوگ یا جو نفسانی و شیطانی وہمیات میں پھنسے ہوں ان کے لیے یہ قاعدہ نہیں۔(مرقات واشعہ)بعض لاپرواہ لوگ قطعی حراموں میں کوئی تردد نہیں کرتے اور بعض وہم پرست جائز چیزوں کو بلاوجہ حرام و مشکوک سمجھ لیتے ہیں ان کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے،لہذا حدیثیں واضح ہے۔

۳؎ یعنی مؤمن کامل کا دل سچے کام و سچے کلام سے مطمئن ہوتا ہے اور مشکوک اشیاء سے قدرتی طور پر متردد ہوتا ہے۔یہاں لمعات میں فرمایا گیا کہ جب آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرو اور حدیثیں بھی متعارض نظر آئیں تو اقوال علماء کو تلاش کرو اور اگر ان میں بھی تعارض نظر آئے تو اپنے دل سے فتویٰ لو اور احتیاط پر عمل کرو،یہ سارے احکام صاف دل اور پاکیزہ نفوس کے لیے ہیں۔(لمعات مختصرًا)اگر کسی کو جھوٹ سے اطمینان ہو اور گناہ سے خوشی ہو،نیکیوں سے دل گھبرائے تو وہ دل کی آواز نہیں بلکہ نفس امارہ کی شرارت ہے،نفس اگر دل پر غالب آجائے تو بہت پریشان کرتا ہے اور اگر دل نفس پر غالب ہو تو **سبحان اللہ** یہ ہی حال عقل کا ہے۔

عقل زیر حکم دل یزدانی است　　　جوز دل آزاد شد شیطانی است

اللہ تعالٰی دل کو نفس و عقل پر غالب رکھے۔آمین!

	روایت ہے حضرت وابصہ ابن معبد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وابصہ تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو میں نے عرض کیا ہاں ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے اپنی انگلیاں جمع کرکے ان کے سینہ پر لگائیں اور تین بار فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو ۲؎ نیکی وہ ہے جس پر طبیعت جمے اور جس پر دل مطمئن ہو ۳؎ اور گناہ وہ ہے جو طبیعت میں چبھے اور دل میں کھٹکے اگرچہ لوگ اس

کا فتویٰ دے دیں۴؎(احمد و دارمی)	

۱؎یہ غیبی خبر ہے کہ حضرت وابصہ جو سوال دل میں لے کر آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بغیر عرض کئے ہوئے ارشا دفرمادیا۔معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں دلوں کے حال پر مطلع فرمایا ہے کیوں نہ ہو انہیں تو پتھروں کے دلوں پر اطلاع ہے کہ فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔شعر

اے کہ ذات پاک تو صبح دھور چشم توبیننده ما فی الصدور

۲؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہ کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر ان کے قلب کو فیض دیا جس سے ان کا نفس بجائے امارہ کے مطمئنہ ہوگیااور دل خطرات شیطانی وسوسوں سے پاک و صاف ہوگیا۔صوفیاء کرام جو مریدوں کے سینے پر ہاتھ مار کر یا توجہ ڈال کر انہیں فیض دیتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث بھی ہے۔

۳؎یعنی آج سے اے وابصہ گناہ اور نیکی کی پہچان یہ ہے کہ جس پر تمہارا دل و نفس مطمئنہ جمے وہ نیکی ہوگی اور جسے تمہارا دل و نفس مطمئنہ قبول نہ کرے وہ گناہ ہوگا،یہ حکم حضرت وابصہ کے لیے آج سے ہو گیا یہ حضور کے ہاتھ شریف کا اثر ہوا،ہم جیسے لوگوں کو یہ حکم نہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیر مجتہد یعنی مقلد تو اپنے امام سے فتویٰ لے اور مجتہد اپنے دل سے۔

۴؎یعنی عام لوگوں کے فتویٰ کا تم اعتبار نہ کرنا کیونکہ ان کے دلوں پر ہمارا ہاتھ نہیں پہنچا،اپنے دل و نفس کا فتویٰ قبول کرنا کہ تمہارے دل کا فتویٰ ہمارا فیصلہ ہوگا کہ ہمارا ہاتھ تمہارے دل پر ہے۔شعر

دل کرو ٹھنڈا مرا دوکفِ پاچاند سا سینہ پر رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

آنکھ عطا کیجئے اس میں ضِیا دیجئے جلوہ قریب آگیا تم پہ کروڑوں درود

خیال رہے کہ فتویٰ فتوٌ سے بنا بمعنی پیش آنا،حادث ہونا یا قوت،چونکہ شرعی مسئلہ حادثات کے پیش آنے پر معلوم کیا جاتا ہے اور عالم کے حکم حاصل ہوجانے سے سائل کو قوت حاصل ہوجاتی ہے اس لیے مسئلہ شرعی کو فتویٰ کہا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عطیہ سعدی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ پرہیزگاروں میں سے ہونے کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا حتی کہ مضائقہ والی چیزوں سے ڈرتے ہوئے غیر مضائقہ والی چیزوں کو چھوڑ دو۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے جس میں صدہا احکام آگئے،حرام سے بچنے کے لیے مکروہات سے پرہیز کرو،گناہوں سے بچنے کے لیے مشکوک و مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرو،برے لوگوں سے بچنے کے لیے مشتبہ لوگوں سے الگ رہو۔شعر

نگہ دارد آں شوخ درکیہ در داندہمہ خلق راکیہ برد

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ۱؎اس کے نچوڑنے والے،نچوڑوانے والے ۲؎پینے والے،اٹھانے والے پر اور اس پر جس کی طرف پہنچائی جائے	

پلانے والے پر،بیچنے والے پر،اس کی قیمت کھانے والے پر،خریدنے والے پر اور جس کے لیے خریدی جائے اس پر ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎اگرچہ یہ دسوں گناہ میں مختلف ہیں لعنت کے مستحق سب بھی ہیں۔خیال رہے کہ اجمالًا گنہگار پر بھی لعنت کرنا جائز ہے جیسے کہا جائے کہ جھوٹوں پر لعنت مگر نام لے کر لعنت صرف کفار پر جائز ہے،کسی گنہگار مسلمان پر جائز نہیں اور بعد مرے صرف اس کافر پر لعنت جائز ہے جس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم ہو،صرف لعان میں خاوند بیوی اپنے پر لعنت کرتے ہیں کہ اگر میں نے جھوٹ کہا ہو تو مجھ پر لعنت ہے۔

۲؎یعنی اپنے لیے انگور وغیرہ نچوڑ کر شراب بنائے تب بھی لعنت اور اگر دوسرے کے لیے بنائے تب بھی لعنت بنانے والے پر بھی اور بنوانے والے پر بھی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے جیسے نیکی پر مدد کرنا نیکی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ لعنت کرے شراب پر ۱؎ اس کے پینے والے، پلانیوالے پر،اور اسکے بیچنے والے اور خریدار پر،نچوڑ والے اور نچوڑوانے والے،اٹھانے والے پر اور جس تک پہنچائی جائے اس پر ۲؎(ابو داؤد،ابن ماجہ)	

۱؎شراب پر لعنت کرنے کے معنے یہ ہیں کہ اسے رب نے تمام خوبیوں سے خالی کردیا اور اس میں ہر عیب بھر دیا اس لئے اس کا نام اُمُ الخبائث یعنی گناہوں کی اصل وجڑ ہے کہ نشہ میں انسان سارے گناہ کرلیتا ہے۔

۲؎یہ کلمہ عام ہے خواہ پینے والے تک پہنچائی جائے یا دکاندار تک یا امانت دار تک یعنے شراب پہنچانے کی مزدوری کرنے والا شراب کو بطور امانت رکھنے والا بیچنے والا سب ہی لعنت کے مستحق ہیں۔

روایت ہے حضرت محیصہ ۱؎سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگانے والے کی مزدوری کی اجازت مانگی ۲؎تو آپ نے انہیں منع فرمادیا وہ اجازت مانگتے ہی رہے ۳؎تب فرمایا کہ وہ اپنی اونٹنی کو چرا دو اور اپنے غلام کو کھلادو ۴؎ (مالک،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے،حویصہ کے بھائی ہیں،غزوہ خندق اور بعد والے غزوات میں شریک رہے،آپ کے اسلام کا عجیب واقعہ ہے جو اس جگہ اشعۃ اللمعات وغیرہ میں مذکور ہے۔

۲؎ حضرت محیصہ خود یہ کام نہ کرتے تھے،غالب یہ ہے کہ ان کا غلام کرتا ہوگا جس کا خراج یہ لیتے ہوں گے اس لیے مسئلہ پوچھا کہ آیا اس میرے غلام کو اجرت لینا اور مجھے کھانا جائز ہے یا نہیں؟چونکہ غلام کا مال اپنا ہوتا ہے اس لیے یہ حکم ہوا ورنہ اگر کسی کی آمدنی کا ذریعہ غیر درست ہو تو اس کے ہاتھ ہم چیز فروخت کرسکتے ہیں،اس سے کرایہ مکان وغیرہ لے سکتے ہیں جب کہ وہ اس روپیہ کا مالک ہوگیا ہو۔سود،شراب کی قیمت،جوئے کی آمدنی کا حکم اور ہے،ناجائز پیشوں کی آمدنی کا حکم دوسرا۔

۳؎ حضرت محیصہ یا تو یہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے میرے بار بار دریافت کرنے سے۔ممکن ہے کہ یہ بھی جانتی رہے یا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن پروردگار مالک احکام شرعیہ ہیں اس لیے بار بار عرض کرتے رہے ورنہ حضور کے منع فرمادینے کے بعد پھر پوچھتے رہنا اور اصرار کرنا ممانعت فرمان کی وجہ سے نہ تھا،رب تعالٰی فرماتاہے: "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" جیسے حضرت عباس نے فرمان عالی سن کر عرض کیا تھا کہ حضور اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دے دیں اور حرم شریف کے حکم سے اسے مستثنٰی فرما دیں۔بہرحال اس حدیث سے روافض کا اعتراض نہیں پڑسکتا اور صحابہ کرام کی سرتابی ثابت نہیں ہوسکتی۔

۴؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے ورنہ آزاد غلام میں فرق نہ ہوتا یعنی آزاد لوگوں کو ایسے ادنی و خسیس پیشے کی کمائی کھانا اچھا نہیں معلوم ہوتا،اس لیے تم خود تو وہ کمائی نہ کھاؤ تمہاری شان کے لائق نہیں،البتہ اپنے غلاموں یا جانوروں کو کھلا دو کہ ان کا وہ احترام نہیں جو آزاد مسلمانوں کا ہے،پھر یہ بھی گزر چکا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد کی اجرت ایک غلام کو عطا فرمائی،وہ عمل شریف بیان جواز کے لیے تھا اور یہ فرمان عالی بیان کراہت کے لیے ہے لہذا دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور گانے بجانے کی کمائی سے ۱؎(شرح سنہ)

۱؎ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ زمارہ ہے،پہلے ز نقطے والی،بعد میں ر بغیر نقطے کی،زمر سے مشتق ہے بمعنی گانا ازار لہرانا،اسی لیے باجہ کو زمار کہتے ہیں،جمع مزامیر یعنی حضور انور نے گانے بجانے کی اجرت لینے اور دینے سے منع فرمایا۔اس سے مراد ناجائز گانے ہیں جیسے رنڈیوں کنجریوں کے گیت نعت خوانوں کو اجرت یا ہدیہ دیا جائے وہ اس حکم سے خارج ہے۔کتے کی قیمت کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے کہ اس کی حرمت منسوخ ہے یا اس سے دیوانہ یا بے کار کتا مراد ہے جو مال نہیں جیسے گندا انڈا۔گانے کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ حرام گانے اور باجوں کی اجرت حرام ہے،جائز کی جائز،شادی بیاہ میں دف بجانے کی اجرت جائز ہے کہ یہ دف جائز ہے،کھیل کود کے باجوں کی اجرت ناجائز ہے کہ یہ باجے ناجائز ہیں،طبل غازی،دف شادی،اعلان چاند و اعلان افطار وغیرہ کے نقارے تمام جائز ہیں،نعت خوان بعض صورتوں میں خاص صوفیاء کے لیے خاص قوالی جائز ہے،ان کی اجرت جائز،آج کل عمومًا قوالیاں حرام ہیں۔جائز و ناجائز قوالی کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھئے اور شامی باب الکراھیت میں مطالعہ فرمائیے،نیز تفسیر احمدی وغیرہ میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رنڈیوں کو نہ بیچو نہ خریدو ۱؎ اور نہ انہیں یہ سکھاؤ ۲؎ اور ان کی قیمت حرام ہے ۳؎ اور اس جیسی صورتوں کے متعلق یہ آیت اتری ہے کہ بعض لوگ کھیل کود کی باتیں خریدتے ہیں ۴؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور علی ابن یزید راوی حدیث میں ضعیف مانے گئے ہیں ۵؎ اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ بلی کھانے سے منع فرمایا **مایحل اکلہ** کے باب میں ان شاءاللہ ذکر کریں گے۔	

۱؎ یعنی گانے بجانے کا پیشہ کرنے والی لونڈیوں کو نچانے اور گانے کے لیے نہ خریدو نہ فروخت کرو،اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ ان سے دوسری خدمت لینے کا ارادہ ہو تو ان کا خریدنا جائز بلکہ بہتر ہے کہ وہ اس ذریعہ سے توبہ کرلیں گے۔

۲؎ یعنی لونڈیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا حرام ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی لڑکیوں کو کالجوں و اسکولوں میں گانے کی تعلیم دلواتے ہیں،رب تعالٰی اس زمانہ کی شر سے مسلمان کو بچائے،یہ گانے زنا کے پیش خیمے ہیں،جب زنا حرام ہے تو اس کے اسباب بھی حرام ہیں۔

۳؎ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی اس سے مراد قیمت کی کراہیت ہے جب کہ اسے گانے بجانے کے لیے فروخت کیا ہو،اس کے ہاتھ جو ان سے یہ پیشہ کرائے جیسے شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کی بیع کو بعض علماء منع کرتے ہیں کہ یہ گناہ پر امداد ہے ورنہ گانے والی کی نہ قیمت حرام ہے نہ ان کی بیع۔(مرقات)

۴؎ یہ آیت کریمہ نضر ابن حارث کے متعلق نازل ہوئی جو گانے والی لونڈیاں اور عجمی قصے کہانیوں کے ناول خرید کر مسلمانوں میں رائج کرنا چاہتا تھا تاکہ مسلمان ان گانوں اور قصوں میں پھنس کر اسلامی تعلیم سے یکسر علیحدہ ہوجائیں،اور کہتا تھا کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں میں تمہیں رستم و اسفند یار کی کہانیاں سناتا ہوں۔**لھوالحدیث** میں اضافہ **من** تبعیضیہ کی ہے یا **من** تبعیضیہ کی حدیث سے مراد بات ہے تو **من** تبعیضیہ ہے اور اگر مطلقًا کلام یا کام ہے تو **من تبیینیہ** ہے جو کام یا کلام نفع سے خالی ہو یعنی عبث و بیکار ہو یا مضر ہو یا دین سے روکے وہ سب لہو ہے،گانا بجانا لغو قصے کہانیاں،نماز کے وقت تجارت میں مشغولیت سب کچھ لہو ہے۔

۵؎ آئمہ حدیث نے جیسے امام احمد،یحیی،ابوزرعہ،نسائی وغیرہ نے علی ابن یزید کو ضعیف فرمایا۔شیخ نے اشعہ اللمعات میں فرمایا کہ حرمت غنا یعنی گانے بجانے کی حرمت میں کی احادیث ضعیف ہیں اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ملی۔فقیر کہتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہ ملے جب بھی قرآن کریم کی آیت کافی ہے،نیز احادیث ضعیفہ متعدد ہو کر حسن بن جاتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کمائی کی تلاش ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے ۲(بیہقی شعب الایمان)	

۱کسب بمعنی مکتسب ہے یعنی پیشہ اور حلال کا مقابل بھی ہے اور مشتبہات کا بھی کیونکہ حرام کمائی کی تلاش حرام ہے اور مشتبہ کی مکروہ۔(مرقات)تلاش سے مراد جستجو کرنا اور حاصل کرنا ہے۔

۲یعنی عبادات فرضیہ کے بعد یہ فرض ہے کہ اس پر بہت سے فرائض موقوف ہیں۔خیال رہے کہ یہ حکم سب کے لیے نہیں صرف ان کے لیے ہے جن کا خرچ دوسروں کے ذمہ نہ ہو بلکہ اپنے ذمہ ہواور اس کے پاس مال بھی نہ ہوورنہ خود مالدار پر اور چھوٹے بچوں پر فرض نہیں۔یہ خیال رہے کہ بقدر ضرورت معاش کی طلب ضروری ہے،صرف اکیلے کو اپنے لائق بال بچوں والے کو ان کے لائق کمانا ضروری ہے۔بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ فرمانے سے معلوم ہوا کہ کمائی کی فرضیت نماز روزے کی فرضیت کے مثل نہیں کہ اس کا منکر کافر ہواور تارک فاسق۔

روایت ہے حضرت ابن عباس کہ آپ سے قرآن مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا ۱تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں،یہ لوگ تو نقش باندھنے والے ہیں اور اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے ہیں ۲(رزین)	

۱سائل کو شبہ یہ تھا کہ رب فرماتاہے:"لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا"میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض نہ بیچو اور کاتب قرآن اس کی کتابت کو قیمت پر فروخت کرتا ہے یہ بھی گنہگار ہونا چاہیے کہ نقوش قرآن قرآن ہی میں شمار ہوجاتے ہیں۔

۲خلاصہ جواب یہ ہے کہ آیت لَا تَشْتَرُوْا الخ میں ان پادریوں سے خطاب ہے جو روپیہ لے کر احکام الٰہی بدل دیتے تھے یا چھپالیتے تھے،کتابت قرآن کرنے والا تو دین کی خدمت کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ قرآن کا بقا ہے اور قرآن کے بقاء سے دین کا بقاء۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن چھاپ کر فروخت کرنا،قرآن مجید کی جلد سازی پر اجرت لینا،تعویذ لکھنے پر اجرت اگرچہ اس میں آیات قرآنیہ ہی لکھی جائیں سب جائز ہیں،ایسے ہی فتویٰ لکھنے کی اجرت،امامت،اذان،کہیں جا کر وقت مقررہ پر وعظ کہنے کی اجرت لینا دینا سب جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَہِیْدٌ"۔اس کی پوری بحث ہماری"تفسیر نعیمی"جلد سوم میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ کون کسب بہت پاکیزہ ہے فرمایا انسان کی	

اپنے ہاتھ کی دستکاری اور ہر سچی تجارت ۱؎(احمد)	

۱؎ دستکاری میں کھیتی باڑی کتابت اور دوسری حلال صنعتیں داخل ہیں اور سچی تجارت سے ہر حلال و صحیح تجارت مراد ہے۔فاسد،باطل،مکروہ تجارتیں اس سے خارج ہیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اس قسم کی احادیث میں ید یعنی ہاتھ سے مراد پوری ذات ہوتی ہے لہذا پاؤں سے چل پھر کر آنکھ سے دیکھ کر دماغ سے سوچ کر جو کمائیاں کی جائیں وہ بھی حلال ہیں،طبابت،وکالت،قضاء وغیرہ بھی ہاتھ کی ہی کمائیاں ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوبکر ابن ابی مریم سے فرماتے ہیں کہ حضرت مقدام ابن معد یکرب کی ایک لونڈی تھی ۱؎ دودھ بیچتی تھی اور حضرت مقدام اس کی قیمت لیتے تھے ان سے کہا گیا سبحان اللہ آپ دودھ بیچتے ہیں اور اس کی قیمت پر قبضہ کرتے ہیں ۲؎ فرمایا ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں پر ایک وہ زمانہ آئے گا جس میں صرف روپیہ پیسہ ہی نفع دے گا ۳؎(احمد)	

۱؎ یہ ابوبکر تابعی ہیں،ان کا ذکر مصنف نے اکمال میں نہیں کیا اور حضرت مقداد مشہور صحابی ہیں۔لونڈی سے مراد مملوکہ لونڈی ہے جسے آپ نے خرید و فروخت کی اجازت دی تھی،اس قسم کے غلام کو فقہاء عبد ماذون کہتے ہیں۔

۲؎ شاید اس زمانہ میں اہلِ عرب دودھ کی تجارت کو ناپسند کرتے تھے جیسے آج کل پنجاب میں بھی ذی حیثیت لوگ دودھ بیچنے کو ناپسند کرتے ہیں،گھی فروخت کرتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ جیسے عظمت والے لوگوں کو چاہیے کہ دودھ مفت دیا کریں کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے اس پر قیمت کیسی ؟

۳؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس کاروبار سے اللہ رسول منع نہ فرمائیں وہ حلال ہے،عرف یا خیالات سے کوئی شے حرام نہیں ہوجاتی اور اب زمانہ ایسا آگیا کہ کمال نہیں دیکھا جاتا مال کی قدر ہوتی ہے،مالدار عالم کی تبلیغ ووعظ مؤثر ہے تو ہمیں چاہیے کہ مال کما کر کمال پھیلائیں،اللہ اکبر جب زمانہ صحابہ میں یہ حال ہوچکا تھا تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا،اب تو مبلغین علماء کے لیے فقیری زہر قاتل ہے مالدار عالم کا وعظ بھی مؤثر ہوتا ہے۔علماء کو چاہیے کہ فقیر و ناداری سے بچیں،حلال ذریعوں سے مال ضرور حاصل کریں۔مرقات نے فرمایا کہ علماء سلف فرماتے تھے خوب تجارتیں اور کمائیاں کرو کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو جب کہ حاجت مند پہلے اپنے دین کو ہی کھا جاتا ہے،ایک بار حضرت سفیان ثوری کچھ اشرفیاں اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اگر میرے پاس یہ مال نہ ہوتا تو بنی عباس مجھے رومال بنالیتے کہ مجھ سے اپنے میل پونچھا کرتے۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں میں مصرو شام کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتا تھا ایک بار عراق کی طرف مال بھیجنے لگا تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر	

	ہوا عرض کیا اے مسلمانوں کی مہربان ماں میں شام کی طرف مال بھیجا کرتا تھااس دفعہ عراق بھیج رہا ہوں ۱؎فرمایا یہ نہ کرو تمہیں اپنی پرانی منڈی سے نفرت کیوں ہوگئی ۲؎میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب اللہ تم میں سے کسی کے لیے کسی ذریعہ سے رزق کا سبب بنادے تو وہ اسے نہ چھوڑے حتی کہ سبب بدل جائے یا بگڑ جائے ۳؎(احمد،ابن ماجہ)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی کاروبار میں بزرگوں سے مشورہ کرنا سنت صحابہ ہے،اس سے تجارت میں بزرگوں کا فیض بھی شامل ہوجاتا ہے۔یہ نافع حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں،بڑے محدث ہیں،تابعی ہیں،حضرت ابن عمر کی وفات کے بعد بہت شاندار تجارت کرتے تھے۔

۲؎یعنی جب تمہیں مصر و شام سے نفع بھی حاصل ہورہا ہے اور تمہاری تجارت بھی وہاں چمک رہی ہےتو تم وہاں سے متنفر کیوں ہوئے جاتے ہو۔

۳؎شارحین فرماتے ہیں **تغیر** سے مراد بیوپار میں نفع نہ ہونا ہےاور **تنکر** یعنی بگڑنے سے مراد گھاٹا اور نقصان ہونا ہے،یا تو یہ دونوں کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا ام المؤمنین کو روایت میں شک ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **یَتَغَیَّرَ** فرمایایا **یَتَنَکَّرَ**۔مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذریعہ آمدنی کو بلاوجہ بند نہ کرے کہ اس میں رب تعالٰی کی ناشکری ہے بلکہ اس کی نعمت کا ٹھکرانا ہے،لگی نوکری بندھا کاروبار بلاوجہ مت چھوڑو۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں جو شخص بلاوجہ پچاس روپیہ ماہوار کی نوکری چھوڑ دے گاتو ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ پندرہ روپے کی نوکری تلاش کرے گا پر نہ ملے گی،ہاں اگر قدرتی طور پر بند ہوجائے تو پرواہ نہ کرے کہ اس صورت میں رب تعالٰی اس سے بہتر دروازہ کھول دے گا۔یہ حدیث بہت مجرب ہےجس کا خود فقیر نے بارہا تجربہ کیا،صوفیاء فرماتے ہیں۔ع یک در گیر محکم گیر

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق کا ایک غلام تھا جو انہیں آمدنی دیتا تھا۱؎تو صدیق اکبر اس کی آمدنی کھاتے تھےوہ ایک دن کوئی چیزلایا جس میں سے ابوبکر صدیق نے کچھ کھالیا ۲؎تب غلام نے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں جو یہ کیا ہے ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا ہے وہ بولا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھیاور میں فال جانتا تھا نہیں میں نے تو اسے دھوکہ دیا تھاوہ آج مجھے ملا اور مجھے اس کے عوض یہ دی یہ وہی ہے جو آپ نے کھائی ۳؎فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق نے ہاتھ ڈالا اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کردیا ۴؎(بخاری)

۱؎ اہل عرب اپنے غلاموں کو کاروبار کی اجازت دے دیتے تھے اور ماہوار یا روزانہ کچھ پیسے مقرر کردیتے تھے جو غلام مولیٰ کو ادا کرتا رہتا تھاخواہ وہ کمائی کرتا یا نہ کرتا،زیادہ کرتا یا کم جیسا کہ آج کل لوگ تانگہ و گاڑیاں ٹھیکے پر دے دیتے ہیں اسے خراج کہتے تھے یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۲؎ اور غلام سے پوچھا نہیں کہ کہاں سے لایا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ہی لاتا تھا اور آپ کھاتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تحقیق ضروری نہیں جس چیز کی حلت کا گمان غالب ہو اسے کھالے،صحابہ کرام جنگوں میں کفار کے مال و اسباب بلکہ پہنے ہوئے کپڑوں پر قبضہ کرلیتے تھے اوران کی تحقیق نہ فرماتے تھے،یہ عمل خلاف تقویٰ نہیں۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مٹھائی دو طرح سے حرام تھی:ایک یہ کہ کہانت یعنی فال کھولنے کی اجرت ہےاور فال کھولنا بھی حرام ہے،اس کی اجرت بھی حرام۔دوسرے یہ کہ دھوکا کی شیرنی ہے جیسے کوئی غیر طبیب کسی کو دھوکا دے کر طبیب بنےاس کی اجرت لے یہ حرام ہے۔غالب یہ ہے کہ غلام نے دیدہ دانستہ یہاں جرم کی نیت نہ کی تھی بلکہ اسے دھوکا یہ لگا کہ میں نے یہ کہانت اسلام سے پہلے کی تھی جب مجھ پر احکام شرعی جاری نہ تھے کیونکہ یہ اسی کا معاوضہ ہے اس لیے حلال ہے،اب مسلمان ہو کر نہ کہانت کروں گا،نہ اجرت لوں گا،اسی خیال پر اس نے جناب صدیق اکبر کو پہلے بتایا بھی نہیں،کھلا دینے کے بعد اسے کچھ خیال آیا،مسئلہ پوچھنے کے لیے یہ عرض کیالہٰذا نہ تو غلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس نے یہ شیرنی لی کیوں اور حضرت صدیق کو دھوکا دیا کیوں اور نہ جناب صدیق پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آپ نے بغیر تحقیق کھا کیوں لی۔

۴؎ یہ حضرت صدیق اکبر کا انتہائی تقویٰ ہے کہ جو شے واقعی حرام تھی اور بے علمی میں کھا لی گئی اسے قے کے ذریعہ پیٹ سے نکال دیا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جناب صدیق کی خلافت کو غلط اور آپ کو خائن و غاصب کہتے ہیں جو ہستی ناجائز مٹھائی اپنے پیٹ میں نہ رہنے دے وہ ناجائز طور پر خلافت پر کیوں کر قابض ہوسکتی ہے۔اس حدیث کی بناء پر بعض شوافع فرماتے ہیں کہ جو بے خبری میں بھی ناجائز چیز کھالے وہ قے کردے مگر ہمارے ہاں یہ خصوصی تقویٰ تھا نہ کہ عمومی فتویٰ۔(از مرقات)حرام چیز کھانا حرام ہے،قے کرنا واجب نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام بعینہٖ قبضہ کے بعد بھی ملکیت میں نہیں آتااور نہ وہاں تبدّل ملک کے احکام جاری ہوں۔

روایت ہے حضرت ابوبکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں وہ جسم نہ جائے گا جو حرام سے غذا دیا گیا۱؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ غذا سے کھانے پینے کی تمام چیزیں مراد ہیں اور جنت کے داخلے سے پہلا داخلہ یا وہاں کے اعلیٰ مقام میں داخلہ مراد ہےورنہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو آخر کار جنت میں جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں جو کوئی کپڑا دس درہم سے خریدے اور ان میں ایک درہم حرام ہو تو جب تک وہ کپڑا اس پر رہے گا اللہ اس کی کوئی نماز قبول نہ کرے گا۱؎ پھر آپ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا یہ بہرے ہوجائیں اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ	

	فرماتے نہ سنا ہو ۲؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

۱؎اور اس کا پورا ثواب نہ دے گا اگرچہ شرعًا اس کی نماز درست ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ"۔صحت عبادت کا دارو مدار شرائط جواز پر ہے اور قبولیت تقویٰ پر موقوف ہے،تقویٰ صحت کی شرط نہیں،یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔(مرقات)

۲؎یعنی یہ میرا اپنا قول نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے اور حدیث موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے ایسے موقعہ پر اپنے لیے بددعا کرنا ایک طرح کی قسم ہے جس سے سامع کو یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔

باب المساهلة فی المعاملة

باب معاملہ میں نرمی کرنا۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎مساہلت سہل سے بنا بمعنی نرم زمین،صعب کا مقابل،اصطلاح میں ہر نرم چیز کو مسہل کہہ دیتے ہیں،یہاں معاملات اور لین دین میں سختی نہ کرنا مراد ہے۔معاملات سے مراد نکاح،تجارت،قرض،اجرت وغیرہ سارے کاروبار ہیں جن کا تعلق بندوں سے ہے،عبادات کا تعلق رب تعالٰی سے ہوتا ہے،مسلمان کے معاملات بھی عبادت بن جاتے ہیں اگر نیت خیر ہو۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اس شخص پر رحمتیں کرے جو نرم ہو جب بیچے اور خریدے اور جب تقاضا کرے ۱؎(بخاری)	

۱؎بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ گاہک کو کم یا خراب چیز دینے کی کوشش نہ کرے اور خریدنے میں نرمی یہ ہے کہ قیمت کھری دے اور بخوبی ادا کرے،بیوپاری کو پریشان نہ کرے،تقاضے میں نرمی یہ ہے کہ جب اس کا کسی پر قرض ہو تو نرمی سے مانگے اور مجبور مقروض کو مہلت دے دےاس پر تنگی نہ کرےجس میں یہ تین صفتیں جمع ہوں وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے،،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ"اگر مقروض تندرست ہو تو اسے وسعت تک مہلت دے دو۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا تو اس سے کہا گیا۱؎کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے وہ بولا میں نہیں جانتا اس سے کہا گیا غور تو کر۲؎بولا اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا کہ میں دنیا میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا اور ان پر تقاضا کرتا تھا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی۳؎چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرمادیا ۴؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت اسی طرح ہے عقبہ ابن عامر اور ابو مسعود انصاری سے پھر رب نے فرمایا کہ میں اس مہربانی کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں میرے بندے سے	

	در گزر کرو۵

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال اس سے جانکنی کے وقت ہوا یا قبر میں اور سوال کرنے والے یا تو وہ فرشتے تھے جو جان نکالنے آئے تھے یا منکر نکیر جو حساب قبر لیتے ہیں اگرچہ قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے اعمال کا حساب تو قیامت میں ہوگا مگر یہ اس شخص کی خصوصیات سے ہے کہ اس سے قبر ہی میں اعمال کا حساب بھی ہوگیا،بعض شارحین نے فرمایا قیل بمعنی یقال ہے اور یہ واقعہ سوال و جواب کا قیامت میں ہوگا مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔(لمعات،اشعہ،مرقات)

۲؎ معلوم ہوا کہ مرتے وقت اور قبر میں حشر میں انسان کو اپنے برے بھلے اعمال یاد ہوں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"بَلِ الۡاِنۡسٰنُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ"۔

۳؎ یعنی میرے معاملات بہت درست تھے ان میں اخلاق کو دخل تھا اگر امیر کو ادائے قرض میں دیر لگتی تھی تو میں صبر کرتا تھا اس پر جلدی مانگ کر سختی نہ کرتا تھا اور اگر میرا مقروض قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو اسے بالکل معاف کردیتا تھا تاکہ وہ دنیا و آخرت میں پھنسا نہ رہے۔

۴؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے رب تعالٰی اس پر کرم فرماتا ہے کسی کو پھانسنے کی کوشش نہ کرو بلکہ پھنسے کو نکالنے کی کوشش کرو۔دوسرے یہ کہ معمولی نیکی کو بھی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کبھی ایک قطرہ جان بچالیتا ہے۔ممکن ہے کہ چھوٹا عمل بخشش کا ذریعہ بن جائے اور کوئی معمولی گناہ چھوٹا سمجھ کر کر نہ لو کبھی چھوٹی چنگاری سارا گھر جلا ڈالتی ہے۔

۵؎ یعنی پھنسوں کو نکالنا،لوگوں پر رحم کرنا میری صفت ہے جب تو اخلاق الٰہیہ سے موصوف ہوا تو میں بھی تجھے بخش دیتا ہوں،یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ اللہ تعالٰی کی عادات اختیار کرو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان عبادات کے ساتھ معاملات بھی ٹھیک کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیوپار میں زیادہ قسم کھانے سے بچو ۱؎ کہ قسم مال تو بکوادیتی ہے پھر برکت مٹا دیتی ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں زیادہ قسم سے ممانعت ہے تھوڑی قسموں کی اجازت ہے کہ تجارت میں کبھی قسم کھانی ہی پڑ جاتی ہے،بعض نے فرمایا کہ جھوٹی قسموں سے ممانعت ہے سچی قسم کی اجازت ہے مگر ترجیح اسے ہے کہ مطلقًا قسم سے ممانعت ہے،کثرۃ کا لفظ اتفاقی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعٰفًا مُّضٰعَفَۃً"۔مقصد یہ ہے کہ خرید و فروخت میں سچی قسمیں بھی نہ کھاؤ کہ کبھی جھوٹی قسم بھی منہ سے نکل جائے گی نزلہ سے بچو تاکہ بخار سے محفوظ رہو۔

۲؎ یُنَفِّقُ ف کے شد اور کسرہ سے ہے تنفیق کا مضارع،انفاق سے نہیں ہے،تنفیق بمعنی ترویج ہے یعنی قسم سے لوگ دھوکا کھا کر خرید لیتے ہیں اور مال چل پڑتا ہے مگر آئندہ کو جھوٹے تاجر کا اعتبار نہیں رہتا،تجارت اعتبار پر چلتی ہے۔افسوس کہ یہ سبق مسلمان تاجر بھول گئے،کفار خصوصًا انگریزوں نے یاد کرلیا،آج ان کی راستبازی ضرب المثل بن چکی ہے اسی لیے وہ تجارت میں سب سے آگے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قسم سامان بکوانے والی ہے برکت مٹانے والی ہے ۱؎(بخاری،مسلم)

۱؎ ممکن ہے کہ یہاں الحلف میں الف لام عہدی ہو اور قسم سے مراد جھوٹی قسم ہو،برکت سے مراد آئندہ کاروبار بند ہو جانا ہو یا کیے ہوئے بیوپار میں گھاٹا پڑ جانا یعنی اگر تم نے کسی کو جھوٹی قسم کھا کر دھوکے سے خراب مال دے دیا وہ ایک بار تو دھوکہ کھاجائے گا مگر دوبارہ نہ آئے گا نہ کسی کو آنے دے گا یا جو رقم تم نے اس سے حاصل کرلی اس میں برکت نہ ہوگی کہ حرام میں بے برکتی ہے،صفائی معاملات سیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا تین شخص وہ ہیں جن سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن نہ تو کلام کرے گا نہ نظر رحمت اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا ۱؎ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہیں ابوذر نے عرض کیا وہ تو ٹوٹے اور خسارہ ہی پڑ گئے یارسول اللہ وہ کون ہیں فرمایا تہبند لٹکانے والا،احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال بیچنے والا ۲؎(مسلم)

۱؎ کلام سے مراد محبت کا کلام ہے،دیکھنے سے مراد کرم کا دیکھنا ہے اور پاک فرمانے سے مراد گناہ بخشنا ہے یعنی دوسرے مسلمانوں پر یہ تینوں کرم ہوں گے مگر ان تین قسم کے لوگ ان تینوں عنایتوں سے محروم رہیں گے لہذا ان سے بچتے رہو۔

۲؎ یعنی جو فیشن کے لیے ٹخنوں سے نیچا پاجامہ تہبند استعمال کریں جیسے آجکل جاہل چودھریوں کا طریقہ ہے اور جو کسی کو کچھ صدقہ و خیرات دے کر ان کو طعنے دیں،احسان جتائیں،لوگوں میں انہیں بدنام کردیں کہ فلاں آدمی ہمارا دستِ نگر رہ چکا ہے اور جو جھوٹی قسم کھا کر دھوکا دے کر مال فروخت کریں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا اور امانت دار بیوپاری ا؎ پیغمبروں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا ۲؎ (ترمذی دارمی،دارقطنی)اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

ا؎ اس سے معلوم ہوا کہ دیگر پیشوں سے تجارت اعلیٰ پیشہ ہے،پھر تجارت میں غلہ کی،پھر کپڑے کی،پھر عطر کی تجارت افضل ہے۔(مرقات)ضروریات زندگی اور ضروریات دینی کی تجارت دوسری تجارتوں سے بہتر پھر سچا تاجر مسلمان بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ اسے نبیوں،ولیوں کے ساتھ حشر نصیب ہوتا ہے۔

۲؎ مگر یہ ہمراہی ایسی ہوگی جیسے خدام کو آقا کے ساتھ ہمراہی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ تاجر نبی بن جائے گا،اچھا تاجر تاجور ہے،برا تاجر فاجر ہے۔

	روایت ہے حضرت قیس ابن ابی غرزہ سے فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم کو سوداگر کہا جاتا تھا ا؎ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اس سے بہتر ہمارا نام رکھا گیا ۲؎ فرمایا اے تاجروں کے گروہ تجارت میں بے ہودگی اور جھوٹی قسمیں آجاتی ہیں لہذا اسے خیرات سے مخلوط کردو ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

ا؎ سما سرہ سمسار کی جمع ہے،سمسار دلال کو کہتے ہیں جو تاجر اور خریدار کے درمیان سودا کراتا ہے یعنی سوداگر مگر پھر مطلقًا تاجر کو سمسار کہنے لگے جیسے ہماری اردو میں سوداگر دلال کا نام ہے یعنی سودا کرانے والا مگر اب تاجر کو سوداگر کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی سمسار سے تاجر نام بہتر ہے کیونکہ قرآن شریف میں اس مشغلہ کو تجارت فرمایا گیا ہے،نیز رب نے اپنے کو مسلمانوں کے جان و مال کا خریدار فرمایا،نیز تجارت کے معنے ہیں نفع پر مال الٹ پلٹ کرنے والا سمسار ظالم چونگی والوں کو بھی کہتے ہیں جو ظلم و رشوت میں مشہور ہیں۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ تجارت میں کتنی ہی احتیاط کی جائے مگر پھر بھی کچھ لغو کچھ جھوٹ جھوٹی قسم منہ سے نکل ہی جاتی ہے اس لیے صدقہ و خیرات ضرور کرتے رہو کہ صدقے سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے۔عمومًا تاجر لوگ فقراء کو پیسہ پیسہ دیتے رہتے ہیں،خصوصًا جمعرات کو اس عمل کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے ویسے بھی صدقہ اعلیٰ عبادت ہے۔

	روایت ہے حضرت عبید ابن رفاعہ سے وہ اپنے والد سے راوی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن بیوپاری بدکار اٹھائیں جائیں گے بجز ان کے جو پرہیزگاری بھلائی کریں سچ بولیں ا؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت براء سے روایت کی اور

	ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎ پرہیزگاری سے مراد ہے گناہ کبیرہ سے خصوصًا اور گناہ کبیرہ کی عادت سے عمومًا بچتے رہنا۔نیکی سے مراد ہے اپنے کاروبار کو دھوکا خیانت سے محفوظ رکھنا،سچ سے مراد سودے کے متعلق صاف بات کرنا اگر عیب دار ہو تو اس کو بے عیب ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سارے تاجر فاسق وفاجر ہوں گے سواء ان کے جن میں یہ تین صفات ہوں،پرہیزگاری ،بھلائی، سچائی۔

باب الخیار

اختیار کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اختیار خیر سے بنا بمعنی خیر و بھلائی کی طلب و تلاش،چننے اور پسند کرنے کو بھی خیار کہا جاتا ہے،برگزیدن کے معنے میں۔بیع میں ہمارے ہاں چار خیار ہیں:خیار عقد،خیار رؤیت،خیار شرط،خیار عیب،مگر امام شافعی کے ہاں پانچواں خیار اور بھی ہے خیار مجلس کہ ایجاب قبول کے بعد بھی جب تک فریقین جگہ سے ہٹ نہ جائیں انہیں خیار رہتا ہے کہ بیع کو رکھیں یا ختم کردیں،جب ان میں سے کوئی جگہ سے ہٹ گیا یہ خیار ختم ہوگیا مگر ہمارے ہاں ایجاب قبول سے بیع مکمل ہوجاتی ہے کہ اب ان میں سے کسی کو فسخ کا حق نہیں رہتا،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔خیار شرط کی مدت تین دن ہے،خیار عقد میں مجلس کا اعتبار ہے کہ ایجاب کے بعد جب تک دونوں اپنی جگہ بیٹھے رہیں دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا حق ہے،جب ان میں سے کوئی ہٹ گیا قبول کا خیار جاتا رہا۔خیار عیب میں شرط یہ ہے کہ عیب بائع کے ہاں کا ہو خریدار کے ہاں پیدا نہ ہوا ہو اور اگر ایک عیب تو بائع کے ہاں تھا دوسرا خریدار کے ہاں پیدا ہوگیا تو اب واپسی کا حق خریدار کو نہ ملے گا بلکہ چیز کی قیمت کم ہوجائے گی،تفصیل فقہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کرنے والے دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر اختیار ہے۱؎ جب تک وہ الگ نہ ہوں۲؎ سواء خیار والی بیع کے ۳؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تاجر و خریدار تجارتی کاروبار کریں تو اس بیع میں ہر ایک مختار ہے جب تک جدا نہ ہوں ۴؎ یا ان کی بیع ہی اختیار کی ہو جب بیع اختیار کی ہے تو اختیار لازم ہوگیا ۵؎ اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ خریدار اور بائع مختار ہیں ۶؎ جب تک الگ نہ ہوں یا اختیار رکھیں اور مسلم،بخاری کی روایت میں بجائے اختیار کے یوں ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ دے تو اختیار رکھ ۷؎	

۱؎ یعنی خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ایک نے ایجاب کردیا تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور دوسرے کے قبول سے پہلے ایجاب کرنے والا اپنا ایجاب ختم کرسکتا ہے۔

۲؎ ہمارے امام اعظم کے ہاں یہاں علیحدگی سے مراد جسمانی علیحدگی نہیں بلکہ کلام کی علیحدگی وجدائی مراد ہے کہ ایک کہے میں نے بیچ دی دوسرا کہے میں نے قبول کرلی جسمًا خواہ وہاں ہی بیٹھے رہیں یا علیحدہ ہوجائیں جب باتوں کا ہیر پھیر ہوگیا بیع پوری ہوگئی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِنۡ یَّتَفَرَّقَا یُغۡنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِہٖ"اگر خاوند بیوی الگ ہوجائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا،یہاں زوجین کی جسمانی علیحدگی مراد نہیں بلکہ نکاح سے علیحدگی یعنی طلاق مراد ہے،نیز جب نکاح،کرایہ صرف ایجاب و قبول سے ہی منعقد ہوجاتے ہیں وہاں خیار

مجلس نہیں ہوتا تو بیع بھی ایک عقد ہی ہے وہ بھی صرف ایجاب وقبول سے ہوجانی چاہیے۔امام شافعی اس تفرقہ سے مراد تفرقہ ابدان لیتے ہیں اور اس لفظ سے خیار مجلس ثابت کرتے ہیں یعنی تاجر وخریدار جب تک اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں انہیں بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے مگر مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ متبایعان دونوں عاقدوں کا نام ہے،عقد قول سے ہوتا ہے توجدائی بھی قولی چاہیے نہ کہ بدنی۔

۳؎ اس جگہ خیار سے مراد شرط ہے یعنی ایجاب قبول کے بعد دونوں پر بیع لازم ہوجاتی ہے لیکن اگر کسی نے اپنے لیے واپسی کے اختیار کی شرط لگالی تو اسے تین دن تک واپسی کا حق رہے گا،مثلًا خریدار کہہ دے کہ میں قبول کرتا ہوں مگر تین روز تک مجھے چیز واپس کردینے کا حق ہے کہ اگر میرا دل نہ چاہا تو واپس کردوں گا،اب اگرچہ ایجاب وقبول ہوچکا مگر خریدار کو اس مدت میں واپسی کا حق ہے اس کا نام خیار شرط ہے۔

۴؎ یعنی جب دونوں میں سے ایک نے کہہ دیا کہ میں فروخت کرتا ہوں یا خریدتا ہوں تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا حق ہے اس حق کا نام خیار عقد ہے۔

۵؎ کہ اب دوسرے شخص کو اس کے خیار باطل کرنے کا حق نہ رہا،یہ خود اختیار باطل کرے یا نہ کرے۔**وجب** کا فاعل خیار ہے نہ کہ بیع اور اگر بیع ہی فاعل ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ خیار شرط کی بیع میں دوسرے فریق پر بیع لازم ہوجائے گی اختیار اسے رہے گا جس نے اپنے لیے اختیار رکھا ہے۔

۶؎ **بیعان** سے مراد وہ ہیں جو بیع کرنا چاہتے ہوں یا بیع کررہے ہوں،وہ مراد نہیں ہیں جو بیع کرچکے ہیں جیسے عاقدین انہیں کہتے ہیں جو عقد کررہے ہوں نہ انہیں جو عقد کرچکے،یہ خوب خیال رکھیے اس لفظ سے دھوکا ہوتا ہے اس لفظ سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں،وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ جو بیع شراء کرچکے وہ مختار ہیں۔

۷؎ یہ جملہ **او یختار** کی تفسیر ہے کیونکہ خیار شرط دونوں عاقدوں کے لیے نہیں ہوسکتا بلکہ ایک کو اختیار ہوگا دوسرے پر بیع لازم ہوگی جیسا کہ پہلے **وجب** سے معلوم ہوچکا۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تاجر وخریدار مختار ہیں جب تک الگ نہ ہوں اگر سچ بولیں اور اصل بات ظاہر کردیں تو انہیں اس تجارت میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں اور چھپائیں تو ان کی تجارت کی برکت مٹادی جائے گی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ حضرت خدیجہ کبریٰ کے بھتیجے ہیں،واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے،ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی،ساٹھ سال کفر میں گزارے،ساٹھ سال اسلام میں،زمانہ جاہلیت میں بڑے سخی تھے کہ آپ نے سو غلام آزاد کئے اور سو آدمیوں کو سواری دے کر حج کرائے اور جب خود حج کیا تو سو اونٹ قربانی کئے اور عرفہ میں سو سے زیادہ غلام آزاد کیے،بدر میں کفار کے ساتھ تھے،مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے پھر آزاد کئے گئے،فتح مکہ میں ایمان لائے ۵۸ھ میں مقام زینت میں انتقال کیا۔(اشعہ)

۲؎ یعنی نہ تو فروشندہ چیز کے عیب چھپا کر خریدار کو دھوکا دے،اور نہ خریدار قیمت کے عیوب چھپا کر تاجر کو دھوکا دے دونوں کے معاملات صاف ہوں تو برکت ہوگی ورنہ تجارت میں بے برکتی ہی رہے گی جیسا کہ آجکل دیکھا جارہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خرید وفروخت میں دھوکا کھاجاتا ہوں فرمایا جب خرید وفروخت کرو تو کہہ دیا کرو دھوکا نہ ہو ۱؎ چنانچہ وہ صاحب

	یہ کہہ دیا کرتے تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ دھوکا کھا جانے والے حضرت حبان ابن منقد ابن عمرو مازنی ہیں،غالبًا یہود و منافقین انہیں دھوکا دے کر چیز فروخت کردیتے ہوں گے،صحابہ کرام سے دھوکا دینا ممکن نہیں،خلابہ خ کے کسرہ سے بمعنی غبن و دھوکا ہے۔

۲؎ اس جملہ کے بہت سے معانی کئے گئے ہیں اور ہر معنی کی بنا پر فقہاء کے مذاہب ہیں،ہمارے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کہہ دیا کرو کہ بھائی میں تجارتی کاروبار میں سادہ بندہ ہوں مجھ سے قیمت زیادہ نہ وصول کرلینا میں اپنے لیے اختیار رکھتا ہوں کسی کو دکھاؤں گا اگر قیمت زیادہ لگائی گئی تو مجھے خیار شرط ہے واپس کردوں گا۔چنانچہ بعض روایات میں یوں ہے "لا خلاته ولی الخیار ثلثة ایام" یعنی دھوکا نہ ہو اور مجھے تین دن تک اختیار ہے اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔خیال رہے کہ اگر خریدار غلطی سے چیز مہنگی خریدلے تو اسے واپس کرنے کا حق نہیں اور نہ اس سے بیع فاسد ہوگی ہاں اگر ردّی مال خریدلے تو اسے خیار عیب ملے گا۔بعض آئمہ کے ہاں زیادہ قیمت لگالینے پر بیع فاسد ہوجاتی ہے،بعض کے ہاں خریدار کو واپسی کا حق ہوتا ہے وہ اس جملہ کے اور معنی کرتے ہیں مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اور یہ ہی معنی جو فقیر نے عرض کئے قوی ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تاجر و خریدار مختار ہیں جب تک کہ الگ نہ ہوں ۲؎ مگر یہ کہ عقد ہی اختیار کا ہو ۳؎ اور اسے یہ درست نہیں کہ فسخ تجارت کے ڈر سے اپنے ساتھی سے الگ ہوجائے ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ عمرو کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے،آپ عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں،ان کی روایات مدخول ہوتی ہیں کہ اگر جدہٖ میں ضمیر عمرو کی طرف ہو تو ان کے دادا محمد ابن عمرو ہیں تابعی ہیں اور حدیث مرسل ہے اور اگر جدہٖ کی ضمیر ابیہ کی طرف لوٹے تو یہ ابیہ کے خلاف ہے،انتشار ضمائر ہے اور عمرو نے اپنے پردادا کو پایا بھی نہیں ہے لہذا حدیث منقطع ہے اسی لیے مسلم،بخاری میں اسی اسناد سے ان کی روایات نہیں آتیں۔(اشعہ)

۲؎ اس جملہ کے معنے بھی عرض کردیئے گئے کہ ہماری علیحدگی سے مراد قول کی علیحدگی ہے یعنی ایک کا کہنا کہ میں نے فروخت کردی دوسرے کا کہنا میں نے قبول کرلی اور شوافع کے ہاں تفرق ابدان مراد ہے یعنی تاجر و خریدار کا تجارت کی جگہ سے الگ ہٹ جانا،اس حدیث سے وہ خیار مجلس ثابت کرتے ہیں دلائل پہلے عرض ہوچکے۔

۳؎ کہ خیار والے عقد میں اس علیحدگی کے بعد بھی صاحب اختیار کے اختیار ہوگا،یہاں خیار سے مراد خیار شرط ہے جس کی مدت تین دن ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔

۴؎ یعنی متقی پرہیزگار مسلمان کو یہ مناسب نہیں کہ خریدتے ہی یا بیچتے ہی وہاں سے چلا جائے اس خوف سے کہ سامنے والا عیب پر مطلع ہوکر بیع فسخ نہ کردے۔خلاصہ یہ ہے کہ خرید و فروخت کرنے کے بعد دونوں کچھ وہاں ٹھہریں تاکہ خریدار اچھی طرح دیکھ بھال لے اور تاجر پیسہ گن لے پرکھ لے جیسے ریلوے کے ٹکٹ گھروں پر لکھا ہوتا ہے کہ پیسہ گن کر حساب لگا کر کھڑکی چھوڑو،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ خیار مجلس معتبر نہیں

اگر جگہ چھوڑنے سے پہلے بیع مکمل نہ ہوتی تو حضور اسے اقالہ کرنا نہ فرماتے۔اقالہ کے معنے ہیں بیع مکمل ہوچکنے کے بعد فسخ کرنا اگر ابھی مکمل ہی نہ ہوئی تو فسخ کیسا،اس سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں مگر ثابت ہوتا نہیں،یہ تو ان کے خلاف ہے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے جو منقول ہے کہ آپ چیز خریدتے ہی وہاں سے ہٹ جاتے تھے تاکہ بائع بیع ختم نہ کردے،یہ انکا اپنا اجتہاد ہے اور صحابی کا اجتہاد نص کے مقابل لائق پیروی نہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا دو شخص ایک دوسرے کو راضی کئے بغیر الگ نہ ہوں [1](ابوداؤد)	

[1] ثنان سے مراد تاجر خریدار ہیں یعنی ایجاب و قبول کے بعد بھی تاجر و خریدار ایک دوسرے کو چیز و قیمت سے مطمئن کرکے وہاں سے ہٹیں،دھوکا دے کر بھاگنے کی کوشش نہ کریں اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے "اِلَّآ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجٰرَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ"ایجاب و قبول کے بعد بھی ایک دوسرے کو مطمئن کردینا ضروری ہے کہ اگر کسی کو اطمینان نہ ہو تو چیز واپس کردی جائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو بیع کے بعد بھی اختیار دیا [1] (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے غریب ہے۔	

[1] یعنی ایک دیہاتی نے شہر میں آکر کچھ فروخت کیا تھا پھر وہ اس فروخت پر پشیمان ہوا وہ سمجھا کہ چیز سستی بک گئی تو آپ نے اسے چیز واپس کرلینے کا اختیار دیا،اس طرح کہ خریدار کو فسخ بیع پر راضی فرمادیا اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا کہ اگر خیار مجلس ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دینے کے کیا معنی ہوتے اس کا مطلب صاف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مکمل ہونے کے بعد خصوصیت سے اسے اختیار دیا۔

باب الربوا

سود کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ربو ربوٌ سے بنا بمعنی زیادتی و بڑھ جانااسی لیے زمین کو جہاں پیداوار زیادہ ہوتی ہو ربوہ کہتے ہیں،شریعت میں ربوا اس زیادتی کو کہتے جو عوض سے خالی ہو اور نفس عقد میں مشروط ہو،جانبین میں ہم جنس وہم وزن مال ہوں جیسے ایک سیر گندم دے کر سواسیر لے لینا،اگر جنس یا وزن میں فرق ہوگیا تو سود نہ ہوا۔ربو واؤ سے بھی لکھ سکتے ہیں الف سے بھی ی سے بھی مگر قرآن شریف میں صرف واؤ سے لکھا جائے گا کیونکہ قرآن شریف کی تلاوت و کتابت سب کچھ منقول ہے،سیدنا عبداللہ ابن سلام فرماتے ہیں کہ سود ستر گناہ ہیں چھوٹا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا،ایک درہم سود کا ۳۶ زنا سے بدتر ہے،قرآن شریف میں سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا اعلان دیا گیا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے ۱؎ کھلانے والے لکھنے والے اور اس کے گواہ ہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب برابر ہیں ۲؎ (مسلم)

۱؎ سود کھانے والے کا ذکر پہلے فرمایا کہ یہی بڑا گنہگار ہے کہ سود لیتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے،دوسرے پر یعنی مقروض اور اس کی اولاد پر ظلم بھی کرتا ہے،اللہ کا بھی حق مارتا ہے اور بندوں کا بھی۔

۲؎ یعنی اصل گناہ میں سب برابر ہیں کہ سود خوار کے مددومعاون ہیں،گناہ پر مدد کرنا بھی گنا ہے رب تعالٰی نے صرف سود خوار کو اعلان جنگ دیا،معلوم ہوا کہ بڑا مجرم یہ ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض،گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جو کے عوض چھو ہارے چھوہاروں کے عوض،نمک نمک کے عوض برابر برابر ۱؎ ہاتھ بہ ہاتھ بیچو،جب یہ قسمیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو جب کہ ہاتھ بہ ہاتھ ہو ۲؎ (مسلم)

۱؎ **الذھب** اور اس کے معطوف اسماء مرفوع ہیں مبتداء ہونے کی وجہ سے اور **بالذھب** وغیرہ خبر ہوسکتا ہے کہ منصوب ہوں۔فعل پوشیدہ **بیعوا** کا مفعول یعنی ان چیزوں کو جب ان کی ہم جنس کے عوض فروخت کرو تو دو طرفہ برابر دو مطلقًا

زیادتی و کمی نہ ہو،ان چھ چیزوں کی زیادتی میں تو اتفاق ہے کہ حرام ہے ان کے ماسواء میں آئمہ کا اختلاف ہے ہمارے ہاں ہم جنس وہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ ہم جنس وہم وزن میں تو زیادتی بھی حرام ہے اور ادھار بھی لیکن اگر صرف جنس ایک ہو جیسے انڈے کے عوض انڈے یا صرف وزن ایک ہو جیسے گندم کے عوض جو تو زیادتی حلال ہے ادھار حرام ہے۔

روایت	
روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض،گیہوں گیہوں کے عوض،جو جو کے عوض اور چھوہارے چھوہاروں کے عوض،نمک نمک کے عوض برابر برابر ہاتھ بہ ہاتھ بیچو۱؎جو زیادہ دے یا زیادہ لے اس نے سود کا کاروبار کیا،لینے والا دینے والا اس میں برابر ہے۲؎(مسلم)	

۱؎خیال رہے کہ سود کی حرمت صرف ان چھ چیزوں سے خاص نہیں ان چھ چیزوں کا ذکر اس لیے ہے کہ دوسری چیزوں کو بھی اس پر قیاس کیا جاسکے،علت قیاس میں فقہاء کا اختلاف ہے،ہمارے ہاں جنس و وزن یا کیل میں اتحاد علت قیاسی ہیں۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ سود دو شخصوں سے قائم ہے دینے والے اور لینے والے سے لہذا سود کے دونوں مجرم ہوں گے کہ ان دونوں نے حرام کاروبار کیا اگرچہ لینے والا بڑا گنہگار ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔(مرقات)خیال رہے کہ نام و کام میں یکساں ہونا ہم وزنیت،لہذا گائے اور بکری کے گوشت ہم جنس نہیں کہ نام اگرچہ دونوں کا گوشت ہی ہے مگر کام میں قاعدوں میں فرق ہے اور سونا ولوہا ہم وزن نہیں کہ سونے کے باٹ رتی،ماشہ،تولہ اور لوہے کے باٹ سیر و من ہیں لہذا بکری و گائے کے گوشت میں زیادتی جائز،ایسے ہی سونے و لوہے میں زیادتی حلال ہے کہ بکری کا گوشت ایک سیر دے کر گائے کا گوشت دو سیر لے لیا جائے یا دو تولہ سونا دے کر دو من لوہا لے لیا جائے یا ایک انڈا دو انڈوں کے عوض،ایک گز لٹھا کپڑا دو گز لٹھے کپڑے کے عوض لے لیا جائے کہ انڈے اور کپڑے وزن یا کیلی چیز نہیں بلکہ انڈا عددی ہے اور کپڑا ذرعی یعنی انڈے گن کر اور کپڑا گزوں سے ناپ کر فروخت ہوتے ہیں ان میں زیادتی سود نہیں۔

روایت	
روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے سے برابر کے بغیر نہ بیچو اور بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو۱؎اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو۲؎اور ادھار نقد کے عوض نہ بیچو۳؎(مسلم،بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو۴؎	

۱؎ یعنی سونا خواہ مضروب یعنی سرکاری سکہ ہو یا پترا،نیز نقشین زیور ہو یا سادہ دو طرفہ وزن میں برابر ہونا ضروری ہے،اگر ایک تولہ سونا کی اشرفی دو تولے سونے کے پترے کے عوض فروخت کی یا دو تولہ کے جڑاؤ نقش و نگار والا زیور چار تولے سونے کے عوض بیچا تو حرام ہے نقش یا سکہ کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے،یہ مسئلہ بہت خیال میں رکھنا چاہیے۔

۲؎ یعنی چاندی کی تجارت کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ برابر کے عوض فروخت کرو لہذا اگر چاندی کے ایک روپیہ کے عوض دو تولہ چاندی لی تو حرام ہوا،آج کل روپیہ لوہے کا ہے اور نوٹ کاغذ کا اس لیے یہ بیع جائز ہے کہ ایک روپیہ کی دو تولہ چاندی لیں یا دو روپیہ کی چاندی ایک تولہ خریدیں کیونکہ لوہا یا کاغذ چاندی کی ہم جنس نہیں،بعض حجاج انگریزی دو روپیہ کی عوض سعودی ایک ریال لیتے تھے یہ حرام تھا کہ ادھر دو تولہ چاندی جاتی تھی اور ادھر ایک تولہ چاندی ملتی تھی اب نوٹ میں یہ قباحت نہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ سود دو قسم کا ہے ایک زیادتی کا سود،دوسرے ادھار کا سود،زیادتی کے سود کی حرمت دو شرطوں پر موقوف ہے:ہم جنس ہونا،ہم وزن ہونا مگر ادھار کے سود کی حرمت صرف ایک شرط پر موقوف ہے یا ہم وزن ہونا یا ہم جنس ہونا لہذا سونے چاندی کی تجارت میں زیادتی حلال ہے کہ ایک تولہ سونا کے عوض چار تولہ چاندی لے لیں مگر ادھار حرام ہے،فورًا فریقین قبضہ کریں کسی طرف سے ادھار نہ ہو کہ سونا چاندی اگرچہ جنس الگ ہیں مگر وزن دونوں کا ایک ہے کہ دونوں تولہ ماشہ سے بکتے ہیں۔

۴؎ دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں **مثلاً بمثلٍ** تھا اور یہاں **وزنًا بوزنٍ** ہے جس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں برابری وزن سے کرنا ضروری ہے،پیائش سے برابری کافی نہیں،مثلًا دو انچ کا چاندی کا پترا تین انچ چاندی کے پترے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے اور دونوں کا وزن برابر ہو اگر دو طرفہ دو انچ کے پترے چاندی کے ہوں مگر ان کے وزن میں فرق ہو تو بیع حرام،وزن کا لحاظ ہے اور وزن ہی کی برابری ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت معمرابن عبداللہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنتا تھا غلہ کی غلہ سے بیع برابر برابر کرو ۱؎ (مسلم)	

۱؎ **طعامٌ طعمٌ** سے بنا بمعنی کھانا،طعام ہر کھانے کی چیز کو کہتے ہیں خواہ پھل ہوں یا دانے،اگر ہم جنس اور ہم وزن ہوں تو زیادتی حرام ہے،لینے کی چیزوں کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے لہذا بھینس یا بکری کا دودھ،سرسوں یا تل کا تیل اگرچہ دو طرفہ ایک جنس ہوں تو زیادتی حرام،دو جنس ہوں تو زیادتی حلال لہذا ایک سیر بھینس کے دودھ کے عوض دو سیر بکری کا دودھ یا ایک سیر سرسوں کے تیل کے عوض دو سیر تل کا تیل فروخت کرسکتے ہیں کہ جنس مختلف ہے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا سونے کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد ۱؎ چاندی چاندی کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد اور گندم گندم کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد اور جو جو کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد ۲؎ اور چھوہارے چھوہارے کے عوض	

سود ہے مگر نقد بہ نقد ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ هَاءَ دراصل هَاكَ تھا بمعنی خُذْ لے لے،اسم فعل ہے بمعنی امر،ک کو ہمزہ سے بدل دیا،معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے سے کہے یہ لے یعنی نقد،بعض نے فرمایا ھاء اسم فاعل بمعنی امر ہے،ہمزہ کو جر ہے یا فتح،معنی وہ ہی ہیں خُذْ یعنی لے لے،اس سے مراد نقد ہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جیسے ہم وزن ہم جنس میں زیادتی حرام ہے ایسے ہی ادھار بھی حرام ہے،دو طرفہ نقد ہونی چاہیے۔

۲؎ اس حدیث سے اشارۃً بیع تعاطی کا جواز نکلتا ہے کہ فریقین منہ سے کچھ نہ کہیں ایک قیمت دے دے دوسرا مال۔حضرت سفیان ثوری ایک انار والے کی دکان پر گئے،آپ نے دکاندار کے سامنے درہم رکھ دیا اس نے ایک انار آپ کے سامنے رکھ دیا آپ انار اٹھا کر چلے آئے۔(مرقات) بات کوئی نہ کی،اس سے بیع طعاطی کا ثبوت ہوا،بیع طعاطی معمولی و اعلیٰ ہر قسم کے مال میں ہوسکتی ہے،دیکھو یہاں چاندی سونے کی تجارت میں طعاطی کافی مانی گئی۔

۳؎ خیال رہے کہ سونا چاندی فرماکر تمام دھاتوں کی طرف اشارہ فرمادیا اور گندم وجو فرما کر تمام دانہ و غلے کی جانب اور چھوہارے فرما کر تمام پھلوں کی طرف اشارہ فرمادیا۔مطلب یہ ہوا کہ ہر ہم جنس وہم وزن چیز خواہ دھات کی قسم سے ہو یا غلے کی قسم سے خواہ پھلوں کی قسم سے ان میں زیادتی سود ہے حرام ہے،یہ تفصیل مذہب حنفی کی تائید فرماتی ہے کہ ہم جنس وہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید اور حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا حاکم بنایا تو آپ کی خدمت میں اعلیٰ درجے کے خرمے لائے ۱؎ تو فرمایا کہ خیبر کے سارے چھوہارے ایسے ہی ہوتے ہیں عرض کیا نہیں یارسول اللہ ہم ان چھوہاروں کا ایک صاع دو صاعوں کے عوض اور دو صاع تین کے عوض خرید لیتے ہیں ۲؎ تو فرمایا ایسا نہ کرو ۳؎ مخلوط کو درہموں کے عوض نہ بیچو اور درہموں سے کھرے خرید لو اور وزنی چیزوں کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ بطور ہدیہ پیشکش فرمانے کے لیے۔جنیب چھوہاروں کی ایک اعلیٰ قسم کی نام ہے جیسے ہمارے ہاں شربتی گندم اعلیٰ قسم کا ایک گندم ہے۔

۲؎ یعنی خیبر میں ہر قسم کے چھوہارے ہوتے ہیں اعلیٰ بھی ردی بھی،ہم ردی سے اعلیٰ خرید لیتے ہیں اس طرح کہ ارزانی کے زمانہ میں دو گنے ردی دیتے ہیں اور گرانی میں تگنے یا معمولی اعلیٰ دو گنے کے عوض اور بہت اعلیٰ تگنے کے عوض خرید لیتے ہیں،یہ بھی اسی طرح خریدے ہوئے ہیں کہ ردی خرمے دے کر اعلیٰ خرمے اس سے نصف لیے گئے ہیں۔

۳؎ یعنی اب تک جو کرلیا وہ کرلیا اس پر پکڑ نہیں،آئندہ اس طرح تبادلہ نہ کرنا کہ یہ سود ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لانے والے پر نہ تو عتاب فرمایا نہ ان کی کھجوروں کی واپسی کا حکم دیا،نہ انہیں ان کھجوروں کے استعمال سے منع

فرمایا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ ہدیہ قبول بھی فرمالیاصرف آئندہ کے لیے منع فرمادیا کیونکہ ابھی سود کے قوانین شائع نہ ہوئے تھے،سود کی حرمت نئی نئی ہوئی تھی اور قانون یا تفصیل قانون شائع ہونے سے پہلے خلاف ورزی کرنے والوں پر عتاب نہیں ہوتا جب کہ بے خبری میں کریں،اس وقت بے خبری کا عذر درست ہوتا ہے مگر قانون شائع ہوچکنے کے بعد بے خبری عذر نہیں لہذا اب اگر کوئی اس طرح کی تجارت کرے گا تو مجرم بھی ہوگا اور یہ خرید و فروخت درست بھی نہ ہوگی لہذا حدیث واضح ہے۔

ہ یعنی درمیان میں پیسہ رکھ لو سود نہ بنے گا اور سود درست ہوجائے گا کہ مثلًا دو سیر ردی خرمے ایک روپیہ کے عوض بیچ دو،پھر اس روپیہ کے اعلیٰ خرمے ایک سیر لے لو۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سود کی علت ہم جنس اور ہم وزن ہونا ہے کہ حضور انور نے وزن کا لحاظ فرمایا،یہ ہی احناف کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں سونا چاندی میں سود ہے اور کھانے کی چیزوں میں سود ہے۔طعمیت سود کی علت ہے یا ثمنیت یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حرام سے بچنے کے لیے شرعی حیلے کرنے جائز ہیں اگر سو روپیہ دو سو روپیہ کی عوض فروخت کرنے ہوں تو اس سے سو روپیہ کے عوض کپڑے کا تھان خرید لو پھر وہ ہی تھان دو سو کے عوض فروخت کردو،یہ وہ ہی صورت ہے جس کی تعلیم یہاں دی گئی۔(مرقات)شرعی حیلوں کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے۔ایّوب علیہ السلام نے بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی رحمت کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی،صحت یاب ہونے پر رب نے ان سے فرمایا" خُذۡ بِیَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ"ہاتھ میں جھاڑو لےکر مار دو اپنی قسم نہ توڑو۔یہ قسم پوری کرنے کا حیلہ ہوا مگر حرام سے بچنے کا حیلہ جائز ہے،احکام شرعیہ میں تبدیلی کی نیت سے حیلہ کرنا حرام۔حیلہ کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت ابی سعید سے فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے ۱؎ تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہاں سے آئے عرض کیا ہمارے پاس ردی کھجوریں تھیں تو میں نے اس کے دو صاع ایک صاع کے عوض بیچ دیئے فرمایا ہائے ۲؎ بالکل سود بالکل سود یوں نہ کرو لیکن جب خریدنا چاہو تو چھوہارے دوسری بیع سے بیچ دو پھر اس سے خریدلو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ برنی عرب کی مشہور و اعلیٰ کھجور ہے،ب کی فتح ر کے سکون یا فتح،قاموس میں ہے کہ یہ لفظ برنیک تھا بمعنی اچھا پھل،فارسی سے عربی میں منتقل کیا گیا اور برنی بنادیا گیا۔

۲؎ اَوِّهْ الف کا فتح واؤ کی شد اور کسرہ، ہ کا سکون یا واؤ اور ہ دونوں کا سکون یا واؤ کی الف سے تبدیلی،غرضکہ اَوِّهْ اُوْهْ یا آہ ایسے الفاظ ہیں جو تکلیف،بیماری یا اظہار افسوس کے موقعہ پر بولے جاتے ہیں،یہاں حضور انور نے اظہار افسوس کے لیے فرمایا یعنی ہائے افسوس۔

۳؎ اس کی بھی وہی صورت ہے جو پہلے مذکور ہوئی یعنی اولًا دو صاع ردی کھجوریں ایک روپیہ کے عوض فروخت کردو،پھر اس روپیہ سے ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لے لو یہ دو بیعیں ہوجائیں گی اور سود نہ بنے گا۔وہ جو روایت میں آتا ہے کہ رزین ابن ارقم کی ام ولد نے عائشہ صدیقہ سے عرض کیا کہ میں نے زید کے ہاتھ آٹھ سو میں ایک لونڈی ادھار بیچی اور شرط یہ لگائی کہ جب بھی تم بیچو میرے ہاتھ بیچنا۔چنانچہ قرض ادا ہونے سے پہلے میں نے یہ لونڈی زید ابن ارقم سے چھ سو میں خریدلی تو ام المؤمنین نے فرمایا زید ابن ارقم سے کہہ دینا کہ تمہارے سارے نیک اعمال باطل ہوگئے تم نے یہ بیع ناجائز کی۔(مالک و احمد)ام المؤمنین کے اس بیع کے ناجائز کہنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں:ادائے قرض کی صحیح مدت مقرر نہ ہونا،دوسری بیع بالشرط ہونا لہٰذا وہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک غلام آیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال نہ ہوا کہ وہ غلام ہے ۱؎ پھر اس کا مولیٰ اسے لینے آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اسے ہمارے ہاتھ بیچ دو چنانچہ اسے دو حبشی غلاموں کے عوض خرید لیا اس کے بعد کسی سے بیعت نہ لی حتی کہ اس سے پوچھ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد ۲؎(مسلم)	

۱؎ حقیقتًا یہ بھاگا ہوا غلام تھا اس کا مقصود تھا مولیٰ سے نجات پانا مگر ظاہر یہ کیا کہ مؤمن ہوں مہاجر بن کر آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں،حضور انور نے بھی اس کی تحقیق نہ فرمائی اور اس سے ہجرت پر بیعت لے لی۔خیال رہے کہ اگرچہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کھلے چھپے کی اطلاع دی ہے مگر علم کا ہر وقت حضور ضروری نہیں،حافظ کو سارا قرآن یاد ہوتا ہے مگر ہر لفظ ہر وقت سامنے نہیں رہتا لہٰذا اس سے حضور کی بے علمی ثابت کرنا حماقت ہے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ غلام مولیٰ کی بغیر اجازت ہجرت نہیں کرسکتا۔دوسرے یہ کہ بیعت فسخ نہیں ہوسکتی کہ حضور نے اسے خرید لیا مگر اس کی بیعت فسخ نہ کی۔تیسرے یہ کہ غیر سودی مال میں زیادتی کمی جائز ہے۔چنانچہ ایک بکری دو کے عوض فروخت کرسکتے ہیں کیونکہ حیوان سودی مال نہیں کہ یہ نہ کیلی ہے نہ وزنی،ہاں حیوان کی حیوان سے ادھار بیع ناجائز ہے،حضرت رافع ابن خدیج نے ایک اونٹ دو کے عوض بیچا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ چھوہاروں کے معلوم پیمانہ کے عوض چھوہاروں کا وہ ڈھیر بیچا جائے جس کا پیمانہ معلوم نہیں ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی دو طرفہ کھجوریں ہوں،ایک جانب کی کھجوروں کا وزن معلوم ہو مگر دوسری کا معلوم نہ ہو،چونکہ یہ مال سودی ہے اور اس نامعلومیت کی وجہ سے سود ہوجانے کا اندیشہ ہے،ممکن ہے کہ وہ نامعلوم ڈھیر اس سے کم یا زیادہ ہو اس لیے منع فرمایا

گیا،روپے یا گندم کے عوض کھجور کا نامعلوم ڈھیر خریدنا ناجائز ہے۔مشکوۃ کے اس نسخے میں مَكِيْلَتُهَا ہے بمعنی مقدار کیل،اشعہ کے نسخے میں بِكَيْلِهَا بمعنی کیل و پیمانہ۔

روایت ہے حضرت فضالہ ابن ابی عبید سے فرماتے ہیں میں نے خیبر کے دن بارہ دینار کے عوض ایک ہار خریدا جس میں سونا بھی تھا اور موتی کے منکے بھی میں نے اسے کھول ڈالا تو اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا ۱؎ تو اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حضور انور نے فرمایا ایسے ہار بغیر جدا کیے نہ بیچے جائیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ اس طرح کے ہار کے سونے کا وزن بارہ دینار کے وزن سے زائد تھاتو مجھے سونا زیادہ ملااورموتی کے منکے اس کے علاوہ۔

۲؎ کیونکہ ایسی تجارت میں سود کا قوی اندیشہ ہے اگر یہاں ہار کا سونا برابر بھی ہوتا تب بھی سود تھا کہ موتی زائد تھے ایسی صورت میں دینار ہار کے سونے سے زائد چاہئیں تاکہ زیادتی موتی کے مقابل ہوجائے اور عقد میں سود نہ رہے۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے لیے تو ایسی تجارت کی ممانعت فرمادی مگر یہ بیع رد نہ فرمائی اور خریدار کو واپسی کا حکم نہ دیا کیونکہ اس زمانہ میں مسئلہ سے ناواقفی عذر تھی کہ قانون سود پورے طور پر نہ واضح ہوا تھا نہ مشتہر،اب اگر ایسا عقد کوئی ناواقفی سے کرے تو واپسی کرنا ہوگا جڑاؤ سنہری ہار اگر سونے کے عوض بیچا جائےتو سونے کا وزن معلوم ہونا بھی ضروری ہےاور جو سونا ہار کے عوض دیا جائے اس کا زیادہ ہونا بھی لازم تاکہ یہ زیادتی ہار کے موتی وغیرہ کے عوض ہوجائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب کہ سود کھائے بغیر کوئی نہ رہے گا ۱؎ اگر سود نہ بھی کھائے گا تو اسے سود کا اثر ضرور پہنچے گا یہ بھی روایت ہے کہ اس کا غبار پہنچے گا ۲؎ (احمد،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ اس طرح کہ سود کا رواج عام ہوجائے گا اور ہر شخص بلاواسطہ یا بالواسطہ کبھی نہ کبھی سود کھا ضرور لے گا جیسا کہ آج کل ہورہا ہے کوئی کاروبار بغیر بینک کے نہیں چلتااور کوئی بینک بغیر سود کے لین دین نہیں کرتا،اب اس سودی روپیہ سے جو کاروبار ہوگا اس میں سود ضرور شامل ہوگا۔

۲؎ یعنی اس زمانہ میں بعض لوگ سود لیں گے،بعض دیں گے،بعض سود کی گواہی تحریر وغیرہ کریں گے،بعض لوگ ان سودی کاروبار والوں کے گھر دعوت کھائیں گے،بعض لوگ ان سے دینی کاموں میں چندہ لیں گے،بہرحال یہ سودی پیسہ کسی نہ کسی ذریعہ ہر جگہ ضرور پہنچے گا۔

مسئلہ: جس کی آمدنی مخلوط ہو کہ حلال بھی ہو حرام بھی اس کے ہاں ملازمت کر کے تنخواہ لینا،اس سے چندہ لینا،اس کے ہاں دعوت کھانا وغیرہ سب کچھ جائز ہے،ہاں خالص حرام کمائی والے کے ہاں نہ ملازمت جائز نہ ان سے یہ معاملات درست۔(کتب فقہ)اسی لیے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود عام ہوجانے کی خبر دی مگر ان سب لوگوں کو فاسق یا گنہگار نہ فرمایا سود خوار فاسق ہے مگر جسے سود کا غبار یا بخار پہنچے اسے فاسق نہیں کہہ سکتے،دیکھو رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے ہاں پرورش کے لیے رکھا،ان کی کمائیاں یقینًا مخلوط تھیں،خالص حلال نہ تھیں،اگر مخلوط مال کی دعوت یا چندہ حرام ہوتے،تو رب تعالٰی اپنے کلیم و حبیب صلوۃ اللہ علیہما وسلامہ کی پرورش ان کے ہاں نہ کراتا،نیز اگر مخلوط مال سے یہ سارے معاملہ بند کردیئے جائیں تو آج کوئی دینی ادارہ مدرسے،مسجدیں،خانقاہیں آباد نہیں رہ سکتے کہ ان میں ہر شخص سے چندہ لیا جاتا ہے خالص حلال کی تحقیق نہ کرتے ہیں نہ کرسکتے ہیں،یہ مسئلہ ضرور خیال میں رکھاجائے۔اس قاعدے سے آج کل کے بینک وغیرہ محکموں کی نوکریوں کا حال بھی معلوم ہوگیا۔یہ ضرور ہے کہ اس وقت خالص حلال روزی ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی کے عوض چاندی،گیہوں کے عوض گیہوں،جو کے عوض جو،چھوہارے چھوہارے کے عوض اور نمک نمک کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر۱؎ نقد سے ہاتھ بہ ہاتھ ۲؎ لیکن سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے کے عوض اور گیہوں کو جو کے عوض اور جو کو گیہوں کے عوض،چھوہارے نمک کے عوض ہاتھ بہ ہاتھ جیسے چاہو بیچو ۳؎(شافعی)

۱؎ خیال رہے کہ وزنی چیزوں کی برابری وزن سے ہوگی اور کیل یعنی ماپ والی چیزوں کی برابر ماپ سے،شریعت میں سونا چاندی وزنی ہیں اور گندم جو کیلی،تو سونے چاندی دھاتوں کو وزن میں برابر کرکے خرید و فروخت کرواور گندم جو کوٹوپہ پیمانہ سے برابر کرکے فروخت کرولہٰذا ایک سیر بھاری گندم کی بیع ایک سیر ہلکی گندم سے ناجائز ہے کہ یہ وزن میں تو برابر ہوئے مگر پیمانہ میں برابر نہیں لیکن گندم پیمانہ میں کم آئے گی وزن میں زیادہ ایسے ہی ایک سیر گندم کی بیع ایک سیر گندم کے آٹے سے ناجائز ہے کہ ایک سیر آٹا زیادہ گندم کا ہوتا ہے۔(ازمرقات)

۲؎ یعنی ہم جنس و ہم وزن چیزوں کی بیع میں زیادتی کمی بھی حرام ہے اور ادھار بھی حرام،برابر دو اور دو طرفہ نقد دواور ہم وزن تو ہوں مگر ہم جنس نہ ہوں جیسے گندم وجو یا ہم جنس تو ہوں ہم وزن نہ ہوں جیسے اخروٹ یا انڈے کہ گن کر فروخت

کیے جاتے ہیں تو ان میں زیادتی کمی جائز مگر ادھار حرام اور جنس و وزن دونوں میں مختلف ہوں تو کمی بیشی بھی حلال اور ادھار بھی درست جیسے روپیہ پیسہ سے مذکورہ چیزوں کی خرید و فروخت،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

۳؎ یعنی چونکہ ان کی جنسیں مختلف ہیں لہذا ان میں زیادتی کمی حلال ہے لیکن ہم وزن میں ادھار حرام ہوگا جیسا کہ پہلے حدیث میں اور ابھی شرح میں گزر چکا۔(مرقات و لمعات)

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ سے کھجور چھوہاروں کے عوض خریدنے کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا کیا کھجور خشک ہو کر کم ہوجاتی ہے ۲؎ عرض کیا ہاں تب آپ نے اس سے منع فرمادیا ۳؎ (مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ اگر تر کھجور خشک چھوہاروں کے عوض برابر برابر فروخت کی جائے تو درست ہے یا نہیں کہ اس وقت تو برابر ہی ہیں،سوال نہایت اعلیٰ ہے۔

۲؎ یہ سوال ناواقفی کی بنا پر نہیں کہ تر کھجور کا خشک ہو کر کم ہوجانا بالکل ظاہر ہے،خصوصًا اہل عرب پر خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ آئندہ جواب کی تمہید کے لیے ہے جیسا کہ روش کلام سے ظاہر ہے۔(مرقات)

۳؎ امام شافعی و صاحبین کے ہاں تر کھجور و خرما کی بیع برابر برابر بھی ناجائز ہے اس حدیث کی بنا پر مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی بیع درست ہے۔اولًا تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے حرمت جیسا مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ (اشعہ)اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے ادھار کی بیع مراد ہوگی کہ ایک جنس میں ادھار کی بیع حرام ہے دوسری روایات میں لفظ نسیئۃ آیا بھی ہے،انگور کی بیع کشمش یا منقے سے،تازہ گوشت کی بیع خشک گوشت سے اسی اختلاف پر ہے کہ امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی درست دیگر آئمہ کے ہاں ممنوع۔(مرقات)

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے(ارسالًا) ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے عوض گوشت بیچنے سے منع فرمایا ۲؎ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ جاہلیت کے جوئے سے تھا ۳؎ (شرح سنہ)	

۱؎ حضرت سعید ابن مسیب افضل تابعین سے ہیں،انہوں نے بغیر ذکر صحابہ حدیث کو حضور سے روایت فرمادیا،اسی کا نام ارسال ہے،حدیث مرسل امام شافعی کا ہاں معتبر نہیں،ہمارے ہاں معتبر ہیں۔

۲؎ اس حدیث کے ظاہری معنی پر حضرت امام شافعی کا عمل ہے،ان کے ہاں گوشت جانور کے عوض فروخت کرنا مطلقًا ممنوع ہے،خواہ گوشت اور جانور ایک ہی جنس کے ہوں یا مختلف جنس کے اور خواہ جانور حلال ہو یا حرام۔چنانچہ ان کے ہاں گائے کے گوشت کے عوض گدھا خریدنا بھی حرام ہے اور بکری کا گوشت خریدنا بھی حرام،امام محمد کے ہاں اگر جانور حلال ہو اور گوشت و جانور ہم جنس ہوں تو گوشت جانور کے گوشت سے زیادہ ہونا ضروری ہے،اگر بکری میں دس سیر گوشت ہے تو دوسرا گوشت بارہ تیرہ سیر چاہیے اور اگر جانور و گوشت زیادہ چاہیے تاکہ زیادتی کھال وغیرہ کے عوض ہوجائے اور اگر جانور و گوشت

مختلف الجنس ہوں تو مطلقًا بیع درست ہے،امام اعظم کے ہاں یہ کوئی قید نہیں ان کے ہاں جانور کی بیع گوشت کے عوض ہر طرح جائز ہے اور اس حدیث میں ادھار بیع مراد ہے یعنی جانور کو گوشت کے عوض نقد بیچنا تو حلال ہے ادھار بیچنا حرام کہ جانور موٹا پتلا ہوتا رہتا ہے اور گوشت کا ادھار میں تعین مشکل ہوتا ہے۔(لمعات و مرقات)

۳؎ یعنی کفار عرب کھیل کا بھی جوا کرتے تھے اور عقد کا بھی،یہ جانور و گوشت کی بیع کو عقد کا جُوا قرار دیتے تھے کہ اگر جانور میں گوشت سے زیادہ نکل آیا تو گوشت والا جیت گیا اور اگر کم نکلا تو جانور والا جیت گیا گوشت والا ہار گیا۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی جانور کے عوض ادھار تجارت سے منع فرمایا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ اس مسئلہ کی تحقیق اور اس میں صحابہ و تابعین اور آئمہ دین کا اختلاف پہلے بیان ہوچکا کہ بعض کے ہاں اگر دو طرفہ جانور ادھار ہوں تو بیع ناجائز ہے،اگر ایک طرفہ ادھار ہو ایک طرف نقد تو درست ہے۔ہمارے ہاں جانور کی جانور سے ادھار بیع مطلقًا منع ہے،یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ اس میں کوئی تفصیل نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کے سامان تیار کرنے کا حکم دیا ۱؎ تو اونٹ ختم ہوگئے ۲؎ تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں حکم دیا کہ صدقہ کی اونٹنیوں کے عوض لے لیں تو وہ صدقہ کے اونٹ آنے تک ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض لیتے تھے ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی حکم دیا کہ لشکر کو سواریوں ہتھیاروں اور دیگر سامان سے لیس کردیں۔

۲؎ یعنی بعض سپاہیوں کو اونٹ نہ ملے اونٹ ختم ہوگئے اور سپاہی بچ رہے کہ اونٹ کم تھے اور سپاہی زیادہ تھے۔

۳؎ اس کی صورت یہ ہے کہ آج لوگوں سے اونٹ خرید لو اور ان تاجروں سے وعدہ کرلو کہ جب زکوۃ کے اونٹ آئیں تو تم کو ایک کے عوض دو اور دو کے عوض چار دیئے جائیں گے۔ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے کہ جو جانور کے ادھار کی بیع جائز کہتے ہیں،ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اولًا تو یہ حدیث ہی ضعیف ہے،اس ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو منسوخ ہے،یہ حکم اس وقت تھا جب کہ اسلام میں سود حرام نہ ہوا تھا،ہماری دلیل حضرت سمرہ کی حدیث ہے جو ابھی گزرگئی کہ وہ حدیث صحیح بھی ہے اور غیر منسوخ بھی۔اس حدیث میں ایک اشکال یہ بھی ہے کہ ادھار کی بیع میں وقت ادا مقرر ہونا چاہیے اور زکوۃ کے اونٹوں کی وصولی کا وقت مقرر نہیں،ہر شخص اپنا سال گزرنے پر زکوۃ دیتا ہے زکوۃ کے لیے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہیں ہوسکتی،غرضکہ یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں ضعیف ہے منسوخ ہے یا مجمل یا مشکل ہے،حدیث سمرہ اس پر ترجیح رکھتی ہے۔(لمعات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود ادھار میں ہے ایک روایت میں یوں ہے جو ہاتھ بہ ہاتھ نقد ہو اس میں سود نہیں ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی جیسے رب کا فرمان "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ" میں کہ قرآن کریم نے جو صرف چھ جانوروں کی حرمت بیان کی حصر کے طریقہ پر یہ مشرکین کے بحیرہ سائبہ وغیرہ کے مقابلہ میں ہے ورنہ کتا گدھا وغیرہ بھی حلال نہیں ہے۔کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو برابر برابر فروخت کرنے کے متعلق دریافت کیا ہوگا،یا مختلف الجنس کو زیادتی کمی سے بیچنے کے بارے میں پوچھا ہوگا تو فرمایا ان صورتوں میں سود صرف ادھار میں ہوگا نقد میں نہیں،ایک سیر گندم دوسیر جو کے عوض یا ایک سیر گندم ایک سیر گندم کے عوض نقد بیچ سکتے ہیں ادھار نہیں لہذا **الربو** میں الف لام عہدی ہے یعنی ان کا ربو صرف ادھار میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ الف لام استغراقی ہو یعنی ادھار میں مطلقًا زیادہ حرام ہے خواہ دونوں کے عوض و قدر میں یکساں ہوں یا صرف جنس میں یا صرف قدر میں یکساں ہوں،نقد کی تجارت میں ربو جب حرام ہوگا جب کہ دونوں عوض جنس میں بھی ایک ہوں وزن میں بھی لہذا یہ حدیث گزشتہ **مثلاً بمثلٍ** کے خلاف نہیں۔(لمعات،اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ سے جنہیں فرشتوں نے غسل دیا ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کا ایک درہم جو جانتے ہو انسان کھائے ۲؎ وہ چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے ۳؎ (احمد،دار قطنی) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس سے روایت کی وہاں یہ زیادتی ہے کہ فرمایا جس کا گوشت حرام سے اگا ہوگا تو آگ اس سے بہت قریب ہوگی ۴؎	

۱؎ غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی،حضرت حنظلہ غزوہ احد کے دن نو عروس تھے،ابھی جنابت سے غسل نہ کیا تھا کہ اعلان جہاد ہوگیا،بغیر غسل کیے چلے گئے اور شہید ہوگئے،انہیں حضرت جبریل و میکائیل نے غسل دیا،ان کی نعش شریف سے پانی ٹپک رہا تھا اسی لیے ان کا لقب غسیل الملائکہ ہوا،ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بھی صحابی ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سات سالہ تھے،انصار کے سردار تھے،یزید ابن معاویہ کی بیعت مع انصار مدینہ کے آپ نے توڑ دی اور حرہ کے دن اپنے سات بیٹوں کے ساتھ یزیدی لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے،بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔(اشعہ)

۲؎ کھانے سے مراد ہے سود لیناخواہ کھائے یا پہنے یا کسی اور استعمال میں لائے یا صرف جمع کرکے رکھے،چونکہ تمام استعمالات میں کھانا زیادہ اہم ہےاس لیے اس کا ذکر فرمایا،ہماری اصطلاح میں بھی سود لینے والے کو سود خوار یعنی سود کھانے والا کہا جاتا ہے،ایک درہم سےمراد معمولی ساماں ہے۔جاننے کی قید اس لیے لگائی کہ بے علمی میں اگر سود کا پیسہ استعمال میں آجائے تو گناہ نہیں اسی لیے مخلوط کمائی والے کے ہاں دعوت وغیرہ کھانا جائز ہےکہ ہمیں خبر نہیں کس مال سے کھانا پکایا گیا۔

۳؎ ایک سود کے چھتیس زنا سے بدتر ہونے کی چند وجہیں ہیں:زنا حق اللہ ہے اور سود حق العباد جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا،سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کا اعلان ہےزانی کو یہ اعلان نہیں،سود خوار کوخرابی خاتمہ کااندیشہ ہےزانی کے متعلق یہ اندیشہ نہیں،سودخوار مقروض اوراس کے بال بچوں کو تباہ کرتا ہےاسی لیے سودخوارپر زیادہ سختی ہے۔(لمعات،مرقات)نیز عمومًا مسلمان زنا سے تو نفرت کرتے ہیں مگر سود سے نہیں،حکومتیں اور گناہوں کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں مگر سود کو رواج دیتی ہیں اس سے بچنا مشکل ہے۔

۴؎ یعنی جیسے مٹی کے تیل میں بھیگا ہوا کپڑا آگ میں جل جاتا ہےایسے ہی سود،رشوت،جوئے،چوری وغیرہ حرام مال سے پیدا شدہ گوشت دوزخ کی آگ میں بہت جلد جلے گا،چونکہ غذا سے خون اور خون سے گوشت بنتا ہےاس لیے غذا بہت پاکیزہ ہونی چاہیے،حرام غذا کا اثر سارے بدن پر پڑتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے ستر حصے ہیں جن سے کمترین حصہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے ۱؎	

۱؎ یعنی ماں سے زنا کرنا جب کمترین درجہ ہواتو بقیہ درجے اس سے زیادہ سخت ہوں گے،چونکہ اہلِ عرب سود کے بہت زیادہ عادی تھے،ان سے سود چھوڑناآسان نہ تھااس لیے سود پر زیادہ وعیدیں وارد ہوئیں۔خیال رہے کہ زنا اکثر مرد عورت کی رضا مندی سے بلکہ زیادہ ترعورت کی رضا سے ہوتا ہے اسی لیے رب تعالٰی نے زنا میں عورت کا ذکر پہلے فرمایا۔کہ فرمایا"اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ"مگر سود میں مقروض کی رضا قطعًا نہیں ہوتی،اس وجہ سے بھی سود کے احکام سخت تر ہیں کہ یہ گناہ بھی ہے اور ظلم بھی صرف مقروض پر نہیں بلکہ اس کے سارے بچوں پر سود خوار ایک تیر سے بہت سوں کا شکار کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود اگرچہ بہت ہو مگر انجام کمی کی طرف لوٹتا ہے ۱؎ یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور احمد نے آخری حدیث روایت کی۔	

۱؎ یہ فرمان مسلمان کے لیے ہے کہ سودکا انجام قلّت و ذلت ہے،اس کا بہت تجربہ ہے،فقیر نے بڑے بڑے سود خوار آخر برباد بلکہ ذلیل و خوار ہوتے دیکھے،بعض جلد اور بعض دیر سے،سود کا پیسہ اصل مال بھی لینے و برباد کرنے آتا ہے،اگر کفار کو پھل جائے تو پھل سکتا ہے،ہر ایک کی غذا مختلف ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے ہم شبِ معراج اس قوم پر پہنچے جن کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح تھے جن میں سانپ تھے جو پیٹوں کے باہر دیکھے جارہے تھے۱؎ہم نے کہا اے جبریل یہ کون ہیں انہوں نے عرض کیا ۲؎یہ سود خوار ہیں۔(احمد،ابن ماجہ)۳؎

۱؎حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،حضور انور کی نگاہ حقیقت بین اور آخر بین ہے اس لیے آپ کی نگاہ نے وہ واقعہ دیکھ لیا جو آئندہ بعد قیامت ہونے والا تھا ورنہ اس وقت تو دوزخ میں کوئی نہ تھا،دوزخ و جنت میں سزا و جزا کے لیے داخلہ بعد قیامت ہوگا اور چونکہ سود خوار ہوسی ہوتا ہے کہ کھاتا تھوڑا ہے حرص وہوس زیادہ کرتا ہے اس لیے ان کے پیٹ واقعی کوٹھڑیوں کی طرح ہوں گے،لوگوں کے مال جو ظلمًا وصول کیے تھے وہ سانپ بچھو کی شکل میں نمودار ہوں گے۔آج اگر ایک معمولی کیڑا پیٹ میں پیدا ہوجائے تو تندرستی بگڑ جاتی ہے،آدمی بے قرار ہوجاتا ہے تو سمجھ لو کہ جب اس کا پیٹ سانپوں،بچھوؤں سے بھر جائے تو اس کی تکلیف و بے قراری کا کیا حال ہوگا رب کی پناہ۔

۲؎غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ جسمانی معراج کا ہے صرف منامی یعنی خواب کی معراج کا نہیں کیونکہ جبریل امین کا ساتھ ہونا اور یہ سوال و جواب اس بیداری کی جسمانی معراج میں ہوئے ہیں۔

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سود دینا بھی حرام ہے جرم ہے مگر سود لینا زیادہ سخت جرم ہے کہ حضور انور نے سود خوار کا یہ حال ملاحظہ فرمایا کہ سود خوار گنہگار بھی ظالم بھی،سود دینے والا گنہگار ہے مگر ظالم نہیں بلکہ مظلوم۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے رسول اللہ کو سنا کہ آپ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے لکھنے والے زکوۃ نہ دینے والے پر لعنت فرمائی۱؎اور آپ نے نوحہ سے منع فرماتے تھے ۲؎(نسائی)

۱؎ ظاہر یہ ہی ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ واجبہ یعنی زکوۃ ہے یا زکوۃ بھی اور فطرہ و قربانی بھی یعنی جس مسلمان پر یہ صدقے واجب ہوں مگر نہ دے تو اس پر لعنت فرمائی،سود دینے والا لکھنے والا چونکہ سود خوار کے گناہ پر معاون و مددگار ہیں اس لیے سب لعنت میں آگئے،مسلمان اپنے خرچ کم کردیں،ضروریات کو حتی الامکان مختصر کریں مگر سودی قرض سے بچیں مسلمان اکثر مقدمہ بازیوں اور شادی غمی کی حرام رسموں میں سودی قرض لیتے ہیں۔

۲؎مردے کے غلط اوصاف بیان کرکے بلند آواز سے رونا قولی نوحہ ہے جیسے ہائے میرے پہاڑ،ہائے گھوڑی کے سوار وغیرہ اور پیٹنا،بال نوچنا،کپڑے پھاڑنا،سینہ کوٹنا،ماتم کرنا،عملی نوحہ یہ تمام ہی لعنت کا باعث اور سخت ممنوع ہے،رب تعالٰی نے صبر کا حکم دیا ہے نہ کہ کپڑے پھاڑ نے اور چیخنے چلانے کا۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ جو آخری آیت اتری وہ سود کی آیت ہے۱؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی سود کی پوری تشریح نہ کی ۲؎لہذا بچو سود سے بھی

	اور شک و شبہ سے بھی ۳؎(ابن ماجہ،دارمی)

۱؎یعنی احکام کی آیات میں سب سے آخر سود کی آیت اتری،اس کے بعد احکام شرعیہ کی کوئی آیت نہ آئی لہذا یہ محکم ہے منسوخ نہیں،وہ آیت یہ ہے"اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا"الخ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سب سے آخری آیت"اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ"الخ ہے کہ مطلقًا آخری یہ آیت ہےاور معاملات و احکام آخری آیت سود کی آیت ہے۔

۲؎یعنی حضور انور اس آیت کے نزول کے بعد بہت کم ظاہری حیات سے دنیا میں رہےاور جس قدر زمانہ حضور انور کو ملا وہ دوسرے اہم کاموں میں گزرااس لیے اس آیت سود کی تفصیلی تفسیر نہ ہوسکی،صرف چھ چیزوں میں سود کی حرمت کی تفصیل فرمائی،نیز سود کی تفصیل قدرے واضح بھی تھی اور حضور انور نے چھ چیزوں کی تصریح فرما کر علماء امت کو قوانین سود کی رہبری بھی فرمادی تھی،اصول مقررکر دیئے تھے ان وجوہ سے تفصیل کی چنداں ضرورت نہ رہی تھی،پھر بعد میں علماء امت نے اس مسئلہ کو بھی بالکل واضح کردیالہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دین اسلام پورا واضح نہ ہوا کہ ایک مسئلہ مخفی رہ گیا،اصول تو اس کے بھی واضح ہوگئے،فروع مسائل بعد میں واضح ہوئے۔(از مرقات) ۳؎یعنی جن چیزوں کی تصریح حضور انور نے فرمادی ان میں بھی سود نہ لو،ان کے علاوہ دیگر چیزوں میں بھی سود سے بچو،جن میں سود یقینی ہے ان میں بھی نہ لو،جہاں سود کا شک ہو وہاں بھی بچو،وہم کا اعتبار نہیں شک ووہم میں فرق ہے،دلیل سے پیدا ہونے والا شبہ شک کہلاتا ہے بلا دلیل شبہ وہم ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کچھ قرضہ کسی کو دے پھر مقروض اسے کچھ ہدیہ دے یا اسے اپنے گھوڑے پر سوار کرے تو سوار نہ ہو نہ ہدیہ قبول کرے ۱؎مگر اس صورت میں کہ ان دونوں کی آپس میں یہ رسم پہلے سے جاری ہو ۲؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی اگر قرض خواہ و مقروض میں پہلے سےہدیہ کے لین دین یا اور خدمات کا دستور نہ تھا،قرض لینے کے بعد مقروض ہدیہ لایایا عاریۃً گھوڑا وغیرہ پیش کیاتو ظاہر یہ ہے کہ قرض کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ کررہا ہے،اس میں بھی سود کا اندیشہ ہے کہ جو قرض نفع دے وہ سود ہے اور ہدیہ اور گھوڑے کی سواری بھی تو نفع ہی ہے،جو اس قرض کا باعث ہوالہذا اس میں سود کا احتمال ہے،ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سخت تیز دھوپ میں اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ میں نہ کھڑے ہوئے دھوپ میں کھڑے رہے،عرض کرنے پر فرمایا کہ ڈرتا ہوں یہ سایہ سود نہ بن جائے۔

۲؎کہ اب یہ ہدیہ قرض کی وجہ سے نہیں بلکہ پرانی دوستی کے سبب ہے،یہ ہی حکم حکام کے ہدایا اور دعوتوں کا ہے کہ وہ عام دعوتوں میں جاسکتے ہیں اور ان کے ہدیے اور خاص دعوتیں قبول کرسکتے ہیں جن کے سات حکومت ملنے سے پہلے ہی یہ

تعلقات ہوں،حاکم بننے پر نہ کسی کی خاص دعوت کھائیں نہ ہدیے لیں کہ یہ بھی رشوت ہیں،لوگ دعوتیں اور ہدیے دے کر وقت پر اپنا کام نکالتے ہیں،ظلم کراتے ہیں۔

روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو اس سے ہدیہ قبول نہ کرے ۱؎(بخاری اپنی تاریخ میں)اسی طرح منتقیٰ میں ہے ۲؎	

۱؎خیال رہے کہ یہ ممانعتیں تنزیہی اور احتیاطی ہیں جن میں تقویٰ کا حکم دیا گیاورنہ حقیقتًا سود وہ ہی ہے جس کی شرط لگائی جائے یا عرفًا مشروط ہو،امام مالک فرماتے ہیں کہ قرض خواہ اور حاکم ایسے ہدیے ہر گز قبول نہ کرےاور اگر قبول کرنا پڑ جائے تو اس کے عوض دے دے۔(مرقات مع زیادۃ)

۲؎منتقیٰ بروزن مصطفٰی یا مجتبیٰ،حنبلی علماء میں سے ایک فقیہ عالم کی کتاب ہےجس میں فقہی مسائل کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں،اس کے مؤلف امام احمد ابن حنبل کے ساتھیوں میں سے کوئی صاحب ہیں۔ (اشعہ،لمعات،مرقات)

روایت ہے حضرت ابوبردہ ابن موسیٰ سے فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا ۱؎تو حضرت عبداللہ ابن سلام سے ملا آپ نے فرمایا تم اس جگہ رہتے ہوجہاں سود پھیلا ہوا ہے ۲؎تو اگر تمہارا کسی پر کچھ حق ہو پھر وہ تمہیں بھوسے یا جو کا بوجھ دے ۳؎یا چارے کا گٹھا دے تو ہر گز نہ لو کہ یہ سود ہے ۴؎(بخاری)	

۱؎حضرت ابوبردہ جناب ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادے تھے اور تابعین سے تھے،کوفہ کے قاضی القضاۃ مدینہ منورہ زیارت و سلام کے لیے حاضر ہوئے،اس زمانہ میں جو صحابہ کرام موجود تھے ان سے ملاقات کی،ان میں حضرت عبداللہ ابن سلام بھی تھے،یہاں اس ملاقات کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔

۲؎یعنی عراق میں اب بھی سود کا لین دین عام ہے،بعض مسلمان بھی غلطی سے سود کا لین دین کرلیتے ہیں اسے سود سمجھتے ہی نہیں۔

۳؎جو تم خود تو نہ کھاؤ گے اپنے جانوروں کو کھلاؤ گے وہ بھی قبول نہ کرو کہ وہ ملکیت میں تو تمہاری ہی آئے گا،پھر جو بھی کھائے مجرم تم ہو گے۔

۴؎قَتٌّ ق کے فتح ت کے شد سے بمعنی ہرا چارہ جسے عربی میں رطب اور ابّ بھی کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَبًّا مَّتٰعًا لَّكُمْ "مکہ معظّمہ میں اسے ہرسوم کہا جاتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ مقروض سے اپنے جانور کے لیے ہری گھاس بھی نہ لو کہ یہ بھی سود ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جانور کو بھی حرام غذا نہ کھلائے،یہ بھی معلوم ہوا کہ سود یا رشوت لے کر دوسرے کو دے دینے سے بھی مجرم بری نہ ہوجائے گاوہ گنہگار ہی رہے گا،بعض لوگ اپنا جانور دوسرے کے کھیت میں

چرالیتے ہیں یہ بھی چوری ہے،اس چارے سے جو دودھ حاصل ہوگا مشکوک ہوگا بہت احتیاط چاہیے،اس حدیث میں غور کرو اپنے معاملات سنبھالو۔

باب المنهى عنها من البيوع

باب جن تجارتوں سے ممانعت کی گئی ١

الفصل الاول

پہلی فصل

١ممنوع تجارتیں چند قسم کی ہیں:بیع فاسد،بیع باطل،بیع مکروہ۔بیع فاسد کرنا منع ہے مگر بعد قبضہ مفید ملک ہے اور بیع باطل بالکل ملک کا فائدہ نہیں دیتی،نہ قبضہ سے پہلے نہ بعد میں،بیع مکروہ مطلقًا مفید ملک ہے اگرچہ ایسا کرنا اچھا نہیں جیسے اذان جمعہ ہوچکنے کے بعد نماز جمعہ سے پہلے تجارت کہ اس کا کرنا برا لیکن بیع درست ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا١وہ یہ ہے کہ اگر کھجور ہو تو اپنے باغ کے پھل خشک کھجور کے عوض ناپ سے فروخت کرے اور اگر انگور کا کھیت ہو تو انگور کشمش کے عوض ناپ سے فروخت کرے ٢اور مسلم کے نزدیک یہ ہے ٣کہ اگر کھیت ہو تو تردانہ خشک دانوں کے عوض ناپ سے بیچے ان سب سے منع فرمایا٤(مسلم،بخاری)ان ہی دونوں میں ایک روایت یوں ہے کہ مزابنہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگی کھجوریں معین پیمانے چھوہاروں کے عوض بیچے کہ اگر زیادہ ہوں تو میری اور اگر کم ہو تو مجھ پہ ٥

١ مزابنہ زبن سے بنا بمعنی دفع کرنا،ختم کرنا،چونکہ اس بیع کو بعد میں ایک شخص جاری رکھنا چاہتا ہے دوسرا جسے نقصان نظر آئے فسخ کرنا چاہتا ہے اس لیے اسے مزابنہ کہتے ہیں،یعنی دفع کی جانے والی بیع۔

٢خلاصہ یہ ہے کہ خشک پھل ہم جنس تر پھلوں کے عوض جو درخت پر لگے ہیں فروخت کرنا کہ خشک پھل کا وزن تو معلوم ہوا مگر درخت پر لگے ہوئے تر پھلوں کا وزن معلوم نہ ہو صرف اندازہ ہو یہ حرام ہے کہ اس میں سود کا احتمال قوی ہے،ہاں اگر جانبین کے پھل مختلف الجنس ہوں تو مضائقہ نہیں۔

٣یعنی بخاری و مسلم کی روایتوں میں اَوْ اور اِنْ کا فرق ہے کہ بخاری میں اَوکان اور مسلم میں اِن کان۔

۴؎ طعام سے مراد گندم ہے یا تمام دانے یعنی کھیت میں درختوں میں لگے ہوئے گندم کے خوشے،دوسری خشک گندم کی عوض فروخت کرنا منع ہے کہ خشک گندم کا وزن تو معلوم ہے مگر خوشے کی گندم کا وزن معلوم نہیں اور مال ربوی ہے جس میں زیادتی کمی سود ہے لہذا اس بیع سے بچے۔
۵؎ یعنی خریدار کہے کہ تیرے باغ میں لگی ہوئی کھجوریں جتنی بھی ہوں میری ہیں،کم ہوں تو مجھے نقصان ہے زیادہ ہوں مجھے نفع،یہ حرام ہے کہ اس میں سود ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مخابرہ،محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ۱؎ محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا کھیت سو فرق گندم کے عوض بیچے ۲؎ اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگے چھوہارے سو فرق کے عوض بیچے اور مخابرہ زمین کو کرایہ پر دینا ہے تہائی یا چوتھائی پر ۳؎ (مسلم)	

۱؎ مخابرہ خیبر سے بنا یعنی خیبر والا معاملہ کرنا جو حضور انور نے خیبر کے یہود سے کیا کہ باغات حضور انور کے اور کام کاج یہود کا،پیداوار نصف نصف،یا خبار سے بنا بمعنی نرم زمین،جس میں زمین ایک کی ہو اور اس کا نرم کرکے جوتنا بونا دوسرے کے ذمے۔محاقلہ حقل سے بنا بمعنی اچھی و زرخیز زمین،کھیت کو اسی لیے حقل کہتے ہیں کہ بیج حتی الامکان اچھی زمین میں بویا جاتا ہے۔
۲؎ فرق ر کے فتح سے وہ پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل یعنی آٹھ سیر گندم سمائے اور فرق ر کے جزم سے وہ پیمانہ ہے جس میں ایک سو بیس سیر گندم آئے یعنی ڈیڑھ من،یہاں فرق کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے یعنی گندم کی معین مقدار کھیت والے کو دے اور اس کی کھڑی کھیتی خرید لے۔(نہایہ،اشعہ،مرقات)مزابنہ پھل کی خرید فروخت کو کہا جاتا ہے اور محاقلہ دانہ کی ایسی تجارت کو۔
۳؎ مخابرہ اور مزارعہ قریبًا ہم معنے ہیں یعنی زمین کاشت کے لیے کرایہ پر دینا،ان میں فرق یہ ہے کہ مخابرہ میں تخم کرایہ دار کا ہوتا ہے اور مزارعہ میں تخم مالک زمین کا،صرف کام کرایہ دار کا۔مخابرہ یا مزارعہ کو امام ابوحنیفہ منع فرماتے ہیں اس حدیث کی وجہ سے،صاحبین جائز کہتے ہیں واقعہ خیبر کی وجہ سے،صاحبین یہ حدیث منسوخ مانتے ہیں اور حدیث خیبر کو ناسخ،فتویٰ قول صاحبین پر ہے،ہاں زمین کے معین حصہ کی پیداوار مالک یا کرایہ دار کے لیے مقرر کرنا باقی کی دوسرے کے لیے یہ حرام ہے کہ خبر نہیں کس حصہ میں کتنی پیداوار ہو اور ہو یا نہ ہو۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ،مزابنہ اور مخابرہ اور معاومہ سے ۱؎ اور کچھ مستثنٰی کرلینے سے منع فرمایا ۲؎ عرایا میں اجازت دی ۳؎ (مسلم)	

۱؎ معاومہ عام سے بنا بمعنی سال یا برس جیسے مشاہرہ شہر سے اور عسانہ سنت سے۔معاومہ یہ ہے کہ کسی باغ کی چند سال کی بہار خرید لی جائے جیساکہ آج کل عام رواج ہے یہ بیع باطل ہے کہ اس میں وہ چیز خریدی جاتی ہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئی جیسے کہ جانور کے غیر پیدا شدہ بچے خرید لینا،بیع میں دو طرفہ مال چاہیےاور غیر پیدا شدہ چیز مال تو کیا شے ہی نہیں۔

۲؎ استثناء کی صورت یہ ہے کہ باغ کا مالک یا کھیت والا خریدار سے کہے کہ اتنے روپیہ کے عوض میں نے یہ پھل تیرے ہاتھ فروخت کیے مگر ان میں سے دس من میرے باقی تیرے،یہ منع ہے کہ دس من نکل جانے پر بقایا کی خبر نہیں کہ کتنے ہوں یا بالکل نہ ہوں،صرف دس من ہی اس باغ یا کھیت میں ہوں چونکہ بیع مجہول رہ جاتی ہے اس لیے منع ہے۔

۳؎ عرایا عریة کی جمع ہے،بمعنی خالی ہوجانا۔عریہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی باغ والا اپنے باغ کا ایک درخت کسی فقیر کو دیدے کہ تو اس کے پھل کھایاکر اب فقیر ان پھلوں کی وجہ سے باغ میں آنے جانے لگےجس سے مالک کے بال بچوں کو تکلیف ہواس لیے مالک اسے کچھ کھجوریں اس درخت میں لگے ہوئے پھل کے عوض دے کر باغ سے رخصت کردے اگرچہ یہ بھی مزابنہ بیع معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت تبدیل ہبہ ہے اس لیے جائز ہے اس کی اور تفسیر بھی ہےمگر یہ قوی ہے۔(اشعہ،مرقات،لمعات)

روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تر کھجور چھوہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ۲؎ مگر عریہ کی اجازت دی کہ درخت کے پھل چھوہاروں کے عوض بیچے جائیں کہ عریہ والے تر کھجور کھاسکیں ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،انصاری ہیں، ۳ھ میں پیدا ہوئے،حضور انور کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے،بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ بیعت الرضوان میں شریک ہوئے اور احد و تمام غزوات میں حاضر رہے۔واللہ اعلم!(اشعہ)

۲؎ تمر سے مراد تر کھجور ہے کہ اکثر تر میوہ کو ہی تمر یعنی پھل کہا جاتا ہے نہ کہ خشک کو،اس تمر سے مراد خشک چھوہارے ہیں،چونکہ تر کھجور سوکھ کر گھٹ جاتی ہے اور خبر نہیں کتنی گھٹےاس لیے اس میں سود کا احتمال ہے۔

۳؎ یہاں عریہ کی صورت یہ ہے کہ باغ والے نے کسی فقیر کو ایک درخت کے پھل خیرات دیئے یہ فقیر اتنے روز تک صبر نہیں کرسکتا کہ موسم بھر توڑتا رہے کھاتا رہے،دوسرے فقیر کے پاس خشک چھوہارے تھے اسے اور اس کے بچوں کو تر کھجوریں کھانے کا شوق تھا،چھوہارے والا فقیر چھوہارے کے عوض یہ کھجوریں خرید لے،اب درخت والے کو اکٹھے چھوہارے مل گئےاور چھوہارے والے کو تر کھجوریں اگرچہ یہ بیع مزابنہ ہوئی مگر فقراء کی حاجت روائی کے لیے جائز رکھی گئی۔مرقات میں ہے کہ جب بیع مزابنہ سے منع کیا گیا تو فقراء صحابہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ تر کھجوروں سے محروم ہوجائیں گے تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عریہ کی اجازت دی،معلوم ہوا حضور مالک احکام ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بیع عرایا میں اجازت دی کہ پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق تک درخت کے پھل اندازاً چھوہاروں کے عوض بیچ دے	

	۱؎داؤد ابن حصین نے شک کیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اوسق وسق کی جمع ہے،وسق وہ پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع پھل سماتے ہیں،ایک صاع قریبًا ساڑھے چار سیر ہوتا ہے،چونکہ باغ والے فقراء کو ایک دو درخت ہی عاریۃً دیا کرتے تھے جس میں اندازًا اتنی ہی کھجوریں ہوتی تھیں اس لیے اتنی ہی کی اجازت دی گئی۔

۲؎یعنی اس حدیث کے اسناد میں داؤد ابن حصین بھی ہیں،عمرو ابن عثمان ابن عفان کے آزاد کردہ غلام،محدثین نے ان کے بارے میں اختلاف کیا،ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ تھے دیگر محدثین کے نزدیک غیر ثقہ،ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ تھے تو ضعیف مگر چونکہ امام مالک نے ان سے روایت لے لی اس لیے قوی ہوگئے۔(اشعہ)یعنی داؤد ابن حصین کو یاد نہ رہا کہ ان کے شیخ نے پانچ وسق فرمائے یا اس سے کم۔حق یہ ہے کہ بیع عریہ پانچ وسق سے کم میں جائز ہے پانچ میں ناجائز اور یہ بیع صرف فقراء کریں امیر نہ کریں۔(مرقات واشعہ) یہاں ایک فقہی معمہ بن جاتا ہے،بتاؤ وہ کون سی بیع ہے جو فقیر کرے امیر نہ کرے،وہ بیع عریہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے انکی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے منع فرمایا ۱؎تاجر کو بھی منع فرمایا اور خریدار کو بھی ۲؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سرخ ہونے سے پہلے کھجور کے پھل کی تجارت سے اور سفید پڑنے سے پہلے اور آفات سے امن سے پہلے بالیوں کی تجارت سے منع فرمایا ۳؎

۱؎یعنی درختوں پر لگے ہوئے ان پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا جو ابھی ناقابل نفع ہوں جن سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے،بالکل کچے و نرم پھل جب سخت پڑ جائیں تو اگرچہ ابھی کچے ہوں ان کی بیع جائز ہے کہ ان سے نفع حاصل ہوسکتا ہے جیسے کچے آم،کھٹائی اچار،مربے میں کام آتے ہیں،کچی کھجوریں یعنی بسر کھائی جاتی ہیں۔معلوم ہوا کہ ناقابل نفع پھل مال ہی نہیں اور تجارت میں دو طرفہ مال چاہیے۔

۲؎تاجر کو اس سے منع فرمایا کہ پھل ہلاک ہوجانے کی صورت میں وہ خریدار سے قیمت بغیر کچھ دیئے لے گا اور خریدار کو اس لیے منع فرمایا کہ ہلاکت کی صورت میں اس کا مال ضائع ہوجائے گا یہ بیع بالاتفاق ممنوع ہے،اس کی ممانعت میں حضرت عبداللہ ابن عباس،جابر،ابوہریرہ،زید ابن ثابت،ابو سعید خدری،عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں۔

۳؎یعنی گندم جو وغیرہ کی بالیاں سفید پڑنے سے پہلے اور کھجور وغیرہ پھل سرخ ہونے سے پہلے خطرہ میں ہوتے ہیں،بے وقت بارش آندھی وغیرہ سے برباد ہوسکتے ہیں اس لیے ان کی بیع نہ کرو،بالیاں سفید ہونے پر اور کھجوریں وغیرہ سرخ ہونے پر اگر جھڑ بھی جائیں تو کچھ نہ کچھ کام آجاتے ہیں ان کی بیع درست ہے،نیز دانہ کی بیع بالی میں درست ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا حتی کہ وہ

رنگ پکڑلیں ۱؎ عرض کیا گیا کہ رنگ پکڑنا کیا ہے فرمایا سرخ ہو جائیں فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالٰی پھل روک لے تو تم سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس کے عوض لے گا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ صحیح یہ ہے کہ تَزْهِيَ،ضَرَبَ يَضْرِبُ،کا واحد مؤنث ہے نہ کہ باب افعال کا زھایزھی عرب میں مستعمل ہے،نخل مذکر بھی ہے مؤنث بھی اس لیے اس کے صیغے مؤنث مذکر دونوں آتے ہیں،قرآن شریف میں ایک جگہ ہے"نَخْلٍ خَاوِيَةٍ"دوسری جگہ ہے"نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ"،زھی یزھی زیادہ مستعمل ہے زھی یزھوکم۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال حضور انو ر صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا اور جواب سرکار عالی نے دیا،حضرت انس اس سوال و جواب کہ ناقل ہیں،ممکن ہے یہ سوال حضرت انس سے کیا گیا ہو اور آپ نے یہ جوابًا تقریر فرمائی ہو۔خلاصہ یہ ہے کہ پھل سرخ پڑنے سے پہلے خطرہ میں ہیں،آفات سے برباد ہوسکتے ہیں بربادی کی صورت میں بائع خریدار سے قیمت کس چیز کے عوض لے گا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں تک کی فروخت سے منع فرمایا ۱؎ اور آفتوں کے نقصانات وضع کردینے کا حکم دیا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی باغ کی چند بہاریں خریدنے سے منع فرمایا مثلًا خریدار مالک باغ سے کہے کہ میں تجھ سے اس باغ کی چھ سال تک کی بہاریں خریدتا ہوں،چونکہ یہ معدوم یعنی اس کی خریداری ہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئی نہ مال بنی اس لیے ممنوع ہے اس ممانعت پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

۲؎ یہ حکم بادشاہ وقت کو ہے کہ خراجی زمینوں کے خراج کی وصولی میں آفات کا خراج کم کردیں۔(طحاوی)اور ہوسکتا ہے کہ بائع کو حکم ہو یعنی اگر مالک باغ نے رسیدہ پھل فروخت کیے پھر بھی توڑنے سے پہلے کوئی آفت آگئی تو بہتر یہ ہے کہ بقدر نقصان قیمت کم وصول کرے اور اگر ساری قیمت لے چکا ہے تو بقدر نقصان واپس کردے،یہ حکم استحبابی ہے،اب بھی نیک لوگ اس پر عمل کرتے ہیں،حکام تباہی کی صورت میں لگان معاف یا کم کردیتے ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اپنے کسی بھائی کے ہاتھ پھل بیچو ۱؎ پھر ان پر کوئی آفت آن پڑے تو تمہیں یہ حلال نہیں کہ اس سے کچھ بھی لو تم اپنے بھائی کا مال ناحق کیسے لے سکتے ہو ۲؎ (مسلم)	

۱؎ بھائی فرمانا مہربان بنانے کے لیے ہے ورنہ مسلمان کے ہاتھ باغ بیچے یا کافر کے ہاتھ حکم یہ ہی ہے جو آگے آرہا ہے یہ تقاضاء انسانیت ہے۔

۲؎ اگر قبضہ دینے سے پہلے پھل برباد ہوگئے تب تو ازروئے فتویٰ بائع کو قیمت لینا حرام ہے کہ جب خریدار کو کچھ دیا ہی نہیں تو قیمت کس کی لے رہا ہے اور اگر قبضہ دینے کے بعد ہلاک ہوئے تو ازروئے تقویٰ قیمت لینا حلال نہیں یعنی ٹھیک

نہیں ایسے موقعہ پر رعایت کرنی چاہیے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ فرمان عالی شان ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے یا حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ پھل درستی سے پہلے فروخت کیے پھر وہ ضائع ہوگئے تو چونکہ وہ بیع ہی درست نہ تھی لہذا قیمت کیسی۔حضرت امام مالک کے ہاں رسیدہ پھل بھی ہلاک ہوجانے پر قیمت واپس کرنا واجب ہے،وہ اس حدیث سے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ لوگ غلہ بازار کے اونچے حصے میں خریدتے تھے۱؎پھر اسی جگہ بیچ دیتے تھے ۲؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی جگہ بیچ دینے سے منع فرمادیا حتی کہ اسے وہاں سے منتقل کردیں ۳؎(ابوداؤد)میں نے یہ حدیث بخاری میں نہ پائی۔	

۱؎بازار مدینہ میں ایک طرف سے لوگ آتے تھے دوسری طرف سے نکلتے تھے،آنے والے حصہ کو اعلیٰ سوق کہتے تھے،جدھر سے تاجر مال کے اونٹ داخل کرتے تھے،نکلنے والے حصہ کو اسفل سوق یہاں وہ ہی مراد ہے ورنہ زمین مدینہ ہموار ہے وہاں اونچائی نیچائی نہیں۔

۲؎بغیر قبضہ کیے ہوئے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎بعض ائمہ نے فرمایا کہ منقول چیزیں بغیر منتقل کیے خریدار کے قبضہ میں نہیں آتیں یعنی ان پر قبضہ کرنے میں وہاں سے منتقل کردینا ضروری ہے،وہ اس حدیث کے ظاہر سے دلیل پکڑتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں نقل سے مراد نقل مکانی نہیں بلکہ نقل قبضہ ہے یعنی اسی جگہ پڑی ہوئی چیز پر بغیر قبضہ کیے فروخت کرنا منع ہے،اگر چیز وہاں ہی رہی مگر اسے اپنے قبضہ و کنٹرول میں لے لیا تو اس کی بیع درست ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے،اگلی حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ وہاں حتّٰی یستوفیه اور حتّٰی یکتاله ہے لہذا یہ حدیث واضح ہے اگلی حدیث کے متعارض بھی نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غلہ خریدے تو اس پر قبضہ کیے بغیر نہ بیچے ۱؎اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں کہ اسے ماپ لے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی قبضہ سے پہلے چیز کی فروخت جائز نہیں۔قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں:مکان میں اپنا سامان رکھ دینا یا اپنا قفل لگادینا قبضہ ہے،زمین میں حد بندی کرکے اپنی اینٹ گاڑ دینا قبضہ ہے،وزنی کھلی چیز کا وزن ناپ کرلینا قبضہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خریدی ہوئی چیز کوبغیر قبضہ نہیں فروخت کرسکتے مگر اسے ہبہ کرسکتے ہیں کہ قبضہ کی قید فروخت کے لیے ہے،اسی طرح جو چیز وراثۃً ملے اس کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے۔(مرقات)

۲؎جو چیز ناپ تول سے خریدی جائے اس کا تولنا ناپنا مشتری کا قبضہ ہوتا ہے۔یکتاله لفظ یستوفیه کی تفسیر ہے مگر جو چیز اندازاً فروخت و خرید کی جائے جیسے دانہ کے ڈھیر کی تجارت وہاں ناپ تول ضروری نہیں۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ غلے کی بیع جائز نہیں جب تک کہ تاجر خریدار دونوں کے وزن علیحدہ علیحدہ نہ ہوجائیں یعنی تاجر بھی تول لے اور خریدار الگ تول

ل وہاں وہ صورت مراد ہے جہاں دو بیع جمع ہوں جیسے بیع سلم میں تاجر کسی سے غلہ خریدے اور سلم کے خریدار سے کہے کہ تو اس پر قبضہ کرتو اب ایک بار وہ تولےجس نے مسلم الیہ یعنی بائع کو غلہ دیااور دوبارہ رب السلم یعنی خریدار تو لے،عام بیعوں میں صرف ایک تول ہی کافی ہےجیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا لہٰذا یہ حدیث اس دوبار تول کی حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جس چیز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ غلہ قبضہ کیے بغیر فروخت کردیا جائے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں ہر چیز غلہ ہی کی مثل سمجھتا ہوں ۱(مسلم،بخاری)	

۱یعنی حضور انور سے میں نے صرف غلہ کے متعلق سنا ہے کہ غلہ کی بیع بغیر قبضہ کئے جائز نہیں مگر میرا اجتہاد یہ ہے کہ ہر چیز کا یہ ہی حکم ہے کہ بغیر قبضہ کیے ان کی فروخت درست نہیں کیونکہ علت مشترک ہے تو حکم بھی مشترک چاہیے۔علوم ہوا کہ قیاس کرنا جائز ہے۔اس حدیث سے آج کل کے بیوپاری عبرت پکڑیں کہ کپڑے کا جہاز ولایت سے چلتا ہے،ابھی کراچی بندرگاہ پر نہیں پہنچ پاتا کہ کئی جگہ اس کی فروخت نفع سے ہوچکتی ہے،بعد میں پھر ان کے دیوالے ہوتے ہیں،بغیر دیکھی اور بغیر قبضہ کی کوئی چیز کی تجارت ہرگز نہ کرنی چاہیے کہ یہ شرعًا گناہ بھی ہے اور سخت نقصان کا باعث بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ تجارتی قافلے سے آگے ہی نہ جا ملو ۱اور کوئی دوسرے کی خریداری پر خریداری نہ کرے ۲اور نہ نرخ بڑھاؤ ۳اور نہ شہری دیہاتی کے لیے تجارت کرے ۴اور اونٹ و بکری کو نہ روکو ۵پھر جو اس کے بعد جانور خریدے اسے دوھنے کے بعد دونوں میں سے بہتر چیز کا اختیار ہے ۶ اگر اس سے راضی ہوتو رکھ لے اور اگر ناراضی ہو تو اسے واپس کردے ایک صاع چھوہاروں کے ساتھ ۷(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جو روکی ہوئی بکری خریدلے تو اسے تین دن تک اختیار ہے پھر اگر اسے واپس کرے تو اس کے ساتھ گندم کے سواء اور کوئی غلہ ایک صاع دے ۸	

۱یعنی تجارتی قافلے کی آمد سن کر شہر سے باہر ہی ان سے سامان نہ خرید لو،بلکہ انہیں بازار میں مال لے آنے دوتاکہ انہیں بازاری بھاؤ کی خبر ہوجائے اور ان کے بازار میں آمد سے نرخ ارزاں ہوجائے۔

۲یہاں لفظ **بیع** بمعنی فروخت بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی خرید بھی یعنی جب دو شخص کوئی چیز خرید و فروخت کررہے ہوں اور سودا طے ہوچکا اور قریبًا بات پختہ ہوگئی تو نہ تو کوئی شخص بھاؤ بڑھا کر وہ چیز خریدےاور نہ کوئی شخص بھاؤ سستا کرکے

خریدار کو توڑے،یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں،نیلام کا یہ حکم نہیں ہاں بولی دیتے وقت بات طے نہیں ہوتی جو بولی بڑھائے وہ لے لے یہ جائز ہے۔

۳؎نیلام میں اگر کوئی شخص بولی بڑھادے مگر خریدنا مقصود نہ ہو صرف چیز کی قیمت بڑھانا مقصود ہو کہ دوسرا آدمی اس سے زیادہ کی بولی دے یہ نجش ہے اور ممنوع ہے کہ دھوکا دہی ہے۔

۴؎اس طرح مال لانے والے دیہاتیوں کو آج کے بھاؤ پر مال فروخت نہ کرنے دے بلکہ اس کا مال خود سنبھال لے کہ جب مہنگا ہوگا فروخت کردوں گا،جیسا کہ آج کل بعض آڑھتی یا دلال کرتے ہیں ناجائز ہے کہ اس سے چیزیں مہنگی ہوتی ہیں بلکہ قحط پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے باہر کا مال بکنے دو تاکہ مخلوق کو آرام رہے۔

۵؎تصروا،ت کے پیش ص کے فتح سے،یا بالعکس ت کے فتح ص کے پیش سے۔(اشعہ)تصریہ سے بنا بمعنی دودھ تھن میں روک دینا،نہ نکالناایسے جانور کو **مصرات** کہتے ہیں یہ حرکت خریدار کو دھوکا دینے کے لیے کی جاتی ہے کہ وہ زیادتی دودھ سے دھوکا کھا کر قیمت زیادہ دے جائے۔

۶؎یعنی اگر کسی نے دودھ کا جانور خریدامگر دھوکا کھا گیا کہ خریدتے وقت تو دودھ زیادہ تھا بعد میں کم نکلا،تاجر نے کئی وقت سے دودھ نکالا نہ تھااس لیے اس وقت دودھ بہت ہواتو اب خریدار کو اختیار ہے۔

۷؎یعنی اگر جانور رکھنا ہے تو خیراور اگر رکھنا نہیں ہے تو اس دودھ کے عوض جو اس نے پیا ساڑھے چار سیر خرمے جانور فروخت کرنے والے کو دے دے،اس دودھ کے عوض جو خریدتے وقت جانور کے ساتھ لیا تھا کہ وہ تاجر کے مملوکہ جانور کا تھا لہذا تاجر کی ملک تھا۔اس حدیث کے ظاہر پر امام شافعی کا عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ دودھ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے عوض ایک صاع چھوہارے ہی دیئے جائیں گے جیسے نفس کی دیت سو اونٹ ہیں کہ قاتل مقتول کی دیت سو اونٹ دے گا،نفس مقتول خواہ کیسا ہی ادنی یا اعلیٰ ہو اور خریدار کو مصرات جانور کے واپس کردینے کا حق ہوگا،امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قابل عمل نہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے"**فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ**"جس سے دودھ مصرات کی قیمت یا مثل دینا معلوم ہوتا ہے یا یہ حدیث سود حرام ہونے سے پہلے کی ہے کہ اس وقت معاملات میں اس قسم کی کمی بیشی درست تھی۔(مرقات،لمعات وغیرہ)

۸؎حدیث کا یہ جزو امام شافعی کے بھی خلاف ہے کہ ان کے ہاں مصرات جانور کے ساتھ صرف ایک صاع کھجوریں ہی دی جاتی ہیں،کھجور یا چھوہارے کے سوا کوئی اور چیز نہیں دے سکتے مگر اس جزء سے معلوم ہوا کہ سوا گندم کے اور غلے بھی دے سکتے ہیں،ہمارے امام صاحب کے ہاں یہ حدیث یا منسوخ ہے حرمت سود کی احادیث سے یا متروک العمل قرآن کریم کی مخالفت کی وجہ سے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ تم لوگ غلہ لانے والوں سے آگے ہی نہ جا ملو۱؎ جو کوئی ان سے آگے ہی مل جائے اور خریداری کرلے پھر جب قافلہ کا سردار بازار میں آئے تو اسے اختیار ہے	

	۲؎(مسلم)

۱؎جلب جالب کی بھی جمع ہے اور مجلوب کی بھی،جالب باہر سے مال لانے والا قافلہ یا کوئی خاص شخص اور مجلوب باہر سے لایا ہوا مال،اونٹ وغیرہ ہوں یا اور مال،یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں یعنی مال لانے والے قافلے سے شہر سے باہر مل کر مال نہ خرید لو،یا باہر سے لائے ہوئے مال سے بیرون شہر میں نہ جا ملو۔

۲؎اگر جلب جالب کی جمع تھی تو سید سے مراد سردار قافلہ ہے اور اگر مجلوب کی جمع تھی تو سید سے مراد مال کا مالک ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ بیع درست ہوچکی تھی ورنہ اختیار رد کے کیا معنی، رد بیع جب ہوسکتا ہے جب کہ بیع درست ہوچکی ہو۔حق یہ ہے کہ مالک مال کو بیع ردکرنے کا حق جب ہوگا جب کہ بازار میں وہ چیز گراں ہواور اس سے سستی لے لی گئی ہو،لیکن اگر بھاؤ برابر ہے یا ارزاں ہے تو اختیار نہیں،یہ ہی قول قرین قیاس بھی ہے کہ رد کا حق دفع نقصان کے لیے ہوتا ہے،جب اس کا نقصان ہوا ہی نہیں تو رد کیسا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آنے والے سامان سے آگے ہی نہ جا ملو حتی کہ اسے بازار میں لا ڈالا جائے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ تاجروں سے باہر شہر ہی جا ملنے کی ممانعت یا تو جب ہے جبکہ شہر میں تنگی ہو،مال ملتا نہ ہو،یا جب جبکہ ان سے سستا خرید لیا جائے اصل بھاؤ بتایا نہ جائے اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں تو باہر جا ملنا جائز ہے،ضلع فیض آباد میں اکثر دکاندار جنگل میں بیٹھے رہتے ہیں،گاؤں سے آنے والوں کا مال وہاں ہی خرید لیتے ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے ہاں مگر جب کہ وہ اسے اجازت دیدے ۱؎(مسلم)

۱؎یہ دونوں ممانعتیں جب ہیں جب کہ خریدار و تاجر ایک قیمت پر راضی ہوچکے ہوں،ایسے ہی لڑکے لڑکی والے پیغام نکاح پر راضی ہوچکے ہوں کہ اس صورت میں اس کے بھاؤبڑھا دینے یا پیغام نکاح دینے میں پہلے کا نقصان ہوگا،ہاں اگر پہلا شخص اجازت دیدے تو درست ہے اور اگر پہلے فریقین کی رضا مندی مکمل نہ ہوئی تھی صرف کچی پکی بات ہی تھی تو دوسرا شخص بھاؤ بڑھا بھی سکتا ہے اور پیغام بھی دے سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے ۱؎(مسلم)

۱؎لا یسم الرجل میں لا یسم باب نَصَرَ کا نہی واحد مذکر غائب ہے سوم سے مشتق بمعنی بھاؤ و نرخ یعنی کوئی شخص طے شدہ بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے کہ اس میں پہلے خریدار یا پہلے تاجر کا نقصان ہے، مسلمان کی قید اتفاقی ہے،اس حکم میں کافر ذمی

بھی شامل ہے ہاں حربی کافر کا بھاؤ چڑھا کر خرید لینا یا گھٹا کر فروخت کردینا درست ہے۔(از مرقات)کہ کافر حربی کو نقصان پہنچانا درست ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہری دیہاتی کے لیے تجارت نہ کرے[1] لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض کے ذریعہ روزی دے[2] (مسلم)	

[1] اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ جب دیہاتی لوگ گاؤں سے غلہ لائیں تو انہیں فروخت کرلینے دوان کا غلہ خود شہری جمع کرلیں تاکہ گرانی پر فروخت کیا جائے کہ اس سے شہر میں گرانی بڑھتی ہے،اب بھی تنگی پر اسٹاک کرنا بلیک کرنا ممنوع ہوتا ہے۔
[2] یعنی اگر شہر والوں کو ان گاؤں والوں کے ذریعہ روزی ملے ارزانی میسر ہوجائے تو تم کیوں آڑ بن کر اسے روکنا چاہتے ہو۔قانون قدرت یہ ہی ہے کہ بعض بندوں کو بعض کے ذریعہ روزی ملتی ہے کسی کی دیوار گرتی ہے تو راج مزدوروں کی روزی کھلتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعیدخدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پہناؤں سے منع فرمایا اور دو تجارتوں سے[1] چھونے اور پھینکنے کی تجارت سے منع فرمایا[2] اور چھونے کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کا دن رات میں دوسرے کا کپڑا اپنے ہاتھ سے چھولیناہے کہ سوا چھونے کے اور طرح نہ الٹے پلٹے[3] اور پھینکنے کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے اور دوسرا اس کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے ان کی بیع ہوجائے بغیر دیکھے بھالے[4] اور بغیر آپس کی پسندیدگی کے،رہے دو ممنوع پہنائے ایک تو صماء پہناوا ہے صماء یہ ہے کہ اپنا کپڑا ایک کندھے پر اس طرح ڈالے کہ دوسری کروٹ کھلی رہے کہ اس کے اوپر کپڑا بالکل نہ ہو[5] اور دوسرا پہناوا اپنے کپڑے سے احتباء کرنا ہے جب کہ وہ بیٹھا ہو کہ شرمگاہ پر کپڑا بالکل نہ ہو[6] (مسلم،بخاری)	

[1] لبستین لام کے کسرہ سے لبس بمعنی پہننے یا پوشش لبسة کا تثنیہ ہے یعنی دو پہناوے یا دو طرح لباس پہننا۔**بیعتین بیعة** کا تثنیہ بمعنی فروخت،یہاں مطلقًا تجارت کے معنے میں ہے جس میں خریدو فروخت دونوں شامل ہیں ایسی بیع میں خریدار و تاجر دونوں گنہگار ہوں گے۔
[2] کہ ان دونوں صورتوں میں خریدار کو چیز دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتاجس سے وہ مال کے عیب و خوبی پر مطلع نہیں ہوتا اور خریداری بعد اطلاع چاہیے۔

۳؎اب بھی بڑے شہروں میں اس نامعقول بیع کا رواج ہے کہ دکان پر چیزیں پھیلی ہوئی ہیں،خریدار نے جس چیز پر ہاتھ لگادیا وہ بک گئی الٹ پلٹ کر دیکھنے کی اجازت نہیں،اس بیع میں اکثر دھوکا ہوتا ہے،خریدار لٹ جاتا ہے کہ چیز کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اندرون خراب۔

۴؎کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جسے فروخت کرنا ہے یعنی کپڑا کپڑے کے عوض بیچنا ہے تو کوئی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے اپنا کپڑا یہ اس کی طرف پھینک دے اوروہ اس کی طرف یہ پھینک ہی بیع ہوجائے،یہ بھی اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں دیکھ بھال کا موقعہ نہیں ملتا۔

۵؎خیال رہے کہ **صماء صمم** سے بنا بمعنی ٹھوس ہونا کہ کوئی سوراخ یا منفذ نہ ہواس لیے سخت پتھر کو صخرہ صماء کہتے ہیں یعنی ٹھوس چٹان اور سخت بند کی ہوئی سر بمہر شیشی قازویہ صمام کہتے ہیں۔اشتمال صماء کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ انسان اپنے بدن پر از سرتاپا ایک کپڑا اس طرح مضبوط لپیٹ لے کہ ہاتھ پاؤں جکڑ جائیں کھلنا مشکل ہوجائے،یہ بھی ممنوع ہے۔ دوسری تفسیر وہ ہے جو یہاں مذکور ہے کہ جسم پر صرف ایک کپڑا ہو وہ بھی اس طرح اوڑھا جائے کہ آدھا بدن ننگا رہے کہ جب ایک کندھا کھلا ہے تو اس طرف کا سارا بدن کھلا رہے گا،چونکہ یہ ننگا پہناوا ہےاس لیے ممنوع ہے،طواف میں جو احتباء کرتے ہیں وہاں ستر نہیں کھلتا کیونکہ تہبند بھی بندھا ہوتا ہے۔

۶؎ **احتباء** اکڑوں بیٹھنے کو کہتے ہیں اس طرح کہ چوتر زمین پر لگے ہوں،دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کا حلقہ باندھے ہوں،اگر صرف ایک کپڑا اوڑھ کر احتباء کیا گیا ہو تو شرمگاہ برہنہ ہوجائے گی لہذا ممنوع ہے لیکن اگر تہبند بندھا ہو تو چونکہ ستر نہیں کھلتا لہذا جائز ہے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کعبہ کے سایہ میں احتباء فرمائے بیٹھے تھے وہاں یہ دوسری صورت تھی لہذا یہ حدیث اس عمل شریف کے خلاف نہیں،دونوں حدیثیں حق ہیں۔(اشعہ اللمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پھینکنے کی بیع ۱؎اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ۲؎(مسلم)	

۱؎پتھر پھینکنے کی بیع کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ زمین کا خریدار مالک زمین سے کہے کہ میں پتھر پھینکتا ہوں جہاں میرا پتھر گرے وہاں تک کی زمین بعوض پانچسو روپیہ میری ہوگئی یہ ممنوع ہے۔دوسرے یہ کہ دکان پر مختلف چیزیں رکھی ہیں خریدار کہے کہ میں کنکر پھینکتا ہوں جس چیز پر کنکر لگ جائے وہ دو روپیہ کے عوض میری ہے۔تیسرے یہ کہ تاجر کہے میں کنکر پھینکتا ہوں جس چیز پر لگے وہ دو روپے کے عوض تیری یہ سب جاہلیت کی بیع تھیں،چونکہ ان میں دھوکا ہے اس لیے منع ہے۔

۲؎ **غرر** یا تو **غَرہ** بالفتح سے بمعنی مجہول الانجام چیز یعنی خطرناک یا **غِرہ** بالکسر سے بنا بمعنی دھوکا،اسی سے غرور ہے۔بیع غرور کی بہت صورتیں ہیں:بیع منابذہ اور پتھر پھینکنے کی بیع وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں،دریا میں مچھلی، ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے ،بھاگے ہوئے غلام کی بیع سب بیع غرر ہیں۔ امام شافعی کے ہاں یہ بیع فاسد ہیں ہمارے ہاں کبھی فاسد،کبھی باطل۔خیال رہے کہ ہمارے ہاں فاسد وباطل بیع میں فرق ہے کہ بیع فاسد سے بعد قبضہ ملک حاصل ہوجاتی ہے،بیع باطل میں کبھی ملک حاصل نہیں ہوتی مگر امام شافعی کے ہاں دونوں بیعیں ایک ہی ہیں،اس کی مفصل بحث کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی فروخت سے منع فرمایا[1] یہ ایک تجارت تھی جس کا جاہلیت والے کاروبار کرتے تھے کہ ایک اونٹ خریدتا تاآنکہ اونٹنی بچہ دے پھر اس کے پیٹ کی بچی بچہ دے[2](مسلم،بخاری)

[1] اس جملہ شریف کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ حمل بیع یعنی کہ میری اونٹنی گیابھن ہے اس کے پیٹ کی بچی جب جوان ہو کر بچی دے گی اس کی بیع میں آج کرتا ہوں یہ بیع باطل ہے کہ معدوم چیز کی بیع ہے،نہ معلوم اونٹنی کے پیٹ میں مادہ ہے یا نر،دوسری یہ کہ کسی تجارت میں حمل کے حمل کی پیدائش سے اداء قیمت یا اداء سامان کی مدت مقرر کی جائے کہ اس کی قیمت میں جب دوں گا جب اس اونٹنی کے پیٹ کی بچی بچہ دے گی،یہ بیع فاسد ہے کہ وقت اداء مجہول ہے۔

[2] اس جملہ کی وہ ہی دو تفسیریں ہیں جو ابھی عرض کی گئیں کہ اونٹ خریدا مگر اس کی قیمت فلاں اونٹنی کی حمل کی بچی کے بچہ جننے پر دی جائے گی یا وہ ہی اونٹ خریدا ہے جو اس اونٹنی کے حمل کی بچی جنے گی،یہ بیع غرر ہے پہلی صورت میں فاسد ہے دوسری صورت میں باطل۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت سے منع فرمایا[1] (بخاری)

[1] عسب جانور کے نطفہ کو بھی کہتے ہیں اور نر کے مادہ پر چوٹ کرنے کو بھی اور اس عمل کی اجرت کو بھی،یہاں تمام معنے درست ہیں۔یہ اجرت اکثر فقہاء کے ہاں حرام ہے،بعض نے جائز مانا ہے خلاف مستحب تاکہ نسل منقطع نہ ہوجائے کہ بغیر اجرت کے نر والے اس پر راضی نہ ہوں گے تو نسل ہی ختم ہوجائے گی،اگر نر کو عاریۃً لے کر مادہ پر چوٹ کرائی گئی پھر بطور ہبہ نر والے کو کچھ دے دیا گیا یا خود نر کو کچھ کھلا دیا گیا تو بالاتفاق جائز ہے۔(لمعات و مرقات)ممانعت کی وجہ جہالت ہے کہ نہ معلوم نر کتنی بار چوٹ کرے اور نہ معلوم کہ مادہ حاملہ ہو کہ نہ ہو،پنجاب میں بھینس کو تیار کرانے کی اجرت دو روپیہ ایک بار چھوڑنے کی لیتے ہیں،اس بار میں کتنے ہی بار جست کرے ایک بار یا دو بار۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی چوٹ کی تجارت اور کھیتی کے لیے پانی اور زمین بیچنے سے منع فرمایا[1](مسلم)

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنی زمین و پانی کاشت کے لیے دے کہ تخم تو محنتی کا ہو اور زمین و پانی زمین والے کا اور پیداوار کا کچھ حصہ اس کام والے کو ملے جسے مخابرہ کہتے ہیں،اس کے جواز میں اختلاف ہے جو پہلے ذکر ہوا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بچے پانی کی فروخت سے[1](مسلم)

۱؎یعنی اگر کسی کے پاس اپنی ضرورت سے بچا ہوا پانی ہو تو وہ کسی پیاسے آدمی یا پیاسے جانور کو پی لینے دے،اس کی قیمت نہ لے کہ یہ خلاف مروت ہے لیکن اگر دوسرا شخص اپنے کھیت کو پانی بچا ہوا دینا چاہتا ہے تو اس کی بیع بالکل درست ہے۔(مرقات)غالبًا یہ حکم کنوؤں اور کھیت والوں کو ہے جن کا پانی نالی کے ذریعے کھیت میں جارہا ہے،اس نالی سے کوئی شخص یا جانور پانی پی لے جہاں عرب شریف میں پانی کی تجارت پر ہی پانی والے گزارہ کرتے ہیں ان کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ اس صورت میں یہ پانی بچا ہوا نہیں بلکہ اپنی ضرورت کا ہے،وہاں پانی کی تجارت خصوصًا کویت سے آگے ریگستان میں یہ تجارت بڑی ضروری و لازمی ہے،ہم نے اس سفر میں منزل رماح میں بیس روپے ڈرام پانی خریدا،قریبًا سو میل کے ایریا(Area)میں یہاں دو تین کنوئیں ہیں،ان کنوؤں پر دور دراز سے انسان جانور آکر پانی پیتے ہیں،سینکڑوں روپے کا پانی فروخت ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ بیچا جائے تاکہ اس سے گھاس فروخت کی جائے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی کنوئیں والا پانی کی بیع کو گھاس کی بیع کاذریعہ بنائے۔اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بنجر زمین جسے عربی میں موات کہتے ہیں آباد کی وہاں کنواں لگوالیا،لوگ اس زمین کے اردگرد اپنے جانور چراتے ہیں،وہ زمین موات جو ہوئی یہ شخص جانوروں کو چرنے سے روک نہیں سکتا،وہ بہانہ یہ کرے کہ کسی جانور کو بلامعاوضہ پانی نہ پینے دے جو اس کے اپنے کنوئیں کا ہے،نیت یہ ہو کہ اس پانی کی روک سے جانور یہاں کی گھاس چرنا چھوڑ دیں گے پھر یہ گھاس میری اپنی ہوگی کہ اس سے پیسہ کماؤں گا،یہ جرم ہے کہ کنواں تو اس کا ہے مگر زمین سرکاری چھوٹی ہوئی ہے،یہ پانی کے بہانہ چراگاہ کی گھاس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ورنہ اپنی زمین کی کھڑی گھاس اور کاٹی ہوئی گھاس کی بیع جائز ہے۔(مرقات)یہاں ذکر حمی یعنی چراگاہ کا ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر پر گزرے تو اپنا ہاتھ شریف اس میں ڈال دیا آپ کی انگلیوں نے اس میں تری پائی ۱؎ تو فرمایا اے غلہ والے یہ کیا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بارش پڑ گئی ۲؎ فرمایا تو گیلے غلہ کو تو نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہ ڈالا تاکہ اسے لوگ دیکھ لیتے ۳؎ جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۴؎(مسلم)	

۱؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے بازار میں تشریف لے گئے تو کسی دکان پر گندم یا جو یا کسی اور غلہ کا ڈھیر تھا،حضور انور نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ شریف داخل کیا تو پتہ لگا کہ ڈھیر کے اوپر تو غلہ سوکھا ہوا ہے مگر اندر سے گیلا ہے یعنی تاجر نے لوگوں کو دھوکا دے رکھا ہے غالبًا دکاندار کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ بھی جرم ہے،وہ سمجھے تھے کہ خود گیلا کرنا گناہ ہے جو باہر سے قدرتی طور پر گیلا ہوجائے اس میں ہمارا کیا گناہ،لہذا اس سے ان صحابی کا فسق ثابت نہیں ہوتا،نیز گناہ کرلینا

اور چیز ہے فسق کچھ اور یہ گناہ تھا جس سے توبہ ہوگئی اگر اس گناہ پر جم جاتے توبہ نہ کرتے تو فسق ہوتا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا"۔

۲؎ یعنی گندم بارش سے بھیگ گیا تھامیں نے اسے بھیگے ڈھیر پر سوکھا گندم ڈال دیا۔خلاصہ یہ ہے کہ خود دھوپ سے اوپر کا حصہ نہ سوکھ گیا تھاورنہ ان پر عتاب نہ ہوتا،بلکہ سوکھا گندم ڈالا گیا تھا۔

۳؎ یعنی سوکھا گندم اوپر نہ ڈالنا چاہیے تھا تاکہ خریدار دھوکا نہ کھاتا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تجارتی چیز کا عیب چھپانا گناہ ہے بلکہ خریدار کو عیب پر مطلع کردے کہ وہ چاہے تو عیب دار سمجھ کر خریدے چاہے نہ خریدے۔دوسرے یہ کہ حاکم یا بادشاہ کا بازار میں گشت کرنا،دکانداروں کی ان کی چیزوں کی،باٹ ترازو کی تحقیقات کرنا،قصور ثابت ہونے پر انہیں سزا دینا سنت ہے،آج جو یہ تحقیقات حکام کرتے ہیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی چیز میں عیب پیدا کرنا بھی جرم ہے اور قدرتی پیدا شدہ عیب کو چھپانا بھی جرم۔دیکھو بارش سے بھیگے غلہ کو چھپانا ملاوٹ ہی میں داخل فرمایا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت میں استثناء کرلینے سے منع فرمایا مگر جب کہ وہ شے معلوم ہوا ۱؎ (ترمذی)

۱؎ استثناء وہ ممنوع ہے جس سے بیع محض مجہول و نامعلوم رہ جائے جیسے کوئی شخص باغ کے پھل فروخت کرے اور کہے کہ ان میں سے دس من تو میرے ہوں گے باقی تیرے ہاتھ فروخت یا اس ڈھیر کا چار من گندم میرا باقی تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ اب یہ خبر نہ رہی کہ باقی ہے کتنالیکن اگر یوں کہے کہ آدھے یا تہائی یا چوتھائی میرے باقی تیرے تو جائز ہے کہ یہ استثناء معلوم ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور فروخت کرنے سے منع فرمایا حتی کہ سیاہ پڑ جائیں اور دانوں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سخت پڑ جائیں ۱؎(ترمذی)ابوداؤد نے یوں ہی روایت کی ان دونوں کے ہاں حضرت انس کی روایت سے یہ نہیں ہے کہ چھوہاروں کی فروخت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑ جائیں مگر حضرت عمر کی روایت سے فرماتے ہیں کہ حضور نے چھوہاروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائیں ۲؎ اور ترمذی و ابوداؤد نے حضرت انس سے روایت کی اور وہ زیادتی مصابیح میں ہے یعنی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ چھوہاروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائے یہ ان دونوں کی روایت میں حضرت ابن عمر سے ہے فرماتے ہیں کھجور کی تجارت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑجائیں۳ترمذی نے فرمایایہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔	

۱پھلوں کی تیاری مختلف صورتوں سے معلوم ہوتی ہے۔چنانچہ دانے والے سیاہ انگور کی تیاری اس پر سیاہی جھلکنے سے معلوم ہوتی ہے اور دانوں کی تیاری سختی سے محسوس ہوتی ہے کہ چٹکی میں دبانے سے سخت معلوم دے،ان علامات سے قبل نہ تو انگور قابل نفع مال ہے نہ دانے،ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ بیع میں دو طرفہ مال چاہیےاور یہ دونوں چیزیں اس وقت مال نہیں۔
۲یہ صاحب مصابیح امام بغوی پر اعتراض ہے کہ انہوں نے بحوالہ ترمذی و ابوداؤد حضرت انس کی روایت میں یہ جملہ بھی شامل کیا،حالانکہ یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے نہ کہ حضرت انس کی۔
۳یہ امام بغوی پر دوسرا اعتراض ہے کہ انہوں نے حضرت انس کی روایت میں عَنْ بَيْعِ التَّمَرِ نقل کیا،حالانکہ یہ روایت عبداللہ ابن عمر کی ہےاس میں بھی عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ ہے نہ کہ عَنْ بَيْعِ التَّمَرِ۔خلاصہ حدیث یہ ہوا کہ کسی پھل کی بیع اس کی تیاری اور قابل انتفاع ہونے سے پہلے جائز نہیں اور ہر چیز کے قابل انتفاع ہونے کی علامتیں مختلف ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی بیع ادھار سے کرنے سے منع فرمایا۱(دارقطنی)	

۱اس کی بہت صورتیں ہیں:ایک تو یہ ہے کہ بیع کے وقت نہ قیمت دی جائے،نہ مبیع پر قبضہ ہو یہ ناجائز ہے،جواز بیع کے لیے کم سے کم ایک طرف فی الحال قبضہ ضروری ہے،دوسری صورت یہ ہے کہ مثلًا زید کا عمرو پر دس گز کپڑا قرض تھااور بکر کے عمرو پر دس روپے قرض تھے تو زید بکر سے کہےمیں تیرے دس روپوں کے عوض اپنا وہ کپڑا فروخت کرتا ہوں جو میرا عمرو پر ہے،اب تم مجھ سے روپے نہ مانگنابلکہ ان کے عوض عمرو سے کپڑا وصول کرلینا،بکر کہے مجھے قبول ہے یہ بیع ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خرید لےجب اس ادھار کی مدت ختم ہو تو تاجر خریدار سے قیمت کا تقاضا کرےخریدار کہہ دے کہ فی الحال میرے پاس پیسے نہیں،مجھے ایک ماہ کی مہلت اور دے میں قیمت میں اتنا اضافہ کرتا ہوں،تاجر کہے منظور ہےحالانکہ اس چیز پر بھی قبضہ نہیں کیا گیایہ بھی ممنوع ہے۔(لمعات واشعہ)خیال رہے کہ کالی كَلَاءٌ سے بنا بمعنی تاخیرو مہلت و حفاظت،رب فرماتاہے:" قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ"۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا ۲(مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ان کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں،ان کی روایت میں ہمیشہ تدلیس ہوتی ہے کیونکہ خبر نہیں کہ جَدِّہٖ کی ضمیر عمرو کی طرف لوٹتی ہے یا اَبِیۡہٖ کی طرف۔

۲؎عربی میں عربان کی چند لغتیں ہیں:عُربان،اُربان،عَربون،اَربون،پہلے حرف کو پیش،دوسرے کو جزم،آخری دو میں پہلے حرف کو زبر بھی۔ بیعانہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار بھاؤ طے ہوتے وقت کچھ رقم بیچنے والے کو دے دے اور وعدہ کرے کہ فلاں تاریخ کو میں پوری رقم دے کر چیز لے لوں گا اگر نہ لوں تو یہ رقم ضبط جیسا کہ آج کل عام رواج ہے۔یہ بیع تین اماموں کے ہاں منع ہے مگر امام احمد ابن حنبل کے ہاں جائز،حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت میں اس کی اجازت بھی ہے ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ حضرت عمرو ابن شعیب کی روایتیں مدلس و منقطع ہوتی ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کی ۱؎اور دھوکے اور پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ مضطر سے مرا دیا مجبور ہے یا محتاج یعنی کسی کی چیز جبرًا نہ خریدو کہ راضی نہ ہو تم اس کی چیز فروخت کردو،یہ بیع فاسد ہے،کبھی حکومت ظلمًا کسی کا مال نیلام کرادیتی ہیں،وہ بے چارہ روتا رہتا ہے،حکومت کے جرمانے یا ٹیکس کی وصولی کے لیے چیزیں نیلام ہوتی ہیں ان کا خریدنا جائز نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو محتاج شخص قرض یا بھوک کی وجہ سے تنگ آکر اپنی چیزیں نہایت سستی بیچے وہ نہ لو کہ خلاف مروت ہے بلکہ ایسے کی حتی الامکان امداد کرو۔(لمعات و مرقات و اشعہ)خیال رہے کہ دیوالیہ کا مال نیلام کردینا جائز ہے مگر حاکم نیلام کرے،یہ ظلمًا بیع نہیں ہے بلکہ قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کے لیے ہے۔

۲؎دھوکا کی تجارت سے مراد یا فریب کی بیع ہے کہ تاجر ناقص مال کو اچھا بتا کر کسی کے ہاتھ بیچ دے۔اس صورت میں خریدار کو خیار غیب ملے گا کہ چیز کے عیب پر مطلع ہو کر واپس کرسکے گا یا جہالت کی بیع مراد ہے کہ ظاہر چیز کا اچھا ہو اندرون خراب،اس صورت میں خیار عیب ملے گا۔ پھل پکنے سے مراد پھل قابل نفع ہونا ہے لہذا جو چیزیں گدر ہو کر استعمال کی جاتی ہیں ان کی گدر کی بیع جائز ہے۔اور جو چیز یں کچی بھی کام آتی ہیں ان کی کچی کی بیع بھی درست ہے،آم کچے گدر فروخت کیے جاسکتے ہیں،مٹر کی پھلیاں کچی بھی سبزی کے طور پر کام آتی ہیں ان کی کچی کی تجارت درست ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ بنی کلاب کے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نر جانوروں کی چوٹ کے متعلق پوچھا ۱؎آپ نے اس سے منع فرمایا ۲؎اس نے عرض کیا یارسول اللہ ہم تو نر چھوڑتے ہیں تو ہمیں ویسے ہی کچھ دے دیا جاتا ہے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ کے متعلق اجازت دی ۳؎(ترمذی)	

۱؎ کہ نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت کیسی ہے،وہاں اس کا رواج عام تھا،اب بھی اس کا عام رواج ہے۔

۲؎ جمہور علماء کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے اور اس کی اجرت مکروہ تحریمی،امام احمد حنبل کے ہاں بلا کراہت جائز،یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔نطرق باب افعال سے ہے،طرق جانور کی منی کو بھی کہتے ہیں اور اس کی چوٹ کو بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے۔(مرقات)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نر والا عاریۃً جانور دے دے،پھر مادہ والا بطور ہدیہ اسے کچھ پیسے یا چارہ دے تو بلاکراہت درست ہے،یہ ہی تمام آئمہ کا مذہب ہے غرضکہ جمہور کے ہاں اس کی اجرت منع،ہدیہ جائز۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس نہ ہو اسے فروخت کردوں ۱؎(ترمذی)اور ترمذی و ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس کوئی شخص آتا ہے مجھے فروخت کرنے کو کہتا ہے اور میرے پاس چیز ہوتی نہیں ۲؎ تو میں اس کے لیے بازار سے خرید لیتا ہوں ۳؎ تو فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو وہ نہ بیچو۔

۱؎ اس میں بھاگے ہوئے غلام،دریا کی مچھلی،ہوا کے پرندے یا گم شدہ مال کی تمام بیع داخل ہے کہ یہ تمام تجارتیں ممنوع ہیں،ہاں بیع سلم بالاتفاق جائز ہے اگرچہ بائع کے پاس وہ چیز عقد کے وقت ہوتی نہیں،یونہی دوسرے کے مال کی بیع اس کی بغیر اجازت موقوف ہے کہ اگر وہ اجازت دے دے تو جائز ہوجائے گی۔

۲؎ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ بازار سے اس کے لیے خریدے جسے دلالی کہتے ہیں یہ تو درست ہے۔دوسرے یہ کہ اپنے لیے خریدے اور خود مالک بن کر پہلے خریدار کو دے،یہ ممنوع ہے،یہاں یہ ہی مراد ہے کہ اس صورت میں اس نے یہ چیز فروخت کی جس کا بوقت بیع مالک نہ تھا،ہاں ایسی چیز کا وعدہ بیع کرلینا یا آرڈر(Order)لے لینا درست ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں کہ آرڈر(Order)وصول کرکے چیز خرید کر بھیجتے یا بنا کردیتے ہیں،ہم موچی سے جوتا بنواتے ہیں سلائی پہلے دے دیتے ہیں،اسے استصناع کہتے ہیں یہ بالاتفاق درست ہے۔

۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ غیر مقبوض یا غیر مملوک اعیان کی بیع منع ہے جیسے کہے میں فلاں غلام تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں حالانکہ وہ غلام یا تو اپنا ہے ہی نہیں یا ہے مگر بھاگا ہوا ہے یا فلاں پرندہ جواڑ رہا ہے فروخت کرتا ہوں کہ شکار کرکے تمہارے حوالہ کروں گا یہ ممنوع ہے مگر صفات کی بیع جائز ہے خواہ مملوک یا مقبوض ہو یا نہ ہو جیسے بیع سلم میں اور چیز بنوانے میں ہوتا ہے،یہ بہت نفیس توجیہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو فروختوں سے منع فرمایا ۱؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ایک بیع میں دو بیعوں کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ یوں کہے میں فلاں چیز نقد دس[۱] روپے میں فروخت کرتا ہوں اور ادھار بیس[۲۰] روپے کے عوض یہ ممنوع ہے کہ اس میں قیمت کا صحیح پتہ نہ لگا۔ دوسری بیع بالشرط کہ یوں کہے کہ میں اپنا غلام تجھے سوروپے میں دیتا ہوں،بشرطیکہ تو مجھے اپنی لونڈی یا زمین پچاس روپیہ میں دے دے،اس میں بھی قیمت ایک اعتبار سے مجہول ہے اس کے علاوہ دیگر بیع بالشرط بھی منع ہے بشرطیکہ شرط فاسد ہو،اگر شرط صحیح ہو تو بیع درست ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روای فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک عقد میں دو فروختوں سے منع فرمایا ۱؎(شرح سنہ)	

۱؎صفقہ کہتے ہیں ہاتھ مارنے یا ہاتھ ملانے کو،چونکہ اہل عرب بیع کے وقت تاجر سے ہاتھ ملاتے تھے اس لیے بیع کو بھی صفقہ کہہ دیتے ہیں یعنی ایک بیع کے ضمن میں دوسری بیع کرلینے سے منع فرمایا،اس کی دو صورتیں ابھی عرض کی گئیں۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ادھار اور فروخت جائز ہے ۱؎اور نہ فروخت میں دو شرطیں جائز ۲؎نہ اس کا نفع جائز جس کا ذمہ دار نہ ہو اور نہ وہ چیز بیچنا حلال جو تیرے پاس نہ ہو ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔	

۱؎اس کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ بائع خریدار سے کہتے ہیں تیرے ہاتھ یہ چیز سو روپے کے عوض فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے دس روپے قرض بھی دے،یہ حرام ہے کہ ایک قسم کا سود ہے کیونکہ خریدار نے دس روپے قرض کے عوض میں اس چیز کے خریدنے کا نفع بھی حاصل کرلیا یا اس کے برعکس کہ قرض مانگنے والے سے ساہوکار کہے میں تجھے سو روپیہ اس شرط پر قرض دیتا ہوں کہ دس روپے میں اپنی بکری میرے ہاتھ فروخت کردے یعنی بیع میں قرض کی شرط ہو تو منع اور قرض میں بیع کی شرط ہو تب منع۔دوسرے یہ کہ ساہوکار قرض مانگنے والے سے کہےمیں تجھے سو روپے قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم میری فلاں چیز اتنے میں خرید لو یعنی مہنگی اس میں بھی وہ ہی قباحت ہے کہ قرض کے ذریعہ نفع کمارہا ہے۔

۲؎اس جملہ کی شرح میں بہت گفتگو ہے،بعض محدثین تو فرماتے ہیں کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے یعنی سلف بیع کی،بعض نے فرمایا کہ دو کا ذکر اتفاقی ہے،بیع بالشرط مطلقًا منع ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضور انور نے بیع اور شرط سے منع فرمایا،ان کا خیال ہے کہ شرطان سے مراد دونوں قسم کی شرطیں ہیں یعنی نہ تو بائع خریدار پر کوئی شرط لگائے کہ یہ چیز تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ دو ماہ تک اس کو میں ہی استعمال کروں گا یا تو مجھے اتنے روز کے لیے اپنا مکان عاریۃً یا کرایہ پر دے اور نہ خریدار تاجر پر کوئی شرط لگائے کہ کپڑا تو خریدتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے سی کر یا دھوکر دے،یہ دونوں قسم کی شرطیں بیع کو فاسد کردیں گی جب کہ شرطیں خود فاسد ہوں۔شرط فاسد وہ کہلاتی ہے جسے بیع نہ چاہے،جسے خود بیع ہی

چاہے وہ شرط صحیح ہے اس کی تجارت فاسد نہیں ہوتی جیسے تاجر کہے کہ چیز بیچتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے روپے کھرے دے یا ابھی نقد دے یا خریدار کہے کہ خریدتا ہوں بشرطیکہ مال اصل ہو نقل نہ ہو وغیرہ۔
۳؎ یعنی جو چیز تیرے قبضہ میں نہ ہو اس کا بیچنا بھی ممنوع ہے اور جس چیز کا تو ابھی مالک نہ بنا اس کی فروخت بھی منع۔مالم یضمن سے مراد جو اپنے ضمان و قبضہ میں نہ آئی جیسے ہم کوئی چیز خریدیں اور بغیر قبضہ کیے فروخت کردیں،یہ منع ہے اس کی شرح گزرچکی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نقیع بازار میں اونٹ اشرفیوں کے عوض فروخت کرتا تھا۱؎ پھر اشرفیوں کے عوض درہم لے لیتا تھا اور درہم کے عوض فروخت کرتا تھا پھر ان کے عوض اشرفیاں لے لیتا تھا ۲؎ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں کہ اس دن کے بھاؤ سے یہ لے لو جب تک کہ تم اس طرح الگ نہ ہو کہ تمہارے درمیان کچھ بقایا ہو۳؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎ نقیع نون وق سے،مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ تھی جس میں بازار تھا اور میلہ لگا کرتا تھااور ایک چراگاہ کا نام بھی ہے جو مدینہ منورہ سے بیس کوس دور ہے،یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔
۲؎ آپ کا یہ عمل اپنے اجتہاد سے تھا آپ نے خیال فرمایا کہ مثلًا درہم ایک دینار ہی ہےاور ایک دینار دس درہم ہی ہیں،درہم کے عوض دینار لینا گویا درہم ہی لینا ہیں۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زمانہ نبوی میں حضور انور کے پاس رہتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ یقین پر قدرت ہوتے ہوئے بھی ظن پر عمل جائز ہے۔(مرقات)
۳؎ یعنی تمہارا یہ عمل دو شرطوں سے جائز ہے:ایک تو درہم و دینار کے موجودہ بھاؤ کا اعتبار ہوگا،ان کے بھاؤ بدلتے رہتے ہیں،ہمارے ہاں بھی ایک زمانہ میں اشرفی پندرہ بیس روپیہ کی تھی،پھر چڑھتے چڑھتے اسی نوے تک پہنچ گئی،دوسری شرط یہ ہے کہ فریقین دونوں بدلوں پر قبضہ کیے بغیر نہ ہٹیں کیونکہ اشرفی کے عوض چاندی کے درہم لینا یا اس کے برعکس بیع صرف ہے اور بیع صرف میں اگر جنسیں مختلف ہوں تو زیادتی جائز مگر ادھار حرام۔غرضکہ اس کو الگ بیع قرار دیا گیا اور اس پر بیع صرف کے احکام جاری کیے گئے۔

	روایت ہے حضرت عداء ابن خالد ابن ہوذہ سے ۱؎ انہوں نے ایک تحریر نکالی کہ یہ وہ ہے جو عداء ابن خالد ابن ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلام یا لونڈی خریدی جس میں نہ کوئی عیب ہے نہ فساد نہ کوئی خرابی ۲؎ مسلمان کی مسلمان سے بیع ۳؎(ترمذی)اور فرمایا

	یہ حدیث غریب ہے۔۴

۱؎ آپ قبیلہ بنی ربیعہ سے ہیں،بصرہ کے دیہات میں رہتے تھے،غزوہ حنین کے بعد اسلام لائے،صحابی ہیں مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے۔

۲؎ یعنی اس میں نہ کوئی بیماری ہے جنون،جذام،برص وغیرہ اور نہ کوئی بری عادت زنا،چوری،شراب خواری وغیرہ نہ نفرت والی کوئی چیز جیسے حرامی ہونا وغیرہ۔غائلہ وہ عیب کہلاتا ہے جو کبھی ہلاکت کا باعث بن جائے۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ غلام ظاہری اور چھپے ہوئے عیوب سے پاک ہے،اس میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جس سے خریدار کو خیار غیب ہے۔اس تحریر میں اس جانب اشارہ ہے کہ خریدو فروخت اگرچہ ولی بلکہ نبی سے ہو اس پر شرعی احکام ضرور جاری ہوں گے اور اس قسم کی تحریر اس کی شان کے خلاف نہیں ہوگی،یہ بھی معلوم ہوا کہ قانونًا بیع نامہ تاجر کی طرف سے ہونا چاہیے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ"لیکن خریدار کی طرف سے بھی خریدنامہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی احتیاط ہے۔

۳؎ یعنی یہ ایسی خرید و فروخت ہے جیسی مسلمان کی مسلمان سے ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کا خیر خواہ ہوتا ہے،اسے دھوکا نہیں دیتاورنہ یہ بیع مسلمان کی نبی سے تھی نہ کہ عام مسلمان سے۔خیال رہے کہ نبی لغوی مؤمن و مسلم ہوتے ہیں نہ کہ اصطلاحی،اصطلاح میں تو وہ عین ایمان ہیں کہ ان کو ماننے سے انسان مؤمن بنتا ہےاسی لیے بیع منصوب ہے کہ کاف تشبیہ پوشیدہ ہے۔

۴؎ کیونکہ اس کی اسناد میں عباد ہیں جو ضعیف ہیں،ان کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں لَيْسَ بِشَيْءٍ۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل خرید و فروخت دونوں کی ہیں مگر ہجرت کے بعد فروخت بہت کم کی ہے۔(اشعہ ولمعات)

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمبل وپیالہ نیلام کیا۱؎ تو فرمایا اس کمبل و پیالے کو کون خریدتا ہے تو ایک صاحب بولے میں انہیں ایک درہم میں لیتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ایک درہم پر بڑھاتا ہے دوسرے صاحب نے دو درہم حاضر کیے تو ان ہی کے ہاتھ فروخت کردیں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ حلس وہ بڑا کمبل ہے جو اونٹ پر ڈالا جائے یا فرش پر بچھایا جائے،چھوٹا کمبل جو ایک آدمی ہی اوڑھ سکے کساء کہلاتا ہے،یہ دونوں چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نہ تھیں بلکہ ایک فقیر و مسکین کی تھیں جو حضور انور سے کچھ مانگنے آیا تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھیک سے بچالیا اس کی دو چیزیں نیلام کرکے اسے کام پر لگادیا۔

۲؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نیلام جائز ہے جسے عربی میں بیع من یزید کہتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ایک کے بھاؤ پر دوسرا آدمی بھاؤ لگا سکتا ہےجب کہ پہلا بھاؤ طے نہ ہوا ہو،جن احادیث میں بھاؤ پر بھاؤ لگانے سے منع کیا گیا ہے وہاں بھاؤ طے ہوچکنے کے بعد مراد ہے۔تیسرے یہ کہ کسی کی چیز دوسرا آدمی وکیل بن کر فروخت کرسکتا ہے۔چوتھے یہ کہ بیع تعاطی یعنی فقط لین دین سے جائز ہے اگرچہ منہ سے ایجاب و قبول نہ ہو۔پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان

و مال کے مالک ہیں کہ ہماری چیز بغیر ہماری رضا مندی فروخت کرسکتے ہیں کیونکہ وہ صحابی حضور سے مانگنے آئے تھے نہ کہ چیز بکوانے مگر حضور نے ان سے بغیر پوچھے ان کی چیزیں نیلام کر دیں،قرآن شریف فرمارہا ہے کہ مسلمان کو حضور کے مقابلہ میں اپنی جان و مال کا کوئی اختیار نہیں جس کا جس سے چاہیں نکاح کر دیں فرماتا ہے:"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ"الخ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو عیب دار چیز فروخت کردے جس پر خبردار نہ کرے تو وہ اللہ تعالٰی کی ناراضی میں رہے گا یا فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کے اسلام کے وقت میں اختلاف ہے،بعض فرماتے ہیں کہ تیاری غزوہ تبوک کے وقت ایمان لائے،بعض فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے لاچکے تھے بلکہ اصحاب صفہ سے تھے،تین سال حضور انور کی خدمت میں رہے،۹۸ یا ۱۰۰ سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی،آپ دمشق کے آخری صحابی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ عَیِّبٌ یا تو ی کے شد اور کسرہ سے ہے صفت مشبہ یای کے سکون سے مصدر،اگر مصدر ہے تو مبالغہ کے لیے ارشاد ہوا یعنی جو عیب دار چیز کو فروخت کرے وہ گویا سراپا عیب فروخت کررہا ہے،عیب کا تاجر ہے،اس جرم پر اتنی سخت سزا اس لیے ہے کہ دھوکا دینا مؤمن کی شان کے خلاف ہے،نہ مؤمن کو دھوکا دے نہ کافر کو،یہ شرعی قومی ملکی جرم ہے۔

باب

باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں ممنوع تجارتوں کے متعلق مختلف احادیث مذکور ہوں گی اس لیے اس کا ترجمہ مقرر نہ فرمایا یعنی متفرق احادیث کا باب جس میں مختلف ممنوع تجارتوں کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پیوند لگانے کے بعد درخت کھجور خریدے ۱؎ تو اس کے پھل بیچنے والے کے ہوں گے ہاں مگر خریدار شرط لگائے ۲؎ اور جو کوئی ایسا غلام خریدے جس کے پاس مال ہو ۳؎ تو اس کا مال بیچنے والے کا ہوگا ہاں مگر یہ کہ خریدار شرط لگائے ۴؎ (مسلم) بخاری نے صرف پہلی صورت بیان کی۔	

۱؎ کھجور کی تابیر کے معنے ہم باب الاعتصام میں عرض کرچکے ہیں کہ نر کھجور کی شاخ مادہ کھجور میں لگانا تاکہ پھل اچھے اور زیادہ آئیں،یہاں مراد ہے تابیر کے بعد پھل لگ جانا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے،اگر تابیر ہوچکی ہے مگر ابھی پھل نہیں لگے تو یہ حکم بھی نہیں۔غرضکہ یہاں پھل والا درخت مراد ہے جس کے پھل پختہ یا گدر ہوچکے ہوں۔

۲؎ امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کے ہاں تابیر والے پھل دار درخت کے پھل خریدار کے ہوں گے اور اگر تاجر شرط کرلے تو اس کے ہوں گے،ہمارے ہاں بہرحال پھل بائع کے ہیں،ہمارے ہاں تابیر سے مراد پھل دار ہوجانا ہے اگر درخت پھلدار نہیں تو خواہ تابیر ہوچکی ہو،حکم بھی یہ نہیں،ابن ابی لیلیٰ کے ہاں پھل بہرحال خریدار کے ہیں کہ درخت کے تابع ہیں۔

۳؎ یعنی غلام ماذون تھا جسے تجارت کی اجازت مولیٰ نے دے رکھی تھی اس وجہ سے اس کے پاس مال جمع ہوگیا تھا۔اب اسے فروخت کیا گیا تو مال چونکہ مولیٰ کا تھا اسی کا رہے گا،یہاں مال کی نسبت غلام کی طرف قبضہ کی نسبت ہے نہ کہ ملکیت کی،وہ مال تھا مولیٰ کا مگر قبضہ میں غلام کے تھا۔

۴؎ یعنی اگر خریدار کہے کہ میں وہ غلام مع اس کے مال کے خریدتا ہوں تب تو مال خریدار کا ورنہ بائع کا،امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فروخت شدہ غلام کے جسم کے کپڑے بھی بائع کے ہوں گے حتی کہ خریدنے کے بعد خریدار اسے اپنا تہبند پہنائے بائع کا تہبند اتار دے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ جانور خریدا تو اس کی جھول،زنجیر اور دوسرا جسم کا سامان بائع کا ہوگا اگر خریدار شرط لگائے تو اس کا ہوگا۔خیال رہے کہ اگر غلام کے پاس چاندی کے روپے تھے تو اس کے مع روپوں کے

خریدنے کے وہ ہی احکام ہوں گے جو بیع صرف کے ہوتے ہیں یعنی اگر خریدار چاندی سے خریدے تو اس کے روپوں سے زائد روپے دے تاکہ اصل روپیہ روپے کے عوض ہوجائے اور زیادتی غلام کے عوض کہ یہ بیع صرف غلام کی نہیں بلکہ چاندی اور غلام کی ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ آپ ایک اونٹ پر سفر کررہے تھے جو تھک گیا تھا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو اسے مارا تو وہ اونٹ ایسی رفتار سے چلنے لگا کہ ایسا کبھی نہ چلتا تھا۱ پھر حضور نے فرمایا اسے میرے ہاتھ ایک اوقیہ میں بیچ دو۲ میں نے بیچ دیا مگر اپنے گھر تک اس کی سواری کی شرط لگائی ۳ پھر جب میں مدینہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ لایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی قیمت کھری کردی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت عطا فرمائی اور اونٹ بھی واپس دے دیا ۴ (مسلم،بخاری)اور بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ انہیں قیمت ادا کردو کچھ زیادہ بھی دے دو تو انہوں نے ایک قیراط زیادہ دیا۵	

۱ یہ حضور انور کا معجزہ ہے۔معلوم ہوا کہ ان کا ہاتھ بے زوروں کا زور ہے،بے سہاروں کا سہارا، اب بھی جس کمزور پر حضور نگاہ کرم فرمادیں وہ طاقتور ہوجائے۔شعر

تو مرا دل دہ و دلیری بیں روبہ خویش خوان وشیری بیں (اشعہ)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تم دل بخشو پھر میری بہادری دیکھو،مجھے اپنی بلی بنالو پھر میری شیری دیکھو۔

۲ **اُوقیہ** الف کے پیش یا فتح سے،چالیس درہم کا ہوتا ہے مگر وقیہ بغیر الف کے کبھی اوقیہ کے ہم معنی ہوتا ہے اور کبھی سات مثقال کا۔اس کی جمع **وقایا** ہے جیسے **خطیئہ** کی **خطایا**،اور **اوقیہ** کی جمع **اواقی** ہے جیسے **اعجوبہ** کی جمع **اعاجیب**۔اس سے معلوم ہوا کہ مال والے کو اس کا مال بیچنے کی رغبت دینا جائز ہے۔(مرقات)

۳ اس حدیث کی بنا پر امام احمد نے جانور کی بیع بالشرط جائز رکھی کہ بائع اس پر اپنے لیے سوار ہونے کی شرط لگاسکتا ہے،امام مالک کے ہاں تھوڑے فاصلہ تک سواری کی شرط لگانا جائز ہے کیونکہ اس موقعہ پر مدینہ طیبہ قریب تھا لیکن امام اعظم و شافعی کے ہاں یہ شرط مطلقًا ناجائز ہے کیونکہ دوسری احادیث میں بیع بالشرط سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔اس حدیث کے متعلق ان دو بزرگوں نے چند باتیں فرمائیں:ایک یہ کہ یہ شرط داخل بیع نہ تھی بلکہ بعد بیع عاریۃً وہ اونٹ لیا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔دوسرے یہ کہ یہ شرط حضرت جابر نے پیش نہ کی بلکہ حضور انور نے بطور رعایت عطا فرمائی جیسے آج کل بعض تاجر کمیشن یا انعامی بونڈ پر چیزیں بیچتے ہیں کہ یہ شرطیں خود اپنی طرف سے لگادیتے ہیں یا پوسٹ آفس(Post Office)کا محکمہ

خطوط لفافے ٹکٹ اس شرط پر بیچتے ہیں کہ ہم مال منزل پر پہنچادیں گے۔تیسرے یہ کہ یہ صورۃً بیع تھی،حقیقتًا نہ تھی جیساکہ آگے رہا ہے کہ حضور انور نے حضرت جابر کو رقم بھی عطا فرمادی اور اونٹ بھی۔(لمعات و مرقات)

۴؎اس جملہ نے اس تجارت کی نوعیت بتلادی کہ لفظ بیع شراء کے تھے مگر حقیقت عطا کی تھی۔

۵؎قیراط آدھے دانق کو کہتے ہیں دانق تہائی درہم ہےلہذا قیراط درہم کا چھٹا حصہ ہوا،یہ قیراط حضرت جابر کو قیمت سے الگ دیا گیا تھاجسے حضرت جابر ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے اور خرچ کرتے رہتے تھے حتی کہ یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں واقعہ حرہ کے موقعہ پر جب یزیدی فوج نے حضرت جابر کا مال لوٹا تو یہ قیراط بھی چھین لیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائے قرض و ادائے حقوق کا وکیل بنانا بھی جائز ہے اور حق سے کچھ زیادہ دینا بھی جائز،یہ زیادتی سود نہ تھی سود کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ آئیں بولیں کہ میں نو اوقیہ پر مکاتبہ ہوگئی ہوں ہر سال میں ایک اوقیہ ۱؎ آپ میری امداد فرمائیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا اگر تمہارے مولٰی یہ پسند کریں کہ میں انہیں سارا روپیہ ایک دم گن دوں اور تمہیں آزادکروں اور تمہاری ولامیرے لیے رہے ۲؎وہ اپنے مولاؤں کے پاس گئیں انہوں نے اس کا انکار کیا مگر یہ کہ ولاء ان کے لیے ہو۳؎اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں لے لو اور آزاد کردو۴؎پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے مجمع میں قیام فرمایا اللہ کی حمدوثناء کی ۵؎پھر فرمایا بعد حمد وثناء کے لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں ۶؎جو شرط بھی ایسی ہو جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے،اگرچہ سو شرطیں ہوں ۷؎لہذا اللہ کا فیصلہ لائق عمل ہے اور اللہ کی شرط بہت مضبوط ہے ولاء اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے ۸؎(مسلم،بخاری)

۱؎حضرت بریرہ بروزن کریمہ مشہور صحابیہ ہیں،پہلے ایک یہودی کی لونڈی تھیں،پھر حضرت عائشہ صدیقہ کی لونڈی بنیں،آپ کی ملک پر آزاد ہوئیں کہ یہودی نے آپ کو مکاتبہ کیا تھا،پھر حضرت عائشہ صدیقہ نے خرید لیا۔(اشعہ)اوقیہ کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے۔مکاتب وہ غلام ہے جسے مولٰی کہہ دے کہ اتنی رقم مجھے دے تو آزاد ہے۔

۲؎اس طرح کہ تو اپنے کو اداء بدل کتابۃ سے معذور کردے جس سے کتابۃ ختم ہوجائے پھر میں تجھے نو اوقیہ کے عوض خرید کر آزاد کردوں تو تم میری آزاد کردہ لونڈی ہو اور تمہاری ولاء میرے لیے ہو،ورنہ مکاتب کی بیع درست نہیں اور جو مکاتب کی امداد کرے کہ اس کا بدل کتابۃ ادا کردے وہ اس کا مالک نہیں ہوجاتانہ ولاء اسے ملتی ہے۔

۳؎ یعنی بریرہ کے مولیٰ اس فسخ کتابۃ پر تو راضی ہوگئے فروخت کردینے پر بھی راضی ہو گئے مگر فروخت میں شرط یہ لگاتے تھے کہ ولاء یعنی حق میراث انہیں ملے یہ شرط بھی فاسد تھی اس سے بیع بھی فاسد ہوتی۔

۴؎ اس حدیث کی بنا پر امام مالک اور احمد ابن حنبل مکاتب کی بیع جائز مانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے بریرہ مکاتبہ کی بیع درست رکھی مگر ہمارے امام اعظم و شافعی فرماتے ہیں کہ مکاتب کی رضا سے اس کی فروخت کتابۃ کا فسخ ہے،گویا مکاتب اپنی کتابۃ ختم کررہا ہے اور اپنے کو فروخت کرارہا ہے یہاں یہ ہی ہوا،بعض آئمہ نے اس حدیث کی وجہ سے بشرط عتق بیع کو جائز رکھا کہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے آزادی کی شرط پر خریدا،ہمارے ہاں ایسی بیع فاسد ہے کہ یہ بیع بالشرط ہے،یہاں بائع یا حضرت بریرہ نے یہ شرط نہ لگائی تھی بلکہ خود ام المؤمنین نے آزادی کی پیشکش کی تھی،شرط اور پیش کش میں بڑا فرق ہے۔

۵؎ وعظ سے پہلے حمد الٰہی سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور حمد و صلوۃ دونوں پڑھنا سنت صحابہ ہے،دونوں ہی پڑھنا چاہئیں۔

۶؎ کتاب اللہ سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام کیونکہ یہ قاعدہ الولاء لمن اعتق ولاء آزاد کرنے والے کی ہے،قرآن شریف میں موجود نہیں،یا لیس کے معنی ہیں کہ یہ شرط قرآنی قاعدہ کے موافق نہیں،اس صورت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف بھی ہوسکتا ہے۔(مرقات)

۷؎ اس حدیث پر بہت ہی اعتراضات ہیں اس لیے بعض محدثین نے اس ساری حدیث ہی کا انکار کردیا ہے،بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اشترطی لھم اے عائشہ ان کی شرط قبول کرلو اور خرید لو،ولاء تمہارے لیے ہی ہوگی۔اس حدیث پر حسب ذیل اعتراض پڑ جاتے ہیں:(۱) مکاتب غلام کی بیع جو شرعًا ناجائز ہے(۲) بائع کی شرط کو قبول کرلینا،یہ بیع بالشرط ہوئی یہ بھی فاسد ہے(۳) بشرط عتق بیع یہ بھی فاسد ہے(۴) بائع کو دھوکا دینا کہ اس کی شرط ولاء منظور کرلینا حالانکہ ولاء اسے نہ ملے بلکہ خریدار کو ملے،کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کی اجازت دیں۔بعض شارحین نے اس حدیث کو درست مانا مگر و اشتَرِطِیْ لَھُمْ لام کو علی کے معنی میں لیا اور معنی یہ کیے کہ ان کے خلاف شرط لگالو کہ ولاء اس کے ہوگی جیسے وَمَنْ اَسَاءَ فَلَهَا میں لام علی کے معنی میں ہے مگر صحیح بات وہ ہے جو یہاں مرقات نے فرمائی کہ چونکہ عرب شریف میں اس قسم کی بیع بالشرط کا عام رواج تھا،اس رواج کو توڑنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ کو اس بیع کی خصوصی اجازت دی تاکہ آئندہ اس بیع کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے اب یہ بیع جائز نہیں جیسے حضور انور نے حجۃالوداع میں حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کرادیا تاکہ یہ عقیدہ ختم ہوجائے کہ زمانہ حج میں عمرہ حرام ہے ایسے ہی یہاں ہوا اور نہ یہ حدیث ظاہری معنی پر کسی مذہب کے موافق نہیں اور دیگر تمام احادیث کے خلاف ہے۔(مرقات)

۸؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور کا فیصلہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے،دیکھو یہ قانون کہ الولاء لمن اعتق ولاء آزاد کرنے والے کو ملتی ہے۔حضور کا قانون ہے مگر فرمایا گیا قضاء اللہ کیوں نہ ہو،رب فرماتا ہے:"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ"۔دوسرے یہ کہ اگر کفار مسلمانوں سے تجارت کریں تو انہیں اسلامی قوانین کی پابندی کرنا

ہوگی،دیکھو یہاں بائع یہودی ہے مگر چونکہ خریدار عائشہ صدیقہ ہیں اس لیے اس پر سارے اسلامی قانون جاری ہوگئے،لہذا کافر مسلمان کے ہاتھ سور یا شراب نہیں بیچ سکتاآپس میں کفار اس قسم کی بیع کرسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی فروخت اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ولاء ولی سے بنا بمعنی قرب،شریعت میں استحقاق میراث کو ولاء کہتے ہیں کہ اگر غلام لاوارث مرجائے تو اس کی میراث مولیٰ کو ملے،چونکہ ولاء مال نہیں ہے،نیز معتق کے ساتھ ایسی لازم ہے جیسے نسبی قرابت داروں کے ساتھ نسب منتقل نہیں ہوسکتی اس لیے اس کی بیع ناجائز ہے،قریبًا تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے۔جن لوگوں نے ولاء کی بیع یا ہبہ جائز رکھا انہیں غالبًا یہ حدیث پہنچی نہیں۔(نووی،اشعہ لمعات،مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت مخلد ابن خفاف سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے ایک غلام خریدا میں نے اس کی آمدنی وصول کرلی پھر میں اس کے ایک عیب پر مطلع ہوا ۲؎ تو میں نے اس کا مقدمہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے مجھے اس کے واپس کردینے کا فیصلہ اور اس کی آمدنی لوٹا دینے کا حکم دیا ۳؎ پھر میں حضرت عروہ کے پاس گیا اور انہیں خبر دی وہ بولے شام کو میں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے مقدمہ میں فیصلہ یہ فرمایا کہ آمدنی خرچ کے عوض ہے ۴؎ چنانچہ عمر کے پاس عروہ گئے تو انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ آمدنی اس شخص سے واپس لے لو جسے دے دینے کا حکم مجھے دیا تھا ۵؎(شرح سنہ)	

۱؎ صحیح یہ ہے کہ مخلد تو تابعی ہیں جن سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے لیکن ان کے والد خفاف اور دادا ایما دونوں صحابی ہیں،قبیلہ بنی غفار سے ہیں۔**مخلد** میم کے زبر اور خ کے سکون سے ہے،**خفاف** خ کے پیش اور ف کے زبر سے ہے۔(اشعہ)

۲؎ آمدنی سے مراد غلام کی کمائی ہے اور عیب سے مراد وہ پرانا عیب ہے جو بائع کے ہاں سے آیا۔لغت میں غلہ اس آمدنی کو کہاجاتا ہے جو کھیت باغ جانور سے حاصل ہو،دانے پھل،دودھ بچے،کرایہ وغیرہ یہاں کی کمائی مراد ہے یعنی مجھے غلام کے عیب کا پتہ اس وقت چلا جب میں اس کی کچھ کمائی حاصل کرچکا۔

۳؎ یعنی پہلے تو میں نے فروشندہ سے کہا کہ غلام واپس لے لےمگر جب وہ راضی نہ ہواتو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی بارگاہ میں مقدمہ دائر کردیا کہ یہ غلام واپس کرایا جائے تب آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ غلام واپس دو،اس کی آمدنی بائع کے حوالہ کرو اور اپنی قیمت اس سے وصول کرو۔

۴؎ آپ حضرت عروہ ابن زبیر ہیں،مشہور تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے سات قاریوں سے ہیں،قرشی ہیں،اسدی ہیں، ۲۳ھ میں پیدا ہوئے،بڑے فقیہ تھے،آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے فیصلہ غلط کیا کہ غلام کی اتنے دن کی آمدنی تمہیں واپس کرنا نہ ہوگی میں انہیں عرض کردوں گا کہ چونکہ اس زمانہ میں خریدار غلام پر کھانا پینا وغیرہ خرچ بھی کرچکا ہےاس لیے آمدنی اس کے خرچ و ضمان کے عوض ہے۔

۵؎ یعنی میں بائع کو غلام اور اس کی آمدنی دے چکا تھا،پھر مجھے آمدنی واپس دلوائی گئی۔معلوم ہوا کہ حاکم کے فیصلہ کی اپیل کرنا جائز ہےخواہ اس کے پاس کرے یا اس سے بڑے حاکم کے پاس۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں خریدے ہوئے جانور کے بچے،اون،دودھ،درخت کے پھل وغیرہ خریدار کے ہوں گے اور اصل شے واپس ہوگی،امام مالک کے ہاں جانور کے بچے ماں کے ساتھ واپس ہوں اون،دودھ واپس نہ ہوگا،ہمارے ہاں خریدار کے پاس بچے یا پھل کی پیدائش سے جانور یا درخت واپس نہ ہوسکے گابلکہ خریدار نقصان عیب لے گا،ان تمام آئمہ کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز نے یہ سن کر اپنا پہلا فیصلہ واپس لے لیااور اب یہ ہی فیصلہ کیا۔معلوم ہوا اگر قضاء قاضی حکم منصوص کے خلاف ہو تو ٹوٹ جائے گی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بائع و خریدار جھگڑ پڑیں ۱؎ تو بائع کی بات معتبر ہے اور خریدار کو اختیار ہے ۲؎ (ترمذی)اور ابن ماجہ و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ بائع و خریدار جب جھگڑ پڑیں اور چیز ویسی ہی موجود ہو اور ان کے درمیان گواہ کوئی ہو نہیں تو قول وہ ہی ہوگا جو بائع کہے یا دونوں بیع واپس کر لیں ۳؎	

۱؎ قیمت کی مقدار میں جھگڑیں یا خیار شرط میں ادھار قیمت کی مدت میں یا بیع کی صفت میں،غرضکہ کسی قسم کا جھگڑا پڑ جائے۔

۲؎ اس صورت میں خریدار اپنے دعویٰ پر گواہ لائے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو بائع قسم کھائے پھر حاکم خریدار کو اختیار دیدے کہ وہ خریدے یا نہ خریدے۔

۳؎ اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر مبیع چیز موجود ہے اور قیمت میں اختلاف ہوگیاتو فیصلہ گواہی پر ہوگااور اگر گواہی دونوں کے پاس ہو تو زیادتی قیمت کی گواہی مانی جائے گی اور اگر کسی کے پاس گواہی نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے اور بیع

فسخ ہوجائے گی اور اگر قیمت و مبیع دونوں میں جھگڑا ہے تو قیمت کے بارے میں بائع کی گواہی قبول ہوگی اور مبیع کے متعلق خریدار کی لیکن اگر مدت یا شرط خیار یا بعض قیمت پر قبضہ کرنے میں اختلاف ہوجائے تو قسم کسی پر نہیں۔اس بارے میں جو مختلف احادیث مروی ہیں وہ صحیح نہیں لہٰذا اس حدیث مشہور پر اعتماد چاہیے کہ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان کی فسخ بیع قبول کرے تو اللہ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمادے گا[1](ابوداؤد،ابن ماجہ)اور شرح سنہ میں مصابیح کے لفظ بطریق ارسال شرح شامی سے روایت کیے[2]	

[1]یعنی اگر خریدو فروخت مکمل ہوچکنے کے بعد خریدار چیز واپس کرنا چاہے یا بائع وہ چیز واپس لینا چاہے تو اگرچہ انہیں یہ حق تو نہیں مگر فریق آخر کو چاہیے کہ اسے منظور کرے اور سامنے والے پر مہربانی کرے جس کے بدلہ میں پروردگار اس کی خطائیں اور غلطیاں معاف فرمائے گا۔

[2]مصابیح کے الفاظ یہ ہیں"مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا صَفْقَةً كَرِهَهَا اَقَالَ اللّٰهُ عَشْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"یہ مصنف مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے یہاں ابوداؤد ابن ماجہ کی روایت متصل ہوتے ہوئے روایت مرسل کا ذکر کیا،متصل کو چھوڑ دیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی تو زمین کے خریدار نے اپنی اس زمین میں ایک مٹکی پائی جس میں سونا بھرا تھا[1]تو خریدار نے بائع سے کہا اپنا سونا مجھ سے لے لو میں نے تم سے زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا بیچنے والا بولا میں نے تو تیرے ہاتھ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب بیچ دیا[2] چنانچہ یہ دونوں ایک شخص کے پاس مقدمہ لے گئے تو جسے انہوں نے پنچ بنایا تھا وہ بولا[3]کیا تم دونوں کے اولاد ہے تو ان میں سے ایک بولا کہ میرے لڑکا ہے تو دوسرا بولا میری لڑکی ہے پنچ نے کہا لڑکے کا لڑکی سے نکاح کردو اور ان پر خرچ کرو اور بچا ہوا خیرات کردو[4](مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جب خریدار نے اس زمین میں کنواں یا بنیاد کھودی تو اس میں دفینہ پایا۔کان و دفینہ مل جانے کے احکام کتب فقہ میں دیکھئے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسے ایماندار لوگ تھے،خریدار کہہ رہا ہے کہ میں نے صرف زمین خریدی ہے اور یہ سونا زمین میں نہیں یہ تیرا ہے،بائع کہتا ہے کہ زمین کی فروخت میں اس کے اندر کی تمام چیزیں بک جاتی ہیں جیسے اس کے اندر کا پانی اور کان وغیرہ لہذا یہ سونا بھی بک گیا اور زمین کی طرح اس کا بھی تو ہی مالک ہوگیا۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حکومت کا مقرر کردہ حاکم نہ تھا بلکہ ان کا اپنا مقررکردہ پنچ تھا اور ہوسکتا ہے کہ حاکم ہی ہو۔ مرقات نے فرمایا کہ بعض محدثین کے خیال میں یہ حاکم داؤد علیہ السلام تھے۔واللہ اعلم!

۴؎ وَصَدِّقُوْا یا اَنْفِقُوْا کا بیان ہے یا علیحدہ حکم یعنی ان بچوں پر سارا خرچ کرو جس میں صدقہ کا ثواب ملے گا یا کچھ ان پر خرچ کرو کچھ فقراء پر۔(حاشیہ مشکوۃ)خیال رہے کہ دفینہ کے یہ احکام ہمارے دین میں نہیں،ہمارے ہاں دفینہ اگر کفار کا ہے تو اس کا اور حکم ہےاور اگر مسلمانوں کا ہے تو اور حکم،رہا یہ فیصلہ کہ کس کا دفینہ ہےعلامت سے کیا جائے گا،تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی و حاکم حتی الامکان فریقین میں صلح کی کوشش کرے اور ان کو اچھی بات کا حکم کرے۔

باب السلم و الرهن

سلم اور گروی کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱سلم کے لغوی معنے ہیں تسلیم یعنی سپرد کرنا،سونپنا۔شریعت میں سلم یہ ہے کہ قیمت فی الحال دی جائے،چیز ادھار ہو،یہ تجارت سات آٹھ شرطوں سے جائز ہے،چونکہ اس بیع میں قیمت فورًا سپرد کی جاتی ہے اس لیے سلم کہلاتی ہے،اسے بیع سلف یعنی ادھار کی بیع بھی کہتے ہیں کہ مال مبیع اس میں ادھار ہوتا ہے۔بیع سلم کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ"۔یہاں بیع سلم مراد ہے۔رہن کے معنی ہیں حبس یعنی قید کرنا،روکنا،شریعت میں گروی کو رہن کہتے ہیں۔جس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے حق کی وجہ سے اپنی کوئی چیز حقدار کے پاس رکھ دی جائے کہ جب یہ شخص حق دار کا حق ادا کردے،اپنی چیز لے لے،رہن کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے حدیث شریف سے بھی۔چنانچہ رب تعالٰی فرماتاہے:"فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ قرض لیا اوراپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ زرہ گروی ہی تھی جو جناب صدیق اکبر نے چھوڑائی۔(اشعہ و لمعات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ ایک سال دو سا ل تین سال تک بیع سلم کرتے تھے ۱تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے وہ مقرر پیمانے اور وزن مقرر میں معین مدت تک سلم کرے ۲(مسلم،بخاری)

۱اس طرح کہ دانے پھل سال دوسال کے ادھار پر خریدتے تھے کہ قیمت آج دے دی اور دانے یا پھل سال دوسال کے بعد لیں گے۔ظاہر یہ ہے کہ دانے اور پھل ایسے ہوتے تھے جو سال بھر تک بازار میں ملتے رہیں کیونکہ بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ وہ چیز عقد کے وقت سے ادا کے وقت تک بازار میں ملتی رہے۔

۲اس حدیث سے بیع سلم کی تین شرطیں معلوم ہوئیں:خریدی چیز کا وزن معلوم ہونا،پیمانہ معلوم ہونا،وقت ادا مقرر ہونا۔احناف کے ہاں تقرر مدت بیع سلم کی شرط ہے،امام شافعی کے ہاں نہیں لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے،باقی شرائط چیز کی ذات و وصف کا معلوم ہونا،ادا کی جگہ مقرر ہونا،وقت ادا تک چیز کا بازار میں ملنا دوسری احادیث و دلائل سے معلوم ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے۱؎ غلہ ادھار میعاد معین تک کے لیے خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس یہودی کا نام ابو شحم تھا،قبیلہ بنی ظفر سے تھا یا تو اس وقت صرف اسی کے پاس فالتو جو تھے،کسی صحابی کے پاس ضرورت سے زائد نہ تھے یا حضرات صحابہ حضور انور سے گروی لینے پر ہر گز تیار نہ تھے اور گروی رکھنا ضروری تھا تاکہ آیندہ اس گروی کے مسائل لوگوں کو معلوم ہو سکیں اسی لیے یہودی سے قرض لیا اور اسے گروی دیا،حضور انور نے ابو شحم سے کچھ ادھار لیے تھے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

۲؎ اس واقعہ سے بہت سے احکام شرعیہ معلوم ہوئے:کفار سے خرید وفروخت اور قرض کا لین دین جائز ہے اگرچہ ان کی آمدنی خالص حلال نہیں،وہ شراب وسور کی بھی تجارت کرتے ہیں،سود کا کاروبار بھی کرتے ہیں،ہر مخلوط آمدنی والے کا یہ ہی حکم ہے،حضور انور نے دنیا میں زہد وقناعت اختیار کی،جنگی سامان کفار کے ہاں گروی رکھنا درست ہے اگرچہ بحالت جنگ ان کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا ممنوع ہے،ذمی کفار اپنے مال واسباب کے شرعی مالک ہیں۔رہن گھر میں بھی درست ہے،قرآن کریم میں رہن رکھنے کے لئے جو سفر کی قید ہے کہ "وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ "الخ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔خیال رہے کہ کفار کے ہاتھ قرآن شریف یا مسلمان غلام فروخت کرنا ممنوع ہے،دین میں میعاد ادا مقرر ہونی چاہیے تاکہ جھگڑا نہ پڑے۔(مرقات)

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی تھی۱؎ (بخاری)	

۱؎ یا تو یہ وہ ہی واقعہ ہے جو ابھی مذکور ہوا یا یہ دوسرا واقعہ ہے،یہ زرہ حضرت ابوبکر صدیق نے چھوڑائی اور حضرت علی کو مرحمت فرمادی۔(مرقات)اور حضور انور کے تمام وعدے وقرض حضرت صدیق اکبر نے ادا کیے۔وہ جو روایت میں آتا ہے کہ مقروض میت کی روح ادائے قرض سے پہلے پھنسی رہتی ہے۔یہ اس صورت میں ہے کہ میت نے بلاضرورت قرض لیا ہو یا ناجائز کام کے لیے یا اس کی نیت ادا کی نہ ہو لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے تو کل ۱۳۵ سیر جو ہوئے یعنی تین من پندرہ سیر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سواری گروی ہو تو اس کے خرچ کے عوض اس پر سوار ہوا جاسکتا ہے اور جب جانور گروی ہو تو اس کا دودھ خرچ کے عوض پیا جاسکتا ہے۱؎ اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے والے کے ذمہ خرچ ہے ۲؎(بخاری)	

۱؎ جمہور علماء کے نزدیک اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ مالک یعنی مقروض اپنی گروی چیز کا خرچہ برداشت کرے اور اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے لہذا گروی بھینس یا گھوڑے کا خرچ مالک یعنی مقروض دے گا اور دودھ یا سواری کا حق بھی مقروض ہی کو ہوگا،اس صورت میں حدیث ظاہر ہے۔اگر یہ مطلب ہو کہ قرض خواہ گروی پر خرچ کرے اور اس کے دودھ سواری سے فائدہ اٹھائے تو احادیث ربو سے یہ حدیث منسوخ ہے کہ جو قرض نفع کا ذریعہ ہو وہ حرام ہے،امام احمد و اسحاق اس حدیث کی

بنا پر فرماتے ہیں کہ قرض خواہ رہن سے نفع بھی اٹھائے اس پر خرچ بھی کرے وہ بھی صرف سواری دودھ کی اجازت دیتے ہیں،باقی منافع حاصل کرنا ان کے ہاں بھی حرام ہے مگر ان کا یہ قول ضعیف بھی ہے اور جمہور علماء و احادیث ربٰو کے مخالف بھی کیونکہ ان کے ہاں بھی اگر مرہون غلام قرض خواہ کے قبضہ میں فوت ہوجائے تو اس کا کفن دفن مالک پر ہے نہ کہ قرض خواہ پر۔

۲؎ اگر مقروض اس گروی کا دودھ وغیرہ استعمال کرے تو خرچہ اس کے ذمہ اور اگر قرض خواہ اس کی یہ چیزیں نہ دے تو رہن کی آمدنی سے اس کے یہ خرچ پورے کیے جائیں۔اگر آمدنی بچ رہے تو وہ قرض خواہ کے پاس امانت ہے جو اداء قرض کے وقت دی جائے اور اگر خرچ بڑھ جائے تو قرض میں شمار ہوگا،جب مقروض قرض اور یہ خرچ ادا کرے گا تب اپنی چیز واپس لے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گروی رکھنا مرہون چیز کو اس کے گروی رکھنے والے مالک سے نہیں روکتا۱؎ اس کے لیے اس مرہون کا نفع ہے اور اس ہی پر مرہون کا تاوان ۲؎(شافعی مرسلًا)اور اس کی یا اس کے معنی کی مثل جو مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں،سعید ابن مسیب سے متصلًا مروی ہے وہ ابوہریرہ سے۳؎	

۱؎ **لایغلق** باب افعال کا مضارع معروف ہے،پہلا رہن مصدر ہے دوسرا بمعنی مرہون یعنی کسی چیز کا گروی رکھ دینا مرہون چیز کو مالک مقروض سے روکتا نہیں بلکہ اس راہن کو اس مرہون کے استعمال کا حق ہے۔

۲؎ یعنی گروی چیز کے منافعے مالک کے ہوں گے اور اس کے تمام مصارف مالک ہی پر ہوں گے وہ رہن قرض خواہ کے پاس بطور امانت مقبوض رہے گا،یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ مالک راہن مرہون کے نفعے حاصل کرے گا اور اس پر ہی اس کے خرچے ہوں گے۔مرتہن یعنی قرض خواہ کو نفع لینے کا حق ہے نہ اس پر خرچ،یہ ہی جمہور علماء اسلام کا مذہب ہے اور یہ حدیث ان کی مؤید ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رہن پر قرض خواہ کا قبضہ تو ضروری ہے مگر قبضہ کا دوام ضروری نہیں،مالک کچھ دیر کے لیے قرض خواہ سے مرہون لے سکتا ہے کہ بغیر ملے اس سے نفع کیسے اٹھائے گا۔

۳؎ راوی معروف ہے اور اس کے فاعل امام شافعی ہیں،ہوسکتا ہے کہ مجہول ہو اور **مثلہ** نائب فاعل۔مطلب یہ ہے کہ مصابیح میں تو مرسل مروی ہے اور امام شافعی نے متصل اسناد سے بھی روایت فرمائی **عن سعید ابن مسیب عن ابی ھریرۃ**۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیمانے تو مدینہ والوں کے ہیں اور ترازو مکہ والوں	

	کے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎یعنی شرعی احکام میں جہاں وزن ضروری ہےتو مکہ والوں کا وزن معتبر کہ وہ لوگ عمومًا تاجر ہیں،انہیں دن رات وزن سے کام رہتا ہےاور جہاں ناپ ضروری ہےتو مدینہ والوں کے ناپ کا اعتبار ہے کہ یہ لوگ عمومًا کاشتکار ہیں انہیں ناپنے کا کام رہتا ہے،دیکھو زکوۃ چاندی سونے کے وزن پر ہے اور وزن سے ہےتو اس میں مکہ والوں کا وزن لواور فطرہ میں ناپ کا اعتبار ہےتو مدینہ والوں کا ناپ ملحوظ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماپ و تول والوں سے تم ایسی دو چیزوں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۱؎جن میں تم سے پہلے امتیں ہلاک ہوچکی ہیں۲؎(ترمذی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ان دو چیزوں سے مراد ناپ و تول جیسا کہ ترجمہ باب سے ظاہر ہے۔بعض شارحین نے ان دو سے مراد نماز و جہاد لیامگر یہ خلاف ظاہر ہے ورنہ حدیث اس باب میں نہ لائی جاتی۔(لمعات)

۲؎ان امتوں سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی امت ہے جو تول و ناپ میں بے ایمانی کرتے تھے کہ لیتے تھے زیادہ دیتے تھے کم کیونکہ وہ امت بڑی جماعت تھی اس لیے انہیں امم جمع فرمایا گیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی چیز کو بیع سلم سے خریدے تو اسے قبضہ سے پہلے دوسرے کو نہ دے ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎یہ حکم اس قاعدہ کی بنا پر ہےکہ کسی چیز کی فروخت قبضہ سے پہلے جائز نہیں۔صرف سے مراد پھیرنا،منتقل کرنا ہے یعنی بیع سلم میں خریدار مسلم فیہ یعنی خریدی چیز کو قبضہ سے پہلے دوسرے کی طرف منتقل نہیں کرسکتا،نہ بیع سے نہ ہبہ یا صدقہ سے،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بیع سلم میں خریدار کسی اور چیز سے تبادلہ نہیں کرسکتا مثلًا بائع سے گندم خریدی تھی اور قبضہ سے پہلے جَو سے تبادلہ کرے یہ ناجائز ہے۔

باب الاحتکار

غلہ روکنے کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ احتکار **حکرٌ** سے بنا بمعنی ظلم و بد صحبتی،شریعت میں انسان یا جانور کی غذاؤں کا ذخیرہ کرلینا احتکار کہلاتا ہے۔تنگی کے زمانہ میں احتکار ناجائز ہے،فراخی میں جائز یعنی اگر انسان یا جانور بھوکے مررہے ہیں،بازار میں یہ چیزیں ملتی نہیں مگر یہ ظالم اور زیادہ مہنگائی کے انتظارمیں اشیاء ضرورت کا ذخیرہ کیے بیٹھا ہے یہ جرم ہے،ممانعت کی تمام حدیثوں میں احتکار سے یہی مراد ہے۔مطلقًا ذخیرہ کرنا حرام نہیں ورنہ مسلمان غلہ بھوسہ وغیرہ کی تجارت نہ کرسکیں گے۔(اشعہ ومرقات)

روایت ہے حضرت معمر سے ۱فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غلہ روکے وہ خطا کار ہے ۲(مسلم)اور ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کہ بنی نضیر کے مال کا الخ ان شاءاللہ تعالٰی باب الفی میں ذکر کریں گے۔	

۱آپ معمر ابن عبداللہ صحابی ہیں،قرشی عدوی ہیں،قدیم الاسلام ہیں،پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی،پھر وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف،وہیں عمر گزاری،ان کے علاوہ بہت سے تابعین تبع تابعین کا نام معمر ہے جن میں معمر ابن راشد بہت مشہور ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں معمر صحابی مراد ہیں اور حدیث متصل ہے اور ہوسکتا ہے کہ معمر تابعی مراد ہوں اور حدیث مرسل ہو۔(اشعہ)

۲یعنی گنہگار۔امام مالک رحمۃاللہ علیہ نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ مطلقًا مال کا ذخیرہ کرنا ناجائز ہے،مال غذا کی قسم کا ہو یا اور۔باقی جمہور ائمہ کے ہاں صرف غذاؤں کا روکنا منع ہے وہ بھی صرف تنگی کے زمانہ میں،اگر اس کے روکنے سے بازار پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور چیز عمومًا مل ہی رہی ہے تو بلاکراہت جائز ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں غلہ لانے والا روزی دیا جائے گا روکنے والا لعنتی ہے ۱(ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی جو تاجر باہر سے شہر میں غلہ لائے جس کی وجہ سے یہاں کا قحط دور ہوجائے،اللہ اسے روزی دے اور جو غلہ کو ذخیرہ کرکے قحط پیدا کردے اس پر خدا کی پھٹکار ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ خبر ہو یعنی غلہ لانے والے کو برکتیں ملیں گی اور ذخیرہ والا لعنتی ہی مرے گا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھاؤ چڑھتے گئے تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھاؤ مقرر فرمادیجئے ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھاؤ مقرر فرمانے والا اللہ ہے وہ ہی تنگی و فراخی فرمانے والا روزی رساں ہے ۲؎ میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے اس طرح ملوں ۳؎ کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خونی یا مالی ظلم کا مطالبہ نہ کرسکے ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی دن بدن گرانی بڑھتی جارہی ہے،آپ ہر چیز پر کنٹرول(Control) فرماتے ہوئے بھاؤ مقرر فرمادیں کہ کوئی شخص اس سے زیادہ بھاؤ پر فروخت نہ کرسکے تاکہ خریداروں کو آسانی ہو جیساکہ آج کل حکومتیں کرتی رہتی ہیں۔

۲؎ یعنی بھاؤ کا اتار چڑھاؤ گرانی و ارزانی رب کی طرف سے ہے یہ قدرتی چیز ہے جو انسان کی تدبیر سے دفع نہیں ہوسکتی،اس کے لیے رب سے دعائیں مانگو کہ وہ رحم کرے ارزانی بھیجے۔سبحان اللہ! کیا پیارا فرمان ہے تجربہ شاہد ہے کہ کنٹرول(Control) سے ارزانی نہیں ہوتی گرانی بڑھ جاتی ہے کہ پھر تاجر بلیک(Black) دوگنی تگنی قیمت پر فروخت کرتے ہیں بلکہ کبھی چیز ناپید ہوجاتی ہے بھلا جس چیز کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمادیا ہو وہ مفید کب ہوسکتی ہے۔

۳؎ یعنی میری وفات اس حال میں ہو یا قیامت میں اس طرح اٹھوں کہ کسی بندہ کا مجھ پر کوئی حق نہ ہو،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رب سے اتنے قریب ہیں اور رب سے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ جو ان سے مل جائے وہ رب سے مل جاتا ہے،رب فرماتا ہے کہ اگر مجرم آپ کے دروازہ پر آکر استغفار کریں تو رب کو پالیں گے،حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔شعر

ضم الالہ اسم النبی باسمہ اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

یعنی رب نے توان کے نام کو اپنے نام کے ساتھ اذان و کلمہ وغیرہ میں ملالیا،ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

بہرحال رب سے ملنے سے مراد وفات یا قیامت میں اٹھنا ہے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ چیزوں پر کنٹرول کرنا،ان کے بھاؤ مقرر کردینا تاجروں پر بھی ظلم ہے خریداروں پر بھی،تاجروں پر اس لیے کہ جب انہیں وہ چیز اس بھاؤ پڑتی نہیں تو وہ بیچیں گے کیوں کر اگر حکومت جبرًا سستی بکوا دے تو یہ دوسرے کے مال میں ناحق تصرف ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تاجر بیوپار چھوڑ دیں گے اور لوگ بھوکے مریں گے جیسا کہ اب بھی مشاہدہ ہورہا

ہے،ہاں اگر حکومت خود تجارت کرے یا تاجروں کو مناسب بھاؤ پر مہیا کرکے دے،پھر فروخت کا بھاؤ مقرر کردے جس سے تاجروں کو نقصان نہ ہواور چیز ناپید نہ ہو تو جائز ہوسکتا ہے۔اس کی تفصیل اسی جگہ لمعات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ فرمایئے،کچھ مرقات نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے،خریداروں پر اس لیے کہ جب تاجر کنٹرول کی وجہ سے مال باہر سے لانا چھوڑ دیں گے تو خریدار مال کہاں سے حاصل کریں گے،شہر میں قحط پڑ جائے گا یا پھر بلیک (Black) ہوکر مال بہت ہی گراں ملے گا جیساکہ آج دیکھا جارہا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسلمانوں پر ان کی روزی(غلہ)روکے ۱؎ اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی میں مارے ۲؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان اور رزین نے اپنی کتاب میں)	

۱؎ان کی روزی فرمانے میں اشارۃً فرمایا کہ احتکار مطلقًا ممنوع ہے مگر مسلمانوں پر احتکار زیادہ برا کہ مسلمان کو تکلیف دینا دوسروں کو تکلیف دینے سے بدتر ہے۔

۲؎حق یہ ہے کہ یہ جملہ خبر نہیں بلکہ بددعا ہے،گویا محتکر یعنی غلہ ذخیرہ کرکے لوگوں کو بھوکا مارنے والا نبی کی بددعا کا مستحق ہےاور اس کے برعکس مسلمانوں پر وسعت کرنے والا نبی کی دعا کا حقدار ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نےجو چالیس دن غلہ روکے ۱؎کہ اس کے مہنگے ہونے کا انتظار کرے ۲؎تو وہ اللہ سے دور ہوگیا اور اللہ اس سے بیزار ہوگیا ۳؎(زرین)	

۱؎ چالیس دن کا ذکر حد بندی کے لیے نہیں تاکہ اس سے کم احتکار جائز ہو،بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو احتکار کا عادی ہو جائے اس کی یہ سزا ہے۔چالیس دن کوئی کام کرنے سے عادت پڑ جاتی ہےاس لیے چالیس دن نماز باجماعت کی تکبیر اولیٰ پانے کی بڑی فضیلت ہے کہ اتنی مدت میں وہ جماعت کا عادی ہوجائے گا۔

۲؎ہر جگہ احتکار میں یہ ہی قید ہے کہ غلہ کی گرانی کے لیے اس کا ذخیرہ کرنا ممنوع ہےوہ بھی جب کہ لوگ تنگی میں ہوں اور یہ بہت زیادہ گرانی کا انتظار کرے کہ خوب نفع سے بیچے۔

۳؎یہ فرمان عالی شان انتہائی غضب کا ہےجو بادشاہ کی حفاظت سے نکل جائے اس کا حال کیا ہوتا ہےجو چاہے اس کا مال لوٹ لے،جو چاہے اس کا خون کردے،جو چاہے اس کے زن و فرزند کو ہلاک کردےتو جو رب تعالیٰ کی امان و عہد سے نکل گیا

اس کی بدحالی کا اندازہ نہیں ہوسکتالہٰذا یہ ایک جملہ ہزارہا عذابوں کا پتہ دے رہاہے۔رب تعالٰی محفوظ رکھے،یہ حدیث احمد و حاکم نے کچھ فرق کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمائی۔

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا غلہ روکنے والا بندہ بہت برا ہے کہ اگر اللہ بھاؤ سستے کرے تو رنجیدہ ہو اور اگر مہنگے کرے تو خوش ۱؎ (بیہقی شعب الایمان اور رزین اپنی کتاب میں)	

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش ہونا اور ان کی خوشی پر ناراض ہونا لعنتی آدمیوں کا کام ہے خوشی و غم میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہیے،غلہ کے ناجائز بیوپاریوں کا عام حال یہ ہی ہے کہ ارزانی سن کر ان کا دل بیٹھ جاتاہے،گرانی کے لیے ناجائز عمل کرتے ہیں،اُلٹے وظیفے پڑھتے ہیں،لوگوں سے قحط کی دعائیں کراتے ہیں **نعوذ باللہ**!،وقت پر بارش ہو تو ان کے گھر صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چالیس دن غلہ روکے ۱؎ پھر وہ سارا غلہ خیرات بھی کردے تب بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا ۲؎ (رزین)	

۱؎چالیس دن فرمانے کی حکمتیں ابھی عرض کی جاچکیں،ہوسکتا ہے کہ چالیس دن سے کم احتکار کرنے والے کا یہ حکم نہ ہو کہ ابھی یہ گناہ اس کی طبیعت میں پختہ نہ ہوا۔

۲؎یعنی اگرچہ اس صدقہ کا ثواب پائے گا مگر یہ ثواب اس گناہ کا کفارہ نہ ہوسکے گا جو غلہ روکنے سے ہوا،یہ حدیث ابن عساکر نے حضرت معاذ سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت فرمائی۔

باب الافلاس و الانظار

باب دیوالیہ کرنا اور مہلت دینا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ افلاس فلس بمعنی پیسہ کا مصدر ہے ہمزہ سلب کی ہے لہذا اس کے معنے ہوئے پیسہ نہ رہنا،ہوسکتا ہے کہ ہمزہ تصییر کی ہو یعنی اس کے پاس روپیہ اشرفیوں کی بجائے پیسے بن جانا یا پیسے رہ جانا۔انظار نظرٌ سے بنا بمعنی ڈھیل یا مہلت دینا یعنی مقروض کا دیوالیہ ہو جانا ا ور اس کو قرض خواہوں یا حکومت کی طرف سے مہلت دینا کہ مال حاصل ہونے پر ادا کرے ابھی اس پر تقاضا نہ ہو،یہ حکم قرآن کریم سے حاصل ہوا فرماتاہے:"وَ اِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ"۔اس مہلت دینے کا بڑا اجروثواب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دیوالیہ ہوجائے ۱؎ پھر کوئی شخص اپنا مال بعینہٖ اسی طرح پالے ۲؎ تو دوسروں سے زیادہ حق دار اس کا یہ ہی ہوگا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ہاں مَن عام ہے جس میں ساری قسم کے دیوالیہ داخل ہیں مگر احناف کے ہاں مَن سے مردار وہ خریدار ہے جو تاجر سے ادھار خرید کر لایا،پھر دیوالیہ ہوگیا،اس فرق مطلب کی وجہ سے ان دونوں اماموں میں بڑا اختلاف ہے جیساکہ آئندہ ذکر ہوگا۔

۲؎ بعینہٖ پانے سے مراد یہ ہے کہ نہ تو ذاتًا وہ مال فنا ہوا ہو نہ صفاتًا کہ نہ تو وہ چیز دیوالیہ نے خرچ کرکے فنا کردی ہو نہ اسے وقف یا ہبہ یا بیع کردیا ہو،اگر ایسا کرچکا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

۳؎ امام شافعی کے ہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اگر دیوالیہ کے پاس کسی کو اپنا مال مل جائے تو وہ اپنا مال لے لے،دوسرے قرض خواہ اس میں شریک نہ ہوں گے یہ مال کسی قسم کا بھی ہو،ہمارے احناف کے ہاں اس سے صرف یہ صورت مراد ہے کہ کسی شخص نے کسی سے کوئی چیز بشرط خیار خریدی کہ خیار بائع کو تھا اچانک خریدار دیوالیہ ہوگیا تو اب بائع اپنا خیار استعمال کرکے چیز واپس لے سکتا ہے اور اگر اس مال کی کچھ قیمت بھی لے چکا ہےتو بقدر قیمت وضع کرکے باقی چیز واپس لے سکتا ہےاس کے علاوہ اور کسی صورت میں یہ مال نہیں لے سکتا،حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ ہی فیصلہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ ہی منقول ہے۔(مرقات)یہ اختلاف خیال میں رہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص	

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ پھلوں میں جو اس نے خریدے تھے گھاٹے میں پڑگیا تو اس پر بہت قرض ہوگیا ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صدقہ کرو لوگوں نے اسے صدقہ دیا مگر صدقہ اس کے ادائے قرض تک نہ پہنچ سکا ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا جو پاؤ وہ لے لو ۳؎ تو تمہیں اس کے سواء کچھ نہ ملے گا ۴؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی اس نے بہت باغ والوں سے قرض پھل خریدے،پھر یا تو پھل یکدم ارزاں ہوگئے کہ ان کا بھاؤ بہت گر گیا یا پھل خراب ہوگئے دیوالیہ ہوگیا،ان کا قرض ادا نہ کرسکا،نہ اس کے مال کی قیمت سے ہی ان کا قرض ادا ہوسکتا تھا دیوالیہ اسی کو کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی لوگوں نے اسے صدقات و خیرات بھی حتی الامکان دیئے مگر قرض اتنا زیادہ تھا کہ اس کا مال اور یہ صدقات مل کر بھی ادا نہ ہوسکتا تھا،صدقہ کا یہ حکم استحبابی تھا۔معلوم ہوا کہ دیوالیہ کو صدقہ دینا بہتر ہے،کسی مسلمان کی گردن چھوڑنا بہت ثواب ہے۔

۳؎ یعنی مقروض کی تمام املاک تجارتی مال،جائیداد،مکانات وغیرہ جو کچھ اس کی ملک و قبضہ میں ہے تم لوگ آپس میں بقدر حصہ تقسیم کرلو،اگر تمام املاک قرض کا نصف ہے تو ہر قرض خواہ اپنا آدھا قرض وصول کرے اگر قرض کا تہائی ہے تو ہر قرض خواہ اپنا تہائی قرض وصول کرے،یہ حضرت امام اعظم کی دلیل ہے کہ کوئی شخص مقروض کے قبضہ سے کسی خاص چیز پر قبضہ نہیں کرسکتا بلکہ قرض خواہوں کے ساتھ بقدر حصہ وصول کرے گا۔

۴؎ یعنی اس وقت زیادہ نہ ملے گا اور نہ تم مقروض کو قید و بند کرسکتے ہو،اسے مہلت دوجب اس کے پاس مال ہوجائے لے لو،یہ مطلب نہیں کہ اب تمہارا بقیہ قرض ملے گا ہی نہیں،مارا گیا یا معاف ہوگیا۔خیال رہے کہ اس مقروض کو قید کرایا جاسکتا ہے جس کے متعلق شبہ ہوکہ اس کے پاس مال تو ہے مگر چھپالیا ہے پھر جب اس کی ناداری معلوم ہوجائے تو اسے قید نہیں کیاجاسکتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص لوگوں کوقرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر کو اسے اس نے کہہ رکھا تھا ۱؎ کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس تقاضا کو جائے تو اسے معاف کردے ۲؎ ہوسکتا ہے کہ اللہ ہم کو معافی دے دے فرمایا کہ وہ اللہ سے ملا تو رب نے اس سے در گزر فرمائی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ نوکر سے وہ نوکر مراد ہے جو مقروضوں سے تقاضا کرنے کو مقرر تھا جیسا کہ عام تجار ساہوکار ایسے لوگ رکھتے ہیں۔ فتی ساتھی کو بھی کہتے ہیں نوکرو غلام کو بھی،اس کے لغوی معنی ہیں جوان۔

۲؎ یا سارا قرض معاف کردے یا کچھ قرض یا مہلت دے دے کہ جلدی تقاضا نہ کرے،معافی میں یہ سب کچھ داخل ہے۔
۳؎ کہ اس کے سارے گناہ بخش دے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ غلام یا نوکر کو قرض وصول کرنے کا وکیل کرسکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ وکیل کو معافی یا نرمی کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔تیسرے یہ کہ دعا میں جمع کے صیغے استعمال کرنا بہتر ہے کہ اس نے کہا تھا عنّاً کہ اگر ایک کے حق میں دعا قبول ہوگئی تو ان شاءاللہ سب کے حق میں قبول ہوجائے گی،چوتھے یہ کہ گزشتہ دین کے احکام ہمارے لیے بھی قابل عمل ہیں جب کہ قرآن یا حدیث میں نقل ہوں۔(نووی،مرقات)پانچویں یہ کہ اپنے مقروض پر مہربانی کرنا اپنی بخشش کا ذریعہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے اسے اللہ تعالٰی روز قیامت کی تکالیف سے نجات دے ۱؎ تو چاہیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی ۲؎ (مسلم)	

۱؎ کُرَبَ کاف کے پیش ر کے فتح سے،کربۃ کی جمع ہے بمعنی تکلیف،محنت،مشقت اس لفظ میں قیامت کی دھوپ،پیاس، گھبراہٹ ملائکہ کی سختی وغیرہ سب کچھ داخل ہے۔
۲؎ فلینفس تنفیس سے بنا بمعنی تاخیر کرنا،دیر لگانا،مہلت دینا۔وضع سے مراد یا قرض بالکل معاف کردینا،اگر قرض خواہ کی طرف سے وکیل قبض کو اس کی اجازت ہوتو وہ یہ کام کرسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم بھی رب تعالٰی کے مقروض ہو لہٰذا اپنے مقروضوں کو معافی یا آسانی دو تم پر اللہ آسانی کرے گا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تنگدست کو مہلت دے یا معافی ۱؎ تو اللہ اسے روز قیامت کی تکلیف سے نجات دے گا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ تنگدست کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ مقروض جو فراخی والا ہو مگر نادہندہ ہواسے مہلت نہ دی جائے،وہ خبیث النفس ہے اس سے وصول ہی کیا جائے۔
۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کی تکالیف سے بچنا چاہو تو لوگوں کو مصائب سے بچاؤ کَمَاتَدِیْنَ تُدَانُ۔

روایت ہے حضرت ابوالیسر سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کسی تنگدست کو مہلت یا معافی دے ۲؎ تو اللہ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا ۳؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام کعب ابن عمرو ہے،کنیت ابو الیسر انصاری ہے،بیعت عقبہ و غزوہ بدر میں شریک ہوئے،آپ ہی نے بدر کے دن حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو قید کرکے بارگاہ رسالت میں پیش فرمایا، ۵۵ھ میں مدینہ پاک میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ مہلت و معافی میں فرق واضح ہے مگر دونوں کی جزاء و ثواب یکساں ہے۔

۳؎ اپنے سایہ سے مراد عرش اعظم کا سایہ ہے کہ قیامت میں صرف اسی کا سایہ ہوگا،وہاں ہی دھوپ اور تپش سے امان ہوگی،مقروض پر آسانی کرنے والا تنہائی میں اپنے گناہ یاد کرکے رونے والا،گناہ کرنے کے ارادہ پر رب کو یاد کرکے ہٹ جانے والا وغیرہ اس کے سایہ میں ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا۱؎ پھر آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے ابو رافع کہتے ہیں کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس شخص (قرض خواہ) کا اونٹ ادا کردوں ۲؎ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس سے اچھا رباعی دانت والا اونٹ ہی پارہا ہوں ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے وہ ہی دے دو کہ بہترین شخص وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے ۴؎(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ فقراء پر خیرات کرنے کو قرض لیاورنہ آپ صدقہ کے اونٹ سے ادا نہ فرماتےاور ہوسکتا ہے کہ اپنے لیے قرض لیا ہوپھر صدقہ کا اونٹ اپنی جیب سے خرید کر ادا کردیا اور وہ قیمت خیرات کردی ہو۔بکر نو عمر جوان اونٹ کو کہتے ہیں اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق کو ابوبکر کہا جاتا ہے کہ آپ جوان اونٹ پر سواری کرتے تھے۔(اشعہ) یا اس لیے کہ بکر کے معنی ہیں اول،چونکہ آپ ایمان،صحابیت وغیرہ بہت سے کمالات میں اول رہے لہذا آپ کو ابوبکر یعنی اولیت والے کہا گیا،ابو بمعنی والا،یہ حدیث امام شافعی و جمہور آئمہ کی دلیل ہے کہ حیوان کا قرض لینا جائز ہے،ہمارے امام اعظم کے ہاں منع ہے وہ اس حدیث کو منسوخ فرماتے ہیں۔

۲؎ اگرفقیر کے لیے قرض لیا تھا تب تو اس کے معنی ظاہر ہیں اور اگر اپنے لیے قرض لیا تھا تو مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ صدقہ کے اونٹ کی قیمت فقیر کو دے دی اونٹ قرض خواہ کو عطا فرمادیا جیسے آج ہم قربانی کی کھال کی قیمت خیرات کردیتے ہیں،اس صدقہ کی فروخت جائز ہے۔

۳؎ یعنی چھ برس کی عمر والا اونٹ جس کے رباعی دانت اگ گئے ہوں،رباعی دانت وہ ہیں جو کیلوں کے برابر ہوتے ہیں۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اگر مقروض بغیر شرط لگائے قرض سے کچھ زیادہ دے دے خواہ وصف کی زیادتی ہو یا تعداد میں وہ سود نہیں۔سود وہ ہے جو قولًا یا عادتًا مشروط ہو،امام مالک کے یہاں غیر مشروط زیادتی عدد بھی حرام ہے،زیادتی وصف درست ہے۔دوسرے یہ کہ قرض خواہ کو خوش دلی سے قرض ادا کرے۔خیال رہے کہ یہاں حضور انور نے اعلیٰ درجہ کااونٹ قرض خواہ کو دیا اور اس کی قیمت اپنی طرف سے فقیر کو دی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صدقہ کا

مال اس طرح رعایۃً یامروت کرکے دینا کیسے درست ہے۔متولی کو چاہیے کہ صدقہ کی بہتری کی تدبیر کرے،گویا یہ اونٹ حضور انور نے خود قرض لے کر ادا فرمایا پھر اس کی قیمت صدقہ میں دی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضائے قرض کیا تو آپ پر سختی کی[1] صحابہ نے کچھ کرنا چاہا[2] تو حضور نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کہ حق والے کو کچھ کہنے کا حق ہے[3] اور اس کے لیے اونٹ خرید لو وہ اسے دے دو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو اس کی عمر سے بہتری پاتے ہیں[4] فرمایا وہ ہی خرید لو اور وہ ہی اسے دے دو کہ تم میں بہترین وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے[5] (مسلم،بخاری)	

[1] یہ سختی کرنے والا قرض خواہ یا تو کوئی یہودی وغیرہ کافر ہوگا یا آداب سے ناواقف بدوی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام سے خبردار نہ تھے،وہ تو بغیر قرض بھی گفتگو میں بہت سختی کرتے تھے اور حضور انور تحمل فرماتے تھے،ورنہ صحابہ کرام سے یہ سختی ناممکن ہے۔(لمعات و مرقات)

[2] مارپیٹ یا سخت جواب یا بارگاہ عالی سے نکال دینا چاہا۔

[3] یعنی قرض خواہ کو حق ہے کہ اگر مقروض غنی ہوکر ٹال مٹول کرے تواس کے خلاف دعوی کردے یا اسے ظالم خائن کہے یا کہے کہ تو نادہند بہانہ خور ہے۔خیال رہے کہ یہ قانون نادہند مقروضوں کے لیے ہے جو حضور انور نے اس موقع پر بیان فرمایاورنہ حضور انور ان تمام ٹال مٹول وغیرہ سے معصوم ہیں۔

[4] یعنی جو اونٹ اس نے آپ کو قرض دیا تھا وہ کم عمر اور دبلا تھا،اب بازار سے ایسے دبلے کم عمر اونٹ نہیں ملتےاس سے اچھے موٹے رباعیہ مل رہے ہیں۔

[5] طبرانی،ابن حبان،حاکم،بیہقی نے حضرت زید ابن سعنہ سے روایت کی کہ میں یہود کے بڑے پادریوں میں سے تھا،میں نے حضور انور میں تمام علامات نبوت تو دیکھ لی تھیں دو کی آزمائش کرنا چاہتا تھا ایک حلم،دوسرے سختی کے جواب میں نرمی،میں نے حضور انور کو کچھ چھوہارے ادھار دیئے اور وقت اداء سے دو دن قبل تقاضا کرنے کے لیے آگیا،آپ کی چادر پکڑ کر نہایت سختی سے بولا کہ میرا قرض دو،بنی عبدالمطلب عموماً نادہند ہوتے ہیں،جناب عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر اس آستانہ کا ادب مانع نہ ہوتا تو یہ تلوار تیرے سر پر ہوتی،حضور انور نے فرمایااے عمر بہتر ہوتا کہ تم مجھے قرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے تم نے الٹا میرے محسن پر سختی کی،جاؤ ان کا قرض ادا کرو اور بیس۲۰ صاع زیادہ کھجوریں دے دو اس سختی کے عوض جو تم نے اس پر کی،میں نے کہا اے عمر میں نبوت کی دو علامتوں کا امتحان کررہا تھا،میں نے درست پالیں،میں پڑھتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔یہ تو قرض خواہ کا معاملہ ہے،آستانہ عالیہ پر بھیک مانگنے والوں نے سختی سے مانگا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطائیں بھی دی ہیں اور دعائیں بھی،جیسا کہ بخاری،ابوداؤد،وغیرہ کی روایت میں ہے۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے	

فرمایا غنی کا ٹال مٹول ظلم ہے ۱؎ اور جب تم میں سے کسی کا قرض غنی پر حوالہ کیا جائے تو حوالہ قبول کرلے ۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی جس مقروض کے پاس ادائے قرض کے لیے پیسہ ہو پھر ٹالے تو وہ ظالم ہے اسے قرض خواہ ذلیل بھی کرسکتا ہے اور جیل بھی بھجواسکتا ہے،یہ شخص مقروض گنہگار بھی ہوگا کیونکہ ظالم گنہگار ہوتا ہی ہے۔

۲؎حوالہ کے معنی ہیں نقل ذمۃ الی ذمۃ یعنی اپنا قرض دوسرے کے ذمہ ڈال دینا۔اتبع باب افعال کا ماضی مجہول ہےیعنی تابع بنایا جائے،ملیؔ بمعنی غنی جس کی جیب مال سے بھری ہو،یہ امر استحبابی ہےیعنی اگر تمہارا مقروض تم سے کہے کہ میرا قرض فلاں سے وصول کرلینا اور وہ فلاں بھی قبول کرلے تو بہتر ہے کہ اس مقروض کا پیچھا چھوڑ دواور اس غنی سے ہی وصول کرلو،تمہیں تو اپنے قرض سے غرض ہے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے کہ انہوں نے مسجد میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا کیا۱؎زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ان کی آوازیں کچھ اونچی ہوگئیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر سے سن لیں ۲؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لائے حتی کہ اپنے حجرہ شریف کا پردہ اٹھایا اور حضرت کعب ابن مالک کو پکارا فرمایا اے کعب عرض کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) حاضر ہوں آپ نے اپنے ہاتھ شریف سے اشارہ کیاکہ آدھا قرض معاف کردو،حضرت کعب نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کردیافرمایا اُٹھو اب ادا کردو۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ان کا نام عبداللہ ابن ابی حدرد ہے،کنیت ابو محمد،بیعت حدیبیہ اور غزوہ خیبر میں شریک تھے،مسجد سے مراد خارج مسجد ہے کہ داخل مسجد میں دنیاوی کلام ممنوع ہیں۔

۲؎حضرت کعب نے کہا ہوگا کہ ابھی قرض دو،انہوں نے کہا ہوگا کہ میرے پاس ابھی نہیں،اس سے جھگڑا پیدا ہوگیا ہوگا جیسا کہ عمومًا تقاضے کے وقت ہوتا ہے۔

۳؎سبحان اللہ! کیا نفیس فیصلہ ہے کہ منٹوں میں مہینوں کا جھگڑا طے فرمالیا۔اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ قرض کی معافی کی صورت میں بقیہ قرض کی اداء فورًا ضروری ہے۔دوسرے یہ کہ حدود مسجد میں قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ معافی و رعایت کی سفارش کرنا جائز ہے۔چوتھے یہ کہ صلح کرانے والا فریقین کا لحاظ رکھے کہ کچھ اسے دبائے کچھ اسے۔پانچویں یہ کہ جائز سفارش قبول کرلینا بہتر ہے۔چھٹے یہ کہ اشارہ پر اعتماد کرسکتے ہیں کہ یہ کلام کے قائم مقام ہے دیکھو حضور انور نے آدھے قرض کا اشارہ ہی فرمایا۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا	

گیا لوگوں نے عرض کیا اس پر نماز پڑھیے۱؎فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے ۲؎عرض کیا نہیں آپ نے نماز پڑھ لی پھر دوسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا گیا ہاں،فرمایا کیا کچھ مال چھوڑا بھی ہے،عرض کیا تین اشرفیاں تو حضور نے اس پر نماز پڑھ لی ۳؎پھر تیسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا گیا تین اشرفیاں فرمایا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا بھی ہے عرض کیا نہیں ۴؎فرمایا اپنے یار پر تم ہی نماز پڑھو۔ابوقتادہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس پر نماز پڑھیں اس کا قرضہ میرے ذمہ ہے تب آپ نے نماز پڑھی ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎غالبًا عرض کرنے والے اس میت کے والی وارث تھے یا اس کے دوست احباب،اس زمانہ میں ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہماری میت پر جنازہ حضور پڑھیں اس لیے دور دور سے جنازے حضور کی بارگاہ میں لائے جاتے تھے۔

۲؎قرض سے مراد بندوں کا حق مالی ہے خواہ بیوی کا مہر ہو یا کسی کا تجارتی دین یا ہاتھ کا لیا ہوا ادھار جسے دست گرداں کہتے ہیں۔

۳؎غالبًا حضور انور کو کشف،الہام یا وحی سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس پر قرض تین دینار یا اس سے بھی کم ہے اس لیے آپ نے اس جواب پر نماز پڑھ لی ورنہ اگر قرض اس سے زائد ہوتا تو آپ نماز نہ پڑھتے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے۔(لمعات،مرقات)

۴؎شاید یہ تین جنازے ایک ہی دن ایک ہی مجلس میں کچھ فاصلہ پر لائے گئے اور ہوسکتا ہے کہ یہ مختلف دنوں کے واقعات ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۵؎اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے،ایک یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے ادا ہوجاتی ہے۔دوسرے یہ کہ گناہ یا بری رسمیں روکنے کے لیے عالم دین یا شیخ وقت گنہگار پر جنازے پڑھنے سے انکار کرسکتا ہے۔تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور یہ رسمیں چھوڑ دیں،انصار مدینہ قرض لینے کے بہت عادی تھے،ان کے مکان جائیدادیں،سامان یہود کے ہاں گروی تھے،معمولی باتوں پر قرض لے لیا کرتے تھے،اس بری رسم کو مٹانے کے لیے حضور نے مقروضوں پر یہ سختی فرمائی،پھر جب یہ آیت کریمہ اتری"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ" تو سرکار نے اعلان فرمادیا کہ اب جو فوت ہوا کرے گا تو اس کا مال اس کے وارثوں کے لیے ہوگا اور اس کا قرض یا اس کے یتیم غریب بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہوگی۔حق تو یہ ہے کہ اب بھی ہمیں اور ہمارے بچوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پال رہے ہیں جیسے قرآنی فرمان"اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ"سارے مسلمانوں کو شامل ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سب مسلمانوں کو شامل ہے۔تیسرے یہ کہ میت کی طرف سے ضامن بننا جائز ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے،امام اعظم کے ہاں یہ ضمان جائز نہیں،وہ

فرماتے ہیں کہ یہ ضمانت نہ تھی بلکہ وعدہ ادا تھا،ضمانت اور وعدہ ادا میں بڑا فرق ہے،امام صاحب کے ہاں اگر میت مال چھوڑ دے تو اس کی تقسیم میراث یا ادائے قرض کی ذمہ داری جائز ہے۔(از لمعات،مرقات)خیال رہے کہ صاحبین کے ہاں میت کی ضمانت اسی حدیث کی بنا پر جائز ہے،فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو لوگوں کے مال قرض لے جس کے ادا کر دینے کا پختہ ارادہ رکھے۱؎ تو اللہ اس سے ادا کراہی دیتا ہے اور جوان کے برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ اس پر بربادی ڈالتا ہے۲؎(بخاری)	

۱؎اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی بغیر ضرورت قرض لے گا ہی نہیں اور نہ ناجائز کاموں کے لیے قرض لے گا،رب کا خوف رکھنے والا قرض سے حتی الامکان بچتا ہے۔

۲؎یعنی جس کی نیت قرض لیتے وقت ہی ادا کرنے کی نہ ہو،پہلے ہی سے مال مارنے کا ارادہ ہو،ایسا آدمی بے ضرورت بھی قرض لے لیتا ہے اور ناجائز طورپر بھی۔غرضکہ یہ حدیث بہت سی ہدایتوں پر مشتمل ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ نیک آدمی کا قرض ادا ہو ہی جاتا ہےخواہ زندگی میں خود ادا کرے یا بعد موت اس کے وارث ادا کریں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضور انور کی وفات کے بعد حضور کا قرض ادا کیا،زرہ چھڑائی،اگر یہ بھی نہ ہو تو بروز قیامت رب تعالٰی ایسے مقروض کا قرض اس کے قرض خواہ سے معاف کرادے گا یا قرض خواہ کو قرض کے عوض جنت کی نعمتیں بخش دے گا،بہرحال حدیث واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور پر قرض کیوں رہ گیا تھا،وہ رب نے کیوں ادا نہ کرایا کہ حضرت صدیق کا ادا کرنا رب تعالٰی ہی کی طرف سے تھااور نہ یہ اعتراض ہے کہ بعض مقروضوں کے قرض قیامت میں رب تعالٰی ادا یا معاف کرادے گا جیساکہ احادیث میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا رسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں صبر کرتے اور طلب اجر کرتے پیچھے ہٹتے نہیں بلکہ آگے بڑھتا مارا جاؤں تو کیا اللہ میری خطائیں مٹادے گا۱؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۲؎جب وہ شخص چل دیا تو اسے پکارااور فرمایا ہاں قرض کے سواء حضرت جبرائیل نے یوں ہی کہا ہے ۳؎(مسلم)	

۱؎یعنی میں بحالت جہاد صابر بھی ہوں،بہادر بھی،غازی بھی اور آخر میں شہید بھی کیا اتنی صفات جمع ہونے پر میرے گناہ معاف ہوں گے یا نہیں۔

۲؎یعنی ہاں تیرے سارے اگلے پچھلے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف ہوں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ غازی شہید تمام گناہوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے۔

۳؎ یعنی اے شخص میرے فرمان کا مطلب غلط نہ سمجھنا ان تمام صفات سے گناہ معاف ہوں گے نہ کہ حقوق خصوصًا حقوق العباد وہ تو ادا کرنے سے ہی معاف ہوں گے،مجھے جبریل امین نے ابھی توجہ دلائی کہ تجھے یہ سمجھادوں کہ تو میرا کلام غلط نہ سمجھے۔فقیر کی اس شرح سے بہت سے سوالات اُٹھ گئے،نہ یہ اعتراض پڑسکتا ہے کہ قرض گناہوں میں داخل ہی نہ تھا قرض تو حضور نے بھی لیا ہے پھر اس کے استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی،نہ یہ کہ حضور انور کو تبلیغ کرنا نہ آتا تھااس لیے جبریل امین نے تبلیغ کرناسکھایا،نہ یہ کہ حضور انور نے پہلے اسے مسئلہ غلط کیوں بتلایا،تبلیغ میں غلطی تو شانِ نبوت کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔خیال رہے کہ یہاں نفس قرض کی معافی کا ذکر ہےجو جہاد و شہادت سے بھی نہیں ہوتی اور حج کے بیان میں قرض میں ٹال مٹول،جھوٹے وعدے،وقت پر ادا نہ کرنا مراد ہے جیسے بخشش کا وعدہ فرمایا گیا کہ حاجی کے قرض بھی معاف ہوجاتے ہیں یعنی قرض کے یہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جبریل امین نے قرآن کے علاوہ اور بھی چیزیں نازل فرمائی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں سوائے قرض کے ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ قرض لینا گناہ نہیں ورنہ انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ لیتےاور ہوسکتا ہے کہ قرض سے مراد ناجائز قرض لینا ہو حرام رسوم میں خرچ کرنے کے لیے یا لوازم قرض مراد ہوں یا بلاعذر ٹال مٹول کرنا،وقت پر ادا نہ کرنا،جھوٹے وعدہ کرنا وغیرہ تب مستثنیٰ منقطع ہے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ یہ گناہ تو حج سے بھی معاف ہوجاتے ہیں تو ان شاءاللہ جہاد سے بھی معاف ہوں گے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ قرض سے مراد حقوق العباد ہیں لہذا ناحق خون،ناحق کسی کی آبروریزی بھی اس میں داخل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وفات یافتہ شخص لایا جاتاجس پر قرض ہوتا تو آپ پوچھتے ۱؎کیا اس نے ادائے قرض کے لیے کچھ چھوڑا ہے پھر اگر خبردی جاتی کہ اس نے ادائے قرض کے لیے چھوڑا ہے تو نماز پڑھ لیتے ۲؎ورنہ مسلمانوں سے فرمادیتے کہ اپنے یار پر نماز پڑھ لو ۳؎جب اللہ نے آپ پر کشائشیں فرمائیں ۴؎تو کھڑے ہو کر فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں ۵؎تو جو مسلمان فوت ہو قرض چھوڑے تو اس کی ادا میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کے لیے ہے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا اپنے علم کے لیے نہیں،حضور تو ہر شخص کے ہر کھلے چھپے اعمال سے خبردار ہیں،دو قبروں پر کھڑے ہوکر فرمادیا کہ یہ چغل خور تھا اور یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھابلکہ یہ سوال لوگوں کو بتانے کے

لیے ہے کہ ہمارا نماز نہ پڑھنا قرض کی سزا میں ہے جیسے رب تعالٰی قیامت میں بندوں سے پوچھ کر حساب و کتاب لے کر سزا و جزا دے گا،وہ بھی لوگوں کی تسلی کے لیے ہے نہ کہ رب کے اپنے علم کے لیے۔

۲؎ یعنی اگر قرض نہیں ہوتا تب بھی نماز پڑھ لیتےاور اگر قرض تو ہوتا مگر ادائے قرض کے لیے مال چھوڑا ہے تب بھی جنازہ پڑھ لیتے۔

۳؎ یعنی ہم نہ پڑھیں گے تم پڑھ لو۔معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر جنازہ پڑھا جائے گا خواہ گنہگار ہو یا حقوق العباد اس کے ذمہ ہوں،نماز تو حق اسلامی ہے،یہ سختی لوگوں کو قرض سے بچانے کے لیے تھی۔

۴؎ مالی آمدنیاں شہر و علاقے فتح فرما کر اور نیاز مندوں کے ہدایا عقیدت کے ذریعہ سے۔(مرقات)

۵؎ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالْمُؤْمِنِیۡنَ مِنْ اَنۡفُسِہِمْ"الخ۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے تمام دینی و دنیاوی امور کے مالک ہیں،آپ مالک ہیں ہم سب حضور کے غلام جیسے غلام مقروض کا قرض مولٰی چکاتا ہے ایسے ہی ہمارے دنیا و آخرت کے قرض ان شاءاللہ حضور ہی چکائیں گے۔چاہیے تو یہ تھا کہ ہمارے متروکہ مال بھی حضور ہی لیتے کہ غلام کا مال مالک کا ہوتا ہے مگر یہ کریم کریمانہ ہے کہ وراثت نہیں لیتے قرض ادا کردیتے ہیں۔خیال رہے کہ رب تعالٰی نے اپنے لیے فرمایا:"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیۡہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیۡدِ"ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اور اپنے حبیب کے لیے فرمایا:"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالْمُؤْمِنِیۡنَ مِنْ اَنۡفُسِہِمْ"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قریب یا مالک ہیں،اپنے لیے فرمایا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمْ،حضور کے لیے فرمایا مِنْ اَنۡفُسِکُمْ۔پتہ لگا کہ جس طرح تعلق بندے کا رب سے ہے اسی طرح تعلق حضور سے ہے یعنی دینی،ایمانی،جانی وغیرہ اس کو صاحب ذوق ہی سمجھ سکتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوخلدہ زرقی سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم حضرت ابوہریرہ کے پاس اپنے ایک دیوالیہ ساتھی کے متعلق گئے ۲؎ تو فرمایا کہ یہ ہی وہ واقعہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ جو شخص دیوالیہ ہوکر فوت ہو جائے ۳؎ تو خاص سامان والا اپنے سامان کا زیادہ حق دار ہے جب کہ بعینہٖ وہ ہی پائے ۴؎(شافعی،ابن ماجہ)	

۱؎آپ کا نام خالد ابن دینار ہے،ابو خلدہ کنیت،قبیلہ عامر ابن زریق سے ہیں جو بنی تمیم کا ایک خاندان ہے،درزی گری کرتے تھے،تابعی ہیں،ثقہ ہیں،حضرت انس ابوالعالیہ خواجہ حسن بصری سے روایات کرتے ہیں ان سے وکیع وغیرہ نے روایات لیں(مرقات،اشعہ،لمعات)

۲؎جن پر قرض بہت ہوگیا تھا ادا کی کوئی صورت نہ تھی ان کے پاس کچھ ایسے خریدے ہوئے مال بھی تھے جن کی قیمت ادا نہ ہوئی تھی ہم نے حضرت ابوہریرہ سے دیوالیہ کے مسائل پوچھے۔

۳؎فوت ہوجانے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اب اس سے قرض وصول ہونے کی کوئی صورت نہیں رہتی زندگی میں تو امید تھی کہ آئندہ کما کر دے گا۔

۴؎اس کی بحث باب الافلاس کے شروع میں گزر گئی کہ اس سے مراد یا تو امانت کی چیزیں ہیں یا وہ چیزیں جو دیوالیہ نے دیوالیہ نکلنے سے پہلے خریدیں،خیار بائع کو تھا،وہ دیوالیہ ہونے پر اپنے خیار کا حق استعمال کرسکتا ہے مگر جو چیز فروخت کرچکا ہے اس کی قیمت میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا کہ اسے بقدر حصہ قرض وصول ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی جان اپنے قرض میں معلق رہتی ہے ۱؎حتی کہ اس کا قرض ادا کردیا۲؎(شافعی،احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یا تو فی الحال جنت میں داخل ہونے یا نیکوں کے ساتھ ملنے یا درجات حاصل کرنے سے روکی جاتی ہے،ادائے قرض کی منتظر رہتی ہے یا قیامت میں قرض کی ادا تک جنت میں جانے سے روکی جائے گی جب تک کہ قرض کی معافی یا کوئی اور صورت نہ ہوجائے،کتنی ہی صالح نیک ہو جنت میں داخل نہ ہوسکے گی۔

۲؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس قرض سے وہ قرض مراد ہے جو انسان بغیر ضرورت کے لے لے اور ادا نہ کرنے میں بلاوجہ ٹال مٹول کرے اور مرتے وقت ادا کے لیے مال نہ چھوڑے اگر ان تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو اللہ تعالٰی کے فضل سے امید ہے کہ اسے محبوس نہ کرے گا جیساکہ دوسری احادیث میں ہے۔چنانچہ ابن ماجہ میں ہے کہ قیامت میں قرض خواہ کو مقروض سے قصاص دلوایا جاوے گا سوائے تین مقروضوں کے:ایک وہ جو جہاد وغیرہ دینی ضروریات کے لیے قرض لے۔دوسرے وہ جس کے ہاں بے کفن میت پڑی ہو اس کے کفن دفن کے لیے قرض لے۔تیسرے وہ جو اپنے دین پر خطرہ محسوس کرے اور نکاح کے ضروری و جائز خرچ کے لیے قرض لے،ان کے قرض رب تعالٰی قرض خواہوں سے معاف کرادے گا،وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن مقروض اپنے قرض میں گرفتار رہے گا ۱؎حتی کہ اپنے رب سے تنہائی کی شکایت کرے گا ۲؎(شرح سنہ)اور مروی ہے کہ حضرت معاذ مقروض ہو جاتے تھے ۳؎ان کے قرض خواہ نبی کریم صلی اللہ	

	علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۴؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرض میں ان کا سارا مال بیچ دیا حتی کہ حضرت معاذ خالی ہاتھ اٹھ گئے ۵؎ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اسے میں نے منتقیٰ کے سوا کسی اصول کی کتاب میں نہ پایا ۶؎ وہاں عبدالرحمان ابن کعب ابن مالک سے روایت کی فرمایا حضرت معاذ ابن جبل سخی جوان تھے کچھ بچاتے نہ تھے وہ قرض لیتے رہے ۷؎ حتی کہ ان کا سارا مال قرض میں ڈوب گیا ۸؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ حضور انکے قرض خواہوں سے کچھ کہہ سنا دیں ۹؎ تو اگر وہ لوگ کسی کے لیے چھوڑنے والے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر معاذ کے لیے ضرور چھوڑتے ۱۰؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وجہ سے معاذ کا سارا مال بیچ دیا حتی کہ حضرت معاذ کسی چیز کے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے ۱۱؎ (سعید نے ارسالًا اپنی سنن سے روایت کی)

۱؎ کہ اپنے دوست واحباب سے علیحدہ کھڑا کیا جائے گا اس کے سارے نیک احباب جنت میں پہنچ جائیں گے مگر یہ نہ جا سکے گا اگرچہ کتنا ہی نیک و صالح ہو رب تعالٰی سے اپنی تنہائی اور جنت میں نہ پہنچ سکنے کی فریاد کرے گا،شور مچائے گا،یہ تنہائی و تاخیر اور میدان محشر کی دھوپ و تپش میں کھڑا رہنا بھی پوری مصیبت ہوگی۔

۲؎ کسی غمخوار کو نہ پائے گا جو اس کا قرض ادا کرے،صرف یہ ہی صورت ادائے قرض کی ہوگی کہ رب تعالٰی اس مقروض کی نیکیاں قرض خواہ و قرض کے عوض دے یا ان سے معاف کرائے۔

۳؎ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کے مقروض ہوتے رہنے کی وجہ آگے آرہی ہے کہ آپ سخی بہت تھے قرض لے کر بھی خیرات و صدقات دیتے رہتے تھے۔

۴؎ کہ ہمارا قرض ادا کرایا جائے۔معلوم ہوا کہ قرض خواہوں کا کچہری میں مقروض پر دعویٰ کرنا حاکم سے فریاد کرنا درست ہے،اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔

۵؎ یہ حدیث مختصر ہے،اولًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو قرض ادا کرنے کا حکم دیا،انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس روپیہ بالکل نہیں،پھر انکی رضا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال نیلام فرمادیا یا فروخت کردیا،اب بھی اس پر ہی عمل ہے،ہاں اگر مقروض نہ تو ادائے قرض کرے،نہ اپنا مال فروخت کرے تب حاکم اسے قید کردے تاکہ وہ اپنا مال خود فروخت کرے قرض ادا کرے یا حاکم کو فروخت کی اجازت دے،جبرًا حاکم اس کا مال فروخت نہیں کرے گا۔(مرقات)بعض صورتوں میں قرض خواہوں کے مطالبہ پر حاکم خود بھی فروخت کرسکتا ہےاور دیوالیہ و مجبور بھی کرسکتا ہے کہ اعلان کردے کوئی اس سے لین دین نہ کرے یہ دیوالیہ ہے۔(حاشیہ مشکوۃ)

۶؎ یعنی یہ حدیث صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث میں نہیں صرف ابن تیمی حنبلی کی کتاب منتقیٰ میں ہے۔صاحب مشکوۃ کا مقصد یہ ہے کہ میری تلاش میں کمی ہے کہ مجھے کتب اصول میں یہ حدیث نہ ملی ان میں ہے ضرور،اگر نہ ہوتی تو منتقیٰ میں نہ ہوتی لہذا یہ مصابیح پر اعتراض نہیں بلکہ دفع اعتراض ہے۔خیال رہے کہ ہم احناف کے ہاں مرسل حدیث قبول ہے،جیسا کہ کتب اصول میں مصرح ہے۔

۷؎ یعنی حضرت معاذ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ اپنی آمدنی میں سے تو کیا بچاتے ساری آمدنی خیرات صدقے ہدایا میں خرچ کرکے اور قرض بھی لیتے رہے،دعوتیں،ہدیے،صدقے خیرات کرتے رہے۔

۸؎ یہاں مال سے مراد روپیہ پیسہ نہیں بلکہ جائیداد اور گھر کا سامان،سواری کے جانوروغیرہ ہیں کہ اگر روپیہ پیسہ ہوتا تو ان چیزوں کے فروخت کی کیا ضرورت پڑتی۔خیال رہے کہ قرض اولًا روپیہ پیسہ سے ادا کیا جاتا ہے،پھر منقولہ سامان فروخت کرکے،پھر غیر منقولہ جائیداد،پھر رہنے کا سامان فروخت کرکے۔

۹؎ یا تو یہ سارا یا کچھ قرض معاف کرادیں یا قرض خواہوں کو صبر کی سفارش فرمادیں کہ ابھی کچھ اور مہلت دے دیں،مطالبہ قرض جلدی نہ کریں،لیکلّم میں سب چیزیں داخل ہیں۔

۱۰؎ یعنی قرض خواہوں نے حضور انور کی سفارش بھی نہ مانی نہ تو قرض ہی معاف کیا،نہ مہلت ہی دی۔خیال رہے کہ حضور انور نے قرض خواہوں سے سفارش فرمائی تھی،حکم نہ دیا تھا اور پیغمبر کی سفارش یا مشورہ ماننا بہتر ہے واجب نہیں،حکم ماننا واجب ہے اس مشورہ کے نہ ماننے سے حضرت معاذ کو بالکل مایوسی ہوگئی کہ جب قرض خواہوں نے حضور انور کی سفارش نہ مانی تو اب کس کی مانیں گے،تب وہ عمل ہوا ہو آگے مذکور ہے۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم دیوالیہ کا سارا مال منقولہ فروخت کرے اس کا قرض ادا کردے گا کوئی چیز حتی کہ رہنے کا مکان بھی نہ چھوڑے گا۔آج کل حکام کبھی مقروض کا رہائشی مکان وہ بھی مختصر سا چھوڑ دیتے ہیں،یہ بھی کسی بڑے ساہوکار دیوالیہ کے لیے ورنہ سب ہی نیلام یا فروخت کردیتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان قانون کے لیے تھا اور حضرت جابر کے والد کا قرض بطور معجزہ تمام ادا کرادینا کہ تھوڑی کھجوروں سے سارا قرض ادا ہوگیا پھر ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی یہ کرم کریمانہ تھا،اگر یہاں قانون پر عمل نہ ہوتا تو بعد کے لوگوں کو یہ احکام کیسے معلوم ہوتے،لہذا حدیث پاک پر اعتراض نہیں کہ یہاں بھی حضرت جابر کی طرح قرض ادا کیوں نہ کرادیا گیا۔دیکھو بعض سائلوں کا حضور انور نے کمبل وپیالہ نیلام کرکے انہیں کام پر لگادیا اور بعض سائلوں کو عطیے دے کر غنی کردیا،جلوے مختلف ہیں۔

	روایت ہے حضرت شرید سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال والے کا ٹال مٹول اس کی آبرو کو اس کی سزا کو درست کردیتا ہے ۲؎ ابن مبارک نے فرمایا آبرو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے سخت کلامی کرے اور سزا یہ ہے کہ اسے قید کردیا جائے ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،ثقہ ہیں،اولًا حضر موت میں رہتے تھے،پھر طائف میں قیام کیا،آپ کا نام پہلے مالک تھا حضور انور نے شرید رکھا،آپ اپنے کسی ہم قوم کو مار کر مکہ معظمہ بھاگ آئے تھے،شرید کے معنی ہیں بھاگ آنے والا۔

۲؎ یعنی جو مقروض مال رکھتا ہو مگر قرض ادا نہ کرتا ہو تو قرض خواہ کو حق ہے کہ اسے ذلیل کرے،اس کی نادہندی کا طعنہ دے یا اسے حاکم سے سزا دلوادے،سزا خود نہ دے گا حاکم سے دلوائے۔
۳؎ یعنی ابن مبارک نے حضور کے دونوں کلمات کی تفسیریوں فرمائی کہ آبرو ریزی کے معنی یہ ہیں کہ اس سے سخت کلامی کرے مثلًا کہے تو ظالم ہے نادہندہے لوگوں کا مال مارنے والا ہے،یہ مطلب نہیں کہ اسے تہمتیں یا ناجائز الزام لگائے،اسی طرح سزا کا مطلب یہ ہے کہ اسے حاکم کے ذریعہ قید کرادے،یہ مطلب نہیں کہ اسے خود مارے پیٹے یا قتل کرے یا حبس بے جا میں رکھے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا ۱؎ تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں تو فرمایا کیا تمہارے دوست پر کچھ قرض ہے ۲؎ لوگوں نے کہا ہاں فرمایا کیا اس کی ادا چھوڑی ہے عرض کیا نہیں فرمایا اپنے دوست پر نماز پڑھ لو ۳؎ حضرت علی ابن ابی طالب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرض میرے ذمہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اس پر نماز پڑھی ۴؎ ایک روایت میں اس کے معنے ہیں اور جناب علی سے فرمایا اللہ تمہارے نفس کو آگ سے آزاد کرے جیسے تم نے اپنے مسلمان بھائی کی جان چھوڑائی ۵؎ ایسا کوئی مسلمان بندہ نہیں جو اپنے بھائی کا قرض ادا کرے مگر قیامت کے دن اللہ اس کی جان کو چھوڑ دے گا ۶؎ (شرح سنہ)	

۱؎ جنازہ جیم کے کسرہ سے وہ ڈولی ہے جس میں میت رکھی جائے اور جیم کے فتح سے خود میت،یہاں فتح سے ہے۔
۲؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ مالی معاملات کے قرض کو دَین کہا جاتا ہے جیسے کسی کے ذمہ کرایہ یا مال کی قیمت رہ گئی ہواور دست گردان کو قرض کہتے ہیں،یہاں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ بطریق عموم مشترک عام معنی مراد ہوں۔
۳؎ ہم نہ پڑھیں گے،پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور کی یہ سختی لوگوں کو قرض سے ڈرانے کے لیے تھی کہ اہل مدینہ عمومًا بلاضرورت بھی قرض لے لیتے تھے،اتنی سختی کے بغیر یہ عادت چھوٹ نہیں سکتی تھی،حکیم کا نشتر بھی رحمت ہے۔
۴؎ اس کی بحث پہلے گزر چکی کہ میت کی طرف سے کفالہ اور ضمانت اکثر آئمہ کے ہاں جائز ہے،ہمارے ہاں بھی، صاحبین جائز فرماتے ہیں اور اسی پر فتویٰ پر ہے۔
۵؎ رھان بمعنی مرہون ہے یعنی گروی رکھی ہوئی چیز،چونکہ ہر شخص کا نفس اپنے نیک و بد اعمال میں مثل گِروکے ہے اس لیے رھان سے مراد نفس لیا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ"۔مرقات نے فرمایا رھان

رھین کی جمع ہے جیسے کریم کی کرام،چونکہ ہر انسان کا عضو گناہ کرتا رہتا ہے اس لیے ہر عضو گروی و گرفتار ہے تو گویا ہر شخص مرہون چیزوں کا مجموعہ ہے۔

۶؎ یعنی جیسا برتاوا تم رب کے بندوں کے ساتھ کروگے تمہارے ساتھ بھی قیامت میں ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا،اگر پھانسو گے تو پھنسو گے اگر پھنسے ہوؤں کو چھوڑاؤ گے تو چھوڑ دیئے جاؤ گے۔خیال رہے کہ میت کو قرض سے چھوڑانے کی دو صورتیں ہیں،اپنا قرض ہو تو معاف کر دو،دوسرے کا ہو تو ادا کردو۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ غرور خیانت اور قرض سے پاک و صاف ہو وہ جنت میں داخل ہوگا ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ کبر یعنی غرور یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اپنے کو اونچا جانے یہ ممنوع ہے،کفار پر کبر خصوصًا جہاد میں ثواب ہے،انبیاء و اولیاء پر کبر کفر ہے۔غلول غلٌّ سے بنا بمعنی بندھنا،چونکہ خیانت کی وجہ سے قیامت میں انسان کے ہاتھ بندھے ہوں گے،گرفتار ہوگا اس لیے اسے غلول کہتے ہیں۔غلّ غ کے کسرہ سے عداوت و کینہ اور غ کے فتح سے قید و بند،اگرچہ غلول غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلقًا خیانت مراد ہے خواہ مال کی ہو یا عزت و آبرو کی یا دین و ایمان کی یا کسی کے اسرار وبھید کی۔(از لمعات)دَین کے معنے ہم عرض کرچکے ہیں۔ممکن ہے کہ یہاں دین سے مراد بندوں کا قرض،شریعت کا اور رب کا سب ہی ہوں لہذا یہ حدیث بہت جامع ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ان بڑے گناہوں کے بعد جن سے اللہ نے منع کیا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انسان مقروض ہوکر مرے جس کی ادا نہ چھوڑے ۱؎(احمد،ابوداؤد)	

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ قرض لینا گناہ کبیرہ نہیں کیونکہ اسے فرمایا گیا بَعْدَ الْکَبَائِرِ اور نہ بذات خود ممنوع ہے۔اس وقت منع ہے جب کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق مارے جائیں اور ممکن ہے کہ یہاں قرض سے وہ قرض مراد ہوں جو انسان بلاضرورت یا حرام رسمیں پوری کرنے کے لیے لے اور ادا کرنے کی نیت نہ ہو،ورنہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی زرہ قرض میں گروی تھی اور آپ نے کچھ مال میراث یا ادائے قرض کے واسطے نہ چھوڑا۔حجرہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ وقف تھا صدیق اکبر نے آپ کا قرض ادا کیا،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عوف مزنی سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا مسلمانوں میں صلح جائز ہے ۲؎ بجز اس صلح کے جو حلال کو حرام کردے یا حرام	

کو حلال ۳؎ اور مسلمان اپنی شرطوں پر رہیں،بجز اس شرط کے جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال ۴؎(ترمذی،و ابن ماجہ،ابوداؤد)اور ابوداؤد کی روایت شروطھم پر ختم ہوگئی ۵؎	

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،آپ کے ہی متعلق یہ آیت کریمہ اتری"تَوَلَّوۡا وَّ اَعۡیُنُہُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ"۔مدینہ منورہ میں رہے،وہیں امیر معاویہ کے آخر زمانہ میں انتقال فرمایا۔

۲؎ چونکہ اکثر قرض کے موقعہ پر ہی صلح کرائی جاتی ہے کہ کچھ قرض خواہ کو دبایا جاتا ہےکچھ مقروض کوکہ قرض خواہ کچھ معاف کردے اور مقروض جلدی ادا کردے اس لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث دیوالیہ مقروض کے باب میں لائے۔

۳؎ مثلًا زوجین میں اس طرح صلح کرائی جائے کہ خاوند اس عورت کی سوکن(اپنی دوسری بیوی)کے پاس نہ جائے گا یا مسلمان مقروض اس قدر شراب و سود اپنے کافر قرض خواہ کو دے گا۔پہلی صورت میں حلال کو حرام کیا گیا،دوسری صورت میں حرام کو حلال،اس قسم کی صلحیں حرام ہیں جن کا توڑ دینا واجب ہے۔

۴؎ یعنی مسلمان نے جس سے جو شرط کی ہواسے پورا کرے۔اس میں وعدے،کرائے،قیمتیں سب داخل ہیں۔ہاں حرام شرطوں کا توڑ دینا واجب ہے کیونکہ حق اللہ اور حق شریعت سب پر مقدم ہے۔

۵؎ یہ حدیث احمد،ابوداؤد،حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے پہلا جملہ نقل فرمایا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت سوید ابن قیس سے فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی ۱؎ مقام ہجر سے کپڑا لائے ہم اسے مکہ معظّمہ میں لائے تو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاپیادہ چلتے ہوئے تشریف لائے تو ہم سے پائجامہ کا بھاؤچکایا ۲؎ ہم نے وہ آپ کے ہاتھ بیچ دیا وہاں ایک شخص تھا جو مزدوری پر تول رہا تھا ۳؎ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تول دو اور نیچا تو لو ۴؎(احمد،ابوداؤد، ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے ۵؎	

۱؎ سوید ابن قیس کی کنیت ابو عمرو ہے،صحابی ہیں،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،مخرفہ بھی صحابی ہیں واؤ بمعنی مع ہے یا عاطفہ ہر دونوں صاحب شرکت میں مقام ہجر سے کپڑا تجارت کے لیے لائے تھے،ہجر کا کپڑا مشہور تھا، ہجر تین بستیوں کے نام ہیں،یمن کا ایک شہر ہے،بحرین کے ایک علاقہ کا نام بھی ہےاور مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی بھی ہے۔(اشعہ)یہاں تیسری بستی مراد ہےیہ کپڑا اسی بستی سے آیا تھا۔(مرقاۃ)

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پائجامہ خریدنا تو ثابت ہے مگر پہننا ثابت نہیں ہمیشہ تہبند شریف استعمال فرمایا، حضرت عثمان غنی شہادت کے دن پائجامہ پہنے ہوئے تھے،پائجامہ ہی میں آپ کی شہادت ہوئی،بھاؤ چکانے کا مطلب یہ ہے کہ بھاؤ طے کرکے خرید لیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود دوکان پر جانااور تاجر کی منہ مانگی قیمت نہ دینا بلکہ اس سے طے کرنا کچھ کم کرانا سنت ہے،اگرچہ اپنے خدام سے ہی خرید کی جائے اس بھاؤ تاؤ کرنے میں عار نہیں،حضور انور کے زمانہ شریف میں پائجامہ کا استعمال ہوتا تھا۔

۳؎ چونکہ اس زمانہ میں نوٹ تو تھے نہیں درہم کا عام رواج تھا جن کے گننے میں بہت وقت لگتا ہے اس لیے تول کر ادا کئے جاتے تھے،درہم تولنے والا تاجر کی طرف سے مقرر ہوتا تھا جس کی اجرت(تولائی)خریدار کے ذمہ ہوتی تھی،اب بھی حکم یہ ہی ہے کہ قیمت کی تولائی خریدار کے ذمہ،مال کی تولائی بائع کے ذمہ ہے کہ قیمت دینا خریدار پر لازم ہےاور مال دینا بائع پر ضروری ہے۔تولنے والا جس کا کام کرے،اس سے دام لے۔آج کل مال کی تولائی خریدار سے لیتے ہیں یہ غلط ہے۔

۴؎ یعنی جو قیمت طے ہے اس سے زیادہ دے دو،یہ کرم کریمانہ ہے کہ طے شدہ سے زیادہ قیمت عطا کی،مہنگی خریدنے میں نقصان ہے،طے شدہ سے زیادہ دینے میں احسان۔نقصان برا،احسان اچھا۔

۵؎ اسے نسائی،ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرض تھاتو مجھے عطا فرمایا اور زیادہ دیا ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ غالبًا یہ وہ ہی واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ کے راستے میں ان کا تھکا ہوا اونٹ خریدا،اس کی قیمت مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مرحمت فرمائی اور اونٹ بھی دے دیااور قیمت بھی زیادہ عطا کی،چونکہ یہ زیادتی عقد میں مشروط نہ تھی اس لیے سود نہیں بلکہ انعام اور کرم خسروانہ ہے۔اس کی تحقیق شروع باب میں ہوچکی جہاں یہ قصہ مذکور ہوا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم نے چالیس ہزار قرض لیے ۱؎ پھر آپ کے پاس مال آیا ۲؎ تو مجھے ادا فرمادیا اور فرمایا اللہ تعالٰی تمہارے گھر بار اور مال میں برکت دے قرض کا عوض شکریہ اور ادا ہے ۳؎ (نسائی)	

۱؎ چالیس ہزار درہم قرض لیے۔غالبًا کسی جہاد میں لشکر پر خرچ کے لیے قرض لیے ہوں گے ورنہ اتنے بڑے قرض کی حضور انور کو ذاتی خرچ کے لیے ضرورت نہ تھی۔الحمدللہ! ابھی مرقات میں نظر پڑی کہ یہ قرض غزوہ حنین کے لیے لیا گیا تھا فقیر کا خیال درست نکلااور یہ رقم درہم تھی۔

۲؎ یا کسی جہاد سے مال غنیمت آیاخراج وغیرہ تھا مال بہت آیا تھا۔

۳؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ قرض پورا ادا کرے زیادہ نہ دے کیونکہ اِنَّمَا حصر کے لیے آتا ہےلیکن یہاں وجوب ولزوم کا ذکر ہےکہ مقروض پر ادا اور دعا دونوں لازم ہیں۔رہی زیادتی وہ مقروض کی مہربانی ہےلہذا یہ حدیث زیادہ دینے کی احادیث کے خلاف نہیں۔(مرقاۃ)معلوم ہوا کہ مقروض دلی تنگی سے قرض ادا نہ کرے بلکہ خوش دلی سے دے اور دعائیں بھی دے کہ قرض خواہ نے قرض دے کر اس پر مہربانی کی۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا کسی شخص پر کوئی حق ہو وہ اسے مہلت دے دے تو اسے ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ہوگا ۱؎ (احمد)

۱؎ حق میں قرض،دَین،مکان،دکان کا کرایہ،اپنے کام کی اجرت تمام حقوق داخل ہیں۔مَن فرما کر یہ اشارہ لیا کہ جو بھی مہلت دیدے یا دلوادے یا مہلت کا سبب بن جائےاسے ہر دن صدقہ کا ثواب ہےمثلًا یکم تاریخ کو کرایہ دار پر کرایہ ادا کرنا لازم ہےکسی نے سفارش کرکے اسے دو چار دن کی مالک مکان سے مہلت دلوادی کہ یہ تو بیچارہ غریب ہےابھی اس کے پاس نہیں ہے،کچھ مہلت دے دوتو مالک مکان کو بھی اور اس سفارشی کو بھی ان دو چار دنوں میں ہر دن اتنے روپے خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایاکہ صدقہ دینے سےقرض دینا پھر مہلت دینا افضل ہے۔صدقہ تو غیر حاجت مند بھی لے لیتے ہیں مگر قرض حاجت مند ہی لیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن اطول سے فرماتے ہیں میرا بھائی وفات پا گیا اوراس نے تین سو اشرفیاں چھوڑیں اور چھوٹے بچے چھوڑے میں نے چاہا کہ ان پر خرچ کروں ۱؎ تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بھائی قرض میں گرفتار ہے ان کا قرض ادا کرو ۲؎ فرماتے ہیں میں چلا اور ان کا قرض ادا کردیا پھرمیں نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں نے بھائی کا سارا قرض ادا کردیا ۳؎ کچھ باقی نہ رہا ہاں ایک عورت دو اشرفیوں کا دعوی کرتی ہےاور اس کے پاس گواہ ہے نہیں فرمایا اسے دے دو وہ سچی ہے ۴؎ (احمد)

۱؎ اسی طرح کہ قرض خواہوں کو کچھ نہ دوں سب اس کے بچوں پر ہی خرچ کروں یا پہلے بچوں پر خرچ کروں ان کے جوان ہونے پر اگر کچھ بچے تو قرض خواہوں کو دوں،عرب میں اس قسم کی بے قاعدگیوں کا عام رواج تھا۔

۲؎ یعنی پہلے قرض دواس سے جو بچے وہ مرحوم کے بچوں پر خرچ کرو۔اب بھی حکم یہ ہی ہےکہ ادائے قرض میراث سے پہلے ہے۔اولًا کفن دفن،پھر ادائے قرض،پھر تہائی مال سے وصیت کا اجراء پھر تقسیم میراث اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۳؎ یعنی جن کے قرضوں کا ثبوت گواہی وغیرہ سے تھا وہ تو ادا کردیا اس میں سے ایک پیسہ باقی نہ بچا۔

۴؎ غالبًا حضور انور کو اس بی بی کی سچائی وحی سے معلوم ہوئی اس لیے جیسے اور وحی کی اتباع مسلمانوں پر لازم ہے ایسے ہی اس وحی کی اتباع بھی لازم ہے ورنہ حاکم اپنے خصوصی علم پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا گواہی و شہادت پر ہی فیصلہ کرے گا۔(مرقات) یہ حدیثیں باب الافلاس میں اس لیے لائی گئیں کہ ان سے دیوالیہ کے احکام میں مدد ملتی ہے ورنہ ان میں دیوالہ کا ذکر نہیں۔

روایت ہے حضرت محمد ابن عبداللہ ابن جحش سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں ۲؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے ۳؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر کچھ دیکھا پھر اپنی نگاہ شریف جھکالی اور اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ کیسی سختی نازل ہوئی ۴؎ فرماتے ہیں ہم ایک دن رات خاموش رہے ہم نے بھلائی کے سواء کچھ نہ دیکھا حتی کہ سویرا ہوگیا ۵؎ محمد (راوی) فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون سی سختی تھی جو نازل ہوئی فرمایا قرض کے متعلق ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے پھر زندہ ہو پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے، پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے، پھر زندہ حالانکہ اس پر قرض ہو تو جنت میں نہیں جاسکتا حتی کہ اس کا قرض ادا کردیا جائے ۷؎ (احمد) اور شرح سنہ میں اس کی مثل ہے۔

۱؎ آپ قرشی اسدی، صحابی ہیں، ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے، اپنے والد عبداللہ ابن جحش کے ساتھ پہلے تو حبشہ کو ہجرت کر گئے پھر مدینہ منورہ کو حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش کے بھائی حضور انور کے سالے ہیں، عظیم المرتبت صحابی ہیں۔(لمعات، مرقات، اشعہ)

۲؎ یعنی جس جگہ جنازے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں نماز جنازہ داخل مسجد میں نہ ہوتی تھی بلکہ خارج مسجد میں ہوا کرتی تھی، یہ ہی امام اعظم کا قول ہے کہ نماز جنازہ داخل مسجد میں منع ہے لہذا یہ امام صاحب کی دلیل ہے۔ظاہر یہ ہے کہ خارج مسجد میں جنازہ صرف نماز کے لیے رکھے جاتے ہیں نہ کہ اور کسی مقصد کے لیے،امام شافعی کے ہاں داخل مسجد میں بھی جنازہ کی نماز درست ہے۔(از مرقات)

۳؎ یہ لفظ اصل میں بیننا تھا،ظھرینا زائد ہے بیان قریب کے لیے یعنی ہم سے اتنے قریب تھے کہ گویا پشت سے پشت ملی ہوئی تھی ہماری پیٹھوں کے بیچ تھے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہوں سے غیبی حجاب اُٹھے ہوئے تھے کہ وہاں ہی تمام صحابہ حاضر ہیں اور اسی جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں مگر جو کچھ حضور دیکھ رہے ہیں دوسرے نہیں دیکھتے۔یہ **سبحان اللہ** فرمانا اظہار تعجب کے لیے ہے،یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سختی کسی خاص شکل میں تھی جو آنکھوں سے نظر آرہی تھی کوئی خاص وحی نہ تھی کہ وحی کا تعلق کان سے ہے۔ہم لوگ خواب میں آفتوں مصیبتوں کو کالی عورت،حملہ کرنے والے سانپ کی شکل میں دیکھتے ہیں،شاہ مصر نے قحط کے سات سال سات گائیوں اور سات بالیوں کی شکل میں دیکھے تھے۔

۵؎ یعنی ہم سمجھتے تھے کہ کوئی آسمانی وبال یا مصیبت فوری آنے والی ہے تو ایک دن ورات بہت فکر وتردد میں گزرا مگر خدا کا شکر ہے کوئی آفت نہ آئی۔

۶؎ یعنی کوئی وبال یا غیبی آفت نہ تھی بلکہ قرض کی سختی ہے جو مقروض پر ہوگی۔

۷؎ **یقضی** کی دو قرأتیں ہیں:معروف و مجہول یعنی خود مقروض ادا کرے یا اس کے ورثا اس کی طرف سے ادا کریں۔معلوم ہوا شہادت جیسی عبادت سے بھی قرض معاف نہیں ہوتا۔وہ جو روایت میں ہے کہ حج سے قرض بھی معاف ہوجاتا ہے،وہاں ادائے قرض کی بے اعتدالیاں مراد ہیں یعنی ادائے قرض میں جو مقروض کی طرف سے وعدہ خلافی،ٹال مٹول ہوجاتی ہے وہ معاف ہوجائے گی ورنہ قرض ادا کرکے حج کو جانا چاہیے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

باب الشرکۃ و الوکالۃ

شرکت اور وکالت کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ شرکت کے معنی ساجھی ہونا،وکالت کے معنی ہیں دوسرے پر اعتماد کرکے اس سے اپنا کام کرانا۔شرکت کی بہت قسمیں ہیں:شرکت منافع میں،شرکت اصل چیز میں،شرکت حقوق بدنی میں جیسے قصاص یا حد قذف میں مطالبہ کرنے والوں کی شرکت اور شرکت حق مال میں جیسے کسی کتاب کو حق شفعہ ملے،پھر شرکت عنان،شرکت معاوضہ،شرکت وجوہ،،شرکت صنائع یہ بھی شرکت ہی کے اقسام ہیں،ان کی تفاسیر واحکام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت زہرہ ابن معبد سے کہ ان کو ان کے دادا عبداللہ ابن ہشام ۱ بازار لے جاتے تھے غلہ خریدتے تھے ۲ تو ان سے حضرت ابن عمرو اور ابن زبیر ملتے تھے تو کہتے تھے ہمیں شریک کرلو ۳ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی ہے ۴ تو وہ انہیں شریک کرلیتے تھے بہت دفعہ پورا اونٹ ویسے کا ویسا ہی نفع میں پالیتے تھے ۵ جسے وہ اپنے گھر بھیج دیتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن ہشام کو ان کی ماں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور ان کے لیے دعائے برکت کی تھی ۶ (بخاری)	

۱ حضرت زہرہ تابعین میں سے ہیں،تمام محدثین فرماتے ہیں کہ آپ اولیاء کاملین سے تھے۔امام دارمی فرماتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے ابدال تھے،اپنے دادا عبداللہ ابن ہشام سے جو صحابی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن زبیر سے ملاقات رکھتے ہیں ان حضرات سے روایات لیتے ہیں۔(اشعہ)

۲ تاکہ انہیں خرید و فروخت آجائے۔معلوم ہوا کہ اولاد کو جیسے عبادات سکھائی جائیں ویسے ہی انہیں معاملات کی تعلیم دی جائے ،تجربہ کرایا جائے کہ معاملات بھی عبادات کی طرح ضروری ہیں ان کے احکام سخت ہیں۔

۳ کہ اپنے مال میں ہمارا مال ملالو،اس سے غلہ خریدو،پھر فروخت کرو۔نفع ہمارا تمہارا ہم اگرچہ تجارت جانتے ہیں مگر جو خصوصیت تم کو میسر ہے ہم کو نہیں وہ خصوصیت یہ ہے۔

۴؎ تمہیں ضرور ہر کام میں برکت و نفع ہوگا ہم بھی تمہارے ساتھ نفع میں شریک ہوجائیں گے۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعاکی تھی کہ "وَاَشۡرِکۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ" خدایا انہیں بھی میرا شریک کار بنادے کہ ہم دونوں نبی ہوں،دونوں دینی خدمات کریں،اجرو ثواب میں شریک رہیں۔

۵؎ اونٹ سے مراد اونٹ کا بوجھ یعنی گندم کی بوریاں ہیں یعنی بسا اوقات ایک اونٹ گندم کا بیوپار کرتے تو پورا اونٹ نفع میں بچ رہتا جیسے ایک صحابی کو حضور انور نے اشرفی دی کہ قربانی کے لیے بکری خرید لاؤ انہوں نے ایک اشرفی کی بکری خریدی اور دو اشرفیوں کے عوض فروخت کردی پھر ایک اشرفی کی دوسری بکری خریدی،پھر بکری اور ایک اشرفی لاکر حضور انور کی بارگاہ میں پیش کی۔حضور انور نے انہیں دعا دی اور اشرفی خیرات کردینے کا حکم دیا،یہ ہے پور امال نفع میں بچ رہنا۔

۶؎ عبداللہ ابن ہشام کی والدہ کا نام زینب بنت حمید تھا،عبداللہ گود میں تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب پیش ہوئے تو پیار میں حضور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دے دی،پھر کیا تھا وارے نیارے ہوگئے۔معلوم ہواکہ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا دعا کرنا سنت ہے،بہار شریف میں ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مخدوم الملک،ایک بار انہیں ان کی چھوٹی بہن نے سلام کیا تو آپ نے جواب سلام دے کر فرمایا ٹھنڈی رہو،اللہ نے یہ دعا ایسی قبول فرمائی کہ ان کی قبر بھی ٹھنڈی کردی۔ہم نے دوپہر کے وقت ان کی قبر پر ہاتھ رکھا دھوپ قبر پر ہے،سخت دھوپ تھی تمام قبریں گرم تھیں مگر یہ قبر ٹھنڈی تھی حالانکہ چونا گچھ کی قبر تھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوروں کے درخت تقسیم فرمادیں ۱؎ فرمایا نہیں بلکہ تم ہماری طرف سے قیمت کرو اور پھلوں میں ہم تمہارے شریک ہیں ۲؎ وہ بولے ہم نے سن لیا اطاعت کریں گے ۳؎(بخاری)

۱؎ یہ واقعہ شروع ہجرت کا ہے جب مہاجر مکہ مکرمہ وغیرہ سے مدینہ پاک آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں عقد مواخات یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا کہ فلاں مہاجرین فلاں انصار کا بھائی اور فلاں فلاں کا،تب انصار نے عرض کیا کہ ہمارے باغ ہمارے بھائی مہاجرین میں اس طرح تقسیم فرمادیجئے کہ ہر انصار کے باغ میں اس کے مہاجر بھائی کا آدھا حصہ ہو،یہ تھی وہ بے مثال مہمان نوازی جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی ہوگی۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا پیارا فرمان ہے مقصد تو یہ تھاکہ انصار کے باغ انہیں کے رہیں کہ یہ ان کی روزی کا ذریعہ ہیں مگر ظاہر اسی طرح فرمایا کہ مہاجرین کو باغبانی آتی بھی نہیں اور ان کے پاس اتناوقت بھی نہیں کہ باغ کو پانی دینے وغیرہ کا کام کیا کریں،محنت تم کرو،پھل آدھا آدھا کردیا کرو،مقصد اور ہے اظہار کچھ اورتاکہ انصار کے مال محفوظ رہیں اور ان کی دل شکنی بھی نہ ہو۔(مرقات)صاحب مشکوۃ کا یہ حدیث یہاں لانے سے مقصد یہ ہے کہ پھلوں میں شرکت جائز ہے کہ درخت ایک شخص کے ہوں پھل مشترکہ اس لیے یہ حدیث یہاں لائے،اس سے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔کوئی شخص کسی سے اپنے

باغ کی تمام خدمات لے اس طرح کہ باغ اس کا محنت دوسرے کی پیداوار مشترکہ یہ جائز ہے کھیتی وغیرہ کا بھی یہی حال ہے کہ زمین ایک کی،محنت دوسرے کی،پیداوار مشترک یہ بھی جائز ہے۔
۳؎انصار کی نیت یہ تھی کہ ہم نے اپنا باغ نصف مہاجر بھائی کو دے ہی دیا،اب باغ بھی مشترکہ ہے پیداوار بھی مشترکہ کام غیر مشترک کام ہم ہی کریں گے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کچھ اور تھی جو ابھی عرض کی گئی۔

روایت ہے حضرت عروہ ابن ابی الجعد بارقی سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اشرفی دی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ بکری خریدیں انہوں نے حضور کے لیے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری ایک اشرفی سے بیچ دی ۲؎اور آپ کی خدمت میں بکری اور اشرفی لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی ۳؎ پھر اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی نفع کمالیتے تھے ۴؎ (بخاری)	

۱؎آپ صحابی ہیں،بارق ابن عوف ابن عدی کی اولاد سے،آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا،آپ وہاں ہی رہے اس لیے آپ کا شمار اہلِ کوفہ سے ہوتا ہے،بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ عروہ ابن جعد ہیں ابی جعد نہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ عروہ ابن ابی الجعد ہیں۔
۲؎حق یہ ہے کہ حضرت عروہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل مطلق تھے اور وکیل مطلق کو خرید و فروخت ہر چیز کا حق ہوتا ہے اس لیے آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بکری فروخت بھی کردی اگر فقط خریدنے کے لیے وکیل ہوتے تو آپ کو فروخت کرنے کا حق نہ ہوتا۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وکیل خرید کو سستا مال خریدنے کا حق ہے کہ اس میں مؤکل کا نفع ہی ہے۔اگر بارہ آنے سیر دودھ خریدنے کا کسی کو وکیل کیا اس نے اعلیٰ درجہ کا دودھ جو بارہ آنے سیر بکتا ہے دس آنے سیر خرید لیا تو یقینًا جائز ہے کہ مؤکل کا فائدہ ہی کیا ہاں وکیل بیع سستی نہیں بیچ سکتا جب کہ مؤکل نے قیمت مقرر کردی ہو کہ اس میں مؤکل کا نقصان ہے۔
۳؎گویا آپ حضرت عروہ کی اس دانائی و فراست سے بہت خوش ہوئے،تجارتی سمجھ بھی اللہ تعالٰی کی رحمت ہے جیسے میسر ہو انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے یہ نعمت رب کی طرف سے پائی۔
۴؎مٹی کا لفظ یا تو بطور تمثیل فرمایا گیا مراد معمولی چیز ہے،یعنی اگر نہایت معمولی چیز کی تجارت بھی کرتے تب بھی نفع کمالیتے تھے یا مٹی ہی مراد ہے کہ مٹی کی تجارت جائز ہے۔خصوصًا مدینہ پاک کی مٹی کی تجارت تو اب بھی بڑے زور سے ہوتی ہے،وہاں کی خاک شفاء حجاج تحفہ کے طور پر لاتے ہیں کمہار جنگلی مٹی مفت اٹھالاتے ہیں اور شہر میں فروخت کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ اسے مرفوع فرما کر فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی فرماتا ہے میں دو شریکوں کا تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ ان میں کا ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے ۱؎ جب خیانت کرتا ہے تو ان کے درمیان سے میں نکل جاتا ہوں ۲؎ (ابوداؤد)رزین نے یہ اور بڑھایا کہ شیطان آجاتا ہے ۳؎

۱؎ اللہ تعالٰی کے تیسرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی رحمت و برکت ان دونوں صاحبوں کے شریک حال ہوجاتی ہے رب کو ان کا شریک قرار دینا مجازاً ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی کاروبار شرکت میں کرنا اکیلے اکیلے کرنے سے بہتر ہے جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔علیحدگی کی صورت میں ہر ایک دوسرے کی مخالفت کرتا ہےاور شرکت میں ایک دوسرے کا تعاون کرتا ہےاور اللہ تعالٰی بندوں کی مدد کرنے والے کی مدد کرتاہے،اس سے کاروبار کے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔

۲؎ یعنی اپنی برکت نکال لیتا ہوں بے برکتی داخل فرمادیتا ہوں،یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جب تک تجارت میں نیک نیتی سے شرکت رہے بڑی برکت ہوتی ہےاور جہاں نیت خراب ہوتی تو برکت گئی اور دکان کا دیوالیہ ہوابارہا کا تجربہ ہے۔

۳؎ یعنی بدنیت شریکوں کے ساتھ شیطان شامل رہتا ہے کہ ان سے صدہا گناہ کراتا ہے پھر ہر ایک شریک چوری، جھوٹ،حسد،بغض وغیرہ کرنے لگتا ہے،آخر کار بہت بدنامی اور لڑائی کے ساتھ ان کی علیحدگی ہوتی ہے،جب شیطان شریک ہوگیا تو پھر گناہوں کی کیا کمی۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور نے فرمایا کہ جو تم سے امانتداری کرے اس کی امانت ادا کرو ۱؎ اور جو تم سے خیانت کرے اس سے تم خیانت نہ کرو ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،دارمی)۳؎

۱؎ یعنی جو شخص تمہیں امین جان کر اپنے مال،اسرار،عزت و آبرو وغیرہ کو تمہارے سپرد کرے تو تم امین ہی بن کر اسے دکھا دو کہ اس کے کسی معاملہ میں خیانت نہ کرو۔

۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ حدیث فتوٰی پر شامل ہوسکتی ہےاور تقوٰی پر بھی،فتوٰی یہ ہے کہ خائن سے بقدر خیانت بدلہ لے سکتے ہیں،اگر کسی نے تمہارے سو روپے مار لیے تو جب کبھی وہ تمہارے پاس اپنی کچھ رقم امانت یا قرض دے تو اپنا حق وضع کرکے باقی مال اسے دو کہ یہ وضع خیانت نہیں بلکہ اپنا حق وصول کرنا ہے،مگر تقوٰی یہ ہے کہ ایسے شخص سے بھی بدلہ میں یہ معاملہ نہ کرے،اپنا حق علیحدہ مانگے مگر اس کا یہ حق پورا ادا کرے،یہ اعلٰی درجہ کا اخلاق ہے، رب تعالٰی فرماتاہے:"اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ"۔حضور فرماتے ہیں"واحسن اِلی من اساءَ الیك"جو تم سے برائی کرے تم اس سے بھلائی کرو۔خیال رہے کہ کافر حربی کی بھی خیانت جائز نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان خون کے پیاسے دشمنوں کی

امانتیں ادا کیں جنہوں نے قتل کے ارادے سے حضور کا گھر گھیر لیا تھا،حضرت علی کو حضور نے مکہ معظّمہ چھوڑا اور آپ صدیق اکبر کے ساتھ روانہ ہوگئے، حضرت علی سے فرما گئے کہ ان ہی لوگوں کی میرے پاس امانتیں ہیں تم وہ ادا کرکے مدینہ آجانا۔

۳؎یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں،حاکم نے اپنی مستدرک میں،دارقطنی نے حضرت انس سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں خیبر جانے کا ارادہ کررہا ہوں ۱؎فرمایا جب تم ہمارے وکیل کے پاس جاؤ تو ان سے پندرہ وسق لے لینا ۲؎پھر اگر تم سے کوئی نشانی مانگیں تو ان کے گلے پر ہاتھ رکھ دینا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎صحابہ کرام جب کبھی سفر میں جاتے تو حضور انور کو مل کر،آپ سے وداع ہوکر،آپ کی دعائیں و نصیحتیں لے کر جاتے تھے ان کے لیے یہ دعائیں نصیحتیں سفر کا بہترین توشہ ہوتی تھیں۔بعض حضرات توصراحۃً عرض کرتے تھے کہ سفر کو جارہاہوں کچھ توشہ عنایت فرمایا جائے،اس کے مطابق حضرت جابر حضور انور سے وداع ہونے حاضر ہوئے آپ اپنے کسی کام کو خیبر جا رہے تھے۔

۲؎ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے،ایک صاع ساڑھے چار سیر کا،حضور انور نے آپ کو وکیل قبض بنایا کہ ہماری اتنی کھجوریں یا جوان وکیل سے وصول کرکے ہمارے پاس لے آنا وہ حضرت خیبر میں وکیل وصولی بنا کر بھیجے گئے تھے کہ اہل خیبر سے حضور کے حصہ کی کھجوریں یہود خیبر سے وصول کرکے اپنے پاس رکھیں جب کوئی شخص مدینہ آئے گا ہم اس کے ہاتھ منگوالیں گے۔اس حدیث سے دو طرح وکالت ثابت ہوئی اور دوقسم کی ثابت ہوئی:وکالت قبض،وکالت وصولی۔

۳؎حضور انور نے اس پہلے وکیلِ وصول کو اولاً سمجھادیا تھاکہ آدمی تمہارے پاس جو آئے گااس کو ہم یہ علامت سمجھا دیں گے تاکہ کوئی اور شخص ناجائز طور پر ان سے یہ مال نہ لے لے۔خیال رہے کہ یہ عمل ہم کو تعلیم کے لیے ہےورنہ تمام صحابہ سچے،عادل،قابل اعتماد ہیں ان پر جھوٹ یا دھوکہ کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا،انہیں حضرت جابر نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھاکہ حضور انور نے مجھ سے تین لپ بھرکر درہم دینے کا وعدہ فرمایا تھاکہ حضور کی وفات ہوگئی،جناب صدیق اکبر نے بغیر گواہ وقسم لیے وہ وعدہ پورا کیا،کیوں؟ اس لیے کہ صحابہ عادل ثقہ ہیں ان کی بات قبول ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت صہیب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزوں میں برکت ہے ۲؎ادھار بیچنا،قرض دینااور گیہوں جو سے ملانا ۳؎مگر گھر کے لیے نہ کہ

	تجارت کے لیے ۴؎(ابن ماجہ)

۱؎ آپ صہیب ابن سنان ہیں،کنیت ابو یحیٰی،علاقہ موصل میں دجلہ و فرات کے درمیان کے رہنے والے،آپ کے علاقہ پر روم نے حملہ کرکے آپ کو غلام بنالیا اور بنی کلب قبیلہ نے آپ کو رومیوں سے خرید لیا۔بنی کلب نے عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ فروخت کردیامکہ معظّمہ لاکر انہوں نے ہی آپ کو آزاد کیا،آپ اور عمار ابن یاسر ایک ہی دن ایمان لائے جب کہ حضور انور دار ارقم میں پناہ گزین تھے۔آپ نے کفار مکہ کے ہاتھوں اسلام لاکر بہت مصیبتیں اٹھائیں،آپ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ"الخ۔نوے سال عمر ہوئی، ۸۰ھ؁ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بقیع میں دفن ہوئے،آپ کے فضائل بے شمار ہیں بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے۔

۲؎ برکت و کثرت میں فرق ہے ہر زیادتی کثرت ہے مگر خیر و نفع کی زیادتی برکت ہے،کثرت سے برکت اعلیٰ ہے۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا"وَجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا"رب نے مجھے برکت والا بنایا،کثرت والا نہ کہا۔

۳؎ فقراء کو ادھار بیچ دینے میں دعائیں بھی ملتی ہیں،لوگوں کی تعریفیں بھی،رب کی رحمت بھی۔قرض دینے سے مراد ہے مضاربۃ پر مال دینا کہ مال ہمارا ہو محنت دوسرے کی،نفع میں شرکت۔گندم میں قدرے جو ملانے سے سنت بھی ادا ہوتی ہے۔خرچ میں کفایت بھی،روٹی زود ہضم بھی ہوتی ہے،قدرے ٹھنڈی بھی،گندم گرم ہے جو ٹھنڈے۔

۴؎ یعنی گندم دکھا کر جو ملا کر نہ بیچو کہ اس میں خریدار کو دھوکا دہی ہے بلکہ اپنے کھانے کے لیے گندم میں جو ملاؤ فروخت میں جو خریدار کو دکھاؤ وہ ہی دو۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ایک اشرفی بھیجی تاکہ آپ کے لیے قربانی خرید لیں انہوں نے ایک اشرفی سے مینڈھا خریدا اور اسے دو دینار میں بیچ دیا ۲؎ پھر واپس بازار آئے اور ایک اشرفی سے قربانی خرید لی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قربانی اور دوسری قربانی سے بچی ہوئی اشرفی لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشرفی تو خیرات کردی ۳؎ اور انہیں دعا دی کہ ان کی تجارت میں ہمیشہ برکت ہو ۴؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ آپ کی کنیت ابو خالد ہے،قرشی ہیں، حضرت خدیجہ کے بھتیجے،خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے،واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے فتح مکہ میں ایمان لائے،مدینہ منورہ میں وفات پائی، عمر ایک سو بیس سال ہوئی،۵۴ھ؁ میں وفات ہوئی۔

۲؎ آپ کو یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس بیچ دینے سے ناراض نہ ہوں گے اس لیے جانور بیچ دیا ورنہ آپ صرف خریدنے کے لیے وکیل تھے نہ کہ فروخت کرنے کے۔

۳؎ آپ نے حکیم کی یہ بیع جائز رکھی۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں قربانی کے لیے خریدا ہوا جانور فروخت کرکے دوسرا جانور خرید سکتے ہیں،خصوصًا جب کہ قربانی کرنے والا غریب نہ ہوامیر ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کی قیمت سے بچا ہوا پیسہ اپنے کام میں نہ لائے بلکہ خیرات کردے تاکہ اپنا صدقہ خود نہ کھائے۔

۴؎ چنانچہ رب تعالٰی آپ کو ہمیشہ تجارتوں میں برکت دیتا تھا جو لوگ آپ کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے وہ بھی مالدار ہوجاتے تھے اور بڑے بڑے تاجر آپ کے مشورہ سے بیوپار کرتے تھے۔(مرقات)

باب الغصب و العارية

مال ہتھیا لینے اور مانگ کر لینے کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎غصب کے معنی ہیں کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کرلینا جیسے کوئی چیزکسی سے مانگ کر لائے پھر نہ دے یا امانت کا انکار کردیا لہٰذا غصب چوری ڈکیتی میں فرق ہے۔عاریت کے معنے ہیں کسی کی چیز سے اس کی اجازت پر بغیر معاوضہ نفع حاصل کرنا جیسے کسی کا برتن کچھ دن کے لیے مانگ لینا،پھر کام نکال کر واپس کردینا۔غصب حرام ہے،عاریت جائز۔عاریت عار بمعنی شرم و غیرت سے بنا،چونکہ اہل عرب اس کا م میں شرم کرتے تھے اس لیے اسے عاریت کہا گیا،ننگے کو بھی عاری اسی لیے کہتے ہیں کہ ننگا رہنے میں شرم و عار ہوتی ہے،بعض نے فرمایا عاریت تعاور سے ہے بمعنی تبادلہ کرنا،دست بدست لین و دین۔

روایت ہے حضرت سعد ابن زید سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ جو بالشت بھر زمین ظلمًا لے لے تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر فاروق کی بہن فاطمہ آپ ہی کے نکاح میں تھیں،آپ ہی کے ذریعہ حضرت عمر ایمان لائے،سواء بدر تمام غزوات میں شامل رہے،بدر کے دن آپ حضرت طلحہ کے ساتھ کفار قریش کی تلاش میں گئے تھے،حضور انور نے آپ کو حصہ غنیمت کے مال سے دیا،ستر۷۰سال سے زیادہ عمر ہوئی، ۵۱ھ میں مقام عقیق میں انتقال ہوا،آپ کی نعش مدینہ پاک لائی گئی،بقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے سات طبقے اوپر نیچے ہیں صرف سات ملک نہیں پہلے تو اس غاصب کو زمین کے سات طبق کا طوق پہنایا جائے گا،پھر اسے زمین میں دھنسایا جائے گالہٰذاجن احادیث میں ہے کہ اسے زمین میں دھنسایا جائے گا وہ احادیث اس حدیث کے خلاف نہیں،یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں،اللّٰہ تعالٰی اس غاصب کی گردن اتنی لمبی کردے گا کہ اتنی بڑی ہنسلی اس میں آجائے گی۔معلوم ہوا کہ زمین کا غصب دوسرے غصب سے سخت تر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ کوئی کسی کا جانور بغیر اس کی اجازت کے نہ دوہے ۱؎کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کوئی	

	اس کے بالاخانہ پر گھس آئے پھر اس کا خزانہ توڑ کر غلہ لے جائے ۲؎ اور لوگوں کے جانوروں کے تھن ان کی غذاؤں کے خزانہ ہیں ۳؎ (مسلم)

۱؎ یعنی کسی کی بکری،گائے،بھینس،اونٹنی وغیرہ کا دودھ بغیر اس کی اجازت نہ نکالے،اہل عرب اس طرح دودھ کی چوری بھی کرتے تھے کہ کسی کا جانور پکڑا دودھ دوہ لیا یہ بھی حرام ہے۔

۲؎ بعض نسخوں میں بجائے طَعَامُہٗ کے مُتَبَاعَۃٗ ہے،اہلِ عرب اکثر اپنا سامان بالاخانوں پر رکھتے تھے اس لیے بالاخانہ کا ذکر فرمایا ورنہ چوری تہہ خانہ سے بھی حرام ہے اور بالاخانہ سے بھی۔

۳؎ یعنی جیسے کسی کا مال بغیر اجازت اس کے گھر سے لینا حرام ہے ایسے ہی کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دوہ لینا حرام ہے،یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ کسی کا جانور بغیر اجازت نہ دوہے،ہاں مخمصہ یعنی سخت بھوک کی حالت میں اجازت ہے کہ اس طرح دوہ کو پی لے اور جان بچالے۔ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں اگر مردار بھی پائے اور غیر کا مال بھی تو مردار کھاکر جان بچالے اور غیر کے مال کو ہاتھ نہ لگائے۔(مرقات)امام محمد و اسحاق کے ہاں دوسرے کا جانور بغیر اجازت دوہ لینا جائز ہے ان کی دلیل حدیث ہجرت ہے کہ صدیق اکبر نے بحالت سفر ایک قریش کے غلام سے اس کی بکری کا دودھ دوہلوایا اور خرید کر حضور کو پلایا،حالانکہ بکری کا مالک وہاں موجود نہ تھا،نیز بعض روایات میں ہے کہ جو کسی کی بکری پائے وہ تین بار آواز دے کہ کس کی بکری ہے میں دودھ دوہتا ہوں اگر تین آوازوں میں مالک نہ ملے تو دوہ لے اور پی لے مگر یہ دلیلیں کمزور ہیں کیونکہ پہلی حدیث کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ اس غلام کو دودھ بیچنے کی مالک کی طرف سے اجازت تھی اور یہ دوسری حدیث مخمصہ کی حالت کے لیے ہے جب کہ بھوک سے جان نکل رہی ہو،ورنہ غیر کا مال بغیر اجازت لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے،یوں ہی کسی کے باغ کے پھل اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے نہ کھائے،نہ اٹھائے نہ لے جائے۔جن احادیث میں اجازت ہے کہ کھائے مگر لے نہ جائے وہاں بھی مخمصہ کی حالت مراد ہے کہ بھوکے کی جان پر بن گئی ہے وہ یہ کھاکر جان بچائے،ہاں جنگلی پھل کسی کی ملک نہیں جیسے کوکن بیر وہ شکار کے جانور کی طرح کسی کی ملک نہیں جو چاہے کھائے۔(از لمعات واشعہ مع زیادۃ)اس کی تحقیق کتب فقہ میں دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کے پاس تھے کہ امہات المؤمنین میں سے کسی نے ایک پیالہ بھیجا ۱؎ جس میں کچھ کھانا تھا تو جس کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ مارا جس سے پیالہ گر کر ٹوٹ گیا ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے جمع کیے پھر جو کھانا پیالے میں تھا اس میں ڈالا ۳؎ اور آپ فرماتے جاتے تھے کہ تمہاری ماں غیرت کر گئیں ۴؎ پھر خادم کو روک لیا حتی کہ جن کے گھر میں حضور تھے ان کے پاس سے پیالہ

لایا گیا تو جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا انہیں درست پیالہ دے دیا ۵؎ اور ٹوٹا ہوا پیالہ توڑنے والی کے گھر میں رکھ دیا ۶؎(بخاری)	

۱؎ بعض بیویوں سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ ہیں جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے یا تو حضرت انس ان کا نام بھول گئے یا احترامًا ان کا نام ظاہر نہ فرمایا،کھانا بھیجنے والی بی بی صفیہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ حضرت زینب یا ام سلمہ ہوں،حضور کی بارگاہ میں اکثر و بیشتر ہدیے جب ہی آتے تھے جب کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر پر ہوتے۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ آپ خادم کو مارنا نہ چاہتی تھیں کہ وہ تو بے قصور تھا بلکہ ارادہ پیالہ چھینکنے کا تھا اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا اسی نیت پر تھا۔چنانچہ خادم کو چوٹ نہ لگی اور پیالہ گر گیا اسی لیے حضور انور نے خادم کو قصاص نہ دلوایا پیالہ کا عوض دلوایا۔

۳؎ یہ ہے سرکار کا حلم و اخلاق اور نعمت الٰہی کی قدر دانی کہ آپ ام المؤمنین پر ناراض نہ ہوئے اور کھانا ضائع نہ جانے دیا۔اس سے پتہ لگا کہ گرے ہوئے لقمہ کو بھی جھاڑ پونچھ کر کھالینا چاہیے جیساکہ دوسری روایتوں میں صراحۃً آتا ہے۔

۴؎ یعنی ام المؤمنین نے یہ کام ظلمًا نہیں کیا نہ وہ اس میں گنہگار ہیں بلکہ فطرت بشری کی بنا پر کیا کہ قدرتی طور پر ہر بی بی اپنی سوکن کی چیز کو اپنے گھر آنا پسند نہیں کرتی،فطری چیز پر پکڑ نہیں ہوا کرتی۔سبحان اللہ! کیسی برکت والی ماں ہیں کہ یہاں ان کی صفائی حضور انور بیان فرمارہے ہیں اور دوسرے مقام پر ان کی صفائی اللہ تعالٰی قرآن میں بیان فرمارہا ہے ان خطاؤں پر ہماری لاکھوں عبادتیں قربان۔

۵؎ یہ پیالہ کا ضمان نہ تھا ورنہ قیمت دلوائی جاتی کیونکہ پیالہ شرعًا مثلی چیز نہیں ہے قیمتی چیز ہے جس کے توڑنے پر بدلہ میں قیمت واجب ہوتی ہے بلکہ یہ عمل شریف اخلاقًا تھا کیونکہ دونوں پیالے حضور ہی کے تھے،وہاں ضمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔بعض شارحین نے اس کی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں مگر یہ وجہ نہایت اعلٰی ہے،دینے والے بھی حضور ہیں اور لینے والے بھی،گھر کا سامان خاوند کا ہوتا ہے نہ کہ بیوی کی ملک۔

۶؎ اس سے دومسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ٹوٹا پیالہ بھی مال ہے،اس کی بیع و معاوضہ جائز ہے،کبھی تو یہ ٹھیکریاں جُڑ کر کام دیتی ہیں اور کبھی الگ الگ ہی کچھ کام دے جاتی ہیں۔دوسرے یہ کہ کسی کی چیز توڑ دینا بھی غصب کی ایک قسم ہے جب کہ یہ توڑنا زیادتی کی بناء پر ہو اور اس کا تاوان لازم ہے اسی لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث غصب کے باب میں لائے،جناب عائشہ صدیقہ کا یہ فعل صورۃً تعدی تھا لہذا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ صاحب مشکوۃ یہ حدیث **باب الغصب** میں کیوں لائے۔(مرقات)

روایت ہے عبداللہ ابن یزید سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور انور نے لوٹ مار کرنے اور ناک کان کاٹنے سے منع فرمایا ۲؎ (بخاری)	

۱؎ آپ خَطمی انصاری ہیں،صلح حدیبیہ میں آپ ۱۷ سال کے تھے،بیعت الرضوان میں شریک تھے،حضرت عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں انہی کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے اور انہی کے زمانہ میں وفات پائی،آپ سے آپ کے بیٹے موسیٰ اور آپ کے پوتے ابوبردہ ابن ابی موسیٰ وغیرہم نے روایات لیں،امام شعبی آپ کے کاتب رہے۔

۲؎ یعنی نہ تو کسی مسلمان کا مال لوٹنا جائز ہے اور نہ کسی انسان یا حیوان کے ناک کان زندگی میں یا بعد موت کاٹناجائز۔ اس سے معلوم ہوا کہ کٹی ہوئی پتنگ یا اس کی ڈور لوٹنا حرام ہے کہ یہ بھی **نُهبه** ہے۔خیال رہے کہ لٹائی ہوئی چیز کا لوٹ لینا جائز ہے جیسے نکاح کے چھوہارے اور دُلہا دُلہن پر بکھیر کے پیسے کہ اسے عربی میں **نثر** کہتے ہیں نہ کہ **نُهبه**،یوں ہی علاجًا و قصاصًا ناک کان کاٹنا جائز کہ وہ مثلہ نہیں بلکہ علاج یا قصاص ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"**اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَ الۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ**"الخ۔اہل عرب جنگوں میں مقتولین کے ناک کان کاٹ ڈالتے تھے اور ایک دو مہمانوں کی آمد پر زندہ بکری کا ہاتھ یا پیر کاٹ کر پکالیتے تھے یہاں اس سے منع فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گہن گیا جس دن کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ۱؎ تو حضور نے لوگوں کو دو رکعتیں چھ رکوعوں اور چار سجدوں سے پڑھائی ۲؎ پھر فارغ ہوئے حالانکہ سورج اصلی حالت پر لوٹ چکا تھافرمایا جن چیزوں کی تمہیں خبر دی گئی ہے ان میں سے کوئی چیز نہیں مگر میں نے اپنی اس نماز میں وہ سب دیکھ لیں ۳؎ حتی کہ آگ لائی گئی اور یہ جب تھا جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا ۴؎ اس خوف سے کہ اس کی لپٹ مجھے پہنچ جائے ۵؎ اور حتی کہ میں نے آگ میں تیرنے والے کو دیکھا جو اپنی آنتیں آگ میں کھینچ رہا ہے ۶؎ وہ اپنے نیزے سے حاجیوں کی چوری کرلیتا تھا اگر اس کی حرکت معلوم ہوجاتی تو کہہ دیتا تھا کہ یہ میرے نیزے سے لگ رہا اور اگر اس سے بے خبر رہی تو لے جاتا ۷؎ اور حتی کہ میں نے اس میں بلی والی کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ رکھا کہ اسے کچھ نہ کھلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی ۸؎ پھر جنت لائی گئی اور یہ جب تھا کہ تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھا حتی کہ اپنی جگہ کھڑاہوگیا ۹؎ اور میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا میں چاہتا تھا کہ اس کے کچھ پھل لے لوں تاکہ تم انہیں دیکھو پھر رائے یہ ہی قائم ہوئی کہ ایسا نہ کروں ۱۰؎(مسلم)	

۱؎ اس کی تحقیق **باب صلوۃ الکسوف** میں ہوچکی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات چاند کی دسویں تاریخ کو ہوئی،ریاضی کے قاعدہ سے اس دن سورج گرہن لگ سکتا ہی نہ تھا مگر رب تعالٰی نے ان کا قاعدہ توڑ دیا،حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بقر عید سنہ ۸ھ میں بی بی ماریہ قبطیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور سولہ یا اٹھارہ مہینہ کی عمر پاکر وفات پا گئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎ اس طرح کہ ہر رکعت میں تین رکوع اور دو سجدے کیے اس کی تحقیق نماز کسوف میں گزرچکی۔ہمارے ہاں اس نماز کی ہر رکعت میں بھی اور نمازوں کی طرح ایک رکوع اور دوسجدے ہی ہوں گے،اس کے جوابات اسی باب میں عرض کردیئے گئے۔

۳؎ یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اور دوزخ اور وہاں کے سارے عذاب اپنی ان آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیے،حدیث بالکل ظاہری معنے پر ہے۔اس میں کسی تاویل اور توجیہ کی ضرورت نہیں اس کی پوری تحقیق نماز کسوف میں ہوچکی ہے۔

۴؎ **باب الکسوف** میں گزرچکا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں دوبار کچھ جنبش فرمائی ایک بار تو آگے بڑھ کر کچھ لینے کے ارادے سے اور ایک بار پیچھے ہٹ کر بچنے کے قصد سے،اُسے فرمارہے ہیں کہ جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں عین نماز کی حالت میں کسی خطرناک چیز سے بچتے ہوئے پیچھے ہٹا تو اس وقت دوزخ ہمارے سامنے تھی اس سے بچنا مقصود تھا۔

۵؎ یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے کہ بادل یا آندھی آنے پر حضور انور کا چہرہ مبارک متغیر ہوجاتا تھا کہ کہیں عذاب یا قیامت نہ آگئی ہو،حالانکہ سرکار کو معلوم تھا کہ قیامت ابھی نہیں آسکتی اور آپ کے ہوتے عذاب نازل نہیں ہوسکتا،یوں ہی حضور انور کو معلوم تھا کہ دوزخ کی آگ ہم پر اثر نہیں کرسکتی،حضور انور کی تو بڑی شان ہے۔مؤمن دوزخ میں جا کر دوزخی مسلمان کو نکال لائیں گے اور آگ کے اثر سے محفوظ رہیں گے،یہ خوف دراصل خوف الٰہی ہے لہذا یہ حدیث واضح ہے۔

۶؎ **محجن حجن** سے بنا بمعنی اپنی طرف کھینچنا،اب **محجن** وہ لاٹھی ہے جس کے کنارے پر خم دار گولا لگا ہو اس کے ذریعہ آسانی سے چیز اپنی طرف کھینچی جائے،اس **محجن** والے کا نام عمرو ابن لحی ہے،لام کے پیش ح کے فتح سے۔ **قصب** بمعنی آنت جمع **اقصاب** یعنی اس کی آنتیں باہر نکل پڑی تھیں۔جب وہ چلتا پھرتا ہے تو آنتیں گھسٹتی ہیں۔رب کی پناہ!

۷؎ غرضکہ فیشن ایبل(Fashion Able)سیاسی چور تھا کہ حجاج کے کپڑے دن دہاڑے اس طرح چوری کرتا تھا کہ پکڑا بھی نہ جائے اور چوری بھی کرے،مالک نے دیکھ لیا تو کہہ دیا ارے مجھے خبر نہ ہوئی کہ میرے محجن سے تیرا کپڑا لگ گیا ہے،نہ دیکھا تو مال اپنا کرلیا۔

۸؎ شاید یہ عورت اسرائیلی تھی جس نے بلی پر یہ ظلم کیا تھا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں جنت و دوزخ ملاحظہ فرمایا جو عالَم غیب کی چیز ہیں۔دوسرے یہ کہ قیامت کی بعد ہونے والے عذابوں کو حضور کی نگاہ ملاحظہ فرمالیتی ہے یعنی آپ اگلے پچھلے کھلے چھپے حالات کو دیکھ لیتے ہیں۔تیسرے یہ کہ یہ حرکت نماز فاسد نہیں کرتی۔چوتھے یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی عذاب کا باعث ہے۔اس کی مکمل بحث ہم نماز کسوف کے بیان میں کرچکے ہیں۔

۹؎ ظاہر یہ ہے کہ **مقامی**(اپنی جگہ)سے مراد آخری وہ جگہ ہے جہاں تک آپ آگے بڑھ کر پہنچے تھے اور ہوسکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ پہلے ہم آگے بڑھے،پھر پیچھے ہٹے حتی کہ مصلے پر وہاں ہی لوٹ آئے جو ہماری جگہ تھی۔

۱۰؎ یعنی ہم نے ہاتھ بڑھایا اور ہمارا ہاتھ جنت کے خوشہ تک پہنچ گیا چاہا کہ توڑ لیں اور اس غیبی پھل کو شہودی بنا کر تمہیں دکھاویں بلکہ کھلادیں مگر خیال یہ ہوا کہ جنت و دوزخ پر ایمان بالغیب نہ رہے گا اس لیے چھوڑ دیا،بعض روایات میں ہے کہ اگر ہم وہ پھل توڑ لیتے تو تم تاقیامت کھاتے رہتے کبھی ختم نہ ہوتے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنت و دوزخ پیدا ہوچکی ہیں۔دوسرے یہ کہ جنت کے پھل دنیا کی طرح عینی اور حقیقی خیالی و تمثیلی نہیں۔تیسرے یہ کہ ہلاکت اور عذاب کی جگہ سے ہٹ جانا سنت ہے۔چوتھے یہ کہ تھوڑا عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا۔پانچویں یہ کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے اور دوزخ کا سبب ہوجاتا ہے۔چھٹے یہ کہ رب نے حضور کے ہاتھ میں وہ قدرت دی ہے کہ اٹھے تو مغرب و مشرق میں پہنچ جائے اور ہر جگہ تصرف کرکے،دیکھو بظاہر ہاتھ شریف دو تین فٹ کے فاصلہ پر پہنچا لیکن درحقیقت وہ جنت میں پہنچ چکا تھا اور وہاں کے خوشے پکڑ چکا تھا اب بھی حضور کا ہاتھ ہر بیکس کو سہارا دیتا ہے۔ساتویں یہ کہ حضور جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مالک ہیں جو چاہیں لے لیں اور دے دیں،دیکھو اس موقعہ پر رب نے نہ فرمایا کہ آپ خوشہ کیوں توڑ رہے ہیں حضور انور نے خود ہی چھوڑ دیا۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس کو فرماتے سنا کہ ایک دفعہ مدینہ میں دہشت پھیل گئی ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ سے گھوڑا مانگا جسے مندوب کہا جاتا تھا ۲؎ آپ اس پر سوار ہوئے پھر جب واپس ہوئے تو فرمایا ہم نے وہاں کچھ بھی نہ دیکھا اور ہم نے اس گھوڑے کو دریا پایا ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ افواہ یہ پھیل گئی کہ دشمن کا لشکر یا ڈاکو حملہ آور ہو گئے اس پر شور مچ گیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر وہاں پہنچ گئے فرماتے جاتے تھے مت گھبراؤ میں آگیا مت گھبراؤ میں آگیا۔

۲؎ **مندوب** یا تو **ندبٌ** سے بنا بمعنی طلب اور بلاوا۔**مندوب** بمعنی مطلوب،مرغوب،محبوب اور یا **نُدْبَةٌ** سے بنا بمعنی اثر زخم،چونکہ یہ گھوڑا بہترین تھا اور اس کے جسم میں زخم کا اثر بھی تھا اس لیے اسے مندوب کہا جاتا تھا۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہاں حملہ وغیرہ کچھ نہیں ہوا یونہی وہم تھا اور یہ گھوڑا بہت تیز اور سبک رفتار ہے۔خیال رہے کہ یہ گھوڑا اڑیل تھا آج حضور کی برکت سے ٹھیک ہوگیا پھر ٹھیک ہی رہا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جانور عاریۃً لے سکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ جانور کا نام رکھنا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ خطرناک مقام پر اکیلے پہنچ جانا بھی جائز ہے۔چوتھے یہ کہ دشمن کی تحقیق کرنا اور اس سے باخبر رہنا ضروری ہے۔پانچویں یہ کہ خوف دور ہوجانے پر لوگوں کو مطمئن کرنا سنت ہے،آج خطرہ کا بھی الارم (Alarm) ہوتا ہے اور اس کے جاتے رہنے کا بھی۔چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے بہت قوی دل عطا فرمایا تھا اور حضور بے مثل بہادر تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے فرمایا جو بنجر زمین کو آباد کرے ۱؎ وہ اس کی ہے ۲؎ کسی ظالم رگ کا اس میں کوئی حق نہیں ۳؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)اور مالک نے ارسالًا حضرت عروہ سے روایت کی ۴؎ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے ۵؎

۱؎ زمین میت وہ زمین ہے جو نہ تو کسی کی ملکیت ہو نہ اس سے بستی کے فوائد وابستہ ہوں لہذا بستی کے قریب کی چراگاہیں،گھوڑ دوڑ کے میدان،فوجی چھاؤنیوں کی زمینیں ارض میت نہیں۔اسے آباد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے قابلِ کاشت بنائے ہموار کرے،اس میں رہے باغ وغیرہ لگائے۔

۲؎ یعنی ایسی زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہوجائے گا۔صاحبین اور امام شافعی اس حدیث کو مطلق رکھتے ہیں حاکم کی اجازت کی قید نہیں لگاتے مگر امام اعظم سلطان کی اجازت ضروری فرماتے ہیں یعنی اگر حکومت کی اجازت سے آباد ہوئی ہے تو آباد کار اس کا مالک ہے ورنہ نہیں،ان حضرات کے ہاں یہ فرمان عالی مذہبی قانون ہے،امام اعظم کے ہاں سیاسی حکم تھا یعنی حضور انور سلطان تھے آپ نے لوگوں کو اجازت دی تھی کہ بنجر زمینیں آباد کرو تم مالک ہو،اگر اب بھی بادشاہ یہ اعلان کردے تو حکم نافذ ہوگا۔آج کل بعض نواب راجے اپنی ریاستیں آباد کرنے کے لیے مربعے دیتے ہیں لوگ آباد کرلیتے ہیں وہ حکم اسی حدیث سے حاصل ہے،دوسری روایت میں ہے للمرأ الا مَاطَابَتْ بہ نفس بہ انسان اس زمین کا مالک ہے جس پر سلطان راضی ہو وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی اگر اس زمین میں کوئی شخص کھیت بوئے یا باغ لگائے تو آباد کرنے والا شخص اس کھیت یا باغ کو اکھڑوا سکتا ہے اپنی زمین خالی کراسکتا ہے،عرق تنوین سے ہے یعنی رگ،مراد خود رگ والا یعنی انسان ہے۔

۴؎ یعنی عروہ اگرچہ صحابی ہیں مگر انہوں نے خود حضور انور سے یہ حدیث نہ سنی ان سے کسی اور راوی نے بیان کی انہوں نے اس راوی کا نام نہ لیا۔خیال رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق قبول ہے،تابعی کی مرسل حدیث امام شافعی کے ہاں حجت نہیں،ہمارے ہاں حجت ہے۔مرقات نے فرمایا کہ شاید حضرت عروہ نے سعید ابن زید سے ہی روایت کی ہے مگر امام مالک کی روایت میں سعید ابن زید کا نام شاید مذکور نہیں اس لیے وہ حدیث مرسل ہوئی اور احمد کی اسناد متصل۔

۵؎ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مختلف اسنادوں سے بہت آئمہ نے روایت کی۔چنانچہ بیہقی نے باسناد حسن حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوعًا روایت کی فرمایا کہ "العباد عباد اللہ والبلاد بلاد اللہ من احیا من موات الارض شیئا فھو لہ ولیس لعرق ظالم حق"۔

	روایت ہے حضرت ابو حرہ رقاشی سے وہ اپنے چچا سے راوی

	۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار ظلم نہ کرنا خبردار کسی شخص کا مال دوسرے کو حلال نہیں مگر اس کی خوش دلی سے ۲؎(بیہقی شعب الایمان،دارقطنی فی مجتبیٰ)

۱؎ابوحرہ تابعی ہیں،بصری ہیں۔حق یہ ہے کہ ثقہ ہیں،اگرچہ بعض نے انہیں ضعیف بھی کہا ہے،ان کے چچا صحابی ہیں جن کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر صحابی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲؎شخص سے مراد حربی کافر کے علاوہ دیگر لوگ ہیں،یہ حدیث بہت سے احکام کا ماخذ ہے۔مالی جرمانے کسی کی چوری،کسی کا مال لوٹ لینا،کسی کا مال جبرًا نیلام کردینا یہ سب حرام ہے۔خیال رہے کہ دیوالیہ کا مال درحقیقت اس کے قرض خواہوں کا مال ہے اس لیے حاکم دیوالیہ کی اجازت کے بغیر نیلام کردیتا ہے۔غرضکہ بعض صورتیں اس سے مستثنٰی ہیں۔لَا تَظْلِمُوْا کے معنی ہیں کہ غیر پر ظلم نہ کرو یا اپنے پر ظلم نہ کرو۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اسلام میں نہ تو دور سے لانا جائز نہ دور لے جانا جائز ۱؎نہ شغار حلال ۲؎اور جو لوٹ مچائے وہ ہم میں سے نہیں ۳؎(ترمذی)

۱؎جلب وجنب زکوۃ میں بھی ہوتا ہے اور گھوڑ دوڑ میں بھی،ہم نے یہ معنے زکوۃ کے جلب و جنب کے کئے ہیں،اس کی شرح کتاب الزکوۃ میں گزرچکی۔گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا لگانا اس پر سے اس گھوڑے کو ڈاٹنا جلب ہے اور دوسرا گھوڑا خالی رکھنا کہ اس کے تھکنے پر اس پر سوار ہوجائے جنب ہے۔(لمعات)

۲؎نکاح کے عوض نکاح کرنا کہ ہر ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو شغار کہلاتا ہے۔امام اعظم کے ہاں یہ نکاح درست ہوگا اور شرط باطل مہر مثل واجب ہوگا،بعض اماموں کے ہاں نکاح ہی درست نہیں۔ان شاءاللہ اس کی بحث کتاب النکاح میں ہوگی۔

۳؎یعنی ہماری جماعت سے نہیں یا ہمارے طریقہ سے نہیں،ہم لوٹنے لٹانے یعنی بکھیر کا فرق پہلے عرض کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے وہ اپنے والد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۱؎فرمایا تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائیوں کی لاٹھی نہ تو دل لگی سے لے نہ ارادۃً جو اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے وہ اسے واپس دے دے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)اور ابوداؤد کی روایت جادا تک ہے۔

۱؎آپ صغیر السن صحابی ہیں، ۲ھ میں پیدا ہوئے،حجۃالوداع میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئے،اس وقت آپ سات سال کے تھے،آپ کی کنیت ابو یزید کندی ہے،حضرت عمر نے آپ کو بازار مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا، ۸۰ھ یا ۸۶ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا،آپ مدینہ منورہ کے آخری صحابی ہیں جو وہاں فوت ہوئے۔

۲؎ عصا وہ معمولی لاٹھی کہلاتی ہے جو بوڑھوں کے ہاتھوں میں رہتی ہے کبھی جانور ہانکنے کی قمچی کو عصا کہہ دیتے ہیں،یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ کسی کی معمولی چیز بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ لو۔اگر نادانی میں لے چکے ہو تو معلوم ہونے پر فورًا واپس کردو چیز چھپانے چرانے کا مذاق بھی جائز نہیں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت سمرہ سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو کسی شخص کے پاس بعینہٖ اپنا مال پائے وہ وہی اس کا حق دار ہے ۲؎ اور خریدار بیچنے والے کا پیچھا کرے ۳؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ سمرہ ابن جندب فزاری ہیں،انصار کے حلیف بہت احادیث کے حافظ ہیں، ۵۹ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ جملہ پہلے بھی دیوالیہ کے بیان میں گزر گیا ہے وہاں اس کا مطلب اور تھا یہاں غصب چوری یا ڈکیتی کا مال مراد ہے یعنی اگر غاصب یا چور یا ڈاکو چوری کا مال فروخت کردے،پھر مالک خریدار کے پاس وہ مال پائے تو اس سے لے لے گا خریدار یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے خریدا ہے۔اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ ناجائز قبضہ سے قابض مالک نہیں ہوجاتا۔چور رشوت خور سود خور چوری،رشوت اور سود کے مال کے مالک نہیں کہ یہ ناجائز قبضے ہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر کا مال بغیر اس کی اجازت فروخت نہیں کر سکتے اگر فروخت کردیا تو بیع درست نہ ہوگی۔

۳؎ یعنی مالک سے خریدار قیمت نہیں مانگ سکتا بلکہ چیز اس کے حوالے کردے گا اور بیچنے والے کا پیچھا کرے گا اور اس سے قیمت لے گا لیکن اگر کوئی شخص جانتے ہوئے چور یا غاصب سے چیز سستی خریدلے تو مجرم ہے کہ یہ چور و غاصب کا مددگار معاون ہے،حدیث میں اس خریدار کا ذکر ہے جو بے خبری سے غاصب سے خریدے۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی حتی کہ اسے ادا کردے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ ید یعنی ہاتھ سے مراد ہاتھ والا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی کا مال عاریت،امانت،ودیعت،غصب وغیرہ کسی ذریعہ سے لے اس پر اس مال کا لوٹانا واجب ہے جب تک کہ لوٹانہ دے گا ذمہ دار رہے گا،اگر مال ہلاک ہوجائے تو غاصب پر تاوان لازم ہے،امانت وغیرہ میں تاوان نہیں اور ہلاک کردینے کی صورت میں سب پر تاوان ہے غاصب پر۔ بہرحال واپس کرنا لازم ہے مالک مانگے یا نہ مانگے۔عاریت میں مدت معینہ پوری ہوجانے پر بغیر مانگے واپس کرنا لازم ہے مگر امانت بغیر مانگے واپس دینا لازم نہیں مانگنے پر لازم ہے۔(ازمرقات مع زیادۃ)

	روایت ہے حضرت حرام ابن سعد ابن محیصہ سے ۱؎ کہ براء ابن عازب کی اونٹنی کسی باغ میں گھس گئی ۲؎ اسے خراب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہ فرمایا کہ دن میں تو باغ والوں پر باغ کی حفاظت لازم ہے ۳؎ اور رات میں جانور جو بربادی کرجائیں ان کے جانور والے ضامن ہیں ۴؎

	(مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎حرام تابعی ہیں،ان کے والد صحابی،حرام اپنے والد اور براء ابن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ۱۱۳ھ میں وفات پائی ثقہ ہیں۔(مرقات و اشعہ)

۲؎عربی میں بستان یا روضہ ہر باغ کو کہتے ہیں مگر حائط وہ باغ کہلاتا ہے جس کے ارد گرد دیوار ہو۔

۳؎یعنی باغ والے نے دربار رسالت میں فریاد کی تو فیصلہ یہ فرمایا کہ دن میں باغ والے اپنے باغ کی نگرانی کریں کسی جانور کو نہ گھسنے دیں کیونکہ دن میں عموماً جانور کام کاج کو نکلتے ہیں ان کے مالک ان کی پوری نگرانی نہیں کرسکتےاور رات کو جانور والے اپنے جانوروں کی نگرانی کریں کہ رات میں جانور باندھے جاتے ہیں۔

۴؎خلاصہ فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی کا جانورکسی دوسرے کا باغ یا کھیت دن میں خراب کردیں تو اس کا تاوان جانور والے پر نہیں کہ قصور باغ والے کا اپنا ہےاور اگر رات میں یہ واقعہ ہوا تو جانور والے پر برباد شدہ باغ کی قیمت باغ کے مالک کو دینا لازم ہے۔کیا ہی نفیس فیصلہ ہے آج کل حکومتیں ایسے جانور کو پکڑ کر قید کردیتی ہیں اور مالک جانور سے جرمانہ خود وصول کرلیتی ہیں جس کا باغ یا کھیت اجڑا اسے کچھ نہیں ملتا یہ ظلم ہے۔حضرت امام شافعی و مالک کے ہاں اگر مالک جانور کے ساتھ ہو اور پھر جانور کھیت برباد کرے منہ سے یا پاؤں سے تو بہرحال جانور والے پر تاوان ہے دن میں برباد کرے یا رات میں،اگر مالک ساتھ نہ ہو تو وہ تفصیل ہے جو یہاں مذکور ہے۔احناف کے ہاں اگر مالک کے ساتھ نہ ہو تو تاوان واجب نہیں خواہ دن میں ہلاکت ہو یا رات میں،تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔(از مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھر باطل ہیں اور فرمایا آگ باطل ہے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی جو چیز جانور کے پاؤں تلے آکر برباد ہلاک ہوجائے اس کا ضمان مالک پر نہیں،یونہی اگرکسی کے گھر کی آگ اُڑ کر دوسرے کی چیز کو جلادے تو آگ والے پر ضمان نہیں،یہ دونوں حکم اس صورت میں ہیں کہ مالک جانور اور آگ والے کی زیادتی نہ ہو،اگر ہوگی تو تاوان لازم ہوگا مثلًا آندھی چلتے ہوئے کوئی بلاوجہ بے احتیاطی سے آگ جلائے جس سے دوسرے کے گھر میں آگ لگ جائے تو یقینًا تاوان واجب ہوگا،یونہی بے احتیاطی سے جانور یا موٹر تیز دوڑائے کہ کوئی کچل جائے تو تاوان یقینًا لازم ہے۔آج کل حکومت بے احتیاط ڈرائیور پر جرمانے وغیرہ کرتی ہے،ریل کے حادثہ کی صورت میں کانٹے والے یا دوسرے ذمہ دار لوگ پکڑے جاتے ہیں،انکا ماخذ اس قسم کی احادیث ہیں۔بہرحال قصوروار کی پکڑ ہے،بے قصور معافی میں ہے۔

	روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جانوروں پر آئے تو اگران میں ان کا مالک موجود ہو تب تو اس سے اجازت لے لے ۱؎اوراگر وہاں مالک نہ ہو تو تین آوازیں دے اگر کوئی اس کی آواز کا جواب دے تو اس سے

اجازت لے لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دوہ لے اور پی لے مگر لے نہ جائے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎اور اجازت لےکرجانور دوہے،دودھ پیئے کہ مالک کی اجازت پر اس کی چیز استعمال کرسکتے ہیں۔
۲؎یہ حکم اس مجبورو مضطر کے لیے ہے جو بھوک سے مررہا ہواور کوئی کھانے کی چیز میسر نہ ہو وہ ایسی مجبوری میں اس جانور کا دودھ بغیر مالک کی اجازت بھی پی لے بلکہ اگر مالک موجود ہو اور اجازت نہ دے تب بھی پی لے کہ جان جارہی ہے اس کا بچانا ضروری ہے،پھر جب خدا دے تو اس کی قیمت مالک کو ادا کردےاور یہ پینا بھی بقدرضرورت جائز ہے جس سے جان بچ جائے،بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ پیئے۔(مرقات،لمعات وغیرہ)ایسی مجبوری میں تو مردار بلکہ سور وغیرہ حرام گوشت بھی حلال ہوجاتے ہیں،رب فرماتاہے:"فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ" اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے نہ جائے کہ یہ ضرورت سے زیادہ ہے لہذا حدیث پر چکڑالویوں کا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اس میں چوری جائز کردی گئی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی باغ میں جائے وہ کھا تو لے ذخیرہ نہ کرے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ بھوکا مسافر جب بھوک سے جان بلب ہو اور کسی باغ پر گزرے جس کا مالک موجود نہیں یا ہے تو اجازت نہیں دیتا،ایسی حالت میں اس کی بغیر اجازت بقدر بقاءحیات پھل کھالے،لے نہ جائے،پھر آمدنی ہونے پر اس کی قیمت ادا کردے لہذا حدیث واضح ہے۔**خبنہ** خ کے پیش ب کے جزم سے **خبن** سے بنا بمعنی دامن،دامن میں چھپائی چیز کو **خبنہ** کہتے ہیں پھر ہر ذخیرہ کی ہوئی چیز کو خبنہ کہنے لگے۔(اشعہ،مرقات،لمعات)

روایت ہے حضرت امیہ ابن صفوان سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حنین کے دن ان کی زرہ عاریۃً لی وہ بولے یا رسول اللہ کیا غصب سے لیتے ہیں ۲؎فرمایا نہیں بلکہ عاریۃً جس کا ضمان دیا جائے گا۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ امیہ کے والد کا نام صفوان ابن امیہ ابن خلف جمحی ہے،یہ قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن یہ بھاگ گئے تھے،عمیر ابن وھب اور وھب ابن عمیر نے ان کے لیے حضور سے امان لے لی،حضور انور نے ان دونوں کو اپنی چادر عنایت کی،فرمایا صفوان کو دے دویہ امان کی چادر ہے۔چنانچہ یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ایمان نہ لائے،غزوہ حنین و طائف میں موجود رہے مگر بحالت کفرحضور انور نے انہیں ان دونوں غزوؤں کی غنیمت سے دیاتالیف قلب کے لیے،تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داد ودہش دیکھ کر آپ ایمان لے آئے مکہ مکرمہ میں رہے،پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے،حضرت عباس کے پاس ٹھہرے حضرت عباس نے ان کی آمد کی خبر حضور انور کو دی،حضور نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں،ان کی بیوی ایک ماہ پہلے

ایمان لاچکی تھیں،آپ کا نکاح قائم رکھا گیا،صفوان مکہ معظّمہ میں ۴۲ھ میں فوت ہوئے انکا اسلام قبول ہوا بڑے فصیح و اشرف مکہ میں تھے۔(اکمال،مرقات)

۲؎ ابھی صفوان ایمان نہ لائے تھے بحالت کفر ہی مدینہ منورہ میں ٹھہرائے گئے تھے تاکہ قرآن شریف سنیں شاید ایمان کی توفیق مل جائے ورنہ مکہ معظّمہ واپس جائیں اس وقت کا یہ واقعہ ہے،آپ آداب سے واقف نہ تھے ورنہ مؤمن ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے عاریۃً ہتھیار زرہ وغیرہ لے کر جہاد کرسکتے ہیں۔

۳؎ یہاں ضمان سے مراد خود اس زرہ کی واپسی ہے نہ کہ گم ہوجانے کی صورت میں اس کی قیمت کیونکہ عاریت والی چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے ہلاک ہوجانے پر اس کا ضمان نہیں،یا مطلب یہ ہے کہ اگر بحالت جہاد یہ زرہ خراب ہوگئی تو ضمان دیا جائے گا کہ تلف کردینے کی صورت میں عاریت کا ضمان ہے۔حضرت علی،ابن مسعود،خواجہ حسن بصری،قاضی شریح کا یہ ہی مذہب،امام اعظم بھی یہ ہی فرماتے ہیں مگر حضرت ابن عباس،ابوہریرہ،عطاء فرماتے ہیں کہ عاریت تلف ہوجانے پر ضمان ہے،یہ ہی امام شافعی و احمد بن حنبل کا مذہب ہے وہ حضرات اس حدیث کے ظاہری معنی سے دلیل پکڑتے ہیں،امام صاحب کے نزدیک چونکہ عاریت امانت ہے لہذا تلف ہوجانے پر اس کا ضمان نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عاریۃً(مانگی ہوئی چیز)ادا کی جائے اور عاریت کا جانور واپس کیا جائے ۱؎ قرض ادا کیا جائے اور کفیل ضامن ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ **منحہ** وہ دودھ کا جانور یا درخت یا زمین ہے جو عاریۃً کچھ روز کے لیے کسی کو دودھ پینے،پھل کھانے،کھیتی باڑی کرنے کو دیئے جائیں،یہ بھی عاریت کی ہی قسم ہے۔اور **مؤدۃ** کے معنی ہمارے ہاں یہ ہیں کہ اصل شے واپس کی جائے گی،امام شافعی کے ہاں یہ ہیں کہ ہلاک ہوجانے پر قیمت یا مثل بھی دیا جائے گا اس اختلاف کا ذکر ابھی گزرچکا۔

۲؎ یعنی مقروض زندگی میں تو خود قرض ادا کرے اور اگر بغیر ادا کیے مرجائے تو اس کے ورثاء اس کے مال سے ادا کریں،ادائے قرض میراث پر مقدم ہے اور قرض کا ذمہ دار وہ ہے کہ اگر مقروض نہ دے تو یہ دے۔خیال رہے کہ کفالہ اور حوالہ میں بڑا فرق ہے یہاں کفیل کا ذکر ہے۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن عمرو غفاری سے فرماتے ہیں میں لڑکا تھا انصار کے درخت کھجور پر پتھر ماررہا تھا ۱؎ کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا فرمایا اے لڑکے درخت پر پتھر کیوں مارتا ہے میں نے عرض کیا کھاؤں گا ۲؎ فرمایا تو پتھر نہ مار اور جو نیچے گرے ان میں سے کھالے ۳؎ پھر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا فرمایا خدایا اس کا پیٹ بھردے ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ہم حضرت عمرو ابن شعیب کی حدیث ان شاءاللہ باب اللقطة میں بیان کریں گے۔

۱؎ یعنی پتھر کے ذریعہ کھجور کے پھل جھاڑ کر کھارہا تھا کہ مجھے باغ والے نے پکڑ لیا۔
۲؎ یعنی سخت بھوکا ہوں،مجبورًا جھاڑ کر کھارہا ہوں،جان بچانا مقصود ہے نہ کہ چوری کرنا یا گھر لے جانا۔
۳؎ یعنی درخت جھاڑنا ضرورت سے زائد ہے،گرے پھلوں سے بھی پیٹ بھرسکتا ہے،یہ اجازت بھی اس بنا پر دی گئی کہ میں بھوکا تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے،ورنہ مالک کی اجازت کے بغیر گرے پھل بھی نہیں کھاسکتے۔فقیر نے عراق میں دیکھا کہ گرے پھل کھانے کی مالک کی طرف سے عام اجازت ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں کھیت کٹنے پر گری ہوئی بالیاں کھیت والے نہیں اٹھاتے ان کے سامنے ہی فقراءومساکین چن لیتے ہیں۔
۴؎ غالبًا یہ آخری جملہ کسی اور راوی کا کلام ہے ورنہ رافع ابن عمرو فرماتے ہیں کہ میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔اس جملے سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ بھوکے تھے اور مجبوری کی حالت میں کھجوریں کھارہے تھے اگرچہ ایسی حالت میں درخت سے توڑنے کی بھی اجازت ہے مگر جب کہ نیچے گرے ہوئے پھلوں سے حاجت پوری ہوسکتی ہے تو توڑنے کی کیا ضرورت لہذا حدیث واضح ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت سالم سے وہ اپنے باپ سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زمین کا کچھ حصہ ناحق لے لے اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا ۲؎ (بخاری)	

۱؎ ان کے والد سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں،آپ فاروق اعظم کے پوتے ہیں،تابعی ہیں فقہاء مدینہ سے ہیں ۱۰۶ھ میں مدینہ پاک میں انتقال ہوا،آپ کی کنیت ابو عمرو قرشی ہے۔
۲؎ یہ عذاب تو قیامت کے دن ہوگا بعد میں دوزخ کا عذاب اس کے علاوہ ہے کیونکہ حقوق العباد میں بڑا فرق ہے کہ اور چیزیں فانی ہیں،زمین پشت ہا پشت تک باقی رہتی ہے،اس کی سزا بھی زیادہ۔لمعات میں فرمایا گیا کہ بعض غاصبین زمین کو دھنسانے کی سزا دی جائے گی اور بعض کے گلے میں طوق بناکر ڈالی جائے گی لہذا یہ حدیث طوق والی حدیث کے خلاف نہیں۔(لمعات)اور ہوسکتا ہے کہ ایک ہی غاصب کو دو وقت میں یہ دو عذاب ہوں۔

روایت ہے حضرت یعلی ابن مرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ناحق کوئی زمین لے لے تو اسے اس کا مکلّف کیا جائے گا اس کی ساری مٹی سارے محشر میں اٹھائے پھرے ۱؎ (احمد)	

۱؎ یہ غاصب زمین کا دوسرا عذاب ہے اور اس کے سر پر اتنے حصے کی تحت الثریٰ تک کی مٹی رکھی جائے گی اور کہا جائے گا سارے محشر میں اٹھائے پھر،آج دھوپ میں ایک ٹوکرا مٹی لے کر چلنا وبال جان ہوتا ہے تو سوچ لو کہ قیامت کی دھوپ

میں اتنا بوجھ لے کر سارے محشر میں پھرنا کیسا ہوگا۔اللہ کی پناہ!خیال رہے کہ یہ تکلیف شرعی نہ ہوگی،تکلیف شرعی کی جگہ دنیا ہے بلکہ عذابی و عقابی تکلیف ہوگی۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ظلمًا بالشت بھر زمین لے لے اللہ اسے اس کا مکلّف کرے گا اسے سات زمینوں کی تہ تک کھودے پھر قیامت کے دن تک اس کا طوق پہنائے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے[1](احمد)

[1] یہ غاصب زمین کا تیسرا عذاب ہے یا ایک ہی شخص کو یہ تینوں عذاب تین وقت میں دیئے جائیں گے یا کسی کو وہ گزشتہ عذاب اور کسی کو یہ یعنی یہ شخص خود سات تہ زمین تک بورنگ(Boring)کرے اور خود ہی اپنے گلے میں طوق بنا کر پہنے پھرے۔اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ سے مراد ہے قیامت کا آخری حصہ جس کی تفسیر حتّٰی یقضی الخ ہے۔خیال رہے کہ قیامت میں مؤمن کے بعض علانیہ گناہوں کی سزا علانیہ ہوگی لہذا یہ حدیث پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

باب الشفعۃ

شفعہ کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **شفعه** شین کے پیش سے ہے **شفع** سے بنا بمعنی جوڑنا ملانا اسی لیے جفت عدد کو شفع کہتے ہیں اور طاق کو وتر،رب فرماتاہے:"وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ"سفارش کو شفاعت اور سفارشی کو شفیع کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے کو ملزم کے ساتھ ملا دیتا ہے،حق قرب کو شفعہ اس لیے کہتے ہیں کہ شفیع دوسری زمین خرید کر اپنی زمین سے ملاتا ہے دیگر اماموں کے ہاں صرف شرکت والے کو حق شفعہ پہنچتا ہے مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں پڑوسی کو بھی پہنچتا ہے جسے حق جوار کہتے ہیں،اس پر حدیث صحیحہ وارد ہیں۔ایک روایت میں اما م احمد ابن حنبل بھی امام اعظم کے ساتھ ہیں فریقین کے دلائل کتب فقہ میں دیکھئے،ہم بھی ان شاءاللہ موقعہ پر عرض کریں گے۔(ازاشعہ)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس زمین پر شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ کی گئی ہو ۱؎ مگر جب حدیں مقرر ہوگئیں اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں ۲؎(بخاری)

۱؎ یعنی جس زمین میں دو شخص شریک ہیں ان میں سے ایک شخص اپنا حصہ فروخت کررہا ہے تو دوسرا شریک ہی خریدے گا،اگر یہ نہ خریدے تو دوسرا خرید سکتا ہے،اگر اس شریک کی بے خبری میں یہ زمین وغیرہ فروخت ہوگئی تو شریک مطلع ہوکر وہ بیع ختم کراسکتا ہے۔اس حدیث کا عموم بتارہا ہے کہ زمین قابل تقسیم ہو یا نہ ہو بہرحال حق شفعہ اس میں ہوگا،امام شافعی کے ہاں ناقابل تقسیم میں شفعہ نہیں،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

۲؎ آخری جملہ حضرت جابر کا اپنا قول ہے،حضور انور کا فرمان نہیں حضور کا فرمان عالی **مالم یقسم** پر ختم ہوگیا۔(مرقات)اگر حضور انور کا فرمان عالی مانا جائے تو ان احادیث کے خلاف ہوگا جن میں پڑوسی کے حق شفعہ کا ثبوت ہے اور اگر حضور عالی کا فرمان بھی ہو تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ شفعہ شرکت نہ رہا کیونکہ شرکت تو ختم ہوچکی،رہا شفعہ جوار یعنی پڑوسی کی وجہ سے حق شفعہ یہ دوسری احادیث سے ثابت ہے لہذا یہ جملہ ان احادیث کے خلاف نہیں کہ اس میں مطلقًا شفعہ کی نفی نہیں شفعہ شرکت کی نفی ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں،تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم نے ہر مشترکہ زمین میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو شفعہ کا حکم دیا گھر ہو باغ ۱؎ کہ اپنے ساجھی کو خبر دیئے بغیر اسے بیچنا جائز نہیں ۲؎ پھر وہ ساجھی اگر چاہے لے لے اگر چاہے چھوڑ دے اور اگر اسے بغیر خبر دیئے بیچ دیا تو وہ ہی اس کا حق دار ہوگا ۳؎ (مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ شفعہ صرف غیر منقول چیزوں میں ہوگا جیسے گھر،باغ کھیت وغیرہ،منقولی چیز میں شفعہ نہیں جیسے جانور،سامان وغیرہ،ہاں حمام وغیرہ جو ناقابل تقسیم ہے اس میں ہمارے ہاں شفعہ ہے،شوافع کے ہاں نہیں۔

۲؎ یہ ناجائز بمعنی گناہ نہیں بلکہ بمعنی جاری نہ ہونا ہے یعنی اگر ایک شخص اپنا زمین کا حصہ بغیر ساجھی کو خبر کئے بیچ دے تو یہ بیع لازم نہ ہوگی،ساجھی دعویٰ کرکے خود لے سکتا ہے۔

۳؎ یعنی ساجھی کو اس بیع کی جب بھی خبر لگے تو وہ دعویٰ کرکے یہ بیع اپنے حق میں کراسکتا ہے کہ وہی قیمت جو خریدار نے دی ہے خریدار کو ادا کردے اور زمین پر قبضہ کرلے۔اس سے معلوم ہوا کہ شفیع کا بیع کی خبر پاکر خاموش رہنا اس کے حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے۔ضروری ہے کہ اطلاع پاتے ہی کہہ دے کہ میں اس زمین کا شفیع ہوں اور میں اسے خریدوں گا ذرا بھی خاموش رہا کہ حق شفعہ گیا،تفصیل کتب فقہ میں ہے۔حق شفعہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے پڑوس میں کوئی ایسا آدمی نہ آبسے جو اس کے لیے تکلیف کا باعث ہو،اچھا پڑوس اللہ کی رحمت ہے اور برا پڑوس رب کا عذاب،اہل عرب کہتے ہیں **الجار قبل الدار** گھر سے پہلے پڑوسی کو دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنا پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے حق دار ہے ۱؎ (بخاری)

۱؎ **سَقَب** س اورق کے زبر سے بمعنی قرب اور ملنا یعنی پڑوسی اپنے پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حقدار ہے غیر پڑوسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔حضرت عمر ابن شرید سے مروی ہے کہ اس فرمان عالی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سقب کیا چیز ہے؟ تو فرمایا **سقبہ شفعہ** جب خود حضور سقب کی تفسیر شفعہ سے فرمارہے ہیں تو اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں رہی اس لیے تمام محدثین حتی کہ امام بخاری بھی یہ حدیث **باب الشفعة** میں لائے۔لہذا یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ پڑوسی کو حق شفعہ ملتا ہے،بعض لوگوں نے اس حدیث کے معنے یہ کیے کہ پڑوسی حسن سلوک کا مستحق ہے نہ کہ شفعہ کا وہ غلط ہیں،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سقب کی شرح شفعہ سے فرمائی تو اب کسی اور کی شرح کیونکر معتبر ہوسکتی ہے،ہاں اگر ایک زمین یا مکان میں کوئی شریک ہے اور دوسرا پڑوسی تو اس کا حق شفعہ شریک کو ملے گا نہ کہ پڑوسی کو یہی اس پہلی حدیث کا مطلب ہے۔(لمعات و مرقات،اشعہ وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنے دیوار

میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی اگر تمہاری دیوار میں تمہارا پڑوسی کیل،کھونٹی،میخ وغیرہ گاڑنا چاہے اور تمہارا اس میں کوئی نقصان نہ ہو تو بہتر ہے کہ اسے منع نہ کرو،امام اعظم و احمد ابن حنبل کا یہی مذہب ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے،امام شافعی وغیرہم نے اسے وجوب پر محمول کیا مگر مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام پر پیش کی تو وہ حضرات اس پر خاموش ہوگئے تو جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ناراض ہوکر بولے میں جانتا ہوں تم لوگ اس سے منہ پھیر چکے ہو،میں تمہارے سینوں پر ماروں گا۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے اس کو امروجوبی نہ سمجھا ورنہ اس پر عمل نہ چھوڑتے۔خیال رہے کہ فی زمانہ پڑوسی دوسرے کی دیوار میں کیل گاڑکر دیوار کے دعویدار بن جاتے ہیں اس لیے احتیاط چاہیے کہ یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے اور نقصان کی صورت میں منع کرنا بلاکراہت جائز ہے۔صاحب کتاب یہ حدیث اس باب میں اس لیے لائے تاکہ معلوم ہوکہ پڑوسی کو شفعہ کی طرح دیوار میں کیل گاڑنے کا بھی حق ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم راستہ کے متعلق جھگڑو تو راستہ کی چوڑائی سات گز رکھی جائے ۱؎(مسلم)	

۱؎اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جانب عمارتوں کی لائن بنی ہے،سامنے سفید زمین پڑی ہو،اب اس کے مقابل دوسری جانب عمارتیں بننا شروع ہوگئیں،پرانی لائن والے چوڑا راستہ چھوڑانا چاہتے ہیں مگر یہ لوگ کم تاکہ انہیں زمین زیادہ مل جائے تو سات ہاتھ یعنی پاکستانی ساڑھے تین گز چوڑا راستہ چھوڑا جائے،شریعت میں گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے لیکن اگر پہلے ہی راستہ زیادہ چوڑا چھوٹا ہوا ہو تو اب کم کرنے کا کسی کو حق نہیں۔(لمعات و مرقات) خیال رہے کہ ذکر گلی کوچوں کا ہے،بڑی سڑکیں زیادہ چوڑی چھوڑی جائیں گی اور اگر کسی کی زمین میں دوسروں کی کوٹھری تک جانے کا راستہ ہے تو اتنی جگہ چھوڑی جائے گی کہ جنازہ اور بھری ہوئی مشک لے کر لوگ نکل سکیں۔ حق یہ ہے کہ راستوں کی چوڑائی زمان و مکان اور شہروں کے لحاظ سے مختلف ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعید ابن حریث سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے جو بھی گھر یا زمین بیچے وہ اس لائق ہے کہ اسے برکت نہ دی جائے مگر یہ کہ وہ پیسہ اس کی مثل میں لگائے ۱؎ (ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یہ فرمان عالی بالکل برحق ہے جس کا تجربہ بہت ہی کیا گیا ہے کہ زمین کا پیسہ اگر زمین میں نہ لگایا جائے تو ہوا کی طرح اڑ جاتا ہے۔چاہیے کہ زمین فروخت ہی نہ کرے اور اگر کرے تو زمین ہی میں لگائے۔ہم نے بہت لوگ بعد میں

روتے دیکھے،یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیر منقولی چیز کی قیمت منقولی چیزوں میں لگانا بہتر نہیں کہ غیر منقولی چیزیں نفع میں زیادہ ہیں آفات میں کم کہ انہیں نہ چور چرا سکے نہ ڈاکو لے جاسکے بلکہ زمین وغیرہ کا بیچنا ہی بہتر نہیں۔(اشعہ،لمعات ومرقات)قربان اس محبوب کے جسے ہمارے دین کی بھی فکر ہے دنیا کی بھی صلی اللہ علیہ وسلم۔طبرانی نے حضرت معقل ابن یسار سے بروایت حسن مرفوعًا روایت فرمائی کہ اگر کوئی بلا سخت ضرورت اپنا مکان بیچے تو اللہ اس کا مال برباد کردیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پڑوسی اپنے شفعہ کا حق دار ہے۱؎ اس کا انتظار کیا جائے اگرچہ وہ غائب ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)۳؎

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث بخاری کی شرح ہے وہاں **سقبہ** تھا،اس حدیث نے بتایا کہ وہاں **سقب** سے مراد شفعہ ہے۔

۲؎ یعنی جو پڑوسی شفعہ کا حق پاتا ہے وہ وہ ہے جس کا راستہ اور اس کے گھر کا راستہ ایک ہو،ایسا ہی پڑوسی اگر غائب بھی ہو تو اس کے پیچھے مکان زمین نہ بیچے،اس کے آنے پر خبر دے کر فروخت کرے ورنہ خریدار کو بھی تکلیف ہوگی اور اس پڑوسی کو بھی وہ مقدمہ کرے گا اور زمین واپس لے گا۔

۳؎ اس کی اسناد میں **عبدالملك ابن ابی سلیمان عن عطا عن جابر** ہے،بعض لوگوں نے عبدالملک ابن سلیمان میں طعن کیا کہ یہ قوی نہیں مگر چونکہ حدیث بخاری سے اس کو قوت حاصل ہے لہذا حدیث قابلِ عمل ہے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے جب یہ حدیث لی تو عبدالملک اس کی اسناد میں شامل تھے ہی نہیں،اس وقت حدیث بالکل صحیح تھی،بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔(مرقات مع زیادۃ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ساجھی شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال مروی ہے یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔۲؎

۱؎ یعنی ہر غیر منقولی یا ہر قابل شفیع چیز میں شفعہ ہے،منقولی چیزوں میں شفعہ نہیں،بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر حیوانات،سامان وغیرہ میں شفعہ مانا ہے مگر غلط ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی مرسل حدیث متصل سے اسنادًا صحیح تر ہے حدیث مرسل سوائے امام شافعی کے تمام آئمہ کے ہاں قبول ہے اگر مرسل دوسری وجہ سے قوت ہوجائے تو ان کے ہاں بھی قبول ہے۔خیال رہے کہ عبید اللہ ابن ابی ملیکہ ثقہ تابعی ہیں،آپ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضی تھے،رضی اللہ عنہم۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حبش سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیری کاٹے۱؎ اللہ اسے

	اوندھے منہ آگ میں ڈالے۔(ابوداؤد)اور فرمایا یہ حدیث مختصر ہے کہ جو جنگل کی وہ بیری کاٹے جس سے مسافر سایہ لیتے ہوں اور محض ظلم و ستم سے کاٹے اس میں اس کا کوئی حق نہ ہو تو اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں ڈالے ۲؎

۱؎اس سے مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ کی بیری مراد ہے،حرم مکہ میں تو ہر خود رو درخت کا کاٹنا ممنوع ہے،مدینہ منورہ میں بیریاں کمیاب ہیں،نیز اس کا سایہ ٹھنڈا و مفید ہوتا ہے اس لیے خصوصیت سے بیری کا ذکر فرمایا۔

۲؎یعنی یہ حدیث معنًی مختصر ہے اگرچہ الفاظ پورے ہیں گویا مجمل ہے قابل شرح ہے۔**غشم** ظلم کو کہتے ہیں تو ظلمًا عطف تفسیری ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ جنگل کی بیری رفاہ عام کی چیز ہے جس سے انسان و حیوان فائدے اٹھاتے ہیں،اسے ظلمًا کاٹ دینا سب پر ظلم ہے اس لیے وہ کاٹنے والا دوزخ کا مستحق ہے،سر سے مراد سارا جسم ہے۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بلاضرورت مفید درخت کاٹنا ممنوع ہے اور درخت لگانا ثواب کہ جب تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اسے ثواب پہنچتا رہے گا،یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں جب زمین میں حدیں مقرر کردی جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ۱؎ اور نہ کنوئیں میں شفعہ ہے نہ نر کھجور میں ۲؎ (مالک)

۱؎یعنی اگر مشترک زمین کو تقسیم کرکے ہر حصہ کی حدود قائم کرلی جائیں تو شرکت کا شفعہ جاتا رہا،اب اگر ہوگا تو شفعہ جوار ہوگا،اس کی بحث پہلے ہوچکی لہذا یہ حدیث شفعہ جوار کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎اہلِ عرب مشترک باغ کے حصے فروخت کرتے تھے کبھی زمین کبھی کھجور تو فرمایا گیا کہ اگر زمین فروخت ہوئی تو شفعہ ہے لیکن اگر صرف کھجور فروخت کی تو شفعہ نہیں کہ کھجور زمین نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف عمارت فروخت کرے نہ کہ زمین تو شفعہ نہ ہوگا۔

باب المساقاۃ و المزارعۃ

پانی دینے اور کھیتی کرانے کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ کسی سے اپنے باغ کو پانی دلوانا کچھ حصہ پیداوار کے عوض پر مساقات کہلاتا ہےاور کسی کو ٹھیکہ پر زمین دینا کہ میری زمین کاشت تم کروپیداوار میں تمہارا اتنا حصہ مزارعت کہلاتا ہے۔مساقات باغ میں ہوتی ہے،مزارعت کھیت میں،یہ دونوں مساقات مزارعت امام اعظم کے ہاں ممنوع ہیں،صاحبین اور باقی اماموں کے ہاں درست،فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں اس میں نامعلوم بلکہ معدوم چیز پر کرایہ ہے،نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا،شاید امام اعظم کو یہ احادیث پہنچی نہیں۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجور کے باغ اور وہاں کی زمین اس شرط پر دی کہ اس میں اپنے مالوں سے کام کریں ۱؎اور اس کے آدھے پھل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے لیے ہوں ۲؎(مسلم)اور بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر یہود کو اس شرط پر دیا کہ کام کاج کریں اسے جوتیں بوئیں اور پیداوار کا آدھا ان کا ہوگا ۳؎	

۱؎ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح فرمایا اور وہاں سے یہود کو نکالنا چاہاتو انہوں نے عاجزی سے عرض کیا کہ ہمیں یہیں رہنے دیں اور جو چاہیں شرط لگالیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم جب تک چاہیں گے تمہیں رکھیں گے اس شرط پر کہ یہاں کی تمام زمین ہماری ہوگی،باغبانی اور کاشتکاری کی محنت تم کرو گے اس کا سامان بھی تمہارا ہوگا،ہل بیل چرسہ وغیرہ جو کچھ پیداواری ہوگی وہ آدھی تمہاری آدھی ہماری۔چنانچہ زمانہ نبوی وعہد صدیقی میں ایسا ہی رہا،شروع خلافت فاروقی میں تو اس پر عمل رہامگر بعد میں آپ نے ان یہود کواریحہ اورشام کی طرف نکال دیا۔خیال رہے کہ یہودی بڑے موذی وغدار تھے،مدینہ منورہ کے نکالے ہوئے بنی نضیر بھی یہیں آبسے تھے،غزوہ خندق انہی کہ حرکتوں سے واقع ہوااللہ نے بچالیاورنہ یہ توختم کرچکے تھے یہ توحضور کی وسعت قلبی تھی جوانہیں اتنی رعایتیں عطافرمائیں،آجکل کی سی کوئی حکومت ہوتی تودنیا سے ایسے غداروں کابیج مٹادیتی۔

۲؎اور آدھے یہود کے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر مزارعت وغیرہ میں ایک فریق کے حصے کا ہی ذکر کیا جائے دوسرے سے خاموشی رہے تب بھی جائز ہے کیونکہ دوسرے کا حصہ خود بخود معلوم ہوجاتا ہے اور یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام وہ مسلمان مراد ہیں جن کا خیبر میں حصہ تھا،ذکر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر مراد امت بھی ہے۔

۳؎دیا سے مراد ہے قبضہ میں دیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ صلح سے اور کچھ جنگ سے قبضہ میں آیا اسی لیے وہاں کے یہود غلام نہ بنائے گئے،یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو مزارعت و مساقات دونوں کو جائز کہتے ہیں،یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مخابرہ سے منع کیا گیا وہاں وہ صورت مراد ہے کہ اجرت کے لیے کسی خاص حصے کی پیداوار مقرر ہو کہ اس حصے کی پیداوار تیری ہوگی باقی میری لہذا احادیث میں تعارض نہیں،امام اعظم فرماتے ہیں کہ خیبر کا یہ معاملہ مساقات یا مزارعت نہ تھا بلکہ بطور جزیہ تھا اور آدھا ان کو دینا بطور عطیہ،اس کی مکمل بحث یہاں مرقات میں دیکھئے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ہم کھیتی باڑی کراتے تھے اور اس میں کچھ حرج نہ جانتے تھے ۱؎حتی کہ رافع ابن خدیج نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تب اس وجہ سے ہم نے یہ کام چھوڑ دیا ۲؎ (مسلم)	

۱؎مخابرہ کے وہی معنی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے کہ زمین ایک کی ہو محنت دوسرے کی پیداوار مشترک۔

۲؎یہ حدیث ظاہری معنے سے امام اعظم کی دلیل ہے کہ کھیتی باڑی کسی اور سے کرانا مطلقًا ممنوع ہے۔صاحبین فرماتے ہیں کہ اس سے خاص صورت مراد ہے جیساکہ ابھی عرض کیا گیا اس کی دلیل اگلی حدیث ہے بہرحال فتویٰ قول صاحبین پر ہی ہے اور آج عمل بھی اس ہی پر ہے۔(لمعات)

روایت ہے حضرت حنظلہ ابن قیس سے وہ حضرت رافع ابن خدیج سے ۱؎راوی فرماتے ہیں مجھے میرے چچا نے خبر دی کہ صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین کرایہ پر دیتے تھے ۲؎اس کے عوض جو نالیوں پر اگ جائے یا اس چیز پر جسے زمین والا بیان کردیتا تھا۳؎ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے اس سے منع فرمادیا ۴؎میں نے حضرت رافع سے کہا کہ درہم و دینار کے عوض کیا ہے فرمایا اس میں حرج نہیں ۵؎ اور جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا وہ تو ایسی صاف چیز ہے ۶؎کہ اگر حلال و حرام کی سمجھ رکھے اس میں غور کرے تو اسے جائز نہ رکھے کیونکہ اس میں جواسا ہے ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حنظلہ ابن قیس زرقی انصاری ہیں،ثقہ تابعین سے ہیں،مدینہ پاک کے رہنے والے اور رافع ابن خدیج صحابی ہیں،آپ کے حالات جلد اول میں بیان ہوچکے۔

۲؎انھم کا مرجع یا صحابہ ہیں یا ناس یا حضرت رافع ابن خدیج کے وہ تمام چچا جو زمین کے مالک تھے۔

۳؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یستبینه ہے بیان سے مشتق اور بعض نسخوں میں یستثنیه ہے استثناء کا مضارع،ہمارا ترجمہ پہلی روایت پر ہے۔مطلب یہ ہے کہ زمین والا کرایہ دار کو جگہ دکھایا بتادیتا تھا کہ اس کی پیداوار تیری ہوگی،باقی ساری زمین کی پیداوار میری۔

۴؎یہ حدیث پہلی حدیث کی شرح ہے کہ حضور انور نے مطلقًا زمین کرایہ پر دینے سے منع نہ فرمایا بلکہ اس نوعیت کے کرایہ سے منع فرمایا کہ زمین کا کرایہ حصہ کی پیداوار سے ادا کیا جائے۔

۵؎کیونکہ اس میں کسی کو کوئی دھوکہ نہیں۔اس کرایہ کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ زمین والا مزارع کو حق خدمت روپیہ سے ادا کرے۔دوسرے یہ کہ مزارع پیداوار ساری خود لے لے اور مالک کو نقد روپیہ دے،دونوں صورتیں جائز ہیں ان پر آج کل بھی عمل ہے۔

۶؎غالبًا یہ کلام حضرت رافع ابن خدیج کا ہے یا کسی اور کا۔

۷؎ مخاطرہ خطر سے بنا بمعنی دھوکا یا ہلاکت یا اندیشہ،جوئے کو مخاطرہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں فریقین کو دھوکا ہوتا ہے کہ ہر ایک اندیشہ و فکر کرتا ہے کہ نہ معلوم میں ہاروں یا جیتوں،ایسے ہی یہاں ہے کہ زمین والے کو بھی اندیشہ ہے کہ شاید میرے حصہ کی زمین میں پیداوار بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو،ایسے ہی مزارع کو دھوکا ہے وہ اندیشہ کرتا ہے کہ نہ معلوم کہ میرے حصہ کی زمین میں پیداوار ہو کہ نہیں اور ہو تو کتنی ہو اس لیے اس سے منع فرمادیا گیا اور اگر مطلقًا پیداوار کے مقرر حصے پر زمین دی کہ کل پیداوار کا آدھا یا تہائی تیرا باقی میرا تو بالکل جائز ہے کہ اس میں نہ کسی کو اندیشہ ہے نہ دھوکا،نقصان ہوا تو دونوں کا،نفع ہوا تو دونوں کا۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ والے زیادہ زمیندار تھے۱؎اور ہم میں سے بعض اپنی زمین کرایہ پر دیتے تھے وہ کہتا تھا یہ ٹکڑا میرا ہے اور یہ تمہارا ہے ۲؎تو بہت دفعہ اس ٹکڑا میں پیداوار ہوتی تھی اور اس میں نہ ہوتی تھی۳؎اس لیے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی زمینوں کے مالک،پنجاب میں کاشتکار کو زمیندار کہتے ہیں وہ معنے یہاں نہیں۔عربی میں حقل زمین کو کہتے ہیں اور محاقلہ بالی میں دانہ کی بیع دوسرے کھلے دانہ کے عوض۔

۲؎یعنی اے مزارع اس میں جو پیداوار ہوگی وہ بحق مالکانہ میری ہے اور اس ٹکڑے میں جو پیداوار ہوگی وہ بحق خدمت تیری،دونوں جگہ دکھا کر معین کردیتے تھے۔

۳؎اس لیے کبھی زمین کا مالک محروم ہوجاتا تھا اور کبھی مزارع محروم،پھر جھگڑے فساد ہوتے تھے کہ محروم دوسرے کے حصے سے لینا چاہتا تھا وہ دیتا نہ تھا جیسا کہ ہارا ہوا جواری جیتے ہوئے سے لڑپڑتا ہے جس سے مار پٹائی بلکہ کبھی قتل وخون ہوجاتا ہے۔

۴؎اور جھگڑے فساد کی جڑ کاٹ دی۔

	روایت ہے حضرت عمرو سے[1] فرماتے ہیں میں نے طاؤس سے کہا[2] کاش آپ کھیتی کرانا چھوڑ دیتے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[3] وہ بولے اے عمرو میں انہیں زمین دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں[4] اور صحابہ کے بڑے عالم نے مجھے خبر دی ہے یعنی حضرت ابن عباس نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا اپنے بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا کچھ مقرر اجرت لینے سے بہتر ہے[5] (مسلم،بخاری)

[1] یہاں عمرو سے مراد عمرو ابن دینار ہیں جن کی کنیت ابویحیٰی ہے،تابعین میں سے نہایت متقی ثقہ ہیں،عمرو ابن واقد دمشقی یا عمرو ابن میمون اودی یا عمرو ابن تشرید ثقفی مراد نہیں۔(لمعات و مرقات)

[2] طاؤس ابن کیسان آئمہ دین علمائے تابعین بہتر صالحین سے ہیں،چالیس حج کیے،مقبول الدعاء تھے،حضرت عبداللہ ابن عباس کے خاص صحبت یافتہ۔عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم،عامل نہ دیکھا،آپ نے مکہ معظمہ میں ۱۰۵ھ میں وفات پائی،آپ سے امام زہری اور کئی ایک خلفاء نے روایات لیں ہیں۔

[3] کھیتی کرانے کے متعلق صحابہ کا اختلاف رہا،بعض حضرات مطلقًا ناجائز سمجھتے تھے،انہیں یا تو مفصل حدیث نہ پہنچی تھی یا وہ حدیث کا مطلب نہ سمجھے تھے اس لیے عمرو ابن دینار نے **یزعمون** فرمایا۔

[4] یعنی یہ کام ناجائز نہیں اور اس میں غریبوں کی مدد ہوجاتی ہے کہ وہ لوگ اس زمین میں کام کاج کرکے پیٹ پال لیتے ہیں غرضکہ یہ کام جائز بھی ہے نافع بھی۔

[5] خلاصہ یہ ہے کہ وہ ممانعت تحریم یا کراہت کی نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ کے لیے ہے یعنی غریب بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے کچھ کرایہ لیا جائے کہ کبھی زمین میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتااور کرایہ اس پر بلاوجہ پڑ جاتا ہے۔خیال رہے کہ رافع ابن خدیج کو یہ احادیث مختلف ذرائع سے پہنچیں،بعض احادیث انہوں نے براہ راست حضور سے سنیں،بعض احادیث اپنے چچاؤں کی معرفت پہنچیں اس لیے وہ کبھی تو فرماتے ہیں میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور کبھی فرماتے ہیں مجھ سے میرے بعض چچاؤں نے کہا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا لہذا حدیث میں اضطراب نہیں بلکہ روایات میں اختلاف ہے لہذا یہ حدیث مضطرب اصطلاحی نہیں اس لیے مسلم،بخاری نے ان احادیث کی تخریج فرمائی ورنہ اصطلاحی اضطراب حدیث کو ضعیف کردیتا ہے۔اور کرایہ زمین کی ممانعت کی بہت وجوہ احادیث میں وارد ہیں،بعض میں ہے کہ کرایہ نہ لینا اپنے بھائی مسلمان کو یوں ہی عاریۃً دے دینا افضل ہے،بعض میں ہے کہ کاشت وغیرہ کی وجہ سے جہاد سے باز نہ رہو،بعض میں ہے کہ جب اسی کرایہ کی بناء پر جھگڑے بڑھ گئے تو حضور انور نے اس سے منع فرمادیا،بعض میں ہے کہ زمیندار کاشتکار کے لیے زمین کے حصے مقرر کردیتا کہ اس کی پیداوار تیری اتنے کی میری اس سے منع فرمایا۔غرضکہ بعض صورتوں میں مزارعت جائز ہے،بعض میں مکروہ،بعض صورتوں میں بالکل ممنوع،تمام احادیث درست ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو وہ اسے خود بوئے یا کسی اپنے بھائی کو عاریۃً دے دے اگر نہ مانے تو اپنی زمین روک رکھے[1](مسلم،بخاری)	

[1]یہ امر اخلاقی ہےیعنی تقاضائے اخلاق یہ ہے کہ یا تو اپنے مال سے خود نفع اٹھائے یا دوسروں کو نفع پہنچائے،اگر یہ دونوں کام نہیں کرتا تو وہ جانے سنبھال رکھے اپنی زمین،یہ زمین غیر نافع ہےاور ممکن ہے کہ انکار کرنے والا دوسرا شخص ہویعنی اگر دوسرا آدمی اس عاریت کو قبول نہ کرے تو اپنی زمین محفوظ رکھےکچھ روز کاشت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھتی ہے،یہ روکنا بھی اسے مفید ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ انہوں نے ہل اور کچھ کھیتی باڑی کا سامان دیکھا[1]تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ چیزیں کسی کے گھر میں داخل نہ ہوں گی مگر اللہ اس گھر میں ذلت ڈال دے گا[2](بخاری)	

[1]یا تو کسی گھر میں رکھے ہوئے دیکھے یا کسی کو وہ آلات استعمال کرتے ملاحظہ فرمایا۔
[2]یہ فرمان عالی شان اس زمانہ کا ہے جب اسلام میں جہاد کی سخت ضرورت تھیایسے موقعہ پر تمام کاروبار بند کرکے جہاد کیے جاتے ہیںیعنی جس قوم نے فوجی طاقت گم کردی اور کھیتی باڑی میں مصروف ہوگئے تو ذلیل ہوجائیں گے،دنیا میں وہ ہی قوم زندہ رہتی ہے جس کی زندگی سپاہیانہ ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں[1]کہ جو کسی کی زمین بغیر اس کی اجازت سے کھیتی کرے تو اسے کھیت سے کچھ نہ ملے گا ہاں ا سے خرچ مل جائے گا [2](ترمذی،ابوداؤد)اورترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے[3]	

[1]اس طرح کہ مالک زمین کو یا تو خبر ہی نہ ہواور یہ وہاں تخم بودے یا مالک منع کرتا رہے اور یہ بیج ڈال دے،**بغیر اذن** ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔
[2]خرچ سے مراد تخم کی قیمت،پانی اور اس کی اپنی محنت کا کرایہ ہے،حضرت امام احمد کا یہی مذہب ہے کہ ایسی صورت میں پیداوار زمین والے کی ہےاور تخم پانی حق خدمت کاشتکار کو دلوادیا جائے،باقی اماموں کے ہاں پیداوار تخم والے کی ہےاور زمین والے کو اتنے عرصہ کا کرایہ زمین دلوایا جائے گا یا اگر اس کاشت سے زمین ناقص ہوگئی تو نقصان دلایا جائے گاکیونکہ پیداوار

تخم کا نتیجہ ہےزمین تو اس کا ظرف ہے،یہ حدیث چونکہ صحیح نہیں اس لیے ان بزرگوں نے اس پر عمل نہ فرمایا۔(مرقات مع زیادۃ)

۳؎ اور شرح سنہ میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے،احمد نے فرمایا کہ **بغیر اذنھم** حدیث میں نہیں ہے،ابو اسحاق نے یہ زیادت اپنی طرف سے کی ابواسحاق،رافع ابن خدیج سے راوی ہیں۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت قیس ابن مسلم سے وہ حضرت ابو جعفر سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں مدینہ میں ایسا کوئی گھر والا مہاجر نہیں جو تہائی یا چوتھائی پر کھیتی نہ کرتا ہواور حضرت علی اور سعد ابن مالک،عبداللہ ابن مسعود،عمر ابن عبدالعزیز،قاسم،عروہ اور ابوبکر و عمرو علی کی اولاد نے اور ابن سیرین نے کھیتیاں کرائیں ۲؎ اور عبدالرحمٰن ابن اسود کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن ابن یزید کے ساتھ کھیتی میں شرکت کرلیتا تھا ۳؎ اور حضرت عمر نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ کیاتھا کہ اگر عمر اپنے پاس سے بیج دیں تو انہیں آدھی پیداوار اور اگر وہ لوگ بیج دیں تو انہیں اتنی پیداوار ۴؎(بخاری)۵؎

۱؎ قیس ابن مسلم جدلی کوفی تابعی ہیں، ۱۲۰ھ میں وفات پائی،اشعہ نے فرمایا کہ ان کا مذہب مرجیہ تھا۔**واللہ اعلم**! امام ابوجعفر کا نام محمد باقر ہے،ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق ہیں،آپ امام زین العابدین کے فرزند ہیں، تابعی ہیں،حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایات لی ہیں،آپ سے آپ کے فرزند امام جعفر صادق راوی۔

۲؎ قاسم محمد ابن ابوبکر صدیق کے فرزند ہیں جو مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء سے ہیں،یوں ہی عروہ ابن زبیر ابن عوام جو اکابر تابعین سے ہیں،آل عمرو غیرہم ثقہ تابعین سے ہیں،یہ سب اپنی زمین میں مزارعت کراتے یا کرتے تھے کہ بعض زمین کے مالک تھے،دوسروں سے کاشت کراتے تھے،بعض دوسروں کی زمین میں خود کاشت کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ نہ تو کھیتی باڑی کرنا منع نہ کرانا۔جن احادیث میں اس کی ممانعت ہے وہاں وجہ کچھ اور ہےجو پہلے عرض کی جاچکی وہاں مطالعہ فرمایئے۔

۳؎ عبدالرحمٰن ابن اسود قرشی زہری ثقہ تابعین مدینہ سے ہیں اور عبدالرحمٰن ابن یزید اسلمی مدنی تابعی ہیں اگرچہ ضعیف ہیں،ان دونوں کا مزارعت کرنا کرانا علامت جواز ہے۔

۴؎ یعنی زمین تو حضرت فاروق اعظم کی ہے اگر بیج بھی آپ ہی دیں،مزارع صرف محنت کریں تو ان کا اتنا حصہ اور اگر بیج بھی مزارع کا ہو تو اتنا حصہ کچھ زائد۔ معلوم ہوا کہ مزارعت بہرحال جائز ہےخواہ بیج زمین والے کا ہو یا مزارع کامگر پیداوار کے حصہ پر مزارعت ہو نہ کہ کسی خاص جگہ کی پیداوار۔

۵؎بخاری نے یہ تمام احادیث وآثار تعلیقًا یعنی بغیر اسناد روایت فرمائیں،بہتر تھا کہ مصنف یوں فرماتے رواہ البخاری تعلیقًا تاکہ طریقہ روایت واضح ہوجاتا۔

باب الاجارۃ

کرایہ کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] نفع عوض پر فروخت کرنا شرعًا اجارہ کہلاتا ہے۔قیاس چاہتاہے کہ اجارہ جائز نہ ہو کہ اس میں معدوم کی فروخت ہے مگر شریعت نے ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے جائز قرار دیا،نص کے مقابل قیاس قابل عمل نہیں جیسے دائی کو روٹی کپڑے پر نوکر رکھنا جائز ہے اگرچہ اس کا دودھ بھی نامعلوم ہے اور روٹی کپڑا بھی غیر مقرر مگر ضرورۃً جائز یا جیسے حمام میں اجرت پر غسل کہ اگرچہ پانی کی مقدار معلوم نہیں مگر ضرورۃً جائز قرار دیا گیا،اسی طرح یہ بھی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل [1] سے فرماتے ہیں کہ ثابت ابن ضحاک نے فرمایا [2] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی کرانے سے منع فرمایا [3] اور زمین کرایہ پر دینے کی اجازت دی اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں [4] (مسلم)	

[1] مغفل بروزن محمد،غین اور ف سے،آپ صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں قیام رہا،عہد فاروقی میں آپ کو بصرہ بھیج دیا گیا،وہاں ہی ۶۰ھ میں وفات ہوئی،بعض نسخوں میں عبداللہ ابن معقل عین و قاف سے ہے،سکون عین سے قاف کے کسرہ سے وہ تابعین میں سے ہیں۔(اشعہ و مرقات)

[2] آپ کا نام ثابت،کنیت ابو یزید ہے،انصاری خزرجی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اس وقت نو عمر تھے،فتنہ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں وفات پائی، ۳ھ میں پیدائش ہے، ۷۰ھ میں وفات۔

[3] اس ممانعت کی وجہ پہلے ہوچکی کہ اگر کسی خاص حصہ زمین کی پیداوار کو اجرت قرار دیا جائے تو مزارعت ممنوع ہے ورنہ جائز،یہاں وہ ہی ممنوع صورت مراد ہے۔

[4] یعنی زمین کو نقد روپیہ میں کرایہ پر دینا بلا کراہت درست۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور لگانے والے کو مزدوری دی [1] اور نسوار لی [2] (مسلم،بخاری)	

[1] اس سے معلوم ہوا کہ آپریشن(Operation) پچھنے سینگی لگوانا جائز ہے اس کی اجرت بھی مباح۔جن احادیث میں اس کی اجرت سے ممانعت آئی وہ تمام منسوخ ہیں۔

۲؎ استعط باب افتعال کا ماضی ہے،سعوط ہر وہ دوا ہے جو ناک میں چڑھائی جائے پتلی ہو یا خشک،اس سے نسوار کا جواز معلوم ہوا البتہ حرام یا مکروہ چیز کی نسوار سے بچے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ نے کوئی نبی نہ بھیجا مگر انہوں نے بکریاں چرائیں ۱؎ صحابہ نے عرض کیا حضور آپ نے فرمایا ہاں میں مکہ والوں کی بکریاں کچھ قیراط کے عوض چراتا تھا ۲؎ (بخاری)	

۱؎ بکریاں چرانے سے طبیعت میں حلم و بردباری،محنت کا شوق،ملکی انتظام کی قابلیت اور رعایا پروری پیدا ہوتی ہے کہ بکریاں ہر وقت محافظ کی حاجت مند ہوتی ہیں اور ان میں انتظام نہیں ہوتا،ہر ایک جدھر منہ اُٹھا چل دیتی ہے،جو انہیں سنبھال لے گا،وہ ان شاءاللہ تعالٰی رعایا کو بھی سنبھال لے گا،تبلیغ خوب کرسکے گا،عام طور پر رعایا کو بکریاں سے اور بادشاہ کو چرواہے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

۲؎ قراریط قیراط کی جمع ہے،قیراط دینار کا بیسواں حصہ یا چوبیسواں حصہ ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی بکریاں ایک قیراط روز یا ماہوار کے عوض چرائی ہیں۔خیال رہے کہ نبی تبلیغ دین پر اجرت نہیں لیتے،دوسرے کاموں پر اجرت لیتے ہیں لہذا یہ حدیث قرآن کریم کی آیت "لَآ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا" کے خلاف نہیں کہ وہاں علیہ سے مراد دین کی تبلیغ ہے،بعض لوگوں نے کہا کہ قراریط مکہ معظمہ میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں حضور انور بغیر اجرت بکریاں چراتے تھے مگر یہ درست نہیں،ورنہ یہ حدیث باب الاجارہ میں نہ لائی جاتی لہذا حق یہ ہی ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔(مرقات و لمعات وغیرہ)اشعہ میں شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے نبوت بادشاہوں و امیروں میں نہ رکھی بلکہ بکری چرانے اور تواضع کے پیشہ کرنے والوں میں رکھی۔چنانچہ ایوب علیہ السلام درزی گری کرتے تھے،زکریا علیہ السلام بڑھئی پیشہ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں کا مدمقابل ہوں گا ۱؎ ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ دے پھر عہد شکنی کرے ۲؎ دوسرا وہ شخص جو آزاد کو بیچے پھر اس کی قیمت کھائے ۳؎ تیسرا وہ شخص جو مزدور سے کام پورا لے اور اس کی مزدوری نہ دے ۴؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی سخت سزا دوں گا جیسے کوئی دشمن اپنے دشمن پر قابو پائے تو اس کی کوئی رعایت نہیں کرتا،ایسے ہی میں انکی رعایت و رحم نہ کروں گا لہذا یہ حدیث واضح ہے۔

۲؎ اس کی بہت صورتیں ہیں:کسی کو خدا کا نام لے کر امان دی پھر موقعہ پاکر اسے قتل کردیا،کسی سے رب کی قسم کھا کر کوئی وعدہ کیا پھر پورا نہ کیا،عورت سے رب تعالٰی کا نام لے کر بہت سے وعدوں پر نکاح کیا،پھر وہ ادا نہ کیے،اسی لیے نکاح

کے وقت کلمے پڑھاتے ہیں کہ دونوں خاوند بیوی حقوق میں جکڑ جائیں،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثٰقِہٖ"۔غرضکہ وعدہ خلافی یوں ہی بری ہے مگر جب وعدہ رب تعالیٰ کا نام لے کر کیا گیا ہو،پھر خلاف کرنا زیادہ برا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام شریف کی بے حرمتی بھی ہے۔

۳؎ کھانے کا ذکر اتفاقی ہے وہ قیمت کھائے یا نہ کھائے،آزاد کو غلام بنا کر فروخت کردینا ویسے ہی بہت برا ہے،یوسف علیہ السلام کے بھائی اسی جرم پر زیادہ شرمندہ تھے جن کی معافی ہوئی۔

۴؎ کام پورا لینے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اگر مزدور ہی بیچ میں کام چھوڑ دے شرارۃً تو وہ مزدوری کا حقدار نہیں،نائی آدھی حجامت کرکے انکار کردے تو بجائے اجرت کے سزا کا مستحق ہوگا،کام پورا کرنے پر اجرت کا مستحق ہوگا،روزانہ اجرت دی جائے یا ماہوار جو طے ہوگیا ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ کی ایک جماعت کسی گھاٹ پر گزری ۱؎ جس میں ایک سانپ یا بچھو کا ڈسا ہوا تھاتو گھاٹ والوں میں سے ایک شخص ان کے پاس آکر بولا کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے گھاٹ میں ایک شخص بچھو یا سانپ کا کاٹا ہوا ہے ۲؎ تو صحابی میں سے ایک صاحب کچھ بکریوں کی شرط پر چلے گئے ۳؎ سورۂ فاتحہ پڑھ دی وہ اچھا ہوگیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس کچھ بکریاں لائے صحابہ نے ناپسند کیں ۴؎ وہ بولے تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ آئے بولے یا رسول اللہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقینًا اجرت لینے کی سب سے زیادہ لائق کتاب اللہ ہے ۵؎ (بخاری)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم نے ٹھیک کیا بانٹ لو اور اپنے ساتھ ہمارا حصہ بھی رکھو ۶؎	

۱؎ اس گھاٹ پر کوئی قبیلہ آباد تھا،اب بھی عرب میں کنوؤں پر بستیاں آباد ہوتی ہیں جو پانی کی تجارت سے گزارہ کرتی ہیں۔عربی میں لدیغ بچھو کاٹے کو کہتے ہیں،سلیم سانپ کاٹے کو نیک فال کے لیے کہ اللہ اسے سلامت رکھے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جھاڑ پھونک دم درود کا زمانہ صحابہ میں تھا۔دوسرے یہ کہ لوگوں کو پتہ تھا کہ صحابہ کرام دم درود کرتے تھے اور قرآن شریف اور دعاؤں میں تاثیر ہے،یہ گھاٹ والے مسلمان نہ تھے جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی ان صحابی نے پہلے طے فرمالیا کہ ہم دم کردیں گے اور ان شاءاللہ تمہارا بیمار اچھا ہوجائے گا مگر تیس بکریاں لیں گے وہ راضی ہوگئے۔یہ بھی اجارہ ہوا اسی لیے یہ حدیث باب الاجارہ میں میں لائی گئی۔اگر بغیر طے کیے یہ بکریاں تھیں تو وہ ہدیہ یا نذرانہ ہوتا نہ کہ اجرت۔

۴؎ یعنی رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا"میر ی آیات تھوڑی قیمت کے عوض نہ فروخت کرو یہ بھی فروخت کی ایک صورت ہے لہذا یہ معاوضہ درست نہ ہوا۔

۵؎ یعنی ناجائز کام پر اجرت لینا منع ہے،قرآن کریم پڑھنا یا اس سے علاج کرنا منع نہیں تو اس کی اجرت کیوں منع ہوگی۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱)قرآنی آیات سے علاج جائز ہے خواہ دم کرکے ہو یا تو تعویذ لکھ کر یا گنڈا کرکے،کہ دھاگے وغیرہ پر دم کردے اور دھاگہ مریض کے باندھے،اس علاج پر اجرت لیناجائز ہے(۲)قرآن کریم یا احادیث یا فتوٰی لکھنے کی اجرت لینا جائز ہے(۳)قرآن شریف کی تجارت درست ہے یعنی قرآن شریف فروخت کرنا ان مسائل پر سب کا اتفاق ہے(۴)قرأۃ قرآن تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست ہے،اس میں امام ابوحنیفہ،امام زہری و اسحاق کا اختلاف ہے،رضی اللہ عنہم۔ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے جو آرہی ہے،باقی آئمہ کے ہاں درست ہے۔(مرقات)مگر اب تعلیم قرآن پر اجرت بھی بالاتفاق جائز ہے،متاخرین احناف کا فتوٰی بھی یہی ہے تاکہ دین ختم نہ ہوجائے۔(اشعہ)

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان حضرات نے یہ بکریاں بانٹیں اور کھائیں نہ تھیں اور واپس بھی نہ کی تھیں کہ اب تک انہیں جائز یا ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا۔یہ ساری بکریاں دم کرنے والے کی تھیں مگر حضور انور کا ان تمام صحابہ میں تقسیم کرانا اور اپنا حصہ بھی ان میں رکھنا یہ بتانے کے لیے ہے کہ یہ بڑی طیب اور بہترین کمائی ہے جسے ہم بھی اور ہمارے صحابہ بھی کھارہے ہیں۔اس میں اشارۃً یہ بتایا گیا کہ مسافر لوگ آپس میں مل بانٹ کر چیزیں کھائیں،اکیلے کھالینا مروت اور اخلاق کے خلاف ہے۔(از لمعات ومرقات)یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے خدام سے کچھ مانگنا نہ ناجائز،نہ اس میں کوئی ذلت،یہ تو ان خدام کے لیے باعث فخروعزت ہے۔شعر

کلاہ گوشہ دہقان بآفتاب رسید | کہ سایہ برسرش افگند چوں تو سلطانے

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت خارجہ ابن صلت سے وہ اپنے چچا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عرب کے ایک قبیلہ پر گزرے وہ لوگ بولے ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ان محبوب کے پاس سے بڑی خیر لے کر آئے ہو ۲؎ تو کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا دم درود ہے ہمارے ہاں ایک دیوانہ قید میں بندھا ہوا ہے ۳؎ ہم بولے ہاں چنانچہ وہ لوگ بیڑیاں پہنے ایک دیوانہ لائے میں نے تین دن	

تک صبح شام اس پر سورۂ فاتحہ پڑھی کہ اپنا تھوک جمع کرتا پھر اس پر تھتکار دیتا تھا۴ وہ تو گویا رسیوں سے کھل گیا انہوں نے مجھے کچھ اجرت پیش کی میں بولا نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں ۵ حضور نے فرمایا کھاؤ میری زندگی کی قسم یہ اجرت اسی کے لیے ہے جو جھوٹے دم سے کھائے تم نے تو سچے دم سے کھایا ہے۶ (احمد،ابوداؤد)	

۱ خارجہ بنی تمیم سے ہیں،تابعی ہیں،ان کے چچا کا نام معلوم نہ ہوا مگر چونکہ وہ صحابی ہیں لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ صحابہ سب عادل اور ثقہ ہیں۔(مرقات)

۲ غالبًا یہ حضرات اپنی قوم کے نمائندہ بن کر وفد کی شکل میں بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے،وہاں سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا اس زمانہ میں جو حضور کے پاس آتا تھا تو لوگ اس کی آنکھوں کی زیارتیں کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بڑے داتا کے دربار سے آرہے ہیں،بھرے پڑے آئے ہوں گے معلوم کیا کیا لائے ہوں گے،اسی سلسلہ میں یہ لوگ بھی ان سے ملنے آئے اور عرض کیا،اب بھی ہم نے دیکھا کہ مدینہ سے آنے والوں کی آنکھیں لوگ چومتے ہیں،ان کے ہاتھ پیروں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں،یہ نئی بات نہیں زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے چلی آرہی ہیں۔خیر سے مراد دین اور دنیا کی بھلائی ہے اسی لیے ان لوگوں نے دوا کا ذکر بھی کیا اور دعا کا بھی۔

۳ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے آستانے بوسوں سے فریاد کرنا اور ان پر اپنے دکھ درد پیش کرکے دفعیہ کے لیے عرض کرنا سنت صحابہ ہے،وہ ایسا دیوانہ تھا جسے باندھنا پڑ گیا تھا بالکل ہی مخبوط الحواس۔

۴ اب بھی بعض صوفیاء کچھ پڑھ کر بیمار پر تھپکار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے بعض صرف پھونک مار دیتے ہیں اس کی روایتیں بھی ہیں۔منشاء یہ ہوتا ہے کہ جیسے پھولوں سے لگ کر ہوا مہک جاتی ہے اور دور تک لوگوں کے دماغ معطر کردیتی ہے،ایسے ہی قرآن والے منہ میں رہ کر ہوا یا تھوک میں شفا کی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے،بھٹی کے پاس ہوا گرم ہوتی ہے،پانی کے پاس ٹھنڈی،ایسے ہی قرآن کے پاس کی ہوا شافی ہوتی ہے۔خیال رکھیئے کہ جانوروں کے نام میں تاثیر ہے،کسی کو شیر کہہ دیا خوش ہوگیا،گدھا کہہ دیا ناراض ہوگیا تو کیا خالق کے ناموں میں تاثیر نہ ہوگی،ضرور ہوگی۔

۵ یعنی میرے دم سے اتنا فائدہ ہوا کہ اسے بالکل ہی آرام ہوگیا گویا مرض نے اسے جکڑ رکھا تھا اس دم سے کھل گیا۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ چند ساعتوں کی صحبت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم،عمل وغیرہ سب کچھ ہی لے آتے تھے۔خیال رہے کہ اسے اجرت کہنا مجازًا ہے درحقیقت یہ نذرانہ تھا اجرت پہلے طے کی جاتی ہے۔

۶ معلوم ہوا کہ ناجائز اور جھوٹے جنتر منتر پر اجرت یا نذرانہ لینا حرام ہے حق دم درود پر اجرت بھی جائز نذرانہ بھی۔لَعَمْرِیْ قسم شرعی نہیں وہ تو صرف خدا کے نام کی ہوتی ہے بلکہ قسم لغوی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَالتِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ" انجیر اور زیتون کی قسم،لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھاؤ،لِمَنْ اَكَلَ کی خبر محذوف ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے دے دو ۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎یعنی مزدوری دینے میں ٹال مٹول نہ کروجس وقت دینے کا معاہدہ ہو اسی وقت دے دو بلا تاخیر لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ اگر مزدور کو پسینہ نہ آیا ہو تو اسے مزدوری دو ہی نہیں،نہ یہ سوال ہے کہ ماہوار تنخواہیں دینا منع ہیں، ہر دن کام کرتے ہی دے دی جائیں،حدیث کی فہم کے لیے عقل کامل ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت حسین ابن علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مانگنے والے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر آئے ۱؎(احمد،ابوداؤد)۲؎اور مصابیح میں مرسل ہے ۳؎	

۱؎یعنی اگر کسی سائل بھکاری پر آثار غناہوں اور وہ اپنے کو فقیر ظاہر کرے تو اس کی بات پر اعتماد کرکے اسے صدقہ دے سکتے ہو،بہت دفعہ انسان کے پاس گھوڑا ہوتا ہے مگر اس کا سامان گرو اور قرض سر پر سوار ہوتا ہےاس لیے اس کا ظاہری حال نہ دیکھو اس کی بات کا اعتبار کرو،اگر وہ کہے کہ یہ گھوڑا کرایہ کا ہے مجھے بھی کچھ دو،اس گھوڑے کو بھی کچھ دوتو بھی اس کی بات مان لو۔اسی لیے یہ حدیث کرایہ کے باب میں لائےورنہ صدقہ کو کرایہ سے کیا تعلق۔

۲؎یہ حدیث ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طبرانی کبیر میں حضرت ہرماس ابن زیاد سے ابن عدی میں کامل میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار چاندی کی لگام لگائے آئے۔(مرقات)

۳؎حق یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ مسند ہےاگرچہ حضرت حسین نے حضور علیہ السلام کو بحالت سمجھ بوجھ نہ پایامگر آپ نے یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمر سے کی،شاید صاحب مصابیح کو اس پر اطلاع نہ ہوئی۔(ازمرقات) مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ لفظ نہیں ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عتبہ ابن نذر سے ۱؎فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے سورۃ طسم پڑھی حتی کہ حضرت موسیٰ کے قصہ پر پہنچے ۲؎فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو اپنی پاکدامنی کی حفاظت اور اپنے پیٹ کی روٹی پر آٹھ یا دس سال اجرت پر دیا ۳؎ (احمد،ابن ماجہ)	

۱؎ بعض نسخوں میں عقبہ ابن منذر ہے،بعض میں عتبہ ابن ندر،ن کا پیش دال مشدد مفتوح،بعض میں عتبہ ابن عبد سلمٰی ہے،غرضکہ ان کے نام میں بہت گفتگو ہے۔

۲؎ یعنی حضور انور نے سورۂ قصص تلاوت کی جس میں موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں رہنا آٹھ بلکہ دس سال بکریاں چَرانا ان کی صاحبزادی صفورا سے نکاح وغیرہ مذکور ہے۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت مزدوری کرنا اچھا ہے سوال بُرا،بڑے سے بڑے شخص کو معمولی محنت سے عار نہ کرنی چاہیے۔خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب کی بکریاں چرانا بی بی صفورا کا مہر نہ تھا بلکہ نکاح کی شرط تھی اس لیے آپ نے فرمایا تھا "عَلٰۤی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ" تم میری مزدوری آٹھ سال کرو،اگر مہر ہوتا تو علیٰ کی بجائے ب آتی اور آپ اپنے بجائے بی بی صفورا کا ذکر فرماتے،قرآن کریم فرماتا ہے: "اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوٰلِکُمۡ" بیویاں اپنے مالوں سے تلاش کرو لہذا مذہب حنفی بالکل حق ہے کہ مہر میں مال دینا پڑے گا خدمت زوجہ مہر نہیں بن سکتا،امام شافعی کا فرمان کہ خدمت پر نکاح درست ہے،اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ دس سال بکریوں کے بہانہ سے رکھا مگر مقصود تھا انہیں اپنے پاس رکھ کر کلیم اللہ بننے کے لائق بنانا،ڈاکٹر اقبال نے ایک شعر میں یہ مضمون حل کردیا۔شعر

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ جنہیں میں کتاب اللہ یعنی قرآن سکھاتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے کمان دی ہے ۱؎ یہ کوئی بڑا قیمتی مال نہیں ہے اس پر میں اللہ کی راہ میں تیر پھینکوں گا فرمایا اگر تم آگ کا ہار پہنایا جانا پسند کرتے ہو تو اسے قبول کرلو ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی ایک طالب علم نے مجھے بطور ہدیہ کمان دی ہے،معمولی چیز ہے اور میں نے بھی جہاد کے لیے رکھی ہے اس کی تجارت نہیں کرتا،ارشاد ہوا کہ مجھے اس کا لینا درست ہے یا نہیں اور کمان آیا تعلیم قرآن کی اجرت ہے یا کچھ اور۔

۲؎ یعنی یہ کمان بظاہر ہدیہ ہے مگر درحقیقت گزشتہ تعلیم کی اجرت ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے۔یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے بلکہ وہ حضرات تو مطلقًا علم دین سکھانے پر اجرت منع فرماتے ہیں،متاخرین احناف نے اسے جائز فرمایا تاکہ دین ضائع نہ ہوجائے۔خیال رہے کہ پچھلی احادیث میں قرآن شریف سے علاج دم درود پر اجرت جائز فرمائی گئی تھی،یہاں تعلیم قرآن کی اجرت سے ممانعت ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں شیخ نے فرمایا کہ وہ احادیث بیان جواز کے لیے تھیں اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے یعنی تعلیم قرآن پر اجرت جائز تو ہے مگر بہتر نہیں یا یہ مطلب ہے کہ تم نے قرآن شریف پڑھایا تھا فی سبیل اللہ اس وقت تمہاری نیت اجرت کی قطعًا

نہ تھی جو کام اللہ کے لیے کر چکے ہواب اس پر اجرت لے کر اسے بگاڑتے کیوں ہو۔واللہ اعلم!مرقات نے فرمایا کہ الکتاب سے مراد یا تو قرآن شریف ہے یا کتابت یعنی لکھنے کی تعلیم۔

باب احیاء الموات و الشرب

باب بنجر زمین کا آباد کرنا اور پانی دینا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱موات وہ زمین کہلاتی ہے جو نہ تو کسی کی ملک ہو نہ بستی والوں کی ضروریات کے لیے ہو،نہ اس پر کوئی کاشت وغیرہ کرتا ہو۔موات کا مقابل عامر ہے یعنی آباد زمین،شرب شین کے کسرہ سے پانی کا حصہ یا پانی کی باری یا پانی دینے کا حق۔موات زمین آباد کرنے کا حکم پہلے گزرچکا کہ اگر سلطان اعلان کردے کہ جو یہ زمین آباد کرے وہ اسی کی ہے تب تو آباد کرنے والامالک ہوگا ورنہ نہیں،امام شافعی کے ہاں مالک ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایاجو کسی ایسی زمین کو آباد کرے ۱ جو کسی کی ملک نہ ہو تو وہ ہی اس کا حقدار ہے،عروہ فرماتے ہیں کہ جناب عمر نے اپنی خلافت میں اسی پر فیصلہ کیا ۲(بخاری)

۱یعنی بادشاہ کی اجازت سے آباد کرے۔(احناف)

۲ہمارے ہاں یہ دونوں فرمان سیاسی تھےیعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ پاک میں اورحضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قانون نافذ فرمادیا تھا،اب بھی اگر سلطان یہ قانون نافذ کردےتو یہ ہی حکم ہوگا کہ جو ایسی زمین آباد کرے گاوہ مالک ہوگا،امام شافعی کے ہاں یہ حکم شرعی تھا اب بادشاہ اسلام یہ قانون بنائے یا نہ بنائےزمین آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا۔لَیۡسَت لِاَحَدٍ کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو وہ زمین کسی کو ملک ہو نہ شہر کی ضروریات کے لیے ہو لہذا حدیث ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے فرمایا ۱کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ چراگاہیں اللہ اور رسول ہی کی ہیں ۲ (بخاری)

۱ جثامہ جیم کے فتح،ث کے شد و فتح سے،حضرت صعب ابن جثامہ لیثی ہیں،صحابی ہیں،ودان اور ابواء میں رہتے تھے،خلافت صدیقی میں وفات پائی۔

۲رؤسائے عرب اپنے جانوروں کے لیے خاص چراگاہیں مقرر کرلیتے تھے جن میں انکے سواء کوئی اپنے جانور نہ چراسکتا تھاحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ چراگاہیں بنانے کا حق صرف

اللہ رسول ہی کو ہے دوسرے کو نہیں تو حضور انور اپنے جانوروں کے لیے چراگاہیں مقرر کرسکتے ہیں لیکن آپ نے کبھی مقرر فرمائیں نہیں۔دوسرے یہ کہ صرف جہاد کے جانوروں ہی کے لیے چراگاہیں مقرر ہوسکتی ہیں اپنے نجی جانوروں کے لیے نہیں ہوسکتی۔تیسرے یہ کہ کوئی شخص اللہ رسول کی بغیر اجازت چراگاہ نہ بنائے کہ چراگاہ بنانے،اجازت دینے کا حق اللہ رسول ہی کو ہے۔خیال رہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے،چراگاہ کی اجازت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جائے گی۔

روایت ہے حضرت عروہ سے [1] فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر نے ایک انصاری شخص سے حرہ کی نال کے متعلق جھگڑا کیا [2] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زبیر تم پانی دے لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑدو [3] انصاری نے کہا کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد جو ہوئے [4] اس پر حضور کے چہرے کا رنگ بدل گیا [5] پھر فرمایا اے زبیر پانی دو پھر پانی روک لو حتی کہ مینڈھ تک لوٹ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو [6] یعنی اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو اپنا پورا حق لینے کا صریح حکم دیا جب کہ انصاری نے آپ کو ناراض کردیا حالانکہ حضور نے ان دونوں کو وہ مشورہ دیا تھا جس میں دونوں کے لیے گنجائش تھی [7] (مسلم،بخاری)

[1] آپ عروہ ابن زبیر ابن عوام ہیں،تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے سات فقہاء سے ہیں،آپ کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق ہیں اور زبیر حضرت صفیہ کے فرزند ہیں،حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب حضور انور کی پھوپھی ہیں،حضرت زبیر سولہ برس کی عمر میں اسلام لائے،سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تلوار آپ نے چلائی،احد کے دن حضور انور کے پاس سے نہ ہٹے،عمرو ابن جرموز نے آپ کو قتل کیا،۶۴ سال عمر پائی،۳۶ھ میں جنگ صفین میں شہید ہوئے،اولًا وادی سباع میں دفن کیے گئے،پھر وہاں سے بصرہ منتقل کردیئے گئے،آپ کی قبر زیارت گاہ خلق ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔(از مرقات)

[2] پتھریلی زمین کو حرہ کہتے ہیں،قدرتی پہاڑی نالہ شراح کہلاتا ہے،ان دونوں صاحبوں کے کھیت برابر تھے جو اس نالے سے سینچے جاتے تھے،جھگڑا ہوا آگے پانی دینے کا،انصاری کہتے تھے پہلے میں پانی دوں،زبیر فرماتے ہیں پہلے میں دوں۔

[3] کیونکہ آپ کا کھیت اوپر تھا جدھر سے پانی آتا تھا اور انصاری کا کھیت نیچے بہاؤ کی طرف اور اوپر والا پہلے پانی دیتا ہے۔

[4] یعنی آپ نے اس فیصلہ میں ان کی قرابت داری کا لحاظ فرمایا ہے یعنی شارحین نے فرمایا کہ یہ شخص قوم انصار سے تو تھا مگر مؤمن نہ تھا یا یہودی تھا یا منافق مگر ترجیح اسے ہے کہ تھا تو مسلمان مگر نو مسلم تھا،آداب بارگاہ سے بے خبر تھا اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے صحابہ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔(مرقات)اشعہ نے فرمایا یہ منافق ہی تھا جیسے عبداللہ ابن اُبی کہ قبیلہ انصار سے تھا مگر منافق تھا قتل اس لیے نہ کرایا کہ منافقوں کو قتل نہ کرایا جاتا تھا۔ **واللہ اعلم!**

[5] یعنی حضور انور کو اس کے اس کلام سے بہت ہی تکلیف ہوئی حتی کہ چہرہ انور سرخ ہوگیا،منافقوں،ناواقفوں سے بسااوقات حضور انور ایسی باتیں سن لیتے تھے تکلیف ہوتی تھی مگر صبر فرماتے تھے۔

۶؎ پہلے تو فرمایا تھا کہ اے زبیر اپنی زمین تر کرکے پانی انصاری کو دے دواب پورا حق زبیر کو عطا فرمایا کہ پہلے تم اپنے کھیت کو پانی دو،پھر اتنی دیر تک پانی روکے رکھو کہ کھیت آس پاس کی مینڈھ(بنّا)تک پہنچ جائے اور کھیت لبریز ہوجائے تب انصاری کو دو۔

۷؎ یعنی پہلے انصاری کی رعایت کی گئی تھی اور حضرت زبیر کو حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی تھی مگر جب انصاری نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ الٹا ناراض ہوگیاتو ہر ایک کو پورا حق دیا گیا،پہلے فضل تھا اب عدل۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اپنا حق معاف کردینااور اپنے مجرم کو سزا نہ دینا اخلاق صحابہ اور اخلاق محمدی ہیں۔دوسرے یہ کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا حضور کے لیے جائز تھا ہمارے واسطے منع کیونکہ آپ غصہ میں بھی حق ہی فرماتے تھے۔تیسرے یہ کہ جنگل اور سیلاب کا پانی کسی کی ملک نہیں ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔چوتھے یہ کہ پانی دینے میں ترتیب یہ ہے کہ اوپر والا پہلے پانی دے نیچے والا بعد میں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ روکو تاکہ اس سے بچی گھاس روکو ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کی شرح باب ممنوع بیع کی پہلی فصل میں گزر چکی کہ رفاہ عام کی چھوٹی ہوئی زمین کی گھاس جو کاٹی نہ گئی ہو ہر ایک کا حصہ ہے یونہی ایسے جنگلوں کے پانی کسی شخص کو جائز نہیں کہ ان پر قبضہ جمائے اور دوسروں کو اس سے روکے،ہاں کاٹی ہوئی گھاس اور اپنے برتنوں میں بھرا ہوا پانی اپنی ملک ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص وہ ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ نہ کلام فرمائے گا اور نہ انہیں نظر رحمت سے دیکھے ۱؎ ایک وہ شخص جو کسی سامان پر قسم کھائے کہ مجھے پہلے اس سے زیادہ قیمت ملتی رہی حالانکہ ہو وہ جھوٹا ۲؎ اور ایک وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس قسم سے مسلمان آدمی کا مال مارے ۳؎ اور ایک وہ شخص جو بچا ہوا پانی روکے ۴؎ اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جیسے تو نے بچا ہوا پانی روکا تھاجسے تیرے ہاتھوں نے نہ بنایا تھا ۵؎(مسلم،بخاری) اور حضرت جابر کی حدیث ممنوع تجارتوں کے باب میں ذکر کردی گئی ہے۔	

۱؎ کلام سے کلام محبت مراد ہے اور نظر سے نظر رحمت ورنہ غضب کا کلام اور قہر کی نظر تو کفار پر بھی ہوگی۔

۲؎ یہ بیماری عام دکانداروں کو ہے کہ جب کوئی خریدار ان کے مال کی قیمت لگاتا ہے تو کہتے ہیں رب کی قسم ابھی تم سے پہلے ایک گاہک اس سے زیادہ پیسے دیتا رہا میں نے نہ دی اور سچے ایسے ہوتے ہیں کہ جب گاہک چل دیتا ہے تو پکارتے ہیں اچھا اتنے میں ہی لے جا۔خیال رہے کہ جھوٹ بولنے سے تقدیر نہیں بدل جاتی بلکہ تجربہ یہ ہے کہ سچا دکاندار خوب کماتا ہے۔
۳؎ اس کی صورت یہ ہے کہ حاکم کے ہاں ایک دعویٰ دائر ہوا،مدعی کے پاس گواہ نہ تھے مگر تھا وہ سچامدعی علیہ سے بعد عصر قسم کھانے کے لیے کہا گیا،یہ جھوٹی قسم کھا گیا اور اس کا حق مار لیا۔بعد عصر کی قید اس لیے لگائی کہ وہ وقت دن رات کے فرشتوں کے اجتماع کا ہے،دن کے جانے اوررات کے آنے کی گھڑیاں ہیں،اس وقت کفار عرب بھی جھوٹی قسم نہ کھاتے تھے،یہ بے غیرت مسلمان ہوکر اس گناہ پر دلیری کرلیتا ہے۔
۴؎ یعنی گزرگاہ عام پر غیر مملوک پانی اس کی حاجت سے زائد ہو،پھر وہ مسافروں اور جانوروں کو نہ پینے دے لہذا اس حکم سے وہ لوگ خارج ہیں جو پانی بیچ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں کہ وہ پانی ان کے اپنے کنوئیں کا ہوتا ہے یا دور سے لایا ہوا جیساکہ عرب کی منزلوں میں دیکھا جاتا ہے۔
۵؎ اس جملہ میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اپنا کھودا ہوا کنواں یا اپنا جمع کیا ہوا پانی اپنی ملکیت ہے جسے فروخت کرنا بلاکراہت جائز ہے۔ید سے مراد کوشش اور محنت ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں فرمایا جو کسی زمین پر احاطہ بنائے تو وہ زمین اسی کی ہوگی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یہاں ارض سے مراد ہے زمین موات ہے جو نہ کسی کی ملک ہو نہ رفاہ عام کی ہو۔احاطہ سے مراد اپنے یا اپنے جانوروں کے رہنے کے مکان کے لیے احاطہ ہے یعنی جو شخص غیر مملوک زمین میں اپنے مکان یا اصطبل کے لیے دیوار کھینچ لے وہ زمین اس کی ہوگی،یہ ہی مذہب امام احمد کا ہے کہ ان کے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا ملکیت کے لیے کافی ہے،دیگر اماموں کے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا کافی نہیں احیاء یعنی آباد کرنا ضروری ہے اس لیے وہ حضرات دیوار سے مکان کی دیوار مراد لیتے ہیں اور لہٗ سے مراد عارضی ملکیت ہے کہ ایسی زمین میں مکان بنالینے والا جب تک رہے گا زمین حکومت کی ہوگی۔(لمعات،اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو کھجور کے درخت بطور جاگیر بخشے ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اقطاع کے معنی ہیں کسی کو قطعہ زمین بخشنا یا تو بالکل مالک کرکے یا وہاں رہنے سہنے کی اجازت دینا یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور نخیل سے مراد نخلستان ہے یعنی درخت کھجور وغیرہ زمین بطور جاگیر عطا فرمائے،یہ باغ یاتو اس خمس سے تھا جو حضور انور کی ملک تھا یا زمین موات تھی حضرت زبیر نے اسے آباد کیا۔(لمعات،مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ان کے گھوڑے کی حد دوڑ تک جاگیر بخشی ۱؎ زبیر نے اپنا گھوڑا چھوڑا حتی کہ ٹھہر گیا پھر اپنا کوڑا پھینکا حضور نے فرمایا جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی زمین انہیں دے دو ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ حضر ح کے پیش ضاد کے سکون سے بمعنی دوڑ،یہاں قدر پوشیدہ ہے یعنی گھوڑے کی دوڑ کی بقدر کو گھوڑا چھوڑو جہاں رک جائے وہاں تک کی زمین تمہاری۔

۲؎ یعنی پہلے گھوڑا چھوڑا جہاں وہ رکا وہاں سے کوڑا پھینکوایا،جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی یہ مجموعہ زمین حضرت زبیر کو بخش دی۔ظاہر یہ ہے کہ بالکل ہی بخش دی،مالک بنادیا کہ نسلًا بعد نسل ان کی ہی ہو،صرف رہنے کے لیے عارضی طور پر نہ دی،امام شافعی فرماتے ہیں کہ جیسے بادشاہ بیت المال کا روپیہ کسی کو دے سکتا ہے ایسے ہی بیت المال کی زمین بھی کسی کو بخش سکتاہے،یہ زمین بیت المال کی ملکیت تھی جو حضور انور نے حضرت زبیر کو بخش دی۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ زمین موات تھی جو حضرت زبیر کو احیاء یعنی آباد کرنے کے لیے عطا ہوئی اسی لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث **احیاء موات** کے باب میں لائے۔بادشاہ اعلان بھی کرسکتا ہے کہ جو جس زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے اور اس طرح بخش بھی سکتا ہے ہر طرح سے اختیار ہے۔

روایت ہے حضرت علقمہ ابن وائل سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضر موت میں کچھ زمین جاگیر بخشی فرماتے ہیں میرے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا فرمایا وہ زمین انہیں دے آؤ ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ علقمہ تابعی ہیں،ان کے والد حضرت وائل ابن حجر حضری صحابی ہیں،یہ یمن کے شاہزادے تھے،ان کے دوسرے صاحبزادے عبدالجبار ہیں،دونوں تابعی ہیں،حضرت وائل ابن حجر کو حضور انور نے یہ عطیہ دیا۔

۲؎ حضر موت یمن کا مشہور شہر ہے،اہلِ یمن کے مورث اعلیٰ عامر کا یہ لقب تھا کیونکہ وہ جس جنگ میں پہنچ جاتے وہاں کشتوں کے پشتے لگ جاتے اس لیے انہیں حضر موت کہتے تھے انہوں نے یہ شہر آباد کیا تو شہر کا نام حضر موت ہوااور بھی کئی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں اور یہ معاویہ ابن ابو سفیان نہیں بلکہ معاویہ ابن حکم سلمی ہیں کیونکہ معاویہ ابن ابوسفیان کا اسلام تو فتح مکہ میں ظاہر ہوااور یہ واقعہ فتح مکہ سے بہت پہلے کا ہے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو قبضہ دینے اور لینے کا وکیل کرسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابیض ابن حمال مار بی سے ۱؎ کہ وہ بطور نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور سے مارب کے نمک کی کان کی جاگیر مانگی ۲؎ حضور نے انہیں وہ جاگیر عطا فرمادی جب وہ چلے گئے تو	

کسی شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو انہیں پانی کا چشمہ جاگیر دے دیا ۳؎ فرماتے ہیں تب حضور نے وہ ان سے واپس لے لیا ۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور سے پوچھا کہ کس قدر پیلو چراگاہ بنائے جاسکتے ہیں فرمایا جہاں تک اونٹوں کے سم نہ پہنچیں ۵؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ ان کا نام پہلے اسود تھا،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیض رکھا،مارب یمن کے علاقہ صنعا کا مشہور شہر ہے جہاں نمک کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی عرض کیا کہ مجھے وہاں کا نمک عنایت فرمادیجئے کہ میں اس کی تجارت کرکے گزر اوقات کروں۔

۳؎ یہ عرض کرنے والے اقرع ابن حابس تمیمی ہیں یا عباس ابن مرداس،آپ نے سمجھا تھا کہ وہاں نمک پہاڑی ہوگا جو بصد دشواری کھودکر نکالا جاتا ہوگا اس لیے وہ بطور جاگیر عنایت فرمادیا،ان صاحب نے عرض کیا کہ وہ تو جھیل ہے جس سے بغیر مشقت نمک بنتا ہے،وہاں پانی کا چشمہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔عدّ ع کے کسرہ سے بمعنی مہیا یعنی نفع کے لیے تیار کی ہوئی چیز۔مطلب یہ تھا کہ یہ نمک کا ذخیرہ رفاہ عام کی چیز ہے،ایک کی ملکیت بن جانے سے سب کو تکلیف ہوجائے گی۔

۴؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بادشاہ اندرونی کانوں کو بطور جاگیر دے سکتا ہے جیسے پہاڑی نمک کا تیل فیروزہ اور گندھک وغیرہ کی کانیں،ظاہری کانیں جیسے پانی کا نمک وغیرہ کسی کو بطور جاگیر نہیں دے سکتا کہ یہ پانی، گھاس وغیرہ کی طرح رفاہ عام کی چیزیں ہیں کہ ایک کی ملکیت میں جانے سے سب کو تکلیف ہوجائے گی۔دوسرے یہ کہ حاکم اپنے فیصلہ کو ردّ بھی کرسکتا ہے اور اس میں ترمیم بھی اور حاکم کے فیصلہ کی اپیل بھی کی جاسکتی ہیں۔

۵؎ یعنی بستی کے آس پاس کی وہ زمینیں جن کی بستی والوں کو ضرورت رہتی ہے اور جہاں تک ان کے جانور چرنے پھرنے آتے ہیں وہاں تک کی زمین موات نہیں اور نہ اسے کوئی آباد کرکے مالک ہوسکتا ہے کہ اس سے سب کو تکلیف ہوجائے گی۔وہ زمینیں جو شہر سے دور ہوں،کسی کی مملوک نہ ہوں،رفاہ عام کی نہ ہوں وہ موات ہیں اور اس کی آباد کاری جائز ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں پانی،گھاس اور آگ میں ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں پانی سے وہ پانی مراد ہے جو نہ کسی کی محنت سے حاصل ہوا ہو،نہ کسی کے برتن میں بھرا ہو جیسے جنگل، بارش،سیلاب کا پانی مگر اپنے نہر گھڑے،اپنی نالی کا پانی اس سے خارج ہے۔ایسے ہی گھاس سے وہ گھاس مراد ہے جو غیر مملوک زمین میں کھڑی ہو اپنی مملوک زمین کی گھاس،ایسے ہی وہ گھاس جو کاٹ کر اپنے گھر میں رکھ لی مملوک ہے۔آگ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے چراغ کی روشنی میں بیٹھنے آگ تاپنے سے نہیں روک سکتے،یوں ہی اپنے شمع سے دوسرے کو شمع جلانے سے منع نہیں کرسکتے،بعض نے فرمایا کہ آگ سے مراد چقماق پتھر ہے لہذا ہر شخص اپنی آگ سے چنگاری لینے سے منع کرسکتا ہے کہ یہ اسی کی ملک ہے اور اس سے آگ کم بھی ہوجاتی ہے۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت اسمر ابن مضرس سے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے حضور سے بیعت کی آپ نے فرمایا جو ایسے پانی پر قبضہ کرے جس تک کسی مسلمان کا قبضہ نہ پہنچا ہو تو وہ اسی کا ہے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے اس نے بتایا کہ غیر مملوک چیز پر اگر کوئی قبضہ کرے تو وہ قابض اس کا مالک ہوگا جیسے شکار کا جانور،خودرو جنگلی درختوں کے پھل،جنگل کا پانی،غیر مملوک زمین میں اُگی ہوئی گھاس،بن کی لکڑی وغیرہ مگر ان میں سے جو کسی کی مملوک بن چکی ہواس پر ملکیت نہیں آسکتی۔

روایت ہے حضرت طاؤس سے ۱؎ارسالًا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بنجر غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہے ۲؎اور پرانی غیر مملوکہ زمینیں اللہ اور رسول کی ہیں ۳؎پھر میری طرف سے وہ تمہاری ہیں ۴؎(شافعی)اور شرح سنہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کو مدینہ منورہ میں مکانات بطور جاگیر بخشیں فرمائے جو انصار کی آبادی مکانات اور باغ کے درمیان تھے ۵؎تو عبداللہ ابن زہرہ کے خاندان نے کہا ۶؎حضور ہم سے ام عبد کے بیٹے کو دور فرمائیں ۷؎انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ پھر مجھے اللہ تعالٰی نے بھیجا کیوں ہے ۸؎اللہ اس جماعت کو پاک نہیں فرماتا جس میں کمزور کا حق نہ لیا جائے ۹؎	

۱؎آپ طاؤس ابن کیسان خولانی ہمدانی ہیں،اہلِ فارس سے ہیں،علم و عمل میں بہت ہی کامل ہیں،تابعی ہیں،ثقہ ہیں، ۱۰۶ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی،آپ نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنھم سے احادیث لیں اور آپ سے امام زہری جیسے بزرگوں نے احادیث قبول کیں،عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم و عامل نہ دیکھا۔(مرقات)

۲؎اس کی شرح گزرگئی۔رفاہ عام اور مملوک زمین کے علاوہ دوسری زمینیں اگر بادشاہ اسلام کی اجازت سے آباد کرلی جائیں تو وہ آباد کرنے والے کی ہوں گی۔

۳؎عادی عاد سے بنا،جو ایک قوم کا نام ہے عاد،ثمود۔عادی کے معنی ہیں عاد والی زمین،مراد ہے پرانی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو،عاد بہت پرانی قوم ہے،یہ زمین اللہ رسول کی ملک ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے چاہیں اس میں تصرف فرمائیں،جسے چاہیں بخشیں،اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے،درحقیقت حضور انور کی ملک ہیں۔(مرقات)

۴؎اس میں اشارۃً مذہب حنفی کی تائید ہے کہ ایسی زمینیں سلطان کی ملک ہوتی ہیں جو کوئی سلطان کی اجازت سے ان کو آباد کرے وہ ان کا مالک ہوگا بغیر اجازت نہیں،یہ ہی امام اعظم کا قول ہے۔

۵؎ دور سے مراد سفید زمین ہے جس پر مکانات بن سکیں،چونکہ آئندہ اس پر دار یعنی عمارت بننے والی تھی اس لیے اسے دور فرمایا گیا،بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور نے یہ زمین حضرت ابن مسعود کو عاریۃً مرحمت فرمائی تھی مگر یہ غلط ہے کیونکہ آپ کے بعد آپ کی بیوی یعنی زوجہ ابن مسعود اس مکان کی وارث ہوئیں،عاریت میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔اس سے معلوم ہوا کہ شہر کی متروکہ اور غیر مملوکہ زمین بھی سلطان بطور جاگیر کسی کو دے سکتا ہے،اس سے بہت مسائل حاصل ہوسکتے ہیں۔(مرقات و لمعات)

۶؎ بنو عبداللہ ابن زہرہ قریش کا ایک خاندان ہے،اسی خاندان سے حضرت خاتون والدہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں،یہ لوگ مدینہ میں مہاجر تھے۔

۷؎ نکّب تنکیب کا امر ہے جس کی اصل نکوب ہے بمعنی علیحدگی و یکسوئی،ام عبد حضرت ابن مسعود کی والدہ کا نام شریف ہے یعنی ہم کو حضرت ابن مسعود کا قرب منظور نہیں ہے،حضور انور یہ جاگیر ان سے واپس فرمالیں اور کسی دوسری جگہ زمین عطا فرمادیں۔

۸؎ یعنی اگر تم دینے نہ دینے کسی کو پاس بسانے نہ بسانے میں مختار عام ہو تو میری بعثت بیکار ہے،نہیں،بلکہ جو ہم فرمائیں گے اس پر عمل کرنا ہوگا۔

۹؎ یعنی جس قوم کمزور کا حق زور آوروں سے نہ لیا جائے وہ قوم بربادی کے لائق ہے،حضرت ابن مسعود مسکین ضعیف ہیں تمہاری جماعت قوی ہے،اگر تمہارے جتھا کی رعایت کرکے ایک کمزور کو وہاں سے بے دخل کردیا جائے تو یہ ظلم ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے پانی کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا۱؎ کہ یہاں تک پانی آنے دیا جائے کہ ٹخنوں کو پہنچ جائے پھر اوپر والا نیچے پر چھوڑ دے ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ مہزور مدینہ منورہ کے ایک جنگل کا نام ہے جس کے پانی سے وہاں کی زمین کاشت کی جاتی ہے،مہزول لام سے وہ بھی ایک وادی ہی کا نام ہے مگر وہ وادی جبل یثرب کے دامن میں ہے،یہ اور وادی ہے وہ اور وادی مہزور ہے،رے سے مہزور علم ہے اس لیے اس پر الف لام نہ آنا چاہیے تھا مگر یہاں وصفی معنے میں ہے اسی لیے الف لام آگیا،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بغیر الف لام ہے۔

۲؎ یعنی اس پانی سے تمام کھیت والے اپنی زمین سیراب کریں،ترتیب یہ ہوگی اوپر والا پہلے پانی سے لے اور نیچے والا بعد میں اور اوپر والا اتنا پانی لے کہ ٹخنوں ٹخنوں پانی کھڑا ہوجائے،پھر نیچے والے کی طرف چھوڑ دے،یہ ترتیب و پیمائش نہایت موزوں ہے جسے کاشتکار لوگ بخوبی سمجھتے ہیں۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ ایک انصاری کے باغ میں ان کا ایک کھجور کا دستہ تھا۱؎ مالک باغ کے ساتھ اس کے گھر والے بھی تھے جب حضرت سمرہ باغ میں جاتے تو	

مالک کو تکلیف ہوتی ۲؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا حضور سے عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے مطالبہ فرمایا کہ سمرہ وہ بیچ دیں۳؎انہوں نے انکار کیا تو فرمایا تبادلہ کرلیں وہ انکاری ہوئے فرمایا اسے ہبہ کردو تو تمہیں ایسا ثواب ہوگااس کی انہیں رغبت دی مگر انہوں نے انکار کیا ۴؎تب فرمایا درپے ایذا ہو انصاری کو حکم دیا جاؤ ان کا درخت کاٹ دو ۵؎(ابوداؤد)حضرت جابر کی حدیث کہ جو زمین آباد کرے باب غصب میں سعید ابن زید کی روایت سے ذکر کردی گئی اور ابو صرمہ کی حدیث کہ جو نقصان دے اللہ اسے نقصان دے گا اس باب میں ذکر ہوگی کہ تعلق ممنوع ہے ۶؎	

۱؎عضد ضاد اور دال کے فتح سے یا ضاد کے پیش سے،کھجور کی وہ شاخ یہاں تک ہاتھ پہنچ جائے اور اس کے پھل ہاتھ سے توڑے جاسکیں یعنی انکے کھجور کی ایک نچلی شاخ ان کے پڑوسی انصاری کے باغ میں پہنچ گئی تھی جس کے سبب انہیں اس باغ میں جانا ہوتا تھا۔

۲؎یعنی حضرت سمرہ اپنے اس شاخ کے پھل لینے اس کے باغ میں جاتےتو صاحب باغ کو بے پردگی وغیرہ کی وجہ سے اذیت ہوتی ہے۔

۳؎طلب کے بعد الی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے حضرت سمرہ کو انکے گھر سے اپنی بارگاہ عالی میں بلایا۔ **لیبیعه** میں لام بلانے کی علت ہے یعنی اس لیے بلایا کہ حضرت سمرہ وہ درخت کھجور یا اس کی وہ شاخ جو انصاری کے باغ میں تھی اس انصاری کے ہاتھ فروخت کردیں تاکہ وہ انصاری یہ شاخ کاٹ دیں اور ان کا آنا جانا بند ہوجائے،اس لیے نہ فروخت کیں کہ انصاری اس شاخ کے پھل کھایا کریں کہ یہ ممنوع ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بغیر مدعی علیہ کا بیان لیے ہوئے فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔دوسرے یہ کہ مدعی علیہ کے پاس سمّن بھیجنا،اس کی تعمیل کرانا سنت سے ثابت ہے اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔

۴؎یعنی اولًا تو حضور انور نے ان سے فرمایا کہ اپنے پڑوسی انصاری سے قیمت لے کر وہ شاخ اس کے ہاتھ فروخت کردواور انکار کرنے پر فرمایا کہ جنت لے لواور یہ شاخ اسے ویسے ہی بغیر قیمت دے دو۔اس سے دومسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور کے مشورہ پر عمل کرنا بہتر ہےنہ کرنا بھی جائز ہے مگر حکم مصطفوی کی اطاعت بہرحال لازم ہے،یہ حکم نہ تھا مشورہ تھا۔دوسرے یہ کہ حضور انور جنت کے مالک ہیں،باذن پروردگار جسے چاہیں بخشیں،دیکھو حضرت سمرہ کو صرف ایک شاخ خرما کے عوض جنت کا باغ عطا فرمارہے ہیں،یہ ہے سلطنت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی"میں دیکھئے۔

۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حاکم کو رعیت کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے عدل قائم کرنے کے لیے،دیکھو حضرت سمرہ کے درخت کی شاخ اس انصاری پر زیادتی و ظلم کا باعث تھی تو حضور انور نے بغیر ان کی رضا کے اس کے کاٹنے کا حکم دے دیا مگر انصاری کو صرف کاٹ دینے کا حکم دے دیا،اس شاخ کی لکڑی و پھل حضرت سمرہ کے ہی ہوں گے وہ انصاری نہ لے سکیں گے۔دوسرے یہ کہ حضرات صحابہ کرام نے اخلاق و مروت آہستہ آہستہ سیکھے بچہ اسکول میں پہنچتے ہی بی۔اے نہیں پاس کرلیتا،ابھی حضرت سمرہ نئے نئے حاضری بارگاہ سے مشرف ہوئے تھے،آداب سے پورے پورے واقف نہ تھے پھر یہ ہی صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پرجان نثار کرتے تھے لہذا اس حدیث سے صحابہ کی سرتابی ثابت نہیں ہوسکتی۔

٦؎ یعنی مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں اس جگہ تھیں،ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک حدیث تو پیچھے بیان کردی اور دوسری حدیث آگے بیان کریں گے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں۱؎ فرمایا پانی نمک اور آگ ۲؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ پانی کو تو ہم سمجھ گئے مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے ۳؎ فرمایا اے حمیراء ۴؎ جس نے کسی کو آگ دی اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا سارا کھانا خیرات کیا اور جس نے کسی کو نمک دیا اس نے گویا سارا وہ کھانا خیرات کیا جسے اس نمک نے لذیذ بنایا۵؎ اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی وہاں پلایا جہاں پانی عام ملتا ہو اس نے گویا غلام آزاد کیا اور جس نے مسلمان کو وہاں ایک گھو نٹ پانی پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو اس نے گویا اسے زندگی بخشی ٦؎(ابن ماجہ)

۱؎ شاید ام المؤمنین اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھ رہی ہیں کہ "وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ"اور عرض کررہی ہیں کہ ماعون کیا چیزیں ہیں جن کا منع کرنا برا ہے۔

۲؎ پانی سے مراد دو ایک گلاس پانی ہے جس سے پیاسے کی پیاس بجھ سکے اور اپنی ضرورت سے زائد ہو،نمک سے بھی یہ ہی مراد ہے کہ ایک آدھ ہانڈی کا نمک کسی کو دے دینا جب کہ اپنے پاس ضرورت سے زیادہ ہو،آگ سے مراد بھی وہ آگ ہے جو ایک آدھ چنگاری کسی کو دے دی جائے جس سے وہ اپنے ہاں آگ روشن کرے،ان چیزوں کے دینے میں اپنا کچھ نقصان نہیں ہوتا،دوسرے کا بھلا ہوجاتا ہے،اس کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے،دینے والے کو اجر بے حساب مل جاتا ہے۔

۳؎ یعنی پانی ایک بے قیمت چیز ہے مگر اس سے دوسرے کی جان بچ جاتی ہے اس لیے اس کا منع کرنا واقعی برا ہے مگر نمک و آگ کا تو یہ حال نہیں،نمک و آگ پر پیسے خرچ ہوتے ہیں اور اس سے دوسرے کی زندگی وابستہ نہیں۔

۴؎ حمیرا **احمر** کا مؤنث ہے جس کا مادہ **حمرۃ** ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ جن احادیث میں **یاحمراء** ہے وہ اکثر موضوع ہیں۔

۵؎ یعنی ان مسائل میں اپنی قیاس آرائی نہ کرو کہ نمک و آگ قیمتی چیز ہے اور اس پر دوسرے کی زندگی کا دارو مدار نہیں بلکہ اس اجر کو دیکھو جو رب تعالٰی اس معمولی خیرات پر عطا فرماتا ہے،اس معمولی خیرات سے باز رہ کر اتنے بڑے اجر سے محروم رہ جانا عقلمندی نہیں،رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے خیال وہم و سمجھ سے وراء ہیں۔

۶؎ اس فرمان عالی کا تجربہ اسے ہوگا جس نے کبھی عراق و نجد کے ریگستان کا نظارہ کیا ہو وہاں ایک گلاس پانی کی قیمت ایک جان ہے۔بعض موقعہ فقیر نے ایسے دیکھے جہاں فقیر و سائل کو پانچ روپیہ خیرات دینے کی وہ خوشی نہیں ہوتی جو ایک پیالہ پانی دینے کی خوشی ہوتی ہے،واقعی ایک پیالہ پانی ایک جان بچالیتا ہے۔اس کی تفصیل ہماری کتاب "سفرنامہ" میں ملاحظہ کیجئے۔

باب العطایا

بخششوں کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] کسی بڑے کا اپنے چھوٹے کو بغیر عوض کچھ دینا عطیہ کہلاتا ہے اور چھوٹے کا بڑے کو کچھ دینا نذرانہ اور برابر والے کا برابر والے کو دینا ہبہ۔چونکہ عطیے بہت قسم کے ہیں:عمری، رقبی،جائزہ ،انعام،سلطانی بخششیں،ماں باپ کا اپنی اولاد کو کچھ دینا وغیرہ اس لیے عطایا جمع ارشاد ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ سلطانی عطیے قبول کرنا عالم،جاہل،فقیر،غنی ہر ایک کو جائز ہے کہ اگرچہ سلطانی اموال عموماً حرام و حلال سے مخلوط ہوتے ہیں مگر مخلوط مال کا قبول کرنا،دعوت کا کھانا درست ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ مقوقس وغیرہ کے ہدیے تحفے قبول فرمائے،یہود مدینہ سے قرض لیاحالانکہ ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتاہے:"اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ"یہ لوگ حرام خور ہیں۔(مرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ جناب عمر نے خیبر میں کچھ زمین پائی [1] تو آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خیبر میں ایسی زمین پائی ہے کہ میرے خیال میں ایسا نفیس مال میں نے کبھی نہ پایا [2] حضور والا مجھے اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں [3] فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین محفوظ کردو اور اسے صدقہ کردو [4] چنانچہ حضرت عمر نے صدقہ کردی کہ اصل زمین نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے نہ موروثی ہو اور فقیر،قرابتداروں،اللہ کی راہ،مسافروں،مہمانوں میں صدقہ کردی [5] اس زمین کے متولی پر اس میں مضائقہ نہیں کہ اس میں سے بطریق احسن کچھ کھالے یا کھلائے [6] ہاں اسے مال نہ بنائے۔ابن سیرین نے فرمایا غیر متاثل مالا [7] (مسلم،بخاری)	

[1] جس میں بہترین باغ تھے،اولًا تو زمین خیبر خود ہی بہت سبزہ زار ہے،پھر اس میں باغات بھی تھے جن کی آمدنی بہت تھی اس لیے آپ کو یہ زمین بہت ہی پسند آئی،یہ واقعہ غزوہ خیبر کے بعد کا ہے۔

۲؎ کیونکہ اولا تو مال غیر منقول ویسے بھی اعلیٰ ہوتا ہے،خصوصًا خیبر کی زمین زرخیز وسبزہ زار جو پشتہا پشت تک کام آئے،ایسا اعلیٰ مال میرے پاس کبھی نہ آیا تھا۔

۳؎ یعنی اس مال کو راہ خدا میں خیرات کرنا چاہتا ہوں مگر خبر نہیں کہ کیسی خیرات بہتر ہوگی۔یہ عمل تھا اس آیت پر کہ "**لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ**"اپنی پیاری چیز خیرات کرنا افضل ہے۔

۴؎ یعنی بہتر یہ ہوگا کہ یہ باغ فقراء پر وقف کردو کہ مالک کوئی نہ ہوں،فروخت وغیرہ کا کسی کو حق نہ ہواور اس سے نفع سارے فقراء اٹھائیں،یہ وقف صدقہ جاریہ ہوگا۔

۵؎ قرابتداروں سے مراد یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار مراد ہیں یا اپنے یا دونوں۔ فقراء سے مراد عام مدینہ کے فقراء خصوصًا اہل صفہ،رقاب سے مراد مکاتب غلاموں کا بدل کتابت ادا کرکے انہیں آزاد کرنا یا مقروض کے قرض ادا کرنا،مہمانوں سے مراد غرباء اہلِ مدینہ کے گھر آنے والے مہمان جن کی وہ خاطر تواضع مہمان نوازی نہ کرسکیں،ان مہمانوں کو اس باغ کی آمدنی سے دیا جائے،اللہ کی راہ سے مراد غازی،مسافر وغیرہ ہیں۔

۶؎ یعنی اس باغ کے منتظم و متولی کو بھی اجازت ہوگی کہ اپنی اجرت اس باغ سے لے لے کہ اسی میں سے کھائے،اپنے بچوں،دوستوں کو کھلائے مگر فساد کی نیت سے نہ ہو بلکہ اجرت وصول کرنے کی نیت سے۔

۷؎ یعنی دفع ضرورت کے لیے خرچ کرے،مال جمع نہ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین یا باغ کا وقف درست ہے اور مال وقف کی نہ بیع درست ہے،نہ ہبہ،نہ تملیک،یہ بھی معلوم ہوا وقف کرنا بہت اعلیٰ عبادت ہے کہ یہ صدقہ جاریہ ہے،یہ بھی معلو م ہوا کہ حضرات صحابہ کیسے مخلص مؤمن تھے کہ ہمیشہ اعلیٰ کاموں میں سبقت فرماتے تھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ خیبر صلح سے حاصل نہ ہوابلکہ جنگ سے فتح کیا گیااسی لیے وہاں کی زمین غازیوں میں تقسیم کردی گئی،یہ بھی معلوم ہوا کہ صحت وقف کے لیے متولی مقرر کرنا لازم نہیں،دیکھو حضرت عمر نے کسی کو متولی نہ بنایا بلکہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ متولی کو یہ حقوق ہوں گے، یہ بھی معلوم ہوا کہ متولی وقف سے خرچ کرسکتا ہے کھا کھلا سکتا ہے۔خیال رہے کہ واقف خود بھی ایسے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے،حضرت عثمان غنی نے بیر رومہ وقف کیا مگر خود بھی اس کا پانی پیتے تھے لہذاواقف اپنے وقف کردہ قبرستان میں دفن ہوسکتا ہے،اپنی مسجد میں نما ز،اپنے کنوئیں سے پانی حاصل کرسکتا ہے۔یہ حدیث بہت سے مسائل وقف کی اصل ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔**وقف علی الاولاد** بھی درست ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا عمر بھر کو دینا جائز ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ عمرہ حج اور ہے عمرہ عطاء کچھ اور یہاں عمرہ عطاء مراد ہے۔اس کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ کوئی شخص کسی کو زمین وغیرہ اس کی عمر بھر کے لیے دےاور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ تیرے بعد تیرے وارثوں کی یہ بالاتفاق جائز ہے کہ موہوب لہ کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی،وارث نہ ہوں تو بیت المال کو واہب کو نہ لوٹے گی۔دوسرے یہ کہ اس کے وارثوں کا ذکر نہ کرے،یہ عمرہ ہمارے ہاں جائز ہے اور حق یہ ہے کہ امام شافعی کے ہاں بھی درست ہے،اس کا

حکم پہلے عمری کا سا ہے کہ یہ بھی کسی صورت میں واہب کو نہ لوٹے گی۔تیسرے یہ کہ لوٹنے کی شرط لگادے کہ کہہ دے تیری حین حیات تک تیرے بعد میں میری،اس میں ہمارے ہاں اختلاف ہے،فتویٰ اس پر ہے کہ یہ بھی جائز ہے اور لوٹنے کی شرط باطل کہ یہ ہبہ بالشرط ہے اور ہبہ بالشرط جائز ہوتا ہے،شرط باطل ہوتی ہے،لہٰذا اس صورت میں بھی یہ شے موہوب لہ کی ہوگی،واہب کو نہ لوٹے گی،امام احمد کے ہاں مطلق عمرہ درست ہے مؤقت باطل،امام مالک کے ہاں عمریٰ میں منافع کی ملکیت ہوتی ہے اصل شے کی نہیں یعنی موہوب لہ اس کو برت سکتا ہے اس کا مالک نہیں مگر مذہب حنفی قوی ہے کہ اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ عمری عمرے والے کے گھر والوں کی میراث ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ حدیث احناف کی قول دلیل ہے کہ عمری خواہ کیسا ہی ہو مطلق یا وقتی،مشروط یا غیر مشروط واہب کو نہ لوٹے گا بلکہ موہوب لہ کی موت کے بعد خود اس کے ورثاء کو ملے گا۔خیال رہے کہ عمری عمر سے بنا عمر زندگی کی مدت کو کہتے ہیں،چونکہ اس ہبہ میں موہوب کی زندگی کا ذکر ہوتا ہے اس لیے اسے عمرہ کہا جاتا ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو کچھ چیز بطور عمری دی گئی اسے اور اس کے پسماندگان کو ۱؎ تو وہ عمری اس کا ہوگا جسے دیا گیا دینے والے کو واپس نہ ملے گا ۲؎ کیونکہ وہ ایسا عطیہ دے چکا ہے جس میں وراثتیں واقع ہوگئیں ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ اس سے کہا گیا یہ چیز تاحین حیات تیری ہے اور تیرے بعد تیرے وارثوں کی،یہ پہلی قسم کا عمریٰ ہے۔

عقب قاف کے کسرہ سے ہے بمعنی پیچھے رہنے والے لوگ یعنی ورثاء خواہ اولاد ہوں یا دوسرے وارث بعض نے کہا **عقب** قاف کے سکون سے ہے۔

۲؎ امام مالک کے ہاں تو صرف یہ عمریٰ جس میں وارثوں کا بھی ذکر ہو واپس نہ ہوگا،جمہور علماء جیسے امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہم کے ہاں ہر عمریٰ کا یہ ہی حکم ہے خواہ یہ شرط لگائے یا نہ لگائے جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ عمریٰ ہبہ کی قسم ہے اور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے بعد واہب کو واپس نہیں ہوسکتا،موت مانع رد ہے مانع رد کل سات چیزیں ہیں جو **دمع خزقه** میں جمع ہیں،زیادۃ،موت،عوض خروج عن الملک،زوجیت،قرابت،ہلاکت۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں وہ عمری جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز کیا ۱؎ وہ یہ ہے کہ کہے یہ تیرا اور تیرے پسماندگان کا ہے ۲؎ لیکن اگر یوں کہے کہ تیرے جیتے جی تیری ہے تو وہ اپنے مالک کو لوٹ جائے گی ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ جائز کہا سے مراد ہے کہ موہوب لہٗ کو اس کا مالک بنایا،دوسرا عمریٰ بھی جائز تو ہے مگر موہوب لہ اس کا مالک نہیں بنتا صرف نفع حاصل کرسکتا ہے،بعدموت واہب کو لوٹ جائے گا۔

۲؎ یعنی عمرے کی پہلی قسم تو بالاتفاق درست ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام مالک و امام زہری کی دلیل ہے کہ اگر عمرے میں وراثت کا ذکر نہ ہو تو دینے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے،ان کی دلیل وہ حدیث جابر ہےجو مرفوعًا فرمائی **اَلعمری میراثٌ لِاَهلِهَا** عمری معمرلہ کی میراث ہے،یہاں العمری مطلق ہے جو تینوں قسموں کو شامل ہے،رہی یہ حدیث یہ حضرت جابر کا اپنا اجتہاد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی لہٰذا وہ ہی حدیث قابل عمل ہے یہ مرجوح ہے۔(اشعہ و مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ کسی کو کچھ بطور رقبی دو نہ بطور عمری ۱؎ جسے کچھ رقبی یا عمری دیا گیا تو وہ اس کا اور اس کے وارثوں کا ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ رقبی ارقاب سے ہے جو **مراقبة** سے بنا،رقب گردن کو کہتے ہیں،سوچنا،انتظار کرنا رقبی کہلاتا ہے کہ وہ بھی گردن ڈال کر ہی ہوتا ہے،رقبے یہ ہے کہ کہے یہ چیز تجھے دیتا ہوں لیکن اگر تو پہلے مرجائے تو میری ہوگی اور اگر میں پہلے مرجاؤں تو مستقل تیری ہوگی،چونکہ اس صورت میں ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظارکرتا ہے اس لیے اسے رقبی کہتے ہیں،**عمریٰ** کے معنی پہلے عرض ہوچکے۔**لاترقبوا** کی نہی بطور مشورہ ہے نہ کہ حرمت کے لیے یا یہ مطلب ہے کہ واپسی کی نیت سے رقبی عمری نہ کرو۔

۲؎ یعنی رقبیٰ ہو یا عمریٰ چونکہ یہ ہبہ بالشرط ہے لہٰذا ہبہ درست ہے اور شرط باطل اور وہ شے کبھی بھی واہب کو نہ واپس ہوگی یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ رقبیٰ اور ہر طرح کا عمرہ موہوب لہ کہ مستقل مالک کردیتا ہے،چونکہ حدیث مرفوع ہے لہٰذا موقوف کے مقابل یہ ہی راجح ہے۔

روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا عمری جائز ہے عمری والے کے لیے ہے اور رقبی جائز رقبی والے کے لیے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ زمانہ جاہلیت میں عمریٰ،رقبیٰ،موہوب لہ کے مرنے پر واہب کو واپس ہوجاتا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قاعدہ توڑ دیا،اس توڑنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔**لاهلها** میں ضمیر رقبیٰ یا عمریٰ کی طرف راجع ہے اور اہلِ عمری سے عمریٰ لہ مرادہے جسے ہبہ دی گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مال اپنے پاس محفوظ رکھو انہیں بگاڑو مت ۱؎ جسے کچھ عمری کے طور پر دیا گیا تو مرے جئے اس کا ہے اوراس کے پسماندگان کا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ مطلب یہ ہے کہ تم جو مال اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو اسے کسی کو بطور عمری یا رقبیٰ نہ دو کہ اس سے تمہارا مال بگڑ جائے گا کہ تمہیں واپس نہ ملے گا اور تمہارا مدعا پورانہ ہوگا،یہ مطلب نہیں کہ عمری یا رقبیٰ کرنا اپنا مال بگاڑنا ہے کہ یہ تو مخلوق پر مہربانی ہے جس پر ثواب کی امید ہے لہذا مطلب واضح ہے۔

۲؎ لِلَّذِی کا لام ملکیت کا ہے یعنی عمریٰ معمرلہ کی ملکیت میں تام ہوگا کہ وہ اس کے فروخت کرنے کا بھی مجاز ہوگااور اس کے مرنے پر وہ چیز اس کے ورثاء کو ملے گی،یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ عمری عاریت نہیں ہوتا بلکہ ملکیت ہوتا ہے۔حضرت امام مالک وغیرہ اسے عاریت مانتے ہیں،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

باب

باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎چونکہ یہ باب متفرق احادیث پر مشتمل ہےاس لیے اس کا ترجمہ مقرر نہ کیا،اس باب میں گزشتہ باب کے متممات احادیث مذکور ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر خوشبو تحفۃً پیش کیا جائے ۱؎وہ اسے واپس نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا ہے خوشبو اچھی ہے ۲؎(مسلم)	

۱؎ہم نے تحفہ کی قید اس لیے لگائی کہ تجارت کی نوعیت نکل جائے،بعض عطر فروش کسی کو قیمتًا عطر پیش کرتے ہیں،اگر اسے خریدنا نہ ہو اور وہ انکارکرے تو حدیث پڑھ کر اسے خریدنے پر مجبور کرتے ہیں،وہ اس حدیث کی منشاء سے یا توواقف نہیں یا واقف ہیں مگر اس کے ذریعہ اپنا بیوپار چلانا چاہتے ہیں۔ریحان ریحٌ سے بنا بمعنی خوشبو اس سے ہر خوشبو مراد ہے،پھول ہوں یا عطر چنبیلی وغیرہ کا تیل۔

۲؎یعنی اگرچہ دوسرے ہدیے بھی واپس کرنا خلاف اخلاق ہے مگر خوشبو واپس کرنا تو بہت ہی خشک مزاجی کی دلیل ہے کہ اس میں وزن ہلکا قیمت معمولی خوشبو اعلیٰ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ خوشبو جنت سے آئی ہے اور وہاں کا ہی پتہ دیتی ہے۔مبسوط سرخسی باب اللمس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان سے جنت کی مہک آتی ہےاسی لیے آپ کو زہراء کہتے ہیں یعنی جنت کی کلی۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو واپس نہ کرتے تھے ۱؎(بخاری)	

۱؎اس کا مطلب بھی وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اگر کوئی بارگاہ عالی میں ہدیۃً خوشبو پیش کرتاتو آپ اسے کبھی واپس نہ فرماتے لہٰذا حدیث واضح ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لے ۱؎اس سے بدتر ہمارے پاس کوئی مثال نہیں ۲؎(بخاری)	

۱؎اس حدیث کی بناء پر امام شافعی و مالک و احمد فرماتے ہیں کہ ہبہ دی ہوئی چیز واپس لینا مطلقًا حرام ہے کیونکہ حضور انور نے اسے قے کھانے سے تشبیہ دی ہے،قے حرام چیز ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ جب تک سات مانع چیزوں میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے تب تک ہبہ کی واپسی درست ہے اگرچہ بے مروتی اور بدخلقی ہے،امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے"الواھب احقّ بھبتہٖ مالم یصب منه"یعنی ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا حقدار ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ لے لے اور یہ حدیث تو حرمت رجوع پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ قے کتے پر حرام نہیں،یہ تشبیہ صرف نفرت دلانے کے لیے ہے۔بشیر نے اپنے بیٹے نعمان کو باغ ہبہ کیا حضور نے فرمایا واپس لے لو جیسا کہ آگے آرہا ہے،حضرت عبداللہ ابن عمر نے کسی کو گھوڑا ہبہ دیا تھا پھر اس سے واپس خریدنا چاہا،حضور نے فرمایا مت خریدو،وہاں بھی یہی کتے والی مثال دی،حالانکہ اپنا ہبہ خریدنا سب کے ہاں جائز ہے،اگر یہ حدیث حرمت کی ہوتو ان احادیث کے مخالف ہوگی لہذا امام اعظم کا فرمان نہایت قوی ہے اور یہ حدیث نہ انکے خلاف ہے نہ دیگر آئمہ کی مؤید۔

۲؎اس جملہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک تو وہ جو ترجمے سے ظاہر ہوئے کہ اگر اس سے بدتر کوئی مثال ہمارے پاس ہوتی تو ہم وہ پیش فرماتے مگر ہے نہیں کیونکہ کوئی جانور اپنی قے نہیں کھاتا۔اس صورت میں لنا سے مراد خود اپنی ذات کریم ہے۔دوسرے یہ کہ بدترین مثال ہم لوگوں کے لیے نہیں ہونی چاہیے یعنی کوشش کرو کہ یہ کہاوت ہم پر چسپاں نہ ہو۔اس صورت میں لَنَا سے مراد عام مسلمان ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں لائے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے حضور نے فرمایا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح دیا ہے ۲؎عرض کیا نہیں فرمایا تو اسے لوٹا لو۳؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ وہ ساری اولاد تمہاری خدمت میں برابر ہو عرض کیا ہاں فرمایا تو نہیں۴؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں مجھے میرے باپ نے کچھ عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ بولیں ۵؎میں تو راضی نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر لو ۶؎تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے ۷؎ایک عطیہ دیا ہے وہ کہتی ہیں میں یارسول اللہ آپ کو گواہ بنالوں فرمایا کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو اسی طرح دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو ۸؎فرماتے ہیں میرے والد لوٹ گئے پھر اپنا عطیہ واپس کرلیا اور ایک

روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا ۹(مسلم،بخاری)	

۱آپ خود بھی صحابی ہیں آپ کے والدین بھی صحابی،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،اسلام میں سب سے پہلے بچے ہیں جو انصار میں پیدا ہوئے،ہجرت کے چودھویں مہینے پیدا ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی،کوفہ میں قیام رہا،امیر معاویہ کی طرف سے حمص کے حاکم تھے، ۶۴ھ میں قتل کیے گئے۔(اکمال،اشعہ،مرقات)

۲اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو برابر عطیے دے،بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے کہ کسی کو کچھ نہ دے یا کسی کو زیادہ دے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ زندگی میں لڑکی لڑکے کو برابر دے،لڑکے کا دوگنا حصہ میراث میں ہے نہ کہ عطیہ میں،بعض نے فرمایا کہ زندگی میں بھی لڑکے کو دوگنا دے اور لڑکی کو ایک حصہ۔(درمختار،شامی،وغیرہ)بعض بزرگ لڑکیوں کو دوگنا دیتے ہیں کہتے ہیں کہ لڑکیاں ماں باپ کے گھر مہمان ہیں،لڑکے مقیم۔

۳اس سے معلوم ہوا کہ باپ اولاد کو دے کر واپس لے سکتا ہے دوسرے اہل قرابت نہیں لے سکتے۔قرابت اسے مانع ہے یعنی تب تم بھی اپنے عطیہ میں فرق نہ کرو،برابر دو۔

۵عمرہ عین کے فتح سے،نعمان کی والدہ ہیں،بشیر کی بیوی،عبداللہ ابن رواحہ کی بہن ہیں۔

۶تاکہ عطیہ پختہ ہوجائے تمہارے بعد اولاد کا آپس میں جھگڑا نہ ہو،آج کل جو غیر منقول جائیداد کے بیع نامہ رجسٹری کرائے جاتے ہیں اسی کی اصل یہ حدیث ہے،رجسٹری میں حکومت کو گواہ بنایا جاتا ہے۔

۷معلوم ہواکہ نعمان تو عمرہ بنت رواحہ سے تھے باقی اور اولاد دوسری بیویوں سے جن کی مائیں فوت ہوچکی ہوں گی اس لیے یہ واقعہ ہوا۔

۸اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ باپ اپنی زندگی میں بیٹا بیٹی ساری اولاد میں برابری کرے،بیٹے کے لیے دوگنا حصہ بعد وفات ہے حتی کہ پیار محبت بلکہ چومنے میں بھی برابری کرے۔(مرقات)اگرچہ قدرتی طور پر چھوٹے بچے سے زیادہ محبت ہوتی ہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاطمہ زہرا بہت پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں۔

۹اس حدیث کی بنا پر امام احمد ثوری و اسحاق نے فرمایا کہ اولاد کے عطیوں میں کمی بیشی کرنا حرام ہے کیونکہ حضور انور نے اسے ظلم فرمایا ہے اور ظلم حرام ہے،ان بزرگوں کے ہاں اس صورت میں ہبہ درست ہی نہ ہوگا مگر امام ابوحنیفہ،شافعی و مالک و جمہور علماء رحمھم اللہ کے ہاں یہ زیادتی مکروہ ہے جب کہ بلاوجہ ہو،اس میں ہبہ درست ہی ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ ہبہ درست ہوگیا تھاورنہ رجوع کے کیا معنی،نیز دوسری روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عطیہ پر کسی اور کو گواہ بنالو،اگر یہ حرام قطعی ہوتا تو کسی اور کو گواہ بنانے کے کیا معنی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ کو اکیس وسق کھجوریں دیں جو اور اولاد کو نہ دیں،حضرت عمر نے اپنے بیٹے عاصم کو ایک دفعہ ایک خاص عطیہ دیا جو اور اولاد کو نہ دیا،عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی اولاد کو خاص عطیہ دیا جواور اولاد کو نہ دیا،تمام صحابہ نے یہ واقعات دیکھے اور کسی نے انکار نہ کیالہذا اس کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہوگیا۔(مرقات)خیال رہے کہ متقی بیٹے کو فاسق بیٹے سے زیادہ دینا یا غریب معذور بےدست وپا اولاد کو دوسری امیر اولاد سے کچھ زیادہ دینا بلاکراہت درست ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنا دیا ہوا ہبہ واپس نہ لے سوائے باپ کے اپنے بیٹے سے ۱؎ (نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ والد اولاد کو عطیہ دے کر واپس لے سکتا ہے،دیگر اہل قرابت سے واپس نہیں لے سکتے،امام اعظم کے ہاں باپ بھی بیٹے کو دیا ہوا عطیہ واپس نہیں لے سکتا،اس کی دلیل حضور عالی کا وہ فرمان ہے کہ جب ذی رحم محرم کو ہبہ دیا جائے تو واپس نہ ہوگا اور فاروق اعظم کا یہ فرمان ہے کہ اہل قرابت کا ہبہ جائز ہے اوراجنبی کا ہبہ واپس ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ دیا گیا ہو۔اس حدیث کا مطلب امام اعظم کے ہاں یہ ہے کہ بوقت ضرورت باپ بیٹے کا عطیہ واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ مال بیٹے کا تھا اور باپ بیٹے کا مال ضرورۃً بغیر اجازت خرچ کرسکتا ہے۔(لمعات،مرقات)یا یہ کہ دوسرا عطیہ والا اگر ہدیہ واپس لے تو قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے لیکن والد بوقت ضرورت بغیر قضاء قاضی واپس لے سکتا ہے۔(اشعہ و لمعات و مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے و ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کوئی عطیہ دے پھر واپس لے لے ۱؎ سوائے باپ کے جو اپنے بیٹے کو دے ۲؎ اور اس کی مثال جو عطیہ دے پھر واپس لے لے اس کتے کی سی ہے جو کھاتا رہے حتی کہ سیر ہوجائے تو قے کردے پھر اپنی قے دوبارہ کھائے ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے۔	

۱؎ یہاں جائز بمعنی مناسب ہے یعنی عطیہ دے کر واپس لینا مناسب نہیں جیسے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ مؤمن کے لیے یہ حلال نہیں کہ خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو،وہاں بھی **لایحل** ہے بمعنی غیر مناسب لہذا یہ حدیث رجوع ہبہ کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ **ولد** میں بیٹا بیٹی سب ہی شامل ہیں اس کی شرح ابھی گزرگئی کہ ہمارے ہاں باپ بھی بلا ضرورت رجوع نہیں کرسکتا،شوافع کے ہاں کرسکتا ہے لہذا بیٹی کو دیا ہوا جہیز واپس لے سکتا نہیں۔خیال رہے کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کو عطیہ دے کر واپس نہیں کرسکتے،یوں ہی اہلِ قرابت،عزیز۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے"**اذا کانت الھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا**"حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اہل قرابت کا عطیہ لازم ہے دوسرے کا عطیہ لازم نہیں جب تک کہ وہ عوض نہ دیں۔(لمعات)

۳؎ یعنی کتے کا قے کرکے چاٹ لینا ہر طبیعت پر باعث نفرت ہے،یوں ہی عطیہ دے کر واپس لینا ہر شخص کو برا معلوم ہونا چاہیے۔خیال رہے کہ ہبہ کا حکم اور ہے صدقہ کا حکم کچھ اور،ہبہ تو بعض صورتوں میں واپس ہوسکتا ہے مگر دیا ہوا صدقہ و خیرات واپس نہیں لے سکتے کہ وہاں منشاء صدقہ رضاء الٰہی ہے جو بفضلہٖ تعالٰی حاصل ہوگئی،جب عوض مل گیا تو رجوع کیسا؟

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان اونٹنی ہدیۃً پیش کی۱؎ تو حضور نے اس کے عوض چھ اونٹنیاں عطا فرمائیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا۲؎ یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمدوثناء کی ۳؎ پھر فرمایا کہ فلاں شخص نے ہم کو ایک اونٹنی دی تھی ہم نے اسے اس کے بدلے چھ اونٹنیاں دیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اب سواء قریش یا انصاری یا ثقفی یا دوسی کا ہدیہ قبول نہ کروں ۴؎(ترمذی،ابوادؤد،نسائی)

۱؎ بکر کے لغوی معنی ہیں پہلی حالت اسی لیے کنواری لڑکی کو باکرہ،صبح کو بکرہ اور شروع پھل کو باکورہ کہتے ہیں،یہاں بکرہ سے مراد ہے نئی اونٹنی جو ابھی نوجوان ہو،حضرت صدیق اکبر کا نام ہے ابوبکر یعنی اولیت والے،آپ ہر صفت میں اول رہے لہذا ابوبکر ہوئے،ابو کا معنے والا جیسے ابوہریرہ بلی والا۔

۲؎ وہ حضور انور سے بہت کچھ امید وابستہ کرکے یہ اونٹنی لایا تھا اس لیے چھ گناہ ملنے پر بھی راضی نہ ہوا یا تو زبان سے ناراضی ظاہر کی یا اس کے چہرے مہرے سے ناراضی کا ظہور ہوا یا اس کے خوش نہ ہونے سے ناراضی ظاہر ہوئی۔مؤمن کو چاہیے کہ چیز لے کر خوش ہو کہ یہ خوشی دینے والے کو بھی خوش کردیتی ہے جس سے وہ اور زیادہ دیتا ہے۔رب کی نعمتوں پر بھی خوب خوش ہوا کرے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"۔

۳؎ یعنی بطور وعظ یہ کلام فرمایا اور وعظ کے اول خطبہ میں رب کی حمدوثناء سنت ہے۔

۴؎ کیونکہ یہ چار قبیلہ والے حضرات کریم النفس ہوتے ہیں وہ اپنے ہدایا و عطیوں کا عوض چاہتے ہی نہیں اور تھوڑے عوض پر راضی ہوجاتے ہیں۔خیال رہے کہ عوض یا زیادہ عوض کے لیے ہدیہ دینا ہم لوگوں کو بہتر نہیں،حضور انور کو یہ حرام تھا کہ حضور تو دینے ہی کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" زیادہ وصول کرنے کے لیے کسی کو عطیے نہ دو۔اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور نہی تحریم کی ہے۔بڑا آدمی جب چھوٹوں کو کچھ دے وہ عطیہ،انعام،اکرام ہے اور جو برابر والا اپنے برابر والے کو دے تو وہ ہدیہ،سوغات ہے اور جب چھوٹا اپنے بڑے کو کچھ دے تو وہ نذرانہ ہے،بڑے کو چاہیے کہ چھوٹوں کو نذرانہ کا عوض ضرور دیا کریں کہ وہ اسی لالچ سے تو لاتے ہیں،دیکھو حضور انور ایک کے چھ عطا فرماتے تھے۔شادی بیاہ یا عید بقر عید پر نوابوں کے نوکر چاکر نذرانہ پیش کرتے ہیں،کیوں؟کچھ

لینے کے لیے انہیں ضرور دیا جائے۔(مرقات)مروجہ نیوتے نیوتے(نذرانے)جائز ہیں،جب کہ ان سے لڑائی جھگڑے فساد نہ ہوں۔نیوتے کا مسئلہ شامی باب الھبۃ میں ملاحظہ فرمائیے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے کوئی عطیہ دیا جائے اگر ہوسکے تو اس کا بدلہ دے دے اور جو کچھ نہ پائے وہ اس کی تعریف کردے ۱؎ کہ جس نے تعریف کردی اس نے شکریہ ادا کیا جس نے چھپایا اس نے ناشکری کی ۲؎ اور جو ایسی چیز سے ٹیپ ٹاپ کرے جو اسے نہ دی گئی وہ فریب کے کپڑے بننے والے کی طرح ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری واعلیٰ تعلیم ہے کہ برابر والا برابر والے کو عوض دے،فقیر امیر کو دعائیں دیں،ہم لوگ دن رات حضور انور پر درود شریف کیوں پڑھتے ہیں؟ اس لیے کہ ان داتا کریم کی نعمتوں میں پل رہے ہیں کہ کروڑوں حصہ بھی عوض نہیں دے سکتے تو دعائیں دیں کہ اللہ ان کا بھلا کرے،ان کا خانہ آباد،انکے بال بچوں،صحابہ کو شاد رکھے،یہ درود بھی اسی حدیث پر عمل ہے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ　　　　زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

۲؎ یعنی حمد و ثناء شکر کی ایک قسم ہے،شکر دلی بھی ہوتا ہے زبانی بھی،ارکانی بھی۔حمدوثناء زبانی شکریہ ہے جس سے اور زیادہ نعمتیں ملتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَىٕنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّكُمۡ"اگر شکر کرو گے اور زیادہ دوں گا۔

۳؎ یہ فرمان عالی اس عورت سے فرمایا گیا تھا جس نے عرض کیا تھا کہ میری سوکن ہے میں چاہتی ہوں کہ اسے جلانے کے لیے اعلیٰ لباس،عمدہ زیور پہنا کروں تاکہ وہ سمجھے کہ مجھے یہ سب کچھ میرے خاوند نے دیا ہے اور وہ مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے اس پر یہ ارشاد ہوا۔فریب کے کپڑے کی کئی صورتیں ہیں:غریب آدمی غرور و تکبر کے طور پر امیروں کے کپڑے پہنے،جاہل شخص ریا کے طور پر علماء و صوفیاء کا لباس پہنے،فاسق آدمی دھوکے دینے کے لیے متقیوں کا سا لباس رکھے تاکہ اس کی جھوٹی گواہی حکام مان لیا کریں،یہ سب کچھ دھوکے فریب کے لیے ہو،(مرقات)ایسا آدمی بہروپیا ہے اور اس کی یہ حرکت بری ہے،اگر اچھی نیت سے علماء کا لباس پہنے تو اچھاکہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے وہ بھلائی کرنے والے سے کہہ دے اللہ تجھے جزا ئے خیر دے تو اس نے تعریف حد تک پہنچادی ۱؎(ترمذی)	

۱؎ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں توبدلہ سے عاجز ہوں،رب تعالٰی تجھے دین و دنیا میں اس سلوک کی جزاء خیر دے،اس مختصر سے جملہ میں اسکی نعمت کا اقرار بھی ہوگیا،اپنے عجز کا اظہار بھی اور اس کے حق میں دعائے خیر بھی۔شکریہ کا مقصد

بھی یہ ہی ہوتا ہے،اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ دینے والے کی جھوٹی تعریف اور خوشامدانہ گفتگو نہ کرے،فاسق کو ولی نہ کہے،جاہل کو عالم نہ بتائے،فقیر کو شہنشاہ نہ کہے کہ جھوٹ بولنا گناہ بھی ہے اور بے فائدہ بھی،یوں ہی اگر کوئی تم سے بدسلوکی کرے تو اسے گالیاں نہ دو،برا بھلا نہ کہو بلکہ کہو "**غفر اللہ لك و اصلح حالك**" اللہ تجھے بخشے اور تیری اصلاح کرے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کرے گا۱؎ (احمد،ترمذی)	

۱؎ **سبحان اللہ**! کتنا عالی مقام ہے،بندوں کا ناشکرا رب کا بھی ناشکرا یقینًا ہوتا ہے،بندہ کا شکریہ ہر طرح کا چاہیے دلی زبانی،عملی یوں ہی رب کا شکریہ بھی ہر قسم کا کرے،بندوں میں ماں باپ کا شکریہ اور ہے،استاد کا شکریہ کچھ اور شیخ بادشاہ کا شکریہ کچھ اور۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور کی خدمت میں مہاجرین حاضر ہو کر بولے۱؎ یارسول اللہ ہم جن لوگوں کے مہمان بنے ہیں ان سے بڑھ کر زیادہ مال خرچ کرنے والا اور تھوڑے مال سے مدد کرنے والا کوئی نہ دیکھا۲؎ ہماری طرف سے محنت مشقت تو خود کرتے ہیں اور آمدنی میں ہمیں شریک کرلیتے ہیں۳؎ حتی کہ ہم کو خوف ہے کہ سارا ثواب وہ ہی لے جائیں گے ۴؎ حضور نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے رہو اور ان کی تعریف کرتے رہو ۵؎ (ترمذی)ترمذی نے اسے صحیح کہا۔	

۱؎ یہ واقعہ جب ہوا جب کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے مالوں میں برابر کا حصہ دار کرلیا حتی کہ اپنے مکان کے دو حصے کرکے ایک مہاجر بھائی کو دے دیا،کھیت،باغ کا بھی اسی طرح بٹوارہ کردیا،اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی۔(مرقاۃ)

۲؎ اس جملہ میں انصار کی تعریف اور ان کی مہمان نوازی کی توصیف ہے۔قوم سے مراد انصار ہیں اور **من کثیر و من قلیل** **ابذل** کے متعلق ہے اور **من قوم**،**ابذل** اور **احسن** کا صلہ یعنی اس قوم انصار سے بڑھ کر ہم نے کوئی ایسی قوم نہ دیکھی جو مہمان پر تھوڑا اور بہت مال اس قدر خرچ کرتی ہو،ان میں مالدار تو اپنے بہت مال سے خرچ کرتے ہیں اور غریب اپنے تھوڑے مال سے مدد و معاونت کرتے ہیں۔**مواساۃ** کے معنی ہیں مدد بھلائی نکوئی وغیرہ۔(اشعہ و مرقات)

۳؎ یہ انصار کے دوسرے کمال کا ذکر ہے کہ ہم کو انہوں نے اپنے مالوں میں برابر شریک کرلیاتو چاہیے تھا کہ محنت میں بھی ہم برابر کے ہی شریک ہوتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ محنت وہ کرتے ہیں اور نفع میں ہم کو برابر کا شریک کرتے ہیں،عربی میں مھنا بے مشقت حاصل شدہ مال کو کہتے ہیں۔

۴؎ یعنی انصار ان مہربانیوں کی وجہ سے ہماری ہجرت اور ہماری ساری عبادتوں کا ثواب لے لیں گے،کیونکہ وہ ہمارے ہر نیکی میں معاون و مددگار ہیں۔

۵؎ یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ تمہاری دعا و ثناء کی وجہ سے اللہ تعالٰی ان کو ثواب احسان علیحدہ عطا کرے گا اور تم کو ثواب ہجرت و عبادات علیحدہ دے گا۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے محسن کو دعائے خیروشکریہ سے یاد نہ کرے تو اندیشہ ہے کہ اس کے اعمال کا ثواب اس کے محسن و مددگار کو مل جائےاس لیے اپنے محسن کو ضرور دعائیں دو اور اس کے شکر گزار رہو۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ہدیہ کا لین دین کرو ہدیہ عداوتوں کو مٹا دیتا ہے ۱؎	

۱؎ ضغائن ضغینة کی جمع ہے بمعنی دشمنی،یعنی ایک دوسرے کو ہدیے تحفے دیتے رہو کہ اس کی برکت سے دشمنی دوستی میں تبدیل ہوجاتی ہے،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔ہدیہ کی برکت سے دوستوں کی دوستی میں زیادتی ہوجاتی ہے اور دشمن کی دشمنی ختم ہوجاتی ہے۔لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دشمنوں کو ہدیہ دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوستوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور رہتی ہے،قریب نہیں آتی،دشمنوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور ہوجاتی ہے۔تذھب کے معنی عام کرنے چاہئیں یہاں رواۃ کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے کہ مصنف کو مخرج حدیث نہ ملامگر یہ حدیث ترمذی کی ہے جیساکہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آپس میں ہدیے لو دو کہ ہدیہ سینہ کا کینہ دور کرتا ہے ۱؎ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ جانے اگر چہ بکری کی کھری کا ٹکڑا ہی ہو ۲؎(ترمذی)	

۱؎ وحر کے معنی گرمی،تیزی،عدوات،کینہ،غصہ وغیرہ ہیں،یہاں سب معنی بن سکتے ہیں کہ ہدیہ ان سب کو دور کرتاہے۔

۲؎ یعنی اگر تم امیر کبیر ہو اور تمہارا پڑوسی غریب و مسکین اور وہ تمہیں محبت سے کوئی معمولی چیز ہدیہ بھیجے تو اسے نہ حقیر سمجھ کر واپس کردو نہ اسے بے قدری سے رکھو بلکہ شکریہ قبول کرواور اپنی شان کے لائق اسے اچھا بدلہ دو تاکہ اس کا دل بڑھے،اللہ تو غنی ہے مگر ہم فقیروں کے معمولی صدقات کو بخوشی قبول فرماتا ہے اور ان شاءاللہ اپنی شان کے لائق بدلہ دے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں واپس نہ کی جائیں: تکیے،تیل اور دودھ ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے،کہا گیا ہے تیل سے مراد خوشبو ہے ۲؎

۱؎یعنی اگر میزبان اپنے مہمانوں کو آرام کے لیے تکیہ پیش کرے اور سر میں ملنے کے لیے تیل،پینے کے لیے دودھ یا لسّی تو مہمان اسے رد نہ کرے بلکہ بخوشی قبول کرے،عرب شریف میں تیل بھی مہمان کی خاطر پیش ہوتا تھا جیسے بہار میں اب بھی تیل،عطر، پان سے ہر آنے والے کی خاطر کی جاتی ہے۔

۲؎یعنی خوشبو دار تیل مگر حق یہ ہے کہ ہر تیل مراد ہے،خوشبودار ہو یا نہ ہو،حدیث کے مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو عثمان مہدی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو خوشبو دی جائے تو اسے رد نہ کرے کہ خوشبو جنت سے آئی ہے ۲؎(ترمذی،ارسالًا)

۱؎آپ بصری ہیں،حضور انور کے زمانہ میں اسلام لائے مگر دیدار نہ کرسکے اس لیے تابعی ہیں،ایک سو تیس ۱۳۰ سال عمر ہوئی،ساٹھ سال سے زیادہ کفر میں گزاری،باقی اسلام میں ۹۵ھ میں وفات پائی۔

۲؎حدیث اپنے ظاہر پر ہے،بہت چیزیں دنیا میں جنت سے آئی ہیں جن میں سے ایک خوشبو بھی ہے،اسے رد کرنا رب تعالٰی کی اعلٰی نعمت کی ناقدری ہے،مراد وہ ہی ہے جو پہلے عرض کی گئی کہ خوشبو کا ہدیہ واپس نہ کرو،یہ مطلب نہیں کہ خوشبو کا سودا ردّ نہ کرو ضرور خرید لو جیساکہ عام عطر فروش کہتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ بشیر کی بیوی نے کہا کہ میرے بیٹے کو اپنا غلام دو ۱؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنالو ۲؎چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ فلاں کی لڑکی نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں اس کے لڑکے کو اپنا غلام دے دوں اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنالو۳؎ ارشاد ہوا کہ اس کے اور بھی بھائی ہیں بولے ہاں فرمایا کیا تم نے ان سب کو اس جیسا ہی عطیہ کیا ہے جو اسے دے رہے ہو عرض کیا نہیں فرمایا یہ درست نہیں ۴؎اور میں صرف

	حق پر گواہ بنتا ہوں ۵؎(مسلم)

۱؎ بشیر کی بیوی کا نام عمرہ بنت رواحہ ہے اور ان کے بیٹے کا نام جو عمرہ کے بطن سے تھا نعمان ہے جیساکہ ابھی کچھ پہلے گزرا،بشیر کے اور اولاد دوسری بیوی سے تھی۔

۲؎ تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا نہ ہو،پہلے عرض کیا گیا کہ یہ حدیث آج کل کی مروجہ رجسٹری کی اصل ہے کہ اہم چیزوں کی بیع کی رجسٹری کرائی جاتی ہے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ ہر جگہ دو گواہوں کی ضرورت نہیں کبھی ایک گواہ بھی کافی ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا"زلیخا والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔

۴؎ یعنی ان بیوی صاحبہ کا یہ کہنا یا تمہارا صرف ایک بیٹے کو عطیہ دینا یا میرا اس عطیہ پر گواہ بننا بہتر نہیں۔غرضکہ ھذا میں چند احتمال ہیں اور یصلح بمعنی بہتر و مناسب ہے نہ کہ بمعنی جائز و درست جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ والدین اپنی زندگی میں جس بچہ کو جو چاہیں دیں مگر برابر کرنا بہتر ہے۔

۵؎ یہ حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ غیر مناسب کا مقابل ہے یعنی ہم اس پر گواہ بنتے ہیں جو غیر مناسب یا مکروہ بھی نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کے پاس نیا پھل لایا جاتا تو اسے آپ اپنی آنکھوں اور لبوں پر رکھتے ۱؎ اور عرض کرتے الٰہی جیسے تو نے ہم کو اس کی ابتداء دکھائی ہم کو اس کی انتہاء بھی دکھا ۲؎ پھر وہ پھل کسی اس بچے کو عطا فرمادیتے جو آپ کے پاس ہوتا ۳؎(بیہقی دعوات کبیر)۴؎

۱؎ یعنی چوم کر آنکھوں سے لگاتے نعمت الٰہیہ کا احترام فرماتے ہوئے جیسے کہ پہلی بارش کے قطرے اپنے منہ و سینہ شریف پر لیتے تھے اس میں رب تعالٰی کی نعمت کی قدر دانی ہے اور اس کا شکریہ۔

۲؎ پھل کی انتہا سے مراد یا تو آخری موسم کے پھل ہیں یعنی ہماری زندگی اتنی دراز فرما کہ ہم بہار کا آخر بھی دیکھ لیں یا جنت کے پھل ہیں کہ دنیا کے پھل وہاں کا نمونہ ہیں،یعنی ہم کو ایمان و تقویٰ نصیب فرما کہ ہم آخرت میں جنت میں جائیں اور وہاں کے پھل دیکھیں اور کھائیں۔(مرقات)

۳؎ چونکہ بچوں کو پھل وغیرہ سے بہت رغبت ہوتی ہے،نیز وہ بھی انسان کا پہلا پھل ہے اس مناسبت سے پہلا پھل پہلے پھلوں کو عطا فرماتے تھے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ تعالٰی کی نعمت کو چومنا،آنکھوں سے لگانا سنت ہے لہذا قرآن شریف،حدیث شریف،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات چومنا سنت سے ثابت ہے،بعض روٹی چومتے ہیں،ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔دوسرے یہ کہ کھانا ہاتھ میں لے کر یا سامنے رکھ کر اللہ کا ذکر یا دعا کرنا سنت ہے لہذا مروجہ ختم فاتحہ بھی جائز،سنت سے ثابت ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔سرکار عالی قربانی فرما کر جانور سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔تیسرے یہ کہ ختم شریف کا پھل وغیرہ کھانا،بچوں میں تقسیم کرنا سنت سے ثابت ہے جس کی اصل یہ حدیث

ہے۔چوتھے یہ کہ نئے پھل پر فاتحہ پڑھ کر بچوں میں بانٹ دینا،حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف سے ثابت ہے جیساکہ آج بزرگوں کا طریقہ ہے۔

۴؎علامہ جزری نے حصن حصین شریف میں یوں روایت فرمائی کہ جب حضور انور پہلا پھل ملاحظہ فرماتے توفرماتے "اللّٰھم بارك لنا فی ثمرنا وبارك لنا فی مناتبنا وبارك لنا فی صاعنا وبارك لنا فی مدنا"اور جب آپ کی خدمت میں وہ پھل لایا جاتا تو کسی بچہ کو عطا فرمادیتے۔(مسلم،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،عن ابی ہریرۃ از مرقات)

باب اللقطة

پائی ہوئی چیز کا باب ا

الفصل الاول

پہلی فصل

ا لقط اور التقاط پڑی چیز کا اٹھالینااور لقط لام کے پیش قاف کے سکون سے پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے،بعض نے فرمایا لُقَطه لام کے پیش قاف کے فتح سے اٹھانے والے لوگ،جیسے همزه اور لمزه،جمع هامزاور لامز کی ایسے ہی لقط جمع لاقط کی۔

	روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے ا فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا فرمایا اس کے برتن اس کے بندھن کا اعلان کرو ۲ پھر ایک سال تک مشہور کرتے رہو ۳ پھر اگر اس کا مالک آجائے فبہا ورنہ تم اس سے نفع لو عرض کیا ۴ گمی ہوئی بکری فرمایا وہ یا تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی ۵ عرض کیا گما ہوا اونٹ فرمایا تمہیں اس سے کیا اس کے ساتھ اس کی مشک اس کا بچاؤ ہے پانی پر جائے گا درخت کھائے گا حتی کہ اسے مالک پالے گا ۶ (بخاری)مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا اسے مشہور کرو ایک سال پھر اس کا بندھن اس کا برتن مشہور کرو پھر اس کو خود خرچ کرلو ۷ پھر اگر اس کا مالک آئے تو اسے ادا کردو ۸

ا آپ مشہور صحابی ہیں،پچھتر ۷۵ سال عمر پائی، ۷۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی،امیر معاویہ یا عبدالملک کے زمانہ میں،آخری بات صحیح ہے کیونکہ امیر معاویہ ۶۰ھ میں وفات پاچکے تھے۔(ازاشعہ)

۲ یعنی یہ کہو کہ جس کی یہ چیز ہو وہ اس کا تھیلہ برتن اور بندھن مال کی تعداد وغیرہ بیان کرے اور ہم سے لے لے، یہ مطلب نہیں کہ تم خود ہی بتادو کہ اس مال کی مقدار یہ ہے برتن وغیرہ ایسا کہ اس صورت میں تو جھوٹے لوگ دعویٰ کریں گے کہ ہمارا مال ہے۔(مرقات واشعہ)

۳ یہ اعلان مساجد اور بازاروں مجمعوں میں وقتًا فوقتًا کیا جائے روزانہ مسلسل کرنا واجب نہیں،امام محمد و شافعی و احمد کے نزدیک ہر قسم کے لقطہ کا اعلان ایک سال کرے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،امام اعظم و مالک کے ہاں معمولی لقطہ کا اعلان کچھ روز

کرے،درمیانی کا ایک سال،اعلیٰ قیمتی چیز کا تین سال،یہ فرمان عالی درمیان کے لیے ہے،ورنہ حضرت ابی ابن کعب کو تین سال اعلان کا حکم دیا گیا کہ وہاں لقطہ بہت قیمتی تھا لہذا مذہب احناف قوی ہے۔

۴؎ جوشخص لقطہ کا برتن بندھن مال کی مقدار دیگر علامات درست بیان کردے تو امام مالک و احمد کے ہاں اسے دے دینا واجب ہے مگر امام اعظم و شافعی کے ہاں اگر پانے والے کا دل گواہی دے کہ یہ سچا ہے تو دے دے،ورنہ اس مدعی سے گواہ طلب کرے گواہی لے کر دے کہ ہوسکتا ہے اس شخص نے مالک مال سے یہ اوصاف سنے ہوں اور سن کر بیان کررہا ہو اگر لقطہ پانے والا فقیر ہو تو بعد مایوسی خود استعمال کرے ورنہ خیرات کردے لیکن اگر بعد میں مالک مل گیا تو اسے چیز کی قیمت دینا ہوگی۔بعض کے نزدیک غنی بھی استعمال کرسکتا ہے۔

۵؎ یعنی گمی بکری ضرور پکڑلوورنہ بھیڑیا کھائے گا نہ تمہیں ملے گی نہ مالک کو۔

۶؎ خلاصہ یہ ہے گم شدہ اونٹ نہ پکڑو کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں،پانی کا تھیلہ اس کے پیٹ میں ہے۔پاؤں اس کے مضبوط ہیں،درندے سے بھاگ کر جان بچاسکتا ہے،لمبا سفر طے کرسکتا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ جنگل میں گمے ہوئے اونٹ کو نہ پکڑے لیکن بستی میں گمے ہوئے کوپکڑے کہ وہاں اسے لوگ چرالیں گے اور اب تو جنگل و بستی میں جہاں بھی چوری کا خطرہ ہو پکڑے،یہ حکم عرب کے لیے تھاجہاں چوری بالکل ختم ہوچکی تھی۔(از مرقات)

۷؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ثم محض عطف کے لیے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ"لہذا دو سال تک مشہور کرنا ضروری ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ثم اعرف الخ پہلے جملہ عَرِّفْهَا سَنَةً کا بیان ہے اور بعض شارحین فرماتے ہیں کہ ثُمَّ ترتیب کے لیے ہے۔لقطہ پانے والے کو مناسب یہ ہے کہ پہلے ایک سال تک مشہور کرے،پھر جب اپنے استعمال میں لانے لگے پھر اعلان کرے،یہاں بیان استحباب کے لیے ہے۔

۸؎ خرچ کرنے کا حکم اباحت کے لیے ہے اور فادّها وجوب کے لیے یعنی ایک سال گزرنے پر تمہیں لقطہ خود خرچ کرلینا جائز ہے،پھر اگر خرچ کرلینے کے بعد مالک لے تو اس کی مثل یا قیمت مالک کو ادا کرنا ضروری ہے اور اگر خیرات کردیا پھر بعد کو مالک آیاتو اسے اختیار ہے جو لقطہ پانے والے سے قیمت لے یا فقیر سے جسے خیرات دی گئی۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گمی چیز کو اپنے پاس جگہ دے۱؎ وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کا اعلان نہ کرے ۲؎(مسلم)

۱؎ غالب یہ ہے کہ گمی چیز سے مراد گما ہوا جانور ہے کیونکہ ضال اکثر جاندار گمے ہوئے کو کہا جاتا ہے اور لقطہ عام ہے،جان دار بیجان گمشدہ سب کو لقطہ کہتے ہیں مگر اکثر بے جان چیز پر بولا جاتاہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی جو گمشدہ چیز اٹھاکر اعلان نہ کرے وہ بدنیت اور خائن ہے بہتر ہے کہ اٹھاتے وقت ہی اعلان کردے کہ میں یہ چیز مالک تک پہنچانے کے لیے اٹھا رہا ہوں،پھر چیز کا اعلان شروع کرے کہ اس میں اپنے کو تہمت سے بچانا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عثمان تیمی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کے لقطہ سے منع فرمایا

	۲؎(مسلم)

۱؎آپ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کے بھتیجے ہیں،صحابی ہیں اور عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ ایمان لائے مگر آپ نے براہ راست حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہ کی لہذا یہ حدیث مرسل صحابی ہے کہ کسی سننے والے صحابی کا نام رہ گیا ہے۔خیال رہے کہ مرسل صحابی تمام کے نزدیک حجت ہے،غیر صحابی کے مرسل میں اختلاف ہے،ہمارے احناف کے ہاں مقبول ہے امام شافعی کے ہاں غیر مقبول۔(مرقات)

۲؎اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ حاجی کی گمی چیز کے مالک کبھی نہ ہو بلکہ اس تک پہنچا ہی دو۔دوسرے یہ کہ زمانہ حج میں حجاج کی گری چیز نہ اٹھاؤ بلکہ جہاں چیز پڑی ہو وہاں ہی اعلان کرو کیونکہ بعد میں اعلان کرنا مفید نہیں کہ حجاج بہت جلد متفرق ہوجاتے ہیں۔تیسرے یہ کہ حرم شریف میں حجاج کے لقطے کے مالک کبھی نہ ہواسے ہمیشہ امانت رہنے دو،جب کبھی حاجی آئے دے دو ورنہ پڑی رہے،یہ تیسرا قول امام شافعی کا ہے،ہمارے ہاں حرم وغیرہ کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں اب امام شافعی کے ہاں بھی حرم کا لقطہ ضرور اٹھایا جائے اور مالک نہ ملنے پر خیرات کردیا جائے کہ اب حرم شریف میں بھی چوریاں ہونے لگیں اگر نہ اٹھایا گیا تو چوری ہوجائیگا۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے۱؎وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ سے لٹکے ہوئے پھل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جو ضرورت مند ان میں سے کچھ لے لے کہ اسے ذخیرہ نہ کرے تو اس پر حرج نہیں ۲؎اور جو ان میں سے کچھ لے کر نکل جائے اس پر ڈبل تاوان بھی ہے اور سزا بھی ۳؎اور جو ان میں سے خرمن میں پہنچنے کے بعد چرالے پھر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کٹنا ہے ۴؎اور گمے ہوئے اونٹ اور بکری کے بارے میں وہ ہی ذکر کیا جو دوسروں نے بیان کیا ۵؎اور آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جو آباد راستہ اور بڑی بستی میں ملے تو ایک سال تک اس کا اعلان کرو ۶؎اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے دو اور اگر نہ آئے تو وہ تمہاری ہے ۷؎اور جو پرانے ویرانے میں ہو تو اس میں اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے ۸؎(نسائی)اور ابوداؤد نے انہی عمرو ابن شعیب سے روایت یہاں سے آخر

	تک کی وسئل عن اللقطة۔

۱؎ عمرو بن شعیب کے دادا کا نام عبداللہ عمرو ابن عاص ہے،یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عمرو ابن شعیب کی تمام روایات میں تدلیس ہے خبر نہیں کہ جدّہٖ کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے عمرو کی طرف یا ابیه کی طرف اسلئے ان کی احادیث سے مسائل شرعیہ بغیر تائید دوسری حدیث ثابت نہیں ہوتے۔

۲؎ اسکی شرح باب الغصب میں گزر گئی کہ بھوکا آدمی جو بُھوک سے مر رہا ہو وہ مالک باغ سے بغیر پوچھے پھل توڑ کر بقدر ضرورت کھاسکتا ہے اور پیسہ ملنے پر اس کی قیمت ادا کردے لہذا الاشیئ سے مراد لا اثم ہے یعنی اس پر گناہ نہیں کہ ایسی مجبوری کی حالت میں مردار کھانا بھی درست ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:" فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَةٍ"۔

۳؎ یعنی جو شخص یہ پھل لیکر باغ سے نکلے وہ خائن غاصب ہے،اس پر دو سزائیں ہیں:ڈبل قیمت، قاضی جو چاہے سزا دے۔امام احمد کے ہاں اسی پر عمل ہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانہ خلافت میں یہ ہی حکم دیتے تھے،ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے اول اسلام میں تھی کیونکہ مالی جرمانہ اب حرام ہوگیا،رب تعالٰی فرماتا ہے:" لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوٰلَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبٰطِلِ"ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے کھاؤ اور جرمانہ بھی ناجائز طریقہ ہی ہے کہ ناحق کسی کا مال لینا حرام ہے۔

۴؎ چونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے باغات دیواروں سے گھرے ہوئے نہ تھے ویسے ہی کُھلے تھے اس لیے درخت سے پھل توڑنے کو چوری قرار نہ دیا کیونکہ غیر محفوظ مال کا لینا چوری نہیں بلکہ جب پھل خرمن میں پہنچ کر محفوظ ہوجائیں انہیں لینے کا نام چوری ہوا،اگر باغ کے آس پاس چہار دیواری ہو تو پھل توڑنا بھی چوری ہوگا۔ڈھال کی قیمت احناف کے ہاں دس درہم یعنی پونے تین روپے ہے اس سے کم قیمت مال کی چوری پر ہاتھ نہ کٹے گا۔دوسرے اماموں کے ہاں اس سے کم پر بھی کٹے گا۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ کتاب الحدود میں ہوگی۔

۵؎ یعنی عمرو ابن شعیب کے دادا نے بھی اونٹ و بکری کے لقطہ کے متعلق وہ ہی حدیث بیان کی جو دوسرے راویوں نے کی ہے یعنی گمی بکری کو پکڑ لو گما اونٹ نہ پکڑو۔

۶؎ میتاء اتو یا ابتان سے ہے،اصل میں مئتا ہمزہ سے تھا،ہمزہ ی ہوگیا یعنی کثرت سے آنے جانے کا راستہ،چوراہے کو بھی میتاء کہتے ہیں اور جادہ یعنی شاہراہ کو بھی۔

۷؎ خلاصہ یہ ہے کہ عام آبادی اور عام راستہ کی پڑی چیز لقطہ ہے کہ غالبًا کسی مسلمان کی ہے اس پر لقطے کے احکام جاری ہوں گے۔

۸؎ یعنی پرانا غیر آباد راستہ یا پرانی غیر آباد بستی جو کسی مسلمان کی ملک نہ ہو اور وہاں اسلامی آبادی نہ رہی ہو وہاں کی پڑی چیز۔غالب یہ ہے کہ پرانے زمانے کے کفار کی ہے تو یہ دفینہ کے حکم میں ہے اور اس پر دفینہ کے احکام جاری ہوں گے کہ پانچواں حصہ حکومت اسلامیہ کا باقی پانے والے کا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ جناب علی ابن ابی طالب نے ایک اشرفی پڑی پائی تو اسے حضرت فاطمہ کے پاس لائے پھر اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دیا رزق ہے ۱؎ چنانچہ اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور حضرت علی و فاطمہ زہرا نے بھی کھایا ۲؎ پھر جب کچھ عرصہ گزرا تو ایک عورت اشرفی ڈھونڈتی آئی تب

	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اشرفی ادا کردو ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ لہذا تم اپنے خرچ میں لاؤ۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ تھوڑے لقطہ کا اعلان کرنا واجب نہیں کیونکہ حضرت علی کو حضور انور نے فورًا خرچ کرلینے کی اجازت دے دی،اعلان کا حکم نہ دیا۔فَاَتٰی اورفَسَاَلَ سے معلوم ہوا کہ لقطہ پاتے ہی بغیر تاخیر خرچ کرلینے کی اجازت دے دی مگر اس استدلال میں دو طرح گفتگو ہے: ایک یہ کہ دینار تھوڑا مال نہیں بلکہ مال کثیر ہے۔دوسرے یہ کہ ف کبھی تراخی پر بھی استعمال ہوتی ہے لہذا کہا جاتا ہے نَکَحتُ فَوُلِدَ میں نے نکاح کیا تواللہ نے مجھے بچہ دیا،دیکھو بچہ نکاح سے نو ماہ بعد ہوتا ہے مگر یہاں ف بولا گیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً"اللہ تعالٰی آسمان سے پانی اتارتا ہے تو زمین ہری بھری ہوجاتی ہے،دیکھو بارش کے کچھ عرصہ بعد زمین ہری بھری ہوتی ہے نہ کہ فورًا مگر یہاں ف ارشاد ہوا۔معلوم ہوا کہ ف کبھی تراخی کے لیے بھی آجاتی ہےایسے ہی یہاں حضرت علی کو اعلان وغیرہ کے بعد لقطہ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی لہذا حق یہی ہے کہ لقطہ کا اعلان ضروری ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ لقطہ وہ بھی کھاسکتا ہے جو صدقہ نہیں کھا سکتا یعنی بنی ہاشم۔بعض حضرات نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ لقطہ غنی بھی کھاسکتا ہے،دیکھو حضرت علی بھی غنی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو غنی گر مگر ان دونوں بزرگوں نے لقطہ کھایا لیکن یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ لقطے کے بارے میں غنی سے مراد وہ ہے جو چاندی سونے وغیرہ کا صاحب نصاب ہو،یہ غنا یعنی چاندی سونے کا اجتماع ان دونوں گھروں میں اس وقت تو کیا کبھی بھی نہ ہوا۔حضرت علی مرتضٰی نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی تلوار گروی رکھی اور فرمایا کہ اگر میرے گھر میں ایک وقت کا بھی کھانا ہوتا تو میں تلوار کبھی گروی نہ رکھتا،یہ حضرات انسانی لباس میں فرشتے تھے۔شعر

شیرنر در پوستین برہ   آفتابے در لباس ذرہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کی زرہ گروی تھی۔شعر

سلام اس پرکہ جس کے گھرمیں چاندی تھی نہ سوناتھا

سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں،حق یہی ہے کہ غنی لقطہ نہیں کھاسکتا۔(ازمرقات)

۳؎ غالبًا اس عورت کی صداقت وحی یا دیگر دلائل سے معلوم ہوگئی ہوگی،ورنہ بغیر تحقیقات کسی کو لقطہ کا مالک نہیں مانا جاتا جیساکہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا لہذا یہ حدیث نہ گزشتہ احادیث کے خلاف ہے نہ حکم فقہی کے مخالف۔

	روایت ہے حضرت جارود سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی گم شدہ چیز آگ کی چنگاری ہے ۲؎(دارمی)۳؎

۱؎ آپ کا نام جارود ابن معلٰی ہے، ۹ھ میں وفد عبدالقیس کے ساتھ آپ حاضر بارگاہ ہوئے،پھر اولًا بصرہ میں بعد میں فارس میں مقیم رہے،بزمانہ فاروق ۲۱ھ میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎یعنی جو مسلمان کی گمی چیز بدنیتی سے اٹھائے کہ مالک کو پہنچانے کاارادہ نہ ہو خیانت کی نیت ہو وہ دوزخی ہے اگرچہ ذمی کافر کالقطہ بھی کھانا جائز نہیں مگر مسلمان کے لقطہ میں ڈبل عذاب ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔
۳؎یہ حدیث،احمد،ترمذی،نسائی،ابن حبان نے انہی جارود سے بروایت عبداللہ ابن شخیر نقل کی اور طبرانی نے عصمہ ابن مالک سے۔

	روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پڑی چیز پائے تو ایک یا دو عادلوں کو گواہ بنائے ۲؎نہ اسے چھپائے نہ غائب کرے ۳؎ پھر اگر اس کا مالک ملے تو اسے لوٹا دے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہے دے ۴؎(احمد) (ابوداؤد،دارمی)

۱؎آپ عیاض ابن حمار ابن ناجیہ ابن عقال ہیں،تمیمی نجاشی ہیں،بصرہ کے رہنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پرانے محبوب ساتھی تھے جو ہمیشہ حضور کو خوش کیا کرتے تھے،آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایات لیں۔
۲؎یعنی اٹھاتے وقت ہی کہہ دے کہ گواہ رہنا میں یہ چیز اس لیے اٹھا رہا ہوں کہ مالک کو پہنچادوں یہ حکم استحبابی ہے،بعض کے نزدیک وجوبی،اس میں بڑی حکمتیں ہیں۔اس اعلان کے بعد نفس میں خیانت کا خیال نہ پیدا ہوگا،اگر یہ اچانک فوت ہوجائیں تواس کے ورثاء اسے میراث نہ بناسکیں گے،مالک کچھ زیادتی کمی کا دعوی نہ کرسکے گا کہ میری چیز زیادہ تھی یا اچھی تھی تم نے کم یا خراب کردی۔(لمعات)
۳؎یعنی نہ تو اٹھاتے وقت ہی جیب میں ڈالنے کی کوشش کرے اور نہ اس کے بعد اسے لاپتہ کردے،بعض نے فرمایا کہ کتم سے مراد لقطہ کا چھپانا اور غائب کرنے سے مراد ہے ملے ہوئے جانور کو بدنیتی سے اور جگہ بھیج دینا۔
۴؎یعنی اگر تلاش کرنے پر بھی مالک نہ ملے تو سمجھ لے کہ یہ روزی مجھے رب نے دی ہے۔غریب ہو تو استعمال کرے امیر ہو تو خیرات کردے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو لاٹھی،کوڑا،رسی اور ان جیسی چیزوں میں اجازت دی کہ کوئی پڑی ہوئی اٹھالے اس سے نفع اٹھائے ۱؎(ابوداؤد)اور حضرت مقدام ابن معدیکرب کی حدیث کہ الا لایحل باب الاعتصام میں ذکر کردی گئی ہے۔

۱؎ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ معمولی حقیر چیز جو پڑی ہوئی مل جائیں اور مالک انکی پرواہ بھی نہ کرتے ہوں اسے بغیر اعلان بھی استعمال کرنا جائز ہے۔ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ اگر اس کے صدقہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کھالیتے،کھیت اٹھاتے وقت بالیاں رہ جاتی ہیں یا گر جاتی ہیں ایسے ہی ترکاریاں،ایک آدھ گرا ہوا پھل وغیرہ جس کو مالک تلاش بھی نہیں کرتا یہ سب اسی میں داخل ہیں،لیکن اگر بعد میں ان چیزوں کا مالک آکر

مطالبہ کرے تو اسے قیمت یا مثل دینا پڑے گا۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ لقطہ کو پانے کا خوب استعمال کرتا رہے اور جب مالک مل جائے تو خراب کیا ہوا لقطہ اسے دیدے کہ یہ تو سخت ممنوع ہے۔لقطہ امانت ہوتا ہے اور امانت کا استعمال جائز نہیں۔

باب الفرائض

باب میراث کے حصّے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱فرائض فریضه کی جمع ہے جو فرض سے بنا بمعنی قطع و کاٹنا،اصطلاح میں میت کے متروکہ مال کے معین حصہ کو فریضہ کہتے ہیں کہ وہ بھی مال سے کاٹ کردیا جاتا ہے۔مسائل میراث کے علم کو علم الفرائض کہتے ہیں،اور میراث جاننے والے کو بھی فرضی یا فارض کہتے ہیں۔حدیث شریف میں افرضکم زید تم میں زیادہ علم میراث جاننے والے حضرت زید ابن ثابت ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں۱جو مرجائے اور اس پر قرض ہوجس کی اداکا ذریعہ نہ چھوڑے اس کی ادائیگی مجھ پر ہے۲اورجو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۳اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو قرض یا بال بچے چھوڑے تو میرے پاس آئے ۴تو میں اس کا والی ہوں ایک روایت میں یوں ہے کہ جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کا ہے اور جو بوجھ چھوڑ دے وہ ہمارے ذمہ ہے۵(مسلم،بخاری)	

۱اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالْمُؤْمِنِیۡنَ مِنْ اَنۡفُسِہِمْ"اور اولی کے معنی ہیں زیادہ قریب،زیادہ والی وارث،زیادہ خیرخواہ،زیادہ مالک،یہاں شیخ نے اولیٰ کے معنی زیادہ خیر خواہ کئے یعنی جس قدر مسلمان اپنے خیرخواہ ہیں اس سے زیادہ میں ان کا خیرخواہ ہوں،میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی امتی بعد موت قرض میں گرفتار رہے۔

۲یعنی سارے مقروض نادار مسلمانوں کا قرض ان کی موت کے بعد ہم ادا کریں گےخواہ مدینہ کے مسلمان ہوں یا کسی اور جگہ کے تاکہ میری امت بارگاہ الٰہی میں گرفتار نہ رہے۔

۳یعنی اگر مال چھوڑے اور اس پر قرض نہ ہوتو مال وارثوں اور اگر قرض بھی ہو تو ادائے قرض کے بعد سب مال وارثوں کا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قرض کا ذکر کیوں نہ فرمایا،میراث بعد ادائے قرض تقسیم ہوتی ہے کیونکہ قرض کا ذکر تو پہلے ہوچکا۔

۴؎ میت کا وصی یا اس کا وکیل میت کے بال بچوں کی ہم کو خبر دے ہم قرض ادا فرمائیں گے اس کے بال بچوں کو پالیں گے۔ضیاع جمع ضائع کی ہے جیسے جائع کی جمع جیاع،ضائع کے معنی ہیں برباد ہوجانے والی چیز جس کے برباد ہونے کا خطرہ ہوجیسے چھوٹے بچے یا بیوہ عورت جو دوسرا نکاح نہ کرسکے ان سب کو حضور پالتے ہیں،بیوگان اور یتیموں کے والی وارث حضور ہی تھے اور ہیں۔

۵؎ کلّ یعنی بوجھ سے مراد قرض اور چھوٹے بچے بیوہ بیوی ہے اس کی شرح پہلی حدیث میں گزری،رب تعالٰی فرماتاہے:"بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"حضور انور مسلمانوں پر بڑے مہربان رحمت والے ہیں،یہ اس ہی کی رحمت کا ظہور ہے۔خیال رہے کہ حضور انور کی رحمت عامہ تمام جہاں پر ہے،اس لحاظ سے فرمایا کیا رحمة للعالمین اور رحمت خاصہ صرف مسلمانوں پر ہے اس لحاظ سے ارشاد ہوا"بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقرر شدہ میراثی حصے ان کے حقداروں کو دو پھرجو بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دو ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی تقسیم میراث میں پہلے تو ذی فرض وارثوں کو ان کے مقررکردہ حصے دو،یہ حضرات کل بارہ ہیں:چار مرد،آٹھ عورتیں،ان کے حصوں سے جو باقی بچے وہ عصبہ بنفسہ کو دو خواہ بالغ ہوں یا نابالغ۔عصبہ بنفسہ وہ مرد ہے جس کا رشتہ میت سے بغیر عورت کے واسطے کے ہوں جیسے بیٹا،باپ،بھائی وغیرہ۔تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میراث اوّلًا ذی فرض کو دی جائے،ان سے بچے تو عصبات میں تقسیم ہو،اولی بمعنی اقرب ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قریبی وارث کے ہوتے ہوئے دور والے وارث کو میراث نہ ملے گی لہذا باپ کے ہوتے دادا محروم ہے،بیٹے کے ہوتے پوتا محروم،بھائی کے ہوتے بھتیجہ محروم،چچا کے ہوتے چچا زاد اولاد محروم،یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ"۔اس کے مال سے حصے بانٹو جو ماں باپ یا قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑاہے۔اقربون اسم تفضیل ہے۔معلوم ہوا کہ قریبی کے ہوتے بعید کا رشتہ دار محروم ہے،آج بعض جہلا نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کو بھی میراث دو مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ باپ کے ہوتے دادا وارث ہو،بیٹی کے ہوتے یتیم نواسہ وارث ہواور بھائی چچا کے ہوتے ان کی یتیم اولاد بھی وارث ہو،یہ حضرات کہتے ہیں کہ مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ میں ماں باپ دادا دادی سب شامل ہیں مگر تعجب ہے کہ نانا،نانی کو اس میں شامل نہیں کرتے،غرضکہ مسئلہ آج تک کسی زمانہ میں کسی مسلمان نے نہ کہا،اب چودہ سو برس کے بعد ان کو سوجھا۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ مسلمان کافر کا وارث نہ کافر مسلمان کا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی کفرو اسلام کا فرق میراث سے مانع ہے لہذا مؤمن باپ کی میراث کافر بیٹا نہ پائے گا اور کافر بیٹے کی میراث سے مؤمن باپ کو کچھ نہ ملے گا مگر کفر ایک ہی ملت ہے لہذا یہودی باپ کی میراث عیسائی بیٹے کو مل جائے گی۔سعید ابن مسیب،امیر معاویہ،معاذ بن جبل وغیرہم فرماتے ہیں کہ مؤمن وارث تو کافر کی میراث حاصل کرے گا مگر کافر وارث مؤمن کی میراث نہ پائے گا،**الاسلام یعلو ولا یعلی** مگر جمہور صحابہ و فقہاء کا قول ہے جو ہم نے عرض کیا کہ دو طرفہ میراث نہ ملے گی،مرتد کسی کا وارث نہیں،ہمارے ہاں زمانہ ارتداد کی کمائی بیت المال کی ہے اور زمانہ اسلام کی کمائی وارثوں کی،امام شافعی کے ہاں مرتد کسی کا وارث نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی سے ہے ۱؎(بخاری)

۱؎یعنی آزاد کردہ غلام بھی عصبہ سببی ہونے کی وجہ سے وارث ہے کہ اگر اوپر کے وارث نہ ہوں تو اسے میراث ملے گی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم کا بھانجہ ان ہی سے ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)اورحضرت عائشہ کی حدیث "**انما الولاء**" **باب السلم** سے پہلے والے باب میں ذکر کردی گئی اور حضرت براء کی حدیث کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے ان شاءاللہ بچے کے بلوغ اور ان کی پرورش کے باب میں ذکر کی جائے گی ۲؎

۱؎یعنی بھانجہ بھی ذی رحم ہونے کی وجہ سے وارث ہے کہ اگر ذی فرض و عصبہ وارث نہ ہوتو اسے میراث مل سکتی ہے،یہ ہی قول امام اعظم و احمد کا ہے،دوسرے اماموں کے ہاں ذی رحم وارث نہیں،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ ذی رحم دس قسم کے ہیں:(۱)نواسے(۲)بھانجے(۳) بھتیجی(۴)چچا کی بیٹی(۵)پھوپھی کی بیٹی (۶)ماموں(۷)خالہ(۸)نانا(۹)ماں کا چچا(۱۰)پھوپھی،اخیافی بھائی کی اولاد۔(مرقات)پوری تفصیل ہماری کتاب"**علم المیراث**"میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎یعنی یہ دو حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے مناسبت کی وجہ سے ان مقامات میں درج کیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت جابر سے روایت کی)

۱؎ شتّٰی شتیت سے بنا بمعنی متفرق،حق یہ ہے کہ شتّٰی ملّتین کی صفت ہے نہ کہ اھل کی۔مختلف دین سے مراد کفر و اسلام ہے اس کی شرح ابھی گزری ہوئی پہلی حدیث ہے جس میں ارشاد ہوا کہ کافر مؤمن کا وارث نہیں،یہ امام اعظم کا قول ہے مگر امام شافعی کے ہاں یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے،وہ اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا وارث نہیں اور عیسائی یہودی کا وارث نہیں،یوں ہی مشرک مجوسی اور مجوسی مشرک کا وارث نہیں،بعض علماء نے فرمایا کہ اہل کتاب تو ایک دوسرے کے وارث ہیں مگر مشرک مجوسی اوراہل کتاب ایک دوسرے کے وارث نہیں لہذا عیسائی،یہودی کی میراث مجوسی یا بت پرست نہیں پائے گا،وہ حضرات ملتین کے معنی آسمانی اور غیر آسمانی دین کرتے ہیں مگر مذہب احناف قوی ہے،اولًا تو اس لیے کہ اس حدیث کی شرح خود حضور انور نے فرمادی کہ کافر مؤمن کا اور مؤمن کافر کا وارث نہیں،خود صاحب حدیث کی شرح دوسری شرحوں سے اعلیٰ ہے۔دوسرے یہ کہ حضور نے فرمادیا الکفر ملّة واحدة کفر ایک ہی دین ہے،تو دنیا میں دو ہی دین ہوئے کفر یا اسلام،انہیں ملّتین فرمانا بالکل درست ہوا۔خیال رہے کہ مانعِ میراث چار چیزیں ہیں:اختلاف دین،اختلاف ملک(مگر کفار کے لیے)قتل عبدیت۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی اگر کوئی رشتہ دار اپنے عزیز کو قتل کردے تو قاتل اس عزیز کی میراث نہ پائے گا مگر اس قتل میں کچھ شرطیں ہیں:ایک یہ کہ قاتل عاقل بالغ ہو،بچہ یا مجنون دیوانگی میں قتل کردے تو وارث ہے۔دوسرے یہ کہ قتل ظلمًا ہو اپنی جان بچانے کے لیے یا قصاصًا یا حسدًا قتل کیا تو میراث سے محروم نہیں۔تیسرے یہ کہ قتل موجب قصاص یا کفارہ ہو،اگر ایسا قتل ہے جس میں نہ قصاص ہے نہ کفارہ تو وہ میراث سے محروم نہ کرے گا۔اس کی تفصیل ہماری کتاب "علم المیراث"میں ملاحظہ فرمایئے۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کے لیے چھٹا حصہ مقرر فرمایاجب کہ اس کے اوپر ماں موجود نہ ہو ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ بریدہ ابن حُصَیب اسلمی ہیں،غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے مگر بدر میں شریک نہ ہوسکے،بیعۃ الرضوان میں شریک تھے،مدینہ منورہ میں رہے،آخر میں بصرہ میں قیام رہا،پھر جہاد کرتے ہوئے خراسان پہنچے،وہاں ہی یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں ۶۲ھ مقام مرو میں وفات پائی،آپ سے بہت صحابہ نے روایات لی ہیں۔(مرقات)

۲؎یعنی دادی،نانی کی میراث چھٹا حصہ ہے لیکن اگر میت کی ماں موجود ہے تو دادی بھی محروم اور نانی بھی کیونکہ ان دونوں کے لیے حاجب ہے۔حجب اور منع میں فرق یہ ہے کہ کسی عزیز کا دوسرے عزیز کو محروم کردینا حجب حرمان کہلاتا ہے اور اس کا حصہ کم کردینا حجب نقصان ہے،مگر خود وارث کی اپنی حالت کا اسے میراث سے محروم کردینا منع ہے۔جیسے کفر و غلام ہونا،قتل،ماں دونوں قسم کی دادی نانی کے لیے حاجب حرمان ہے۔خیال رہے کہ دادی کا کل حصہ سدس یعنی چھٹا ہے،لہذا اگر میت کی دادی بھی ہے نانی بھی تو ان دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا جسے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گی۔چنانچہ حاکم نے حضرت

عبادہ ابن صامت سے روایۃً فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹا حصہ دادی نانی میں تقسیم فرمایااور دادی باپ سے بھی محروم ہوجاتی ہے مگر نانی صرف ماں سے محروم ہوگی۔اس کی تفصیل ہماری کتاب"علم المیراث"اور سراجی و شریفی میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بچہ چیخے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اسے وارث بنایا جائے گا۱ (ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یعنی اگر بچہ زندہ پیدا ہو اور اس کی زندگی اس کے رونے یا چھینکنے یا حرکت کرنے سے معلوم ہوجائے پھر مرجائے تو اس کی تجہیز و تکفین بھی ہوگی،جنازہ بھی اور وہ وارث بھی ہوگا،مورث بھی۔اگر مرا ہوا پیدا ہو تو ان میں سے کوئی کام نہ ہوگا،اگر میت کی بیوی حاملہ ہے تو تقسیم میراث کے وقت حمل کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تو یہ حصہ اس ہی کا ہوگا اور اگر مردہ پیدا ہوا تو یہ موقوف رکھا ہوا حصہ انہیں وارثوں میں تقسیم کردیا جائے گاجن کے حصے سے کاٹ لی گئی تھی۔میراث حمل کی تفصیل بحث "علم المیراث"میں ملاحظہ فرمایئے۔بعض آئمہ صرف بچہ کے چیخنے پر تو اسے میراث دیتے ہیں دوسری علامات حیات پر نہیں دیتے۔وہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں مگر امام اعظم، شافعی،اوزاعی،سفیان ثوری وغیرہم کا وہ ہی فرمان ہے جو ہم نے عرض کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہاں چیخنے سے مراد علامت حیات ہے،چونکہ اکثر بچے چیختے ہوئے پیدا ہوتے ہیں اس لیے چیخنے کا ذکر ہوا۔

روایت ہے حضرت کثیر ابن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی۱فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی میں سے ہے اور قوم کا حلیف ان ہی میں سے ہے ۲اور قوم کا بھانجہ ان ہی میں سے ہے ۳(دارمی)	

۱؎آپ کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عوف مزنی مدنی ہیں،تبع تابعین میں سے ہیں مگر کثیر کو اشعہ میں ضعیف متروک الحدیث فرمایا،کثیر کے والد عبداللہ تابعی ہیں اور دادا عمرو ابن عوف صحابی۔

۲؎غلام کی وراثت کا ذکر تو پہلے ہوچکا۔حلیف سے مراد مولی موالات ہے جس سے میت نے زندگی میں معاہدہ کیا ہو کہ تو میرا وارث اور میں تیرا وارث جو پہلے مرے اس کا مال دوسرا لے،اسے بھی بعض صورتوں میں میراث مل جاتی ہے جب کہ اس کے اوپر وارثین موجود نہ ہوں۔اس کی مکمل بحث"علم المیراث"میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎بھانجہ ذی رحم وارث ہے اور ذی رحم کو بھی میراث مل جاتی ہے جب کہ ذی عصبہ وغیرہ اوپر کے وارث نہ ہوں،ہم ذی رحم کی تعداد پہلے بیان کرچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت مقدام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں ہر مسلمان کا اس کی جان سے زیادہ والی ہوں جو قرض یا بال بچے چھوڑے وہ ہماری سپرد ہے ۱	

اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے ۲؎ میں اس کا والی ہوں جس کا کوئی والی نہیں میں اس کے مال کا وارث ہوں گا ۳؎ اور اس کے قیدی کو چھوڑاؤں گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں کہ اس کے مال کا وارث ہوگا ۴؎ اور اس کا قیدی چھوڑائے گا ۵؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں وارث ہوں اس کا جس کا کوئی وارث نہیں کہ اس کی دیت بھی دوں گا اور اس کا وارث بھی ہوں گا ۶؎ اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو کہ اس کی دیت دے گا اور میراث لے گا۔(ابوداؤد)	

۱؎ کہ اس کا قرض بھی ہم ادا کریں گے اور اس کے یتیم بچوں کو بھی ہم پالیں گے اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزرگئی۔

۲؎ ہم اس مال سے کچھ نہ لیں گے بلکہ تجہیزوتکفین،ادائے قرض،اجرائے وصیت کے بعد اس کے وارثوں کا ہوگا۔

۳؎ یعنی اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں جائے گا کہ بیت المال اللہ رسول کا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضرات انبیاءکرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ مورث۔

۴؎ یعنی جس میت کا ذی فرض و عصبہ نہ ہو اس کے وارث ماموں،خالہ وغیرہ تمام ذی رحم بالترتیب ہیں اور اگر غیر ذی فرض ہے جیسے بیوی یا خاوند تو بھی ذی رحم وارثوں کو میراث ملے گی۔خیال رہے کہ ذی رحم کی وراثت کے امام شافعی و امام مالک منکر ہیں،ان کے ہاں ذی فرض و عصبہ کے نہ ہونے پر مال بیت المال میں جائے گا مگر ہمارے ہاں ذی رحم بھی وارث ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ"اس آیت نے عقدمواخات کی میراث کو منسوخ فرماکر رشتہ داروں کو وارث بنایا اور ان میں ذی رحم وارثوں کو لے لیا،نیز سہل ابن حنیف جب قتل کئے گئےتو ان کا ایک ماموں ہی تھا اور کوئی عزیز نہ تھا،حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کا انتقال ہوا تو حضور انور نے حضرت قیس ابن عاصم سے فرمایا کیا تم میں کوئی ان کا عزیز قریبی بھی ہے،انہوں نے عرض کیا وہ مسافر تھے،ان کا عزیز سوائے ابولبابہ ابن عبدالمنذر کے جوان کے بھانجے ہیں اور کوئی نہیں،حضور انور نے انہیں کو وارث بنایا۔جن روایات میں ہے کہ پھوپھی خالہ وارث نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ذی فرض یا عصبہ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ وارث نہیں لہذا مذہب حنفی بہت قوی ہے۔(مرقات)

۵؎ یعنی بھانجہ کی دیت ماموں دے گا اور اگر بھانجہ قید ہوجائے تو ماموں فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۶؎ یعنی لاوارث کی دیت بیت المال سے دی جائے گی اور اس کا متروکہ مال بیت المال میں داخل ہوگا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔دیت اور فدیہ کے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے اور ہم ان شاءاللہ باب الدیت میں عرض کریں گے۔

روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت تین میراثیں سمیٹتی ہے ۱؎	

	اپنے آزاد کردہ غلام کی اپنے پڑے پائے بچہ کی اور اپنے اس بچے کی جس پر اس نے لعان کیا ۲ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ یہ میراثیں مرد کو نہیں ملتیں صرف عورت کو ملتی ہیں۔

۲؎ عورت کے آزاد کردہ غلام کی دیت یا وراثت صرف عورت ہی کو ملے گی نہ کہ اس کے خاوند کو،پڑے ہوئے بچے کی میراث عورت کو ملنا منسوخ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر اس بچہ کا اور کوئی وارث نہ ہو تو اجنبی لوگوں کے مقابل اس عورت کو اس کا مال دے دینا بہتر ہے۔حرام کا بچہ یوں ہی وہ بچہ جس کا باپ نے انکار کرکے اس پر لعان کرلیاان دونوں کی میراث صرف ماں کو ملے گی کہ ان کا باپ تو کوئی ہے ہی نہیں۔ خیال رہے کہ اسحاق ابن راھویہ فرماتے ہیں کہ لقلیط یعنی پڑے ہوئے بچہ کا مال پانے والے کو ملے گا۔اس حدیث کی بنا پر مگر باقی تمام آئمہ اس کے انکاری ہیں،ان کے ہاں یہ جزء منسوخ ہے یا اس کا وہ مطلب ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔(لمعات و مرقات)یہ حدیث قوی نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو بچہ حرام کا ہے کہ نہ وہ اس کا وارث ہو اور نہ یہ اس کا وارث ۱(ترمذی)

۱؎ یعنی حرامی بچے کی وارث صرف ماں اور ماں کے قرابت دار ہوں گے،نانی،خالہ،ماموں وغیرہ اور وہ بچہ ان لوگوں کا وارث ہوگا مگر یہ زانی باپ اور اس کے عزیز نہ تو حرامی بچے کے وارث نہ وہ بچہ ان کا وارث کہ یہ بچہ نسبًا اس باپ سے ہے ہی نہیں صرف ماں سے ہے،یہاں باپ اور باپ کے عزیزوں کی میراث کی نفی ہے اور ماں کی میراث کا ثبوت پچھلی حدیث میں گزر گیا کہ لعان والے بچہ کی وارث ماں ہے،لعان اور زنا کے بچوں کا ایک ہی حکم ہے کہ ان کا نسب صرف ماں سے ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام فوت ہوگیا اس نے کچھ مال چھوڑا ۱ اور نہ کوئی قرابت دار چھوڑا نہ اولاد تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی میراث اس کے کسی بستی والے کو دے دو ۲ (ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ اس غلام کا نام معلوم نہ ہوسکا کہ کون صاحب تھے۔

۲؎ حضور انور نے اس مرحوم غلام کا مال خود نہ لیاحالانکہ ایسے موقعہ پر آزاد کرنے والا مولیٰ میراث پاتا ہے کیونکہ حضور انور نبی ہیں اور حضرات انبیاء نہ کسی کے وارث ہوں نہ ان کا کوئی وارث ہو جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً ارشاد ہے۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال کا ہے اور بیت المال تمام مسلمانوں کا سلطان اسلام کا حق ہوتا ہے کہ بیت المال کا مال جس مسلمان پر چاہے خرچ کرے۔اس حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اس کے کسی بستی والے کو دے دو کہ وہ بھی تو مسلمان ہی ہوگا جس کا بیت المال میں حق ہے۔لہذااس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایسے لاوارث کا متروکہ مال اس کے کسی بستی والے کو دے دیا جائے بلکہ مطلب وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا۔(ازلمعات و مرقات)

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ بنی خزاعہ ۱؎ کا ایک شخص فوت ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی میراث لائی گئی تو فرمایا اس کا کوئی وارث یا ذی رحم ڈھونڈو تو نہ اس کا کوئی وارث پایا اور نہ ذی رحم ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میراث خزاعہ کے کسی قریبی کو دے دو ۳؎ (ابوداؤد)اور اس کی ایک روایت میں یوں ہے فرمایا خزاعہ کے کسی بڑے آدمی کو دیکھو ۴؎	

۱؎ خزاعہ ازد کا بڑا مشہور قبیلہ ہے۔

۲؎ یہاں وارث سے مراد ذی فرض یا عصبہ وارث ہے جیساکہ ذی رحم کے مقابلہ سے معلوم ہورہا ہے،اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذی رحم کو میراث مل سکتی ہے۔

۳؎ شیخ نے اشعہ فرمایا کہ کُبرا کاف کے پیش ب کے جزم سے،وہ شخص جو قوم کے مورث میں میت سے ملتا ہوایسے شخص کو میراث سے کچھ نہیں ملتا،حضور انور کا یہ دلوانا بطور میراث نہ تھابلکہ بیت المال کے مصرف ہونے کی حیثیت سے تھا کہ یہ مال ہے تو بیت المال کااور چونکہ بیت المال کا مال مسلمانوں پر خرچ ہوتا ہے اور یہ شخص بھی مسلمان ہے لہذا ہم سلطان اسلام کی حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اسے دے دو۔علامہ شامی نے فرمایا کہ دادا کے چچا اور اس چچا کی اولاد تک توارث ہوتا ہے جو اس سے اوپر میت سے ملے وہ وارث نہیں ورنہ سارے ہی انسان آدم علیہ السلام میں مل جاتے ہیں،سب ایک دوسرے کے وارث ہونا چاہئیں،انہی شامی نے یہ بھی فرمایا کہ اب فی زمانہ حتی الامکان بیت المال میں کسی کا ترکہ نہ بھیجو کہ وہ عمومًا ظالموں کے قبضہ میں ہوتا ہے بلکہ اب جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کے بستی والوں کو دے دو،مسلمانوں میں تقسیم کردو حتی کہ غیر روی وارثوں پر رد کردو مگر بیت المال سے مسلمانوں کا متروکہ مال بچاؤ۔

۴؎ یہاں بھی اکبر رجل میں دو احتمال ہیں:یا اکبر سے مراد بڑے قرب والا یا گاؤں کا بڑا آدمی چودھری نمبردار یعنی اس بستی میں جو اس مرنے والے سے بڑی قرب کی قرابت رکھتاہو اسے دو یا جو بڑا ہواسے میراث دو کہ وہ اپنے انتظام سے لوگوں میں تقسیم کرے خود بھی لے دوسروں کو بھی دے کھائے بھی کھلائے بھی۔

روایت ہے حضرت علی سے فرمایا تم یہ آیت پڑھتے ہو کہ تمہاری کی ہوئی وصیت کے یا قرض کے بعد،حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا وصیت سے پہلے حکم دیا ہے ۱؎ اور حکم دیا ہے کہ ماں والی اولاد وارث ہوگی نہ کہ علاتی اولاد ۲؎ آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوگا نہ کہ علاتی بھائی گا ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ ماں جائے بھائی بہن آپس میں وارث ہوں گے نہ کہ علاتی بھائی،الخ ۴؎	

۱؎خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں **وصیۃ** کا ذکر قرض سے پہلے فرمایا گیا کہ ارشاد باری میں پہلے وصیت ہے پھر قرض مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے قرض کو وصیت پر مقدم فرمایا کہ تجہیز و تکفین کے بعد میت کا قرض ادا کرو پھر بعد ادائے قرض تہائی مال سے وصیت جاری کرو،پھر میراث تقسیم کرو،حضور انور کا یہ عمل قرآن کریم کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تفسیر ہے جس سے بتادیا گیا کہ قرض ذکر میں پیچھے ہے مگر عمل میں پہلے،چونکہ وارثوں پر وصیت پوری کرنا شاق گزرتا ہے،قرض شوق سے ادا کر دیتے ہیں اس لیے اہتمامًا پہلے وصیت کا ذکر فرمایا۔

۲؎**اعیان** جمع **عین** کی ہے بمعنی ذات اور بنی ام سے مراد اخیافی اولاد نہیں بلکہ حقیقی بھائی مراد ہیں یعنی جو مال میں بھی شریک ہوں۔مطلب یہ ہے کہ جس میت سے سگے بھائی بھی ہوں اور باپ شریکے بھی تو سگے بھائی میراث پائیں گے،باپ شریکے نہ پائیں گے کہ سگوں کو قوت قرابت حاصل ہے اسی لیے آپ نے اخیافی نہ فرمایا بلکہ اعیان بنی ام فرمایا اتنی دراز عبارت۔(مرقات و لمعات و اشعہ وغیرہ)لہٰذا قرآن شریف میں جو لفظ **اخوۃ** ارشاد ہوا اس سے دھوکا نہ کھایئے اور اس سے سارے بھائی نہ سمجھ لیجئے سگے ہوں یا سوتیلے۔

۳؎یہ جملہ گزشتہ کلام کی شرح ہے۔**لِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ** فرماکر بتادیا کہ وہاں **بنی الام** سے مراد ماں میں بھی شریک تھے نہ کہ ماں میں ہی شریک،دیکھو حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **اِبْنَ اُمِّ** اے میرے ماں جائے حالانکہ آپ حضرت ہارون کے سگے بھائی تھے۔

۴؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ سگے بھائی بہن سوتیلوں پر مقدم ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ سعد ابن ربیع کی بیوی اپنی دو لڑکیاں جو سعد ابن ربیع سے تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۱؎ بولیں یا رسول اللہ سعد ابن ربیع کی لڑکیاں ہیں جن کے باپ آپ کے ساتھ احد کے دن شہید ہوکر قتل کردیئے گئے اور انکے چچا نے ان کا مال لے لیا۲؎ کہ ان کے لیے کچھ مال نہ چھوڑا اور بغیر مال ان کا نکاح نہیں کیا جاسکتا ہے ۳؎حضور نے فرمایا اللہ اس بارے میں فیصلہ فرمائے گا ۴؎تب میراث کی آیت نازل ہوئی ۵؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکیوں کے چچا کو بلا بھیجا فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دے دو اور ان بچیوں کی ماں کو آٹھواں حصہ جو باقی بچے وہ تمہارا۶؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱؎سعد ابن ربیع بروزن فعیل،ر کے فتح سے ب کے کسرہ سے،یہ سعد ابن ربیع انصاری ہیں،خزرجی ہیں،بدری ہیں،عقبہ اولیٰ کی بیعت میں شریک رہے،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ کا عقد مواخات کرایا گیا،جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور حضرت خارجہ ابن زید کے ساتھ ایک قبر میں داخل کیئے گئے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎جیساکہ عرب میں دستور تھا کہ کسی کے فوت ہونے کے بعد اس کا بھائی ساری میراث پر قبضہ کرلیتا تھااور اس کی یتیم بچیوں کو محروم کردیتا تھا۔غرضکہ مرحوم کی لڑکیاں میراث نہ پاتی تھیں یا بھائی میراث سمیٹتا تھا یا چچا،بچیاں محروم ہی رہتی تھیں۔

۳؎کیونکہ بچیوں کی شادی میں جہیز وغیرہ دینا ہوتا ہے اور جہیز بغیر مال تیار نہیں ہوتا،غریب یتیم بچیوں سے کوئی نکاح کرنا پسند نہیں کرتا،مالدار لڑکیاں جلد ٹھکانے لگ جاتی ہیں جیساکہ آج بھی دیکھا جارہا ہے،یہ قدرتی چیز ہے حسن اور مال پر رجحان ہے۔

۴؎ابھی تک میراث کی آیات نہ اتری تھیں اس لیے حضور انور نے خود کچھ فیصلہ نہ فرمایا۔خیال رہے کہ میراث کے احکام اکثر قرآن کریم میں وارد ہیں رب تعالٰی نے خود براہ راست میراث کے احکام جاری کئے تاکہ لوگ میراث میں خوف خدا سے کام لیں۔

۵؎یعنی یہ آیت "یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوۡلٰدِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ"جس میں بیٹے بیٹیوں کے حصے مقرر فرمادیئے گئے۔

۶؎خلاصہ یہ ہے کہ سعد کے مال کے کل چوبیس حصے کرو جن میں سے تین تو ان کی بیوی کے ہیں،سولہ ان کی لڑکیوں کے اور پانچ بقیہ تمہارے،کہ اولاد کے ہوتے بیوی کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے،بیوی اور لڑکیاں ذی فرض ہیں اور چچاعصبہ۔ ماسبق سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی عصبہ ہے کہ اس کا حصہ مقرر نہیں،مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں یہ پہلی میراث تقسیم ہوئی۔خیال رہے کہ رب تعالٰی نے لڑکیوں کے بارے میں فرمایا:"فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ"اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی کی وارث ہیں۔اس آیت کی بنا پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ دو لڑکیاں بھی ایک لڑکے کی طرح آدھا مال ہی پائیں گی،دو سے زیادہ ہوتودو تہائی مگر باقی تمام صحابہ اور علمائے اسلام کافرمان ہے کہ دولڑکیاں بھی دو تہائی پائیں گی یعنی میراث میں دو کی تعداد جمع ہے اور یہ حدیث اس آیت کریمہ کی شرح ہے،قرآن کریم نے اتنی بڑی عبارت فرمائی،یہ نہ فرمادیا کہ اگر لڑکیاں دو ہوں تاکہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ دو لڑکیوں کو تہائی اور زیادہ کو تہائی اور زیادہ کو اس سے زیادہ۔غالبًا ابن عباس کو یہ حدیث پہنچی نہیں جب ایک بیٹی میت کے بیٹے کے ساتھ تہائی پاتی ہے تو بیٹی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تہائی پائے گی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ہزیل ابن شرحبیل سے فرماتے ہیں کہ جناب ابو موسیٰ سے ایک بیٹی پوتی اور بہن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا بیٹی کا آدھا اور بہن کا آدھا ہے ۱؎ اور تم حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری ہی مطابقت

کریں گے۲؎چنانچہ حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا گیا اور حضرت موسیٰ کی بات کی خبر دی گئی وہ بولے تب تو بہک جاؤں گا اور راہ پانے والوں سے نہ ہوں گا ۳؎میں تو اس میں وہ فیصلہ کروں گاجو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا،بیٹی کا آدھا ہے اور پوتی کا چھٹا حصہ دو تہائی پوری کرنے والے کو اور جو باقی بچے وہ بہن کا ۴؎پھر ہم ابو موسیٰ کے پاس آئے تو ہم نے انہیں حضرت ابن مسعود کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ بولے جب تک یہ علّامہ تم میں رہے مجھ سے نہ پوچھو ۵؎(بخاری)	

۱؎سوال یہ تھا کہ ایک شخص فوت ہوااس نے ایک بیٹی،ایک پوتی،ایک بہن چھوڑی تو کسے کتنا ملے گا ؟ آپ نے فرمایابیٹی کو آدھا،بہن کو آدھا اور پوتی محروم ہے،آپ نے ان دو آیتوں پر نظر فرمائی کہ بیٹی کے متعلق ارشاد ہوا"وَاِنۡ کَانَتۡ وٰحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ"اگر بیٹی اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور بہن کے متعلق ارشاد ہوا ہے"اِنِ امۡرُؤٌا ہَلَکَ لَیۡسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗۤ اُخۡتٌ فَلَہَا نِصۡفُ مَا تَرَکَ" کہ اگر کوئی مرگیا اور اس کے اولاد نہیں ہے بہن ہے تو بہن کو آدھا ملے گا۔آپ نے ولد سے مراد صلبی اولادلی،حالانکہ ولد میں پوتی بھی داخل ہے اگر بیٹا بیٹی،پوتا پوتی نہ ہو تو بہن کو آدھا ملتا ہے،یہ ہوئی اجتہادی غلطی یا انہوں نے خیال کیا کہ وہاں آیت میں ولد سے مراد مذکر اولاد ہے۔

۲؎یعنی میرے بتائے ہوئے مسئلہ کی تصدیق حضرت ابن مسعود سے بھی کرالوان شاءاللہ وہ بھی یہ ہی فتویٰ دیں گے،یہ حدیث فتویٰ کی تصدیق کرانے کی اصل ہے۔

۳؎یعنی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ غلط بتایاوہ تو اجتہادی غلطی کی وجہ سے معاف کردیئے جائیں گے،مجھے اصل مسئلہ معلوم ہے اگر میں جانتے ہوئے غلط مسئلہ میں ان کی تائید کردوں تو گمراہ ہوجاؤں گالہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو حضرت ابو موسیٰ اشعری گمراہ ہوگئے ہوں گے کہ انہوں نے مسئلہ غلط بتایا کیونکہ وہ خطاء اجتہادی کی بنا پر مسئلہ غلط بتاگئے،خطاء اجتہادی پر پکڑ نہیں جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک غلطی اجتہادی کا ذکر تو فرمایا مگر عتاب نہ فرمایا۔

۴؎خلاصہ جواب یہ ہے کہ ازروئے قرآن کریم بیٹوں کا حصہ دو تہائی ہے،یہاں لڑکی نے آدھا لے لیا کہ اس کی قرابت میت سے بمقابلہ پوتی کے قوی ہے،اب چھٹا حصہ بچا کیونکہ آدھا چھٹے سے مل کر دو تہائی ہوجاتا ہے وہ پوتی کو دے دیا،یہ دونوں ذی فرض تھیں،بہن عصبہ ہے اس کے لیے تہائی بچا ہےوہ اسے دے دو۔مال کے چھ حصے کرکے تین بیٹی کو دو،ایک پوتی کو،باقی دو بچے وہ عصبۃً بہن کو دے دو۔حضور فرماتے ہیں"اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃً" بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو عصبہ بناؤ،یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے مگر حضرت ابن عباس بیٹی کی موجودگی میں بہن کو محروم کرتے ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ

رب تعالٰی نے مذکورہ آیت میں بہن کی میراث کے لیے ولد نہ ہونے کی قید لگائی،ولد سے مراد مطلقًا اولاد ہے بیٹا ہو یا بیٹی،حالانکہ وہاں ولد سے مراد صرف بیٹا ہےاس لیے حضرت عمر سے آپ کا مشہور مناظرہ ہوااور حضرت عمر نے یہ ہی جواب دیا۔(مرقات)

۵؎ یعنی آئندہ جب تک حضرت عبداللہ ابن مسعود زندہ ہیں مجھ سے مسئلہ نہ پوچھو،وہ مجھ سے بڑے عالم ہیں ان سے ہی پوچھا کرو۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ عالم کو چاہیے کہ اپنی غلطی معلوم ہونے پر ضد نہ کرے فورًا رجوع کرلے،رجوع میں اپنی توہین نہ جانے۔دوسرے یہ کہ بڑے عالم کے ہوتے ماتحتوں کی تقلید نہ کرے،یہ حدیث تقلید شخصی کی اصل ہے کہ ایک عالم مجتہد کا ہوکر رہے ہر جگہ نہ بھٹکے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میرا بیٹا مرگیا ہے تو اس کی میراث میں میرا کتنا ہے ۱؎ فرمایا تیرا چھٹا حصہ ہے جب اس نے پیٹھ پھیری تو اسے بلایا فرمایا تیرے لیے دوسرا چھٹا بھی ہے ۲؎ پھر جب پیٹھ پھیری تو اس نے بتایا فرمایا دوسرا چھٹا عصبۃً ہے ۳؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎ اس مرحوم کی دو بیٹیاں تھیں،ایک باپ دونوں بیٹیوں کا دو تہائی جو سائل کو معلوم نہ تھا باپ کے حصے کی خبر نہ تھی اس لیے اس نے صرف باپ کا حصہ پوچھا۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ تیرے بیٹے کے متروکہ مال کے چھ حصے ہوں گے،چار تو دو بیٹیوں کے یعنی دو تہائی اور ایک تیرا یعنی چھٹا حصہ تو ذی فرض ہے،تیرا حق چھٹا حصہ ہے،باقی بچا ایک وہ بھی تجھے ہی ملے گا مگر عصبۃً۔معلوم ہوا کہ بیٹیوں کے ہوتے باپ ذی فرض بھی ہے اور عصبہ بھی،یہ ہی تمام علماء کا مذہب ہے۔

۳؎ یعنی ذی فرض ہونے کی حیثیت سے ہے تو تیرا حصہ چھٹا حصہ ہی تھا،اب جو دوبارہ تجھے چھٹا حصہ اور دیا گیا وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ہے کہ تو عصبہ بھی ہے کہ بچا ہوا بھی تو ہی پائے گا۔

	روایت ہے حضرت قبیصہ ابن ذویب سے ۱؎ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر کی خدمت میں نانی حاضر ہوئیں آپ سے اپنی میراث مانگتی تھیں ۲؎ تو فرمایا نہ اللہ کی کتاب میں تیرے لیے کچھ ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تجھے کچھ ملے گا ۳؎ ابھی تو لوٹ جا حتی کہ میں لوگوں سے پوچھ کچھ کرلوں ۴؎ چنانچہ آپ نے پوچھا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے عرض کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا آپ نے

	دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے ۵؎ تب محمد ابن مسلمہ نے ویسا ہی کہا جو مغیرہ نے کہا تھا چنانچہ جناب صدیق نے دادی کے لیے چھٹا حصہ جاری کردیا ٦؎ پھر دوسری جانب کی دادی حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئیں ۷؎ اپنی میراث آپ سے مانگتی تھیں تو فرمایا دادی کی میراث یہ ہی چھٹا حصہ ہے ۸؎ اگر تم دونوں (دادی،نانی) جمع ہوجاؤ تو وہ تم دونوں میں ہوگا اور تم میں سے جو اکیلی ہو تو وہ اس کا ہوگا ۹؎ (مالک،احمد، ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ قبیصہ بروزن کریمہ ہے،اور ذویب ذال کے پیش واؤ کے کسرہ سے،آپ کو ابن عبدالبر نے تو صحابی مانا ہے اور ۱ ھ‍ میں پیدائش ثابت کی ہے،دوسرے محدثین انہیں تابعی مانتے ہیں،آپ فقہاء مدینہ سے ہیں۔چنانچہ سعید ابن مسیب،عروہ ابن زبیر،عبدالملک ابن مروان،قبیصہ ابن ذویب یہ چار حضرات فقہاء مدینہ سے مانے جاتے تھے، ۸۶ھ‍ میں آپ کی وفات ہوئی۔(اشعہ،مرقات،اکمال)

۲؎ اس نے عرض کیا کہ میرا ولد بنت یعنی نواسا فوت ہوگیا ہے،میرا حصہ میراث کا مجھے دلوایا جائے،یہاں جدۃ بمعنی نانی ہے جیساکہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی جہاں تک میرا علم ہے۔حدیث شریف میں بھی دادی نانی کا حصہ کچھ نہیں،یہاں نفی اپنے علم کے اعتبار سے ہے۔

۴؎ اس زمانہ میں کسی کو مسئلہ بتانا آسان نہ تھا،ایک مسئلہ کے لیے مہینوں حدیث تلاش کرنا پڑتی ہے۔اللہ تعالٰی فقہاء کرام کا بھلا کرے کہ وہ حضرات ہمارے لیے علم فقہ کو پانی بنا گئے کہ کوئی مسئلہ ہو کتاب،باب،فصل نکالو اور بتادو،اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے،جتنی خدمت علماء اسلام نے کی اتنی خدمت کسی دین کے عالموں نے اپنے دین کی نہ کی۔

۵؎ گواہ مانگنا احتیاطًا تھا تاکہ لوگ حدیث بیان کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں،نیز اس حدیث سے حقوق العباد متعلق تھے،اس وجہ سے یہ احتیاط برتی ورنہ صحابہ سارے عادل ہیں ہر ایک کی روایت معتبر ہے۔

٦؎ یعنی ورثاء کو حکم دے دیا کہ دادی کو چھٹا حصہ دیں،چونکہ حکم فرمانے والے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس پر عمل کرانے والے ابوبکر صدیق اس لیے یہ عبارت استعمال ہوئی،یوں ہی بادشادہ اسلام حضور انور کے احکام جاری کرنے والا ہے،حاکم اللہ رسول ہیں۔

۷؎ یا تو پہلے نانی آئی تھی اب دادی آئی یا اس کے برعکس،اول معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ بعض روایات میں ہے کہ پھر میت کے باپ کی ماں آئی اور اس نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا کہ بمقابلہ نانی کے میرا حق میراث میں زیادہ ہے کہ اگر میں مرجاتی تو میرا یہ پوتا وارث ہوتا،اگر نانی مرتی تو اس کا یہ نواسہ وارث نہ ہوتا۔جب وہ مرحوم میرا وارث ہوتا ہے نہ کہ نانی کا تو چاہیے کہ میں ہی اس کی وارث ہوں نہ کہ نانی لہذا مجھے میراث واپس دلوائی جائے۔(مرقات)

۸؎ یعنی اس چھٹے حصے میں تو بھی شریک ہے کہ آدھا تیرا آدھا نانی کا۔

۹؎ یہ جملہ گزشتہ مضمون کا بیان ہے،جمہور صحابہ اور قریبًا تمام فقہاء و علماء کا یہ ہی مذہب ہے کہ اگر نانی یا دادی اکیلی ہو تو پورا چھٹا حصہ اسے ملے گااور اگر دونوں ہوں تو یہ ہی چھٹا حصہ دونوں میں آدھا آدھا مگر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ماں کے نہ ہونے پر نانی ماں کی جگہ ہوگی کہ اگر میت کے اولاد بھائی بہن نہ ہوں تو نانی کو تہائی اور اگر ہوں تو پورا چھٹا حصہ،شاید یہ حدیث انہیں پہنچی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ دادی کے متعلق جو اپنے بیٹے کے ساتھ ہو فرماتے ہیں کہ یہ پہلی وہ دادی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کے ساتھ جب کہ بیٹا زندہ ہو چھٹا حصہ دیا۱؎ (ترمذی،دارمی)ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا۔	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ دادی باپ کے ہوتے بھی میراث پائے گی باپ کی وجہ سے محروم نہ ہوگی،یہ ہی چند صحابہ اور بعض فقہاء کا مذہب ہے۔عام صحابہ وعلماء فرماتے ہیں کہ باپ کے ہوتے دادی محروم ہے،یہ حدیث اولًا تو ضعیف ہے،اگر صحیح بھی ہو تو حضور انور کا یہ فرمان و عطیہ بطورمیراث نہ تھا بلکہ بغیر توارث ویسے ہی عطا فرمایا جیسا کہ حکم قرآن ہے کہ اگر تقسیم میراث کے وقت بعض محروم قرابت دار موجود ہوں تو انہیں کو دے دو،فرمایا:"وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ"یا میت کا باپ کافر تھا یا غلام کہ میراث کا مستحق نہ تھا اور محروم وارث دوسرے کو محروم نہیں کرتا۔(مرقات ولمعات واشعہ)

روایت ہے حضرت ضحاک ابن سفیان سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے خاوند کی دیت سے ورثہ دو۲؎ (ترمذی، ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔	

۱؎ آپ ضحاک ابن سفیان عامری کلابی ہیں،بڑے بہادر شجاع تھے،آپ اکیلے کو سو"۱۰۰" پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ سے قریب تلوار لیے کھڑے رہتے تھے،آپ کو حضورا نور نے اپنی قوم بنی کلاب کا والی بنایا تھا۔

۲؎ اشیم ضبابی صحابی تھے،ضباب ایک قلعہ کا نام ہے ادھر آپ کی نسبت ہے یہ خطاءً قتل کئے گئے تھے،قاتل پر دیت یعنی خون بہا واجب ہوا تھا،حضور انور نے حضرت ضحاک کو جو وہاں کے والی تھے یہ لکھا کہ ان کی دیت وارثوں میں تقسیم کرو،چونکہ زوجہ بھی وارث ہے اس لیے اسے بھی بقدر میراث دیت سے حصہ دو۔اس حدیث کی بناء پر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ دیت کا مال پہلے تو مقتول کی ملک بنتا ہے،پھر مقتول کے دیگر مالوں کی طرح اس کے وارثوں کو بقدر حصہ ملتا ہے مگر حضرت علی کا قول یہ ہے کہ دیت سے اخیافی بھائی بہن،خاوند اور کسی عورت کو حصہ نہیں مل سکتا،غالبًا آپ کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

	روایت ہے حضرت تمیم داری سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس مشرک آدمی کے متعلق شرعی طریقہ کیا ہے جو مسلمانوں میں سے کسی کے ہاتھ پر ایمان لائے ۲؎فرمایا وہ مسلمان اس مشرک کا زندگی اور موت میں والی ہے ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں،پہلے عیسائی تھے، ۹ھ؁ میں اسلام لائے،بڑے عابد و زاہد تھے،رات کو ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے کبھی تہجد کی نماز میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہتے حتی کہ سویرا ہوجاتا،محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ ایک رات تمیم داری کی آنکھ نہ کھلی اور تہجد قضاء ہوگئی تو اس کے کفارہ میں سال بھر رات کو سوئے ہی نہیں،آپ نے نماز میں پہننے کے لیے ایک ہزار درہم کا جوڑا خریدا تھا،آپ نے ہی سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ جلایا،آپ ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور جساسہ کی روایت اپنے خطبہ میں بیان فرمائی،آپ مدینہ منورہ میں رہے،شہادت حضرت عثمان کے بعد شام چلے گئے،وہاں ہی وفات پائی،دارابن ہانی کی اولاد میں ہیں اسی لیے آپ کو داری کہا جاتا ہے۔(اکمال،اشعہ،مرقات)

۲؎آیا وہ مسلمان کرنے والا اس نو مسلم کا مولیٰ ہوگا یا نہیں اور اس کے مال کی میراث پائے گا یا نہیں۔

۳؎یعنی وارث ہے کہ اگر اس نو مسلم کا کوئی عزیز رشتہ دار نہ ہو تو اس کی میراث اسے ملے گی۔اس حدیث کی بنا پر حضرت عمر ابن عبدالعزیز،سعید ابن مسیب وغیرہم مسلمان کرنے والے کو نو مسلم کا آخری وارث مانتے ہیں جیسے غلام کا وارث آزاد کرنے والا مولیٰ،مگر باقی تمام علماء اسے وارث نہیں مانتے،وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اس وقت کی ہے جب اسلام اور نصرت و مدد کی بناء پر میراث ملتی تھی کہ مہاجر کا وارث انصاری ہوتا تھا اور انصاری کا مہاجر،پھر آیات میراث سے یہ وارثت منسوخ ہوگئی۔یا یہاں اَوْلٰی کے معنی وارث نہیں بلکہ مددگار ہیں کہ مسلمان کرنے والا اس نو مسلم کی زندگی میں ہر طرح مدد کرے اور بعد موت اس کی نماز اور دفن وغیرہ کا انتظام کرے،اس صورت میں یہ حدیث محکم ہے۔(لمعات و مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے سوا اس غلام کے جسے آزاد کیا تھا اور کوئی وارث نہ چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کوئی ہے لوگوں نے کہا نہیں سوا ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اس کے غلام کے لیے مخصوص کردی ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎اس حدیث کی بناء پرحضرت شریح،طاؤس وغیرہم نے فرمایا کہ جیسے آزادکردہ غلام کا وارث مولیٰ ہوتا ہے اگر اس کا اوپر کا وارث نہ ہو ایسے ہی مولیٰ کا وارث یہ غلام ہوگا،مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غلام مولیٰ کا وارث نہیں اور یہ حدیث ایسی ہی ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گاؤں کے آدمیوں کو لاوارث کی میراث عطا فرمائی تھی کیونکہ یہ مال بیت المال کا تھا اور اس کا بھی بیت المال میں حق ہے،اس بناء پر اسے یہ مال دیا گیا۔(مرقاۃ،لمعات)

	روایت ہے حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ

	اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء کا وارث وہ ہی عصبہ ہوگا جو مال کا وارث ہوگا ۱؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد قوی نہیں۔

۱؎ ولا واؤ کے فتح سے بمعنی قرب،یہاں قرب عبدیت مراد ہے جس سے مولیٰ کو غلام کے متروکہ مال کے وارث ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس غلام کو مولیٰ نے آزاد کیا تو غلام کے فوت ہونے پر اگر مولیٰ زندہ ہو تو وہ میراث لے گا ورنہ اس کے عصبہ بنفسہ وارثین میراث لیں گے،مولیٰ کی زوجہ کو ولاء نہیں ملتی،عورت صرف اپنے آزاد کردہ غلام یا اس غلام کے آزاد کردہ غلام ہی کی میراث پائے گی،عصبۃً ولاء نہ پائے گی کہ زوجہ عصبہ ہوتی ہی نہیں،ولاء بیت المال کو نہیں ملا کرتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میراث زمانہ جاہلیت میں بانٹی جاچکی تو وہ جاہلیت ہی کے بٹوارے پر رہے گی اور جس میراث کو اسلام نے پالیا تو وہ اسلام کی بانٹ پر ہوگی ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جن کفار نے اپنے دین کے مطابق میراثیں تقسیم کرلی تھیں پھر وہ مسلمان ہوگئے یا ان میں سے ایک مسلمان ہوگیاتو اب اسے تقسیم شدہ مال دوبارہ تقسیم کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ اس تقسیم کو باقی رکھا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ وارثت کے اسلامی احکام آنے سے پہلے جو تقسیم میراث ہوچکی ہیں اگرچہ مسلمانوں ہی نے کی ہوں وہ اسلامی قانون وراثت آنے پر توڑی نہ جائیں گی بلکہ باقی رکھی جائیں گی،ہاں اب اس کے بعد جو تقسیم ہوگی وہ اسلامی قانون کے مطابق ہوگی،دیکھو آج اگر کافر جوڑا اسلام لائے تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا کہ چونکہ تمہارا کفر کا نکاح اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوا تھا لہذا اب پھر دوبارہ ایجاب و قبول کرو بلکہ وہ ہی باقی رکھا جاتا ہےایسے ہی یہ حکم ہے۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن ابوبکر ابن حزم سے ۱؎کہ انہوں نے اپنے والد کو بہت بار یہ کہتے سنا کہ حضرت عمر ابن خطاب فرماتے تھے تعجب ہے پھوپھی پر کہ وارث تو کردیتی ہے مگر خود وارث نہیں ہوتی ۲؎(مالک)

۱؎محمد تبع تابعین سے ہیں،ان کے والد ابوبکر ابن حزم تابعین سے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎یعنی ازروئے قیاس یا تو پھوپھی بھی بھتیجہ کی وراثت عصبۃً پاتی یا بھتیجہ بھی پھوپھی کا وارث نہ ہوتا بلکہ ذی رحم ہوتامگر حکم شرعی کے آگے سرخم ہے،بھتیجہ پھوپھی کا عصبہ ہے مگر پھوپھی بھتیجہ کی ذی رحم۔خیال رہے بھتیجہ تو عصبہ ہے مگر بھتیجی ذی رحم ہے اور یہاں وراثت سے مراد عصبۃً ہے ورنہ پھوپھی بھی بھتیجے کی ذی رحم وارث تو ہے۔اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو ذی رحم کو وارث نہیں مانتے،وہ حضرات اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ پھوپھی بالکل وارث نہیں ہوتی کیونکہ وہ ذی رحم ہے مگر وہ ہی مطلب قوی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں علم فرائض سیکھو حضرت ابن مسعود نے یہ زیادتی کی کہ طلاق و حج بھی سیکھو ان دونوں نے فرمایا یہ تمہارے دین سے ہے ۱؎ (دارمی)

۱؎یعنی علم میراث،حج و طلاق کے مسائل اہم دینی مسائل ہیں انہیں سیکھو اور سکھاؤ۔آج علم فرائض جاننے کے علماء کم رہ گئے ہیں اور اب تو مسلمانوں کو فرائض میں ترمیم بھی سوجھی ہے کوشش کررہے ہیں کہ چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے پوتہ کو دلوایا جائے اور نہ معلوم کیا کیا ہونے والاہے۔مگر ان شاءاللہ دین بدلنے والے خود مٹ جائیں گے دین نہ بدلا جائے گا۔مروان ابن حکم نے خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھا مگر وہ مٹ گیا،خطبہ نماز کے بعد ہی رہا،اللہ اپنے دین کا حافظ ہے۔

باب الوصایا

وصیتوں کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ وصایا وصیت کی جمع ہے جیسے خطایا خطیت کی،لغت میں وصیت کے معنی ہیں عہد،مگر اصطلاح میں اس وعدہ اور عہد کو وصیت کہا جاتا ہے جس کا تعلق موت کے بعد سے ہو.شروع اسلام میں مالدار پر وصیت کرنا فرض تھا کہ اس زمانہ میں وصیت سے ہی متروکہ مال تقسیم ہوتا تھا،لیکن میراث کے احکام آنے پر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔استحباب اب بھی باقی ہے -یہ خیال رہے کہ وارث کو وصیت جائز نہیں جسے میراث سے ایک پائی ملے گی اس کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی،اگر کی گئی ہے تو معتبر نہیں۔قرآن شریف میں تاکیدی حکموں کو بھی وصیت فرمایا گیا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ"اور فرماتاہے:"وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ"۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان کے پاس کوئی چیز لائق وصیت ہو ۱؎اسے یہ مناسب نہیں کہ دوراتیں بھی اس کے بغیر گزارے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یوصی معروف بھی ہوسکتا ہے مجہول بھی،شیخ نے مجہول پڑھا ہے اور مرقات نے دونوں طرح لائق وصیت کی قید اس لیے لگائی کہ جس مال کی وصیت ہی نہیں ہوسکتی اس کا حکم یہ نہیں،قابل میراث مال کی وصیت ہوسکتی ہے دوسرے کی نہیں،قرض،امانت،وقف مالوں میں میراث جاری نہیں ہوتی لہٰذا ان کی وصیت بھی نہیں ہوتی،نبی کا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں۔جو لوگ حضرت علی کو وصی رسول مانتے ہیں بایں معنی کہ حضور انور نے آپ کو اپنے مال یا خلافت کی وصیت فرمائی وہ بہت ہی نادان ہیں،ہر مسلمان وصی رسول ہے،سرکار نے ہر شخص کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت فرمائی ہے کہ فرمایا:"اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ"۔

۲؎ اگر یہ حکم وجوبی ہے تو منسوخ ہے کہ اب میراث کے احکام آچکےاور اگر استحبابی ہے تو اب بھی باقی ہے،واقعی جو وصیت کرنا چاہے وہ بغیر وصیت کیے ایک رات بھی نہ گزارے،کیا خبر موت کہاں اور کب آئے،نیز وصیت لکھ کر کرے بلکہ آج کل رجسٹری کرادے کہ زبانی وصیتیں بدل جاتی ہیں،ہاں ادائے قرض اور ادائے امانات کی وصیت اب بھی واجب ہے جب کہ ان قرضوں اور امانتوں کی کسی کو خبر نہ ہو۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں فتح کے سال ایسا بیمار ہوا کہ موت کے قریب ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کرنے تشریف لائے [1] میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور سوا میری بیٹی کے میرا وارث کوئی نہیں [2] تو کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کرجاؤں [3] فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تو آدھے کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تہائی کی فرمایا تہائی کی کرو اور تہائی بھی زیادہ ہے [4] اگر تم اپنے وارثوں کو غنی بنا کر چھوڑو تو اس سے اچھا ہے کہ تم انہیں فقیر کرکے جاؤ [5] کہ لوگوں سے مانگتے پھریں [6] اور تم کوئی خرچہ ایسا نہ کرو گے جس سے اللہ کی رضا چاہو مگر تمہیں اس پر ثواب دیا جائے گا حتی کہ وہ نوالہ جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں دو [7] (مسلم،بخاری)

[1] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیمار کی مزاج پرسی فرماتے تھے،اس سلسلہ میں آپ کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ اَشْفَيْتُ شِفَاءٌ سے بنا بمعنی کنارہ،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ"۔اس کا استعمال اکثر مصیبت و تکلیف کے موقعہ پر ہوتا ہے۔اَشْفَيْتُ کے معنی ہوئے میں کنارۂ موت پر پہنچ گیا۔

[2] یہاں وارث سے مراد ذی فرض وارث ہے یعنی سوائے میری بیٹی کے اور کوئی ذی فرض وارث نہیں عصبہ وارث بہت ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ وارث سے مراد کمزور وارث ہیں جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوکیونکہ آپ کے ذی فرض وارث بھی کئی تھے۔(مرقات و اشعہ)

[3] کہ سارا مال فقراء و مساکین میں تقسیم کردیاجائے یا کسی کار خیر میں لگادیا جائے بیٹی وغیرہ کسی وارث کو کچھ نہ ملے کیونکہ یہ سب اللہ کے حکم سے غنی ہیں۔

[4] پہلا اَلثُّلُثُ یا منصوب ہے یا مرفوع کہ وہ یا فاعل ہے یا مبتداء جس کا فعل یا خبر محذوف ہے یا مفعول ہےاور دوسرا اَلثُّلُثُ مرفوع ہی ہے کہ وہ مبتداء ہے جس کی خبر کثیر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے والا مرتے وقت صرف تہائی کی وصیت کرسکتا ہےزیادہ کی نہیں اور اگر زیادہ کی کر بھی گیا تو جاری نہ ہوگی،یہ بھی معلوم ہواکہ تہائی سے بھی کم کی وصیت کرنا بہتر ہے کہ حضور انور نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا۔

[5] اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ حضرت سعد کے بہت وارث تھے ذی فرض صرف بیٹی تھی اور بعض وارث فقراء بھی تھے مالدار نہ تھے،یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ اپنے عزیزوں سے سلوک کرنا غیروں سے سلوک کرنے سے افضل ہے کہ وصیت

میں غیروں سے سلوک ہے میراث میں اپنوں سے سلوک۔خیال رہے کہ اِن تذر میں اِنْ شرطیہ ہے اور خبر سے پہلے **فھو** پوشیدہ ہے،خیر اس **فھو** کی خبر ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اپنی موت کے بعد وارثین کا بھیک مانگتے پھرنا اپنی ذلت کا باعث ہےاور قبر میں روحانی تکلیف کا بھی ذریعہ۔

۷؎یعنی تم وصیت کیوں کرتے ہو حصول ثواب کے لیےاور میراث جو وارثوں کو پہنچے گی اگر اس میں تم رضائے الٰہی کی نیت کرلو کہ اپنے عزیزوں کو اپنا مال پہنچنا رب تعالٰی کی رضا کا ذریعہ ہے تب بھی تم کو ثواب ملے گا بلکہ زیادہ ملے گا،لہذا وصیت تہائی سے بھی کم کی کرو۔اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوئے:مال جمع کرنا درست ہے اور مرتے وقت تک اسے پاس رکھنا مباح،تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوتی،اللہ کی راہ میں خرچ کرنا باعث ثواب ہے۔جب مباح میں نیت خیر کرلی جائے تو مستحب بن جاتا ہے،مؤمن کی نیت عمل سے افضل ہے،دیکھو بیوی کے منہ میں لقمہ دینا خوشی و محبت کے وقت ہوتا ہے جس میں عبادت کا احتمال بھی نہیں مگر اس پر بھی رب کا وعدہ ہے اپنے وارثوں سے عدل و انصاف کرنا ضروری ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیمار پرسی فرمائی جب کہ میں بیمار تھا،فرمایا تم نے کچھ وصیت کردی ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کتنے کی ۱؎میں نے عرض کیا اپنے سارے مال کی اللہ کی راہ میں ۲؎فرمایا تو نے اپنے اولاد کے لیے کیا چھوڑا میں نے عرض کیا وہ بہت مال سے غنی ہیں ۳؎تب فرمایا دسویں حصہ کی وصیت کرو ۴؎میں کم کراتا رہا ۵؎حتّٰی کہ فرمایا تہائی کی وصیت کرو اور تہائی بھی بہت ہے ۶؎(ترمذی)	

۱؎معلوم ہوتا ہے کہ مرض سخت تھااس لیے ان سے وصیت کا سوال کیا گیا۔خیال رہے کہ حضور انور کو خبر تھی کہ حضرت سعد کی وفات اس مرض میں نہیں ہے جیساکہ دیگر روایات میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا تم ابھی جیو گے اور تم سے کچھ نفع پائیں گے کچھ نقصان۔

۲؎اللہ کی راہ سے مراد سارے کار خیر ہیں،فقراء مساکین پر خرچ،مسجد،مسافر خانہ کی تعمیر وغیرہ وغیرہ۔

۳؎ولد سے مراد بیٹی ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹی ہی تھی،ولد مطلقًا اولاد پر بولا جاتا ہے بیٹا ہو یا بیٹی مگر ابن صرف بیٹے کو کہتے ہیں۔آپ کا **ھم اغنیاء** فرمانا عصبہ وارثوں کو شامل کرکے ہے اور اغنیاء فرمانا تغلیبًا ہے کہ بعض ان میں غنی تھے اور بعض فقراء جیساکہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوچکا ہے۔

۴؎ اس سے پتہ لگا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جاری نہ ہوگی،دیکھو حضرت سعد نے کل مال کی وصیت کردی مگر جاری نہ ہوئی۔امام اعظم و اسحاق و احمد فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ کل مال کی وصیت کرسکتا ہے اور اس کی وصیت جاری بھی ہوگی کیونکہ اس کل وصیت کا جاری نہ ہونا وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے جب وہ موجود ہی نہیں تو اب مانع کیا چیز ہے۔

۵؎ مشکوۃ شریف کے بعد نسخوں میں اناقضہٗ نقطہ والی ضاد سے ہے بمعنی جوابًا عرض کرتا رہا مگر عام نسخوں میں اناقصہٗ صاد مہملہ سے ہے،معنی یہ ہے کہ میں اس وصیت کو کم سمجھتا رہا اور زیادہ وصیت کی اجازت چاہتارہا۔(مرقات)یا یہ معنی ہیں کہ میراث کو کم کراتا رہا،میراث کم ہوگی تو وصیت زیادہ ہوگی۔

۶؎ یعنی تمہاری پہلی وصیت تو بالکل باطل ہوچکی ہے،اب نئے سرے سے وصیت کرو جو تہائی سے زیادہ نہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ اپنی پہلی وصیت کو خود باطل کردواور اب نئی وصیت کرو۔خیال رہے کہ وصیت کرنے والا اپنی وصیت باطل بھی کرسکتا ہے،اس میں ترمیم بھی کرسکتا ہے کیونکہ وصیت ایک قسم کا ہبہ ہے اور ہبہ میں تبدیلی یا فسخ قبل از قبضہ جائز ہے۔

	روایت حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں حجۃ الوداع کے سال فرماتے سنا ۱؎ کہ اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیا ہے لہذا وارث کے لیے وصیت نہیں ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے یہ بڑھایا کہ بچہ بستر والے کا ہے اور زنانی کے لیے پتھر ہیں ۳؎ ان کا حساب اللہ کا ذمہ ہے ۴؎ اور حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں راوی کہ فرمایا وارث کے لیے وصیت نہیں مگر یہ کہ وارث راضی ہوں یہ منقطع ہے ۵؎ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر جب کہ وارث راضی ہوں ۶؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس خطبہ سے مراد حج کا خطبہ ہے جو آپ نے عرفات میں دیااور ہوسکتا ہے کہ کوئی اور خطبہ مراد ہو۔

۲؎ آیات میراث آنے سے پہلے اہل قرابت کے لیے وصیت کرنا ازروئے قرآن فرض تھی کہ رب نے فرمایا:"كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚۖ ا الْوَصِيَّةُ لِلْوٰلِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ"۔آیات میراث سے یہ فرضیت منسوخ ہوگئی مگر جواز وصیت کا نسخ اس حدیث سے ہوا کہ اب جسے ایک پائی میراث ملے اس کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی۔معلوم ہوا کہ قرآن کا نسخ حدیث سے جائز بلکہ واقع ہے۔

۳؎ بیوی اور لونڈی کو فراش کہا جاتا ہے کیونکہ اسے اپنے خاوند اور مولیٰ کے بستر پر لیٹنے کا حق ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگرکسی کی لونڈی یا بیوی کے بچے کے متعلق کوئی اجنبی شخص کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس کی بات نہ مانی جائے گی بچہ اس

عورت کے خاوند یا مالک کا ہوگا،ہاں اس کہنے والے کو زنا کی سزا دی جائے گی کہ اس نے زنا کا اقرار کرلیا۔حجر سے مراد رجم ہے اور اگر یہ شخص اس قول سے توبہ کرلے تب بھی اسے حد قذف لگے گی یعنی پاکدامن عورت کو تہمت لگانے کی سزا۔

۴؎ اس جملہ کے کئی معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اگر اس نے زنا کا جھوٹا اقرار کیا ہے اور ہم نے سزا دے دی تو ہم مجرم نہیں۔دوسرے یہ کہ زنا کی سزا دینے کے بعد بھی زانی کی بخشش یقینی نہیں،رب چاہے تو معاف کرے۔تیسرے یہ کہ جن گناہوں کی شریعت میں سزا نہیں ہے ان کا حساب اللہ کے ہاں ہے۔(مرقات،لمعات)

۵؎ منقطع وہ روایت ہے جس میں تابعی سے پہلے کوئی راوی رہ گیا ہو یا راوی کا نام نہ مذکور ہو بلکہ رجلٌ یا شیخٌ کہہ دیا گیا ہو کیونکہ مجہول مثل معدوم کے ہے۔(مرقات)

۶؎ یعنی وارث کے لیے وصیت جائز نہ ہونا دوسرے وارثوں کے حق کی وجہ سے تھا اگر وہی اس کو جائز کردیں تو جائز ہے،یہی مسئلہ تمام آئمہ کے ہاں ہے اگرچہ اس کی ایک اسناد منقطع ہے مگر چونکہ دوسری اسنادیں متصل بھی ہیں اس لیے یہ حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور انور نے فرمایا کہ ایک مرد و عورت ساٹھ سال اللہ کی اطاعت کے کام کرتے رہتے ہیں پھر انہیں موت آتی ہے ۱؎ تو وصیت میں کسی کو نقصان پہنچا جاتے ہیں ۲؎ ان کے لیے آگ واجب ہوجاتی ہے ۳؎ پھر حضرت ابوہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی بعد ادائے قرض وصیت کے جو وہ کر گیا ہے جب کہ کسی کو نہ نقصان دیا ہو باری تعالٰی کے فرمان تک یہ بڑی کامیابی ہے ۴؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یہاں ساٹھ سال سے مراد بڑی مدت ہے خواہ اس سے زیادہ ہو یا کم۔ساٹھ تجدید کے لیے بلکہ تکثیر کے لیے ہے اور موت آنے سے مراد موت کے علامات نمودار ہونا ہیں ورنہ خاص موت آجانے پر بولنا مشکل ہوجاتا ہے،وصیت کرنا یا وصیت میں نقصان پہنچانا کیسا۔

۲؎ وصیت میں نقصان پہنچانے کی چند صورتیں ہیں:ایک یہ کہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے وصیت کر جائے کہ تہائی مال وصیت میں نکل جائے تو وارثوں کے حصے کم ہوجائیں۔دوسرے یہ کہ نالائق اور برے لوگوں کو وصیت کرجائے،اپنا تہائی مال کسی بدمعاش کو دے جائے تاکہ وہ وارثوں کے ساتھ رہ کر انہیں تنگ کرے۔تیسرے یہ کہ پہلے وصیت کی تھی پھر مرتے وقت وصیت سے رجوع کرے یا اس میں کچھ ترمیم کرے تاکہ وصیت والے کو نقصان ہو۔غرضکہ فی الوصیة کی فی یا بمعنی ب ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے۔

۳؎ یعنی دوزخ کا مستحق ہوجاتا ہے،رہا دوزخ میں جانایہ رب تعالٰی کی مرضی پر ہے یہاں وجوب استحقاق کا ہے نہ کہ دخول کا۔(مرقات)

۴؎ حضرت ابوہریرہ نے اس میں جو لفظ غیر مضار ہے اس سے دلیل پکڑی،یہاں آیت میں مضار اسم فاعل ہے یعنی مرنے والے نے وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اچھی وصیت پر مرا ۱؎ وہ دین کے راستے اور سنت پر مرا اور تقویٰ وشہادت کی موت مرا اور بخشا ہوا مرا ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ اس طرح کہ مرتے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ فقراء پر یا کسی کارخیر میں لگانے کی وصیت کر گیا،یاکسی دینی ادارہ میں لگانے کی وصیت کر گیا۔

۲؎ سبیل سے مراد رضائے الٰہی کا راستہ ہے اور سنت سے مراد اچھا طریقہ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضور انور کا مال بعد وفات راہِ خدا میں خرچ ہوا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مال کی وصیت نہ فرمائی،پہلے فرمادیا تھا کہ ہمارا مال بعد وفات صدقہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض نیک عمل بظاہر معمولی تر ہیں مگر ان کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے،دیکھو بعد موت مال راہ خدا میں خرچ کرنا معمولی کام ہے کہ وہ انسان اب مال سے بے نیاز ہوچکا مگر اس پر بھی اتنا بڑا ثواب ملا ،ایسے درجے کا مستحق ہوا اس لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ معمولی نیکی کو بھی ہلکا نہ جانو،کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے اور معمولی گناہ کرنہ لوکہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلادیتی ہے۔خیال رہے کہ یہاں شہادت سے مراد حکمی شہات ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں ۱؎ تو اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کردیئے ۲؎ پھر اس کے بیٹے عمرو نے چاہا کہ باقی پچاس اس کی طرف سے وہ آزاد کردیں ۳؎ بولے میں تو آزاد نہ کروں گا تاآنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں ۴؎ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں اور ہشام نے اس کی طرف سے پچاس آزاد کردیئے ہیں اور اس پر پچاس غلام باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں آزاد کردوں ۵؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ	

	وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا پھر تم اسکی طرف سے آزاد کرتے اس کی طرف سے خیرات یا حج کرتے یہ سب کچھ اسے پہنچ جاتا ۶؎(ابوداؤد)

۱؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عمرو ابن شعیب کے دادا عبداللہ ابن عمروابن عاص ہیں،وہ خود اپنا واقعہ بیان کررہے ہیں کہ میرے باپ عاص ابن وائل نے مرتے وقت سو غلام لونڈیاں آزاد کرنے کی وصیت کی تھی،عاص ابن وائل قرشی سہمی ہے،حضور انور کا زمانہ پایا مگر اسلام نہ لایا،اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ"آپ کا بدگو ابتر یعنی بے اولادا ہے کہ اللہ نے اس کی اولاد کو اسلام کی توفیق دے کر اسے حکمًا لاولد کردیا،اس کی ساری اولاد ایمان لے آئی۔

۲؎ ہشام قدیم الاسلام صحابی ہیں،پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر مکہ معظّمہ یہ پتہ کرنے آئے کہ حضور نے ہجرت کہاں کی ہے باپ نے پکڑ لیا،پھر غزوہ خندق کے بعد مدینہ منورہ پہنچے،بڑے فقیہ عالم تھے ۱۳ھ میں غزوہ یرموک میں شہید ہوئے۔(مرقات)انہوں نے حضور انور سے بغیر پوچھے پچاس غلام آزاد کردیئے یہ سمجھ کر کہ اسلام والدین کے ساتھ احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا۔

۳؎ حضرت ابن عمرو ابن عاص اپنے بھائی ہشام سے عمر میں بڑے ہیں،آپ ۵ھ یا ۸ھ میں حضرت خالد ابن ولید اور عثمان ابن طلحہ کے ساتھ ایمان لائے،حضور انور نے آپ کو تمان کا حاکم بنایا،پھر حضرت عمر کے زمانہ میں آپ نے ہی مصر فتح کیا،حضرت عمر عثمان،معاویہ کے زمانہ میں عامل رہے امیر معاویہ نے آپ کو اپنے زمانہ میں مصر میں جاگیر بخشی،آپ وہاں ہی رہے، ۴۳ھ میں نناوے سال کی عمر میں مصر ہی میں وفات پائی،پھر ان کے بیٹے عبداللہ ابن عمرو مصر کے حاکم رہے جنہیں بعد میں امیر معاویہ نے معزول کردیا۔

۴؎ یعنی اگرچہ عاص میرا باپ تھا مگر کافر بھی تھا اس لیے اس کی وصیت حضور انور سے پوچھ کر پوری کروں گا،یہ اجتہاد سے تھا مگر پہلے اجتہاد سے اعلیٰ یا تو آپ نے اپنے بھائی ہشام سے یہ فرمایا یا دل میں سوچا۔

۵؎ اس سوال سے معلوم ہوا کہ نیکی بھی بزرگوں کے مشورہ اور ان کی اجازت سے کرنا چاہیے،دیکھو غلام آزاد کرنا بہرحال ثواب تھا اگر عاص کو اس کا ثواب نہ بھی ملے تب بھی خود حضرت عمرو ابن عاص کو تو ثواب ملنا ہی تھا مگر پھر بھی حضور انور سے اجازت مانگ کر آزاد کرنا چاہتے ہیں۔صوفیاء کے نزدیک ورد،وظیفے شیخ کی اجازت سے کیے جاتے ہیں کہ اجازت کی برکت سے ان میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہوجاتی ہے،گولی بارود کی مدد سے مار کرتی ہے،تلوار کی دھار بغیر درست وار کے نہیں کاٹتی۔

۶؎ مگر چونکہ عاص کافر ہوکر مرا اس لیے اسے تمہاری کسی نیکی کا ثواب نہیں پہنچ سکتا،نہ وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتاہے۔اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کافر کو ثواب بخشنا منع ہے کہ حضور انور نے اس کی اجازت نہ دی۔دوسرے یہ کہ اگر اسے ایصال ثواب کیا بھی جائے تو ثواب پہنچتا نہیں،جب اسے اپنی نیکیوں کا ثواب نہیں ملتا تو دوسرے کی نیکیوں کا بخشا ہوا ثواب کیسے ملے گا۔مردہ کو کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچاتی،کافر کو کوئی دعا عذاب سے نہیں بچاتی۔تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو ہرقسم کی عبادات کا ثواب بخشنا جائز ہے اور انہیں پہنچتا بھی ہے،دیکھو غلام آزاد کرنا،صدقہ و خیرات،حج مختلف

قسم کی عبادتیں ہیں مگر سب کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو ثواب پہنچ جاتا۔خیال رہے کہ کافر کو بعض نیکیوں کی بدولت عذاب ہلکا ہوجاتا ہے مگر عذاب سے رہائی نہیں ہوتی نہ وہ جنت کی کسی نعمت کا مستحق ہوتا ہے، دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے باعث ابو طالب کا عذاب ہلکا ہے،ولادت پاک کی خوشی منانے کے سبب ابولہب کو سوموار کے دن عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔(بخاری شریف)لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔آج بعض لوگ ایصال ثواب کے انکاری ہیں وہ ان احادیث میں غور کریں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے وارث کو اس کی میراث سے محروم کرے ۱؎ تو اللہ اس کو قیامت کے دن جنت کی میراث سے محروم کردے گا۲؎(ابن ماجہ)اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔	

۱؎ اپنے وارث کو میراث سے محروم کرنے کی بہت صورتیں ہیں:کسی کو وصیت کرنا تاکہ ورثہ کا حصہ کم ہوجائے،کسی کے لیے قرض کا جھوٹا اقرار کرلینا تاکہ وارث کے حصے کم ہوں، بیوی کو طلاق دے دینا تاکہ وہ وارث نہ ہوسکے،اپنا کل مال کسی کو دے جانا تاکہ وارثوں کو کچھ نہ ملے،کسی وارث کو قتل کرادینا تاکہ میراث نہ پاسکے یا اپنے بچہ کا انکار کردینا کہ یہ بچہ میرا ہے ہی نہیں تاکہ میراث نہ پاسکے،اپنی زندگی میں سارا مال برباد کردینا تاکہ وارثوں کے لیے کچھ نہ بچے وغیرہ،بعض اپنے کسی بیٹے کو عاق کر دیتے ہیں یا کہہ دیتے ہیں کہ ہماری میراث سے اسے کچھ نہ دیا جائے یہ محض بے کار ہے اس سے وہ وارث محروم نہ ہوگا۔میراث سے محروم کرنے والی چیز مسلمان کے لیے صرف تین ہیں: غلام ہونا،قتل،اختلاف دین،ان کے سوا کسی اور وجہ سے محرومی نہیں ہو سکتی۔

۲؎ جو چیز بغیر عقد اور بغیر مشقت کے ملے اسے میراث کہہ دیتے ہیں،یہاں یہ ہی مراد ہے۔نیز ہر جنتی جنت میں اپنا حصہ بھی لے گا اور کافر کے جنتی حصہ پر قبضہ کرلے گا،اس لحاظ سے بھی اسے میراث کہہ دیتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ ایسے ظالم کو جنت سے محروم کردے گا۔محرومی سے مراد ہے اولًا داخلہ سے محروم کردے گا ورنہ ہر مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہوگا آخرکار جنت میں داخل ہوگا جیسے اس شخص نے اپنے منتظر وارث کو محروم کردیا ایسے ہی اسے جنت کا انتظار کرنے کے بعد جب قیامت میں اسے جنت کا سخت انتظار ہوگا اسے محروم کردیا جائے گا،بہرحال یہ جرم بدترین ہے رب تعالیٰ ظلم سے بچنے کی توفیق دے۔

وَصَلَّى اللّٰہُ تعالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ

الحمدللہ کہ جلد چہارم مرآت شرح مشکوٰۃ یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو شروع ہوکر آج ۳جولائی ۱۹۶۱ء مطابق ۲۰محرم الحرام ۱۳۸۱ھ یوم دوشنبہ کل ۹ماہ تین دن میں ختم ہوئی،رب تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔

احمد یار خان نعیمی غفرلہٗ ولوالدیہ

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

مشکوٰۃ المصابیح

مصنف

جلد (پنجم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب النکاح

نکاح کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ نکاح نکح سے بنا بمعنی ضم یعنی ملنا،چونکہ نکاح کی وجہ سے دو شخص یعنی خاوندوبیوی دائمی مل کر زندگی گزارتے ہیں بلکہ نکاح سے عورت و مرد کے خاندان بلکہ نکاح سے کبھی دو مُلک مل جاتے ہیں اس لیے اسے نکاح کہتے ہیں۔اصطلاح شریعت میں یہ لفظ مشترک ہے صحبت و عقد دونوں پر بولا جاتا ہے،نکاح کا رکن زوجین کا ایجاب و قبول ہے،شرط دو گواہ۔نکاح اور ایمان یہ دو ایسی عبادتیں ہیں جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوئیں اور تاقیامت رہیں گی،نکاح بہترین عبادت ہے کہ اس سے نسل انسانی کا بقا ہے یہ ہی صالحین و ذاکرین و عابدین کی پیدائش کا ذریعہ ہے۔ نکاح انسان مرد کا صرف انسان عورت ہی سے ہوسکتا ہے نہ جن سے ہوسکتاہے نہ دریائی انسان سے نہ کسی جانور سے کیونکہ نکاح میں ہم جنس ہونا شرط ہے۔(در مختار،شامی) جنت میں انسان مَردوں کا نکاح حوروں سے یہ وہاں کی خصوصیات سے ہے،ورنہ حوریں انسان یعنی اولاد آدم نہیں اس لیے آدم علیہ السلام کو جب جنت میں رکھا گیا تو انہیں وہاں کے پھل وغیرہ کھانے کی تو اجازت تھی مگر حوروں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی بلکہ ان کی ہم جنس بی بی حوّا پیدا فرمائی گئیں،نیز ادریس علیہ السلام اور شہدا کی روحیں جو جنت میں ہیں انہیں وہاں کھانے پینے کی اجازت ہے مگر حوروں کی اجازت نہیں یہ اجازت بعد قیامت ہوگی کیونکہ قیامت سے پہلے نکاح کے لیے جنسیت شرط ہے۔حسن ابن زیاد کا قول ہے کہ انسان مرد کا نکاح جنی عورت سے جائز ہے اس کے عکس نہیں مگر اس پر فتویٰ نہیں۔(درمختار)خیال رہے کہ نکاح بحالت سکون سنت ہے اور اندیشہ زنا یعنی زیادتی جوش کی حالت میں فرض اور نامرد پر جرم جو عورت کے خرچہ پر قادر نہ ہو یا جو ظلم کا صحیح اندیشہ کرتا ہو اس کے لیے مکروہ۔(مرقات، اشعہ،لمعات،و درمختاروغیرہ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے جوانو کی جماعت ۱؎ تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھے وہ ضرور نکاح کرے ۲؎ کیونکہ نکاح نگاہ نیچی کرنے والا ہے اور شرمگاہ کا محافظ ۳؎ اور جو طاقت نہ رکھے وہ روزے لازم کرے کہ یہ روزے اس کی حفاظت ہیں ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎معشر عشیرۃ سے بنا بمعنی کنبہ،قبیلہ،گروہ یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی گروہ شباب،شاب بمعنی جوان کی جمع ہے،فاعل کی جمع بروزن فعال آتی ہے۔ بلوغ سے لے کر تیس سال کی عمر جوانی کی ہے، شوافع کے نزدیک چالیس سال تک جوانی ہے،انسانی عمر کی حدود اور ان کے نام ہماری تصنیف حاشیۃ القرآن میں دیکھئے ۔جوانوں سے اسی لیے خطاب فرمایا کہ اگلا مضمون ان ہی کے لائق ہے۔

۲؎ باء،بات،باھت،باہ ان چاروں لفظ کے ایک ہی معنی ہیں گھر یا منزل،پھر صحبت یا نکاح پر بھی یہ لفظ بولا جانے لگا اس کے لیے گھر کی ضرورت ہوتی ہے،اسی سے ہے باءَ یبوء لوٹنے کے معنی میں یہاں مضاف پوشیدہ ہے یعنی جو نکاح کے مصارف کی طاقت رکھے یہ امر نسبت کے لیے ہے۔یعنی جس میں نکاح کے مصارف برداشت کرنے کی طاقت ہو وہ نکاح کرے،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ نوافل سے نکاح افضل ہے،شوافع کے ہاں نوافل میں مشغول رہنا نکاح سے افضل ہے۔

۳؎یعنی بیوی والا آدمی پاک دامن و نیک ہوتا ہے نہ تو غیر عورتوں کو تکتا ہے،نہ اس کا دل بدکاری کی طرف مائل ہوتا ہے،غرضیکہ نکاح آدمی کے لیے حفاظتی قلعہ ہے۔

۴؎وِجَاءٌ کے معنے ہیں خصیے کوٹ دینا جس سے نامرد ہوجائے یعنی روزہ انسان کی شہوت کو اس طرح مار دیتا ہے جیسے خصی کردینا،کیونکہ بھوک سے نفس ضعیف ہوتا ہے اور شہوت قوت نفس سے زیادہ ہوتی ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس کو توڑنے کے لیے بھوک سے زیادہ کوئی چیز نہیں اسی لیے قریبًا ہر دین میں روزہ کا حکم ہے۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ابن مظعون کو بے نکاح رہنے کی اجازت نہ دی۱؎اگر آپ انہیں اس کی اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہوجاتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی حضرت عثمان ابن مظعون نے جو سرداران مہاجرین سے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک دنیا کی زندگی گزارنے کی اجازت چاہی کہ نکاح نہ کریں ساری عمر عبادات و ریاضات میں گزاریں،حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمادیا۔خیال رہے تبتل بناہے تبل سے بمعنی انقطاع و علیحدگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا"اب دنیا سے علیحدگی کو تبل کہا جاتا ہے، اسی سے ہے بتول حضرت مریم علیہا السلام کو بتول کہتے ہیں کہ وہ نکاح سے علیحدہ رہیں،فاطمہ زہرا کا لقب بھی بتول ہے کہ آپ دنیاوی الجھنوں سے علیحدہ رہیں کبھی دنیا میں دل نہ لگایا۔

۲؎ یا تو خصی ہونے سے ظاہری معنے مراد ہیں کہ ہم لوگ ترک دنیا کے لیے خود کو خصی کرلیتے ہیں شاید ان بزرگوں کو اس وقت یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ انسان کو اور حرام جانوروں کو خصی کرنا حرام ہے اور حلال جانوروں کا خصی کرنا ان کے بچپن میں جائز ہے بڑے ہونے پر حرام اس لیے یہ فرمارہے ہیں،یا خصی ہونے سے مراد ہے بالکل ہی عورتوں سے علیحدگی یعنی ہم گویا خصی ہوجاتے ۔ (لمعات و مرقات)یہ حدیث بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ نوافل سے

نکاح افضل ہے۔حدیث شریف میں نکاح کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتارہا ہے کہ نکاح اعلیٰ عبادت ہے ورنہ حضور ترک دنیا کی زندگی گزارتے لہذاقول امام اعظم بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال پر خاندان پر حسن پر اور دین پر تم دِین والی کو اختیار کرو۱ گرد آلود ہوں تمہارے ہاتھ ۲(مسلم،بخاری)	

۱یعنی عام طورپر لوگ عورت کے مال،جمال اور خاندان پر نظر رکھتے ہیں ان ہی چیزوں کو دیکھ کر نکاح کرتے ہیں مگر تم عورت کی شرافت ودینداری تمام چیزوں سے پہلے دیکھو کہ مال و جمال فانی چیزیں ہیں دین لازوال دولت،نیز دیندار ماں دیندار بچے جنتی ہے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا شعر۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں　　معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

ماں فاطمہ جیسی ہو تو اولاد حسنین جیسی ہوتی ہے،ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔شعر

بتولے باش پنہا ں شوازیں عصر　　کہ در آغوش شبیرے بگیری

۲یعنی اگر تم ہمارے اس فرمان پر عمل نہ کرو تو پریشان ہوجاؤ گے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت کا صرف مال دیکھ کر نکاح کرے گا وہ فقیر رہے گا،جو صرف خاندان دیکھ کر نکاح کرے گا وہ ذلیل ہوگا اور جو دین دیکھ کر نکاح کرے گا اسے برکت دی جائے گی (مرقات) مال ایک جھٹکے میں،جمال ایک بیماری میں جاتا رہتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا ایک برتنے کا سامان ہے۱ اور دنیا کا بہترین سامان نیک بی بی ہے ۲(مسلم)	

۱کہ انسان اسے برت کر چھوڑ جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:" قُلۡ مَتٰعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ "۔صوفیا فرماتے ہیں کہ اگر دنیا دین سے مل جائے تو لازوال دولت ہے قطرے کو ہزار خطرے ہیں دریا سے مل جائے تو روانی طغیانی سب کچھ اس میں آجاتی ہے اور خطرات سے باہر ہوجاتا ہے۔

۲کیونکہ نیک بیوی مرد کو نیک بنادیتی ہے وہ اخروی نعمتوں سے ہے۔ حضرت علی نے "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة"کی تفسیر میں فرمایا کہ خدایا ہم کو دنیا میں نیک بیوی دے آخرت میں اعلیٰ حور عطا فرما اور آگ یعنی خراب بیوی کے عذاب سے بچا۔(مرقات) جیسے اچھی بیوی خدا کی رحمت ہے ایسی ہی بری بیوی خدا کا عذاب۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سواری کرنے والی عورتوں میں سے اچھی عورتیں زنان قریش ہیں ۱؎ اولاد پر بچپن میں بہت مہربان اور خاوند کے مقبوضہ مال کی بہترین محافظ ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یعنی عرب کی عورتوں میں قریش خاندان کی عورتیں بہت اعلیٰ ہیں،چونکہ اہل عرب کی عام سواری اونٹ ہے اس لیے یوں ارشاد فرمایا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں،حضرت مریم تو قریشی بیویوں سے افضل تھیں۔(مرقات) خیال رہے کہ عورت کو گھوڑے کی سواری ممنوع ہے"**لعن اللہ الفروج علی السروج**"۔

۲؎ یہ قریشی عورتوں کی بہتری کی وجہ کا بیان ہے اس جملہ کی بہت شرحیں ہیں آسان ترین شرح یہ ہے کہ قرشی عورتیں بچوں پر مہربان ہوتی ہیں ان کی پرورش بہت عمدہ طریقہ سے کرتی ہیں اور خاوند کی خیر خواہ کہ اس کی جان تو کیا اس کے مال کی بھی حفاظت کرتی ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ بچے سے مراد یتیم یا بے ماں کے بچے ہیں،اور خاوند کی چیز سے مراد ان کی اپنی ذات ہے یعنی وہ بیویاں خاوند کے لاوارث بچوں کی بھی خوب پرورش کرتی ہیں اوراپنی پارسائی کی حفاظت کرتی ہیں یہ سمجھ کر کہ میں اپنے خاوند کی ہوں۔**احناء حنو** سے بنا بمعنی شفقت اور **ہٗ** ضمیر خلق کی طرف لوٹتی ہے یعنی ساری مخلوق میں قرشی عورتیں بچوں پر زیادہ مہربان ہیں یا اس کا مرجع صنف عورت ہے اور صنف مذکر،لہذا ضمیر مذکر ارشاد ہوئی۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے پیچھے مردوں پر زیادہ مضر فتنہ عورتوں سے بڑھ کر کوئی نہ چھوڑا ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی دنیا میں مردوں کے لیے عورتیں بڑے فتنہ کا باعث ہیں کہ عورت کے سبب آپس کی عداوت،لڑائی جھگڑے بلکہ خونریزی بہت ہوگی،عورت ہی حب دنیا کا ذریعہ ہے اور حب دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے۔**مِنۡ بَعۡدِیۡ** فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں عورتوں کے فتنہ کا ظہور صحابہ کرام پر نہ ہوا کہ وہ حضرات نور مصطفوی سے بہت منور تھے بعد میں اس کا ظہور ہوا آج بھی عورتوں کی وجہ سے فسادو قتل وخون بہت ہورہے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ زمین میں پہلا قتل عورت کی وجہ سے ہوا کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو اقلیما عورت کی وجہ سے مارا۔شعر

جھگڑے کی بنیادیں تین　　زن ہے زر ہے اور زمین

عورتوں کے فتنے سے بچنے کا واحد ذریعہ شریعت اسلامیہ کی مضبوطی سے پیروی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا میٹھی اور ہری بھری ہے ۱؎ اور یقیناً اللہ تعالٰی تم کو اس میں دوسروں کے پیچھے مالک کرے گا ۲؎ تو دیکھے گا کہ کیا

	عمل کرتے ہو لہذا دنیا سے احتیاط کرو۳؎ اور عورتوں کے بارے میں محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے متعلق ہو۴؎ (مسلم)

۱؎ یعنی دنیا دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے دل کو پسند آتی ہے چونکہ اہل عرب سبزے کو بہت ہی پسند کرتے ہیں اس لیے اسے سرسبز فرمایا گیا،نیز اسے سبز فرمانے میں اشارہ ہے کہ دنیا قریب الفناء ہے جیسے سبزہ بہت جلد خشک ہوجاتا ہے ایسے ہی دنیا بہت جلد ختم ہوجاتی ہے۔

۲؎ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے دنیا تم سے پہلے دوسروں کے پاس تھی پھر ان سے منتقل ہو کر تمہارے پاس آئی،تم گزشتہ لوگوں کے خلیفہ بنے ایسے ہی تم سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس پہنچے گی۔شعر

چناں کہ دست بدست آمد است ملک بما　　　بدست یک دگراں ہم چنیں بخواہد رفت

تم پچھلوں کے خلیفہ ہو،آئندہ نسلیں تمہاری خلیفہ بنیں گی،یا یہ مطلب ہے کہ دنیا کا مالک حقیقی تو حق تعالٰی ہی ہے،تم سب اس کے برتنے میں اس کے خلیفہ یا وکیل ہو،لہذا مالک کی مرضی کے بغیر اسے استعمال نہ کرو،یا صحابہ کرام کو پیش گوئی ہے کہ میرے بعد عرب و عجم کی دولتیں ممالک تمہارے قبضہ میں آنے والے ہیں،ذرا درست رہنا۔

۳؎ یعنی اس سے دھوکا نہ کھاؤ یا ناجائز طور پر استعمال نہ کرو یا اس میں مشغول ہو کر بھول نہ جاؤ اسے دینا بھی آتا ہے اور چھیننا بھی، جوسی سکتا ہے وہ ادھیڑ بھی سکتا ہے کیونکہ ع ہر کہ داند دوخت او داند درید۔دنیا کو ایسے استعمال کرو جیسے عقل مند مکھی شہد لیتی ہے کہ کنارہ میں رہ کر چوس لیتی ہے اگر اس میں گرے تو مرجائے دنیا جسم پر رہے دل میں نہ آئے تم دنیا میں رہو،تم میں دنیا نہ رہے۔

۴؎ اس فرمان عالی میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک اسرائیلی نے اپنے چچا سے درخواست کی کہ مجھے اپنی بیٹی بیاہ دو۔اس نے انکار کیا اس کے بھتیجے نے اسے قتل کردیا تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرے اور اس کے مال کا وارث بن جائے،اسی واقعہ پر ذبح گائے کا واقعہ پیش آیا جو سورۂ بقرہ میں مذکور ہے۔(مرقات و لمعات) یا اس میں بلعام ابن باعورا کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جسے اسم اعظم یاد تھا اور وہ مقبول الدعاء تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم جبارین پر لشکر کشی کی تو بلعام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنے کے لیے اس سے درخواست کی،وہ نہ مانا تب قوم نے اس کے سامنے حسینہ عورت پیش کی اور کہا کہ اگر تو موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرے تو ہم اس کا نکاح تجھ سے کردیں تب اس نے موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنی چاہی جو خود اس پر پڑی اور اس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:" فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ"الایہ۔اس کا مفصل واقعہ تفاسیر میں اور اسی جگہ مرقات میں مذکور ہے۔اس صورت میں یا تو فتنہ سے مراد بڑا فتنہ ہے یا اولیت سے مراد اضافی اولیت ہے نہ کہ حقیقی کیونکہ بنی اسرائیل میں معمولی فتنے اس سے پہلے بھی ہوچکے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نحوست عورت میں اور گھر میں اور گھوڑے میں ہے۔(مسلم،بخاری) اور ایک روایت میں

	ہے کہ نحوست تین چیزوں میں ہے عورت میں گھر میں اور گھوڑے میں ہے[1]

[1] شوم بنا ہے شام سے یمن کا مقابل،یمن کے معنی ہیں برکت،لہذا شوم کے معنی ہیں نحوست،اس حدیث کے بہت معنی کیئے گئے ایک یہ کہ اگر کسی چیز سے نحوست ہوتی تو ان تین میں ہوتی،دوسرے یہ کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ اولاد نہ جنے اور خاوند کی نافرمان ہو،مکان کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو وہاں اذان کی آواز نہ آئے اور اس کے پڑوسی خراب ہوں،گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ مالک کو سواری نہ دے،سرکش ہو۔بہرحال یہاں شوم سے مراد بدفال نہیں کہ اس کی وجہ سے رزق گھٹ جائے یا آدمی مرجائے کہ اسلام میں بدفالی ممنوع ہے۔لہذا یہ حدیث لاطیرۃ کی حدیث کے خلاف نہیں۔ خیال رہے کہ بعض بندے اور بعض چیزیں مبارک تو ہوتی ہیں کہ ان سے گھر میں مال میں عمر میں زیادتیاں ہوجاتی ہیں جیسے عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں "وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا"مگر کوئی چیز اس کے مقابل معنی میں منحوس نہیں،ہاں کافر،کفر،زمانۂ عذاب منحوس ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ"۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد میں تھے تو جب ہم لوٹے مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نیا شادی شدہ ہوں[1] فرمایا کیا تم نے نکاح کرلیا میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کنواری سے یا بیوہ سے میں نے کہا بلکہ بیوہ سے،فرمایا کنواری سے کیوں نہ کیا کہ اس سے پوری الفت کرتے وہ تم سے پوری محبت کرتی[2] پھر جب ہم پہنچ گئے اور گھر جانے لگے تو فرمایا ٹھہروتا کہ ہم رات میں یعنی عشاء کے وقت داخل ہوں[3] تاکہ پراگندا بال کنگھی سے سلجھائے جائیں اور پوشیدہ جگہ صاف کرلی جائے لوہے سے[4] (مسلم،بخاری)

[1] کسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کے نکاح میں شرکت نہ کی ہوگی اور انہوں نے ابھی تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ کی تھی اس کا موقعہ نہ ملا تھا ورنہ علی العموم صحابہ کرام ایسے موقعوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت ضروری سمجھتے تھے۔

[2] یعنی بہتر تھا کہ تم کسی کنواری عورت سے نکاح کرتے کیونکہ بیوہ عورت کے دل میں پہلے خاوند اور پہلی سسرال کا خیال رہتا ہے ذرا سی تکلیف میں ان لوگوں کو یاد کرتی ہے اس لیے خاوند سے الفت جیسی کنواری عورت کو ہوتی ہے ویسے بیوہ کو نہیں ہوتی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود آپ بیوگان سے نکاح فرمانا دوسری مصلحتوں کی بنا پر تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے عائشہ صدیقہ کے کسی کنواری بیوی سے نکاح نہ کیا۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ

کنواری لڑکی سے نکاح کرنا مستحب ہے یہ ہی فقہاء فرماتے ہیں، دوسرے یہ کہ اپنی عورت سے ملاعبت وخوش طبعی بہتر ہے کہ اس میں صدہا حکمتیں ہیں ۔

۳؎ یعنی اپنے گھر،اپنے مدینہ پہنچ جانے کی اطلاع تو بھیج دو،مگر رات آنے سے پہلے خود نہ جاؤ،جس حدیث میں فرمایا کہ رات میں سفر سے واپس گھر نہ پہنچو،وہاں بغیر اطلاع پہنچنا مراد ہے سنت یہ ہے کہ مسافر پہلے اپنے گھر اپنی آمد کی اطلاع بھیجے پھر وہاں پہنچے۔

۴؎ یعنی اس تاخیر میں مصلحت یہ ہے کہ تمہاری بیوی تمہاری آمد کی اطلاع پا کر نہا دھو لے گی بالوں میں کنگھی،اندرونی صفائی کرلے گی جس سے تم اسے اچھی حالت میں پاؤ گے اور اس سے آپس کی محبت بڑھے گی،کبھی اچانک گھر پہنچ جانے سے بیوی کو ایسی حالت میں دیکھنا ہوتا ہے کہ طبیعت میں گھن و نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔خیال رہے کہ عموماً عورتیں استرے سے اندرونی صفائی نہیں کرتیں بلکہ چونا وغیرہ سے کرتی ہیں اسی لیے محدثین نے تستحد سے مراد لی ہے چونا وغیرہ سے صفائی کرلینا۔ اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو اندرونی صفائی کے لیے استرہ کا استعمال کرنا جرم نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد فرمانا اللہ کے ذمہ کرم پر لازم ہے ۱؎ وہ مکاتب غلام جو ادا کا ارادہ رکھتا ہو ۲؎ وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کا ارادہ کرے ۳؎ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا غازی ۴؎ (ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی ان تین شخصوں کی غیب سے مدد کرتا ہے اس کا وعدہ ہے اور جو کوئی ان تینوں کی مدد کرے رب تعالٰی ان سے بہت ہی راضی ہوتا ہے کہ ان کی مدد سنت الٰہیہ ہے۔

۲؎ مکاتب وہ غلام ہے جس سے مولا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنی رقم مجھے دے دے تو تو آزاد ہے،ایسے غلام کی مدد کرنا اور اس کے آزاد کرانے کی کوشش کرنا بہت ثواب ہے ایسے ہی مقروض کو قرض سے نجات دلانا،مظلوم قیدی کو قید سے چھوڑانا بہت ہی ثواب ہے۔

۳؎ نکاح خود سنت ہے اور جب کہ اس میں بہ نیت خیر بھی شامل ہوجائے تو نورٌ علی نور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں جہیز ملنے،شہوت پوری کرنے کسی اونچے آدمی سے قرابت قائم ہونے کی نیت نہ کرے محض اپنے کو گناہوں سے بچانے کی نیت کرے ایسے ناکح کی مالی بدنی مدد کرنا ثواب ہے مگر مالی مدد ضروریات نکاح پوری کرنے کے لیے ہو نہ کہ حرام رسوم ادا کرنے کے لیے۔

۴؎ لہذا غازی فی سبیل اللہ کو کھانا،ہتھیار سواری وغیرہ مہیا کردینا بہت ہی افضل ہے کہ اس کی امداد درحقیقت رب تعالٰی کے دین کی مدد ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تمہیں پیغام نکاح وہ شخص دے ۱؎ جس کی دینداری اور اخلاق تم کو پسند ہیں تو نکاح کردو ۲؎ اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنے اور لمبے چوڑے فساد برپا ہوجائیں گے ۳؎(ترمذی)

۱؎اس میں خطاب لڑکی کے اولیاء کو ہے چونکہ عادۃً عورت خصوصًا باکرہ لڑکی کے اولیاء سے ہی نکاح کی گفت و شنید کی جاتی ہےاس لیے ان سے خطاب فرمایا۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لڑکے والے پیغام دیں لڑکی والوں کو اگرچہ اس کے عکس بھی جائز ہے۔

۲؎یعنی جب تمہاری لڑکی کے لیے دیندار عادات و طوار کا درست لڑکا مل جائے تو محض مال کی ہوس میں اور لکھ پتی کے انتظار میں جوان لڑکی کے نکاح میں دیر نہ کرو،لڑکے کے خلق سے مراد تندرستی،عادت کی خوبی،نفقہ پر قدرت سب ہی داخل ہیں۔

۳؎اس لیے کہ اگر مالدار کے انتظار میں لڑکیوں کے نکاح نہ کیے گئے تو ادھر تو لڑکیاں بہت کنواری بیٹھی رہیں گی اور ادھر لڑکے بہت سے بے شادی رہیں گے جس سے زنا پھیلے گا اور زنا کی وجہ سے لڑکی والوں کو عارو ننگ ہوگی،نتیجہ یہ ہوگا کہ خاندان آپس میں لڑیں گے، قتل و غارت ہوں گے، جس کا آج کل ظہور ہونے لگا ہے ۔خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ کفایت میں صرف دین کا لحاظ ہے اور کسی چیز کا اعتبار نہیں،دیگر امام فرماتے ہیں کہ کفایت میں چار چیزیں ملحوظ ہیں: دین،حریت نسب،پیشہ،لہذا مسلم کا نکاح کافر سے نہیں ہوسکتا،یوں ہی صالحہ لڑکی کا نکاح فاسق و بدکار مرد سے نہ کرنا چاہیے۔حرہ کا نکاح غلام سے،اعلیٰ خاندان والی کا نکاح خسیس ذلیل خاندان والے سے،اعلیٰ پیشہ والے کا نکاح ذلیل پیشہ والے سے نہ ہونا چاہیے۔اگر لڑکی خلاف کفو سے نکاح کرلے جس سے اس کے اولیاء کو ذلت ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔(مرقات و لمعات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محبت کرنے والی بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو۱؎کیونکہ میں تمہاری وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎کیونکہ زوجین کی محبت سے گھر کی آبادی ہے اور بچوں کی پیدائش سے مقصود نکاح کا حصول ہے،زوجین کی عداوت گھر تباہ کردیتی ہے،خیال رہے کہ بیوہ عورت کے یہ دونوں وصف اس کی گزشتہ زندگی سے معلوم ہوں گے اور کنواری کے یہ اوصاف اس کی خاندانی عورتوں سے ظاہر ہوں گے کیونکہ اکثر لڑکیاں اپنی خاندانی عورتوں سے پہچانی جاتی ہیں(اشعہ)

۲؎یعنی کل قیامت میں مجھے اس چیز سے بہت خوشی ہوگی کہ میری امت تمام امتوں سے زیادہ ہو اور ان شاءاللہ ایسا ہی ہوگا،اہل جنت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوں گی اور چالیس صفیں سارے نبیوں کے امتی،بلکہ دنیا میں بھی کثرت تعداد ترقی قوم کا ذریعہ ہے آج کثرت رائے سے سلطنت

وزارت وغیرہ بنتی ہیں۔ مرقات نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بتایا کہ محبت والی بچے جننے والی عورتوں کو نکاح میں رکھو کہ اگر ایسی عورت میں اور کوئی دوسری شکایت بھی ہوں تو اس کی پرواہ نہ کرو محبت و اولاد اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سالم ابن عتبہ۱؎ ابن عویم ابن ساعدہ انصاری سے ۲؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۳؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم کنواریوں کو اختیار کرو ۴؎ کہ وہ منہ کی میٹھی رحم کی صاف اور تھوڑے پر رضا مند ہوجانے والی ہوتی ہیں ۵؎ (ابن ماجہ،ارسالًا) ۶؎

۱؎ سالم و عتبہ دونوں تابعی ہیں عویم صحابی۔

۲؎ عویم ابن ساعدہ صحابی ہیں، انصاری اوسی ہیں،دونوں بیعت عقبہ میں شریک ہوئے بدروتمام غزوات میں شامل رہے عہد فاروقی میں وفات پائی ۶۵ سال عمر شریف ہوئی آپ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایات لیں۔(مرقات و اکمال)

۳؎ یعنی عبدالرحمان اپنے والد سالم سے راوی اور سالم اپنے والد عتبہ سے راوی جو عبدالرحمان کے دادا ہیں اسی لیے صاحب مشکوۃ نے اس حدیث کو مرسل فرمایا کہ عتبہ تابعی ہیں اگر یہاں سالم کے دادا عویم مراد ہوتے تو حدیث مرسل کیوں ہوتی،عویم توصحابی ہیں (مرقات وغیرہ)

۴؎ یعنی بہتر یہ ہے کہ کنواریوں سے نکاح کرو،یہ علیکم الزام کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ"۔

۵؎ یعنی کنواری لڑکی باتیں میٹھی کرتی ہے کہ اس نے پہلے کوئی شوہر دیکھا نہیں ہوتا تاکہ دونوں خاوندوں کا موازنہ کرتی رہے اور ذرا سی بات میں پہلے خاوند کو یاد کرکے اس خاوند سے منہ موڑے،نیز کنواری لڑکی پوری جوان ہے رحم میں حرات طبیعت میں شہوت قوی ہے لہذا اس سے اولاد بھی زیادہ ہونے کی امید ہیں، نیز خاوند کی تھوڑی کمائی پر گزرا کرنے میں تامل نہ کرے گی کہ اس نے ا س سے پہلے مال دار خاوند کو دیکھا ہی نہیں ہے،تاکہ اس کی عادت زیادہ خرچ کرنے کی پڑچکی ہو۔

۶؎ اس حدیث کو امام سیوطی نے جامع صغیر میں بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی عویم ان ساعدہ سے روایت کیا اس صورت میں یہ حدیث متصل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو محبت چاہنے والوں کے لیے

نکاح جیسی کوئی چیز نہ دیکھی گئی۔[1]	

[1]اس حدیث کی روایت دو طرح کی ہے لم تری مخاطب معروف کے صیغہ سے اور لم یُریٰ غائب مجہول کے صیغہ سے یعنی اے سننے والے تو نے نکاح کیطرح کوئی اور چیز محبت پیدا کرنے والی نہ دیکھی یا نہ دیکھی گئی۔مقصد یہ ہے کہ جن دو شخصوں یا خاندانوں میں محبت پیدا کرنی ہو تو ان کے آپس میں ایک دوسرے کے ہاں لڑکیاں بیاہ دو ان شاءاللہ محبت پیدا ہوجائے گی،مثل مشہور ہے کہ روٹی بیٹی محبت کی جڑ ہے یا یہ مطلب ہے کہ محبت کے بعد نکاح بہت الفت کا ذریعہ ہے اسی لیے نکاح سے پہلے آپس میں ہدایا تحفے دیئے جاتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہوجائے تو اس سے زنانہ کرے کہ پھر بغض پیدا ہوجائے گا بلکہ نکاح کرے تب محبت دائمی رہے گی (لمعات و اشعہ) خیال رہے کہ نکاح محبت کی زنجیر جب ہے جب کہ رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے اگر محض مال و جمال کے لیے کیا جائے تو کبھی بغض وعدوات کا ذریعہ بھی ہوجاتا ہے،جیسا آج بہت جگہ دیکھا جارہا ہے حدیث صحیح ہے ہمارا طریق کار غلط ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالٰی سے پاک و صاف ملنا چاہتا ہو وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔[1]	

[1]طاہر سے مراد ہے گناہوں سے پاک ،مطہر سے مراد ہے برائیوں سے صاف،لہذا مطہر بمقابلہ طاہر عام ہے،یا طاہر سے مراد ہے خود پاک اور مطہر سے مراد ہے اس کے بال بچے پاک یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تم مع اپنے خاندان کے پاک وصاف دنیا سے جاؤ تو آزاد عورت سے نکاح کرو کیونکہ عمومًا آزاد عورتیں بمقابلہ لونڈیوں کے زیادہ پاکیزہ مہذب اور شائستہ ہوتی ہیں بال بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت، گھر کا انتظام بھی آزاد عورت ہی سے اچھا ہوتا ہے کیونکہ عمومًا لونڈیاں غیر مہذب غیر منتظم ہوتی ہیں۔یہ اکثر قاعدہ ہے،اہلِ عرب کہتے ہیں کہ آزاد عورت گھر کی اصلاح ہے لونڈی گھر کا فساد،لونڈی گھر سے جا کر اپنے مالک کی خدمت میں مشغول رہے گی گھر کو کب سنبھالے گی۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور فرماتے ہیں کہ مؤمن نے اللہ سے خوف کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی نعمت نہ پائی[1] کہ اگر اس بیوی کو حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے[2] اور اگر اسے دیکھے پسند آئے[3] اور اگر اس پر قسم کھالے تو اس کی قسم پوری کرے[4] اور اگر اس سے غائب ہو تو اپنی ذات اور خاوند کے مال میں خیر خواہی کرے[5] یہ تینوں حدیثیں ابن ماجہ نے روایت کیں۔	

[1]یعنی مؤمن کے لیے سب سے بڑی نعمت تو خوف خدا ہے،اگر نصیب ہوجائے کہ اس خوف ہی کی وجہ سے وہ گناہوں سے بچتا ہے نیکیاں کرتا ہے دین و دنیا کی بھلائی کا ذریعہ تقویٰ ہے اس کے بعد نیک بیوی جس میں اگلی تین صفات ہوں کہ ایسی بیوی خاوند کو تقویٰ پر قائم رکھے گی اور متقی اولاد جنے گی۔

۲؎یعنی خاوند کے ہر جائز حکم میں اس کی مطیع ہو کہ ناجائز حکم میں کسی کی اطاعت نہیں (احمد و مرقات)
۳؎یعنی اس کی سیرت بھی اچھی ہو صورت بھی چونکہ سیرت کی عمدگی خوبصورتی سے افضل ہے اس لیے حسن سیرت کا ذکر پہلے فرمایا خوبصورتی سے صرف آنکھیں لذت پاتی ہیں،اچھی سیرت سے دل و روح کو فرحت پہنچتی ہے، خوبصورتی قریب الزوال ہے، خوش سیرتی نعمت لازوال، خوبصورتی صرف دنیا بلکہ جوانی ہی میں کام آتی ہے، اچھی عادت دین و دنیا میں کار آمد اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں ہزار ہا حکمتیں ہوتی ہیں۔
۴؎یعنی اگر خاوند اپنی بیوی کے کسی ایسے کام میں قسم کھا جائے جو اس بیوی پر سخت وگراں ہو تو وہ محض اپنے خاوند کی قسم پوری کرنے کے لیے مشقت برداشت کرکے وہ کام کرے جیسے خاوند کہے کہ قسم خدا کی تو اپنے میکہ نہ جاوے گی تو وہ محض یہ قسم پوری کرنے کے لیے وہاں نہ جائے ماں باپ کو اپنے سسرال میں بلا کر ملاقات کرلیا کرے۔
۵؎سبحان اللہ! کیا جامع اور پاکیزہ کلمہ ہے یعنی خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی شرمگاہ،آنکھ،کان،پاؤں کی حفاظت کرے سمجھے کہ میں اپنے خاوند کی دولت ہوں میرے آنکھ کان وغیرہ میرے پاس اسی کی امانت ہیں،غیر مرد کو دیکھے نہیں غیر کا گانا تو کیا اس کی آواز بھی نہ سنے بغیر خاوند کی اجازت گھر سے قدم باہر نہ نکالے،یہ نہ ہو کہ خاوند گھر نہیں بیوی کو ڈر نہیں،نیز خاوند کا مال بغیراس کی اجازت کے خرچ نہ کرے الافی الضرورات۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے نے نکاح کرلیا تو اپنا آدھا دین مکمل کرلیا اب باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے ۱؎	

۱؎کیونکہ فساد دین کی بڑی وجہیں دو ہیں،شرمگاہ اور پیٹ کے متعلق بے احتیاطیاں جسے خدا نکاح کی توفیق دے دے تو اس کی شرمگاہ کی حفاظت ہوگئی،اب چاہیے کہ اپنے پیٹ کو حرام غذا سے بچائے،امام غزالی فرماتے ہیں کہ شرمگاہ اورپیٹ ہی شیطان کا ہیڈ کوارٹر ہے جب یہاں سے اسے نکال دیا تو ان شاءاللہ دوسرے اعضاء سے بھی نکل جائے گا۔(ازمرقات مع زیادت)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑی برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بوجھ کم ہو ۱؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔	

۱؎یہ کلمہ نہایت جامع ہے یعنی جس نکاح میں فریقین کا خرچ کم کرایا جائے،مہر بھی معمولی ہو،جہیز بھاری نہ ہو،کوئی جانب مقروض نہ ہوجائے،کسی طرف سے شرط سخت نہ ہو اللہ کے توکل پر لڑکی دی جائے وہ نکاح بڑا ہی بابرکت ہے ایسی شادی خانہ آبادی ہے آج ہم حرام رسموں بیہودہ رواجوں کی وجہ سے شادی کو خانہ بربادی بلکہ خانہائے بربادی بنالیتے ہیں۔اللہ تعالٰی اس حدیث پاک پر عمل کی توفیق دے۔

باب النظر الی المخطوبۃ وبیان العورات

باب جس عورت کو پیغام دیا جائے اسے دیکھ لینا اور ستر کا بیان ہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **مخطوبۃ خطبہ** سے بنا ہے،بکسر خاء خطبہ اور خطبہ زیر و پیش سے،دونوں لفظ خطاب سے ماخوذ ہیں،بمعنی کسی سے کلام کرنا،اسی سے ہے مخاطب مگر خطبہ خاء کے پیش سے،اس کا فاعل خطیب ہے اور خطبہ بکسر خاء اس کا فاعل خاطب مفعول مخطوب خطبہ بضم خاء ہر وعظ و خطاب کو کہتے ہیں اور خطبہ خاء کے زیر سے پیغام نکاح کو کہا جاتا ہے جو عورت یا اس کے اولیاء کو دیا جائے لہذا مخطوبہ وہ عورت ہے جس کے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو یا دینا ہو مخطوبہ کو پیغام نکاح سے پہلے دیکھ لینا یا دکھوالینا مستحب ہے، امام مالک کے ہاں اجازت سے جائز بغیر اجازت ممنوع ہے(اشعہ)مگر بہتر یہ ہے کہ پیغام سے پہلے دیکھا جائے اور وہ بھی کسی بہانہ سے کہ عورت کو پتہ نہ لگے تاکہ ناپسندیدگی کی صورت میں عورت کو رنج نہ ہو۔عورات عورت کی جمع ہے،یہ لفظ عار بمعنی شرم سے بنا،ستر کو اس لیے عورت کہتے ہیں کہ اس کے اظہار سے شرم ہوتی ہے اس لیے عورت کو عورت کہتے ہیں کہ اس کی بے پردگی باعث ننگ و شرم ہے۔بری بات کو حکم عوراء کہتے ہیں جس کا بولنا باعث غیرت ہو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ۱؎ بولا میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح لینا ہے ۲؎ فرمایا اسے دیکھ لو ۳؎ کیونکہ انصار کی آنکھ میں کچھ ہوتا ہے ۴؎(مسلم)

۱؎ یہ شخص غیر انصاری تھا جسے انصار کی عورتوں کے متعلق کچھ خبر نہ تھی اگر انصاری ہوتا تو خود ہی تمام چیزوں سے خبردار ہوتا،اسے یہ بتانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

۲؎ یہ ترجمہ ہی مناسب ہے کیونکہ بعد نکاح عور ت دیکھ لی ہی جاتی ہے،نیز پھر دیکھنا بے کار ہے کہ نکاح تو ہو ہی چکا،**تزوج** سے مرا د ہے ارادۂ نکاح۔

۳؎ دیکھنے سے مراد چہرہ دیکھنا ہے کہ حسن وقبح چہرے ہی میں ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ ہی صورت ہے جو ابھی عرض کی گئی یعنی کسی بہانہ سے دیکھ لینا یا کسی معتبر عورت سے دکھوالینا،نہ کہ باقاعدہ عورت کا انٹرویو(Interveiw)کرنا جیسا کہ آجکل کے بے دینوں نے سمجھا۔

۴؎یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو ان کے مَردوں پر قیاس کیا کہ مَردوں کی آنکھیں نیلگوں تھیں تو عورتوں کی بھی ایسی ہی ہوں گی،یا کسی نے حضور سے یہ عرض کیا ہو گا یا اس لیے کہ حضور ہر کھلے چھپے سے خبردار ہیں یا حضور انور سے مسلمان عورتوں کا پردہ نہیں کہ حضور والد ہیں مگر یہ توجیہ کچھ کمزور سی ہے کیونکہ احترام و ادب میں والد ہیں نہ کہ شرعی احکام میں لہذا حضور سے پردہ فرض ہے جو بیبیاں حضور کے سامنے آئی ہیں وہ رضاعی ہمشیرہ وغیرہ تھیں یا کوئی اور طرح محرم۔(اشعہ و مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں غیبت یعنی کسی کی برائی پس پشت بیان کرنا جائز ہے جب کہ کسی فساد کا روکنا منظور ہو،آج محدثین راویان حدیث کے عیوب بیان کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اختلاط کرے کوئی عورت دوسری عورت سے پھر اپنے خاوند سے اس کی تعریف یوں کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یعنی یہ ممنوع ہے کہ عورت اپنے خاوند سے دوسری عورت کے حسن کا تذکرہ کرے یہ بھی فتنہ کا باعث ہے کیونکہ۔شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا ایں دولت از گفتار خیزد

بعض اوقات سن کر عشق پیدا ہوجاتا ہے اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ عشقیہ فحش گانے اور عورتوں کے حسن کے اشعار سننا حرام ہے کہ باعث فتنہ ہے یہ بیماری عموماً عورتوں میں پائی جاتی ہے کہ دوسری عورتوں کے حسن کا تذکرہ اپنے خاوندوں سے کرتی ہیں سخت جرم ہے۔اس حدیث کی بنا پر بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ حیوان کی بیع سلم جائز ہے کہ بعض بیان مثل عیان کے ہوتے ہیں،ہوسکتا ہے کہ حیوان کے پورے اوصاف بیان کردیئے جائیں جس سے وہ متعین ہوجائے دیکھو سرکار فرماتے ہیں گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے مگر ہمارے امام صاحب کے ہاں ممنوع ہے کیونکہ جانوروں کے باطنی اوصاف بیان میں نہیں آسکتے،اور بیع سلم میں پورا علم چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی مرد کسی مرد کا ستر دیکھے نہ عورت کسی عورت کا ستر ۱؎اور نہ مرد دوسرے مرد سے ایک کپڑے میں اختلاط کرے اور نہ عورت کسی عورت سے ایک کپڑے میں اختلاط کرے ۲؎(مسلم)

۱؎ناف سے گھٹنے تک کے اعضاء مطلقًا چھپانا واجب ہیں کہ نہ مرد مرد کے یہ اعضاء دیکھے نہ عورت عورت کے لیکن عورت مرد اجنبی کے لیے سر سے پاؤں تک لائق پردہ ہے اور نماز کے لیے عورت سر سے پاؤں تک جسم ڈھکے سوائے چہرہ کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنے کے نیچے پاؤں کے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ بے داڑھی مونچھ کا امرد لڑکا بھی بعض احکام میں عورت کی طرح ہے کہ اس کو دیکھنے سے بھی احتیاط کرے۔(اشعہ)ضرورتًا شریعت کے احکام جداگانہ ہیں کہ بچہ جنتے

وقت دایہ ستر دیکھتی ہے،یوں ہی بعض صورتوں میں مرد کو ننگا کرناپڑتا ہے۔محرم مرد اپنی محرمہ عورت کا چہرہ ہاتھ پاؤں سر دیکھ سکتا ہے،خاوند بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں،اس سے کسی عضو کا چھپانا واجب نہیں،ہاں شرمگاہ کا دیکھنا بینائی ضعیف کرتا ہے ماں باپ اپنے جوان بیٹے بیٹی کو چوم سکتے ہیں،سونگھ سکتے ہیں یوں ہی جوان لڑکا،لڑکی اپنے ماں باپ کو چوم سکتا ہے دیکھنے و چھونے کے مکمل احکام شامی عالمگیری وغیرہ باب اللمس و النظر میں دیکھئے۔

۲یعنی مرد مرد کے ساتھ یوں ہی عورت عورت کے ساتھ ننگے نہ لیٹیں کہ یہ حرام بھی ہے اور بے غیرتی بھی لہذا دو ننگے مرد ایک چادر اوڑھ کر نہ سوئیں،یوں ہی دو ننگی عورتیں سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کوئی مرد کسی شادی شدہ عورت کے پاس رات نہ گزارے ۱مگر یہ کہ اس کا خاوند یا محرم رشتہ دار(مسلم)	

۱یعنی جس عورت سے نکاح درست ہے اس کے ساتھ رات میں اکیلے رہنا حرام ہے،شادی شدہ کی قید اس لیے ہے کہ کنواری لڑکی عمومًا شرمیلی ہوتی ہے وہ خود ہی کسی کے ساتھ نہیں اٹھتی بیٹھتی،شادی شدہ بے باک بھی ہوتی ہے،بے خوف بھی کہ اس کا زنا چھپ سکتا ہے کہ اگر اولاد ہوجائے تو لوگ سمجھیں گے اس کے خاوند کی ہے رات گزارنے کی قید اس لیے لگائی گئی کہ رات کی تنہائی بمقابلہ دن کی خلوت کے زیادہ خطرناک ہے ورنہ مطلقًا خلوت اجنبیہ سے حرام ہے۔

۲محرم وہ مرد ہے جس کا نکاح اس عورت سے ہمیشہ کے لیے حرام ہے،محرم دو قسم کے ہیں:ایک وہ جو ذی رحم بھی ہو،جیسے باپ بیٹا بھائی وغیرہ دوسرے وہ جو ذی رحم نہ ہو،جیسے رضاعی بھائی اور داماد۔خیال رہے کہ بہنوئی اس حکم سے خارج ہے کہ اس سے نکاح اگرچہ حرام ہے مگر دائمی حرام نہیں بہن کی طلاق یا وفات کے بعد حلال ہے لہذا سالی بہنوئی سے پردہ کرے ،بلکہ جوان ساس بھی جوان داماد سے خلوت کرنے میں احتیاط رکھے یوں ہی جوان سسر اپنی جوان بہو کے ساتھ خلوت کرنے میں احتیاط رکھے۔اگرچہ ان کے لیے خلوت درست ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں کے پاس جانے سے بچو ۱کسی نے عرض کیا یارسول اللہ دیور کے متعلق فرمایئے فرمایا دیور تو موت ہے۔۲(مسلم بخاری)	

۱پچھلی حدیث میں خلوت کا ذکر تھا یہاں بے پردہ آمنے سامنے آنا کا ذکر ہے یعنی غیر محرم عورت کے پاس بے پردہ نہ جاؤ اگرچہ ذی رحم ہی ہو،جیسے چچا زاد، خالہ زاد،پھوپھی زاد بھائی بہن کہ ان سے پردہ چاہیے کہ اگرچہ ذی رحم تو ہیں مگر محرم نہیں ان سے نکاح درست ہے۔

۲یعنی بھاوج کا دیور سے بے پردہ ہونا موت کی طرح باعث ہلاکت ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حمو سے مراد صرف دیور یعنی خاوند کا بھائی ہی نہیں بلکہ خاوند کے تمام وہ قرابت دار مراد ہیں جن سے نکاح درست ہے جیسے خاوند کا چچا

ماموں پھوپھا وغیرہ اسی طرح بیوی کی بہن یعنی سالی اور اس کی بھتیجی بھانجی وغیرہ سب کا یہ ہی حکم ہے۔خیال رہے کہ دیور کو موت اس لیے فرمایا کہ عادتًا بھاوج دیور سے پردہ نہیں کرتیں بلکہ اس سے دل لگی،مذاق بھی کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اجنبیہ غیر محرم سے مذاق دل لگی کسی قدر فتنہ کا باعث ہے اب بھی زیادہ فتنہ دیور بھاوج اور سالی بہنوئی میں دیکھے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد کی اجازت مانگی ۱؎ تو حضور نے ابو طیبہ کو حکم دیا کہ ان کی فصد کریں ۲؎ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابو طیبہ ان کے دودھ کے بھائی تھے یا نابالغ لڑکے ۳؎(مسلم)	

۱؎ عرض کیا مجھے اجازت دی جائے کہ فصد لینے والے سے فصد کرادوں،معلوم ہوا کہ عورت کے لیے بہتر یہ ہی ہے حکیم ڈاکٹر کا علاج خاوند کی اجازت سے کرائے خصوصًا جب کہ علاج میں بے پردہ ہونا پڑتا ہو کیونکہ فصد میں یقینًا فصد کی جگہ کو دیکھنا پڑے گا۔

۲؎ ابو طیبہ کا نام نافع ہے محیصہ ابن مسعود انصاری کے آزاد کردہ غلام ہیں، صحابی ہیں،مدینہ منورہ میں فصد کھولنے کے بڑے ماہر تھے(اکمال)

۳؎ علماء فرماتے ہیں کہ علاج و فصد ختنہ کے لیے مریض کی جاء مرض اجنبی حکیم بھی دیکھ سکتا ہے۔(مرقاۃ و اشعہ)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایسے علاج کے لیے عورت کا محرم حکیم ہو تو بمقابلہ اجنبی کے اس سے علاج کرانا بہتر ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ سے پردہ نہیں۔

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق پوچھا تو حضور نے مجھے نظر پھیرلینے کا حکم دیا ۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی اگر اجنبیہ عورت پر بلا قصد نظر پڑ جائے تو اس میں گناہ کیا ہے اور اس کا کفارہ کیا ہے۔

۲؎ یعنی اس اچانک نظر پڑ جانے میں تو گناہ نہیں مگر فورًا نگاہ ہٹا لو اگر دوبارہ دیکھ لیا یا اسے دیکھتے رہے تو گنہگار ہوں گے کہ اس میں گناہ کا ارادہ پالیا گیا۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ عورت پر منہ چھپانا واجب نہیں بلکہ مرد پر نگاہ نیچی رکھنا ضروری ہے کیونکہ سرکار نے مرد کو نظر پھیر لینے کا حکم دیا(مرقات)مگر یہ اسدلال ضعیف ہے اگلی حدیث میں آئے گا کہ عورت بھی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اگرچہ مرد نا بینا ہو یہاں وہ صورت مراد ہے کہ عورت بے پردہ نہ تھی پھر مرد کی نظر پڑ گئی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت شیطان کی شکل میں تو	

آتی ہے اور شیطان کی صورت ہی میں جاتی ہے ۱؎ جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت بھلی معلوم ہو اور اس کے دل میں کچھ وسوسہ پڑ جائے تو اپنی بیوی کی طرف قصد کرے اس سے قصد کرے ۲؎ یقینًا یہ عمل اس کے دل کے وسوسہ کو دفع کرے گا۔(مسلم)	

۱؎ یعنی اجنبی عورت کو آتے ہوئے آگے سے دیکھو یا جاتے ہوئے پیچھے سے دیکھو مرد کے دل میں وسوسے اور برے شہوانی خیال پیدا کرتی ہے جیسے شیطان برے خیال ووسوسے پیدا کرتا ہے لہذا اس سے ایسا ہی ڈرنا چاہیے جیسے شیطان سے ڈرتے ہیں کوئی متقی پرہیزگار اپنے تقویٰ پر پرہیزگاری پر اعتماد نہ کرے اور اجنبی عورتوں سے احتیاط رکھے اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ بلا ضرورت عورت گھر سے نہ نکلے اور مرد اجنبی عورت کو کپڑوں پر سے بھی نہ دیکھے کہ فتنہ اندیشہ ہے،نیز عورت کو لازم ہے کہ لباس فاخرہ عمدہ برقعہ اوڑھ کر نہ باہر جائے کہ بھڑک دار برقعہ پردہ نہیں بلکہ زینت ہے۔(نووی و مرقات)

۲؎ یہ عمل حصول تقویٰ اور دفع وسوسے کے لیے اکسیر ہے صحبت کرلینے سے شہوت کا جوش جاتا رہے گا یہ جوش ہی میلان کی وجہ تھی،علماء فرماتے ہیں کہ عورت کو چاہیے کہ خاوند کے بلانے پر بغیر پس و پیش آجائے کوئی مانع نہ ہو کہ بسا اوقات اکثر جوش شہوت بدن و قلب کو بیمار کردیتا ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو پیغام نکاح دینے لگے ۱؎ تو اگر اس کو دیکھ سکے جسے نکاح کی دعوت دیتا ہے تو ضرور کرلے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یہ ترجمہ نہایت مناسب ہے یعنی پیغام نکاح دینے کے بعد عورت کو نہ دیکھے ورنہ ناپسندیدگی کی صورت میں عورت کو صدمہ ہوگا بلکہ دیکھنے کے بعد پیغام دے،دیکھنے کی صورتیں پہلے بیان ہوچکیں کہ یا تو کسی حیلہ بہانے سے خود دیکھے یا کسی معتبر عورت سے دکھوالے،مرقات نے بھی خطب کے معنی ارادہ پیغام کیے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نکاح میں عورت کے حسب و نسب دینداری وغیرہ کے ساتھ صورت کا بھی لحاظ رہے،دوسری چیزوں کی تحقیقات تو اور طرح بھی ہوسکتی ہے مگر صورت کی تحقیق دیکھ کر ہی ہوسکتی ہے جن احادیث میں صورت و حسن کی بنا پر نکاح کرنے سے منع فرمایا گیا وہاں صرف صورت کا لحاظ کردینا دینداری کی پرواہ نہ کرنا مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔دوسرے یہ کہ مرد تو عورت کو دیکھنے کی کوشش کرے مگر عورت مرد کو دیکھنے کی

کوشش نہ کرے،کیونکہ مرد کی تندرستی اخلاق اور کمائی دیکھی جاتی ہے، حسن عورت کا زیور ہے اور یہ چیزیں مرد کا زیور ہیں۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں میں نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا۱؎ تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا اسے دیکھ لو کہ یہ دیکھنا تمہاری آپس کی دائمی محبت کا ذریعہ ہے ۲؎(احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ یا تو پیغام دینا چاہا یا ابھی معمولی بات چیت ہوئی پختہ بات ہوجانے اور ارادہ نکاح کرچکنے کے بعد یہ حکم نہ دیا۔
۲؎ کیونکہ اگر بغیر دیکھے تم نے عورت سے نکاح کرلیا بعد نکاح دیکھنے پر تم کو پسند نہ آئی تو یا اسے طلاق دو گے یا اسے بغیر محبت کے بھگتو گے،جس سے تمہاری زندگی بھی تلخ ہوئی اور اس عورت کی بھی،دیکھ کر نکاح کرنے میں یہ اندیشے نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک عورت پر پڑ گئی جو اچھی معلوم ہوئی۔۱؎ تو حضور انور بی بی سودہ کے پاس تشریف لائے وہ خوشبو تیار کررہی تھیں اور ان کے پاس عورتیں تھیں انہوں نے خلوت کا موقع دے دیا حضور نے حاجت پوری فرمائی ۲؎ پھر فرمایا جو مرد کسی عورت کو دیکھ لے جو اسے بھلی معلوم ہو تو وہ اپنی بیوی کے پاس آجائے کہ اس کے پاس بھی وہ ہی ہے جو اس کے پاس ہے ۳؎(دارمی)

۱؎ یہ نظر اچانک پڑی تھی دیدہ و دانستہ نہ تھی اور پسند آنا غیر ارادی تھا، بہ تقاضاء بشریت یہ پسندیدگی نہ گناہ ہے نہ خطا،جیسے یوسف علیہ السلام کا زلیخا کی طرف میلان طبعی غیر اختیاری رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ"یقینًا زلیخا نے حضرت یوسف کا قصد کرلیا اور یوسف علیہ السلام نے زلیخا کا یعنی قصد زلیخا اختیاری تھا اور قصد یوسف علیہ السلام غیر اختیاری جو جرم نہیں۔بعض مفسرین نے اس کے معنے کیے کہ یوسف علیہ السلام بھی قصد کرلیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھتے،روزہ دار گرمی کی شدت میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوتا ہے مگر پی لینے کا وہم بھی نہیں کرتا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اندازًایہ واقعہ معلوم کرلیا ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ حضور نے خود بیان فرمایا ہو چونکہ اس واقعہ میں مسلمانوں کو تقویٰ کی تعلیم کی ہے لہٰذا اس کا بیان کردینا خلاف غیرت نہیں۔یونانی طبیب تجربہ کے لیے پوشیدہ باتیں بتاتے بھی ہیں کرکے دکھاتے بھی ہیں مردہ کی اندام نہانی میں شگاف دے کر ہر چیز دکھاتے ہیں دیکھو لاہور کے میو ہسپتال کے مردہ گھر کے حالات اس حدیث پر بے شرمی کا اعتراض کرنا چکڑالویوں کی انتہائی بے وقوفی ہے۔

۳؎سبحان اللہ! کیسے نفیس طریقہ سے سمجھایا کہ لذت جماع تو اپنی قوت پر مبنی ہے جس قدر منی غلیظ ہوگی اور مرد میں طاقت زیادہ ہوگی اسی قدر لذت محسوس ہوگی عورت کے حسن کو اس لذت میں دخل نہیں جو لذت اس دیکھی ہوئی عورت سے صحبت کرنے میں ہوتی ہو وہ ہی اپنی بیوی سے صحبت کرنے میں ہے پھر حرام کاری سے منہ کالا کیوں کرتے ہو،آج یہ باتیں سمجھانے کے لیے سیمناؤں میں فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ عورت چھپانے کے لائق ہے۱؎جب عورت نکلتی ہے تو اسے شیطان گھورتا ہے ۲؎(ترمذی)

۱؎عورت کے معنی مَایُعَارُفِیْ اِظْھَارِہٖ جس کا ظاہر ہونا قابل عارو شرم ہو عورت کا بے پردہ رہنا میکے والوں کے لیے بھی ننگ و شرم کا باعث ہے اور سسرال والوں کے لیے بھی۔

۲؎استشراف کے معنی ہیں کسی چیز کو بغور دیکھنا یا اس کے معنی ہیں لوگوں کی نگاہ میں اچھا کردینا تاکہ لوگ اسے بغور دیکھیں۔(مرقات واشعہ)یعنی عورت جب بے پردہ ہوتی ہے تو شیطان لوگوں کی نگاہ میں اسے بھلی کردیتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ اسے تکتے ہیں،مثل مشہور ہے کہ پرائی عورت اور اپنی اولاد اچھی معلوم ہوتی ہے اور پرایا مال اپنی عقل زیادہ معلوم ہوتے ہیں،سرکار کا یہ فرمان بالکل دیکھنے میں آرہا ہے بعض لوگ اپنی خوبصورت بیویوں سے متنفر ہوتے ہیں دوسری بدصورتوں پر فریفتہ۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی سے فرمایا اے علی ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ نہ کرو کہ تم کو پہلی نظر ہی جائز ہے دوسری جائز نہیں ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

۱؎پہلی نگاہ سے مراد وہ نگاہ ہے جو بغیر قصدا جنبی عورت پر پڑ جائے اور دوسری نگاہ سے مراد دوبارہ اسے قصدًا دیکھنا ہے اگر پہلی نگاہ بھی جمائے رکھی تو بھی دوسری نگاہ کے حکم میں ہوگی اس پر بھی گناہ ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ علماء مشائخ کو بھی جائز نہیں کہ اپنی شاگردنی یا مریدنی کو قصدًا دیکھیں۔حضرت علی علماء و اولیاء کے سردار ہیں ان کو یہ حکم ہورہا ہے غورکر اور ڈر،ان سے بڑھ کر پاکباز کون ہوسکتا ہے۔جائز سے مراد ہے جس پر گناہ نہ ہو،جائز نہیں ناجائز کا مقابل ہوتا ہے کبھی فرض و واجب کا،ہوسکتا ہے کہ لک کالام نفع کا ہو یعنی بغیر ارادہ والی نظر تمہارے لیے مفید ہے کہ جب تم فورًا نگاہ نیچی کر لو گے تو ثواب پاؤ گے تو لامحالہ دوسری نظر مضر ہی ہوگی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کردے تو اس کا ستر ہر گز نہ دیکھے ۱؎اور ایک روایت میں ہے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر ہر گز نہ دیکھے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی لونڈی کا ستر مولا بھی دیکھ سکتا ہے چھو بھی سکتا ہے مگر جب کہ اس کا نکاح کسی سے کردے اگرچہ اپنے غلام سے ہی کردے تب ستر چھونا تو کیا دیکھ بھی نہیں سکتا کہ اب یہ لونڈی اس بارے میں اس کے لیے اجنبی ہوگئی،اس سے صحبت بھی حرام ہوگئی اور صحبت کے لوازمات بھی۔

۲؎یہ جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے یعنی ایسی لونڈی کے دیکھنے سے جو منع فرمایا گیا اس سے مراد ستر دیکھنا ہے،چہرہ ہاتھ پاؤں تو اب بھی دیکھ سکتا ہے،کیونکہ اب بھی مولیٰ کو اس سے خدمت لینے کا تو حق ہے اور خدمت میں یہ اعضاء ضرور دیکھنے پڑ جاتے ہیں۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ لونڈی کا ستر مرد کی طرح ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک،آزاد عورت کا تمام جسم ستر ہے سوا چہرے کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنے سے نیچے پاؤں کے فقہاء کا یہ حکم اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔

	روایت ہے حضرت جرہد سے ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ران ستر ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎جرہد بروزن جعفر ابن خویلد ہیں،صحابی ہیں،اصحاب صفہ میں سے ہیں،اہل مدینہ سے تھے، ۶۱ھ میں وفات پائی آپ سے آپ کے بیٹوں،عبداللہ، عبدالرحمان،سلیمان اور مسلم نے احادیث نقل کیں۔

۲؎یہ سوال زجر کا ہے یعنی یہ مسئلہ جاننا ضروریات دین سے ہے،کیا تم نے اب تک اتنا ضروری مسئلہ بھی نہ سیکھا کہ مرد کی ران ستر عورت ہے اسی حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ و شافعی و احمد ابن حنبل مرد کی ران کو ستر مانتے ہیں،امام مالک کے ہاں ستر نہیں لہذا ران کھول کر نماز درست نہیں،مگر خیال رہے کہ یہ اختلاف مرد کی ران میں ہے عورت کی ران کو سب ستر مانتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے علی نہ اپنی ران کھولو ۱؎اور نہ کسی زندہ مردہ کی ران دیکھو ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎یعنی کسی کے سامنے ران نہ کھولو اور نہ بلا ضرورت تنہائی میں کھولو رب تعالٰی سے شرم کرو کیونکہ ران ستر ہے اس سے آج کل کے نیکر پہننے والے عبرت پکڑیں جن کی آدھی رانیں کھلی ہوتی ہیں اور وہ بے تکلف لوگوں میں پھرتے ہیں اللہ تعالٰی ایمانی غیرت نصیب کرے۔

۲؎یعنی کسی مُردہ بالغ مسلمان کی ران نہ دیکھو اور کسی ایسے زندہ کی ران نہ دیکھو جن کا تم سے ستر ہے لہذا اس دوسرے حکم سے اپنی بیوی اور اپنی لونڈی خارج ہے ۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ران ستر ہے،جس کا چھپانا فرض ہے،لہذا یہ حدیث امام مالک کے خلاف ہے، دوسرے یہ کہ مردہ کا احترام زندہ کی طرح ہے کہ اس کا ستر دیکھنا حرام ہے لہذا غسال بھی میت کو ستر ڈھک کر غسل دے اسے بھی ستر دیکھنا جائز نہیں۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن جحش سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمر پر گزرے،حالانکہ ان کی رانیں کھلی تھیں ۲؎تو فرمایا اے معمر اپنی رانیں ڈھک لو،کیونکہ رانیں ستر ہیں ۳؎(شرح سنہ)

۱؎محمد ابن جحش جیم اورحاء کے فتح سے ان کے حالات نہ معلوم ہوسکے غالبًا آپ صحابی ہیں اور یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ متصل ہے(اشعہ)

۲؎معمر ابن عبداللہ قرشی عدوی صحابی ہیں بڑے پرانے مسلمان ہیں اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں چونکہ یہ حضرات پہلے سے ستر ڈھانپنے کے عادی نہ تھے نیز انہیں خبر نہ تھی کہ ران بھی ستر ہے اس لیے بے خیالی میں ران کھولے بیٹھے تھے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صحابی ستر کھولے کیوں بیٹھے تھے۔

۳؎یعنی گھٹنوں سے ناف تک کا بدن ستر ہے اس کا چھپانا واجب ہے ناراضی کا اظہار اس لیے نہ فرمایا کہ یہ حضرت مسئلہ سے بے خبر تھے یا بے خیالی میں ان کی ران کھل گئی تھی،غرض کہ بے خبری اور بے خیالی اور دیدہ دانستہ جرم کرنا کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ ننگے ہونے سے بچو۱؎کیونکہ تمہارے ساتھ وہ ہیں جو تم سے کبھی جدا نہیں ہوتے سوائے پیشاب پاخانہ کے اور اس وقت کے جب مرد اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے۲؎تو ان سے شرم کرو اور ان کا احترام کرو ۳؎(ترمذی)

۱؎یعنی اکیلے میں بھی ستر نہ کھولو جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ان سے مراد اعمال لکھنے والے اور محافظین فرشتے ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ صرف کاتبین فرشتے مراد ہوں کیونکہ حافظین تو پاخانہ وغیرہ میں بھی ساتھ رہتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملائکہ شرمیلے ہیں انسان کا ستر دیکھنے میں شرم کرتے ہیں تو ہم کو بھی ان سے شرم چاہیے، اللہ کے بندوں سے حیاء کرنا ایمانی تقاضا ہے۔

۳؎اس لیے پاخانہ اور صحبت کے وقت بات کرنا منع ہے کہ بات لکھنے کے لیے کاتبین فرشتوں کو ہمارے پاس آنا پڑے گا اور وہ اس وقت پاس آنا نہیں چاہتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت ستر کھولنا ممنوع ہے۔اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ پاخانہ،پیشاب،بیٹھتے وقت کھڑے ہوتے وقت ننگا نہ ہوجائے بلکہ زمین کے قریب پہنچ کر کپڑا اٹھائے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ وہ اور بی بی میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں ۱؎ کہ جناب ام مکتوم آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کرو ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہیں کہ ہم کو دیکھتے نہیں، ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں ۵؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ام سلمہ کے گھر میں رونق افروز تھے اور بی بی میمونہ ملنے کے لیے وہاں آئی ہوئی تھیں۔اسی لیے لفظ میمونہ کو معطوف فرمایا اور معطوف علیہ سے اس کا کچھ فاصلہ کردیا۔جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ" تاکہ معلوم ہو بنائے کعبہ میں ابراہیم علیہ السلام اصل تھے اور حضرت اسماعیل ان کے معاون۔

۲؎ آپ وہ ہی عبدا للہ ابن ام مکتوم ہیں جن کے متعلق سورۂ عبس شریف نازل ہوئی آپ اجازت لے کر دولت خانہ میں حاضر ہوئے۔

۳؎ یا تو حضرت عبداللہ کے اندر آتے وقت اندر پہنچنے سے پہلے حضور انور نے یہ حکم دیا یا آپ پہلے داخل ہو گئے داخل ہوتے ہی یہ فرمایا پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ پہلے پردہ کرایا جاتا ہے پھر آنے والے کو بلایا جاتا ہے۔

۴؎ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مرد کو حرام ہے کہ اجنبی عورت کو دیکھے،عورت کے لیے اجنبی عورت کو دیکھنا حرام نہیں،اور حضرت عبداللہ تو نابینا ہیں ہم کو دیکھتے نہیں پھر ہم پردہ کیوں کریں۔

۵؎ جواب عالی کا مقصد یہ ہے کہ عورت و مرد پر دو طرفہ پردہ واجب ہے کہ نہ تو مرد اجنبی عورت کو دیکھے نہ اجنبی عورت مرد کو۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء کا فرمان ہے کہ عورت بھی اجنبی مرد کو نہیں دیکھ سکتی، بعض نے فرمایا کہ دیکھ سکتی ہے ان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ کی وہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشیوں کا کھیل دکھایا،اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود پردہ ہو کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے کہ کوئی مرد تو آپ کو نہ دیکھ سکا،مگر آپ حبشیوں اور ان کے کھیل کو دیکھتی رہیں،یہ کھیل دکھانے کا واقعہ ۷ھ؁ میں ہوا جب کہ جناب عائشہ کی عمر شریف سولہ سال تھی اور پردہ کا حکم آچکا تھا،نیز نماز جماعت میں عورتوں کو حاضری کا حکم تھا مردوں سے علیحدہ ہو کر نماز پڑھتی تھیں مردوں سے پیچھے رہتی تھیں کہ مرد تو ان کو نہ دیکھ سکتے تھے مگر بیویاں یقینًا اپنے سے آگے کے مردوں کو دیکھ سکتی تھیں لہذا حق یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان احتیاط کے لیے یہ تمام تحقیق ان پاک باز کے متعلق ہے جہاں بے حیائی کا خیال بھی نہ پیدا ہو،لیکن اگر اس کا خدشہ ہو تو عورت کا مردوں کو دیکھنا بھی سخت حرام ہے۔(از لمعات،و مرقات،واشعہ مع زیادۃ)

	روایت ہے حضرت بہزابن حکیم سے وہ اپنے والد سے

	وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے ستر چھپاؤ،سوائے اپنی بیوی یا مملوکہ لونڈی کے ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے کہ جب مرد تنہا ہو فرمایا کہ اللہ حق دار ہے کہ اس سے شرم کی جائے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)۴؎

۱؎ یہ بہز اوران کے والد حکیم دونوں تابعی ہیں،ہاں بہز کے دادا معاویہ ابن عیدہ صحابی ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بصرہ میں رہے،خراسان میں وفات پائی،یہاں جدہ کا مرجع بہز ہیں یعنی حکیم نے اپنے والد جو بہز کے دادا ہیں،ان سے روایت کی لہذا حدیث متصل ہے(اشعہ)

۲؎ صحیح یہ ہے کہ یہاں حفاظت سے مراد بے پردگی سے حفاظت ہے یعنی اپنی بیوی اور مملوکہ لونڈی سے تو پردہ نہیں باقی تمام سے ستر چھپانا واجب ہے اس کی مؤید وہ آیت کریمہ ہے"وَالَّذِیۡنَ ہُمْ لِفُرُوۡجِہِمْ حٰفِظُوۡنَ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوٰجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیۡمٰنُہُمْ"۔معلوم ہوا کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہوسکتے ہیں

۳؎ یعنی اللہ تعالٰی اپنے بندہ کا برہنہ ہونا پسند نہیں کرتا اور وہ تو تم کو برہنگی کی حالت میں دیکھ رہا ہے لہذا اس کے فرمان کی مخالفت سے شرم کرو۔حدیث کا مقصد یہ نہیں کہ رب تعالٰی کپڑے پہنے ہوئے کا ستر نہیں دیکھتا کپڑا اس کے لیے آڑ بن جاتا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلاوجہ برہنہ نہ رہے۔

۴؎ یہ حدیث احمد،بیہقی،حاکم وغیرہم نے بھی کچھ فرق سے روایت فرمایا۔

	روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے خلوت نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان بھی ہوتا ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جب کوئی شخص اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے خواہ دونوں ہی کیسے پاکباز ہوں اور کسی مقصد کے لیے جمع ہوں شیطان دونوں کو برائی پر ضرور ابھارتا ہے اور دونوں کے دلوں میں ضرور ہیجان پیدا کرتا ہے،خطرہ ہے کہ زنا واقع کرادے اس لیے ایسی خلوت سے بہت ہی احتیاط چاہیے۔گناہ کے اسباب سے بھی بچنا لازم ہے بخار روکنے کے لیے نزلہ و زکام روکو۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جن عورتوں کے خاوند غائب ہوں ان کے پاس نہ جاؤ ۱؎ کیونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے خون کے دوران کے ساتھ گردش کرتا ہے ۲؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ اور آپ کے بھی ۳؎ فرمایا

میرے بھی لیکن اللہ نے مجھے اس پر مدد دی چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا ۴؎(ترمذی)	

۱؎یعنی ان اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے بہت ہی بچو،جن کے خاوند پردیس میں ہیں،یہ قید اس لیے لگائی کہ خاوند والی عورت لذت جماع سے واقف ہے اور خاوند کی غیر موجودگی سے اس کی شہوت غالب ہے،ایسی عورت کے لیے ادنی محرک بھی خطرناک ہے،مٹی کے تیل میں بھیگی ہوئی روئی اور پیٹرول دور سے آگ لے لیتے ہیں۔

۲؎یعنی عورت مرد دونوں کے رگ رگ میں شیطان اثر کرتا ہے جیسے خون اور جیسے خون نظر نہیں آتا مگر جسم میں گردش کرتا ہے یوں ہی شیطان نظر نہیں آتا مگر اپنا کام کیے جاتا ہے،چھپا دشمن کھلے دشمن سے زیادہ خطرناک ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"۔

۳؎صحابہ کرام سمجھے تھے کہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان کے پاس شیطان پھٹکتا بھی نہیں ہوگا اس لیے یہ سوال کیا جواب میں بتادیا گیا کہ عصمت شیطان کے آجانے کے خلاف نہیں شیطان معصوموں کے پاس بھی پہنچ جاتا ہے۔

۴؎یہاں اس سے مراد قرین شیطان ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اسلم کے یہ ہی معنی ٹھیک ہیں کہ وہ اسلام لے آیا اب وہ میری اطاعت ہی کرتا ہے،یعنی میرا قرین شیطان میری صحبت کی برکت سے مسلمان ہوگیا۔سبحان اللہ! پارس کے پاس رہنے سے لوہا سونا بن جاتا ہے نبی کے ساتھ رہنے سے شیطان مسلمان بن گیا گویا اس کی حقیقت ہی بدل گئی۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرتے پکڑیں جو کہتے ہیں کہ حضرت صدیق وفاروق سایہ کی طرح حضور کے ساتھ رہنے کے باوجود مؤمن نہ ہوسکے،ارے حضور کی صحبت تو حقیقت بدل دیتی ہے۔بعض لوگوں نے اسے اُسَلَّمُ پڑھا ہے مضارع مجہول متکلم یعنی میں اس کے شر سے محفوظ و سلامت رکھا جاتا ہوں مگر پہلے معنی بہت ہی قوی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم جناب فاطمہ کے پاس ایسے غلام کے ساتھ تشریف لائے جو آپ انہیں بخش چکے تھے ۱؎اور جناب فاطمہ پر ایسا کپڑا تھا کہ جب اس سے سر ڈھکتیں تو پاؤں تک نہ پہنچتااور جب اس سے اپنے پاؤں ڈھانپتیں تو آپ کے سر تک نہ پہنچتا اور ۲؎جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دشواری دیکھی جو آپ پا رہی تھیں تو فرمایا کہ تم پر کوئی حرج نہیں یہ آنے والے تمہارے والد ہیں اور تمہارے غلام ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎بِعَبْدٍ کی ب مصاحبت کی ہے بمعنی ساتھ،اس غلام کا نام معلوم نہ ہوسکا،حضور نے یہ غلام حضرت فاطمہ کو پہلے ہی دیا تھا،آج دینے کے لیے تشریف نہ لائے تھے جیسا کہ وَهَبَهٗ ماضی سے معلوم ہوا۔

۲؎یعنی اس وقت آپ کے پاس صرف دوپٹہ یا چادر تھی وہ بھی اتنی چھوٹی جو بیک وقت سرو پاؤں نہیں چھپا سکتی۔

۳؎معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع اس غلام کے دروازے پر کھڑے تھے داخلہ کی اجازت مانگی جواب میں دیر ہوئی تب تحقیق فرمانے پر جناب فاطمہ کا یہ تکلف معلوم ہوا تب یہ فرمایا۔فرمان عالی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تمہارے والد ہیں اور یہ دوسرا تمہارا مملوک غلام ان دونوں سے تمہارا پردہ نہیں سر کھلا رہنے دو اور ہم کو آنے کی اجازت دے دو۔اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ جیسے مولیٰ سے لونڈی پر پردہ لازم نہیں ایسے ہی مملوک غلام سے مالکہ پر پردہ واجب نہیں مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالغ خادم اپنی مالکہ کیلیے اجنبی مرد کی طرح ہے کہ اس سے پردہ واجب ہے،اگرچہ غلام خصی ہی ہو،امام شافعی کا یہ استدلال کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ یہ غلام نابالغ اور غیر محل شہوت تھا،عربی میں غلام نابالغ بچے کو کہتے ہیں،جس پر قرآن مجید و احادیث و لغت کی کتب گواہ ہیں۔خیال رہے کہ نابالغ اور اپنے محرم غلام سے پردہ نہیں اور آیت "مَا مَلَكَتْ اَيْمٰنُهُمْ" میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ہاں لونڈیاں مراد ہیں۔(از مرقات و اشعہ)خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں بالغ غلام اپنی مولاۃ مالکہ کے لیے اجنبی مرد کی طرح ہے کہ اس کا چہرہ ہاتھ پاؤں ضرورۃً دیکھ سکتا ہے،مگر امام شافعی کے ہاں محرم کی طرح ہے کہ اس کا سر بازو پنڈلی بھی دیکھ سکتا ہے یہاں حضرت فاطمہ کے سر شریف کا ذکر ہے اس لیے وہ اس سے دلیل پکڑتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے اور گھر میں ایک ہیجڑا تھا ۱؎ عبداللہ ابن امیہ جو جناب ام سلمہ کے بھائی ہیں سے کہہ رہا تھا کہ اے عبداللہ کہ کل اگر اللہ تمہیں طائف کی فتح دے ۲؎ تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی کا پتا دیتا ہوں ۳؎ جو آتی ہے چار سے اور جاتی ہے آٹھ سے ۴؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ ہر گز تمہارے پاس نہ آیا کریں ۵؎(بخاری،مسلم)	

۱؎مخنّث نون کے فتح سے بھی پڑھا جاتا ہے اور نون کے کسرہ سے بھی۔مخنث وہ ہے جو حرکات و سکنات،گفتار ورفتار میں عورتوں کی طرح ہو اگر قدرتی یہ حالت ہو تو وہ گنہگار نہیں اور اگر مرد ہے مگر عورت کی شکل بناتا ہے تو بفرمان حدیث ملعون ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد بننے والی عورتوں پر اور عورت بننے والے مردوں پر لعنت فرمائی،یہ قدرتی مخنث تھا۔حضرت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نے سمجھا کہ یہ غیر اُولِی الاربہ میں داخل ہے جن سے پردہ نہیں اس

لیےاسے گھرمیں آنے کی اجازت دے دی حضورانور نےاس کی یہ گفتگوسن کراسے غیر اُولِی الاربہ میں داخل نہ فرمایا اس مخنث کا نام ماطغ یا ہیت تھا۔

۲؎ کل سے مراد آئندہ زمانہ ہے یہ واقع فتح طائف سے پہلے کا ہے جب طائف پر حملہ ہوناوالا تھااور فتح طائف سے مراد قلعہ طائف کا فتح کرنا ہے۔

۳؎ غیلان طائف کے ایک شخص کا نام تھا اس کی اس بیٹی کا نام بادیہ تھا یہ فتح طائف کے بعد حضرت عبدالرحمان ابن عوف کے نکاح میں آئی۔(اشعہ)

۴؎ یعنی وہ لڑکی اتنی موٹی ہے کہ موٹاپے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں چار سلوٹیں یعنی بلٹیں ہیں جسے عربی میں عکنہ کہتے ہیں جب سامنے آتی ہے تو چاروں بلٹیں پوری نظر آتی ہیں اور جب پیٹھ پھیر کر جاتی ہے تو ان چاروں بلٹوں کے دو طرفہ کنارے نظر آتے ہیں ہر سلوٹ و بلٹ کے چار کنارے تو دو کے آٹھ ہوئے عموماً مرد موٹی عورت کو پسند کرتے ہیں اس لیے وہ مخنث اس کی موٹائی بیان کررہا ہے۔

۵؎ اس حکم سے پہلے خنثوں یعنی ہیجڑوں کا گھروں میں آنا ممنوع نہ تھاکیونکہ یہ عورت کے قابل نہیں ہوتے جیسے بہت چھوٹے لڑکے یا بہت بوڑھے مرد یا خصی یا مجبوب (ذکر کٹا ہوا)مگر آج پتہ لگا کہ ہیجڑوں کا گھروں میں آنا فساد کا باعث ہے جیسے وہ دوسری عورتوں کا ذکر ہم سے کرتے ہیں ہماری عورتوں کا ذکر دوسروں سے ضرور کریں گے،اس لیے ان کو مسلمانوں کے گھروں سے روک دیا گیا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ خصی مجبوب(ذکر کٹا)بلکہ آوارہ بدمعاش عورتیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں کہ مؤمنہ عورتیں ان سے پردہ کریں ان کا فساد مردوں کے فساد سے بھی زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا تو میرے چلنے کی حالت میں میرا کپڑا اتر گیا میں اسے لے نہ سکا۲؎ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تومجھ سے فرمایا اپنے پر کپڑا لے لو اور ننگے نہ چلو ۳؎(مسلم)	

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمان ہے،زہری ہیں،قرشی ہیں عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھانجے ہیں ۲ھ؁ میں مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے اور بقر عید ۸ھ؁ میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ حاضر ہوئے شہادت عثمان تک مدینہ پاک ہی رہے اس کے بعد مکہ معظّمہ چلے گئے،امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید ابن معاویہ کی بیعت سے انکار کردیا جب یزید نے مکہ معظّمہ کا محاصرہ کرکے کعبہ معظّمہ پر پتھر برسائے تو آپ کے ایک پتھر لگا اس سے حطیم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا یہ واقعہ ربیع الاول ۶۴ھ؁ میں ہوا۔

۲؎ یعنی کسی واقعہ پر مجھے پتھر اٹھانا پڑا صرف تہبند بندھا تھا وہ گر گیا جس سے آپ بالکل برہنہ ہوگئے ہاتھ گرے ہوئے تھے،اس لیے آپ تہبند نہ اٹھا سکے۔

۳؎ عراۃ عاری کی جمع ہے اور قاضی کی قضاۃ ناجی کی نجاۃ یہ حکم عام ہے کہ کوئی باہوش شخص اگرچہ بالغ نہ ہو ننگا نہ رہے نہ پھرے ستر ڈھانپنا فرض ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر کبھی نہ دیکھا ۱(ابن ماجہ)	

۱بعض روایات میں ہے کہ نہ میں نے حضور کی کبھی شرمگاہ دیکھی نہ حضور نے میرا ستر کبھی دیکھا یہ ہے اس سید المحبوبین کی شرم و حیاء۔خیال رہے کہ زوجین ایک دوسرے کے شرمگاہ دیکھ سکتے ہیں یہ دیکھنا زیادتی شہوت کا باعث ہے اس میں شرعًا کچھ حرج نہیں مگر اس سے نگاہ کمزور ہوتی ہے نیز یہ عمل اعلیٰ قسم کی شرم کے خلاف ہے اس لیے حضور کا اس پر عمل رہا ۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ بوقت صحبت دونوں کے بالکل ننگے ہونے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر صحبت کرنے سے اولاد بے شرم پیدا ہوتی ہے اور صحبت کی حالت میں باتیں کرنے سے اندیشہ ہے کہ اولاد گونگی ہو حضور کے اعمال شریف میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں ایسا کوئی مسلم نہیں جو اچانک کسی عورت کی خوبیاں پہلی بار دیکھے تو فورًا اپنی نگاہ نیچے کرلے ۱مگر اللہ اسے ایسی عبادت دیتا ہے جس کی وہ لذت پاتا ہے ۲(احمد)	

۱یعنی اگر کسی مرد کی نظر اجنبی عورت کے حسن و جمال یا زیور و لباس پر اچانک پڑ جائے اس کا دل چاہے کہ دیکھتا رہے مگر خوف خدا سے دل کو مارے نگاہ نیچی کرے۔

۲یعنی اس صبر اور دل کو روکنے کی برکت سے خدا تعالیٰ اسے کسی عبادت کی لذت نصیب فرمائے گا یا نماز کی یا روزے کے یا حج و زیارت کی ۔خیال رہے کہ کھانا وغیرہ کی طرح عبادات میں بھی مختلف لذتیں ہیں جسے محسوس کرنے کے لیے باطنی حواس درست چاہئیں،یہ عمل اس درستی حواس کے لیے بہت ہی مفید ہے رب تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو رب تعالیٰ اسے انہیں عبادتوں میں لذت بخشے گا یا کسی اور نئی عبادت کی توفیق دے گا جیسے جہاد وغیرہ اور پھر اس کی لذت بھی نصیب فرمائے گا۔

روایت ہے حضرت حسن سے ارسالًا ۱فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ لعنت کرے دیکھنے والے پر اوراس پر جو دیکھی جائے ۲(بیہقی شعب الایمان)	

۱حسن سے مراد خواجہ حسن بصری ہیں چونکہ آپ تابعی ہیں اور صحابی کا نام آپ نے لیا نہیں اس لیے حدیث مرسل ہوئی اور آپ کی یہ نقل ارسال،احناف کے ہاں ثقہ کا ارسال معتبر ہے۔

۲؎حدیث میں کسی قدر اجمال ہے مطلب یہ ہے کہ جو مرد اجنبی عورت کو قصدًا بلا ضرورت دیکھے اس پر بھی لعنت ہے اور جو عورت قصدًا بلا ضرورت اجنبی مرد کو اپنا آپ دکھائے اس پر بھی لعنت غرضکہ اس میں تین قیدیں لگانی پڑیں گی اجنبی عورت کو دیکھنا بلا ضرورت دیکھنا قصدًا دیکھنا۔

باب الولی فی النکاح واستیذان المرأة

نکاح میں ولی کا بیان اور عورت سے اجازت لینے کا باب ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ولی بمعنی متولی ہے یہاں ولی سے مراد وہ ہے جو عزیز قریبی لڑکی کے نکاح کا متولی و منتظم ہو،احناف کے نزدیک نابالغہ کا نکاح بغیر ولی کی اجازت کے نہیں ہوسکتا،نیز نابالغہ کے لیے ولی کو جبر کا حق ہے کہ جہاں چاہے اس کا نکاح کردے۔بالغہ لڑکی کے لیے نکاح میں اجازتِ ولی مستحب ہے شرط نہیں،نیز بالغہ پر ولی کو جبر کا حق نہیں بالغہ خواہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ ہاں دیوانی بالغہ اور لونڈی کے نکاح کے لیے ولی یا مالک کی اجازت شرط ہے،نیز ان دونوں پر ولی و مالک کوجبر کا حق ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے حتی کہ اس سے اجازت لے لی جائے ۱؎ اور کنواری کا نکاح اس کی بلا اجازت نہ کیا جائے ۲؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کنواری کی اجازت کیسی ہے فرمایا اس کی خاموشی ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ عربی میں اَیِّمْ بے خاوند والی عورت کو کہتے ہیں،کنواری ہویا بیوہ یا مطلقہ،مگر یہاں بیوہ یا مطلقہ مراد ہے کیونکہ کنواری کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎ خلاصہ فرمان عالی یہ ہے کہ بالغہ عاقلہ لڑکی کا نکاح اس کے بغیر اجازت نہیں ہوسکتا،خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ،بیوہ یا مطلقہ،عاقلہ بالغہ اپنے نفس کی مختار ہے کوئی ولی اس پر جبر نہیں کرسکتا۔

۳؎ یعنی عاقلہ بالغہ کے نکاح میں اس کی اجازت ضروری ہے مگر نوعیت اجازت میں فرق ہے،کنواری کی خاموشی یا آنسوؤں سے رونا ہی اجازت ہے۔بشرطیکہ ولی یا ولی کا وکیل اجازت لے اور بیوہ یا مطلقہ میں صاف اجازت دینا ضروری ہے،خیال رہے کہ احناف کے ہاں بلوغ و صغر کا اعتبار ہے اور شوافع کے ہاں باکرہ و ثیبہ ہونا معتبر ہے،یعنی بالغہ لڑکی خواہ کنواری ہو خواہ شادی شدہ اس کے نکاح کے لیے اجازت شرط ہے۔نابالغہ بچی کا ولی ہی نکاح کرسکتا ہے اس کی اپنی اجازت شرط نہیں خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔یہ بھی خیال رہے کہ جو لڑکی بیماری یا زیادتی حیض یا زنا کی وجہ سے ثیبہ ہوگئی وہ باکرہ ہی ہے کہ اس کی خاموشی ہی اجازت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے فرمایا بے خاوند والی عورت اپنے نفس کے مقابل اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے ۱؎اور کنواری سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے ۲؎ایک اورروایت میں ہے کہ شادی شدہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اجازت لی جائے اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے اور ایک روایت میں فرمایا شادی شدہ اپنے نفس کے بمقابلہ اپنے ولی کے بہت حقدار ہے،اور کنواری سے اس کا باپ اجازت لے گا اس کے نفس کے متعلق اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے،۳؎(مسلم)۴؎

۱؎یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ بے خاوند والی بالغہ لڑکی خواہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ اپنے نفس کی مختار ہے کہ اگر اس کا ولی کسی اور سے اس کا نکاح کردے اور یہ خود کسی دوسرے سے نکاح کرے تو اس کا اپنا کیا ہوا نکاح معتبر ہوگا نہ کہ ولی کا کیا ہوا نکاح۔معلوم ہوا کہ عاقلہ بالغہ کے نکاح کے لیےاجازت ولی شرط نہیں اس کے بغیر بھی ہوسکتا ہے،جیسا کہ من ولیھا سے معلوم ہوا۔

۲؎یہاں باکرہ کا ذکر علیحد ہ فرمانا اس حکم کو بیان کرنے کے لیے ہے یعنی باکرہ و ثیبہ کے حکم میں صرف یہ کہ باکرہ کی خاموشی اجازت ہے اور ثیبہ کی نہیں اسے صاف الفاظ میں اجازت دینا ہوگی،باقی مختار ہونے میں دونوں برابر ہیں یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے۔

۳؎خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث بہت سی روایات سے مروی ہے جن کے الفاظ میں قدرے فرق ہے مگر معنی و منشاء سب کا یکساں ہے وہ یہ کہ عاقلہ بالغہ لڑکی خواہ کنواری ہو خواہ بیوہ،خواہ طلاق والی اپنے نفس کی مختار ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا،اور اس کے نکاح کے لیے ولی شرط نہیں اور باکرہ کی خاموشی اس کی اجازت ہے مگر خاموشی اس وقت اجازت مانی جائے گی جب کہ اذن لینے والا اس کا ولی یا ولی کا وکیل ہو اور دولہا کا نام پتہ وغیرہ بتا کر اجازت مانگی جائے جس سے اسے دولہا کاپورا پتہ لگ جائے اگر ان میں سے کوئی چیز کم رہی تو خاموشی اجازت نہ ہوگی۔

۴؎نیز یہ حدیث احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت سے مرفوعًا نقل کی البتہ الفاظ میں کچھ فرق ہے(مرقات)

	روایت ہے حضرت خنساء بنت خذام ۱؎سے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کردیا جب کہ وہ شادی شدہ تھی انہوں نے یہ نکاح ناپسند کیا ۲؎تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے اس کا

نکاح رد کردیا۳؎(بخاری)اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ اس کے باپ کا کیا ہوا نکاح رد کیا۔	

۱؎آپ کا نام خنساء بنت خذام ابن خالد ہے،انصاریہ ہیں،اسدیہ ہیں،صحابیہ ہیں۔حق یہ ہے کہ ان کے والد کا نام خذام نقطہ والی ذال سے ہے،نہ کہ دال سے۔

۲؎یعنی وہ بالغہ تھیں پہلے ان کا نکاح ہوچکا تھا،بیوہ یا مطلقہ تھیں۔اب والد نے ان کی ناپسندیدگی کے باوجود نکاح کردیا۔

۳؎خیال رہے کہ مذہب حنفی میں بالغہ پر ولی کو جبر کا حق نہیں خواہ کنواری ہو یا بیوہ اور مذہب شافعی میں ثیبہ پر ولی کو حق جبر نہیں،خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہمارے ہاں اس ردنکاح کی وجہ لڑکی کا بلوغ تھا اور شوافع کے ہاں اس کا ثیبہ ہونا لہذا یہ حدیث نہ ہمارے خلاف ہے نہ شوافع کے چونکہ حضرت خنساء نکاح کا انکار کرچکی تھیں اس لیے حضور انور نے نکاح رد فرمادیا ورنہ اگر یہ خاموش رہی ہوتیں تو انہیں اختیار ملتا کہ نکاح جائز رکھیں یا رد کردیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب وہ سات سال کی لڑکی تھیں ۱؎اور رخصت ہوئیں جب وہ نو۹ برس کی لڑکی تھیں،ان کے کھلونے ان کے ساتھ تھے۲؎اور حضور نے انہیں چھوڑ کر وفات پائی وہ جب ۱۸ سال کی تھیں ۳؎(مسلم)	

۱؎یعنی چھ سال کی ہو کر ساتویں سال میں داخل ہوچکی تھیں لہذا یہ روایت ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی مذکور ہے بہرحال آپ اس وقت بالغہ نہ تھیں۔معلوم ہوا کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح ولی کرسکتا ہے۔نکاح کے لیے بلوغ شرط نہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ الّٰٓیِٔ یَئِسۡنَ مِنَ الْمَحِیۡضِ"یعنی جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور انہیں طلاق ہوجائے تو ان کی عدت تین ماہ ہے اگر بچی نابالغہ کا نکاح درست نہ ہوتا تو اسے طلاق کیسی اور اس کی عدت تین ماہ کیسی آج بعض منکرین حدیث نابالغہ لڑکی کے نکاح کا انکار کرتے ہیں ان کا یہ انکار صریحی آیت قرآنی کے خلاف ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح چھ سال کی عمر میں حدیث متواتر سے ثابت ہے،حضرت قدامہ ابن مظعون نے زبیر کی بیٹی کا نکاح تمام صحابہ کی موجودگی میں اسی دن کیا جس دن وہ پیدا ہوئی،نابالغ بچوں کے نکاح کے جواز پر تمام امت متفق ہے اور نابالغہ بالغ ہو کر باپ دادا کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کرسکتی باقی اولیاء کا کیا ہوا نکاح فسخ کرسکتی ہے۔(مرقات)بعض حالات میں نابالغ اولاد کا نکاح کرنا ضروری ہوجاتا ہے باپ قریب موت ہے اور بچی چھوٹی ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اس کا زندگی میں نکاح کرجاؤں تاکہ میرے بعد یہ یتیمہ دھکے نہ کھائے اور میری روح کو تکلیف نہ ہو،غرض کہ اس اجازت میں صدہا حکمتیں ہیں۔

۲؎غالب یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین اس وقت بالغہ ہوچکی تھیں لڑکی کی کم ازکم عمر نو برس ہے اور اگر قریب بلوغ بھی ہو تب بھی رخصتی ہوسکتی ہے۔اس حدیث کی بنا پر علماء نے فرمایا کہ بچیوں کو گڑیاں اور کھلونوں سے کھیلنا جائز ہے

گڑیوں سے اسے سینا پرونا،امور خانہ داری کا طریقہ آجاتا ہے اگر کھلونوں اور گڑیوں کے آنکھ ناک نہ ہوں تب تو اس کے جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

۳؎ یعنی حضرت ام المؤمنین نو برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھار سال کی تھی اور ترپین(۵۳)سال کی عمر میں وفات ہوئی، ۵۷ھ میں پینتیس سال اسی طرح گزارے کہ نہ حضور کی میراث پائی نہ رہنے کو گھر ملانہ کسی سے نکاح جائز۔یہ ہے حضرت صدیق کی قربانی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا بغیر ولی نکاح نہیں ۱؎(احمد ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی فرماتے ہیں عورت کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط ہے عورت بالغہ ہویا نابالغہ ہمارے ہاں نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح میں ولی شرط ہے،بالغ کے لیے نہیں یہ حدیث ظاہری معنی میں امام شافعی کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بالغ لڑکے کا نکاح بغیر ولی جائز مانتے ہیں یہاں لڑکے یا لڑکی کی قید نہیں۔ہمارے امام صاحب کے ہاں اس حدیث میں نابالغ یا مجنون یا لونڈی غلام مراد ہیں یا یہاں نفی استحباب ہے یعنی بغیر ولی لڑکے لڑکی کا نکاح بہتر نہیں۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں نیز ظاہری معنی سے یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہوگی کہ رب تعالٰی نے فرمایا:"فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوٰجَهُنَّ"عورتیں اپنے خاوندوں سے نکاح کریں تو تم انہیں نہ روکو،اور گزشتہ مسلم کی حدیث کے بھی خلاف ہوگی کہ الایم احق بنفسها من ولیها۔(مسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،مالک)لہذا امام اعظم کی توجیہ نہایت ہی قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت بغیر اجازت ولی اپنا نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے ۱؎ لیکن اگر مرد نے اس سے صحبت کرلی تو اسے مہر ملے گا،اس کے عوض کہ اس نے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھایا ۲؎ پھر اگر اولیاء اختلاف کریں تو بادشاہ اس کا ولی ہے،جس کا کوئی ولی نہیں ۳؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)۴؎

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی طرح ضعیف و مضطرب ہے چنانچہ اس حدیث سے عائشہ صدیقہ کا امام زہری نے انکار فرمایا دیکھو طحاوی،ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے اس حدیث کے متعلق پوچھا انہوں نے اس سے انکار کیا۔(مرقاۃ)امام احمد نے بھی اس حدیث کی صحت کا انکار کیا۔(اشعہ)اگر صحیح مان بھی لی جائے تو عورت سے مراد لونڈی یا دیوانی عورت مراد ہے یا وہ صورت مراد ہے کہ عورت غیر کفو میں بغیر اجازت ولی نکاح کرے کہ یہ نکاح درست نہیں ورنہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہوگی اور گزشتہ حدیث مسلم کے بھی، رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ"یعنی طلاق والی سے نکاح خاوند اولیٰ نہ کرے حتی کہ یہ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ بہرحال مذہب حنفی اس بارے میں بہت قوی ہے،جب آزاد عورت اپنے مال کی مختار ہے تو اپنے نفس کی بھی مختار ہے۔

۲؎ یعنی ایسے نکاح کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند اس سے صحبت کرلے پھر قاضی ان دونوں کی علیحدگی کا حکم دے تو اسے مقرر شدہ مہر یا مہر مثل ملے گا۔معلوم ہوا کہ یہاں باطل سے مراد فاسد ہے کہ نکاح فاسد کا یہ ہی حکم ہے کہ حاکم تفریق کرادے گا مگر صحبت ہوچکنے کی صورت میں عورت کو مہر ملے گا،نکاح فاسد و باطل کا فرق اور ان کے احکام ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ یعنی اگر کسی عورت کے نکاح میں ایک درجہ کے اولیاء مختلف ہوں کہ کوئی ولی کہیں نکاح کرنا چاہے دوسرا ولی کہیں اور، جیسے عورت کے چند بھائی یا چند چچا ولی ہوں اور یہ اختلاف واقع ہو تو پھر حاکم وقت سلطان یا سلطان کا مقرر کردہ حاکم ولی ہوگا وہ جہاں چاہے نکاح کرے کیونکہ اولیاء کا اختلاف ان کو کالعدم بنادیتا ہے اور جس کا ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے،اس کا ولی بھی سلطان ہوگا۔

۴؎ اسے نسائی حاکم نے بھی روایت کیا اور طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورتیں زانیہ ہیں جو اپنا نکاح بغیر گواہوں کے کرلیں۱؎ اور زیادہ درست یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ بغایا باغیۃ کی جمع ہے اور باغیہ بغاء سے بنا بمعنی زنا یعنی جو عورت کسی سے تنہائی میں بغیر گواہ نکاح کرلے تو یہ نکاح درست نہیں اور صحبت زنا کی طرح حرام ہوگی کیونکہ نکاح کے لیے دو گواہ شرط ہیں اسی پر تمام صحابہ و تابعین بلکہ تمام مسلمین کا اتفاق ہے کہ بغیر گواہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔(مرقات و لمعات)

۲؎ یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کا اپنا قول ہے مگر ایسی حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کہ یہ بات صحابی اپنے اجتہاد سے نہیں فرماتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرماتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یتیم لڑکی سے اس کی جان	

	کے بارے میں اجازت لی جائے ۱؎ پھر اگر وہ خاموش رہے تو وہ ہی اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کردے تو اس پر جبر نہیں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یہاں یتیمہ سے مراد بالغہ کنواری لڑکی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوٰلَهُمْ" یہاں بالغوں کو یتیم فرمایا گیایعنی جو پہلے یتیم تھی۔

۲؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا ہاں کنواری کی خاموشی یا صرف آنسوؤں یا باریک آواز سے رونا اجازت ہے بشرطیکہ اجازت لینے والا ولی یا ولی کا وکیل ہو۔خیال رہے کہ ثیبہ نابالغہ کا نکاح اگر دادا کردے تو نکاح درست بھی ہے اور لازم بھی کہ لڑکی بالغہ ہو کر فسخ نہیں کرسکتی اور اگر دادا کے سوا کوئی اور قریبی ولی کر دے تو نکاح درست تو ہے مگرلازم نہیں لڑکی بالغ ہو کر فسخ کرسکتی ہے،فسخ کے لیے شرط یہ ہے کہ علامت بلوغ دیکھتے ہی فسخ کرے اور حاکم سے فیصلہ کرائے۔

	نسائی اور دارمی نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

۱؎ امام شافعی و احمد کے ہاں غلام کا نکاح بغیر مولیٰ کی اجازت کے منعقد ہی نہیں ہوتا لہذا اگر بعد میں مولیٰ اجازت بھی دے دے تب بھی درست نہیں مگر امام اعظم اور امام مالک کے ہاں نکاح مالک کی اجازت پر موقوف رہتا ہے،اگر جائز رکھے تو جائز ورنہ باطل جیسے نکاح فضولی کا حکم ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مالک کے انکار کے باوجود غلام نکاح کرے تو نکاح باطل ہے اور وطی حرام،یا مالک کی اجازت سے پہلے وطی درست نہیں جیسے تمام موقوف نکاحوں کا حکم ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ایک کنواری لڑکی ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے ذکر کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کردیا حالانکہ وہ ناپسند کرتی تھی ۲؎ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دے دیا ۳؎(ابوداؤد)۴؎

۱؎ وہ لڑکی بالغہ تھی،جیسا کہ آئندہ مضمون سے معلوم ہوتا ہے بعض شارحین نے کہا کہ وہ خنساء بنت خذام تھیں جن کا واقعہ پہلے گزر چکا مگر یہ درست نہیں کہ وہ کنواری نہ تھیں۔یہ لڑکی کنواری ہے،بعض نے فرمایا کہ اس لڑکی کا نام والفہ ہے۔واللہ اعلم

۲؎ صورت یہ تھی کہ باپ نے اس لڑکی سے پوچھے بغیر نکاح کردیا لڑکی دل سے ناراض تھی بوقت نکاح لڑکی نے انکار نہ کیا تھا،ورنہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور لڑکی کو اختیار نہ ملتا لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎ یعنی وہ نکاح تیری رضا پر موقوف ہے اگر تو چاہے تو جائز رکھ اور چاہے فسخ کردے۔اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ لڑکی پر باپ وغیرہ جبر نہیں کرسکتے اگر اس سے بغیر پوچھے نکاح کردیں گے تو نکاح فضولی ہو گا لڑکی جائز رکھے یا نہ،ہمارے ہاں اس اختیار کی وجہ لڑکی کا بلوغ تھا امام شافعی کے ہاں اس کا باکرہ یعنی کنواری ہونا۔

۴؎ یہ حدیث،احمد،نسائی،ابن ماجہ نے بھی نقل کی ابن قطان کہتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ایک عورت دوسری عورت کا نکاح کرے ۱؎ اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے ۲؎ کیونکہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود کرے ۳؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی مرد ولی کے ہوتے ہوئے عورت لڑکی کی ولیہ نہیں وہ نکاح نہ کرائے لہذا باپ یا دادا یا بھائی یا چچا وغیرہم کے ہو تے ہوئے ماں خالہ وغیرہ ولیہ نہیں،بلکہ وہ لوگ ولی ہیں یا یہ حکم استحبابی ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ عورت لڑکی کا نکاح نہ کرے بلکہ اگر کوئی ولی نہ ہو تو حاکم وقت کی رائے سے نکاح کیا جائے ورنہ مرد ولی کے نہ ہونے پر ماں خالہ وغیرہ ولیہ ہوتی ہیں کہ نابالغہ کا نکاح ان کی اجازت سے درست ہے۔

۲؎ یعنی بغیر گواہ اکیلے میں نکاح نہ کرے یا غیر کفو میں نکاح نہ کرے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا،اس پر فتویٰ ہے دیکھو درمختار۔یہ مطلب نہیں کہ بالغہ بغیر ولی کے نکاح نہیں کرسکتی،ورنہ وہ خرابیاں لازم ہوں گی جو پہلے عرض کی گئیں۔

۳؎ یعنی جو عورت بغیر گواہ یا اولیاء کے ناراض ہونے پر غیر کفو میں نکاح کرلے وہ نکاح درست نہ ہوگا اور صحبت حلال نہ ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے اور ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے بچہ پیدا ہو تو چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے ۱؎ اور اسے اچھی تعلیم دے ۲؎ پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے ۳؎ اگر بچہ بالغ ہو گیا اور اس کا نکاح نہ کیا اس نے کوئی گناہ کرلیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے ۴؎	

۱؎ کیونکہ اچھے نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے،اچھا نام وہ ہے جو بے معنی نہ ہو جیسے بدھوا،تلوا وغیرہ اور فخر و تکبر نہ پایاجائے جیسے بادشاہ،شہنشاہ وغیرہ اور نہ برے معنی ہوں جیسے عاصی وغیرہ۔بہتر یہ ہے کہ انبیاء کرام یا حضور علیہ السلام کے صحابہ عظام،اہلبیت اطہار کے ناموں پر نام رکھے جیسے ابراہیم و اسمٰعیل،عثمان،علی،حسین و حسن وغیرہ عورتوں کے نام آسیہ فاطمہ،عائشہ وغیرہ اور جو اپنے بیٹے کا نام محمد رکھے وہ انشاء اللہ بخشا جائے گا اور دنیا میں اس کی برکات دیکھے گا آج کل بہت واہیات نام رکھے جانے لگے ہیں،مثلاً نسیم اختر،ریحانہ،گلفام وغیرہ۔

۲؎ بقدر ضرورت علم دین ضرور سکھائے دنیاوی علم و ہنر بھی اس قدر ضرور سکھائے کہ بچہ کسی کا محتاج نہ رہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہی ہے کہ نکاح بالغ ہونے پر کرے اگرچہ نابالغ بچے کا بھی نکاح درست ہے۔بالغ بچہ کے عادات وغیرہ معلوم ہوجاتے ہیں،نابالغ کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ کس خصلت اور کس قماش کا ہوگا۔(اشعہ)

۴؎ یہ اس صورت میں ہے کہ بچہ غریب ہو خود نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اور اگر باپ امیر ہو،اولاد کا نکاح کرسکتا ہے،مگر لاپرواہی یا امیر کی تلاش میں نکاح نہ کرے،تب بچہ کے گناہ کا وبال اس لاپرواہ باپ پر ہوگا۔(مرقات)کیونکہ باپ کی کوتاہی اس کے گناہ کا سبب ہے،خیال رہے کہ یہاں **انما** جبلی گناہ کے حصر کے لیے ہے نہ کہ کسبی گناہ کے حصر کے لیے یعنی ذریعہ گناہ بننے کا وبال صرف باپ پر ہوگا اگرچہ کسب گناہ کا وبال خود بچہ پر ہے۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محض امیروں کی تلاش میں بچے کا نکاح عرصہ تک نہیں کرتے اس سے بدتر یہ ہے کہ اپنی کنواری جوان لڑکیوں کو اسکول و کالج میں اکیلے بھیج دیتے ہیں جس کے برے نتیجے آج آنکھوں کے سامنے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب اور انس ابن مالک سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا توریت میں لکھا ہے ۱؎ کہ جس کی لڑکی بارہ برس کی ہوجائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے ۲؎ پھر وہ کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توریت و انجیل سے ان کے احکام سے خبردار ہیں،اگرچہ ان کتب کی زبان عبرانی ہے اور حضور عربی،کیوں نہ واقف ہوں حضور تو جانوروں فرشتوں کی زبانیں بھی جان لیتے ہیں۔

۲؎ یعنی کفو ملتا ہو اور یہ شخص نکاح کردینے پر قادر ہو پھر بھی محض دولتمند کی تلاش میں لاپرواہی سے نکاح نہ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رب توفیق دے تو لڑکی کا نکاح بارہ سال کی عمر سے پہلے ہی کردے اب تو پچیس تیس سال تک کی لڑکیاں گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں،نہ بی اے لاکھ پتی ملتا ہے نہ نکاح ہوتا ہے رب تعالٰی مسلمانوں کی آنکھیں کھولے۔

۳؎ یعنی اس کا گناہ باپ پر بھی ہے کیونکہ وہ اس کا سبب بنا۔

باب اعلان النکاح والخطبۃ والشرط

نکاح کا اعلان،خطبہ اورشرط کا بیانہ

الفصل الاول

پہلی فصل

ا؎خطبہ خ کے پیش سے نثر والا کلام جس میں حمد و نعت و عظ و نصیحت ہو۔نکاح میں ایجاب و قبول سے پہلے خطبہ پڑھنا سنت ہے،امام شافعی کے ہاں خرید و فروخت کرایہ وغیرہ تمام جائز عقود میں خطبہ سنت ہے۔(اشعہ)خطبہ اعلان پر معطوف ہے اور ہوسکتا ہے کہ نکاح پر معطوف ہو یعنی نکاح کا اعلان اور خطبہ کا اعلان اور ہوسکتا ہے کہ خطبہ خ کے کسرہ سے ہو بمعنی پیغام نکاح۔خیال رہے کہ نکاح کا اعلان سنت ہے،خواہ اس طرح اعلان ہو کہ نکاح جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ علانیہ ہو یا گولے سے یا تاشہ و دف بجا کر۔حق یہ ہے کہ دف و تاشہ بجانا عقد کے وقت،کسی کی آمد کی اطلاع پر،نکاح کے وقت مستحب،بلاوجہ ممنوع ہے۔شرط سے مراد نکاح میں شرائط لگالیناہے،جیسے تفویض طلاق کی شرط یا خاوند کے اپنے سسرال میں رہنے کی شرط وغیرہ۔شرط فاسد سے بیع تو فاسد ہوجاتی ہے مگر نکاح فاسد نہیں ہوتا،شعیب علیہ السلام نے جو موسیٰ علیہ السلام سے شرط لگائی تھی کہ تم آٹھ یا دس سال تک میرا کام کرو یہ شرط نکاح سے پہلی تھی۔

روایت ہے حضرت ربیع بنت معوذ عفراء سے ا؎فرماتی ہیں جب میری رخصت کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جیسے تم میرے پاس بیٹھے ہو ویسے ہی حضور میرے بستر پر بیٹھ گئے ۲؎تو ہماری بچیاں دف بجانے لگیں اور میرے باپ دادے جو بدر کے دن شہید ہوئے تھے ان کا مرثیہ کہنے لگیں ۳؎کہ جب ان میں سے ایک نے یہ شعر کہا کہ ہم میں وہ نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں ۴؎تو حضور نے فرمایا یہ چھوڑو ۵؎ وہ ہی کہو جو پہلے کہتی تھیں ۶؎(بخاری)	

ا؎عفراء معوذ کی والدہ کا نام ہے صحابیہ انصاریہ ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئیں بہت دراز عمر پائی بڑے درجہ والی بی بی ہیں ربیع کی دادی ہیں۔

۲؎یہ خطاب خالد ابن ذکوان سے ہے جو ربیع سے روایت کررہے ہیں یعنی جیسے تم میرے بستر پر میرے پاس بیٹھے ہو ایسے ہی حضور میرے پاس میرے بستر پر تشریف فرما ہوئے تھے۔ظاہر یہ ہے کہ آپ اس وقت باپردہ ہوں گی اور گھر مہمانوں سے بھرا ہوگا،کیونکہ رخصت کا دن تھا اور اگر بے پردہ بیٹھی ہوں تو یا یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا

ہے یا حضور کی خصوصیات سے ہے کہ عورتوں پر آپ سے پردہ نہیں بہرحال حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔(مرقات و لمعات)

۳؎ یہ بچیاں نابالغہ اور غیر مراہقہ تھیں اور صرف دف بجا کر گاتی تھیں جھانج وغیرہ کوئی باجہ نہ تھا اشعار گندے نہ تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ کناح یا رخصت پر ننھی بچیوں کا ایسا گانا درست ہے

۴؎ یہ شعر نہ تو کسی کافر کا ہے کہ کافر کو حضور کی نعت سے کیا تعلق نہ ان بچیوں کا کہ بچیاں اشعار بنانا نہیں جانتیں یقینًا کسی صحابی کا ہے۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور کے علم غیب کے معتقد تھے،حضور کی ازواج پاک نے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد ہم میں سب سے پہلے کون آپ کے پاس پہنچے گی،شہیدوں کی مائیں پوچھتی تھیں کہ میرا بچہ کہاں ہے،کس حال میں ہے ؟ بہرحال صحابہ علم غیب کے معتقد تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاعر کو مشرک یا کافر نہ فرمایا نہ اس شعر کو برا کہا۔

۵؎ کیوں چھوڑ دو یا اس لیے دف اور کھیل کے دوران نعت شریف نہ چاہیے کہ اس میں نعت کی بے ادبی ہے(اشعہ) یا اس لیے کہ مرثیہ کے دوران نعت نہ پڑھو نعت و مرثیہ ملانا اچھا نہیں،یا اس لیے کہ ہمارے سامنے ہماری تعریف کیوں کرتی ہو یا علم غیب کی نسبت ہماری طرف نہ کرو ا گرچہ ہم کو رب تعالٰی نے علم غیب دیا مگر ہم کو عالم الغیب وغیرہ نہ کہو۔(ازمرقاۃ) دیکھو عیسی علیہ السلام کو خالق نہیں کہتے مگر قرآن کریم میں ہے:"اَنِّیۡۤ اَخْلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ"الایہ۔غرضکہ اس حدیث میں وہابی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ یہ گیت درست تھے اور ان کا گانا ان بچیوں کے لیے مباح تھا یہ امر اباحت کا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت اپنے انصاری خاوند کے ہاں بھیجی گئی۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ کوئی کھیل نہ تھا کیونکہ انصار کو کھیل پسند ہے ۲؎(بخاری)

۱؎ یعنی انصاری بی بی اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو کر گئیں ان بزرگوں کے نام معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یہاں کھیل سے مراد بچیوں کے گیت ہیں یا بالغہ عورتوں کے پست آواز سے جائز اشعار پڑھنے کی آواز گھر سے باہر نہ آئے اور غیر لوگ نہ سنیں،انہیں کھیل اس لیے کہا گیا کہ باعث سرور ہیں جیسے تیر اندازی گھوڑے بازی اپنی بیوی سے خوش طبعی کو لہو فرمایا گیا۔حرام کھیل تماشے گانے باجے مراد نہیں لہذا چکڑالوی اس پر اعتراض نہیں کرسکتے۔معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقعہ پر گیت انصار کو پہلے سے ہی پسند تھے اس پسندیدگی پر اعتراض نہ کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ پسندیدگی بری نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح بھی شوال میں کیااور زفاف بھی۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی

	بیوی مجھ سے زیادہ محبوبہ تھی ۲؎(مسلم)

۱؎اہل عرب شوال کے مہینہ میں نکاح یا رخصتی منحوس جانتے تھے اور کہتے تھے کہ اس مہینہ کا نکاح کامیاب نہیں ہوتا میاں بیوی کے دل نہیں ملتے۔کہتے تھے کہ شوال بنا ہے شول سے جس کے معنی ہیں مٹانا دور کرنا، زمین پر کھینچنا آپ ان کے اس خیال کی تردید فرمارہی ہیں،بعض روافض بھی دو عیدوں کے درمیان اور محرم میں نکاح کو منحوس مانتے ہیں یہ سب وہم باطل ہے۔(مرقات)

۲؎مقصد یہ ہے کہ میرا تو نکاح بھی ماہ شوال میں ہوا اور رخصتی بھی اور میں تمام ازواج مطہرات میں حضور کو زیادہ محبوبہ تھی اگر یہ نکاح اور رخصت مبارک نہ ہوتی تو میں اتنی مقبول کیوں ہوتی۔علماء فرماتے ہیں کہ ماہ شوال میں نکاح مستحب ہے۔خیال رہے کہ جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بعد خدیجۃ الکبریٰ حضور کو بہت ہی محبوبہ تھیں،آپ کا لقب ہے محبوبہ محبوب رب العلمین،آپ کے ہی سینہ و گود میں حضور کی وفات ہوئی،آپ ہی کے حجرہ میں حضور کا دفن ہوا۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شرطوں میں زیادہ وفاکے قابل وہ شرط ہے جس سے تم نے بیویوں کو حلال کیا۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎اس شرط سے مراد یا مہر ہے یا بیوی کا روٹی کپڑا وغیرہ مگر حق یہ ہے کہ اس سے مراد تمام وہ جائز شرطیں ہیں جو نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت لگائی جائیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ خاوند بیوی دونوں سے خطاب ہے یعنی نکاح کے وقت جو شرطیں خاوند کی طرف سے لگیں وہ تو بیوی ضرور پوری کرے، جیسے خاوند کی اطاعت اور اس کی بغیر اجازت گھر سے نہ جانا،جس سے ملنے سے روکے اس سے نہ ملنا اور جو شرطیں عورت کی طرف سے مرد پر لگیں،انہیں مرد ضرور پورا کرے جیسے زیور یا مکان نام کر دینے کی شرطیں یا خاص شرطوں پر تفویض طلاق۔مقصد یہ ہے کہ یوں تو تمام جائز شرطیں اور وعدے ضرور پورے کیے جائیں مگر نکاح کے وعدے ضرور ہی پورے کرنے چاہئیں۔اسی لیے نکاح کے وقت زوجین کو کلمے پڑھاتے ہیں تاکہ کلمہ پڑھ کر وعدے ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ پہلا یا نکاح کرے یا چھوڑ دے۱؎

۱؎یعنی اگر کسی عورت کے کسی جگہ سے پیام و سلام آرہے ہیں اور فریقین قریبًا راضی بھی ہوگئے ہیں تو دوسرا شخص پیام دے کر پہلے کا پیام نہ خراب کرے،جب وہاں سے بات چیت ٹوٹ جائے تب پیام دے یہ حکم استحبابی ہے اور اگر صرف پیام میں رضا مندی نہیں ہوئی تو دوسرا بھی پیام دے سکتا ہے یہ ہی حکم بیع کے متعلق بھی آیا ہے وہاں بھی یہ ہی مراد ہے ورنہ نیلام پر بولی پر بولی دی جاتی ہے اس توجیہ پر یہ حدیث بالکل واضح ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۱؎تاکہ اس کا پیالہ فارغ کردے ۲؎اور تاکہ خود نکاح کرلے ۳؎کیونکہ اس کے لیے وہ ہی ہے جو اس کے مقدر میں ہے ۴؎(مسلم بخاری)	

۱؎یعنی اگر کوئی بیوی والا شخص کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو یہ عورت یہ مطالبہ نہ کرے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو تب نکاح کروں گی لہذا بہن سے مراد سوکن بننے والی عورت ہے کیونکہ اسلامی بہن ہے اس میں اخلاق کی تعلیم ہے۔

۲؎یعنی اس سوکن کا حصہ خود قبضہ کرے اس کا کھانا پینا عیش و آرام پر خود قبضہ کرے۔

۳؎لِتَنْکِحَ کا لام امر نہیں بلکہ لام کے معنی میں ہے اور یہ جملہ لِتَسْتَفْرِغَ پر معطوف ہے لہذا حدیث کا مطلب واضح ہے،عورت کو سوکن پر نکاح کرلینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ پہلی کی طلاق کے مطالبہ سے روکا گیا اس لِتَنْکِحَ کا فاعل یا تو خود یہ عورت ہے یا اس کی سوکن یعنی تاکہ وہ شخص پہلی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ کسی اور جگہ نکاح کرلے اور ہوسکتا ہے کہ لِتَنْکِحَ کا لام لام امر ہو اور معنی یہ ہوں کہ اس عورت کو چاہیے کہ اس مرد کی پہلی بیوی کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے بلکہ کسی اور سے نکاح کرے۔

۴؎لہذا پہلی کو طلاق دلوانے سے اس کا اپنا نصیب بدل نہ جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا۱؎شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح کرے اس شرط پر کہ وہ دوسرا اپنی بیٹی کا نکاح کردے ۲؎اور ان دونوں کے درمیان کوئی مہر نہ ہو ۳؎(مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا اسلام میں شغار نہیں ۴؎	

۱؎شغار بنا ہے شغر سے،بمعنی شہر کا خالی ہوجانا یا کسی کو جگہ سے ہٹانا دور ہوجانا۔(اشعہ)

۲؎بیٹی کا ذکر مثالًا ہے۔اس میں بہن بھتیجی بھانجی وغیرہ سب داخل ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی وغیرہ کا نکاح اس سے یا اس کے بیٹے وغیرہ سے کردے۔

۳؎یعنی ہر نکاح دوسرے کا نکاح کا مہر ہو اس کے علاوہ اور کوئی مہر نہ ہو،خیال رہے کہ اگر یہ نکاح آپس میں ایک دوسرے کا مہر نہ ہوں صرف نکاح بشرط نکاح ہو تو بالاتفاق جائز ہے جیسا پنجاب میں عام طور پر ہوتا ہے کہ آمنے سامنے رشتہ لیا جاتا ہے،لیکن اگر کسی نکاح کا مہر نہ ہو،ہر نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو توامام شافعی کے ہاں دونوں نکاح فاسد ہیں،ہمارے ہاں دونوں نکاح درست ہیں یہ شرط فاسد ہے ہر لڑکی کو مہر مثل ملے گا۔

۴؎یعنی دور جاہلیت میں عرب میں نکاح شغار ہوتا تھا اسلام نے اسے منع فرمادیا،خیال رہے کہ اگر یہ شرط درست رہتی تو شغار بنتا جب احناف نے اس شرط کو باطل قرار دیا اور ہر لڑکی کو مہر مثل دلوایا تو شغار نہ رہا،لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں جیسے دیگر فاسد شروط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط فاسد ہوجاتی ہے ایسے ہی یہ نکاح بھی بالشرط

ہے، جس میں نکاح درست اور شرط فاسد ہے جیسے کوئی شخص سوریا شراب کے عوض نکاح کرے تو نکاح درست ہے یہ شرط فاسد ہے مہر مثل دیا جائے گا۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے متعہ سے منع فرمایا ۱ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے ۲ (مسلم بخاری)

۱ متعہ کے لغوی معنی ہیں نفع اسی سے ہے تمتع کرنا یہ اسلام میں دوبار حلال ہوا، دوبار حرام۔چنانچہ فتح خیبر سے کچھ پہلے یہ حلال رہا اور خیبر کے دن حرام کردیا گیا پھر فتح مکہ کے سال جنگ اوطاس سے کچھ پہلے تین دن کے لیے حلال کیا گیا، پھر ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا، لہذا یہ حدیث آئندہ حدیث کے خلاف نہیں۔(از مرقات، نووی و اشعہ وغیرہ)

۲ انسیہ یا تو الف کے پیش سے ہے یعنی انس و محبت رکھنے والا گدھا یا الف کے کسرہ سے یعنی جسے انسان پالتے ہیں یہ پالتو کی قید وحشی گدھے یعنی گورخر(نیل گائے) کو نکالنے کے لیے ہے کہ وہ ہے حلال ہے اسلام میں پہلے گدھا حلال تھا پھر فتح خیبر کے دن ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے سال متعہ کی تین دن اجازت دی پھر اس سے منع فرمادیا ۱ (مسلم)

۱ یعنی خیبر میں متعہ حرام کیا گیا تھا پھر ایک سخت ضرورت کے ماتحت جنگ اوطاس میں تین دن کے لیے حلال کیا گیا پھر ہمیشہ کے لیے حرام فرمادیا گیا عرب میں اس قدر زنا عام تھا کہ خدا کی پناہ اسلام کا بڑا معجزہ وہاں زنا بند کرانا ہے ایک دم زنا بند نہ ہوسکتا تھا، اس لیے اس پر پابندی لگانے کے لیے متعہ کی اجازت دی گئی کہ معیادی نکاح کرلو پھر معیاد گزرنے پر نکاح ختم۔اس کے بعد عورت عدت گزارے جس کا خرچہ اور اگر اس نکاح سے بچہ پیدا ہوجائے تو اس کی پرورش اس متاعی مرد کے ذمہ، اس پابندی سے بہت حد تک لوگ محتاط ہوگئے پھر ہمیشہ کے لیے متعہ بھی حرام کردیا گیا۔

دیکھو شراب حرام کرنا تھا تو پہلے اس پر پابندی لگائی گئی نشہ میں نماز نہ پڑھو جس سے شراب نوشی بہت حد تک کم ہوگئی پھر ایک دم حرام کردی گئی۔ نکاح متعہ قطعًا حرام ہے اس کے بعد جو صحبت ہوگی تو محض زنا ہوگی، جس پر سارے احکام زنا جاری ہوں گے۔ متعہ کی حرمت پر قرآنی آیات واحادیث شاہد ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: " مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ "اور فرماتا ہے: " فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ" بیوی ولونڈی کے علاوہ اور کوئی عورت تلاش کرو کہ تم حد سے آگے بڑھنے والے ہو۔ ممنوعہ بیوی نہ بیوی ہے نہ لونڈی اس لیے اس کو میراث نہیں ملتی۔اس کی بحث ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھیئے اور اس جگہ مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔ہدایہ میں ہے کہ امام مالک کے ہاں نکاح متعہ حلال ہے اور میعاد کی شرط باطل ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ یہ نسبت غلط ہے حق یہ ہے کہ متعہ کی حرمت پر امت رسول کا اجماع ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس کو اس کے نسخ کی خبر نہ پہنچی تو اولًا وہ جواز کے قائل رہے خبر پہنچ جانے پر وہ بھی حرمت کے قائل ہوگئے، دیکھئے

مسلم ونووی عبداللہ ابن عباس کا رجوع۔اس جگہ مرقات میں بھی بیان فرمایا شیعہ کے اکثر فرقے متعہ حرام جانتے ہیں الا البعض۔(مرقات)حضرت ابن عباس کا فرمان آگے مشکوۃ شریف میں بھی آرہا ہے کہ متعہ شروع اسلام میں تھا پھر حرام ہوگیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اور حاجات میں تشہد سکھایا۱فرمایا نماز میں تشہد یہ ہے کہ تمام تحیتیں اور نمازیں، خوبیاں اللہ کو ہیں سلام ہو آپ پر اے نبی ۲اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر ۳میں گواہی دیتا ہوں یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے اور گواہی دیتاہوں کہ بے شک محمد اللہ کے بندے اوراس کے رسول ہیں۔اور خطبہ حاجت میں یہ ہے کہ تمام حمد اللہ کو ہے ۴ہم اس سے مدد مانگتے ہیں ۵اور اس سے معافی مانگتے ہیں ۶اور اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں ۷جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں ۸اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں ۹اور تین آیتیں پڑھے ۱۰اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اس سے ڈرنے کا حق۱۱اور ہر گز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ۱۲اے ایمان والو ۱۳اس سے ڈور جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو ۱۴اور رحمی رشتوں سے ڈرو۱۵بے شک اللہ تم پر حافظ ہے اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو ۱۶رب تمہارے کام درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ رسول کی اطاعت کرے وہ بڑا ہی کامیاب ہے

	۱۷؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) اور جامع ترمذی میں ہے تینوں آیتوں کی تفسیر ۱۸؎سفیان ثوری نے فرمائی اور ابن ماجہ نے الحمدللہ کے بعد نحمدہ پڑھا۔اور من شرور انفسنا کے بعد ومن سیئات اعمالنا زیادہ کیا اور دارمی نے عظیما کے بعد فرمایا ۱۹؎ کہ پھر اپنے کام کی بات کرے اور شرح سنہ میں حضرت ابن مسعود سے خطبۃ الحاجۃ میں فرمایا نکاح وغیرہ ۲۰؎

۱؎حاجت سے مراد نکاح وعظ وغیرہ ہے کہ ہر شاندار کام کرتے وقت اللہ رسول کا ذکر بہت بہتر ہے۔

۲؎اس کی شرح کتاب الصلوۃ میں گزر گئی کہ نمازی اپنے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ گر جانے اور پھر اپنے کو حضور کے سامنے حاضر جان کر بہ نیت سلام یہ کلمات ادا کرے سمجھے کہ حضور میرا سلام سن رہے ہیں اور مجھے جواب دے رہے ہیں۔

۳؎علینا سے مراد تو ہم جیسے سارے گنہگار بندے ہیں اور نیک بندوں سے مراد حضرات انبیاء و اولیاء ہیں لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں اسکی مکمل شرح کتاب الصلوۃ میں التحیات کے موقع پر گزر گئی۔

۴؎حاجت سے مراد نکاح وعظ وغیرہ تمام ضروری چیزیں ہیں کہ ہر جگہ اولًا یہ خطبہ پڑھے پھر کام یا کلام کرے اَن نون کے شد سے بھی ہوسکتا ہے تب تو الحمد پر فتح ہوگا اور نون کے سکون سے بھی تب حمد پر پیش ہوگا رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔

۵؎حمد الٰہی کرنے پر بھی اس کی مدد مانگتے ہیں،دوسری عبادات پر بھی اور تمام کاموں میں بھی اور اس کی مدد شامل حال نہ ہو تو ہم کچھ نہیں کرسکتے۔

۶؎ہم گنہگار گناہ کرکے معافی مانگتے ہیں،ابرار گناہ نہ کر کے بھی معافی کے طالب ہیں اور خیار نیکیاں کرکے بھی معافی چاہتے ہیں کہ اس رب کی شان کے لائق ہم سے نیکی نہ ہوسکی۔

۷؎کیونکہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہمارا نفس ہے جو دوستی کے رنگ میں دھوکہ دیتا ہے اور ہر دم ہمارے ساتھ رہتا ہے اللہ کے کرم کے بغیر اس کی شرارتوں سے ہم نہیں بچ سکتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہم کو تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضرات انبیائے کرام کے نفس امارہ ہوتے ہی نہیں مطمئنہ ہوتے ہیں ان کے نفوس میں خیر ہی خیر ہے۔

۸؎یعنی جسے اللہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے اسے نفس شیطان،دنیا کی کوئی چیز بہکا نہیں سکتی اور جس میں رب تعالٰی گمراہی کا خلق فرمادے اسے کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی،ابوجہل مکہ میں رہ کر حضور انور کو دیکھ کر بھی ہدایت نہ پاسکا،چمگادڑ کی آنکھ سورج سے نور نہیں لیتی۔خیال رہے کہ شر کی نسبت نفس کی طرف کسبی ہے اور گمراہ کرنے کی نسبت رب تعالٰی کی طرف خلقی ہے، ہم کاسبِ شر ہیں، رب تعالٰی خالق خیر و شر ہے۔

۹؎ حضور سیدالمخلوقات ہیں اور سند الموجوات تمام خلق کے رسول ہیں ایسی رسالت عامہ حضور کے سوا کسی کو نہ عطا ہوئی۔
۱۰؎ یقرا کا فاعل یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی حضور نے ہماری تعلیم کے لیے تین آیات پڑھیں یا اس کا فاعل ہر خطیب ہے یعنی خطبہ پڑھنے والا اس حمد و ثناء و نعت کے بعد تین آیات پڑھے۔
(مرقات)
۱۱؎ اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اسے یاد رکھا جائے کبھی بھولا نہ جائے اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا خوف خدا جو اس کے حق کے لائق ہو کون کرسکتا ہے تب یہ آیت کریمہ اتری: "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" جس قدر طاقت رکھو اللہ سے ڈرو لہذا یہ دوسری آیت پہلی آیت کی مفسرہ ہے ناسخہ نہیں۔(معالم التنزیل و مرقات) یعنی جس قدر ہوسکے اور جتنا بن پڑے اتنا رب سے ڈرے۔
۱۲؎ یعنی ہمیشہ ایمان پر قائم رہو کہ جب بھی تم کو موت آئے ایمان پر آئے اللہ تعالٰی نصیب فرمائے اسلام میں ایمان و اعمال سب داخل ہیں۔
۱۳؎ شاید یہ قرأۃ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی ہے ہماری قرأۃ یَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الایہ یہ ہی درست ہے۔
۱۴؎ یعنی جب کسی سے مانگتے ہو تو اللہ کے نام پر مانگتے ہو کہ خدا کے لیے ہم کو یہ دو جس کے نام سے تم کو بھیگ ملتی ہے اس کو راضی بھی کرو کہ اس سے ڈرو۔
۱۵؎ اَرحام ہماری قرأۃ میں منصوب ہے لفظ اللہ پر معطوف یعنی رحم قطع کرنے سے ڈرو اور ہوسکتا ہے کہ ارحام مجرور ہو بہ کی ضمیر پر یعنی لوگوں سے رشتہ کے واسطے سے مانگتے ہو،لہذا رحمی رشتہ کا بھی لحاظ رکھو۔
۱۶؎ درست بات سے مراد کلمہ طیبہ ہے یا ہر سچی بات عدل و انصاف کی بات یعنی ہمیشہ کلمہ طیبہ پڑھا کرو، سچ بولا کرو انصاف کی بات کیا کرو۔
۱۷؎ یعنی انسان کی کامیابی مال دولت عزت و حکومت سے نہیں اللہ رسول کی اطاعت سے ہے کہ مال و دولت فانی ہیں اور اس اطاعت کا ثواب باقی اور لازوال ہے۔
۱۸؎ یعنی سفیان ثوری نے یہ حدیث و خطبہ بھی نقل فرمایا ان مذکور آیتوں کی تفسیر بھی کی۔
۱۹؎ دارمی کا عطف ابن ماجہ پر ہے یعنی ابن ماجہ نے تو ان الحمدللہ کے بعد نحمدہ زیادہ کیا،اور من شرور انفسنا،کے بعد ومن سیات اعمالنا بڑھایا اور دارمی نے عظیما کے بعد یہ الفاظ زیادہ کیے کہ پھر وہ بات کرے جس کے لیے خطبہ پڑھا۔
۲۰؎ یعنی دوسری روایات میں توخطبہ حاجت میں صرف نکاح کا لفظ ہے مگر شرح سنہ میں نکاح وغیرہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ خطبہ صرف نکاح کے لیے ہی نہیں ہے وعظ وغیرہ دوسری دینی کلاموں کے لیے بھی ہے،حصن حصین میں اس خطبہ میں اور بھی الفاظ شامل ہیں چنانچہ وہاں ورسولہ کے بعد ہے۔ارسلہ بالحق بشیرا و نذیرا بین یدی

الساعة من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصیھما فلا یضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئا بہرحال خطبہ میں زیادتی و کمی ہوسکتی ہے بہتر یہ ہے کہ منقولہ الفاظ ضرور پڑھے۔(از مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر وہ خطبہ جس میں کلمہ شہادت نہ ہو وہ کوڑھ والے ہاتھ کی طرح ہے ١(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

١جذماء یا تو جذم سے بنا بمعنی کٹ جانا یا جذام سے بمعنی کوڑھ یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی جو خطبہ شہادت توحید و رسالت سے خالی ہو وہ کٹے ہوئے یا کوڑھ والے ہاتھ کی طرح ہے کہ بظاہر ہاتھ معلوم ہوتا ہے مگر ہاتھ والے کو فائدہ مند نہیں ایسے ہی ایسے خطبہ میں الفاظ تو سننے میں آتے ہیں مگر نہ وہ عنداللہ قبول ہے نہ اس پر ثواب نہ اس میں برکات۔معلوم ہوا کہ کلمہ شہادت بڑا ہی فائدہ مند عمل ہے یہ مسلمان کا زندگی و موت کا وظیفہ ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شاندار کام ١اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے ٢(ابن ماجہ)

١بال کے لغوی معنی ہیں دل، خیال،توجہ،اصطلاح میں اس کے معنی ہیں شان،اچھا،انجام،حال،شریف،چونکہ ایسے کام کی طرف دل متوجہ ہوتا ہے اس لیے اسے بال کہتے ہیں یہ قید لگا کر مکروہ ممنوع کاموں کو نکال دیا لہذا حقہ پیتے وقت بسم اللہ اور پی کر الحمدللہ پڑھنا مکروہ ہے یوں ہی شراب جوئے زنا پر یہ پڑھنا حرام ہے بلکہ اندیشہ کفر ہے یوں ہی جھوٹ و غیبت وغیرہ پر یہ پڑھنا سخت ممنوع ہے۔

٢اقطع کے معنی ہیں مقطوع البرکۃ یعنی ناقص ناتمام بعض روایت میں ہے فھو جذم اس کے معنی بھی یہ ہی ہیں۔نووی نے شرح مسلم میں فرمایا کہ ہم نے اپنی کتاب اربعین میں یہ حدیث بروایت عبدالقادر زہاد عن کعب ابن مالک،باسناد حسن نقل کی ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کی، بہرحال یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شان والا کام کہ اس میں حمد الٰہی سے ابتداء نہ کی جائے وہ ناقص ہے ١(ابن ماجہ)

١یہ گزشتہ حدیث کی طرح ہے صرف فیہ اس میں زائد ہے مطلب ایک ہی ہے انہی احادیث کی بناء مصنفین اپنی دینی کتب بسم اللہ اور الحمدللہ سے شروع کرتے ہیں اکثر حضرات تو بسم اللہ اور الحمدللہ کو اپنی کتب کے شروع میں لکھتے ہیں اور بعض صرف زبانی کہہ لیتے

ہیں لکھتے نہیں جیسے ابن حاجب نے کافیہ میں اور امام محمد ابن اسماعیل نے اپنی کتاب بخاری شریف میں کیا۔بڑی بات تو یہ ہے کہ قرآن پاک کے اول میں بھی بسم اللہ اور الحمد للہ الخ ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان نکاحوں کا اعلان کرو۱ اور کرو مسجد میں ۲ ان پر دف بجاؤ۳(ترمذی) اور یہ فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴	

۱؎ اگر اعلان سے مراد گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا ہے تو یہ حکم وجوبی ہے کیونکہ گواہ نکاح کے لیے شرط ہیں اور اگر اس سے مراد مشہور کرنا دف بجانا ہے تو حکم استحبابی ہے۔(مرقات)

۲؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں تمام نمازیوں کے سامنے ہوتاکہ نکاح کا اعلان بھی ہوجائے اور ساتھ ہی جگہ اور وقت کی برکت بھی حاصل ہو جائے،نیز نکاح عبادت ہے اور عبادت کے لیے عبادت خانہ یعنی مسجد موزوں ہے۔

۳؎ نکاح کے وقت نکاح کی جگہ دف بجانا بہتر ہے لیکن اگر نکاح مسجد میں ہو تو مسجد کے دروازے کے باہر دف بجائی جائے یا خارج مسجد میں نہ کہ داخل مسجد میں لہٰذا اس حدیث کی وجہ سے مسجدوں میں دف وغیرہ بجانے کی حلت کا قول بالکل درست نہیں۔(مرقات)فقہاء فرماتے ہیں کہ باجوں میں جھانجھ حرام بعینہٖ ہے کہ کسی طرح جائز نہیں اس کے سوا دوسرے باجے اگر کھیل کود کے لیے ہوں تو حرام، اگر اعلان وغیرہ صحیح مقصد کے لیے ہوں تو حلال۔(از مرقات و فتح القدیر)

۴؎ اس حدیث کی اسناد میں عیسی ابن میمون ہے جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے(اشعہ) مگر صرف اعلان نکاح کی حدیث احمد، ابن حبان،طبرانی فی الکبیر، ابو نعیم فی الحلیہ، حاکم فی المستدرک نے عبداللہ ابن زبیر سے مرفوعًا نقل فرمائی مسجد میں ہونا دف بجانا یہ غریب ہے مگر بیان استحباب کے لیے کافی ہے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن حاطب جمحی سے ۱ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حلال و حرام کے درمیان فرق نکاح میں آواز اور دف ہے ۲(احمد،ترمذی، نسائی،ا بن ماجہ)	

۱؎ آپ کی پیدائش حبشہ میں ہوئی بہت چھوٹی عمر میں اپنے چچا خطاب ابن حارث ابن معمر کے ساتھ مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی اور بہت چھوٹی عمر میں حضور انور کی زیارت کی امت میں سب سے پہلے انہی کا نام محمد رکھا گیا ۷۴ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات ہوئی وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ آواز سے مراد اعلانچی یا گولے وغیرہ کی آواز ہے دف میں تاشہ بھی داخل ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ بغیر دف تاشہ،یا اعلان کے نکاح ہوتا ہی نہیں بلکہ اعلان نکاح کی ترغیب مقصود ہے۔مطلب یہ ہے کہ حلال نکاح اعلانیہ ہوتے ہیں

مشکوک و حرام چھپ کرکئے جاتے ہیں کہ نہ کسی کو خبر ہو نہ کوئی اعتراض کرے،جیسے نکاح پر نکاح یا عدت میں نکاح وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میرے پاس انصار کی ایک لڑکی تھی۱؎ جس کا میں نے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہ تم گیت کیوں نہیں گاتیں ۲؎ کیونکہ یہ قبیلہ انصار گیت گانا پسند کرتے ہیں ۳؎

۱؎ یہ بچی یا تو حضرت ام المؤمنین کی کوئی عزیز قریبی تھی یا یتیمہ تھی جو آپ نے پرورش کی تھی پہلا احتمال قوی ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ یعنی خود کیوں نہیں گیت گاتیں یا کسی لڑکی سے گانے کو کیوں نہیں کہتیں یا کوئی گانے والی کیوں نہیں گاتی،یہ صیغہ یا واحد مخاطبہ کا ہے یا غائبہ کا۔(مرقات)

۳؎ یعنی انصار شادی بیاہ میں گیت وغیرہ کو محبوب رکھتے ہیں اور نکاح بھی انصاری بچی کا ہے،تو گیت بہتر تھا۔گیت کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ شادی میں چھوٹی بچیوں کا دف بجانا گانا یا بالغہ عورت کا آہستہ آواز سے جائز گیت گانا جائز ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔جوان عورتوں کو اونچی آواز سے عشقیہ حرام گانے خصوصًا جب کہ اجنبی مردوں تک آواز پہنچے سخت حرام بلکہ بڑے فساد کا باعث ہے جیسے پاکیزہ گیت شادیوں پر عرب میں مروج تھے ان کا نمونہ آگے آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جناب عائشہ نے اپنے ایک قرابت دار انصاری کا نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا کیا تم نے لڑکی کو بھیج دیا۱؎ عرض کیا ہاں فرمایا کیا اس کے ساتھ اس کو بھیجا جو گیت گائے بولیں نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار ایسی قوم ہے جس میں غزل خوانی کا رواج ہے ۲؎ تم اس کے ساتھ بھیجتیں جو کہتا ہم آگئے ہم آگئے اللہ ہم کو بھی اور تم کو بھی زندگی دے ۳؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی صرف نکاح کیا ہے یا رخصت بھی کردی اور لڑکی خاوند کے پاس بھیج بھی دی۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین مکہ میں شادی کے موقعہ پر گیت و غزل کا رواج نہ تھا انصار مدینہ میں رواج تھا۔

۳؎ یہ وہ پاکیزہ گیت ہیں جن کی اجازت دی گئی تھی گیت کیا ہے حمد الٰہی ہے تبلیغ ہے دعا ہے اور پیاروں سے ملنے پر خوشی کا اظہار ہے ایسے اشعار تو ایک طرح عبادت ہیں ان احادیث کی بنا پر اس زمانہ کے فلمی گانوں کا جواز ثابت کرنا سخت حماقت ہے اور منکرین حدیث کا انکار کرنا جہالت ہے۔

	روایت ہے حضرت سمرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کا نکاح دو ولی کردیں تو وہ ان دونوں میں سے پہلے کے لیے ہوگی۱؎ اور دو شخصوں کے ہاتھ چیز فروخت کردے تو وہ ان دونوں میں پہلے کی ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد، نسائی،دارمی)۳؎

۱؎ یعنی جس عورت بالغہ یا نابالغہ کا نکاح ایک درجہ والے دو والی جیسے دو بھائی یا دو چچا بے خبری میں یا با خبر ہوتے ہوئے دو شخصوں سے کردیں تو ان میں سے پہلا نکاح درست ہے دوسرا باطل اگرچہ دوسرے خاوند نے صحبت بھی کرلی ہو اس پر فتویٰ ہے۔عطا فرماتے ہیں اگر دوسرے نے صحبت کرلی ہو تو یہ ہی نکاح درست ہے پہلا باطل امام شافعی کے ہاں دونوں نکاح باطل ہیں کہ منعقد ہوتے ہی نہیں پھر صحبت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔(مرقات) یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ دونوں نکاح آگے پیچھے ہوئے ہوں لیکن اگر اتفاقًا بیک وقت ہوگئے تو ہمارے ہاں بھی دونوں باطل ہیں اس مسئلہ کی بہت شقیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اگر بالغہ کا نکاح اس کی بغیر اجازت دو ولیوں نے کیا تو جسے بالغہ درست رکھے وہی درست ہے اگر دونوں کو درست رکھے تو جس کی اجازت پہلے دی وہ درست ہے اور اگر ایک ساتھ دونوں کی اجازت دی تو دونوں باطل ہیں۔

۲؎ اس کی بھی دو صورتیں ہیں اگر کسی نے ایک چیز آگے پیچھے دو کے ہاتھ فروخت کی تو پہلی بیع درست ہے،دوسری باطل اور اگر ایک ساتھ دو کے ہاتھ بیچی اور دونوں گاہکوں نے بیک وقت قبول کی تو دونوں بیع درست ہیں اور وہ چیز دونوں کی مشترک ہوگی۔

۳؎ یہ حدیث احمد،ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے ہمارے ساتھ بیویاں نہ تھیں تو ہم نے عرض کیا کیا ہم خصی ہوجائیں۱؎ اس سے ہم کو منع فرمایا ۲؎ پھر ہم کو متعہ کرلینے کی اجازت دی ۳؎ تو ہم میں سے ایک کسی عورت سے کپڑے کے عوض ایک وقت تک نکاح کرلیتا تھا ۴؎ پھر عبداللہ نے یہ آیت پڑھی اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ جانو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں ۵؎(مسلم بخاری)

۱؎ اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قوت بہادری، تقویٰ اور خوف خدا کا پتہ لگا کہ شہوت کا غلبہ ہے، بیوی ساتھ نہیں تو زنا تو کیا ہاتھ سے منی نکالنے کا بھی خیال نہیں فرماتے، خصی ہو کر اپنی کو ناقص کرلینا منظور ہے مگر گناہ منظور نہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ انسان کا خصی کرنا حرام ہے خواہ آزاد ہو یا غلام جانور کا خصی کرنا جائز ہے جب کہ اس میں فائدہ ہو۔

۳؎ یہ وجہ تھی متعہ کی عارضی اجازت کی کہ شراب کی طرح یہ بھی آہستگی سے حرام کیا گیا۔

۴؎ خیال رہے کہ متعہ اور نکاح مؤقت کے الفاظ میں فرق ہوتا ہے متعہ میں **اتمتع** کہتے ہیں اور نکاح وقتی میں **تزوجت الی فلان مدۃ** بولتے ہیں۔ متعہ کی حرمت پر اجماع امت ہے نکاح مؤقت کو جمہور علماء حرام فرماتے ہیں، امام زفر فرماتے ہیں کہ نکاح درست ہے اور یہ مدت کی شرط باطل یعنی وقتی نکاح دائمی ہوگا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود متعہ یا نکاح مؤقت کے جواز کے قائل تھے لیکن یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعود دونوں متعہ کے جواز کے قائل تھے مگر دونوں اس سے رجوع فرماگئے عبداللہ ابن عباس نے تو سعید ابن جبیر کے سمجھانے پر رجوع کیا اور حضرت ابن مسعود نے ان کے بعد غرضکہ جب ان دونوں کو اس کے ناسخ کا پتہ لگا رجوع کرلیا حضرت علی تو متعہ کی حلت کے قائل تھے ہی نہیں وہ اول ہی منسوخ مانتے تھے، تعجب ہے کہ روافض متعہ کی حلت میں حضرت ابن مسعود کا پہلا قول تو مان لیتے ہیں اور حضرت علی کا قول نہیں مانتے جناب علی متعہ کو حرام فرماتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ متعہ شروع اسلام تھا کہ کوئی شخص کسی شہر میں جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہ ہوتی۱؎ تو کسی عورت سے اس وقت تک کے لیے نکاح کر لیتا کہ سمجھتا میں اتنا ٹھہروں گا وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اس کا کھانا درست کرتی ۲؎ حتی کہ یہ آیت کریمہ اتری مگر اپنی بیویوں پر یا ان پر جن کے وہ مالک ہیں ۳؎ فرمایا حضرت ابن عباس نے کہ دو کے سوا تمام شرمگاہیں حرام ہیں ۴؎ (ترمذی)	

۱؎ جو اس نو وارد کا انتظام کرتا اور اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی جو یہاں اس کا انتظام کرے۔

۲؎ شی شوی سے بنا بمعنی بھوننا اس لیے بھنے گوشت کو لحم مشوی کہا جاتا ہے یہاں بمعنی کھانا پکانا ہے، بعض نے فرمایا کہ شی بمعنی اشیاء ہے یعنی اسباب۔(مرقات)

۳؎ یعنی اس آیت کے نزول پر متعہ حرام ہوگیا کیونکہ ممتوعہ عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی تو لامحالہ رنڈی زانیہ ہو گی اور اسلام میں زنا تمام قسموں کے ساتھ حرام ہوچکا ہے۔

۴؎خلاصہ یہ ہے کہ اب سوائے بیوی و لونڈی کے تمام عورتیں حرام ہیں اور ممتوعہ عورت ان دونوں کے سوا ہے اس لیے ممتوعہ عورت کو اس متاعی خاوند کی میراث نہیں ملتی نہ اس عورت کی خاوند کو نہ ممتوعہ عورت سے، روافض کے ہاں حرمت مصاہرت ثابت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس نے متعہ کی حلت کے خیال سے رجوع فرمالیا۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت علی نے سنا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس متعہ حلال جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا اے ابن عباس خبردار میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سنا کہ آپ نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھا حرام فرمایا، اسی مسلم شریف میں بروایت عروہ ابن زبیر ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے مکہ معظّمہ میں فرمایا بعض آنکھوں اور دل کے اندھے اب تک متعہ کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ ہوتا تھا اس پر حضرت زبیر نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے پر تجربہ کرکے دیکھ لو اگر تم متعہ کرو تو میں تم کو بھی سنگسار کردوں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس نے جناب علی کے فرمان پر متعہ سے رجوع نہ کیا بہت عرصہ بعد رجوع فرمایا۔(مرقات) تمام صحابہ حضرت ابن عباس کے فتویٰ جواز متعہ کے خلاف ہوگئے تھے حتی کہ ان کے خلاف شعر لکھے گئے جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔

هل لك رخصة الاطراف آنسه　　　تكون مثواك حتى مصدر الناس

قد قلت للشيخ لما طال محبسه　　　يا صاح هل لك فى فتوىٰ ابن عباس

حضرت ابن عباس نے یہ شعر سن کر فرمایا قسم رب کی میں نے متعہ کی حلت کا فتویٰ نہ دیا،متعہ تو خون،سور،مردار کی طرح حرام ہے(مرقات)

روایت ہے حضرت عامر ابن سعد سے فرماتے ہیں میں قرظہ ابن کعب اور ابو مسعود انصاری کے پاس ایک شادی میں گیا۱؎تو ناگاہ کچھ بچیاں گا رہی تھیں میں نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیو اور اے بدر والو! تمہارے پاس یہ کام کیا جارہا ہے ۲؎تو وہ دونوں صاحب بولے اگر تم چاہو بیٹھو اور ہمارے ساتھ سنو اور اگر چاہو چلے جاؤ ہم کو شادی کے موقع پر لہو و لعب کی اجازت دی گئی ہے ۳؎(نسائی)	

۱؎عامر ابن سعد ابن ابی وقاص مشہور تابعی ہیں اور قرظہ ابن کعب(ق،ر،ظ)سے اور ابو مسعود دونوں صحابی ہیں بدری ہیں۔

۲؎یعنی اسلام میں گانا مطلقًا حرام ہے اور تمہارے سامنے بچیاں گارہی ہیں تم دونوں جلیل الشان صحابی منع نہیں کرتے لوگ تمہارے منع نہ کرنے کی وجہ سے اسے جائز سمجھیں گے یہاں جمع دو کے لیے بولی گئی۔

۳؎یعنی شادی بیاہ میں ننھی بچیوں کا جائز گیت گانے کی اجازت ہے جائز کام کو ہم کیوں روکیں۔

باب المحرمات

حرام عورتوں کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ محرمات تحریم سے بنا یعنی حرام کی ہوئی عورتیں جن سے نکاح درست نہیں۔خیال رہے کہ عورتیں تین وجہ سے حرام ہوتی ہیں: نسب، سسرالی رشتہ،دودھ یعنی رضاعت،نسب کی وجہ سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں(۱)اپنی اولاد جیسے بیٹی،نواسی،پوتی،اور انکی اولاد(۲)اپنے اصولی یعنی جن کی اولاد میں ہم ہیں،جیسے ماں دادی نانی وغیرہ تم اصولی(۳)اپنے قریبی اصولی یعنی ماں باپ کی مطلق اولاد جیسے بہن بھانجی بھتیجی اور ان کی تمام اولاد(۴)اپنے بعیدی اصولی یعنی دادا نانا کی قریبی اولاد جیسے خالہ پھوپھی کہ یہ خود تو حرام ہیں مگر ان کی اولاد حلال اور سسرالی رشتہ سے اپنی بیوی کی اولاد اور اس کی ماں دادی وغیرہ،اصولی حرام اپنی اولاد بیٹے پوتے نواسے کی بیوی، یوں ہی اصول کی بیویاں جیسے باپ دادا نانا کی بیوی،رضاعت یعنی شیر خوارگی سے تمام نسبی رشتہ کی طرح عورتیں حرام ہیں۔شعر

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند و از جانب شیر خوار زوجان و فروع

محارم عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے یعنی جو دو لڑکیاں ایک دوسرے پر حرام ہوں انہیں نکاح میں جمع نہیں کرسکتے،جیسے دو بہنیں، پھوپھی، بھتیجی،خالہ بھانجی وغیرہ تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ عورت اور نہ اس کی پھوپھی کو جمع کیا جائے ۱؎ اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ایسی عورتوں کو نہ تو نکاح میں جمع کرو، نہ صحبت میں،لہذا پھوپھی، بھتیجی وغیرہ ایک وقت ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں،اور اگر یہ دونوں ایک شخص کی لونڈیاں ہوں، تو مولی ان دونوں سے صحبت نہیں کرسکتا۔

۲؎ حرمت جمع کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے جو بھی مرد فرض کی جائے تو دوسری اس پر حرام ہو دیکھو خالہ بھانجی،اگر خالہ مرد ہوتی تو ماموں ہوتی بھانجی اس پر حرام ہوتی،اگر بھانجی مرد ہوتی تو بھانجہ ہوتی خالہ اس پر حرام ہوتی لہذا ماں اور سوتیلی بیٹی کو نکاح میں جمع کرسکتے ہیں اگر بیٹی لڑکا ہوتی تو یہ سوتیلی ماں اس پر حرام ہوتی لیکن اگر ماں مرد ہوتی تو اس پر یہ لڑکی حرام نہ ہوتی لہذا حرمت ایک طرف سے ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دودھ کے رشتہ سے وہ ہی عورتیں حرام ہوتی ہیں جو ولادت کے رشتہ سے حرام ہوتی ہیں ۱؎ (بخاری)۲؎

۱؎ دودھ پینے والے بچے پر دائی کے تمام وہ اہل قرابت حرام ہیں جو اپنے نسب سے حرام ہوتے ہیں دائی کا خاوند بیٹا،دیور، جیٹھ،بھائی وغیرہ مگر شیر خوار بچے کی اولاد و بیوی اس طرف والوں پر حرام ہوگی،رضاعت رضع سے بنا بمعنی پستان چوسنا۔خیال رہے کہ دودھ کے رشتہ سے حرمت تو آئے گی مگر اس رشتہ سے میراث نہ ملے گی نیز اس رشتہ کی وجہ سے پردہ لازم نہ ہوگا اس کے ساتھ سفر و خلوت جائز ہوگا۔لطیفہ۔امام بخاری نے غلطی سے بکری و گائے کے دودھ سے حرمت رضاعت کا فتویٰ دے دیا تھا جس پر تمام علماء ان کے مخالف ہوگئے اور آپ کو بخارا چھوڑنا پڑا(فتح القدیر و مرقات)

۲؎ یہ حدیث مسلم وابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ نے بھی روایت کی لہذا اسے متفق علیہ کہنا چاہیے تھا۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میرے دودھ کے چچا آئے اور میرے پاس آنے کی اجازت مانگی ۱؎ میں نے انہیں اجازت دینے سے انکار کیا تاآنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے حضور سے پوچھا فرمایا وہ تمہارے چچا ہیں،اجازت دے دو ۲؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں پلایا ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے چچا ہیں تمہارے پاس آسکتے ہیں ۴؎ یہ واقعہ ہم پر پردہ فرض ہونے کے بعد کا ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ان آنے والے حضرت کا نام افلح تھا، کنیت ابوالجعد ہے ابو قعیس کے بھائی،ابو قعیس کی بیوی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو دودھ پلایا تھا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ دودھ کی ماں کا وہ خاوند جس سے یہ دودھ وہ مرد وہ پینے والا بچہ کا باپ بن جاتا ہے اور اس کا بھائی چچا اس کا والد دادا۔ فقہاء اسے کہتے ہیں لبن الفحل۔

۳؎ ام المؤمنین سمجھیں کہ دودھ سے حرمت آتی ہے اور دودھ تو عورت کا ہے لہذا اس کے اقارب حرام ہونے چاہئیں نہ کہ اس کے خاوند کے اس لیے یہ سوال کیا۔

۴؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ دودھ اگرچہ اس ماں کا ہے مگر اس کے خاوند سے ہے اس لیے دو طرفہ حرمت ہوگی،سبحان اللہ کیا فلسفیانہ و حکیمانہ جواب ہے۔

۵؎لہذا یہ حکم آیت حجاب سے منسوخ نہیں یہ حکم محکم ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو اپنے چچا حمزہ کی بیٹی میں رغبت ہے وہ قریش میں حسین ترین لڑکی ہے۱؎تو آپ نے ان سے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ کے بھائی ہیں ۲؎اور یہ کہ اللہ نے دودھ کے رشتہ سے وہ عورتیں حرام کیں جو نسب سے حرام فرمائیں ۳؎(مسلم)	

۱؎یعنی درہ بنت حمزہ آپ کی چچا زاد قریبی بھی ہے اور قریش میں بہت حسینہ و جمیلہ و خوب سیرت بھی اس سے آپ کا نکاح بہت موزوں ہوگا۔

۲؎کیونکہ ابولہب کی لونڈی بی بی ثویبہ نے اولًا حضرت حمزہ کو دودھ پلایا پھر چار سال کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، معلوم ہوا کہ شیر کی حرمت میں ایک ساتھ دودھ پینا شرط نہیں بلکہ ایک پستان کا دودھ ہونا کافی ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار عورتوں نے دودھ پلایا: والدہ مطہرہ آمنہ خاتون،ثویبہ،ام ایمن،حلیمہ سعدیہ اور تمام دودھ پلانے والیاں ایمان لائیں،تین بیبیاں تو اپنی زندگی میں ہی اور حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کو حضور نے زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھایا شرعی مؤمنہ و صحابیہ بنایا۔(مرقات،نقلًا عن سیوطی)

۳؎خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حمزہ میرے چچا بھی ہیں اور شیر کے بھائی بھی اور دودھ کے بھائی بیٹی حرام ہوتی ہے کہ وہ بھتیجی ہے لہذا درہ بنت حمزہ پر حرام ہیں۔

روایت ہے حضرت ام الفضل سے ۱؎فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار یا دو بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا ۲؎	

۱؎آپ کا نام لبابہ بنت حارث ہے کنیت ام الفضل حضرت عباس کی زوجہ حضرت فضل ابن عباس اور عبداللہ ابن عباس کی والدہ ہیں حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائیں۔

۲؎حضرت ام شافعی کے ہاں پانچ گھونٹ دودھ پینا حرمت رضاعت پیدا کرتا ہے اور امام ابوعبید ابوثور،داؤد کے ہاں تین گھونٹ سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے ان لوگوں کی دلیل یہ حدیث ہے اور امام شافعی کی دلیل اگلی حدیث ہمارے امام اعظم کے ہاں مطلقًا دودھ پینا حرمت رضاعت پیدا کرتا ہے خواہ کتنا ہی پیئے ایک گھونٹ یا آدھا یا زیادہ بشرطیکہ شیر خوارگی کی مدت میں ہو۔یہ مدت اکثر علماء کے ہاں دو سال کی عمر ہے امام اعظم کے ہاں ڈھائی سال کی عمر امام اعظم کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے:وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ آیتہ کریمہ میں ارضعن مطلق ہے تین یا پانچ گھونٹ کی اس میں قید نہیں،نیز قرآن کریم میں ہے "وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضٰعَةِ مِّنَ الرَّضٰعَةِ"یہاں بھی

رضاعت مطلق ہے اور یہ حدیث خبر واحد ہے جس سے قرآنی مطلق کو مقید نہیں کرسکتے نیز حضرت عائشہ کی حدیث ہے یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب یہاں بھی رضاعت مطلق ہے غرضکہ وہ آیت اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے

	اور حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ایک دو چوسنیاں حرام نہیں کرتیں۔

	اور ام الفضل کی دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا کہ ایک دوبار منہ میں پستان دینا حرام نہیں کرتا [1] یہ مسلم کی روایتیں ہیں۔

[1] املاج ملج سے بنا بمعنی ہونٹ سے پکڑنا املاج کے معنی ہیں ہونٹ سے پکڑوانا بچہ کے منہ میں پستان دینا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ قرآن میں جو آیات اتاری گئیں ان میں یہ آیت بھی تھی کہ فرمایا ایک دو بار منہ میں پستان دینا حرام نہیں کرتا [1] یہ مسلم کی روایات ہیں۔

[1] یعنی بحکم قرآنی پہلے حکم یہ تھا کہ اگر بچہ دس گھونٹ دودھ کسی عورت کا پیئے تب دودھ کی حرمت آئے گی پھر دس کا حکم منسوخ ہوکر پانچ کا حکم رہا یہ حدیث ہمارے خلاف ہے اور امام شافعی کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں پانچ گھونٹ سے حرمت آتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نازل شدہ قرآنی آیات میں یہ آیت بھی تھی کہ دس معلوم چسکیاں حرام کرتی ہیں پھر پانچ معلوم چسکیوں سے منسوخ کی گئیں [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ وہ قرآن سے پڑھی جاتی تھیں [2] (مسلم)

[1] یعنی پہلے دس گھونٹ والی آیت نازل ہوئی پھر بہت عرصہ کے بعد دس گھونٹ والی آیت تلاوت و حکم میں پانچ گھونٹ والی آیت سے منسوخ ا ور یہ پانچ گھونٹ والی آیت اتنے عرصہ کے بعد منسوخ ہوئی تلاوتًا و حکمًا کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی وفات پانے تک بعض دیہات اور دور دراز کے علاقہ والوں کو اس کے نسخ کی خبر نہ ہوئی اور وہ اس بے خبری میں بعد وفات بھی اس کی تلاوت کرتے رہے پھر خبر ہونے پر اس کی تلاوت بند کی۔حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کی وفات کے بعد بھی یہ آیت قرآن کریم میں تھی بعد میں صحابہ کرام نے نکال دی ورنہ اعتراض ہوگا کہ جناب علی و دیگر اہل بیت اطہار قران بگڑتا یا کم ہوتا ہوا دیکھ کر خاموش کیوں رہے

انہوں نے قرآن بگڑنے کیوں دیا ؟ خیال رہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اس سے قرآنی مطلق آیات کو مقید نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے لہذا یہ حدیث امام شافعی کی دلیل نہیں بن سکتی۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے حالانکہ ان کے پاس ایک شخص تھا شاید آپ کو یہ ناپسند آیا ۱؎ تو حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یہ میرے بھائی ہیں فرمایا غور کرلو کہ تمہارے بھائی کون ہیں۔شیر خوارگی بھوک کے زمانہ سے ہوتی ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کیونکہ یہ شخص درحقیقت جناب ام المومنین کا رضاعی بھائی نہ تھا حضرت ام المومنین غلطی سے اس کا اپنا دودھ کا بھائی سمجھے ہوئے تھیں،اور آپ نے اس کو گھر میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔

۲؎ یعنی اگر بڑا بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے رضاعت کے احکام ثابت نہ ہوں گے جب بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ عورت کا دودھ اس کی بھوک دفع کردے اور وہ اس دودھ پر ہی گزارہ کرسکے تب دودھ پینا شرعًا معتبر ہے اور وہ عمر دو یا ڈھائی سال کی ہے چونکہ اس شخص نے اس عمر کے بعد دودھ پیا ہے اس لیے یہ تمہارا رضاعی بھائی نہیں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ازواج مطہرات احترام میں مسلمانوں کی مائیں ہیں نہ کہ احکام میں لہذا ان پر پردہ فرض ہے ان کی اولاد سے امت کا نکاح درست ہے ان کو امت کی میراث نہ ملے گی دوسرے یہ کہ ڈھائی برس کے بعد دودھ پینا حرمت رضاعت ثابت نہیں کرتا۔

روایت ہے حضرت عقبہ سے ۱؎ کہ انہوں نے ابو اھاب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت آئی بولی کہ میں نے عقبہ کو اور جس سے انہوں نے نکاح کیا ہے اسے دودھ پلایا ہے ۲؎ تو اس سے عقبہ نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے ۳؎ اور نہ تم نے مجھے اس کی خبر دی انہوں نے ابواہاب کے گھر والوں کے پاس بھیجا ان سے پوچھا وہ لوگ بولے ہم کو خبر نہیں کہ ہماری لڑکی کو اس نے دودھ پلایا ہے ۴؎ تو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مدینہ سوار ہو کر پہنچے اور آپ سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نکاح کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ یہ کہا گیا ۵؎ چنانچہ عقبہ نے اسے چھوڑ دیا اس نے دوسرے خاوند سے نکاح کرلیا ۶؎	

	(بخاری)

۱؎ آپ نوفل ابن عبد مناف کی اولاد سے ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے اہل مکہ میں آپ کا شمار ہے صحابی ہیں۔

۲؎ لہذا عقبہ اور ان کی منکوحہ دودھ کے بھائی بہن ہیں ان کا یہ نکاح درست نہ ہوا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ کوئی عورت بلاوجہ ہر بچہ کو دودھ نہ پلائے اور جس کو پلائے اسے مشہور کردے تاکہ آئندہ نکاح میں احتیاط رہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی مجھے نہ تو میرے گھر والوں نے یہ بتایا نہ دوسرے کسی سے مجھے یہ معلوم ہوا۔

۴؎ یعنی نہ تو عقبہ کے گھر والوں کو اس واقعہ کا علم تھا نہ ان کی منکوحہ کے گھر والوں کو اگر ان میں سے کسی کو اس کی خبر ہوتی تو نکاح ہی نہ ہوتا۔

۵؎ یعنی اے عقبہ تم جیسے متقی کی احتیاط سے یہ بات بہت بعید ہے کہ جس عورت کے متعلق رضاعی بہن ہونے کا وہم بھی ہوجائے اسے اپنے نکاح میں رکھو بہتر یہ ہی ہے کہ اسے علیحدہ کرو،اس حدیث کی بنا پر احناف بھی کہتے ہیں کہ صرف ایک عورت کی خبر پر عورت کو علیحدہ کردینا افضل ہے، مگر رضاعت کا ثبوت دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی سے ہوگا، امام شافعی کے ہاں چار عورتوں کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے،امام مالک کے ہاں دو عورتوں کی گواہی سے بھی رضاعت کا ثبوت ہوجاتا ہے، سیدنا عبداللہ ابن عباس کا فرمان تھا کہ ایک دائی کی خبر و قسم سے بھی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے،مذہب احناف بہت قوی ہے،اس حدیث میں حرمت کا فتویٰ نہیں بلکہ تقویٰ و احتیاط کا مشورہ ہے، اسی لیے سرکار عالی نے دائی کو نہ بلایا نہ اس کے بیان لیئے نہ کوئی اور ثبوت مانگا دائی کی خبر پر خبر سن کر یہ ارشاد فرمایا۔

۶؎ یعنی عقبہ نے طلاق دے دی، بعد عدت اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کرلیا۔مرقات نے فرمایا کہ عقبہ ابن حارث نے ام یحییٰ بنت ابی اھاب سے نکاح کیا ایک حبشی لونڈی نے کہا میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے پھر خود اس لونڈی نے بارگاہ رسالت میں یہ عرض کیا اس پر یہ ارشاد عالی ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن ایک لشکر اوطاس کی طرف روانہ فرمایا ۱؎ یہ لوگ دشمن کے مقابل ہوئے ان پر جہاد کیا پھر غالب آگئے ان کی کچھ عورتیں قید کرلیں ۲؎ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ نے ان کی صحبت میں حرج سمجھا ان کے مشرک خاوندو ں کی وجہ سے ۳؎ تب اس بارے میں یہ آیت اللہ تعالٰی نے اتاری کہ تم پر خاوند والیاں عورتیں حرام سوا ان کے جن کے تم مالک ہوجاؤ ۴؎ یعنی وہ ان پر حلال ہیں جب کہ ان کی عدت گزر جائے ۵؎ (مسلم)

۱؎ اوطاس طائف شریف کے علاقہ میں ایک دادی ہے جس میں قبیلہ ہوازن آباد تھا حنین کے ساتھ وہ بھی فتح ہوا۔

۲؎سبایا جمع ہے سبۃ کی بمعنی قیدی عورت اوطاس میں مرد کفار بھی قید تھے عورتیں بھی یہاں صرف عورتوں کا ذکر ہے اس وجہ سے جو آگے مذکور ہے۔

۳؎یہ حضرات سمجھے کہ چونکہ یہ عورتیں منکوحہ ہیں ان کے خاوند زندہ ہیں ان سے طلاق حاصل کیے بغیر ان سے صحبت حلال نہیں۔

۴؎یعنی قید شدہ کافرہ عورتیں تمہاری لونڈیاں ہوگئیں ان کے احکام وہ نہیں جو آزاد مسلم عورتوں کے ہیں ان کے قید ہوتے ہی ان کے نکاح ختم ہوگئے۔

۵؎عدت سے مراد ایک حیض یا ایک ماہ گزرجانا ہے جسے فقہاء استبراء کہتے ہیں،کافرہ قیدیہ عورت سے استبراء صحبت حلال ہے، یہ تفسیر کسی راوی حدیث کی ہے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ قیدیہ کافرہ خواہ مشرکہ ہو یا اہل کتاب اس سے بعد استبراء مالک کو صحبت حلال ہے،امام شافعی کے ہاں کتابیہ قیدیہ سے تو صحبت حلال ہے،مشرکہ قیدیہ سے صحبت حرام،وہ یہاں فرماتے ہیں کہ شاید یہ قیدی عورتیں مسلمان ہوچکی تھیں مگر یہ تاویل بہت بعید ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت سے نکاح کیا جائے اس کی پھوپھی پر یا پوپھی سے اس کی بھتیجی پر ۱؎یا عورت سے اس کی خالہ پر یا خالہ سے اس کی بھتیجی پر۲؎نہ چھوٹی سے بڑی پر نکاح کیا جائے نہ بڑی سے چھوٹی پر ۲؎(ترمذی، ابوداؤد، دارمی،نسائی)اور نسائی کی روایت میں بھانجی تک ہے ۳؎

۱؎اس جگہ ان عورتوں کا ذکر ہے جنہیں نکاح یا صحبت میں جمع نہیں کرسکتے قرآن کریم نے فرمایا:"وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ"دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے،مگر حدیث پاک میں کچھ اور تفصیل بیان ہوئی اور فقہاء نے اس کے لیے قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا کہ جن دو عورتوں میں حرمت دو طرفہ ہو کہ جسے مرد مانا جائے اس پر دوسری عورت حرام ہو ان کا جمع کرنا حرام ہے یہاں پھوپھی اور بھتیجی سے تینوں قسم کی پوپھیاں و بھتیجیاں مراد ہیں سگی ہوں یا علاتی یا اخیافی یعنی باپ کی سگی بہن علاتی بہن اخیافی بہن یوں ہی سگے بھائی کی بیٹی علاتی بھائی کی اور اخیافی بھائی کی ان سب کا اجتماع حرام ہے۔

۲؎ چھوٹی بڑی سے مراد رشتہ کی چھوٹی بڑی ہے خالہ و پھوپھی بڑی ہیں اگرچہ عمر میں چھوٹی ہوں یہ جملہ پچھلے جملہ کی تشریح ہے۔

۳؎ اس قسم کی دو عورتوں کے جمع کرنے کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں ذی رحم محرم ہوتی ہیں اور ان کا سوکن بننا جھگڑے فساد کا ذریعہ ہے تو یہ اجتماع قطعیت رحم کا سبب ہے۔خیال رہے کہ ایسی دوعورتوں کا حقیقی نکاح میں جمع کرنا بھی حرام اور حکمی نکاح میں جمع کرنا بھی حرام لہٰذا پھوپھی کو طلاق دینے کے بعد جب تک پھوپھی عدت میں ہے تب تک اس کی بھتیجی سے نکاح نہیں کرسکتے کہ عدت حکمی نکاح ہے ہاں پھوپھی کے انتقال کے بعد فورًا ہی اس کی بھتیجی سے نکاح کرسکتے ہیں کہ خاوند پر عدت نہیں۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں مجھ پر میرے ماموں ابوبردہ ابن نیار گزرے ۱؎ اور ان کے ساتھ جھنڈا تھا ۲؎ میں نے کہا آپ کہاں جاتے ہیں فرمایا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے کہ اس کا سر آپ کے پاس لاؤں ۳؎ (ترمذی، ابوداؤد،نسائی،اور ابن ماجہ)دارمی کی روایت میں ہے کہ مجھے حضور نے حکم دیا ہے کہ اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال لے لوں ۴؎ اور اس روایت میں بجائے ماموں کے چچا فرمایا ۵؎	

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعد نسخوں میں بجائے خالی کے عمی ہے یعنی میرے چچا گزرے مگر یہ غلط ہے صحیح خالی ہے یعنی میرے ماموں گزرے۔

۲؎ یہ جھنڈا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیا تھا تاکہ اس بات کی علامت ہو کہ آپ سرکاری کام سے جارہے ہیں اور لوگوں میں اس سزا کا اعلان ہوجائے اسلام میں مجرموں کو علانیہ سزائیں دی جاتی ہیں چور کے ہاتھ بازار میں کاٹے جاتے ہیں،زانی کو علانیہ چوراہوں میں سنگسار کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو مرتدین و باغی لوگوں کو بعد قتل ان کے سر بازار میں لٹکائے جاتے ہیں۔

۳؎ یعنی اس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے مجھے اس کو قتل کرکے سر بارگاہ عالی میں حاضر کرنے کا حکم ملا ہے غالبًا یہ شخص کوئی مدعی اسلام ہوگا پھر س نے یہ حرکت کرلی ہوگی یہ شخص مجرم و مرتد قرار دیا گیا اگر ہمارے ملک میں مجوسی رہتے ہوں جو اپنی ماں بہن بیٹی سے نکاح کرلیتے ہیں تو ہم ان کو اس حرکت سے نہ روکیں گے کہ یہ ان کی مذہبی رسم ہے اور ہمارے ہاں کفار کو مذہبی آزادی ہے لہٰذا یہ حدیث اس فقہی حکم کے خلاف نہیں۔

۴؎ اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ پہلے یہ شخص مسلمان تھا بعد میں اس نکاح کو حلال سمجھ کر کافر و مرتد ہوگیا لہٰذا اسے قتل کرنے اور اس کا مال ضبط کرنے کا حکم صادر ہوا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جو مدعی اسلام حرام عورتوں سے نکاح

جائز مانے وہ مرتد ہے اور جو حرام سمجھ کر یہ نکاح کرے وہ بدترین فاسق ہے اور جسے حرمت کی خبر ہی نہ ہو وہ نکاح کرلے اسے فورًا علیحدگی کا حکم دیا جائے دوسرے شخص نے اگرصحبت بھی کرلی تو یہ صحبت محض زنا ہوگی اور بچہ کا نسب اس سے ثابت نہ ہوگا اور تیسرے شخص نے اگرصحبت کرلی تو یہ وطی بالشبہ ہوگی بچہ صحیح النسب ہوگا۔خیال رہے کہ جو شخص حرام عورت کو حرام جانتے ہوئے نکاح کرلے تو امام شافعی و احمد و مالک کے ہاں اس پر حد زنا ہے اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اس پرحد نہیں بلکہ سخت تعزیر ہے یہاں پہلی قسم کا آدمی مراد ہے یعنی حلال جان کر نکاح کرنے والا،اسی لیے اسے قتل کرایا گیا اور اس کا مال لیا گیا،ورنہ زانی پر رجم ہے اور اس کا مال اس کے وارثوں کا ہے ہاں مرتد کا وہ حکم ہے جو یہاں مذکور ہوا،(از کتب فقہ و مرقات وغیرہ)

۵ہوسکتا ہے کہ بردہ ابن نیار حضرت براء کے نسبی ماموں ہوں اور رضاعی چچا لہذا یہ دونوں روایات درست ہیں ورنہ وہ نسبًا ماموں ہیں چچا نہیں، حضرت بردہ ابن نیار عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک ہوئے مع اپنے ستر۷۰ ہمراہیوں کے بدر اور تمام غزوات میں شامل رہے عہد مرتضوی میں تمام جنگوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں حرام کرتا شیر خوارگی سے مگر پستان میں کا وہ دودھ جو آنتیں چیرے ۱؎اور دودھ چھوڑانے سے پہلے ہو ۲؎(ترمذی)

۱؎فی الثدی فتق کے فاعل کا حال ہے جیسے"تَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُیُوۡتًا"یعنی جو دودھ عورت کے پستان میں سے ہو اور بچے کی آنتوں میں پہنچ کر اس کی بھوک دفع کرے خواہ پستان ہی سے پلایا جائے یا چمچے وغیرہ میں لے کر۔خلاصہ یہ ہے کہ بچہ کو شیر خوارگی کی مدت میں جو دودھ پلایا جائے اس پر رضاعت کے احکام مرتب ہوں گے بعد میں نہیں۔

۲؎یعنی جو مدت دودھ پلانے کی ہے ڈھائی سال کی عمر اس کے بعد اگر پلایا گیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی لہذا اگر کسی بچہ کا دودھ پہلے ہی چھوڑا دیا گیا تو یہ چھوڑانا معتبر نہیں۔خیال رہے کہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد بچہ کو عورت کا دودھ پلانا ممنوع ہے کہ یہ دودھ انسانی جز ہے جس کو بلاضرورت استعمال کرنا حرام ہے بعض کان یا آنکھ کے درد میں لڑکی والی عورت کا دودھ مفید ہوتا ہے اگر طبیب حاذق کہے کہ اس کے سوا کوئی علاج نہیں تو اسے علاجًا کان یا آنکھ میں ٹپکانا جائز ہے۔(مرقات)یہ حدیث ان احادیث کی ناسخ ہے جن سے ثابت ہے کہ جوان لڑکے کو دودھ پلادینے سے حرمت آجاتی ہے اس پر صحابہ کرام بلکہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس نسخ کی تصریح فرمائی ہے۔حضور فرماتے ہیں لا رضاع الا ماکان فی حولین یہ حدیث مرفوع بھی ہے اور حضرت ابن عباس،علی،ابن عمر،ابن مسعود رضی اللہ عنہم پر موقوف بھی،اسے امام ترمذی نے صحیح فرمایا،ابوداؤد میں بروایت حضرت ابن مسعود ہے کہ اس زمانہ میں شیر خوارگی حرمت ثابت کرے گی۔جب دودھ سے گوشت بنے اور ہڈی بڑھے جن صحابہ سے جوان بچہ کو دودھ پلانے کی روایت آئی ہیں ان حضرات نے اس سے رجوع فرمالیا یہاں اس کی بہت نفیس تحقیق مرقات وغیرہ نے کی۔

	روایت ہے حضرت حجاج ابن حجاج اسلمی سے وہ اپنے باپ سے راوی ۱؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کون چیز مجھ کو شیر خوارگی کا حق ادا کراسکتی ہے ۲؎ فرمایا غلام یا لونڈی کی پیشانی ۳؎(ترمذی،ابوداؤد، نسائی،دارمی)

۱؎ یہ حجاج اسلمی صحابی ہیں انکے بیٹے حجاج ابن حجاج تابعی ہیں یہ تابعی ۱۳۱ھ میں مروان حمار کے زمانہ میں وفات پائی،یہ وہ حجاج ظالم نہیں کہ وہ حجاج ثقفی ہے دیکھو۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ مذمہ وذمام فتح وکسرہ سے بمعنی حق و حرمت و احترام یعنی جس کے ضائع کرنے والے کی ذمہ و برائی کی جائے۔مطلب یہ ہے کہ وہ کون سی خدمت اپنی دودھ کی ماں کی کروں جس سے اس کے دودھ کا حق ادا ہو معلوم ہوا کہ دودھ کی اجرت دے دینے سے اس کا حق ادا نہیں ہوجاتا۔

۳؎ یعنی اپنی دائی کو اعلیٰ درجہ کی لونڈی یا غلام دے دو جو اس کی خدمت کرے،خدمت کا بدلہ خدمت ہے اور دائی خود کسی کی لونڈی ہو یا اس کا خاوند کسی کا غلام ہو تو اسے خرید کر آزاد کردو پھر بھی اس کا احترام و خدمت بچہ پر لازم ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو طفیل غنوی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بی بی صاحبہ آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھادی حتی کہ وہ اس پر بیٹھ گئیں ۲؎ توپھر جب وہ چلی گئیں تو کہا گیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے،لیثی،کنانی ہیں،کنیت ابوطفیل آٹھ سال حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہے ۱۰۲ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا،روئے زمین پر آپ ہی آخری صحابی ہیں جن کی وفات پر صحابیت ختم ہوئی(مرقات)حضرت علی کے ساتھ ان کی تمام جنگوں میں رہے۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں عمل اظہار احترام و اظہار مسرت کے لیے تھے۔معلوم ہوا کہ قیام تعظیمی جائز ہے اور انسان خواہ کتنا ہی عظمت والا ہو مگر اپنے مربی کا احترام کرے۔دیکھو یہ وہ آستانہ ہے جہاں جبریل امین خادمانہ شان سے حاضر دیتے ہیں مگر ان بی بی صاحبہ کے لیے چادر بچھائی گئی۔اس میں ہم لوگوں کو تعلیم ہے کہ جب دودھ پلانے والی دائی کا یہ ادب و احترام ہے تو سگی ماں کا ادب و احترام کیسا چاہیے۔

۳؎ یہ واقعہ خاص جنگ حنین کے دن کا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ سے فارغ ہوئے تھے جماعت صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہوگئے اور جو چادر شریف اوڑھے ہوئے تھے ان کے لیے بچھادی جب تک آپ تشریف فرما رہیں کسی اور سے کلام نہ فرمایا ان ہی کی طرف متوجہ رہے جب آپ واپس ہوئیں تو بہت ہدایا تحفے عطا فرمائے اور انہیں کچھ دور

مشایعت کے طور پر پہنچانے تشریف لے گئے پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی اور صحابی نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ حضور کی دائی جناب حلیمہ ہیں جنہوں نے حضور کو دودھ پلایا ہے یہ پورا واقعہ مواہب الدنیہ میں مطالعہ فرمایئے کچھ مرقات نے بھی یہاں ہی بیان فرمایا آج کے نوجوان یہ حدیثیں پڑھیں اور عبرت حاصل کریں کہ ہم لوگ سگی ماں کا بھی ادب نہیں کرتے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ غیلان ابن سلمہ ثقفی اسلام لائے ۱؎ ان کے زمانہ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں وہ بھی انکے ساتھ اسلام لائیں ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار کو رکھ لو باقی کو علیحدہ کردو ۳؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ فتح طائف کے بعد اسلام لائے بنی ثقیف کے بڑے معزز آدمی تھے عہد فاروقی میں وفات ہوئی۔

۲؎ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی تعداد مقرر نہ تھی جتنی سے چاہو نکاح کرلو اورا پنے ساتھ رکھو اس قاعدے سے آپ کے نکاح میں دس بیویاں تھیں۔

۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ کفار کے نکاح درست ہیں کہ اگر وہ دونوں زوجین ایمان لے آئیں تو اب تجدید نکاح کی ضرورت نہیں،رب تعالٰی نے ابی لہب کی بیوی جمیلہ کو اس کی زوجہ مانا کہ فرمایا:"وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ"۔دوسرے یہ کہ کفار زمانہ کفر کے نکاح پر قائم رکھے جائیں گے اگرچہ انکے نکاح اسلامی قاعدے پر نہ ہوئے ہوں،ہاں اگر کسی کافر کے نکاح میں محرم عورت ہوئی تو اسے علیحدہ کرادیا جائے گا۔تیسرے یہ کہ چار سے زیادہ بیویاں اگر ہوں تو بعد اسلام چار ہی رکھنا ہوں گی اور اس میں خاوند کو اختیار ہوگا جنہیں چاہے رکھے،چوتھے یہ کہ اس علیحدگی میں شرعی طلاق کی ضرورت نہیں خاوند کا صرف علیحدہ کردینا ہی کافی ہوگا۔خیال رہے کہ چار کی پابندی بیویوں کے متعلق ہے لونڈیاں جتنی چاہے رکھے۔

روایت ہے حضرت نوفل ابن معاویہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اسلام لایا حالانکہ میرے قبضہ میں پانچ بیویاں تھیں تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا ایک کو جدا کردو اور چار کو رکھ لو ۲؎ چنانچہ میں نے ان میں سے اپنی پرانی صحبت والی جو ساٹھ سالہ بانجھ تھی ۳؎ ادھر توجہ کی اور اسے جدا کردیا(شرح سنہ)	

۱؎ آپ دیلمی ہیں،صحابی ہیں فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ میں شریک ہوئے اسلام سے پہلے ساٹھ سال کفر میں گزارے بعد اسلام ساٹھ یا سو سال اور جیئے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎یعنی اب بعد اسلام تم کو صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے لہذا ان میں سے ایک کو علیحدہ کردو معلوم ہوا کہ کفار اگر چار سے زیادہ بیویاں رکھیں تو ان کو ہم منع نہ کریں گے اور ان سب سے جو اولاد ہوگی حلال ہوگی چار کی پابندی صرف مسلمان پر ہے۔
۳؎عاقر صفت یا بدل ہے اقدم کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ میں ایک عورت میرے پاس ساٹھ سالہ بانجھ اور بوڑھی تھی میں نے اس کو علیحدہ کردیا بقیہ عورتیں عمر میں بھی اس سے کم تھیں اور بانجھ بھی نہ تھیں انہیں رکھ لیا۔

	روایت ہے حضرت ضحاک ابن فیروز دیلمی سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میری زوجیت میں دو بہنیں ہیں فرمایا ان دونوں میں سے جس کو چاہو اختیار کرلو ۲؎(ترمذی،ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ضحاک تابعی ہیں اور ان کے والد فیروز صحابی انہیں چری بھی کہاجاتا ہے کیونکہ آخر میں آپ چرمیں رہے فارسی النسل صنعانی ہیں،اسود عنسی تمیمی کو آپ ہی نے قتل کیا جو مدعی نبوت تھا خلافت عثمانیہ میں وفات پائی۔
۲؎یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کہ جب کوئی کافر مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو سگی بہنیں ہوں یعنی بیوی بھی سالی بھی تو اسے اختیار ہوگا جسے چاہے رکھے جسے چاہے علیحدہ کردے ہمارے امام اعظم کے ہاں اگر ان دونوں بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا ہو تو دونوں کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔اور اگر آگے پیچھے نکاح کیا ہو تو پہلی کو رکھے دوسری کو علیحدہ کردے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں ایک عورت مسلمان ہوئی اس نے نکاح کرلیا ۱؎پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا خاوند حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ میں مسلمان ہوچکا ہوں اور اس عورت کو میرے اسلام کا علم ہے ۲؎چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوسرے خاوند سے علیحدہ کردیا۔اور پہلے خاوند کی طرف لوٹا دیا ۳؎اور ایک روایت میں ہے وہ بولا کہ یہ میرے ساتھ مسلمان ہوئی تھی تب حضور نے اسے واپس کردیا ۴؎(ابوداؤد)

۱؎شاید اس بی بی نے اپنا منکوحہ ہونا بیان نہ کیا ہوگا اس لیے اس کا دوسرا نکاح کردیا ہوگا، ورنہ عورت کے اسلام لانے پر تین صورتوں میں نکاح ختم ہوتا ہے: ایک تو عورت کی عدت گزرجانا کہ خاوند عدت گزارنے تک ایمان نہ لائے یا خاوند پر اسلام پیش کرنا اور اس کا انکار کردینا یاان دونوں میں سے کسی ایک کا دارالاسلام میں آجانا دوسرے

کا دارالحرب میں ہی رہ جانا اس کے برعکس کہ دونوں دارالسلام میں تھے،اور ان میں سے ایک دارحرب میں چلا گیا،یہ مذہب احناف ہے۔

۲؎ **علمت** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ صیغہ واحد متکلم ہو یعنی میں نے سوچ سمجھ کر جان پہچان کر اسلام قبول کیا تھا میرا ایمان محض تقلیدی نہ تھا،دوسرے یہ کہ صیغہ واحد غائب کا ہو یعنی اس عورت کو خبر تھی کہ میں مسلمان ہوچکا ہوں مگر اس نے نہ تو اپنے نکاح کا ذکر کیا اور نہ میرے اسلام لاچکنے کا،جس کی وجہ سے اس کا نکاح اور شخص سے کردیا گیا۔

۳؎ یعنی نکاح ثانی کو کالعدم قرار دیا اس لیے اس دوسرے خاوند سے طلاق نہ دلوائی بلکہ علیحدگی کا حکم دے دیا اور پہلے نکاح کو قائم رکھااس لیے پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح نہ کیابلکہ واپس کردیا ہاں اگر دوسرا خاوند صحبت کرچکا ہو تو پہلے خاوند کو ایک حیض آنے تک صحبت سے باز رہنے کا حکم دیا ہوگا جیسے استبراء کہتے ہیں اور وطی بالشبہ کے لیے یہ ہی حکم ہے اور اگر صحبت نہ کی ہو تو اس کا بھی حکم نہ دیا۔یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ صرف عورت کے اسلام لانے پر نکاح فسخ نہیں ہوتا بلکہ فسخ نکاح کے لیے ان تین چیزوں میں سے ایک ضروری ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا حضرت امام شافعی کے ہاں عورت کا صرف مسلمان ہوجانا فسخ نکاح کا باعث ہے۔(اشعہ)

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت مسلمان ہو کر مرد کے انکار اسلام کا دعوی کرے اور مرد کہے کہ میں نے انکار نہ کیا تھا ساتھ ہی مسلمان ہو گیا تھا تو مرد کی بات قبول ہے نہ کہ عورت کی۔

	اور شرح سنہ میں روایت کی گئی کہ عورتوں کی ایک جماعت ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح کی بنا پر ان کے خاوندوں پر واپس فرمایا،دونوں اسلاموں کے جمع ہونے کے وقت ۱؎ دین اور ملک علیحدہ ہونے کے باوجود ۲؎ ان ہی سے ولید ابن مغیرہ کی بیٹی بھی ہے جو صفوان ابن امیہ کی زوجہ تھیں وہ فتح کے دن اسلام لائیں اور ان کے خاوند اسلام سے بھاگ گئے تو ان کے چچا زاد بھائی وہب ابن عمیر نے ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر بطور امان صفوان کے لیے بھیجی ۳؎ پھر جب وہ آئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ماہ کا دیس نکالا دیا ۴؎ تاآنکہ وہ مسلمان ہوئے ۵؎ پھر ان کی بیوی ان کے پاس رہیں ۶؎ اور ام حکیم بنت حارثہ ابن ہشام یعنی عکرمہ ابن ابوجہل کی بیوی فتح مکہ کے دن ایمان لے آئیں اور ان کے خاوند اسلام سے بھاگ گئے ۷؎ حتی کہ

	یمن پہنچ گئے۸؎ ام حکیم چلیں تاآنکہ ان کے پاس یمن میں پہنچ گئیں پھر انہیں دعوت اسلام دی چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور یہ دونوں اپنے نکاح پر قائم رہے۹؎ (مالک عن ابن شہاب مرسلًا)۱۰؎

۱؎ یعنی جب خاوند عورت کی عدت گزرنے سے پہلے ہی مسلمان ہوجائے تو نکاح اول قائم رہے گا تجدید نکاح کی ضرورت نہ ہوگی۔

۲؎ یہ مذہب شافعی ہے کہ اختلاف ملک کے باوجود نکاح قائم رہے گا اور یہ جملہ ان کی دلیل ہے(مرقات) یہاں چار صورتیں ہیں:دو میں ہم و شافعی متفق ہیں دو میں مختلف:(۱)ایک یہ کہ کافر زوجین ہمارے ملک میں ذمی یا مستامن بن کر آئے اور دونوں ایک ساتھ مسلمان ہوگئے،بالاتفاق نکاح باقی،(۲)کافر زوجین میں سے ایک قید کرکے دارالاسلام میں لایا گیا بالاتفاق نکاح ختم ہوگیا،ہمارے ہاں ملک بدل جانے کی وجہ سے اور امام شافعی کے ہاں اسلامی قیدی ہونے کی وجہ سے(۳)ان دونوں میں سے ایک ہمارے ملک میں ذمی یا مستامن بن کر آیا پھر مسلمان ہوگیا ہمارے ہاں نکاح فسخ ہوگیا شوافع کے ہاں نہیں(۴)دونوں کافر زوجین قید کرکے دارالاسلام لائے گئے امام شافعی کے ہاں نکاح فسخ ہوگیا قیدی ہونے کی وجہ سے ہمارے ہاں نہیں،جانبین کے دلائل شروع ہدایہ میں ملاحظہ کیجئے۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہب ابن عمیر نے صفوان ابن امیہ کے لیے حضور سے امان لے لی اور اس امان کی اطلاع صفوان کے پاس بھیجی اور ثبوت کے لیے حضور کی چادر شریف قاصد کے ہمراہ کردی تاکہ صفوان قاصد کی تصدیق کرکے اپنے کو امان میں سمجھ لیں،اور مکہ معظّمہ آجائیں یا حضور نے وہب ابن عمیر کو امان اور اپنی چادر دے کر صفوان کے پاس بھیجا اس صورت میں **بردآئه** کافی تھا مگر بجائے ضمیر اظہار کردیا تاکہ معلوم ہو کہ چادر حضور کی تھی نہ کہ وہب کی۔

۴؎ **تیسیر** کے معنی ہیں سیر کرنے چلنے پھرنے کی اجازت یا اس کا حکم اور **اربعۃ اشھر** اس کا ظرف مضاف الیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے **سارق اللیل** یعنی رات میں چوری کرنے والا رات کا چور۔مطلب یہ ہے کہ حضور نے انہیں اجازت دی یا حکم دیا کہ چار ماہ تک امن و امان سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں میں گشت و چکر لگائیں۔

۵؎ یعنی دل سے مسلمان ہوگئے اور اسلام ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا اسلام کی شوکت دیکھ کر اور مسلمانوں کی ملاقات سے ورنہ وہ تو مسلمان پہلے ہی ہوگئے تھے۔خیال رہے کہ صفوان اپنی بیوی کے دو ماہ بعد اسلام لائے۔(مرقات)

۶؎ یا تو پہلے ہی نکاح یا نئے نکاح سے جوان کے ساتھ کیا گیا لہذا یہ حدیث صراحۃً نہ ہمارے خلاف ہے نہ شوافع کے(مرقات)نیز یہاں اختلاف دارین نہ ہوا کہ صفوان دارالکفر میں مقیم نہ ہوئے تھے صرف مکہ معظّمہ سے بھاگ کر وہاں پناہ گزین ہوگئے تھے ورنہ ایسی صورت میں کہ زوجہ اسلام قبول کرے خاوند کافر رہے اختلاف دارین سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔

۷؎ یعنی اسلام کی شوکت مسلمانوں کی قوت دیکھ کر اپنی جان کے خوف سے بھاگ گئے۔خیال رہے کہ جناب عکرمہ ان میں سے ہیں جن کے متعلق اعلان ہوگیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کردیئے جائیں جیسا کہ فتح مکہ کے واقعہ میں آتا ہے وحشی،ابن حنظل،عکرمہ،ہندہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔

۸؎ حق یہ ہے کہ عکرمہ یمن میں داخل نہ ہوئے تھے بلکہ ساحل پر رہے جو حجاز و یمن کی حد ہے لہذا ان میں اور ان کی بیوی میں ملک کا اختلاف نہ پایا گیا لہذا فسخ نکاح کی کوئی وجہ نہ تھی۔(فتح القدیرو مرقات)وہ جو روایات میں ہے کہ حضرت ابوالعاص ابن ربیع مکہ میں کافر ہو کر رہے اور ان کی زوجہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پاک میں مؤمنہ مہاجرہ ہو کر رہیں پھر تین یا چھ سال بعد آپ اسلام لائے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ان کی زوجیت میں رکھا وہاں حق یہ ہی ہے کہ حضور نے ان کا نیا نکاح کیا جیسا کہ ترمذی ابن ماجہ اور امام احمد کی روایات میں ہے اور جن روایات میں ہے کہ **علی النکاح الاول** وہاں **علی سببه** ہے کہ پہلے نکاح کی وجہ سے انکے ساتھ ہی نکاح کیا دوسرے خاوند سے نکاح نہ کیا تاکہ روایات میں تعارض نہ ہو،یا یہ مطلب ہے کہ دوسرا نکاح مطابق نکاح اول کے کیا مہروغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا۔خیال رہے کہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاوند ابوالعاص میں اختلاف دین زیادہ دس سال سے رہا کیونکہ بی بی خدیجہ اور ان کی لڑکیاں جن میں زینب بھی داخل ہیں اول تبلیغ میں ایمان لائیں اور ابوالعاص فتح مکہ سے کچھ پہلے ایمان لائے حضور انور نے ہجرت سے پہلے ان کا نکاح فسخ نہ کیا کیونکہ اس زمانہ میں مشرکین سے مؤمنہ عورتوں کا نکاح حرام نہ تھا اسی لیے جب بی بی زینت مہاجرہ ہوکر مکہ مکرمہ روانہ ہوئیں تو حاملہ تھی راہ میں اسقاط ہوگیا بہرحال حضرت زینب کا مؤمنہ ہوکر ابوالعاص کے نکاح میں رہنا حالانکہ وہ کافر تھے اولًا اس وجہ سے تھا کہ اس وقت ایسے نکاح درست تھے پھر بعد ہجرت اختلاف دار کی وجہ سے نکاح فسخ ہوا مگر بعد میں اس نکاح کی وجہ سے تجدید نکاح کیا گیا اس کی نفیس تحقیق یہاں ہی مرقات میں دیکھئے۔

۹؎ صاحب مشکوۃ کا مقصد ان احادیث سے یہ ہے کہ زوجین میں جب کفرو اسلام کا اختلاف ہوجائے تو بغیر کسی کے قید ہوئے نکاح فسخ نہیں ہوتا اگرچہ دونوں کے ملک علیحدہ ہوگئے ہوں کہ ایک داراسلام میں آجائے اور دوسرا دارحرب میں رہے یہ مذہب شافعی ہے احناف کا مذہب یہ ہے کہ دارو ملک مختلف ہوتے ہی نکاح فسخ ہوجاتا ہے، امام اعظم کی دلیل قرآنی آیات ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمٰنِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ**"**لا ترجعوهن** سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنہ داراسلام میں پہنچی اور اس کا کافر خاوند والا نکاح فسخ ہوا، لہذا ان احادیث کے ایسے معانی کرنے چاہئیں جو آیت قرآنیہ کے خلاف نہ ہوں وہ ہم نے ابھی عرض کردیئے۔

۱۰؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے،مؤرخین فرماتے ہیں کہ جب عکرمہ کو اپنے امان کی خبر ملی تو خوشی سے اچھل پڑے اور بہت جلد حاضر بارگاہ ہو کر مسلمان ہوئے حضور ان کی آمد پر خوشی سے کھڑے ہوگئے، خیال رہے کہ حضور حضرت عکرمہ ابن ابوجہل، عدی ابن حاتم، زید ابن ثابت، جعفر ابن ابی طالب کی آمد پر خوشی میں کھڑے ہوئے ہیں(مرقات)حضرت فاطمہ کی آمد پر ہمیشہ کھڑے ہوجاتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نسب سے سات عورتیں حرام ہیں۱؎اور سسرالی رشتہ سے سات پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں ۲؎الایہ(بخاری)

۱؎وہ سات عورتیں یہ ہیں،ماں،بیٹی،بہن،پھوپھی،خالہ،بھتیجی،بھانجی۔

۲؎خیال رہے کہ نکاح کی وجہ سے چند عورتیں دائمی حرام ہوجاتی ہیں،اپنی ساس،بیٹے کی بیوی،پوتے کی بیوی،دادا کی بیوی، مدخول بہابیوی کی بیٹی اور عارضی طور پر چند عورتیں حرام ہوتی ہیں،بیوی کی بہن،اس کی پھوپھی اس کی خالہ جس آیت سے حضرت ابن عباس نے استدلال کیا ہے یعنی"وَلَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ"۔اس میں نہ تو بیوی کی خالہ اور پھوپھی کا ذکر ہے نہ سسر کی بیوی کا،لہٰذااس آیت سے استدلال کچھ کمزور ہے یا کہو کہ اکثر کا ذکر ہے نہ کہ کل کا۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس سے صحبت کرے تو اس کی بیٹی کا نکاح حلال نہیں ۱؎اور اگر اس سے صحبت نہیں کی تو اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۲؎اور جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے تو اسے اس عورت کی ماں سے نکاح حلال نہیں اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو ۳؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کی طرف سے صحیح نہیں۴؎ اسے ابن لہیعہ اور مثنی ابن صباح نے عمرو ابن شعیب سے روایت کیا اور وہ دونوں حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں۔۵؎

۱؎ظاہر ہے کہ یہاں دخول سے مراد حقیقی صحبت ہے صرف خلوت کافی نہیں جس بیوی سے صحبت کرلی جائے اس کی بیٹی حرام ہوگی، قرآن کریم فرماتا وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ"۔

۲؎اس طرح کہ اولا اس بیوی کو طلاق دے پھر اس کی بیٹی سے نکاح کرے رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِنۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ"۔

۳؎اس حکم کی تائید اس آیت کریمہ سے ہے"وَاُمَّہٰتُ نِسَآئِکُمۡ"کہ تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں حرام ہیں یہاں بیویوں میں صحبت کی قید نہیں۔

۴؎یعنی اس حدیث کے الفاظ اسنادًا صحیح نہیں معنی حدیث بالکل صحیح ہیں کیوں نہ ہو کہ قرآن کریم ان کی تائید کررہا ہے۔

۵؎یعنی محدثین کے نزدیک ابن لہیعہ اور مثنی ابن صباح ضعیف مانے جاتے ہیں،خیال رہے کہ بعض محدثین نے انہیں ضعیف مانا ہے اور بہت سے محدثین انہیں ضعیف نہیں مانتے لہذا یہ حدیث ان ہی کے نزدیک ضعیف ہے جو ان راویوں کو ضعیف مانتے ہیں احناف کے نزدیک ابن لہیعہ ضعیف نہیں دیکھئے طحاوی ومرقات۔

باب المباشرة

صحبت کرنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مباشرہ بُشرۃ سے بنا بمعنی ظاہری کھال اسی لیے انسان کو بشر کہتے ہیں یعنی ظاہری اور کھلی کھال والا کہ نہ اس پر بال ہیں نہ پر جو کھال ڈھانپ لیں۔مباشرت کے معنی ہیں کھال سے کھال ملانا اس سے مراد ہے صحبت کرنا، اس باب میں عورت سے صحبت کے احکام بیان ہوں گے۔خیال رہے کہ اپنی بیوی سے عمر میں ایک بار صحبت کرنا فرض ہے کہ اس کے بغیر وہ دعویٰ کرسکتی ہے اور چارہ ماہ میں ایک بار ضرری ہے اس کے سواء بقدر طاقت،روزے میں اور بحالت حیض و نفاس صحبت حرام، جمعہ کے دن قبل نماز صحبت مستحب،جن حالات میں صحبت مضرو نقصان دہ ہو ان میں صحبت مکروہ،اس کی تفصیل شامی وغیرہ کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں یہود کہتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی کے پیچھے کی طرف سے اس کی فرج میں صحبت کرے تو بچہ بھینگا ہوتا ہے۱؎ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو جاؤ ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عورت کی دبر میں وطی کرنا تمام دینوں میں حرام ہے اسلام میں حرام قطعی ہے کہ اس کا منکر کافر ہے اس کا مرتکب فاسق و فاجر یہاں یہ مطلب ہے کہ مرد عوت کے پیچھے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر فرج میں صحبت کرے تو بچہ کی آنکھ میں خرابی ہوتی ہے کہ وہ بھینگا ہوتاہے۔

۲؎ اس آیت میں نساؤکم سے مراد مطلقًا عورتیں ہیں خواہ اپنی بیویاں ہوں یا اپنی لونڈیاں اور یہاں بمعنی این نہیں بلکہ بمعنی کیف ہے یعنی تعیم مکان کے لیے نہیں بلکہ تعیم کیفیت کے لیے ہے اسی لیے حرثکم ارشاد ہوا یعنی اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو جاؤ کھڑے،بیٹھے،لیٹے،آگے سے یا پیچھے سے بشرطیکہ فرج میں صحبت ہو کہ فرج ہی کھیتی ہے نہ کہ اور جگہ اس آیت کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی پارہ دوم میں ملاحظہ کیجئے۔مقصد یہ ہے کہ جیسے کھیت میں تخم کسی طرح ڈال دو بفضلہٖ تعالیٰ پیداوار ہوتی ہے۔ یوں ہی اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس کسی طرح جاؤ مقدر میں جیسا بچہ ہے ویسا ہوگا آگے پیچھے ہونے سے بچہ پر اثر نہیں پڑتا۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن اتررہا تھا۔(مسلم،بخاری) مسلم نے یہ زیادہ

	کیا کہ یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو ہم کو منع نہ فرمایا۱؎

۱؎عزل کے معنی ہیں علیحدگی اصطلاح میں عزل کے معنی ہیں انزال کے وقت عورت سے علیحدہ ہوجانا اور باہر منی نکالنا، تاکہ حمل قائم نہ ہو لونڈی میں تو بہرحال جائز ہے اور اپنی آزاد منکوحہ عورت میں بیوی کی اجازت سے جائز ہے بلااجازت مکروہ یہ ہی عام علماء و عام صحابہ کا مذہب ہے۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میری ایک لونڈی ہے جو ہماری خدمت گار ہے۱؎اور میں اس کے پاس جاتا ہوں ۲؎اور یہ ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہوجائے ۳؎تو فرمایا اگر تو چاہے تو اس سے عزل کر مگر اس پر گزرے گا وہی جو اس کے مقدر میں ہے ۴؎پھر وہ شخص کچھ ٹھہرا پھر حاضر خدمت ہوکر بولا کہ لونڈی تو حاملہ ہوگئی ۵؎تب فرمایا کہ ہم نے تو تمہیں پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ جو اس کے مقدر میں ہے وہ اسے پہنچے گا ۶؎(مسلم)

۱؎جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں لونڈی کو بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے اسی لیے فرمایا کہ وہ خادمہ ہے آزاد لڑکی نہیں بلکہ لونڈی ہے۔

۲؎یعنی کہ میں اس سے صحبت کرتا ہوں جیسے مولیٰ اپنے لونڈی سے کیا کرتا ہے۔

۳؎یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ اگر عزل نہ کروں تو شاید وہ حاملہ ہوجائے اور پھر نہ تو اس کی بیع جائز رہے نہ ہبہ وغیرہ بلکہ میری موت کے بعد آزاد ہوجائے کیونکہ جس لونڈی سے مالک کا بچہ ہوجائے وہ ام ولد بن جاتی ہے کہ مولیٰ کی موت کے بعد آزاد ہوتی ہے اس کی بیع وصیت ہبہ وغیرہ جائز نہیں مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو عزل کرلیا کروں۔

۴؎سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم ہے یعنی عزل کرنا ممنوع تو نہیں مگر بے کار ضرور ہے کہ عزل سے تقدیر بدل نہیں جاتی جس قطرہ سے بچہ بننا ہے وہ بن کر رہے گا تمہاری تدبیر تقدیر کو نہیں بدل سکتی اس سے معلوم ہوا کہ لونڈی سے عزل جائز ہے اور اس میں خود مولیٰ مختار ہے لونڈی کی اجازت ضروری نہیں۔

۵؎یعنی عزل کرنے کے باوجود وہ حاملہ ہوگئی۔

۶؎یعنی تدبیر سے تقدیر نہیں بدلتی لہذا عزل کے باوجود حمل قائم ہوسکتا ہے اس طرح کہ منی کا ایک قطرہ شرمگاہ میں گر جائے اسے خبر نہ ہو دیکھا گیا ہے کہ بعض اولاد والوں نے اولاد سے بچنے کے لیے فرنچ لیدر(French Lather)صحبت کے وقت استعمال کیا مگر حمل قائم ہوگیا آج کل خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے ولادت روکنے کی تدبیریں کی جارہی ہیں

مگر تجربہ کہہ رہا ہے کہ ولادتیں پہلے سے بھی زیادہ ہورہی ہیں۔حضور والا کے فرمان عالی اٹل ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزل کرنے والے کا بچہ صحیح النسب ہوگا۔خاوند یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ میں نے توعزل کیا تھا لہذا یہ بچہ میرا نہیں،حرامی ہے کہ عزل سے بھی حمل قائم ہوجاتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عزل بے کار سی چیز ہے مگر جائز ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو عزل سے منع فرمایا اور نہ اس بچہ کے نسب کے انکار کی اجازت دی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں گئے ۱؎ تو ہم نے عرب کے قیدیوں میں سے کچھ قیدی پائے ۲؎ ہم کو عورتوں کی رغبت تھی اور ہم پر بغیر بیوی رہنا دشوار ہوا ہم نے عزل کو پسند کیا چنانچہ ہم نے عزل کرنے کی ٹھانی ۳؎ مگر ہم نے سوچا کہ کیا ہم عزل کریں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ہیں ان سے دریافت کرنے سے پہلے ۴؎ تو ہم نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ تم پر عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں ۵؎ نہیں ہے کوئی روح جو قیامت تک آنے والی ہو مگر وہ آکر رہے گی ۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ بنی مصطلق قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک جماعت کا نام ہے جو خزیمہ ابن سعد ابن عمر کی اولاد سے ہے خزیمہ کا لقب مصطلق تھا کہ یہ بہت خوش آواز تھا،بنی خزاعہ میں سب سے پہلے گانا اسی نے گایا یہ غزوہ ۵ھ میں واقع ہوا اس غزوہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی گئی اور آپ کی براءت میں سورہ نور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں جس کا واقعہ مشہور ہے۔

۲؎ اس حدیث کی بناء پر شوافع کہتے ہیں کہ مشرکین عرب جہاد میں قید کیے جاسکتے ہیں اور انہیں لونڈی غلام بنایا جاسکتا ہے۔کیونکہ بنی مصطلق عرب ہیں اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنائی گئیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عرب کے کفار قیدی بنا کر لونڈی غلام نہیں بنائے جاسکتے کہ وہ لوگ محترم ہیں امام ابوحنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے " امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔الناس سے مراد مشرکین عرب ہیں،یہ حدیث یا تو اس حدیث سے منسوخ ہے یا یہ گرفتار شدگان نسل کے عربی نہ تھے باہر کے تھے قبیلہ بنی مصطلق میں رہتے تھے من العرب کا یہ ہی مطلب ہے۔

۳؎ تاکہ لونڈیوں سے صحبت بھی کرسکیں اور حمل بھی قائم نہ ہو،جس سے ان کی بیع ہبہ وغیرہ ہوسکے۔

۴؎ یہ حضرات سمجھے کہ عزل حرام ہوگا کہ اس میں منی کا ضائع کرنا ہے جیسے جلق یعنی ہاتھ سے منی نکالنا حرام ہے کہ اس میں پانی ضائع کرنا ہے۔

۵؎یہاں حرج سے مراد خطرہ ہے نہ کہ ممانعت شرعی یعنی عزل نہ کرنا خطرناک نہیں اور عزل کرنا مفید نہیں کیونکہ جو بچہ دنیا میں آنے والا ہے وہ آکر رہے گا لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس جملہ کے اور بہت سے معنی کیے گئے ہیں بعض نسخوں میں لا نہیں ہے ان تفعلوا ہے بعض نے فرمایا کہ لا ہے مگر زائدہ ہے معنی یہ ہیں کہ عزل کرنے میں تم پر حرج نہیں جائز ہے۔

٦؎یعنی تمہارے عزل کرنے کی وجہ سے آنے والی روح آنے سے نہ رکے گی لہذا عزل کرنا اگرچہ حلال ہے مگر ہے بے کار۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہر منی سے بچہ پیدا نہیں ہوتا۱؎ اور اللہ تعالٰی جب کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی۲؎(مسلم)	

۱؎چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بارہا صحبت کی جاتی ہے حمل نہیں رہتا اور اس عورت سے کبھی صرف ایک ہی بار صحبت کی جائے حمل قائم ہوجاتا ہے حالانکہ مرد بھی وہ ہی ہوتا ہے عورت بھی وہ ہی۔

۲؎اسی شیئ میں بڑی وسعت ہے یعنی عزل فرنچ لیدر(French Lather)مانع حمل دوائیں خاندانی منصوبہ بندی کی تدابیر وغیرہ کوئی شئے آنے والے بچہ کو نہیں روکتی،آج تقدیر کے سامنے سائنس بھی سر ٹیک گئی۔

روایت ہے حضرت سعد ا بن ابی وقاص سے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں ۱؎اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو یہ کیوں کرتا ہے وہ بولا کہ اس کے بچے پر خوف کرتا ہوں ۲؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ کام مضر ہوتا تو فارسیوں اور رومیوں کو نقصان دیتا ۳؎(مسلم)	

۱؎عزل کے معنی ہیں علیحدگی و دوری یہاں اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:میں اپنی بیوی سے علیحدہ رہتا ہوں کہ صحبت نہیں کرتا یا اس سے صحبت تو کرتا ہوں مگر پانی علیحدہ گراتا ہوں تاکہ وہ حاملہ نہ ہوجائے کیونکہ اس کا بچہ شیر خوار ہے حمل رہ جانے سے دودھ خراب ہوجائے گا۔

۲؎اس جملہ کے بھی دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ میری بیوی حاملہ ہے اب صحبت کرنے میں خطرہ ہے کہ حمل کو نقصان ہو یا حاملہ کو نقصان ہو،جس سے حمل ضائع ہوجائے یا میرا بچہ شیر خوار ہے خطرہ ہے کہ صحبت کرنے سے وہ

حاملہ ہوجائے جس سے دودھ کم بھی ہوجائے اور بھاری بھی کہ بچہ بھوکا بھی رہے اور بدہضمی بھی ہو اسی کو غیلہ کہتے ہیں یعنی شیر خوارگی کے زمانہ میں عورت سے صحبت کرنا۔

۳؎ یعنی فارسی و رومی لوگ بحالت حمل اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں اور عورتیں حاملہ ہوجانے پر بھی بچہ کو دودھ پلاتی رہتی ہیں، بچہ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا لہذا تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ غیلہ بچہ کو مضر ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ تجربہ معتبر ہے اور تجربہ پر احکام جاری ہوجاتے ہیں۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ فارسی و رومی لوگ حاملہ بیویوں سے صحبت کرتے ہیں ان کے حمل کو نقصان نہیں ہوتا۔معلوم ہوا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم قوموں کے اندرونی حالات سے بھی خبردار ہیں علماء کو چاہیے کہ زمانہ و اہل زمانہ کے حالات سے باخبر رہیں۔

روایت ہے حضرت جذامہ بنت وہب سے ۱؎ فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگوں کے ساتھ آئی ۲؎ حضور فرمارہے تھے کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں غیلہ سے منع کردوں ۳؎ مگر میں نے فارسیوں اور رومیوں میں غور کیا تو وہ لوگ اپنی اولاد کا غیلہ کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو یہ عمل کچھ بھی نقصان نہیں دیتا ۴؎ پھر لوگوں نے حضور سے عزل کے متعلق پوچھا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ خفیہ زندہ درگور کرنا ہے ۵؎ اور یہ زندہ درگور کرنا اس آیت میں ہے کہ جب زندہ دابی ہوئی بچی سے سوال کیا جائے گا ۶؎ (مسلم)

۱؎ آپ جذامہ بنت وہب اسدیہ ہیں حضرت عائشہ کی بھانجی مکہ معظّمہ میں ایمان لائیں پھر اپنی جماعت کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ حاضر ہوئیں۔(اکمال،اشعہ، مرقات)

۲؎ یعنی اپنے کنبہ کے لوگوں کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔

۳؎ غ کے کسرہ سے بھی ہے اور فتح سے بھی جو عورت دودھ پلارہی ہو یا حاملہ ہو اس سے صحبت کرنے کو غیل کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان دونوں زمانوں میں صحبت مضر ہوتی ہے مگر یہ غلط ہے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے۔

۴؎ یعنی اطباء بھی کہتے ہیں اور عرب میں مشہور بھی ہے کہ غیل نقصان دہ ہے اسی لیے حضور انور نے چاہا کہ اس کو شرعًا ممنوع قرار دیں کیونکہ چیز شرعًا بھی منع ہے زہر کھانا حرام ہے کہ یہ خودکشی ہے مگر فارس و روم کا عمل معلوم فرما کر پتہ لگالیا کہ یہ خیال غلط ہے غیل کچھ مضر نہیں اس لیے اسے منع نہ فرمایا ۔معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں۔

۵؎ جیسے پیدا شدہ بچی کو زندہ دفن کردینا ظاہری واد ہے اور عزل کرکے نطفہ سے بچہ نہ بننے دینا اپنا نطفہ ضائع کردینا چھپا ہوا واد، بعض علماء عزل کو منع فرماتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر حق یہ ہے کہ عزل جائز ہے یہ حدیث منسوخ ہے۔(مرقات)

۶؎آیت کا مضمون یہ ہے کہ قیامت میں زندہ گاڑی ہوئی بچی سے سوال ہوگا کہ تجھے تیرے ماں باپ نے کس قصور میں زندہ گاڑا تھاوہ عرض کرے گی کہ بلا قصور تب ان ماں باپوں کو سخت سزا دی جائے گی،سرکار کا مقصد یہ ہے کہ یہ ہی سوال عزل کرنے والے سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عمل بھی واد دینے یعنی زندہ درگور کردینے کے مشابہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے بڑی امانت اللہ کے نزدیک قیامت کے دن،ایک اور روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین درجہ والا وہ شخص ہوگا۱؎جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بیوی اس کے پاس آئے اور پھر اس کا راز ظاہر کرے ۲؎(مسلم)

۱؎اگر یہ الرجل من اشر الناس کی خبر ہو تب تو مطلب واضح ہے کہ قیامت کے دن بدترین شخص یہ ہوگا اور اگر ان اعظم الامانۃ کی خبر ہو تو الرجل سے پہلے خیانۃ پوشیدہ ہے یعنی بدترین خیانت اس شخص کی خیانت ہے بہرحال دونوں معنی درست ہیں۔مقصد یہ ہے کہ خیانت صرف مال کی ہی نہیں ہوتی بلکہ مال،راز اور عصمت وغیرہ سب میں ہوتی ہے بلکہ مال میں خیانت سےبدرجہا بدتر راز داری میں خیانت ہے۔

۲؎یعنی یا تو اپنی بیوی کے خفیہ عیوب لوگوں کو بتائے یا اس کا حسن اس کی خوبیاں لوگوں کو بتائے یا صحبت کے وقت کی گفتگو اس وقت کے حالات لوگوں سے کہتا پھرے جیسا کہ عام آزاد نوجوانوں کا دستور ہے کہ شب اول کی باتیں اپنے دوستوں کو بے تکلف بتاتے ہیں۔ یہاں مرقات نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ کسی کی اپنی بیوی سے جنگ رہتی تھی اس کے ایک دوست نے پوچھا کہ تیری بیوی میں خرابی کیا ہے ؟ وہ بولا کہ تم میرے اندرونی معاملات پوچھنے والے کون ہو ؟ آخر اسے طلاق دے دی، اس سائل نے کہا کہ اب تو وہ تمہاری بیوی نہ رہی اب بتاؤ اس میں کیا خرابی تھی یہ بولا وہ عورت غیر ہوچکی مجھے کسی غیر کے عیوب بتانے کا کیا حق ہے یہ ہے پردہ پوشی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیت نساؤکم حرث لکم وحی کی گئی۱؎لہذا تم اپنی کھیتیوں میں آؤ آگے سے آؤ اور پیچھے سے مگر دبر اور حیض سے بچو ۲؎(ترمذی)

۱؎یعنی یہود کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری وہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے پاس پیچھے سے فرج میں صحبت کرے تو بچہ بھینگا ہوتا ہے اس آیت میں ان کا رد کیا گیا۔

۲؎ یہ اس آیت کی تفسیر ہے یعنی خاوند کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی سے آگے سے صحبت کرے یا پیچھے سے مگر شرط یہ ہی ہے کہ ہو فرج میں اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی کھیتی کے پاس آؤ اور ظاہر ہے کہ کھیتی فرج ہے نہ کہ دبر، نیز فرج میں بھی بحالت حیض صحبت حرام ہے کیونکہ اس حالت میں فرج بھی دبر کی طرح نجاست کی جگہ ہوتی ہے اور صحبت مضر حق یہ ہے کہ جو شخص حیض میں صحبت حلال جانے وہ کافر ہے کہ نص قرآنی کا منکر ہے۔

روایت ہے حضرت خزیمہ ابن ثابت سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی حق سے شرم نہیں فرماتا ۲؎ عورتوں کے پاس ان کی دبروں میں نہ جاؤ ۳؎ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے، انصاری اوسی ہیں، لقب ذوالشہادتین ہے، بدر وغیرہ غزوات میں شریک ہوئے فتح مکہ کے دن انصار اوس کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا، جنگ صفین میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، جب عمار بن یاسر شہید ہوئے تو تلوار سونت لی جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوگئے رضی اللہ عنہ۔(اکمال مرقات،اشعہ)

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ مقصد یہ ہے کہ ہم حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتے ہر مسئلہ ظاہر فرمادیتے ہیں مگر چونکہ آپ کا فرمان درپردہ حق تعالٰی کا ارشاد ہے اسی لیے اس کو رب تعالٰی کی طرف سے نسبت فرمایا اس میں علماء کو تاکید ہے کہ شرم کی وجہ سے شرعی مسائل بیان کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

۳؎ نسآء سے مراد مطلقًا عورتیں ہیں خواہ اپنی بیویاں ہوں یا اپنی لونڈیاں۔ خیال رہے کہ اجنبی عورت سے دبر میں صحبت زنا کے حکم میں ہے جس کی سزا زنا کی طرح ہے،اپنی بیوی یا اپنی لونڈی سے دبر میں صحبت کرنا حرام تو ہے مگر اس پر زنا کی سزا نہیں بلکہ تعزیر ہے لڑکے سے دبر میں صحبت سخت حرام ہے فاعل قتل کیا جائے مفعول اگر دیوانہ ہو یا بہت چھوٹا بچہ ہو یا مجبور کیا گیا ہو تو اس پر سزا نہیں ورنہ وہ بھی سزا کا مستحق ہے دیکھئے کتب فقہ و مرقات۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو دبر میں صحبت کی حرمت کا انکار کرے وہ کافر نہیں کیونکہ اس کی حرمت قطعی الثبوت قطعی الدلالت نص سے ثابت نہیں۔مگر فقیر احمد یار کی تحقیق یہ ہے کہ وہ کافر ہے اس کی بحث ہماری تفسیر نعیمی جلد دوم میں ملاحظہ کیجئے اس کی قطعی حرمت قیاس قطعی سے ثابت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لعنتی ہے وہ جو اپنی بیوی کے پاس اس کی دبر میں جائے ۱؎ (احمد، ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب اپنی بیوی یا لونڈی سے دبر میں صحبت کرنے والا لعنتی ہے تو اجنبی عورت سے یہ حرکت کرنے والا کیسا مردود لعنتی جہنمی ہوگا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اپنی بیوی کے پاس اس کی دبر میں جائے تو اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے	

	گا۱(شرح سنہ)

۱یعنی ایسے شخص کو اللہ تعالٰی کل قیامت میں نظر رحمت سے نہ دیکھے گا یعنی یہ شخص انتہائی بدبخت ہے کہ قیامت میں رحمت الٰہی سے محروم ہے قرآن کریم میں یہ کلمہ کفار کے لیے بطور اظہار غضب ارشاد ہوا ہے"**لَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ**"جو رب تعالٰی کی رحمت سے محروم رہا وہ جہنمی ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اسے نظر رحمت سے نہ دیکھے گا جو لڑکے کے پاس یا عورت کے پاس دبر میں جائے۱(ترمذی)

۱یہ فرمان یا خبر یا بددعا یعنی جو لڑکے یا کسی عورت سے اپنی ہو یا غیر دبر میں صحبت کرے اللہ تعالٰی اسے قیامت میں نظر رحمت سے نہ دیکھے یا نہ دیکھے گا اور ہوسکتا ہے کہ قیامت کی بھی قید نہ ہو دنیا و آخرت میں ایسے لوگ رب تعالٰی کی رحمت سے محروم ہوں کہ انہیں نہ دنیا میں توفیق خیر ہے نہ آخرت میں قبولیت۔خیال رہے کہ یہ احادیث ظنیہ ہیں ان سے حرمت قطعیہ ثابت نہیں ہوسکتی،اسی لیے فقہاء اور علماء اصول نے اس فعل کی قطعی حرمت قیاس قطعی سے ثابت کی ہے انہوں نے وطی بحالت حیض پر قیاس فرمایا۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے۱فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنی اولاد کو خفیہ طور پر نہ قتل کروکیونکہ غیل سوار کو پہنچتا ہے تو اسے گھوڑے سے گرادیتا ہے ۲(ابوداؤد)

۱اسماء بنت ابوبکر صدیق اور ہیں اسماء بنت عمیس اور اسماء بنت یزید اور یہ تینوں اسماء صحابیہ ہیں، اسماء بنت یزید انصاریہ ہیں بڑی ہی عاقلہ اور بہادر بی بی تھیں آپ نے ہی جنگ یرموک میں خیمہ کے نیچے سے نو کافر قتل کیے۔

۲غیل کے معنی پہلے عرض کیے گئے کہ شیر پلانے والی عورت سے صحبت کرنا جس سے وہ حاملہ ہوجائے عورت کا دودھ بھاری اور گرم ہوجاتا ہے جو بچے کو نقصان دیتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ حاملہ عورت کے دودھ کا نقصان جوانوں میں اثر کرتا ہے کہ سوار کو سواری سے گرا کر ہلاک کردیتا ہے پچھلی احادیث میں اس سے انکار تھا بعض علماء نے فرمایا کہ پچھلی حدیث جذامہ بیان جواز کے لیے تھی یہ حدیث اسماء بیان کراہت کے لیے ہے یعنی بحالت شیر صحبت کرنا جائز ہے بہتر نہیں یوں ہی حاملہ عورت کا دودھ بچہ کو پلانا جائز ہے بہتر نہیں بعض نے فرمایا کہ گزشتہ حدیث تاثیر حقیقی کے انکار کے لیے تھی۔یہ حدیث تاثیر مجازی کے ثبوت کے لیے ہے بعض علماء نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے پچھلی ناسخ تھی بہرحال یہ عمل جائز ہے ممنوع نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے اس کی بغیر اجازت عزل کیا جائے [1] (ابن ماجہ)	

[1] یعنی لونڈی سے بغیراس کی اجازت بھی عزل کرنا جائز ہے اور حرہ بیوی سے اس کی اجازت سے عزل کرسکتے ہیں کیونکہ صحبت حرہ بیوی کا حق ہے اور انزال صحبت کا تتمہ ہے،جس سے عورت کی تسلی ہوتی ہے۔

باب

بابہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎یعنی یہ باب صحبت وغیرہ کے متعلق متفرق احادیث کا ہے اسی لیے اس کا ترجمہ باب مقرر نہ فرمایا صرف باب فرمادیا گیا گویا یہ باب المتفرقات ہے۔

	روایت ہے حضرت عروہ سے ۱؎وہ جناب عائشہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت بریرہ کے متعلق فرمایا کہ انہیں خرید لو ۲؎پھر آزاد کردو اور ان کا خاوند غلام تھا ۳؎اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا انہوں نے اپنے کو اختیار کر لیا اور اگر وہ آزاد ہوتے تو بریرہ کو اختیار نہ دیتے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎عروہ ابن زبیرہ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے یعنی حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق کے صاحبزادے ہیں تابعین میں سے ہیں،مدینہ کے سات بڑے فقہا میں سے ہیں، ۲۲ھ میں پیدائش ہے۔

۲؎حضرت بریرہ کے حالات کتاب البیوع میں گزر چکے کہ آپ پہلے ایک یہودی کی لونڈی تھیں اس سے حضرت عائشہ صدیقہ نے خرید کر لیا ان سے بہت سے احکام شرعیہ وابستہ ہیں۔

۳؎ان کا نام مغیث تھا یہ اولًا غلام تھے پھر آزاد کردیئے گئے تھے،بریرہ کی آزادی کے وقت یہ آزاد تھے جیساکہ ابوداؤد وغیرہ کی روایات سے ثابت ہے ان کی حریت کی روایات میں بریرہ کے عتق کے وقت تک کا حال مذکور ہے،عبدیت کی روایات میں پچھلا حال مذکور ہے لہذا نہ تو احادیث میں تعارض ہے نہ حدیث امام اعظم کے خلاف،یہ اسلام میں غلام تو آزاد ہوسکتا ہے مگر آزاد مسلمان غلام نہیں بن سکتا. خیال رہے کہ اگر لونڈی آزاد ہو تو اسے بہرحال خیار عتق ملتا ہے ا سکا خاوند آزاد ہو یا غلام،شوافع کے ہاں اگر غلام ہو تو لونڈی کو خیار عتق ملے گا ورنہ نہیں اگر دونوں ایک ساتھ آزاد ہو ں تو خیار نہیں اور اگر خاوند آزاد ہو تو بھی اسے خیار عتق نہیں۔

۴؎یہ حضرت عروہ کا قول ہے نہ کہ عائشہ صدیقہ کا اور قول بھی ان کے اپنے اجتہاد سے ہے لہذا امام ابوحنیفہ کو مضر نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ بریرہ

کا خاوند حبشی غلام تھا جسے مغیث کہا جاتا تھا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ بریرہ کے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا ہے ۱؎ اور اس کے آنسو اس کی داڑھی پر بہہ رہے ہیں ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عباس سے فرمایا اے عباس کیا تم تعجب نہیں کرتے مغیث کی محبت سے جو بریرہ سے ہے اور بریرہ کی نفرت سے مغیث سے ۳؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر تھا تم اس کی طرف سے رجوع کرجاتیں ۴؎ وہ بولیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ مجھے یہ حکم دیتے ہیں فرمایا میں سفارش کرتا ہوں بولیں مجھے اس کی حاجت نہیں ۵؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی بریرہ کی خوشامد کرتا تھا ان کے پیچھے پیچھے زاری کرتا پھرتا تھا کہتا تھا کہ تو نکاح فسخ نہ کر مجھے نہ چھوڑ۔

۲؎ یعنی وہ نقشہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے مجھے بھولتا نہیں مغیث کا بریرہ کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے پھرنا اور آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہونا۔

۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ بریرہ کا یہ واقعہ ۹ھ یا دس میں ہوا کیونکہ حضرت ابن عباس اپنے والد عباس کے ساتھ مکہ معظّمہ سے آکر مدینہ منورہ میں بسے اور جناب عباس غزوہ طائف کے بعد مدینہ منورہ میں بسے ہیں اور حضرت ابن عباس یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت کا واقعہ اس سے کہیں پہلے ہے اور اس موقعہ پر حضور نے بریرہ سے دریافت حال کیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ بریرہ حضرت عائشہ کی خدمت پہلے بھی کیا کرتی تھیں اور آپ کے پاس رہتی تھیں خریداری بعد میں ہوئی ہے۔(مرقات)

۴؎ یعنی تمہارے لیے ثواب اور دین و دنیا کی بہتری اس میں ہے کہ تم نکاح فسخ نہ کرو اور اپنا حق فسخ استعمال نہ کرو۔

۵؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتی کی شفاعت امتی سے کرسکتے ہیں،دوسرے یہ کہ حضور کے حکم اور سفارش میں فرق ہے،تیسرے یہ کہ حکم رسول ماننا لازم ہے سفارش رسول ماننا واجب نہیں بلکہ امتی کو اختیار ہے جیسے نبی کی رائے کہ اس کا بھی یہ ہی حکم ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ انہوں نے اپنے دو زوجین مملوکوں کو آزاد کرنا چاہا ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضور نے انہیں حکم دیا کہ عورت سے	

پہلے مرد سے ابتداء کریں ۲؎(ابوداؤد۔نسائی)	

۱؎زوج مجرور ہے اس کا تعلق مملوکین سے ہے یعنی عائشہ صدیقہ کے پاس ایسے دو کنیز و غلام تھے جن میں زوجیت کا تعلق تھا کہ عورت بیوی تھی مرد اس کا خاوند،بعض نسخوں میں زوجین ہے مملوکین کی صفت،بعض نسخوں میں عبارت یوں ہے **مملوکۃ لہازوج** مطلب ایک ہی ہے۔

۲؎یعنی اے عائشہ نہ تو دونوں خاوند و بیوی کو ایک ساتھ آزاد کرو نہ عورت کو پہلے،مرد کو پیچھے،بلکہ پہلے مرد کو آزاد کرو پھر عورت کو،کیونکہ مرد عورت سے افضل ہے لہذا مرد کا آزاد کرنا بھی عورت کے آزاد کرنے سے افضل ہوا اور افضل کام کرنا بہتر ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں نہ امام شافعی کی دلیل ہے کیونکہ ان کے ہاں اگر زوجین ایک ساتھ ہی آزاد ہو تو لونڈی کو حق فسخ نہیں ملتا پھر مرد کو پہلے آزاد کرنے کا کیا مطلب۔

روایت ہے ان ہی سے کہ بریرہ آزاد ہوئیں حالانکہ وہ مغیث کے پاس تھیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا اور فرمایا کہ اگر وہ تمہارے قریب آگیا تو تمہیں اختیار نہیں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ اگر لونڈی آزاد ہونے کے بعد اپنے خاوند سے صحبت کرائے تو اس کا خیار عتق جاتا رہتا ہے،اب وہ نکاح فسخ نہیں کرسکتی کیونکہ یہ صحبت علامت رضا ہے،فقہا فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کا نکاح اسکا مولیٰ کردے تو لونڈی کو خیار عتق ملے گا اور اگر لونڈی بغیر مولیٰ سے پوچھے خود ہی اپنا نکاح کسی سے کرلے تو وہ نکاح مولی کی اجازت پر موقوف ہوگا لیکن ابھی مولیٰ سے پوچھا نہ گیا تھا کہ لونڈی آزاد ہوگئی،تو اسے خیار فسخ نہ ہوگا نکاح لازم ہوگا اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے۔

تکملہ:خیال رہے کہ امام اعظم قدس سرہ کے نزدیک لونڈی کو آزاد ہونے پر بہرحال خیا ر عتق ملتا ہے اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام کیونکہ لونڈی کی طلاقیں دو ہوتی ہیں اور آزاد عورت کی طلاقیں تین، طلاق کی زیادتی عورت کی آزادی پر موقوف ہے چونکہ لونڈی آزاد ہو کر زیادتی طلاق کی مستحق ہے لہذا اسے اختیار ہے کہ خاوند کو اس زیادتی کا مالک ہونے دے یا نہ ہونے دے نکاح رکھے یا فسخ کردے امام شافعی و مالک و احمد کے ہاں اگر خاوند غلام ہے تو عورت کو حقِ فسخ ہے،اگر آزاد ہے تو انہی فریقین کی دلیل حضرت بریرہ کا واقعہ ہے۔ہمارے ہاں یہ ثابت ہے کہ بریرہ کی آزادی پر مغیث آزاد تھا اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مغیث کے متعلق تین راویوں کی روایات ہیں،اسود،عروہ ابن زبیر،ابن قاسم۔اسود کی روایت ہے کہ وہ آزاد تھے،عروہ ابن زبیر کی روایتوں میں اختلاف ہے،ایک روایت میں ہے کہ غلام تھے دوسری میں ہے کہ آزاد تھے اور دونوں روایتیں صحیح ہیں۔عبدالرحمان ابن قاسم سے دو روایتیں ہیں صحیح ایک ہی ہے کہ وہ آزاد تھے دوسری میں شک ہے،اس تعارض روایات کی وجہ سے اسود کی روایت قبول ہے ان کا آزاد ہونا محقق ہے۔(مرقات)

باب الصداق

مہر کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صداق صاد کے فتح سے بھی ہے اور کسرہ سے بھی صدق سے بنا ب معنی سچائی معلوم کرنے کا ذریعہ،مہر کو صدق اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے مرد کی سچائی محبت معلوم ہوتی ہے۔ہمارے ہاں مہر کم از کم ایک دینار یعنی دس۱۰ درہم(پونے تین روپے ہے)امام مالک کے ہاں چہارم دینار یعنی ڈھائی درہم، امام شافعی کے نزدیک جو چیز بیع میں قیمت ہوسکتی ہے وہ نکاح میں مہر بھی بن سکتی ہے،یعنی ایک پیسہ بھی مہر ہوسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد۱؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی ۲؎ بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی جان آپ کو ہبہ کی ۳؎ پھر بہت دیر کھڑی رہی ۴؎ تو ایک آدمی اٹھ کر بولا یا رسول اللہ اس کا نکاح مجھ سے کر دیجئے اگر حضور کو اس کی ضرورت نہ ہو ۵؎ تو حضور نے فرمایا کیا تیرے پاس کچھ ہے جو تو اسے مہر دے ۶؎ بولا میرے پاس اس تہبند کے سوا کچھ نہیں فرمایا تلاش تو کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو ۷؎ اس نے ڈھونڈا مگر کچھ نہ پایا ۸؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے ساتھ کچھ قرآن بھی ہے ۹؎ بولا ہاں فلاں فلاں سورۃ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ میں نے اس کا نکاح تجھ سے کردیا اس قرآن کی وجہ سے جو تجھے یاد ہے ۱۰؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس سے کردیا لہذا اسے قرآن سکھاؤ ۱۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام پہلے حزن تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رکھا،آپ کی کنیت ابوالعباس ہے، انصاری ہیں، ساعدی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی ۹۱ھ میں آپ کی وفات ہے مدینہ منورہ میں آخری صحابی آپ ہی رہ گئے تھے۔(کمال)

۲؎ یہ بی بی صاحبہ یا تو میمونہ بنت حارث تھیں یا زینب بنت خزیمہ یا ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم تھیں واللہ اعلم۔(مرقات)

۳؎ یعنی آپ مجھے بغیر مہر اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ "اور فرماتا ہے:"خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔اس سے معلوم ہوا لفظ ہبہ سے نکاح درست ہے کہ یہ کلمہ ان بی بی صاحبہ کی طرف سے نکاح کا ایجاب تھا نکاح کا تکملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول پر موقوف تھا۔

۴؎ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اس سے نکاح کرنا منظور نہ تھا اور انکار فرمایا نہیں تاکہ ان بی بی کو شرمندگی نہ ہو۔

۵؎ یا اس طرح مجھ سے نکاح فرمادیں کہ اسے اس نکاح پر راضی کردیں یا حضور سلطان المسلمین ہیں اور جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے لہذا حدیث پہ یہ اعتراض نہیں کہ ان بی بی صاحبہ نے حضور کو دوسرے سے نکاح کردینے کا وکیل نہ بنایا تھا۔

۶؎ یہاں مہر سے مراد مہر معجّل ہے جو نکاح کے وقت دیا جاتا ہے جسے آج کل چڑھاوا کہا جاتا ہے ورنہ فی الحال مطالبہ نہ ہوتا کیونکہ مہر کا مطالبہ خاص نکاح کے وقت نہیں ہوتا۔

۷؎ لوہے کی انگوٹھی سے مراد معمولی حقیر چیز ہے نہ کہ خاص لوہے کی انگوٹھی کیونکہ لوہے کی انگوٹھی مرد و عورت دونوں کے لیے حرام ہے لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام لوہے کے چھلے،انگوٹھیاں پہنتے تھے۔

۸؎ اللہ اکبر! یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی مالی حالت کہ سارے گھر میں صرف اللہ رسول کا نام ہے۔سامان کچھ بھی نہیں برتن بھانڈا بھی نہیں اس حالت میں انہوں نے دنیا میں اسلام پھیلایا۔

۹؎ یعنی کیا تجھے قرآن مجید کی کچھ سورتیں یاد ہیں یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید کے لیے ہے ورنہ ہر مسلمان کو قرآن مجید کی کچھ آیات و سورتیں ضرور یاد ہوتی ہیں کہ نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے اور مسلمان ہر موقعہ پر بسم اللہ،اعوذ،انا للہ،سبحان اللہ،لاحول وغیرہ پڑھا ہی کرتے ہیں۔

۱۰؎ جمہور علماء کے نزدیک بما معك میں ب سببیہ ہے نہ کہ عوض یا مقابلہ کی چونکہ تجھے قرآن مجید کی سورتیں یاد ہیں اس لیے میں نے تیرا نکاح اس سے کردیا کیونکہ عالم غیر عالم سے افضل ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ تعلیم قرآن یا دیگر خدمات کو مہر نکاح بناسکتے ہیں اور یہ ب عوض کی ہے وہ اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ ان آیات قرآنیہ کی تعلیم کے عوض میں نے تیرا نکاح اس سے کردیااور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ آپ نے اپنی بیٹی صفورا کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے آٹھ دس سال خدمت کے عوض کیا کہ فرمایا:"اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ"مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ قرآن کریم فرماتاہے:"اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوٰلِكُمْ"۔معلوم ہوا کہ نکاح مال کے عوض ہونا چاہیے اور قرآن کریم کی تعلیم مال نہیں۔شریعت شعیب علیہ السلام

کے احکام دوسرے تھے بلکہ حق یہ ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے دس سال کی خدمت کو شرط نکاح قرار دیا تھا نہ کہ مہر نکاح اسی لیے علی فرمایا ب نہ فرمایا نیز فرمایا"عَلٰۤی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ" میری خدمت کرو اور مہر عورت کی ملک ہوتا ہے نہ کہ سسر کی اور موسی علیہ السلام کو اتنے دن اپنی خدمت میں رکھنا کلیم الٰہی کے لائق بنانا تھا کیونکہ آپ فرعون کے پاس اب تک رہے کسی شیخ کی صحبت کی ضرورت تھی۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اا۔خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ مہر کی کوئی مقدار مقررنہیں مگر یہ غلط ہے یہ حدیث اس کی تائید نہیں کرتی کیونکہ کسی امام کے نزدیک قرآن مہر نہیں بن سکتا،سب کے ہاں مہر مال ہونا چاہیے ہاں مال کی ادنٰی مقدار میں اختلاف ہے اور یہاں قرآن پر نکاح کیا گیا۔معلوم ہوا کہ مہر نکاح کا یہاں ذکر نہیں، امام اعظم کے ہاں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم کیونکہ دارقطنی نے حضرت جابر سے مرفوعًا روایت کیا کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت کا نکاح ولی کریں،کفو میں کریں،دس درہم سے کم پر ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور دس درہم سے کم مہر نہیں،دار قطنی و بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کی کہ دس درہم سے کم مہر نہیں لہذا دس درہم سے کم کی روایات میں چڑھاوا مراد ہے۔(مرقات واشعہ وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابو سلمہ سے فرماتے ہیں میں نے جناب عائشہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا ا۔فرمایا آپ کا مہر اپنی بیویوں کے متعلق بارہ اوقیہ اور نش تھا ۲۔بولیں کیا تم جانتے ہو کہ نش کیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا آدا اوقیہ تو یہ پانچ سو درہم ہوئے(مسلم)اور نش پیش سے ہے شرح سنہ اور تمام کتب اصول میں۳۔

ا۔یہ سوال عام ازواج پاک کے مہر کے متعلق تھا ورنہ بی بی ام حبیبہ کا مہر چار ہزار درہم تھا جو نجاشی شاہ حبشہ نے ادا کیا تھ۔

۲۔یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ مہر تھا ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے کل پانچ سو درہم یعنی تقریبًا ایک سو پینسٹھ روپے ہوئے درہم ساڑھے چار آنہ کا ہوتا ہے۔

۳۔نش ن کے پیش اور شین کے شد سے بمعنی نصف روٹی اور ہر نصف کو نش کہتے ہیں مشکوۃ کے بعض نسخوں میں نَشًّا فتح سے ہے مگر پیش کی روایت شرح وغیرہ کتب کے موافق ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرمایا،خبردار عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کیا کرو۱؎کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک پرہیزگاری ہوتا تو اس کے زیادہ مستحق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ۲؎مجھے نہیں نہیں خبر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے نکاح کیا ہو یا اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرایا ہو بارہ اوقیہ سے زیادہ پر ۳؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎اس میں روئے سخن ان لوگوں سے ہے جو زیادتی مہر کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے جیسے آج بھی یوپی،سی پی،میں عمومًا مسلمان زیادتی مہر پر فخر کرتے ہیں لاکھ سوا لاکھ کا مہر ہوتا ہے حالانکہ دولہا کی حیثیت دو ہزار کی بھی نہیں ہوتی سوچتے ہیں کہ مہر فقط ایک رسم ہے دیتا کون ہے۔

۲؎کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بڑی عزتوں کے مالک ہیں اور اللہ تعالٰی کے نزدیک تو ان کی شان کا کوئی ہے ہی نہیں رب تعالٰی نے ہر عزت حضور پر ختم فرمادی اگر زیادتی مہر بھی عزت ہوتی تو رب تعالٰی یہ بھی اپنے محبوب کو عطا فرماتا۔

۳؎اس فرمان میں کسر کا شمار نہیں فرمایا ورنہ حضور انور کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا لہذا یہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان کا مہر چار ہزار درہم تھا مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ نجاشی شاہ حبشہ کا مقرر کردہ تھا یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالٰی کا فرمان"وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىہُنَّ قِنۡطَارًا"بیان جواز کے لیے ہے اور جناب عمر کا فرمان عالی بیان استحباب کے لیے لہذا یہ فرمان قرآن کریم کے خلاف نہیں یا یہاں زیادہ مہر مقرر نہ کرنے کا ذکر ہے اور قرآن مجید میں زیادہ مہر جو ادا کردیا جائے واپس نہ لینے کا ذکر لہذا دونوں میں تعارض نہیں جناب فاطمہ زہرا کا مہر چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ تھا یہ جو مشہو رہے کہ آپ کا مہر انیس۱۹ مثقال سونا تھا اس سے مراد مہر معجّل ہے کیونکہ جناب علی مرتضی نے اپنی زرہ آپ کو دی جو انیس مثقال سونے کی تھی۔(مرقات)

لطیفہ:یہاں مرقات نے ایک عجیب لطیفہ بیان فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر نے حکم دیا کہ کوئی شخص چالیس اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہ کرے اگر کرے گا تو زیادتی بیت المال میں داخل کردی جائے گی اس پر ایک عورت نے عرض کیا رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىہُنَّ قِنۡطَارًا"تم زیادتی بیت المال میں کیسے داخل کرو گے تو حضرت عمر نے فرمایا آج ایک عورت سچ کہہ رہی ہے اور مرد غلطی پر ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو اپنی بیوی کے مہر میں لپ بھر ستو یا چھوارے دے دے اس نے اسے حلال کرلیا ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ مہر کی کم مقدار بھی مقرر نہیں جو چاہے مقرر کردے،کیونکہ ایک لپ ستو یا چھوارے عرب میں ایک درہم کے بھی نہیں ہوتے ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسنادًا صحیح نہیں اگر صحیح ہو بھی تو اس سے مہر معجّل یعنی نکاح کے وقت کا چڑھاوا مراد ہے اسی لیے یہاں **اعطیٰ** فرمایا گیا ورنہ مہر فورًا ادا کرنا لازم نہیں۔مطلب یہ ہے کہ جو شخص نکاح کے وقت کوئی معمولی سی چیز بھی عورت کو ہدیہ دے دے تو عرف ورسم عرب کے لحاظ سے بھی اس نے اپنے پر عورت کو حلال کردیا،حلال سے مراد رکاوٹ دور ہونا ہے نہ کہ شرعی حلال کیونکہ بغیر کچھ دیئے بھی عورت صرف نکاح سے حلال ہوجاتی ہے،ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ایک منکوحہ عورت کو اس کے خاوند کے پاس رخصت کرکے بھیج دوں اگرچہ خاوند کچھ نہ دے(مرقات)حضرت ابن عباس،ابن عمر،امام زہری فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہی ہے کہ عورت کو بغیر کچھ دیئے زفاف نہ کرے ان کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے،یہ حدیث چند وجوہ سے ضعیف ہے: اس کی اسناد میں مبشر ابن عبید اور حجاج ابن ارطات ہیں،یہ دونوں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، نیز اس میں اسحاق ابن حسن بھی ہیں جو مجہول ہیں،مسلم ابن رومان بھی ہیں جن کے حالات سے محدثین بے خبر ہیں۔(ازمرقات)

	روایت ہے حضرت عامر ابن ربیعہ سے ۱؎ کہ بنی فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتوں پر نکاح کیا ۲؎ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دو جوتوں کے عوض اپنے نفس و مال سے راضی ہوگئیں ۳؎ وہ بولیں ہاں تو حضور نے یہ نکاح جائز قرار دیا ۴؎ (ترمذی)۵؎

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،صحاب ہجرتین ہیں، بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ خاوند نے نکاح کے وقت اسے صرف جوتوں کا جوڑا دیا۔

۳؎ یعنی اس چڑھاوے پر تم خوش ہو یا کچھ اور بھی چاہتی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت سے اجازت نکاح لیتے وقت خاوند کے نام کے ساتھ مہر بلکہ چڑھاوے کا بھی ذکر کردینا بہتر ہے مال سے مراد یا تو جہیز کا مال ہے یا عورت کا مملوکہ مال کیونکہ عورت اپنی جان مال جہیز سب کچھ لے کر خاوند کے پاس جاتی ہے عورت کا مال مرد کا ہی ہوتا ہے اسی لیے خاوند اپنی زکوۃ اپنی بیوی کو نہیں دے سکتا۔

۴؎ بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ اگر عورت اپنا مہر بالکل معاف کردے یا مہر مثل سے بھی کم کردے تو اسے حق ہے،وہ اس حدیث کے معنی یہ کرتے ہیں کہ صرف جوتوں پر راضی ہوگئی۔

۵؎ امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح کہا مگر صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں عاصم ابن عبید ہیں ابن معین،ابن جوزی نے انہیں ضعیف کہا، ابن حبان نے فرمایاکہ عاصم کثیر الخطاء ہے اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی جوتے مہر معجّل یعنی نکاح کا چڑھاوا تھے اور ہوسکتا ہے کہ یہ جوتے دس درہم قیمت کے ہوں۔

	روایت ہے حضرت علقمہ سے وہ حضرت ابن مسعود سے راوی ۱؎ کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے لیے کچھ مقرر نہ کیا اور نہ اس سے صحبت کی حتی کہ مرگیا ۲؎ تو جناب ابن مسعود نے فرمایا کہ اس عورت کے لیے اپنی جیسی عورتوں کا مہر ہے جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی اور اس پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے میراث بھی ۳؎ تو معقل ابن سنان اشجعی اٹھے ۴؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبیلہ کی ایک عورت بروع بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا ۵؎ جیسا آپ نے فیصلہ کیا تب ابن مسعود اس سے بہت خوش ہوئے۔ ۶؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی) ۷؎

۱؎ غالبًا یہ علقمہ ابن ابی علقمہ ہیں علقمہ کا نام بلال ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں مشہور تابعی ہیں واللہ اعلم۔علقمہ ابن ابی وقاص نہیں وہ تو صحابی ہیں۔

۲؎ صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی ایک عورت سے بغیر مہر نکاح کیا یا تو مہر کا ذکر ہی نہیں کیا یا مہر کی نفی کردی کہ مہر کچھ نہ دوں گا یا ایسی چیز مہر مقرر کی جو مہر بننے کے قابل نہیں مثلًا ہوا یا پانی کے گلاس پر نکاح کیا پھر خلوت صحیحہ سے پہلے مر گیا تو اس کی عورت کو مہر ملے گا یا نہیں اگر ملے گا تو کیا ؟

۳؎ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اس عورت کو پورا مہر مثل ملے گا عدت وفات واجب ہوگی یعنی چار ماہ دس دن اور چوتھائی متروکہ مال میراث میں ملے گا۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے یہ فتویٰ تو دیا مگر دل میں خیال کرتا تھا کہ نہ معلوم صحیح ہے یا غلط کیونکہ آپ نے اس کے متعلق حدیث نہیں سنی تھی،قرآن کریم سے یہ حکم **مستنبط** کیا تھا کہ کیا یہ خبر استنباط صحیح ہے یا نہیں۔(مرقات مع زیادت)

۴؎ آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن غزوہ میں شریک تھے قوم اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں جنگ حرہ کے دن اپنے بیٹے کے ساتھ شہید ہوئے(اشعہ)

۵؎ یعنی یہ ہی صورت مسئلہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل یہ ہی حکم دیا تھا،آپ کا اجتہاد حدیث کے موافق ہے۔خیال رہے کہ یہ حکم وفات کی صورت میں ہے، اگر ایسی عورت کو خلوت سے پہلے طلاق ہوجائے تو نہ اس پر عدت ہے نہ مہر بلکہ کپڑوں کا ایک جوڑا ملے گا طلاق کی عدت خلوت سے واجب ہوتی ہے اور مہر

مثل کبھی بھی آدھا ہو کر نہیں ملتا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے ان کا مذہب بعینہٖ وہی ہے بعض اماموں کے ہاں اس صورت میں عورت کو مہر نہیں ملتا۔

۶؎ روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود یہ سن کر ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد ایسی خوشی آپ کو کبھی نہ ہوئی تھی۔

۷؎ بیہقی نے فرمایا کہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے جو سب صحیح ہیں۔واللہ اعلم!

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے ۱؎ کہ وہ عبداللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں ۲؎ تو وہ زمین حبشہ میں ہی وفات پاگئے ۳؎ ان بی بی کا نکاح نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا ۴؎ اور حضور کی طرف سے انہیں چار ہزار مہر دیا گیا اور ایک روایت میں ہے چار ہزار درہم مہر دیا انہیں شرحبیل ابن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا ۵؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ ام حبیبہ کا نام شریف رملہ ہے ابوسفیان کی صاحبزادی امیر معاویہ کی بہن مسلمانوں کی والدہ یعنی زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کی ماں کا نام صفیہ بنت عاص یعنی حضرت عثمان کی پھوپھی آپ کا انتقال مدینہ منورہ ۴۴ھ میں ہوا، فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے،رضی اللہ عنہا۔

۲؎ یہاں صاحب مشکوۃ سے غلطی ہوئی عبداللہ ابن جحش تو صحابی ہیں جنگ احد میں شریک ہوئے،حضرت ام حبیبہ ان کے بھائی عبید اللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں۔یہ عبید اللہ پہلے تو مسلمان ہوئے اور حبشہ کو ہجرت کر گئے مگر وہاں جا کر عیسائی ہوگئے اور عیسائیت پر ہی مرے یہ دونوں بھائی حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش کے بھائی ہیں۔(مرقات و اشعہ وغیرہ)

۳؎ عبید اللہ ابن جحش زمین حبشہ میں عیسائیت کی حالت میں فوت ہوئے،حضرت ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔

۴؎ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجاز میں تشریف فرما رہے اور حضرت ام حبیبہ حبشہ میں،نجاشی بادشاہ نے ام حبیبہ سے اجازت لے کر مجمع کے سامنے ان کا نکاح حضور انور سے کردیا اور نکاح کی اطلاع حضور کو بھیج دی حضور نے یہ نکاح مجمع صحابہ میں قبول فرمالیا اسے غائبانہ نکاح کہتے ہیں اب بھی جائز ہے نجاشی شاہ حبش کا لقب تھا ان کا نام اصحمہ تھا حضور کا زمانہ پایا زیارت نہ کرسکے اس لیے تابعین میں سے ہیں انہوں نے مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دیں،اشعۃ اللمعات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا وکیل نکاح کرکے حبشہ بھیج دیا تھا اس صورت میں تو نجاشی ام حبیبہ کے وکیل نکاح ہوئے اور عمرو ابن امیہ حضور کے وکیل مگر پہلی روایت زیادہ قوی ہے۔

۵؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس نکاح کے موقعہ پر خالد ابن سعید ابن عاص کے ذریعہ نجاشی نے بی بی ام حبیبہ کو حضور کی طرف سے پیغام نکاح دیا۔ابرہہ لونڈی حضرت جعفر ابن ابی طالب اور دوسرے مسلمان نکاح میں شریک ہوئے حضور کی طرف سے نجاشی نے اور ام حبیبہ کی طرف سے خالد نے خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو دینار یعنی چار ہزار درہم اپنی جیب سے نجاشی نے مہر ادا کیا بعد میں تمام حاضرین کو کھانا کھلایا پھر حضرت شرحبیل کے ساتھ حضور کی خدمت میں ام حبیبہ کو بھیج دیا،خیال رہے کہ یہ خالد بی بی ام حبیبہ کے والد یعنی ابو سفیان کے چچا ہیں اور نجاشی نے یہ نکاح اس لیے کیا تاکہ ابوسفیان حضور کی طرف مائل ہوں جنگ ہلکی پڑ جائے یہ نکاح ۶ھ میں ہوا،حسنہ شرحبیل کی والدہ کا نام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ نے ام سلیم سے نکاح کیا۱؎تو ان کے درمیان مہر اسلام تھا کہ حضرت ام سلیم ابوطلحہ سے پہلے اسلام لائیں پھر انہیں نے پیغام نکاح دیا۔تو وہ بولیں کہ میں مسلمان ہوچکی ہوں اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو تم سے نکاح کرلوں چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے پھر یہ ان کے آپس میں مہر ہوا ۲؎(نسائی)

۱؎حضرت ابوطلحہ کا نام زید ابن سہل ہے،انصاری بخاری ہیں اپنی کنیت میں مشہور ہوئے اور ام سلیم کے نام میں اختلاف ہے بنت ملحان ہیں پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں ان سے حضرت انس پیدا ہوئے پھر مالک بحالت شرک قتل کیے گئے تب حضرت ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا تب حضرت ام سلیم نے وہ جواب دیا جو آگے آرہا ہے۔

۲؎یہ حدیث ظاہری معنی سے تمام اماموں کے خلاف ہے کیونکہ تمام آئمہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ مہر مال ہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوٰلِكُمۡ"لہذا اس جملہ کے معنے یا تو یہ ہیں کہ حضرت ام سلیم نے مہر معاف کردیا ان کے اسلام کی وجہ سے یا یہ مطلب ہے کہ مہر معجّل یعنی نکاح کا چڑھاوا کچھ نہ لیا،بہرحال یہ جملہ قابل تاویل ہے۔

باب الولیمة

ولیمہ کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ولیمہ ولم سے بنا ملنا جمع ہونا اسی سے التیام زخم کا بھر جانا مل جانا نکاح کے بعد جو دعوت طعام دی جاتی ہے اسے ولیمہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی خاوند بیوی کے ملنے کی دعوت ہے۔ حق یہ ہے کہ ولیمہ سنت ہے شبِ عروسی کے بعد کیا جائے بہتر ہے کہ زفاف کے سویرے کو ہو،امام مالک کے ہاں ایک ہفتہ کے اندر اندر کیا جاسکتا ہے۔(ازاشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف پر زردی کا اثر دیکھا ۱؎تو فرمایا یہ کیا عرض کیا میں نے ایک عورت سے گٹھلی بھر سونے پر نکاح کرلیا ہے ۲؎فرمایا اللہ تمہیں برکت دے ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی ہو ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی ان کے جسم یا کپڑوں پر زرد رنگ کا اثر ملاحظہ فرمایا جو زوجہ سے اختلاط کے باعث بے قصد لگ گیا تھا ورنہ حضرت صحابہ کرام شادی میں اپنے پر زعفران نہ ملتے تھے کہ مرد کے لیے یہ رنگ ممنوع ہے ہاں شادی سے پہلے دولہا دولہن کو جو ابٹن ملا جاتا ہے جس میں خوشبو اورصفائی والی چیزیں ہوتی ہیں یہ بلا کراہت جائز ہےکہ یہ صابون کی طرح جسم کی صفائی نرمی کے لیے ہے۔بعض صابون بہت خوشبودار ہوتے ہیں جیسے لکس(Lux)وغیرہ ایسے ہی یہ ابٹن ہے۔

۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ نواۃ ایک خاص وزن کا نام ہے جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے جیسے نش بیس درہم کا اور اوقیہ چالیس درہم کا مگر یہ درست نہیں نواۃ کے معنی ہیں چھوارے کی گٹھلی وہ ہی یہاں مراد ہے۔

۳؎حق یہ ہے کہ یہ امر استحبابی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ (۱) ناکح کو دعائے برکت دیناسنت ہے(۲) ولیمہ کرناسنت ہے (۳)ولیمہ رخصتی کے بعد بھی ہوسکتا ہے(۴)ولیمہ بقدر طاقت زوج ہو اس کے لیے مقدار مقرر نہیں بعض علماء کے ہاں ولیمہ واجب ہے وہ حضرات یہ امر وجوب کے لیے مانتے ہیں مگر حق وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نہیں ولیمہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی پر جیسا ولیمہ حضرت زینب پر کیا ۱؎ایک بکری سے ولیمہ کیا(مسلم،بخاری)	

۱؎ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نام شریف پہلے مبرد تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھا،آپ زینب بنت جحش ہیں آپ کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید ابن حارثہ سے کیا تھا انہوں نے کچھ عرصہ بعد طلاق دے دی بعد عدت حضور انور نے خود ہی جناب زید کو اپنے نکاح کا پیغام دے کر جناب زینب کے پاس بھیجا حضرت زید بی بی زینب کے گھر پہنچے اور ان کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوئے اور حضور کا پیغام دیا آپ بولیں کہ میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں۔یہ کہہ کر آپ اپنے گھر کی مسجد میں عبادت میں مشغول ہوگئیں ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی" فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا"۔اس آیت کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اجازت آپ کے گھر میں داخل ہوئے بی بی زینب فخر کرتی تھیں کہ تمام بیبیوں کا نکاح ان کے عزیزوں نے فرش پر کیا میرا نکاح میرے رب نے عرش پر کیا۔منافقین نے طعنہ دیا کہ حضور نے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔تب یہ آیت کریمہ اتری"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ"الایہ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے زفاف کیا تو ولیمہ کیا ۱؎ لوگوں کو گوشت روٹی سے سیر کردیا ۲؎(بخاری)

۱؎ اسی ولیمہ کا وہ واقعہ ہے کہ بعض صحابہ کرام کھانا پکنے سے پہلے ہی دولت خانہ سرکار میں پہنچ گئے اور بعض حضرات کھانا کھا چکنے کے بعد وہاں ہی باتوں میں مشغول رہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ"الایہ۔

۲؎ یعنی حاضرین مدعوین کو پیٹ بھر گوشت روٹی کھلائی یا ثرید بنا کر یا جیسے آج کل عمومًا کھائی جاتی ہے اس طرح اس ولیمہ کے علاوہ باقی ولیموں میں چھوارے پنیر وغیرہ کھلائے گئے تھے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد فرمایا اور ان سے نکاح فرما لیا ۱؎ اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا ۲؎ ان پر حریسہ سے ولیمہ کیا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بی بی صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھیں،حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھتیجی حیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں،غزوہ خیبر میں قید ہو کر آئیں،یعنی محرم ۷ھ میں پہلے کنانہ ابن ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں جو غزوہ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا اولًا حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں،ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات غلاموں کے عوض خرید لیا آپ مسلمان ہوگئیں حضور نے آپ کو آزاد فرما کر ان سے نکاح کیا تاکہ سردار یہود کی بیٹی حضرت ہارون علیہ السلام نبی کی اولاد نبی ہی کے نکاح میں رہیں ۵۰ھ ہجری میں وصال ہوا مدینہ پاک میں دفن ہوئیں اس گنہگار نے قبر انور کی زیارت کی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎ یعنی بجز آزادی کے اور کوئی مہر انہیں نہ دیا،یہ یا تو حضور کی خصوصیات سے ہے کہ آپ پر ازواج کا نہ مہر واجب ہے نہ باری مقرر کرنا لازم رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتُـْٔوِيٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ" الایہ۔یا یہ مطلب ہے کہ مہر معجّل یعنی نکاح کا چڑھاوا کچھ نہ دیا یا یہ مطلب ہے کہ نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ فرمایا بعد میں مہر مثل دیا جیسا کہ اب بھی یہ ہی حکم ہے ورنہ عورت کا آزاد کرنا مہر نہیں بن سکتا مہر مال ہونا چاہیے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوٰلِكُمْ"لہٰذا یہ حدیث نہ توقرآن کریم کے خلاف ہے نہ مذہب آئمہ کے خلاف۔

۳؎ اہلِ عرب کھجور و مکھن چھوہارے اور گھی ملا کر کھاتے ہیں اسے حیس کہا جاتا ہے آج کل اسے حریسہ بھی کہا جاتا ہے حریسہ بہت سی قسم کا ہوتا ہے۔مختلف طریقوں اور مختلف چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔

۱؎ یعنی بی بی صفیہ غزوۂ خیبر میں مسلمان ہوئیں حضور کے نکاح میں آئیں مگر زفاف وہاں خیبر میں نہ ہوا بلکہ مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے کسی منزل پر ہوا،وہاں تین دن قیام رہا وہاں ہی ولیمہ ہوا۔

۲؎ انطاع جمع ہے نطع کی،نطع چمڑے کے دسترخوان کو کہتے ہیں چونکہ کھانے والے لوگ زیادہ تھے اس لیے کئی دستر خوان بچھائے گئے۔

۳؎ جنگ خیبر میں حضرت صفیہ کے بھائی باپ خاوند قتل ہوگئے تھے جب حضور انور نے انہیں آزاد فرمایا تو ان سے فرمایا کہ تم کو اختیار ہے ہمارے پاس رہو یا اپنے گھر خیبر چلی جاؤ۔آپ بولیں کہ میں تو زمانہ کفر میں تمنا کرتی تھی کہ آپ کی غلامی میں رہوں اب تو اللہ نے مجھے اسلام کی نعمت دے دی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہاری ایک آنکھ ہری کیوں ہے؟ بولیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چاند میری گود میں آپڑا میں نے اپنا یہ خواب اپنے خاوند کنانہ سے بیان کیا اس نے میرے تھپڑ مارا اور بولا کہ کیا تو یثربی بادشاہ(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)کے پاس جانے کی خواہش مند ہے یہ اس تھپڑ کا اثر ہے(مرقات)رب تعالٰی نے ان کا یہ خواب پورا کردیا۔

	روایت ہے حضرت صفیہ بنت شیبہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کا دو[۲] مد جو سے ولیمہ کیا ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ حجبی ہیں اس میں اختلاف ہے کہ صحابیہ ہیں یا نہیں اکمال میں فرمایا کہ آپ تابعین میں سے ہیں،شیبہ ابن عثمان ابن ابی طلحہ حجبی کی بیٹی ہیں ولید کے زمانہ تک رہیں۔

۲؎ غالبًا یہ بی بی ام سلمہ ہیں جن کا نام ہندیا رملہ ہے،پہلے ابو سلمہ ابن اسد کے نکاح میں تھیں مع اپنے خاوند کے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں ابو سلمہ کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبر نے بھی پیغام نکاح دیا اور حضرت عمر نے بھی مگر آپ نے ان دونوں صاحبوں کو منع فرمادیا پھر حضور کے نکاح میں آئیں ان کے نکاح کا بڑا واقعہ ہے جو مرقات وغیرہ میں مذکور ہے(دو مد آدھا صاع ہوتا ہے یعنی سوا دوسیر)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ولیمہ کی طرف بلایا جائے تو وہاں جائے ۱؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ قبول کرے،ولیمہ ہو یا اس کی مثل ۲؎

۱؎اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے، بعض نے فرمایا کہ فرض کفایہ ہے وہ حضرات وجوب کے لیے یہ امر مانتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ ولیمہ ہو یا کوئی اور دعوت طعام اس کا قبول کرنا سنت ہے وہاں جانا بھی سنت رہا کھانا اس کا اختیار ہے جیسا کہ آیندہ حدیث میں آرہا ہے۔خیال رہے کہ دعوت قبول کرنا واجب یا فرض کفایہ یا سنت جب ہے جب کہ کوئی مانع موجود نہ ہو ورنہ نہیں جس کا کھانا مشکوک ہو حرام کی آمدنی سے کھانے پکانے کا قوی احتمال ہو یا ولیمہ میں صرف مالدار بلائے گئے ہوں فقراء کو چھوڑ دیا گیا ہو یا دعوت میں کوئی ایذا رساں چیز موجود ہو یا دستر خوان پر گانا باجہ ہو یا وہاں شراب کے دور ہوں یا رشوت کے طور پر بلاوا ہو یا ناجنسوں کی صحبت ہو تو قبول کرنا سنت نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اب اس زمانہ میں جلوت سے خلوت افضل سے بری صحبت سے تنہائی افضل۔(از مرقات واشعہ ولمعات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت کہ ولیمہ ہو یا اس کی مثل کسی راوی کا اپنا قول ہے جو بطور شرح شامل کیا گیا ہے۔یعنی ولیمہ،ختنہ،عقیقہ،کسی کی آمد پر دعوت یوں ہی اتفاقیہ دعوت سب ہی قبول کرنی چاہئیں،ختم فاتحہ کے کھانے فقراء کھائیں مالدار احتیاط کریں،بزرگوں کی فاتحہ کے کھانے تبرک ہیں سب کھائیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی کھانے کے لیے بلایا جائے تو قبول کرے پھر اگر چاہے کھالے اور اگر چاہے چھوڑ دے ۱؎(مسلم)۲؎

۱؎یہ حکم بھی برمذہب محققین استحبابی ہے اس میں بھی وہ تمام قیود معتبر ہیں جو ابھی پچھلی حدیث میں عرض کی گئیں۔مطلب یہ ہے کہ ہر جائز و دعوت میں جانا بہتر ہے کھانے نہ کھانے کا اختیار ہے کیونکہ نہ جانے سے لوگ متکبر کہتے ہیں،اور اس سے عداوت پیدا ہونے کا خطرہ ہے جماعت میں مل جل کر رہنا چاہیے۔

۲؎یہ حدیث ابوداؤد،احمد،ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے قدرے اختلاف سے روایت کی اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے یوں روایت کی اگر وہاں کھانا نہ کھائے تو دعاء برکت کردے اگر روزہ دار ہو تو وہاں جا کر یہ عذر کردے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدترین کھانا وہ ولیمہ کا کھانا ہے جس کے لیے مالدار تو بلائے جائیں اور فقراء چھوڑ دیئے جائیں ۲؎اور جس نے دعوت چھوڑ ی اس نے اللہ رسول کی نافرمانی کی ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ ایسے ولیمہ میں زیادہ نام و نمود ہی ہوتا ہے للّٰہیت نہیں ہوتی آج کل خوشی کی دعوتوں میں عمومًا امراء اور موت وغیرہ غمی کی دعوتوں میں فقیر و طلبہ بلائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فقیر دعائیں کرتے ہیں کہ خدا کرے امیر مریں تاکہ ہم کو کھانا و خیرات ملے،اگر ولیمہ اور دیگر خوشی کی دعوتوں میں بھی فقراء بلائے جائیں تو یہ فقراء خوشی کی بھی دعائیں کرتے۔آج کل مشہور ہے کہ بھانڈ بھنڈ یلے مراثی،باجے والے تو خوشی کی دعائیں کرتے ہیں اور فقراء غمی کی،غرض کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں صدہا حکمتیں ہیں،بعض لوگ ان دعوتوں میں فقراءکو بھی بلاتے ہیں۔مگر انہیں سب سے پیچھے اور ذلت و خواری سے کھلاتے ہیں،یہ اور زیادہ برا ہے فقراء بھی ہمارے بھائی ہیں۔

۳؎ یہ جملہ ان علماء کی دلیل ہے جو قبول دعوت کو واجب یا فرض کہتے ہیں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس سے استحباب کی تاکید مقصود ہے یا وہ شخص مراد ہے جو تکبر کی وجہ سے مسلمانوں کی دعوتوں میں شرکت نہ کرے جیسا کہ آج بعض منکرین کو دیکھا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا انصاری جس کی کنیت ابو شعیب تھی اس کا ایک غلام گوشت فروش تھا وہ بولا کہ میرے لیے کھانا تیار کرو جو پانچ کو کافی ہو،تاکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دوں،پانچ کے پانچویں ۱؎ چنانچہ غلام نے اس کے لیے کچھ کھانا تیار کیا ۲؎ پھر حضور کی بارگاہ میں آیا آپ کو دعوت دی ان کے ساتھ ایک شخص آگیا ۳؎ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو شعیب ایک شخص ہمارے ساتھ آگیا ہے تم اگر انہیں اجازت دو تو فبہا اور اگر چاہو تو چھوڑ دو ۴؎ عرض کیا نہیں بلکہ میں نے اسے اجازت دی ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی چار حضرات غالبًا خلفائے راشدین حضور انور کے ساتھ ہوں اور پانچویں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اس نے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے تب یہ انتظام کیا تھا معلوم ہوا کہ گوشت کی تجارت بھی سنت صحابہ ہے۔

۲؎ مرقات نے فرمایا **طعیمًا** کی تفسیر کمی کے لیے نہیں ہے کیونکہ ابو شعیب نے کھانا کافی تیار کیا تھا بلکہ معنی یہ ہیں کہ پر تکلف کھانا تیار کیا جو نہایت لذیذ تھا۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے لذیذ کھانے بھی تناول فرمائے ہیں،مرغ بھی کھایا ہے مگر بیک وقت چند کھانے نہ کھائے،اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ بیک وقت چند کھانے بدعت،جائز نہیں۔(دیکھو شامی وغیرہ)اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کے لیے پر تکلف لذیذ کھانا تیار کرنا سنت ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ(علیہ الصلوۃ والسلام)نے پراٹھے شیر مال ایجاد کیے مہمانوں کے لیے۔(دیکھو ہماری کتاب تفسیر نعیمی پہلا پارہ)

۳؎غالبًا یہ چھٹا شخص راستہ سے ساتھ ہولیا تھا اور غالبًا اسی سے فرما بھی دیا ہوگا کہ تمہارے لیے اگر اجازت مل گئی تو کھالینا ورنہ واپس آجانا،اس پر برا نہ ماننا۔

۴؎سبحان اللہ! یہاں تو ایک زائد شخص کے لیے اجازت حاصل فرما رہے ہیں اور حضرت جابر و طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے گھر چار پانچ آدمیوں کی دعوت میں کئی سو حضرات کو لے گئے اور کھانا کھلایا،یہاں مسئلہ شرعی بتانا مقصود ہے اور وہاں اپنی ملکیت اور سلطنت خداداد کا اظہار مقصود کہ حضور ہم سب کے مالک ہیں،ساری امت حضور کی لونڈی غلام،مالک کو حق ہے کہ اپنے غلام کی دعوت میں جسے چاہے بلائے،کیونکہ غلام کا مال مالک کا مال ہے،نیز وہاں ان صدہا حضرات کو حضور نے خود اپنے معجزے سے کھانا کھلایا کہ وہاں کھانا کھانے سے کم نہ ہوا،جو چیز خرچ کرنے سے کم نہ ہو وہاں بلانے نہ بلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،کنوئیں،دریا سے بغیر بلائے سب پانی پیتے ہیں مگر گھڑے کا پانی مالک سے پوچھ کر،ایصال ثواب کا بھی یہی حکم ہے،اگر کسی خاص میت کے لیے کھانا پکایا گیا ہے تو تم اس کے ساتھ ساری امت رسول کو ثواب پہنچاسکتے ہو۔

۵؎اس سے دعوت کے متعلق بہت سے مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کوئی شخص بغیر بلائے دعوت میں نہ جائے۔دوسرے یہ کہ بلایا ہوا آدمی بھی اپنے ساتھ کسی ناخواندہ کو نہ لے جائے الاباالعرف چنانچہ بادشاہ کی دعوت میں اس کا باڈی گارڈ عملہ جاسکتا ہے کہ اب اس پر عرف قائم ہے،تیسرے یہ کہ ناخواندہ شخص کے لیے اجازت لی جائے۔چوتھے یہ کہ ناخواندہ بغیر اجازت داعی کے گھر میں داخل نہ ہو،پانچویں یہ کہ مہمان کھاتے وقت کسی آجانے والے آدمی کو آرڈر نہ کرے کہ آؤ کھانا کھالو کیونکہ مہمان کھانے کا مالک نہیں،چھٹے یہ کہ دستر خوان والا دوسرے دستر خوان والے کو کوئی چیز اس دستر خوان کی نہ دے ہاں ایک دستر خوان کے لوگ ایک دوسرے کو جو چاہیں دیں،بعض فقہاء تو فرماتے ہیں کہ مہمان اجنبی کتے کو ہڈی بھی نہیں ڈال سکتا،اگر مالک کا کتا ہے تو اس کو ڈالے۔(از مرقات،و شامی وغیرہ مع زیادت)بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مہمان کسی وجہ سے خود کھانا نہ کھائے تو اپنا حصہ دوسرے کو بغیر اجازت کھلا سکتا ہے۔واللہ اعلم!(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے بی بی صفیہ پر ستو اور چھواروں سے ولیمہ کیا ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی اس ولیمہ میں ستو اور چھوارے ملا کر کھلائے یا ستو علیحدہ اور چھوارے علیحدہ لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور نے اس ولیمہ میں حیس دیا کہ ستو اور چھوارے ملا کر بھی حیس بنایاجاتا ہے یا ستو علیحدہ دیئے اور حیس علیحدہ۔

روایت ہے حضرت سفینہ سے ۱؎کہ ایک شخص حضرت	

	علی بن ابی طالب کا مہمان ہوا آپ نے اس کے لیے کھانا تیار کیا ۲؎ تو جناب فاطمہ بولیں کہ کاش ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھاتے ۳؎ چنانچہ آپ کو بلایا حضور تشریف لائے تو آپ نے اپنے دنوں ہاتھ دروازے کی چوکھٹوں پر رکھے گھر کے ایک گوشہ میں پردہ دیکھا ۴؎ چنانچہ آپ واپس ہوگئے ۵؎ جناب فاطمہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کے پیچھے گئی بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز نے آپ کو واپس کیا فرمایا میرے لیے یا نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ مزین گھر میں داخل ہوں ۶؎(احمد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام رباح یا مہران یا رومان ہے جناب ام سلمہ کے غلام تھے آپ نے اس شرط پر انہیں آزاد کیا کہ تاحین حیات آپ کی خدمت کریں،یہ بولے کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی لگائیں تب بھی میں حضور کی خدمت کرتا جسم میرا آزاد ہوا مگر دل میرا ان کا ہمیشہ غلام رہے گا۔شعر

نال سوکھ پر چھوٹ بھیا اور ہنسا کہیں نہ جائیں　　　باندھے پچھلی پریت کی کنکر چن چن کھائیں

ایک سفر میں کوئی غازی تھک گیا تو اس کا سارا بوجھ آپ نے اٹھالیا،اپنا بوجھ اور حضور انور کا سامان،اس غازی کا سامان سب کچھ اٹھا کر چل دیئے سرکار نے فرمایا تم تو آج سفینہ یعنی کشتی ہوگئے تب سے آپ کا لقب سفینہ ہوا،اصلی نام گم ہو کر رہ گیا،جیسے جناب ابوہریرہ کا نام گم ہوگیا،شیر سے آپ ہی نے کہا تھا کہ میں رسول اللہ کا غلام ہوں اور شیر کتے کی طرح آپ کے پیچھے ہولیا تھا۔

۲؎ ضاف ضیف سے بنا بمعنی مہمان یہ تو مدینہ منورہ ہی کا تھا یا باہر سے آیا تھا۔

۳؎ یعنی آج مہمان کی وجہ سے کھانا کچھ عمدہ پکایا گیا ہے،بہتر ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ تناول فرماتے۔

۴؎ قرام باریک و نقشین پردہ کو کہتے ہیں،حضرت فاطمہ نے زیبائش کے لیے گھر کی دیوار پر یہ پردہ لٹکادیا تھا۔

۵؎ یعنی دور دروازے سے ہی لوٹ گئے،گھر میں داخل نہ ہوئے کیوں؟ اظہار ناپسندیدگی کے لیے۔

۶؎ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ پردہ نقشین تھا اور اس پر جانداروں کی تصاویر تھیں،اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف نہ لائے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر دعوت میں کوئی ممنوع کام ہو تو نہ جائے،مگر یہ غلط ہے،اگر ناجائز پردہ ہوتا تو سرکار عالی منع فرماتے بلکہ دست اقدس سے پھاڑ دیتے پردہ سادہ تھا،جائز تھا مگر دنیاوی تکلف اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اہل نبوت کے لائق نہ تھی اس لیے منع تو نہ فرمایا عملًا ناپسندیدگی کا اظہار فرمادیا تاکہ آئندہ جناب زہرا اپنا گھر نیک اعمال سے ہی آراستہ رکھیں زینت دنیا نقصان آخرت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو دعوت دی جائے پھر وہ قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی ۱؎ اور جو بغیر دعوت پہنچ جائے تو وہ چور ہو کر گیا ۲؎ اور لٹیرا ہو کر نکلا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو بلاوجہ صرف تکبر کی وجہ سے دعوت قبول نہ کرے وہ نافرمان ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

۲؎ کیونکہ جیسے چور بغیر اجازت مالک گھر میں گھس بھی جاتا ہے مال بھی لے لیتا ہے،ایسے ہی یہ ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم ہے کہ بلاوجہ دعوت قبول نہ کرنا تکبر شیخی ہے اور بغیر دعوت پہنچ جانا کمینہ پن ہے دونوں سے بچنا چاہیے۔

	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب سے ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو دعوت دینے والے جمع ہوجائیں تو ان سے قریب تر دروازے والے کی دعوت قبول کرو ۲؎ اور اگر ان میں سے ایک پہلے آجائے تو پہلے کی دعوت قبول کرو ۳؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ ان صحابی کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر چونکہ تمام صحابہ عادل متقی ہیں اس لیے یہ نامعلومیت مضر نہیں علاوہ صحابی کے اگر اور کسی راوی کا پتہ نہ لگے تو حدیث مجہول نامقبول ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی جب تمہارے دو پڑوسی بیک وقت دعوت دیں اور دونوں دعوتیں متعارض ہوں تو زیادہ قریبی پڑوسی کی دعوت قبول کیجئے کہ اس کا حق زیادہ ہے،اس قرب میں زیادہ دروازہ کا قرب معتبر ہے نہ کہ گھر کا قرب رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی"۔

۳؎ یعنی نزدیک دور کا فرق جب ہوگا،جب کہ دونوں بیک وقت آپ کو دعوت دیں لیکن اگر ان میں سے ایک آپ کے پاس پہلے پہنچ جائے دوسرا بعد میں تو پہلے کی دعوت قبول کیجئے کہ پہلا مقدم ہے اور حقدار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے دن کا کھانا حق ہے دوسرے دن کا سنت ہے ۱؎ اور تیسرے دن کا کھانا نام و نمود ہے ۲؎ جو سنانا چاہے گا اللہ اسے سنا دے گا ۳؎ (ترمذی) ۴؎

۱؎ اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ پہلے دن سے مراد شادی و برات کا دن ہے اور حق سے مراد مستحق ہے،یعنی برات والے دن کا کھانا مہمانوں کا حق ہے جو شرکت بارات کے لیے آئے ہیں اور دوسرے دن یعنی زفاف کے

بعد ولیمہ کا کھانا سنت ہے مؤکدہ یا مستحبہ اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے دوسرے یہ کہ پہلے دن سے مراد زفاف کے بعد کا دن ہے اور دوسرے دن سے مراد اس دن کے بعد کا دن یعنی زفاف سے سویرے۔ دعوت ولیمہ حق درست ہے اور دوسرے دن کا کھانا بھی سنت ہے یعنی بدعت یا خلاف سنت نہیں، تیسرے یہ کہ زفاف کے سویرے کھانا دینا فرض یا واجب ہے جس میں بلاوجہ شرکت نہ کرنا گناہ دوسرے دن کا بھی کھانا سنت ہے،یہ تیسرے معنی ان کے مذہب پر ہیں جو ولیمہ کو واجب کہتے ہیں فقیر کے نزدیک پہلے معنی زیادہ قوی ہیں،چوتھے یہ کہ زفاف کے سویرے ولیمہ کا کھانا دینا برحق ہے،لیکن اگر کسی وجہ سے اس دن نہ دے سکے تو دوسرے دن دے دینا بھی سنت ولیمہ میں شامل ہے۔

۲؎ یعنی مسلسل تین دن تک کھانا دینا محض نام و نمود ہے ثواب نہیں یا زفاف کے تیسرے دن کھانا دینا سنت نہیں صرف نام و نمود ہے یہ حدیث حضرت امام مالک کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں ولیمہ سات روز تک ہوسکتا ہے۔(از مرقات)

۳؎ یعنی جو دنیا میں محض اپنی ریا کاری کے لیے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالٰی کل قیامت میں اس کو رسوا فرمائے گا،اعلان ہوگا کہ یہ ریا کار تھا،یا جو دنیا میں محض ناموری کے لیے نیکی کرے گا اس کی جزا صرف یہاں کی ناموری ہوگی قیامت میں کوئی ثواب نہ ملے گا،ثواب کے لیے اخلاص چاہیے۔

۴؎ یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباس سے نقل فرمائی اس کا مضمون یہ ہے کہ شادی میں ایک دن کھانا سنت ہے دو دن کا کھانا افضل اور تین دن کا کھانا دکھلاوا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عکرمہ سے ۱؎ وہ حضرت ابن عباس سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ضدم ضدا کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ۲؎ ابوداؤد،اور محی السنہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث بروایت عکرمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلًا مروی ہے ۳؎	

۱؎ یہ عکرمہ ابن ابوجہل نہیں ہیں بلکہ حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں بربر کے رہنے ولے ہیں، فقہائے مدینہ سے ہیں۔

۲؎ یعنی جب دو شخص ایک دوسرے کے مقابلہ میں دعوت کریں ہر ایک یہ چاہے کہ میرا کھانا دوسرے سے بڑھ جائے کہ میری عزت ہو دوسرے کی ذلت تو ایسی دعوت قبول نہ کرے۔مثلًا شادی میں دلہن و دولہا والے مقابلہ میں دعوت کریں تو کسی کی دعوت قبول نہ کرو یا کسی برادری میں کسی کی شادی میں دعوت ہوئی کچھ دن کے بعد دوسرے کے ہاں شادی ہوئی اس نے بڑھ چڑھ کر کھانے پکائے اس نیت سے کہ پہلے کا نام نیچا ہوجائے اور میرا نام اونچا،تو یہ دعوتیں قبول نہ کرو۔بزرگان دین ایسی دعوتیں قبول نہ کرتے تھے آج کل مسلمان اسی مقابلہ کی رسوم میں تباہ ہوگئے اور نام کسی کا بھی نہیں ہوتا۔

۳؎ یعنی صحیح یہ ہے کہ اس کی اسناد میں حضرت ابن عباس کا نام نہیں ہے،حضرت عکرمہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کہا ہے اسی کو مرسل کہتے ہیں کہ تابعی حضور کی طرف نسبت کردیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو ضدیوں کی دعوت نہ قبول کی جائے نہ ان کا کھانا کھایا جائے۱امام احمد نے فرمایا کہ ضدیوں سے مراد دعوت میں فخر و ریا کے لیے مقابلہ کرنے والے ہیں۲	

۱یعنی جو لوگ مقابلہ کی دعوتیں کریں تو ان کے گھر دعوت میں نہ جاؤ اور اگر وہ کھانا تمہارے بھیج دیں تو نہ لو بلکہ واپس کردو تاکہ انہیں نصیحت ہو اس میں تبلیغ بھی اصلاح بھی اور قوم کو تباہی سے بچانا بھی آج شادیوں میں باجے،گانے کھانے جہیز وغیرہ سب ہی میں مقابلہ ہوتے ہیں اور مسلمان تباہ ہورہے ہیں۔

۲یعنی یہاں متباہین سے بدلہ لینے والے یا احسان کرنے والے مراد نہیں کہ یہ دونوں عمل جائز بلکہ سنت ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے احسانات بھی کیے اور لوگوں کے ہدایا وغیرہ کا بدلہ بھی کیا ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدکاروں کی دعوت طعام قبول کرنے سے منع فرمایا۱	

۱یہاں فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی کمائی خالص حرام کی ہو ان کی دعوت ہر گز قبول نہ کرو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے تو اس کا کھانا کھائے اور پوچھ گچھ نہ کرے اور اس کا پانی پیئے اور پوچھ گچھ نہ کرے۱یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور فرمایا کہ یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس لیے ہے کہ ظاہر یہ ہی ہے کہ مسلمان اسے نہ کھلائے پلائے گا مگر وہ ہی جو اس کے نزدیک حلال ہو۲	

۱یعنی خواہ مخواہ اس سے یہ نہ پوچھو کہ یہ کھانا دودھ پانی کہاں سے آیا ہے تیری کمائی کیسی ہے،حرام ہے یا حلال ؟ کہ اس میں بلاوجہ بھائی مسلمان پر بدگمانی ہے اور صاحبِ خانہ کو ایذا رسانی۔ خیال رہے کہ مخلوط آمدنی والے کے ہاں دعوت کھانا درست ہے،اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ہاں کرائی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ابوطالب کے ہاں،ان حضرات نے فرعون،ابوطالب کی آمدنی کی تحقیقات نہ فرمائیں۔

۲؎ یعنی صاحبِ خانہ مسلمان ہے اور مسلمان پر اچھا ہی گمان کرنا چاہیے۔

باب القسم

باری کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎قسم قاف کے فتح سین کے جزم سے ہے بمعنی بانٹنا،حصہ مقرر کرنا،اسی سے ہے تقسیم،یہاں بیوی کے درمیان شب باشی کا حصہ مقرر کرنا،باری مقرر کرنا مراد ہے۔ خیال رہے کہ چند بیویوں میں عدل و انصاف کرنا نہایت ہی اہم واجب ہے۔ دل کے میلان میں تو برابری ناممکن ہے اس کا حساب نہ ہوگا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ"۔رہا عطیہ،خرچہ کپڑے،زیور،ہدیہ،سوغات اور شب باشی ان تمام میں عدل و انصاف واجب ہے،ہاں بچوں والی عورت کو تنہا عورت سے زیادہ خرچ دیا جائے بچوں کی وجہ سے،مرقات نے یہاں فرمایا کہ چار عورتوں سے نکاح کرنا اس وقت حلال ہے جب ظلم کا خطرہ نہ ہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوٰحِدَۃً"اگر تم کو انصاف نہ کرنے کا خطرہ بھی ہو تو ایک ہی نکاح کرو اس خطرہ پر تعدد نکاح سخت ممنوع ہے ۔یہ بھی خیال رہے کہ صحبت یعنی جماع میں برابری واجب نہیں بلکہ ہر بیوی کے پاس رات گزارنے میں برابری ضروری ہے،رات اصل مقصود ہے،دن اس کے تابع،اگر کوئی آدمی رات میں نوکری کرتا ہو تو دن میں رہنے میں برابری کرے،ایک کی باری میں دوسری کے پاس نہ رہے،نہ چند بیویوں کو اکٹھا رہنے پر مجبور کرے،وہ جو احادیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب میں تمام ازواج پاک کے پاس تشریف لے گئے اور ہر بار غسل کیا،یہ یا تو آپ کی خصوصیات سے ہے کہ آپ پر بیویوں میں عدل واجب نہ تھا یا عدل واجب ہونے سے پہلے ہے یا ان ازواج کی اجازت سے تھا۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو بیویاں چھوڑ کر وفات پائی۱؎جن میں سے آٹھ کے لیے باریاں مقرر فرماتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎(۱)حضرت عائشہ(۲)حفصہ(۳)سودہ(۴)ام سلمہ(۵)صفیہ(۶)میمونہ(۷)ام حبیبہ(۸)زینب(۹)جویریہ،یہ بیویاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھیں،حضرت خدیجہ پہلے ہی وفات پاچکی تھیں،اہمہ بنت جوں،اور عائشہ خثعمیہ وغیرہ کو طلاق ہوچکی تھی۔

۲؎اس کی وجہ آگے آرہی ہے کہ بی بی سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو بخش دی تھی اس لیے ان کے ہاں دو دن قیام رہتا تھا،باقی سات کے ہاں ایک ایک دن،اور دورہ جناب عائشہ صدیقہ پر ختم ہوتا تھا۔یہ باریاں مقرر فرمانا آپ پر شرعًا واجب نہ تھا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَتُـٔۡوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ"۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ بی بی سودہ جب بوڑھی ہوگئیں ۱؎تو بولیں یارسول اللہ میں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے دیا چنانچہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب عائشہ کے لیے دو دن دیتے تھے ایک ان کا اپنا دوسرا سودہ کا ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ کا نام شریف سودہ بنت زمعہ ہے،مؤمنین اولین میں سے ہیں،پہلے اپنے چچا زاد کے نکاح میں رہیں جن کا نام سکران ابن عمرو تھا،ان کی وفات کے بعد حضور نے آپ سے نکاح کیا،یہ نکاح بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد اور جناب عائشہ کے نکاح سے پہلے مکہ معظّمہ میں ہوا وہاں ہی رخصت ہوئی،آخر میں آپ نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو ہبہ کردی،شوال ۵۴ھ میں وفات ہوئی،مدینہ منورہ میں قبر انور ہے،فقیر نے زیارت کی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ بیوی اپنی باری اپنی سوکن کو دے سکتی ہے،کیونکہ حقوق کا ہبہ درست ہے لیکن بعد میں اگر چاہے تو اس سے رجوع بھی کرسکتی ہے،اسی طرح اپنانفقہ مہر وغیرہ معاف کرسکتی ہے،اس کی تفصیل کتب فقہ خصوصًا فتح القدیر میں ملاحظہ کیجئے،بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو طلاق دے دینے کا ارادہ فرمایا تھا،انہوں نے عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ کی زوجیت میں اٹھوں مجھے طلاق نہ دیں،چنانچہ ایسا ہی کیا گیا رضی اللہ عنہا۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں پوچھتے تھے جس میں آپ کی وفات ہوئی کہ ہم کل کہاں رہیں گے ہم کل کہاں رہیں گے ۱؎حضرت عائشہ کا دن ڈھونڈتے تھے پھر تمام ازواج پاک نے آپ کو اجازت دے دی کہ حضور جہاں چاہیں رہیں۲؎چنانچہ آپ حضرت عائشہ کے مکان میں رہے حتی کہ انہیں کے ہاں وفات پائی ۳؎(بخاری)	

۱؎یعنی کل ہمارا قیام کس بی بی صاحبہ کے ہاں ہوگااور عائشہ کی باری کب آئے گی رضی اللہ تعالٰی عنہم کیونکہ جناب عائشہ صدیقہ سے بے پناہ محبت تھی،یہ ہے حضور انور کا عدل و انصاف،جب اتنا کرے تو چند بیبیاں رکھے۔آج مسلمانوں نے چار بیویوں کی اجازت کی آیت تو پڑھ لی،عدل کی آیت سے آنکھیں بند کرلی ہیں،آج جس قدر ظلم مسلمان اپنی بیویوں پر کررہے ہیں،اس کی مثال نہیں ملتی،نبی کی تعلیم کیا ہے اور امت کا عمل کیا۔

ع بہ بین تفاوت راہ از کجا است تابہ کجا۔

۲؎ یہ ان پاک بیویوں کا انتہائی ادب ہے ورنہ وہ تمام جانتیں تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔
۳؎ آپ ہی کی باری میں آپ ہی کے گھر میں آپ کے سینہ انور پر وفات پائی،اور آپ ہی کے گھر میں تاقیامت آرام فرماہوئے۔

جس کا پہلو ہے نبی کی آخری آرام گاہ جس کے حجرے میں نبی ہیں تاقیامت جاگزیں

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج پاک کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے ۱؎ پھر ان میں سے جس کا حصہ نکل آیا اسے اپنے ساتھ لیجاتے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ ہر بی بی کا نام کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر کسی بچے کے ذریعہ ایک گولی اٹھواتے،اس میں جس کا نام نکل آتا،اس کو سفر میں لے جاتے،قرعہ ڈالنے کی اور بھی کئی صورتیں ہیں،مگر یہ زیادہ مروج ہے۔
۲؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ گھر کی طرح سفر میں لے جانے میں بھی باری واجب ہے اور قرعہ کے ذریعہ لے جانا واجب ہے،مگر یہ دلیل نہایت ہی ضعیف ہے چند وجہ سے:ایک یہ کہ اگر سفر میں باری واجب ہوتی تو قرعہ کی ضرورت نہ پڑتی بلکہ ترتیب وار لے جانا واجب ہوتا کہ پہلے سفر میں ساتھ فلاں بی بی گئی تھی اب فلاں چلے،دوسرے یہ کہ یہ حضور انور کا فعل شریف ہے اور فعل سے بغیر امر وجوب ثابت نہیں ہوتا حضور نے اس کا حکم نہ دیا۔تیسرے یہ کہ یہ عمل شریف بھی حضور نے اپنی طرف سے کیا حکم خداوندی نہ تھا،آپ پر بیویوں میں عدل گھر میں ہی واجب نہ تھا چہ جائیکہ سفر میں واجب ہوتا لہذا حق یہ ہی ہے کہ سفر میں باری مقرر کرنا واجب نہیں،جسے چاہے لے جائے،جسے چاہے چھوڑ دے،بعض بیویاں گھر کے انتظام کے لیے موزوں ہوتی ہیں بعض سفر کے انتظام کے لیے مناسب،ہاں مستحب ہے کہ قرعہ ڈال کر لے جائے،سرکار عالی کا یہ عمل شریف بیان استحباب کے لیے ہے دیکھو مرقات،لمعات فتح القدیر وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت ابوقلابہ سے ۱؎ وہ جناب انس سے راوی فرماتے ہیں کہ سنت سے ہے ۲؎ یہ کہ جب کوئی شخص بیوہ پر کنواری سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن رہے اور باری مقرر کرے اور جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے پھر باری مقرر کرے ۳؎ ابوقلابہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ جناب انس نے یہ حدیث نبی کریم تک مرفوع کی ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ جلیل الشان تابعی ہیں،آپ کا نام عبداللہ ابن زید جرمی ہے،آپ پر قضاء پیش کی گئی تو قبول نہ کی بلکہ قاضی بنائے جانے کے خوف سے غیر معروف جنگل میں رہنے سہنے لگے ۱۰۶ھ میں شام میں وفات پائی۔

۲؎ یہ سنت قولی بھی ہے فعلی بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل بھی کیا اور حکم بھی دیا۔

۳؎ یعنی باکرہ جدیدہ بیوی کے پاس سات دن ٹھہرے،پھر پرانی بیویوں کے پاس بھی سات سات دن ہی قیام کرے،اور بیوہ جدیدہ کے پاس تین دن ٹھہرے،پھر پرانی بیویوں کے پاس بھی تین تین دن ہی قیام کرے،غرضکہ یہ سات یا تین دن باریوں میں شمار ہوں گے یہ ہی احناف کا مذہب ہے قرآن کریم فرماتاہے:"فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوٰحِدَةً"۔آئندہ احادیث بھی اسی معنے کی تائید کررہی ہیں،امام شافعی کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ نئی بیوی کے پاس سات یا تین دن قیام کرکے پھر باری مقرر کرے،یہ قیام ان باریوں میں شمار نہ ہوگا،مگر احناف کا قول بہت قوی ہے،کیونکہ طریقہ شوافع عدل کے خلاف ہے عدل تمام بیویوں میں چاہیے نئی ہوں یا پرانی،قرآن کریم اور دیگر احادیث میں مطلقًا عدل کا حکم ہے نئی وپرانی میں فرق نہیں کیا گیا۔شوافع کے اس معنے کی بنا پر یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہوگی اور دیگر احادیث کے بھی۔

۴؎ یعنی اگرچہ حضرت انس نے مجھے یہ حدیث مرفوعًا نہیں سنائی اپنا قول سنایا مگر مجھ کو ان پر اعتماد ہے کہ وہ ایسی عظیم الشان بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہہ رہے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر ابن عبدالرحمٰن سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام سلمہ سے نکاح کیا اور وہ آپ کے پاس رہیں تو فرمایا کہ تمہاری وجہ سے تمہارے قبیلہ والوں کی حقارت نہیں ۲؎ اگر تم چاہو تو تمہارے پاس سات دن قیام کروں اور باقی بیویوں کے پاس بھی سات دن قیام کروں ۳؎ اور اگر تم چاہو تو تمہارے تین دن قیام کروں پھر دورہ کروں ۴؎ وہ بولیں کہ تین دن قیام فرمائیں ۵؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کنواری کے لیے سات دن ہیں اور بیوہ کے لیے تین دن ۶؎ (مسلم)

۱؎ آپ ابوبکر ابن عبدالرحمٰن ابن حارث ابن ہشام ہیں یعنی ابوجہل کے بھائی کے پوتے تابعی ہیں مخزومی ہیں،ولید ابن عبدالملک کی خلافت میں فوت ہوئے۔

۲؎ ام سلمہ کے اہل سے مراد یا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا حضرت ام سلمہ کا قبیلہ و خاندان،مطلب یہ ہے کہ اگر ہم تمہارے پاس کم قیام کریں تواس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم کو تم سے محبت کم ہے اور تم ہم پر گراں ہوتاکہ تمہارے قبیلہ والوں کے لیے یہ بات توہین کی ہو۔(لمعات)

۳؎ یعنی اگر ہم اس وقت تمہارے پاس سات دن قیام کریں گے تو بقیہ بیویوں کے پاس بھی سات سات دن ہی رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ باری اول سے ہی مقرر ہوجاتی ہے،ورنہ چاہیے تھا کہ اگر حضرت ام سلمہ کے پاس سات دن قیام

ہوتا تو باقی ازواج کے پاس چار چار دن قیام ہوتا،کیونکہ تین دن تو ام سلمہ کے خصوصی حق کے ہوتے بعد میں باری مقرر ہوتی لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۴؎اس طرح کہ باقی ازواج کے پاس بھی تین تین دن قیام کروں،لہٰذا یہ جملہ بھی امام اعظم کے خلاف نہیں۔

۵؎تاکہ حضور جلد میرے پاس تشریف لائیں۔

۶؎مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ مرد اگر کنواری عور ت سے شادی کرے،تو سات دن اس کے پاس رہے پھر بقیہ بیویوں کے پاس سات سات دن رہے اور اگر بیوہ عورت سے نکاح کرے تو تین دن اس کے پاس رہے،پھر بقیہ بیویوں کے پاس بھی تین تین دن ہی رہے،اس کی پہلی باری میں بھی برابری و مساوات ہوگی،یہ باری اس نئ کے لیے خاص علیحدہ نہ ہوگی،ورنہ حضرت ام سلمہ سے دریافت نہ فرمایا جاتا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم اپنی ازواج پاک کے درمیان باری مقرر فرماتے تھے بہت انصاف فرماتے تھے ۱؎اور فرماتے تھے الٰہی یہ میری تقسیم ہے اس میں جس کا مالک ہوں پس تو مجھے اس میں عتاب نہ فرما جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ہر طرح عدل فرماتے تھے باری میں،خرچہ میں،ہدیہ و عطیہ میں،یہ ایک کلمہ تمام قسم کے عدل اور انصاف کو شامل ہے مگر باری کا عدل استحبابًا تھا نہ کہ وجوبًا کیونکہ آپ پر باری واجب نہ تھی۔

۲؎یعنی برتاوے میں تو ہر طرح برابری کرتا ہوں رہا میلان قلبی اور دلی محبت وہ حضرت عائشہ صدیقہ سے زیادہ ہے،دل تیرے قبضہ میں ہے اور زیادتی میلان تیری طرف سے ہے،اس میں مجھ پر عتاب نہ فرمانا۔اس سے معلوم ہوا کہ خاوند پر برتاوے اور ادائے حقوق میں برابر ی کرنا لازم ہے،میلان قلبی اگر کسی بیوی کی طرف زیادہ ہو تو اس کا گناہ نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الْمَیۡلِ فَتَذَرُوۡھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ"۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کسی کے پاس دو بیویاں ہوں پھر ان میں انصاف نہ کرے تو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی ایک کروٹ ٹیڑھی	

	ہو گی ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎اس کروٹ ٹیڑھی ہونے سے اسے چلنے پھرنے میں سخت تکلیف بھی اور تمام محشر میں بدنامی بھی کہ ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ ظالم خاوند ہے جس نے اپنی بیویوں میں انصاف نہ کیا تھا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر تمام بیویاں آزاد ہوں یا لونڈیاں تو سب میں یکسانیت کرے،اور اگر ایک بیوی آزاد ہو،دوسری لونڈی،تو آزاد کے ہاں دو دن رہے،لونڈی کے پاس ایک دن،نیز عبادات میں مشغول ہو کر بیوی بچوں سے بے خبر ہوجانا سخت منع ہے۔عبادت بھی کرو بیوی بچوں میں بھی مشغول رہو،ہفتہ میں دوبار ضرور ان کی خبر گیری کرے(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عطاء ۱؎سے فرماتے ہیں کہ ہم جناب ابن عباس کے ساتھ بی بی میمونہ کے جنازہ میں مقام سرف میں ۲؎حاضر ہوئے آپ نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پاک ہیں تو جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو نہ انہیں ہلاؤ نہ جھٹکادو۳؎ان پر بہت نرمی کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو بیویاں تھیں جن میں سے آٹھ کے لیے باری مقرر فرماتے تھے اور ایک کے لیے باری مقرر نہ کرتے تھے ۴؎حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ہم کو اطلاع پہنچی ہے کہ جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری مقرر نہ فرماتے تھے وہ بی بی صفیہ تھیں۵؎انہیں کی وفات سب سے آخر میں ہوئی جو مدینہ پاک میں فوت ہوئیں ۶؎(بخاری مسلم)اور رزین فرماتے ہیں کہ عطاء کے علاوہ دیگر علماء نے فرمایا کہ وہ سودہ تھیں یہ ہی زیادہ صحیح ہے انہوں نے اپنا دن بی بی عائشہ کو دے دیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دینا چاہا تو آپ بولیں مجھے رکھیئے میں اپنا دن بی بی عائشہ کو دیتی ہوں تاکہ میں جنت میں آپ کی ازواج میں سے ہوں ۷؎

۱؎ عطاء چند ہیں اور سب تابعین ہیں،یہ عطاء ابن ابی رباح ہیں،حضرت عبداللہ ابن عباس سے زیادہ تر روایات ان ہی عطاء کی آتی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ حضرت میمونہ بنت حارث بلالیہ رضی اللہ عنہا سیدنا عبداللہ ابن عباس کی خالہ ہیں،آپ کا نکاح بھی مقام سرف میں ہوا،زفاف بھی وفات بھی اور اسی مقام سرف میں آپ کی قبر شریف ہے،سرف مکہ معظّمہ سے ایک منزل فاصلہ پر مقام تنعیم سے قریب ہے،آپ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی آپ کے نکاح کا عجیب واقعہ ہے کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ آپ کے کان میں پڑا تو بولیں کہ اونٹ اور اونٹ پر کی ساری چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہوگئیں،پھر آپ کا نکاح ہوا۔(مرقات و اشعہ)

۳؎ زعزعہ اور زلزلہ قریبًا ہم معنی ہیں،مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں یہ تمہاری والدہ محترم ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ،ان کی نعش مبارک بڑے ادب و احترام سے لے جاؤ،معلوم ہوا کہ بزرگوں کا ادب و احترام بعد وفات بھی چاہیے،فقہا فرماتے ہیں کہ زیارت قبر کے وقت صاحب قبر سے اتنی ہی دور اور اسی طرح بیٹھے جیسے اس کی زندگی میں بیٹھتا تھااور فرماتے ہیں کہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کے لیے اپنے ہاتھ باندھ کر باادب کھڑا ہو،جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔(عالمگیری وغیرہ)

۴؎ کیونکہ انہوں نے اپنی باری بی بی عائشہ صدیقہ کو بخش دی تھی جیسا کہ گزر چکا۔

۵؎ بعض نے فرمایا یہ محض غلط ہے اور غلطی ابن جریج کی طرف سے ہے۔مگر قاضی عیاض نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ "تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡہُنَّ وَ تُـــْٔوِیۡۤ اِلَیۡکَ مَنۡ تَشَآءُ" نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ،جویریہ،صفیہ،ام حبیبہ،میمونہ سے قدرے علیحدگی فرمائی اور حضرت عائشہ،ام سلمہ،زینب ،حفصہ سے قرب فرمایا پھر سب کو اپنے سے قریب فرمالیا،سوائے بی بی صفیہ کے جن کے لیے باری مقرر نہ فرمائی،حضرت عطاء نے یہ آخری بات سنی۔واللہ اعلم!(مرقات)

۶؎ بی بی صفیہ کی وفات رمضان ۵۰ھ امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ پاک میں ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات ۵۷ھ میں ،بی بی سودہ کی وفات ۵۴ھ میں،بی بی زینب کی وفات ۲۰ھ میں،بی بی جویریہ ۵۰ھ میں فوت ہوئیں دیکھو مواہب الدنیہ اور مرقات،لہذا حضرت صفیہ کے متعلق یہ بات غلط ہے۔

۷؎ یہ ہی صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دی نہیں تھی دینا چاہی،بعض روایات میں ہے طلاق دے دی تھی،مگر عرض کرنے پر رجوع فرمالیا تھا،چنانچہ بیہقی میں حضرت عروہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سودہ کو طلاق دے دی،جب آپ نماز کو تشریف لے گئے تو راستہ میں بی بی سودہ نے آپ کا دامن پکڑ کر یہ عرض کیا جو یہاں مذکور ہے تو آپ نے رجوع فرمایا،مگر روایت اول صحیح ہے۔خیال رہے کہ زوجہ کے قصور کے بغیر بھی طلاق دے دینا جائز ہے نکاح کا باقی رکھنا مرد کا اپنا مستقل حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس بارے میں خصوصی اختیار ہے،یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلقہ بیوی نکاح کرسکتی ہے،جو حضور کی وفات کے بعد رہیں وہ کسی سے نکاح نہیں کرسکتیں،کیوں ؟ اس لیے کہ حضور زندہ ہیں ان کی ازواج بیوہ نہیں،خاوند والیاں بیویاں ہیں،رب تعالٰی

فرماتا ہے:"وَلَآ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوٰجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا"اگر مطلقہ بیوی بھی کسی سے نکاح نہیں کرسکتیں تو طلاق سے فائدہ کیا ہوتا۔

باب عشرة النساء وما لكل واحد من الحقوق

بیویوں سے رفاقت کا بیان اور ہر ایک کے حقوق کیا ہیں۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎اس باب میں دو باتیں مذکور ہوں گی،ایک یہ کہ مرد اپنی بیویوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرے اور کس اخلاق سے زندگی گزارے۔دوسرے یہ کہ خاوند کا بیوی پر کیا حق ہے اور بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے،ان ہی دونوں چیزوں کو آج مسلمان بھول گئے۔اگر حضور کی تعلیم پر عمل ہو تو آج ہمارے گھروں کے حالات کیوں تباہ ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے متعلق نیکی کی وصیت قبول کرو۱؎کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور یقینًا پسلی کا ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر کا ہے۲؎تو اگر اسے سیدھا کرنے لگو توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو تو ٹیڑھا رہے گا۳؎لہذا عورتوں کے متعلق وصیت قبول کرو(مسلم،بخاری)

۱؎اس جملہ کے چند مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ میں تم کو اپنی بیویوں سے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں،تم لوگ قبول کرو ان سے اچھابرتاؤکرو،یا تم لوگ اپنی بیویوں کے متعلق اچھی وصیت کیا کرو کہ ان کے ساتھ تمہارے عزیز و قارب اچھا سلوک کریں،یا اپنی بیویوں کو بھلائی کا حکم کرو،غرضکہ یہاں باب استفعال کئی احتمال رکھتا ہے۔(اشعہ مرقات،لمعات)

۲؎یعنی حضرت حوا کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پسلی کے اوپری حصہ سے ہوئی جو ٹیڑھا ہےاور تمام عورتیں انہی حوا کی اولاد سے ہیں فطری طورپر سب میں قدر کجی سخت مزاجی ہےاور رہے گی۔حضرت حوّا کی پیدائش کی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی کلاں پارہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔

۳؎یعنی جو چیز ٹیڑھی بھی ہو خشک بھی وہ سیدھی نہیں ہوسکتی،پسلی کا اوپر حصہ ٹیڑھا اور خشک ہے اور وہ سیدھا نہیں ہوسکتا اسی طرح عورت بالکل سیدھی نہیں ہوسکتی،معلوم ہوا کہ اصل کا اثر شاخ میں ہوتا ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی وہ روش میں سیدھی ہر گز نہ ہوگی۱؎تو اگر تم اس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سے نفع حاصل کرو حالانکہ

	اس میں ٹیڑھ ہو۲؎اور اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو تو توڑ دو گے اس کا توڑنا اس کا طلاق ہے ۳؎(مسلم)

۱؎کیونکہ ٹیڑھا پن عورت کی فطرت میں داخل ہے تعلیم و تربیت سے کچھ درست ہوجاتی ہے مگر بالکل سیدھی نہیں ہوتی۔
۲؎یعنی اسے اس کی حالت پر رہنے دو،اس کی بدخلقی ناشکری وغیرہ کی برداشت کرو اور اپنا کام نکالو،اس کے بغیر تمہارے کام نہیں چل سکتے،وہ تمہاری وزیر اور گھر کی منتظم ہے۔
۳؎اگر تم اسے ہر بات پر ملامت کرو،اس کے ہر عمل کی نگرانی کرو تو تمہارا گھر میدانِ جنگ بن جائے گا،اور آخر طلاق دینا پڑے گی۔لہذا بعض باتوں میں چشم پوشی کیا کرو۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مؤمن کسی مؤمنہ بیوی کو دشمن نہ جانے اگر اس کی کسی عادت سے ناراض ہو تو دوسری خصلت سے راضی ہوگا۱؎(مسلم)

۱؎سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم،مقصد یہ ہے کہ بے عیب بیوی ملنا ناممکن ہے،لہذا اگر بیوی میں دو ایک برائیاں بھی ہوں تو اسے برداشت کرو کہ کچھ خوبیاں بھی پاؤ گے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو شخص بے عیب ساتھی کی تلاش میں رہے گا وہ دنیا میں آکیلا ہی رہ جائے گا،ہم خود ہزار ہا برائیوں کا چشمہ ہیں،ہر دوست عزیز کی برائیوں سے درگزر کرو،اچھائیوں پر نظر رکھو،ہاں اصلاح کی کوشش کرو،بے عیب تو رسول اللہ ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کبھی گوشت نہ خراب ہوتا۱؎اور اگر حوّاء نہ ہوتیں تو کبھی کوئی عورت اپنے خاوند سے خیانت نہ کرتی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام شریف ہے،ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میدانِ تیہ میں قید کردیئے گئے،وہاں چالیس سال مقید رہے اس زمانہ میں ان پر قدرتی حلوا اور بھنا ہوا گوشت نازل ہوتا تھایعنی من،سلویٰ مگر حکم یہ تھا کہ نیاروز اور نئی روزی،آج کا کھانا کل کے لیے نہ بچاؤ،انہوں نے بچانا شروع کردیا،تو گوشت بگڑنے لگا،اس سے پہلے گوشت کبھی خراب نہ ہوتا تھا،اگر یہ لوگ توکل سے کام لیتے تو گوشت وغیرہ کبھی خراب نہ ہوتا۔
۲؎اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ شیطان نے پہلے بی بی حوّا کو دھوکا دے کر گندم کھانے پر راضی کیا،حضرت حوّاء نے پہلے خود کھایا،پھر ضد کرکے حضرت آدم علیہ السلام کو کھلایا۔بعض نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جناب حوّاء کو بھیجا کہ گندم کا درخت اکھاڑ کر پھینک دیں،آپ وہاں گئیں،درخت تو اکھاڑ دیا مگر اس کی دو بالیاں محفوظ رکھ لیں جو کچھ عرصہ بعد خود بھی کھالیں اور آدم علیہ السلام کو بھی کھلائیں۔یہاں خیانت سے مراد ضد کرکے

خاوند سے غیر مناسب کام کرالینا ہے،یعنی عورتوں کی یہ ضد وہٹ اپنی دادی صاحبہ کی میراث میں ملی ہے یہ وہاں کا اثر ہے۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زمعہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے ۲؎ پھر اخیر دن میں اس سے صحبت کرے گا ۳؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم میں سے کوئی ارادہ کرتا ہے تو اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے مارتا ہے کہ شاید اخیر دن اس سے صحبت کرے گا ۴؎ پھر انہیں گوز سے ہنسنے کے متعلق نصیحت کی تو فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس کام پر کیوں ہنستا ہے جو خود بھی کرتا ہے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے زمعہ آپ کے والد کا نام ہے قرشی ہیں اسدی ہیں۔

۲؎ سختی و بے دردی کے ساتھ،اس میں اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ اصلاح کے لیے بیوی کو قدرے مار سکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اضْرِبُوْهُنَّ"کیونکہ خاوند بیوی کا حاکم ہے،حاکم اپنے محکوم کی اصلاح مار سے بھی کرسکتا ہے،استاذ شاگرد کو،باپ بیٹے کو مار سکتا ہے۔

۳؎یہ کلمہ یا تو گزشتہ حکم کی علت ہے یا اظہار تعجب کے لیے ہے یعنی چونکہ آخر اس عورت سے صحبت و محبت بھی کرتا ہے لہذا اسے غلاموں کی طرح نہ مارو پیٹو،یا تعجب ہے کہ اب تو تم اسے اسی طرح مارو اور پھر عنقریب گلے بھی لگاؤ گے،بزرگ فرماتے ہیں ایک آنکھ لڑنے کی رکھو دوسری ملنے کی۔

۴؎بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے بعد میں بیویوں کو مارنے پیٹنے کی اجازت دے دی گئی مگر یہ غلط ہے سخت مار سے ممانعت ہے نرم مار کی اجازت۔(مرقات)

۵؎سبحان اللہ! کیسا پیارا قاعدہ بیان فرمایا کہ جو کام خود بھی کرتے ہو اس کام کی بنا پر دوسروں پر کیوں ہنستے ہو۔شعر

اوی کل انسان یری عیب غیرہ ویعمی عن الھب الذی عوفیہ

حضرت حاتم اصم بہرے نہ تھے ایک بار آپ کی بیوی کی ہوا آواز سے نکل گئی تو آپ نے فرمایا زور سے بات کرو میں اونچا سنتا ہوں تاکہ اسے خجالت نہ ہو،پھر آخر تک بہرے ہی بنے رہے۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آواز سے گوز(ہوا)نہ نکالے،لیکن اگر کسی کی ہوا آواز سے نکل جائے تو اس پر نہ ہنسے نہ مذاق کرے کہ اس میں مسلمان کو شرمندہ کرنا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نبی	

	کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی ا؎ اور میری کچھ سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے یہ چلی جاتیں ۲؎ پھر حضور انہیں میری طرف بھیج دیتے تو وہ میرے ساتھ کھیلتیں ۳؎(مسلم،بخاری)

ا؎بنات جمع ہے بنت کی بمعنی بچی و لڑکی،یہاں یا تو ساتھ کھیلنے والی لڑکیاں مراد ہیں تو ب بمعنی مع ہے اور یا مراد گڑیاں ہیں کہ وہ بھی بچیوں کی شکل کپڑے سے بنائی جاتی ہیں اس لیے انہیں بنات کہتے ہیں،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں،کیونکہ سہیلیوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے،یہ گڑیاں یا تو آپ اپنے میکے سے لائی تھیں یا حضور کے ہاں آکر خود بنائی تھیں یا خود سرکار عالی نے بنوائی تھیں۔بہرحال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچیوں کے لیے گڑیاں بنانا ان سے کھیلنا جائز ہے کہ یہ دراصل ان کو سینے پرونے اور کھانا تیار کرنے کی تعلیم کا ذریعہ ہے۔

۲؎اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے بچوں کے کھلونے جائز فرمائے اگرچہ وہ شکل والے ہوں لہذا تصاویر کے حکم سے وہ علیحدہ ہیں۔**ینقمعن** **قمع** سے بنا بمعنی چھپ جانا،یہاں چلا جانا مراد ہے کہ چلے جانے سے بھی انسان چھپ جاتا ہے۔

۳؎خلاصہ یہ ہے کہ محلّہ کی بچیاں میرے ساتھ گڑیاں کھیلتی تھیں جب سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور جب حضور باہر تشریف لیجاتے تو ان بچیوں کو ان کے گھروں سے میرے پاس بھیج دیتے تاکہ میرے ساتھ کھیلیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے اور حبشی بچے مسجد میں نیزے بازی کرتے تھے ا؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر سے پردہ کراتے تاکہ میں آپ کے کان و کاندھے کے درمیان ان کا کھیل دیکھوں ۲؎ پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہتے حتی کہ میں ہی لوٹ جاتی تو تم اندازہ لگالو،نو عمر لڑکی کے کھیل کی شوقین کا ۳؎(مسلم،بخاری)

ا؎مسجد سے مراد یا تو خارج مسجد ہے جسے رحبہ کہا جاتا تھا چونکہ وہ جگہ مسجد سے بالکل ملی ہوئی تھی اس لیے اسے مسجد فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ خود مسجد میں ہی یہ کھیل ہوتا تھا کیونکہ یہ بظاہر تو کھیل تھا مگر درحقیقت تیر اندازی کی مشق یعنی جہاد کی تیاری تھی اور یہ تیاری عبادت ہے لہذا مسجد میں جائز،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ**"۔(اشعہ لمعات،مرقات)

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے کا ہے ورنہ آپ کبھی اجنبی لوگوں کا کھیل نہ دیکھتیں۔(مرقات)فقیر کا خیال ہے کہ پردہ کا حکم آچکنے کے بعد کا ہے ورنہ سرکار عالی چادر اور اپنے جسم شریف سے آڑ نہ کرتے لہذا یا تو وہ حبشی بچے تھے نہ کہ جوان، بچوں کا کھیل دیکھنا جائز چونکہ وہاں جوانوں کے آجانے کا بھی احتمال تھا اس لیے احتیاطًا حضور نے آڑ فرمائی،یا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مردوں کو حرام تھا کہ اجنبی عورتوں کو دیکھیں مگر عورتوں پر مردوں کا دیکھنا حرام نہ تھا،پھر دو طرفہ پردہ فرض ہوگیا جیسا کہ اپنے مقام پر ظاہر ہے لہذا اس حدیث پر چکڑالوی وغیرہ اعتراض نہیں کرسکتے نہ اپنی بیویوں کو سینما لے جانے والے استدلال کرسکتے ہیں۔

۳؎ یعنی میں نو عمر بچی بھی تھی اور کھیل تماشہ دیکھنے کی شوقین بھی،تم اندازہ لگالو کہ میں کتنی دیر تک کھڑی رہتی ہوں گی مگر قربان جاؤں اس اخلاق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خود وہاں سے نہ ہٹتے تھے نہ مجھے اندر جانے کاحکم دیتے تھے بلکہ میری خاطر بہت دیر تک کھڑے رہتے تھے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۱؎ ہم جانتے ہیں جب تم ہم سے راضی ہوتی تھیں،اور جب تم ہم پر ناراض ہوتیں ۲؎ میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہاں سے پہنچانتے تھے ۳؎ فرمایا جب تم ہم سے خوش ہوتی تو کہتی تھیں محمد مصطفیٰ کے رب کی قسم اور جب تم ہم سے ناخوش ہوتیں تو کہتی تھیں،جناب ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم ۴؎ میں بولی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی تھی ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ جب میری عمر پختہ اور عقل کامل ہوگئی تب مجھے میرے بچپن کا زمانہ یاد دلایا جب کہ میں نئی نئی بیاہ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی،رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

۲؎ یہ ناراضی نازکی ہے نہ کہ نفرت کی ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہونا توکفر ہے،محبوبوں کی یہ ناراضی بھی پیاری ہوتی ہے۔شعر

ناز برداری تمہاری کیوں نہ فرمائے خدا ناز نین حق نبی ہیں تم نبی کی نازنین

بچہ باپ پر ناراض ہو کر اپنی ہر ضد پوری کرالیتا ہے،لہذا اس حدیث سے روافض دلیل نہیں پکڑ سکتےاور جناب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر اعتراض نہیں کرسکتے۔

۳؎ وحی الٰہی سے یا خاص علامات سے۔

۴؎ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بچپن شریف کی عقل و فراست پر جان و ایمان صدقے کہ اگر گھریلو معاملہ میں کسی وجہ سے دل میں رنج ہوتا تو لڑائی بھڑائی شور وغیرہ نہ فرماتیں بلکہ رب کا نام حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی نسبت سے لیتیں کہ دل کی حالت کا اظہار بھی ہوجائے اور گھر میں بدمزگی بھی نہ پیدا ہو،کاش ! ہماری مائیں، بہنیں حضرت عائشہ صدیقہ سے سبق لیں اور اپنے گھر کو میدان ِجنگ نہ بنائیں۔

۵؎ یعنی میرے دل میں آپ کی محبت بدستور رہتی تھی صرف دلی رنج کے اظہار کے لیے ایسا کرتی تھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے ۱؎ تو وہ انکار کردے ۲؎ اور خاوند ناراض ہو کر رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں ۳؎ (مسلم،بخاری)انہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے،ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے پھر وہ انکار کردے،تو آسمان والا اس پر ناراض ہوتا ہے ۴؎ حتّٰی کہ خاوند اس پر راضی ہوجائے ۵؎

۱؎ رات کے وقت صحبت کے لیے یا کسی اور خدمت کے لیے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں،اس سے اشارۃً چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ گھر میں چند بستر رکھنا جائز ہے خاوند کا علیحدہ بیویوں کا علیحدہ،دوسرے یہ کہ صحبت میں پردہ علیحدگی بہت ضروری ہے، تیسرے یہ کہ عورت کا مرد کے بستر پر جانا بہتر ہے،بمقابلہ اس کے کہ مرد عورت کے بستر پرجائے عمومًا مرد کا بستر بمقابلہ عورت کے بستر کے پاک و صاف ہوتا ہے عورت کا بستر بچوں کی وجہ سے میلا۔

۲؎ بغیر عذر آنے سے انکار کردے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ بحالت حیض بھی مرد کے بلانے پر پہنچ جائے کہ حیض میں صحبت حرام ہے نہ کہ بوس و کنار اور ساتھ لیٹنا وغیرہ۔(مرقات)

۳؎ یہاں رات کو بلانے کا خصوصیت سے ذکر ہے اس لیے ہوا کہ عمومًا بیویوں کے پاس رہنا سہنا رات ہی کو ہوتا ہے دن میں کم ورنہ اگر دن میں خاوند بلائے عورت نہ آئے تو شام تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں،رات کی لعنت صبح کو اس لیے ختم ہوجاتی ہے کہ صبح ہونے پر خاوند کام و کاج میں لگ جاتا ہے رات کا غصہ ختم یا کم ہوجاتا ہے۔

۴؎ اللہ تعالٰی جس کی حکومت،ملکیت،آسمان میں بھی ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ"اگرچہ زمین و آسمان والا مکان سب ہی اللہ تعالٰی کی ملکیت ہیں مگر چونکہ آسمان فیض دینے والا ہے زمین فیض لینے والی،اس حیثیت سے آسمان زمین سے اشرف ہے اسی لیے صرف آسمان کا ذکر ہوا،یا آسمان میں رہنے والے فرشتے،تب یہ حدیث پچھلے مضمون کے موافق ہے،اس سے معلوم ہوا کہ آسمان میں رہنے والے فرشتے زمین والوں کے ہر کھلے چھپے حالات سے خبردار ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ان فرشتوں سے کہیں زیادہ ہے آپ بھی ہمارے ہر ظاہر و پوشیدہ حالات سے باخبر ہیں۔

۵؎معلوم ہوا کہ خاوند کی رضامیں رب تعالٰی اور فرشتوں کی رضا ہے جب خاوند کی رضا مندی شہوت نفسانی میں اتنی اہم ہے تو دینی امور میں اسے راضی کرنا کتنا ضروری ہوگا،مگر خیال رہے کہ شرعی حرام کاموں میں خاوند تو کیا کسی کی رضا حاصل نہ کرے،لہذا بحالت حیض خاوند کو صحبت نہ کرنے دے۔

	روایت ہے حضرت اسماء سے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میری ایک سوکن ہے ۱؎تو کیا مجھ پر اس میں گناہ ہے کہ اپنے خاوند کا کوئی عطیہ ظاہر کروں جو اس کے علاوہ ہو ۲؎تو فرمایا نہ دی ہوئی چیز کا ظاہر کرنے والا جھوٹے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎عربی میں سوکن کو ضرۃ کہتے ہیں ضرہ ضرۃ سے بنا ہے بمعنی نقصان چونکہ سوکن ضررونقصان کا سبب ہے یا نقصان پہنچانے کی عموماً کوشش کرتی ہے اس لیے اسے ضرہ کہتے ہیں،اس کا دوسرا نام فطینہ بھی ہے،بمعنی بہت سمجھ دار،ہر سوکن اپنی سوکن کے عیوب سمجھنے میں بڑی فطینہ ہوتی ہے اسی لیے اسے فطینہ کہتے ہیں۔(مرقات)

۲؎یعنی میں اپنی سوکن کو جلانے،طیش دلانے کے لیے یہ ظاہر کردوں کہ خاوند بمقابلہ تیرے مجھے زیادہ دیتا ہے مثلًا اپنے میکے کا جوڑا پہن کر دکھاؤں کہ خاوند نے دیا ہے۔

۳؎یعنی جیسے کوئی شخص امانت یا عاریت کے اعلیٰ کپڑے پہن کر پھرے لوگ سمجھیں کہ یہ اس کے اپنے کپڑے ہیں،پھر بعد میں حال کھلنے میں بدنامی بھی ہو گناہ بھی ایسے یہ بھی ہے یا جیسے کوئی فاسق وفاجر متقی کا لباس پہن کر صوفی بنا پھرے پھر حال کھلنے پر رسوا ہو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کا ایلاء کیا ۱؎اور آپ کا پاؤں موچ گیا تھا ۲؎تو آپ نے بالا خانہ میں انتیس[۲۹] رات قیام کیا ۳؎پھر نیچے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا،فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے ۴؎(بخاری)

۱؎ایلاء بنا ہے ولی سے بمعنی قرب ہمزہ سلب کی ہے یعنی قریب نہ جانا،شریعت میں ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھالے اس کا حکم یہ ہے کہ یا تو خاوند اپنی قسم توڑ لے کہ اس مدت میں ایلاء سے قولًا یا عملًا رجوع کرکے کفارہ قسم ادا کردے،یا ایلاء پورا کرے اور چارہ ماہ گزرتے ہی طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایلاء شرعی نہ تھا لغوی تھا کیونکہ ایک ماہ کا تھا اس ایلاء کا واقعہ بہت مشہور ہے کتب احادیث میں مذکور ہے۔

۲؎ گھوڑے سے گر جانے کی وجہ سے پاؤں شریف میں موچ آگئی تھی یا پاؤں اتر گیا تھا۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ غالبًا نماز میں زیادہ کھڑے رہنے کی وجہ سے پاؤں شریف پر ورم آگیا تھا اور تکلیف ہوگئی تھی جسے راوی نے **انفکت** سے بیان فرمایا۔(مرقات)

۳؎ **مشرقہ** میم کے فتح رکے پیش سے **مشرعہ** کی طرح بمعنی بالا خانہ غرفہ جسے پنجاب میں چھتی کہا جاتا ہے وہ بالا خانہ ایسا پر تکلف نہ تھا جیسا آج کل امیروں کا ہوتا ہے یعنی ایلاء کے زمانہ میں سرکار کسی زوجہ پاک کے پاس نہ رہے بلکہ علیحدہ چھتی پر قیام فرمایا۔

۴؎ یعنی یہ مہینہ انتیس کا ہے آج ہمارے ایلاء کی مدت پوری ہوگئی اور ہم نے اسی مہینہ کا ایلاء کیا تھا ۔علماء فرماتے ہیں جو کسی خاص مہینہ کے روزے کی نذر مانے اور وہ انتیس دن کا ہو تو اس پر انتیس روزے ہی کافی ہوں گے مگر جو غیر معین مہینہ کے روزوں کی نذر مانے اس پر تیس۳۰ دن کے روزے ہی لازم ہوں گے اگرچہ وہ مہینہ انتیس دن کا ہو جس میں روزے رکھے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت لیں لوگوں کو آپ کے دروازہ پر بیٹھے پایا جن میں سے کسی کو اجازت نہ ملی تھی ۱؎ فرماتے ہیں کہ ابوبکر کو اجازت مل گئی آپ داخل ہوگئے پھر جناب عمر آئے اجازت مانگی انہیں بھی مل گئی ۲؎ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگیں خاموش بیٹھے پایا کہ آپ کی ازواج ارد گرد تھیں ۳؎ آپ نے سوچا کہ میں ایسی بات کہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دوں ۴؎ تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور خارجہ کی بیٹی کو ملاحظہ فرماتے ۵؎ کہ اس نے مجھ سے خرچہ مانگا تو میں اس کی طرف بڑھا اس کی گردن مروڑی ۶؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے ۷؎ اور فرمایا یہ جو میرے گرد بیٹھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو مجھ سے خرچہ کا مطالبہ کرتی ہیں ۸؎ تو ابوبکر عائشہ کی طرف اٹھے ان کی گردن مروڑنے لگے اور حضرت عمر حفصہ کی طرف بڑھے وہ ان کی گردن مروڑنے لگے ۹؎ یہ دونوں کہتے تھے کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیزیں مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہیں ۱۰؎ وہ بولیں اللہ کی قسم ہم رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی وہ چیز نہ مانگیں گی جو آپ کے پاس نہ ہو ۱۱؎ پھر حضور ازواج سے ایک ماہ یا انتیس دن علیحدہ رہے ۱۲؎ پھر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اے نبی اپنی بیویوں سے فرما دو الیٰ قولہ تم میں سے نیک کار بیویوں کے لیے بڑا ثواب ہے ۱۳؎ فرماتے ہیں کہ پھر حضور نے عائشہ سے ابتداء کی ۱۴؎ اے عائشہ تم پر ایک چیز پیش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس میں جلدی نہ کرنا حتی کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو ۱۵؎ آپ بولیں یارسول اللہ وہ کیا ہے ؟ تب حضور نے ان پر یہ آیت تلاوت کی ۱۶؎ آپ بولیں کیا آپ کے بارے میں یارسول اللہ میں ماں باپ سے مشورہ کروں بلکہ میں اللہ رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں ۱۷؎ اور حضور سے عرض ہے کہ اپنی ازواج میں سے کسی بی بی کو نہ بتائیں ۱۸؎ جو میں نے عرض کیا آپ نے فرمایا ان میں سے کوئی بی بی مجھ سے نہ پوچھے گی مگر میں خبر دوں گا ۱۹؎ یقینًا اللہ نے مجھے نہ مشقت میں ڈالنے والا بھیجا نہ مشقت میں پڑنے والا ۲۰؎ لیکن مجھے بھیجا ہے علم سکھانے والا آسانی کرنے والا ۲۱؎ (مسلم)

۱؎ واقعہ یہ تھا کہ ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فقر و فاقہ کی شکایت کرتے ہوئے زیادہ خرچہ دینے کے متعلق عرض کیا بعض نے یہ بھی کہا کہ فلاں فلاں کی بیویاں ایسے عمدہ لباس پہنتی ہیں ایسے عیش میں ہیں تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ایک ماہ تک تم میں سے کسی کے پاس نہ آئیں گے اور بالاخانہ پر تشریف فرما ہوگئے اور تمام صحابہ سے بھی علیحدگی اختیار فرمالی۔اس پر مشہور ہوگیا کہ حضور نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی،لوگ گھبرا گئے،اسی گھبراہٹ میں حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق حاضر ہوئے،کیونکہ ان کی صاحبزادیاں بی بی عائشہ صدیقہ اور بی بی حفصہ حضور کے نکاح میں تھیں۔

۲؎ چونکہ اس وقت تک پردہ کی آیات نہ آئی تھیں اس لیے ان دونوں بزرگوں کو ازواج پاک کی موجودگی میں اجازت دے دی گئی۔

۳؎ غالبًا یہ اجتماع عائشہ صدیقہ کے حجرے میں تھا۔

۴؎ یہ ہنسانا بھی عبادت تھا حضور کو خوش کرنا عبادت ہے،جیسے آپ کو غمگیں کرنا گناہ،ایسے موقعوں پر جناب عمر ہمیشہ یہ عمل کرتے تھے۔

۵؎بنت خارجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ پاک ہیں۔
۶؎یعنی میری بیوی نے مجھ سے حاجت سے زیادہ جو خرچہ مانگا عیش و طرب کے لیے تو میں نے اسے یہ سزا دی کیونکہ بقدر ضرورت تو خرچہ میں دیتا ہوں۔
۷؎معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق کا یہ عمل پسند فرمایا،پتہ لگا کہ خاوند اپنی زوجہ کو نافرمانی یا بے جا مطالبہ پر سزا دے سکتا ہے،مرد عورت کا حاکم ہے۔
۸؎یعنی ہمارے ہاں بھی یہ ہی معاملہ درپیش ہے کہ ہماری یہ ازواج ہم سے زیادہ خرچہ کا مطالبہ کررہی ہیں۔
۹؎معلوم ہوا کہ والد اپنی جوان شادی شدہ بیٹی کو سزا دے سکتا ہے ان دونوں حضرات نے حضور کی موجودگی میں اپنی صاحبزادیوں سے یہ برتاؤ کیا۔
۱۰؎شعر

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں — دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

بوریا ممنون خواب راحتش — تاج کسریٰ زیر پائے امتش

جہاں کو غنی فرمایا اپنے پاس کچھ نہ رکھا"اَغۡنٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ مِنۡ فَضۡلِہٖ"۔
۱۱؎یہ ماجرا دیکھ کر تمام ازواج پاک نے بیک زبان یہ وعدہ کیا۔
۱۲؎کیونکہ حضور اس واقعہ سے پہلے علیحدگی کی قسم اٹھا چکے تھے اس لیے اگرچہ ان بیویوں نے یہ وعدہ کرلیا۔مگر حضور نے اپنی قسم پوری فرمائی۔(مرقات،لمعات)
۱۳؎واقعہ کی ترتیب یہ ہوئی کہ اولًا ازواج مطہرات نے عرصہ تک زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کی قسم اٹھائے پھر حضرت صدیق و فاروق کا یہ واقعہ پیش آیا پھر ازواج پاک نے یہ وعدہ کیا جو یہاں مذکور ہے پھر حضور نے علیحدگی اختیار کی،مدت ایلاء ختم ہونے پر آیت کا نزول ہوا پھر ازواج پاک کو طلاق لینے کا اختیار دیا گیا۔
۱۴؎کیونکہ عائشہ صدیقہ ان سب میں عالمہ عاقلہ تھیں۔
۱۵؎چونکہ تم عمر میں چھوٹی ہو اور چھوٹی بچیاں کبھی دنیا کی زیب و زینت پر زیادہ مائل ہوتی ہیں اس لیے والدین سے مشورہ کرکے فیصلہ کرو(مرقات)اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ سرکار عائشہ صدیقہ کے اپنے پاس رہنے پر بہت ہی خوش ہیں۔
۱۶؎جس میں فرمایا گیا ہے کہ اے نبی کی بیویو! اگر تم کو دنیاوی ٹیپ ٹاپ کا شوق ہے تو آؤ میں تم کو طلاق دے دوں اور اگر اللہ رسول اور قیامت کی بہتری چاہتی ہو تو میرے ساتھ فقر و فاقہ پر قناعت کرو تب ام المؤمنین نے یہ جواب دیا۔
۱۷؎یہ ہے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی فراست دانائی،علم و عقل اس سے معلوم ہوا کہ دین و دنیا کا اجتماع نہیں ہوتا۔
۱۸؎تاکہ ہر بی بی پاک کے علم و عقل کا امتحان ہوجائے۔
۱۹؎تاکہ وہ پوچھنے والی بی بی تمہاری پیروی کریں جس سے تم کو بھی ثواب ملے۔

۲۰؎ **معنت** بنا ہے **عنة** سے بمعنی گناہ مشقت،معنت دوسروں کو گناہ یا مشقت میں ڈالنے والا متعنت خود گناہ یا مشقت میں واقع ہونے والا،مطلب یہ ہے کہ دوسری بیویوں کو تمہارے جواب سے ضرور خبردار کروں گا تاکہ ان کے لیے تمہارا جواب مشعل راہ بنے اس جواب کی اشاعت مفید ہے چھپانا ان کے لیے مضر ہوگا۔چنانچہ ان بیویوں نے وہ ہی جواب دیا جو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ نے دیا تھا سب فقر و فاقہ پر راضی ہوگئیں۔اور سب نے حضور کے ساتھ زندگی گزارنے کو اللہ کی بڑی نعمت سمجھا۔

۲۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ضرورت کے وقت حاکم عالم سلطان اپنے دروازے پر ڈیوڑھی بان کو سنبھال سکتے ہیں ورنہ عموماً حضور کے دروازے پر حاجت ڈیوڑھی بان نہ ہوتے تھے،کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہونا چاہیے،خواہ خاص دوست ہو یا اجنبی،اپنی جوان اولاد کو باپ سزا دے سکتا ہے اگرچہ اولاد شادی شدہ ہو،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج پاک نے بخوشی اپنی زندگی مسکینیت میں گزاردی۔بالا خانہ پر رہنا درست ہے،خاوند اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے سکتا ہے یہ اختیار دینا طلاق نہ ہوگا بلکہ اگر بیوی طلاق کو اختیار کرے تب طلاق ہوگی حضرت علی اور زید ابن ثابت و حسن سے جو مروی ہے کہ اختیار طلاق دینا ہی طلاق ہے شاید انہیں یہ حدیث نہ پہنچی(مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں ان عورتوں پر غیرت کرتی تھی جو اپنی جانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیتی تھیں میں کہتی تھی کیا عورت اپنی جان بخشتی ہے ۱؎ پھر جب اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ آپ ان عورتوں میں سے جسے چاہیں ہٹائیں جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جن کو علیحدہ کردیا ہے ان میں جسے چاہیں بلالیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ۲؎ تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی مگر وہ آپ کی خواہش پوری فرمانے میں جلدی کرتا ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت جابر کی حدیث کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو حجتہ الوداع کے قصہ میں ذکر کردی گئی ۴؎

۱؎ یعنی بعض عورتیں بارگاہ رسالت میں عرض کرتی تھیں کہ میں اپنی جان آپ کے سپرد کرتی ہوں میں اسے بے غیرتی سمجھتی تھی کہ عورت یہ جرأت کیسے کرتی ہے کہ اپنے کو مرد پر پیش کرے ؟۔

۲؎ اس آیت کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اے محبوب آپ کو اختیار ہے کہ جس بیوی کو چاہیں اپنے سے علیحدہ رکھیں کہ اس کے لیے باری کوئی مقرر نہ فرمائیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔ دوسرے یہ کہ اے محبوب جس

عورت سے آپ چاہیں نکاح کریں اور اسے اپنے پاس رکھیں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں،آپ پر تعداد ازواج کی کوئی پابندی نہیں،اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی ناسخ ہے"لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ"۔

۳؎ ام المؤمنین نے اس آیت کی دوسری تفسیر اختیار فرمائی کہ آپ جس قدر عورتوں سے چاہیں نکاح کریں اس سے معلوم ہوکہ حضرت ام المؤمنین کا عقیدہ یہ تھا۔شعر

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد

لہذا اگر حضور ہم جیسے گناہ گاروں کو رب سے بخشوانا چاہیں تو رب تعالٰی ضرور بخش دے گا،کیونکہ وہ حضور کی رضا چاہتا ہیں ؎

تو جو چاہے ابھی میل میرے دل کے دُھلیں کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

خیال رہے کہ چند عورتوں نے اپنے کو حضور پر پیش کیا ہے،میمونہ،ام شریک،زینب بنت خزیمہ،خولہ بنت حکیم،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ"الخ(مرقات)

۴؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث اس جگہ تھی میں نے مناسبت کا خیال کر تے ہوئے حجتہ الوداع کے باب میں ذکر کردی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ آپ کسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ دوڑ لگائی تو میں پاؤں سے دوڑنے میں آگے نکل گئی ۱؎ پھر جب میں کچھ بھاری ہوگئی تو آپ نے دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے آگے بڑھ گئے ۲؎ فرمایا یہ اس سبقت کا عوض ہوگیا ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی بحالت سفر کسی منزل پر ہم نے قیام کیا میدان تھا،رات کے اندھیرے یا دن میں اکیلے میں میں نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑ لگائی کہ یہ دیکھیں کون آگے نکل جائے،یہ دوڑ سواری پر نہ تھی پاؤں پر تھی میں آگے نکل گئی حضور نے خود ہی آپ کو آگے نکل جانے دیا ہوگا انہیں خوش کرنے کے لیے۔

۲؎ یہ پتہ نہ لگا کہ یہ دوڑ کس جگہ ہوئی بہرحال کچھ عرصہ کے بعد ہوئی ہو گی اور اس دوڑ میں آپ پیچھے رہ گئیں،یہ ہے اپنی ازواج پاک سے اخلاق کا برتاؤ۔ایسے اخلاق سے گھر جنت بن جاتا ہے،مسلمان یہ اخلاق بھول گئے،خیال رہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ لڑکپن میں حضور کے نکاح میں آئیں جب کہ حضور کی عمر شریف پچاس سال کے قریب تھی،اس قدر تفاوت عمر کے باوجود آپ کبھی نہ گھبرائیں کیوں ان اخلاق کریمانہ کی وجہ سے،باقی بیویاں بیوگان اور عمر رسیدہ تھیں

لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ گڑیاں کھلانا دوڑ لگانا،کھیل دکھانا صرف عائشہ صدیقہ ہی سے کیوں ہے دوسری بیویوں سے کیوں نہیں۔

۳؎یعنی اب کیسے،ہم جیت گئے بدلہ ہوگیا۔فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ چار چیزوں میں دوڑ جائز ہے اونٹ،گھوڑا،تیر اندازی،پیدل،ان میں دو طرفہ مال کی شرط حرام ہے کہ یہ جوا ہے،یک طرفہ جائز ہے کہ انعام ہوں اگر تیسرا کہہ دے کہ تم میں سے جو جیتے گا اسے یہ انعام ملے گا جائز ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہوں۱؎ اور جب تمہارا ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑدو ۲؎(ترمذی،دارمی)	

۱؎یعنی بڑا خلیق وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خلیق ہو کہ ان سے ہر وقت کام رہتا ہے اجنبی لوگوں سے خلیق ہونا کمال نہیں کہ ان سے ملاقات کبھی کبھی ہوتی ہے۔ہم نے اس اخلاق کریمانہ کا نمونہ قائم فرمادیا ہے۔سبحان اللہ!

۲؎یعنی خاوند بیوی میں سے جو مرجائے تو اسے دوسرا اچھائی سے یاد کرے برائیاں بیان نہ کرے یا کوئی مسلمان بھائی مرجائے تو اس کے عیوب بیان نہ کیے جائیں کہ مردہ کی غیبت بدترین گناہ ہے کیونکہ اس سے معاف نہیں کراسکتے۔خیال رہے کہ راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ یہ حدیث کی تحقیق ہے۔ غیبت کی تحقیق اور اس کے اقسام و احکام ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ فرمایئے اور کچھ اس کتاب میں بھی عرض کیے جاچکے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ مردوں کی غیبت نہ کرو زندہ مسلمان کی غیبت خوب کیا کرو۔

اور ابن ماجہ عن ابن عباس ان کے فرمان لاھلی تک؟	

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے اور اپنے ماہ رمضان کا روزہ رکھے۱؎ اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے ۲؎اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے ۳؎تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہوجائے ۴؎(ابونعیم حلیہ)	

۱؎یہاں خصوصیت سے عورت کا ذکر اس لیے ہے کہ آگے خاوند کی اطاعت کا بھی ذکر آرہا ہے جو صرف عورت پر فرض ہے،نمازوں سے مراد پاکی کے زمانہ کی نمازیں ہیں،روزوں سے مرادرمضان کے روزے اداء ہوں یا قضاء کہ ناپاکی کی حالت میں عورت روزے ادا نہیں کرسکتی،قضاء کرے گی۔

۲؎اس طرح کہ زنا اور اسباب زنا سے بچے بے پردگی گانا ناچنا وغیرہ حرام کام کے اسباب بھی حرام ہیں جیسے فرض کے اسباب و شرائط فرض نماز کی وجہ سے وضو وغیرہ بھی فرض ہے۔

۳؎کہ اس کا ہر جائز حکم مانے بشرطیکہ قادر ہو۔

۴؎چونکہ اس صالحہ بی بی نے ہر قسم کی عبادات کی ہیں اس لیے اسے ہر قسم کے دروازے سے جنت میں جانے کی اجازت ہے،جنت کے بہت دروازے ہیں ہر دروازہ خاص عبادت والے کے لیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے ۱؎تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ۲؎(ترمذی)

۱؎یعنی ہمارے شریعت میں غیر خدا کو سجدہ حرام ہے، سجدہ عبادت کفر ہے، سجدہ تعظیم حرام،دوسری شریعتوں میں بندوں کو سجدہ تعظیم جائز تھا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں کہ فرماتے ہیں اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی میں دیکھئے۔یہاں حکم سے مراد وجوبی حکم ہے یا استحبابی یا اباحت کا۔

۲؎کیونکہ خاوند کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور عورت اس کے احسانات کے شکریہ سے عاجز ہے اسی لیے خاوند ہی اس کے سجدے کا مستحق ہوتا۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کی اطاعت و تعظیم اشد ضروری ہے اس کی ہر جائز تعظیم کی جائے،اسی قاعدے سے فقیر کہتا ہے کہ اگر اسلام میں کسی بندے کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں اپنے نبی کو بلکہ ان کے نام کو سجدہ کرتا۔خیر دل تو ان کو ساجد ہی ہے۔شعر

اے جوش دل گر ان کو یہ سجدہ روا نہیں | اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت مرجائے اس حال میں کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہوا۱؎تو جنت میں جائے گی ۲؎(ترمذی)

۱؎یہاں خاوند سے مراد مسلمان عالم متقی خاوند ہے(مرقات)یہ قیود بہت ہی مناسب ہیں،بعض بے دین خاوند تو عورت کی نماز سے ناراض ہوتے ہیں اس کے گانے بجانے،سنیما جانے،بے پردہ پھرنے سے راضی ہوتے ہیں یہ رضا بے ایمانی ہے۔

۲؎مرتے ہی روحانی طور پر یا بعد قیامت جسمانی طور پر،کیونکہ اس نیک بی بی نے اللہ کے حقوق بھی ادا کیے بندے کے حقوق بھی۔

	روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مرد اپنی بیوی کو

اپنی ضرورت کے لیے بلائے ۲؎ تو وہ فورًا اس کے پاس آئے اگرچہ تنور پر ہو۳؎(ترمذی)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،یمامہ سے ایلچیوں قاصدوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲؎ حاجت سے مراد صحبت ہے جب کہ یہ صحبت کرانے کے لائق ہو۔

۳؎ اور روٹیاں تنور میں لگادی ہوں کہ اس حال میں وہاں سے ہٹنا روٹیاں جل جانے کا سبب ہے مگر یہ جب ہے کہ روٹیاں خاوند کی ہوں اگر کسی دوسری کی ہیں تو نہ جائے،اگر گئی اور روٹیاں ضائع ہو گئیں تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔

روایت ہے حضرت معاذ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہیں ستاتی کوئی عورت اپنے خاوند کو دنیا میں مگر اس کی حورعین بیوی کہتی ہے ۱؎ کہ خدا تجھے غارت کرے اسے نہ ستا کیونکہ یہ تیرے پاس مہمان ہے بہت قریب تجھے چھوڑ کر ہماری طرف آئے گا ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۳؎	

۱؎ جو اس کے نکاح میں آچکی ہے ملے گی بعد قیامت رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ"۔

۲؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حوریں نورانی ہونے کی وجہ سے جنت میں زمین کے واقعات دیکھتی ہیں،دیکھو یہ لڑائی ہو رہی ہے کسی گھر کی بند کوٹھڑی میں اور حور دیکھ رہی ہے،یہاں مرقات نے فرمایا کہ ملاء اعلٰی دنیا والوں کے ایک ایک عمل پر خبردار ہیں۔ دوسرے یہ کہ حوروں کو لوگوں کےانجام کی خبر ہے کہ فلاں مؤمن متقی مرے گا۔ تیسرے یہ ہے کہ حوروں کو لوگوں کے مقام کی خبر ہے کہ بعد قیامت یہ جنت کے فلاں درجہ میں رہے گا۔ چوتھے یہ کہ حوریں آج بھی اپنے خاوند انسانوں کو جانتی پہچانتی ہیں،پانچواں یہ کہ آج بھی حوروں کو ہمارے دکھ سے دکھ پہنچتا ہے ہمارے مخالف سے ناراض ہوتی ہیں۔جب حوروں کے علم کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام خلق سے بڑے عالم ہیں ان کے علم کا کیا پوچھنا،آج لوگ حضور کو حاضر ناظر ماننا شرک کہتے ہیں،یہاں سے معلوم ہوا کہ حور حاضر ناظر ہے،چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے حالات حوروں کے کلام سے خبردار ہیں جب ہی حور کا یہ کلام نقل فرمارہے ہیں وہ ہے حور،حضور ہیں نور،صلی اللہ علیہ وسلم ہر حور دنیا کے ہر گھر کے ہر حال سے خبردار ہے مگر یہ کلام وہ ہی حور کرتی ہے جس کا زوج اس گھر میں ہو۔

۳؎ یعنی ترمذی کی روایت میں یہ حدیث غریب ہے ابن ماجہ کی روایت میں نہیں مگر یہ غرابت مضر نہیں کیونکہ اس حدیث کی تائید قرآن کریم سے ہورہی ہے،رب تعالٰی فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے:" یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ" تمہارے کام

فرشتے جانتے ہیں اور ابلیس و ذریت ابلیس کے متعلق فرماتاہے:"اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ھُوَ وَقَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَھُمۡ"جب حدیث کی تائید قرآن مجید سے ہوجائے تو ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن معاویہ قشیری سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا حق اس پر کیا ہے فرمایا جب تم کھاؤ اسے کھلاؤ اورجب تم پہنو اسے پہناؤ۲؎اور اس کے منہ پر نہ مارو۳؎اور اسے برا نہ کہو ۴؎اور اسے نہ چھوڑو مگر گھر میں ۵؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎یہ حکیم تابعی ہیں قبیلہ بنی قشیر سے ہیں جو قشیر ابن کعب کی اولاد سے ہیں،امام نسائی نے فرمایا کہ ان کی حدیث مقبول ہے جامع اصول میں کہا کہ آپ اگرچہ بدوی یعنی دیہات کے رہنے والے ہیں مگر حسن الحدیث ہیں، ان کے والد معاویہ قشیری صحابی ہیں،مگرانہیں صاحبِ مشکوۃ نے اسماء الرجال میں ذکر نہ فرمایا کیونکہ ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے،کچھ بھی سہی تمام صحابہ ثقہ عادل ہیں۔

۲؎یعنی اپنی بیوی کو اپنی حیثیت کے لائق کھلاؤ پہناؤاور جب خود کھاؤ پہنو تب ہی اسے کھلاؤ پہناؤ ،اگر اپنے لیے دو جوڑے بناؤ تو اس کے لیے بھی، پہناؤ میں لباس جوتہ وغیرہ سب داخل ہیں،زیور اپنی مرضی پر ہے اس کا پہنانا بھی سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو ہار عطا فرمایا تھا اور اپنی لخت جگر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو کنگن نقرئی اور ہاتھی دانت کا ہار عطا فرمایا۔

۳؎یعنی قصور کرنے پر اسے مارسکتے ہو مگر چہرے پر نہ مارو کیونکہ چہرہ میں نازک اعضاء ہیں اور انسان کا چہرہ رب کو بڑا ہی محبوب ہے **خلق اللہ آدم علی صورتہ**۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ چار جرموں پر خاوند اپنی بیوی کو مار سکتا ہے:ایک بناؤ سنگار نہ کرنے،پاک صاف نہ رہنے پر جب کہ خاوند یہ چاہتا ہو،اور دوسرے بلا وجہ صحبت کے لیے پاس نہ آنے پر، تیسرے نماز روزہ وغیرہ شرعی احکام کی پابندی نہ کرنے پر،چوتھے بغیر اجازت گھر سے نکلنے پر مگراس مار میں اصلاح مقصود ہو نہ کہ ایذاء۔

۴؎**لا یقبّح** کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اسے گالیاں نہ دو کہ اس سے تمہاری زبان گندی ہوگی،عورت کی عادت بگڑے گی،کیونکہ گالیاں سننے والا گالیاں بکنے بھی لگتا ہے،دوسرے یہ کہ اسے برے کاموں کا عیب نہ لگاؤ،بے عیب کو عیب لگانے سے وہ عیب دار ہو جاتا ہے۔بلکہ برائی دیکھ کر اکثر چشم پوشی کرلیا کرو۔

۵؎یعنی اگر تم اس کی اصلاح کے لیے اس سے کلام و سلام بند کرو تو گھر سے باہر نہ نکال دو کہ اس سے وہ اور بھی آزاد ہوجائے گی،بلکہ گھر ہی میں رکھو،کھانا پینا جاری رکھو،صرف بول چال چھوڑ دو،یہ بائیکاٹ ان شاءاللہ اس کے لیے پوری اصلاح کا ذریعہ ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:" وَاھۡجُرُوۡھُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ"۔

روایت ہے حضرت لَقیط ابن صبرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری ایک بیوی ہے جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی بدزبانی یا تیز زبانی ۲؎ فرمایا اسے طلاق دے دو میں نے عرض کیا کہ اس میں سے میرے بچے ہیں،اور اسے میری پرانی صحبت ہے ۳؎ فرمایا تو اسے حکم دو یعنی نصیحت کرو اگر اس میں بھلائی ہوئی تو قبول کرے گی ۴؎ اور اپنی بیوی کو اپنی لونڈی کی سی مار نہ لگاؤ ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ لَقیط ابن عامر ابن صبرہ ہیں،صبرہ آپ کے دادا ہیں،مشہور صحابی ہیں طائف کے رہنے والے(مرقات واشعہ)

۲؎ فرمایئے تیز زبان بیوی کو سزا کیا دی جائے۔حضرات صحابہ حضور کو حکیم مطلق مان کر اپنے گھریلو معاملات تک آپ پر پیش کرکے اصلاح چاہتے تھے۔

۳؎ یہاں طلاق کا حکم اباحت کے لیے ہے،بدزبان بیوی کو طلاق دے دینا مباح ہے ان صحابی کا یہ جواب طلاق سے معذرت کرنے کے لیے ہے کہ اس سے بچے برباد ہوجائیں گے مجھے تکلیف ہوگی۔

۴؎ معلوم ہوا کہ نافرمان بیوی کو وعظ و نصیحت کرنا بہت محبوب ہے،انسان پہلے اپنی اصلاح کرے پھر اپنے گھر والوں کی پھر عزیز و اقارب کی پھر دوسروں کی آج کل عمومًا واعظین وعلماء کی بیویاں ہی زیادہ نافرمان دیکھی گئی ہیں کیونکہ ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

۵؎ **ظعینہ ظعن** سے بنا،سفر در ہودج چونکہ بی بی گھر میں ایسی رہتی ہے جیسے مسافر اونٹ پر ہودج میں اس لیے اسے ظعینہ کہا جاتا ہے **امیہ امۃ** بمعنی لونڈی کی تصغیر ہے یعنی بیویوں کو لونڈیوں کی طرح مار نہ لگاؤ،اس سے معلوم ہوا کہ معمولی مار کی اجازت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو کبھی نہ مارا۔

روایت ہے حضرت انس ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی بندیوں کو نہ مارو ۱؎ پھر جناب عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے عورتیں اپنے خاوندوں پر دلیر ہوگئیں ۲؎ تب انہیں مارنے کی اجازت دی ۳؎ پھر بہت سی عورتوں نے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر چکر لگائے ۴؎ جو اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی تھیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری اہل بیت پر بہت عورتیں چکر لگارہی ہیں اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی ہیں یہ لوگ تم میں اچھے نہیں ۵؎	

	(ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ یعنی جیسے مرد اللہ کے بندے ہیں ایسے ہی عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں جیسے مولیٰ اپنے غلام کو مارنے والے پر ناراض ہوتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ ظلمًا مارنے والے پر ناراض ہوگا نہ کسی مرد کو مارو نہ عورت کو۔

۲؎ یہاں النساء ذئرن کا فاعل نہیں ہے ورنہ فعل واحد آتا بلکہ فاعل کا بدل ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اَضَلُّوۡا كَثِیۡرًا" مطلب یہ تھا کہ جب عورتوں کو پتہ لگ گیا کہ ہمارے خاوند ہم کو قطعًا مارسکتے نہیں،تو وہ کچھ دلیر سی ہوگئیں۔

۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ اولًا قصور پر مارنے کی بھی اجازت نہ تھی اب قصور پر مارنے کی اجازت دی گئی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں۔

۴؎ یہاں آل سے مراد بیویاں ہیں،قرآن شریف میں آل بیویوں کو ہی کہا گیا ہے بیویاں اہل بیت سکونت ہوتی ہیں اور بچے اہل بیت ولادت یعنی عورتیں براہ راست بارگاہ نبوی میں حاضری کی تو ہمت نہ کرسکیں اس لیے ازواج پاک کی خدمت میں حاضر ہوکر بالواسطہ اپنے خاوندوں کی شاکی ہوئیں۔

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ قصور مند بیوی کو اصلاح کے لیے مارنا جائز ہے مگر نہ مارنا اور وعظ و نصیحت سے اصلاح کرنا بہتر ہے بلا قصور مارنا حرام جس پر پکڑ ہوگی،یونہی بہت مارنا بے دردی سے یہ حرام ہے،بیوی کی سختی برداشت کرنا،یونہی خاوند کی سختی جھیلنا اور نباہ کرنا بڑے اجر کا باعث ہے۔

۶؎ یہ حدیث حاکم نے ایاس ابن عبداللہ ابن ابی ذباب سے نقل فرمائی(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عورت کو اس کے خاوند پر یا غلام کو اس کے آقا پر خراب کردے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ خاوند بیوی میں فساد ڈالنے کی بہت صورتیں ہیں: عورت سے خاوند کی برائیاں بیان کرکے دوسرے مردوں کی خوبیاں ظاہر کرے کیونکہ عورت کا دل کچی شیشی کی طرح کمزور ہوتا ہے یا ان میں اختلاف ڈالنے کے لیے جادو تعویذ گنڈے کرنے سب حرام ہے اور غلام یا لونڈی کو بگاڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے بھاگ جانے پر آمادہ کرے،اگر وہ خود بھاگنا چاہیں تو ان کی امداد کرے،بہرحال دو دلوں کو جوڑنے کی کوشش کرو توڑو نہ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں بڑے کامل ایمان والا وہ ہے جو سب میں اچھے اخلاق والا اپنے بال بچوں پر مہربان ہو(ترمذی)۱؎

۱؎ مؤمن کا تعلق خالق سے بھی ہے مخلوق سے بھی، خالق سے عبادات کا تعلق ہے مخلوق سے معاملات کا عبادات درست کرنا آسان ہے مگر معاملات کا سنبھالنا بہت مشکل ہے اسی لیے یہاں خلیق شخص کو کامل ایمان والا قرار دیا،پھر اجنبی لوگوں سے کبھی کبھی واسطہ پڑتا ہے مگر گھر والوں سے ہر وقت تعلق رہتا ہے ان سے اچھا برتاؤ کرنا بڑا کمال ہے اسلام مکمل انسانیت سکھاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنوں سے کامل تر مؤمن اچھے اخلاق والا ہے ۱؎ اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں سے بہترین ہو ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(ابوداؤد) **خلقاتک**۔	

۱؎ خلق حسن وہ عادت ہے جس سے اللہ رسول بھی راضی رہیں اور مخلوق بھی،یہ ہے بہت مشکل مگر جسے یہ نصیب ہو جائے اس کے دونوں جہان سنبھل جاتے ہیں۔

۲؎ کیونکہ بیوی صرف خاوند کی خاطر اپنے سارے میکے والوں کو چھوڑ دیتی ہے اگر خاوند بھی اس پر ظلم کرے تو وہ کس کی ہو کر رہے،کمزور پر مہربانی سنت الٰہیہ بھی ہے سنت رسول بھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک ۱؎ یا حنین سے ۲؎ واپس تشریف لائے ام المؤمنین کے طاق میں پردہ تھا،ہوا چلی جس نے پردہ کے کنارہ نے حضرت عائشہ کے کھیل کی گڑیا کھول دیں ۳؎ تو حضور نے فرمایا عائشہ یہ کیا ہے ؟ بولیں میری گڑیاں ہیں آپ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے دو پر تھے تو فرمایا یہ کیا ہے جسے ہم بیچ میں دیکھ رہے ہیں؟ بولیں گھوڑا ہے فرمایا اس کے اوپر کیا ہے ؟ میں بولی دو پر ہیں فرمایا کیا گھوڑے کے پر ہیں؟ بولیں کیا آپ نے نہ سنا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے ۴؎ فرماتی ہیں کہ حضور ہنسے حتی کہ میں نے آپ کی کچلیاں دیکھ لیں ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ تبوک مدینہ منورہ اور دمشق(شام) کے درمیان ایک مشہور جگہ ہے یہ غزوہ ۹ھ میں ہوا،آخری غزوہ یہ ہی ہے۔اسی غزوہ کا نام غزوہ عسرت یعنی سخت تنگی کا غزوہ ہے،بخاری شریف نے اسے بعد حجتہ الوداع لکھا ہے،یہ غلط ہے شاید کاتبِ کی غلطی ہے(مرقات)

۲؎ حنین مکہ معظّمہ و طائف کے درمیان ایک جنگل کا نام ہے ذوالمجاز کے قریب ہے آج کل اسے سہل کہتے ہیں،فقیر نے طائف جاتے ہوئے اس کی زیارت کی یہ غزوہ ۸ھ؁ میں فتح مکہ کے بعد ہوا۔

۳؎ سہوہ کا ترجمہ بعض لوگوں نے الماری کیا ہے مگر طاق نہایت صحیح کیونکہ اکثر بچیاں اپنی گڑیاں کھلونے طاقوں میں ہی رکھتی ہیں ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ گڑیاں لڑکیوں کے لیے کھیل بھی ہے،تعلیم بھی اس سے وہ کھانا پکانا سینا،پرونا بخوبی سیکھ جاتی ہے۔ام المؤمنین لڑکپن میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر شادی ہو کر آئی تھیں۔

۴؎ حضرت ام المؤمنین نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا قرار دیا۔اور ظاہر ہے کہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلتی تھی۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖ"اسے اڑانا قرار دیا اور اس سے اپنے گھوڑے کی سند بتائی،سبحان اللہ چھوٹی عمر اور اتنا نفیس جواب،خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح دسویں سال نبوت یعنی ہجرت سے تین سال پہلے مکہ معظّمہ میں دسویں شوال کو کیا،اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی اور یہ غزوہ ۸ھ؁ اور ۹ھ؁ میں ہوئے،اگرچہ اس وقت آپ بالغہ تھیں مگر عمر یقینًا کچی تھی اسی لیے گڑیاں بناتی اور ان سے کھیلتی تھیں۔

۵؎ یعنی آپ نے میرے اس جواب پر تبسم فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ عمل جائز تھا بعض علماء فرماتے ہیں ان گڑیوں اور اس گھوڑے کے آنکھ ناک کان نہ تھے صرف چیتھڑوں کے مجسمہ تھے اور ان اعضاء کے بغیر تصویر نہیں کہلاتی۔لہذا جائز تھی،بعض نے فرمایا کہ یہ واقعہ کھیل کی حرمت آنے سے پہلے کا ہے،مگر ترجیح اس کو ہے کہ بچوں کے کھلونوں کے احکام ہلکے ہیں۔(اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت قیس ابن سعد سے فرماتے ہیں میں حیرہ گیا ۱؎ وہاں لوگوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں ۲؎ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے ۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ پہنچا تو انہیں دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے ۴؎ تو فرمایا بتاؤ تو اگر تم میری قبر پر گزرو تو کیا تم قبر کو سجدہ کرو گے ۵؎ میں نے عرض کیا نہیں تو فرمایا یہ بھی نہ کرو اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا	

کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں ۶؎ کیونکہ اللہ تعالٰی نے خاوندوں کا ان پر حق قرار دیا(ابوداؤد)۷؎ احمد نے معاذ ابن جبل سے روایت کیا۔	

۱؎ آپ سعد ابن عبادہ کے فرزند ہیں انصاری خزرجی ہیں،دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں رہے،حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی حیرہ کوفہ سے ملا ہوا مشہور شہر ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حیرہ کے باشندے مشرکین تھے جو اپنے بادشاہ سردار کو تعظیمی سجدہ کرتے تھے۔

۳؎ کیونکہ تمام خلق سے افضل ہیں،اور تمام کے محسن اعظم،جب وہ ایک علاقہ کے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم جہاں بھر کے سردار کو سجدہ کیوں نہ کریں۔

۴؎ لہذا آپ ہم کو سجدہ کی اجازت دیں کہ آپ کو سجدہ کیا کریں۔

۵؎ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ سجدہ اسے لائق ہے جس کو نہ موت آئے نہ اس کی قبر ہو،ہمیشہ زندہ رہے وہ صرف رب تعالٰی کی ذات ہے بندہ آج زندہ ہے زمین پر ہے کل بعد وفات زمین میں ہوگا جب بعد موت قبر کو سجدہ نہیں ہوسکتا تو زندگی میں بھی سجدہ نہیں ہوسکتا۔ اس سے معلوم ہو اکہ قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔

۶؎ یعنی اگر سوائے خدا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کرتی،کیونکہ خاوند کے حقوق بھی عورت پر بہت ہیں اور احسانات بھی زیادہ ہیں جب عورت خاوند کو سجدہ نہیں کرسکتی تو اور کوئی بھی کسی بندی کو سجدہ نہیں کرسکتا۔خیال رہے کہ سجدہ عبادت کسی دین میں بھی غیر خدا کو جائز نہ تھا مگر سجدہ تعظیمی بعض گزشتہ دینوں میں جائز تھا جیسے یعقوب علیہ السلام اور ان کے گیارہ بیٹوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ہمارے اسلام میں یہ سجدہ بھی حرام ہے۔ اس حدیث سے وہ جاہل پیر عبرت پکڑیں جو اپنے مریدین سے اپنے کو سجدہ کراتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ حرام ہوا تو کسی کو کیسے جائز ہوگا۔

۷؎ یہ حدیث احمد نے حضرت معاذ سے اور حاکم نے حضرت بریدہ سے روایت کی،بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبیوں کو سجدہ کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ممانعت صرف ظنی احادیث سے جو مسلم،بخاری کی بھی نہیں لہذا ان احادیث کا اعتبار نہیں۔قرآن کے مقابل خبرو احد غیر معتبر ہے اس کا نہایت نفیس جواب ہم نے اپنے حاشیہ القرآن میں دیا ہے۔غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کی ممانعت کی احادیث متواتر المعنی ہیں اور اس کے جواز کی آیات قطعی الثبوت تو ہیں قطعی الدلالت نہیں یعنی دوسری شریعتوں میں سجدہ تعظیمی کا جواز بطور قطعی نہیں ہوتا۔حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کسی شریعت کا حکم نہ تھا کہ اس وقت دنیا میں نہ شریعت آئی تھی نہ نبی کی نبوت اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھا بلکہ خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے تھا،جیسے فرزند کا ذبح کردینا دین ابراہیمی کا مسئلہ نہ تھا بلکہ خواب کی تعبیر پوری کرنے کو کہا تھا۔اگر مان لیا جائے کہ وہ سجدہ شریعت یعقوبی کا مسئلہ تھا تو چاہیے کہ آج پیر مریدوں کو سجدہ کریں کہ نہ مرید پیر کو،کیونکہ افضل نے مفضول کو سجدہ کیا تھا۔یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند کو۔

	احمد نے معاذ ابن جبل سے روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مرد سے اس کے متعلق پوچھ نہ ہوگی جو وہ اپنی بیوی کو مارے ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ بشرطیکہ خاوند مار کر شرائط و حدود کا لحاظ رکھے کہ بلا قصور نہ مارے ضرورت سے زیادہ نہ مارے،عداوت سے نہ مارے اصلاح کے لیے مارے تو خاوند پر اس مار کی پکڑ نہ ہوگی کیونکہ اس کی اجازت قرآن کریم نے دی رب تعالیٰ فرماتاہے:" وَاضۡرِبُوۡهُنَّ "مگر ساتھ میں قید لگاتا ہے"فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا"اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر زیادتی نہ کرو۔خیال رہے کہ باپ اولاد کو بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو،نبی امتی کو،استاد شاگرد کو،پیر مرید کو اصلاح کے لیے مار سکتا ہے۔اگر غلطی سے بھی سزا دے دے تب بھی بڑے پر قصاص نہیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے غلطی سے حضرت ہارون علیہ السلام کے بال نوچ کر اپنی طرف کھینچ لیا بعد میں پتہ لگا کہ وہ بے قصور ہیں تو رب تعالیٰ نے انہیں قصاص دینے کا حکم نہ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعہ پر اپنے کو قصاص کے لیے پیش فرمایا وہ ہماری تعلیم کے لیے تھا ورنہ حضور پر قصاص کیسا۔اگر بادشاہ یا قاضی غلطی سے کسی ملزم کو سزا دے دے تو ان پر قصاص نہیں،حضور کی شان تو کہیں اعلیٰ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور ہم حضور کے پاس تھے بولی میرا خاوند صفوان ابن معطل ۱؎ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو تڑوادیتا ہے اور فجر کی نماز نہیں پڑھتا حتی کہ سورج نکل آتا ہے ۲؎ فرماتے ہیں صفوان حضور کے پاس تھے فرماتے ہیں حضور نے اس بیان کے متعلق ان سے پوچھا ۳؎ وہ بولے یارسول اللہ لیکن اس کا یہ کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے تو ایسی دو سورتیں پڑھتی ہیں جن سے میں نے اسے منع کیا ہے ۴؎ راوی فرماتے ہیں تب اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اگر ایک سورہ ہوتی تو لوگوں کو کافی ہوتی ۵؎ بولے کہ رہا اس کا یہ کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو توڑوا دیتا ہے تو یہ شروع ہوجاتی ہے تو روزہ ہی رکھتی رہتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں صبر نہیں کرسکتا

	۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت روزہ نہ رکھے بغیر خاوند کی اجازت کے ۷؎ رہا اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے تک نماز نہیں پڑھتا۔تو ہم لوگ ایسے گھرانے والے ہیں کہ یہ بات ہماری مشہور ہے جانی پہچانی سورج نکلنے تک نہیں جاگ سکتے ۸؎ فرمایا اے صفوان جب تم لوگ جاگو تو نماز پڑھ لیا کرو ۹؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کی کنیت ابو عمر ہے سلمی ہیں،خندق اور تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے بہت بڑے بہادر متقی تھے،آپ ہی کی طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازیبابات منسوب کی گئی تھی جس کی تردید قرآن کریم نے کی،غزوہ آرمینیہ میں ۱۹ھ میں شہید ہوئے،ساٹھ سال سے زیادہ عمر شریف ہوئی،بڑے باخبر بزرگ ہیں۔(اکمال،اشعہ)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی اپنے خاوند کی شکایت حاکم کے سامنے کرسکتی ہے یوں ہی خاوند کے والدین سے بھی اس کی شکایت جائز ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ محض مدعی کے بیان پر حاکم فیصلہ نہ کرے بلکہ مدعی علیہ کے بیان ضرور لے۔

۴؎ یعنی میری یہ بیوی ایک یا دو رکعت نماز میں بہت دراز سورتیں پڑھتی ہے،مثلًا رکعت اول میں سورہ بقرہ پوری اور دوسری رکعت میں پوری سورہ آل عمران جس سے گھر کے کام کاج اور میری خدمت میں سخت حرج واقع ہوتا ہے میں نے اسے چھوٹی سورتیں پڑھنے کو کہا ہے۔

۵؎ **کانت** کا اسم ھی ضمیر ہے جو قرأۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر ان بی بی صاحبہ کی قرأت ایک چھوٹی سورۃ ہی ہوتی تو کافی ہوتی،قرآن مجید کی ایک چھوٹی سورۃ تمام جہان کو کافی ہے یا یہ مطلب ہے کہ چھوٹی سورۃ تمہارے گھر کے سارے لوگوں کو کافی ہوتی کہ اس بی بی کی نماز ہوجاتی گھر کے کام کاج میں حرج نہ ہوتا،سب گھر والوں کے تمام کام بخوبی انجام پا جاتے۔

۶؎ یعنی یہ بی بی لگاتار نفلی روزے رکھتی رہتی ہے کبھی افطار ہی نہیں کرتی ،میں اکثر رات میں اپنی کھیتی باڑی کا کام کرتا ہوں مجھے دوپہر وغیرہ میں اس کی حاجت ہوتی ہے۔

۷؎ یعنی بیوی بغیر خاوند کی اجازت نفلی روزے نہ رکھے کہ اس میں خاوند کو تکلیف ہوتی ہے اس کا حق مارا جاتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ تو فرماتی ہیں کہ میں رمضان کی قضا شعبان کے مہینے سے پہلے نہ کرسکتی تھی شعبان میں اکثر حضور کے روزے ہوتے تھے تب میں قضا کیا کرتی تھی حالانکہ وہ روزے تو فرض تھے۔

۸؎ یعنی ہم لوگ کھیتی و باغ والے ہیں رات بھر پانی دیتے ہیں،آخر رات میں سوتے ہیں اس لیے دن چڑھے آنکھ کھلتی ہے ہم معذور ہیں۔

۹؎ یہاں شارحین حدیث نے بہت غوطے کھائے ہیں،کہتے ہیں کہ حضرت صفوان رات بھر کھیت و باغ کو پانی دے کر آخر شب میں کھیت پر ہی سوجاتے تھے نہ ان کی آنکھ کھلتی تھی نہ وہاں کوئی جگانے والا ہوتا تھا اس لیے مجبور تھے مگراس

توجیہ پر آج تو ترک نماز کے دروازے کھل جائیں گے لوگ کہیں گے کہ ہم رات کو سفر میں جاگتے ہیں یا رات بھر پہرہ دیتے ہیں ہم خواہ مخواہ نماز فجر قضا کردیا کریں،بہانے بنا نے والے نماز،روزہ حج وغیرہ چھوڑنے کے لیے بہانہ بنالیں گے اور منکرین حدیث کو اعتراض کا موقعہ ملے گا فقیر گنہگار کہتا ہے کہ یہ اجازت حضرت صفوان کے لیے خاص ہے،کرم کریمانہ سے ان کے لیے قضا کو ادا بنادیا گیا،حضور نے تو ایک صاحب پر تین نمازیں معاف فرمادیں،ان پر دو ہی نمازیں فرض رہیں،حضرت علی نے حضور کی نیند پر نماز عصر قربان فرمادی،حضور چاہیں قضا کو ادا کردیں ادا کو قضا کردیں،قانون اور ہے خصوصیت کچھ اور یہ نفیس تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھئے لہذا ہم میں سے کوئی حضرت صفوان کی طرح نہیں ہوسکتا،دنیاوی کاموں کی وجہ سے عبادات قضا نہیں کرسکتے دین کے لیے دنیا چھو ڑ دو دنیا کے لیے دین نہ چھوڑو ان خصوصیات کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تھے کہ ایک اونٹ آیا اس نے آپ کو سجدہ کیا ۱؎ تو حضور کے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں ۲؎ تو ہم زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں ۳؎ تو فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو ۴؎ اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو ۵؎ اور اگر میں کس کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ۶؎ اور اگر خاوند حکم کرے کہ پہلے پہاڑ سے کالے پہاڑ کی طرف اور کالے پہاڑ سے سفید پہاڑ کی طرف کو منتقل کرے تو بیوی کو چاہیے کہ ایسا ہی کرے ۷؎(احمد)

۱؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں درختوں نے اس لیے سجدہ کیے کہ وہ رب تعالٰی کی طرف سے اس کے مامور تھے جیسے فرشتے سجدہ آدم کے لیے مامور تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانور اور درخت بھی حضور کی عظمت جانتے پہچانتے ہیں جو انسان ذی عقل ہو کر انہیں اپنا جیسے کہے اپنے میں اور نبی میں فرق نہ کرے وہ جانوروں سے بدتر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ہر چیز کو عقل سے پہچانو،مگر جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشق سے مانو،عقل والا ابوجہل نہ پہچان سکا،بے عقل اونٹ پہچان گئے۔شعر

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

۲؎ معلوم ہوا کہ یہ سجدہ صرف ایک بار ہی نہ ہوا بلکہ جانوروں،لکڑیوں کے سجدے بارہا ہوتے رہتے تھے جسے حضرات صحابہ دیکھتے تھے اسی لیے تسجد مضارع استمراری ارشاد ہوئی۔

۳؎کیونکہ اونٹ بے عقل ہے ہم انسان ہیں عقل رکھتے ہیں اپنے محسن کو جانتے پہچانتے ہیں نیز بمقابلہ جانوروں اور دوسری مخلوق کے آپ کے احسانات انسان پر خصوصًا ہم پر بہت زیادہ ہیں تو ہم اگر آپ کو سجدہ نہ کریں تو بہت ناشکرے ہیں۔

۴؎یعنی تمام عبادات میں نماز اعلیٰ ہے اور تمام ارکان نماز میں سجدہ افضل لہذا سجدہ صرف رب تعالیٰ کو ہی کرنا چاہیے غیر خدا کو ہر گز سجدہ نہ کرو۔(مرقات)

۵؎بھائی سے مراد اپنی ذات ہے یعنی میری تعظیم و توقیر کرو حضور کا اپنے کو بھائی فرمانا تواضع و انکساری کے لیے ہے،ورنہ آپ کی نعلین پر تمام جہان کے ماں باپ قربان(از مرقات)حضور بہت سے احکام میں امت کے والد ہیں اسی لیے حضور کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں،بھابیاں نہیں،مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری طرف خالص بشر اولاد آدم ہوں،نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا اور سجدہ صرف خدا کے لیے چاہیے تو پھر سجدہ کیسے کرسکتے ہو۔خیال رہے کہ یہاں اکرموا امر ہے وہ بھی مطلق جس میں کوئی قید نہیں جس سے معلوم ہوا کہ سوا سجدہ وغیرہ عبادات کے باقی ہر طرح کی تعظیم و تکریم کرو رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ"لہذا ہر تعظیم حضور کی کی جائے،امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔شعر

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم — واحکم بما شئت من شرف و من عظم

فان فضل رسول اللہ لیس له — حد فیعرب عنه ناطق بفم

یعنی جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق کہا وہ تو نہ کہو باقی جو چاہو کہو تعظیم و توقیر کے الفاظ کہو کیونکہ حضور کے فضائل کی حد ہی نہیں جسے کوئی بولنے والا بول سکے۔

۶؎یعنی خاوند کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ اگر کسی بندے کو سجدہ ہوتا تو بیوی خاوند کو سجدہ کرتی لامرت متکلم فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور مالک احکام ہیں واجب و فرض آپ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے اس کے لیے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ دیکھئے۔

۷؎یہ فرمان مبارک مبالغہ کے طور پر ہے،سیاہ و سفید پہاڑ قریب قریب نہیں ہوتے بلکہ دور دور ہوتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اگر مشکل سے مشکل کام کا بھی حکم دے تب بھی بیوی اسے کرے کالے پہاڑ کا پتھر سفید پہاڑ پر پہنچانا سخت مشکل ہے کہ بھاری بوجھ لے کر سفر کرنا ہے۔یہاں مرقات نے بحوالہ احمد و نسائی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ دیوانہ ہوگیا جو کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹنے دوڑتا تھا اور انصاری نے حضور سے شکایت کی آپ اس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اس اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کام میں لگادیا وہ لگ گیا تب صحابہ کرام نے یہ عرض کیا اور یہ جواب ملا اس کا واقعہ بہت دراز ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کی نہ نماز قبول ہو نہ کوئی نیکی اوپر چڑھے ۱؎بھگوڑا غلام یہاں تک

	که اپنے مولاؤں کی طرف لوٹ آئے ۲؎اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دے اور وہ عورت جس پر ان کا خاوند ناراض ہو اور نشہ والا یہاں تک کہ ہوش میں آجائے۔(بیہقی شعب الایمان)۳؎

۱؎یعنی بارگاہ الٰہی میں قبولیت کے لیے نہیں چڑھتی رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ"۔

۲؎جب کہ اس غلام کے مولیٰ بہت سے ہوں اور اگر ایک ہی مولیٰ ہو تو اس ایک ہی کے پاس حاضر ہوجائے ہاتھ میں دینے سے مراد ہے کہ اس کی فرماں برداری کرنا اپنے کو اس کے حوالے کردینا۔

۳؎یا اس طرح کہ نشہ پینے سے توبہ کرے یا اس طرح کہ نشہ اتر جائے،پہلی صورت بہت ہی اعلیٰ ہے مقصد یہ ہے کہ گناہ کی حالت میں غضب الٰہی متوجہ ہوتا ہے توبہ کرنے سے رحمت الٰہی بندے کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کونسی عورت اچھی ہے فرمایا کہ اسے خاوند جب دیکھے تو اچھی لگے ۱؎اور جب اسے حکم دے تو اطاعت کرے اور اس کی مخالفت نہ کرے نہ اپنی جان میں نہ اپنے مال میں جو خاوند کو ناپسند ہو ۲؎(نسائی،بیہقی،شعب الایمان)

۱؎یا اس لیے کہ خوبصورت ہو یا اس لیے کہ خاوند کے سامنے بناؤ سنگار سے پاک و صاف ہو کر آئے یااس لیے کہ خاوند کو دیکھ کر خوش ہوجائے کھل جائے ایسی خندہ پیشانی سے ملے کہ خاوند خوش ہوجائے ۔یہاں مرقات میں ہے اگر عورت میں صورت و سیرت دونوں جمع ہوجائیں تو مرد کے لیے سرور پر سرور ہے نور پر نور۔

۲؎مطلب یہ ہے کہ بیوی کے پاس جو مال ہو خواہ میکے سے ملا ہوا ہو خواہ خاوند کا دیا ہوا اسے ایسی جگہ خرچ نہ کرے جس سے خاوند ناراض ہو خود ایسا کوئی کام نہ کرے ایسی جگہ نہ جائے جس سے خاوند ناخوش ہو ایسی عورت اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ نے فرمایا چار چیزیں وہ ہیں جسے وہ دی گئیں اسے دین و دنیا کی بھلائی دے دی گئی ۱؎شکر والا دل،ذکر والی زبان اور جسم مصیبتوں ۲؎پر صبر والا ۳؎اور ایسی بیوی جو اپنے نفس اور اس کے مال میں بغاوت نہ کرے ۴؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اعطی مجہول فرما کر ادھر اشارہ فرمایا کہ یہ چاروں نعمتیں صرف اپنی کوشش سے نہیں ملتیں بلکہ خاص عطاء رب ذوالجلال ہیں لہٰذا جسے یہ نعمتیں ملیں وہ انہیں اپنا کمال نہ سمجھے رب کی عطا سمجھ کر شکریہ ادا کرے چونکہ ان چاروں چیزوں کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی اس لیے ارشاد ہوا کہ اسے دین و دنیا کی بھلائی مل گئی۔

۲؎ اگرچہ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور ذکر اللہ دل سے بھی کیا جاتا ہے مگر چونکہ دل کا شکر زبانی شکر سے اعلیٰ ہے اورزبانی ذکر کا تبین فرشتوں کی تحریر میں آتا ہے اور زبانی ذکر ہی نماز کا رکن ہے اسی زبان سے تلاوت قرآن ہوتی ہے اسی لیے خصوصیت سے دلی شکر اور زبانی ذکر کا تذکرہ فرمایا دلی شکر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر نعمت کو رب تعالیٰ کی طرف سے جانے اور اس نعمت کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے رب تعالیٰ نے شکر کی جگہ جگہ بہت تعریف فرمائی ہے"اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا"۔

۳؎ اگرچہ صبر بھی دل سے ہی ہوتا ہے مگر اس کا تعلق سارے جسم سے ہے،اس لیے صبر کو پورے جسم کی طرف نسبت فرمایا مصیبتوں میں زبان سے بکواس نہ کرنا،آنکھوں سے بے صبری کے آنسو نہ بہانا،ہاتھ پاؤں سے بے صبری کا اظہار نہ کرنا،جسم کا صبر ہے۔

۴؎ بیوی اکثر اپنے خاوند کے مال کی امینہ و محافظہ ہوتی ہے اور اکثر مال اس کے پاس رہتا ہے نیز خود بیوی خاوند کی امانت ہے،اسی لیے **نفسھا** فرمایا اور بعد میں **مالہ** یعنی بغیر خاوند کی اجازت نہ کہیں جائے نہ کسی سے تعلق رکھے،اس کا مال اس کی ہی اجازت سے خرچ کرے ایسی بیوی اللہ کی نعمت ہے پارسا عورت خاوند کو بھی پرہیزگار بنادیتی ہے۔

باب الخلع والطّلاق

خلع اور طلاق کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ خلع خ کے پیش لام کے فتح سے بمعنی کپڑے یا جوتے اتارنا،رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:" فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ"۔شریعت میں عورت کو مال کے عوض طلاق دینا بہ لفظ خلع،اسے خلع کہتے ہیں مثلًا مرد کہے کہ میں نے تجھ سے ایک ہزار روپیہ پر خلع کیا عور ت کہے میں نے قبول کیا یا عورت کہے تو مجھ سے اتنے روپیہ پر خلع کرلے مرد کہے کرلیا یہ ہے خلع۔ہمارے ہاں خلع طلاق بائنہ ہے اور امام احمد ابن حنبل کے نزدیک و امام شافعی کے ایک قول میں خلع فسخ نکاح ہے چونکہ خاوند بیوی ایک دوسرے کے لباس ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّھُنَّ"اسی لیے اس طلاق کو خلع کہا گیا کہ دونوں خاوند بیوی اس کے ذریعہ اپنا لباس زوجیت اتار دیتے ہیں،طلاق کے معنی ہیں کھل جانا اسی لیے تیز زبانی کو طلاقۃ اللسان کہتے ہیں اور خندہ پیشانی کو طلاقۃ وجہ،چونکہ طلاق کے ذریعہ عورت مرد کی قید نکاح سے کھل جاتی ہے لہذا اسے طلاق کہا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ حضرت ثابت ابن قیس کی بیوی ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت ابن قیس کی عادت میں دین میں اعتراض نہیں کرتی ۲؎ مگر میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغ لوٹا دو گی ۴؎ وہ بولیں ہاں ۵؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باغ قبول کرلو اور انہیں ایک طلاق دے دو ۶؎ (بخاری)	

۱؎ ثابت ابن قیس ابن شماس پستہ قد قدرے سیاہ فام تھے،ان کی بیوی حبیبہ بنت سہل یا جمیلہ یعنی عبداللہ ابن اُبی کی بہن بہت خوبصورت دراز قامت تھی یہ اپنے خاوند کی شکل وصورت پسند نہ کرتی تھیں۔(از مرقات واشعہ)

۲؎ یعنی ان کی عادت بھی اچھی ہے اور یہ دیندار بھی ہیں،سبحان اللہ! یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی حق گوئی کہ جس سے ناراض ہوں اس کو بہتان نہیں لگاتے۔

۳؎ یعنی مجھے یہ پسند نہیں لہذا میں یہ نہیں کرسکتی کہ دل سے ناپسند کروں اور زبان سے انہیں اچھا کہے جاؤں کہ یہ تقیہ ہے اور اسلام کے خلاف ہے میں ان کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں اس ناراضی کی وجہ ان حضرت ثابت کا خوب صورت نہ ہونا تھا۔(اشعہ)

۴؎ کھجور کا وہ باغ جو تم کو انہوں نے مہر میں دیا ہے۔معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ خاوند خلع میں مہریا اور کوئی اپنی دی ہوئی چیز ہی واپس لے زیادہ نہ مانگے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ خلع میں اگر مرد کی طرف سے ابتداء ہو تو عورت کا قبول کرنا ضروری اور اگر عورت کی طرف سے ابتدا ہو تو مرد کا قبول کرنا لازم ہے آج کل جو عورتیں دھڑا دھڑ بذریعہ کچہری سے تنسیخ نکاح کرالیتی ہیں مرد راضی نہیں ہوتا اور اسے خلع کہتی ہیں محض غلط ہے۔

۶؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خلع میں عورت کا کام ہے مال دینا اور مرد کا کام طلاق دینا۔دوسرے یہ کہ خلق طلاق ہے فسخ نکاح نہیں۔تیسرے یہ کہ خلع میں بھی ایک طلاق بائنہ ہی دیجائے تین طلاقیں نہ دے تاکہ اگر پھر عورت و مرد راضی ہوں تو پھر نکاح کرسکیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق دیدی ۱؎ تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں بہت ناراض ہوئے ۲؎ پھر فرمایا وہ رجوع کرلیں پھر اسے روکیں ۳؎ حتی کہ پاک ہوجائے پھر حیض آئے پھر پاک ہوجائے ۴؎ پھر اگر ان کی رائے اسے طلاق دینے کی ہو تو پاکی کی حالت میں انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دیں ۵؎ پس یہ ہی وہ عدت ہے کہ اللہ نے حکم دیا کہ عورتوں کو اس لحاظ سے طلاق دی جائے ۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ انہیں حکم دو وہ رجوع کرلیں،پھر انہیں پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق دیں ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس حالت میں طلاق دی جب بیوی کو حیض آرہا تھا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض نہ ہوتے اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بحالت حیض طلاق دینا اگرچہ حرام ہے مگر وہ طلاق واقع ہوجائے گی ورنہ رجوع کرنے کے کیا معنی ؟یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک یا دو طلاق رجعی ہوتی ہیں کہ عدت کے اندر خاوند رجوع کرسکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۴؎ یعنی طلاق والے حیض کے بعد جو طہر آئے اس میں طلاق نہ دیں بلکہ اس طہر کے بعد حیض آئے پھر اس دوسرے حیض کے بعد جو طہر آئے اس میں طلاق دیں۔بعض علماء کا یہ ہی مذہب ہے کہ حیض میں طلاق دینے والااس طلاق سے رجوع کرے پھر اگر طلاق دینا چاہے تو اس کے متصل طہر میں بھی طلاق نہ دے یہ طہر اس طلاق والے حیض کے تابع ہے اگر طہر میں طلاق دے گا تو گویا حیض ہی میں طلاق دے رہا ہے مگر حق یہ ہے کہ اس متصل طہر میں طلاق دے سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی اس لیے تھاکہ شاید اس طہر میں ساتھ رہنے بسنے سے دل مل جائے اور پھر طلاق کی ضرورت پیش نہ آئے یہ مشورہ مصلحت کی بنا پر ہے اس کی اور بھی حکمتیں بیان کی گئی ہیں مگر یہ زیادہ قوی ہے۔(از نووی شرح مسلم و مرقات و لمعات)غرضکہ یہ حکم شرعی نہیں بلکہ رائے ہے جس پر عمل مستحب ہے۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس طہر میں طلاق دینا ہو اس میں عورت سے صحبت نہ کرے یہ ہی فقہاء فرماتے ہیں۔

۶؎ یعنی قرآن کریم جو فرماتاہے:"فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ"اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ طلاق طہر میں دو اور طہر بھی وہ ہے جس میں صحبت نہ کی ہو۔خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں لِعِدَّتِهِنَّ کالام بمعنی فی نہیں بلکہ بمعنی اجل ہے یعنی انہیں عدت کے لحاظ سے طلاق دو صحبت سے خالی طہر میں تاکہ عدت معلوم رہے کہ اس کی عدت حیض ہے یا وضع حمل،امام شافعی کے ہاں یہ لام بمعنی فی ہے یعنی انہیں عدت کے زمانہ میں طلاق دو اس بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ عدت غیر حاملہ کی طہر ہے ہمارے ہاں حیض۔

۷؎ معلوم ہوا کہ حاملہ عورت کو طلاق دینا جائز ہے اس کی عدت حمل جن دینا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ رجعت میں عورت کی رضا ضروری نہیں اگر عورت رجوع سے ناراض بھی ہو خاوند رجوع کرسکتا ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ"۔خیال رہے کہ بہتر یہ ہی ہے کہ مرد صرف ایک ہی طلاق دے وہ بھی ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ ہوئی ہو اور اگر تین طلاقیں دینا ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے،عدت پہلی طلاق سے شروع ہوگی، ایک دم تین طلاقیں دے دینا حرام ہے لیکن اگر دے دیں تو واقع ہوجائیں گی جیسے بحالت حیض طلاق دینا حرام لیکن اگر دے تو واقع ہوجائے گی اس کے لیے ہماری کتاب"تلاق الادلۃ فی الطلاق الثلثۃ"کا مطالعہ کیجئے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تو ہم نے رسول اللہ کو اختیار کرلیا تو اسے ہم پر کچھ بھی شمار نہ کیا گیا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اگر خاوند اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دے مگر عورت خاوند کو اختیار کرے طلاق نہ دے تو اس اختیار دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج پاک کو طلاق کا اختیار دیا ان تمام نے حضور کے پاس رہنا اختیار کیا تو کسی کو طلاق واقع نہ ہوئی یہ ہی مذہب ہے جمہور صحابہ کا اور یہ ہی قول ہے امام اعظم و امام شافعی و غیرہم رضی اللہ عنہم کا،مگر حضرت علی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں اگر عورت طلاق اختیار کرے

تو طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر خاوند کو اختیار کرے تو طلاق رجعی واقع ہوگی،حضرت ام المؤمنین ان ہی صاحبوں کی تردید فرمارہی ہیں حضرت علی و زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا اختیار دیا ہی نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ اگر تم دنیا کی زینت چاہتی ہو تو میں تم کو طلاق دے دوں اگر طلاق کا اختیار ہوتا تو مجلس تک محدود رہتا حالانکہ حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ جلدی نہ کرو اپنے ماں باپ سے پوچھ کر فیصلہ کرو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ارادہ طلاق تھا نہ کہ تفویض طلاق مگر تفویض طلاق دائمی بھی ہوتی ہے فوری بھی اور وقت معین تک کے لیے بھی یہ تفویض وقت معین کی تھی لہذا حضرت ام المؤمنین جمہور صحابہ کا قول قوی ہے۔(فتح القدیر اور مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے آپ نے حرام کے بارے میں فرمایا کہ کفارہ دے ۱؎ بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھی پیروی ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا کسی اور حلال چیز کو اپنے پر حرام کرے تو یہ تحریمہ قسم ہے جس میں کفارہ واجب ہوگا یہ ہی قوی ہے۔حضرت ابن عباس اور امام اعظم کے ہاں اگر طلاق کی نیت سے حرام کرے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اس کی تحقیق کتب فقہ میں ہے۔

۲؎ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پر شہد یا بی بی ماریہ کو حرام کیا تھا تو رب تعالٰی نے اسے قسم قرار دیا تھا کہ فرمایا:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ"پھر فرمایا قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمٰنِكُمْ"۔اس آیت سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ حلال کو حرام کرلینا قسم ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس کچھ ٹھہرتے تھے اور ان کے پاس شہد پیتے تھے ۱؎ تو میں نے اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا ۲؎ کہ ہم میں سے جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ کہہ دیں کہ میں آپ سے مغافیر کی بو پاتی ہوں ۳؎ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے ۴؎ چنانچہ ان دونوں بیویوں میں سے ایک کے پاس حضور تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا ۵؎ تو فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ۶؎ ہم نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اب نہ پئیں گے اور ہم نے اس کی قسم کھائی ۷؎ اس کی خبر کسی کو نہ دینا ۸؎ آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے تھے ۹؎ تب یہ آیت اتری اے نبی آپ وہ چیز کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی اپنی بیویوں کی مرضی تلاش کرتے ہو ۱۰؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی باری کے علاوہ جب سرکار بعد نماز عصر تمام ازواج پاک کے پاس دورہ فرماتے تو بی بی زینب کے پاس زیادہ ٹھہرتے تھے کیونکہ حضور کو شہد پسند تھا اور حضرت زینب کے پاس شہد ہوتا تھا وہ آپ کو پلاتی تھیں اس شہد پینے میں دیر لگتی تھی۔

۲؎ یہ مشورہ اس لیے تھا کہ ہم کو حضور کا زینب کے پاس زیادہ ٹھہرنا پسند نہ تھا۔

۳؎ **مغافیر** جمع ہے **مغفور** کی یا **مغفر** کی یہ ایک درخت خار دار کا پھل ہے جسے عربی میں **عضاہ** کہتے ہیں جیسے عرفط یہ پھل میٹھا ہوتا ہے مگر قدرے بو ہوتی ہے(ہیک)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ کی بو بہت ناپسند تھی اسی لیے حضور نے کبھی کچا لہسن و پیاز نہ کھایا کہ اس سے منہ میں بو ہوتی ہے۔

۴؎ اس تمام مشورہ کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانہ سے حضور کو بی بی زینب کے پاس زیادہ ٹھہرنے سے روکا جائے خیال رہے کہ جس گناہ کی بنیاد محبت رسول پر ہو اس سے توبہ نصیب ہوجاتی ہے۔دیکھو آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل ایک عورت کے عشق میں گناہ کا مرتکب ہوا اسے توبہ نصیب نہ ہوئی اور یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں نے بڑے سخت گناہ کیے مگر محبت یعقوبی حاصل کرنے کے لیے انہیں توبہ نصیب ہوگئی مقبول بارگاہ بھی ہوگئے ان دونوں بیبیوں کی یہ ساری تدبیریں حضور کی محبت میں تھیں اس لیے رب تعالٰی نے انہیں قرآن کریم میں توبہ کا حکم دیا کہ فرمایا:"**اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا**"پھر یہ بیبیاں پہلے کی طرح مقبول بارگاہ الٰہی رہیں اب ان پر زبان طعن کھولنا بدنصیبی ہے۔

۵؎ وہ ہی عرض کیا جو پہلے مشورہ میں طے ہوچکا تھا۔خیال رہے کہ ہم تمام صحابہ کرام کو متقی عادل مانتے ہیں معصوم نہیں مانتے یعنی ان بزرگوں سے گناہ سرزد ہوسکتے ہیں مگر ان میں سے کوئی گناہ پر قائم نہیں رہتے،ایسے ہی یہاں ہوتا،گناہ کرلینا اور ہے گناہ پر جم جانا کچھ اور۔

۶؎ یعنی اے بیوی تم پر اس عرض میں کوئی تنگی و مضائقہ نہیں ہم تمہارا مقصد سمجھ گئے۔(مرقات)

۷؎ تاکہ تم کو تکلیف نہ ہو ہمارے وہاں زیادہ ٹھہرنے سے تم کو دکھ ہوتا ہے اس قسم کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منہ شریف کی خوشبو کی خبر نہ تھی ہر شخص اپنے منہ اور بغل کی خوشبو جانتا ہے یہ عیب نہیں بلکہ وہ وجہ تھی جو آگے آرہی ہے۔

۸؎ اس قسم فرمالینے کی خبر کسی کو نہ دینا تاکہ بی بی زینب کو اس قسم کھالینے پر صدمہ نہ ہو۔(مرقات)اس لیے کہ دوسری ازواج کو اس خوشبو کی خبر نہ ہو،خوشبو تو بغیر خبر دیئے ہی معلوم ہوجاتی ہے اس چھپانے سے مقصود حضرت زینب کی خاطر داری ہے۔

۹؎ یہ ہے اس قسم فرمانے کی وجہ یعنی اس قسم کی وجہ اپنی بے علمی نہیں بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ و حفصہ کو خوش کرنا مقصود تھا کہ ہم حضرت زینب کے پاس زیادہ نہ ٹھہرا کریں گے تاکہ یہ خوش رہیں قرآن کریم بھی فرماتاہے:"**تَبۡتَغِىۡ**

مَرۡضَاتَ اَزۡوٰجِكَ"آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں اور کیوں نہ چاہیں ان بیویوں کی رضا تو رب تعالٰی بھی چاہتا ہے رضی اللہ عنہما۔

۱۰؎ بعض لوگ اس واقعہ سے اس پر دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور کو علم غیب نہ تھا اگر ہوتا تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ ہمارے منہ شریف سے مغافیر کی مہک نہیں آرہی ہے یہ محض غلط ہے کہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور اس حدیث کے بھی یہ سب کچھ ان دونوں ازواج کو راضی کرنے کے لیے ہوا اپنے منہ کی مہک غیب نہیں ہوتی محسوس ہوتی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت طلاق مانگے ۱؎ تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے ۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یہاں بأس سے مراد سختی ہے،ما زائدہ ہے یعنی جو بغیر سخت تکلیف کے طلاق مانگے۔

۲؎ یعنی ایسی عورت کا جنت میں جانا تو کیا ہی ہوگا وہاں کی خوشبو بھی نہ پائے گی اس سے مراد ہے اولیٰ داخلہ ورنہ آخر کار سارے مؤمن جنت میں پہنچیں گے اگرچہ کیسے ہی گنہگار ہوں لہذا یہ حدیث شفاعت کے خلاف نہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ ایسی عورت جنت میں پہنچ کر بھی وہاں کی خوشبو سے محروم رہے گی جیسے یہاں نزلہ و زکام والا آدمی پھول ناک پر رکھ کر بھی خوشبو نہیں پاتا۔(مرقات)مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناپسندیدہ ترین حلال اللہ کے نزدیک طلاق ہے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اللہ تعالٰی نے ضرورت عباد کی بنا پر طلاق مباح تو کردی ہے مگر رب کو پسند نہیں کہ اس میں دو محبوبوں کی جدائی گھر بگڑنا اولاد کی تباہی ہے غرضکہ بلا وجہ طلاق کراہت سے خالی نہیں بہت سی چیزیں حلال ہیں مگر بہتر نہیں جیسے بلا عذر مرد کا گھر میں نماز پڑھ لینا یا اذان جمعہ ہوچکنے کے بعد تجارت کرنا یا غیر معتکف کا مسجد میں کھانا پینا لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حلال چیز نا پسند کیسے ہوسکتی ہے اور نہ یہ اعتراض ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیوں فرمایا تھا،امام حسن نے بہت بیویوں کو طلاق کیوں دی حلال کام پر نہ گناہ ہے نہ عتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وہ کام کیے ہیں جو امت کے لیے مکروہ ہیں کیوں،تبلیغ کے لیے آپ کو ان پر بھی ثواب ملے گا جیسے منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا،اونٹ پر طواف کرنا،نواسے کو کندھے پر لے کر نماز ادا کرنا،حضرت حسین

علیہ السلام کے لیے خطبہ جمعہ توڑ کر آگے جا کر انہیں گود میں لے لینا وغیرہ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ" وہاں طلاق میں گناہ کی نفی ہے،یہاں بہتر نہ ہونے کا ثبوت۔

روایت ہے حضرت علی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں نکاح سے پہلے طلاق نہیں۱؎ اور نہیں ہے آزاد کرنا مگر ملکیت کے بعد۲؎ اور نہیں ہے وصال روزوں میں۳؎ اور نہیں ہے یتیمی بلوغ کے بعد۴؎ اور نہیں ہے شیر خوارگی دودھ چھوٹنے کے بعد۵؎ اور نہیں ہے خاموشی دن بھر کی رات تک ۶؎ (شرح السنہ)	

۱؎ لہذا اگر کوئی شخص اجنبیہ عورت سے کہے کہ تجھے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی یوں ہی اگر اجنبیہ عورت سے کہے کہ اگر تو گھر میں گئی تو تجھے طلاق پھر اس سے نکاح کرے،پھر وہ عورت گھر میں جائے تو طلاق نہیں واقع ہوگی۔لیکن اگر اجنبیہ عورت سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق پھر اس سے نکاح کرے تو طلاق واقع ہوجائے گی غرضکہ طلاق کے لیے ضروری ہے کہ یا تو نکاح کے بعد بولی جائے یا نکاح پر معلق کی جائے۔

۲؎ یعنی دوسرے کے غلام کو یہ شخص آزاد نہیں کرسکتا اگر اس سے آزادی کے الفاظ کہہ دے پھر اس کا مالک ہوگیا تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی روزہ پر روزہ رکھنا درمیان میں افطار نہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کوئی اور نہیں رکھ سکتا ہم کو افطار کرنا ضروری ہے۔

۴؎ جس کا باپ فوت ہوجائے وہ یتیم کہلاتا ہے بشرطیکہ نابالغ ہو بالغ لڑکا یتیم نہیں کہلاتا۔

۵؎ لہذا جو بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے،ڈھائی برس عمر کے بعد تو وہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں نہ بنے گی نہ یہ بچہ اس کا دودھ کا بیٹا ہوگا اور نہ اس پر رضاعت کے احکام جاری ہوں گے۔

۶؎ یعنی اسلام میں چپ کا روزہ نہیں پچھلے دینوں میں تھا اگرچہ بری باتوں سے خاموشی بہتر ہے مگر خاموشی ہمارے ہاں عبادت نہیں بلکہ اس میں ہندوؤں اور عیسائیوں سے مشابہت ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی منت اس میں نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو۱؎ اور نہ اس میں آزاد کرنا ہے،جس کا وہ مالک نہ ہو اور نہیں ہے طلاق اس میں جس کا وہ مالک نہ ہو ۲؎ (ترمذی) ابوداؤد نے یہ زیادتی کی کہ نہ فروخت ہے مگر اس میں جس کا مالک ہو۔	

۱؎ لہذا اگر کوئی کسی خاص غلام کو آزاد کرنے کی منت مانے مگر منت کے وقت اس غلام کا مالک نہ ہو تو منت درست نہ ہو گی اگر بعد میں اس غلام کا مالک ہو بھی گیا تب بھی وہ آزاد نہ ہوگا۔

۲؎ حضرت امام شافعی اس حدیث کے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں کہ اجنبیہ عورت اور دوسرے کے غلام کو نہ طلاق و آزاد کرسکتے ہیں نہ ان کی طلاق و آزادی کو نکاح یا ملکیت پر معلق کرسکتے ہیں حضرت علی، ابن عباس، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی قول ہے، ہمارے امام صاحب کے ہاں تعلیق نکاح وعتق جائز ہے، مثلًا اگر اجنبیہ سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق یا اجنبی غلام سے کہے کہ اگر میں تجھے خریدوں تو تو آزاد ہے پھر نکاح کرے یا خرید لے تو طلاق و آزادی واقع ہوجائے گی یہی قول ہے حضرت ربیعہ امام اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ کا، یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں، وقوع طلاق یا وقوع عتاق بغیر نکاح یا بغیر ملک نہیں ہوسکتا کیونکہ طلاق سے نکاح ختم کیا جاتا ہے اور عتاق سے ملکیت جب نکاح یا ملکیت موجود ہی نہ ہو تو ختم کیا چیز ہوگی، رہا تعلیق طلاق و عتاق یہ بہرحال جائز ہے بشرطیکہ نکاح یا ملکیت پر معلق کیا جائے یہ حدیث وقوع کی نفی کے لیے ہے وہ ہم بھی کہتے ہیں ہاں ابو ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ تم میرا فلاں کام کردو تو میں اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح کردوں گا میں نے کہا کہ اگر میں تمہاری بیٹی سے نکاح کروں تو اسے تین طلاق، پھر میں نے اس سے نکاح کرنا چاہا، حضور سے مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا نکاح کرلو طلاق واقع نہ ہوگی یہ حدیث واقع امام اعظم کے خلاف ہے مگر اس کی اسناد میں ابوخالد واسطی ہے جو حدیثیں گھڑنے میں مشہور تھا، چنانچہ امام احمد و معین نے فرمایا یہ جھوٹا ہے نیز اس میں علی ابن قرین راوی ہے جسے امام ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیثوں کا چور ہے لہذا اس قسم کی روایات بالکل موضوع ہیں اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت رکانہ ابن عبدیزید سے ۱؎ کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق دی ۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور بولے اللہ کی قسم میں نے صرف ایک کی نیت کی تھی تو رسول اللہ نے فرمایا کیا خدا کی قسم تم نے نہ نیت کی مگر ایک کی تو رکانہ بولے اللہ کی قسم میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی ۳؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت رکانہ کی طرف لوٹا دی ۴؎ پھر انہوں نے زمانہ فاروقی میں دوسری طلاق دی اور زمانہ عثمانی میں تیسری ۵؎ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) مگر انہوں نے دوسری تیسری طلاق کا ذکر نہ کیا ۶؎	

۱؎ آپ رکانہ ابن عبد یزید ابن ہاشم ابن عبدالمطلب ہیں، قریشی ہیں، صحابی ہیں، ۴۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲؎ آپ سیمہ بنت عمرو مزینہ ہیں، حضرت رکانہ نے ان سے کہا کہ تجھے طلاق بتہ ہے جو نکاح ختم کردے نہ طلاق معلقہ ہو نہ رجعیہ۔ خیال رہے کہ طلاق بتہ میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے لیکن اگر خاوند تین طلاقوں کی نیت کرے تو تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔ امام شافعی کے ہاں ایک رجعی واقع ہوگی اگر تین کی نیت کرے تو تین، امام مالک کے ہاں اس سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں لہذا یہ حدیث امام اعظم و امام شافعی کے موافق ہے امام مالک کے خلاف رضی اللہ عنہم۔

۳؎ اس سوال و جواب سے وہ ہی بات معلوم ہوئی جو ابھی عرض کی گئی کہ طلاق بتہ طلاق بائنہ ہے لیکن اگر اس میں تین طلاق کی نیت کرلی جائے تو تین ہوں گی ورنہ ایک حدیث رکانہ کی تحقیق ہماری کتاب **طلاق الادلة فی حکم الطلاق الثلثه** میں ملاحظہ کیجئے۔

۴؎ اس طرح کہ انہیں دوبارہ نکاح کرلینے کی اجازت دے دی کیونکہ اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی تھی امام شافعی کے ہاں اس کے معنی ہیں بغیر تجدید نکاح اسے رکانہ کی بیوی قرار دیا،کیونکہ اس سے طلاق رجع واقعی ہوئی تھی جس میں عدت کے اندر تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۵؎ اس سے صاف معلوم ہواکہ طلاق بتہ ایک ہوتی ہے نہ دو نہ تین کیونکہ حضرت رکانہ نے اس کے بعد دو طلاقیں اور دیں بعض روایات میں ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو بیک وقت تین طلاقیں دی تھیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی قرار دیا مگر وہ حدیث منکر ہے صحیح وہ ہے جو یہاں مذکور ہوا کہ طلاق بتہ دی تھی یعنی ایک بائنہ غیر مقلد حدیث رکانہ کو آڑ لے کر کہتے ہیں ایک دم تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں مگر آپ کو حدیث رکانہ کا حال معلوم ہوگیا۔(مرقات)

۶؎ ابن اسحاق نے بروایت عکرمہ عن ابن عباس روایت کی کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو بیک وقت تین طلاقیں دی پھر بہت غمگیں ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا حضور نے ان تین طلاقوں کو ایک ہی قرار دیا یہ حدیث منکر ہے صحیح وہ ہی ہے جو ابوداؤد،ابن ماجہ نے روایت کی آپ نے طلاق بتہ دی تھی یعنی ایک طلاق بائنہ باقی دو طلاقیں عہد فاروقی و عثمانی میں دیں جو یہاں مذکور ہے۔(مرقات ولمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں وہ ہیں جن کا ارادہ بھی ارادہ ہے اور مذاق بھی ارادہ ۱؎ نکاح اور طلاق،اور رجوع ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور فرمایا ترمذی نے یہ حدیث حسن غریب ہے ۳؎	

۱؎ یعنی ارادۃً بولے تو بھی واقع ہوجائیں گی اور مذاق دل لگی سے کہے یا ویسے ہی اس کے منہ سے نکل جائے یا کسی اور زبان میں بولے جس سے وہ واقف نہ ہو،بہرحال یہ کلمات اس کے منہ سے نکل جائیں یہ چیزیں واقع ہوجائیں گی بشرطیکہ دیوانگی یا نیند میں نہ کہے بیداری و ہوش میں کہے۔

۲؎ ان تین چیزوں کا ذکر صرف اہتمام کے لیے ہے ورنہ تمام تصرفات شرعیہ جن میں دوسرے کا حق ہوجاتا ہو سب کا یہ ہی حکم ہے لہذا بیع،ہبہ،کرایہ،طلاق،نکاح، طلاق سے رجوع، دانستہ طور پر کرے یااس کے منہ سے نادانی کی حالت میں نکل جائیں یعنی یہ

عقد منعقد ہوجائیں گے۔مزاق میں مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی،یا تجھ سے نکاح کیا اور عورت نے بھی مزاق دل لگی میں قبول کے الفاظ کہہ دیئے یا طلاق والی عورت سے دل لگی میں کہا کہ میں نے رجوع کرلیا یا ہنسی مذاق میں کہا میں نے یہ گھر تیرے ہاتھ فروخت یا ہبہ کردیا پس درست ہوگیا اگر یہ حکم نہ ہو تو شریعت کے احکام بے کار ہو کر رہ جائیں ہر شخص بیع یا ہبہ یا طلاق یا نکاح کرکے کہہ دیا کرے کہ میں تو دل لگی میں کہہ رہا تھا۔یہ حدیث معاملات کی اصل اصول ہے جس پر صدہا احکام مرتب ہیں۔(لمعات و مرقات)

۳؎ یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں سے حسن ہے بعض سے غریب لہذا جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا غلط کہا چند اسنادوں سے تو ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے اس کی کتاب اللہ سے بھی تائید ہوتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمٰنِكُمْ"۔منافقین نے حضور کی شان میں بکواس بکی تھی،پوچھ گچھ پر بولے کہ ہم تو مذاق کرتے تھے فرمایا بہانہ نہ بناؤ تم کافر ہوچکے۔معلوم ہوا کہ کفر و اسلام عمدًا ومذاقًا ہر طرح ثابت ہوجاتا ہے اور اس پر احکام شرعیہ مرتب ہوجاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے طلاق نہ آزادی مجبوری میں ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) کہا گیا ہے کہ اغلاق کے معنی جبر ہیں ۲؎

۱؎ یعنی اگر جبرًا کسی سے اس کی بیوی کو طلاق دلوادی گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی یہ ہی مذہب ہے امام شافعی و احمد کا ،ہمارے امام اعظم کے ہاں مجبور کی طلاق ہوجاتی ہے،ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام محمد نے حضرت صفوان ابن عمر طائی سے روایت کی کہ مدینہ پاک میں ایک عورت اپنے خاوند سے سخت نفرت کرتی تھی ایک دن دوپہر کو خاوند سورہا تھا،یہ چھری لے کر سر پر کھڑی ہوگئی اور بولی مجھے تین طلاقیں دو ورنہ ابھی ذبح کردوں گی وہ بہت چیخا چلایا آخر کار تین طلاقیں دے دیں، پھر یہ مسئلہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا تو حضور نے فرمایا"لَا قَيْلُوْلَةَ فِي الطَّلَاقِ"امام شمنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام عقیل نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی۔اس سے معلوم ہوا کہ مجبور کی طلاق ہوجاتی ہے رہی وہ حدیث کہ"رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ"یعنی میری امت سے خطاء بھول اور مجبوری کی چیزیں اٹھائی گئی وہاں اخری گناہ مراد ہے کہ ان چیزوں پر آخرت میں گناہ نہ ہوگا دنیاوی احکام جاری ہونا مراد نہیں،اگر کوئی کسی کو جبرًا قتل کردے تو اسے قاتل مانا جاوے گا۔یہاں اغلاق کے معنی امام صاحب کے نزدیک سخت غصہ ہے جس سے انسان کی عقل بند ہوجائے کہ ایسے مخبوط الحواس غصہ والے کی طلاق نہیں ہوتی لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔(مرقات ولمعات وغیرہ)

۲؎ یعنی بعض شارحین نے فرمایا کہ اغلاق کے معنی ہیں جبر،بعض نے فرمایا اس کے معنی ہیں سخت غصہ جس سے عقل جاتی رہے،بعض نے فرمایا دیوانگی۔خیال رہے کہ امام شعبی،نخعی سفیان ثوری کا یہ ہی مذہب ہے کہ مجبور کی طلاق ہوجاتی ہے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ ناحق جبر کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر ضرورۃً مجبور کرکے طلاق لے لی جائے

تو واقع ہوجائے گی جیسے ظالم خاوند جو عورت کو نہ درست طریقہ سے بسائے نہ طلاق دے،یہ ہی قول ہے حضرت علی،عبداللہ ابن عمر،شریح،عمر بن عبدالعزیز کا۔(مرقات)ہمارے ہاں بھی مجبور کی زبانی طلاق ہوگی اگر مجبور نے صرف تحریری طلاق دی تو واقع نہ ہوگی۔(عالمگیری)خیال رہے کہ دس چیزیں مجبوری میں جائز ہوتی ہیں نکاح،طلاق،رجوع،ایلاء فی،ظہار،عتاق،یعنی غلام آزاد کرنا،قصاص سے معافی،قسم،نذر۔شعر

یصح مع الاکراہ عتق و رجعة　　نکاح و ایلاء طلاق مفارق

و فی ظهار و الیمین و نذره　　وعفو لقتل شاب عنه مفارق

گیارھواں اسلام یعنی مجبور کا اسلام درست ہے۔(مرقات و کتب فقہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر طلاق جائز ہے سوائے دیوانہ اور مغلوب العقل کی طلاق کے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور عطاء ابن عجلان راوی ضعیف حدیث بھول جانے والے ہیں۲؎

۱؎غالبًا مغلوب العقل معتوہ کی تفسیر ہے اور یہ عطف تفسیری ہے ہوسکتا ہے کہ معتوہ وہ جس کی عقل میں فتور ہو اور مغلوب العقل بالکل دیوانہ حضرت علی امام مالک،امام شافعی،امام اوزاعی،سفیان ثوری امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نشہ والے کی طلاق واقع ہوجاوے گی اگرچہ وہ بے عقل ہوچکا ہو جب کہ اس نے گناہ کے طور پر نشہ کیا اسی لیے اسپر نمازیں معاف نہیں ہوتیں۔بچے،دیوانہ،سوتے ہوئے بے ہوش کی طلاق نہیں ہوتی۔

۲؎اس حدیث کی تائید میں بہت زیادہ احادیث بخاری ابن ابی شیبہ وغیرہ میں آئی ہیں اگر تفصیل دیکھنا ہو تو یہاں مرقات کا مطالعہ کیجئے،لہذا اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہو مگر دوسری احادیث کی تائید سے قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم اٹھالیا گیا ہے تین شخصوں سے ۱؎ سوتا ہوا حتی کہ جاگ جائے اور بچے سے حتی کہ بالغ ہوجائے اور دیوانہ سے یہاں تک کہ عقل والا ہوجائے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یعنی ان پر سزا و جزا نہیں ہوتی۔

۲؎حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نابالغ بچہ سوتا ہوا آدمی اور دیوانہ مرفوع القلم ہیں ان پر شرعی احکام جاری نہیں لہذا اگر یہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں تو واقع نہ ہوگی۔اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی یوں ہی سوتے میں اگر کوئی طلاق دے دے یا دیوانگی میں تو بھی طلاق نہیں ہوتی،یہ حدیث جامع صغیر،احمد،ابوداؤد،نسائی حاکم نے مختلف صحابہ سے مختلف الفاظ میں نقل فرمائی،بخاری نے تعلیقًا موقوفًا حضرت علی سے روایت کی غرضکہ حدیث صحیح ہے۔(مرقات)

	دارمی،حضرت عائشہ سے اور ابن ماجہ ان دونوں سے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور اسکی عدت دو حیض ۱؎(ترمذی،ابوداؤداور ابن ماجہ دارمی)

۱؎یعنی لونڈی خواہ غلام کے نکاح میں ہو یا آزاد کے اس پر صرف دو طلاقیں پڑ سکتی ہیں،دو سے ہی مغلظہ ہوجائے گی کہ پھر بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکے گی،نیز لونڈی کی عدت بجائے تین حیض کے دو حیض ہیں۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ طلاق کی عدت حیض ہے نہ طہر یہ ہی احناف کہتے ہیں اور قرآن کریم میں جو ثلاثۃ قروء فرمایا گیا وہاں قروء کے معنی طہر نہیں بلکہ حیض ہیں۔دوسرے یہ کہ عدت و طلاق کا اعتبار عورت سے ہے نہ کہ مرد سے لہذا لونڈی کی طلاقیں بھی دو ہیں اور عدت بھی دو حیض، اس کا خاوند غلام ہو یا آزاد یہ ہی احناف کا قول ہے،امام شافعی و مالک اور احمد کے ہاں طلاق کا اعتبار مرد سے ہے۔خیال رہے کہ اگر لونڈی مہینہ سے عدت گزارے تو ڈیڑھ مہینہ عدت طلاق ہوگی،کیونکہ آزاد عورت کی عدت کے مہینہ تین ہیں اور لونڈی کے نصف چونکہ تین حیض کی تنصیف نہیں ہوسکتی لہذا اس کی عدت دو حیض ہوئے،بعض شوافع اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں،ان کا قول ہے کہ اس کی اسناد میں مظاہرہے ان سے سواء اس حدیث کے کوئی حدیث منقول نہیں مگر یہ غلط ہے حضرت مظاہر اہل بصرہ کے مشائخ میں سے ہیں،متقدمین محدثین میں سے کسی نے ان پر جرح نہ کی،نیز اس حدیث پر عام علماء کا عمل رہا عمل علماء ضعیف حدیث کو بھی قوی کردیتا ہے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کا مدینہ منورہ میں مشہور ہوجانا اسے صحیح کردیتا ہے۔(مرقات)یہاں اس حدیث کے متعلق مرقات نے بڑی نفیس گفتگو فرمائی ہے،بہرحال طلاق و عدت میں عورت کا لحاظ ہے نہ کہ مرد کا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کو نکاح سے نکالنے والیاں ۱؎اور خلع کرنے والیاں منافقہ ہیں ۲؎(نسائی)

۱؎یعنی خاوند کی نافرمان بیویاں جو نافرمانی کرکے خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کریں اپنے کو نکاح کی قید میں نہ رکھیں۔

۲؎یعنی جو بلا وجہ خلع کرکے خاوند سے طلاق حاصل کریں وہ بظاہر تو خاوند کی مطیع معلوم ہوتی ہیں مگر دل میں اس سے متنفر ہیں یہ ہی نفاق ہے حتی الامکان نباہ کی سعی کی جائے،ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ باہر پھرنے والیاں اور خلع کرانے والیاں منافقہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت نافع سے وہ صفیہ بنت ابوعبید کی

	مولاۃ سے راوی ۱؎ کہ انہوں نے اپنی ہر چیز کے عوض اپنے خاوند سے خلع کیا ۲؎ تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے اس کا انکار نہ فرمایا ۳؎ (مالک)

۱؎ نافع حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں اور صفیہ بنت ابی عبید مختار ابن ابی عبید ثقفی کی بہن ہیں،تابعیہ ہیں،عبداللہ ابن عمر کی زوجہ ہیں حضور کو دیکھا مگر آپ سے کوئی حدیث مروی نہیں،حضرت عائشہ صدیقہ و حفصہ رضی اللہ عنہما روایات کرتی ہیں۔(مرقات واشعہ)

۲؎ یعنی ان مولاۃ نے اپنے خاوند سے کہا کہ جو کچھ تو نے مجھے مہر وغیرہ دیا ہے اور جو کچھ میرے پاس اپنا مال ہے اور جو کچھ حقوق عدت کے ہوتے ہیں ان سب کے عوض مجھے طلاق دے دے غرضکہ ہر قسم کا مال ہر قسم کے حقوق کے عوض طلاق لی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت مہر وغیرہ سے زیادہ مال بھی خلع میں خاوند کو دے دے تو جائز ہے اگر چہ مستحب یہ ہے کہ خاوند صرف اپنا دیا ہوا مال ہی خلع میں واپس لے زیادہ نہ لے،چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت ابن قیس کی بیوی سے صرف وہ باغ واپس کرایا جو ثابت نے انہیں دیا تھا،ان کی بیوی کا نام حبیبہ بنت سہل انصاریہ ہے اسلام میں پہلا خلع یہ ہی ہوا تھا۔

	روایت ہے محمود ابن لبید سے ۱؎ فرماتے ہیں رسول اللہ کو اس شخص کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی عورت کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں ۲؎ تو آپ غصہ میں کھڑے ہوگئے۔۳؎ پھر فرمایا کیا وہ اللہ عزوجل کی کتاب سے کھیل کرتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں ۴؎ حتی کہ ایک شخص اٹھا پھر بولا یا رسول اللہ کیا میں اسے قتل نہ کردوں ۵؎ (نسائی)

۱؎ آپ انصاری اشہلی ہیں،بعض نے فرمایا کہ صحابی ہیں،بعض نے فرمایا کہ تابعی ہیں ۹۶ھ میں وفات پائی،شیخ نے فرمایا کہ امام بخاری نے انہیں صحابی فرمایا ہے امام مسلم نے تابعی کہا صحیح قول امام بخاری کا ہے۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ ایک ہی مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے دیں یا اس طرح کہہ دیا تجھے تین طلاق یا اس طرح کہ کہا تجھے طلاق،طلاق،طلاق۔

۳؎ کیونکہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے چاہیے یہ کہ اگر تین طلاقیں دینا ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہروں میں تین طلاقیں اور بہتر یہ ہے کہ صرف ایک ہی طلاق دے تین طلاق دے ہی نہیں۔

۴؎ اس میں انتہائی غضب کا اظہار ہے یعنی تین طلاقیں یکدم دینا کتاب اللہ کا مذاق اڑانا ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلطَّلٰقُ مَرَّتٰنِ"اور یہ ایک دم طلاقیں دے رہا ہے۔ خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ،شافعی،احمد،مالک اور جمہور علماء کے نزدیک بیک وقت تین طلاقوں سے تین ہی واقع ہوتی ہیں مگر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی واقع

نہیں ہوتی،طاؤس کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق ہوتی ہے،جمہور علماء کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے"وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا"دیکھو قرآن کریم نے طلاقیں جمع کرنے کو ظلم قرار دیا اور باعث ندامت مگر طلاقیں واقع مان لیں نیز بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے یک دم تین طلاقوں سے تین ہی واقع ہوتی ہیں ابھی گزر چکا کہ ابو رکانہ سے حضور نے قسم لی کہ کیا تم نے صرف ایک ہی طلاق کی نیت کی تھی ؟ اس کی پوری اور نفیس تحقیق ہماری کتاب طلاق الادلۃ میں دیکھئے۔

۵؎شاید یہ صاحب اجازت قتل مانگنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے آپ کا خیال یہ ہوا ہوگا کہ کتاب اللہ سے کھیلنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچانا کفر ہےاور مسلمان کا کفر ارتداد ہوتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے مگر ان کے قتل کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ حضور کو دکھ پہنچنا اور آپ کو رنجیدہ کرنے کی غرض سے کوئی کام کرنا تو کفر ہے مگر کسی کے کسی کام سے حضور کو دکھ پہنچانا جانا کفر نہیں دکھ پہنچانےاور پہنچ جانے میں بڑا فرق ہے،مسلمان کے گناہ سے حضور کو صدمہ ہوتا ہے "عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَاعَنِتُّمۡ"مگر گناہ کفر نہیں ہوتا اس شخص نے یہ کام نادانی سے کیا تھا نہ کہ حضور کو صدمہ پہنچانے کے لیے ۔اس سے معلوم ہواکہ تین طلاقیں ایک دم دے دینا برا ہے لیکن اس سے تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی جیسے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے مگر اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے ایک دم تین طلاقیں دینا اس لیے بھی برا ہے کہ اس میں پھر دوبارہ رجوع کا موقع نہیں ملتا پھر خاوند پچھتاتا ہے۔

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی ہے کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں آپ مجھ پر کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ وہ تین طلاقوں سے تجھ سے مطلقہ ہوچکی اور ستانویں طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑا لیا۱؎(مؤطا)	

۱؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور اگر کوئی شخص ہزار یا لاکھ طلاقیں دے دیں تو تین تو واقع ہو جائیں گی باقی لغو جائیں گی یہ ہی علماء امت کا قول ہے اس پر تمام آئمہ متفق ہیں وہ جو مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نیز صدیق اکبر کے زمانہ اور شروع خلافت فاروقی میں ایک دم تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں پھر فاروق اعظم نے انہیں تین طلاق قرار دیا وہاں تو یہ مراد ہے کہ کوئی شخص تین طلاق اس طرح دیتا کہ تجھے طلاق ہے،طلاق،طلاق،دوسری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکیدیں کرتا تھا اور کوئی شخص اپنی غیر مدخولہ بیوی جس سے صرف نکاح ہوا ہورخصت نہ ہوئی ہو اس سے کہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق تو اس سے صرف ایک طلاق پہلی ہی واقع ہوگی دوسری دو طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ غیر مدخولہ عورت پر عدت نہیں ہوگی وہ پہلی طلاق سے ہی نکاح سے بالکل ہی خارج ہوگئی،عہد فاروقی میں حالات بدل چکے تھے لوگ اپنی مدخولہ بی بی کو تین طلاقیں ہی دیا کرتے تھے لہذا حضرت فاروق اعظم کا فرمان عالی نہایت ہی درست و صحیح تھا ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ

حضرت فاروق اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قانون جاری فرماتے اور تمام صحابہ کرام خاموش رہتے لہذا حکم یہ ہی ہے کہ جو شخص اپنی مدخولہ بیوی کو جس سے خلوت کرچکا ہو تین طلاقیں ایک دم دے تو تین ہی واقع ہوں گی۔ اس جگہ مرقات نے اس کے متعلق قریبًا پندرہ بیس حدیثیں نقل فرمائیں کہ تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور اس کے خلاف متعدد جوابات دیئے،نیز ہم نے اپنی کتاب **طلاق الادلة فی احکام الطلاق الثلثة** میں اس کی بہت تحقیق کی ہے وہاں ملاحظہ فرمایئے غرض یہ ہی حق ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ اللہ تعالٰی نے روئے زمین پر کوئی چیز آزاد کرنے سے زیادہ پیاری و محبوب نہ فرمائی ۱؎ اور اللہ تعالٰی نے روئے زمین میں کوئی چیز طلاق سے زیادہ ناپسند پیدا نہ فرمائی ۲؎ (دار قطنی)	

۱؎ یعنی غلام کو آزاد کرنا مستحب ہے مگر دیگر مستحبات سے افضل و اعلیٰ ہے کیونکہ اس سے ایک جان کو غلامی سے نجات دینا ہے اسے جانوروں کی حد سے نکال کر انسانی حدود میں داخل کرنا ہے۔

۲؎ یعنی بلا ضرورت طلاق دینا اگرچہ جائز ہے مگر رب تعالٰی کو ناپسند ہے ورنہ کبھی طلاق دینا مستحب یا واجب بھی ہوتی ہے،چنانچہ فاسقہ فاجرہ رب کی ناشکری بیوی کو طلاق دے دینا بہتر ہے،حضرت ابوحفص بخاری فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں اگر میں رب تعالٰی سے اس حال میں ملوں کہ میری مطلقہ بیوی کا مہر میرے گلے میں لٹکا ہو اس سے بہتر ہے کہ بے نمازی بیوی میرے نکاح میں رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا دوسرے دنیاوی کاروبار بلکہ نوافل عبادت سے افضل ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔(مرقات)لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر طلاق رب تعالٰی کو بہت ہی ناپسند ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بیوی کو طلاق کیوں دلوائی تھی ؟ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیوں فرمایا،یا امام حسن رضی اللہ عنہ نے بہت نکاح کیوں کیے اور بہت طلاقیں کیوں دیں کیونکہ طلاق رب تعالٰی کو ناپسند بھی ہے اور پسند بھی۔

باب المطلقۃ ثلاثا

تین طلاق دی ہوئی عورت کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی اس باب میں تین طلاق والی عورت کا ذکر ہے کہ وہ بغیر حلالہ پہلے خاوند کو حلال نہیں اور حلالہ میں دوسرے خاوند سے نکاح بھی ضروری ہے اور صحبت بھی لازم۔بہتر تھا کہ صاحب مشکوۃ ترجمہ باب میں ایلاء وظہار کا ذکر بھی فرماتے کیونکہ اس باب میں اس کے متعلق احادیث بھی آرہی ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رفاعہ قرظی ۱کی بیوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کیا کہ میں رفاعہ کے پاس تھی ا ور انہوں نے مجھے طلاق دی تو طلاق منقطع کردی ۲پھر ان کے بعد میں نے عبدالرحمان ابن زبیر سے نکاح کرلیا ان کے پاس نہیں ہے مگر کپڑے کے پلو(گوشہ) کے تو فرمایا ۳کہ کیا تم رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو بولیں ہاں ۴ فرمایا نہیں تاآنکہ تم ان کی لذت چکھ لو اور وہ تمہاری لذت چکھ لیں ۵(مسلم،بخاری)۶	

۱آپ کا نام رفاعہ ابن سموال ہے،قرظی ہیں،یعنی یہود کے قبیلہ بنی قریظہ سے ہیں،بی بی صفیہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔(اکمال)

۲اس طرح کہ مجھے تین طلاقیں دے دیں جس کی وجہ سے نکاح بالکل ہی ختم ہوگیا۔

۳یعنی عبد الرحمٰن کے اعضاء تناسل تو درست ہیں مگر ضعف کی وجہ سے وہ قابل صحبت نہیں کہ وہ نامرد ہیں۔خیال رہے کہ خصی وہ جس کے خصیہ نہ ہوں،مجبوب جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہواور عنین وہ جس کے یہ تینوں اعضاء ہوں مگر آلہ میں سختی نہ ہوجس سے وہ صحبت کے قابل نہ ہو،یہاں تیری صورت تھی جسے اس بی بی نے اس طرح بیان کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ پوچھنے یا داد خواہی کرنے کے لیے عالم یا حاکم کے سامنے صاف صاف بات کہی جاسکتی ہے نہ اسے بے حیائی کہا جاوے گا نہ غیبت اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیان پر ملامت نہ فرمائی۔

۴؎ یہ بی بی سمجھی کہ حلالہ کے لیے صرف دوسرے مرد سے نکاح کافی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ" میرا دوسرا نکاح تو ہوچکا،شاید میں یہاں سے طلاق لے کر رفاعہ کے لیے حلال ہوجاؤں گی۔

۵؎ عسیلہ عسل کی تصغیر ہے،عسل شہد کو کہتے ہیں پھر ہر لذت کو کہنے لگے۔مقصد یہ ہے کہ تمہارے بیان کے مطابق عبدالرحمان تم سے صحبت نہ کرسکے اور حلالہ میں دوسرے خاوند کا صحبت کرنا شرط ہے لہذا تم ابھی رفاعہ کے لیے حلال نہیں ہوئیں،بعض علماء نے قرآن کی آیت سے بھی صحبت کا شرط ہونا ثابت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تنکح کے معنی ہیں تجامع لہذا آیت کے معنے یہ ہیں کہ تین طلاق والی عورت پہلے خاوند کو حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے صحبت کرے مگر حق یہ ہے آیت میں تنکح بمعنی نکاح ہے صحبت کا شرط ہونا اس حدیث سے ثابت ہے عسیلہ تصغیر فرما کر یہ بتایا کہ پوری صحبت کرنا شرط نہیں انزال ضروری نہیں صرف حشفہ غائب ہونا کافی ہے جس سے غسل فرض ہوجاتا ہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نابالغ بچہ سے صحبت حلالہ کے لیے کافی نہیں ہاں مراہق یعنی قریب بلوغ کی صحبت کافی ہے۔دوسرے یہ کہ بہت چھوٹی بچی کو اگر تین طلاقیں دی گئیں تو اس کا نکاح ثانی اور صحبت حلالہ کے لیے کافی نہیں کہ پہلی صورت میں خاوند لذت نہیں چکھتا دوسری صورت میں عورت،تیسرے یہ کہ لونڈی سے مولٰی کی صحبت حلالہ کے لیے کافی نہیں کہ مولٰی خاوند نہیں۔چوتھے یہ کہ مجنونہ یا بے ہوش یا سوتی ہوئی عورت سے صحبت حلالہ کے لیے کافی ہے کہ یہ صحبت لذت کے لائق تھی اگرچہ عورت نے ان عوارض کی وجہ سے چکھی نہیں یہ ہی عام علماء کا مذہب ہے۔پانچویں یہ کہ وطی بالشبہ،زنا،ملک عین کی صحبت سے حلالہ درست نہیں،یہ صحبت وغیرہ کی قیود اس لیے ہیں کہ لوگ تین طلاقوں پر دلیری نہ کریں کیونکہ دوسرا خاوند صحبت کے بعد طلاق مشکل سے ہی دے گا۔(مرقات وغیرہ)

۶؎ بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ عبدالرحمٰن نے عرض کیا یارسول اللہ یہ جھوٹی ہے اسے چمڑے کی طرح چھیلتا ہوں تو فرمایا کہ اگر یہ سچی بھی ہو تب بھی اپنے قول سے رفاعہ کو حلال نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعن فرمائی حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ۱؎(دارمی)

۱؎ محلل سے مراد دوسرا خاوند ہے اور محلل لہ سے مراد پہلا خاوند جس نے تین طلاقیں دیں اگر حلالہ متعہ یا عارضی چند روزہ نکاح کے ذریعہ کیا گیا تو حلالہ درست ہی نہ ہوا کہ یہ نکاح ہی باطل ہے حلالہ میں نکاح صحیح ضروری ہے اور اگر نکاح درست کیا گیا مگر ارادہ حلالہ کا تھا تو حلالہ ہوجائے گا مگر دونوں خاوند بے حیا ہیں اس لیے لعنت فرمائی،اگر حلالہ درست ہی نہ ہوتا تو ان خاوندوں کو محلل اور محلل لہ کیوں کہا جاتا۔بعض احادیث میں یہ ہے کہ حلالہ کرنے والا مانگے

ہوئے بکرے کی طرح ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ بعض سخت ضرورتوں میں حلالہ کرنا بہتر بھی ہوجاتا ہے یہاں بغیر ضرورت حلالہ والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے یا لعنت جب ہے جب کہ اجرت پر حلالہ کرایا جائے۔فتح القدیر میں ہے کہ اگر تین طلاق والی عورت بغیر ولی کی اجازت غیر کفو میں نکاح کرے تو حلالہ درست نہ ہوگا کیونکہ ہر مذہب مفتی بہ میں یہ نکاح ہی درست ہی نہیں،غیر کفو سے نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہے۔(مرقات)

اور ابن ماجہ حضرت علی وابن عباس اور عقبہ ابن عامر سے ۱؎	

۱؎ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے بہت سی کتب میں منقول ہے اسے ترمذی نے حسن صحیح فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے چند اور دس صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا وہ تمام فرماتے تھے کہ ٹھہرایا جائے ایلاء کرنے والا ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو ایوب ہے،عطاء ابن یسار کے بھائی ہیں،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام،تابعی ہیں،بڑے فقیہ محدث زاہد متقی ہیں،اہل مدینہ کے ساتھ فقہاء میں سے ہیں،۷۳ سال عمر ہوئی،۱۰۷ھ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ۔(اکمال)

۲؎ خاوند کا قسم کھالینا کہ میں اپنی بیوی سے چار ماہ تک صحبت نہ کروں گا ایلاء ہے اور قسم کھانے والا خاوند مولی ہے، ایلاء کا حکم ہمارے ہاں یہ ہے کہ اگر خاوند اس مدت میں قسم توڑ دے اور رجوع کرے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے ورنہ چار ماہ گزرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی۔حدیث کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ایلاء کرنے والے کا معاملہ موقوف رکھا جائے چار ماہ تک طلاق کا حکم نہ دیا جائے،اگر اس مدت میں رجوع کرلیا تو خیر ورنہ یہ مدت گزرنے پر طلاق واقع ہوجائے گی۔یہ ہی قول ہے حضرت عثمان،علی،عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس،عبداللہ زبیر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ چار ماہ گزر جانے پر طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب اسے حاکم رجوع کرنے پر مجبور کرے گا اگر رجوع نہ کرے تو فسخ نکاح کا حکم دے گا۔ان کے ہاں حدیث کے معنے یہ ہیں کہ عدت گزرنے پر حاکم مولی کا معاملہ موقوف رکھے مگر امام اعظم کا قول بہت قوی ہے۔آیت قرآنیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے ابو سلمہ سے کہ حضرت سلمان ابن صخر جنہیں سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا ہے ۱؎ انہوں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر اپنی ماں کی پشت کی طرح کرلیا ۲؎ یہاں تک کہ رمضان گزرگیا پھر جب آدھا رمضان گزر ا تو ایک رات ان سے صحبت کرلی ۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کا ذکر حضور	

سے کیا ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام آزاد کرو ۴؎ عرض کیا میں غلام پاتا نہیں ۵؎ فرمایا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھو ۶؎ عرض کیا مجھ میں طاقت نہیں فرمایا ۷؎ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو ۸؎ عرض کیا ہے نہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروہ ابن عمرو سے فرمایا ۹؎ کہ انہیں یہ ٹوکری دے دو وہ بڑی زنبیل ہے جس میں پندرہ یا سولہ صاع سماتے ہیں تاکہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیں ۱۰؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ ابو سلمہ تابعین میں سے ہیں ۷۲ سال عمر پائی،۹۷ھ؁ میں وفات ہوئی،حضرت عبداللہ ابن عباس و ابوہریرہ و ابن عمر وغیرہم سے ملاقات ہے،ابواسخہ کا نام سلیمان بیاضہ ابن عامر کی اولاد سے ہیں،صحابی ہیں،خوفِ خدا میں بہت گریہ و زاری کرتے تھے۔

۲؎ یعنی انہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا یعنی یہ کہا کہ تو مجھ پر رمضان گزرنے پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یعنی حرام ہے،ظہار کے معنے ہیں اپنی بیوی کو اپنی ماں بہن وغیرہ دائمی محرمات کے کسی عضو،شانے سے تشبیہ دینا۔ظہر سے بنا بمعنی پشت،اس میں دو شرطیں ہیں: ایک عورت کا اپنی بیوی ہونا لہذا لونڈی سے ظہار نہیں،دوسرے خاوند کا اہل کفارہ ہونا لہذا بچہ دیوانہ کا ظہار درست نہیں، ظہار کا حکم یہ ہے کہ ادائے کفارہ تک عورت حرام رہتی ہے۔

۳؎ یعنی قسم توڑ دی اگر یہ حضرت ماہ رمضان گزر جانے دیتے تو کفارہ واجب نہ ہوتا کہ وقتی ظہار کا یہ ہی حکم ہے دائمی ظہار میں جب بھی صحبت کرے کفارہ واجب ہے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ کفارہ ظہار میں ترتیب یہ ہے کہ مظاہر غلام آزاد کرے اگر اس پر قادر نہ ہو تو روزے رکھے اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے۔رقبہ مطلق فرمانے سے معلوم ہوا کہ کفارہ ظہار میں ہر قسم کا غلام آزاد کیاجاسکتا ہے،مومن ہو یا کافر۔

۵؎ یعنی میرے پاس نہ غلام ہے نہ اس کی قیمت کہ خرید کر آزاد کروں۔

۶؎ اس طرح کہ لگاتار ساٹھ روزے رکھے جاؤ اور دوران روزے میں اس بیوی سے صحبت ہرگز نہ کرو رب تعالٰی فرماتاہے:"مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا"۔

۷؎ ضعف بدن کی وجہ سے اتنے روزے لگاتار نہیں رکھ سکتا یا ان دو ماہ میں عورت سے علیحدہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ بعض قوی جوانوں کا حال ہوتا ہے۔(مرقات)

۸؎ روزانہ ایک مسکین کو تاکہ کھانا دینا دو ماہ میں پورا ہو۔

۹؎ بعض نسخوں میں عروہ ابن عمر ہے یہ کاتب کی غلطی ہے فروہ ابن عمرو بیاضی انصاری ہیں بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

۱۰؎خیال رہے کہ کفارہ ظہار میں یا تیس صاع گندم ساٹھ مسکینوں کو دیا جائے فی مسکین آدھا صاع قریبًا سوا دو سیر یا ساٹھ صاع جو کھجوریں وغیرہ فی مسکین ایک صاع قریبًا ساڑھے چار سیر یہاں پندرہ سولہ صاع کھجوریں دے دینے کا حکم دیا،یہ حضرت سلیمان کی خصوصیات سے ہے جیسے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی کی اجازت دے دی گئی تھی حالانکہ ایک سالہ بکری کی قربانی ہوسکتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث اس پابندی سے پہلے کی ہو۔(اشعہ)یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بطور امداد ان کو یہ مقدار عطا ہوئی باقی ان کے اپنے ذمہ رہی۔(مرقات)مگر پہلی توجیہ نہایت قوی ہے

	بروایت سلیمان ابن یسار عن سلمہ ابن صخر ۱؎اس کی مثال روایت فرماتے ہیں کہ میں ایسا شخص تھا کہ عورتوں سے اس قدر صحبت کرتا تھا کہ میرے سوا کوئی نہ کرتا۲؎اوران دونوں یعنی ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں ہے کہ ایک وسق چھوارے ساٹھ مسکینوں کو دو ۳؎

۱؎مگر سلیمان ابن یسار نے سلمہ ابن صخربیاضی سے ملاقات نہیں کی ہے لہذا اس اسناد میں یہ حدیث مرسل کی طرح ہوگی کوئی راوی درمیان میں رہ گیاہے۔(مرقات)

۲؎یعنی یہ واقعہ کی نصف رمضان کو ہی صحبت کر بیٹھا یا یہ کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں ساٹھ روزے اور دو ماہ صحبت سے خالی نہیں رکھ سکتا اسی لیے ہوا کہ مجھے بمقابلہ دوسرے مردوں کے شہوت اور طاقت جماع بہت زیادہ تھی بغیر بیوی رہ نہ سکتا تھا۔

۳؎یہ حدیث گزشتہ اجمال کی تفصیل ہے وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے فی فقیر ایک صاع چھوارے دینا لازم ہے یہ ہی فقہاء فرماتے ہیں پھر پندرہ سولہ صاع دلوادینا ان کی خصوصیت ہے،قانون اور ہے کرم خسروانہ کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے وہ سلمہ ابن صخر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اس ظہار کرنے والے کے متعلق جو کفارہ دینے سے پہلے صحبت کرے فرمایا ایک ہی کفارہ ہے۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎یعنی واجب تو یہ ہے کہ مظاہر پہلے کفارہ دے پھر اس عورت سے صحبت کرے لیکن اگر کوئی پہلے ہی صحبت کر بیٹھے تو کفارہ ایک ہی ہوگا دو لازم نہ ہوں گے اور اس گناہ کی رب تعالٰی سے معافی مانگے یہ ہی احناف کا مذہب ہے مگر حضرت عمر و ابن عاص ،قبیصہ، سعید ابن جبیر،زہری،قتادہ،خواجہ حسن بصری،امام نخعی فرماتے ہیں کہ اس پر دو کفارہ واجب ہوں گے،حدیث ان بزرگوں کے خلاف ہے جو شخص اپنی چار بیویوں سے ظہار کرے کہ کہہ دے تم سب مجھ پر میری ماں کی طرح ہو تو چار کفارہ واجب ہوں گے کہ یہ چار ظہار ہوئے مگر امام مالک و احمد کے ہاں ایک ہی کفارہ واجب ہے کہ ظہار کرنے والا مرد ایک ہی ہے ظہار اور کفارہ ظہار کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے ۱؎ وہ ابن عباس سے راوی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر کفارہ دینے سے پہلے اس سے صحبت کرلی ۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ حضور سے عرض کیا فرمایا تجھے اس پر کس چیز نے انگیخت کی ۳؎ عرض کیا یارسول اللہ میں نے چاندی میں اس کے جھانجنوں کی سفیدی دیکھی تو اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا ۴؎ کہ اس سے صحبت کر بیٹھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے ۵؎ اور اسے حکم دیا کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے حتی کہ کفارہ دے دے ۶؎ ابن ماجہ اور ترمذی نے اس کی مثل اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ۷؎ اور ابو داؤد نسائی نے اس کی مثل روایت کی اسنادًا بھی اور ارسالًا بھی نسائی نے فرمایا کہ بمقابلہ مسند کے مرسل زیادہ قریب صواب ہے ۸؎

۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ یہ عکرمہ ابن ابوجہل نہیں ہیں بلکہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی ظہار کرنے والا اپنی مظاہرہ بی بی سے کفارہ سے پہلے صحبت نہیں کرسکتا مگر اس نے کرلی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوا،پتہ نہ چلا کہ یہ صحابہ کون تھے۔

۳؎ یہ سوال یا تو محض تحقیق واقعہ کے لیے ہے یا مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ مظاہر ظہار کے بعد کفارہ سے پہلے اسباب جماع سے بھی احتیاط رکھے۔

۴؎ بعض روایات میں ہے کہ اس کی پنڈلی کی سفیدی دیکھی تو میں شہوت سے بے قابو ہوگیا مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ پنڈلی کی سفیدی اور جھانجن کی چمک بیک وقت دیکھی جاسکتی ہے۔حجل ح کے فتحہ اور پیش سے بمعنی جھانجن عورتوں کے پاؤں کا مشہور زیور جسے خلخال بھی کہتے ہیں۔اس جواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں نے اسباب جماع خود نہ جمع کیے تھے بوس و کنار نہ کیا تھا اتفاقًا ایسا ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ بیمار طبیب سے مرض نہ چھپائے۔

۵؎ اس پر ملامت نہ فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ اس کا یہ عذر قبول فرما لیا۔

۶؎ اس سے فقہاء کا یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر مظاہر کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کر بیٹھے تو اس پر ایک ہی کفارہ ظہار کا واجب ہوگا دو یا تین کفارے واجب نہ ہوں گے،یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جماع کے بعد بھی اس پر آئندہ صحبت کرنا ممنوع ہوگا جب تک کہ کفارہ نہ دے لے۔

۷؎ یعنی یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں میں حسن ہے بعض میں صحیح بعض میں غریب۔

۸؎ یہاں اسناد و ارسال سے مراد یا تو حضرت عکرمہ کا ارسال و اسناد ہے کہ کبھی انہوں نے حضرت ابن عباس کا ذکر کیا کبھی نہ کیا یا حضرت ابن عباس کا ارسال و اسناد مراد ہے کہ بعض روایات میں حضرت ابن عباس نے یہ واقعہ اور صحابی سے نقل فرمایا وہاں اسناد ہوگئی،بعض میں ان صحابی کا ذکر نہ فرمایایہ ارسال ہوا۔ارسال صحابی کا بھی ہوتا ہے اور تابعی کا بھی۔(مرقات)خیال رہے کہ اسلام میں سب سے پہلے ظہار اوس ابن حاجب نے اپنی بیوی خولہ بنت خویلہ ابن مالک سے کیا اور خولہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی"قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجٰدِلُكَ فِیۡ زَوۡجِهَا"۔

باب

بابہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب کا منشا یہ ہے کہ ہر کفارہ میں مؤمن غلام ہی آزاد کیا جائے نہ کہ کافر ہمارے امام اعظم کے ہاں مستحب ہے امام شافعی کے ہاں واجب، قتل خطا کے کفارہ میں بالاتفاق مؤمن غلام آزاد کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے لیے قرآن میں ایمان کی قید موجود ہے"تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ"۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن حکم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری لونڈی میری بکریاں چراتی تھی ۲؎ میں اس کے پاس گیا تو ایک بکری گم پائی میں نے اسے بکری کے متعلق پوچھا تو وہ بولی کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ۳؎ میں اس پر بہت غصے ہوا میں آدمی ہوں میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا اور مجھ پر ایک غلام آزاد کرنا ہے ۴؎ کیا اسے آزاد کردوں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں ۵؎ پھر فرمایا میں کون ہوں، بولی آپ اللہ کے رسول ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اسے آزاد کردو ۶؎ (مالک) اور مسلم کی روایت میں ہے فرماتے ہیں میری ایک لونڈی تھی جو میری بکریاں احد اور جوانیہ کی طرف چراتی تھی ۷؎ ایک دن میں اچانک وہاں گیا تو بھیڑیا ہماری بکریوں میں سے ایک بکری لے گیا تھا ۸؎ اور میں اولاد آدم سے ایک شخص ہوں جیسے سب غمگیں ہوتے ہیں میں بھی غمگیں ہوتا ہوں لیکن میں نے اسے صرف ایک تھپڑ مار دیا ۹؎ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو	

آپ نے اسے مجھ پر بڑا جرم قرار دیا۴ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں اسے آزاد نہ کردوں ۱۱فرمایا اسے میرے پاس لاؤ تو میں اسے لایا تو آپ نے فرمایا اللہ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں فرمایا میں کون ہوں بولی آپ رسول اللہ ہیں فرمایا اسے آزاد کردو یہ مؤمنہ ہے ۱۲	

۱؎ آپ سلمی ہیں صحابی ہیں مدینہ منورہ میں رہنے سہنے لگے تھے، ۱۷۷ھ میں وصال ہوا۔(کمال و مرقات)

۲؎ یعنی لونڈی بھی میری تھی بکریاں بھی میری ہی چراتی تھیں کسی اور کی مزدوری نہ کرتی تھی لونڈی پر پردہ لازم نہیں کیونکہ وہ پردے میں رہ کر مولے کی خدمت نہیں کرسکتی۔

۳؎ یعنی اس نے بڑا قصور یہ کیا مجھے اس واقعہ کی خبر نہ دی بکری بھیڑیا لے گیا میرے پوچھنے پر بتایا ورنہ مجھے اتنا غصہ نہ آتا۔

۴؎ اس مارنے کی وجہ سے نہیں کسی اور وجہ سے کفارہ واجب ہوچکا ہے جس میں غلام آزاد کرنا مجھ پر لازم ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی اپنے غلام کو مار دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے یہ حکم صرف استحبابی ہے یہاں یہ کفارہ مراد نہیں جیسا کہ علیؔ سے معلوم ہورہا ہے۔ احادیث میں ہے کہ یہ لونڈی گونگی تھی یہ تمام گفتگو اس نے اشارہ سے کی۔ اس روایت کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفارہ میں گونگے غلام کا آزاد کرنا جائز ہے،خیال رہے کہ عربی میں اشارۃً کلام کرنے کو بھی کہنا کہہ دیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا"یعنی اے مریم اشارہ سے کہہ دینا کہ میرا چپ کا روزہ ہے میں کسی سے کلام نہ کروں گی۔

۵؎ یہ سوال و جواب اللہ تعالٰی کی جگہ کے متعلق نہیں وہ تو جگہ میں رہنے سے پاک ہے بلکہ سرکار نے اس چیز کی تحقیق فرمائی کہ یہ لونڈی مشرکہ نہیں بتوں کو خدا نہیں کہتی،اگر مشرکہ ہوتی تو ان ہی بتوں کو الٰہ کہہ دیتی۔

۶؎ کیونکہ یہ مؤمنہ ہے جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے۔اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفارات وغیرہ میں صرف مؤمنہ غلام لونڈی آزاد ہوسکتی ہے،امام اعظم کے ہاں ہر غلام آزاد کیا جاسکتا ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر،سرکار عالی کا یہ امتحان لے کر فرمانا کہ اسے آزاد کردو بیان استحباب کے لیے ہے یعنی مؤمن غلام کا آزاد کرنا کافر غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔امام اعظم کے بقیہ دلائل پہلے عرض کیے جاچکے ہیں کہ قرآن کریم نے کفارہ قتل کے سواء کسی کفارہ میں مؤمن غلام کی قید نہ لگائی اور قرآن شریف کے مطلق احکام کو ان کے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔

۷؎ احد مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے جو مدینہ پاک سے تین میل فاصلہ پر ہے اور جوانیہ احد کے قریب جنگل کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جانب شمال ہے احد سے متصل۔

۸؎ میرے سامنے نہ لے گیا بلکہ بکریاں شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک بکری کم ہے،لونڈی سے پوچھنے پر پتہ لگا کہ بھیڑیا لے گیا لہذا یہ روایت گزشتہ روایت کے خلاف نہیں۔

۹؎ لیکن سے پہلے ایک مختصر سی عبارت پوشیدہ ہے یعنی دل تو چاہا کہ لونڈی کو سخت سزا دوں کیونکہ میرا بہت نقصان ہوگیا تھا مگر میں نے ایک تھپڑ مارنے پر ہی کفایت کی۔

۱۰؎ یعنی آپ نے فرمایا کہ تم نے بڑا گناہ کیا کیونکہ بے قصور لونڈی کو تھپڑ مار دیا یہ حق العبد ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوسکتا،مگر قصاص دینے کا حکم نہ فرمایا کیونکہ مولے سے لونڈی کا قصاص نہیں لیا جاتا۔اس سے معلوم ہوا کہ بے قصور کو سزا دینا گناہ ہے اگرچہ استاذ یا پیر یا مولے یا آقا ہی کیوں نہ دے اس سے موجودہ زمانہ کے حکام آقاؤں کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

۱۱؎ تاکہ یہ آزاد کرنا میرے اس گناہ کا کفارہ بھی ہوجائے اور میرے ذمہ ایک دوسرا کفارہ ہے جس میں غلام آزاد کرنا مجھ پر واجب ہے وہ بھی ادا ہوجائے لہذا یہ روایت گزشتہ روایت کے خلاف نہیں یہ مطلق گزشتہ مقید پر محمول کیا جائے گا۔(مرقات)خیال رہے کہ غلام کو بلا قصور مار دینے پر اس کا آزاد کرنا واجب نہیں،نہ کوئی اس کا کفارہ ہے صرف مستحب ہے لہذا اس روایت پر یہ اعتراض نہیں کہ دو کفاروں میں ایک غلام کیسے آزاد کرایا گیا۔(مرقات)

۱۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اجمالی معتبر ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے ایمانیات کی تفصیل نہ پوچھی صرف توحید و رسالت کے اقرار کو تمام ایمانیات کا اقرار مانا۔

باب اللعان

لعان کا بیانہ

الفصل الاول

پہلی فصل

الؔعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا مادہ لعن ہے بمعنی لعنت یعنی رحمت الٰہی سے دور ہوجانے کی بددعا۔ لعان کے معنے ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔ شریعت میں لعان یہ ہے کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کو ایسی تہمت لگائے کہ اگر اجنبی عورت کو لگاتا تو حد قذف واجب ہوجاتی اس پر حاکم مجمع کے سامنے ان دونوں خاوند و بیوی کو کھڑا کرکے چار چار قسمیں ایک ایک لعنت یا غضب کی بددعا کرائے پھر ان دونوں کو ہمیشہ کے لیے جدا کردے کہ پھر یہ عور ت اس مرد کے نکاح میں آ بھی نہ سکے مگر لعان توڑنے پر کہ مرد کہے میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی اس پر اسے تہمت کی سزا اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں پھر نکاح میں آ ئے ،ہمارے امام صاحب کے ہاں گوائیاں ہیں جن کی تاکید قسم سے کی گئی ہے۔امام شافعی کے ہاں لعان قسمیں ہیں جن کی تاکید گواہیوں سے کی گئی ہے لہٰذا امام صاحب کے ہاں لعان وہ ہی کرسکتا ہے کہ جس کی گواہی قبول ہوسکتی ہے جو گواہی کا اہل نہیں وہ لعان نہیں کرسکتا،اس کی تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ خیال رہے کہ کسی گنہگار مسلمان کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں خواہ کیسا ہی گنہگار ہو سوائے لعان کے،لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ یزید یا حجا ج یا فلاں زانی قاتل پر لعنت ہاں یہ کہہ سکتے ہیں حضرت حسین کے قاتل یا قتل سے راضی ہونے والے پر لعنت ہے کہ یہ لعنت بالوصف ہے دیکھو شامی باب اللعان۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے فرماتے ہیں کہ عویمر عجلانی نے عرض کیا ۱؎ یارسول اللہ فرمایئے تو ایک شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے ۲؎ کیا وہ اسے قتل کردے تو مسلمان اسے قتل کردیں گے ۳؎ کیا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے اور تیری بیوی کے متعلق آیت نازل کر دی گئی ہے ۴؎ تم جاؤ اسے لے آؤ ۵؎ سہل فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں لعان لیا ۶؎ میں بھی لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جب وہ زوجین فارغ ہوچکے تو عویمر بولے کہ میں نے اس پر جھوٹ ہی لگایا یارسول اللہ ۷؎ اگر اس کو روک رکھوں چنانچہ

	اسے تین طلاقیں دے دیں ۸؎ پھر رسول اللہ نے فرمایا لوگو خیال رکھنا اگر وہ عورت جنے بچہ سیاہ رنگ بڑی آنکھ والا بڑے سرین والا بڑی پنڈلیانوالہ تو میں عویمر کو اس عورت پر سچا ہی گمان کرتا ہوں ۹؎ اور اگر وہ عورت بچہ جنے سرخ رنگ والا گویا وہ بامنی ہے ۱۰؎ تو میں سمجھتا ہوں کہ عویمر نے اس پر جھوٹ ہی بولا ۱۱؎ پھر اس عورت نے بچہ اس صفت پر جنا جس پر رسول اللہ نے عویمر کو سچا فرمایا تھا پھر وہ بچہ بعد میں اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا ۱۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ سہل ابن سعد کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں، آپ مدینہ منورہ میں آخری صحابی ہیں جو تمام صحابہ سے آخر میں فوت ہوئے،ان کی وفات پر مدینہ سے صحابہ کا دور ختم ہوا،عویمر صحابی ہیں عجلان قبیلہ سے ہیں عجلان انصار کا ایک قبیلہ ہے عجلان ابن زید انصاری کی اولاد۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یا زنا کرتے ہوئے پائے یا علامات سے معلوم ہو کہ اس نے زنا کیا ہے فارغ ہو کر بیٹھا ہے۔

۳؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یقتلون ی سے ہے یعنی مقتول کے وارث اسے قتل کردیں گے بعض میں تقتلون ت سے ہے یعنی اے محبوب پاک آپ اور آپ کے صحابہ اسے قصاصًا قتل کردیں گے۔علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کو اپنی بیوی سے زنا کرتے دیکھے اور اسے قتل کردے تو اسے بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا،ہاں اگر اس زنا پر چار گواہ قائم ہوجائیں اور زانی محصن بھی ہو تو اس قاتل پر قصاص نہیں،یا مقتول کے ولی اس زنا کا اقرار کرلیں تب بھی قصاص نہیں یہ شرعی حکم ہے عنداللہ اس قاتل پر کوئی گناہ نہیں،عویمر نے صاف نہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو زنا کراتے دیکھا بلکہ اشارۃً اگر مگر سے سوال کیا تاکہ حد قذف ان پر جاری نہ ہوجائے۔

۴؎ آیت کریمہ یہ ہے"وَالَّذِیۡنَ یَرْمُوۡنَ اَزْوٰجَہُمْ وَلَمْ یَکُنۡ لَّہُمْ شُہَدَآءُ"یہ آیت شعبان ۹ھ؁ میں نازل ہوئی،یا تو عویمر کے متعلق ہی نازل ہوئی یا ہلال ابن امیہ کے متعلق اتری مگر حق یہ ہے کہ ان دونوں کے واقعات قریب قریب ہوئے ان دونوں پر آیت اتری،پہلے ہلال ابن امیہ نے لعان کیا پھر عویمر نے لہذا یہ درست ہے کہ اسلام میں پہلا لعان ہلال ابن امیہ نے کیا درست ہے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تیرے متعلق یہ آیت آگئی یہ بھی درست ہے احادیث میں تعارض نہیں۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ لعان کے وقت دونوں خاوند و بیوی کا حاکم کی کچہری میں حاضر ہونا ضروری ہے بلکہ مسلمانوں کے مجمع میں حاکم کے سامنے لعان چاہیے۔

۶؎ بعد نماز جب مسلمان جمع تھے اس زمانہ پاک میں مسجد ہی کچہری تھی۔

۷؎ یعنی اب میرا اس بیوی کو اپنے پاس رکھنا اپنی تکذیب ہے لہذا میں اسے علیحدہ کرتا ہوں۔

۸؎ اس حدیث کی بنا پر بعض نے فرمایا کہ لعان خود طلاق نہیں،بلکہ اس کے بعد طلاق دینی چاہیے،بعض مالکی حضرات نے فرمایا کہ لعان خود ہی طلاق ہے مگر حاکم کے فیصلہ کے بعد ابھی چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ نہ فرمایا تھا اس لیے ان کی طلاق درست ہوگئی یہ حضرات اس سے ثابت کرتے ہیں کہ یک وقت تین طلاقیں دے دینا مکروہ بھی نہیں کیونکہ عویمر نے یکدم تین طلاق دیں سرکار نے منع نہ فرمایا مگر حق یہ ہے کہ بعد لعان حاکم کا فیصلہ نکاح ختم کردیتا ہے طلاق کی ضرورت ہی نہیں عویمر کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لیے انہوں نے طلاقیں دیں۔ لعان والی عورت لعان کے بعد حاکم کے فیصلہ سے بالکل نکاح سے خارج ہوجاتی ہے طلاق کی محل نہیں رہتی اور تا قیام لعان نکاح میں نہیں آسکتی، چونکہ دار قطنی نے بروایت حضرت عمر مرفوعًا حدیث نقل کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان والے زوجین جدا ہوچکنے کے بعد کبھی جمع نہیں ہوسکتے صاحب تنقیح نے فرمایا کہ اس کی اسناد جید ہے **المتلاعنان لا یجتمعان** بھی وارد ہے۔(فتح القدیر و مرقات)یہاں مرقات نے اس مسئلہ پر بہت سی احادیث پیش فرمائیں کہ لعان خود ہی تفریق ہے مگر حضرت امام اعظم و صاحبین و ابن مبارک کا قول یہ ہے کہ لعان کے بعد حاکم کی تفریق سے نکاح ختم ہوجاتا ہے لعان خود فسخ نہیں۔

۹؎ کیونکہ جس مرد سے الزام زنا لگایا گیا تھا وہ اسی شکل و صورت کا تھا اور اکثر بچہ باپ کے ہم شکل ہوتا ہے چونکہ یہ ہم شکلی یقینی نہیں اکثری ہے اس لیے اس طرح ارشاد فرمایا کہ ہمارا خیال ہے کہ عویمر کا الزام درست ہے۔

۱۰؎ بامنی ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جو سرخ رنگ سانپ کی طرح ہوتا ہے اسے اردو میں سانپ کی خالہ بھی کہتے ہیں بامنی میں نے بھی بارہا دیکھا ہے۔

۱۱؎ کیونکہ عویمر خود پتلے سرخ رنگ والے تھے یہ حکم بھی تخمینی ہے۔

۱۲؎ لعان کا یہ بھی حکم ہے کہ لعان کا بچہ باپ کی میراث نہیں پاتا صرف ماں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔خیال رہے کہ یہ واقعہ اس عقیدے کے خلاف نہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں کیونکہ لعان میں کسی کو فاسق نہیں کہاجاسکتا،معاملہ مشکوک رہتا ہے نیز حضرات صحابہ سے گناہ سرزد ہوئے ہیں مگر کوئی گناہ پر قائم نہیں رہا سب کو بعد میں توبہ کی توفیق ملی ان کی عدالت پر قرآن کریم گواہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیافہ یعنی بچہ کی ہم شکلی پر احکام مرتبہ نہیں ہوتے اس کی بحث آگے ہوگی۔ان شاءاللہ!

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کیا تو وہ مرد الگ ہوگیا اس کے بچہ سے ۱؎ پس جدائی کردی ان کے درمیان ۲؎ اور بچہ کو ماں سے منسوب کیا ۳؎(مسلم،بخاری)اور مسلم،بخاری کی ان کی ہی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نصیحت کی اور ڈرایا اور بتایا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے ۴؎ پھر عورت کو بلایا اور اسے نصیحت کی ڈرایا

اور بتایا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے۵	

۱؎ اس طرح کہ اپنی بیوی کے بچہ کا اپنے سے انکار کردیا کہہ دیا کہ میرا نہیں بلکہ حرام کا ہے یہ بھی تہمت زنا کی ایک صورت ہے کہ زنا کا الزام نہ لگائے بچے کا انکار کردے۔

۲؎ لعان کراکر اس طرح کہ پہلے دونوں سے لعان کرایا پھر فسخ نکاح فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لعان میں عورت و مرد کی علیحدگی حاکم کے فیصلہ سے ہوگی نہ کہ خاوند کی طلاق سے۔ امام اعظم کا یہ ہی مذہب ہے، امام زفرو امام شافعی کے ہاں خود لعان ہی طلاق یا فسخ نکاح کا سبب ہے لعان کیا تو علیحدگی ہوئی مگر امام اعظم کا قول نہایت قوی ہے اولًا تو اس لیے کہ اگر لعان ہی طلاق ہوتا تو حضور تفریق کیوں کراتے جیسا کہ یہاں فرق سے معلوم ہورہا ہے کہ لعان کے بعد حضور نے علیحدگی کا حکم دیا، دوسرے اس لیے کہ پہلے گزر چکا کہ عویمر نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں اگر لعان سے نکاح ختم ہوچکا تھا تو طلاق سے کیا فائدہ تھا وہ طلاقیں اوریہ تفریق بتارہی ہے کہ لعان فسخ نکاح نہیں۔(مرقات)

۳؎ اس طرح کہ یہ بچہ اس عورت کا کہلایا نہ کہ مرد کا ،نیز اس کا نسب مرد سے ثابت نہ ہوا،نیز اس بچہ کو صرف عورت کی میراث ملی نہ کہ مرد کی لعان کا یہ ہی حکم ہے۔

۴؎ یہاں دنیا کی سزا سے مراد حد قذف تہمت کی سزا ہے یعنی اسی کوڑے یعنی اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو اقرار کرلے اسی۸۰ کوڑے کھا کر تیری رہائی ہو جائے گی،آخرت کا عذاب رسوائی و دوزخ کی آگ بہت سخت ہے۔

۵؎ یہاں عذاب سے مراد رجم یعنی سنگسار کرنا اور دنیاکی بدنامی ہے کہ اگر عورت زنا کا اقرار کرلے تو رجم کی جائے گی دنیا اسے برا کہے گی مگر یہ تکلیف چند منٹ کی ہے آخرت میں رسوائی اور دوزخ کا عذاب بہت سخت ہے عقلمند وہ ہے جو دشوار سزاکے مقابل آسان کو اختیار کرے۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان والے زوجین سے فرمایا کہ تم دونوں کا حساب اللہ کے ہاں ہے۱؎ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اب تم کو اس عورت پر کوئی حق نہیں آیا ۲؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال ۳؎ تو فرمایا مال تجھے نہ ملے اگر تو نے اس پر سچ بولا ہے تو مال اس عوض میں رہا کہ تو نے اس کی شرمگاہ میں تصرف کرلیا ۴؎ اور اگر تم نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو یہ تجھ سے بہت بہت دور ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ کہ وہ ہی تم میں سے جھوٹے کو سزا دے گا ہم صرف ظاہر پر عمل کرتے ہیں اگر تم میں سے کسی کا جھوٹ ظاہر نہ ہو تو کسی کو سزا نہیں دیتے۔

۲؎ اس جملہ کی وجہ سے امام شافعی فرماتے ہیں کہ خود لعان ہی فسخ نکاح ہے حاکم کے فیصلہ پر موقوف نہیں مگر امام اعظم کے ہاں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تفریق کے بعد لاعن کا ملاعنہ پر کوئی حق نکاح باقی نہیں رہتا،تاکہ یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔
۳؎ مالی پوشیدہ فعل کا فاعل ہے یعنی میرا مال کہا گیا مال سے مراد دیا ہوا مال ہے یعنی مہر وہ چاہتے تھے کہ مہر واپس دلایا جائے۔
۴؎ یعنی تیرا مہر صحبت سے گیا اس سے معلوم ہوا کہ صحبت سے یا خلوت سے مہر مؤکد ہوتا ہے اگر بغیر خلوت طلاق دے دی گئی تو نصف مہر واجب ہوگا اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔
۵؎ یعنی جب تجھے سچا ہونے پر مال واپس نہ ملا تو جھوٹا ہونے پر تو مل سکتا ہی نہیں۔خیال رہے کہ دوسرا بعد تاکید کے لیے زائد فرمایا گیا یعنی بہت بہت دور ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ملاعنہ عورت کو مہر پورا پورا ملے گا،لعان سے مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ہلال ابن امیہ نے ۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنی بیوی کو شریک ابن سحماء سے تہمت لگائی ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ لاؤ یا تمہاری پیٹھ میں سزا ہے ۳؎ وہ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم میں سے کوئی اپنی بیوی پر کسی مرد کو دیکھے تو گواہ ڈھونڈتا پھرے ۴؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ میں سزا ہوگی ۵؎ ہلال بولے اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں سچا ہوں تو اللہ تعالٰی ضرور وہ آیات اتارے گا جو میری پیٹھ کو سزا سے بچالیں گی ۶؎ اتنے میں جبرئیل اترے اور آپ پر یہ آیت اتاری ۷؎ اور وہ لوگ جو الزام لگائیں اپنی بیویوں کو،پھر پڑھی حتی کہ ان کان من الصادقین تک پہنچ گئے پھر ہلال آئے گواہی دی ۸؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یقینًا اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرلے گا ۹؎ پھر عورت کھڑی ہوئی پس گواہی دی جب پانچویں پر پہنچی ۱۰؎ تو لوگوں نے اسے ٹھہرالیا اور بولے کہ یہ واجب کرنے والی ہے ۱۱؎ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ کچھ ٹھہری اور لوٹی حتی کہ	

ہم نے گمان کر لیا کہ یہ رجوع کرلے گی۱۲ پھر بولی میں اپنی قوم کو کبھی رسوا نہ کروں گی پھر گزر گئی ۱۳ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھنا اگر یہ سرمگیں آنکھوں والا بھرے چوتڑوں والا پتلی پنڈلیوں والا بچہ جنے تو وہ شریک ابن سحماء کا ہے ۱۴ پھر وہ ایسا بچہ لائی فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر قرآن کا وہ حکم جو گزر گیا نہ ہوتا ۱۵ تو میرا اور اس عورت کا کچھ حال ہوتا ۱۶ (بخاری)	

۱؎ ہلال ابن امیہ وہ ہی صحابی ہیں جو حضرت کعب ابن مالک کے ساتھ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔یہ تین حضرات کعب ابن مالک،ہلال ابن امیہ،مرارہ ابن لوی،ان تین صاحبوں کی توبہ کا ذکر سورہ توبہ میں ہے"وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا"الایہ۔

۲؎ حضرت شریک انصار کے حلیف تھے سحماء ان کی والدہ کا نام ہے آپ اپنی ماں کی نسبت سے مشہور ہیں جیسے عبداللہ ابن ام مکتوم اسلام میں یہ پہلا واقعہ ہوا اور یہ لعن بھی پہلا لعان تھا۔اسی واقعہ پر آیت لعان نازل ہوئی۔

۳؎ یعنی یا تو چار گواہ عینی پیش کرو جنہوں نے تمہاری بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو ورنہ تم کو حد قذف اسی۸۰ کوڑے مارے جائیں گے۔

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی پر کسی کو دیکھے تو اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ چار گواہ جمع کرلے اور انہیں اس حالت کا مشاہدہ کرائے یہ تکلیف طاقت سے زیادہ ہے۔

۵؎ سرکار عالی کا یہ فرمان قرآن کی اس آیت کی بنا پر ہے کہ زنا کے لیے چار گواہ پیش کیے جائیں،ورنہ الزام لگانے والے کو تہمت کی سزا اسی کوڑے لگائی جائے یہ پابندی اس لیے ہے تاکہ لوگ تہمت زنا میں دلیر نہ ہوجائیں۔چونکہ ابھی لعان کے احکام آئے نہ تھے اس لیے فرمایا گیا۔

۶؎ یہ ہے مؤمن کی فراست کہ آئندہ آنے والے احکام کے متعلق قسم کھالی کہ ایسے احکام ضرور نازل ہوں گے لطف یہ ہے کہ ان شاءاللہ بھی نہ کہا یعنی مجھے اپنے رب کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ سچے کو تہمت کی سزا نہ لگنے دے گا،مجھے ضرور بچالے گا۔

۷؎ فنزل کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلال مجلس شریف میں موجود تھے اور دربار عالی گرم تھا کہ آیت لعان نازل ہوگئی حضرت ہلال کا اندازہ سچا ہوگیا کیونکہ ف تعقیب بلا تراخی کے لیے آتی ہے۔

۸؎ ظاہر یہ ہے کہ جآء سے مراد حضور کی بارگاہ میں قسم کے لیے کھڑا ہونا کیونکہ ہلال وہاں ہی تھے ابھی غائب نہ ہوئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ ہلال چلے گئے ہوں اور اس آیت کے نزول پر بلائے گئے ہوں مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں گواہی

سے مراد ہلال کا قسم کھانا چونکہ یہ قسم گواہی کے قائم مقام ہوتی ہے اس لیے اس قسم کو گواہی فرمایا قرآن کریم نے بھی اسے گواہی فرمایا۔

۹؎ اب بھی مستحب یہ ہے کہ حاکم اس قسم کے الفاظ لعان کرنے والوں سے کہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے خفیہ حالات پر مطلع فرمایا ہے مگر ساتھ ہی پردہ پوش بنایا ہے اس لیے نہ تو رب تعالٰی نے کوئی آیت اتاری کہ فلاں سچا ہے نہ حضور نے اس کی خبر دی لہذا یہ فرمان پردہ پوشی کی بنا پر ہے نہ کہ بے علمی کی بنا پر کیا تمہیں خبر نہیں کہ عبداللہ ابن حذافہ نے حضور سے پوچھا تھا کہ میرا باپ کون ہے ؟فرمایا حذافہ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے ؟ فرمایا سالم مولٰی شیبہ۔(بخاری شریف)اور باپ بیٹا ہونا وہ ہی جان سکتا ہے جو اندرونی حالات سے خبردار ہو لہذا ان کلمات سے حضور کی بے علمی ثابت کرنا سخت غلط ہے۔

۱۰؎ یعنی چار بار اشھد باللہ کہہ چکی جب پانچویں کی باری آئی صحابہ کرام نے اسے روک کر یہ تبلیغ کی۔

۱۱؎ یا سزا کو یا دوزخ کی آگ کو اگر یہ پانچویں قسم تو نہ کھائے تو رجم و سنگسار کی جائے گی اور اگر جھوٹی قسم کھا گئی تو عذاب نار کی مستحق ہوگی لہذا سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ۔ اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ حضور کو خبر تھی کہ مرد سچا ہے عورت سے خطا ہوئی ہے دیکھو صحابہ کرام نے ہلال کو یہ تبلیغ نہ کی صرف عورت کو کی۔

۱۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو بھی علامات سے معلوم ہوچکا تھا کہ ہلال سچے ہیں عورت خطا کار ہے مگر چونکہ اسلام میں ان جیسی علامات کا اعتبار نہیں خصوصًا حدود میں اس لیے ان علامات پر احکام شرعیہ جاری نہیں ہوتے۔

۱۳؎ یعنی پانچویں قسم بھی کھالی اور چھوڑ دی گئی اس روکنے لوٹنے کے متعلق اس سے کوئی باز پرس نہ کی گئی کہ تو پہلے رکی کیوں تھی۔

۱۴؎ یعنی حرامی ہے غالبا شریک ابن سحماء اسی شکل کے ہوں گے اور بچہ اکثر باپ کی شکل پر ہوتا ہے۔یہ قاعدہ اکثریہ ہے مگر حضور کے فرمان عالی سے وہ یقینی ہوگیا مگر اس یقین پر شرعی سزا جاری نہیں ہوتی اس لیے عورت سے پھر بھی کچھ نہ کہا گیا۔

۱۵؎ اس حکم سے مراد لعان کے احکام ہیں جو اس موقعہ پر قرآن کریم میں نازل ہو چکے تھے یعنی اگر یہ احکام لعان نہ آگئے ہوتے اور صرف علامات پر حدود شرعیہ جاری ہوجاتیں تو ہم اس کو سنگسار کردیتے۔

۱۶؎ کہ ہم اس عورت کو سنگسار کردیتے،خیال رہے کہ حضور نے اس عورت کو ہلال سے علیحدہ کردیا مگر عدت کا خرچہ نہ دلوایا کیونکہ یہ علیحدگی طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے(مرقات)بعض روایات میں ہے کہ یہ بچہ زندہ رہا بعد میں مصر کا حاکم ہوا مگر اپنی ماں کی طرف نسبت کیا جاتا تھا۔(مرقات)مگر بعض روایات میں ہے کہ دو سال کی عمر پا کر وفات ہوگیا۔ واللہ اعلم!یہ عورت اور شریک بھی برے حال میں مرے(مرقات)خیال رہے کہ لعان کی صورت میں شرعًا کوئی فاسق نہیں کہا جاتا اسی لعان کرنے والے کی گواہی قبول ہے عند اللہ جو کچھ ہو وہ رب جانے لہذا شرعًا ان دونوں بلکہ تینوں میں کوئی فاسق نہیں نہ ہلال نہ یہ عورت نہ شریک لہذا یہ مسئلہ بالکل حق ہے کہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں سب جنتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا سعد	

	ابن عبادہ نے اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا اسے نہ چھوؤں حتی کہ چار گواہ لاؤں تو رسول اللہ نے فرمایا ہاں ۱؎ وہ بولے ہر گز نہیں قسم اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں تو اسے اس سے پہلے تلوار سے جلد ماردوں ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا سنو جو تمہارا یہ سردار کہتا ہے ۳؎ یہ بڑا ہی غیرت مند ہے ۴؎ اور میں اس سے بڑھ کر غیرتمند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے ۵؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ہاں تم اس عورت و مرد سے کچھ تعرض نہ کرو تمہارا صرف یہ کام ہے کہ چار گواہ ان کے زنا پر بنا لو اولًا ہم پر پیش کرو ہم بعد تحقیق انہیں زنا کی سزا دیں گے۔ اس سے معلوم ہو اکہ قصاص،رجم وغیرہ صرف حاکم جاری کرسکتا ہے ہے کسی دوسرے کو حق نہیں کہ خود قانون ہاتھ میں لے کر یہ کام کرے۔

۲؎ اس عرض و معروض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی تردید نہیں ہے بلکہ اپنی انتہائی غیرت کا اظہار ہے کہ ایسی حالت میں مجھ پر غصہ کی وجہ سے ایسے مدہوشی طاری ہوگی کہ مجھے گواہ لانے آدمیوں کو ڈھو نڈنے کا دھیان ہی نہ رہے گا اس جنون میں اسے قتل ہی کردوں گا اسی لیے سرکار عالی نے ان کی عرض کی تردید نہ فرمائی بلکہ تعریف کی۔

۳؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں سیدنا ہے یعنی ہمارے سردار کی بات سنو،ہمارے سردار سے مراد ہے ہمارے مقرر کیے ہوئے سردار جیسے بادشاہ کسی امیر کی طرف اشارہ کرکے کہے ہمارا امیر یعنی ہمارا مقرر کردہ امیر سیدکم کے معنے بالکل ظاہر ہیں غالبًا انصار سے خطاب ہوگا اور اگر تمام صحابہ سے خطاب ہو تو خصوصی سرداری مراد ہوگی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت سعد جناب صدیق و فاروق سے افضل ہوں۔

۴؎ یعنی جو کچھ سعد کہہ رہے ہیں اپنی غیرت کے جوش میں کہہ رہے ہیں نہ کہ ہمارے کلام عالی کی تردید میں اور جوش غیرت سرداری کی بنا پر ہے معلوم ہوا کہ سردار قوم غیرت مند ہی چاہیے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں حضرت سعد کی غیرت کی تعریف ہے ان کے اس عمل کی تائید نہیں کیونکہ خود قتل کردینا خلاف حکم شرع ہے اس کی تائید کیسی جب لفظ غیور اللہ رسول کی صفت ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے زجور سخت روکنے والا یعنی ہم اور رب تعالٰی ان بے حیائیوں کو نہایت سختی سے روکنے والے ہیں،اسی لیے زنا کی سزا ایسی سخت رکھی ہے کہ رب کی پناہ قصاص قتل میں تلوار سے مارا جاتا ہے مگر سزائے زنا میں سنگار کیا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا سعد ابن عبادہ نے اگر میں کسی مرد کو اپنی عورت کے ساتھ دیکھوں تو اسے مار دوں تلوار سے چوڑائی سے نہیں ۱؎ یہ خبر رسول اللہ کو پہنچی تو فرمایا کیا تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو ۲؎ اللہ کی قسم میں ان سے بڑھ کر

	غیرت مند ہوں ۳؎ اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے اللہ کی غیرت کی وجہ سے کہ اللہ نے ظاہر باطن فحش چیزیں حرام فرمادیں ۴؎ اور اللہ سے زیادہ کسی کو معذرت پسند نہیں ۵؎ اسی لیے اللہ نے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے بھیجے ۶؎ اور ایسا کوئی نہیں ہے جسے اللہ سے زیادہ تعریف پسند ہو ۷؎ اسی وجہ سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی میں اسے چوڑی تلوار نہ ماروں جس سے صرف چوٹ لگے بلکہ دھار کی طرف سے ماروں جس سے وہ قتل ہی ہو جائے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ **غیر مصفح** **لضربته** کے فاعل کا حال ہے یعنی میں اس زانی سے در گزر نہ کروں بلکہ مار ہی دوں مگر پہلے معنے نہایت ہی موزوں ہیں۔

۲؎ سارے صحابہ کرام ہی غیرت مند تھے مؤمن بے غیرت نہیں ہوتا چہ جائیکہ حضرت صحابہ مگر حضرت سعد بے حد غیور و غیرت مند تھے اس لیے یہ فرمایا گیا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ حضور تمام صفات کمالیہ میں تمام خلق سے افضل ہیں غیور بادشاہ اپنے نوکروں سے بھیک نہیں منگاتے بڑھاپے میں ان کی پنشن کردیتے ہیں حضور ایسے غیور ہیں کہ اپنے نام لیواؤں دین کے خدمتگاروں اپنے نوکروں چاکروں کو ذلیل نہیں ہونے دیتے ناکاروں کو ایسا نبھاتے ہیں کہ **سبحان اللہ** دیکھو ہم جیسے ناکارہ جنہیں کوئی کوئی ہنر نہ آئے ان کے نام پر کیسے مزے سے پل رہے ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیری غیرت کے نثارے مرے غیرت والے　　　　آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بردہ تیرا

۴؎ رب تعالٰی کی غیرت کے یہ ہی معنی ہیں ورنہ اللہ تعالٰی شرم غیرت کے ظاہری معنے سے پاک ہے ایسے الفاظ میں رب تعالٰی کے لیے ان کے نتائج مراد ہوتے ہیں۔

۵؎ یعنی رب تعالٰی کو بندے کی توبہ بہت ہی پسند ہے،اسی لیے بذریعہ انبیائے کرام پیغام بھیجا کہ **ففروا الی اللہ** گنہگاروں اللہ کی طرف بھاگ آؤ پناہ پالو گے۔اسی صفت کے مظہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،اسی کا نتیجہ تھا کہ حضور نے حضرت وحشی ہندہ،ابوسفیان وغیرہ ہم کو معافی دے دی ان حضرات کو معاف کردینا طاقت انسان سے باہر ہے ان کے دروازے پر آنے والا محروم نہیں جاتا۔شعر

لج پال پریت کو توڑت ناہیں
جو بانھ پکڑیں پھر چھوڑت ناہیں
گھر آئے کو خالی موڑت نائیں

۶؎ معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کی بعثت کا اصل منشا بھاگے ہوؤں کو بلانا ہے۔

۷؎ چنانچہ خود رب تعالٰی نے اپنی حمد و ثناء کی حضرات انبیاء و اولیاء حمد الٰہی کرتے رہے بلکہ عالم کا ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ حمد الٰہی کرتا ہے"وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"یہ سب اس پسندیدگی کا نتیجہ ہے حمد الٰہی بہترین عبادت ہے،اس کے نبیوں ولیوں کی تعریفیں بھی بالواسطہ حمد الٰہی ہی ہے کہ جسے جو ملا اس کی عطا سے ملا نعت و مناقب حمد الٰہی کی طرح عبادت الٰہی ہے۔

۸؎ یعنی دنیا میں حمد الٰہی کرنے والوں سے رب تعالٰی نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے خود جنت میں سوائے حمد الٰہی کے اور کوئی عبادت نہ ہوگی،جنتی لوگ جب آپس میں کلام و گفتگو کریں گے تو آخر میں کہا کریں گے **واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین**۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ تعالٰی غیرت فرماتا ہے اور یقینًا مؤمن غیرت کرتا ہے ۱؎ اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مومن وہ کام نہ کرے جو اللہ نے حرام کئے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ مؤمن اخلاق الٰہی سے موصوف ہوتا ہے معلوم ہوا کہ حیاء و غیرت صفات الٰہیہ سے ہے،جسے یہ نعمت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا اللہ تعالٰی کی غیرت فرمانے کے کیا معنی ہیں اس کے لیے ہماری تفسیر نعیمی ہیں آیت"اِنَّ اللہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ"کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ یعنی بندہ گناہ کرتا ہے رب کو اس سے غیرت آتی ہے جیسے غلام کی بری حرکتوں سے مولٰی کو غیرت آتی ہے لہذا بندہ ہرگز گناہ پر دلیری نہ کرے۔یہ حدیث **باب اللعان** میں اس لیے لائے کہ لعان میں زنا کا الزام ہی تو ہوتا ہے اور زنا کرنا بھی غیرت کی چیز ہے اور زنا کی تہمت لگانا بھی شرم کی بات لہذا کوئی خاوند اپنی بیوی کو زنا کی جھوٹی تہمت نہ لگائے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میری بیوی نے سیاہ لڑکا جنا اور میں نے اس کا انکار کردیا ۱؎ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں بولا ہاں فرمایا ان کے رنگ کیا ہیں بولا سرخ فرمایا کیا ان میں کوئی چتکبرہ بھی ہے بولا اس میں چتکبرہ ہے ۲؎ فرمایا ا سے تو کہاں سے دیکھتا ہے کہ یہ آیا ۳؎ بولا کسی رگ نے اسے کھینچ لیا ۴؎ فرمایا تو شاید اسے بھی رگ

نے کھینچ لیا ۵؎ اور اس نے اپنے سے انکار کی اجازت نہ دی ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ انکار کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں گورا ہوں میرا بچہ کالا کیسے ہوسکتا ہے اس لیے میں نے کہہ دیا کہ یہ بچہ میرا ہے ہی نہیں میری بیوی نے کسی کالے آدمی سے زنا کرایا ہوگا اس کا یہ بچہ ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں انکار سے مراد دل سے انکار کرنا ہے،زبانی انکار کاارادہ کرنا اگر زبان سے انکار کردیتا تو لعان کرنا پڑتا۔

۲؎ سفید و سیاہ دھبے والے کو چتکبرہ کہتے ہیں سرخ اونٹ رفتار اور طاقت میں بہت اچھا ہوتا ہے مگر چتکبرہ اونٹ کا گوشت بہت نفیس ہوتا ہے اہل عرب سرخ اونٹ بہت پسند کرتے ہیں چتکبرے کو اچھا نہیں سمجھتے۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ ان سرخ اونٹوں سے کوئی اونٹ چتکبرہ بھی پیدا ہوا ہے وہ بولا ہاں کہ ماں باپ سرخ ہیں اور ان کا بچہ چتکبرہ۔

۳؎ جاء کا فاعل سرخ اونٹ ہیں اور ھا کا مرجع چتکبرہ رنگ والا بچہ یعنی سرخ اونٹ چتکبرہ بچہ کہاں سے لے آئے وہاں بچہ کا رنگ ماں باپ کے رنگ کے خلاف کیوں ہوگیا۔

۴؎ یعنی اس بچہ کے دادا پر دادا،نانا پر نانا میں کوئی نر یا مادہ اونٹ چتکبرہ گزرا ہوگا وہ دور والا رنگ اس بچہ میں آگیا ہوگا۔مرقات نے فرمایایہ لفظ عرق درخت کی جڑ کی رگوں سے ماخوذ ہے جو دور تک زمین میں پھیلی ہوتی ہیں،جیسے ان جڑ کی رگوں کا اثر درخت میں پہنچتا ہے ایسے ہی آباء واجداد کے رنگ بیماریاں اولاد میں پہنچ سکتی ہیں اس بدوی نے بہت تحقیقی بات کہی۔

۵؎ یعنی یہ ہی احتمال اس بچہ میں بھی ہے کہ تیرے باپ دادوں میں کوئی سیاہ فام گزرا ہو گا جس کا اثر اس بچہ میں آگیا ہوگا جو تاویل تو اونٹ کے بچہ میں کرتا ہے آدمی کے بچہ میں کیوں نہیں کرتا سبحان اللہ کیا حکیمانہ جواب ہے۔خیال رہے کہ بطور الزام یہ جواب دیا گیا ہے ورنہ بچہ کے رنگ روپ میں یہ ضروری نہیں کہ اس کے باپ دادوں کا اثر ہی آئے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سارے اصول گورے بچہ کالا اور کبھی سارے اصول کالے بچہ گورا یہ تو رب کی قدرت ہے جیسے چاہے بنا دے۔

۶؎ مقصد یہ ہے کہ رنگ روپ وغیرہ علامات ضعیفہ ہیں ان وجوہ سے بچہ کے نسب کا انکار نہ کرنا چاہیے کہ ثبوت زنا قوی علامات سے ہوسکتا ہے مثلًا کوئی عورت نکاح کے پانچ ماہ بعد بچہ جن دے یا جس کا خاوند پردیس ہی میں ہے اور عورت اقبالی بچے جنے یا خاوند نے عرصہ سے صحبت نہ کی ہو مگربچہ پیدا ہوجائے ان صورت میں انکار کی گنجائش قوی ہے شریک ابن سحماء کی حدیث میں جو گزرا کہ اگر بچہ اسی شکل کا ہے تو وہ غیر باپ کا ہوگا،وہاں رنگت و حلیہ سے زنا ثابت نہ فرمایا گیا تھا نہ اس کے رنگ پر زنا کے احکام جاری کیے گئے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان کے لیے صریحی انکار اولاد ضروری ہے اس بدوی نے صاف صاف انکار نہ کیا تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے ۱؎ اپنے بھائی سعد ابن ابی وقاص سے عہد لیا تھا کہ زمعہ کی لونڈی کا بچہ مجھ سے ہے تو تم اس پر قبضہ کرلینا ۲؎ پھر جب فتح مکہ کا سال ہوا تو اسے سعد نے	

	لے لیا بولے کہ یہ میرا بھتیجا ہے ۳؎ اور عبداللہ ابن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے ۴؎ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مقدمہ لے گئے ۵؎ سعد نے کہا یارسول اللہ میرے بھائی نے اس بچہ کے بارے میں مجھ سے عہد کیا تھا اور عبداللہ ابن زمعہ بولے کہ یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے جو اس کے بستر پر پیدا ہوا ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ ابن زمعہ وہ بچہ تمہارا ہے ۷؎ بچہ مستحق ولد کا ہوتا ہے زانی کے لیے پتھر ۸؎ پھر سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ اس بچہ سے پردہ کرنا کیونکہ اس کی مشابہت عتبہ سے دیکھی ۹؎ چنانچہ اس لڑکے نے سودہ کو نہ دیکھا حتّی کہ اللہ سے مل گیا ۱۰؎ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اے عبداللہ ابن زمعہ وہ تمہارا بھائی ہے اس لیے کہ وہ ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا ۱۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ عتبہ وہ ہی ہے جس نے احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید کیا تھا،یہ کافر ہی مرا رب کی شان ہے کہ ایک بھائی اول نمبر کا کافر اور دوسرا بھائی حضرت سعد ابن ابی وقاص اعلیٰ درجہ کے مؤمن جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر میرے ماں باپ قربان پھر ان ہی سعد کا بیٹا عمرو ابن سعد ایسا منحوس جس نے کربلا کے میدان میں اہلِ بیت اطہار پر پہلا تیر چلایا۔

۲؎ یعنی زمعہ کی لونڈی سے میں نے زنا کیا تھا اس سے بچہ پیدا ہوا تھا وہ بچہ اس ہی زنا کا ہے لہذا وہ بچہ میرا ہے جب تم کو موقعہ ملے اس بچہ کو لے لینا اوراس کی پرورش کرنا کہ تمہارا بھتیجا ہے۔

۳؎ کیونکہ میرے بھائی عتبہ کے زنا سے پیدا ہوا ہے زمانہ جاہلیت میں زنا سے نسب ثابت مانا جاتا تھا اگر زانی اس نسب کا دعویٰ کرتا۔

۴؎ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اپنی لونڈیوں سے زنا کرا کر زنا کی آمدنی وصول کرتے تھے اور اس زنا سے جو بچہ پیدا ہوتے ان میں جھگڑے ہوتے تھے۔زانی کہتا تھا کہ میرا بچہ ہے مالک کہتا کہ میرا ،یہ بچہ بھی اس قسم کا تھا سعد کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ بچہ میرے بھائی کے نطفے سے ہے لہذا میرا بھائی ہے عبداللہ ابن زمعہ کا کہنا تھاکہ میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے لہذا میرا بھائی ہے(مرقات)

۵؎ **تساوقا** سوق سے بنا بمعنی چلانا "ہانکنا" **تساوقا** تثنیہ ہے کہ اس کا فاعل دونوں ہیں یہاں مراد مقدمہ بارگاہ عدالت تک لے جانا ہے۔

۶؎ فراش کے لفظی معنے ہیں بستر پھر بستر پر لیٹنے لٹانے والے کو فراش کہنے لگے اصطلاح میں مستحق ولد کو فراش کہا جاتا ہے،خاوند،مولیٰ صاحب فراش ہیں یہاں یہ ہی معنے مراد ہیں۔

۷؎ یعنی تمہار اباپ شریکا بھائی ہے کہ تمہارے باپ کی مملوکہ لونڈی سے پیدا ہوا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مالی دعووں کی طرح نسب کا دعویٰ بھی ہوسکتا ہے، دوسرے یہ کہ لونڈی اپنے مولیٰ کی فراش ہے جب کہ مولیٰ اس سے وطی کرے کہ اس کا بچہ مولیٰ کا مانا جائے گا۔تیسرے یہ کہ جب بچہ مولیٰ کا ہوسکتا ہو تو اگرچہ لونڈی سے صحبت کسی دوسرے نے کی ہو مگر بچہ مولیٰ کا ہوگا جب مولیٰ اس کا دعویٰ کرے،چوتھے یہ کہ نسب میں وارث کا اقرار مولی کے اقرار کی طرح ہے۔خیال رہے کہ اگر خاوند یا مولی مشرق میں ہو اور بیوی یا لونڈی مغرب میں،اور کبھی خاوند بیوی کے پاس نہ آیا ہو،بیوی خاوند کے پاس نہ گئی ہو اور بچہ پیدا ہوجائے خاوند یا مولی کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو امام شافعی و مالک کے ہاں اس کی بات نہ مانی جائے گی یہاں اس نسب کا امکان نہیں مگرامام اعظم کے ہاں اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور بچہ اسی کا ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مرد یا عورت ولی اللہ ہو بطور کرامت ان کا قرب و صحبت واقع ہو گئی ہو کرامات اولیاء برحق ہیں۔(مرقات)علامہ شامی نے بھی مسئلہ اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء اللہ عالم کی سیر کرسکتے ہیں دور کی جگہ حاضر و ناظر ہوسکتے ہیں ہم نے بھی یہ مسئلہ جاء الحق بحث حاضر و ناضر میں بیان کیا۔

۸؎ یعنی اسلام میں زانی سے نسب ثابت نہیں بلکہ مسلمان محصن زانی سنگسار کیے جانے کے لائق ہے لہذا حدیث پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ ابن ابی وقاص کو یا اس لونڈی کو سنگسار کیوں نہ کیا؟

۹؎ ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اس فیصلہ کی بنا پر یہ بچہ حضرت سودہ کا علاتی بھائی ہوا اور بھائی سے پردہ نہیں یہ ہے فتویٰ مگر تقویٰ وہ ہے جو اس جگہ ارشاد فرمایا گیا کہ اس بچہ کی شکل و شباہت عتبہ سے ملتی جلتی ہے احتمال یہ ہے کہ عتبہ کا بچہ ہو لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ اے سودہ تم اس بچہ سے پردہ کرو کہ شاید یہ تمہارا اجنبی ہو۔ خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا حرامی بچہ زانی باپ کی میراث نہیں پاتا مگر حرمت زنا سے بھی آجاتی ہے کہ زانی پر مزنیہ عورت کی اولاد اس کی ماں نانی وغیرہ حرام ہوجاتی ہے مگر امام شافعی و مالک کے ہاں زنا سے حرمت بھی نہیں آتی زانی شخص مزنیہ عورت کی ماں وغیرہ سے نکاح کرسکتا ہے۔(مرقات)بعض شوافع کے ہاں تو خود زنا کی اس بچی سے بھی نکاح درست ہے جو اس کے نطفہ سے پیدا ہوئی۔(مرقات)

۱۰؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ وہ بچہ پہلے فوت ہوا حضرت سودہ بعد میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کے مرتے دم تک نہ اس نے بی بی سودہ کو دیکھا نہ بی بی سودہ نے اس کو،لہذا حدیث واضح ہے۔

۱۱؎ یہ کلام راوی کا ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی لیے ابیہ غائب کی ضمیر وارد ہوئی ابیک مخاطب کی ضمیر نہ آئی۔خیال رہے کہ لونڈی کا بچہ مولیٰ سے جب مانا جاتا ہے جب کہ مولیٰ اس بچہ کا دعوی کرے صرف وطی کے اقرار سے نسب ثابت نہ ہونا یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔حضرت عمر،زید ابن ثابت کا یہ ہی قول ہے مگر امام شافعی کے ہاں صرف اقرار وطی سے نسب ثابت ہوجاتا ہے اگر مولیٰ عزل کا مدعی ہو۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خوش تشریف لائے فرمایا اے عائشہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ مجزز مدلجی آیا تھا۱ جب اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا حالانکہ ان دونوں پر کمبل تھا کہ انہوں نے سر ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے قدم کھلے ہوئے تھے تو بولا کہ یہ قدم ان کے بعض بعض سے ہیں ۲(مسلم،بخاری)

۱مدلجی میم کے پیش لام کے کسرہ سے مدلج ایک قبیلہ تھا بنی اسد کا یہ شخص اس قبیلہ سے تھا بڑا قیافہ لگانے والا تھا کہ فلاں کی شکل فلاں سے ملتی جلتی ہے اس لیے اس کا بھائی یا بیٹا ہے کفار عرب اس کے قیافہ پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے اس پر احکام نسب صادر کردیا کرتے تھے۔

۲زید ابن اسامہ بہت سیاہ فام تھے اور ان کے والد اسامہ بہت گورے چٹے اس لیے کفار عرب حضرت زید کے نسب پر طعن کرتے تھے کہتے تھے کہ زید اسامہ کے بیٹے نہیں اس قیاف نے باوجود رنگ کے اختلاف کے سب کفار کے روبرو یہ کہہ دیا کہ پاؤں والے باپ بیٹے ہیں تو کفار پر اس کا قول حجت ہوگیا اسی لیے اب کفار کو ان کے نسب میں طعنہ کرنے کا موقعہ نہ رہا اس لیے سرکار خوش ہوئے لہٰذا اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ شریعت میں قیافہ سے نسب ثابت ہوجاتا ہے یہ ہی امام اعظم کا فرمان ہے کہ قیافہ سے نسب ثابت نہیں ہوتا،خیال رہے کہ حضرت زید کی ماں حبشی سیاہ فام عورت تھیں ان نام برکتہ کنہنہ ام ایمن تھا شریعت میں نجومیوں کے قول ،رویت ہلال، قیافہ کے قول سے نسب ثابت نہیں ہوتے۔اس جگہ مرقات نے قیافہ پر بہت مفصل گفتگو فرمائی۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے کو نسبت کرے اپنے غیر باپ کی طرف حالانکہ جانتا ہو تو اس پر جنت حرام ہے ۱(مسلم،بخاری)

۱یعنی جو دیدہ ودانستہ اپنے کو اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص کا بیٹا بتائے یا اس کی میراث لینے کے لیے یا اپنی عزت و آبرو بڑھانے کے لیے یا کسی اور مصلحت سے تو وہ اولًا یا ابرار کے ساتھ جنت میں نہ جاسکے گا یا جو شخص یہ کام حلال جان کر کرے وہ جنت سے بالکل محروم ہے۔ اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو سید نہیں مگر اپنے کو سید کہتے کہلواتے ہیں یہ بیماری بہت لوگوں میں ہے یہ حدیث مختلف اسنادوں سے مختلف الفاظ سے آئی ہے چنانچہ ابوداؤد ابن ماجہ ،احمد نے ان ہی دونوں صحابیوں سے اور ابوداؤد نے حضرت انس سے روایت کی کہ جو شخص اپنے غیر باپ کو باپ بتائے یا اپنے غیر مولے کی طرف اپنے کو منسوب کرے اس پر تاقیامت اللہ کی لعنت ہے پے درپے(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے باپ دادوں سے منہ

	پھیرو ۱؎ جو اپنے باپ سے اعتراض کرے اس نے کفران کیا ۲؎(مسلم،بخاری)اور حضرت عائشہ کی حدیث خدا سے بڑھ کر کوئی غیرت والا نماز خسوف کے باب میں ذکر ہوا ۳؎

۱؎ اگر وہ غریب یا غیر عزت والے ہوں تو اپنے کو ان کی اولاد کہنے سے شرم و غیرت نہ کرو۔

۲؎ جو شخص اپنا نسب بدلنے کو حلال جانے وہ کافر ہے اور اجماع امت کا مخالف ہے اور جو حرام جان کر یہ حرکت کرے وہ کافر کا سا کام کرتا ہے یا اپنے خاندان کا ناشکرا ہے یارب تعالیٰ کاناشکرا بہرحال یہ فعل یا کفر ہے یا حرام۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں بھی تھی میں نے تکرار سے بچنے کے لیے یہاں سے حذف کردی(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب لعان کی آیت اتری جو عورت کسی قوم پر اسے داخل کرے جو ان میں سے نہیں ۱؎ تو وہ اللہ کی رحمت میں سے کسی حصہ میں نہیں ۲؎ اور اسے اللہ اپنی جنت میں ہر گز داخل نہ کرے گا ۳؎ اور جو شخص اپنے بچہ کاانکار کرے وہ اسے دیکھتا ہو ۴؎ تو اللہ اس سے حجاب فرمائے گا ۵؎ اور اس کو مخلوق کے سامنے اگلے پچھلوں میں رسوا کرے گا ۶؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎ یعنی کسی سے زنا کرے کیونکہ زنا کی وجہ سے زنا کا بچہ اپنی قوم میں داخل کرے گی حالانکہ وہ اس قوم سے نہ ہوگا۔

۲؎ اس طرح کہ دنیا میں اللہ کی رحمت پائے نہ آخرت میں۔خیال رہے کہ دنیا میں اسے رزق وغیرہ مل جانا اللہ کی رحمت کی علامت نہیں یہ تو کفار کو بھی مل جاتا ہے کیونکہ فسق و فجور کے باوجود دنیاوی عیش ملنا عذاب ہے۔

۳؎ اگر حلال جان کر زنا کرے تو کافرہ ہے اور کافر پر جنت حرام ہے اور اگر حرام جان کر کرے تو فاسِقہ ہے فاسق آدمی دخول کے مستحق نہیں۔

۴؎ یعنی وہ بچہ اسے میٹھی نگاہوں سے تکتا ہو مگر یہ شقی القلب سخت دل اس کی بھولی صورت امیدوار نگاہوں کی پرواہ نہ کرے اس کا انکار کردے کہ میرا بیٹا نہیں حرام کا ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ شخص جانتا ہو کہ یہ بچہ میرا ہی ہے پھر انکار کرے مگر پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں اب جاننے کے معنے یہ ہیں کہ اس شخص کے پاس بچہ کے حرامی ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو محض بدمعاشی یا محض شبہ سے بچہ کا انکار کرتا ہو۔

۵؎ یعنی اسے اپنا دیدار نہ دکھائے کہ جنت نہ دے گا کیونکہ دیدار الٰہی کی اصل جگہ جنت ہی ہے۔

۶؎ یعنی قیامت میں اسے تمام مخلوق کے سامنے رسوا کرے گا جب اولین و آخرین جمع ہوں گے ۔خیال رہے کہ قیامت میں مسلمانوں کے خفیہ گناہوں کی پردہ پوشی ہوگی علانیہ گناہوں کی رسوائی ہوگی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مسلمان کی پردہ دری کیوں ہوئی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا میری بیوی کسی چھو نے والے کا ہاتھ رد نہیں کرتی ۱؎ تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دے دے ۲؎ وہ بولا میں اس سے محبت کرتا ہوں ۳؎ تو فرمایا تو اسے روک رکھ ۴؎ (ابوداؤد،نسائی)اور نسائی نے فرمایا کہ بعض راویوں نے اسے حضرت ابن عباس تک مرفوع کیا اور بعض نے اسے مرفوع نہ کیا اور کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ۵؎

۱؎ یعنی فاجرہ زانیہ ہے کہ جو بدمعاش اس سے زنا کرنا چاہیے اسے منع نہیں کرتی کرالیتی ہے۔یا جو کوئی میرے مال کو ہاتھ لگائے اسے روکتی نہیں مال لے جانے دیتی ہے گھر کی حفاظت نہیں کرتی عام شارحین نے پہلے معنے کو ترجیح دی ہے غالبًا صاحب مشکوۃ نے بھی حدیث کے یہ ہی معنے سمجھے ہیں اسی لیے یہ حدیث باب اللعان میں لائے لیکن دوسرے معنے کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اس کو لعان کا حکم دیا نہ اسے حد قذف یعنی تہمت کی سزا دی اگر وہ زنا کا الزام دیتا تو ان دونوں چیزوں میں اسے کچھ کرنا پڑتا۔(مرقات و لمعات واشعہ)

۲؎ معلوم ہوا کہ فاسقہ بدکار بی بی کو طلاق دے دینا بہتر ہے اسی طرح جو عورت گھر کو نہ سنبھال سکے اسے طلاق دے دینا بہتر ہے جیسے کہ پہلے جملہ کی دو شرحوں سے معلوم ہوا۔

۳؎ یا اس کے حسن و جمال کی وجہ سے یا اس لیے کہ اس سے میرے بچے ہیں اسے علیحدہ کردینے سے بچے برباد ہوں گے مجھے اپنے متعلق خطرہ ہے کہ گناہ میں پھنس جاؤں۔

۴؎ یعنی اسے بدکاری یا لاپرواہی گھر برباد کرنے سے روک اور طلاق نہ دے،معلوم ہوا کہ فاسقہ عورت کو طلاق دے دینا واجب نہیں خصوصًا جب کہ خاوند اس کے بغیر صبر نہ کرسکے اس کو طلاق دے دینے پر اپنے فسق و فجور میں گرفتار ہوجانے کا قوی خطرہ ہو۔لہذا حدیث بالکل بے غبار ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاسقہ بیوی اسی طرح فاسق اولاد کو ہر ممکن تدبیر کے ذریعہ گناہوں سے روکنا ضروری ہے۔

۵؎ یعنی حدیث کا اتصال حضرت ابن عباس تک ثابت نہیں حدیث منقطع ہے یہ مطلب نہیں کہ اصل حدیث ہی ثابت نہیں یہ حدیث امام شافعی نے اپنی سند میں سفیان ابن عیینہ عن ہارون ابن زیات عن عبداللہ ابن عبید اللہ ابن عمیر کچھ مختلف الفاظ سے نقل فرمائی(مرقاۃ واشعہ)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد

	سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہر ملایا ہوا شخص جو ملایا گیا ہو اس باپ کے بعد جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کا دعوی کیا اس کے وارثوں نے ۱؎ پس فیصلہ فرمایا ۲؎ کہ جو اس لونڈی سے ہو جس کا مالک تھا اس دن جب اس سے صحبت کی تو وہ مل گیا اس سے جس سے اسے ملایا ۳؎ اور اسے اس میراث سے کچھ نہ ملے گا جو اس سے پہلے تقسیم کی جاچکی ۴؎ اور جو میراث پالی کہ اب تک تقسیم نہ کی گئی تھی تو اس کے لیے اس کا حصہ ہے ۵؎ اور نہ ملایا جاسکے گا جب کہ اس کے اس باپ نے جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کا انکار کردیا ہو ۶؎ پھر اگر اس لونڈی سے ہو جس کا وہ مالک نہ تھا یا لونڈی سے ہو جس سے زنا کیا ہو تو وہ اس سے نہ ملے گا اور نہ وارث ہوگا اگرچہ اس کا دعویٰ وہ ہی کرے جس کی طرف منسوب کیا جارہا ہے کیونکہ وہ زنا کا بچہ ہے آزاد سے ہو یا لونڈی سے ۷؎(ابوداؤد)

۱؎ شریعت میں اسے **مقرلہ** یا **نسب علی الغیر** کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا نسب مجہول ہے پتہ نہیں کہ کس کا لڑکا ہے کس خاندان کا ہے اس کے متعلق ایک یا چند آدمی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا بھائی یا بھتیجا ہے یعنی ہمارے باپ یا بھائی کا بیٹا ہے ان مدعی حضرات کا باپ یا بھائی جس سے وہ لوگ اس موجودہ شخص کا نسب مان رہے ہیں وہ فوت ہوچکا ہے اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

۲؎ یعنی ایسے شخص کے متعلق حضور نے فیصلہ فرمایا جو آرہا ہے یہ جملہ یا تو انّ کی خبر ہے توف جزائیہ ہے یا انّ کی خبر پوشیدہ ہے اور یہ جملہ اس پوشیدہ خبر کی تفصیل تب ف تفصیلیہ ہے۔

۳؎ یعنی وہ مرحوم شخص جس سے اس شخص کا نسب یہ لوگ ثابت کررہے ہیں اگر کسی لونڈی کا مالک تھا اس طرح کہ صحبت کے وقت وہ لونڈی اس مرحوم کی ملکیت میں تھی یہ اسی کا بچہ ہے تب تو اس کا نسب اس مرحوم سے ثابت ہوگیا اور یہ بھی دوسرے وارثوں کی طرح میراث پائے گا کیونکہ اس صورت میں ان مدعیوں کا دعویٰ دلیل سے ثابت ہے۔

۴؎ یعنی اگر زمانہ جاہلیت میں اس مرحوم کی میراث تقسیم کی جاچکی ہے اوراس تقسیم میں اس مقرلہ کو محروم رکھا جاچکا ہے تو اسلام میں وہ تقسیم قائم رکھی جائے گی اسے بدلہ نہ جائے گا اور اب اسے وارث نہ بنائے جائے گا کیونکہ اسلام میں زمانہ جاہلیت کے اس قسم کے فیصلے باقی رکھے جاتے ہیں۔

۵؎ یعنی اس دعویٰ کے بعد تقسیم میراث کی جائے تو اس شخص کو میراث سے حصہ دیا جائے گا۔

۶؎ یعنی اگر مرحوم نے اپنی زندگی میں کہہ دیا تا کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے بعد میں اس کے وارثوں نے کہا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اب ان وارثوں کی بات نہ مانی جائے گی اور یہ شخص اس مرحوم کا بیٹا نہ ہوگا کیونکہ مرحوم کا انکار ہوتے ہوئے ان لوگوں کا اقرار معتبر نہیں۔

۷؎ یعنی جس کے متعلق یہ معلوم ہے کہ یہ شخص مرحوم کازنا کا بچہ ہے خواہ اس طرح کہ پہلے اس نے کسی کی لونڈی سے زنا کیا پھر اسے خرید لیا یا اس طرح کہ اس مرحوم نے کسی آزاد عورت سے زنا کیا اس صورت میں اگر خود مرحوم بھی کہہ جاتاکہ یہ میرا بیٹا ہے جب بھی اس سے نسب ثابت نہ ہوتا کہ یہ بچہ زنا کا ہے اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوا کرتا چہ جائیکہ اب اس کے مرے بعد اس کے عزیز و اقارب کہہ رہے ہیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے،بہرحال ایسے بچہ کا نسب مرحوم سے ثابت نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عتیک سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شرم وہ ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے اور بعض شرم وہ ہیں جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے ۲؎ لیکن وہ شرم جسے اللہ پسند کرتا ہے وہ مشکوک چیزوں میں شرم ہے ۳؎ اور لیکن وہ شرم جسے اللہ ناپسند کرتا ہے وہ غیر مشکوک چیز میں شرم ہے ۴؎ اور بعض ناز وہ ہیں جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے ۵؎ اور بعض ناز وہ ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے لیکن وہ ناز جسے اللہ پسند کرتا ہے ۶؎ وہ کسی کا ناز کرنا ہے جہاد کے وقت ۷؎ اور اس کا ناز ہے خیرات کے وقت ۸؎ اور لیکن وہ ناز جسے اللہ ناپسند کرتا ہے وہ فخریہ ناز ہے ۹؎ اور ایک روایت میں ہے وہ سرکشی میں ناز ہے ۱۰؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ عتیک بروزن عتیق آپ جلیل الشان صحابی ہیں بدر اور تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رہے بعض مؤرخین نے فرمایا کہ بدر کے سواء باقی تمام غزوات میں شامل ہوئے مگر حق یہ ہے کہ بدر میں بھی شامل ہوئے کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری ہیں اکیانوے سال عمر ہوئی ۶۱ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی مؤمن کی بعض شرم و حیاء رب کو پیاری ہیں اس پر اسے ثواب ملے گا اور بعض غیرتیں رب تعالٰی کو ناپسند ہیں جن سے بندہ عذاب کا مستحق ہوگا۔یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ حیاء ایمان کا رکن ہے یعنی رب تعالٰی کو پیاری حیاء رکن ایمانی ہے۔

۳؎ یعنی تہمت و شک کی جگہ جانے سے غیرت کرنا اس کا انجام اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے مثلًا غیر مرد کا گھر میں آنا اپنی بیوی کو اس سے کلام کرتے دیکھنا اس پر غیرت کھا جان قوت ایمانی کی دلیل ہے اسی طرح خود اجنبی عورت سے خلوت کرنے پر غیرت کرنا کہ اس سے دوسروں کو ہم پر شبہ ہوسکتا ہے یہ غیرت خدا کی پیاری ہے۔

۴؎ یعنی بلاوجہ کسی پر بدگمانی کرنا غیرت نہیں بلکہ فتنہ و فساد کی جڑ ہے بعض خاوندوں کو اپنی بیویوں پر بلاوجہ بدگمانی رہتی ہے جس سے ان کے گھروں میں دن رات جھگڑے رہتے ہیں،یہ غیرت رب تعالٰی کو ناپسند ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ"۔

۵؎ غیرت کے ذکر میں پہلے محبوب غیرت کا بیان فرمایا کیونکہ اکثر غیرتیں محبوب ہیں کم غیرتیں مردود مگر فخر میں پہلے مردود فخر کا ذکر فرمایا بعد میں محبوب فخر کا کیونکہ فخر اکثر مردود ہوتے ہیں بہت تھوڑے محبوب۔

۶؎ لف و نشر غیر مرتب ہے کہ اجمال میں مردود فخر کا ذکر پہلے تھا مگر تفصیل میں محبوب فخر کا ذکر پہلے ہے کیونکہ درجہ اور قبولیت اس محبوب فخر کو ہے۔

۷؎ اس طرح کہ کفار کے مقابل جہاد میں اپنے کو بہت بہادر سمجھے اور اپنے مقابل کافر کو حقیر و ذلیل و کمزور جانے اور اس کے سامنے اپنی بہادری قول و عمل سے ظاہر کرے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد میں کفار سے فرماتے تھے انا الذی سمتنی امی حیدرا میں وہ جس کا نام اس کی ماں نے حیدر کرار رکھا ہے حیدر معنی شیر کرار معنے پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں کفار کو للکار کر فرمایا انا النّبی لا کذب انا ابن عبد المطلب میں جھوٹا نبی نہیں ہوں،میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں یہ نازو فخر رب تعالٰی کو پیارا ہے۔

۸؎ یعنی خیرات خصوصًا چندہ دیتے وقت اپنے کو بہت امیر سمجھنا اور جو کچھ دے رہا ہے اسے کم سمجھنا اور خوش ہو کر شکر کرتے ہوئے دینا یہ صدقہ کے وقت کا فخر ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا"اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ یہ خوشی شکر کی ہے نہ کہ گھمنڈ کی،گھمنڈ کے لیے فرماتاہے:"لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡفَرِحِیۡنَ"شیخی نہ مارو اللہ تعالٰی شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

۹؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے فی الفخر کے فی الفقر ہے یعنی فقیری میں تکبر کرنا مردود ہے کہ ہے تو اپنے پاس کچھ بھی نہیں مگر شیخی کے مارے پائجامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں لیکن امیروں کے مقابل فخر کرنا کہ اپنے کو ان سے غنی جاننا اپنے کو محض اللہ رسول کا محتاج سمجھنا یہ بہت ہی بہتر ہے کہ یہ قناعت کی قسم ہے۔(مرقات)شعر

اے قناعت تو نگرم گرداں　　کہ وارے ہیچ نعمت نیست

۱۰؎ بغی کے معنی ظلم،بغاوت،سرکشی،حسد وغیرہ ہیں سارے معنے بن سکتے ہیں،اس فخر کی بہت سی قسمیں ہیں ہر قسم بری رب تعالٰی ان سے بچائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں ایک شخص کھڑا ہوا بولا یا رسول اللہ کہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے میں نے اس کی ماں سے زمانہ جاہلیت میں زنا کیا تھا۱؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں ایسا دعویٰ جائز نہیں۲؎جاہلیت کے دور کی باتیں گئیں بچہ فراش کا ہے زانی کے لیے پتھر ہیں ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎اسلام سے پہلے عرب میں عمومًا زنا کو عیب نہیں سمجھتے تھے اس لیے علانیہ اس کا اقرار و اظہار کردیتے تھے بلکہ زیادہ زنا پر فخر کرتے تھے فخریہ قصیدے لکھتے تھے دیکھو سبعہ معلقہ وغیرہ نیز اس زمانہ میں زنا سے نسب ثابت ہوجاتا تھا،اس بنا پر یہ عرض و معروض تھی یہ تو حضور انور کی طاقت ہے کہ ایسے ملک میں تہذیب پھیلائی جانوروں کو انسان گر بنادیا۔شعر

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر

اب نئی تہذیب کے دلدادہ اسی وحشت و بے حیائی کی طرف دوڑے جارہے ہیں ان کے ہاں بے پردگی غیر مردوں سے اپنی بیویوں کا ملنا جلنا باعث فخر ہے اسی بے حیائی کو مٹانے اسلام آیا تھا جسے اب پھیلایا جارہا ہے۔

۲؎یعنی اسلام میں زنا کی بنا پر نسب کا دعویٰ کرنا درست نہیں نہ اس سے نسب ثابت ہوسکتا ہے۔

۳؎لہذا اب زنا کی سزا آجانے کے بعد جو زنا کرے گا سنگسار کیا جائے گا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس شخص کو اقرار زنا کی وجہ سے رجم کیوں نہ کیا اس لیے کہ یہ زنا دور جاہلیت میں ہوچکا تھا جب کہ نہ اسلام دنیا میں تشریف لایا تھا نہ اسلامی احکام حرمت زنا اور حدود شرعیہ۔

روایت ہے ان ہی سے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عورتیں جن میں لعان نہیں ۱؎عیسائن مسلمان کے نیچے یہودیہ مسلمان کے نیچے ۲؎اور آزاد عورت غلام کے نیچے اور لونڈی آزاد کے نیچے ۳؎(ابن ماجہ)۴؎	

۱؎یعنی اگر ان عورتوں کے خاوند انہیں زنا کا الزام دیں تو ان کے اور انکے خاوندوں کے درمیان لعان نہ ہوگا یہاں بین ازواجھن پوشیدہ ہے۔

۲؎خیال رہے کہ اگر الزام زنا لگانے والا خاوند غلام یا کافر ہو یا کبھی تہمت کی سزا پاچکا ہو جسے محدود فی القذف کہتے ہیں تب تو لعان نہ ہوگا مگر خاوند کو تہمت کی سزا اسی۸۰ کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ ان صورتوں میں خاوند گواہی کا اہل نہیں اور خاوند تو گواہی کا اہل ہو مگر بیوی اہل نہ ہو مثلًا بیوی لونڈی یا کافرہ یا چھوٹی لڑکی یا مجنونہ یا زانیہ ہو اسے کبھی

تہمت کی سزا لگ چکی ہو تو نہ تو لعان ہوگا نہ خاوند کو تہمت کی سزا لگے کیونکہ اس صورت میں لعان کی رکاوٹ عورت کی طرف سے ہے۔(دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ اور مرقات)غرضکہ لعان میں شرط یہ ہے کہ دونوں خاوند بیوی گواہی کے اہل ہوں کیونکہ لعان میں دونوں کی قسمیں مثل گواہی کے ہوتی ہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ آزاد عورت غلام سے نکاح کرسکتی ہے مگر اپنے غلام سے نہیں دوسرے کے غلام سے،یہ نہیں ہوسکتا کہ مرد یہودی یا عیسائی ہو اور عورت مسلمان کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے نہیں ہوسکتا۔

۴؎ یہ حدیث دار قطنی نے بھی متعدد اسنادوں سے روایت کی اگر تمام اسنادیں ضعیف بھی ہوں تب بھی حدیث لائق عمل ہے کہ تعداد اسناد سے ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو لعان والوں کو لعان کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص کو حکم دیا کہ پانچویں قسم پر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ لے ۱؎ اور فرمایا کہ یہ قسم واجب کرنے والی ہے ۲؎(نسائی)	

۱؎ یعنی جب لعان والا مرد چار قسمیں کھا چکا پانچویں کا ارادہ کیا تب دوسرے شخص کو یہ حکم دیا گیا تاکہ وہ پانچویں قسم سوچ سمجھ کر کھالے کہ اس قسم پر فیصلہ ہے یہ منہ پر ہاتھ رکھنا اسے خوف دلانے کے لیے ہے کہ اگر جھوٹا ہو تو اس قسم کی ہمت نہ کرے مگر صرف مرد کے منہ پر ہی ہاتھ رکھا نہ کہ عورت کے کیونکہ اجنبی عورت کے منہ پر اجنبی مرد ہاتھ نہیں رکھ سکتا کہ اس کا جسم چھوتا رہے حرام ہے اگر اس کام کے لیے کوئی عورت مقرر کردی جائے جو لعان والی عورت کے منہ پر ہاتھ رکھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۲؎ یعنی اس قسم سے یا گناہ و سزا یا تفریق واجب ہوجائے گی لہذا سوچ سمجھ کر یہ قسم کھاؤ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے ایک رات تشریف لے گئے فرماتی ہیں کہ میں نے اس پر غیرت کی ۱؎ پھر آپ تشریف لائے تو دیکھا جو میں کررہی تھی ۲؎ فرمایا اے عائشہ کیا حال ہے کیا غیرت کھاگئیں میں بولی مجھے کیا ہوا کہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے پر غیرت نہ کرے ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آگیا ۴؎ بولیں یارسول اللہ کیا میرے ساتھ شیطان ہے فرمایا ہاں ۵؎ میں نے کہا اور آپ کے ساتھ یارسول اللہ فرمایا ہاں لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی حتی کہ وہ مؤمن ہوگیا ۶؎(مسلم)	

۱؎ شعبان کی پندرھویں شب تھی حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا حضور رات کے آخری حصہ میں قبرستان دعا وغیرہ کے لیے تشریف لے گئے جناب ام المؤمنین سمجھیں کہ کسی دوسری زوجہ کے پاس تشریف لے گئے آپ کو اس چیز کی غیرت آئی کہ میری باری میں دوسری زوجہ کے پاس کیوں تشریف لے گئے یہ غیرت بمعنی رشک ہے نہ بمعنی شرم کہ اس پر شرم کیسی۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ میں بھی حضور کے پیچھے پیچھے گئی اور آگے آگے دوڑتی ہوئی آگئی،جب حضور تشریف لائے تو میری سانس پھولی ہوئی تھی،یہ واقعہ پندرھویں شعبان کی عبادات کے موقعہ پر مذکور ہوچکا وہ ہی یہاں مراد ہے۔(اشعہ)

۳؎ سبحان اللہ! کیا ایمان افروز پیارا جواب ہے یعنی مجھ جیسی محبت والی بی بی آپ جیسے سید المرسلین خاوند پر غیرت یا رشک کیوں نہ کرے،بخل برا ہے مگر آپ پر بخل اچھا ہے۔شعر

نیناں میں جو آن بسو تو نیناں جھانپ ہی لوں　　نہ میں دیکھوں اور کو نا توئے دیکھن دوں

اللہ تعالٰی اس مبارک ماں کے صدقے سے ہم گنہگاروں کو بھی عشق رسول کی رمق عطا فرمائے۔

ذرہ عشق نبی از حق طلب　　سوز صدیق و علی از حق طلب

۴؎ یعنی تمہاری یہ غیرت شیطانی اثر سے ہے کیونکہ ہم سید الانبیاء ہیں کسی بیوی پر ظلم نہیں فرماتے اگرچہ ہم پر بیویوں کی باریاں واجب نہیں مگر پھر بھی کسی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں بغیر اس کی اجازت نہیں جاتے حضور کا عدل تو اس حد تک ہے کہ مرض وفات شریف میں دوسری بیویوں کی اجازت سے آخری ایام زندگی حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں گزارے۔اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی شان یہ ہے کہ حضور انور نے آپ کے سینہ پر وفات پائی اور آپ کے حجرے میں تاقیامت آرام فرمالیا۔شعر

ان کا سینہ ہے نبی کی آخری آرامگاہ　　ان کے حجرے میں نبی ہیں تا قیامت جاگزیں

۵؎ اس شیطان سے مراد قرین ہے جو ہر وقت ہر ایک شخص کے ساتھ رہتا ہے ہر ایک انسان کا علیحدہ شیطان ہے۔آگیا فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اس نے فریب دے دیا۔

۶؎ اس عبارت کا یہ ترجمہ نہایت ہی قوی ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ اسلم میم کے پیش سے ہے متکلم مضارع یعنی میں اس کے شر سے سلامت رہتا ہوں،بعض نے فرمایا کہ اسلم ہے تو میم کے فتح سے واحد غائب ماضی مگر معنے کرتے ہیں کہ وہ میرا مطیع ہوگیا اس نے مجھے نیکی سے نہ روکا،لیکن یہ معنی فقیر کے نزدیک قوی نہیں کہ یہ بات تو بہت سے اولیاء اللہ اور عام صحابہ کرام بلکہ عائشہ صدیقہ کو بھی میسر تھی کہ رب کے فضل سے شیطان انہیں بہکا نہیں سکتا،یہاں ایسے خصوصی معنے مراد ہیں جو حضور کی خصوصیات سے ہوں دوسرے کو میسر نہ ہوں وہ یہ ہی ہیں کہ حضور کا قرین شیطان حضور کی صحبت کی برکت سے مؤمن صالح ہوگیا۔جب شیطان جس کی سرشت میں طغیان ہے وہ حضور کے ساتھ رہنے کی برکت سے مؤمن صالح بن گیا تو تمام صحابہ کرام خصوصًا خلفاء راشدین خصوصًا سفر وحضر،قبر گھر،حشر،کے ساتھی ابوبکر صدیق کے ایمان و تقویٰ کا کیا پوچھنا محض جس کو رب تعالٰی حضور کا ساتھی فرمارہا ہے۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین۔

باب العدة

عدت کا بیان؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎لغت میں عدت عین کے کسرہ سے بمعنی شمار و گنتی ہے، عین کے پیش سے بمعنی تیاری۔شریعت میں اس انتظار کرنے کو عدت کہتے ہیں جو نکاح یا شبہ نکاح کے زائل ہونے کے بعد کیا جائے کہ اس زمانہ میں دوسرا نکاح کرنا ممنوع ہو۔عدت عورت پر واجب ہے نہ کہ مرد پر ہاں مقام دو ہیں جہاں مرد کو بھی انتظار کرنا پڑتا ہے جیسے مطلقہ بیوی کی بہن بھانجی خالہ وغیرہ سے اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتا جب تک وہ عدت میں ہے۔خیال رہے کہ عورت کی عدت تین قسم کی ہے: وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہے، طلاق وغیرہ کی عدت حاملہ کے لیے حمل جن دینا غیر حاملہ بالغہ کے لیے تین حیض غیر حاملہ،نابالغہ اور بہت بوڑھی کے لیے تین ماہ۔ طلاق کے علاوہ فسخ نکاح میں بھی عدت واجب ہے خواہ فسخ خاوند کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے عدت بہرحال ہوگی۔(شامی،مرقات)

روایت ہے حضرت ابو سلمہ سے وہ حضرت فاطمہ بنت قیس؎سے راوی کہ ابو عمرو ابن حفص نے انہیں طلاق بات دے دی جبکہ وہ غائب تھے؎تو ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ کو کچھ جو بھیجے وہ ان پر ناراض ہوئیں تو وکیل نے کہا اللہ کی قسم تمہارا ہم پر کچھ حق نہیں؎تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا حضور نے فرمایا تمہارے لیے خرچہ نہیں؎پھر انہیں حکم دیا ام شریک کے گھر عدت گزاریں؎پھر فرمایا کہ وہ ایسی بی بی ہیں جن کے پاس ہمارے صحابہ گھیرے رہتے ہیں؎تم ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزارو وہ نابینا آدمی ہیں؎تم اپنے یہ کپڑے اتار دو؎پھر جب تم فارغ ہوجاؤ تو مجھے اطلاع دینا فرماتی ہیں کہ جب میں فارغ ہوگئی تو میں نے حضور سے عرض کیا کہ معاویہ ابن ابوسفیان اور ابوجہم نے پیغام دیا؎تو فرمایا کہ ابوجہم؎اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے اتارتے	

	ہی نہیں ۱۱؎ رہے معاویہ وہ بہت تنگدست ہیں جن کے پاس مال نہیں ۱۲؎ تم اسامہ ابن زید سے نکاح کرلو میں نے انہیں ناپسند کیا ۱۳؎ حضور نے پھر فرمایا کہ اسامہ سے نکاح کرلو میں نے ان سے نکاح کرلیا تو اللہ نے اس نکاح میں بہت خیر دی کہ مجھ پر رشک کیا گیا ۱۴؎ اور ان ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ابو جہم بیویوں کو بہت مارنے والے ہیں(مسلم)اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے خاوند نے انہیں تین طلاقیں دے دیں ۱۵؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضور نے فرمایا تمہارے لیے خرچہ نہیں مگر اس صورت میں کہ حاملہ ہوتیں ۱۶؎

۱؎ آپ ابوسلمہ ابن عبدالرحمان ابن عوف مدنی ہیں جلیل القدر تابعی مدینہ پاک کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں اور فاطمہ بنت قیس قرشیہ ہیں۔حضرت ضحاک کی بہن ہیں بہت جمال عقل و کمال والی بی بی ہیں،مہاجرین اولین سے ہیں،پہلے ابو عمرو ابن حفص کے نکاح میں تھیں انہوں نے طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اسامہ ابن زید سے کیا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎ طلاق بات وہ طلاق ہے جو نکاح کو بالکل ہی ختم کردے جس کے بعد بغیر حلالہ نکاح نہ ہوسکے یعنی تین طلاقیں یا تیسری طلاق،یہاں پہلے معنے مراد ہیں یعنی تین طلاقیں(لمعات اور مرقات)

۳؎ یعنی ابو عمرو کے وکیل نے عدت کے خرچہ کے لیے تھوڑے سے جو بھیج دیئے جو حضرت فاطمہ نے ناپسند کیے کہ جو تھے وہ بھی تھوڑے وکیل نے کہا کہ یہ بھی ہماری مہربانی ہے ورنہ تم اس کی بھی حقدار نہیں ہو کیونکہ تم حاملہ نہیں اور عدت کا خرچہ مطلقہ حاملہ کو ہے۔

۴؎ یعنی تم کو وہ خرچہ نہیں ملے گا جو تم چاہتی ہو،معمولی خرچہ مل چکا اس حدیث کی بنا پر حضرت ابن عباس و احمد نے فرمایا کہ غیر حاملہ مطلقہ کو نہ عدت میں خرچہ ملے گا نہ گھر،امام مالک و شافعی نے فرمایا کہ گھر تو ملے گا مگر خرچہ نہ ملے گا، ہمارے امام اعظم کا فرمان ہے کہ خرچہ و گھر دونوں ملیں گے،یہ ہی فرمان ہے حضرت عمر کا،جناب عمر نے فرمایا کہ ہم قرآن و حدیث کے مقابل صرف ان فاطمہ کا قول قبول نہیں کرسکتے،قرآن فرماتا ہے:"اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ"اور میں نے سرکار کو فرماتے خود سنا کہ ہر مطلقہ کے لیے گھر بھی ہے خرچہ بھی۔یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں فاطمہ کے مطلوبہ خرچہ کی نفی ہے اور گھر سے منتقل کردینا کسی مجبوری سے تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے امام شافعی کی دلیل یہ آیت ہے:" وَ اِنۡ کُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَیۡہِنَّ"۔جس سے معلوم ہوا کہ صرف حاملہ مطلقہ کو عدت کا خرچہ ملے گا غیر مطلقہ کو نہیں، ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ غیر حاملہ کو خرچہ نہ ملنا اس

آیت سے ثابت نہیں ہوتا یہاں حاملہ کا ذکر اس لیے ہے کہ کبھی حمل کی مدت دراز ہوجاتی ہے فرمایا گیا خواہ کتنا ہی لمبا زمانہ حمل ہو خرچہ دیئے جاؤ۔(مرقات)

۵؎اس کی وجہ آگے آرہی ہے کہ حضور نے فاطمہ کو ان کے خاوند کے گھر سے کیوں منتقل فرمایا۔

۶؎صحابہ سے مراد ام شریک کے بال بچے عزیز و قرابتدار ہیں۔(مرقات)کیوں ام شریک غنیہ سخیہ مہمان نواز بی بی تھیں۔

۷؎تم کو دیکھ نہیں سکتے اور دوسرے صحابہ ان کے گھر آتے جاتے نہیں لہذا تمہاری وہاں بے پردگی نہ ہوگی۔خیال رہے کہ یہاں حضرت فاطمہ کو یہ اجازت نہ دی گئی کہ وہ ابن ام مکتوم کو دیکھیں،لہذا حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے"یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصٰرِهِنَّ"اور نہ اس حدیث ام سلمہ کے خلاف ہے افعمیاوانتما عورت بھی اجنبی مرد کو نہیں دیکھ سکتی۔

۸؎یہ نیا حکم ہے یعنی زمانہ عدت میں زینت کا لباس اتار دو یا گزشتہ کا حال یعنی تم وہاں آزاد ہوگی وہاں کوئی جاتا آتا نہیں تمہیں کوئی دیکھے گا نہیں۔

۹؎یعنی عدت گزر چکنے کے بعد مجھے ان دو شخصوں نے پیغام نکاح دیا ہے حضور کی رائے کیا ہے۔

۱۰؎آپ کا نام عامر ابن حذیفہ ہے عدوی ہیں ثقفی ہیں قرشی ہیں انہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے سادہ کپڑا خریدا تھا انبجانیہ ابو جہم۔

۱۱؎یعنی ہمیشہ سفر ہی میں رہتے ہیں گھر بہت ہی کم بیٹھتے ہیں یا اپنی بیوی کو مارتے بہت ہیں، دوسرے معنے زیادہ قوی ہیں کیونکہ آگے آرہا ہے۔ضرب للنساء وہ روایت اس کی تفسیر ہے۔ خیال رہے کہ یہ غیبت نہیں بلکہ حضرت فاطمہ کی خیر خواہی ہے پیغام نکاح کے موقعہ پر زوجین میں سے ایک دوسرے کے عیوب کی خبر دینا جائز ہے تاکہ آئندہ خانہ جنگی نہ ہوغیبت حرام میں بہت سی قیود ہیں جو ہم نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیں۔

۱۲؎اور ان کے باپ ابوسفیان کنجوس آدمی ہیں جو اپنے بچوں کو خرچ نہیں دیتے تم کو کیا دیں گے۔ اللہ اکبر یہ وہ معاویہ ہیں جو بعد میں اتنے غنی ہوگئے کہ ان کا لقب امیر معاویہ ہوا رضی اللہ عنہ،اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ عورت کو اچھا مشورہ دیا جائے اور جو بیوی کے نفقہ دینے پر قادر نہ ہو اس سے نکاح کرنا بہتر نہیں اگرچہ جائز ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ"ایسے غریب آدمی کو روزہ رکھنا بہتر ہے۔وہ جو حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح ایسے شخص سے کیا جو صرف کمبل کا مالک تھا اس کے گھرمیں کچھ نہ تھا وہ بیان جواز کے لیے تھا اوروہ عورت ایسی صابرہ شاکرہ تھی کہ مرد کے ساتھ فقر و فاقہ برداشت کرسکتی تھی،نیز وہ صاحب بعد میں بہت جلد مال دار ہوگئے۔

۱۳؎کیونکہ حضرت اسامہ سیاہ فام تھے اور مشہور تھا کہ وہ غلام زادے ہیں اور میں قریشہ عالی نسب تھی مگر حضرت اسامہ حضور کے محبوب اور نہایت متقی عالم تھے۔

۱۴؎یعنی اللہ تعالٰی نے ہم دونوں میاں بیوی میں ایسا اتفاق و سلوک بخشا کہ دوسری عورتوں نے مجھ پر رشک کیا ۔خیال رہے کہ ایسے امور میں رشک جائز ہے حسد حرام،اس حدیث سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے عورت کو پیغام پر پیغام

دینا جائز ہے جب کہ پہلے سے بات چیت طے نہ ہوئی ہو غیر کفو سے نکاح درست ہے جب کہ عورت کے ولی راضی ہوں کفایت میں مال کا بھی اعتبار ہے حتی کہ امام شافعی کے ہاں نفقہ سے عاجز شوہر کی بیوی فسخ نکاح کراسکتی ہے۔(مرقات) نکاح میں بزرگوں سے مشورہ کرلینا بہتر ہے مشورہ ہمیشہ اچھا دینا چاہیے پیغام و سلام کی حالت میں فریقین کے واقعی عیوب کا بیان کردینا اچھا ہے تاکہ آئندہ خرابیاں نہ پڑیں بیوی کو مارنا جائز ہے مگر اچھا نہیں۔

۱۵؎ یہ عبارت طلاق بتّہ کی شرح ہے کہ اس سے مراد تین طلاقیں تھیں نہ کہ تیسری طلاق۔

۱۶؎ یہاں نفقہ سے مراد بہت عرصہ تک نفقہ ہے یعنی حاملہ مطلقہ کو عرصہ دراز تک نفقہ ملتا ہے جب تک کہ وہ بچہ نہ جن دے اور جننے کے بعد بھی بعض صورتوں میں بچہ کی پرورش کا نفقہ ملتا رہتا ہے غیر حاملہ کو تھوڑی مدت صرف تین حیض تک نفقہ ملتا ہے لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کریم کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے،اس کی بحث ابھی ہوچکی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ فاطمہ ایک سنسان مکان میں تھیں ا؎ ان کے آس پاس پر خوف کیا گیا ۲؎ اس لیے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی یعنی منتقل ہو جانے کی ۳؎ اور ایک روایت میں ہے فرماتی ہیں کیا ہوا فاطمہ کو کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ مطلقہ کو نہ مکان ہے نہ خرچہ ۴؎ (بخاری)	

ا؎ وحش کے معنے ہیں خالی،اجاڑ جہاں رہنے سے وحشت و دہشت طاری ہو،اسی سے ہے وحشی جانور یعنی لوگوں سے متنفر اور انسانوں سے الگ رہنے والا۔

۲؎ یعنی چونکہ وہ گھر بستی اور آبادی میں نہ تھا اس لیے چوری وغیرہ کا خطرہ تھا۔

۳؎ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا بنت قیس کو زمانہ عدت میں جو حضرت ابن ام مکتوم کے گھر چلے جانے کی اجازت دی گئی اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ غیر حاملہ مطلقہ کو عدت گزارنے کے لیے خاوند کی طرف سے گھر نہیں ملتا گھر تو ملا تھا مگر خطرناک تھا ،اب بھی فقہاء فرماتے ہیں کہ عدت میں عورت ان مجبوریوں میں دوسرے گھر منتقل ہو کر عدت گزار سکتی ہے۔

۴؎ یعنی فاطمہ جو فتوی دیتی ہے کہ غیر حاملہ مطلقہ کو عدت کے زمانہ میں نہ خرچہ ملے نہ مکان اور اس فتویٰ کی سند میں اپنا مذکورہ واقعہ بیان کرتی ہیں اور اس حکم کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتی ہیں غلط ہے ان کے منتقل ہونے کی وجہ کچھ اور تھی وہ پوری بات بیان نہیں کرتیں ۔معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ام المؤمنین کا مذہب بھی یہ ہی ہے کہ طلاق کی عدت میں گھر اور خرچہ دونوں خاوند کے ذمہ ہے یہ ہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے لہذا حدیث فاطمہ امام اعظم کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے فرماتے ہیں کہ فاطمہ منتقل کی گئی اپنے دیوروں پر زبان درازی کی وجہ	

	سے ا(شرح سنہ)

۱یعنی فاطمہ اکیلے گھر میں تھیں اور ان کے دیور وغیرہ ان کے پاس تھے مگر تھیں سخت طبیعت،سخت زبان جب انہیں طلاق ہوگئی تو دیوروں نے ان کے پاس رہنا گوارا نہ کیا ان کی سختی کی وجہ سے اب بالکل اکیلی رہ گئیں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہاں سے منتقل ہوجانے کی اجازت دی بلکہ حکم فرمادیا لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ وہ سنسان مکان میں تھیں بہرحال جناب فاطمہ کا گھر سے منتقل ہوجانا کسی مجبوری و معذوری کی وجہ سے تھا ورنہ عدت کا خرچہ و مکان خاوند کے ذمہ ہے۔اس جگہ مرقات نے فرمایا کہ حضرت عمر نے فاطمہ کی یہ حدیث رد فرمادی اور فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نہیں چھوڑ سکتے کیا خبر انہیں یاد رہا یا بھول گئیں عدت طلاق میں گھر اور خرچہ ملنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے۔حضرت اسامہ نے جناب فاطمہ سے نکاح کرلیا مگر ان کی یہ حدیث انہوں نے بھی قبول نہ کی۔ حضرت ابن مسعود جابر،عائشہ صدیقہ، اسامہ ابن زید حضرت عمرو غیرہم جمہور صحابہ کا یہ ہی مذہب ہے کہ عدت طلاق میں خرچہ و مکان ملے گا ۔حدیث فاطمہ رضی اللہ عنھا مضطرب ہے، بعض روایات میں ہے فاطمہ کے خاوند نے طلاق دی پھر سفر کو گئے ،بعض میں ہے کہ سفر میں جا کر طلاق بھیجی، بعض روایات میں ہے کہ خود فاطمہ نے مسئلہ حضور سے پوچھا،بعض میں ہے کہ خالد ابن ولید نے پوچھا، بعض روایات میں ہے کہ ان کے خاوند ابو عمر ابن حفص نے طلاق دی، بعض میں ہے کہ ابو جعفر ابن مغیرہ نے انہیں طلاق دی اس وجہ سے یہ حدیث ناقابل عمل ہے اسے حضرت عمر ،زید ابن ثابت، مروان ابن حکیم، سعید ابن مسیب شعبی، حسن بصری، اسود ابن یزید،سفیان ثوری، امام احمد ابن حنبل نے رد کردیا لہذا یہ حدیث ناقابل عمل ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئیں ۱تو انہوں نے اپنے کھجوروں کے پھل توڑنا چاہے تو ایک شخص نے انہیں باہر جانے سے منع کیا ۲وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں حضور نے فرمایا ہاں اپنے کھجوروں کے پھل توڑو ممکن ہے تم خیرات کرویا بھلے کام کرو ۳(مسلم)

۱یا ایک دم یا علیحدہ دوسرے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔
۲اس خیال سے کہ بحالت عدت عورت کو گھر سے نکلنا ممنوع ہے۔
۳یعنی تمہارے لیے دن میں گھر سے نکل کر باغ جانا وہاں پھل توڑنا جائز ہے کہ اس پھل سے تم نیک کام کرو گی،زکوۃ دینا،صدقہ و خیرات اور ہدیہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ طلاق کی عدت میں عورت مزدوری کے لیے گھر سے باہر نہیں جاسکتی کیونکہ اس کا خرچہ طلاق دینے والے خاوند کے ذمہ ہے اسے مزدوری کی حاجت نہیں اور عدت وفات میں عورت مزدوری کے لیے دن میں باہر جاسکتی ہے رات گھر میں گزارے کیونکہ اس عدت میں خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں،یہاں مزدوری کے واسطے نکلنا نہ تھا بلکہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے تھا اس مجبوری میں اب بھی نکلنا درست ہے بشرطیکہ رات گھر میں آکر گزارے۔

	روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے کہ سبیعہ اسلمیہ اپنے خاوند ۱؎ کی وفات کے چند دنوں بعد نفاس والی ہوگئیں ۲؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ سے نکاح کرلینے کی اجازت مانگی حضور نے انہیں اجازت دیدی تو انہوں نے نکاح کرلیا ۳؎ (بخاری)

۱؎ اس کے خاوند سعد ابن خولہ تھے جو حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ میں وفات پاگئے،بدر میں حاضر ہوئے تھے۔مسور ابن مخرمہ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں کہ یہ عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھانجہ ہیں ۲ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۸ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

۲؎ یعنی حاملہ تھیں اپنے خاوند کی وفات کے چند دن بعد بچہ پیدا ہوگیا تھا نفاس آنے سے یہ ہی مراد ہے۔

۳؎ اس پر امت کا اجماع ہے کہ حاملہ کی عدت حمل جن دینا ہے،خواہ مطلقہ ہو یا وفات والی،اگرچہ طلاق یا وفات کے ایک منٹ بعد ہی بچہ پیدا ہوجائے،اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی عدت **ابعد الاجلین** ہے یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل ہی سے جو بعد میں ہو وہ عدت ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں بولیں یارسول اللہ میری اس بچی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا ہم اسے سرمہ لگائیں ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں دو بار یا تین بار ہر دفعہ یہ ہی فرماتے تھے نہیں ۲؎ پھر فرمایا اب تو چار ماہ دس دن ہی ہیں زمانہ جاہلیت میں تو تم میں سے ہر ایک پورے سال پر مینگنی پھینکتی تھی ۳؎ (مسلم)

۱؎ یعنی عورت پر عدت میں سوگ واجب ہے ترک زینت اور سرمہ بھی زینت میں داخل ہے مگر مجبوری یہ ہے کہ اس مجبوری میں سرمہ لگانا جائز ہے یا نہیں۔

۲؎ یعنی وہ بار بار سوال دھراتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار انکار فرمادیتے تھے، اس حدیث کی بنا پر امام احمد فرماتے ہیں کہ سیاہ سرمہ جس میں زینت ہوتی ہے عدت وفات میں ہرگز جائز نہیں خواہ بیماری ہو یا نہ ہو، امام مالک کے ہاں بیماری میں جائز ہے، امام شافعی کے ہاں بیماری میں رات کو لگالے دن میں صاف کردے ہمارے ہاں بھی بیماری میں دواءً لگانا درست ہے بشرطیکہ سرمہ کے سواء اور کوئی دوامفید نہ ہو یہاں دوسری دوا مفید ہوگی اس لیے منع فرمایا۔

۳؎ اسلام سے پہلے عرب میں بیوہ عورت خاوند کے انتقال کے بعد ایک سال تک برے مکان،برے لباس میں رہتی اور تمام گھر والوں سے علیحدگی اختیار کرتی تھی سال کے بعد اس کے قرابتدار جمع ہوتے اور کوئی جانور اس کے پاس لاتے جسے وہ

اپنی شرمگاہ سے لگاتی تھی اکثر وہ جانور مرجاتا تھا پھر اس کے قرابتدار اسے اونٹ یا بکری کی مینگنی دیتے تھے جسے وہ اپنے ہاتھ سے پھینکتی تھی یہ مینگنی کا پھینکنا عدت کا پورا ہونا ہوتا تھا اس ارشاد عالی میں اس جانب اشارہ ہے یعنی اب تو تم چار ماہ دس دن کی عدت میں صبر نہیں کرسکتیں مگر زمانہ جاہلیت میں ایک سال تک عدت گزارتیں اور عدت کے زمانہ میں سخت پابندیاں برداشت کرتی تھیں۔خیال رہے کہ اسلام میں بھی پہلے وفات کی عدت ایک سال تھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ"پھر یہ حکم منسوخ ہو کر چار ماہ دس دن ہوا،اب بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے خواہ صحبت و خلوت ہوئی ہو یا نہ بشرطیکہ عورت حاملہ نہ ہو حاملہ بیوہ کی عدت حمل جن دینا ہے عدت کے پورے مسائل ہمارے فتویٰ نعیمہ میں ملاحظہ کیجئے۔

	روایت ہے حضرت ام حبیبہ اور زینب بنت جحش سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں نہیں حلال کسی ایسی عورت کو جو اللہ و قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو ۲؎ یہ کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے خاوند کے اس پر چار ماہ دس دن ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ دونوں بیبیاں امہات المؤمنین میں سے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ انکے حالات پہلے بیان ہو چکے۔

۲؎ **لا یحل** اور اللہ قیامت پر ایمان فرمانا آئندہ حکم کی تائید کے لیے ہے یعنی یہ حکم اشد ضروری ہے اس پر عمل ہر مؤمن عورت کو چاہیے۔

۳؎ یعنی عورت کسی عزیز و قرابتدار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے باپ بیٹا بھائی کوئی بھی فوت ہوجائے اس پر تین دن تک سوگ یعنی ترک زینت کرسکتی ہے مگر خاوند کی موت پر پوری عدت کے زمانہ میں سوگ کرے کہ نہ خوشبو لگائے نہ زینت کا لباس پہنے یہ مدت غیر حاملہ کے لیے ہے حاملہ کی عدت تو حمل جن دینا ہے وہ اس وقت تک سوگ کرے۔اس حدیث سے ان نادان سنیوں کو عبرت لینی چاہیے جو محرم میں دس دن کوٹتے پیٹتے ہیں چار پائی پر نہیں سوتے اچھا لباس نہیں پہنتے کالے کپڑے پہنتے ہیں یہ سب حرام ہے اور روافض کی پیروی حضرات اہل بیت اطہار نے کبھی نہ کیئے۔

	روایت ہے ام عطیہ سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے بجز خاوند کے کہ اس پر چار ماہ دس دن کرے اور رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے سوائے بناوٹی رنگین کپڑے کے ۲؎ اور نہ سرمہ لگائے ۳؎ نہ خوشبو لگائے مگر جب کہ پاک ہو تو ایک ٹکڑہ قسط یا اظفار کا

	۴؎(مسلم،بخاری)ابوداؤد نے زیادہ فرمایا کہ نہ خضاب کرے ۵؎

۱؎آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے،کنیت ام عطیہ،اکثر غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں،بیماروں کی دوا،زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں آخر میں بصرہ میں رہیں وہاں ہی انتقال فرمایا۔

۲؎عصب کی شرح میں شارحین کا اختلاف ہے۔مرقات نے فرمایا کہ عصب ایک گھاس ہے جو عمومًا یمن میں پیدا ہوتی ہے اس کا رنگ مائل بہ سیاہی ہوتا ہے،اس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں جس سے پھیکا سیاہ رنگ ہوتا ہے یعنی بھکنا چونکہ یہ رنگ زینت میں داخل نہیں اس لیے اس کی اجازت دی گئی،اس بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ عدت میں سیاہ رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے مگر اشعۃ اللمعات ولمعات میں فرمایا کہ عصب وہ کپڑا ہے جس کا سوت رنگ لیا جائے بعد میں بنا جائے ایسے رنگین کپڑے زینت میں داخل نہیں ہوتے بننے کے بعد رنگنا زینت ہے،امام شافعی کے ہاں ایسا کپڑا پہننا مطلقًا جائز ہے باریک ہو یا موٹا امام مالک کے ہاں موٹا جائز باریک ممنوع،ہمارے امام صاحب کے ہاں بہتر یہ ہے کہ عدت میں ایسے لباس سے بھی بچے۔

۳؎زینت کے لیے سیاہ سرمہ نہ لگائے سفید سرمہ لگائے جس سے زینت نہ ہو،یوں ہی علاج کے لیے ضرورت کے موقعہ پر سرمہ لگالینا جائز ہے جب کہ آنکھ میں بیماری ہو اور سواء سرمہ کے اور کوئی علاج نہ ہو بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر سرمہ کو مطلقًا ممنوع قرار دیا۔

۴؎قسط اور اظفار مشہور خوشبو دار لکڑیاں ہیں اظفار کی لکڑی سیاہ رنگ کی ہوتی ہے کٹے ہوئے ناخن کے مشابہ اس لیے اسے اظفار کہتے ہیں یعنی عدت والی عورت جب حیض سے فارغ ہو تو یہ خوشبو شرمگاہ پر مل سکتی ہے کہ اس سے صرف بدبو کا دفع کرنا مقصود ہے نہ کہ جسم کا مہکانا۔خیال رہے کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہی ہے کہ ہر وفات والی معتدہ عورت پر سوگ واجب ہے،بعض احناف فرماتے ہیں کہ مؤمنہ بالغہ معتدہ پر عدت میں سوگ ہے کتابیہ یا نابالغہ پر سوگ نہیں وہ حضرات اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور نے فرمایا جو عورت اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو وہ سوگ کرے۔واللہ اعلم!

۵؎یعنی نہ بالوں میں مہندی یا وسمہ لگائے نہ ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے کہ یہ بھی زینت میں داخل ہے اور زینت اس کے لیے ممنوع ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت زینب بنت کعب سے ۱؎کہ فریعہ بنت مالک ابن سنان جوابو سعید خدری کی بہن ہیں انہوں نے انہیں خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ سے اپنے گھر لوٹ جانے

	کے متعلق پوچھتی تھیں جو بنی خدرہ میں تھا ۲؎ کیونکہ ان کے خاوند اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کے پیچھے گئے غلاموں نے انہیں قتل کردیا ۳؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے گھر لوٹ جاؤں کیونکہ میرے خاوند نے مجھے کسی ایسے گھر میں نہ چھوڑا جس کا وہ مالک ہو نہ خرچہ میں ۴؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں ۵؎ چنانچہ میں لوٹ گئی حتی کہ جب میں حجرہ یا مسجد میں پہنچی تو مجھے بلایا ۶؎ اور فرمایا اپنے گھر میں رہو حتی کہ قرآنی حکم اپنی معیاد کو پہنچ جائے ۷؎ فرماتی ہیں کہ میں نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری ۸؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)۹؎

۱؎ آپ زینب بنت کعب ابن عجرہ انصاریہ ہیں بنی سالم ابن عوف قبیلہ سے ہیں تابعیہ ہیں بڑی عالمہ زاہدہ فقیہ تھیں۔

۲؎ یعنی انہیں اپنے خاوند کی وفات کی خبر اور گھر میں ملی تھی آپ چاہتی تھیں کہ اپنے میکہ جا کر عدت گزاریں ان کے میکہ کا گھر بنی خدرہ میں تھا اسی وجہ سے انکے بھائی کو ابوسعیدخدری کہا جاتا ہے یعنی قبیلہ بنی خدرہ میں رہنے والے۔

۳؎ یہ قتل کا واقعہ مقام قدوم میں ہوا جو مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر ہے،اس قتل کی خبر مدینہ میں ان بی بی صاحبہ کو پہنچی۔

۴؎ نفقۃ مجرورہے کیونکہ منزل پر معطوف ہے یعنی میرے خاوند نے نہ تو اپنا مملوکہ مکان چھوڑا ہے جس میں اپنی عدت کا زمانہ گزار لوں،اور نہ خرچہ چھوڑا ہے جو وہاں بیٹھ کر کھاؤں،معلوم ہوتا ہے کہ کرایہ کے مکان میں تھیں یا کسی نے اپنا مکان انہیں عاریۃ دیا ہوگا۔

۵؎ یعنی جب ایسی مجبوری ہے تو اپنے میکے چلی جاؤ وہاں ہی عدت گزارو۔

۶؎ یا خود ہی مجھے آواز دے کر بلالیا یا کسی خادم کو حکم دیا جس نے مجھے واپس لوٹایا۔

۷؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری فرمان عالی پہلے حکم کا ناسخ ہے۔اولًا ان بی بی کو منتقل ہونے کی اجازت دی پھر اس اجازت کو منسوخ فرمادیا۔اس سے معلوم ہوا کہ عمل سے پہلے بھی حکم منسوخ ہوسکتا ہے۔شب معراج میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا مگر پینتالیس نمازیں عمل سے پہلے ہی منسوخ ہوگئیں۔ امام شافعی وغیرہم فرماتے ہیں کہ پہلا حکم جواز کے لیے تھا دوسرا استحباب کے لیے کیونکہ ان کے ہاں معتدہ کو مکان نہیں ملتا ۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ معتدہ اپنے اسی مکان میں عدت گزارے جہاں خاوند کی موت کی خبر پائے،ہوسکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں پتہ لگا ہو کہ مکان والا ان بی بی صاحبہ کو مکان سے نکالے گا نہیں تب یہ حکم دیا ہو،ورنہ اگر معتدہ کرایہ یا عاریۃً کے مکان میں ہو اور مالک مکان اب نہ رہنے دیتا ہو تو عورت کو منتقل ہوجانے کی اجازت ہے۔

۸؎ زمانہ عثمانی میں حضرت عثمان غنی نے ان بی بی صاحب کو بلا کر یہ حدیث ان سے سنی اور اس پر ہی عمل کا حکم دیا کہ معتدۂ وفات کو عدت میں مکا ن سے نہ نکالاجائے۔یہ ہی قول ہے حضرت عمر عثمان،عبداللہ ابن عمرو ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا۔(مرقات)

۹؎ یہ حدیث ابن حبان و حاکم نے بھی نقل کی،حاکم نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح و محفوظ ہے۔دارقطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معتدہ جہاں چاہے غسل کرے اس کی اسناد میں ابو مالک نخعی اور محبوب ابن محرز ہیں یہ دونوں ضعیف ہیں،نیز اس میں عطاء ابن صائب مختلط ہے اور ابوبکرابن مالک ضعیف تر ہے اسی لیے اسے دار قطنی نے ہی معلل فرمادیا۔غرضکہ وہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں(مرقات)

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہ فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے ایلوالگا رکھا تھا ۱؎ تو فرمایا اے ام سلمہ یہ کیا ہے ؟ میں بولی وہ ایلوا ہے جس میں خوشبو نہیں ۲؎ تو فرمایا کہ یہ چہرے کو رنگین تو کرتا ہے لہٰذا یہ نہ لگاؤ مگر رات میں ۳؎ اور دن میں چھوڑ دو اور نہ خوشبو دار تیل اور نہ مہندی لگاؤ کہ مہندی خضاب ہے ۴؎ میں بولی کہ پھر کنگھی کس چیز سے کروں یا رسول اللہ ؟ ۵؎ فرمایا بیری سے کہ اس سے اپنے سر کا لیپ کرلو ۶؎ (ابوداؤد،نسائی)۷؎	

۱؎ یعنی کسی وجہ سے اپنے چہرے پرایلو کا لیپ کیا ہوا تھا۔(مصبر)مشہور کڑوی دوا ہے۔

۲؎ یعنی عدت میں خوشبو لگانا منع ہے اور ایلوے میں خوشبو ہے نہیں اس وجہ سے میں نے اس کا لیپ کرلیا۔

۳؎ یعنی عدت میں صرف خوشبو ہی ممنوع نہیں بلکہ زینت بھی ممنوع ہے ایلوا خوشبودار تو نہیں مگر چہرے کا رنگ نکھار دیتا ہے اسے رنگین بھی کردیتا ہے لہٰذا زینت ہونے کی وجہ سے اس کا لیپ ممنوع ہے اگر لیپ کی ضرورت ہی ہو تو رات میں لگالیا کروکہ وہ وقت زینت کا نہیں،دن میں دھو ڈالا کرو **یشب شیوب** سے بنا بمعنی آگ بھڑکا دینا اسی لیے جوانی کو شباب کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں شہوت بھڑکی ہوتی ہے۔(اشعہ)

۴؎ یعنی زمانہ عدت میں خوشبودار تیل بدن کے کسی حصہ خصوصًا سر میں استعمال نہ کرو اور ہاتھ پاؤں اور سر میں مہندی نہ لگاؤ کہ مہندی میں بھینی خوشبو بھی ہے رنگت بھی۔

۵؎ یعنی عورت کو سر دھونے کنگھی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب یہ چیزیں مجھے ممنوع ہوگئیں تو یہ ضرورت کیسے پوری کروں۔

۶؎ **تغلفین غلف** سے بنا پردہ و غلاف یعنی بیر ی کے پتے اتنی تھوپ سکتی ہو کہ تمام بال چھپ جائیں اور بیری سر کا غلاف بن جائے۔

ےیہ حدیث احمد نے بھی نقل کی مگر یہ اسناد ضعیف۔ خیال رہے کہ خوشبو دار تیل لگانا معتدہ کے لیے بالاجماع ممنوع ہے مگر بغیر خوشبو کا تیل امام اعظم و شافعی کے ہاں ممنوع ہےامام احمد و مالک کے ہاں جائز وہ دونوں امام فرماتے ہیں کہ اس تیل سے زینت حاصل ہوجاتی ہے ضرورۃً جائز ہے۔مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جس کا خاوند فوت ہوجائے،وہ نہ تو زعفرانی کپڑے پہنے اور نہ سرخ رنگ کے ۱؎اور نہ زیور پہنے اور نہ خضاب لگائے نہ سرمہ لگائے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ممشقه مشق سے بنا مشق سرخ رنگ کو بھی کہتے ہیں اورگیرد کو بھی ۔مطلب یہ ہے کہ عدت وفات والی عورت سرخ کپڑے نہ پہنے کہ یہ زینت ہے۔

۲؎سیاہ سرمہ لگانا اسے منع ہے جس سے آنکھ میں زینت ہوتی ہے علماء فرماتے ہیں کہ خارش وغیرہ عذر کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہن سکتی ہے امام مالک کے ہاں ادنی ریشمی سیاہ کپڑا پہننا بہرحال جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے ۱؎کہ حضرت احوص شام میں فوت ہوگئے ۲؎جب کہ ان کی بیوی تیسرے حیض میں داخل ہوئیں وہ انہیں طلاق دے چکے تھے ۳؎تو حضرت معاویہ ابن ابوسفیان نے زید ابن ثابت کو خط لکھا ان سے اس کے متعلق دریافت کرتے تھے ۴؎تو حضرت زید نے انہیں لکھا کہ وہ جب تیسرے حیض میں داخل ہوگئیں تو اپنے خاوند سے علیحدہ ہوچکیں اور وہ ان سے علیحدہ ہوگئے ۵؎نہ یہ ان کی وارث ہوں نہ وہ ان کے ۶؎(مالک)

۱؎آپ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں عظیم الشان تابعی ہیں مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں۔

۲؎احوص ابن جواب اجنبی اہل کوفہ سے ہیں تابعی ہیں آپ کا انتقال ۲۲۱ھ میں شام میں ہوا۔(مرقات)

۳؎صورت مسئلہ یہ بنی کہ احوص ابن جواب نے اپنی بیوی کو طلاق دی وہ عدت طلاق حیض سے گزاررہی تھیں تیسرا حیض تھا کہ احوص کی وفات واقع ہوگئی ان کی بیوی پر دو عدتیں جمع ہوگئیں ایک طلاق کی عدت جس کا تیسرا حیض گزررہا تھا۔دوسری وفات کی عدت چار ماہ دس دن۔

۴؎ یہ مقدمہ حضرت معاویہ کے ہاں پیش ہوا کہ احوص کی بیوی عدت کس طرح گزاریں صرف عدت طلاق گزاریں یا عدت وفات بھی اور یہ کہ ان بیوی صاحبہ کو احوص کی میراث ملے گی یا نہیں کیونکہ عدت کے دوران احوص کا انتقال ہوگیا ہے عدت حکمی نکاح ہے تو شاید میرا ث مل جائے امیر معاویہ جواب و فیصلہ میں حیران ہوئے تو حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا مسئلہ پوچھنے کے لیے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑا عالم بھی مسئلہ پوچھنے میں شرم نہ کرے جو مسئلہ معلوم نہ ہو ضرور دریافت کرلے دیکھو حضرت معاویہ فقیہ صحابہ ہیں مگر جو مسئلہ معلوم نہ تھا وہ اپنے سے بڑے عالم سے دریافت کرلیا۔ خیال رہے کہ حضرت زید ابن ثابت میراث کے بڑے عالم تھے۔

۵؎ یعنی جب احوص کی بیوی نے تیسرے حیض کا خون دیکھا تو ان کی عدت طلاق پوری ہوگئی ا ور احوص کی وفات عدت طلاق پوری ہوچکنے کے بعد واقع ہوئی لہذا وہ اس حیض کی حالت میں اپنا نکاح دوسرے سے کرسکتی ہیں اور خاوند احوص کی میراث نہیں پائیں گی کیونکہ ان کی وفات عدت گزرچکنے پر ہوئی ہے۔ خیال رہے کہ یہ مسئلہ حضرت زید ابن ثابت کے مذہب پر ہے کیونکہ ان کے ہاں عدت طلاق تین طہر ہیں۔تیسرے حیض پر تین طہر پورے ہوچکے تھے،خبر نہیں کہ جناب امیر معاویہ نے حضرت زید کا یہ فتویٰ مانا یا نہیں۔خیال رہے کہ حضر ت عائشہ و ابن عمرو زید ابن ثابت کا قول یہ ہے کہ طلاق کی عدت تین طہر ہیں یہ ہی امام شافعی کا مذہب ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین،اور خلفائے راشدین،عبداللہ ابن مسعود،ابن زبیر،ابن عباس،ابن ابی ابن کعب معاذ ابن جبل،ابوالدرداء عبادہ ابن صامت،ابو موسیٰ اشعری کا مذہب یہ ہے کہ عدت طلاق تین حیض ہیں یہ ہی امام اعظم کا فرمان ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ خیال رہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت زید ابن ثابت سے یہ روایتیں بھی منقول ہیں کہ عدت طلاق تین حیض ہیں ان دونوں بزرگوں کے اقوال مختلف ہیں حضرت سعید ابن مسیب ابن جبیر،عطاء طاؤس،عکرمہ مجاہد،قتادہ، ضحاک،حسان ابن حی مقاتل،شریک قاضی،سفیان ثوری،امام اوزاعی ابن شبرمہ،ربیعہ سدی،ابوعبیدہ و اسحاق رحمہم اللہ تابعین و تبع تابعین تمام بزرگوں کا یہ ہی مذہب ہے کہ عدت طلاق تین حیض ہیں اس قول کی بنا پر تیسرے حیض سے فراغت پر عدت پوری ہوتی ہے مگر چونکہ اسی دوران میں خاوند کی وفات ہوگئی اس لیے اب دراز عدت گزارنی ہوگی یعنی چار ماہ دس دن بھی گزارنی ہوگی۔

۶؎ اگر عدت حیض سے ہو اور خاوند نے مرض وفات میں طلاق دی ہو تو ایسی صورت میں عورت کو خاوند کی میراث ملے گی اسے شریعت میں فار بالطلاق کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت عمر ابن خطاب نے کہ جو عورت طلاق دی جائے پھر ایک یا دو حیض آجائیں پھر اس کے بعد حیض بند ہوجائیں ۱؎ تو وہ نو مہینے انتظار کرے ۲؎ پھر اگر اس کو حمل ظاہر ہوجائے ۳؎ توفبھا ورنہ نو مہینے کے بعد تین ماہ عدت گزارے پھر وہ حلال ہو جائے گی ۴؎ (مالک)

۱؎ رفعتها دراصل رفعت عنها تھا عن پوشیدہ ہوگیا اور ھا ضمیر منصوب ہوگئی جسے منصوب بنزع الخافض کہتے ہیں۔

۲؎ صورت مسئلہ یہ ہوئی کہ طلاق کی عدت تھی تین حیض،دو حیض آچکے تھے،تیسرا حیض نہ آیا لہذا عدت پوری نہ ہوئی یہ عورت نو ماہ اور انتظار کرے کہ شاید اس کو زنا کا حمل رہ گیا ہو یا خاوند کا ہی حمل ہو اور دوبارہ استحاضہ خون آگیا ہو جسے یہ حیض سمجھتی ہو۔

۳؎ اگر حمل ظاہر ہوگیا تو مسئلہ ظاہر ہے کہ حمل جننے سے اس کی عدت پوری ہوگی،خیال رہے کہ اگر عدت طلاق کے دوران میں عورت کو حرام کا حمل رہ جائے تو عدت حمل جننے سے پوری ہوتی ہے۔اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎ صورت مسئلہ یہ ہے کہ عدت طلاق تین حیض ہیں اور حاملہ کے لیے حمل جن دینا،اور چھوٹی نابالغہ بچی اور آئسہ بوڑھی جنہیں حیض نہیں آتا ان کی عدت تین مہینہ،اس عورت کا حال یہ ہوا کہ طلاق کے بعد اسے دو حیض آئے پھر بند ہوگئے،شبہ ہوا کہ شاید یہ حاملہ تھی اس لیے نو ماہ کا انتظار کیا حمل بھی ظاہر نہ ہوا۔تو معلوم ہوا کہ یہ آئسہ ہوگئی اب فتویٰ دیا گیا کہ آئسہ کی عدت تین ماہ گزارے۔اس مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے ایک مذہب وہ بھی ہے جو یہاں مذکور ہوا۔خیال رہے کہ اگر عورت کو کسی بیماری یا بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے حیض نہ آئے ہوں تو وہ بغیر تین حیض آئے عدت سے باہر نہ ہوگی علاج کرا کر حیض جاری کرائے پھر عدت پوری کرے اور اگر دوران حیض میں عورت آئسہ ہوجائے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔

باب الاستبراء

استبراء کا بیان؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎استبراء کے معنے براءت وعلیحدگی معلوم کرنا،شریعت میں استبراء کے معنے یہ ہیں کہ جب کسی کی لونڈی خرید،ہبہ،میراث وصیت وغیرہ کے ذریعہ اپنے قبضہ میں آئے تو اس سے صحبت یا بوس و کنار وغیرہ نہ کرے حتی کہ معلوم کرے کہ حاملہ نہیں ہے ایک حیض اور اگر حائضہ نہ ہو تو ایک ماہ تک انتظار کرکے پھر صحبت کرے اور اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس کے قریب نہ جائے یہ ہے حقیقت استبراء۔ خیال رہے کہ کنواری لونڈی سے بھی استبراء واجب ہے اگرچہ اس کا پردہ بکارت قائم ہوکیونکہ آگے حدیث میں مطلقًا استبراء کا حکم آرہا ہے جس سے ہر لونڈی مقبوضہ سے استبراء واجب ہونا معلوم ہورہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حاملہ عورت پر گزرے؎ تو اس کے متعلق دریافت کیا؎ لوگوں نے کہا کہ فلاں کی لونڈی ہے؎ فرمایا کیا وہ اس سے صحبت کرتا ہے ؟ لوگ بولے ہاں؎ فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں جائے؎ اس سے خدمت کیسے لے سکتا ہے حالانکہ وہ اسے حلال نہیں بلکہ اسے وارث کیسے کرسکتا ہے اور وہ اسے حلال نہیں؎ (مسلم)	

؎مجح میم کے پیش جیم کے کسرہ ح کے شد سے،حاملہ عورت قریب الولادۃ۔(مرقات)

؎کہ یہ آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے اگر لونڈی ہے تو فی الحال کس کی ملک میں آئی ہے یا پہلے سے ہی اس کی مملوکہ تھی۔

؎جو قید ہو کر آئی اور چند روز سے اس کی مملوکہ بنی،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

؎غالبًا اس شخص نے ان لوگوں پر اپنی صحبت کا اظہار کردیا ہوگا کہ میں اس سے صحبت کرتا ہوں یا لونڈی نے خبر دی ہوگی۔

۵؎یعنی ایسی سخت لعنت کروں جس کا اثر اس پر بعد موت بھی رہے کیونکہ اس نے استبراء کے بغیر صحبت شروع کردی۔ معلوم ہوا کہ استبراء واجب ہے اور ترک واجب پر لعنت ہوسکتی ہے مگر حضور نے اس پر لعنت کی نہیں کہ وہ اس مسئلہ سے بے خبر تھا۔

۶؎ام منقطعہ ہے بمعنی بلکہ اور ھو کا مرجع یہ عمل ہے کہ لونڈی۔مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دو جرم کرتا ہے ایک تو استبراء سے پہلے اس لونڈی سے صحبت کرنا، دوسرے غیر کے بچہ کو اپنا وارث بنانا یا اپنے بچہ کو اپنا غلام بنانا اس طرح کہ اگر اب سے چھ ماہ بعد لونڈی کے بچہ پیدا ہو تو پتہ نہ لگے گا کہ یہ بچہ اس کے پہلے مالک یا خاوند کا ہے یا اس کا اپنا اب اگر یہ اس بچہ کو اپنا بیٹا سمجھے تو اسے اپنی میراث دے گا اور ممکن ہے کہ اس کا نہ ہو پہلے مالک کا ہو تو غیر کے بچہ کو اپنا وارث بنادیا یہ حرام ہے اور اگر غیر کا بچہ سمجھ کر اسے اپنا غلام بنائے تو احتمال ہوگا کہ اس کا اپنا بیٹا ہو اور اپنے بیٹے کو اپنا غلام بنانا حرام ہے بہرحال اس میں خلط نسب ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں کہ حضور نے اوطاس کی لونڈیوں کے متعلق فرمایا۱؎کہ کسی حاملہ سے وطی نہ کی جائے حتی کہ حمل جن دے اور نہ غیر حاملہ سے صحبت کی جائے حتی کہ اسے حیض آجائے ۲؎ (احمد،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎جو غزوۂ اوطاس میں گرفتار ہو کر آئی تھیں او طاس مکہ معظّمہ سے تین منزل فاصلہ پر ایک جگہ ہے یہ غزوہ فتح مکہ کے فورًا بعد ہوا۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ جو لونڈی اپنی ملک میں آئے اگر حاملہ ہو تو حمل جننے تک اس کے پاس نہ جائے اگر غیر حاملہ ہو تو ایک حیض کا انتظار کرے اگر بحالت حیض مالک ہواتو اس حیض کا اعتبار نہیں اس کے علاوہ ایک اور حیض کا انتظار کرے،اگر اسے کم عمری یا زیادتی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو جمہور علماء ے نزدیک ایک ماہ کا انتظار کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافر زوجین میں سے ایک ہمارے ہاں گرفتار ہو کر آجائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن اگر دونوں گرفتار ہو کر آجائیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا اور ہر نئی ملکیت میں استبراء واجب ہوتا ہے مرد سے خریدے یا عورت سے لہذا مکاتبہ جب اپنے کو اداء کتابت سے عاجز کردے یا فروخت کردہ لونڈی جب عیب یا فسخ بیع کی وجہ سے واپس ہوجائے تو بھی اسبتراء کرے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت رویفع ابن ثابت انصاری سے۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن	

	فرمایا ۲؎ کہ کسی اس شخص کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ اپنے پانی سے دوسرے کا کھیت سینچے یعنی حاملہ سے صحبت کرنا۳؎ اور جو شخص اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے یہ حلال نہیں کہ کسی قیدی عورت سے بغیر استبراء کئے صحبت کرے ۴؎ اور جو شخص اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو،اسے یہ حلال نہیں کہ تقسیم سے پہلے غنیمت فروخت کرے ۵؎(ابوداؤد)ترمذی نے غیرہ تک روایت کی۔

۱؎ صحابی ہیں، انصاری ہیں، مصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں، امیر معاویہ نے انہیں طرابلس الغرب کا حاکم بنایا ۴۰ھ؁ میں، انہوں نے ۴۷ھ؁ میں افریقہ پر جہاد کیا ۵۶ھ؁ میں شام میں وفات پائی،حنین مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ایک جنگل کا نام ہے۔ فقیر نے اس کی زیارت کی ہے فتح مکہ کے بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔

۲؎ حنین مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ایک جنگل کا نام ہے، فقیر نے اس کی زیارت کی ہے فتح مکہ کے بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔

۳؎ یہ تفسیر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی یا راوی نے کی غیر کی حاملہ سے صحبت کرنا حرام ہے کہ اس میں اپنا نسب مشکوک مخلوط کرنا ہے حمل اگرچہ زنا کا ہو جب بھی صحبت حرام ہے اس لیے حاملہ بالزنا سے نکاح حلال ہے مگر صحبت حرام۔

۴؎ حاملہ ہو یا نہ ہو،اس حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ کنواری باکرہ لونڈی سے بھی بغیر استبراء صحبت درست نہیں کیونکہ سبی مطلق ارشاد ہوا۔

۵؎ کیونکہ غنیمت تقسیم سے پہلے کسی کی ملک نہیں ہوتی اس وقت اس کی بیع ایک قسم کی خیانت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لونڈی سے استبراء کرنے کا حکم دیتے تھے ایک حیض سے اگر وہ حائضہ میں سے ہو اور تین مہینوں سے اگر ان میں سے ہو جنہیں حیض نہیں آتا ۲؎ اور منع فرماتے تھے دوسرے کے پانی سے سیرابی سے ۳؎

۱؎امام مالک تبع تابعین سے ہیں لہذا اس حدیث میں تابعی و صحابی دونوں کا ذکر نہیں یا یہ حدیث مرسل ہے یا مسند مگر اسناد کا ذکر نہیں،چونکہ امام مالک بڑے پایہ کے محدث ہیں اس لیے ان کی بغیر اسناد والی حدیث بھی قبول ہے جیسے تعلیقات بخاری مقبول ہیں۔

۲؎اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ استبراء میں حیض تو ایک ہی کافی ہے اختلاف اس میں ہے کہ استبراء کے لیے مہینہ ایک کافی ہے یا تین ضروری بعض علماء تین ماہ مانتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر جمہور علماء ایک مہینہ کافی مانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مہینہ حیض کے قائم مقام ہے جب حیض ایک کافی ہوا تو مہینہ بھی ایک ہی کافی ہونا چاہیے۔(نووی مرقات)

۳؎یعنی دوسرے کے پانی دیئے ہوئے کھیت میں اپنا پانی نہ دو کہ دوسرے کی حاملہ عورت سے تم صحبت نہ کرو تاکہ بچہ دو باپوں کا مخلوط نہ ہوجائے کیونکہ حاملہ عورت سے صحبت کی جائے تو بچہ کے بال وغیرہ میں اس پانی کی آمیز ش ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے انہوں نے فرمایا کہ جب وہ لونڈی جس سے وطی کی جاتی تھی ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کا استبراء رحم ایک حیض سے کرلیا جائے اور کنواری کا استبراء نہ کیا جائے ۱؎(رزین)

۱؎یہ حضرت ابن عمر کی رائے شریف ہے کہ کنواری لونڈی جو پہلے کسی کے نکاح میں نہ تھی یا جس کا خاوند بہت چھوٹا بچہ تھا جو صحبت نہیں کرسکتا تھا یا ابھی اس کی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی اس کے استبراء کی ضرورت نہیں کیونکہ استبراء تو یہ معلوم کرنے کو ہوتا ہے کہ لونڈی حاملہ ہے یا نہیں ان صورتوں میں حمل کا احتمال ہی نہیں تو استبراء کی کیا ضرورت ہے مگر تمام علماء فرماتے ہیں کہ استبراء کے وجوب کا سبب ملکیت حاصل کرنا ہے لہذا ایسی لونڈی سے استبراء کیا جائے،دیکھو اگر عورت کا خاوند خلوت سے پہلے فوت ہوجائے تو بھی عدت واجب ہے حالانکہ وہاں حمل کا احتمال ہی نہیں،گزشتہ احادیث میں ہر لونڈی کے استبراء کا حکم دیا گیا،نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اوطاس کی تمام لونڈیوں سے استبراء کا حکم دیا حالانکہ ان میں بعض کنواریاں بھی تھیں،غالبًا حضرت ابن عمر کو وہ احادیث نہ پہنچی تھی اور قیاس صحابی حدیث مرفوع کے مقابل معتبر نہیں۔

باب النفقات وحق المملوک

خرچوں اور مملوکہ کے حق کا بیان ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎ نفقہ یا نفوق بمعنی ہلاکت سے ہے یا نفاق بمعنی علیحدگی ورواج سے بنا،امام محمد زمخشری فرماتے ہیں کہ عربی میں جس کا ف کلمہ نون ہو اور عین کلمہ ف اس میں جانے و نکلنے کے معنے ضرور ہوتے ہیں جیسے نفق،نفر،نفد،نفذ،نفخ،نفس،نفی وغیرہ۔ اصطلاح میں نفقہ خرچہ کو کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی ختم ہوتا رہتا ہے۔ خیال رہے کہ کسی کا نفقہ واجب ہونے کی تین وجہیں ہیں:زوجیت،قرابت ،ملکیت،چونکہ نفقے بہت سی قسم کے ہیں۔اولاد کا خرچہ، ماں باپ کا، بیوی کا،غلام و لونڈی کا، مملوکہ جانوروں کااس لیے **نفقات** جمع فرمایا۔مملوک کے مالک پر تین حق ہیں: کھانا، کپڑا اور طاقت سے زیادہ کام نہ کرانا۔(از مرقات واشعہ)ظاہر یہ ہے کہ یہاں مملوک سے مراد لونڈی غلام ہیں اور ہوسکتا ہے کہ مملوک جانور بھی اس میں داخل ہوں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہندا بنت عتبہ نے عرض کیا ؎ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان بخیل آدمی ہیں مجھے اس قدر خرچہ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو مگر یہ کہ میں ان کی بے خبری میں ان سے لے لوں ؎ تو فرمایا جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو بقدر معروف لے لو ؎(مسلم،بخاری)	

؎ آپ کا نام ہندا بنت عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہے یعنی عبد مناف میں حضور سے مل جاتی ہیں عتبہ کفار مکہ کا سردار تھا ہندا ابوسفیان کی بیوی اورامیر معاویہ کی والدہ ہیں،فتح مکہ کے سال ابوسفیان کے بعد ایمان لائیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح قائم رکھا ان کے زمانہ کفر کے حالات سب کو معلوم ہیں۔ ایک دن بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگیں یارسول اللہ پہلے مجھے آپ اور آپ کے صحابہ بہت ناپسند تھے اب مجھے آپ اور آپ کے صحابہ بہت ہی محبوب معلوم ہوتے ہیں حضور نے فرمایا وایضًا یعنی ابھی تم کو مجھ سے محبت اور بھی زیادہ ہوگی جس قدر تمہارا ایمان کامل ہوتا جائے گا اسی قدر میری محبت بڑھتی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہم پہلے تم سے نفرت کرتے تھے اب محبت کرتے ہیں،آپ کی وفات زمانہ فاروقی میں ابو قحافہ (والد ابوبکرالصدیق) کے وفات کے دن ہوئی بڑی عالمہ فصیحہ تھیں،زمانہ فاروقی میں بہت جہادوں میں شریک ہوئیں اور بڑے کارنامہ کئے رضی اللہ عنہا۔

۲؎ یعنی ان کی جیب یا ان کے گھر سے انکی بے خبری میں جو کچھ لے لوں وہ تو مجھے آسانی سے مل جاتا ہے وہ خود اپنی خوشی سے کافی خرچہ نہیں دیتے۔

۳؎ یعنی تم کو اجازت ہے کہ بقدر ضرورت ابوسفیان سے بغیر پوچھے ان کا مال لے سکتی ہو۔خیال رہے کہ یہ فتویٰ ہے فیصلہ یعنی قضا نہیں ورنہ ابو سفیان کو بلا کر جواب دعویٰ سنا جاتا فیصلہ بغیر دوسرے فریق کے بیان لئے نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے: (۱) بیوی کا خرچہ خاوند پر لازم ہے اگرچہ بیوی غنی ہو(۲) چھوٹی اور ضرورتمند اولاد کا خرچہ باپ پر لازم ہے(۳) اہل قرابت کا خرچہ بقدر ضرورت لازم ہے(۴)فتویٰ اور فیصلہ کے وقت اجنبیہ عورت سے کلام کرنا مفتی و قاضی کو جائز ہے۔فتویٰ یا فیصلہ لینے کے لیے حاکم و عالم کے سامنے کسی کے عیب بیان کرنا جائز ہے، حق والا اپنا حق بغیر اس کی اجازت بلکہ بغیر اس کے علم کے بھی لے سکتا ہے،فتویٰ میں شرط کا بیان ضروری نہیں بغیر شرط فتویٰ دیا جاسکتا ہے یعنی یہ لازم نہیں کہ مفتی کہے کہ اگر تو سچا ہے اور صورت حال وہ ہی ہے جو تو کہتا ہے تو حکم یہ ہے بلکہ اس کے بغیر بیان کیے ہوئے حکم شرعی سنا دینا جائز ہے اگرچہ تعلیق افضل ہے۔بچہ کی پرورش کا حق ماں کو ہے لہذا وہ خاوند کا مال اس پر خرچ کرسکتی ہے،بہت سی باتیں عرف و عادت پر مبنی ہوتی ہیں جیسا کہ خرچہ وغیرہ بیوی ضرورت کے موقعہ پر حاکم یا عالم کے پاس جاسکتی ہے،غائب خاوند کے مال سے اس کی بیوی بچوں کا خرچہ دلوایا جائے جب کہ وہ روزی نہ دے گیا ہو نہ بھیجتا ہو۔بعض علماء نے اس حدیث سے قضا علی الغائب جائز مانی وہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور کا فیصلہ تھا جو ابوسفیان کی غیرموجودگی میں ان کے خلاف دیا گیا مگر حق یہ ہے کہ یہ فتویٰ تھا۔(مرقات)ورنہ گواہی ضرور لی جاتی،بیوی ضرورت پر اپنے خاوند کا مال فروخت کرسکتی ہے کیونکہ ہندہ روپیہ پیسہ بھی ابوسفیان کی جیب سے نکال سکتی تھیں اور روپیہ پیسہ فروخت ہوکر ہی کام آتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تم میں سے کسی کو مال دے تو وہ اپنے نفس اور اپنے گھر والوں سے شروع کرے ۱؎(مسلم)۲؎	

۱؎ یعنی اپنا مال پہلے اپنے پر خرچ کرو پھر اپنے گھر والوں پر،اہل بیت میں بیوی اور نابالغ حاجت مند اولاد ماں باپ وغیرہ سب داخل ہیں۔

۲؎ یہ حدیث امام احمد نسائی نے حضرت جابر سے مرفوعًا کچھ اختلاف سے بیان کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غلام کے لیے اس کا کھانا کپڑا ہے ۱؎ اور اسے اس قدر کام کی تکلیف نہ دے جس کی وہ طاقت نہ رکھے ۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی مولیٰ پر لونڈی غلام کا بقدر ضرورت درمیانی کھانا کپڑا واجب ہے اس کھانے کپڑے میں عرف کا لحاظ ہے شریعت نے حد مقرر نہیں فرمائی۔(مرقات)

۲؎یعنی ہمیشہ کے لیے مشکل کام کا حکم نہ دو،اگر ضرورۃً ایک دو دن مشکل کام کرالیا جائے تو جائز ہے خصوصًا جب کہ مولیٰ خود کام میں شریک ہوجائے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے تمہارے قبضہ میں دے دیا۱؎تو جسے اللہ اس کے بھائی کا مالک بنا دے تو اسے اس میں کھلائے جو خود کھائے اور اس سے پہنائے جو خود پہنے ۲؎اور اس کام کی تکلیف نہ دے جو اس پر غالب آجائے اور اگر غالب کام کی تکلیف دے تو اس پر اس کی مدد کرے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎اخوانکم یا تو پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے یعنی تمہارے غلام تمہارے انسانی یا دینی بھائی ہیں،یا یہ مبتدا ہے اور جعلھم اللہ خبر۔ مطلب یہ ہے کہ تم اور تمہارے غلام انسانیت اور دین میں تمہاری مثل ہیں کہ تم اور وہ دونوں اولاد آدم اور مسلمان ہیں، رب تعالٰی اس کے عکس پر بھی قادر تھا کہ انہیں مولیٰ اور تمہیں غلام بنا دیتا اس کا کرم ہے کہ تم کو مولی اور اس کو غلام بنادیا،اس کا شکریہ یہ ہے کہ ہمارے اس حکم پر عمل کرو۔

۲؎یہ حکم استحبابی ہے۔خیال رہے کہ مولیٰ پر اپنے غلام لونڈی کا کھانا کپڑا شرعًا واجب ہے مگر اپنے جیسا کھانا کپڑا دینا مستحب ہے جس پر بہت سے صحابہ کرام نے عمل کیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں مما یاکل جنس کے بیان کے لیے ہے نہ کہ نوع کے لیے یعنی مولیٰ کو چاہیے کہ اپنی طرح غلام کو بھی پائجامہ،کرتہ،ٹوپی یا عمامہ دے اگرچہ اس کا اپنا یہ لباس اعلیٰ لٹھے ململ کا ہو غلام کا معمولی گاڑھے کا،مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

۳؎یعنی اگر غلام سے بھاری و مشکل کام کرائے تو خود یا اپنے دوسرے غلام یا اپنی اولاد کو اس میں شریک کردے اگر بھاری شہتیر اٹھوانا ہے تو غلام کے ساتھ خود بھی لگ جائے یا اپنے کسی ماتحت کو لگادے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ۱؎کہ ان کے پاس ایک خزانچی آیا ۲؎تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے غلام کو ان کا کھانا دے دیا،بولا نہیں،فرمایا جاؤ انہیں دے دو۳؎کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے یہ ہی گناہ بہت ہے کہ مملوک سے اس کا کھانا روکے ۴؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ انسان کے لیے کافی گناہ یہ ہے کہ اسے ہلاک کردے جس کو روزی دیتا ہے ۵؎(مسلم)	

۱؎عمرو کا واؤ یا تو اپنا ہے اور یہ واقعہ عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کا ہے یا عمر عین کے پیش سے ہے اور واقعہ عبداللہ ابن عمر ابن خطاب کا رضی اللہ عنہم اور واؤ حالیہ ہے۔(مرقات)

۲؎قہرمان فارسی لفظ ہے جو عربی میں استعمال ہونے لگا ہے اس کے معنے ہیں خزانچی،وکیل گھر کا مختار و منتظم کار۔

۳؎قوت سے مراد خرچہ ہے،اکثر کھانے پر بولا جاتا ہے،کھانے کا وقت تھا آپ نے اپنے کھانے سے پہلے اپنے لونڈی غلاموں کو کھانا دلوایا،پھر خود کھایا،یوسف علیہ السلام زمانہ قحط میں پہلے مہمانوں کو کھلاتے تھے پھر خود کھاتے تھے اور دن رات میں صرف ایک وقت کھاتے تھے،ایسے مولیٰ و غلام دنیا کے لیے اللہ کی رحمت ہیں،ایسے حکام کے زمانہ میں زمین پر آسمان سے برکتیں اترتی ہیں۔

۴؎یا اس طرح کہ انہیں کھانا نہ دے حتی کہ وہ ہلاک ہوجائیں یہ تو سخت ظلم ہے بلکہ قتل ہے یا اس طرح کہ انہیں بہت کم روزی دے جس سے وہ دبلے کمزور ہوجائیں دو چار فاقے کرا کر ایک وقت دے دے یا پیٹ بھر کر نہ دے یہ بھی ظلم ہے۔اس حکم میں لونڈی،غلام پالے ہوئے جانور سب شامل ہیں،بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی عورت اسی لیے دوزخ میں گئی کہ اس نے پالی ہوئی بلی کو بھوکا باندھے رکھا حتی کہ وہ مر گئی،آج کل بعض قصائی جانوروں کو کئی کئی وقت بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کرتے ہیں یہ سخت ظلم ہے،شرعی حکم تو یہ ہے کہ شکم سیر جانور کو بھی ذبح سے پہلے کھانا پانی دکھالو کھلالو۔

۵؎علماء فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم کرنا انسان پر ظلم کرنے سے زیادہ گناہ ہے کیونکہ انسان تو کسی سے اپنا دکھ درد کہہ سکتا ہے بے زبان جانور کس سے کہے اس کا اللہ کے سواء فریاد سننے والا کون ہے،بھوکے پیاسے اونٹوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مالکوں کی شکایت کیں اور سرکار نے ان کے اعلیٰ انتظامات فرمائے صلی اللہ علیہ وسلم۔شعر

خلق کے داد رس سب کے فریاد رس　　　کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ عالمین ہیں،آج ہم سگے بھائیوں سے وہ سلوک نہیں کرتے جو سلوک غلاموں سے کیا جاتا تھا۔یہاں صاحب مشکوۃ سے غلطی ہوئی کہ آخر میں **رواہ مسلم** فرمادیا،مسلم کی روایت **قوتہ** پر ختم ہوگئی اور **کفی بالمرء** سے ابوداؤد و نسائی کی روایت ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے پھر وہ کھانا لائے اور اس کی گرمی اور دھواں برداشت کرچکا ہو۱؎ تو اسے اپنے ساتھ بٹھالے کہ وہ بھی کھائے ۲؎ لیکن اگر کھانا تھوڑا ہو ۳؎ تو اس میں سے خادم کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دے ۴؎(مسلم)	

۱؎یہاں خادم میں لونڈی غلام بلکہ نوکر چاکر سب شامل ہیں۔

۲؎یعنی اگر کھانا کافی ہے تو اس پکانے والے خادم کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھلائے،اسے ساتھ بٹھانے میں اپنی ذلت نہ سمجھے جیسا کہ متکبرین کا حال ہے جب مسجد اور قبرستان میں امیر و غریب،آقا و غلام یکجا ہوجاتے ہیں تو یہاں بھی یکجا ہوں تو کیا حرج ہے۔

۳؎**مشفوہ شفۃٌ** سے بنا بمعنی ہونٹ،مشفوہ وہ پانی یا کھانا ہے جس پر بہت سے لوگ کھانے والے جمع ہوجائیں،بہت سے منہ کھائیں،اب تھوڑے کو بھی مشفوہ کہہ دیتے ہیں اسی مناسبت سے یا مشفوہ وہ کھانا ہے جو ہونٹوں اور منہ میں لگ کر رہ جائے اچھی طرح پیٹ میں نہ جائے۔

۴؎یہ حکم استحبابی ہے جس میں بڑی حکمتیں ہیں ان دو ایک لقموں سے کھانے پر نظر نہ لگے گی مالک کو اچھی طرح ہضم ہوگا،نقصان نہ دے گا نیز یہ مکارم اخلاق سے ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غلام اپنے مولیٰ کی خیر خواہی کرے ۱؎اور اللہ کی عبادت اچھی طرح کرے ۲؎تو اسے ڈبل ثواب ہے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎خیر خواہی یہ ہے کہ مولیٰ کا ہر جائز حکم مانے،اس کی چیز برباد نہ ہونے دے،اس کے پس پشت اس کے مال واولاد کی نگرانی کرے۔

۲؎کہ اللہ رسول کے احکام پر پابندی سے عمل کرے،مولے کی خدمت کی وجہ سے ان سے بے پرواہ نہ ہوجائے۔

۳؎کیونکہ اس کی محنت بھی ڈبل ہے خلق کی خدمت خالق کی عبادت۔اس سے معلوم ہوا دنیا دار کی عبادت تارک الدنیا کی عبادت سے افضل ہے۔خیال رہے کہ یہاں مولیٰ کی اطاعت کاذکر رب کی عبادت سے پہلے فرمایا گیا کیونکہ معاملات بمقابلہ عبادات زیادہ اہم ہیں حقوق العبد کی حفاظت حقوق اللہ سے زیادہ ہے کہ بندہ محتاج ہے رب غنی۔

	روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے لیے یہ بہت اچھا ہے ۱؎کہ اللہ تعالٰی اسے اس حال میں موت دے کہ اپنے رب کی عبادت اور مولا کی اطاعت کرتا ہو یہ اس کے لیے بہت اچھا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎**نعما** اصل میں **نعم ما** تھا **نعم** کی میم **ما** کی میم میں مدغم ہوگئی۔

۲؎دوبار **نعما** فرمانا یا تو تاکید کے لیے ہے یا پہلے **نعما** سے دنیا کی بہتری مراد تھی اور اس **نعما** سے آخرت کی بہتری مراد ہے یعنی اگر غلام مرتے دم تک اپنے مولیٰ کی اطاعت اور رب تعالٰی کی عبادت کرتا رہے تو یہ اس کے لیے بہت اچھا ہے یا یہ دنیا میں بھی اچھا ہے اور آخرت میں بھی اچھا،کسی غلام کو اس کے مولیٰ نے آزاد کردیاغلام بہت رویا اور بولا کہ آپ نے میرے لیے خیر کا دروازہ بند کردیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کامل نیکی وہ ہے جو مرتے دم تک کی جائے،نیکی پر ہی موت آئے۔

روایت ہے حضرت جریر ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی غلام بھاگ جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ۲؎ اور ان سے دوسری روایت میں ہے فرماتے ہیں جو غلام بھاگ جائے تو اس کا ذمہ بری ہوگیا ۳؎ اور انہیں کی ایک روایت میں یوں ہے فرمایا جو غلام اپنے مولاؤں سے بھاگ جائے وہ کافر ہوگیا ۴؎ حتی کہ ان تک لوٹ آئے ۵؎ (مسلم)	

۱؎ آپ جریر ابن عبداللہ بجلی ہیں، کنیت ابو عمرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے اسلام لائے، پھر بہت عرصہ کوفہ میں رہے، مقام قرقسیا ۵۱ھ میں وفات پائی مشہور صحابی ہیں، آپ سے بہت خلق نے احادیث لیں۔ (اکمال)

۲؎ یعنی بھاگے ہوئے غلام کی نماز اگرچہ شرعًا درست ہوجائے مگر اللہ کے ہاں قبول نہیں، شرائط جواز اور ہیں شرائط قبول کچھ اور۔

۳؎ اس جملہ کا مطلب یا یہ ہے کہ اگر غلام مرتد ہو کر کفار کے ملک میں چلا جائے تو اسلام کی امان سے نکل جاوے گا اس کا قتل جائز ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ بھاگا ہوا غلام اگر دارالسلام میں رہے تو اس سے اللہ کی امان اٹھ جاتی ہے اس کو مارا پیٹا جاسکتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ بھاگنے کے زمانہ کا خرچہ مالک پر نہیں اور اس زمانہ کی قباحت و جرم کا اثر مولے پر نہ ہوگا۔

۴؎ کافر سے مراد یا لغوی کافر ہے یعنی ناشکرا یا شرعی کافر، تو مطلب یہ ہے کہ قریب الکفر ہوگیا یا اس نے کافروں کا سا کام کیا۔

۵؎ حتی کہ تعلق یا تو تمام روایات سے ہے اور یہ جملہ ان تینوں جرموں کی انتہا ہے یا فقط آخری جملہ سے ہے یعنی کافرو ناشکرا رہے گا لوٹ آنے تک۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مولیٰ اپنے مملوک کو تہمت لگائے وہ اس سے بری ہو تو قیامت کے دن اسے کوڑے لگائے جائیں گے ۱؎ مگر یہ واقعہ وہی ہے جو اس نے کہا ۲؎ (بخاری، مسلم)	

۱؎ غالبًا مملوک سے مراد لونڈی ہے اور ہوسکتا ہے کہ لونڈی غلام دونوں ہوں۔ خیال رہے کہ آزاد مسلمہ عفیفہ عورت کو زنا کی تہمت لگانے والے پر حد قذف اسی ۸۰ کوڑے جاری ہوتے ہیں، مملوکہ لونڈی کو تہمت زنا لگانے والے کو یہ سزا نہیں ہوتی، سرکار فرمارہے ہیں کہ اسے یہ سزا قیامت میں تمام خلق کے سامنے کی جائے گی جس سے وہ رسوا بھی ہوگا اور سزایاب بھی، ہاں اگر واقعی لونڈی غلام زانی ہوں تو پھر الزام لگانے والے کو سزا نہ ہوگی کہ اس نے سچ کہا تھا۔ علماء

فرماتے ہیں کہ لونڈی غلام کو تہمت لگانے پر اگرچہ حد نہیں مگر تعزیر ہے غلام چاہے مکمل ہو یا ابھی اس میں شائبہ غلامیت ہو جیسے مکاتب یا مدبر کسی کو تہمت لگانے پر حد نہیں۔

۲؎ یہ حدیث احمد،ابوداؤد،ترمذی نے بھی روایت کی،حاکم نے مستدرک میں حضرت عمرو ابن عاص سے مرفوعًا روایت کی کہ اگر مولیٰ یا زانیہ یاکہ اے زانی کہہ کر پکارے اسے بھی قیامت میں کوڑے لگیں گے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو غصہ میں اپنے بچوں یا نوکروں کو حرامی کہہ دیتے ہیں کہ یہ انکی ماں کو تہمت ہے زبان قابو میں رکھنی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے غلام کو وہ حد مارے ۱؎ جو جرم اس نے کیا نہیں یا اسے طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے ۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی بے قصور مارے پیٹے،حد سے مراد صرف شرعی حد نہیں بلکہ ہر سخت مار پیٹ ہے۔

۲؎ اس طمانچہ سے مراد ظلمًا طمانچہ مارنا ہے،ادب سکھانے پڑھانے پر طمانچہ مارنا درست ہے یہ ہی حکم شاگرد،مرید،بچے یا رعایا کو مارنے کا ہے کہ بلا قصور مار پر پکڑ ہے،اس کا کفارہ غلام کے لیے تو اسے آزاد کردینا ہے،اور باقی لوگوں کے لیے انہیں کچھ دے کر خوش کردینا ہے،یا اگر وہ لوگ معافی دینے کے لائق ہوں تو ان سے معافی مانگ لینا ہے۔یہ وہ معمولی باتیں ہیں جن کی ہم پرواہ نہیں کرتے مگر ہیں بڑی خطرناک۔میں نے سنا ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ کے ہاں کوئی مزدور کام کررہا تھا کسی نے اسے کہہ دیا او حرامی،اعلیٰ حضرت نے فرمایا اس کی ماں کے زنا کے چار گواہ لاؤ وہ حیران ہوگیا،آخر کار اس نے مزدور سے معافی مانگی اسے پانچ روپے دیئے،اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے،انسان اپنی زبان اور اعضاء پر پورا کنڑول رکھے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی ۲؎ کہ اے ابو مسعود سوچو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنے تم اس پر ہو ۳؎ میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۴؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ آزاد ہے اللہ کی راہ میں ۵؎ تب حضور نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرتے تو تم کو آگ جلاتی یا آگ پہنچتی ۶؎(مسلم)	

۱؎ مشہور صحابی ہیں، بعض نے انہیں اہل بدر سے کہا ہے مگر آپ اس معنے سے اہلِ بدر ہیں کہ بدر میں رہتے تھے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے،آپ کا نام عقبہ ابن عمرو انصاری ہے،بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے،آخر عمر میں کوفہ قیام رہا ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات ہوئی(اکمال)

۲؎ یعنی یہ آواز کلام سنا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔
۳؎ کیونکہ یہ تمہارا مملوک و غلام ہے مگر تم اللہ تعالٰی کے مملوک بھی ہو مخلوق بھی ہو بندے بھی،جب وہ تمہارے گناہ دیکھتے ہوئے تمہاری روزی بند نہیں فرماتا ہر طرح تم پر کرم کرتا ہے معافی دیتا ہے تو تم بھی اپنے مملوک غلام کو معافی دو۔
۴؎ جو یہ فرمارہے تھے آپ کی نظر کی اکسیر اور نصیحت کی تاثیر کا وہ اثر ہوا کہ میرا سارا غصہ ختم ہوگیاجوش ٹھنڈا ہوگیا۔
۵؎ تاکہ یہ آزادی میرے اس قصور کا کفارہ ہوجائے۔
۶؎ کیونکہ تم نے اسے بے قصور مارا یا قصور سے زیادہ مارا اور اس سے معافی چاہی نہیں لہذا یہ مارنا جرم ہوا اور تھا حق العبد،اس لیے خطرہ تھا۔علماء فرماتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر آزاد کردینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے،اس سے معلوم ہوا کہ گناہ ہوجانے پر کوئی نیکی کردینا اچھا ہے کہ یہ نیکی کفارہ بن جاتی ہے"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا کہ میرے پاس مال ہے اور میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں۱؎ فرمایا تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کے ہیں ۲؎ یقینًا تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی سے ہے،اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ ۳؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)۴؎	

۱؎ تو میرا مال میرا والد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں خصوصًا حاجت کے وقت۔
۲؎ ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور طبرانی نے حضرت سمرہ وابن مسعود سے مرفوعًا یوں روایت فرمائی **انت ومالك لابيك** مطلب ایک ہی ہے یعنی تم بھی اپنے باپ کے ہو تمہارا مال بھی لہذا تمہارے باپ کو حق ہے کہ تم سے جانی خدمت بھی لیں اور مالی خدمت بھی۔
۳؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:غنی اولاد پر فقیر ماں باپ کا خرچہ واجب ہے اور اگر ماں باپ غنی ہوں انہیں اولاد کے مال کی ضرورت نہ ہو تو ہدایا دیتے رہنا مستحب ہے،اگر باپ اولاد کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہ کٹے گا،اگر باپ اپنے بیٹے کی لونڈی سے صحبت کرے تو اس پر حد زنا نہیں اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے تو اس پر قصاص نہیں۔خیال رہے کہ بچہ کو ماں خون پلا کر پالتی ہے باپ مال کھلا کر یعنی جانی خدمت ماں کرتی ہے اور مالی خدمت باپ،اسی وجہ سے ارشاد ہوا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہیں اور یہاں ارشاد ہوا کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے جیسی پرورش ویسا اس کا شکریہ۔یہ ہے اس سرکار سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا انصاف۔خیال رہے کہ

بوقت حاجت ہر ذی رحم قرابت دار کا نفقہ مالدار عزیز پر واجب ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ"یہ ہی احناف کا مذہب ہے امام شافعی کے ہاں سوائے ماں باپ کے کسی عزیز کا خرچہ واجب نہیں،امام احمد کے ہاں ہر محتاج عزیز کا خرچہ واجب ہے ذی رحم ہو یا نہ ہو ان تمام مسائل کے دلائل کتب فقہ یا مرقات میں اسی جگہ ملاحظہ فرمایئے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچہ کا نسب باپ سے ہے نہ کہ ماں سے۔

۴؎ یہ حدیث صحابہ کرام کی ایک جماعت نے مختلف الفاظ سے نقل فرمائی جو مختلف محدثین نے مختلف اسنادوں سے بیان کئے،چنانچہ ترمذی و ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ بہترین روزی وہ ہے جو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور انسان کی اولاد اس کی کمائی سے ہے،ترمذی نے اسے حسن فرمایا۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے راوی کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا میں محتاج ہوں ۱؎ میرے پاس کچھ نہیں اور میرے پاس ایک یتیم ہے ۲؎ تو فرمایا اپنے یتیم کے مال سے کھاؤ نہ فضول خرچی کرکے نہ جلدی کرکے اور نہ مال جمع کرتے ہوئے ۳؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ یہاں فقیر بمعنی مسکین ہے یعنی میرے پاس کچھ نہیں۔احناف کے ہاں فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم کہ اس پر نہ زکوۃ واجب ہو نہ فطرہ نہ قربانی مگر مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو،امام شافعی کے ہاں اس کے برعکس مگر ان دونوں اماموں کے ہاں ہر ایک لفظ دوسرے کی جگہ استعمال ہوجاتا ہے،یہاں فقیر بجائے مسکین استعمال ہوا۔

۲؎ جس کے پاس وراثت سے ملا ہوا مال ہےاور وہ میرا عزیز قرابتی ہے میری پرورش میں ہے میں اس کا قیم و منتظم ہوں۔

۳؎ یعنی چونکہ تم اس کی خدمت و پرورش کرتے ہو اور نادار ہواس لیے اس کے مال سے اپنا حق الخدمت لے سکتے ہو مگر تین قسم کی پابندی سے،ایک یہ کہ ضرورت سے زیادہ مال نہ لو۔دوسرے یہ کہ ضرورت سے پہلے مال نہ لو ضرورت کے وقت لو،یا ولا مبادر کے معنے یہ ہیں کہ اس یتیم کے بلوغ سے پہلے اس کا مال ختم کردینے کی کوشش نہ کرو رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَاْکُلُوْھَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا"۔تیسرے یہ کہ صرف وقتی طور پر استعمال کرو،آئندہ کے لیے جمع نہ کرو،اس سے معلوم ہوا کہ یتیم کا ولی اگر مسکین غریب ہو تو اس کے مال سے بقدر ضرورت استعمال کرےاور بلاضرورت ہاتھ نہ لگائے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض میں فرماتے تھے نماز ۱؎ اور غلاموں کی نگرانی کرو ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ الصلوۃ منصوب ہے الزموا پوشیدہ فعل کا مفعول بہ یعنی نماز کی پابندی و حفاظت کرو مرتے دم تک نہ چھوڑو۔معلوم ہوا کہ نماز بڑا ہی اہم فریضہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اس کی وصیت فرمائی،سعادت مند اولاد باپ کی وصیت سختی سے پوری کرتی ہے۔سعادت مند امتی وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر سختی سے پابندی کرے،اللہ تعالٰی توفیق دے،مؤمن مرے بعد قبر میں بھی نماز پڑھتا ہے۔

۲؎یعنی اپنے لونڈی غلاموں سے اچھا برتاؤ کرو ان کے حقوق ادا کرو،بعض شارحین نے فرمایا کہ ماملکت ایمانکم سے مراد مملوکہ مال ہیں یعنی اپنے مملوکہ مالوں کا حساب رکھو ان کی زکوۃ،قربانی،فطرہ وغیرہ دیتے رہو،نماز بدنی عبادت ہے زکوۃ مالی عبادت،مگر پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں کہ اس سے لونڈی غلاموں پر مہربانی مراد ہے،ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تمام مملوکہ جاندار ہوں،لونڈی غلام،جانور،وغیرہ یہ حدیث بہت جامع ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ صلوۃ سے تمام حقوق ادا کرو حتی کہ رعایا،شاگرد،مرید،نوکر چاکر،لونڈی غلام،جانور سب پر ہی مہربانی کرو اور سب کے حقوق ادا کرو۔

اور احمد و ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح ۱؎	

۱؎جامع صغیر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت دوبار فرمائی یعنی الصلوۃ اور ماملکت ایمانکم دوبار ارشاد کئے تاکید کے لیے،یہ حدیث احمد،نسائی،ابن ماجہ،ابن حبان،نے مختلف راویوں سے روایت کی،چنانچہ احمد و ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ سے،طبرانی نے ابن عمر سے،ابن حبان نے حضرت انس سے رضی اللہ عنہم۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جنت میں داخل نہ کیا جاوے گا بدخلق ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی بدخلق بدخو اولًا جنت میں نہ جائے گا پہلے بدخلقی کی سزا پائے گا پھر جنت میں جائے گا یا جنت کے اعلٰی مقام پر نہ جائے گا یا خوش خلق لوگوں کے ساتھ نہ جائے گا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ہر مسلمان جنتی ہے اگرچہ بڑا گنہگار ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہاں بدخلق سے وہ شخص مراد ہو جس کے اخلاق اللہ رسول کے ساتھ بھی خراب ہوں،ظاہر ہے کہ ایسا شخص کافر ہے اور کافر جنت میں کبھی نہ جائے گا۔

روایت ہے حضرت رافع ابن مکیث سے ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش خلقی برکت ہے اور بدخلقی نحوست ۲؎(ابوداؤد)اور میں نے سوائے مصابیح کے وہ نہ دیکھا جو اس حدیث میں اس پر زیادہ ہے۳؎آپ کا فرمان کہ صدقہ بری موت سے بچاتا ہے اور نیکی عمر بڑھاتی ہے ۴؎	

۱؎آپ صحابی ہیں صلح حدیبیہ میں شریک تھے،بنی جہینہ کے قبیلہ سے ہیں۔

۲؎ اس کا تجربہ بارہا ہوا ہے کہ خوش خلق کی دنیا درست ہوتی ہے بدخلق کے سب دشمن،گھر والے بھی اور باہر والے بھی،خوش خلق کی گھر وباہر والے سب تعظیم اور خدمت کرتے ہیں،بدخلق ہر جگہ سزا ہی پاتا ہے یہاں برکت و نحوست سے یہ ہی مراد ہے۔

۳؎ تمام محدثین کی روایتیں شوم پر ختم ہوگئیں مگر مصابیح میں اگلی عبارت اور بھی ہے کہ صدقہ بری موت سے بچاتا ہے اور نیکی عمر بڑھاتی ہے کسی محدث نے نہ بیان کی،نہ معلوم مصابیح میں کہاں سے لی گئی،یہ صاحب مصابیح پر اعتراض نہیں،صاحب مشکوۃ کو ملی نہیں۔

۴؎ یعنی سخی آدمی اچانک اور غفلت کی موت سے یوں ہی بے صبری و فسق و فجور و ظلم کی موت سے محفوظ رہتا ہے ان شاءاللہ اس کی موت ذکر و فکر نیک اعمال کی حالت میں آتی ہے بعد موت لوگ اسے اچھائی سے یاد کرتے ہیں،یوں ہی نیکیاں عمر بڑھاتی ہیں اس طرح کہ حکم الٰہی یوں ہے کہ فلاں بندہ اگر گناہ و بدکاری کرتا رہے تو اس کی عمر پچاس سال ہے اور اگر نیکیاں کرے تو اس کی عمرسو سال،یہ زیادتی عمر ایسی ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا مرض دفع کرتی ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ خدا کا حکم کوئی ٹال نہیں سکتا اور موت آگے پیچھے نہیں ہوسکتی،تقدیر بدلنے کی بحث اور عمر گھٹنے بڑھنے کی تحقیق ہماری تفسیرنعیمی پارہ سوم میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارے تو وہ اللہ کا ذکر کردے تو اپنے ہاتھ اٹھالو۱؎ (ترمذی،بیہقی شعب الایمان) لیکن ان کے نزدیک یوں ہے کہ اپنا ہاتھ روک لو بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ اُٹھالو۲؎	

۱؎ یعنی اگر تم اپنی نافرمانی یا تعلیم و تربیت کے لیے اپنے غلام،نوکر،شاگرد،بیٹے بیوی کو مارواور وہ کہہ دے کہ اللہ کو ضامن کرتا ہوں اب یہ قصور نہ کروں گا اور اب خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو تو تم اللہ کے نام کا ادب کرتے ہو چھوڑ دو،شرعی حدود اس حکم سے خارج ہیں وہ تو مجرم پر پوری جاری کی جائیں گی۔

۲؎ ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوہریرہ اس حدیث میں یہ زیادہ کیا کہ چہرہ پر نہ مارواس کی وجہ ظاہر ہے کہ چہرہ تمام اعضاء سے اشرف ہے اسے نہ بگاڑو۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے۱؎ تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان ۲؎ جدائی کردے گا۔(ترمذی،دارمی)۳؎	

۱؎ اس تفریق کی بہت صورتیں ہیں اور سب ممنوع۔لونڈی اپنے پاس رکھنا اس کا چھوٹا بچہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا،دوسرے کو ہبہ کردینا،ماں کو اور جگہ رکھنا بچہ کو اور جگہ رکھنا،یہ حکم ماں بیٹے،باپ بیٹے،دادا پوتے وغیرہ سب کو شامل

ہے مگر یہ حکم چھوٹے بچہ کے لیے ہے جو بغیر ماں نہ رہ سکے اور اس کے بغیر ماں بے چین رہے بڑے بچہ کی تفریق جائز ہے۔ امام شافعی کے ہاں سات سال کا بچہ بڑا ہےامام اوزاعی کے ہاں جب بچہ پیشاب پاخانہ سونا کھانا علیحدہ کرسکے،ہمارے امام اعظم کے ہاں بلوغ کی عمر کو پہنچ جانا ہے،بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ جانوروں پر بھی یہ ظلم نہ کرو کہ بہت چھوٹے بچہ کو اس کی ماں سے جدا نہ کرو۔

۲؎ یعنی قیامت کے دن جامع المتفرقین ہے جس دن سارے اگلے پچھلے جمع ہوں گے اور خویش و اقارب کی شفاعت کام آئے گی مگر ایسا ظالم آدمی اس دن اپنے عزیزوں کی ملاقات اور ان کی شفاعت سے محروم ہوگا۔خیال رہے کہ قیامت کے اول دن میں تو کوئی کسی کو نہ پوچھے گا،بھائی بھائی سے بھاگے گا اور آخری حالات اس کے برعکس ہوں گے،وہاں ہر دوست اپنے دوست کو یاد کرکے امداد کرے گا اسی لیے قیامت کا نام یوم حشر بھی ہےاور **یوم التناد** بھی۔

۳؎ یہ حدیث احمد و حاکم نے بھی نقل فرمائی،طبرانی نے حضرت معقل ابن یسار سے یوں روایت کی **من فرق فلیس منا** جو ماں بچہ میں جدائی کرے وہ ہماری جماعت سے نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت علی سےفرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلام جو آپس میں بھائی تھے۱؎ عطا فرمائے میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کردیارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایااے علی تمہارا غلام کیا ہوامیں نے آپ کو یہ خبر دی۲؎ تو فرمایا اسے واپس لے لو اسے واپس لے لو ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ اور دونوں چھوٹے تھے یا ایک بڑا اور سمجھ دار تھا دوسرا چھوٹا ناسمجھ جیساکہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا جب دونوں بڑے ہوں تو ان میں علیحدگی کی جاسکتی ہے۔

۲؎ کہ میں نے اسے فروخت کردیا ہے دوسرا میرے پاس ہے۔

۳؎ یعنی بیع فسخ کر کے اسے واپس لے لو یہ مطلب نہیں کہ وہ بیع منعقد ہی نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی بیع مکروہ ہے کہ منعقد ہوچکنے کے بعد اس کا توڑ دینا بہتر ہے دوبارہ فرمانا کہ واپس لے لو واپس لے لو تاکید کے لیے ہے کہ ایسی بیع کا فسخ کردینا بہت ضروری ہے۔بعض روایات میں ہے **ادرك ادرك**۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف ماں اور بچے میں جدائی کرنا ہی ممنوع نہیں بلکہ ہر دوذی رحم قرابتداروں میں جدائی نہ کرے،یہ ہی مذہب امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بچہ میں جدائی کردی۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا،تو بیع لوٹا لی(ابوداؤد منقطعًا)

۱؎اس طرح کہ ان میں سے ایک کو فروخت یا ہبہ کردیا۔خیال رہے کہ ایک کو آزاد کردینے سے جدائی کرنا ممنوع نہیں لہذا ایک عزیز غلام کو آزاد کرسکتے ہیں یوں ہی اگر ان دونوں قریبی بچے غلاموں میں سے ایک اس مالک کا ذی رحم ہو دوسرا نہ ہو تو یہ ذی رحم تو اس کی ملک میں آتے ہی آزاد ہوجائے گا دوسرا نہ ہوا۔

۲؎یعنی اس کی اسناد کے بعض راوی چھوٹ گئے لہذا یہ حدیث منقطع ہے متصل نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جس میں تین خصلتیں ہوں گی اللہ اس کی موت آسان کردے گا۱؎اور اسے اپنی جنت میں داخل کر دے گا ۲؎کمزور پر نرمی اور ماں باپ سے شفقت،غلام سے اچھا سلوک ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎حتف ح کے فتح ت اور ف کے سکون سے بمعنی موت و ہلاکت و سکرات موت،اسی سے ہے حتف انف یعنی بستر پر پڑ کر مرنا اہل عرب کا خیال تھا کہ زخمی کے زخم سے جان نکلتی ہے اور غیر زخمی کی ناک سے نکلتی ہے اسی لیے وہ قتل کے مقابل موت کو حتف انف کہتے تھے یعنی جس شخص میں یہ تین صفات جمع ہوں اللہ تعالٰی اس کی جان کنی آسان فرمادے گا۔

۲؎شروع سے ہی بغیر سزا دیئے،ورنہ ہر مؤمن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو آخر جنت میں ضرور جائے گا۔

۳؎کمزور خواہ جسمانی حیثیت سے کمزور ہو یا مالی حیثیت سے یا عقل سے کمزور جیسے بچے اور دیوانے بے وقوف ان پر مہربانی کرو،یوں ہی ماں باپ کی خدمت بھی کرو اور ان کی ناراضی سے خوف بھی۔شفقت شفق سے بنا بمعنی خوف و ڈر،شفقت اور محبت یا مہربانی کو کہتے ہیں جس میں ڈر بھی ہو،مملوک میں لونڈی غلام جانور وغیرہ سب داخل ہیں یہ الفاظ بہت ہی جامع ہیں،احسان سے مراد حقوق سے زیادہ ان پر مہربانی کرنا۔

	روایت ہے ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دیا،تو فرمایا اسے مارنا مت ۱؎کیونکہ مجھے نمازیوں کی مار سے منع کیا گیا ہے۲؎اور میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے ۳؎یہ مصابیح کے الفاظ ہیں

۱؎یعنی اگر تمہارا کوئی ذاتی قصور کرے تو حتی الامکان اسے نہ مارنا معاف کردینا یا جھڑک دینا۔

۲؎یعنی مجھے میرے رب نے اپنی ذاتی معاملات میں نمازی کو مارنے سے منع فرمادیا ہے اس مار سے مراد شرعی حدود و تعزیرات کے سواء کی مار ہے،نمازی سے شرعی سزائیں معاف نہ ہوں گی تہمت کے اسی کوڑے مارے ہی جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ ان شاءاللہ نمازی آدمی کو نماز ہی درست کردیتی ہے اسے مار پیٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ" اگر کسی وقت اتفاقًا اس سے کوئی قصور ہوجائے تو اسے مارتے کیوں ہو وہ ان شاءاللہ نماز کی برکت سے ٹھیک ہوجائے گا۔ یہ حدیث ہم گنہگاروں کے لیے بہت ہی امید افزا ہے، اللہ تعالٰی نماز کی پابندی اور جماعت کی توفیق دے تو ان شاءاللہ دنیا کی مار سے بھی بچیں گے اور رب تعالٰی اور اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کی سزا سے بھی بچائیں گے، جب یہاں شفاعت ہورہی ہے تو وہاں بھی شفاعت ہوگی۔ شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو

	اور دار قطنی کے مجتبیٰ میں ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ۱؎

۱؎ امام جزری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ازروئے اسناد صحیح ہے، اسے امام احمد نے اپنی مسند میں اسی طرح روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے حضور کے پاس دو غلام تھے ایک حضرت علی کو عطا فرمایا اور انہیں تاکید فرمائی کہ اسے مارنا مت یہ نمازی ہے ہم نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اس کی اسناد میں ابو غالب بصری ہیں وہ صحیح الحدیث ہیں، ترمذی نے ان کی روایات کی تصحیح کی ہے لہذا حدیث صحیح ہے۔ (مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم خادم کو کتنی بار معافی دیں حضور خاموش رہے ۲؎ اس نے پھر وہ سوال دہرایا آپ خاموش رہے پھر جب تیسری بار سوال ہوا ۳؎ تو فرمایا اسے ہر دن میں ستر بار معافی دو ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عمرو واؤ کے ساتھ ہے مگر صحیح عبداللہ ابن عمر کی یہ روایت ہے۔

۲؎ یا تو اس لیے خاموش رہے کہ اس کا یہ سوال پسند نہ آیا کیونکہ یہ بات پوچھنے کی نہیں نفسیاتی چیز ہے کہ اگر زیادہ معافی دینے سے غلام بگڑتا ہے تو کبھی کچھ سرزنش کردو، یا اس لیے خاموش رہے کہ وحی الٰہی کا انتظار تھا یا اس لئے خاموشی اختیار فرمائی تاکہ حضور کا جواب سائل کے دل میں بیٹھ جائے کہ جو چیز بہت انتظار کے بعد ملتی ہے اس کی قدر ہوتی ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ تیسری وجہ قوی ہے، اشعہ و مرقات نے پہلی دو وجہیں بتائیں۔

۳؎ یہ تینوں بار سوال ایک ہی مجلس میں ہوئے، بعض شارحین نے ثم سے سمجھا کہ ان سوالوں میں کئی دن کا فاصلہ تھا کہ وہ شخص دوچار دن کے وقفہ سے آتا اور یہ سوال کرتا تھا مگر یہ صحیح نہیں ثم اسی لیے کہا گیا کہ سائل نے کچھ دیر جواب کا انتظار دیکھ کر پھر سوال کیا مسلسل نہ کیا۔

۴؎ عربی میں ستر کا لفظ بیان زیادتی کے لیے ہوتا ہے یعنی ہر دن اسے بہت دفعہ معافی دو،یہ اس صورت میں ہو کہ غلام سے خطاءً غلطی ہوجاتی ہو خباثت نفس سے نہ ہو اور قصور بھی مالک کا ذاتی ہو شریعت کا یا قومی و ملکی قصور نہ ہو کہ یہ قصور معاف نہیں کیئے جاتے ۔

ترمذی بروایت عبداللہ ابن عمرو۱؎	

۱؎ یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں، ابن یونس نے تاریخ مصر میں بھی نقل فرمائی،بخاری نے اپنی تاریخ میں عباس ابن خلید کی اسناد سے نقل کی اور فرمایا کہ اس کی اسناد میں اضطراب ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے غلاموں سے جو تمہارے موافق ہو۱؎ تو اس میں سے اسے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور پہناؤ اس سے جو خود پہنتے ہو ۲؎ اور جو موافق نہ ہو اسے بیچ دو اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو ۳؎(احمد،ابوداؤد)	

۱؎ لائم یلائم باب مفاعلہ سے ہے ملائمۃ بمعنی موافقت اسی سے ہے ملائم بمعنی موافق،ملائمۃ بمعنی موافقت و مناسبت یعنی جس غلام کی طبیعت تم سے مل جائے وہ تمہارے مزاج کے موافق و مناسب ہو۔

۲؎ یعنی ایسے غلام کی قدر کرو جو تمہاری خدمت میں کوتاہی نہیں کرتا تم اس کی خاطر مدارات میں کمی نہ کرو،موافق انسان مشکل سے ملتا ہے مردم شناسی بڑا جوہر ہے جس گھر میں مردم شناسی نہ ہو وہ گھر ویران ہوجائے گا اور جس ملک میں مردم شناسی نہ ہو وہ ملک برباد ہوجائے گا۔عہد فاروقی اور صدیقی میں مردم شناسی تھی جس سے ملک و ملت میں رونق لگ گئی اپنے کھانے و لباس میں سے اسے کھلانا پہنانا حکم استحبابی ہے جس سے غلام خوش ہوکر اور زیادہ خدمت کرے گا۔

۳؎ یعنی اسے اپنے پاس رکھو، مت مارو پیٹو کہ اس سے تم کو بھی تکلیف ہوگی اس کو بھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ ہی حکم موافق اور نا موافق جانور کا ہے کہ پسند آئے تو اس کی خدمت کرو نرمی سے کام لو، ناپسند ہو تو فروخت کردو۔

روایت ہے حضرت سہیل ابن حنظلیہ سے ۱؎ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ پر گزرے،جس کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی تھی ۲؎ تو فرمایا ان بے زبان جانوروں میں اللہ سے ڈرو ۳؎ ان پر سوار ہوجب وہ لائق سواری ہوں ۴؎ اور انہیں چھوڑ دو لائق سواری کی حالت میں ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎ سہیل کے والد کا نام ربیع ابن عمرو ہے،حنظلیہ یا تو ان کی پردادی کا نام ہے یا ان کی ماں کا نام،حضرت سہیل بیعتہ الرضوان میں شریک تھے،گوشہ نشین عابد تھے،شام میں قیام رہا،امیر معاویہ کی شروع خلافت میں دمشق میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ یعنی سخت بھوک و پیاس کی وجہ پیٹ پیٹھ سے لگ گیا تھا۔

۳؎ علماء فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم انسان پر ظلم کرنے سے زیادہ بڑا ہے کہ انسان تو اپنا دکھ درد کسی سے کہہ سکتا ہے بے زبان جانور کسی سے فریاد بھی نہیں کرسکتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور کا چارہ پانی مالک پر واجب ہے،بعض آئمہ کے ہاں ظالم مالک کو حاکم جانور فروخت کردینے پر مجبور کرسکتا ہے۔

۴؎ یعنی جو جانور سواری کے لائق ہو اس پر سوار ہو،بیمار اور کمزور،چھوٹے بچے پر نہ سواری کرو نہ بوجھ لادو،یہ ہے اسلامی عدل و انصاف اور یہ ہے حضور کی رحمت علی الخلق،آج حکومتیں جانوروں کے متعلق قوانین بناتی ہیں ظالم مالکوں کا چالان کرتی ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۵؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جانور کو بالکل تھکا کر نہ چھوڑو بلکہ ابھی اس میں قوت ہو کہ اسے کھول دو کہ وہ دانہ پانی کھا پی لیں اس سے جانور کی تندرستی اور قوت خراب نہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ جانور کو بوڑھا ناکارہ کرکے محنت سے آزاد نہ کرو بلکہ ابھی اس میں کچھ طاقت ہو کہ اس سے کام لینا موقوف کردو،گائے،بھینس وغیرہ ہے تو انہیں ذبح کرادو،گھوڑا وغیرہ ہے تو اسے کام سے آزاد کردو،کچھ کھانا جاری رکھو اس سے اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے گااور تمہارے گھر میں برکت دے گا یہ بہت آزمایا ہوا عمل ہے۔بعض لوگ بوڑھے جانور کو نکالتے نہیں بلکہ کام سے آزاد کردیتے ہیں،کھانا پانی جاری رکھتے ہیں،یہ ہی غلاموں،نوکروں سے برتاؤ کرو بوڑھے نوکروں کو پنشن دی جاتی ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے۔شعر

رسم است کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندہ پیر

اے بار خدا عالم آرا برسعدی پیر خود بہ بخشا

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں جب اللہ تعالٰی کا یہ فرمان نازل ہوا کہ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو اچھا ہو ۱؎ اور یہ فرمان نازل ہوا کہ جو لوگ ظلمًا یتیموں کا مال کھاتے ہیں ۲؎ تو جن کے پاس یتیم تھے وہ چلے ان کا کھانا اپنے کھانے سے اور ان کا پانی اپنے پانی سے علیحدہ کردیا تو جب یتیم کے کھانے پینے سے کچھ بچ رہتا تو اسی کے	

لیے رکھ لیتے حتی کہ یا تو یتیم کھا پی لیتا یا وہ چیز بگڑ جاتی ان لوگوں پر یہ بہت گراں گزرا ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے یہ عرض کیا ۴؎ تب یہ آیت اللہ نے اتاری کہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں فرما دو ان کی اصلاح بہتر ہے اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں تب انہوں نے ان کا کھانا اپنے کھانے سے اور ان کا پانی اپنے پانی سے ملایا ۵؎ (ابوداؤد، نسائی)	

۱؎ قریب جانے سے منع فرمانا مبالغہ کے لیے ہے یعنی یتیم کا مال کھانا تو در کنار اس کے قریب بھی نہ جاؤ اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤ جیسے رب تعالٰی نے حضرت آدم و حوا سے فرمایا تھا کہ اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

۲؎ اگرچہ آیت کریمہ میں ظلمًا کی قید تھی مگر صحابہ کرام نے خوف الٰہی کے باعث ادھر نظر ہی نہ کی وہ سمجھے کہ شاید یتیم کا مال ملانے کی صورت میں اس کا جو ٹکڑا یا قطرہ ہمارے پیٹ میں پہنچ جائے وہ بھی آگ ہی ہو یا ہم اسے ظلم نہ سمجھیں اور واقعہ میں وہ ظلم ہو لہذا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضرات صحابہ کلام الٰہی کے منشاء سے بے خبر تھے تقوٰی کچھ اور ہی چیز ہے۔

۳؎ اس صورت میں یتیم کا خرچہ بھی زیادہ ہونے لگا اور ان کے والیوں کو تکلیف بھی زیادہ کیونکہ ایک آدمی کے لیے الگ کھانا پکانے میں بہت خرچہ پڑتا ہے اور کام بھی دوگنا ہوجاتا ہے خصوصًا جب کہ نمک مرچ لکڑی وغیرہ الگ رکھی جائے پھر بچی چیز سنبھالنا، خراب ہوجانے پر پھینکنا تکلیف دہ ہے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو جو کچھ رب تعالٰی سے عرض کرنا ہوتا وہ حضور سے عرض کرتے تھے، حکم قرآن کی وجہ سے ان کو دشواری ہوئی تو بارگاہ رسالت میں آکر زاری کی اور رب تعالٰی بھی اس عرض و معروض پر انکی دادرسی فرماتا تھا۔

۵؎ مطلب یہ ہے کہ یتیم کا مال برے ارادے سے ظلمًا کھانا ممنوع ہے تم اس حکم سے خارج ہو کہ تمہاری نیت اصلاح ہے۔اس آیت کی بنا پر علماء نے فرمایا کہ اگر سفر میں کوئی ساتھی بیمار یا فوت ہوجائے تو دوسرے ساتھی اس کا مال اس کے علاج یا کفن دفن پر خرچ کرسکتے ہیں، حضرت امام محمد سے کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ حج کو جارہے تھے کہ ایک ساتھی فوت ہوگیا ہم نے اس کا مال فروخت کردیا اس کا کیا حکم ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو فقیہ نہ ہوتے،اس وقت مصلحت اسی میں تھی ورنہ اس کا وزنی مال و اسباب برباد ہوجاتا، خود امام محمد نے اپنے ایک شاگرد کی کتابیں فروخت کرکے اس کے کفن و دفن پر خرچ کیں، لوگوں نے پوچھا کہ اس نے مرتے وقت اس کی وصیت تو نہ کی تھی آپ نے یہ ہی آیت پڑھی" وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ "۔(مرقات وفتح القدیر)

روایت ہے حضرت ابو موسٰی سے فرماتے ہیں کہ لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جو باپ کو اس کے بچہ سے اور بھائی کو اس کے بھائی سے جدا	

	کرے ۱؎(ابن ماجہ،دار قطنی)

۱؎یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ صرف باپ بیٹے میں جدائی ڈالنا ممنوع نہیں بلکہ ہر دو ذی رحم عزیز و قرابتداروں کو جداکرنا ممنوع ہے، یہ حکم بہت چھوٹے بچے کے متعلق ہے جو دوسرے عزیز کے بغیر گزارہ نہ کرسکے، اس کی صورتیں پہلے گزر چکیں ماں بیٹے یا بھائی بھائی ایک شخص کی ملکیت میں ہوں وہ ان میں سے کسی ایک کو ہبہ کردے یا فروخت کردے یہ حرام ہے یہ دونوں اپنے پاس رکھے یا دونوں ایک ہی کو دے تاکہ وہ ساتھ رہیں، جانور کے چھوٹے بچہ کو اس کی ماں سے جدا کردینا حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سےفرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب قیدی لائے جاتے تو آپ سارے گھر والے ایک کو اکٹھے دیتے ۱؎یہ ناپسند فرماتے ہوئے کہ ان میں جدائی ڈالیں ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ **اہل البیت اعطی** کا مفعول اول ہو اور مفعول دوم پوشیدہ یعنی غلاموں کا پورا کنبہ ماں بچے بھائی بہن وغیرہ ایک ہی مسلمان کو عطا فرماتے،یہ نہ کرتے کہ ماں کسی کو بچہ کسی کو۔دوسرے یہ کہ **اہل البیت** مفعول دوم ہو اور **اعطی** کا پہلا مفعول وہ قیدی ہوں جو ابھی مذکور ہوئے یعنی وہ قیدی ایک گھر والے مؤمن کو عطا فرماتے پہلے معنے اشعۃ اللمعات نے اختیار کیے،دوسرے معنی مرقات نے،مقصد ایک ہی ہے کہ قیدی غلاموں کو اکٹھا رکھتے۔

۲؎یہ عمل شریف اس صورت میں تھا کہ ان قیدیوں میں بعض بہت چھوٹے ناسمجھ بچے ہوتے کہ جدائی ڈالنے سے ان کی پرورش مشکل ہوجاتی اور ماں کو تکلیف ہوتی، جوان لونڈی غلاموں میں علیحدگی کرنا جائز ہے، اس سے تکلیف نہیں ہوتی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم میں بدترین لوگوں کی خبر نہ دوں ؟ وہ ہے جو اکیلا کھائے ۱؎اور اپنے غلام کو کوڑے مارے اور وہ اپنی عطا۲؎ روکے (زرین)

۱؎یا تو بخل کی وجہ سے اکیلا کھائے بچے اور گھر والے اس کا منہ تکیں اور یہ عمدہ غذائیں اکیلا کھائے انہیں معمولی کھلائے،یا تکبر و غرور کی وجہ سے کسی کے ساتھ کھانا گوارا نہ کرے،اگر غربت و ضرورت کی وجہ سے اکیلا کھائے تو ممنوع نہیں،ایک شخص گھر کا بوجھ اٹھاتاہے،محنت کرتا ہے اس لیے کچھ مقوی غذا کھاتا ہے تاکہ کام کاج کرسکے، وہ چیز ہے تھوڑی سی سب کو کافی نہیں تو مضائقہ نہیں،اس صورت میں علیحدگی میں کھاناچاہیے سب کے سامنے کھانا بے مروتی ہے۔(ازمرقات مع زیادت)

۲؎یعنی بے قصور غلاموں ماتحتوں کو مارے پیٹے اور گھر والے مہمانوں اور نوکروں کو ان کا حق نہ دے،بخیل بھی ہو بدخلق بھی اسے بدترین اس لیے فرمایا گیا کہ بندوں کے حقوق مارتا ہےرب تعالٰی کی نافرمانی کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

	فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدخلق آدمی جنت میں نہ جائے گا۱؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ نے ہم کو یہ خبر نہ دی کہ یہ امت تمام امتوں سے زیادہ غلاموں اور یتیموں والی ہے ۲؎ فرمایا ہاں تم ان پر اپنی اولاد کی طرح مہربانی کرواور انہیں اس سے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو ۳؎ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کو کتنی دنیا نفع دے گی ۴؎ فرمایا وہ گھوڑا جسے تم پالوجس پر اللہ کی راہ میں جہاد کرواور ایک غلام تمہیں کافی ہے ۵؎ جب وہ نماز پڑھے تو تمہارا بھائی ہے ۶؎ (ابن ماجہ)

۱؎ سیّ الملکۃ اسے کہتے ہیں جو اپنے مملوک غلاموں لونڈیوں سے بدخلقی کرے ان سے بُرابرتاؤ کرے یہ حدیث اس باب میں پہلے بھی گزر چکی ہے مگر یہاں زیادتی کے ساتھ ہے۔

۲؎ سوال کا مقصد یہ ہے کہ حضور نے خبر دی ہے کہ اس امت کو رب تعالٰی ملکوں کی فتوحات بہت دے گا جن سے ان کو غلام لونڈیاں بہت ہاتھ لگیں گی اور سب غلاموں سے اچھا برتاوا مشکل ہے تو ہم لوگ جنت میں کیسے جاسکیں گے حالانکہ حضور نے خبر دی ہے کہ میری امت زیادہ جنتی ہے حتی کہ جنتیوں کی کل ایک سو بیس صف ہوں گی اسی۸۰ میری امت کی باقی چالیس ساری امتوں کی۔

۳؎ جواب کا خلاصہ یہ ہے بڑوں کی ذمہ داریاں بھی بڑی ہوتی ہیں خدا پاک تمہیں لونڈی غلام بہت دے گا تم ان سے برتاؤ اچھا کرو، کیا بہت بال بچوں والا آدمی بچوں کی نگرانی نہیں کرتا ضرورکرتا ہے تم بھی ان غلاموں کے حقوق پورے کرو،اس سوال میں یتیموں کا ذکر تبعًا ہے۔

۴؎ یعنی دنیا کی بہت قسمیں ہوں گی گھر بار،جائیداد، دکانیں،کھیتی باڑی،جانور وغیرہ ان میں سے زیادہ نافع کون کون سی چیز یں ہیں۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسا حکیمانہ جواب ہے یعنی ایک گھوڑا جو جہاد کی نیت سے پالو اور ایک غلام جو جہاد وغیرہ کے موقعہ پر خدمت کے لیے رکھو تمہاری بخشش کے لیے کافی ہے کہ اس صورت میں یہ دونوں چیزیں دنیا میں بھی نافع ہیں،آخرت میں بھی بخشش کا ذریعہ،غلام تمہارا دنیا کا کاروبار چلائے تم فارغ ہو کر رب کی یاد کرواس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے۔

۶؎ یعنی نمازی مسلمان غلام کو اپنا غلام نہ سمجھو اپنا بھائی سمجھو اور اس سے برادرانہ برابری کا سلوک کرو،یہ ہے اسلامی اخلاق اب تو لوگ اپنے سگے بھائی کو بھائی نہیں سمجھتے، باپ کو ستاتے مارتے پیٹتے ہیں رب تعالٰی اس پر عمل کی توفیق دے۔

باب بلوغ الصغیر وحضانتہ فی الصغر

بچہ کی جوانی اورلڑکپن میں اس کی پرورش کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎یعنی اس باب میں دوچیزیں بیان ہوں گی:ایک یہ کہ بچے کے بلوغ کی حد کیا ہے۔دوسرے یہ کہ بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے۔حضانت حضن سے بنا بمعنی گود میں لینے یا مرغی کے پر،حضانت بچہ کو گود میں لینے یا مرغی کے اپنے بچہ یا انڈے کو اپنے پروں میں ڈھکنے کوکہتے ہیں۔اصطلاح میں بچہ کی پرورش کو حضانت کہا جاتا ہے۔(لمعات و اشعہ و مرقات)خیال رہے کہ بلوغ کی عمر لڑکی کے لیے نو برس سے پندرہ برس تک ہے،لڑکے کے لیے بارہ برس سے پندرہ برس تک ہے اس پر فتویٰ ہے اور بچہ کی پرورش کا حق ماں کو ہے اگرچہ طلاق یافتہ ہو،ماں نہ ہو تو نانی پڑنانی کو،یہ بھی نہ ہوں تو دادی پڑدادی کو،یہ بھی نہ ہوں تو سگی بہن کو پھر خالہ پھوپھی کو۔پرورش کا حق اس وقت تک ہے کہ بچہ خود کھا پی سکے استنجاء کرسکے،لڑکے کے لیے سات سال اور لڑکی کے لیے حیض آنے تک،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سےفرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے سال پیش کیا گیاجب کہ میں چودہ سال کا تھا تو مجھے قبول نہ فرمایا۱؎پھر خندق کے سال پیش کیا گیاجب کہ میں پندرہ برس کا تھا تو مجھے قبول فرمالیا۲؎حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے فرمایا کہ یہ ہی غازیوں اور بچوں کے درمیان فرق ہے۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی ۳ھ؁ میں غزوہ احد ہوا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھرتی کے لیے پیش کیا گیا کہ میرا نام بھی غازیوں کی فہرست میں ہو اور مجھے سپاہیانہ حیثیت سے غزوہ میں جانے کی اجازت ملے تو حضور نے انکار فرمادیا کہ ابھی یہ نابالغ بچے ہیں۔

۲؎یعنی ۴ھ؁ میں غزوہ خندق ہوا تب میری عمر پندرہ سال ہوچکی تھی تب میں اسلامی فوج میں بھرتی کے لیے پیش ہوا تو مجھے بھرتی کرلیا گیا۔

۳؎خیال رہے کہ لڑکی کے بلوغ کی عمر کم از کم نو سال ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال اور لڑکے کے بلوغ کی عمر کم از کم بارہ سال زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال ہے مگر ایک روایت میں اس کی انتہائی عمر پندرہ سال ہے فتویٰ اسی پر ہے، یہ تو

سن کے لحاظ سے بلوغ کا ذکر تھا،علامت بلوغ لڑکی کے لیے حیض ہوجانا یا زیر ناف بال آجانا یا احتلام ہے،لڑکے کے لیے علامات بلوغ احتلام، حاملہ کردینا، زیر ناف بال ہیں، یہاں بلوغ کی انتہائی عمر کا ذکر ہے لہذا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اس عمر سے پہلے لڑکا بالغ ہوسکتا ہی نہیں،مطلب یہ ہے کہ اگر پندرہ سال کی عمر میں بھی یہ کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو لڑکا بالغ مانا جائے گا۔(مرقات و اشعہ وغیرہ)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن ۱؎ تین چیزوں پر صلح فرمائی اس پر مشرکین میں سے جو آپ کے پاس آئے حضور اسے لوٹا دیں کفار کی طرف ۲؎ اور جو مسلمان ان کے پاس چلا جائے وہ اسے واپس نہ کریں ۳؎ اور اس پر کہ سال آئندہ مکہ میں داخل ہوں اور وہاں تین دن قیام فرمائیں ۴؎ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے اور مدت گزر گئی تو وہاں سے روانہ ہوئے ۵؎ تو حضرت حمزہ کی بیٹی آپ کے پیچھے ہولی چچا جان چچا جان کہتی ہوئی ۶؎ تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھالیا اس کا ہاتھ پکڑ لیا ۷؎ اس بچی میں جناب علی،زید،جعفر جھگڑے ۸؎ حضرت علی نے فرمایا کہ اسے میں نے لیا ہے وہ میری چچا زاد ہے ۹؎ اور حضرت جعفر بولے میری چچا زاد ہے اس کی خالہ میرے پاس ہے ۱۰؎ حضرت زید بولے میری بھتیجی ہے ۱۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس کی خالہ کے لیے کیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہے ۱۲؎ اور حضرت علی سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ۱۳؎ اور جناب جعفر سے فرمایا تم میری ہم صورت ہم سیرت ہو ۱۴؎ اور حضرت زید سے فرمایا تم ہمارے بھائی ہمارے پیارے ہو ۱۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حدیبیہ مکہ معظّمہ کے قریب ایک کنوئیں کا نام ہے،اس کنویں کی وجہ سے اس جنگل کا نام بھی حدیبیہ ہوگیا ہے یہ حدّہ منزل کے قریب ہے جسے اب بیر شمیس کہتے ہیں یہ جگہ حرم شریف کی انتہاء پر واقع ہے،حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے کچھ حصہ حرم سے خارج،حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لائے

جب یہاں پہنچے تو کفار نے روک دیا آخر کار ان باتوں پر مسلمانوں اور کفار میں صلح ہوئی جس کا ذکر یہاں ہے،اس کا واقعہ ان شاءاللہ کتاب اطہار میں آئے گا۔

۲؎ یعنی اگر مشرکین مکہ میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حضور کے پاس پہنچ جائے اور مشرکین اس کا مطالبہ کریں تو سرکار اسے روکیں نہیں بلکہ ان مشرکین کے پاس بھیج دیں۔

۳؎ یعنی جو مسلمان مرتد ہو کر کفار مکہ کے پاس پہنچ جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے واپس بلانے کا حق نہ رکھیں،بظاہر یہ شرط بہت سخت معلوم ہوتی تھی مگر اس شرط نے کفار مکہ کی کمر توڑ دی اور آخر کار فتح مکہ ہوگئی،یہ ہے حضور کی بے مثال سیاست۔

۴؎ یعنی اس سال بغیر عمرہ کیے مدینہ منورہ واپس ہوجائیں سال آئندہ عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ آئیں اوریہاں تین دن قیام کرکے واپس ہوجائیں۔

۵؎ یعنی عمرہ کرکے تین دن مکہ معظّمہ میں قیام فرما کر مدینہ منورہ واپس ہونے لگے۔

۶؎ اس بچی کا نام عمارہ تھا اسی کی وجہ سے جناب حمزہ کی کنیت ابو عمارہ تھی اگرچہ حضرت حمزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے،اس رشتہ سے یہ بچی حضور کی چچا زاد بہن تھی مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حمزہ زید ابن حارثہ تینوں نے بی بی ثویبہ کا دودھ پیا تھا اسی لیے جناب حمزہ کے رضاعی بھائی تھے،نیز اہل عرب بزرگوں کو چچا کہہ کر پکارتے ہیں ان وجوہ سے اس بچی نے حضور کو چچا جان چچا جان کہہ کر پکارا،مطلب یہ تھا کہ مجھے کہاں چھوڑے جاتے ہو میں بھی آپ کے ساتھ مدینہ چلوں گی۔

۷؎ اور اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے آئے یہ مدینہ لے آنا اس شرط کے خلاف نہ تھا کہ جو گزشتہ سال صلح کے وقت لکھی گئی تھی کیونکہ حضور نے اس بچی کو بحق اسلام نہ لیا بلکہ بحق قرابت،نیز وہ شرط مردوں کے لیے تھی کہ جو مرد مسلمان ہو کر مدینہ آجائے اسے واپس کیا جائے،یہ بچی تھی اسی لیے اہل مکہ نے نہ تو اس بچی کے لیے جانے پر اعتراض کیا اور نہ اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

۸؎ یہ بچی باپ کے سایہ سے محروم ہوچکی تھی کہ جناب حمزہ آج سے پانچ سال پہلے غزوہ احد میں شہید ہوچکے تھے اس کی والدہ یا فوت ہوچکی تھیں یا مکہ معظّمہ رہ گئی تھیں اس لیے اب اس کی پرورش کا سوال پیدا ہوا چنانچہ یہ مناظرہ پیش آیا کہ ان بزرگوں میں سے ہر صاحب چاہتے تھے کہ اس بچی کی پرورش کی سعادت ہم کو میسر ہو جیسے حضرت مریم کی پرورش پر بنی اسرائیل میں جھگڑا ہوا تھا۔

۹؎ جناب علی نے اپنے استحقاق کے دو دلائل پیش فرمائے: ایک یہ کہ یہ بچی گویا لقیطہ ہے اٹھائی ہوئی ہے اور لقیطہ کی پرورش پانے اٹھانے والا کرتا ہے،دوسرے جناب حمزہ میرے چچا ہیں یہ میری چچازاد بہن ہے۔

۱۰؎ حضرت جعفر جو جناب علی کے بڑے بھائی ہیں آپ سے دس سال عمر میں زیادہ ہیں انہوں نے اپنے استحقاق کی دو وجہیں بیان فرمائیں:ایک یہ کہ میرے چچا کی بیٹی ہے کہ حمزہ ابن عبدالمطلب میرے چچا ہیں یعنی میرے والد ابو طالب کے بھائی۔ دوسرے یہ کہ اس بچی کی خالہ اسماء بنت عمیس میری بیوی ہے اور خالہ کو اپنی بھانجی کی پرورش کا حق ہوتا ہے میں بھی حق دار ہوں میری بیوی بھی۔(اشعہ)

۱۱؎ حضرت زید ابن حارثہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بظاہر آزاد کردہ تھے یہ حضرت حمزہ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حمزہ کو عقد مواخاۃ کے موقعہ پر حضرت زید کا بھائی بنایا تھا اس ڈبل بھائی ہونے کی وجہ سے یہ مدعی استحقاق پرورش تھے(مرقات و اشعہ)

۱۲؎ یعنی حضرت جعفر ابن ابی طالب کو حق پرورش دیا کیونکہ بچی کی خالہ ان کی زوجہ تھیں وہ انہیں پالیں گی،اسی بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ ماں،نانی کے بعد خالہ کو بچی کی پرورش کا حق ہے اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے، پھر سب کی تسلی فرماتے ہوئے فرمایا۔

۱۳؎ یعنی تم میں مجھ میں انتہائی اتحاد و یگانگت ہے،تم اس بچی کے نہ ملنے پر ملول ہو تم کو میرا قرب حقیقی تو حاصل ہے میں نے تمہارے گھر میں پرورش پائی تم نے میرے گھر اور میری گود میں تربیت پائی میں خاتم الانبیاء تم خاتم الخلفاء میں مصدر نبوت تم منبع ولایت گویا ہم تم ایک ہی ہیں۔سبحان اللہ! یہ کلمات حضرت علی کی انتہائی عظمت بتارہے ہیں۔

۱۴؎ یعنی اے جعفر تم کو اس بچی کے ملنے پر خوشی ہوئی،بڑی خوشی یہ ہے اللہ تعالٰی نے تمہیں بڑی نعمت بخشی ہے کہ تم صورت و سیرت میں میرے مشابہ ہو میری ہم شکل و مناسبت اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۱۵؎ یعنی تم بھی اس بچی کے نہ ملنے پر رنجیدہ نہ ہو، تم ہمارے اسلامی بھائی ہو ہمارے پیارے ہو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسلمان کو اپنا بھائی فرمادیں یہ ان کا کرم ہے مگر کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ اپنے کو حضور کا بھائی کہے یا بھائی کہہ کر پکارے۔اس حدیث کی بنا پر امام مالک نے فرمایا کہ بچہ کی خالہ اس کی نانی سے زیادہ پرورش کی حق دار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کو ماں قرار دیا۔ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا خالہ ماں ہے مگر یہ استدلال کچھ کمزور سا ہے،خالہ کو ماں سے تشبیہ دینا حق پرورش کے لیے ہے نانی پر ترجیح اس سے ثابت نہیں ہوتی،نانی تو احکام شرعیہ میں بھی ماں کی طرح ہے اسی لیے وہ ماں کی سی میراث یعنی چھٹا حصہ پاتی ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ ابن عمرو سے راوی کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ یہ میرا بچہ ہے کہ میرا پیٹ اس کا برتن تھا اور میرے پستان اس کے مشکیزے ۱؎ اور میری گود اس کی آرام گاہ ۲؎ اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دی دی اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی مستحق تو ہے جب تک اپنا نکاح نہ کر لو ۳؎ (احمد) ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ کہ میں نے اسے نو مہینہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اسے اپنے پستان چوسائے دودھ پلایا۔

۲؎حواء ح کے کسرہ سے بمعنی خیمہ جو جنگل میں عارضی قیام کے لیے لگایا جائے،چونکہ ماں کی گود بچہ کا عارضی مقام ہے اس لیے اسے خیمہ سے تشبیہ دی،یہ بی بی بڑی فصیحہ تھیں۔

۳؎یہ بچہ بہت چھوٹا تھا جس میں عقل و ہوش و تمیز نہ تھی اس لیے اسے اختیار نہ دیا گیا بلکہ ماں کو مرحمت ہوا،اگلی آنے والی حدیث میں بچہ سمجھ دار تھا اس لیے اسے اختیار دیا گیا لہذا حدیث میں تعارض نہیں، حالات کے اختلاف سے احکام مختلف ہوجاتے ہیں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ چھوٹے بچہ کی پرورش کی مستحق ماں ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ماں بچے کے اجنبی شخص سے نکاح کرے تو اس کا یہ استحقاق جاتا رہے گا،پھر بچہ باپ کو ملے گا ہاں اگر اس نے بچہ کے چچا وغیرہ ذی رحم سے نکاح کیا تو اس کا حق پرورش باقی رہے گا۔(دیکھو کتب فقہ)

۴؎یہ حدیث حاکم نے بھی نقل فرمائی اور اسے صحیح کہا۔خیال رہے کہ یہ عمرو،عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں،اگر جد سے مراد محمد ہوں تو حدیث مرسل ہوتی ہے اور اگر جد سے مراد عبداللہ ابن عمرو ہوں تو حدیث متصل،کیونکہ محمد تابعی ہیں اور عبداللہ ابن عمرو صحابی،اسی لیے جہاں فقط جدہ ہوتا ہے وہاں ارسال و اتصال دونوں کا احتمال ہوتا ہے،یہاں چونکہ عبداللہ کی تصریح ہے لہذا حدیث متصل ہے،یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ چھوٹے بچہ کی پرورش ماں کا حق ہے۔چنانچہ مؤطا امام مالک اور عبدالرزاق و بیہقی میں ہے کہ حضرت عمر نے اپنی ایک انصاری بیوی کو طلاق دی جس کے بطن سے ایک بچہ عاصم تھاحضرت عمر نے اسے لینا چاہانانی نے انکار کیا مقدمہ بارگاہِ صدیقی میں پیش ہواتو آپ نے نانی کے حق میں فیصلہ فرمایا،بچہ سمجھ دار تھا اسے کھیلتے ہوئے حضرت عمر نے اٹھالیا،یہ حدیث بہت طریقوں سے منقول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو۱؎ اس کے ماں باپ کے درمیان اختیار دیا۲؎(ترمذی)

۱؎لڑکے سے مراد بالغ لڑکا ہے مجازًا اسے غلام فرمایا گیا ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوٰلَھُمْ"یا باہوش سمجھ دار بچہ مراد ہے۔(مرقات)

۲؎یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے ان کے ہاں سمجھ دار بچے کو اختیار دیا جاتاہے،ہمارے ہاں سات سال کا سمجھ دار بچہ باپ کو ملے گا کیونکہ اب اس کی تربیت و تعلیم کا زمانہ ہے یہ کام باپ ہی کرسکتا ہے،ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں باپ نماز کا حکم اسے جب ہی دے سکتا ہے جب بچہ اس کی پرورش میں ہو ہمارے ہاں یہ حکم خصوصی یا منسوخ ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی بولی کہ میرا خاوند میرے بچے کو لے جانا چاہتا ہے۱؎ یہ بچہ مجھے پانی پلاتا ہے،مجھے نفع پہنچاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

	فرمایایہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہےان میں سے جس کو چاہے ہاتھ پکڑ لےتو بچے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیاوہ اسے لے گئی ۲؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎یہاں خاوند مجازی معنے میں ہے یعنی جو میرا خاوند تھا ورنہ اب تو یہ عورت مطلقہ ہوچکی تھی۔

۲؎اس کی تحقیق ابھی ہوچکی کہ یہ حدیث امام شافعی و احمد کی دلیل ہے کہ ہوش مند بچہ کو ان کے ہاں اختیار ملتا ہےماں باپ میں سے جس کے پاس چاہے رہے،ہمارے ہاں نہیں بلکہ چھوٹا جو محتاج پرورش ہو ماں کو ملے گا سمجھ دار بچہ جو حد پرورش سے نکل چکا ہو اور تعلیم و تربیت کا حاجت مند ہو باپ کو ملے گاکیونکہ پرورش ماں اچھی کرتی ہےتربیت باپ،یہ حدیث یا منسوخ ہے اس حدیث سے جو ابھی مذکور ہوئی یہ خصوصی حکم ہے،بہرحال امام اعظم کا قول قوی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ہلال ابن اسامہ رضی اللہ عنہما سے وہ ابو میمونہ سلیمان سے راوی۱؎جو اہلِ مدینہ کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ اس حال میں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت فارسی ان کے پاس آئی جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا اور اسے اس کے خاوند نے طلاق دے دی تھی ان دونوں نے بچہ کا دعویٰ کیاعورت نے فارسی میں کلام کیا ۲؎بولی اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بچے کو لے جائے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایااس پر قرعہ ڈال لوآپ نے فارسی میں یہ فرمایا ۳؎پھر اس کا خاوند آیابولا کہ میرے بچہ میں مجھ سے کون جھگڑ سکتا ہے۴؎تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا الٰہی میں نہیں کہتا ۵؎مگر اس لیے کہ میں بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ آپ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی بولی یارسول اللہ میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بچہ کو لے جائے ۶؎ حالانکہ یہ بچہ مجھے آرام پہنچاتاہےمجھے ابو عنبہ کے کنوئیں سے پانی پلاتا ہے ۷؎اور نسائی کے ہاں کہ میٹھا پانی پلاتا ہے ۸؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر تم

	دونوں قرعہ ڈال لوتو خاوند بولا میرے بچہ کے متعلق مجھ سے کون جھگڑ سکتا ہے ۹؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تیرا باپ ہےاور یہ تیری ماں ہےتو ان میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑلیا ۱۰؎(ابوداؤد،نسائی)لیکن نسائی نے مسند کا ذکر کیا اور دارمی نے ہلال ابن اسامہ سے روایت کی۔

۱؎ ہلال ابن اسامہ تبع تابعی ہیں،ثقہ ہیں اور ابومیمونہ تابعی ہیں،ان کے نام میں اختلاف ہے یا سلمان ہے بغیری کے یا سلیمان ہے ی کے ساتھ یا سلیم ہے یا سلمہ یا اسامہ،صاحب مشکوۃ کے نزدیک سلیمان ہے ی سے،خیال رہے کہ ہلال کے والد کا نام علی ابن اسامہ ہے تو اسامہ ہلال کے دادا ہیں،یہاں دادا کی طرف منسوب ہیں قبیلہ بنی فہر سے ہیں۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ رطنت رطانۃٌ سے رطانۃٌ وہ کلام کرنا جو عام طور پر سمجھا نہ جاسکے یعنی غیر ملکی زبان میں گفتگواسی لیے عرب لوگ عجمی بول چال کو رطانۃ کہتے ہیں،یہاں فارسی گفتگو مراد ہے کہ عرب کے لیے وہ غیر ملکی زبان ہے۔غالب یہ ہے کہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے یہ عورت مدینہ منورہ میں رہتی تھی مگر گفتگو فارسی میں کرتی تھی یا عربی فارسی ملی جلی بولتی تھی۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ رطن کا فاعل جناب ابوہریرہ ہیں مدینہ منورہ میں فارسی لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے صحابہ کرام فارسی سمجھ بھی لیتے تھے اور کچھ بول بھی لیتے تھے جیسے آج وہاں کے باشندے عمومًا اردو بولتے سمجھتے ہیں،بعض نے فرمایا کہ درمیان میں ترجمان تھا رطن کا فاعل وہ ترجمان ہی ہے۔

۴؎ یعنی اس کے خاوند کو دعویٰ کا پتہ چلا تو جواب دعویٰ کے لیے وہ حضرت ابوہریرہ کے پاس آیا جب کہ اس کی بیوی وہاں ہی موجود تھی اس کا کہنا یہ تھا کہ قرعہ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے بچہ باپ کا ہوتا ہے کہ اس سے نسب چلتا ہے لہذا میں ہی اس کا مستحق ہوں۔

۵؎ آپ کا اللّٰھم فرمانا رب تعالٰی کو گواہ بنانے کے لیے تھاگویا ایک طرح کی قسم تھی یعنی خدایا تو گواہ ہے میں تیری قسم کھاتا ہوں۔

۶؎ یعنی آج کا یہ واقعہ بالکل اسی واقعہ کی مثل ہے جو بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا تھا وہ ہی صورت ہے وہ ہی نوعیت۔

۷؎ عنبہ عین کے کسرہ نون و ب کے زبر سے کوئی خاص کنواں تھا مدینہ منورہ میں جس کا پانی بہت اچھا تھا اب وہ کنواں نہیں،مقصد یہ ہے کہ اگر یہ بچہ میرے پاس نہ رہا تو مجھے کوئی پانی لا کر دینے والابھی نہیں ہے،مجھے اس بچہ کی سخت ضرورت ہے۔

۸؎ عذب الماء میں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہے،اصل میں ماء عذب تھا۔

۹؎ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر ناراضی نہیں بلکہ اپنی مطلقہ بیوی پر ناراضی ہے لہذا اس شخص کو اس عرض معروض پر کافر یا مجرم نہیں کہہ سکتے مقدمہ میں فریقین اپنے دلائل بیان کیا ہی کرتے ہیں۔

۱۰؎ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو اختیار دے کر بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی کہ مولٰی بچہ اسی کو اختیار کرے جس کے پاس رہنا بچہ کو مفید ہو۔ابوداؤد میں کتاب الطلاق میں اور نسائی نے کتاب الفرائض میں عبدالحمید ابن جعفر عن ابیہ عن جدہ رافع ابن خدیج سے روایت کی کہ میں مسلمان ہوگیا اور میری بیوی کافرہ رہی،اسلام سے انکاری ہوگئی،تب اسی بچہ کا واقعہ پیش ہوا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کو علیحدہ بٹھایا ماں کو علیحدہ اور بچہ کو اختیار دیا اور دعا کی الٰہی اس بچہ کو توفیق دے کہ اپنے باپ کو اختیار کرے پھر فرمایا کہ دونوں اس بچہ کو بلاؤ،چنانچہ ان دونوں نے بلایا تو بچہ نے باپ کو اختیار کیا۔دارقطنی نے فرمایا کہ یہ بچی تھی اور اس کا نام عمیرہ تھا مگر یہ واقعہ دوسرا ہوگا کیونکہ بالغہ لڑکی کو پردہ کی بنا پر اور چھوٹی بچی کو کنویں پر گر جانے کے خطرہ سے کنویں میں نہیں بھیجا جاتا،صحابہ کرام نے بچہ کو اختیار نہ دیا۔(مرقات)

کتاب العتق

آزادی کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ع ت ق کی ترکیب آگے ہونے اور تقدم کے لیے ہے کہ ان حرفوں میں آگے ہونے کے معنے ملحوظ رہتے ہیں۔چنانچہ کندھے کے اگلے حصہ کو عاتق کہتے ہیں، پرانی چیز کو عتیق کہا جاتا ہے اسی لیے بیت اللہ کو بیت العتیق کہتے ہیں، ابوبکر صدیق کا لقب عتیق ہے کہ ابوبکر کے معنے اولیت والے،ابو معنے والے بکر معنے اولیت،عتیق کے معنے بھی پرانے یا اول مؤمن اب اس کا استعمال چند معنے میں ہوتاہے:کرم،جمال،شرافت،آزادی و حریت مگر ان سب میں تقدم کے معنے بھی، یہاں حریت یعنی آزاد کرنے کے معنے میں ہے۔غلام حکمًا مردہ ہوتا ہے کہ غلامی کفر کا اثر ہے اور کفر گویا موت ہے،قرآن کریم میں کافر کو مردہ فرمایا گیا ہے اسی لیے غلام نہ اپنا نکاح خود کرسکتا ہے نہ اپنی اولاد کا ولی ہوسکتا ہے، نہ اپنے مال میں تصرف کرسکے نہ قاضی یا گواہ بن سکے، نہ اس پر نماز جمعہ،عیدین،حج،جہاد وغیرہ واجب،گویا بالکل مردہ ہے اسے آزاد کرنا گویا مردہ زندہ کرنا ہے،اسی لیے اعتاق کے بہت فضائل ہیں،غلام آزاد کرنا عمومًا مستحب ہے مگر کبھی واجب بھی ہوجاتا ہے جیسے کفارات میں, کبھی ممنوع بھی جب کہ خطرہ ہو وہ آزاد ہو کر مرتد یا چور ڈاکو وغیرہ بن جائے گا۔اعتاق کی شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خودآزاد ہو،بالغ ہو،غلام کا مالک ہو۔عتق یعنی آزادی اختیاری بھی ہوتی ہے غیر اختیاری بھی،چنانچہ جو شخص ذی رحم قرابت دار کا مالک ہوجائے تو وہ فورًا آزادہوجائے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان گردن کو آزاد کرے ۱؎ تو اللہ تعالٰی اس کے ہر عضو کے عوض اس کا عضو آگ سے آزاد فرمائے گا۲؎ حتی کہ شرمگاہ کے بدلہ شرمگاہ ۳؎(مسلم،بخاری)۴؎	

۱؎ مسلمان کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ مسلمان غلام کا آزاد کرنا بہتر ہے اس کا ثواب زیادہ پھر بمقابلہ فاسق غلام کے متقی پرہیز گار غلام کا آزاد کرنا افضل۔حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد فرما کر دین و دنیا میں وہ مرتبہ پایا کہ سبحان اللہ! سورۂ واللیل شریف اسی آزادی کے فضائل بیان فرمارہی ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر نے بلال کو آزاد فرماکر مجھ پر احسان کیا،امام مالک فرماتے ہیں کہ سستے مسلمان غلام کو آزاد کرنے سے قیمتی کافر غلام کا آزاد کرنا افضل ہے،یہ حدیث ان کے خلاف ہے غرضکہ جس قدر آزاد ہونے والا غلام افضل ہوگا اسی

قدر آزاد کرنے والے کا درجہ اعلیٰ اسی لیے اولاد اسماعیل کے غلام کو آزاد کرنے کے بڑے فضائل ہیں،یہاں اس پر مرقات میں بہت اچھی بحث فرمائی۔

۲؎ یعنی اس کا ہر عضو آزاد کرنے والے کے اعضاء کا فدیہ بن جائے گا جیسے قربانی یا عقیقہ کے جانور کے اعضاء دینے والے کے اعضاء کا فدیہ بن جاتے ہیں اسی لیے عقیقہ پر پڑھا جاتا ہے **ولھا بدمه لحمها بلحمه شعرها بشعره** بہرحال غلام آزاد کرنا بہترین عمل ہے جب کہ رضائے الٰہی کے لیے ہو۔

۳؎ شرمگاہ کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ یہ تمام اعضاء سے خبیث عضو ہے کہ ناپاکی کا محل ہے زیادہ گناہ اسی سے ہوتے ہیں جب کہ یہ عضو بھی دوزخ سے آزاد ہوگیا تو باقی اعضاء بدرجہ اولیٰ آزاد ہوں گے۔اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات کہتے ہیں کہ خصی یا ذکر کٹے غلام کو آزاد کرنا بہتر نہیں اور بہتر یہ ہے کہ مرد تو مرد کو آزاد کرے اور عورت عورت کو جیسا کہ ابوداؤد ابن حبان کی بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے۔یہ حدیث مختلف عبارتوں سے بہت اسنادوں سے بہت محدثین نے نقل فرمائی۔

۴؎ یہ حدیث تمام کتب صحاح میں اور جامع صغیر طبرانی وغیرہ میں مختلف صحابہ سے موقوفًا و مرفوعًا منقول ہے،اس کی تفصیل یہاں مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل اچھا ہے؟۱؎ فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ۲؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کون سی گردن افضل ہے؟ فرمایا زیادہ قیمتی اور مالک کے نزدیک نفیس ۳؎ میں نے عرض کیا کہ اگر میں یہ نہ کرسکوں فرمایا کام والے کی مدد یا بے کار کا کام کر ۴؎ میں نے عرض کیا اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں تو فرمایا کہ لوگوں کو اپنی شر سے بچائے رکھ ۵؎ کہ یہ بھی صدقہ ہے جو تو اپنے نفس پر صدقہ کرتا ہے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی دل و دماغ جسم وغیرہ ظاہری باطنی اعضاء کے اعمال صالحہ میں سے کون سا عمل افضل ہے اسی لیے سرکار نے جواب میں دلی عمل یعنی ایمان کا ذکر بھی فرمایا۔

۲؎ ایمان وہ افضل جس پر خاتمہ نصیب ہوجائے ورنہ محض بے کار ہے جیسے ابلیس کا برباد شدہ ایمان اور جہاد میں کفار سے جہاد بھی شامل ہے اور مجاہدات ریاضات بھی داخل ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسۡتَقٰمُوۡا"اور فرماتا ہے:"وَالَّذِیۡنَ جٰہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا"۔

۳؎ اس حدیث کی بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ قیمتی غلام آزاد کرنا افضل ہے اگرچہ کافر ہی ہو مگر حق یہ ہے کہ یہاں مراد قیمتی اور مؤمن غلام مراد ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا۔

۴؎ یعنی جو محنتی کاروباری آدمی کہ اس کی کمائی اسے کافی نہ ہو،غریب رہتا ہو اس کی بھی مدد کرو اور جو کام کاج کے لائق نہ ہو اس کی بھی دستگیری کرو،بعض نسخوں میں بجائے **صانعًا** کے **ضائعًا** ہے یعنی برباد شدہ کی مدد کرو کہ اسے آباد کردو۔

۵؎ یعنی کوشش کرو کہ تم سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔مصرع مرابہ جز تو امید نیست بدمرساں

۶؎ کہ اس صورت میں تم اپنے کو گناہ سے بچاتے ہو یہ بھی خود اپنے پر احسان و مہربانی ہے کسی پر ظلم کرنا اس پر وقتی طورپر ہوتا ہے خود اپنے پر دائمی ظلم ہے۔شعر

پنداشت ستم گر کہ ستم برما کرد برگردن اور بماند و برما بگذشت

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ ایک بدوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا مجھے ایسا عمل سکھایئے جو مجھے جنت میں پہنچادے ۱؎ فرمایا اگرچہ تو نے کلام مختصر کیا ہے مگر سوال وسیع کیا ۲؎ غلام آزاد کرواور گردن چھوڑاؤ ۳؎ وہ بولا کیا یہ دونوں ایک نہیں ۴؎ فرمایا نہیں غلام آزاد کرنا یہ ہے کہ تو اس کی آزادی میں آکیلا ہواور گردن چھوڑانا یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں مدد کرے ۵؎ اور کچھ دودھ خیرات کر ۶؎ اورظالم قرابتدار پر رجوع کر ۷؎ پس اگر تو اس کی طاقت نہ رکھے تو بھوکے کو کھانا دے اور پیاسے کو پانی اور بھلائی کا حکم کراور برائی سے منع کرو ۸؎ اگر تو اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان کی حفاظت کر سوائے بھلائی کے ۹؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی اس عمل کی برکت سے اللہ تعالٰی مجھے اول سے ہی جنت میں پہنچادے، دوزخ کی سزا دے کر نہ پہنچائے یا اسناد مجازی ہے یعنی وہ عمل جنت میں اولٰی داخلہ کا سبب ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اسناد مجازی جائز ہے لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ سے بچاتے ہیں جنت میں پہنچاتے ہیں،جب ایک عمل جنت میں پہنچاسکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواس عمل سے کہیں افضل ہیں ضرور پہنچاسکتے ہیں۔

۲؎ یا تو لئن بمعنی وان ہے بمعنی اگرچہ،جیساکہ اشعۃ اللمعات میں اختیار کیایا لام قسم کا ہے اور ان شرطیہ،اس صورت میں لقدعرضت شرط کی جزاء پہلی صورت میں تو عبارت کے وہ معنی ہیں جو ہم نے عرض کیے،دوسری صورت میں معنی یہ ہیں قسم ہے کہ تو نے اگر کلام چھوٹا کیا ہے تو مسئلہ بڑا پیش کیا ہے حضور نے سائل کی تعریف فرمائی کہ تو کلام چھوٹا کرتا ہے چیز بڑی مانگتا ہے جنتی ہوجانا معمولی بات نہیں،یہ آخری معنی مرقات نے کئے۔

۳؎ یہ ہے اس کی عرض و معروض کا جواب اور لئن الخ جملہ معترضہ ہے نسمہ ن وس کے فتحہ سے بمعنی روح و جان،کبھی نفس و ذات کو بھی کہہ دیتے ہیں یعنی روح والی ذات یہاں اسی معنے میں،اس سے مراد غلام یا لونڈی ہے،یوں ہی رقبہ اگرچہ گردن کو کہتے ہیں مگر مراد ہے گردن والا یعنی انسان۔

۴؎ یعنی حضور نے فرمایا وفك الرقبة واؤ عاطفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عتق اور چیز ہے فک اور چیز مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہیں،ممکن ہے کہ واؤ بمعنی او ہو یعنی یا غلام آزاد کر یا پھنسی گردن چھڑا۔

۵؎ سبحان اللہ! یہ ہے اس سید الکونین افصح العرب کی فصاحت و بلاغت کہ عتق سے مراد ہے آزاد کرنا،آزاد وہ ہی کرے گا جو مالک ہوگا لہذا اس کے معنی ہوئے اپنا غلام آزاد کرنا،اور فک کے بمعنی ہیں پھنسی گردن چھوڑانا یعنی کسی اور کا غلام ہے اس نے اسے مکاتب کردیا ہے،یہ مال ادا کرنے پر قادر نہیں،اس کی گردن پھنسی ہے تواس کی کلی یا بعض قیمت ادا کرکے آزاد کرادے۔

۶؎ منحہ میم کے کسرہ نون کے جزم سے بمعنی عطیہ،اب اس دودھ والے جانور کو منحہ کہتے ہیں۔جو کسی کو دودھ پینے کے لیے عاریۃً دیا جائے اونٹنی یا بکری گائے وغیرہ۔ وکوف وکف سے ہے بمعنی قطرے ٹپکنا،کہا جاتا ہے وکف السقف بارش میں چھت ٹپکی،اس سے مراد بہت دودھ دینے والی اونٹنی بکری وغیرہ ہے جس کا دودھ ٹپکتا ہو زیادتی کی وجہ سے،یہ عبارت مبتداء ہے اس کی خبر خیر پوشیدہ یعنی بہت دودھ والے جانور کا عاریۃً دے دینا بھی بہت ہی اچھا عمل ہے جنت میں پہنچانے والا،یا المنحة منصوب ہے فعل پوشیدہ کا مفعول۔

۷؎ یعنی تیرا عزیز قرابتدار اگر تجھ پر ظلم کرے مگر تو اس پر مہربانی سے رجوع کرے یہ بھی جنتی ہونے کا عمل ہے۔(اشعہ) یا جو تیرا عزیز قرابتدار دوسروں پر ظلم کرے تو تواس کی قرابت و محبت واپس کردے،اس سے تعلق توڑدے تاکہ وہ اس حرکت سے توبہ کرے،محض قرابتداری کی وجہ سے اس کی حمایت نہ کر۔(مرقات)

۸؎ یعنی لوگوں پر ظاہری و باطنی احسان کر،کھانا پانی ظاہری احسان ہے جس سے جسم کی پرورش ہےاور برائی سے روکنا بھلائی کا حکم دینا باطنی احسان جس سے دل و دماغ کی پرورش ہے۔

۹؎ اس طرح کہ زبان سے بری بات جھوٹ غیبت گالی وغیرہ نہ نکالو۔یہاں خیر شر کا مقابل ہے لہذا اس خیر میں جائز و مباح کلام بھی داخل ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ بہترین عمل یہ ہے کہ کثرت سکوت،لزوم البیوت،قناعۃ بالقوت الی ان یموت یعنی دراز خاموشی، اکثر گھر میں رہنا،تا حیات تھوڑے پر قناعت کرنا۔

	روایت ہے حضرت عمرو بن عبسہ سے۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس لیے مسجد بنائے کہ اس

	میں اللہ کا ذکر کیا جائے،تو اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا ۲؎اور جو مسلمان نفس کو آزاد کرے تو وہ اس کا دوزخ سے فدیہ ہوگا۳؎اور جو اللہ کی راہ میں بوڑھا ہو ۴؎تو اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۵؎(شرح السنہ)۶؎

۱؎آپ کی کنیت ابو نجیح ہے،سلمی ہیں،چوتھے مسلمان ہیں،آپ کے فضائل بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎مسجد چھوٹی بنائے یا بڑی،اکیلا بنائے یا دوسروں کے ساتھ مل کر اگر نیت میں اخلاص ہے تو ان شاءاللہ یہ ہی ثواب ہے،اس سے وقف مسجد مراد ہے نہ کہ گھر کی مسجد جو گھر میں ایک گوشہ نماز کے لیے مخصوص کرلیا جاتا ہے۔

۳؎کہ اللہ اس آزاد کرنے کے سبب اسے دوزخ سے نجات دے گا یہ لازم نہیں کہ اس آزاد کردہ غلام کو ضرور دوزخ ہی میں بھیجے،فدیہ سے یہ مراد نہیں۔

۴؎اس طرح کہ اپنی ساری زندگی اسلام میں جہاد میں،حج میں،طلب علم میں گزارے،فی سبیل اللہ بہت عام ہے،معلوم ہوا کہ پرانا مسلمان نو مسلم سے اس لحاظ سے افضل ہے۔

۵؎اس طرح کہ اس کا منہ قیامت کے دن نورانی ہوگا اور وہاں کی تاریکیوں سے نجات پائے گا کیونکہ دنیا میں کبھی کفر و معصیت کی تاریکیوں میں نہیں پھنسا۔

۶؎خیال رہے کہ یہ حدیث مجموعی طور پر بروایت عمرو ابن عبسہ صرف شرح سنہ میں ہی ہے مگر متفرق طور پر مختلف راویوں سے مسلم،بخاری،ترمذی،احمد،ابن ماجہ،طبرانی،جامع صغیر وغیرہ میں ہے لہذا صاحب مشکوۃ کا صرف شرح سنہ کا حوالہ دینا مجموعی حدیث سے لحاظ سے ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت غریف ابن دیلمی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم واثلہ ابن اسقع کے پاس گئے ۲؎ہم نے عرض کیا کہ ہم کو وہ حدیث سنایئے جس میں کمی بیشی نہ ہوتو وہ ناراض ہوگئے اور فرمایاتم میں سے کوئی تلاوت کرتا ہے اور اس کا قرآن اس کے گھر میں لٹکا ہوتا ہےتو کیا وہ کمی بیشی کردیتا ہے ؟۳؎ہم بولے کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث سنایئے جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے سنی ہو ۴؎تو فرمانے لگے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے معاملے میں

	حاضر ہوئے جس نے قتل کرکے اپنے لیے دوزخ واجب کرلی تھی ۵؎ تو فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرواللہ اس کے ہر عضو کے عوض اس کا عضو آگ سے آزاد کردے گا ۶؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ کا لقب غریف ابن عیاش ابن فیروز دیلمی ہے، نام عبداللہ ہے، تابعین میں سے ہیں، ثقہ و مقبول الحدیث ہیں۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں،واثلہ ابن اسقع لیثی اس وقت ایمان لائے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کررہے تھے۔آپ اہل صفہ میں سے ہیں، تین سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی،بصرہ میں رہے،آخر عمر میں دمشق سے تین میل دور قریہ بلاط میں رہے، پھر بیت المقدس میں انتقال فرمایا،پورے سو سال عمر پائی۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ بالکل غلطی نہ ہونا طاقت انسان سے باہر ہے،دیکھو باوجود یہ کہ تلاوت قرآن دن رات کی جاتی ہے اور لکھا ہوا قرآن گھر میں رکھا رہتا ہے،دن رات دیکھا جاتا ہے پھر بھی اس میں غلطی ہوجاتی ہے یہ تو حدیث شریف ہے جس کی نہ تلاوت اس قدر اہتمام سے ہو نہ وہ کتابی شکل میں لکھی ہوئی ہمارے پاس موجود ہے پھر بالکل زیادتی کمی نہ ہونا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روایت حدیث بالمعنی اور حدیث میں ایسی زیادتی کمی جس سے مقصد نہ بدلے درست ہے اس پر صحابی کرام کا عمل ہے۔(مرقات)

۴؎ یعنی ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس طرح سنایئے کہ اس کے معنے میں قطعی تبدیلی نہ ہو یہ مقصد نہیں کہ الفاظ بھی قطعًا نہ بدلیں آپ ہمارا مقصد سمجھے نہیں۔

۵؎ لفظ یعنی **النار** غریف کا ہے،واثلہ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے **اوجب بالقتل** اس کی شرح غریف نے کی،مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایک ساتھی نے کسی کو بغیر عمد قتل کرکے سخت جرم کرلیا تھا اس پر قصاص تو تھا نہیں دیت تھی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آخرت میں اس قاتل کی جان کیونکر دوزخ سے بچے۔

۶؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بغیر عمد کے قتل میں قصاص نہیں دیت ہے۔دوسرے یہ کہ دیت سے دنیاوی معافی ہوجاتی ہے آخرت کے وبال سے بچنے کے لیے کوئی نیکی کرنا چاہیے۔ خیال رہے کہ قتل خطاء بھی جرم ہے کیونکہ یہ قتل بے احتیاطی کی سزا دوزخ ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ خطا و نسیان پر تو پکڑ نہیں پھر کفارہ کے لیے غلام کیوں آزاد کرایا گیا کیونکہ خطا پر پکڑ نہیں مگر جس غفلت کی وجہ سے خطاء ہوئی،اس غفلت پر پکڑ ہے،اگر کوئی رات کو دیر سے سوئے جس کی وجہ سے صبح کو آنکھ نہ کھلے اور نماز فجر قضا ہوجائے تو رات کو بلاوجہ زیادہ جاگنے پر پکڑ ہے کہ تم جلد کیوں نہ سو گئے تاکہ جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ سفارش ہے جس سے پھنسی گردن چھوٹ جائے ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی سفارش کرکے کسی کو قرض،غلامیت،قید،بے جا حبس سے چھوڑا دینا یا مکاتب کی سفارش کرکے اس کا بدل کتابت کم کرادینا بہترین صدقہ ہے۔خیال ہے کہ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں التی ہے تب تو عبارت بالکل واضح ہےاور بعض نسخوں میں التی نہیں تب یہاں تفك کا جملہ شفاعة کی صفت ہے یا اس کا حال کیونکہ اس صورت میں الشفاعة نکرہ ہے اور نکرہ کی صفت جملہ ہوسکتا ہے،شاعر کہتا ہے۔

ولقد امر علی الیم لیبنی

خلاصہ یہ ہے کہ سفارش کرکے پھنسے آدمی کو چھوڑا دینا بہت افضل ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفٰعَةً حَسَنَةً یَّكُنۡ لَّهٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡهَا**"۔

باب اعتاق العبد المشترک وشری القریب والعتق فی المرض

مشترک غلام آزاد کرنے۱ اور قرابتدار کو خریدنے۲ اور بیماری میں آزاد کرنے کا بیان۳

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی ایک غلام چند شخصوں کا مشترک ہوان مالکوں میں سے ایک آزاد کردے تو بقیہ مالک کیا کریں،اس میں اختلاف ہے عتق تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں اس طرح کہ غلام آدھا آزاد ہوجائے اور آدھا غلام رہے،امام ابوحنیفہ کے ہاں ہوسکتا ہے،صاحبین کے ہاں نہیں رضی اللہ عنہم اس پر بہت سے شرعی مسائل متفرع ہوتے ہیں۔
۲؎ کہ کون قریبی عزیز اپنی ملک میں آنے سے آزاد ہوتا ہے اور کون عزیز آزاد نہیں ہوتا۔
۳؎ یعنی بیماری موت میں آزاد کرنے اور مدبر کرنے کا حکم۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کردے تو اگر اس کے پاس مال ہوجو غلام کی قیمت کو پہنچ جائے۱؎ تو اس پر غلام کی قیمت لگائی جائے انصاف کی پھر بقیہ شریکوں کو ان کے حصے دے دیئے جائیں اور غلام اس پر ہی آزاد ہوگا ۲؎ ورنہ اس غلام میں سے جتنا ہوگیا وہ ہوگیا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ شرك شین کے کسرہ ر کے سکون سے بمعنی حصہ۔(نہایہ)یعنی اگر چند شخص ایک غلام کے مالک تھے اور غلام ان سب میں مشترک تھا کہ ایک مالک نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو اگر اس آزاد کرنے والے کے بعد کھانے پینے اور لباس اور رہنے کے مکان و خدمت کے غلام غرض ضروریات سے بچا ہوا اتنامال ہو جو باقی حصہ داروں کے حصوں کی قیمت کے برابر ہولہٰذا اس آزاد کرنے والے کے مکان،جائیداد،کپڑے فروخت کراکر ان شرکاء کو نہ دلوایا جائے گا یہ قیود بہت خیال میں رہیں۔(مرقات)
۲؎ یعنی آزاد کرنے والا اگر اس قدر مال کا مالک ہے جو اوپر مذکور ہوا تو باقی مالکوں کے حصوں کی انصاف والی قیمت اس سے دلوائی جاوے گی اور غلام پورا آزاد ہوگا اور یہ اکیلا ہی آزاد کرنے والا مانا جائے گا اس کی ولاء ساری کی ساری اسی معتق کی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں اس ایک مالک کے آزاد کرتے ہی سارا غلام آزاد ہوجائے گا،ان بقیہ مالکوں کو قیمت دینے پر آزادی موقوف نہ ہوگی، نیز یہ حکم ہر غلام و معتق کا ہے خواہ مؤمن ہوں یا کافر اور اس آزادی سے راضی ہوں یا ناراض،یہ ہی مذہب ہے صاحبین کا،اسی کو امام طحاوی وغیرہ نے اختیار فرمایا۔

۳؎ یعنی اگر وہ آزاد کرنے والا مالک تنگدست ہے کہ اس کے پاس مذکورہ مال نہیں ہے تو اتنا حصہ غلام کا آزاد ہوگیا، باقی حصہ غلام ہی ہے، باقی مالکوں کو حق ہے کہ یا غلام سے محنت و مشقت کرا کر اس کی بقیہ قیمت وصول کرکے آزاد کردیں یا غلام ہی رہنے دیں، وہ بھی بخوشی بغیر عوض آزاد کردیں یہ مذہب ہے امام شافعی کا اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ غرضکہ ان کے ہاں غلام کی آزادی کے حصے ہوسکتے ہیں کہ اس غلام کا بعض حصہ آزاد ہے بعض غلام۔ ہمارے امام اعظم کے ہاں اگرچہ آزادی منقسم ہوسکتی ہے مگر منقسم رہ نہیں سکتی لہذا امام اعظم کے ہاں اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو اس وقت تو غلام کا یہ ہی حصہ دار ہوگا مگر باقی مالکوں کو حق ہوگا کہ یا تو وہ بھی آزاد کردیں یا غلام سے مشقت کرا کر اپنے حصوں کی قیمت وصول کرلیں اور غلام یہ قیمت دے کر آزاد ہوجائے، بہرحال تمام اماموں کا اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر آزاد کرنے والا غنی ہے تو سارا غلام آزاد ہوجائے گا آزادی منقسم نہ ہوگی، اس پر بھی متفق ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا آزاد کیا گیا، اختلاف اس میں ہے کہ باقی حصہ غلام رہے گا یا نہیں، امام شافعی کے ہاں رہے گا ہمارے ہاں نہیں صاحبین تقسیم عتق کے قائل نہیں ان کے ہاں بہرحال پورا غلام آزاد ہوگا، معتق غنی ہو یا فقیر، ہاں فقیری کی صورت میں غلام آزاد ہو تو چکا مگر محنت کرکے اپنی بقیہ قیمت باقی مالکوں کو دے دے، سب کے دلائل کتب فقہ میں اور مرقات میں اسی جگہ دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جس نے غلام میں ایک حصہ آزاد کیا تو وہ پورا آزاد ہوگیا اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام سے محنت کرائی جائے بغیر اس پر مشقت ڈالے ۱؎(مسلم، بخاری)

۱؎ اس حدیث کے معنی صاحبین کے ہاں یہ ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو غلام پورا آزاد ہوگیا مگر کمائی کرے باقی مالکوں کو اپنے بقیہ حصے کی قیمت ادا کرے اور امام صاحب کے ہاں یہ معنی ہیں کہ ابھی اس کا ایک حصہ ہی آزاد ہوا جب کمائی کرکے اپنی بقیہ قیمت ادا کرے گا تب باقی آزاد ہوگا، امام شافعی کے ہاں یہ معنے ہیں کہ اس صورت میں غلام کا ایک حصہ آزاد ہوگیا باقی مالک بدستور اپنے اپنے حصوں میں اس سے اپنا کام لیں بلکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ جملہ استسعی العبد الخ حضور کا فرمان ہے ہی نہیں یہ قتادہ راوی کا اپنا قول ہے مگر حق یہ ہے کہ حضور ہی کا فرمان ہے جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کردیا ۱؎ اس کے پاس سوائے ان کے اور کوئی مال نہ تھا ۲؎ تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو ان کے تین حصے کیے پھر ان میں قرعہ ڈالا ۳؎ چنانچہ دو کو آزاد کردیا اور چار کو غلام رکھا ۴؎ اور میت کے لیے بہت سخت الفاظ فرمائیے ۵؎ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ

	فرمایا اگر ہم دفن کیے جانے سے پہلے ہوتے تو وہ مسلمان کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا ۶؎

۱؎ اس طرح کہ ان سب سے کہہ دیا تم سب آزاد ہو جاؤ یہ نہ کہا کہ میرے بعد آزاد ہوجاؤ گے یعنی عتق تنجیزی تھا۔
۲؎ اگر اس مرنے والے کے پاس ان غلاموں کے سواء اور مال ہوتا کہ یہ غلام اس کا تہائی بن جائے تو یہ سب آزاد ہوجاتے کہ مرتے وقت اپنے تہائی مال میں تصرف جائز ہے زیادہ میں نہیں۔
۳؎ یہ چھ غلام زنجی تھے سب کی قیمت برابر تھی اگر قیمت میں کمی بیشی ہوتی تو دو غلام آزاد نہ ہوتے بلکہ تہائی مال میں جتنے آتے وہ آزاد ہوتے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مرتے وقت کا آزاد کرنا یوں ہی صدقہ خیرات و ہبہ وغیرہ درست ہے،دوسرے یہ کہ اس وقت یہ تمام کام اپنے تہائی مال میں کرسکتا ہے کہ باقی دو تہائی مال اس کے وارثوں کا ہے۔
۴؎ امام اعظم اور امام شعبی،امام شریح و خواجہ حسن بصری کا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں ان چھ غلاموں کا تہائی آزاد ہوگا یعنی ہر ایک غلام کا ۱/۳ حصہ اور ہر غلام اپنے ۲/۳ دو تہائی آزاد کرانے کے لیے کمائی کریں قیمت اداکرکے آزاد ہوجائیں۔
۵؎ کیونکہ اس نے ناجائز کام کیا جس مال سے وارثوں کا حق متعلق تھا انہیں آزاد کردیا،معلوم ہوا کہ مردے کو دینی قصور کی وجہ سے برا کہا جاسکتا ہے۔وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ اپنے مردوں کو بھلائی سے یاد کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی وجہ سے اسے برا نہ کہو۔(اشعہ)
۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ عبرت کے لیے اگر امام کسی غلطی کرنے والے پر خود نماز نہ پڑھے دوسرے سے پڑھوادے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان سے علیحدہ دفن کرادے تاکہ لوگ آئندہ ایسی غلطی نہ کریں تو درست ہے یہ تبلیغ کی ایک قسم ہے۔شاید اس شخص کی وفات اوردفن کے وقت سرکار مدینہ منورہ سے باہر سفر میں ہوں گے ورنہ عموماً حضور صحابہ کرام کے کفن دفن میں شرکت فرماتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدلہ نہیں دے سکتا مگر اس طرح کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید لے تاکہ آزاد کردے ۱؎(مسلم)

۱؎ ف تعقیبیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے کیونکہ ماں باپ و دیگر خاص قرابتدار خریدتے ہی آزاد ہوجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی کتنی ہی خدمت کرے مگر اس کا حق ادا نہیں کرسکتا،اس کا حق ادا کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ اگر بیٹا آزاد اور مالدار ہو باپ غلام ہو تو بیٹا اسے خرید لے تاکہ وہ باپ اس کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہوجائے،یہ مطلب نہیں کہ پہلے باپ کو خرید کر اس کا مالک بن جائے پھر اپنے طور پر اسے آزاد کرے لہذا یہ حدیث نہ تو اگلی آئندہ حدیث کے مخالف ہے نہ قول فقہاء اس حدیث کے خلاف۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک انصاری آدمی نے

	اپنا غلام مدبر کیا۱؎ اور اس کے پاس اس کے سوا اور مال نہ تھا ۲؎ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا مجھ سے اسے کون خریدتا ہے ۳؎ چنانچہ اسے نعیم ابن نحام نے آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا ۴؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ اسے نعیم ابن عبداللہ عدوی نے آٹھ سو درہم کے عوض خریدا ۵؎ وہ یہ درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپ نے وہ درہم اسے دیئے ۶؎ پھر فرمایا کہ اپنے نفس سے شروع کروکہ اس پر خرچ کرو ۷؎ پھر اگر کچھ بچ رہے تو اپنے گھر والوں کو دو پھر اگر گھر والوں سے کچھ بچ رہے تو اپنے قرابت والوں کو دو ۸؎ پھر اگر تمہارے قرابت داروں سے بھی کچھ بچ رہے تو یوں دو اور یوں دو،حضور انور اپنے آگے دائیں بائیں اشارہ فرماتے جاتے تھے ۹؎

۱؎ یا اس طرح کہ کہا کہ اگر میں فلاں بیماری میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے یہ تدبیر مقید ہے اور اس کو مدبر مقید کہتے ہیں یا اس طرح کہ کہا جب میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے اسے تدبیر مطلق کہتے ہیں اور ایسے غلام کو مدبر مطلق کہا جاتا ہے،یہ فرق خیال میں رہے۔

۲؎ یعنی ان انصاری کا کل مال یہ غلام ہی تھا اور کوئی مال نہ تھا لہذا یہ غلام تہائی مال سے نہیں نکل سکتا اور وصیت تہائی مال میں ہی جاری ہوتی ہے۔

۳؎ یہ نیلام نہ تھا ورنہ دوسرے بھی بولی دیتے بلکہ ان انصاری کی تدبیر باطل فرمادینے کا اعلان تھا تاکہ لوگوں کو اطلاع ہوجائے۔

۴؎ ان خریدار کا نام نعیم ابن عبداللہ ابن اسید ہے،قبیلہ بنی عدی سے ہیں جس قبیلہ سے حضرت عمر ہیں۔**نحام** بنا ہے **نحمہ** سے بمعنی کھانسی یا کھنکار،فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم نے جنت میں جاتے وقت اپنے آگے کسی کی کھانسی سنی،حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ عبداللہ عدوی کی کھنکار ہے اس دن سے انکا لقب نحام پڑ گیا،بمعنی کھنکار والے یا کھانسی والے،حق یہ ہی ہے کہ یہ لقب نحام عبداللہ کا ہے نہ کہ نعیم کا۔

۵؎ اس حدیث کی بنا پر بعض اماموں نے فرمایا کہ مدبر کرنے والے مولٰی کی زندگی میں مدبر کو فروخت کرسکتے ہیں کہ حضور نے ان انصاری کی زندگی میں ان کا مدبر فروخت کیا۔امام شافعی کے ہاں مدبر کی بیع مطلقًا جائز ہے مولٰی کی زندگی میں بھی بعد موت بھی۔ہمارے ہاں مدبر کی بیع مطلقًا ممنوع ہے مولٰی کی زندگی میں بھی اس کی موت کے بعد بھی۔چنانچہ دار قطنی وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے مرفوعًا و موقوفًا روایت کی کہ مدبر نہ فروخت کیا جائے نہ

ہبہ کیا جائے اور وہ تہائی مال سے آزاد ہوگا۔اس حدیث کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجمل ہے جس میں اس بیع کی وجہ بیان نہ ہوئی،یا تو یہ انصاری مقروض تھے یہ غلام ان کے قرض میں گھرا تھا لہذا حضور نے یہ تدبیر جائز نہ رکھی یا انہوں نے تدبیر مقید کی تھی کہ اگر میں اتنے عرصہ یا فلاں بیماری میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے جیساکہ بعض روایات میں ہے کہ حضور نے انہیں یہ قیمت دے کر یہ بھی فرمایا کہ اس سے اپنا قرض ادا کرو یا حضور نے اس مدبر کی خدمت فروخت کی یعنی اسے کرایہ پر دیا جیسا کہ دار قطنی بروایت عبدالغفار عن ابی جعفر روایت کی۔چنانچہ ابو جعفر یعنی امام محمد باقر ابن امام علی زین العابدین نے اس حدیث جابر کی بنا پر مدبر کی خدمات کی بیع جائز قرار دی یا یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب قرض وغیرہ میں آزاد کی بیع بھی درست تھی تو یہ شخص تو مدبر تھا یعنی آزادی کا مستحق تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا،بہرحال مذہب حنفی بہت قوی ہے۔حدیث جابر میں بہت سے احتمالات ہیں،ان احتمالات کے ہوتے ہوئے اس سے استدلال درست نہیں،امام شافعی بھی مانتے ہیں کہ ام ولد کی بیع درست نہیں حالانکہ ام ولد بھی گویا مدبرہ ہی ہوتی ہے کہ مولیٰ کے مرے بعد آزاد ہوتی ہے تو مدبر کی بیع کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔(ازمرقات وغیرہ)

۶؎ یعنی نعیم سے آٹھ سو درہم وصول فرما کر ان مدبر فرمانے والے انصاری کو عطا فرمائے اور ان سے وہ کلام فرمایا جو آگے آرہا ہے۔

۷؎ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ اپنے قرض سے شروع کرو کہ پہلے اس رقم سے قرض ادا کرو پھر اپنے نفس سے شروع کرو کہ اپنے پر خرچ کرو۔

۸؎ اہل سے مراد بیوی بچے وغیرہ ہیں جن کا خرچہ ان کے ذمہ قرض تھا اور اہل قرابت سے مراد باقی دوسرے عزیز رشتہ دار ہیں جن کا خرچہ دینا مستحب۔

۹؎ اگر قرابتداروں کو خرچہ دے کر بھی بچ رہے یا ان میں کوئی غریب ہو ہی نہیں تو دوسرے کار خیر میں خرچ کرو،فقراء کو خیرات،مسجد،سبیل،طلباء پر خرچ۔خیال رہے کہ مدبر مقید مولیٰ کی زندگی میں تو مدبر نہیں ہوتا لیکن اگر مولیٰ اس ہی شرط پر مرے جس پر مدبر کیا تھا تو اب وہ مدبر آزاد ہوجائے گا گویا یہ تدبیر بالشرط ہے مثلًا کہا تھا کہ اگر میں اس سال میں یا اس مرض میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے تو مولیٰ کے جیتے جی وہ مدبر نہیں لیکن اگر وہ اسی سال یا اسی مرض میں مرگیا تو اب وہ مدبر آزاد ہے کہ شرط آزاد پائی گئی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت خواجہ حسن بصری سے وہ حضرت سمرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوجائے۱؎ تو وہ آزاد ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)۳؎	

۱؎ذی رحم وہ قرابتدار ہے جس سے نسبی رشتہ ہو اور محرم وہ جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو لہذا داماد محرم تو ہے مگر ذی رحم نہیں اور چچا زاد بھائی ذی رحم ہیں مگر محرم نہیں اور باپ بھائی بھتیجے چچا وغیرہ ذی رحم بھی ہیں محرم بھی۔

۲؎یعنی اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم کو خرید لے یا کسی اور طرح اس کی ملکیت میں آجائے تو آتے ہی آزاد ہوجائے گا یہ ہی مذہب ہے جمہور صحابہ و تابعین کا ،یہ ہی قول ہے امام اعظم ابو حنیفہ واحمد کا رضی اللہ عنہم، امام شافعی کے ہاں اپنے اصول و فروع کا تو یہ حکم ہے باقی بھائی بہن وغیرہ ذی رحم کا یہ حکم نہیں مگر قوی قول امام اعظم کا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوا۔

۳؎اس حدیث کو احمد و حاکم نے باسناد صحیح نقل فرمایا،نیز حضرت عمر سے موقوفًا بھی مروی ہے ،نسائی نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا نقل فرمائی،سنن اربعہ نے حضرت سمرہ سے مرفوعًا روایت کی،طحاوی شریف نے حضرت عمروابن عمر سے مرفوعًا روایت کی۔مبسوط میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میرا بھائی بازار میں فروخت ہورہا تھا میں نے اسے خریدلیا میں چاہتا ہوں کہ اسے آزاد کردوں،حضور نے فرمایا اسے تو اللہ تعالٰی نے ہی آزاد کردیا،بہرحال یہ حدیث بے شمار اسنادوں سے مروی ہے عام صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔(مرقات و لمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کسی کی لونڈی اس سے بچہ جن دے تو وہ اس کے پیچھے یا اس کے مرے بعد آزاد ہے ۱؎(دارمی)	

۱؎یعنی جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے صحبت کرے اور اس سے بچی یا بچہ پیدا ہوجائے تو یہ لونڈی مدبر غلام کے حکم میں ہے کہ اس کے مرے بعد آزاد ہوگی۔**عن دبر او بعدہ** کسی راوی کے شک کی بنا پر ہے یعنی مجھے خیال نہیں کہ حضرت ابن عباس نے **عن دبر منہ** روایت فرمائی یا فرمایا **بعدہ** دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ام ولد کی بیع یا ہبہ یا وصیت جائز نہیں،اس پر تمام امت کا اجماع ہے،حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ام ولد کی بیع کے قائل تھے بعد میں آپ نے اس سے رجوع فرمالیا جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کے زمانہ میں ام ولد لونڈی کو فروخت کیا ۱؎پھر جب زمانہ فاروقی ہوا تو انہوں نے ہمیں اس سے منع کردیا پس ہم باز رہے ۲؎(ابوداؤد) ۳؎	

۱؎ یا تو نسخ سے پہلے یا بعض صحابہ کو ممانعت کی خبر نہ ہوئی اور بے خبری میں وہ فروخت کرتے رہے زمانہ صدیقی میں ایک دو حضرات نے یہ بیع کی،حضرت جابر سمجھے کہ اس بیع کا عام رواج تھا،یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو اس بیع کی خبر ہوئی اور آپ نے منع نہ فرمایا جب تک یہ مذکور نہ ہو تب تک حجت نہیں۔

۲؎ حضرت ابوبکر صدیق کا زمانہ خلافت بہت تھوڑا ہے اور بالکل جہادوں میں گھرا ہوا اس لیے یا تو آپ کو اس بیع کی نسخ کی خبر نہ پہنچی یا ان لوگوں کی فروخت کی خبر نہ ہوئی،زمانہ فاروقی بفضلہٖ تعالٰی دس سال ہے اور اس زمانہ شریف میں شرعی احکام کی بہت چھان بین ہوگئی اس لیے آپ کو ممانعت کی خبر پہنچی اور ان حضرات کی اس بیع کی بھی اس لیے اس کی ممانعت کا اعلان فرمادیا اور کسی صحابی نے اختلاف نہ فرمایا،یہ ہوا اجماع صحابہ اگر یہ حکم مشکوک ہوتا تو صحابہ میں ضرور اختلاف واقع ہوتا۔

۳؎ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح علی شرط مسلم ہے،یہ حدیث نسائی وغیرہ نے مختلف الفاظ سے مختلف اسنادوں سے روایت کی مگر وہ تمام ضعیف ہیں،ام ولد کی بیع کی ممانعت کی روایات بہت ہیں اور صحیح ہیں جو مرقات نے جمع فرمادیں۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن شریف سے جناب ابراہیم پیدا ہوئے تو حضور عالی نے فرمایا کہ انہیں ان کے اس بچہ نے آزاد کردیا چنانچہ حضور کی وفات کے بعد جناب ماریہ آزاد ہوئیں دوسرے ترکات کی طرح صدقہ نہ بنیں۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنا غلام آزاد کرے جس کے پاس مال ہو ۱؎ تو وہ مال اس کا ہے مگر یہ کہ مولیٰ شرط لگائے ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اس کے قبضہ میں مال ہو اگرچہ وہ مال اس کے مولے ہی کی ملک ہے،یہاں مال سے مراد غلام کا کمایا ہوا مال ہے مثلًا بندہ ماذون تھا اسے تجارت کی اجازت تھی اس نے تجارت کی،مال حاصل ہوا،ابھی مولے کو نہ دیا تھا کہ غلام آزاد کردیا گیا۔

۲؎ یعنی آزاد کردہ غلام کا مال آزاد کرنے والے مولے کا ہوگا،ہاں اگر مولیٰ مہربانی فرما کر کہہ دے کہ یہ مال تیرا ہی ہے لے جا،تو پھر ویسا ہی ہوگا،یہ ہی قول جمہور علماء کا ہے،خواجہ حسن بصری،عطاء،نخعی بھی یہ ہی فرماتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوالملیح ۱؎ سے وہ اپنے والد سے راوی کہ ایک شخص نے ایک غلام کا حصہ آزاد کردیا ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ عرض کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ۳؎ پھر اس کی آزادی کو جائز رکھا ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ تابعی ہیں،آپ کا نام عامر ابن اسامہ ابن عمیر ہے،ہذلی ہیں، بصری ہیں، بہت سے صحابہ سے ملاقات ہے،آپ کے والد اسامہ ابن عمیر صحابی ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص پورے غلام کا مالک تھا مگر آزاد کیا اس کا آدھا یا چوتھائی باقی اپنی ملک میں رکھا،یہ مطلب نہیں کہ اس کے چند شخص مالک تھے ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کردیا۔

۳؎ یعنی اس غلام کا کچھ حصہ تو اللہ کے لیے آزاد ہوگیا اور کچھ حصہ تیرا تھا،یہ صورت رب تعالٰی کے ساتھ شرکت ہے یہ بہتر نہیں،بہتر یہ ہی ہے کہ پورے غلام کو آزاد کر۔

۴؎ یعنی اسے حکم دیا کہ پورا غلام آزاد کردے اس نے ایسا ہی کیا،یہ حکم استحبابی تھا جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں،امام اعظم غلام کی عتق کے تجزیہ و تقسیم کے قائل ہیں،یعنی ان کے ہاں ہوسکتا ہے کہ ایک غلام کا بعض حصہ آزاد ہو بعض غلام۔ جو علماء فرماتے ہیں کہ عتق کی تقسیم نہیں ہوسکتی،بعض کی آزادی کل کی آزادی ہے وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں مگر یہ استدلال کمزور ہے پچھلی احادیث اس کے خلاف گزر چکیں،چنانچہ مسلم،بخاری کی روایت گزر چکی **عتق منه ماعتق**۔

روایت ہے حضرت سفینہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں ام سلمہ کا غلام تھا وہ بولیں کہ میں تمہیں آزاد کرتی ہوں اور تم پر یہ شرط لگاتی ہوں کہ جب تک جیو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرو ۲؎ میں نے کہا کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی لگائیں تو بھی میں زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ چھوڑتا ۳؎ چنانچہ انہوں نے مجھے آزاد کردیا اور یہ شرط لگادی ۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کا نام رباح یا مہربان یا رومان ہے فارسی النسل ہیں،مشہور ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ام سلمہ کے غلام ہیں ہوسکتا ہے کہ حضور انور کے غلام ہوں آپ نے جناب ام سلمہ کو مرحمت فرمایا ہو،کسی سفر میں ایک شخص تھک گیا تو اس نے اپنی تلوار،ڈھال نیزہ وغیرہ بہت سی چیزیں ان پر ڈال دیں،حضور نے فرمایا تم تو سفینہ یعنی کشتی ہو اس دن سے آپ کا لقب سفینہ ہوگیا۔آپ کے چار بیٹے ہیں:

عبدالرحمن،محمد زیاد اور کثیر ان سب سے روایات لیں،آپ ہی کا واقعہ ہے کہ عہد فاروقی میں ایک جنگل میں ایک شیر نے آپ پر حملہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا اے ابو سائب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں راستہ بھول گیا ہوں تو وہ شیر کتے کی طرح دم ہلاتا آپ کے آگے آگے چل دیا جیسا کہ اسی مشکوۃ **باب الکرامات** میں آئے گا۔ان شاءاللہ!

۲؎ یعنی تم کو آزاد بالشرط کرتی ہوں کہ تم بعد آزادی ہمیشہ حضور کی خدمت کرنا۔معلوم ہوا کہ عتق بالشرط جائز ہے،اس میں اختلاف ہے کہ غلام کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں اور اگر نہ پوری کرے تو اس پر کچھ تاوان ہے یا نہیں،حق یہ ہے کہ ضرور پوری کرے کہ وعدہ کرچکا ہے،وعدہ پورا کرنا ضرور ہے۔

۳؎ یعنی میں بغیر شرط لگائے بھی ان کا زندگی بھر غلام بے دام ہوں،چنانچہ حضرت سفینہ عمر بھر حضور کے بلکہ حضور کے صحابہ کرام کے خادم رہے۔

۴؎شارحین فرماتے ہیں کہ یہ شرط بمعنی وعدہ ہے ورنہ شرط جزا سے پہلے ہوتی ہے اور یہاں خدمت آزادی کے بعد ہوگی۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس کی بدل کتابت سے ایک درہم بھی باقی رہے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی جس غلام سے اس کے مولٰی نے کہہ دیا ہو کہ تو اپنے روپے ادا کردے تو تو آزاد ہے اس نے تمام روپیہ ادا کردیا صرف ایک درہم یعنی چار آنے باقی ہیں تو ابھی پورا غلام ہی ہے یہ نہ ہوگا کہ ادا کردہ رقم کے حساب سے آزاد ہوجائے اور باقی کے حساب سے غلام رہے۔حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک بندہ کا تعلق دنیا یا اپنی ہستی سے ایک جو برابر بھی باقی ہے اسے آزادی میسر نہ ہوگی۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کسی کے مکاتب کے پاس جب پورا کرنے کا مال ہو تو وہ اس سے پردہ کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یعنی اگر بی بی نے اپنے غلام کو مکاتب کیا غلام کے پاس کتابت کا مال جمع ہوگیا مگر ابھی اس نے ادانہیں کیا ہے تو اس بی بی کو چاہیے کہ اس سے پردہ کرنے لگے کیونکہ اب وہ آزاد ہوجانے پر قادر ہوچکا ہے اس کی آزادی قریب ہے،انہی ام سلمہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے غلام نبہان سے پوچھا کہ تیری کتابت کے مال سے کس قدر باقی ہے وہ بولے دو ہزار درہم فرمایا کیا وہ تیرے پاس ہیں؟ بولے ہاں،فرمایا ادا کردے اور جا تجھے سلام ہے،یہ کہہ کر آپ نے پردہ ڈال لیا وہ رونے لگے کہ میں آپ کے دیدار سے محروم ہوگیا میں تو یہ رقم کبھی ادا نہ کروں گا،آپ بولیں بیٹے اب تم مجھے کبھی نہ دیکھ سکو گے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی فرمایا ہے،یہ حکم یا تو ازواج پاک کے لیے خصوصی تھا یا دوسری عورتوں کو بھی استحبابی ہے ورنہ جب تک کہ مکاتب پائی پائی ادا نہ کردے تب تک وہ غلام ہے اس سے مولاۃ کا پردہ واجب نہیں،یا یہ مطلب ہے کہ پردہ کرنے کی تیاری کرے۔(اشعہ و مرقات)خیال رہے غلام اور اس مالکہ بی بی مولاۃ میں پردہ نہیں جب غلام آزاد ہوجائے تو اس سے مولاۃ کا پردہ واجب ہے اورجب آزادی کے قریب ہوجائے تو اس حدیث کی رو سے پردہ بہتر۔

روایت ہے عمرو ابن شعیب سے،وہ اپنے والد سے،وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے غلام کو سو اوقیہ چاندی پر مکاتب کیا ۱؎ تو اس نے سب ادا کردیا،سوائے دس اوقیہ کے یا فرمایا سوائے دس دیناروں کے ۲؎پھر وہ عاجز ہوگیا تو وہ	

	غلام ہی ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ اس سے کہہ دیا تو سو اوقیہ چاندی ادا کردے تو تو آزاد ہے،ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے سو اوقیہ چالیس سو یعنی چار ہزار درہم کا ہوا،ایک درہم ساڑھے چار آنہ کا۔

۲؎ یا تو یہ شک صحابی کو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس اوقیہ فرمایا یا دس" دینار یا نیچے کے راوی کو شک ہے کہ میرے استاد حدیث نے کیا فرمایا۔ خیال رہے کہ ایک دینار دس درہم یعنی پونے تین روپے کا ہوتا تھا اب تو اس کی قیمت بہت زیادہ ہے کہ سونا بہت گراں ہے۔

۳؎ یا تو خود غلام ہی کہہ دے کہ اب میں بقیہ روپیہ ادا نہیں کرسکتا یا مکاتبت کی مدت گزر جائے،یہ دونوں صورتیں عجز کی ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں ادا کیا ہوا روپیہ مولا کا ہوگا اور یہ مکاتب پہلے کی طرح مکمل غلام ہوجائے گا۔معلوم ہوا کہ کل بدل کتابت کی ادا سے عاجز ہونا یا بعض سے عاجز ہونا حکم میں یکساں ہے کہ ان صورتوں میں یہ پورا غلام بن جائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب مکاتب سزا یا وراثت کو پہنچے تو اس حساب سے وارث کیا جائے گا جتنا آزاد ہوچکا ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا دیت دیا جائے گا مکاتب ادا کیے ہوئے حصہ کی آزاد کی دیت اور باقی کی غلام کی دیت اور اسے ضعیف کہا ۳؎

۱؎ یعنی سزا اور وراثت میں مکاتب آزاد بھی مانا جائے گا اور غلام بھی،جتنا زر کتابت ادا کرچکا ہے اتنا آزاد ہوگا جتنا زر کتابت اس کے ذمہ ہے اتنے میں غلام مثلًا ایک شخص ایک ہزار روپیہ پر مکاتب تھا اور پانچ سو ادا کرچکا تھا اب اس مکاتب کا والد جو آزاد و مالدار تھا فوت ہوگیا اور مکاتب اس کا اکلوتا بیٹا ہے جو سارے ترکہ کا وارث ہونا چاہیے تو اب یہ مکاتب آدھے ترکہ کا وارث ہوگا کیونکہ یہ آدھا آزاد ہے،اسی طرح اگر اس مکاتب کو کسی نے قتل کردیا قاتل پر دیت واجب ہوئی اس مکاتب کی قیمت مثلًا ایک سو روپیہ تھی تو قاتل اس مقتول مکاتب کی آدھی دیت یعنی پچاس اونٹ اس مکاتب کے وارثوں کو دیں گے اور آدھی قیمت یعنی پچاس روپیہ مالک کو ادا کریں گے۔

۲؎ یودی دیت کا مضارع مجہول ہے ودی یدی باب ضرب سے یعنی دیت دیا جائے گا اور ادی تادیت کا ماضی معروف یعنی یودی کے پیش واؤ کے سکون د کے فتح سے ہے اور ادّی دال کے شد و فتح سے ہے،اس کا مطلب یہ ہوا کہ آزاد مقتول کی دیت سو اونٹ ہے اور غلام مقتول کی دیت پچاس اونٹ اور یہ مکاتب آدھا زر کتابت ادا کرچکا ہے تو اس کی دیت پچھتّر اونٹ ہوگی مگر چونکہ مولے کو مقتول غلام کی دیت نہیں ملتی بلکہ غلام کی قیمت ملتی ہے اس لیے اسے آدھی قیمت دی جاوے گی۔

۳؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب جس قدر زر کتابت ادا کرچکا اتنا آزاد ہے مگر پچھلی حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک اس کے ذمہ ایک پیسہ بھی ہے وہ غلام ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے پچھلی حدیث کے متعارض نہیں

ہوسکتی اور سوائے امام نخعی کے کسی امام نے اس پر عمل نہیں کیا سب کے ہاں ایسا مکاتب نہ اپنے کسی عزیز کا وارث ہو اور نہ اس کی دیت وارثوں کو دی جائے بلکہ اس کی پوری قیمت مولے کو دی جائے گی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو عمر انصاری سے ۱؎ کہ ان کی ماں نے آزاد کرنا چاہا پھر صبح تک دیر لگائی وہ فوت ہوگئیں ۲؎ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے قاسم ابن محمد سے پوچھا کہ اگر میں ان کی طرف سے آزاد کردوں تو کیا انہیں نفع دے گا ۳؎ تو قاسم بولے کہ سعد ابن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے عرض کیا کہ میری ماں وفات پاچکیں کیا انہیں نفع دے گا یہ کہ میں ان کی طرف سے آزاد کردوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ۴؎(مالک)	

۱؎ عبدالرحمٰن تابعی ہیں،ثقہ ہیں،قاضی مدینہ منورہ ہیں،ان کی احادیث مضطرب ہوتی ہیں،ان کے والد کا نام عمرو ابن حصین ہے یا ثعلبہ ابن عمرو ابن حصین وہ صحابی ہیں۔(اشعہ و مرقات)ان کی والدہ کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر وہ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں۔

۲؎ یعنی شام کے وقت لونڈی یا غلام آزاد کرنا چاہا مگر کہا کہ صبح آزاد کروں گی رات میں اچانک فوت ہوگئیں،اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ نیکی میں جلدی کرے دیر نہ لگائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمْ"۔

۳؎ یعنی میں نے حضرت قاسم ابن محمد ابن ابوبکر صدیق سے مسئلہ پوچھا کہ اگر اب ان کی طرف سے میں غلام آزاد کردوں تو کیا انہیں ثواب ملے گا۔

۴؎ حضرت قاسم نے مسئلہ نہ بتایا بلکہ مسئلہ کی دلیل بتادی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسے صدقہ و خیرات و نفل نماز کا ثواب کسی کو بخشنا جائز ہے یوں ہی غلام لونڈی آزاد کرکے اس کا ثواب بخش دینا بھی جائز ہے اور یہ ثواب میت کو ضرور پہنچتا ہے۔

روایت ہے حضرت یحیٰی ابن سعید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابن ابوبکر سوتے میں وفات پاگئے ۲؎ ان کی بہن عائشہ صدیقہ نے انکی طرف سے بہت غلام آزاد کیے ۳؎(مالک)	

۱؎ آپ انصاری ہیں تابعی ہیں،آپ سے امام مالک ہشام ابن عروہ،سفیان ثوری جیسے آئمہ حدیث نے احادیث لی ہیں بڑے عالم متقی صالح شب بیدار عبادت گزار تھے۔
۲؎ آپ عائشہ صدیقہ کے بھائی ہیں،صلح حدیبیہ کے سال ایمان لائے،اسلام سے پہلے ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدالعزی تھا بعد اسلام عبدالرحمن نام رکھا گیا صدیق اکبر کی سب اولاد میں آپ ہی بڑے ہیں سوتے میں اچانک وفات پا گئے۔
۳؎ جناب عائشہ صدیقہ کو آپ کی وفات پر بہت صدمہ ہوا کیونکہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے سگے بھائی تھے حضرت ام رومان کے شکم شریف سے، اچانک وفات پائی،کوئی وصیت وغیرہ نہ کرسکے اس لیے آپ نے علاوہ اور صدقات کے ان کی طرف سے بہت سے غلام بھی آزاد فرمائے۔خیال رہے کہ اچانک موت غافل کے لیے اللہ کی پکڑ ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا،عاقل و نیک کار کے لیے اللہ کی رحمت کہ رب اسے بیماری کی تکالیف سے بچالیتا ہے،حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہی ہوئی بحالت نماز جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غلام خریدے اس کے مال کی شرط نہ لگائے تو اسے کچھ نہ ملے گا ۱؎ (دارمی)

۱؎ غلام کے مال سے مراد اس کا مقبوضہ مال ہے نہ کہ مملوکہ مال کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا وہ خود اپنے مولے کا مال ہے یعنی کسی نے کسی شخص کا غلام ماذون خریدا جسے خریدو فروخت کی اجازت تھی اور اس کے مقبوضہ مال کی شرط نہ لگائی تو یہ سارا مال فروخت کرنے والے مولےٰ کا ہوگا اسے صرف غلام ملے گا ہاں اگر یہ خریدار کہہ لیتا کہ میں یہ غلام اور اس کا مقبوضہ مال خریدتا ہوں تب یہ مال خریدار کا ہوتا **فلا شیئ لہ** میں **لہ** کا مرجع خریدار ہے یعنی خریدار کو کچھ مال نہ ملے گا۔

باب الایمان والنذور

قسموں اور منتوں کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ایمان یمین کی جمع ہے یمین بمعنی داہنی جانب،یسار کی مقابل بمعنی بائیں جانب،چونکہ اہل عرب عموماً قسم کھاتے یا قسم لیتے وقت ایک دوسرے سے داہنا ہاتھ ملاتے تھے اس لیے قسم کو یمین کہنے لگے۔یا یمین بنا یمن سے بمعنی برکت وقوت سے چونکہ قسم میں اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام بھی لیتے ہیں اور اس سے اپنے کلام کو قوت دیتے ہیں اس لیے اسے یمین کہتے ہیں بمعنی بابرکت وقوت والی گفتگو۔قسم تین قسم کی ہوتی ہیں: قسم لغو،قسم غموس،قسم منعقدہ۔منعقدہ قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے بشرطیکہ اللہ کے نام کی کھائی گئی ہواور قسم غموس میں صرف گناہ ہے اور قسم لغو میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ۔نذور جمع ہے نذر کی بمعنی ڈرانا،اسی سے ہے نذیر کسی غیر واجب عبادت کو اپنے ذمہ واجب کرلینا نذر ہے خواہ کسی شرط پر معلق ہو یا نہ ہوگناہ کی نذر ماننے میں کفارہ قسم کا ہوتا ہے۔قسموں اور نذروں کی مکمل بحث کتب فقہ میں ہے ہم بھی آئندہ بقدر ضرورت عرض کریں گے نذر کا ثبوت قرآن کریم سے ہے"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا"اور قرآن کریم میں ہے"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ"وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں زیادہ قسم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یہ تھی ۱؎ کہ قسم ہے دلوں کو بدلنے والے کی ۲؎(بخاری)

۱؎ اس عبارت میں اکثر مبتداء ہے ما مصدریہ اور یہاں وقت پوشیدہ ہے کان تامہ ہے یحلف قائم مقام خبر اور لاو مقلب القلوب یحلف کا مفعول بہ جیسے نحوی لوگ کہتے ہیں اخطب مایکون الامیر قائما۔غرضکہ جملہ کی ترکیب پیچیدہ ہے۔

۲؎ لا کسی گزشتہ کلام کی نفی ہے واؤ قسمیہ ہے مقلب القلوب اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔معلوم ہوا کہ اسماء صفاتیہ سے بھی قسم کھانا جائز ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ نے فرمایااللہ تعالیٰ تم کو اپنے باپ دادوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے ۱؎ جو قسم کھانا چاہے تو اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی غیر خدا کی قسم کھانے سے منع فرمایا گیا،چونکہ اہل عرب عمومًا باپ دادوں کی قسم کھاتے تھے اس لیے اسی کا ذکر ہوا،غیر خدا کی قسم کھانا مکروہ ہے،وہ جو حدیث شریف میں ہے افلح وابی یعنی قسم میرے والد کی وہ کامیاب ہوگیا وہ قسم شرعی نہیں محض تاکید کلام کے لیے ہے اور یہاں شرعی قسم سے ممانعت ہے یا وہ حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے یا وہ بیان جواز کے لیے ہے یہ حدیث بیان کراہت کے لیے۔(مرقات)

۲؎ اللہ سے مراد رب تعالٰی کے ذاتی و صفاتی نام ہیں لہذا قرآن شریف کی قسم کھانا جائز ہے کہ قرآن شریف کلام اللہ کا نام ہے اور کلام اللہ صفت الٰہی ہے،قرآن مجید میں زمانہ، انجیر،زیتون وغیرہ کی قسمیں ارشاد ہوئیں وہ شرعی قسمیں نہیں نیز یہ احکام ہم پر جاری ہیں نہ کہ رب تعالٰی پر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ قسم کھاؤ بتوں کی اور نہ اپنے باپ دادوں کی ۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ عبدشمس ابن عبد مناف کی اولاد سے ہیں،آپ کا نام پہلے عبدالکعبہ تھا کنیت ابو سعید شمسی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن نام رکھا،مشہور صحابی ہیں،قرشی ہیں،فتح مکہ کے سال ایمان لائے۔

۲؎ طواغی جمع ہے طاغیہ کی بمعنی سرکشی کرنے والے یا سرکش بنانے والے،اس سے مراد بت ہیں کہ یہ لوگوں کی سرکشی کا باعث ہیں۔اہلِ عرب بتوں اور باپ دادوں کی قسمیں بہت کھاتے تھے ان دونوں سے منع فرمادیا گیا۔ خیال رہے کہ بتوں کی قسم کھانا شرک ہے باپ دادوں کی قسم کھانا ممنوع و مکروہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو قسم کھائے اپنی قسم میں کہدے کہ لات و عزیٰ کی قسم تو کہے کہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا ۱؎ اور جو اپنے ساتھی سے کہے آؤ جوا کھیلیں تو وہ خیرات کرے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اگر بھول کر لات و عزیٰ کی قسم کھالے تو کفارہ کے لیے کلمہ طیبہ پڑھ لے کہ نیکیاں گناہ کو مٹا دیتی ہے اور اگر دیدہ دانستہ بتوں کی تعظیم کرتے ہوئے ان کی قسم کھائی ہے تو کافر ہوگیا،دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو۔لات و عزیٰ مکہ والوں کے دو مشہور بت تھے جو کعبہ معظّمہ میں رکھے ہوئے تھے اب جو گنگا جمنا یا رام لچھمن کی قسم کھائے اس کا حکم بھی یہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جیسی قسم میں کفارہ نہیں صرف یہ ہی حکم ہے جو یہاں مذکور ہوا۔

۲؎ یعنی جو ا کھیلنا تو درکنار اگر کسی کو جوا کھیلنے کی دعوت بھی دے تو وہ جوئے کا مال جس سے جوا کھیلنا چاہتا ہے وہ یا دوسرا مال صدقہ کردے تاکہ اس ارادہ کا یہ کفارہ ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ گناہ بھی گناہ ہے،یہ ہی مذہب جمہور ہے۔

	روایت ہے حضرت ثابت ابن ضحاک سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلام کے سوا کسی

	دین پر جھوٹی قسم کھائے ۲؎ تو وہ ایسا ہے جیسا کہے ۳؎ اور کسی انسان پر اپنی غیر مملوک میں نذر نہیں ۴؎ اور جو کسی چیز سے اپنے کو قتل کرے دنیا میں تو اسے اسی چیز سے قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا ۵؎ اور جو کسی مسلمان پر لعنت کرے تو وہ اس کے قتل کی طرح ہے ۶؎ اور جو کسی مسلمان کو کفر کی تہمت لگائے تو وہ اس کے قتل کی طرح ہے ۷؎ اور جو جھوٹا دعوی کرے تاکہ اس سے مال بڑھائے تو اللہ نہ بڑھائے گا مگر کمی ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ ابوبزید انصاری خزرجی ہیں،بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے بہت کم سن تھے مدنی ہیں،بصرہ میں قیام رہا ۷۰ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ مثلًا کہے کہ اگر میں یہ کام کروں تو عیسائی یہودی ہوجاؤں یا اسلام سے نکل جاؤں اور پھر وہ کام نہ کرے یا کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو یہودی ہوجاؤں حالانکہ اس نے یہ کام کیا تھا۔

۳؎ یعنی وہ عملًا یہودی ہی ہوگیا یا اسلام سے بری ہوگیا یہ فرمان تشدد کے لیے ہے جیسے فرمایا گیا کہ جو عمدًا نماز چھوڑے وہ کافر ہوگیا،ایسی قسم میں امام ابوحنیفہ،احمد و اسحاق کے ہاں قسم منعقد ہوجائے گی کفارہ واجب ہوگا اور امام شافعی کے ہاں کفارہ بھی نہیں صرف گناہ ہے کہ یہ قسم نہیں صرف جھوٹ ہے ۔یہ اختلاف جب ہے جبکہ یہ الفاظ آئندہ کے متعلق بولے مثلًا کہے کہ اگر میں فلاں سے کلام کروں تو یہودی ہوجاؤں یا اسلام سے بری ہوجاؤں لیکن اگر یہ الفاظ گزشتہ کے متعلق بولے تو کسی کے ہاں کفارہ نہیں سب کے ہاں گناہ ہی ہے مثلاً کہے کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو میں یہودی یا عیسائی ہوں اور واقعہ میں وہ کام کیا تھا تو گنہگار ہے۔

۵؎ مثلًا کہے کہ اگر میرے بیمار کو شفا ہوجائے تو فلاں کی بکری کو قربانی دے دوں گا یا فلاں کا غلام آزاد ہے،اس صورت میں نہ اس بکری کی قربانی واجب ہے نہ وہ غلام آزاد ہوگا کیونکہ بروقت نذر نہ بکری اس کی ملک تھی نہ وہ غلام،پھر اگر یہ چیزیں بعد میں اس کی ملک میں آ بھی جائیں تب بھی یہ نذر پوری نہ کرے کہ نذر درست ہوئی ہی نہیں۔

۵؎ مثلًا کوئی اپنے کو چھری سے ذبح کرلے تو کل قیامت میں چھری اس کے ہاتھ میں ہوگی جسے وہ اپنے میں گھونپتا ہوگا جب تک رب تعالٰی چاہے یہ ہوتا رہے گا اس گھونپنے میں تکلیف پوری ہوگی مگر جان نہ نکلے گی جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

۶؎ یعنی جو شخص لعنت کے لائق نہ ہو اسے لعنت کرے تو اس لعنت کا عذاب قتل کا سا ہے معلوم ہوا کہ غیر مستحق پر لعنت ناحق قتل کی طرح حرام ہے۔

۷؎ کیونکہ کفرو ارتداد قتل کے اسباب سے ہیں کسی کو بلاوجہ کافر یا مرتد کہنا گویا اسے لائق قتل کہنا ہے۔خیال رہے کہ قذف کے لغوی معنے ہیں پھینکنا،اصطلاح شریعت میں زنا کی تہمت لگانے کو قذف کہا جاتا ہے۔

۸؎ یعنی جو اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں کے مال پر جھوٹے دعویٰ کرے اس کا مال ان شاءاللہ گھٹے گا بڑھے گا نہیں کیونکہ حقیر غرض کے لیے اتنا بڑا گناہ کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں ان شاءاللہ کوئی قسم نہ کھاؤ ں گا ۱؎ کہ اس کے سوائے کسی کو اس سے اچھا دیکھو ں، مگر اپنی قسم کا کفارہ دوں گا ۲؎ اور وہ کام کروں گا جو بہتر ہو ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہاں یمین سے مراد وہ کام ہے جس پر قسم کھائی جائے لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حلف اور یمین تو ایک ہی چیز ہے پھر علیٰ یمین کے لیے ؟

۲؎ یعنی قسم توڑ کر کفارہ دوں گا یا کفارہ دینے کا ارادہ کرلوں گا پھر قسم توڑوں گا کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کیسا کیونکہ قسم توڑنا کفارہ کا سبب ہے اور کبھی حکم سبب سے پہلی نہیں ہوسکتا،وقت سے پہلے نماز،رمضان سے پہلے روزہ جائز نہیں اسی طرح قسم توڑنے سے پہلے کفارہ درست نہیں۔خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں کفارہ مالی حنث سے پہلے ہوسکتا ہے مگر روزہ کفارہ حنث سے پہلے نہیں ہوسکتا یعنی قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کے روزے نہیں رکھ سکتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کفارہ کا سبب قسم ہے حنث تو اسکی شرط ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"كَفّٰرَةُ اَيْمٰنِكُمْ"کفارہ کو قسم کی طرف منسوب فرمایا،نسبت سے معلوم ہوا کہ کفارہ کا سبب قسم ہے جیسے کہا جاتا ہے رمضان کے روزے عصر کی نماز،کعبہ کا حج،نسبت و اضافت سبب ہونے کی علامت اور حکم اپنے سبب پر مقدم نہیں ہوتا،شرط پر مقدم ہوسکتا ہے۔سال سے پہلے زکوۃ دے سکتے ہیں،ہمارے امام اعظم کے ہاں کوئی کفارہ مالی ہو یا بدنی حنث سے پہلے جائز نہیں کیونکہ کفارہ کا سبب حنث ہے نہ قسم کفارہ کے معنی ہیں گناہ مٹانے یا چھپانے والی چیز قسم کھانا گناہ نہیں قسم توڑنا گناہ ہے لہذا توڑنا ہی سبب کفارہ ہوا اور حکم سبب سے پہلے نہیں ہوسکتا قرآن کریم میں کفارہ کی نسبت شرط کی طرف ہے جیسا کہا جاتا ہے اس سال کی زکوۃ،دیکھو سال زکوۃ کی شرط ہے سبب نہیں مگر اضافت ہورہی ہے پھر شوافع جب قسم کو کفارہ کا سبب مانتے ہیں تو روزوں کو مقدم کرنا درست کیوں مانتے ہیں۔

۳؎ مثلًا اگر قسم کھائی جائے کہ میں اپنے والد سے کلام نہ کروں گا تو چاہیے کہ قسم توڑ دے اپنے والد سے کلام کرے پھر کفارہ دے دے۔ خیال رہے کہ واؤ جمع کے لیے ہے ترتیب کے لیے نہیں لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفارہ پہلے دے پھر قسم توڑے،بعض روایات میں ثم وارد ہوا فلیکفر عن یمینه ثم لیأت بالذی ھو خیر مگر یہ روایت درست نہیں۔مسلم،بخاری میں وارد ہے یہاں مرقات نے ثم اور واؤ کی روایات میں بہت عمدہ بحث کی ہے واؤ کی روایت کو ترجیح دی اگر ثم کی روایات صحیح بھی ہوں تو بھی شوافع کے خلاف ہیں کہ وہ بھی کفارہ کا مقدم کرنا واجب نہیں مانتے صرف جائز مانتے ہیں مگر اس روایت سے ثابت ہوگا کہ کفارہ پہلے دینا قسم بعد میں توڑنا واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ سے فرماتے ہیں

	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبدالرحمٰن ابن سمرہ امیر ہونا نہ مانگو ۱؎ کیونکہ اگر تمہیں حکومت مانگ کردی گئی تو تم اس کی طرف سپرد کردیئے جاؤ گے ۲؎ اور اگر بغیر مانگے دی گئی تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی ۳؎ اور جب تم کسی چیز پر قسم کھالو پھر اس کے سوا کو اس سے بہتر دیکھو تو اپنی قسم کا کفارہ دے لو اور جو بہتر ہے وہ کرلو ۴؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو اچھا ہے وہ کرلو اور اپنی قسم کا کفارہ دے لو ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی حکومت و سرداری کی خواہش نہ کرو نہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو،آج کل تو ممبری وزارت حاصل کرنے ووٹ لینے کی جو کوشش ہوتی ہے سب کو معلوم ہے کہ دونوں کے لیے دین ایمان دولت عزت سب کچھ قربان کردیتے ہیں اس کاانجام بھی آنکھوں دیکھاجارہا ہے سارے فسادات ان حکومتوں کے ہیں جو یہ کوشش حاصل کی جاتی ہیں۔

۲؎ یعنی حکومت کی ذمہ داریاں بہت ہیں ہر شخص ان کو پورا نہیں کرسکتا اللہ تعالٰی ہی مدد کرے تو بندہ اس میں کامیاب ہوسکتا ہے لیکن جو کوئی اپنی کوشش سے حکومت لے گا وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا اللہ تعالٰی اس کی مدد نہ کرے گا،یہ حکم اس صورت میں ہے کہ انسان نفسانی خواہش عیش دولت عزت شہرت حاصل کرنے کے لیے حکومت چاہے لیکن اگر نظام حکومت نااہلوں کے پاس جاکر ملک کے فساد کا اندیشہ ہو تو اللہ کے دین اور مخلوق کی خدمت کے لیے حکومت حاصل کرنا عبادت ہے جب کہ اپنی نفسانی خواہش کو اس میں دخل نہ ہو۔حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے فرمایا تھا:"اجْعَلْنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرْضِ"مجھے خزانوں کا حاکم بنادو،اگر آپ اس وقت یہ عہدہ نہ سنبھالتے تو اس قحط سالی میں لوگ بھوکے مرجاتے۔

۳؎ یعنی اس صورت میں اللہ تعالٰی بذریعہ فرشتے کے تمہاری مدد فرمائے گا کہ اس کا فرشتہ تمہارا مشیر رہے گا تمہیں سنبھالے رہے گا۔

۴؎ جو شخص گناہ کرنے یا فرائض ادا نہ کرنے کی قسم کھالے مثلًا خدا کی قسم میں شراب پیوں گا یا نماز نہ پڑھوں گا تو ایسی قسم کا توڑنا اور کفارہ ادا کردینا واجب ہے اور جو غیرمناسب کام کی قسم کھالے مثلًا خدا کی قسم میں ایک ماہ تک اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گاایسی قسم کا توڑ دینا مستحب ہے،اور جائز کاموں کی قسموں کا پورا نہ کرنا ضروری ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاحْفَظُوۡۤا اَیۡمٰنَکُمْ"جیسے قسم رب کی میں یہ روٹی نہ کھاؤں گا،یہ کپڑا نہ پہنوں گا۔

۵؎ مگر ہر قسم کی قسم توڑنے میں کفارہ واجب ہے کیونکہ قسم تو اللہ تعالٰی کے نام کی حرمت کے اظہار کے لیے ہے کہ اس نے رب کو ضامن دے کر ایک وعدہ کیا مگر پورا نہ کیا نام پاک کی اس میں بے حرمتی کی تو کفارہ دے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی پر قسم کھالے پھر اس

سے بہتر کچھ دیکھے،تو اپنی قسم کا کفارہ دے، اور وہ کام کرے ا (مسلم)	

ا اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ قسم پہلے توڑے کفارہ بعد میں دے، واؤ صرف جمع چاہتا ہے ترتیب نہیں چاہتا،یہ امر بعض موقعوں پر وجوب کے لیے ہوگا، بعض موقعوں پر استحباب کے لیے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ یہ بات کہ اڑا رہے تم میں سے کوئی اپنی قسم پر اپنے گھر والوں کے متعلق ا زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اس سے کہ اس کا کفارہ ادا کردے جو اللہ نے اس پر فرض کیا ۲ (مسلم،بخاری)	

ا یلج ی کے فتح لام کے کسرہ اور جیم کے شد سے لجاءٌ ولجاجة کا مضارع ضرب یضرب سے لجاجه کے معنے ہیں اڑ جانا،مصر ہوجانا،قائم رہنا یعنی جو شخص اپنے گھر والوں میں سے کسی کا حق فوت کرنے پر قسم کھالے مثلًا یہ کہ میں اپنی ماں کی خدمت نہ کروں گا یا بیوی سے ایک دو ماہ صحبت نہ کروں گا۔

۲ یعنی ایسی قسموں کا پورا کرنا گناہ ہے اس پر واجب ہے کہ ایسی قسمیں توڑے اور گھر والوں کے حقوق ادا کرے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمٰنِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ"۔خیال رہے کہ یہاں اٰثم تفضیل مقابلہ کے لیے نہیں،یہ مطلب نہیں کہ یہ قسم پوری نہ کرنا بھی گناہ مگر پوری کرنا زیادہ گناہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی قسم پوری کرنا بہت بڑا گناہ ہے پوری نہ کرنا ثواب کہ اگرچہ رب تعالٰی کے نام کی بے ادبی قسم توڑنے میں ہوتی ہے اسی لیے اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے مگر یہاں قسم نہ توڑنا زیادہ گناہ کا موجب ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تیری قسم اس پر ہے جس پر تیرا ساتھی تیری تصدیق کرے ا (مسلم)	

ا یعنی جس قسم سے کسی کا حق وابستہ ہو اس میں توریہ یعنی ظاہر معنے کے خلاف کی نیت کرنا درست نہیں لیکن اگر ظالم ظلم کرنے کے لیے ہم سے قسم لے رہا ہے تو وہاں ضرور توریہ کرکے اپنی جان و آبرو بچالے،ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارا کے متعلق فرمایا کہ یہ میری بہن ہیں یعنی دینی بہن،شاہ مصر کے ظلم سے بچنے کے لیے ہجرت کی راہ میں صدیق اکبر نے ایک کافر کو جواب دیا رجل یهدینی السبیل یہ صاحب(یعنی محمد رسول اللہ) مجھے راہ دکھانے والے ہیں یعنی راہ خدا دکھانے والے،یہ ہے توریہ،حضرت سوید ابن حنظلہ فرماتے ہیں کہ ہجرت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں روانہ ہوا، میرے ساتھ وائل ابن حجر حضرمی تھے راہ میں دشمن مل گئے میں نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم یہ شخص میرا بھائی ہے تاکہ وہ انہیں قتل نہ کر دیں،پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اس قسم کا ماجرا عرض کیا، فرمایا تم نے اچھا کیا وائل ابن حجر تمہارے دینی بھائی ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ قسم قسم لینے والے کی نیت پر ہے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی جب مقدمہ میں مدعی مدعیٰ علیہ سے قسم لے تو قسم کے الفاظ میں مدعی کی نیت کا اعتبار ہوگا مدعی علیہ تاویل کرکے دوسرے معنے خلاف ظاہر کی نیت نہیں کرسکتا کہ اس صورت میں مدعی علیہ ظلمًا مدعی کا حق مارنا چاہتا ہے اس لیے تاویلیں کرکے قسم کھارہا ہے اگر بعد تاویل کرکے قسم کھا جائے تو تاویل معتبر نہیں مدعی کی نیت کا اعتبار ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نازل ہوئی یہ آیت کہ اللہ تعالٰی تمہاری پکڑ نہیں فرماتا، تمہاری لغو قسموں پر انسان کے اس قول کے متعلق نہیں، واللہ ہاں واللہ ۱؎ (بخاری) اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ ہیں ۲؎ اور فرمایا کہ بعض راویوں نے اسے حضرت عائشہ سے مرفوع کیا ۳؎	

۱؎ قسم لغو وہ ہے جس میں نہ کفارہ ہو نہ گناہ، لغو بمعنے بے کار، قسم لغو کی تفسیر میں اختلاف ہے ۔امام شافعی کے ہاں قسم لغو یہ ہے کہ بغیر ارادہ منہ واللہ باللہ نکل جائے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے واللہ آئے واللہ جائے وغیرہ، یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے، ہمارے امام اعظم کے نزدیک قسم لغو یہ ہے کہ کسی بات پر اسے سچ سمجھ کر قسم کھائے مگر وہ ہو جھوٹ جیسے کسی کو زید کے آجانے کا یقین تھا وہ کہے قسم خدا کی زید آگیا لیکن وہ آیا نہ تھا، یہ قسم لغو ہے حضرت عبداللہ ابن عباس نے قسم لغو کی یہ ہی تفسیر فرمائی امام اعظم و امام احمد کا یہ ہی مذہب ہے لہذا ہمارے ہاں اگر بغیر قصد قسم نکل جانے پر قسم کے احکام جاری ہوں گے مثلًا عادت کے طور پر کہہ دے واللہ میں جاؤں گا واللہ کھاؤں گا اگر نہ جائے نہ کھائے تو کفارہ واجب ہوگا اگرچہ قسم کی نیت سے واللہ نہ کہا ہو، نذر کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ بغیر قصد نذر کے الفاظ جاری ہونے سے نذر ہوجاتی ہے کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ تین چیزیں عمدًا ہوں تب بھی درست ہیں خطاء یا بھول کر ہوں جب بھی درست، نکاح، طلاق اور قسم۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ میری امت سے خطاء و نسیان اٹھالیے گئے تو خطاء کی قسم پر احکام کیسے ؟ مگر یہ کمزور سی بات ہے کیونکہ خطاء ونسیان پر سزا اٹھالی گئی نہ کہ احکام پر ، روزے میں خطاء پانی پی لینے سے روزہ جاتا رہتا ہے اگرچہ اس پر گناہ نہیں ایسے خطاء قسم پر گناہ نہیں احکام مرتب ہیں۔اس کی پوری بحث فتح القدیر میں اور مرقات میں اسی جگہ دیکھئے۔

۲؎ یعنی شرح سنہ میں اس حدیث کے وہ الفاظ منقول ہیں جو مصابیح میں نقل فرمائے، وہ یہ ہیں **قالت لغو الیمین قول الهمان لا واللہ وبلی واللہ**۔(اشعہ)

۳؎ یعنی امام بغوی نے شرح سنہ میں فرمایا کہ بعض محدثین نے یہ حدیث عائشہ مرفوعًا حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے نقل فرمائی۔خیال رہے کہ مجبور کی قسم ہمارے ہاں معتبر ہے اس پر احکام جاری ہیں،امام شافعی و احمد کے ہاں معتبر نہیں،ان کی دلیل دار قطنی کی وہ حدیث ہے جو واثلہ ابن اسقع وابی امامہ سے منقول ہے **لیس علے مقھور یمین** مگر یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ نہ اپنے باپ دادوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنی ماؤں کی اور نہ بتوں کی۱؎ اور اللہ کی قسم نہ کھاؤ مگر جب کہ تم سچے ہو ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی نہ اپنے اصول کی قسم کھاؤ جن کی اولاد میں تم ہو اور نہ فروع کی قسم کھاؤ جو تمہاری اولاد میں بیٹے پوتے نواسے وغیرہ،نہ مال وغیرہ کی قسم کھاؤ اور نہ بتوں کی قسم کھاؤ جیسا کہ مشرین کا طریقہ ہے،انداد جمع ہے ند کی بمعنی مقابل۔

۲؎ یعنی اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کی قسم کھانا جائز ہے مگر سچی قسم،جھوٹی قسم کھانا حرام ہے،جس پر گناہ یا کفارہ واجب ہے، یہ شرعی قسم کے احکام ہیں،لغوی قسم بمعنی تاکید کلام،یہ ماں باپ اولاد وغیرہ کی بھی جائز ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا افلح وابی قرآن کریم میں جو قسمیں ارشاد ہوئیں وہ لغوی قسم کی ہیں،بتوں کی قسم نہ لغوی جائز ہے نہ شرعی کہ اس میں ان کی تعظیم ہے اور بت کی تعظیم حرام بلکہ کفر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی غیر خدا کی قسم کھائے اس نے شرک کیا۱؎ (ترمذی)

۱؎ اگر بت کی قسم کھائی تو شرک جلی کیا اور اگر ماں باپ اور اولاد کی شرعی قسم کھالی ان کی تعظیم کی بنا پر تو شرک خفی کیا۔ نبی و کعبہ کی بھی قسم شرعی جائز نہیں مگر جو کہے کہ اگر میں یہ کروں تو نبی یا قرآن یا کعبہ سے بری ہوں تو قسم ہوجائے گی جس پر کفارہ واجب ہوگا کہ نبی و قرآن سے بری ہونا کفر ہے کفر کی قسم معتبر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جو کوئی امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ اگر امانت سے مراد شرعی احکام ہیں یعنی نماز روزہ وغیرہ تو یہ قسم ناجائز ہے اور اس میں کفارہ نہیں، قرآن کریم میں شرعی احکام کو امانت فرمایا گیا ہے"اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"یہ قسمیں کفار کھاتے تھے نماز کی قسم وغیرہ،اور اگر مراد امانت اللہ ہے تو قسم معتبر ہے اسی پر کفارہ واجب کہ امانت اللہ کی صفت ہے اور صفات الٰہی کی قسم معتبر ہے جیسے اللہ کے علم یا قدرت یا سمع بصر کی قسم، رب تعالٰی کا نام شریف امین بھی ہے۔(مرقات،واشعہ)خیال رہے کہ جو کہے بسم اللہ میں یہ کروں گا اگرچہ قسم ہی کی نیت سے کہے قسم نہ ہوگی کہ یہ عرف کے خلاف ہے ایسے ہی حق اللہ کی قسم معتبر نہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم نے کہ جو کہے میں اسلام سے بری ہوں تو اگر وہ جھوٹا ہو۱؎ تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۲؎ اور اگر سچا ہو تو اسلام کی طرف سلامت نہ پھرے گا۳؎(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی یوں کہے کہ اگر میں نے یہ کیا ہو تو میں اسلام سے بری و دور ہوجاؤں گا اور وہ جانتا ہے کہ اس نے یہ کام کیا اس وقت جھوٹ بول رہاہے۔

۲؎ یعنی اسلام سے بری دور ہو ہی جائے گا،یہ فرمان انتہائی ڈرانے کے لیے ہے جیسے فرمایا گیا جو نماز چھوڑے اس نے کفرکیا۔مطلب یہ ہے کہ اس قسم میں اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔خیال رہے کہ اگر گزشتہ پر یہ قسم کھائی ہے تو صرف گناہ ہوگا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ غموس قسم میں کفارہ نہیں ہوتا۔ اگر آئندہ پر یہ الفاظ بولے کہ اگر میں یہ کام کروں تو اسلام سے بیزار و بری ہوجاؤں اگر حلال کو حرام کرنے کے لیے کہا ہے تو قسم ہوجائے گی کہ تحریم حلال قسم ہے۔

۳؎ یعنی اگر اپنے کو سچا سمجھ کر یہ کلمات کہے اور واقعہ تھا وہ جھوٹا تب بھی اس نے بڑاگناہ کیا مثلًا اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں سے بات کی ہو تو میں اسلام سے دور ہوجاؤں خیال تھا کہ میں نے بات نہیں کی مگر کی تھی،تب بھی اس کلمہ میں گناہ ہے کہ اس نے اسلام کو معمولی دیکھا سمجھا، یہ ہی حکم ہے یہ کہنے کا میں نماز و روزہ حج زکوۃ سے بری ہوں، کیونکہ اسلامی احکام کو ہلکا جاننا بات بات پر ان سے بیزاری کا اظہار کرنا بڑا ہی خطرناک ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم میں مبالغہ فرماتے تو یوں فرماتے اس کی قسم،جس کے قبضہ میں ابوالقاسم کی جان ہے۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہاں لا یا تو زائدہ ہے جیسے قرآن کریم میں ہے"لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ" یا "لَآ اُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ"یا گزشتہ کسی کلام کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہوا قسم ہے اس رب کی الخ پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں،اسی معنے پر ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ قسم نہایت مبالغہ کی ہے کیونکہ رب تعالٰی کی انتہائی قدرت و قبضہ کا بھی ذکر ہے اور اپنی ذات کریمہ کے مقبوض و مقدور ہونے کا بھی تذکرہ یعنی ہم اس کی قسم فرماتے ہیں جس کا ہم پر پورا پورا قبضہ ہے اور ہم جس کے قبضہ وتصرف میں ہمیشہ اور ہر طرح ہیں، اس عظمت پر خیال رکھتے ہوئے یہ قسم فرمارہے ہیں چونکہ حضور خود تمام مخلوق الٰہی میں اشرف و برتر ہیں اس لیے یہ قسم بھی بہت اشرف و برتر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قسم فرماتے تو آپ کی قسم یہ ہوتی تھی اور خدا سے معافی چاہتا ہوں۱؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ یعنی واقعہ ایسا نہیں ہے میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اس سے کہ یہ واقعہ غلط ہو،یہ فرمان عالی قسم نہیں مگر تاکید کلام میں قسم کے مشابہ ہے اسے قسم کہنا مجازًا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کلام شریف کو قسم اس لئے فرمایا کہ **واستغفراللہ** میں واؤ عاطفہ ہے جس کا معطوف علیہ پوشیدہ ہے یعنی میں قسم فرماتا ہوں اور رب سے معافی مانگتا ہوں یا یہ قسم لغو ہے جو اگرچہ گناہ نہیں مگر میری شان سے یہ بھی بعید ہے لہذا اس قسم سے معافی مانگتا ہوں اور بھی بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو کسی چیز پر قسم کھائے ۱؎ فورًا کہہ دے ان شاءاللہ تو اس پر حنث نہیں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد، نسائی،ابن ماجہ،دارمی) اور ترمذی نے ایک جماعت کا ذکر فرمایا جنہوں نے یہ حدیث ابن عمر پر موقوف کی ۳؎

۱؎ یمین سے مراد وہ واقعہ ہے جس پر قسم کھائی جائے ورنہ قسم پر قسم نہیں ہوتی،حلف قسم ہے وہ یمین پر کیسے واقعہ ہوگا۔

۲؎ یعنی قسم سے متصل کہہ دے ان شاءاللہ اسی لیے ف ارشاد ہوئی۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر وعدے یا قسم سے متصل ان شاءاللہ کہہ دیا جائے تو اس کے خلاف کرنے پر نہ گناہ ہے نہ کفارہ،موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے فرمایا"سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا" مگر بعد میں آپ صبر نہ کرسکے تو یہ وعدہ خلافی نہ ہوا،اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ ان شاءاللہ متصل کہہ دینے سے قسم ختم ہوجاتی ہے،طلاق،عتاق،نکاح کا یہ ہی حال ہے کہ اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے ان شاءاللہ یا میں نے نکاح قبول کیا ان شاءاللہ، یا اے غلام تو آزاد ہے ان شاءاللہ ،کچھ نہ ہوا نہ طلاق نہ نکاح نہ آزادی۔

۳؎ لیکن ایسا موقوف مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ قیاسی مسئلہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوالاحوص عوف ابن مالک سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فرمایئے کہ میں اپنے چچازاد کے پاس کچھ مانگنے جاتا ہوں وہ مجھے نہیں دیتا،نہ صلہ رحمی کرتا ہے ۲؎ پھر اسے میری ضرورت پڑتی تو میرے پاس آتا ہے مجھ سے کچھ مانگتا ہے ۳؎ میں قسم کھا چکتا ہوں کہ نہ اسے کچھ دوں گا نہ صلہ رحمی کروں گا ۴؎ تو مجھے حضور نے حکم دیا کہ جو کام اچھا ہے وہ کروں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں ۵؎ (نسائی،ابن ماجہ)اور اس کی ایک روایت

	میں یوں فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرا چچا زاد آتا ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ نہ اسے کچھ دوں گا نہ صلہ رحمی کروں گا تو فرمایا کہ اپنی قسم کا کفارہ دو ۶؎

۱؎ آپ عوف ابن مالک ابن نضر یا ابن نضلہ ہیں،تابعی ہیں،آپ سے خواجہ حسن بصری،ابواسحاق و عطاء ابن سائب جیسے بزرگوں نے روایات لیں، آپ کے والد مالک ابن نضر یا نضلہ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی کسی وقت مجھے اپنے اس بھائی کی مدد کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو نہ وہ مجھے مانگنے پر دیتا ہے نہ صلہ رحمی کے طور پر بغیر مانگے میری مدد کرتا ہے۔

۳؎ یعنی وہ ہی بھائی قاطع رحم دوسرے وقت میرا حاجت مند ہوجاتاہے تو مجھ سے مددمانگنے آتا ہے۔

۴؎ یعنی اس وقت میں نے قسم کھالی تھی جب کہ اس نے میرا سوال رد کیا تھا کہ میں بھی اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد نہ کروں گا اس کے عمل کا بدلہ کرتے ہوئے۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے یعنی اگرچہ اس نے تمہارے ساتھ قطعی رحمی کی ہے اگرچہ تم نے بدلہ لینے کی قسم بھی کھالی ہے مگر اس کی قطع رحمی کا خیال نہ کرو اپنی قسم توڑ دو کفارہ دے لو مگر صلہ رحمی کرو۔شعر

بدی را بدی سہل باشد جزا   اگر مردی احسن الی من اساء

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے بدلہ نہ لیا،ایذاء کے عوض رحم و کرم فرمایا،اللہ تعالٰی اس تعلیم پاک پر عمل کی توفیق بخشے۔

۶؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ پہلے اپنی قسم توڑ دو،پھر کفارہ دو جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

باب فی النذور

نذروں کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ پہلے قسموں اور نذروں کا مشترک باب باندھا تھا اب نذر کے متعلق خصوصی مسائل بیان کررہے ہیں اسی لیے فی النذور فرمایا باب النذور نہ کہا،چونکہ نذر کی بہت قسمیں ہیں اس لیے اسے جمع فرمایا۔نذر کے معنے پہلے بیان ہوچکے کہ غیرواجب عبادت کو اپنے پر واجب کرلینا نذر ہے۔نذر شرعی میں یہ شرط ہے کہ ایسی چیز کی نذر مانی جائے جو کہیں نہ کہیں واجب ہو،جو چیزیں کہیں واجب نہ ہو اس کی نذر شرعی درست نہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ وہ کام عبادت ہو۔تیسرے یہ کہ خالص اللہ تعالٰی کے لیے ہوکسی بندے کے لیے نہ ہو کیونکہ نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت صرف رب تعالٰی کی ہی ہوسکتی ہے،ہاں نذر لغوی بمعنے نذرانہ بندوں کی ہوسکتی ہے مگر اس کا پوراکرنا شرعًا واجب نہیں۔فاتحہ بزرگان،گیارھویں شریف کی نذر ماننا شرعی نذر نہیں لغوی نذر ہے،بمعنی نذرانہ وہدیہ ثواب کا۔ایک لونڈی نے نذر مانی تھی کہ جب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ احد سے بخیریت واپس آئے ہوئے دیکھ لوں تو آپ کے سامنے دف بجاؤں،چنانچہ اس نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیافرمایا اپنی نذر پوری کرو،یہ نذر لغوی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی پر خوشی منانا۔خیال رہے کہ حرام کام کی نذر تو درست نہیں اور وہ حرام کام ہرگز نہ کرے مگر اس پر کفارہ واجب ہے مثلًا کوئی شخص شراب یا جوئے کی نذر مانتا ہے یہ نذر درست نہیں اس پر ضروری ہے کہ یہ جرم ہرگز نہ کرے مگر کفارہ دینا ہوگا جیساکہ آئندہ اسی باب میں اس کے متعلق احادیث آرہی ہیں،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نذر نہ مانا کرو۱؎ کیونکہ نذر تقدیر سے کچھ دفع نہیں کرتی بلکہ اس کے ذریعہ کنجوس سے کچھ دلوایا جاتا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی بات بات پر نذر مان لینے کے عادی نہ بنو کہ پھر نذر پوراکرنا مشکل و بھاری معلوم ہوتا ہے یا نذر میں یہ اعتقاد نہ رکھو کہ نذر سے ارادۂ الٰہی و حکم ربانی بدل جاتا ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے یا صدقہ و خیرات صرف نذر کی صورت میں ہی نہ کیا کروکہ جب کوئی اٹکا تو نذر مانی اور کام نکل جانے پر خیرات کی بلکہ یوں ہی صدقہ کرنے کی بھی عادت ڈالو لہٰذا یہ نذر سے ممانعت نہیں بلکہ ان چیزوں سے ممانعت ہے لہٰذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں جن میں نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذْرِ"اور حضرت حنہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے:"اِنِّیۡ

نَذَرۡتُ لَكَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ "اور حضرت مریم کو نذر کا حکم دینا بیان فرماتاہے:"اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا"صحابہ کرام نے نذریں مانی ہیں لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ لا تنذروا نہی ہےاور نہی حرمت پیدا کرتی ہے تو چاہیے کہ نذر ماننا حرام ہواور حرام کا پورا کرنا واجب تو کیا مباح بھی نہیں ہوتا غرضکہ حدیث صاف ہے۔

۲؎ یعنی کنجوس لوگ ویسے خیرات نہیں کرتے بلکہ مصیبت پڑ جانے پر معاوضہ کی شکل میں خیرات کرتے ہیں،سخی لوگ ہر حال میں خیرات کرتے رہتے ہیں،وہ رب تعالٰی کی رضا کے لیے خیرات کرتے ہیں نہ کہ کسی معاوضہ اور بدلہ میں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے ۱؎ اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ نافرمانی نہ کرے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ کیونکہ اللہ تعالٰی کی عبادت تو ویسے بھی کرنی چاہیےاور جب نذر مان لی تو بدرجہ اولٰی کرنی چاہیے۔

۲؎ خیال رہے کہ جو کام بذات خود گناہ ہواس کی نذر درست ہی نہیں جیسے شراب پینے،جوا کھیلنے،کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی نذر کہ ایسی نذریں باطل ہیں ان کا پوراکرنا حرام مگر ان پر کفارہ واجب ہے کہ یہ کام ہرگز نہ کرےاور کفارہ ادا کرے،اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے کہ اس نے رب تعالٰی کے نام کی بےحرمتی کی مگر جو کام کسی عارضہ کی وجہ سے ممنوع ہوں ان کی نذر درست ہے یا ان کی قضا کرے یا کفارہ دے جیسے عید کے دن کے روزے یا طلوع آفتاب کے وقت نفل پڑھنے کی منت کہ یہ منت درست ہے،یہ ہی مذہب احناف ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو نافرمانی کی منت پوری کرنی چاہیے نہ اس کی جس کا بندہ مالک نہ ہو ۱؎ (مسلم)اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی معصیت میں نذر نہیں۔	

۱؎ مثلًا کہے کہ خدایا اگر میرا یہ کام ہوگیا تو فلاں کے غلام کو آزاد کردوں گا یا فلاں کی بکری کی قربانی دے دونگا۔ احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ،نسائی نے حضرت عمران ابن حصین سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کی نذر درست نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔(مرقات)جس سے معلوم ہوا کہ معصیت وغیرہ کی نذر معتبر ہے مگر پوری نہ کرے کفارہ ادا کرے،یوں ہی غیر کی مملوکہ چیز کی نذر درست نہیں مگر اس کا کفارہ واجب ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ نذر کا کفارہ قسم کا ہی کفارہ ہے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،جہنی ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر رہے جب کہ امیر معاویہ کے بھائی عقبہ ابن ابی سفیان فوت ہوگئے،پہلے وہ گورنر تھے،آپ سے بہت صحابہ و تابعین نے احادیث روایت کیں۔(مرقات واشعہ)
۲؎ یعنی جو شخص نذر پوری نہ کرے یا شرعًا و عقلًا پوری نہ کرسکے تو اس کا کفارہ دے۔نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہےغلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کا کھانا یا کپڑا،اگر طاقت نہ ہو تو تین روزے،نذر خواہ معلق ہو یامطلق سب کا حکم یہ ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا دیکھا ۱؎ حضور نے اس کے متعلق پوچھالوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے ۲؎ اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے نہ بیٹھے گانہ سایہ لے گا نہ کلام کرے گا ۳؎ اور روزے رکھے گاتو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے حکم دو کہ کلام کرےسایہ لے لےاور بیٹھ جائے ۴؎ اور اپنا روزہ پورا کرلے۔(بخاری)

۱؎ اس طرح کہ سب لوگ بیٹھ کر خطبہ سن رہے تھے مگر یہ صاحب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوکر سن رہے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ پڑھنا کھڑے ہوکر سننا بیٹھ کر سنت اسی لیے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھڑے ہونے پر تعجب فرمایا۔
۲؎ یہ حضرت بنی عامر لوی کی اولاد سے تھے،قریش کے ایک خاندان سے،ان کا نام ابواسرائیل ہی تھا۔
۳؎ یعنی نماز کے علاوہ کسی وقت نہ بیٹھے گا اورکسی انسان سے کلام نہ کرے گا،یہ مطلب نہیں کہ التحیات میں بھی نہ بیٹھے گا اور نماز میں تلاوت وغیرہ بھی نہ کرے گا،عادات کی نفی ہے عبادات کی نفی نہیں۔
۴؎ یعنی خاموش رہنا سایہ میں نہ بیٹھنا کوئی عبادت نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ نماز میں قرأۃ فرض ہے اور التحیات میں بیٹھنا واجب بھی ہے فرض بھی،اس طرح ہمیشہ کھڑا رہنا طاقت انسانی سے باہر ہے یہ نذر توڑ دے مگر روزہ چونکہ عبادت ہے اس لیے اسے پورا کرے۔خیال رہے کہ ابو اسرائیل نے ہمیشہ کھڑے رہنے ہمیشہ خاموش رہنے سایہ میں نہ بیٹھنے روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نذریں توڑنے کا حکم دیا مگر روزے کی نذر پوری کرنے کی تاکید فرمائی جوکوئی ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانے وہ سال میں پانچ حرام روزوں کے سواء تمام دن روزے رکھےاور ان پانچ دن روزے نہ رکھنے کی وجہ سے کفارہ دے،نذر کا کفارہ وہ ہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے،امام شافعی کے ہاں ان دونوں کی نذر درست ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان چلا جارہا تھا ۱؎ تو فرمایا اس کا کیاحال ہےلوگوں نے

عرض کیا کہ انہوں نے پیدل چلنے کی منت مانی ہے۲؎ فرمایا اللہ تعالٰی اس کے اپنے نفس کو عذاب دینے سے غنی ہے اور اسے سوار ہوجانے کا حکم دیا۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی چلنے پر قادر نہ تھا اس لیے اپنے دو بیٹوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے گھسٹتا ہوا جارہا تھا۔

۲؎ یعنی پیدل حج کرنے کی کہ میقات سے یا حرم شریف سے عرفات تک،پھر وہاں سے حرم شریف تک پیدل چلوں گا۔خیال رہے کہ جو شخص پیدل حج کرنے کی نذر مانے اس پر واجب ہے کہ اپنے گھر سے پیدل جائے اور حج کرے،بعض نے فرمایا کہ میقات سے پیدل چلے،بعض کے نزدیک مقام احرام سے اگر پیدل نہ چلا سوار ہوگیا تو اس پر قربانی یعنی دم واجب ہے کہ اس نے حج کا ایک واجب چھوڑ دیا جو اس نے خود واجب کرلیا تھا۔

۳؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں پیدل حج کرنے کی نذرمانے اور سوار ہوکر حج کرے اس پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں کہ یہ نذر درست ہی نہیں مگر امام اعظم اور خود امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شخص دم یعنی قربانی دے کہ اس نے اپنے حج کا واجب ترک کیا اور ترک واجب سے قربانی واجب ہوتی ہے۔

اور مسلم کی روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے فرمایا اے بوڑھے سوار ہوجا کہ اللہ تعالٰی تجھ سے اور تیری نذر سے بے نیاز ہے ۱؎	

۱؎ یہاں یہ تو فرمایا گیا کہ مجبور شخص پیدل چلنے کی نذر پوری نہ کرے اس سے خاموشی ہے کہ اس پر کچھ کفارہ وغیرہ ہے یا نہیں اس کے لیے دوسری روایات ہیں کہ حج کا واجب چھوٹ جانے سے قربانی واجب ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ سعد ابن عبادہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے متعلق پوچھا جو ان کی ماں پر تھی ۱؎ پھر وہ نذرپوری کرنے سے پہلے وفات پاگئیں تو انہیں فتویٰ دیا کہ ان کی طرف سے ادا کریں۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ غالب یہ ہے کہ نذر غیر مشروط تھی اور مالی تھی۔چنانچہ دارقطنی میں یوں ہے کہ حضرت سعد سے حضور نے فرمایا کہ اپنی ماں کی نذر پوری کروانے کی طرف سے لوگوں کو پانی پلادو۔معلوم ہوا کہ کنواں کھدوانے کی نذر تھی۔خیال رہے کہ میت کی بدنی نذر جیسے روزہ،نماز وارث ادا نہیں کرسکتا۔مالی نذر اگر میت نے مال چھوڑا ہے اور اس نذر کے پورا کرنے کی وصیت کی ہے تو وارث پر پورا کرنا واجب ہے،اگر وصیت نہیں کی یا مال نہیں چھوڑا ہے تو وارث پر یہ نذر بھی پوری کرنا واجب نہیں،ہاں بہتر ہے کہ پوری کردے،یہاں دونوں احتمال ہیں،اگر ام سعد نے مال چھوڑا تھا اور وصیت بھی کی تھی تو یہ امروجوب کے لیے ہے اگر ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہ تھی تو یہ امراستحبابی ہے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کہ میری قبول توبہ کے شکریہ	

	سے یہ ہے کہ اپنے مال سے الگ ہوجاؤں ۲؎ صدقہ کرتے وقت اللہ و رسول کی طرف ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا کچھ مال روک لوتو وہ تمہارے لیے بہتر ہے ۴؎ میں نے عرض کیا کہ میں اپنا وہ حصہ روکتا ہوں جو خیبر میں ہے ۵؎ (مسلم،بخاری) یہ بڑی حدیث کا ایک حصہ ہے ۶؎

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،بڑے شاعر تھے،آپ ان تین صحابہ سے ہیں جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جن کا بائیکاٹ کرایا گیا اور پھر ان کی توبہ قرآن پاک میں نازل ہوئی جس کا نام ہے سورۂ توبہ،یہ تین حضرات مرارہ ابن لوی،کعب ابن مالک،ہلال ابن امیہ ہیں ان تینوں کے ناموں کا پہلا حرف لفظ مکہ میں جمع ہے،میم سے مرارہ،کاف سے کعب،ہ سے ہلال کی طرف اشارہ ہے،یہ حضرات بڑے درجہ والے ہیں۔

۲؎ یعنی چونکہ رب تعالٰی نے میری توبہ قبول فرمائی،اس کے شکریہ میں مَیں اپنے پر لازم کرتاہوں کہ سارے مال سے علیٰحدہ ہوجاؤں سب مال خیرات کردوں۔خیال رہے کہ یہ نذر نہیں بلکہ شکریہ ہے مگر مشابہ نذر ہےاس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

۳؎ یعنی اللہ و رسول کو راضی کرنے کے لیے اپنا سارا مال صدقہ کرتا ہوں۔معلوم ہوا کہ عبادات میں اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی نیت شرک نہیں بلکہ سنت صحابہ ہے،دیکھو حضرت کعب حضور کی بارگاہ میں عرض کررہے ہیں اور حضور اس پر فتویٰ کفر نہیں دیتے بلکہ اس کو جائز رکھتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ"۔

۴؎ یعنی سارا مال خیرات نہ کرو کچھ اپنی ضروریات کے لیے رکھو کچھ خیرات کرو تاکہ تم آج خیرات دے کر کل خیرات لینے کے لائق نہ بن جاؤ،چونکہ انہوں نے ارادۂ صدقہ کیا تھا اس کی نذر مانی تھی اس لیے سرکار نے ان کے ارادہ میں تبدیلی فرمادی۔جو شخص سارے مال کی خیرات کی نذر مان لے وہ چند دن کا خرچ رکھ کر سب کچھ خیرات کردے،پھر مال کما کر اس خرچہ کی بقدر بھی خیرات کردے جو اس نے رکھا تھا۔

۵؎ یعنی میری جو زمین وغیرہ خیبر میں ہے وہ اپنی ضروریات کے لیے رکھتا ہوں باقی مال صدقہ کرتا ہوں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کی قلبی کیفیت سے خبردار ہیں،حضرت ابوبکر صدیق نے سارا مال خیرات فرمایا تو انہیں منع نہ کیا کہ صدیق اکبر مع اپنے بال بچوں کے زہدوقناعت کے اعلٰی درجہ پر تھے،حضرت کعب اور آپ کے بال بچے اس درجہ پر ابھی نہ پہنچے تھے۔مصرع چشم تو بینندہ مافی الصدور۔

۶؎ جو مسلم،بخاری وغیرہم نے بہت تفصیل سے بیان کیا قصۂ توبہ،کعب ابن مالک خود صاحب مصابیح نے اپنی کتاب تفسیر معالم التنزیل نے بہت مفصّل نقل فرمایا،یہاں مصابیح میں بقدر ضرورت لائے اور اسے مسلم،بخاری کی طرف مسند فرماکر کفایت کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گناہ میں نذر نہیں ۱؎ اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے ۲؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)۳؎	

۱؎ یعنی گناہ کی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں کہ وہ نذر درست ہی نہیں ورنہ کفارہ واجب ہونے کے کیا معنے۔خلاصہ یہ ہے کہ وجوب نذر معصیت میں نہیں ہوتا کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔

۲؎ یہ حدیث امام اعظم کی بڑی قوی دلیل ہے حضرت امام شافعی کے خلاف ہے،ان کے ہاں حرام چیز کی نذر میں کفارہ بھی نہیں ہوتا،امام اعظم کے ہاں ایسی نذر کا پورا کرنا حرام ہے اس کا کفارہ واجب ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام سیوطی نے جامع صغیر میں احمد اور ائمہ اربعہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے،نسائی نے عمران ابن حصین سے نقل کی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاجو نذر مانے اور اسے مقرر نہ کرے تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے ۱؎ اور جو گناہ میں منت مانے تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہےاور جو ایسی نذر مانے جس کی طاقت نہ ہو تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے ۲؎ اور جو ایسی نذر مانے جس کی طاقت رکھتا ہو تو اسے پورا کرے ۳؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)بعض نے یہ حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف کی۔	

۱؎ یعنی جو نذرمطلق مانے مثلًا اگر میرے بیمار کو شفا ہوگئی تو مجھ پر اللہ کے لیے نذر ہے یہ نہ کہے کس چیز کی نذر ہے روزہ حج صدقہ وغیرہ تو اس پر کفارہ دینا واجب ہے کیونکہ وہ اس نذر کے پوراکرنے پر قادر نہیں،امام احمدوشافعی وغیرہم نے حدیث کی اور توجیہیں کی ہیں مگر وہ تمام تکلفات ہیں۔صحیح توجیہ یہ ہی ہے جو ہم نے عرض کی یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔فتح القدیر میں فرمایا کہ نذرمطلق صیغۃً نذر ہوتی ہے کلمًا قسم،ہاں اگر یہ الفاظ کہتے وقت کسی خاص عبادت کی نیت کرے درست ہے اور اس پر وہ ہی عبادت لازم ہوگی۔

۲؎ مثلًا کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں اللہ کے لیے پہاڑ اٹھالوں گا یا آسمان پر چڑھ جاؤں گا وغیرہ، چونکہ یہ کام طاقت سے باہر ہے یا کہے کہ میں حج کروں گا حالانکہ خرچ پاس نہ ہویا کہے کہ پیدل حج کروں گا حالانکہ راستہ دراز ہو بیچ میں سمندر حائل ہوان سب میں کفارہ واجب ہوگا۔

۳؎ نذر پوری کرنے کے واجب ہونے کی شرائط ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ ایسے کام کی نذر مانے جس کی جنس کا کوئی واجب بعینہٖ ہو اور اس کے پورا کرنے پر طاقت بھی رکھتا ہو لہذا وضو کرنے،بیمار پرسی کرنے،نماز جنازہ میں شرکت کرنے کی نذر پوری کرنا واجب نہیں کہ وضو وغیرہ واجب بعینہٖ نہیں اور ایسی نذر میں بھی کفارہ کا اختیار ہوتا ہے مگر پوری کرنا مقدم۔

	روایت ہے حضرت ثابت ابن ضحاک سے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نذر مانی کہ مقام بوانہ میں اونٹ ذبح کرے گا۱؎ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو یہ خبر دی۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہاں جاہلیت کے بتوں سے کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی تھی لوگوں نے کہا نہیں،فرمایا کیا وہاں ان کے میلوں سے کوئی میلہ لگتا تھا لوگ بولے نہیں۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۴؎ کیونکہ نہ تو اللہ کے گناہ میں نذر درست ہے اور نہ اس میں جس کا انسان مالک نہ ہو۵؎(ابوداؤد)

۱؎ بوانہ دو ہیں:ایک تو مکہ معظّمہ کے قریب جگہ ہے یلملم پہاڑ سے متصل،دوسرا ملک فارس میں مگر فارس والی جگہ کا نام بوّان ہے بغیر ہ کے،واؤ کے شد سے یہاں پہلی جگہ مراد ہے۔(مرقات)

۲؎ اور حضور سے مسئلہ پوچھا کہ یہ نذر پوری کروں یا نہیں۔

۳؎ ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ کفار کی مشابہت سے بچے،ان کی مذہبی شعار اور قومی علامات اختیار نہ کرے،کفار کی مذہبی علامات اختیار کرنا کفر ہے اور ان کی قومی علامات اختیار کرنا حرام،زنّار باندھنا،سر پر چوٹی رکھنا کفر ہے،ہندوؤں کی دھوتی،عیسائیوں کا ہیٹ استعمال کرنا حرام،اگر بوانہ میں بت ہوتا جہاں مشرکین اس کی بھینٹ کے لیے جانور ذبح کرتے ہوتے تو وہاں ان صحابی کو جانور ذبح کرنا کفر ہوتا،اگر وہاں ان کا میلہ لگتا ہوتا جہاں وہ جانور ذبح کرتے ہوتے اور یہ ذبح ان کا قومی نشان ہوتا تو وہاں ذبح کرنا ان صحابی کو حرام ہوتا۔خیال رہے کہ عرس بزرگان کفار کے میلے نہیں،یہاں کفار کے میلوں کا ذکر ہے لہذا وہابیوں کا اسے عرس وغیرہ پر چسپاں کرنا حماقت ہے ورنہ پھر جلسوں کے مجمعوں میں جانور ذبح کرنا حرام ہونا چاہیے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی خاص جگہ قربانی کرنے یا خاص جگہ کے فقراء پر صدقہ کرنے کی نذر مانے تو اسے پورا کرے۔(مرقات)تو جو مسلمان حرمین شریفین کے فقراء پر صدقہ،کسی بزرگ کے مزار کے پاس رہنے والے مسکینوں پر خیرات کرنے کی منت مانے وہ اسے پورا کرے وہاں ہی کے فقراء کو دے،کسی بزرگ کے مزار پر ذبح کی نذر مانے تو وہاں ہی ذبح کرے۔

۵؎ مگر فرق یہ ہوگا کہ گناہ کی نذر میں کفارہ واجب ہوگا اور غیر مملوکہ چیز کی نذر میں نہ پورا کرنا واجب نہ کفارہ لازم۔(مرقات)لہذا اگر کوئی نذر مانے کہ میں فلاں کی بکری قربانی کردوں گا نذر درست نہیں،اگر وہ اس بکری کو خرید بھی لے تب بھی اس کی قربانی واجب نہ ہوگی نہ کفارہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ حضور کے سامنے دف بجاؤں ۱؎ فرمایا اپنی نذر پوری کرلو ۲؎(ابوداؤد)اور رزین نے یہ اور زیادہ کیا کہ بولی اور میں نے یہ نذر مانی تھی کہ فلاں فلاں جگہ جانور ذبح کروں جہاں جاہلیت والے ذبح کرتے تھے ۳؎ تو فرمایا کیا اس جگہ جاہلیت کے بتوں سے کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو؟بولی نہیں،فرمایا کیا وہاں ان کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا بولیں نہیں،فرمایا اپنی نذر پوری کرو ۴؎	

۱؎ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کسی خطرناک غزوہ میں تشریف لے گئے تھے جہاں کفار کی یلغار زیادہ تھی تب ان بی بی صاحبہ نے نذر مانی تھی کہ جب حضور بخیریت مدینہ منورہ تشریف لائیں تو آپ کے سامنے دف بجاؤں،دف بجانا کوئی عبادت نہیں اس لیے مسئلہ پوچھا کہ یہ نذر درست ہے یا نہیں،دف دال کے فتح سے بھی ہے اور دال کے پیش سے بھی،پیش زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

۲؎ اس لیے کہ اگرچہ دف بجانا عبادت نہیں مگر حضور کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار بھی عبادت ہے اور کفار کو جلانا بھی عبادت ہے،دف بجانے میں یہ دونوں باتیں ہیں۔(مرقات واشعہ)لہذا جو شخص میلاد شریف،گیارھویں شریف کی نذر مانے وہ ضرور پوری کرے کہ یہ حضور کی ولادت کی خوشی منانے کی نذر ہے۔مرقات نے فرمایا کہ نکاح میں اعلان کے لیے دف بجانا اس لیے ثواب ہے کہ اس میں نکاح کی خوشی،نکاح کا اعلان،زنا و نکاح کے درمیان فرق ہے۔چنانچہ ان بی بی صاحبہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجائی،جنگ احد کا واقعہ دوسرا ہے وہاں ایک لونڈی نے دف بجانے کی نذر مانی تھی۔

۳؎ مگر وہاں کوئی بت یا میلہ نہ تھا اتفاقًا ذبح کرتے تھے یا کسی اور مقصد کے لیے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ فقط کفار کا کسی جگہ جانور ذبح کرنا مؤمن کی نذر کے لیے مانع نہیں،جو مانع ہے وہ کچھ اور ہے یعنی بت کی موجودگی یا کفار کا میلہ کہ ان دونوں صورتوں میں ان سے تشبیہ ہے اور اس تیسری صورت میں جو یہاں پیش ہے محض کفار کے ساتھ اشتراک عمل ہے،تشبیہ بالکفار حرام یا کفر ہے اشتراک درست۔

روایت ہے حضرت ابولبابہ سے ۱؎ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری توبہ سے یہ ہے	

	کہ میں اپنی قوم کی جگہ چھوڑ دوں جہاں میں نے یہ گناہ کیا ۲؎ اور یہ ہے کہ اپنے سارے مال سے علیحدہ ہوجاؤں صدقہ کرتے ہوئے فرمایا تمہیں تہائی کافی ہے ۳؎ (رزین)

۱؎ آپ کا نام رفاعہ ابن عبدالمنذر ہے مگر کنیت میں مشہور ہیں،انصاری اوسی ہیں،مدینہ پاک کے نقیبوں میں سے تھے،غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہوئے،انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک میں رہنے وہاں انتظام کرنے کا حکم دیا اور غنیمت بدر میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا،علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔(مرقات،اشعہ،اکمال)

۲؎ حضرت ابولبابہ کے بال بچے بنی قریظہ یہود کے محلّہ میں رہتے تھے اسی وجہ سے ابولبابہ کے تعلقات یہود بنی قریظہ سے تھے،غزوہ خندق کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا جو پچیس دن رہا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیجئے تاکہ ہم ان سے مشورہ کرلیں۔چنانچہ حضور نے ابولبابہ کو وہاں بھیج دیا،وہ لوگ ابولبابہ کو دیکھ کر مردوعورتیں روئے آہ و فغاں کرنے لگے جس سے ابولبابہ کا دل بھر آیا ان یہود نے پوچھا کہ اگر ہم اپنے قلعوں سے اتر آئیں تو ہم سے کیا برتاؤ کیا جائے گا تو ابولبابہ نے اپنے حلق پر انگلی پھیر کر اشارۃً بتایا کہ تم سب قتل کئے جاؤ گے،اشارہ کرتے ہی نادم ہوئے سوچنے لگے کہ میں نے اللہ رسول کی خیانت کی تب انہوں نے اپنے کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے بندھوالیا اور بولے کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی میں بندھا رہوں گا،حضور نے فرمایا کہ اگر ابولبابہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے دعائے مغفرت کردیتا وہ براہ راست رب تعالٰی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اب جب تک وہ حکم نہ دیگا میں نہ کھولوں گا،چنانچہ آپ سات دن بندھے رہے ہر نماز کے وقت آپ کی بیٹی آتی کھول دیتی اور نماز باجماعت پڑھ لیتے پھر بندھ جاتے،کھانا پینا چھوٹ گیا تب ان کی توبہ قبول ہوئی،آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ و سلم اپنے ہاتھ سے کھولیں تو کھولوں گا چنانچہ حضور نے اپنے ہاتھ سے کھولا اس ستون کا نام استوانہ توبہ بھی ہے استوانہ ابولبابہ بھی۔اب بھی حجاج وہاں کھڑے ہوکر توبہ کرتے ہیں۔کھلنے کے بعد آپ نے عرض کیا کہ میں محلّہ چھوڑ دوں گا جہاں رہنے کی وجہ سے یہ گناہ ہوا اور اپنا سارا مال خیرات کردوں گا توبہ کی خوشی میں۔

۳؎ یہ منت و نذر نہ تھی بلکہ قبول توبہ کے شکریہ میں صدقہ کرنے کا ارادہ تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تہائی خیرات کرنے کی اجازت دی۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے صدقہ دینا کہ اس صدقے کی برکت سے گناہ کا اثر دل سے جاتا رہے بہتر ہے ان کی دلیل یہ ہی حدیث ہے۔(مرقات)اب بھی مفتی صاحبان بعض موقعہ پر صدقہ کا حکم دے دیتے ہیں اس حدیث کی وجہ سے۔خیال رہے کہ بابا فرید الدین گنج شکر جو بارہ سال کنویں میں لٹک کر عبادت کرتے رہے کہ سواء نماز کے اوقات کے کسی وقت کنویں سے باہر نہ آتے اور نماز پڑھتے ہی پھر وہاں لٹک جاتے،اس کا ماخذ یہ حدیث بن سکتی ہے،مرقات نے یہاں فرمایا کہ ابولبابہ نے سات دن کچھ نہ کھایا حتی کہ غشی طاری ہوگئی،بینائی بہت کم ہوگئی،صوفیاء کے فقر فاقہ،ترکِ غذا وغیرہ اسی سے ثابت ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک سکونت کی اجازت دی،ترمیم صرف صدقے میں فرمائی۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ فتح مکہ کے سال ایک شخص کھڑا ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم میں نے اللہ کے لیے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالٰی آپ کو فتح مکہ عطا کرے تو میں بیت المقدس میں دو رکعتیں پڑھوں گا۱فرمایا یہاں ہی پڑھ لو۲تو انہوں نے پھر سوال دھرایا،فرمایا یہاں ہی پڑھ لو،پھر سوال دہرایا،فرمایا اچھا تو تم جانو۳(ابوداؤد،دارمی)

۱مقدس میم کے فتح دال کے کسرہ سے بمعنی بزرگی والا گھر مگر عوام**مقدس** باب تفعیل کا اسم مفعول بولتے ہیں۔شاید ان صاحب کا خیال یہ ہوگا کہ بیت المقدس کی نماز حرمین شریفین کی مسجد بیت اللہ اور مسجد نبوی شریف کی نماز سے افضل ہے حالانکہ مسجد حرام شریف میں ثواب زیادہ ہے۔

۲اگر یہ سوال مکہ معظّمہ میں تھا تو یہاں سے مراد مسجد حرام شریف ہے اور اگر مدینہ منورہ میں سوال ہوا ہے تو یہاں سے مراد مسجد نبوی شریف ہے۔خیال رہے کہ مکہ معظّمہ کی مسجد کا ثواب بیت المقدس سے دوگنا ہے کہ وہاں ایک کا ثواب پچاس ہزار ہے اور حرم شریف میں ایک لاکھ اور مسجد نبوی کا ثواب بیت المقدس کے برابر مگر مسجد نبوی میں نماز کا درجہ زیادہ ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب ہے اور اگر کوئی شخص نذر سے اعلیٰ عبادت اداکردے تو نذر ادا ہوجاتی ہے،چونکہ نذر تھی بیت المقدس کی اور یہ صاحب ادا کرتے ہیں مسجد حرام یا مسجد نبوی میں جو وہاں سے اعلیٰ ہے لہذا بہرحال نذر پوری ہوجاتی۔مساجد میں اعلیٰ مسجد حرام ہے،پھرمسجد نبوی،پھر مسجد قدسی،پھر اپنے شہر کی جامع مسجد،پھر محلّہ کی مسجد،پھر گھر کی مسجد(جاء نماز)امام زفرو ابویوسف کا مذہب ہے کہ مسجد قدسی کی نماز کی نذر حرم شریف اور مسجد نبوی کی نماز سے ادا ہوجاتی ہے مگر اس کے برعکس درست نہیں یعنی مسجد حرام کی نماز کی نذر مسجد قدسی کی نماز سے ادا نہیں ہوتی مگر امام اعظم و محمد کے نزدیک نماز میں جگہ کی تخصیص معتبر نہیں لہذا اگر مسجد حرام کی نماز کی نذر مانی ہو تو جہاں پڑھ لے درست ہے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ امام اعظم کے نزدیک بھی یہ درست نہیں نذر یا مساوی میں ادا ہوگی یا اعلیٰ میں۔

۳یعنی ہم نے تم کو وہ بات بتائی تھی جو اعلیٰ بھی تھی اور آسان بھی لیکن تم کو اپنی بات پر اصرار ہے تو جاؤ وہاں ہی یعنی بیت المقدس میں ہی پڑھ کر آؤ۔معلوم ہوا کہ وہ حضور کا مشورہ تھا حکم نہ تھا اور اگر حکم تھا تو استحبابی اسی لیے اس کے نہ ماننے کا اختیار تھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ عقبہ ابن عامر کی بہن نے نذر مانی کہ پیدل حج کریں۱اور وہ اس کی طاقت نہ رکھتی تھیں تو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی تمہاری بہن کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے وہ سوار ہوجائیں اور ایک ہدی لے جائیں۲(ابوداؤد،دارمی)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سوار ہوجائیں اور ہدی لے

	جائیں۳ اور ان کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کی اس مشقت سے کچھ نہ کرے گا۴ وہ سوار ہوجائیں،حج کرلیں اور اپنی قسم کا کفارہ دیں ۵

۱؎ اس طرح کہ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ پیدل جاکر حج کریں۔

۲؎ امام شافعی کے ہاں بدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں،امام اعظم کے ہاں بدنہ میں اونٹ و گائے بکری سب شامل ہیں یعنی ڈیل دار جانور۔

۳؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ہدی کا حکم استحبابی ہے اس صورت میں اس پر کفارہ قسم یا کفارہ نذر واجب ہے مگر حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ہدی واجب ہے۔

۴؎ شقاء بمعنی مشقت ہے سعادت کا مقابل نہیں یعنی اس کے معنے بدبختی کم نصیبی نہیں۔مطلب یہ ہے کہ تمہاری بہن کی اس مشقت سے رب تعالیٰ خوش نہیں۔

۵؎ کفارہ سے مراد کفارہ قباحۃ حج ہے ہدی یا اس کے قائم مقام دس روزے لہذا یہ عبارت گزشتہ عبارت کے خلاف نہیں مگرچونکہ یہ کفارہ اس نذر کی بنا پرواجب ہوا لہذا اسے نذرکی طرف منسوب فرمادیا گیا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک سے کہ عقبہ ابن عامر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا ۱؎ جنہوں نے نذر مانی تھی کہ ننگے پاؤں بغیر دوپٹہ حج کریں گی ۲؎ فرمایا انہیں حکم دے دو کہ دوپٹہ اوڑھیں اور سوار ہو جائیں اور تین دن روزہ رکھیں۳؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ عبداللہ ابن مالک کی کنیت ابوتمیم ہے،جیشانی ہیں،تابعی ہیں،حضرت عمروابوذرغفاری وغیرہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے اور عقبہ ابن عامر جہنی صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ تک حج کرنے پیدل ننگے پاؤں ننگے سر جائیں گی۔خیال رہے کہ عورت کے لیے ننگے سر نکلنا گناہ ہے کہ بے پردگی بلکہ ستر کھولنا ہے گناہ کی نذرمنعقد تو ہوجاتی ہے مگر اس کا پورا کرنا حرام ہوتا ہے،کفارہ واجب ننگے پاؤں پیدل چلنا جائز ہے جس کی نذرمنعقد ہوجاتی ہے،یہ مذہب ہے امام اعظم کا،دوسرے ائمہ کے ہاں ان کاموں کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوپٹہ اوڑھنے کا حکم اس لیے دیا کہ عورت کا ننگے سر نکلنا گناہ ہے،عورت کا سر ستر ہے،سوار ہونے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز تھیں،تین روزے یا تو اس نذر کا کفارہ ہے یا ہدی کے

عوض ہے جیساکہ پہلے گزرا۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تین روزے حج کے زمانہ میں رکھیں،ساتویں،آٹھویں،نویں،بقر عید کےاور سات روزے گھر آکر"تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ"یہ حکم قرآن ہے۔

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ دو انصاری بھائی جن کے درمیان کچھ میراث تھی ان میں سے ایک نے دوسرے سے تقسیم کا مطالبہ کیا تو میرا سارا مال خانہ کعبہ میں صرف ہوا ۱؎ تو ان سے حضرت عمر نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے مال سے غنی ہے ۲؎ اپنی قسم کا کفارہ دواور اپنے بھائی سے کلام کرو ۳؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تم پرقسم ہے اور نہ نذر ہے اللہ کی نافرمانی میں اور نہ قطع رحمی میں اور نہ اس میں جس کا مالک نہ ہو ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اس بھائی نے اپنے دوسرے بھائی سے کہا کہ باپ کا متروکہ مال ہم تم تقسیم کرلیں آدھا تم لے لو آدھا مجھے دے دو،اگر دوسرے اور وارث بھی ہوں تو ہر ایک کو اس کا حصہ دے دو دراہم،دینار،زمین باغ وغیرہ۔

۲؎ رتاج ر کے کسرہ سے بمعنی زینت،مصلحت،بڑا دروازہ مگر اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہ لفظ زائد ہوتا ہے اظہار عظمت کے لیے جیسے لفظ جناب لہذا معنے یہ ہوئے کہ محترم کعبہ کے خرچ میں میرا مال صرف ہو،یہ ایک قسم کی نذر مانی،وہ چاہتے تھے کہ ہم سب بھائی ملے جلے رہیں تقسیم کر کے علیحدہ نہ ہوجائیں میراث دینے سے انکار نہ تھا یعنی کعبہ معظّمہ کے خرچ کے لیے رب تعالٰی بہت روپیہ بھیجتا ہے اس کا کوئی خرچ رکا ہوا نہیں ہے۔

۳؎ یعنی اب اگر تمہارا بھائی تقسیم میراث کا تم سے مطالبہ کرے تو تم اس سے بے تکلف کلام کرو اور اپنا سارا مال کعبہ معظّمہ نہ بھیجو بلکہ اسی نذر کا کفارہ دے دو جو کفارہ قسم کی طرح ہے یا تمہارا یہ کلام قسم ہے نذر نہیں،قسم توڑ کر بھائی سے کلام کرلو پھر کفارہ ادا کرو۔

۴؎ یعنی تم نے یہ قسم قطعیت رحم کی کھائی ہے بھائی سے کلام نہ کرنا قطع رحم ہے اور اس کی قسم منعقد تو ہوجاتی ہے مگر پورا کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ ایسی قسم کا توڑنا ضروری ہوتا ہے۔لایمین کے یہ معنے نہیں کہ قسم منعقد ہی نہ ہوئی ورنہ پھر کفارہ کیسا؟بلکہ معنے یہ ہیں کہ اس قسم کا پورا کرنا ممنوع ہے۔لایملك یا معروف ہے یا مجہول یعنی جو چیز قسم کھانے والے کی مملوک نہ ہو یا جس کا قسم کھانے والا مالک نہ ہو اس کا کفارہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں	

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا نذریں دو ہیں ۱؎ تو جو کوئی فرمانبرداری کی نذر مانے تو یہ نذر اللہ کے لیے ہے اس میں وفا لازم ہے ۲؎ اور جو گناہ کی نذر مانے تو یہ نذر شیطان کے لیے ہے اور اس کی وفا نہیں ۳؎ اس کا کفارہ وہ ہی بنے گا جو قسم کا کفارہ بنتا ہے ۴؎ (نسائی)	

۱؎ یعنی دو قسم کی ہیں اور ہر قسم کے تحت بہت سی قسمیں ہیں۔

۲؎ یعنی عبادت کی نذر سے رب تعالٰی راضی ہے اوراس کا پوراکرنا واجب ہے جیسے حج یا صدقہ یا روزہ یا نوافل کی نذر۔

۳؎ یعنی ایسی نذر سے شیطان خوش ہوتا ہےاسے ہرگز پورا نہ کرے جیسے ظلمًا قتل،ماں باپ کی نافرمانی یا نماز روزہ چھوڑ دینے کی نذر کہ شیطان تو ایسی حرکتیں کرانا ہی چاہتا ہے جب بندہ اس کی نذر مان لیتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ میرا منشا پورا ہوا۔

۴؎ یعنی گناہ کی نذر کی ادا نہیں مگر ادا نہ کرنے پر کفارہ واجب ہے۔خیال رہے کہ احناف اور امام مالک کے ہاں کافر کی نذر لازم نہیں نہ زمانہ کفر میں نہ مسلمان ہوکر۔کافر خواہ گناہ کی نذر مانے خواہ نیکی کی جیسے بت پرستی کی نذر یا صدقہ و خیرات کی نذر،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمٰنَ لَهُمۡ"۔امام شافعی واحمد کے ہاں اگر کافر نے نیکی کی نذر مانی بعد میں مسلمان ہوگیا تو پوری کرے،ان کی دلیل رب تعالٰی کا فرمان ہے:"وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمٰنَهُمۡ"اور وہ حدیث ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اسلام لانے سے پہلے مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف کی نذر مانی تھی فرمایا پوری کرو،امام اعظم کے ہاں یہ حکم استحبابی ہے اور اس آیت سے قسم سے مراد صورت قسم ہے،امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ امام شافعی بھی کافر کی اس نذر توڑنے پر کفارہ واجب نہیں مانتے اور نذر کا واجب ہونا بغیر کفارہ درست نہیں۔(ازمرقات وغیرہ)خیال رہے کہ کفار کے مقدمات میں ان سے قسم لی جائے گی کہ وہ اپنے اعتقاد میں جھوٹی قسم بری جانتے ہیں،اس بنا پر ان کی قسم لینے کا مقصد درست ہے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن منتشر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالٰی اسے دشمن سے نجات دے تو وہ اپنے آپ کو ذبح کردے گا ۲؎ پھراس نے حضرت ابن عباس سے پوچھا ۳؎ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ مسروق سے پوچھو تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے کو ذبح نہ کر کیونکہ اگر تو مؤمن ہے تو تو نے مؤمن جان کو قتل کرلیا ۴؎ اور اگر تو کافر ہے تو تو نے دوزخ کی طرف جلدی کی ۵؎ اور تو ایک دنبہ خرید اسے ذبح کر دے فقراء	

	کے لیے کیونکہ حضرت اسحاق تجھ سے بہتر تھے اوران کا فدیہ دنبہ سے دیا گیا ۶؎ اس نے حضرت ابن عباس کو خبر دی آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی تجھے یہ ہی فتویٰ دینا چاہا تھا ۷؎ (رزین)

۱؎ آپ تابعی ہیں، ہمدانی ہیں، حضرت مسروق کے بھتیجے، بہت سے صحابہ سے ملاقات ہے جیسے حضرت عمرو عائشہ رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یہ عجیب نذر ہے کہ دشمن سے چھٹکارے کی لذت کو اپنے نفس کی ہلاکت کی تکلیف سے زیادہ سمجھا۔ایک بدوی کا اونٹ کھو گیا اس نے اعلان کیا کہ جو میرا اونٹ لاوے تو وہ اونٹ اسی کو دے دوں گا،لوگوں نے پوچھا پھر تجھے کیا ملے گا؟بولا اونٹ پالینے کی لذت،اس لذت کی تمہیں خبر نہیں۔

۳؎ یہ ہے فتویٰ میں انتہائی احتیاط،آپ نے خیال فرمایا کہ حضرت مسروق ان مسائل میں مجھ سے بڑے عالم ہیں تو ان کے پاس بھیجنے میں شرم نہ فرمائی۔مسروق ابن اجدع ہمدانی ہیں،حضور کی وفات سے کچھ پہلے ایمان لائے،انہیں بچپن میں کسی نے چرالیا تھا بڑی مشکل سے ملے تب سے آپ کا نام مسروق ہو۔امام شعبی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خاندان جنت کے لیے پیدا ہوا ہو تو وہ اسود علقمہ مسروق ہیں،آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی ۶۲ھ؁ کو۔

۴؎ اور مؤمن کو قتل کرنا ظلمًا ازروئے قرآن مجید حرام ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ"اور فرماتاہے:"لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ"۔

۵؎ اور خود دوزخ کی طرف دوڑنا بھی ممنوع ہے اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

۶؎ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہیں کہ حضرت اسحاق علیہم الصلوۃ والسلام،زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔غالبًا حضرت مسروق جناب اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے تھے۔

۷؎ مگر میں نے فتویٰ خود نہ دیا کیونکہ جناب مسروق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاکے صحبت یافتہ اور ان کے شاگرد خاص ہیں وہ بڑے عالم ہیں۔(مرقات)

کتاب القصاص

قصاص کا بیان ؎۱

الفصل الاول

پہلی فصل

؎۱ قصاص قصٌّ سے بنا بمعنی کاٹنا،برابر کرنا،کسی کے پیچھے چلنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا" یہاں بمعنی پیچھے چلنا ہے۔حضور فرماتے ہیں"قصوا الشوارب"مونچھیں کاٹو برابر کرو۔اصطلاح میں قتل یا زخم میں برابری کرنے کو قصاص کہتے ہیں،نیز مقتول کا ولی یا مجروح قاتل اور جارح کے پیچھے پڑتا ہے بدلہ لینے کے لیےلہذا پہلے معنے سے بھی یہ درست ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی اس مسلمان کا خون حلال نہیں جو گواہی دیتا ہوکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ؎۱ مگر تین حرفوں میں سے ایک سے،جان جان کے بدلے ؎۲ شادی شدہ زانی ؎۳ اور اپنے دین سے نکل جانے والا جماعت کو چھوڑنے والا ؎۴(مسلم،بخاری)	

؎۱ یہاں امرءٌ سے مراد مطلق انسان ہے مرد ہو یا عورت،صرف مرد مراد نہیں کیونکہ یہ احکام عورت پر بھی جاری ہیں۔کلمہ طیبہ کا ذکر فرما کر اشارۃً فرمایا کہ ظاہری کلمہ گو جس میں علامت کفر موجود نہ ہو اس کا یہی حکم ہے،مراد کلمہ سے سارے عقائد اسلامیہ کا اقرارکرنا ہے۔

؎۲ یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کو عمدًا قتل کردے تو مقتول کا ولی اسے قصاصًا قتل کراسکتا ہے۔

؎۳ آزاد مسلمان مرد جو ایک بار حلال صحبت کرچکا ہو اسے محصن کہتے ہیں اگر ایسا شخص زنا کرلے تو اس کو رجم یعنی سنگسار کیا جائے گا۔

؎۴ دین سے نکل جانے کی دو صورتیں ہیں:یا تواسلام کو چھوڑکر یہودی،عیسائی،ہندو وغیرہ دوسری ملت میں داخل ہوجائے یا کلمہ گو تو رہے مگر کوئی کفریہ عقیدہ اختیارکرے جیسے مرزائی،خارجی،رافضی وغیرہ بن جائے وہ بھی اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے گا۔(از مرقات وغیرہ)مگر یہ قتل اور رجم حاکم اسلام کرسکتا ہے دوسرا نہیں کرسکتا۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ غلام آزاد کے عوض اور آزاد غلام کے عوض،عورت مرد کے عوض اور مرد عورت کے عوض قتل کیا جائے گا،یہ ہی امام

اعظم قدس سرہ کا مذہب ہے یہی امام اعظم کی دلیل ہے۔مارق مروق سے بنا بمعنی نکلنا،اسی واسطے شوربے کو مرق کہتے ہیں کہ وہ گوشت سے نکلتا ہے۔تارک الجماعت فرماکر ارشاد فرمایا کہ اجماع مسلمین کے خلاف عقیدہ اختیار کرنا کفر ہے،قرآن کریم کے وہ معنی کرنا جو اجماع کے خلاف ہوں کفر ہے،سب کا اجماع ہے کہ اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ سے مراد موجودہ اسلامی نماز ہے اور خاتم النبیین سے مراد آخری نبی ہے جو صلوۃ سے مراد صرف اشاروں سے دعا مانگنا کرے اور خاتم النبیین کے معنے کرے اصلی نبی اور پھر حضور کے بعد کسی نبی کے آنے کی گنجائش مانے وہ کافر ہے اسے حاکم اسلام قتل کرے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان اپنے دین کی وسعت میں رہتا ہے جب تک کہ حرام خون نہ کرے [1] (بخاری)	

[1] یعنی مسلمان آدمی کیسا ہی گنہگار ہو مگر وہ اسلام کی گنجائش رحمت الٰہی کی وسعت میں رہتا ہے اللہ سے ناامید نہیں ہوتا مگر قاتل ظالم اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں رہتا،کل قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا آیس من رحمۃ اللہ۔حدیث شریف میں ہے کہ جو قتل مؤمن میں آدھی بات سے بھی مدد کرے وہ بھی رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس ہے،بعض نے فرمایا کہ ظالم قاتل کو دنیا میں نیک اعمال کی توفیق نہیں ملتی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جاوے گا [1] (مسلم،بخاری)	

[1] یعنی قیامت کے دن معاملات میں سب سے پہلے خون ناحق کا فیصلہ ہوگا بعد میں دوسرے فیصلے اور عبادات میں پہلے نماز کا حساب ہوگا بعد میں دوسرے حسابات ہوں گے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ قیامت کے دن پہلے نماز کاحساب ہوگا کہ یہ حدیث معاملات کے متعلق ہے اوروہ حدیث عبادات کے بارے میں۔خیال رہے کہ نماز کے حساب کی اولیت حقیقی ہے اور خون کے حساب کی اولیت اضافی یعنی سب سے پہلے نماز کا حساب ہے معاملات میں پہلے خون کا حساب۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے [1] کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے تو اگر میں کسی کافر آدمی سے ملوں پھر ہم جنگ کریں تو وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مار کر اسے کاٹ دے [2] پھر وہ مجھ سے کسی درخت کی پناہ لے لے پھر کہے کہ میں اللہ کے لیے اسلام لے آیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب	

میں نے اسے قتل کرنا چاہاتو وہ بولا لا الہ الا اللہ۳؎تو اس کے کہنے کے بعد میں اسے قتل کردوں ؟ فرمایا قتل نہ کرو۴؎وہ بولے یا رسول اللہ اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا ہے ۵؎تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مت قتل کرو ۶؎اگر تم نے اسے قتل کردیاتو وہ تمہارے درجہ میں ہوگاجو قتل کرنے سے پہلے تھا اور تم اس کے درجہ میں ہو جو اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ عظیم الشان جلیل القدر صحابی ہیں اور چھٹے مؤمن ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے،آپ کے والد کا نام عمرو ابن ثعلبہ کندی یا حضرمی ہے،چونکہ اسود ابن یغوث زہری کے حلیف تھے اسی لیے انہیں ابن اسود کہا جاتا ہے۔

۲؎یعنی بحالت جہاد میراکسی کافر سے مقابلہ ہوجائے وہ موقعہ پاکر میرا ہاتھ کاٹ ڈالے پھر واقعہ در پیش آئے جو آگے مذکور ہے۔

۳؎یعنی وہ مسلمان ہوگیا اور مجھے اس کے اسلام کی خبر ہوگئی اس کا کلمہ سن کر۔

۴؎یعنی نہ تو اسے قتل کرو کہ اب وہ مسلمان ہوگیا اور نہ اپنے ہاتھ کے عوض اس کا ہاتھ کاٹوکیونکہ اگر کافرحربی بحالت قتال مسلمان کو قتل یا زخمی کردے پھرمسلمان ہوجائے تو اسلام لانے کے بعد زمانہ کفر کے جرم کا قصاص نہیں ہوتا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا"بہرحال یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

۵؎یعنی کفر کی وجہ سے نہ سہی اس کے ظلم کی وجہ سے مجھے اجازت دیجئے کہ اس سے بدلہ لے لوں،کلمہ پڑھنے سے کفر ختم ہوگیا ظلم تو اس کے سر پر سوار ہے۔

۶؎کیونکہ اس کے کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے اس کے سارے گناہ معاف ہوچکے جو کفر کے زمانہ میں کئے یہ بحالت جنگ جو قتل و زخم کیا وہ بھی معاف ہوگیا۔خیال رہے کہ کافر کے مؤمن ہوجانے پر زمانہ کفر کے گناہ تو معاف ہوگئے مگر حقوق اور سزائیں معاف نہ ہوئیں لہٰذا اسے زمانہ کفر کا قرض ادا کرنا ہوگا اور اس زمانہ کی چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا،بحالت قتال قتل و زخم کا بدلہ نہ لیا جائے گا،یہ فرق خیال میں رہے۔

۷؎یعنی جیسے وہ کافر کفر کی وجہ سے مباح الدم مستحق قتل تھا ویسے ہی اب تم اس قتل کی وجہ سے مستحق قتل ہوجاؤ گے حکم یکساں ہے وجہ حکم میں فرق ہے کیونکہ وہ مسلمان ہوکر معصوم الدم ہوگیااورجو ایسے شخص کو قتل کردے اسے قتل کیا جاتا ہے اور جیسے تم پہلے محفوظ الدم تھے ایسے ہی اب وہ محفوظ الدم ہوگیا،یا یہ مطلب ہے کہ اب اس قتل کی وجہ سے تم مستحق عذاب ہوگئے اور وہ کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے مستحق رحمت ہوگیا،اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم کافر ہوگئے جیساکہ خوارج کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافرہوجاتاہے وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال ضعیف ہے۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کے کچھ لوگوں کی طرف بھیجا۱؎ تو میں ان میں سے ایک شخص کے سر پر پہنچا اسے نیزہ مارنے لگا تو اس نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ مگر میں نے اس کے نیزہ مار کر قتل کردیا۲؎ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۳؎ فرمایا کیا تم نے اسے قتل کردیا حالانکہ وہ گواہی دے چکا تھا لا الہ الا اللہ کی میں نے کہا یارسول اللہ اس نے بچنے کے لیے کہا۴؎ فرمایا تم نے اس کا دل کیوں نہ چیرلیا۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی قبیلہ جہینہ کے کفار سے جہاد کرنے کو لشکر اسلام بھیجا جس میں میں بھی تھا،حضرت اسامہ حضور علیہ السلام کے بہت محبوب صحابی ہیں۔

۲؎ کیونکہ میں اپنے اجتہاد سے سمجھا یہ کہ یہ شخص فقط جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے دل سے نہیں پڑھتا،یہ بھی سمجھا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں اسلام لانا قتل سے نہیں بچاتا کیونکہ سورۂ سجدہ کی آخری آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے"قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِیْمٰنُهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ"۔اس آیت کی بنا پر میں نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کردیا،یہ ہے خطاء اجتہادی۔

۳؎ یہ خبر اس لیے دی کہ مجھے پتہ لگ جائے کہ میں نے اس اجتہاد میں غلطی تو نہیں کی۔

۴؎ کیونکہ اس نے دل سے مسلمان ہونا تھا تو پہلے ہوا ہوتا یہ کیا کہ جب تلوار سر پر پہنچی تب کلمہ پڑھا،یہ جان بچانے کے لیے تھا،یہ ہوئی وجہ اجتہاد۔

۵؎ یعنی تم کو کیا خبر کہ اس کے دل میں کیا ہے اخلاص یا بچانے کا بہانہ ایسی صورت میں ظاہری کلمہ کا اعتبار کرنا چاہیے تھا،یہاں دل چیرنے سے مراد دل کا حال معلوم کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں ورنہ دنیا سے امان اٹھ جائے،کسی کافر کے ایمان لانے کی کوئی سبیل نہ رہے کہ اس پر بہانہ بازی کا الزام لگادیا جائے۔

اور جندب ابن عبداللہ بجلی کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لا الہ الا اللہ کا کیا انتظام کروگے جب وہ قیامت کے دن آئے گا۱؎ یہ کئی بار فرمایا۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی کل قیامت میں اس کا کلمہ تمہارے خلاف بارگاہِ الٰہی میں دعویٰ کرے گا کہ مولیٰ میں نے اسے امان دی تھی مگر اسامہ نے میری امان توڑی اسے قتل کردیا۔یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاد میں ایک کافر کو

پچھاڑا اور اسے قتل کے ارادے سے اس کے سینہ پر بیٹھے،اس نےآپ پر تھوک دیا تاکہ غصہ میں مجھے جلد قتل کردیں،آپ نے اسے چھوڑ دیا سینے سے اٹھ گئے اس نے وجہ پوچھی،آپ نے فرمایا کہ تیری اس حرکت سے مجھے غصہ آگیا اب تیرا قتل نفسانی وجہ سے ہوتا نہ کہ ایمانی وجہ سے اس لیے میں نے تجھے چھوڑ دیا،وہ آپ کا یہ اخلاص دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطاء اجتہادی سے جو قتل واقع ہو نہ اس پر قصاص ہے نہ دیت،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ پر ناراضی وناپسندیدگی کا اظہار تو فرمایا مگر قصاص یا دیت کا حکم نہ دیا،موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر خطاءاجتہادی سے بہت سختی کی،مارنا،داڑھی کے بال پکڑنا،اپنی طرف کھینچنا مگر رب نے قصاص کا حکم نہ دیا،پتہ لگا کہ خطاءاجتہادی معاف ہے۔اگر باپ بیٹے کو،استاد شاگرد کو مجرم سمجھ کر سزا دے دے مگر وہ ہو بےقصور تو استادوباپ پر نہ گناہ ہے نہ قصاص لہذا حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگیں کسی صحابی کے فسق کا باعث نہیں۔

۲؎ کئی بار فرمانا اظہار ناراضی اور مسئلہ کی اہمیت کے لیے ہے تاکہ وہ آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔فقہا فرماتے ہیں کہ جو کافر بار بار ایسی حرکت کرے کہ مسلمانوں کو شہید کرتا رہےاور جب خود گھر جایا کرے تو کلمہ پڑھ لیا کرےاس کے کلمہ پڑھنے کا اعتبار نہیں اسے قتل کردیاجائے۔(شامی)یہاں یہ واقعہ باربار ہوا لہذا یہ حدیث اس فقہی حکم کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوکسی عہد و پیمان والے کو قتل کردے ۱؎ وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۲؎ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی راہ سے محسوس کی جاتی ہے۳؎(بخاری)	

۱؎ عہدوپیمان والے کافر سے مراد یا ذمی کفار ہیں مسلمان کی رعایا اور مستامن جو کچھ مدت کے لیے امان لے ہمارے ملک میں آئیں اور معاہد جن سے ہماری صلح ہو ان میں سے کسی کو بلاوجہ قتل کرنادرست نہیں،ہاں اگر وہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے ان کا قتل درست ہوجائے تو قتل کئے جائیں۔

۲؎ یعنی اگرچہ وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے جنت پہنچ تو جائے گا مگر وہاں کی مہک و خوشبو کما حقہ نہ سونگھ سکے گا اس کو اس جرم میں گویا زکام کرادیا جائے گا۔(مرقات)یا اولًا جنت میں نہ جائے گا اگرچہ آخر میں پہنچ جائے۔

۳؎ چونکہ اہل عرب موسم خریف سے سال شروع کرتے تھے اسی لیے سال کو خریف کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ جنت کی خوشبو میدان قیامت میں پہنچے گی مسلمان اس خوشبو سے لطف اندوز ہوں گے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہاڑ سے چھلانگ لگاکر اپنےآپ کو ہلاک کرلے ۱؎ تو وہ دوزخ کی آگ میں چھلانگ لگاتا رہے گااس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ۲؎ اور جو زہر پی کر اپنےآپ کو ہلاک کرے تو اس کا زہر اس کے	

	ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا۳؎ اور جو اپنے آپ کو لوہے سے ہلاک کرے تو اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ تردّی کے لغوی معنے ہیں اپنے کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا،اب اصطلاح میں مرنے کے لیے کودنے چھلانگ لگانے کو تردی کہا جاتا ہے یہاں یہ ہی معنے مراد ہیں۔

۲؎ یا تو **خلود** کے معنے ہیں بہت دراز ٹھہرنا،**ابدًا** اس درازی کی تاکید کے لیے ہے یا اس سے وہ شخص مراد ہے جو یہ کام حلال سمجھ کر کرے کہ اب وہ کافر ہوگیا،یا یہ مطلب ہے کہ اس طرح خودکشی کرنے والا اس ہمیشگی عذاب کا مستحق ہے اگرچہ اللہ تعالٰی اسے ایمان کی برکت سے رحم فرما کر دوزخ سے نکال دے گا لہذا یہ حدیث ان آیات و احادیث کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کتنا ہی گنہگار ہو آخر کار جنت میں پہنچے گا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ جیسے دوزخ میں کھولتا پانی،سانپ بچھو کے زہر عذاب کے لیے مہیا کیے گئے ہیں یوں ہی علیحدہ زہر بھی وہاں موجود ہے،زہر سے خودکشی کرنے والا ہمیشہ زہر کھاتا پیتا رہے گا اور اسے زہر چڑھنے کی تکلیف ہوتی رہے گی مگر جان نہ نکلے گی۔

۴؎ اس جملہ کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ وہ شخص چھری گھونپتا رہے گا اور اس سے جو تکلیف اسے دنیا میں ہوئی تھی برابر ہوتی رہے گی مگر جان نہ نکلے گی۔**خلود** کے وہ ہی معنے ہیں جو ابھی عرض کیے گئے۔خیال رہے کہ ڈاکو،باغی پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی،خودکشی کرنے والے پر امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک نماز جنازہ نہیں،امام ابویوسف کے ہاں پڑھی جائے،شہید پر نماز جنازہ ہمارے ہاں ہے،امام شافعی کے ہاں نہیں،وہ کہتے ہیں اس کے سارے گناہ شہادت سے معاف ہوگئے پھر نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہے،ہم کہتے ہیں کہ نماز جنازہ معافی گناہ کے لیے نہیں ہوتی ورنہ چھوٹے بچوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ہوتی بلکہ یہ اظہار شرافت کے لیے ہوتی ہے،شہید اس کا زیادہ مستحق ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنا گلا گھونٹ لے ۱؎ تو وہ آگ میں گلا گھونٹتا رہے گا اور جو اپنے کو نیزہ مارے تو وہ آگ میں نیزہ مارتا رہے گا۲؎(بخاری)

۱؎ خواہ ہاتھ سے گلا گھونٹے یا پھانسی لگا کر مرجائے یا کسی سے اپنا گلا گھنٹوا لے یا اپنے کو دوسرے سے پھانسی لگوالے سب کا یہ ہی حکم ہے۔خیال رہے کہ پھانسی کے مجرم کا اپنے کو حاکم کے سامنے پھانسی کے لیے پیش کردینا اور اقرار قتل کرکے پھانسی پر چڑھ جانا اس میں داخل نہیں،بعض صحابہ کرام نے بارگاہِ اقدس میں زنا کا اقرار کرکے اپنے کو رجم کے لیے پیش فرمادیا اور ان کا یہ عمل بہترین توبہ میں شمار ہوا،بعض مردان خدا نے پھانسی کے وقت پھانسی کے پھندے کو چوما ہے کہ یہ پھندا توبہ کی قبولیت کا ذریعہ ہے،عشق کے کام نیارے۔

۲؎ خیال رہے کہ جو شخص شرعًا قتل کا مستحق ہو مگر مروجہ قانون اسے قتل نہیں کرتا تو وہ شخص خود اپنے کو قتل ہرگز نہ کرے اگر کرے گا تو اس سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ سزائے قتل میں حاکم کا فیصلہ ضروری ہے جیسے زنا کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے مگر موجودہ قانون یہ سزا جاری نہیں کرتا تو کوئی زانی اپنے کو قتل نہ کرے،زبانی توبہ صدقہ وغیرہ کرے،اگر قتل کرلے گا تو خودکشی کی حرام موت مرے گا کہ یہ سزا نہیں خودکشی ہے۔

روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پہلے والی امتوں میں ایک شخص تھا جسے زخم تھاوہ گھبرا گیا اس نے چھری لی اس سے اپنا ہاتھ کاٹ لیا۱؎ پھر اس کا خون نہ تھما حتی کہ مرگیا اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میرے بندے نے مجھ پر ۲؎ جلدی کی میں نے اس پرجنت حرام کردی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حز ح مہملہ سے بھی ہے اور جیم معجمہ سے بھی ہے دونوں کے معنے ہیں کاٹ لینا،اس نے اپنی نبض پر شگاف دے لیا جس سے سارا خون نچڑ گیا وہ ہلاک ہوگیا۔

۲؎ اس طرح کہ اپنی موت کے لیے ہمارے بلاوے کا انتظار نہ کیا،خود بغیر بلائے آنے کی کوشش کی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس کی موت لکھی ہی یوں تھی جیسے قاتل دوسرے کو قتل کرکے گنہگار ہوتا ہے ایسے ہی اپنے کو قتل کرکے بھی مجرم ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی اس وقت اس کا جنت میں داخلہ حرام فرمادیا،سزا پاکر دوزخ کی جیل بھگت کر پھر جنت میں جاوے گا اور اگر وہ شخص کافر تھا تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں مگر پہلے معنے زیادہ موزوں ہیں جیساکہ روش کلام سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ حرام ہونا خودکشی کی وجہ سے تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے۔

روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرمائی تو طفیل ابن عمرو دوسی نے ۱؎ حضور کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک شخص نے ہجرت کی ۲؎ پھر وہ بیمار ہوگئے تو گھبرا گئے تو انہوں نے اپنے تیر لیے ان سے اپنے پورے کاٹ لیے تو ان کے ہاتھ خون بہانے لگے ۳؎ یہاں تک کہ وہ مرگئے تو اسے طفیل ابن عمرو نے خواب میں دیکھا کہ ان کی حالت بہت اچھی ہے ۴؎ اور انہیں اپنے ہاتھ ڈھکے ہوئے دیکھاتو ان سے پوچھا کہ رب نے تم سے کیا معاملہ کیا؟	

	تو بولے کہ مجھے بخش دیا اپنے نبی کی طرف ہجرت کرنے کی برکت سے ۵؎ پھر پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں تمہیں ہاتھ ڈھانپے دیکھ رہا ہوں ۶؎ بولے کہ مجھ سے فرمایا کہ جو تم نے خود بگاڑ لیا ہم اسے درست نہ کریں گے ۷؎ یہ خواب طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی الٰہی اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے ۸؎ (مسلم)

۱؎ آپ دوس ابن عبداللہ کے قبیلہ سے ہیں اس لیے دوسی کہلاتے ہیں۔حضور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ آکر مسلمان ہوئے،پھر حضور نے انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم میں تبلیغ کرو،آپ نے عرض کیا کہ مجھے حقانیت اسلام کی کوئی دلیل عطا فرمائی جائے،حضور نے دعا کی تو ان کی آنکھوں کے درمیان نور نمودار ہوگیا پھر وہ نور پیشانی سے منتقل ہوکر آپ کی لاٹھی میں آگیا اس لیے آپ کا لقب ذوالنور ہوا،پھر آپ مدینہ منورہ حضور کی خدمت میں حاضر رہے آخر حیات شریف تک ساتھ رہے،جنگ یمامہ ۱۱ھ میں شہید ہوئے،بعض نے فرمایا کہ عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں آپ کی شہادت ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی وہ شخص ان کی تبلیغ پر ایمان لایا ان کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگیا۔

۳؎ لغت میں **شخب** کے معنے ہیں دوھنے کے وقت دودھ جاری ہو،اب اصطلاح میں خون بہنے کو **شخب** کہا جاتا ہے،یہ ہی اصطلاحی معنے یہاں مراد ہیں۔

۴؎ لباس چٹا ہے چہرہ پر نور ہے بخشش کے آثار نمودار ہیں۔خیال رہے کہ میت کا سفید لباس،چہرہ کی سفیدی دیکھنا بخشش کی علامت ہے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری اور حضور کو دیکھنا ساری عبادات سے افضل ہے اور بخشش کا وسیلہ عظمیٰ،دیکھو ان صحابی کے پاس نمازیں روزے تمام عبادات تھیں مگر بخشش ہجرت کی برکت سے ہوئی،یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت میں حضور کی بارگاہ میں حاضری کی نیت کرنا ضروری ہے حالانکہ ہجرت عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ**"جب ہجرت میں حضور کی رضا کی نیت اعلیٰ ہے تو دیگر عبادات میں بھی رضائے مصطفوی کی نیت شرک نہیں۔

۶؎ یعنی باقی جسم کی طرح تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے کیوں نہیں۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ خود رب تعالٰی نے بلاواسطہ ان سے یہ فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ بواسطہ فرشتہ یہ کلام ہوا ہو۔

۸؎ خیال رہے کہ مؤمن کا خواب وحی الٰہی کا ایک حصہ ہے،خصوصًا جب کہ نبوت کی طرف سے اس کی تائید ہوجائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے سے دوزخ میں خلود نہیں بلکہ یہ گناہ بھی دوسرے گناہوں کی طرح قابل بخشش ہے۔یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے اور یقینًا اس دعا سے ان کا یہ قصور بھی معاف ہوگیا۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ جو فوائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں آپ کی زیارت سے میسر تھے وہ ہی فوائد حضور انور صلی اللہ علیہ و

سلم کی قبرانور کی زیارت کے ہیں لہذا مؤمن کو ان فوائد کی امید رکھنی چاہیے۔اللہ تعالٰی ہر مؤمن کو اور سب کے صدقے سے مجھ گنہگار کو روضہ اطہر کی زیارت مسجد نبوی شریف میں اعتکاف نصیب کرے۔

روایت ہے حضرت ابو شریح کعبی سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا پھر تم ہو اے خزاعہ کہ تم نے ہزیل کے اس مقتول کو یقینًا قتل کیا ہے ۲؎ اور اللہ کی قسم اس کی دیت میں دوں گا ۳؎ اس کے بعد جو کوئی کسی مقتول کو قتل کرے تو اس کے ورثا کو دو اختیار ہوں گے ۴؎ اگر چاہیں تو قاتل کو قتل کردیں اور چاہیں تو دیت لے لیں ۵؎ (ترمذی،شافعی)اور شرح سنہ میں ان کی اسناد سے ہے ۶؎ اور تصریح فرمائی کہ مسلم،بخاری میں ابو شریح سے روایت نہیں ہے	

۱؎ آپ کا نام خویلا ابن عمرو کعبی ہے،عدوی ہیں،خزاعی ہیں،فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے،۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،اپنی کنیت میں مشہور ہیں۔(اکمال و مرقات)

۲؎ یہ کلام مبارک اس خطبہ شریف کا حصہ ہے جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں ارشاد فرمایا جو **کتاب الحج** باب حرم مکہ کی فصل اول میں مذکور ہوچکا۔قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی زمانہ جاہلیت میں بنی ہزیل کے ایک شخص کے ہاتھوں مارا گیا تھا تو خزاعہ نے فتح مکہ سے کچھ دن پہلے اس خون کا بدلہ لیتے ہوئے ہزیل کے ایک آدمی کو قتل کردیا تھا یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۳؎ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقتول کی دیت اپنے پاس سے دی تاکہ ان دو قبیلوں میں فتنہ نہ ہو۔خیال رہے کہ دیت یعنی خون بہا کو عربی میں عقل کہتے ہیں،عقل کے معنے ہیں روکنا،چونکہ یہ قتل کو روکنے والی چیز ہے لہذا عقل کہلاتی ہے اسی لیے رسّی کو **عقال** کہتے ہیں کہ وہ جانور کو بھاگنے سے روکتی ہے اور دانش و سمجھ کو عقل کہتے ہیں کہ وہ انسان کو بری باتوں سے روکتی ہے۔

۴؎ یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار ملیں گے۔خیال رہے کہ یہ اختیار عمدًا قتل میں ہیں خطاء یا شبہ عمد قتل میں ان وارثوں کو قصاص لینے کا حق نہیں صرف دیت ہی لے سکتے ہیں۔

۵؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی و احمد و اسحاق نے فرمایا کہ قصاص کی طرح دیت کا اختیار بھی مقتول کے ورثاء کو ہے قاتل کو انکار کرنے کا حق نہیں مگر امام ابوحنیفہ و امام مالک فرماتے ہیں کہ دیت میں قتل کی رضا ضروری ہے اگر وہ قبول کرے تو دیت دے قبول نہ کرے تو قصاص دے،یہ ہی قول امام حسن و نخعی کا ہے،یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ اگر مقتول کے وارثوں میں سے ایک بھی دیت لینے پر راضی ہوجائے تو باقی وارثوں کو قصاص لینے کا حق نہیں رہتا اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ان وارثوں میں کوئی غائب یا نابالغ ہو تو قصاص واجب نہیں جب تک کہ غائب آ نہ جائے اور بچہ بالغ نہ ہوجائے،ان وارثوں میں مرد عورت سب یکساں برابر کے مستحق ہیں۔

۶؎ یعنی صاحب مصابیح نے اپنی کتاب شرح سنہ میں بروایت شافعی یہ حدیث نقل فرمائی۔

۷؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ باوجود یہ کہ خود انہوں نے اپنے کتاب شرح سنہ میں صاف بیان فرمایا کہ یہ حدیث مسلم و بخاری کی نہیں مگر پھر بھی اسے مصابیح نے فصل اول میں بیان کردیا حالانکہ پہلی فصل میں مسلم یا بخاری کی روایت آنی چاہیے۔

اور فرمایا کہ مسلم،بخاری نے بروایت ابوہریرہ اس کی یعنی اس کے معنے کی روایت کی ۱؎	

۱؎ یہ عبارت اس اعتراض کی تکمیل ہے کہ یہ حدیث یہاں فصل اول میں نہ آنی چاہیے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا ۱؎ تو اس سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کس نے کی کیا فلاں نے کی یا فلاں نے حتی کہ اس یہودی کا نام لیا گیاتو اس نے سر سے اشارہ کردیا ۲؎ پھر یہودی کو لایا گیا اس نے اقرار کرلیا ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کا سر پتھروں سے کچل دیا گیا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ رض کے معنے ہیں دلنا یا کچلنااسی لیے دال کو رضاض اور دلیہ کو رضیض کہا جاتا ہے کہ دال تو دلی جاتی ہے دلیہ کچلا جاتا ہے۔

۲؎ اشارۃً ہاں کا اقرار کیا۔معلوم ہوا کہ لڑکی کے ہوش قائم تھے زبان بند ہوچکی تھی،اب بھی قریب الموت زخمی سے پولیس آخری بیان لیتی ہے اس کا ماخذ یہ ہے۔

۳؎ اس اقرار کرانے سے معلوم ہوا کہ صرف مریض کے الزام سے قصاص نہ ہوگا اس کے لیے یا دو گواہ ہوں یا ملزم کا اقرار اگر یہودی اس وقت انکار کرتا تو اس سے قسم لی جاتی۔

۴؎ اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ بھاری چیز سے مار ڈالنے پر قصاص ہے،قصاص کے لیے صرف دھار دار آلہ سے مارنا شرط نہیں،یہ ہی قول ہے امام مالک و شافعی کا اور ہمارے آئمہ میں سے صاحبین کا مگر امام اعظم کے ہاں اس میں قصاص نہیں،قصاص تلوار،چاقو،نیزہ وغیرہ سے قتل کرنے میں ہے۔امام صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور کا یہ عمل شریف سیاسۃً یعنی ملکی انتظام کے لیے بطور تعزیر تھا قصاص نہ تھا اب بھی حاکم تعزیرًایہ کرسکتا ہے۔دوسرے یہ کہ قصاص میں نوعیت قتل کا لحاظ رکھا جائے کہ جس طرح قاتل قتل کرے اسی طرح حاکم اس کو قتل کرکے قصاص لے،یہ بھی قول امام شافعی کا ہے،امام اعظم کے ہاں قاتل کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے گااس نے کسی طرح قتل کیا ہو،ورنہ جو شخص چھوٹی بچی کو زنا کرکے قتل کردے وہاں مساوات قتل کیوں کر ہوگی،یہ قتل قصاصًا نہ تھا بلکہ سیاسۃً تھا اس لیے نوعیت قتل میں برابری کی گئی۔خیال رہے کہ امام مالک کے ہاں صرف مقتول کے قول پر ہی قصاص لینا جائز ہے جمہور علماء کے ہاں نہیں،یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے۔تیسرے یہ کہ عورت کا قصاص مرد سے لیا جائے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ربیع نے جو انس ابن مالک کی پھوپھی ہیں[۱]ایک انصاری عورت کا دانت توڑ دیا[۲]وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی حضور نے قصاص کا حکم دیا تو انس ابن نضر جو انس ابن مالک کے چچا ہیں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا دانت واللہ نہ توڑا جائے گا[۳]تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اللہ کی تحریر قصاص ہے [۴]پھر قوم راضی ہوگئی اور دیت قبول کرلی [۵]تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں وہ ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالٰی ان کی قسم پوری کرے [۶](مسلم،بخاری)	

[۱]آپ ربیع ر کے پیش ب کے کسرہ ی کے شدوکسرہ سے بنت نضر انصاریہ ہیں،حارثہ بنت سراقہ کی والدہ صحابیہ ہیں،انس ابن مالک ابن نضر کی پھوپھی،مالک ابن نضر کی بہن۔

[۲] ثنیه وہ دانت ہے جو رباعی دانتوں اور کیلوں کے درمیان ہے اس کی جمع ثنایا آتی ہے۔

[۳]یعنی رب کی قسم مجھے اللہ تعالٰی کے کرم سے امید قوی ہے کہ وہ اس لڑکی اور اس کے وارثوں کو دیت لینے پر راضی کردے گا ان کے دل میں رحم ڈال دے گا اور میری بہن ربیع قصاص سے بچ جائے گی،اس میں حضور کے فرمان کا انکار نہیں ورنہ کفر لازم آتا ہے اور ان پر سختی کی جاتی۔

[۴]یعنی حکم شرعی تو یہ ہی ہے کہ قصاص لیا جائے کہ دانت کے عوض دانت توڑا جائے وہ لڑکی معاف کردے اور اس کے عزیز راضی ہوجائیں ان کی خوشی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ" اور فرماتاہے:"اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ"۔

[۵]یہاں مرقات نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے مقبول بندوں کی قسم پوری کردیتا ہے ان بزرگوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ ربیع کے دانت نہ توڑے جائیں گے رب تعالٰی نے ان کی قسم پوری فرمادی اور دیت پر صلح کرادی،یہ ہے **لو اقسم علی اللہ لابرہ** کا ظہور۔

[۶]اس میں انس ابن نضر کی تعریف ہے کہ تم اللہ تعالٰی کے ایسے مقبول بندے ہو کہ رب تعالٰی پر قسم کھا جاؤ تو رب تعالٰی تمہاری قسم پوری فرمادے،دیکھو تم نے قسم کھالی تھی رب تعالٰی نے پوری کردی اور ممکن ہے کہ دیت قبول کرلینے والوں کی تعریف ہو کہ یہ لوگ ایسے نیک ہیں اور انہوں نے اس وقت ایسا نیک کام کیا ہے کہ اگر یہ آئندہ رب تعالٰی پر قسم کھالیں تو رب تعالٰی ان کی قسم پوری فرمادے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں شفاعت اور سفارش کرنا بہتر ہے اور عورت سے بھی قصاص لیا جائے گا اور اگر دانت پورا توڑ دیا جائے تو اس میں قصاص ہے۔دانت کا ٹکڑا توڑ دینے میں آئمہ کا اختلاف ہے،ہڈی توڑ دینے کے قصاص میں بہت تفصیل ہے اگر دیکھنا ہو تو کتب فقہ کا مطالعہ کرو۔

روایت ہے حضرت ابوجحیفہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہیں ۲؎ تو فرمایا اس کی قسم جس نے دانہ چیرا اور جان پیدا کی ہمارے پاس کچھ نہیں سوائے اس کے جو قرآن میں ہے ۳؎ سوائے اس سمجھ کے جو کسی شخص کو دی جائے کتاب اللہ میں ۴؎ اور وہ جو اس صحیفہ میں ہے ۵؎ میں نے پوچھا کہ صحیفہ میں کیا ہے فرمایا دیت اور قیدی کو چھوڑنا ۶؎ اور یہ کہ مسلمان کافر کے عوض نہ قتل کیا جائے ۷؎ (بخاری) اور حضرت ابن مسعود کی حدیث **لاتقتل نفس ظلمًا** الخ **کتاب العلم** میں ذکر کردی گئی ۸؎	

۱؎ آپ کا نام وہب ابن عبداللہ ہے، عامری ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے مگر بہت بچپن میں، حضور کے وصال شریف کے وقت بہت کمسن تھے، کوفہ میں قیام رہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آپ کی طرف سے افسر مال رہے، وہاں ہی ۷۴ھ میں وفات پائی، حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے آپ سے بہت روایات ہیں۔

۲؎ زمانہ حیدری میں روافض پیدا ہوچکے تھے انہوں نے مشہور کررکھا تھا کہ حضرت علی کہ پاس قرآن کریم کے علاوہ اور صحیفے اور خصوصی اسرار الٰہیہ ہیں جو کسی کے پاس نہیں اس لیے اکثر لوگ جناب علی مرتضٰی سے ایسے سوالات کرتے تھے۔ **عندکم** میں خطاب تمام اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جن کے امیر حضرت علی ہیں۔ (مرقات) یعنی آپ کے یا آپ کے خاندان والوں کے پاس کوئی خصوصی چیز ہے جو عام مسلمانوں کو نہ دی گئی ہو۔

۳؎ **مافی القرآن** میں حدیث شریف بھی داخل ہے کیونکہ حدیث شریف قرآن مجید کی شرح اور اس کی تفسیر ہے۔

۴؎ یعنی رب تعالٰی نے مجھے قرآن مجید کی سچی اچھی فہم عطا فرمائی ہے جس سے میں ایسے قرآنی نکات نکال لیتا ہوں جو تم کو معلوم نہیں ہوتے۔ اس فرمان عالی سے اجتہاد استنباط اور فقہ کا ثبوت ہوا کہ فہم قرآن اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۵؎ یعنی ہاں ان اوراق میں کچھ شرعی احکام ہیں جو شاید تمہارے پاس نہ ہوں، یہ کوئی خاص اسرار نہیں جو کسی کو بتائے نہ جائیں۔

۶؎ یعنی اس صحیفہ اور اوراق میں قتل خطاء وغیرہ کی دیت و خون بہا کے کچھ احکام ہیں کہ کس جرم کی دیت کتنی ہے اور یہ حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے مسلمان قیدیوں کو آزاد کرو، مقروضوں کی امداد کرو، مکاتبین کا بدل کتابت ادا کرو کہ یہ سب قیدی چھوڑانے کی صورتیں ہیں۔

۷؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی وغیرہم فرماتے ہیں اگر مسلمان کسی کافر کو قتل کردے تو اس کے عوض مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اس کی دیت دلوائی جائے گی مگر ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہاں کافر سے مراد حربی کافر ہیں ان کے قتل سے مسلمان پر قصاص نہیں، رہے ذمی کفار اور مستامن جو ہماری امان میں ہمارے ملک میں رہتے ہوں یا باہر سے آئے ہوں ان کو اگر

مسلمان قتل کردے تو قصاص لیا جائے گا کیونکہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **فدماءھم کدمائنا و اموالھم کاموالنا** ان ذمیوں مستامنوں کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں اور ان کے مال ہمارے مالوں کی طرح ہیں اسی لیے اگر مسلمان چور کافر ذمی کا مال چرالے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے، نیز عبدالرحمٰن بن سلمان نے روایت کی کہ حضور کے زمانہ شریف میں ایک مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کردیا تو حضور نے اسے قتل کرایا، وہ احادیث پاک کی شرح ہے۔

۸؎ یعنی وہ حدیث کہ نہیں قتل کیا جاتا کوئی نفس مگر آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کا اس میں حصہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے ظلمًا قتل ایجاد کیا مصابیح میں یہاں تھی مگر ہم مناسبت سے کے لحاظ سے **کتاب العلم** کے شروع میں رکھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا مٹ جانا اللہ کے ہاں آسان ہے مسلمان آدمی کے قتل سے ۱؎ (ترمذی، نسائی) اور بعض نے اسے موقوف بیان کیا ۲؎ وہ ہی زیادہ صحیح ہے۔	

۱؎ یہاں مسلم سے مراد مرد مؤمن عارف باللہ ہے یعنی ایک عارف باللہ کا قتل ساری دنیا کی بربادی سے سخت تر ہے کیونکہ دنیا عارفین ہی کے لیے تو بنی ہے تاکہ وہ اس میں غوروفکر کرکے عرفان میں اضافہ کردیں اور یہاں اعمال کرکے آخرت میں کمال حاصل کریں، دولہا کی ہلاکت باارات کی ہلاکت سے سخت تر ہے کہ مقصود برات وہ ہی ہے۔

۲؎ یعنی خود سیدنا عبداللہ ابن عمر کا اپنا قول نقل فرمایا، یہ ہی صحیح تر ہے لیکن ایسی موقوف حدیث حکمًا مرفوع ہوتی ہے کیونکہ محض عقل و قیاس سے ایسی بات نہیں کہی جاسکتی۔

اور اسے ابن ماجہ نے براء ابن عازب سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت ابو سعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر زمین و آسمان والے ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوجائیں ۱؎ تو اللہ تعالٰی انہیں آگ میں اوندھا ڈال دے ۲؎ اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آسمان والوں سے مراد ان انسانوں کی روحیں ہیں جو یہاں فوت ہوچکے یا جو ابھی دنیا میں آئی نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قتل ایسا جرم ہے کہ ایک قتل کی وجہ سے بہت کو عذاب ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی مل کر قتل کریں تو سب کو قتل کیا جائے گا۔ اژدہام کے قتل کا اور حکم ہے جہاں جماعتیں لڑیں اور دو طرفہ آدمی ماریں جائیں پتہ نہ لگے کہ کون کس کا قاتل ہے جسے عربی میں قتل عمیہ کہتے ہیں لہذا حدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ جان

نکالنے والے فرشتے اللہ کے حکم سے جان نکالتے ہیں کسی کو ظلمًا قتل نہیں کرتے لہذا وہ اس حکم سے خارج ہیں،آج حاکم اسلام قانون اسلامی کے ماتحت بہت لوگوں کو قتل کراتا ہے،جلاد حاکم کے حکم سے مجرم کو قتل کرتا ہے۔

۲؎ بعض روایات میں بجائے لا کبھہ لکبھہ ہے کیونکہ کب کے معنے ہیں اوندھا ڈالا اور اکب کے معنے ہیں اوندھا گرا،یہ ایسا لفظ ہے کہ مجرد میں متعدی ہے باب افعال میں آکر لازم،لکبت لغت میں یوں ہی ہے لیکن اگر حضور کے فرمان میں لا کبھہ ہو تو لغت جھوٹی ہے حضور سچے ہیں۔(اشعہ و مرقات)غرضکہ لغت قرآن و حدیث کے تابع ہیں قرآن و حدیث لغت کے تابع نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن مقتول قاتل کو لائے گا کہ اس کی پیشانی و سر اس کے ہاتھ میں ہوگا۱؎ اور مقتول کی رگیں خون بہاتی ہوں گی۲؎ اور عرض کرے گا یارب اس نے مجھے قتل کیا تھا حتی کہ اسے عرش کے قریب کردے گا۳؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ دونوں ضمیریں قاتل کی طرف لوٹتی ہیں یعنی قاتل کا سر مقتول کے ایک ہاتھ میں ہوگا اور قاتل کی پیشانی کے بال دوسرے ہاتھ میں جب کسی چیز کو مضبوط پکڑنا ہو تو ایسے ہی دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہیں،یہاں سختی گرفت دکھانے کے لیے یہ ارشاد ہوا۔

۲؎ اوداج جمع ہے ودجٌ کی یا ودجان کی،یہ گردن کے آس پاس دو رگیں ہوتی ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے ذبح میں یہ ہی رگیں کاٹی جاتی ہیں،یہ جمع بمعنے تثنیہ ہے جیسے"فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا"میں قلوب جمع بمعنی تثنیہ ہے۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں قتل کا مقدمہ بہت اہتمام سے پیش ہوگا اور خاص طور پر سنا جائے گا لہذا قتل مؤمن سے بچو۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ ابن سہل ابن حنیف سے ۱؎ کہ حضرت عثمان ابن عفان نے گھر کے محاصرہ کے دن جھانکا ۲؎ پھر فرمایا تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں مگر تین سببوں میں سے ایک سے ۳؎ زنا کرنا بعد محصن ہونے کے یا اسلام کے بعد کفر کرنا یا ناحق کسی جان کو قتل کرنا کہ اس کے عوض قتل کیا جائے اللہ کی قسم میں نے نہ تو جاہلیت میں زنا کیا نہ اسلام میں ۴؎ اور جب سے میں نے رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کبھی مرتد نہ ہوا اور نہ میں نے کسی اس جان کو قتل کیا جسے اللہ نے حرام فرمایا پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو ۵؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)اور حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں ۶؎

۱؎ابو امامہ کا نام سعد ہے،علماء تابعین سے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف سے دو سال پہلے ولادت ہوئی، خود حضور نے ان کا نام اور کنیت تجویز فرمائی،بہت لڑکپن کی وجہ سے زیارت نہ کرسکے،اپنے والد سہل اور حضرت ابو سعید خدری سے روایات لیں،۱۰۰ھ میں وفات پائی۔(اشعہ)آپ کے والد سہل ابن حنیف صحابی ہیں،بدرواحد وغیرہ تمام غزوات میں حضور ے ساتھ رہے احد میں حضور کے قریب رہے ثابت قدم رہے اور خلافت علی مرتضٰی میں حضرت علی کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر رہے،۸۳ھ ،میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎یعنی جب مصری و دیگر باغیوں نےآپ کا گھر گھیر لیا ا ورآپ مجبورًا گھر میں مقید ہوگئے تب گھر کی چھت پر کھڑے ہوکر لوگوں کی طرف جھانک کر یہ فرمایا۔

۳؎اس کلام میں خطاب ان لوگوں سے ہے جوآپ کا گھر گھیرے ہوئےآپ کے قتل کے درپے تھے،چونکہ یہ حدیث سب میں شائع ہوچکی تھی اس لیےآپ نے فرمایا **اتعلمون**۔

۴؎یہ حضرت عثمان کا بڑا ہی کمال ہے کہ عرب جیسے ملک میں رہ کر بہت مالدار ہوکر اسلام سے پہلے بھی زنا سے محفوظ رہے ورنہ زمانہ جاہلیت میں تو زنا پر فخر کیا جاتا تھا اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کے اس صحابی کو زنا سے پہلے ہی سے محفوظ رکھا۔

۵؎یعنی میرے قتل سے پہلے یہ سوچ لو کہ تم کتنا بڑا گناہ کررہے ہو اور رب تعالٰی کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے۔خیال رہے کہ باغی خارجی کو بھی بغاوت یا خروج کی وجہ سے قتل کرنا جائز ہے مگر یہ دونوں چیزیں بہت کم واقع ہوتی ہیں اس لیے ان کا ذکر اس حدیث میں نہیں آیا،نیز بغاوت و خراج شخصی جرم نہیں قومی جرم ہے یہاں شخصی جرم کا ذکر ہے لہذا نہ تو اس حدیث پر کوئی اعتراض ہے نہ یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف۔

۶؎یعنی الفاظ حدیث دارمی نے نقل فرمائے ورنہ یہ قصہ تو بہت کتب میں مروی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مؤمن آدمی جلدی کرنے والا نیک رہتا ہے ۱؎جب تک کہ حرام خون نہ کرے پھر جب حرام خون لیتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎صالحًا لفظ **موقنًا**کی تفسیر ہے یا تفصیل یعنی بندہ مؤمن کو نیک اعمال میں جلدی کرنے کی توفیق ملتی رہتی ہے۔خیال رہے کہ توفیق خیر ملنا رب تعالٰی کی خاص مہربانی ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر

دستگیر و رہنما توفیق دہ　　　جرم بخش و عفو کن بکشا گرہ

۲؎ یعنی قتل ناحق کی نحوست سے انسان توفیق خیر سے محروم رہ جاتا ہے۔بلح بلوحًا کے معنے ہیں تھک جانا،محروم رہ جانا،حیران ہوجانا یہ حیرانی دنیا میں تو اس طرح ہوگی کہ اس کے دل کو اطمینان،نیکیوں کی توفیق میسر نہ ہوگی اور خدشہ ہے کہ جوابات قبر میں حیرانی رہ جائے اور ہوسکتا ہے کہ قیامت کے حساب میں حیران و سرگرداں رہے،غرضکہ خون ناحق دنیا و آخرت کا وبال ہے۔خیال رہے کہ ظلمًا قتل کرنا،قتل کرانا،قتل میں مدد دینا،بعد قتل قاتل کی حمایت کرناسب ہی اس سزا کے مستحق ہیں۔مرقات میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے قتل ناحق میں آدھی بات سے مدد دی وہ کل قیامت میں اٹھے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا آیسٌ من رحمة الله یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

روایت ہے انہی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ممکن ہے اللہ تعالٰی سارے گناہ بخش دے ۱؎ سوائے اس کے کہ جو مشرک مرے یا جو دانستہ مؤمن کو قتل کرے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ ہر گناہ سے مراد شرک و کفر کے علاوہ گناہ ہیں کیونکہ وہ دونوں لائق بخشش نہیں۔معلوم ہوا کہ حقوق العباد بھی لائق بخشش ہیں کہ رب تعالٰی صاحب حق سے معاف کرادے مگر قتل ناحق لائق بخشش نہیں اسکی ضرور سزا ملے گی الا برحمة الله۔

۲؎ قتل مؤمن سے مراد ظلمًا قتل ہے عمدًا قتل کی قید اس لیے لگائی کہ خطاء اور شبہ عمد قتل کا یہ حکم نہیں اسی لیے ان دونوں قتلوں میں قصاص نہیں۔اس حدیث کی بنا پر بعض لوگوں نے گناہ کبیرہ کرنے والے کو کافر مانا ہے اور بعض نے کہا کہ وہ کافر تو نہیں مگر مؤمن بھی نہیں بلکہ فاسق ہے یعنی نہ مؤمن نہ کافر،بعض نے فرمایا کہ وہ ہے تو مؤمن مگر دوزخ میں ہمیشہ رہے گا،مگر مذہب اہل سنت یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والا مؤمن ہی ہے اور اس کی نجات ضروری ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے قتل کو حلال جان کر یا اس لیے قتل کرے کہ وہ مؤمن کیوں ہوا وہ دوزخی دائمی ہے لائق بخشش نہیں کہ اب یہ قاتل کافر ہوگیا اور کافر کی بخشش نہیں،یا یہ فرمان ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے کہ یہ جرم اسی لائق تھا کہ اس کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہتا ہے اور اس کا گناہ بخشا نہ جاتا اگر یہ توجیہیں نہ کی جائیں تو یہ حدیث بہت آیات و احادیث کے خلاف ہوگی۔حضور فرماتے ہیں میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لیے بھی ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے اللہ تعالٰی شرک نہ بخشے گا اس کے سواء جسے چاہے گا بخش دے گا۔

اور نسائی نے حضرت معاویہ سے ذکر کی۔	
روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسجدوں میں اللہ کی حدیں قائم نہ کی جائیں ۱؎ اور بیٹے کی وجہ سے باپ سے قصاص نہ لیا جائے ۲؎ (ترمذی،دارمی)	

۱؎ یعنی مسجد میں مجرموں کے فیصلے تو کرو مگر مسجدوں میں سزائیں نہ دو کہ اس میں مسجدوں کی بے حرمتی ہے کہ سزاؤں میں خون وغیرہ بھی نکلتا ہے جس سے مسجد خراب ہوگی،مسجدیں نماز،ذکر،درس وغیرہ کے لیے ہیں یہ کام ان کے خلاف ہے۔

۲؎ یعنی اگر باپ اپنے بیٹے کو ظلمًا قتل کردے تو اس کے عوض باپ کو قتل نہ کیا جاوے گا بلکہ اس سے دیت لی جائے گی،ماں،دادا،نانا سب کا یہ ہی حکم ہے۔یہ ہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ و امام شافعی و احمد کا،امام مالک کے ہاں سب سے قصاص لیا جاوے گا۔خیال رہے کہ اگر بیٹا باپ کو قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جاوے گا۔

روایت ہے حضرت ابو رمثہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ آیا تو فرمایا یہ جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے ؟ عرض کیا حضور گواہ رہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے ۲؎ فرمایا آگاہ رہو کہ نہ وہ تم پر جرم کرے گا نہ تم اس پر ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)اور شرح سنہ میں اس کے اول میں یہ زیادہ فرمایا انہوں نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے باپ نے وہ چیز دیکھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ میں تھی ۴؎ عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی پیٹھ والی چیز کا علاج کردوں کہ میں طبیب ہوں تو فرمایا کہ تم رفیق ہو اللہ طبیب ہے ۵؎	

۱؎ آپ کا نام رفاعہ ابن یثربی تمیمی ہے،آپ امرؤ القیس کی اولاد سے ہیں۔

۲؎ یا اشهد صیغہ مخاطب امر ہے یعنی حضور گواہ رہیں یا اشهد متکلم مضارع ہے یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ میری پشت سے ہے۔انکا مقصد یہ تھا کہ میں اور یہ چونکہ باپ بیٹے ہیں اس لیے میرے جرم کا یہ ذمہ دار ہوگا اور اس کے جرم کا میں ذمہ دار جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فرمایا جو آگے مذکور ہے۔

۳؎ یعنی تمہارے جرم میں وہ نہ پکڑا جائے گا اور اس کے جرم میں تم نہ پکڑے جاؤ گے،اس کا قصاص تم سے اور تمہارا قصاص اس سے نہ لیا جائے گا یا کل قیامت میں تمہارے گناہ میں وہ نہ پکڑا جائے گا اور اس کے گناہ میں تم گرفتار نہ ہو گے اپنی کرنی اپنی بھرنی ہوگی۔خیال رہے کہ بچہ کے گناہ پر باپ کی پکڑ جب ہوگی جب باپ نے بچہ کی تربیت میں کوتاہی کرکے اسے مجرم بنایا ہو لہذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ مہر نبوت جو پشت پر دو کاندھوں کے درمیان پیدائش شریف سے ہی قدرتی طور پر انڈے کے برابر تھی ابھرا ہوا گوشت تھا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل تھی،یہ حضرت سمجھے کہ کوئی پھوڑا وغیرہ ہے عارضی بیماری اس لیے وہ عرض کیا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۵؎ یعنی یہ چیز قابل علاج نہیں بلکہ تم قابل علاج ہو کہ اس قسم کی گفتگو کررہے ہو اپنے کو شافی الامراض سمجھتے اور کہتے ہو،شافی امراض اللہ تعالٰی ہے۔خیال رہے کہ یہاں طبیب بمعنی شافی مطلق ہے نہ کہ فن طب سیکھا ہوالہذااللہ تعالٰی کو طبیب کہنا شرعًا درست نہیں کہ یہ لفظ طبابت کا پیشہ کرنے والوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے اللہ تعالٰی کو معلم نہیں کہہ سکتے اگرچہ وہ خود فرماتاہے:"عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"کیونکہ معلم عمومًا تنخواہ دار مدرسین کو کہا جاتا ہے اور جو لفظ دو معنے رکھتا ہو اچھے اور برے اس کو اللہ تعالٰی کے لیے استعمال نہیں کرسکتے۔اللہ تعالٰی کے نام توقیفی ہیں جو نص میں وارد ہوگئے ان ہی سے اسے پکارا جائے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ سراقہ ۱؎ ابن مالک سے راوی فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ باپ کا قصاص بیٹے سے لیتے تھے اور بیٹے کا قصاص باپ سے نہ لیتے تھے ۲؎ ترمذی نے اسے ضعیف فرمایا ۳؎	

۱؎ آپ کا نام سراقہ ابن مالک ابن جعشم ہے،مدلجی کنعانی ہیں،مقام قدید میں رہتے تھے،بڑے شاعر تھے،ان کا واقعہ ہے کہ ہجرت کے دن آپ غار ثور تک بری نیت سے پہنچے تھے اور آپ کے گھوڑے کو زمین نے پکڑ لیا تھا،پھر اس جگہ ایمان بھی لائے امان بھی حاصل کی،آپ ہی سے حضور نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ہاتھ میں کسرٰی پرویز کے کنگن دیکھتا ہوں،آپ کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی۔شعر

ابن مالک کو دی بشارت تاج اے میرے غیب داں تیرے صدقے

۲؎ یعنی اگر باپ کو بیٹا قتل کردیتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قصاص بیٹے سے لیتے تھے اور اگر اس کے برعکس بیٹے کو باپ قتل کردیتا تو باپ سے قصاص نہ لیتے تھے۔

۳؎ وجہ ضعیف یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اضطراب ہے مگر خیال رہے کہ قریبًا تمام اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے اس عمل علماء سے حدیث کا ضعف جاتا رہا،اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

روایت ہے حضرت حسن سے وہ سمرہ سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے غلام کو قتل کرے ہم اس کو قتل کریں گے ۲؎ اور جو اپنے غلام کے اعضاء کاٹے ہم اس کے اعضاء کاٹیں گے۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)اور نسائی نے دوسری روایت میں یہ زیادہ کیا کہ جو اپنے غلام کو خصی کرے ہم اسے خصی کرینگے ۳؎	

۱؎ خواجہ حسن بصری تابعی ہیں،اولیائے امت کے سردار اور سمرہ ابن جندب صحابی،آپ بصرہ میں رہے اس لیے خواجہ حسن بصری نے بہت سی روایات آپ سے لیں۔

۲؎ اس حدیث کی بنا پر حضرت ابراہیم نخعی و سفیان ثوری نے فرمایا کہ آقا سے اپنے غلام کا قصاص لیا جائے گا۔(مرقات)باقی تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مولیٰ سے غلام کا قصاص نہیں لیا جاتا،وہ حضرات اس حدیث کی تین توجیہیں فرماتے ہیں:ایک یہ کہ یہ حکم ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے تاکہ مولیٰ اپنے غلام کو قتل کرنے کی ہمت نہ کرے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شراب پیئے اسے کوڑے مارو،پھر پیئے پھر مارو،پھر پیئے پھر مارو،پھر پیئے پھر مارو ،پھر پیئے تو قتل کردومگر اس کے باوجود حضور کی خدمت اقدس میں چوتھی بار شراب پینے والا لایا گیاتو اسے قتل نہ فرمایا۔معلوم ہوا کہ وہ حکم ڈرانے کے لیے تھا۔دوسرے یہ کہ اس سے آزاد کردہ غلام مراد ہے اسے غلام فرمانا پہلے حال کے لحاظ سے ہے۔تیسرے یہ کہ حدیث منسوخ ہے"اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ"سے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک مولے سے اپنے غلام کا قصاص نہیں لیا جاتامگر دوسرے کا غلام قتل کردینے سے قصاص لیا جاتا ہے،امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں اس کا بھی قصاص نہیں،ان کے ہاں آزاد و غلام میں غلام کا قصاص کسی آزاد سے نہیں لیا جاتا اس کی مکمل بحث کتب فقہ میں ہے۔(مرقات،اشعہ،لمعات)

۳؎ اس پر سارے علماء حتی کہ ابراہیم نخعی و سفیان ثوری کا بھی اتفاق ہے کہ غلام کے اعضاء کا قصاص آزاد سے نہیں لیا جاتا لہذا اب حدیث سب کے نزدیک واجب التاویل ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دانستہ قتل کرے تو وہ مقتول کے ولیوں پر پیش کیا جائے گا ۱؎ اگر وہ چاہیں تو قتل کریں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں وہ دیت تیس حقہ،تیس جزعہ اور چالیس خلفہ ہیں ۲؎ اور جس چیز پر وہ صلح کرلیں وہ انہیں کی ہے ۳؎(ترمذی)	

۱؎ ولیوں سے مراد وارث قرابت دار ہیں جو دیت لے سکتے ہیں۔

۲؎ حقہ وہ اونٹنی ہے جو چوتھے سال میں داخل ہوجائے۔جزعہ وہ اونٹنی جو پانچویں سال میں قدم رکھ لے۔خلفہ حاملہ اونٹنی جو اپنے پیچھے بچہ چھوڑنے والی ہو،یہ کل سو اونٹنیاں ہوئیں بمقابلہ اونٹ کے اونٹنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے وہ ہی دیت میں دی جائے گی۔

۳؎ یعنی اگر اس دیت کے علاوہ کسی اور شئے میں دونوں فریق کی صلح ہوجائے تو وہ دی جائے،یہ دیت ہر قاتل سے لی جائے گی خواہ باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے یا مولے اپنے غلام کو،باپ اور مولے پر قصاص نہیں دیت ہے۔امام شافعی و احمد کے ہاں اس حدیث پر عمل ہے کہ دیت کے تین حصے ہوں گے تیس تیس حقہ و جزعہ اور چالیس خلفہ،مگر ہمارے اور امام مالک کے ہاں دیت کے چار حصے ہوں گے پچیس حقہ پچیس جزعہ،پچیس بنت لبون پچیس بنت مخاض،ہماری دلیل

حضرت ابن مسعود کی حدیث موقوف اور ثابت ابن یزید کی حدیث مرفوع ہے جس میں دیت کی یہ ہی تفصیل ہے جو ہم نے عرض کی،ہمارے ہاں یہ حدیث عمرو ابن شعیب صحیح نہیں اس لیے ناقابل عمل ہے۔خیال رہے کہ قتل خطا کی دیت تمام آئمہ کے ہاں قاتل کے عصبہ وارثوں پر واجب ہے خود قاتل پر نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی[1] فرمایا مسلمان کے خون برابر ہیں [2] اور ان کی ذمہ دار ادنی آدمی کرسکتا ہے [3] اور رد کرسکتا ہے دور کا آدمی [4] اور مسلمان اپنے مقابل پر ایک دوسرے کے مددگار ہیں [5] خبردار مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے [6] اور نہ معاہدہ والا اپنے ذمہ میں [7] (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،بروایت ابن عباس)

[1] یہ حدیث حضرت علی کے صحیفہ سے لی گئی جوآپ لوگوں کو دکھایا کرتے تھے۔(مرقات)

[2] یعنی ہر مسلمان کے قتل کا ایک حکم ہے کہ عمد میں قصاص خطایا شبہ عمد میں دیت خواہ امیر ہو یا غریب،بوڑھا جوان ہو یا بچہ،مرد ہو یا عورت،عالم ہو یا جاہل،چودھری نمبر دار ہو یا معمولی حیثیت کا مسلمان،امیر قاتل سے غریب مقتول کا قصاص لیا جائے گا۔

[3] یعنی اگر جہاد میں کوئی معمولی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے تو سب کو اس کی امان کا احترام کرنا ہوگا کوئی اسے قتل نہیں کرسکتا۔

[4] اس جملہ کے بہت معنی ہو سکتے ہیں،یا یہ مطلب ہے کہ اگر جہاد کے موقعہ پر مجاہدین کی ایک جماعت دار الحرب میں بہت دور نکل گئی دوسری جماعت بہت پیچھے رہ گئی،پھر غنیمت ملی تو اس غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہوگا جو پیچھے رہ گئی ہے۔

[5] کہ مشرقی مسلمان مغربی مسلمان کا مددگار ہے ایک پر مصیبت سب پر مصیبت ہے افسوس کہ اب مسلمانوں کا عمل اس کے برعکس ہے۔

[6] اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ حربی کافر کے عوض مسلمان قتل نہ کیا جائے گا۔

[7] یعنی اگر ہمارا ذمی کافر کسی حربی کافر کو قتل کر آئے تو ہم اس کے عوض اس ذمی کافر کو قتل نہ کریں گے،اس جملہ کے احناف کے ہاں یہ ہی معنے ہیں لہذا مسلم قاتل کو حربی کافر کے عوض بھی قتل نہ کیا جائے گا۔اس صورت میں معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت ہوگی،بعض ائمہ کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ مستامن وذمی کو قتل نہ کرو انہیں امان دو مگر اس صورت میں معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت نہیں،نیز یہ معنے بھی مذہب حنفی کی تائید کرتے ہیں کہ ذمی و مستامن کو قتل نہ کیا جائے اگر کوئی مسلمان اسے قتل کردے تو قصاص ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو شریح خزاعی سے [1] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

	جس کا خون کیا گیا یا اس کو خیل کیا گیا یعنی زخمی ۲؎ تو اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے اگر چوتھی چیز چاہے ۳؎ تو اس کا ہاتھ پکڑو یا وہ قصاص لے لے یا معافی دے دے یا دیت لے لے ۴؎ پھر اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کرے پھر اس کے بعد زیادتی کرے ۵؎ تو اس کے لیے آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا ۶؎ (دارمی)

۱؎ آپ کا نام خویلہ ابن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہے،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔(مرقات)

۲؎ عمدًا قتل و زخم مراد ہے کیونکہ خطاءً قتل و زخم میں قصاص نہیں ہوتا،قتل کی صورت میں تو ولی مقتول کو اختیار ہے اور زخم کی صورت میں خود مجروح کو اختیار ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

۳؎ مثلًا قصاص بھی لے اور دیت بھی چاہے یا معاف بھی کرے قصاص بھی لے،یہ اجتماع چوتھی صورت ہے یا مثلًا ظالم نے اس کی انگلی کاٹی تھی یہ مجروح اس کا پورا ہاتھ کاٹنا چاہے۔

۴؎ کس زخم کی کتنی دیت ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۵؎ کہ معاف کرچکنے کے بعد قصاص یا دیت لے لے یا دیت کے بعد قصاص یا قصاص کے بعد دیت لے لے۔

۶؎ اگر اس نے یہ ظلم حلال سمجھ کر کیا تو اس کا دوزخ میں ہمیشہ ابدالاباد تک رہنا ظاہر ہے اور اگر حرام جان کر کیا تو یہاں **خلود** سے مراد بہت عرصہ تک دوزخ میں رہنا ہے کیونکہ دوزخ کی ہیشگی صرف کفار کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت طاؤس سے ۱؎ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو بلوے میں قتل کیا گیا ۲؎ آپس کے پتھراؤ یا کوڑے بازی میں یا لاٹھی کی مار میں ۳؎ تو وہ خطا ہے اور اس کی دیت خطا کی دیت ہے ۴؎ اور جو عمدًا قتل کیا گیا تو وہ قصاص ہے ۵؎ جو اس کے پیچھے حائل ہو تو اس پر اللہ کی لعنت اور ناراضگی ہے اس کا نہ نفل قبول ہو نہ فرض ۶؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ کا نام ذکوان ابن کیسان ہے،خولانی ہمدانی یمانی ہیں،اصل باشندے فارس کے ہیں،یمن میں رہنے سہنے لگے تھے،بڑے عابد زاہد و مقبول الدعاء تابعی ہیں،چالیس حج کیے،بہت حسین جمیل تھے اسی لیے آپ کو طاؤس یعنی مور کہتے تھے،حضرت عبداللہ ابن عباس کے خاص صحبت یافتہ ہیں،۱۵۰ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔

۲؎ **عمیّة عمیٌ** سے بنا بمعنی اندھا پن بلوے اور اژدہام کے قتل کو اس لیے عمیہ کہتے ہیں کہ اس میں قاتل معلوم نہیں ہوتا اندھا دھند مار پیٹ دو جماعتوں میں ہوتی ہے۔

۳؎ یہ تفصیل درحقیقت **عمیۃ** کا بیان ہے کہ بلوے کی جنگ خواہ لاٹھیوں کی ہو خواہ تیروگولی کی یا کوڑے ہنٹر کی سب کا حکم یہ ہی ہے۔
۴؎ یعنی اس قتل کا حکم قتل خطا کا سا ہے کہ اس میں کسی سے قصاص نہ لیا جائے گا صرف دیت لی جائے گی،یہ آخری جملہ خطا کا بیان ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر ایسی چیز سے کسی کو قتل کیا گیا جو قتل کے لیے تھی نہیں جیسے چھوٹے پتھر اور اس سے قتل واقع ہوگیا تو اس قتل کو شبہ عمد کہتے ہیں اس میں قصاص نہیں ہوتا دیت ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ قصاص کے لیے عمداً قتل ضروری ہے،عمداً میں آلہ دھار دار چاہیے۔(اشعہ)
۵؎ اس کے معنے ابھی بیان ہوچکے کہ قتل عمد میں قصاص ہے اور قصاص میں ارادہ قتل بھی چاہیے اور ہتھیار بھی قتل کا چاہیے۔
۶؎ صَرْف توبہ کو بھی کہتے ہیں اورنفلی عبادت کو بھی یعنی جو عام آدمی یا حاکم یا وکیل ایسے قاتل کو چھڑا دے کہ ولی مقتول کو قصاص وغیرہ نہ لینے دے تو وہ ظالم کا مددگار ہےاس کی سزا یہ ہے کہ اس کی توبہ و عبادت غیر مقبول ہیں اور وہ لعنت کا مستحق ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سےفرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم اس کو معافی نہ دیں گے جو دیت لینے کے بعد قتل کردے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو ولی مقتول قاتل سے دیت لے لے پھر اسے قتل بھی کردے تو اسے معاف نہ کیا جائے گا۔(**لایعفی**) یا اسے میں نہ معاف کروں گا(**لااعفی**)۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ ایسے ولی کو جو دیت لےکر بھی قاتل کوقتل کردے قتل کیا جائے گا مگر مذہب جمہوریہ ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ کوئی اور سزا دی جائے گی۔اسے **لا اعفی** باب افعال کا ماضی مجہول بھی پڑھا گیا ہے جملہ بددعا یعنی اللہ کرے اس کو معاف نہ کیا جائے،غرضکہ جمہور علماء کے نزدیک اس معاف نہ فرمانے سے مراد قتل کر دینا نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی شخص کہ مصیبت پہنچائی جائے اس کے جسم میں پھر وہ اسے معاف کردے ۱؎ مگر بلند کرے گا اللہ تعالٰی اس کا درجہ اور معاف کرے گا اس کی خطاء ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں مصیبت سے مراد کسی انسان مسلمان کی طرف سے زخم یا عضو کاٹنا یا کوئی اور تکلیف پہنچانا ہے آسمانی مصیبت یا قتل مراد نہیں ورنہ معاف کرنے کے کیا معنے،معافی سے مراد قصاص نہ لینا ہے خواہ دیت بھی نہ لے یا دیت لے لے

مگر دیت بھی چھوڑ دینے کا ثواب زیادہ ہے اور دیت لے لینے کا ثواب کم۔خیال رہے کہ یہ مسلمان مجرم کے متعلق ہے،کافر مجرم سے ضرور بدلہ لیا جائے اسے معافی دینا یا اپنی کمزوری ہے یا اس مجرم کے لیے دروازہ کھولنا ہے۔

۲؎ یعنی اس معافی کی وجہ سے رب تعالیٰ اسے معافی دے گا کیونکہ اللہ کے بندوں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔شعر

کرو مہربانی اہل زمیں پر خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے ایک شخص کے عوض پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیاجنہوں نے اسے فریب سے قتل کردیا تھا۱؎ اور حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر سارے صنعاء والے اس پر مل جائیں تو میں ان سب کو قتل کردیتا۲؎(مالک)

۱؎ غلیه غیل سے بنا بمعنی خفیہ،دھوکہ،فریب یعنی ان چند لوگوں نے خفیہ طور پر سازش کرکے ایک شخص کو قتل کردیا تھا۔

۲؎ صنعاء یمن کی ایک بستی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر ساری بستی والے مل کر اسی ایک شخص کو قتل کردیتے تو اس کے عوض ان سب کو قتل کردیتا۔معلوم ہوا کہ چند قاتل ایک قتل میں قتل کیے جائیں گے کہ سزا سب کی یہ ہی ہے۔

	اور بخاری نے حضرت ابن عمر سے اس کی مثل روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں نے خبر دی۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقتول اپنے قاتل کو قیامت کے دن لائے گا ۲؎ پھر عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ کہ مجھے کس جرم میں اس نے قتل کیا ۳؎ قاتل کہے گا کہ میں نے اسے فلاں کی سلطنت میں قتل کیا تھا ۴؎ جندب نے فرمایا کہ اس سے بہت ڈرو۵؎(نسائی)

۱؎ یعنی کسی خاص صحابی کا نام لیا جو راوی کو یاد نہ رہامگر اس نام نہ لینے سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔(مرقات)

۲؎بقاتلہ کی ب یا مصاحبت کی ہے یا تعدیہ کی یعنی اپنے قاتل کے ساتھ آئے گا یا قاتل کو لائے گا،اگر قاتل چند ہوں تو سب کو لائے گا۔

۳؎یعنی اس کا حساب بھی لے اور بعد حساب سزا بھی دے۔

۴؎جواب کا مقصد یہ ہے کہ خدایا اگرچہ جرم قتل تو میں نے کیا مگر میرے اس جرم میں فلاں بادشاہ یا فلاں حاکم کی حکومت کا بھی دخل ہے کیونکہ انہوں نے ملک کا انتظام اچھا نہ کیا جس سے ملک میں قتل و خون عام ہوگئے مجھے بھی اسی بد انتظامی کی وجہ سے قتل کی جرأت ہوئی تو میرے ساتھ انہیں بھی پکڑ چنانچہ وہ بادشاہ و حکام بھی اس قاتل کے ساتھ گرفتار ہوں گے۔اس سے موجودہ حکومتوں کو سبق لینا چاہیےاور ہوسکتا ہے کہ ملك میم کے کسرہ سے ہو یعنی میں نے اسے قتل کیا فلاں شخص کی ملکیت اور اس کے زیر اثر ہونے کی بنا پر کہ میں فلاں کا نوکر یا ماتحت تھا اس نے مجھ سے اسے قتل کرایا اسے بھی پکڑ۔اس سے معلوم ہوا کہ قتل کرنے والا کرانے والا قتل کی رغبت دینے والا سب ماخوذ ہوں گے۔

۵؎حضرت جندب کسی بادشاہ یا حاکم کو سمجھا رہے ہیں یہ حدیث سنا کر اس سے کہہ رہے ہیں کہ قتل کے معاملہ میں بہت احتیاط کرو کوشش کرو کہ تمہارے زمانہ میں قتل واقع نہ ہو ورنہ اس کا انجام یہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ جوکسی مسلمان کے قتل پر آدھی بات سے بھی مددکرے تو وہ اللہ تعالٰی سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کی درمیان لکھا ہوگا اللہ کی رحمت سے ناامید ا؎(ابن ماجہ)	

ا؎یعنی جس شخص نے کسی سے اقتل امر کا آدھا کلمہ اُق بھی کہہ دیا اور قاتل نے اس مسلمان کو قتل کردیا تو مرتے وقت یا قبر میں یا قیامت میں اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہے،اس طرح تمام قیامت میں بدنام ہو جائے گا،اگر اس شخص نے حلال جان کر قتل کیا تھا تو یہ لفظ آیس من رحمة الله بالکل ظاہر ہے کہ یہ قاتل کافر ہوگیا اور کافر رب تعالٰی کی رحمت سے مایوس،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّهٗ لَا یَایْــٴَـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ"اور اگر نفسانی وجہ سے مارا تھا تو مایوس سے مراد انہیں رحمت سے مایوس ہے۔خیال رہے کہ حضور کی امت کی قیامت میں ضرور پردہ پوشی ہوگی مگر جو بندہ دنیا میں خود ہی علانیہ گناہ کرتا رہا ہو اس کی پردہ پوشی نہ ہوگی کہ اس نے خود اپنی پردہ دری کی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی کو پکڑے اور دوسرا اسے قتل کردے تو قتل کرنے والا قتل کیا جائیگا اور جس نے پکڑ رکھا وہ قید کیا جائے گا ا؎(دارقطنی)	

۱؎حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر پکڑنے والے کا خیال یہ تھا کہ یہ شخص اسے مارے گا مگر قتل نہ کرے گا مگر اس نے قتل کردیا تب تو یہ حکم ہے جو یہاں مذکور ہے کہ حاکم اس پکڑنے والے کو عمر بھر کی قید دیدے یا جب تک چاہے قید کردے لیکن اگر اس پکڑنے والے کو یقین تھا کہ یہ قتل کردے گا پھر پکڑا تو پکڑنے والا بھی قتل کیا جائے گا لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔ہمارے امام صاحب کے ہاں بہرصورت پکڑنے والا تعزیرًا قید ہی کیا جائے گا اور یہ قید قاضی کی رائے کے مطابق قید کیا جائے گا،اس طرح اگر کوئی کسی کو شیر یا سانپ کے آگے ڈال دے وہ جانور اسے ہلاک کردے تو ہمارے ہاں یہ ڈالنے والا قید کیا جائے گا لیکن تعزیرًا قاضی اسے قتل بھی کراسکتا ہے۔

باب الدیات

دیتوں کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ دیتؒ بنا ہے ودیؒ سے بمعنی بہنا اسی لیے جنگل کو وادی کہتے ہیں کہ وہاں بارش میں پانی بہتا ہے۔ودیؒ کا واؤ گراکر اس کے عوض کی ت آخر میں لگادی جیسے وزن سے زنۃ اور وعد سے عدۃ۔اب اصطلاح شریعت میں قتل یا زخم یا اعضاء کاٹنے کے عوض جو مال دیا جائے دیت کہلاتا ہے کیونکہ یہ مال خون بہانے کے عوض ہے۔احناف کے نزدیک قتل کی دیت سو اونٹ ہیں،اگر اونٹ نہ ملیں تو ایک ہزار اشرفیاں سونے کی یا دس ہزار درہم چاندی کے،ان تین چیزوں کے سوا اورکسی مال سے دیت نہیں،صاحبین کے ہاں گائے بکریوں بلکہ کپڑے کے جوڑوں سے بھی دیت دی جاسکتی ہے،دیت کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں یہ اور یہ برابر ہیں یعنی چھنگلی اور انگوٹھا ۱؎ (بخاری)

۱؎ یعنی ہاتھ یا پاؤں کی ہر ایک انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہے دس اونٹ،مگر انگلیوں کے احکام یکساں ہیں کہ اگر چھنگلیاں چھوٹی ہے انگوٹھا بڑا مگر دیت دونوں کی برابر ہے دس دس اونٹ،اگر کوئی شخص انگلی کا پورا کاٹے تو ایک انگلی میں تین پورے ہوتے ہیں لہذا ایک پورے میں دس اونٹ کا تہائی ۳-1/3 اونٹ،ہاں انگوٹھے میں دو ہی پورے ہیں لہذا اس کا ایک پورا کاٹنے پر دس اونٹ کا آدھا پانچ اونٹ واجب ہوں گے۔ (اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے کچے بچے کے متعلق جو کچا گر گیا تھا ۱؎ ایک غلام یا لونڈی کا فیصلہ فرمایا ۲؎ پھر وہ عورت جس پر غلام کا فیصلہ کیا گیا تھا مرگئی ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے لڑکوں اور خاوند کی ہے ۴؎ اور دیت ۵؎ اس کے وارثوں کی ہے۔(مسلم،بخاری)

۱؎ لحیان قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے،اسی لحیان کی ایک حاملہ عورت کے پیٹ پرکسی نے لات یا گھونسا یا لکڑی ماری جس سے اس کے پیٹ کا مردہ بچہ گر گیا،اگر بچہ زندہ گرتا پھر مرتا تو مارنے والے پر پوری دیت سو اونٹ واجب ہوتی کہ بچے اور بڑے کی دیت برابر ہے مگر یہاں مردہ بچہ گرا تھا اور عورت نہ مری تھی۔

۲؎ غرہ کے معنے ہیں چمک و روشنی اسی لیے چاندنی راتوں کو غرہ کہا جاتا ہے،قوم کے بڑے آدمی کو غریر اور انسان کی پیشانی اور چہرے کی سفیدی کو غرہ کہتے ہیں،یہاں غرہ زائد ہے مراد غلام ہے خون کالا ہو یا سفید۔(اشعہ)اگر عورت بچہ ڈال کر مرتی تو عورت کی پوری دیت اور بچہ کے عوض غلام قاتل پر لازم ہوتااور اگر عورت مرکر بچہ ڈالتی تو صرف عورت کی دیت واجب ہوتی بچہ کاکچھ نہیں۔(مرقات)

۳؎ یعنی مجرمہ مارنے والی عورت ادائے غلام سے پہلے مرگئی۔

۴؎ کیونکہ اس عورت کے وارث صرف اس کا خاوند اور لڑکے ہی تھے۔

۵؎ یعنی اس قاتلہ عورت کی میراث اس کے خاوندوبچوں کو ملے گی اور جو اس پر غلام دینا واجب تھا وہ اس کے دوسرے عصبہ وارث دیں گے۔دیت کو عقل اس لیے کہتے ہیں کہ عقل کے معنے ہیں روکنا باندھنا،چونکہ قاتل دیت کے اونٹ مقتول کے دروازے پر باندھتا تھا یا دیت قاتل کو قتل سے روکتی ہے اس لیے اسے دیت کہتے ہیں۔اس جملہ کے مرقات نے اور بھی معنے کیے مگر ہم نے جو عرض کیا یہ ظاہر ہے۔**واللہ اعلم و رسولہ!**

	روایت ہے ان سے ہی فرماتے ہیں کہ ہذیل کی دو عورتیں لڑیں تو ایک نے دوسری کو پتھر مارا ۱؎ تو اس کو اور اس کے پیٹ کے بچہ کو قتل کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچہ کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے اورعورت کی دیت کا فیصلہ اس کے وارثوں پر فرمایا ۲؎ اور دیت کا وارث اس کے بچہ کو اور ساتھیوں کو بنایا ۳؎

۱؎ دونوں عورتیں آپس میں سوت تھیں،قبیلہ ہذیل کی تھیں،سوت عورتوں کی دشمنی تو مشہور ہے پتھر بڑا تھاجو قتل کے ارادے سے مارا گیا۔

۲؎ چونکہ جرم دو ہوئے تھے اس لیے اس کی سزائیں بھی دو ہوئیں بچہ کے عوض لونڈی یا غلام خود اس قاتلہ کے مال سے جیساکہ اوپر گزرا اور خود عورت کی دیت قاتلہ عورت کے عصبہ وارثوں پر مقرر فرمائی،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ بغیر دھار والے ہتھیار سے قتل کردینے کی صورت میں قتل پر قصاص نہیں ہوتادیت واجب کی،دیکھو یہاں پتھر سے عورت کو قتل کیا مگر قصاص نہ واجب ہوا۔

۳؎ حق یہ ہے کہ **ورثھا** کی ضمیر دیت کی طرف ہے اور **ولدھا** کی ضمیر مقتولہ عورت کی طرف یعنی قاتلہ کے عصبہ وارثوں سے جو دیت دلوائی گئی اس دیت کا وارث مقتولہ کی اولاد اور اس کے دوسرے وارثوں کو قرار دیا گیا،بعض لوگوں نے یہ دونوں ضمیریں قاتلہ عورت کی طرف راجع کیں یہ غلطی ہے کہ اس میں مضاف پوشیدہ ماننا پڑے گا۔**معھم** سے

مراد اس مقتولہ کا خاوند وغیرہ وارثین ہیں،چونکہ ولد اسم جنس ہے اس لیے اس کی طرف ضمیر جمع بھی لوٹ سکتی ہے۔اس پر تو تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ قتل خطا کی دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر ہے،اس میں اختلاف ہے کہ خود قاتل بھی اس دیت میں داخل ہوگا یا نہیں،ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ داخل ہوگا بقدر حصہ وہ بھی دے گا،امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وارثین سے دیت پوری نہ ہوسکے تو قاتل سے بھی حصہ لو ورنہ نہیں،امام احمد کے ہاں قاتل پر مطلقًا نہیں اگر دیت وارث پوری نہ کرسکیں تو بیت المال سے پوری کی جائے۔یہ مسئلہ کہ کس وارث پر کتنی دیت ہوگی اور کتنے عرصہ میں ادا کی جائے گی اور اس کے متعلق علماءکرام کے کیا اختلافات ہیں یہ کتب فقہ میں یا اسی جگہ مرقات میں ملاحظہ فرمایئے یہاں اس کی گنجائش نہیں یہ بہت دراز گفتگو ہے۔

	روایت ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے کہ دو عورتیں سوکنیں تھیں تو ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمہ کی چوب ماری ۱؎ تو اس نے پیٹ کا بچہ ڈال دیا ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچے بچے کے متعلق غلام یا لونڈی کا فیصلہ فرمایا اور اسے عورت کے وارثوں پر مقرر فرمایا ۳؎ یہ ترمذی کی روایت ہے ۴؎ مسلم کی روایت یوں ہے کہ فرمایا ایک عورت نے اپنی سوکن کو خیمہ چوب ماری وہ تھی حاملہ اسے قتل کردیا فرمایا ان میں سے ایک بنی لحیان کی تھی ۵؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ عورت کے وارثوں پر لازم کی اور پیٹ کے بچہ پر غلام ۶؎

۱؎ فسطاط چھوٹا خیمہ جو سفر میں اکثر کام چلانے کے لیے لگایا جاتا ہے اس کی چوب کافی بھاری ہوتی ہے۔

۲؎ اس طرح کہ بچہ گرنے سے پہلے مرچکا تھا یا ابھی اس میں جان نہ پڑی تھی،اس کے متعلق عرض کیا جاچکا ہے کہ قاتلہ مقتولہ کو ایک غلام یا لونڈی دے،اگر زندہ پیدا ہوکر مرتا تو پوری دیت واجب ہوتی کہ اب وہ قتل کے حکم میں ہوتا۔

۳؎ یعنی بچہ کی ماں مرگئی تو ماں کی دیت قاتلہ کے وارثوں پر مقرر فرمادی۔

۴؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں غیر صحیحین کی روایت درج کی حالانکہ ان کا قاعدہ ہے کہ فصل اول میں مسلم،بخاری کی روایت لائیں۔

۵؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ لحیان قبیلہ ہذیل کا ایک خاندان ہے یعنی ایک عورت تو بنی لحیان کی تھی دوسری کا پتہ نہ چلا۔

۶؎ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر ہے یعنی اس کے پیٹ سے بچہ کچا گر گیا اور وہ خود بھی مرگئی تو بچہ کے عوض قاتلہ عورت پر غلام واجب فرمایا جو بچہ کا عوض تھا اور عورت کی دیت قاتلہ عورت کے عصبہ وارثوں پر لازم فرمائی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار کہ خطا شبہ عمد کی دیت ۱؎ جو کوڑے اور لاٹھی سے ہو ۲؎ ایک سو اونٹ ہیں جن میں چالیس وہ ہوں جن کے پیٹ میں ان کے بچے ہوں ۳؎ (نسائی،دارمی)

۱؎ یہاں **شبہ العمد** یا تو خطا کی صفت کا شفہ ہے کہ **الخطا** بھی معرفہ ہے اور **شبہ العمد** بھی معرفہ یا **الخطا** جنس ہے اور **شبہ العمد** اس کی ایک قسم و نوع یا **شبہ العمد** لفظ **الخطاء** کا بدل ہے۔بہرحال مطلب یہ ہی ہے کہ یہاں خطاء سے مراد شبہ عمد ہے اور قتل خطاء اس جگہ مراد ہے۔

۲؎ اس عبارت میں **ما** یا موصولہ ہے یا موصوفہ اور یہ عبارت خطا اور شبہ عمد دونوں کی تفسیر ہے اِنّ کی خبر نہیں خبر تو آگے آرہی ہے۔خیال رہے کہ احناف کے ہاں قتل کی تین قسمیں ہیں:قتل عمد،قتل شبہ عمد،قتل خطاء۔قتل عمد یہ ہے کہ دھاردار آلہ مار دینے والے اوزار سے باارادۂ قتل حملہ کیا جائے اور اس سے قتل واقع ہو،اس کی سزا قصاص ہے۔شبہ عمد یہ ہے کہ قاتل باارادۂ قتل ایسے اوزار سے حملہ کرے جو قتل کے لیے بنا نہیں اور اس سے قتل کردے جیسے قتل کے ارادے سے زور سے کیل یا لوہے کا قلم آنکھ میں گونپ دے جو دماغ تک پہنچ کر مقتول کا کام تمام کردے یا بہ ارادۂ قتل فوطے پر زور سے گھونسہ یا لکڑی مار دے اور موت واقع ہوجائے،ان دونوں صورتوں کے سواء اور قتل خطاء ہے جیسے بغیر ارادۂ قتل کسی کے قچی یا گھونسہ مارااتفاقًا نازک جگہ لگ گیا موت واقع ہوگئی یا جانور کے گولی ماری تھی کسی آدمی کے لگ گئی۔امام مالک کے ہاں قتل کی صرف دو قسمیں ہیں:قتل عمد اور قتل خطاء،وہ شبہ عمد کو نہیں مانتے،وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ یہاں شبہ عمد کو خطا کی تفسیر بتایا گیا اسے علیحدہ قسم نہ مانا گیا،امام صاحب کے ہاں یہاں لاٹھی سے ہر ہلکی لکڑی بھاری لاٹھی مراد ہے۔اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ قتل غیر عمد خواہ شبہ عمد ہو یا قتل خطاء بھاری لاٹھی سے ہو یا پتلی قچی سے ان میں قصاص نہیں دیت ہے،امام مالک کے ہاں یہاں لاٹھی سے مراد صرف ہلکی لکڑی ہے جس کو عمدًا قتل کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا،امام ابوحنیفہ کی دلیل قوی ہے کہ یہاں عصا مطلق ہے۔

۳؎ تمام اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل عمدًا میں مقتول کے وارث دیت پر راضی ہوجائیں اور قصاص چھوڑ دیں تو اس کی دیت مغلظ (سخت)ہے اور قاتل کے مال سے ادا کی جائے گی مگر قتل شبہ عمد میں دیت مغلظ (سخت)ہے مگر قاتل کے عصبہ وارث بہ آہستگی ادا کریں گے اور قتل خطاء میں دیت **مخففہ** (ہلکی)ہے جو قتل کے عصبہ وارث بہ آہستگی دیں گے دیت کا ہلکا یا سخت ہونا اونٹوں کی عمر کے لحاظ سے ہوتا ہے۔چنانچہ امام ابوحنیفہ،امام ابویوسف،امام احمد کے ہاں دیت غلیظہ یہ ہے کہ انٹوں کی چار قسمیں کی جائیں:پچیس اک سالہ اونٹنیاں،پچیس دو سالہ،پچیس تین سالہ اور پچیس چار سالہ اور دیت خفیفہ میں ان اونٹنیوں کی پانچ قسمیں کردی جائیں:بیس ایک سالہ،بیس دو سالہ اونٹنیاں،بیس ایک سالہ اونٹ نر،بیس تین سالہ،بیس چار

سالہ اونٹنیاں،یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعارض ہے حضرت ابن مسعود اور حضرت سائب ابن یزید کی حدیث سے لہذا یہ حدیث مشکوک ہے،وہ احادیث متیقن،ہم نے یقینی احادیث کو لیا،اس کی تفصیل یہاں مرقات و اشعۃ اللمعات میں اور کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔

	اور اسے ابوداؤد نے ان ہی سے اور حضرت ابن عمر سے روایت کیا اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ حضرت ابن عمر سے مروی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم سے ۱؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو فرمان عالی لکھا اور اس کتاب میں تھا کہ جس نے کسی مسلمان کو بلاقصور قتل کیا ۲؎ یا تو وہ اپنے ہاتھ کے قصاص میں گرفتار ہوگا مگر یہ کہ مقتول کے وارثوں کو راضی کرے ۳؎ اور اس میں یہ تھا کہ مرد عورت کے عوض قتل کیا جائے گا ۴؎ اور اس میں یہ تھا کہ جان میں دیت ہے سو اونٹ ۵؎ اور سونے والوں پر ہزار دینار ۶؎ اور ناک میں جب پوری کاٹ دی جائے پوری دیت سو اونٹ ہیں ۷؎ اور دانتوں میں دیت ہے ۸؎ اور ہونٹوں میں دیت ہے اور فوطوں میں دیت ہے اور آلہ تناسل میں دیت ہے ۹؎ اور پیٹھ میں دیت ہے ۱۰؎ اور آنکھوں میں دیت ہے ۱۱؎ اور ایک پاؤں میں آدھی دیت ہے ۱۲؎ اور مغز تک پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے او رپیٹ میں پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے ۱۳؎ اور ہڈی منتقل کردینے والے زخم میں پندرہ اونٹ ہیں ۱۴؎ اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی میں دس اونٹ ہیں ۱۵؎ اور دانت میں پانچ اونٹ ہیں ۱۶؎ (نسائی،دارمی) اور امام مالک کی روایت میں ہے کہ آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں اور ہاتھ میں پچاس اونٹ اور پاؤں میں پچاس اونٹ ۱۷؎ اور ہڈی کھول دینے والے زخم میں پانچ ۱۸؎

اآپ کا نام محمد ابن ابی بکر ابن عمرو ابن حزم انصاری ہے،صاحب مشکوۃ نے باب الفرائض میں ان کا نام یوں ہی بیان کیا ہے یہاں الٹا فرما گئے،ابوبکر ابن محمد اور محمد ابن ابوبکر تابعی ہیں عمرو ابن حزم صحابی ہیں،ان کا لقب ضحاک ہے،انصاری ہیں،غزوہ خندق میں شریک ہوئے،اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو نجران کا حاکم بنایا۔(مرقات)اشعہ نے اس اختلاف بیان کی اور وجہ بیان فرمائی۔

۲عبت و اعتباط کے معنے ہیں جانور کو بغیر کسی بیماری وغیرہ کے ذبح کردینا،یہاں مراد ہے بلا قصور مسلمان کو قتل کردینا عمدًا یعنی دیدہ ودانستہ۔

۳قود کے معنے ہیں اطاعت و فرمانبرداری اسی لیے مطیع اونٹ کو منقاد کہتے ہیں،اور ہر اطاعت کو انقیاد،اب قصاص کو قود اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قاتل اپنے کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کردیتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ قتل عمد میں قاتل پر قصاص واجب ہے لیکن اگر مقتول کے وارث دیت قبول کرلیں تو دیت ہے اور اگر بالکل معاف کردیں تو نہ قصاص ہے نہ دیت تو یہ بھی کرسکتے ہیں۔

۴اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ قصاص میں عورت و مرد کا فرق نہیں،قاتل مرد ہو مقتولہ عورت یا برعکس قصاص واجب ہے۔

۵کہ قتل عمد میں اگر دیت دی جائے تو سو اونٹ اور قتل خطاء و شبہ عمد میں تو سو اونٹ ہی واجب ہیں کہ ان میں قصاص نہیں ان کی تفصیل ابھی گزر گئی۔

۶یعنی واجب تو سو اونٹ ہی ہیں لیکن اگر وہ قاتل بجائے اونٹ کے دینار دے تو ایک ہزار اشرفیاں دے اگر اونٹ دینے پر قادر ہو جب بھی سونا دے سکتا ہے،یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے،امام مالک کے ہاں سونے والا دینار ہی دے گا اونٹ نہ دے گا،امام شافعی کے ہاں اونٹ ہی دے گا سونا نہ دے گا ہاں اگر وارثین مقتول سونا لینے پر راضی ہوجائیں تو سونا دے یہ حدیث مذہب حنفی کی تائید کررہی ہے۔

۷خیال رہے کہ اگر کسی عضو کے کٹ جانے سے نفع یا جمال جاتا رہے تو اس میں پوری دیت واجب ہوتی ہے جان کی دیت کی برابر یعنی سو اونٹ کیونکہ یہ ایک معنے سے جان ضائع کردیتاہے۔

۸یعنی اگر کسی کے تمام دانت توڑ دے تو اس کی پوری دیت سو اونٹ دے گا کہ اس صورت میں منفعت و جمال دونوں ختم کردے۔ایک دانت میں دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ واجب ہیں جو دانت توڑے یا داڑھ یا کیل یہ حکم خطاء توڑنے کا ہے،عمدًا توڑے گا تو قصاص واجب ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ" اگر ایک ایک کرکے سارے دانت توڑ دے تو ان کی دیت سولہ ہزار درہم ہے یعنی جان کی دیت سے زیادہ یہ دانتوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی دیت جان کی دیت سے بڑھ جاتی ہے،ہاں اگر کوئی بچے کے دانت توڑ دے تو چودہ ہزار ہےواجب کہ اس کےاٹھائیس دانت ہوتے ہیں،امام شافعی کے ہاں بیس دانت توڑنے میں پوری دیت ہے زیادہ توڑنے میں زیادتی پر کچھ نہیں۔(مرقات)

۹یعنی اگر کسی کے دونوں ہونٹ یادونوں فوطے یا ذکر کاٹ دیا تو پوری دیت واجب ہے کہ اس صورت میں منفعت پوری ضائع کردی۔

۱۰؎ یعنی اگر کسی کی پیٹھ توڑ دی اور اس کا پانی یعنی منی خشک ہوگئی تو پوری دیت واجب ہے۔

۱۱؎ یعنی اگر دونوں آنکھیں نکال دیں یا پھوڑ دیں تو پوری دیت واجب ہے کہ اس صورت میں دیکھنے کی منفعت بالکل جاتی رہی اگر ایک آنکھ پھوڑ دی آدھی دیت۔زمانہ فاروقی میں ایک شخص نے کسی کو ایسی چوٹ ماری کہ اس کی نظر،سننے کی طاقت،عقل،کلام سب زائل ہوگئی تو حضرت عمر نے اس پر چار دیت لازم کیں۔(مرقات و اشعہ)

۱۲؎ یوں ہی ایک ہاتھ ایک آنکھ ایک کان ضائع کردینے میں آدھی دیت واجب ہے۔

۱۳؎ یعنی اگر پیٹ میں ایسا زخم لگایا جو آر پار ہوگیا یا دماغ میں ایسی چوٹ لگائی کہ زخم ام الدماغ تک پہنچ گیا تو تہائی دیت یعنی ۳۳- ۱/۳ اونٹ واجب ہے۔

۱۴؎ یعنی ایسی چوٹ ماری کہ ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی تو اس میں سے پندرہ اونٹ واجب ہیں،یہ احکام تعبدی ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں۔

۱۵؎ یعنی ہاتھ یا پاؤں کی چھنگلی توڑے یا انگوٹھا سب کی دیت یکساں ہے دس اونٹ چھوٹی بڑی کا اعتبار نہیں۔

۱۶؎ دانت کی دیت کی تفصیل ابھی عرض کی جاچکی ہے،ہر دانت میں پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم واجب ہیں دانت خواہ کوئی سا ہو۔(اشعہ)

۱۷؎ یعنی جو اعضاء بدن میں دو ہیں اگر ان میں سے ایک کو بے کار کردے تو اس پر آدھی دیت ہے،اگر دونوں کو بے کار کردے تو پوری دیت۔

۱۸؎ یعنی اگر ایسا زخم لگایا کہ اس سے کھال و گوشت کٹ گیا ہڈی کھل گئی تو اس میں پانچ اونٹ لازم ہیں۔خیال رہے کہ زبان کاٹ دینے یا داڑھی مونڈ دینے میں پوری دیت یعنی سو اونٹ واجب ہیں۔(اشعہ و مرقات)مگر افسوس کہ اب تو مسلمان خود ہی داڑھیاں منڈاتے ہیں ان سے خود ان کی اپنی داڑھیوں کی دیت کون لے،داڑھی میں مرد کا جمال ہے جس کے زائل کردینے پر پوری دیت واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی کھول دینے والے زخم میں ۱؎ پانچ پانچ اونٹوں کا اور دانتوں میں پانچ پانچ اونٹوں کا فیصلہ فرمایا ۲؎(ابوداؤد،نسائی،دارمی)اور ترمذی و ابن ماجہ نے پہلی صورت بیان فرمائی ۳؎

۱؎ مواضح جمع ہے **موضحہ** کی۔موضحہ وہ زخم ہے جو ہڈی کھول دے اس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔

۲؎ یعنی اگر ایک ایک دانت علیحدہ علیحدہ توڑے تو فی دانت پانچ اونٹ واجب ہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جہاں فرمایا گیا تھا کہ دانتوں میں پوری دیت یعنی سو اونٹ واجب ہیں کہ وہاں یکدم سارے دانت توڑنا مراد تھا۔

۳؎ یعنی ابن ماجہ وترمذی نے مواضح زخموں کی روایت فرمائی انہوں نے دانتوں کا ذکر نہ کیا،ابھی عرض کیا گیا کہ یہ تمام تفصیل خطاءً توڑدینے میں ہے۔خیال رہے کہ شجاج اور جراحت میں قصاص نہیں،شجاج سر کا وہ زخم جو آر پار نہ ہو،جراحت

باقی جسم کا معمولی زخم جس سے ہڈی نہ کھلے نہ منتقل ہو۔(مرقات)چنانچہ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت حسن وعمر ابن عبدالعزیز سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ سے کم زخم میں کوئی فیصلہ نہ فرمایا،نیز ایسے زخم کے قصاص میں برابری غیر ممکن ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں پاؤں کی انگلیاں برابر قرار دیں ۱(ابوداؤد،ترمذی)	

۱یعنی ہاتھ پاؤں کی ہر انگلی کی دیت و خون بہا یکساں ہے دس اونٹ،اگرچہ یہ انگلیاں جوڑ،نام بلکہ خاص کام میں کچھ مختلف ہیں مگر دیت سب کی برابر۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انگلیاں برابر ہیں۱اور دانت برابر ہیں چنانچہ کچلی اور داڑھ برابر ہیں ۲یہ اور یہ برابر ہے ۳(ابوداؤد)	

۱کہ جیسے چھنگلی کاٹ دینے کی دیت دس اونٹ ہے ویسے ہی انگوٹھا کاٹ دینے کی دیت دس اونٹ۔

۲عربی میں دانتوں کی چار قسمیں ہیں:سامنے کے چار دانت دو اوپر کے دو نیچے کے ثنایا کہلاتے ہیں،اس کا واحد ثنیہ ہے کہ یہ آپس میں ملے ہوتے ہیں ان کے برابر کے دانت رباعیہ،ان کے برابر کے دانت انیاب ناب کی جمع بمعنی کیل،ان کے بعد اضراس ضرس کی جمع بمعنی داڑھ،اردو میں اگلے چار دانتوں کو چوکڑی ان سے متصل کو کچلی،ان سے متصل کو کیلیں،ان سے متصل کو داڑھ کہا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ دانت چھوٹا ہو یا بڑا دیت فی دانت پانچ اونٹ ہی ہے۔

۳یہاں اشارہ انگلیوں کی طرف ہے یعنی یہ چھنگلی اور یہ انگوٹھا دیت میں برابر ہے،انگلیوں کے بھی پانچ نام ہیں:کلمے کی انگلی مسبحہ یا سبابہ کہلاتی ہے،بیچ کی انگلی وسطیٰ،اس سے متصل بنصر،اس سے ملی ہوئی یعنی چھنگلی،خنصر اور انگوٹھا بہام۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا تو فرمایا اے لوگو اسلام میں حلیف بنانا کچھ نہیں ۱اور جو حلف زمانہ جاہلیت میں ہوچکا ہو تو اسلام اس کی پختگی ہی بڑھائے گا ۲مگر مسلمان آپس میں دوسرے کے مقابل مددگار ہیں ۳کہ ان کا ادنی آدمی امان دے سکتا ہے ۴اور ان کا دور کا آدمی غنیمت واپس کرسکتا ہے ۵ان کے لشکر ان کے بیٹھے ہوؤں پر رد کریں گے ۶نہ قتل کیا جائے مؤمن کافر کے عوض ۷اور کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے	

	آدھی ہے۸ نہ منگانا ہے اور نہ دور لے جانا ان کے صدقات نہ وصول کیے جائیں مگر ان کے گھروں میں ۹ اور ایک روایت میں ہے فرمایا کہ ذمی کی دیت آزاد کی دیت سے آدھی ہے ۱۰(ابوداؤد)

۱حلف ح کے کسرہ سے ہے بمعنی معاہدہ اسی سے ہے تحالف۔زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ یا بعض قومیں دوسرے لوگوں یا قوموں سے معاہدہ کرلیتے تھے کہ آج تیرا خون میرا خون ہے تیری جان میری جان ہے تیرا مال میرا مال ہے کہ ہم میں سے جس پر حملہ ہو دوسرا مدد کرے یا ہم میں سے جو بھی کسی سے لڑے تو دوسرا امداد دے جس سے صلح کرے دوسرا صلح میں شریک ہو ہر ایک دوسرے کا بعد موت وارث ہوگا میری دیت تو دے گا تیری میں دوں گا میرا بدلہ تو لے گا تیرا میں لوں گا،ایسے لوگوں یا ایسی قوموں کو حلیف کہتے تھے۔شروع اسلام میں اس قسم کے معاہدے جاری رہے کہ ان کے ذریعہ لوگوں کے جان و مال محفوظ تھے ان کے بغیر کوئی شخص یا قوم محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔فتح مکہ کے سال اس کو منسوخ کردیا گیا کہ ملکی حالات بدل چکے تھے لوگوں کے مال و جان محفوظ ہو گئے تھے۔

۲یعنی نئے معاہدے و حلف کرو مت،پچھلے معاہدے پورے کردوکہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ اصل حلف اب بھی باقی ہے مگر حلف کی دو چیزیں منسوخ ہوگئیں ایک میراث کہ یہ رشتہ داروں کو ملے گی نہ کہ حلیف کو اور ایک تناصر کہ اپنے حلیف کی ظلم پر مدد کرنا کہ اگرچہ وہ ظالم ہو اس کو مدد دینا،یہ ممنوع ہے۔(مرقات)بہرحال مظلوم کی اعانت پر معاہدہ اچھا ہے،قتل و غارت ڈکیتی ظلم پر معاہدہ سخت جرم ہے۔اس جملہ آخری کا یہ ہی مطلب ہے کہ جاہلیت کے معاہدہ کا اتنا حصہ باقی ہے کہ مظلوم کی اعانت ہودوسرا حصہ ممنوع۔

۳یعنی اسلام خود ایک حلف و معاہدہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان مظلوم کی مدد کرے،اسلام نے مشرقی مغربی جنوبی شمالی مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا کر ان میں عالمگیر اخوت پیدا فرمادی،اس سے بہتر کون سا حلف ہے اور کون سا معاہدہ ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ"۔

۴یعنی اگر معمولی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے تو تمام مسلمانوں پر اس کی امان کا احترام لازم ہے کہ پھر اسے نہ قتل کریں نہ لوٹیں۔خیال رہے کہ بحالت جنگ اگر سپہ سالار اعلان کردے کہ بغیر میری اجازت کسی کافر کو امان نہ دی جائے تو پھر کسی سپاہی وغیرہ کو امان دینے کا حق نہیں ورنہ پھر تو کفار نواز مسلمان تمام کفار کو امان دے کر مسلمانوں کو تباہ کرادیں گے۔

۵دوران جنگ اگر لشکر اسلام بحالت جنگ غنیمت حاصل کرے تو اس غنیمت میں اس لشکر کا بھی حصہ ہوگا جو یہاں سے دور ہے کہ وہ ان کی پشت و پناہ تھا،اس کا یہ مطلب نہیں کہ کفار سے چھنا ہوا مالِ غنیمت معمولی مسلمان واپس کرسکتا ہے کہ غنیمت تو تمام غازیوں کی ملک ہوچکی ہے۔

۶یعنی جنگ کرنے والا لشکر جو غنیمت حاصل کرے گا اس میں اس لشکر کا بھی حصہ دے گا جوان کفار کے ملک میں بیٹھا ہوا ہے اگرچہ جنگ نہ کررہا ہے کیونکہ یہ لشکر ان مجاہدوں کی پشت و پناہ ہے بوقت ضرورت ان کی مدد کرتا،قعدہ کے معنے ہیں بیٹھے ہوئے سپاہی مورچوں میں۔

۷؎ احناف کے نزدیک یہاں کافر سے مراد کافر حربی ہے یعنی حربی کافر کو اگر مسلمان قتل کرآئے یا قتل کرڈالے تو اس پر قصاص نہیں،امام شافعی کے ہاں ذمی و مستامن کافر کو قتل کردینے پر بھی مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا ان کے ہاں کافر سے مراد مطلقًا کافر ہے مگر امام اعظم کا فرمان قوی ہے،حضور ذمی کفار کے متعلق فرماتے ہیں فدماء ھم کدماءنا ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں۔

۸؎ امام مالک و احمد کے ہاں کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے یعنی پچاس اونٹ،امام شافعی کے ہاں تہائی ہے یعنی ۳۳-۱/۳ اونٹ مگر امام اعظم کے ہاں پوری دیت ہے سو اونٹ،امام اعظم کی دلیل وہ ہی حدیث ہے فدماءھم کدماءنا۔حضرت ابوبکروعمر و عثمان نے ذمی کی دیت ہزار دینار دلوائی یعنی پوری دیت،حضرت علی نے فرمایا کہ ذمی کفار نے جزیہ اسی لیے دیا کہ ان کا خون ہمارے خون کی مثل ہوجائے۔دارقطنی نے ابن شہاب سے روایت کی کہ حضرت صدیق و فاروق یہودی عیسائیوں کی دیت مسلم مقتول کے برابر دلواتے تھے،ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں ربیعہ ابن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ حضرت ابوبکروعمر و عثمان نے کفار ذمیوں کی دیت مسلمان کے برابر رکھی،حضرت معاویہ نے اپنی شروع امارت میں یوں ہی کیا پھر بعد میں آپ نے آدھی دیت مقتول کے وارثوں کو دلوائی اور آدھی بیت المال میں داخل فرمائی۔(مرقات و اشعہ)ابن ابی شیبہ نے علقمہ،مجاہد،عطاء،شعبی،نخعی،زہری وغیرہم سے یہ ہی روایت کی کہ ذمی کافر کی دیت مسلم کے برابر ہے،یہ حدیث منسوخ ہے۔(مرقات)

۹؎ اس کی شرح کتاب الزکوۃ میں گزرچکی کہ عامل نہ تو یہ کرے کہ ایک جگہ بیٹھ جائے اور مال والوں کے جانوروغیرہ وہاں ہی منگاکر ان کی زکوۃ وصول کرے نہ مال والے عامل کی خبر سن کر اپنے مال دور بھیج دیں تاکہ عامل کو زکوۃ وصول کرنے میں دشواری ہو بلکہ مال و جانور اپنی جگہ رہیں عامل وہاں ہی پہنچ کر زکوۃ وصول کرے۔

۱۰؎ یعنی ذمی غلام کی دیت آزاد ذمی یا آزاد مسلمان کی دیت سے آدھی ہے لہذا یہ فرمان امام اعظم کے خلاف نہیں کہ غلام کی دیت آزاد سے آدھی ہوتی ہے اور اگر معاہد سے مراد ذمی آزاد ہے تو اس کے جواب وہ ہی ہیں جو ابھی گزر گئے۔

	روایت حضرت خشف ابن مالک سے ۱؎ وہ حضرت ابن مسعود سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے خطاء کی دیت میں یہ فیصلہ فرمایا کہ بیس یک سالہ اونٹنیاں ۲؎ اور بیس یک سالہ نراونٹ اور بیس دو سالہ اونٹنیاں اور بیس تین سالہ اور بیس چار سالہ ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی) صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن مسعود پر موقوف ہے ۴؎ اور خشف مجہول آدمی ہیں صرف اس حدیث سے پہچانے گئے ہیں ۵؎ اور شرح سنہ میں یوں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مقتول کی دیت صدقہ سے سو اونٹ دیئے اور صدقہ کے اونٹوں کی عمروں میں کوئی ایک سالہ نر اونٹ

	نہیں ہوتا اس میں دو سالہ اونٹ ہی ہوتے ہیں۶

۱؎ آپ طائی ہیں،تابعی ہیں،اپنے والد اور حضرت عمر اور ابن مسعود سے روایات لیتے ہیں،نسائی نے آپ کو ثقہ کہا۔(مرقات)**خشف** خ کے کسرہ اور ش کے سکون سے ہے۔

۲؎ لفظ بنت مخاض کبھی نر و مادہ دونوں اونٹوں پر بولا جاتا ہے مگر یہاں مادہ یکسالہ اونٹنی مراد ہے کیونکہ نر کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے قتل خطاء کی دیت سو اونٹ ہیں مگر پانچ حصوں سے جو یہاں مذکور ہیں، امام شافعی کے ہاں بھی پانچ ہی حصے ہیں مگر ان کے ہاں بجائے بیس ابن مخاض کے بیس ابن لبون ہیں یہ حدیث ہماری دلیل ہے۔

۴؎ **الحمدللہ**! کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث موقوف کو صحیح مانا ہے اور اس قسم کی موقوف حدیث حکم میں مرفوع حدیث کے ہے کیونکہ تعداد و مقدار اپنی رائے سے نہیں مقرر کی جاسکتی ضرور حضرت ابن مسعود نے یہ تعداد حضور سے سن کر بیان فرمائی ہے۔

۵؎ **خشف** ہرگز مجہول نہیں کیونکہ یہ خشف اپنے والد مالک طائی و ابن مسعود سے روایت لیتے ہیں اور جب ان سے یہ حدیث مروی ہوئی تو اگرچہ وہ مشہور تو نہ ہوئے مگر مجہول بھی نہ رہے،نیز خشف کی توثیق نسائی،ابن حبان،زید ابن جبیر حسمی اور ابن معین نے کی ہے۔(مرقات)بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ خشف ابن مالک نے حضرت عمر اور ابن مسعود سے احادیث سنی ہیں،نیز جب یہ حدیث موقوفًا صحیح ہے تو مرفوعًا یہ حرج مضر نہیں۔

۶؎ مقصد یہ ہے کہ خطاء کی دیت میں ابن مخاض نہ چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر جب کہ ایک مسلمان خیبر میں شہید کیا گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہ لگا تھا تو مقتول کی دیت سو اونٹ بیت المال سے ادا فرمائی تھی مقتول کے وارثوں کو اور مسئلہ فقہیہ ہے کہ اونٹ کی زکوۃ میں ابن مخاض لیا جاتا ہی نہیں تو اگر دیت میں ابن مخاض یعنی یک سالہ نر اونٹ ہوتا تو آپ زکوۃ کے اونٹ سے کیسے ادا فرماتے کہ یہ تو زکوۃ اونٹ میں ابن مخاض ہوتا ہی نہیں مگر اس دلیل پر دو بحث ہیں:ایک یہ کہ یہ دیت نہ تھی محض کرم و مہربانی تھی ورنہ دیت قاتل پر ہوتی ہے نہ کہ بیت المال پر،وہاں قاتل کا پتہ لگا ہی نہ تھا پھر دیت کیسی۔دوسرے یہ کہ وہاں خیبر میں قتل خطاءً نہ ہوا تھا قتل عمدًا تھا اور واقعی قتل عمد کی دیت میں ابن مخاض نہیں لیا جاتا ہماری گفتگو قتل خطاء کی دیت میں ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سو اونٹ فقراء کی تملیک کے بعد دیت میں دیئے تھے ورنہ صدقہ و زکوۃ کے اونٹ فقراء کا حق ہے یہ دیت میں نہیں دیئے جاتے۔(ازمرقات مع زیادۃ)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت کی قیمت آٹھ سو اشرفیاں یا اٹھ ہزا درہم تھے ۱؎ اور اس زمانہ میں اہلِ کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت سے آدھی تھی ۲؎ فرماتے ہیں کہ یوں

	ہی رہا حتی کہ حضرت عمر خلیفہ بنے تو خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا کہ اونٹ مہنگے ہوگئے ۳؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے سونے والوں پر ایک ہزار اشرفیاں اور چاندی والوں پر بارہ ہزار ۴؎ اور گائے والوں پر دوسو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور جوڑے والوں پر دوسو جوڑے مقرر فرمائے ۵؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ذمیوں کی دیت یونہی چھوڑی جیسے اور دیت بڑھائی تھی ان کی نہ بڑھائی ۶؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایک اونٹ کی قیمت آٹھ دینار تھی لہذا سو اونٹ آٹھ سو دینار کے ہوئے،دینار دس درہم کا ہوتا ہے درہم قریبًا چار آنہ کاتو دینار ڈھائی روپیہ کا ہوا۔

۲؎ اس کی بحث ابھی ہوچکی کہ یہاں اہل کتاب سے مراد غلام کتابی ہے اور مسلمان سے مراد آزاد مسلمان ہے یعنی غلام کافر کی دیت آزاد مسلمان سے آدھی تھی کیونکہ غلام کی دیت آزاد کی دیت سے آدھی ہوتی ہے لہذا یہ خبر اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ذمیوں کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا **فدماء ھم کدمائنا** ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح ہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل خطاء کی دیت تین چیزوں سے ادا ہوسکتی ہے یا سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم امام شافعی کا پہلا قول تو یہ ہی تھا مگر ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دیت میں اصل تو اونٹ ہیں باقی درہم و دینار اونٹ کی قیمت کے برابر ہوں گے یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

۳؎ بعض روایات میں صرف غلت ہے بغیر شد کے،یہ غلاء سے بنا ہے بمعنی قیمت چڑھ جانا اسی لیے مہنگی چیز کو غالی اور سستی کو رخیص کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب اونٹوں کی قیمت زیادہ ہوگئی۔ **قال** کا فاعل عمرو ابن شعیب کے دادا عمرو ابن عاص ہیں،دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

۴؎ یعنی حضرت عمر نے دیت میں سو اونٹ کی قیمت بجائے آٹھ سو دینار کے ایک ہزار دینار لگائی اور چاندی کے بجائے آٹھ ہزار درہم کے دس ہزار لگائی کیونکہ اب سو اونٹوں کی یہ ہی قیمت تھی ایک اونٹ دس دینار کا یا ایک سو بیس درہم کا۔خیال رہے کہ دیت میں ایک ہزار اشرفیاں واجب ہیں یادس ہزار درہم کیونکہ ایک اشرفی دس درہم کی ہوتی ہے یہاں بارہ ہزار وہ درہم ہیں جو دس ماشہ کے ہوتے ہیں،یہ درہم ہزار دینار میں بارہ ہزار ہوتے ہیں لہذا حدیث میں تعارض نہیں درہم مختلف قیمت کے ہیں۔

۵؎ خیال رہے کہ بعض اماموں نے فرمایا کہ دیت میں سو اونٹ واجب ہیں اور اگر دینار یا دراہم سے دیت دینا ہے تو جو اس وقت سو اونٹ کی قیمت ہو وہ دی جائے مگر ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ دیت،اونٹ،سونے،چاندی سے ادا کی جائے یا سو اونٹ دیئے جائیں یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم،امام مالک کے ہاں حکم یہ ہے کہ اگر قاتل دیہاتی ہے جانوروں والا تو سو اونٹ دلوائے جائیں،اگر شہری اور اس شہر میں سونے کا سکہ چلتا ہے تو ہزار دینار دلوائے جائیں اور اگر شہر میں چاندی کے سکہ کا عام رواج ہے تو بارہ ہزار درہم دلوائے جائیں،امام احمد اور صاحبین کا قول ہے کہ دیت

اونٹ،سوناچاندی،گائے،بکری،جوڑے سب سے ادا کی جاسکتی ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،امام ابوحنیفہ کی دلیل بیہقی کی روایت ہے جو یہاں مرقات نے نقل فرمائی لہذا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر قاتل نے مقتول کے وارثوں سے بکریوں یا جوڑوں یا گایوں میں کم و بیش پر صلح کرلی تو درست ہے،صاحبین کے ہاں درست نہیں۔

۶؎ لہذا ذمیوں کی دیت وہ ہی چار سو دینار یا چار ہزار درہم وہی اس حساب سے ذمی کی دیت چاندی سے مسلمان کی دیت سے تہائی ہوئی،یہ ہی بعض علماء کا قول ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے تہائی ہے،ہمارے ہاں مسلمان و ذمی دونوں کی دیت برابر ہے ہماری دلیل وہ حدیث ہے فدماءھم کدماءنا الخ یعنی مسلمان اور ذمی کافروں کے خون و مال کا یکساں حکم ہےاسی لیے اگر کوئی مسلمان ذمی کافر کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور نے دیت بارہ ہزار فرمائی۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،درامی)	

۱؎ یعنی چاندی سے بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے،پہلے آٹھ ہزار درہم کا ذکر ہوا وہ درہم سات مثقال والے تھے یہ چھ مثقال والے،درہموں کی قیمتوں مالیتوں میں فرق ہوتا ہے۔آج ہم نے خود دیکھا کہ عراق دینار کی قیمت گیارہ ریال چار قرش سعودی ہے اور اردنی فلسطینی دینار کی قیمت بارہ ریال بارہ قرش قیمت مدینہ منورہ کے صرافہ سے اس سال ہم نے خود دونوں دینار خریدے کیونکہ ہم نے اردن فلسطین و عراق کا سفر کرنا تھا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گاؤں والوں پر خطاء کی دیت کی قیمت چار سو اشرفیاں یا ان کے برابر چاندی لگاتے تھے۱؎ اور یہ قیمت اونٹ کی قیمت پر تھی پھر جب اونٹ مہنگے ہوجاتے تو ان کی قیمت میں زیادتی فرمادیتےاور جب سستے ہوجاتے ۲؎ تو ان کی قیمت میں کمی فرمادیتے۳؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیمت چار سو اشرفیوں سے آٹھ سو اشرفیوں کے درمیان رہی اور اس کے برابر چاندی آٹھ ہزار درہم فرماتے ہیں۴؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریوں کا فیصلہ فرمایا ۵؎ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دیت مقتول کے وارثوں کے درمیان میراث ہے ۶؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبہ وارثوں کے	

	درمیان ہے ۷ اور قاتل کسی چیز کا وارث نہیں ۸ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ عدل ع کے فتح اور کسرہ سے بمعنی برابر اور ہم قیمت یعنی چارسو دینار یا اس کے برابر اور ہم قیمت درہم۔
۲؎ هاجت هج سے بنا بمعنی ظهور،رخص بمعنی ارزانی یعنی جب اونٹوں میں ارزانی ظاہر ہوتی اور انکی قیمت گر جاتی۔
۳؎ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ دیت صرف اونٹ سے ہے اگر کسی اور چیز سے ادا کی جائے تو اونٹ کی ہی قیمت کا لحاظ ہوگا،یہ ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا پرانا قول تھا جس سے انہوں نے رجوع فرمالیا۔
۴؎ عمرو ابن شعیب کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص۔
۵؎ یہ جملہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل ہے کہ دیت صرف اونٹ یا سونے چاندی سے نہیں بلکہ گایوں بکریوں سے بھی ہوتی ہے یہ اختلاف ہم ابھی پچھلی حدیث کی شرح میں عرض کرچکے ہیں وہاں مطالعہ فرمایئے۔
۶؎ یعنی دیت کا مال جو قاتل کی طرف سے وصول ہوگا وہ مقتول کے ورثاء کو بقدر میراث ملے گا جیسے اس کے دوسرے اموال میراث تھے۔
۷؎ اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ قاتلہ عورت پر جو دیت واجب ہوگی وہ اس کے عصبہ وارث ادا کریں گے جیسے قاتل مرد کی دیت کا حال ہے۔دوسرے یہ کہ مقتولہ عورت کی دیت جو قاتل کی طرف سے وصول ہوگی وہ اس مقتولہ کے وارثوں میں بقدر میراث تقسیم ہوگی جیسے مقتول مرد کی دیت کا حال ہے۔غرضکہ مسئلہ دیت میں عورت بالکل مرد کی طرح ہے۔خیال رہے کہ یہ آزاد مردوعورت کا ذکر ہے غلام و لونڈی کا یہ حکم نہیں،قاتل غلام و لونڈی کی دیت ان کے مال فروخت کرکے انکی قیمت سے ادا کی جائے گی اس کے رشتہ دار ورثاء سے وصول نہ کی جائے گی،یوں ہی مقتول غلام ولونڈی کی دیت ان کا مالک وصول کرے گا نہ کہ اس کے رشتہ دار ورثاء لہٰذا حدیث بالکل ظاہر ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔
۸؎ یہ اسلام کا قانون کلی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے عزیز قرابتدار کو قتل کردے تو وہ اس کی میراث سے یکسر محروم ہے۔چند چیزیں محرومی کا سبب ہیں:اختلاف دین،غلامیت اور قتل،کفار کے لیے اختلاف دارین یعنی ملکوں کا اختلاف بھی۔اس کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب"علم المیراث"کا مطالعہ فرمایئے۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہ عمد کی دیت عمد کی دیت کی طرح سخت ہے ۱؎ اور قاتل کو قتل نہ کیا جائے گا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ قتل شبہ عمد کی تعریف اور اس کے احکام فصل ثانی کے شروع میں بیان ہوچکے کہ ارادۃً ایسی چیز سے قتل کرنا جو قتل کے لیے نہ بنی ہو شبہ کہلاتا ہے مثلًا کسی کو قمچی یعنی چھڑی کوڑے سے مار ڈالنا شبہ عمد ہے اور دیت کا مغلظ یا مخفف یعنی سخت و ہلکا ہونااونٹوں کی عمر کے لحاظ سے ہوتا ہے،قتل عمد کی دیت سخت ہے اور قاتل کے مال سے فورًا دلوائی جائے گی قتل شبہ عمد کی دیت ہے تو سخت مگر قاتل کے عصبہ وارثوں سے تین سال کی مدت میں دلوائی جائے گی،یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

۲؎ یعنی قتل عمد کے سوا دوسرے قتل خطاء اور قتل شبہ عمد میں قاتل کو قتل نہ کیا جاوے گا بلکہ دیت ہی واجب ہوگی،موجودہ حکومتیں بھی قتل خطا میں پھانسی نہیں دیتیں جرمانہ دلوادیتی ہیں،،دن رات موٹروں سے آدمی ہلاک ہوتے رہتے ہیں ڈرائیوروں کو پھانسی نہیں ہوتی۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنکھ کے بارے میں جو اپنی جگہ قائم رہے تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا۱؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی اگر کسی نے کسی کی آنکھ پر ایسی چوٹ ماری جس سے آنکھ کی بینائی تو جاتی رہی مگر وہ آنکھ اپنی جگہ ویسے ہی قائم رہی جیسے پہلے تھی حتی کہ آنکھ کی شکل نہ بگڑی جیسا کہ سادۃ سے معلوم ہوا۔اس صورت میں اس مارنے والے پر تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا،پہلے گزرچکا کہ دونوں آنکھیں نکال دینے میں پوری دیت واجب ہے یعنی سو اونٹ اور آنکھ میں آدھی دیت ہے یعنی پچاس اونٹ مگر یہاں تہائی دیت یعنی ۳۳ اونٹوں کا ذکر ہوا،اولًا تو یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں سواء اسحاق کے کسی نے اس پر عمل نہ کیا،اگر صحیح بھی ہو تو یہاں حکم شرعی کا ذکر نہیں بلکہ ایک خصوصی واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک اسی قسم کا مجروح حاضر بارگاہ ہواتو چونکہ اس کی آنکھ اپنی جگہ قائم بھی تھی اور درست بھی تھی صرف روشنی جاتی رہی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اس طرح مصالحت کرادی کہ اگر یہ مجروح شخص غلام ہوتا تو اس چوٹ سے اس کی تہائی قیمت کم ہوجاتی لہذا تو اسے تہائی دیت دے کر آپس میں مصالحت کرلے لہذا یہ خصوصی واقعہ ہے قاعدہ شرعیہ نہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ نصوص دیت والی کے مخالف نہیں۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن عمرو سے۱؎ وہ ابوسلمہ سے۲؎ وہ ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچے بچے کے متعلق۳؎ غلام یا لونڈی۴؎ یا گھوڑے یا خچر۵؎ کا فیصلہ فرمایا۔(ابوداؤد)فرمایا یہ حدیث حماد ابن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد ابن عمرو سے۶؎ روایت کی اور گھوڑے کا ذکر نہ فرمایا۷؎

۱؎ محمد ابن عمرو ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب،آپ تابعی ہیں،حضور جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے ان سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ آپ اپنی کنیت میں مشہور ہیں،عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھتیجے ہیں،زہری ہیں،قریشی ہیں،مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں،تابعین میں سے ہیں،حضرت ابن عباس،ابوہریرہ،عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے ملاقات ہے،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۳؎ یعنی اگر کوئی کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ایسی چوٹ مار دے جس سے اس کے پیٹ کا بچہ گر جائے۔

۴؎لفظ غرہ کے لغوی معنے ہیں چمک دار چیز پھر ہر اعلیٰ چیز کو غرہ کہا جانے لگا اب غرہ سے مراد انسان ہوتا ہے کیونکہ وہ اشرف المخلوقات ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسٰنَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ" یہاں غرہ مبدل منہ ہے اور عبداو امة بدل۔

۵؎امام نووی شارح مسلم نے اور مرقات شرح مشکوۃ نے اس جگہ فرمایا کہ حدیث امة پر ختم ہوگئی۔لفظ فرس اوربغل کی زیادتی عیسیٰ ابن یونس راوی کیطرف سے ہے یہ زیادتی باطل محض ہے کیونکہ لفظ غرہ صرف انسان پر بولا جاتا ہے گھوڑے خچر وغیرہ کو غرہ نہیں کہتے۔

۶؎حماد ابن سلمہ علماءبصرہ میں بڑے پائے کے عالم ہیں،حمید طویل کے بھانجہ ہیں،حضرت شعبہ امام مالک ابن مبارک اور وکیع کے استاذ حدیث ہیں،۱۶۷ھ میں وفات پائی اور خالد واسطی طحان حافظ حدیث بہت متقی پرہیزگار ہیں آپ نے تین باراپنے وزن کی چاندی خیرات کی۔(اشعۃ اللمعات)

۷؎یہ زیادتی شاذ ہے اور یہ حدیث ضعیف۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علاج کرے اور اس کو علم طب معلوم نہ ہو تو وہ ضامن ہے ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎یعنی جوشخص علم طب نہ رکھتا ہو اور یوں ہی کسی کا علاج کرے جس سے مریض ہلاک ہوجائے تو اس کا حکم قتل خطاء کا ہے کہ اس کے وارث عصبات پردیت خطاء واجب ہوگی قصاص نہ ہوگا کیونکہ اس نے اراداۃً قتل نہ کیا بلکہ مریض کا علاج بھی اس کے کہنے پر کیا۔فی زمانہ ہر شخص بیمار کو دوا بتاتا ہے اس سے احتیاط چاہیے،اس حدیث سے سبق لازم ہے،علاج میں انسانی جان کی ذمہ داری ہے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ فقیروں کے ایک غلام ۱؎نے امیروں کے ایک غلام کا کان کاٹ لیا اس کے والی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۲؎بولے ہم لوگ تو فقیر ہیں تو ان پر حضور نے کچھ نہ مقرر فرمایا ۳؎(ابوداؤد،نسائی)۴؎

۱؎یہاں غلام سے مراد یا تو نابالغ آزاد بچہ یا نابالغ مدبر غلام جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا یعنی ایک ایسا آزاد بچہ جس کے عصبہ وارث فقیرومساکین تھے دیت نہیں دے سکتے تھے یا ایسا غلام مدبر جس کے مولیٰ وارث فقراء تھے اس نے ایک ایسے لڑکے یا غلام کا کان کاٹ دیا جس کے عصبہ وارث یا مولے امیر تھے اور یہ مقدمہ بارگاہ رسالت میں دائر ہوا۔

۲؎یعنی مظلوم نے یا اس کے وارثوں نے دعویٰ دائر کردیا،ظالم اور اس کے وارث جواب دعویٰ کے لیے حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم غلام کے مولیٰ یا ظالم بچہ کے عصبہ وارثو ں پر دیت لازم فرمادی کیونکہ اگرچہ عمدًا کان کاٹا گیا

تھا مگر بچہ کا ارادہ کامل نہیں اسی لیے قاتل بچہ پر قصاص نہیں بلکہ اس کے وارث عصبہ پر دیت واجب ہوتی ہے اس عمد کا حکم خطا کا ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ظالم نابالغ غلام نہ تھاورنہ اسے فروخت کرکے اس کی قیمت سے دیت دلوائی جاتی،غلام کی دیت اس کی قیمت سے ادا کی جاتی ہے بلکہ یا تو آزاد تھا یا غلام تھا تو مدبر تھا جو ناقابل فروخت ہوتا ہے جس کی دیت مولیٰ پر ہوتی ہے،یہ بھی معلوم ہواکہ اگر مجرم کے وارث عصبات فقراء ہوں تو دیت بھی واجب نہیں ہوتی بلکہ وہاں مظلوم سے معافی دلوادی جاتی ہے۔

۴؎ امام شمنی فرماتے ہیں کہ بچہ،دیوانہ،بے ہوش مخبوط الحواس کا عمد بھی خطاء ہے کہ اس کے قتل عمد پر قصاص نہیں،بیہقی نے حضرت علی مرتضٰی سے روایت کی ان عمدالمجنون والصبی خطاء۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت علی سے انہوں نے فرمایا کہ شبہ عمد کی دیت تہائی کے حساب سے ہے۳۳ حقہ ۱؎ اور ۳۳ جزعہ اور ۳۴ ثنیہ ۲؎ بازل عام تک ۳؎ جو سب کی سب حاملہ ہوں ۴؎ اور ایک روایت میں ہےکہ خطاء میں ۵؎ چار حصہ فرماکر پچیس حقہ پچیس جزعہ اور پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض ۶؎(ابوداؤد)	

۱؎ قتل شبہ عمد کی صورت ابھی پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ باارادۂ قتل ناقابل قتل آلہ سے ہلاک کرنا شبہ عمد ہے جیسے قمچی وغیرہ سے قتل،اس کی دیت سخت ترین یعنی سو اونٹ مگر ان کے تین حصہ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے خفیف دیت ۴ حصہ والی دیت نہیں جو کہ قتل خطاء میں ہوتی ہے۔

۲؎ اونٹ کا تین سالہ بچہ حقہ کہلاتا ہے کہ اب وہ سواری کا حقدارولائق ہوگیا اور چار سالہ بچہ جو پانچویں سال میں داخل ہوجائے جزعہ ہے اور پانچ سالہ بچہ جو چھٹے سال میں داخل ہوجائے ثنیہ۔

۳؎ اونٹ کا آٹھ سالہ بچہ جو نویں سال میں داخل ہوجائے بازل کہلاتا ہے،اس کی بعد اس کی عمر کا کوئی نام نہیں۔بازل بنا ہے بزل سے بمعنی کمال اورقوت،چونکہ اس عمر میں اونٹ کی کیلیں نکل آتی ہیں اور وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ جاتا ہے اس لیے اسی بازل کہتے ہیں اس کے بعد اسے بازل عام اور بازل عامین وغیرہ کہتے ہیں۔

۴؎ کلھا کی ضمیر تثنیہ کی طرف ہے یعنی یہ۳۴ ثنیہ کل حاملہ اونٹنیاں ہوں جن کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حقہ حاملہ نہیں ہوتی۔

۵؎ یعنی اگر کوئی شخص کسی کو خطاءً قتل کردے تو اس کی دیت قتل شبہ عمد سے ہلکی ہوگی کہ سو اونٹ تو واجب ہوں گے مگر تین کی بجائے چار حصہ ہوکر دیت کا ہلکا بھاری ہونا اونٹوں کی عمر کے لحاظ سے ہوتاہے۔

٦؎ اونٹ کے عمر کے لحاظ سے چھ نام ہیں ایک سالہ اونٹنی بنت مخاض،دو سالہ بنت لبون،تین سالہ حقہ،چار سالہ جزعہ،پانچ سالہ ثنیہ اور آٹھ سالہ بازل عام،پھر اس کے بعد کوئی نام نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں بازل عام،بازل عامین اور بازل ثلث اعوام وغیرہ،یعنی قتل خطاء میں قاتل وارثوں پر سو اونٹ لازم ہوں گے جو مقتول کے وارثوں کو دیئے جائیں گے مگر ان کے چار حصہ ہوں گے پچیس ایک سالہ اونٹنیاں اورپچیس دو سالہ،پچیس تین سالہ،پچیس چار سالہ۔

روایت ہے حضرت مجاہد سے فرماتے ہیں ا؎ کہ حضرت عمر نے شبہ عمد میں تیس جزعہ اور چالیس خلفہ کا فیصلہ فرمادیا جو عمر میں ثنیہ اور بازل کے درمیان ہوں ٢؎ (ابوداؤد)	

ا؎ آپ مجاہد ابن جبر ہیں،کنیت ابو حجاج عبداللہ ابن سائب مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں،مکہ معظّمہ کے مشہور عالم و قاری و فقیہ و محدث ہیں،اپنے زمانہ میں تفسیر کے امام مانے جاتے تھے،بہت جماعت محدثین آپ کی شاگرد ہے۔اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر آپ کے گھوڑے کی رکاب تھاما کرتے تھے،١٠٠ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی۔

٢؎ یہ حدیث حضرت امام شافعی کی دلیل ہے ان کے ہاں قتل شبہ عمد کی دیت اسی طرح واجب ہوتی ہے بہرحال شبہ عمد کی دیت میں صحابہ کرام کا عمل مختلف رہا ہے ابھی پچھلی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکم اس کے خلاف گزرا۔

روایت ہے حضرت سعیدابن مسیب سے ا؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیٹ کے بچے میں جو اپنی ماں کے پیٹ میں قتل کردیا جائے ٢؎ ایک غلام یا لونڈی کی پیشانی کا فیصلہ فرمایا٣؎ تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ اس کا تاوان کیونکر دیں جس نے نہ کھایا پیا نہ گفتگو کی اور نہ چیخ ماری ان جیسی چیزیں ضائع کی جانی چاہیے ٤؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کاہنوں کے بھائیوں سے ہے ٥؎ مالک نسائی ارسالًا ٦؎	

ا؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے،قرشی مخزومی مدنی ہیں،خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے،حدیث،فقہ،عبادت تقویٰ کے جامع تھے،بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات ہے،چالیس حج کیے، ٩٣ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

٢؎ یعنی حاملہ عورت کو مارا گیا جس سے اس کا پورا کچا بچہ گر گیا یا پختہ بچہ تھا جو پیٹ میں مر گیا پھر گر گیا کیونکہ باہر آکر مرے تو پوری دیت سو اونٹ واجب ہوتی ہے۔(اشعہ و مرقات)

٣؎ یعنی قاتل کے وارثوں پر لازم فرمایا کہ جس عورت کا بچہ گر گیا ہے اس کو ایک غلام یا لونڈی دیں جس کی قیمت پانچ سو درہم تھی یعنی پچاس دینار،ہر دینار دس درہم کا یہ تفسیر اس لیے کی گئی کہ حضرت عبداللہ ابن بریدہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے پانچ درہم واجب فرمائے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت زید اسلم سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے ایسے معاملہ میں پچاس دینار کا فیصلہ فرمایا لہذا تینوں روایات درست ہیں۔خیال رہے کہ بچہ لڑکا ہو یا لڑکی حکم یہ ہی ہوگا اگر ماں بھی مرجائے تو ماں کی دیت سو اونٹ لازم ہوگی۔

۴؎ اس کا مقصد یہ تھا کہ دیت تو جان کی ہوتی ہے اور یہ گرا ہوا بچہ بالکل بے جان ہے کہ پیدا ہوکر چیخا بھی نہیں،کھایا پیا بھی نہیں پھر یہ دیت کیوں واجب ہوئی،گویا اس نے نص کا مقابلہ عقل سے کیا یہ قیاس باطل ہے کہ نص کے مقابل ہے۔

۵؎ یعنی یہ کاہنوں کا بھائی ہے کہ اپنی عقل تیز زبانی مقفّے عبارت سے نص شرعی کا مقابلہ کررہا ہے تو جیسے کہانت بری چیز ہے ایسے ہی اس کا یہ
قول برا ہے۔

۶؎ کیونکہ حضرت سعید ابن المسیب تابعی ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا صحابی کا ذکر نہ کیا اسی کا نام ارسال ہے۔

	اور ابوداؤد نے انہیں سعید ابن مسیب سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے متصلًا روایت کیا ۱؎

۱؎ لہذا یہ روایت مرسل نہیں بلکہ متصل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر آگیا۔خیال رہے کہ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر بچہ زندہ گر کر مرے تو اس کی دیت پوری ہے یعنی سو اونٹ مگر اس میں اختلاف ہے کہ بچے کی زندگی ثابت کس چیز سے ہوتی ہے ہم احناف کے ہاں رونا،دودھ چوسنا،سانس لینا،چھینکنا علامات زندگی ہیں،ہاں صرف بعض اعضاء کا حرکت کرنا علامت زندگی نہیں مگر امام شافعی کے ہاں صرف رونا علامت زندگی ہے،دلائل فریقین کے اسی جگہ مرقات میں مذکور ہیں۔

باب مالایضمن من الجنایات

باب ان جرموں کا جن کا ضمان نہیں دیا جاتا

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جنایات جنایۃ کی جمع ہے مادہ جنیٌ ہے بمعنی حادثہ،اسی سے جنی الثمر یعنی درخت سے پھل لینا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوپایہ کا زخم باطل ہے ۱؎ اور کان باطل ہے اور کنواں باطل ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عجماءٌ اعجم کا مؤنث ہے بمعنی گونگا یعنی جو کلام وبات نہ کرسکے،عرب لوگ دیگر ملکوں کو عجم کہتے ہیں کہ وہ کلام پر قادر نہیں۔یہاں چوپایہ مراد ہے جیسے گھوڑا،گدھا،بھینس،گائے وغیرہ یعنی اگر کوئی شخص کسی کے چوپایہ سے زخمی ہوجائے تو اس کا ضمان چوپایہ والے پر واجب نہیں خواہ چوپایہ لات مار دے یا سینگ یا پاؤں سے روند دے،نیز اگر اس کے معمولی چلانے سے سوار گرکر چوٹ کھا جائے تو بھی چلانے والے پر ضمان نہیں خواہ دن میں یہ واقعہ ہو یا رات میں،یہ ہی احناف کا قول ہے،امام شافعی کے ہاں اگر رات کو کسی کا جانور کھل جائے اور کسی کو نقصان پہنچائے تو اس پر ضمان ہے،نیز اگر کھلا جانور کسی کا کھیت خراب کردے تب بھی یہ ہی اختلاف ہے،یہ حدیث احناف کی دلیل ہے۔

۲؎ یعنی اگر کسی کی کان یا کسی کے کنویں میں کوئی شخص یا جانور گر کر ہلاک ہوجائے تو کان اور کنویں والے پر تاوان نہیں بشرطیکہ کنواں اس نے اپنی زمین میں کھدوایا ہو اور بیچ راہ میں نہ ہو اگر مباح زمین میں کھودا جب بھی یہ ہی حکم ہے۔

	روایت ہے حضرت یعلی ابن امیہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کیا ۲؎ اور میرا ایک مزدور تھا ۳؎ وہ ایک شخص سے لڑا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا ۴؎ جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے کاٹنے والے سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کی ثنیہ گرادی ۵؎ وہ گر گئی تو یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۶؎ آپ نے اس کی ثنیہ باطل فرمادی اور فرمایا کہ کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تو اونٹ کی طرح چباتا

ے(مسلم،بخاری)	

اآپ تمیمی حنظلی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین،طائف اور تبوک میں شریک ہوئے،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں رہے اسی میں شہید ہوئے ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نجران کا حاکم مقرر کیا تھا۔

۲غزوۂ تبوک کا نام جیش عسرۃ ہے یعنی تنگی والا لشکر کیونکہ اس غزوہ میں گرمی سخت تھی اور لشکر کے پاس کھانا پانی بہت ہی کم۔تبوک خیبر سے پانچ سو کیلو میٹر ہے،یہ گنہگار خیبر کی زیارات سے مشرف ہوا مگر تبوک پر سے ہوائی جہاز میں سوار گزر گیا،خیبر مدینہ منورہ سے ایک سو ساٹھ کیلو میٹر ہے،چھ کیلو کے ہمارے۴ میل ہوتے ہیں،اس غزوہ کے موقعہ پر حضرت عثمان نے اس لشکر کو بہت سامان دیا اور مجہز جیش عسرۃ کا لقب پایا جنت خرید کی،اسی غزوہ میں مسلمانوں نے درختوں کے پتے کھائے اور اونٹ سے پانی حاصل کیا۔(اشعہ)

۳جو مزدوری پر میرے ساتھ اس جہاد میں گیا تھا۔

۴یا اس مزدور نے اس شخص کا یا اس شخص نے اس مزدور کا۔

۵یعنی کاٹنے والے نے اس زور سے اس کے ہاتھ میں اپنے دانت گڑھادیئے تھے کہ جب اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو ثنیہ گر گئی۔خیال رہے کہ انسان کے سامنے کے دانت رباعیہ کہلاتے ہیں یعنی چوکڑی اوران کے متصل دائیں بائیں جو دانت ہیں وہ ثنیہ کہلاتے ہیں۔

۶اور دعویٰ کیا کہ میرے دانت کی دیت دلوائی جائے کیونکہ اس نے میرا دانت گرادیا۔

ےمقصد یہ ہے کہ اس نے تیرا دانت توڑا نہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لیے اور اپنے کو بچاتے ہوئے تیرے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچا اس لیے وہ ظالم نہیں بلکہ ظالم تو ہے کہ تو نے اسے کاٹا لہذا اس کی کوئی دیت نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے جبرًا زنا کرنا چاہے اور وہ عورت اپنے بچاؤ کے لیے اسے قتل یا زخمی کردے تو اس پر کچھ قصاص یا دیت نہیں،اسی طرح اگر کوئی کسی کا مال یا جان جبرًا لینا چاہے اور وہ اپنے دفاع کے لیے اسے ہلاک کردے تب بھی یہ ہی حکم ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص اپنے مال کی وجہ سے مار دیا جائے وہ شہید ہے ا (مسلم،بخاری)۲	

ایعنی چور یا ڈاکو یا کسی اور ظالم نے اس کا مال چھیننا چاہا اس نے دفاع کے طور پر اس سے جنگ کی اور مارا گیا تو یہ شخص شہید ہوگا کہ ظلمًا قتل ہوا ہے۔

۲اس حدیث کو ابن حبان،ترمذی،نسائی،ابوداؤد نے بھی حضرت سعید ابن زید کی روایت سے نقل فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص حاضر ہوا بولا یارسول اللہ فرمایئے اگر کوئی شخص آئے اور میرا مال لینا چاہے اتو فرمایا اسے اپنا مال نہ دے ۲وہ بولا حضور فرمادیں اگر وہ مجھ سے جنگ کرے فرمایاتو اس	

سے جنگ کر۳؎ عرض کیا فرمایئے اگر وہ مجھے قتل کردے فرمایا تو شہید ہے ۴؎ عرض کیا فرمایئے اگر میں اسے قتل کردوں فرمایا وہ دوزخ میں ہوگا۵؎(مسلم)	

۱؎ یعنی ناحق لینا چاہے غصب یا چوری یا ڈکیتی سے اور جو حق لینا چاہے تو ضرور دے دے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ یعنی اس صورت میں اسے اپنا مال نہ دے کیونکہ اپنے کو ظلم سے بچانا اچھا ہے،اسی طرح سود،رشوت، مالی،جرمانہ میں اپنا مال نہ دے کہ یہ تمام صورتیں ممنوع ہیں۔خیال رہے کہ یہ نہی حرمت کی نہیں،نیز حالت مجبوری اس سے مستثنٰی ہے،یہ بھی خیال رہے کہ اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لیے رشوت دینا جائزہے اور کسی پر ظلم کرانے کے لیے حرام مگر رشوت لینا بہرحال حرام ہے۔اس کی تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳؎ یہ حکم بھی اجازت و اباحت کا ہے وجوب کا نہیں لہذا اگر کوئی شخص اس حالت میں جنگ نہ کرے تو مجرم نہیں۔

۴؎ کیونکہ تو مظلوم ہے اور ظلمًا مقتول شہید ہے۔

۵؎ یعنی نہ تو گنہگار ہے نہ تجھ پر قصاص یا دیت ہے بلکہ اب تو حکومتیں ایسے بہادری سے مار دینے والوں کو انعام اور تمغے دیتی ہیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر کوئی تیرے گھر میں جھانکے ۱؎ اور تو نے اسے اجازت نہ دی ۲؎ پھر تو اسے کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ خواہ دروازے کے جھرونکوں سے یا دیوار پر چڑھ کر یا اونچے مکان والا نیچے مکان والے کو تاکے جھانکے،یہ جملہ ان سب صورتوں کو شامل ہے۔

۲؎ یعنی اگر تو نے اسے گھر میں آنے کی اجازت دے دی بعد اجازت وہ جھانکتا ہے تو وہ مجرم نہیں کہ آنے کی اجازت دیکھنے کی بھی اجازت ہے،اسی طرح اونچے مکان والا نیچے والوں سے اجازت لے کر چڑھا ہے،اگر بغیر اجازت چڑھے تو نیچے والوں کے پردہ کا ضرور خیال رکھے نگاہ نیچے رکھے۔

۳؎ امام شافعی اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرماتے ہیں اور اس صورت میں اس کی آنکھ کا ضمان مطلقًا واجب نہیں فرماتے۔بعض امام فرماتے ہیں کہ اگر منع کرنے کے باوجود وہ تاکتا ہے تو اس کی آنکھ کا ضمان نہیں،امام اعظم فرماتے ہیں کہ بہرحال ضمان ہے،یہ فرمان عالی تاک جھانک سے سخت ممانعت کے لیے ہے یا اس میں گناہ کی نفی ہے دیت وغیرہ کی نفی نہیں،بہت دفعہ گناہ نہیں ہوتا مگر ضمان ہوجاتا ہے جیسے قتل خطاء قرآن کریم فرماتاہے:"اَلْعَیْنَ بِالْعَیْنِ"معلوم ہوا کہ آنکھ کے عوض آنکھ پھوڑی جائے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے ۱؎ کہ ایک شخص	

	سوراخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے میں جھانکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سلائی تھی ۲؎ جس سے آپ اپنا سر مبارک کھجارہے تھے تو فرمایا اگر میں جانتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں یہ سلائی تیری آنکھ میں گھونپ دیتا ۳؎ طلب اجازت نگاہ کی حفاظت ہی کے لیے تو مقرر کی گئی ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ انصاری ساعدی ہیں،آپ کا نام شریف حزن تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر سہل رکھا،آپ مدینہ کے آخری صحابی ہیں،مدینہ پاک میں انتقال ہوا۔

۲؎ سرمہ لگانے کی یا سر کی مانگ نکالنے کی جیساکہ صراح میں ہے۔

۳؎ یعنی اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ تو ارادۃً تاک جھانک رہا ہے تو اس سلائی سے تیری آنکھ پھوڑ دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر قصدوارادہ اگر کسی کے گھر نظر پڑ جائے تو گناہ نہیں جیسے گزرتے ہوئے اتفاقاً کسی کے کھلے دروازہ میں نظر پڑ جائے۔(مرقات)

۴؎ یعنی بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا وہاں بلا اجازت داخل ہوجانے کی طرح ہے جیسے وہ ممنوع ہے ایسے ہی یہ ممنوع کہ اس میں گھر والوں کی بے پردگی ہے۔اس عبارت سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ فرمان عالی ڈانٹ ڈپٹ جھڑک کے لیے ہےآنکھ پھوڑ دینے کی اجازت کے لیے نہیں کیونکہ کسی کے گھر میں بلا اجازت چلے جانے پر اس کا قتل یا آنکھ پھوڑ دینا جائز نہیں کردیتا،جیسے جان جان کے عوض ہے ایسے ہی آنکھ آنکھ کے عوض"اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَالۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ"لہٰذا مذہب احناف بہت قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ کہ انہوں نے ایک شخص کو کنکر پھینکتے دیکھا ۲؎ تو فرمایا کنکر نہ پھینک کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے سے منع فرمایااور فرمایا کہ نہ تو اس سے شکار ہوتا ہے نہ دشمن زخمی ہوتا ہے ۳؎ لیکن یہ کسی کا دانت توڑ دیتی ہے اور آنکھ پھوڑ دیتی ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ مزنی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اولًا مدینہ منورہ میں رہے پھر بصرہ میں خواجہ حسن بصری اور العالیہ وغیرہم نے آپ سے احادیث لیں،۶۰ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی یونہی بطور شغل کنکر وغیرہ پھینکتے دیکھا جیساکہ بعض لڑکوں کی عادت ہے۔

۳؎ یعنی یہ کام عبث بھی اور نقصان دہ بھی اس کا فائدہ کوئی نہیں۔

۴؎ لہٰذامضر ہےاور مضر چیز سے بچنا ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار میں گزرے۱؎ اور اس کے پاس تیر ہوں۲؎ اس کے پیکان (نوک) کو تھام لے۳؎ ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے کچھ لگ جائے ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی مسلمانوں کے بازار یا مسجد سے گزرے جہاں مسلمانوں کا مجمع ہو،مسلمانوں کا ذکر یا تو احترام کے لیے ہے یا کفار حربی کے بازاروں کو نکالنے کے لیے کہ حربی کفار کو زخمی کردینا جائز بلکہ ثواب ہے۔خیال رہے کہ حربی کفار کا اور حکم ہے اور ذمی مستامن کفار کا حکم کچھ اور ہے،یہاں بازارومسجد کا ذکر ہے مگر مراد تمام اجتماعات ہیں جیسے منٰی،عرفات،مزدلفہ،عرس اور میلے وغیرہ۔

۲؎ نبل بمعنی تیر،یہ جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں،سھم کے معنے بھی تیر ہیں جمع سھام۔

۳؎ نصال جمع ہے نصل کی،نصل تیر کی نوک کو کہتے ہیں جس کے نیچے پر ہوتے ہیں یہ نہایت تیز ہوتی ہے یہ ہی شکار وغیرہ کے جسم میں پیوست ہوجاتی ہے،تھام لینے سے مراد ہے اس پر ہاتھ رکھ لینا یا کوئی غلاف وغیرہ چڑھا دینا۔

۴؎ ان یصیب میں ان کے بعد لا پوشیدہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفاہ عام کی چیزوں میں مسلمانوں کو نفع پہنچانے یا مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کی نیت کرے اگرچہ دوسری قومیں بھی فائدہ اٹھالیں لہذا مسافر خانہ،ہسپتال،سایہ دار درخت،کنواں وغیرہ ان سب میں یہ ہی نیت ہونی چاہیے گو ان سے نفع سب اٹھائیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ نہ کرے۱؎ کیا خبر شاید شیطان اس کے ہاتھ میں کھینچے۲؎ تو یہ آگ کے گڑھے میں گر جائے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ نہ لڑتے وقت نہ ہنسی دل لگی میں کہ بری چیز کی دل لگی بھی بری ہے۔

۲؎ یعنی ہوسکتا ہے کہ اس کا ارادہ مارنے کا نہ ہو مگر اتفاقًا لگ جائے اور سامنے والا مرجائے ایسے واقعات بہت دیکھے گئے ہیں کہ مذاق دلی میں پستول کا اشارہ کیا وہ چل گیا اور سامنے والے کو گولی لگی جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔خدا کی پناہ!

۳؎ اس طرح کہ یہ اس کا قاتل بن جائے اور دوزخ میں جائے۔معلوم ہوا کہ ایسا قتل بھی عذاب نار کا ذریعہ ہے اور ایسے قاتل پر تاوان بھی ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرے۱؎ تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں ۲؎ حتی کہ اسے رکھ دے اگرچہ اس کا سگا بھائی ہو ۳؎ (بخاری)

۱؎خواہ ڈرانے دھمکانے کے لیے خواہ مذاق میں۔لوہے سے مراد قتل کا ہر ہتھیار ہے تلوار چھری،آج کل پستول بندوق وغیرہ۔
۲؎یا تمام فرشتے یا حافظین فرشتے یا کاتبین یا سائرین جو ذکر الٰہی کی تلاش میں زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں۔
۳؎یعنی ظاہر ہے کہ کوئی اپنے سگے بھائی کو قتل نہیں کرتاتو اس پر ہتھیار اٹھانا یقینًا ڈرانے یا مذاق کے لیے ہوگا مگر یہ بھی لعنت کا باعث ہے یا مطلب یہ ہے کہ سگے بھائی پر ہتھیار اٹھانا لعنت کا باعث ہے تو اجنبی پر ہتھیار اٹھانے کا کیا پوچھنا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا۱؎وہ ہم میں سے نہیں ۲؎(بخاری)اور مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ جو ہم سے ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۳؎	

۱؎ہم سے مراد امت رسول اللہ ہے،یہ حضور کا کرم کریمانہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے کو شامل فرمایاعلینا جمع ارشاد فرمارہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور ہتھیار اٹھانے سے مراد مطلقًا اٹھانا ہے خواہ ظلمًا قتل کے لیے خواہ مذاق دل لگی کے طور پر۔
۲؎یعنی ہماری جماعت سے نہیں یا ہمارے اہل طریقہ و اہل سنت سے نہیں لہذا اس سے کفر مراد نہیں۔
۳؎ملاوٹ سے مراد ہے یا چیز کا عیب چھپا کر فروخت کردینا یا اصل میں نقل ملا دینا غرضکہ ہر کاروباری دھوکہ مراد ہے۔اور غشنا میں ضمیر متکلم سے مراد سارے مسلمان ہیں اہل عرب یا اہل مدینہ یعنی جس نے مسلمانوں کو یا اہل عرب کو اہل مدینہ کو دھوکہ دیا وہ ہماری جماعت سے نہیں،ترمذی اور احمد نے حضرت عثمان سے روایت کی من غش العرب لم یدخل فی شفاعتی ولم تنله مؤدتی جس نے عرب کو دھوکہ دیا وہ میری شفاعت نہ پائے گا اور اسے میری محبت نہ پہنچے گی۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ہم پر تلوار سونتے وہ ہم میں سے نہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،آپ کی کنیت ابو مسلم ہے اسلمی مدنی ہیں،بڑے بہادر صحابی ہیں،اسی ۸۰ سال عمر ہوئی،۷۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
۲؎یعنی جو شخص کسی مسلمان پر تلوار سونت لے اگرچہ اس کے قتل کا ارادہ نہ بھی کرے تب بھی مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کا سا کام نہ کیا،مسلمان پر ظلمًا ہتھیار اٹھانا بھی حرام ہے۔خیال رہے کہ اس جیسی تمام احادیث میں ظلمًا ہتھیار اٹھانا مراد ہے ورنہ بعض صورتوں میں مسلمان کا قتل واجب ہوجاتاہے جیسے باغی،خارجی،ڈاکو،قاتل،زانی۔

	روایت ہے حضرت ہشام ابن عروہ سے ۱؎ وہ اپنے باپ سے راوی ۲؎ کہ ہشام ابن حکیم ۳؎ شام میں کچھ کسان آدمیوں پر گزرے ۴؎ جو دھوپ میں کھڑے کیے گئے تھے اور ان کو سروں پر تیل ڈالا گیا تھا ۵؎ تو آپ نے کہا یہ کیا ہے ؟ کہا گیا یہ لوگ ٹیکس کے بارے میں عذاب دیئے جارہے ہیں تو ہشام نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یقینًا اللہ تعالٰی ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔ ۶؎ (مسلم) ۷؎

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،حضرت حسین کی شہادت کے سال آپ کی ولادت ہے،۱۴۶ھ میں وفات پائی،حضرت عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔

۲؎ ان کا نام عروہ ابن زبیر ابن عوام،آپ بھی تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے آپ بھی ہیں، حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق آپ کی والدہ ہیں حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے صائم الدھر تھے،۹۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۳؎ آپ ہشام ابن حکیم ابن حزام قرشی اسدی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،آپ کے والد حکیم ابن حزام ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں،ان کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی واقعہ فیل سے تیرہ برس قبل،ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی، ۵۴ھ میں وفات پائی،ساٹھ سال کفر میں گزارے اور ساٹھ سال اسلام میں،زمانہ جاہلیت میں آپ نے سو۱۰۰ غلام آزاد کیے۔(مرقات)

۴؎ نبط یا نبیط بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے وہاں کے باشندے عمومًا کسان تھے اس لیے اب ہر کسان کو نبطی کہہ دیتے ہیں۔

۵؎ یعنی حاکم نے ان غریبوں کو تیز دھوپ میں کھڑا کرکے ان کے سروں پر گرم تیل ڈالا تھا تاکہ ٹیکس ادا کردیں یا بقیہ ٹیکس دے دیں۔

۶؎ یعنی اب کھولتا پانی،گرم تیل ان سے عذاب دینا حرام ہے کیونکہ یہ عذاب آخرت میں کفار کو رب تعالٰی دے گا کوئی بندہ کسی کو خدا کا عذاب نہ دے۔

۷؎ اس حدیث کو احمد،ابوداؤد،بیہقی نے بھی عیاض ابن حکم سے روایت کیا اور ابوداؤد،ترمذی،حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا **لاتعذبوا بعذاب اللہ** کسی کو خدا کا عذاب نہ دو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قریب ہے اگر تمہاری عمر دراز ہوئی ۱؎ تم ایسی قوم دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم جیسی چیز ہوگی ۲؎ صبح کریں گے اللہ کے

	غضب میں اور شام کریں گے اللہ کے غضب میں۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ شام کریں گے اللہ کی پھٹکار میں ۴؎(مسلم)

۱؎ یہ خطاب یا حضرت ابوہریرہ سے ہے یا کسی اور صحابی سے ہے حضرت ابوہریرہ سن رہے تھے۔
۲؎ یعنی چمڑہ کے کوڑے جس سے وہ لوگوں کو ماریں گے مگر ناحق یا حکام کے دروازوں پر یہ کوڑے لیے بیٹھے ہوں گے تاکہ لوگوں کو مار مار کر وہاں سے ہٹائیں،کسی کو فریاد کرنے کے لیے حکام تک نہ پہنچنے دیں گے۔(مرقات)
۳؎ یعنی ہر وقت اللہ کے غضب میں رہیں گے۔صبح شام وقت کے دو کنارے ہیں ان کناروں کا ذکر فرمایا مراد ہر وقت ہے جیسے آل فرعون کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے"اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا"ایسا ہی یہاں ہے۔
۴؎ کیونکہ اس قسم کے لوگ دیوانے کتوں کی طرح ہیں جو مخلوق خدا کو ستاتے ہیں لہذا خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے مخلوق کو ستانا رب تعالٰی کی ناراضی کا باعث ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو قسم کے دوزخی لوگ وہ ہیں جنہیں ہم نے دیکھا نہیں ۱؎ ایک وہ قوم جن کے ساتھ گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے ۲؎ جن سے لوگوں کو ماریں گے اور دوسری وہ عورتیں جو پہن کر ننگی ہوں گی ۳؎ مائل کرنے والیاں مائل ہونے والیاں ۴؎ ان کے سر موٹی اونٹنیوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے ۵؎ وہ نہ جنت میں جائیں نہ اس کی ہوا پائیں ۶؎ حالانکہ اس کی ہوا اتنی اتنی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے ۷؎(مسلم)

۱؎ یعنی ایسے ظالم فاسق لوگ ہمارے زمانہ میں پیدا نہ ہوں گے بلکہ ہمارے بعد ہوں گے،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والے لوگوں کے اعمال کی خبر دے رہے ہیں۔
۲؎ ظلمًا ماریں گے حق پر کوڑے مارنا درست ہے،رب تعالٰی کنوارے زانی کے متعلق فرماتاہے:" فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وٰحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ"اور پاکدامن عورت کو تہمت لگانے والوں کے متعلق فرماتاہے:" فَاجۡلِدُوۡہُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَۃً"۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظالم حکام یا ان کے کارندے کوڑھے ساتھ لیے پھریں گے بات بات پر لوگوں

کو اس سے مارا کریں گے،کسی نے انہیں سلام نہ کیا یا ان کی تعظیم کے لیے نہ اُٹھایا ان کے ظلم کی تائید نہ کی اسے بے تحاشہ پیٹ دیا۔خدا کی پناہ!

۳؎یعنی جسم کا کچھ حصہ لباس سے ڈھکیں گی اور کچھ حصہ ننگا رکھیں گی یا اتنا باریک کپڑا پہنیں گی جس سے جسم ویسے ہی نظر آئے گا یہ دونوں عیوب آج دیکھے جارہے ہیں یا اللہ کی نعمتوں سے ڈھکی ہوں گی شکر سے ننگی یعنی خالی ہوں گی یا زیوروں سے آراستہ تقویٰ سے ننگی ہوگی۔

۴؎یعنی لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی یا دوپٹہ اپنے سر سے برقعہ اپنے منہ سے ہٹا دیں گی یا اپنی باتوں یا گانے سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی،خود ان کی طرف مائل ہوں گی یہ سب باتیں آج دیکھنے میں آرہی ہیں،قربان ان نگاہوں کے جو قیامت تک کے واقعات دیکھ رہی ہیں،نیچی نظریں کُل کی خبریں۔

۵؎اس جملہ مبارک کی بہت تفسیریں ہیں بہتر تفسیر یہ ہے کہ وہ عورتیں راہ چلتے شرم سے سر نیچا نہ کریں گی بلکہ بے حیائی سے اونچی گردن سر اٹھائے ہرطرف دیکھتی،لوگوں کو گھورتی چلیں گی جیسے اونٹ کے تمام جسم میں کوہان اونچی ہوتی ہے ایسے ہی ان کے سر اونچے رہا کریں گے،یہ حدیث پڑھو اور آج کل کی عورتوں کودیکھو،یہ اس غیب داں محبوب کی غیبی خبریں ہیں۔شعر

ابن مالک کو دی بشارت تاج اے مرے غیب داں ترے صدقہ

۶؎یہاں لایجدن اور لایدخلن میں دونوں جماعتیں مراد ہیں کوڑے والے ظالموں کی جماعت اور ان بے حیا عورتوں کی جماعت۔مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کا خاتمہ ایمان پر ہو بھی گیا تب بھی وہ اولًا جنت میں نہ جائیں گی،وہاں سے دور رہیں گی اپنی ان حرکتوں کی سزا دوزخ میں بھگتیں گی اگرچہ بعد میں ایمان کی وجہ سے جنت میں پہنچ جائیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،یا مطلب یہ ہے کہ جو ان کاموں کو حلال جان کر یہ کرے وہ کافر ہے پھر جنت میں کیسے جائے یا مطلب یہ ہے کہ پاکدامن عورتوں کی طرح اولًا جنت میں نہ جائیں گی۔

۷؎اتنی اتنی سے مراد بہت دراز مسافت ہے مثلًا سو سال کی راہ یا اس سے بھی زیادہ ان احادیث کو اس باب میں لانے کا مقصد یہ ہےکہ عورتوں کو بے پردگی کی بنا پر کوئی شرعی حد نہ لگے گی حاکم چاہے تو تعزیر کے طور پر سزا دے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے لڑے تو چہرے سے بچے ۱؎کہ اللہ تعالٰی نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی کسی کو لڑائی میں چہرے پر نہ مارو اگر چہ کافر سے ہی جہادکرو کہ اسے قتل کردو مگر اس کا چہرہ نہ بگاڑو، اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ زانی کے چہرہ پر کوڑا نہ مارو،اپنی اولاد خادم کو قصور پر سزا دو تو چہرے پر نہ مارو۔

۲؎یعنی اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا کہ تمام مخلوق میں سے اسے حسین و جمیل بنایا،خود فرماتاہے:"لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسٰنَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ"لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اللہ تعالٰی تو صورت سے پاک ہے پھر اس کی صورت

کیسی یا یہ اضافت شرف کے لیے ہے جیسے بیت اللہ یا ناقۃ اللہ۔بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو صورت رحمان پر پیدا فرمایا،اگر وہ حدیث صحیح ہو تو اس کا مطلب بھی یہ ہی ہوگا۔خیال رہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بڑی کامل مخلوق ہے اسے رب نے سننے دیکھنے بولنے اور سوچنے سمجھنے کی طاقت بخشی،اگر یہ ترقی کرے تو فرشتوں سے افضل ہوجائے اگر نیچے گرے تو ابلیس سے بدترین ہوجائے اور اس کی ساری قوتیں سر اور چہرے میں جمع ہیں اس لیے اس پر مارنے سے منع فرمایا گیا،اسی جگہ مرقات نے بہت نفیس تقریر کی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے پردہ کھولا پھر گھر میں نظر ڈالی اس سے پہلے کہ اسے اجازت دی جائے پھر گھر والوں کا ستر دیکھ لیا تو اس نے ایسی سزا کا کام کیا جو کرنا اسے درست نہ تھا۱اور جب کہ اس نے نظر ڈالی تو کوئی سامنے آگیا اور کسی نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو میں اسے شرم نہ دلاؤں گا۲اور اگر کوئی شخص بے پردہ دروازے کھلے پر گزرے پھر دیکھ لے تو اس پر گناہ نہیں ۳خطاء تو صرف گھر والوں پر ہے ۴(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۵	

۱یعنی جو شخص کسی کے گھر کے دروازے کا لٹکا ہوا پردہ یا بند کواڑ بغیر صاحب خانہ کی اجازت کے کھولے اور گھر میں جھانک لے جس سے گھر کی چھپی چیزیں یا چھپی عورتیں یا کسی مرد کا ستر دیکھ لے تو اس نے بدترین گناہ کیا،کہ حق اللہ بھی تلف کیا حق العبد بھی برباد کیا۔

۲یعنی اس آنکھ پھوڑ دینے والے کو نہ تو کوئی سزا دوں گا نہ ملامت کروں گا کیونکہ یہاں قصور اس جھانکنے والے کا ہے۔اس مسئلہ کی تحقیق اور اس کے متعلق آئمہ دین کا اختلاف پہلے بیان ہوچکا کہ احناف کے نزدیک یہ فرمان عالی ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے ورنہ اس آنکھ پھوڑنے والے سے آنکھ کا قصاص ضرور لیا جائے گا،رب تعالیٰ نے فرمایا:"اَلْعَیْنَ بِالْعَیْنِ"آنکھ تو آنکھ کے بدلے میں پھوڑی جاسکتی ہے نہ کہ تانک جھانک کے عوض۔

۳یعنی اب اس دیکھنے والے پر یہ جرم نہیں جو ابھی مذکور ہوا اگرچہ نیچی نگاہ رکھنا بہتر ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ گھر کا دروازہ بلاضرورت کھلا رکھنا گناہ ہے یہ جب ہے جب کہ دروازے کے آگے یا پیچھے پردہ کی دیوار نہ ہو کہ اس صورت میں دروازہ کھلا رہنے سے گھر والوں کی بے پردگی ہوتی ہے اس کا بہت خیال چاہیے لوگ اس سے غافل ہیں۔
۵؎ یہ حدیث احمد اور ترمذی نے بھی انہی راوی سے کچھ فرق کے ساتھ نقل فرمائی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ننگی تلوار لی دی جائے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی تلوار ایک دوسرے کو میان میں دینا چاہیے،ننگی تلوار کے لین دین میں کسی کو لگ جانے کا خطرہ ہے یہ نہی تنزیہی ہے اور ضرورت کے وقت ننگی تلوار کا لین دین بلاکراہت درست ہے۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ دو انگلیوں کے درمیان تسمہ کاٹا جائے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب جوتے کے لیے تسمہ کاٹنا ہو احتیاط سے کاٹو پاؤں یا ہاتھ کی دو انگلیوں میں چمڑا لے کر کاٹنا ممنوع ہے کہ اس میں ہاتھ پاؤں کی گاہی کے کٹ جانے کا اندیشہ ہے۔سبحان اللہ! کیسے رحیم و کریم نبی ہیں کہ اپنی امت کے بھلے کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں،یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے اور شفقت کی بنا پر۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے دین کے لیے شہید کیا گیا تو وہ شہید ہے ۱؎ اور جو اپنے خون کے لیے قتل کیا گیا تو وہ شہید ہے اور جو اپنے مال کے لیے قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کے لیے قتل کیا گیا وہ شہید ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی کفار نے اس پر یا اس نے کفار پر حملہ کیا اور یہ مارا گیا یا کسی کلمہ گو بے دین سے کسی دینی مسئلہ میں اس سے لڑائی ہوگئی اور یہ مارا گیا تو شہید ہے۔
۲؎ اس طرح کہ کوئی ظالم اسے قتل کرنے یا اس کے گھر والوں کی بے حرمتی کرنے یا اس کا مال چھیننے آیا،یہ شخص اپنی جان،عزت،مال کی حفاظت کے لیے ان کے مقابل ہوا اور مارا گیا تو یہ بھی شہید ہے کہ ظلمًا مارا گیا ہے اور اگر اس نے اس ظالم کو مار ڈالا کیونکہ بغیر قتال اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی تو اس پر اس قتل کی وجہ سے قصاص یا دیت نہیں بلکہ موجودہ حکومتیں ایسی صورت میں بہادری کا انعام دیتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دوزخ کے سات دروازے ہیں ۱؎ ان	

میں سے ایک دروازہ اس کے لیے ہے جو میری امت پر تلوار سونتے ۲؎ یا فرمایا محمد مصطفیٰ کی امت پر(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابوہریرہ کی حدیث کہ پاؤں ۳؎ ساقط ہے باب الغصب میں ذکر کی گئی ۴؎	

۱؎ قرآن کریم فرماتا ہے:"لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوٰبٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ "دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے مجرموں کی خاص جماعت ہے لہذا یہ جماعت اس قرآنی آیت سے مؤید ہے اور نہایت درست ہے۔

۲؎ یعنی ظلمًا قتل کرنے کے لیے کسی مسلمان پر تلوار اٹھائے اور یہ دروازہ بمقابلہ دوسرے دروازوں کے زیادہ خطرناک ہوگا کہ یہ جرم بھی سخت ہے۔

۳؎ کہ اگر کسی کا گدھا یا گھوڑا کسی کو لات مار کر زخمی یا ہلاک کردے تو گھوڑے گدھے کے مالک پر تاوان نہیں،یوں ہی اگر کسی کی گائے بھینس سینگ مارکر زخمی کردے اس کا بھی یہ ہی حکم ہے اور اگر کسی کا کتا کسی کو کاٹ کر زخمی کردے تو اس کا یہ حکم نہ ہونا چاہیے کیونکہ بلاضرورت کتا پالنا ہی ممنوع ہے اور ایسے ظالم کتے کو آزاد چھوڑنا سخت ہے،ضرورۃً کتا پالا جائے تو اسے باندھ کر رکھے۔واللہ ورسولہ اعلم!

۴؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی مگر ہم نے مناسبت کا خیال کرتے ہوئے یہ حدیث باب الغصب میں بیان کردی۔

باب القسامۃ

قسم لینے کا باب ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎قسامت کے لغوی معنے ہیں قسم کھانا یا قسم لینا مگر احناف کے نزدیک قسامت کے معنی شرعی یہ ہیں کہ کسی محلّہ میں کوئی مقتول پایا گیا قاتل کا پتہ نہیں چلتا تو مقتول کے ورثاء اس محلّہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لیں ہر ایک یہ قسم کھائے کہ نہ ہم نے اسے قتل کیا ہے نہ ہم کو قاتل کا پتہ ہے،ان پچاس آدمیوں کے چننے میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہوگا کہ محلّہ میں جن سے چاہیں قسم لیں مگر آزاد عاقل بالغ مردوں سے قسم لیں۔خیال رہے کہ قسامت کے بعد قصاص کسی پر واجب نہ ہوگا،بلکہ دیت واجب ہوگی خواہ مقتول کے وارث قتل عمد کا دعویٰ کریں یا قتل خطاء کا،نیز قسم صرف ملزمین پر ہوگی مقتول کے ورثاء پر نہ ہوگی جیساکہ تیسری فصل میں آرہا ہے یا مقتول کے ورثاء دو عینی گواہ پیش کریں ورنہ ملزمین قسمیں کھائیں،قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا جسے اسلام نے بھی باقی رکھا۔قسامت کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں اور اسی جگہ لمعات،اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں ملاحظہ فرمائیے۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج ۱؎اور سہل ابن حثمہ سے ۲؎انہوں نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ ابن سہل ۳؎اور محیصہ ابن مسعود دونوں خیبر پہنچے تو وہ دونوں باغات میں متفرق ہو گئے ۴؎عبداللہ ابن سہل قتل کردیئے گئے تو عبدالرحمٰن بن سہل اور خویصہ اورمحیصہ یعنی مسعود کے بیٹے ۵؎نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے ساتھی کے معاملہ میں انہوں نے گفتگو کی ۶؎تو عبدالرحمٰن نے ابتداء کی اور تھے یہ ساری قوم میں چھوٹے تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا بڑے کا بڑا پن رکھو ے یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں مقصد یہ تھا کہ بڑا گفتگو کرے ۸؎چنانچہ انہوں نے بات چیت کی ۹؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے آپس کی پچاس قسموں سے اپنے مقتول کے یا فرمایا اپنے ساتھی کے مستحق ہوسکتے ہو ۱۰؎انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایسا واقعہ ہے جسے ہم نے دیکھا نہیں ۱۱؎ تو فرمایا پھر یہود اپنی پچاس پچاس قسموں کے ذریعہ تم سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے ۱۲؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کافر قوم ہے ۱۳؎ تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے فدیہ دیا ۱۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم لوگ پچاس قسمیں کھالو اپنے قاتل کے حق دار ہوجاؤ یا ساتھی کے ۱۵؎ پھر اس کا فدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے سو اونٹنیاں دیں ۱۶؎ (مسلم، بخاری) اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔	

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، حارثی انصاری ہیں، بدر میں بہت چھوٹے تھے اس لیے شریک نہ ہوئے، پھر غزوہ احد اور باقی غزوات میں شریک ہوئے، غزوہ بدر میں آپ کو تیر لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تیرے اس زخم کی گواہی دوں گا، اس وقت زخم اچھا ہوگیا، پھر یہ ہی زخم عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں جاری ہوگیا، اس سے آپ کی وفات ہوئی، ۳۷ھ میں چھیاسی سال عمر پائی مشہور صحابی ہیں۔ (مرقاۃ)

۲؎ آپ بہت کم عمر صحابی ہیں، ۳ھ میں ولادت ہے۔

۳؎ آپ بھی انصاری حارثی ہیں، عبدالرحمٰن ابن سہل کے بھائی اور محیصہ کے بھتیجے ہیں، آپ ہی خیبر میں قتل کیے گئے۔

۴؎ سیر و تفریح کے لیے خیبر گئے اور وہاں باغوں میں متفرق ہوگئے ایک کسی باغ میں چلا دوسرا کسی اور باغ میں۔ فقیر نے خیبر کی سیر اور زیارات کی ہیں، وہاں اب بھی سات قلعہ ہیں اور باغات تو بہت ہی ہیں اہل مدینہ وہاں تفریح کے لیے جاتے ہیں، مدینہ طیبہ سے تبوک و عمان کے راستہ پر ایک سو ساٹھ کیلومیٹر ہے، اب وہاں تک بلکہ تبوک تک سڑک پختہ ہے۔

۵؎ عبدالرحمان ابن سہل تو مقتول عبداللہ ابن سہل کے بھائی تھے اور حویصہ و محیصہ مقتول کے چچا زاد تھے۔

۶؎ یعنی گفتگو کرنا چاہیے جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۷؎ یعنی تم میں جو سب سے بڑے ہیں انہیں پہلے گفتگو کرنے دو پھر تم کچھ کہنا، بڑے حویصہ تھے۔ (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب ہر حال میں چاہیے اور عمر کی بڑائی بھی معتبر ہے، بڑائی بہت سی قسم کی ہوتی ہے: رشتہ کی بڑائی، علم کی بڑائی، تقویٰ کی بڑائی، عمر کی بڑائی، یہاں عمر کی بڑائی مراد ہے۔

۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ حدود و قصاص کے مقدمہ میں کسی کو ذلیل کرنا جائز ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤکل کی موجودگی میں بھی وکیل کام و کلام کرسکتا ہے کیونکہ عبدالرحمٰن ابن سہل تو اس مقتول کے حقیقی بھائی تھے یہ ہی ولی مقتول تھے، یہ ہی مدعی تھے، حویصہ اور محیصہ چچازاد تھے یہ ولی مقتول نہ تھے بلکہ اب مدعی کے وکیل ہوئے۔

۹؎ اس طرح کہ بڑے نے بات چیت کی مقدمہ پیش کیا چونکہ وکیل کا کام مؤکل کا کام ہوتا ہے اس لیے اس گفتگو کو سب کی طرف منسوب کیا گیا۔

۱۰؎ یعنی تم میں سے پچاس آدمی قسم کھالیں کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو تم اس سے بدلہ لے سکتے ہو۔احناف کے ہاں دیت ملے گی،شوافع کے ہاں قصاص۔خیال رہے کہ یہ حضور کا فتویٰ تھا فیصلہ نہ تھا کیونکہ مدعیٰ علیہ کی بغیر موجودگی فیصلہ نہیں ہوسکتا،فیصلہ کے لیے فریقین کے بیانات لینا ضروری ہیں اسی لیے حضور انور نے یہاں خلاف ترتیب قسم کا ذکر فرمایا ورنہ قسامت میں صرف ملزمین پر قسم پیش ہوتی ہے۔(مرقات) اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس مقدمہ میں پہلے قسم مدعیان سے لی جائے گی اگر یہ انکار کریں تو مدعیٰ علیہ سے۔ہم کہتے ہیں کہ یہ فتویٰ تھا حکم نہ تھا،نیز یہ حدیث قرآن مجید کے بھی خلاف ہے اور احادیث متواترہ کے بھی لہٰذا ناقابل عمل ہے،مدعی پر گواہ لازم ہیں قسم نہیں اور گواہ صرف دو چاہئیں ہماری دلیل آگے آرہی ہے۔

۱۱؎ تو بغیر دیکھے ہم کیسے قسم کھالیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔

۱۲؎ اس طرح کہ یہود خیبر پچاس شخص قسم کھالیں گے کہ نہ ہم قاتل ہیں نہ قاتل کی ہم کو خبر ہے اور دیت سے بچ جائیں گے۔معلوم ہوا کہ قسامت میں ایک فریق کے انکار قسم پر اس کے خلاف فیصلہ نہ ہوگا بلکہ فریق آخر پر پیش ہوگی بخلاف دیگر مقدمات کے۔

۱۳؎ یعنی یہود کی قسموں کا ہم کو اعتبار نہیں وہ جھوٹی قسمیں کھاسکتے ہیں،اس بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ مسلمان کے خلاف کافر کی قسم معتبر نہیں کہ قسم گواہی کے قائم مقام ہے جب ان کی ایسی گواہی معتبر نہیں تو قسم کیسے معتبر ہوگی۔

۱۴؎ تاکہ مقتول کا خون ضائع نہ جائے اور فتنہ فرو ہوجائے کیونکہ یہود پر سواء قسم کے اور کوئی شئے واجب نہ ہوسکتی تھی اور مدعیان اس قسم پر راضی نہ تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیت نہ عطاء فرمادیتے تو یہ مسلمان نمعلوم کتنے یہود کو قتل کر ڈالتے،ایسے بے مثال عدل کہیں دیکھنے میں نہ آیا کہ ذمی کفار کو بچانے کے لیے اپنی گرہ سے سو اونٹ دے دیئے۔خیال رہے ایسے موقعہ پر کفار کی قسم معتبر ہے کیونکہ وہ قسم مسلمان کے مقابل نہیں بلکہ اپنے سے رفع مقدمہ کے لیے ہے۔

۱۵؎ مدعیان کی یہ قسم عینی نہ ہوگی کیونکہ دو دیکھنے والوں کی گواہی سے قتل ثابت ہوجاتا ہے پھر گواہ پر قسم نہیں ہوتی بلکہ ظن و گمان کی قسم ہوگی کہ گمان غالب ہے کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔

۱۶؎ یہ صورۃً فدیہ تھا مگر حقیقتًا عطیہ شاہانہ تھا جس کا مقصد ہم پہلے بیان کرچکے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت نافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص خیبر میں مقتول ہوگئے ۱؎ تو ان کے اولیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے ۲؎ پھر

یہ واقعہ حضور سے عرض کیا تو فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے ساتھی کے قتل پر گواہی دیں وہ بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کوئی مسلمان نہ تھا ۳؎ اور وہ لوگ یہود ہیں جو اس سے بڑے جرم پر بھی جرأت کرلیتے ہیں تو فرمایا کہ تم ان میں سے پچاس شخص چن لو پھر ان سے قسم لو ۴؎ ان حضرات نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کی دیت دے دی ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یہ مقتول وہ ہی عبداللہ ابن سہل تھے جن کا واقعہ ابھی پہلی فصل میں گزرچکا۔

۲؎ یعنی مقتول کے حقیقی بھائی اور چچازاد جیساکہ ابھی گزرا۔

۳؎ یہ حدیث مذہب حنفی کی تائید کرتی ہے کہ احناف کے ہاں اگر کوئی مقتول کسی گلی کوچہ میں پایا جائے جس پر قتل کا اثر ہو جیسے خون یا زخم کاری یا گلا گھوٹنے کے آثار تب اولًا ولی مقتول سے گواہ طلب کیے جائیں گے اگر دو گواہ قتل عمد کے مل گئے تو قاتل پر قصاص لازم ہوگا ورنہ اہل محلّہ سے پچاس آدمیوں کی قسم لی جائے گی لیکن اگر اثر قتل نہیں ہے کہ غالبًا وہ شخص خود ہارٹ فیل (Heart fail) سے مرا ہے۔یہاں حضور نے مدعیان سے گواہ مانگے۔اس حدیث کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے فرماتاہے:"وَاَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"حدیث متواتر سے بھی حضور فرماتے ہیں البینة علی المدعی والیمین علی من انکر،نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے بھی اس کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ ابن شیبہ وغیرہ نے نقل فرمایا پہلی فصل کی حدیث اگرچہ متفق علیہ ہے مگر حکم قرآنی اور احادیث متواترہ اقوال صحابہ کے خلاف ہے اسی لیے امام ابوحنیفہ نے اس پر عمل نہ فرمایا،اس کی پوری بحث اسی جگہ مرقات میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎ کیونکہ تمہارے پاس قتل کے گواہ عینی موجود نہیں اگر دو گواہ عینی مل جائیں تو قسامت نہیں ہوتی۔

۵؎ یہ دیت دینا حکم شرعی نہیں بلکہ دفع فتنہ کے لیے ہے آئندہ اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو محلّہ والوں سے قسم لی جائے گی خواہ مسلمان ہوں یا کافر ذمی۔

باب قتل اھل الرد او السعاۃ بالفساد

مرتدین اور فسادیوں کے قتل کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی مرتدین اور فسادیوں کے قتل کا باب۔شریعت میں مرتد وہ شخص ہے جو مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوجائے،اسی طرح اسلامی فرقوں میں سے وہ فرقہ جس کی بدعقیدگی کفر تک پہنچ گئی ہو جیسے قادیانی،بہائی، خوارج اور تبرائی،روافض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدگو گستاخ۔وہابی یہ بھی مرتد ہیں کیونکہ جب یہ بچپن میں کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں تو مسلمان ہوجاتے ہیں کہ بچہ کا اسلام معتبر ہے مگر اپنی قومی بدعقیدگیوں کی وجہ سے کافر نہیں ہوتے کہ بچہ کا کفرمعتبر نہیں،پھر جب بالغ ہوکر وہ عقیدے اختیار کرتے ہیں تو اب اسلام کے بعد کافر ہوتے ہیں،ان فرقوں کے ارتداد کی تصریح فتاوی عالمگیری باب المرتدین میں ہے۔فسادی وہ لوگ ہیں جو مملکت اسلامیہ میں شر انگیزی کریں جیسے ڈاکو اور باغی وغیرہم۔مرتد کے لیےمستحب یہ ہے کہ اسے غور کرنے کی کچھ مہلت دی جائے اگر اسے اسلام کے متعلق کچھ شبہات ہوں تو دور کردیئے جائیں،اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ قتل کردیا جائےاور ڈاکو وغیرہ کو سولی دی جائے یہ دونوں قتل قرآن کریم سے ثابت ہیں اور احادیث شریف سے بھی،قران کریم نے مرتدین بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا:"فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ"جو بنی اسرائیل بچھڑا پوج کر مرتد ہوگئے انہیں قتل کیا گیااور فسادیوں کے متعلق فرماتاہے:"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا"الایہ۔

روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں کہ جناب علی کے پاس کچھ بددین لائے گئے۱آپ نے انہیں جلادیا۲ تو یہ خبرحضرت ابن عباس کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر میں ہوتا۳ تو انہیں نہ جلاتاحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کی وجہ سے کہ فرمایا کسی کو اللہ کا عذاب نہ دو ۴میں انہیں قتل کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے کہ جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو ۵(بخاری)۶	

۱؎ زنادقہ زندیق کی جمع ہے،زندیق ملحدوبے دین کو کہتے ہیں۔مجوس جو کہتے تھے کہ زند کتاب آسمانی ہے ان کے لیے یہ لفظ وضع ہوا،پھر ہر بے دین کو زندیق کہنے لگے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قوم سائبہ کے لوگ عبداللہ ابن سبا کے مطیع ہوگئے جو حضرت علی کو خدا کہنے لگے دیگر صحابی پر تبرا کرنے لگے،وہ حضرت علی کی کچہری میں پکڑ کر لائے گئے،رفض کی اصل یہاں سے قائم ہوئی،اب بھی روافض میں ایک فرقہ نصیری ہےجو جناب علی کو خدا کہتا ہے،ہم نے مرثیوں میں یہ شعر سنا ہے۔شعر

دکھادو یا علی جلوہ نصیری کے خدا تم ہو یہ آنکھیں طالب دیدار ہیں حاجت روا تم ہو

دیکھو لمعات،مرقات،اشعۃاللمعات۔

۲؎ اس طرح کہ پہلے حضرت علی نے انہیں توبہ کا حکم دیا مگر انہوں نے انکار کیاآپ نے خندق کھودوا کر اس میں آگ جلوائی پھر جلتی آگ میں ان زندوں کو ڈال دیا جس سے وہ جل کر راکھ ہوگئے۔ (مرقات،اشعہ،لمعات)

۳؎ یعنی اگر بجائے علی مرتضٰی کے میں خلیفہ ہوتا یا اس وقت حضرت علی کے پاس میں موجود ہوتا پہلے معنے زیادہ قوی ہیں کیونکہ فرما رہے ہیں میں نہ جلاتا یہ نہ فرمایا کہ میں نہ جلانے دیتا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا صرف قتل ہے،کسی جاندار کو زندہ نہ جلایا جائے بعض لوگ جوں،کھٹمل، بھڑکو زندہ آگ میں ڈال دیتے ہیں وہ اس سے عبرت پکڑیں۔

۵؎ فی زمانہ بعض لوگ قتل مرتد کے انکاری ہیں حالانکہ قتل مرتد قرآن کریم سے بھی ثابت ہے فرمایا:" فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ"نیز حکومت کا باغی لائق قتل ہےتو حکومت الٰہیہ کا باغی بھی قابل قتل ہوناچاہیے، مرتد ربانی حکومت کا باغ ہے۔خیال رہے کہ یہاں دینہ سے مراد اسلام ہے کیونکہ انسان کا اصلی اور روحانی دین اسلام ہی ہے، دوسرے دین تو دنیا میں آکر بری صحبتوں سے ملتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جو اپنا دین یعنی اسلام ترک کرکے دوسرا دین اختیار کرے اسے قتل کردو،شائد حضرت علی کو یہ روایت پہنچی نہ تھی،بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت علی کو حضرت ابن عباس کے اس فرمان کی خبر ہوئی توآپ نے فرمایا انہوں نے سچ کہا،دیکھو مرقات و اشعۃ اللمعات۔

۶؎ اس حدیث کو ترمذی،ابن ماجہ،ابوداؤد،نسائی اور احمد نے بھی روایت کیا۔خیال رہے کہ مرتدہ عورت کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اسے قید کیا جائے گا حتی کہ توبہ کرے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی آگ سے عذاب نہ دے سواء اللہ تعالٰی کے ۱؎(بخاری)	

۱؎ یعنی زندہ کو آگ میں جلانا صرف رب تعالٰی کے لیے سزاوارولائق ہے کہ وہ کفار اور بعض گنہگاروں کو دوزخ میں زندہ جلادے گا۔خیال رہے کہ آگ میں جلانے کی بہت صورتیں ہیں:آگ میں ڈال دینا،گرم کھائی میں ڈالنا، تپتے لوہے پر لٹا کر ہلاک کردینا وغیرہ۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ آخر زمانہ میں قوم نکلے ۱؎ گی نو عمر عقل کے ہلکے ۲؎ کلام کریں گے مخلوق کے قول کے بہترین سے ۳؎ ان کا ایمان ان کے گلے سے نہ اترے گا ۴؎ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے ۵؎ تو تم انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کردو ۶؎ کہ ان کے قتل میں قیامت کے دن ثواب ہے اسے جوانہیں قتل کرے ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ غالبًا آخر زمان سے مراد خلافت راشدہ کا آخری دور ہے اور اس قوم سے مراد خوارج ہیں کیونکہ خوارج حضرت علی کی خلافت میں پیدا ہوئے اور ہوسکتا ہے کہ آخر زمانہ سے مراد قریب قیامت ہو اور اس قوم سے مراد وہابی ہوں کہ ان کا خروج بارہویں صدی میں ہوا،علامہ شامی نے وہابیوں کو خوارج فرمایا ہے یہ بھی قریبًا خوارج ہیں۔

۲؎ یعنی ان میں اکثر نو عمرلڑکے عقل کے کوتاہ ہوں گے حدثاء جمع ہے حدیث کی بمعنی نیا اور سفھاء جمع ہے سفیہ کی بمعنی ہلکا پن یا بے عقلی جیسے صغیر کی جمع صغراء ہے۔

۳؎ یعنی مخلوق جو بہترین کلام بولتی یا پڑھتی ہے وہ کلام کیا کریں گے یعنی قرآن مجید بہت پڑھیں گے ہر ایک کو دعوت قرآن دیں گے۔مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے من قول خیر البریہ اس صورت میں خیر البریہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اورآپ کے قول سے مراد حدیث شریف وقرآن مجید دونوں ہیں یعنی ہر ایک کو کتاب و سنت کی طرف دعوت دیں گے اور قال اللہ قال الرسول ان کی زبان پر رہے گا۔(مرقات)حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ خوارج بدترین خلق ہیں یہ بدنصیب کفار کی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں،دیکھو بخاری باب الخوارج اور مرقات یہ ہی مقام۔آج دیوبندیوں وہابیوں کی تقریریں تحریریں دیکھو کہ یہ لوگ ہمیشہ بتوں کی آیات حضرات انبیاء اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں اور کفارومشرکین کی آیات مسلمانوں پر پڑھتے ہیں۔

۴؎ یعنی کلمہ اور اسلام ان کے صرف منہ میں ہوگا دل میں کفر اورحضرات انبیاءواولیاء اور تمام مسلمانوں سے عنادوبغض بھرا ہوگا،حناجر جمع ہے حنجرہ کی بمعنی حلقوم۔

۵؎ دین سے مراد اسلام ہے نہ کہ محض طاعت بادشاہ یعنی شکاری کا تیر شکار کے جسم میں داخل ہوکر ایسے نکل جاتا ہے کہ اس میں خون،گوشت،چربی کچھ بھی نہیں لگا ہوتا بالکل صاف ہوتا ہے ایسے ہی یہ لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود اسلام سے ایسے نکل جائیں گے کہ ان کے دلوں میں اسلام کا شائبہ بھی نہ ہوگا۔اللہ کی پناہ!

۶؎ یا اس لیے قتل کردو کہ وہ مرتد ہیں یا اس لیے کہ وہ سلطان اسلام کے باغی ہیں مگر یہ قتل شاہ اسلام کرے گا نہ کہ عام مسلمان۔کسی نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا خوارج کافر ہیں فرمایا وہ کفر ہی سے تو بھاگتے ہیں پوچھا کہ کیا یہ منافق ہیں ؟فرمایا منافق لوگ ذکر اللہ کم کرتے ہیں پوچھا پھر ہم انہیں کیا کہیں؟ فرمایا فتنہ میں مبتلا ہوکر بہرے گونگے ہوگئے۔

۷؎ معلوم ہوا کہ خوارج،باغی،مرتد کا قتل جائز ہی نہیں بلکہ کار ثواب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت دو جماعتیں ہو جائے گی ۱؎ تو ان دونوں سے ایک خارجی فرقہ نکل جائے گا ۲؎ اس کے قتل کا اہتمام وہ فرقہ کرے گا جو حق سے قریب ہوگا ۳؎ (مسلم)

۱؎ یہاں دو فرقوں سے مراد مذہبی فرقے نہیں بلکہ سیاسی جماعتیں ہیں۔اس سے اشارہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتوں کی طرف ہے کہ یہ دونوں مذہبًا مسلکًا ایک تھے ان میں اختلاف سیاسی تھا۔

۲؎ خیال رہے کہ خارجی فرقہ حضرت علی کی جماعت سے نکلا تھا نہ کہ امیر معاویہ کی جماعت سے،پھر **بینھما** فرمانا تعلیقًا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"**یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ**"حالانکہ موتی صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں یا **بینھما** کا مطلب ہے کہ وہ خارجی فرقہ ان دونوں جماعتوں سے الگ ہو گا کسی کے ساتھ نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی خارجی فرقہ کو ان دونوں جماعتوں ہی سے وہ قتل کرے گی جو حق پر ہوگی یا حق تعالٰی سے قریب تر ہو گی۔چنانچہ خارجی فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا یہ لوگ کُل دس ہزار تھے حضرت عبداللہ ابن عباس کے سمجھانے پر پانچ ہزار نے توبہ کرلی پانچ ہزار ذوالفقار حیدری سے مارے گئے،بہت سے مارے گئے کچھ بچے جو حضر موت اور بحرین میں تتر بتر ہوگئے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرت امیرمعاویہ اور علی دونوں مؤمن صالح ہیں کہ ان دونوں کی جماعت کو حضور نے امتی فرمایا۔ دوسرے یہ کہ اس اختلاف میں حضرت علی امام برحق تھے امیر معاویہ کی جماعت باغی تھی۔تیسرے یہ کہ خارجی ان دونوں جماعتوں سے خارج ہیں بددین گمراہ ہیں واجب القتل ہیں،باغی خارجی کا فرق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت جریر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۲؎ کہ میرے بعد کافر ہو کر نہ لوٹ جانا ۳؎ کہ تم سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ جریر ابن عبداللہ بجلی ہیں،بہت حسین و جمیل اور خوش اخلاق تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لائے پھر کوفہ میں رہے پھر قرقسیا بستی آگئے وہاں ہی ۱۵۰ھ میں وفات پائی،آپ سے اکثر محدثین نے احادیث روایت کیں۔

۲؎ دسویں ذی الحجہ کوآپ نے منٰی شریف کے خطبہ میں یہ فرمایا۔(اشعہ)

۳؎ کافر سے مراد ناشکرا یا عمل کافر ہے جو کافروں کے سے کام کرے ورنہ مسلمان کو قتل کرنا سخت حرام ہے مگر کفر نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَاِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا**"دیکھو قتال کرنے والوں کو مؤمنین فرمایا گیا یہاں مرقات نے کفار کی سات توجیہیں فرمائیں۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جب دو مسلمان ملیں کہ ان میں سے ایک اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھائے ۲؎ تو وہ دونوں دوزخ کے کنارہ میں ہوتے ہیں ۳؎ پھر جب ان میں سے ایک اپنے صاحب کو قتل کردیتا ہے تو وہ دونوں دوزخ میں داخل ہوجاتے ہیں ۴؎ انہیں سے دوسری روایت میں ہے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے مل پڑتے ہیں تو قاتل و مقتول دوزخ میں جاتے ہیں ۵؎ میں نے عرض کیا یہ تو قاتل ہے تو مقتول کا کیا ہے فرمایا وہ اپنے صاحب کے قتل پر حریص تھا ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں کہ آپ کا نام نقیع ابن حارث ہے،آپ غزوہ طائف میں ایمان لائے،آپ اس غزوہ میں گرفتار ہوگئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد فرمادیا۔(مرقات)

۲؎ قتل یا زخمی کرنے کے ارادے سے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ہتھیار سے مراد عام ہتھیار ہے تلوار ہو یا نیزہ یا پستول و بندوق۔خیال رہے کہ احد سے مراد کل واحد ہے یعنی ہر ایک دوسرے کے مقابل ہتھیار اٹھائے۔

۳؎ یعنی دوزخ کے قریب ہوتے ہیں کہ قتل ہوں یا کریں اور دوزخ میں جائیں۔

۴؎ یہ جب ہے جب کہ دونوں باطل پر ہوں اور اگر ان میں سے کوئی حق پر ہو تو باطل والا دوزخی ہے نہ کہ حق والا جیسے ڈاکو یا چور کے مقابلہ میں۔

۵؎ یہ جب ہے جب کہ دونوں ایک دوسرے کے قتل کا ارادہ کریں اگر ان میں سے ایک مدافع ہو کہ دفاعًا دوسرے کو قتل کرے تو حملہ آور دوزخی ہوگا نہ کہ یہ دفاع کرنے والا۔

۶؎ یعنی یہ بھی ارادۂ قتل سے ہی آیا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ ارادۂ گناہ بھی گناہ ہے،ہاں خیال گناہ گناہ نہیں لہذا یہ حدیث دوسری احادیث اور آیات قرآنیہ کے خلاف نہیں،چورچوری کرنے نکلا مگر اتفاقًا نہ کرسکا گنہگار ہوگیا،فقہاء فرماتے ہیں کہ ارادۂ کفر بھی کفر ہے۔

۷؎ یہ حدیث ابوداؤدونسائی نے حضرت ابوبکرہ سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں قبیلہ عکل کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ۱؎ مسلمان ہوگئے انہوں نے مدینہ کو ناموافق محسوس کیا ۲؎ تو انہیں حضور نے حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹوں میں جائیں ان کے پیشاب اور دودھ پئیں ۳؎ انہوں نے یوں ہی کیا تو تندرست ہوگئے پھر مرتد ہوگئے اور ان کے چرواہوں	

	کو قتل کردیا اور اونٹ ہانک لے گئے ۴؎ پھر حضور نے ان کے پیچھے سپاہی بھیجے ۵؎ وہ لوگ لائے گئے پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں ۶؎ پھر ان کو نہ داغا حتی کہ وہ مرگئے ۷؎ اور ایک روایت میں ہے پھر ان کی آنکھیں اندھی کردی گئیں ۸؎ اور ایک روایت میں ہے کہ سلائیوں کا حکم دیا وہ گرم کی گئیں پھر وہ ان کی آنکھوں میں پھیر دیں ۹؎ اور انہیں حرہ میں ڈال دیا پانی مانگتے تھے تو نہ پلائے جاتے تھے حتی کہ مرگئے ۱۰؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ نفر تین سے لے کر دس تک کو کہتے ہیں،یہ لوگ آٹھ آدمی تھے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ سات آدمی تھے چار تو قبیلہ عرینہ کے اور تین قبیلہ عکل کے،اسی لیے بعض احادیث میں ہے کہ عرینہ کے تھے،بعض میں ہے کہ عکل کے تھے،یہ دونوں روایات درست ہیں کہ وہ دونوں قبیلوں کے تھے۔

۲؎ اجتوا بناہے جواء سے بمعنی مرض و بیماری یعنی ان کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور بیمار ہوگئے۔اصل میں مدینہ منورہ کی سرزمین نے ان کو نکالنا چاہا تھا ورنہ مدینہ پاک کی سی آب و ہوا روئے زمین میں کسی جگہ نہیں۔

۳؎ چونکہ یہ لوگ مسافر بھی تھے غریب و مسکین بھی اس لیے ان کو صدقہ کے اونٹ کے دودھ پینے کی اجازت دے دی گئی اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی معلوم فرمالیا تھا کہ ان کی شفا اس دودھ و پیشاب میں ہے اس لیے انہیں پیشاب پینے کی اجازت دے دی گئی۔اس حدیث کی بنا پر امام مالک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ حلال جانوروں کے پیشاب پاک ہیں مگر قوی یہ ہے کہ ناپاک ہیں۔سرکار فرماتے ہیں کہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچو کہ عموماً عذاب قبر اس سے ہوتا ہے،یہ ارشاد عالی ایک اونٹ کے چرواہے کے متعلق ہوا تھا۔بعض علماء نے فرمایا کہ دواءً نجس یا شراب پینا جائز ہے مگر حق یہ ہے کہ ناجائز ہے کیونکہ ان کی حرمت تو یقینی ہے مگر ہمارے لیے ان سے شفا یقینی نہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کی شفا بذریعہ وحی یقیناً معلوم فرمالی تھی ہم کو یہ یقین کیسے میسر ہوگا،امام ابویوسف کے نزدیک طبیب حاذق کے کہہ دینے پر جائز ہے،امام شافعی کے ہاں ہر نجاست سے علاج جائز ہے بشرطیکہ نشہ والی نہ ہو مگر قول امام اعظم بہت قوی ہے۔(مرقات و اشعہ)

۴؎ یعنی یہ لوگ مرتد بھی ہوئے ڈاکو بھی قاتل بھی لہذا سخت سزا کے مستحق ہوئے۔

۵؎ صحابہ کی ایک جماعت بھیجی جس میں حضرت علی بھی تھے رضی اللہ عنہم،حضور انور کا سپاہی بننا ملائکہ کے لیے فخر ہے،جنگ بدر میں فرشتے پانچ ہزار اترے یہ سب حضور کے سپاہی تھے۔اللہ کے لیے مجھے تو حضور اپنے در کا جھاڑو والا بنا کر رکھ لیں۔شعر

پس مردن مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی
میسر گر مجھے دو گز مدینہ میں زمیں ہوتی

۶؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ **سمر** اور **سمل** دونوں کے معنے ہیں آنکھیں بیکار کردینا مگر **سمر** کے معنے ہیں آنکھ میں لوہے کی گرم سلائی پھیر کر اس کی روشنی ختم کردینااور **سمل** کے معنے ہیں سوئے یا میخ سے آنکھ پھوڑ دینا مگر حق یہ ہے کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی گرم سلائی پھیرکر روشنی ضائع کردینا۔

۷؎ یعنی ان کے ہاتھ پاؤں کٹواکر ان کے زخموں کو گرم لوہے سے داغ نہ دیا تاکہ خون بند ہوجاتا اور وہ بچ جاتے بلکہ یوں ہی خون بہنے دیا حتی کہ تمام خون نچڑ گیا اور وہ ہلاک ہوگئے۔

۸؎ اس روایت میں **سمل** لام سے ہے اور اس روایت میں **سمر** ر سے ہے ہم عرض کرچکے کہ دونوں کے معنے قریبًا ایک ہی ہیں۔

۹؎ حتی کہ ان کی آنکھوں کی روشنی بالکل جاتی رہی۔

۱۰؎ خیال رہے کہ اب شریعت میں مثلہ کرنا یعنی ہاتھ پاؤں کاٹ دینا آنکھیں پھوڑ دینا ممنوع ہے،حضور کا یہ عمل یا تو مثلہ کی ممانعت سے پہلے تھا بعد میں مثلہ سے منع فرمایا یا اس لیے تھا کہ ان لوگوں نے حضور کے چرواہوں کے ساتھ یہ ہی سلوک کیا تھا تو قصاصًا حضور نے بھی ان سے یہ ہی سلوک فرمایا یا اس لیے تھا کہ انہوں نے بہت جرم کیے تھے مرتد ہوجانا،چراہوں کو مار ڈالنا،مال لوٹ لینا وغیرہ لہذا ان کو یہ سزا دی گئی،اگر مجرم کئی قسم کے جرم کرلے تو حاکم تمام قصاصوں کو جمع کرسکتا ہے۔(مرقات)یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر مرتد پیاس سے مررہا ہو اور کسی کے پاس بقدر وضو پانی ہو تو اسے پانی نہ دے بلکہ وضو کرے اور اگر ذمی کافر یا جانور پیاس سے مرر ہا ہو تو وضو نہ کرے اسے پلائے،مرتد کسی رحم کا مستحق نہیں۔خیال رہے کہ اسلام بہت رحمت والا دین ہے اور حضور رحمۃ اللعلمین ہیں،مگر اسلام میں سزائیں بہت سخت ہیں کیونکہ سخت سزا سے ہی جرم بند ہوتے ہیں اور ملک میں امن و امان قائم ہوتا ہے،عرب جیسے ملک میں امن ان ہی سختیوں سے قائم ہوا اور آج ہمارے ملکوں میں امن اس لیے نہیں کہ یہاں سزائیں نرم ہیں ہم کو ا پنے ہاں کی بدامنی دیکھ کر ان سزاؤں کی قدرمعلوم ہوتی ہے کہ آج بازار میں ایک دو چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں ایک دو زانیوں کو رجم کردیا جائے تو ان شاءاللہ ہمارے ہاں بھی عرب جیسا امن ہوسکتا ہے کہ وہاں لوگ شب کو گھروں کے دروازے بند نہیں کرتے،قیمتی دکان کھلی چھوڑکر مسجد میں نماز کے لیے آجاتے ہیں،اسلام کی خوبیاں کفار بھی ماننے لگے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صدقہ کی رغبت دیتے تھے اور ہم کو مثلہ سے منع فرماتے تھے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ مثلہ کے لغوی معنی ہیں سخت سزا،اب اصطلاح میں میت یا مقتول کے ہاتھ پاؤں،آنکھ ناک ذکر وغیرہ کاٹنے کو کہتے ہیں اب قصاصًا مثلہ جائز ہے سزاءً مثلہ ممنوع ہے۔(اشعۃ اللمعات)گزشتہ حدیث کا مثلہ اگر قصاصًا تھا تو وہ حدیث محکم ہے اور اگر سزاءً تھا تو اس حدیث سے منسوخ ہے۔

	اور نسائی نے حضرت انس سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عبداللہ سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے حضور قضا حاجت کے لیے تشریف لے گئے ۲؎ ہم نے ایک لالی دیکھی جس کے ساتھ دو چوزے تھے ہم نے اس کے چوزے پکڑ لیے ۳؎ کہ لالی آئی تو وہ بچھی جانے لگے ۴؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا اسے کس نے غمگیں کیا اس کے بچوں کی وجہ سے اس کے بچے اسے لوٹا دو ۵؎ اور ایک چیونٹیوں کا جنگل دیکھا جسے ہم نے جلادیا تھا ۶؎ فرمایا یہ کس نے جلایا ہم نے عرض کیا ہم نے فرمایا یہ لائق نہیں کہ آگ کے رب کے سواء کوئی اور آگ سے عذاب دے ۷؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ عبدالرحمٰن ابن عبداللہ ابن مسعود ہیں۔(اشعہ)مرقات نے عبدالرحمان ابن عبداللہ ابن بحار فرمایا،آپ تابعی ہیں،عبدالرحمٰن کی ملاقات اپنے والد سے نہیں ہوئی کیونکہ ان کے والدآپ کے لڑکپن ہی میں فوت ہوگئے تھے،عبدالرحمٰن ۹۹ھ میں سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

۲؎ استنجاء کے لیے جنگل میں تشریف لے گئے لوگوں سے بہت دور۔

۳؎ لالی کی غیر موجودگی میں اس کے بچے پکڑ لیے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ اس طرح کہ زمین کے قریب آکر پر پھیلا کر گرنے لگی اپنے بچوں کے فراق میں یا ہمارے سروں پر بچھی جانے لگی اسے پتہ چل گیا کہ میرے بچے ان کے پاس ہیں۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر وجوبی ہے کیونکہ بلافائدہ شکاری جانور کے بچے پکڑ کر اس کی ماں کو دکھ دینا منع ہے مگر مرقات نے فرمایا کہ یہ حکم استحبابی ہے شکاری جانور کے بچوں کا شکار جائز ہے۔فقیر کہتا ہے کہ بلا ضرورت شکار ممنوع ہے ہاں ضرورتًا جائز،ضرورت سے مراد گوشت کھانا یا ان کا ضرر دفع کرنا۔

۶؎ کہ ایک جگہ چیونٹیاں بہت تھیں ہم نے اس جگہ آگ بچھادی جس سے وہ جگہ ہی جل گئی۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وقت سب کو حضور کے فیض کی ضرورت ہے،دیکھو کچھ دیر کے لیے حضور غائب ہوئے تھے کہ ان حضرات سے دو غلطیاں ہوگئیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے اور انس ابن مالک سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میری امت میں بڑا اختلاف وافتراق و جدائی ہوگا ۱؎ ایک قوم ہوگی جو کلام اچھا کرے گی اور کام برے کرے گی ۲؎ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا ۳؎ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے واپس نہ ہوں گے ۴؎ حتی کہ تیر اپنے چلہ پر لوٹ آئے ۵؎ وہ تمام انسانوں اور تمام مخلوق میں بدتر ہیں ۶؎ خوشخبری ہے اسے جو ان لوگوں کو قتل کرے اور اسے جن کو وہ لوگ قتل کریں ۷؎ کتاب اللہ کی طرف دعوت دیں گے ۸؎ وہ کسی بات میں ہمارے نہیں ۹؎ اور جو انہیں قتل کرے وہ بقیہ لوگوں میں سے زیادہ قریب الی اللہ ہوگا ۱۰؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نشانی کیا ہے فرمایا سر منڈانا ۱۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اختلاف سے مراد خیالات کا جدا ہونا ہے اور افتراق سے مراد جسمانی جدائی یعنی جنگ و جدال،کشت و خون یعنی میری امت میں رائے کا اختلاف بھی ہوگا اور جنگ و جدال بھی،رائے کے اختلاف میں عقائد کا اختلاف بھی داخل ہے جیسے اسلام کے بہتر فرقوں کا اختلاف اور صرف رائے کا اختلاف بھی داخل ہے جیسے حضرت علی معاویہ یا حضرت عائشہ و علی کا اختلاف رضی اللہ عنہم اجمعین۔خیال رہے کہ جب حضرت علی و امیر معاویہ نے جنگ بند کرنے کے لیے دو حکم مقرر کرلیے:حضرت ابو موسیٰ اور عمرو ابن عاص تو حضرت علی کی فوج میں سے دس ہزار آدمیوں نے سرکشی کردی بولے کہ علی اور معاویہ دونوں مشرک ہوگئے کیونکہ انہوں نے ماسوی اللہ کو حکم مان لیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ"حضرت علی نے ان کی فہمائش کے لیے حضرت عبداللہ ابن عباس کو بھیجاآپ نے ان کے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ رب تعالٰی زوجین کے اختلاف کے متعلق فرماتاہے:"فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا"جب لڑنے والے زوجین اپنے اختلاف کو مٹانے کے لیے پنچ وحکم مقرر کرسکتے ہیں تو اگر علی و معاویہ نے حکم مقرر کرلیے تو کیوں شرک ہوا،اس جواب پر پانچ ہزار خارجی توبہ کر گئے پانچ ہار ضد پر اڑے رہے جو ذوالفقار حیدری سے جہنم میں پہنچے،اس حدیث کا ظہور اس طرح ہوا۔یہ شرک شرک کا سبق آج کا نہیں بڑا پرانا ہے وہی پُرانا سبق آج وہابی پڑھ رہے ہیں۔

۲؎ قوم یوجد پوشیدہ کا نائب فاعل ہے یا یکون پوشیدہ کا فاعل ہے قیل اور قول دونوں کے معنے ہیں کلام و گفتگو،قرآن کریم فرماتاہے:"وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا"یعنی باتیں بہت اچھی کریں گے ہر وقت قال اللہ وقال الرسول ان کی زبان پر ہوگا مگر عقائدواعمال بہت گندے ہوں گے،اس میں اشارہ خارجی فرقہ کی طرف ہے۔فقیر نے اس بار چوتھے حج کے موقعہ پرمسجد نبوی شریف میں خارجی دیکھے،بڑے نمازی بڑے پرہیزگار معلوم ہوتے ہیں۔

۳؎ یعنی ان کے دل نور قرآنی سے روشن نہ ہوں گے یا ان کی تلاوت بارگاہ الٰہی میں قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ صرف لوگوں کو پھانسنے کے لیے قرآن پڑھیں گے۔تراقی ترقوۃ کی جمع ہے بروزن فعلوت بمعنی گھانٹی، فارسی میں حنجرہ کہتے ہیں۔آج بھی نجدی وہابی ہر ایک کو قرآن کی طرف بلاتے ہیں،اپنی جماعتوں کتابوں کے نام تک قرآن پر رکھے ہیں اشاعۃ القرآن،تعلیم القرآن،ان کے اکثر علماءومبلغین سر منڈے ہوتے ہیں۔

۴؎ یعنی پہلے وہ مسلمان ہوں گے بعد میں اسلام سے ایسے نکلیں گے ان میں اسلام کا کوئی اثرونشان نہ باقی رہے گا جیسے تیر شکار میں سے کہ شکار کے جسم میں داخل ہوکر نکل جاتا ہے مگر اس میں گوشت،خون،گوبر،پیشاب وغیرہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

۵؎ یعنی جیسے کمان سے نکلا ہوا تیر کمان پر واپس نہیں آتا آگے ہی کو جاتا ہے ایسے ہی یہ لوگ اسلام میں واپس نہیں آئیں گے اس کی آزمائش بھی ہوچکی کہ جو پختہ خارجی ہوگئے تھے وہ شمشیر حیدری سے تہ تیغ ہوئے بقیہ تتر بتر ہوگئے مگر دوبارہ اسلام میں نہ آئے۔جو پانچ ہزار حضرت ابن عباس کا وعظ سن کر بولے وہ خارجی پختہ نہ ہوئے تھے بلکہ خوارج کے بہکانےسے وہم و شبہات میں پڑگئے تھے لہذا یہ حدیث بالکل واضح ہے۔

۶؎ یا تو خلق سے مراد انسان اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں یا دونوں ہم معنے ہیں تاکیدًا دو لفظ ارشاد ہوئے۔ معلوم ہوا کہ بے دین تمام مخلوق سے بدتر ہے حتی کہ کتے سور گدھے سے بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ" جیسے کہ مؤمن کامل تمام مخلوق حتی کہ فرشتوں سے بھی اعلٰی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ"۔

۷؎ یعنی جو مسلمان ان خوارج کو قتل کرے وہ بہترین غازی ہے اور جو جنگ میں ان کے ہاتھوں شہید ہو وہ اعلٰی درجہ کا شہید ہے۔

۸؎ یعنی یا تو حدیث کے منکر ہوں گے صرف قرآن کو ماننے کے مدعی ہوں گے یا اگرچہ دعوٰی تو کریں گے حدیث ماننے کا بھی مگر ہر وقت پڑھیں گے قرآن ہی اور ہر ایک کو قرآن کے نام پر بلائیں گے جیسے اس زمانے کے کچھ وہابی دیوبندی جو قرآن قرآن کی رٹ لگاتے ہیں۔

۹؎ یعنی ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے کوئی تعلق نہیں اور ظاہر ہے کہ جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ جائے وہ قرآن یا نماز وغیرہ کے ذریعہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔فسٹ کلاس کا ڈبہ بغیر انجن سے تعلق رکھے سفر نہیں کرسکتا نہ اس کی کچھ قدروقیمت ہے نہ اس میں کوئی مسافر بیٹھتا ہے،قدرو قیمت تو انجن کے ساتھ مل جانے کی ہے۔

۱۰؎ یعنی دوسرے مسلمانوں سے یہ زیادہ مقبول ہوگا۔

۱؎ یعنی بہت زیادہ سرمنڈانا اور سرمنڈانے کا عادی ہونا ورنہ حج میں قریبًا سارے حاجی سرمنڈاتے ہیں،بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ وہ سرمنڈانے کی عادت کو برا سمجھتے ہیں ان کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اس مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور محمد مصطفے اللہ کے رسول ہیں ۱؎ مگر تین جرموں میں سے ایک کی وجہ سے نکاح کے بعد زنا کہ وہ سنگسار کیا جائے گا ۲؎ اور وہ شخص جو اللہ و رسول سے جنگ کرنے نکلا ۳؎ وہ یا قتل کیا جائے گا یا سولی دیا جائے گا یا زمین سے نکال دیا جائے گا ۴؎ یا کسی جان کو قتل کردے تو اس کے عوض قتل کیا جائے ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ اس کلمہ خوانی سے مراد تمام عقائد اسلامیہ کا ماننا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں الحمدللہ پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۃ ولا الضالین تک پڑھنا واجب ہے ورنہ صرف کلمہ تو قادیانی،چکڑالوی اور تمام باطل فرقے بھی پڑھتے ہیں۔

۲؎ یہاں احصان کے معنی ہیں آزاد بالغ مسلمان کا صحیح نکاح کے ذریعہ صحبت کرلینا یہ رجم کے لیے شرط ہے لہذا کافر اور نابالغ اور غلام اور کنوارے زانی کو سنگسار نہیں کیا جاسکتا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض یہود کو زنا کی بنا پر سنگسار کرانا ان پر توریت کا حکم جاری فرمانے کے لیے تھا نہ کہ اسلامی حکم کی بنا پر۔

۳؎ اس سے مراد ڈاکو ہیں یا باغی،رب تعالٰی ڈاکوؤں کے متعلق فرماتاہے:"اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا"۔

۴؎ اگر ڈاکو صرف قتل کرے کسی کا مال نہ لے تو قتل کیا جائے گا اور اگر قتل بھی کرے مال بھی لوٹے تو سولی دیا جائے گا اور اگر صرف مال لوٹے قتل نہ کرے تو دیس نکالے کی سزا دی جائے گی یعنی کالا پانی یا آج پاکستان میں کالا باغ۔بعض نے فرمایا کہ اگر ڈاکو قتل و لوٹ نہ کرسکے صرف لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا راستہ روکتا پکڑا جائے تو اس کو کسی شہر یا گاؤں میں ٹھہرنے نہ دیا جائے گا یوں ہی آوارہ گرد رکھا جائے گا حتی کہ مرجائے یا صحیح توبہ کرلے،بعض نے فرمایا کہ امام کو ان چاروں سزاؤں کا اختیار ہے ان میں سے جو چاہے دے۔(مرقات واشعہ)

۵؎ یہاں قتل سے مراد قتل عمد ہے کیونکہ قصاص صرف قتل عمد میں ہے قتل خطاء یا قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں صرف دیت ہے جیساکہ گزر چکا۔

	روایت ہے حضرت ابن ابی لیلٰی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خبر دی ۲؎ کہ وہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے

	۳؎ان میں سے ایک صاحب سو گئے تو ان میں سے بعض صحابی اپنی رسی کی طرف چلے اسے پکڑ لیا جس سے وہ گھبرا گئے ۴؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے درست نہیں کہ کسی مسلمان کو ڈرائے ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن قاسم ابن ابی لیلیٰ یسار انصاری ہے،تابعی ہیں،ایک سو بیس صحابہ سے ملاقات ہے، جب حضرت عمر کی حیات شریف کے چھ سال باقی تھے آپ پیدا ہوئے، ۸۲ھ میں وفات پائی،آپ کے بیٹے محمد ابن عبدالرحمٰن کو بھی اسی نام ابن لیلیٰ سے یاد کیا جاتا ہے جو کوفہ کے فقیہ قاضی تھے مگر جب ابن ابی لیلیٰ مطلقًا بولا جاتا ہے توآپ یعنی عبدالرحمٰن ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲؎چونکہ حضرات صحابہ تمام ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اس لیے ان کے نام معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں یعنی ہم کو بہت صحابہ کرام نے یہ خبر دی ہے۔

۳؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یسرون ہے سریٰ بمعنی رات میں چلنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ"عام نسخوں میں یسیرون ہے سیر سے مشتق بمعنی چلنا اور جانا،رب تعالٰی فرماتاہے:"قُلْ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرْضِ"غالب یہ ہے کہ یہ سفر کسی جہاد کے لیے تھا۔

۴؎یعنی اس سونے والے کے پاس رہی تھی یا اس جانے والے کے پاس تھی اس نے یہ رسی سانپ کی طرح اس پر ڈالی وہ سونے والے اسے سانپ سمجھ کر ڈر گئے اور لوگ ہنس پڑے۔

۵؎جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو یہ فرمایا۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ ہنسی مذاق میں کسی کو ڈرانا جائز نہیں کہ کبھی اس سے ڈرنے والا مرجاتا ہے یا بیمار پڑ جاتا ہے،خوش طبعی وہ چاہیے جس سے سب کا دل خوش ہوجائے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی دل لگی ہنسی کسی سے کرنی جس سے اس کو تکلیف پہنچے مثلًا کسی کو بے وقوف بنانا اس کے چپت لگانا وغیرہ حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی درداء سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو کوئی زمین مع اس کے جزیہ کے لے لے ۱؎تو اس نے اپنی ہجرت ختم کردی ۲؎ اور جس نے کسی کافر کی ذلت اس کی گردن سے نکال کر اپنی گردن میں ڈال لی تو اس نے اسلام سے پیٹھ پھیرلی ۳؎(ابوداؤد)

۱؎یہاں جزیہ سے مراد زمین کا ٹیکس ہے جو کفار مالکوں پر لازم ہوتا ہے جسے خراج کہتے ہیں۔مسلمان پر عشر واجب ہوتا ہے عشروخراج کا تفصیلی فرق کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ یعنی اس نے اپنی ہجرت کی عزت ختم کردی کہ یہ مہاجر غازی تھا یہ تو کفار سے خراج وصول کرنے والوں میں سے ہوتا چہ جائیکہ اب خود ہی خراج ادا کرے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین مسلمان کی ملک میں آکر بھی خراجی ہی رہتی ہے عشری نہیں بن جاتی،یہ ہی امام اعظم قدس سرہ کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں اس مسئلہ کی بہت تفصیل ہے،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ اگر کافر کسی مسلمان سے عشری زمین خریدے تو وہ زمین کافر کے پاس پہنچ کر بجائے عشری کے خراجی بن جاتی ہے لیکن زمین ایک بار خراجی بن جائے وہ ہمیشہ خراجی رہتی ہے خواہ کافر کے پاس رہے یا مسلمان کے پاس آجائے۔

۳؎ یہ جملہ پچھلے جملہ کی تفصیل ہے اور یہاں ذلت سے مراد وہ ہی ادائے خراج ہے جواب اس مسلمان کو ادا کرنا پڑے گا۔غور کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کیسی عزت چاہتے ہیں۔افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو آج اندھا دھند عیسائیوں،انگریزوں کی ہر ادا کو پسند کرتے ہیں،ان کے نقال بنتے ہیں،کفار ذلیل ان کی ہر ادا ذلت و خواری ہے ان کا نقال خود انکی ذلت اپنے گلے میں ڈالتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر خثعم کی طرف بھیجا ۱؎ تو ان کے بعض نے سجدہ کے ذریعہ بچنا چاہا ۲؎ ان حضرات نے ان میں قتل تیز کردیا ۳؎ یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی ۴؎ تو حضور نے ان کے لیے آدھی دیت کا حکم دیا ۵؎ اور فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو کفار میں رہے سہے ۶؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ؟ ۷؎ فرمایا چاہیے ان دونوں کی آگیں نہ دکھائی دیں ۸؎ (ابوداؤد)

۱؎ خثعم یمن میں ایک پہاڑ کا نام ہے اس پہاڑ کے دامن میں جو لوگ آباد ہیں ان کو خثعمی کہا جاتا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ خثعم یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے،ہوسکتا ہے کہ اس قبیلہ کا نام بھی خثعم اس لیے پڑا کہ وہ اس پہاڑ کے پاس آباد ہے۔سریہ وہ لشکر کہلاتا ہے جس میں حضور انور خود بنفس نفیس تشریف نہ لے جائیں اس کی تعداد چار سو نفری تک ہوتی ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی ان خثعمی لوگوں نے چاہا کہ اپنا اسلام ظاہر کریں تو انہوں نے ان مسلمانوں کو دکھاتے ہوئے نماز شروع کردی لہذا سجود سے مراد نماز ہے۔(اشعہ و مرقات) اور ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی اطاعت ظاہر کرنے کے لیے ان مسلمانوں کو سجدہ کیا ہو کہ ہم تمہارے ذمی بنتے ہیں تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔

۳؎ اس لیے کہ مسلمان سمجھے کہ یہ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے ہم کو دھوکہ دیتے ہوئے نماز پڑھنا دکھا رہے ہیں دراصل ہیں کافر۔

۴؎ اس طرح کہ ان غازیوں نے خود جاکر یہ واقعہ عرض کیا۔

۵؎ یہ قتل خطا تھا جس میں قاتل کے عصبات پر مقتول کی پوری دیت لازم ہوتی ہے مگر چونکہ اس خطا میں ان مقتولین کی اپنی غلطی بھی ہے کہ وہ مشرکین و کفار کے ملک میں رہے جس سے نہ تو اپنا اسلام صحیح طور پر ظاہر کرسکے نہ غازی مسلمان انہیں پہچان سکے اسی لیے اس قتل میں انکی غلطی بھی ہے،اس غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی دیت آدھی رہ گئی۔اگر کوئی شخص کسی کے سامنے دشمن یعنی چور وغیرہ کی شکل میں آئے اور مارا جائے تو اس کی دیت بالکل واجب نہیں ہوتی،اگر مسلمان جن سانپ کی شکل میں ہو اور کوئی مسلمان آدمی اسے مار دے تو بھی کچھ نہیں۔

۶؎ یہ فرمان عالی اس دیت کے آدھے رہ جانے کی علت ہے۔لفظ اظھر زائد ہے اور مشرکین سے مراد حربی کفار ہیں جن سے مسلمانوں کی جنگ ہوتی رہتی ہے بیزار ہوں یعنی ان کی محبت سے بیزار ہوں یا ان کے خون سے بیزار ہوں۔خیال رہے کہ اگر مسلمان کفار پر شب خون ماریں جس سے وہاں کے بعض مسلمان بھی بے خبری میں مارے جائیں تو کچھ لازم نہ ہوگا،یہاں چونکہ انہوں نے اسلام ظاہر کیا جسے مسلمان سمجھے نہیں اس لیے نصف دیت لازم فرمائی۔

۷؎ یعنی حضور ایسے مسلمانوں سے کیوں بیزار ہیں یا ان لوگوں کی آدھی دیت کیوں واجب فرمائی پوری کیوں نہ واجب کی،لمہ اصل میں لما تھا الف گرادیا گیا۔

۸؎ یہ جملہ نیا ہے جس میں اس فرمان عالی کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے یعنی ان مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ کفار سے اتنی دور رہتے کہ ایک دوسرے کی آگ روشنی یا دھواں نہ دکھائی دیتا،انہوں نے یہ نہ کیا اس لیے یہ حکم جاری ہوا۔اس لیے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حتی الامکان مسلمان مشرک کے گھر مہمان ہوکر بھی نہ رہے کہ خطرہ ہے۔دوسرے یہ کہ مسلمان کفار کی سی شکل یا لباس یا وضع قطع اختیار نہ کریں ورنہ لڑائی کے موقعہ پر ممکن ہے کہ مسلمان کے ہی ہاتھ سے مارے جائیں جیساکہ ہندوستان میں بار ہا ہوا کہ قربانی گائے یا محرم کے موقعہ پر جب ہندو مسلم فساد ہوئے تو بہت سے ہندو نما مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔تیسرے یہ کہ کفار کے ہاتھوں میں مسلمان قیدی جب موقعہ پائے تو بھاگ جائے وہاں ٹھہرے نہیں کہ خطرہ ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ایمان شب خونی سے آڑ ہے مؤمن اچانک نہیں مارتا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی مسلمان کسی کو بغیر تحقیق کیے اچانک نہیں قتل کرتا اسلام اس سے منع فرماتا ہے پہلے تحقیق کرلے کہ مؤمن ہے یا کافراور اگر کافر ہے تو ذمی یا مستامن یا حربی،جب پتہ لگ جائے کہ حربی کافر ہے تب اسے قتل کرتا ہے۔خیال رہے کہ اگر پہلے سے کسی کا کافر حربی ہونا معلوم ہو اور اسے قتل کی خبر دینے میں نقصان ہو تو اچانک قتل جائز ہے جیسے کعب ابن اشرف اورابو رافع وغیرہ کا قتل،یہاں نفی بمعنی نہی ہے۔

	روایت ہے حضرت جریر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جب غلام بھاگ جائے دارالحرب کی طرف تو اس کا خون حلال ہوگیا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی اگر مسلمان غلام مرتد نہ بھی ہو مسلمان ہی رہے مگر بھاگ کر دارالحرب پہنچ جائے پھر اسے کوئی قتل کردے تو اس قاتل پر کچھ لازم نہ ہوگاکہ اس قتل میں خود غلام کا قصور ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی اورآپ کی بدگوئی میں مشغول رہتی تھی ۱؎تو ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتی کہ وہ مرگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل فرمادیا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎اگرچہ وہ مدینہ منورہ میں ذمیہ ہوکر رہتی تھی مگر پھر بھی یہ حرکت کرتی تھی۔

۲؎یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کہ ذمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا ذمہ ٹوٹ جائے گا اور وہ حربی ہوجائے گا لہذا اس کے قتل پر نہ قصاص ہوگا نہ دیت،ہمارے ہاں اس حرکت سے ذمہ باطل نہ ہوگا کیونکہ حضور کی اہانت کفر ہے جب وہ پہلے سے ہی کافر ہے جب کہ خدا کو مانتا ہے مگر رہتا ہے ذمی تو اس کفر سے بھی ذمی ہی رہے گا،یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا اس کا قتل ذمہ ٹوٹنے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلمان کے دینی طیش کی بنا پر تھا جس بنا پر یہ حکم جاری ہوا۔

روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جادو گر کی سزا تلوار سے مار دینا ہے ۱؎(ترمذی)	

۱؎اگر جادو گر مسلمان ہو اوروہ جادو کرے جس میں کلمات کفریہ ہیں تب تو بوجہ مرتد ہوجانے کے قتل کے لائق ہےاور اگر کسی کو ہلاک کردے تو قصاصًا قتل کیا جائے گا۔جادو کرنے اور جادو سیکھنے کے احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے،ہم نے بھی اپنی تفسیر نعیمی پارہ اول میں بہت تفصیل سے عرض کیے ہیں۔خیال رہے کہ قاتل جادو گر ڈاکو کے حکم میں ہے اور جادو گر کی توبہ قبول ہے،دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے جادو گروں کی توبہ قبول ہوئی جیساکہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص سلطان اسلام پر خروج کرے اور میری امت میں پھوٹ ڈالے تو اس کی گردن مار دو ۱؎(نسائی)	

۱؎ اس سے مراد باغی ہے یعنی جو بغاوت کرے تو اولًا اس کو سمجھایا جائے پھر باز نہ آئے تو قتل کیا جائے،اگر باغیوں کی باقاعدہ جماعت ہو تو ان سے جنگ کی جائے جیساکہ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے جنگ کی۔باغی وہ ہے جو کسی غلط فہمی کی وجہ سے بادشاہ اسلام کی مخالفت کرے۔باغی اور خارجی کا فرق اور ان کے احکام کی تفصیل ہماری کتاب یعنی امیر معاویہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت شریک ابن شہاب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں آرزو کرتا تھا کہ کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں اور ان سے خارجیوں کے متعلق پوچھوں ۲؎ میں عید کے دن ابوبرزہ سے ان کے ساتھیوں کی جماعت میں ملا ۳؎ میں نے ان سے کہا کیاآپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خارجیوں کے متعلق کچھ ذکر فرماتے ہوئے سنا ہے ۴؎ فرمایا ہاں میں نے حضور کو اپنے کانوں سے فرماتے اور اپنی آنکھوں سے حضور کو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال لایا گیا ۵؎ آپ نے وہ مال تقسیم فرمایا تو اپنے داہنے بائیں والوں کو دیا اور اپنے پیچھے والوں کو کچھ نہ دیا ۶؎ توآپ کے پیچھے سے ایک شخص کھڑا ہوا بولا اے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)آپ نے تقسیم میں انصاف نہ کیا ۷؎ یہ کالا شخص تھا منڈے ہوئے بال اس پر دو سفید کپڑے تھے ۸؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے ۹؎ اور فرمایا کہ تم لوگ میرے سوا مجھ سے زیادہ عادل شخص کوئی نہ پاؤ گے ۱۰؎ پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی شاید یہ بھی ان میں سے ہے ۱۱؎ جو قرآن بہت پڑھیں گے جو ان کے گلے سے نہ اترے گا اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے ۱۲؎ ان کی علامت سر منڈانا ہے ۱۳؎ یہ نکلتے ہی رہیں گے ۱۴؎ حتی کہ ان کا آخری گروہ مسیح دجّال کے ساتھ نکلے گا ۱۵؎ تو جب تم ان سے ملو تو جان لو کہ یہ بدترین مخلوق ہیں ۱۶؎(نسائی)	

۱؎ ایک غیر مشہور تابعی ہیں،بصری ہیں،حرثی ہیں،آپ سے صرف ایک یہ حدیث مروی ہے،آپ سے ازرق ابن قیس نے روایت کی۔

۲؎ کہ اس فرقہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا کیونکہ اس زمانہ میں یہ فرقہ نمودار ہوا تھا اس کی تردید کے لیے اس قسم کی احادیث کی ضرورت تھی۔

۳؎ ابوبرزہ کا نام نصلہ ابن عبید ہے،اسلم قبیلہ سے ہیں،پرانے صحابہ سے ہیں،فتح مکہ کے دن ابن حنظل کوآپ نے ہی قتل کیا حضور کی وفات تک حضور کے ساتھ رہے،سرکار عالی کی وفات کے بعد بصرہ میں رہے پھر فتح خراسان میں شرکت فرمائی، ۶۰ھ میں مقام مرو میں وفات پائی،اس وقت حضرت ابوبرزہ کے ساتھ ان کے ہمرا ہی تھے جو تابعین سے تھے صرف آپ صحابی تھے باقی حضرات صحابی نہ تھے۔(مرقات)

۴؎ مقصد یہ ہے کہ آپ خوارج کے متعلق وہ حدیث مجھے سنا دیں بذات خودآپ نے جو سنی ہوتاکہ کچھ اس سے پوری تسلی تشفی ہو۔

۵؎ یا مال غنیمت یا کسی جگہ سے ٹیکس وغیرہ کا مال جو قابل تقسیم تھا۔

۶؎ شاید پیچھے والوں کو اس تقسیم میں حصہ نہ دینا اس لیے تھا کہ اس سے ان کا حال ظاہر ہوجائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا جیساکہ آگے آرہا ہے۔

۷؎ کیونکہ اس مال میں سب کا حصہ تھاآپ نے بعض کو دیا **نعوذ باللہ!**

۸؎ **مطموم** بنا ہے **طم** سے بمعنی جڑ سے اکھیڑ دینا،اس سے مراد ہے منڈے ہوئے بال۔(اشعہ ومرقات) سفید کپڑے فرماکر اس کا ظاہر صاف باطن گندا تھا کہ کپڑے سفید تھے دل و دماغ سیاہ تھا۔(مرقات)شعر

تن اُجلا من کالا بگلے کے سے بھیک　　اس سے تو کانگا بھلے کہ باہر بھیتر ایک

اللہ تعالٰی دل سفید نصیب کرے۔

۹؎ مگر اس کے باوجود بہت تحمل فرمایا کہ نہ اس کے قتل کا حکم دیا نہ اس پر کوئی اور سختی فرمائی ورنہ یہ مرتد لائق قتل تھا کیونکہ حضور اقدس کے کسی فعل کا حقارت کی نظر سے دیکھنا اورآپ پر ظلم کا اتہام لگانا کفر ہے اس کو قتل نہ کرنے کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۱۰؎ یہاں **بعد** بمعنی سواء ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور سے بڑھ کریا حضور کے برابر عادل نہ حضور کے زمانہ میں تھا نہ بعد۔

۱۱؎ حضور کا یہ شاید فرمانا یقین کے لیے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"**لَعَلَّ اللّٰهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا**"یعنی یہ ان لوگوں کے سرداروں امیروں میں سے ہے۔

۱۲؎ جو لوگ خوارج کو کافر نہیں کہتے صرف گمراہ کہتے ہیں وہ یہاں اسلام کے معنے کرتے ہیں سلطان کی اطاعت مگر یہ ضعیف ہے کیونکہ دوسری روایت میں بجائے اسلام کے دین ارشاد ہوا ہے یعنی وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شرکار سے،اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے۔

۱۳؎ خدا کی پناہ ہر جگہ خوارج کی پہچان سر منڈانا ارشاد ہوئی جیساکہ پہلے گزر چکا۔

۱۴؎ اور دنیا میں فساد پھیلاتے ہی رہیں گے یہ کبھی فنا نہ ہوں گے اور ان کی فساد انگیزی ختم نہ ہوگی۔ (مرقات)

۱۵؎ یعنی یہ ہمیشہ مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے اور کفارومشرکین کے ساتھی رہیں گے حتی کہ جب دجال نکلے گا تو اس کے ساتھی اس کے حمایتی یہ ہی لوگ ہوں گے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی اب تک ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہابیوں کے حملے ہمیشہ مسلمانوں پر ہوئے اور کانگریس کے حمایتی ہندوؤں کے دوست ہمیشہ یہ ہی حضرات رہے،نجدیوں نے مسلمانوں بلکہ صحابہ کرام اہل بیت عظام کی قبور ڈھادیں مگر جواہر لعل نہرو کو رسول السلامۃ کا خطاب دیا،اس کی اور گاندھی کی شان میں عربی کتابیں لکھیں چھاپیں اور حرمین طیبین میں درسًا پڑھائیں۔خبر ملی ہے کہ یوپی میں بریلی میں ایک وہابی صاحب نے ہندوؤں کے لیے مندر تعمیر کرایا ہے جس پر اپنی جیب سے قریبًا اسی[۸۰] ہزار روپیہ خرچ کیا ہے،پاکستانی اخبارات نے یہ خبر چھاپی،ان بزرگوں کو شرک سے ظاہری نفرت مگر مشرکوں سے محبت ہے،یہ ہے اس حدیث پاک کا ظہور۔

۱۶؎ فاذا کی خبر یا تو **فاعلموا** یا **فاقتلوا** ہے جیساکہ دوسری احادیث میں وارد ہے۔خیال رہے کہ یا تو **خلق** اور **خلیقه** ایک ہی معنے میں ہیں یا **خلق** سے مراد انسان ہیں اور **خلیقه** سے مراد دوسری مخلوق یعنی یہ لوگ تمام مخلوق سے بدترین ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"**اُولٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّةِ**"۔

روایت ہے حضرت ابو غالب سے ۱؎ کہ حضرت ابو امامہ نے ۲؎ کچھ سر دمشق کے راستہ پر لٹکے دیکھے ۳؎ تو ابو امامہ نے فرمایا کہ دوزخ کے کتے ہیں ۴؎ آسمان کی وسعت کے نیچے بدتر مقتولین ہیں بہترین مقتول وہ ہیں جس کو یہ قتل کریں ۵؎ پھر پڑھا کچھ منہ اس دن سفید ہوں گے اور کچھ منہ سیاہ،پوری آیت ۶؎ ابوامامہ سے پوچھا گیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرمایا اگر میں نے حضور کو ایک بار یا دو بار تین بار حتی کہ سات بار گِنا فرماتے نہ سنا ہوتا تو میں تم سے روایت نہ کرتا ۷؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔	

۱؎ آپ تابعی ہیں،بصری باھلی ہیں،آپ کا نام حزور ہے،آپ کو عبدالرحمٰن حضرمی نے آزاد کیا،بعض محدثین نے آپ کو ضعیف کہا بعض نے قوی کہا۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں،اولًا مصر میں پھر حمص میں رہے،وہاں ہی انتقال فرمایا،شام کے آخری صحابی آپ ہیں یعنی سب سے آخر،وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

۳؎ یہ سر خارجیوں کے تھے جو غالبًا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے،یہ حضرت علی،امام حسنین،فاطمہ زہراء،عثمان غنی،امیر معاویہ کے بدترین دشمن ہیں۔

۴؎یعنی یہ خارجی دوزخ میں کتوں کی شکل میں جائیں گے یا وہ دوزخیوں کے نزدیک بھی وہاں کتوں کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے،پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں۔(مرقات)

۵؎یعنی جو غازی انہیں مارے وہ بہترین غازی ہےاور جو شہیدان کے ہاتھوں شہید ہو وہ بہترین شہید اور یہ خود بدترین مقتولین۔

۶؎اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو امامہ کے نزدیک خارجی لوگ مرتد خارجی از اسلام کفار ہیں بعض نے انہیں بدعتی گمراہ اہل ھوا فرمایا۔(مرقات)

۷؎یعنی ابو غالب نے حضرت ابو امامہ سے پوچھا کہ آپ کا یہ ارشاد اپنا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خوارج دوزخ کے کتے وغیرہ ہیں توآپ نے فرمایا کہ دوسری احادیث تو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ایک بار سنی ہوں گی مگر یہ فرمان عالی خوارج کے متعلق سات بار سنا ہے تب میں یہ روایت کررہا ہوں۔معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ رسالت میں ان مردودوں کی برائیاں اکثر بیان ہوتی تھیں۔

کتاب الحدود

مقررہ سزاؤں کا بیانہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎حدود جمع ہے حد کی،لغت میں حد کے معنے ہیں آڑ یا منع اسی لیے دربانچی یعنی بوّاب کو عربی میں حداد بھی کہتے ہیں۔اصطلاح میں جرم کی شرعی مقررہ سزا کو حد کہتے ہیں کہ یہ بھی لوگوں کو جرموں سے روکتی ہے کبھی حرام چیزوں کو بھی حدود کہا جاتاہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا"کیونکہ یہ محرمات سزاؤں کا سبب ہیں،اسلام میں زنا کی سزا رجم ہے یا سو ۱۰۰ کوڑے،چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا،شراب پینے کی سزا اسی ۸۰ کوڑے،پاکدامن آزاد عورت کو تہمت لگانے کی سزا بھی اسی ۸۰ کوڑے،ڈکیتی کی سزا سولی وغیرہ ہے،قتل کی سزا قصاص حد شرعی ہیں،باقی جوئے وغیرہ جرموں میں حد نہیں تعزیر ہے کہ حاکم جو چاہے سزا دے۔حق یہ ہے کہ شرعی حدود اس گناہ کا کفارہ نہیں اور ان سے اخروی عذاب دفع نہ ہوگا۔چنانچہ قرآن کریم ڈاکوؤں کے متعلق فرماتاہے:"لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا"۔معلوم ہوا کہ ڈاکو کی سولی دنیاوی رسوائی ہے اخروی سزا اس کے علاوہ ہے جو توبہ سے دفع ہوسکتی ہے۔بخاری شریف وغیرہ میں جو ہے کہ جسے ان جرموں کی سزا دینا میں دے دی گئی فھو کفارۃ لہ وہ اس کا کفارہ بن گئی،وہاں وہ سزا مراد ہے جو توبہ کے ساتھ ہو،مجرم خود حاکم کے سامنے سزا لینے حاضر ہوجائے۔(ازمرقات وغیرہ)جیسے صحابہ کرام جرم کے بعد خود آکر عرض کرتے تھے طھّرنی یارسول اللہ حضور مجھے پاک فرمادو۔خیال رہے کہ حاکم کسی مجرم کو اپنے خصوصی علم کی بنا پر سزا نہیں دے سکتا جب تک کہ گواہی یا اقرار سے اس کا ثبوت نہ ہوجائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ"۔یہ ہی احناف اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور زید ابن خالد سے ۱؎کہ دو شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کیا تو ان میں سے ایک بولا کہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ فرمادیجئے ۲؎اور دوسرا بولا ہاں یا رسول اللہ پس ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ فرمایئے اور مجھے عرض کرنے کی اجازت	

	دیجئے ۳؎ فرمایا بولو عرض کیا میرا بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا ۴؎ تو اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کرلیا مجھے لوگوں نے خبر دی کہ میرے بیٹے پر رجم (سنگساری) ہے ۵؎ تو میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک اپنی اونٹنی کا فدیہ دے دیا ۶؎ پھر میں نے علماء سے پوچھا ۷؎ انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کا دیس نکالا ہے اور سنگساری اس کی بیوی پر ہے ۸؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ رہو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا ۹؎ رہیں تیری بکریاں اور لونڈی وہ تجھ پر واپس ہوں گی ۱۰؎ لیکن تیرا بیٹا تو اس پر سو کوڑے اور ایک سال دیس نکالا ہے ۱۱؎ اور اے انیس ۱۲؎ کل صبح تم اس کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرے تو اسے سنگسار کردو تو اس نے اقرار کرلیا چنانچہ اسے رجم کیا ۱۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ جہنی ہیں،مشہور صحابی ہیں،پچاسی سال عمر پائی،عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۷۸ھ میں وفات پائی،کوفہ میں فوت ہوئے وہاں ہی قبر شریف ہے۔(اشعہ)

۲؎ شاید یہ دونوں حضرات کہیں باہر کے تھے جو آداب دربار عالیہ سے واقف نہ تھے اس لیے یہ عرض کیا ورنہ حضور کا فیصلہ کتاب اللہ پر موقوف نہیں جو زبان شریف سے نکلے وہ ہی فیصلہ شرعیہ ہے۔

۳؎ شاید یہ شخص دوسرے سے زیادہ قادر الکلام تھا یا اس کے بیٹے نے زنا کا اقرار کرلیا تھا اور دوسرے کی بیوی نے اقرار نہ کیا تھا اس لیے اس نے خیال کیا کہ بیانِ جرم کے لیے میں ہی موزوں ہوں۔

۴؎ علیٰ ھٰذا کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام کرچکا تھا اور اس کی مزدوری اس کے ذمہ لازم ہوچکی تھی،اگر لھٰذا ہوتا تو یہ مدعٰی حاصل نہ ہوتا۔(مرقات)

۵؎ یعنی بعض صحابہ نے میرے کنوارے بیٹے پر زنا کی وجہ سے رجم کا حکم دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے مفضول سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے،دیکھو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس نے صحابہ سے مسئلہ پوچھا،یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مسئلہ میں غلطی ہوجائے تو افضل اس کی اصلاح کردے،دیکھو یہ مسئلہ غلط بتایا گیا تھا جس کی اصلاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔

۶؎ یہ ان صحابی کا اپنا اجتہاد تھا یہ سمجھے کہ جیسے قتل میں قاتل سو اونٹ فدیہ دے کر قصاص سے بچ سکتا ہے میرا بیٹا بھی اس فدیہ کی بنا پر رجم سے بچ سکے گا۔
۷؎ یعنی بڑے علماء صحابہ سے پوچھا۔
۸؎ کیونکہ ان کا بیٹا کنوارا تھا اور دوسرے کی بیوی شادی شدہ،محصنہ کنوارے زانی کی سزا کوڑے ہیں اور شادی شدہ محصنہ کی سزا رجم ہے۔
۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے قرآن مجید میں رجم کی آیت تھی"الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما نكالاً من الله والله عزیز حكیم"،پھر بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہوئی حکم باقی رہا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ہم قرآن سے فیصلہ فرمائیں گے پھر رجم کا حکم دیا،بعض نے فرمایا کہ حکم رجم اس آیت سے حضور نے نکالا"وَالَّذَانِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا"جو زنا کرلیں انہیں ایذاء دو،ایذاء میں رجم بھی داخل ہے۔(مرقات)مگر فقیر کے نزدیک یہ دونوں قول ضعیف ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زانی لڑکے پر سو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کے دیس نکالے کی بھی سزا دے رہے ہیں یہ قرآن کریم میں نہ تھا نہ اب ہے۔حق یہ ہے کہ حضور کا ہر حکم در حقیقت حکم قرآنی ہے کہ رب نے فرمایا:"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم قرآنی حکم ہے حضور ناطق قرآن ہیں۔
۱۰؎ غالبًا اس شخص نے یہ بکریاں اور لونڈی خیرات نہ کی تھیں ورنہ صدقہ و خیرات دے کر واپس نہیں ہوسکتی بلکہ عورت کے خاوند اور اس کے عزیزوں کو دی ہوں گی کیونکہ ان کی آبروریزی ہوئی جیسے قاتل مقتول کے ورثاء کو دیت دیتا ہے۔
۱۱؎ سو کوڑے تو حد کے طور پر اور ایک سال کا دیس نکالا بطور تعزیر کہ اگر امام اس میں مصلحت دیکھے تو یہ سزا بھی دے یہ ہی ہمارا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں یہ بھی حد ہے مگر امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ حضرت عمر نے ایک بار زانی کو دیس نکالا دیا وہ کفار سے جا ملا تو آپ نے پھر یہ سزا نہ دی،اگر یہ بھی حد ہوتی تو آپ اسے بند نہ کرتے دیکھو طحاوی شریف،نیز کبھی دیس نکالا مضر بھی ہوتا ہے کہ زانی باہر جاکر اور آزاد ہوجاتا ہے اس لیے اگر مفید ہو تو یہ سزا دی جائے۔
۱۲؎ ان کا نام انس ابن ضحاک اسلمی ہے،محبت وپیار میں انیس تصغیر سے فرمایا۔
۱۳؎ اقرار سے مراد شرعی اقرار ہے یعنی چار بار۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اقرار نامہ زنا سلطان اسلام کے سامنے ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے نائب کے سامنے بھی ہوسکتا ہے۔دوسرے یہ کہ زانی کے رجم کے وقت سلطان کی موجودگی ضروری نہیں،نائب سلطان کی حاضری گویا سلطان ہی کی حاضری ہے۔تیسرے یہ کہ فریقین میں سے ایک کے بیان پر بھی قاضی کفایت کرسکتا ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس ایک شخص کا بیان سنا عورت کے خاوند کا بیان نہ لیا،ہاں دوسرے ملزم کو سزا اس کے اقرار پر دی،حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جب فرشتے مدعی و مدعیٰ علیہ کی شکل میں حاضر ہوئے تو آپ نے ایک کا بیان سن کر فرمادیا کہ یہ دوسرا ظالم ہے جو اپنے

پاس ننانوے بکریوں ہوتے ہوئے تیری ایک بکری مانگتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہندہ کا بیان سن کر حکم دیا کہ ابو سفیان کی جیب سے بقدر ضرورت خرچ لے لیا کرو۔بعض نے فرمایا کہ فتویٰ اور قضاء میں فرق ہے،فتویٰ ایک بیان پر ہوسکتا ہے،امام شافعی نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ چوری و قتل کی طرح زنا میں بھی ایک اقرار کافی ہے کیونکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار اقراروں کی شرط نہ لگائی مگر یہ دلیل بہت کمزور ہے کیونکہ حضرت ماعز کی روایت میں چار اقراروں کی تصریح ہے اور یہاں ایک اقرار کی تصریح نہیں لہذا یہاں بھی شرعی اقرار مراد ہے یعنی چار بار،مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ اس کے متعلق جو بغیر محصن ہوئے زنا کرے ۱؎ ایک سو کوڑے اور ایک سال دیس نکالا کا حکم دیتے تھے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ شریعت میں محصن وہ ہے جو مسلمان آزاد عاقل بالغ ہواور بذریعہ نکاح صحیح صحبت کرچکا ہو اگر ان میں سے ایک چیز نہ ہو تو غیر محصن ہے غیر محصن زانی کی سزا سو کوڑے ہیں۔

۲؎ خیال رہے کہ احناف کے نزدیک ایک سال کا دیس نکالا بطور تعزیر ہے حد صرف سو کوڑے ہیں لہذا یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں"اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وٰحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ"۔کوڑا کیسا ہو اور کس طرح مارا جائے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اس سزا میں زانی کو مرنے نہ دیا جائے گا اگر بہت کمزور ہو کہ کوڑوں سے مرجانے کا خطرہ ہو تو نرم مار ماری جائے گی اور دماغ دل شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں گے کہ اس سے مرجانے کا خطرہ ہے اسی طرح حاملہ بالزنا کنواری کو بحالت خطرہ حمل کوڑے نہ مارے جائیں حمل جننے کے بعد قوت آجانے پر مارے جائیں گے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالٰی نے حضور محمد کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب اتاری تو ان آیات میں جو اللہ نے اتاریں رجم کی آیت تھی ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا ۲؎ اور رجم کتاب اللہ میں ہے حق ہے ۳؎ زنا کرنے والے مردوں عورتوں پر جب کہ محصن ہوں جب کہ گواہ قائم ہوجائیں یا حمل ہو یا اقرار ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ وہ آیت یہ تھی"الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم"شیخ اور شیخہ سے مراد محصن اور محصنہ ہیں پھر یہ آیت حضور کے زمانہ میں ہی تلاوت میں منسوخ ہوگئی حکمًا باقی رہی۔

۲؎ یعنی رجم کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ اجماع امت سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے۔
۳؎ اس جملہ کے چند معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ آیت رجم قرآن مجید میں تھی یہ حق و صحیح ہے۔دوسرے یہ کہ حکم رجم اب بھی قرآن مجید میں ہے حق ہے کیونکہ آیت رجم کی صرف تلاوت منسوخ ہوئی ہے حکم منسوخ نہیں ہوا۔تیسرے یہ کہ اب بھی بعض آیات سے حکم رجم نکل سکتا ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:" فَاٰذُوۡھُمَا"دونوں زانی و زانیہ کو ایذا دو،رجم بھی ایذاء ہے۔چوتھے یہ کہ حدیث شریف میں اب بھی رجم کا حکم موجود ہے اور حضور کا فرمان قرآن مجید کا ہی فرمان ہے۔
۴؎ یعنی زانی محصن کو رجم کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا زنا شرعی طریقے سے ثابت ہو،چار مرد مسلمانوں کی گواہی جو زنا کا مشاہدہ کریں یا غیر خاوند والی عورت کو حمل قائم ہوجائے خواہ کنواری ہو خواہ بیوہ خواہ خاوند والی مگر خاوند مفقود یا غائب شرعی ہو یا شرعی اقرار ہو چار باراس کے بغیر رجم نہیں کیا جاسکتا۔خیال رہے کہ جیسے نمازوں کی رکعتیں،زکوۃ کی مقدار قرآن مجید میں نموجود مگر حق ہے اس کا انکار کفر ہے ایسے ہی رجم اگرچہ اب قرآن مجید میں موجود نہیں مگر حق ہے۔خیال رہے کہ خوارج کے سواء کسی فرقہ اسلامیہ نے رجم کا انکار نہ کیا انکا انکار محض باطل ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو ۱؎ اللہ تعالٰی نے ان عورتوں کے لیے طریقہ مقرر فرمادیا ۲؎ کنوارا کنواری سے زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کا دیس نکالا ۳؎ بیاہا بیاہی سے کرے تو سو کوڑے اور رجم ۴؎(مسلم)

۱؎ یعنی زنا کی سزا کا حکم مجھ سے حاصل کرو۔
۲؎ اس فرمان عالی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:"فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا"یعنی جس راہ نکالنے کا رب تعالٰی نے وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرمادیا۔خیال رہے کہ زنا میں اصل داعی عورت ہے اس لیے قرآن کریم نے بھی اور حدیث پاک نے بھی لھنّ فرمایا،زنا عورت کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا لہذا یہ فرمان عالی بالکل حق ہے۔
۳؎ اس طرح کہ سو کوڑے تو اس زنا کی سزا ہے اور دیس نکالا تعزیر،اگر قاضی مناسب جانے تو نکالے ورنہ نہیں جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔
۴؎ اس پر جمہور علماء ہیں کہ کوڑے اور رجم جمع نہیں ہوسکتے لہذا یہ جملہ منسوخ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو صرف رجم کیا کوڑے نہ لگائے۔خیال رہے کہ یہاں زنا کی دو صورتیں بیان ہوئیں اور دو کا ذکر نہیں ہوا:کنوارا کنواری سے زنا کرے،بیاہا بیاہی سے زنا کرے،پہلی صورت میں دونوں کو کوڑے،دوسری صورت میں دونوں کو رجم۔کنوارا بیاہی سے،بیاہا کنواری سے ان کا ذکر نہ ہوا کیونکہ ان کا حکم بالکل ظاہر ہے کہ کنوارے کو کوڑے اور بیاہے کو رجم جیساکہ ابھی

مزدور کی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوارے لڑکے کو سو۱۰۰ کوڑے لگوائے عورت شادی شدہ کو رجم کرایا۔اس حدیث کی بنا پر حضرت علی اور بعض شوافع فرماتے ہیں کہ محصن زانی کو کوڑے بھی لگائے جائیں اور رجم بھی کیا جائے مگر جمہور علماء صرف رجم کے قائل ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو،غامدیہ کو،مزدور والی عورت کو رجم کرایا۔احصان میں چند شرطیں ہیں:مسلمان ہونا،آزاد ہونا،بالغ ہونا،عاقل ہونا،نکاح صحیح سے ایک بار صحبت کرچکنا لہٰذا کافر بچہ دیوانہ،غلام اور کنوارا محصن نہیں۔کافر میں امام شافعی کا اختلاف ہے ہمارے ہاں دیس نکالا سزا شرعی نہیں،امام شافعی کے ہاں شرعی سزا ہے،اگر حاکم عورت زانیہ کو دیس نکالا دے تو کسی محرم کے ساتھ بھیجے گا اس کا خرچ اس عورت پر ہوگا،اس کی تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ زانی وزانیہ کے لیے دیس نکالا بڑے فتنہ کا باعث ہے،عبدالرزاق نے حضرت ابن مسیب سے روایت کی کہ حضرت عمر نے کسی شرابی کو مدینہ سے نکال کر خیبر بھیج دیا تو وہ مرتد ہوکر روم چلا گیا،آپ نے فرمایا کہ آئندہ میں کسی مسلمان کو دیس نکالا نہ دوں گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ذکر کرنے لگے کہ ان میں ایک مرد وعورت نے زنا کرلیا۱ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رجم کے متعلق تورات میں کیا پاتے ہو وہ بولے ہم ان کو رسوا کریں اور ان کو سو کوڑے مارے جائیں۲ عبداللہ ابن سلام نے فرمایا ۳ تم جھوٹ بولتے ہو یقینًا اس میں رجم ہے چنانچہ وہ تورات لائے اسے کھولا تو ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور اس کے آگے پیچھے پڑھ دیا ۴ تو عبداللہ ابن سلام نے فرمایا اپنا ہاتھ اٹھا اس نے اٹھایا تو وہاں رجم کی آیت تھی بولے اے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے سچ کہا اس میں رجم کی آیت ہے ۵ تو ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ رجم کیے گئے ۶ اور ایک روایت میں ہے فرمایا اپنا ہاتھ اٹھا اس نے اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت چمک رہی تھی تو وہ بولا اے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)بے شک اس میں رجم کی آیت ہے لیکن ہم لوگ آپس میں اسے چھپاتے تھے ۷ چنانچہ ان کے متعلق حکم دیا وہ رجم کیے گئے	

	۸؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی زانی مرد بھی یہودی ہے اور زانیہ عورت بھی،شاید یہ لوگ ان کا فیصلہ کرانے حضور کی بارگاہ میں آئے تھے جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎یعنی بحکم توریت رسوا کرنے کی صورت ہم مقرر کریں گے اور کوڑے رب کی طرف سے مقرر ہیں اسی لیے **نفضح** متکلم معروف کہا اور **یجلدون** مجہول غائب۔

۳؎آپ مشہور صحابی ہیں،پہلے پایہ کے علماء یہود سے تھے،آپ کی کنیت ابو یوسف ہے،حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اس لیے یہود میں آپ کی بڑی عزت تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لاتے ہی آپ ایمان لے آئے،آپ نے ۴۳ھ ہجری کو مدینہ میں وفات پائی۔(اکمال)

۴؎یہ حرکت عبداللہ ابن صوریا یہودی نے کی۔غالبًا توریت شریف میں رسوا کرکے رجم کرنے کا حکم ہوگا اس نے رسوا کرنے کی آیت تو سنا دی مگر رجم کی آیت اپنے ہاتھ تلے چھپالی۔

۵؎نہایت بے غیرتی سے اقرار کرلیا،بعض روایات میں ہے کہ اس نے صاف مان لیا کہ ہم لوگ غریب کو رجم کردیتے ہیں امیر کو رجم سے بچالیتے ہیں۔

۶؎اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ **احصان** کے لیے اسلام شرط نہیں،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودی زانیوں کو رجم کرایا حالانکہ وہ مسلمان نہ تھے،امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو رجم کرانا بحکم اسلام نہ تھا بلکہ بحکم توریت تھا،حاکم اسلام کفار ملزمین پر ان کے دین کے احکام جاری کر سکتا ہے۔چنانچہ کفار کی میراث انہی کے مذہب کے مطابق تقسیم کرے گا ورنہ باقاعدہ اسلام اس زنا کے ثبوت کے لیے چار شرعی گواہ چاہیے تھے یعنی مسلمان متقی پرہیزگار گواہ بھی نہ لیے گئے اور ان سے توریت لانے کا مطالبہ فرمایا گیا اگر بحکم اسلام رجم ہوتا تو توریت منگانے کی ضرورت نہ تھی اور بھی اس قسم کی توجیہیں کی گئیں ہیں مگر فقیر کے نزدیک یہ توجیہ قوی ہے۔اسحاق ابن راہویہ نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا روایت کی **من اشرك باللہ فلیس بمحصن** کافر محصن نہیں،دارقطنی نے یہ ہی روایت موقوفًا نقل فرمائی۔(مرقات)

۷؎یعنی آیت رجم توریت سے نکالی نہیں بلکہ چھپالی تھی تاکہ جو مال نہ دے اسے یہ آیت دکھا کر رجم کردیں اور جو مال دے دے اسے رجم سے بچالیں۔

۸؎اس حدیث کی بنا پر امام شافعی اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ ذمی کافر اگر زنا کرے تو اسے رجم کیا جائے گا۔امام اعظم کے نزدیک اسے سو۱۰۰ کوڑے مارے جائیں گے رجم نہ کیا جائے گا۔خیال رہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنا سیاسی حکم ہے اس لیے ذمی کفار اگرچوری کریں تو ان کے بھی ہاتھ کٹیں گے مگر رجم کفارۂ گناہ بھی ہے اس لیے کفار زانی کو رجم نہ کیا جائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تھے تو پکارا یارسول اللہ میں نے زنا کیا ہے

	۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا تو وہ آپ کے چہرہ انور کے اس رخ کی طرف آیا جس طرف آپ نے منہ پھیرا تھا عرض کیا میں نے زنا کیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا پھر جب چار گواہیاں دے چکا۲؎ تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا فرمایا کیا تجھے دیوانگی ہے۳؎ بولا نہیں فرمایا کیا تو محصن ہوچکا ہے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ۴؎ فرمایا اسے لے جاؤ رجم کردو ۵؎ ابن شہاب نے فرمایا ۶؎ کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو فرماتے سنا کہ پھر ہم نے اسے مدینہ میں رجم کیا جب اسے پتھر لگے تو بھاگ گیا ۷؎ تاآنکہ ہم نے اسے حرہ میں پکڑلیا ۸؎ پھر رجم کیا حتی کہ وہ مر گیا۔(مسلم،بخاری)اور بخاری کی روایت میں حضرت جابر سے **قال نعم** کے بعد یوں ہے کہ اس کے متعلق حکم دیا وہ جنازہ گاہ میں رجم کیا گیا ۹؎ پھر جب اسے پتھر لگے تو بھاگ گیا پھر پکڑ لیا گیا رجم کیا گیا ۱۰؎ حتی کہ مرگیا پھر اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ خیر فرمایا اور اس پر نماز پڑھی ۱۱؎

۱؎ لہذا مجھے رجم کردیجئے تاکہ میں اس گندگی سے پاک ہوجاؤں۔**سبحان اللہ**! یہ ہے خوف خدا ہم لوگ اپنا جرم چھپانے کی کوشش کرتے ہیں وہ حضرات معافی کی کوشش کرتے تھے۔اس نداء سے معلوم ہوا کہ رجم صرف حاکم اسلام کرسکتا ہے دوسرے نہیں کہ ان حضرات نے کسی اور صحابی سے نہ عرض کیا سیدھے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

۲؎ یہاں گواہی سے مراد اقرار ہے کیونکہ یہ اقرار گواہی کے قائم مقام ہے،چونکہ زنا میں چار گواہیاں درکار ہیں اس لیے اقرار بھی چار بار لازم ہے اب بھی حاکم کو یہ ہی چاہیئے۔اس حدیث کی بناء پر ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ زنا میں چار اقرار چار جگہ میں چاہئیں،بعض آئمہ کے نزدیک چار اقرار ایک جگہ میں ہی کافی ہیں،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے چار جانب چار اقرار کرائے۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ یہاں **دعا** بمعنی سأل ہے یعنی ان چار اقراروں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دو سوال فرمائے۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ مجنون کا اقرار معتبر نہیں ایک روایت میں ہے کہ فرمایا دیکھو یہ نشہ میں تو نہیں ہے اس کا منہ سونگھا گیا تو نشہ میں نہ تھا کیونکہ مدہوش بے ہوش کا بھی اقرار غیر معتبر ہے۔

۴؎امام نووی نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام رجم کے شرائط کی تحقیق کرے اور احصان بھی اقرار سے ثابت ہوجاتا ہے اگر اقرار زنا کے بعد ملزم اپنے اقرار سے پھر جائے تو رجم نہیں کیا جائے گا،یہ بھی معلوم ہوا کہ اقرار زنا کے لیے مزنیہ عورت کا نام لینا ضروری نہیں نہ امام اس سے یہ پوچھے اور اگر وہ کسی عورت کا نام لے بھی تب بھی وہ اس ملزم کے اقرار سے رجم نہیں کی جائے گی کیونکہ ہر شخص کا اقرار اپنے متعلق ہوسکتا ہے عورت خود اقرار کرے تو سزا پائے گی۔

۵؎معلوم ہوا کہ محصن زانی کو صرف رجم کیا جائے گا کوڑے نہ مارے جائیں گے،یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کی ناسخ ہے جس میں کوڑوں کا بھی حکم ہے۔

۶؎ابن شہاب کا نام امام زہری ہے،آپ تابعی ہیں یعنی میں نے حضرت جابر سے خود نہ سنا کسی اور صحابی یا تابعی سے سنا ہے چونکہ امام زہری بڑے پایہ کے محدث ہیں اس لیے ان کا یہ ابہام حدیث کو ضعیف نہ کردے گا کہ اتنا بڑا محدث ثقہ سے ہی روایت کرے گا امام بخاری کی تعلیق بھی معتبر ہے۔

۷؎اس سے معلوم ہوا کہ مرد زانی کو باندھ کر یا گاڑھ کر رجم نہ کیا جائے گا ورنہ وہ بھاگ نہ سکتا البتہ عورت کا نصف حصہ گاڑھ کر رجم کیا جاوے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدی عورت کو گاڑھ کر رجم فرمایا تھا کیونکہ مرد کی رجم کی شہرت چاہیے اسی لیے شہر میں بلکہ بازار میں رجم کیا جاوے،عورت کے پردہ کا لحاظ رکھا جائے،کوڑے بھی سب کے سامنے مارے جائیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ لْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔

۸؎حرہ کے معنے ہیں پتھریلی زمین،مدینہ منورہ میں مدینہ پاک کے دو پہاڑوں کے درمیان کی زمین حرہ کہلاتی ہے یہ جگہ شہر سے متصل ہے۔

۹؎یہ جنازگاہ جنت البقیع قبرستان میں تھا۔معلوم ہوا کہ جنازگاہ پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے،دیکھو مسجد میں رجم حرام ہے کہ اس سے مسجد خون سے لتھڑ جائے گی مگر جنازہ گاہ میں جائز ہے،اسی طرح جنازہ گاہ میں جنبی آسکتا ہے یہاں مصلی سے مراد نماز جنازہ کی جگہ ہے۔(مرقات) اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ یہ جنازہ گاہ مسجد نبوی سے متصل ایک چبوترا تھا جو نماز جنازہ کے لیے مقرر تھا مگر مرقات کا قول قوی ہے۔

۱۰؎خیال رہے کہ اقراری زانی اگر رجم کے دوران میں بھاگ جائے تو ہمارے امام اعظم کے نزدیک اسے چھوڑ دیا جائے گا کہ یہ بھاگنا اپنے اقرار سے پھر جانا ہے اور اقرار زنا میں پھر جانا قبول ہے،امام شافعی کے ہاں اس صورت میں رجم بند کردیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا اگر اپنے اقرار پر قائم رہے تو رجم کیا جائے گا اگر اقرار سے پھر جائے تو چھوڑ دیا جائے گا،ہماری دلیل وہ حدیث ابوداؤد کی ہے کہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھلا ترکتموہ تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا مگر چونکہ حد کا ثبوت صراحۃً اقرار سے ہوچکا تھا اور رجوع اقرار صراحۃً نہ تھا اس لیے وہ رجم کردینے والے صحابہ معذور سمجھے گئے اور ان پر قصاص یا دیت لازم نہ فرمائی۔امام مالک نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ ایسی حالت میں بھاگ جانے پر بھی رجم کیا جائے گا وہ اس حدیث کے ظاہر سے دلیل لیتے ہیں۔

۱؎ یعنی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور اس کی نماز جنازہ خود پڑھی یا صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا،اس جملہ کی اور بھی شرحیں ہوسکتی ہیں مگر یہ شرح ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب ماعزابن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۱؎ تو آپ نے ان سے فرمایا شاید تو نے بوسہ لے لیا ہوگا یا اشارہ کیا ہوگا ۲؎ یا دیکھ لیا ہوگا عرض کیا نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تو کیا تو نے اس سے صحبت کرلی کنایۃً ۳؎ عرض کیا ہاں تو اس وقت ان کے رجم کا حکم دیا ۴؎

۱؎ آپ اہلِ مدینہ سے ہیں،صحابی اسلمی ہیں،آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے حق تعالٰی نے ان کو اعلیٰ درجہ کی توبہ کی توفیق بخشی ان کے طفیل رب تعالٰی ہمیں بھی توبہ مقبول کی توفیق بخشے۔

۲؎ ہاتھ سے اشارہ کیا ہوگا یا ہاتھ سے اس کا جسم دباکر چھوڑ دیا ہوگا اور اس حرکت کو زنا سمجھ کر تم نے یہ اقرار کرلیا ہوگا۔

۳؎ نکت بنا ہے نیك سے،ضرب کا ماضی ہے ناك ینیك اسم فاعل نائك ہے،مبالغہ نیاك۔عربی میں صحبت و جماع،وطی وغیرہ تو کنایہ کے لفظ ہیں مگر یہ لفظ اسی کام کے لیے صریح ہے جیسے اردو میں چودنا اور فارسی میں گائیدن،چونکہ حد میں یقین جرم چاہیے کنایات میں شبہ ہوتا ہے اس لیے حضور انور نے بین لفظ سے اقرار کرایا۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم اقراری زانی کو اقرار سے بچ جانے کی اشارۃً تلقین کرے کیونکہ حدود حتی الامکان دفع کیے جائیں اور حقوق حتی المقدور ادا کرائے جائیں جیسے زکوۃ کفارہ قرض وغیرہ۔(مرقات)

۴؎ ابوداؤد،نسائی اور عبدالرزاق نے اس روایت میں یہ زائد فرمایا کہ حضور نے انکتھا کے ساتھ فرمایا کہ تیرا یہ اس عورت کی اس میں غائب ہوگیا ماعز نے عرض کیا ہاں جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور کنویں میں رسی داخل ہوجاتی ہے پھر پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے کہ زنا کہتے کسے ہیں۔ماعز نے عرض کیا حضور جو کام خاوند اپنی بیوی سے حلال کرتا ہے وہ ہی کام میں نے اس سے حرام کیا فرمایا تو یہ باتیں کیوں کرتا ہے ماعز بولے تاکہ آپ مجھے پاک فرمادیں تب آپ نے رجم کا حکم دیا،بعد رجم دو شخصوں کو کہتے سنا کہ ماعز کتے کی موت مارا گیا،حضور نے فرمایا تم اس مقبول بارگاہ الٰہی کی غیبت کررہے ہو اور وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگارہا ہے۔(مرقات)کریم کے کرم کے قربان۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ ماعزابن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے بولے یا رسول اللہ مجھے پاک فرمادو ۱؎ تو فرمایا افسوس ہے ارے لوٹ جا اللہ سے معافی مانگ لے اور توبہ کرلے ۲؎ فرماتے ہیں وہ تھوڑی دور لوٹے پھر آگئے

عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک فرمادو
۳؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا
حتی کہ جب چوتھی بار ہوئی تب اس سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا میں تجھے کس چیز سے پاک
کروں ۴؎ عرض کیا زنا سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے کیا اسے دیوانگی ہے ۵؎ خبر دی گئی کہ اسے
دیوانگی نہیں پھر فرمایا کیا اس نے شراب پی ہے ۶؎ تو
ایک شخص اٹھا اس نے اس کے منہ کی بو سونگھی تو
اس سے شراب کی بو نہ پائی ۷؎ تب فرمایا کیا تو نے
زنا کیا ہے عرض کیا ہاں تو رجم کیا گیا لوگ دو تین
دن ٹھہرے ۸؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف
لائے فرمایا ماعز ابن مالک کے لیے دعائے مغفرت کرو
۹؎ اس نے ایسی شاندار توبہ کی ہے کہ اگر ایک جماعت
کے درمیان وہ بانٹ دی جائے تو ان کو شامل
ہوجائے ۱۰؎ پھر حضور کی خدمت میں ازد کے قبیلہ غامد
کی عورت آئی ۱۱؎ بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے
پاک فرما دو فرمایا افسوس تجھ پر لوٹ جا اللہ سے
معافی مانگ اور توبہ کر ۱۲؎ بولی کیا آپ چاہتے ہیں کہ
مجھے ایسے لوٹا دیں جیسے ماعز ابن مالک کو لوٹایا تھا یہ
بندی تو زنا سے حاملہ ہے ۱۳؎ تب فرمایا کہ تُو، بولی ہاں
تب اس سے فرمایا حتّٰی کہ تو اپنے پیٹ کے بچہ کو
جن دے ۱۴؎ راوی نے کہا کہ اس کا ایک انصاری مرد
کفیل و ضامن ہوگیا ۱۵؎ حتی کہ اس نے جن دیا تب
وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض
کیا کہ غامدیہ نے بچہ جن دیا ۱۶؎ فرمایا تب تو ہم اس
کو رجم نہ کریں گے اس کے چھوٹے بچے کو یوں ہی
نہ چھوڑیں گے ۱۷؎ کہ اسے کوئی دودھ پلانے والا نہ
ہو تو ایک انصاری مرد کھڑا ہوا عرض کیا کہ اس کا
دودھ میرے ذمہ ہے یا نبی اللہ ۱۸؎ فرماتے ہیں تب

	اسے رجم کیا گیا اور ایک روایت میں یوں ہے فرمایا جا حتی کہ بچہ جن دے پھر جب جن چکی تو فرمایا جا اسے دودھ پلا حتی کہ اس کا دودھ چھوڑا دے پھر جب اس کا دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا ۱۹؎ بولی یا نبی اللہ میں نے اس کا دودھ چھوڑا دیا ہے اور اب بچہ کھانا کھانے لگا ہے تب حضور نے بچہ ایک مسلمان کے سپرد کیا ۲۰؎ پھر اس کے متعلق حکم دیا تو اس کے لیے سینہ تک گڑھا کھودا گیا ۲۱؎ اور لوگوں کو حکم دیا انہوں نے اسے رجم کیا ۲۲؎ خالد ابن ولید پتھرلا رہے تھے وہ اس کے سر میں مارا ۲۳؎ تو خالد کے چہرے پر خون کی چھینٹیں پڑ گئیں اسے خالد نے برا کہا ۲۴؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جا اے خالد ۲۵؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے ۲۶؎ کہ اگر یہ توبہ ٹیکس لینے والا کرتا تو اس کو بھی بخش دیا جاتا ۲۷؎ تو اس پر نماز پڑھی گئی اور وہ دفن کردی گئی ۲۸؎ (مسلم)

۱؎ سزا قائم فرماکر زنا کی پلیدی سے پاک فرمادو۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پاکی مانگنا شرک نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَیُزَکِّیۡہِمۡ" تزکیہ اور طہارت کا فرق بارہا بیان ہوچکا۔

۲؎ لفظ **ویحك** یا **ویحالك** رحم یا تعجب یا تعریف کے موقعہ پر بولا جاتا ہے یہاں تینوں معنی میں ہوسکتا ہے۔حضور نے ماعز سے گناہ نہ پوچھا تاکہ اس کی پردہ دری نہ ہو۔**استغفار** سے مراد زبانی توبہ ہے اور **تُب** سے مراد دلی توبہ۔شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے　　کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو

۳؎ یعنی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو توبہ کی طہارت پر صبر نہ آیا،تیمّم سے وضو کو افضل جانا اس لیے پھر لوٹے۔

۴؎ اللہ اکبر! یہ ہے حضور انور کی شان ستاری کہ تین بار پردہ ڈالا جب ماعز نے اصرار کیا تب حد جاری کرنے کے لیے صراحۃً اقرار زنا کرایا کہ اس صریحی اقرار کے بغیر یہ سزا دینا درست نہ ہوتا تھا وہ تھا کرم یہ ہے قانون،**فیم** میں فی بمعنی **من** ہے یا بمعنی ب سببیہ۔

۵؎ یہ ارشاد عالی حاضرین بارگاہ سے ہے جو حضرت ماعز کے حالات سے خبردار تھے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ دیوانے اور نشہ والے کا اقرار زنا معتبر نہیں۔
۷؎ اس جملہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نشہ والے کا اقرار معتبر نہیں خواہ کوئی اقرار ہو۔دوسرے یہ کہ شراب پینے کا ثبوت باقی ہو جس میں شراب نکلے یا منہ کی بو ہے یا بے ڈھنگی چال ہے کہ انسان سیدھا نہ چل سکے مگر ان سب میں منہ کی بو بڑا ثبوت ہے۔
۸؎ اس دوران میں ماعز کا کوئی تذکرہ بارگاہ عالی میں نہ ہوا۔
۹؎ کہ اس کے گناہ کی معافی تو رجم سے ہی ہوگئی اب اس دعا سے اس کی ترقی درجات ہوگی۔معلوم ہوا کہ کوئی شخص دعائے خیر سے خصوصًا حضور کی دعا سے مستغنی نہیں اور دعائے مغفرت صرف گناہ کی معافی کے لیے نہیں بلکہ بلندی درجات کے لیے بھی ہوتی ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ"۔(مرقات)
۱۰؎ اس سے معلوم ہوا کہ زانی کے رجم میں اس کی توبہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجم کو توبہ قرار دیا اور چونکہ اس نے خود اقرار گناہ کرکے رجم قبول کیا اس لیے اس کا یہ عمل شاندار توبہ بنا،یہاں توبہ کو مادی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کے لیے تقسیم کا ذکر فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ تقسیم توبہ سے مراد اس کے ثواب کی تقسیم ہے اس دوسری توجیہ کو مرقات نے ترجیح دی۔
۱۱؎ ازد بڑے قبیلہ کا نام ہے اور غامد اس کے بطن کا نام جیسے پٹھانوں میں یوسف زئی،کمال زئی وغیرہ۔خیال رہے کہ ازد ابن الغوث اس قبیلہ ازد کے مورث اعلٰی کا نام ہے ان ازد کی اولاد میں تمام انصار ہیں ان کا لقب ازد شنوہ ہے۔(اشعۃ اللمعات)
۱۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر زانی کا زنا ثابت نہ ہو اور وہ خفیہ ہی توبہ کرلے تو مغفرت کی امید ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ"کفر و شرک کے سواء جسے چاہے معاف فرمادے،دیکھو یہاں بھی حضور نے اس کا گناہ نہ پوچھا،یہ ہے شانِ ستاری۔
۱۳؎ اس بی بی نے اپنے کو غائب کے صیغہ سے تعبیر کیا کیونکہ اس نے اپنے کو بارگاہ عالی کی حاضری کے لائق نہ سمجھا گویا اب میں اس بارگاہ سے غائب ہوچکی ہوں۔(اشعہ)مقصد یہ تھا کہ میں تو اپنے اقرار سے پھرسکتی نہیں کہ میرا حمل میرے جرم کی دلیل ہے ماعز پھر سکتے تھے کہ وہاں کوئی دلیل نہ تھی۔
۱۴؎ کیونکہ اس حالت میں تجھے رجم کرنے سے حمل کی جان بلاوجہ ضائع ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ حاملہ کو قتل یا رجم نہیں کیا جاسکتا نہ حق اللہ میں نہ حق العباد میں لہذا قاتلہ حاملہ سے بچہ جننے کے بعد قصاص لیا جائے گا کیونکہ ماں کے قصور سے بچہ ہلاک نہیں کیا جاسکتا۔
۱۵؎ یعنی اس بی بی کی حفاظت حمل جننے کے خرچہ وغیرہ کا میں کفیل ہوں،یہ ملزم کو حاضر کرنے کی کفالت و ضمانت نہیں ہے کہ شرعی حد میں ضمانت جائز نہیں،آج بھی قتل کے ملزم کی ضمانت حکومت نہیں لیتی بلکہ اسے دوران مقدمہ حوالات میں رکھتے ہیں۔

۱۶؎ یعنی اس کفیل نے عورت کے بچہ جن دینے کی خبر دے کر دریافت کیا کہ اب اس کے لیے کیا حکم ہے رجم کی جائے گی یا اسے مہلت دی جائے گی۔
۱۷؎ یعنی اب بھی ہم اسے رجم نہ کریں گے کیونکہ اب بھی ماں کو رجم کردینے سے بچہ ضائع ہوجائے گا۔
۱۸؎ لہذا اسے فی الفور رجم فرما کر پاک فرما دیجئے۔غالبًا یہ سب کچھ اس بی بی کے کہنے سے عرض کیا ہوگا تب حضور نے رجم کا حکم دیا۔
۱۹؎ یہ ٹکڑا دینا علامت اس کی تھی کہ اب بچہ مجھ ماں کے بغیر بھی رہ سکتا ہے میرے دودھ کا محتاج نہیں اس سے پتہ چلتا ہے اس بی بی کی استقامت اور خوف خدا کی پختگی کا کہ اتنا دراز عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس کا جوش توبہ کم نہ ہوا برابر حاضر ہوتی ہے اور رجم کی درخواست کرتی رہی۔
۲۰؎ یہ روایت گزشتہ روایت کے خلاف ہے پہلی روایت سے معلوم ہوا تھا کہ بچہ جنتے ہی رجم کردی گئی اور بچہ کی شیر خوارگی کسی نے اپنے ذمہ لے لی۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت دودھ چھوڑانے کے بعد رجم کی گئی،شاید یہ واقعہ دوسری عورت کا ہے اسی لیے پہلی عورت کو ازدیہ کہا گیا ہے اور یہ عورت جہنیہ تھی یا پہلی روایت سے یہ روایت زیادہ قوی ہے کہ اس پہلی روایت میں بشیر ابن مہاجر راوی ہے اور اس دوسری روایت میں مقاتل راوی ہے یا پہلی حدیث کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ دودھ چھوڑانے کے بعد رجم کی گئی،وہاں علی رضاعة میں رضاعت سے مراد پرورش ہے۔واللہ اعلم!(مرقات و نووی)
۲۱؎ تاکہ ملزمہ عورت پتھروں کی تکلیف پا کر بھاگ نہ سکے اور اس کی پردہ دری نہ ہو،یہ امر استحبابی تھا وجوبی نہیں۔عورت کو رجم کرتے وقت گڑھے میں داب دینا مستحب ہے واجب نہیں۔(ہدایہ،فتح القدیر،مرقات)ظاہر یہ ہے کہ گڑھا کھودنے کا حکم خود سرکار عالی نے دیا۔
۲۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور خود بھی وہاں تشریف فرما رہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔فقہاء فرماتے ہیں اگر زنا کا ثبوت گواہوں سے ہو تو پہلے گواہ پتھر ماریں پھر حاکم پھر دوسرے لوگ اور اگر ثبوت خود ملزم کے اقرار سے ہو تو پہلے حاکم پتھر مارے پھر دوسرے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے۔
۲۳؎ یقبل حال ہے مگر ماضی کے معنی میں کبھی یقینی ماضی کو حال کے صیغہ سے بیان کردیتے ہیں یہ ظاہر کرنے کو کہ مجھے اس واقعہ کا ایسا یقین ہے جیسے ابھی میرے سامنے ہورہا ہے،اظہار تعجب کے لیے بھی ایسا کیا جاتا ہے،خواب بیان کرتے وقت کہا جاتا ہے کہ میں نے سال پہلے خواب دیکھا کہ فلاں جگہ جارہا ہوں وغیرہ۔
۲۴؎ یعنی برے الفاظ سے یاد کرکے فرمایا کہ اس نے میرے کپڑے خراب کردیئے نہ یہ زنا کرتی نہ رجم کی جاتی نہ اس کے خون سے میرے کپڑے نجس ہوتے۔
۲۵؎ اور اسے برا نہ کہو کیونکہ اس کی شاندار مغفرت ہوچکی ہے۔
۲۶؎ معلوم ہوا کہ اپنے جرم کا اقرار کرنا اس کی سزا لے لینا بھی توبہ ہے اگرچہ منہ سے توبہ کے الفاظ نہ کہے،ندامت و شرمندگی آئندہ کے لیے گناہ سے بچنے کا عہد بھی توبہ ہے۔

۲۷؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ ٹیکس لگانے اور وصول کرنے کا حکم کرنے کا محکمہ بدترین محکمہ ہے اور وہاں کے ملازمین بدترین قسم کے مجرم ہیں کیونکہ جتنا ظلم اس محکمہ میں ہوتا ہے اتنا دوسرے محکموں میں نہیں ہوتا کہ ناجائز طریقوں سے رعایا کا مال نہایت بے دردی سے وصول کیا جاتا ہے۔

۲۸؎ ظاہر یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز نہ پڑھی بلکہ لوگوں کو اس کا حکم دے دیا تاکہ آئندہ کے لیے عبرت ہو جیسے مقروض پر بعض دفعہ حضور نے نماز نہ پڑھی،اس جملہ کے معنی یہ بھی کیے گئے کہ حضور نے اس کے غسل و کفن کا حکم دیا پھر نماز پڑھی یعنی امر کا مفعول غسل و کفن ہے اور فعل بصیغہ معروف ہے اسی وجہ سے آئمہ میں اختلاف ہے،بعض کہتے ہیں کہ سلطان اسلام مرحوم پر نماز نہ پڑھے،بعض فرماتے ہیں کہ پڑھے۔خیال رہے کہ ان لوگوں کا صرف زبانی توبہ نہ کرنا اور اصرار سے اپنے کو رجم کرالینا اسی لیے تھا کہ اس توبہ کا قبول ہونا مشکوک تھا اور اس توبہ کا قبول ہونا یقینی۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے پھر اسکا زنا ظاہر ہوجائے تو اسے سزاءً کوڑے لگائے۱؎ صرف بُرا بھلا نہ کہے اگر پھر زنا کرے ۲؎ تو اسے سزاءً کوڑے لگائے اور صرف سرزنش نہ کرے ۳؎ اگر تیسری بار زنا کرے ۴؎ اس کا زنا ظاہر ہوجائے تو اسے بیچ دے اگرچہ بال کی رسّی کے عوض ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ مولیٰ اپنی لونڈی کو خود حد لگاسکتا ہے سلطان اسلام کا فیصلہ شرط نہیں،مگر ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ حد کے لیے فیصلہ حاکم شرط ہے۔اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ حاکم کا فیصلہ کراکر کوڑے لگائے،یہاں نسبت سببیت کی ہے یعنی حد لگانے کا سبب بن جائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لونڈی خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ اس کے لیے زنا کی سزا پچاس کوڑے ہیں،یعنی آزاد عورت کی سزا آدھی اسے رجم نہیں کیا جائے گا،رب تعالٰی لونڈیوں کے متعلق فرماتاہے:"فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفٰحِشَۃٍ فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ"۔اس آیت میں عذاب سے مراد کوڑے ہیں نہ کہ رجم کیونکہ رجم آدھا نہیں ہوسکتا۔

۲؎ اس جملہ کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ زانیہ لونڈی کو کوڑے ضرور لگائے صرف برا بھلا کہہ کر ٹال نہ دے۔دوسرے یہ کہ کوڑے مارنے کے بعد برا بھلا نہ کہے کہ یہ کوڑے اس کی پوری سزا ہوگئی۔

۳؎ خیال رہے کہ لونڈی غلاموں کے متعلق اتفاق ہے کہ انہیں دیس نکالا نہ دیا جائے کہ اس میں سخت خطرات ہیں۔

۴؎ یعنی گزشتہ سزائیں اس کے لیے فائدہ مند نہ ہوں اور وہ زنا سے باز نہ آئے۔معلوم ہوا کہ جرم کی تکرار سے کوڑوں کی بھی تکرار ہوگی۔

۵؎ یعنی اس مرد کے ہاتھ فروخت کردے جس سے وہ بار بار زنا کراتی ہے کیونکہ وہ اس پر فریفتہ ہے،اس بیع کردینے سے اس کے لیے حلال ہوجائے گی یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کردے جو اسے زنا سے روک سکے تو اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جو اپنے لیے ناپسند ہو دوسرے کو کیوں دو،نہ یہ اعتراض ہے کہ عیب والی چیز فروخت کرنا ممنوع ہے کیونکہ عیب چھپا کر بیچنا ممنوع ہے کہ یہ دھوکا ہے۔خیال رہے کہ اس بار زنا کی سزا مولیٰ نہ دلوائے بلکہ جو خریدے گا وہ دلوائے گا اس سے یہ کہہ دے کہ اس کو کوڑے لگوادینااسی لیے یہاں سزا کا ذکر نہ فرمایا۔اس افصح الفصحاء کی فصاحت پر قربان اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیمتی چیز بہت سستی بیچ دینا درست ہے یہ مال کی بربادی نہیں،فقہاء نے بہت سستی چیز خریدنے سے وہاں منع کیا ہے جہاں بائع اپنی سخت مفلسی کی وجہ سے سستے داموں مال بیچنے پر مجبور ہوجائے کہ یہ مجبور کی بیع ہے لہذا وہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ فرمایا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد قائم کرو۱؎ ان میں سے جو شادی شدہ ہوں اور جو شادی شدہ نہ ہوں۲؎ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کرلیا تھا۳؎ تو حضور نے مجھے حکم دیا کہ اس کے کوڑے ماروں ۴؎ تو ناگاہ وہ جن چکنے کے قریب ہی ہے تو میں نے خوف کیا کہ اگرمیں نے اسے کوڑے لگائے تو اسے قتل ہی کردوں گا ۵؎ تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیاحضور نے فرمایا تم نے اچھا کیا۶؎(مسلم) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اسے مہلت دو حتی کہ اس کا خون بند ہوجائے پھر اس پر حد قائم کرو ۷؎ اور حدود ان پر قائم کرو جن کے تم مالک ہو ۸؎	

۱؎ ناس سے مراد مسلمان ہیں اور غلام سے مراد ہر غلام ہے مسلمان ہو یا کافر۔

۲؎ یہاں احصان سے مراد شادی شدہ ہونا ہے اصطلاحی احصان مراد نہیں کہ اس میں اسلام اور حریت یعنی آزاد ہونا دونوں شرط ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفٰحِشَۃٍ فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ"یہاں بھی احصان بمعنی نکاح ہے۔

۳؎ اس لونڈی کا نام نہ معلوم ہوسکا اور نہ یہ معلوم ہوا کہ وہ لونڈی مؤمنہ تھی یا کافرہ۔

۴؎ پچاس کوڑے خواہ وہ شادی شدہ تھی یا کنواری کہ ہر زانیہ لونڈی کی یہ ہی سزا ہے۔

۵؎ یعنی وہ ابھی بچہ جن چکی ہے کمزور ہے پچاس کوڑوں کی تاب نہ لاسکے گی مرجائے گی۔
۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس زانی کی سزا کوڑے ہوں اسے کوڑوں سے مرنے نہ دیا جائے لہذا بیمار کو یوں ہی سخت سردی سخت گرمی میں کوڑے نہ لگائے جائیں جب کہ مر جانے کا خطرہ ہو اور اگر یہ زانی مدقوق یا سل کی بیماری میں مبتلا ہو جس سے شفاء کی امید ہو تو سو شاخوں والی لکڑی اس کے جسم پر اس طرح مار دی جائے کہ جان نہ نکلے،اس پر ہمارا اور شوافع کا اتفاق ہے حاملہ کو بھی کوڑے نہ لگائے جائیں کہ مرنے کا اندیشہ ہے اور جس کی سزا رجم ہو اسے بہرحال رجم کردیا جائے کہ وہاں تو موت ہی دینی ہے۔
۷؎ جب کہ وہ طاقتور ہو کر کوڑے جھیل سکے۔
۸؎ بذریعہ حاکم اسلام حد قائم کراؤ کیونکہ حد قائم کرنا حاکم اسلام کا کام ہے صرف مولیٰ قائم نہیں کرسکتا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ماعز اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا انہوں نے زنا کیا ہے ۱؎ حضور نے اس سے منہ پھیر لیا تو وہ دوسری جانب آگئے ۲؎ بولے انہوں نے زنا کیا ہے حضور نے پھر ان سے منہ پھیر لیا پھر دوسری طرف سے آگئے بولے یا رسول اللہ انہوں نے زنا کیا ہے تب چوتھی دفعہ میں حکم دیا تو انہیں حرہ کی طرف نکالا گیا رجم کیا گیا پتھروں سے پھر جب انہیں پتھروں کی تکلیف پہنچی دوڑتے ہوئے بھاگ گئے ۳؎ حتی کہ ایک شخص پر گزرے جس کے پاس اونٹ کی ہڈی تھی ۴؎ اس نے یہ ہڈی ان کے ماری اور لوگوں نے بھی انہیں مارا حتی کہ مر گئے ۵؎ لوگوں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ ماعز نے جب پتھروں اور موت کی تکلیف پائی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا ۶؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا شاید وہ توبہ کرلیتے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے ۷؎

۱؎ یہ روایت بالمعنی ہے انہوں نے کہا تھا انی زنیت میں نے زنا کرلیا ہے،راوی نے اس طرح غائب کے صیغہ سے روایت کیا اور ہوسکتا ہے کہ خود ماعز نے اپنے کو غائب کے صیغے سے بیان کیا ہو یعنی اس فقیر گنہگار حقیر نے زنا کرلیا ہے۔

۲؎ اس طرح کہ اولًا یہاں سے چلے گئے پھر غیرت ایمانی کے جوش میں حاضر ہوئے مگر دوسری جانب سے نہ کہ یہاں رہتے ہوئے لہٰذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں جہاں ان کا مجلس شریف سے چلاجانا مذکور ہے ہر دفعہ وہ آتے جاتے رہے۔

۳؎ یہ بھاگنا غیر اختیاری تھا جیسے ذبح کے وقت جانور کا تڑپنا لہٰذا اس سے ماعز کا ثواب کم نہ ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر مرد کے رجم کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے بلکہ ویسے ہی کھلے میدان میں رجم کیا جائے گا۔

۴؎ لحی لام کے فتحہ ح کے جزم سے جبڑے کی ہڈی جس پر دانت اُگے ہوتے ہیں،مرد کی اس ہڈی پر نیچے داڑھی ہوتی ہے اندر دانت۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ رجم میں صرف پتھر مارنا ہی ضروری نہیں بلکہ اینٹ،روڑے،ہڈی سے بھی مارا جاسکتا ہے،ہاں لاٹھی یا تلوار سے نہیں مارا جائے گا کہ پھر وہ قتل ہے رجم نہیں،اگر لاٹھی ڈنڈا پھینک کر مارا تو درست ہے کہ یہ قتل نہیں رجم ہی ہے۔

۶؎ کیونکہ اس بھاگنے میں اقرار زنا سے رجوع کا احتمال تھا کہ شاید ماعزا اپنے اقرار سے پھرنے کے لیے بھاگ رہے تھے اور زنا کا اقراری اگر حد سے پہلے رجوع کرے تو حد ختم ہوجاتی ہے اور اگر حد کے دوران رجوع کرے تو باقی حد معاف ہوجاتی ہے اور اس کا رجوع درست ہوتا ہے اگر بعد رجوع بھی اسے مار دیا گیا تو مارنے والوں پر قتل خطا کی دیت واجب ہوتی ہے جو ان کے وارث مرحوم کے وارثوں کو ادا کریں گے اس لیے حضور انور نے فرمایا کہ تم کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔

۷؎ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مارنے والوں پر نہ دیت واجب کی نہ ناراضی فرمائی کیونکہ ماعز نے صراحۃً رجوع نہ کیا تھا احتمال تھا کہ شاید رجوع کرتے ہوئے بھاگے یا تکلیف سے بے اختیار بھاگے،اگر صراحۃً رجوع کرلیا ہوتا پھر وہ ہی حکم ہوتا جو عرض کیا گیا۔اس جملہ مبارکہ اور فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زانی اگر رجم نہ ہو صرف سچی توبہ کرے جب بھی معافی کی امید ہے مگر رجم سے معافی یقینی ہے اس لیے وہ حضرات اصرار سے رجم ہوتے تھے رضی اللہ عنہم۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اگر اقراری شرابی یا اقراری چوری جس کی چوری شراب خوری صرف اس کے اقرار سے ثابت ہواور کوئی ثبوت نہ ہو اگر حد جاری کرنے سے پہلے یا دوران حد میں اقرار سے پھر جائیں تو حد ختم ہوجائے گی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز ابن مالک سے فرمایا کہ تمہارے متعلق مجھے جو خبر پہنچی ہے کیا وہ سچ ہے ۱؎ عرض کیا میرے متعلق کیا خبر حضور کو پہنچی فرمایا یہ خبر پہنچی	

ہے کہ تم نے فلاں قبیلہ کی لونڈی سے زنا کیا ہے۲ بولے ہاں پھر ماعز نے چار گواہیاں دیں تب حکم دیا گیا وہ رجم کیے گئے۳(مسلم)	

۱خیال رہے کہ یہ حدیث گزشتہ اور آئندہ احادیث کے مخالف نہیں بلکہ ان میں اجمال ہے اور اس حدیث میں تفصیل۔واقعہ یہ ہوا کہ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز سے یہ پوچھا تاکہ ماعز انکار کرکے حد سے بچ جائیں،انہوں نے بجائے انکار کے اقرار کرلیا تب حضور انور نے ان سے منہ پھیرلیا،ان احادیث میں پورا واقعہ بیان نہیں ہوا یہاں پورا بیان ہوا لہذا تعارض نہیں اور حضور انور کا یہ سوال بھی دفع حد کے لیے تھا اور منہ پھیرتے رہنا بھی اسی لیے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲مرقات نے فرمایا یہاں جاریہ بمعنی بیٹی ولڑکی ہے آل زائدہ ہے۔اشعہ نے فرمایا کہ جاریہ بمعنی لونڈی ہے۔بہرحال محصن مرد خواہ محصنہ عورت سے زنا کرے یا کنواری سے یا لونڈی سے بہرحال اسے رجم کیا جائے کہ وہ خود تو محصن ہے،اشعہ کی روایت درست ہے۔

۳یہاں گواہیوں سے مراد اقرار ہے کیونکہ یہ چار اقرار چار گواہیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں اس لیے اسے گواہیاں فرمایا گیا جیسے آیت لعان میں الزام زنا اور براءت زنا کو شہادت فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت یزید ابن نعیم سے وہ اپنے باپ سے راوی ۱کہ ماعز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کے پاس چار بار اقرار کیا تب آپ نے ان کے رجم کا حکم دیا اور ہزال سے فرمایا۲ کہ اگر تم اپنے کپڑے سے ڈھک لیتے تو تمہارے لیے بہتر ہوتا ابن منکدر کہتے ہیں کہ ہزال نے ماعز کو مشورہ دیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں حضور کو یہ خبر دیں ۳(ابوداؤد)	

۱آپ یزید ابن نعیم ابن ہزال اسلمی ہیں،تابعی ہیں اور آپ کے والد نعیم صحابی ہیں۔

۲هُزّال ھ کے ضمہ اور ز کے شد سے ہے،ان کی لونڈی فاطمہ سے ماعز نے زنا کرلیا تھا،ہزال سے اس کا ذکر خود کیا تو ہزال نے انہیں مشورہ دیا کہ تم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر اقرار کرو تب ماعز بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے اس لیے ہزال سے یہ فرمایا۔

۳خیال رہے کہ جناب ہزال نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض نہ کیا بلکہ ماعز کو بھیجا کیونکہ اس موقعہ پر زنا کی شہادت کا نصاب یعنی چار عینی گواہ موجود نہ تھے،اگر ہزال کہتے تو گواہ طلب ہوتے،گواہ پیش نہ ہونے پر اگرچہ انہیں تہمت نہ لگتی کہ مزنیہ لونڈی تھی مگر عتاب میں ضرور آجاتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا وجہ جرم ہے جس کا اظہار نہ ہونے دینا خفیہ توبہ کرادینا افضل ہے۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان نے اپنے

بھائی کا عیب لوجہ اللہ چھپایا تو اللہ تعالٰی دنیا و آخرت میں اس کے عیب چھپائے گا مگر جب ملزم زنا کا عادی ہوجائے تو اس کا اظہار کردینا سزا دلوادینا بہتر ہے کہ زمین کو فساد وگناہ سے پاک و صاف کرنا بہتر ہے خواہ توبہ کے ذریعہ یا سزا کے ذریعہ سے۔اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں مطالعہ فرمایئے کہ کہاں حاکم کوگناہ کی خبر دے کر ملزم کو سزا دلوانا بہتر ہے اور کہاں چھپالینا افضل۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جرموں کی آپس میں معافی کرلو[۱] ورنہ جو جرم ہم تک پہنچ جائے گا وہ لازم ہوجائے گا[۲](ابوداؤد،نسائی)

[۱] تعافوا میں خطاب عام پبلک کو ہے نہ کہ حکام یا بادشاہوں کواور حدود سے مراد وہ جرم ہیں جو سبب حد ہیں یعنی حقوق العباد کے جرم حکام تک نہ پہنچاؤ،آپس میں ایک دوسرے سے معافی چاہ لوجیسے چور چوری کرکے مال کو مال واپس دے دے اس سے معافی چاہ لے حکومت تک اسے نہ جانے دے۔

[۲] یعنی حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے پر معافی نہ ہوسکے گی۔ اس سے معلوم ہواکہ شرعی سزا صرف حاکم دے سکتا ہے دوسرا نہیں دے سکتا،نیز حاکم کے پاس جرم پہنچنے سے پہلے لازم سزا نہیں مگر پہنچ جانے کے بعد لازم ہوجاتا ہے معاف نہیں ہوسکتا نہ حاکم کے معاف کرنے سے نہ صاحب حق کے معاف کرنے سے۔خیال رہے کہ یہ امر استحبابی ہے اور چھپانا یا معاف کردینا وہاں ہی بہتر ہے جہاں اس سے فساد نہ ہو ورنہ سزا دلوادینا نہایت ضروری ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے مخالف نہیں کہ ایک حد قائم کرنا چالیس دن کی بارش سے زیادہ مفید ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مروت والوں کو غلطیوں سے درگزرکرو[۱] سواء حد والے جرموں کے[۲](ابوداؤد)

[۱] یہاں خطاب حکام و بادشاہ ورعایا سب سے ہے اور غلطیوں سے مراد وہ جرم ہیں جو حد کا باعث نہ ہوں صرف تعزیر کے لائق ہوں اور مروت والوں سے مراد متقی و پرہیزگار لوگ ہیں جن کی عزت لوگوں کے دلوں میں ہو یعنی اگر کوئی متقی و پرہیزگار آدمی غلطی سے کوئی ایسا جرم کر بیٹھے جو حد کے لائق نہ ہو تعزیر لگ سکتی ہو تو پہلی بار میں معافی دے دو اس کا رسوا ہونا ہی اس کے لیے کافی سزا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مروت والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے آج پہلی بار غلطی ہوئی ہے وہ جرم کے عادی نہیں۔

[۲] یعنی حدود الٰہیہ قائم کرنے میں کسی کا لحاظ نہ کرو،فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرلیتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا،یہ فرما کر فاطمہ مخزومیہ کا ہاتھ کٹوا دیا،خیال رہے کہ حدود سے مراد مطلق حدود ہیں خواہ حقوق الٰہیہ کی ہوں یا حقوق عباد کی،لہذا ہر زانی کو حد اور چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی،خواہ غریب ہو یا چودھری نمبردار۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تک کرسکو مسلمانوں سے حدود دفع کرو ۱؎ تو اگر اس کے لیے کوئی راہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے ۲؎ کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے ۳؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ روایت ام المؤمنین سے مرفوع نہیں وہ ہی زیادہ صحیح ہے۔

۱؎ اسی لیے شبہات سے حدود دفع ہوجاتی ہیں لہذا حاکم کو چاہیے کہ مجرم کو شک و شبہ کا فائدہ دے مگر خیال رہے کہ خود رشوت کا فائدہ نہ اٹھائے،اس صورت میں یہ حکام سے خطاب ہے۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ حتی الامکان حکام تک مجرم کو نہ لے جایئے اسے سزا نہ دلوایئے تب یہ خطاب عوام سے ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے آئندہ مضمون اسی کی تائید کررہا ہے۔

۲؎ یعنی اے حکام اگر وجہ جائز سے مجرم حد سے بچ سکتا ہے تو اس پر حد جاری نہ کیجئے یا اے مسلمانوں اگر کسی صورت سے مجرم بغیر سزا دلوائے درست ہوسکتا ہے تو اسے عدالت میں نہ لے جاؤ،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ اگلی عبارت سے واضح ہے۔

۳؎ اس جملہ کے دو معنے کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ اگر امام و حاکم تمہارے معاف کردینے کے بعد طریقہ خطا اختیار کرلے کہ خطاءً اسے تعزیر بھی نہ دے یہ بہتر ہے اس سے کہ حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جائے اور پھر وہ حد جاری کرنے میں غلطی کرے کہ غلطی سے حد چھوڑ دے اس صورت میں یہ خطاب عوام سے ہے۔ دوسرے یہ کہ حاکم مقدمہ سننے کے بعد خطاءً ملزم کو سزا نہ دے اسے شک کی بنا پر چھوڑ دے حالانکہ وہ سزا کے لائق تھا یہ اس سے بہتر ہے کہ بے قصور کو سزا دے دے کیونکہ سزا نہ دینے کی صورت میں اللہ کی معافی کی امید ہے کہ مجرم توبہ کرکے نیک بن جائے مگر بے قصور کو سزا دینے میں ظلم بھی ہے اور آئندہ استغفار کی امید بھی نہیں مثلًا محصن زانی کو حاکم کہے کہ شاید تو نے بوسہ لے لیا ہوگا یا چھو لیا ہوگا وغیرہ اور ملزم کہے جی ہاں میں نے یہی کیا تھا اور رجم سے بچ جائے تو اگرچہ رجم کے لائق تھا مگر حاکم گنہگار نہیں اور مجرم کے توبہ کی امید ہے لیکن اگر اسے بغیر تحقیق رجم کردیا گیا اور واقعہ میں وہ رجم کے لائق نہ تھا تو اب تلافی کیسے ہوسکے گی اب بھی حکومتیں قتل کی سزا میں بڑی تحقیق کرتی ہیں کبھی شک کا فائدہ دے کر بری کردیتی ہیں،یہ ہی توجیہ قوی ہے۔(مرقات واشعہ) حتی کہ اگر زانی مجرم کو زنا حرام ہونے کا پتہ نہ ہو تو حد نہ لگے گی۔

	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت مجبور کردی گئی ۱؎ تو حضور نے عورت سے حد دفع فرمادی ۲؎ اور زنا کرنے والے پر قائم فرما دی اور یہ ذکر نہ کیا اس

	عورت کے لیے مہر مقرر فرمایا ۳؎(ترمذی)

۱؎اس طرح کہ کسی نے جبرًا زنا کرلیا۔

۲؎معلوم ہوا کہ جبرًا زنا پر حد نہیں مگر یہ حکم عورت کے متعلق ہوسکتا ہے،زانی مرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے مجبورًا زنا کیا تھا فلاں شخص نے مجھے زنا کرنے پر مجبور کیا تھا۔

۳؎کیونکہ یہ صحبت محض زنا تھی اور زنا حرام ہے تو حرام شئے کا مہر یا اجرت نہیں۔جن احادیث میں وارد ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر دلوایا وہاں وطی بالشبہ کی صورت تھی کہ مرد کسی اجنبی کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے صحبت کرے یا نکاح فاسد سے صحبت کرے وہاں مہر دینا لازم ہوتا ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے ارادہ سے نکلی ۱؎کہ ایک مرد اسے ملا جو اس پر چھا گیا۲؎اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی۳؎وہ چیخی مرد چلا گیا مہاجرین کی ایک جماعت گزری وہ عورت بولی کہ اس شخص نے مجھ سے ایسا ایسا کیا ۴؎لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو حضور نے اس عورت سے فرمایا تو جا تجھے اللہ نے بخش دیا۵؎اس شخص سے فرمایا جو اس پر چھا گیا تھا اسے رجم کردو۶؎اور فرمایا یقینًا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ سارے مدینہ والے کرتے تو ان سب کی قبول ہوجاتی ۷؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یعنی اپنے گھر سے مسجد نبوی شریف کی طرف جارہی تھی نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے،زمانہ رسالت میں عورتوں کو مسجدوں میں حاضری کا حکم تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ممانعت فرمائی حالات زمانہ کو ملاحظہ فرما کر،اب چونکہ عورتیں بازاروں،سیمناؤں،اسکولوں کالجوں اور بے دینوں کے جلسوں سے نہیں رکتیں لہذا انہیں مسجدوں کی جماعت سے بھی نہ روکو کہ یہاں آکر کچھ شرعی احکام تو سن جائیں گی۔

۲؎تجلل بنا ہے جلٌ سے بمعنی جھول یعنی وہ مرد جھول کی طرح اس کو لپٹ گیا جیسا گھوڑے پر جھول پڑجاتی ہے کہ عورت اس سے چھوٹ نہ سکی۔

۳؎یعنی اس سے زنا کرلیا۔خیال رہے کہ تمام صحابہ معصوم یا محفوظ نہیں بلکہ عادل یا مستور ہیں۔عادل وہ جو گناہ اگرچہ کرے مگر اس پر قائم نہ رہے،فاسق وہ جو علانیہ گناہ کبیرہ کرے یا گناہ صغیرہ کا عادی ہوجائے۔مستور وہ جس کا گناہ ظاہر نہ ہو،مستور فاسق نہیں ہوتا لہذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں کہ تم تمام صحابہ کو عادل کہتے ہو،حالانکہ ان میں سے بعض سے ایسے گناہ سرزد ہوئے،صحابہ کی عدالت پر قرآنی آیات شاہد ہیں،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

۴؎ یعنی جبرًا زنا کیا،کذا وکذا کنایۃ یا تو اس بی بی کا قول ہے یا بی بی نے تو صراحۃً زنا کہا تھا راوی نے اسے اس طرح روایت کیا پہلے کذا سے چھا جانا مراد ہے دوسرے کذا سے زنا مراد۔

۵؎ یہاں بخشنے سے مراد پکڑ نہ فرمانا ہے یعنی اس زنا پر قیامت میں تیری پکڑ نہ ہوگی کیونکہ تو مجبورومعذور تھی راضی نہ تھی اور دنیا میں تجھ پر حد قائم نہ ہوگی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بخشش تو گناہ کی ہوتی ہے جب وہ عورت گنہگار ہی نہ ہوئی تو اس کی بخشش کے کیا معنے۔

۶؎ یہ شخص محصن تھا اور اس نے چار بار زنا کا اقرارکرلیا تھا تب اس کے رجم کا حکم دیا ورنہ اس زنا پر چار عینی گواہ نہ تھے صرف عورت کے کہنے سے مرد کو زنا کی سزا نہیں دی جاسکتی ہے۔یہ اقرار زنا کرکے اپنے کو رجم کرالینا اعلیٰ درجہ کی توبہ ہے۔

۷؎ اس فرمان عالی سے اس کی توبہ کی عظمت کا اظہار مقصود ہےورنہ توبہ کی تقسیم نہیں ہوتی یعنی اگر یہ توبہ قابل تقسیم ہوتی اور اس کے حصے اہل مدینہ کی تعداد کے برابر کیے جاتے اور ہر ایک کو اس توبہ کا ایک حصہ نصیب ہوجاتا تو سب کی بخشش ہوجاتی۔اللہ اکبر!

روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا اس سے کوڑے مارے گئے ۱؎ پھر خبر دی گئی کہ وہ محصن ہے تو حکم دیا رجم کیا گیا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے غیر محصن ہونے کی غلط خبر ملی یا اس زمانہ میں مقدمہ کی زیادہ تحقیقات نہ کی جاتی تھی اس لیے گمان پر کوڑے مارے گئے۔(مرقات)خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے علوم غیبیہ بخشے مگرا ن علوم کا ہر وقت حضور نہیں ہوتا کبھی وہ حضرات عالم کے ذرہ ذرہ سے خبردار ہوتے ہیں کبھی اپنے سے بھی بے خبر،شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔شعر

گہے برطارم اعلیٰ نشینم گہے برپشت پاء خود نہ بینم

نیز حاکم اپنے علم خصوصی پر کسی کو سزا نہیں دے سکتا،ثبوت شرعی پر سزا دی جاتی ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر غلطی سے بجائے رجم کے کوڑے مار دیئے گئے تو یہ کوڑے رجم کے قائم مقام نہ ہوں گے رجم علیحدہ کیا جائے گا لیکن اگر بجائے کوڑوں کے رجم کردیا گیا تو یہ رجم کوڑوں کا نائب ہوجائے گا اور محصن ہونے کی خبر دینے والوں پر اس کی جان کا تاوان ہوگا جیساکہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

روایت ہے حضرت سعید ابن سعد ابن عبادہ سے کہ سعد ابن عبادہ ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو لائے جو قبیلہ میں تھا ناقص الخلقہ	

بیمار۲؎ وہ ان کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر بدکاری کرتے پایا گیا۳؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بڑی شاخ لو جس میں سو چھوٹی شاخیں ہوں ۴؎ ایک بار مار دو۵؎(شرح سنہ)اور ابن ماجہ کی روایات میں اسی طرح ہے۔	

۱؎ حق یہ ہے کہ سعید ابن سعد تابعین میں سے ہیں اگرچہ بعض محدثین نے انہیں صحابی مانا اور سعد ابن عبادہ مشہور صحابی انصاری خزرجی ہیں،بیعت عقبہ میں حاضر ہوئے،نقیب مقرر ہوئے،آپ کو غسل خانہ میں جنات نے قتل کیا،بہت دیر کے بعد آپ کی موت کا پتہ لگا۔(مرقات)آپ کی وفات مقام خور ان ملک شام میں ۱۵ھ میں عہد فاروقی میں ہوئی۔(اکمال)

۲؎ اور بیماری ناقابل علاج جس کے بعد صحت کی امید نہیں،اگر صحت کی امید ہوتی تو تندرست ہونے کے بعد کوڑے لگائے جاتے جیسے حاملہ زانیہ کو حمل جننے کے بعد حد لگائی جاتی ہے۔(لمعات)

۳؎ یا تو چار شخصوں نے اسے زنا کرتے دیکھا جن کی عینی گواہی سے حد قائم ہوئی یا دیکھا تو تھا ایک دو نے مگر اس نے خود اقرار کرلیا پہلی بات زیادہ قوی ہے۔

۴؎ **عثکال** اور **شمراخ** دونوں کے معنی ہیں شاخ مگر **عثکال** بڑی اور موٹی شاخ کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی شاخیں اور ہوں اور ان چھوٹی شاخوں کو **شمراخ** کہا جاتا ہے جیسے اردو میں ڈال اور ٹہنی **عثکال** کے معنی گُدّھا کرنا غلط ہے کہ وہ بڑے درخت کا ہوتا ہے اور اٹھ نہیں سکتا۔

۵؎ اس حدیث سے معلوم ہواکہ کوڑے کی سزا میں شرط یہ ہے کہ ملزم مرنے نہ پائے،یہ ایک قسم کا حیلہ ہے کہ حکم قرآنی جاری بھی ہوجائے اور ملزم ہلاک بھی نہ ہو،اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے"**وَ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ**"اے ایوب اپنی زوجہ کو جھاڑو سے مار دو اپنی قسم نہ توڑو۔امام شافعی اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ بیمار زانی کی حد فورًا لگائی جائے دیر نہ کی جائے،امام ابوحنیفہ و مالک و جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر بیمار کے اچھے ہونے کی امید نہ ہو جیسے دق سل وغیرہ تو دیر نہ لگائی جائے لیکن اگر اچھے ہوجانے کی امید ہو تو ضرور دیر لگائی جائے اچھے ہوجانے پر باقاعدہ کوڑے لگائے جائیں جیسے حاملہ بالزنا کا حکم ہے۔(اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم جسے قوم لوط کا کام کرتے پاؤ۱؎ تو فاعل و مفعول دونوں کو قتل کردو۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اس جملہ میں **من** سے مراد ہر مجرم ہے شادی شدہ ہو یا کنوارا اور پانے سے مراد صرف دیکھنا نہیں بلکہ جاننا ہے یعنی جس شخص کا اغلام ثابت ہوجائے۔اغلام ثابت ہونے کے لیے دو گواہ یا ایک بار اقرار کافی ہوگا دوسرے جرموں

کی طرح کیونکہ یہ زنا نہیں اس کی سزا زنا کی سی ہے۔خیال رہے کہ یہاں لڑکے سے بدکاری مراد ہے،اجنبی عورت سے دبر میں بدفعلی کرنے کا حکم یہ نہیں کیونکہ یہ عمل قوم لوط نہیں،اپنی بیوی سے دبر میں وطی حرام ہے مگر اس پر بھی یہ سزا نہیں۔(ازمرقات مع الزیادۃ)

۲؎ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک لواطت میں حد نہیں بلکہ تعزیر ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی بطور تعزیر قتل کے لیے ہے،صاحبین اور امام شافعی کے ہاں لواطت کا حکم زنا کا سا ہے کہ فاعل اگر محصن ہے تو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہے تو سو کوڑے کھائے گا،امام مالک و احمد کے نزدیک بہرحال رجم کیا جائے گا محصن ہو یا غیر محصن مگر امام اعظم کا قول بہت قوی ہے کیونکہ یہاں سزا قتل تجویز فرمائی گئی،زنا کی سزا قتل نہیں،نیز یہاں قتل کو عام فرمایا گیا خواہ تلوار سے ہو یا اونچے مکان سے گرا کر یا اس پر دیوار گرا کر اسی لیے حضرات صحابہ کرام کا عمل لوطی کے قتل میں مختلف رہا۔اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعًا سزا مقرر نہیں اور حد میں شرعی تقرر ضروری ہے،بہرحال قول امام اعظم بہت ہی قوی ہے خود یہ حدیث تائید کررہی ہے،نیز یہ **فاقتلوا** جانور سے بدفعلی کے لیے بھی آیا ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے مگر تمام کا اتفاق ہے کہ جانور سے بدفعلی کرنے میں حد نہیں تعزیر ہے تو یہاں بھی تعزیر ہی چاہیے کہ فرمان کے الفاظ عالیہ یکساں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چوپائے سے صحبت کرے تو اسے قتل کردو ۲؎ اور جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کردو ۳؎ ابن عباس سے کہا گیا کہ جانور کا کیا قصور ہے ۴؎ فرمایا میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ سنا لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ حضور نے یہ ناپسند فرمایا کہ اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع اٹھایا جائے حالانکہ اس کے ساتھ یہ حرکت کی جاچکی ہے ۵؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یوں ہے **وعنہ عن ابن عباس** یعنی روایت ہے حضرت عکرمہ وہ حضرت ابن عباس سے راوی مگر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔(مرقات)

۲؎ تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ فرمان عالی بطور تعزیر ہے قتل اس کی حد شرعی نہیں،پھر اس میں گفتگو ہے کہ قتل سے یہاں کیا مراد ہے بعض نے فرمایا سخت مار پیٹ،بعض نے فرمایا جان نکال دینا خواہ تلوار سے ہو یا اونچے مکان سے گرا کر یا اس پر دیوار ڈھاکر۔(لمعات،مرقات و اشعہ)

۳؎ حق یہ ہے کہ یہ حکم ہر جانور کے لیے خواہ حلال ہو جیسے بکری گائے وغیرہ یا حرام ہو جیسے کتیا گدھی وغیرہ بہرحال اسے بھی قتل کردیا جائے،قتل فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے کہ جانور کا ذبح صرف کھانے کے لیے ہوتا ہے اسے کھانے نہیں صرف مار کر جلا دینا یا دفن کردینا ہے یہ جانور کا قتل یا اس لیے

ہے تاکہ اس سے مخلوط بچہ نہ پیدا ہوجائے جو آدمی اور جانور کی مخلوط شکل رکھتا ہوتاکہ اس کی بقا سے اس فعل کا چرچہ نہ ہو اور اس کی بدنامی نہ ہو۔

۴؎ یعنی اس شخص کا قتل تو عقل میں آتا ہے کہ وہ بڑا سخت مجرم ہے مگر جانور کا قتل عقل میں نہیں آتا کہ وہ بے قصور ہے بے قصور کو سزا کیسی ؟

۵؎ یعنی جانور کا قتل سزاءً نہیں بلکہ اس چرچہ کو بند کرنے کے لیے ہے اور جب غذا یا علاج کے لیے جانور کو ذبح کرنا درست،اسی طرح اس فائدے کے لیے بھی اس کا قتل جائز ہے،یہاں اشعہ نے فرمایا کہ یہ حکم بطور مشورہ ہے۔وجوبی حکم نہیں ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جن چیزوں میں سے اپنی امت پر خوف کرتا ہوں ۱؎ ان میں سے بڑی خوفناک چیز قوم لوط کا کام ہے ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی میری امت بڑے بڑے گناہ کرے گی وہ سب ہی خطرناک ہیں کہ عذاب الٰہی کا باعث ہیں مگر ان سب میں زیادہ خطرناک یہ گناہ ہے جو ابھی ذکر ہورہا ہے۔

۲؎ کہ یہ جرم بدترین بدکاری ہے اور میری امت میں عام پھیل جائے گا اس مخبر صادق دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بصارت و بصیرت کے قربان کہ جو زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوکر رہا آج کل یہ جرم جس بری طرح پھیلا ہوا ہے مخفی نہیں،اللہ تعالٰی محفوظ رکھے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ قبیلہ بکر بن لیث کا ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۱؎ تو اس نے ایک عورت سے زنا کا اقرار چار بار کرلیا ۲؎ چنانچہ اس کو سو کوڑے لگادیئے تھے وہ کنوارا پھر اس سے عورت پر گواہ مانگے ۳؎ عورت بولی یارسول اللہ اللہ کی قسم اس نے جھوٹ بولا ۴؎ تو اسے بہتان کی حد لگائی ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس شخص کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲؎ یعنی اس طرح اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے گزشتہ اقراروں میں کسی عورت کا نام نہ لیا گیا تھا غرضکہ اس اقرار میں اپنے جرم کااعتراف ہے اور عورت پر زنا کا الزام۔

۳؎ یعنی اسے اپنے اقرار کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دی گئی مگر اس اقرار سے عورت پر الزام ثابت نہیں ہوتا اپنا اقرار خود اپنے لیے مضر ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کے لیے اس لیے اب اس سے اس گواہی کا مطالبہ ہوا۔

۴؎ جب وہ مرد گواہ پیش نہ کرسکا تو عورت سے سوال ہوا اس نے اپنے متعلق اقرار نہ کیا بلکہ مرد کو جھٹلادیا۔

۵؎ یعنی اسی کوڑے اس بہتان کی سزا دی۔عجیب لطف ہے کہ ایک اقرار اپنے لیے اقرار ہے دوسرے کے لیے بہتان،نسبت بدلنے سے حال بدل جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں جب میری پاکدامنی قرآن مجید میں نازل ہوئی۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرمایا اس کا ذکر فرمایا جب منبر سے اترے تو دو مردوں ایک عورت کے متعلق حکم دیا تو انہیں ان کی سزا دی گئی۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جب مجھ کو لوگوں نے بہتان لگایا اور رب تعالٰی نے میری پاکدامنی کی گواہی دیتے ہوئے سورۂ نور کی سولہ آیات اتاریں۔خیال رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بی بی مریم کو بہتان لگے تو بچوں سے گواہی دلوائی گئی،مگر جب محبوب کے گھر کا واقعہ پیش آیا تو رب تعالٰی نے شیر خوار بچہ یا پتھرو درخت سے گواہی نہ دلوائی بلکہ خود براہ راست گواہی دی،یہ ہے اس محبوبہ محبوب کی عزت و عظمت۔شعر

دی گواہی آپ کی عفت کی سورۂ نور نے مدح کرتا ہے تری عصمت کی خود قرآن میں

۲؎ وہ مرد حضرت حسان ابن ثابت(نعت خوان رسول اللہ)اور مسطح ابن اثاثہ ہیں اور عورت حمنہ بنت جحش یعنی ام المؤمنین زینب بنت جحش کی بہن،چونکہ ان کے منہ سے صراحۃً بہتان کے الفاظ نکل گئے تھے اس لیے انہیں بہتان کی سزا ملی،عبداللہ ابن اُبی اور دوسرے منافقین اگرچہ اس جرم میں پیش پیش رہے مگر صراحۃً بہتان کے الفاظ نہ بولے اس لیے وہ سزا سے بچ گئے لہذا آیت پر یہ اعتراض نہیں کہ عبداللہ ابن ابی منافق کے متعلق تو قرآن کریم فرماتاہے:"وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ"کہ اس موذی کو دردناک عذاب آخرت میں ہوگا۔خیال رہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت،عفت،ایمان،تقویٰ ایسا ہی یقینی ہے جیسے اللہ تعالٰی کا ایک ہونا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا کیونکہ ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتاہے:"اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ"لہذا اب جو مرتد ان سرکار کو یہ بہتان لگائے وہ بہتان کی سزا کا بھی مستحق ہے اور کافر بھی کہ قرآن کریم کا منکر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت نافع سے کہ صفیہ بنت ابی عبید نے انہیں خبر دی۱؎ کہ حکومت کے غلاموں میں سے ایک غلام۲؎ خمس کی لونڈیوں میں ایک کے ساتھ الجھ گیا اسے مجبور کردیا حتی کہ اس کی بکارت توڑ دی۳؎ تو

حضرت عمر نے غلام کے کوڑے لگائے اور لونڈی کے نہ لگائے کیونکہ اس نے اسے مجبور کیا تھا۴؎(بخاری)	

۱؎حضرت نافع جناب عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں،اما م القراء ہیں،مدینہ منورہ میں آپ کا مزار مبارک ہے،اس گنہگار نے بار ہا زیارت کی ہے۔اور صفیہ بنت ابو عبید مختار ابن ابی عبید کی بہن ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر کی زوجہ تابعین میں سے ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ،حفصہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے،ان کے والد ابو عبید جلیل القدر صحابی ہیں،آپ کا بیٹا مختار ابن ابی عبید بڑا فاسق و فاجر ہے،اسے محدثین مختار کذاب کہتے ہیں جیسے حجاج کو مبیر یعنی خونخوار ظالم کہا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک مبیر اور ایک کذاب ہوگا مبیر تو حجاج ہے اور کذاب یہ ہی مختار،اللہ کی شان ہے کہ زندوں سے مردے پیدا فرماتا ہے۔

۲؎یہ واقعہ خلافت فاروقی کا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے ایک غلام نے۔

۳؎اقتض ف سے بھی آتا ہے اور قاف سے بھی اس کا مصدر اقتضاض ہے مادہ قضٌّ یا فضٌّ دونوں کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں یعنی کنواری لڑکی سے صحبت کرکے اس کا پردہ بکارت زائل کردینا،یہاں مشکوۃ شریف میں قاف سے ہے۔(دیکھئے مغرب لمعات)

۴؎اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ مجبورًا زنا پر سزا نہیں،چونکہ لونڈی مجبور کی گئی تھی اس لیے اسے سزا نہ دی گئی۔

روایت ہے حضرت یزید ابن نعیم ابن ہزال سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ جناب ماعز میرے والد کی پرورش میں یتیم تھے ۱؎انہوں نے قبیلہ کی لڑکی سے زنا کرلیا۲؎تو ان سے میرے باپ نے کہا کہ رسول اللہ کی خدمت میں جاؤ۳؎اور جو کچھ تم نے کیا ہے اس کی خبر دو شاید حضور انور تمہارے لیے دعائے مغفرت فرمادیں اس سے میرے والد کا ارادہ صرف یہ امید تھی کہ ان کے لیے کوئی راہ نکل آئے ۴؎چنانچہ وہ حضور کی خدمت میں آئے بولے یارسول اللہ میں نے زنا کرلیا تو مجھ پر اللہ کی کتاب قائم فرمائیں۵؎تو حضور نے اس سے منہ پھیر لیا وہ پھر لوٹے ۶؎بولے یارسول اللہ میں نے زنا کیا ہے مجھ پر کتاب اللہ قائم فرمایئے یہاں تک کہ انہوں نے چار بار یہ کہا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ چار بار کہا ہے تو بتاؤ کس سے زنا کیا ہے ۷؎بولے فلاں عورت سے فرمایا کیا تم اس کے ساتھ لیٹے عرض کیا ہاں فرمایا کیا	

	تم نے اسے چمٹایا عرض کیا ہاں فرمایا کیا تم نے اس سے صحبت کی ۸؎ عرض کیا ہاں ۹؎ راوی کہتے ہیں تب ان کو رجم کیے جانے کا حکم فرمایا انہیں حرہ کی طرف نکالا گیا ۱۰؎ پھر جب انہیں رجم شروع ہوا انہوں نے پتھروں کی تکلیف پائی تو گھبرا گئے بھاگے ہوئے نکل گئے ۱۱؎ پھر انہیں عبداللہ ابن انیس ملے حالانکہ ان کے ساتھی عاجز آچکے تھے ۱۲؎ تو انہوں نے اونٹ کی پنڈلی نکالی اس سے انہیں مارا ۱۳؎ قتل کردیا ۱۴؎ پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ۱۵؎ اور حضور سے اس کا ذکر کیا فرمایا تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا شاید وہ توبہ کرلیتے تو رب ان کی توبہ قبول فرمالیتا ۱۶؎ (ابوداؤد)

۱؎ عن ابیہ میں باپ سے مراد نعیم ہیں اور یہاں ابی میں باپ سے مراد ہزال ہیں یعنی حضرت ماعز لاوارث یتیم تھے تو انہیں ہزال نے خدا ترسی سے پال لیا۔

۲؎ یعنی محلّہ کی لڑکی سے زنا کیا،بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ وہ لڑکی خود ہزال کی لونڈی تھی۔

۳؎ اور حضور کی بارگاہ میں جاکر رب کے حضور توبہ کرو جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔اس سے پتہ لگا کہ حضرات صحابہ حضور کو مشکل کشا جانتے تھے،آپ کے آستانہ کو رب تعالٰی کا دروازہ سمجھتے تھے اسی لیے رب تعالٰی کے گناہ کرنے پر حضور کے دروازہ پر بھیجتے تھے کیوں نہ سمجھتے کہ خود رب تعالٰی نے فرمایا:"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ"الایہ اور بنی اسرائیل سے فرمایا:"ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ"۔

۴؎ یعنی انہیں یہ امید نہ تھی کہ ان پر حد شرعی جاری ہوگی وہ سمجھے کہ زنا کی سزا اسے دی جاتی ہے جس کا زنا گواہی سے ثابت ہوا قراری مجرم سے توبہ کرائی جاتی ہے اس زنا پر گواہ نہ تھے۔

۵؎ کتاب اللہ سے مراد اللہ تعالٰی کا حکم ہے جو بندوں پر لکھا جاچکا ہے قرآن کریم مراد نہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہی ہو اور اس وقت تک رجم کی سزا کی آیت قرآن کریم میں موجود تھی،اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ ماعز مجلس مبارک سے چلے گئے تھے غائب ہوگئے تھے پھر واپس آئے۔

۷؎ حاکم عورت کا سوال اس لیے کرے کہ کبھی بعض کم عقل لوگ اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرلینے کو زنا سمجھ جاتے ہیں یا وطی بالشبہ کو زنا کہہ دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہر حرام صحبت زنا ہے حالانکہ یہ غلط ہے لہذا اس

سوال پر یہ شبہ نہیں کہ عورت کا راز کیوں فاش کرایا،نیز یہاں حد قذف لگنے کا احتمال نہیں کیونکہ رجم کے بعد حد قذف کیسی۔

۸؎یہاں مباشرت سے مراد صحبت کرنا ہے نہ کہ فقط جسم چھونا کیونکہ یہ تمام سوالات تو پہلے ہوچکے ہیں۔

۹؎معلوم ہوا کہ اقرار زنا کے لیے لفظ ہاں کہہ دینا بھی کافی ہے۔

۱۰؎اخرج بذات خود متعدی ہے اور بہ کی ب زائدہ ہے جس سے اخرج کے متعدی ہونے کی تائید مقصود ہے جیسے قرآنی آیت تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ کی ب۔(مرقات)حرہ بیرون مدینہ کی پتھریلی زمین کا نام ہے۔معلوم ہوا کہ رجم شہر سے باہر ہونا اچھا ہے۔حق یہ ہے کہ آپ کو مصلے یعنی عیدگاہ کی طرف لے جایا گیا وہاں سے بحالت رجم بھاگ کر حرہ میں پہنچ گئے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں مصلے لے جانے کا ذکر ہے۔

۱۱؎رجم گاہ کے علاقہ سے نکل گئے۔

۱۲؎عبداللہ ابن انیس کے ساتھی جو رجم کررہے تھے یا ماعز کے ساتھی جو رجم میں شریک تھے وہ عاجز آچکے تھے پکڑ نہ سکتے تھے۔

۱۳؎وظیف لغت میں گھوڑے یا اونٹ کی ہاتھ یا پاؤں کی لمبی ہڈی ہے۔(قاموس)اور مغرب میں ہے کہ وظیف بغیر اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی یعنی انہوں نے یہ ہڈی لاٹھی کی طرح نہ ماری بلکہ پتھر کی طرح پھینک کر ماری اس لیے رماہ فرمایا لہذا رجم کے معنے بالکل درست ہیں۔

۱۴؎یہاں قتل سے مراد جان نکال دینا ہے نہ کہ عرفی قتل کہ وہ تو دھار دار آلہ سے ہوتا ہے۔

۱۵؎یعنی عبداللہ ابن انیس حاضر ہوئے۔آپ انصاری ہیں،مدنی عقبی ہیں،غزوہ احد میں شریک ہوئے۔

۱۶؎یعنی اگر سزا نہ بھی پاتے اور خود ہی توبہ قبول کرلیتے ممکن تھا کہ ان کی مغفرت ہوجاتی۔لعل سے معلوم ہوا کہ زنا کی سزا بفضلہٖ تعالٰی یقینی کفارہ ہے صرف توبہ میں بخشش کی امید ہے یقینی نہیں۔مرقات میں ہے کہ پھر غامدیہ عورت نے بھی چار بار اقرار زنا کیا اور وہ بھی رجم کردی گئی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن العاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی قوم جس میں زنا پھیل جائے مگر وہ قحط سالی سے پکڑے جاتے ہیں ۱؎اور نہیں ہے کوئی قوم جس میں رشوت عام ہوجائے ۲؎مگر وہ مرعوبیت سے پکڑے جاتے ہیں ۳؎(احمد)

۱؎یعنی جب قوم میں زنا پھیل جائے کہ لوگ عمومًا کرنے لگیں تو قحط پھیلے گا خواہ اس طرح کہ بارش بند ہوجائے اور پیداوار نہ ہو یا اس طرح کی پیداوار تو ہو مگر کھانا نصیب نہ ہو،دوسری قسم کا قحط سخت عذاب ہے جیسا کہ آج کل دیکھا جارہا ہے کہ پیداوار بہت ہے مگر قحط و گرانی کی حد ہوگئی،یہ آج کل کی حرامکاری کا نتیجہ ہے۔

۲؎ رشا کے لغوی معنی ہیں رسی،چونکہ رسی کنویں سے پانی نکالنے کا ذریعہ ہے اس لیے اس وسیلہ کو بھی رشا کہتے ہیں جو غلط فیصلہ حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے یعنی رشوت۔رشوت یا مال ہو یا کچھ اور چیز کہ رشوت دینا بھی حرام ہے اور لینا بھی حرام،انصاف حاصل کرنے کے لیےرشوت دینا جائز ہے مگر لینا حرام ہے یعنی اگر حاکم بغیر رشوت لیے انصاف نہیں کرتا اور فریادی برحق ہے تو وہ رشوت دے کر اپنے لیے حق فیصلہ کراسکتا ہے مگر لینے والا حاکم حرام خور اور مجرم ہے اس کا فرض تھا کہ بغیر رشوت لیے انصاف کرتا۔

۳؎ یعنی رشوت لینے والا شخص مرعوب ہوتا ہے اور رشوت لینے والی قوم پر دوسری قوم کی ہیبت طاری ہوجاتی ہے جیسا کہ آج ہم لوگ کفار سے مرعوب ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس و ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ نے فرمایا لعنتی ہے وہ جو قوم لوط کا سا کام کرے ۱؎ (رزین)	

۱؎ یعنی لڑکوں سے حرامکاری کرے۔ملعون سے مراد ہے اللہ تعالٰی فرشتوں،انسانوں کا پھٹکارا ہوا۔خیال رہے کہ مرد سے بدکاری حرام قطعی ہے اس کا حلال جاننے والا کافر ہے کہ قرآن کریم میں اس کی حرمت صراحۃً مذکور ہے اسی بنا پر قوم لوط پر سخت عذاب آیا۔جامع صغیر میں ہے کہ ملعون ہے وہ جو اپنے باپ کو گالی دے،لعنتی ہے وہ جو اپنی ماں کو گالی دے،لعنتی ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے،لعنتی ہے وہ جو جانور سے بدکاری کرے لعنتی ہے وہ جو راستے کے نشانات مٹائے۔(مرقات)

اسی کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس سے ہے کہ حضرت علی نے ان دونوں کو جلایا اور ابوبکر صدیق نے ان دونوں پر دیوار گرائی ۱؎	

۱؎ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے بدکاری کے جرم میں فاعل مفعول دونوں کو زندہ جلادیا اور حضرت ابوبکر صدیق نے ان دونوں پر دیوار گرا کر ہلاک کیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت پر حد نہیں ورنہ سزا میں صحابہ کا اختلاف نہ ہوتا،حد تو مقرر ہوتی ہے جیسے زانی کو سو کوڑے یا رجم،چور کے ہاتھ کاٹنا یا نیک بی بی کو تہمت لگانے والے کو اسی۸۰ کوڑے۔بہرحال یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ لوطی پر حد نہیں تعزیر ہے ان حضرات صحابہ نے تعزیرًا جلادیا یا دیوار گرا کر ہلاک کیا،باقی صحابہ نے اعتراض نہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ لوطی پر حد نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس پر نظر رحمت نہ کرے جو مرد یا عورت کے پاس دبر میں جائے ۱؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

۱؎خیال رہے کہ لڑکے سے بدفعلی ازروئے قرآن کریم حرام قطعی ہے مگر عورت سے دبر میں صحبت ازروئے قیاس حرام قطعی ہے کہ اس کی قطعی حرمت حائضہ و نفساء سے صحبت پر قیاس کی بنا پر ہے لہذا اس حرمت کا منکر بھی کافر ہے،جو کوئی عورت سے اس فعل کو حلال جانے وہ مرتد ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ فرمایا جو جانور سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے ابوسفیان ثوری سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا اور یہ پہلی حدیث اس مرفوع حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ جو جانور سے حرام کرے اسے قتل کردو۲؎اور عمل اس پر ہے اہلِ علم کے نزدیک ۳؎	

۱؎بلکہ اس جرم پر تعزیر ہے وہ یہ کہ حاکم ایسے شخص کو قتل کردے اور جانور کو ذبح کرکے دفن کردے۔

۲؎یعنی سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی یہ موقوف حدیث سے زیادہ صحیح ہےجس میں فرمایا گیا کہ ایسے شخص کو قتل کرو۔

۳؎یعنی تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جانور سے بدفعلی کرنے والے پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی سزائیں قریبی اور دوری لوگوں میں قائم کرو ۱؎اور تم کو اللہ کی راہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت مانع نہ ہو۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎یعنی شہر میں رہنے والے مجرموں پر حد قائم کرو جو حاکم سے قریب رہتے ہیں اور دیہاتی لوگوں پر بھی حد قائم کرو جو حاکم سے دور رہتے ہیں یاجو تم سے رشتہ میں دور ہوں ان پر بھی حد قائم کرو،جو دور نہ ہوں ان پر بھی قائم کردو یا مالدار چودھری مجرموں پر بھی حد قائم کرو جو مالداری کی بنا پر حکام سے قریب رہتے ہیں اور غریب مسکین مجرموں پر بھی حد قائم کرو جو اپنی مفلسی کی وجہ سے حکام سے دور رہتے ہیں غرضکہ ہر مجرم پر قائم کرو۔

۲؎یعنی شرعی سزائیں دینے میں کسی کافر،منافق،بے دینی کی لعنت ملامت کی پرواہ نہ کرو کسی کی رعایت نہ کرو کہ سخت سزاؤں سے ہی امن و امان قائم رہتی ہے ورنہ قوم کا وہ حال ہوتا ہے جو آج ہمارا ہے کہ نہ جان محفوظ ہے نہ مال نہ عزت آبرو یہ صرف اس لیے ہے کہ ہمارے ہاں سزائیں ہلکی ہیں وہ بھی بڑے لوگوں کو نہیں ملتیں۔دُرود ہو اس ذات کریم پر جو ہم کو سب کچھ سکھا گئے اللہ تعالٰی عمل کی توفیق دے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی حدود میں سے ایک سزا کا قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات کی	

	بارش سے بہتر ہے ۱؎(ابن ماجہ)
	اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

۱؎یہاں چالیس رات کی مسلسل موسلادھار بارش مراد نہیں کہ وہ تو مضر ہے بلکہ چالیس دن کی مفید بارش مراد ہے جو ٹھہر ٹھہر کر بقدر ضرورت ہو،سزائیں جرموں کی روک،امان کا قیام،آسمانی رحمت کے نزول کا ذریعہ ہیں،حدیث پاک میں ہے کہ انسانوں کے گناہ کی وجہ سے بٹیریں اپنے گھونسلوں میں بھوکی مرجاتی ہیں یعنی ان کے گناہوں سے بارش نہیں ہوتی جس سے جانور بھی مصیبت میں گرفتار ہوجاتے ہیں،بٹیر کا خصوصیت سے ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ بہت دور تک چُگ آتی ہیں۔چنانچہ بصرہ میں بٹیر ذبح ہو تو اس کے پیٹ سے سبز گندم نکلتی ہے حالانکہ بصرہ سے بہت دور گندم کی فصل ہوتی ہے کئی دن کے راہ پر۔(مرقات)

باب قطع السرقة

چوری میں ہاتھ کاٹنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ سرقہ سین کے فتح اور ر کے کسرہ سے مصدرہے بمعنی چوری اور دونوں کے فتح سےسارق بمعنی چور کی جمع ہے یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا بیان یا چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا بیان۔خیال رہے کہ سرقہ یعنی چوری کے معنی ہیں کسی کی چیز خفیہ طورپر لے لینا،شریعت میں بھی سرقہ کے یہ ہی معنی ہیں ہاں قطع کے لیے اس میں کچھ قیدیں ہیں جیسے چور عاقل بالغ ہو،مال دس درہم قیمت کا ہو،مال جلد خراب ہوجانے والا نہ ہوجیسے تر پھل پھول کسی کی حفاظت سے چرائے،مال خود محفوظ ہولہٰذا چور کے قبضہ سے مال چرانے والا،زوجین میں سے ایک دوسرے کا مال چرانے والا،جن قرابتداروں کے گھر میں آنے جانے کی اجازت ہو ان کے گھر سے مال چرانے والاان کے ہاتھ نہ کٹیں گے۔(مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ چور کے ہاتھ ۱چہارم دینار سے کم میں نہ کاٹے جائیں پھر زیادہ میں ۲ (مسلم،بخاری)

۱یہاں سارق سے مراد جنس ہے خواہ مرد ہو یا عورت لہٰذا چوٹے اور چوٹی کی سزا ایک ہی ہے خواہ چور مؤمن ہو یا کافر۔

۲شوافع کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا لہٰذا چوتھائی دینار تین درہم ہوا لہٰذا جن احادیث میں تین درہم کا ذکر ہے وہ اس حدیث کی شرح ہیں۔خیال رہے کہ اس پر تو تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ کتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین درہم کا مال چرانے پر ہاتھ کٹے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے،ہمارے امام اعظم کے نزدیک پورے دینار کی قیمت کامال چرانے پر ہاتھ کٹے گاامام اعظم قدس سرہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مرفوعًا اور موقوفًا دونوں طرح مروی ہے کہ **لایقطع الا فی دینارٍ** یعنی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا مگر ایک دینار میں،امام اعظم کے ہاں دینار دس درہم کا ہے لہٰذا دس درہم کی قیمت کے مال کی چوری پر چور کا ہاتھ کٹے گا،خواجہ حسن بصری اور داؤد اور فرقہ خارجیہ اور امام شافعی کی نواسی کا قول ہے کہ مطلقًا چوری پر ہاتھ کٹے گا خواہ ایک پیسہ کی چوری کرے،وہ کہتے ہیں کہ آیت "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ

فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا" مطلق ہے،باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ چوری کے لیے نصاب مقرر ہے اور آیت کریمہ "السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ" مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے کیونکہ چور اور چوری اور ہاتھ کی تفصیل نہیں کہ کس چور کا کس چوری پر کون سا ہاتھ کٹے گا داہنا کہ بایاں اور کہاں سے کٹے گا کلائی سے یا کہنی سے یا کندھے سے،احادیث نے ان اجمالات کی تفصیل فرمائی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے ہاتھ اس ڈھال میں کاٹے جس کی قیمت تین درہم تھی ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎مجن میم کے کسرہ اور جیم کے فتحہ سے بمعنی ڈھال ہے،جن سے مشتق بمعنی چھپانا،چونکہ ڈھال سر چھپانے کا آلہ ہے اس لیے اسے مجن کہتے ہیں،ڈھال کی قیمت میں بھی احادیث میں اختلاف ہے۔چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے روایت کی کہ ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور چونکہ یہ ہاتھ کاٹنا حد ہے اور حدود شبہات سے دفع ہوجاتے ہیں اس لیے دینار سے کم کی روایات مشکوک و مشتبہ ہیں اور دینار کی روایت یقینی ہے لہذا حد جیسے نازک مسئلہ میں یہ ہی روایت معتبر ہونی چاہیے یعنی بڑی سے بڑی قیمت کو نصاب بنانا لازم ہے۔حاکم نے مستدرک میں بروایت مجاہد عن ایمن نقل کیا کہ حضور انور کے زمانہ میں ڈھال سے کم قیمتی مال میں ہاتھ نہ کٹتے تھے وثمنهٗ یومئذٍ دینار اور اس زمانہ میں ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔خیال رہے کہ یہ ایمن صحابی ہیں انہیں ابن ام ایمن بھی کہا جاتا ہے،ایمن تابعی دوسرے ہیں دیکھئے مرقات۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ فرمایا خدا کی پھٹکار چور پر ۱؎کہ بیضہ(خَود)چرائے تو اس کاہاتھ کاٹا جائے اور رسّی چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار فاسق مؤمن پر بغیر نام لیے صرف وصف سے لعنت کرنا درست ہے،نام لے کر لعنت کرنا صرف کفار کے لیے ہے۔(مرقات)

۲؎یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ہر چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے اگرچہ ایک دو پیسہ کی ہی چیز چوری ہو کیونکہ بیضہ کے معنے ہیں انڈا اور حبل کے معنی ہیں رسی اور ظاہر ہے کہ انڈا اور رسی نہ دینار کے ہوتے ہیں نہ تین درہم کے،انڈا ایک دو پیسہ کا رسی ایک دو آنہ کی مگر یہ دلیل نہایت ضعیف ہے کیونکہ بیضہ خود کو بھی کہتے ہیں یعنی لوہے کی جنگی ٹوپی اور رسی کشتی اور جہاز کی بھی ہوتی ہے جو ریشمی اور قیمتی ہوتی ہے،ہوسکتا ہے کہ یہاں وہ ہی خود اور کشتی کی رسی مراد ہواور اگر یہ ہی مرغی کا انڈا اور عام رسی مراد ہو تب بھی حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ چور پر خدا

کی پھٹکارکہ انڈارسی کی چوری سے چوری کرنا سیکھے حتی کہ چوری کا عادی ہوکربڑی چیز چرائے اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے اسی لیے یہاں لفظ **بہ** نہ ارشاد ہوا لہذا یہ استدلال قوی نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ تو سبز میوے میں ہاتھ کٹتا ہے نہ درخت کی چربی میں[1] (مالک،ترمذی، ابوداؤد،نسائی،دارمی،ابن ماجہ)[2]

[1] امام شافعی کہتے ہیں کہ پھل جب تک درخت میں لگا رہے **ثمر** کہلاتا ہے،درخت سے ٹوٹنے کے بعد رطب اور جب علیحدہ کرکے خشک کرلیا جائے تو **تمر** ہے لہذا یہاں **ثمر** سے مراد درخت میں لگا ہوا پھل جو توڑا نہ گیا ہواور **کثر** کاف و ث کے فتحہ سےدرخت کھجور کی چربی جو درخت کے اوپر کے حصہ سے سفید رنگ کا نکلتا ہے کھایا بھی جاتا ہے یعنی ان دونوں کی چوری میں ہاتھ نہیں کٹتا،حاکم چاہے تو تعزیرًا کچھ سزا دے دے مگر احناف کے نزدیک **ثمر** سے مراد ہر وہ پھل ہے جو جلد خراب ہوجائے یوں ہی **کثر** لہذا جلد بگڑجانے والے پھلوں کی چوری میں قطع نہیں خواہ درخت میں لگا ہویا توڑ لیا گیا ہواور خواہ باغ و درخت محفوظ ہو یا چار دیواری سے گھرا ہو یا غیر محفوظ۔

[2] اس حدیث کو احمد ابن حبان نے بھی نقل فرمایا۔اس حدیث کی بنا پر امام اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں جلد بگڑجانے والے پھلوں کی چوری میں ہاتھ نہ کٹیں گے محفوظ ہوں یا غیر محفوظ،اسی طرح دودھ گوشت وغیرہ بگڑ جانے والی چیزوں کی چوری میں ہاتھ نہ کٹیں گے،امام شافعی کے ہاں اگر درخت غیر محفوظ ہے جیسے کھلے باغ تو ان کے پھلوں کی چوری میں قطع نہیں اور اگر باغ کے ارد گرد دیوار ہے دروازہ محفوظ ہے تو اس کی پھل کی چوری سے ہاتھ کٹ جائے گا۔خیال رہے کہ پرندوں اور مرغی کی چوری میں بھی قطع نہیں۔چنانچہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں ایک چور لایا گیا جس نے کسی کی مرغی چوری کی تھی،آپ نے حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پرندوں کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا،چنانچہ اس کے ہاتھ نہ کاٹے گئے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور سے درخت میں لٹکے ہوئے پھلوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ جو کھلیان میں جگہ دینے کے بعد[1] اسے چرائے پھر

	وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کٹنا ہے۲(ابوداؤد،نسائی)

۱جرین باغ میں وہ جگہ ہے جہاں باغبان پھل توڑ کر جمع کرتے رہتے ہیں پھر وہاں سے بازار یا اپنے گھر لے جاتے ہیں جیسے دانہ کے لیے کھلیان۔

۲یعنی جب تک پھل درخت پر رہے غیر محفوظ ہے لہذا اس کی چوری میں قطع نہیں اور جب توڑکر یہاں خزانہ میں رکھ لیے گئے محفوظ ہوگئے اب ان کی چوری میں ہاتھ کٹے گا،یہ حدیث امام ابویوسف اور امام شافعی کی دلیل ہے کہ خراب ہوجانے والے پھل اگر محفوظ ہوگئے ہوں تو ان کی چوری میں قطع ہے بشرطیکہ نصاب کے قدر کی چوری ہو یعنی امام شافعی کے ہاں تین درہم کی قیمت اور امام یوسف کے ہاں درس درہم قیمت کا مال،امام اعظم جرین میں جگہ دینے سے مراد لیتے ہیں خشک چھوارے جو خراب نہیں ہوتے ان کی چوری میں قطع ہے اس لیے کہ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں بروایت جریر ابن حازم عن الحسن البصری روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لا اقطع فی الطعام اور طعام سے مراد جلد بگڑ جانے والی چیزیں ہیں جیسے گوشت،دودھ،سبزمیوے کیونکہ گندم وغیرہ کی چوری میں اجماعًا قطع ہے۔غرضکہ جرین میں قطع ہونے کی وجہ امام شافعی کے ہاں حفاظت ہے اور امام اعظم کے ہاں کھجور کا خشک ہوکر پائیدار ہوجانا ہے،امام اعظم کی دلیل قوی ہے کہ ابھی حدیث میں گزرچکالاقطع فی ثمر و لا کثر،نیز اگر باغ چار دیواری سے گھرا ہواور دروازہ باغ بند ہو یا باغ میں مالک باغ موجود ہو تو درخت محفوظ ہے اس کے پھل محفوظ،تو چاہیے کہ ایسے باغ کے درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی چوری سے بھی ہاتھ کٹ جائے گا حالانکہ حدیث شریف نے معلق پھل کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی مطلقًا ممانعت کردی لہذا امام اعظم کا قول نہایت قوی ہے کہ معلق پھل کی چوری میں ہاتھ نہ کٹنے کی وجہ اس پھل کا جلد بگڑ جانا ہے نہ کہ غیر محفوظ ہونا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عبدالرحمان ابن ابی حسین مکی سے ۱کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو درخت میں لٹکے ہوئے پھل میں ہاتھ کٹتا ہے اور نہ پہاڑ کے جانوروں میں ۲پھر جب اسے طویلہ۳اور کھلیان میں جگہ دیدے تو اتنے میں ہاتھ کٹتا ہےجو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے۴(مالک)۵

۱آپ قرشی نوفلی ہیں یعنی نوفل ابن عبدمناف کی اولاد سے تابعی ہیں ثقہ ہیں۔

۲کیونکہ پہاڑ محفوظ جگہ نہیں لہذا یہاں سے بکری وغیرہ چرانے میں قطع نہیں اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ جو کوئی اونٹوں کی قطار سے ایک دو اونٹ چرالے تو قطع نہیں کہ یہ اونٹ محفوظ جگہ میں نہیں لیکن اگر اونٹ پر لدی ہوئی بوریوں میں سے غلہ وغیرہ چرالیا تو ہاتھ کٹے گا کہ بوری دانہ کے لیے محل حفاظت ہے۔

۳مراح میم کے پیش سے وہ جگہ جہاں اونٹ گائے وغیرہ باندھے جاتے ہیں یعنی طویلہ،بکریوں کے بندھنے کی جگہ کو حربیہ۔

۴؎یعنی جو جانور طویلہ میں محفوظ کردیا جائے اور جو پھل درخت سے ٹوٹ کر کھلیان میں رکھ دیا جائے پھر اس جانور یا اس خشک پھل کی قیمت دس درہم ہو اس کی چوری میں چور کے ہاتھ کٹیں گے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک جنگل میں جو اونٹوں کی قطار جارہی ہے جس کے آگے یا پیچھے ایک محافظ ہے اس قطار میں سے اونٹ کی چوری سے ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ یہ شخص صرف اس اونٹ کا محافظ ہے جس پر سوار ہے یا جس کی نکیل پکڑے چل رہا ہے یا جس کو پیچھے سے ہانک رہا ہے باقی کا محافظ نہیں وہ سب غیر محفوظ ہیں،باقی اماموں کے ہاں جہاں تک اونٹوں کو دیکھ رہا ہے وہاں تک کے اونٹ محفوظ ہیں کہ انکی چوری سے ہاتھ کٹے گا،نیز احناف کے نزدیک پھلوں کے جرین میں آجانے کے معنے یہ ہیں کہ وہ خشک ہوکر چھوارے یا کشمش بن جائیں،چونکہ اب وہ جلد نہ بگڑیں گے لہذا انکی چوری سے ہاتھ کٹے گا۔دوسرے اماموں کے نزدیک جرین میں پہنچ جانے کے یہ معنی ہیں کہ وہ محفوظ ہو جائیں لہذا اگرچہ وہ تر پھل رہیں ان کی چوری سے ہاتھ کٹ جائے گا،مذہب حنفی قوی ہے کہ سرکار فرماتے ہیں **لا قطع فی ثمر ولا کثر** پھل جرین میں پہنچ کر بھی **ثمر** رہتا ہے پھر اس میں ہاتھ کٹوانا اس حدیث کے خلاف ہے۔

۵؎یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عبداللہ ابن عبدالرحمن تابعی ہیں انہوں نے صحابی کا ذکر نہ فرمایا اور مرسل حدیث امام ابوحنیفہ کے ہاں مقبول ہے،شوافع کے ہاں ناقابل قبول لہذا شوافع اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹیرے پر ہاتھ کٹنا نہیں ۱؎ اور جو ظاہر ظہور لوٹ کرے وہ ہم سے نہیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎نھبة غنیمت کو بھی کہتے ہیں اور کسی کا مال علانیہ زبردستی چھین لینے کو بھی کہتے ہیں،یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی علانیہ زبردستی مال چھین لینے والے کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ ہاتھ کٹتا ہے چوری سے اور چوری میں خفیہ لینا ضروری ہے یا جو غازی غنیمت کے مال میں تقسیم سے پہلے چوری کرے اس کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ اس غنیمت میں چور کا بھی حصہ ہے اور جس مال میں چور کا بھی حصہ ہو اس کی چوری سے ہاتھ نہیں کٹتا لہذا ان دو توجیہوں پر اس سے دو مسئلے حاصل ہوں گے۔(اشعہ)

۲؎یعنی جو ظالم کھلے بندوں لوگوں کا مال چھین لے اور لوگ منہ تکتے رہ جائیں ایسا ظالم ہمارے طریقہ ہماری جماعت سے خارج ہے،اسلام سے نکل جانا مراد نہیں کہ یہ جرم فساد عمل ہے فساد عقیدہ نہیں۔خیال رہے کہ ڈاکو کے ہاتھ نہ کٹیں گے بلکہ ڈکیتی کی سزائیں مختلف ہیں بعض صورتوں میں اس کو سولی دی جائے گی۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا خیانت کرنے والے اور لٹیرے اور اچکّے پر ہاتھ کٹنا نہیں ۱؎(ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎خائن وہ جو کسی کی امانت مارے خواہ اس طرح کہ کسی کی چیز عاریۃً مانگ کر لے جائے بعد میں جھوٹ کہہ دے کہ کھو گئی یا عاریۃً کا انکار کردے یا اس طرح کہ کوئی اس کے پاس بطور ودیعت مال رکھے اور یہ ہضم کرے امین کا مقابل۔**منتھب** وہ جو علانیہ جبرًا کسی کا مال چھین لے اور **مختلس** وہ جو کسی کے ہاتھ سے جلدی سے اچک کر چیز لے

کر چلتا بنے ان تینوں کے ہاتھ نہ کٹیں گے۔خائن چونکہ ایسا مال لیتا ہے جو مالک کی حفاظت میں نہیں بلکہ خود اس کی اپنی حفاظت میں ہے اس لیے یہ مال اس کے حق میں غیر محفوظ ہے لہذا یہ کام چوری نہ بنا اور لٹیرے یا اچکے کا ہاتھ کٹے گا کہ اگرچہ اس نے مال محفوظ تو کرلیا مگر خفیہ نہ لیا بہرحال یہ تینوں سارق یعنی چور نہیں لہذا ان کی سزا یہ نہ ہوگی،چاروں اماموں کا یہ ہی مذہب ہے البتہ اسحاق ابن راھویہ کا قول ہے کہ خائن کا ہاتھ کٹے گا کیونکہ مسلم و بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی،مدینہ منورہ میں ایک عورت عاریۃً چیز لے کر انکار کر دیتی تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کٹوادیا مگر ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کا ہاتھ اس خیانت سے نہ کٹا بلکہ اس نے ایک بار چوری بھی کرلی پھر کٹا،حضرت ام المؤمنین نے یہاں اس عورت کا وصف مشہور بیان فرمایا ہے،وجہ قطع بیان نہ فرمائی اور اگر خیانت سے ہاتھ کٹوایا گیا تو یہ حدیث اس کی ناسخ ہے وہ عورت یا تو فاطمہ بنت اسود ابن عبدالاسود تھی یا عمیرہ بنت سفیان ابن الاسود تھی۔(مرقات)

	اور شرح سنہ میں روایت ہے کہ صفوان ابن امیہ[1] مدینہ منورہ آئے مسجد میں سو گئے اور تکیہ اپنی چادر کا بنا لیا[2] ایک چور آیا اس نے آپ کی چادر لے لی اور اسے صفوان نے پکڑ لیا پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے حضور نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا[3] تو صفوان بولے کہ میں نے یہ نہ چاہا تھا یہ اس پر صدقہ ہے[4] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ کیا ہوتا[5]

[1] آپ صفوان ابن امیہ ابن خلف جمحی قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن آپ مکہ معظمہ سے بھاگ گئے تھے پھر عمیر ابن وہب نے آپ کے لیے حضور سے امان حاصل کی حضور نے عمیر کو اپنی چادر عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ چادر امان کی علامت ہے پھر انکو حضور کی بارگاہ میں لایا گیا،پھر غزوہ طائف میں ایمان لائے اور ان کا اسلام قبول ہوا،حضور نے ان کو بہت عطاؤں سے نوازا۔

[2] یعنی چادر اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ حفاظت مال دو قسم کی ہے:جگہ سے حفاظت اور محافظ سے حفاظت لہذا مسجد جنگل یا راستہ میں اگر مال کے پاس محافظ ہے تو وہ مال محفوظ ہے اس کی چوری سے ہاتھ کٹے گا۔

[3] یا اس لیے کہ اس نے چوری کا اقرار کرلیا تھا یا اس لیے کہ اس کی چوری کا یہ واقعہ گواہوں سے ثابت ہوگیا تھا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صرف یہ الزام قطع کے لیے کافی نہیں۔

۴؎یعنی مجھے یہ خبر نہ تھی کہ اس معمولی سی چادر چرانے پر بھی ہاتھ کٹ جائے گا میں اس کے ہاتھ کٹوانے کے لیے اسے نہ لایا تھا صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تعزیر کے لیے لایا تھا میں یہ چادر اس کو دیتا ہوں فی سبیل اللہ لہٰذا اب یہ اس کا مالک ہے پھر ہاتھ نہ کٹوایا جائے۔

۵؎اس سے معلوم ہوا کہ چوری کا معاملہ حاکم کے پیش ہونے سے پہلے حق العبد ہوتا ہے اگر مال والا معاف کردے اور مقدمہ حاکم کے پیش نہ کرے تو ہاتھ نہ کٹے گا لیکن حاکم کے ہاں مقدمہ پیش ہوجانے پر حق اللہ بن جاتا ہے کہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا،یہ ہی قول ہے امام زفرو امام شافعی و احمد کا۔

اور اسی کی مثل ابن ماجہ نے عبداللہ ابن صفوان سے انہوں نے ان کے والد سے روایت کی۔	
اور دارمی نے ابن عباس سے۔	

روایت ہے حضرت بسر ابن ارطات سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۱؎ کہ جہاد میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں ۲؎ (ترمذی،دارمی،ابوداؤد،نسائی)مگر ان دونوں نے بجائے جہاد کے سفر فرمایا ۳؎	

۱؎بسر ابن ارطات کا نام عمر عامری ہے،کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے،قرشی ہیں۔حق یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں تابعین میں سے ہیں کیونکہ آپ کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل ہے آخر میں دیوانہ ہوگئے تھے،امیر معاویہ یا عبدالملک کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی،بعض شامی علماء نے آپ کا سماع ثابت کیا ہے شاید صاحب مشکوۃ کی یہ روایت شامیوں کے قول پر مبنی ہے کہ فرمارہے ہیں **سمعت** میں نے حضور سے سنا۔(اشعہ،مرقات،ابن عبدالبر اور مغنی نے بھی آپ کی سماعت کا انکار کیا ہے)

۲؎اس فرمان عالی کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ بحالت جہاد جب لشکر اسلام کفار کے ملک میں ہو اگر کوئی چوری کرے تو وہاں اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں یا تو اس لیے کہ وہاں لشکر میں حاکم اسلام موجود نہیں اور شرعی سزائیں حاکم اسلام ہی دے سکتا ہے لشکر کا کمانڈر حاکم اسلام نہیں یا اس لیے کہ وہاں خطرہ ہے کہ چور ہاتھ کٹنے کے خوف سے مرتد ہوکر کفار سے جا ملے۔دوسرے معنی یہ ہیں جہاد کے مال یعنی غنیمت کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس مال میں خود چور کا بھی تو حصہ ہے ایسے مال کی چوری سے ہاتھ نہیں کٹتے،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے،دوسرے امام نمازوروزے کی طرح وہاں دارالحرب میں حد قائم کرنے کا بھی حکم دیتے ہیں مگر وجہ فرق ہم بیان کرچکے ہیں۔

۳؎مگر سفر سے مراد بھی سفر جہاد ہے عام سفر نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سلمہ سے ۱؎حضرت ابوہریرہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے	

	میں فرمایا کہ اگر وہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو اگر پھر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اگر پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو ۲؎(شرح سنہ)

۱؎ابو سلمہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بیٹے ہیں،نہایت متقی ثقہ تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں باسٹھ سال عمر پائی،۹۴ھ یا ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎یعنی پہلی چوری میں چور کا داہنا ہاتھ کلائی سے کاٹ دو،دوسری چوری میں بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹ دو، تیسری چوری میں دایاں پاؤں کاٹ دو،چوتھی چوری میں بایاں ہاتھ کاٹ دو۔ پہلی دو سزاؤں میں اجماع امت ہے مگر آخری دوسزاؤں میں امام اعظم کا اختلاف ہے،امام اعظم فرماتے ہیں کہ تیسری چوری میں اسے قید کردیا جائے حتی کہ یا مرجائے یا سچی توبہ کے آثار اس میں نمودار ہوجائیں،امام اعظم کی دلیل حضرت علی کا فرمان ہے کہ میں شرم کرتا ہوں کہ اس چور کے کھانے کے لیے ہاتھ اور چلنے کے لیے پاؤں بالکل نہ چھوڑوں۔چنانچہ آپ نے تیسری چوری پر قید کیا اورآپ کا یہ عمل تمام صحابہ و تابعین کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اعتراض نہ کیا لہذا اس پر اجماع منعقد ہوگیا،اس حدیث ابو سلمہ کو امام طحاوی نے ضعیف فرمایا لہذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ (لمعات،مرقات،اشعہ)نیز چور کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دینا ایک قسم کا ہلاک کردینا ہے اور چوری کی سزا ہلاکت نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا فرمایا کاٹ دو چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیاپھر دوبارہ اسے لایا گیا فرمایا کاٹ دو چنانچہ کاٹ دیا گیا پھر اسے تیسری بار لایا گیا فرمایا کاٹ دو چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر اسے چوتھی بار لایا گیا فرمایا کاٹ دو پھر اسے پانچویں بار لایا گیا فرمایا اسے قتل کردو ۱؎چنانچہ ہم اسے لے گئے ہم نے اسے قتل کردیا پھر ہم نے اسے گھسیٹا اسے ایک کنویں میں پھینک دیا اور اس پر پتھر مارے ۲؎(ابوداؤد اورنسائی)

۱؎اس حدیث پر کسی امام کا عمل نہیں،کوئی فقیہ چور کے قتل کا حکم نہیں دیتا لہذا یا تو حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے کہ کسی مسلمان کا خون سوائے تین وجہوں کے حلال نہیں:ارتداد،زنا بعد احصان،قصاص،یا یہ چور مرتد ہوگیا تھا یا یہ فسادی یعنی ڈاکوؤں سے مل گیا تھا ان کی امداد کرتا تھا تو سیاسۃً اسے قتل کرادیا گیا،ظاہر یہ ہی ہے کہ وہ مرتد ہوگیا تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے۔

۲؎یعنی ہم نے اس پر نہ نماز جنازہ پڑھی نہ دفن کیا۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ وہ مرتد ہوچکا تھا چوری کو حلال سمجھتا تھا ورنہ فاسق مسلمان کی نماز جنازہ ضروری ہے،یہاں مرقات نے بحوالہ فتح القدیر ایک عجیب حدیث نقل کی،حضرت جابر

فرماتے ہیں کہ حضور انو رصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا فرمایا اسے قتل کردو،پھر عرض کیا گیا حضور اس نے چوری کی ہے فرمایا ہاتھ کاٹ دو،چنانچہ ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر دوبارہ چوری کے جرم میں لایا گیا فرمایا قتل کردو پھر عرض کیا گیا حضور اس نے چوری کی ہے فرمایا پاؤں کاٹ دو،تیسری چوتھی بار بھی یہ ہی ہوا آخر کار پانچویں بار میں اسے قتل کردیا گیا۔نسائی نے بروایت حارث ابن حاطب نقل فرمایا کہ اس شخص نے پانچویں چوری عہد صدیقی میں کی تب صدیق اکبر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے انجام سے خبردار تھے اس لیے پہلی بار میں فرمایا تھا کہ اسے قتل کردو،یہ حدیث طبرانی سے حاکم نے مستدرک میں نقل فرمائی اور کہا صحیح الاسناد ہے۔ تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی۔مرقات نے اس جگہ چوری کے عجیب واقعات بیان فرمائے۔

	اور شرح سنہ میں چور کے قطع کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی اس کے ہاتھ کاٹ دو پھر جھلسادو ۱؎

۱؎ احسموا حسمٌ سے بنا بمعنی داغ دینا یا جھلسانا،یہ جھلسانا اس لیے ہے تاکہ جسم کا تمام خون نہ نکل جائے اور چور کی موت واقع نہ ہوجائے۔حسم کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ لوہا آگ میں سرخ کرکے زخم پر لگادیا جائے۔دوسرے یہ کہ زیتون یا کوئی اور تیل کھولا کر ہاتھ تل دیا جائے،یہ جھلسنا بعض اماموں کے ہاں مستحب ہے،ہمارے ہاں واجب ہے کہ اس میں چور کی جان بچانی ہے،اس کا خرچ دیگر اماموں کے ہاں بیت المال کے ذمہ ہے،ہمارے ہاں خود چور کے ذمہ کہ تیل اور آگ کے لیے ایندھن چور سے منگوایا جائے گا کیونکہ یہ جھلسانا چور کے اپنے نفع کے لیے ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو وہ اس کے ہاتھ میں لٹکادیا گیا پھر اس کا حکم دیا گیا تو اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ آپ انصاری ہیں بنی عمرو ابن عوف سے ہیں،جنگ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شامل ہوئے،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،جب امیر معاویہ جنگ صفین کے لیے گئے تو ان کی جگہ دمشق کے نائب خلیفہ رہے، ۵۳ھ میں دمشق میں انتقال ہوا وہاں ہی دفن ہوئے۔

۲؎ تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور آئندہ کوئی چوری کی جرأت نہ کرے دیگر اماموں کے ہاں لٹکانا سنت ہے ہر چور کا ہاتھ کاٹ کر کٹا ہوا ہاتھ ہار کی طرح گلے میں پہنایا جائے،ہمارے امام صاحب کے ہاں سنت نہیں بلکہ جائز ہے اگر حاکم مناسب سمجھے تو کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چور کا ہاتھ گلے میں نہ ڈالا صرف اس کا ڈالا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب غلام چوری کرے تو

	اسے بیچ دو۱؎ اگرچہ بیس درہم میں ہو ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)۳؎

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ غلام اپنے آقا کے گھر سے کچھ چرائے تو اس کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ غلام کو گھر میں آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے لہذا اس کے لیے آقا کے گھر کا مال محفوظ نہ رہا جیسے خاوند بیوی ایک دوسرے کا مال چرائیں یا مہمان اپنے مہمان کی جگہ سے کچھ چرالے تو ہاتھ نہیں کٹتاکیونکہ ان کے حق میں یہ مال محفوظ نہیں۔

۲؎ نُش چالیس درہم کا ہوتا ہے لہذا آدھا نش بیس درہم کا ہوا یعنی کتنا ہی سستا بیچنا پڑے بیچ دو،یہ حکم بطور مشورہ ہے اور جس کے ہاتھ فروخت کرے اسے اس عیب پر مطلع کردے،ممکن ہے کہ وہ کسی تدبیر سے اس غلام کی چوری چھڑا دے۔

۳؎ نیز یہ حدیث امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ایک چور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا حضور نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا لوگوں نے عرض کیا حضور ہم گمان نہ کرتے تھے کہ یہ یہاں تک پہنچ جائے گا۱؎ فرمایا اگر فاطمہ ہوتیں تو میں ان کے ہاتھ کاٹ دیتا ۲؎(نسائی)

۱؎ یعنی ہم حضور عالی کے متعلق یہ گمان نہ کرتے تھے کہ اسے اتنی سخت سزا دیں گے بلکہ ہمارا خیال تھا کہ رحم خسروانہ فرما کر اسے معمولی جھڑک فرمائیں گے،وہ حضرات سمجھے تھے کہ شرعی سزائیں معاف ہوسکتی ہیں۔

۲؎ کیونکہ مجرم پر رحم یہ ہی ہے کہ اسے پوری سزا دے دی جائے کسی کی کسی طرح رعایت نہ کی جائے کہ اس سے ملک میں امان قائم رہتی ہے اور یہ سزائیں حق اللہ ہیں کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔**لو کان** وہ قضیہ شرطیہ ہے جس کا مقدم اور تالی دونوں ناممکن ہیں اس سیدہ کا نام لے کر یہ بتانا منظور ہے کہ شرعی سزا میں کسی بڑے سے بڑے درجے والے کی بھی رعایت نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ**"۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس اپنا غلام لایا عرض کیا اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے کہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا۱؎ تو حضرت عمر نے فرمایا اس پر قطع نہیں ۲؎ کہ وہ تمہارا خاوند ہے جس نے تمہارا سامان لے لیا ۳؎(مالک)

۱؎ اور اس آئینہ کی قیمت ایک دینار یا اس سے زیادہ ہے۔

۲؎ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ جس کو گھر میں آنے کی دائمی یا عارضی اجازت ہو اگر وہ گھر سے چوری کرے تو اس پر قطع نہیں کہ اس گھر کا مال اس کے لیے محفوظ نہ رہا،اس پر بہت سے مسائل مبنی ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ اگر غلام مولیٰ کے گھر سے چوری کرے تو احناف کے نزدیک اس کا ہاتھ نہ کٹے گا،بعض آئمہ کے ہاں کٹ جائے گا لیکن اگر مولیٰ غلام کے مال کی چوری کرلے تو بالاجماع مولیٰ کا ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ غلام کا مال مولیٰ ہی کا ہوتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ اگر غلام مولیٰ کے سواءکسی اور کا مال چوری کرے اگرچہ وہ مولیٰ کا عزیزورشتہ دار ہی ہوں جن کے گھر جانے کی غلام کو عام اجازت نہ ہو تو اس کا ہاتھ کٹ جائے گاکیونکہ ان لوگوں کے مال غلام کے لیے غیر محفوظ نہیں بلکہ محفوظ ہیں اور محفوظ مال کی چوری میں قطع ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ فرمایا اس وقت تم کیسے ہوگے جب لوگوں کو عام وبائی موت پہنچے گی ۱؎ کہ اس میں قبر غلام کی عوض ہوگی گھر سے مراد قبر تھی ۲؎ میں نے عرض کیا اللہ و رسول ہی جانیں ۳؎ فرمایا تم صبر اختیار کرنا ۴؎ حماد ابن سلیمان نے فرمایا ۵؎ کہ کفن چور کے ہاتھ کاٹے جائیں کیونکہ وہ میت پر اس کے گھر میں گھس گیا ۶؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ایک وقت تم ایسا دیکھو گے کہ جہاں تم ہو گے وہاں کوئی وبا پھیلے گی جس سے لوگ بہت زیادہ مریں گے تم اس وقت کیا کرو گےوہاں صابر ہو کر رہو گے یا وہاں سے بھاگ جاؤ گے،یہ جگہ مدینہ منورہ کے علاوہ ہوگی کیونکہ مدینہ منورہ میں وبا نہیں پھیلتی۔

۲؎ یعنی موت اس قدر عام ہوگی کہ ایک قبر کی جگہ ایک غلام کے عوض فروخت ہوگی یا ایک قبر کی کھدوائی کی اجرت ایک غلام کی قیمت ہوگی۔

۳؎ یعنی مجھے خبر نہیں کہ اس وقت میرا کیا حال ہوگا صبر یا بے صبری،یہ توآپ اورآپ کے رب کو ہی خبر ہے۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ہر اگلے پچھلے حالات سے خبردار ہیں،ہم کو اپنے حال کی ایسی خبر نہیں جیسی خبر حضور کو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴؎ یہ حکم بھی ہے خبر بھی یعنی تم اس وقت صبر کرو گے اور ایسا ہی کرنا کہ وہاں کی جگہ سے بھاگ جانا بے صبری ہے۔

۵؎ حماد تابعی ہیں،ثقہ ہیں،کوفی ہیں،فقیہ مجتہد ہیں،حضرت انس اور سعید ابن مسیب و ابراہیم نخعی سے روایات کرتے ہیں،حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے استاذ حدیث ہیں،۱۲۰ھ؁ میں وفات ہوئی،آپ کے والد ابو سلیمان کا نام مسلم

اشعری ہے وہ ابراہیم ابن موسیٰ اشعری کے مولیٰ ہیں،حضرت امام ابوحنیفہ کی احادیث حماد عن ابراہیم النخعی ہوتی ہیں۔(اشعہ)

۶؎ یعنی حضرت حماد نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی قبر کو گھر فرمایا اور گھر سے چوری کرنے والا قطع کا مستحق ہے۔خیال رہے کہ امام اعظم و امام محمد کے نزدیک کفن چور کا ہاتھ نہ کٹے گا،امام ابویوسف و امام شافعی وغیرہم کے نزدیک کٹے گا،ان آئمہ کی دلیل یہ حدیث ہے مگر اس سے استدلال بہت ضعیف ہے کیونکہ اگرچہ قبر گھر ہے مگر غیر محفوظ ہے اور کفن غیر مملوک ہے،غیر محفوظ جگہ سے غیر مملوک مال کی چوری سے قطع نہیں جس مکان کا دروازہ بند نہ ہو اور کوئی محافظ بھی موجود نہ ہو وہاں سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کسی کے نزدیک نہیں کٹتا،حضرت عبداللہ ابن عباس،سفیان ثوری،امام اوزاعی اور امام زہری کا یہ قول ہے کہ کفن چور پر قطع نہیں،کفن چور کے قطع کے متعلق جس قدر روایات ہیں وہ تمام ضعیف ہیں،اس کی تفصیل اس جگہ مرقات میں دیکھو۔ابن ابی شیبہ نے امام زہری سے روایت کی کہ مروان کے پاس ایک کفن چور لایا گیا تو اس نے کوڑے لگوائے تمام صحابہ نے یہ دیکھا اور کسی نے انکار نہ کیا بلکہ مروان نے صحابہ کرام سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو سب نے رائے دی کہ اس کے کوڑے لگوائے جائیں اور اسے تمام شہر میں گشت کرائی جائے،ہاں امام اعظم کے ہاں اگر حاکم سیاسۃً کفن چور کا ہاتھ کٹوا دے تو جائز ہے کہ یہ حد نہیں بلکہ تعزیر ہے،یہ بحث اچھی طرح خیال میں رہنی چاہیے۔

باب الشفاعۃ فی الحدود

حدود میں سفارش کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں اگرچہ چوری کی سزا میں سفارش کی ممانعت کا ذکر ہے مگر کسی حد میں سفارش جائز نہیں اسی لیے صاحب مشکوۃ نے حدود جمع فرمایا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ قریش کو اس مخزومی عورت کی حالت نے غم میں ڈال دیا جس نے چوری کی تھی ۱؎ انہوں نے مشورہ کیا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون عرض کرے تو بولے کہ اس پر کون جرأت کرسکتا ہے سواء اسامہ ابن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں ۲؎ چنانچہ حضور سے اسامہ نے عرض کیا ۳؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم اللہ تعالٰی کی حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو ۴؎ پھر قیام فرمایا خطبہ دیا پھر فرمایا تم سے پہلے والے صرف اس وجہ سے ہلاک کیے گئے ۵؎ کہ ان میں جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے ۶؎ اور اللہ کی قسم ۷؎ اگر محمد مصطفٰی کی دختر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا ۸؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ ایک مخزومی عورت سامان مانگ لیتی اور اس کا انکار کر دیتی تھی ۹؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کے گھر والے اسامہ کے پاس آئے ان سے کچھ کہا سنا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق

	عرض کیا پھر گزشتہ حدیث کی مثل ذکر کیا ۱۰؎

۱؎ مخزوم قریش کا بہت بڑا قبیلہ ہے اسی قبیلہ میں ابوجہل تھا،اس عورت کا نام فاطمہ بنت اسود ابن عبدالاسد ہے حضرت ابو سلمیٰ کی بھتیجی،بہت عالی نسب اشرف قوم تھیں۔

۲؎ یہ مشورہ حضرات صحابہ نے کیا اس خیال سے کہ ایسی عالی خاندان عورت کا ہاتھ کٹوانے سے اس خاندان کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے جس سے بڑا فساد پھیل سکتا ہے لہذا اس پر جرمانہ وغیرہ کردیا جائے ہاتھ نہ کاٹاجائے،قرآن کریم فرماتاہے:"اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"۔

۳؎ حضرت اسامہ ابن زید نے اس آیت پر نظر رکھ کر سفارش کی کہ"مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفٰعَةً حَسَنَةً یَّکُنۡ لَّهٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡهَا"وہ یہ سمجھے کہ یہ سفارش بھی اچھی شفاعت میں داخل ہے۔غرضکہ تمام صحابہ کرام اور حضرت اسامہ کی نیت بخیر تھی انہیں اس مسئلہ کی خبر نہ تھی جواب بیان ہورہا ہے۔

۴؎ یہ فرمان عالی تعجب کے طور پر ہے کہ تم جیسے عقل مند ایسی سفارش کرتے ہیں یہ سفارش تو شفاعت سیئہ میں داخل ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفٰعَةً سَیِّئَةً یَّکُنۡ لَّهٗ کِفۡلٌ مِّنۡهَا"لہذا اس سفارش میں نہ تو حضرات صحابہ پر اعتراض ہے نہ حضرت اسامہ پر،یہ پہلے معلوم ہوچکا کہ چوری کا مقدمہ دائر ہونے سے پہلے حق العبد ہے کہ مالک مال معاف کرسکتا ہےاور مقدمہ پیش ہوجانے پر حق اللہ بن جاتا ہے کہ کوئی معاف نہیں کر سکتا،یہاں مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوچکا تھا۔

۵؎ اهلك یا معروف ہے تو اس کا فاعل انّھم الخ ہے یا مجہول ہے تو اس کا نائب فاعل الذین ہے ان لوگوں سے مراد یہودوعیسائی ہیں اور ہلاکت سے مراد قومی تباہی ملکی بدنظمی ہے۔

۶؎ یعنی یہودونصاریٰ میں زنا چوری قتل وغیرہ جرائم اس لیے بڑھ گئے کہ ان کے حکام و سلاطین نے مالداروں اور بڑے آدمیوں کی حدود میں رعایتیں کرنا شروع کردیں۔ملکی انتظام صرف دو چیزوں سے قائم رہ سکتا ہے سزائیں سخت ہوں جیسے اسلامی سزائیں ہیں اورکسی مجرم کی رعایت ضمانت نہ ہو کوئی بدمعاش قانون کی گرفت سے بچ نہ سکے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَکُمۡ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ"یہاں چونکہ چوری کا مقدمہ درپیش تھا اس لیے حضور عالی نے چوری کا ذکر فرمایا ورنہ ان لوگوں میں ہر جرم کی سزا کا یہ ہی حال تھا زانی ہو یا قاتل ان رعایتوں اور چودھری وغیرچودھری کے فرق کا نتیجہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں،اللہ تعالٰی ہم کو اسلامی حکومت دکھائے۔

۷؎ بصری کہتے ہیں کہ ایم بنا ہے ایمن یا یمن سے بمعنی برکت اور یہاں اقسم پوشیدہ ہوتا ہے یعنی اللہ کی برکتوں کی قسم کہتے ہیں کہ ایم جمع ہے یمین کی بمعنی قسم بہرحال ایم اللہ کے معنی ہیں اللہ کی قسم۔

۸؎ سبحان اللہ! یہ ہے عدل و انصاف جس سے زمین و آسمان قائم ہے۔خیال رہے کہ تمام اولاد اطہار میں حضور کو جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بہت ہی پیاری ہیں کیونکہ سب اولاد میں چھوٹی ہیں،نیز ان کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ،آپ کو بہت چھوٹی عمر میں چھوڑکر وفات پاگئیں لہذاآپ حضور ہی کی گود شریف میں پلیں بڑھیں اس لیےآپ

کا نام شریف ہی لیا ورنہ مراد ساری اولاد ازواج وعزیز واقارب ہیں صلوۃ اللّٰہ وسلامہ علیٰ ابیھا وبعلھا وعلیھا وابنھا۔اور یہ قضیہ شرطیہ وہ ہے جس کے دونوں جز مقدم وتالی ناممکن ہیں جیسے "اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ"۔

۹؎ اس عورت کی پہچان کرانے کے لیے ہے کیونکہ وہ اس وصف میں مشہور ہوچکی تھی نہ کہ بیان جرم کے لیے کیونکہ اس کا ہاتھ اس انکار کی وجہ سے نہ کٹا تھا بلکہ اس نے ایک بار چوری کرلی تھی لہذا اس کا ہاتھ کٹا یعنی وہ عورت جس کا یہ حال تھا چوری میں پکڑی گئی تو حضور انور نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔بعض لوگوں نے کہا کہ امام احمد وامام اسحٰق کے نزدیک عاریت کے انکار پر بھی ہاتھ کٹ جاتا ہے اس حدیث کے ظاہری معنی کی بنا پر۔واللّٰہ اعلم! مگر دیگر احادیث میں اس کی چوری کا صریحی ذکر ہے۔(اشعہ ومرقات)

۱۰؎ یعنی فاطمہ مخزومیہ پہلے تو عاریۃ کے انکار کا جرم کرتی تھی پھر چوری میں پکڑی گئی تھی۔خیال رہے کہ حقوق اللّٰہ والی حدوں میں سفارش کرنا حرام ہے مگر تعزیر اور حقوق العباد والی سزاؤں میں سفارش کرنا جائز بلکہ ثواب ہے جب کہ ملزم شریر نہ ہو خواہ مقدمہ حاکم کے پاس پہنچ گیا ہو یا نہ پہنچا ہو جیسے قتل کا قصاص کہ اس میں مقتول کے وارثوں سے معافی یا صلح کرادینے میں حرج نہیں۔(مرقات)زنا اور چوری کی سزائیں حق اللّٰہ ہیں ان میں سفارش کرنا حرام ہے،زنا کی سزا پہلے سے ہی حق اللّٰہ ہے اور چوری حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے کے بعد حق اللّٰہ بن جاتی ہے،اگر کوئی مالک مال سے سفارش کرکے مقدمہ حکومت میں نہ پہنچنے دے تو جرم نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللّٰہ ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس کی سفارش اللّٰہ کی حدوں میں سے کسی حد کے لیے آڑ بن جائے تو اس نے اللّٰہ تعالٰی کا مقابلہ کیا ۱؎ اور جو باطل چیز میں جانتے ہوئے جھگڑے وہ اللّٰہ کی ناراضی میں رہے گا حتی کہ اس سے نکل جائے گا ۲؎ اور جو کسی مسلمان میں برائی بیان کرے جو اس میں نہیں ہے تو اللّٰہ اسے کیچ لہو میں رکھے گا ۳؎ حتی کہ اپنے کہے سے نکل جائے ۴؎(احمد،ابوداؤد)اور بیہقی کی شعب الایمان کی روایت ہے کہ جو کسی جھگڑے میں مدد کرے نہ جانتا ہو کہ وہ حق ہے یا باطل تو وہ اللّٰہ کی ناراضی میں رہے گا حتی کہ نکل جائے ۵؎	

۱؎ یعنی اگر سفارشی نے ایسے حالات پیدا کردیئے جس سے شرعی حد قائم نہ ہوسکی تو یہ سفارشی اللہ کا دشمن ہے اور اگر حاکم نے سفارش قبول کرکے مجرم کو چھوڑ دیاتو سفارشی اور حاکم دونوں اللہ تعالٰی کے دشمن ہیں پہلی صورت سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ یا وزیر کسی مجرم کی سفارش کرکے حاکم کو چھوڑ دینے پر مجبور کرے اور حاکم چھوڑنا تو نہ چاہتا تھا مگر ان کے دباؤ سے مجبور ہوگیاتب یہ حکم ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور نے چھوڑانے والے سفارشی کا ذکر فرمایا چھوڑنے والے حاکم کا ذکر کیوں نہ فرمایا۔

۲؎ یہ فرمان عالی بہت وسیع ہے جھوٹے مقدمہ باز،جھوٹے مناظر،جھوٹے جھگڑالوسب ہی اس میں داخل ہیں۔ رب تعالٰی ہدایت دےاگر اس حدیث پر عمل ہوجائے تو مقدمہ بازیاں مناظرے سب ہی ختم ہوجائیں۔

۳؎ ردغة الخبال ر کے فتحہ،دال کے سکون اور خ اور ب کے فتحہ سے کچا پیپ جسے اردو میں کچلھو کہتے ہیں۔اس سے مراد دوزخ کا وہ مقام ہے جہاں دوزخیوں کا پیپ و خون جمع ہوتا ہے۔

۴؎ یعنی دنیا میں جتنے روز تک یہ مسلمان بھائی کو عیب لگاتا رہا اتنے روز تک جہنم کے اس طبقہ میں رکھا جائے گاکہ وہاں رہے گا اور یہ کچلھو ہی پیئے گا۔اللہ کی پناہ!

۵؎ یہ فرمان عالی پہلے فرمان سے زیادہ سخت ہے کہ وہاں باطل پر جھگڑے کا ذکر تھا اور یہاں جس کے متعلق حق ہونے کا یقین نہ ہو باطل ہونے کا شبہ ہو اس میں جھگڑے والے کی مدد کرنے پر وعید ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی مسئلہ یا کسی چیز پر دوسرے سے جھگڑ رہا ہے تم کو یہ پتہ نہ چلا کہ یہ حق پر ہے یا باطل پر تم نے اس کی اندھا دھند مدد کی تو تم بھی غضب الٰہی میں آگئے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محض قومیت پر دوسروں سے لڑتے ہیں،اپنے ہم قوم کی جھوٹ و ظلم پر مدد کرتے ہیں،نیز وہ بیرسٹر ووکیل عبرت پکڑیں جو کچھ روپیہ کے لیے ظلم کی حمایت وکالت کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو امیہ مخزومی ۱؎ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیاجس نے صریحی اقرار کر لیا تھا اور اس کے پاس سامان پایا نہ گیا ۲؎ تو اس سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تیرے متعلق خیال نہیں کرتا کہ تو نے چوری کی ۳؎ ہو وہ بولا ہاں حضور نے دو یا تین بار اس سے فرمایا وہ ہر بار اقرار ہی کرتا رہا تو حکم دیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا ۴؎ اور اسے لایا گیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر،بولا میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا الٰہی اس کی توبہ قبول فرمالے ۵؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) میں نے چاروں اصول اور جامع اصول شعب الایمان اور معالم

	السنن میں یوں ہی پایا ۶

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کا نام معلوم نہ ہوسکا صرف کنیت میں مشہور ہیں،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،آپ سے ابوذر غفاری مولیٰ ابوالمنذر نے روایت کی رضی اللہ عنہم۔(مرقات واشعہ)

۲؎ لُص لام کے پیش یا کسرہ سے ص کے شد سے یعنی ایک ایسا شخص آپ کی خدمت میں صحابہ کرام لائے جس کی چوری پر کوئی گواہ نہ تھا نہ چوری کی علامت یعنی مسروقہ مال اس کے پاس تھا لوگوں کے سامنے اس نے چوری کا اقرار کرلیا تھا اس بنا پر اسے بارگاہ عالی میں حاضر کیا گیا۔

۳؎ اخال ہمزہ کے کسرہ سے ہے،اصل میں اخال ہمزہ کے فتحہ سے تھا،خال یخال خیال سے بنا سمع یسمع سے یعنی ہم کو تیرے متعلق یہ خیال نہیں کہ تو نے چوری کی ہو تجھے دھوکا لگا ہے۔

۴؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اقرار زنا کی طرح چوری کے اقرار میں بھی بار بار اقرار کرایا جائے اور اگر یہ چور بھی اقرار کے بعد رجوع کرلے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا دیگر اماموں یعنی امام اعظم امام مالک امام محمد بلکہ خود امام شافعی کے ایک قول میں صرف ایک اقرار پر ہاتھ کٹے گا،امام احمدوامام ابویوسف کے نزدیک صرف اقرار سے ہاتھ نہیں کٹتا،امام اعظم وغیرہم کی دلیل وہ حدیث ہے جو طحاوی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ حضور انور نے صرف ایک اقرار پر ہاتھ کٹوایا۔اس حدیث میں جو تعدد کا ذکر ہے وہ چوری کے معنے تحقیق کے لیے ہے کہ کبھی چور غلطی سے خیانت وغیرہ کو چوری سمجھ رہا ہو۔واللہ اعلم!(مرقات)

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد چور سے توبہ بھی کرائی جائے کیونکہ ہاتھ کٹ جانا تو شرعی جرم کا کفارہ ہوا اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی معافی توبہ سے ہوگی۔

۶؎ یعنی ان کتب میں یہ حدیث ابو امیہ سے مروی ہے نہ کہ ابو رمثہ سے۔خیال رہے کہ جامع اصول السنہ امام ابن اثیر کی مشہور کتاب ہے۔

	بروایت ابو امیہ اور مصابیح کے نسخوں میں ابو رمثہ سے ہے رے اور تین نقطی ث سے بجائے ہمزہ اور ی کے ۱؎

۱؎ یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔خیال رہے کہ اس پر تو تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ چوری کی سزا ہاتھ کٹنا ہے جب کہ چوری کے تمام شرائط پائے جائیں،اس میں اختلاف ہے کہ چور سے مال کا تاوان بھی لیا جائے گا یا نہیں،ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر مسروقہ مال چور کے پاس موجود ہے تو مالک کو دلوا دیا جائے گا اور اگر مال اس کے پاس سے جاتا رہا یا اس نے خرچ یا ضائع کردیا تو ضمان واجب نہیں صرف ہاتھ کاٹنا سزا کافی ہے،دوسرے اماموں کے ہاں مال کا تاوان بھی دلوایا جائے گا،ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو نسائی نے بروایت عبدالرحمن ابن عوف نقل کی کہ جب چوری والے پر حد قائم کردی جائے تو اس پر تاوان نہیں اور دار قطنی کے یہ الفاظ ہیں لاغرم علی السارق بعد قطع یمینہ اور بزاز نے روایت کی لایضمن السارق سرقة بعد اقامة الحد رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا"ما

کسبا میں ما عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دینا اس کے سارے جرموں کی سزا ہے چوری کی بھی اور مال ضائع کرنے کی بھی۔(مرقات و ہدایہ و کتب اصول)

باب حد الخمر

شراب کی سزا کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎خمر کے معنی ہیں چھپانا اسی لیے دوپٹے کو خمار کہتے ہیں کہ وہ سر کو چھپالیتا ہے،بعض اماموں کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے،بعض کے نزدیک صرف انگوری شراب کوخمر کہتے ہیں،انگوری شراب کا ایک قطرہ بھی بالاجماع حرام ہے،دوسری شرابیں حد نشہ تک بالا جماع حرام ہیں،اس سے کم کی حرمت میں اختلاف ہے۔صحیح یہ ہے کہ وہ بھی مطلقًا حرام ہیں نشہ دیں یا نہ دیں۔شراب کی سزا اسی۸۰ کوڑے ہیں عہد صحابہ میں اولًا اختلاف رہا پھر اسی۸۰ کوڑوں پر اتفاق ہوگیا۔شراب کی سزا کے لیے شرط یہ ہے کہ بحالت نشہ اس کی گواہی یا اقرار حاکم کے پاس ہوجائے۔نشہ اترجانے کے بعد اگر اقرار یا گواہی گزرے تو امام اعظم کے ہاں اس پر یہ سزا نہیں جاری ہوگی۔خیال رہے کہ نشہ والے کی طلاق تو واقع ہوجاتی ہے مگر اس کا ارتداد درست نہیں یعنی اگر اس کے منہ سے نشہ میں کلمہ کفر نکل جائے تو اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ایک صحابی نے بحالت نشہ نماز مغرب میں سورۂ کافرون پڑھی ہر جگہ سے لا چھوڑ گئے تو یہ کلمات کفر بن گئے مگر ان پر حکم ارتداد نہ دیا گیا بعد میں شراب حرام کردی گئی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے شراب کی سزا میں چھڑیوں اور جوتوں سے پٹوایا ہے۱؎اور حضرت ابوبکر نے چالیس کوڑے لگائے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یہ روایت مجمل ہے کہ اس میں تعداد کا ذکر نہیں،دوسری روایتوں میں چالیس کا ذکر ہے،بعض روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شاخیں چالیس لگوائیں جس سے اسی۸۰ ہوگئیں اور ہوسکتا ہے کہ اولًا شراب کی سزا مقرر نہ تھی بعد میں مقرر ہوئی یہ روایت اول زمانہ کی ہو۔(مرقات)

۲؎اس روایت کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ شراب کی سزا چالیس کوڑے ہیں مگر ہمارے ہاں اسی۸۰ کوڑے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرکے اسی۸۰ کوڑے مقرر فرمائے اور کسی صحابی نے اعتراض نہ فرمایا لہذا اسی۸۰ کوڑوں پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہوگیا۔

	اور دوسری روایت میں ان ہی انس سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب کی سزا میں چالیس جوتے اور چھڑیاں لگواتے تھے ۱؎

۱؎یعنی شرابی کو کچھ تو جوتے اور کچھ کوڑے دونوں کی تعداد مل کر چالیس ہوئی۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے فرماتے ہیں کہ شرابی لایا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کی امارت اور حضرت عمر کی شروع خلافت میں تو ہم اپنے ہاتھوں اپنے جوتوں اپنی چادروں سے اس پر کھڑے ہوجاتے تھے۱؎ حتی کہ حضرت عمر کی آخری خلافت آئی تو آپ نے چالیس کوڑے لگوائے ۲؎ یہاں تک کہ جب لوگ سرکش اور بے راہ ہوگئے تو اسی۸۰ کوڑے لگوائے۳؎(بخاری)

۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور پوری خلافت صدیقی میں اور خلافت فاروقی کے شروع میں شراب کی سزا مقرر نہ ہوئی تھی ہم اپنی چادر کا کوڑا بنا کر مارتے تھے،کچھ جوتے لگادیتے تھے،کچھ چھڑیاں ماردیتے تھے۔غالبًا یہ سب ملکر بھی چالیس نہ ہوتے تھے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎اس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے چالیس کوڑے بھی نہ لگوائے جاتے تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چالیس مقرر کئے۔

۳؎یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ اتنی معمولی سزا سے شراب نوشی نہیں رکتی تو آپ نے اسی۸۰ کوڑے مقرر کئے۔معلوم ہوا کہ نرم سزائیں جرم کی عادت روکنے کے لیے کافی نہیں،یہ حدیث جمہور ائمہ کی دلیل ہے کہ شراب کی سزا اسی۸۰ کوڑے مقرر ہیں،تمام صحابہ نے یہ سزا دیکھی اور کسی نے اعتراض نہ کیا لہذا اس سزا پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہوگیا۔بہرحال زمانہ رسالت میں شراب کی سزا ضرور تھی مگر مقرر نہ تھی،پھر چالیس کوڑے عہد صدیقی یا عہد فاروقی میں مقرر ہوئی،پھر آخر عہد فاروقی میں اسی۸۰ کوڑے مقرر ہوئے۔جن روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں چالیس کوڑے مارے وہ درست نہیں۔مرقات نے اس کی پُرزور تردید فرمائی اور اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو شراب پی لے تو اسے کوڑے مارو اگر پھر لوٹے تو چوتھی بار میں اسے قتل کردو۱؎ راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے بعد وہ شخص لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی لی تھی آپ نے اسے مارا تو مگر قتل نہ کیا ۲؎(ترمذی)

۱یا تو قتل سے مراد سخت مار ہے یعنی گویا اسے مار ڈالو یا یہ حکم اول اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔کسی امام کا یہ مذہب نہیں کہ شرابی کی سزا قتل ہے بلکہ اس حدیث کا اگلا جملہ بھی یہ ہی بتارہا ہے کہ قتل کا حکم یا منسوخ ہے یا متاوّل۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ یہ قتل تعزیرًا ہو نہ کہ حد کے طور پر کہ اگر قاضی عادی شرابی فسادی کے قتل میں مصلحت دیکھے تو اسے قتل کردے۔

۲اس عمل شریف سے معلوم ہوا کہ حکم قتل یا منسوخ ہے یا وہاں قتل کے معنے سخت مار ہے۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کا قتل سواء تین جرموں کے اور کسی وجہ سے جائز نہیں ہے:ارتداد،قتلِ عمد،زنا بعداحصان،وہ حدیث بھی اس جملہ کی تائید کرتی ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ ایک چھوٹی جماعت نے گزشتہ حدیث کی بنا پر حکم دیا ہے کہ شرابی کو چوتھی بار قتل کیا جائے مگر ان کا یہ قول مخالف اجماع ہے یہ حدیث اس کی ناسخ ہے یا اس کا بیان ہے۔

	اور ابوداؤد نے حضرت قبیصہ ابن ذویب سے روایت کی ۱

۱قبیصہ ابن ذویب ق کے فتحہ سے اور ذویب ذال کے پیش واؤ کے فتحہ سے ہے،قبیصہ کی ولادت یکم ہجری میں ہوئی،آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈالا گیا،حضور انور نے آپ کے لیے دعا کی،چنانچہ آپ فقیہ تابعی ہیں اورآپ کی وفات ۸۶ھ میں ہے۔(اشعہ)

	اور دونوں کی دوسری روایت میں اور نسائی،ابن ماجہ،دارمی کی روایت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ سے مروی ہے جن میں حضرت ابن عمر،معاویہ،ابوہریرہ اور شرید ہیں ۱فاقتلوہ تک ہے۔

۱حضرت شرید کا نام مالک ابن سوید ہے حضور انور نے آپ کو شرید کا لقب دیا،شرید کے معنی ہیں بھاگ آنے والا،چونکہ آپ اپنی قوم کے ایک شخص کو قتل کرکے مکہ معظّمہ بھاگ آئے مسلمان ہوگئے اس لیے آپ کو یہ لقب دیا گیا،ثقفی ہیں،حضر موت میں قیام رہا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر سے ۱فرماتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں ۲ جب کہ آپ کے پاس وہ شخص لایا گیا جس نے شراب پی لی تھی لوگوں سے فرمایا اسے مارو ۳تو بعض نے اسے جوتوں سے مارا اور بعض نے اسے ڈنڈے سے مارا اور بعض نے اسے چھڑی سے مارا۔ابن وہب نے فرمایا کہ **متیخة** سے مراد تر شاخ ہے ۴پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹی لی وہ اس کے منہ پر ماری ۵(ابوداؤد)

۱؎آپ صحابی ہیں،قرشی ہیں،عبدالرحمٰن بن عوف کے بھتیجہ ہیں کیونکہ ازہر عوف کے بیٹے ہیں،حضرت عبداللہ ابن عباس کے ہمراہیوں سے ہیں،مقام حرہ میں وفات پائی۔(مرقات،اشعہ،اکمال)

۲؎یعنی یہ واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے گویا میں اسے اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس میں اپنی یادداشت اور اپنی یاد پر اعتماد کا اظہار ہے۔

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ شرابی کو سزا حاکم اسلام دے ہر شخص اپنی رائے سے نہیں دے سکتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سزا کے لیے کوئی خاص آدمی جلاد مقرر کرنا لازم نہیں قوم کے افراد مار سکتے ہیں اگرچہ بعض کی مار ہلکی ہوگی بعض کی سخت۔

۴؎لفظ **متیخة** میں اختلاف ہے کہ یہ کیسے پڑھا جائے،زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اولًا میم مکسورہ ہے،پھری ساکن،پھرت مفتوحہ ہے،پھرخ مفتوحہ ہے۔بعض نے میم مفتوحہ،پھرت مکسورہ،پھری ساکنہ سے پڑھا بروزن **سکینہ** وہ کہتے ہیں کہ اس کا مادہ **فتح** بمعنی ضرب اور مارنا ہے،بعض نے میم کے بعد ت مشددہ سے پڑھا،اہل لغت نے یہ لفظ نہیں لیا۔بہرحال اس کے معنی ہیں مارنے کی چیز خواہ تر شاخ ہو یا چھڑی یا دُرّہ یا کوڑا۔(مرقات)ابن وہب اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں انہوں نے کہا عبدالرحمٰن کی مراد تر شاخ ہے یعنی یہ لفظ آتا ہے تو بہت سے معنی میں مگر یہاں مراد کھجور کی تر شاخ ہے،ابن وہب نہایت ثقہ عالم محدث ہیں ان کی ولادت،۱۲۵ھ میں ہے،وفات ۱۹۹ھ میں ہے۔(اشعہ)

۵؎یا تو یہ مٹی اس کی طرف پھینکی یا منہ پر ہی ماری جس سے اس کا منہ گرد آلود ہوگیا،یہ عمل شریف غضب کے لیے ہے یا اس شراب خوری کی بدتری بیان فرمانے کے لیے ہے،پاخانہ وغیرہ نجس چیز ادھر نہ پھینکی تاکہ اس کا جسم نجس نہ ہوجائے،مسلمان خواہ کتنا ہی مجرم ہو مگر اس کے ایمان کا احترام ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ شخص لایا گیا جس نے شراب پی لی تھی ۱؎فرمایا اسے مارو تو ہم میں سے بعض اپنے ہاتھ سے مارنے والے تھے بعض اپنے کپڑے سے اور بعض اپنے جوتے سے ۲؎پھر فرمایا اسے ملامت کرو ۳؎ تو لوگ اس پر متوجہ ہوکر کہنے لگے تجھے اللہ سے خوف نہ ہوا تو اللہ سے نہ ڈرا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم نہ کی ۴؎بعض قوم نے کہا تجھے اللہ رسوا کرے ۵؎فرمایا ۶؎یوں نہ کہو نہ اس پر شیطان کی مدد کرو ۷؎لیکن یوں کہو خدا اسے بخش دے الٰہی اس پر رحم کر ۸؎(ابوداؤد)

۱؎شراب انگوری یعنی خمر پی تھی جیساکہ بعض روایات میں لفظ خمر ہے۔(مرقات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ نجس جوتے سے نہ مارا ہوگا جس سے اس کا جسم نجس ہوجائے،جوتے سے مارنا اظہار غضب اور اظہار ذلت کے لیے ہے کہ یہ فعل بہت ذلیل ہے۔
۳؎یعنی اسے زبان سے برا بھلا کہو یہ حکم استحبابی ہے اور پہلا حکم اضربوہ وجوبی تھا کیونکہ شرابی کو مار کی سزا دینا واجب ہے زبان سے ملامت کرنا مستحب۔سبحان اللہ! خود برا نہیں کہتے لوگوں کو اس کا حکم دیتے ہیں،خود تو معافی کی دعائیں دیتے ہیں ہم جیسے مجرم بھی ان کے کرم میں ہیں۔
۴؎معلوم ہوا کہ مسلمان کو ہر گناہ میں اللہ تعالٰی کے خوف کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم بھی چاہیے کہ حضور ہمارے اعمال پر خبردار ہیں ہمارے گناہوں کو حضور دیکھ رہے ہیں اللہ تعالٰی فرماتاہے: "وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمْ شَہِیۡدًا"۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔شعر

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے
شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اسی طرح ہر نیک عمل میں رب تعالٰی کی رضااور حضور کی خوشنودی کی نیت کرنی چاہیے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرْضُوۡہُ"حضور کو ہماری نیکیوں سے خوشی ہوتی ہے۔
۵؎دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ یعنی اس نے بجائے ملامت کے بددعا کی،بجائے نصیحت کے فضیحت کی۔
۶؎اس رحمت والے نبی نے اس غموں کے دور کرنے والے رسول نے۔(مرقات)جس کا دامن ستاری ہم سب مجرموں کے لیے پھیلا ہوا ہے۔
۷؎کیونکہ تمہاری اس بددعا کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ بار بار شراب پیا کرے اور سزا پایا کرے شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم تو شیطان کی آرزو پوری ہونے کی دعا کررہے ہو۔
۸؎یعنی یوں کہو کہ الٰہی اس کی گزشتہ شراب نوشی وغیرہ کو معاف فرما اور آئندہ گناہوں سے بچنے نیک اعمال کرنے کے توفیق دے اس پر رحم فرما۔یاارحم الراحمین اس صحابی کا صدقہ کہ مجھ سیاہ کار بدکردار احمدیار پر بھی رحمت فرما میری گزشتہ بدکاریوں کو بخش آئندہ نیکیوں کی توفیق دے۔آمین!

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے شراب پی لی نشہ میں ہوگیا تو اسے راستہ میں جھومتے ہوئے پایا گیا۱؎تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر چلا گیاجب وہ حضرت عباس کے گھر کے سامنے آیا ۲؎تو وہ چھوٹ گیا تو حضرت عباس پر داخل ہوگیا انہیں لپٹ گیا۳؎نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو حضور انور ہنس پڑے اور فرمایا اس	

نے یہ کیا اور اس کے بارے میں کچھ حکم نہ دیا۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ راوی کا شرب فرمانا اپنے گمان کی بنا پر ہے ورنہ اسے شراب پیتے کسی نے نہ دیکھا تھا نہ اس نے شراب پی لینے کا اقرار کیا تھا صرف اس کے جھومنے سے سمجھا گیا کہ اس نے شراب پی ہے لہذاحدیث بالکل واضح ہے۔**فج** اس وسیع راستہ کو کہتے ہیں جودو پہاڑوں کے درمیان ہو،اب ہر وسیع راستہ کو کہنے لگے لہذا **فج** خاص ہے اور طریق و صراط سبیل عام یعنی ہم اسے گلی کوچوں سے نہ لائے بلکہ شارع عام سے لائے۔

۲؎ بعض شارحین نے یہاں دھوکا کھایا ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظّمہ کا ہے کیونکہ حضرت عباس کا گھر لب سڑک مکہ معظّمہ میں ہی تھامدینہ منورہ میں نہ تھابلکہ مدینہ پاک میں ان کا گھر گلی کوچہ میں تھا،مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ ہجرت سے پہلے شراب حرام نہ تھی،نیز وہاں حکومت اسلامیہ قائم نہ ہوئی تھی کہ مجرم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے جاتے لہذا حق یہ ہے کہ یہ واقعہ بعد ہجرت کا ہے اور شراب حرام ہوچکنے کے بعد کا ہے ورنہ اسے پکڑا نہ جاتا۔اور حضرت عباس کے گھر کے سامنے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس گلی کے کنارہ پر پہنچے جہاں حضرت عباس کا گھر ہے،محاذات یعنی مقابلہ اسی کو شامل ہے۔

۳؎ یعنی بغیر اجازت آپ کے گھر میں گھس گیا اورآپ سے لپٹ گیا کہ مجھے ان سے چھوڑا لو اور سزا سے بچالو،کیوں اس لیے۔**مصرع** ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

مگر اسے پھر پکڑ لیا گیا۔

۴؎ سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے تو اس کا یہ عجیب کام سن کر اور سزا اس لیے نہ دی کہ اس کے شراب پینے پر گواہی قائم نہ تھی۔اس سے حنفی مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ صرف جھومنے سے شراب کی سزا نہیں دی جاسکتی بلکہ عینی گواہی ضروری ہے یا اقرار۔جو حضرات صرف جھومنے پر حد لگادینے کے قائل ہیں وہ یہاں یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی مگر یہ توجیہ درست نہیں ورنہ پھر صحابہ اسے گرفتار کرکے بارگاہ نبوت میں حاضر نہ کرتے گرفتاری تو سزا کے لیے ہوتی ہے اور سزا جرم پر ہوتی ہے اور شراب پینا جرم جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ شراب حرام ہو چکی ہو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمیر ابن سعید نخعی سے فرماتے ہیں میں نے حضرت علی ابن ابی طالب کو فرماتے سنا کہ میں کسی پر شرعی حد قائم کروں وہ مرجائے تو میں اپنے دل میں کچھ غم و رنج محسوس نہ کروں گا۱؎ سوائے شرابی کے	

	۲؎ کہ اگر وہ مرجائے تو اس کا خون بہادوں گا۳؎ یہ اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا مقرر نہ فرمائی ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ماکنت لاقیم کا لام لامِ جحود ہے جو کنت کی نفی نہیں ہونے دیتا بلکہ اجد فی نفسی کی نفی کرتا ہے جیسے "مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمٰنَکُمۡ" کالام یعنی اگر میں کسی کو زنا کے کوڑے لگاؤں یا تہمت کے کوڑے ماروں وہ مرجائے تو مجھے غم نہیں کہ ایسے موذیوں سے زمین خالی ہونا اچھا ہے۔

۲؎ کہ اگر دوران سزا میں یہ مرجائے تو مجھے بہت غم ہوگا۔

۳؎ یعنی اس مضروب کے وارثوں کو سو اونٹ دیت خون بہا ادا کروں گا۔

۴؎ اس پر آئمہ متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص شرعی حد سے مرجائے تو حاکم یا جلاد یا بیت المال پر خون بہا واجب نہیں۔لیکن اگر تعزیر سے مرجائے تو اس میں اختلاف ہے،امام مالک و احمد فرماتے ہیں کہ خون بہا نہیں،امام شافعی کے ہاں بیت المال سے دیت ادا کی جائے گی،ہمارے ہاں اس کا حکم قتل خطاہے کہ قاتل کے عصبہ دیت دیں گے اور قاتل کفارہ ادا کرے گا لہذا اگر خاوند اپنی بیوی کو یا استاذاپنےشاگرد کو یا آقا نوکر کو ادبًا مارے اتفاقًا وہ مرجائے تو اس قاتل کے وارثوں پر دیت اور قاتل پر کفارہ ہے،لیکن اگر خاوند کے صحبت کرنے سے بیوی مرجائے تو نہ دیت ہے نہ کفارہ بلکہ مہر واجب ہے۔حضرت علی کے اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ اگر شرابی کو اسی۸۰ کوڑے مارے گئے اور چالیس کے بعد وہ مرگیا تو میں ضمان دوں گا کیونکہ حضور انور نے چالیس تک مارے ہیں زیادتی تو ہم لوگوں نے کی ہے شاید یہ زیادتی حد نہ ہو بلکہ تعزیر کا حکم رکھتی ہو۔

	روایت ہے حضرت ثور ابن زید دیلمی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے شراب کی سزا کے متعلق مشورہ کیا ۲؎ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے ہے کہ آپ اس کو اسی۸۰ کوڑے لگائیں ۳؎ کیونکہ جب پیئے گا تو نشہ ہوگا اور جب نشہ ہوگا تو بکواس بکے گا اور جب بکواس بکے گا تو جھوٹ گھڑے گا۴؎ چنانچہ حضرت عمر نے شراب کی سزا میں اسی۸۰ کوڑے مارے ۵؎ (مالک)

۱؎ مشکوۃ شریف کے نسخوں میں دیلمی ہے میم کے ساتھ،دیلم ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے مگر موطا امام مالک میں دیلی ہے بغیر میم کے،دیل ایک مشہور قبیلہ ہے،صحیح دیلی ہے بغیر میم کے،یہ تابعی حمصی شامی ہے،اس پر قدریہ ہونے کا شبہ کیا گیا چنانچہ مسلمانوں نے اسے حمص سے نکال کر اس کا گھر جلادیا۔ثورابن یزید کلاعی اور شخص ہیں جو تابعی ثقہ تھے،ان کی وفات ۵۵ھ؁ میں ہوئی۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ کہ کیا شرابی کی سزا چالیس کوڑے رکھی جائے یا زیادہ کی جائے تو کتنی کیونکہ چالیس کوڑوں سے شراب نوشی پوری نہیں رکتی۔

۳؎ یہ مشورہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اورکسی صحابی نے اعتراض نہ فرمایا سب نے قبول کیا لہذا اس سزا پر صحابہ کا اجماع ہوگیا اور فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ تم کو میری اور میرے صحابہ خلفاءراشدین کی سنت پر عمل لازم ہے اس لیے تمام آئمہ کے نزدیک شراب کی سزا اسی۸۰ کوڑے مقرر ہے۔

۴؎ یعنی اکثر نشہ والا مستی میں عورتوں کو ایسی گالیاں بھی دے دیتا ہے جو تہمت میں داخل ہیں اور قذف یعنی تہمت کی سزا ازروئے قرآن اسی۸۰ کوڑے ہیں تو جیسے نیند وضو توڑ دیتی ہے کہ وہ سبب ہے ریح نکلنے کی یوں ہی شراب سبب ہے قذف کی لہذا شرابی کو قاذف یعنی تہمت لگانے والا مانا جائے،یہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے اور بہت درست اجتہاد ہے۔

۵؎ یعنی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضٰی کا یہ مشورہ صرف قولًا ہی قبول نہ کیا بلکہ اس پر عمل بھی شروع فرمادیا کہ شرابی کو اسی۸۰ کوڑے لگانے شروع کردیئے۔خلاصہ یہ ہے کہ عہدنبوی میں شرابی کی سزا مقرر نہ تھی عہد صدیقی میں چالیس کوڑے مقرر ہوئے،پھر عہد فاروقی سے تا قیامت اسی۸۰ کوڑے مقرر ہوگئے۔

باب مالایدعی علی المحدود

باب محدود کو بددعا نہ کی جائے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ما نہیں ہے اور باب کو تنوین ہے جن نسخوں میں ما ہے وہ مصدریہ ہے جس سے لایدعی بمعنی مصدر ہوگیا یعنی سزایافتہ مجرم کو بددعا نہ کرنے کا باب۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ لقب حمار تھا۱؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے ۲؎اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں شراب کے بارے میں کوڑے لگائے تھے ۳؎انہیں ایک دن لایا گیا حضور نے حکم دیا تو انہیں کوڑے لگائے گئے تو قوم سے ایک شخص بولا خدایا اس پر لعنت کر کتنا زیادہ اسے لایا جاتا ہے ۴؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پر لعنت نہ کرو ۵؎خدا کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اللہ رسول سے محبت کرتا ہے ۶؎(بخاری)

۱؎چونکہ یہ حضرت نہایت سیدھے سادھے سادہ لوح تھے اس لیے لوگ انہیں حمار کہتے تھے وہ اس سے برا بھی نہ مانتے تھے اس لیے یہ لقب اس آیت کے ماتحت نہ آئے گا"وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقٰبِ"اب بھی بعض لوگوں کو بلّایا شکرہ کہتے ہیں وہ خود بھی اس لقب پر ہنستے ہیں،ہماری اردو زبان میں حمار ذلت کا لفظ ہے لہذا ہم اس کو اس لقب سے نہیں پکار سکتے،چترال میں مہتر بادشاہ نواب کو کہتے ہیں لکھنؤ میں بھنگی کو۔شعر

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح   سندھیاں را اصطلاح سندھ مدح

۲؎یعنی اپنے پر لطف کلام بلکہ کام سے حضور انور کو ہنساتے رہتے تھے شاید اپنا لقب حمار بھی اسی لیے اختیار کیا ہوگا کہ حضور ہنسیں صلی اللہ علیہ وسلم تب تو یہ نام رکھنا اور وہ سارے کام عین عبادت ہوگئے۔جن احادیث میں ہنسانے کی ممانعت ہے وہ ناجائز باتیں کرکے یا کسی کو تکلیف پہنچاکر ہنسانا مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اشعہ میں فرمایا کہ آپ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سبزیاں اور مٹھائیاں لایا کرتے تھے رضی اللہ عنہ۔

۳؎ یعنی انہیں کئی بار یہ سزا دی جاچکی تھی۔(اشعۃ اللمعات)خیال رہے کہ جس گناہ کی توبہ ہوتی رہے نہ وہ کبیرہ بنتا ہے اور نہ فاعل فاسق ہوتا ہے۔

۴؎ یہ قائل سمجھے کہ ان کا بار بار یہ سزا پانا رب تعالٰی کے غضب کی بنا پر ہے انہیں حقیقت حال کی خبر نہ تھی۔رب کی قسم جس گناہ سے توبہ نصیب ہوجائے،شرمندگی حاصل ہوجائے وہ اس عبادت سے افضل ہے جس سے فخروغرور پیدا ہو،حضرت آدم کا گندم کھالینا شیطان کی ساری عبادت سے افضل ہے۔

۵؎ کیونکہ یہ گنہگار ہے غدار نہیں،ملزم ہے باغی نہیں۔بغاوت و غداری بدعقیدگی اوراللہ رسول کے مقابلہ سے ہوتی ہے۔

۶؎ مرقات نے فرمایا کہ ماعلمت میں مابمعنی الّذی اور یہ موصول صلہ لفظ اللہ کی صفت ہے یعنی اللہ کی قسم جس کو میں جا نتا پہچانتا ہوں یہ ملزم اللہ رسول کا محب ہے یا مازائدہ ہے یعنی میں یقین و جزم سے جانتا ہوں کہ یہ اللہ رسول کا محب ہے یا مازائدہ ہے اور علمت مخاطب کا صیغہ ہے یعنی کیا تجھے یہ خبر نہیں کہ یہ اللہ رسول کا محب ہے اور اللہ رسول کی محبت قربت کا ذریعہ ہے اور قربت پر رحمت ہوتی ہے نہ کہ لعنت۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا جس نے شراب پی لی تو فرمایا اسے مارو تو ہم میں سے بعض نے اپنے ہاتھ سے مارا بعض نے اپنے جوتے سے اور بعض نے اپنے کپڑے سے پھر جب فارغ ہوئے تو بعض نے کہا کہ تجھے اللہ رسوا کرے تو فرمایا یوں نہ کہو اور اس پر شیطان کو مدد نہ دو ۱؎(بخاری)	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ باب کی دوسری فصل کے آخر میں گزر چکی،اس کی شرح بھی وہاں ہی ہوچکی۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حدود شرعیہ صرف حاکم اسلام ہی قائم کرسکتا ہے نہ خود مجرم اپنے کو سزا دے اور نہ کوئی اور۔دوسرے یہ کہ حاکم جس سے چاہے سزا دلوادے ایک آدمی سے یا ایک جماعت سے، جلاد وغیرہ کا مقررکرنا لازم نہیں،ہاں چور کا ہاتھ اس تجربہ کار سے کٹوائے جو اس کام کو جانتا ہو ورنہ نبض کا خون بہ کر ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہے۔تیسرے یہ کہ سزاءشرعی کے علاوہ مجرم کو برا بھلا کہنا بھی جائز ہے تاکہ شرمندہ ہوکرآئندہ باز رہے۔چوتھے یہ کہ کسی مجرم فاسق گنہگار کو نام لے کر لعنت کرنا یا اخزاك اللہ کہنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں شیطان کی خوشی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو بار بار جرم کرتا رہے اور رسوا ہوتا رہے شیطان یہ ہی تو چاہتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ اسلمی ۱؎	

	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی ذات پر چار بار گواہی دی کہ انہوں نے ایک عورت سے حرام کیا ۲؎ اس پر ہر دفعہ ان سے حضور منہ پھیرتے رہے ۳؎ پانچویں بار میں متوجہ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تو نے اس سے صحبت کی ۴؎ بولے ہاں فرمایا حتی کہ تیرا یہ اس عورت کی اس میں غائب ہوگیا ۵؎ بولے ہاں فرمایا جیسے سلائی سرمہ دانی میں ۶؎ اور رسی کنویں میں غائب ہوجاتی ہے ۷؎ بولے ہاں فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ زنا کیا ہے ۸؎ فرمایا ہاں میں نے اس سے وہ کام حرام کیا ہے جو خاوند اپنی بیوی سے حلال کرتا ہے ۹؎ فرمایا تم اس سے چاہتے کیا ہو عرض کیا یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک فرمادیں ۱۰؎ تب آپ نے حکم دیا وہ رجم کیے گئے ۱۱؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے دو شخصوں کو سنا ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا اسے تو دیکھو جس کی اللہ نے پردہ پوشی فرمائی تھی مگر اس نے اپنے کو نہ چھوڑا حتی کہ کتے کی سنگساری کی طرح رجم کیا گیا ۱۲؎ حضور انور اوگا دونوں سے خاموش رہے پھر گھڑی بھر چلے حتی کہ مردار گدھے پر گزرے جو ٹانگ اٹھائے تھا ۱۳؎ تو فرمایا فلاں فلاں کہاں ہیں وہ بولے یارسول اللہ ہم یہ ہیں تو فرمایا کہ اترو اور اس مردار گدھے میں سے کھاؤ ۱۴؎ انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ اسے کون کھاتا ہے ۱۵؎ فرمایا کہ تم نے جو اپنے بھائی کی آبرو ریزی ابھی کی وہ اس میں سے کھالینے سے زیادہ بری ہے ۱۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ اب جنت کی نہروں میں غوطے لگارہا ہے ۱۷؎ (ابوداؤد)

۱؎ ماعز ابن مالک اسلمی جن کا واقعہ پہلے بار ہا کچھ فرق کے ساتھ بیان ہوچکا ہے۔

۲؎ گواہی سے مراد اقرار ہے کہ یہ اقرار گواہی کے قائم مقام ہے،نیز یہ اقرار چار دفعہ چارجگہ میں تھا جیساکہ پہلے معلوم ہوچکا اور اب بھی آرہا ہے۔

۳؎ اس منہ پھیرنے میں چند حکمتیں تھیں:ایک یہ کہ ماعزآپ کے منہ مبارک کی طرف آئے تاکہ یہ اقرار پچھلے اقرار کی جگہ نہ ہو اس کی جگہ بدلی جائے۔دوسرے یہ کہ شاید اب بھی ماعز اقرار سے باز آجائیں اور سزا سے بچ جائیں زنا کے اقرار میں یہ ضروری ہے مگر ماعز پر تو توفیق الٰہی کا رنگ چڑھا ہوا تھا وہ تو بہرحال پاک ہونے جان فدا کرنے آئے تھے۔

۴؎ نکت کے معنے پہلے بیان ہوچکے کہ یہ نیك سے بنا اجوف یائی باب ضرب یضرب کا ماضی ہے۔عربی میں یہ لفظ اس کام کے لیے صریحی ہے صحبت جماع وطی وغیرہ کنایہ،چونکہ حد میں صریحی اقرار چاہیے اس لیے حضور انور نے یہ لفظ ارشاد فرمایا۔

۵؎ یعنی تیرا آلہ عورت کی فرج میں غائب ہوگیا،مراد حشفہ کا غائب ہونا ہے جس سے غسل فرض ہوجاتا ہے کہ زنا کی سزا کے لیے یہ ہی کافی ہے انزال یا پورا داخل ہونا شرط نہیں۔

۶؎ مرود میم کے کسرہ ر کے جزم واؤ کے فتحہ سے بمعنی سرمہ لگانے کی سلائی۔مکحلہ کحل بمعنی سرمہ کا اسم ظرف یعنی سرمہ دانی نکت کے بعد یہ تشریح زیادہ وضاحت کے لیے ہے۔

۷؎ پہلی مثال کنواری عورت کے لیے ہے دوسری مثال یعنی کنویں میں رسی ثیّبہ عورت کے لیے۔

۸؎ یہ تفصیل دریافت فرمانا وطی بالشبہ سے بچنے کے لیے ہے کہ بعض آدمی وطی بالشبہ کو زنا سمجھ لیتے ہیں۔

۹؎ اھل قرآن مجید کی اصطلاح میں بیوی کو کہتے ہیں،دیکھو ہماری کتاب فہرست القرآن۔لہذا اس سے بیوی مراد ہے مگر مرقات نے یہاں اھل میں لونڈی کو بھی داخل فرمایا۔

۱۰؎ اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ماعز عرض کردیتے کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت فرمادیں تو شاید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بجائے حد لگانے کے کوئی راہ نکال دیتے۔واللہ ورسولہ اعلم!

۱۱؎ اس رجم کا واقعہ بالتفصیل پہلے گزرگیا کہ دوران رجم میں ماعز بھاگ گئے تھے صحابہ کرام نے بمشکل رجم کیا تو فرمایا کہ تم نے چھوڑ دیا ہوتا شاید توبہ اس کی رہائی ہوجاتی۔

۱۲؎ اس کلام میں تعجب بھی ہے مردہ کی غیبت بھی اور ماعز کے پر خلوص فعل پر طعنہ بھی،یہ تینوں باتیں ممنوع ہیں۔خیال رہے کہ زندہ کی غیبت سے مردہ کی غیبت زیادہ بری ہے کہ زندہ سے معافی مانگ سکتے ہیں مگر مردہ سے معافی کیسے مانگیں۔

۱۳؎ شاید گفتگو کسی سفر میں ہوئی تھی۔شائل شول سے بنا بمعنی اٹھانا اسی لیے گھڑا اٹھانے والی عورت کو شائلہ کہتے ہیں اور دُم اٹھانے والی اوٹنی کو ناقہ شائلہ کہا جاتا ہے۔شائل پوز کے معنے میں بھی ترمذی شریف میں آیا۔

۱۴؎ اترنے اور کھانے کے دونوں حکم اظہار غضب کے لیے ہیں نہ وجوب کے لیے نہ اباحت کے لیے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حرام گدھے کے کھانے کا حضور نے حکم کیوں دیا۔

۱۵؎ یہ تو حرام بھی ہے مردار بھی اور طبیعت انسانی بھی اس سے نفرت کرتی ہے۔

۱۶؎ کیونکہ گدھا کھانا مجبوری کی حالت میں جائز ہوجاتا ہے جان بچانے کے لیے مگر غیبت کسی حال میں جائز نہیں،نیز بحالت اختیار گدھا کھانا ہلکا گناہ ہے مگر ایسے طیب و طاہر نفس کی غیبت وہ بھی اس کی وفات کے بعد بڑا بھاری گناہ ہے ان وجوہ سے غیبت کو گدھا کھالینے سے سخت تر فرمایا گیا۔

۱۷؎ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ماعزاسلمی شہیدوں کی طرح قیامت سے پہلے یعنی مرتے ہی روحانی طور پر جنت میں داخل ہوگئے وہاں کی نعمتیں استعمال فرما رہے ہیں۔دوسرے یہ کہ برزخ کا عذاب و ثواب برحق ہے۔تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی نہروں کو بھی ملاحظہ فرمارہے ہیں اور وہاں غوطے لگانے والے حضرت ماعز کو بھی دیکھ رہے ہیں حضور کی نگاہ سے کوئی چیز مخفی نہیں،جب حضور پر جنت جیسی دور کی دنیا پوشیدہ نہیں تو یقینًا حضور سے ہم اور ہمارے حالات بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے حضور نے ماعز کو دیکھ کر یہ فرمایا،یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کی نہروں میں جنتی غوطے بھی لگائیں گے مگر لذت کے لیے نہ کہ میل دھونے کو کہ وہاں میل ہے ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت خزیمہ ابن ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو گناہ کو پہنچے اس پر اس گناہ کی سزا قائم کردی جائے تو وہ سزا اس کا کفارہ ہے ۲؎(شرح سنہ)

۱؎ خزیمہ خ کے پیش ز کے فتحہ سے،آپ انصاری اوسی ہیں،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،پھر حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین میں شریک رہے،جب آپ کو حضرت عمار ابن یاسر کی خبرشہادت پہنچی تو بولے عمار کے بعد زندگی بیکار ہے تلوار نکالی میدان میں گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔(اکمال،اشعہ)

۲؎ لہذا جب زانی کو رجم یا چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو یہ سزا اس کے اس جرم کا کفارہ بن گئی مگر قانون شرعی توڑنے کی توبہ کرنی پڑے گی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ کاٹ کر اس سے توبہ کرائی،ملکی قانون شکنی کی سزا یہ ہی رجم ہے اور رب تعالٰی کو ناراض کرنے کی معافی کے لیے توبہ ہے لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو سزا کو پہنچا ۱؎ پھر دنیا میں اسے سزا دے دی گئی ۲؎ تو اللہ تعالٰی اس سے عادل تر ہے کہ اپنے بندے پر آخرت میں سزا مکرر فرمادے ۳؎ اور جو سزا کا مستحق ہوا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی فرمالی ۴؎ اور اسے معافی دے دی تو اللہ کریم تر ہے اس سے کہ اس چیز کو لوٹائے جس سے معافی دے چکا ۵؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی اس نے ایسا گناہ کیا جو شرعی حد لازم کرتا ہے جیسے زنا،چوری،شراب خوری،معلول بول کر علت مراد لی گئی ہے اور ہوسکتا ہے کہ حد سے مراد حرام کام ہو جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا"یعنی یہ چیزیں اللہ کی محرمات ہیں۔(مرقات)

۲؎ یعنی اس پر شرعی حد قائم کردی گئی۔اشعہ نے فرمایا کہ اس میں حدوتعزیر دونوں داخل ہیں۔

۳؎ کہ جب عادل بادشاہ کسی مجرم کو سزا دے کر دوبارہ سزا نہیں دیتے رب تعالٰی تمام عادلوں سے بڑا عادل ہے وہ ان شاءاللہ آخرت میں اسے سزا نہ دے گا۔خیال رہے کہ یہ عدل ظلم کا مقابل ہے نہ کہ رحم کا لہذا کہہ سکتے ہیں کہ رب تعالٰی ہم پر رحم کرے عدل نہ کرے ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔

۴؎ اس طرح کہ اس جرم پر کسی کو خبردار نہ ہونے دیا اور مجرم کو توبہ مقبول کی توفیق بخش دی لہذا حدیث صاف ہے۔

۵؎ یہ امید افزا کلام اس صورت میں ہے کہ بندہ کی پردہ پوشی ڈھیل دینے کے لیے ہے تو یہ غضب ہے جس کی سزا آخرت میں سخت تر ہے،اگر بندے کو اس پردہ پوشی کے بعد شرمندگی،توبہ کفارہ اداکرنے کی توفیق مل جائے تو ان شاءاللہ یہ ستر رحمت ہے اور اگر بندہ اس ستر سے غلط فائدہ اٹھائے کہ گناہ پر اور زیادہ دلیر ہوجائے تو یہ ستر غضب ہے اللہ تعالٰی توفیق خیر دے۔

دستگیرورہنما توفیق دہ　　　　جرم بخش و عفوکن بہ کشا گرہ

باب التعزیر

غیر مقرر سزا کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تعزیر بنا ہے عزر سے،عزر کے معنے ہیں عظمت،حقارت،مدد اور منع وروک،اس کا استعمال زیادہ تر بمعنی روک اور منع ہے بلکہ مدد کو بھی عزر اور مدد دینے کو تعزیر اس لیے کہتے ہیں اس سے دشمن کو ایذا رسانی سے روکا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ"سزا کو تعزیر اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے جرم رکتے ہیں۔شریعت میں تعزیر اس کو کہتے ہیں جو شرعًا مقرر نہ ہو حاکم اپنی رائے سے دے۔خاوند کا بیوی کو،باپ کا بچوں کو،استاد کا شاگردوں کو سزا دینا تعزیز ہی ہے"وَاضۡرِبُوۡهُنَّ"فرمایا نبی کریم نے اپنے بچوں سے ڈنڈا قمچی نہ ہٹاؤ،نیز فرماتے ہیں اللہ تعالٰی اس شخص پر رحمت کرے جو اپنی قمچی سوٹی ٹانگے رکھے کہ بیوی بچے اسے دیکھتے رہیں اور درست رہیں۔(مرقات) حق یہ ہے کہ جن جرموں میں تعزیر کا حکم ہے وہاں ضرور تعزیر دے اور جن جرموں میں اس کا حکم نہیں وہاں تعزیر دینا واجب نہیں۔کسی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا،فرمایا کیا تو نے ہمارے ساتھ باجماعت نماز پڑھی عرض کیا ہاں فرمایا معافی ہوگئی "اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ"اور تعزیر مجرم کے لحاظ سے دی جائے مجرم سرکش کو تعزیر بھی سخت دے شریف آدمی کو جو اتفاقًا گناہ کر بیٹھا تعزیر معمولی بھی کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبردہ ابن نیار سے۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ دس۱۰ کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں مگر اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سے کسی سزا میں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ حضرت براء ابن عازب کے ماموں ہیں،بیعت عقبہ میں حاضر تھے،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام جنگوں میں حاضر رہے،۴۵ھ میں وفات ہوئی۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے،امام مالک کے ہاں زمانہ نبوی سے مخصوص ہے۔بہتر یہ ہے کہ حاکم انتالیس کوڑے تک تعزیر لگاسکتا ہے یعنی غلام کی سزاءِ قذف چالیس کوڑے ہے اس سے کم رکھے،امام ابو یوسف کے نزدیک پچھتّر کوڑے تک لگاسکتا ہے یعنی آزاد کی سزا تہمت اسی۸۰ کوڑے ہے اس سے کم رکھے،یہ استحبابی حکم ہے ورنہ اگر ضروری سمجھے تو حد سے زیادہ بھی لگائے۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معن ابن زائدہ کو دھوکا دہی کی سزا میں ایک سو کوڑے لگائے اور قید بھی کیا کچھ روز کے بعد ایک سو کوڑے اور لگائے،کچھ دن بعد ایک سو کوڑے اور لگائے غرضکہ صحابہ کرام کے

یہ عمل بتارہے ہیں کہ حدیث منسوخ ہے۔(مرقات)یہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ قاضی جنس حد سے سزا دے اور اگر دوسری جنس سے سزا دے تو تعزیر میں قتل بھی جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے سے بچے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی تعزیر یا حد میں جب کوڑے لگائے تو مجرم کو منہ پر نہ لگائے تاکہ اس کا منہ بگڑ نہ جائے،انسان کی زینت منہ سے ہے،حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا یعنی اپنی پسندیدہ صورت پر مگر رجم میں یہ حکم نہیں کہ وہاں تو پتھروں سے ہلاک کردینا ہے پتھر جہاں بھی لگے۔خیال رہے کہ منہ میں آنکھ ناک کان بھی شامل ہیں اور اس سے قریب ہی سر بھی ہے جس میں مغز ہے اگر چہرے پر مار پڑے تو خطرہ ہے کہ مجرم اندھا بہرا یا دیوانہ ہوجائے،اس فرمان عالی میں ہزار ہا حکمتیں ہیں۔ہم نے بعض متقی استادوں کو دیکھا کہ وہ شاگرد کی پیٹھ پر چپت وغیرہ مارتے ہیں منہ پر تھپڑ نہیں مارتے اسی حکم عالی کی بنا پر۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی کسی سے کہے اے یہودی ۱؎تو اسے بیس کوڑے مارو ۲؎اور جب کہے او ہیجڑے (کھسرے)تو اسے بیس کوڑے مارو ۳؎اور جو اپنی محرم سے زنا کرے اسے قتل کردو ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یہودی فرمانا بطور مثال ہے ورنہ او عیسائی او کافر کہنے کا بھی یہ ہی حکم ہے،چونکہ یہودی کفروخباثت اور ذلت طبع سب میں مشہور ہیں اس لیے صرف یہودی ارشاد ہوا۔

۲؎یہ حکم اباحت یا استحباب کا ہے اور خطاب حکام سے ہے یعنی اس کہنے پر اگر سامنے والا حاکم کے ہاں دعویٰ کردے کہ اس نے میری توہین کی ہے تو حاکم اتنے کوڑے مارسکتا ہے۔معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر کہنا سخت جرم ہے۔

۳؎**مخنث** وہ ہے جس کے اعضاء میں نرمی آواز عورتوں کی سی ہو اور بدکاری کراتا ہو،عورتوں کی طرح رہتا ہو،چونکہ یہ عمل نہایت ذلت کا ہے اور مخنث نہایت ذلیل ہے اس لیے کسی کو مخنث کہنے میں اس کی اہانت ہے جس پر ہتک عزت کا دعویٰ ہوسکتا ہے اور یہ سزا جاری ہوسکتی ہے،یوں ہی اگر کسی سے کہا او شرابی او زندیق او لوطی او سود خور او دیّوث او خائن او چوروں کی ماں ان سب میں یہ ہی سزا ہوسکتی ہے۔(مرقات)اگر کسی کو کہا او کتے او سؤر او گدھے تو اگر وہ شخص ذی عزت ہو جیسے عالم فقیہ سید تب تعزیر دی جائے گی،عوام میں سے ہو تو تعزیر نہیں کیونکہ یقینًا وہ انسان ہے کتا گدھا

نہیں ہے لہذا یہ الفاظ محض گالی ہیں،گالی کا یہ ہی حکم ہے جو عرض کیا گیا،اس کی تفصیل یہاں اشعۃ اللمعات میں ملاحظہ کیجئے۔

۴؎امام احمد نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرمایا ہے،باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس جرم کو حلال سمجھ کر کرلے تو مرتد ہے قتل کیا جائے ورنہ اس کا حکم زنا کا سا ہے کہ محصن ہے تو رجم کیا جائے غیر محصن ہے تو سو کوڑے مارے جائیں،غرضکہ یہ فرمان عالی یا مرتد کے لیے ہے یا دھمکانے کے لیے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ وہ اللہ کی راہ میں خیانت کرے ۱؎تو اس کا سامان جلادو اور اسے مارو ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎اس طرح کہ جہاد میں غنیمت کے مال میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لے،غلول غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔

۲؎امام احمد نے اس کے ظاہر پر عمل فرمایا ہے ان کے ہاں اس خائن کا سارا مال جلادیا جائے سوائے قرآن مجید اور جانور اور غنیمت کے چرائے ہوئے مال کے یہ نہ جلائے جائیں،باقی علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا اب منسوخ ہوچکا،امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسے مارا ضرورجائے مال نہ جلایا جائے۔خیال رہے کہ اس خیانت میں ہاتھ نہ کٹے گا کیونکہ یہ شرعی چوری نہیں جس مال میں خود اپنا بھی حق ہو اس کی چوری سے ہاتھ نہیں کٹتا کچھ اور بھی شرائط ہیں جن سے ہاتھ کٹتا ہے۔

باب بیان الخمر ووعید شاربھا

شراب اور اس کے پینے والے کی وعید کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]خمر کے لفظی معنی ہیں ڈھکنا چھپانا اسی لیے دوپٹہ کو خمار کہتے ہیں کہ وہ سر ڈھک لیتا ہے،شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ پینے والے کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے،دوسرے اماموں کے نزدیک ہر پتلی نشہ آور چیز خمر ہے اور اس کا پینا حرام نشہ دے یا نہ دے خواہ انگور کی ہو یا کھجور وغیرہ کسی اورچیز کی۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف شراب انگوری کو خمر کہتے ہیں دوسری شرابیں خمر نہیں کہلاتیں،امام اعظم کے ہاں انگوری اور غیر انگوری میں چند طرح فرق ہے:ایک یہ کہ خمر یعنی شراب انگوری حرام قطعی ہے اس کا حلال جاننے والا مرتد ہے باقی شرابیں حرام ظنی ہیں جن کا منکر کافر نہیں۔دوسرے یہ کہ خمر یعنی شراب انگوری نجس العین نجاست غلیظہ ہے دوسری شرابیں نجاست غلیظہ۔تیسرے یہ کہ خمر یعنی شراب انگوری کا ایک قطرہ پینے والے کو حد یعنی اسی[80] کوڑے ماریں جائیں گے،دوسری شراب حد نشہ تک پینے والے کو حد لگے گی کم والے کو نہیں۔چوتھے یہ کہ خمر کا ایک قطرہ بھی حرام ہےنشہ دے یا نہ دے،دوسری شرابیں حد نشہ سے کم حرام نہیں بلکہ حد نشہ پر حرام ہوتی ہیں،ہاں جو کوئی لہوولعب،عیش وطرب کے لیے حد نشہ سے کم پیئے تو سخت گنہگار ہے،ہر لہو حرام ہے اور لہو والا حرام کا مرتکب۔امام محمد کے ہاں ہر شراب کا قطرہ بھی حرام ہے مگر فی زمانہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ نہ دیا جائے ورنہ فساق اس بہانہ سے شراب خوری کریں گے۔کسی نے ابو حفص کبیر سے شراب کے متعلق پوچھا توآپ نے فرمایا ہر شراب کا قطرہ بھی حرام ہے سائل نے کہاآپ نے امام اعظم کے خلاف کہاآپ نے فرمایا فی زمانہ لہوولعب کے لیے لوگ پیتے ہیں لہذا حرام کے مرتکب ہیں جن کے لیے غیرخمر کا قطرہ حلال تھا،اب وہ لوگ نہ رہے یہ وہ تھے جو صرف کھانا ہضم کرنے،نماز پر قوت حاصل کرنے کےلیے استعمال کرتے تھے۔(اشعہ ولمعات)افیون،بھنگ،چرس وغیرہ نشہ آور غیرپتلی چیزوں کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ تاحدنشہ حرام ہیں اس لیے کم دواءً،حلال لہو ولعب کے لیے حرام،نیز وہ چیزیں نجس نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ سے راوی فرماتے ہیں شراب ان دونوں درختوں سے ہوتی ہے کھجور اور انگور[1](مسلم)	

[1]یہاں خمر لغوی معنی میں ہے یعنی عقل بگاڑنے والی چیز اور ان دو چیزوں کا ذکر اس لیے ہے کہ اس وقت عرب میں ان ہی کی شراب عمومًا ہوتی تھی ورنہ شراب اور چیزوں سے بھی بنتی ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت	

	عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ پڑھا ۱؎ تو فرمایا کہ شراب کی حرمت نازل ہوچکی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے ہوتی ہے ۲؎ انگور،چھوہارے،گیہوں،جو اور شہد سے ۳؎ خمر وہ ہے جو عقل بگاڑے ۴؎ (بخاری)

۱؎ اپنے زمانہ خلافت میں مسجد نبوی شریف میں منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خطبہ دیا یا خطبہ جمعہ تھا یا خطبہ وعظ۔

۲؎ قاموس میں ہے کہ لفظ خمر مذکر بھی ہے مؤنث بھی،یہاں ھی فرمانے سے معلوم ہوا کہ مؤنث ہے۔

۳؎ یعنی آج کل ہمارے ملک میں عمومًا ان پانچ چیزوں سے شراب بنتی ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں عمومًا دو چیزوں سے بنتی تھی انگور اور کھجور لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ یعنی شراب ان پانچ چیزوں میں منحصر نہیں جو پتلی چیز نشہ آور ہو جائے وہ شراب ہے اور حرام ہے حتی کہ تربوز کا پانی اگر گرم ہو کر نشہ دینے لگے تو وہ بھی حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے جب شراب حرام کی گئی ۱؎ حالانکہ ہم شراب بہت تھوڑی ہی پاتے تھے ہماری عام شرابیں کچی کھجور و چھوہارے کی تھیں ۲؎ (بخاری)

۱؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ شراب رب تعالٰی نے حرام فرمائی اس طرح کہ اس کی حرمت قرآن کریم میں نازل فرمائی اسی لیے حرم رسول اللہ نہ فرمایا۔(مرقات)

۲؎ کیونکہ حجاز میں انگور بہت گراں تھے کھجور بہت سستی اس لیے وہاں شراب انگوری بڑی مہنگی پڑتی تھی جو امیر لوگ پی سکتے تھے عام لوگ کھجور کی شراب پیتے تھے۔خیال رہے کہ کھجور جب درخت میں نمودار ہوتی ہے تو طلع کہلاتی ہے کچھ بڑی ہونے پر خلال پھر ملح پھر کچی بُسر پختہ مگر تر رطب کہلاتی ہے،خشک ہوکر تمر یعنی چھوہارا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتع کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ شہد کی شراب ہے ۱؎ تو فرمایا ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس طرح کہ شہد کو شربت بناکر برتن میں بھر لیتے ہیں حتی کہ گرم ہوکر جھاگ چھوڑ دیتا ہے نشہ دینے لگتا ہے،اسے بتع ب کے کسرہ سے ت کے سکون یا فتحہ سے۔

۲؎ اس کے معنی امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک یہ ہیں کہ غیر انگوری شراب نشہ دے تو حرام ہے غیر منشّی تھوڑی سی نشہ کی بنا پر حرام نہیں،باقی آئمہ کے ہاں اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ جو شراب نشہ آور ہوتی ہے وہ مطلقًا حرام ہے تھوڑی ہو یا بہت،انگوری ہو یا کوئی اور مگر یہ حدیث بظاہر امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ یہاں حرمت کو نشہ پر معلق کیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے[1] اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو دنیا میں شراب پیئے پھر اس پر دوام کرتے مرجائے تو وہ آخرت میں نہ پی سکے گا[2] (مسلم)	

[1] یہاں لغوی معنی کا ذکر نہیں ہے بلکہ حکم شرعی کا ذکر ہے کہ جو شئے نشہ دے وہ حکمًا خمر ہے کہ حرام بھی ہے اور اس پر اسی ۸۰ کوڑے حد بھی ہے۔معلوم ہوا کہ غیر مسکر شراب خمر کے حکم میں نہیں کیونکہ عربی لغت میں خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں۔چنانچہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر کا قول نقل فرمایا حرمت الخمر وما بالمدینة منها شیئ جب خمر حرام کی گئی تو مدینہ میں وہ بالکل نہ تھی،کون نہ تھی شراب انگوری،دوسری شرابیں تو وہاں اس وقت بہت زیادہ تھیں جیساکہ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اس وقت مدینہ پاک میں کھجور کی شراب بہت تھی،نیز ابن عوف نے ابن شداد سے بروایت حضرت ابن عباس نقل فرمایا حرمت الخمر قلیلها وکثیرها والمسکر من کل شراب(اس کی اسناد نہایت صحیح ہے)یعنی خمر تو تھوڑی ہو یا بہت مطلقًا حرام ہے اس کے سواء دوسری شرابیں نشہ آور ہوں تو حرام ہیں۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ خمر اور دوسری شرابوں کے احکام میں فرق ہے۔(مرقات)خمر کا ایک قطرہ پینے پر حد ہے دوسری شرابوں میں حد نشہ تک پینے میں حد ہے۔چنانچہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں فاذا سکر فاجلدوہ وہ جب نشہ ہو تو کوڑے مارو۔(مرقات) دارقطنی نے حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک بدوی نےآپ کے برتنوں سے نبیذ پیا اسے نشہ ہوگیا تو انہوں نے اسے حد لگائی وہ بولا کہ میں نے توآپ کے برتن سے نبیذ پیا تھا انہوں نے فرمایا کہ تجھے سزا نشہ کی وجہ سے دی گئی اس طرح ابن ابی شیبہ نے عبداللہ ابن نمیر عن حجاج عن ابن عوف عن عبداللہ ابن شداد عن ابن عباس روایت کی فی السکر من النبیذ ثمانین۔بہرحال مذہب امام ابوحنیفہ بہت قوی ہے،حد شبہات سے دفع ہوجاتی ہے،غیر خمر دوسری شرابیں ہیں اگر مسکر نہ ہوں تو ان کی حرمت میں شک تو ہے پھر اس میں حد کیسی۔

[2] یعنی اگر حلال جان کر پیتا رہا تو کافر ہوا کافر جنت سے محروم ہے اور اگر حرام جان کر پیتا رہا تو اگرچہ جنت میں پہنچ جائے اور وہاں کی تمام نعمتیں برتے مگر شراب کبھی نہ پائے گا۔بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ جس مدت تک شراب پیتا رہا ہے اس مدت تک نہ پائے گا یا زیادہ مقدار میں نہ پائے گا بہت تھوڑی ملے گی،بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول سے شراب طہور نہ ملے گی،غرضکہ اس جملہ کی بہت سی توجیہیں کی گئی ہیں۔خیال رہے کہ شراب طہور جنت کی اعلیٰ نعمت ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا"۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک شخص یمن سے آئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے متعلق پوچھا جو ان کی زمین میں پی جاتی ہے جوار کی ہوتی ہے اسے مزر کہا جاتا ہے[1] تو فرمایا نبی کریم صلی	

	اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا وہ نشہ آور ہے عرض کیا ہاں فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۲؎ بے شک اللہ کے ذمہ ایک وعدہ ہے ۳؎ اس کے متعلق جو نشہ پیئے ۴؎ یہ کہ اسے طینۃ الخبال پلائے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طینۃ الخبال کیا چیز ہے فرمایا دوزخیوں کا پسینہ یا دوزخیوں کا کچ لہو ۵؎ (مسلم)

۱؎ سائل سمجھا یہ تھا کہ اسلام میں خمرحرام ہے اورخمر کہتے ہیں انگوری شراب کو اور ہمارے ملک میں انگور کی شراب نہیں ہوتی جوار کی ہوتی ہے شاید وہ حلال ہوگی اس لیے یہ سوال کیا۔

۲؎ یہ ایسا قاعدہ ہے کہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا،جوچیز بھی نشہ دے پتلی ہو جیسے شراب،خشک ہو جیسے افیون،بھنگ،چرس وغیرہ وہ حرام ہے حتی کہ اگر زعفران زیادہ کھانے سے نشہ ہوجائے تو اس کا بھی یہ ہی حکم ہےاس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

۳؎ وعدہ بمعنی وعید ہے۔

۴؎ چونکہ زیادہ تر پتلی چیزیں نشہ کے لیے پی جاتی ہیں،نیز آگے پلانے کا ذکر ہی آرہا ہے اس لیے **یشرب** فرمایا ورنہ افیون و بھنگ سے نشہ کرنا بھی حرام ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ جو اذان کا جواب نہ دے اس وقت لاپرواہی سے دنیاوی کام میں مشغول رہے اور جو شخص افیون کا عادی ہو اس کے خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے ان دو چیزوں سے بہت پرہیز کرے۔

۵؎ اس پسینہ یا پیپ و خون کی بدبو،بدمزگی،خرابی بیان نہیں ہوسکتی،سزا جرم کے مطابق ہے اس نے دنیا میں گندی بدمزہ بدبودار چیز پی لہذا اس کے عوض ایسی چیز پلائی گئی۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے چھوارے اور کچے کھجور کے ملاوٴنی سے اور کشمش و چھوہاروں کی ملاوٴنی سے اور کچے کھجور اور تر کھجور کی ملاوٴنی سے منع فرمایا ۱؎ اور فرمایا کہ ہر ایک کا علیحدہ نبیذ بناوٴ ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ان دو دو چیزوں کو ملاکر پانی میں بھگو کر ان کا شربت(نبیذ)نہ بناوٴ کہ ان دو کے ملانے سے نشہ جلد پیدا ہوجاتا ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی متغیر ہوگیا تو دوسرے کو بھی خراب کردے گا،یہ حکم احتیاطی ہے اگر دونوں کو ملا کر بھگویا گیا اور نشہ پیدا نہ ہوا تو پینا حلال ہے۔

۲؎ امام احمدومالک نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرمایا ہے ان کے نزدیک اس مخلوط کا نبیذ حرام ہے نشہ دے یا نہ دے،امام اعظم و شافعی کے ہاں اگر نشہ دے تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و

سلم سے شراب کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ سرکہ سے بنالی جائے ۱؎ تو فرمایا نہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎ اس طرح کہ شراب میں پیاز یا نمک ڈال دیا جائے یا دھوپ میں رکھ دی جائے حتی کہ سرکہ بن جائے۔
۲؎ یعنی شراب کو کسی تدبیر سے سرکہ نہ بناؤ بلکہ اسے پھینک دو۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک اگر شراب سرکہ بنالی گئی تو پاک بھی ہوجائے گی اور حلال بھی،امام احمد کے نزدیک وہ حرام اور ناپاک ہی رہے گی،امام مالک کے نزدیک شراب سرکہ بنانا حرام ہے لیکن اگر بنا لی جائے تو پاک ہوجائے گی،امام شافعی کے نزدیک اگر پیاز یا نمک ڈال کر سرکہ بنائی گئی تو نجس رہے گی اور اگر دھوپ میں رکھ کر سرکہ بنائی گئی تو پاک ہوجائے گی،امام ابوحنیفہ و امام اوزاعی اور لیث کے نزدیک یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب کہ شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی خطرہ تھا کہ اگر لوگوں نے سرکہ بنانا شروع کردیا تو شراب چھوڑیں گے نہیں اس لیے شراب گرادینے کا حکم دیا گیا جیسے اولًا شراب کے برتنوں کا استعمال بھی حرامت تھا جبکہ لوگ شراب چھوڑ دینے کے عادی ہوگئے شراب کو بھول گئے تب یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا امام اعظم کی دلیل حضور کا یہ فرمان عالی **نعم الادام الخل** سرکہ اچھا سالن ہے اس حدیث میں سرکہ مطلق ہے خواہ اول سے ہی سرکہ ہو یا شراب کا بنایا گیاہو۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت وائل حضرمی ۱؎ سے کہ حضرت طارق ابن سوید ۲؎ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق پوچھا تو منع فرمایا وہ بولے کہ دوا کے لیے بناتا ہوں تو فرمایا کہ شراب دوا نہیں لیکن وہ نری بیماری ہے ۳؎(مسلم)	

۱؎ یہ وہ ہی حضرت وائل ابن حجر حضرمی ہیں جن کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں کہ آپ یمن کے شاہزادوں سے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے حضور نے آپ کا بڑا احترام فرمایا۔
۲؎ آپ بھی حضرمی ہیں،آپ سے صرف ایک حدیث منقول ہے،صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔
۳؎ اس حدیث کی بنا پر اکثر علماء نے فرمایا کہ شراب سے علاج حرام ہےاس میں شفا ہے ہی نہیں،مگر بعض نے فرمایا کہ اگر مسلمان متقی حاذق طبیب کہہ دے کہ اس بیماری کی دوا سوائے شراب کے اور کچھ نہیں تب دواءً حلال ہوجاتی ہے یعنی جب شراب حرام رہے تو اس میں شفا نہیں مگر جب بحکم شرعی صورۃ مذکورہ میں حلال ہو جائے تو اس سے علاج ہوسکتا ہے لیکن اگر گلے میں لقمہ پھنس گیا ہے پانی موجود نہیں پی کر اتارے جان جارہی ہے شراب موجود ہے تو شراب پی کر لقمہ اتار سکتا ہے۔اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ اس مصیبت سے چھٹکارا یقینًا ہوجائے گا،بہرحال یہ حدیث قابل غور ہے۔قرآن کریم نے مخمصہ کی حالت میں مردار کھانے کی اجازت دی ہے وہ آیت اس قول کی تائید کرتی ہے اس حدیث کے متعلق علماء نے بہت گفتگو کی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے شراب پی تو اللہ تعالٰی قبول نہ کرے گا اس کی چالیس دن کی نماز ۱؎ پھر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول فرمائے گا ۲؎ پھر اگر لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہ کرے گا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا اگر پھر لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دین کی نمازیں قبول نہ کرے گا ۳؎ پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا ۴؎ اگر پھر چوتھی بار لوٹے تو اللہ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہ کرے گا پھر اگر توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول نہ کرے گا ۵؎ اور اسے خبال کی نہر سے پلائے گا ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ صباح سے مراد دن ہے جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت آدم کی مٹی چالیس صبح خمیر کی گئی یعنی چالیس دن،بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد صبح کی نماز یعنی نماز فجر ہی ہے،حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شراب پی لے اور توبہ نہ کرے تو چالیس دن تک اس کی عبادت میں لذت حضور قلبی میسر نہ ہوگا جس کی وجہ سے وہ عبادات اگرچہ ادا تو ہوجائیں گی مگر قبول نہ ہوں گی نماز فرمایا گیا اور تمام عبادات مراد لی گئیں کہ نماز سب سے افضل عبادت ہے جب وہ ہی قبول نہ ہوئی تو دوسری عبادات بدرجہ اولٰی قبول نہ ہوں گی کیونکہ شراب ام الخبائث ہے اور نماز ام العبادات جو ام الخبائث پئے گا وہ ام العبادات کی قبولیت سے محروم رہے گا بعض روایات میں ہے کہ جو شراب پیئے گا اس کے سینہ سے نور ایمانی نکل جائے گا۔(مرقات واشعہ و لمعات)

۲؎ توبہ کی حقیقت ہے گزشتہ پر ندامت،آئندہ کے لیے نہ کرنے کا عہد،اسی طرح شراب سے توبہ چاہیے کہ آئندہ اس کے قریب نہ جانے کا عہد کرے۔

۳؎ یعنی اگر توبہ کرتے وقت مکمل عہد کیا کہ اب کبھی نہ پئیوں گا پھر شیطان نے بہکادیا اور پی لی۔چالیس کا عدد اس لیے بیان ہوا کہ شراب کا اثر چالیس دن تک بدن میں رہتا ہے۔مرقات نے فرمایا کہ ہر غذا اور پانی کا اثر جسم میں چالیس دن تک رہتا ہے جو کوئی چالیس دن اخلاص سے عبادت کرے تو اس کے دل و زبان سے حکمت کے چشمے بہنے لگتے ہیں جو حضور کی چالیس حدیثیں مسلمانوں تک پہنچائے اسے اللہ تعالٰی محدثین و فقہاء کے زمرہ میں حشر نصیب فرمائے

گا،موسیٰ علیہ السلام سے چالیس کا چلہ کرایا گیا،فرماتاہے:"وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً"۔غرض چالیس کے عدد کی عبادات اور گناہوں میں عجیب تاثیر ہے۔(مرقات) چالیس عدد کے برکات ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھئے۔

۴؎ یعنی طاعت کے ساتھ توبہ کرے حق تعالیٰ مغفرت کے ساتھ قبول فرمالے گا۔

۵؎ یعنی جو تین بار شراب سے توبہ کرکے توڑ دے تو اب اسے توبہ قبول کی توفیق نہ ملے گی،اب صرف زبان سے تو توبہ کہے گا دل سے توبہ نہ کرسکے گالہٰذا یہ توبہ قبول نہ ہوگی،یہ شراب نوشی کی نحوست ہے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جو ابوداؤدوترمذی نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کی کہ جو شخص دن میں ستر بار گناہ کرے اور ستر بار توبہ کرے تو وہ گناہ پر مصر نہیں کہ وہاں توبہ مقبول مراد ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا"۔یہ حدیث اس آیت کریمہ کی اشارۃً شرح فرمارہی ہے،فقیر کی یہ تقریر خوب یاد کرلینی چاہیے۔

۶؎ خبال دوزخیوں کا خون و پیپ اس کثرت سے بہے گا کہ اس کی نہر بہہ جائے گی،شرابی سخت پیاسے اٹھیں گے پانی مانگیں گے تو انہیں بجائے پانی کے یہ دیا جائے گا جو انہیں شدت پیاس کی وجہ سے پینا پڑے گا۔

اور نسائی،ابن ماجہ،دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی ۱؎	

۱؎ یعنی یہ حدیث ترمذی نے تو حضرت عبداللہ ابن عمر ابن خطاب سے روایت کی اور نسائی ابن ماجہ،دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جس چیز کی بہت مقدار نشہ دے تو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ کیونکہ تھوڑی شراب بہت شراب کا عادی بنادیتی ہے اس لیے تھوڑی سے بھی بچنا لازم ہے،یہ حدیث ظاہر معنی سے امام شافعی وغیرہم کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی افیون،چرس،بھنگ،جو دواؤں میں استعمال کی جائے اور نشہ نہ دے تو حرام نہیں،یہاں پتلی اور خشک کی قید نہیں لہذا اس کا وہ ہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ خمر یعنی شراب انگوری کا تو ایک قطرہ بھی حرام قطعی ہے اور دوسری شرابوں کا قطرہ بھی حرام ہے جب لذت یا طرب یا لہو کے لیے پئیے یا اس لیے حرام ہے کہ وہ زیادہ پینے کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں،اس کی بحث ابھی کچھ پہلے گزر چکی ہے وہاں مطالعہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جس کا ایک فرق نشہ دے اس سے ایک چلو بھی حرام ہے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ فرق مدینہ منورہ کا ایک پیمانہ تھا جس میں سولہ رطل یعنی آٹھ سیر چیز سماتی تھی یہاں مطلقًا زیادتی مراد ہے یعنی جو سولہ رطل ہو تو نشہ دے وہ چلو بھر بھی حرام ہےاگرچہ نشہ نہ دے کہ یہ ذریعہ ہے زیادہ پینے کا یا شراب خوری کی عادت کا جیساکہ پہلی حدیث میں گزرا۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گیہوں سے شراب ہوتی ہے اور جو سے شراب ہوتی ہے اور کھجور سے شراب ہوتی ہے اور کشمش سے شراب ہوتی ہے اور شہد سے شراب ہوتی ہے،۲؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎آپ انصاری صحابی ہیں،ہجرت کے بعد انصار میں پہلے آپ ہی پیدا ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات مہینے تھی،کوفہ میں قیام رہا،امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے،پھر حمص کے حاکم ہوئے وہاں ہی آپ کو ۶۴ھ میں قتل کردیا گیا۔

۲؎مرقات نے فرمایا کہ ان تمام شرابوں کو خمر فرمانا مجازًا ہے یعنی یہ شرابیں گویا خمر ہی ہیں کہ عقل بگاڑنے بے ہوش و نشہ کردینے میں خمر کا کام کرتی ہے اور ان کے نشہ پر بھی خمر کے نشہ کے احکام جاری ہیں ورنہ خمر صرف شراب انگوری کو کہا جاتا ہے جس کے دلائل پہلے عرض کیے گئے۔خیال رہے کہ ان مذکورہ پانچ چیزوں کا ذکر حصر کے لیے نہیں کیونکہ شراب ان کے علاوہ اور چیزوں کی بھی بنتی ہے،چونکہ عمومًا عرب میں ان ہی پانچ چیزوں کی شراب ہوتی تھی اس لیے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا یعنی گیہوں،جو،چھوارے،کشمش اور شہد۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی ۱؎تو جب سورۂ مائدہ اتری ۲؎تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا اور عرض کردیا کہ وہ شراب یتیم کی ہے ۳؎فرمایا اسے گرا دو ۴؎(ترمذی)	

۱؎کہ ہمارے گھر میں ایک یتیم پرورش پاتا تھا جس کا کوئی عزیز فوت ہوا اس کے مالوں کا یہ بچہ وارث ہوا ان مالوں میں شراب بھی تھی،چونکہ اس وقت تک شراب حرام نہ ہوئی تھی اس لیے وہ بھی اس بچہ کو میراث ملی،ابھی اس بچہ کی ملک میں ہی تھی کہ شراب حرام ہوگئی اس کے ضائع کرنے کا حکم صادر ہوگیا۔

۲؎جس میں آیت کریمہ آئی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"اور شراب قطعی حرام کردی گئی اور شراب کو نجس بھی فرمایا گیا اسے شیطانی کام قرار دیا گیا،اس سے بچنے کا حکم دیا گیا۔فاجتنبوہ اس بچنے پر فلاح و کامیابی کو موقوف فرمایا گیا

کہ "لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ" اور شراب خوری کو جوئے،بت پرستی،تیروں سے فال کھولنے کی برابر قرار دیا گیا اور ظاہر ہے کہ ایسی خبیث چیز قریب جانے کے لائق نہیں چہ جائیکہ اسے پینا یا گھر میں رکھنا۔

۳؎ سوال کا مقصد یہ تھا کہ اس شراب کے ضائع کرنے میں یتیم بچہ کا نقصان ہوگا اگر اجازت ہو تو س کا سرکہ بنالیں یا کفار کے ہاتھ فروخت کردیں،پینے کی اجازت مانگنا مقصود نہ تھا لہٰذا حدیث ظاہر ہے۔

۴؎ یعنی نہ اسے کفار کے ہاتھ فروخت کرو نہ اس کا سرکہ بناؤ بلکہ اسے بہادو کیونکہ یہ مال غیر متقوم ہے مسلمان اس کی تجارت بھی نہیں کرسکتا نہ کسی حیلہ سے اسے استعمال کرسکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حرام چیز کو فنا کردینا چاہیے،اگرچہ وہ نابالغ بچہ کی ہوکہ یہ بھی ایک قسم کی عملی تبدیلی ہے اسی لیے ڈھول طبلہ سارنگی وغیرہ حرام آلات کی چوری پر سزا نہیں ان کے توڑنے پر ضمان نہیں کہ یہ چوری نہیں تبلیغ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ حضرت ابو طلحہ سے ۱؎ راوی انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ میں نے ان یتیموں کے لیے شراب خریدی جو میری پرورش میں ہیں ۲؎ فرمایا شراب بہا دو مٹکے توڑ دو ۳؎ روایت کیا اسے ترمذی نے اور ضعیف کہا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان یتیموں کے بارے میں پوچھا جو شراب کے وارث ہوئے ہیں فرمایا اسے بہادو عرض کیا کہ کیا سرکہ نہ بنالیں فرمایا نہیں ۴؎	

۱؎ بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابو طلحہ جناب انس کے سوتیلے باپ ہیں،حضرت انس نے ان ہی کے ہاں پرورش پائی،دونوں باپ بیٹا بڑے مراتب کے مالک ہیں،فقیر نے انکی قبر مبارک کی زیارت کی ہے۔

۲؎ یعنی شراب کی حرمت سے پہلے میں نے بغرض تجارت ان یتیموں کے مال سے شراب خریدی تھی ابھی فروخت نہ کرچکا تھا کہ شراب حرام ہوگئی اب میں کیا کروں۔اس سوال کا مقصد بھی وہ ہی ہے جو ابھی اوپر کی حدیث میں عرض کیا گیا یعنی سرکہ بنالینے یا کفار کے ہاتھ فروخت کردینے کی اجازت حاصل کرنا۔

۳؎ شراب کے برتن توڑ دینے کا حکم ابتداءً تحریم میں تھا جب شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی تاکہ لوگ اس کے برتن دیکھ کر پھر شراب نہ پینے لگیں۔

۴؎ سرکہ بنانے کی ممانعت تنزیہی ہے یعنی شراب کا سرکہ بنانا مناسب نہیں۔(مرقات)یا یہ ممانعت شروع تحریم کے وقت کی ہے جب کہ شراب کے برتن توڑ دینے کا حکم بھی تھا اس کی تحقیق گزرچکی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اعضاء بکھیر دینے والی چیز سے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یا تو **مسکر** سے مراد پتلی نشہ آور چیزیں ہیں اور مفتر یعنی جسم میں گرمی اور ڈھیلا پن پیدا کرنے والی چیز ہے مراد خشک نشیلی چیزیں ہیں جیسے افیون بھنگ چرس وغیرہ کہ اسلام میں یہ سب چیزیں حرام ہیں کچھ تفصیل سے یا **مسکر** سے مراد قوی نشہ آور مفتر سے مراد ہلکا نشہ ہے،نشہ بہرحال نشہ ہے اگرچہ ہلکا ہو۔خیال رہے کہ تمباکو سے نشہ لینا بھی حرام ہے اگر حقہ یا تمباکو والے پان سے نشہ ہو تو وہ بھی حرام ہے ورنہ نہیں۔ان شاءاللہ اس کی بحث اس فصل کے آخر میں کچھ کی جائے گی،مفتر بہت وسیع فرمان ہے۔

روایت ہے حضرت دیلم حمیری سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایک ٹھنڈی زمین میں ہیں اور وہاں سخت کام کرتے ہیں ۲؎ اور ہم اس گیہوں سے شراب بناتے ہیں جس سے اپنے اعمال پر اور اپنے ملک کی ٹھنڈک پر قوت حاصل کرتے ہیں ۳؎ فرمایا کیا وہ نشہ دیتی ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا اس سے بچو ۴؎ میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑیں گے نہیں ۵؎ فرمایا اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو ۶؎(ابوداؤد)	

۱؎ **دیلم** دال کے فتحہ لام کے کسرہ سے ہے،**حمیر** ح کے کسرہ میم کے سکون سے بروزن درہم،حمیر یمن کا ایک شہر ہے جو صنعاء سے غربی جانب واقع ہے۔

۲؎ اس لیے ہم کو شراب اور نشہ کی سخت ضرورت ہے کہ ملک میں بغیر شراب کی گرمی اور بغیر نشہ کے بھاری کام نہیں ہوسکتے۔

۳؎ لہذا ہم شراب پینے پر مجبور ہیں۔

۴؎ کہ اسے مطلقًا استعمال نہ کرونہ بحدنشہ نہ اس سے کم جیساکہ **فاجتنبوہ** کے اطلاق سے معلوم ہوا کیونکہ تھوڑی شراب بہت سی کا ذریعہ ہے۔

۵؎ کیونکہ وہ پرانے عادی بھی ہیں اور اس کی انہیں ضرورت بھی ہے ملکی حالات کے لحاظ سے۔

۶؎ یعنی اگر حلال سمجھ کر پئیں تو وہ مرتد ہوگئے ان پر جہاد کرو۔(مرقات)اور اگر حرام سمجھ کر پیئے جائیں تو ان پر سختی کرو مار پیٹ کر اس سے روکو۔لفظ **قاتلوا** مار پیٹ پر بھی ارشاد ہوا ہے فرمایا کہ جو نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے روکو نہ رکے تو **قاتلہ** اسے مارکر روکو،یہاں سائل نے بہت کوشش سے سوال کیا مگر اجازت نہ ملی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے طبلہ اور جوار کی شراب سے منع فرمایا۱؎ اور فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۲؎(ابوداؤد) ۳؎	

۱؎ **میسر** جوئے کو کہتے ہیں **یسر** بمعنی آسانی سے بنا،چونکہ جواری جیت کے بہ آسانی مال لے لیتا ہے اور ہارکر بہ آسانی دے دیتا ہے اسی لیے اسے میسر کہتے ہیں،کوبہ نرد،شطرنج،طبلہ و سِتار سب ہی کو کہتے ہیں،یہاں شارحین نے طبلہ کے معنی کئے ہیں۔غبیراء جوار کی شراب جو حبشہ میں مروج تھی جسے ان کی زبان میں مسکرکہتے تھے۔(اشعہ)

۲؎ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر نشہ کی چیز سے نشہ لینا حرام ہے خواہ شراب تاڑی وغیرہ پتلی چیزیں ہوں یا بھنگ چرس افیون وغیرہ خشک چیزیں ہوں اگرچہ ان کے احکام میں تفصیل ہے مگر نشہ مطلقًا حرام ہے۔

۳؎ یہاں مصنف نے اپنا قاعدہ چھوڑ دیا،تینوں حدیثوں کے بعد فرمادیئے کہ ان تینوں حدیثوں کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ داخل ہوگا جنت میں ۱؎ ماں باپ کا نافرمان ۲؎ اور نہ جواری اور احسان جتلانے والا ۳؎ اور نہ شراب کا عادی۔(دارمی)اس کی دوسری روایت میں بجائے جواری کے حرام زادہ ہے ۴؎	

۱؎ سابقین کے ساتھ جو اولًا ہی جنت میں پہنچیں بغیر سزا اور بغیر رکاوٹ کے یا جو یہ جرم کرے انہیں حلال سمجھ کروہ قطعًا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۲؎ **عاق** وہ شخص ہے جو ایسا مباح کام کرے جس سے والدین کو تکلیف ہو بلاضرورت شرعی کرے اور انہیں دکھ پہنچانے کے لیے۔(مرقات)یہ قیود خیال میں رہیں لہذا اگر حاکم بیٹا مجرم ماں باپ پر شرعی سزا جاری کرے تو عاق نہیں اور اگر ماں باپ کو ستانے کے لیے شراب نوشی وغیرہ کرے تو وہ بدنصیب عاق سے بدتر ہے ظالم ہے۔

۳؎ **منّان** بنا ہے **منّ** سے منّ کے معنی احسان کرنا بھی ہیں احسان جتانا بھی اور توڑنا بندکرنا بھی اس تیسرے معنی میں ہے"**وَ اِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ**"منان رب تعالٰی کی صفت بمعنی بہت ہی احسان فرمانے والا کریم،یہاں دوسرے یا تیسرے معنی میں ہے یعنی احسان جتانے والا یا قاطع رحم قرابت داروں کے حقوق ادا نہ کرنے والا،رب تعالٰی فرماتاہے:"**لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰی**"۔

۴؎ کیونکہ حرامی بچہ جبلی طور پر بدکار بدمعاش ہوتا ہے کہ اس کی سرشت میں شیطان کا دخل ہوتا ہے اور کبھی بدکاری کرتے کرتے کفر تک پہنچ کر دائمی دوزخی ہوجاتا ہے۔(مرقات)اس لیے حرامی کی نسل میں ولایت نہیں ہوتی مگر خیال رہے کہ حرامی کے یہ احکام اسلام میں آجانے کے بعد ہیں،مشرکین و مجوسی کی اولاد حرامی نہیں اگرچہ ان کے نکاح شرعی قاعدے کے خلاف ہیں مگر چونکہ ان کے دین کے موافق ہیں لہذا صحیح ہیں،اگر مجوسی مسلمان ہوجائے اور اس کے نکاح میں اس کی ماں یا بہن یا بیٹی ہو تو اب علیحدہ کرادیں گے،یوں ہی اگر مشرک کے نکاح میں سات آٹھ بیویاں ہوں تو بعد اسلام چار سے زیادہ بیویاں علیحدہ کرادیں گے مگر ان کی گذشتہ اولاد حلال ہوگی،اس سے ولید ابن مغیرہ کا مسئلہ بھی حل ہوگیا جسے قرآن کریم نے زنیم یعنی حرامی فرمایا۔اس حدیث میں زانی و زانیہ پر عتاب ہے کہ وہ زنا کرکے اپنے بچہ بلکہ اس کی نسل برباد کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت اور جہانوں کے لیے ہدایت بھیجا۱؎ اور مجھے میرے عزت و جلال والے رب نے حکم دیا باجوں،بانسری،الغوزوں۲؎ اور بتوں اور صلیبوں اور جاہلیت کی چیزیں مٹانے کا۳؎ اور میرے رب عزوجل نے میری عزت کی قسم فرمائی کہ کوئی بندہ میرے بندوں میں ایک گھونٹ شراب نہ پئے گا مگر میں اتنی ہی پیپ اسے پلاؤں گا ۴؎ اور نہ چھوڑدے اسے میرے خوف سے مگر اسے پاک حوضوں سے پلاؤں گا ۵؎(احمد)	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری رحمت کفار کو بھی پہنچی کہ وہ دنیاوی عذاب سے بچ گئے اور حضور کی باطنی رحمت یعنی ہدایت سے کفار نے فائدہ نہ اٹھایا،حضور کی رحمت فرشتوں جنات انسان بلکہ تمام مخلوقات کو ملی، اس کی نفیس تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎ **معازف** جمع ہے **معزف** کی جس کا مادہ **عزف** ہے بمعنی کھیل،**معزف** بروزن **منبر** کھیل کا آلہ۔اصطلاح میں ہر باجہ کو **معزف** کہا جاتا ہے اور **مزامیر** جمع ہے **مزمار** کی جس کا مادہ **زمر** ہے بمعنی گانے کی آواز۔ اصطلاح میں بانسری الغوزہ وغیرہ کو مزامیر کہا جاتا ہے یعنی مجھے رب تعالٰی نے حکم دیا ہے کہ ہر باجہ گانے کو مٹادوں۔خیال رہے کہ جھانج تو مطلقًا حرام ہے دوسرے باجے اگر غرض صحیح کے لیے استعمال کیے جائیں تو حلال ہیں،کھیل تماشہ کے لیے بجائے جائیں تو حرام۔چنانچہ غازیوں کا طبل جو جنگ وغیرہ میں اعلان کے لیے بجایا جائے یا دف تاشہ اعلان نکاح کے لیے حلال ہے،یوں ہی عیدوشادی کے موقعہ پر چھوٹی بچیوں کا دف بجانا احادیث میں آیا ہے اس کے احکام ان شاءاللہ اپنے موقعہ پر آئیں گے۔

۳؎صلب جمع ہے صلیب کی جس کا مادہ صلب ہے بمعنی صولی،صلیب صولی دینے کا آلہ،یہ عیسائیوں کی معظم چیز ہے جسے وہ پوجتے ہیں اور جاہلیت سے مراد زمانہ جاہلیت کی ناجائز رسمیں ہیں جیسے نوحہ،ماتم،خاندانی فخر،ستاروں سے بارش مانگنا۔خیال رہے کہ جزیرہ عرب میں سواء اسلام کے کسی ملت کی اجازت نہیں اس لیے عرب سے صلیب مٹائی جائے گی۔عرب کے سواء دوسرے اسلامی ممالک میں ذمی کفار کو مذہبی آزادی دی جائے گی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں،اسلام میں تو ذمی کفار کو مذہبی آزادی ہے پھر صلیب مٹانے کے کیا معنی کہ یہ حکم جزیرہ عرب کے لیے ہے یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں میں سے صلیب وغیرہ کو مٹاؤں کہ انہیں اس کی تعظیم سے دور رکھوں۔

۴؎یعنی بعد قیامت دوزخ میں اسے دوزخیوں کی پیپ پلاؤں گا۔

۵؎قدس کے حوض سے مراد جنت کے حوض ہیں جن میں حوض کوثر بھی داخل ہے یعنی جو شخص شراب کا عادی تھا پھر رحمت خدا نے دستگیری کی کہ محض خوف خدا کی بنا پر توبہ کرلی اسے ان حوضوں سے پلایا جائے گا ترک کے یہ معنی ہوتے ہیں،ممکن ہے کہ اس میں وہ بھی داخل ہو جو شرابیوں میں پھنس کر شراب سے بچے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن پر اللہ نے جنت حرام فرمادی ۱؎عادی شرابی،ماں باپ کا نافرمان اور وہ بے حیا جو اپنے گھر میں بے حیائی کو قائم رکھے ۲؎(احمد،نسائی)

۱؎یعنی اسے سابقین کے ساتھ جنت میں جانا حرام ہے یا جو ان کاموں کو حلال جان کر کرے وہ جنت سے دائمی محروم ہے کہ جنت تو مؤمنین کے لیے ہے۔

۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں خبیث سے مراد زنا اور اسبابِ زنا ہیں یعنی جو اپنی بیوی بچوں کے زنا یا بے حیائی بے پردگی،اجنبی مردوں سے اختلاط،بازاروں میں زینت سے پھرنا،بے حیائی کے گانے ناچ وغیرہ دیکھ کر باوجود قدرت کے نہ روکے وہ بے حیاء دیوث ہے مگر مرقات نے یہاں فرمایا کہ تمام بے غیرتی کے گناہ اس میں شامل ہیں جیسے شراب نوشی،غسل جنابت نہ کرنا دیگر اس قسم کے جرم،اللہ تعالٰی دینی غیرت دے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص جنت میں نہ جائیں گے عادی شرابی،قاطع الرحم ۱؎اور جادو کی تصدیق کرنے والا ۲؎(احمد)

۱؎قاطع رحم عام ہے عاق سے کیونکہ عاق ماں باپ کا نافرمان ہے اور قاطع رحم اپنی نسبی عزیزوں پر زیادتی کرنے والا یا ان کے حقوق ادا نہ کرنے والا باوجود قدرت کے،مسلمان پر ماں باپ،بھائی بہن،خالہ،ماموں وغیرہم بلکہ بیوی اور اس کے والدین کے بھی حقوق ہیں۔ان حقوق کی تفصیل اعلٰی حضرت قدس سرہٗ کی کتاب **شرح الحقوق لطرح العقوق** میں ملاحظہ فرمایئے۔مسلمان کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں سے خبردار رہے کہ میرا کون کون رشتہ دار ہے اور ان سے میرا کیا رشتہ ہے تاکہ ان کے حقوق بقدر قرابت ادا کرے۔

۲؎ یعنی جادو کو حق یعنی حلال جاننے والا یا اس کی تاثیر بذاتہٖ کا قائل جادو کرنا حرام ہے اسے حلال جاننا بے دینی ہے ورنہ جادو میں رب تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے جس کا ثبوت قرآن مجید سے ہے،رب تعالیٰ فرماتاہے:"یُفَرِّقُوْنَ بِہٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِہٖ"لہذا جادو کو برحق تاثیر ماننے والا مؤمن ہے اسے حلال جاننے والا کافر،یہاں دوسری صورت کا ذکر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عادی شرابی اگر مرجائے تو اللہ تعالیٰ سے بت پرست کی طرح ملے گا ۱؎(احمد)

۱؎ یعنی بغیر توبہ کیے شرابی رہتا ہوا مرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایسا ناراض ہوگا جیسا بت پرست پر ناراض ہوگا،قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے شراب کو بتوں کے ساتھ ذکر کیا،کہ ارشاد فرمایا:"اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلٰمُ"نیز شرابی نشہ میں بت پرستی کرے تو کوئی تعجب نہیں کہ بے عقل سب کچھ کرلیتا ہے تو شراب بت پرستی کا ذریعہ بن سکتی ہے،غرضکہ یہ وعید بہت سخت ہے۔رب تعالیٰ کی پناہ!

	اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے
	اور بیہقی نے شعب الایمان میں محمد ابن عبید اللہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور کہا ۱؎ کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں محمد ابن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد کی روایت سے ۲؎

۱؎ یعنی بیہقی نے کہا۔مقصد یہ ہے کہ تاریخ بخاری میں میں نے خود یہ روایت نہیں دیکھی ہے بلکہ بیہقی کے حوالہ سے بیان کررہا ہوں۔

۲؎ یہ محمد ابن عبید اللہ یا محمد ابن عبداللہ ابن جحش ہیں اور عبداللہ ابن جحش مشہور صحابی ہیں اور محمد بھی صحابی ہیں کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ اولًا مکہ معظّمہ سے حبشہ کو ہجرت کی پھر مکہ معظّمہ واپس آگئے اور مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے آپ فرماتے تھے کہ میں نہیں پرواہ کرتا شراب پیئوں یا اللہ کے مقابل اس ستون کو پوجوں ۱؎(نسائی)

۱؎ مقصد یہ ہے کہ میرے نزدیک شراب پینا اور بت پوجنا ایک درجہ کی حماقت و بے وقوفی ہے کہ بت پرستی میں سواء نقصان کوئی فائدہ نہیں،یوں ہی شراب نوشی میں صرف نقصان ہے فائدہ کوئی نہیں۔

خاتمہ: بھنگ،چرس،افیون،تمباکو!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس جگہ دو باتیں بہت ضروری فرمائیں:(۱)ایک یہ کہ سواء شراب انگوری کے دوسری تمام شرابیں جمہور علماء کے نزدیک تو مطلقًا حرام ہیں مگر احناف کے نزدیک جب حرام ہیں جب کہ نشہ دیں یا لہو لعب کے لیے پی جائیں۔حق مذہب جمہور ہے کہ ہر شراب مطلقًا حرام ہے نشہ دے نہ دے،مفتی کو اسی پر فتویٰ دینا چاہیے۔(۲)دوسرے یہ کہ خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ،چرس،افیون میں بھی اختلاف ہے،فیصلہ یہ ہے کہ دوا میں ان چیزوں کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ نشہ نہ دیں،نشہ دیں تو یہ حرام ہیں،نیز ان چاروں کا استعمال لذت کے لیے حرام ہے اگرچہ نشہ نہ دیں کہ ہر لہو باطل ہے،نیز یہ چیزیں پاک ہیں کہ اگر نمازی کے جیب میں افیون وغیرہ کی پڑیا پڑی ہو تو نماز ہوجائے گی،نیز بھنگ افیون وغیرہ کی تجارت جائز تو ہے کہ ان کا استعمال دواءً حلال ہے مگر نہ تو زیادہ کی تجارت کرے نہ نشہ والوں کے ہاتھ فروخت کرے حتی کہ شراب بنانے والے کے ہاتھ بہت مقدار میں انگور بھی نہ بیچے کہ یہ حرام پر امداد ہے، نیز افیون،بھنگ،چرس کی کاشت جائز ہے جب کہ اس سے کاشتکار کی نیت نشہ کرنے یا نشہ کرانے کی نہ ہو صرف دواءً فروخت کرنے کی ہو۔تمباکو کے احکام اس سے بھی ہلکے ہیں کہ تمباکو پینا یا کھانا نشہ کے لیے حرام ہے نشہ دے تو حرام نہیں،جو شخص بھنگ،چرس،افیون سے نشہ کرے اس پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔علامہ شامی نے شامی جلد پنجم کتاب الاشربہ میں تمباکو کے بہت خصوصی احکام بیان فرمائے،فیصلہ یہ فرمایا کہ تمباکو حلال ہے مگر اس سے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے لہذا طبعًا مکروہ ہے،نشہ دے تو حرام۔

کتاب الامارۃ والقضاء

حاکم اور قاضی بننے کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ امارت الف کے کسرہ سے امیروفرماں روا بننا یا فرماں روا بنانااور الف کے فتحہ سے بمعنی علامت یہاں الف کے کسرہ سے ہے۔قضا بمعنی فیصلہ یہاں شرعی فیصلہ مراد ہےیا قضاء کا منصب مراد ہے۔(مرقات و اشعہ)اس باب میں وہ احادیث آئیں گی جن میں امیر(سلطان)و قاضی بنانے یا ان کی شرائط و صفات کا ذکر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ۱؎ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ۲؎ اور جس نے حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ۳؎ امیر ڈھال ہے اس کی پناہ میں جہاد کیا جائے ۴؎ اور اس کی آڑ لی جائے پھر اگر اللہ کے ڈر کا حکم دے اور انصاف کرے تو اس کا اسے ثواب ہے ۵؎ اور اگر اس کے علاوہ کہے تو اس کا اس پر وبال ہے ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کررہی ہے"مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ"۔خیال رہے کہ اطاعت تو اللہ تعالٰی کی بھی لازم ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور سلطان اسلام،ماں باپ،استاذ کی بھی کہ ہر بزرگ کا فرمان لائق عمل ہے مگر عبادت صرف اللہ تعالٰی کی ہے اور کسی کی نہیں اور اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوسکتی ہے،نہ خدا تعالٰی کی نہ کسی اور بزرگ کی۔اتباع کے معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا جو اسے کرتے ہوئے دیکھنا وہ کرنا،قرآن کریم کی اتباع مجازی ہے اسی لیے قرآن مجید میں اطاعت کے ساتھ تین ذاتوں کا ذکر ہے"اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ" اورعبادات کے ساتھ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے"اعۡبُدُوا اللّٰہَ"اور اتباع کے ساتھ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے نہ خدا تعالٰی کا نہ کسی بندے کا"فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ"۔یہ بھی خیال رہے

کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا تعالٰی کی طرح مطلقًا واجب ہے کہ جو بھی حکم دیں بلاوجہ پوچھے بلاوجہ سوچے سمجھے اطاعت کی جائے،دوسرے بندوں کی اطاعت واجب ہے جب کہ جائز کام کا حکم دیں خلاف شرع حکم نہ دیں،حضور کا حکم خود شریعت ہے اگر حضور نماز چھوڑنے یا نکاح نہ کرنے کا حکم دیں تو اس کے لیے وہ ہی حکم شرع ہے،دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفے اور ہماری تفسیر نعیمی پارہ پنجم جہاں اس کی بہت سی آیات و احادیث پیش کی گئیں۔

۲؎ اس فرمان میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ"۔

۳؎ زمانہ جاہلیت میں لوگ نہ امارت سے واقف تھے نہ قضاء سے،ان کے قبیلوں کے رئیس ہوتے تھے،جب اسلام نے یہ محکمے قائم فرمائے تو لوگوں کو تاٌمل اور تعجب ہوا تب یہ ارشاد فرمایا گیا تاکہ لوگ امارت و قضاء کی اہمیت جانیں۔(مرقات)خیال رہے کہ یہاں امیر کی اطاعت سے مراد جائز احکام میں اطاعت ہے جیساکہ آگے آرہا ہے۔(اشعہ)یہاں امام سے مراد یا تو سلطان اسلام ہے یا اس کا نائب جو جہاد میں سپہ سالار ہو یعنی جہاد کے لیے امیر ضروری ہے اور ملک کے لیے بھی،امیر ڈھال ہے جیسے ڈھال دشمن کے تیروشمشیر سے بچاتی ہے ایسے ہی سلطان رعایا کو داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ سلطان کو ڈھال کی طرح جنگ میں سب سے آگے رکھو تاکہ پہلا تیر اسی کو لگے۔(لمعات)**قتال** سے مراد خوارج،باغیوں کفاراور سارے فسادیوں سے جنگ ہے۔

۵؎ عظیم الشان ثواب جو ہمارے بیان بلکہ اندازے سے باہر ہے۔

۶؎ یعنی اگر بادشاہ اسلام خلاف شرع چیزوں کا حکم دے تو اس پر گناہ اور وبال بھی اتنا ہے جو ہمارے بیان و اندازے سے باہر،تمام ملک کا بوجھ اس کی گردن پر ہے،یہاں علیٰ نقصان کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت ام الحصین سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر تم پر ناقص الاعضاء غلام حاکم بنادیا جائے جو تم کو اللہ کی کتاب سے چلائے اس کی سنو اور اطاعت کرو۲؎(مسلم)

۱؎ آپ ام حصین بنت اسحاق قبیلہ احمس سے ہیں،آپ کے بیٹے یحیی ابن حصین ہیں،آپ صحابیہ ہیں،حجۃ الوداع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔

۲؎ یعنی اگر سلطان اسلام کسی حبشی غلام کو تمہارا حاکم بنادے تب بھی تم اس غلام حاکم کی فرمانبرداری کرو کہ یہ سلطان کی اطاعت ہے یا اگر بالفرض حبشی غلام سلطان بن جائے جسے مسلمان چن لیں تو اگرچہ وہ خلیفہ تو نہیں کہ خلافت اسلامیہ صرف قریش سے خاص ہے مگر سلطان تو ہے تب بھی اس کی اطاعت کرو۔(از مرقات)خیال رہے کہ یزید پلید نہ سلطان تھا نہ حاکم بلکہ اس کو سلطان بنانے کا مسئلہ درپیش تھا،حضرت امام حسین نے اسے سلطان بنانے سے انکار کیالہذا یہ حدیث حضرت امام حسین کے عمل کے خلاف نہیں،بادشاہ بنانا اور ہے بنے ہوئے بادشاہ کی اطاعت کرنا کچھ اور،فاسق کو نماز کا امام نہ بناؤ لیکن اگر بن چکا ہے تو جماعت نہ چھوڑواس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

	سلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام بنادیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہوا۱(بخاری)

۱؎یہ فرمان عالی مبالغہ کے طور پر ہے یعنی اگر ذلیل و حقیر ناقص الخلقت گنجا غلام بھی تم پر حاکم مقرر ہوجائے تو اس کا حکم بھی قبولیت کے ساتھ سنو اور اس پر عمل کرو،جیسے حدیث پاک میں ہے کہ جو مسجد بنائے اگرچہ چڑیا کے آشیانہ کے برابر ہو اسے بھی ثواب ہے۔خیال رہے کہ یہاں کشمش سے تشبیہ یا تو چھوٹا ہونے میں ہے یا بال سے صاف گنجا اور پلپلا ہونے میں،اکثر حبشیوں کے سر چھوٹے ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان آدمی پر لازم ہے ۱؎ہر اس حکم میں جسے پسند کرے یا ناپسند جب تک کہ اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎بشرطیکہ اس کا حکم خلاف شرع نہ ہو۔

۲؎یعنی سلطان اسلام کا جائز حکم تمہاری طبیعت کے خلاف ہو یا موافق بہرحال قبول کرو لیکن اگر وہ خلاف شرع حکم کرے تو اس کی فرمانبرداری نہ کی جائے،فرمانبرداری صرف اللہ رسول کی ہے مگر ایسے احکام مانے بھی نہیں اور اس بناپر بغاوت بھی نہ کرے،بادشاہ سے جنگ ملک کی تباہی کا باعث ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں اطاعت صرف بھلائی میں ہے ۱؎

۱؎یہ فرمان عالی بادشاہ حاکم،پیر،استاد،ماں،باپ وغیرہ سب کو شامل ہے کہ خلاف شرع حکم میں کسی کو اطاعت نہ کی جائے۔معروف وہ کام ہے جسے شریعت منع نہ کرے۔معصیت وہ کام ہے جسے شریعت منع فرمادے،یہ تعریف اچھی طرح یاد رکھی جائے۔(مرقات)آج کل بعض بے وقوفوں نے سمجھ لیا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو وہ معصیت ہے یہ محض غلط ہے ورنہ زندگی گزارنا ناممکن ہوجائے گی۔اس کی بحث ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول میں بدعت کی بحث میں ملاحظہ فرمایئے وہاں اس پر بہت دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ۱؎سننے اور اطاعت کرنے پر تنگی اور آسانی میں خوشی و ناخوشی میں ۲؎اور ہم پر ترجیح دیئے جانے میں ۳؎اور اس پر کہ کسی چیز میں اس کے اہل و مستحق سے نہ جھگڑیں ۴؎اور اس پر کہ ہم جہاں بھی ہوں حق ہی کہیں اللہ تعالٰی کے بارے میں

	کسی ملامت کرنے والی ملامت سے نہ ڈریں۵ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کسی چیز میں اس کے اہل سے نہ جھگڑیں مگر یہ ہے کہ تم کھلا کفر دیکھو۶ جس کی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے قوی دلیل ہوے(مسلم،بخاری)

۱؎ اس بیعت سے مراد یا تو بیعت اسلام ہے یا کسی موقعہ پر کوئی خاص بیعت،حضرات صحابہ نے بیعت اسلام کے سواء خاص موقعوں پر اور بھی بیعتیں کی ہیں۔

۲؎ یعنی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیعت میں یہ عہد کیا کہ ہم سلطانِ اسلام کی بہر حال اطاعت کرینگے زمانہ تنگی کا ہو یا فراخی کا وہ حکم ہم پر گراں ہو یا آسان۔**عسر و یسر** سے مراد حالات کی تنگی وآسانی مراد ہے اور **منشط و مکرہ** سے مراد اپنے دل کا حال ہے لہذا عبارت میں تکرار نہیں۔

۳؎ **اثرہ** الف وث کے فتحہ سے بمعنی اختیار کرنا یا ترجیح دینا یعنی اگر اسلامی سلاطین ہمارے دنیاوی حقوق غنیمت،فئی کا حصہ یا حکومت کے عہدے ہم کو نہ دیں حق ہمارا ہو مگر دوسرے کو دے دیں یا خود مارلیں تو ہم ان کی اطاعت سے قدم باہر نہ نکالیں گے اس حق تلفی پر صبر کرینگے اور سلاطین کے مطیع رہیں گے۔اشعہ میں ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد یہ واقعات پیش آئے،انصار نے پورے صبر و تحمل سے کام لیا رضی اللہ عنھم اجمعین۔

۴؎ یہاں امر سے مراد حکومت وامارت ہے یعنی ہم اہل حکومت سے نہ جھگڑا کرینگے تو یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو عہدہ اس کے اہل کو دیا جائے تو ہم اسے چھیننے کی کوشش نہ کریں گے۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ اسلامیہ قریش سے خاص رہی،انصار نے حکم نبوی سن کر کہ **الخلافة للقریش** بالکل سرتابی نہ کی بلاچون وچرا حکم سرکاری قبول کرلیا،یہ تھا اس بیعت پر عمل۔

۵؎ یہ گذشتہ عہدوں کے علاوہ اور دوسرا عہد ہے یعنی ہم مداہنت فی الدین نہ کرینگے ہر چھوٹے بڑے کے سامنے ہر جگہ ہر وقت سچی بات کہیں گے ہر مسلمان بقدر وسعت مبلغ ہے۔

۶؎ کفر سے مراد کفار کے سے کام ہیں یعنی گناہ ومعصیت،عام نسخوں میں **بوّاہ** واو سے ہے اور بعض نسخوں میں **براہ** رسے ہے۔براہ کھلی زمین کو کہتے ہیں۔

۷؎ یعنی اگر تم اسلامی بادشاہ کا فسق وفجور کھلم کھلا دیکھو،ان کے احکام وافعال کی کوئی توجیہ نہ ہوسکے تو ان کی اطاعت نہ کرو مگر پھر بھی ان فاسق سلاطین پر خروج نہ کرے کہ ان سے لڑنا بھڑنا باجماعِ مسلمین حرام ہے۔اہل سنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ بادشاہ فسق وظلم کی وجہ سے معزول نہ ہوگا،ہاں کافر سلطانِ اسلام نہیں بن سکتا،اگر مسلمان بادشاہ کافر ہوجائے تو معزول ہوگا کیونکہ سلطان کا معزول ہونا بڑی تباہی ملک وخوں ریزی کا باعث ہے۔(مرقات)حضرات صحابہ کرام نے حجاج ابن یوسف جیسے ظالم وجابر وفاسق پر خروج نہ کیا بلکہ اس سے قضاء جمعہ وعیدین کی قیام حاصل کیں۔خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں فسق کی وجہ سے قاضی تو لائق معزولی ہے مگر سلطان قابلِ معزولی نہیں کیونکہ سلطان کی معزولی میں بہت فتنہ ہے جو قاضی کی معزولی میں کم،مگر احناف کے ہاں نہ قاضی فسق کی وجہ سے لائق معزول ہے نہ سلطان کیونکہ احناف کے ہاں فاسق اہل ولایت ہے شوافع کے ہاں نہیں،دیکھو فاسق باپ اپنی اولاد کا ولی ہے،اس کی پوری بحث یہاں مرقات میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور فرمانبرداری کرنے پر بیعت کرتے تھے۱؎

	تو حضور انور فرمادیتے کہ اس میں جس کی طاقت رکھو ۲؎ (بخاری، مسلم)

۱؎ چونکہ یہاں بیعت میں عہد کے معنی اور بایعنا میں عهدنا کے معنی ملحوظ ہیں لہذا بیعة کا تعدیہ علیٰ سے ہوگیا۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں کہ امت پر شفقت فرماتے ہوئے بوقت بیعت صحابہ سے فرماتے ہیں کہ مطلقًا اطاعت کا عہد نہ کرو بلکہ بقدر طاقت اطاعت کا عہد کرو تاکہ کبھی تم بدعہدی میں ماخوذ نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے حاکم سے ناپسندیدہ چیز دیکھے تو صبر کرے ۱؎ کیونکہ نہیں ہے کوئی جو جماعت سے بالشت بھر الگ رہے پھر مرجائے ۲؎ مگر وہ جاہلیت کی موت مرے گا ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اگر حاکم یا سلطان میں کوئی شرعی یا طبعی یا اخلاقی نقص دیکھے تو صرف اس وجہ سے اس پر خروج نہ کرے اور اس کے خلاف عَلم بغاوت بلند نہ کرے،اس کا یہ مطلب نہیں کہ احسن طریقہ سے اس کی اصلاح بھی نہ کرے۔جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا تو اعلی درجہ کا جہاد ہے،اصلاح اور چیز ہے خروج کچھ اور۔

۲؎ یعنی جو مسلمانوں کی اس جماعت سے جو کسی سلطان اسلام پر متفق و متحد ہوں تھوڑا سا بھی الگ رہے گا اس کا انجام وہ ہوگا جو آگے مذکور ہے۔

۳؎ یعنی اس کی موت زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی سی موت ہوگی کہ نہ ان کا کوئی سلطان ہوتا تھا نہ جماعت نہ ان میں تنظیم تھی نہ قومی اتفاق۔(مرقات)اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کافر ہوگا۔خیال رہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے یزید پلید کو سلطان اسلام بنانے کا مسئلہ تھا نہ کہ بنے ہوئے سلطان کی اطاعت کا مسئلہ لہذا اس عالی جناب کی ذات مقدس اس حدیث کی زد میں نہیں آسکتی،جیسے فاسق کو امام نماز بنانا مکروہ و ممنوع ہے مگر جس مسجد میں فاسق آدمی امام بن جائے تو اس کی وجہ سے جماعت نہ چھوڑے اس کے پیچھے پڑھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو فرمانبرداری سے نکلا اور جماعت سے جدا ہوا ۱؎ پھر مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا ۲؎ اور جس نے اندھا دھند جھنڈے کے نیچے جنگ کی ۳؎ کہ غصہ کرتا ہے تعصب کی بنا پر یا غصہ کرتا ہے تعصب کی طرف یا مدد دیتا ہے عصبیت کی بنا پر ۴؎ پھر وہ مارا گیا تو اس کی موت جاہلیت کی ہے ۵؎ اور جو میری امت پر تلوار لے کر مارتا ہو نیک کار کو بھی بدکار کو بھی ۶؎ اور نہ بچے امت کے مومنوں

	سے اور نہ پورا کرے عہد والے کے لیے اس کا عہدوپیمان ۷؎ پس وہ نہ مجھ سے ہے نہ میں اس سے ۸؎ (مسلم)

۱؎ اطاعت سے مراد سلطان اسلام کی فرمانبرداری ہے اور جماعت سے مراد جماعت مسلمین ہے،جماعت سے جدا ہونے کے معنے ہیں کہ جس کی حکومت پر مسلمان متفق ہوچکے ہیں اسے حاکم نہ مانے اپنے کو جماعت کے فیصلہ سے الگ رکھے،اس جملہ کے اور معنی بھی ہوسکتے ہیں جو کتاب الاعتصام میں مذکور ہوچکے۔

۲؎ اس کے معنی ابھی عرض کیے گئے کہ اس سے مراد کفر کی موت نہیں ہے بلکہ کفار کی سی موت ہے،کفر کی موت اور کفار کی سی موت میں بڑا فرق ہے۔

۳؎ عمیہ بروزن غنیہ بھی آتا ہے غین کے پیش نون کے سکون سے اور عمّیۃ بھی آتا ہے عین کے کسرہ میم کے شد اور کسرہ سے ی کے شد سے،یہ لفظ عمی سے بنا بمعنی اندھا پن اس سے مراد وہ بلوہ یا جنگ ہے جس کی وجہ معلوم نہ ہو،کوئی شخص صرف اپنی قوم اپنے دھڑے کی حمایت میں مسلمانوں کے دوسرے دھڑے سے لڑے جیسا کہ آج کل عام دیہاتی پارٹیوں میں دیکھا جاتا ہے۔

۴؎ عصبیۃ مفعول لۂ ہے یغضب اور یدعو کا یعنی حق و باطل کی تمیز کیے بغیر خود بھی اس اندھا دھند لڑائی میں شریک ہوجاتا ہے اور اپنے دھڑے کے دوسرے آدمیوں کو بھی بلاکر جنگ میں شریک کرتا ہے،عصبیت کے معنی ہیں ظلم پر اپنی قوم کی مددکرنا عصبہ سے بنا بمعنی وارث یا قوم۔

۵؎ یعنی ایسی موت مسلمانوں کی سی نہیں کفار کی سی ہے کافرقوم،ملک،مال وغیرہ کے لیے لڑتے ہیں مگر مؤمن کی لڑائی صرف اللہ کے لیے چاہیے یہ لڑائی بھی عبادت ہے۔

جنگ شاہاں فتنہ و غارتگری است   جنگ مؤمن سنت پیغمبری است

قومیت کی جنگ فساد ہے للّٰہیت کی جنگ جہاد،اسلام نے ہم کو جینا مرنا سب کچھ سکھایا۔

۶؎ اس جملہ کی دو شرطیں ہیں:ایک یہ کہ امتی سے مراد امت اجابۃ یعنی مسلمان ہیں اور نیک سے مراد صالح آدمی ہیں اور فاجر سے مراد گنہگار مسلمان ہیں یعنی ہر نیک و بدمسلمان جو قتل کرے۔دوسرے یہ کہ امتی سے مراد امت دعوت ہے یعنی ہر آدمی کافر ہو یا مؤمن اور برّھا سے مراد مسلمان ہوں اور فاجرھا سے مراد کافر ہو،مرقات نے یہ دونوں شرحیں کیں۔

۷؎ اگر گزشتہ جملہ کی پہلی تفسیر کی جائے تو یہ علیحدہ مستقل حکم ہے اور اگر دوسری شرح کی جائے تو یہ جملہ اس کی شرح ہے،عہد والے سے مراد یا ذمی کفار ہیں یا مستامن کفار۔

۸؎ یعنی وہ میری امت سے نہیں یا میرے طریقہ سے نہیں اور میں اس کے معاون و مددگاروں سے نہیں یا وہ مجھ سے قریب نہیں میں اس سے قریب نہیں،یہ کلمہ انتہائی غضب کا ہے۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے وہ رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کہ تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جو تم سے محبت کریں اور تم ان سے محبت کرو تم انہیں دعائیں دو وہ تمہیں دعائیں دیں ۱؎ اور تمہارے بدترین حکام وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو وہ تم سے نفرت کریں تم ان پر پھٹکار کرو ۲؎ وہ تم پر لعنت کریں فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اس وقت ان کو پھینک دیں ۳؎ فرمایا نہیں جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کریں ۴؎ نہیں جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کریں، خبردار جس پر کوئی امیر والی ہو پھر اس میں اللہ کے گناہوں میں سے کچھ دیکھے تو جو کچھ وہ اللہ کا گناہ کرتا ہے اسے تو ناپسند کرے ۵؎ اور اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے ۶؎ (مسلم)

۱؎ یہاں آئمہ سے مراد والی ہیں خواہ سلطان ہو یا حکام۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ حکام عادل ہوں تم سے مل جل کر رہیں، تمہاری ان کی آپس میں محبت ہو، تمہارے ساتھ نمازوں میں شریک ہوں ایسے حکام اللہ کی رحمت ہیں جیسے عہد صحابہ میں ہوتا تھا اور بعد میں بھی عادل سلاطین میں رہا۔

۲؎ یعنی ظالم ہوں متکبر ہوں، اپنے عیش و طرب میں رہیں، ملک و رعایا سے لاپرواہ رہیں فساق وفجار ہوں ایسے حکام خدا کا عذاب ہیں۔

۳؎ یعنی کیا ہم ان کو حکومت سے نکال باہر نہ کردیں اور ان سے کی ہوئی بیعت توڑ کر ان سے جنگ نہ کریں۔

۴؎ یعنی جب تک سلاطین و حکام مسلمانوں میں جمعہ وعیدین قائم کریں، مسجدوں کا انتظام کریں، نمازوں کا اہتمام کریں تب تک تم ان کو علیحدہ نہ کرو ان کی بیعت نہ توڑو کیونکہ نمازیں قائم کرنا مؤمن ہونے کی علامت ہے، جو نمازیں قائم کرتا ہے وہ دین کا ضرور خیال رکھے گا، اس میں نماز کی اہمیت کا اظہار ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ"۔

۵؎ اس طرح کہ اگر طاقت ہو تو زبان سے بادشاہ کو نصیحت کرے ورنہ اس کی حرکتوں کو دل سے برا جانے اس کی حمایت نہ کرے۔

۶؎ یعنی سلطان یا حکام کی معصیت کی وجہ سے ان کی بغاوت نہ کرے ان سے لڑے نہیں کہ مسلمانوں کی خون ریزی بڑے سے بڑا گناہ ہے ہاں ان کی معصیتوں کی حمایت نہ کرے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم پر کچھ حکام ہوں گے

	جن کے کچھ کام تم پسند کرو گے کچھ ناپسند کرو گے ۱؎ تو جو انکار کرے تو وہ بری ہوگیا اور جو ناپسند کرے وہ سلامت رہا ۲؎ لیکن جو راضی ہوا ان کے ساتھ مل گیا ۳؎ انہوں نے عرض کیا تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں ۴؎ فرمایا جب تک نمازی رہیں جب تک وہ نمازی رہیں ۵؎ یعنی جو اپنے دل سے انکار کرے جو اپنے دل سے ناپسند کرے ۶؎ (مسلم)

۱؎ اس فرمان عالی میں غیب کی خبر ہے۔**تعرفون** اور **تنکرون** کا مفعول بہ پوشیدہ ہے یعنی **بعض اعمالھم**۔ مقصد یہ ہے کہ ان بادشاہوں اور حکام کے اعمال مخلوط ہوں گے کچھ اچھے کچھ برے کہ نماز بھی پڑھیں گے، داڑھی بھی منڈائیں گے،انصاف بھی کریں گے،شراب بھی پئیں گے۔

۲؎ انکار سے مراد زبان سے انکارکردینا ہےاور بری ہونے سے مراد نفاق اور مداہنت یعنی پلپلا پن ہے،کرہ سے مراد دل سے ناپسندیدگی ہے سلامتی ہے مراد گناہ اور وبال فسق سے محفوظ رہنا ہے یعنی ایسے بادشاہوں کے برے اعمال کو زبان سے برا کہہ دینے والا پختہ مسلمان ہے اور ان کے اعمال کو صرف دل سے برا سمجھنے والا زبان سے خاموش رہنے والا پہلے کی طرح پختہ تو نہ ہوگا مگر گناہ سے وہ بھی بچ جائے گا۔

۳؎ اس جملہ کی جزا پوشیدہ ہے یعنی جو شخص ان فاسق حکام کے برے کاموں سے دل سے راضی ہوا اور عمل میں ان کے ساتھ شریک ہوگیا کہ وہ بھی ان کے سے کام کرنے لگاتو وہ بھی گناہ فسق و فجوروبال میں انکے ساتھ شریک ہوگیا۔

۴؎ یعنی ان بادشاہوں حاکموں کو ہاتھ سے اور بذریعہ قوت و طاقت گناہوں سے نہ روکیں جو کہ تبلیغ کی اعلی قسم ہے۔

۵؎ نمازی رہنے سے مراد ہے مسلمان رہنا کیونکہ نماز ہی کفرواسلام میں فارق ہے لہذا یہ مطلب نہیں کہ بے نمازی بادشاہ حکام کی بغاوت درست ہے دوسرے گناہوں کی طرح ترک نماز بھی ایک گناہ ہے۔قرآن کریم دوزخی کفار کا ایک قول نقل فرماتا ہے جو وہ فرشتوں سے کہیں گے"لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ"ہم نمازیوں میں سے نہ تھے یعنی مسلمان نہ تھے۔خیال رہے کہ سلطان کی بغاوت بڑے فتنوں،خون ریزیوں،ملک کی تباہیوں کا باعث ہے اس لیے بڑے اہتمام کے ساتھ اس سے روکا گیا۔

۶؎ یہ کلام راوی کی طرف سے حدیث کے اس جملہ **من انکر** کی تفسیر ہے۔مقصد یہ ہے کہ انکار سے مراد صرف زبان کا انکار نہیں بلکہ دل کی نفرت بھی ضروری ہے کیونکہ دلی کراہت کے بغیر صرف زبانی انکار بیکار ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے کہ جیسا انہوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا خود حضرات صحابہ نے فاسق بادشاہ ظالم و بدکار حکام دیکھ لیے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم

	میرے بعد ترجیح دیکھو گے ۱؎ اور ایسی چیزیں دیکھو گے جنہیں تم ناپسند کرو گے عرض کیا تو آپ ہم کو کیا فرماتے ہیں یارسول اللہ،فرمایا تم ان کے حق انہیں دے دو اور اپنے حق اللہ سے مانگو ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کہ تمہارے حقوق بادشاہ دوسرے کو دیں گے تم کو تمہارے حقوق سے محروم کردیا کریں گے۔

۲؎ یعنی محض اپنا حق لینے کے لیے بغاوت نہ کرنا بلکہ ان سلاطین کی جائز اطاعت کیے جانا اور رب تعالٰی سے دعا کیا کرنا کہ خدایا ان کو ہمارے حقوق ادا کرنے کی توفیق دے۔

	روایت ہے حضرت وائل ابن حجر سے فرماتے ہیں سلمہ ابن یزید ۱؎ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا نبی اللہ فرمایئے تو اگر ہم پر ایسے حکام قائم ہوجائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارا حق ہم سے روکیں تو حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں ۲؎ فرمایا سنو اور اطاعت کرو ۳؎ کیونکہ ان پر وہی ہے جو ان پر ڈالا گیا اور تم پر وہ ہے جو تم پر ڈالا گیا ۴؎ (مسلم)

۱؎ بعض شارحین نے ان کا نام یزید ابن سلمہ کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ سلمہ ابن یزید ہیں صحابی ہیں،کوفہ میں قیام پذیر رہے۔

۲؎ یعنی ایسے بادشاہوں کی ہم بغاوت کریں یا نہیں۔

۳؎ یعنی قولاً سنو اور عملاً ان کی اطاعت کرو یا ظاہرًا سنو اور باطنًا ان کی اطاعت کرو۔(مرقات)خلاصہ یہ ہے کہ اپنے حقوق کے لیے ملک کو ویران نہ کرو،بغاوت سے ملک کی ویرانی ہوتی ہے،قوم پر اشخاص قربان ہونے چاہیے اور دین پر تن من دھن فدا ہونے لازم ہیں۔

۴؎ یعنی ان بادشاہوں اور حکام پر شرعًا عدل و انصاف رعایا پروری ادائے حقوق واجب ہے اور رعایا پر ان کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ان سے ان کی ذمہ داریوں کا سوال ہوگا اور تم سے تمہاری ذمہ داریوں کا حساب ہوگا،اگر وہ اپنے فرائض کی ادا میں کوتاہی کرتے ہیں تو تم اپنے فرائض میں کوتاہی کیوں کرو تم کو اپنی قبر میں سونا ہے ان کو اپنی قبر میں سونا۔علیھم اور علیکم کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز فرمان ہے کہ اپنے حقوق کی فکر کرو دوسروں کی فکر چھوڑو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو فرماں برداری سے ہاتھ نکالے وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو

اس طرح مرا کہ اس کے گلے میں بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا ا؎(مسلم)	

ا؎ اس حدیث میں دلیل سے مراد بندے کے ایمان و تقویٰ کی دلیل و ثبوت ہےاور بیعت سے اگر خلیفہ و سلطان اسلام کی بیعت مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جب خلیفہ رسول یا سلطان اسلام موجود ہو پھر یہ اس کی بیعت خلافت نہ کرے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا اور اگر بیعت سے عام بیعت مراد ہے خواہ بیعت خلافت ہو یا بیعت ارادہ تو حدیث مطلق ہے کہ جو بغیر مرشد پکڑے مرجائے اس کی موت کفار کی سی ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے،یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ بیعت بہت قسم کی ہے:بیعت اسلام،بیعت اطاعت اور بیعت ارادت۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کا سیاسی انتظام انبیاء کرام کرتے تھے ا؎ جب کبھی ایک نبی انتقال فرماتے تو دوسرے نبی ان کے پیچھے تشریف لاتے ۲؎ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ۳؎ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے ۴؎ صحابہ نے عرض کیا تو ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں ۵؎ فرمایا اگلے پھر اگلے کی بیعت پوری کرو ۶؎ اور انہیں ان کا حق دو کیونکہ اللہ تعالٰی ان سے خود پوچھ لے گا ان کے متعلق جن کو ان کی رعایا بنایا۔(مسلم،بخاری)	

ا؎ تسوس بنا ہے سیاست سے بمعنی ملکی و قومی انتظام جس میں دینی انتظام بھی داخل ہے یعنی بنی اسرائیل میں خود حضرات انبیاء کرام سارے قومی ملکی ملی دینی انتظام فرمایا کرتے تھے،ان کے جانشین امراء و خلفاء نہ ہوتے تھے بلکہ حضرات انبیاء کے خلفاء خود انبیاء ہوتے تھے،موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون سے فرمایا تھا **اخلفنی من بعدی**۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ خلافت اسلامیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے شروع ہوئی،اسلامی سلاطین کی بیعت اور حضرات مشائخ کرام کی مریدی اسلام کی خصوصیات سے ہے،پہلے شریعت و ملک کی حفاظت حضرات انبیاءکرام سے ہوتی تھی۔

۳؎ یعنی نہ تو میرے زمانہ میں کوئی نبی ہے جو میری موجودگی میں میرا خلیفہ ہو جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں کچھ روز کے لیے عارضی خلیفہ ہوئے جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے اور نہ میرے بعد کوئی نبی ہے جو میرا مستقل خلیفہ ہو لہذا میرے خلفاء میرے دین کے سلاطین ہیں اور باطنی خلفاء حضرات اولیاء وعلماء۔خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور کے بعد نبی نہیں وہ تو پہلے کے نبی ہیں اور اب بشان نبوت تشریف نہ لائیں گے بلکہ حضور کے امتی ہوکر اور خلیفہ امام مہدی ہی ہوں گے۔

۴؎یہاں خلفاء سے مراد ظاہری خلفاء ہیں یعنی اسلامی سلاطین و امراء خلفاء،خلافت تو قریش کے ساتھ خاص ہے اور سلطنت عام ہے،خلافت میں حکومت کے ساتھ نیابت مصطفوی بھی ہوتی ہے،سلطنت میں صرف حکومت ہےاسی لیے خلفاء راشدین کے زمانہ میں مشائخ سے بیعت نہ کی جاتی وہ خلفاء راشدین مشائخ بھی تھے انکی بیعت بیعت ارادت بھی ہوتی تھی اور بیعت حکومت بھی۔

۵؎یعنی اگر بہت سے خلیفہ بن جائیں تو ہم کیا کریں کس کی بیعت کریں۔

۶؎یعنی یکے بعد دیگرے خلفاء کی بیعت کرنا جب پہلا خلیفہ فوت ہوجائے تو اب جو خلیفہ بنے اس کی اطاعت کرو بیک وقت دو خلیفہ نہیں ہوسکتے،اگر ہوں تو پہلا خلیفہ ہوگا دوسرا باغی۔چنانچہ خلافت حیدری میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر معاویہ باغی،جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں خلافت سے دست برداری فرمالی تب وہ سلطان برحق ہوئے۔خیال رہے کہ بیک زمانہ مختلف ملکوں کے بادشاہ بہت ہوسکتے ہیں مگر تمام مسلمانوں کا خلیفہ ایک ہی ہوگا۔آج پاکستان،ترکی،کابل،ایران اور پاکستان کے صدر یا بادشاہ الگ الگ ہیں مگر ان میں خلیفۃ المسلمین کوئی نہیں،امام مہدی تمام مسلمانوں کے خلیفۃ المسلمین ہونگے۔اس حدیث کی بنا پر صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں دو پیروں کا مرید نہیں ہوسکتا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں دوسرے کو قتل کردو۱؎ (مسلم)	

۱؎قتل سے مراد مقاتلہ یعنی جنگ کرنا ہےاور ہوسکتا ہے کہ قتل ہی مراد ہو کیونکہ دوسرے خلیفہ باغی ہےخلیفہ نہیں،اس کے متعلق قرآن کریم کا فرمان ہے"فَقٰتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللہِ"۔یہاں مرقات نے بحوالہ نووی فرمایا کہ دارالاسلام وسیع ہو یا غیر وسیع،مسلمانوں کے خلیفہ بیک وقت خلیفہ دو نہیں ہوسکتے،مشرق و مغرب،جنوب و شمال کا خلیفۃ المسلمین ایک ہی ہوگا۔امام الحرمین نے اپنی کتاب الارشاد میں فرمایا دور دراز ممالک میں دو خلیفہ ہوسکتے ہیں۔(جیسے آج پاکستان و امریکہ)مگر امام نووی نے اس قول کی بہت مخالفت فرمائی اور فرمایا کہ امام الحرمین کا یہ قول اطلاق حدیث کے بھی خلاف ہے اور سلف و خلف علماء کے بھی خلاف۔

روایت ہے حضرت عرفجہ سے۱؎فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فتنہ اور فساد ہوں گے شرارتیں بدخوئیاں ہوں گی ۲؎تو جو اس امت کا معاملہ جداکرنا چاہے حالانکہ امت متفق ہو تو اسے تلوار سے مار دو کوئی بھی ہو ۳؎(مسلم)	

۱؎آپ عرفجہ ابن سعد ہیں،آپ سے آپ کے بیٹے طرفہ نے روایات لیں،آپ وہی عرفجہ ہیں جن کی ناک کٹ گئی تھی،جنگ کلاب میں تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگوائی تھی مگر وہ بدبودار ہوگئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو

سونے کی ناک لگوا لینے کا حکم دیا،یہ واقعہ مشکوۃ شریف کتاب اللباس باب الخاتم میں آئے گا،آپ سے روایات بہت کم ہیں۔

۲؎ ھنات ھ کے فتح سے ہے جمع ھن کی بمعنی ناقابل ذکر چیزا سی لیے شرمگاہ کو ھن کہتے ہیں کہ وہ بھی ناقابل ذکر ہوتی ہے،یہاں اس سے مراد ناقابل ذکر فتنے فساد شرارتیں ہیں۔مکرر فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ فتنہ مسلسل اور دراز ہوں گے اور بہت سی قسم کے ہوں گے۔

۳؎ خواہ عربی ہو یا عجمی عالم ہو یا جاہل صوفی ہو یا پیر درویش،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہو یا کسی اور خاندان سے غرضکہ کوئی بھی ہو جب وہ میری امت میں تفریق کی کوشش کرے وہ مستحق قتل ہے۔(مرقات)اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو نئے مذاہب ایجاد کرکے مسلمانوں کے ٹکڑے کردینا چاہیں اور جیسے ایک خلیفہ کی اطاعت چاہیے ایسے ہی ایک امام کی تقلید چاہیے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی بادشاہ سے بیعت ۱؎ کرے پھر اسے اپنے ہاتھ کا عقد ۲؎ اور اپنے دل کا میوہ دے دے ۳؎ تو اگر طاقت رکھے اس کی اطاعت کرے ۴؎ پھر اگر دوسرا اس سے جھگڑا کرتا آئے تو دوسرے کی گردن مار دو ۵؎(مسلم)	

۱؎ امام سے مراد دنیاوی امام بھی ہوسکتا ہے یعنی سلطان اسلام اور دینی امام بھی،جیسے امام مجتہد اور شیخ طریقت،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎ صفقة بنا ہے صفق سے بمعنی ہاتھ ملانا اسی لیے تالی بجانے کو تصفیق کہتے ہیں کہ اس میں ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہے،چونکہ مشائخ یا سلطان کی بیعت کے وقت شیخ یا سلطان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفقة یدہ ارشاد فرمایا،عرف میں جب کسی سے کوئی پختہ وعدہ کرتے ہیں تو ہاتھ ملا کر کرتے ہیں کہتے ہیں آؤ ہاتھ ملاؤ یہ کام ضرور کرنا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَدُ اللہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ" مگر یہ بیعت مردوں کے لیے ہے عورتوں سے بیعت صرف کلام سے چاہیے۔

۳؎ یعنی دل کا اخلاص اسے دے کہ دل سے اس کی بیعت کرے یا دل کے میوے سے مراد اولاد ہے یعنی اپنے بال بچوں سے بھی اس امام کی بیعت کرائے۔(مرقات)

۴؎ یعنی اس کے ہر جائز حکم کی بھی بقدر طاقت تعمیل کرے۔

۵؎ یعنی اس دوسرے خواہش مند امامت کو خود یہ بیعت کرنے والے لوگ قتل کردیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک کے ہوکر رہو۔خیال رہے کہ آج کل جس جمہوریت کا رواج ہے کہ ہر پانچ سال کے بعد ملک کا نیا صدر چنا جائے،یہ عیسائیت کی جمہوریت ہے۔اسلام میں جمہوریت کے معنے یہ ہیں کہ ایک بار سلطان لوگوں کی رائے سے چن لیا جائے پھر وہ زندگی

بھر سلطان رہے جب تک کہ اس سلطان میں معزولیت کا سبب نہ پیدا ہو تب تک وہ اپنے مقام پر قائم رہے۔چنانچہ حضرات خلفاء راشدین کا چناؤ ایک ایک بار ہوا ہر پانچ سال پر نہ ہوا۔ موجودہ جمہوریت بڑے فسادات کا ذریعہ ہے کہ ہر پانچ سال میں ملک میں زبردست انقلاب آتا ہے،پھر خرابی یہ ہوتی ہے کہ حکام تو وزراء اور صدر کے ماتحت اور صدر اور وزراء ممبران کے ماتحت اور ممبران ووٹروں کے ماتحت لہذا جس کے قبضہ میں کچھ ووٹ ہیں اسے ممبران دیتے ہیں بلکہ وزراء وصدر تک دیتے ہیں کہ آگے چل کر ان سے پھر ووٹ لینے ہیں،اس بنا پر یہ چودھری لوگ وہ وہ ظلم کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ،وہ سمجھتے ہیں کہ راج ہمارا ہے کہ ووٹ ہمارے قبضہ میں ہیں جیساکہ آج دیکھا جارہا ہے،یہ جمہورت خدا کی لعنت ہے اور یہ انتخاب خدا کا عذاب۔ صحیح جمہوریت اور صحیح انتخاب اسلامی جمہوریت اور اسلامی انتخاب ہے،عیسائیت والے انتخاب میں بڑی آفت یہ ہے کہ ایک صدر ابھی رعایا پر پورا قبضہ بھی نہ کرسکا اس کی معزولیت کا وقت آجاتا ہے وہ ملک کی فکر کرے یا اپنی صدرات کی۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن سمرہ سے [1] فرماتے ہیں کہ فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حکومت نہ مانگو [2] کیونکہ اگر تم طلب سے حکومت دیئے گئے تو تم اس کے حوالے کردیئے جاؤ گے [3] اور اگر تم بغیر طلب دیئے گئے تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی [4] (مسلم،بخاری)	

[1] سمرہ سین کے فتحہ اور میم کے پیش سے،آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے بعد میں بصرہ میں رہے وہاں ہی ۵۱ھ میں انتقال ہوا۔(مرقات)خلافت عثمانی میں سجستان اور کابل،افغانستان آپ ہی نے فتح کیا۔(اشعہ)

[2] دنیاوی امارت و حکومت طلب کرنا ممنوع ہے مگر دینی امارت طلب کرنا عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے کہ ہم سے دعا کیا کرو کہ "وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا" خداوندا ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔خیال رہے کہ سلطنت حکومت نفسانی خواہش،دنیا وی مال،عزت کی لالچ سے طلب کرنا حرام ہے کہ ایسے طالب جاہ لوگ حاکم بن کر ظلم کرتے ہیں مگر جب نااہل سلطان یا حاکم بن کر ملک کو برباد کررہے ہوں یا برباد کرنا چاہتے ہوں تو دین و ملک کی خدمت کے لیے حکومت چاہنا حاصل کرنا ضروری ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا:"اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ" لہذا یہ حدیث ان مذکورہ دونوں آیتوں کے خلاف نہیں کہ اس حدیث سے طمع دنیاوی کے لیے دنیاوی امارت چاہنے کی ممانعت ہے۔حضرت صدیق اکبر نے حضور کے پردہ فرمانے کے بعد بکوشش ملک کی باگ دوڑ سنبھال لی تھی اور پھر امیر بن کر دین و ملک کی خدمت کی جس سے دنیا خبردار ہے،آج تک اسلام و قرآن کی بقا حضرت صدیق کی مرہون منت ہے۔

۳؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ طلب سے مراد کوشش اور رب سے دعا دونوں ہیں جو دعائیں مانگ مانگ کر طمع مال و عزت کے لیے سلطان بنا تو رب تعالٰی اس کی مدد نہ کرے گا وہ جانے اور حکومت جانے۔

۴؎یعنی اگر رب کی طرف سے تم کو سلطان بننا پڑگیا تو رحمت الٰہی تمہاری دستگیری کرے گی تمہارے فیصلے درست ہوں،گے ملک کا بوجھ تم سے اٹھ سکے گا،سلطنت کرنا آسان کام نہیں بغیر کرم پروردگار یہ بوجھ نہیں اٹھ سکتا۔اس حدیث کی بنا پر بزرگان دین حاکم بننے سے سخت متنفر تھے،امام ابوحنیفہ نے جان دے دی مگر قضاء قبول نہ کی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ تم حکومت پر عنقریب حرص کرو گے ۱؎اور ہوگی وہ قیامت کے دن شرمندگی ۲؎ دودھ پلانے والی اچھی اور دودھ چھوڑانے والی بری ۳؎(بخاری)	

۱؎اس میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے اور حرص سے مراد نفسانی خواہش ہے حضور کی یہ پیشگوئی آج آنکھوں دیکھی جارہی ہے کہ مسلمان صدارت،وزارت،سفارت،ممبری کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرتے ہیں۔

۲؎کیونکہ ایسے سلطان کے ذمہ ہزاروں کے حقوق و مظالم ہوتے ہیں جن کے حساب سے چھوٹنا آسان نہیں ہے۔

۳؎سبحان اللہ! کیسی نفیس عبارت ہے،سلطنت کو رعایا کی ماں قرار دیا گیا،ظالم سلطنت کو دودھ سے محروم کرنے والی ماں فرمایا گیا اور عادل سلطنت کو دودھ دینے والی سگی ماں قرار دیا گیا یعنی رعایا کو حقوق دینے والی سلطنت اچھی ہے اور محروم کرنے والی سلطنت بری۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے حاکم کیوں نہیں بنادیتے ۱؎فرماتے ہیں کہ حضور انور نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا ۲؎پھر فرمایا اے ابوذر تم کمزور ہو اور حکومت امانت ۳؎اوروہ قیامت کے دن رسوائی ندامت ہے ۴؎سوائے اس کے جو اسے حق سے لے اور وہ ذمہ داریاں پوری کرے جو اس میں ہیں ۵؎اور ایک روایت میں ہے کہ ان سے فرمایا اے ابوذر میں تم کو ضعیف دیکھتا ہوں ۶؎اور میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں ۷؎ تم نہ تو دو شخصوں پر پنچ بننا اور نہ یتیم کے مال کا ولی بننا ۸؎(مسلم)	

۱؎ تاکہ مجھے عدل و انصاف کرنے کا ثواب ملے یہ ثواب بے شمار ہے آپ کی یہ گزارش حرص دنیا کی بنا پر نہ تھی بلکہ طلب اجر کے لیے تھی اور اس وقت تک طلب حکومت سے حضور نے منع نہ فرمایا تھا۔

۲؎ ازراہ شفقت و محبت تاکہ ان کو اس سے منع فرمادینے سے رنج نہ ہو۔

۳؎ یعنی تم سیاستدان نہیں ہو عابد زاہد تارک الدنیا ہو اور حکومت کے لیے اسلامی سیاستدانی ضروری ہے،دیکھو رب تعالیٰ نے عابد و زاہد فرشتوں کو خلیفہ نہ بنایا۔حکومت کو امانت فرما کر اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا:"اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ"الایہ۔

۴؎ یعنی حکومت و سلطنت ظالم کے لیے رسوائی ہے اور عادل کے لیے ندامت و شرمندگی،وہ سوچے گا کہ میں نے حکومت کرنے کے اوقات عبادت میں کیوں نہ گزارے۔

۵؎ یعنی حکومت و سلطنت عادل حاکم کے لیے بھی ندامت ہے مگر دو شرطوں سے ندامت نہیں بلکہ باعث کرامت ہے:ایک یہ کہ حق کے ساتھ حکومت اختیار کرے کہ دوسرے نااہل ہوں اور ملک و قوم و دین کو اس کی رہنمائی کی ضرورت ہو۔دوسرے یہ کہ حقوق رعایا ادا کرے اس کے لیے حکومت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ سات شخصوں کو عرش الٰہی کا سایہ ملے گا ان میں ایک عادل سلطان ہے،نیز فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عادل بادشاہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔حضرت یوسف علیہ السلام،اور حضرت سلیمان وداؤد علیہما السلام ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان بھی نبی تھے،ان کی سلطنت ان کے لیے درجات عالیہ کا ذریعہ ہے،یہ حدیث بڑی دلیل ہے کہ نااہل کو حکومت میں دخل دینا نہ چاہیے اگرچہ وہ کتنا ہی متقی ہو اللہ تعالیٰ حکام و سلاطین کو حضرات خلفاءراشدین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

۶؎ یہ روایت بھی مسلم کی ہے۔دیکھنے سے مراد ہے معلوم کرلینا چونکہ حضور کا اندازہ ہمارے عین الیقین سے اعلیٰ ہے اس لیے اراک فرمایا۔

۷؎ یعنی اگر ہم ضعیف ہوتے تو ہم بھی حکومت و سلطنت اختیار نہ فرماتے،چونکہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت دی ہے کہ نبوت و حکومت دین و دنیا دونوں کو سنبھال سکتے ہیں اس لیے ہم نے یہ قبول کی،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۸؎ یعنی اے ابوذر عام لوگوں پر حکومت تو بہت مشکل ہے تمہارے لیے تو ضروری ہے کہ تم دو شخصوں کے پنچ بھی نہ بنو بلکہ ایک یتیم کے مال کے متولی بھی نہ بنو کہ اس کی ذمہ داری بھی بہت ہے اور تم تارک الدنیا اللہ والے ہو۔اس حدیث سے آج کل کے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ممبری وزارت صدارت کے لیے سر پھوڑے مرے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مَیں اور میرے چچازاد بھائیوں میں سے دو شخص گئے تو ان دونوں میں سے ایک نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض ان چیزوں پر ہم کو حاکم بنایئے جن پر اللہ نے آپ کو حاکم	

بنایا۱؎اور دوسرے نے بھی اسی طرح کہا تو فرمایا واللہ ہم اس منصب پر کسی ایسے کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا طلب گار ہواور نہ اس کو جو اس پر حریص ہو۲؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا ہم اپنے عمل پر ایسے کو قائم نہیں کرتے جو اسے چاہے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی نبوت تو حضور کے لیے خاص ہے کوئی اس کی تمنا کرسکتا ہی نہیں مگر اللہ نے آپ کو سلطان بنایا ہے تو اپنی ماتحتی میں قاضی،حاکم کسی علاقہ کا امیر ہم کو بنادیجئے۔

۲؎یہ سوال پورا نہ فرمانا عطاء سے منع نہیں بلکہ ان دونوں حضرات پر اور مخلوق خدا پر رحم و کرم ہے کیونکہ حکومت کے خواہشمند حکومت پاکر ظلم و ستم کرکے اپنا دین بگاڑ لیتے ہیں اور لوگوں کی دنیا برباد کرتے ہیں اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے کہ حکومت کی طلب کب بری ہے اور کب اچھی۔سوال سے مراد ہے منہ سے مانگنا اور حرص سے مراد ہے منہ سے تو نہ مانگنا مگر اس کی کوشش کرنا۔

۳؎دنیا طلبی نفسانی خواہش کے لیےکیونکہ ایسے آدمی کی اللہ تعالٰی مدد نہیں کرتاجس سے لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگوں میں بہترین شخص اسے پاؤ گے جو اس حکومت سے سخت متنفر ہو حتی کہ اس میں مبتلا ہو جائے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس حتّی میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ تجدون کی انتہا ہو،دوسرے یہ کہ اشد کراھیة کی انتہا ہو لہذا اس فرمان عالی کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ بہترین شخص وہ ہے جو حکومت و سلطنت اختیارکرنے سے سخت متنفر ہو اور وہ شخص اس وقت تک بہتر رہے گا جب تک کہ اس سے متنفر رہے،جب اس نے حکومت قبول کرلی تو بہتر نہ رہے گا۔دوسرے یہ جو شخص اولًا حاکم بننے سے متنفر ہو بننا نہ چاہتا ہو پھر رب تعالٰی کی طرف سے اسے حاکم یا سلطان بننا پڑ جائے تو پھر متنفر نہ رہے گا کیونکہ رب تعالٰی اس کی غیب سے مدد فرمائے گا مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں اسی پر شارحین زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔(لمعات و اشعہ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ رہو تم سب چرواہے ہو اور تم سب سے اپنے ماتحت چرنیوالوں کے متعلق سوال ہوگا۱؎چنانچہ وہ بادشاہ جو لوگوں پر حاکم ہے وہ چرواہا ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۲؎اور مرد اپنے گھر والوں کا چرواہا ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا اورعورت اپنے خاوند	

	کے گھر اس کی اولاد کی نگران ہے اور وہ ان کے متعلق پوچھی جائے گی ۳؎ مرد کا غلام اپنے مولیٰ کے مال پر ذمہ دار نگران ہے وہ اس کے متعلق پوچھا جائے گا ۴؎ خبردار تم سب چرواہے ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی یہ نہ سمجھو کہ صرف بادشاہ سے ہی اس کی رعایا کا سوال ہوگا ہم آزاد رہیں گے،نہیں بلکہ ہر شخص سے اپنے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا کہ تم نے ان کے دینی و دنیاوی حقوق ادا کیے یا نہیں۔راعی کے لغوی معنے ہیں چرواہا،اصطلاح میں ہر محافظ اورحاکم کو راعی کہہ دیتے ہیں کہ جیسے چرواہا ساری بکریوں کا ذمہ دارہوتا ہےکہ اگر ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو بکری والا اس سے مطالبہ کرتا ہے ایسے ہی رب تعالٰی اس سے ماتحت بندوں کے متعلق سوال فرمائے گا"قُوْٓا اَنۡفُسَکُمْ وَ اَہۡلِیۡکُمْ نَارًا"مثلًا والد سےسوال ہوگا کہ تم نے اپنی بیوی بچوں کو رزق کیوں نہ پہنچایا،یہ بھی سوال ہوگا کہ انہیں نیک کیوں نہ بنایا۔

۲؎ چونکہ سلطان کی حکومت وسیع ہے اس لیے اسکا حساب بھی وسیع ہوگا۔وزیر کے معنے ہیں بوجھ اٹھانے والا،وزر بوجھ کو کہتے ہیں،چونکہ اس پر تمام سلطنت کا بوجھ ہوتا ہے اس لیے اسے وزیر کہا جاتا ہے اسی لیے متقی لوگ حکومت،قضا اور سلطنت قبول نہ کرتے تھے۔

۳؎ یعنی مرد سےسوال ہوگاکہ تو نے اپنی بیوی بچوں کے شرعی حقوق ادا کیے یا نہیں،جن کا خرچہ تیرے ذمہ تھا انہیں خرچ دیا یا نہیں اور جن کی تعلیم تجھ پر لازم تھی انہیں تعلیم دی یانہیں اورعورت سے سوال ہوگا کہ تونے اپنے خاوند کی خدمت کی یا نہیں،خاوند کے مال اور اولاد کی خیر خواہی کی یا نہیں،بچوں کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے اس لیے ماں پر لازم ہے کہ انکی پرورش اور تربیت اچھی کرے،ماں فاطمہ زہرا جیسی پرہیزگار بنے تاکہ اس کی اولاد حسین جیسی ہونہارہواسی لیے اچھی لڑکیوں سے نکاح کرنا اچھاہے کہ زمین اچھی ہو تو پیداوار بھی اچھی ہوتی ہے۔شعر

بے ادب ماں باادب اولاد جن سکتی نہیں | معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

بتولے باش و پنہاں شوازیں عصر | کہ در آغوش شبیرے بگیری

۴؎ کہ تو نے مولیٰ کے مال میں خیانت تو نہیں کی اور اس کی خیر خواہی کی یا نہیں۔

۵؎ یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ہر شخص خود اپنے نفس اور اپنے اعضاء کا راعی و ذمہ دار ہے کہ اس سے اپنے اوقات،اپنے حالات،اپنے خیالات،آنکھ ناک کان وغیرہ کا حساب ہوگا کہ کہاں استعمال کیے،رب تعالٰی فرماتاہے: "مَا یَلْفِظُ مِنۡ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ"انسان جوبات بھی منہ سے نکالتاہےاس کی بھی نگرانی ہوتی ہے۔شعر

عقل و ہوش و گوش نعتہائے عرش | خرچ کردی وچہ آور دی ز فرش

غرضکہ ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کو متعلق پُرشش ہوگی،اللہ تعالٰی ہی ہم گنہگاروں کا بیڑا پار لگائے پردے رکھے لغزشیں معاف کرے۔

	روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی والی جو مسلمان رعیت کا والی بنے ۲؎پھر ان پر خیانت کرتا ہوا مر جائے ۳؎مگر اللہ اس پر جنت حرام فرمادے گا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎**معقل** میم کے فتحہ اور عین کے کسرہ سے،آپ شجرہ والے صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت رضوان کی تھی،بصرہ میں قیام رہا،خواجہ حسن بصری آپ کے شاگرد ہیں۔(اشعہ)امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎یہاں والی سے عام والی مراد ہے سلطان ہویا حاکم،استاذ ہو یا ماں باپ،مسلمان رعایا کا ذکر اتفاقی ہے ورنہ اپنے ماتحت کفار رعایا اور کفار نوکر چاکروں کا بھی حساب ہوگا کہ ان کے شرعی حقوق ادا کیے یا نہیں۔

۳؎غاش بنا ہے غش سے بمعنی ملاوٹ و کھوٹ،یہاں غاش سے مراد ہےان کے حقوق نہ ادا کرنے والااور یا ان پر حق سے زیادہ بوجھ ڈالنے والا۔(مرقات)اس میں بھاری ٹیکس وغیرہ سب داخل ہیں۔

۴؎لہذا وہ نجات پانے والے مؤمنوں کے ساتھ جنت میں نہ جائے گا اور اگر ان جرموں کو حلال جانتا تھا تو کبھی جنت میں نہ جائے گا یا ایسے ظالم کے متعلق اندیشہ ہے کہ اس کا خاتمہ خراب ہو اور وہ دائمی دوزخی بن جائے،یہاں موت کا ذکر فرماکر یہ بتایا کہ مرتے دم تک توبہ کا اسے موقعہ ہے مگر جیسی خیانت ویسی توبہ۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے کوئی بندہ جسے اللہ تعالٰی کسی رعیت کا والی بنائے پھر رعایا کی خیرخواہی سے حفاظت نہ کرے مگر وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎حالانکہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی راہ سے محسوس ہوتی ہے،اس جملہ کی بھی وہ ہی شرحیں ہیں جو ابھی اوپر کی حدیث میں جنت حرام ہونے کی گئیں،لہذا یہ حدیث مغفرت و شفاعت کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں حضور کے سارے فرمان برحق ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائذ ابن عمرو سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بدترین والی ظالم لوگ ہیں ۲؎(مسلم)

۱؎آپ مدنی ہیں،بیعۃ الرضوان والے صحابہ میں سے ہیں،اواخر عمر میں بصرہ میں قیام فرمارہے،وہاں ہی وفات پائی،خواجہ حسن بصری وغیرہ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲؎رعاء رے کے پیش اور عین کے مد سے ہے راعی کی جمع ہے جیسے تاجر کی جمع تجار اور نحوی کی جمع نحاۃ اور رامی کی جمع رمات،حطمہ ح کے پیش اور ط کے فتحہ سے حاطم کی جمع مشتق ہے حاطم سے بمعنی توڑنا،کچل دینا یعنی بدترین سلطان و

حکام وہ ہیں جو رعایا کی کمر توڑ دیں،ان پر ٹیکسوں گرانیوں سخت احکام سے رعایا کو پریشان کردیں جیساکہ آج کل عموماً دیکھا جارہا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی جو میری امت کے کسی کام کا والی ہو پھر وہ ان پر مشقت بن جائے تو اس پر مشقت ڈال ۱؎اور جو میری امت کی کسی چیز کا والی ہو پھر ان پر نرمی کرے تو تواس پر نرمی کر ۲؎(مسلم)	

۱؎یہ اس آقائے دو جہاں کی بددعا ہے جو رحمۃ اللعالمین ہیں،امت پر ظلم سے قلب پاک کو بہت ہی تکلیف ہوتی ہے۔ظالم حاکم کی دنیا بھی برباد آخرت بھی خراب ہے،یہ بددعا دونوں مشقتوں کو شامل ہے۔شعر

پنداشت ستم گر کہ ستم برما کرو　　برگردن او بماند و برما بگذشت

۲؎یہ دعا بھی بہت شاندار ہے رحمدل حاکم کو دین و دنیا میں کامیابی کی دعا ہے۔حکام و سلاطین کو چاہیے کہ اپنے پیارے نبی کی دعا لیں۔شعر

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر　　خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انصاف والے حکام ۱؎اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے ۲؎ رب کی داہنی طرف اور رب کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۳؎وہ لوگ جو اپنے حکم میں اور اپنے بال بچوں میں اور جن کے حاکم ہوں ان میں انصاف کریں۴؎(مسلم)	

۱؎**مقسط** باب افعال کا اسم فاعل ہے،اس کا مادہ **قسط** ہے بمعنی حصہ مگر اس میں لطف یہ ہے کہ مجرد کا اسم فاعل **قاسط** بمعنی ظالم آتا ہے یعنی دوسروں کا حصہ ظلمًا لے لینے والا اور باب افعال کا اسم فاعل بمعنی عادل آتا ہے یعنی لوگوں کو انکا حصہ دینے والا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَہَنَّمَ حَطَبًا**"بعض شارحین نے فرمایا کہ **قسط** بمعنی ظلم ہے باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہے لہذا **اقساط** کے معنے دفع ظلم **مقسط** بمعنی دفع ظلم کرنے والا یعنی عادل یا قاسط بنا قسوط بمعنی ظلم سے اور مقسط بنا ہے بمعنی انصاف سے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ**"۔غرضکہ اس کلمہ میں عجیب خوبی ہے۔

۲؎ منابر جمع ہے منبر کی اور منبر اسم آلہ یا ظرف ہے منبر مصدر کا بمعنی اٹھانا اور چڑھانا،منبر چڑھانے اٹھانے کا آلہ یا اس کی جگہ۔محشر میں مؤمنوں کے مقامات مختلف ہوں گے کوئی مشک کے ٹیلوں پر کوئی نور کے منبروں پر۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں منبر اپنے حقیقی معنے میں ہے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳؎ داہنا فرمانا صرف سمجھانے کے لیے ہے،بادشاہوں کے ہاں جسے عزت دیتے ہیں اسے سلطان کی داہنی طرف جگہ دیتے ہیں،قرب وعزت کے بیان کے لیے یمین فرمایا گیا اور ظاہری معنے سے براءت کے لیے ارشاد ہوا کہ اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کی طرف یمین کی نسبت تو کی جاتی ہے مگر شمال میں بائیں کی نسبت نہیں کی جاتی کہ یمین بنا ہے یمن سے بمعنی برکت،شمال کی نسبت رب کی طرف بے ادبی ہے۔(از مرقات)

۴؎ **حکمهم** سے مراد ہے سلطنت و حکومت و قضاء جس کا تعلق عام رعایا سے ہے اور **اهلهم** سے مراد اپنے بال بچے نوکر چاکر ہیں جن کا تعلق گھر سے ہے اور **ماولوا** سے مراد وہ یتیم بیوگان وغیرہ ہیں جن کی پرورش اس کے ذمہ آن پڑی ہے۔غرضکہ سیاست مدنی اور تدبیر منزل سب میں عدل و انصاف کرتے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ **ماولوا** میں خود اپنی ذات بھی داخل ہے یعنی اپنے متعلق بھی انصاف سے کام لیتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کی امت کی تین قسمیں فرمائیں:ظالم،مقتصد اور سابق،سابق وہ ہے جو اپنے اندر عدل و احسان دونوں جمع کرے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں بھیجا اللہ نے کوئی نبی اور نہیں خلیفہ بنایا کوئی خلیفہ ۱؎ مگر اس کے دو مشیر ہوئے ایک مشیر تو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا مشیر انہیں برائی کا مشورہ دیتا ہے اس کی رغبت دیتا ہے ۲؎ محفوظ وہ جسے اللہ بچالے ۳؎(بخاری)	

۱؎ یا تو خلیفہ سے مراد حضرات انبیاء کرام ہی ہیں عطف تفسیری،رب تعالٰی نے آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:"اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً"اس سے مراد سلطان ہے۔

۲؎ **بطانه** لغت میں استر کو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"بَطَآئِنُہَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ"اس کا مقابل ظہارہ بمعنی ابرہ،اصطلاح میں اندرونی یار،دخیل کار،مشیر خاص کو بطانہ کہا جاتا ہے کہ وہ استر کی طرح اس سے ملا رہتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اچھے اور برے مشیر قدرتی طور پر ہوتے ہیں۔

۳؎ یعنی برے مشیر سے ہم محض اپنی طاقت سے بچ نہیں سکتے ہیں،رب بچائے تو بچ سکتے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اچھے مشیر سے مراد فرشتہ ہے اور برے مشیر سے مراد قرین شیطان۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فضل کیا کہ حضور کا قرین مسلمان ہوگیا جیساکہ ترمذی وغیرہ کی روایات میں ہے۔اصطلاح شریعت میں معصوم صرف حضرات انبیاءکرام ہیں اور فرشتے بعض اولیاء محفوظ ہیں۔معصوم وہ جو گناہ نہ کرسکے محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے،یہاں معصوم

لغوی معنے میں ہے جو محفوظ کو بھی شامل ہے۔ہاروت و ماروت فرشتوں سے گناہ اس لیے ہوا کہ ان میں عارضی طور پر بشریت شامل کردی گئی تھی لہٰذا ان کے واقعہ سے فرشتوں کی عصمت پر اعتراض نہیں ہوسکتا،رب تعالٰی فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے"لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ"۔اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب تفسیر نعیمی کلاں پارہ اول میں دیکھئے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ قیس ابن سعد ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے تھے جیسے امیر کے پولیس والے ۲؎ (بخاری)

۱؎ قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری،خزرجی بڑے مشہور صحابی ہیں صاحب کرم ذہین فطین معاملہ شناس انتظام میں یکتا،دراز قد بھاری بھرکم تھے،خلافت حیدری میں آپ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے، ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں شہید کیے گئے۔(اکمال)

۲؎ شرط شین کے ضمہ سے بمعنی علامت و نشان۔سپاہی اور حاکم کے احکام نافذ کرنے والے کو شرطی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ کی نشانی ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام نافذ کرتے تھے اور قیس ابن سعد احکام رسول جاری فرماتے تھے قید کرنا فیصلہ سنانا وغیرہ وغیرہ۔معلوم ہوا کہ سلطان کے ماتحت ایسے لوگوں کا ہونا سنت ہے جو شاہی فرمان جاری کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ فارس والوں نے اپنا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنالیا ۱؎ تو فرمایا وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہوگی(ہمیشہ ناکام نامراد رہے گی) جنہوں نے اپنے کام کا حاکم عورت کو بنایا ۲؎ (بخاری)

۱؎ کسریٰ شاہ فارس کا لقب تھا،قیصر شاہ روم کا،عزیز شاہ مصر کا،تبع شاہ یمن کا،کسریٰ معرب ہے خسرو سے بمعنی بڑے ملک والا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ شاہ فارس فوت ہوگیا تو فارسی لوگوں نے اس کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا۔

۲؎ یعنی جس قوم کی سلطان یا حاکم عورت ہو وہ قوم ناکام نامراد رہے گی،یہاں اشعہ نے فرمایا کہ عورت ولایت اور امارت کے لائق نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ عورت امام یا قاضی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ عہدے کامل عقل اور آزادی چاہتے ہیں،عورت ناقص العقل بھی ہے اور گھر میں مقید بھی۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک جن چیزوں میں عورت کی گواہی درست ہے ان میں عورت کی قضاء بھی درست ہے۔قضاء سے مراد پنچ ہے نہ کہ جج یعنی عورت خاص شخصوں کی پنچ بن سکتی ہے وہ ناقص کہ جہاں اس کی گواہی درست نہیں وہاں وہ پنچ نہیں بن سکتی لہٰذا احناف کا یہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔ ۱۳۸۴ھ یعنی ۱۹۶۵ء کے جنوری کے پاکستانی صدر کے انتخاب میں اس حدیث کا معجزہ دیکھا گیا کہ

یہاں تمام وہابی روافض وغیرہ بدمذہبوں نے ایک عورت کو صدرات پاکستان کے لیے کھڑا کیا اور ان تمام جماعتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا صرف اہل سنت اس کے خلاف رہے،اہل سنت کی دلیل یہ ہی حدیث تھی،اللہ تعالٰی نے صرف اس حدیث پاک کی برکت سے اہل سنت کو فتح مبین عطا فرمائی کہ ملک عورت کی صدارت اور مخالفین ملک کی شرارت سے محفوظ رہا اور عورت کامیاب نہ ہوسکی۔

الحمدللہ علی ذلك وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبه صاحب اللواء المعقود وصاحب المقام المحمود واله واصحابه وسلم

بہرحال اسلام میں سلطان اور حاکم کے لیے مرد ہونا شرط ہے۔چنانچہ شرح عقائد نسفی ص۲۲۴ میں فرماتے ہیں کہ حاکم مسلمان آزاد عاقل بالغ اور مرد چاہیے عورتیں ناقص العقل بھی ہیں اور ناقص دین بھی۔ تفسیرات احمدیہ میں مولانا احمد جیون فرماتے ہیں کہ نبوت،خلافت امامت،اذان خطبہ مردوں کے لیے خاص ہے،بلقیس کا زمانہ سلیمان میں بادشاہ ہونا ایسا ہی تھا جیسے عیسائیوں میں ملکہ وکٹوریہ یا ملکہ الزبتھ بادشاہ ہوئیں،اسلام کے یہ خلاف ہے۔سرکار کے **لن یفلح قوم** فرمانے میں دو عجیب اشارے ہیں:ایک یہ کہ تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ہوگی مگر عورت کو حاکم بنانے کی سزا دنیامیں بھی ملے گی آخرت میں بھی۔ دوسرے یہ کہ دوسرے گناہوں کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہوتا ہے کہ احکام اسلامی ان پر ہی جاری ہوتے ہیں مگر عورت کو سرداری دینے کی شامت ایسی ہے کہ کفار بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں غرضکہ یہ جرم بہت سخت ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حارث اشعری۱؎سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جماعت کا۲؎اور سننے و فرمانبرداری کرنے اورہجرت اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا ۳؎جو جماعت سے ایک بالشت برابر نکل گیا اس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن سے نکال دیا ۴؎مگر یہ کہ لوٹ آئے ۵؎اور جو جاہلیت کے بلاوے سے بلائے ۶؎تو وہ دوزخ کی جماعتوں میں سے ہے ۷؎اگرچہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے ۸؎(احمد،ترمذی)	

۱؎آپ حارث ابن حارث اشعری ہیں،شام میں قیام رہااس لیےآپ کو شامی بھی کہا جاتا ہے،آپ صحابی ہیں اورآپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث منقول ہے،ابو سلام حبشی کے استاذ ہیں۔

۲؎کہ عقائدواعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہو جس چیز پر امت مسلمہ کا اجماع ہوجائے اس کا اتباع کرو اور سلف صالحین کی پیروی کرو۔(مرقات واشعہ)

۳؎ علماء واولیاء کی حق باتیں سنو ان کی اطاعت کرو اور حاکم اسلام کی اطاعت ہر جائز حکم میں کرو اور مکہ معظمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت کرو یا جہاں اسلامی آزادی نہ ہو کفار سے جہاد کبھی اور کسی کو نصیب ہوتا ہے مگر نفس سے جہاد ہر وقت ہر مسلمان کو کرنا پڑتا ہے۔(مرقات)رب تعالٰی فرماتا ہے:"قٰتِلُوا الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَکُمۡ مِّنَ الۡکُفَّارِ"اپنے قریبی کافروں سے جہاد کرو سب سے قریبی کافر اپنا نفس ہے۔

۴؎ قِیدِ قاف کے کسرہ ی کے جزم سے بمعنی قدروبرابر،شبر شین کے کسرہ ب کے سکون سے بمعنی بالشت،ربقہ ر کے فتحہ سے رسّی کا وہ پھندا جو بکری کے گلے میں ہوتا ہے۔(اشعہ و مرقات)یعنی جو عقائدواعمال سے تھوڑا سا بھی جماعت مسلمین کے خلاف ہوجائے تو اس نے اسلام کے ذمہ اور رب کا عہد توڑ دیا۔

۵؎ یعنی اپنی بدعقیدگی سے توبہ کرے تو دروازۂ توبہ کھلا ہوا ہے۔

۶؎ جیسے اسلام سے پہلے کفار اپنی مدد کے لیے اپنے دشمن کے مقابل اپنے کنبہ یا قوم کو پکارتے تھے اور وہ قوم والے اس کی امداد کو بغیر سوچے سمجھے دوڑ پڑتے تھے خواہ وہ ظالم ہوتا یا مظلوم یعنی قومیت کی جنگ،آج کل ہم لوگوں میں صوبائی قومی ملکی تعصب بہت ہے،یہاں اس کی برائی بیان ہورہی ہے۔

۷؎ جثی جمع ہے جثوۃ کی جیم کے فتحہ یا کسرہ یا پیش سے جماعت و گروہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَنَذَرُ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡہَا جِثِیًّا"۔جثوۃ لغت میں ریت کے ڈھیر کو کہتے ہیں جہاں ذروں کا اجتماع ہو،پھر بڑی جماعت کو جثوہ کہنے لگے کہ اس میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

۸؎ معلوم ہوا کہ پختہ مسلمان ہونے کے لیے عبادات کے ساتھ درستی معاملات بھی ضروری ہے انسان کی جانچ معاملات سے ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت زیاد ابن کسیب عدوی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں ابوبکرہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے تھا ۲؎ وہ خطبہ پڑھ رہا تھا اور اس پر باریک کپڑے تھے تو ابوبلال نے کہا ۳؎ کہ امیر کو دیکھو فاسقوں کا لباس پہنتا ہے ۴؎ تو ابوبکرہ بولے چپ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو زمین میں اللہ کے بادشاہ کی توہین کرے اللہ اسے ذلیل کرے ۵؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ آپ تابعی ہیں،مصری ہیں،ثقہ ہیں،کسیب کاف کے ضمہ سے ہے مصغر۔(اکمال)

۲؎ عبداللہ ابن عامر ابن کریز اُموی حضرت عثمان ابن عفان کے ماموں ہیں،حضور کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی،حضرت عثمان نے آپ کو بصرہ و خرسان کا حاکم مقرر کیا تھا۔

۳؎ غالبًا آپ ابوبردہ ابن سعد ابن ابوموسیٰ اشعری ہیں،آپ کے بیٹے کا نام بلال ہے،آپ بصرہ کے حاکم تھے۔

۴؎ یا تو کپڑے ریشمی تھے یا تھے تو سوتی مگر تھے باریک جیسے کہ عیش پسند مال داروں کا لباس ہے،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۵؎ **سبحان اللہ!** کیسی پاکیزہ تعلیم ہے کہ سلطان اسلام کے وقار سے اسلام کا وقار،مسلمانوں کا رعب،ملک کا انتظام ہے،جب اس کا وقار ہی ختم ہوگیا تو یہ سب کچھ ختم ہوگیا۔باریک کپڑے پہننا حرام نہیں مگر وقارِ سلطان بگاڑنا حرام ہے۔

حکایت: حضرت امام جعفر صادق ایک بار نہایت اعلٰی جبہ پہنے تھے سفیان ثوری نے عرض کیا اے ابن رسول اللہ یہ لباس آپ کے لیے موزوں نہیں توآپ نے سفیان کا ہاتھ اپنی آستین میں ڈالا دیکھا کہ نیچے پشمینہ کا جبہ ہے فرمایا یہ اوپر کا لباس مخلوق کے لیے ہے اوریہ اندرونی لباس خالق کے لیے۔(مرقات) **الناس باللباس** آج کل اعلٰی لباس ذریعہ عزت ہے۔

حکایت: فرقہ سنجی جو ٹاٹ کے کپڑے پہنتا تھا حضرت امام حسن کی خدمت میں حاضر ہواآپ نہایت اعلٰی جوڑا پہنے تھے،وہ بنظر اعتراض آپ کے کپڑے چھونے لگا توآپ نے فرمایا کیا دیکھتا ہے مجھ پر جنتیوں کا لباس ہے اور تجھ پر دوزخیوں کا لباس ہے،پھر فرمایا اکثر ٹاٹ پہننے والے دوزخی ہوں گے جن کے جسم پر ٹاٹ ہے دل میں تکبر ہے۔(مرقات)

روایت ہے نواس ابن سمعان سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خالق کی نافرمانی میں سے مخلوق کی اطاعت نہیں ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎ **نواس** نون کے فتحہ واؤ کے شد سے،**سمعان** سین کے فتحہ میم کے کسرہ سے،آپ صحابی ہیں شام میں قیام رہا۔

۲؎ یعنی کوئی بندہ گناہ کا حکم دے یا نیکی سے منع کرے تو اس کی بات نہ مانو اگرچہ وہ باپ،استاذ،مرشد،حاکم یا بادشاہ ہو،لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ایسی چیز کا حکم دیں جو بظاہر خلاف قرآن و حدیث معلوم ہوتی ہوتو اس کا کرنا واجب ہے کہ اس حکم کے صادر ہونے سے اس شخص کے نام وہ گناہ رہا ہی نہیں نیکی بن گیا،اس کی صد ہا مثالیں موجود ہیں۔اگر کسی کو حضور بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس پر نماز چھوڑنا فورًا حاضر ہوجانا واجب،رب تعالٰی فرماتاہے:"**اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ**" اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی میں دیکھئے۔حضور کے حکم سے بائیکاٹ کے زمانہ میں حضرت کعب پر ان کی بیوی حرام رہیں،حضرت عبداللہ ابن تملیک کو ابو رافع کے قتل کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت دے دی وغیرہ وغیرہ۔یہاں مرقات نے عجیب بات فرمائی کہ "**اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ**"میں رسول کے لیے **اطیعوا** علیحدہ ارشاد ہوا اور **اولی الامر** کے لیے علیحدہ استعمال نہ ہوا کیونکہ اطاعت رسول مستقلًا واجب ہے مگر اطاعت **اولی الامر** اس شرط سے واجب ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف حکم نہ دیں،نیز مرقات میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی تمہاری مثال عیسٰی علیہ السلام کی سی ہے کہ یہود نے انہیں بہتان لگائے عیسائیوں نے انہیں حد سے بڑھایا، بعض تمہیں حد سے بڑھادیں گے بعض بہتان لگائیں گے،فرمایا مجھے حد سے بڑھانے والے محب بھی ہلاک ہوں گے،بہتان لگانے

والے دشمن بھی ہلاک ہوں گے میں نبی اور صاحب وحی نہیں ہوں اگر میں تم کو اچھی بات کا حکم دوں تو میری اطاعت کرو اگر بری بات کا حکم دوں میں یا کوئی اورتو اطاعت جائز نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہے کوئی کسی کنبہ کا سردار مگر وہ قیامت کے دن طوق میں لایا جائے گا حتی کہ یا تو اسے انصاف چھوڑ دے یا اسے ظلم ہلاک کردے ۱؎(دارمی)	

۱؎ یہاں سردار سے مراد وہ سردار ہیں جو خواہش نفس کے لیے بخوشی اور بکوشش سردار بنے یعنی ایسے سردار اگرچہ دس آدمیوں کے افسر ہوں مگر قیامت میں طوق بگردن آئیں گے پھر آگے حساب کے بعد یہ طوق اتر جائے یا لازم ہوجائے،عادل تھے رہائی پائیں گے،ظالم تھے تو پکڑ میں آجائیں گے،لہذا یہ حدیث حضرت سلیمان علیہ السلام یا خلفائے راشدین یا یوسف علیہ السلام کے لیے نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرابی ہے حکام کے لیے خرابی ہے سرداروں کے لیے خرابی ہے امانت داروں کی۱؎قومیں آرزو کریں گی قیامت کے دن کہ ان کی پیشانیاں ثریا تارے میں لٹکی ہوتیں،آسمان و زمین کے درمیان ہلتے ہوتے اور انہوں نے سرداری نہ لی ہوتی ۲؎(شرح سنہ،احمد)اور احمد کی روایت میں ہے کہ ان کے گیسو ثریا تارے میں لٹکے ہوتے،آسمان و زمین کے درمیان قلابازیاں کھاتے اورکسی چیز پر حکومت اختیار نہ کرتے۳؎	

۱؎ **امراء** سے مراد سلطان و حکام ہیں اور **عرفاء عریف** کی جمع ہے اس سے مراد وہ چوہدری و نمبردار ہیں جو حاکم و رعایا کے درمیان واسطہ ہوں کہ رعایا کے معاملات حکومت کو پہنچاتے ہوں اور **امین** سے مراد خزانچی وغیرہ ہیں جو حکومت کی طرف سے ٹیکس،خراج وغیرہ کے نگہبان ہوں،اس میں یتیموں کے والی اور وصی بھی داخل ہیں۔چونکہ ان عہدوں پر پہنچ کر اپنے کو حقوق سے بچانا بہت مشکل ہوتا ہے اس لیے یہ ارشاد ہوا مگر خیال رہے کہ یہاں بھی روئے سخن ان کی طرف ہے جو نفس کے لیے بکوشش یہ عہدے حاصل کریں۔

۲؎ اس جملہ نے شرح فرمادی کہ امراء عرفاء سے وہ ہی مراد ہیں جو کوشش کرکے عیش کے لیے امیر بنیں یعنی ایسے حکام،چوہدری قیامت کا عذاب دیکھ کر آرزو کریں گے کہ ہم کو پیشانی کے بالوں سے آسمان سے لٹکا دیا جاتا ہم وہاں ہچکولے کھاتے یہ اچھا ہوتا اس امارت و وزارت سے،آج ہمیں ایسی ندامت ذلت،رسوائی اور عذاب نہ ہوتے۔**اقوام** فرماکر اشارۃً فرمادیا کہ سارے بادشاہ سردار یہ تمنا کریں گے بلکہ ان میں سے بعض قومیں یعنی ظالمین یا عیش پرست۔

۳؎ ظالم عیش پرست حکام کا تو یہ حال ہوگا مگر عادل سلاطین خلفاء کی یہ عزت ہوگی کہ وہ نور کے منبروں پر ہوں گے رب سے بہت قریب۔ان تمام وعیدوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حکومت کے طالب نہ بنیں کیونکہ نفس انسانی حکومت و سرداری کا خواہاں ہے۔خیال رہے کہ ملک قوم و دین کو سلطان کی بھی ضرورت ہے حکام کی بھی مگر یہ چیزیں ہیں بہت خطرناک الا من عصمہ اللہ۔

	روایت ہے غالب قطان سے ۱؎ وہ ایک صاحب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے ۲؎ راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرداری حق ہے ۳؎ اور لوگوں کو سرداروں کی ضرورت ہے لیکن سردار ہوں گے آگ میں ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،آپ غالب ابن ابی غیلان ابن خطاف قطان بصری ہیں،ثقہ ہیں،خواجہ حسن بصری اور سعید ابن جبیر کے شاگرد ہیں۔

۲؎ یہ صاحب اور انکے والد تو مجہول ہیں خبر نہیں کون ہیں ان کے دادا اگرچہ مجہول ہیں مگر صحابی ہیں،چونکہ سارے صحابہ عادل ہیں اس لیے انکا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

۳؎ یہاں حق بمعنی ضروری و لازم ہے یعنی ملک،قوم اسلام کو بادشاہ حکام کی ضرورت ہے کہ ان سے دین بھی قائم ہے دنیا بھی برقرار۔

۴؎ یعنی عموما سردار ہیں دوزخی کہ اکثر لوگ حکومت پاکر ظلم و تعدی کرتے ہیں لہذا جسے سردار بننا پڑجائے وہ بہت احتیاط سے کام کرے کہ تلوار کی دھار پر ہے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں احمقوں کی سلطنت سے تم کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں ۲؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کیا چیز ہے ۳؎ فرمایا کچھ سلاطین میرے بعد ہوں گے ۴؎ جوان کے پاس گیا ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور ظلم پر ان کی مدد کی تو نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ ہی میں ان سے ۵؎ اور وہ حوض پر میرے پاس ہرگز نہ پہنچیں گے ۶؎ اور جوان کے پاس نہ گیا اور نہ سچ کہا ان کے جھوٹ کو اور نہ ان کی ظلم پر مدد کی تو وہ میرے ہی ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس پہنچیں گے ۷؎ (ترمذی،نسائی)

۱؎ عجرہ عین اور جیم کے پیش اور ر کے فتحہ سے ہے،آپ صحابی ہیں،انصار کے حلیف ہیں،بعض نے کہا انصار سے ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے۔آپ کے اسلام کا واقعہ یہ ہوا کہ آپ کا ایک بت تھا جس کی آپ پرستش کرتے تھے،حضرت عبادہ ابن صامت سے آپ کی بڑی پرانی دوستی تھی،ایک دن حضرت عبادہ ان سے ملنے گئے جب ان کے گھر سے نکلے تو چپکے سے اس بت کے ٹکڑے کر ڈالے جب آپ نے اپنے بت کی یہ حالت دیکھی تو قریب تھا کہ حضرت عبادہ سے الجھ پڑیں مگر دل سے آواز آئی کہ اے کعب اگر بت میں خدائی ہوتی تو اپنے کو بچالیتا،جو اپنی مدد خود نہ کرسکا وہ تیری مدد کیا کرے گا اسی وقت مسلمان ہوگئے۔(اشعہ)آخر میں کوفہ میں قیام رہا مگر مدینہ منورہ میں وفات پائی،پچھتر سال عمر ہوئی، ۵۱ھ میں وصال ہوا،مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ سفہاء جمع ہے سفیہ کی اور سفیہ بنا ہے سفہ سے بمعنی خفت و ہلکا پن،سفیہ کے معنے ہیں ہلکی عقل والا یعنی کم عقل یعنی تم کو اللہ کی امان میں دیتا ہوں اس سے کہ تم پر احمق بادشاہوں کا داؤ چلے یا اس لیے کہ تم ان کی طرف مائل ہو۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تم نا اہل بادشاہوں کا زمانہ پاؤ گے مگر ان شاءاللہ ان کے شر سے محفوظ رہو گے،جسے حضور اپنے دامن میں چھپالیں اس کا کوئی کیا بگاڑے۔شعر

ڈھونڈھا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی وہ کس کو ملے جو تیرے دامن میں چھپا ہو

۳؎ یعنی یہ سلطنت کیسے ہوگی،کیا کرے گی اور کب ہوگی اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

۴؎ ظالم،جھوٹے،بے عقل جیسے یزید ابن معاویہ،حجاج ابن یوسف وغیرہم،اس میں حضرات خلفاء راشدین داخل نہیں ورنہ پھر حضرت علی بھی اسی وعید میں داخل ہوں گے جو آگے آرہی ہے خود حضرت کعب ابن عجرہ نے بھی یہ خلافتیں پائیں اور ان کی حمایت کی،بہرحال جو ہم نے عرض کیا وہ ہی درست ہے۔

۵؎ یعنی وہ مجھ سے بے تعلق ہیں اور میں ان سے بیزار ہوں۔اللہ کی پناہ!خیال رہے کہ ظلم پر مدد کرنے کی کئی صورتیں ہیں:ان ظالموں کو ظلم کی رغبت دینا،ان کے ظلمی قانون کو رائج کرنا،ان کے ظلم میں ان کا ہاتھ بٹانا،ان کے ظلم کی حمایت کرنا یہ کہنا کہ یہ احکام حق ہیں،غرضکہ اس میں بہت وسعت ہے۔کسی درزی نے حضرت سفیان ثوری سے پوچھا کہ ظالم حکام کے کپڑے سینا کیسا تو آپ نے فرمایا کہ جو ظالم سلطان کے کپڑے سینے کے لیے درزی کے ہاتھ سوئی فروخت کرے وہ اس آیۃ کریمہ میں داخل ہے "وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا"الایہ۔(مرقات)

۶؎ یعنی حوض کوثر پر جو جنت میں ہے یا اس کی نہر پر جو میدان محشر میں ہے جہاں حضور کی امت پانی پی کر حشر کی پیاس بجھائے گی مطلب یہ ہے کہ فائزین کے ساتھ نہ پہنچیں گے۔

۷؎ خلاصہ یہ ہے کہ ان ظالموں سے قریب ہونا مجھ سے دور ہونا ہے اور ان سے دور ہونا مجھ سے قریب ہونا ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو ظالم کے ظالمانہ حکم سے راضی ہو اگرچہ اس ظالم سے غائب ہو مگر وہ حاضر ہے اور آپ نے یہ ہی آیت پڑھی "وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا"الایہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جو بن باسی ہوا وہ سخت

	دل ہوگیا۱؎ جو شکار کے پیچھے رہا وہ غافل ہوگیا ۲؎ جو بادشاہ کے پاس پہنچا وہ فتنہ میں پڑا۳؎(احمد،ترمذی، نسائی)اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے جو بادشاہ سے چمٹ گیا۴؎ وہ فتنہ میں پڑگیا اور نہیں بڑھاتا کوئی بندہ بادشاہ سے قرب مگر بڑھا لیتا ہے اللہ سے دوری ۵؎

۱؎ یعنی دیہات کے باشندے اکثر سخت دل ہوتے ہیں،رب تعالیٰ فرماتاہے:"اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا"۔کیونکہ انہیں علم کی روشنی علماء کی صحبت نہیں نصیب ہوتی لہذا خود عالم دین جو دیہات میں رہیں اور وہ دیہات والے جو علماء سے تعلق رکھیں اور شہر میں آجاتے رہیں وہ اس حکم سے خارج ہیں۔

۲؎ یعنی جو شکار کا شغل اپنا وطیرہ بنالے کہ محض شوقیہ شکار کھیلتا رہے وہ اللہ کے ذکر،نماز وجماعت جمعہ،رقت قلب سے محروم رہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکار نہ کیا۔(اشعہ)بعض صحابہ نے شکار کیا ہے مگر شکار کرنا اور ہے اور شکار کا مشغلہ وہ بھی محض شوقیہ کچھ اور شکار کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے یہاں مشغلہ شوقیہ کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث حکم قرآن کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی جو عزت و دولت کمانے کے لیے ظالم بادشاہ کا درباری اور حاضر باش بنا وہ اپنا دین یا دنیا تباہ کرلے گا کیونکہ اگر وہ اس کے ظلم کی حمایت کرے گا تو اپنا دین برباد کرلے گا اور اگر اس کی مخالفت کرے گا تو اپنی دنیا برباد کرلے گا لہذا جو کوئی عادل بادشاہ کا مصاحب بنے اس کے عدل کی حمایت کرنے تک میں دین کا رواج دینے کو اور اسے اچھے مشورے دے تو وہ اعلیٰ درجے کا مجاہد ہے،یوں ہی ظالم بادشاہ کی اصلاح کے لیے اس کے ساتھ رہے تو وہ غازی ہے مگر ایسا بہت مشکل ہے لہذا حضرت علی کو خلفاءراشدین کا مصاحب بننااور حضرت امام ابو یوسف کا سلطان ہارون رشید کا قاضی القضاۃ بننا گناہ نہ تھا ثواب تھا،امام ابویوسف کی یہ قضاء حنفی مذہب کی اشاعت کا ذریعہ بنی۔

۴؎ اس طرح کہ ہر وقت اس کے ساتھ رہا وہ امید نان اور خوف جان میں مبتلا۔ہوگیا حضرت عطار نے کیا خوب فرمایا۔

ع قرب سلطاں آتش سوزاں بود

۵؎ اس فرمان عالی کا مقصد بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ ظالم بادشاہ سے قرب رب تعالیٰ سے دوری کا ذریعہ ہے اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا من ازداد علما ولم یزدد فی الدنیا زاھدا لم یزدد من اللہ الا بعدا جو علم بڑھائے دنیا سے بے رغبت نہ ہو وہ اللہ سے دوری میں ہی اضافہ کرے گا۔

	روایت ہے مقدام ابن معدیکرب سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا اے قدیم ۲ تم کامیاب ہوجاؤ گے اگر ایسے مرو کہ نہ حاکم ہو نہ منشی ۳؎ اور نہ سردار ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کے حالات بیان ہوچکے کہ آپ صحابی ہیں،۹۱ سال عمر پائی،۸۷ھ میں وفات پائی۔

۲؎ کندھے پر ہاتھ رکھنا،**قدیم** تصغیر فرماکر خطاب کرنا کرم و محبت کے لیے ہے۔

۳؎ یعنی سلطان یا حاکم کے منشی۔

۴؎ **عریف** کے معنے یا تو وہ ہی ہیں جو عرض کیے گئے نمبردار چودھری جو بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ ہو یا اس کے معنے مشہور آدمی جسے سب پہنچانیں۔فقہاء فرماتے ہیں خمول رحمت ہے شمول آفت ہے،مولانا برکات فرماتے تھے کہ شریف وہ ہے جو نہ ہمیں پہنچانے نہ ہم اسے پہچانیں حالانکہ آپ والی مکہ تھے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ٹیکس وصول کرنے والا نہ جائے گا ۱؎ یعنی جوکہ لوگوں سے عشر لیتا ہے ۲؎(ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ اس قسم کے فرمانوں کی شرح گزشتہ حدیث میں کی جاچکی ہے کہ فائزین کے ساتھ اول ہی سے جنت میں نہ جاسکے گا کیونکہ ٹیکس لگانے والے اور ٹیکس وصول کرنے والے اکثر ظالم اور رشوت خور ہوتے ہیں مگر جسے خدا بچائے،**مکس** کا ترجمہ ٹیکس نہایت مناسب ہے،آج کل عربی میں مال کے ٹیکس کو **جمرك** اور آدمی کے ٹیکس کو **کوشان** کہتے ہیں۔

۲؎ یہاں **عشر** سے مراد پیداوار کا دسواں حصہ اور خراج اور راستہ کی چونگی باہر سے آنے والے مال کا ٹیکس وغیرہ سب ہے،یہ تفسیر اس حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق ابن مندہ کی ہے۔لفظ **یعنی** فرماکر انہوں نے فرمایا کہ صاحب مکس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عشر لینے والا ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کو زیادہ پیارا اور اللہ سے زیادہ قریب جگہ والا انصاف والا بادشاہ ہے ۱؎ اور قیامت کے دن تمام لوگوں میں اللہ کو زیادہ ناپسند اور بہت سخت عذاب والا اور ایک روایت میں ہے کہ رب سے بہت دور مجلس والا ظالم بادشاہ ہے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے ۳؎	

۱؎ قریب جگہ سے مراد عزت اور مرتبہ ہے یعنی دوسرے بادشاہوں کے مقابلہ میں عادل بادشاہ اللہ تعالٰی سے زیادہ درجہ ومرتبہ والا ہوگا یا عادل بادشاہ انصاف وعدالت کے لحاظ سے زیادہ قرب والا ہوگا لہذا اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ عادل بادشاہ حضرت صدیق اکبروفاروق اعظم یا دیگر صحابہ کرام سے زیادہ درجہ والا ہوجائے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ آج کل کے بادشاہوں کو عادل کہنا کفر ہے،مرقات کا یہ فتویٰ بالکل درست ہے کہ موجودہ بادشاہوں کا حال سب کو معلوم ہے اور ظلم کو عدل کہنا تمام فقہاء کے نزدیک کفر ہے۔

۲؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا ظالم بادشاہ ظلم کے اعتبار سے غیر ظالم سے کہیں بدتر ہوگا لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ مسلمان ظالم بادشاہ ابوجہل وغیرہ سے بدتر ہو۔خیال رہے کہ ظالم حاکم اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رعایا کے حقوق مارتا ہے اس پر حقوق کا زیادہ بوجھ ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام احمد نے بھی اپنی موطا میں روایت فرمائی،امام احمد ابن حنبل کے بیٹے نے اپنی کتاب زوائد الدھر میں امام حسن سے مرسلًا نقل فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا پیارا بندہ وہ ہے جو بندوں کا خیرخواہ ہو۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا جہاد اس کا ہے ۱؎ جو ظالم بادشاہوں کے پاس حق بات کہے ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد، ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں عبارت میں یا تو من سے پہلے **جھاد** پوشیدہ ہے یا **افضل** کے بعد **اھل** پوشیدہ یعنی **افضل اھل الجھاد من قال** یا **افضل الجھاد جھاد من قال** لہذا نحوی اعتراض اس پر کوئی نہیں۔

۲؎ اگرچہ ایک کلمہ ہی ہو جیسے ہاں یا نہیں مثلًا فاسق بادشاہ اس سے پوچھے کیا داڑھی منڈانا اچھا ہے،وہ کہہ دے نہیں،یہ نہیں کہنا بڑا جہاد ہے،یہ جہاد اس لیے افضل ہوا کہ کفار پر جہاد کرنے والے کو اپنی موت کا یقین نہیں ہوتا،شاید باز آئے یا مارا جائے مگر اس اللہ کے بندے کو اپنی موت یا جانی مالی نقصان کا یقین ہوتا ہے کیونکہ یہ اس ظالم کے قبضہ میں ہوتا ہے،نیز اگر بادشاہ اس کی اس تبلیغ سے ظلم سے باز آجائے تو ایک مخلوق کو ظلم سے رہائی نصیب ہوجائے گی،قتل کافر سے ایک کافر کم ہوگا مگر اس تبلیغ سے خلق خدا کو فائدہ ہوگا،نیز یہ کلمہ اپنے نفس پر بڑا جہاد ہے کہ ایسے بادشاہ کے سامنے خوشامد کرنے کو نفس چاہتا ہے۔امام غزالی نے فرمایا کہ ظالم بادشاہ کو تبلیغ صرف وعظ و نصیحت سے ہوسکتی ہے قہر سے نہیں وہ بھی نرمی سے کیونکہ اسے ظالم جابر کہہ کر پکارنا گالیاں دینا سخت فتنہ کا باعث ہے۔(احیاء العلوم،مرقات)شہد کی ایک بوند بہت سی مکھیوں کو جمع کرلیتی ہے مگر سرکہ کا ایک گھڑا مکھی کو نہیں بلاسکتا۔

اور احمد و نسائی نے طارق ابن شہاب سے روایت کی ۱؎	

۱؎ طارق ابن شہاب صحابی ہیں مگر آپ کی روایات بہت ہی کم ہیں خلافت صدیقی میں آپ نے ۳۴ غزوہ کیے ۶۰ھ میں وفات پائی۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالٰی بادشاہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے سچا وزیر دیتا ہے ۱؎ کہ جب یہ بھول جائے تو اسے یاد دلائے اور اگر یاد کرے تو اس کی مدد کرے ۲؎ اور جب اس کے لیے اس کے سوا کا ارادہ کرتا ہے تو اسے برا وزیر دیتا ہے،اگر بھول جائے تو اسے یاد نہ دلائے اور اگر یاد کرے تو اس کی مدد نہ کرے ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی جب اللہ تعالٰی کسی بادشاہ کی بھلائی چاہتا ہے کہ دین و دنیا اس کی درست رہے تو اسے اچھے وزیرومشیر عطا فرماتا ہے۔وزیر کے معنے ہیں بوجھ اٹھانے والا،وزر کے معنے بوجھ بھی ہیں اور گناہ بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا"اور فرماتا ہے:"يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ"چونکہ وزیر پر سلطنت کا بہت بوجھ ہوتا ہے اس لیے اسے وزیر کہتے ہیں۔

۲؎ کہ اگر بادشاہ کسی معاملہ میں حکم شرعی بھول جائے تو اسے وزیر بتادے یادشدہ حکم کے جاری کرنے میں بادشاہ کا معاون و مددگار ہو۔سبحان اللہ! اچھا وزیر رب تعالٰی کی رحمت ہے،ایسے ہی اچھی بیوی مرد کے لیے اللہ کی بخشش ہے۔

۳؎ کسی خوشامدی ملحد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ گزشتہ خلافتوں میں فتوحات وخیر بہت ہوئی،آپ کی خلافت میں فتنے زیادہ ہوئے اسکی کیا وجہ ہے؟آپ نے فورًا جواب دیا کہ ان خلفاء کے ہم وزیر تھے اور ہم کو وزیر ملے تم۔تواریخ کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوآپ کے مشیروں وزیروں نے بہت ہی پریشان کیا،نہروانیوں نے پہلے خودہی زور دیا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو علی مرتضٰی اپنا حکم و پنچ بنا لیں بعد میں خود ہی بولے کہ علی مشرک ہوگئے کہ انہوں نے ماسویٰ اللہ کو حکم بنالیا،قرآن کریم فرماتا ہے:"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"اور پھر حضرت علی سے پھرکر خارجی ہوگئے۔(دیکھئے کتب تواریخ اور کتاب ہشت بہشت)

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ حاکم جب لوگوں میں تہمت و شک ڈھونڈنے لگے ۱؎ تو انہیں بگاڑ دے گا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ حاکم میں بادشاہ وزیر حکام سب ہی داخل۔(مرقات)ریبہ ر کے کسرہ سے بمعنی شک و تہمت،قرآن کریم میں ہے"لَا رَيْبَ فِيْهِ"یعنی اگر سلطان یا حکام اپنی رعایا پر بدگمانی کرنے لگیں اور ان کے معمولی کاموں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں اور ان کی بلاوجہ پکڑ دھکڑ کرنے لگیں۔

۲؎ یعنی ان کے دین و دنیا تباہ کردے گا اور ملک میں فساد برپا ہوجائے گا کیونکہ عیوب سے بالکل خالی کوئی کوئی ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب کی تلاش نہ کروبلاوجہ ان پر بدگمانی نہ کرو،احادیث میں گزرچکا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقراری زانی کو فرمایا شاید تو نے بوسہ لے لیا ہوگا۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم جب لوگوں کے خفیہ عیوب کے پیچھے پڑو گے تو انہیں بگاڑ دو گے ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب خصوصی طور پر جناب معاویہ سے ہے کیونکہ آئندہ یہ سلطان بننے والے تھے تو اس غیوب داں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی ان کو طریقہ سلطنت کی تعلیم فرمادی کہ تم بادشاہ بن کر لوگوں کے

خفیہ عیوب نہ ڈھونڈھا کرنا درگزر اور حتی الامکان عفووکرم سے کام لینا اور ہوسکتا ہے کہ روئے سخن سب سے ہو کہ باپ اپنی جوان اولاد کو،خاوند اپنی بیوی کو،آقا اپنے ماتحتوں کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔بدگمانیوں نے گھر بلکہ بستیاں بلکہ ملک اجاڑ ڈالے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ"اور فرماتا ہے:"وَلَا تَجَسَّسُوۡا"ہم اپنے عیب ڈھونڈیں اور لوگوں کی خوبیاں تلاش کریں۔خیال رہے کہ یہاں بلاوجہ کی بدگمانیوں سے ممانعت ہے ورنہ مشکوک اوربدمعاش لوگوں کی نگرانی کرنا سلطان کے لیے ضروری ہے،جاسوسی کا محکمہ ملک رانی کے لیے لازم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت تم کیسے ہوگے جب میرے بعد حکام اس غنیمت سے لوگوں کو ترجیح دینگے۱؎ میں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھوں گا پھر اس سے ماردوں گا یہاں تک کہ آپ سے مل جاؤں گا۲؎ فرمایا کیا میں تمہیں اچھی چیز پر راہبری نہ کروں صبر کرنا حتی کہ مجھ سے مل جائے۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ عموماً فئی اس مال کو کہا جاتا ہے جو بغیر جنگ کفار سے حاصل کرلیا جائے جیسے خراج اور جزیہ یا وہ مال جو کفار چھوڑ کر چلے جائیں اور جو جہاد کے ذریعہ ان سے حاصل کیا جائے اسے غنیمت کہتے ہیں۔چنانچہ رب تعالٰی فیئی کے متعلق فرماتا ہے:"وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ"الایہ اور غنیمت کے متعلق فرماتا ہے:"وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ"۔فئی تمام مسلمانوں کا حق ہے اس میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا جاتا۔ نفل وہ مال ہے جو کسی خاص بہادر غازی کو کسی بہادری کی وجہ سے بطور انعام دیاجائے،یہاں فیئی سے مراد عام ہے اور مقصود ہے حکام وسلاطین کا ظلم بیان فرمانا یعنی بادشاہ ظلمًا بیت المال کے اموال مستحقین کو نہ دیں گے،اپنے پر خرچ کریں گے یا جسے چاہیں گے بغیر استحقاق دیں گے،بیت المال کو اپنی ملک سمجھیں گے،اس غیوب دان مخبر صادق کے علم کے قربان صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یعنی ایسے ظالم بادشاہوں سے میں جنگ کروں گا یہاں تک کہ شہید ہوکرآپ سے مل جاؤں یعنی عمر بھر ان سے لڑوں گا اپنی زندگی کا مشغلہ ان سے جنگ کو بنالوں گا۔

۳؎ یعنی ایسے ظالموں سے جنگ نہ کرنا صبر کرنا۔اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بادشاہ اپنے فسق یا خیانت کی وجہ سے عزل کا مستحق نہیں فاسق بادشاہوں کی بھی اطاعت واجب ہے۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے انجام اور بعد موت اس کے ٹھکانے و مقام کی خبر ہے کہ فرماتے ہیں حتی تلقانی تم مجھ سے مل جاؤ۔آخرت میں حضور سے وہ ملے گا جو مؤمن ومتقی ہوکر مرے پھر قبر وغیرہ کی منزلیں خیریت سے طے کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے سایہ کی طرف سبقت کرنے والے کون ہیں ۱؎ حاضرین نے عرض کیا اللہ و رسول خوب جانتے ہیں ۲؎ فرمایا وہ لوگ جب حق دیئے جائیں تو اسے قبول کرلیں ۳؎ اور جب ان سے حق مانگا جائے تو دیں ۴؎ اور لوگوں کے لیے ایسے فیصلے کریں گے جیسے اپنی ذات کے لیے فیصلے ۵؎

۱؎ اللہ کے سایہ سے مراد یا تو اللہ کے عرش اعظم کا سایہ ہے یا اللہ تعالٰی کی رحمت و کرم مراد ہے،ورنہ اللہ تعالٰی کی ذات سایہ سے پاک ہے کہ سایہ کثیف جسم کا ہوتا ہے وہ جسم اور کثافت دونوں سے پاک ہے یعنی قیامت کے دن پہلے عرش اعظم کے سایہ یا اللہ کی رحمت میں کون پہنچیں گے۔

۲؎ صحابہ کرام کا ادب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے سوال کے جواب میں یہی عرض کرتے تھے کہ اللہ رسول جانیں،حج کے دن سوال فرمایا کہ آج کیا دن ہے یہ کون سی جگہ ہے سب کے جواب میں یہی عرض کیا گیا کہ اللہ رسول جانیں۔معلوم ہوا کہ حضور کو رب سے ملا کر ذکر کرنا بالکل جائز ہے اور یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو علوم غیبیہ بخشے ہیں کہ حضرات صحابہ نے اس غیبی چیز کے متعلق یہ عرض نہیں کیا کہ اللہ جانے بلکہ کہا آپ اور آپ کا رب جانے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد حکام وبادشاہ ہیں۔حق سے مراد وہ حقوق جو رعایا پر واجب ہیں جیسے عشر وخراج و اطاعت یا حق سے مراد کلمۂ حق اور سچی بات ہے یعنی وہ بادشاہ و حکام جو رعایا سے صرف اپنا حق لیں،حق سے زیادہ رشوت وغیرہ نہ لیں یا جب انہیں کوئی حق بات سنائے تو اسے قبول کرلیں اور سنانے والے کا احسان مانیں،اسے قبول کرنے میں اپنی عار محسوس نہ کریں،اس جملہ کی اور بھی شرحیں کی گئیں ہیں مگر یہ شرح قوی ہے۔

۴؎ یعنی اگر رعایا ان سے اپنا حق مانگے تو بخوشی دے دیں کسی قسم کا پس و پیش نہ کریں یا جب ان سے حق بات پوچھی جائے تو اس کے بتانے میں دریغ نہ کریں اگرچہ وہ بات ان کے خلاف ہی ہو۔

۵؎ یعنی جیسا فیصلہ اپنے یا اپنے عزیزوں کے لیے چاہتے ہیں فیصلہ حق ایسا ہی فیصلہ وہ دوسروں کے لیے کریں۔ سبحان اللہ! اگر صرف اس حدیث پر عمل کی توفیق راعی و رعایا کو مل جائے تو ملک میں نہ ہڑتالیں ہوں نہ فتنے و فساد نہ بدامنی۔شعر

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں اپنی

امت پر تین چیزوں سے ڈرتا ہوں.برجوں سے بارش مانگنا ۲؎اور ظلم بادشاہ کا اور تقدیر کا انکار۳؎	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجہ ہیں،خود بھی صحابی ہیں والد بھی صحابی،خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی احادیث روایت کرتے ہیں اپنے والد سے بھی اور حضرت عمرو علی سے بھی رضی اللہ عنہم۔(اشعہ)

۲؎ انواء جمع ہے نوء کی،نوء کے معنی ٹھہرنا بھی ہیں اور گر پڑنا و نکل جانا بھی،اب اصطلاح میں چاند کی منزلوں کو نوء کہتے ہیں،یہ کل اٹھائیس ہیں کیونکہ ہر رات چاند ایک منزل میں رہتا ہے۔اہل عرب سمجھتے تھے کہ بارشیں چاند کی خاص منزلوں میں رہنے سے آتی ہیں اور کہا کرتے تھے کہ بارش فلاں منزل سے ہوئی رب تعالٰی کا نام نہ لیتے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کفر قرار دیا ہے۔اگر کوئی بارش کو رب تعالٰی کا عطیہ سمجھے اور ان چیزوں کو اسباب یا علامات مانے جانے تو حرج نہیں جیسے بادل کو بارش کی علامت مانا جاتا ہے۔(مرقات)مگر بہتر یہ ہے کہ ایسے الفاظ اچھی نیت سے بھی استعمال نہ کرے جو ایسے معانی کا وہم پیدا کریں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یُنَزِّلُ الْغَیْثَ"رب جب چاہے بارش بھیجے،اسباب اس کے محتاج ہیں وہ اسباب کا پابند نہیں۔

۳؎ یعنی مجھے اس کا بھی خطرہ ہے کہ میرے بعد بادشاہ ظلم کیا کریں گے اور رعایا بغاوت کیا کرے گی جس سے امن قائم نہ ہوگا اور تقدیر کا انکار کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔قربان جاؤں اس غیوب داں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ جو کچھ فرمایا وہ ہوبہو آج تک دیکھنے میں آرہا ہے۔یہ فقیر بہت سے ممالک اسلامیہ میں گیا عراق،کویت،فلسطین،شام،ایران وغیرہ ہر جگہ راعی اور رعایا میں جھگڑے ہی دیکھے،مسلمان کہیں بھی چین سے نہیں ہیں،یہ سب کچھ اس کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ دیا اللہ تعالٰی ہم کو پھر بھولا سبق یاد دلادے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر چھ دنوں کا خیال رکھواس کے بعد تم سے کچھ کہا جائے گا ۱؎ پھر جب ساتواں دن ہواتو فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں خفیہ و علانیہ میں اللہ سے ڈرنا۲؎ اور جب تم گناہ کر بیٹھوتو بھلائی کرلو ۳؎ اور ہرگزکسی سے کچھ نہ مانگواگرچہ تمہارا کوڑا ہی گرجائے ۴؎ اور امانت نہ رکھواور دو کے درمیان فیصلہ نہ کرو ۵؎	

۱؎ ستہ ایام مفعول ہے اعقل کا یعنی تم چھ دن گنتے رہو اور انتظار کرو ہم ساتویں دن تم سے ایک بات کہیں گے،یہ انتظارا س لیے کرایا گیا کہ جو بات انتظار کے بعد ملے وہ خوب یاد رہتی ہے اور اس کی قدر ہوتی ہے حضور حکیم ہیں جو کچھ فرماتے ہیں،پھر جو نصیحتیں فرمائی ہیں قسم رب تعالٰی کی اگر صرف پہلی ہی بات پر عمل کی توفیق مل جائے تو دین و دنیا سنبھل جائیں۔

۲؎ یعنی خلوت و جلوت تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے خوف خدا کرو یا اپنے اعضاء ظاہری و باطنی سے خوفِ خدا کرتے رہو نہ اعمال برے کرو نہ نیت بری رکھو۔(لمعات)

۳؎ کہ اگر بتقاضاءِ بشری تم سے کوئی برائی ہوجائے تو اس کے کفارہ کے لیے کوئی نیکی کر لو گناہ کے بعد توبہ مقبول کرلو،نافرمانی کے بعد اطاعت کرلو،اگرکسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے زیادہ اسے آرام پہنچا دو،فرض نماز رہ گئی ہے تو قضا بھی کرلو کچھ نوافل بھی پڑھ لو۔غرضکہ یہ فرمان عالی دریائے ناپیدا کنار ہے۔

۴؎ یعنی جس سے مانگنا ذلت ہو اور توکل کے خلاف اس سے کچھ نہ مانگو،اللہ تعالٰی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا تو ہماری عزت ہے۔شعر

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستان بتایا تجھے حمد ہے خدایا

حضرت امام احمد ابن حنبل یہ دعا مانگا کرتے تھے"**اللھم کما صنت وجھی عن سجود غیرك فصن وجھی عن مسئلة غیرك** خدایا جیسے تو نے میرے چہرے کو اپنے غیر کے سجدے سے بچایا ایسے ہی اپنے غیر سے مانگنے سے بچالے،بعض احادیث میں ہے کہ اگر مانگنا پڑ جائے تو صالحین سے مانگو۔(ابوداؤد،نسائی،عن الفراسی،مرقات)

۵؎ کیونکہ امین کو اکثر خیانت کی تہمت لگ جاتی ہے اور پنچ پر طرفداری یا رشوت خوری کا الزام لگ جاتا ہے اس لیے تم ان بکھیڑوں میں نہ پڑنا تم سے یہ بوجھ نہ اٹھ سکے گا۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا نہیں ہے کوئی شخص جو دس یا اس سے زیادہ شخصوں کے کام کا والی بنے مگر اللہ عزوجل اسے قیامت کے دن اس طرح لائے گا کہ اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہو گا۱؎ پھر یا اس کی نیکی کھول دے یا اس کا گناہ اسے ہلاک کردے اس کی ابتداء ملامت ہے اس کا بیچ شرمندگی ہے اور اس کی انتہا قیامت کے دن رسوائی ۲؎	

۱؎ یعنی حاکم عادل ہو یا ظالم آئے گا اس ہی حالت میں،یہ ان حکام کے لیے ہے جو نفسانی طور پر حکومت کے خواہش مند ہوں کہ یہ طلب جرم ہے،جس کی سزا یہ ہے پھر عادل چھوٹ جائیں گے اور ظالم جوتے کھائیں گے لہذا حدیث بالکل واضح ہے،اسے حضرات خلفاء راشدین یا حضرت داؤدوسلیمان علیہما السلام سے کوئی تعلق نہیں،دیکھو یہاں **یلی** ارشاد ہوا **ولی** نہ فرمایا گیا۔

۲؎ یعنی اس قسم کی حکومت کی ابتداء مخلوق کی ملامت ہے اور درمیان میں خود حاکم کا نفس لوّامہ اسے ملامت کرتا ہے اور اس کا نتیجہ قیامت کی رسوائی،بعض ناتجربہ کار لوگ حکام کی ظاہری شان و شوکت و تنخواہ دیکھ کر بکوشش حاکم بن جاتے ہیں،لوگ بلکہ خود ان کے قرابتدار انہیں ملامت کرتے ہیں دنیا گالیاں دیتی ہے،یہ تو دنیا کے انعام ہیں،آخرت میں جو ہوگا وہ ناقابل برداشت ہے،یزید حجاج،مروان اس حدیث کی زندہ جاوید شرح ہیں۔شعر

نہ ماند ستم گار و بد روز گار بماند برو لعنت پائیدار

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے معاویہ اگر تم حکومت کے والی بنائے جاؤ تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا ا فرماتے ہیں کہ پھر میں گمان کرتا رہا کہ میں حکومت میں مبتلا ہوں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے یہاں تک کہ مبتلا کیا گیا ۲

ا اِن اگرچہ شک کے لیے آتا ہے مگر اللہ رسول کے ایسے فرمانوں میں یقین کے لیے ہے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے:"اِنۡ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبۡكُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُكُمۡ"یا جیسے اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ"۔چنانچہ جناب معاویہ سلطان اسلام بنے وہ اس خبر کا ظہور تھا جو کچھ مبارک منہ سے نکلتا ہے حق ہوتا ہے۔

۲ یہاں بھی اظن،بمعنی اتیقن ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ"یعنی مجھے اس فرمان عالی کی بنا پر یقین ہوگیا تھا کہ مجھے حکومت یقینًا ملنی ہے ،تقدیر الٰہی یوں ہی ہے۔چونکہ تقویٰ اور عدل دونوں چیزوں اور ان کا اجتماع بہت اہم ہے اس لیے آپ نے حکومت ملنے کو مبتلا ہونا یعنی آزمائش کیا جانا فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر کی ابتداء ا اور لونڈوں کی سلطنت سے اللہ کی پناہ مانگو ۲ ان چھ حدیثوں کو احمد نے روایت کیااور حدیث امیر معاویہ کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل فرمایا ۳

ا ظاہر یہ ہے کہ ستر کا عدد وقت ہجرت سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سے ہو اس فرمان عالی کے وقت سے،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں اور ستر سے مراد ستر کے عشرہ کی ابتداء ہے یعنی ۶۰ھ سے یہ زمانہ شروع ہوجاتا ہے۔چنانچہ امیر معاویہ کی وفات ۶۰ھ میں ہے،اسی سال یزید تخت نشین ہوا۔(ازمرقات)حضرت ابوہریرہ دعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی میں ۶۰ھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔چنانچہ آپ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی، ۶۰ھ بڑا ہی خطرناک ثابت ہوا کہ ستر کے عشرہ کی ابتداء یہاں سے ہوئی۔(اشعہ)

۲ ان لونڈوں سے مراد قریش کے نو عمر بادشاہ ہیں جیسے یزید ابن معاویہ اور حکم کی اولاد۔ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے خواب میں حکم کے لونڈوں کو اپنے منبر کے پاس بندروں کی طرح کھیلتے دیکھا تو آپ بہت مغموم ہوئے،بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ"وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ"کی تفسیر اسی خواب سے کی ہے۔(مرقات)

۳؎ابن عساکر نے بسند ضعیف حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ ایک بار میں اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و معاویہ حضور کی خدمت میں تھے کہ حضرت علی آگئے رضی اللہ عنہم،تو حضور نے جناب معاویہ سے فرمایا کہ کیا تم علی سے محبت کرتے ہو،عرض کیا ہاں فرمایا تمہاری ان کی جنگ ہوگی،عرض کیا کہ جنگ کے بعد کیا ہوگا،فرمایا رب کی طرف سے معافی ورضا توآپ نے فرمایا رضینا بقضاء اللہ،اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا"الایہ۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت یحیی ابن ہاشم سے وہ یونس ابن ابی اسحٰق سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جیسے تم ہو گے ویسے ہی حکام تم پر حاکم بنائے جائیں گے ۲؎

۱؎ یحیی اور یونس کے حالات معلوم نہ ہوسکے،ابواسحٰق کا نام عمرو ابن عبداللہ سبعی ہمدانی کوفی ہے،تابعین میں سے ہیں،حضرت علی،ابن عباس،براء ابن عازب اور زید ابن ارقم صحابہ سے ملاقات کی لہذاآپ تابعی ہیں، خلافت عثمانی میں پیدا ہوئے، ۱۲۰ھ میں وفات پائی،آپ کے بیٹے یونس،حفیدہ سفیان ہیں پچانوے یا چھیانوے سال کی عمر ہوئی۔(مرقات و اشعہ)

۲؎یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے تم پر بادشاہ و حکام مقرر ہوں گے،تم اللہ کے مطیع ہوتم پر حکام رحمدل منصف ہوں گے،تم رب کی اطاعت سے منہ موڑو گے تو تم پر ظالم و جابر بادشاہ و حکام مسلط ہوں گے، شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔شعر

چوخواہد کہ ویراں کند عالمے نہد ملک درپنجہ ظالمے

خیال رہے کہ اس میں لوگو ں کی عام حالت مراد ہے کہ اگر عوام عمومًا بدعمل ہوجائیں تو حکام ظالم ہوں گے اگرچہ خاص خاص لوگ صالحین بھی ہوں لہذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر امام حسین نیک ہوتے تو یزید پلید کیوں مسلط ہوتا،حدیث کی فہم صحیح ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے ۱؎جس کی طرف اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہے تو اگر انصاف کرے تو اس کے لیے ثواب ہے اور رعایا پر شکر واجب ہے ۲؎اور جب ظلم کرے تو اس پر بوجھ ہے اور رعایا پر صبر واجب ہے ۳؎

۱؎ سایہ سے مراد رحم وکرم ہے کہ جیسے درخت کے سایہ میں دھوپ سے پناہ لی جاتی ہے ایسے ہی لوگوں کی شر سے سلطان کی پناہ لی جاتی ہے،دنیا میں سلطان پناہ ہے آخرت میں عرش اعظم کا سایہ پناہ ہوگا۔

۲؎ کیونکہ رحم دل منصف حاکم اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے اور ظاہر ہے کہ شکریہ بقدر نعمت چاہیے شکر سے نعمت بڑھتی ہے۔
۳؎ یعنی ظالم سلطان سایہ شیطان ہے مگر یہ ارادہ رحمان ایسے ظالم بادشاہ کی بغاوت کرنے کی بجائے اپنے اعمال کی اصلاح کرو کیونکہ بغاوت سے بڑا فساد ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بندوں میں افضل بندہ اللہ کے نزدیک درجہ میں قیامت کے دن انصاف والا نرم دل بادشاہ ہے ۱؎ اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں بدترین درجہ والا ظالم سخت دل بادشاہ ہے ۲؎

۱؎ رقیق یا توف سے ہے یاق سے،رفق کے معنے ہیں نرمی و ہمراہی یعنی اہل قرابت،اجنبی شریف ضعیف سب کے ساتھ رہے یا رقیق القلب ہو دل میں اس کے سختی نہ ہو،ایسے بادشاہ کے زیر سایہ رعایا امان سے رہے گی اور ملک میں امن وامان رہے گی،اس وجہ سے یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بڑے درجہ والا ہوگا۔
۲؎ خرق خ کے فتحہ اور ر کے کسرہ سے صفت مشبہ ہے خرق سے،خرق رفق کا مقابل ہے بمعنی سخت دل ظالم،اسی لیے خرق پھٹنے کو بھی کہتے ہیں،چونکہ سخت دلی کا نتیجہ ظلم ہے اس لیے اسے جور کے ساتھ جمع فرمایا یعنی قوم سے بدترین آدمی ظالم اور سخت دل بادشاہ ہے کہ اس سے اللہ کے بندوں کو دکھ پہنچتے رہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بھائی کی طرف ۱؎ ڈرانے کے لیے گھورے اسے اللہ تعالٰی قیامت کے دن ڈرائے گا ۲؎ یہ چاروں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور یحیٰی کی حدیث کے متعلق فرمایا کہ یہ منقطع ہے ۳؎ اور اس کی روایت ضعیف ہے ۴؎

۱؎ بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے یعنی جو شخص کسی مسلمان کو بلاقصور تیز نظر سے گھور کر ڈرائے ورنہ قصور مند کو گھور نا ڈرانا ضروری ہے۔
۲؎ یہ حدیث اس باب میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی کو بلاقصور گھور کر ڈرانا اتنے بڑے وبال کا ذریعہ ہے تو جو ظالم حاکم لوگوں کو ستائے وہ کتنا بڑا مجرم ہوگا۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کو رحمت کی نظر سے دیکھنا ثواب ہے کہ اللہ تعالٰی اسے عنایت کی نظر سے دیکھے گا،یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان حکومت و سلطنت پاکر فرعون نہ بن جائے،اپنی مسلمان رعایا کو اپنا دینی بھائی سمجھے اور کافر رعایا کو اپنے دامن کرم میں چھپائے۔
۳؎ یہاں منقطع سے مراد مرسل ہے کیونکہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں،وہ صحابی ابو بکرہ ہیں مگر صرف ارسال مضر نہیں کیونکہ مرسل حدیث جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔(مرقات)

۴؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ روایات یحیی موضوع ہیں۔خیال ہے کہ روایت مؤنث ہے مگر چونکہ فعیل صفت مشبہ میں مذکر مؤنث یکساں ہیں اس لیے **ضعیفه** کہنا ضروری نہیں ضعیف بھی جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ الله تعالٰی فرماتا ہے میں الله ہوں،میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں ۱؎ بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں اور بے شک بندے جب میری فرمانبرداری کریں گے تو میں ان کے بادشاہوں کے دل ان پر رحمت و الفت سے بھردوں گا ۲؎ اور جب بندے میری نافرمانی کریں گے تو ان کے دل ناراضی و سزا کے ساتھ پھیردوں گا ۳؎ کہ وہ انہیں سخت عذاب چکھائیں گے ۴؎ تو تم اپنے کو بادشاہوں پر بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو ۵؎ لیکن اپنے کو ذکر و عاجزی میں مشغول کرو تاکہ میں تمہیں بادشاہوں سے کفایت کروں ۶؎ (ابو نعیم حلیہ میں)

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ مالک کے بعد ملک فرمانے میں اعلٰی کی طرف ترقی ہے کیونکہ مالک سے ملک یعنی بادشاہ قوی ہے کہ بادشاہ کی حکومت ہوتی ہے مالک کی حکومت نہیں،نیز مالک ہر چیز کا ہوتا ہے مگر بادشاہ انسانوں کا مگر حق یہ ہے کہ یہاں اعلٰی سے نزول ہے بادشاہ سے مالک کا قبضہ زیادہ ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ**"اور فرماتاہے:"**قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ**"۔مطلب یہ ہے کہ میں بادشاہوں کے ظاہر و باطن کا بادشاہ اور مالک ہوں وہ سب مجبور و محکم ہیں ان کے دل وزبان و قلم سب میرے قبضہ میں ہیں۔

۲؎ یعنی اگر عام لوگ اور اکثر رعایا میری مطیع ہوجائے تو میں بادشاہوں کے دل میں رحمت و الفت پیدا کردوں گا۔خیال رہے کہ رافت رحمت سے قوی ہوتی ہے مہربانی کو رحمت کہتے ہیں اور بہت ہی زیادہ مہربانی کو رافت،رب تعالٰی فرماتاہے:"**بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ**"۔

۳؎ یہاں بھی **سخط** سے **نقمة** سخت تر ہے،**نقمت** سے **انتقام** ہے بمعنی بدلہ لینا۔معلوم ہوا کہ بادشاہوں کی سختی ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

۴؎ یہ قاعدہ اکثریہ ہے اکثر ہمارے بداعمال کی سزا حاکم کا ظلم ہوتا ہے جب اکثریت بدعمل ہوجائے تو سلطان و حکام ظالم ہوتے ہیں پھر ان کے ظلم کا شکار نیک لوگ بھی ہوجاتے ہیں،کبھی رب تعالٰی کی طرف سے آزمائش کے طور پر بھی حاکم ظالم مسلط ہوجاتے ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جناب خلیل اللہ کو نمرود سے اور موسیٰ علیہ السلام کو

فرعون سے اور حضرت حسین کو یزید سے تکالیف کیوں پہنچیں؟وہ حضرات بہت نیک تھے یہ ایسے ہی جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ مَآ اَصٰبَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ"۔

۵؎ یعنی ظالم بادشاہوں کی معزولی یا موت کی دعائیں نہ کرو ممکن ہے اس ظالم کے بعد کوئی اور بڑا ظالم ترتم پر مسلط ہوجائے،وجہ ظلم کو دورکرو یعنی گناہوں سے توبہ کرو۔

۶؎ یعنی تم میری اطاعت کرنے لگو حکام تم پر نرم ہوجائیں گے۔شعر

سائیں تیری روٹھ سے میرا آور کرے نہ کوئے ۔۔۔ دُر دُر کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

سائیں انکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام ۔۔۔ ذرا سی جھانکی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

باب ما علی الولاۃ من التیسیر

باب اس کا بیان کہ والیوں پر آسانی کرنا واجب ہے ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ ولاۃ جمع ہے والی کی جیسے رامی کی جمع رماۃ یا قاضی کی جمع قضاۃ یا ناحی کی جمع نحاۃ،یہاں والی سے مراد بادشاہ اور حکام سب ہی ہیں،آسانی سے مراد قوانین نرم بنانا،فیصلے درست کرنا ہیں۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو اپنے بعض کاموں کے لیے بھیجتے تھے ۱ تو فرماتے تھے کہ خوشخبریاں دو متنفرنہ کرو ۲ اور آسانی کرو سختی و تنگی نہ کرو ۳ (مسلم،بخاری)

۱ یعنی کسی کو کہیں کا حاکم بناکر بھیجنا چاہتے تو اسے حسب ذیل ہدایات فرماتے تھے۔روایات میں آیا ہے کہ اس حاکم کو کچھ دور تک پہنچانے بہ نفس نفیس خود تشریف لے جاتے تھے اس طرح کہ وہ جانے والے حاکم سوار ہوتے تھے اور سرکار انور پیدل جہاں تک پہنچاتے تھے،اس جگہ اب مدینہ پاک میں مسجد بنی ہوئی ہے جو سلع پہاڑ کے راستہ میں ہے اسے اب مسجد وداع کہتے ہیں،فقیر نے وہاں نوافل ادا کیے ہیں۔

۲ یعنی لوگوں کو گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کرنے پر حق تعالٰی کی بخشش و رحمت کی خوشخبریاں دوان کو گناہوں کی پکڑ پر اس طرح نہ ڈراؤ کہ انہیں اللہ کی رحمت سے مایوسی ہوکر اسلام سے نفرت ہوجائے۔بہرحال انذار اور ڈرانا کچھ اور ہے،اور مایوس کرکے متنفر کردینا کچھ اور لہٰذا یہ حدیث ان آیات و احادیث کے خلاف نہیں جن میں اللہ کی پکڑ سے ڈرانے کا حکم ہے جیسے"وَلِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَہُمۡ"الخ وغیرہ کہ یہاں مایوس کردینے،نفرت پھیلا دینے کی ممانعت ہے اور وہاں ڈرا کر رب کے دروازے پر لے آنے کا حکم ہے۔

۳ اس طرح کہ آسانی کے ساتھ انہیں نمازوزکوۃ وغیرہ احکام شرعیہ کا پابند بنادو،زکوۃ،عشر،خراج وغیرہ آسانی سے وصول کرو بقدر حق وصول کرو۔سبحان اللہ! کیا پاکیزہ تعلیم ہے۔خیال رہے کہ اس مقدس زمانہ میں حکام کے ذمہ تھا کہ لوگوں کو پابند صوم و صلوۃ،غازی وغیرہ بنائیں ان کی اصلاح کریں،آج کی طرح حکام صرف جرمانے کرنے سختیاں کرنے کے لیے نہ ہوتے تھے وہ حکومت محمدیہ اسلامیہ ہوتی تھی نفسانی یا شیطانی نہ ہوتی تھی،اللہ تعالٰی کبھی ہم کو بھی اسلام کا راج دکھائے مسلمانوں کا راج تو دیکھ لیا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانیاں کرو سختی نہ کرو اور تسکین دو بھڑکاؤ نہیں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی میٹھی و نرم باتیں سناکر اسلام کی آسانیاں بتاکر خود سچے پکے مسلمان بن کر دکھا کر رعایا کو تسکین دو، تمہارے عمل ایسے نہ ہوں کہ لوگ اسلام سے ہی بھڑک جائیں۔مقولہ ہے کہ میٹھی زبان میں خرچ کچھ نہیں ہوتا ہے مگر اس سے نفع بہت ہو جاتا ہے،بادشادہ و حکام کے درست ہوجانے سے لوگ خود بخود درست ہوجاتے ہیں **الناس علی دین ملوکھم** لوگ بادشاہوں کے طریقہ پر ہوتے ہیں،مولویوں کے ہزار وعظ ایک طرف اور سلطان یا حکام کا صرف اچھا عمل ایک طرف،حکام کا عمل بہترین مبلغ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبردہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا ابو موسیٰ کو ۲؎اور معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں آسانی کرنا تنگی نہ کرنا اور خوشخبری دینا نفرت نہ پھیلانا۳؎ایک دوسرے کی اطاعت کرنا آپس میں جھگڑنا مت ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎مصنف سے یہاں دھوکا ہوگیا ابن ابی بردہ کی بجائے ابوبردہ فرمادیا جیساکہ ابھی معلوم ہوگا،ان کا نام عبداللہ ابن ابوبردہ ابن ابوموسیٰ اشعری ہے۔(مرقات)

۲؎صاحب مشکوۃ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ ابوبردہ کے دادا ہیں حالانکہ وہ ابوبردہ کے والد ہیں لہذا راوی عبداللہ ابن ابوبردہ ہیں جیساکہ بخاری شریف میں بروایت مسلم ابن ابراہیم ہے۔خیال رہے کہ ابوبردہ کے بیٹے عبداللہ اور یوسف،سعید اور بلال ہیں کل چار،بلال ابن ابوبردہ بصرہ کے حاکم رہے ان سے روایات بہت کم ہیں،ابوبردہ کا نام عامر ابن عبداللہ ابن قیس ہے،عبداللہ ابن قیس کی کنیت ابوموسیٰ ہے،قاضی شریح کے بعد عامر یعنی ابوبردہ کوفہ کے حاکم رہے جن کو حجاج نے معزول کردیا اور ابو موسیٰ اشعری مکہ معظّمہ میں ایمان لائے،پھر حبشہ کی طرف پھر مدینہ منورہ ہجرت کی،حضرت عمر نے ۲۰ھ میں بصرہ کا حاکم مقرر کیا،آپ نے اھواز فتح کیا،حضرت عثمان نے منتقل کرکے کوفہ کا حاکم کردیا،آپ قتل عثمانی تک کوفہ رہے پھر مکہ معظّمہ چلے آئے حضرت علی کے پنچ بننے کے بعد مکہ معظّمہ میں رہے، ۵۲ھ میں وفات پائی۔(مرقات وغیرہ)چونکہ ابوبردہ کے سارے بیٹے ثقہ ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کی روایت مقبول ہے جہالتِ نام مضر نہیں۔

۳؎ظاہر یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کو سامنے بٹھاکر یہ نصیحت فرمائی یا تو ان دونوں کو ایک جگہ کا حاکم مقرر کیا علیٰحدہ علیٰحدہ محکموں کا یا مختلف علاقوں کا حاکم مقرر کیا،یمن پورے صوبہ کا نام ہے۔

۴؎کیونکہ تم دونوں کا آپس میں جھگڑا رعایا کے جھگڑے وا ختلاف کا سبب ہوگا۔خیال رہے کہ یہاں اختلاف سے مراد جھگڑاوفساد ہے نہ کہ اجتہادی اختلاف،وہ تو صحابہ میں ہوا اور وہ اختلاف رحمت ہے،فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم **اختلاف امتی رحمتی**۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدعہد کے لیے قیامت کے دن جھنڈا گاڑھا جائے گا تو کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی بدعہدی ہے ا(مسلم،بخاری)

اِحدیث بالکل اپنے ظاہری معنے پر ہے۔واقعی بدعہد کے چوتڑوں پر جھنڈا لگا ہوگا یا جہاں بدعہد لوگ کھڑے کیے جائیں گے وہاں ہر ایک کے جھنڈے ہوں گے جن کی بلندی ان کی غداری کے مطابق ہوگی تاکہ ان کی رسوائی ہو۔خیال رہے کہ امت رسول اللہ کے چھپے گناہ قیامت میں ظاہر نہ کیے جائیں گے علانیہ گناہوں کا وہاں اعلان ہوگا کہ جب انہوں نے خود ہی اپنے کو رسوا کیا تھا تو اب بھی رسوا ہوں لہذا حدیث واضح ہے یہ کہنے والا یا فرشتہ ہوگا جو اعلان کرتا ہوگا یا خود قیامت والے ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ہر بدعہد کے لیے جھنڈا ہوگا قیامت کے دن جس سے وہ پہنچانا جائے گا ا(مسلم،بخاری)

اِمعلوم ہوا کہ قیامت میں مجرموں کے جرم نشانات سے معلوم ہوں گے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی پھر سزائیں بعد کو ہوں گی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ہر بدعہد غدار کا جھنڈا اس کے چوتڑوں کے پاس ہوگا اِقیامت کے دن اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ہر غدار کا جھنڈا قیامت کے دن اس کی غداری کے مطابق اونچا کیا جائے گا ۲ہوشیار رہو کہ عوام کے سلطان کی غداری سے بڑھ کر کوئی غدار(بدعہد)نہیں ۳(مسلم)

اِ **لواء** بہت بلند جھنڈے کو کہتے ہیں اور رأیۃ ہر جھنڈے کو۔ظاہر یہ ہے کہ یہ جھنڈا اس کی پیٹھ سے ایسا چمٹا ہوگا کہ اس کے ساتھ ساتھ پھرے گا،چوتڑوں کا ذکر اہانت کے لیے ہے **است** کا ترجمہ ہے دبر،عزت کا جھنڈا منہ کے سامنے ہوتا ہے ذلت کا جھنڈا پیچھے۔

۲یعنی دنیا میں بدعہدی کی جیسی کیفیت ویسی وہاں جھنڈے کی کمیت و درازی۔معلوم ہوا کہ قیامت میں مجرموں اور ان کے جرموں کی نوعیت بھی قیامت والوں پر عیاں ہوگی۔

۳اس فرمان عالی کے تین معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ سب سے بڑا غدار وہ ہے جو مسلمانوں کی مرضی بغیر ان کا امیر عام بن جائے جیسے متغلب و باغی۔دوسرے وہ بادشاہ بڑا غدار ہے جو مسلمانوں کے حقوق ادا نہ کرے اہل کو بھول جائے نااہلوں کو عہدے سونپے،انہیں آگے بڑھائے،انہیں اہل استحقاق پر مسلط کردے۔تیسرے یہ کہ بڑا غدار وہ شخص کہ جو امیر عام یعنی بادشاہ اسلام سے بدعہدی کرے اس سے کیے ہوئے وعدے پورے نہ کرے،چونکہ ان تینوں قسم کے

غداروں کی بدعہدی کا اثر دین،ملک،قوم پر پڑتا ہے۔ان غداروں کا تعلق عام لوگوں سے ہے اس لیے یہ تینوں غدار بدترین غدار اور اول درجے کے بدعہد قرار دیئے گئے،ہمارا ترجمہ ان معنے کا حامل ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن مرۃ سے ۱؎ کہ انہوں نے حضرت معاویہ سے فرمایا ۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جسے اللہ مسلمین کی کسی چیز کا والی و حاکم بنائے پھر وہ مسلمان کی حاجت و ضرورت و محتاجی کے سامنے حجاب کردے ۳؎ تو اللہ اس کی حاجت و ضرورت و محتاجی کے سامنے آڑ فرمادے گا ۴؎ چنانچہ حضرت معاویہ نے لوگوں کی حاجت پر ایک آدمی مقرر فرمادیا ۵؎ (ابوداؤد،ترمذی) احمد اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ اس کی ضرورت و حاجت و محتاجی کے سامنے آسمان کے دروازے بند فرمادے گا ۶؎

۱؎ مرہ میم کے پیش ر کے شدوفتحہ سے ہے،عمرو ابن مرہ کی کنیت ابو مریم ہے،آپ جہنی ہیں یا ازدی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں شامل رہے،شام میں قیام رکھا،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ جب کہ امیر معاویہ سلطان بن چکے تھے تاکہ وہ اس حدیث پر عمل کریں۔

۳؎ اس طرح کہ نہ مظلوموں حاجت مندوں کو اپنے تک پہنچنے دے،اپنے دروازے پر سخت پہرہ بٹھادے،نہ ان کی ضروریات کی پرواہ کرے،ان سے غافل رہے،ان کی حاجت روائی کا کوئی انتظام نہ کرے،اپنی حکومت سنبھالنے اپنے عیش و آرام میں منہمک رہے۔

۴؎ یعنی اس سے اللہ تعالٰی اپنے ان مجبور بندوں کا بدلہ لے گا کہ اس کی حاجتیں ضرورتیں پوری فرمائے گا،اس کی دعائیں قبول نہ کرے گا،اس سزا کا ظہور کچھ دنیا میں بھی ہوگااور پورا پورا ظہور آخرت میں ہوگا۔خیال رہے کہ حاجت،خلت اور فقر تینوں قریبًا ہم معنے ہیں مبالغہ اور تاکید کیلیے ارشاد ہوئے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حاجت معمولی ضرورت ہے جو انسان کو متفکر توکردے مگر پریشان نہ کرے۔خلت وہ ضرورت ہے جس سے انسان کے کام میں خلل واقع ہوجائے مگر حد بے قراری اضطرار تک نہ پہنچے۔فقر وہ ضرورت ہے جو انسان کے فقرے یعنی کمر توڑ دے حالت اضطرار تک پہنچ جائے جس سے زندگی دو بھر ہوجائے اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔فقیر و مسکین کا فرق اور اس میں احناف و شوافع کا اختلاف کتب فقہ میں دیکھئے۔خیال رہے کہ جیسے عادل بادشاہ قیامت میں نور کے منبروں پر

ہوں گے اللہ تعالٰی سے قریب ہوں گے،ایسے غافل اور ظالم بادشاہ ذلت کے گڑھے میں اور رب تعالٰی سے حجاب میں ہوں گے۔

۵؎یعنی امیرمعاویہ نے یہ فرمان عالی سن کر ایک محکمہ بنادیا جس کے ماتحت ہر بستی میں ایک وہ افسر رکھا گیا جو لوگوں کی معمولی ضرورتیں خود پوری کرے اور بڑی ضرورتیں امیرمعاویہ تک پہنچائے پھر ہمیشہ اس افسر سے باز پرس کی کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی تو نہیں کرتا۔

۶؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا،چونکہ آسمان میں لوگوں کے رزق بھی ہیں ان کی ضرویات بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَ مَا تُوۡعَدُوۡنَ"اس لیے آسمان کے دروازے بند ہونے کا ذکر فرمایا گیا،بہرحال مطلب ایک ہی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو شماخ ازدی سے وہ اپنے چچازاد سے راوی ۱؎ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں کہ وہ جناب معاویہ کے پاس گئے ۲؎ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو لوگوں کی کسی چیز کا والی بنایا گیا ۳؎ پھر اس نے مسلمانوں یا مظلوموں یا حاجت مندوں پر اپنا دروازہ بندکرلیا ۴؎ تو اللہ اس کی محتاجی اس کی فقیری کے وقت اس پر اپنی رحمت کے دروازے بند کرلے گا ۵؎ جب کہ اسے ان سے سخت محتاجی ہوگی ۶؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ابو شماخ تابعی ہیں اور ان کے چچازاد بھائی صحابی،ان کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر کوئی حرج نہیں تمام صحابہ عادل ثقہ ہیں۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ حضرت معاویہ کی دورانِ سلطنت میں گئے یا صرف ملاقات کے لیے اور یہ حدیث تذکرۃً سنا دی یا یہ حدیث ہی سنانے کے لیے،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں۔

۳؎کہ بادشاہ بنادیا گیا یا حاکم۔ولّی ماضی مجہول ہے لام کے شد سے یا فقط کسرہ سے یعنی باب تفعیل سے یا باب ضرب یضرب سے۔

۴؎مظلوم اور ذی الحاجت کے عموم میں ذمی اور مستامن کفار بھی داخل ہیں کیونکہ بادشاہ وحکام پر تمام رعایا کی داد رسی واجب ہے مسلمان ہوں یاکافر۔

۵؎دنیا و آخرت میں،اگر لوگ بادشاہ کے محتاج ہیں تو بادشاہ بھی رب تعالیٰ کا حاجت مند ہے۔
۶؎یعنی جب ایسے بادشاہ کو لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہوئی تو اللہ اس پر رحمت کے دروازے بند کرلے گا کہ لوگ اس کی مدد نہ کریں گے۔اس حدیث کا نظارہ کرنا ہے تو موجودہ زمانہ میں الیکشن کے وقت ووٹ کی بھیک مانگنے کا نظارہ کرو۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ آپ جب اپنے حکام کو بھیجتے تھے ۱؎تو ان پر شرط لگاتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا ۲؎اور میدہ نہ کھانا اور باریک لباس نہ پہننا۳؎اور اپنے دروازے لوگوں کی ضرورتوں سے بند نہ کرنا۴؎اگر تم نے ان میں سے کچھ کیا تو تم پر سزا واقع ہوگی ۵؎پھر انہیں پہنچانے جاتے تھے۶؎یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔	

۱؎عمال ع کے پیش میم کے شد سے جمع عامل کی بمعنی حاکم اور حکومت کا کارکن،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"

۲؎برذون ب کے کسرہ ر کے سکون اور ذال کے فتحہ سے بمعنی ترکی گھوڑا جو عربی گھوڑے سے گھٹیا ہوتا ہے، اس کی مؤنث برذونہ ہے جمع براذین یعنی اے حاکمو!تم اپنے مقام حکومت میں عربی گھوڑا تو کیا ترکی گھوڑے کی سواری کے عادی نہ ہوجانا،ضرورۃ سوار ہونے کی ممانعت نہیں تھی بلکہ اظہار شان کیلیے گھوڑا پالنا اور فخریہ گھوڑے پر سوار ہوکر نکلنے کی ممانعت تھی اور اس ممانعت میں بہت سی حکمتیں تھیں۔
۳؎کیونکہ ان چیزوں سے طبعیت عیش پسند ہوجاتی ہے اور عیش پسند حاکم صحیح طور پر حکومت نہیں کرسکتا اور رعایا کے دکھ درد سے خبردار نہیں رہ سکتا،نیز جب حاکم زیادہ خرچ کرنے کا عادی ہوگا تو وہ خرچ پورا کرنے کے لیے رشوت ستانی حرام خوری کرے گا کیونکہ اس کی تنخواہ ان خرچوں کی متحمل نہیں ہوسکے گی،سادے بنو اور رعایا کو سادہ بناؤ تاکہ زندگی و موت اچھی ہو،کہاں گئے وہ خلفاء اور کہاں گئے وہ حکام۔
۴؎یعنی اپنے کو رعایا سے ایسے چھپاکر نہ رکھنا کہ لوگ تم تک پہنچ کر فریاد نہ کرسکیں بلکہ تمہارے دروازے مظلوموں کے لیے کھلے رہیں۔
۵؎یعنی تم کو معزول بھی کردیں گے اور سزا بھی دیں گے یا رب تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت میں سزا دے گا،کس چیز کی سزا،عیش و عشرت میں غافل ہوکر رعایا کی پرواہ نہ کرنا،ظلم کرنا،رشوت خوری کرنا کیونکہ مذکورہ عیش کے یہ نتیجے ہیں لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ گھوڑے کی سواری تو سنت ہے اور میدہ کھانا،باریک کپڑا پہننا جائز ہےاور سنت و جائز کام پر سزا کیسی؟خیال رہے کہ عیش پسند حکام حکومت سے بھاری تنخواہ کا بھی مطالبہ کرتے ہیں تاکہ ان کے یہ دھڑلّے کے خرچ پورے ہوسکیں پھر حکومتیں ان کی بھاری تنخواہیں ادا کرنے کے لیے رعایا پر طرح طرح کے ٹیکس لگاتی

ہیں اور غریبوں کا خون چوس کر عیش پسند حکام و ملازمین کے شوق پورے کیے جاتے ہیں جس سے ملک میں بغاوتیں فساد برپا ہوجاتے ہیں،اسلام نے سادگی سکھائی نہ تم خرچ اپنے بڑھاؤ نہ یہ مصیبتیں اٹھاؤ،رب تعالٰی نے فرمایا:"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا"اور دوسری جگہ فرمایا:"اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوٰنَ الشَّیٰطِیْنِ"قربان جایئے اس تعلیم کے لہٰذا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بڑی دور اندیشی پر مبنی ہے۔

٦؎ وہاں تک پہنچانے جاتے جہاں تک آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکام کو پہنچانے تشریف لے جاتے تھے صورت بھی وہی ہوتی تھی کہ وہ حاکم سوار ہوتے تھے اور امیر المؤمنین پیدل رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

باب العمل فی القضاء والخوف منه

باب فیصلوں میں عمل کرنا اوران سے ڈرنا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی حاکم و قاضی کس چیز سے فیصلے دے کتاب اللہ،سنت رسول اللہ،اجماع امت و قیاس مجتہد۔اور قضاء قبول کرنے سے ڈرے کہ یہ کانٹوں کا بستر ہے،یوں ہی سخت سردی اور سخت گرمی میں فیصلہ نہ کرے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی حاکم دو شخصوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ غصہ کی حالت میں عقل پر نفس غالب ہوتا ہے جس سے حاکم مقدمہ میں اچھی طرح غوروفکر نہیں کرسکتا،یوں ہی بھوک پیاس،دماغی پریشانی،خاص بیماری میں بھی فیصلہ نہ کرے۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر اور ابوہریرہ سے دونوں فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب حاکم فیصلہ کرے تو کوشش کرے اور درست فیصلہ کرے ۱؎ تو اس کو دو ثواب ہیں ۲؎ اور جب فیصلہ کرے تو کوشش کرے اور غلطی کرے تو اس کے لیے ایک ثواب ہے ۳؎(مسلم،بخاری)۴؎

۱؎ کہ اس کا فیصلہ اللہ رسول کے فرمان عالی کے مطابق ہوجائے،یہ بھی رب تعالٰی کا کرم ہی ہے کہ انسان کا فیصلہ اس کے منشاء کے مطابق ہوجائے۔

۲؎ ایک ثواب تو اجتہادوکوشش کرنے کا اور دوسرا ثواب درست فیصلہ کرنے کا کہ درستی بھی بڑا عمل ہے،قاضی عالم بلکہ درجہ اجتہاد والا چاہیے،اگر خود عالم و فقیہ نہ ہو تو فقہاء کے علم سے فائدہ اٹھائے ان کا مقلد اور متبع ہو۔

۳؎ یہ حدیث تمام مجتہدین کو شامل ہے کہ مجتہد سے اگر غلطی بھی ہوجائے تب بھی اجتہاد کی محنت کا ثواب ہے لہذا چاروں مذہب یعنی حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی برحق ہیں کہ اگرچہ ان میں سے درست و صحیح تو ایک ہی ہے مگر گناہ کسی میں نہیں بلکہ جن آئمہ مجتہدین سے خطا ہوئی ایک ثواب انہیں بھی ہے،نیز حضرت علی و معاویہ میں گنہگار کوئی نہیں،حق پر حضرت علی ہیں اور جناب معاویہ سے غلطی ہوئی گنہگار وہ بھی نہیں۔ایک موقعہ پر حضرت داؤد علیہ السلام سے خطا ہوگئی

اور جناب سلیمان علیہ السلام نے درست فیصلہ فرمایا تو ان دونوں بزرگوں میں گنہگار کوئی نہیں ہوا۔رب تعالٰی فرماتاہے:"فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ"۔وہ حدیث کریمہ اس آیت کی تائید کرتی ہے مگر یہ حکم مجتہد عالم کے لیے ہے غیر مجتہد یا غیر عالم اگر غلط مسئلہ بتائے گا تو گنہگار ہوگا بلکہ غیر عالم کو فتویٰ دینا ہی جائز نہیں اور مسئلہ بھی فروعی اجتہادی ہو اصول شریعت میں غلطی معاف نہیں ہوتی۔اس کی تحقیق کتب اصول اور مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔اجتہادی خطا کی مثال یوں سمجھئے کہ مسافر جنگل میں نماز پڑھے اسے سمت قبلہ کا پتہ نہ چلے تو اپنی رائے سے کام لے،اگر چار رکعت میں چار طرف اس کی رائے ہوئی اور اس نے ہر رکعت ایک طرف پڑھی تو اگرچہ قبلہ ایک ہی طرف تھامگر چاروں رکعتیں درست ہوگئیں اور اس کو نماز کا ثواب یقینًا مل گیا۔اس کی نفیس بحث ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول میں دیکھئے۔

۴؎ یہ حدیث احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ اور نسائی نے بروایت حضرت عمرو ابن عاص نقل فرمائی،احمد نے حضرت ابوہریرہ سے بھی نقل کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا۱؎ تو وہ بغیر چھری ذبح کردیا گیا۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ اس طرح کہ اس نے کوشش و جانفشانی کرکے سلطان سے منصب قضا حاصل کیا،بڑی تنخواہ،عزت ورشوت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے یہ شرح خیال میں رہے۔

۲؎ چھری سے ذبح کردینے میں جان آسانی سے اور جلد نکل جاتی ہے،بغیر چھری مارنے میں جیسے گلا گھونٹ کر،ڈبوکر،جلاکر،کھانا پانی بند کرکے ان میں جان بڑی مصیبت سے اور بہت دیر میں نکلتی ہے،ایسا قاضی بدن میں موٹا ہوجاتا ہے مگر دین اس طرح برباد کرلیتا ہے کہ اس کی سزا دنیامیں بھی پاتا ہے اور آخرت میں بھی بہت درازکیونکہ ایسا قاضی ظلم،رشوت،حق تلفی وغیرہ ضرور کرتا ہے جس سے دنیا اس پر لعنت کرتی ہے اللہ رسول ناراض ہوتے ہیں،فرعون،حجاج یزید وغیرہ کی مثالیں موجود ہیں۔اس حدیث کی بنا پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جیل میں مرجانا قبول فرمالیا مگر قضا قبول نہ فرمائی،رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حاکم بننا تلاش کرے اور مانگے ۱؎ وہ اپنے نفس کو سونپ دیا جائے گا۲؎ اور جو اس پر مجبور کیا جائے تو اللہ اس پر فرشتہ اتارے گا جو اسے درست رکھے گا۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎اس طرح کہ عملًا قاضی بننے کی کوشش کرے،زبان سے طلب کرے، درخواستیں دے۔ قضا سے مراد مطلقًا حکومت ہے سلطنت ہو یا دوسری حکومت۔(مرقات)مانگنے سے مراد ہے نفسانی خواہش کے لیے مانگنا جیساکہ بارہا عرض کیا جاچکا لہذا یوسف علیہ السلام کا شاہ مصر سے فرمانا:"اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ"اس حکم سے خارج ہے۔

۲؎یعنی ایسے طالب جاہ حاکم کی مدد اللہ تعالٰی نہیں کرے گا اسے اس کے نفس کے حوالہ کردے گا اور ظاہر ہے کہ ہمارا نفس ہمارا بڑا دشمن ہے جو لاحول سے بھی نہیں بھاگتا رمضان میں قید نہیں ہوتا۔

۳؎یعنی ایسے بے نفس قاضی کی بذریعہ فرشتہ مدد ہوتی رہے گی جس سے وہ ظلم وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔طبرانی نے بروایت ام سلمہ مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو قضا میں مبتلا ہو اسے چاہیے مقدمہ کے دوران فریقین میں برابری کرے جگہ دینے میں،بات کرنے میں،دیکھنے میں،اشارہ کرنے میں اسی طرح بیہقی نے حضرت ام سلمہ سے مرفوعًا روایت کی۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاضی تین طرح کے ہیں ایک جنت میں اور دو دوزخ میں تو جو جنت میں ہے وہ تو وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے پھر اس کا فیصلہ دے ۱؎اور جو شخص حق کو جان لے مگر فیصلہ میں ظلم کرے تو وہ دوزخ میں ہے ۲؎اور وہ شخص جو جہالت پر لوگوں کے فیصلے کرے تو وہ بھی دوزخ میں ہے ۳؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ جنتی قاضی وہ ہے جس میں تین صفات ہوں: شرعی قواعد و قوانین سے پوری طرح عالم ہو،قضا کے احکام سے خوب واقف ہو،تحقیقات کے بعد فیصلہ کرے،فیصلہ میں جلدی نہ کرے،حق فیصلہ کرے،اس کو جو حق نظر آئے بعد تحقیق اس کی ڈگری کرے۔

۲؎چونکہ یہ حاکم ظالم ہے اس لیے یہ بدترین دوزخی ہے اسی وجہ سے اس کا ذکر پہلے فرمایا گیااس کا درجہ دوزخ میں بدتر ہوگاوہاں ٹھہرنا زیادہ۔

۳؎یاتو قضاء کے شرعی قوانین سے واقف نہ ہو جاہل ہو قاضی بن جائے یامقدمہ کی نوعیت،حق و ناحق کی تحقیق سے بے خبر ہو اور فیصلہ کردے۔خیال رہے کہ فیصلہ اور فتویٰ میں فرق ہے،فیصلہ میں فریقین کا دعویٰ اور جواب دعویٰ سننا پھر گواہی وغیرہ لینا پھر قرائن وعلامات میں غور کرنا ضروری ہے مفتی کا یہ کام نہیں فتویٰ میں صورت مسئولہ کا جواب ہوتا ہے،دیکھو دو فرشتے شکل انسانی میں داؤد علیہ السلام کی خدمت میں آئے ایک نے کہااس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں میرے پاس ایک مگر یہ میری ایک بھی لینا چاہتا ہے،آپ نے دوسرے کا جواب دعوی سنے بغیر فتویٰ دے دیا۔ہندہ زوجہ ابوسفیان نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں مجھے خرچہ پورا نہیں دیتے کیا میں ان کی جیب سے بقدر ضرورت نکال لیا کروں،فرمایاہاں،ابوسفیان کو نہ بلایاان سے جواب دعوی لیا،یہ ہے فتوی،فیصلہ اور فتویٰ کا فرق خیال میں رکھیئے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمانوں کا قاضی بننا طلب کرے حتّٰی کہ اسے پالے ۱؎پھر اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب ہو تو اس کے لیے جنّت ہے ۲؎اور جس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب ہو اس کے

لیے دوزخ ہے ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎اس حدیث نے ان تمام حدیثوں کی شرح کردی جن میں قضا کی برائیاں ارشاد ہوئیں یعنی خود کوشش کرکے قاضی وحاکم بننے والا۔
۲؎عدل کے ظلم پر غالب آنے کے معنی یہ ہیں کہ حاکم کا انصاف اس کے ظلم پر اس طرح غالب آجائے اور اس کی طبیعت پر ایسا چھاجائے کہ اسے ظلم کرنے نہ دے،یہ مطلب نہیں کہ وہ عدل بھی کرتا ہو اور ظلم بھی مگر عدل زیادہ کرتا ہو اور ظلم کم کیونکہ ایک ظلم بھی ظالم کا بیڑا غرق کرنے کے لیے کافی ہے لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔(لمعات واشعۃ اللمعات)یہ توفیق اس حاکم کو ملتی ہے جو حکومت سے متنفر ہو رب کی طرف سے اسے حاکم بننا پڑ جائے۔
۳؎ظلم کے عدل پر غالب ہونے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ ظلم اس کی عادت بن جائے وہ کبھی انصاف کرے ہی نہیں۔دوسرے یہ کہ ظلم زیادہ کرے انصاف کم،یہ دونوں حاکم دوزخی ہیں۔خیال رہے کہ ایک ظلم بھی کیفیت کے لحاظ سے ہزار انصاف پر غالب ہے اگرچہ کمیت کے لحاظ سے کم ہے،ایک قطرہ پیشاب سارے کنویں کو ناپاک کردیتا ہے،یہاں غلبہ ظلم سے مراد کیفیت کا غلبہ ہے لہذا یہ خبر بھی واضح ہے۔شارحین نے اس حدیث کی اور بہت توجیہیں کی ہیں مگر یہ توجیہ قوی ہے۔بعض نے کہا ہے کہ عدل سے مراد اجتہاد کی صحت ہے اور ظلم سے مراد اجتہاد کی غلطی ہے جس حاکم کا اجتہاد و استنباط زیادہ تر کتاب و سنت کے خلاف ہوتا ہو بہت کم درست ہوتا ہو وہ حاکم نہ بنے اگر بنے گا اور اپنے غلط اجتہاد سے فیصلے کرے گا تو دوزخی ہوگا۔مرقات نے اسے ترجیح دی ہے اس کی تائید گزشتہ حدیث سے ہورہی ہے کہ جو حاکم جاہل ہوکر فیصلے کرے وہ دوزخی ہے۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا۱؎ تو فرمایا جب تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کس طرح فیصلے کروگے ۲؎ عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا۳؎ فرمایا اگر تم رسول اللہ کی سنت میں بھی نہ پاؤ عرض کیا اپنی رائے سے قیاس کروں گا۴؎ اور کوتاہی نہ کروں گا۵؎ فرماتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا(تھپکی دی)اور فرمایا شکر ہے اس کا جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں ۶؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ وہاں کا حاکم و قاضی بناکر بھیجا تو بطور امتحان یہ سوال فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم و قاضی بنانے کا حق سلطان کو ہے،یہ بھی معلوم ہوا حکومت و قضا سونپنے سے پہلے اس کا امتحان لینا سنت ہے ہے آج بھی قانون پاس کرنے امتحان دینے کے بعد حاکم بنایا جاتا ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔
۲؎ سبحان اللہ! کیا مبارک سوال ہے یہ نہ فرمایا کہ اگر کتاب و سنت میں نہ ہو کیونکہ قرآن و حدیث میں سب کچھ ہے ہم کو ملے یا نہ ملے،نہ ہونا اور ہے نہ پانا کچھ اور،سمندر میں موتی ہیں مگر ہر کسی کو نہیں ملتے۔

۳؎ فیصلہ کی ترتیب یہ ہے کہ اولًا قرآن کریم سے مسئلہ نکالا جائے مگر حدیث شریف کی روشنی میں اگر حدیث قرآن کریم کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو تاویل کرکے ان دونوں میں موافقت کی جائے،اگرموافقت ناممکن ہو تو اگر حدیث متواتر ہو اور نزول آیت کے بعد کی ہو تو آیت کو منسوخ مان کر حدیث پر عمل کیا جائے جیسے تعظیمی سجدے کی اباحت قرآن سے ثابت ہے مگر حرمت حدیث سے ثابت،تو حدیث پر عمل ہے اور تعظیمی سجدہ حرام ہے،اگر یہ شرائط نہ ہوں تو حدیث چھوڑ دی جائے گی قرآن پر عمل ہوگا جیسے قرآن سے ثابت ہے کہ بالغہ لڑکی اپنے نفس کی مختار ہے،خود نکاح کرسکتی ہے"فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ اَزۡوٰجَهُنَّ"مگر حدیث سے ثابت ہے کہ بغیر ولی نکاح نہیں کرسکتی"ایما امراۃ نکحت نفسها نکاحها باطل باطل باطل۔احناف نے قرآن پر عمل فرماکر عورت کو اپنے نفس کا مختار مانا،اس کی مکمل بحث جاء الحق میں دیکھئے۔

۴؎ یعنی اگر مجھے حدیث میں بھی نہ ملے اور حضور سے پوچھنے کا موقعہ بھی نہ ملے تو خود اپنے اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔اجماع امت کا ذکر اس لیے نہ فرمایا کہ زمانہ نبوی میں اجماع ناممکن ہے کیونکہ اس زمانہ میں مسئلہ حضور سے پوچھا جاسکتا ہے،قیاس کے لیے نص نہ ملنا کافی ہے مگر اجماع کے لیے نص نہ مل سکنا ضروری ہے۔

۵؎ یعنی قیاس کرتے وقت نص سے استخراج میں کوتاہی نہ کروں گا۔قیاس شرعی کے معنے ہیں علت مشترکہ کی وجہ سے منصوص حکم کو غیرمنصوص میں جاری کرنا۔ہم سے کسی نے پوچھا کہ باجرے،جوار،چاول میں سود کیسا ہے؟ہم نے کہا کہ گندم وجو میں سود کی ممانعت حدیث پاک میں ہے اور چاول وغیرہ بھی گندم کی طرح وزن وجنس میں ایک ہیں لہذا ان میں بھی سود حرام،یہ ہے قیاس،صرف رائے مراد نہیں۔اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول بحث قیاس میں مطالعہ فرمایئے۔

۶؎ حضور انور کا آپ کے سینہ پر ہاتھ مارنا یا تو شاباش دینے کے لیے یا اپنا فیض آپ کے سینے میں پہنچانے کے لیے کہ اس کی برکت سے رب تعالٰی انہیں خطا سے بچائے۔اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے اجتہادات و قیاسات بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہیں اور یہ کہ اصول اسلام صرف قرآن و حدیث نہیں بلکہ قیاس مجتہد بھی ہے۔خیال رہے کہ اصول دین چار چیزیں ہیں:قرآن،سنت،اجماع امت و قیاس،اجماع اور قیاس کا ثبوت قرآن کریم سے بھی ہے،دیکھئے ہماری کتاب جاء الحق۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بناکر بھیجا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے بھیجتے ہیں میں تو نو عمر ہوں اور نہ مجھے قضا کا علم ہے ۱؎ تو فرمایا اللہ تمہارے دل کو ہدایت دے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا ۲؎ جب تم سے دو آدمی فیصلہ چاہیں تو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرنا حتی کہ دوسرے کی بات بھی سن لو ۳؎ کہ یہ اس کے لائق ہے کہ تم کو فیصلہ ظاہر	

	ہوجائے ۴؎ فرماتے ہیں پھر اس کے بعد میں نے کسی فیصلہ میں کوئی تردد نہ کیا ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور جناب ام سلمہ کی وہ حدیث إنما أقضي بينكم برأيي ان شاء اللہ فیصلوں اور گواہیوں کے باب میں ذکر کریں گے ۶؎

۱؎ یعنی مجھے قضا کا تجربہ بھی نہیں ہے،علم سے مراد تجربہ ہے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق تعالٰی نے وہ علم عطا فرمایا تھا جس کی مثال نہیں اور اس عرض کا مقصد حضور سے مددمانگنا ہے کہ حضور مجھ پر یہ بوجھ رکھ تو رہے ہیں میری مدد بھی فرمایئے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھاخدایا ہم کو فرعون سے خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا،جانے سے انکار نہیں بلکہ طلب مدد ہے۔

۲؎ یعنی ہمارے فیض سے اللہ تعالٰی تمہارے دل کو غلط فہمی سے اور تمہاری زبان کو غلط فیصلہ سنانےسے محفوظ رکھے گا اس ہی کرم کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی جیسا قاضی و حاکم نہ ہوا۔معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ کرم سے علم،حکمت،قضا سب کچھ یکدم مل جاتا ہے۔اس مدرسہ میں ایک آن میں فارغ التحصیل کردیا جاتا ہے۔

۳؎ اولیٰ سے مراد مدعی ہے اور ثانی یعنی دوسرے سے مراد مدعیٰ علیہ یعنی جب مدعی و مدعیٰ علیہ دونوں تمہاری عدالت میں حاضر ہوں اور مدعی بیان دعویٰ کرےتو مدعیٰ علیہ کا جواب دعویٰ سنے بغیر فیصلہ نہ کرو کہ دونوں کا بیان سنے بغیر حق و باطل ظاہر نہیں ہوسکتا۔خیال رہے کہ اگر مدعیٰ علیہ کچہری میں حاضر نہ ہو مگر شہر میں یا اور جگہ معلوم میں موجود ہو تو اس کو بذریعہ سمن حاضر کیا جائے اگر غائب ہو پتہ نہ ہو تو بوقت ضرورت غائب کے خلاف قضاء جائز ہے جیسے غائب لاپتہ شخص کی بیوی خرچہ کا دعویٰ کرے تو حاکم خرچہ کا فیصلہ کرسکتا ہے اور خرچہ ناممکن ہونے کی صورت میں نکاح فسخ کرسکتا ہےحضرت امام احمد بن حنبل کے ہاں،احناف کے ہاں بھی،بعض فقہاء کے نزدیک قضاء علی الغائب ضرورۃً جائز ہے۔(شامی،باب النفقہ)

۴؎ فریقین کی حاضری دونوں کا کلام سننا قضا یعنی فیصلہ میں ضروری ہے فتویٰ میں ضروری نہیں کہ فتویٰ صورت مسئلہ کا جواب ہوتا ہے کہ اس بیان کے مطابق شریعت کا حکم یہ ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہندہ کا بیان سن کر ابوسفیان کے خلاف فتویٰ دے دیا،داؤد علیہ السلام نے صرف ایک کا بیان سن کر بغیر دوسرے کا بیان لیے فتویٰ دے دیا ،دیکھو قرآن کریم سورۂ ص،یہ ہے فتویٰ۔

۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اور اس فیضان کے بعد میں کبھی کسی فیصلہ میں رکا نہیں اور نہ میں نے غلط فیصلہ کیا،یہ تھا فیضان نبوت۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں علی اقضنا وابن ابی کعب اقرؤنا ہم سب میں بہترین قاضی علی ہیں اور بہترین قاری حضرت ابی ابن کعب ہیں۔(مرقات)

۶؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی میں نے مناسبت کے لحاظ سے بجائے یہاں کے وہاں بیان کی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے کوئی حاکم ۱جولوگوں کے درمیان فیصلے کرے مگر قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ فرشتہ اس کی گدی پکڑے ہوگا پھر اس کا سر آسمان تک اٹھالے گا ۲تو اگر رب فرمادے کہ اسے پھینک دے تو وہ اسے ہلاکت کی جگہ پھینک دے گا۳چالیس سال کی راہ ۴(احمد،ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)	

۱ حاکم سے مراد ظالم حاکم ہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر حاکم مراد ہے خواہ عادل ہو یا ظالم۔

۲اگر حاکم سے ظالم مراد ہے تو رأسه کی ضمیر حاکم کی طرف ہے یعنی اس کی گردن پکڑ کے اس کا سر اوپر کو اٹھائے گا جیساکہ مجرموں کے ساتھ کیا جاتاہے اور اگر ہر حاکم مراد ہے تو رأسه کی ضمیر فرشتہ کی طرف ہےیعنی انتظار حکم میں فرشتہ اپنا سر اوپر کو اٹھائے گا کہ مجھے کیا حکم ملتا ہے۔

۳ **مھواة** بنا ہے **ھواء** سے بمعنی خلاء وفضا،**مھواة** کے معنے ہوئے فضاوہوا کی جگہ یعنی محل ہلاکت،اس سے مراد جہنم کا گہرا گڑھا ہے جس کی گہرائی رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔

۴خریف سال کے خاص موسم کا نام ہے جو سردی وگرمی کے درمیان ہوتا ہے ربیع کا مقابل،اس سے مراد سال ہے،جزء بول کر کل مراد ہے جیسے رأس یعنی سر بول کر انسان مراد لیتے ہیں،خریف سال میں ایک ہی بار آتی ہے یعنی ایسے گہرے گڑھے میں پھینکتا ہے کہ وہ حاکم ظالم کنارہ سے گر کر چالیس سال میں اس کی تہ تک پہنچتا ہے۔خدا کی پناہ!اور اگر حاکم عادل ہے تو اس کے متعلق ارشادہوتا ہے کہ اسے جنت میں پہنچادےتو اسے اعلٰی مقام پر پہنچادیا جاتا ہے،پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں کہ گردن پکڑنا ظالم ہی کے لیے ہوگا،عادل حاکم تو نور کے منبر پر ہوں گے جیساکہ پہلے گزرچکا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ عادل قاضی پر قیامت کے دن وہ وقت آئے گا۱کہ وہ آرزو کرے گا کہ اس نے کبھی بھی دو شخصوں کے درمیان ایک چھوہارے کے بارے میں فیصلہ نہ کیا ہوتا ۲(احمد)	

۱؎ یوم القیامۃ یا تو لیاتین کا فاعل ہے اور یوم مرفوع اور یتمنی حال یعنی عادل حاکم پر قیامت کا دن اس حال میں آئے گا کہ وہ حاکم یہ آرزو کرے گا۔یا لیاتین کا فاعل پوشیدہ ہے وقت یا بلاء وآفۃ اور یوم القیامۃ ظرف ہے منصوب اور یتمنی اس پوشیدہ فاعل کا حال یعنی قیامت کے دن عادل حاکم پر ایسی ساعت یا آفت آجائے گی کہ وہ یہ آرزو کرے گا،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یوم القیامۃ سے پہلے ساعۃ ہے۔یہ گھڑی قیامت کا اول وقت ہوگا جب کہ حضرات انبیاء کرام نفسی نفسی فرمائیں گے جب حق تعالٰی کے عدل کا ظہور ہوگا،پھر شفاعت کا دروازہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے کھل جائے گا تب رب تعالٰی کے فضل کے ظہور کا وقت ہوگا،جب چھوٹے بچے فوت شدہ بھی نازکرکے اپنے ماں باپ کی شفاعت کے لیے رب تعالٰی سے جھگڑیں گے،عادل کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے کہ جب عادل اور منصف حاکموں کے خوف کا یہ حال ہوگا تو ظالم حکام کا کیا پوچھتے ہو،ان کا حال تو بیان میں آسکتا ہی نہیں۔

۲؎ عادل حکام کی یہ آرزو اس الجھاوے اور درازی حساب کی وجہ سے ہوگی جو انہیں عدل و حکومت کے حساب دینے میں پیش آئے گی،وہ دیکھیں گے کہ دوسرے لوگ معمولی حساب دے کر جنت کو چلے گئے ہم ابھی حساب میں ہی الجھے ہوئے ہیں،جیسے حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کے اولیاء پر گزشتہ انبیاء کرام رشک کریں گے یعنی ان کی بے فکری آزادی دیکھ کر جیسے غریبوں کی آزادانہ زندگی دیکھ کر بادشاہ رشک کرے،قرآن کریم نے فرمایا:"اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ"یہاں انبیاءاللہ نہ ارشاد ہوا کیوں،اس لیے قیامت کے دن رنج و فکر و خوف سے آزادی صرف اولیاءاللہ کو حاصل ہوگی،رہے حضرات انبیاء کرام انہیں غم جہان ہوگا یعنی ساری امت کی فکراور ہم جیسے گنہگاروں کو غم جان لینے یعنی اپنی فکر۔خیال رہے کہ یہ فرمان عالی ان عادل حکام کے لیے جن کا حساب ہو،جو بغیر حساب جنتی ہوں وہ اس حکم سے خارج،جیسے حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام یا حضرات خلفاءراشدین لہذا حدیث صاف ہے واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاضی کے ساتھ اللہ تعالٰی ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے ۲؎ پھر جب وہ ظلم کرتا ہے تو اس سے الگ ہوجاتا ہے ۳؎ اور اسے شیطان چمٹ جاتا ہے ۴؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب وہ ظلم کرتا ہے تو رب اس کو نفس کے سپرد کردیتا ہے ۵؎

۱؎ آپ عبداللہ ابن اُنیس جہنی انصاری ہیں،اُنیس کی کنیت ابواوفی ہے،باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں،غزوۂ احد،حدیبیہ اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،ہمیشہ مدینہ منورہ میں رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوفہ میں قیام رہا،حضرت انیس یعنی ابو اوفی کی وفات مدینہ منورہ میں ۵۴ھ میں ہوئی۔(مرقات)مگر عبداللہ ابن ابی اوفی کی وفات کوفہ میں ۸۷ھ میں ہوئی۔حضرت عبداللہ ابن ابواوفی ان صحابہ سے ہیں جن سے حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ کی ملاقات ہے

کیونکہ آپ کی وفات کے وقت امام اعظم کی عمر سات سال تھی اور کوفہ میں ان صحابہ کا قیام تھا جو امام اعظم کا وطن ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی اللہ تعالٰی اپنی رحمت و مدد کے ساتھ عادل حاکم کے ساتھ ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی جو ظلم کرتے ہیں اس کی رحمت و مدد اس سے الگ ہوجاتی ہے،ایک روایت میں ہے تبرأ اللہ عنه رب تعالٰی اس سے بیزار ہوجاتا ہے۔

۴؎ شیطان سے مراد خاص شیطان ہے جو ظلم کرایا کرتا ہے ورنہ قرین شیطان تو ہمیشہ اس انسان کے ساتھ رہتا ہے جس کے ساتھ پیدا ہوا ہے یعنی پھر خاص ظلم و فساد کرانے والا شیطان اس ظالم حاکم کا ساتھی بن جاتا ہے پھر اس ظالم کی ڈور اس شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے سمجھ لو پھر یہ ظالم کیا کچھ حرکتیں نہ کرے گا۔

۵؎ یعنی پھر ظالم حاکم اپنے نفس امارہ کے سپرد کردیا جاتا ہے۔خیال رہے کہ ہمارا نفس امارہ شیطان سے زیادہ خطرناک ہے کہ نفس بادشاہ ہے اور شیطان اس کا وزیرومشیر۔ونعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی حضرت عمر کی طرف مقدمہ لے گئے ۱؎ تو آپ نے حق یہودی کا دیکھا تواس کے حق میں فیصلہ فرمادیا ۲؎ اس پر آپ سے یہودی بولا اللہ کی قسم یقینًا آپ نے حق فیصلہ فرمایا ۳؎ اسے حضرت عمر نے درہ سے مارا ۴؎ اور فرمایا تجھے یہ کیسے معلوم ہوا تو یہودی نے عرض کیا اللہ کی قسم ہم توریت میں پاتے ہیں کہ ایسا کوئی قاضی نہیں جو حق سے فیصلہ کرے مگر ایک فرشتہ اس کے دائیں ہوتا ہے اور ایک فرشتہ اس کے بائیں طرف ہوتا ہے یہ دونوں اسے ٹھیک رکھتے ہیں اور اسے حق کی توفیق دیتے ہیں ۵؎ جب تک وہ حق کے ساتھ رہے پھر جب حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ دونوں چڑھ جاتے اور اسے چھوڑ جاتے ہیں ۶؎ (مالک)

۱؎ یہ مقدمہ حضرت سعید ابن مسیب نے خود دیکھا کیونکہ آپ تابعین سے ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ نے پایا ہے۔

۲؎ یہ ہے عدل فاروقی کہ عدالت میں اپنے پرائے کا لحاظ نہیں اس کا حکم قرآن کریم نے دیا ہے۔خلافت حیدری کے دور میں ایک بار قاضی شریح کی عدالت سے حضرت علی کے مقابل ایک یہودی کو مقدمہ میں ڈگری مل گئی حالانکہ قاضی شریح حضرت علی کے ملازم تھے اس پر یہودی مسلمان ہوگیا اور جنگ صفین میں حضرت علی کی فوج میں وفات پاگیا۔(نورالانوار)

۳؎ یعنی فیصلہ حق وانصاف سے کیا یا حق تعالٰی کی مدد سے آپ نے ایسا عدل والا فیصلہ کیا،ایسا فیصلہ کوئی شخص اپنی طاقت سے نہیں کرسکتا ،دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

۴؎ درہ مارنے سے مراد اسے درہ سے چھونا ہے کبھی کسی سے بات کرتے وقت اسے ہاتھ یا چھڑی سے چھوتے جاتے ہیں ایذاء والی مار مراد نہیں۔(اشعہ)

۵؎ اس جواب کا مقصد یہ ہے کہ امیر المؤمنین آپ نے یہ فیصلہ ان دو فرشتوں کی مدد سے کیا ہے جو آپ کے دائیں بائیں مدد کے لیے ہیں اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو آپ مسلمان کے حق میں اور میرے خلاف فیصلہ کرتے کیونکہ مسلمان آپ کا اپنا تھا اور میں غیر تھا۔آپ حاکم حق ہیں لہذا جواب سوال کے بالکل مطابق ہے۔ (مرقات)اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقرر شدہ فرشتے مدد کرتے ہیں۔دوسرے یہ کہ یہ دونوں فرشتے حاکم کو توفیق خیر دیتے ہیں لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور ہماری مددکرتے ہیں ہم کو توفیق خیر دیتے ہیں۔

۶؎ اور اس ظالم کو اس کے نفس اور شیطان کے سپرد کرجاتے ہیں۔معلوم ہوا اللہ کے مقبولوں کا کسی کو چھوڑ دینا خدا کا عذاب ہے،اگر ڈول کو کنویں میں رسی چھوڑدے تو ڈول بجائے پانی لانے کے خود کیچڑ میں پھنس جاتا ہے۔اللہ تعالٰی ہمیشہ اپنے مقبولوں کے سایہ میں رکھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ ہماری بدکاریاں سیاہ کاریاں اللہ کے بندوں کی مدد جاتے رہنے کا سبب ہیں ورنہ وہ حضرات بلاوجہ کسی کو نہیں چھوڑ دیتے وہ تو آخر تک نباہ کرتے ہیں۔

لج پال پریت کو توڑت ناہیں　　جو بانہ پکڑیں تو چھوڑت ناہیں　　گھر آئے کو خالی موڑت ناہیں

ہم نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔

اچھوں کا زمانہ ساتھی ہے میں بد ہوں مجھ کو بنا ہو تم　　کہلا کے تمہارا جاؤں کہاں بیکس کی کہاں شنوائی ہے

روایت ہے حضرت ابن موہب سے ۱؎ کہ حضرت عثمان ابن عفان نے جناب ابن عمر سے فرمایا کہ تم لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرو ۲؎ آپ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین مجھے معاف رکھیں گے ۳؎ فرمایا تم اس سے نفرت کیوں کرتے ہو حالانکہ تمہارے والد فیصلے فرمایا کرتے تھے ۴؎ عرض کیا اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو قاضی ہو پھر انصاف سے فیصلے کرے تو اس لائق ہے کہ اس سے برابر برابر ۵؎ لوٹے اس کے بعد حضرت عثمان نے دوبارہ نہ فرمایا ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن موہب ہے،تابعی ہیں،حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ میں ان کی طرف سے فلسطین کے حاکم تھے تقویٰ و طہارت میں مشہور تھے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حکومت عثمانیہ کی طرف سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرلو۔

۳؎ یہ سوال طلب مہربانی کے لیے ہے یعنی کیا میں آپ کے لطف وکرم سے یہ امید کروں کہ آپ مجھے اس عہدے سے معاف رکھیں۔اللہ اکبر آج ہم عہدے ڈھونڈھتے ہیں اور ان حضرات کو عہدے ڈھونڈھتے تھے۔

بہ بین تفاوت راہ کجا است تابہ کجا

۴؎ یعنی آپ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمانہ رسالت اور زمانہ صدیقی میں بھی لوگوں میں فیصلے فرمایا کرتے تھے خلیفہ تو بعد کو بنے پھر تم قضاء سے کیوں متنفر ہو۔

۵؎ حری بروزن فعیل صفت مشبہ ہے حری بمعنی لائق ہونے کا،ب زائدہ ہے اور بالحری مبتداء ہے اور ان ینقلب اس کی خبر،بعض نسخوں میں حریٰ ح کے فتحہ سے الف مقصورہ ہے مصدر تب یہ خبر مقدم ہے اور بعد کی عبارت مبتداء مؤخر دونوں ترکیبوں کے معنی ایک ہی ہیں۔(لمعات)کفافًا ک کے فتحہ سے کف کا مصدر کفاف کے لغوی معنے ہیں برابر کہ نہ بچے نہ بڑھے جیسے کہتے ہیں لالی ولاعلی یہ ینقلب کے فاعل سے حال ہے،ہوسکتا ہے کہ بمعنی مکفوف ہو یعنی اس کی شر سے بچایا ہوا یعنی عادل و منصف قاضی کے لیے یہ ہی غنیمت ہے کہ کل قیامت میں اس کا چھٹکارا ہوجائے کہ نہ پکڑ ہو نہ ثواب ملے۔جب عادل قاضی کا یہ حال ہے تو جو قاضی ایسا ہو کہ قاضی بہ رشوت راضی اس کا کیا حال ہوگا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی میں وہ قاضی مراد ہیں جو اپنی کوشش سے قضا حاصل کریں لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں عادل قاضی کے فضائل بیان ہوئے کہ اس کی اجتہادی غلطی پر اسے ایک ثواب ہے اور درستی پر دوہرا ثواب،یہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی انتہائی احتیاط ہے کہ حضرت عثمان غنی کی پیش کردہ قضا کو بھی قبول نہیں فرماتے اور اس فرمان عالی کو اپنے جیسے بے نفس متقی ہستی پر چسپاں فرماتے ہیں فتویٰ اور ہوتا ہے تقویٰ کچھ اور۔

۶؎ یعنی حضرت عثمان غنی نے پھر جناب عبداللہ پر قبول قضاء کے لیے زور نہ دیا۔خیال رہے کہ قضا کی طلب اس کے لیے گناہ تھی اور انصاف کرنا ثواب تو مطلب یہ ہوا کہ ایسا طالب جاہ قاضی اگر عدل و انصاف کرے اور یہ عدل وانصاف اس کے طلب قضا کے گناہ کا کفارہ ہی بن جائے تب بھی غنیمت ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

اور رزین کی روایت حضرت نافع سے ان کی روایت ابن عمر سے کہ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا اے امیر المؤمنین میں تو دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہیں کروں گا۱؎ فرمایا تمہارے والد تو فیصلہ کرتے تھے تو عرض کیا کہ میرے والد پر کوئی مشکل بنتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے ۲؎ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز مشکل ہوتی تو وہ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھ لیتے تھے ۳؎ اور میں اسے نہیں پاتا جس سے پوچھوں ۴؎ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی پناہ مانگے تو اس نے بڑے کی	

	پناہ مانگی اور میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ آپ مجھے قاضی بنائیں۵ چنانچہ آپ نے انہیں معاف کردیا اور فرمایا کسی کو خبر نہ دینا ۶

۱؎ یعنی قاضی عام بننا تو بہت دور ہے میں تو پنچ بننے پر بھی تیار نہیں،آپ کا یہ فرمان حضرت عثمان غنی کے اس فرمان کے جواب میں ہے جو ابھی گزرا۔

۲؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عمر زمانہ نبوی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قاضی یا پنچ مقرر ہوتے تھے،یہاں وہ قضا مراد ہے۔

۳؎ اس طرح کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرماتے اور حضرت جبریل رب تعالٰی سے پوچھ کر بتاتے تھے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریل کا علم زیادہ تھا تمام فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کا علم زیادہ تھا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا"اور جناب آدم کا علم حضور کے علم کی نسبت سے ایسا ہے جیسے قطرہ سمندر کی نسبت سے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الخلق ہیں اور یہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی رائے عالی ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد بھی فرماتے تھے،حضرت معاذ کو بھی اجتہاد کی اجازت تھی آپ نے اپنے کو اجتہاد کے لائق نہ سمجھا یہ انکسار تھا،بہرحال حدیث واضح ہے۔

۴؎ اور خود اجتہاد کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

۵؎ یعنی اللہ کی پناہ لیتا ہوں قضا کے عہدے سے۔اللہ اکبر! یہ ہے انتہائی احتیاط اور یہ حدیث قضا کی برائی میں انتہائی وعید ہے۔یہاں مرقات نے ابن عساکر سے بروایت حضرت ابی ہریرہ ایک عجیب حدیث مرفوع نقل فرمائی کہ سنگ اسود نے ایک بار بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ میں نے عرصہ دراز تک تیری عبادت کی اور تو نے مجھے گندگی میں ڈلوادیا(قوم عمالقہ نے سنگ اسود کو کئی سو سال گندگی میں ڈالے رکھا تھا)رب تعالٰی نے فرمایا شکر کر کہ میں نے تجھے کسی قاضی کی مجلس میں نہ رکھا کذا فی جامع صغیر السیوطی۔(مرقات)

۶؎ ورنہ یہ باتیں سن کر کوئی قضاء قبول نہ کرے گا اور محکمہ عدالت معطل ہوکر رہ جائے گا۔خیال رہے کہ قاضی اسلام بننا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی وقت لوگ نااہل ہو جائیں تو اہل کو قاضی بننا فرض عین ہوجاتا ہے،اس زمانہ پاک میں عام مجتہد صحابہ موجود تھے اس لیے حضرت ابن عمر نے یہ عہدہ قبول نہ فرمایا،دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ملاحظہ فرمایا کہ فی زمانہ کوئی خزائن سنبھالنے کا اہل نہیں تو خود بادشاہ سے فرمایا"اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ"مجھے خزانوں کا منتظم بنادے،اس وقت آپ پر یہ عہدہ سنبھالنا فرض عین ہوگیا تھا لہذا یہ حدیث اس آیت قرآنی کے خلاف نہیں۔

باب رزق الولاۃ وھدایاھم

باب والیوں کی روزی اور ان کے تحفے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ اضافت مصدر کے مفعول کی طرف ہے یعنی حکام کو جو روزیاں تنخواہ وغیرہ بیت المال سے دی جائے اور جو ہدیہ و تحفہ کسی اور کی طرف سے دیا جائے اس کا بیان۔رزق ماہوار تنخواہ کو کہا جاتا ہے اور عطا اس سالانہ روزی کو کہتے ہیں جو فوجیوں کو بیت المال سے دی جاتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نہ تم کو دیتا ہوں اور نہ تم کو منع کرتا ہوں۱؎میں تو تقسیم کرتا ہوں۲؎وہاں رکھتا ہوں جہاں حکم دیا جاتا ہوں۳؎(بخاری)۴؎	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو غنیمت سے کچھ مال بطور انعام تقسیم فرماتے تھے اس میں مساوات و برابری نہ کرتے تھے بلکہ کسی کو کم کسی کو زیادہ حسب خدمت عطا فرماتے تھے شاید کسی کو شکایت ہوتی کہ ہم کو کم ملااس لیے حضور نے یہ ارشاد فرمایااورہوسکتا ہے کہ اس فرمان میں ما سے مراد مال،ایمان،علم عرفان وغیرہ سب ہی ہوں۔

۲؎یعنی اللہ کی تمام نعمتوں کا بانٹنے والا میں ہوں اللہ تعالٰی کی عطا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم بغیر قید کے ہے،ہر نعمت رب تعالٰی دینے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بانٹنے والے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے: "اَغۡنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی فرما دیا اللہ نے دے کر حضور نے پہنچا کر غنی کردیا۔

۳؎یعنی ہمارا دینا یا نہ دینا،نیزکم و بیش دینا اپنے نفس کے عمل سے نہیں،نفسانی نہیں بلکہ رحمانی ہے جیسے ہمارا ہر کلام وحی الٰہی سے ہے ایسے ہی ہمارے کام وحی الٰہی سے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کادروازہ، دروازۂ الٰہی ہے۔

بخدا خدا کا یہ ہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کی نعمتوں کے بااختیار قاسم ہیں بے اختیار قاسم نہیں،ڈاکیہ بے اختیار قاسم ہےاور وزیر اعظم بااختیار قاسم اور بااختیار قاسم سے مانگنا جائز ہے،اللہ تعالٰی نے حضرت سلیمان سے فرمایا:"فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ"اور حضرت ذوالقرنین سے فرمایا:"اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا"نیز جناب سلیمان کے متعلق فرمایا:"فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ"اور ہمارے حضور سے فرمایا"فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ

مِنۡهُمۡ"۔معلوم ہوا کہ رب نے حضرت سلیمان کو دینے نہ دینے کا ذوالقرنین کو سزا اور انعام دینے کا اختیار دیا۔حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلتی تھی،ہمارے حضور کو اجازت دینے نہ دینے کا اختیار دیا ہے لہذا اللہ کی ہر نعمت حضور سے مانگنی جائز ہے کہ حضور باذن الٰہی مختار قاسم ہیں۔

۴؎ حاکم نے بروایت حضرت ابوہریرہ روایت کی انا ابو القاسم اللہ یعطی وانا اقسم ہم ابوالقاسم ہیں اللہ دیتا ہے ہم تقسیم فرماتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت خولہ انصاریہ سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض لوگ اللہ کے مال میں ناحق گھس جاتے ہیں ۲؎ ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے ۳؎(بخاری)	

۱؎ خولہ دو ہیں:ایک خولہ بنت ثامر،دوسری خولہ بنت ثعلبہ حضرت اوس ابن صامت کی بیوی،یہاں پہلی خولہ مراد ہیں خولہ بنت ثامر،مرقات کی یہ ہی تحقیق ہے مگر اشعۃ اللمعات نے دوسری خولہ مراد لیں۔واللہ اعلم!

۲؎ خوض کے لغوی معنی پانی میں گھس جانا،اصطلاح میں کسی باطل کام میں مشغول ہوجانے کو خوض کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"ذَرۡهُمۡ فِیۡ خَوۡضِهِمۡ یَلۡعَبُوۡنَ"باب تفعیل میں آکر مبالغہ پیدا ہوگیا۔اللہ کے مال سے مراد بیت المال کا مال ہے،زکوۃ،خراج،جزیہ،غنیمت وغیرہ۔حق سے مراد ہے یا استحقاق یا سلطان اسلام کی اجازت یعنی بیت المال میں ان کا حق نہیں اور وہ لے لیتے ہیں یا حق کم ہے وہ زیادہ لے لیتے ہیں۔

۳؎ ناحق مال کھانے کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کے خرچ سے ناکافی نہ تھا ۱؎ اور میں مسلمانوں کے کام میں مشغول کردیا گیا ہوں تو ابوبکر کی اولاد اس مال سے کھائے گی اور اس میں مسلمانوں کی خدمت کرے گی ۲؎(بخاری) ۳؎	

۱؎ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ بننے سے پہلے بڑے کامیاب تاجر تھے،آپ مکہ معظمہ میں غنی ترین لوگوں میں سے تھے،رب تعالٰی ان کے متعلق فرماتاہے:"وَ لَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَ السَّعَةِ"۔معلوم ہوا کہ آپ بزرگی والے بھی ہیں وسعت مال والے بھی اور وسعت دل والے بھی۔خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کپڑے کے تاجر تھے، جناب عمر غلے کے تاجر،حضرت عثمان گندم اور کھجوروں کے تاجر اور حضرت عباس عطر کے تاجر تھے۔بہترین تجارت کپڑے کی ہے، پھر عطر کی۔حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم اہل جنت کا پیشہ کرنا چاہتے ہوتو کپڑے کی تجارت کرو۔(مرقات و لمعات واشعہ)

۲؎ یعنی اب میں بارِ خلافت اٹھالینے کی وجہ سے تجارتی کاروبار نہیں کرسکتا،چونکہ میں نے مسلمانوں کی خدمت، ملکی انتظامات اور جہاد وغیرہ کی تیاریوں کے لیے اپنے کو وقف کردیا ہے اس لیے اب میں اور میرے عیال بیت المال سے خرچ کریں گے،میری تنخواہ بیت المال سے ہوگی اتنی جتنی میرے گھر والوں کو کافی ہو۔اس حدیث کی بنا پر علماء متاخرین فرماتے ہیں کہ امام،موذن،دینی مدرس،مفتی،قاضی کی تنخواہیں اوقاف سے ادا ہوسکتی ہیں اور ان لوگوں کو ان خدمات کی تنخواہ لینا درست ہے کہ اگریہ لوگ طلب معاش میں پھنس گئے تو دین ختم ہوجائے گا سوائے حضرت عثمان کے تمام خلفاء راشدین نے تنخواہیں لی ہیں بلکہ غریب طلباء دین اور غریب مدرسین کو زکوۃ دینے کا حکم قرآن کریم نے دیا ہے،فرماتا ہے:"اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا"۔

۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ جناب صدیق اکبر نے اپنی تنخواہ حسب ذیل مقرر فرمائی جو آپ بیت المال سے لیتے تھے۔مسلمانو سنو اورغور کرو!دو مدغلہ،تھوڑا تیل،کچھ سالن،گرمیوں میں ایک چادر اور ایک تہبند،سردیوں میں ایک پشمینہ کی پوستین گویا اس زمانہ کے لحاظ سے چھ سات روپیہ ماہوار کا سامان،کیوں نہ ہوتا کہ اس سلطان کونین سید الزاہدین صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں جن کی شان یہ ہے۔شعر

بوریا ممنون خواب راحتش　　تاج کسرے زیر پائے امتش

اس فقیر نے حضرت عمروصدیق اکبر کے مکانات دیکھے تھے جواب گرادیئے گئے وہ ایسے مکانات تھے کہ آج غریب سے غریب آدمی کا مکان بھی ان سے بڑا ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت بریدہ ۱؎ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جسے ہم کسی کام پر لگادیں پھر ہم اسے معاوضہ دے دیں تو اس کے بعد جو کچھ لے گا وہ خیانت ہے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ بریدہ ابن خصیب اسلمی ہیں،بدر سے پہلے ایمان لائے مگر بدر میں حاضر نہ ہوئے،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں قیام رہا،پھر بصرہ میں پھر خراسان میں غازی ہوکر رہے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں ۶۲ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ یعنی اپنی تنخواہ کے علاوہ جو کچھ چھپا کرلے گا وہ چوری و خیانت ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک کام کیا تو حضور نے مجھے اجرت دی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکام و ملازمین کو تنخواہیں دیتے تھے۔اس سے وہ ہی فائدے حاصل ہوا جو ابھی عرض کیا گیا کہ دینی خدمات پر معاوضہ لینا دینا درست ہے بشرطیکہ وہ کام ضروری ہو۔

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا جب میں چل دیا تو میرے پیچھے بلانے والے کو بھیجا تو میں لوٹایا گیا۱؎ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا کوئی چیز میری اجازت کے بغیر نہ لینا کہ وہ خیانت ہے۲؎ جو خیانت کرے گا تو قیامت کے دن خیانت کا مال لائے گا تمہیں اس لیے بلایا تھا اب اپنے کام پر جاؤ ۳؎(ترمذی)	

۱؎ وہ فرمان عالی سنانے کے لیے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎ اگرچہ یہ فرمان عالی پہلے بھی سنایا جاسکتا تھا مگر دوبارہ واپس لوٹانے اور پھر یہ سوال فرمانے میں کہ بتاؤ ہم نے تم کو کیوں لوٹایا،اہتمام مقصود ہے جو بات اس قدر اہمیت سے سنائی جائے وہ خوب یاد رہتی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ حکام اور والیوں کو سلطان اسلام کی طرف سے تقویٰ و طہارت کی نصیحت کرنا سنت ہے۔

روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو ہمارا عامل بنے چاہیے کہ بیوی کرلے پھر اگر اس کے خادم نہ ہو تو چاہیئے کہ خادم رکھ لے اگر اس کے پاس مکان نہ ہو تو مکان بنالے ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو اس کے علاوہ لے گا وہ خائن ہوگا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ شارحین نے اس حدیث کے معنے یہ کیے ہیں عامل،حاکم بیت المال سے روپیہ لے کر نکاح بھی کرسکتا ہے،غلام بھی خرید سکتا ہے یا نوکر بھی رکھ سکتا ہے،اپنے لئے گھر بھی بناسکتا ہے مگر یہ حکم اس زمانہ کا ہے جب کہ عامل کی ماہوار یا سالانہ تنخواہ مقرر نہ ہو اور بیت المال میں ان خرچوں کے نکالنے کی گنجائش ہو،حکام کی تبدیلی نہ ہوئی ہو،ایک حاکم ایک جگہ مستقل رہتا ہو،وہ عامل صحابہ کرام کی طرح دیانتدار ہو کہ صرف بقدر ضرورت ہی خرچ کرے زیادہ ایک پیسہ بھی نہ لے لیکن اگر حاکم کو آج کل کی طرح باقاعدہ تنخواہ ملتی ہو تو ان میں سے کوئی خرچ بیت المال سے نہ لے۔اب حکومتیں بعض حکام کو کوٹھی،ملازم کی تنخواہ بلکہ سرکاری دورہ کے مصارف بھی دیتی ہیں،نیز اگر حاکم کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے تو وہ ہر جگہ بیت المال(خزانہ)سے اپنی کوٹھیاں نہ بنوائے لہذا ان حالات میں اب ان چیزوں کی اجازت نہ ہوگی۔

۲؎ یعنی ایسا حاکم اگر خزانہ کے خرچ پر ایک سے زیادہ نکاح کرے یا ایک سے زیادہ خادم و نوکر رکھے یا قدر ضرورت سے زیادہ مکان بنوائے تو خائن ہے،نیز غیرضروری خرچ کے لیے خزانہ سے کچھ نہ لے۔

روایت ہے حضرت عدی ابن عمیرہ ۱؎ سے کہ رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم میں سے جو کوئی ہمارے کام پر عامل بنایا گیا ۲؎ پھر اس میں سے سوئی اور اس کے اوپر کوئی چیز ہم سے چھپائی تو وہ خائن ہے قیامت کے دن وہ لائے گا ۳؎ تو ایک انصاری صاحب کھڑے ہوکر بولے یارسول اللہ مجھ سے اپنا عمل(نوکری)لے لیجئے ۴؎ فرمایا یہ کیا عرض کیا کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا فرمایا یہ تو میں کہتا ہوں کہ ہم جسے کسی کام پر عامل بنائیں تو وہ تھوڑا اور بہت حاضر کردے ۵؎ پھر اس میں سے اسے جو دیا جائے وہ لے لے ۶؎ اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔(مسلم،ابوداؤد)اور لفظ ابوداؤد کے ہیں۔

۱؎ آپ صحابی ہیں،کندی حضرمی ہیں،کوفہ میں رہے پھر وہاں سے جزیرہ کی طرف منتقل ہوگئے،وہاں ہی وفات ہوئی۔

۲؎ صدقہ وصول کرنے پر عامل بنایا گیا یا کہیں کا حاکم مقرر ہوا۔

۳؎ اس طرح کہ خیانت کا مال اس کے سر پر ہوگا اور قیامت کے دن رسوا ہوگا جیسے زکوۃ نہ دینے والے کامال خود مالک پر سوار ہوگا جس سے اسے تکلیف بھی ہوگی اور رسوائی بھی،یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ رب تعالٰی قیامت میں اس امت کے چھپے ہوئے گناہ چھپائے گا،علانیہ گناہ اور بعض دوسرے گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ظاہر فرمادے گا لہذا یہ حدیث ان پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ ان انصاری کا نام معلوم نہ ہوسکا،یہ کسی جگہ عامل مقرر ہوکر جارہے تھے یہ وعید سن کر اپنے میں اتنی احتیاط کی قوت نہ دیکھی انہوں نے استعفٰی پیش کیا۔

۵؎ اس کلام کی تکرار مبالغہ اور تاکید کے لیے ہے کہ تم خواہ عمل قبول کرو یا نہ کرو حکم تو یہ ہی رہے گا۔

۶؎ یہ اس صورت میں ہے کہ تنخواہ مقرر نہ ہو سلطان خود اس کے عمل اور اجرت کا اندازہ لگا کر دے،منع کیے جانے سے مراد نہ دیناہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ راشی رشوت دینے والا اور مرتشی رشوت قبول کرنے والا،رشوۃ بنا ہے رشاء بمعنی رسی سے،رسی کنویں سے پانی نکالنے کا ذریعہ ہوتی ہے،ایسے ہی رشوت کا مال ناجائز فیصلہ کرانے اور اپنا کام نکالنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے اسے رشوت کہتے ہیں۔رشوت کی بہت صورتیں ہیں:حکام کی خصوصی دعوتیں،حکام کو ڈالیاں دینا،انہیں نقد روپیہ یا نیوتہ وغیرہ کے بہانے سے کچھ دینا،یہ سب رشوتیں ہیں۔خیال رہے کہ حق فیصلہ پر بھی فریقین میں سے کسی فریق سے کچھ لینا بھی

رشورت ہے کہ حاکم پر حق فیصلہ کرنا شرعًا واجب تھا،پھر رشوت لے کر ناحق فیصلہ کرنا توخدا کے قہر کا موجب ہے مگر ظلم سے بچنے کے لیے یا حق فیصلہ کرانے کے لیے رشوت دینا جائز ہے۔حضرت ابن مسعود نے زمین حبشہ کے جھگڑے میں وہاں کے حاکم کو دو دینار دے کر اپنے کو ظلم سے بچایا۔(مرقات)

	اسے ترمذی نے ان ہی سے اورحضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔
	اور اسے احمدوبیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ثوبان سے روایت کیا اور یہ زیادہ کیا کہ رائش سے مراد ہے جو ان دونوں کے درمیان کوشش کرے [۱]

[۱] اگر یہ کلام رائش کی تفسیر و شرح ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہاں رائش کے معنے رشوت دلوانے والا ہے یعنی حاکم کا ایجنٹ و دلال جو مقدمہ والوں سے خفیہ طور پر حاکم کو رشوت دلواتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ رائش کی تفسیر نہ ہو بلکہ توسیع ہو یعنی رائش میں وہ دلال بھی داخل ہے جو فریقین اور حکام کے درمیان دلالی کرکے رشوت دلاتا ہے۔**بینهما** میں **هما** ضمیر راشی اور **مرتشی** کی طرف راجع ہے۔خیال رہے کہ حرام کام کی دلالی اس کی کوشش بھی حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ اپنے ہتھیار اور اپنے کپڑے پہن لو [۱] پھر میرے پاس آؤ [۲] فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس حاضر ہوا حالانکہ آپ وضو کررہے تھےتو فرمایا اے عمرو میں نے تمہیں اس لیے پیغام بھیجا تاکہ تمہیں ایک کام میں بھیجوں [۳] تمہیں خدا تعالٰی سلامت لوٹائے گا اور غنیمت دے گا [۴] اور ہم تم کو کچھ مال بھی عطا فرمائیں گے [۵] تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری ہجرت مال کے لیے نہ تھی [۶] وہ تو صرف اللہ رسول کے لیے تھی [۷] فرمایا نیک آدمی کے لیے اچھا مال بہت ہی اچھا ہے [۸] اسے شرح سنہ میں روایت کیا اور احمد نے اسی کی مثل روایت کی اور ان کی روایت میں یوں ہے کہ اچھا مال نیک آدمی کے لیے اچھا ہے [۹]

[۱] یعنی سفر کی تیاری کرلو کیونکہ اس زمانہ میں بغیر ہتھیار سفر ناممکن تھا،راستے پُرامن نہ تھے یہ سفر جہاد کا نہ تھا ورنہ لشکر آراستہ فرمایا جاتا نوعیت سفر کا ذکر آگے آرہا ہے۔

[۲] گھر والوں سے وداع ہوکر کیونکہ تم کو یہاں سے سفر پر بھیج دیا جائے گا۔

۳؎ اس جگہ وجه کے معنے اشعۃ اللمعات نے سمت و طرف کیے ہیں اور مرقات نے عمل و کام،ہمارا ترجمہ مرقات کے ماتحت ہے یعنی ہم تم کو کسی جگہ کچھ کام کے لیے بھیجتے ہیں عامل زکوۃ بنا کر یا حاکم بنا کر۔

۴؎ یہاں غنیمت سے مراد شرعی غنیمت نہیں جو جہاد میں کفار سے حاصل کی جاتی ہے بلکہ اللہ کی رحمت مراد ہے جو بغیر محنت و شفقت مل جائے ثواب،عزت،رحمت۔

۵؎ یعنی ثواب عزت کے علاوہ ہم تم کو اجرت و معاوضہ بھی عطا فرمائیں گے یہ حدیث حکام کی تنخواہ کی اصل ہے مقرر اس لیے نہ فرمائی کہ حضور مالک ہیں،غلاموں کو جو چاہیں عطا فرمادیں،یہ محض تنخواہ نہ تھی بلکہ عطیہ شاہانہ بھی تھا اور اب تنخواہ کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ اجارہ میں کام و مال دونوں مقرر ہونے چاہئیں لہذا حدیث واضح ہے اس پر اعتراض نہیں۔

۶؎ یعنی میں بغیر معاوضہ یہ خدمت انجام دوں گا کیونکہ میرا اسلام لانا ہجرت کرنا،عہدہ حاصل کرنے بڑی تنخواہ لینے کے لیے نہ تھا۔سبحان اللہ! یہ تھا اخلاص۔خیال رہے کہ حضرت عمرو ابن عاص ۵ھ میں مکہ سے مدینہ منورہ حضرت خالد ابن ولید کے ساتھ حاضر ہوئے تھے،بیعت کرنے بارگاہ اقدس میں بیٹھے حضور انور نے اپنا ہاتھ بڑھایا کہ پکڑو اور بیعت کرو تو حضرت عمرو نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا حضور انور نے فرمایا یہ کیا،عرض کیا کہ اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ میرے پچھلے گناہ سارے معاف ہوجائیں،اے عمرو کیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام پچھلے سارے گناہ مٹا دیتا ہے،اسی طرح ہجرت سارے پچھلے گناہ معاف کرادیتی ہے یعنی تم تو اسلام اور ہجرت دونوں سے مشرف ہورہے ہو،حضور فرماتے ہیں کہ دوسرے لوگ تو اسلام لائے مگر عمرو ایمان لائے،دوسری روایت میں ہے کہ عمرو صالحین قریش میں سے ہیں،سنہ کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے کہ یہ واقعہ ۵ھ میں ہوا یا ۸ھ میں۔(اشعہ)

۷؎ یعنی اللہ رسول کو راضی کرنے کے لیے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور کا نام رب تعالٰی کا نام کے ساتھ ملانا شرک نہیں ایمان ہے۔دوسرے یہ کہ عبادت میں رب تعالٰی کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی نیت کرنا شرک یا ریا نہیں بلکہ اس سے عبادت کی تکمیل ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ"۔تیسرے یہ کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا رب تعالٰی کی بارگاہ میں حاضر ہوجانا ہے کہ مدینہ منورہ کے مہاجر آتے تھے حضور کے پاس اور عرض کرتے تھے للهورسوله،قرآن کریم فرماتاہے:"وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔سبحان اللہ! کیسا پیارا کلام عرض کیا۔

۸؎ یعنی اس مال کے قبول سے تمہارے ثواب میں کمی نہ ہوگی یہ تو رب تعالٰی کی نعمت ہے۔خیال رہے کہ مرد صالح وہ ہے جو نیکی پہچانے اور کرے اور مال صالح وہ ہے جو اچھے راستہ آئے اور اچھی راہ جائے یعنی حلال کمائی بھلائی میں خرچ ہو،اللہ تعالٰی نصیب فرمائے۔

۹؎ مطلب وہ ہی ہے صرف ترتیب بیان میں فرق ہے۔خیال رہے کہ خراب پیٹرول مشین خراب کردیتا ہے اسی طرح خراب غذا انسان کے دل و دماغ،خیال،نیت سب کو خراب کردیتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی شخص کی کچھ سفارش کردے ۱؎ پھر اسے اس سفارش پر کچھ ہدیہ دیا جائے ۲؎ وہ اسے قبول کرلے تو وہ سود کے دروازوں سے بڑا دروازہ پر آگیا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ سلطان یا حکام کے پاس مگر سفارش حق کے لیے ہو ظلم کے لیے نہ ہو۔

۲؎ یعنی مقدمہ والا یا حاجت مند اسے اس سفارش کی بنا پر کوئی چھوٹی یا بڑی چیز بطور ہدیہ دے اور یہ اسے قبول کرے،سفارش کی بنا کی قید یاد رکھنا چاہیے۔

۳؎ یعنی یہ بھی رشوت ہےاور رشوت کا گناہ سود کے گناہ کی طرح ہے کہ سود خور کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا اعلان فرمایا گیا ہے"فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔

باب الاقضیة والشهادات

فیصلوں اور گواہیوں کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اقضیہ جمع ہے قضا کی،قضا کے لغوی معنے ہیں مضبوط کرنا اور فارغ ہونا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ"یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو مضبوط حکم دیا اور فرماتاہے:"وَلْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ"اور اداء قرض کو قضائے دینی کہتے ہیں۔شریعت میں قضا وہ مقدمہ ہے جو حاکم کی کچہری میں فیصلہ کے لیے پیش کیا جائے یا خود فیصلہ،نیز بمعنی فیصلہ ہے۔شہادات جمع ہے شہادۃ کی،شہادت کے معنے ہیں حاضر ہونا،مشاہدہ کرنا آنکھ سے یا دل سے۔ شریعت میں کسی دوسرے کے حق کی کسی پر خبر دیناشہادت،دوسرے پر اپنے حق کی خبر دینا دعوٰی ہے،اپنے پر دوسرے کے حق کی خبر دینا اقرار ہے اور کسی کے کسی پر حق کی خبر دینا شہادت یعنی گواہی ہے،چونکہ حاکم کے فیصلے اور گواہوں کی گواہی بہت سی قسم کی ہوتی ہے اس لیے یہاں دونوں کو جمع فرمایا یعنی فیصلوں اور گواہیوں کا بیان۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر لوگوں کو ان کے دعووں پر دے دیا جائے ۱؎ تو لوگ انسانوں کے خونوں ان کے مالوں کا دعوٰی کردیں ۲؎ لیکن قسم مدعٰی علیہ پر ہے ۳؎(مسلم)اور نووی شرح مسلم میں ہے انہوں نے فرمایا کہ بیہقی کی روایت میں حسن یا صحیح اسناد سے بروایت ابن عباس مرفوعًا یہ زیادتی منقول ہے کہ لیکن گواہ مدعی پر ہے اور قسم انکاری پر ۴؎	

۱؎ اگر بفرض محال قانون اسلام یہ ہوجائے کہ ہر ایک کے دعوٰی پر بغیر گواہی اور بغیر اقرار مدعٰی علیہ فیصلہ ہوجایا کرے۔

۲؎ یعنی ہر ایک کہہ دیا کرے کہ فلاں پر میرا اتنا قرض ہے اور فلاں نے میرے عزیز کو قتل کردیا ہے اس کا قصاص یا دیت دلوائی جائے اس پر ملک کا نظام ہی بگڑ جائے۔

۳؎ یہ فرمان عالی مجمل ہے۔مقصد یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہی موجود نہ ہو اور مدعٰی علیہ اس کے دعوٰی کا اقراری نہ ہو انکاری ہو اور مدعی اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو قسم مدعٰی علیہ پر ہے،یہ تینوں قیدیں خیال میں رہنی چاہئیں۔چونکہ مدعی پر گواہی پیش کرنے کا وجوب بالکل ظاہر تھا اس لیے اس کا ذکر نہ فرمایا۔(اشعہ) اگر قاضی نے مدعی کے مطالبہ کے

بغیر مدعیٰ علیہ سے قسم لے لی تو مدعی پھر قسم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔اس قانون سے حدود یعنی شرعی مقررہ سزائیں اور لعان وغیرہ علیحدہ ہیں کہ ان میں گواہی وقسم اس طرح نہیں،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۴؎ یعنی شیخ محی الدین نووی نے بحوالہ مذکورہ مدعی پر گواہی لازم ہونے کا ذکر بھی فرمایا۔خیال رہے کہ **بینة** یا تو بنا ہے **بینونة** بمعنی جدائی سے یا بیان سے بمعنی ظہور،چونکہ گواہی شرعی حق و باطل کو جدا جدا کردیتی ہے یا اس سے چھپی چیز ظاہر ہوجاتی ہےاس لیے اسے **بینه** کہتے ہیں۔(مغرب،مرقات)خیال رہے کہ مدعی کے ذمہ گواہی اور مدعیٰ علیہ پر قسم ہونا عظیم الشان قاعدہ ہے اور یہ حدیث معنًی متواتر ہے جیسے حدیث **انما الاعمال بالنیات** متواتر ہے،مدعی پر قسم نہیں مدعی علیہ پر گواہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لزومی قسم پر حلف اٹھائے ۱؎ حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہو تاکہ کسی مسلمان آدمی کا مال مارے ۲؎ تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حالت میں ملے گا ۳؎ کہ وہ اس پر ناراض ہوگا تو اللہ نے اس کی تصدیق اتاری کہ بے شک جو لوگ اللہ کے عہد کے اور اپنی قسموں کے بدلہ تھوڑی قیمت خرید لیتے ہیں ۴؎ الخ(مسلم،بخاری)۵؎

۱؎ **حلف** کے معنے ہیں یمین و قسم،صبر بمعنی روکنا،جو قسم مدعی کے دعویٰ کو روک دے،اسے جاری نہ ہونے دے وہ یمین صبر ہے یعنی دعوے کو روک دینی والی قسم۔بعض نے فرمایا کہ جھوٹی قسم یمین ہے۔(لمعات)بعض کے نزدیک مضبوط قسم یمین صبر ہے جس قسم سے مدعی ترک دعویٰ پر مجبور ہوجائے جیسے عرب میں نماز عصر کے بعد کی قسم یا حضور کے منبر وروضہ مطہرہ کے پاس قسم یا ہمارے ہاں قرآن مجید کو ہاتھ لگاکر یا سر پر رکھ کر قسم یا اپنے جوان بیٹے کا بازو پکڑ کر قسم۔

۲؎ یعنی پختہ قسم کھائے جھوٹی کھائے اور عمدًا کھائے دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے کھائے جیسے مال مارنا وغیرہ۔

۳؎ یعنی قیامت کے دن ظہور فضل خداوندی کے وقت جب رب تعالٰی بڑے بڑے گنہگاروں پر رحم فرمادے گا اس جھوٹے پر رحم نہ کرے گا بلکہ اسے رحمت و محبت کی نظر سے دیکھے گا بھی نہیں۔

۴؎ اس آیت کریمہ کی شرح وتفسیر ہماری تفسیر میں ملاحظہ کیجئے یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ تجارت میں قیمت غیر مقصود ہوتی ہے اسی لیے سکہ بدل جانے سے بیع ختم نہیں ہوتی اور چیز بدل جانے سے بیع ختم ہوجاتی ہے،قیمت چیز حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جیسے روپیہ ذریعہ ہے غلہ وغیرہ حاصل کرنے کا اگر اس سے چیز نہ ملے تو روپیہ بیکار ہے جیسے کھوٹا روپیہ یا وہ روپیہ جس کا چلن جاتا رہا،دنیا قیمت ہے آخرت اصل چیز اور پھر دنیا قیمت بھی ہے تھوڑی "**قُلۡ مَتٰعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ**"۔جو دنیا کے عوض دین برباد کرتا ہے وہ بے وقوف ہے کہ مقصود کے عوض غیر مقصود کرلیتا ہے اور بہت کے عوض تھوڑے کا گاہک بنتا ہے۔

۵؎اس حدیث کو احمد اور باقی چار صحاح نے اشعث ابن قیس اور ابن مسعود سے مرفوعًا روایت فرمایا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے جس نے اپنی قسم سے کسی مسلمان کا حق مار لیا ۱؎تو اللہ نے اس کے لیے آگ لازم کردی اور اس پر جنت حرام کردی ۲؎تو حضور سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اگرچہ معمولی چیز ہو یا رسول اللہ تو فرمایا اگرچہ پیلو کی شاخ ہی ہو ۳؎(مسلم)

۱؎ وہ مارا ہوا حق مال ہو یا کوئی اور چیز جیسے حق قذف(تہمت)بیوی کی باری کا حق یا مردار کی کھال یا وہ نجاستیں جو مال نہیں مگر ان کا استعمال جائز ہے،یہ حدیث ان سب حقوق کو شامل ہے۔(مرقات)پھر حق حقیر ہو یا عظیم۔مسلمان کی قید اہتمام ظاہرکرنے کے لیے ہے ورنہ ذمی اور مستامن کافر کا حق مار لینے کی بھی یہ ہی سزا ہے لہذا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ذمی کافر کا حق مارلینا جائز ہے۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **فدماءھم کدماءنا واموالھم کاموالنا** ان کافروں کے خون اور مال مسلمانوں کے خون و مال کی طرح محترم ہیں اس لیے اگر مسلمان ذمی کافر کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ کٹے گا۔

۲؎اگر اس مجرم نے یہ کام حلال جان کر کیے تو کافر ہوا اور دائمی جہنم کا حقدار اور اگر حرام سمجھ کر کیا تو ابرار کے ساتھ جنت کا اول داخلہ اس پر حرام ہوگیا،اشرار کے ساتھ اولًا سزا پائے گا پھر ایمان کی برکت سے بخشا جائے گا کیونکہ مسلمان کے لیے دوزخ میں ہیشگی نہیں۔

۳؎عرب میں پیلو(وان)بہت معمولی درخت ہے،پھر اس کی شاخ جس کی مسواک ہوتی ہے وہ تو بہت ہی حقیر چیز ہے اس لیے معمولی چیز کو اس سے تشبیہ دے دیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بشر ہوں ۱؎اور تم میری طرف مقدمہ لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تمہارے بعض دوسرے کے مقابل اپنی دلیل میں زیادہ زبان آور ہو ۲؎تو میں اس کے لیے اس جیسا فیصلہ کردوں جو اس سے سنوں ۳؎تو میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ فیصلہ کروں تو وہ اسے ہرگز نہ لے کہ میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کرتا ہوں ۴؎ (مسلم،بخاری)

اخدایا خدا کا جزء یا فرشتہ یا جن نہیں ہوں خالص انسان ہوں،یہ حصر اضافی ہے لہذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں صرف بشر ہوں نہ نبی ہوں نہ رسول،نہ نور نہ رحمۃ اللعالمین وغیرہ۔اللہ تعالٰی نے حضور کو لاکھوں صفات بخشی ہیں مگر حضور ہیں جنس بشر سے جیسے "اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی ایک ہی الہ ہے دو باتیں نہیں یہ مطلب کہ وہ الوہیت اور وحدانیت کے سواء کسی صفت سے موصوف نہیں نہ کریم ہے نہ غفار نہ ستار نہ مالک الملک وغیرہ۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ ہم ہیں بشر اور بشر سے بھول،خطا اجتہادی غلطی بھی ہوسکتی ہے اور وہ دھوکا بھی دیا جاسکتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ بعض جھوٹے مدعی اپنے کو سچا ظاہر کریں ہم ان کی گواہی پر اعتماد کرکے اسے سچا مان لیں۔خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام گناہ بدعقیدگی اور ان کے ارادوں سے معصوم ہیں،خطا اجتہادی غلطی سے معصوم نہیں لہذا حدیث واضح ہے اور عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔

۲؎ الحن بنالحن سے لحن کے بہت معنے ہیں آواز،کہا جاتا ہے خوش الحان،زبان دانی،کلام کو ظاہر سے پھیرنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ لَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ"۔فصاحت و بلاغت،بعض معنے سے لحن اچھی چیز ہے بعض معنے سے بری یہاں بمعنی زبان دانی قدرت علی الکلام ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ جھوٹا آدمی قادر الکلام ہو اور سچا آدمی کلام پر قادر نہ ہو،جھوٹا اپنے کو سچا ظاہر کرکے اپنے حق میں فیصلہ کرائے۔

۳؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثروبیشتر فیصلے ظاہر پر ہوتے تھے نہ کہ حقیقت پر تاکہ قیامت تک امت کے حکام فیصلوں میں حضور کی اس سنت پر عمل کریں کہ امت کے پاس وحی،الہام شرعی،غیب پر اطلاع نہیں،اگر حضور انور کے فیصلے سارے الہام وغیرہ پر ہوتے تو امت کیسے عمل کرتی اور بعض فیصلے کشف والہام وحی پر بھی فرماتے تھے جیسے طعمہ ابن ابیرق کی چوری کا مقدمہ حضور نے اپنے کشف پر فرمایا رب نے فرمایا:"اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں وہاں بما اراك الله میں وحی کشف والہام سب داخل ہیں کہ خدا جو آپ کو دکھائے اس پر فیصلہ فرمادیں لہذا حدیث واضح ہے۔قرآن کریم فرمارہا ہے کہ خضر علیہ السلام نے ایک چھوٹے بچے کو قتل کردیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ بچہ بڑا ہوکر ماں باپ کو کافر کردیتا یہ ہے حقیقت پر فیصلہ کہ ابھی چھوٹا ہے کوئی قصور نہیں کیا مگر خضر علیہ السلام نے قتل کردیا،رب تعالٰی قیامت میں گواہیوں تحریروں پر فیصلہ فرمائے گا یہ ہے ظاہری قانون۔

۴؎ یعنی میرا جو فیصلہ گواہی یااقرار یا قسم سے انکار پر ہوگا وہ ظاہر پر ہوگا اگر واقعہ اس فیصلہ کے خلاف ہوا اور فریق دوم کو معلوم ہو تو اس کے لیے اس فیصلہ سے وہ چیز حلال نہ ہوجائے گی،حکم حاکم حرام کو حلال نہیں کرسکتا لہذا اگر حاکم جھوٹی گواہی پر مال یا خون یا طلاق کا غلط فیصلہ کردے تو مدعی اپنے مقابل کا نہ مال لے نہ قصاص،نہ طلاق کی جھوٹی گواہی پر اس کی عورت سے نکاح کرے۔خیال رہے کہ جھوٹی گواہی وغیرہ سے جو فیصلہ ہوگا وہ فیصلہ حق ہوگا مگر اس فیصلہ میں حاکم گنہگار نہ ہوگا فریقین اور گواہ گنہگار ہوں گے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرات انبیاء کرام خطاء اجتہادی پر قائم نہیں رہتے رب تعالٰی انہیں مطلع فرمادیتا ہے تو اس غلط فیصلہ پر حضور قائم کیوں رہتے تھے بذریعہ وحی مطلع

کیوں نہ کیے جاتے تھے کیونکہ خطاءاجتہادی فیصلہ ہی غلط ہوتا ہے اگرچہ اس غلطی پر گناہ نہیں اور یہاں فیصلہ حق ہے کیونکہ دلیل پر مبنی ہے،یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔(مرقات)

نوٹ ضروری: جن چیزوں میں حاکم و سلطان ولی ہو اپنے حکم سے نافذ کرسکتا ہو وہاں حاکم کا ایسا فیصلہ اسے حلال کردے گالہٰذا اگر کنواری لڑکی کے نکاح کے جھوٹے گواہ قائم کردیئے گئے اور حاکم نے نکاح کا فیصلہ کردیا تو احناف کے نزدیک یہ فیصلہ ہی نکاح مانا جائے گا اور اس شخص کو صحبت حلال ہوگی کیونکہ حاکم لڑکی کا ولی ہے وہ نکاح اس کا کراسکتا ہے،یہ فیصلہ باطن پر ہوگا۔چنانچہ خلافت حیدری میں ایک ایسا ہی مقدمہ نکاح کا پیش ہوا مرد نے ایک عورت کے نکاح کا دعویٰ کیا عورت نے انکار کیا،مرد نے دو گواہ قائم کردیئے جناب علی نے نکاح کا فیصلہ فرمادیا عورت نے عرض کیا کہ حضور اب آپ میرا نکاح اس شخص سے ہی پڑھادیجئے تاکہ حرام سے بچوں،جناب علی نے فرمایا کہ میرا یہ فیصلہ ہی تیرا نکاح ہے۔(حواشی بخاری کتاب الحیل،ہدایہ،عینی وغیرہ) یہاں مال،خون،طلاق کے فیصلوں کا ذکر ہے جن میں حاکم ولی نہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب **نعیم الباری علی البخاری** میں ملاحظہ کیجئے جس میں دلائل سے یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی بارگاہ میں بہت ناپسندیدہ شخص زیادہ سخت جھگڑالو ہے[1] (مسلم،بخاری)

[1] **الد** بناہے **لدید** سے بمعنی سخت جھگڑا،**خصم** بنا ہے **خصومت** سے بمعنی بہت جھگڑادونوں کے مجموعہ کے معنے ہوئے بہت اور سخت جھگڑالو،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ**"یعنی عادی مقدمہ باز آدمی مردود بارگاہ الٰہی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا قسم اور گواہ سے[1] (مسلم)

[1] اس حدیث کے معنی حضرت امام شافعی و احمد و مالک رحمۃ اللہ علیہم یہ کرتے ہیں کہ مدعی کے پاس ایک گواہ تھا تو حضور نے مدعی سے وہ گواہ قبول فرمالیا اور اس مدعی سے ایک قسم لے لی اور اس ایک گواہ اور ایک قسم پر اس کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔چنانچہ ان حضرات کے ہاں ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا جائز ہے مگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدعی پر قسم نہیں قسم مدعیٰ علیہ پر ہے،نیز ایک گواہ کافی نہیں،عام حقوق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہےاور ثبوت زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی لازم ہے۔جہاں کہیں ایک کی خبر قبول ہے وہاں وہ خبر ہے گواہی نہیں جیسے رمضان کے چاند کا ثبوت جب کہ آسمان پر گردوغبار ہو،یوں ہی یوسف علیہ السلام کی عصمت کا ایک گواہ کہ وہ شرعی گواہ نہ تھا بلکہ بطور معجزہ ایک شیر خوار بچے نے علامات عصمت کی خبر دی تھی۔خیال رہے کہ مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے اور ان تین آئمہ رضی اللہ عنہم کا یہ استدلال بہت ہی ضعیف ہے چند وجوہ سے:ایک یہ کہ ان ائمہ کے نزدیک بھی ایک گواہی اور ایک قسم پر فیصلہ صرف مالی مقدمات میں ہوگا۔دوسرے مقدمات میں صرف گواہیاں ضروری ہوں گی لہٰذا یہ حدیث ان کے معنی کے بھی خلاف ہوگی۔دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کے وہ معنی ہوں جو ان حضرات نے کیے تو یہ حدیث آیت قرآنی کے خلاف ہوگی،رب تعالٰی فرماتاہے:"**فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ**

وَّامۡرَاَتَانِ"اور گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں،نیز فرماتا ہے:"وَ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بناؤ اور خبر واحد کتاب اللہ کے مقابل عمل ہے۔تیسرے یہ کہ اس معنی سے یہ حدیث ایک متواتر حدیث کے خلاف ہوگی البینة علی المدعی والیمین علی من انکر گواہی مدعی پر ہے اور قسم انکاری مدعٰی علیہ پر وہاں قسم اور گواہی کو تقسیم فرمادیا تو مدعی قسم کیسے کھاسکتا ہے،لہذا احناف کے ہاں اس حدیث کے دو معنی ہیں:ایک یہ کہ یہاں یمین و شاہد سے جنس مراد ہے اور قضا سے عام فیصلے۔معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومًا فیصلے مدعٰی علیہ کی قسم اور مدعی کی گواہی پر کیے ہیں الہام یا کشف پر نہیں کیے تاکہ امت کے لیے سند رہے۔دوسرے معنی یہ کہ یہاں قضا و فیصلہ مدعٰی علیہ کے حق میں مراد ہے یعنی ایک واقعہ میں مدعی کے پاس ایک گواہ تھا اور مدعٰی علیہ نے قسم کھائی تو حضور نے مدعٰی علیہ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ گواہی کا نصاب مکمل نہ تھا ان معانی سے مذکورہ قباحتوں سے میں سے کوئی قباحت نہ رہی۔

	روایت ہے حضرت علقمہ ابن وائل سے وہ اپنے والد سے ۱؎ راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حضر موت کا اور ایک شخص کندہ کا حاضر ہوا ۲؎ حضرمی نے عرض کیا یارسول اللہ اس نے میری زمین پر قبضہ کرلیا ہے(جبرًا قبضہ)پھر کندی بولا وہ زمین میری ہے اور میرے قبضے میں ہے ۳؎ اس میں اس شخص کا کچھ حق نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں عرض کیا نہیں فرمایا تو تجھے اس کی قسم(ماننا پڑے گی)۴؎ وہ بولا یارسول اللہ یہ شخص فاسق ہے پرواہ نہیں کرتا کہ کس چیز پر قسم کھائے اور کسی چیز سے یہ احتیاط نہیں کرتا فرمایا تیرے لیے اس کی طرف سے اس کے سوا کچھ نہیں ۵؎ وہ دوسرا قسم کھانے اٹھا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ پھرا ۶؎ کہ اس نے اس کے مال کی قسم کھالی تاکہ اسے ظلمًا کھالے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا اللہ تعالٰی اس سے غیر متوجہ ہوگا ۷؎(مسلم)

۱؎ یہ علقمہ تابعی ہیں،کوفی ہیں،حضرمی ہیں،ان کے والد وائل ابن حجر صحابی ہیں،علقمہ کو ابن حبان نے ثقہ فرمایا۔

۲؎ حضر موت یمن کا ایک مشہور شہر ہے،کندہ یمن کا ایک قبیلہ ہے کاف کے کسرہ سے۔

۳؎ یعنی حضرمی نے کندی پر غصب کا دعوٰی کیا اور کندی نے جواب دعوٰی کیا اور کندی نے جواب دعوٰی میں اپنے کو اس زمین کا مالک و قابض کہا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں قابض مدعیٰ علیہ ہوتا ہے غیر قابض مدعی ہوتا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے گواہ طلب فرمائے اور کندی پر قسم عائد کی۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس مدعیٰ علیہ پر جھوٹ یا فسق کا الزام ہو اس کی قسم معتبر ہے مگر گواہی میں تقویٰ وغیرہ کی پابندی ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَ اَشۡہِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ"مسلمانوں میں سے دو عادل گواہ بناؤ قسم میں یہ پابندیاں نہیں کیونکہ گواہی الزام کے لیے ہوتی ہے قسم دفع کے لیے۔الزام اور دفع میں بڑا فرق ہے کافر قسم کے ذریعہ اپنے سے مدعی کا دعویٰ دفع کرسکتا ہے۔

۶؎ یعنی قسم کھانے کو مڑا اس کے لیے تیار ہوا،عدالت سے واپسی مراد نہیں۔

۷؎ اور اس پر رحمت نہ کرے گا۔اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ قابض بمقابلہ غیر قابض چیز کا مستحق ہے۔دوسرے یہ کہ اگر مدعیٰ علیہ اقرار نہ کرے تو اس پر قسم کھانا لازم ہے،اگر قسم سے انکارکرے گا تو مدعی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔تیسرے یہ کہ مدعی کے گواہ مدعیٰ علیہ کی قسم پر مقدم ہیں اگر گواہ نہ ہوں تو اس سے قسم لی جاوے۔چوتھے یہ کہ دوران مقدمہ میں ایک فریق دوسرے کو فاسق وفاجر وغیرہ الفاظ کہے تو اسے برداشت کرنا پڑیں گے حاکم فسق کا ثبوت نہ مانگے گا بخلاف گواہ کے کہ اگر مدعیٰ علیہ مدعی کے گواہوں کو فاسق کہے تو حاکم ان کی عدالت کی تحقیق کرے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کوئی اس چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں ڈھونڈے ۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی جھوٹا مدعی دوگناہ کرتا ہے:جھوٹ بولنا اور دوسرے کے حق مارنے کی کوشش کرنا لہذا وہ ہمارے طور طریقہ سے نکل جاتا ہے مؤمن کو ان عیوب سے پاک و صاف ہونا چاہیے۔ڈھونڈے امر بمعنی خبر ہے یعنی وہ آگ کا مستحق ہے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تم کو بہترین گواہوں کی خبر نہ دوں ۲؎ وہ گواہ ہے جو طلب کیے جانے سے پہلے گواہی دے دے ۳؎(مسلم)

۱؎ آپ صحابی ہیں،جہنی ہیں،آپ کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی،پچاسی سال عمر پائی،عبدالملک کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔(اشعہ)

۲؎ شھداء جمع ہے شاھد کی بھی شہید کی بھی یہاں شاہد کی جمع ہے۔

۳؎ اس فرمان عالی کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ کسی کے پاس کسی مدعی کے حق کی گواہی ہے اور مدعی کو اس کی خبر نہیں اگر یہ گواہی نہ دے تو اس کا حق مارا جائے تب اس پر لازم ہے کہ خود مدعی کو خبر دے دے کہ میں

تیرے حق کا عینی گواہ ہوں تاکہ اس کا حق نہ مارا جائے،یہ گواہی امانت ہے جس کا چھپانا خیانت ہے۔دوسرے یہ کہ حقوق شرعیہ کی گواہی دینا واجب ہے اگرچہ اس کا دعویٰ نہ ہو جیسے طلاق،عتاق، وقف،عام وصیت کہ ان جیسی چیزوں کی گواہی قاضی کے ہاں ضرور دے اگرچہ اسے طلب نہ کیا گیا ہو،ان دونوں گواہیوں کے متعلق رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اَقِیۡمُوا الشَّہٰدَۃَ لِلہِ"۔چونکہ ان گواہیوں سے حق انسانی اور حقوق شرعیہ وابستہ ہیں لہذا ضرور ادا کرے طلب کا انتظار نہ کرے،رمضان وعید کے چاند کی گواہی ضرور دے،جس حدیث میں بغیرگواہ بنائے گواہی دینے کی برائی ہے **یشھدون ولا یستشھدون** وہاں جھوٹی گواہی نااہل گواہی مراد ہے۔(لمعات،مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین لوگ میرے ہم زمانہ ہیں ۱؎ پھر وہ جو ان سے متصل ہوں گے پھر وہ جو ان سے ملے ہوں گے ۲؎ پھر ایسی قوم آئے گی جن میں ہر ایک کی گواہی اسی کی قسم پر پہل کرے گی اور اس کی قسم اس کی گواہی پر ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ قرن کے لغوی معنی ہیں ملنا،اسی سے ہے اقتران زمانہ اور اہل زمانہ اور گروہ کو **قرن** اس لیے کہتے ہیں کہ ہم زمانہ اور ایک گروہ کے لوگ ملے ہوئے ہوتے ہیں اس میں گفتگو ہے کہ قرن یعنی زمانہ کس مدت کا نام ہے،تیس سال،چالیس سال،ساٹھ سال،ستر سال اسی ۸۰ سال،سو سال آخری قول زیادہ قوی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرکر فرمایا تم ایک زمانہ تک جیتے رہو **عش قرنا** تو وہ سو برس جیا۔(مرقات)بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین کا زمانہ حضور انور کا زمانہ ہے،ق میں صدیق کی طرف ر میں حضرت عمر کی طرف ن میں حضرت عثمان کی طرف اور ی میں حضرت علی کی طرف اشارہ ہے۔بعض نے فرمایا کہ حضور کے صحابہ حضور کے قرن ہیں،بعض نے فرمایا کہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری شریف میں زندہ تھا وہ حضور کا ہم زمانہ ہے۔(از مرقات واشعہ مع زیادت)خیال رہے کہ زمانہ نبی اور ہے زمانہ نبوت کچھ اور،حضور کا زمانہ نبوت تا قیامت ابدالاباد تک ہے۔جس زمانہ میں لوگ حضور کو دیکھ کر صحابی بنتے تھے وہ زمانہ محدود ہے ورنہ آج بھی زمانہ حضور کا ہے اور ہمیشہ زمانہ حضور کا ہی رہے گا۔

لطیفہ: ایک صاحب نے بدعت کی تعریف کی کہ بدعت وہ ہے کہ جو حضور کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوتو ایک عاشق دل شاد نے کہا آج کس کا زمانہ ہے،آج بھی انہیں کا رواج انہیں کا زمانہ ہے،ہم آج کلمہ پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم،محمد اللہ کے رسول ہیں اگر یہ زمانہ ان کا نہیں تو"ہیں"کسے کہہ رہے ہو جو ہمارے رسول بھی زندہ ہیں ان کی رسالت بھی قائم دائم ہے۔

۲؎ یعنی تابعین اور تبع تابعین۔خیال رہے کہ صحابی وہ مؤمن انسان ہیں جنہوں نے حضور انور کو ایک نگاہ دیکھا یا ایک آن کے لیے صحبت پائی مگر تابعی وہ لوگ جنہوں نے صحابی کی مستقل صحبت پائی ہو،ایسے ہی تبع تابعین وہ جنہوں نے تابعی

کی صحبت پائی ان کا فیض حاصل کیا ہو لہٰذا امام ابوحنیفہ تابعی ہیں مگر یزید تابعی نہیں کہ اگرچہ وہ صحابی کا بیٹا ہے مگر فیض صحابہ حاصل نہ کرسکا۔اسی لیے یہاں مرقات نے **یلونھم** کے معنے کیے ای **یقربونھم فی الخیر کالتابعین** جو صحابہ سے خیر میں قریب ہوں۔

۳؎ یعنی جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں پر دلیر ہوں گے پرواہ نہ کریں گے کہ اپنی گواہی کی قسم سے ثابت کریں یا جھوٹی قسم کو جھوٹی گواہی سے ثابت کریں دونوں پر حریص ہوں گے۔اس حدیث کی بنا پر حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ جو گواہ قسم کھاکر گواہی دے یا برعکس تو اس کی گواہی رد ہے مگر جمہور آئمہ فرماتے ہیں کہ گواہی رد نہ ہوگی،اس کی تحقیق مرقات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ فرمایئے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ صحابہ تمام زمانوں سے افضل ہے،پھر جس قدر زمانہ حضور سے دور ہوجائے گا خیریت کم ہوجاتی جائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر قسم پیش فرمائی تو انہوں نے جلد بازی کی تو حضور نے حکم دیا کہ قسم میں ان کے درمیان قرعہ ڈالاجائے کہ کون قسم کھائے ۱؎(بخاری)

۱؎ اس حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے کسی جماعت کے خلاف دعویٰ کیا اس کے پاس گواہ نہیں تھے،قسم اس جماعت پر آئی ان میں سے ہر شخص نے پہلے قسم کھانے کی کوشش کی تب قرعہ ڈالا مگر شارحین فرماتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں نے کسی چیز کا دعویٰ کیا جو کسی تیسرے کے قبضہ میں ہے،وہ قابض کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں ان میں سے کس کی ہے ان دونوں مدعیوں کے پاس گواہی نہیں یادونوں کے پاس گواہی ہے،حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قرعہ اندازی کرکے جسکے نام پر قرعہ آئے اس سے قسم لی جائے اسی کو دے دی جائے،امام شافعی کے ہاں اس تیسرے کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے،امام اعظم فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو نصف دے دی جائے۔واللہ اعلم!(لمعات،اشعہ،مرقات)قرعہ یا قسم ان پر نہ ہوگی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہی مدعی پر ہے اور قسم مدعیٰ علیہ پر ۱؎(ترمذی)

۱؎ اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعیٰ علیہ اس کے دعویٰ کا انکار کرے اور مدعی قسم کا مطالبہ کرے تو قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ان دو شخصوں کے بارے میں جو حضور

	کی طرف میراث کا مقدمہ لائے ا؎ کہ اس کا ان کے پاس سواء دعویٰ کے کوئی گواہ نہ تھا تو فرمایا کہ میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو میں اس کے لیے آگ کے ایک حصہ کا فیصلہ کرتا ہوں۲؎ اس پر ان دونوں شخصوں میں سے ہر ایک نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا حق میرے اس صاحب کے لیے ہے ۳؎ تو فرمایا یوں نہیں لیکن جاؤ پھر تقسیم کرو اور حق کی تلاش کرو۴؎ پھر قرعہ ڈالو پھر تم میں سے ہر ایک اپنے ساجھی سے معافی مانگ لے ۵؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں تمہارے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں ان چیزوں میں جن میں مجھ پر نزول وحی نہیں ہوا ۶؎ (ابوداؤد)

ا؎ یعنی ایک چیز کے متعلق دو صاحبوں نے دعویٰ کیا کہ میری ہے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ مجھے یہ چیز میرے عزیز کی میراث میں ملی ہے اور کسی کے پاس گواہ تھے نہیں۔

۲؎ یعنی میرا شرعی فیصلہ جو ظاہر پر مبنی ہو وہ غیر مستحق کے لیے یہ چیز حلال نہ کردے گا اگر واقعی وہ سچا ہو تو لے ورنہ چھوڑ دے۔اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ حضور انور کے فیصلے کتنی قسم کے ہیں اور کس فیصلہ کا کیا حکم ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! یہ تاثیر ہے اس زبان فیض ترجمان کی کہ ایک فرمان میں ان دونوں کے قال حال،خیال،سب اعمال بدل گئے۔

۴؎ یعنی یہ چیز دونوں صاحب آپس میں برابر تقسیم کرلو اور تقسیم میں حق کا خیال رکھو۔توخی بنا ہے وخیؒ سے بمعنی میانہ روی جس میں نہ جلدی ہو نہ دیر اور بمعنی قصدو تحری،یہاں دوسرے معنی میں ہے۔

۵؎ یہ درحقیقت صلح کرانا ہے فیصلہ نہیں۔سبحان اللہ! کیا شاندار تصفیہ ہے ان دونوں میں ہر شخص کا خیال یہ تھا کہ یہ متروکہ چیز صرف میری ہے تو فرمایا کہ ہر ایک آدھی آدھی لے لو،تقسیم بالکل درست ہو اور تعیین کے لیے قرعہ ڈالو کہ کون سا حصہ کون لے،پھر تقویٰ و پرہیزگاری کے طور پر ایک دوسرے کو اپنے حق سے بری کردو کہ اگر میرا کچھ حق تیری طرف چلا گیا ہو میری طرف سے تجھے معاف اور اگر تیرا کچھ حق میری طرف آگیا ہو تو معاف کردے۔اس سے معلوم ہوا کہ مجہول حق سے براءت کردینا جائز ہے احناف کا یہ قول ہے۔(مرقات)

۶؎ نزول وحی میں وحی سے عام وحی مراد ہے خواہ اصطلاحی وحی متلو ہو یا غیر متلو یا الہام یا کشف یا کچھ اور یعنی مقدمات کے فیصلے ہم وحی یا الہام وغیرہ سے فرماتے ہیں جب کسی مقدمہ میں یہ چیزیں نہ ہوں تو اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے ہیں جس میں مدد گواہی،قسم،علامات سے لیتے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ دو شخصوں نے ایک گھوڑی کے متعلق دعویٰ کیا تو ان میں سے ہر ایک نے گواہی قائم کی کہ یہ جانور میری ہے اس سے بچے لیے ہیں ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا جس کے قبضہ میں وہ تھی ۲؎ (شرح سنہ)۳؎

۱؎ یعنی اس گھوڑی سے میں نے بچے حاصل کیے ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ قبضہ والا مدعیٰ علیہ ہے اور غیر قابض مدعی ہے اگر غیر قابض گواہی قائم کرے تو اس کے لیے فیصلہ ہے ورنہ قابض سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا،امام اعظم کے نزدیک قابض کے گواہ نہ لیے جائیں گے کہ مدعیٰ علیہ پر گواہ نہیں ہاں اس کے گواہ بچہ دینے پر قائم ہوسکتے ہیں اگر دونوں بچہ دینے پر گواہی پیش کردیں تب بھی فیصلہ قابض کے حق میں ہوگا۔

۳؎ یعنی صاحب مصابیح نے یہ حدیث اپنی کتاب شرح سنہ میں روایت کی اسے بیہقی اور شافعی نے بھی روایت فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ دو شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک اونٹ کا دعویٰ کیا پھر ان میں سے ہر ایک نے دو گواہ قائم کردیئے ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان آدھاآدھا بانٹ دیا ۲؎(ابوداؤد)اور ابوداؤد کی دوسری روایت اور نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ دو شخصوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا جن میں سے کسی کے پاس گواہ نہ تھے ۳؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ ان دونوں کے درمیان کردیا ۴؎

۱؎ چونکہ ان میں سے ہر ایک مدعی تھا کوئی اس اونٹ کا قابض نہ تھا لہذا ان میں سے کوئی مدعیٰ علیہ نہ تھا اس لیے حضور انور نے دونوں کی گواہی قبول فرمائی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گواہ صرف مدعی سے لیے جاتے ہیں دونوں سے کیوں لیے گئے،ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی پہلے سے قابض ہوں مگر احتمال اولیٰ قوی ہے کہ اونٹ کسی تیسرے کے قبضہ میں تھا جو نہ اس کا مدعی تھا نہ اسے مالک کی خبر تھی۔

۲؎ اس طرح کہ دونوں کو اس کا مالک مان لیا کہ یاتو یہ دونوں اس اونٹ سے مشترکہ کام لیں یا اس کی قیمت دونوں نصف تقسیم کرلیں۔یہ مطلب نہیں کہ ذبح کرکے دونوں میں تقسیم فرمادیا،ایسے مقدمات میں یہ ہی فیصلہ ہونا چاہیے،یہ جب ہے جب کہ کسی کی گواہی خاص علامت سے قوت نہ پاتی ہو ورنہ علامت والے کی گواہی کو قوت ہوگی اور اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

۳؎ شاید یہ دوسرا واقعہ ہے،پہلا واقعہ کوئی اور تھا ممکن ہے کہ وہ ہی واقعہ ہو جو ابوداؤد کے حوالے سے مذکور ہوا اور گواہ نہ ہونے کے معنے یہ ہیں کہ دونوں کے پاس گواہ تھے جو تعارض کی وجہ سے ساقط ہوگئے لہذا دونوں کے پاس گواہی مقبول نہ رہی،مرقات نے اخیری توجیہ کو ترجیح دی۔

۴؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ جانور کو مشترک قرار دیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ دو شخصوں نے ایک جانور میں جھگڑا کیا اور ان کے پاس گواہ نہ تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا قسم پر قرعہ ڈالو ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ اس کا وہ ہی مطلب ہے جو فصل اول کی آخری حدیث کے ماتحت بیان ہوا کہ دو شخصوں نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو کسی تیسرے شخص کے قبضہ میں تھی اور وہ اس کا مدعی نہ تھا بلکہ کہتا تھا کہ مجھے خبر نہیں کہ اس کا مالک کون ہے اور ان دونوں مدعیوں کے پاس گواہ نہ تھے تب حضور انور نے بذریعہ قرعہ ایک سے قسم لی کیونکہ وہ دوسرے کے حق کا انکاری تھا اور بعد قسم اسے وہ شے دے دی،یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی ہے کہ ان کا مذہب ایسے واقعہ کے متعلق یہ ہی ہے،امام شافعی کے ہاں ایسی حالت میں وہ چیز اس تیسرے کے پاس ہی چھوڑ دی جائے گی اور امام اعظم کے ہاں دونوں مدعیوں میں آدھی آدھی تقسیم ہوگی لہذا ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جو ابھی گزری جس میں تقسیم کا ذکر ہے۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس سے قسم لی کہ اس اللہ کی قسم کھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۱؎ کہ تیرے پاس اس مدعی کی کوئی چیز نہیں ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ معلوم ہوا کہ مدعی علیہ سے قسم لیتے وقت رب تعالٰی کی بعض صفات کا ذکر بھی کیا جائے جس سے قسم کھانے والے کے دل میں ہیبت پیدا ہو مثلًا اس سے یوں قسم لی جائے کہ اس اللہ کی قسم جس نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم اتارا رب یا رب کعبہ کی قسم۔

۲؎ نہ وہ چیز جس کا یہ دعویٰ کرتا ہے نہ کوئی اور چیز،اس تعمیم سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔

روایت ہے حضرت اشعث ابن قیس سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین تھی ۲؎ اس نے انکار کردیا میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا تو حضور نے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں تو یہودی سے فرمایا تو قسم کھا ۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ تب تو یہ قسم کھا	

	جائے گا اور میرا مال لے جائے گا ۴ تب اللہ نے یہ آیت اتاری بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہدوپیمان اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خرید لیتے ہیں ۵ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام اشعث ابن قیس ابن معدیکرب ہے،کنیت ابو محمد ہے،کندی ہیں، ۱۰ھ میں وفد کندہ کے ہمراہ آئے۔حضور کے ہاتھ شریف پر اسلام قبول کیا،اپنی قوم کے سردار تھے،حضور کی وفات کے بعد اپنے قبیلہ کے ساتھ مرتد ہوگئے،پھر خلافت صدیقی میں دوبارہ اسلام لائے،حضرت صدیق اکبر نے اپنی ہمشیرہ کا آپ سے نکاح کردیا،پھر آپ حضرت سعد ابن ابی وقاص کے ساتھ عراق کی جنگ میں گئے اور قادسیہ،مدائن اور نہاوند آپ نے فتح کیے،پھر کوفہ میں قیام رہا، ۴۰ھ میں کوفہ وفات پائی،آپ کی نماز جنازہ امام حسن نے پڑھائی،جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ صلح کے وقت امیر معاویہ کے ہمراہ رہے۔(اشعہ،مرقات)لہذا آپ امام شافعی کے ہاں صحابی ہیں اور احناف کے ہاں تابعی ہیں کیونکہ ارتداد کی وجہ سے آپ کی صحابیت ختم ہوچکی کہ احناف کے ہاں صحابیت کے لیے مسلسل مؤمن رہ کر وفات پانا شرط ہے۔(ازمرقات)

۲؎ جس میں جھگڑا تھا قابض یہودی تھا جیساکہ آئندہ مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مدعی کے مقابلہ میں کافر مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی مگر مسلمان مدعیٰ علیہ کے مقابلہ میں کافر مدعی کے کافرگواہ معتبر نہیں کیونکہ قسم دفع کے لیے ہوتی ہے اور گواہی دوسرے پر الزام کے لیے تو کافر کی گواہی مسلمان مدعیٰ علیہ پر الزام نہیں کرسکتی،اس کی بحث کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۴؎ مقصد یہ ہے کہ میں اس قسم کا اعتبار نہیں کرتا کیونکہ یہ کافر ہے اور کافر مسلمان کو نقصان پہنچانے کے لیے جھوٹی قسم کھانے میں خوف نہیں کرتے۔

۵؎ اس آیت میں حضرت اشعب ابن قیس کو تو یہ بتایا گیا کہ تم یہودی سے صرف قسم لینے کے مستحق ہو اب اگر وہ جھوٹی قسم کھائے تو وہ ذمہ دار ہے اور یہودی کو یہ بتایا گیا کہ توریت شریف میں بھی جھوٹی قسم کھانے پر وعید ہے اگر تو نے ایسی جرأت کی تو بحکم توریت تو سخت مجرم ہوگا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت اشعث کے سوال کا جواب اس آیت میں نہ دیا گیا نہ اعتراض ہے کہ آیت قرآنیہ کا اثر اس کافر یہودی پر پڑے گا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقدمہ میں کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر نہیں کافر کی قسم معتبر ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ ایک شخص کندہ کا اور ایک شخص حضرموت کا یہ دونوں اپنا مقدمہ یمنی زمین کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے تو حضرمی بولا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین میری ہے اس کے باپ نے مجھ سے غصب کرلی تھی ۱؎ اور وہ زمین اسی کے قبضہ میں ہے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں ۲؎ عرض کیا نہیں لیکن میں اس سے قسم لوں گا اس پر کہ اللہ کی قسم وہ نہیں جانتا کہ وہ میری زمین ہے ۳؎ کہ اس کے باپ نے وہ مجھ سے غصب کی ہے تب کندی قسم کے لیے تیارا ہوا ۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کا مال جھوٹی قسم سے نہیں مارے گا مگر وہ اللہ تعالٰی سے کوڑھی ہوکر ملے گا ۵؎ تو کندی بولا وہ زمین اسی کی ہے ۶؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی یمن کے علاقہ میں ایک میری مملوکہ زمین تھی اس کے باپ نے اس پر ناجائز قبضہ کرکے مجھے بے دخل کردیا باپ اس کا فوت ہوگیا اس نے بطور میراث اس زمین پر قبضہ کرلیا ہے،اسے خبر ہے کہ اس کے باپ نے میری زمین چھینی تھی مجھے دلوائی جائے،چونکہ اب بظاہر زمین کا مالک وہ ہی تھا اس کے لیے اس پر ہی دعویٰ کیا گیا اگرچہ غصب کا مجرم اس کا باپ تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ پرانے مقدمہ کی بھی سماعت حاکم کو کرنا چاہیے،جرم نیا ہو یا پرانا بہرحال جرم ہے ،یہ بھی معلوم ہوا کہ ناجائز قبضہ ناجائز ہے کوئی شخص ناجائز پرانے قبضہ کی وجہ سے اس کا مالک نہیں ہوجاتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے اپنے مملوکہ مال کی میراث بٹے گی۔امانت،غصب،قرضہ،عاریت میں میراث جاری نہ ہوگی،یہ چیزیں مالکوں کو واپس ہوں گی۔

۲؎ یعنی اس مقدمہ میں تم مدعی ہو کہ خلاف ظاہر کا دعویٰ کررہے ہو اور یہ شخص بوجہ قابض ہونے کے مدعیٰ علیہ ہے لہذا تم اس غصب کی گواہی پیش کرو۔

۳؎ یعنی یہ اس واقعہ کو جانتا ہے ورنہ اپنی لاعلمی پر قسم کھا جائے۔

۴؎ یعنی اس نے قسم کھانا چاہی۔

۵؎ یہ فرمان عالی اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،بعض اعمال کا اثر چہرے بلکہ تمام جسم پر قیامت میں نمودار ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ"کفروایمان بھی چیزوں سے نمودار ہوگا اور اعمال بدونیک بھی،واقعی ایسا جھوٹا حقیقتًا کوڑھی ہوگا،بعض شارحین نے بلاوجہ کوڑھی ہونے کی تاویلیں کیں کہ وہ حرکت و برکت سے محروم ہوگا وغیرہ۔

۶؎ سبحان اللہ! یہ ہے اثر اس زبان فیض ترجمان کا کہ دو کلمات میں اس کے دل کا حال بدل گیا اور سچی بات کہہ کر زمین سے لا دعویٰ ہوگیا۔یہ حدیث فصل اول میں بروایت حضرت علقمہ ابن وائل گزر چکی مگر وہاں یہ ذکر نہ تھا کہ کندی نے کہا یہ اس کی زمین ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن انیس ۱؎سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے سے بڑا گناہ اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے۲؎اور ماں باپ کی نافرمانی ۳؎ اور گزشتہ پر جھوٹی قسم۴؎اور نہیں قسم کھاتا کوئی روکنے والی قسم ۵؎پھر اس میں مچھر کے پر برابر ملاوٹ کرے مگر وہ تاقیامت اس کے دل میں داغ بنادی جاتی ہے ۶؎ (ترمذی)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ۷؎	

۱؎اُنیس الف کے ضمہ نون کے فتحہ سے،یہ عبداللہ صحابی جہنی انصاری ہیں،غزوہ احد وغیرہ میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں ۵۴ھ؁ میں وفات پائی۔

۲؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ ایسے مقامات پر شرک سے مراد مطلقًا کفر ہوتا ہے کیونکہ ہر کفر بڑے سے بڑا گناہ ہے الخ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ"کفر بڑا ظلم ہے اور فرماتا ہے:"وَلَا تُنۡکِحُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَتّٰی یُؤۡمِنُوۡا"کفار مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں۔فقیر نے بھی اس کی تحقیق اپنی تفسیر میں کی ہے کہ جہاں شرک کا مقابلہ ایمان سے ہوگا وہاں اور جہاں شرک مطلق ہوگا وہاں اس سے مراد ہر کفر ہوگا،کفر کے معنی ہیں کسی اسلامی عقیدے کا انکار کرنا جیسے نبی کی نبوت،قرآن کی حقانیت،قیامت،نماز،زکوۃ وغیرہ کا انکار اور شرک کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالٰی کے برابر ماننا یا اللہ تعالٰی کی شان گھٹا کر اس کو کسی بندے کے برابر سمجھنا،برابری کے عقیدے کے بغیر شرک ناممکن ہے،دیکھو ہماری کتاب علم القرآن۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ"اور فرماتا ہے:"اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ"۔بہرحال شرک میں شرط ہے کسی کو رب کے برابر سمجھنا،یہ خوب خیال میں رہے۔

۳؎ماں باپ اگرچہ کافر ہوں ان کے حقوق ادا کرنا شرعًا ضروری ہیں۔عقوق کے معنی ہیں ادائے حق کی کوتاہی کرنا یہ سخت گناہ ہے۔

۴؎قسم تین طرح کی ہے:قسم لغو،قسم منعقدہ،قسم غموس۔بے خبری میں جھوٹی قسم جو منہ سے نکل جاوے وہ لغو ہے،اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ،آئندہ کے متعلق قسم اگر یہ توڑ دی جائے تو کفارہ واجب ہے،گزشتہ واقعہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹی قسم اس میں کفارہ نہیں گناہ ہے۔غموس بنا ہے غمس سے بمعنی ڈبونا،چونکہ یہ قسم انسان کو گناہوں میں ڈبو دیتی ہے اس لیے یمین غموس کہتے ہیں۔

۵؎ قسم صبر کے معنی پہلے عرض کیے جاچکے ہیں کہ ایسی قسم جو مقابل کو انکار سے روک دے جیسے مسجد نبوی میں منبر رسول کے پاس قسم یا بعد نماز عصر قرآن مجید سر پر رکھ کر قسم وغیرہ۔

۶؎ یعنی یہ قسم اس کے دل میں ایسا میل پیدا کردیتی ہے جیسے شیشہ یا شفاف تلوار میں گردوغبار کے دھبے اور یہ داغ تا قیامت رہے گا بعد قیامت اس کا نتیجہ دیکھے گا۔جب جھوٹ کی ملاوٹ کا یہ وبال ہے تو خاص جھوٹی قسم کا کیا حال ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ اعضائے ظاہری کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے جیسے کہ دل کا اثر ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے دل کی رنج و خوشی چہرے سے ظاہر ہوتی ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ دل مثل آئینہ کے صاف و شفاف ہے اس کی صفائی کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔

۷؎ یہ حدیث احمد ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ نہیں قسم کھاتا کوئی میرے اس منبر کے پاس ۱؎ جھوٹ پر قسم اگرچہ ھری مسواک پر ہو مگر وہ اپنا ٹھکانہ آگ کا بناتا ہے یا اس کے لیے آگ واجب ہوجاتی ہے ۲؎ (مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اگرچہ مکہ معظّمہ یعنی کعبہ معظّمہ کا منبر اور تمام عالم کی مسجدوں کے منبر حضور ہی کے ہیں مگر ھٰذا فرماکر بتایا کہ ہماری مراد مسجد نبوی شریف کا منبر ہے جو ریاض الجنہ کے دوسرے کنارہ پر واقعہ ہے۔شعر

اک طرف روضہ کی جالی اک سمت منبر کی بہار بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

۲؎ یعنی دوسری جگہ جھوٹی قسم کھانے سے ہمارے منبر کے سامنے ایسی قسم کھانا زیادہ خطرناک ہے کہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت بھی۔معلوم ہوا کہ اچھی جگہ اچھے وقت میں جیسے نیکی کا ثواب زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی گناہ کا عذاب بھی زیادہ،دیکھو اور مہینوں میں روزہ توڑنے سے صرف قضا واجب ہوتی ہے مگر ماہ رمضان میں روزہ توڑنے پر اکسٹھ روزے واجب ہیں ایک قضا کا ساٹھ کفارہ کے یہ کفارہ کیا ہے ماہ رمضان کی بے حرمتی۔

	روایت ہے حضرت خریم ابن فاتک ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھی،پھر جب فارغ ہوئے تو سیدھے کھڑے ہوئے پھر تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے برابر کی گئی ۲؎ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ بچو گندگی یعنی بتوں سے ۳؎ اور بچو جھوٹی بات سے ۴؎ اللہ کی طرف جھکتے ہوئے اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے ۵؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ خریم خ کے ضمہ سے ر کے فتحہ سے،آپ خریم ابن اخرم ابن شداد ابن عمرو ابن فاتک ہیں،اسدی ہیں، صحابی ہیں،حدیبیہ میں حاضر ہوئے،بدر میں شرکت ثابت نہیں۔

۲؎ زور بنا ہے زود بالفتح سے جس کے معنی ہیں مائل ہونا،ٹیڑھا ہونا۔اصطلاح میں جھوٹ کو بھی زور کہتے ہیں اور ملمع سازی کو بھی کیونکہ جھوٹا آدمی جھوٹ کی وجہ سے راہِ حق سے ہٹ جاتا ہے ملمع سازی عملی جھوٹ ہے کہ پیتل کو ملمع کرکے سونا دکھایا جاتا ہے یعنی قرآن کریم میں جھوٹی گواہی کو شرک کے ساتھ بیان فرمایا اور اسے شرک کے برابر قرار دیا کیونکہ شرک بھی جھوٹ کی ہی تو قسم ہے۔مشرک کہتا ہے رب دو ہیں یہ قول جھوٹ ہے سمجھتا ہے کہ بت لائق عبادت ہیں یہ اعتقادی جھوٹ ہے،نیز مشرک رب تعالٰی کے خلاف جھوٹ بول کر اس کا حق مارتا ہے اور یہ جھوٹا بندے کے خلاف جھوٹ بول کر اس کا حق مارتا ہے لہذا جھوٹ کو شرک سے بہت تناسب ہے۔

۳؎ من الاوثان میں من بیانیہ ہے اور اوثان رجسٌ کا بیان جیسے ظاہری پلیدی جسم یا کپڑے کو گندا کرتی ہے ایسے ہی بت پرستی دل کو گندا کرتی ہے۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ جیسے تم ظاہر گندگیوں سے گھن کرتے ہو ویسے ہی باطن گندگیوں سے گھن کرو،باطنی گندگی بت پرستی اور جھوٹی بات،جسم سے زیادہ دل اور روح کی فکر کرو۔

۵؎ حنفاء جمع ہے حنیف کی حنیف کے معنی ہیں کسی کی طرف جھکنا،مائل ہونا اور جنیف جیم سے کسی سے الگ ہونا،اس سے مائل ہونا ہے،حنیف وہ ہے جو باطل سے ہٹا ہو حق کی طرف مائل ہو اسی لیے حضرت ابراہیم السلام کو قرآن کریم نے حنیف فرمایا،ان کے صدقہ سے ہر مسلمان حنیف ہے کہ کفر سے ہٹا ہوا ہے ۔

	اور اسے احمد وترمذی نے حضرت ایمن ابن خریم سے ۱؎ روایت کیا مگر ابن ماجہ نے تلاوت کا ذکر نہ کیا ۲؎

۱؎ یعنی ابوداؤد وغیرہ نے تو والد سے روایت کی اور ترمذی نے بیٹے یعنی ایمن سے روایت کی،ایمن حضرت خریم کے بیٹے ہیں،ایمن کی صحابیت ثابت نہیں اس لیے ان کی روایت مرسل ہوگی۔

۲؎ یعنی ابن ماجہ نے یہ بیان نہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں آیت کریمہ "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ" تلاوت فرمائی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں جائز ہے گواہی خیانت کرنے والے کی اور نہ خیانت کرنے والی کی ۱؎ اور نہ سزا کوڑے مارے ہوئے کی ۲؎ اور نہ کینہ والے کی اپنے بھائی کے خلاف ۳؎ اور نہ ولاء ونسب میں تہمت والے کی ۴؎ اور نہ کسی گھر والوں کے خرچہ پر گزارہ کرنے والے کی ۵؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور یزید ابن

	زیاد دمشقی راوی منکر الحدیث ہے ۶؎

۱؎ خیانت ضد ہے امانت کی،کسی کا مال ناحق دبالینا،خیانت کی بہت صورتیں ہیں یہاں یا تو خیانت سے یہ مال مار لینا مراد ہے یا اس سے ہرفسق و بدکاری مراد۔گناہ کبیرہ کرنا یا گناہ صغیرہ پر اڑ جانا اسے کرتے رہنا فسق ہے اور ہر فسق خیانت ہے کہ اس میں حق اللہ اور حق شرع کا مارنا ہے اس لیے ہر فاسق خائن ہے،مرقات نے یہاں خائن کے یہ ہی معنی کیے یعنی فاسق،اشعۃ اللمعات نے بھی اسی معنی کو ترجیح دی۔مطلب یہ ہے کہ فاسق معلن کی گواہی قاضی کے ہاں قبول نہیں قرآن کریم فرماتاہے:"وَ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"اپنے میں سے دو عادلوں و پرہیزگاروں کو گواہ بناؤ اس لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ شرابی،زانی،چور،داڑھی منڈے وغیرہم فسّاق کی گواہی قبول نہیں اس حکم کا ماخذ یہ ہی حدیث اور یہ ہی آیت ہے۔

۲؎ خیال رہے کہ کوڑوں کی سزا کنوارے زانی کو بھی دی جاتی ہے(سو کوڑے)اور شرابی کو بھی(اسی ۸۰ کوڑے) اور پارسا عورت کو زنا کی تہمت لگانے والے کو بھی(اسی ۸۰ کوڑے)مگر یہاں مراد یہ تیسرا شخص ہے تہمت کی سزا والا کیونکہ مردود الشہادت صرف یہ ہی شخص ہے نہ کہ پہلے دو،اس پر ساری امت کا اجماع بھی ہے قرآن کریم کی تصریح بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجۡلِدُوۡهُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَةً وَّ لَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهٰدَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا"مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں قاذف تہمت لگانے والے کی گواہی توبہ کے بعد بھی قبول نہیں ہمیشہ مردود الشہادۃ رہے گا،مگر امام شافعی کے ہاں بعد توبہ اس کی گواہی قبول ہوگی،وہ فرماتے ہیں الا الذین تابوا کا تعلق لاتقبلوا سے ہے اور ہمارے ہاں اس کا تعلق فاسقون سے ہے یعنی یہ قاذفین فاسق ہیں سواء توبہ کرنے والوں کے،نیز امام شافعی کے ہاں قاذف تہمت لگاتے ہی مردود الشہادت ہے مگر ہمارے ہاں کوڑے لگنے کے بعد یعنی ہمارے ہاں گواہی رد ہونا تہمت کی سزا کا تتمہ ہے،یہ حدیث ان دونوں مسئلوں میں امام اعظم کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلود یعنی کوڑے لگائے ہوئے کی گواہی مردود قرار دی اور ہمیشہ کے لیے مردود قرار دی توبہ کرے یا نہ کرے۔(مرقات و کتب فقہ)چونکہ اس جملہ کی تائید قرآن کریم سے ہورہی ہے لہذا حدیث کا یہ جزء قوی ہے۔

۳؎ بھائی سے مراد وہ ہے جس کے خلاف گواہی دے رہا ہے اسلامی بھائی چارہ مراد ہے یعنی کینہ پرور اور دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف قبول نہیں اگرچہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ بوجہ دشمنی اسے نقصان پہنچانے کے لیے اس کے خلاف جھوٹی گواہی دے گا اس لیے احتیاطًا یہ لازم کردیا گیا۔

۴؎ یعنی جو غلام اپنے کو مولیٰ کے سوائے کسی اور کا آزاد کردہ غلام بتاکر اپنی ولاء اس سے ثابت کرے یوں ہی جو شخص اپنے کو دوسرے خاندان سے منسوب کرے ان کی گواہی قبول نہیں۔آج کل لوگوں کو بناوٹی سید بننے کا بہت شوق ہے ایسے مصنوعی سیدوں کی گواہی مردود ہے یہ فرمان عالی بہت جامع ہے۔عربی میں قانع کہتے ہے سائل کو اور مقنع کہتے ہیں صابر کو جو تھوڑے کھانے پر قناعت کرے،یہاں وہ شخص مراد ہے جو کسی کے گھر رہ کر اس کی عطاء پر گزارہ کررہا ہو،چونکہ اس گھر والے کے حق میں گواہی کا نفع خود اس کو بھی پہنچے گا کہ اس کو جو مال ملے گا اس مال سے اس کو

کھانا ملے گا اس لیے گواہی قبول نہیں جو گواہی خود گواہ کو نفع بخش ہو وہ قبول نہیں جیسے باپ کی گواہی اولاد کے حق میں،زوجین کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہ کوئی قبول نہیں یوں قرض خواہ کی گواہی اپنے مقروض کے حق میں قبول نہیں۔

۵؎ اس میں خادم تابع لے پالک سب داخل ہیں جو کسی کی روٹی پر گزارہ کرتا ہو اس کی گواہی اس گھر والوں کے حق میں قبول نہیں کہ یہ شخص اپنی پرورش کے لیے اس کے حق میں گواہی دے گا۔

۶؎ اگرچہ یہ حدیث غریب ہے مگر اس کے بعض اجزاء کی تائید قرآن مجید سے ہورہی ہے اور بعض اجزاء کی تائید دیگر احادیث سے،نیز آئمہ دین کا اسی پر عمل ہے ان وجوہ سے یہ قوی ہوگئی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ تو خیانتی مرد کی گواہی جائز ہے نہ خیانتی عورت کی ۱؎ اور نہ زانی مرد کی نہ زانیہ عورت کی ۲؎ نہ کینے والے کی اپنے بھائی کے خلاف ۳؎ اور رد فرمائی اس کی گواہی جو کسی کے گھر سے گزارہ کرے اسی گھر والوں کے لیے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس کی شرح ابھی گزرگئی کہ حق یہ ہے کہ اس سے مراد ہر فاسق اور فاسقہ ہے۔

۲؎ کیونکہ زانی فاسق ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں توبہ کے بعد قبول ہے کہ اب فاسق نہیں رہا۔

۳؎ یعنی دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف قبول نہیں خواہ وہ دشمن سگا بھائی ہو یا دینی بھائی نسبًا اجنبی لفظ **اخیه** دونوں کو شامل

ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں دنیاوی عداوتیں مراد ہیں،دینی اختلاف کی صورت میں مسلمان کی گواہی کافر کے خلاف قبول ہے یوں ہی اگر اسلام کی مختلف جماعتوں کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں۔

۴؎ اس کی شرح اور وجہ ابھی اوپر مذکور ہوئی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جنگلی (دیہاتی) آدمی کی گواہی بستی والے کے خلاف جائز نہیں ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل فرماتے ہیں ان کے ہاں دیہاتی کی گواہی شہری آدمی کے خلاف مطلقًا قبول نہیں،دوسرے امام اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اکثر دیہاتی لوگ احکام شرعیہ سے بے خبر ہوتے ہیں،انہیں گواہ بننے،گواہی دینے کے مسائل معلوم نہیں ہوتے ان پر بھول چوک غالب ہے،اگر کسی دیہاتی میں یہ خرابیاں نہ ہوں تو اس کی گواہی قبول ہے،بعض نے فرمایا کہ اس حدیث میں **لایجوز** بمعنی **لایحسن** ہے یعنی دیہاتی کی گواہی شہری کے خلاف اچھی نہیں کیونکہ دیہاتی کو بوقت ضرورت گواہ بننے یا گواہی دینے کے لیے بلانا مشکل ہوتا ہے مگر یہ حکم جب تھا جب کہ

اسباب سفر کم تھے اب نقل و حرکت میں دشواری نہیں۔بہرحال یہ حدیث یا منسوخ ہے یا کچھ قیود سے مقیداور جو وجوہ گواہی قبول نہ ہونے کے عرض کیے گئے وہ مجروح ہیں کیونکہ اگر ان وجوہ سے شہری کے خلاف گواہی جائز یا بہتر نہیں تو شہری کے موافق گواہی کیوں جائز ہے یہ وجوہ تو جب بھی موجود ہیں،غرضکہ سواءِامام مالک کے اور کسی امام کے ہاں اس حدیث پر عمل نہیں۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ فرمایا تو ہارے ہوئے نے جب پیٹھ پھیری تو بولا مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی عاجز پر ملامت فرماتا ہے لیکن تجھ پر احتیاط لازم تھی ۳؎ پھر جب تجھ پر کوئی چیز غالب آئے تو کہو کہ اللہ مجھے کافی ہے،وہ اچھا کارساز ہے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ عوف ابن مالک دو ہیں:ایک تابعی،دوسرے صحابی،یہاں صحابی مراد ہیں جو اشجعی ہیں،غزوہ خیبر میں شریک ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی اشجع کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا،آخر میں ملک شام میں رہے،وہاں ہی وفات پائی،۷۳ھ؁ میں آپ کی وفات ہے،بہت سے صحابہ نے آپ سے روایات لیں۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ جس کے خلاف ہوا تھا اس نے یہ پڑھا جس کا مقصد یہ تھا کہ مدعی نے ظلمًا مجھ سے مال وصول کرلیا ناجائزطور پر،حسرت و غم کے لیے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ فرمان ہے۔مقصد یہ ہے کہ اولًا خود احتیاط سے کام نہ لینا بعد میں نقصان ہوجانے پر یہ کلمات کہنا اور توکل کرنا رب تعالٰی کو ناپسند ہیں توکل کی حقیقت یہ ہے۔شعر

توکل می کنی دو کارکن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

لہذا جب کسی کو قرض دو تو گواہی،تحریر وغیرہ سے اس کی پختگی کرلو،بغیر گواہی تحریر قرض دے دینا پھر مقدمہ ہار جانے پر توکل کا اظہار کرنا غلط ہے۔

۴؎ یعنی جب تو پوری پوری احتیاط کرلے مگر قضائے الٰہی سے تجھے نقصان ہوجائے تب تو یہ کہہ کر توکل کا اظہار کرتب تیرا توکل درست ہے۔

	روایت ہے حضرت بہزابن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روای۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی تہمت میں قید کیا ۲؎(ابوداؤد)اور ترمذی و نسائی نے یہ زیادتی کی پھر اسے چھوڑ دیا ۳؎

۱؎ آپ بہز ابن حکیم ابن معاویہ ابن حمید قشیری ہیں،تابعین میں سے ہیں،اکثر محدثین آپ کو ثقہ کہتے ہیں مگر مسلم،بخاری نے ان کی روایت اپنی کتاب میں نہ لی،ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت منکر نہیں۔(مرقات واشعہ)بعض نے آپ کو صحابی مانا مگر یہ صحیح نہیں۔

۲؎ اس طرح کہ کسی نے جھوٹی گواہی دی،اس کا جھوٹ ظاہر ہوجانے پر اسے قید کردیا۔(مرقات)یا کسی نے اس پر قرض کا دعویٰ کیا یا کسی اور جرم کا الزام لگایاتو حضور نے مدعٰی علیہ کو تحقیق کے دوران میں قید کردیا،پھر جرم ثابت نہ ہونے پر اسے چھوڑ دیا۔(مرقات و اشعہ)

۳؎ یا تو جھوٹے گواہ کو سزاءً کچھ روز قید کرکے چھوڑ دیا یا جرم ثابت نہ ہونے پر مدعٰی علیہ کو چھوڑ دیا۔معلوم ہوا کہ قید کرنا بھی احکام شرعیہ سے ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی حکم دیا کہ دونوں فریق حاکم کے سامنے بٹھائے جائیں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ اس زمانہ میں حکام مسندوں پر بیٹھے تھے اس لیے فریقین کو ان کے سامنے بٹھایا جاتا تھا،اب حکام کرسی پر بیٹھے ہوتے ہیں اس لیے فریقین اور انکے وکیل سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ حاکم فریقین میں برابری کرے،نشست اور گفتگو دونوں کی یکساں رکھے،کسی ایک کی طرف میلا ن نہ کرے کہ اس سے دوسرے فریق کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ حاکم کے لیے سب سے ضروری چیز فریقین میں برابری برتنا ہے۔(مرقات)یہ بہت مشکل چیز ہے کبھی ایک فریق اعلیٰ منصب والا ہوتا ہے دوسرا فریق معمولی حیثیت کا۔ حاکم اگر اعلیٰ منصب والے کو اپنے پاس بٹھائے دوسرے کوسامنے کھڑا کرے تو یہ جرم ہے اس سے دوسرے فریق کا دل ٹوٹے گا۔خلفاءاسلام کی تواریخ سے ایسے واقعات کا پتہ لگتا ہے کہ معمولی رعایا نے بادشاہ کے خلاف دعویٰ کردیا،قاضی نے سلطان کو طلب کیا تو اسے اور مدعی کو اپنے سامنے ایک ہی کٹہرے میں کھڑا کردیا دوران مقدمہ میں بادشاہ کا کوئی احترام نہ کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الجہاد

جہاد کا بیانه

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جہاد بنا ہے جھدٌ سے جھد جیم کے پیش سے یا فتحہ سے بمعنی مشقت ہے۔شریعت میں جہاد بالکسر کے معنی ہیں کفار کے مقابلہ میں مشقت کرنا یا تلوار سے لڑ کر غازیوں کی مدد کرکے مال سے یا رائے سے یا ان کے ساتھ جاکر ان کی جماعت بڑھاکر۔جہاد کا درجہ اسلام میں بہت بڑا ہے عام مؤمن اپنا مال،وقت یا کوشش اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں،مجاہد اپنی جان سے دین اسلام کی خدمت کرتا ہے،جان بڑی پیاری چیز ہے اس لیے مجاہد خدا کو بڑا پیارا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ عبادات الٰہیہ پر ہمیشگی کرنا بھی جہاد اعظم ہے بلکہ نماز کی پابندی جہاد سے افضل ہے کہ جہاد تو نماز قائم کرنے کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔جہاد حسن لغیرہ ہے اور نماز حسن لعینہٖ ہے۔(مرقات)حق یہ ہے کہ عام حالات میں نماز جہاد سے افضل ہے مگر بعض خصوصی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض احادیث میں نماز کو جہاد پر مقدم فرمایا گیا ہےاور بعض احادیث میں جہاد کو نماز پر مقدم فرمایا گیا۔اس جگہ اشعۃ اللمعات میں فرمایا ہے کہ عام مردوں کی روح ملک الموت قبض کرتے ہیں اور شہیدوں کی روح کو خود رب تعالٰی براہ راست قبض فرماتا ہے۔(اشعہ)شہید کے اور فضائل ان شاءاللہ آئندہ بیان ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر۱؎ اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے ۲؎ اسے جنت میں داخل کرنا اللہ کے ذمہ ہے۳؎ خواہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی اس زمین میں بیٹھ رہے جس میں پیدا ہوا ۴؎ لوگوں نے عرض کہ کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دے دیں ۵؎ فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں ۶؎ جو اللہ نے ان کے لیے تیار کیے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں ۷؎ دو درجوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے ۸؎ جب تم	

	اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو وہ جنت کا درمیان اور جنت کا اعلیٰ حصہ ہے ۹ جس کے اوپر اللہ کا عرش ہے وہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں ۱۰ (بخاری)

۱قرآن مجید اور حدیث شریف میں رسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں اور اللہ رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ رب نے جو کچھ بھیجا اور حضور جو کچھ لائے ان سب پر ایمان لائے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ حقیقتًا ایمان ہے اللہ رسول کو ملانا،اللہ رسول میں فرق کرنا کفر ہے،قرآن کریم فرماتا ہے:"اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا"۔ملانے کے معنے ہماری کتاب اسلام کی چار اصطلاحوں میں دیکھو۔

۲چونکہ نماز روزہ تمام عبادات میں افضل ہیں،نیز ان کا پابند دوسری عبادات بھی بفضلہٖ تعالیٰ باآسانی ادا کرتا ہے ان وجوہ سے یہاں صرف ان ہی دونوں کا ذکر فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ اس فرمان عالی کے وقت زکوۃ و حج فرض نہ ہوئے ہوں اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا گیا ہو یا حج و زکوۃ کی فرضیت صرف مالداروں پر ہے روزہ نماز سب پر۔

۳یعنی حق تعالیٰ کے وعدے کی بنا پر جو اس نے وعدہ فرمایا،داخلہ سے مراد اولی داخلہ ہے ورنہ جنت کا مطلق داخلہ تو صرف ایمان سے ہوگا یا بلندی درجات کے ساتھ داخلہ ان اعمال سے ہوگا کیونکہ جنت کا داخلہ ایمان سے ہوگا وہاں درجات اعمال صالحہ سے ہے۔

۴مرقات نے فرمایا کہ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد فتح کے دن یا اس کے بعد ہے کہ فتح سے پہلے ہجرت فرض تھی اور یہاں وطن پیدائش میں رہنے کی اجازت ہے مگر فتح سے پہلے صرف مکہ معظّمہ سے یا جہاں کفار کا غلبہ تھا وہاں سے ہجرت فرض تھی اسلامی شہروں سے ہجرت کرنا فرض نہ تھی۔اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے بعض خصوصی حالات میں فرض عین ہوجاتا ہے۔

۵یہ عرض کرنے والے حضرت معاذ ابن جبل جیساکہ ترمذی میں ہے وہاں یہ بھی ہے کہ حضور نے فرمایا چھوڑ دو کہ لوگ عمل کریں۔خیال رہے کہ ایسی احادیث حضرات صحابہ نے اپنی وفات کے وقت اس خوف سے بیان فرمادیں کہ وہ علم چھپانے کے الزام میں نہ آویں لہٰذا یہ اعتراض نہیں کہ جب حضور انور نے منع فرمادیا تھا تو ان حضرات نے ایسی احادیث روایت کیوں فرمادیں۔

۶ترمذی میں ہے کہ ہر درجہ اتنا وسیع ہے کہ ان میں سے ایک درجہ میں عالمین جمع ہوجائیں تو سب کو کافی ہوجاوے۔

۷مجاہدین سے مراد نمازی حاجی اور نفس سے مجاہدہ کرنے والے سب ہی ہیں۔(مرقات)بشرطیکہ یہ کام رضائے الٰہی کے لیے ہوں جیسا کہ فی سبیل اللہ سے معلوم ہوا۔

۸یعنی پانچ سو سال کا راہ یہ سو درجے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے خاص ہیں لہٰذا مجاہدہ کرو تاکہ یہ درجہ پاؤ۔

۹اوسط سے مراد ہے افضل اور اعلیٰ سے مراد سب سے اونچا ہے لہٰذا اوسط اور اعلیٰ ہی میں تعارض نہیں۔

۱۰؎ یعنی فردوس کی چھت عرش اعظم ہے اور فردوس سے جنت کی چاروں نہریں پانی،دودھ،شراب طہور اور شہد کی نہریں اصولًا یہاں سے نکلتی ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس کی سی ہے جو دن کا روزہ دار رات کو آیات الٰہی کی تلاوت کرنے والا ہو۱؎ نہ روزے سے تھکے نہ نماز سے ۲؎ حتی کہ اللہ کی راہ کا مجاہد لوٹ آوے (مسلم،بخاری) ۳؎

۱؎ قانت بنا ہے قنوت سے،احادیث میں قنوت چند معنے میں استعمال ہوا ہے اطاعت،عاجزی،نماز،دعا،عبادت، قیام۔نماز کا قیام خاموشی۔یہاں قانت سے مراد عابد ہے یا قائم یا نمازی یعنی مجاہد غازی اگرچہ آرام کرے سوئے یا کوئی جائز کام کرے ثواب عبادت ہی پائے گا کیونکہ سفر جہاد ہی تو ہے جیسے روزہ ہر وقت منہ میں رہتا ہے اس لیے رزہ دار ہوتے ہوئے بھی عابد ہے،ایسے ہی اس سفر میں بہرحال غازی رہتا ہے اس لیے کھاتے پیتے سوتے جاگتے عابد ہوتا ہے۔غازی کو بھی چاہیے کہ اس سفر میں ناجائز حرکت نہ کرے اللہ رسول سے شرم کرے،حضرات صحابہ رضی اللہ عنھم کی بحالت جنگ حالت یہ ہوتی تھی کہ منہ میں قرآن ہاتھ میں تلوار۔

۲؎ خیال رہے کہ یہ تشبیہ ثواب میں ہے نہ کہ عمل میں لہذا حدیث پر یہ اعتراض تھا کہ ہمیشہ روزے رکھنا اور تمام رات نماز قرآن پڑھنا بالکل نہ سونا تو ممنوع ہے کہ وہاں ممانعت اسی لیے تو ہے کہ انسان تھک کر بیمار ہوجائے گا پھر فرائض وواجبات سے بھی جاتا رہے گا،اگر کوئی شخص ہمیشہ کے روزے ساری رات نماز سے تھکن محسوس نہ کرے تو اس کے لیے ممانعت بھی نہیں۔اس لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علی وسلم نے نہ تھکنے کے قید لگادی کہ فرمایا **لا یفتر**۔

۳؎ یعنی یہ ثواب صرف میدان جنگ میں رہنے کے اوقات سے خاص نہیں بلکہ جاتے آتے سفر میں بھی ملتا ہے گھر واپس پہنچنے تک یہ ثواب ہے جہاد کرنے کا ثواب علیحدہ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ضامن ہوچکا اس کا جو اس کی راہ میں نکلا ۱؎ اسے نہ نکالے مگر مجھ پر ایمان اور میرے رسول کی تصدیق ۲؎ نہ کرادے وہ ثواب یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں جو وہ حاصل کرے یا اسے جنت میں داخلہ دے دوں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ غالب یہ ہے کہ سبیل سے مراد راہ جہاد ہے اسی لیے مؤلف یہ حدیث جہاد کے بیان میں لائے۔ہوسکتا ہے کہ اس جہاد سے طلب علم،عمرہ و حج کے تمام سفر مراد ہوں مگر پہلی توجیہ زیادہ صحیح ہے کہ اگلا مضمون اس کی تائید کررہا ہے اور رب کی یہ ضمانت کرم کی ضمانت ہے۔

۲؎ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تمام رسولوں کی تصدیق ہے اس لیے اس جملے میں ارشاد ہوا جس کے پاس سو ہیں اس کے پاس ساری اکائیاں دہائیاں ہیں۔
۳؎ او ادخله کا عطف ارجعه پر ہے یعنی اگر غازی جیت کر لوٹا تو غنیمت و ثواب سب کچھ لے آیا،اگر شکست کھا گیا تو ثواب کے ساتھ لوٹا،اگر شہید ہوگیا تو جنت میں گیا ہر طرح نفع میں ہے۔مثل مشہور ہے کہ لٹ گئے تو روزہ،لوٹ لائے تو عید،مار آئے تو غازی،مر گئے تو شہید۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ مجبوری نہ ہوتی کہ مسلمان لوگوں کے دل خوش نہیں ہوتے مجھ سے پیچھے رہ جانے سے ۱؎ اور ہم اتنی سواریاں پاتے نہیں جو ان سب کو دیں ۲؎ تو ہم کسی لشکر سے پیچھے نہ رہتے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے ۳؎ اور اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی غریب و فقیر مسلمانوں کے دل نہیں چاہتے کہ بے سواری ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ جہاد میں نہ جائیں گھر بیٹھے رہیں کیا،تمہیں خبر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے تھے، حضرت طلحہ ٹھیک دوپہر کی تیز دھوپ میں سفر سے مدینہ منورہ اپنے باغ میں پہنچے جہاں وہ کھانا،پانی،ٹھنڈا سایہ ان کے منتظر تھے مگر جب سنا کہ حضور غزوۂ تبوک میں گئے ہوئے ہیں سواری سے نہ اترے،اس طرف سواری ہانک دی رضی اللہ عنہ،فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے محبوب تپتی ریت میں ہوں اور میں گھنے درختوں کے سایہ میں ہوں۔
۲؎ یعنی ہمارے پاس اتنی سواریاں ہی نہیں کہ ہر جہاد میں ہم سب مسلمانوں کو ان پر سوار کرکے جہاد کے میدان میں پہنچادیں وہ پیچھے رہ جانے پر راضی نہیں سب کو ساتھ لے جانے کا موقع نہیں۔
۳؎ سریہ وہ چھوٹا لشکر ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں یعنی اگر یہ دشواری نہ ہوتی تو ہم کسی معمولی اور بڑے لشکر کے پیچھے نہ رہتے ہر لشکر کے ساتھ جاتے ہر جہاد میں شریک ہوتے۔معلوم ہوا کہ جہاد عمومًا فرض کفایہ ہوتا ہے کبھی فرض عین۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر بڑے رحیم و کریم ہیں کہ مساکین کے رنج وغم کا لحاظ فرماکر کبھی جہاد جیسے مرغوب چیز کو چھوڑدیتے،حضور نے امت کی تکلیف کا لحاظ فرماتے ہوئے بہت سی عبادات نہ کیں جیسے ہمیشہ تراویح اور تہائی رات گزارنے پر نماز عشاء وغیرہ۔
۴؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:کہ راہ خدا میں شہادت بڑی اعلیٰ عبادت ہے کہ حضور انور بار بار شہادت پانے کی تمنا فرماتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ناممکن نیکی کی تمنا بھی ثواب ہے رب تعالیٰ نے خبر دے دی تھی کہ کوئی کافر حضور کو شہید

نہ کرسکے گا"وَاللّٰہُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"یہ بھی خبر دی ہے کہ بعد موت کوئی دنیا میں واپس نہ آئے گا انھم لا یرجعون۔ان خبروں سے معلوم ہو چکا تھا کہ حضور کی شہادت ناممکن ہے اور بار بار دنیا میں آنا شہید ہونا بھی محال ہے مگر حضور اس کی تمنا آرزو کرتے رہے ۔کیوں؟ اس لیے کہ یہ تمنا ثواب ہے امید صرف ممکن کی ہوسکتی ہے مگر آرزو تمنا ہر ممکن اور ناممکن چیز کی جاسکتی ہے۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اللّٰہ کی راہ میں ایک دن گھوڑا باندھنا ۲؎دنیا اور جو دنیا پر ہے اس سے بہتر ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ کے حالات بار ہا بیان ہوچکے ہیں کہ آپ سہل ابن سعد ساعدی انصاری ہیں،پہلے آپ کا نام حزن تھا حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے بدل کر سہل رکھا،کنیت ابوالعباس ہے،حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی،آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی، ۹۱ھ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں جن کی وفات سب سے آخری میں ہوئی۔

۲؎رباط ر کے کسرہ اور ضمہ کے ربط سے بنا ہے بمعنی باندھنا اس لیے بندھے گھوڑے کو خیل مربوط کہتے ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"وَ اَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّ مِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ"۔شریعت میں بہ نیت جہاد گھوڑا پالنے کو بھی کہتے ہیں اور اسلامی سرحد،باڈر پر کفار کے مقابل رہنے کو بھی جب کہ سرحد پر ہر وقت خطرہ ہو اور یہ مقابلہ کفار کے لیے ہر وقت وہاں تیار رہے یہاں رباط کے معنی دونوں بن سکتے ہیں۔

۳؎یہ حدیث مختلف عبارتوں سے آئی ہے۔چنانچہ احمد نے حضرت عبداللّٰہ ابن عمرو سے روایت کی ہے کہ ایک دن کا رباط ایک ماہ کے روزہ رات کی عبادت سے افضل ہے۔طبرانی نے حضرت ابوداؤد سے روایت کی ایک ماہ کا رباط ہمیشہ کی روزی سے افضل ہے،جو مرابط ہو کر مرے گا وہ قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا اور برزخ میں اسے صبح شام روزی جنت کی ہوا ملے گی قیامت تک اسے ثواب ملتا رہے گا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اللّٰہ کی راہ میں ایک بار صبح و شام جانا ۱؎دنیا سے اور جو دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎صبح سے دوپہر تک کا جانا غدوہ ہے اور دوپہر سے شام تک کا وقت جانا رواح۔اللّٰہ تعالٰی کی راہ میں جانا اس کی بہت صورتیں ہیں:جہاد کے لیے جانا،نماز کے لیے مسجد میں جانا،طلب علم دین کے لیے مدرسہ یا استاذ کے پاس جانا مراد ہے اسی لیے مصنف اسے باب الجہاد میں لائے۔

۲؎کیونکہ دنیا اور دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اس کا ثواب باقی۔خیال رہے کہ دنیا کی چیز وہ ہے جس کا تعلق نفس سے ہو۔نماز،روزہ،حج وعبادات،حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی زیارت وغیرہ عبادات دنیا میں تو ہیں مگر دنیا کی چیزیں نہیں تو ان کا

تعلق قلب و روح سے ہے لہذا کوئی غازی اس صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا جو ایک بار ایمان و خلاص کے ساتھ حضور کو دیکھے پھر فوت ہوجائے ہم جیسے کروڑوں مسلمانوں کی عمر بھر کی عبادت ایک آن کے دیدار یار پر صدقے و قربان لہذا حدیث پر کوئی ا عتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن رات گھوڑا پالنا ایک مہینہ کے روزوں ونمازوں سے بہتر ہے ۱؎اور اگر مرجاوے تو اس کا وہ عمل جو کرتا تھا جاری رہے گا ۲؎اور اس پر اس کا رزق بہایا جائے گا ۳؎اور فتنوں سے امن میں رہے گا ۴؎(مسلم)	

۱؎خیال رہے کہ جہاد کی یہ تیاری رباط میں داخل ہے فی زمانہ بندوق توپ چلانے کی مشق،موٹر کار،ٹینک،ہوائی جہاز کی بمباری سیکھنا سب رباط ہے جب کہ جہاد کی نیت سے ہو،ایک ماہ کے روزے نماز کا ذکر یہاں کثرت کے لیے ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ کا ذکر ہے،یا مجاہد و مرابط کا جیسااخلاص ویسا ثواب۔

۲؎سبحان اللہ! کیا کرم نوازی ہے کہ مرابط جو جو نیکیاں زندگی میں کرتا تھا ان سب کا ثواب قیامت تک اسے پہنچتا رہتا ہے اس کا ہر عمل جاری بن جاتا ہے۔

۳؎یعنی شہید کی طرح اسے بھی قبر میں ہمیشہ جنتی رزق ملتا رہے گا،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ"۔

۴؎امن معروف ہے یا مجہول اور فتان یا نون کے فتحہ سے ہے،فتنہ کا مبالغہ یاف کے ضمہ سے فاتن بمعنی فتنہ گر کی جمع یعنی اللہ کی راہ میں مرابط بڑے فتنہ سے یا فتنہ گری سے محفوظ رہے گا یا محفوظ رکھا جائے گا،بڑے فتنہ سے مراد حساب قبر کا فتنہ و آزمائش ہےاور فتنہ گری یعنی آزمائش کرنے والوں سے مراد عذاب کے فرشتے،منکر نکیر یا دجال اور شیطان ہیں۔مرابط حساب قبر عذاب قبر سے بھی محفوظ ہے،دوزخ کی آگ اور وہاں کے ملائکہ کے عذاب سے امن میں رہے گا،نیز شیطان اور اگر اس کی زندگی میں دجال نکلے تو اس کے شر سے محفوظ رہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ مجاہد اور مرابط سے حساب قبر بھی نہیں ہوگا اور تنگی قبروحساب قبر سے محفوظ رہے گا،اس فقہی فرمان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو عبس ۱؎سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی بندے کے پاؤں اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوں ۲؎پھر آگ چھوئے ۳؎(بخاری)	

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں،زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالعزیٰ تھا،اسلام میں آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن جبیر ہوا مگر آپ کی کنیت نام پر غالب رہی،بدر اور تمام غزوات میں شامل ہوئے،ستر سال کی عمر پائی ۳۴ھ؁ میں وفات پائی،مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی جو شخص رضائے الٰہی کے لیے کوئی راستہ طے کرے اور راستہ طے کرنے میں اس کے قدموں پر گرد و غبار پڑے۔خیال رہے کہ اللہ کی راہ حج،طلب علم،جنازہ کی حاضری،بیماری،بیمار پرسی، جماعت نماز میں حاضری سب ہی کو شامل ہے مگر مطلقًا اللہ کی راہ سے مراد سفر جہاد ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ وقف کیا ہے وہ کہاں استعمال کیا جائے گا،فرمایا حج میں،قرآن کریم میں جو مصرف زکوۃ میں فی سبیل اللہ واقعہ ہے امام ابویوسف کے ہاں اس سے مجبور غازی مراد ہے،امام محمد کے ہاں مجبور حاجی۔(مرقات)

۳؎ یعنی ایسے شخص کو دوزخ کی آگ جلانہیں سکتی جب راہِ خدا کے غبار کا یہ عالم ہے تو غور کرو کہ خود جہاد کا فائدہ کیا ہوگا خوفِ خدا سے آنکھ کے آنسو،راہ خدا کا غبار،دوزخ کی آگ بجھانے میں اکسیر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر اور اس کا قاتل کبھی آگ میں جمع نہ ہوں گے ۱؎(مسلم)	

۱؎ کافر سے مراد حربی کافر ہے اور قاتل سے مراد مجاہد غازی مسلمان ہے یعنی جو غازی جہاد میں کسی کافر کو قتل کرے تو وہ مقتول کافر تو دوزخ میں گیالہٰذا یہ قاتل غازی دوزخ میں نہیں جائے گا،یہ مطلب نہیں کہ مقتول کافر تو دوزخ کے ادنیٰ طبقے میں ہو اور یہ غازی دوزخ کے دوسرے طبقہ میں ہو مطلقًا دوزخ میں اجتماع کی نفی ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں سب سے مفید زندگی اس شخص کی ہے ۱؎ جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کی راہ میں تھامے رہے جو اس کی پشت پر اڑ جاتا ہے جب کبھی گھبراہٹ یا طلب مدد کی آواز سنے اس پر اڑ کر پہنچے ۲؎ جو قتل و موت کو ان کے ٹھکانوں سے ڈھونڈھتا ہے ۳؎ یا وہ شخص جو بکریوں میں رہے ان پہاڑ کی چوٹیوں میں سے کسی چوٹی میں یا ان جنگلوں میں سے کسی جنگل میں رہے ۴؎ نماز قائم کرے، زکوۃ دیتا رہے اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہے ۵؎ حتی کہ اسے موت آجائے لوگوں میں سے یہ مرد صرف بھلائی میں ہی ہے ۶؎(مسلم)	

۱؎ لفظ معاش عیش بمعنی زندگی سے بنا ہے زندگی گزارنے کا ذریعہ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں مسلمان کی بہترین زندگی یہ ہے اور بہترین ذریعہ زندگانی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

۲؎ یعنی ویسے تو لوگوں سے بے نیاز رہتا ہے مگر جب مسلمانوں کو اس کی جانی مدد کی ضرورت ہوتی ہے یا مسلمانوں پر کفار ٹوٹ پڑیں یا ڈاکو حملہ کریں اسے خبر لگے کہ فلاں جگہ مسلمان کمزور ہیں مصیبت میں ہیں تو فورًا وہاں پہنچ جائے پرندہ کی طرح یااڑکر وہاں پہنچ جائے،پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو یہ وہاں پہنچ جائے اسلام کی خدمت مسلمانوں کی مدد کے لیے۔

۳؎ یعنی وہ اسلام کا ایسا فدائی ہو مسلمانوں کا ایسا مددگار ہو کہ خدمت اسلام و مسلمین میں قتل ہوجانا یا مرجانا جینے سے بہتر سمجھے،خطرناک موقعوں کی تلاش میں رہتا ہو جہاں لوگ جاتے ہوئے گھبراتے ہوں یہ وہاں شوق سے پہنچتا ہو بہادر جانباز ہو۔

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اول نمبر کامیاب زندگی والا تووہ پہلا شخص ہے اس کے بعد نمبر دوم کا اعلیٰ زندگی والا وہ ہے۔خیال رہے کہ عرب میں بکریاں بہترین ذریعہ معاش تھیں اور بعض متقی حضرات دنیا کے جھگڑے سے بچنے کے لیے شہر سے دور جنگل میں ڈیڑہ ڈال لیتے تھے کسی پانی والے سر سبز مقام پر رہنے سہنے لگتے تھے، بکریوں کے دودھ پر گزارا کرتے،فتنوں سے الگ رہتے،اب بھی بعض جگہ ایسے بدو دیکھے جاتے ہیں اس لیے بکریوں کا ذکر فرمایا ورنہ جو شخص فتنوں سے بچنے کے لیے آبادی سے دور رہے گزارہ کے لیے کوئی چیز پنشن جانور زمین وغیرہ اختیار کرے وہ بھی اس فرمان عالی میں داخل ہے۔

۵؎ اگرچہ عبادات میں نمازوزکوۃ بھی داخل تھیں مگر چونکہ نماز و زکوۃ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہیں اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ فرمایا۔

۶؎ یقین سے مراد موت ہے کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے یا چونکہ موت کے بعد ہر شخص کوتوحید،رسالت، فرشتوں،جنت و دوزخ وغیرہ کا یقین ہوجاتا ہے اس لیے موت کو یقین فرمایا یعنی ذریعہ یقین رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ"۔یہ حصر اضافی ہے یعنی دنیا دار فتنوں میں مبتلا آخرت سے غافل آدمی بھلائی میں نہیں بلکہ بھلائی میں صرف یہ ہیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اس حدیث کی بنا پر بعض زاہدین نے فرمایا کہ گوشہ نشینی افضل ہے،جلوت سے خلوت بہتر مگر حق یہ ہے کہ خلوت سے جلوت افضل،حضرات انبیاء کرام لوگوں میں رہے، تبلیغ کرتے رہے،نیز جس رہنے سے جمعہ عیدین نماز باجماعت نصیب ہوتی ہے،جنگل میں یہ نعمتیں کہاں،شہر میں علم ہے،ذکر کے حلقے ہیں،اچھوں کی صحبتیں ہیں۔حدیث فتنوں کے ظہور کے زمانہ کے متعلق ہے جب شہروں میں امن نہ رہے یا اس کمزور آدمی کے لیے ہے جو بستی اور اختلاط کی تکالیف پر صبر نہ کرسکے(مرقات)

روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان دیا تو اس نے جہاد کیا ۲؎ اور جو کسی غازی کے گھر بار میں اس کا نائب بن کر رہا اس نے جہاد کیا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،عبدالملک کے زمانہ میں کوفہ میں وفات پائی، ۷۸ھ میں بعض نسخوں میں یزید ابن خالد ہے۔
۲؎ یعنی غازی کو سامان سفر سامان جنگ یا روٹی،کپڑا،سواری دینے والے کو بھی جہاد کرنے کا ثواب ملتا ہے،یہاں جہاد سے حکمی جہاد مراد ہے یعنی ثواب۔
۳؎ یعنی جو مجاہد کے پیچھے اس کے بال بچوں کی خدمت اس کے گھر بار کی دیکھ بھال کرے وہ بھی ثواب جہاد میں شریک ہوگیا کیونکہ اس کی اس خدمت سے غازی کا دل مطمئن ہوگا جس سے وہ جہاد اچھی طرح کرسکے گا تو گویا یہ شخص غازی کے اطمینانِ دل کا ذریعہ بنا۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غازیوں کی بیویوں کا احترام بیٹھ رہنے والوں کے ذمہ ایسا ہے جیسے اپنی ماؤں کا احترام ۱؎ اور بیٹھ رہنے والوں میں سے کوئی شخص نہیں جو مجاہدین میں سے کسی کے گھر والوں میں خلیفہ بنے ۲؎ پھر ان میں اس غازی کی خیانت کرے ۳؎ مگر یہ خائن غازی کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہوگا پھر غازی اس کے اعمال میں سے جو چاہے گا لے گا ۴؎ اب تمہارا کیا خیال ہے ۵؎ (مسلم)	

۱؎ حرمت سے مراد یا حرام ہونا ہے حلت کا مقابل یا اس سے مراد عزت و حرمت ہے جیسے کہا جاتا ہے بیت اللہ الحرام یعنی اگرچہ ہر غیر منکوحہ غیر مملوکہ عورت سے صحبت کرنا زنا ہے جس کی سزا رجم ہے مگر اپنی ماں سے صحبت کرنا سخت تر گناہ اور بے حیائی ہے ایسے ہی اگرچہ اور دوسری عورتیں بھی اس مسلمان پر حرام ہیں مگر مجاہد غازی کی بیوی زیادہ حرام،اگر کوئی مسلمان غازی کی بیوی سے زنا کرے بلکہ اسے بدنظری سے ہی دیکھے تو سخت عذاب کا،وبال کا،قہر الٰہی کا مستحق ہوگا کہ اس نے ایسے مقبول خدا کی خیانت کی جو راہ خدا میں جان کی بازی لگا رہا ہے یا جیسے ماں کی عزت و حرمت اولاد پر اشد ضروری ہے ایسے ہی مجاہد غازی کی بیوی کی عزت و احترام ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کی حفاظت کریں،ان کی تکالیف دور کرنے کی کوشش کریں ان کا کام کاج کریں۔
۲؎ اس طرح کہ غازی جہاد کو جاتے وقت اسے اپنے گھر کا نگران و منتظم بنایا گیا ہو یا وہ تو اچانک میدان جہاد میں چلا گیا ہو،اس کے بال بچوں نے اسے اپنا سر پرست مان لیا ہو،یہ کلمہ دونوں معنی میں شامل ہے۔گھر والوں سے مراد بیوی،بچے،لونڈی اور بوڑھے ماں باپ وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔
۳؎ یہاں خیانت سے عزت،عصمت،مال،زمین وغیرہ تمام کی خیانتیں شامل ہیں۔ان میں سے کسی قسم کی خیانت کرے اس کی سزا وہی ہے جو آئندہ مذکور ہے۔
۴؎ اگر چاہے گا تو اس خائن کی تمام عمر کی ساری عبادتیں چھین لے،روزے،نمازیں،حج،زکوۃ وغیرہ گویا یہ خیانت نیکیاں چھن جانے کا سبب ہے۔

۵؎یعنی خود خیال کرلو کہ مجاہد ایسے خائن کی کوئی نیکی چھوڑے گاہر گز نہیں۔نیکی چھین لینے کے یہ معنے ہیں کہ اس خائن کو نیکی کا ثواب نہ ملے بلکہ جو اسے ثواب و درجہ ملتا وہ اس غازی کو دے دیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ سوچو کہ رب تعالٰی کے ہاں مجاہد کی کیا عزت و حرمت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے فرماتے ہیں ایک شخص جہاد والی اونٹنی لایا۱؎عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں ہے ۲؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے عوض تجھے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ملیں گی جو۳؎سب کی سب مہار والی ہوں گی۔ (مسلم)

۱؎کبھی خطام بمعنی زمام آتا ہے یعنی مہار،لمبا رسہ،نکیل جس کا ایک کنارہ اونٹ کی ناک میں ہوتا ہے دوسرا مالک کے ہاتھ میں،کبھی خطام صرف نتھ کو کہتے ہیں اور زمام پوری مہارو نکیل کو،نتھ وہ رسی پتلی سی ہے جو ناک میں ڈال کر پورے سر سے گھما کر باندھ دی جائے،پھر اس رسی میں نکیل باندھی جاوے جیسے عموًما گاؤں والے بیل بھینس کو باندھتے ہیں۔

۲؎فقراء کے لیے یا مجاہدین غازیوں کے لیے،دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں اس لیے مؤلف یہ حدیث کتاب الجہاد میں لائے۔

۳؎حق یہ ہے کہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،اللہ تعالٰی بطور اعزاز اہل جنت کو سواری کے لیے گھوڑے اونٹنیاں عطا فرمائے گا جن کی رفتار ہوا سے زیادہ ہوگی جیسے قربانی کرنے والوں کو صراط طے کرنے کے لیے سواری دی جائے گی۔بعض شارحین نے کہا کہ اس سے مراد ہے سات سو اونٹنیاں خیرات کرنے کا ثواب دے گا مگر یہ درست نہیں ورنہ پھر مہار والی ہونے کے کیا معنی،کیا ثواب کے بھی مہار ہوتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں خرچ کرنے والوں کو زیادہ ثواب ملتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ تجھے اونٹ کے عوض سات سو اونٹ اور مہار کے عوض سات سو مہاریں عطا ہوں گی تیری کوئی خیرات ضائع نہ جاوے گی۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر ہزیل کے قبیلہ بنی لحیان کی طرف بھیجا۱؎تو فرمایا ہر دو شخصوں میں سے ایک شخص چلا جائے ثواب ان دونوں کو ہوگا۲؎(مسلم)

۱؎ہذیل کفار کا بڑا قبیلہ تھا اور بنی لحیان اس کا فخذ جیسے پٹھان بڑا قبیلہ ہے،پھر یوسف زئی،کمال زئی ان کے چھوٹے خاندان،یہ جہاد بنی لحیان پر تھا۔

۲؎یعنی گھر کے سارے آدمی لشکر میں نہ جائیں،باپ بیٹے،بھائی،بھائی،چچا بھتیجے میں سے ایک شخص تو جہاد میں جائے دوسرا شخص گھر میں رہ کر اسے سنبھالے،نفس ثواب مشترک ہوگا۔معلوم ہوا کہ مجاہد کا خلیفہ مجاہد کے ثواب میں شریک ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ دین قائم رہے گا اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کرتی رہے گی ۲؎ حتی کہ قیامت قائم ہوجاوے ۳؎(مسلم)۴؎

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،عامری ہیں،حضرت سعد ابن وقاص کے بھانجے ہیں،آپ کی والدہ خالدہ بنت ابی وقاص ہیں،کوفہ میں رہے،وہاں ہی ۷۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی روئے زمین میں کہیں نہ کہیں جہاد ہوتا ہی رہے گا اگرچہ کبھی کسی خاص جگہ نہ ہو اور اس کے جہاد کی وجہ سے دین قائم رہے گا۔مرقات نے فرمایا کہ شام اور روم کے مسلمان اکثر جہاد کرتے رہیں گے۔ الحمدللہ! حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی اب تک ظاہر ہورہی ہے کہ کہیں نہ کہیں جہاد ہوتا ہی رہتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد دائمی عبادت ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا۔اس سے مرزائی عبرت پکڑیں جو جہاد کو منسوخ مانتے ہیں نعوذباللہ!جو کوئی جہاد کو منسوخ مانے وہ ایسا ہی مرتد و کافر ہے جیساکہ نماز روزہ کو منسوخ ماننے والا۔

۳؎ یا تو اس سے قرب قیامت مراد ہے یا خود قیامت مراد،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ قیامت سے چالیس سال پہلے دنیائے اسلام و قرآن ختم ہوجائے گا،قیامت ان لوگوں پر قائم ہوگی جن میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا پھر جہاد کیسا۔

۴؎ اسے ابوداؤد نے بھی روایت فرمایا۔ایک حدیث میں ہے کہ میری امت میں ایک ٹولہ ہمیشہ غالب رہے گا،اس کے مخالفین اسے کچھ نقصان نہ پہنچاسکیں گے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث علماء کو شامل ہے کہ وہ حضرات قلم و زبان سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں زخمی کیا جاتا اللہ کی راہ میں کوئی ۱؎ اللہ ہی جانے کہ کون اللہ کی راہ میں زخمی کیاجاتا ہے ۲؎ مگر وہ قیامت کے دن اسی طرح آئے گا کہ اس کا زخم خون بہاتا ہوگا ۳؎ رنگ خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک کی سی ہوگی ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ خواہ اس زخم سے موت ہوجائے یا نہ ہو۔

۲؎ اس جملہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ ہر شخص جو میدان جہاد میں زخمی ہو وہ فی سبیل اللہ زخمی نہیں۔فی سبیل اللہ زخمی وہ ہے جس میں ریانیتِ دنیا نہ ہو،یہ رب ہی جانتا ہے کہ کون راہِ خدا میں زخمی ہوا اور کون طلب دنیا میں۔دوسرے یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ راہ خدا میں زخمی کون ہوتا ہے اسے پوری پوری جزا دے گا۔جیسے "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ"۔اس صورت میں یہ جملہ اس کی اظہار شان کے لیے ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کفار سے جہاد

میں یا باغیوں ڈاکوؤں کے ہاتھوں زخمی ہونے والا،یوں ہی تبلیغ دین کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی ہونے والا اس میں سب شامل ہیں سب کا یہ ہی اجر ہے جو یہاں مذکور ہے۔

۳؎ یعنی اس کے زخم ہرے ہوں گے ان سے تازہ خون جاری ہوگا مگر اس دن تکلیف نہ ہوگی۔یہ خون جاری ہونا اس کے مجاہد ہونے کی نشانی ہوگی جس سے تمام محشر والے اس کی عزت کریں گے۔بعض روایات میں بجائے **یثعب** کے **یتفجر** ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں،یعنی بہانا۔

۴؎ لہذا وہ خون نہ تو نجس ہوگا نہ بدبودار بلکہ اس کی مہک سے محشر والے تعجب کریں گے اور اس شخص کا احترام کریں گے،جب زخمی کا یہ حال ہے تو راہ خدا عزوجل میں شہید ہونے والے کا کیا پوچھنا،یہ خوشبو عبادت کے اثر سے ہوگی جیسے روزہ دار کے منہ کی خوشبو رب تعالٰی کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی نہیں جو جنت میں داخل کیا جاوے ۱؎ پھر وہ دنیا میں لوٹنا پسند کرے اگرچہ دنیا کی ہر چیز اسے ملے ۲؎ سوائے شہید کے کہ وہ آرزو کرتا ہے کہ دنیا میں لوٹا یا جائے پھر قتل کیا جائے دس بار ۳؎ کیونکہ وہ احترام دیکھتا ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں روحانی داخلہ مراد ہے جو بعض مؤمنوں کو مرتے ہی نصیب ہوجاتا ہے،جسمانی داخلہ بعد قیامت ہوگا جب دنیا ختم ہوچکی ہوگی لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ عام مؤمنین کی قبروں میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے وہاں کی ہوائیں،خوشبوئیں وغیرہ آتی رہتی ہیں شہداء وغیرہ کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں داخل ہوجاتی ہیں بعد قیامت اس جسم کے ساتھ جنت میں داخلہ ہوگا۔(ان شاءاللہ تعالٰی)

۲؎ کیونکہ دنیا آفات کی جگہ ہے،اگرچہ دنیا میں کسی کو بہت زیادہ آرام ملے مگر وہ سب آرام اس آرام کے مقابل تکالیف ہیں،جیل کا اے کلاس بھی گھر کی آزادی گھر کے آرام کے مقابل ہیچ ہے۔

۳؎ دس بار سے مراد کئی بار ہے،یعنی شہید تمنا کرے گا کہ پھر مجھے دنیا میں بھیج کر شہادت کا موقعہ دیا جائے،جو مزہ راہِ خدا عزوجل میں سر کٹانے میں آیا وہ کسی چیز میں نہ آیا۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ کرامت سے مراد اخروی عزت و حرمت ہے یعنی وہ سوچے گا کہ جب ایک دفعہ شہید ہونے سے مجھے اتنی عزت ملی تو بار بار شہید ہونے سے کتنی عزت ملے گی اور ہوسکتا ہے کہ کرامت سے مراد وہ لذت ہو جو اسے راہِ خدا عزوجل میں سر کٹانے سے ہوئی ہو،عبادت میں بھی لذت ہے،جسے اللہ کے بندے محسوس کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت مسروق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ ابن مسعود سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ اللہ کی راہ میں مقتولوں کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ	

ہیں روزی دیئے جاتے ہیں،الخ ۲؎فرمایا ہم نے اس کے متعلق پوچھا۳؎تو فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۴؎ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹک رہی ہیں۵؎جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں ۶؎پھر ان کی طرف ان کا رب متوجہ ہوتا ہے ۷؎تو فرماتا ہے کیا تم کوئی چیز چاہتے ہو۸؎وہ عرض کرتے ہیں ہم کیا چیز چاہیں ہم توجنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں ان کے لیے تین بار یہ سوال کیا جاتاہے ۹؎جب یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مانگنے سے نہ چھوڑیں جائیں گے تو عرض کرتے ہیں یا رب ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں ۱۰؎تاکہ ہم تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں جب رب دیکھتا ہے کہ انہیں کوئی حاجت نہیں تو یہ چھوڑے جاتے ہیں ۱۱؎(مسلم)	

۱؎آپ مشہور تابعی ہیں،حضور کی وفات سے پہلے اسلام لائے مگر زیارت نہ کرسکے،خلفائے راشدین،ابن مسعود اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کی زیارت و صحبت سے شرف حاصل ہوا،حضرت ابن مسعود کے ساتھ اکثر رہے،کثرت نوافل کی وجہ سے پاؤں سوجے رہتے تھے،جب حج کو جاتے تو حرم شریف میں ہی رہتے وہاں ہی سوتے تھے،بچپن میں آپ کو چوری کرلیا گیا تھا اس لیے نام مسروق ہوا،بصرہ کے حاکم رہے،کوفہ میں ۶۲ھ؁ وفات پائی۔

۲؎سوال کا مقصد یہ ہے کہ شہداء کی زندگی کے کیا معنی اور انہیں روزی کس طرح دی جاتی ہے وہ تو دفن ہوچکے ان کی میراث تقسیم ہوچکی ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کرچکیں،جب ان پر مُردوں کے احکام جاری ہوچکے تو وہ زندہ کیونکر ہیں۔

۳؎نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لہذا یہ حدیث مرفوع ہے،(مرقات،اشعہ،نووی،شرح مسلم)کیونکہ ظاہر یہ ہی ہے کہ حضرت ابن مسعود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی دریافت کیا۔

۴؎یعنی اللہ تعالٰی ان روحوں کے لیے ان کے بدنوں کے قائم مقام اجسام پیدا فرماتا ہے ان اجسام میں یہ روحیں امانۃً رہتی ہیں،یہ اجسام ان روحوں کے اپنے نہیں ہوتے لہذا یہ تناسخ یا اواگون نہیں۔

۵؎یعنی شہداء کی روحیں وہاں سیر تو کرتی ہیں اور جنت کے میوے تو کھاتی ہیں مگر حوروں اور وہاں کے مکانات کو استعمال نہیں کرتیں،یہ استعمال تو بعد قیامت ہوسکے گا۔رب تعالٰی نے ان کے لیے دنیاوی پنجروں یا آشیانوں کی طرح نورانی قندیلیں بنا دی ہیں جن میں وہ قیام کرتی ہیں۔

۶؎ یعنی ہر وقت وہ روحیں جنت میں ہی رہتی ہیں،یہ سیر کرتے وقت بھی اور دوسرے وقت بھی مگر اس کے باوجود ان روحوں کا تعلق ان کی قبور اور مدفون جسموں سے ضرور رہتا ہے جیسے سورج کی شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں مگر سورج سے تعلق رکھتی ہیں یا ہمارا نور نظر آسمان کی سیر کر تا ہے مگر آنکھ سے بے تعلق نہیں ہوجاتاورنہ آنکھ اندھی ہوجاتی،ارواح شہداء کی لطافت توان شعاعوں اورنور نظر سے کہیں زیادہ ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض یعنی کہ جب شہداء کی روحیں جنت میں ہیں تو قبورشہداء کی زیارت،انہیں اسلام کرنا بے کار ہوا۔اس حیات کی پوری بحث اس مرآت کے **باب الجمعه** میں ملاحظہ فرمائیں،حدیث **فبنی العاصی برزق** کی شرح میں۔

۷؎ **اطلاع** کے معنی ہیں جھانکنا،چڑھنا مگر یہ معنی رب تعالٰی کے لیے ناممکن ہے اس لیے یہاں اس کے معنی نظر فرمانا، تجلی فرمانا،توجہ فرمانا مناسب ہیں۔

۸؎ بعض شہداء سے بے حجابانہ یہ کلام ہوتا ہےاور اکثر سے وراء حجاب،اس عالم میں ان آنکھوں سے رب تعالٰی کا جمال دیکھنا ناممکن ہے،وہ عالم بھی دوسرا ہے اور دیکھنے والی آنکھ بھی دوسری۔

۹؎ یہ بار بار سوال فرمانا اظہار کرم خاص کے لیے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۱۰؎ یعنی ہم کو کچھ نہ کچھ مانگنا ہی پڑے گاتب وہ جنت کی بقیہ نعمتیں حوروقصور وغیرہ نہیں مانگتے بلکہ پھر ان اجسام میں پہلے کی طرح جانا مانگتے ہیں جس سے انہیں ظاہری زندگی ملے اور پھر وہ جہاد کرکے شہید ہوسکیں۔ خیال رہے کہ یہاں سوال ظاہری زندگی اور شرعی جہاد اور شرعی شہادت کا ہے ورنہ بعض موقعوں پر ارواح شہداء کو میدانِ جہاد میں جہاد کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔چنانچہ ابن قیم نے **کتاب الروح** میں ص۱۵۳ پر لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم کی روحوں نے بعد وفات کفار کے بڑے لشکر جرار کو بھگادیااور مجاہد مسلمانوں کی مدد کی اور وہ مدد بالکل درست تھی۔صبح کو لشکر کفار مقتول تھا اور باقی بھاگ چکا تھامگر یہ جہاد اور نوعیت کا ہے،نیز اسی **کتاب الروح** میں ہے کہ حضرت کی روح پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک دوردراز ملک میں پہنچ کر ایک رافضی کو قتل کیا۔

۱۱؎ خیال رہے کہ رب تعالٰی نے ان روحوں کو دوسری طرف یعنی دوسرے سوالوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا،ورنہ وہ دیدار الٰہی دیار مصطفوی کی تمنا کرتے بلکہ ان کی توجہ شہادت کی طرف دلائی تاکہ لوگوں کو شہادت اور غزوہ کی اہمیت کا پتہ لگے،یہ بھی خیال رہے کہ اس دنیا میں ناممکن چیز کی دعا کرنا ممنوع ہے مگر وہ تو دنیا ہی دوسری ہے وہاں ناممکن کی دعا کرنا ممنوع نہیں،کہ شہداء دنیا میں واپس آنے کی دعا کرتے ہیں جو ناممکن ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہوچکی ہیں۔دوسرے یہ کہ قیامت سے پہلے کوئی شخص جزاوثواب کے لیے جنت میں اس جسم سے نہیں جاسکتا۔تیسرے یہ کہ بعض خوش نصیبوں کو روحانی داخلہ قیامت کے پہلے بھی عطا ہوسکتا ہے۔چوتھے یہ کہ جنت کے پھل،ہوا،دوسری نعمتیں قیامت سے پہلے بعض لوگ استعمال کرتے ہیں مگر وہاں کی حوروں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے،حوریں تو بعد قیامت ہی میسر ہوں گی۔دیکھو آدم علیہ السلام کو جنت کے قیام کے زمانہ میں صرف کھانے کی اجازت تھی،اگر حوروں کی اجازت ہوتی تو آپ کو تنہائی کی وحشت نہ ہوتی اور حضرت حوا کی پیدائش کی خواہش نہ پیدا ہوتی۔پانچویں یہ کہ روح کو فنا نہیں موت جسم پر طاری ہوتی ہے کہ اس سے روح علیحدہ کردی جاتی ہے۔چھٹے یہ کہ

روح کو راحت و تکلیف کا احساس بعدموت رہتا ہےورنہ برزخ کے ثواب و عذاب کے کیا معنی ؟ساتویں یہ کہ برزخ کا ثواب و عذاب برحق ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ"یہ آیت کریمہ عذاب قبر کے لیے صریحی نص ہےجس کی تاویل نہیں ہوسکتی،برزخ کے احوال برحق ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں قیام فرمایا ۱؎ تو ان سے ذکر فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان لانا تمام اعمال میں افضل ہے ۲؎ تو ایک شخص اٹھا پھر بولا یارسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو میرے تمام گناہ مٹادیئے جائیں گے ۳؎ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے حالانکہ تو طالب ثواب ہو آگے جاتا ہو پیٹھ پھیرتا نہ ہو ۴؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو نے کیا کہا ۵؎ وہ بولا کہ فرمایئے تو اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کردیا جاؤں تو کیا میری خطائیں مٹادی جائیں گی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جب کہ تو صابر طالب اجر ہو،آگے بڑھتا ہوا ہو،پیچھے ہٹتا نہ ہو سوا قرض کے ۶؎ کیونکہ مجھ سے جبریل نے یہ ہی کہا ہے ۷؎ (مسلم)	

۱؎ وعظ فرمانے کے لیے یوں تو حضور کا ہر کلام وعظ تھا اور ہر مجلس مجلس وعظ تھی مگر بعض دفعہ اہتمامًا قیام فرماکر کلام فرمایا جاتا تھا یہ بھی ان ہی میں سے تھا۔

۲؎ خیال رہے کہ ایمان دل کا عمل ہے اور جہاد جسم کا عمل،ایمان تو مدار نجات ہے اور اعمال ظاہری ذریعہ ترقی درجات،بعض حالات میں جہاد نماز سے افضل ہوتا ہے اور عام حالات میں نماز جہاد سے افضل ہے،یہاں وہ ہی خاص حالات مراد ہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں نماز کو افضل اعمال فرمایا گیا ہے۔

۳؎ حق یہ ہے کہ یہاں خطایا سے مراد سارے صغیرہ اور کبیرہ گناہ ہیں بلکہ تمام حقوق اللہ اور حقوق عباد جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۴؎ یہاں تمام گناہوں کی معافی کے لیے دو قیدیں ارشاد ہوئیں:ایک اخلاص سے جہاد کرنا،دوسرے وہاں سے گھبرا کر نہ بھاگنا،سینہ میں تیر یا گولی کھانا۔یہاں پیٹھ پھیرنے سے مراد بزدلی کے طور پر بھاگنے کے ارادے سے پیٹھ پھیرنا

ہے،اگر اکیلا رہ جانے والا غازی اپنے کیمپ کی طرف قوت حاصل کرنے کے لیے بھاگے یا جنگی چال کے طور پر پیچھے ہٹے تو اس کا یہ حکم نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ"لہذا یہ حدیث آیت کے خلاف نہیں۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سوال بھول نہ گئے تھے،دوبارہ سوال کرنا اظہار اہتمام کے لیے ہے تاکہ اسے یہ جواب خوب یاد رہے۔(مرقات)

۶؎ یہاں قرض کے متعلق شارحین کے کئی قول ہیں:بعض نے فرمایا کہ قرض سے مراد بندے کے سارے مارے ہوئے حقوق ہیں چوری،خیانت،غصب،قتل وغیرہ۔مرقات نے فرمایا کہ قرضہ سے وہ قرضہ مراد ہے جس کے ادا کرنے کی نیت نہ ہو،اگر ادا کرنے کی نیت تھی مگر موقعہ نہ ملا کہ شہید ہوگیاوہ قرض خود قرض خواہ سے معاف کرادیا جائے گا مگر دریا کا شہید اس کا قرضہ بھی معاف ہوجاتا ہے اور اس کی روح بلاواسطہ خود رب تعالٰی قبض فرماتاہے حضرت ملک الموت کے سپرد نہیں فرماتا۔(مرقاۃ)

۷؎ یعنی ابھی وحی الٰہی آئی جس میں مجھ سے یہ فرمایا گیا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور پر صرف قرآن کریم کی ہی وحی نہ ہوئی اس کے علاوہ اور بھی وحی ہوئی ہیں۔دوسرے یہ کہ ہر وحی کو صحابہ کرام دیکھا نہ کرتے تھے،بعض وقت ان حضرات نے وحی آتے دیکھی،بلکہ بعض اوقات جبرائیل امین کو بھی دیکھا اور بعض وقت کچھ بھی نہ دیکھا،رب تعالٰی نے اپنے محبوب سے باتیں کرلیں پاس والوں کو خبر بھی نہ ہوئی،اس وقت جو وحی آئی یہ اسی دوسری قسم کی تھی،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ وحی پہلے آچکی تھی مگر یہ درست نہیں،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سائل سے یہ پہلے ہی فرمادیتے دوبارہ بلانے اور سوال پوچھنے کی حاجت نہ ہوتی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں قتل ہونا(یا قتل کرنا)۱؎ ہر چیز کو مٹا دیتا ہے سواءقرض کے۲؎(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قتل مصدر مجہول ہے بمعنی قتل کیا جانا،شہید ہونا،اس کی تائید گزشتہ حدیث کررہی ہے،اور ہو سکتا ہے کہ قتل سے مراد قتل کرنا،یعنی جہاد کرنا ہو۔

۲؎ اس کی شرح ابھی ہوچکی۔قرض سے مراد وہ قرض ہے جس کا مطالبہ کرنے کا حق بندے کو ہو خواہ بیوی کا دین،مہر ہو،یا کسی سے لیا ہوا قرض،یا ماری ہوئی امانت،یا غضب کیا ہوا مال کہ یہ ہی بندوں کے حقوق ہیں،اپنے ذمہ رہی ہوئی زکوۃ فطرانہ،قربانی،ذمہ کی نذر یا روزہ نماز وغیرہ مراد ہیں،مرقات نے یہاں ان سب چیزوں کو دین مانا ہے مگر یہ قوی نہیں،ورنہ پھر تو کوئی گناہ معاف نہ ہونا چاہیے کیونکہ ہر گناہ رب تعالٰی کا وہ قرض ہے جو بندے نے مار لیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی ان دو شخصوں سے بہت خوش ہوتا ہے ۱؎ جن میں سے ایک دوسرے کو قتل

کرے پھر دونوں جنت میں پہنچیں ۲؎ کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے تو مارا جائے پھر اللہ قاتل کو توبہ کی توفیق دے دے پھر وہ شہید کردیا جائے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ضحك کے معنی ہیں ہنسنا،رب تعالٰی کے لیے یہ ناممکن ہے اس لیے بعض شارحین نے اس کے معنی کیے ہیں خوش ہونا،راضی ہونا،پسند فرمانا۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ضحك کے معنی ہیں پانی بہانالہٰذا اس کے معنے ہوئے رحمتیں بہاتا ہے،یہ معنے نہایت لذیذونفیس ہیں۔

۲؎یعنی یہ قاتل و مقتول دونوں ایک ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جنت میں جاویں گے۔خیال رہے کہ دنیا کی تمام مسلمانوں کی ذاتی عداوتیں آخرت میں ختم ہوجاویں گی،یوں ہی دنیا کی جسمانی محبتیں بھی وہاں فنا ہوجائیں گی،ایمانی عداوت و رحمت باقی رہے گی،مسلمان باپ کافر بیٹے کو عذاب میں دیکھ کر خوش ہوگااور اجنبی مسلمان دوسرے مسلمان کو عذاب میں دیکھ کر ملول ہوگا،اس کی سفارش و شفاعت کرکے اسے بخشوائے گا،یونہی وہ دو مسلمان جو دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے کے دشمن تھے وہاں دوست ہوجائیں گے۔رب فرماتاہے:" وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوٰنًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ" اور فرماتاہے: "اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ"۔

۳؎کہ پہلا بھی شہیدوسعید مرا اور دوسرا بھی شہید و سعید،دیکھو حضرت امیر حمزہ کو جناب وحشی نے شہید کیا اور پھر بعد میں خود بھی سعیدومؤمن ہوکر فوت ہوئے،رضی اللہ عنہما۔

روایت ہے حضرت سہل ابن حنیف سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سچے دل سے اللہ سے شہادت مانگے ۲؎تو اللہ اسے شہیدوں کے درجوں پر پہنچادے گا اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے ۳؎ (مسلم)	

۱؎آپ صحابی بھی انصاری بھی،بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے،غزوہ احد میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ جانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹے رہے،پھر حضرت علی کے ساتھ رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر فرمایا،پھر فارس پر،۳۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی،امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہاں ہی دفن کیا۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎اسی طرح کہ دل سے شہادت کی آرزو کرے،زبان سے دعا کرےاور بقدر طاقت جہاد کی تیاری کرے،موقعہ کی تاک میں رہے،صرف سچی دعا کو بھی بعض شارحین نے اسی میں داخل فرمایا ہے۔

۳؎اسی طرح کہ یہ حکمی شہید ہوگا،جو جنت میں شہداء کے ساتھ رہے گا،رب تعالٰی کی عطا ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ ربیع بنت براء ۱؎جو حارثہ ابن سراقہ کی ماں ہیں ۲؎نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت	

میں آئیں بولیں یا رسول اللہ آپ مجھے حارثہ کی کیوں خبر نہیں دیتے اور وہ بدر کے دن شہید کیے گئے تھے۳؎ کہ انہیں غائبانہ تیر لگا تھا اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کرلوں۴؎ اگر اس کے سوا ہو تو ان پر رونے میں کوشش کروں ۵؎ تو فرمایا اے ام حارثہ جنت بہت سی جنتیں ہیں ۶؎ اور تمہارے لخت جگر نے اعلیٰ درجہ کی فردوس حاصل کی ہے ۷؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی براء ابن عازب کی دختر نیک اختر،اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ یہ درست نہیں بلکہ آپ ربیع بنت نضر ہیں اور نضر حضرت انس ابن مالک کے چچا ہیں اور براء ابن مالک حضرت انس کے بھائی ہیں،لہذا ربیع بنت نضر حضرت انس کی پھوپھی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ آپ جنگ بدر میں سب سے پہلے شہید ہیں انصاری ہیں۔

۳؎ یعنی انہیں غائبانہ تیر لگا مارنے والے کا پتہ نہ چلا تھا۔اگر کسی کو تیر مارا جائے اور لگ جائے دوسرے کے اسے بھی **سہم غرب** کہتے ہیں مگر یہاں پہلے معنے مراد ہیں۔مقصد یہ ہے کہ حضور میرے بچے حارثہ کا پتہ بتادیجئے کہ وہ کہاں ہے جنت یا دوزخ میں۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف فرما ہو کر جنت و دوزخ کے ہر مقام اور وہاں کے باشندوں کو دیکھ رہے ہیں،پتہ اس سے پوچھا جاتا ہے جو جانتا ہو۔حضور نے بھی یہ نہ فرمایا کہ مجھے خبر نہیں تیرا بیٹا کہاں ہے حضرت جبرئیل آئیں گے تو پوچھ کر بتائیں گے بلکہ فورًا بتادیا جو جنت کو دیکھ رہا ہے وہ زمین کے ذرہ ذرہ کو بھی دیکھ رہا ہے کیونکہ جنت بمقابلہ روئے زمین سے دور ہے،یہ ہی معنے ہیں حاضر ناظر کے،صحابہ کرام کا یہ ہی عقیدہ تھا۔

۴؎ اور بالکل گریہ وزاری نہ کروں اس نعمت کی شکریہ میں۔خیال رہے کہ بی بی ربیع کو حضرت حارثہ کے شہید ہونے میں شک تھا کیونکہ وہ کفار سے لڑے بغیر غائبانہ تیر سے شہید ہوئے تھے نہ معلوم وہ تیر کافر نے مارا تھا یا کسی مسلمان کا ہی لگ گیا تھا۔اس نے یہ تردد ظاہر کیا،شہید کے جنتی ہونے میں شک نہ تھا کہ یہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے خبر قرآنی میں کسی مسلمان کو شک و تردد نہیں ہوسکتا۔

۵؎ یہاں رونے سے مراد جائز رونا ہے آنسوؤں سے نوحہ ماتم مراد نہیں کہ حضرات صحابہ اور صحابیات اس سے محفوظ تھے یعنی پھر میں اس محرومی پر روؤں کہ میرا بیٹا جان سے ہاتھ بھی دھو بیٹھا اور جنتی بھی نہ ہوا،اس محرومی پر رونا بھی عبادت ہے،جیسے اللہ کی نعمت پر خوش ہونا عبادت ہے۔

۶؎ جنت کے سو درجے ہیں اوپر تلے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

۷؎ یعنی جنت کے درجوں میں سب سے اونچا درجہ جنت الفردوس ہے جو سب سے آخری درجہ ہے جس کے اوپر عرش الٰہی ہے تیرے بیٹے کو رب نے وہ دیا ہے کہ اب اس کی روح فردوس کی سیر کررہی ہے،بعد قیامت وہ مع جسم اس میں

داخل ہوگا۔یہ ہے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کہ حضور مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوکر جنت کے ہر طبقہ کے ہر باشندے کو دیکھ رہے ہیں اور آئندہ ہر سعید و شقی اور ان کے درجوں مرتبوں کو بھی جانتے ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تشریف لے گئے حتی کہ بدر میں مشرکین سے پہلے پہنچ گئے ۱؎ اور مشرکین بھی آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمانوں و زمین کی برابر ہے ۲؎ تو عمیر ابن حمام بولے ۳؎ خوب خوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے خوب خوب کہنے پر کون چیز بھڑکا رہی ہے ۴؎ بولے یارسول اللہ اور کوئی چیز نہیں سواء اس امید کے کہ میں بھی جنت کے اہل سے ہوجاؤں ۵؎ فرمایا تم اہلِ جنت میں سے ہو ۶؎ راوی فرماتے ہیں کہ پھر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ چھوارے نکالے ۷؎ اور انہیں کھانے لگے پھر بولے کہ اگر ان چھوہاروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ زندگی بہت دراز ہے ۸؎ فرماتے ہیں کہ جتنے چھوارے ان کے پاس تھے پھینک دیئے پھر کفار سے جنگ کی حتی کہ شہید کردیئے گئے ۹؎ (مسلم)

۱؎ بدر ایک شخص کا نام تھا جس نے ایک جگہ کنواں کھدوایا اس کنویں کا نام بھی بدر تھا،پھر اس میدان کا نام بدر ہوگیا اب وہاں بڑی بستی ہوگئی ہے۔مدینہ منورہ سے ایک سو چوالیس میل جانب مکہ معظّمہ ہے۔اس فقیر نے اس جگہ اور اس کے متبرک مقامات کی کئی بار زیارت کی ہیں۔پہلا باقاعدہ اسلامی جہاد اسی جگہ ہوا،بدر مذکر بھی بولا جاتا ہے مؤنث بھی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہد صحابہ کے ساتھ بدر میں پہلے پہنچ گئے،مشرکین مکہ بعد میں وہاں پہنچے۔

۲؎ یعنی اس عمل کی طرف چلو جو جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے وہاں جانا گویا جنت میں ہی جانا ہے جیسے فرمایا گیا ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے یا جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے،عمومًا ہر چیز کی چوڑائی اس کی لمبائی سے چھوٹی ہوتی ہے،جنت کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمینوں کی برابر ہے تو غور کرو کہ اس کی لمبائی کتنی ہوگی،اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت نفیس طریقہ سے باریک مسئلہ سمجھا دیا۔

۳؎ آپ عمیر ابن حمام ابن اجرع انصاری سلمی ہیں،انصار میں سب سے پہلے شہید آپ ہیں،آپ کو خالد ابن اعلم نے شہید کیا۔(مرقات)

۴؎ یعنی ہمارے اس فرمان پر تم کیوں خوشی منارہے ہو اور خوب خوب کیوں کہہ رہے ہو کچھ اس کی حقیقت بھی ہے یا صرف شغل کرتے ہوئے یہ کہتے ہو،قتل کے ڈر سے کہتے ہو یا جنت کی امید سے۔حضور انور کا سوال اس لیے ہے کہ حضرت عمیر جواب دیں اور مسلمانوں کو ان کی اولوالعزمی معلوم ہوجائےورنہ حضور تو ہر ایک کے دل کی حالت سے خبردار تھے جیسے جبل احد کے پتھروں کے دل کا حال معلوم کرکے فرمایا کہ احد ہم سے محبت کرتا ہے اور انسانوں کے دل کا حال کیونکر نہ معلوم ہوگا اس کا خیال رہے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ اپنا عمل و اخلاص و نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا ریا کاری نہیں بلکہ اس سے عمل اور زیادہ قبول ہوجاتا ہے۔

۶؎ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک کے سعیدوشقی ہونے پر مطلع ہونا کہ حضرت عمیر کے جنتی ہونے یعنی ایمان پر خاتمہ اور شہادت حساب محشر میں کامیابی،پل صراط سے بخیریت گزرنے کی خبر پہلے ہی سے دے رہے ہیں کیونکہ جنت میں داخلہ ان سب منزلوں سے گزرنے کے بعد ہوگا۔خیال رہے کہ جس کے ایمان و جنتی ہونے کی حضور رجسٹری فرمادیں اس کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسے رب کی وحدانیت یقینی ہے۔

۷؎ قرن قاف اور رکے فتحہ سے بمعنی ترکش جس میں تیر رکھے جاتے ہیں۔

۸؎ یہ ہے شوق شہادت کہ اب اپنی زندگی بھی بوجھ معلوم ہورہی ہے یا یہ عمل ہے حضور کے اس فرمان عالی پر کہ قوموا الی جنۃ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمْ"۔

۹؎ اور اپنے مقصد کو پہنچ گئے،نیت خیر سے موت کی تمنا،موت کی دعا،موت حاصل کرنے کی ایسی کوشش بھی عبادت ہے۔شعر

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے　　　　کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ اپنے میں شہید کسے گنتے ہو ۱؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو راہِ خدا میں مارا جائے تو وہ شہید ہے ۲؎ فرمایا تب تو میری امت کے شہید بہت کم ہوں گے ۳؎ جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اللہ کی راہ میں مرجائے وہ شہید ہے ۴؎ اور جو طاعون میں مرجائے وہ شہید ہے ۵؎ اور جو پیٹ کی بیماری میں مرجائے وہ شہید ہے ۶؎ (مسلم) ۷؎	

۱؎ یہاں عد بمعنی شمار کرنا بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی گمان کرنا بھی لہذا متعدی ہر دو مفعول ہے اور ما جنس کے سوال کے لیے بھی آتا ہے نوع کے سوال کے لیے بھی اور کسی وصف کے لیے بھی اور افراد کے سوال کے لیے بھی یہاں تمام معنی درست ہیں یعنی تم کس کس مسلمان کو شہید سمجھتے ہو یا کس صفت سے شہادت کا حاصل ہونا جانتے ہو۔(مرقات)

شہید بروزن فعیل صفت مشبہ یا بمعنی مفعول ہے جیسے شہیر بمعنی مشہور یا بمعنی فاعل جیسے خریب بمعنی خارب اور یہ لفظ یا شہادت بمعنی گواہی سے بنا ہے یا شہود بمعنی حاضری سے یا مشاہدہ بمعنی دیکھنے سے یعنی اپنے خون کے قطروں سے توحیدورسالت کی گواہی دینے والا یا جس کی بخشش و عزت کی قرآن و حدیث نے گواہی دی یا مرتے ہی رب تعالٰی کی بارگاہ میں یا جنت میں حاضر ہونے والا یا مرکر تمام جہان کا مشاہدہ کرنے والا یا جنت کی نعمتوں کو دیکھنے والا یا حضرات انبیاء کرام کی طرح دوسری امتوں پر گواہ،اور بھی اس کے بہت معنی ہیں۔(لمعات) ان کے مشاہدہ کے متعلق قرآن کریم فرماتاہے:"وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ"جواب تک ان سے نہ ملے ان پر خوشیاں منارہے ہیں کہ عنقریب وہ لوگ مرکر یا شہید ہو کر ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

۲؎ یعنی شہادت کے لیے ہم نے دو شرطیں سمجھی ہیں:ایک قتل ہونا اور دوسرے راہ خدا میں قتل ہونا یعنی جہاد میں کفار یا باغیوں وغیرہم کے ہاتھوں قتل ہونا۔

۳؎ کیونکہ ان دو شرطوں سے بہت سے حقیقی شہید بھی نکل جائیں گے جیسے چور ڈاکو کے ہاتھوں مقتول اور حکمی شہداء تو سارے ہی نکل جاویں گے۔

۴؎ یعنی وہ قتل تو نہ ہو اپنی موت مرے مگر مرے اللہ کی راہ میں جیسے حاجی سفر حج میں یا طالب علم طلب علم کے زمانہ میں اور جو اللہ کا کام کرتے کرتے مرے یہ سب شہید ہیں۔

۵؎ یعنی جہاں طاعون پھیلے وہاں سے بھاگ نہ جائے اور طاعون سے مرجائے وہ بھی شہید ہے کیونکہ وہ جنات کا مقتول ہے۔طاعون بنا ہے **طعن** سے بمعنی نیزہ مارنا طاعون والے کو محسوس ہوتا ہے کہ میرے جسم میں کوئی نیزے ماررہا ہے اس لیے اسے طاعون کہتے ہیں لہذا یہ شخص شہید ہوتا ہے۔

۶؎ پیٹ کی بیماریوں سے مرنے والا حکمًا شہید ہوتا ہے جیسے دست،درد،استسقاء،چونکہ ان بیماریوں میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے کہ پیٹ کی خرابی تمام بیماریوں کی جڑ ہے اس لیے اس سے مرنے والا حکمًا شہید ہے۔حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمی شہداء کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس میں فرمایا ڈوب کر ہلاک ہونے والا،جل کر،دیوار وغیرہ سے دب کر مرنے والا،مسافر،مرابط،جو جمعہ کی رات یا دن میں مرے یہ سب شہید ہیں کہ قیامت میں شہداء کے زمرہ میں اٹھیں گے۔(مرقات) یہ سب کرامتیں حضور کی طفیل ہیں۔

۷؎ طبرانی نے کبیر میں بروایت سلمان فارسی حدیث نقل کی کہ حضور انور نے اس جواب میں فرمایا کہ اس کی راہ میں قتل طاعون،عورت کا نفاس میں مرجانا،جل کر مرنا،ڈوب کر مرنا،پیٹ کی بیماری سے مرنا،سل کی بیماری سے مرنا،یہ تمام شہادت ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہے غازیوں کا کوئی چھوٹا بڑا لشکر۱؎ جو جہاد کرے تو غنیمت پالے اور سلامت رہے مگر وہ اپنے ثواب کے دو تہائی حصے فورًا

	حاصل کرلیتے ہیں ۲؎ اور نہیں ہے کوئی غازیوں کی چھوٹی بڑی فوج جو ناکام رہے اور تکلیف دی جائے ۳؎ مگر ان کے ثواب پورے ہوجاتے ہیں ۴؎ (مسلم)

۱؎ چار سو غازیوں تک کا لشکر سریہ کہلاتا ہے اس سے بڑا لشکر فوج،نیز جس جہاد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شرکت نہ فرماویں وہ سریہ ہے اور جس میں حضور بنفس نفیس شرکت فرمادیں وہ غزوہ۔(مرقات و اشعہ) یعنی آئندہ حکم ہر چھوٹے بڑے لشکر کے لیے ہے۔

۲؎ کیونکہ جہاد میں رب کی طرف سے تین نعمتیں ملتی ہیں،سلامتی،غنیمت،ثواب و اجر پہلی دو نعمتیں دنیا میں اور آخری نعمت ثواب و اجرآخرت میں۔

۳؎ **یخفق** بنا ہے **خفق** سے بمعنی مجاہد کا بغیر غنیمت ہونا یا شکاری کابغیر شکار واپس لوٹنا،تکلیف سے مراد زخم و شہادت اور دوسری تمام تکالیف ہیں جو عموماً جہاد میں پیش آتی ہیں یعنی جو غازی غنیمت تو حاصل نہ کرسکے زخمی یا شہید ہوجائے۔

۴؎ یعنی اسے یہ تینوں چیزیں آخرت میں ملیں گی۔خیال رہے کہ غنیمت اور سلامتی کو اجر فرمانا اس لیے ہے کہ غزوہ میں یہ بھی رب تعالٰی کا عطیہ ہوتا ہے ورنہ غازی کا جہاد سلامتی اور غنیمت کے لیے نہیں ہوتا وہ تو صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مرجائے اور نہ تو جہاد کرے ۱؎ اور نہ اپنے دل میں اس کا خیال کرے ۲؎ تو نفاق کے حصے پر مرے گا ۳؎ (مسلم)

۱؎ یا اس طرح کہ اس کی زندگی میں جہاد ہوا ہی نہیں یا اس طرح کہ جہاد تو ہو مگر یہ شریک نہ ہو یا نہ ہوسکے غرضیکہ اس فرمان عالی کی کئی صورتیں ہیں۔

۲؎ **نفسہ** سے پہلے فی پوشیدہ ہے اور خیال کرنے سے مراد یا جہاد کی تمنا کرنا ہے یا تیاری جہاد کرنا ہے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں نیکی کی تمنا بھی باعث ثواب ہے گناہ کی تمنا بھی گناہ۔

۳؎ یعنی ایسا آدمی منافق سے مشابہ ہوگا جو جہاد سے بہت بچتے تھے اور جو کسی قوم سے مشابہت رکھے وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ ابن مبارک وغیرہ محدثین نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ اس زمانہ میں جہاد سے بے گانہ رہنا منافقین کی علامت۔(مرقات و نووی) جیسے حدیث پاک میں ہے "**من ترك الصلوۃ متعمدًا فقد کفر**"جودانستہ طور پر نماز چھوڑے کافر ہے،یہ بھی اسی زمانہ پاک کے متعلق ہے کہ اس زمانہ میں بے نمازی ہونا کفار کا نشان تھا،فرماتے ہیں کہ مؤمن اور کافر کے درمیان فرق نماز ہے،بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہر زمانہ کے متعلق ہے۔مطلب یہ ہے کہ جہاد کا خیال بھی دل میں نہ لانا نفاق پیدا کرتا ہے۔(مرقات) جیسے ارشاد ہوا کہ گانا بجانا بلکہ گانے کی آواز رغبت سے سننا دلی نفاق اس طرح پیدا کرتا ہے جیسے پانی کا سیل گھاس کو۔اسی حدیث کی بنا

پر بعض علماء نے فرمایا کہ جہاد فرض عین ہے مگر حق یہ ہے کہ بعض حالات میں فرض عین ہوتا ہے اکثر حالات میں فرض کفایہ۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ ایک شخص غنیمت کے لیے جہاد کرتا ہے ۱؎ اور ایک شخص اپنی شہرت چرچے کے لیے ۲؎ اور ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اس کا درجہ دیکھا جاوے ۳؎ تو اللہ کی راہ میں مجاہد کون ہے فرمایا وہ ہے جو صرف اس لیے جہاد کرے کہ اللہ تعالٰی کا کلمہ بلند ہوجائے ۴؎ وہ اللہ کی راہ میں مجاہد ہے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی صرف مال غنیمت حاصل کرنے یا ملک جیتنے اور وہاں راج کرنے کی نیت سے جہاد کرتا ہے،رضاءالٰہی کی نیت نہیں کرتا جیسا کہ آج کل عمومًا جنگ کے وقت ملک وقوم کی خدمت کا نام لیتے ہیں،اللہ کے دین کی خدمت کا ذکر تک نہیں کرتے اس لیے بچنا چاہیے۔

۲؎ یعنی صرف اس لیے جہاد کرتا ہے کہ لوگوں میں اس کی بہادری کا چرچا ہو اور اسے شہرت و عزت حاصل ہو،کفار کو اپنی شجاعت دکھانا ان کے مقابل اپنی شان و بہادری بیان کرنا عبادت ہے۔

۳؎ یری کی تین قرأتیں ہیں:باب فتح کا مضارع مجہول،باب افعال کا مضارع معروف اور باب فتح کا مضارع معروف یعنی تاکہ اس کا درجہ دیکھا جاوے یا لوگوں کو اپنا درجہ شجاعت دکھائے مسلمانوں کو یا تاکہ وہ اپنی جنت کی جگہ دیکھ لے یعنی صرف جنت حاصل کرنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔(مرقات و اشعہ) تیسرے معنی صوفیانہ ہیں۔صوفیاء کے نزدیک جنت حاصل کرنے یا دوزخ سے بچنے کے لیے بھی عبادت نہ کی جائے،صرف جنت والے رب کو راضی کرنے کے لیے عبادت کرنی چاہیے،جب وہ راضی ہوگیا تو سب کچھ مل جائے گا۔

۴؎ کلمۃ اللہ سے مراد کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ ہے یعنی اسلام کی اشاعت کرنے اور کفر کا زور توڑنے کے لیے جہاد ہو۔خیال رہے کہ خدمت دین کے ساتھ غنیمت کی نیت بھی ہونا مضر نہیں مگر کمال اس میں ہے کہ خالص خدمت دین کی نیت ہو غنیمت بلکہ جنت حاصل کرنے کا بھی ارادہ نہ ہو۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے ۱؎ مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسی قومیں بھی ہیں ۲؎ کہ تم چلے اور تم نے کوئی جنگل طے نہ کیا مگر وہ تمہارے ساتھ تھے ۳؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ مگر وہ ثواب میں وہ تمہارے شریک ۴؎ لوگوں نے کہا یارسول	

	اللہ وہ رہے مدینہ ہی میں فرمایا وہ رہے مدینہ ہی میں جن کو معذوری نے روک لیا ۵؎(بخاری)

۱؎ تبوک مدینہ منورہ سے چھ سو ساٹھ میل دور جانب شام ہے اس طرح کہ ایک سو ساٹھ میل خیبر ہے اور خیبر سے پانچ سو میل تبوک سے کچھ فاصلہ پرمان ہے پھر مان کے بعد عمان ہے اردن کا دارالخلافہ،فقیر نے خیبر کی تو باقاعدہ زیارت کی ہے مگر تبوک اور مان پر ہوائی جہاز سے پرواز کی ہے عمان اور بیت المقدس جاتے ہوئے،غزوہ تبوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔جیساکہ اشعہ نے فرمایا۔

۲؎ یعنی مختلف جماعتوں و قبیلوں کے مسلمان وہ بھی ہیں جو اس غزوہ میں جانے کی دل سے تمنا کرتے تھے مگر کسی سخت مجبوری کی وجہ سے نہ جاسکے۔

۳؎ اس طرح کہ جسم ان کے مدینہ میں رہے اوردل تمہارے ساتھ جہاد میں رہے،نیز ان کی نیت ان کے ارادے تمہارے ساتھ رہے یا وہ اجروثواب میں تمہارے ساتھ رہے کہ تمہارے پیچھے تمہارے گھر بار کی دیکھ بھال اور تمہارے بال بچوں کی خدمت کرتے رہے۔

۴؎ اس طرح کہ نفس ثواب میں تمہارے ساتھ شریک رہے اگرچہ عملی جہاد میں تم ان سے بڑھ گئے۔اس وجہ سے غنیمت میں ان کا حصہ نہ ہوگا،رب فرماتاہے:"وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً"۔اس سے معلوم ہوا کہ نیت خیر کا بڑا درجہ ہے،اس طرح کسی نیکی سے رہ جانے پر افسوس کرنا بھی ثواب ہے۔

۵؎ معذوری سے مراد واقعی معذوری ہے،جو بعض مخلص صحابہ کو تھی،بناوٹی معذوری نہیں جو بہانہ باز منافقین نےظاہر کی تھی ان پر تو سخت عتاب فرمایا گیا دیکھو سورۂ توبہ۔

	اور مسلم نے روایت کیا حضرت جابر سے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوااور آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو فرمایا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں عرض کیا ہاں ۱؎ فرمایا تو انہیں ہی میں جہاد کر ۲؎(مسلم،بخاری) اور ایک روایت یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کی طرف لوٹ جا ان سے اچھا برتاؤ کر ۳؎

۱؎غالب یہ ہے کہ اس کے ماں باپ کو اس کی خدمت کی حاجت تھی،وہ اکیلا بیٹا خدمت گار تھا اور جہاد اس وقت فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا،ایسی صورت میں ماں باپ کی خدمت جہاد پر مقدم ہے،اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو جہاد مقدم ہے۔

۲؎یہاں جہاد سے مراد لغوی جہاد ہے بمعنی مجاہدہ،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَالَّذِیۡنَ جٰہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا"اس سے مراد ہے جہاد بالنفس۔

۳؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی جہاد کے لیے بغیر والدین کی اجازت کے نہیں جانا چاہیے،اگر جہاد فرض ہو تو بہتر ہے کہ ان سے اجازت لے لے لیکن اگر وہ اجازت نہ دیں تو بھی چلا جاوے،اگر وہ منع کریں گے تو وہ گنہگار ہوں گے یہ حکم مؤمن والدین کے لیے ہے،کافر ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں خواہ جہاد فرض ہو یا نفل۔خیال رہے کہ مسلمان ماں باپ کی اجازت کے بغیر کسی نفلی عبادت کے لیے نہ جاوے جیسے نفلی حج،نفلی عمرہ،زیارت وغیرہ حتی کہ اگر مسلمان ماں باپ اجازت نہ دیں نفلی روزہ بھی نہ رکھے۔چنانچہ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا بولا میں ہجرت پر بیعت کرنے آیا ہوں والدین روتے رہ گئے ہیں فرمایا واپس جاؤ جیسے انہیں رُلا کر آئے ویسے ہی انہیں ہنساؤ،اسی ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوسعید خدری روایت کی ہے کہ یمن سے ایک شخص ہجرت کرنے مدینہ منورہ حاضر ہوا اس سے حضور نے پوچھا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں عرض کیا ہاں،فرمایا تو ان سے پوچھ کر آیا ہے بولا نہیں،فرمایا واپس جاؤ،اجازت لے کر آؤ،اگر اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت کرو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ فتح کے بعد ہجرت نہیں ۱؎لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے نکالا جائے تو نکل جاؤ ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی فتح مکہ کے بعد مکہ معظّمہ سے ہجرت کرجانا ضروری نہیں کیونکہ اب مکہ معظّمہ میں مشرکین نہیں،اب وہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی ہے یہ مطلب نہیں کہ کسی جگہ سے کبھی ہجرت نہیں ہوگی۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔جن میں ارشاد ہے کہ ہجرت تاقیامت جاری ہے۔خیال رہے کہ دارالکفر سے جہاں اسلامی آزادی بالکل نہ ہو،ہجرت کرجانا فرض ہے بشرطیکہ طاقت ہو اور جہالت کی جگہ سے علم کی جگہ گناہوں کی جگہ سے توبہ کی جگہ ہجرت کرجانا مستحب ہے۔(مرقات)

۲؎یعنی اگر جہاد کبھی فرض ہوجائے اور اسلامی حکومت کی طرف سے اعلان عام ہو تو جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے یہ حکم وجوبی ہے اور اس وقت کے لیے ہے کہ جب جہاد فرض عین ہوچکا ہواس لیے صیغہ جمع ارشاد ہوا یعنی سب نکل جاؤ،رب

فرماتا ہے:"اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ جٰهِدُوۡا بِاَمۡوٰلِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ"۔خیال رہے کہ نیت سے مراد ہے ازروئے جہاد کرنا یا ارادۂ جہاد۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں ایک گروہ حق پر جہاد کرتا رہے گا۱؎ان پر غالب رہے گا جو ان سے دشمنی رکھے ۲؎حتی کہ اس کے آخری لوگ مسیح دجال سے جنگ کریں گے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اسلام میں جہاد ہوتا رہے گا،کبھی منسوخ نہ ہوگا جو جہاد کا حکم منسوخ مانے وہ کافر ہے جیسے وہ جو نماز یا زکوۃ و حج وغیرہ کو منسوخ ماننے والا کافر ہے۔

۲؎ناوی بنا ہے مناوات سے بمعنی معادات و دشمنی کرنا،نوء سے بنا بمعنی اٹھنا،یہاں مراد ہے کسی کے مقابلہ کے لیے اٹھنا،میدان میں آنا،اس میں غیبی خبر ہے کہ اللہ تعالٰی مجاہد مسلمانوں کو کفار پر غلبہ دیتا رہے گا،اگر کبھی مغلوب ہوجاؤ تو یہ مغلوبیت اتفاقی ہوگی یا اپنی کسی غلطی کی بنا پر۔

۳؎یہاں آخری لوگ سے مراد حضرت امام مہدی و جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی مسلمان ہیں۔دجال کو مسیح اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ ممسوح العین کانا ہوگا۔یہ صفت مشبہ بمعنی مفعول ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ مسیح یعنی چھوکر لاعلاج بیماروں کو اچھا کردیتے تھے۔وہاں صفت مشبہ بمعنی فاعل ہے ۔خیال رہے کہ دجال سے اس جہاد کے بعد دنیا میں کوئی کافر نہ رہے گا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تک یہ ہی حال رہے گا آپ کی وفات کے بعد پھر کفر شروع ہوگا حتی کہ ایک ایسی ہوا چلے گی کہ ہر مؤمن کو وفات دے دے گی،صرف کفار ہی زمین پر رہ جائیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو تو نہ جہاد کرے اور نہ غازی کو سامان دے یا غازی کے گھر میں اس کا بھلائی سے نائب نہ بنے ۱؎اسے اللہ تعالٰی قیامت سے پہلے سخت حادثہ پہنچائے گا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی جو شخص یا جو لوگ ان تینوں نعمتوں سے محروم رہے نہ جہاد کرے نہ مجاہد کو سامان دے نہ مجاہد کے بیوی،بچوں کی خدمت کرے۔غالبًا روئے سخن ان لوگوں سے ہے جن کے زمانہ میں جہاد ہو اور وہ یہ تینوں کام نہ کرے اور اگر کسی کو جہاد دیکھنا نصیب ہی نہ ہو وہ اس حکم سے علیحدہ رہے۔
۲؎ قارعه بنا ہے قرع سے بمعنی کھڑکانا،ٹھوکنا،اب پریشان کن مصیبت کو بھی قارعه کہتے ہیں کہ وہ دل کو کھڑکا دیتی ہےاسی لیے قیامت کو قارعه کہا جاتا ہے"اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ"کہ وہ مخلوق کو پریشان کردے گی جس سے عام لوگوں کے حواس جاتے رہیں گے۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی ہیں فرمایا کفار سے جہاد کرو۱؎اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اپنی زبانوں سے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎ مشرکین سے مراد کفار حربی ہیں خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے اور جہاد خواہ محترم مہینہ میں ہو یا ان کے علاوہ۔خیال رہے کہ کفارعرب سے جزیہ قبول نہیں،صرف اسلام ہی ان کے لیے ذریعہ امان ہے اور کفار عجم سے جزیہ بھی قبول ہے کہ وہ ہمارے رعایا بن کر رہیں،ہم کو حق حفاظت میں جزیہ دیں اور ہمارے ملک میں امان سے رہیں،نیز جہاد کے لیے یہ لازم نہیں کہ کفار ابتداءکریں،ہم مسلمان مدافعانہ اور جارحانہ ہر طرح کا جہاد کرسکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"قٰتِلُوا الْمُشْرِکِیۡنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقٰتِلُوۡنَکُمْ کَآفَّۃً"اس آیت اور اس حدیث نے ترک جہاد اور نرمی کی تمام آیات اور احادیث کو منسوخ فرمادیا چنانچہ آیت "فَاِنۡ قٰتَلُوۡکُمْ فَاقْتُلُوۡہُمْ" بھی منسوخ ہے۔(مرقات)اسکی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ کرو۔
۲؎جان کا جہاد تو مشہور ہے میدان جنگ میں شمشیر یا تدبیر سے جنگ،مال کا جہاد،غازیوں کو سامان دینا،زبان کا جہاد کفار کی زبانی قلمی تردید دلائل سے کرنا،ان کی شکست کی دعا کرنا،انہیں ڈرانا دھمکانا۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ معبودین کو برا کہنے کی ممانعت کی آیت یا منسوخ ہے یا معلل ہے اس کیفیت سے جب مسلمان انہیں گالیاں دینے سے روک نہ سکیں اس کی مثل لمعات میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیلاؤ۱؎کھانا کھلاؤ۲؎ کھوپڑیوں پر چوٹ لگاؤ۳؎جنت کے وارث بن جاؤ۴؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یعنی مسلمانوں میں اسلامی سلام کا رواج ڈالو،اگر مسلمان کفار کی صحبت کی وجہ سے آداب عرض یا گڈ مارننگ وغیرہ کہنے کے عادی ہوگئے ہوں تو ان سے یہ بری عادت چھڑواؤ۔یاہر واقف ناواقف مسلمان کو سلام کرویا بلند آواز سے سلام کہو

تاکہ سامنے والا سن لے اور جواب سلام دے پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔خیال رہے کہ سلام کرنا سنت ہے جواب دینا فرض،سلام کے مسائل ان شاء اللہ باب السلام میں عرض ہوں گے۔

۲؎حسب موقعہ عزیزوں اور نیک لوگوں کی دعوت کرواور عموما بھوکوں محتاجوں کا پیٹ بھرو کہ یہ اسلام کا شعار ہے۔

۳؎یعنی جہاد میں حربی کافروں کو قتل کرو۔ھام جمع ہے ھامۃ کی بمعنی کھوپڑی۔خلاصہ یہ ہے کہ سخاوت شجاعت دونوں کے جامع بن جاؤ۔

۴؎یعنی یہ اعمال جنت ملنے کا ذریعہ ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ جنت حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ اور مشقت کی ضرورت ہے،جو مسلمان ایسے مجاہدے کرلے گا وہ آسان کام بخوبی کرسکے گا جیسے نماز روزہ حج وغیرہ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس میں نماز روزہ حج کا ذکر نہیں،چونکہ ہر جنتی جنت میں اپنی جگہ بھی لے گا اور کافر کے حصے پر بھی قبضہ کرلے گا اس لیے وراثت فرمایا گیا اور چونکہ جنتیں بہت سی ہیں اس لیے جمع ارشاد ہوا۔

	روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے ۱؎وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا ہر میت کا خاتمہ اپنے اعمال پر ہوجاتا ہے ۲؎سوا اس کے جو خدا کی راہ میں مرابط ہوکر مرے ۳؎کہ اس کے عمل قیامت تک اس کے لیے بڑھتے رہتے ہیں ۴؎اور قبر کے فتنہ سے وہ امن میں رہتا ہے ۵؎(ترمذی،ابوداؤد)
	دارمی،بروایت،عقبہ بن عامر۔

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں،غزوہ احد اور بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،خیبر کی فتح میں شامل تھے،حضور کے بعد دمشق میں رہے وہاں امیر معاویہ کی طرف سے دمشق کے گورنر رہے،امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۳ھ میں دمشق میں ہی وفات پائی،وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ)

۲؎یعنی آخر حیات میں جو نیک و بدعمل کرتا تھا اس پر مرجاتا ہے اور مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں کہ فاعل کی موت افعال کو ختم کر دیتی ہے۔

۳؎یعنی اسلامی ملک کی سرحد پر جہاد پر تیار رہا اور وہاں ہی فوت ہوگیا،مرابط کے معنی پہلے بیان ہوچکے ہیں،یہ ربط بمعنی باندھنے سے بنا۔مرابط وہ جو اپنے کو کفار کے مقابل باندھ دے،اپنے ہاں جہاد کے لیے گھوڑا باندھے۔

۴؎اس طرح کہ قیامت تک اسے ہر گھڑی وہ ہی ثواب ملتا رہتا ہے جو زندگی میں ملتا تھا اس کا رباط فی سبیل اللہ صدقہ جاریہ ہوجاتا ہے کیونکہ مسلمان اس کے رباط سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

۵؎اس طرح کہ اس سے نہ حساب قبر ہو نہ اسے عذاب قبر ہو،بقیہ صدقات جاریہ میں یہ انعام نہیں ملتا یہ صرف مرابط کو ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی راہ میں

اونٹنی دوہنے کے وقفہ کی برابر جہاد کرے ۱؎ تو یقینًا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی ۲؎ اور جو اللہ کی راہ میں معمولی زخمی کیا جائے یا معمولی تکلیف دیا جائے ۳؎ تو وہ زخم قیامت کے دن اس سے زیادہ چمکدار ہوگا جیساکہ تھا ۴؎ اس کا رنگ زعفرانی ہوگا ۵؎ اس کی خوشبو مشک کی سی اور جسے اللہ کی راہ میں پھنسی نکل آوے ۶؎ تو یقینًا اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی ۷؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ عربی میں **فواق** جانور کو دوبارہ دوہنے کے درمیان وقفہ کو کہتے ہیں،اس وقفہ سے مرا دیا تو صبح شام دوہنے کے درمیان کا فاصلہ ہے یا ایک دفعہ دوہنے کے درمیان کا وقفہ ہے کیونکہ اونٹنی کو کچھ دوہ کر تھوڑا ٹھہرجاتے ہیں،اتنے میں وہ پھر دودھ اتارلیتی ہےتو اسے پھر دوہتے ہیں،یہ ٹھہرنا فواق کہلاتا ہے یہ چند منٹ کا ہی ہوتا ہے۔**فواق** بنا ہے **فوق** سے بمعنی اوپر،چونکہ دودھ اوپر سے ہی تھن میں آتا ہے اس لیے اسے فواق کہا جاتا ہے۔(مرقات واشعہ)

۲؎ یعنی رب تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا کہ اسے اول ہی سے جنت میں داخل فرمائے گا گناہوں کی سزا کے لیے اسے دوزخ میں نہ رکھے گا کیونکہ اس کے گناہ اس جہاد کی برکت سے معاف ہوچکے،جب پل بھر کے جہاد کا یہ درجہ ہے تو غورکرو کہ جو ہمیشہ جہاد میں رہے اس کا مرتبہ کیا ہوگا۔

۳؎ لغت میں **نکبۃ** معمولی حادثہ یا تکلیف کو کہتے ہیں زخم ہو یا اور کوئی تکلیف،یہاں جراحت سے مراد وہ زخم ہے جو کفار کے ہاتھوں غازی کو پہنچے اور **نکبت** سے مراد وہ زخم ہے جو گھوڑے سے گر جانے یا اپنا ہتھیار لگ جانے سے غازی کو پہنچے۔مرقات نے اس کو ترجیح دی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پاک میں ایک دفعہ خون نکل آیا تھا تو فرمایا تھا۔شعر

ھل انت الا اصبع و دعیت　　　　وفی سبیل اللہ ما نقیت

۴؎ یعنی تازہ زخم جتنا سرخ تھا اس سے زیادہ سرخ ہوگا۔حق یہ ہے کہ **انھا** کی ضمیر صرف **نکبۃ** کی طرف ہے۔مقصد یہ ہے کہ جب جہاد میں اتفاقی لگی ہوئی چوٹ کا یہ درجہ ہے تو کفار کے ہاتھوں لگے ہوئے زخم یا قتل کا کیا مرتبہ ہوگا،بعض شارحین نے فرمایا **کاغزر** کا کاف زائدہ ہے۔

۵؎ اس طرح کہ زخم کی سرخی میں زعفرانی زردی جھلکتی ہوگی جس سے اس کا حسن زیادہ ہوگا اور اس کی خوشبو سے وہ میدان مہکتا ہوگا جہاں جہاں یہ غازی کھڑا ہوگا۔یہ قیامت میں ہوگا اس علامت سے غازی پہنچانا جائے گا اور اس کا احترام کیا جائے گا۔

۶؎ **خراج** خ کے پیش سے جسم میں سے ابھر آنے والی چیز جسے ابھارہ کہا جاتا ہے جیسے پھڑیا پھنسی آبلہ وغیرہ یعنی اگر غازی کے جسم پر میدان جہاد میں کوئی قدرتی پھڑیا پھنسی نکل آوے نہ کسی کافر کی طرف سے چوٹ لگی ہو نہ کسی اور وجہ سے۔

ے طابع بنا ہے طبع سے بمعنی چھپنا مہر لگنا"طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ"۔مطلب یہ ہے کہ قدرتی پھڑیا پھنسی بھی اگر غازی کو نکل آئے تو اس پر شہید کی نشانی ہوگی،اسے شہیدوں کے زمرہ میں داخل کیا جاوے گا، ان کا سا احترام ہوگا کیونکہ اس نے اللہ کی راہ میں کوشش تو کی ہے۔

	روایت ہے حضرت خریم ابن فاتک سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرے تو اس کے لیے سات سو گنا لکھا جاتا ہے۔(ترمذی،نسائی)۲؎

۱؎ آپ خریم ابن احزم ابن شداد ابن عمرو ابن فاتک ہیں ۔غزوہ بدر میں اپنے بھائی سبرہ کے ساتھ شریک ہوئے یہ ہی قوی ہے،بعض مؤرخین نے کہا کہ آپ فتح مکہ کے دن اپنے بیٹے ایمن ابن حزیم کے ساتھ ایمان لائے مگر یہ درست نہیں،آخر میں شام میں قیام رہا۔(کمال،اشعہ)

۲؎ اللہ کی راہ میں خرچ سے مراد ہر دینی کام میں خرچ ہے جہاد ہو یا حج یا طلباء و علماء کی خدمت،زکوۃ،فطرہ،قربانی اور تمام نفلی صدقات کہ ان کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ہے۔اس حدیث کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے "مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوٰلَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ"الخ ثواب کے یہ مختلف درجے اخلاص کے درجوں کے لحاظ سے ہیں اور جہاں خرچ کیا اس کی اہمیت کے اعتبار سے بھی،اس کے خروج سے جتنا دین کو فائدہ ہوگا اتنا ہی ثواب زیادہ۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خیراتوں میں افضل اللہ کی راہ میں خیمہ کا سایہ ہے ۱؎ اور اللہ کی راہ میں خادم کا عطیہ ہے ۲؎ یا راہ خدا میں نر کی سواری ہے ۳؎(ترمذی)

۱؎ اس طرح کہ مجاہدین کو بالکل یا عاریۃً خیمہ دے دیا جائے کہ وہ سفر جہاد میں اس کے سایہ میں بیٹھا کریں،اسی طرح حجاج کو عرفات وغیرہ میں خیمہ،شامیانہ لگادینا،اگر طلباء میدان میں بیٹھ کر پڑھتے ہوں مدرسہ کی عمارت نہ ہو ان کے لیے سایہ کا انتظام کردینا،جہاں مسجد نہ ہو وہاں نمازیوں کے لیے شامیانہ یا خیمہ لگادینا سب ہی اس میں داخل ہیں۔قسطاط ہر چھوٹے بڑے خیمہ کو کہا جاتا ہے۔

۲؎ غازیوں،حاجیوں،دینی علماء وطلباء کی خدمت کے لیے کوئی آدمی مقرر کردینا جس کی تنخواہ خود برداشت کرنا۔

۳؎ اس فرمان عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ مجاہدین کے لیے جو اونٹنیاں ہوں انہیں حاملہ کرنے کے لیے نر اونٹ عاریۃً دے دینا کہ یہ بھی ثواب ہے اس سے جو اونٹ کی نسل چلے گی اس پر مجاہدین جہاد کریں گے اسے ثواب ملیگا۔دوسرے یہ کہ مجاہد کو سواری کے لیے عاریۃً اونٹ دے دینا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شخص آگ میں داخل نہ ہوگا جو اللہ کے خوف سے روئے حتی کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے ۱؎ اور کسی بندے پر راہ خدا کا غبار۲؎ اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوسکتا ۳؎ ترمذی اور نسائی نے آخری جملہ میں یہ زیادتی کی کہ مسلمان کے نتھنوں میں کبھی۴؎ اور اس کی دوسری روایت میں یہ کہ کسی بندے کے پیٹ میں کبھی ۵؎ اور کسی بندے کے دل میں کبھی بخل اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے ۶؎

۱؎ یعنی جیسے دوہے ہوئے دودھ کا تھن میں واپس ہونا ناممکن ہےایسے ہی اس شخص کا دوزخ میں جانا ناممکن ہے،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ"۔خوف خدا میں رونے کے بڑے فضائل ہیں اللہ تعالٰی نصیب فرمادے۔

باش چوں دولاب دائم چشم تر　　　　تادرون صحن تو روید خضر

۲؎ راہ خدا کا غبار وہ غبار ہے جو رب کی رضا کے لیے راستہ چلا جائے اور وہاں کا غبار بدن یا کپڑوں یا پاؤں یا چہرے پر پڑے جیسے مسجد کو جاتے طلب علم،جہاد حج وعمرہ وغیرہ کرنے کی حالت میں جو گردوغبار پڑے۔

۳؎ یعنی جیسے دو ضدیں جمع نہیں ہوسکتیں ایسے ہی ایک جگہ یہ دو چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں،رب تعالٰی نے اس غبار اور دوزخ کے دھوئیں کو نقیضیں یا ضدیں بنادیا ہےیہ اس کی بندہ نوازی ہے۔

۴؎ چونکہ ناک کے نتھنے پیٹ اور دماغ کے دروازے ہیں کہ انہیں کے ذریعہ ہوا اندر باہر آتی جاتی ہے،اگر ان میں راہِ خدا کا غبار پڑے تو یقینًا سانس کے ساتھ پیٹ اور دماغ میں بھی پہنچے گااس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا گیا۔خیال رہے کہ لفظ **منخر** میم اور خ کے فتح سے بھی ہے اور دونوں کے پیش سے بھی اور میم کے فتحہ اور خ کے کسرہ سے بھی،بروزن مجلس اور میم کے کسرہ خ کے فتحہ سے بھی بہت لغات میں بمعنی ناک کا نتھنا۔

۵؎ یعنی جس مؤمن کے پیٹ میں سانس کے ذریعہ راہ خدا کا غبار پہنچ جائے وہاں دوزخ کا دھواں نہ پہنچے یعنی وہ دوزخ میں تو کیا دوزخ کے قریب بھی نہ جائے گاجہاں دوزخ کی آگ کا دھواں پہنچتا ہے۔خیال رہے کہ دوزخ میں کہیں آگ بغیر دھوئیں کی ہے جیسے دنیا میں ویلڈنگ کی آگ اور کہیں دھوئیں والی ہے،لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ دوزخ کی آگ بغیر دھوئیں کے ہے پھر وہاں دھواں کیسا؟

۶؎ شح اس بخل و کنجوسی کو کہتے ہیں جو مالی عبادات سے انسان کو روک دے یا ظلم کرادے۔ایمان سے مراد کامل ایمان ہے یعنی کامل مؤمن کبھی بخیل و کنجوس نہیں ہوتااور کنجوس آدمی کبھی کامل مؤمن نہیں بن سکتا بلکہ کبھی بخل ایمان سے بھی روک دیتا ہے۔قارون کے بخل نے اسے کافر بنادیا،بخل اور شح میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر شح بخل ہے مگر ہر بخل شح نہیں۔شح خدا تعالٰی کا عذاب ہے۔خیال رہے کہ عربی میں دل کو قلب کہتے ہیں،قلب کے معنی ہیں الٹنا

پلٹنا،چونکہ دل کبھی روح کی طرف ہوجاتا ہے جس سے اس پر نورانی تجلیاں پڑتی ہیں اور کبھی نفس کی طرف جس سے اس پر نفسانی تاریکیاں آجاتی ہیں،گویا دل وہ بیٹھک ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک یار کی طرف(درون خانہ)دوسرا غیار کی طرف یار والا دروازہ کھل جاوے تو خلوت خانہ ہوجاتا ہے،ورنہ جلوت خانہ اس لیے اسے قلب کہتے۔(از مرقات مع الزیادۃ)اس لیے حضور دعا مانگتے تھے کہ اے دلوں کے بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ جیسے صاف آئینہ میں سارا گھر اور گھر والا نظر آتا ہے یوں ہی صاف شفاف دل میں عرش و فرش جنت و دوزخ مخلوق و خالق کی تجلی نظر آتی ہے۔

در دل مؤمن بگنجم اے عجب گر توے جوئی دریں دلہا طلب

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آنکھیں ہیں جنہیں آگ نہ چھوئے گی ۱؎ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئے ۲؎اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دے ۳؎(ترمذی)

۱؎یعنی دو قسم کی آنکھیں یہ شبہ شخصی نہیں بلکہ نوعی ہے۔خیال رہے کہ جب اس آنکھ کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی تو آنکھ والے کو بھی نہ چھوئے گی،یہ مطلب نہیں کہ صرف آنکھ تو آگ سے بچی رہے باقی جسم آگ میں جائے،اگر ایک عضو بخشا جاوے تو اس کے صدقہ سے سارے اعضاء بخشے جائیں گے۔مصنفین علماء دین کی اگر انگلیاں بخش دی گئیں تو ان شاءاللہ سارا جسم بخش دیا جائے گا۔

۲؎اسی طرح جو آنکھ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں روئے ان شاءاللہ بخشی جائے گی،دو نعمتیں بڑی شاندار ہیں خوف خدا عشق مصطفیٰ۔شعر

ذرہ عشق نبی از حق طلب سوز صدیق و علی از حق طلب

۳؎اسی طرح کہ سفر جہاد کا غازی سو جاوے،یہ بندہ ان کا پہرہ دے تاکہ کفار شب خون نہ مار سکیں یہ رات جاگ کر گزارے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب ایک گھاٹی پر گزرے جس میں میٹھے پانی کا چھوٹا چشمہ تھا ۱؎وہ چشمہ انہیں پسند آیا ۲؎تو بولے کاش میں لوگوں سے علیحدہ ہوجاتا تو اس گھاٹی میں ہی قیام کرلیتا ۳؎یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا ۴؎ تو فرمایا یہ نہ کرو ۵؎کیونکہ تم میں سے کسی کا اللہ کی راہ میں پھرنا اپنے گھر ستر سال تک نمازیں پڑھتے رہنے سے

	افضل ہے ۶؎ کیا تم نہیں چاہتے اللہ تمہیں بخشے اور تمہیں جنت میں داخل کرے ۷؎ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو اللہ کی راہ میں اونٹنی کے دوہنے کے فاصلہ کی برابر جہاد کرے اس کے لیے جنت واجب ہوگئی ۸؎ (ترمذی)

۱؎ **شعب** یعنی گھاٹی پہاڑ کے شگاف کو کہتے ہیں خواہ آرپار ہو یا آگے سے بند عرب میں ایسی جگہ بہت ہی قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے جہاں سبزہ بھی ہو اور میٹھے پانی کا چشمہ بھی اور جگہ محفوظ بھی۔

۲؎ دل چاہا کہ مدینہ منورہ چھوڑ کر اپنی بکریاں بھیڑیں لے کر یہاں آن بسیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۳؎ تاکہ اطمینان سے عبادت الٰہی کرتا اور لوگوں کے اختلاط سے بچ جاتا، یہ اختلاط ہزار ہا غفلتوں گناہوں کا سبب ہے ان کا یہ ارادہ بھی نیت خیر سے تھا۔

۴؎ یا تو **فذکر** معروف ہے تو اس کا فاعل خود وہ صحابی ہیں جن کا یہ ارادہ تھا یا مجہول ہے تو ذکر کرنے والے کوئی اور صحابی ہیں یعنی خود انہوں نے یہ ارادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا حضور سے عرض کیا گیا دونوں روایتیں ہیں۔

۵؎ یعنی نفلی عبادت کے لیے فرض و واجب عبادات نہ چھوڑو کہ یہاں رہ کر تم نماز جماعتوں، جمعہ، عیدین اور جہاد، تبلیغ وغیرہ عبادات سے محروم ہوجاؤ گے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو نفلی عبادات فرائض چھوڑا دے وہ گناہ ہے، اگر نماز تہجد سے فرض کی نماز قضا یا جماعت ترک ہوجاوے تو تہجد نہ پڑھو۔پنجگانہ نماز جماعت سے پڑھو۔یہ بڑا اصولی مسئلہ ہے یاد رکھنا چاہیے، بعض لوگ عام جلسوں جلوسوں کی وجہ سے رات کو زیادہ جاگتے ہیں جس سے فجر کی جماعت نہیں پاتے وہ اس سے عبرت پکڑیں۔

۶؎ یعنی تمہارا شہر مدینہ میں رہنا جہاں جہاد بھی نصیب ہوتا رہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کے پیچھے نمازیں میسر ہوگی، یہاں جنگل میں گھر بنا کر بیٹھنے سے بہت ہی زیادہ افضل ہے، یہاں مرقات نے فرمایا کہ شاید وہ صحابی فرضی جہاد سے فارغ ہوچکے ہوں گے اور اس زمانہ میں فی الحال جہاد فرض عین نہ ہوگا اس لیے افضل فرمایا، ورنہ حضور سخت منع فرماتے۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ بمقابلہ دیہات کے شہر میں رہنا بہتر ہے کہ شہر میں بعض وہ عبادات نصیب ہوجاتی ہیں جو گاؤں میں میسر نہیں ہوتیں، ستر سال فرمانا بہت زیادہ کے لیے ہے جیسے فرمایا گیا کہ صف جہاد یا صف نماز میں کھڑا ہونا اللہ کے نزدیک ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔(حاکم، مرقات)

۷؎ یعنی تم کو مغفرت تامہ اور جنت کا اولی داخلہ نصیب فرمادے۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ خلوت کی زندگی جلوت کی زندگی سے بہتر گوشہ کمال نہیں۔خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں جن احادیث میں گوشہ نشینی کو افضل فرمایا گیا وہاں فتنوں کے زمانہ کی گوشہ نشینی مراد ہے۔(لمعات واشعہ)

۸؎ **فواق فاقہ** کی تفسیر ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ اس سے مرادیا صبح شام کا دوہنے کا فاصلہ ہے یا ایک بار دوہنے میں جو کچھ فاصلہ کیا جاتا ہے وہ مراد ہے، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم سے راوی فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن گھوڑا باندھنا ۱؎ اس کے ماسوا دوسری منزلوں میں ایک ہزار دن سے افضل ہے ۲؎ (ترمذی،نسائی)	

۱؎ اسلامی سرحد پر کفار کے مقابلہ میں گھوڑا باندھنا وہاں جہاد کے لیے تیار رہنا۔

۲؎ یہ افضَلیت اس صورت میں ہے کہ جہاد فرض عین ہوچکا ہو یا اسلامی سرحد پر بہت خطرہ ہو،وہاں سے مسلمانوں کے ہٹ جانے سے اسلامی ملک خطرہ میں پڑ جائے،امن و سکون کے حالات میں دوسری منازل اس سے افضل ہوسکتی ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ نماز کے بعد نماز کا انتظار اور مسجد میں حاضری کی پابندی یہ رباط ہے یہ رباط ہے یہ رباط ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر وہ تین شخص پیش کیے گئے جو جنت میں پہلے داخل ہوں گے ۱؎ شہید، پاکدامن، پاکباز ۲؎ اور وہ غلام جو اللہ کی عبادت اچھی طرح کرے اور اپنے مولاؤں کی خیر خواہی کرے ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی مجھے وہ تین قسم کے آدمی دکھائے گئے جو بعد انبیاء کرام دوسرے جنتیوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اس ترجمہ سے تمام اعتراضات اٹھ گئے۔خیال رہے کہ جنت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے،پھر دوسرے انبیاء کرام،پھر سب سے پہلے حضور کی امت جائے گی،پھر دوسری امتیں۔ حضور کی امت میں داخلہ ترتیب سے ہوگا کہ بعض حضرات بعض سے پہلے۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے حضرت بلال ہٹو بچو کرتے جنت میں داخل ہوں گے اور حضور انور کے ساتھ حضرت صدیق اکبر و فاروق داخل ہوں گے مگر یہ داخلہ حضور کی اتباع میں ہوگا،دولہا کے ساتھ اس کے دوست اور خاص خادم بھی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری آنکھوں سے تاقیامت جنتیوں اور دوزخیوں کو ملاحظہ فرمالیا تھا جیساکہ لفظ **عرض** سے ظاہر ہے،یہاں اولیت اضافی ہے اور تین سے مراد شخص تین نہیں بلکہ نوعی تین ہیں ان تین میں کروڑوں مسلمان ہوں گے۔

۲؎ **عفیف** اور **متعف** میں چند طرح فرق کیا گیا ہے:زنا سے بچنے والا عفیف،بھیک و سوال سے بچنے والا متعفف،اکیلا آدمی گناہ سے بچے وہ عفیف ہے،بال بچوں والا گناہ سے بچے وہ متعفف ہے،ظاہری گناہوں سے بچنے والا عفیف ہے،باطنی گناہوں سے بچنے والا متعفف ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ جسے دنیاوی الجھنیں زیادہ ہوں اس کی عبادت افضل ہے اس سے جو فارغ البال ہو، دیکھو انسان کی عبادت فرشتوں کی عبادت سے افضل ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حبشی سے کہ نبی کریم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے ۱؎ فرمایا دراز	

	قیام۲؎ عرض کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے فرمایا فقیر کی طاقت۳؎ عرض کیا گیا کون سی ہجرت افضل ہے۴؎ فرمایا اس کی جو ان سب چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ نے اس پر حرام کیں۵؎ عرض کیا گیا کون سا جہاد افضل ہے فرمایا اس کا جو کفار پر اپنے مال و جان سے کرے ۶؎ عرض کیا گیا کہ کون سا قتل اشرف ہے فرمایا جس کا خون بہادیا جائے اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں ۷؎ ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل بہترین ہے، فرمایا وہ ایمان جس میں تردد نہ ہو ۸؎ اور وہ جہاد جس میں خیانت نہ ہو ۹؎ اور پاکیزہ حج،عرض کیا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے ۱۰؎ فرمایا دراز قیام پھر باقی حدیث میں وہ دونوں متفق ہوگئے ۱۱؎

۱؎ یعنی نماز کے اعمال میں کون سا عمل افضل ہے۔

۲؎ بعض لحاظ سے نماز میں دراز قیام افضل ہے کہ اس میں مشقت زیادہ تلاوت قرآن بہت ہے اور بعض لحاظ سے دراز سجدہ افضل ہے کہ اس میں اظہار عجز زیادہ ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔بعض علماء نے فرمایا کہ رات کے نوافل تہجد وغیرہ میں لمبا قیام افضل ہے اور دن کے نوافل اشراق چاشت وغیرہ میں زیادہ سجدے افضل ہیں،یہ بہرحال حدیث میں تعارض نہیں اس کی کچھ بحث مرآۃ جلد اول کتاب الایمان میں گزرچکی ہے۔

۳؎ **جھد** جیم کے پیش ہ کے سکون سے بمعنی طاقت و قوت اور **مقل اقلال** سے بنا،بمعنی کم کرنا اور فقیر ہوجانا اس کا مادہ **قلل** ہے بمعنی کمی اس سے ہے قلّت۔اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ غریب آدمی مشقت سے پیسہ کمائے پھراس میں سے خیرات کرے۔دوسرے یہ کہ فقیر کوخود بھی ضرورت ہوخود مشقت وتکلیف میں ہواس کے باوجود اپنی ضرورت روک کر خیرات کرے دوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھے،مگر یہ دوسرے معنی اس فقیر کے لیے ہوں گے جو خود صابر ہو اور اکیلا ہو بال بچے نہ رکھتا ہو ورنہ آج خیرات کرکے کل خود بھیک مانگنا یوں ہی بال بچوں کے حقوق مارکر خیرات کرنا کسی طرح جائز نہیں۔(مرقات)ہاں اگر کسی کے بال بچے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے گھر والوں کی طرح صابر ہوں پھر وہ جناب صدیق کی طرح خیرات کردے تو یہ اس کی خصوصیت ہے،سلطان عشق کے فیصلے عقل سے وراء ہیں۔شعر

موسیا آداب دانا دیگراند   سوختہ جان در داناں دیگراند

۴؎ بمعنی ہجرت(چھوڑنا)کی بہت سی قسمیں ہیں:وطن چھوڑنا،گناہ چھوڑنا،بُرے خیالات چھوڑنا وغیرہ ان میں سے اعلیٰ درجہ کی ہجرت کون سی ہے۔

۵؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا جواب ہے گناہ چھوڑنے کی ہجرت وطن چھوڑنے کی ہجرت سے اعلیٰ ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ ترک گناہ کی ہجرت ہمیشہ ہر مسلمان کو میسر آسکتی ہے۔اس کی شرح کتاب الایمان میں گزر چکی۔

٦؎ یعنی جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے اعلیٰ قسم کا جہاد یہ ہے کہ مجاہد اپنی جان و مال سب کچھ راہ خدا میں خرچ کرکے جہاد کرے کیونکہ یہ جہاد نفس پر بہت گراں ہے۔خیال رہے کہ یہ افضلیت اضافی ہےایک اعتبار سے اور بعض حالات میں یہ جہاد افضل اور دوسرے اعتبار سے خصوصی حالات میں ظالم حاکم کے سامنے حق بات کہہ دینی افضل ہے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا کہ افضل الجھاد کلمة حق عند سلطان جائر۔

۷؎ یعنی راہ خدا کا وہ شہید اعلیٰ درجہ کا شہید ہے جو میدانِ جہاد میں جان و مال سب قربان کردے کہ خود بھی جان دے دے،گھوڑا بھی ہلاک ہوجائے،چونکہ اس کی قربانی دوگنی ہے،نیز اس نے بڑے معرکہ کا جہاد کیالہٰذا اس کی شہادت بھی اعلیٰ قرار پائی۔أھریق کی ہ زائدہ ہے اصل میں اریق تھا۔مرقات نے فرمایا کہ گھوڑے کی ہلاکت سے اس کی شجاعت و بہادری کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسا جانباز اور بہادر تھا کہ بغیر گھوڑے کے پاؤں کٹے دشمن کے قابو میں نہ آیا اس کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں ہے۔

۸؎ ایمان کو عمل میں داخل فرمایاکیونکہ ایمان یقین دل کا نام ہے،یہ دل کا عمل ہے،تردد نہ ہونے کے معنی یہ ہیں رنج و خوشی تنگی و فراخی حال میں اسلام سے نہ پھرے،دنیا کی کوئی حالت اس کے قلب کی حالت نہ بدل سکے۔ایک وقت حضرت حسین حضور کے کندھے پر سوار ہیں اور ایک وقت ظالم قاتل شمر آپ کے سینے پرانوار پر سوار ہے مگر دونوں حال میں قلب کا حال یکساں ہے،اس فرمان کی اور شرحیں بھی کی گئیں۔

۹؎ اسی طرح کہ غنیمت میں خیانت کرے تقسیم سے پہلے امیر کے حوالہ ساری غنیمت کردے،پھر تقسیم میں اسے جو حصہ ملے اسے بخوشی قبول کرے۔

۱۰؎ حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جس میں گناہ سے بچا جائے یا وہ حج جس میں ریا و نام و نمود سے پرہیز ہو یا وہ حج جس کے بعد حاجی مرتے وقت تک گناہوں سے بچے،حج برباد کرنے والا کوئی عمل نہ کرے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ حج مقبول وہ ہے جس کے بعد حاجی دنیا میں زاہد آخرت میں راغب رہے،یا حج مبرور وہ ہے جو حاجی کا دل نرم کردے کہ اس کے دل میں سوز،آنکھوں میں تری رہے،حج کرنا آسان ہے حج سنبھالنا مشکل ہے۔

۱۱؎ خیال رہے کہ افضل اعمال کے بیان میں احادیث مختلف ہیں،کسی حدیث میں کسی عمل کو افضل فرمایا گیا ہے کسی میں دوسرے عمل کو،یہ اختلاف حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے کہ کبھی جہاد افضل اور کبھی نماز اعلیٰ پھر نماز میں کبھی زیادہ سجدے افضل اور کبھی دراز قیام بہتر۔

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہید کی اللہ کے ہاں چھ خصلتیں(درجے)ہیں ۱؎ پہلی ہی دفعہ میں اسے بخش دیا جاتا ہے ۲؎ اور اسے جنت کا ٹھکانا دکھادیا جاتا ہے ۳؎ اور اسے قبر کے عذاب سے امان دی جاتی ہے اور	

	وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہے گا۴؎ اور اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہوگا ۵؎ اور بہتر حورعین (آنکھوں والی) سے اس کا نکاح کیا جائے گا ۶؎ اوراس کے ستر اہل قرابت میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی ۷؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ کہ یہ چھ خوبیاں کسی اور میں جمع نہیں ہوتیں۔

۲؎ کہ اس کا خون زمین پر پیچھے گرتا ہے اور اس کے تمام گناہوں کی معافی پہلے ہی ہوچکتی ہے۔حتی کہ امام شافعی کے ہاں شہید پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جاتی،وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ معافی گناہ کے لیے ہوتی ہے اس کی معافی تو پہلے ہی ہوچکی،امام اعظم فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ شرافت انسانی کے ظہور کے لیے ہے جس کا شہید زیادہ حقدار ہے نہ کہ معافی گناہ کے لیے ورنہ چھوٹے بچوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز نہ ہوتی۔

۳؎ بعض غازی صحابی نے شہید ہونے سے پہلے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ جنت وہ ہے یارسول اللہ میں دیکھ رہا ہوں پھر شہید ہوئے،بعض زخمی مجاہدوں نے باوجود پیاس کے جان توڑتے ہوئے پانی قبول نہ کیا فرمایا کہ اب کوثر سامنے ہے،وہاں ہی جاکر پئیں گے جیساکہ احادیث و تواریخ میں وارد ہے۔

۴؎ رب تعالٰی فرماتاہے:"یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ"اور فرماتاہے:"لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ"یعنی شہید کو نہ قیامت میں گھبراہٹ ہوگی نہ قبر میں،نہ مرتے وقت،نہ پل صراط پر،نہ موت کو ذبح کردیئے جانے پر۔

۵؎ یعنی اسے عزت کا تاج پہنایا جائے گا جس سے وہ تمام محشر والوں سے ممتاز ہوگا جیسے بادشاہ یا وزیر تاج کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

۶؎ حور بنا ہے حوراء سے بمعنی آنکھ کی تیز سفیدی،پتلیوں کی تیز سیاہی،یہ چیز حسن کا اعلٰی درجہ ہے۔عین جمع ہے عیناء کی بڑی بڑی آنکھ،چونکہ حوروں کی آنکھیں بڑی اور خوب سفید و سیاہ ہیں اس لیے انہیں حورعین کہا جاتا ہے۔(مرقات)یعنی شہید کو اپنی دنیاوی اور کفار کی مؤمنہ بیویوں کے علاوہ جو اسے کفار کے ورثہ میں ملیں گی بہتر حوریں بیویاں دی جائیں گی۔خیال رہے کہ حور جنس بشر سے نہیں کہ وہ اولاد آدم علیہ السلام نہیں ہیں نورانی مخلوق ہے۔دنیا میں انسان کا نکاح غیر جنس سے درست نہیں،آخرت میں بعد قیامت درست ہوگا،یہ بھی خیال رہے کہ حوروں سے اختلاط بعد قیامت ہوگا،قیامت سے پہلے اگرچہ شہید جنت کے پھل فروٹ کھائیں گے مگر حوروں سے بے تعلق رہیں گے۔

۷؎ یا ستر سے مراد کثرت و زیادتی ہے یا ستر کا عدد،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔اقرباء سے مراد رشتہ دار اور دوست و احباب دونوں ہیں۔(مرقات)بشرطیکہ مسلمان ہوں کافرومشرک کا شفیع کوئی نہیں،جب شہید ستر٧٠ کی شفاعت کرے گا تو خاص علماء واولیاء اللہ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا کیا پوچھنا ہے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کے عدل کے ظہور کے وقت یعنی

اول قیامت صرف حضور ہی شفاعت فرمائیں گے۔اسے شفاعت کبریٰ کہا جاتا ہے اور پھر ظہور فضل کے وقت شہید وغیرہ شفاعت کریں گے لہذا شفیع المذنبین صرف حضور کا لقب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی اللہ سے ملے بغیر جہاد کی نشانی کے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس میں رخنہ ہوگا [1] (ترمذی،ابن ماجہ)	

[1] اس سے مراد یا وہ لوگ ہیں جن پر جہاد فرض ہواورنہ وہ جہاد کریں نہ تیاری جہاد کریں نہ ارادہ جہاد،نہ کسی مجاہد کی مالی مدد کریں وہ قیامت میں اس کمال سے محروم ہوں گے جو مجاہدین کو حاصل ہوگا۔یا جہاد سے عام جہاد مراد ہے خواہ کفار سے جہاد ہو یا نفس ناہنجار سے یا شیطان سے یا نافرمان اولاد سے یا گنہگار بے شرم مسلمانوں سے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی جہاد ہر مسلمانوں کو میسر ہوتا ہے لہذا حدیث کا مطلب واضح ہے اور اس حدیث کی بنا پر نہیں کہا جاسکتاکہ شریعت و طریقت کے چاروں امام،نیز بارہ امام اہل بیت کو جہاد میسر نہ ہوا،وہ بھی ناقص ہونے چاہئیں۔(**معاذاللہ!**)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہید قتل کی تکلیف نہیں پاتا مگر اتنی جتنی کہ کوئی چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف پائے [1] (ترمذی،نسائی،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہاں شہید سے مراد حقیقی شہید یعنی ظلمًا مقتول خصوصًا جہاد میں کفار کے ہاتھ شہید یعنی شہید کو نزع کی شدت نہیں،نہایت معمولی چسک سی ہوتی ہے اور راہِ خدا میں جان دینے کی جو لذت ہے وہ تو ایسی ہے جو بیان میں نہیں آسکتی،حتی کہ شہید بارگاہِ الٰہی میں پہنچ کر اس لذت کو حاصل کرنے کے لیے پھر دنیا میں آنا چاہتا ہے۔مرقات نے فرمایاکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں شہید حکمی بھی داخل ہو۔خیال رہے کہ بعض عشاق کو مرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دکھایا جاتا ہےجس میں وہ ایسے وارفتہ ہوجاتے ہیں کہ انہیں نزع کی شدت محسوس نہیں ہوتی۔دیکھو مصر کی عورتوں نے جمال یوسفی میں محو ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے مگر ہائے وائے نہ کی کہ انہیں کچھ تکلیف محسوس نہ ہوئی،جمال محمدی میں محویت کا کیا عالم ہوگا،رب ہی جانے۔جب دہلی میں غازی عبدالرشید کو ایک گستاخ آریہ کے قتل کے عوض پھانسی دی گئی تو اولًا اس نے پھانسی کو چوما پھر جان نکلنے پر آیہ کریمہ "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ"پڑھی اور ہنستے ہوئے جان خدا کے حوالے کردی۔عاشقوں کے حال نیارے،لہذا حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے اور ایسے مرنے والوں کو مرتے دیکھا بھی گیا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اللہ تعالٰی کو دو قطروں سے زیادہ کوئی	

	چیز پیاری نہیں ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے ۱؎ہو ایک خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے ۲؎ اور لیکن دو نشان قدم پس ایک وہ نشان قدم جو اللہ کی راہ میں ہو۳؎اور ایک وہ نشان قدم جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض میں ہو۴؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎خیال رہے کہ گنہگاروں کو رب تعالٰی کے عذاب سے خوف ہوتا ہے،نیکوکاروں کو اس کی ذات سے ہیبت و جلال سے خوف ہوتاہے یہ خوف محبت و اطاعت پیدا کرتا ہے،یہ خوف اللہ کی بڑی نعمت ہےاور خوف ایذاء جو نفرت پیدا کرتا ہے وہ خدا سے خوف کرنا کفر ہے جیسے سانپ یا ظالم حاکم سے خوف،دیکھو شیطان نے بھی کہا تھا "اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللہَ رَبَّ الْعٰلَمِیۡنَ"مگر یہ خوف مفید نہیں مضر ہے،یہاں پہلی قسم کے دو خوف مراد ہیں۔

۲؎چونکہ آنسوؤں کے قطرےمسلسل آنکھوں سے ٹپکتے رہے اور خون ایک دم نکل کر بہہ جاتا ہے اس لیے آنسو کے لیے دموع جمع ارشاد ہوا اور خون کے لیے دم واحد فرمایا گیا۔قطرہ سے مراد جنس قطرہ ہے نہ کہ شخصی قطرہ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں،بہت سے آنسوؤں کا قطرہ ایک کیونکر ہوگا اور شہید کے جسم سے خون کا دہارا بہتا ہے ایک قطرہ نہیں نکلتا۔

۳؎اللہ کی راہ سے ہر وہ راستہ مراد ہے جو رضاء الہی کے لیے طے کیا جائے جیسے نماز کے لیے مسجد کو جانا، طلب علم کے لیے مدرسہ جانا،جہاد کے لیے میدان جہاد میں جانا اور وہاں چلنا پھرنا۔نشان قدم سے عام نشان مراد ہے خواہ محسوس ہو یا نہ ہولہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ پختہ سڑک پر چلنے میں نشان قدم پڑتے ہی نہیں پھر پیاری کیا چیز ہوگی۔

۴؎یعنی کسی شرعی فریضہ کو ادا کرنے کے لیے چلا اس کے نشان قدم رب کو پیارے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اثر سے مراد مطلقًا نشان ہو،قدم کی قید نہ ہو تو حدیث بہت جامع بھی ہوگی اور واضح بھی لہذا سردیوں میں وضو سے ہاتھ پاؤں پھٹ جائیں،گرمیوں میں پیشانی پر گرم زمین پر سجدے پڑ جاویں،روزے میں منہ کی بو،حج و جہاد میں غبارراہ جو کپڑوں اور منہ پر پڑ جائے،یہ رب کو بڑے پیارے ہیں،مرقات نے یہ ہی توجیہ اختیار کی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دریا میں سوار نہ ہوا۱؎ مگر حاجی ہو تو یا عمرہ کرنے والا یا غازی فی سبیل اللہ ہوکر ۲؎کیونکہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا۳؎(ابوداؤد)

۱؎اس میں یا تو خطاب صرف حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ہے کہ تم سوا ان تین ضرورتوں کے کبھی سمندر کا سفر نہ کرنا،اگرچہ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ جاتے ہوئے سمندر نہیں آتا،خشکی کا راستہ ہی ہے مگر آئندہ کے لیے فرمایا گیا کہ تم

کبھی غزوہ میں سمندر پار چلے جاؤ تو وہاں سے حج کے لیے سمندر کا سفر کرسکتے ہواور یا خطاب ان سارے مسلمانوں سے ہے جو اس زمانہ میں تھے جب کہ سمندری سفر بادبانی کشتیوں پر ہوتا تھا اور سخت خطرناک تھا،مخالف ہوا چلنے کی صورت میں ایک ایک ماہ سمندر میں ایک جگہ ہی ٹھہرنا پڑ جاتا تھایا پھر جدھر کی ہوا ہوتی ادھر ہی کشتی چل دیتی تھی،ملاحوں کے قابو سے نکل کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی تھی،اب جب کہ سمندری سفر نہایت آسان ہوچکا یہ حکم بھی نہیں رہا،اب اتنی سائنسی سہولتیں ہوچکنے کے بعد بھی بہت حجاج جہاز میں مرجاتے ہیں،بیمار تو بہت ہی ہوجاتے ہیں،خود یہ فقیر بھی ہر دفعہ حج کے موقعہ پر دست و قے دوران سفر وغیرہ میں مبتلا رہا۔غور کرو کہ اس زمانہ میں دریائی سفر کا کیا حال ہوتا ہوگا لہذا یہ فرمان اس وقت کے لحاظ سے نہایت موزوں ہے۔ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت بطور مشورہ ہو،ایک حدیث میں ہے کہ اکیلا مسافر شیطان ہے اور دو مسافر دو شیطان اور تین مسافر قافلہ ہیں،یہ فرمان عالی بھی اس وقت کے لحاظ سے ہےجب راستے پُرخطر تھے۔

۲؎ بعض علماء نے سمندر حائل ہونے کو ترک حج کے لیے عذر قرار دیا ہے۔اس حدیث میں ان کی صحیح تردید ہے کہ جب اس ابتدائی دور میں جب سمندر کا سفر نہایت ہی خطرناک تھاسمندر حج کے وجوب کے لیے عذر نہ ہوا تو اب کیسے ہوسکتا ہے۔یہاں فرمایا گیا کہ حج،عمرہ،جہاد ایسے اہم ہیں کہ ان کی ادائیگی کے لیے سمندر میں بھی سفر کرنا پڑے تو کرو یہ سمندر کی خطرناک لہریں تمہیں ان چیزوں سے روک نہ دیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے کبھی سمندر کا سفر نہ کیا،زمانہ عثمانی میں صحابہ کرام نے جہاد کے لیے سمندر پار کیا ہے کہ ام احرام کی ایک روایت میں ہے۔

۳؎ یہ فرمان عالی یا تو اپنے ظاہری معنی پر ہے کہ سمندر میں پانی کے نیچے آگ کا سمندر ہے اور پھر آگ کے سمندر کے نیچے پانی کا اور سمندر ہے دنیا کی وجہ سے ایسی خطرناک جگہ نہ جانا جہاں اوپر تلے تین سمندر ہیں دو پانی کے ایک آگ کا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ"جب سمندر آگ سے بھڑکائے جائیں گے یا تینوں سمندر آگ کے کردیئے جائیں گے،سمندر کا ذکر حاکم کی ایک روایت میں بھی ہے یا اس سفر کی دشواری فرمانے کے لیے یہ کلمہ ارشاد ہوا کہ سمندر گویا آگ و پانی کی مصیبتوں سے گھرا ہواہے۔(لمعات واشعہ،مرقات)جب بحری جہاز میں چلتے چلتے آگ لگ جاتی ہے تو وہاں آگ و پانی و سمندر کا اجتماع ہوجانا،کچھ سوار جل کر مرجاتے ہیں کچھ ڈوب کر۔اللہ کی پناہ!

	روایت ہے حضرت ام حرام سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا دریا میں چکرانے والا جسے قے آتی ہے اسے ایک شہید کا ثواب ہے ۲؎ اور ڈوب جانے والے کو دو شہیدوں کا ثواب ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ ام حرام بنت ملحان ابن خالد نجاریہ ہیں،ام سلیم کی بہن،حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہی گھر میں قیلولہ(دوپہر کا آرام)فرماتے تھے،حضرت عبادہ ابن صامت کی زوجہ ہیں،حضرت انس کی خالہ،خلافت عثمانیہ میں اپنے خاوند کے ساتھ روم کے جہاد میں شریک ہوئیں اسی میں شہید ہوئیں،قبرص میں قبر شریف ہے،آپ کا نام معلوم نہ ہوسکا۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی جو حج یا عمرہ یا جہاد یا تجارت کے لیے دریا کا سفر کرے اور اس میں چکرائے،قے کرے اگرچہ زندہ نکل جائے جب بھی اسے شہید کا ثواب ہے،ناجائز یا غیرضروری سمندری سفر کا یہ حکم نہیں اور یہ ثواب جب ہے جب کہ سوا سمندری رستہ کے کوئی اور راستہ نہ ہو۔یعنی مجبورًا یہ سفر کرے۔
۳؎ ایک ثواب اس کی مشقت اٹھانے کا دوسرا ثواب ڈوب جانے کا۔

	روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ کی راہ میں گھر سے نکلا ۱؎ پھر قتل کیا گیا اسے اس کے گھوڑے یا اونٹ نے کچل دیا اسے زہریلے جانور نے ڈس لیا ۲؎ یا اپنے بستر پر کسی سبب سے مر گیا جیسے اللہ نے چاہا تو وہ شہید ہے ۳؎ اور اس کے لیے جنت ہے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ فصل یا تو باب ضرب سے ہے یعنی گھر سے جدا ہوا نکلا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ**"یا فصل باب تفعیل سے ہے یعنی جس نے اپنے کو اپنے وطن سے جدا کیا جہاد کے لیے یا حج کے لیے یا طلب علم کے لیے۔
۲؎ عربی میں **ھامہ** وہ زہریلا جانور ہے جس کا زہر قاتل ہو جیسے سانپ وغیرہ اور **سامہ** وہ زہریلا جانور ہے جس کا زہر تکلیف دہ تو ہو قاتل نہ ہو جیسے بچھو بھڑ وغیرہ۔
۳؎ یا شہید حقیقی یا شہید حکمی جیسا کہ گزشتہ فرمان سے ظاہر ہے ظلمًا مقتول تو شہید حقیقی ہے اور زہریلے جانور وغیرہ سے مرنے والا شہید حکمی۔
۴؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ سفر کی موت شہادت ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہے سفر سے مراد راہِ خدا کا سفر ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجاہد کی واپسی جہاد کی طرح ہے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس فرمان عالی کی چند شرحیں ہیں:ایک یہ کہ غازی کا سفر جہاد سے اپنے وطن کی طرف لوٹنا بھی وہ ہی ثواب رکھتا ہے جو جہاد میں جانا رکھتا تھا۔دوسرے یہ کہ دشمن کو بہکانے کے لیے میدان جہاد سے واپس ہوجانا تاکہ دشمن مطمئن ہوکر تیاری جنگ ختم کردے پھر اچانک پلٹ کر اس پر حملہ کردیا جائے،یہ ایک جنگی چال ہوتی ہے اس کا ثواب پہلی بار میدانِ جہاد میں آنے کی طرح ہے۔تیسرے یہ کہ دشمن کا دباؤ بڑھ جانے اور اسلامی لشکر کے شکست کھاجانے کے یقین ہوجانے پر جہاد کے میدان سے واپس ہوکر اپنے مرکز میں پہنچ جانا اس کا بھی وہی ثواب ہے جو جہاد میں جانے کا ثواب تھا۔چوتھے یہ کہ دوسری تیسری بار جہاد میں جانے کا وہ ہی ثواب ہے جو اول بار جہاد میں جانے کا تھا۔خیال رہے کہ

قفل اور قفول کے معنے ہیں لوٹنا،واپس ہونا،اس سے ہے قافلہ،سفر میں جانے والی جماعت کو نیک فال کے لیے قافلہ کہاجاتا ہے،یعنی خیریت سے واپس آنے والے مسافروں کی جماعت۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غازی(مجاہد) کے لیے اس کا ثواب ہے ۱؎ اور غازی کے مددگار کے لیے ۲؎ اپنا ثواب ہے اور غازی کا ثواب ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو خود جہاد میں جائے اور غزوہ کرے اسے جہاد کا وہ پورا پورا ثواب ملے گا جو مجاہد کے لیے رب نے خاص فرمایا ہے۔

۲؎ یعنی جو مسلمان کسی مجاہد غازی کو مالی امداد دے کہ اسے سامان جہاد سواری وغیرہ مہیا کردے جس سے وہ جہاد کرلے۔لغت میں جعل ج کے پیش سے بمعنی اجرت و مزدوری آتا ہے،یہاں مزدوری اور سامان جہاد سب مراد ہیں۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک جہاد کی اجرت دینا بالکل جائز ہے مگر امام شافعی کے ہاں ناجائز ہے حتی کہ اگر کسی غازی نے یہ اجرت لے لی تو واپس کرنا واجب ہے یہ حدیث امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی اس مال دینے اور معاونت کرنے والے کو دوگنا ثواب ملے گا۔ایک تو راہ خدا میں جہاد کرنے کا، دوسرے اس مجاہد کو رغبت جہاد دینے اسے جہاد پر تیار کرنے کا الدال علی الخیر کفاعلہ۔خیال رہے کہ امام زہری اور امام مالک و امام اعظم کے ہاں جہاد پر اجرت دینا لینا جائز ہے اور اجیر کو بھی ثواب ملے گا اس لیے کہ اسے اجرت لینے کے باوجود حضور نے غازی فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم پر بہت شہر فتح کیے جائیں گے اور ہوں گے لشکر جمع کیے ہوئے ۱؎ ان لشکروں میں کچھ فوجیں مقررکر دی جائیں گی ۲؎ تو ایک شخص جہاد میں بھیجے جانے کو ناپسند کرے گا ۳؎ وہ اپنی قوم سے بھاگ جائے گا ۴؎ پھر وہ قبیلوں کو تلاش کرے گا اپنے آپ کو ان پر پیش کرے گا ۵؎ کہ میں فلاں لشکر میں کس کو کفایت کروں ۶؎ اور یہ اپنے خون کے آخری قطرہ تک مزدور ہوگا ۷؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی ابھی تو اسلامی ممالک کا رقبہ بہت محدود ہے،عنقریب وقت آنے والا ہے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو بہت بڑے بڑے ملک عطا فرمائے گا،اسلامی ممالک بہت ہوجائیں گے تو خلیفۃ المسلمین ہر ملک کے لیے علیحدہ علیحدہ یا فوجیں مقرر فرمائے گا تاکہ ہر جگہ کفار کا مقابلہ ہوتا رہے جس قدر ملک وسیع ہوتا ہے اسی قدر فوج زیادہ رکھنی پڑتی ہے،یہ غیبی خبر ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور عہدِ فاروقی سے اس کا ظہور شروع ہوا۔

۲؎ یعنی سلطان اسلام بڑے لشکر کے مختلف حصے کرکے علیحدہ علیحدہ ممالک میں بھیجے گا۔**جنود** سے مراد بڑے بڑے لشکر ہیں اور جو ہیڈکوارٹروں میں رہیں اور **بعوث** سے مراد چھوٹی چھوٹی فوجیں ہیں جو الگ الگ سرحدوں پر حفاظت کے لیے مقرر کی جائیں۔

۳؎ یعنی اس زمانہ میں عمومًا مسلمان فی سبیل اللہ جہاد پر تیار ہوں گے مگر خال خال کوئی آدمی بغیر اجرت لیے جہاد میں جانے پر آمادہ نہ ہوں گے۔بعث سے مراد بلا اجرت جہاد میں بھیجا جانا ہے۔**الرجل** فرماکر بتایا کہ یہ مزدوری لینے کا شوق خال خال کسی میں ہوگا۔

۴؎ اس لیے بھاگے گا کہ اسے بغیر اجرت جہاد میں نہ جانا پڑے۔

۵؎ یعنی یہاں سے بھاگ جانے کے بعد مختلف قبیلوں خاندانوں میں پھرے گا ان سے ملے گا،کیوں،اجرت و مزدوری کی تلاش کے لیے۔

۶؎ یعنی لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ کون مجھے سامان جہاد اور مزدوری دیدے تو میں اس کی طرف سے جہاد کروں وہ آرام کرے مجھے روپیہ دے کر اپنی طرف سے جہاد میں بھیج دے۔

۷؎ یعنی ایسا شخص جسے جہاد سے کوئی رغبت نہ ہو صرف مال پر نظر ہو اور جہاد میں شرکت کو صرف مال حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے اسے جہاد کا کوئی ثواب نہ ملے گا،یہ آخر دم تک صرف مزدور رہے گاغازی فی سبیل اللہ نہ ہوگااور نہ جہاد کے ثواب کا مستحق ہوگا ۔یہ حدیث امام کی دلیل ہے کہ جہاد پر اجرت دینی لینی جائز ہے کیونکہ مزدور کو حضور نے گنہگار نہ فرمایا ثواب سے محروم فرمایا وہ بھی اس لیے کہ اس کا مقصود صرف مال تھا،نیز مال دینے والے کو بھی گنہگار نہ فرمایا بلکہ اسے ثواب جہاد پانے والا قرار دیا کہ ثواب سے محروم صرف مزدور کو بتایا نہ کہ مال دینے والے کو۔**ذالك** مبتدا ہے اور **الاجیر** اس کی خبر۔

	روایت ہے حضرت یعلیٰ ابن امیہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرمایا میں بہت بوڑھا تھا میرے پاس کوئی نوکر بھی نہ تھا ۲؎ میں نے ایک مزدور ڈھونڈھا جو مجھے کفایت کرے تو میں نے ایک شخص کو پایا جس کے لیے میں نے تین دینار مقرر کیے ۳؎ پھر جب مال غنیمت آیا تو میں نے چاہا کہ اس کے لیے اس کا حصہ جاری کردوں ۴؎ چنانچہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے یہ عرض کیا تو فرمایا کہ میں اسے مزدور کے لیے اس جہاد میں دنیا و آخرت میں سوا طے شدہ دیناروں کے اور کچھ نہیں پاتا ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ صحابی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین طائف اور تبوک میں شریک رہے،عہدِ فاروقی میں نجران کے حاکم رہے،جنگ صفین میں حضرت کے ساتھ رہے،اسی میں شہید ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ پتہ نہ لگا کہ یہ کون سا غزوہ تھا،بہرحال انہیں جہاد کا شوق تھا مگر بڑھاپے کی وجہ سے انہیں کسی خادم کی ضرورت تھی جو میدان جہاد میں ان کی خدمت کرے۔

۳؎ کھانے پینے کے علاوہ تین دینار مجھ سے لے لے اور جہاد میں میرے ساتھ چلے وہاں میری خدمت کرے۔

۴؎ یعنی اسے بھی دوسرے غازیوں کی طرح غنیمت کا حصہ دوں یا دلواؤں اگر پیادہ تھا تو پیادہ غازی کا حصہ اور اگر سوار تھا تو سواری غازی کا حصہ۔

۵؎ یعنی اسے یہ تین دینار ہی ملیں گے ان کے سوا نہ ثواب ملے نہ غنیمت کا حصہ۔خیال رہے کہ مجاہد کے خدمت گار نوکر کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔بعض نے فرمایا کہ اسے حصہ غنیمت نہ ملے گا جہاد کرے یا نہ کرے صرف طے شدہ مزدوری ملے گی یہ امام اوزاعی،اسحاق کا قول ہے۔امام شافعی کے دو قول ہیں:ایک وہ جو اوپر گزرا کہ اجرت نہ ملے گی،دوسرا قول یہ ہے کہ اجرت ملے گی حصہ غنیمت نہ ملے گا،بعض کے نزدیک اسے اختیار ہوگا کہ غنیمت کا حصہ لے یا اجرت،چوتھا قول یہ ہے کہ اگر اس مزدور نے جنگ کرنے کی شرط نہ لگائی تھی مگر جہاد کیا قتال کیا تو اسے اجرت بھی ملے گی اور غنیمت کا حصہ بھی،احناف کے ہاں اجارہ اور اجر جمع ہو سکتے ہیں۔(مرقات)یہ حدیث بھی امام اعظم کی دلیل ہے کہ جہاد پر اجرت ناجائز نہیں،نہ اس اجرت کا واپس کرنا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ایک شخص راہِ خدا عزوجل میں جہاد کا ارادہ کرتا ہے ساتھ ہی وہ دنیاوی سامان سے کسی سامان کی خواہش کرتا ہے ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے کچھ ثواب نہیں ۲؎ (ابوداؤد)	3845 - [58](صحيح) وعن أبي هريرة أن رجلا قال:يا رسول الله رجل يريد الجهاد في سبيل الله وهو يبتغي عرضا من عرض الدنيا فقال النبي صلى الله عليه وسلم:" لا أجر له " . رواه أبو داود

۱؎ **عرض** ع اور ر کے فتحہ سے بمعنی مال ہے تھوڑا ہو یا زیادہ اور ر کے سکون سے بمعنی سامان،لہذا روپیہ پیسہ **عرض** ر کے فتحہ سے ہے مگر عرض نہیں بلکہ وہ عین ہے عرض دنیا سے مراد ہر دنیاوی خیر ہے مال ہو یا عزت یا شہرت یا اجرت۔(مرقات)یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں گیا مگر اس کا مقصد دنیا ہے مال ہو یا متاع یا عزت یا شہرت اللہ کے لیے وہاں نہ گیا لہذا جواب بالکل برحق ہے۔

۲؎ کیونکہ وہ اس جہاد سے مرضی الٰہی کا طالب نہ تھا،طالب دنیا تھا لہذا ثواب کا مستحق نہیں،لیکن اگر رضائے الٰہی کے لیے جہاد کرے اور خیال یہ بھی ہو کہ رب تعالٰی غنیمت عطا فرمائے تو ان شاءاللہ ثواب بھی ملے گا۔اگرچہ اس غازی سے کم ملے گا جو غنیمت کی نیت بالکل نہ کرے،بہرحال ثواب کا مدار نیت پر ہے پہلے حدیث گزر چکی کہ غازی اجروثواب اور غنیمت لے کر لوٹتا ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد دو قسم کے ہوتے ہیں ۱؎ جو	3846 - [59](حسن) وعن معاذ قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" الغزو

غزوان فأما من ابتغى وجه الله وأطاع الإمام وأنفق الكريمة وياسر الشريك واجتنب الفساد فإن نومه ونهبه أجر كله . وأما من غزا فخرا ورياء وسمعة وعصى الإمام وأفسد في الأرض فإنه لم يرجع بالكفاف " . رواه مالك وأبو داود والنسائي	غازی رضاء الٰہی کی تلاش کرے امیر کی فرمانبرداری کرے اپنی پیاری چیز خرچ کرے ۲؎ ساتھی سے نرمی کرے ۳؎ دنگے فساد سے بچے ۴؎ تو اس کا سونا جاگنا سب کا سب ثواب ہے ۵؎ اور جو شخص شیخی دکھلاوے شہرت کے لیے جہاد کرے اور امیر کی نافرمانی کرے اور زمین پر فساد پھیلائے ۶؎ تو وہ برابری سے بھی نہ لوٹے گا ۷؎ (مالک،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی جنس جہاد اور مطلق جہاد دو قسم کا ہے،جہاد فی سبیل اللہ کی دو قسمیں نہیں بلکہ وہ خود جنسی جہاد کی ایک قسم ہے یہ ضرور خیال میں رہے۔(مرقات)

۲؎ یہاں امیر سے مراد جہاد کا امیر ہے کمانڈر یا اپنا افسر اور پیاری چیز سے مراد مال اور جان ہے کہ یہ دونوں چیزیں خرچ کرنے پر تیار ہوجائے۔

۳؎ یعنی دوسرے غازیوں کے ساتھ جو اس کے رفیق سفر ہوں نرم اور اچھا برتاؤ کرے۔

۴؎ دنگے فساد سے مراد ساتھیوں کے ساتھ مار پیٹ گالی گلوچ ہے جیسا عمومًا جاہل لوگ اپنے رفیق سفر سے کرتے ہیں،بحالت جہاد تو ایسی حرکتیں سخت خطرناک ہیں۔

۵؎ جاگنا اور جاگنے کے سارے دینی و دنیاوی کام جیسے نماز اور کھانا پینا،کلام کرنا،ہنسنا بولنا،رونا وغیرہ کہ یہ سب عبادت ہی بن جاتے ہیں۔

۶؎ فساد سے مراد وہ ہی آپس کی لڑائی جھگڑا ہے جو ابھی مذکور ہوا یعنی جو شخص یہ تینوں جرم کرے اس کا یہ حکم ہے۔

۷؎ یعنی گنہگار ہوکر لوٹے گا کہ ان حرکتوں کے گناہ کا بوجھ سر پر ہوگا اور اس سفر وغیرہ کا ثواب کچھ بھی نہ ملے گا لہذا بجائے نیکی کمانے کے گناہ کماکر لائے گا۔**کفاف** کے بہت معنی ہیں:بہتر چیز،جو چیز ضرورت سے نہ بچے یعنی بقدر ضرورت چیز،ثواب خیروبھلائی،**کفاف** کاف کے فتحہ سے بھی ہے اور کسرہ سے بھی،جو کسرہ سے ہے وہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔یہاں مرقات نے ریا پر بہت اچھی بحث کی۔خلاصہ یہ ہے کہ ریا سے اکثر عمل کا ثواب کم ہوجاتا ہے عمل باطل نہیں ہوتا اسی لیے ریا کار پر ریا سے کی ہوئی عبادت کا لوٹانا واجب نہیں اور اگر بعد میں توبہ نصیب ہوجائے تو ان شاءاللہ وہ کمی بھی پوری ہوجاتی ہے پھر ریا کی بھی دو قسمیں ہیں ریا نفس عمل،یہی کہ اگر لوگ نہ دیکھتے ہوں اور رائے ناموری کی امید نہ ہو تو نیکی کرے ہی نہیں۔دوسرے ریا کمال عمل میں،اگر لوگوں کے دکھاوے کو اچھی طرح نیکی کرے ورنہ معمولی طرح پہلی زیادہ خطرناک ہے دوسری ریا ہلکی۔خیال رہے کہ کوئی شخص ریا کی وجہ سے عمل نہ چھوڑ دے،اخلاص کی دعا کرے اور عمل کرے جاوے کبھی رب تعالٰی اخلاص بھی نصیب کر ہی دے گا،مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑے۔

3847 - [60] (ضعيف) وعن عبد الله بن عمرو أنه قال:يا رسول الله أخبرني عن	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جہاد کے

الجهاد فقال:" يا عبد الله بن عمرو إن قاتلت صابرا محتسبا بعثك الله صابرا محتسبا وإن قاتلت مرائيا مكاثرا بعثك الله مرائيا مكاثرا يا عبد الله بن عمرو على أي حال قاتلت أو قتلت بعثك الله على تلك الحال " . رواه أبو داود	متعلق خبر دیجئے ۱؎ تو فرمایا اے عبداللہ ابن عمرو۲؎ اگر تم صابر بن کر طلب اجر کرتے ہوئے جہاد کرو گے تو اللہ تعالٰی تم کو صبر والا طالب اجر ہی اٹھائے گا۳؎ اور اگر تم ریاکار اور زیادتی کی ہوس سے جہاد کرو گے تو اللہ تم کو ریا کار ہوس والا اٹھائے گا ۴؎ اے عبداللہ ابن عمرو جس حال پر جنگ کرو گے یا مارے جاؤ گے تم کو اللہ اس حال پر اٹھائے گا ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ جہاد کی تفصیل اور تفضیل(فضیلت) بتائیے یا اس کی حقیقت پر مطلع فرمائیے یا جہاد مقبول و نامقبول کے متعلق خبر دیجئے۔جواب شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال تیسری بات کے متعلق تھا کہ جہاد مقبول کون سا ہے اور جہا د مردود کون سا۔

۲؎ حضور انور نے انہیں اس لیے پکارا بغور جواب کو سنیں۔

۳؎ اس حدیث کی بنا پر صوفیاءکرام فرماتے ہیں جس حال جیو گے اسی حال میں مرو گے اور جس حال میں مروگے اسی حال میں اٹھو گے۔(مرقات)زندگی میں اچھا مشغلہ رکھو تاکہ اس مشغلہ میں موت آئے اور اسی حال میں حشر ہو،نمازی آدمی کو نزع و قبر میں بھی نماز ہی یاد آتی ہے جیساکہ بعض روایات میں بھی ہے اور دیکھا بھی گیا کہ اللہ تعالٰی انجام بخیر کرے۔

۴؎ یعنی اگر تم نام اور مال کی خواہش کے لیے جہاد کرو گے اسی فکر میں مارے جاؤ گے تو قیامت میں اس کی سزا میں گرفتار اٹھوگے لہذا دنیا میں آخرت کی فکر کرو تاکہ آخرت میں بے فکر اٹھو،دنیا کی ناجائز فکر میں نہ ادبال ہو۔

۵؎ جہاد کے علاوہ باقی اعمال کا بھی یہ ہی حال ہے،اللہ تعالٰی اس فقیر گنہگار کو دینی خدمت کا مشغلہ نصیب کرے،قبول فرمائے،اس میں موت دے اور دین کے خادموں کے زمرے میں حشر نصیب کرے،سنا ہے اچھوں کے ساتھی بھی بخشے جاتے ہیں۔

3848 - [61](لم تتم دراسته) وعن عقبة بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" أعجزتم إذا بعثت رجلا فم يمض لأمري أن تجعلوا مكانه من يمضي لأمري ؟ " . رواه أبو داود وذكر حديث فضالة:" والمجاهد من جاهد نفسه " . في " كتاب الإيمان "	روایت ہے حضرت عقبہ ابن مالک سے۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کیا تم اس سے عاجز ہو کہ جب کسی شخص کو بھیجوں پھر وہ میرا حکم جاری نہ کرے تو تم اس کی جگہ کسی ایسے کو مقرر کر دو جو میرا حکم جاری کرے ۲؎(ابوداؤد)اور فضالہ کی وہ حدیث کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے کتاب الایمان میں ذکر کردی گئی۳؎

۱؎ صاحب مشکوۃ نے ان کا ذکر اسماءالرجال میں نہیں فرمایا،اشعہ نے فرمایا کہ آپ صحابی ہیں یعنی اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے۔

۲؎ یعنی اگر میں کسی کو امیروحاکم بناکر کہیں بھیجوں،جہاد میں یا اور جگہ اور پھر وہ حاکم میرے فرمان کے مطابق عمل نہ کرے تو تم کو لازم ہے کہ اسے معزول کرکے دوسرے ایسے آدمی کو امیر بنالو جو میرے احکام نافذ کرے۔اس حدیث

سے معلوم ہوا کہ رعایا ظالم حاکم کو معزول کرکے عادل حاکم مقرر کرسکتی ہے مگر خیال رہے کہ یہ جب ہے جب کہ اس کے معزول کرنے میں خون ریزی اور فتنہ و فساد نہ ہو بہ آسانی وہ معزول کیا جاسکے۔(مرقات)لہذا صحابہ کرام کا حجاج ابن یوسف جیسے ظالم و خونخوار حاکم کو معزول نہ کرنا اس کے ظلم سہنا اس حدیث کے خلاف نہیں۔اس کے الگ کرنے میں بڑے فتنہ کا دروازہ کھلتا بڑی خونریزی ہوتی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر قاتل سفاک حاکم کے معزول کرنے میں خونریزی اس سے کم ہو جتنی اس کے قائم رہنے میں ہو تو اسے معزول کردیا جائے اگر اس کے برعکس ہو تو معزول نہ کیا جائے۔نیز مالی ظالم کو معزول نہ کرواؤ جانی ظالم کو معزول کرواؤ اس شرط سے جوابھی مذکور ہوئی غرضیکہ تبدیلی حکومت آسان چیز نہیں۔ خیال رہے کہ مؤذن کو امام معزول کرسکتا ہے اور امام کو متولی مسجد علیحدہ کرسکتا ہے اور متولی کو عامۃ المسلمین معزول کرسکتے ہیں۔یہ مسئلہ یہاں سے ماخوذ ہے عوام کی بڑی طاقت ہوتی ہے۔آج کل اس کا نظارہ ہر الیکشن کے موقعہ پر ہوتا ہے۔

۳؎یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی،ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئےوہ حدیث کتاب الایمان میں ذکر کردی ہے ایک طویل حدیث کے ضمن میں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

3849 - [62](لم تتم دراسته) عن أبي أمامة قال:خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سرية فمر رجل بغار فيه شيء من ماء وبقل فحدث نفسه بأن يقيم فيه ويتخلى من الدنيا فاستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" إني لم أبعث باليهودية ولا بالنصرانية ولكني بعثت بالحنيفية السمحة والذي نفس محمد بيده لغدوة أو روحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها ولمقام أحدكم في الصف خير من صلاته ستين سنة " . رواه أحمد	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں نکلے ۱؎ تو ایک شخص غار پر گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزی تھی ۲؎ تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہاں ہی قیام کرے اور دنیا سے الگ ہو جائے ۳؎ چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں اجازت مانگی ۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہ تو یہودیت لے کر بھیجا گیا نہ عیسائیت لے کر ۵؎ لیکن میں تو آسان سیدھی ملت لے کر بھیجا گیا ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کی جان ہے اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے ۷؎ اور تم میں سے کسی کا صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ سال کی نمازوں سے افضل ہے ۸؎(احمد)

۱؎ سریہ سین کے فتحہ ر کے کسرہ ی کے شد سے ہے بمعنی چھوٹا لشکر جس کی تعداد چار سو تک ہو جو دشمن کی طرف بھیجا جائے۔یہ سری سے بنا ہے بمعنی خفیہ بھیجا اس لیے فرمایا کہ "اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا"یا اسراء بمعنی اختیار سے بنا ہے۔سریہ چلی ہوئی جماعت،محدثین کی اصطلاح میں سریہ وہ لشکر ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے جائیں۔غزوہ وہ جہاد ہے جس میں سرکار بنفس نفیس تشریف لے جائیں۔یہاں سرکار عالی اس لشکر کو وداع کرنے تشریف لے گئے تھے نہ کہ جہاد کے لیے یا سریہ سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی مطلقًا لشکر۔(مرقات)

۲؎ یا تو پانی کا چشمہ تھا یا بہتا پانی تھا تھوڑا جو ایک دو آدمیوں کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور آس پاس کی زمین سبزہ زار تھی جہاں کچھ بوکر پیداوار کرلی جائے جو اپنے اور اپنی بکریوں کے لیے کافی ہو یہ چیز ملک عرب میں بڑی ہی غنیمت ہے۔

۳؎ یعنی ابھی یا اس جہاد کے بعد تارک الدنیا ہو کر اس جگہ قیام کرے جذبہ یہ تھا کہ دنیا اور دنیا والوں میں مشغولیت یاد خدا میں رخنہ ڈالتی ہے اور کبھی اختلاط کی وجہ سے گناہ بھی سرزد ہوجاتے ہیں۔تارک الدنیا ہوکر رہنے میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں گی۔

۴؎ اگر اس جہاد میں حضور انور شریک تھے تو وہاں ہی اجازت مانگی ورنہ مدینہ منورہ واپس آکر دونوں احتمال ہیں۔

۵؎ یعنی راہبانہ زندگی اور تارک الدنیا ہوکر رہنا عیسائیوں اور یہودیوں کے دین میں ہےاسلام میں نہیں،تم کو ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتےکیونکہ ترک دنیا بہت شاق و دشوار ہےاور اس کا فائدہ اگر ہے تو صرف اسی ایک تارک الدنیا کو۔

۶؎ یعنی ہمارا دین آسان ہے اور تمام برائیوں سے دور ہے۔**حنیف** بمعنی برائیوں سے ہٹا ہوا بچا ہوا،**سمحہ** بمعنی آسان۔مطلب یہ ہے کہ اسلام کے احکام نرم اور بہت فائدے مند ہیں،تم شہر میں رہو وہاں تم کو نماز پنجگانہ باجماعت،جمعہ،عیدین،جہاد،علماء کی صحبت اور اس زمانہ میں تو ہمارا دیدار بھی نصیب ہوگا،وہاں گوشہ تنہائی میں رہنے سے تم ان تمام نعمتوں سے محروم رہو گے۔

۷؎ جہاد یا حج یا طلب دین کے لیے ایک دفعہ صبح یا شام کو نکلنا تمام دنیا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے کہ دنیا فانی ہے اور یہ ثواب باقی ووافی ہے اب تم خود سوچ لو کہ تمہارا مدینہ میں رہنا افضل ہے یا اس چشمہ پر اکیلے رہنا بہتر۔

۸؎ یعنی ایک بار جہاد میں غازیوں کی صف میں یا نماز میں حاجیوں کی صف میں کھڑے ہوجانا بے شمار برسوں کی ان نمازوں سے افضل ہے جو اکیلے ادا کی جائیں۔جب اس صف میں کھڑے ہوجانے کا یہ ثواب ہے تو سوچو کہ خود جہاد اور باجماعت نماز کا کیا ثواب ہوگا۔یہاں ساٹھ سے مراد بے شمار ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ستر کا ذکر ہے۔اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عام حالات میں خلوت و گوشہ نشینی کی زندگی سے جلوت کی زندگی افضل ہے۔اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ جن احادیث میں شہر سے بھاگ جانے گوشہ نشین ہوجانے کا مشورہ دیا گیا ہےوہ فتنوں اور بلاؤں کے زمانہ کے متعلق ہے جب کہ شہر میں دین کا خطرہ ہو۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ	3850 - [63](صحیح) وعن عبادة بن الصامت قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من غزا في سبيل الله ولم ينو إلا عقالا فله ما نوى " .

رواہ النسائي	میں جہاد کرے اور نہ نیت کرے مگر ایک رسی کی تو اس کے لیے وہی ہے جس کی نیت کرے ا(نسائی)

اعقال چھوٹی رسی جس سے اونٹ کو باندھا جائے،مراد ہے نہایت معمولی چیز۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ کامل غازی وہ ہے جو جہاد میں غنیمت حاصل کرنے کی بھی نیت نہ کرے صرف رضا الٰہی اعلاء دین کی نیت کرے اس کی تحقیق پہلے ہوچکی کہ رضا الٰہی کے ساتھ غنیمت کی بھی نیت کرنے سے ثواب میں کمی تو ہوجاتی ہے ثواب بالکل نہیں جاتا رہتا۔یہ بھی گزر گیا کہ مخلوط ریا عمل کو باطل نہیں کرتی۔

3851 - [64](صحيح) وعن أبي سعيد رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:" من رضي بالله ربا والإسلام دينا وبمحمد رسولا وجبت له الجنة " . فعجب لها أبو سعيد فقال:أعدها علي يا رسول الله فأعادها عليه ثم قال:" وأخرى يرفع الله بها العبد مائة درجة في الجنة ما بين كل درجتين كما بين السماء والأرض " . قال:وما هي يا رسول الله ؟ قال:" الجهاد في سبيل الله الجهاد في سبيل الله الجهاد في سبيل الله " . رواه مسلم	روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی ااس پر ابوسعید نے تعجب کیا بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث مجھے دوبارہ فرمایئے ۲حضور نے انہیں دوبارہ یہ بشارت سنائی پھر فرمایا دوسری چیز بھی ہے جس کی برکت سے اللہ تعالٰی بندے کے سو درجے جنت میں بلند فرماتا ہے۳ہر دو درجوں کے درمیان ایسا فاصلہ ہے جیسا آسمان و زمین کے درمیان عرض کیا یارسول اللہ وہ کیا ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد اللہ کی راہ میں جہاد،اللہ کی راہ میں جہاد۴(مسلم)

ااس جملہ کے معانی بار ہا بیان ہوچکے۔اللہ تعالٰی سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بندہ راضی بہ قضا رہے،نعمتوں میں رب تعالٰی کا شکر کرے،مصیبتوں میں صبر کرے،اسی طرح اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی احکام پر راضی دل سے انہیں پسند کرے خواہ سمجھ میں آویں یا نہ آویں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضور کے تمام اقوال،افعال،اعمال،احوال سے دلی محبت کرے۔جس چیز کو حضور سے نسبت ہو اسے دل سے محبوب رکھے۔شریعت،طریقت،حقیقت معرفت کو دل سے پسند کرے کیونکہ شریعت حضور انور کے جسم اطہر کے حالات کا نام ہے،طریقت قلب پاک مصطفٰی کی واردات ہے،یوں ہی حقیقت و معرفت روح پاک سر پاک کی واردات کا نام ہے۔غرضیکہ یہ سب حضور کی ادائیں ہیں ایسے شخص کے لیے دنیا میں ہی جنت واجب ہوچکی کہ جئے گا جنتی ہوکر،مرے گا جنتی ہوکر،اٹھے گا جنتیوں کے زمرہ میں۔مرقات نے فرمایا کہ رب تعالٰی کا فرمان:"وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ"دو جنتوں سے مراد دنیا و آخرت کی جنت ہے یعنی رب تعالٰی سے ڈرنے والے کے لیے ایک جنت دنیا میں ہے اور دوسری جنت آخرت میں۔سبحان اللہ! کیسی پیاری بات ہے۔حضور کی شریعت،اطاعت،محبت دنیا کی جنت ہے۔

۲؎ یہ تعجب انتہائی خوشی کا تھا اور دوبارہ کہلوانا اس لیے تھا کہ ایسے ہمارے بشارت والے کلمے پھر ایسے بے مثال بشیرونذیر کے لبوں سے بہت لذیذ معلوم ہوئے۔شعر

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

۳؎ یعنی دوسری خوشخبری اور سنواور خوش ہو،کیوں نہ خوش ہوں جب رب تعالٰی نے ہم کو ایسے بشیرونذیر کی امت میں بنایا یعنی ایک عمل ایسا بھی ہے جس سے عامل کو جنت کا اوپر والا درجہ ملتا ہے،جو سو درجے بلند ہے،ہر دو درجوں کا اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

۴؎ اگرچہ اسلام میں جہاد بھی آگیا تھا مگر چونکہ یہ دوسرے اعمال سے بہت افضل ہے اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے اس لیے اسے خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا یا مطلب یہ ہے کہ جسے جہاد نصیب ہوجائے اسی کے لیے درجے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد اکثر فرض کفایہ ہوتا ہے،مرقات نے اس سے یہ ہی مسئلہ مستنبط فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ تلے ہیں ۱؎ تو ایک فقیر الحال شخص کھڑا ہوگیا ۲؎ بولا اے ابو موسیٰ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ۳؎ فرمایا ہاں تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا ۴؎ پھر بولا میں تم کو سلام(وداعی) کرتا ہوں ۵؎ پھر اپنی تلوار کا غلاف توڑا اسے پھینک دیا ۶؎ پھر اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف چل پڑا اس سے دشمن پر حملہ کیا حتی کہ قتل کیا گیا ۷؎ (مسلم)	

۱؎ تلواروں سے مراد جہاد کے ہتھیار ہیں،چونکہ اس زمانہ میں جہاد میں زیادہ استعمال تلواروں کا ہوتا تھا اس لیے خصوصیت سے تلواروں کا ہی ذکر فرمایا۔آج کل توپوں،بندوقوں،راکٹوں کا بھی یہ حال ہے کہ ان کے نیچے جنت ہے جبکہ وہ جہاد میں استعمال ہورہے ہوں۔ان تلواروں سے مراد یا تو کفار کی تلواریں ہیں جو وہ غازی مسلمانوں کے مقابل کھینچیں یعنی ان تلواروں سے جنت بہت قریب ہے کہ مسلمان شہید ہوا اور جنت میں پہنچا۔جیسے فرمایا گیا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے یا مراد خود مجاہدین کی اپنی تلواریں ہیں یعنی جب مجاہدین تلوار سونتتے کفار پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو گویا جنت ان تلواروں کے سایہ میں ہوتی ہے اور سایہ میں تو خود مجاہدین ہیں تو وہ اس وقت ہی جنت میں ہیں مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے،مرقات نے اس ہی کو ترجیح دی ہے۔

۲؎ اس مقبول بندے کا نام معلوم نہ ہوسکا کوئی غریب شکستہ حال بے پرو جو اس جہاد میں آیا تھا وہ یہ بولا،رضی اللہ عنہ۔

۳؎ یعنی اے صحابی رسول کیا تم نے بلاواسطہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا کسی ذریعہ سے تم کو یہ فرمان عالی پہنچا ہے اور کیا یہ فرمان یقینی ہے۔

۴؎ جو اس کے ساتھ جہاد میں آئے ہوئے تھے۔

۵؎ اب میں شہید ہونے جارہا ہوں لوٹ کر آنے کا ارادہ نہیں ہے،اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب ہے۔شعر

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھنچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۶؎ کیونکہ اب اس غلاف کی ضرورت نہ رہی تلوار بند کرنا نہیں ہے،اب مارنا ہے یہ ہے شوق شہادت،جذبہ جہاد حضرت زرا ابن ازدر رضی اللہ عنہ بغیر زرہ پوستین پہنے جہاد کرتے تھے۔شوق شہادت میں عاشقوں کے حالات بتارہے ہیں۔

۷؎ اس طرح کہ نہ معلوم کتنے کافروں کو قتل کیا پھر بہادری کے جوہر دکھا کر سینے میں تیر تلوار کھا کر شہید ہوا ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان،یہ حدیث مسلم کے علاوہ احمد وترمذی نے بھی روایت کی ہے۔مناسب یہ تھا کہ مؤلف ان دونوں حدیثوں کے متعلق فرمادیتے رواھما مسلم۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جب احد کے دن تمہارے بھائی شہید کیے گئے تو اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھیں ۱؎ وہ جنت کی نہروں پر جاتی ہیں اس کے پھل کھاتی ہیں ان سونے کے قندیلوں کی طرف بسیرا لیتی ہیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوتی ہیں ۲؎ جب ان شہدا نے اپنے کھانے پینے آرام و راحت کو پایا ۳؎ تو بولے کہ ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے یہ پیغام کون پہنچائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ۴؎ تاکہ وہ جنت سے بے رغبت نہ ہوجاویں اور جہاد کے وقت بزدلی یا بے دلی نہ کریں ۵؎ تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ تمہاری طرف سے یہ پیغام ہم پہنچاتے ہیں تب رب نے یہ آیت اتاری کہ اللہ کی راہ میں مقتول لوگوں کو مردہ نہ سمجھو ۶؎ بلکہ وہ تو زندہ ہیں تا آخر آیات ۷؎ (ابوداؤد)	

۱؎ جیسے یہ روحیں دنیا میں انسانی جسم میں تھیں مگر اس طرح کہ اس جسم کی تربیت کرتی تھیں اوران کی اپنی روحیں تھیں،اس طرح رب نے وہ ہی روحیں سبز پرندوں کے جسموں میں امانت کے طور پر رکھیں مگر اب وہ روحیں ان جسموں کی تربیت نہیں کرتیں نہ وہ جسم ان روحوں کے اپنے ہیں اور وہ روحیں انسانی روحیں یعنی نفس ناطقہ میں رہیں لہذا اس سے آریوں کا تناسخ جسے وہ اواگون کہتے ہیں ثابت نہیں ہوتا۔وہ سبز پرندوں کے جسم ان روحوں کے لیے ایسے ہیں جیسے دنیا میں ہمارے لیے لباس یا مکان اسی لیے **فی جوف** ارشاد ہوا۔

۲؎ یہ غذا اور پانی ان روحوں کے لیے ہی ہے وہ جسم اس سے پرورش نہیں پاتے اس لیے یہاں غذا اور بسیرے کو روحوں کی طرف نسبت فرمایا گیا،ان روحوں کا اڑ کر ہر جگہ پہنچنا ایسا ہے جیسے ہمارا ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اڑنا۔ خیال رہے کہ ان روحوں کے جنت میں ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ان شہدا کی قبریں روحوں سے خالی ہوگئیں یا جسم بے کار ہوکر گل سڑ گئے وہ جنت میں بھی ہیں اور اپنی قبروں میں بھی،پھر اس جہان کی سیر کرتی ہیں،دنیا والوں کو جانتی پہچانتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ "جو لوگ ابھی ان تک نہیں پہنچے ان کے متعلق خوشیاں منارہے ہیں کہ وہ بھی عنقریب ان کے پاس پہنچنے والے ہیں۔دیکھو ہمارا نور نظر آسمان پر پہنچنے کے باوجود آنکھوں میں بھی رہتا ہے سورج کی شعاعیں زمین پر پہنچ کر بھی آسمان بلکہ سورج میں رہتی ہیں،اس کی بحث پہلے بھی کی جاچکی ہے اس کا بہت خیال رہے۔

۳؎ خیال رہے کہ ماکل،مشرب اور مقیل تینوں مصدر میمی ہیں اسم ظرف نہیں،مقیل دوپہر کے آرامگاہ کو کہتے ہیں۔قیلولہ سے بنا ہے یہاں عیش و آرام مراد ہے جنت میں بلکہ بعد موت نیند نہیں،حدیث شریف میں جو ہے کہ قبر میں بندہ مؤمن سے فرشتے کہتے ہیں نم کنومة العروس تو سوجا دلہن کی طرح وہاں یہ سونا مراد نہیں جاگنے کا مقابل بلکہ بے فکری والا آرام مراد ہے،محاورہ میں غفلت اور عیش دونوں کو نیند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ع جملہ عالم راہمہ درخواب داں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان شہداء کو کھانے پینے کی اجازت تو ہوتی ہے مگر حوروں کی اجازت نہیں وہ تو بعد قیامت ہوگی جب اس جسم سے داخلہ ہوگا۔

۴؎ یعنی زندہ ہیں اور جنت میں ہیں،یہ مطلب نہیں کہ ہم جنت میں زندہ اور دنیا میں مردہ ہیں جیساکہ اس زمانہ کے بعض بے دین کہتے ہیں۔

۵؎ ینکلو نکل سے بنا بمعنی بزدلی۔(مرقات)بے دلی و بے رغبتی۔(اشعۃ اللمعات)یعنی جہاد جنت کے گلزار کا راستہ راہ خدادار ہے لہٰذا ان کانٹوں کی پرواہ نہ کرو یہاں کے گلزار تک پہنچو۔

۶؎ اسمیں خطاب یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے،قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ شہداء کو مردہ نہ کہو،یہاں فرمایا گیا کہ انہیں مردہ نہ سمجھو،کہنا زبان یا قلم سے ہوتا ہے،سمجھنا دل و دماغ سے،جتنی تاکید رب تعالٰی نے حیات شہداء کی کی ہے اتنی تاکید اور کسی چیز کی نہ کی کہ مؤمن کے زبان،قلم، دل،دماغ سب کو انہیں مردہ کہنے سمجھنے سے روک دیا۔

۷؎ وَاَنَّ اللہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ"تک کی آیت نازل فرمائیں جن میں شہداء کا زندہ ہونا،جنت کی سیر کرنا،وہاں کے پھل فروٹ کھانا،دنیا والوں کے حالات سے خبردار رہنا جو لوگ کہ ابھی دنیا میں ہیں مگر کچھ دنوں بعد ان سے ملنے والے ہیں ان کی آمد پر خوشیاں منانا لوگوں کے انجام سے خبردار ہونا،سب کچھ ہی بیان فرمایا۔ جب شہید کی زندگی اس کے عیش و آرام،اس کے علم کی یہ حالت ہے تو جن محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دم کی یہ ساری بہاریں ہیں ان کی حیات و علم کی کیا کیفیت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مؤمن تین قسم کے ہیں ایک وہ جو اللہ کے رسول پر ایمان لائیں پھر شک نہ کریں۲ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۳ اور وہ جس سے لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر امن میں ہوں۴ پھر وہ کہ جب وہ طمع کے قریب پہنچے تو اسے اللہ عزوجل کے لیے چھوڑدے ۵(احمد)	

۱ قربان جاؤں اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ حضور نے یہاں اقسام نہ فرمایا بلکہ اجزاء فرمایا کیونکہ کل کے اقسام و افراد ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں مگر کل کے اجزاء ایسے مخلوط ہو تے ہیں کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتے جیسے سکنجبین کے اجزاء،چونکہ یہ تینوں قسم کے مؤمن دنیا میں شکل و عقل،رنگ ڈھنگ وغیرہ میں ممتاز نہیں سب یکساں معلوم ہوتے ہیں،ظاہر میں یکساں،ضمائر میں فرق اس لیے انہیں اجزاء فرمایا،نیز سب مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں جن میں روح رواں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور نے سب کو ایک بنادیا،لہذا انہیں اجزاء فرمایا،صلی اللہ علی سیدنا محمد والہ واصحابه وبارك وسلم،ہم عجمی گنوار اس عربی سردار کے راز کیا سمجھیں۔شعر

فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی　　　لاف مہرش چہ زنم من حبشی او قرشی

۲ اللہ و رسول پر ایمان لاتے ہی سارے ایمانیات کا ذکر آگیا،رب تعالٰی نے بھی فرمایا:"اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی سے ملا کر بولنا جائز ہے،ثم لانے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ و رسول کو ملانا ہی جان ایمان ہے۔ دیکھو کتاب اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں۔ثم فرما کر یہ بتایا گیا کہ مرتے دم تک مؤمن کو کسی ایمانی چیز میں تردد نہ ہونا چاہیے اعتبار خاتمہ کا ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بد عملی اور گناہ کی عادات عملی تردد وشک ہے،مؤمن کامل وہ ہے جو اعتقادی و عملی دونوں قسموں کے شکوک سے دور رہے۔

۳ جہاد کا ذکر ایمان کے بعد فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ تمام نیک اعمال کا اعتبار ایمان کے بعد ہے،کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں،جڑ کٹ جانے پر شاخوں کو پانی دینا بیکار ہے،یہ بھی بتایا گیا کہ جہاد وہ افضل ہے کہ جو ہر قسم کے مال اور جان سے کیا جاوے کہ مجاہد خود بھی میدان میں جاوے اور ہر طرح کا مال بھی وہاں خرچ کرے۔

۴ یعنی دوسری قسم کا مؤمن وہ ہے جو اگرچہ کسی کو نفع نہ پہنچاسکے مگر نقصان بھی نہ پہنچائے مسلمانوں کو اس کی طرف سے امن ہو،ہر شخص یہ سمجھتا ہو کہ اس سے ہم کو نقصان نہ پہنچے گا،الذی واحد فرما کر یہ بتایا کہ ایسے لوگ دنیا میں تھوڑے ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔　مصرع　مرا بجز تو امید نیست برمرداں

۵ یعنی تیسرے نمبر کا مؤمن وہ ہے کہ بہت دفعہ اس کے دل میں مال عزت شہرت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو اور اس کا دل چاہے کہ دوسروں کی طرح میں بھی ہر جائز ناجائز طریقہ سے یہ چیزیں حاصل کروں مگر پھر وہ اپنے دل کو

ان چیزوں سے روکے محض خوفِ خدا کی وجہ سے کہ کہیں رب تعالٰی ناراض نہ ہوجائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی"ایسا شخص بھی مجاہد ہے جو ہر وقت اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے،اسے بری طرف جانے سے روکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی عمیرہ سے [1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جان جسے اللہ تعالٰی قبض فرمائے [2] ایسی نہیں جو تمہاری طرف لوٹنا چاہے اگرچہ اس کے لیے دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں ہوجائیں سواء شہید کے [3] ابن ابی عمیرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ کی راہ میں مارا جانا اس سے زیادہ پیارا ہے کہ میری ملک اون والے اور ڈھیلے والے ہوں [4] (نسائی)

[1] آپ مدنی قرشی ہیں،آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،اگر آپ صحابی ہیں تو حدیث متصل ہے اور اگر تابعی ہیں تو یہ حدیث مرسل ہے کہ صحابی کا ذکر اس میں نہیں۔(از مرقات،اشعہ)

[2] اگرچہ جان قبض کرنا حضرت ملک الموت کا کام ہے مگر چونکہ ان کا یہ کام رب تعالٰی کے حکم سے ہوتا ہے، نیز محبوبوں کا کام رب کا کام ہے اس لیے یہاں قبض روح کو رب تعالٰی کی طرف نسبت فرمایا گیا۔مرقات نے فرمایا کہ قبض روح حقیقتًا رب کا کام ہے مجازاً حضرت ملک الموت کا کام۔

[3] یعنی جسے اللہ تعالٰی بخش دے وہ دنیا میں واپس آنے کی کبھی تمنا نہیں کرتاکیونکہ وہاں کے عیش خالص اور دنیا کے عیش مصیبتوں سے مخلوط۔کفار تو دنیا میں آنے کی تمنا کرتے ہیں مگر جھڑک دیئے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں دنیا میں واپس آنے سے مراد عمل کرنے کے لیے اس جسم عنصری کے ساتھ آنا مراد ہے،ورنہ شہداءواولیاء دنیا میں سیر فرماتے ہیں،بعض حضرات نے ان سے ملاقاتیں بھی کی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تمام نبیوں نے نماز ادا کی معراج کی رات،اور فقیر نے اس نماز کی جگہ کی زیارت کی بیت المقدس میں رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ"اے محبوب آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں۔

[4] اون والوں سے مراد دیہاتی لوگ ہیں جو اونی خیموں میں رہتے ہیں اور ڈھیلے والوں سے مراد شہری لوگ ہیں جو مکانات بنا کر رہتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ تمام جہان کی بادشاہت سے اللہ کی راہ میں شہید ہونا مجھے زیادہ پیارا ہے۔خیال رہے کہ اس زیادہ پیارا ہونے کی وجہ سے حضور کو رب تعالٰی نے شہادت کا ثواب عطا فرمادیا کہ نیکی کی تمنا بھی نیکی ہے پھر خیبر والے زہر کے اثر سے حضور کی وفات ہوئی،زہر سے وفات بھی شہادت ہے،فقہی شہادت یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہونا حضور کو عطا نہ ہوا،کہ رب تعالٰی نے فرمایا تھا"وَ اللہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ"اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔اگر کوئی

کافر آپ کو شہید کردیتا تو بظاہر اس آیت کے خلاف ہوتا۔تمام روئے زمین کے شہداء کی شہادتوں کا ثواب حضور کو عطا ہوتا ہے کہ حضور کے حکم سے جہاد اور شہادتیں ہورہی ہیں۔

روایت ہے حضرت حسناء بنت معاویہ ۱؎سے فرماتی ہیں مجھے میرے چچا نے حدیث سنائی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنت میں کون جائے گا فرمایا نبی جنت میں ہوں گے اور شہید جنت میں ہوگا اور بچہ جنت میں ہوگا۲؎اور زندہ گاڑھا ہوا بچہ جنت میں ہوگا ۳؎(ابوداؤد)۴؎	

۱؎آپ حسناء بنت معاویہ ابن سلیم صرمیہ ہیں،تابعیہ ہیں،بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام خنساء ہے اور حسناء آپ کا لقب ہے،آپ کے دو چچا ہیں حارث اور اسلم۔غالبًا یہ روایت حارث سے ہے آپ نے عوف اعرابی سے روایات لیں۔

۲؎یعنی ہر ناسمجھ بچہ جنتی ہے خواہ مسلمان کا بچہ ہو یا کافر کا حتی کہ کچا گرا ہوا بچہ بھی جنتی ہے اگرچہ مؤمن کا بچہ جنت کے اعلیٰ مقام میں ہوگا اور کافر کا بچہ ادنی جگہ میں یا دیگر اہلِ جنت کا خادم۔

۳؎کفار عرب اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیتے تھے اسے موؤدہ کہتے تھے۔وئید کے بھی یہ معنی ہیں یعنی کفار کی بچیاں جو زندہ درگور کردی گئیں ہیں وہ جنتی ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے ناسمجھ بچے جنتی ہیں،اس کے مخالف روایات اس حدیث سے منسوخ ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ"جب زندہ دابی ہوئی بچی سے پوچھا جائے کہ تو کس قصور میں ماری گئی تھی اگر وہ خود ہی دوزخی ہوتی تو اس سوال کے کیا معنی ہوتے۔غرضیکہ اس حدیث کی تائید بہت سی آیات سے ہے،رب تعالٰی بغیر گناہ کسی کو دوزخ نہ دے وہ کریم ہے،چونکہ یہ چاروں جماعتیں یعنی انبیاء شہداء بچے اور موؤدہ بغیر حساب جنت میں جائیں گے اسی لیے خصوصیت سے ان چار کا ذکر ہوا،ورنہ جنتی اور لوگ بھی ہیں۔خیال رہے کہ جنت کسبی،عطائی،وہبی تین طرح حاصل ہوگی،اپنے اعمال سے،اپنے بزرگوں کے اعمال سے جیسے مسلمانوں کے بچے صرف عطا ذوالجلال سے جیسے ایک مخلوق جنت پر کرنے کے لیے پیدا کی جائے گی مگر دوزخ صرف کسبی طور سے ملے گی وہبی یا عطائی نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ"اور فرماتاہے:"هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"۔

۴؎یہ حدیث احمد نے بھی روایت کی اور جامع صغیر میں بھی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی،ابوالدرداء،ابوہریرہ،ابو امامہ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عمرو اور جابر بن عبداللہ اور عمران بن حصین سے یہ تمام حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ۱؎کہ حضور نے فرمایا جو شخص راہِ خدا میں کچھ خرچہ بھیج دے۲؎اور خود اپنے گھر	

میں رہے۳؎ اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم ملیں گے۴؎ اور جو راہِ خدا میں بذات خود جہاد کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرے تو اس کے لیے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہیں پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی اللہ جسے چاہے گا بہت زیادہ دے گا ۵؎(ابن ماجہ)	

۱؎ چونکہ ان آٹھوں صحابہ نے الگ الگ یہ روایت کی ہے اس لیے یحدث واحد کا صیغہ ارشاد ہوا جمع یعنی یحدثون نہ فرمایا۔(مرقات)

۲؎ روپیہ یا موسم کے مطابق نمازیوں کے لیے کپڑے یا ان کے لیے راشن یا ہتھیار۔غرضیکہ کوئی چیز جو مجاہدوں کو ضروری ہوان کے لیے کھیل کا سامان،گانے بجانے کے آلات،سینما فلم وغیرہ مراد نہیں کہ ان کا استعمال عام لوگوں کو ممنوع ہے اور مجاہدوں کو زیادہ ممنوع کہ وہ راہِ خدا میں سربکف ہیں،شہادت کی موت انکے سامنے ہے انہیں اس وقت بہت ہی تقویٰ اختیار کرنا چاہیے سرکاری ملازموں کا جب ریٹائر ہونے کا زمانہ قریب ہوتا ہے تو وہ بہت احتیاط برتتے ہیں کہ کہیں ہماری بے احتیاطی پنشن پر اثر نہ کرے۔

۳؎ کیونکہ اس وقت جہاد فرض کفایہ ہو فرض عین نہ ہو،ورنہ فرض عین ہونے کے وقت تو ہر مسلمان کو جہاد کرنا چاہیے،اس وقت گھر میں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴؎ اس کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے"مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوٰلَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ"

۵؎ اس طرح کہ جانی اور مالی دونوں قسم کا جہاد کرے تو چونکہ اس کا عمل زیادہ ہے اس لیے اجر بھی زیادہ،یہ حدیث اس آیت کے اس جز کی شرح ہے"وَاللہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ"۔

روایت ہے حضرت فضالہ ابن عبید سے ۱؎ فرماتے ہیں جناب عمر ابن خطاب کو سنا کہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک کھرے ایمان والا مؤمن۲؎ جو دشمن سے ملے تو اللہ کی تصدیق کرے۳؎ حتی کہ مارا جاوے یہ وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف یوں آنکھیں اٹھائیں گے۴؎ اور اپنا سر اٹھایا حتی کہ آپ کی ٹوپی گرگئی ۵؎ مجھے خبر نہیں حضرت عمر کی ٹوپی مراد لی ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی شریف ۶؎ فرمایا اور ایک وہ شخص جو کھرے ایمان والا ہے ۷؎ دشمن سے ملے گویا	

	اس کی کھال میں بزدلی کی وجہ سے خار دار درخت کے کانٹے چبھودیئے گئے ۸؎اسے غائبانہ تیر لگا قتل کردیا ۹؎تو یہ دوسرے درجہ میں ہے ۱۰؎اور ایک بندہ مؤمن جس نے نیک و بداعمال ملے جلے کیے ۱۱؎دشمن سے ملا اللہ کی تصدیق کی حتی کہ قتل کردیا گیا ۱۲؎تو یہ تیسرے درجہ میں ہے ۱۳؎اور ایک بندہ مؤمن جس نے اپنے نفس پر زیادتی کی ۱۴؎دشمن سے ملا اللہ کی تصدیق کی حتی کہ قتل کیا گیا ۱۵؎تو یہ چوتھے درجے میں ہے ۱۶؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن و غریب ہے۔

۱؎آپ کے حالات فصل دوم کے شروع میں گزر چکے۔

۲؎خواہ مرد ہو یا عورت۔کھرے ایمان سے مراد یہ ہے کہ اس کے عقائد بھی درست ہوں اعمال بھی اور متقی پرہیزگار ہو جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۳؎ فصدق کی قرأت دال کے شد سے بھی ہے اور بغیر شد کے بھی لہذا اس جملہ کے دو معنی ہیں،اگرشد سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ اللہ کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں،شوق وذوق سے کفار کو مارے اور شہید ہوکر جان دیدےاوربغیر شد کی صورت میں معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی کو سچ کر دکھائے وہ تمام وعدے جو اس نے رب سے کیے تھے کیونکہ مؤمن ایمان لاکر اللہ تعالٰی سے بہت سے وعدے کرلیتا ہے اور اللہ تعالٰی اس سے بہت سے وعدے فرمالیتا ہے،اس کی تفصیل ہماری تفسیر میں ملاحظہ کرو،رب فرماتاہے:"مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ"۔اس آیت میں اس عہد کی طرف اشارہ ہے جو مؤمن رب سے کرتا ہے۔

۴؎لوگوں سے مراد عام مؤمنین اہل محشر ہیں اگر قیامت سے مراد میدان قیامت ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ خود میدان قیامت میں لوگوں کے مقام مختلف ہوں گے،اچھے اعمال والے اونچی جگہ ہوں گے اور گنہگار نیچی جگہ اور اگر جنت مراد ہے تب تو ظاہر ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں،ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

۵؎اتنا سر اٹھایا انتہائی بلند کے اظہار کے لیے ہے یعنی جیسے سر کے اوپر چاند یا تاروں کو دیکھو تو ٹوپی گر جاتی ہے ایسے ہی ان کو دیکھنے والوں کا یہ حال ہوگا۔

۶؎یہ ان راوی کا قول ہے جو حضرت فضالہ سے روایت فرمارہے ہیں اور اراد کا فاعل حضرت فضالہ ہیں یعنی حضرت فضالہ نے کس کی ٹوپی مراد لی یہ مجھے خبر نہیں اور میں ان سے پوچھنا بھی بھول گیا۔ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مراد ہوگی۔(اشعہ)غالبًا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ٹوپی نہیں پہنتے تھے بلکہ عمامہ شریف استعمال فرماتے تھے۔واللہ اعلم!

ے یعنی اس کے عقائد و اعمال سب درست ہیں مگر بہادری و شجاعت میں پہلے سے کم ہے ایسے موقعہ پر گھبرا جاتا ہے جیسا کہ اگلے فرمان سے ظاہر ہے۔

۸ عرب شریف میں طلحہ ایک خاردار درخت کا نام ہے جو ببول کی طرح اونچا ہوتا ہے اور کانٹوں سے بھرا ہوتا ہے اس کے کانٹے بھی لمبے ہوتے ہیں یعنی وہ ہے تو متقی مسلمان مگر قدرتی طورپر کچھ کمزور دل ہے کہ جہاد کے میدان میں خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جسم میں کپکپی پیدا ہوجاتی ہے جیسے اس کے جسم میں ببول کے کانٹے چبھ گئے ہوں۔

۹ یعنی وہ میدان جہاد میں پہنچ گیا مگر اس نے جہاد کیا نہیں اپنی دلی کمزوری کی وجہ سے اس کے باوجود وہ شہید ہوگیاایسے تیر سے جس کا چلانے والا معلوم نہیں۔

۱۰ کیونکہ اس کے پاس ایمان و تقویٰ تو ہے مگر بہادری اور جرات و دلیری نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بہادر و قوی مؤمن کمزور اور بزدل مؤمن سے افضل ہے۔(مرقات)

۱۱ یعنی اس کا ایمان تو درست ہے مگر اعمال مخلوط ہیں اسے حضور نے جید الایمان(کھرے ایمان والا)نہ فرمایا کیونکہ ایمان کا جید ہونا تقویٰ و طہارت سے ہوتا ہے۔

۱۲ اس جملہ کی تحقیق اور صدق اللہ کی دو قرأتیں ہم ابھی اسی حدیث میں عرض کرچکے ہیں،یعنی یہ شخص مخلوط الاعمال ہے مگر بہادروشجاع ہے،جہاد کیا بہادری کے جوہر دکھا مرا۔

۱۳ معلوم ہوا کہ بہادری سے تقویٰ افضل ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بہادر غیر متقی کو متقی غیر بہادر سے پیچھے رکھا،تقویٰ عجیب چیز ہے۔

۱۴ اس طرح کہ اس نے اپنی زندگی گناہوں خطاؤں میں گزاری اس جملہ پاک میں خوارج اور معتزلہ دونوں کی تردید ہے کہ خوارج تو گنہگار کوکافر کہتے ہیں اور معتزلہ نہ کافر نہ مؤمن،اہل سنت کے نزدیک وہ مؤمن ہےحضور انور نے اسے مؤمن فرمایا،قرآن کریم میں بھی اسے مؤمن کہا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے"وَ اِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیۡنَ اقْتَتَلُوۡا"۔دیکھو آپس میں جنگ جدال کرنے والے گنہگاروں کو مؤمن فرمایا گیا،ہمارے ہاں اعمال ایمان کا جز نہیں ذریعہ کمال ایمان ہیں۔

۱۵ یعنی تھا فاسق مگر تھا بہادر،شجاعت کے جوہر دکھا کر شہادت کا پیالہ پیا۔

۱۶ اس ترتیب مراتب کا خلاصہ یہ ہے کہ شہید یا تو متقی بھی ہے اور بہادر بھی یہ اول درجہ کا ہے۔یا متقی ہے مگر بہادر نہیں یہ دوسری قسم کا ہے یا بہادر ہے مگر متقی نہیں،اس کی پھر دو قسمیں یا فاسق و مسرف نہیں وہ تیسرے درجہ میں ہے یا فاسق اور مسرف ہے یہ چوتھے درجے میں ہے۔خیال رہے کہ اس حدیث میں تصدیق سے مراد شجاعت و بہادری۔(اشعہ و لمعات)

	روایت ہے حضرت عتبہ ابن عبدسلمی سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقتولین تین

	طرح کے ہیں وہ مؤمن جو اپنی جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرے پھر جب دشمن سے ملے تو جہاد کرے حتی کہ قتل کیا جائے ۲؎ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کہ یہ اللہ کی رحمت میں ہے پاک و صاف کیا ہوا ۳؎ عرش کے نیچے اللہ کے خیمہ میں ۴؎ نہیں بڑھے اس پر حضرات انبیاء مگر نبوت کے درجہ کی وجہ سے ۵؎ اور ایک وہ مؤمن جس نے اچھے برے مخلوط کام کیے ۶؎ اس نے اپنی جان اور مال سے راہ خدا میں جہاد کیا جب دشمن سے ملا تو جہاد کیا حتی کہ قتل کردیا گیا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شہادت میں صفائی ہے ۷؎ اس کے گناہ اور خطائیں مٹادیں ۸؎ تلوار خطاؤں کو مٹانے والی ہے ۹؎ اور وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل کیا جائے گا ۱۰؎ اور ایک منافق جو اپنے جان و مال سے جہاد کرے پھر جب دشمن سے ملے تو قتال کرے حتی کہ قتل کیا جائے تو یہ دوزخ میں ہے ۱۱؎ کیونکہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی ۱۲؎ (دارمی)

۱؎ عتبہ عین کے پیش اور ت کے جزم سے آپ کا نام عتلہ تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ رکھا،غزوہ خیبر میں شریک ہوئے،مقام حمص میں چورانوے سال کی عمر میں، ۸۷ھ میں وفات پائی،بقول واقدی آپ شام کے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی میں مؤمن سے مراد متقی پرہیزگار مؤمن ہے اور اگلے اوصاف سے مراد ہے جان و مال راہ خدا میں خرچ کرنا بہادر ہونا،صابر ہونا یہ ہے اول درجے کا شہید۔

۳؎ ممتحن کے چند معنی ہیں وہ سب یہاں بن سکتے ہیں (۱) آزمایا ہوا،امتحان لیا ہوا (۲) پاس شدہ کامیاب (۳) سینہ کھولا،شرح صدر والا (۴) پاک و صاف کیا ہوا جیسے بھٹی کے ذریعہ لوہا پاک کیا جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی"اس آیت کی تفسیر میں علماء نے امتحان کے بہت معانی بیان فرمائے ہیں۔

۴؎ یعنی ایسے شہید کو مرتے ہی رب تعالٰی سے اس قدر قرب نصیب ہوتا ہے جو دوسروں کو میسر نہیں ہوتا۔خیمہ سے مراد نوری مقام ہے اس کی حقیقت رب ہی جانے۔

۵؎ یعنی اگر حضرات انبیاء نبی نہ ہوتے تو شہیدان کے برابر ہوجاتے مگر چونکہ وہ حضرات نبی ہیں اس وجہ سے وہ ان شہیدوں سے اعلیٰ افضل ہیں۔خیال رہے کہ نبی غیر نبی سے کروڑوں درجہ اعلیٰ ہے اور نبی کا ہر عمل غیر کی ہر نیکی سے کروڑوں گنا زیادہ ہے،جب صحابی کا دو چار سیر جو خیرات کرنا غیرصحابی کے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے تو نبی کی شان کا کیا کہنا،یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے انسان دوسرے جانوروں سے صرف ناطق ہونے میں اعلیٰ ہے تو جیسے ناطق نے انسان کو جانوروں سے ذاتی طور پر ممتاز کردیا کہ یہ اشرف المخلوقات ہوگیا ایسے ہی نبی کو نبوت نے ذاتی حیثیت سے امتیاز بخش دیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ"کی قید نے بھی ایسا ہی فرق کردیا لہٰذا ان جیسی آیات و احادیث دیکھ کر دھوکا نہیں کھانا چاہیےاور حضرات انبیاءکرام سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے،اس بھنور میں بہت سے بیڑے غرق ہوچکے ہیں،نبی کا ادب روح ایمان ہے۔(از اشعۃ اللمعات مع الزیادۃ)

٦؎ یہ دوسرے درجہ کا متقی نہیں زندگی میں گناہ بھی کرتا رہا ہے۔

٧؎ **فیہ** کا مرجع یا وہ شخص ہے اور **ممصمصۃ** خبر ہے مبتداء پوشیدہ کی یعنی اس شہید کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ اس کا معاملہ صفائی کا ہے،یا **فیہ** کا مرجع جہاد و شہادت ہے یہ خبر مقدم ہے اور **ممصمصۃ** مبتداء مؤخر یعنی اس جہاد میں یا اس شہادت میں صفائی ہے **ممصمصہ مضمضہ** کی طرح ہے جس کے معنی ہیں منہ میں پانی لے کر کلی کرنا جیسے کہ ایسی کلی منہ کو پاک صاف کردیتی ہے یوں ہی یہ شہادت اس کے سارے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اس کا بیان اگلے فرمان عالی میں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ شہادت تمام گناہوں سے مؤمن کو پاک و صاف کردیتی ہے۔

٨؎ یعنی شہادت نے اس کی زندگی بھر کی خطائیں ختم کردیں۔

٩؎ تلوار تمام گناہ صغیرہ کو تو مٹا دیتی ہے گناہ کبیرہ اللہ تعالٰی کے کرم پر ہیں حقوق العباد شاید رب تعالٰی قیامت میں صاحبِ حق سے معاف کرادے جیساکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔اس حدیث میں **خطایا** فرما کر اسی جانب اشارہ ہے۔عموماً خطا کہتے ہیں صغیرہ گناہ کو جس کا تعلق بندے کے حق سے نہ ہو لہٰذا شہید کے ذمہ جو لوگوں کے قرض وغیرہ ہوں وہ ادا کرنے ہوں گے،حدیث واضح ہے۔اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی کہتے ہیں کہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ نماز جنازہ میت کے گناہ مٹانے کے لیے ہوتی ہے شہید کے گناہ تو تلوار سے مٹ چکے اب نماز کیوں پڑھی جائے،امام اعظم فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ شرافت انسانی کے اظہار کے لیے ہے شہید اس کا زیادہ حقدار ہے،دیکھو نابالغ بچوں پر نماز پڑھی جاتی ہے حالانکہ وہ بے گناہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھی گئی حالانکہ حضور معصوم ہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء پر نماز پڑھی حتی کہ شہدا احد پر چند سال بعد نماز پڑھی اس کی بحث پہلے ہوچکی۔

١٠؎ یعنی دوسرے جنتی مسلمانوں کے لیے دروازے مقرر ہیں کہ روزہ دار باب ریان سے جائیں نمازی فلاں دروازے سے مگر شہید کے لیے کوئی قید نہیں جس دروازے سے جانا چاہے جائے یہ اجازت اس کی شان ظاہر کرنے کے لیے ہوگی۔

١١؎ یعنی جو اعتقادی منافق بطور نفاق جہاد میں چلا جائے اور وہاں اسے سب کچھ خرچ کرنا پڑ جائے اور شہید بھی ہوجائے تب بھی وہ دوزخی ہے کیونکہ جنتی ہونے کے لیے ایمان شرط ہے۔خیال رہے کہ منافقین اپنا نفاق چھپانے کیلیے کبھی جہاد میں بھی چلے جاتے تھے۔

۱۲؎اس سے معلوم ہوا کہ کسی نیکی سے منافق جنتی نہیں ہوسکتا اللہ تعالٰی فاجر آدمی سے بھی اپنے دین کو قوت دیتا ہے لہٰذا سب سے پہلے عقائد کی اصلاح ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عائذ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازے میں تشریف لے گئے جب جنازہ رکھا گیا ۲؎تو حضرت عمر ابن خطاب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز نہ پڑھیئے کیونکہ فاجر آدمی ہے ۳؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی کہ کیا تم میں سے کسی نے اسے اسلامی کام پر دیکھا ہے ۴؎تو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ اس نے ایک رات راہِ خدا میں پہرہ دیا تھا ۵؎تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور اس پر مٹی ڈالی ۶؎اور فرمایا تیرے ساتھی تو گمان کرتے ہیں کہ تو دوزخی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتیوں میں سے ہے ۷؎اور فرمایا اے عمر تم سے لوگوں کے اعمال کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی ۸؎ لیکن تم سے پوچھ گچھ ہوگی اسلام کے متعلق ۹؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ابن عائذ دو ہیں:ایک قیس ابن عائذ اور دوسرے منذر ابن عائذ دونوں صحابی ہیں۔(اشعہ)غالبًا یہاں قیس ابن عائذ مدنی مراد ہیں جو بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،بصرہ میں رہے۔(مرقات)

۲؎اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا تب حضرت عمر نے وہ بات کہی جو آگے آرہی ہے۔

۳؎فاجر سے مراد منافق نہیں بلکہ سخت گنہگار ہے یعنی جہاں تک میرا علم ہے اس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی میں نے اسے نیک کام کرتے نہیں دیکھا برائیاں کرتے دیکھا ہے،حضور اس پر نماز نہ پڑھیں تاکہ آئندہ لوگ عبرت پکڑیں اور گناہوں سے باز رہیں جیسے کہ حضور مقروض پر نماز نہیں پڑھتے تاکہ لوگ قرض لینے سے بچیں۔

۴؎یہ ہے حضور کی شان ستار العیوبی کہ حضرت عمر یا کسی اور سے اس کے گناہ نہ پوچھے،کہ تم نے اسے کیا گناہ کرتے دیکھا تم اسے فاجر کیوں کہتے ہو بلکہ لوگوں سے اس کے نیک اعمال کی گواہی لی تاکہ اس کے عیوب چھپے رہیں اور اس کی نیکی ظاہر ہوجائے۔اے کریم! تمہارے کرم کے قربان مجھ سیاہ کار بدکار کا بھی ایسے ہی پردہ رکھنا۔شعر

ستار میرے قربان تیرے دنیا میں تو میرے عیب ڈھکے

محشر میں بھی پردہ رکھ لینا تجھ سا نہ کوئی رہبر پایا

خیال رہے کہ حضور کا لوگوں سے اس کی نیکیاں پوچھنا گواہی قائم کرنے کے لیے ہے جیسے قیامت میں رب تعالیٰ گواہی شہادت لے کر فیصلے فرمائے گاورنہ حضور ہر شخص کے ہر نیک و بداعمال سے خبردار ہیں،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"حضور نے دو قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا کہ ان کو عذاب ہورہا ہے ان میں ایک چغل خور تھا دوسرا چرواہا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔شعر

اے فراعنت صبح آثار و دھور　　　　چشم تو بینندہ ما فی الصدو

۵؎ اس طرح کہ لشکر تھکا ہوا آرہا تھا رات میں ایک جنگل میں آرام کرنا چاہتا تھاپہرہ دار کی ضرورت تھی تاکہ دشمن شب خون نہ مار دے اس اللہ کے بندہ نے تمام لشکر کو سلادیا خود تمام رات جاگ کر پہرہ دیا اس کی یہ نیکی میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔

۶؎ یعنی حضور نے اس کے تمام گناہ نظر انداز فرمادیئے اور اس کی ایک نیکی کی گواہی لے کر اس کی نماز بھی پڑھی اور اس قبر پر تین لپ مٹی بھی اپنے دست اقدس سے ڈالی،اے مرنے والے تیرے نصیب کے صدقے۔خیال رہے کہ اس شخص نے اگرچہ بہت گناہ کیے ہوں گے مگر اس رات کے پہرہ سے سارے معاف ہوچکے اور حضور کی اس نماز اور دفن فرمانے سے اسے رب نے بڑے درجے عطا فرمائے ۔اہل سنت کا یہ عقیدہ کہ تمام صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں بالکل حق ہے کہ وہ اگرچہ گناہ کرلیتے تھے مگر اس رحمت کے سمندر میں نہا دھو کر پاک و صاف ہوجاتے تھے لہذااس پر روافض یہ اعتراض نہیں کرسکتے کہ صحابہ فاجر و فاسق بھی تھے گناہ کرنا اور چیز ہے فاسق ہونا یا رہنا دوسری چیز۔

۷؎ اول درجہ کا جنتی وہ ہے جو مرتے ہی روحانی طور پر اور محشر کے بعد بغیر سز ا پائے جسمانی طور پر اول ہی سے جنت میں جائے گا کیونکہ تیرے سارے گناہ اس پہرے اور میری نماز سے معاف ہوچکے یہ ہے اس غیوب دان صلی اللہ علیہ و سلم کا علم۔

۸؎ یعنی دنیا میں ہم اور سارے مسلمان تم سے کسی میت کے برے اعمال کے متعلق نہ پوچھیں گے لہذا تم ایسے موقعہ پر کسی مسلمان کے گناہ بیان نہ کرنا،عیب پوشی سے کام لینا دیکھو ہم نے اس کی نیکی کی تو گواہی لی مگر گناہوں کی گواہی نہ لی اپنے مسلمان مردوں کو بھلائی سے یاد کرنا۔(از لمعات و اشعہ مع زیادہ)

۹؎ یعنی ہم اور ہمارے صحابہ تم سے میتوں کے ایمان کی گواہی لیا کریں گے تم ان کے ایمان کی گواہی دیا کرو مسلمان کو بعد موت اچھائی سے یاد کرو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقروض میت پر نماز نہ پڑھتے تھے صحابہ سے پڑھوادیتے تھے تاکہ لوگ قرض سے بچیں۔قرض حق العبد ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا،نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ ڈاکو وغیرہ پر نماز نہ پڑھی جاوے کیونکہ یہ فتنہ گر ہیں یہ شخص حقوق اللہ کا مجرم ہوگا لہذا اس کے سارے گناہ نظر انداز کردیئے گئے۔فقیر کی اس شرح سے حسب ذیل اعتراض اٹھ گئے:(۱) ایک یہ کہ تم سنی لوگ کہتے ہو کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔حضرت عمر کے اس قول سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ فاجر بھی ہیں(۲) دوسرے یہ کہ حضور نے حضرت عمر وغیرہم سے اس میت کے گناہ کیوں نہ پوچھے نیکی کیوں پوچھی(۳) تیسرے یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز بھی نہیں پڑھتے تھے تو ایسے گنہگار کی نماز کیوں پڑھ لی(۴)چوتھے یہ کہ حضور کو علم نہیں ورنہ آپ لوگوں سے کیوں

پوچھتے کہ اس میت کی کوئی نیکی بیان کرو۔خیال رہے کہ حضور انور کا اس میت کے متعلق جنتی ہونے کی گواہی دینے سے معلوم ہوا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم سب کی سعادت و شقاوت انکے جنتی دوزخی ہونے سے خبردار ہیں،ورنہ بغیر خبر حضور اس کے جنتی ہونے کی خبر کیسے دے رہے تھے یہ ہے حضور کا مطلع ہونا علوم خمسہ پر۔

باب إعداد آلة الجهاد

جہاد کے آلات تیار کرنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎آلات جہاد سے مراد سامان و اسباب جہاد ہیں خواہ ہتھیار ہوں جن سے دشمن پر جارحانہ کاروائی کی جاتی ہے یا بار برداری کے سامان جن کے ذریعہ میدانِ جہاد میں جانا اور لے جانا ہوتا ہے جیسے تیر وتلوار،نیز بھالے یا آج کل بندوق توپ راکٹ وغیرہ اور جیسے گھوڑے اونٹ وغیرہ اور آج کل موٹریں ہوائی جہاز وغیرہ غرضیکہ اس ایک کلمہ میں بہت ہی وسعت ہے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا حالانکہ آپ ممبر پر تھے۲؎کہ فرماتے تھے تیار کرو ان کے مقابل وہ قوت جس کی طاقت رکھو خبردار وہ قوت تیر اندازی ہے،خبردار وہ قوت تیر اندازی ہے،خبردار وہ قوت تیر اندازی ہے۳؎(مسلم)

۱؎آپ صحابی ہیں،جہنی ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے جب کہ امیر معاویہ کے بھائی عتبہ ابن ابو سفیان وفات پا گئے پھر امیر معاویہ نے انہیں معزول فرمادیا، ۵۸ھ ہجری میں مصر ہی میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے،آپ سے بہت سے صحابہ و تابعین نے روایات لی ہیں۔(مرقات)

۲؎مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث صرف میں نے ہی نہیں سنی بلکہ میرے ساتھ بہت صحابہ نے سنی ہے کیونکہ آپ نے خطبہ جمعہ یا کسی وعظ میں برسرمنبر علانیہ فرمائی ہے۔

۳؎یعنی قرآن مجید کی اس آیت میں جس ثبوت کا حکم تاکیدی دیا گیا ہے وہ قوت آج کل تیر اندازی ہے۔آیت کریمہ کا مقصد فی زمانہ اسی طرح حاصل ہوگا کہ مسلمان تیر لگانے نشانہ لگانے کی خوب مشق کریں۔فقیر کی اس شرح سے یہ اعتراض اٹھ گیا اگر صرف تیر اندازی سیکھنا ضروری ہے تو آج کل نہ تیر ہیں نہ اس کی مشق تو اب اس آیت پر عمل کیسے ہو کیونکہ اب بجائے تیر کے گولہ بارود توپوں سے،گولہ باری ہوائی جہازوں سے،بم باری،راکٹ اندازی ہے،اب ان چیزوں کا سیکھنا اس آیت کریمہ پر عمل ہے بشرطیکہ جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہو۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب روم تم پر فتح

کیا جائے گااور اللہ تمہیں کفایت کرے گا۲؎ تو تم سے کوئی اس سے عاجز نہ ہوجائے کہ اپنے تیروں سے کھیلے۳؎(مسلم)	

۱؎ یعنی خلافت فاروقی میں روم جیسی مضبوط سلطنت تمہارے زیر نگین ہوگی اور اللہ تعالٰی تم کو رومی عیسائیوں کے شر سے محفوظ کردے گا کیونکہ وہ تمہاری رعایا بن جائیں گے۔اس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غیبی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں پوری ہوئی۔

۲؎ یعنی چونکہ تم نے روم جیتنا ہے اور رومی لوگ نہایت اعلٰی درجے کے تیر انداز ہیں لہذا ابھی سے تیر اندازی کی مشق کرو اس سے غافل نہ رہو تاکہ اس جنگ کے وقت تمہارا یہ فن کام آوے۔اس تیر اندازی کو لہو فرمانا رغبت کے لیے ہے یعنی یہ فن عبادت بھی ہے اور دل لگی فرحت و سرور،قوت و طاقت حاصل ہونے کا ذریعہ بھی لہذا اس سے غافل نہ رہو،نفس لہو یعنی کھیل کود کی طرف راغب ہے،دل عبادت کا خواہاں،تیر اندازی میں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں لہذا یہاں لہو سے مراد غفلت کی چیز نہیں بلکہ مراد رغبت کی چیز ہے،صحابہ کرام نے اس حدیث پر عمل کیا اور جیتنا عہد فاروقی میں۔ کاش آج اسکولوں میں بجائے ہاکی کرکٹ اور فٹ بال کے ایسے کھیل کھلائے جائیں جو کھیل بھی ہوں اور ہنر بھی جیسے گھوڑ دوڑ اور نشانہ بازی۔خیال رہے کہ دنیا میں تین اعظم گزرے ہیں جنہوں نے بڑی فتوحات کیں سکندر اعظم،نپولین اعظم اور فاروق اعظم،سکندر اور ذوالقرنین کی فتوحات غیروں کے پاس چلی گئیں مگر فاروق اعظم کی فتوحات بفضلہٖ تعالٰی اب تک تمام کی تمام مسلمانوں کے قبضے میں ہیں جیسے روم،شام،ایران،عراق وغیرہ اللہ تعالٰی دائم قائم رکھے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تیر اندازی سیکھے پھر اسے چھوڑ دے تو وہ ہم سے نہیں ۱؎ یا اس نے نافرمانی کی ۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی ہم سے ملا ہوا ہم سے قریب نہیں یا اس جماعت سے نہیں جن سے ہم راضی ہیں کیونکہ اس نے کفران نعمت کیا ہے کہ تیر اندازی جیسی عبادت سیکھ کر بھلادی ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے کہ اسے حاصل کرکے سستی سے بھلادیا۔

۲؎ عصٰی یا تو حضور انور کا فرمان ہے یا راوی نے تردد فرمایا کہ مجھے پورا خیال نہیں یا حضور نے یہ فرمایا اور یا یہ لفظ ارشاد فرمایا۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کی ایک قوم پر تشریف لائے جو بازار میں تیر اندازی کررہی تھی ۲؎ تو فرمایا اے بنی اسماعیل تیر چلاؤ کیونکہ تمہارے والد تیر انداز تھے اور میں فلاں جماعت کے ساتھ ہوں(دو فریق میں سے ایک کے لیے)تو انہوں نے اپنے ہاتھ روک لیے ۴؎ فرمایا تمہیں کیا ہوا وہ بولے ہم کیسے تیر اندازی کریں آپ فلاں قبیلہ	

	والوں کے ساتھ ہوگئے ۵؎ فرمایا تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں ۶؎ (بخاری)

۱؎ آپ سلمی ہیں، بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے، بہت ہی بڑے بہادر اور پیادہ لڑنے والوں کے امام تھے، تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، آپ ہی سے بھیڑیئے نے کلام کیا تھا، اسی برس عمر پائی ۷۴ھ میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں سوق سے مراد ایک خاص جگہ ہے جو مدینہ منورہ میں تھی، بعض نے فرمایا کہ سوق ساق کی جمع ہے بمعنی پیادہ یعنی وہ لوگ پیدل تیر اندازی کرتے تھے ظاہر بھی یہ ہی ہے کیونکہ بازار میں تیر اندازی مشکل ہے وہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی اسماعیل علیہ السلام تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے تم ان کی اولاد ہو تم بھی اس میں کمال پیدا کرو تمہارے باپ کی میراث ہے۔

۴؎ یعنی یہ فرمان عالی سن کر دوسرے فریق نے تیر اندازی بند کردی۔

۵؎ یعنی حضور آپ تو ان دوسروں کے ساتھ ہوگئے ہم بے سہارا رہ گئے پھر ہم کس کے بل بوتے پر تیر اندازی کریں یہ عرض معروض اس دوسرے فریق نے کی۔

۵؎ یعنی ہم تمہارے دونوں فریقوں کے معاون اور مددگار ہیں یہ معیت سے مراد لی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ڈھال سے آڑ لیتے تھے ۲؎ اور ابوطلحہ اچھے تیرانداز تھے تو وہ جب تیر پھینکتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچک کر دیکھتے ۳؎ ان کے تیر گرنے کی جگہ کو ملاحظہ فرماتے تھے۔ (بخاری)

۱؎ حضرت طلحہ کا نام زید ابن سہل ہے، انصاری خزرجی بخاری ہیں، تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے، حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں، حضور فرماتے تھے کہ لشکر اسلام میں اکیلے ابوطلحہ کی صرف آواز ایک سو سپاہیوں سے بڑھ کر ہے، آپ نے غزوہ حنین میں بیس کفار کو اکیلے قتل کیا اور ان کے سامان پر قبضہ کیا، آپ کے حالات پہلے بھی بیان ہوچکے ہیں، بصرہ میں آپ کا مزار ہے، فقیر نے زیارت کی ہے۔

۲؎ یعنی حضرت ابوطلحہ جہاد کے موقعوں پر حضور انور کے ساتھ کھڑے ہوتے اور ڈھال اس طرح لیتے تھے کہ خود ابوطلحہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آڑ میں ہوجاتے تھے اس قدر قرب تھا آپ کو حضور انور کے ساتھ۔ (اشعہ و مرقات) بعض غزوات میں خود اپنے جسم کو حضور کی ڈھال بنادیا۔

۳؎ یعنی حضرت ابوطلحہ کا تیر اتنی دور جاتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گرنے کی جگہ کو اچک کر ملاحظہ فرماتے یہ ملاحظہ فرمانا اگر عام حالات میں تھا تو گرنے کی جگہ دیکھتے تھے۔ اگر جہاد کی حالت میں تھا تو یہ دیکھتے تھے کہ اس تیر نے کتنے کفار مارے کیونکہ حضرت ابوطلحہ کا تیر خالی نہ جاتا تھا نشانہ پر ضرور لگتا تھا، بڑے خوش نصیب تھے رضی اللہ عنہ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ برکت گھوڑے کی پیشانی کے بالوں میں ہے[1] (مسلم)

[1] گھوڑے سے مراد جہاد کے گھوڑے ہیں اور پیشانی کے بالوں سے مراد گھوڑے کا سارا جسم ہے یعنی جہاد کا گھوڑا بڑا ہی مبارک ہے اس کے بال بال میں برکت ہے۔رب تعالٰی نے گھوڑے کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ ارشاد فرمایا:"وَ اَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ"۔دیکھو قوت میں گھوڑا بھی داخل تھا مگر خصوصیت سے رب تعالٰی نے اس کا ذکر فرمایا۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ گھوڑے کی پیشانی کے بال اپنی انگلی سے ہٹا رہے ہیں[1] اور فرمارہے ہیں کہ گھوڑے کی پیشانی کے بالوں سے قیامت تک بھلائی وابستہ ہے[2] ثواب اور غنیمت[3] (مسلم)

[1] اس طرح کہ اپنے دستِ اقدس سے گھوڑے کی خدمت فرمارہے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ پیار میں اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہے ہیں بالوں کو مروڑے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں۔معلوم ہوا کہ جہاد کے گھوڑوں کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرنا بھی سنت ہے اور اس سے محبت کرنا اس کی پیشانی پر پیار سے ہاتھ پھیرنا بھی سنت ہے کیونکہ یہ آلہ جہاد ہے اور حضور کا پیارا ہے۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ یہاں گھوڑے سے مراد جہاد کا گھوڑا ہے نہ کہ عام گھوڑے جو تانگہ میں چلانے،یا ریس میں جوا کھیلنے کے لیے پالے جاتے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں جنس گھوڑا مراد ہے کیونکہ یہ آلہ جہاد ہے اس پر جہاد ہوسکتا ہے۔

[3] یہ دونوں یا ان میں سے ایک اگر مجاہد جیت آیا تو ثواب کمالایا۔اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک گھوڑے جہاد میں کام آئیں گے دیکھ لو آج اس سائنس کے زمانہ میں گھوڑے خچر بہت کام آتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا[1] اللہ پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے[2] تو اس کا پیٹ بھرنا پانی پلانا اس کی لید اور پیشاب قیامت کے دن اس شخص کی میزان میں ہوں گے[3] (بخاری)

[1] جہاد کرنے کو یا حج یا عمرہ کرنے کو یا زیارت کرنے کو گھوڑا رکھا یا پالا یا مطلب یہ ہے کہ اس نے گھوڑا فی سبیل اللہ وقف کیا۔

۲؎یعنی اخلاص سے پالا دنیاوی غرض اس میں شامل نہ تھی کہ ثواب اعمال کی شرط اخلاص ہے۔
۳؎یعنی پانی کے وہ قطرے جو یہ گھوڑے پئے گھاس کے وہ تنکے جو یہ گھوڑا کھائے اسی طرح اس کا پیشاب اور لید اس پالنے والے کے نیکیوں کے پلے میں ہوں گے۔(بخاری)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے میں شکال کو ناپسند فرماتے تھے ۱؎اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے داہنے پاؤں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا اس کے داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۲؎	

۱؎اشکال شین کے کسرہ سے،لغۃً اس رسی کو کہتے ہیں جس سے گھوڑے کے پاؤں باندھے جائیں۔اصطلاح میں شکال کے کئی معنی ہیں:ایک یہ کہ گھوڑے کا ایک پاؤں یا ہاتھ سفید ہو باقی تین سیاہ یا سرخ ہوں۔دوسرے یہ کہ تین ہاتھ پاؤں سفید ہوں باقی ایک سرخ یا سیاہ تیسرے وہ جو خود یہاں مذکور ہیں۔
۲؎یہ تفسیر یا تو راوی حدیث حضرت ابوہریرہ نے فرمائی ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ گھوڑا سیاہ یا سرخ ہو مگر اس کا داہنا ہاتھ پاؤں یا اس کے برعکس بایاں ہاتھ داہناپاؤں سفید ہوں باقی دوسرے دو سرخ یا سیاہ ہوں اس کی ناپسندیدگی کی وجہ خود ہی حضور جانتے ہیں نور نبوت سے عقل کو اس میں دخل نہیں اور ہوسکتا ہے اس رنگ کے گھوڑے عیب دار ہوتے ہیں۔جیسی چستی چالاکی تیزی جہاد کے گھوڑے میں چاہیے ویسی اس میں نہ ہوتی ہو۔واللہ ورسولہ اعلم!

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کے درمیان جن کا ضمار کیا گیا ہو ۱؎حفیا سے دوڑ کرائی اور اس کی انتہا ثنیہ وداع تھی ۱؎اور دو حدود کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا ۲؎اور ان گھوڑوں کے درمیان جن کا ضمار نہیں کیا گیا ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک دوڑائی کرائی ۴؎جن کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ضمار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ گھوڑے کو مصالحے دے کر فربہ کیا جائے پھر اس کی خوراک کم کرکے کسی بند جگہ میں باندھ دیا جائے تو جھول وغیرہ اس پر کس دی جائے حتی کہ پسینہ اسے خوب چلے اور گھوڑا قدرے دبلہ ہو کہ اپنی اصلی حالت پر آ جائے ایسا گھوڑا بہت قوی ہوتا ہے اس عمل کو اضمار کہتے ہیں اور ایسے گھوڑے کو مضمر کہا جاتا ہے،اس کا مادہ ضمر ہے یعنی بمعنی دبلا پن اور پیٹ کا پیٹھ سے لگ جانا۔(مرقات وغیرہ)
۲؎ حفیا یا حیفاح کے فتحہ سے مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے ثنیہ بمعنی پہاڑ کی گھاٹی اسے ثنیہ وداع اس لیے کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اپنے مہمان کو یہاں تک پہنچانے جاتے تھے،یہاں سے اسے وداع یعنی رخصت

کرتے تھے۔ فقیر نے اس جگہ کی زیارت کی ہے اب وہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد وداع کہتے ہیں،اس کے متصل موقف سیارات یعنی لاریوں کا اڈا ہے اور لکڑی و کوئلہ کی ٹال ہے مشہور جگہ ہے۔

۳؎عربی میل کہ تین میل کا ایک کوس ہوتا ہے تو چھ میل کے دو کوس پختہ ہوئے اب عرب شریف میں بجائے میل کے کیلو ہوتے ہیں ہمارے پاکستانی پونا میل کا ایک کیلو ہے۔

۴؎زریق ایک قبیلہ کا نام ہے جس کے مورث اعلیٰ کا نام زریق تھا اس قبیلہ کے محلّہ میں یہ مسجد تھی اس لیے اسے مسجد بنی زریق کہتے تھے۔

۵؎چونکہ ضمار کیا ہوا گھوڑا بہت قوی ہوتا ہے اس لیے اس کی ڈور کا فاصلہ زیادہ رکھا گیا اور بغیر ضمار والا گھوڑا اس سے ہلکا اس لیے اس کا فاصلہ تھوڑا تجویز ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑدوڑ کرانا جائز بلکہ سنت ہے۔بشرطیکہ اس پر مالی ہار جیت نہ ہو ورنہ پھر جوا ہے اور حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا۱؎وہ کبھی دوڑ میں پیچھے نہ رہتی تھی ۲؎ایک بدوی اپنے چھوٹے اونٹ پر آیا ۳؎تو وہ اس سے آگے نکل گیا یہ مسلمانوں پر گراں گزرا ۴؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ذمہ قدرت پر لازم ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اونچی نہ جائے مگر اسے کبھی پست فرمائے ۵؎(بخاری)

۱؎**عضباء** عین کے فتحہ ضاد کے سکون سے بمعنی کان کٹی یا کان چری اس اونٹنی کے کان کاٹے یا چیرے نہ گئے تھے بلکہ وہ پیدائشی ایسی ہی تھی یا تو یہ وہ ہی اونٹنی تھی جس کا نام قصواء تھا تو اس کا نام قصواء اور لقب **عضباء** تھا یا یہ دوسری اونٹنی ہے قصواء اور تھی۔**واللہ اعلم**!

۲؎یعنی ایسی تیز رفتار تھی کہ دوڑ میں کسی اونٹ سے کبھی پیچھے نہ رہی تھی۔

۳؎ **قعود** کے معنی ہیں بیٹھنا،اصطلاحًا قعود اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سواری کے لائق ہوجائے کہ اس پر سوار بیٹھ سکے دو سال کی عمر سے لے کر چھ سال کی عمر تک اونٹ قعود کہلاتا ہے پھر اسے جمل کہا جاتا ہے اونٹ کی عمروں کے بہت نام ہیں۔

۴؎یہ ناگواری اور طبیعت پر گرانی طبعی تھی کہ صحابہ کرام کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی اونٹ ہمارے نبی کے اونٹ سے آگے نکل جائے۔

۵؎یعنی اللہ تعالٰی کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز دنیا میں ہمیشہ سب سے اونچی رہتی ہواسے کبھی کسی سے نیچا بھی کرادے تاکہ فخر ٹوٹ جائے رب تعالٰی کی کبریائی پر نظر رہے اسی قانون کے مطابق یہ اونٹنی آج پیچھے رہ گئی اس پر رنج نہ کرو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی ایک تیر کے ذریعہ تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا ۱؎ اس کے بنانے والے کو جب کہ اپنی صنعت میں بھلائی کی نیت کرے ۲؎ اور تیر مارنے والے کو ۳؎ اور تیر دینے والے کو ۴؎ تیر چلاؤ اور گھوڑے کی سواری کرو ۵؎ اور تمہارا تیر چلانا گھوڑے کی سواری سے مجھے زیادہ پیارا ہے ۶؎ ہر وہ چیز جس سے مرد کھیلے باطل ہے ۷؎ سوا اس کے کہ اپنی کمان سے تیر اندازی کرنے کے اور اپنے گھوڑے کو سکھانے کے اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنے کے کہ یہ کھیل برحق ہیں ۸؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد، دارمی نے یہ اور زیادتی کی کہ جو تیر اندازی سیکھ کر بے رغبتی سے اسے چھوڑ دے تو اس نے ایک نعمت تھی جسے چھوڑ دیا فرمایا اس کی ناشکری کی ۹؎

۱؎ یعنی مجاہد جو تیر کفار پر چلائے تو اس کے ایک تیر کی برکت سے تین مسلمان جنتی ہوجاتے ہیں۔یہاں تین شخصوں سے مراد تین مسلمان ہیں کیونکہ کافر جنت میں نہیں جاسکتا،آج جہاد میں امریکہ روس وغیرہ کے اسلحہ استعمال کیے جائیں تو امریکی عیسائی یا روسی وغیرہ اس سے جنتی نہیں ہوسکتے۔یہ اسلام کی قید اگلے مضمون سے بھی ظاہر ہے اور تیر سے مراد مرد مجاہد کا تیر ہے نہ کہ شکار کا تیر۔

۲؎ یعنی کاریگر تیر ساز ثواب کا جب مستحق ہے جب کہ جہاد کی نیت سے تیر بنائے صرف تجارت کی نیت نہ ہو ہر جگہ نیت کو بڑا دخل ہے۔

۳؎ جو راہ خدا میں تیر چلائے خواہ جہاد کی حالت میں یا تیر اندازی کی حالت میں کہ یہ مشق جہاد کی تیاری کے لیے ہے۔

۴؎ منبل باب تفعیل سے ہے یا افعال سے اسم فاعل،نبل سے بنا بمعنی تیر انبال یا نبیل کے معنی ہیں تیر دینا تیر انداز کو یا تیر چلاتے وقت یا نشانہ پر لگنے کے بعد اٹھا کر لانا،اسے دینا،تیر خواہ اس دینے والے کی ملکیت ہو یا تیر انداز کی یا کسی تیسرے کی۔اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کی مدد کرنا بھی نیکی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقْوٰی"اسی طرح گناہ کی مدد گناہ ہے،رب فرماتاہے:"وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔

۵؎ یعنی صر ف پیدل تیر اندازی کی مشق نہ کرو بلکہ سواری پر تیر چلانا بھی سیکھو یا یہ مطلب ہے کہ صرف تیر اندازی کی مشق نہ کرو بلکہ گھوڑ سواری بھی سیکھو اب اس زمانہ میں بندوق چلانا،نیزہ بازی کرنا،ہوائی جہازرانی کی مشق،توپ سے گولہ اندازی سیکھنا بہ نیت جہاد اسی حکم میں ہے۔
۶؎ شارحین فرماتے ہیں کہ یہاں گھوڑا سواری سے مراد نیزہ بازی ہے کہ اکثر گھوڑے پر سے دشمن کو نیزے مارے جاتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ نیز ہ بازی سے تیر اندازی اچھی ہے کہ تیر اندازی جہاد میں زیادہ کام آتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ گھوڑا سواری کی مشق سے تیر اندازی کی مشق مجھے زیادہ پیاری ہے کیونکہ گھوڑا سواری کبھی فخرو ریا پیدا کردیتی ہے۔(مرقات)
۷؎ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ لہو یعنی کھیل میں دو چیزیں ہوتی ہیں:غفلت اور لذت،غافل کرنے والا ہر عمل باطل ہے مگر لذت والا عمل تفصیل طلب ہے یہاں لہو سے مراد لذت والا عمل ہے۔
۸؎ ان تینوں پر ثواب ملتا ہے کیونکہ تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری سے دین و ایمان کی حفاظت ہے کہ یہ تیاری جہاد ہے اور اپنی بیوی سے کھیلنے چھیڑ کرنے میں مجاہد غازی پیدا کرتا بھی ہے اور اپنی اور اپنی بیوی کی عصمت و عفت کی حفاظت بھی کہ ایسی خوش طبعی کرنے والا جوڑا ان شاءاللہ غیر عورت یا غیر مرد کی طرف رخ نہیں کرتا،بعض مردوں کی بیویاں خوبصورت ہوتی ہیں مگر وہ بدصورت رنڈیوں کی محبت میں گرفتار ہوتے ہیں،کیوں،اس لیے کہ ان کی بیویوں کو زینت و لہو نہیں آتا ورنہ رنڈی میں کیا چیز ہے جو اپنی حلال زوجہ کے پاس نہیں۔دل لبھانا ایسے موقعہ پر عبادت ہے،قربان جایئے اس تعلیم کے جس نے مسلمانوں کے گھر اور میدان جہاد دونوں بتادیئے یعنی جسے یہ فن آتے ہوں پھر وہ ان کی مشق چھوڑ دے جس کی وجہ سے وہ بھول جائے تو اس نے رب تعالٰی کی نعمت کی ناقدری کی اور وہ ناشکری کا مرتکب ہوا لہٰذا گنہگار ہوگا جیسے کوئی قرآن مجید حفظ کرکے بھول جائے سستی کی وجہ سے یوں ہی دینی علم حاصل کرکے بھول جانا بھی گناہ ہے جب کہ اپنی سستی کی وجہ سے ہو نعمت کی قدر چاہیے۔

	روایت ہے ابو نجیح سلمی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس نے اللہ کی راہ میں تیر پہنچایا تو وہ اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہے ۲؎ اور جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا تو اس کے لیے آزاد کیے ہوئے کے برابر ہے ۳؎ اور جو اسلام میں بوڑھا ہوا تو اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا ۴؎ بیہقی شعب الایمان اور ابوداؤد نے پہلی فصل روایت کی ۵؎ اور نسائی نے پہلی اور دوسری ۶؎ اور ترمذی نے دوسری اور تیسری ۷؎ اور ان بیہقی اور ترمذی کی روایات میں ۸؎ بجائے فی الاسلام کے یوں ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جوان ہوا ۹؎

۱؎ آپ کا نام عمرو ابن عتبہ ہے،چوتھے مسلمان ہیں،اسلام لاکر اپنی قوم بنی سلیم میں لوٹ گئے حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ان سے فرمادیا تھا کہ جب تم کو ہماری ہجرت کی خبر ملے تو ہمارے پاس آجانا۔چنانچہ آپ اپنی قوم ہی میں رہے،فتح خیبر کے بعد مدینہ منورہ پہنچے اور مدینہ پاک ہی میں مقیم رہے،حضور کی بارگاہ میں مقبول تھے،آپ کے بقیہ حالات پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یعنی جو شخص کفار پر صرف تیر پھینک دے خواہ لگے یا نہ لگے تو بھی اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔معلوم ہوا کہ تیر پھینکنے سے تیر مارنا افضل ہے۔

۳؎ یعنی جو مسلمان ہوکر جئے گھر میں یامیدان جہاد میں یعنی جوانی بڑھاپا اسلام میں گزرے تو یہ نور حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔معلوم ہوا کہ پرانا مسلمان نو مسلم سے اس جہت سے افضل ہے۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ سر داڑھی سے سفید بال نہ اکھیڑے کہ یہ نور ہے۔ایک دفعہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے آئینہ دیکھا اپنے سر اور داڑھی میں سفید بال دیکھ کر فرمایا **ظھر الشیب ولم یذھب العیب** یعنی شیب(بڑھاپا)تو آگیا مگر عیب نہیں گئے۔(مرقات)

۵؎ یعنی حدیث کا پہلا فقرہ **درجة فی الجنة** تک نقل فرمایا۔

۳؎ یعنی نسائی نے پہلا جملہ **فی الجنة** تک بھی روایت کیااور تیسرا جملہ **من شاب شیبةً** روایت فرمایا،دوسرا جملہ روایت نہ کیا **ومن رمی** الخ۔

۴؎ یعنی ترمذی نے پہلا جملہ روایت نہ کیا **من بلغ** باقی دوفقرے روایت فرمائے۔

۵؎ خیال رہے کہ **روایتھما** کی ضمیر ترمذی و نسائی کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے کیونکہ اس نے تیسرا فقرہ روایت ہی نہیں کیا اوریہ مضمون تیسرے فقرے کا ہے۔

۶؎ یعنی بیہقی کی ایک روایت میں تو تیسرے فقرے میں **فی الاسلام** ہے اور دوسری روایت میں بجائے **فی الاسلام** کے **فی سبیل اللہ** ہے لہٰذا یہاں یہ اعتراض نہیں کہ ابھی تو صاحبِ مشکوۃ بحوالہ بیہقی **فی الاسلام** روایت کرچکے ہیں اب بیہقی کی روایت سے ہی **فی سبیل اللہ** فرمارہے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے سبقت پر مال ۱؎ مگر تیر یا اونٹ یا گھوڑے میں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ **سبق** ب اور ق کے فتحہ سے وہ مال جو آگے نکل جانے والے کو دیا جائے یعنی مالی شرط لگانا کہ جیتنے والا ہارنے والے سے اتنا مال لے یہ تمام مقامات میں تو حرام ہے کہ جوا ہے مگر ان تین چیزوں میں جائز ہے کہ یہ تیاری جہاد کا ذریعہ ہے اس سے مجاہد کو تیاری جہاد کا شوق پیدا ہوتا ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی تیاری جہاد کے لیے مسلمان آپس میں مقابلتًا تیر اندازی کریں اور شرط یہ ہو کہ اگر میرا تیر پیچھے رہ جائے وہ اتنی رقم آگے تیر والے کو دے،یوں ہی اونٹ یا گھوڑوں کی دوڑکرنا مالی شرط پر کہ پیچھے رہ جانے والا اتنی رقم آگے والے کو دے یہ جائز ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ تیر اندازی میں پتھر پھینکنا اور گھوڑ دوڑ میں خچروں گدھوں کی دوڑ اور خود اپنی

دوڑ بھی داخل ہے کہ جہاد کی تیاری کے موقعہ پر ان چیزوں میں مقابلہ کرنا جائز ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ ان چیزوں میں دو طرف مالی شرط حرام ہے کہ جوا ہے لہذا اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ تیسرا شخص مال رکھے اور کہے کہ جو آگے بڑھ جائے اسے یہ مال ملے گا یہ جائز ہے کہ یہ جوا نہیں انعام ہے،یا فریقین میں سے ایک شخص کہے کہ اگر تو مجھ سے آگے بڑھ گیا تو تجھے اتنا مال میں دوں گا لیکن اگر میں تجھ سے آگے نکل گیا تو تجھ سے کچھ نہ لوں گا یہ بھی جائز ہے کہ یہ بھی انعام ہے جوانہیں،باقی کبوتروں کتوں وغیرہ کے مقابلہ میں یہ بھی حرام ہے کہ بدعت ہے۔(اشعۃ اللمعات)لہذا اس حدیث کی بنا پر آج کل کی مروجہ ریس وغیرہ کو جائز نہیں کہا جاسکتا کہ یہ خالص جوا ہے اور حرام ہے۔دو طرفہ مالی شرط کے جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ تیسرا گھوڑا بیچ میں داخل کردیا جائے جسے محلل کہتے ہیں اس کا ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کرے ۱؎ تو اگر وہ پیچھے رہ جانے سے مطمئن ہو تو اس میں بھلائی نہیں اور اگر پیچھے رہ جانے سے امن نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۲؎ شرح سنہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو دو گھوڑوں کے درمیان گھوڑا داخل کرے مطلب یہ ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے سے امن میں نہ ہو تو وہ جوا نہیں اور جو گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کرے اور پیچھے رہ جانے سے امن میں ہو تو وہ جوا ہے ۳؎	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی ایک صورت کی شرح ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلًا زید اورعمر اپنے گھوڑے مقابلہ میں دوڑا رہے ہیں تو بکر نے بھی ان کے درمیان اپنا گھوڑا کھڑا کردیا اور شرط یہ ٹھہری کہ اگر بکر کا گھوڑا نصب العین حد پر پہلے پہنچ گیا پھر زیدوعمر کے گھوڑے ایک ساتھ یا آگے پیچھے وہاں پہنچے تو بکر ان دونوں سے سو سو روپیہ لے گااور اگر زید و عمر کے گھوڑے ایک ساتھ وہاں پہلے پہنچ گئے پھر تیسرا گھوڑا بکر کا پہنچا تو کسی کو کچھ نہ ملے گا اور اگر زید عمر کے گھوڑوں میں سے کسی کا گھوڑا پہلے پہنچ گیا پھر دوسرا گھوڑا بکر کے گھوڑے کے ساتھ یا آگے پیچھے پہنچے تو یہ اگلے گھوڑے والا یہ پوری رقم دو سو روپیہ پر قبضہ کرے گا اور اگر بکر کا گھوڑا اور اس کے ساتھ پہلے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ایک ساتھ پہلے پہنچے پھر ایک گھوڑا بعد میں پہنچا تو وہ دونوں اگلے گھوڑے والے اس رقم پر قبضہ کرلیں یہ جائز ہے کہ اب جوا نہ رہا۔(مرقات)

۲؎ یعنی اگر اس تیسرے شخص بکر کو یقین ہے کہ میرا گھوڑا ان دونوں سے آگے نکلے گا کہ یہ تیز ہے وہ دونوں سست تو اس مال کا لینا بکر کو بہتر نہیں اور اگر مشکوک معاملہ ہو تو مال اسے حلال ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں دونوں فریقوں کا مالی شرط لگانا ہار جیت مقرر کرنا جوا اور حرام ہے لیکن جب تیسرا آدمی ان میں اپنا گھوڑا شامل کردے جو مال نہ

دے اور اسے اپنے اس گھوڑے کے جیتنے کا یقین بھی نہ ہو شک میں ہو کہ نہ معلوم جیتے یا ہارے تو وہ دونوں فریق مالی ہار جیت طے کرسکتے ہیں اور وہ عمل جوا نہ رہے گا۔اس تیسرے گھوڑے کو شریعت میں محلل کہتے ہیں یعنی اس عمل یا اس مال کو حلال کرنے والا اب جیت و ہار کی چار پانچ صورتیں ہوگئیں جو ابھی عرض کی گئیں۔

۳؎ یہاں ان یسبق معروف بھی ہوسکتا ہے اور مجہول بھی یعنی اس کے آگے رہنے کا امن و اطمینان ہو یا پیچھے رہ جانے سے امن ہو۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ڈانٹ ڈپٹ ہے نہ ساتھ میں گھوڑا رکھنا ۲؎ یحیی نے اپنی حدیث میں یہ زیادتی کی کہ گھوڑ دوڑ میں ۲؎ (ابوداؤد،نسائی اور اسے ترمذی نے کچھ زیادتی کے ساتھ باب الغصب میں روایت کیا ۳؎

۱؎ آپ کے حالات بار بار بیان ہوچکے،آپ وہ ہی صحابی ہیں جو تیس سال بیمار رہے اور اس بیماری پر صابر و شاکر رہے،آپ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔

۲؎ یعنی گھوڑ دوڑ میں دونوں فریق یا ایک فریق نہ جلب کرے نہ جنب یہ دونوں لفظ کتاب الزکوۃ میں گزر چکے ہیں مگر وہاں ان کے اور معنی تھے یہاں جلب کے معنی ہیں اپنے گھوڑے کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑنا اور شور مچا کر ڈانٹ کر اس دوڑ والے گھوڑے کو تیز کرنا۔اور جنب کے معنی ہیں اس دوڑنے والے گھوڑے کے ساتھ اور گھوڑا رکھنا اگر راہ میں وہ گھوڑا تھک جائے تو اس دوسرے کو بازی میں لگادیاجائے۔چاہیے یہ کہ دوڑ کی حالت میں گھوڑوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے وہ خود اپنی مرضی و طاقت سے دوڑیں جو آگے نکل جائے وہ جیتے۔لفظ فی الرھان یا تو حضور انور کا ہی فرمان عالی ہے یا کسی راوی کا ہے جو حدیث کی تفسیر کے لیے بولا گیا یعنی جلب اور جنب گھوڑ دوڑ میں ممنوع ہے اور جگہ نہیں۔

۳؎ ترمذی نے وہاں زیادتی یہ فرمائی ہے ولاشغار فی الاسلام ومن انتھب نھبة فلیس منا یعنی اسلام میں شغار(مقابلہ کا نکاح بغیر مہر)نہیں اور جو لوٹ مچائے وہ ہم میں سے نہیں،یہ حدیث نسائی نے بھی بروایت حضرت انس نقل فرمائی۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا بہترین گھوڑا سیاہ رنگ کا ہے سفید پیشانی والا ناک سفید والا ۱؎ پھر سفید پیشانی والا پانچ کلیان،داہنا پاؤں خالی پھر اگر کالا نہ ہو تو اس صفت کا سرخ رنگ والا۔(ترمذی،دارمی)

۱؎ ادھم تیز سیاہ،اقرح وہ گھوڑا جس کی پیشانی پر کچھ سفیدی ہو،ارثم وہ گھوڑا جس کی ناک یا اوپری ہونٹ سفید ہو،جس گھوڑے میں یہ تین وصف جمع ہوں وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ہے۔غالبًا ایسا گھوڑا طاقتور بہادر اور وفادار ہوتا ہوگا یا کوئی اور وجہ ہوگی۔

۲؎ یعنی اگر گھوڑے میں یہ مذکورہ تین وصف نہ ہوں تو پھر ایسا ہو کہ پیشانی پر سفید داغ،پاؤں سفید اور سیدھا ہاتھ یا سیدھا پاؤں غیر سفید۔محجل وہ گھوڑا ہے جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں کم یا زیادہ بشرطیکہ گھٹنوں تک سفیدی نہ ہو اس سے کم ہو۔

۳؎ یعنی اگر سیاہ گھوڑے میں یہ اوصاف جمع نہ ہوں تو سرخ گھوڑا ہی اچھا ہے جس میں مذکورہ اوصاف ہوں۔کمیت وہ گھوڑا ہے جس کی دم سیاہ باقی جسم سرخ ہو مگر سرخ کو بھی کمیت کہتے ہیں نر ہو یا مادہ یہ لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے،شیہ کے معنی رنگ بھی ہیں اور علامت بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے"لَاشِیَةَ فِیۡہَا"۔

روایت ہے حضرت ابو وہب جشمی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم اختیار کرو ہر سرخ پنج کلیان سفید پیشانی والا یا صاف سرخ پنج کلیان ۲؎ یا کالا پنج کلیان ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کی کنیت ہی نام ہے،جشم ابن معاویہ کی اولاد میں ہیں اس لیے آپ کو جشمی کہا جاتا ہے۔

۲؎ تیز سرخ گھوڑے کو کمیت کہتے ہیں اور ہلکے سرخ کو اشقر۔اغر کے معنی ہیں چمکدار،اب سفید پیشانی والے گھوڑے کو اغر کہتے ہیں کہ اس کی پیشانی چمکتی ہے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ سب سے بہتر تو وہ گھوڑا ہے جس کا رنگ تیز سرخ ہو پیشانی سفید چمکدار ہاتھ پاؤں سفید،پھر وہ گھوڑا جس کا رنگ ہلکا سرخ ہو پیشانی چمکدار ہاتھ پاؤں سفید،پھر وہ گھوڑا جس کا رنگ سیاہ ہو پیشانی چمکیلی ہاتھ پاؤں سفید۔خیال رہے کہ پچھلی حدیث میں ادھم یعنی سیاہ کو کمیت یعنی سرخ پر مقدم رکھا گیا تھا یہاں اس کے برعکس ہے کہ سرخ کو سیاہ پر مقدم فرمایا وہاں وہ کالا مراد تھا جو اقرع بھی ہو ارثم بھی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گھوڑے کی مبارکی صاف سرخی میں ہے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی سرخ گھوڑا بڑا مبارک ہے کہ اس کی بدولت گھر میں،ایمان میں،اعمال میں،مال میں،اولاد میں برکت رہتی ہے جب کہ یہ جہاد کے لیے ہو۔

روایت ہے حضرت عتبہ ابن عبد سلمی سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تو گھوڑے کی پیشانی کے بال کاٹو ۱؎ نہ گردن کے بال اور نہ ان کی	

	دم کیونکہ ان کی دم ان کے مور چھل(پنکھے) ہیں ۲؎اور ان کی گردن کے بال ان کے کمبل ہیں۳؎اور ان کی پیشانی کے بالوں میں خیر وابستہ ہے ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ لاتقصوا قص سے بنا بمعنی قینچی یا چاقو سے کاٹنا یعنی گھوڑے کی گردن اور پیشانی کے بال رہنے دو انہیں نہ کاٹو اس حکم کی وجہ آگے ارشاد ہورہی ہے۔

۲؎ جن کے ذریعہ گھوڑے اپنے جسم سے مکھی مچھر اڑاتے ہیں،دم کی حرکت سے وہ تندرست بھی رہتے ہیں اس سے حسین بھی معلوم ہوتے ہیں۔

۳؎ جن کے ذریعہ ان کے جسم گرم رہتے ہیں اور اس گرمی سے تندرست رہتے ہیں اور اس گرمی سے ان کی تندرستی قائم رہتی ہے۔دفاء وہ کمبل جسے اوڑھا کر کسی کو گرمی پہنچائی جائے۔(مرقات وغیرہ)

۴؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دینی و دنیاوی چیز کا علم بخشا ہے،دیکھو دم کا مور چھل ہونا،گردن کے بالوں کا کمبل ہونا یہ دنیاوی چیزیں ہیں اور پیشانی کے بالوں میں بھلائی ہونا یہ دینی چیز ہے حضور کو دونوں معلوم ہیں،یونہی گھوڑے کے حالات کا علم ان ہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں اس فن میں مہارت ہو آج لوگ بہت محنت سے گھوڑوں کے ماہر بنتے ہیں رب تعالٰی نے سب کچھ خود ہی حضور کو سکھادیا ہے۔حضرات انبیاء کرام کے علوم صرف دین سے محدود نہیں ہوتے دنیا و دین ہر ایک پر حاوی ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو وہب جشمی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گھوڑا پالو۱؎اور اس کی پیشانی کے بالوں اور ان کی پچھاڑی یا فرمایا ان کی سیرین پر ہاتھ پھیرو ۲؎اور انہیں ہار پہناؤ ۳؎اور تانت کے ہار نہ پہناؤ۴؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ بہ نیت جہاد اور بہ نیت خدمت دین آج کل امن کے زمانہ میں بھی مسلمان اس لیے گھوڑے پالے کہ اگر کبھی اللہ نے موقعہ دیا تو اس پر جہاد کروں گا۔مسلمانوں کی خدمت کروں گا یا یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو ان شاء اللہ ثواب ملے گا۔

۲؎ اعجاز جمع ہے عجز کی بمعنی پچھلا حصہ اور اکفال جمع ہے کفل کی،کاف کے فتحہ سے بمعنی سرین چوتڑ یہاں دونوں لفظوں سے مراد سرین ہیں۔یعنی گردو غبار سے پاک و صاف رکھنے کے لیے ان کے تمام جسم خصوصًا سرین پر ہاتھ کپڑا کھریرا پھیرتے رہو اور انہیں ملتے ولتے رہو،اب بھی گھوڑے والے خصوصًا عرب گھوڑوں کی بہتر خدمت کرتے ہیں،انہیں اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں،گھوڑے کی طرح وفادار جانور کوئی نہیں یہ جنگ وغیرہ خطرناک موقعوں پر مالک کو بچانے کے لیے اپنی جان دے دیتا ہے بعض موقعہ پر اپنے سوار کو حیران کن طریقہ سے دشمن کے نرغہ سے نکال لاتا ہے۔

۳؎یعنی گھوڑوں کی گردن میں موتی منکوں پھولوں وغیرہ کے خوبصورت ہار باندھو کہ گھوڑوں کے حسن سے دین کی رونق ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دینی چیزوں کو آراستہ کرنا سنت سے ثابت ہے،مسجدیں سجانا،قرآن مجید پر اعلیٰ غلاف چڑھانا،علماء کا اچھا لباس پہننا،کعبہ معظّمہ کو قیمتی غلاف پہنانا،روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاندار پردے ڈالنا،بزرگوں کی خانقاہوں اور اولیاء اللہ کے مزارات پر زینت کرنا،مزارات اولیاء پر چادر ڈالنا سب کچھ اسی لیے ہے کہ ان سے دین کی شان ہے یہ سب چیزیں اس حدیث سے بھی ماخوذ ہیں۔مزارات کی چادروں کو علامہ ابن عابدین نے شامی شریف میں مستحب فرمایا ہے،عوام کی قبور جن سے رونق دین وابستہ نہیں ان پر تکلفات نہ کیے جائیں کہ محض عبث ہیں۔غازی لوگ تلواروں،بندوقوں،توپوں کو ہار پہناتے ہیں،خود میں نے جہاد کشمیر کے موقعہ پر پٹھانوں اور فوجیوں کو دیکھا ہے جب کہ پاکستان نیا نیا بنا تھا اور کشمیر میں جنگ لڑی جارہی تھی،ان چیزوں کو حرام کہنا حماقت ہے۔

۴؎کیونکہ تانت سے گردن کٹتی ہے گھوڑے کو تکلیف ہوتی ہے یا اس لیے کہ کفار کا عقیدہ تھا کہ تانت گلے میں باندھنے سے گھوڑے کو نظر نہیں لگتی تو یہ عمل ان سے تشبیہ ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندہ مامور تھے ۱؎حضور نے ہم کوکسی چیز سے خاص نہ فرمایا لوگوں کے بغیر سوا تین چیزوں کے ۲؎ہم کو حکم دیا کہ ہم وضو پورا کریں ۳؎اور صدقہ نہ کھائیں ۴؎اور گھوڑی پر گدھا نہ چڑھا جائیں ۵؎(ترمذی،نسائی)	

۱؎اس طرح کہ آپ کے اقوال اعمال احوال بلکہ میلان طبیعت خدا تعالٰی کے حکم سے تھا نفسانی یا شیطانی طرح پر نہ تھااس لیے حضور کی کسی چیز پر اعتراض کفر ہے حتی کہ انبیاء کرام کی خطائیں بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہیں جن پر مخلوق کو لاکھوں عطائیں ملتی ہیں،دیکھو ہماری تفسیر نعیمی۔رب فرماتاہے:"یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ" آپ کا ہر قول و عمل رجحان طبیعت تبلیغ ہے دیکھو مرقات۔

۲؎یعنی ہم اہل بیت نبوت کو بھی وہ احکام دیئے جو عام مسلمانوں کے دیئے سواء ان تین حکموں کے جو ابھی بیان ہورہے ہیں۔

۳؎اس طرح کہ مبالغہ اور بہت احتیاط سے وضو کرنا عام مسلمانوں کے لیے مستحب ہے مگر ہم اہل بیت کے لیے فرض ہے یہ فرضیت اہل بیت کی خصوصیت ہے۔(مرقات)

۴؎اس طرح بنی ہاشم خصوصًا اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ و فطرہ نذر وغیرہ واجب صدقے نہیں لے سکتے اگرچہ غریب ہوں حتی کہ زکوۃ کا عامل اگر غنی بھی ہو تو زکوۃ سے اسے تنخواہ دی جائے گی لیکن اگر عامل سید ہو تو اسے زکوۃ سے اجرت بھی نہیں دے سکتے یہ ہے اس پاک و صاف نسب کی طہارت و نجابت۔شعر

ہے صدقہ میل پھر اس پاک و ستھرے کو روا کیوں ہو کہ دنیا کھارہی ہے جس کے آل پاک کا صدقہ

۵؎ یعنی ہم اہل بیت خچر نہ بنائیں۔خیال رہے کہ خچر بنانا بلاوجہ عوام کے لیے مکروہ ہے حضور کی اولاد کے لیے حرام ہے کیونکہ خچر بنانے میں اول تو نسل کشی ہے کہ خچر کی نسل نہیں چلتی۔دوم اعلٰی سے ادنٰی حاصل کرنا ہے کہ گھوڑا اعلٰی ہے خچر ادنٰی اسی لیے جہاد میں غازی کے گھوڑے کا تو حصہ ہوتا ہے اس کے خچر کا حصہ نہیں ہوتا مگر چونکہ کبھی خچر بھی کام آتا ہے اس لیے خچر بنانا امت کے لیے حرام نہیں مگر اہل بیت اطہار کے لیے بہت حرام۔اس حدیث میں روافض کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باطنی علوم اہل بیت اطہار کو دے گئے جن کی خبر دوسروں کو نہیں حتی کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی انہیں کے پاس رہا۔ (مرقات)

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایک خچر ہدیۃً پیش کیا گیا تو حضور اس پر سوار ہوئے ۱؎ تو حضرت علی نے عرض کیا ہم بھی گدھے کو گھوڑی پر چڑھایا کرتے تو ہمارے پاس بھی اس جیسے جانور ہو جاتے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو جانتے نہیں ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ اس خچر کا نام دلدل تھا جو شاہ اسکندریہ مقوقس نے حضور انور کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا اور حضور نے اس پر سواری فرمائی۔(اشعہ)

۲؎ کیونکہ خچر مضبوط جانور ہے اس سے بہت دشوار کام بھی بہ آسانی ہوجاتے ہیں اور یارسول اللہ یہ آپ کو مرغوب بھی ہے کہ حضور نے اس پر سواری فرمائی ہے۔

۳؎ یعنی جو لوگ احکام شرعی سے ناواقف ہیں وہ یہ کام کرتے ہیں۔خیال رہے کہ خچر بنانا معززین کو جائز نہیں مگر خچر پر سواری کرنا اس سے کام لینا بلاکراہۃً جائز ہے جیسے جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں مگر بنی ہوئی تصویر کا فرش یا بستر میں استعمال بالکل جائز ہے،رب تعالٰی نے خچر کا ذکر اپنے انعامات کے سلسلہ میں کیا کہ فرمایا:"وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً"لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎ قبیعه بروزن سیکنہ تلوار کے قبضہ کا کنارہ جو پکڑتے وقت مٹھی سے باہر رہتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلوار وغیرہ کو چاندی سے آراستہ کرنا جائز ہے،بعض علماء نے اس حدیث کے بناء پر فرمایا کہ گھوڑے کی کاٹھی اور زین کو چاندی سے آراستہ کرسکتے ہیں،بعض علماء نے اس کا انکار فرمایا،وہ فرماتے ہیں کہ تلوار اور چیز ہے کاٹھی دوسری چیز،کاٹھی میں چاندی استعمال کرنا جانور کو آراستہ کرنا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے ہود ابن عبداللہ ابن سعد سے وہ اپنے دادا

	مزیدہ سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں تشریف لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن حالانکہ آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ ھودھ کے پیش واؤ کے سکون سے ہے حضرت ہود نبی کے نام پر نام ہے،بعض نسخوں میں ہوذہ ذال کے ساتھ ہے یہ صحیح نہیں مزیدہ بروزن مسعدہ حضرت ہود کے نانا ہیں صحابی ہیں اور ہود تابعی ہیں بعض نے مزیدہ بروزن **سبعیہ** کہا۔(مرقات)

۲؎ یعنی جب حضور انور فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ کی تلوار میں سونے چاندی کا زیور تھا۔اسی حدیث کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تلوار میں سونے کا زیور بھی جائز فرمایا مگر یہ درست نہیں اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔حق یہ ہے کہ تلوار میں سونے کا استعمال حرام ہے۔(اشعہ ومرقات)استیعاب میں فرمایا کہ یہ حدیث مزیدہ کی اسناد قوی نہیں بہرحال اس سے استدلال درست نہیں۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے دن دو زرہیں تھیں کہ جن کے درمیان اجتماع فرمایا تھا ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ بہت کم عمر صحابہ میں سے ہیں،چنانچہ آپ کی پیدائش ۲ھ میں ہے،آپ کی کنیت ابو یزید ہے،کندی ہیں،اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے،اس وقت آپ کی عمر صرف سات سال تھی،۸۰ھ میں وفات پائی آپ کے والد یزید ابن سعید ہیں۔

۲؎ **ظاھر** بنا ہے **مظاھرۃ** سے **وتظاھر** سے جس کے معنی ہیں تعاون یعنی ایک دوسرے سے مدد لینا،چونکہ غازی زرہ سے جہاد ہی میں مدد لیتا ہے اس لیے زرہ کے استعمال کو **تظاھر** یا **مظاھر** کہہ دیتے ہیں یہاں جمع کرنا مراد ہے یعنی حضور انور نے احد کے دن دو زرہیں اوپر تلے پہنی تھیں کہ اوپر والی کو ظہار(ابرہ)بنایا تھا نیچے والی کو بطانہ(استر)اس میں حضور انور کی کمال شجاعت کا ذکر ہے کیونکہ زرہ بہت بھاری ہوتی ہے دو زرہ پہن کر چلنا پھرنا جہاد کرنا آسان نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کا استعمال توکل کے خلاف نہیں،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدا لمتوکلین ہیں پھر بھی ہتھیار زرہ وغیرہ استعمال فرماتے ہیں،زرہ لوہے کا لباس ہے قمیص کی طرح اس سے تلوار وغیرہ اثر نہیں کرتی۔

	روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا جھندا سیاہ اور آپ کا چھوٹا جھنڈا سفید تھا ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ **رایۃ** بنا ہے رای سے بمعنی دیکھنا دکھانا اور **لواء** بنا ہے **لوی** سے بمعنی لپیٹنا یا گاڑنا،اصطلاح میں چھوٹے جھنڈے کو لواء کہتے ہیں جو کبھی خود لڑنے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور بڑے جھنڈے کو **رایۃ** کہا جاتا ہے جو لشکر جرار کا نشان ہوتا

ہے اور اس کے برعکس بھی استعمال ہوتا ہے یعنی چھوٹا جھنڈا رایۃ اور بڑا جھنڈا لواء یہاں پہلے معنی میں حضور کے بڑے جھنڈے کا نام رایۃ تھا اسے ام اطرب بھی کہتے تھے،اکثر لواء بڑے جھنڈے کو بولتے ہیں ولواءالحمد یومئذٍ بیدی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھ ہوگا،سیاہ سے مراد بھلسا ہے تیز سیاہ نہیں،دیکھو مرقات واشعہ۔

	روایت ہے حضرت موسیٰ ابن عبیدہ سے جو محمد ابن قاسم کے مولیٰ ہیں[1] فرماتے ہیں مجھے محمد ابن قاسم نے براءابن عازب کے پاس بھیجا[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے جھنڈے کے متعلق دریافت کرنے کے لیے تو فرمایا وہ سیاہ رنگ کا چوکھٹا تھا اون کا[3] (احمد ،ترمذی،ابوداؤد)

[1] آپ زہدی ہیں،تابعین میں سے ہیں،بہت سے محدثین نے آپ کو ضعیف فرمایا ہے،بعض نے آپ کی توثیق کی ہے اور محمد بن قاسم بھی تابعی ہیں،آپ کا لقب خلاء عنبری ہے،کنیت ابوالغیار،جعفر منصور کے آزاد کردہ غلام ہیں،رہواز میں پیدا ہوئے،بصرے میں قیام رہا۔

[2] کہ حضور کا جھنڈا کس قسم اور کس رنگ کا ہوتا تھا ان حضرات کا یہ عشق رسول تھا کہ حضور کے ہر حال ہر ادا کی تحقیق کرکے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

[3] نمرہ عربی میں چیتے کو کہتے ہیں کیونکہ اکثر وہ رنگ برنگا ہوتا ہے اس لیے اب رنگ برنگے اونی کپڑے کو بھی کہنے لگے نمرہ اونی چادر جو اکثر بدوی لوگ پہنتے ہیں،لہذا یہاں سیاہ سے مراد سیاہ دھاری والا ہے جس میں سفید دھاریاں بھی ہوں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم مکہ میں تشریف لائے حالانکہ آپ کا جھنڈا سفید تھا[1] (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

[1] اس کا ذکر پہلے ہوچکا کہ لواء سے مراد یا تو چھوٹا جھنڈا ہے جو ہر قوم کا الگ تھا مہاجرین کے جھنڈے کا رنگ سفید تھا یا بڑا جھنڈا مراد ہے جو لشکر کا نشان تھا۔ظاہر یہ ہے کہ وہ جھنڈے بالکل سادہ تھے ان پر کوئی نشان یا تحریر نہ تھی،بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تھا۔واللہ اعلم! اب سلطنتوں کے جھنڈوں پر عموماً تحریر تو نہیں ہوتی مگر کچھ خصوصی نشان ہوتے ہیں اور مخصوص رنگ جیسے ہمارے پاکستان کے جھندے کا رنگ سبز اور سفید ہے نشان چاند تارا مگر تحریر کوئی نہیں اللہ تعالٰی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے صدقہ میں ہمارا پاکستان اسلامستان بن جائے اس کا جھنڈا ہمیشہ بلندوبالا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویوں کے بعد گھوڑے سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہ تھی ۱؎(نسائی)

۱؎ گھوڑے سے مراد جہاد کے لیے تیار کیے ہوئے گھوڑے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں گھوڑوں سے مراد خود جہاد ہی ہے۔خیال رہے کہ اپنی بیوی سے محبت کمال تقویٰ کی دلیل ہے اور جہاد سے محبت کمال ایمان کی دلیل،اپنی بیوی سے وہ ہی محبت کرے گا جو غیر عورت کی طرف مائل نہ ہوگا اور جہاد سے اس کو محبت ہوگی جسے ترقی اسلام خدمت خلق کا جذبہ میسر ہوگا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی قوت مردمی عطا ہوئی تھی پھر نو بیویوں پر صبر فرمانا یہ حضور کا کمال تھا۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف میں عربی کمان تھی ۱؎تو ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں فارسی کی کمان ہے ۲؎فرمایا یہ کیا ہے اسے پھینک دو اور اسے ان جیسی چیزوں کو اختیار کرو ۳؎اور کامل ہے نیزہ ۴؎یہ ہیں وہ چیزیں کہ اللہ تعالٰی ان کے ذریعے دین کو قوت دے گا اور تم کو شہروں میں قبضہ دے گا ۵؎(ابن ماجہ)

۱؎ یعنی ملک عرب کی بنی ہوئی عربی گھوڑا بمعنی تلوار عربی کمانیں بہت اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھیں۔

۲؎ فارسی کمان سے مراد عجمی کمان ہے۔عرب کے پانچ صوبوں کا نام ہے حجاز،عراق،نجد،یمن،بحرین ان پانچ صوبوں کے سوا تمام ممالک عجم ہیں۔

۳؎ یعنی عربی تلواریں،عربی ڈھالیں،عربی سامان جنگ استعمال کرو کہ یہ اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔

۴؎ قنا جمع ہے قناۃ کی بمعنی نیزہ اور رماح کے معنی بھی ہیں نیزہ،تو یہ اضافت اپنی نفس کی طرف ہے جس سے کمال کے معنی پیدا ہوئے جیسا کہا جاتا ہے یہ مردوں کا مرد ہے یعنی کامل و بہادر مرد ہے ایسے اس کے معنی ہوئے نیزوں کا نیزہ کامل نیزہ اس سے مراد عربی نیزہ ہے۔

۵؎ یعنی ان شاءاللہ تم لوگ عربی ہتھیاروں کے ذریعہ بہت سے ملک فتح کرو گے،حضور کا یہ وعدہ سچا ہوا کہ صحابہ کرام نے ان ہی تلواروں،تیروں کمانوں کے ذریعہ قیصروکسریٰ کے ملک فتح کیے شام و روم وغیرہ پر قبضے کیے۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سواء عربی نیزوں وتلواروں کے کبھی کسی کا کوئی ہتھیار نہ استعمال کرنا یہ حکم اسی زمانہ کے لیے ہے۔

باب آداب السفر

باب سفر کے آداب وطریقے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎چونکہ جہاد میں اکثر سفر بھی کرنا پڑتا ہے اس لیے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کے بیان میں سفر کے احکام بھی بیان کیے۔آداب جمع ہے ادب کی بمعنی طریقہ پسندیدہ۔سفر مقابل ہے حضر کا اس کے لغوی معنی ہیں ظاہر ہونا روشن ہونااس لیے صبح کے اجالے کو اسفار کہا جاتا ہے،چونکہ سفر کے ذریعہ دوسرے شہروں ملکوں کے حالات ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اسے سفر کہتے ہیں۔آداب سے مراد مطلقًا طریقے سفر ہیں خواہ سفر سے پہلے ہوں یا سفر کے دوران میں یا سفر کے بعد اور سفر سے مراد ہر سفر ہے خواہ جہاد کے لیے ہو یا حج کے لیے یا کسی دنیاوی جائز کاروبار کے لیے۔سفر فرض بھی ہے،واجب بھی،مستحب،مکروہ بھی اور حرام بھی جیسا سفر کا مقصد ویسا سفر کا حکم۔چنانچہ فرض حج کے لیے سفرکرنا فرض ہے اور چوری ڈکیتی کے لیے سفر کرنا حرام۔اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کریں۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے ۲؎اور آپ جمعرات کے دن نکلنا پسند فرماتے تھے۳؎(بخاری)	

۱؎آپ وہ ہی کعب ابن مالک ہیں جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوسکے تھے جس پر آپ کا بائیکاٹ کیا گیا تھا،پھر سورۂ توبہ میں آپ کی توبہ قبول ہونے بائیکاٹ کھلوانے کا ذکر ہے،بڑی ہی شان کے مالک ہیں اللہ تعالٰی نے آپ کو صادقین میں سے فرمایا ہے کہ ہم مسلمانوں کو حکم دیا"كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ"۔

۲؎تبوک غیر منصرف ہے علمیۃ اور وزن فعل کی وجہ سے۔بوك سے بنا ہے بمعنی پانی کا جوش مارنا لکڑی وغیرہ رہنے کی وجہ سے،شام کے ایک شہر کا نام تبوک ہے۔یہ فقیر تبوک کے اوپر سے ہوائی جہاز سے گزرا،مدینہ منورہ سے خیبر ایک سو ساٹھ میل ہے اور خیبر سے پانچ سو میل تبوک ہے،اس زمانہ میں مدینہ منورہ سے تبوک ایک ماہ کے فاصلہ پر تھا،غزوہ تبوک ۹ھ میں ہوا اوریہ حضور انور کا آخری غزوہ ہے۔(ازمرقات) فقیر نے خیبر کی زیارات کی ہیں اب حجاز کی سرحد مقام مان تک ہے،مان تبوک سے تقریبًا دو سو میل ہے اور مان سے مقام عمان تین سو میل ہے،عمان اردن کا دارالخلافہ ہے،عمان سے ۹۸ میل بیت المقدس ہے جسے اب قدس کہتے ہیں بیت المقدس فلسطین میں ہے۔

۳؎یا تو سفر جہاد کے لیے جمعرات پسند فرماتے تھے یا ہر سفر کے لیے۔خیال رہے کہ چند وجوہ سے جمعرات کو سفر کے لیے پسند فرمایا گیا:ایک یہ کہ جمعرات مبارک دن ہے کہ اس میں بندوں کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں،بہتر یہ ہے کہ عملی حج کی ابتداء اس دن سے ہو۔دوسرے یہ کہ جمعرات ہفتہ کا آخری دن ہے۔تیسرے یہ کہ جمعرات جمعہ کا پڑوسی ہے کہ اس کی آمد کی خبر دیتا ہے۔چوتھے یہ کہ جمعرات کو عربی میں خمیس کہتے ہیں تو اس دن روانگی میں نیک فال ہے۔پانچویں یہ کہ جمعرات کو خمیس کہتے ہیں جو خمیس بمعنی پانچ سے بنا ہے اور غنیمت سے اللہ رسول کے لیے خمس ہی نکالا جاتا ہے اللہ تعالٰی خمیس کی برکت سے خمس والی غنیمت عطا فرمائے۔خیال رہے کہ سفر کے لیے ہفتہ ،سوموار اور جمعرات نہایت ہی مبارک ہیں جو کوئی ہفتہ کے دن سورج نکلنے سے پہلے سفر کو نکل جائے ان شاءاللہ کامیاب اور بامراد واپس ہوگا۔(ازمرقات و اشعہ مع زیادۃ)مگر خیال رہے کہ اسلام میں کوئی دن یا کوئی ساعت منحوس نہیں ہاں بعض دن بابرکت ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر لوگ جانتے کہ تنہائی میں کیا نقصان ہیں ۱؎ تو میں نہیں جانتا کہ کوئی سوار رات کو اکیلا چلتا ۲؎(بخاری)	

۱؎دینی و دنیاوی دونوں نقصان۔دینی نقصان تو یہ کہ اکیلا آدمی سفر میں جماعت نہیں کرسکتا۔دنیاوی نقصان یہ کہ اکیلے میں وحشت بھی ہوتی ہے،سفر کے ضروریات بھی پورے نہیں ہوتے،بیماری میں تو بہت ہی تکلیف ہوتی ہے،اگر موت واقع ہوجائے تو کوئی وطن میں خبر پہنچانے والا بھی نہیں ہوتا۔

۲؎یعنی اگر اکیلے سفرکرنے کے نقصانات کما حقہ معلوم ہوں تو پیدل تو کیا سوار بھی اکیلے سفر کرنے کی جرات نہ کرے لہذا اس میں پیدل کو اکیلے سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔خیال رہے کہ اُس زمانہ میں راستے پر امن نہ تھے اکیلے سفر نہایت خطرناک تھا اب ریل ہوائی جہاز موٹروں کی وجہ سے وہ خطرے نہیں ہیں لہذا اب احکام نرم ہوں گے،نیز رات کا اکیلے سفر اس زمانہ میں زیادہ خطرناک تھا وہاں یہ مثل مشہور تھی اللیل اخفی بالویل اس لیے خصوصیت سے رات ہی میں سفر کا ذکر ہوا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فرشتے ان ساتھیوں کے ساتھ نہیں رہتے جن میں کتا ہو اور نہ جن میں جھانجھ ہوا ۱؎(مسلم)	

۱؎یہاں ساتھیوں سے مراد سفر کے ساتھی ہیں،کتے سے مراد وہ کتا ہے جو شوقیہ رکھا گیا ہو بلاضرورت،شکار یا حفاظت کے کتے کا یہ حکم نہیں۔فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو خصوصیت سے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں خصوصًا غازی حاجی مسافروں کے ہمراہ۔جرس وہ گھنگرو باجہ وغیرہ جو اونٹ گھوڑوں کی گردن میں محض آواز کے لیے باندھے جاویں ہمارے ہاں یہ مکروہ تنزیہی ہیں،بعض علماء شام فرماتے ہیں کہ چھوٹے گھنگرو جائز ہیں بڑے اور بہت آواز

والے مکروہ،ضرورۃً یہ بھی جائز ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک بچی کے پاؤں سے آواز والے جھانجن اترواد یئے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کے پاؤں سے جھانجر اتروادیئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر باجے کے ساتھ شیطان ہے۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھانجھ شیطان کا باجہ ہے [1] (مسلم)

[1] مزامیر جمع ہے مزمار کی یہ زمار سے بنا بمعنی آراستگی آواز،اصطلاح میں ہر باجہ مزمار ہے مگر جھانجھ تو مطلقًا حرام ہے،جھانجھ کے علاوہ دیگر باجے تاشہ نقارہ طبل وغیرہ اگر لہوولعب کے لیے ہوں تو حرام ہیں ضرورۃً جائز ہیں جیسے جہاد میں طبل جنگ،اعلان نکاح کے لیے دف یا تاشہ۔سحری و افطاری کے لیے طبل یا نقارہ بجانا کہ یہ جائز ہیں اس کی کچھ بحث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے،یہاں مرقات نے بھی کچھ بحث کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جھانجھ کی حرمت لعینہٖ دوسرے باجوں کی حرمت لغیرہ۔قوالی اور اس کے ڈھول کا مسئلہ ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو وہاں ہم نے اس کی نفیس بحث کی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو بشیر انصاری سے [1] کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضور کے بعض سفر میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا ہار نہ چھوڑا جائے مطلقًا کوئی ہار نہ چھوڑا جائے مگر وہ کاٹ دیا جائے [2] (مسلم،بخاری)

[1] آپ کا نام قیس ابن عبید اللہ ہے،کنیت ابو بشیر انصاری مزنی ہیں،یہ تو صاحب مشکوۃ نے اکمال میں فرمایا مگر صاحب استیعاب کہتے ہیں کہ آپ کے نام کی تحقیق نہ ہوسکی آپ کی وفات واقعہ حرہ کے بعد ہوگئی،آپ نے بہت ہی عمر پائی۔

[2] تانت کا ہار تو اس لیے کٹوادیا کہ تانت سے ہر جانور کی گردن کٹتی ہے اور اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے، دوسرے ہار کٹوانے کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں:ایک یہ کہ ان ہاروں میں گھونگروں یا جھانجر یا اور بجنے والی چیز باندھی جاتی تھیں جو کہ باجہ ہے اور باجے سے فرشتے رحمت نہیں آتے۔دوسرے یہ کہ جاہلیت کے لوگ یہ ہار جانور سے نظر بد بچانے کے لیے بطور گنڈہ باندھتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہار نظر بد سے بچالیں گے یہ جاہلانہ مشرکانہ عمل تھا۔تیسرے یہ کہ ان ہاروں میں باجہ یا اور آواز دینے والی چیزیں ہوتی تھیں جن کی آواز سے دشمن ان غازیوں کی نقل و حرکت پر مطلع ہوجاتا اس لیے یہ جنگی تدبیر کے خلاف تھا۔چوتھے یہ کہ ہار اونٹ کا گلا گھونٹ دیتے تھے جب وہ درخت سے کچھ پتے توڑنے کے لیے گردن اٹھاتا تھا،بہرحال اس ممانعت میں بہت سی وجہیں ہوسکتی ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ قاصد کے ذریعہ پیغام اونٹ والوں کو بھیجا کہ اپنے اپنے اونٹ کی گردن سے ہار کھول دیں ممکن ہے کہ خود قاصد کو ہی حکم دیا ہو کہ وہ خود ہار توڑ دے۔(ازمرقات)خیال رہے کہ اسماء الٰہیہ یا جائز دعاؤں کے گنڈے کرانا ڈالنا بالکل درست ہے،ناجائز منتروں کے گنڈے حرام ہیں بتوں کے نام کے گنڈے کفر ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سبزی کی سال میں سفر کرو ۱؎ تو اونٹ کو اس کی زمین کا حصہ دو ۲؎ اور جب تم خشکی کی سال میں سفر کرو تو اس پر تیز رفتار کرو ۳؎ اور جب تم رات آرام کرو تو راستہ سے الگ اترو ۴؎ کیونکہ وہ جانوروں کے راستے اور رات میں کیڑے مکوڑوں کے ٹھکانے ہیں ۵؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم خشک سال میں سفرکرو تو اونٹ کے دبلے ہونے سے جلدی کرو ۶؎ (مسلم)

۱؎ خصب خ کے فتحہ ص کے سکون سے بمعنی ارزانی کا سال یہاں مراد سرسبزی کا زمانہ ہے جب بارشیں مناسب ہوچکی ہوں جنگل ہر بھرے ہوں۔

۲؎ اس طرح کہ تھوڑی تھوڑی دور سفر کرکے اونٹ کو چرنے کے لیے چھوڑ دو کہ وہ بھی زمین کی سبزی کھالے راستہ میں ٹھہرتے اور چراتے ہوئے سفر طے کرو۔

۳؎ راستہ میں بلا ضرورت نہ ٹھہرو جلد سفر کرکے منزل پر پہنچو تاکہ اونٹ تھک کر راہ میں ہی نہ رہ جائیں جس سے تم کو بھی مصیبت پڑ جائے۔

۴؎ **عرستم** بنا ہے **تعریس** سے عربی میں **تعریس** کے معنی ہیں مسافر کا آخری رات میں آرام کرنا،یہاں بطریق تجربہ مطلقًا رات میں آرام کرنا مراد ہے اول رات میں ہو یا آخررات میں جیساکہ آئندہ وجہ بیان فرمانے سے معلوم ہورہا ہے۔یہ احکام استحبابی ہیں بطور مشورہ۔

۵؎ **دواب** سے مراد مسافروں کے جانور ہیں،**ھوام** سے مراد زہریلے جانور سانپ بچھو وغیرہ بہرحال راستے اور گزرگاہ میں اترنا ٹھہرنا تکلیف دہ بھی ہے خطرناک بھی۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ **تعریس** سے مراد مطلقًا اترنا ہے رات میں ہو یا دوپہری میں۔

۶؎ **نقی** نون،قاف،ی بمعنی ہڈی کی مینگ یعنی اس سے پہلے سفرختم کر کے گھر پہنچ جاؤ کہ جانوروں کی ہڈی کی مینگ ختم ہوجائے اور دبلے ہوکر تھک رہیں۔بعض شارحین نے **نقب** ب سے روایت کی ہے بمعنی اونٹ کے پاؤں کا ہلکا ہوجانا یعنی ان کا پاؤں ہلکا پڑ جانے سے پہلے گھر پہنچ جاؤ جب بھی مطلب وہ ہی ہے،بعض لوگوں نے **نقب** بمعنی راستہ کہا مگر یہ غلط ہے کہ پھر مطلب ہی کچھ نہیں بنتا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں اس حال میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ۱؎ کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص اونٹ پر آیا ۲؎ تو

	دائیں بائیں طرف مارنے لگا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جس کے پاس بچی ہوئی زائد سواری ہو تو وہ اس پر خرچ کرے جس کے پاس سواری نہیں۳؎ اور جس کے پاس بچا ہوا توشہ ہو تو وہ اس پر خرچ کرے جس کے پاس توشہ نہیں۴؎ فرماتے ہیں کہ حضور نے ہر قسم کے مال کا ذکر فرمایا۵؎ حتی کہ ہم سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو بچے ہوئے میں کوئی حق ہی نہیں ۶؎(مسلم)

۱؎ وہ اونٹ دبلا اور تھکا ہوا تھا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اپنے اونٹ کو دو طرف مارنے لگا کیونکہ وہ چلتا نہ تھا تھک گیا تھا یا باہنے دائیں نظرمارنے نگاہ دوڑانے لگا تاکہ کوئی اس کا حال زار دیکھ کر اس کی مدد کرتا ہے یا نہیں یعنی وہ شخص شریف النفس تھا کسی سے سوال نہ کیا بلکہ امداد کی امید پر ادھر ادھر دیکھنے لگا شاید یہ شخص اپنے وطن میں امیر آدمی تھا یہاں سفر میں قابل مدد ہوگیا تھا۔(مرقات) اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دائیں بائیں دوڑانے لگا پریشانی کی وجہ سے اسے کچھ سوجھتا نہ تھا غرضیکہ وہ سخت پریشان تھا۔

۳؎ **فلیعد** بنا ہے **اعادۃ** سے بمعنی لوٹانا یعنی جس کے پاس سواری اپنی ضرورت سے زیادہ ہو وہ اس کی طرف لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں یا ہے مگر ناکارہ ہوگئی اور ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ **اعداد** سے بنا ہو بمعنی تیار کرنامہیا کرنا یعنی ایسا غنی آدمی اپنی زائد سواری ایسے بے کس کے لیے مہیا کردے،بہرحال مطلب یہ ہی ہے کہ اسے دے دے اسے مالک بنا دے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کا درد ہے۔

۴؎ غالبًا یہ شخص بے توشہ بھی ہوچکا تھا جس کی لوگوں کو خبر نہ ہوئی اس لیے حضور نے سواری کے ساتھ توشہ کا بھی ذکر فرمایا۔

۵؎ جیسے کپڑا،جوتا،مشکیزہ،خیمہ،درہم،دینار وغیرہ ہر قسم کا مال۔

۶؎ یعنی حضور نے ایسی خیرات کو ایسی اہمیت دی کہ ہم سمجھے کہ ضرورت سے زیادہ مال ہماری ملک ہی نہیں۔بس اپنے پر خرچ کرنے سے جو بچے وہ دوسرے کو دے دینا واجب ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانوں ہمارے مالوں کے مالک مطلق ہیں جیسے مولیٰ اپنے غلام کے جان و مال کا مالک ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالْمُؤْمِنِیۡنَ مِنْ اَنۡفُسِہِمْ**"یہاں اولیٰ کے معنی قریب تر بھی کیے گئے ہیں اور مالک تر بھی،دیکھو ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب وغیرہ تین صاحبوں کو بائیکاٹ کے زمانہ میں فرمادیا کہ اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤ وہ بیویاں ان کی منکوحہ تھیں مگر ان سے اختلاط منع فرمادیا،یہ ہے حضور کی ملکیت کچھ عرصہ حکم رہا کہ اپنی قربانیوں کے گوشت تین دن سے زیادہ استعمال نہ کرو تو یہ استعمال ممنوع ہوگیا،پھر زیادہ استعمال کی اجازت دی تب جائز ہوا۔غرضیکہ ہم سب مسلمان حضور انور کے لونڈی غلام ہیں حضور ہمارے مالک اگر وہ ہم کو اپنی عبدیت و غلامیت میں قبول فرمالیں تو ہمارے نصیب

کھل جائیں۔ایک بار حضرت مرشدی مولائی مولانا نعیم الدین صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ حضور پر زکوۃ فرض نہیں،میرے نزدیک اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور مالک ہیں سارے مسلمان حضور کے لونڈی غلام،مالک اپنے غلاموں کو زکوۃ نہیں دے سکتا،چونکہ حضور کے لیے مصرف زکوۃ موجود نہیں اس لیے آپ پر زکوۃ فرض نہیں،عرض کیا پھر تو ہم پر بھی زکوۃ فرض نہیں ہونی چاہیے کہ غلاموں پر زکوۃ فرض نہیں،فرمایا ہم لوگ عبد ماذون ہیں اور بعض خاص حالات میں ماذون غلام پر زکوۃ ہوجاتی ہے۔ماذون غلام وہ ہے جسے کاروبار کی اجازت مولیٰ نے دے دی ہو،اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔شعر

بندگانش حور وغلمان و ملک چاکر انش سبز پوشان فلک

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی تھا جس سے ان حضرات کا بچا ہوا مال خیرات کردینا فرض کردیا گیا تھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر عذاب کا ٹکڑا ہے ۱؎ تم میں سے ہر ایک کو اس کی نینداس کے کھانے پینے سے روکتا ہے۲؎ تو جب کوئی اس طرف سے اپنی حاجت پوری کرے۳؎ تو اپنے گھر کی طرف جلدی کرے ۴؎(متفق علیہ)	

۱؎ یہاں عذاب سے مراد تکلیف دہ ہے نہ کہ سزاکیونکہ بعض سفر تو ثواب ہیں جیسے سفر جہاد،سفر حج،سفر طلب علم وغیرہ مگر یہ سارے سفر تکلیف دہ ضرور ہیں جن میں وہ تکالیف ہوتی ہیں جو آگے مذکور ہیں۔

۲؎ یعنی عمومًا سفر میں انسان وقت پر کھانے،وقت پر سونے،وقت پر باجماعت نماز گھر کی طرح نہیں کرسکتا۔چنانچہ اب بھی یہ دیکھا جاتا ہے اگرچہ اب ریل،بس،ہوائی جہازوں کے سفر میں بڑی آسانیاں ہوچکی ہیں۔

۳؎ **نهمه** کے معنی ہیں بلوغ **الهمته** اور **وجهه** سے مراد اپنی سفر کی جہت ہے یعنی جس طرف سفر کرکے گیا تھا تو جس مقصد کے لیے گیا تھا سفر میں وہ مقصد پورا ہوجائے۔(مرقات)

۴؎ تاکہ نماز کی جماعتیں حقوق کی ادائیگی اچھی طرح سے ہوسکیں،بعض علماء نے فرمایا کہ دنیاوی سفروں کے لیے یہ فرمان ہے۔سفرحج و سفرجہاد وغیرہ کا یہ حکم نہیں مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ میں جتنی حاضری نصیب ہوجائے بہتر ہے اسی لیے یہاں **نهمته** فرمایا۔**نهمه** کہتے ہیں دنیاوی ضرورت و حاجت کو،فقیر اس کو ترجیح دیتا ہے،حاکم و بیہقی نے بروایت حضرت عائشہ بجائے **نهمته** کے **حجه** روایت کی یعنی حج سے فارغ ہوکر جلد لوٹو جیساکہ مرقات میں ہے مگر مدینہ آخر مدینہ ہی ہے وہ تو ہر مؤمن کا دیس ہے پردیس ہے ہی نہیں جیسا سکون قلب اداء عبادات میں وہاں میسر ہوتا ہے گھرمیں میسر نہیں ہوتا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لاتے تھے تو آپ کے گھر والے بچے پیشوائی کے لیے	

جاتے تھے ۲؎ حضور ایک سفر سے آئے تو مجھے حضور کی پیشوائی کے لیے لایا گیا تو مجھے حضور نے اپنے آگے سوار کرلیا پھر حضرت فاطمہ کے بیٹوں میں سے ایک لایا گیا۳؎ تو اسے اپنے پیچھے بٹھالیا فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تین ایک سواری پر داخل ہوئے ۴؎ (مسلم)	

۱؎ آپ حضرت علی کے بھتیجے ہیں،قریشی ہاشمی مدنی ہیں،اسلام میں پہلے آپ کی ولادت ہے،حبشہ میں ۸۰ھ مدینہ منورہ میں نوے سال کی عمر میں عبدالملک کے زمانہ میں وفات ہوئی،آپ کا لقب بحرالجود بھی ہے اور جواد ابن جواد بھی،اسلام میں آپ سے اور آپ کے والد سے بڑھ کر کوئی سخی نہ تھا،حضور کی وفات کے وقت صرف ۹ سال کے تھے بہت صفات کے حامل ہیں۔(اشعہ)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی سفر سے آتے وقت پیشوائی کرنا سنت صحابہ ہے،نیز مسافر کے گھر کے بچوں کو بھی پیشوائی کے لیے جانا سنت ہے۔

۳؎ یا جناب حسن کو یا حضرت حسین کو رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۴؎ اس طرح کہ ایک سواری پر تین سوار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں حضور کے پیچھے حضرت حسنین میں سے ایک اس خوش نصیبی پر صدقے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ وہ اور ابوطلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے ۱؎ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صفیہ تھیں جنہیں حضور اپنی سواری پر پیچھے سوار کیے ہوئے تھے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ کسی سفر سے مدینہ منورہ واپس آئے۔خیال رہے کہ ابوطلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں اور اس وقت خیبر سے یہ سب حضرات واپس ہوئے تھے جیساکہ مرقات اور اشعۃ اللمعات میں ہے۔بی بی صفیہ اسی خیبر میں حاصل ہوئی تھیں،پہلے آپ جناب دحیہ کلبی کے حصہ میں تھیں پھر حضور انور نے ان سے خود قبول فرما کر اپنی زوجیت سے شرف بخشا رضی اللہ عنہا۔

۲؎ طریقہ سفر یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بی بی صفیہ ایک اونٹ پر تھے اور حضرت انس و ابوطلحہ اپنے اونٹ پر اس طرح مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ گھوڑے خچر یا اونٹ پر سوار کرلینا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر رات میں سفر سے نہ آتے تھے ۱؎ مگر صبح یا شام کے وقت ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎کیونکہ بغیر اطلاع اچانک رات میں مسافر کا گھر پہنچنا گھر والوں کی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور اس زمانہ میں خبر رسانی کے ذرائع بہت محدود تھے اب تو خط،تار ٹیلی فون وغیرہ سے خبر دی جاسکتی ہے۔یطرق بنا ہے طرق سے بمعنی دروازہ بجانا کواڑ کھڑکانا،چونکہ رات میں آنے پر اس کھڑکانے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے رات میں آنے والے مسافر کو طارق کہتے ہیں ستارہ کو بھی طارق کہا جاتا ہے کہ وہ رات میں ہی چمکتا ہے۔(مرقات)

۲؎صبح صادق سے زوال تک کا وقت غدوہ ہے اور زوال سے سورج ڈوبتے تک کا وقت عشیہ یعنی حضور کی مدینہ منورہ میں آمد یا صبح کے وقت ہوتی تھی یا بعد ظہر۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی تم میں سے بہت عرصہ غائب رہے تو رات میں اپنے گھر نہ آئے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ حکم اس زمانہ کے لیے تھا جب کہ آنے والا مسافر اپنی آمد کی اطلاع اپنے گھر نہ دے سکتا تھا اب اطلاع دے کر رات میں آنا بالکل جائز ہے۔یہاں مرقات میں ہے کہ اس ممانعت کے بعد دو شخص آزمائش کے لیے ا پنے گھر رات میں پہنچے تو انہوں نے اپنی بیویوں کے پاس اجنبی مرد پائے گویا انہیں اس مخالفت امر کی سزا ملی حضور کے ہر حکم میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم رات میں آؤ تو اپنی بیوی کے نہ جاؤ ۱؎ حتی کہ وہ زیر ناف لوہا استعمال کرلیں ۲؎اور پریشان بالوں میں کنگھی پھیرلیں ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی جب تم سفر سے اپنے شہر میں آؤ رات میں نہ جاؤ،بعض نسخوں میں یوں ہے اذا دخلت بیتك وہ اس شرح کی تائید کرتا ہے۔(مرقات)

۲؎ استحداد کے معنی ہیں حدید یعنی لوہا استعمال کرنا یعنی استرہ سے صفائی کرنا۔مغیبة سے مراد یا وہ عورت ہے جس کا خاوند بہت عرصہ تک غائب رہا ہو یا مغیبہ سے مراد زیر ناف کے بال ہیں۔خیال رہے کہ عورتوں کو استرہ سے صفائی کرنا ممنوع ہے لہذا یہاں استحداد سے مراد چونا بال صفا صابن وغیرہ سے صفائی کرنا مراد ہے یعنی بطریق تحدید صرف صفائی مراد ہے لوہے سے صفائی مراد نہیں۔(مرقات و اشعہ)

۳؎یعنی سر کے پریشان بالوں کو کنگھی سے سلجھا کر یکساں کرلیں کیونکہ عورتیں اپنے خاوندوں کی لمبی غیر موجودگی میں ان چیزوں کی پرواہ کم کرتی ہیں۔مقصد یہ ہے کہ تم دیر کے بعد وطن پہنچنے پر اپنی بیویوں کو خراب حالت میں نہ دیکھو بلکہ اچھی حالت میں دیکھو اب چونکہ خط تار ٹیلی فون وغیرہ سے اطلاع دی جاسکتی ہے لہذا اب یہ حکم نہیں جب عورت کو کسی

ذریعہ سے اپنے خاوند کی آمد کی اطلاع مل جائے تو یہ پابندی نہیں۔(از مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو چاہیے کہ خاوند کی آمد پر اپنے کو آراستہ کرے تاکہ اسے رغبت تام ہو۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے ۱؎ تو ایک اونٹ یا گائے قربان فرمائی ۲؎(بخاری)	

۱؎ یا ہجرت کرکے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ پہنچے یا جب دراز سفر سے مدینہ منورہ تشریف فرماہوتے تھے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۲؎ قربانی سے مراد گائے یا اونٹ ذبح فرمانا ہے دعوت کے لیے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسافر وطن پہنچنے پر اہل قرابت کی دعوت کرے اسے دعوت قدوم کہتے ہیں یہ مسنونہ دعوتوں میں سے ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ گائے کا گوشت کھانا بھی سنت سے ثابت ہے۔یہاں **او بقرۃ** فرمانا یا تو راوی کے شک کی بنا پر ہے یا یہ مطلب ہے کہ کبھی اونٹ اور کبھی گائے ذبح فرما کر اہل مدینہ کی دعوت فرماتے تھے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تھے مگر دن کو دوپہر کے وقت پھر جب تشریف لاتے تو مسجد سے ابتداء فرماتے وہاں دو رکعتیں پڑھتے ۱؎ پھر وہاں ہی لوگوں کے لیے تشریف رکھتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ دن میں آنے کے متعلق ابھی عرض کیا جاچکا سفر کو جاتے وقت مسجد سے روانہ ہونا اور واپسی پر مسجد میں پہلے آنا اگر وقت کراہت نہ ہو تو ان دونوں موقعوں پر دو نفل نماز سفر یا نماز قدوم پڑھنا سب کچھ سنت ہے اس سے سفر میں بڑی برکتیں رہتی ہیں۔

۲؎ یعنی پہلے اہل مدینہ سے ملاقات فرماتے،ان کے دکھ درد سنتے،ان کے مقدمات کے فیصلے فرماتے،انہیں شرف زیارت بخشتے،پھر گھر میں تشریف لے جاتے۔طبرانی اور حاکم نے بروایت ثعلبہ حدیث نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد سے ابتدا فرماتے پھر حضرت خاتون جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے پھر اپنے گھر۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو جب ہم مدینہ منورہ آئے تو مجھ سے فرمایا مسجد میں جاؤ ۱؎ وہاں دو رکعت پڑھو(بخاری)	

۱؎ مسجد سے مراد یا حضرت جابر کے محلے کی مسجد ہے یا مسجد نبوی شریف دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے مسجد اللہ کا گھر ہے وہاں حاضر ہونا گویا رب تعالٰی سے ملاقات کرنا ہے اس کا استحباب حدیث فعلی سے بھی ثابت ہے اور حدیث قولی سے بھی۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت صخر ابن وداعہ غامدی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میری امت کے صبح کے کاموں میں برکتیں دے ۲؎ اور جب کوئی فوج یا لشکر بھیجتے تو شروع دن میں بھیجتے تھے ۳؎ اور صخر تاجر تھے تو وہ اپنا مال تجارت اول دن میں بھیجا کرتے تھے تو وہ بڑے امیر ہوگئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،دارمی) ۵؎	

۱؎ آپ کا نام صخر ابن عمرو ابن عبداللہ ابن کعب ازدی ہے،آپ صحابی ہیں،طائف میں قیام رہا،شمار اہل حجاز سے ہے۔(مرقات اشعہ)

۲؎ یعنی میری امت کے تمام ان دینی و دنیاوی کاموں میں برکت دے جو وہ صبح سویرے کیا کرے جیسے سفر طلب علم تجارت وغیرہ۔

۳؎ یعنی حضور کی دعا وہ تھی جو ابھی بیان ہوئی اور عمل یہ تھا لہذا حضور کے دعاوعمل سے یہ وقت برکت والا ہے۔

۴؎ یعنی صحابہ کا تجربہ بھی اس کے متعلق ہوچکا ہے کہ وہ حضرات اس سنت پر عمل کی برکت سے بہت فائدے اٹھا چکے ہیں۔فقیر نے بھی تجربہ کیا کہ صبح سویرے کاموں میں بہت برکت ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو طالب علم مغرب و عشاء کے دوران اور فجر کے وقت محنت کرے پھر عالم نہ بنے تو تعجب ہے اور جو طالب علم ان دو وقتوں میں محنت نہ کرے اور عالم بن جاوے تو بھی حیرت ہے۔

۵؎ ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابوہریرہ روایت کی الٰہی میری امت کے جمعرات کے دن صبح کے وقت کے کاموں میں برکت دے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم تاریکی شب میں سفر کیا کرو ۱؎ کیونکہ رات میں زمین لپٹ جاتی ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎اب بھی اہل عرب رات میں سفر زیادہ کرتے ہیں،سمندری جہاز رات میں تیز چلائے جاتے ہیں،تمام حجاج سے بعد نماز عشاء کہہ دیا جاتا ہے کہ اب آرام کرو جیساکہ ہم نے تجربہ کیا۔**دلجہ** رات کی اندھیری کو کہتے ہیں اسی سے ہے **ادلاج**۔

۲؎اس طرح کہ رات کا مسافر یہ ہی سمجھتا ہے کہ ابھی میں نے سفرکم کیا ہے مگر ہوجاتا ہے زیادہ۔اس فرمان عالی کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات میں بھی سفر کیا کرو صرف دن کے سفر پر قناعت نہ کیا کرو، بعض احادیث میں ہے کہ اول دن اور اول رات میں سفر کرو۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ۲؎اور تین سوار صحیح سوار ہیں ۳؎(مالک، ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎یعنی جنگل میں اکیلا مسافر آفات کے نرغہ میں ہوتا ہے،نماز باجماعت سے محروم ہے،ضرورت کے وقت اسے مددگار کوئی نہ ملے گا،بلاؤں آفتوں کے خطرے میں ہے خصوصًا اس زمانہ پاک میں جب کہ راستے پر خطر تھے اب اس امن کے زمانہ میں بھی ریل کے ڈبہ میں اکیلے سفرکرنے والے چلتی ٹرین میں لٹ گئے حتی کہ حکومت نے انٹر کلاس کی زنانہ سواریوں کو اجازت دی کہ وہ رات میں اپنی تھرڈ کلاس کی سہیلی کو اپنے ساتھ انٹر میں بٹھا سکتی ہیں سرکار کے فرمان ہمیشہ ہی مفید ہیں۔

۲؎یعنی دو مسافر بھی آفات کے خطرے میں ہیں کہ اگر ایک بیمار ہوجائے تو دوسرا بے یارومددگار رہ جائے۔

۳؎یعنی تین مسافر ہیں جنہیں صحیح معنی میں قافلہ کہا جاوے۔رکب اسم جمع ہے جیسے **نفر** اور **رھط** اور **صحب** اس لیے ارشاد ہوا کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ (رحمت)ہے۔اس فرمان عالی میں بھی بڑی حکمتیں ہیں سفر میں کسی کی رضا قضا واقع ہوجائے تو باقی اور دو آسانی سے اسے سنبھال سکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین شخص سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی اگر مسافر تین یا زیادہ ہوں تو انتظام قائم رکھنے کے لیے اپنے میں سے ایک افضل اور تجربہ کار کو اپنا سردار بنائیں جو ہر چیز کا انتظام رکھے اور باقی ساتھی اس کے مشورہ پر عمل کریں اس میں برکت بھی ہوگی اور سفر میں آسانی بھی اس سردار کو چاہیے کہ اپنے کو ان ساتھیوں کا حاکم نہ سمجھے بلکہ خادم تصور کرے،نماز بھی وہ ہی پڑھائے جیساکہ بزاز نے بروایت حضرت ابوہریرہ مرفوعًا روایت کی کہ جب تم چند آدمی سفرکرو تم میں سے بڑا قاری(عالم)تمہاری امامت کرے اور جب وہ تمہاری امامت کرے تو وہ ہی تمہارا امیروسردارہے۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و	

سلم سے راوی فرمایا بہتر ساتھی چار ہیں ۱؎اور بہترین فوج چار سو ہیں ۲؎اور بہتر لشکر چار ہزار ہیں۳؎اور بارہ ہزار کی نفری کبھی تھوڑی ہونے کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگی۴؎(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎صحابہ جمع ہے صاحب بمعنی ساتھی کی اور فاعل کی جمع بروزن فعالہ اس کے سوا کہیں نہیں آئی۔(مرقات)یہاں ساتھی سے مراد سفر کے ساتھی ہیں۔چار ہم سفر ساتھیوں کو اس لیے افضل فرمایا گیا کہ اگر ان میں سے ایک راستہ میں فوت ہو جائے اور ان بقیہ میں سے ایک کو اپنا وصی و منتظم کرجائے تو باقی دو اس وصیت کے گواہ بن سکتے ہیں۔بعض شارحین نے کہا کہ پانچ ساتھی چار سے افضل ہیں بلکہ جس قدر ساتھی زیادہ ہوں اتنا ہی اچھا ہے۔(اشعہ) جیسے جماعت نماز میں جس قدر ساتھی زیادہ ہوں اسی قدر اچھا۔

۲؎پہلے کہا جاچکا ہے کہ سریہ چھوٹے لشکر کو بھی کہتے ہیں اور اس فوج کو بھی جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے جائیں یہاں پہلے معنی میں ہے کیونکہ اس کے مقابل جیوش آرہا ہے۔

۳؎یعنی بہتر یہ ہے کہ لشکر جرار چار ہزار سے کم نہ ہو زیادہ ہو تو بہتر ہے۔

۴؎یعنی بارہ ہزار کا لشکر جرار کبھی کمی تعداد کی وجہ سے دشمن کے مقابل شکست نہیں کھائے گا کسی اور وجہ سے شکست کھا جائے جیسے آپس کے جھگڑے،امیر کی نافرمانی،بے صبری،مال غنیمت کی رغبت وغیرہ۔چنانچہ غزوہ حنین میں حضرات صحابہ نے اولًا ظاہری شکست کمی تعداد کی وجہ سے نہ کھائی بلکہ اپنی کثرت پر اعتماد کرنے رب تعالٰی سے بے توجہ ہوجانے کی وجہ سے کھائی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَیَوۡمَ حُنَیۡنٍ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ"اس جنگ میں ہوازن سے مقابلہ تھا،مسلمان بارہ ہزار تھے،دس ہزار اہل مدینہ اور دو ہزار وہ مسلمانان مکہ جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔(مرقات) اولًا مسلمانوں کے قدم اکھڑے پھر جب مسلمانوں کی نظر گئی تو فتح پائی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران پیچھے رہتے تھے ۱؎تو کمزور کو لے آتے اور پیچھے بٹھالیتے تھے اور ان کے لیے دعا فرماتے تھے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی تمام سفروں جہاد وغیرہ میں صحابہ کرام کو آگے رکھتے تھے خود تواضع اور تعاون کے لیے پیچھے سفرکرتے تھے۔

۲؎یعنی سرکار ابدقرار کے پیچھے رہنے میں یہ حکمتیں تھیں کہ جو مسافر کمزوری کی وجہ سے لشکر کے پیچھے رہ جاتا یا کسی مسافر کی کوئی چیز رہ جاتی وہ خود سرکار لے آتے تھے اس کے علاوہ تمام صحابہ کو سامنے رکھ کر ان کے لیے دعائے خیر فرماتے تھے۔سبحان اللہ! ایسے رحیم و کریم نبی پر جان قربان۔شعر

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں توپشتی بان چہ باک از موج بحر آنرا کہ دارد نوح کشتی بان

	روایت ہے ابو ثعلبہ خشنی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو گھاٹیوں اور جنگلوں میں بکھر جاتے تھے ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ان گھاٹیوں میں اور جنگلوں میں بکھرا رہنا یہ کام شیطان سے ہے ۳؎ چنانچہ اس کے بعد مسلمان کسی منزل میں نہ اترے مگر اس حالت میں کہ بعض بعض سے ملے رہتے حتی کہ کہا جاتا اگر ان پر ایک کپڑا بچھا دیا جاتا تو ان پر پھیل جاتا ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام جرہم ہے،کنیت ابوثعلبہ مگر آپ کنیت میں مشہور ہیں،آپ بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،حضور انور نے آپ کو اپنی قوم خشن کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا،آپ کی تبلیغ سے وہ سب لوگ مسلمان ہوگئے پھر آپ نے شام میں قیام اختیار کیا، ۷۵ھ میں انتقال کیا۔(اشعہ) مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ ۵۵ھ میں حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی رضی اللہ عنہما۔(مرقات واشعہ)

۲؎ **شعاب** جمع ہے **شعب** کی بمعنی گھاٹی یا پہاڑی راستہ یعنی حضرات صحابہ کرام دوران سفر میں جب کبھی عارضی قیام فرماتے تھے تو متفرق ہوکر کچھ حضرات کہیں کچھ کہیں۔

۳؎ یعنی تمہارے اس طرح بکھرنے سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ کفار سے تم پر چڑھائی کرادے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ متفرق ہیں ان پر اچانک ٹوٹ پڑو یہ ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں گے اس طرح الگ الگ اترنا خطرناک ہے۔**انما ذلکم** تاکید کے لیے ہے جیسے جسمانی دوری خطرناک ہے ایسے ہی دلی دوری بھی شیطانی اثر سے ہوتی ہے اور سخت خطرناک رب تعالٰی مسلمانوں میں تنظیم اور یکجہتی نصیب کرے۔

۴؎ **سبحان اللہ!** حضور نے مسلمانوں کے صرف جسموں کو یکجا نہ فرمایا بلکہ ان کے دلوں کو بھی یکجا کردیا مسلمان یک دل اور یک جان ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مسافر منزل پر اکٹھے رہیں اس میں بہت فائدے ہیں۔ہر ایک ایک دوسرے سے خبردار رہتا ہے تعاون کرسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ بدر کے دن ہم ایک ایک اونٹ پر تین تین تھے ۱؎ تو ابولبابہ ۲؎ اور علی بن ابی طالب رسول اللہ کے ساتھی ۳؎ تھے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی(چلنے کی) باری آتی تو یہ دونوں عرض کرتے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چل لیں گے ۴؎ تو حضور فرماتے کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور

میں ثواب سے مستغنی تم سے بڑھ کر نہیں ۵؎(شرح سنہ)	

۱؎چونکہ اس غزوہ میں سواریاں بہت تھوڑی تھیں حتی کہ تین سو تیرہ غازیوں میں صرف دو گھوڑے تھے اس طرح سامان جنگ برائے نام تھاتلواریں صرف آٹھ،زرہیں صرف چھ،یوں ہی اونٹ بھی بہت کم تھے اس لیے ایک اونٹ پر تین غازی باری باری سوار ہوتے تھے۔شعر

تھے ان کے ساتھ دوگھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں　　پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

۲؎جناب ابولبابہ کا نام رفاعہ ابن عبدالمنذر ہے،انصاری ہیں اسی لیے آپ کی کنیت نام پر غالب ہے،بیعت عقبہ میں شامل تھے بدر کے شمول میں اختلاف ہے۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

۳؎زمیل بنا ہے زمل سے ز کا فتحہ میم کا کسرہ بمعنی سواری میں شریک،زمالہ سواری کے اونٹ کو بھی کہا جاتا ہے جس پر مسافر کا سامان ہو۔(مرقات) یعنی ایک اونٹ پرحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضی و جناب ابولبابہ سوار تھے کہ باری باری سے سوار ہوتے تھے۔

۴؎ان دونوں بزرگوں کا ارادہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بدر تک سوار رہیں ہم دونوں یہ سفر پیدل طےکریں حضور اپنی بھی سواری کریں اور ہماری باریوں میں بھی۔

۵؎یعنی دنیا میں تم دونوں ہم سے زیادہ طاقتور نہیں ہم چلنے پر تم سے زیادہ قوت رکھتے ہیں اور آخرت میں ہم ثواب الٰہی سے بے نیاز نہیں،یہ پیدل چلنا بڑے ثواب کا کام ہے لہذا ہم اپنی باری پر پیدل چلیں گے تم سوار ہو گے،یہ ہے حضور کا عدل و انصاف اپنے غلاموں کے ساتھ اور یہ ہے حضور کا انکسار اس فرمان عالی میں قیامت تک کے سرداروں بادشاہوں کو عدل کی تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اپنے جانوروں کی پیٹھوں کو منبر نہ بناؤ ۱؎کیونکہ اللہ تعالٰی نے انہیں اس لیے تمہارا تابع کیا ہے کہ تم کو اس شہر تک پہنچادیں جہاں تم بغیر سخت مشقت کے نہ پہنچتے ۲؎اور رب نے زمین تمہارے لیے ہی پیدا کی ہے تو تم زمین پر اپنی ضرورت پوری کرو ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی بلاضرورت انہیں کھڑا کرکے ان پر سوار رہو اور لوگوں سے بات چیت تجارت وغیرہ کرتے رہو اس میں جانور کو بلا وجہ تکلیف دینا ہے یہ کام نیچے اترکر کرو ان پر صرف سفرکرو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر قیام فرماکر عرفات شریف میں خطبہ دینا یا حجاج کا عرفات میں اونٹ پر قیام کرنا ضرورۃً ہے۔

۲؎ یہاں بلاضرورت سوار رہنے سے ممانعت ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں اور ممکن ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہو جب جانور بہت دراز سفر کرکے آیا ہو تھکا ہوا ہو یا جب بوجہ قحط سالی کے جانور دبلے اور کمزور ہوں اور اجازت اس صورت میں ہو کہ جانور قوی اور تازہ دم ہوں۔واللہ اعلم!

۳؎ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے اور سب کے لیے بعض حالات میں حکم وجوبی ہے اور بعض حالات میں استحبابی ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی منزل پر اترتے تو نوافل نہ پڑھتے تھے حتی کہ کجاوے کھول دیتے تھے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ہم نفلی عبادت پر اس کام کو مقدم رکھتے تھے کہ پہلے اونٹوں پر سے کجاوے وغیرہ اتارتے تھے تاکہ وہ ہلکے ہو جاویں پھر منزل پر نوافل وغیرہ ادا کرتے تھے اس میں اونٹوں کو راحت ہوتی تھی اور ان حضرات کو بے فکری ہوجاتی تھی جس سے نماز اطمینان سے ہوتی تھی اس ایک عمل میں بہت سی حکمتیں۔سفر میں یہ ہی چاہیے خواہ سفر جہاد ہو یا سفر حج یااور کوئی سفر۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے تھے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کے ساتھ گدھا تھا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو جاؤ اور خود پیچھے بیٹھ گیا ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی اپنے جانور کے سینہ کے تم زیادہ حق دار ہو مگر اس طرح کہ تم وہ حق میرے لیے کردو ۲؎ اس نے عرض کیا میں نے حضور کو یہ حق دے دیا تب حضور سوار ہوئے ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یہ پتہ نہ چلا کہ یہ کون سا سفر تھا بہرحال کوئی سفر ہو حضور انور اس میں پیدل تھے اس اعرابی نے چاہا کہ حضور کو آگے سوار کریں خود پیچھے بیٹھیں ادب کے لیے۔

۲؎ گردن سے قریب کا حصہ سینہ کہلاتا ہے اس فرمان عالی میں یہ تعلیم دی گئی کہ اگر ایک جانور پر دو شخص سوار ہوں تو آگے جانور کا مالک بیٹھے پیچھے دوسرا آدمی۔

۳؎ چونکہ جانور کا سینہ مالک کا اپنا حق ہے وہ چاہے جسے دے اس لیے حضور انور اس کی اجازت کے بعد آگے سوار ہوئے۔

روایت ہے سعید ابن ہند سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ	

تو اونٹ شیطانوں کے ہوں گے اور کچھ گھر شیطانوں کے ہوں گے ۲؎ لیکن شیطانوں کے اونٹ وہ تو میں نے دیکھ لیے ۳؎ کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھ اعلیٰ اونٹنیاں لےکر نکلتا ہے ۴؎ جنہیں موٹا کیا ہوتا ہے تو ان میں سے کسی اونٹ پر سوار نہیں ہوتا اور اپنے بھائی پر گزرتا ہے جو عاجز رہ گیا ہے تو اسے سوار نہیں کرتا ۵؎ لیکن شیطانوں والے گھر تو وہ میں نے نہ دیکھے ہیں ۶؎ حضرت سعید کہتے تھے کہ میں نہیں سمجھتا مگر یہ ہیں پنجرے جنہیں لوگ ریشم سے ڈھکتے ہیں ۷؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،حضرت سمرہ ا بن جندب صحابی کے آزادکردہ غلام ہیں،آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ابوہریرہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کیں اور آپ سے آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن سعید اور نافع ابن عمرجمحی وغیرہم نے روایات کیں،ثقہ ہیں عالم ہیں۔

۲؎ جو اونٹ یا گھر ضرورت سے زیادہ رکھے جائیں اور ان سے کوئی دینی کام نہ لیا جائے صرف نام ونمود ہی مقصود ہو وہ شیطانی اونٹ اور گھر ہیں جیسے بعض چوہدری اپنی بڑائی دکھانے کے لیے بلاضرورت جانور گھوڑے مکانات رکھتے ہیں،ہم نے بعض امیروں کے ایسے مکانات دیکھے جو نہایت عالیشان ہیں مگر ویران پڑے ہیں نہ ان میں خود رہتے ہیں نہ کسی کو رہنے کے لیے دیتے ہیں،حتی کہ بلاضرورت مسجدیں بنا دینا جو ویران پڑی رہیں صرف زمین گھیر دی جائے وہ بھی ممنوع ہیں،ہم نے سنا ہے کہ انور ضلع بریلی چھوٹی سی بستی میں لوگوں نے ضد یا فخر کے لیے اٹھارہ سو مسجدیں بنادیں ہیں سوا چند کے باقی سب ویران پڑی ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ مال حرام سے جو گھوڑے یاگھر خریدے جائیں وہ شیطانی ہیں مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس فرمان عالی میں وہ غیبی خبر ہے کہ آئندہ مسلمان ایسی حرکتیں کیا کریں گے واقعی یہ دونوں چیزیں دیکھی جارہی ہیں۔

۳؎ یعنی زمانہ نبوی میں یہ دونوں چیزیں نہ تھیں حضور انور نے غیبی خبر دی تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے شیطانی اونٹ تو اپنی آنکھوں دیکھ لیے یہ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔

۴؎ نجیبات جمع ہے نجیبۃ کی جو نجابت بمعنی شرافت سے بنا ہے،نجیب اونٹ وہ ہے جو بہت قوی ہو رفتار میں ہلکا و سبک ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے امیر لوگ سفرمیں اپنے ساتھ بہت سے گھوڑے خچر اونٹ لے کر سفرکرتے تھے جن میں سے بعض پر سواری و باربرداری کرتے تھے اور اکثر خالی چلتے تھے صرف شان ظاہر کرنے کہ لوگ یہ خالی جانور دیکھیں کہ یہ بڑ ا آدمی ہے جیساکہ نجیبات جمع فرمانے سے معلوم ہوا،یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے لوگ اپنے ان جانوروں کو خوب موٹا تازہ کرتے تھے تاکہ ان کی موٹائی تروتازگی ان لوگوں کی مالداری کی علامت ہو۔آج بھی بعض امیر لوگ خوب موٹے تازے کتے اپنے ساتھ رکھتے ہیں جب گھر سے نکلتے ہیں توکتوں کے جھرمٹ میں نکلتے ہیں اسے اپنی امیری کانشان سمجھتے ہیں یہ اسی زمانہ جاہلیت کی رسم ہے۔نعوذ باللہ!

۵؎یعنی ان فالتو جانوروں کی اسے خود تو ضرورت ہے نہیں اور ضرورت مند مسافروں کو بھی نہیں دیتا۔وہ مسکین مسافر پیدل سفرکرتے ہیں اور اس کے یہ فالتو جانور خالی چلتے ہیں،آج امیر چوہدری کے کتے دودھ ملائی کھاتے ہیں اور غریب پڑوسی مسلمانوں کو پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی یہ بھی اسی زمانہ کی نقل ہے اللہ تعالٰی ہم مسلمانوں کو اپنے حبیب کا نقّال بنالے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ ہم نے اس سے بدتر لوگ دیکھ لیے کہ مالداروں کے ساتھ سفر میں فالتو جانور خالی چلتے ہیں اور غریب پیادہ مسافروں کو دیکھ کر یہ فرعونی لوگ مذاق اڑاتے ہیں بہت دفعہ ان غریب مسافروں سے بوجھ اٹھواتے ہیں جانور خالی چلاتے ہیں۔

۶؎یہاں تک حضرت ابوہریرہ کا قول ہے یعنی ہم نے زمانہ صحابہ میں شیطانی فالتو گھر نہیں دیکھے مگر آئندہ ہوں گے ضرورکیونکہ مخبرصادق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردی ہے اور ممکن ہے کہ کلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہو یعنی ہم نے شیطانی جانور تو بچشم خود ملاحظہ فرمائے جو کفار کے پاس ہیں مگر شیطانی گھر ہمارے بعد ہوں گے کہ کفار تو درکنار مسلمان چوہدری نمبردار بھی رکھا کریں گے۔

۷؎اقفاص جمع ہے قفص کی بمعنی پنجرہ جس میں پرندہ قید رکھا جاتا ہے اس سے مراد یا تو اونٹوں کے محمل ہودج ہیں جو امیر لوگ سفر میں استعمال کرتے ہیں سواری کے جانوروں پر یا خالی فالتو جانوروں پر اوریا ان کے رہنے کے مکانات ہیں جنہیں وہ لوگ ریشم وغیرہ سے سجاتے تھے۔غالبًا یہ خبر زمانہ تابعین میں ظاہر ہوئی جو حضرت سعید ابن ہند نے دیکھی۔

روایت ہے حضرت سہل ابن معاذ سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا تو لوگوں نے منزلیں تنگ کردیں اور رستے بندکردیئے ۲؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلانچی بھیجا جو لوگوں میں اعلان کرتا تھا کہ جس نے منزل تنگ کی یا راستہ کاٹا تو اس کا کوئی جہاد نہیں ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎آپ کے والد معاذ ابن انس جہنی ہیں،اہل مصر میں آپ کا شمار ہے،تابعی ہیں،سہل ابن معاذ کو یحیٰی ابن معین نے ضعیف کہا مگر ابن حبان نے آپ کی توثیق کی۔خیال رہے کہ حضرت سہل بھی تابعی ہیں اور آپ کے والد معاذ ابن انس بھی تابعی،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے سہل ابن معاذ کے سعد ابن معاذ ہے وہ غلط ہے کیونکہ حضرت سعد ابن معاذ تو صحابی ہیں اور معاذ ابن انس تابعی۔(مرقات)

۲؎اس طرح کہ بعض لوگوں نے راستہ پر اپنا سامان رکھ دیا جس سے راستہ بند ہوگیا اور گزرنے والوں کو تکلیف ہونے لگی اور بعض نے ضرورت سے زیادہ منزل پر جگہ گھیر لی جس سے ساتھیوں پر تنگی ہوگئی۔معلوم ہوا کہ ہر وقت سفروحضر میں ہرمسلمان کو اپنے ساتھیوں کے آرام کا خیال رکھنا چاہیے۔

۳؎ یعنی اس جہاد کا پورا ثواب نہ ملے گا بعض لوگ مسجد میں گزرگاہ پر نماز شروع کردیتے ہیں جس سے آنے جانے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے بعض حضرات صف میں زیادہ جگہ گھیر کر بیٹھتے ہیں انہیں اس حدیث سے سبق لینا چاہیے مسلمانوں کو تکلیف سے بچانا عبادت کا مغز ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اچھا ہے وہ وقت جب مرد اپنے گھر سفر سے آئے وہ شروع رات ملے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث کے چند معنی کے گئے ہیں:ایک یہ کہ سفر سے مراد قریب کا سفر ہے یعنی جب انسان کہیں قریب ہی گیا ہو تو اول شب میں گھر پہنچے آخر رات میں نہ پہنچے اور دن میں پہنچنے کا فرمان دور کے سفر کے لیے تھا۔دوسرے یہ کہ دراز سفر سے اطلاع دے کر جب آئے تو اول رات میں آئے اور بغیر اطلاع آنا ہو تو دن میں آئے۔تیسرے یہ کہ **دخل الرجل** سے مراد اپنی بیوی کے پاس آنا ہے یعنی صحبت تو مطلب یہ ہوگا کہ مسافر گھر پہنچے دن میں اور اپنی اہلیہ کے پاس جائے اول شب میں تاکہ بقیہ شب اطمینان سے گزرے۔بہرحال یہ حدیث ان گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں حکم تھا کہ مسافر کو دن میں گھر آنا چاہیے۔(ازمرقات و اشعہ ولمعات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر میں ہوتے پھر رات میں اترتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے ۱؎ اور جب صبح سے کچھ پہلے آرام کرتے تو اپنی کلائی کھڑی فرماتے اور اپنا سر اپنے ہاتھ پر رکھتے ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی دوران سفر میں کہیں منزل پر قیام فرماتے تو سونے کی نیت سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیساکہ حضور انور کا دائمی طریقہ تھا کہ قبر کی رخ بستر ہوتا داہنا ہاتھ داہنے رخسارہ کے نیچے رکھتے داہنی کروٹ پر لیٹتے کہ اس طرح لیٹنے میں نیند غفلت کی نہیں آتی رات کو بہ آسانی اٹھا جاسکتا ہے۔اطباء بائیں کروٹ لینے کو اس لیے کہتے ہیں تاکہ نیند خوب آجائے اطباء کی نظر راحت بدن پر ہے حضور کی نظرپاک تہجد کے لیے اٹھنے پر تھی۔خیال رہے کہ **عرس** سے بنا ہے **تعریس** سے بمعنی آخری شب کا نزول آخری شب کا آرام۔عرب میں عموماً رات میں سفر کرتے تھے اول رات سفر آخر رات آرام۔

۲؎ اور لیٹ جاتے تاکہ کچھ تھکنی دور ہوجائے مگر نیند نہ آجائے کیونکہ نماز فجر کا وقت قریب ہے ہر جگہ نماز کا خیال ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن رواحہ کو کسی فوج میں بھیجا ۱؎ یہ جمعہ کے دن میں اتفاقًا واقع ہوا ۲؎ تو ان کے ساتھی سویرے ہی چلے گئے اور انہوں نے کہا کہ میں پیچھے رہ جاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لوں پھر ان سے جاملوں گا ۳؎ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی انہیں دیکھا ۴؎ تو فرمایا تم کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح میں جانے سے کس چیز نے روکا تو عرض کیا کہ میں نے چاہا آپ کے ساتھ نماز پڑھ لوں پھر ان سے جا ملوں ۵؎ فرمایا کہ اگر تم تمام زمینی چیزیں خیرات کردو تو بھی ان کے سویرے نکل جانے کا درجہ نہیں پاسکتے ۶؎(ترمذی)	

۱؎ حضرت عبداللہ ابن رواحہ انصاری خزرجی ہیں،بیعۃ عقبہ،بدر،احد،خندق اور تمام غزوات میں شریک رہے سوائے فتح مکہ کے کیونکہ آپ سن آٹھ میں غزوہ موتہ میں شہید ہوچکے تھے،آپ حضور کے شاعروں میں سے ہیں،حضرت حسان کی طرح نعت گو صحابہ ہیں غالبًا اس فوج کا افسر بناکر بھیجا گیا تھا۔جس لشکر میں حضور تشریف نہ لے جاویں وہ سریہ کہلاتا ہے۔بھیجا سے مراد ہے جانے کا حکم صادر فرمایا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی یہ حکم جمعہ کے دن صبح سویرے نکل جانے کا تھا اس طرح کہ جمعرات کے دن حکم ہوا کہ کل صبح سویرے فلاں فلاں حضرات اس طرف جہاد کے لیے چلے جاویں۔جمعہ کے دن اذان جمعہ سے پہلے سفر جائز ہے اگر حضور عین نماز کے وقت حکم دیں تو اس وقت نکل جانا ضروری۔

۳؎ یہ آپ کا اجتہاد تھا آپ کا خیال تھا کہ صرف چند گھنٹے ٹھہر جانے میں مدینہ منورہ،مسجد نبوی اور حضور کے ساتھ جمعہ میسر ہوجائے،مدینہ پاک کی ایک نماز کا پچاس ہزار ثواب ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز تو لاکھوں نمازوں سے بہتر ہے یہ فوائد جلد چلے جانے اور جنگل میں پہنچ کر بجائے نماز جمعہ ظہر ادا کرنے میں نہ حاصل ہوں گے اور اس ٹھہر جانے کی کسر میں نکال لوں گا کہ تیز سواری پر ان مجاہدین سے جا ملوں گا تعمیل ارشاد ہوجائے گی بہرحال نیت نہایت ہی اچھی تھی۔

۴؎ اس طرح کہ نماز جمعہ کے بعد آپ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے وداع ہونے کے لیے یا ویسے ہی برکت حاصل کرنے کے لیے جیسے آج کل بھی بعد نماز جمعہ بزرگوں سے ملاقات کی جاتی ہے۔

۵؎ یعنی کسی دنیاوی کام کے لیے نہیں رکا ہوں اس لالچ میں ٹھہر گیا ہوں کہ ڈبل ثواب حاصل کروں آپ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کا اور جہاد میں جانے کا۔

۶؎ یعنی اگر تم میرے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے ساتھ ساری دنیا کا مال خیرات بھی کردو تو جو ثواب ان سویرے نکل جانے والوں کو تعمیل حکم کا ملا وہ تم کو ان تمام عبادات کا نہیں مل سکتا۔معلوم ہوا کہ حضور کی اطاعت تمام عبادات سے افضل ہے،ان کی اطاعت میں ترک جمعہ عبادت ہے بغیر اطاعت جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں پڑھنا اعلیٰ عبادت نہیں۔شعر

معلوم ہوا کہ جملہ عبادات فروع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

ان کے در پر دم نکل جائے تو جی جائیں حسن ان کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں

اس لیے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رضائے یار بہتر ہے لقاء یار سے دور رہیں مگر راضی رہیں یہ بہتر ہے اس سے کہ ہم قریب رہیں اور حضور ناراض رہیں۔شعر

لقائے دوست چہ خواہی رضاء دوست طلب کہ حیف باشد ازوغیراو تمنائے

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحمت کے فرشتے ان ہمراہیوں کے ساتھ نہیں رہتے جن میں چیتے کی کھال ہو ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ اس زمانہ میں متکبر لوگ فخر کے طور پر چیتے کی کھال کی زین گھوڑے پر ڈال کر سوار ہوتے تھے یہ طریقہ متکبر ہی کا تھا،نیز چیتے اور شیر کی کھال پر سواری دل میں تکبر اور سختی پیدا کرتی ہےاس لیے اس سے منع فرمادیا گیا سنا ہے کہ ہرن کی کھال پر ہمیشہ بیٹھنا نامردی پیدا کرتا ہے۔واللہ اعلم!بعض شارحین نے اس کی ممانعت کی اور وجہ بھی بیان فرمائی ہیں۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے ۲؎ تو جو خدمت میں ان سے آگے بڑھ گیا وہ لوگ کسی پر کسی عمل سے سبقت نہیں کرسکتے سواء شہادت کے ۳؎(بیہقی شعب الایمان) ۴؎	

۱؎ آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں کہ آپ کا نام پہلے حزن تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام سہل رکھا،آپ ساعدی ہیں،انصاری مدنی ہیں،خود بھی صحابی ہیں خود آپ کے والد سعد بھی صحابی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ سولہ سالہ تھے پھر کافی عمر پائی، ۹۱ھ اکیانوے ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،آپ مدینہ پاک کے آخری صحابی ہیں،آپ کی وفات پر مدینہ پاک صحابہ سے خالی ہوگیا۔(اشعہ)

۲؎ اس فرمان عالی کی دو شرحیں ہوسکتی ہیں:ایک یہ کہ سفر میں جو اپنے ساتھی مسافروں کا امیر بنے وہ ان کا حاکم نہ بنے بلکہ خادم بنے کہ اپنے آرام پر اپنے ساتھیوں کے آرام کو مقدم رکھے اور ان کی ظاہری و اندرونی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرے اس صورت میں یہ خبر بمعنی امر ہے۔دوسرے یہ کہ سفر میں جو اپنے ساتھیوں کی خدمت کرے وہ اگرچہ بظاہر معمولی ہے مگر درحقیقت ان سب کا سردار ہے شرف خدمت سے ہے نہ کہ فقط نام سے۔یہاں مرقات نے

فرمایا کہ ایک سفر میں حضرت عبداللہ مروزی کے ساتھ ابو علی نے سفر کیا حضرت عبداللہ امیر سفر بنے تو آپ اکثر ابو علی کا سامان بھی اپنی پشت پر اٹھاتے بارش ہوئی تو ابو علی پر کمبل تان کر کھڑے ہوگئے پوچھا گیا کہ یہ کیا فرمایا کہ امیر سفر کے یہ ہی فرائض منصبی ہیں یہ ہے اس حدیث پاک پر عمل۔

۳؎ یعنی سفر جہاد وغیرہ میں جو شخص اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا رہے گا وہ ان سب نمازیوں وغیرہم سے بڑھ جاوے گا ان لوگوں کا کوئی عمل اس خدمت سے نہیں بڑھ سکتا ہاں جو ان میں سے راہ خدا میں شہید ہوجائے گا وہ شہادت اس خدمت سے بڑھ جائے گی۔یہ فرمان عالی عقل کے بھی بالکل مطابق ہے کیونکہ اس سفر میں یہ خدمت کرنے والا نماز وغیرہ سارے کام دوسروں کی طرح کرے گا مگر خدمت یہ کرے گا دوسرے نہ کریں گے تو اس کا عمل زیادہ ہوا لہذا اس کا درجہ وثواب بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

۴؎ اس حدیث کو حاکم نے اپنی تاریخ میں ابن ماجہ نے حضرت ابوقتادہ سے خطیب نے حضرت ابن عباس سے بھی روایت کیا۔(مرقات)

باب الکتاب الی الکفار ودعائھم الی الاسلام

کفار کو فرمان لکھنا اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا

الفصل الاول

پہلی فصل

لےجب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے شاہ روم قیصر اور شاہ فارس کسریٰ وغیرہم کو دعوت نامہ لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ انہیں دعوت اسلام دیں تو واقف کار صحابہ کرام نے عرض کیا یہ بادشاہ بغیر مہر والے خط کو نہیں پڑھا کرتے تب حضور انور نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں نقش کروایا "محمد رسول اللہ"یوں کہ پہلے محمد پھر اس کے اوپر رسول پھر اس کے اوپر اللہ اور ان سلاطین کو فرامین لکھے جیساکہ ابھی احادیث میں آرہا ہے۔مہر والی انگوٹھی بادشاہ،قاضی اور مفتی کے لیے سنت ہے۔(ازمرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو فرمان لکھااسے دعوت اسلام دیتے ہوئے لےاور دحیہ کلبی کو اپنا خط دے کر اس کی طرف بھیجا ۲ے اور انہیں حکم دیا کہ یہ خط بصریٰ کے حاکم کو دے دیں۳ے تاکہ وہ قیصر کو پہنچادیں۴ے تو اس میں یہ تھا شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو مہربان رحم والا ہے ۵ے یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے سلطان روم ہرقل کے طرف ہے ۶ے اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے ۷ے اس کے بعد میں تم کو دعوت اسلام سے بلاتا ہوں ۸ے اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے اللہ تم کو ڈبل ثواب دے ۹ے اور اگر تم نے منہ پھیرا تو تم پر تمام رعایا کا گناہ ہے۱۰ے اور اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سواءکسی کو نہ پوجیں اورکسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہمارے بعض بعض کو اللہ کے مقابل رب نہ بنالیں ۱۱ے پھر اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں ۱۲ے(مسلم،بخاری)اور مسلم کی	

	روایت میں یوں فرمایا کہ یہ فرمان محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے اور فرمایا رعایا کا گناہ اور فرمایا اسلام کی دعوت ۱۳؎

۱؎ بادشاہ روم کا لقب اس زمانہ میں قیصر تھا اور بادشاہ فارس کا لقب کسریٰ اور بادشاہ حبشہ کا لقب نجاشی،شاہ ترک کا لقب خاقان،شاہ قبط کا لقب فرعون، شاہ مصر کا لقب عزیز اور شاہ حمیر کا لقب تبع،شاہ ہند کا لقب سلطان ہوتا تھا۔(نووی،اشعہ،مرقات)حضور انور نے یہ فرمان نامے حضرت زید ابن ثابت سے لکھوائے تھے خود ان پر مہر کی تھی ان فرمانوں کے فوٹو چھپے ہوئے ہیں اور مع ترجمے کے شائع ہوئے ہیں،اس قیصر کا نام ہرقل تھا۔

۲؎ دحیہ دال کے کسرہ ح کے سکون اور ی کے فتحہ سے آپ دحیہ ابن خلیفہ ہیں،قبیلہ بنی تغلب سے ہیں،احد اور بعد کے غزوات میں شامل رہے،بہت خوبصورت تھے،اکثر جبرائیل امین آپ کی شکل میں آتے تھے،حضرت دحیہ آخر عمر میں حضرت امیر معاویہ کے پاس شام میں رہے یہ فرمان عالی ۶ھ میں روانہ ہوئے۔

۳؎ خیال رہے کہ بصریٰ صوبہ خوران کا ایک شہر ہے دمشق اور بعلبک کے درمیان یہ صوبہ روم کے قبضہ میں تھا یہاں روم کا گورنر رہتا تھا اور بصرہ دوسرا شہر ہے جو عراق میں ہے جہاں سے بغداد شریف کو ریل جاتی ہے میں نے بصرہ و بغداد کی زیارات کی ہیں،بعض لوگ اسے بصرہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔

۴؎ جیسے آج کل سفیر یا وزیر خارجہ کے ذریعہ صدر مملکت سے بات ہوتی ہے ویسے ہی اس زمانہ میں گورنر بصریٰ کے ذریعہ قیصر روم کو پیغام دیئے جاتے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعوت اسلام گورنر بصریٰ کے ذریعہ بھیجی۔معلوم ہوا کہ ہر ملک کے قوانین پر عمل کرنا درست ہے جب کہ وہ خلاف اسلام نہ ہوں۔

۵؎ معلوم ہوا کہ اپنے خط وغیرہ دنیاوی تحریروں کو بھی بسم اللہ سے شروع کرنا سنت ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ بلقیس کو خط لکھا تھا تو اسے بھی بسم اللہ سے شروع فرمایا تھا(قرآن کریم)آج کل بعض محتاط لوگ بجائے بسم اللہ کے ۷۸۶ یعنی بسم اللہ کے عدد لکھتے ہیں نیچے ۹۲ محمد کے نام کے عدد کیونکہ آج کل خطوط ڈاک سے جاتے ہیں جس سے بسم اللہ وغیرہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔وہ فرمان عالی ہاتھوں ہاتھ گئے تھے ان کی یہ احتیاط بھی اچھی ہے غرضیکہ ادب اعلیٰ عبادت ہے جتنا ہوسکے اچھا ہے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ خط میں کاتب اور مکتوب الیہ کا نام شروع میں لکھنا سنت ہے بعد میں مضمون ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ مکتوب الیہ کے کچھ خصوصی القاب لکھنا بھی بہتر ہے خود اپنے خصوصی صفات بیان کرنا بھی اچھا ہے،حضور انور نے عبداللہ و رسولہ میں اپنے کمال عبودیت اور جمال و رسالت دونوں بیان فرمائے۔ہرقل عیسائی تھا،اس فرمان میں اشارۃً ان کی غلطی کی طرف بھی متوجہ فرمادیا کہ تم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بجائے بندے کے خدا مان لیا۔

۷؎ معلوم ہوا کہ کفار کو السلام علیکم نہ کہا جائے کفار و بے دینوں کو یہ سلام کرے،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون سے یہ ہی سلام فرمایا تھا ہدیٰ سے مراد ہدایت اسلام ہے۔

۸؎ داعیہ مصدر ہے بمعنی دعوت (بلانا) جیسے عافیہ اور عافیت بعض نسخوں میں بدعایۃ الاسلام ہے اس کے معنی بھی یہ ہی ہیں جیسے رعایۃ۔

۹؎ یعنی اگر تو اسلام لے آیا تو دنیا میں برے عقیدے،برے اعمال اور جزیہ و قتل سے بچے گا اور آخرت میں عذاب الٰہی سے محفوظ رہے گا اور تجھے اور نو مسلموں سے ثواب بھی دگنا ملے گا ایک ثواب عیسائی رہنے کا پھر مسلمان ہوجانے کا کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے گناہ تو معاف ہوجاتے ہیں پچھلی نیکیاں قبول۔

۱۰؎ اریسین جمع ہے اریسی کی بمعنی کاشتکار،ماتحت،رعایا،خدام یعنی اگر تو کافر رہا تو تیری وجہ سے تیری رعایا اور خدام بھی کافر رہیں گے تو ان سب کے کفر کا وبال تجھ پر پڑے گا الناس علی دین ملوکھم،بعض نے فرمایا کہ اریسی عیسائیوں کا نام ہے کیونکہ یہ اریس کے ہیں اس لیے انہیں اردیسیہ بھی کہا جاتا ہے اریس کوئی بڑا پادری گزرا ہے۔(مرقات)یعنی تجھ پر تمام عیسائیوں کے عیسائی رہنے کا گناہ ہوگا۔

۱۱؎ یہ قرآن کریم کی آیت ہے،اس کی تفسیر ہماری تفسیری نعیمی میں ملاحظہ فرماؤ۔یہاں اتنا سمجھ لو کہ کلمۃ سے مراد سارے ایمانی اسلامی عقیدے ہیں جن کو حضرات انبیاءکرام بھی جانتے مانتے تھے اور نو مسلم و پرانے مسلم یکساں ہیں اس کی تفسیر ان لانعبدالخ ہے۔رب بنانے سے مراد یا تو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننا ہے یا پادریوں جوگیوں کو حرام اور حلال کا مالک جاننا ان سے اپنے گناہ معاف کرانا ہیں جو عیسائیوں کے ہاں ہوتا ہے اسلام میں نہ یہ عقیدے ہیں نہ یہ اعمال ہیں آیت کریمہ بہت جامع ہے یہاں اس کی تفسیر کا موقع نہیں۔

۱۲؎ یعنی اگر تم ایمان قبول نہ کرو تو بھی اس خط سے تم کو ہمارا مذہب معلوم ہوگیا کل قیامت میں تم کو ہمارے ایمان کی گواہی بارگاہ الٰہی میں دینا ہوگی۔خیال رہے کہ قیامت کے دن مؤمن کے ایمان کے گواہ کفار بھی ہوں گے اور درخت ذرے وغیرہ بھی جنہوں نے مؤمن کے ایمان کو اس کے اعمال کو دیکھا جہاں تک مؤذن کی آواز اذان پہنچتی ہے وہاں تک کہ ہر چیز اس کے ایمان کی گواہ ہے۔

۱۳؎ یریس اور دعایۃ دونوں لفظوں کی تحقیق ابھی کردی گئی ہے۔اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خط کو بسم اللہ سے شروع کرنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ کفار کو سلام اس طرح کیا جائے"اَلسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی"۔ تیسرے یہ کہ جہاد سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینا چاہیے یہ دعوت کبھی واجب ہے کبھی مستحب۔چوتھے یہ کہ ایک شخص کی خبر معتبر ہے،اکیلے حضرت دحیہ کو خط دے کر بھیجا گیا ان کے ساتھ گواہ نہ گئے۔پانچویں یہ کہ کفار کے ملک میں ایک دو آیتوں والا کاغذ بھیجنا جائز ہے وہاں قرآن لے جانا ممنوع ہے جب کہ اس کی توہین کا اندیشہ ہو،دیکھو حضور نے اس خط شریف میں قرآنی آیت لکھ کر عیسائیوں کے ملک میں بھیجی۔چھٹے یہ کہ ایک دو آیتوں کو بے وضو اور کافر چھو سکتے ہیں۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان عالی میں آیت قرآنیہ تحریر فرماکر گورنر بصریٰ کی معرفت ہرقل شام روم کو روانہ فرمایا حالانکہ عظیم بصری اور ہرقل دونوں عیسائی تھے۔ساتویں یہ کہ خط میں مضمون سے پہلے اپنا اور مکتوب الیہ کا نام لکھے۔آٹھویں یہ کہ پہلے اپنا نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا اگر بڑا آدمی فاسق ہو تو اس کی تعریف زیادہ نہ لکھے معمولی القاب لکھے۔دیکھو حضور انور نے شاہ روم کو صرف عظیم الروم لکھا یعنی جسے رومی لوگ بڑا سمجھتے ہیں۔ دسویں یہ کہ تبلیغ

میں بے نیازی بھی چاہیے اور نرم کلامی بھی،رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا"فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا"فرعون سے نرم کلام کرنا۔گیارھویں یہ کہ کلام بلیغ اور مختصر بہتر ہوتاہے۔بارھویں یہ کہ کفار کے سرداروں کو عذاب بہت زیادہ ہوگا ان کی وجہ سے ان کے ماتحت لوگ بھی کافر رہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ"۔تیرھویں یہ کہ اگر اہل کتاب مسلمان ہوجائیں تو انہیں ثواب ڈبل ملتا ہے پہلے عیسائی ہونے کا پھر مسلمان ہوجانے کا۔چودھویں کہ یہ عبدیت رسالت پر مقدم ہے کہ اسی لیے عبدہ ورسولہ فرمایا گیاکہ عبدیت کا تعلق صرف رب تعالٰی سے ہے اور رسالت کا تعلق مخلوق سے بھی۔یہاں مرقات نے فرمایاکہ اس فرمان عالی کے بھیجتے وقت یہ آیت کریمہ"يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا"الخ نازل ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ یہ فرمان عالی ۶ھ میں بھیجا گیا اور آیت کریمہ کا نزول وفد نجران کے موقعہ پر ہوا یعنی ۹ھ میں یہ حضور عالی کا اپنا فرمان تھا جس کے مطابق تین سال بعد آیت کریمہ ان ہی الفاظ میں نازل ہوئی۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرمان نامہ عبداللہ ابن حذافہ سہمی کے ذریعہ کسریٰ کی طرف بھیجا۱ اور انہیں حکم دیا یہ فرمان نامہ بحرین کے گورنر کو دے دیں پھر بحرین کے گورنر نے وہ خط کسریٰ کو دیا ۲جب کسریٰ نے پڑھا تو اسے پھاڑ دیا،ابن مسیب کہتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یہ دعا فرمائی کہ وہ ہی پورے پورے پھاڑ دیئے جائیں۳(بخاری)	

۱کسریٰ شاہ فارس کا لقب تھا،خسرو کا معرب،خسرو کے معنی ہیں بڑے ملک والا،اس کسریٰ کا نام پرویز ابن ہرمزابن نوشیروان تھایعنی نوشیروان کا بیٹا یا پوتا۔(اشعہ)عبداللہ ابن جزعہ ہیں،کنیت ابوالحارث،بدر میں شریک ہوئے،مصرمیں قیام رہا،وہاں مصر میں ہی ۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

۲بحرین بصرہ کے قریب لب سمندر مشہور شہر ہے وہاں کا گورنر کسریٰ کی طرف سے مقررکردہ تھا یہ کسریٰ کے وزیر خارجہ کے فرائض انجام دیتا تھا اس لیے حضور نے اس کی معرفت کسریٰ کو فرمان عالی بھیجا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ملک اور وہاں کے قوانین و احکام فرائض حکام سے خبردار تھے۔

۳خیال رہے کہ ہرقل شاہ روم نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی سن کر دل سے اسلام قبول کرلیا مگر اپنی رعایا و حکام کے خوف سے اسلام ظاہر نہ کرسکامگر پرویز بدنصیب نے اہانت کے طور پر نامہ عالیہ پھاڑ ڈالا جس پر حضور نے اسے یہ بددعا دی کہ خدا ان کے ٹکڑے کردے اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ پرویز کا بیٹا شیرویہ تھا جو زنا اور دولت کا بڑا حریص تھا اس نے خزانہ پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے باپ پرویز کو قتل کردیا پھر خزانوں پر قابض ہوکر انہیں

کھلوایا،چنانچہ دواؤں کے خزانہ کی بھی جانچ پڑتال کی اس میں ایک دوا پر لکھا ہوا تھا کہ یہ قوت مردمی کے لیے اکسیر ہے شیرویہ نے یہ دوا کھالی یہ تھا زہر کھاتے ہی مرگیا چھ ماہ بعد اس کی موت واقعی ہوگئی پھر اس ملک پر نحوست ہی آتی رہی حتی کہ عہد فاروقی میں سارے فارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اس وقت فارس کا بادشاہ یزد جردابن شہر یار ابن شیرویہ ابن پرویز تھا اس کی بیٹی شہر بانو بنت یزد جرد گرفتار کرکے مدینہ منورہ لائی گئی اور حضرت عمر نے جناب حسین سے ان کا نکاح کیا۔(مرقات)شہر بانو کی قبر تہران(ایران)میں ہے میں نے زیارت کی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ شاہ روم نے حضور انور کا خط شریف پڑھ کر ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر بہت محفوظ صندوق میں رکھ لیا تب حضور نے اسے دعا دی کہ ان کا ملک باقی رہے ۔فتح الباری میں شرح میں سیف الدین منصور سے روایت کی کہ وہ رومی بادشاہ کے پاس کچھ ہدیہ لے کر گئے تو اس نے ایک سنہری صندوق سے ایک بوسیدہ کاغذ نکالا جس کے حروف بھی جگہ جگہ سے مٹ چکے تھے اور اس کا ریشمی غلاف بھی گل چکا تھا اور بولا کہ یہ تمہارے نبی کا خط ہے جو ہمارے دادا قیصر کے نام آیا تھا ہم اسے بہت سنبھال کر رکھتے ہیں اور ہمارے یہاں مشہور ہے کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس رہے ہماری سلطنت قائم رہے گی ہم عیسائیوں سے چھپاتے ہیں،امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ شاہ روم اپنے ملک کے خوف سے ایمان نہ لایا دل میں مؤمن ہوچکا تھا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کی طرف اور ہر جابر بادشاہ کی طرف فرامین لکھے[1] اور انہیں اللہ کی دعوت دیتے تھے یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی [2] (مسلم)

[1] چنانچہ حضور نے شاہ اسکندریہ مقوقس اور منذرابن سادی اور شاہ عمان اور شاہ یمامہ اور حارث ابن ابی شمر اور شاہ جر بادشاہ اذرج شاہ دج شاہ اکیدروغیرہم کے نام فرامین لکھے،یہ فرامین ۶ھ میں لکھے گئے۔(اشعۃ اللمعات)

[2] جس شاہ حبشہ نجاشی پر حضور انور نے نماز جنازہ پڑھی ہے وہ ہے اصحمہ یہ بادشاہ نجاشی دوسرا ہے مؤمن یہ بھی تھا حضور انور نے عمرو ابن امیہ ضمری کے ہاتھ اس کو فرمان عالی لکھا جب اس کے پاس عمرو پہنچے تو وہ تخت سے اتر کر دوزانو بیٹھ گیا،خط شریف کو چوما آنکھوں سے لگایا فرمان عالی پڑھ کر فورًا مسلمان ہوگیا اور اپنے بیٹے کو بہت تحفے ہدیئے دے کر حضور کے پاس بھیجا،اس کا وہ لڑکا راستہ میں فوت ہو گیاتب حضور انور نے نجاشی کو دوسرا خط شریف بھیجا،نجاشی کی اولاد میں اب تک یہ دونوں خطوط محفوظ ہیں جنہیں وہ تبرکًا رکھتے ہیں۔ان کی زیارت کرتے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)رضی اللہ عنہم اجمعین

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن بریدہ سے[1] وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی لشکر یا فوج پر امیر بناتے تو اسے اپنے خاص ذاتی معاملہ میں اللہ سے ڈرنے کی اور اپنے مسلمان

ساتھیوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرماتے تھے ۲؎ پھر فرماتے کہ اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو،ان سے جنگ کرو جو اللہ کے منکر ہیں ۳؎ جہاد کرو تو نہ خیانت کرو،نہ بد عہدی اور نہ مثلہ کرو نہ کسی بچہ کو قتل کرو ۴؎ اور جب اپنے دشمن مشرکوں سے ملو تو انہیں تین خصلتوں یا تین باتوں کی طرف بلاؤ ۵؎ تو وہ ان میں سے جو بات مان جائیں تم ان سے قبول کرو اور ان کے ہاتھ روک لو ۶؎ انہیں اسلام کی طرف بلاؤ ا؎ تو اگر وہ یہ مان لیں تم ان سے قبول کرلو اور ان سے ہاتھ روک لو ۷؎ تو پھر انہیں اپنے وطن سے مہاجرین کی جگہ کی طرف منتقل ہوجانے کی دعوت دو ۸؎ اور انہیں خبر دو کہ وہ یہ کرلیں گے تو ان کے لئے وہ ہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں اور ان پر وہ ذمّہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں ۹؎ اگر وہ وہاں سے منتقل ہونے سے انکار کریں تو انہیں آگاہ کردو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے کہ ان پر وہ احکام الٰہی جاری کئے جائیں گے ۱۰؎ جو مسلمانوں پر جاری کئے جاتے ہیں اور ان کے لئے غنیمت و فئ سے کچھ نہ ہوگا ۱۱؎ مگر یہ کہ مسلمان کے ساتھ جہاد کریں ۱۲؎ پھر اگر وہ انکار کریں تو تم ان سے جزیہ مانگو ۱۳؎ پھر اگر وہ لوگ تمہاری مان لیں تو تم ان سے قبول کرلو اور ان سے ہاتھ روک لو ۱۴؎ لیکن اگر وہ انکاری ہوں تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ کرو ۱۵؎ اور جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو پھر وہ تم سے خواہش کریں کہ تم ان کے لئے اللہ رسول کا ذمہ کرو تو تم ان کے لئے نہ اللہ کا ذمہ اور نہ اس کے نبی کا ذمہ ۱۶؎ بلکہ ان کے لیے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دو کیونکہ اگر تم اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ توڑے جاؤ تو یہ اس سے آسان ہے کہ تم اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ توڑے جاؤ ۱۷؎ اور اگر تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو پھر وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم پر اتارو تو تم ان کو اللہ کے حکم پر نہ اتارو لیکن انہیں اپنے حکم پر اتارو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے متعلق اللہ کا حکم پاؤ گے یا نہیں ۱۸؎ (مسلم)	

۱؎ سلیمان تابعی ہیں،عہد فاروقی میں پیدا ہوئے،ان کے والد بریدہ ابن حصیب صحابی ہیں،حضرت علی کے خاص لوگوں سے ہیں، مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی لشکر کے سپہ سالار سے فرماتے کہ اپنے ذاتی معاملہ میں اللہ سے ڈرنا،ترک نماز،خیانت دیگر خلاف شرع باتوں سے پرہیز کرنا اور اپنے ماتحت سپاہیوں وغیرہم کے ساتھ بھلائی کرنا،نرم برتاوا کرنا گویا اپنے آپ مشقت جھیلنا،ماتحتوں پر نرمی کرنا اس لیے پہلے تقوی اللہ فرمایا اور بعد میں خیرًا۔

۳؎ یعنی جہاد میں صرف رضاالٰہی کی نیت ہو،ملک گیری،غنیمت عزت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو،رب تعالٰی راضی ہوجائے تو تمہیں سب کچھ مل جائے گا،اللہ کے انکار سے مراد اللہ کے دین کا انکار ہے لہذا اس میں نبوت یا کتاب اللہ کا انکار بھی داخل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف کفار پر ہوگا خواہ اصلی کافر ہوں خواہ مرتد ہی کہ مسلمان اسلام چھوڑ کر بے دین ہوجائیں اور ان سے جنگ کرنی پڑے وہ بھی جہاد ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کو نبی مان لینے پر جہاد کیے،خلافت حیدری کے زمانہ میں جو حضرت عائشہ صدیقہ یا امیر معاویہ سے جنگیں ہوئیں وہ جہاد نہیں صرف قتال ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَقٰتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ"۔

۴؎ اس مختصر فرمان عالی میں چار چیزوں سے منع فرمایا گیا:غنیمت میں خیانت،بحالت جنگ جو مقابل کفار سے وعدہ کرلیا جائے اس کے خلاف کرنا،مقتول کافر کے ناک کان،ہاتھ پاؤں کاٹنا یا اس کا منہ کالا کرنا،کفار کے ناسمجھ بچوں کو قتل کرنا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مثلہ کرنا(مقتول کی شکل بگاڑنا)منسوخ ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قبیلہ عرینہ کے مرتد ڈاکوؤں کی آنکھیں پھوڑیں وہ اس حکم سے منسوخ ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کفار ہمارے مقتول شہداء کا مثلہ کریں تو ہم بھی اس کے جواب میں ان کا مثلہ کرسکتے ہیں مگر پہلی بات صحیح ہے،اگر بحالت جنگ اتفاقًا کفار کے بچے مرجائیں تو مجاہدین گنہگار نہیں کہ ان کا ارادہ نہ تھااور اگر بچہ کفار کا بادشاہ یا سپہ سالار ہو تو اسے قتل کردیا جائے کہ اس سے کفر کی شوکت ٹوٹتا ہے۔اس کی پوری بحث فتح القدیر اور مرقات میں دیکھو۔کفار کی عورتیں و بوڑھے لوگ اگر جنگ سے علیحدہ ہوں تو انہیں قتل نہ کیا جائے،اگر بادشاہ یا سپہ سالار ہو یا کفار کے مددگار کہ انہیں طریق جنگ سکھاتے ہوں تو ضرور قتل کردیئے جاویں۔

۵؎ اس میں خطاب امیرلشکر سے ہے کہ یہ کام امیر کا ہے عام غازیوں کا نہیں۔خصال جمع خصلة کی،خلال جمع ہے خلة کی دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی عادت۔

۶؎ سبحان اللہ! یہ ہے اسلامی جہاد کہ ایک دم کفار پر ٹوٹ پڑنے کی اجازت نہیں۔جہاد میں اصل مقصود اسلام پھیلانا ہے نہ کہ صرف کفار کو قتل کرنا جنگ تو صرف مجبوری سے ہے۔

۷؎ یعنی بطور مشورہ ان کو دعوت اسلام دو،کہو کہ مسلمان ہوکر ہمارے بھائی بن جاؤ،اگر ان کفار تک دعوت اسلام نہ پہنچی ہو وہ اسلام کو جانتے ہی نہ ہوں تو یہ حکم وجوبی ہے کہ بغیر دعوت دیئے جنگ کرنا ممنوع ہے اور اگر پہنچ چکی ہے تو یہ امر استحبابی ہے کہ اگر بغیر دعوت دیئے بھی جنگ کی گئی تو جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پہلے دعوت بعد میں جنگ اور یہ حکم اسی وقت ہے جب یہ چیزیں ممکن ہوں،اگر حالات نازک ہیں دعوت کا موقعہ نہیں جلد حملہ نہ کرنے میں خطرہ ہے تو یہ حکم نہیں۔

۸؎ یعنی بلاوجہ بدگمانی نہ کرو کہ انہوں نے دھوکہ کے لیے اسلام قبول کیا ہے دل سے قبول نہیں کیا بلکہ ان کا اسلام لانا مان لو،اگر دھوکہ دہی کی علامات موجود ہوں تو ان کا حکم دوسرا ہے۔

۹؎ مرقات نے فرمایا کہ ہجرت کا یہ حکم فتح مکہ سے پہلے تھا،فتح مکہ ہوچکنے کے بعد اب ان کفار سے ہجرت کے لیے نہ کہا جائے گا۔چنانچہ عہد فاروقی وغیرہ میں بڑے معرکے کے جہاد ہوئے،لوگ مسلمان ہوئے مگر کسی کو مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہوجانے کا حکم نہ دیا گیا،نہ مدینہ منورہ میں اتنی جگہ ہے کہ تمام نو مسلم مہاجروں کو جگہ وہاں مل سکتی ہے لہذا یہ فرمان اسی زمانہ کے لحاظ سے ہے۔

۱۰؎ زمانہ نبوی میں مہاجرینِ مدینہ کو فئی میں سے حصہ ملا کرتا تھا خصوصًا جب وہ جہاد میں جاتے تو ان کی واپسی تک ان کے بال بچوں کو اس فئی سے خرچہ ملتا رہتا تھا،نیز مہاجرین کو جہاد کے لئے حسبِ الحکم جانا پڑتا تھا یہاں یہ ہی دو خبریں مراد ہیں یعنی اگر تم مہاجرین بن کر مدینہ منورہ آگئے تو تم کو فئی کا وہ ہی حصہ ملا کرے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے اور تم پر اسی طرح جہاد میں جانا لازم ہوا کرے گا جو دیگر مہاجرین پر لازم ہے۔غیر مہاجرین مسلمان جو کفار کے ملک میں رہتے ہیں ان پر اس طرح جہاد واجب نہیں یعنی جیسے دوسرے غیر مہاجرین پر لازم ہے۔غیر مہاجر مسلمان جو کفار کے ملک میں رہتے ہیں ان پر اس طرح جہاد واجب نہیں۔

۱۱؎ یعنی جیسے دوسرے غیر مہاجر مسلمانوں پر جہاد نہیں صرف نماز روزہ وغیرہ ہے ایسے ہی ان پر ہوگا انہیں مہاجرین کی رعایات نہ ملیں گی۔

۱۲؎ یا تو غنیمت اور فئی ہم معنی ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے یا غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے جنگ میں لڑکر حاصل کیا جائے اور فئی وہ مال ہے جو بغیر جنگ ہاتھ آجائے۔

۱۳؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مہاجرین کو غنیمت و فئی میں سے کچھ دیا جاتا تھا جو غیر مہاجر کو نہ ملتا تھا۔

۱۴؎ یعنی اگر کفار اسلام قبول نہ کریں تو تم ان کو مسلمان ہونے پر مجبور نہ کرو بلکہ انہیں کہو کہ ہماری رعایا بن جائیں اور ہم کو جزیہ(ٹیکس)دیا کریں کہ ہم ان کی حفاظت کریں وہ ہم کو ٹیکس دیں۔خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں مشرکین عرب اور مجوسیوں سے ٹیکس(جزیہ)نہ لیا جائے گا ان کے لیے صرف اسلام ہے یا قتل۔مرتدین سے جزیہ کسی مذہب میں نہیں اسے تو مسلمان ہی ہونا پڑے گا ورنہ قتل کیا جائے گا،یہ حدیث امام مالک و اوزاعی کی دلیل ہے ان کے ہاں ہر کافر سے جزیہ قبول کیا جائے گا اہل کتاب ہو یا مشرک یا مجوسی اور عربی ہو یا عجمی۔امام شافعی کے ہاں اہل کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ قبول ہوگا خواہ عربی ہوں یا عجمی۔ہمارے اور امام شافعی کے ہاں یہ حدیث اہل کتاب کے متعلق ہے،انہیں مشرکین فرمایا گیا ہے لغت کے لحاظ سے کہ وہ مشرک ہیں لہذا یہ حدیث ہمارے اور شوافع کے خلاف نہیں۔

۱۵؎ یعنی جزیہ قبول کرکے انہیں اپنی رعایا بنا لو انہیں قتل نہ کرو کہ اداء جزیہ کے بعد ان کفار کے مال و جان مسلمانوں کے مال وجان کی طرح ہو جاتے ہیں جیساکہ حضرت علی کی روایت میں ہے۔(مرقات)

۱۶؎ یہ ہے وہ تیسری بات جس کا ذکر پہلے ہوا تھا یعنی اگر کفار ایسے سرکش ہوں کہ نہ تو مسلمان بنیں نہ تمہاری اطاعت کریں تب ان پر جہاد کرو۔

۱۷؎ یعنی اگر قلعہ میں گھرے ہوئے کفار خواہش کریں کہ ہم کو اللہ رسول کی ذمہ داری پر ان کی ضمانت پر قلعہ سے باہر نکال لو کہ ہماری جان و مال کے اللہ رسول ضامن و ذمہ دار ہیں اگر تم نے ہم کو باہر نکال کر قتل کیا یا مال لیا تو تم ان دونوں ذاتوں کے مجرم ہو گے۔یہاں مرقات نے ذمہ کے معنی کیے عہد و امان۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی ضمان اللہ رسول کی امان لینا جائز ہے،بعض لوگ اپنے مسافر سے کہتے ہیں اللہ رسول کی ضمان پانچ پیروں کی امان میں جاوے،بعض لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کا امام ضامن مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں،ان سب کا ماخذ یہ فرمان عالی بھی ہوسکتا ہے یعنی کفار کو اللہ رسول کی ضمان پر نہ اتارو بلکہ اپنی ضمان و امان پر اتارو۔

۱۸؎ یہاں دو روایتیں ہیں اَن الف کے فتح سے اور اِن الف کے کسرہ سےاور **تخفروا** بنا ہے **اخفار** سے بمعنی توڑنا یا معروف ہے یا مجہول ہم نے مجہول کی روایت لی ہے یعنی اگر تم کفار کو اللہ رسول کے ذمہ پر اتارواور وہ اتر کر اس ذمہ کو توڑ دیں تو یہ بہت برا ہے،اگر تمہارے ذمہ کو توڑیں تو یہ نرم ہے اور اگر **تخفروا** معروف ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اگر وہ لوگ بدعہدی کریں اور تم ان کی بدعہدی کی وجہ سے ان کی امان توڑو تو اللہ رسول کی امان توڑنا سخت ہے اپنی امان توڑنا سہل لہذا حدیث پاک میں بدعہدی وعدہ خلافی امان توڑنے ضمان کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں،یہ خوب خیال میں رکھنا چاہیے۔

۱۹؎ یعنی اگر محصور کفار تم سے کہیں کہ ہم قلعہ سے اتر آتے ہیں ہم پر اللہ تعالٰی کا حکم جاری کرنا تو تم یہ قبول نہ کرو کیونکہ تم جو حکم جاری کرو گے وہ وحی سے تو ہوگا نہیں تمہارے اپنے اجتہاد سے ہوگا نہ معلوم کہ اجتہاد درست ہو یا نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد اپنے اجتہادی حکم کو یقینی طور پر اللہ رسول کا حکم نہیں کہہ سکتا،کیا خبر ہے کہ یہ اجتہاد درست ہے یا نہیں۔اسی لئے علامہ شامی نے فرمایا کہ اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ تم حق پر ہو یا امام شافعی تو ہم کہیں گے کہ غالبًا حق پر ہم ہی ہیں مگر شائد حق پر وہ ہوں اگر پوچھا جائے تم حق پر ہو یا معتزلہ و خوارج تو ہم کہیں گے کہ یقینًا ہم ہی حق پر ہیں وہ لوگ یقینًا باطل پر ہیں کیونکہ امام شافعی سے اجتہادی اختلاف ہے اور ان معتزلہ و خوارج سے عقیدہ کا اختلاف ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان دنوں میں جن میں دشمن سے جنگ فرمائی ۲؎ تو یہاں تک انتظار فرمایا کہ سورج ڈھل گیا ۳؎ تو حضور لوگوں میں کھڑے ہوئے پھر فرمایا کہ اے لوگو دشمن سے ملنے کی آرزو نہ کرو ۴؎ اور اللہ سے امن کی دعا مانگو پھر جب بھڑ جاؤ تو صبر کرو ۵؎ اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے ۶؎ پھر کہا اے اللہ اے کتاب کے اتارنے والے اور بادلوں کو چلانے والے اور لشکروں کو بھگانے والے انہیں بھگادے اور ان کے مقابل میں ہماری مدد فرما ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں،۸۷ھ ہجری میں کوفہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ جنگ کون سی تھی مگر یہ معلوم ہوا کہ اس جنگ میں مسلمان حملہ آور تھے کفار نے مدینہ منورہ پر حملہ نہ کیا تھا۔خیال رہے کہ جہاد ہر طرح جائز ہے مدافعانہ بھی اور جارحانہ طور پر بھی۔جن بے وقوفوں نے سمجھا کہ مسلمان صرف دفاع کریں انہوں نے غلط سمجھا،سواء احد و احزاب کے حضور نے تمام جہاد جارحانہ ہی کیے ہیں۔
۳؎ جب کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہی نماز ظہر کا وقت آگیا فتح و نصرت کی ہوائیں چلنے لگیں مجاہدین قیلولہ کرکے تازہ دم ہوگئے دعا کی قبولیت کا وقت آگیا کیونکہ نماز کے وقتوں میں دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔معلوم ہوا کہ یا تو صبح کے وقت جہاد کیا جائے یا دن ڈھلے،بیچ دوپہری میں جہاد نہ کرے۔(مرقات وغیرہ)حدیث شریف میں ہے کہ دن ڈھلے آسمان کے دروازہ رحمت کھل جاتے ہیں۔(اشعہ)
۴؎ یعنی جنگ کی تمنا نہ کرونہ دعا مانگو کیونکہ جنگ ایک بلا ہے بلا کی آرزو اچھی نہ بہتر اس میں فخروتکبر کی بو ہے اس لیے اس تمنا سے بچو اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ نہ کرو۔ہمیشہ اللہ سے فضل و رحمت مانگو۔بیماری اگرچہ اللہ کی رحمت کا باعث ہے،سانپ کاٹے کی موت شہادت کی موت ہے مگر نہ تو ان کی دعا کرو نہ کوشش اور جب رب کی طرف سے آجائے تو صبر کرو۔
۵؎ یعنی دعا کرو امن و عافیت کی نہ کہ جنگ کی اور اگر کفار سے جنگ کرنا پڑے تو پھر ہمت و استقلال سے کام لو۔سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم ہے۔
۶؎ تلوار سے مراد ہتھیار جنگ ہیں جن میں تیر بندوق توپ اور ہوائی جہازراکٹ وغیرہ سب شامل ہیں،چونکہ اس زمانہ میں جہاد کا عام استعمالی ہتھیار تلوار تھی اس لیے ہی اس کا ذکر فرمایا۔سایہ تلوار سے مراد ہے اٹھی ہوئی کھچی ہوئی تلوار خواہ ہماری تلوار ہو جو کافروں کے سر پر پڑرہی ہو یا کفار کی تلوار ہو جو وہ ہم پر اٹھا رہے ہوں یعنی جنت جہاد سے بہت ہی قریب ہے گویا تلواروں کے سایہ میں ہے کہ غازی شہید ہوا اور جنگ میں گیا۔خیال رہے کہ تمام جنتی مسلمان بعد قیامت جنت میں جائیں گے مگر شہید کی روح جسم سے نکلتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہے۔
۷؎ معلوم ہوا کہ جہاد سے پہلے دعاء نصرت کرنا سنت ہے اور بہتر ہے کہ دعا ماثورہ مانگے یہ دعا ہو یا کوئی اور دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو یا حضرات اولیاء سے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم جب ہمارے ساتھ کسی قوم پر جہاد کرتے تو حملہ نہ فرماتے حتی کہ صبح پالیتے اور ان کی طرف غور کرتے ۱؎ اگر اذان سنتے تو ان سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کردیتے ۲؎ فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کی طرف گئے تو ہم ان تک رات میں پہنچے ۳؎ جب سویرا ہوا اور اذان نہ سنی تو آپ سوار ہوئے اور میں ابوطلحہ کے پیچھے سوار ہوا کہ میرے قدم حضور کے قدم سے چھوتے تھے ۴؎ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی زنبیلیں اور

پھاوڑے لے کر نکلے ۵؎ پھر جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بولے محمد خدا کی قسم محمد اور لشکر ۶؎ پھر انہوں نے قلعہ میں پناہ لے لی ۷؎ تو جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر ویران ہوگیا ۸؎ جب ہم ایک قوم کے میدان میں اترے تو ڈرائے ہوؤں کا سویرا برا ہوگیا ۹؎ (مسلم بخاری) ۱۰؎	

۱؎ یعنی کسی قوم پر رات میں حملہ نہ کرتے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ہی عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ممکن تھا کہ جہاں حملہ کرنا ہے وہاں مسلمانوں کی آبادی ہو اس لیے توقف فرماتے۔یہ عمل شریف امت کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے خبردار ہیں کہ کون کہاں ہے اور کس حال میں ہے جیساکہ بارہا عرض کیا جاچکا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ اذان دین کا شعار ہے،اس کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور اگر کسی جگہ کے مسلمان اذان چھوڑ دیں تو سلطان اسلام ان پر جہاد کرے۔اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے مسلمان اذان قائم کریں۔

۳؎ اور پہنچے اس حالت میں کہ خیبر والے ہمارے اس آمد سے بالکل ہی بے خبر تھے۔اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان غازیوں کو بلند آواز سے تکبیر کہنے تک سے روک دیا تھاتاکہ کسی طرح خیبر والوں کو ان کی آمد کا پتہ نہ چل جائے۔مقصد یہ تھا کہ خونریزی کے بغیر فتح ہو جائے۔

۴؎ اس طرح کہ میں اور میرے سوتیلے والد ابوطلحہ ایک گھوڑے پر سوار تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار تھے مگر یہ دونوں اس قدر ملے ملے چل رہے تھے کہ ہر پاؤں کو حضور کی قدم بوسی نصیب ہوجاتی تھی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک گھوڑے پر یہ تین حضرات سوار تھے حضرت انس اور ابوطلحہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا ہے۔

۵؎ **مکاتل** جمع ہے مکتل کی بمعنی زنبیل(ٹوکری)اتنی بڑی کہ جس میں پندرہ صاع چیز آجائے۔ایک صاع ساڑھے چار سیر کا۔(اشعہ)**مساحی** جمع ہے **مسحاۃ** کی بمعنی پھاوڑا۔یہ **سحو** سے بنا بمعنی کھولنا،چونکہ پھاوڑے کے ذریعے زمین سے مٹی ہٹا کر زمین کھولی جاتی ہے اس لیے **مسحاۃ** کہتے ہیں یعنی زمین کھولنے کا آلہ۔مقصد یہ ہے کہ اہل خیبر ہمارے حملہ سے ایسے بے خبر تھے کہ وہ صبح کو کھیتی باڑی اور باغبانی کے اوزار لے کر اپنے کھیتوں اور باغوں کی طرف نکلے راہ میں انہوں نے ہم کو دیکھا تو دنگ رہ گئے۔

۶؎ یعنی محمد رسول اللہ اور لشکر اسلام پہنچ گئے حیرت سے انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا۔خیال رہے کہ لشکر کو خمیس یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں(۱)مقدمہ(۲)ساقہ(۳)میمنہ(۴)میسرہ(۵)قلب یا اس لیے کہ غنیمت

کے پانچ حصے ہوکر خمس یعنی پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہوتا تھا اور چار حصے فوج کے، خمیس کے معنی ہیں خمس یعنی پانچ والی۔

ے خیبر میں اب تک پانچ بلکہ سات قلعے ہیں ایک قلعہ بہت بڑا یہاں یا تو جنس قلعہ مراد ہے یا بڑا قلعہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔فقیر نے وہ قلعہ دیکھا ہے بہت اونچا اور بہت ہی مضبوط ہے،پہاڑی سا معلوم ہوتا ہے،بہت چوڑی دیواریں ہیں اور گرد خندق ہے جواب تک دیکھنے میں آتی ہے۔

۸ یہ جملہ خبر ہے یا دعا یعنی کفار سے خالی ہوگیا یا خالی ہوجائے،رب تعالٰی نے فرمان سچا کر دکھایا اب تک وہاں کفار نہ پہنچ سکے ہیں۔

۹ یہ فرمان عالی اس آیت کریمہ سے اقتباس ہے"فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ" یعنی ہمارا ان پر ٹوٹ پڑنا ان پر عذاب الٰہی ہے کہ ہمارے آتے ہی ان کا سویرا بگڑ گیا یعنی ان کا حال خراب ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا دشمن پر حملہ کے وقت نعرہ تکبیر سنت ہے اور قرآن کریم سے اقتباس صحیح طور پر جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے۔

۱۰ یہ حدیث ترمذی،نسائی،ابن ماجہ نے بھی روایت کی۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن مقرن سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں حاضر ہوا ۲ جب حضور اول دن میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے حتی کہ ہوائیں چلتیں اور وقت نماز آجاتا ۳ (بخاری)	

۱ آپ نعمان ابن عمرو ابن مقرن مزنی ہیں،سوید ابن مقرن کے بھائی،حضرت سوید فتح کے دن قبیلہ مزنیہ کے علمبردار تھے،آپ نے اپنے ساتھ بھائیوں اور چارسو ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کی تھی،پھر بصرہ میں قیام پذیر رہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہاوند کے گورنر تھے،وہاں ہی اکیس ۲۱ھ میں فوت ہوئے، رضی اللہ عنہ۔

۲ جہاد سے مراد جنس جہاد ہے یعنی بہت سے جہادوں میں شریک ہوا ہوں۔

۳ ارواح جمع ہے ریح کی چونکہ ریح اصل میں روح تھا واؤ ی سے بدل گیا تھا اس لیے جمع ارواح آئی،ارياح بھی آتی ہے مگر بہت کم۔ریاح اور ارواح بہت زیادہ،جمع کی جمع اراویح یا ارايیح ہے۔چونکہ بیچ دوپہری میں کفار سورج کی پوجا کرتے ہیں اس لیے اس وقت نماز نہیں ہے اور حضور اس وقت جہاد بھی نہ کرتے تھے،سورج ڈھلے سورج کی پوجا ختم ہوجاتی ہے،نماز ظہر پڑھنے لگتے ہیں نمازیوں کے لیے دعائیں شروع ہوجاتی ہیں،دوپہری کی شدت جاتی رہتی ہے،قدرے ٹھنڈی ہوا بھی چلنے لگتی ہے اس لیے حضور اس وقت جہاد فرماتے تھے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت نعمان ابن مقرن سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۱؎ تو آپ اگر شروع دن میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے حتی کہ سورج ڈھل جاتا اور ہوائیں چل پڑتیں اور نصرت و فتح اترتی ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ بہت سے جہادوں میں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس طرح کہ مسلمان بعد نماز ظہر غازیوں کے لیے دعائیں مسجدوں میں کرتے ہوتے اور ادھر غازی لوگ میدان میں جہاد کرتے گویا جہاد مسلمانوں کی دعاؤں کے سایہ میں ہوتے تھے۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے وہ نعمان ابن مقرن سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تو فجر طلوع ہوتی تو آپ رک جاتے حتی کہ سورج طلوع ہوجاتا ۱؎ پھر جب سورج طلوع ہوتا تو جنگ کرتے پھر جب نصف دن ہوجاتا تو رک جاتے ۲؎ حتی کہ سورج ڈھل جاتا پھر جب ڈھل جاتا تو جہاد کرتے عصر تک پھر ٹھہر جاتے حتی کہ عصر پڑھ لیتے پھر جہاد کرتے، قتادہ کہتے ہیں کہ کہا جاتاہے ۳؎ کہ اس وقت فتح و نصرت کی ہوائیں چلتیں ہیں اور مسلمان اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کے لیے دعائیں کرتے ۴؎(ترمذی)

۱؎ آفتاب نکلتے تک کا انتظار اس لیے ہوتا تھاکہ نماز فجر سے اطمینان کے ساتھ فراغت ہوجائے اور بعد نماز ورد وظیفے اور پھر نماز چاشت سے فارغ ہوجاتے تھے،ہمیشہ ہی نماز اور ذکر اللہ کی پابندی چاہیے مگر جہاد میں بہت زیادہ چاہیے۔ثابت قدمی اور ذکر اللہ یہ دو ایسے ہتھیار ہیں جو کفار کے پاس نہیں،رب فرماتاہے:"اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَۃً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا"۔

۲؎ یہاں نصف دن سے مراد شرعی دن کا آدھا ہے جسے ضحوہ کبریٰ کہتے ہیں۔اس وقت سے سورج ڈھلنے تک کافی وقفہ مل جاتا ہے جس میں غازی آرام کرکے تازہ دم ہوجاتے ہیں کیونکہ نجومی کہتے ہیں کہ دن کے آدھے اور سورج ڈھلنے میں وقفہ بہت کم ہوتا ہے۔

۳؎یعنی عام صحابہ اور عام مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اس وقت جنگ کرنے میں یہ حکمتیں ہیں اور یہ شہرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی بنا پر ہے۔آزمائش ہے کہ جو بات مشہور ہواس کی اصل ضرور ہوتی ہے۔
۴؎بعد فجر بعد ظہر تو عموماً دعائیں ہوتی ہیں مگر بعد عصر میں یہ خصوصیت ہے کہ بہت سے انبیاء کرام نے اس وقت جہاد میں فتح پائی ہے۔چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک نبی جہاد فرمارہے تھے،شہر قریب فتح تھا کہ سورج ڈوبنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے سورج تو بھی مامور ہےاور میں بھی مامور ہوں،خدایا اسے روک دے،چنانچہ سورج روک دیا گیاجب انہوں نے شہر فتح فرمایا تب سورج ڈوبا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عصام مزنی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا تو فرمایا جب تم مسجد دیکھو یا مؤذن کو سنو تو کسی کو قتل نہ کرو ا؎(ترمذی،ابوداؤد)	

ا؎یعنی جب تم کسی بستی میں قولی یا فعلی علامت اسلام دیکھو تو اندھا دھند وہاں قتال نہ کروبلکہ مسلمان و کافر کی چھانٹ سے کرو کہ کوشش کرو کہ صرف کفار تمہاری تلوار سے مارے جاویں مسلمان زد میں نہ آویں۔(مرقات)لہٰذا حدیث واضح ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر حربی کفار کے ملک میں کوئی مسجد ہو تو ان پر جہاد ہی نہ ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں حملہ کیا وہاں قتال بھی ہوا حالانکہ وہاں تو کعبہ شریف موجود تھا لہٰذا احد سے مراد ہے کوئی مسلمان۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو وائل سے ا؎فرماتے ہیں کہ حضرت خالد ابن ولید نے ۲؎فارس والوں کو لکھا ۳؎میں شروع کرتا ہوں مہربان رحم والے اللہ کے نام سے یہ خط ہے خالد ابن ولید کی طرف سے رستم اور مہران کی طرف جو فارس کی جماعت میں ہیں ۴؎اس پر سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرے اس کے بعد ہم تم کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن اگر تم نہ مانو تو جزیہ اپنے ہاتھ سے دو حالانکہ تم ذلیل ہو ۵؎پھر اگر تم نہ مانو تو میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہوجانے کو ایسا پسند کرتے ہیں جیسے فارس کے لوگ شراب	

	پسند کرتے ہیں ۶؎ اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ۷؎ (شرح سنہ)

۱؎ آپ کا نام شقیق ابن ابی سلمہ ہے،اسدی کوفی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے، حضور کی بعثت کے وقت دس سال کے تھے،جلیل القدر صحابہ سے ملاقات ہے جن میں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود بھی ہیں اور حضرت ابن مسعود کے خاص ساتھیوں سے ہیں،حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی،بڑے ثقہ بزرگ ہیں،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں،قرشی مخزومی ہیں،زمانہ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے،آپ کی والدہ لبابہ صغریٰ ہیں، حضرت ام المؤمنین میمونہ کی بہن ۲۱ھ؁ میں وفات ہوئیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیف اللہ کا خطاب دیا،ایک بار زہر ہتھیلی پر رکھ کر کھالیا کوئی اثر نہ ہوا، ایک بار کوئی شخص شراب سے بھری ہوئی مشک لیے جارہا تھا تو فرمایا الٰہی اسے شہد بنادے وہ شہد ہوگئی۔(مرقات)آپ کا مزار پرانوار دمشق و حلب کے درمیان شہر حمص میں ہے،یہ گنہگار قریب مزار تک پہنچا ہے۔

۳؎ غالبًا یہ خط خلافت فاروقی میں روانہ کیا جب کہ ایران پر مسلمانوں کا حملہ ہونے والا تھا۔خیال رہے کہ ملک فارس عہد فاروقی میں فتح ہوا۔

۴؎ مَلا جماعت کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ کو بھر دیتی ہے اور سرداروں کو بھی کیونکہ انکی ہیبت سے لوگوں کے دل بھرے ہوتے ہیں۔ملا کے معنی ہیں بھرنا خلاء کے مقابل یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔جماعت اور سرداران یعنی یہ خط اس جماعت یا ان سرداروں کی طرف ہے جن میں رستم اور مہران شامل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ دعوت اسلام صرف بادشاہ کو بھی دی جائے،کفار کے سرداروں کو بھی اور عام لوگوں کو بھی کیونکہ رستم اور مہران فارس کے بادشاہ نہ تھے قوم کے سردار تھے۔

۵؎ یعنی بہتر تو یہ ہے کہ تم مسلمان ہوکر دونوں جہاں کی عزت و عظمت حاصل کرلو ورنہ تم کو جزیہ دینے کی ذلت اختیار کرنا پڑے گی۔جزیہ دینا خود ایک ذلت ہے یہ عبارت قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے"حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّہُمۡ صٰغِرُوۡنَ"اس لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ ذمی کفار خواہ کتنے بڑے امیر ہوں مگر اپنا جزیہ(ٹیکس)حاکم اسلام کے سامنے خود لے کر حاضر ہوں،اپنے نوکر وغیرہ کے ہاتھ نہیں بھیج سکتے کیونکہ آیتِ کریمہ میں عن ید ارشاد ہوا ہے۔

۶؎ یعنی اگر تم جزیہ بھی قبول نہیں کرتے اور ہماری رعایا بھی نہیں بنتے تو پھر ہماری تمہاری جنگ ہے مگر اس جنگ کا انجام سوچ لو۔تم کو شراب کے عارضی نشہ سے الفت ہے ہمارے مجاہدوں کو عشق الٰہی کے دائمی نشہ سے محبت،تم شراب پی کر لڑتے ہو ہم نشہ عشقِ الٰہی میں مخمور ہوکر صرف رب کے لیے لڑتے ہیں،عارضی چیز اصل کے مقابل میں ٹھہر سکتی ہے۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کسی سے بے خبری میں نہیں لڑتے بلکہ پہلے اسے خبردار کرتے پھر ہتھیار اٹھاتے ہیں۔یہ حکم بے خبر کفار کے لیے ہے جنہیں ابھی دعوت اسلام نہ پہنچی ہو بلکہ باخبر کفار کے ایمان کی اگر امید ہو تو انہیں خبر

دے دینا مستحب ہے۔فارسیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوت اسلام دے چکے تھےاب یہ دعوت دینا مستحب تھا،یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کی جنگ ملک گیر یا مال حاصل کرنے کو نہیں ہوتی صرف رضا الٰہی اور تبلیغ اسلام کے لیے ہوتی ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کو السلام علیکم نہ کہا جائے۔انہیں وہ سلام کیا جائے جو یہاں مذکور ہےقرآن کریم میں بھی اس کا ذکر ہے۔

باب القتال فی الجہاد

باب جہاد میں قتل۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جہاد،قتال،غزوہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں۔جہاد بنا ہے جھد سے بمعنی مشقت اورصرف طاقت۔غزوہ بنا ہے غزوٌ سے بمعنی باہر نکلنا اور جنگ کے لیے روانگی،قتال بمعنی ایک دوسرے کو قتل کرنا۔اس باب میں اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنے کے فضائل اور غازی کے ثواب کی احادیث مذکور ہوں گی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احد کے دن عرض کیا فرمایئے کہ اگر میں قتل کردیا جاؤں میں کہاں ہوں گا فرمایا جنت میں۱؎ تو اس نے اپنے ہاتھ میں سے چھوارے پھینک دیئے۲؎ پھر جنگ کی حتی کہ قتل کردیا گیا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جنت کے اس اعلیٰ مقام میں جو شہیدوں کے لیے ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ کا خاتمہ بالخیر ہونے والا تھا اور تمام گناہوں کی معافی اس کے نصیب میں تھی شہادت اس کے مقدر ہوچکی تھی اس لیے یہ جواب عطا ہوا۔معنی یہ ہیں تو شہید ہوتے ہی جنت میں پہنچے گا۔

۲؎ یعنی وہ سائل چھوارے کھا رہا تھا اور یہ سوال کررہا تھا جواب عالی سنتے ہی شہادت و جنت کے شوق میں چھوارے پھینک دیئے اسے اب تھوڑی زندگی بھی بوجھ معلوم ہونے لگی۔

۳؎ بعض شارحین کا خیال ہے کہ یہ صاحب حضرت عمیر ابن حمام ہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ حضرت عمیر تو غزوہ بدر میں شہید ہوئے ہیں اور واقعہ غزوہ احد کا ہے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ارادہ فرماتے تھے کسی جہاد کا مگر آپ اس کی دوسری طرف کا توریہ فرماتے تھے ۱؎ حتی کہ یہ جہاد یعنی غزوہ تبوک ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی میں جہاد کیا اور دور دراز سفر کا رخ	

	فرمایا اور بڑے جنگل بہت دشمنوں پر رخ کیا ۲؎ لہذا مسلمانوں کے لیے ان کا معاملہ کھول دیا تاکہ وہ اپنے جہاد کی تیاری کرلیں چنانچہ آپ نے ان سب کو اس طرف کی خبر دیدی جدھر کا ارادہ تھا ۳؎(بخاری)

۱؎ آپ انصاری خزرجی ہیں،عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے،سوا غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں حاضر رہے،حضور کے نعت گو شعراء میں سے ایک ہیں،آپ ان تین صحابہ میں سے ہیں جن کا غزوہ تبوک کے موقعہ پر بائیکاٹ کیا گیااور پھر عرش اعظم سے جن کی قبولیت توبہ کا سورۂ توبہ میں اعلان ہوا،آخر عمر شریف میں نابینا ہوگئے تھے،ستتر ۷۷ سال عمر ہوئی، ۵۰ھ؁ پچاس ہجری میں وفات ہوئی۔

۲؎ یعنی علامات سے ظاہر فرماتے تھے کہ اس طرف حملہ کرنا ہے جیسے اس جانب کے حالات دریافت کرنا،ادھر کے گاؤں شہر کے نام پوچھنا تاکہ اگر کوئی جاسوسی کرے تو اس طرف والوں کو جنگ کی خبر دے اور جدھر حملہ کرنا ہے ادھر کے لوگ بے خبر رہیں اور بے خبری میں ان پر حملہ ہوجائے تاکہ جلد فتح ہوجائے اور خونریزی کم سے کم ہو۔اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس طرف کی خبر نہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹ ہے،یہ طریقہ ہماری جنگی تدبیر تھی اب بھی اس پر عمل چاہیے۔شعر

سکندر کہ باشرقیاں حرب داشت　　　در خیمہ گویند در غرب داشت

دشمن کو اپنے ارادے پر خبردارنہ ہونے دینا اچانک حملہ کرنا بہت مفید ہوتا ہے۔

۲؎ تبوک مدینہ منورہ سے چودہ منزل پر واقع ہے اردن کے قریب،اب خیبر سے جو ہوائی جہاز عمان جاتا ہے وہ تبوک سے گزرتا ہے۔فقیر نے اس ہوائی جہاز سے سفر کیا ہے۔اشعہ میں فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔

۳؎ یعنی غزوہ تبوک میں اپنا ارادہ ظاہر فرمادینا غازیوں کی تیاری کے لیے تھاکہ غازی دراز سفر کا سامان کرلیں۔اس زمانہ میں غزوہ کا زیادہ سامان خود غازی اپنے خرچ سے کرتے تھے اب تمام تیاری حکومت کرتی ہے اس لیے فوج کو آخر وقت تک خبر نہیں ہوتی کہ ہم کہاں جارہے ہیں،صرف کمانڈر یا کرنل وغیرہ مطلع ہوتے ہیں،اس غزوہ کا ذکر قرآن کریم میں بہت زیادہ ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لڑائی دھوکا ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ خدعہ خ کے فتحہ یا پیش سے،کسرہ سے بھی آتا ہے مگر کم یعنی جنگ کی جان دشمن کو دھوکہ میں رکھنا ہے کہ اسے ہمارے اصلی ارادہ اور اصلی حال پر خبر نہ ہونے پائے،اپنی تھوڑی سی جماعت کو بہت ظاہر کیاجائے تھوڑے سامان کو بے شمار دکھایا جائے یہ جنگی کمال اور مجاہد کی چال ہے۔کسی میدان کو خالی چھوڑ دینا کہ دشمن اسے خالی جان کر اپنی فوج لے آوے پھر داہنے بائیں اور پیچھے سے نکل کر اس کی فوج کو گھیر لینا جس سے ساری فوج ہتھیار ڈال دے،یہ ہے دھوکہ اس دھوکہ سے مراد جھوٹ اور ناجائز مکروفریب نہیں اب بھی جنگوں میں ایسی چالیں بہت چلی جاتی ہیں۔مرقات

نے فرمایا کہ یہ حدیث قریبًا متواتر ہے کہ اسے احمد،ابوداؤد، ترمذی اور مسلم،بخاری،ابن ماجہ،بزاز،طبرانی ابن عساکراور جامع صغیر میں بہت سے صحابہ کرام نے نقل فرمایا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم ۱؎ اور کچھ انصاری بیبیوں کو لے کر جہاد فرماتے تھے جب جہاد کرتے تھے تو یہ بیبیاں پانی پلاتی تھیں زخمیوں کی دوادارو کرتی تھیں ۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ ام سلیم بنت ملحان ہیں میم کے کسرہ سے،آپ کے نام میں اختلاف ہے۔پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں انہیں سے حضرت انس پیدا ہوئے،مالک کے قتل ہوجانے کے بعد بیوہ ہوگئیں اور مسلمان ہوگئیں،ابو طلحہ نے آپ کو اپنے سے نکاح کرلینے کا پیغام دیا،آپ بولیں کہ میں مسلمان ہوں تم مشرک نکاح کیسا۔اگر تم مسلمان ہوجاؤ تو میں تم سے مہر بھی نہیں مانگتی تمہارا اسلام ہی میرا مہر ہوگا اور میں تم سے نکاح کرلوں گی،حضرت ابوطلحہ کے مسلمان ہوجانے پر آپ ان کے نکاح میں آئیں،بڑی جلیل الشان صحابیہ ہیں،۔آپ کا نام رمامہ یا ملیکہ یا غمیصہ یارمیصاء ہے۔

۲؎ یعنی زخمی مجاہدوں کو پانی پلانا اور دوا دارو کرنا ان کی روٹی وغیرہ پکانا ان بیبیوں کا کام تھا یا تو اپنے خاوندوں کی خدمات کرتی تھیں یا اپنے دوسرے محرم رشتہ داروں کی اور اگر اجنبی غازیوں کی یہ خدمات کرتی تھیں تو باپردہ رہ کر بغیر ان کے جسموں کو ہاتھ لگائے۔فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر عورتوں کو جہاد میں لے جانے کی ضرورت پڑے تو بوڑھی عورتوں کو لے جایا جائے،اگر جوانوں کی ضرورت درپیش ہو تو لونڈیوں کو لے جایا جائے مگر ان سے جنگ نہ کرائی جائے کہ اس میں مسلمانوں کی ذلت ہے،ہاں اگر سخت ضرورت پڑ جائے تو قتال بھی کرسکتی ہیں جیسے غزوہ حنین میں خود ام سلیم نے جنگ کی ہے۔(مرقات)ضروریات کا حکم اور ہے۔غرضیکہ عورتوں کو جہاد میں جانا ان سے جنگ کرانا سخت ضرورت کے وقت ہے۔

	روایت ہے حضرت ام عطیہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات جہاد کیے میں غازیوں کی منزلوں میں ان کے پیچھے رہتی تھی ان کا کھانا پکاتی تھی زخمیوں کی دوا دارو کرتی تھی ۲؎ اور بیماروں کا انتظام کرتی تھی ۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے،انصاریہ ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں آپ بہت زیادہ گئی ہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ آپ جنگ نہ کرتی تھیں بلکہ غازیوں کی یہ خدمات انجام دیتی تھیں اس تفصیل سے جو ابھی گزری کہ کھانا عام غازیوں کے لیے پکاتی تھیں مگر دوا مرہم پٹی اپنے محرم رشتہ داروں کی کرتی تھیں یا عام غازیوں کی مگر پردہ کے ساتھ بغیر انہیں ہاتھ لگائے۔غرضیکہ اس حدیث کو اس زمانہ کی بے پردگی آوارگی اور عورتوں کی آزادی پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

۳؎ یہ عورتوں کا جہادوں میں جانا سخت ضرورت کے وقت تھا لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ہے" وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ "اے نبی کی بیبیو اپنے گھروں میں رہو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ ہے مسلمانوں کا جہاد۔حضرت ابوبکر صدیق نے جب یزید ابن ابوسفیان کو شام کے جہاد پر بھیجا تو فرمایا کہ کفار کے بچوں عورتوں بڈھوں راہبوں(جوگیوں)وغیرہم کو قتل نہ کرنا صرف انہیں قتل کرنا جو تم سے لڑنے کے لیے مقابلہ میں آئیں۔(مرقات)مگر خیال رہے کہ اگر راہب جوگی یا بڈھے یا عورتیں کفار کو جنگ میں مدد دے رہے ہوں تو انہیں قتل کیا جائے گا کہ اب وہ مقاتل ہیں۔اس کی تحقیق کے لیے کتب فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اب لڑائیوں میں پہلے بے قصور عورتیں بچے ہی بم باری سے ہلاک ہوتے ہیں،جنگ صرف میدان جنگ میں ہوتی تھی اب ہر بستی ہر گھر میں ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت صعب ابن جثامہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے گھر والوں کے متعلق پوچھا گیا جن پر شب خون مارا جائے تو ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہوجائیں فرمایا وہ سب ان سے ہی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے باپوں سے ہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎ آپ لیثی ہیں،دوان اور ابواء میں رہتے تھے،ابوبکر صدیق کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی شب خون مارنا رات کے اندھیرے میں کفار پر حملہ کردینا جائز ہے،مگر اس وقت جوان کافروں کے مارنے کی نیت کرو،عورتیں بچے اگر اندھیرے میں تمہارے ارادہ کے بغیر مارے جائیں تو تم پر گناہ نہیں کہ وہ بھی کفار کے حکم میں ہیں۔بہرحال کفار کے عورتوں بچوں کو قتل کی ممانعت ارادۃً قتل سے تھی یہاں اجازت بغیر ارادۂ قتل کی ہے لہذا ان احکام میں تعارض نہیں۔جیسے کفار کے ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو قتل کرنا حرام ہے لیکن اگر اس شبِ خون مارنے میں وہ بھی قتل ہوجائیں یا کفار مسلمان بچوں یا مسلمانوں کو اپنے آگے رکھ لیں تو ان پر تیر اندازی،گولہ باری جائز ہے مگر کفار کو قتل کرنے کی نیت سے کی جائے اگرچہ وہ مسلمان بھی اس سے ہلاک ہوجائیں کیونکہ مجاہدین ان وجوہ سے جہاد نہ کریں تو اسلام کی بقا کیونکر ہوگی۔اس کی مفصّل بحث فتح القدیر اور مرقات میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجوروں کے درخت کٹوائے اور جلوا دیئے ۱؎ اس کے متعلق حضرت حسّان کہتے ہیں ۲؎ بنی لوی کے سرداروں پر وہ آگ آسان ہوگئی جو بویرہ میں پھیل	

	گئی۳؎اور اسی کی بارے میں یہ آیت اتری کہ تم نے جو درخت کھجور کے کاٹ ڈالے اور جو ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے وہ اللہ کے حکم سے ہے۴؎(بخاری،مسلم)

۱؎بنی قریظہ اور بنی نضیر یہود مدینہ کے دو قبیلے ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ فرمایا تھا مگر انہوں نے بدعہدی کی ان کی بدعہدی کی وجہ سے غزوہ خندق کا واقعہ پیش آیا،اس غزوہ سے فارغ ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محلوں کا محاصرہ فرمالیا،وہ لوگ اپنے محلوں قلعوں میں گھس کر بیٹھ رہے تھے،آخر کار وہ قلعوں سے اترے،بنی قریظہ قتل کیے گئے اور بنی نضیر جلاوطن کردیئے گئے،حضور انور نے بنی نضیر کے نخلستان یا تو اس لیے اجاڑ دیئے کہ ان کے مکانات ان باغوں میں گھرے ہوئے تھے راستہ صاف کرنے کو یہ اجاڑے گئے یا اس لیے کہ وہ لوگ اپنے یہ باغ اجڑتے دیکھ کر گھبرا کر باہر نکلیں اور گرفتار کرلیے جائیں۔اس کا پورا واقعہ قرآن مجید سورۂ احزاب شریف میں مذکور ہے۔

۲؎حضرت حسان کے پورے حالات ہم مرآت جلد اول میں لکھ چکے ہیں کہ آپ حضور کے شاعر اور نعت خواں صحابی ہیں،آپ،آپ کے والد آپ کے دادا آپ کے پر دادا تمام کی عمریں ایک سو بیس سال ہوئیں،سوائے آپ کے کسی میں عمروں کا یہ اجتماع نہ ہوا۔

۳؎ بویرہ تصغیر ہے بور کی،بور بنی نضیر کے اس باغ کا نام تھا جو اجاڑا گیا۔سراۃ جمع ہے سری کی بمعنی سردار۔سری بنا ہے سروۃٌ سے بمعنی سرداری۔لوی لام کے پیش واؤ کے فتحہ سے قریش کے اجداد میں سے ایک دادا کا نام ہے یعنی قریش پر یہ سخت آگ آسان ہوگئی کہ انہوں نے بہ آسانی اس باغ کو جلتے ہوئے دیکھ لیا یا سن لیااور کچھ نہ کرسکے،حالانکہ عربوں کو کھجوروں کے باغ بڑے پیارے ہیں،وہ ان کا جل جانا کٹ جانا کسی طرح گوارہ نہیں کرتے مگر اس وقت بے بس تھے کچھ نہ کرسکے۔

۴؎اس باغ کے اجاڑنے پر بعض کفار بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فساد سے منع فرماتے ہیں اور خود ہی فساد کی اجازت دیتے ہیں،باغ اجاڑنے سے بڑھ کر فساد کون سا ہوسکتا ہے۔تب ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا کہ میرے محبوب اور ان کے صحابہ نے یہ جو کچھ کیا ہمارے حکم سے کیا ہم ان کے اس عمل سے راضی اور خوش ہیں۔سبحان اللہ! یہ ہے کرم خداوندی حضور کے صحابہ پر کہ کام ہے صحابہ کا نام ہے رب کا۔شعر

سنگریزہ می زند دست جناب ‏ ‏ ‏ ‏ مارمیت ازرمیت آید خطاب
تاابد گر شرح ایں مفصل کنم ‏ ‏ ‏ ‏ جز تحیر ہیچ نہ بود حاصلم

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے باغوں مکانوں کا اجاڑ دینا جائز ہے جب ان میں مصلحت ہو کہ اس کے بغیر فتح نہ ہوسکے،اگر اس کے بغیر فتح ممکن ہو تو یہ کام ہرگز نہ کیے جائیں کہ بعد فتح یہ سب چیزیں مسلمانوں کی ملک ہوں گی۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عون سے ۱؎کہ نافع نے انہیں خبر دیتے ہوئے لکھا کہ حضرت ابن عمر نے انہیں خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ

	فرمایاجب کہ وہ مقام مریسیع میں اپنے جانوروں میں مشغول و غافل تھے ۱؎ تو لڑنے والوں کو قید کیا اور بچوں کو قتل کیا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ تابعی ہیں،ثقہ ہیں،عالم ہیں،آپ کے والد کا نام یا عون ہے نون سے یا عوف ہے ف سے،نون سے عون زیادہ مشہور ہے۔

۲؎ بنی مصطلق قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان ہے،مریسیع مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔حضرت عبداللہ ابن عون نے جناب نافع سے پوچھا تھا کہ کیا جہاد سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینا واجب ہے یا ان پر اچانک حملہ کر دینا بھی جائز ہے جب کہ وہ بالکل بے خبر ہوں تب حضرت نافع نے یہ حدیث انہیں لکھ بھیجی جس سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ اول اسلام میں جہاد سے پہلے تبلیغ واجب تھی پھر یہ حکم نہ رہا۔دیکھو حضور انور نے بنی مصطلق پر اچانک حملہ فرمایا،اس غزوہ میں حضرت جویریہ بنت حارث گرفتار ہو کر آئیں جنہیں آزاد فرما کر حضور نے ان سے نکاح کیا،رضی اللہ عنہا۔

۳؎ یعنی مجبورومعذور و بےقصور بچوں،بوڑھوں،دیوانوں،بے بس عورتوں وغیرہم کو قیدی بنالیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غافل کفار پر اچانک حملہ کردینا جائز ہے،ان کا مال غنیمت لوٹنا،ان کے جوان جنگجو لوگوں کو قتل کرنا،ان کے بچوں عورتوں کو لونڈی غلام بنانا جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی اسید سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بدر کے دن فرمایا ۲؎ جب کہ ہم نے قریش کے مقابل صفیں باندھیں ۳؎ اور انہوں نے ہمارے مقابل صف آرائی کی کہ جب تم سے قریب ہوں تو تیر لو ۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب وہ تم سے قریب ہوں تو انہیں تیرمارو اور اپنے تیر باقی رکھو ۵؎ (بخاری)اور حضرت سعد کی حدیث **هل تنصرون** الخ **باب فضل الفقراء** میں ہم بیان کریں گے اور حضرت براء کی حدیث بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (ان شاءاللہ) **باب المعجزات** میں ہم بیان کریں گے ۶؎

۱؎ آپ مالک ابن ربیعہ انصاری ساعدی۔(اشعہ)تمام غزوات میں حاضر ہوئے،اٹھتر سال کی عمر پائی ۶۰ساٹھ ہجری میں وفات پائی،آپ سے بہت حضرات نے احادیث نقل کیں۔

۲؎یعنی جب کفار قریش تم سے اتنے قریب ہوجائیں کہ تمہارے تیر ان تک پہنچ سکیں تو تیراستعمال کرو بہت دور ہوں تو استعمال نہ کرنا کہ اس میں تیر ضائع ہوجائیں گے۔**سھم** درمیانی تیر کو کہتے ہیں،بہت لمبے تیر کو **نشاب** کہا جاتا ہے،کثب کے معنی ہیں قرب۔(مرقات واشعہ)

۳؎یعنی سارے تیر استعمال کرکے خود خالی نہ ہوجاؤ کہ کیا خبر کب تیروں کی ضرورت پڑجاوے۔اب بھی لڑائیوں میں ان دونوں قانون پر عمل ہوتا ہے کہ دشمن زد میں ہوجاوے تب گولہ باری کی جاتی ہے اور سارے گولے خرچ نہیں کردیئے جاتے سامان جنگ محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۴؎یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں ہی تھیں ہم مناسبت کا خیال کرتے ہوئے پہلی حدیث تو **باب الفقراء** میں بیان کریں گے اور دوسری حدیث **باب المعجزات** میں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے فرماتے ہیں کہ بدر میں رات کے وقت ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمایا ۱؎(ترمذی)	

۱؎ جب صبح کو جنگ بدر ہونے والی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ہم لوگوں کو مقامات پر مقرر کیا،سامان جنگ استعمال کرنے کا طریقہ سکھایاترتیب دیا،غرضیکہ جنگی ضروریات پر ہم کو واقف فرمایا۔**عباء** کے معنی ہیں لشکر جمع کرنا اور لشکر کو تیار کرنا۔

روایت ہے حضرت مہلب سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دشمن تم پر شب خون مارے تو تمہارا نشان ۲؎**حم لاینصرون** ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎**مھلب** میم کے پیش لام کے شد سے،آپ مہلب ابن صفرہ ازدی ہیں،تابعی ہیں،فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے، عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں ۸۳ھ ہجری میں علاقہ خراسان میں مقام مرو میں انتقال ہوا،بصرہ میں قیام رہا،خوارج سے آپ کی بہت لڑائیاں ہوئیں،حضرت سمرہ اور ابن عمر سے ملاقات ہے رضی اللہ عنہم لہذا یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں صحابی سے روایت نہیں تابعی نے کہا کہ حضور نے یہ فرمایا۔

۲؎ **شعار** بنا ہے **شعر** سے،اسی سے ہے **شعور** بمعنی پہچان،علامت،نشان۔شب خون مارتے وقت اندھیرے کی وجہ سے اپنے پرائے کی پہچان نہیں ہوتی اس لیے ہم بھی اور دشمن کی فوج بھی اپنے اپنے لیے کوئی نشان مقرر کرلیتے تھے تاکہ ہمارے

ہاتھوں اپنا ہی آدمی دھوکے سے نہ مارا جائے،وہ نشان کچھ الفاظ مقرر ہوتے تھے جسے لڑتے وقت بولتے جاتے تھے ان الفاظ کا شعار اس زمانہ میں(کوڈ ورڈ)کہتے تھے،یہ تعلیم غزوہ خندق کے موقعہ پر ہوئی تھی۔(مرقات)

۳؎حٰمٓ آیت قرآنیہ ہے جو بعض سورتوں کے اول میں ہے یا اللہ تعالٰی کا نام ہے اور لاینصرون دعائیہ کلمہ ہے۔یعنی حٰمٓ کی برکت سے کفار بے مدد گار ہیں اے اله العالمین کفار کو بے یارکردے ہم کو ان پر فتح نصیب فرمایا،اے اللہ سات حٰمٓ والی سورتوں کے صدقہ سے کفار بے مددگار بنادے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حٰمٓ والی سورتیں بہت شاندار ہیں۔خیال رہے کہ حٰمٓ میں دو حرف ہیں:ح اور میم۔ح ان اسماء الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں ح ہے جیسے حمید،حسنان،حکیم،حلیم،حنان،حی اور میم سے ان اسماء الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے مجید،منان،مالك،ملك،مقتدر،مؤمن،مهيمن وغیرہ۔اس حٰمٓ سے ان تمام اسماء الٰہیہ کی توسل سے دعا ہوگئی۔روضۃ الاحباب میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر مہاجرین کا شعار یاخیل اللہ تھا تو یہ شعار انصار کا ہوگا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ مہاجرین کا نشان عبداللہ اور انصار کا نشان عبدالرحمٰن تھا ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎یہ واقعہ کسی اور جہاد میں ہےعلاوہ غزوہ خندق کے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔علیحدہ علیحدہ شعار الگ الگ جماعتوں کی پہچان کے لیے ہوتے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات مہاجرین افضل ہیں حضرات انصار سے کہ ان کا شعار عبداللہ ہوا جس میں رب تعالٰی کا اسم ذات ہے اور انصار کا شعار عبدالرحمٰن ہے جس میں رب تعالٰی کا صفاتی نام ہے۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکر صدیق کے ساتھ جہاد کیا ۱؎تو ہم نے ان پر شب خون مارا ہم انہیں قتل کرتے تھے اور اس رات ہمارا نشان تھا أَمِت أَمِت ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یہ پتہ نہ لگا کہ یہ واقعہ کس جہاد میں ہوا بہرحال زمانہ پاک نبوی میں جہاد ہے مگر حضور سرکار عالی بنفس نفیس اس میں تشریف نہیں لے گئے ہیں،حضرت ابوبکر صدیق سپہ سالار اعظم ہیں۔

۲؎یہ بھی دعا ہے۔أَمِت کے معنی ہیں موت دے یعنی یا الٰہ العالمین کفار کو ہمارے ہاتھوں موت دے کر ہلاک فرمادے یا مغلوب کردے یا کفر کو موت دے کہ یہ کفار مسلمان ہوجائیں،کفر غارت ہو اور ہوسکتا ہے کہ اس میں خطاب سامنے والے غازی مسلمان سے ہو یعنی اے بہادر غازی مار مار بہادری کر۔

روایت ہے حضرت قیس ابن عبادہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنگ کے وقت	

	شور ناپسند کرتے تھے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎تابعی ہیں،بصری ہیں،بہت عابد و زاہد تھے،حضرت علی،ابی ابن کعب،عبداللہ ابن سلام سے ملاقات ہے،خواجہ حسن بصری نے آپ سے روایات لیں مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ یہ چھپا ہوا رافضی تھا۔واللہ اعلم! بہرحال مشکوک ہے۔

۲؎ذکر اللہ کے سواء اور باتوں کا شور ناپسند تھا اس زمانہ میں لوگ اپنی شیخی بہادری کے گیت گاتے ہوئے جنگ کیا کرتے تھے،اس کو حضرات صحابہ ناپسند کرتے تھے ایسے وقت اللہ کا ذکر چاہیے کہ اگر شہادت ہو تو اللہ کے ذکر پر۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مشرکوں کے بڈھوں کو قتل کرو۱؎ اور ان سے چھوٹوں یعنی بچوں کو زندہ چھوڑ دو ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یہاں بڈھوں سے مراد وہ بڈھے ہیں جو یا تو مسلمانوں کے مقابل جنگ کررہے ہوں یا لڑنے والوں کی پشت پناہی کرتے ہوں یا انہیں لڑاتے ہوں بہرحال جنگ میں حصہ لیتے ہوں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کافر بوڑھوں کے قتل سے ممانعت ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں شیوخ سے مراد جنگی تدبیر رکھنے والے جوان ہیں یعنی جو عمر میں جوان ہوں تدبیر و عقل تجربہ میں بوڑھے کیونکہ اس کے مقابل بچوں کا ذکر آرہا ہے۔

۲؎یہ تفسیر یا صحابی سمرہ ابن جندب کی ہے یا کسی راوی حدیث کی یا خود صاحب مصابیح کی۔شرخ شین کے پیش رکے فتح سے جمع ہے شارخ کی جیسے رکب جمع ہے راکب کی۔شرخ کے معنی ہیں لڑکپن یا شروع جوانی۔چھوڑنے سے مراد ہے انہیں قتل نہ کرنا بلکہ قید کرلینا تاکہ انہیں غلام بنالیا جائے یا کسی وجہ سے انہیں آزاد کردیا جائے۔غرضیکہ اس چھوڑنے میں بہت مصلحت ہے۔

	روایت ہے حضرت عروہ سے فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت اسامہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا فرمایا اُبنا پر جہاد کرو صبح کے وقت ۲؎اور آگ لگا دو۳؎ (ابوداؤد)

۱؎عروہ سے مراد عروہ ابن زبیر تابعی ہیں اور اسامہ سے مراد حضرت اسامہ ابن زید ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت محبوب صحابی ہیں،حضرت زید ابن حارثہ کے بیٹے۔خیال رہے کہ عروہ ابن زبیر کی ولادت بائیس ۲۲ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی،مدینہ منورہ میں سے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں،آپ کا باغ و کنواں و مسجد مدینہ منورہ کے قریب ہے۔فقیر نے اس کنوئیں کا پانی بھی پیا ہے،وہاں مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے بیر عروہ اور مسجد عروہ کے نام سے مشہور ہے۔

۲؎اغر ہمزہ کے فتحہ اور غین کے کسرہ سے اغارۃ کا امر ہےیعنی حملہ کرو۔بعض نسخوں میں اغز سے غزو کا امر مگر پہلا نسخہ زیادہ صحیح ہے۔اُبنا فلسطین کی ایک بستی ہے جو عسقلان اور رملہ کے درمیان واقع ہے اسے پٹنی بھی کہتے ہیں۔بعض نے فرمایا کہ اُبنا ایک قبیلہ کا نام ہے اس نام سے وہ بستی اُبنا کہلاتی ہے۔صبح کے وقت عموما کفار غافل ہوتے ہیں اور وہ وقت مبارک بھی ہے اس لیے اس وقت حملہ کرنے کا حکم دیا کہ اس وقت حملہ کرنے میں خونریزی کم ہوگی اور فتح بہ آسانی میسر ہوجائے گی۔

۳؎یعنی اُبنا والوں کی کھیتیاں باغات جلادوتاکہ وہ گھبرا کر جلد گھروں سے نکل پڑیں بلکہ اگر ضرورت پڑے تو ان کے گھروں میں آگ لگادوکیونکہ کبھی کفار کے گھر انکی پناہ گاہ بلکہ ان کے مورچے بن جاتے ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بعض حالات میں ان کے جانور بھی ذبح کرکے ان کے گوشت جلادیئے جائیں جب کہ ہم انہیں لا نہ سکیں تاکہ وہ کفار کے کام کے نہ رہیں بلکہ اگر حالات جنگ مسلمانوں کے خلاف ہوں اور اپنا سامان بھی غازی لوگ وہاں سے نہ لاسکیں تو اسے بھی آگ لگاکر فنا کردیں۔چنانچہ ایک بار حضرت جعفر ابن ابی طالب نے جب جنگ کا حال بگڑتے دیکھا تو خود اپنا گھوڑا ہلاک کردیا تاکہ دشمن کے کام نہ آوے،ہاں زندہ جانوروں کو جلانا حرام ہےکہ یہ آگ کا عذاب ہے جو رب تعالٰی ہی دے گا۔حضرت عثمان ابن حبان فرماتے ہیں کہ میں جناب ام الدرداء کے پاس تھا کہ میں نے ایک زندہ کھٹمل کو آگ میں ڈال دیا تو آپ بولیں کہ حضرت ابوالدرداء فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو زندہ آگ میں جلانے سے منع فرمایا۔(مرقات)آج کل تو جنگ ہے آگ کی کہ بم باری سے شہرو بستیاں جلادی جاتی ہیں رب تعالٰی محفوظ رکھے، اسلام کے اس حکم پر اعتراض کرنے والے آج کی جنگوں کو دیکھیں۔

روایت ہے حضرت ابو اسید سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ جب کفار تم سے قریب ہوں تو ان پر تیر چلاؤاور تلواریں نہ سونتو حتی کہ وہ تم سے قریب تر ہوجائیں ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎حدیث بالکل ظاہر ہے کہ جب تک کفار تیر کی زد میں ہوں تب تک تلواریں نہ سونتو کہ بے کار ہے اور ایک ہاتھ تلوار سے بلاوجہ گھر جائے گا۔جب تلوار کی زد میں آجائیں تب تیر بے کار ہیں اب تیر سے ہاتھ نہ گھیرو تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ پڑو۔

روایت ہے حضرت رباح ابن ربیع سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد میں تھے تو حضور نے لوگوں کو کسی چیز پر جمع دیکھا ۲؎تو حضور نے بھی ایک شخص کو فرمایا دیکھو یہ لوگ کس چیز پر جمع ہوئے ہیں وہ آیا بولا ایک مقتولہ عورت پر ۳؎تو فرمایا کہ یہ عورت تو جنگ نہ کرتی تھی ۴؎اور مقدمہ پر خالد ابن ولید تھے تو حضور نے ایک شخص کو بھیجا فرمایا خالد	

	سے کہو کہ نہ تو کسی عورت کو قتل کریں نہ مزدور کو ۵؎(ابوداؤد)٦؎

۱؎ رباح ر کے فتحہ سے اور ب سے ہے،آپ صحابی اسدی ہیں،حضرت حنظلہ کاتب کے بھائی ہیں،آپ سے ابوداؤد نسائی نے صرف یہ ہی ایک حدیث نقل کی۔(اشعہ)

۲؎ غالبًا جہاد ختم ہوچکا تھا یا کچھ دیر کے لیے جنگ بند ہوئی تھی ورنہ عین جنگ میں لوگ کسی جگہ اس طرح جمع نہیں ہوا کرتے۔

۳؎ یعنی کافرہ عورت مسلمان غازیوں کے ہاتھ قتل ہوئی ہے،اس کی نعش پر لوگ جمع ہیں۔خیال رہے کہ لفظ **قتیل** مذکر مؤنث دونوں کے لیے بولا جاسکتا ہے،یہاں مؤنث کے لیے بولا گیا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ کافرہ عورت کا احترام یا پردہ نہ زندگی میں ہے نہ بعد موت۔لہذا اس کی نعش اجنبی مسلمان مرد دیکھ سکتے ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ان صحابہ نے اس عورت کی نعش کو کیوں دیکھا۔

۴؎ یعنی یہ عورت نہ تو کفار کی ملکہ تھی نہ سپہ سالار،نہ مردوں کے دوش بدوش لڑنے والی پھر اسے کیوں قتل کیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافرہ عورت ملکہ یا لڑانے والی یا مسلمانوں سے لڑنے والی ہو تو اسے ضرور قتل کیا جائے،یہ عورت اپنے خاوند یا دوسروں کی خدمت کے لیے آئی ہوگی۔

۵؎ عورت و مزدور سے مراد وہ ہی ہے جو جنگ میں حصہ نہ لیتے ہوں فوج یا کسی فوجی کی خدمت کے لیے آئے ہوں۔انکی علامت یہ ہوتی ہوگی کہ ان پر سامان جنگ نہ ہوگا اور خدمت کے اسباب یا علامات ہوں گے۔سبحان اللہ! اسلام میں کیسا عدل و انصاف ہے کہ لڑتے وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔

٦؎ اس حدیث کو نسائی،ابن ماجہ،احمد،ابن حبان،حاکم نے بھی کچھ فرق سے نقل فرمایا۔یہ حدیث صحیح ہے مسلم،بخاری کی شرط پر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۱؎ چلو اللہ کے نام پر اللہ کی مدد پر رسول اللہ کے دین پر کسی قریب موت بڈھے کو قتل نہ کرو۲؎ نہ چھوٹے بچے کو ۳؎ نہ عورت کو اور خیانت نہ کرنا اپنی غنیمتیں ملالینا اصلاح اور بھلائی کرنا ۴؎ کیونکہ اللہ بھلائی والوں سے محبت کرتا ہے ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی ایک بار حضور انور نے صحابہ کرام کو جہاد کے لیے بھیجا انہیں رخصت فرماتے وقت یہ دعائیں اور نصیحتیں کیں۔

۲؎ بڈھے سے مراد وہ ہی بڈھا ہے جو جنگجو کفار کو جنگی تدبیریں نہ بتاتا ہو ورنہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کی جنگ میں زید ابن صمہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔زید ابن صمہ کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی کیونکہ وہ لڑرہا تھا۔(مرقات)

۳؎ بچہ سے مراد نابالغ بچہ ہے یہاں بھی یہ ہی قید ہے کہ بچہ نہ تو کفار کا بادشاہ ہو نہ جرنیل وغیرہ نہ سپاہی بلکہ جنگ سے بے تعلق ہو۔

۴؎ یعنی ہر غازی اپنی حاصل کردہ غنیمت علیحدہ نہ رکھے بلکہ ملا کر سپہ سالار کے سپرد کردے آپس میں ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرے۔مجاہدوں کی جان ایک ہو جسم الگ الگ،مسلمانوں کا آپس میں لڑنا بھڑنا ہر وقت ہی برا ہے مگر ایسی حالت میں بہت خطرناک ہے۔

۵؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ کفار کے بچے،دیوانے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے،ان کے پنڈت جوگی جو جنگ سے بے تعلق ہوں قتل نہ کیے جائیں۔موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے شام پر لشکر کشی کی جس کے سپہ سالار یزید ابن ابوسفیان تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے یزید میں تم کو دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں:کسی بچہ کو،عورت کو،بڈھے کو قتل نہ کرنا۔پھل دار درخت کو نہ کاٹنا،گائے بکری کو ذبح نہ کرنا مگر کھانے کے لیے،آبادی کو نہ جلانا نہ ویران کرنا،قیدی کفار کے اہل قرابت کو جدا نہ کرنا،بزدلی نہ کرنا،خیانت نہ کرنا۔(مرقات)موجودہ کفار اسی فرمان صدیق میں غور کریں اور آج کل کی وحشیانہ جنگوں کو دیکھیں۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں جب بدر کا دن تھا تو عتبہ آگے تھا اس کے پیچھے اس کا بیٹا اور اس کے دونوں بھائی تھے ۱؎ پکارا کہ کوئی مقابلہ میں آتا ہے تو اس کے مقابلہ میں انصاری جوانوں نے جواب دیا ۲؎ وہ بولا تم لوگ کون ہوانھوں نے بتایا تو بولا ہم کو تمہاری ضرورت نہیں ہم تو اپنے چچا زادوں کو کہتے ہیں ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمزہ اٹھو اے علی کھڑے ہواے عبیدہ ابن حارث اٹھو ۴؎ چنانچہ حمزہ تو عتبہ کی طرف آئے اور میں شیبہ کی طرف گیا ۵؎ اور عبیدہ اور ولید کے درمیان دو چوٹیں ہوئیں ۶؎ تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے مقابل کو ٹھنڈا کردیا ۷؎ پھر ہم ولید پر ٹوٹ پڑے اسے ہم نے قتل کیا اور ہم عبیدہ کو اٹھالائے ۸؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ یعنی گھمسان کی جنگ سے پہلے مبارزت کی جنگ اس طرح شروع ہوئی کہ عتبہ ابن ربیعہ اس کا بیٹا ولید ابن عتبہ اور عتبہ کا بھائی شیبہ ابن ربیعہ کفار کی صف سے میدان میں آئے اور مسلمانوں سے اپنا مقابل مانگا اس زمانہ میں جماعتی جنگ سے پہلے شخصی جنگ ہوتی تھی۔

۲؎ اس طرح کہ مسلمانوں میں سے تین انصاری نوجوان اس کے مقابل پہنچے۔انتداب کے معنی ہیں دعوت جنگ قبول کرنا۔

۳؎ یعنی تم سے لڑنا میری توہین ہے ہمارے مقابل مہاجرین مکہ قرشی جوانوں کو بھیجو تاکہ قرشی کا مقابلہ قرشی سے ہو۔
۴؎ حارث ابن عبدالمطلب حضور کے چچا ہیں،عبیدہ ان کے بیٹے حارث ایمان نہ لائے مگر عبیدہ شروع میں ہی اسلام لائے۔دارارقم میں حضور کے تشریف لے جانے سے پہلے ہی،عبیدہ عمر میں حضور سے زیادہ تھے۔اس وقت بوڑھے تھے۔
۵؎ ابوداؤد شرح سنہ میں بلکہ مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ زیادتی ہے کہ حمزہ نے تو عتبہ کو قتل کردیا اور میں نے شیبہ کو قتل کردیا بہرحال ان دونوں صاحبوں نے اپنے حریفوں کو دوزخ میں پہنچادیا کیوں نہ ہوتا کہ یہ دونوں اللہ کے شیر تھے شیر کے مقابل بھیڑ کہاں ٹھہرے۔
۶؎ اس طرح کہ عبیدہ نے ولید پر تلوار کا وار کیا جو اسے زخمی کر گیا اور ولید نے عبیدہ کو زخمی کردیادو طرف وار بھر پور ہوئے۔
۷؎ یہاں ٹھنڈا کرنے سے مراد موت نہیں بلکہ زخموں سے چور کرکے ضعیف و کمزور کردینا ہے یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کو پہنچائے ہوئے زخموں سے چور ہوکر نڈھال ہوگئے۔
۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں شخصی جنگ(مبارزہ)اپنے حریف کے سوا دوسرے پر حملہ کردینا بھی جائز ہے۔امام مالک و شافعی کے ہاں تو مطلقًا جائز ہے،امام ابوحنیفہ کے ہاں امام کی اجازت سے جائز ہے،یہ ہی امام اوزاعی فرماتے ہیں۔یہاں حضرت حمزہ و علی کا ولید پر ٹوٹ پڑنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے ہوا ہوگا۔خیال رہے کہ کتب تواریخ میں ہے کہ حضرت علی ولید کے مقابل گئے تھے جناب علی بھی جوان تھے اور ولید بھی شیبہ اور عتبہ بوڑھے تھے،ادھر حضرت حمزہ اور عبیدہ بوڑھے تھے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا تو لوگ پھر گئے پورا پھرنا ۱؎ پھر ہم مدینہ پہنچے تو وہاں چھپ گئے اور ہم نے سوچا کہ ہم تو ہلاک ہوگئے ۲؎ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم تو بھگوڑے ہیں ۳؎ فرمایا بلکہ تم پلٹنے والے ہو اور میں تمہاری پناہ ہوں ۴؎ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں اس کی مثل ہے اور فرمایا نہیں بلکہ تم پلٹا لینے والے ہو فرماتے ہیں تو ہم قریب ہوئے ہم نے حضور کے ہاتھ چومے ۵؎ پھر فرمایا میں مسلمانوں کی پناہ ہوں ۶؎ اور ہم امیہ ابن عبداللہ کی حدیث کہ **کان لیستفتح** اور ابوالدرداء کی حدیث کہ مجھے اپنے کمزوروں میں ڈھونڈو۔ان شاءاللہ **باب فضل فقراء** میں بیان کریں گے ۷؎	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ناس سے مراد یہ ہی مجاہد غازی صحابہ ہیں اور حیص کے معنی ہیں میدان جنگ سے واپس آجانا بغیر کامیاب ہوئے اور ہوسکتا ہے کہ ناس سے مراد کفار ہوں اور حیص کے معنی ہوں ان کا مسلمانوں پر پلٹ پلٹ کر حملہ کرنا۔ بہرحال حیص کے معنی ہیں پھرنا،مائل ہونا یا کسی سے مائل ہونا۔مقصد یہ ہے کہ ہم اس جنگ میں فتح حاصل نہ کرسکے۔کفار کے سخت حملہ کی وجہ سے بغیر جنگ جیتے واپس ہوگئے۔

۲؎ یہ حضرات سمجھے یہ تھے کہ جہاد سے بھاگ جانا مطلقًا گناہ کبیرہ ہےخواہ بزدلی کی وجہ سے ہو یا سخت مجبوری کی وجہ سے حالانکہ مجبورًا بھاگنا گناہ صغیرہ بھی نہیں۔ایسی شدت میں جان دے دینا افضل ہے،جان بچاکر بھاگ جانا گناہ نہیں۔اس خیال سے یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی ہمت نہ کرسکے شرمندگی کی وجہ سے۔خیال رہے کہ یہ شرمندگی رب کو بڑی پیاری ہے۔

۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات سے مدینہ منورہ پہنچنے کا دن اور اتنے روز تک حاضر بارگاہ نہ ہونے کا سبب پوچھا ہوگا تب ان حضرات نے یہ عرض کیا کہ ہم کس منہ سے حضور کے سامنے آتے ہم کرکے ہی کیا آئے تھے۔مسلمانوں خیال رکھو کہ ہم کو بھی قبر و حشر میں اللہ رسول کے سامنے پیش ہونا ہے ہم بھلا کس منہ سے وہاں جائیں گے ہم نے کیا کیا ہے۔اللہ تعالٰی بے ڈھنگوں بے رنگوں کی لاج رکھے بے پوچھے ہی بخشے۔شعر

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب　بخش بے پوچھے میرے سارے گناہ اے کردگار

۴؎ عکار بنا ہے عکر سے بمعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنا۔عکار مبالغہ ہے جیسے کرار فئۃ لشکر کا وہ حصہ یا وہ سردار جس کی طرف پناہ لی جائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ"۔مطلب یہ ہے کہ تم بھگوڑے نہیں بلکہ کفار پر پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والے شیر ہو،تمہارا میرے پاس آنا بھگوڑا پن نہیں ہے بلکہ اپنی پناہ کے پاس آنا ہے تاکہ پھر تازہ دم ہوکر دوبارہ کفار پر حملہ کرو۔میں تمہاری پناہ،تمہاری قوت، تمہاری طاقت ہوں۔شعر

مجھ سے بے بس کی طاقت پہ دائم درود　مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام

اگرشکار کی طرف سے شیر پلٹ جائے تو بزدلی کے لیے نہیں پلٹتا بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کے لیے پلٹا کھاتا ہے،تم شیر ہو میں تمہاری پناہ۔یا رسول اللہ ہم گناہگاروں پر ایسے ہی الطاف کریمانہ فرمانا،آپ کے سوا ہماری کوئی پناہ نہیں۔شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام　ہمچوکا ہے آمدم کو ہے گناہ آوردہ ام

۵؎ یہ سمجھ کر کہ ہم کیا سمجھے تھے اور حضور نے کیا بشارت دی۔ہم ہم ہیں وہ وہ ہی ہیں۔اس کرم کو دیکھ کر ہم بے ساختہ حضور کے ہاتھوں پر ٹوٹ پڑے جن ہاتھوں کا سہارا دونوں جہان کو ہے۔اللھم صلی علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وبارك وسلم۔

۶؎ یعنی فئۃ یعنی پناہ مطلق ہے جس سے عموم حاصل ہوا یعنی میں اپنی امت کی پناہ ہوں ہر مصیبت میں کوئی مصیبت پڑے میری پناہ لیں،دین و دنیا کی آفت و بلا میں حضور سہارا ہیں۔حضور پناہ ہیں تاقیامت ہر مسلمان کی۔شعر

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ　تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

۷؎یعنی وہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں ہی تھیں۔ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے علیحدہ علیحدہ ان دو بابوں میں ذکر کی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ثوبان ابن یزید سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر گوپھن نصب فرمایا ۲؎(ترمذی مرسلًا) ۳؎	

۱؎حق یہ ہے کہ ثورابن یزید ہیں کیونکہ ثوبان ابن یزید صحابہ تابعین میں کسی کا نام نہیں،بعض نسخوں میں صرف ثوبان ہے وہ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں مگر انکے والد کا نام یزید نہیں ثور ابن یزید کلاعی شامی حمصی ہیں،تابعی ہیں،حضرت خالد ابن معدان سے ملاقات ہے،۱۵۵ھ ایک سو پچپن ہجری میں وفات پائی۔ (مرقات)

۲؎یعنی حضور انور نے غزوہ طائف میں طائف کے کنارہ پر گوپھن(گھونی) نصب فرمائی تاکہ اس میں پتھر رکھ کر طائف پر پتھروں کی گولہ باری کی جائے۔بڑی گوپھن سے قلعہ کی دیواریں تک توڑ دی جاتی تھیں،طائف کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔فقیر نے طائف کی زیارت کی ہے،وہاں حضرت عبداللہ ابن عباس کا مزار پرانوار ہے۔

۳؎چونکہ ثور ابن یزید تابعی ہیں،انہوں نے صحابی کا نام لیا نہیں،اس لیے یہ حدیث مرسل ہوئی۔خیال رہے کہ طائف کے معنی ہیں گھومنے والا،چونکہ طائف کا راستہ پیچ دار ہے کہ مکہ معظّمہ سے طائف جانے والا گھومتا خم کھاتا ہوا جاتا ہے،نیز یہ زمین پہلے ملک شام میں تھی رب تعالٰی نے وہاں سے منتقل فرما کر اسے بیت اللہ کا طواف کراکر یہاں رکھی دعاء ابراہیم کی وجہ سے۔نیز یہ سرزمین عرصہ تک پانی پر گردش کرتی رہی طوفان نوح میں۔ان وجوہ سے اسے طائف کہتے ہیں،بڑی سرسبز ہے آب و ہوا بہت اچھی۔(مرقات)

باب حکم الاسراء

باب قیدیوں کا حکم۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎اسراء الف کے فتح سین کے جزم سے جمع اسیر کی بمعنی قیدی۔یہ جمع قلّت ہے اور اساری جمع کثرت، چونکہ جہاد میں کبھی کفار قید ہوکر بھی آتے ہیں اس لیے کتاب الجہاد میں اس کا ذکر ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ اس قوم سے خوش ہوتا ہے جو پابہ جولان جنت میں داخل ہوتے ہیں ۱؎اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کی طرف زنجیروں میں کھینچ کر لائے جاتے ہیں ۲؎(بخاری)

۱؎اس طرح کہ جنگ میں گرفتار ہو کر آتے ہیں،پھر مسلمانوں کے اخلاق و عبادات سے اثر لے کر مسلمان ہوجاتے ہیں،پھر رب تعالٰی انہیں حسن خاتمہ نصب فرماکر جنت میں داخل فرمادیتا ہے۔یہ اسیری ان کی دوزخ سے رہائی جنت میں داخلہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

۲؎سرکار کا یہ فرمان عالی بدر کے قیدیوں کو ملاحظہ فرماکر تھا کہ وہ تمام ہی مسلمان بلکہ مسلمان گرہوگئے۔حضرت عباس حضرت ابوالعاص وغیرہم اسی دن ہی ایمان لے آئے تھے اگرچہ بعض نے اظہار ایمان فتح مکہ کے دن کیا۔غرضیکہ ان کے لیے یہ قیدوبند اللہ کی رحمت ہوگئی۔(از اشعہ)اس فرمان کی اور شرحیں بھی کی گئیں۔بعض لوگ دنیاوی مصیبتیں دیکھ پاکر توبہ کرکے جنتی ہوجاتے ہیں ان کے لیے یہ مصیبتیں زنجیریں ہیں جن کے ذریعہ رب انہیں جنت کی طرف کھینچتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکوں کا ایک جاسوس آیاجب کہ حضور سفر میں تھے تو حضور کے صحابہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا پھر چل دیا ۱؎نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تلاش کرو اور اسے قتل کردو ۲؎ میں نے قتل کردیا تو حضور نے اس کا سامان مجھے بخش دیا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱یعنی مسلمانوں کے حالات دیکھ کر ان کے آئندہ ارادے معلوم کرکے ان کی باتیں سن کر مشرکوں کی طرف مخبری کرنے روانہ ہوگیا۔

۲یہ جاسوس یا تو حربی کافر تھا جو بغیر اجازت دارالاسلام میں گھس آیا تھا یا کوئی ذمی کافر تھا جو حربی کفار کی جاسوسی کی وجہ سے اپنا ذمہ توڑ چکا تھا،یہ دونوں قسم کے کفار قتل کے مستحق ہیں آج کل بھی اس پر عمل ہے۔اگر مسلمان کفار کی جاسوسی کرے تو اسے قتل تو نہ کیا جائے گا مگر اسے سزا ایسی سخت دی جائے گی کہ آئندہ جاسوسی کی ہمت نہ کرے۔(مرقات)لیکن اگر کوئی مسلمان کفار کو لشکر اسلام کا پتہ بتائے ان پر گولہ باری کرا کر کفار کے ہاتھوں لشکر اسلام کو قتل کرادے تو یقینًا قتل ہوگا۔مسلمان کو قتل کرنا،قتل کرانا،قتل کا سبب بننا،مسلم قوم کو تباہ کرنا ان سب کی سزا قتل ہے۔

۳یعنی اس مقتول جاسوس کا سارا سامان گھوڑا جوڑا ہتھیار اس کے جسم کا سونے چاندی کا زیور غرضیکہ ساری چیزیں قاتل یعنی حضرت سلمہ ابن اکوع کو عطا فرمائیں۔اس مسئلہ کی بحث ان شاءاللہ اپنے مقام پر آئے گی۔اس میں جو آئمہ دین کا اختلاف ہے وہاں ہی مذکور ہوگا۔ان شاءاللہ!یہاں صرف یہ سمجھ لو کہ جہاد میں قاتل کو مقتول کا سامان بغیر خمس نکالے ہوئے دے دینا امام شافعی کے ہاں اسلامی قانون ہے کہ بہرحال دینا ہی پڑے گا اور ہمارے ہاں اگر امام اس کا اعلان کردے تو دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوازن پر حملہ کیا۱تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کررہے تھے ۲کہ اچانک ایک شخص سرخ اونٹ پر آیا اسے بٹھادیا اور لگا دیکھنے اور ہم میں کمزور لوگ تھے اور سواریوں میں کمی تھی۳اور ہمارے بعض پیدل تھے کہ وہ دوڑتا ہوا نکلا۴ اپنے اونٹ کے پاس آیا اسے اٹھایا اسے لے کر اونٹ دوڑ گیا تو میں دوڑتا ہوا نکلاحتی کہ میں نے مہار پکڑلی میں نے اسے بٹھالیا پھر میں نے اپنی تلوار سونت لی تو اس کے سر پر مار دی ۵پھر میں اونٹ ہانک لایا جس پر اس کا سامان اس کے ہتھیار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور لوگ مجھے سامنے سے ملے تو فرمایا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا لوگوں نے کہا ابن اکوع نے حضور نے فرمایا اس کا سارا سامان انہیں کا ہے۶(مسلم،بخاری)

۱؎ اس غزوہ کا نام غزوہ حنین ہے جو فتح مکہ کے بعد ۶ شوال ہفتہ ہی کے دن ہوا۔حنین مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔فقیر نے اس کی زیارت کی ہے۔ہوازن اس قبیلہ کفار کا نام ہے جو وہاں مسلمانوں کے مقابل تھے پھر یہ مسلمان ہوگئے۔

۲؎ **نتضحی ضحی** سے بمعنی چاشت اس لیے چاشت کے وقت کی نماز کو صلوۃ الضحیٰ کہتے ہیں۔بعض شارحین نے یہاں اس کے یہ معنی کیے ہیں۔یعنی ہم نماز چاشت پڑھ رہے تھے مگر قوی یہ ہی ہے کہ یہاں ناشتہ کا کھانا مراد ہے یعنی ہم لشکر والے حضور انور کے ساتھ ناشتہ میں مشغول تھے۔

۳؎ **ضعفة** ض کے فتحہ عین کے بھی فتحہ سے جمع ہے،**ضعیف** بمعنی کمزوری اور **رقت** کے معنی ہوتے ہیں پتلا پن،غلظ کا مقابل یہاں تنگی وکمی مراد ہے یعنی ہمارے پاس اس زمانہ میں سامان جنگ حتی کہ سواریوں کی بھی کمی تھی اور ہم لوگ جسمانی کمزور بھی تھے۔

۴؎ تاکہ ہماری اس کمزوری اور بے سامانی کی خبر ہمارے حریف کافروں کو دے کر انہیں ہمارے مقابلہ پر دلیر کرے یعنی میں تیزی سے اس کے پیچھے دوڑا حتی کہ اس کے اونٹ تک پہنچا آگے ہوکر اس کی مہار پکڑ کر روک لیا اللہ اکبر یہ ہے اسلامی ہمت،آپ نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ میرے مہار کو پکڑتے ہوئے مجھے قتل کرکے بھاگ جائے گا۔جو مرد میدان ہتھیلی پر سر رکھ لے وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

۵؎ کہ وہ مرگیا،یہ تائید غیبی تھی کہ اس دوران میں اس نے آپ کو شہید نہ کردیا،اس کی ہمت ہی نہ پڑی **من کان للہ کان اللہ لہ**۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ جاسوس کا قتل جائز ہے اور جاسوس کے ثبوت کے لیے صرف علامات ہی کافی ہیں،باقاعدہ گواہیوں کی ضرورت نہیں۔آج بھی جس کے پاس خبر رسانی کے آلات پائے جاتے ہیں اسے جاسوس مان لیا جاتا ہے۔

۶؎ یعنی صرف اس کا لباس ہی نہیں بلکہ ہتھیار،لباس،زیور،سواری،کاٹھی وغیرہ جو کچھ اس مقتول کے پاس تھا سب ان کو دے دو اور اس میں خمس بھی نہ لیا جائے یہ ہی ہمارا مذہب ہے کہ قاتل غازی کو کافر مقتول کا سارا مال دیا جائے اس میں خمس نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب بنی قریظہ نے حضرت سعد ابن معاذ کے حکم پر اترنا چاہا ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا تو وہ گدھے پر سوار آئے ۲؎ جب قریب آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کی طرف اٹھو چلو ۳؎ چنانچہ وہ آئے بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے حکم پر اتر رہے ہیں ۴؎ فرمایا کہ میں تو حکم دیتا ہوں کہ ان کے جنگجو قتل کردیئے جائیں

	اور بچے قید کرلیے جائیں ۵؎فرمایا تم نے ان کے متعلق فرشتے کا حکم دیا ۶؎اور ایک روایت میں ہے اللہ کا حکم دیا ہے(مسلم،بخاری)

۱؎یہ واقعہ شوال ۵ھ؁ پانچ ہجری کا ہے کہ یہود مدینہ بنی قریظہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے بد عہدی کرکے مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا جس کی وجہ سے غزوہ احزاب یعنی خندق کا واقعہ پیش آیا،اللہ تعالٰی نے ان سب کفار کی تمام تدبیروں کو ایک آندھی کے ذریعہ ختم فرمادیا۔مسلمانوں نے غزوہ خندق سے فارغ ہوکر بحکم خداوندی ان بدعہد یہودیوں بنی قریظہ کا محلّہ گھیر لیا۔یہ لوگ پچیس دن اپنے قلعوں میں محصور رہ کر تنگ آگئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم حضرت سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں وہ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔حضور نے بھی ان کی یہ درخواست قبول فرمالی،چونکہ حضرت سعد ابن معاذ قبیلہ اوس کے سردار تھے اور بنی قریظہ اس کے حلیف تھے زمانہ جاہلیت میں اس لیے انہیں یقین تھا کہ حضرت سعد ہمارے حلیف ہونے کا لحاظ کرکے ہم پر نرمی کریں گے اس لیے وہ آپ کے فیصلہ پر راضی ہوئے مگر فیصلہ وہ ہوا جو آگے آرہا ہے۔

۲؎آپ غزوہ خندق میں زخمی ہوگئے تھے بیمار تھے اس لیے سواری پر حاضر ہوئے،آپ کہیں دور سے نہ آئے تھے اپنے گھر سے ہی آئے تھے جو مدینہ منورہ میں تھا۔(مرقات)

۳؎اس میں خطاب ان انصار سے ہے جو حاضر بارگاہ تھے یا سارے حاضرین سے یعنی اپنے ان سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاؤ اور ان کے استقبال و پیشوائی کے لیے جاؤ،ابھی حضرت سعد کا خچر دور ہی تھا تب یہ حکم صادر ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ان کا استقبال کرنا سنت ہے۔جن احادیث میں تعظیمی قیام سے منع فرمایا گیا ہے وہ وہ ہے کہ سردار بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں یہ ہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔(مرقات واشعہ)بعض نے کہا کہ یہ قیام تعظیمی نہ تھا بلکہ حضرت سعد بیمار تھے خود اتر کر نہ آسکتے تھے ان کی مدد کے لیے یہ حکم دیا گیا اس لیے یہاں لام نہ فرمایا الیٰ ارشاد ہوا مگر یہ توجیہ کمزور ہے ورنہ صرف ایک دو آدمیوں کو انہیں اتارنے کے لیے بھیج دیا جاتا سب کو یہ حکم نہ ہوتا۔**قوموا** جمع ہے نیز پھر **سیدکم** نہ فرمایا جاتا بلکہ **مریضکم** ارشاد ہوتا۔**سیدکم** فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام سرداری کی وجہ سے تھا نہ کہ بیماری کی وجہ سے،چونکہ قیام کے ساتھ استقبال کے لیے آگے بھیجنا بھی تھا اس لیے الیٰ ارشاد ہوا۔قیام تعظیمی کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو اور ان شاءاللہ اس کتاب میں **باب القیام** میں آوے گی۔

۴؎یعنی تمہارے فیصلہ پر یہ بنی قریظہ راضی ہیں اور ہم کو بھی منظور ہے لہذا تم فیصلہ کرو۔معلوم ہوا کہ کسی کو پنچ مقرر کرنا اس سے فیصلہ کرانا سنت سے ثابت ہے۔

۵؎جنگجو سے مراد مطلقًا جوان مرد ہیں خواہ جنگ کرتے ہوں یا کراتے ہوں یا رائے دیتے ہوں اور **ذریۃ** سے مراد چھوٹے بچے عورتیں ہیں جنہیں جنگ سے کوئی تعلق نہ ہو۔(مرقات)خیال رہے کہ ان یہود مدینہ اور کفار و مشرکین میں یہ طے ہوا تھا کہ مشرکین تو باہر سے مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کریں اور ہم اندرون مدینہ مسلمانوں کو ماریں اور مسلمانوں کو

ایسا کچل دیں جیسے چکی میں دانہ اس لیے ان کے جوانوں کو مقاتلہ فرمایا گیا۔لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ غزوہ احزاب میں باقاعدہ قتال ہوا ہی نہ تھا،مشرکین تو خندق دیکھ کر حیران رہ گئے یہود مدینہ ان کی رکاوٹ و حیرانی کی وجہ سے باقاعدہ جنگ نہ کرسکے۔

۶؎ فرشتہ سے مراد یا تو جبریل علیہ السلام ہیں یا وہ فرشتہ جو مؤمن کے دل میں بطور الہام اچھے خیالات پیدا کرتا ہے۔

۷؎ یعنی تم نے ایسا حکم دیا جس سے اللہ رضی ہے یا اللہ تعالٰی نے بذریعہ فرشتہ تمہارے دل میں یہ حکم ڈالا اور تم نے سنایا۔زبان تمہاری ہے فیصلہ رب کا ہے۔سبحان اللہ! کیسی شان ہے حضرت سعد کی رضی اللہ عنہ۔اس سے معلوم ہوا کہ بڑے اہم فیصلوں میں بھی حکم(پنچ) بنانا جائز ہے اور پنچ کے فیصلہ پر فریقین کو راضی ہونا پڑے گا،پنچ کے فیصلہ کی اپیل نہیں۔سلطان بھی اپنا پنچ بناسکتا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے ۱؎ وہ لوگ بنی حنیفہ کا ایک شخص پکڑ لائے جسے ثمامہ ابن اثال کہا جاتا تھا یعنی یمامہ والوں کا سردار ۲؎ تو اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا ۳؎ تو اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا تیرے پاس کیا ہے ۴؎ اے ثمامہ وہ بولا اے محمد میرے پاس بھلائی ہے ۵؎ اگر آپ قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے ۶؎ اور اگر آپ احسان کریں تو شکر گزار پر کریں گے ۷؎ اگر آپ مال چاہتے ہوں تو طلب فرمایئے جو چاہیں گے حاضر کیا جائے گا ۸؎ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا ۹؎ حتی کہ کل کا دن ہوا تو فرمایا اے ثمامہ تیرے پاس کیا ہے وہ بولا میرے پاس وہ ہی ہے جو میں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر احسان فرماؤ گے تو شکر گزار پر احسان فرماؤ گے اور قتل فرماؤ گے تو بڑے بھاری خون والے کو قتل فرماؤ گے اور اگر آپ مال چاہتے ہوں تو طلب کیجئے حاضر کیا جائے گا جو آپ چاہیں گے اسے پھر حضور انور نے چھوڑ دیا حتی کہ پرسوں کا دن ہوا تو اس سے فرمایا کہ ثمامہ تیرے پاس کیا ہے وہ بولا میرے پاس وہ ہی ہے جو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ احسان کریں گے تو شکر گزار پر کریں گے اور

	اگر قتل کریں گے تو بھاری خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہوں تو طلب کیجئے جو آپ چاہیں گے حاضر کیا جائے گا ۱۰؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ ثمامہ کو کھول دو ۱۱؎ وہ مسجد کے قریبی باغ کی طرف گیا غسل کیا پھر مسجد میں آیا ۱۲؎ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اس کی رسول ہیں اے محمد اللہ کی قسم مجھے روئے زمین پر کوئی چہرہ تمہارے چہرے سے زیادہ ناپسند نہ تھا اب آپ کا رخ انور تمام چہروں سے مجھے زیادہ پیارا ہوگیا ۱۳؎ اللہ کی قسم مجھے کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ ناپسند نہ تھا مگر اب آپ کا دین مجھے تمام دینوں سے زیادہ پیارا ہوگیا ۱۴؎ اللہ کی قسم کوئی شہر مجھے آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا مگر اب مجھے آپ کی نگری تمام شہروں سے زیادہ پیاری ہوگئی ۱۵؎ اور آپ کے لشکر نے مجھے اس حال میں گرفتار کیا کہ میں عمرہ کا ارادہ کررہا تھا اب آپ کیا مناسب سمجھتے ہیں ۱۶؎ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا ۱۷؎ تو جب وہ مکہ آئے تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا تم بے دین ہوگئے ۱۸؎ وہ بولے نہیں لیکن میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ ایمان لے آیا ۱۹؎ اور خدا کی قسم یمامہ سے تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ نہ پہنچے گا حتی کہ اس کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے دیں ۲۰؎ (مسلم) اور بخاری نے اسے مختصرًا روایت کیا۔

۱؎ یہ واقعہ ہجری کا ہے۔نجد کے لغوی معنی ہیں اونچی زمین مگر اس سے مراد ہوتا ہے عرب کا ایک صوبہ کیونکہ یہ صوبہ یمن سے ہے نیچا۔حجاز،عراق،یمن،بحرین،نجد ان پانچ صوبوں کا نام عرب ہے باقی عجم۔

۲؎ یمامہ نجد کے علاقہ میں ایک شہر ہے،مکہ معظمہ سے سولہ منزل ہے،یہاں ہی مسیلمہ کذاب پیدا ہوا تھا،بنی حنیفہ ایک قبیلہ کا نام ہے اسی قبیلہ میں مسیلمہ پیدا ہوا۔

۳؎ مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تاکہ ثمامہ یہاں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے دیکھے اور اسے ایمان میسر ہوجائے۔چنانچہ معلوم ہوا کون ہے جو غور سے حضور کو دیکھے اور ان پر فدا نہ ہوجائے۔

کفرواسلام کے جھگڑے تیرے چھپنے سے بڑھے تو اگر جلوہ دکھا دے تو تو ہی تو ہوجاوے

اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو مسجد میں آنا،اسے وہاں لانا وہاں رکھنا،وہاں باندھنا جائز ہے،ثمامہ عمومًا اس ستون سے بندھا رہتا تھا پیشاب یا پاخانہ کے لیے اسے باہر لے جایا جاتا تھا کھانا پانی وہاں ہی دیا جاتا ہوگا۔دھوپ کا تو وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،غرضیکہ ثمامہ کو وہاں کوئی تکلیف نہ تھی،وہاں بندھے رہنے میں انہیں وہ لذت آتی ہوگی جو بیان سے باہر ہے۔دیکھتے جلوہ محبوب کا آتے جاتے۔اب تک لوگ اس ستون کی زیارت کرتے ہیں جس سے ثمامہ کو باندھا گیا تھا،ثمامہ وہاں تین دن بندھے رہے۔

۴؎ یعنی تیرا حال کیا ہے تجھے کھانے پینے وغیرہ کی کوئی تکلیف تو نہیں یا تیرا ہمارے متعلق خیال کیا ہے ہم تجھ سے کیا برتاؤ کریں گے۔(اشعہ و مرقات)اس قید پر ہزاروں آزادیاں قربان۔

دیکھا انہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا آزاد ہے جو آپ کے دامن سے بندھا ہے

۵؎ یعنی ہر طرح خیریت و آرام سے ہوں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے صحابہ کرام میری راحت کا بہت خیال رکھتے ہیں یا حضور کے متعلق میرا خیال خیر ہے کیونکہ محسن ہیں آپ سے مجھے ظلم کا اندیشہ نہیں۔(مرقات)

۶؎ دم دال سے ہے بمعنی خون اور خون والے سے مراد ہے مستحق قتل یا شریف قوم یعنی اگر آپ مجھے قتل فرمادیں تو واقعی میں قتل ہی کا مستحق ہوں کہ آپ کے دشمنوں میں سے ہوں اس قتل میں آپ ظالم نہ ہوں گے یا آپ بڑے قیمتی خون والے کو قتل کریں گے کیونکہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں سردار کا خون بڑا اہم ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ذم نقطے والی ذال سے ہے بمعنی ذمہ اور عہد یعنی آپ بڑے ذمہ دار کو قتل کریں گے میں معمولی آدمی نہیں ہوں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں سردار ہوں مگر یہ روایت غیر مشہور سی ہے۔

۷؎ یعنی اگر آپ مجھ پر احسان فرما کر مجھے چھوڑ دیں گے تو عمر بھر آپ کا شکر گزار رہوں گا،میں احسان فراموش نہیں ہوں،احسان مند رہوں گا۔

۸؎ یعنی آپ مجھے فدیہ لے کر چھوڑنا چاہیں تو میں بہت بڑا مالدار قوم کا سردار ہوں میری قوم کو پیغام بھیجئے جتنا مال چاہیں گے آجائے گا۔

۹؎ اس حال میں بندھا رہنے دیا نہ قتل کرایا نہ آزاد کیا نہ کوئی مطالبہ فرمایا،یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ ان دنوں میں حضور نے اس کے دل پر توجہ فرمائی باطن میں تصرف فرمایا اس کا نتیجہ تیسرے دن ظاہر ہوا۔

۱۰؎ خیال رہے کہ ان تینوں دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال ایک ہی رہا مگر ثمامہ نے پہلے دن جواب میں قتل کا ذکر پہلے کیا احسان و مال کا ذکر بعد میں مگر پچھلے دو دنوں کے جواب میں انعام و رحم خسروانہ کا ذکر پہلے کیا قتل کا ذکر بعد میں کیونکہ ثمامہ کی نظر پہلے دن اپنے جرم پر تھی اور دوسرے دنوں میں حضور کے رحم و کرم و احسان پر۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ مجرم کو چاہیے پہلے اپنے جرم کا اقرار کرے پھر استغفار،ثمامہ پر پہلے دن خوف غالب تھا باقی دنوں میں امید غالب،پہلے دن ثمامہ اجنبی تھا آخر دنوں میں رحم خسروانہ کرم شاہانہ سے آشنا ہوچکا تھا۔(از مرقات)

۱۱؎ تین دن جمال کا نظارہ کراکے اپنی ادائیں دکھا کر فرمایا کہ ثمامہ کو آج قید سے آزاد کردو جہاں چاہیں جائیں مگر ثمامہ کا دل اپنی محبت میں قید کرلیا۔چڑیا کے پر کاٹ کر پنجرے سے نکال دو اور کہو جا اڑ جامگر اب وہ اڑے کس چیز سےاڑنے والی چیز تو ختم ہوچکی۔صحابہ نے سوچا ہوگا کہ ثمامہ گئے مگر کہاں جاتےجانے کے قابل ہی نہ رہے۔

تال سوکھ پر بھٹ ہوا اور ہنسا کہیں نہ جائیں   باندھے پچھلی پریت کے وہ کنکر چن چن کھائیں

ہنس تالاب کے کنارہ رہتا ہے تالاب سوکھ جانے پر وہاں ہی مٹی چاٹ کر دم توڑ دیتا ہےمگر تالاب چھوڑکر نہیں جاتا۔

۱۲؎ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ پہلے قیدکرکے لائے گئے تھےاب خود قید ہوکر آئے۔

گر کے قدموں پر وہ قرباں ہوگیا   پڑھ لیا کلمہ مسلمان ہوگیا

معلوم ہوا کہ اسلام لاتے وقت غسل کرنا سنت صحابہ ہے،بعض نسخوں میں **نجل** جیم سے ہےبمعنی تھوڑا یا بہتا ہوا پانی مگر قوی روایت **نخل** خ سے ہےیعنی وہ قریبی باغ میں گئے جس میں کچھ پانی تھا وہاں غسل کیا۔معلوم ہوا کہ جاری پانی سے وضو و غسل کرلینا جائز ہےمالک سے پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ اتنے پانی سے عموماً منع نہیں کیا جاتا۔

۱۳؎ چہرے سے مراد ذات ہے،چونکہ ملاقات کے وقت پہلے چہرہ ہی نظر آتا ہےاس لیے ذات کے لیے چہرہ ہی بول دیا جاتا ہے یعنی اب چند منٹ پہلے تک مجھے آپ سے بہت عداوت ونفرت تھی مگر قید سے چھوٹتے ہی میرے دل کی دنیا بدل گئی کہ میرا دل آپ کی محبت سے ایسا بھر گیا کہ اب جیسے آپ مجھے پیارے ہیں ایسا پیارا کوئی نہیں نہ ماں باپ نہ اولاد بلکہ نہ اپنی جان تمام چیزوں میں یہ سب داخل ہیں۔معلوم ہوا کہ جب دل میں ایمان آتا ہے تو پہلے محبت رسول آتی ہے یہ محبت رسول ہی اصلی ایمان ہے۔جنہوں نے حضور کو جادو گر کہاانہوں نے قرآن کو جادو کہا،جنہوں نے حضور کو کاہن یا شاعر(ناول گو)کہا انہوں نے قرآن کو کہانت اور شعر(ناول)کہا،جنہوں نے حضور کو رسول اللہ کہا انہوں نے قرآن شریف کو کتاب اللہ کہا،قرآن بلکہ رحمان کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،آپ کی معرفت سے قرآن و رحمان تک پہنچا جاتا ہے۔

۱۴؎ دین اسلام میں توحید،قرآن،حشرونشر،فرشتے،قیامت وغیرہ سب داخل ہیں یعنی آپ کی محبت سے مجھے ان تمام کی محبت نصیب ہوگئی۔گھر میں جب گھر والا آتا ہے تو مع سامان کے آتا ہے،محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی مکین ہیں اور یہ ساری محبتیں اس محبت کا سامان۔

۱۵؎ یعنی اب مجھے مدینہ پاک کے گلی کوچے عرش و فرش کے ہر مقام سے زیادہ پیارے ہوگئے۔معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کی محبت علامت ایمان ہےوہاں کے ذرے دونوں جہان سے زیادہ پیارے ہیں۔

خاک طیبہ ازدو عالم خوشتر است   اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے   یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے

یہ محبت مدینہ علامت ایمان اور ذریعہ نجات ہے،اللہ نصیب فرمادے۔

من مذھبی حب الدیار لاھلھا   وللناس فیما یعشقون مذاھب

۱۶؎ یعنی میں اپنے گھر سے عمرہ کرنے مکہ معظّمہ جارہا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار کرلیا گیا،اب فرمائیں عمرہ کو جاؤں یا نہ جاؤں۔سبحان اللہ! قدرت نے کہا ہوگا کہ اے ثمامہ مدینہ کے راستے سے مکہ معظّمہ جاؤ،خود رب کعبہ سے ملنا ہو تو مدینہ کے راستے سے ملا جاتا ہے تو کعبہ کو بھی اسی راستہ سے جانا چاہیے۔

ملتے ہیں سب اہلِ دل خدا سے ۔۔۔ طیبہ سے نجف سے کربلا سے

ثمامہ کی قوت ایمانی کا یہ حال ہوگیا کہ اب عمرہ بھی کرنا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر،آپ فرمائیں تو عمرہ کروں ورنہ نہ کروں،ہر عبادت ان کی اجازت سے کی جائے تو عبادت ہے۔

۱۷؎ پہلے جنت رضاء الٰہی کی خوشخبری دی بعد میں عمرہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔بتایا کہ اسلام کی برکت سے تمہارے سارے گناہ معاف ہوگئے،نیکیاں قبول ہوگئیں۔

۱۸؎ صبوت بنا ہے صبو سے بمعنی میل اور جھک جانا۔علم سے جہالت اور دین سے بے دینی کی طرف جھک جانے کو صبو کہتے ہیں۔کفار مکہ اسلام لانے کو صبو اور مسلمانوں کو صابی کہتے تھے یعنی اے ثمامہ تم اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑکر بے دین بن گئے۔

۱۹؎ یعنی تم الٹی بات کہہ رہے ہو اب تک میں بے دین تھا اب دین والا ہوگیا،اب تک کافر تھا اب مؤمن ہوگیا،میں تو گویا اب پیدا ہوا۔یہاں ساتھ سے مراد زمانہ کی ہمراہی نہیں بلکہ دین میں ساتھ ہونا مراد ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کے مؤمن ہیں جب کہ عالم کی کوئی چیز نہ بنی تھی۔

۲۰؎ چنانچہ ثمامہ نے یمامہ پہنچ کر حکم دے دیا کہ مکہ معظّمہ گندم،جو،کوئی غلہ نہ جانے پائے اور یمامہ کے غلہ پر ہی مکہ والوں کا گزارہ تھا،قریشی بھوکے مرنے لگے تب انہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خطوط اور آدمی بھیجے کہ خدا کا واسطہ اپنی رشتہ داریوں کا صدقہ آپ ثمامہ کو غلہ بھیجنے کا حکم فرمادیں ہم آخر ہیں تو آپ کے عزیزوقرابت دار تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو حکم دیا اور مکہ والوں کو روزی نصیب ہوئی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ زمانہ جنگ میں کفار کو نہ ہتھیار فروخت کیے جائیں نہ غلہ۔اس سے کفار کو قوت حاصل ہوگی اور امن کے زمانہ میں اگرچہ غلہ انکے ہاتھ فروخت کیا جاسکتا ہے مگر ہتھیار پھر بھی نہ فروخت کرو۔کفار سے سلوک و احسان کرنا جائز ہے حتی کہ جنگی کافر قیدی کو بلامعاوضہ چھوڑ دینا بھی جائز ہے جب کہ اس میں مصلحت ہو۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص ابن ربیعہ کو احسان فرما کر چھوڑ دیا تھا یہ بدر میں قیدی ہوئے تھے،اس میں جو آئمہ اسلام کا اختلاف ہے وہ فقہ میں دیکھو۔اس حدیث سے بہت سے مسائل نکل سکتے ہیں جن میں سے کچھ ہم نے شرح کے دوران بیان کر دیئے،باقی تحقیق مرقات میں اس جگہ مطالعہ فرماؤ۔ثمامہ کی برکت سے بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔

3965 - [6](صحیح) وعن جبير بن مطعم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في أسارى بدر:" لو كان المطعم بن عدي حيا ثم كلمني في هؤلاء النتنى لتركتهم له " . رواه البخاري	روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا کہ اگر مطعم ابن عدی زندہ ہوتے پھر وہ مجھ سے ان گندوں کے متعلق گفتگو کرتے تو ان کی وجہ سے میں انہیں چھوڑ دیتا۔(بخاری)

۱؎ آپ جبیر ابن معطم ابن عدی نوفل ابن عبدمناف ہیں،کنیت ابومحمد ہے،فتح مکہ یا خیبر کے دن ایمان لائے، بڑے شاعرنسبوں کے عالم سردار قوم تھے،حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد تھے، ۵۴ھ چوّن میں وفات پائی، آپ نے یہ حدیث زمانہ کفر میں سنی تھی اور بعد اسلام روایت کی۔مطعم سے مراد جبیر ابن مطعم کے والد ہیں۔ان گندوں سے مراد یا تو بدر میں مقتولین کفار ہیں کہ وہ کفر پر مرے یا بدر کے قیدی کہ وہ اس وقت گندگی کفر میں تھے۔خیال رہے کہ مطعم ابن عدی نے طائف میں کفار طائف کو حضور سے ہٹایا تھااور حضور کی زبردست حمایت کی تھی،فرمایا کہ اے جبیر تمہارے والد کا مجھ پر احسان ہے اگر آج وہ زندہ ہوتے اور ان کفار کی سفارش کرتے تو ان کی سفارش پر میں ان سب کو بغیر معاوضہ چھوڑ دیتا۔خیال رہے کہ شروع اسلام میں کفار قیدیوں کو احسان کرکے چھوڑ دینا جائز تھا،پھر منسوخ ہوگیا یہ ہی مذہب ہےامام ابوحنیفہ مالک وا حمد کا،امام شافعی کے ہاں اب بھی جائز ہےان کی دلیل آیۃ کریمہ ہے اور یہ حدیث ہے،ہمارے ہاں یہ دونوں اس آیت سے منسوخ ہیں"قٰتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً"۔(دیکھو فتح القدیر اور مرقات وغیرہ)حضرت جبیر بطور فخریہ روایت کررہے ہیں کہ حضور نے میرے والد کی ایسی عزت افزائی کی۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ مکہ والوں میں سے اسّی آدمی تنعیم پہاڑ سے ہتھیار بند ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کودے ۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غفلت اور حضور کے صحابہ کی غفلت کے ارادے میں تھے ۲؎ کہ انہیں زندہ گرفتار کرلیا ۳؎ پھر انہیں زندہ چھوڑ دیا اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں آزاد کردیا ۴؎ تب اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ وہ رب وہ ہے جس نے مکہ کے درمیان ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا ۵؎(مسلم)	

۱؎ یہ واقعہ سال حدیبیہ کا ہے،**تنعیم** مکہ معظّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر بیرون حرم جگہ کا نام ہے،یہاں سے عمرہ کا احرام باندھنے لوگ مکہ معظّمہ سے آتے ہیں،قریب ترین یہ ہی جگہ ہے،یہاں ہی مسجد حضرت عائشہ صدیقہ ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔اسے تنعیم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی داہنی جانب نعیم پہاڑ ہے اور بائیں طرف ناعم پہاڑ واقع ہے،اس جنگل کا نام نعمان ہے،دیکھو مرقات۔یہ اسّی آدمی ڈھال تلوار وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح تھے،ان کی نیت خراب تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ تو عمرہ کے احرام میں تھےاور ان کے ارادے کچھ اور ہی تھے۔

۲؎ یعنی ان کی نیت یہ تھی کہ مسلمان غافل ہوں تو ہم ان پر ٹوٹ پڑیں سب کو شہید کردیں۔**غرہ** غین کے کسرہ سے بمعنی غفلت و فریب۔

۳؎ سلم سین کے کسرہ یا فتحہ اور لام کے سکون سے بمعنی صلح،سلامی،اطاعت،سپرد کردینا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ"اور فرماتاہے:"رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ"ایک اور ایک سے زیادہ پر بولا جاتا ہے،یہاں بمعنی سلامتی یا بمعنی اطاعت یعنی سارے کے سارے صحیح سلامت یا مطیع و فرمانبردار ہوکر گرفتار کرلیے گئے۔

۴؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو انہیں قتل کیا نہ قیدی بلکہ اسی طرح چھوڑ دیا تاکہ ان پر اپنے ظلم حضور کی معافی کا اثر پڑے اگر یہ احسان نہ کیا جاتا تو کفار مکہ سے جنگ چھڑ جاتی۔

۵؎ یعنی اللہ تعالٰی کا ہی کرم تھا کہ اس نے ان اسّی کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیا جس سے وہ تم سے لڑ نہ سکے بلکہ گرفتار ہوگئے اور تمہارے دل میں رحم و کرم ڈال دیا جس سے تم نے انہیں قتل یا قید نہ کیا بلکہ چھوڑ دیا جس کا نتیجہ آخر کار صلح ہوا۔اس جگہ کو بطن مکہ اس لیے فرمایا گیا کہ مکہ معظّمہ سے حدیبیہ بہت ہی قریب ہے حتی کہ اس کا ایک حصہ حرم شریف میں ہی واقع ہے اس آیۃ کریمہ کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں مگر قوی تفسیر یہ ہی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ صحابہ کرام کو بارگاہ الٰہی میں وہ قرب حاصل ہے کہ ان کے فعل کو رب تعالٰی اپنا فعل قرار دیتا ہے کہ یہاں اس آیت کریمہ میں رب نے فرمایا:"کَفَّ اَیۡدِیَہُمْ"۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم سے انس ابن مالک نے بروایت ابو طلحہ ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس سرداران قریش کے متعلق حکم دیا ۲؎ تو وہ بدر کے کنووں میں سے ایک گندے اور پلید کنویں میں ۳؎ ڈال دیئے گئے اور جب حضور کسی قوم پر غالب آتے تھے تو میدانِ جنگ میں تین شب قیام فرماتے تھے ۴؎ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو اپنی سواری کے متعلق حکم دیا تو اس پر پالان باندھ دیا گیا ۵؎ پھر حضور چلے اور حضور کے صحابہ پیچھے پیچھے گئے حتی کہ کنوئیں کے کنارے پر کھڑے ہوئے ۶؎ تو انہیں ان کے اور ان کے باپ داداؤں کے نام سے پکارنے لگے کہ اے فلاں ابن فلاں اور اے فلاں ابن فلاں ۷؎ کیا اب تم کو یہ پسند ہے کہ تم نے اللہ رسول کی اطاعت کی ہوتی ۸؎ ہم نے تو وہ حق پایا جو ہم سے ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا ۹؎ تو تم نے بھی وہ حق پالیا جو تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا ۱۰؎ تو حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ حضور ان جسموں سے کلام فرماتے

	ہیں جن میں جان نہیں ۱۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے میرے فرمان کو تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے ۱۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دیتے ۱۳؎ (مسلم، بخاری) بخاری نے یہ زیادہ کیا کہ قتادہ نے فرمایا کہ اللہ نے انہیں زندہ کیا حتی کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سنادیا سرزنش، ذلت، بدلہ، حسرت، ندامت کے لیے ۱۴؎

۱؎ آپ قتادہ ابن وعامہ ہیں، کنیت ابو الخطاب ہے، نابینا تھے، حضرت انس اور عبداللہ ابن حسن صدیق سے ملاقات ہے، تابعی ہیں، ۱۰۷ھ ایک سو سات ہجری میں وفات ہوئی۔(اکمال)

۲؎ غزوہ بدر میں ستر۷۰ کفار ہلاک کردیئے تھے اور ستر قیدی۔ہلاک شدگان میں چوبیس بڑے چوٹی کے سردار تھے جن کی نعشیں خصوصیت سے یہاں پھینکوائی گئی تھیں۔**صنادید** جمع ہے **صندید** کی،**صندید** کے معنی ہیں رئیس سردار،بہادر،اشرف عظیم یہاں تمام معنی بن سکتے ہیں۔

۳؎ **طوی** ط کے فتحہ اور واؤ کے کسرہ ی کے شد سے بمعنی من والا کنواں جس کا کنارہ گول دیوار سے گھیر دیا گیا ہوتا کہ اس میں کوئی گر نہ جائے یا تو پہلے ہی سے وہ کنواں گندا تھا کہ وہاں نجاسات ڈالی جاتی تھیں یا آج ان خبیثوں کی نعشیں ڈالنے کی وجہ سے گندا ہوگیا۔بعض روایات میں ہے کہ وہ قلیب یعنی کنوئیں کے جھیرے میں ڈالے گئے تھے،ہوسکتا ہے کہ بعض نعشیں کنوئیں میں ڈالی گئی ہوں اور بعض جھیرے میں۔

۴؎ یعنی طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ فتح فرمانے کے بعد فورًا واپس نہ ہوجاتے تھے بلکہ تین دن اسی میدان میں قیام فرماتے،پھر وہاں سے واپس ہوتے۔**عرصہ** وہ جنگل جس میں کوئی عمارت نہ ہو۔

۵؎ یعنی واپسی کے لیے سواریاں تیار کی گئیں ان پر سامان سفر رکھ دیا گیا۔

۶؎ جس کنوئیں میں ان سرداروں کی نعشیں پڑی تھیں اس کنوئیں کے کنارے پر قیام فرمایا اب وہ کنواں ناپید ہوگیا ہے۔میں کئی بار بدر شریف میں حاضر ہوا،تمام تاریخی مقامات کی زیارات کیں مگر یہ کنواں نظر نہ آیا۔معلوم ہوا کہ وہ گم ہوکر رہ گیا ہے۔

۷؎ یعنی ابوجہل امیہ ابن خلف وغیرہم میں سے ہر ایک کو الگ الگ نام لے کر پکارا اور کلام سب سے مجموعۃً کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کو پکارنا جائز ہے اگرچہ مردے کفار ہی ہوں اور ان سے کلام کرنا درست ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو ذبح کیے ہوئے جانوروں کو پکارا"**ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَكَ سَعۡیًا**"۔زیارات قبور کے موقعہ پر مردوں کو پکارکر سلام کرنا ان سے کلام کرنا سنت ہے۔

۸؎سوال تقریری ہے۔یعنی اب تو یقینًا تم کو یہ آرزو ہے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کرلیا ہوتا اور اللہ رسول کی اطاعت کی ہوتی جو واقعہ تھا حضور نے وہی بیان فرمادیا۔خیال رہے کہ بعد موت روح اپنے مقام پر پہنچادی جاتی ہے مؤمن کی اچھے مقام پر،کافر کی روح عذاب کے مقام پر مگر روح جہاں بھی ہو اسے قبر اور جسم سے تعلق ضرور رہتا ہے جیسے سونے کی حالت میں روح سیرانی عالم کی سیر کرتی ہے مگر سونے والے کے جسم سے تعلق رکھتی ہے کہ جہاں جسم کو ہاتھ لگایا اسے آواز دی روح کو خبر ہوگئی اس لیے قبر پر جاکر اسلام و کلام کیا جاتا ہے۔اس کی تحقیق ہم نے اپنی تفسیر نعیمی پارہ دوم **بل احیاء** کی تفسیر میں بھی کی ہے اور اسی مرآت **باب الجمعہ** مسئلہ **حیات النبی** میں بھی کی ہے۔حیات اموات اور حیات شہداء حیات النبی کا فرق وہاں مطالعہ کرو۔

۹؎اس وعدے سے مراد بعض وہ ربانی وعدے ہیں جن کا ظہور دنیا میں ہوچکا ہے۔بدر میں تھوڑے مسلمانوں کا بہت طاقتور مسلح کفار پر غلبہ،فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لیے اترنا وغیرہ۔وہ وعدے مراد نہیں جن کا ظہور بعد موت یا بعد قیامت ہوگا کہ وہ وعدے تو پورے ہوں گے ابھی پورے ہوئے نہیں۔

۱۰؎یہاں وعدے سے مراد وہ وعیدیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کفار تک پہنچیں خواہ دنیاوی ہوں یا برزخی جیسے بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھانا اور عذاب قبر وغیرہ،اخروی وعیدیں جن کا ظہور قیامت میں یا بعد قیامت ہوگا مراد نہیں کہ وہ ابھی پوری نہیں ہوئیں آئندہ ہوں گی لہذا حدیث بالکل صاف ہے کوئی اعتراض نہیں،اس فرمان عالی کا مقصد ان کفار کو سرزنش فرمانا ہے۔

۱۱؎یعنی یہ مردے نہ تو آپ کا فرمان سن سکتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں ایسوں سے کلام فرمانا عبث ہے اور عبث کام شان نبوت کے خلاف ہے۔

۱۲؎**اسمع** اسم تفضیل ہے جو زیادتی سننے پر دلالت کرتی ہے،جب تفضیل کی نفی ہوئی تو زیادتی کی نفی ہوئی یعنی تم زندے ان مردوں سے زیادہ سننے والے نہیں اور تمہارے برابر بلکہ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں کہ تم صرف سن رہے ہو مگر وہ میرا کلام سن بھی رہے ہیں اور عذاب قبر دیکھ بھی رہے ہیں۔

۱۳؎ایسا جواب جو عوام سن سکیں ورنہ میت کا سننا اس کا جواب دینا احادیث سے ثابت ہے مگر وہ جواب عام لوگ نہیں سنتے،مقبولین بارگاہ خصوصًا کشف قبور والے حضرات میت سے سلام و کلام اور گفتگو سب کچھ کرلیتے ہیں۔

۱۴؎یعنی مقتولین بدر کفار کا حضور بدر ہر وقت زندوں کا کلام نہیں سنتے۔یہ قتادہ کا قول ہے۔

مسئلہ سماع موتی

خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے بعد وفات سننے دیکھنے تصرف کرنے کے متعلق تمام اسلامی فرقے اسی پر متفق ہیں کہ وہ حضرات بعد وفات سنتے دیکھتے عالم میں تصرف کرتے ہیں کیونکہ حضرات انبیاء دنیاوی حقیقی حیات سے زندہ ہیں اور حضرات اولیاء بہ حیات اخروی معنوی زندہ ہیں۔(اشعۃ اللمعات)عام مردوں کے سننے کے متعلق علماء اسلام کی تین جماعتیں ہیں:ایک جماعت کہتی ہے کہ عام مردے کبھی نہیں سنتے۔حضرت عائشہ صدیقہ بھی پہلے یہ ہی فرماتی تھیں مگر بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا اور سماع موتی کی قائل ہوں گئیں۔(اشعۃ اللمعات)دوسری جماعت کہتی ہیں کہ مردے عام حالات میں تو نہیں

سنتے مگر خاص وقتوں میں سنتے ہیں جیسے بعد دفن،کہ دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتے ہیں یا حضور کے اس فرمان کے وقت مقتولین میں زندگی پیدا کی گئی جس سے انہوں نے حضور کا یہ فرمان سن لیا۔یہ قول حضرت قتادہ کا ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہوا۔تیسری جماعت کا قول ہے کہ عام مردے بھی ہر وقت سنتے،زائرین کو دیکھتے،پہچانتے ہیں۔

منکرین سماع کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ"اے محبوب تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکو(۲)قرآن کریم فرماتاہے:"وَ مَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ"جو قبروں میں ہیں آپ انہیں نہیں سنا سکتے(۳)حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمان کہ مردے نہیں سنتے(۴)فقہاء فرماتے ہیں کہ جوکسی سے نہ بولنے کی قسم کھالے پھر اس سے مرے بعد کلام کرے تو اس کی قسم ٹوٹے گی نہیں کیونکہ میت کلام سنتی سمجھتی نہیں۔منکرین سماع موتی کے کل یہ چار دلائل ہیں۔

قائلین سماع موتی کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)قرآن میں ہے حضرت صالح علیہ السلام جب عذاب یافتہ قوم کی نعشوں پر گزرے تو آپ نے ان سے خطاب کرکے فرمایا:"یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَـكُمۡ فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ"۔(۲)قرآن کریم میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی کافر عذاب یافتہ قوم کی نعشوں پر گزرے تو "فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَـكُمۡ فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ"۔یعنی اے قوم میں نے تم کو احکام الٰہی پہنچائے تمہاری بڑی خیر خواہی کی تو اب میں کافر قوم پر کیسے غم کروں۔(۳)قرآن کریم فرماتاہے:"وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ"اے محبوب اپنے سے پہلے رسولوں کو دریافت فرمالو ہم نے اللہ کے سوا کوئی معبود بنائے جن کی پوجا کی جائے(۴)یہ ہی حدیث جو مسلم،بخاری نے روایت کی جس سے معلوم ہوا کہ کافر مردے بھی سنتے ہیں۔(۵)مسلم شریف میں ہے کہ بعد دفن جب لوگ واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے(۶)حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو ان سے خطاب کرکے سلام بھی کہتے تھے اور کلام بھی کرتے تھے کہ تم ہمارے سلف ہو ہم تمہارے خلف(۷)حضرت عائشہ صدیقہ جب مکہ معظمہ میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر پہنچیں تو سلام کیا اور فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن اگر میں تمہارے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو تم کو وہاں ہی دفن کرتی جہاں تمہاری وفات ہوئی تھی(۸)حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرصدیق دفن رہے تب تک میں بے حجاب اندر چلی جاتی تھی جب سے حضرت عمر دفن ہوئے ہیں تب سے میں حجاب کے ساتھ اندر جاتی ہوں حضرت عمر سے شرم و حیاء کی وجہ سے(۹)فقہاء فرماتے ہیں کہ قبرستان میں جائے تو اہل قبور کو سلام کرے،عام مؤمنوں کو یوں کہے السلام علیکم دار قوم من المسلمین وانا ان شاء اللہ لاحقون نسأل اللہ لناو لکم

العافیة۔شہداء کو یوں سلام کرے"سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ"۔اولیاء اللہ کو یوں سلام کرے"سلامٌ علیکم بما کسبتم فنعم عقبی الدار"اور ظاہر ہے کہ نہ سننے والوں کو سلام کرنا ممنوع ہے۔دیکھو سوتے ہوئے کہ سلام نہ کرو کہ وہ سنتا نہیں،نیز جو سلام کا جواب نہ دے سکتا ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے،جو نماز پڑھ رہا ہے،استنجاء کررہا ہے اسے سلام نہ کرو کہ اگرچہ وہ سلام سنتا تو ہے مگر جواب دے نہیں سکتا۔اگر قبر والے مردے سلام سنتے نہ ہوتے یا جواب نہ دے سکتے تو انہیں سلام کرنا ممنوع ہوتا۔معلوم ہوا کہ وہ سنتے بھی ہیں جواب بھی دیتے ہیں۔

منکرین سماع موتی کے چاروں دلائل نہایت ہی کمزور ہیں،ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

جواب(۱)آیت کریمہ"اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی"میں مردے اور بہرے سے مراد دل کے بہرے کفار ہیں جو حضور کی تبلیغ کو مفید طور پر نہیں سنتے کیونکہ اس جگہ قرآن کریم نے فرمایا:"اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا"آپ ان ہی کو سناسکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔دیکھو یہاں موت کے مقابل میں ایمان کا ذکر فرمایا۔معلوم ہوا کہ موت سے مراد کفر ہے قرآن کریم نے خود اس کی تفسیر کردی۔

جواب(۲)آیت"مَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ"میں بھی قبر والوں سے مراد کفار ہیں جن کے مردہ دل ان کے سینوں میں بے حس دفن ہیں۔قرآن کریم نے آنکھ،کان،ناک والے کفار کو بہرااندھا فرمایا ہے،فرماتا ہے:"صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ"ان قرآنی آیات سے واضح ہے کہ اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ ان دونوں آیتوں میں مردے ہی مراد ہیں تو بھی ان میں مردوں کے سننے کی نفی نہیں بلکہ حضور کے سنانے کی نفی ہے یعنی مردوں کو آپ نہیں سنا سکتے ہم سنا سکتے ہیں یا مفید سنانا ہے یعنی مردے آپ کا کلام سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے کہ فائدہ زندگی میں اٹھایا جاسکتا تھا۔

جواب(۳)ہم بحوالہ اشعۃ اللمعات عرض کرچکے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے اس سے رجوع فرمالیا،وہ اوّلًا سماع موتی کا انکار فرماتی تھیں پھر قائل ہوگئیں،خود انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن کی قبر پر جاکر ان سے خطاب فرمایا،حضرت عمر فاروق کے دفن ہوجانے پر روضہ انور میں با پردہ جانے کا التزام فرمایا حضرت عمر سے شرم و حیا کی وجہ سے۔

جواب(۴)قسم میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے،دیکھو مچھلی کو قرآن کریم میں گوشت فرمایا:"لَحۡمًا طَرِیًّا"مگر فقہاء قسم کے موقعہ پر اسے گوشت نہیں مانتے،جو شخص گوشت نہ کھانے کی قسم کھائے وہ مچھلی کھانے سے حانث نہیں ہوتا،کیوں،اس لیے کہ اسے عرف میں گوشت نہیں کہتے لہذا جو عرف میں بولنے سے مراد ہوتا ہے ظاہری سوال و جواب والا بولنا،مردے سے بولنے کو عرفًا بولنا نہیں کہتے اس لیے مردے سے کلام کرنے والا حانث نہیں ہوتا بہرحال یہ دلائل نہایت کمزور ہیں۔

دوسری جماعت کے پاس کوئی دلیل نہیں صرف حضرت قتادہ کی رائے ہے جو قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث شریف کے بھی۔مردے میں بعض وقت جان پڑجانا پھر نکل جانا یہ پڑتے نکلتے رہنا قتادہ کی رائے ہے کسی آیت یا حدیث

میں اس کا ذکر نہیں لہذا اس کے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں۔بہرحال حق یہ ہے کہ مردے زندوں کا کلام سنتے انہیں جانتے پہچانتے ہیں۔

قبروں سے فیض لینا:اس کی مکمل بحث ہم مرآت جلد دوم باب زیارت قبو رمیں کرچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ بعض کی یہ گفتگو سن لینا حضور کی خصوصیات سے ہے جو رب تعالیٰ نے ایک خاص حکمت سے وہاں ظاہر فرمائی،ورنہ عام مردے بلکہ خود مقتولین خشک علماء اس کے منکر ہوئے ہیں مگر صاحب کشف اولیاءوعلماء کا عقیدہ ہے کہ بزرگان دین کی قبور سے مدد لینا،فیض حاصل کرنا بالکل درست ہے،انکے فیوض سے مایوس ہونا کفارکر طریقہ ہے،رب تعالیٰ فرماتاہے:"یَئِسُوۡا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ کَمَا یَئِسَ الۡکُفَّارُ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡقُبُوۡرِ"یہ لوگ آخرت سے ایسے مایوس ہیں جیسے کفار قبر والوں سے مایوس ہیں۔معلوم ہوا کہ اہل قبور کے فیوض سے مایوس طریقۂ کفار ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک بار بارش کے لیے حضور کے روضہ انور کی چھت کھلوادی فورًا بارش آئی۔(مشکوۃ شریف باب الکرامات)رب العالمین نے بنی اسرائیل کو حکم دیا "ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ"بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے جاؤ اور کہو کہ مولیٰ معافی دے دے۔وہاں کیوں بھیجا مدفون انبیاء کرام کی قبروں سے فیض حاصل کرنے کے لیے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور کی معراج کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں،یہ قبور والوں کی مدد ہی توہے۔اس مسئلہ کی تحقیق مرآت جلد دوم باب زیارۃ قبور میں دیکھو اور حیات انبیاء کی تحقیق باب الجمعۃ میں کی جاچکی ہے۔

روایت ہے مروان ا؎اور حضرت مسور ابن مخرمہ سے ۲؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا جب کہ حضور کے پاس ہوازن کا وفد مسلمان ہوکر آیا۳؎ تو انہوں نے حضور سے سوال کیا انہیں ان کے مال اور قیدی واپس کردیں۴؎ تو فرمایا کہ تم لوگ ان دو میں سے ایک کو اختیارکرلو یا قیدی یا مال تو وہ بولے کہ ہم اپنے قیدی اختیارکرتے ہیں۵؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اللہ کی وہ تعریف فرمائی جو اس کی شان کے لائق ہے پھر فرمایا کہ بعد حمد تمہارے بھائی توبہ کرتے ہوئے آئے ہیں ۶؎ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی انہیں واپس کردوں ۷؎ تو تم میں سے جو پسندکرے کہ بخوشی یہ کرے تو وہ کرے ۸؎ اور تم میں سے جو اپنے حصہ پر رہنا چاہے حتی کہ اس میں سے عطا فرمائیں جو اللہ ہمیں غنیمت دے تو وہ یوں کرے ۹؎ تب لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم	

	نے بخوشی قبول کرلیا ۱۰؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو تم میں سے اجازت دینے والوں کا پتہ نہ چلا ان میں سے جنہوں نے اجازت نہ دی ۱۱؎ تو تم واپس جاؤ حتی کہ تمہارے سردار تمہارا ارادہ ہم تک پہنچادیں ۱۲؎ تب لوگ لوٹ گئے پھر ان سے ان کے سردار نے گفتگو کی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے خبر دی کہ ان سب نے خوشدلی سے اجازت دے دی ۱۳؎ (بخاری)

۱؎ ان کا نام مروان ابن حکم ابن ابوالعاص ابن امیہ ابن عبدشمس ابن عبدمناف ہے ۲ھ؁ یا خندق کے سال پیدائش ہے حضور کی زیارت نہ کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باپ حکم کو ایک جرم کی بنا پر مدینہ سے نکال کر طائف بھیج دیا،مروان اس کے ساتھ تھا عہد عثمانی میں حکم کو مدینہ منورہ آنے کی اجازت ملی تب یہ ا پنے باپ کے ساتھ مدینہ منورہ آیا،اس کی کنیت عبدالملک ہے،حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دادا ہے،معاویہ ابن یزید کے بعد تخت سلطنت پر قابض ہوا،۶۵ھ؁ پینسٹھ میں دمشق میں وفات پائی،تابعی ہیں، حضرت عثمان و علی سے احادیث لیں اور اس سے حضرت عروہ ابن زبیر اور علی ابن حسین یعنی امام زین العابدین نے احادیث روایت کیں۔خیال رہے کہ حضرت عثمان کا حکم اور مروان کو مدینہ منورہ واپس بلانا سچی توبہ کی بنا پر تھا اور درست تھا اس لیے حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ منورہ سے نہ نکالا بلکہ حضرت عثمان کے واپس بلانے کو قائم رکھا،اگر حضرت عثمان پر اعتراض کیا جاوے تو جناب علی مرتضٰی پر بھی اعتراض ہوگا۔

۲؎ آپ زہری قرشی ہیں،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بھانجہ ہیں،ہجرت کے دو سال بعد مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے،حضور کی وفات کے وقت آپ آٹھ سال کے تھے،قتل عثمان تک مدینہ منورہ میں رہے،پھر مکہ معظّمہ منتقل ہوگئے،یزید کی بیعت نہ کی،یزید نے مکہ معظّمہ کا محاصرہ کراکے منجنیق سے وہاں پتھر برسائے،آپ حطیم شریف میں نفل پڑھ رہے تھے کہ عین نماز میں ایک پتھر آپ کے لگا شہید ہوگئے،عین حطیم کعبہ میں،یہ واقعہ شروع ربیع الاول ۶۴ھ؁ چونسٹھ ہجری میں ہوا،آپ سے بہت سے لوگوں نے احادیث روایت کیں۔

۳؎ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا یہ غزوہ ا سی قبیلہ ہوازن پر ہوا تھا،اس میں بہت قیدی اور بہت مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا،پھر یہ ہی لوگ مسلمان ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی سرکار نے ان پر رحم خسروانہ فرمایا۔

۴؎ یعنی اس قبیلہ نے درخواست پیش کی کہ ہمارے قیدی چھوڑ دیئے جائیں اور ہمارا مال جو غنیمت بن چکا ہے ہم کو واپس کردیا جائے قیدی سات ہزار تھے مال کا تو حساب ہی نہ تھا۔(مرقات)

۵؎ جب قبیلہ ہوازن کو یقین ہوگیا کہ حضور انور دونوں چیزیں واپس نہ فرمائیں گے تو بولے کہ اچھا ہمارے قیدی چھوڑ دیئے جائیں ہم مال نہیں چاہتے کیونکہ ان کے غلام بننے میں ہماری ذلت ہے۔

۶؎ یہ ہے رب تعالٰی کی بے نیازی،کہ جو کل تک مسلمانوں کے سخت دشمن تھے وہ آج مسلمان ہوکر بھائی بن گئے اور یہ ہے حضور کی کرم نوازی کہ دشمن کو گلے لگالیتے ہیں۔

۷؎ یعنی سارے ہوازنی قیدی بغیر فدیہ لیے ہوئے چھوڑ دوں۔

۸؎ ہوازن کے قیدی مسلمان غازیوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔اب حضور انور کی رائے یہ ہوئی کہ وہ تمام قیدی آنے والے ہوازن کو واپس کردیئے جائیں بغیر فدیہ چھوڑ دیئے جائیں لہذا ان غازیوں سے فرمایا کہ ہر شخص اپنے حصہ کا قیدی واپس کردے جو معاوضہ واپس کرنا چاہے بطیّب خاطرتو وہ ایسا ہی کرے۔

۹؎ یعنی جو غازی بلامعاوضہ واپس نہ کرنا چاہے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اب جس جہاد میں بھی کفار قیدی ہاتھ آئیں گے اسے اس کے عوض غلام دیا جائے گا۔معلوم ہوا کہ قیدی واپس کرنے کا حکم سرکاری تھاجس پر عمل کرنا ہر غازی پر واجب تھا اور معاوضہ لینے نہ لینے کا اختیار تھا۔خیال رہے کہ **یفئ** بنا ہے **فئی** سے،فئ وہ مال ہے جو کفار سے بغیر جنگ حاصل کیا جائے،جزیہ و خراج بھی اس میں داخل ہے مگر یہاں فئ سے مراد غنیمت ہے۔(مرقات واشعہ)**غنیمت** وہ مال ہے جو کفار سے بحالت جنگ لڑ کر حاصل کیا جائے۔

۱۰؎ یعنی تمام صحابہ نے یک زبان ہوکر عرض کیا کہ ہم بغیر معاوضہ بخوشی اپنا اپنا قیدی واپس کرتے ہیں معاوضہ کے طلبگار نہیں۔

۱۱؎ یعنی ہم تم میں سے ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ نہیں پوچھ سکتے جماعتی حیثیت سے یہ سوال و جواب ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص معاوضہ ہی چاہتا ہو مگر اب مجلس میں خاموش رہا ہویا بولا ہو تو ان آوازوں میں اس کی آواز دب گئی ہو اس لیے یہ جماعتی اجازت کافی نہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے دل کے ارادے سے خبردار ہیں مگر تعلیم امت کے لیے یہ احتیاط فرما رہے ہیں تاکہ بادشاہ یا حاکم یا اور کوئی کسی کا مملوک مال بغیر اس کی صریحی اجازت کے کبھی نہ لے ورنہ حضور تو مسلمانوں کی جان و مال کے مالک ہیں،ہم سب حضور کے لونڈی غلام ہیں ہمارا مال جسے چاہیں بغیر پوچھے دے دیں۔(دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی)یہاں تعلیم مقصود ہے۔

۱۲؎ **عرفاء** جمع ہے **عریف** کی،**عریف** کے معنی ہیں رئیس نقیب سردار یعنی ہر قبیلہ کا ہر شخص اپنے سردار سے اپنا ارادہ بیان کرے وہ سردار ہم تک پیغام پہنچادے۔

۱۳؎ یعنی ایسا ہی ہوا کہ ہر ہر قبیلہ کا سردار اپنے قبیلہ کے ہر غازی صحابی سے ملا،ہر ایک کا ارادہ علیحدہ علیحدہ معلوم کیا پھر حضور انور کی خدمت میں پیش کیا۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ ثقیف بنی عقیل کے حلیف تھے ۱؎ تو ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو کو قید کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنی عقیل میں سے ایک شخص کو قید کرلیا ۲؎ تو اسے باندھ دیا پھر اسے مقام حرہ میں ڈال دیا ۳؎ پھر اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

	گزرے ۴؎ اس نے حضور کو پکارا اے محمد اے محمد میں کس جرم میں پکڑا گیا،فرمایا اپنی قوم کے حلیف ثقیف کے جرم میں ۵؎ پھر حضور نے اسے یونہی چھوڑا اور چل دیئے اس نے پھر کہا یامحمد اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے رحم فرمایا لوٹ آئے ۶؎ فرمایا تیرا کیا حال ہے وہ بولا میں مسلمان ہوں ۷؎ فرمایا اگر تو یہ بات اس وقت کہتا جب تو اپنے معاملے کا مالک تھا ۸؎ تو پوری کامیابی پاتا ۹؎ راوی فرماتے ہیں پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے فدیہ میں دے دیا جنہیں ثقیف نے گرفتار کرلیا تھا ۱۰؎ (مسلم)

۱؎ یعنی اسلام سے پہلے بنی ثقیف جو ہوازن کا ایک خاندان ہے بنی عقیل کے حلیف تھے۔حلیف وہ کہلاتا تھا جس کا کسی سے معاہدہ ہوجائے کہ ہم دونوں ہر نیک و بد،خیروشر میں ایک دوسرے کے ساتھی رہیں گے۔اس معاہدہ کو حلف کہتے تھے،معاہدہ کرنے والوں کو حلیف۔اسلام نے گزشتہ معاہدوں کو کچھ ترمیم کے ساتھ باقی رکھا کہ اچھی بات پر معاہدہ ٹھیک ہے بری بات پر معاہدہ غلط۔آئندہ کے لیے حلیف سے منع فرمادیا کہ حضور نے ارشاد فرمایا **لا حلف فی الاسلام** کیونکہ اسلام کا معاہدہ ہی کافی ہے۔

۲؎ اس زمانہ کے قاعدہ کے مطابق ایک حلیف دوسرے حلیف کے جرم میں پکڑا جاتا تھا،ثقیف نے مسلمان پکڑ لیے تو اس کے عوض ثقیف کے حلیف بنی عقیل کا ایک آدمی پکڑ لیا تاکہ بنی ثقیف اپنے حلیف کو چھوڑنے کے لیے ہمارے مسلمانوں کو چھوڑ دیں۔

۳؎ حرہ بیرون مدینہ میدان کا نام ہے جو پتھریلا علاقہ ہے وہاں سایہ وغیرہ نہیں سیاہ پتھر ہیں وہاں ڈالا تاکہ یہ قیدی اپنی تکلیف اپنی قوم کو پہنچائے،وہ لوگ جلد از جلد اسے چھوڑانے کے لیے مسلمان قیدیوں کو آزاد کردیں۔اس زمانہ میں بھی منافقین مدینہ کفار کے جاسوس تھے جو یہاں کے حالات کفار کو بتاتے رہتے تھے۔

۴؎ تاکہ اس کا دکھ درد دیکھیں اور سنیں اس کے کھانا پانی کا انتظام فرمادیں اس لیے خود بہ نفس نفیس شہر مدینہ سے حرہ تشریف لے گئے۔

۵؎ خیال رہے کہ قبیلہ بنی ثقیف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ ہوچکا تھا کہ ہم دونوں فریق صلح سے رہیں گے،ثقیف نے حضور سے بدعہدی کی،بنی عقیل کا فرض تھا کہ وہ اپنے ان حلیفوں کو اس بدعہدی سے منع کرتے مگر وہ خاموش رہے یہ ان کی طرف سے گویا بدعہدی ہوئی یعنی تو بنی عقیل کا ایک فرد ہے تو بنی ثقیف کا معاہدہ حلیف ہے تیرے حلیفوں نے ہم سے بدعہدی کی تو ان کے جرم میں گرفتار ہوا۔

۶؎ ایسے قیدیوں پر کون رحم کرتا ہے مگر حضور رحمۃ اللعالمین ہیں کہ ایسوں پر بھی رحم فرماتے ہیں ایسوں کی بھی سنتے ہیں۔شعر

ایک تم ہو کہ بخش دیتے ہو کون ان جرموں پر سزا نہ کرے

۷؎ یا تو پہلے سے ہی مسلمان ہوں یا اب حضور کے دیدار کی برکت سے مسلمان ہوگیا ہوں۔(مرقات)مگر دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ ظاہر ہے۔

۸؎ یعنی قید ہونے گرفتار کیے جانے سے پہلے کہہ دیتا تو پکڑا نہ جاتا۔خیال رہے کہ اگر کافری قیدی کہے کہ میں تو گرفتاری سے پہلے ہی مسلمان تھا تو اس کی بات نہ مانی جائے گی جب تک اپنے دعویٰ پر شرعی گواہی قائم نہ کرے اور اگر قید ہونے کے بعد مسلمان ہوجائے تو اسے قتل نہ کیاجائے گا مگر غلام بنالیا جائے۔اس وقت کا اسلام قتل سے بچالے گا غلامیت سے نہ بچاسکے گااور اگر قیدی قید ہوچکنے کے بعد جزیہ قبول کرلے اس کے قتل کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔(مرقات)

۹؎ اس طرح کہ دنیا میں تو قیدوغلامیت کی ذلت سے بچ جاتا اور آخرت میں عذاب الٰہی سے،اب اس وقت مسلمان ہونے سے تو آگ سے بچ گیا مگر غلامیت کی قید سے نہ بچ سکا۔یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ اسلام قبول نہ کیاکیونکہ حضور کو اس کے منافق ہونے کا پتہ تھا کبھی حضور حقیقت پر حکم جاری فرماتے تھے۔مدعی اسلام کے قتل کا حکم دیا ہے اور پھر کچھ عرصہ بعد وہ کافر ہوکر مرا۔(اشعہ)

۱۰؎ یعنی کچھ عرصہ کے بعد حضور انور نے اسے کفار کے حوالہ کردیا اور اس کے عوض اپنے مسلمان قیدی کفار سے چھڑا لیے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قیدی ہوچکنے کے بعد مسلمان ہو اس کو قدیمی مسلمان کو چھوڑانے کے لیے فدیہ دیا جاسکتا ہے۔ہدایہ میں ہے کہ ایسے قیدی کو فدیہ میں دینا جائز نہیں جو بحالت قید مسلمان ہوچکا ہو۔اگر ہمارا اور کفار کا معاہدہ اس قسم کا ہوچکا ہو کہ بعد صلح فریقین اپنے قیدیوں کو چھوڑدیں تو ایسے مسلمان قیدیوں کو چھوڑنا پڑے گا۔(مرقات)مگر ایسے عورتوں بچوں کو فدیہ میں بھی نہ دیا جائے گا جو قید ہوکر مسلمان ہوگئے ہوں۔اس کی پوری بحث فتح القدیر میں اور اس جگہ مرقات میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجے ۱؎ تو حضرت زینب نے بھی ابوالعاص کے فدیہ میں کچھ مال بھیجا ۲؎ اس مال میں وہ اپنا ہار بھیجا جو جناب خدیجہ کے پاس تھا جسے دے کر زینب کو ابولعاص کے ہاں بھیجا تھا ۳؎ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا حضور کو اس پر بہت ہی رقت طاری ہوئی ۳؎ اور فرمایا اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو اور ان کی چیزیں انہیں واپس	

کردو۴؎ سب نے کہا ہاں ضرور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے عہد لیا کہ وہ جناب زینب کا راستہ خالی کردیں۵؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثہ کو اور ایک انصاری کو بھیجا۶؎ ان سے فرمادیا کہ تم دونوں بطن یا جج میں رہنا۸؎ تاآنکہ تم پر زینب گزریں تو انہیں اپنے ساتھ لے آنا (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے کہ ۷۰ کفار تو مسلمانوں کے ہاتھوں کے قتل ہوئے تھے اور ۷۰ قیدی،ان قیدیوں کے متعلق حکم ہوا تھا کہ فدیہ میں مال دو اور آزاد ہوجاؤ،ان لوگوں نے مکہ معظّمہ اپنے عزیزوں کو پیغام بھیجے وہاں سے ان کے عزیزوں نے مال بھیج کر انہیں آزاد کرایا۔

۲؎ حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی ہیں جو ابوالعاص ابن ربیع ابن ربیع ابن عبدالعزی ابن عبدشمس ابن عبدمناف کے نکاح میں تھیں اور مکہ معظّمہ میں رہتی تھیں،ابوالعاص بی بی خدیجہ کے بھانجے تھے،جنگ بدر میں کفار کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرنے آئے تھے گرفتار ہوگئے حضرت زینب نے انہیں چھوڑانے کے لیے فدیہ کا مال بھیجا۔خیال رہے کہ اس وقت مؤمنہ عورت کا نکاح کافر مرد سے جائز تھا اس لیے حضرت زینب بنت رسول اللہ جناب ابوالعاص کے نکاح میں رہیں حالانکہ آپ مؤمنہ تھیں ابوالعاص کافر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔اب مؤمنہ عورت نہ تو کافر سے نکاح کرسکتی ہے نہ اس کے نکاح میں رہ سکتی ہے۔

۳؎ یعنی یہ ہار ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کا تھا جو جہیز میں آپ نے جناب زینب کو دیا تھا حضور کو یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔

۴؎ جناب خدیجہ کو یاد کرکے ان کی یہ نشانی دیکھ کر اپنی صاحبزادی زینب کی بےکسی اور بے بسی کا خیال فرماکر آپ کو گریہ طاری ہوگیا حضور کو جناب خدیجہ سے بہت ہی محبت تھی،ایک دفعہ کسی بی بی کی آواز سنی جو حضرت خدیجہ کی سی تھی تو آپ رو پڑے رضی اللہ عنہا۔

۵؎ یعنی اگر تم لوگوں کی رائے ہو تو ابوالعاص کو بغیر فدیہ بطور احسان چھوڑ دیا جائے حضور انور مالک ہیں جو چاہیں کریں مگر یہ رائے لینا ہم لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے۔

۶؎ یعنی ابوالعاص کو چھوڑ تو دیا مگر ان سے یہ عہد لیا کہ مکہ معظّمہ پہنچ کر حضرت زینب کو ہجرت کرکے مدینہ پاک آجانے کی اجازت دے دیں بلکہ حدود دارالاسلام تک پہنچا جائیں،ابوالعاص کے دل میں ایمان تو اسی وقت آگیا تھا مگر اس کا ظہور دوسرے وقت ہوا۔

۷؎ تاکہ جناب زینب کو لے آئیں اس وقت غیر محرم کے ساتھ عورتوں کو سفر کرنا جائز تھا،چونکہ ابوالعاص اس وقت کافر تھے مدینہ منورہ نہ آسکتے تھے اور مسلمان مکہ معظّمہ نہ جاسکتے تھے اس لیے یہ انتظام فرمایا گیا لہذا حدیث واضح ہے۔

۸؎ بطن یا جج مکہ معظّمہ سے خارج ایک نالہ ہے جو مقام تنعیم کے پاس مسجد حضرت عائشہ صدیقہ سے قریب ہے۔

۹؎ چنانچہ ابوالعاص نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ مکہ معظّمہ پہنچ کر پہلا کام یہ ہی کیا کہ حضرت زینب کو وہاں پہنچادیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ابوالعاص شام کے تجارتی سفر سے واپس ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرے مسلمانوں نے چاہا کہ ان کا مال چھین کر انہیں گرفتار کرلیں،حضرت زینب کو پتہ چلا تو بولیں میں انہیں امان دیتی ہوں،یہ سن کر صحابہ کرام بغیر ہتھیار ابوالعاص سے ملے انہیں تبلیغ اسلام کی،انہوں نے جواب دیا کہ ابھی میرے پاس کفار مکہ کی کچھ امانات ہیں میں وہ امانات دے کر مسلمان ہوں گا۔چنانچہ آپ مکہ مکرمہ گئے تمام کی امانتیں واپس کیں پھر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پرانے نکاح پر نیا نکاح پڑھا کہ حضرت زینب کو ان کے حوالہ فرمادیا۔حضور کو ابوالعاص سے بہت ہی محبت تھی،حضرت ابوالعاص خلافت صدیقی میں غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔(اشعہ)اللہ تعالٰی ان کے طفیل ہم کو ایمان پر استقامت،حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر والوں کو قید کیا تو عقبہ ابن ابی معیط اور نضر ابن حارث کو تو قتل کردیا ۱؎ اور ابو عزہ جمحی پر احسان فرمایا ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎ عقبہ ابن ابی معیط وہ ملعون ہے جس نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر بحالت سجدہ اونٹ کی نجاست ڈالی تھی اور جناب فاطمہ نے ہٹائی تھی۔نضر ابن حارث بھی حضور کا بہت سخت دشمن تھا،ان دونوں کے قتل کردینے میں کفر کی طاقت کا توڑ دینا تھا اس لیے قتل کیے گئے۔(اشعہ)

۲؎ ابوعزہ جمحی کفار کا شاعر تھا جو اسلام کے خلاف قصیدے لکھا اور پڑھا کرتا تھا اسے بغیر فدیہ لیے ہی چھوڑ دیا اس کے لیے چھوڑ دینا ہی مفید تھا۔حضور انور حکیم ہیں،حکیم بیماری اور بیمار کے احوال سے خوب خبردار ہوتا ہے۔یہ حدیث ان کی دلیل ہے جو احسان کرکے کفار کو چھوڑ دینا اب بھی جائز سمجھتے ہیں۔احناف کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے۔خیال رہے کہ قیدی کافر کو کوئی غازی خود قتل نہیں کرسکتا بلکہ امام کی رائے سے قتل کرے گا مشرکین عرب اور مرتدین کے لیے یا قتل ہے یا اسلام،نہ انہیں غلام بنایا جائے نہ ان سے جزیہ لیا جائے اور جو کافر قیدی مسلمان ہوجائے اسے قتل نہیں کرسکتے غلام بناسکتے ہیں اور جو کافر قید ہونے سے پہلے مسلمان ہوجائے اسے نہ قتل کیا جائے نہ قید بلکہ وہ آزاد ہوگا۔تفصیل اس جگہ مرقات میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عقبہ ابن ابی معیط کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بولا بچوں کا کون ہے ۱؎ فرمایا آگ ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ صبیۃ ص کے کسرہ ب کے سکون سے،جمع ہے صبیٌ کے معنی چھوٹے بچے۔یعنی آپ مجھے تو قتل کیے دیتے ہیں میرے پیچھے میرے چھوٹے بچے کون پالے پرورش کرے گا۔

۲؎ یعنی تیرے لیے آگ ہے اپنی فکر کر بچوں کی فکر کیوں کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تیرے بچوں کو آگ پالے گی۔یہ فرمان اظہار غضب کے لیے ہے اس معنی کی بنا پر یہ غیبی خبر ہے کہ تیرے بچے بھی تیری طرح دوزخی ہیں وہ بھی تیری طرح کافر ہی مریں گے۔

	روایت ہے حضرت علی سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کے جبریل امین حضور کے پاس حاضر ہوئے عرض کیا کہ آپ ان حضرات یعنی اپنے صحابہ کو بدر کے قیدیوں کے متعلق قتل و فدیہ کا اختیار دیں۱؎ اس شرط پر کہ آئندہ سال اتنے ہی ان میں سے قتل کیے جائیں گے وہ بولے فدیہ چاہیے اور ہم ہی سے قتل کیے جائیں۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۳؎

۱؎ بدر کے ستر قیدیوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق نے تو انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی کہ شاید آئندہ یہ لوگ مسلمان ہوجائیں اور ہم کو اس مال سے قوت حاصل ہو اور حضرت عمر نیز عمرو ابن سعد نے مشورہ دیا کہ سب قتل کردیئے جائیں کہ یہ سرداران کفر ہیں ان کے قتل سے کفر کا زور ٹوٹے گا،تب حضرت جبریل امین نے یہ عرض کیا جو یہاں مذکور ہے کہ تمام صحابہ کرام کے سامنے حضرت صدیق و فاروق کی رائے پیش فرما دیں۔وہ لوگ ان دونوں رایوں میں سے جونسی رائے چاہیں پسند کرلیں اگر انہیں قتل کردیں تو خیر اور اگر انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں تو اس کے عوض اگلے سال غزوہ احد میں ان میں سے بھی ستر صحابہ شہید ہوں گے۔ہماری اس شرح سے حدیث واضح ہوگئی جناب صدیق و فاروق سے رائے لینا اور تمام صحابہ کو اختیار دینا دونوں درست ہوگئے یہ اختیار دینا بھی رب تعالٰی کی طرف سے امتحان تھا۔

۲؎ یعنی ہم کو سال آئندہ شہادت کی سعادت منظور ہے ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔خیال رہے کہ ان بزرگوں نے مال کی محبت میں فدیہ اختیار نہ فرمایا بلکہ اپنی شہادت اور ان لوگوں کے ایمان لانے کی رغبت میں یہ اختیار کیا کہ یا تو خود یہ لوگ یا ان کی اولاد ایمان لاکر دین کی خدمت کریں مگر رب تعالٰی کا ارادہ تو یہ تھا جو صحابہ کی رائے ہو وہی ہو یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دیا جانا مگر مرضی یہ تھی کہ یہ قتل کردیئے جائیں۔صحابہ کرام کی یہ رائے ارادۂ الٰہی کے مطابق ہوئی رضا الٰہی کے خلاف اس لیے ان حضرات پر وہ عتاب آیا جو آیۃ کریمہ میں مذکور ہے"لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ"۔ارادہ اور رضا میں بڑا فرق ہے۔آدم علیہ السلام کا گندم کھالینا ارادۂ الٰہی کے عین مطابق تھا رضا الٰہی کے خلاف،رضا کی مخالفت کی وجہ سے ان پر عتاب ہوا جس سے توبہ کرائی گئی۔ارادۂ الٰہی کی مطابقت کی وجہ سے آپ کو خلافت زمینی عطا ہوئی ان حضرات پر مخالفت رضا الٰہی کی وجہ سے عتاب۔عذاب سے ڈرانا ہوا اور ارادۂ الٰہی کی موافقت کا انجام یہ ہوا کہ یہ قیدی مسلمان ہوئے اسلامی خدمات انجام دیں یہ

جواب نہایت باریک ہے۔خیال میں رکھو اب یہ حدیث آیت عتاب کے خلاف نہیں شارحین نے اور توجیہیں کی ہیں مگر ان شاءاللہ فقیر کی یہ توجیہ قوی ہے حضرات صحابہ اللہ کے محبوب ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غزوہ احد میں پیش آنے والی تکالیف سے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے خبر تھے نہ خاص صحابہ کرام،یہ بھی معلوم ہوا کہ عتاب الٰہی ناراضی کی بنا پر ہی نہیں ہوتا اس میں اور حکمتیں بھی ہوتی ہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بندے کو اختیار دے کر بھی عتاب ہوسکتا ہے بلکہ عذاب سے ڈرایا جاسکتا ہے کہ تم نے دوسری شق اختیار کیوں نہ کی یہ اختیار دینا بھی امتحان تھا۔

۳؎ اس حدیث پر طعن نہیں حدیث بالکل صحیح ہے اگرچہ غریب بھی۔غریب ہونا صحت کے خلاف نہیں،دیکھو مرقات اور اشعۃ اللمعات،غرابت صحت کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عطیہ قرظی سے فرماتے ہیں کہ میں قریظہ کے قیدیوں میں تھا ۱؎ ہم سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیے گئے تو معائنہ کیے جاتے تھے جس کے بال اگ گئے تھے وہ قتل کردیا گیا اور جس کے نہ اگے تھے وہ قتل نہ کیا گیا چنانچہ میرا زیر ناف بدن بھی کھولا تو محسوس کیا کہ نہ اُگے تھے تو مجھے قیدیوں میں کر دیا ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی میری قوم بنی قریظہ کے جوان بوڑھے تو سارے قتل کردیئے گئے بچے چھوڑ دیئے گئے ،جن کے جوان ہونے کا شبہ تھا ان کی تحقیق کی گئی میں اس تیسری جماعت میں تھا۔خیال رہے کہ یہ عطیہ ہیں تو صحابی مگر نہ ان کا پورا نام معلوم ہوسکا نہ ان کے باپ کا نہ حالات کا پتہ چلا۔

۲؎ خیال رہے کہ بچے کے بلوغ کی علامت احتلام ہے اور زیر ناف بال آجانا،چونکہ یہ لوگ قتل کے خوف سے احتلام کے متعلق غلط خبر دے دیتے اس لیے زیر ناف کے بال دیکھے گئے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں دوغلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے ۱؎ تو حضور کی خدمت میں ان کے مولاؤں نے لکھا بولے اے محمد خدا کی قسم یہ لوگ آپ کے پاس آپ کے دین سے محبت کی وجہ سے نہیں گئے وہ تو صرف غلامیت سے بھاگنے کے لیے نکلے ہیں ۲؎ تو کچھ لوگ بولے یارسول اللہ وہ سچے ہیں حضور انہیں ان کی طرف لوٹا دیں ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ۴؎ اور فرمایا کہ اے گروہ قریش تم لوگ باز نہ آؤ گے حتی کہ اللہ تعالٰی تم پر اسے بھیجے جو اس پر تمہاری	

	گردنیں مار دے۵؎ اور انہیں واپس فرمانے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کے آزادکردہ ہیں ۶؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے میدان میں قیام پذیر ہوچکے تب مشرکین مکہ کے غلاموں میں سے دو غلام مسلمان ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے،صلح نامہ ان کے آچکنے کے بعد لکھا گیا۔اس صلح نامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہوکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوجائے اسے حضور واپس فرمادیں مگر چونکہ یہ دونوں اس تحریر سے پہلے ہی آچکے تھے اس لیے انہیں واپس نہیں کیا گیا اس لیے راوی نے **قبل الصلح** کی تصریح فرمادی۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوئے ہیں صرف غلامیت سے بھاگ نکلنے کے لیے اسلام ظاہر کرکے آپ کے پاس پہنچ گئے ہیں دل میں کافر ہی ہیں لہذا آپ انہیں واپس فرمادیں۔خیال رہے کہ بعض شارحین نے یہاں غلاموں سے مراد آزادکردہ غلام لیے ہیں وہ یہاں رق سے مراد اثر رق لیتے ہیں۔مرقات میں یہ بھی احتمال لیا ہے مگر پہلی توجیہ بہت قوی ہے کہ یہ دونوں غلام ہی تھے۔

۳؎ یعنی بعض صحابہ نے ظاہر حال کو دیکھ کر کفار کی اس تحریر کی تائید کی کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ آزاد ہونے کے لیے یہاں آئے ہیں۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تائید کرنے والے صحابہ پر ناراض ہوئے کیونکہ ان حضرات نے محض اپنے خیال سے حکم شرعی کے خلاف رائے دی،نیز مسلمان ہوجانے والوں پر بلا دلیل شبہ کیا،ان کے اخلاص کا انکار فرمایا، نیز بلا دلیل مشرکوں کی تائید کی ان تین وجہوں سے اظہا ر ناراضگی فرمایا۔

۵؎ گروہ قریش سے مراد وہ کفار ہیں جنہوں نے یہ تحریر بھیجی تھی ان ہی پر اظہار غضب ہے۔ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے یہ فرمان عالی ان پیغامبروں کے سامنے فرمادیا تاکہ وہ لوگ ان تک پہنچادیں تحریر فرما کر نہ بھیجا یعنی تم خود تو کافر ہو مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہو تمہاری اس سرکشی کا انجام یہ ہوگا کہ تم پر مسلمانوں کا راج ہوگا،پھر تم کو مسلمان ہونا پڑے گا۔خیال رہے کہ کفار عرب جزیہ نہیں دے سکتے ان کے لیے صرف تلوار یا اسلام ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ"اس آیت سے کفار عرب یا تو مستثنٰی ہیں یا چونکہ کفار عرب کو وطن چھوڑ دینے کی اجازت ہے اس لیے وہ بھی اس آیت میں داخل ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ **ھٰذا** سے اشارہ اس ظلم و تشدد یا مرتد کرنے کی کوشش کی طرف ہے یعنی ایسا حاکم اسلامی تم پر مقرر ہوگا جو تم کو اس ظلم کی سزا دے گا اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافر غلام مسلمان ہوکر دارالحرب سے دارالاسلام میں آجائے تو وہ آزاد ہوگا،یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کلمہ پڑھ لینے والے پر بلا دلیل شرعی منافقت کا شبہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہاں علامات نفاق یا علامات کفر موجود ہوں تو انہیں کافر یا منافق کہا جاسکتا ہے،رب تعالٰی نے مدینہ کے منافقوں کو جھوٹا اور منافق فرمایا کہ ارشاد فرمایا:"وَاللّٰہُ

يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ"حضرات صحابہ نے منکرین زکوۃ پر جہاد کیا اور منکرین تقدیر کو کافر کہا اگرچہ وہ کلمہ گو تھے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید کو بنی جزیمہ کی طرف بھیجا ۱؎ تو خالد نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے یہ جانا کہ کہہ دیتے ہم اسلام لائے تو وہ کہنے لگے ہم دین سے نکل گئے ۲؎ نکل گئے تو حضرت خالد انہیں قتل کرنے اور قید کرنے لگے ۳؎ اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کا قیدی دیا حتی کہ ایک دن وہ ہوا کہ حضرت خالد نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کردے ۴؎ تو میں بولا اللہ کی قسم میں تو اپنے قیدی کو قتل نہ کروں گا ۵؎ اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے حتی کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ ہم نے حضور سے ذکر کیا تو حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے فرمایا الٰہی میں اس سے تیری طرف بیزاری ظاہر کرتا ہوں جو خالد نے کہا دوبارہ فرمایا ۶؎ (بخاری)	

۱؎ تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں اگر وہ قبول نہ کریں تو ان پر جہاد کریں۔جزیمہ جیم کے فتحہ ذال کے کسرہ سے ایک مشہور قبیلہ تھا۔

۲؎ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے پرانے دین سے نکل گئے اسلام میں داخل ہوگئے،حضرت خالد یہ سمجھے کہ کہتے ہیں ہم دین اسلام سے نکلے ہی رہیں گے مسلمان نہ ہوں گے۔عربی میں صابی بے دین کو کہتے ہیں جو دین سے نکل جاوے غرضیکہ آپ ان کا مقصد نہ سمجھ سکے۔

۳؎ یعنی بعض کو انہوں نے فی الحال قتل کردیا اور بعض کو قید کرلیا۔آئندہ قتل کردینے یا غلام بنالینے کی نیت سے حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ فورًا قتل کردے یا کچھ بعد میں۔

۴؎ یعنی وہ قیدی غازیوں میں تقسیم کردیئے گئے تاکہ انہیں حکم قتل تک محفوظ رکھیں پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر شخص اپنے پاس محفوظ غلام کو خود قتل کردے۔

۵؎ کیونکہ مجھے شک ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہوچکے ہیں ان کا کافر رہنا یقینی نہیں۔یہ ہے مجتہدین کا اختلاف کہ ایک لفظ کو حضرت خالد نے کفر کی دلیل بنایا اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے اسلام کی دلیل قرار دیا۔یہ دونوں حضرات اپنے خیال میں سچے ہیں مگر حضرت ابن عمر حق پر ہیں حضرت خالد سے خطا ہوئی۔

۶؎ یعنی حضرت خالد نے ان کے متعلق غلط رائے قائم کی اور انہیں قتل یا قید کیا یہ غلط کیا خدایا میں خالد کے اس فعل سے راضی نہیں مگر حضرت خالد کو نہ تو دیت کا حکم دیا نہ توبہ کا۔معلوم ہوا کہ اگرچہ مجتہد سے بڑی بھاری غلطی ہوجائے حتی کہ قتل بھی واقع ہوجائے تب بھی اس کی گرفت نہیں لہذا حضرت علی اور حضرت معاویہ و عائشہ صدیقہ میں سے کسی پر گناہ نہیں کہ وہاں کشت و خون ہوا مگر نفسانیت سے نہیں بلکہ للّٰہیت سے،ان میں کوئی کسی کا ذاتی دشمن نہ تھا،اختلاف رائے سے یہ سب کچھ ہوا،ان کے متعلق رب فرماتاہے:"رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ"۔

باب الامان

باب امان کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ امان وامن ضد ہے خوف کی بھی اور جنگ کی بھی،یہاں کفار کو امان دینا مراد ہے،اس امان کی بہت صورتیں ہیں:مستامن کو امان دینا کہ جو کافر دارالحرب سے ہمارے ملک میں چند روز کے لیے ہماری اجازت سے آئے اسے مستامن کہتے ہیں،بحالت جنگ کسی کافر کو امان دینا،کسی مصلحت سے ذمی کافر کو دائمی امان دینا،جس کافر قوم سے ہماری صلح و معاہدہ ہوگیا ہے اسے زمانہ صلح میں امان دینا،کافروں کا قاصد یا ایلچی کا ہمارے ہاں پیغام رسانی کے لیے آنا اسے امان دینا جیسا کہ ابھی احادیث میں آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح کے سال گئی ۲؎ تو میں نے آپ کو غسل کرتے پایا اور آپ کی بیٹی فاطمہ آپ پر کپڑے سے آڑ کیے تھیں ۳؎ تو میں نے سلام کیا ۴؎ فرمایا یہ کون ہیں میں نے کہا ام ہانی بنت ابو طالب،فرمایا ام ہانی خوب آئیں ۵؎ پھر جب اپنے غسل سے فارغ ہوگئے تو کھڑے ہوئے ایک کپڑے میں لپیٹے ہوئے آٹھ رکعتیں پڑھیں ۶؎ پھر فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں جائے علی کہتے ہیں ۷؎ کہ وہ اس شخص کو قتل کریں گے جسے میں امان دے چکی ہوں ھبیرہ کا بیٹا فلاں ۸؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی جسے تم نے امان دے دی اسے ہم نے بھی امان دے دی ۹؎ ام ہانی فرماتی ہیں کہ یہ چاشت کا وقت تھا۔(مسلم،بخاری) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں میں نے اپنے دیوروں میں سے دو شخصوں کو امان دے دی تھی ۱۰؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے اسے امان دے دی جسے

	تم نے امان دے دی۔

ا؎ آپ کا نام فاختہ یا عائلہ ہے،ابو طالب کی بیٹی جناب علی مرتضٰی کی بہن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد ہیں، انہی کے گھر سے حضور کو معراج ہوئی،فتح مکہ کے دن ایمان لائیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۱ھ؁ اکیاون میں وفات پائی،آپ سے حضرت علی و عباس اور بہت تابعین نے روایت کی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی خاص فتح مکہ کے دن جب حضور انور سب کو امان دے کر فارغ ہو چکے تھے غسل فرمارہے تھے۔

۳؎ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہبند شریف باندھ کر غسل فرمارہے تھے،چونکہ غسل خانہ میں نہ تھے اس لیے جناب فاطمہ کپڑا تانے سامنے کھڑیں تھیں،یہ کپڑا غسل خانہ کی دیوار کی طرح آڑ کا کام دے رہا تھا،غسل خانہ میں بھی تہبند باندھ کر غسل کرنا چاہیے۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا فاطمہ زہرا کو کیونکہ جو تہبند باندھے غسل کررہا ہو اسے سلام کرنا جائز ہے،ہاں ننگے بدن نہانے والے کو سلام نہ کرے کہ ننگا آدمی جواب سلام نہیں دے سکتا اس لیے پیشاب پاخانہ استنجاء کرنے والے کو سلام کرنا منع ہے وہ ننگا ہے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ غسل کی حالت میں کلام کرسکتے ہیں،وضو کرتے ہوئے دنیاوی کلام،سلام جواب سلام سب ممنوع ہیں صرف دعائیں پڑھے۔ہر غسل کا یہ ہی حکم ہے جنابت کا غسل ہو یا کوئی اور،یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے والے پیارے کی آمد پر اظہار خوشی کے کلمات کہنا سنت ہے۔

۶؎ نماز چاشت جیسا کہ ترمذی نے شمائل شریف میں فرمایا۔ایک کپڑے میں نماز کے احکام **کتاب الصلوۃ باب الستر** میں گزر گئے۔

۷؎ حضرت علی جناب ام ہانی کے سگے بھائی ہیں مگر صرف ماں کاذکر فرمایا اظہار محبت کے لیے جیسا ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ابن ام۔

۸؎ ہبیرہ ابن وھب ابن عمرو ابن عائذ ابن عمران ابن مخزوم جناب ام ہانی کے خاوند ہیں۔اس فلاں کا نام معلوم نہ ہوسکا یعنی میں نے اپنے خاوند کے بیٹے کو جو میرے پیٹ سے ہیں یا ان کی دوسری بیوی کے پیٹ سے ہیں امان دے دی مگر علی اس کی تلاش میں ہیں قتل کرنے کے لیے۔خیال رہے کہ جناب ام ہانی کے اسلام لانے پر ہبیرہ سے آپ کی جدائی ہوگئی۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس فلاں کا نام حارث ابن ہشام ابن مغیرہ ابن عبدالملک ابن عبداللہ ابن عمرو ابن مخزوم ہے۔مگر پہلی روایت قوی ہے کہ وہ شخص ہبیرہ کا بیٹا ہے ام ہانی کا سگا یا سوتیلا بیٹا۔(دیکھو مرقات اور اشعۃ اللمعات)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غسل یا تو خود ام ہانی کے گھر تھا یا حضرت علی کے گھر یا کسی اور جگہ،بعض روایات میں ہے کہ فرماتی ہیں حضور نے میرے گھر میں غسل فرمایا۔

۹؎ یعنی تمہاری امان ہماری مان ہے۔حضرت علی اسے قتل نہیں کریں گے۔

۱۰؎ یہ دونوں شخص جو حضرت ام ہانی کے دیور ہیں ایک تو عبداللہ ابن ابی ربیعہ ابن مغیرہ ہیں دوسرے حارث ابن ہشام ابن مغیرہ ہیں دونوں مخزومی ہیں۔ان دونوں روایتوں میں کوئی مخالف نہیں۔جناب ام ہانی نے ان دونوں کو بھی امان دی تھی اور ہبیرہ کے بیٹے کو بھی حضور انور نے سب کی امان برقرار رکھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ عورت پوری قوم کے لیے امان دے سکتی ہے ۱؎ یعنی مسلمان پر امان دے سکتی ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی ایک مسلمان عورت قوم کفار کو امان میں لے سکتی ہے،کسی قوم سے اس کا کہہ دینا کہ میں نے تم کو امان دی معتبر ہے اور اس قوم کو امان مل جائے گی۔

۲؎ یہ جملہ امان میں لینے کی شرح ہے۔چنانچہ حضرت زینب بنت رسول اللہ نے اپنے خاوند ابوالعاص کو امان دے دی جیساکہ پہلے گزر چکااور حضرت ام ہانی نے اپنے دو دیوروں اور اپنے بیٹے کو امان دے دی اور تمام غازی صحابہ کو یہ امان ماننی پڑی۔

روایت ہے حضرت عمرو بن حمق سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کسی شخص کو اس کی جان پر امان دے دے پھر اسے قتل کردے اسے قیامت کے دن غداری (بدعہدی) کا جھنڈا دیا جائے گا ۲؎(شرح سنہ)	

۱؎ آپ قبیلہ بنی خزاعہ سے ہیں،صحابی ہیں،حجۃ الوداع میں حضور کے ہاتھ پر ایمان لائے،حضور کی وفات کے بعد پہلے کوفہ میں پھر مصر میں مقیم رہے، ۵۱ھ اکیاون میں موصل میں عجیب و غریب طریقہ سے قتل کیے گئے،ان کے قتل کا عجیب قصہ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں اور شیخ عبدالحق نے رسالہ تعمیم البشارہ کے حاشیہ میں لکھا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

۲؎ اسے رسوا کرنے کے لیے اور یہ جھنڈا بدعہدی وغداری کی نشانی ہوگا جس سے محشر والے اس کی غداری معلوم کرلیں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں مسلمانوں کے خفیہ عیوب ظاہر نہ کیے جائیں گے علانیہ عیوب کا اعلان ہوگالہذا یہ حدیث پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت سلیم ابن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور روم کے درمیان معاہدہ تھا ۲؎ اور جناب معاویہ ان کے شہروں کی طرف چل دیئے تاکہ جب معاہدہ پورا ہو جائے تو فورًا ان پر حملہ کردیں ۳؎ تو ایک شخص ترکی یا عربی گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا آیا ۴؎ اللہ اکبر اللہ اکبر وفا عہد ہو بدعہدی نہ ہو ۵؎ لوگوں نے غور کیا تو وہ حضرت عمرو ابن عبسہ تھے ۶؎ تو اس کے	

متعلق ان سے حضرت معاویہ نے پوچھا ۷ تو فرمایا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس کا کسی قوم سے عہد ہو تو وہ نہ تو عہد کھولے نہ اسے بدلے ۸ حتی کہ اس کی مدت گزر جائے ۹ یا انہیں برابری پر خبر دے دے ۱۰ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ لوگوں کو واپس لے گئے ۱۱ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ تابعی ہیں،شام میں قیام رکھتے تھے،اپنے وقت کے عالم وفقیہ تھے،ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ راوی ثقہ ہیں۔

۲؎ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں کفار روم سے کچھ روز کے لیے عارضی صلح فرمائی تھی کہ فلاں تاریخ تک ہم تم سے جنگ نہ کریں گے۔

۳؎ یعنی جب مدت صلح ختم ہونے کے قریب ہوئی تو آپ مع لشکر جرار شام سے روم کی طرف روانہ ہوگئے اس ارادہ سے کہ مدت صلح ختم ہونے سے پہلے رومیوں کی سرحد پر پہنچ جائیں اور معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی ان پر حملہ کردیں۔

۴؎ **فرس** اور **برذون** دونوں کے معنی ہیں گھوڑا مگر یہاں **فرس** سے مراد ہے عربی گھوڑا اور **برذون** سے مراد ہے ترکی گھوڑا۔راوی کو شک ہے کہ وہ کس گھوڑے پر سوار تھے۔

۵؎ یعنی اے جماعت صحابہ یا اے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا اے امیر المؤمنین معاویہ تم لوگوں کی شان وفا عہد ہے بے وفائی تمہاری شان کے خلاف ہے،آپ نے ختم مدت سے پہلے ان کفار کی طرف کوچ کرنا ان کی سرحد پر پہنچ جانا بھی خلاف عہد سمجھا۔یہ اس صورت میں ہے کہ کفار مسلمانوں پر حملہ کی تیاری نہ کررہے ہوں اگر وہ ایسا کررہے ہیں تو مدت صلح میں ان کی سرحد پر پہنچ جانا اور بعد ختم مدت اچانک ان پر حملہ کردیناانہیں حملہ کا موقع نہ دینا ضروری ہے کہ اب بدعہدی ان کی طرف سے ہے نہ کہ ہماری طرف سے اس وقت رومیوں نے یہ حرکت نہ کی تھی۔(مرقات)

۶؎ آپ مشہور صحابی ہیں،چوتھے مسلمان ہیں،شام کے رہنے والے ہیں،آپ کے حالات بار ہا بیان ہوچکے ہیں،آپ نے صلح کے زمانہ میں ان رومی عیسائیوں کی سرحد پر پہنچ جانے کو بھی بدعہدی میں شمار فرمایااس لیے یہ فرمایا۔

۷؎ یعنی امیر معاویہ نے اس فتویٰ کی دلیل حدیث سے معلوم کرنا چاہی۔

۸؎ بعض روایات میں الفاظ یوں ہیں **فیشدہ ولا یحلہ** یعنی اس عہد کو پختہ تو کردے مگر کھولے یعنی توڑے نہیں یہ عبارت واضح ہے۔**شد** کے معنی مضبوطی کے ہیں،یہاں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو عہد کو مدت کے اندر کھولے توڑے نہ کفار سے تجدید عہد یا توثیق عہد کا مطالبہ کرےیعنی یہ نہ کہے کہ اس عہد کو مضبوط کرو کہ اس سے کفار سمجھیں گے کہ مسلمانوں نے وہ عہد کمزور کردیااس لیے اب اس کی پختگی کا مطالبہ کررہے ہیں۔اس میں بھی خیانت کی بو ہے ہم نے **لایشدنہ** کے معنی جو کیے نہ بدلے یہ لازمی معنی ہیں ورنہ معنی یہ ہیں کہ نہ مضبوطی عہد کا مطالبہ کرے۔

۹؎ غرضیکہ مدت صلح گزرنے تک کفار سے کچھ تعرض نہ کرے آپ کا وہاں جانا اس کے خلاف ہے۔سبحان اللہ! اس تقویٰ کے قربان۔

۱۰؎ یعنی اگر صلح توڑنے کی ضرورت ہی پیش آجائے تو حملہ سے سے بہت پہلے انہیں اطلاع بھیج دے کہ ہم مجبورًا اس معاہدے کو توڑ رہے ہیں تم تیار ہوجاؤ،یہ ہی مطلب ہے علیٰ سواء کا،قرآن کریم فرماتاہے:"وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِیَانَۃً فَانۡۢبِذۡ اِلَیۡہِمۡ عَلٰی سَوَآءٍ"یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

۱۱؎ یعنی امیر معاویہ حضور کا یہ فرمان عالی سنتے ہی مع لشکر کے واپس لوٹ گئے۔معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سلطنت میں ۵۱ھ اکیاون ہجری میں فتح ہوا،اس فتح میں یزید ابن معاویہ سپہ سالار تھا۔(اکمال) اور اس لشکر جرار میں حضرت عبداللہ ابن عمرعبداللہ ابن عباس ابو ایوب انصاری عبداللہ ابن زبیر حسین ابن علی جیسے حضرات سپاہیانہ شان سے شامل تھے۔(البدایہ و النہایہ) یزید ابن معاویہ نے حضرت ابو ایوب انصاری کی نماز جنازہ پڑھائی،اس نے قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے آپ کو دفن کیا اور اعلان کیا کہ اگر کسی عیسائی نے اس قبر شریف کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں سارے عرب کے عیسائیوں کے قتل اور عرب کے گرجا منہدم کردوں گا،اللہ کی شان ہے جس سے چاہے دین کی خدمت لے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ۲؎ تو جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا ۳؎ تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ خدا کی قسم میں تو اب ان کی طرف کبھی نہ لوٹوں گا ۴؎ تو فرمایا کہ ہم نہ تو عہد توڑتے ہیں اور نہ قاصدوں کو روکتے ہیں ۵؎ لیکن تم ابھی واپس جاؤ پھر اگر تمہارے دل میں وہ رہے جو اب ہے تو واپس آجانا ۶؎ فرماتے ہیں کہ میں چلا گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مسلمان ہوگیا ۷؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام شریف اسلم ہے،آپ پہلے سیدنا عباس کے غلام تھے، انہوں نے حضور کو بطور ہدیہ پیش فرما دیا تو آپ حضور انور کے غلام ہوگئے پھر آپ نے ہی حضرت عباس کے ایمان لانے کی خبر حضور انور کو دی۔حضور نے اس خبر لانے کی خوشی میں انہیں آزاد کردیا۔اللہ تعالٰی مجھے ابو رافع حبشی کے غلاموں میں حشر نصیب کرے۔شعر

جو بندہ تمہارا وہ بندہ خدا کا جو بندہ خدا کا وہ بندہ تمہارا

آپ بہت ہی خوش نصیب صحابی ہیں،آپ قبطی النسل ہیں۔(اشعہ،مرقات ولمعات)

۲؎ صلح حدیبیہ کے دن کفار نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر حضور انور کی خدمت میں بھیجا جب کہ حضور حدود حرم میں حدیبیہ کے میدان میں مع جماعت صحابہ کے جلوہ افروز تھے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابو رافع وہ نہیں ہیں جو حضور کے آزادکردہ غلام ہیں وہ تو بدر سے پہلے ہی اسلام لاچکے تھے،اب حدیبیہ میں ان کا کفار مکہ کی طرف سے صلح کا نمائندہ بن کر آنا کیسا یہ کوئی اور ابو رافع ہیں۔واللہ اعلم!

۳؎ حضور کا چہرہ پاک خود معجزہ تھا کہ ذی ہوش آدمی صرف دیکھ کر ہی ایمان لے آتا حضرت عبداللہ بن سلام کا بھی یہ ہی واقعہ ہوا کہ چہرہ انور دیکھتے ہی ان کے دل میں ایمان آگیا۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

۴؎ یعنی ایمان بھی نصیب ہوگیا اور وطن بال بچوں،مال و متاع سے محبت ایک دم جاتی رہی۔اس لیے دیس چھوڑ پردیس میں جانے،گھر بار اولاد چھوڑ کر حضور کے پاس بس جانے کے لیے تیار ہوگئے۔گنہگار احمد یار اپنا تجربہ عرض کرتا ہے کہ جب یہ فقیر جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر انوار پر حاضر ہوا تو دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں قبر شریف پر فقیر مجاور بن کر بیٹھ جاؤں یہ کشش بھی ان حضرات کا زندہ جاوید معجزہ و کرامات ہے،جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف میں بہت ہی کشش ہے جو بیان نہیں ہوسکتی۔

۵؎ اخیس بنا ہے **خیس** سے بمعنی غدر یا عہد شکنی یعنی وعدہ خلافی کرنا اور کسی قاصد کو اپنے ہاں روک لینا ہماری شان نہیں کہ یہ بھی عہد شکنی ہی ہے۔**برد** جمع ہے **برید** کی بمعنی ڈاکیہ اور قاصد۔تم جیسے ان کا پیغام لے کر ہمارے پاس آئے ہو ویسے ہی ہمارا جواب لے کر ان کے پاس جاؤ۔

۶؎ یعنی وہ وارفتگی جو تمہارے دل میں اب ہے اگر مکہ معظّمہ پہنچ جانے ہمارا جواب سنانے کے بعد بھی رہے تو چلے آنا۔خیال رہے کہ حضور انور نے ان کا اسلام تو قبول فرمالیا مگر اس وقت ہجرت کی اجازت نہ دی جس کی وجہ خود بیان فرمادی لہٰذا یہ حدیث فقہاء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ جو مسلمان ہونا چاہے اسے ٹالو نہیں بلکہ فورًا مسلمان کرلو اس لیے حضور نے یہ فرمایا کہ ابھی مسلمان نہ بنو واپسی پر بننا،نیز حضور نے اس وقت انہیں اپنا اسلام ظاہر کرنے سے منع فرمایا تاکہ کفار مکہ کے شر سے محفوظ رہیں۔

۷؎ یا حدیبیہ میں ہی صلح نامہ کی تحریر سے پہلے یا کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر مسلمان ہوگیا کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنا اسلام ظاہر کردیا علانیہ مسلمان ہوگیا،مرقات نے یہ ہی توجیہ فرمائی،لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے کہ اسلامی قانون کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت نعیم ابن مسعود سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں سے فرمایا جو مسیلمہ کے پاس سے آئے تھے ۲؎ کہ اگر یہ قانون نہ ہوتا کہ قاصد قتل نہیں کیے جاتے تو میں تمہاری گردنیں مار دیتا (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ آپ اشجعی مدنی ہیں،غزوہ خندق میں ایمان لائے،اسلام سے پہلے احزاب کے واقعہ میں ان کی کوشش رہی کہ بنی قریظہ اور ابوسفیان کے درمیان یہ ہی واسطہ اور پیغام رساں تھے،ابوسفیان اس جنگ احزاب میں کفار کے سردار تھے،خلافت عثمان میں فوت ہوئے یا خلافت حیدری میں جنگ جمل میں قتل ہوئے۔

۲؎ ان دونوں مردوں کے نام عبداللہ ابن نواحہ اور دوسرا ابن اثال ہیں یہ دونوں مسیلمہ کذاب پر ایمان لاچکے تھے جیسے ہمارے ہاں قادیانی جو مرزا غلام احمد مردود پر ایمان لاچکے ہیں۔مسیلمہ کذاب نے حضور کے زمانہ میں ہی دعویٰ نبوت کردیا،خلافت صدیقی میں تلوار صدیقی سے جہنم میں پہنچا۔حضرت وحشی نے اسے نہایت ذلت سے ہلاک کیا،اس سے جنگ یمامہ کا معرکہ ہوا یعنی تم میرے سامنے مسیلمہ کذاب کی نبوت کا اقرار کررہے تو مستحق قتل ہو مگر چونکہ قاصدوں کو قتل کرنا درست نہیں اس لیے تم کو چھوڑتا ہوں اور واپس جانے دیتا ہوں۔قاصدوں،ایلچیوں،نمائندوں اور سفیروں کو قتل نہ کرنے میں بڑی مصلحتیں ہیں،اب بھی اس قانون پر عمل ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ دور جاہلیت کے معاہدے پورے کرو کیونکہ اسلام ان کی پختگی ہی بڑھاتا ہے ۱؎ اسلام میں بناحلف نہ کرو ۲؎ اور حضرت علی کی حدیث المسلمون تتکافا، کتاب القصاص میں ذکر کی گئی۔

۱؎ یعنی تم لوگوں نے اسلام سے پہلے جو عہدومیثاق کفار سے کرلیے تھے وہ تمام کے تمام پورے کرو کہ اسلام میں خلافِ عہد کرنا جرم ہے۔

۲؎ اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ لاحلف فی الاسلام اسلام میں حلف نہیں یعنی کفار کا حلیف بننا جائز نہیں۔حلف میں ایک دوسرے کی مدد کا عہد بھی ہوا تھا اور ایک دوسرے کی میراث کا بھی وعدہ کہ جو معاہد مرے اس کا مال اس کا حلیف لے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ابن نواحہ اور ابن اثال مسیلمہ کذاب کے قاصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ۱؎ تو حضور نے ان سے فرمایا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۲؎ تو وہ بولے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے ۳؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ اور

	رسول پر ایمان لایا۴ اور اگر میں قاصد کو قتل کرتا ہوتا تو تم کو قتل کردیتا ۵ عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر طریقہ جاری ہوگیا کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے ۶ (احمد)

۱؎ ایلچی بن کر کوئی پیغام لے کر،مسیلمہ کذاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست منہ در منہ بھی گفتگو کی ہے اور ایلچیوں کے واسطے سے بھی۔چنانچہ ایک بار اس نے حضور انور سے مشافتۃً عرض کیا تھا کہ اگر آپ اپنے بعد خلافت میرے لیے تحریر فرمادیں تو میں آپ سے صلح کرلوں یعنی نبوت چھوڑ دوں۔حضور انور کے ہاتھ شریف میں ایک سبز مسواک تھی آپ نے فرمایا کہ اگر تو یہ سبز مسواک بھی مجھ سے مانگے تو تجھ کو نہ دوں گا اور تیرا جو انجام ہونے والا ہے وہ مجھے خواب میں دکھادیا گیا ہے،یہ اسی کی عرض و معروض وہ ہے جو قاصد پیغامبر کے ذریعے سے اس نے کی اس کا ذکر ابھی پچھلی حدیث میں گزرچکا۔

۲؎ یا تو حضور انور نے تبلیغ اسلام کرتے ہوئے یہ فرمایا یا کوئی معجزہ دکھا کر یہ ارشاد کیا۔بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ کافر ایلچی کو تبلیغ اسلام کرنا جائز ہے۔

۳؎ یعنی نعوذباللہ آپ اللہ کے رسول نہیں بلکہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے یا آپ بھی اللہ کے رسول ہیں اور مسیلمہ بھی اللہ کا رسول ہے۔آپ خاتم النبیین نہیں آپ کے زمانہ میں اور رسول بھی ہوسکتے ہیں۔پہلی صورت میں وہ کافر اصلی ہیں،دوسری صورت میں وہ دونوں موجودہ قادیانیوں کی طرح مرتد ہیں کیونکہ اسلامی کلمہ گو گمراہ فرقے جن کی گمراہی حد کفر تک پہنچ جاوے وہ مرتدین ہوتے ہیں اس لیے حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کو مع اس کے معتقدین کے مرتد تصور فرمایا مرتد سے نہ جزیہ لیا جاتا ہے نہ صلح اس کے لیے صرف تلوار یا اسلام ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"تُقٰتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ"۔اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حضور انور کے زمانہ میں اور بھی کسی کو نبی مانے وہ مرتد ہے۔اس سے موجودہ دور کے دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے حضور انور خاتم النبیین ہیں کہ نہ تو حضور کے زمانہ میں نہ حضور انور کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا نہ اصلی نبی نہ ظلی بروزی مراتی مذاقی افیونی چرسی نبی۔حضور کی نبوت تمام نبیوں کی نبوت کی ناسخ ہے،حضور ہی آخری نبی ہیں۔

۴؎ اس فرمان عالی میں رسولہ سے مراد جنس رسول ہے یعنی میں اللہ کے سارے سچے نبیوں پر ایمان لایا۔مسیلمہ کے جھوٹا ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ میں نے اس کو جھوٹا بے دین فرمادیا۔

۵؎ کیونکہ تم مرتد ہو اور مرتد واجب القتل ہوتا ہے مگر ایلچی ہو لہذا قتل نہیں کیے جاؤ گے بخیریت واپس چلے جاؤ۔

۶؎ یعنی قاصد ایلچی اگرچہ بذات خود قتل کے لائق ہو مگر جب قاصد بن کر آوے گا تو سلامتی سے واپس کیا جائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہمارا مسلمان زنا،چوری،قتل کرکے مرتد ہوکر دارالحرب میں چلا جائے پھر وہ کبھی کفار کا ایلچی بن کر ہمارے ہاں آوے تو اس حالت میں قتل نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ چند وجوہ سے مستحق قتل ہے،یہ جملہ مطلق ہر قسم کے مستحق قتل قاصد کو شامل ہے۔یہاں سنت بمعنی قانون اسلامی ہے فرض واجب کا مقابل نہیں یعنی اس فرمان عالی کے بعد یہ قانون جاری ہوگیا اور اب تک یہ قانون ہر ملک و ملت میں جاری ہے۔

باب قسمۃ الغنائم والغلول

باب غنیمتوں کی تقسیم اوران میں خیانت کرنے کا بیان؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎قسمت کے معنی بخشش کرنا بھی ہیں اور اندازہ لگانا بھی اور حصہ کرنا بھی۔غنیمت وہ مال ہے جو بحالت جنگ کفار سے چھینا جاوے۔اور فیئ ہر وہ مال ہے جو کفار سے حاصل کیاجائے خواہ جبرًاخواہ صلحًا بشرطیکہ حلال طریقہ سے حاصل کیا جائے لہٰذا غنیمت خاص فیئ عام۔چنانچہ غنیمت،جزیہ،خراج ،مال صلح جو کفار سے صلح کرکے حاصل کیا جائے ان سب کو فیئ کہا جاتا ہے۔(مرقات) غلول غنیمت کے مال میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہ ہوئیں؎یہ اس لیے ہے کہ اللہ کمزوری ہماری عاجزی دیکھی تو اس نے ہمارے لیے یہ حلال فرماد

؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے **لم تحل** بغیر ف کے اس صورت میں یہ کلام مستقل ہے اور اگر **فلم تحل** ف سے ہو تو یہ کلام کسی گذشتہ کلام پر مرتب ہے،یہ پورا کلام شریف اسی باب کی تیسری فصل میں آئے گا۔یعنی غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی نبی کی امت کے لیے حلال نہ کیا۔وہ لوگ جب جہا دمیں کفار سے مال چھینتے تھے تو یہ سارا مال جمع کرکے کسی جگہ رکھتے تھے،آسمان سے غیبی آگ بغیر دھوئیں والی آتی تھی اسے جلا جاتی تھی،یہ آگ کا جلا ڈالنا اس کی علامت ہوتی تھی کہ یہ جہاد مقبول ہے اور غنیمت میں خیانت نہیں ہوئی،اگر آگ نہ جلاتی تو وہ لوگ سمجھ جاتے کہ یا تو جہاد مردود ہوگیا یا اس غنیمت میں کچھ خیانت ہوئی ہے یہ ہی حال ان کی قربانیوں کا تھا،ہمارے لیے غنیمت اور قربانی دونوں چیزیں حلال فرمادی گئیں۔(از مرقات ولمعات مع اضافہ)

؎یعنی ان گذشتہ قوموں کے لحاظ سے ہم لوگ جسمًا کمزور بھی ہیں اور مال میں کم بھی اور تاقیامت بہت کمزور و غریب لوگ جہاد کیا کریں گے۔ان وجوہ سے ہمارے لیے غنیمت حلال کردی کہ جہاد میں ثواب بھی حاصل کریں اور مال بھی یہ رعایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد گزشتہ دینوں میں بھی تھے۔ہم نے اپنی تفسیر نعیمی میں ثابت کیا ہے کہ جہاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کے سال گئے؎تو جب ہم ملے تو مسلمانوں میں بے چینی ہوگئی میں نے مشرکین کے ایک شخص کو دیکھا؎کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک

مسلمان پر غالبا آگیا ۳؎ تو میں نے اس کے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار ماری ۴؎ تو میں نے زرہ کاٹ دی وہ مجھ پر متوجہ ہوگیا مجھے خوب لپٹ گیا میں نے اس سے موت کی بو پالی ۵؎ پھر اسے موت نے پالیا تب اس نے مجھے چھوڑ دیا میں حضرت عمر ابن خطاب سے ملا میں نے کہا لوگوں کا کیا حال ہوگیا ہے فرمایا اللہ کا حکم ۶؎ پھر غازی لوٹ پڑے ۷؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو فرمایا کہ جس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو جس کی گواہی اس کے پاس ہو تو اس کا سامان قاتل ہی کا ہے ۸؎ تو میں بولا کہ میری گواہی کون دے گا پھر میں بیٹھ گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا میں نے پھر کہا کہ میری گواہی کون دیتا ہے پھر میں بیٹھ گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا میں پھر کھڑا ہوا ۹؎ تو فرمایا اے ابو قتادہ تمہارا کیا حال ہے چنانچہ میں نے حضور کو خبر دی تو ایک شخص بولا حضور یہ سچے ہیں اور اس کافر کا سامان میرے پاس ہے حضور انہیں میرے متعلق راضی فرمائیں ۱۰؎ ابوبکر صدیق نے فرمایا اللہ کی قسم تب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کی طرف یہ قصد بھی نہ کریں گے کہ جو اللہ رسول کی طرف جہاد کرے تجھے اس کا سامان دے دیں ۱۱؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچے ہیں اسے سامان دے دو چنانچہ اس نے وہ مجھے دے دیا تو میں نے اس کا ایک باغ بنی سلمہ میں خریدا ۱۲؎ یہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں جمع کیا۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت ابوقتادہ مشہور صحابی ہیں اور حنین مکہ معظّمہ و طائف کے درمیان ایک جنگل ہے وہاں قبیلہ بنی ہوازن سے مسلمانوں کی مشہور جنگ ہوئی ہے فتح مکہ کے بعد۔فقیر نے اس جنگل کی زیارت کی ہے۔اس جنگ کا ذکر قرآن کریم میں صراحۃً ہوا ہے۔

۲؎ جولۃ کے لغوی معنی ہیں بے قراری ،حرکت،آگے پیچھے دوڑنا۔راوی نے غزوہ حنین کی اول حالت کو مسلمانوں کی شکست نہ فرمایا کیونکہ حقیقۃً شکست نہ ہوئی تھی بلکہ ہوازن کی سخت تیر اندازی کی وجہ سے مسلمان پہلے کچھ گھبرا گئے تھے اور ان میں افراتفری مچ گئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت اپنی جگہ سے قطعًا نہ ہلی تھی لہذا مسلمانوں کی یہ افراتفری شکست نہ کہلائی۔اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس جنگ میں مسلمان بارہ ہزار تھے،کفار کی تعداد اس سے کم تھی ان کے دل میں خیال ہوا کہ آج ہم بہت تعداد میں ہیں ضرور غالب آئیں گے۔رب کو یہ پسند نہ آیا کہ مسلمانوں خصوصًا صحابہ کرام کی نظر رب کے کرم سے ہٹے، اپنی کثرت پر ٹھہرے اس لیے یہ ہیجان پیدا ہوگیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ"یہاں اس کا بیان ہے۔

۳؎ اس طرح کہ اس مشرک نے مسلمان کو دبوچ لیا تھا اور قتل کرنے کے لیے تلوار نکال لی تھی کہ پیچھے سے میں نے اس مشرک پر حملہ کردیا

۴؎ حبل عاتقہ وہ رگ ہے جو گردن سے کندھے تک ہے یہ شہ رگ نہیں ہے۔

۵؎ یعنی میں نے اس مشرک پر ایسا سخت وار کیا کہ اس کی زرہ کاٹ کر گردن بھی سخت زخمی کردی وہ اس سے گھبرا گیا اس دبوچے ہوئے مسلمان کو چھوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا مگر اس پر نزع کے آثار نمودار تھے اور وہ قریب موت تھاچنانچہ وہ کافر اسی حال میں مر گیا۔

۶؎ یعنی مسلمانوں کی یہ افراتفری رب تعالٰی کے ارادے سے ہے جو وہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے یا گھبراؤ مت ان شاءاللہ ہمیں اللہ کی نصرت حاصل ہوگی اور مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جم جائیں گے اور مسلمانوں کی فتح ہوگی۔اللہ تعالٰی نے حضرت عمر کی یہ پیش گوئی سچی فرمادی۔(مرقات و اشعہ)

۷؎ اس طرح کہ ابوسفیان آج حضور انور کی سواری کی مہار تھامے تھے اور حضرت عباس سواری کے پیچھے تھے حضرت عباس نے گرج کر پکارا کہ اللہ کے بندو رسول اللہ یہاں ہیں ان کے پاس آؤ یہ آواز تمام غازیوں کے کان میں پہنچی سب لوگ حضور کے پاس جمع ہوگئے اور پھر جم کر حملہ کیا،اللہ تعالٰی کے فضل سے جنگ جیت لی اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شجاعت ظاہر ہوئی کہ سبحان اللہ! حضور انور کے ساتھی چند غازی تھے تمام کفار نے مل کر حضور کی سواری کو گھیر لیا اور چوطرفہ سے حضور پر حملہ کردیا حضور انور یہ کہتے ہوئے سواری سے اترے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب میں جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں،تلوار سونتی سواری سے اترنا تھا کہ کفار کائی کی طرح پھٹ گئے کوئی حضور پر حملہ نہ کرسکا۔

۸؎ سلبہ سے مراد مقتول کا سامان ہے جیسے جوڑا،گھوڑا،ہتھیار وغیرہ۔اس غزوہ حنین میں حضرت ابوطلحہ نے بیس کفار قتل کیے اور ان سب کا سامان پالیا۔خیال رہے کہ حضرت امام شافعی و احمد کے ہاں یہ شرعی قانون ہے کہ جو غازی کسی کافر کو مارے تو اس کا سامان اسے ملے گا بشرطیکہ وہ غنیمت کا حصہ لینے کا حق دار ہو۔امام اعظم کے ہاں یہ قانون نہیں بلکہ بطور نفل ملے گا،اگرحاکم چاہے تو دے کیونکہ ایک حدیث میں یوں ہے کہ حضور نے غازی قاتل سے فرمایا لیس لك حتی سلب قتیلك الا طابت بہ نفس امامك تم کو مقتول کا وہ ہی مال ملے گا جو امام چاہے،نیز ابوجہل کو دو صاحبوں

معاذ ابن عمرو اور معاذ ابن عفرء نے قتل کیا مگر حضور نے اس مردود کا سامان ایک صاحب معاذ ابن عمر ابن جموح کو دیالہٰذا حق یہ ہی کہ حضور عالی کا یہ فرمان قانون جہاد نہیں بلکہ اپنے اختیار کا اعلان ہے۔

۹؎یہ باربار کھڑا ہونا تلاش گواہ کے لیے تھا۔خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں قاتل غازی کو مقتول کا سامان شرعی گواہی ملنے پر دیا جائے گا،امام مالک کے ہاں اس بارے میں صرف غازی کا قول معتبر ہوگاگواہی ضروری نہیں،وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ شرعی گواہی ہوتی تو دو گواہ چاہیے تھے ایک کافی نہ ہوتا کیونکہ یہ مال سارے غازیوں کا حق تھاصرف ایک گواہ سے کیسے دیا جاسکتا تھا لہٰذا امام مالک کے ہاں یہاں بیّنہ سے مراد گواہ نہیں بلکہ مطلقًا ثبوت ہے خواہ کسی غازی کی تصدیق ہو یا اور کوئی علامت۔(دیکھو مرقات)

۱۰؎یعنی واقعی اس کافر کا قاتل یہ ہی ہے اس مقتول کا سامان میں نے لے لیا ہے حضور ان سے فرمادیں کہ وہ سامان مجھے دے دیں یا مجھے اس میں شریک کر لیں ان کی مہربانی ہوگی۔

۱۱؎سبحان اللہ! حضرت صدیق اکبر واطہر نے کیا اچھا جواب دیا یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بہادری کے جوہر تو ابوقتادہ دکھائیں اور ان کا حق تم کو دے دیا جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں بہادری دکھانے والوں کو خصوصی انعام و اکرام یا تمغہ وغیرہ دینا جائز ہے۔اس سے غازیوں کی ہمت بڑھتی ہےدوسروں کوبہادری دکھانے کا شوق ہوتا ہے۔اس انعام سے ثواب اخروی مطلقًا کم نہیں ہوتا اب بھی حکومتیں اس پر عمل کرتی ہیں،ابھی ہماری پاکستانی فوج کے چھوٹے سے دستے نے رن کچھ میں بڑی بھارتی فوج کو شکست فاش دی بہت مال غنیمت حاصل کیاحکومت پاکستان نے ان بہادروں کی بہت حوصلہ افزائی کی یہ عمل اس حدیث سے ثابت ہے۔

۱۲؎معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال بہت تھا اور قیمتی تھا جس سے پورا باغ خرید لیا گیا۔خیال رہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مقتول کا سامان غازی قاتل کو دینا بطور نفل ہے،اگر سلطان چاہے تو دے اور امام شافعی کے ہاں قانون شرعی ہےسلطان راضی ہو یا نہ ہو بہرحال سامان قاتل ہی کو ملے گا۔امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیلیں تھیں احادیث میں جو یہاں مرقات نے نقل فرمائیں:ایک وہ جو طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط بروایت حبیب ابن سلمہ فہرست نقل کی کہ حضرت حبیب نے صاحب قبرص کو قتل کیا جس کے پاس زمرد یاقوت موتی وغیرہ بہت سامان تھاوہ اس کا یہ سامان اور پانچ خچر ریشمی کپڑا حضرت ابوعبیدہ ابن جراح کی خدمت میں لائے، جناب ابوعبیدہ نے اس میں خمس لینا چاہا انہوں نے یہ ہی حدیث پیش کی **من قتل قتیلا فلہٗ سلبہٗ** تو حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا **انما للمراء ما طابت بہ نفس امامہ**۔دوسری وہ حدیث جو مسلم،بخاری نے نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے دو قاتلوں سے فرمایا کہ تم دونوں نے اسے قتل کیا مگر ابوجہل کا سامان صرف معاذ ابن عمرو کو عطا فرمایا۔تیسرے غزوہ موتہ کا وہ واقعہ جو مسلم وابوداؤد نے بروایت عوف ابن مالک اشجعی روایت کیا کہ ایک شخص نے کسی رومی کافر کو قتل کیا جس کے پاس اعلیٰ گھوڑے سونے کی زین زیوروں سے آراستہ ہتھیار تھے اس شخص نے یہ سب خود لینا چاہاحضرت خالد ابن ولید نے انکار کیا،یہ مقدمہ بارگاہِ نبوت میں پیش ہوااوتا تو حضور نے فرمایا خالد اسے یہ سب کچھ دے دو،پھر فرمایا اسے کچھ نہ دو ہم اپنے سرداروں کی ذلت نہیں چاہتے لہٰذا یہ سلب نفل ہے اگر امام چاہے دے یا نہ دے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم نے مرد کو اور اس کے گھوڑے کو تین حصے دیئے ایک حصہ اسے اور دو حصے اس کے گھوڑے کو۔[1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی ایک جہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل غازی کو مال غنیمت سے ایک حصہ دیا اور سوار غازی کو تین حصے اس طرح ایک حصہ غازی کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔اس حدیث کی بنا پر جمہور علماء نے فرمایا کہ سوار غازی کو تین حصے ملیں گے یعنی گھوڑے کے دو،غازی کا ایک مگر حضرت علی،ابوموسیٰ اشعری،امام اعظم ابوحنیفہ کا فرمان ہے کہ سوار غازی کو دو حصے ملیں گےایک گھوڑے کا،ایک غازی کا۔اس حدیث میں قانون کا ذکر نہیں بلکہ ایک خاص موقعہ کا ذکر ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کو تین حصے دیئے تھےاس طرح کہ گھوڑے کا حصہ ایک اور ایک حصہ بطور نفل گھوڑے کو زائد دیا۔امام ابوحنیفہ کی دلائل حسب ذیل ہیں:(۱) مسلم شریف میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ حضور نے **قسم النفل للفارس سهمين والراجل سهما** حضور نے نفل کی تقسیم اس طرح فرمائی کہ گھوڑے سوار کے دو حصے پیدل کا ایک(۲) معجم طبرانی نے بروایت مقداد ابن عمرو روایت کی کہ میں جنگ بدر میں اپنے گھوڑے **سبحہ** پر سوار ہو کر شریک ہوا تو حضور نے مجھے دو حصے دیئےایک میرا ایک میرے گھوڑے کا(۳) ابن مردویہ نے بروایت عروہ عن عائشہ الصدیقہ روایت کی کہ غزوہ بنی مصطلق میں حضور نے پیدل غازی کو ایک حصہ دیا سوار کو دو(۴) ابن ابی شیبہ نے بروایت حضرت ابن عمر روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار غازی کو دو حصے دیئے پیادہ کو ایک(۵) دارقطنی نے انہی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ہی روایت کی،دیکھو کتاب موتلف للدارقطنی۔ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار غازی کے دو حصے ہیں نہ کہ تین۔جن روایات میں تین حصوں کا ذکر ہے وہاں اتفاقی واقعہ مذکور ہے کہ گھوڑے کو بطور نفل ایک حصہ زیادہ دیا گیااس لیے ان احادیث میں ماضی مطلق فرمایا کہا **کان یعطی من** ہے اس صورت میں احادیث جمع ہوجائیں گی تعارض نہ ہوگا۔اور ان بزرگوں کے قول پر دو حصوں والی روایات چھوڑنی پڑیں گی۔بہرحال مذہب امام اعظم بہت قوی ہے۔دو حصوں کی تائید اس روایت سے بھی ہورہی ہے جو مشکوۃ شریف کی دوسری فصل میں حضرت مجع سے آرہی ہے،ابھی اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ غزوہ ذی قرد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ ابن اکوع کو پیدل اور سوار دونوں کے حصے دیئے تو ایک غازی کو دونوں حصے جمع فرمادینا خصوصیت ہے قانون نہیں ایسے ہی یہ ہے۔

	روایت ہے حضرت یزید ابن ہرمز سے[1] فرماتے ہیں کہ نجدہ حروری نے[2] حضرت ابن عباس کو خط لکھاوہ آپ سے اس غلام و عورت کے متعلق پوچھتا تھاجو غنیمت میں حاضر ہوں کہ کیاانہیں حصہ دیاجائے توآپ نے یزید سے فرمایا کہ اسے لکھ دو کہ ان کے لئے حصہ نہیں مگر یہ کہ کچھ دے دیاجائے[3] اور ایک روایت میں ہے کہ اسے حضرت ابن عباس نے لکھا کہ تو نے لکھ کر مجھے پوچھا ہے کہ کیارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ساتھ غزوہ فرماتے تھے اور کہاان کے لیے حصہ مقرر فرماتے تھے تو یقیناً حضور انور ان

	کے ساتھ غزوہ کرتے تھے یہ بیماریوں کا علاج کرتی تھیں اور غنیمت سے کچھ دے دی جاتی تھیں لیکن حصہ ان کے لئے مقرر نہ تھا۴؎ (مسلم)

۱؎آپ ہمدانی ہیں،بنی لیث کے غلام ہیں،تابعی ہیں،ثقہ ہیں،اہل مدینہ سے ہیں۔

۲؎نجدہ خوارج سے تھا،حرورہ ایک بستی کا نام ہے قریب کوفہ،اس بستی میں خوارج کا اجتماع تھااس لیے خوارج کو حروری کہا جاتا ہے جیسے ہمارے ہاں قادیانی ایک مرتد فرقہ کالقب ہے،قادیان بستی کی طرف نسبت ہے۔

۳؎یعنی اگر غلام جہاد کرے یا عورت زخمی غازیوں کی مرہم پٹی کرے تو غنیمت سے کچھ دے دیا جائے گا جو مقررہ حصے سے کم ہوگاپورا حصہ نہ دیا جائے گا لیکن اگر غلام صرف مولیٰ کی خدمت کرے اور عورت صرف اپنے خاوند کا کام کرے تو انہیں کچھ نہ ملے گا کہ اس صورت میں یہ تاجر کی طرح ہیں جو جہاد میں دو کان لےکر جاوے۔(اشعہ و مرقات و لمعات)

۴؎اکثر علماء کا یہ ہی قول ہے امام اعظم کا بھی یہ ہی مذہب ہے کہ عورت اور غلام کو غنیمت سے کچھ دے دیا جائے اور باقاعدہ پورا حصہ نہ دیا جائے بشرطیکہ غلام جنگ کرے مولیٰ کی اجازت سے یا بغیر اجازت اور عورت غازیوں کی خدمت کرے کہ عورت کی خدمت مثل جنگ کے ہے۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری اپنے غلام رباح کے ساتھ بھیجی اور میں ان کے ساتھ تھا۲؎تو جب ہم نے سویرا کیا تو اچانک عبدالرحمان فزاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر حملہ کردیا ۳؎تو میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہوا ۴؎پھر مدینہ کی طرف منہ کیا اور ندا دی یا صباحاہ پھر میں اس قوم کے پیچھے چل پڑاان پر تیر اندازی کرتا تھا ۵؎اور یہ گیت شجاعت کہتا تھا ۶؎کہ میں اکوع کا بیٹا ہوں،آج دودھ چھوٹنے کا دن ہے۷؎تو میں تیر مارتا رہا ان کے جانور کاٹتا رہا ۸؎حتی کہ اللہ نے حضور کی سواریوں میں سے کوئی اونٹ پیدا نہ فرمایا تھا مگر میں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے کر لیا ۹؎پھر میں تیر مارتا ہوا ان کے پیچھے چلا حتی کہ وہ لوگ تیس چادروں سے زیادہ اور تیس نیزے پھینک گئے۱۰؎ہلکا ہونے کے لیے اور وہ نہیں پھینکتے تھے ۱۱؎کوئی چیز مگر میں اس پر پتھروں کی نشانیاں رکھ دیتا تھا ۱۲؎جسے رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پہچان لیں ۱۳؎ حتی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوار فوج دیکھ لی اور ابو قتادہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار عبدالرحمٰن پر جا پڑے اسے قتل کردیا ۱۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہمارے بہترین سواروں میں بہترین سوار ابوقتادہ ہیں اور پیادوں میں بہترین ۱۵؎ سلمہ ہیں پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حصے عطا فرمائے ایک حصہ سوار کا اور ایک حصہ پیادے کا یہ دونوں حصے میرے لیے جمع فرمادیئے ۱۶؎ پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے عضباء پر سوار فرمایا ۱۷؎ مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے ۱۸؎ (مسلم)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، بہادری میں بے مثال تھے، اکیلے پیدل بہت سے سوار کفار سے لڑتے تھے، کنیت آپ کی ابو مسلم تھی، مدنی ہیں، بیعۃ الرضوان میں شریک رہے، اسی ۸۰ سال عمر ہوئی، ۷۴ھ؁ چوہتّر ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (اکمال، اشعہ وغیرہ)

۲؎ ظہر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی پشت سواری کے کام آتی ہو یعنی سواری کا اونٹ۔ رباح ر کے فتحہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ لائق سواری اونٹ مدینہ منورہ سے کسی جگہ بھیجے ان کی حفاظت کے لیے میں اور رباح بھیجے گئے۔

۳؎ عبدالرحمٰن فزاری عرب کا مشہور کافر ڈاکو تھا جس کے ساتھ اس کے ساتھیوں کی جماعت تھی جیسے اب بھی مشہو رڈاکو جتھہ والے ہوتے ہیں، اس ڈاکو نے اس موقعہ پر صرف دو صحابیوں کو دیکھ کر حضور انور کے اونٹ لوٹ لیے ہانک لے گیا، یہ واقعہ ۶ھ؁ میں ہوا اس کا نام غزوہ ذی قرد ہے، قرد مدینہ کے پاس ایک جگہ ہے۔ (مرقات)

۴؎ اکمہ وہ بلند جگہ جو پہاڑ سے چھوٹی ہو جسے اردو میں ٹیلہ کہا جاتا ہے۔

۵؎ عرب میں خطرہ شدیدہ کا اعلان کرنے کے لیے یاصباح کا لفظ پکارا جاتا تھا گویا یہ لفظ خطرہ کا الارم تھا۔ عموماً دشمن کا حملہ بوقت صبح ہوتا تھا اس لیے یہ لفظ پکارا جاتا تھا یعنی ہائے اے لوگو صبح کے وقت کا انتظار کرلو صبح کو تم پر حملہ ہونے والا ہے، یہ بھی حضرت سلمہ ابن اکوع کی کرامت تھی کہ ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوکر اپنی پکار تمام مدینہ میں پہنچادی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر جو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ وہ تمام عالم میں پہنچ گئی تاقیامت آنے والی روحوں نے سن لی یہ معجزہ حضرت ابراہیم کا تھا۔

۶؎ یہ ہے حضرت سلمہ کی بہادری کہ مسلمانوں کی کمک پہنچنے کا انتظار نہ کیا صرف اطلاع دے کر اکیلے ہی پوری جماعت کے پیچھے پیدل لگ گئے عربی میں رجز ان اشعار کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے وقت بہادر اپنی بہادری کے اظہار کے لیے پڑھا کرتے ہیں کفار کے مقابل فخر کرنا عبادت ہے۔

۷؎رضع ر کے پیش ض کے شد و زبر سے یا تو **راضع** بمعنی خبیث کی جمع ہے یا **رضیع** بمعنی ماں کا دودھ چھوڑا ہوا، بچہ کی جمع ہے یعنی آج کمینوں کی سزا کا دن ہے یا آج تم شیرخوار کمزور بچوں کی ہلاکت کا دن ہے یا تم کو رضیع بنادینے کا دن ہے اور بھی اس کے بہت معنی کیے گئے ہیں۔

۸؎**اعقر** بنا ہے **عقر** سے بمعنی پاؤں یا کونچیں کاٹنا۔اس سے مراد ہے جانوروں کا ہلاک کردینا یعنی ان ڈاکوؤں کو بھی مارتا رہا اور تاک تاک کر ان کے جانوروں کو بھی ہلاک کرتا رہا جس سے وہ لوگ میری طرح پیادے ہوتے رہے۔

۹؎یعنی مجھ اکیلے نے حضور انور کے سارے اونٹ ان ڈاکوؤں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کرلیے کہ انہیں اپنے پیچھے کرلیا میں ان کے آگے ہو گیا اور ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑتا رہا۔

۱۰؎عربی میں مخطط اور حاشیہ والی چادر کو بھی **بردہ** کہتے ہیں اور **مربع** کمبل کو بھی جو بدوی لوگ پہنتے ہیں یہاں دونوں مراد ہوسکتے ہیں

۱۱؎یعنی ان کافر ڈاکوؤں کو اپنی چادریں کمبل، ہتھیار بھاگڑ میں سنبھالنا مشکل ہوگئے تو انہوں نے ان چیزوں کو وبال سمجھ کر پھینک دینے میں اپنی نجات جانی تاکہ ان کے بوجھ سے ہلکے ہوں اور بھاگنے میں آسانی پائیں،یہ ہے اس محمدی کچھار کے شیر کی دلیری رضی اللہ عنہ۔

۱۲؎یعنی میں نے ان میں سے کوئی چیز اٹھائی بھی نہیں تاکہ مجھے ان کے پیچھا کرنے میں آسان رہے اور بغیر علامت چھوڑی بھی نہیں تاکہ میرے پیچھے آنے والے صحابہ ان پر قبضہ کرلیں۔

۱۳؎عرب کا دستور کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر علامت ڈال دیتا تھا تو اس کے پیچھے آنے والے ساتھی اسے اٹھالیتے تھے۔

۱۴؎یعنی حضرت ابو قتادہ میرے اس راستے سے کترا کر دوسری طرف سے ڈاکوؤں کے سردار عبدالرحمٰن فزاری تک پہنچ گئے اور اسے قتل کردیا،یہ ہے دشمن کو گھیرے میں لے لینا جو آج بڑا کما ل سمجھا جاتا ہے،یہ صحابہ کرام کا معمولی عمل تھا۔

۱۵؎یعنی اس غزوہ ذی قرد میں حضرت سلمہ نے پیادہ فوج کا کمال دکھایا اور ابوقتادہ نے سوار فوج کا کمال دکھایا۔دونوں اپنے اپنے فن میں بڑے ہی کامل ظاہر ہوئے۔فرسان جمع ہے فارس کی بمعنی گھوڑا سوار۔**رجال** جیم کی شد سے جمع ہے **راجل** کی بمعنی پیدل جیسے سائر کی جمع سیارہ اور ناظر کی جمع نظارہ ۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: (۱) جنگ کے وقت رجز پڑھنا سنت ہے(۲) دشمن کے جانور جنگ میں قتل کردینا جائز ہےجس سے ان کا زور ٹوٹے(۳)فخریہ طور پر یہ کہنا کہ فلاں کا بیٹا ہوں ایسے موقعہ پر جائز ہے(۴) کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا جائز ہے جب کہ اس میں مصلحت ہو(۵) اپنے کو راہِ خدا میں خطرہ میں پھنسا دینا اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے،دیکھو حضرت سلمہ نے اکیلے اتنے گروہ پر حملہ کردیا حالانکہ آپ پیدل تھے(۶) ضرورت کے وقت امام سے بغیر اجازت لیے کفار پر حملہ کردینا بھی جائز ہے۔

۱۶؎یہ دو حصوں کا جمع فرمادینا بطور نفل تھا جو بہادری کے انعام میں دیا گیا۔سوار کے حصے سے مراد یا تو دوہرا حصہ ہے جیسا کہ احناف کہتے ہیں یا تہرا حصہ جیساکہ شوافع کا قول ہے یعنی مجھے تین یا چار حصے دیئے باقی حصے دوسرے ساتھ آنے والے صحابہ کو عطا فرمائے کیونکہ جو بارادۂ جہاد میں پہنچ جائےاگرچہ وہ جہاد نہ بھی کرے تب بھی غنیمت میں حصہ لے گا۔

۱۷؎یہ بہادری و جرات کا تمغہ عطا ہوا یعنی اپنا قرب جو تمام انعامات سے افضل تھا۔

۱۸؎عضبا مؤنث ہے اعضب کا بمعنی کان کٹا جانور تو عضباء کے معنی ہوئے کان کٹی اونٹنی حضور کی یہ اونٹنی پیدائشی طورپر کان کٹی تھی بعد میں کان کاٹے نہ گئے تھے۔(اشعہ)اس اونٹنی کا نام قصواء بھی تھا۔اس لحاظ سے یعنی حضور انور نے مجھے اس بہادری کے صلہ میں یہ تمغہ عطا فرمایا کہ اپنا ردیف بناکر مجھے مدینہ منورہ تک لائے یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔(مرقات) مگر مشکوۃ کے بعض نسخوں میں بخاری کا حوالہ ہے بعض میں مسلم کا۔خیال رہے کہ راجعین تثنیہ بھی ہوسکتا ہے اور جمع بھی دونوں درست ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ زیادہ عطا فرماتے تھے بعض بھیجے ہوئے لشکروں کو ان کی خاص ذات کے لیے سوا لشکر کے عام حصے کے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎نفل کے معنی ہیں زیادتی اس سے ہے انفال اور نافلہ،اصطلاح میں نفل وہ مال کہلاتا ہے جوکسی غازی کو اس کے حصے سے زیادہ دیا جائے یا کسی بہادری کے صلہ میں یا جہاد کی رغبت دینے کے لیے۔حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بعض غازیوں کو ان کے عام حصے کے علاوہ جس کے وہ مستحق ہوتے تھےکچھ زیادہ بھی عطا فرماتے تھے۔اس زیادتی میں بہت حکمتیں ہوتی تھیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہمارے حصہ کے علاوہ خمس سے بطور نفل عطا فرمایا۱؎تو مجھے الگ شارف اونٹنی ملی اور شارف بڑی عمر رسیدہ اونٹنی ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی ایک جہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت سے خمس لیا، اس خمس میں سے ہم لوگوں کو ایک ایک اونٹ زائد دیا بطور نفل۔خیال رہے کہ آج کل فوجی سپاہیوں کی تنخواہ ہوتی ہے غنیمت میں حصہ بالکل نہیں ملتا مگر اس زمانہ میں تنخواہ نہ ہوتی تھی غنیمت کے پانچ حصے کرکے ایک حصہ اللہ رسول کے نام کا لے لیا جاتا تھا اسے خمس کہتے تھے اور باقی چار حصے غازیوں میں تقسیم ہوجاتے تھے یہاں اس کا ذکر ہے یعنی حضور انور نے یہ نفل ہم لوگوں کو خمس میں سے دیا غازیوں کے حصے سے نہ دیا۔

۲؎شارف کی یہ تفسیر کسی اور راوی نے کی ہے حضرت ابن عمر کی نہیں۔(مرقات) نفل کے معنی ابھی ذکر کیے گئے،اس سے ہے یہ نفلی نمازوروزہ یعنی فرض سے زیادہ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میرا گھوڑا بھاگ گیا تو اسے دشمن نے پکڑ لیا پھر ان پر مسلمان غالب آگئے تو وہ گھوڑا حضور ہی کے زمانہ میں انہیں لوٹا دیا گیا۱؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان کا غلام بھاگ کر روم سے مل

	گیا پھر ان پر مسلمان غالب آ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خالد ابن ولید نے ان پر لوٹا دیا ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی بحالت جنگ میرا گھوڑا چھوٹ کر کفار کی طرف چلا گیا انہوں نے پکڑ لیا پھر جنگ کے نتیجہ کے طور پر مسلمان کفار پر غالب آگئے ان کا مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا،اس مال میں یہ گھوڑا بھی تھا تو حضور انور نے اسے غنیمت بنا کر تقسیم میں داخل نہ فرمایابلکہ مجھے دیدیا۔اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کفار اس گھوڑے کو ابھی اپنے ملک میں لے گئے تھے،نیز تقسیم غنیمت سے پہلے یہ گھوڑا حضرت ابن عمر نے پہچان لیا۔ایسا مال احناف کے نزدیک بھی مالک کو ملتا ہے غنیمت میں نہیں۔اختلاف اس مال میں ہے جو مسلمان کا تھا کفار کے ملک میں رہ گیا وہ چھین کر اپنے ملک میں لے گئے اور پھر غنیمت میں آیاجس کو تقسیم کردیا گیاپھر مالک نے پہنچانا۔

۲؎ یہ غلام مسلمان تھا اور بھاگ کر دارحرب یعنی روم میں پہنچ گیاکفار نے پکڑ لیاایسا غلام کفار کی ملک نہیں بن جاتا۔جب غنیمت میں آوے گا مالک کو ملے گا،ہاں جو غلام مرتد ہوکر دار حرب میں پہنچ جائے کفار اس پر قبضہ کرلیں پھر غنیمت میں آوے تو یہ مال غنیمت ہوکر تقسیم ہوگامالک کو واپس نہ ملے گا لہذا یہ حدیث بالکل ظاہر ہے۔خیال رہے کہ جو مسلمان یا مال دارحرب میں رہ جائے یا کفار جنگ میں چھین کر اپنے ملک میں لے جاویں وہ مال احناف کے ہاں کفار کی ملک بن جاتا ہےمسلمان کی ملک سے نکل جاتا ہے،لہذا اگر کوئی مسلمان یہ مال کفار سے خرید کر ہمارے ملک میں آئے تو پہلا مالک اس سے نہیں لے سکتایہ خریدار ہی مالک ہوگا،یوں ہی اگر وہ مال غنیمت میں آجاوے تو تقسیم ہوگا اس مالک کو نہ ملے گا یہ ہے مذہب احناف کا مگر امام شافعی کے ہاں وہ مال مسلمان مالک ہی کا رہے گااُسے ہی واپس دیا جائے گا۔وہ اس حدیث سے بھی دلیل پکڑتے ہیں اور اس واقعہ سے بھی کہ ایک بار حضور کی اونٹنی عضباء کو کفار مدینہ لے گئے اور ایک مؤمنہ عورت کو بھی،ایک شب موقعہ پا کر یہ بی بی اسی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ پہنچ گئی اور نذر مانی کہ مولیٰ اگر میں بخیریت مدینہ پہنچ جاؤں تو اس اونٹنی کو ذبح کرکے تیرے نام پر خیرات کردوں گی،جب حضور انور سے یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا کہ غیر کے ملک میں نذر جائز نہیں اور وہ اونٹنی حضور نے خود لے لی کہ آپ کی تھی مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہ اونٹنی ابھی دارالحرب تک پہنچی نہ تھی راستہ سے ہی بی بی صاحبہ لے کر آگئیں اور وہ غلام مسلمان تھا لہذا یہ دونوں کفار کے ملک میں نہ آئے۔امام اعظم کے دلائل حسب ذیل ہیں:(۱)قرآن کریم نے ان مہاجرین کو جو مکہ معظمہ میں اپنا بہت مال جائیداد چھوڑ آئے تھے فقرا فرمایا کہ فرمایا: "لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيٰرِهِمۡ"اور فقیر وہ ہوتا ہے جو مال کا مالک نہ ہو کہ وہ چھوڑنے کے بعد اپنے متروکہ مالوں کے مالک نہ رہے(۲) حضور انور نے فتح مکہ فرماکر مہاجرین کے مکانات جائیدادیں انہیں واپس نہ فرمائیں حتی کہ کفار نے جو مال ان میں سے فروخت کردیئے تھے ان کی بیع جائز رکھی(۳) عقیل ابن ابو طالب نے جو مکانات فروخت کردیئے ان کی بیع جائز رکھی کہ فتح مکہ کے دن فرمایا ہم کہاں ٹھہریں عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان باقی نہ چھوڑا حالانکہ ان مکانات کے مالک حضرت علی و جعفر بھی تھے(۴) ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں تمیم ابن طرفہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے کسی کے پاس اپنی اونٹنی پائی وہ دونوں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئےمالک نے اپنی ملکیت پرگواہی قائم کردی،مدعٰی علیہ نے اس پر گواہی

قائم کردی کہ میں نے کفار سے یہ خریدی ہے تو حضور نے پہلے مالک سے فرمایا کہ تم خرید سکتے ہو ایسے ہی نہیں لے سکتے(۵) بیہقی و دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی مسلمان کا جو مال کفار اپنے ملک میں لے جاویں پھر مسلمان ان سے غنیمت میں وہ مال لے لیں تو اگر تقسیم غنیمت سے پہلے مالک نے لے لیا تو اس کا ہے بعد تقسیم غنیمت جس کو مل جائے اس کا ہے(٦) دار قطنی حضرت ابن عمر سے یہ روایت کی(۷) طبرانی نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا یہ ہی روایت کی(۸) طحاوی نے بروایت قبیصہ ابن ذویب حضرت عمر سے یہ ہی روایت کی(۹) طحاوی نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ ہی روایت کی(۱۰) طحاوی نے حضرت علی سے روایت کی تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا مال جو کوئی دارالحرب میں کسی کافر سے خریدے تو بیع درست ہے غرضیکہ مذہب حنفی بہت ہی قوی ہے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اور عثمان ابن عفان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ حضور آپ نے خیبر کے خمس سے بنی مطلب کو توڑ دیا ۲؎ اور ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہم لوگ آپ سے ایک ہی درجہ (رشتہ) میں ہیں تو فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی شے ہیں ۳؎ حضرت جبیر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدشمس اور بنی نوفل کو کچھ نہ دیا ۴؎(بخاری)	

۱؎ آپ جبیر ابن مطعم ابن عدی قرشی نوفلی ہیں،کنیت ابو محمد ہے،فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے،مدینہ پاک میں رہے ۵۴ھ چون ہجری میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی ہم اور بنی مطلب دونوں عبد مناف کی اولاد ہیں تو ہمارا ان کا رشتہ آپ سے یکساں ہوا۔خیال رہے کہ عبد مناف حضور کے چوتھے دادا ہیں،محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف اور ان عبد مناف کے بیٹے ہاشم مطلب نوفل عبدشمس ہیں،جبیر نوفل کی اولاد ہیں اور عثمان غنی عبدشمس کی اولاد اور حضور ہاشم کی اولاد سے جبیر ابن مطعم ابن عدی ابن نوفل ابن عبد مناف ہیں اور عثمان ابن عفان ابن ابوالعاص ابن امیہ ابن عبدشمس ابن مناف ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ یہ مطلب مناف کے بیٹے ہیں یہ اور ہیں اور عبدالمطلب جو حضور کے دادا ہیں وہ اور ہیں۔مقصد یہ ہے کہ واقعی نسبی لحاظ سے یہ چاروں خاندان یکساں ہیں یعنی بنی ہاشم و بنی مطلب،بنی نوفل بنی عبدالشمس سب ہی عبد مناف کی اولاد ہیں مگر تحالف تعاون کے لحاظ سے بنی ہاشم اور بنی مطلب تو ایک ہیں وہ ہی خمس کے حصہ کے مستحق مگر بنی نوفل اور بنی عبدالشمس الگ ہیں وہ اس کے مستحق نہیں کیونکہ ہجرت سے پہلے بنی نوفل اور بنی عبدشمس دوسرے مشرکین مکہ سے مل کر مسلمانوں کے بائیکاٹ میں شریک ہو گئے اور بنی مطلب و بنی ہاشم کا بائیکاٹ کردیا۔اس تعاون کی وجہ سے یہ دونوں ایک ہیں اور یہ دونوں ہی خمس کے مستحق۔

۴؎ خیال رہے کہ قرآن مجید میں خمس کے حقدار اللہ تعالٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،حضور کے قرابت دار یتیم،مساکین اور مسافروں کو قرار دیا گیا کہ ارشاد ہوا"وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی

الْقُرْبٰی"الخ اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے کل مصرف پانچ رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خمس کے پھر پانچ حصے کرتے تھے:ایک حصہ یعنی غنیمت کا پچیسواں حصہ اپنے پر خرچ فرماتے تھے،ایک حصہ بنی ہاشم بنی مطلب کے عزیزوں پر باقی تین حصے یتیموں،مسکینوں،۔مسافروں پر حضور کی وفات کے بعد حضور کا اپنا حصہ تو ختم ہوگیا وہ حضور کی ازواج پاک یا اولاد پاک کو نہ دیا گیا جیسے کہ حضور انور کبھی غنیمت سے کوئی خاص چیز لے لیتے تھے جسے صفی کہا جاتا تھا۔چنانچہ حضور نے عتبہ ابن حجاج کافر کی تلوار ذوالفقار خود رکھی اور خیبر کی غنیمت میں سے صفیہ بنت حیی ابن اخطب کو خود قبول فرمایا مگر حضور کی وفات سے یہ صفی بند ہوگیا،ایسے ہی آپ کا خمس بھی ختم ہوگیا،اسی طرح حضور کے پردہ فرمانے سے ذی قربی یعنی قرابت داروں کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔چنانچہ اس خمس کے حصے بجائے پانچ کے تین کیے جائیں گےجو یتیموں،مسکینوں،مسافروں پر صرف ہوں گے،ہاں حضور کے عزیز و اہل قرابت،یتیموں،مسکینوں،مسافروں کو مقدم رکھا جائے گا کہ پہلے انہیں بعد میں دوسروں کو عطا ہوگاکیونکہ دوسرے فقراء تو زکوۃ بھی لے سکتے ہیں مگر یہ حضرات زکوۃ نہیں لے سکتے یہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مگر امام شافعی کے ہاں اب بھی خمس کے پانچ حصے ہوں گے،حضور کا حصہ سلطان اسلام کو ملے گا اور حضور کے قربی کا حصہ بدستور ویسے ہی جاری ہوگا جو سادات کو دیا جائے گا خواہ وہ فقیر ہو یا امیر مگر قول امام اعظم بہت قوی ہےکیونکہ حضرات خلفاء راشدین نے خمس کے تین حصے ہی کیےنہ حضور کا حصہ اور نہ اہل قرابت کا حصہ کسی نے نہ کہا اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔یہ بھی خیال رہے کہ یہ تین حصے خواہ تینوں قسموں کو دیئے جائیں یا ایک ہی کو ہر طرح جائز ہے جیسے زکوۃ کے مصارف کا حال ہے۔کسی شخص نے ابو جعفر محمد ابن علی سے پوچھا کہ حضرت علی نے اپنی خلافت میں ذی قربی کا حصہ خمس سے نکالا یا انہیں تو آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ حضرت علی صدیق اکبر کی راہ ہی چلے۔(طحاوی،مرقات) بہرحال اس کے تین حصے کرنے پر خلفاءراشدین کا عمل صحابہ کا اجماع ہوا۔اس کی نفیس تحقیق فتح القدیر میں دیکھو یا یہاں ہی مرقات میں مطالعہ فرماؤ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس بستی میں تم پہنچو اور اس میں تم قیام کرو تو اس میں تمہارا حصہ ہے ۱؎اور جو بستی اللہ رسول کی نافرمانی کرے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہے پھر بقیہ تمہارا ۲؎ (مسلم)	

۱؎یعنی کفار کی جو بستی بغیر جہاد کے صرف صلح سے قبضہ میں آجائے تو وہ غنیمت نہ ہوگی بلکہ فئ ہوگی جس میں سب مسلمان مجاہدین یا دوسرے برابر کے حق دار ہوں گے کہ فئ کا حکم یہ ہی ہوتا ہے۔اس فئ میں خمس بھی نہیں لیا جاتا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔امام شافعی کے ہاں فئ میں سے بھی خمس لیا جائے گا،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔
۲؎یعنی جو علاقہ جہادکر کے تم حاصل کرو وہ غنیمت ہوگا۔اس میں خمس نکال کر باقی چار حصے غازیوں پر تقسیم ہوں گے۔خیال رہے کہ جو شہر جنگ سے فتح ہواس میں سلطان اسلام کو اختیار ہے خواہ وہ زمین وہاں کے باشندے اموال خمس نکال کر باقی چار حصے نمازیوں میں تقسیم کردے جیسا کہ حضور انور نے خیبر میں کیا خواہ وہ زمین خود وہاں کے کفار باشندوں کے حوالہ کرکے ان پر جزیہ قائم کردے اور زمین پر عشر لگا دےاس لیے حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں

کی آئندہ نسلوں کا مجھے خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ فتح ہوتا وہ میں بعد خمس غازیوں میں بانٹ دیتا جیساکہ حضور انور نے خیبر تقسیم فرمادیا۔حضور انور نے نصف خیبر تو اپنی ضروریات کے لیے اور نصف خیبر کے چھتیس حصے کیےایک حصہ سو غازیوں کو دیا اور حضرت عمر نے عراق جہاد سے فتح فرمایا مگر اسے غازیوں میں تقسیم نہ کیا اور اس آیت سے دلیل پکڑی "مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مِنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی الۡقُرۡبٰی"الی قولہ "وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ"الخ تمام صحابہ نے آپ کا یہ فیصلہ ماناسوا سلمان فارسی و بلال کے پھر بعد میں یہ دونوں صاحب بھی مان گئے، یہ پوری بحث مرقات میں دیکھو۔

	روایت ہے خولہ انصاریہ سے ۱؎فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق گھس پڑتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے ۲؎(بخاری)

۱؎ آپ خولہ بنت ثامر ہیں،مشہور صحابیہ ہیں،انصاریہ ہیں۔

۲؎ یعنی بعض لوگ زکوۃ،غنیمت،فئ وغیرہ پر ناجائز قبضہ و تصرف کرتے ہیں،اگر یہ حلال سمجھ کر کرتے ہیں تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے،اگر حرام سمجھ کر کرتے ہیں تو فاسق ہیں دوزخ میں سزا کے لیے جائیں گےاگرچہ سارے مال اللہ کے ہیں اللہ کے مال سے مراد وہ مال ہے جس کو راہِ خدا میں خرچ کرنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک دن ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو خیانت کا ذکر فرمایا ۱؎تو اسے اور اس کے معاملہ کو بڑا گناہ بتایا پھر فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن یوں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو بلبلاتا،عرض کرے یارسول اللہ میری مدد فرماؤ ۲؎میں کہہ دوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھے تبلیغ کرچکا ۳؎ میں تم میں سے کسی کو یوں نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہو ہنہناتا ۴؎ پھر کہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد فرماؤ میں کہہ دوں کہ تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھ کو تبلیغ کرچکا ۵؎میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں یوں کہ وہ قیامت میں اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر بکری ہو جس کی ممیاہٹ ہو ۶؎عرض کرے یا رسول اللہ

	میری مدد فرماؤ میں فرما دوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تو تجھے تبلیغ کرچکامیں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر غلام ہوں جس کی چیخ ہو ے کہے یارسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں کہ میں تیرے لیےکسی چیز کا مالک نہیں میں تم کو تبلیغ کرچکا ہوں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر کپڑے ہوں چرچر کرتے ۸؎تو وہ کہے یارسول اللہ میری مدد کرو میں کہہ دوں میں تیرے لے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھے تبلیغ کرچکا اور میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اس طرح آوے کہ اس کی گردن پر سونا چاندی ہو ۹؎وہ کہے یارسول اللہ میری مدد فرماؤ میں کہہ دوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا۔(مسلم،بخاری) اور یہ لفظ مسلم کے ہیں وہ بہت مکمل ہیں۔

۱؎ غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں یہاں تو یہ ہی مراد ہے یا مطلقًا ہر خیانت،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔واللہ اعلم!

۲؎اس طرح کہ میری شفاعت فرماکر عذاب الٰہی سے بچائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوبوں سے مدد مانگنا انہیں مدد کے لیے پکارنا جائز ہے،قیامت میں سب سے پہلے یہ ہی استعانت کا کام ہوگادوسرے کام بعد میں۔لہذا آج بھی یہ کہنا کہ یارسول اللہ اغثنی بالکل درست ہےآج حضور سے مدد مانگو تاکہ کل قیامت میں یہ استمداد کام آئے۔

۳؎اگر یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو خیانت حلال جان کر کریں وہ تو کافر ہوچکے اور کافر کے لیے شفاعت نہیں اور اگر مسلمان فاسق مراد ہیں جو یہ حرکات حرام سمجھتے ہوئے کریں تو یہ فرمان دھمکانے ڈرانے کے لیے ہے ورنہ حضور کی شفاعت بڑے سے بڑے گنہگار مسلمانوں کو نصیب ہوگی۔فرماتے ہیں شفاعتی لا ھل الکبائر من امتی اور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خاص دعا قیامت میں شفاعت کرنے کے لیے چھپا رکھی ہے اور وہ دعا ہر مسلمان کو پہنچے جو ایمان پر مرے۔

۴؎اس طرح کہ اس نے غنیمت کے مال سے گھوڑے کی خیانت کی وہ گھوڑا قیامت میں اس کی گردن پر سوار ہوا جیسے بے زکوۃ والا مال اس پر سوار ہوگا۔

۵؎یعنی دنیا میں ہم تم سب سے فرماچکے تھے کہ خیانت و غلول کرنا سخت جرم ہے یہ حق العباد ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا،تو نے ہمارے فرمان پر عمل کیوں نہ کیا خیانت کیوں کی اب میرے پاس کیوں اور کس منہ سے آیا۔ابھی ہم عرض کرچکے کہ یہ فرمان عالی ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے مگر انجام یہ ہوگا۔شعر

دیکھی جو بے کسی تو انہیں رحم آ گیا گھبرا کے ہو گئے وہ گنہگار کی طرف

۶؎ ثغاءٌ بکری کی آواز کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں ہے ممیانا۔یہ بکری و گھوڑے وغیرہ جانور ہیں جنہیں اس شخص نے خیانۃً لے لیا تھاان کی آوازیں اس شخص کو بدنام و رسوا کرنے کے لیے ہوں گی۔ہم نے عرض کیا ہے کہ مسلمانوں کے چھپے گناہ قیامت میں چھپائے جائیں گے مگر علانیہ گناہ وہاں ظاہر کردیئے جائیں گے،یہ خیانت و غلول آخر کار ظاہر ہوجاتے ہیں اس لیے ان کا وہاں اعلان فرمادیا گیا۔

۷؎ نفس سے مراد وہ لونڈی غلام ہیں جنہیں اس نے خیانت کے طور پر لے لیا تھا اس خائن کی گردن پر سوار شور مچاتے ہوں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں نیک اعمال انسان کی سواری بنیں گے اور برے اعمال انسان پر سوار ہوں گے جیسے یہاں تھوڑی غذا پر گویا انسان سوار ہوتا ہے اور بہت غذا انسان پر سوار ہوتی ہے جسے وہ اٹھائے پھرتا ہے لہذا حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۸؎ رقاع جمع ہے رقعۃ کی بمعنی کپڑے۔خفق کہتے ہیں چرچرانے کو یہاں رقعہ سے مراد یا تو کپڑے کے تھان ہیں جنہیں اس نے خیانۃً لے لیا یا وہ کاغذ کے دفتر ہیں جن میں غازیوں مجاہدوں کے نام مع ان کے غنیمت کے حصوں کے لکھے تھے اس نے وہ گم کردیئے تاکہ نئے کاغذ بنیں جن میں یہ کمی بیشی کرکے آپ خود بہت زیادہ لے لے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔(اشعہ)

۹؎ صامت بنا ہے صمت سے بمعنی خاموشی،صامت بمعنی خاموشی اس سے مراد ہوتا ہے سونا چاندی وغیرہ مال کہ جانور تو آواز رکھتے ہیں یہ بولتے نہیں نہ آواز دیں۔اور اس سے وہ سونا چاندی مراد ہے جو اس نے خیانۃً لی تھیں وہ بھی خائن کے سر پر سوار ہوں گی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام پیش کیا جسے مدعم کہا جاتا تھا ۱؎ تو اس حالت میں کہ مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اتار رہا تھا کہ اسے غائبانہ ۲؎ تیر لگا جس نے اسے قتل کردیا تو لوگ بولے مبارک ہو اسے جنت ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے لے لی تھی وہ اس پر آگ بھڑکا رہی ہے ۴؎ جب لوگوں نے یہ سنا تو ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک یا دو تسمے لایا تو فرمایا کہ یہ تسمہ آگ کا ہے دو تسمے آگ ہیں ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ مدعم میم کے کسرہ دال کے سکون سے یہ حضرت رفاعہ ابن زید ابن وہب خدامی کے غلام حبشی تھے جنہیں رفاعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کردیا تھا،پیش کرنے والے حضرت رفاعہ ابن زید تھے۔(اشعہ و مرقات)
۲؎ کسی منزل پر سفر میں یہ خدمات انجام دے رہے تھے۔
۳؎ کیونکہ مدعم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص رہے اور اب شہید ہوئے یہ خدمت اور شہادت یقینًا جنت کا ذریعہ ہے۔
۴؎ یعنی مدعم نے ایک غلطی کی تھی کہ غزوہ خیبر کی غنیمت میں سے ایک چادر بغیر تقسیم لے لی تھی یہ ہوئی خیانت کیونکہ غنیمت کا مال تقسیم سے پہلے غازیوں کا مشترکہ ہوتا ہے اس کا مالک کوئی شخص نہیں بن سکتابعد تقسیم ملکیت میں آتا ہے اس لیے اس وقت تکلیف میں ہے ابھی جنت میں نہیں پہنچا۔مرقات میں ہے کہ بعض روایات میں یوں ہے کہ میں اسے آگ میں دیکھ رہا ہوں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے کھلے چھپے اعمال کو ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ چادر لینا ایک چھپا ہوا عمل تھا جو حضور کی نگاہ میں تھا۔دوسرے یہ کہ حضور انور دنیا میں رہ کر آخرت اور وہاں کے حالات کو دیکھ رہے ہیں کہ فرماتے ہیں مدعم آگ میں ہے۔تیسرے یہ کہ شہادت سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر حق العبد معاف نہیں ہوتا،دیکھو مدعم شہید ہوگئے مگر حق العبد کی وجہ سے گرفتار ہوگئے۔خیال رہے کہ مدعم کا وہ چادر لے لینا یا تو مسئلہ غنیمت سے بے خبری کی وجہ سے تھا یا گناہ صغیرہ تھا لہذا اس سے ان کی عدالت میں فرق نہیں آیا،سارے صحابہ عادل ہیں،انہوں نے چادر کو بہت معمولی چیز سمجھا اس کی اہمیت سے خبردار نہ ہوئے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ سن کر بعض صحابہ تسمے لائے لہذا اس روایت کی بنا پر صحابہ پر طعن نہ کیا جائے۔خیال رہے کہ مدعم کو یہ عذاب عارضی تھا جو اس وقت ہو رہا تھا۔
۵؎ یعنی اگر تم یہ تسمے حاضر نہ کردیتے تو یہ بھی تمہاری موت کے بعد تمہارے لیے آگ بن جاتے ان حضرات کے وہم وگمان میں بھی ان کی اتنی اہمیت نہ تھی۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہر شخص کے ہر کھلے چھپے عمل سے واقف ہیں مگر آپ پر یہ لازم نہیں کہ ہر ایک کی خفیہ عمل پر پکڑ فرمائیں کہ اس میں مسلمانوں کی عیب جوئی بھی ہے اور پردہ دری بھی اس لیے نہ تو حضور نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ وہ تسمے حاضر کرو نہ مدعم کو حکم دیا تھا کہ وہ چادر حاضر کرولہذا حدیث واضح ہے،یہ بھی خیال رہے کہ مدعم کی شہادت قبول تھی مگر فائدہ شہادت کا ظہور کچھ عرصہ بعد ہوا۔اولًا چادر کی غلول کی سزا پہنچ گئی۔شہادت کے لیے ضروری نہیں کہ شہید گناہوں قرض وغیرہ حقوق سے پاک وصاف ہو تب شہید ہو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک شخص تھا جسے کرکرہ کہا جاتا تھا۱؎ وہ مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آگ میں ہے تو لوگ تلاش کرنے لگے ایک کمبل پایا جس کی اس نے خیانت کرلی تھی ۲؎(بخاری)

۱؎ مغرب میں ہے کہ ہر نفیس و قیمتی سامان کو ثقل کہا جاتا ہے۔کرکرہ یا تو دونوں کاف کے فتحہ سے ہے یا کسرہ سے یا پہلے کاف کے فتحہ سے دوسرے کے کسرہ سے۔(مرقات واشعہ)

۲؎ یہ غلول کیا ہوا کمبل اس کے اس عذاب کا سبب بن گیا۔اس کی تحقیق ابھی ہوچکی کہ یہ عمل ان صحابی کی عدالت کے خلاف نہیں۔تمام صحابہ عادل ہیں معصوم یا محفوظ نہیں۔حضور کی نگاہ عالی کے قربان کہ اس جہان میں بیٹھ کر اس جہان کی خبر دے رہے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے جہاد میں شہد انگور پاتے تھے تو کھالیتے تھے اور اسے پیش نہ کرتے تھے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ غازی میدان جنگ میں کفار سے حاصل کیا ہوا کھانا،دودھ،گھی،پھل،روٹی،گوشت وغیرہ بقدر ضرورت کھا سکتا ہے اس کے لیے امیر جہاد سے اجازت لینا ضروری نہیں،یوں ہی دوائیں استعمال کرسکتا ہے،اپنے جانور کو اس مال سے چارہ دے سکتا ہے مگر ذخیرہ کرکے اپنے گھر میں نہیں لاسکتا،یوں ہی جنگ کے ہتھیار استعمال کرسکتا ہے مگر وہ بعد استعمال غنیمت میں واپس کرنے ہوں گے،یوں ہی ٹھنڈے گرم کپڑے ضرورۃً پہن سکتا ہے مگر یہ بھی بعد میں غنیمت میں شامل کردینا ہوں گے،اگر یہ چیزیں استعمال سے خراب یا ہلاک ہوجائیں تو ان کا تاوان اس غازی پر نہیں،یوں ہی ضرورۃً کفار سے حاصل کیے ہوئے جانور ذبح کرکے کھا سکتا ہے مگر انکی کھال غنیمت میں شامل کرنا ہوگی۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں اور مرقات میں دیکھو۔مگر یہ اجازت غازیوں کے لیے ہے جو تجار یا خدمت گار ان کے ساتھ گئے ہیں انہیں اس کی اجازت نہیں لیکن اگر وہ بھی استعمال کرلیں تو ان پر ضمان نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن میں نے ایک چربی کا تھیلا پایا تو میں اسے لپٹ گیا میں نے کہا کہ آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا ۲؎ پھر میں نے ادھر ادھر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف مسکرارہے تھے ۳؎ (مسلم،بخاری) حضرت ابوہریرہ کی حدیث ما اعطیکم الخ حکام کی روزی کے باب میں ذکر کردی گئی ۴؎	

۱؎ آپ صحابی ہیں،اصحاب صفہ سے ہیں،مزنی ہیں،مدینہ منورہ میں رہے،خلافت فاروقی میں دس فقہاء بصرہ بھیجے گئے لوگوں کو علم دین سکھانے کے لیے ان میں آپ بھی تھے،وہاں ہی ۶۰ھ میں وفات پائی،خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ان سے بہتر کوئی نہ ہوا۔

۲؎ غالبًا اس وقت آپ کو اس کی سخت ضرورت تھی اس لیے مجبوری میں یہ لفظ آپ کے منہ سے نکلا ورنہ حضرات صحابہ اپنی ضروریات پر دوسروں کو مقدم رکھتے تھے "وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"۔

۳؎ یعنی حضور انور نے مجھے اس ارادے سے اور اس قبضہ سے روکا نہیں بلکہ تبسم فرمایا جس سے اجازت معلوم ہوئی کیونکہ کسی عمل کو دیکھ کر منع نہ فرمانا اجازت کی علامت ہے،محدثین اسے سنت سکوتی کہتے ہیں۔

۴؎ یعنی یہ حدیث مصابیح میں مکرر تھی کتاب القضا باب رزق ولاۃ میں بھی تھی اور یہاں بھی،میں نے صرف وہاں بیان کی یہاں سے اُڑا دی۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ نے مجھے تمام نبیوں پر بزرگی دی ۱؎ یا فرمایا کہ میری امت تمام امتوں پر بزرگی دی گئی ۲؎ اور ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرمادیں ۳؎ (ترمذی)

۱؎ تمام نبیوں پر بے شمار بزرگیاں بخشیں،حضور کو آخری نبی،تمام خلق کا نبی،ہمیشہ تک کا نبی بنایا،رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین قرار دیا،تمام انبیاءورسل کل قیامت میں حضور کے جھنڈے تلے ہوں گے۔غرضیکہ ان کو وہ بزرگیاں بخشیں جو مخلوق کے وہم و گمان سے وراء ہیں یا دینے والا رب جانے یا لینے والا محبوب۔شعر

ندانم کدامی سخن گویمت   کہ بالا تری زانچہ من گویمت

حیران ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

۲؎ چونکہ یہ امت خیرالرسل کی امت ہے اس لیے تمام امتوں سے افضل ہے،رب فرماتاہے:"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ"شعر

لما دعا اللہ راعینا لدعوتہ   با فضل الرسل کنا افضل الامم

یعنی جب اللہ تعالٰی نے ہمارے رسول کو افضل رسل کہا تو ہم افضل امم ہوگئے۔خیال رہے کہ جیسے حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہے حضور کی نسبت سے یوں ہی حضور کے والدین تمام نبیوں کے غیر نبی والدین سے،حضور کے صحابہ تمام صحابہ سے،حضور کے اہل بیت تمام نبیوں کے اہل بیت سے،حضور کا زمانہ تمام زمانوں سے،حضور کا شہر مدینہ تمام نبیوں کے شہروں سے غرضیکہ حضور کی ہر منسوب چیز دیگر انبیاء کرام کی ہر چیز سے افضل ہے،حضور کی ازواج پاک تمام نبیوں کی ازواج سے افضل،رب تعالٰی فرماتاہے:"يٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ"۔

۳؎ یعنی اس امت کی بہت سی خصوصیات ہیں:ان میں سے ایک یہ ہے کہ صرف اس امت کے لیے جہاد کی غنیمتیں حلال کی گئیں پچھلی امتوں میں جہاد تھا مگر غنیمتیں حلال نہ تھیں جیسے قربانی کا گوشت کہ صرف ہمارے لیے حلال ہوا۔لنا میں حضور انور نے اپنی ذات کریم کو بھی امت کے ساتھ ذکر فرمایا کرم نوازی کے طور پر۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یعنی حنین کے دن فرمایا کہ جو کسی کافر کو قتل

کرے تو اس کافر کا سامان اسی کا ہوگا۱؎ چنانچہ اس دن ابو طلحہ نے بیس آدمی مارے اور انکے سامان لئے ۲؎ (دارمی)	

۱؎ من کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مسلمان جہاد میں کافر کو قتل کرے اسے مقتول کا سامان ملے گاخواہ وہ غنیمت کے حصہ کا مستحق ہو یا نہ ہو لہذا غلام،بچہ،عورت،نوکر،تاجر وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔بعض نے فرمایا کہ مَن سے مراد صرف مجاہدین ہیں یعنی غنیمت کے حصے کے مستحق لوگ مگر اول احتمال قوی معلوم ہوتا ہے۔اسی سلب کے بارے میں اماموں کا اختلاف ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ احناف کے ہاں یہ قانون شرعی نہیں، اگر حاکم جہاد میں یہ اعلان کردے تو ملے گا ورنہ نہیں،شوافع کے ہاں یہ قانون ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف ایک سلب کے لیے نہیں جتنے مقتول مارے سب کا سامان لے۔سامان میں سواری،کپڑے،زیور،ہتھیار سب داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی ۱؎ اور خالد ابن ولید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے سامان کا فیصلہ قاتل کے لیے کیا اور اس سامان سے خمس نہ لیا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ غزوہ خیبر میں شریک رہے اور فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا شام میں قیام رہا، وہاں ہی ۷۳ھ تہتر میں وفات پائی اور حضرت خالد ابن ولید تو آسمان تاریخ پر سورج کی طرح چمک رہے ہیں،امت رسول اللہ کے بڑے بہادر صحابی،جماعت صحابہ میں بڑے پایہ کے صحابی ہیں، آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎ یعنی سارا سلب قاتل غازی کو بخشا اس سے خمس بھی نہ لیا غنیمت میں خمس لیا جاتا ہے اس میں نہیں،اس کی تفصیل پہلی فصل میں گزر چکی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ابوجہل کی تلوار عطا فرمائی اور اسے انہی نے قتل کیا تھا ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ابوجہل کو قتل تو کیا تھا دو انصاری بچوں نے جب حضرت ابن مسعود اس پر پہنچے تو وہ سسک رہا تھا آپ نے اس کا سر تن ناپاک سے جدا کیا لہذا یہ حدیث اس آنے والی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ان دو بچوں کو قاتل فرمایا گیا۔

روایت ہے حضرت عمیر سے جو ابی اللحم کے مولیٰ ہیں ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مولاؤں کے ساتھ خیبر میں حاضر ہوا تو ان مولاؤں نے میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کی ۲؎ اور عرض کیا کہ	

	میں غلام ہوں تو میرے متعلق حکم دیا مجھے ایک تلوار پہنادی گئی تو میں اسے کرہیٹرتا گھسیٹتا تھا۳ پھر میرے لیے کچھ معمولی سامان کا حکم دیا۴ اور میں نے حضور پر ایک منتر پیش کیا جو میں دیوانوں پر کرتا تھا تو حضور نے مجھے کچھ نکال دینے کا حکم دیا اور کچھ کے باقی رکھنے کا ۵(ترمذی،ابوداؤد) مگر ابوداؤد کی روایت ان کے قول متاع پر ختم ہوگئی۔

۱ حضرت عمیر اس وقت غلام تھے بعد میں آزاد ہوئے،انہیں اس وقت مولیٰ(مفتی)فرمانا آئندہ کے لحاظ سے ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

۲ یا غزوہ میں بھرتی فرمالینے کی سفارش کی یا میری بہادری کی کچھ تعریف کی، دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۳ یہ تلوار کی عطا جہاد سے پہلے یا دوران جہاد میں تھی کہ حضور انو رکی طرف سے مجھے تلوار پہنائی گئی مگر میں اتنا چھوٹا یا پست قد تھا کہ تلوار میرے جسم کے نیچے گھسٹتی تھی۔

۴ خرثی خ کے پیش ر کے جزم سے بمعنی سرخ چیونٹی،اب اصطلاح میں معمولی اور چھوٹی چیز کو کہتے ہیں۔متاع سے مراد گھر کا سامان جیسے ہانڈی لوٹا وغیرہ یعنی مجھے بعد جہاد تقسیم غنیمت کے وقت کچھ معمولی سامان بطور عطیہ عنایت فرمایا باقاعدہ حصہ نہ دیا کیونکہ غلام کو غنیمت کا حصہ نہیں ملتا۔

۵ یعنی مجھے کچھ دم یاد تھا جو دیوانوں پر پڑھ کر دم کیا کرتا تھا جب حضور انور پر پیش کیا تو ناجائز یا شرکیہ کفریہ الفاظ کے نکال دینے کا حکم دیا اور جو الفاظ جائز تھے ان کے باقی رکھنے کی اجازت دی۔قرآنی آیات اور منقولہ دعاؤں کے علاوہ تمام وظیفوں کا یہ ہی حکم ہے کہ جائز الفاظ باقی رکھے جائیں ناجائز نکال دیئے جائیں۔ان شاءاللہ اس کی تحقیق باب الرقی میں آئے گی۔

	روایت ہے حضرت مجمع ابن جاریہ سے ۱ فرماتے ہیں کہ خیبر حدیبیہ والوں پر بانٹ دیا گیا۲ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھارہ حصوں پر تقسیم فرمایا اور لشکر پندرہ سو نفری تھا جن میں تین سو سوار تھے تو سوار کو دو حصے عطا فرمائے اور پیادہ کو ایک حصہ ۳(ابوداؤد)اور ابوداؤد نے کہا کہ ابن عمر کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اس پر عمل ہے ۴ مجمع کی حدیث میں وہم یہ ہوگیا کہ انہوں نے کہا تین سو سوار حالانکہ تھے دوسو سوار ۵

۱ مجمع میم کے پیش سے جیم کے فتحہ سے دوسری میم کے شد سے،آپ خود تو صحابی ہیں مگر آپ کا باپ جاریہ سخت منافق تھا، ان منافقوں میں سے تھا جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی۔حضرت مجمع مدنی ہیں، قاری قرآن تھے،حضرت عبداللہ

ابن مسعود نے نصف قرآن آپ سے ہی سیکھا تھا،امیر معاویہ کی خلافت کے آخری دور میں وفات پائی۔(اکمال،مرقات،اشعہ)رب کی شان ہے کہ باپ منافق بیٹا مخلص"یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ"۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین خیبر کا آدھا حصہ اپنے واسطے رکھا اور آدھا حصہ مجاہدین میں تقسیم فرمایا اور آدھے حصے کی تقسیم کا یہاں ذکر ہے،فتح خیبر صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد ہوئی،اس جنگ میں صرف حدیبیہ والے صحابہ ہی شریک کیے گئے اور کسی کو شرکت کی اجازت نہ دی گئی تھی اس لیے تقسیم بھی انہیں میں ہوئی اس کا ذکر سورۂ فتح شریف میں ہے۔(از اشعہ،مرقات)

۳؎ یعنی حضور انور نے اس نصف خیبر کے اٹھارہ حصے کیے جو غازیوں میں تقسیم کے لیے تھا،ایک حصہ سو غازیوں کے لیے مقرر فرمایا۔غازیان خیبر کل پندرہ سو تھے جن میں سے تین سوسوار اور بارہ سو پیادہ۔ان تین سو سواروں کو چھ حصے(پلاٹ)بخشے اور بقیہ بارہ سو پیادوں کو بارہ حصے یعنی بارہ پلاٹ عطا فرمائے تو پیادوں میں سے ایک پلاٹ سو غازیوں کو عطا فرمایا اور سواروں میں سے ایک پلاٹ پچاس غازیوں کو بخشالہٰذا چھ پلاٹ ان کے اور بارہ پلاٹ پیادوں کے لہٰذا سوار کو دوگنا دیا گیاپیادہ کو اکہرا۔یہ حدیث حضرت امام اعظم کی دلیل ہے کہ سوار غازی کو پیادہ غازی سے دوگنا ملتا ہے،امام شافعی کے ہاں سوار کو تگنا ملتا ہے ان کے حساب سے خیبر کے اکیس حصے ہونے چاہئیں تھے تین سو غازی سواروں کے نو حصے اور بارہ سو کے بارہ پلاٹ مگر حصے ہیں اٹھارہ۔

۴؎ یعنی مجمع کی حدیث سے حضرت ابن عمر کی حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ سوار کے تین حصے ہیں جو ابھی کچھ پہلے گزرگئی۔ہم نے وہاں ہی عرض کردیا کہ حدیث ابن عمر میں تعارض ہے،آپ سے دوگنے حصہ کی روایت بھی ہے لہٰذا کم کی روایت پر احناف نے عمل کیا کہ کم یقینی ہے زائد مشکوک ہے۔دوسرے اماموں نے زیادہ کی مشکوک روایت پر عمل فرمایا۔

۵؎ مگر اس حساب سے بھی یہ تقسیم صحیح نہیں ہوتی کیونکہ غازیان خیبر کل پندرہ سو تھے، اگر دوسو سوار ہوں اور ان کے حصے چھ پلاٹ ہوں تو باقی پیادہ غازی تیرہ سو ہوئے انہیں تیرہ پلاٹ ملنے چاہئیں۔تو کُل انیس پلاٹ ہوتے ہیں حالانکہ حضور انور نے اٹھارہ پلاٹ تقسیم فرمائے۔خیال رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے کہ سوار غازی کے دو حصے ہیں۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت حبیب ابن مسلمہ فہری سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابتداء میں حضور نے چہارم نفل دیا اور لوٹنے پر تہائی ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ قرشی فہری ہیں،آپ کو حبیب روم کہا جاتا تھاکیونکہ آپ نے روم پر بہت جہاد کیے،بڑے بزرگ مقبول الدعاء صحابی ہیں،۴۲ھ میں شام میں وفات پائی۔(اکمال،اشعہ،مرقات)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو الجزائر پر حاکم بنایا تھا۔

۲؎ جب فریقین کے لشکروں کا کچھ حصہ میدان جنگ میں پہنچ چکا ہو باقی لشکر پیچھے آرہا ہو اسے بدء کہتے ہیں اور جب لشکر جہاد سے واپس لوٹ جائیں کچھ لوگ وہاں رہ گئے ہوں اسے رجوع کہتے ہیں۔بدء والوں کی جنگ آسان ہے کہ لشکر پیچھے

آرہا ہے ان کی مدد مل جاوے گی مگر رجعت والوں کا جہاد بہت مشکل کہ انہیں مدد ملنے کی امید نہیں کہ لشکر جاچکا اس لیے حضور انور نے بدء والوں کو کم نفل دیا یعنی چہارم اور رجوع والوں کو زیادہ دیا یعنی کل غنیمت کا تہائی۔

	روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہارم نفل دیتے تھے خمس کے بعد اور جب لوٹتے تو تہائی نفل دیتے تھے خمس کے بعد [1] (ابوداؤد)

[1] یعنی اگر کسی کو غنیمت کے مال سے نفل دیتے تو خمس نکال کردیتے تھے خواہ چہارم عطا فرمادیں یا تہائی اس طرح کہ اولًا تمام غنیمت سے خمس نکال لیا پھر بقیہ چار حصوں میں سے یہ نفل دی پھر بقیہ غنیمت غازیوں پر تقسیم فرمادیا لیکن سلب یعنی مقتول کے سامان سے خمس نہ لیتے تھے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور انور سلب سے خمس نہ لیتے تھے۔بعض شارحین نے اس جملہ کے معنی یہ کیے ہیں کہ یہ نفل خمس میں سے عطا فرماتے تھے یعنی اولًا تمام غنیمت سے خمس نکال لیا پھر اس خمس کا چہارم یا تہائی خاص بہادروں کو نفل کے طریق پر عطا فرمایا مگر یہ معنی بہت بعید ہیں پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوجویریہ جرمی سے کہ میں نے سلطنت معاویہ کے زمانہ میں [1] زمین روم میں ایک سرخ گھڑا پایا جس میں اشرفیاں تھیں اور ہمارے حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب تھے نبی سلیم کے جنہیں معن ابن یزید کہا جاتا تھا [2] میں وہ سب ان کے پاس لایا آپ نے وہ مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردیا اور اس میں سے مجھے اتنا ہی دیا جتنا ان میں سے ایک شخص کو دیا [3] پھر فرمایا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے نہ سنا ہوتا کہ نہیں ہے نفل مگر خمس کے بعد تو میں تم کو دے دیتا [4] (ابوداؤد)

[1] آپ کا نام حطان ابن خفاف ہے،قبیلہ جرم سے ہیں،تابعی ہیں،حضرت عبداللہ ابن مسعود اور معن ابن یزید سے سماع ثابت ہے، بصرہ کے باشندے،حضرت ابن عباس اور عبادہ ابن صامت سے بھی ملاقات ہے،ثقہ ہیں۔

[2] یعنی امیر معاویہ کی سلطنت و حکومت کے زمانہ میں ملک روم پر غزوات ہوئے ان میں سے ایک غزوہ میں بھی شریک تھا جس میں یہ واقعہ میرا پیش آیا،یہ واقع فتح قسطنطنیہ کا نہیں کیونکہ اس غزوہ میں معن ابن یزید سپہ سالار نہ تھے بلکہ یزید ابن معاویہ سپہ سالار تھا،یہ غزوہ ۵۱ھ اکیاون ہجری میں ہوا،اس لشکر میں حضرت ابو ایوب انصاری اور امام حسین اور عبداللہ ابن عباس،عبداللہ ابن عمر،عبداللہ ابن زبیر جیسے حضرت سپاہیانہ شان سے شامل ہوئے۔(البدایہ والنہایہ جلد۸ص۵۱حاشیہ بخاری،اکمال)لہذا یہ غزوہ ہے تو روم پر ہی مگر فتح قسطنطنیہ کا غزوہ نہیں۔

۳؎ معن ابن یزید ابن اخنس سلمی خود بھی صحابی والد بھی دادا بھی،بدر میں حاضر ہوئے کوفہ میں قیام رہا بہت شاندار صحابی ہیں۔(اکمال) یعنی مجھے اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا مل گیا۔غنیمت میں حاصل نہ کیا گیا تھامیں وہ گھڑا اسی طرح سپہ سالار کے پاس لایا۔

۴؎ یعنی اس گھڑے میں آپ نے دو عمل کیے:ایک یہ کہ اس میں سے خمس نہ لیا۔دوسرے یہ کہ مجھے کچھ بھی زیادہ نہ دیا سب غازیوں کی برابر دیا۔

۵؎ اس جملہ کے بہت سے معنے کیے گئے ہیں۔قوی معنی وہ ہیں جو شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمائے وہ یہ کہ یہ مال غنیمت نہیں بلکہ فئ ہے جو بغیر لڑے کفار سے حاصل ہوا ہے اور غنیمت میں دو چیزیں ایسی ہیں جو فئ میں نہیں:ایک یہ کہ غنیمت سے خمس لیا جاتا ہے کہ پانچواں حصہ اللہ رسول کا،باقی چار حصے مجاہدین کے۔دوسرے یہ کہ غنیمت میں نفل بھی دیا جاسکتاہے،فئ میں سے نہ خمس لیا جائے نہ نفل دیا جائے اس لیے میں تم کو کچھ زیادہ نہیں دے سکتا، اگر یہ مال قابل خمس ہوتا تو میں تم کو نفل بھی دیتااب سب مجاہدین کو برابر ہی دوں گا لہذا یہاں **لاعطیتك نفلًا** تھا۔**نفلًا** محذوف ہے۔مرقات نے ایک معنی یہ بھی بیان کیے کہ نفل خمس کے بعد ہی ہوتا ہے اور خمس جب لیا جاتا ہے جب وہ مال دار اسلام میں محفوظ ہوجائے،ابھی یہ مال وہاں پہنچا نہیں لہذا نہ قابل خمس ہے نہ قابل نفل،مرقات نے اس توجیہ کو پسند فرمایا۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ ہم آئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پایا جب آپ نے خیبر فتح فرمایا ۱؎ تو حضور نے ہمارے لیے بھی حصہ مقرر فرمایا کہ اس میں سے ہم کو بھی دیا اور جو فتح خیبر سے غائب رہا تھا اسے غنیمت سے کچھ نہ دیا سوائے ان کے جو آپ کے ساتھ حاضر ہواسوا ہماری کشتی والوں جعفر اور انکے ساتھیوں کے کہ ان کے ساتھ ان کا بھی حصہ کیا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ حضرت ابو موسیٰ اشعری یمن کے رہنے والے تھے،مکہ معظمہ میں آکر مسلمان ہوگئے،پھر یمن چلے گئے،پھر وہاں سے بارادہ ہجرت مدینہ منورہ براستہ دریا روانہ ہوئے،باد مخالف نے ان کی کشتی کو بجائے مدینہ منورہ کے حبشہ میں جا پھینکا،وہاں جعفر اور ان کے ساتھیوں نے مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی تو آپ بھی ان کے ساتھ ہجرت کرکے آئے،اتفاقًا فتح خیبر کے دن خیبر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے،حضور انور کو ان لوگوں کی آمد سے بہت ہی خوشی ہوئی۔حضرت ابو موسیٰ اشعری سے یہاں پہنچنے کے متعلق اور روایات بھی ہیں مگر یہ روایت حاشیۃ اللمعات میں منقول ہےاور صحیح شرح بعض روایات میں ہے۔حضرت ابوموسیٰ پہلے حبشہ میں ہجرت کر گئے تھے،پھر وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئے۔**واللہ ورسولہ اعلم!**

۲؎ یعنی خیبر کی غنیمتوں سے حصہ صرف ان مجاہدین کو ہی دیا جو اس غزوہ میں ہی شریک تھے صرف ہماری جماعت وہ تھی جو غزوہ میں شریک نہ ہوئی اور اسے غنیمت کا حصہ ملا۔احناف کے نزدیک اس حصہ دینے کی وجہ انکی خصوصیت ہے کہ سرکار انور نے غازیوں سے اجازت لے کر ان حضرات کو بھی حصہ دے دیا جیسے کہ غازیان حنین سے اجازت لے کر ہوازن کو ان کے قیدی واپس فرمادیئے،امام شافعی کے ایک قول میں اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات اگرچہ فتح خیبر کے بعد پہنچے لیکن ابھی مال غنیمت جمع نہ کیا گیا تھا کہ یہ لوگ پہنچ گئے۔اس بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ اگر جہاد کے بعد غازیوں کو کمک پہنچے جب کہ غنیمت اکٹھی نہ کی گئی ہو تو ان کمک والوں کو بھی غنیمت سے حصہ ملے گا۔حضور انور نے ان بزرگوں کو کمک قرار دیا، بعض نے فرمایا کہ حضور انور نے انہیں یہ حصہ اپنے خمس میں سے دیا جو آپ کا اپنا حصہ تھا مگر پہلی توجیہ بہت قوی ہے اس لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فخریہ طور پر اس واقعہ کا ذکر فرمایا۔معلوم ہوا کہ یہ حصہ عطا ہونا ان کی خصوصیات سے ہے۔خیال رہے حضرت ابو موسیٰ مع اپنے دو بڑے بھائیوں کے قریبًا پچپن آدمی یمن سے حبشہ پہنچے تھے وہاں سے خیبر۔(مرقات)

	روایت ہے یزید ابن خالد سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص خیبر کے دن وفات پاگیا لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا تم لوگ اپنے صاحب کے لیے نماز پڑھ لو اس سے لوگوں کے منہ کے رنگ بدل گئے ۲؎ تو فرمایا کہ تمہارے اس صاحب نے راہِ خدا میں خیانت کی ہے ۳؎ چنانچہ ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو ہم نے کچھ منکے یہود کے منکوں سے پائے جو دو درہموں کے برابر نہ تھے ۴؎ (مالک،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہاں مؤلف سے خطا ہوگئی،یزید ابن خالد کوئی صحابی نہیں بلکہ آپ زید ابن خالد ہیں،ان کی کنیت ابو طلحہ ہے یا ابو عبدالرحمٰن جہنی ہیں،کوفہ میں رہے،پچاسی سال عمر پائی، ۸۵ھ پچاسی ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ افسوس یا حیرت کی وجہ سے کہ حضور انور نے خود ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی حاضرین صحابہ سے پڑھوادی۔معلوم ہوا کہ حضور ناراض ہیں یہ حضور کا نماز نہ پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے سرکار عالی نے مقروض میت کی نماز نہ پڑھی صحابہ کرام سے پڑھوادی۔

۳؎ یعنی غنیمت میں خیانت کی اور غنیمت کا مال راہِ خدا کا مال ہے۔

۴؎ یعنی اس مرنے والے نے نہایت معمولی قیمت کے کچھ چھوٹے موتی تقسیم سے پہلے لے لیے تھے اس معمولی چیز کی وجہ سے حضور کی نماز سے محروم ہوگئے۔خیال رہے کہ یہ جرم گناہ صغیرہ ہے جو ایک بار ان صحابی سے سرزد ہوا،لہذا یہ فسق نہیں تمام صحابہ عادل ہیں۔فسق کے معنی ہیں گناہ کبیرہ کرنا یا گناہ صغیرہ ہمیشہ کرتے رہنا۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کے صحابہ کو فسق سے بچایا ہے"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"لہذا وہ مقروض صحابہ جن پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز نہ پڑھی اور یہ صحابی ان کی صحابیت مقبولیت یقینی ہے۔حضور انور کی یہ سرزنش فرمانا ہم لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے گندم کھالینے سے آدم علیہ الالسلام نبی ہی رہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غنیمت حاصل فرماتے تو بلال کو حکم دیتے وہ لوگوں میں اعلان کرتے لوگ اپنی اپنی غنیمت لے آتے آپ خمس نکال لیتے اور اسے تقسیم فرمادیتے۱ایک دن ایک شخص بالوں کی لگام اس کے بعد لایا۲بولا یا رسول اللہ یہ بھی اس ہی غنیمت سے ہے جو ہم نے حاصل کی تھی تو فرمایا کہ کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ بلال نے تین آوازیں دیں تھیں بولا ہاں فرمایا تو تجھے اس کے لانے سے کس نے روکا وہ عذر کرنے لگا۳فرمایا تم یوں ہی رہو کہ اسے قیامت کے دن لاؤ گے۴میں تم سے ہرگز قبول نہ کروں گا۵(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی صحابہ کرام فتح سے فارغ ہوکر کفار کے چھوڑے ہوئے مالوں پر قبضہ کرلیتے تھے،پھر یہ مقبوضہ مال دارالاسلام میں لے آتے تھے،پھر حضرت بلال اعلان فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما رہے ہیں کہ جس کے پاس جو مال غنیمت ہو وہ حاضر کرو۔چنانچہ سب لوگ حضور کے پاس مال جمع کردیتے پھر حضور یہ عمل فرماتے تھے۔

۲؎ یعنی مال غنیمت جمع ہوچکنے خمس نکالنے تقسیم کردینے کے بعدلایا۔

۳؎ یعنی اس نے کوئی ایسا عذر کیا جو قابل سماع نہ تھااس طرح کہ کوئی بہانہ بنایاشرمندگی مٹانے کے لیے مگر خبیروعلیم کے سامنے کیا چلے۔

مصرع کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

۴؎ یعنی اب تم اسے اپنے پاس ہی رکھو تم ہی استعمال کرو۔یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لیے ہے انہیں مالک بنادینے کے لیے نہیں اور وہ صاحب اس فرمان عالی سے اس چیز کے مالک نہیں ہوگئےاور انہیں اس کا استعمال جائز نہ ہوگیا۔

۵؎ کیونکہ اس لگام میں تمام مجاہدین کا حصہ تھا اور وہ سب حضرات متفرق ہوگئے نہ معلوم یہ کس کے حصہ میں آتی،اب ہم کس سے معافی دلوادیں۔خیال رہے کہ یہ سب کچھ بھی اظہار ناراضی کے لیے ہے۔اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس جرم کی توبہ ہی نہیں ہوسکتی توبہ تو کفر سے بھی ہوجاتی ہے۔خیال رہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر غاصب کو توبہ کی توفیق ملے مگر مال مغصوبہ کا مالک نامعلوم ہو یا غائب ہوچکا ہو تو اس کے نام پر یہ چیز خیرات کردی جائے لیکن اگر خیرات کرنے کے بعد پھر مالک آجائے تو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔یہ فقہی مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ یہاں مقصود ہے اظہار غضب اور ہم جیسوں کوغصب سے ڈرانا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد	

	سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور حضرت عمر نے غلول کرنے والے کا سامان جلایا اسے مارا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث کی بنا پر خواجہ حسن بصری وغیرہم فقہاء نے فرمایا کہ سوا جانور،غلام،قرآن مجید کے باقی سامان مغصوبہ جلا دیا جائے۔امام احمدواسحاق نے فرمایا کہ یہ مال مغصوبہ نہ جلایا جائے کہ یہ تو مجاہدین کا حق ہے۔غاصب کا خود اپنا وہ مال جلادیا جائے جسے لےکر وہ میدانِ جہاد میں گیا تھا۔امام اعظم وشافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ عمل شریف زجر تھا اب اس کا کوئی مال جلایا نہ جائے گا بلکہ اسے تعزیر و سزادی جائی گی۔چنانچہ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ حضور انور نے غالی کو سزا دی مگر اس کا مال جلایا نہیں،نیز اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق عثمان غنی علی مرتضٰی نے بھی جلایا نہیں لہٰذا یہ عمل فقط زجروتوبیخ کے لیے تھا۔

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو کوئی غلول کرنے والے کو چھپائے تو وہ بھی اس ہی کی طرح ہے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ کیونکہ جرم کی مددکرنا بھی جرم ہے اور مدد دینے والا مجرم۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے حصوں کی خریداری سے منع فرمایا ۱؎ (ترمذی)

۱؎ شری سے مراد بیچناوخریدنا دونوں ہیں یعنی کوئی غازی اپنا غنیمت کا مال تقسیم اور قبض سے پہلے فروخت نہ کرے اور نہ کوئی اسے خریدے کیونکہ تقسیم سے پہلے یہ اپنے حصہ کا مالک ہی نہیں اور غیر مالک فروخت نہیں کرسکتااور اگر اس طرح فروخت کیا کہ جو مجھے حصہ ملے گا وہ فروخت کرتا ہوں تو یہ مجہول و نامعلوم چیز کی بیع ہے یہ بھی ممنوع ہے،نیز کیا خبر کہ اسے غنیمت سے کچھ ملے گا یا نہیں،بہت دفعہ کسی وجہ سے غازی غنیمت سے محروم ہوجاتا ہے لہٰذا یہ بیع خطرناک بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے تقسیم سے پہلے حصوں کے بیچنے سے منع فرمایا ۱؎(دارمی)

۱؎ اس کا مطلب اور وجہ ابھی بیان ہوچکے۔خیال رہے کہ زمین کا حصہ مشاع (غیرمقرر) فروخت ہوسکتا ہے جیسے مشترکہ زمین میں سے کوئی شریک اپنا حصہ فروخت کردے مگر وہاں جہالت سے جھگڑا نہیں ہوگا۔یہاں جھگڑا پیدا ہونے کا قوی امکان ہے اس لیے مکان یا دوکان کا حصہ مشاع بیچنا ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت خولہ بنت قیس سے ۱؎فرماتی ہیں میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ مال سرسبز میٹھا ہے۲ جو اسے حق سے لے گا اسے اس میں برکت دی جائے گی۳ بہت وہ لوگ جو اللہ رسول کے مال میں گھس پڑتے ہیں جیسے ان کا دل چاہے قیامت کے دن ان کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ۴(ترمذی)	

۱؎ آپ کو خویلہ بھی کہا جاتا ہے جناب حمزہ کی زوجہ ہیں،قبیلہ وہینیہ سے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یہاں مال سے مراد مال غنیمت ہے یا مال سے مراد اموال جمع ہے اس لیے اسے مال مانا گیا اور **خضرۃ** مؤنث ارشاد ہوا،چونکہ لفظًا مذکر ہے اس لیے **اصابہ** وغیرہ صیغہ میں مذکر لائی گئیں۔غرضیکہ معنی سے مؤنث ہے لفظًا مذکر لہذا ضمیروں کے اختلاف سے اعتراض نہیں ہوسکتا یعنی یہ مال دیکھنے میں اچھے استعمال میں مزیدار معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر حرام ہوں تو ہیں بڑے خطرناک۔

۳؎ حق سے مراد جائز ذریعہ ہے یا اپنا استحقاق یعنی اگر مال حلال راستے سے آئے تو برکت والا ہے ورنہ ہلاکت۔اگر ہوا باغ کے راستہ سے آئے تو بیماروں کو شفا دے دیتی ہے،اگر روڑی کے راستے سے آئے تو تندرستوں کو بیمار کردیتی ہے۔

۴؎ **تخوض** بنا ہے **خوض** سے بمعنی پانی میں گھس جانا جیسے بغیر سوچے سمجھے پانی میں گھس جانا باعث ہلاکت ہے کہ ڈوب کر یا لہروں سے یا بہ کر انسان مر جاتا ہے یوں بغیر تحقیق کیئے ہر طرح مال لے لینا کا باعث ہلاکت ہے۔خیال رہے کہ حضور انور نے مال کو سبزے سے تشبیہ دی کہ جیسے سبزہ جلد خشک ہوجاتا ہے یوں ہی مال بہت جلد ختم ہوجاتا ہے اس کے لیے اپنا ایمان و تقویٰ برباد کرلینا اللہ رسول کو ناراض کرلینا سخت غلطی ہے۔اس افصح الناس کی فصاحت پر قربان صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے بدر کے دن تلوار ذوالفقار خود بطور نفل قبول فرمائی ۱؎ ابن ماجہ،ترمذی نے یہ زیادتی بھی کی کہ یہ وہ ہی تلوار ہے جس کے متعلق حضور نے احد کے دن خواب دیکھا تھا ۲؎	

۱؎ **تنفل** بنا ہے **نفل** سے،اس کے معنی ہیں نفل یعنی زیادتی قبول فرمانا لے لینا۔**تنفیل** باب تفعیل کے معنی ہوتے ہیں دوسرے کو نفل دینا یعنی حضور اقدس نے خود یہ تلوار قبول فرمائی اسے شریعت میں صفی کہتے ہیں یعنی حضور انور کا پسند فرمایا ہوا مال۔**فقار** جمع ہے **فقرہ** کی بمعنی جوڑ اس لیے عبارت کے جملے کو فقرہ کہا جاتا ہے، چونکہ اس تلوار میں جوڑ تھے، پرت پرت جیسے ہاکی کی لکڑی یا اس میں منکے موتی ایسے جڑے ہوئے تھے جیسے پیٹھ کی ہڈی اس لیے اسے ذوالفقار یعنی جوڑوں والی تلوار کہا جاتا تھا۔یہ تلوار عنبہ ابن حجاج کافر کی تھی جو بدر میں مارا گیا پھر حضور انور کے پاس رہی،حضور انور اس تلوار سے جہاد فرماتے تھے،کچھ عرصہ بعد حضور نے یہ ذوالفقار علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔(اشعہ

و مرقات)امام ابوجعفر محمد ابن علی باقر سے روایت ہے کہ بدر کے دن ایک فرشتہ نے پکارا تھا لاسیف الاذوالفقار لافتی الاعلی۔(مرقات)اب لوگوں نے اسےاس طرح بنالیا۔شعر

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار لافتی الاعلی لاسیف الا ذو الفقار

۲؎ حضور انور نے غزوہ احد سے پہلے خواب دیکھی تھی کہ ہمارے ہاتھ میں تلوار ہےہم نے ہلائی تو اس کا درمیانہ حصہ ٹوٹ گیادوبارہ ہلائی تو پہلے سے بھی اچھی ہوگئی وہ خواب اسی تلوار کے متعلق تھی کہ ٹوٹی اور جڑ گئی۔تعبیر دی تھی کہ احد میں مسلمانوں کو تکلیف ہوگی،پھر پہلے سے بھی اچھے ہوجائیں گے،ایسا ہی ہوا کہ احد میں تکلیف پائی پھر ہر میدان جیتا۔

روایت ہے حضرت رویفع ابن ثابت سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہووہ مسلمانوں کی غنیمت سے کسی گھوڑے پر سوار نہ ہو کہ جب اسے دبلا کردے تو غنیمت میں لوٹا دے ۲؎ اور جو شخص ایمان رکھتا ہو اللہ اور آخری دن پر تو وہ مسلمانوں کی غنیمت سے کپڑا نہ پہنے کہ جب اسے پرانا کردے تو غنیمت میں لوٹا دے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،انصاری ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے طرابلس کے حاکم رہے،۴۶ھ میں امیر معاویہ کے حکم سے افریقہ فتح فرمایا،۴۷ھ میں فتح افریقہ ہوا،۵۴ھ شام میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی کوئی غازی تقسیم سے پہلے مال غنیمت کا گھوڑا بلا ضرورت استعمال نہ کرے کہ اسے دبلا کرکے پھر واپس غنیمت میں رکھ دے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایسے گھوڑے پر جہاد کرنا جائز ہے کہ یہ ضرورت استعمال ہے اور بلا ضرورت بھی،اگر کچھ سواری کرلے جس سے گھوڑا کمزور نہ ہوجائے جائز ہے۔(اشعہ)

۳؎ یعنی غنیمت کے مال کا کپڑا قبل تقسیم بلاضرورت استعمال نہ کرو اور ایسی حرکت نہ کرو کہ کپڑا پرانا کرکے پھاڑ کر پھر واپس کردو۔

روایت ہے حضرت محمد ابن ابی المجالد سے وہ عبداللہ ابن ابی اوفی سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کیا آپ لوگ ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھانے سے خمس نکالا کرتے تھے ۳؎ وہ بولے کہ ہم نے خیبر کے دن کھانا پایا تو کوئی شخص آتا تو اس ہی سے اپنی کفایت کی بقدر لے لیتا پھر لوٹ جاتا ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ محمد ابن ابی المجالد تابعی ہیں،کوفہ کے رہنے والے ہیں،بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے اور عبداللہ ابن ابی اوفی مشہور صحابی ہیں،انصاری ہیں،احد اور بعد احد غزوات میں شریک ہوئے،۵۴ھ؁ چون میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎ محمد ابن ابوالمجالد نے حضرت عبداللہ ابن اوفی صحابی سے تمام صحابہ کرام کا عمل پوچھا اس نے **کنتم** اور **تخمسون** جمع بولا۔

۳؎ **طعام** سے مراد سے پکا ہوا کھانا اور سبزیاں اور سبز میوے جو جلد خراب ہوجاتے ہیں کہ ان میں بھی خمس کے بعد تقسیم غنیمت ہوتی تھی یا ان چیزوں میں آزادی تھی۔

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی غنیمت سے خمس نہ لیا جاتا تھالیکن ہر مجاہد اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا اور ذخیرہ کرکے گھر نہ لاتا تھا وہاں ہی استعمال کرلیتا تھا اس کا تفصیلی بیان گزرچکا یعنی ان ضروریات سے جو باقی بچتا تھا اس سے خمس نہ لیا جاتا تھا تقسیم باقاعدہ کیاجاتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لشکر نے کھانا اور شہد غنیمت میں حاصل کیا تھا تو اس سے خمس نہ لیا گیا۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو غلہ شہد وغیرہ کھالیا گیا اس میں سے خمس نہ لیا گیا،اس طعام میں کھائے ہوئے دانے کھائے ہوئے جانور وغیرہ سب داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت قاسم مولیٰ عبدالرحمٰن سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ میں ایک اونٹ کھا لیا کرتے تھے اسے تقسیم نہ کرتے تھے کہ حتی جب ہم اپنی منزل کی طرف لوٹتے اس طرح کہ ہماری خورجیاں اس سے بھری ہوتیں۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ قاسم تابعی ہیں،شامی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن،آپ کی ملاقات چالیس صحابہ کرام سے ہے،۱۲۲ھ؁ ایک سو بائیس ہجری میں وفات پائی،آپ کی اکثر روایات حضرت علی سلمان،معاویہ اور عمرو بن عبسہ سے ہیں۔(اشعہ) آپ کے مولیٰ کا نام عبدالرحمٰن ابن خالد ہے وہ تابعی ہیں،ان کی ملاقات حضرت ابو امامہ سے ہے۔

۲؎ **اخرجہ** جمع **خرج** کی خ کے پیش سے بمعنی گون،بوری،توڑے اور منزل سے مراد اپنا وطن کا گھر نہیں بلکہ بحالت سفر خیمہ مراد ہے جہاں مسافر عارضی ٹھہرتے ہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔مطلب یہ ہے کہ ہم خیمے والے مسافروں میں سے ایک آدمی اس اونٹ کے گوشت سے بوری بھر لاتا تھا اپنے سارے خیمہ والوں کا حصہ۔فقہاء فرماتے ہیں کہ غازی بچا ہوا کھانا چارہ وغیرہ غنیمت میں واپس کرے۔فقہا کا یہ فتویٰ اس حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ نبی صلی اللہ	

	علیہ وسلم فرماتے تھے کہ دھاگہ اور سوئی تک ادا کروا اور خیانت سے بچو کہ یہ خیانت قیامت کے دن خائن پر عار ہوگی ۲ (دارمی)

۱ مرقات میں فرمایا کہ خیاط اور مخیط دونوں کے معنی ہیں دھاگہ،خیاط جمع خیط نہیں ہے۔سنا ہے کہ اس کی جمع خیوط یا اخیاط آتی ہے نہ کہ خیاط یہ تکرار تاکید کے لیے ہے مگر اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ مخیط بروزن منیر ہے سینے کاآلہ یعنی سوئی،لہذا اخیاط کے معنی دھاگہ اور مخیط کے معنی سوئی لہذا تکرار میں مطلب یہ ہے کہ معمولی سے معمولی ادنی سے ادنی چیز بھی بغیر تقسیم نہ لو۔

۲ کیونکہ خیانت کا مال خائن کے کندھے پر ہوگا جسے یہ سخت مشکل سے اٹھائے پھرے گا،تکلیف بھی اٹھائے گا بدنام بھی ہوگا جیساکہ پہلے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا۔

	اور نسائی نے بروایت عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کی۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے قریب ہوئے تو اس کے کوہان سے ایک بال لیا ۱ پھر فرمایا اے لوگو اس فئ میں سے میرے لیے کچھ نہیں اور نہ یہ بال ۲ اور اپنی انگلی شریف اٹھائی سوائے خمس کے ۳ اور خمس بھی تم پر ہی لوٹ جاتا ہے ۴ لہذا سوئی دھاگہ بھی ادا کردو تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کے ہاتھ میں بالوں کی بنڈلی تھی بولا میں نے یہ لیا ہے تاکہ اس سے کمبل کو درست کروں ۵ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری یا عبدالمطلب کی اولاد کی ہو تو وہ تیرے لیے ہے ۶ وہ بولا کہ یہ اس حد تک پہنچی ہوئی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ۷ (ابوداؤد)

۱ دبرہ خاص اونٹ کے بال کو کہتے ہیں اور شعر ہر بال کو کہا جاتا ہے،سنام اونٹ کی پیٹھ میں ابھری ہوئی ہڈی جسے کوہان کہاجاتا ہے۔

۲؎ یعنی حقیر سے حقیر اور معمولی سے معمولی چیز بھی غنیمت سے میرا حصہ نہیں،اس سے صفی مستثنٰی ہے۔صفی وہ چیز ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمالیں۔جیسے ابھی ذوالفقار کا واقعہ گزرا کہ وہ صفی تھی یا غزوہ خیبر میں بی بی صفیہ یہود کے سردار کی بیٹی تھیں ان کا حضور انور کے نکاح میں ہونا ہی موزوں تھا یا ذوالفقار کفار کے سردار کی تلوار حضور انور کے ہاتھ اس کا ہونا کفار کے زیادہ جلنے کا باعث تھا،بہرحال یہاں قانون کا ذکر ہے اور صفی کا اختیار فرمانا دائمی قانون نہ تھا کبھی اتفاقیہ تھا۔

۳؎ اشارہ کے لیے صرف ایک انگلی اٹھائی یعنی صرف ایک خمس ہی ہمارا حق ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

۴؎ یعنی وہ بھی تمہاری مصلحتوں میں ہی خرچ ہوتا ہے کہ اس خمس سے ہم جنگی سامان گھوڑے تیر وغیرہ خریدتے ہیں موقعہ بموقعہ مساکین کی مدد فرماتے ہیں۔

۵؎ یعنی یہ اونی دھاگہ کی گچھی ہے۔مقصود صرف یہ ہے کہ میرا کمبل پھٹا یا ادھڑا ہوا ہے اسے درست کرنا چاہتا ہوں اگراجازت ہو تو لے لوں۔

۶؎ یعنی اگر یہ دھاگہ کی گچھی میرے خمس میں آگئی تو میری طرف سے تجھے اجازت ہوگی اور اگر میرے کسی عزیز مطلبی کو غنیمت کے حصے سے مل گئی تو میں ان کی طرف سے تجھے اجازت دیتا ہوں لیکن اگر کسی اور کے حصہ میں پہنچ گئی تو پھر تو جانے اور وہ مالک جانے۔

۷؎ یعنی جب اس معمولی چیز میں ایسی پابندی اور ایسی تنگی ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ پہلے تو کسی کی ملکیت میں آنے کا انتظار کروں پھر مالک سے خوشامد کرکے مانگوں یہ کہا اور گچھی وہاں ہی رکھ دی۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈر گیا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے کچھ اونٹوں کی طرف نماز پڑھائی ۱؎ پھر جب سلام پھیرا تو اونٹ کے کروٹ سے بال لیا پھر فرمایا کہ تمہاری غنیمتوں سے میرے لیے اتنا بھی حلال نہیں سوا خمس کے اور خمس بھی تم میں ہی لوٹایا جاتا ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس طرح کہ اس اونٹ کو سترہ بناکر اس کے پیچھے نماز پڑھائی۔معلوم ہوا کہ بیٹھے ہوئے جانور یوں ہی بیٹھے ہوئے انسان کی پیٹھ کو سترہ بنانا درست ہے۔

۲؎ یہ واقعہ دوسرا ہے اور جو پہلے مذکور ہوا اور واقعہ تھا یہ ہی ظاہر ہے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرابت داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم فرما دیا ۲؎ تو میں اور حضرت عثمان ابن عفان حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ	

	ہمارے بھائی بنی ہاشم ہم ان کی بزرگی کے منکر نہیں آپ کے ہونے کی وجہ سے کہ رب نے آپ کو ان میں پیدا فرمایا ۳؎ ہمارے بھائیوں بنی مطلب کے متعلق حضور فرمائیں کہ آپ نے انہیں دیا اور ہم کو چھوڑ دیا ۴؎ حالانکہ ہمارا ان کا رشتہ ایک ہی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنی مطلب اس طرح ایک ہیں اور اپنی انگلیوں کو مختلط فرمادیا ۵؎ (شافعی،ابوداؤد)اور نسائی کی روایت میں اسی طرح ہے اور اس میں یہ ہے کہ میں اور بنی مطلب نہ دور جاہلیت میں الگ ہوئے نہ اسلام میں ہم اور وہ ایک ہی چیز ہیں اور اپنی انگلیوں شریف میں ۶؎ اختلاط فرمادیا۔

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،نوفل ابن عبدمناف کی اولاد سے ہیں،عبدمناف کے چار بیٹے تھے ہاشم،مطلب،نوفل اور عبدشمس،حضرت جبیر تو نوفل کی اولاد سے تھے حضرت عثمان اور تمام بنی امیہ عبدشمس کی اولاد سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاشم کی اولاد سے اسکی تفصیل پہلے فصل اول میں گزرچکی۔

۲؎ اور نوفل و عبدالشمس کی اولاد کو اس خمس میں سے کچھ نہ دیا جیساکہ پہلے گزرچکا اور نوفل کی اولاد سے میں تھا،عبدشمس کی اولاد سے حضرت عثمان۔

۳؎ یعنی اگرچہ نسبی رشتہ میں ہم سب حضور سے برابر تعلق رکھتے ہیں مگر بنی ہاشم کو اس لیے بزرگی ہے کہ حضور ان میں سے ہیں۔

۴؎ کیا ہم حضور کے ذی قرابۃ نہیں ہیں یقینًا ہیں تو حضور انور نے ہم کو ذی قربیٰ کا حصہ خمس سے کیوں نہ دیا۔

۵؎ یعنی نسبت میں تم اور بنی مطلب برابر ہو مگر خدمت میں بنی مطلب تم سے بڑھ کر ہیں کیونکہ ابتداء اسلام میں انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں،تم لوگ بعد میں اسلام میں داخل ہوئے۔بائیکاٹ کے زمانہ میں بنی ہاشم و مطلب ایک رہے مگر بنی نوفل اور بنی عبدشمس بائیکاٹ میں کفار کے ساتھ مل گئے لہذا ان کو تم پر فوقیت حاصل ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت ساتھ دینے والے بڑی قدرومنزلت کے مستحق ہیں،یہ لوگ چونکہ مصیبت کے ساتھی ہیں لہذا اس خمس کے حق دار ہیں۔اس کے متعلق فقہی احکام پہلے گزرچکے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عوف سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا تو میں نے

اپنے داہنے بائیں دیکھا تو میں انصار کے دونو عمر بچوں کے درمیان تھا ۲؎ میں نے تمنا کی کہ میں ان سے بہادروں کے درمیان ہوتا ۳؎ ان دونوں میں سے ایک نے مجھے اشارہ کیا ۴؎ بولا اے چچا کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں ۵؎ میں بولا تجھے اس سے کیا کام ہے اے بھتیجے؟ وہ بولا مجھے خبر ملی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا جسم اس کے جسم سے جدا نہ ہوگا تاآنکہ ہم سے جلد موت والا مرجائے ۶؎ فرماتے ہیں میں نے اس پر تعجب کیا ۷؎ فرماتے ہیں کہ دوسرے نے بھی مجھے اشارہ کیا تو مجھے اس طرح کہا تو میں نہ ٹھہرا حتی کہ میں نے ابوجہل کو دیکھ لیا جو لوگوں کے بیچ گھوم رہا تھا ۸؎ تو میں بولا کیا تم دیکھتے نہیں یہ تمہارا وہ یار ہے ۹؎ جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے تھے فرماتے ہیں کہ وہ دونوں اپنی تلواریں لے کر اس پر جھپٹے اسے مارا حتی کہ اسے قتل کردیا ۱۰؎ پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے حضور کو اس کی خبر دی ۱۱؎ تو فرمایا تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے تو ان میں سے ہر ایک بولا کہ اسے میں نے مارا ہے ۱۲؎ فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں پونچھ لی ہیں وہ بولے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلواریں دیکھیں فرمایا تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے ۱۳؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلب کا فیصلہ معاذ ابن عمرو ابن جموح کے لیے کیا ۱۴؎ اور وہ دونوں صاحب معاذ ابن جموح اور معاذ ابن عفرا تھے ۱۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے،زہری ہیں،قریشی ہیں،عشرہ مبشرہ سے ہیں،حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر اسلام لائے، صاحب ہجرتین ہیں کہ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ منورہ کی طرف تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،حضور انور نے غزوہ تبوک میں فجر کی ایک رکعت آپ کے پیچھے پڑھی،غزوہ احد میں بیس زخم کھائے۔بعض زخموں کی

وجہ سے آپ کا ایک پاؤں بیکار ہوگیا تھا، عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے، ۳۲ھ میں وفات ہوئی،بہتر۷۲ سال عمر پائی،مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

۲؎ جنگ بدر ۲ھ ماہ رمضان میں ہوئی جس میں مسلمان تین سو تیرہ تھے، کفار اوّلًا ساڑھے نو سے تھے، ابوسفیان کا قافلہ مل جانے کے بعد ایک ہزار ہوگئے تھے،مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ تلواریں تھیں،باقی غازیوں کے پاس کھجور کی لکڑیاں تھیں۔

۳؎ تاکہ جنگ کے وقت مجھے ان سے مدد ملتی کیونکہ سپاہی کو اپنے بازوؤں سے مدد ملتی ہے۔چونکہ وہ دونوں نو عمر تھے اس لیے حضرت عبدالرحمٰن نے انہیں کمزور سمجھا،نیز وہ دونوں انصار تھے اور بہادری میں مہاجرین مشہور تھے۔(مرقات)

۴؎ **غمز** کے معنی دبانے کے بھی ہیں اور آنکھ سے اشارہ کرنے کے بھی یہاں بمعنی دبانا ہے یعنی میرا ہاتھ دبا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر چپکے سے یہ پوچھا۔

۵؎ اہل عرب اپنے سے بڑے کو چچا کہہ کر پکارتے ہیں یہاں یہ ہی محاورہ استعمال ہوا ہے ورنہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رشتہ نسبی میں ان بچوں کے چچا نہ تھے،لشکر کفار سامنے تھا ان دونوں نے پوچھا کہ وہ جو سامنے لشکر ہے ان میں ابوجہل کون ہے۔

۶؎ **سبحان اللہ**! یہ ہے ایمان اور یہ ہے عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ابوجہل کو حضور انور کی شان میں گستاخیاں کرتے سنا تھا بلکہ یوں ہی اڑتی اڑتی خبر پہنچی تھی کہ تڑپ گئے اور مارنے مرنے کو تیار ہوگئے۔اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔

قسم کھائی ہے دونوں نے کریں گے قتل ناری کو سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

۷؎ کیونکہ میں نے سمجھا کچھ تھا اور ظاہر کچھ اور ہوا یہ دونوں تو بہادروں کے سردار نکلے،حوصلہ بہت بلند ظاہر ہوا۔

۸؎ یعنی اپنے لشکر میں چکر لگا رہا تھا انہیں درست کررہا تھا۔

۹؎ یہاں صاحب یا کہ یار بمعنی دوست نہیں بلکہ بمعنی مطلوب ہے جس کی طلب ہو یعنی تم جس کی جستجو میں ہو وہ یہ ہی ہے سامنے وہ دیکھو۔

۱۰؎ یعنی یہ دونوں اکیلے اس کی فوج میں پہنچے اور بغیر یارومددگار ساتھ لیے اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے سنبھلنے کا موقعہ نہ دیا کہ اسے مار گرایا۔خیال رہے کہ ان دونوں نے اسے بالکل مار نہ ڈالا تھا بلکہ قریب الہلاک کردیا تھا جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا اسے سسکتا ہوا چھوڑکر بھاگے کہ ان کی فوج میں گھر گئے۔ان دونوں چاندوں کو دو ہالوں نے گھیر لیا،اس موقعہ پر ایک کا ہاتھ بازو سے کٹ گیا جسے انہوں نے خود پاؤں سے دبا کر توڑ دیا اور پھر وہ کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے حضور انور نے وہ ہاتھ کاندھے پر رکھ کر لعاب دہن لگادیا وہ ہاتھ جڑ گیا اور دوسرے ہاتھ سے زیادہ مضبوط ہوگیا جیساکہ **ان شاءاللہ باب المعجزات** میں ذکر کیا جائیگا۔

۱۱؎ قتل ابوجہل کی بھی خبر دی اور واقعہ قتل کی بھی خبردی کہ اس طرح ہم نے اسے پچھاڑا اور اس طرح قتل کیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل ابوجہل کی خبر سن کر سجدۂ شکر ادا کیا جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔خیال رہے کہ اپنے جانی مالی دشمن کے فوت ہونے پر خوشی منانا ممنوع ہے۔

اگر بمر دعدو جائے شادمانی نیست　　　　که زندگانی مانیز جاودانی نیست

مگر قومی دینی ملکی دشمن کے مرجانے پر شکر کرنا سنت ہے۔عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ اسی لیے سنت ہے کہ اس دن فرعون غرق ہوا ہے۔دینی دشمن کے مرجانے سے مخلوق خدا اس کے فساد سے محفوظ ہوجاتی ہے۔

۱۲؎دونوں نے سچ کہا کیونکہ تلوار کے وار اس مردود پر دونوں ہی نے کیے تھے اگرچہ ایک نے سبقت کی ہوگی اور ایک ہی کا وار کاری لگا ہوگا جس سے وہ ناری جہنم رسید ہوا ہوگا بہرحال دونوں سچے ہیں۔خود حضور نے بھی ان کی تصدیق فرمائی جیساکہ آگے آرہا ہے۔

۱۳؎یعنی واقعی تم دونوں اس کے قتل میں شریک ہو تم دونوں کے واروں سے اسے اللہ نے نار میں داخل کیا ہے تم دونوں سچے ہو۔یہ فرمان ان دونوں کو خوش کرنے کے لیے ہے۔

۱۴؎اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات سے معلوم فرمالیاکہ اصل قاتل یہ ہیں۔حضرت شیخ نے اشعہ میں لکھا کہ قتل کرنے میں یہ دونون شریک تھے مگر اسے گرانے پچھاڑنے والے معاذ ابن عمرو ابن جموح تھےاس لیے سلب صرف ان کو عطا فرمایا گیا غرضیکہ تخصیص بلاوجہ نہ تھی وجہ سے تھی۔

۱۵؎خیال رہے کہ ان دونوں بزرگوں کا نام معاذ یا معوذ ہےیہ دونوں حضرات اخیافی یعنی ماں شریکی بھائی ہیں، ان کی والدہ کا نام عفراء ہے،ان کے ایک خاوند کا نام عمرو ابن جموح ہےدوسرے خاوند کا نام حارث ہے لہذا معاذ ابن عفراء میں نسبت ماں کی طرف ہے،بعض روایات میں ان دونوں معاذوں کو ابن عفراء کہا جاتا ہے وہ بھی درست ہے دونوں کی نسبت ماں کی طرف ہے۔(اشعہ)اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہوئے:ایک یہ کہ کسی مسلمان کو اس کی نوعمری کی وجہ سے ضعیف نہیں سمجھنا چاہیے بسا اوقات چھوٹے اور دبلے آدمی وہ کام کردکھاتے ہیں جو عمر والے موٹے تازے آدمیوں سے نہ ہوسکیں۔دوسرے یہ کہ اللہ رسول کے لیے عداوت و محبت سنت صحابہ ہے۔تیسرے یہ کہ جنگ میں ہر کام ہمت و پھرتی سے ہی ہوتا ہے۔چوتھے یہ کہ علامات دیکھ کر بغیر گواہ کے سلب دینا جائز ہے کہ حضور انور نے ان کی تلواریں دیکھ کر ایک کو سلب عطا فرمایا جہاں گواہ طلب فرمانے کا ذکر ہے وہاں علامات نہ ہونے کی صورت ہے۔پانچویں یہ کہ حضرت صحابہ کی ہمت و جرات بے مثال تھی۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ۱؎کہ کون دیکھ کر ہم کو بتادے گا کہ ابوجہل کو کیا ہوا ۲؎تو ابن مسعود چلے اسے پایا کہ عفرا کے بیٹوں نے اسے مار دیا ہے حتی کہ ٹھنڈا ہوگیا ہے۳؎آپ نے اس کی داڑھی پکڑکر فرمایا۴؎کہ کیا تو ہی ابوجہل ہے وہ بولا کہ کیا تم نے مجھ سے اوپر والے کو بھی قتل کیا ہے ۵؎ ایک روایت ہے کہ بولا کاش مجھے کسان کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ ارشاد عالی غزوہ بدر ختم ہوچکنے اور سکون حاصل ہونے کے بعد ہوا،دوران جنگ میں اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی یعنی کوئی شخص کفار کی نعشوں میں زخمیوں میں ابوجہل کو تلاش کرے کہ وہ جی رہا ہے یا مرگیا ہے مردوں میں پڑا ہے یا زخمیوں میں۔

۲؎ اگر صنع معروف ہے تو ترجمہ وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کیااور اگر صنع مجہول ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ابوجہل کے ساتھ کیا کیا گیا۔رب نے اس سے کیا معاملہ فرمایا اسے موت دے دی یا ابھی نہیں اور موت دے دی ہے تو کس حالت میں۔

۳؎ یہاں ٹھنڈا ہوجانے سے مراد اگر مرجانا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ٹھنڈا ہوجانے کے قریب ہوگیا ہے اور اگر مراد جسم کا خون نکل کر حرارت عزیزی ختم ہوجانا ہے تو مطلب بالکل ظاہر ہے یعنی اس کا جسم ٹھنڈا ہوچکا ہے اور وہ قریب الموت ہے کتے کی طرح سسک رہا ہے۔خیال رہے کہ ابوجہل کو تمام کفار مکہ اس حالت میں چھوڑکر بھاگ چکے تھے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مشرکین بھی ایک مشت داڑھی رکھتے تھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر کی داڑھی کی کوئی عزت و حرمت نہیں اسے پکڑنا کھینچنا جائز ہے،مسلمان کی داڑھی بڑی حرمت کی چیز ہے کہ سنت رسول اللہ ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم

۵؎ یعنی آج کے مقتولین میں سب سے بڑی عزت و عظمت والا میں ہی ہوں کہ تمام کفار مکہ بلکہ کفار عرب کا سردار ہوں۔

۶؎ یعنی مجھے اس ذلت کا غم ہے جو اس قتل میں مجھے پہنچی کہ مجھے مدینہ کے انصار کے دو بچوں نے قتل کیا۔اہل مدینہ عموماً کھیتی و باغبانی کیا کرتے تھے اس لیے اس نے انہیں اکاریعنی کسان کہا مجھے کوئی بڑی عزت والا قتل کرتا۔معلوم ہوا کہ ابوجہل بمقابلہ فرعون زیادہ متکبر تھا کہ فرعون ڈوبتے وقت بول اٹھا"اٰمَنۡتُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِہٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ"مگر یہ مردود اب اس حالت میں بھی شیخی ہی بھگار رہا ہےاگر اس حالت میں کلمہ پڑھ لیتا تو شاید کچھ فائدہ اٹھالیتا۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو عطیہ فرمایا میں بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا جو ان سب میں مجھے زیادہ پسندیدہ تھا۱؎میں اٹھا اور میں نے عرض کیا فلاں کے متعلق کیا رائے عالی ہے میں تو اسے مؤمن سمجھتا ہوں۲؎تب حضور نے فرمایا بلکہ مسلم کہو۳؎سعد نے یہ تین بار عرض کیا اور حضور نے اسی طرح جواب دیا پھر فرمایا کہ میں کبھی کسی شخص کو دیتا ہوں حالانکہ

	دوسرا شخص مجھے زیادہ پیارا ہوتا ہے ۴؎ اس خوف سے کہ اپنے منہ کے بل آگ میں گرایا جائے ۵؎ (مسلم،بخاری)اور ان کی ایک روایت میں ہے زہری نے فرمایا ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کلمہ طیبہ ہے اور ایمان نیک عمل ہے ۶؎

۱؎ یعنی حضور نے ایسے شخص کو عطیہ نہ دیا جو ایمان و اعمال میں مجھے بہت پسندیدہ تھا۔

۲؎ یعنی جہاں تک مجھے علم ہے یہ صاحب مؤمن کامل اور عالم تام ہیں،ایمان و تقویٰ دونوں کے جامع ہیں۔

۳؎ اس فرمان عالی میں ان صاحب کے ایمان کی نفی نہیں بلکہ حضرت سعد کو تعلیم ہے کہ کسی کے متعلق اس کے ایمان کی گواہی قطعی نہ دو کہ ایمان دلی تصدیق کا نام ہے جس پر اللہ تعالٰی ہی خبردار ہے۔اسلام ظاہر کا نام ہے تم اس کی گواہی دے سکتے ہو۔خیال رہے کہ کبھی ایمان و اسلام ہم معنی آتے ہیں اور کبھی ان میں فرق کیا جاتا ہے کہ دلی عقیدوں کا نام ایمان ہوتا ہے اور ظاہری اطاعت کا نام اسلام یہاں دوسرے معنی مراد ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا"اور فرماتاہے:"فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ"اور فرماتاہے:"اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"ان آیات میں اسلام سے مراد ظاہر اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

۴؎ یعنی ہمارا کسی کو کم دینا نہ دینا اس کی علامت نہیں کہ ہم اس سے ناراض ہیں یا اس کو مسلمان نہیں سمجھتے اور کسی کو زیادہ دینا اس کی علامت نہیں کہ ہم اس سے راضی ہیں اسے مؤمن کامل سمجھتے ہیں بلکہ کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ مؤمن کامل کو کم دیتے ہیں یا کچھ نہیں دیتے اور مذبذب کو زیادہ عطا فرماتے ہیں۔

۵؎ یعنی یہ عطا فضائل کی وجہ سے نہیں بلکہ ضعیف الایمان لوگوں کو ہم عطائیں دیتے ہیں کہ اگر ان کو نہ دیں تو خطرہ ہے کہ وہ پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں اور دوزخ میں گر جائیں۔پختہ مؤمنین پر ہم کو اعتماد ہے کہ انہیں مال ملے یا نہ ملے وہ مؤمن ہی رہیں گے ان کو دینے کا اہتمام نہیں فرماتے انہیں نہ دینا ان کی پختگی ایمان کی وجہ سے ہے یہ ہی سنت الٰہیہ ہے۔بار بار مقبول بندوں پر مصیبتیں بھیج دیتا ہے یا انہیں کم عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ بہرحال مؤمن رہیں گے کچھ ملے یا نہ ملے۔کچی کھیتی کو پانی بہت دیا جاتا ہے اس کی رکھوالی زیادہ کی جاتی ہے کہ اس کی جڑیں مضبوط نہیں پانی نہ ملنے پر خشک ہوجائے گی،مضبوط درختوں کی زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی کہ اس کی جڑیں پختہ ہیں پانی نہ ملنے پر بھی ہرے بھرے رہتے ہیں۔

۶؎ یعنی سرکار عالی کے **اومسلمًا** فرمانے سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام میں فرق ہے۔اس فرق میں کئی احتمال ہیں: ایک یہ کہ صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا اسلام ہے اور ساتھ ہی نیک اعمال بھی کرنا ایمان اور دونوں میں اور بھی فرق کیے گئے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یعنی بدر کے دن پس فرمایا کہ

	عثمان اللہ تعالٰی کے کام اور اس کے رسول کی خدمت میں گئے ہیں ۱؎ان کی بیعت میں کرتا ہوں ۲؎چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا ان کے سوا کسی غائب شخص کا حصہ مقرر نہ کیا ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضور انور کی صاحبزادی بی بی رقیہ جو حضرت عثمان غنی کی زوجہ مطہرہ تھیں سخت بیمار تھیں،ان کی تیمارداری کرنے کے لیے عثمان غنی کو حضور انور نے مدینہ منورہ میں ہی چھوڑا بدر میں ساتھ نہ لے گئے حتی کہ حضور کے پیچھے ہی ان کی وفات ہوگئی اور دفن کردی گئیں۔(مرقات)یہ فرمان عالی بدر کی غنیمت تقسیم فرماتے وقت کا ہے۔خیال رہے کہ جناب رقیہ کی تیمارداری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تھی مگر اس کو اللہ رسول کا کام فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ حضور کی فرمانبرداری رب تعالٰی کی اطاعت ہے۔

۲؎چنانچہ حضور انور نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ ہمارا ہاتھ ہے اور خود ہی حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی، اس بیعت عثمان کا واقعہ دوبار ہوا۔ایک تو غزوہ بدر میں دوسرے بیعت الرضوان میں مقام حدیبیہ میں یہ ہے حضرت عثمان کی شان رضی اللہ عنہ۔

دست حبیب خدا جو کہ ید اللہ تھا ہاتھ بنا آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

۳؎یعنی حضرت عثمان کو بدر والوں کا صرف ثواب نہ ملا بلکہ غنیمت کا حصہ بھی ملا آپ صرف حکمًا غازی بدر نہ ہوئے بلکہ حقیقتًا غازی مانے گئے۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں اگر چاہیں تو مدینہ کی زمین کو بدر کا میدان بنادیں،گھر میں رکھ کر غازیوں میں ملادیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ حضور کی اطاعت رب تعالٰی کی اطاعت ہے،دیکھو حضرت عثمان مدینہ منورہ میں حضور کے کام کے لیے رہے تھے یعنی بی بی رقیہ کی تیمارداری مگر فرمایا **فی حاجۃ اللہ وحاجۃ رسولہ** حاجت سے مراد کام یا خدمت ہے نہ کہ ضرورت کہ اللہ تعالٰی ضرورت اور محتاجی سے پاک ہے۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت کی تقسیم میں دس بکریاں ایک اونٹ کے مقابل میں فرماتے تھے ۲؎ (نسائی)

۱؎ آپ صحابی انصاری خوارزمی یا حارثی اوسی ہیں،غزوہ بدر کے سوا تمام غزوات میں حاضر رہے،بدر کے دن آپ کمسن تھے، ۷۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،چھیاسی ۸۶ سال عمر ہوئی آپ کے حالات پہلے بھی بیان ہوچکے ہیں۔(اشعہ)

۲؎یعنی تقسیم غنیمت میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کی برابر رکھتے تھے کہ اگر کسی غازی کو ایک اونٹ حصہ میں ملا تو دوسرے غازی کو دس بکریاں عطا ہوئیں،قربانی میں ایک اونٹ و گائے سات بکریوں کی برابر مانا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نبیوں میں سے ایک نبی نے جہاد کیا ۱؎تو اپنی قوم سے فرمایا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ جائے جو کسی عورت کے بضع کا مالک ہو اور

	رخصتی کرنا چاہتا ہے ابھی تک کی نہیں ہے ۲؎ اور نہ وہ جائے جس نے مکانات بنائے ہیں اور ان کی چھتیں تیار نہ کی ہیں۳؎ اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکری یا حاملہ اونٹنیاں خریدیں اور وہ ان کے بیاہنے کا منتظر ہے۴؎ چنانچہ انہوں نے جہاد کیا تو بستی سے نماز عصر یا اس کے قریب ہوئے تو انہوں نے سورج سے فرمایا کہ تو بھی حکم کے ماتحت ہے اور میں بھی الٰہی اسے ہم پر روک دے ۵؎ چنانچہ سورج روک دیا گیا حتی کہ اللہ نے انہیں فتح دی ۶؎ پھر غنیمتیں جمع فرمائیں تو وہ یعنی آگ کھانے کے لیے آئی مگر انہیں کھایا نہیں ۷؎ فرمایا کہ ضرور تم میں خیانت ہے ۸؎ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص مجھ سے بیعت کرے چنانچہ ایک آدمی کا ہاتھ ان ہی سے چمٹ گیا تو فرمایا تم لوگوں میں خیانت ہے ۹؎ پھر وہ سونے کا سر لائے جو گائے کے سر کی طرح تھا۱۰؎ اسے رکھ دیا پھر آگ آئی اسے کھالیا ۱۱؎ مسلم کی روایت میں ہے یہ زیادتی کی کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہ ہوئیں پھر اللہ نے ہمارے لیے غنیمتیں حلال کردیں ہماری کمزوری ہماری عاجزی دیکھی تو انہیں ہمارے لیے حلال فرمایا ۱۲؎

۱؎ نبی سے مراد حضرت یوشع علیہ السلام ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور غزوہ سے مراد بیت المقدس پر جہاد،یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی جس کا نکاح ہوچکا ہے ابھی رخصت نہیں ہوئی ہے اس کی تیاری میں ہے۔اہل عرب زفاف کے وقت خیمہ وغیرہ بناتے تھے۔اس میں زفاف کرتے تھے اس لیے زفاف کو بنا رکھتے تھے۔(اشعہ)

۳؎ یعنی مکان بنانے میں مشغول ہے ابھی عمارت نامکمل ہے اس کی تکمیل کررہا ہے۔

۴؎ یعنی جس کی بکریاں یا اونٹنیاں گابھن ہیں اسے ان کے بچے دیکھنے دودھ پینے کا بڑا انتظار ہے۔مقصد یہ ہے کہ میرے ساتھ جہاد میں فارغ البال جائے جس کا دل دنیا میں لگا ہے وہ نہ جائے تاکہ اس عبادت میں دھیان نہ بٹے جیسے آج پیشاب پاخانہ کی سخت حاجت لےکر نماز پڑھنا ممنوع ہے کہ اس سے نماز میں دل نہ لگے گا۔

۵؎ یعنی اے سورج تجھے رفتار کا حکم الٰہی ہے اور مجھے جہاد کا حکم ہے اگر تو ابھی ڈوب گیا اور میں بیت المقدس فتح نہ کرسکا تو ہفتہ کا دن شروع ہوجائے گا جس میں جہاد کرنا قتال کرنا حرام ہے پھر کفار کو کافی مہلت مل جائے گی اور بیت

المقدس فتح کرنا مشکل ہوجائے گاخدایا تو سورج کو روک دے جب یہ بیت المقدس فتح کرلوں تب غروب ہو۔معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام چاند سورج سے بھی کلام فرماتے ہیں اور وہ ان سے گفتگو اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

نطق آب ونطق خاک ونطق گل　　　　ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی گو منکر حنانہ است　　　　از حواس اولیاء بیگانہ است

یہ جہاد جمعہ کے دن ہوا تھا۔اس دین میں ہفتہ کے دن جہاد بھی ممنوع تھا۔(مرقات)

۶؎ بحکم الٰہی سورج ٹھہر گیاجب بیت المقدس فتح ہوگیا تب ڈوبا،یہ حضرت یوشع علیہ السلام کا معجزہ ہوا۔خیال رہے کہ یوشع علیہ السلام کے سوا کسی نبی کے لیے سورج روکا نہیں گیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک بار سورج روکا گیا اور ایک بار لوٹا یا گیا۔چنانچہ بعد معراج جب کفار مکہ نے حضور سے پوچھا کہ آپ نے ہمارا فلاں قافلہ راہ میں دیکھا ہوگا،فرمایا ہاں بولے مکہ کب پہنچے گا فرمایا بدھ کی صبح کو،قافلہ کو واپسی میں کچھ دیر ہوگئی تو بدھ کے دن سورج کو روک لیا گیا حتی کہ جب قافلہ مکہ معظّمہ پہنچا تب سورج طلوع ہوا اور غزوہ خیبر کے موقع پر مقام صہباء میں بعد عصر حضور نے حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمایا تھا،جناب علی نے نماز عصر نہ پڑھی سورج ڈوب گیاتب حضور کی دعا سے سورج واپس ہوا،حضرت علی نے نماز عصر پڑھی پھر ڈوبا۔ابن جوزی نے ان احادیث کو موضوع کہا مگر طحاوی نے مشکل الحدیث میں قاضی عیاض نے شفاء شریف میں انہیں صحیح کہا۔ابن المنذر ابن شاہین نے ان کی تصحیح کی،طبرانی نے معجم میں بہ سند حسن حضرت جابر سے سورج روک لیے جانے کی حدیث نقل فرمائی ہے۔بہرحال آفتاب کا رکنا حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہوااور رکنا اور واپس لوٹنا ہمارے حضور کے لیے ہوا۔وہ جو حدیث میں ہے کہ یوشع علیہ السلام کے سوا کسی کے لیے سورج نہ رکااس سے مراد حضور سے پہلے کے نبی ہیں۔(مرقات،اشعہ)فقیر نے مقام صہباء کی زیارت کی ہے جہاں سورج لوٹایا گیا تھا،یہ جگہ خیبر سے قریبًا ایک میل دور جانب مدینہ منورہ ہے۔عام لوگ زیارت کرتے ہیں،اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے۔شعر

اشارہ سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا

گئے ہوئے دن کوعصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لیے

۷؎ اس زمانہ میں غنیمت کا مال جمع کرکے کسی پہاڑی یا میدان میں رکھ دیا جاتا تھاغیبی آگ آکر اسے جلاجاتی تھی اس لیے یہ کیا گیا۔

۸؎ اس لیے آگ آئی تو تھی مگر اسے جلایا نہیں۔یہاں کھانے سے مراد جلانا ہے گزشتہ دینوں میں یہ مال غنیمت اور قربانیوں کے گوشت غیبی آگ جلایا کرتی تھی۔

۹؎ یہ بھی یوشع علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ جس میں خیانت تھی اس کے سردار کا ہاتھ یوشع علیہ السلام کے ہاتھ سے چمٹ گیا جس سے خیانت پکڑی گئی۔

۱۰؎ یعنی اس غنیمت کے مال میں سونے کی گائے کا سر جو عام گایوں کے سر کے برابر تھا اس کی خیانت کی گئی جو اب حاضر کی گئی۔

۱۱اس زمانہ میں غیبی آگ کا جلا جانا قبولیت کی علامت تھی اور نہ جلانا مردودیت کی علامت تھی خیانت والی غنیمت مردود مانی جاتی تھی۔ہابیل و قابیل نے بھی اپنی قربانیاں پہاڑ پر رکھی تھیں ہابیل کی قربانی کو آگ جلاگئی اور قابیل کی قربانی ویسی ہی پڑی رہی۔

۱۲یعنی ہماری امت عمومًا کمزور اور غریب ہوگی لہذا اس کے لیے مال غنیمت حلال فرمادیا گیا کہ اس مال کے ذریعہ جہاد میں قوت حاصل کریں،یہ رب تعالٰی کی خاص مہربانی ہے۔اسی طرح قربانی کا گوشت بھی اس امت کے لیے حلال کردیا گیا کہ قربانی عبادت بھی ہے اور مسلمانوں کی خوراک بھی ہے،یہ ہے خاص کرم۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے خبردی کہ جب خیبر کا دن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت آئی وہ بولے فلاں اور فلاں شہید ہے حتی کہ ایک شخص پر گزرے تو بولے فلاں شہید ہے۱تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے آگ میں دیکھا ہے۲ایک چادر یا ایک عبا کی وجہ سے۳پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اے عمر ابن خطاب جاؤ لوگوں میں تین بار اعلان کردو کہ جنت میں نہ جائیں گے مگر مؤمن چنانچہ میں نکلا اور میں نے اعلان کیا کہ جنت میں نہ جائیں گے مگر مؤمن لوگ تین بار۴(مسلم)

۱معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں چند حضرات شہید ہوئے تھے ہم نے خیبر میں سترہ شہداء خیبر کے مزارات کی زیارت کی جو تبوک سڑک پر واقع ہیں جن میں سے حضرت سلمہ ابن اکوع اور براء ابن بشر کے نام معلوم ہوسکے،باقی کے نام ہمارے مزور کو بھی معلوم نہ تھے۔واللہ اعلم!ان بزرگوں کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ شہید ہیں اور فورًا جنت میں پہنچ گئے کیونکہ شہید کی روح مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہےاس لیے اسے شہید کہتے ہیں یعنی جنت میں حاضر ہوجانے والا۔

۲یعنی وہ شخص شہید تو ہے مگر جنت میں نہ پہنچادوزخ کی آگ کی سزا پارہا ہے کیونکہ خیانت شہادت کے لیے مضر نہیں ثواب کے لیے نقصان دہ ہے۔

۳یعنی چونکہ اس نے غنیمت کے مال سے ایک چادر قبلِ تقسیم سے لے لی تھی لہذا وہ آگ کا عذاب پارہا ہےمیں اسے آگ میں دیکھ رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ حضور اس دنیا میں رہ کر عالم غیب کی بھی ہر چیز دیکھ رہے ہیں اور ہر شخص کے ہر کھلے چھپے عمل بھی ملاحظہ فرمارہے ہیں،کہ فرمایا وہ آگ میں ہے کیونکہ اس نے خیانت کی تھی،آگ میں ہونا عالم غیب کی خبر ہے اور خیانت یہاں کا چھپا ہوا عمل،یہاں آگ سے مراد دوزخ کی آگ ہے۔

۴یہاں جنت میں داخل ہونے سے مراد ہے اول داخلہ بغیر سزا بھگتےاور مؤمن سے مراد مؤمن کامل یعنی متقی مسلمان یعنی جنت میں اول داخلہ کامل کو مؤمن کا نصیب ہوگاجو ایمان و اعمال کا جامع ہو۔خیانت کرنے والا مؤمن اگرچہ شہید بھی

ہوجائے مگر اولًا جنت میں نہ جاسکے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں وہاں حقوق الٰہیہ کے گناہ مراد ہیں انسانی حقوق کی معافی مراد نہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

باب الجزیة

جزیہ کا بیان

الفصل الاول

پہلی فصل

۱جزیہ بنا ہے جزاءٌ سے بمعنی بدلہ،جزیہ بدلہ کا مال۔شریعت میں جزیہ وہ ٹیکس ہے جو سلطانِ اسلام کافر رعایا سے وصول کرتا ہے،ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلہ میں یہ جزیہ نہایت معمولی رقم ہے۔مسلمانوں سے زکوۃ وصول کی جاتی ہے جو کہیں زیادہ ہے،یوں ہی مسلمانوں پر فطرہ ،قربانی سب کچھ واجب ہے جو کفار پر نہیں۔آج جزیہ پر اعتراض کرنے کی بجائے مروجہ ٹیکسوں کی بھرمار کو دیکھیں کہ بہتّر۷۲ روپیہ فی سینکڑہ تک مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ رعایا سے وصول کیا جاتا ہے۔جزیہ دو قسم کا ہے:ایک وہ جس پر ذمی کفار سے صلح ہوجائے وہ جزیہ بقدر مصالحت ہی رہے گا۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے دو ہزار جوڑے سالانہ پر صلح فرمائی تھی ایک ہزار جوڑے ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں،حضرت عمر نے بنی تغلب کے عیسائیوں سے یہ صلح فرمائی تھی کہ مسلمانوں سے وصول رقم سے دوگنی ادا کریں۔دوسرا وہ جزیہ جو سلطان اسلام خود مقرر فرماوے اس کے لیے شرعی قانون یہ ہے کہ مالدار ذمیوں پر سالانہ اڑتیں درہم یعنی چار درہم ماہوار(سوا روپیہ)درمیانہ حیثیت کے کفار پر چوبیں درہم دو درہم ماہوار(آٹھ آنہ)غریب کفار پر بارہ درہم سالانہ ایک درہم ماہوار(چار آنہ)یہ ہی مذہب احناف ہے،امام شافعی کے ہاں ہر بالغ کافر پر بارہ درہم سالانہ،امام مالک کے ہاں مالدار کافر سے چار دینار یعنی اڑتالیس درہم سالانہ اور فقیر سے دس درہم سالانہ،امام احمد کا ہاں جزیہ مقرر نہیں،امام اور ذمی رعایا جس پر صلح کرلیں وہ ہی مقرر ہوگا۔(مرقات)لیجئے یہ ہے وہ جزیہ جس پر موجودہ عیسائیوں اور ہندو وغیرہ شور مچارہے ہیں کہ اسلام نے ذمی کفار پر جزیہ مقرر کرکے ظلم کردیا۔

	روایت ہے حضرت مجالہ سے۱ فرماتے ہیں کہ میں احنف کے چچا جزء ابن معاویہ کا کاتب تھا ۲ ہمارے پاس حضرت عمر ابن خطاب کا تحریری فرمان آیا ان کی وفات سے ایک سال پہلے کہ مجوسی کے ہر رحمی قرابت دار کے درمیان جدائی کردو۳ اور حضرت عمر نے مجوس سے جزیہ نہ لیا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمان ابن عوف نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول فرمایا تھا۴(بخاری)اور بریدہ کی حدیث اذا امر امیر الخ کتاب الکفار کے باب میں بیان کر دی گئی۵

۱؎ مجالہ کے میم کے فتح جیم کے فتح سے،تابعی ہیں،آپ کا نام مجالہ ابن عبد تمیمی مکی ہے،ثقہ ہیں،حضرت عمران ابن حصین صحابی سے ملاقات ہے۔

۲؎ جزء ابن معاویہ جیم کے فتحہ ز کے سکون سے،یہ تابعی ہیں،تمیمی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقام اہواز کے حاکم تھے اور احنف ابن قیس تابعی ہیں،انہوں نے حضور کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہیں کی،بڑے عالم متقی حضرت عمرو عثمان علی و عباس سے ملاقات کی، ۶۲ھ باسٹھ ہجری میں کوفہ میں وفات پائی،جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،آپ نے حضرت علی کی بڑی امداد کی رضی اللہ عنہم،حضرت علی کی وفات کے بعد امیر معاویہ نے ان کا بڑا احترام کیا۔(مرقات،اشعہ)

۳؎ مجوس اپنی بہن بیٹی وغیرہ سے نکاح کرلیتے تھے،حضرت عمر نے حکم دیا کہ انہیں ایسا نہ کرنے دو اور جس مجوسی کے نکاح میں اس کی بہن بیٹی ہو انہیں علیحدہ کردیا جائے کہ یہ اگرچہ ان کے دین میں جائز ہے اور ذمی کفار کو مذہبی آزادی ہے مگر یہ حرکت انسانیت کے خلاف ہے اس لیے انہیں اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۴؎ ہجر یمن کا ایک شہر بھی ہے اور مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی بھی اور بحرین کا ایک گاؤں بھی جہاں کے گھڑے مٹکے مشہور ہیں وہ مدینہ پاک کے پاس والا ہجر ہے اور یہاں بحرین والا ہجر مراد ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جاسکتا ہے اور مجوس اہل کتاب نہیں لہذا ان سے جزیہ نہ لیا جائے مگر جب آپ کو یہ حدیث پہنچی تب آپ نے ان سے جزیہ قبول فرمایا۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجوسی بھی اہل کتاب ہیں ان کی کتاب ان سے اٹھالی گئی۔(مرقات)

۵؎ یعنی لمعات میں وہ حدیث اس جگہ تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس باب میں نقل کردی اور یہاں بیان کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب انہیں یمن کی طرف بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ یعنی احتلام والے سے ایک دینار یا اس کی برابر معافری ۱؎ یعنی معافری وہ کپڑا ہے جو یمن میں ہوتا ہے ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ صرف ذمی مرد عاقل بالغ سے لیا جائے گا عورت،بچے،دیوانہ پر جزیہ نہیں،اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔یوں ہی اندھے،بے دست و پا،فالج زدہ،بہت بوڑھے ذمی پر جزیہ نہیں،نیز جو فقیر کمائی کے قابل نہ ہو اس پر جزیہ نہیں،اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔حضرت عمر نے جب عثمان ابن حنیف کو حاکم بناکر بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ فقیر ذمی سے جزیہ نہ لیں،نیز حضرت عمر نے ایک بوڑھے ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا تو کیوں بھیک مانگتا ہے وہ بولا مجھ پر جزیہ لازم ہے اس کی ادائیگی کے لیے مانگتا ہوں تب آپ نے اپنے احکام کو لکھا کہ بوڑھے ذمیوں سے جزیہ نہ

لیں،یوں ہی ذمی غلام مکاتب مدبرام ولد پر جزیہ نہیں،ان کے راہبوں پر بھی جزیہ نہیں۔(مرقات)یہ حدیث بظاہر امام شافعی کی دلیل ہے کہ ہر ذمی پر جزیہ واجب ہے غنی ہو یا فقیر مگر ہمارے ہاں یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے جس سے فقراء ذمی علیحدہ ہیں یا اس قوم سے صلح اس پر ہی ہوئی ہوگی کہ ہر بالغ پر جزیہ ہو یا اتفاقًا اس قوم میں تمام امیر ہوں گے کوئی فقیر نہ ہوگا جیسے آج خوجے اور جوہری کہ ان میں کوئی فقیر نہیں۔

۲؎ معافر یمن میں ایک بستی ہے،چونکہ اسے معافر ابن یعفر نے بسایا تھا لہذا معافر کہلاتی ہے وہاں کا کپڑا بہت مشہور ہے جیسے ہمارے ہاں ڈھاکہ کی ململ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک زمین میں دو قبلے مناسب نہیں ۱؎ اور مسلمان پر جزیہ نہیں ۲؎ (احمد، ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ ارض واحدہ سے مراد زمین عرب ہے اور دو قبلوں سے مراد دو قبلہ والے لوگ ہیں یعنی مسلمان اوریہود و نصاریٰ یعنی زمین عرب یا زمین حجاز میں یہودونصاریٰ کو نہ بسنے دو،یہ ملک صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ جزیرہ عرب سے یہودونصاریٰ کو نکال دو۔اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔دوسرے یہ کہ ایک زمین سے مراد عام زمین ہے اور دو قبلوں کے اجتماع سے مراد مسلمانوں اور یہودونصاریٰ کا برابری کی شان سے ایک ملک میں رہنا ہے یعنی نہ تو مسلمان کفار کے ملک میں دب کر رہیں،اگر انہیں آزادی دینی نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کرجائیں اور نہ یہودو نصاریٰ مسلمانوں کے ملک میں برابر ہوکر رہیں بلکہ اگر رہیں تو ذمی ہوکر رہیں اور وہ ہمارے ملک میں اپنے دین کی اشاعت نہ کرسکیں نہ کسی مسلمان کو اپنے مذہب میں لے سکیں بلکہ صرف خود آزاد ہیں اور بس۔

۲؎ اس فرمان شریف کے بھی دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ اگر کوئی ذمی اداء جزیہ سے پہلے مسلمان ہوجائے تو اس سے جزیہ وصول نہ کیا جائے نہ آئندہ لیا جائے کیونکہ اب یہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں۔دوسرے یہ کہ کوئی مسلمان کفار کے ملک میں جزیہ دے کر ذلیل ہوکر نہ رہے۔مسلمان پر جزیہ کیسا عزت اللہ رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔خیال رہے کہ اگر کافر غلام مسلمان ہوجائے تو آزاد نہ ہوجائے گا غلام ہی رہے گا،یونہی جس کافر کی زمین پر خراج لگ گیا اگر وہ مسلمان نے خریدلی تو اس پر خراج ہی رہے گا مگر جزیہ کا حکم جداگانہ ہے۔اس کی پوری بحث اس جگہ مرقات اور کتب فقہ میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید کو دومہ والے اکیدر کی طرف بھیجا ۱؎ تو مسلمانوں نے اسے گرفتار کرلیا اسے لے آئے تو حضور نے اس کا خون محفوظ فرمادیا اور اس سے جزیہ پر صلح فرمالی ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎دومہ شام کی ایک بستی ہے جو تبوک سے قریب ہے اور اکیدر وہاں کے بادشاہ کا نام تھا جو عیسائی تھاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا اور حضرت خالد سے فرمادیا کہ تم اکیدر کو شکار کرتے پاؤ گے جو گورخر کا شکار کرتا ہوگا۔چنانچہ وہ اور اس کا بھائی حسان دونوں چاندنی رات میں شکار کرتے پکڑ لیے گئے حسان کو قتل کردیا گیا اور اکیدر کو مدینہ منورہ حاضر کیا گیاحضور نے اکیدر کے قتل سے منع فرمادیا۔(مرقات)
۲؎پھر بعد میں اکیدر نہایت مخلص مسلمان ہوگئے رضی اللہ عنہ۔(اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حرب ابن عبیداللہ سے وہ نانا سے راوی وہ اپنے والد سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر صرف یہودیوں اور عیسائیوں پر ہی ہے اور مسلمانوں پر عشر نہیں ۲؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎حرب ابن عبید اللہ ثقفی ہیں،تابعی ہیں،ان کے نانا اور نانا کے والد کے نام میں بہت اختلاف ہے۔
۲؎یہاں عشر سے مراد پیداوار کا عشر (دسواں حصہ)نہیں کہ وہ تو مسلمان پر واجب ہے بلکہ اس سے مراد تجارتی مال کا ٹیکس (چونگی)کا محصول ہے،اگر کفار ہمارے مسلمان تاجروں سے چونگی محصول دسواں حصہ لیتے ہوں گے تو ہم بھی ان سے یہ محصول اتنا ہی لیں گے اور اگر وہ ہم سے کم و بیش لیتے ہوں گے تو ہم بھی ان کے تاجروں سے اتنا ہی لیں گے،اگر وہ ہم سے کچھ نہ لیتے ہوں گے تو ہم بھی ان سے کچھ نہ لیں گے،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔(اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کسی قوم پر گزرتے ہیں تو وہ نہ تو ہماری مہمانی کرتے ہیں اور نہ ہم کو وہ حق دیتے ہیں جو ہمارا ان پر ہے اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ کسی طرح نہ مانیں بجز اس کے کہ تم ان سے جبرًا وصول کرو تو لے لو ۱؎ (ترمذی)

۱؎اس سوال و جواب میں ان ذمی کفار کی طرف اشارہ ہے جن سے صلح میں یہ شرط لگائی جاتی تھی کہ اگر تمہاری بستیوں پر ہماری غازی فوج گزرے تو تم ان کو راشن یا دعوت دینا اس شرط پر کہ ان پر اسلامی فوج کی یہ دعوت لازم تھی،اگر وہ یہ شرط پوری نہ کریں تو فوج کو اجازت تھی کہ ان سے جبرًا اپنا یہ حق وصول کرلے،اگر یہ شرط نہ ہو تو ذمی سے جبرًا دعوت لینا ہرگز جائز نہیں مگر اضطرار شرعی کی صورت میں جب کہ بھوک سے جان پر بن جائے اور بجز اس کے اور کوئی صورت نہ ہوتو جائز ہے۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے اسلم سے [1] کہ حضرت عمرابن خطاب نے سونے والے پر جزیہ چار اشرفیاں مقرر فرمائیں [2] اور چاندی والوں پر چالیس درہم اس کے ساتھ مسلمانوں کا کھانا یعنی تین دن کی مہمانی [3] (مالک)

[1] آپ کا نام اسلم ہے،کنیت ابو خالد ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، حبشی تھے، حضرت عمر نے آپ کو ۱۱ھ میں خریدا،بڑے متقی تابعی ہیں، مروان کی حکومت میں وفات پائی،ایک سو چودہ سال عمر ہوئی۔

[2] سونے والوں سے مراد یا تو سونے کے تاجر ہیں یا وہ لوگ جن کو سونا دینا آسان ہو ان پر سالانہ چار اشرفیاں اور ششماہی دو اشرفیاں لازم ہیں۔

[3] تین دن کی مہمانی تفسیر ہے مسلمانوں کے کھانے کی یعنی ان پر مذکورہ جزیہ بھی مقرر ہوا اور یہ بھی کہ جب اسلامی لشکر یا اور کوئی مسلمان انکی بستی سے گزریں تو انہیں تین دن دعوت دیں،یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ اگر تم کو مہمانی نہ دیں تو جبرًا لے لو۔

خاتمہ: جزیہ کے متعلق چند امور خیال میں رہیں۔ایک یہ کہ عجمی کفار پر جزیہ ہے خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب یا مجوس۔دوسرے یہ کہ مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہاں کے اہل کتاب سے جزیہ ہوگا،مشرکین عرب کے لیے یا اسلام یا قتل مگر شوافع کے ہاں صرف اہل کتاب و مجوس سے جزیہ لیا جائے گا،مشرکین سے مطلقًا نہ لیا جائے گا۔تیسرے یہ کہ مرتد مرد سے جزیہ نہ لیا جائے گا،اس کے لیے یا قتل ہے یا اسلام۔رب فرماتا ہے:"تُقٰتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ"۔چوتھے یہ کہ مرتدین کی بیوی بچے جو مرتد ہوجائیں قتل نہ کیے جائیں گے غلام بنالیے جائیں گے۔چنانچہ حضرت صدیق اکبر نے مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والے بنی حنیفہ پر جہاد کیا ان کی عورتیں بچے غلام لونڈی بنائے۔چنانچہ خولہ بنت جعفر حنفیہ حضرت علی کو دی گئیں جن سے محمد ابن حنفیہ پیدا ہوئے۔(مرقات)

باب الصلح

صلح کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صلح و صلاح بھی بمعنی درستی و مصالحت ہے،اس کا مقابل فساد ہے بمعنی لڑائی و جھگڑا۔حربی کفار سے صلح جائز ہے بشرطیکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں کفار مکہ سے مقام حدیبیہ میں صلح فرمائی جس میں منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک ہم سے تم سے جنگ نہ ہو مگر کفار مکہ نے اس صلح نامہ کی ایک شرط توڑ دی کہ انہوں نے اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کی حضور کے حلیف بنی خزاعہ کے مقابل اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کرکے مکہ معظّمہ فتح فرمایا۔

	روایت ہے مسور ابن مخرمہ سے اور مروان ابن حکم سے ۱؎ دونوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال چند اور دس سو صحابہ کی جماعت میں تشریف لے گئے ۲؎ تو جب ذوالحلیفہ پہنچے تو ہدی کو ہار پہنایا اور اشعار کیا ۳؎ اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور چلے حتی کہ جب اس پہاڑی پر پہنچے جہاں سے مکہ والوں پر اترا جاتا ہے ۴؎ تو آپ کو لے کر آپ کی سواری بیٹھ گئی تو لوگ بولے اٹھ اٹھ قصواء اڑیل ہوگئی قصواء اڑیل ہوگئی ۵؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصواء اڑیل نہیں ہوگئی نہ اس کی یہ عادت ہے لیکن اسے ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک لیا ۶؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ مجھ سے کوئی مطالبہ ایسا نہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کریں گے مگر میں انہیں دے دوں گا ۷؎ پھر اسے ڈانٹا تو وہ کود کر اٹھی پھر حضور نے ان سے عدول فرمایا ۸؎ حتی کہ حدیبیہ کے کنارہ اترے تھوڑے پانی والی جگہ پر کہ وہاں سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی لیتے تھے ۹؎ تو نہ چھوڑا اسے لوگوں

نے حتی کہ اسے خشک کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی ١٠؎ تو حضور نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا پھر انہیں حکم دیا کہ یہ اس کنوئیں میں ڈال دیں ١١؎ تو اللہ کی قسم وہ کنواں پانی سے جوش مارتا رہا حتی کہ وہ لوگ وہاں سے لوٹ گئے ١٢؎ وہ اس حال میں تھے کہ بدیل ابن ورقاء خزاعی خزاعہ کی ایک جماعت حضور کے پاس آئی ١٣؎ پھر آپ کے پاس عروہ ابن مسعود آیا ١٤؎ حدیث پوری بیان کی یہاں تک کہا کہ جب سہیل ابن عمرو آیا ١٥؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد نے فیصلہ فرمایا ١٦؎ تو سہیل بولا خدا کی قسم اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے نہ آپ سے جنگ کرتے لیکن آپ یوں لکھیں محمد ابن عبداللہ ١٧؎ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ میں رسول اللہ ہوں اور اگر تم جھٹلاتے ہی ہو تو لکھ لو محمد ابن عبداللہ ١٨؎ پھر سہیل بولا کہ اس شرط پر صلح ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس نہ آوے اگرچہ آپ کے دین پر ہو مگر آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں ١٩؎ جب لکھت پڑھت کے جھگڑے سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اصحاب سے قربانیاں کرو پھر سر منڈواؤ ٢٠؎ پھر کچھ عورتیں مؤمنہ آئیں تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری،اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کرکے آئیں الخ،چنانچہ انہیں اللہ تعالٰی نے ان عورتوں کے واپس کرنے سے منع فرمادیا ٢١؎ اور یہ حکم دیا کہ ان کے مہر واپس کردیں ٢٢؎ پھر حضور مدینہ واپس ہوئے تو آپ کی خدمت میں ایک قرشی شخص ابو بصیر مسلمان ہوکر آئے ٢٣؎ مکہ والوں نے ان کے طلب کے لیے دو شخص بھیجے حضور نے انہیں ان دو شخصوں کے حوالہ کردیا وہ

	انہیں لے کر نکلے حتی کہ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو اپنی کھجوریں کھانے کے لیے اترے۲۴ تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا اے فلاں خدا کی قسم میں تیری اس تلوار کو بہت ہی اچھی دیکھ رہا ہوں مجھے دکھا تو میں اسے دیکھوں اس نے انہیں تلوار پر قابو دے دیا انہوں نے اسے مار دیا حتی کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا اور دوسرا بھاگ گیا ۲۵ حتی کہ مدینہ پہنچا دوڑتا ہوا مسجد میں آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اس نے کوئی سخت ڈر دیکھا ہے ۲۶ وہ بولا واللہ میرا ساتھی تو قتل کردیا گیا اور میں بھی قتل ہوجاؤں گا۲۷ اتنے میں ابوبصیر آگئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ماں کی خرابی ہے ۲۸ اگر اس کا کوئی مددگار ہو تو یہ جنگ بھڑکاوے۲۹ انہوں نے جب یہ سنا تو پہچان گئے کہ حضور انہیں مکہ والوں کے حوالہ کردیں گے۳۰ تو یہ نکل کھڑے ہوئے حتی کہ سمندر کنارہ آگئے ۳۱ فرماتے ہیں کہ ادھر ابوجندل ابن سہیل چھوٹ گئے تو ابوبصیر سے مل گئے ۳۲ پھر قریش کا کوئی آدمی جو مسلمان ہوجاتا وہ نہ نکلتا مگر ابوبصیر سے مل جاتا ۳۳ تاآنکہ ان کی ایک جماعت جمع ہوگئی پھر تو خدا کی قسم یہ لوگ نہ سنتے قریش کے کسی قافلہ کو جو شام کی طرف نکلتا مگر یہ اس کے آڑ ہوتے انہیں قتل کردیتے اور ان کے مال لے لیتے ۳۴ تب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا جس میں وہ حضور کو اللہ تعالٰی کی قسم قرابت داری کا واسطہ دینے لگے کہ حضور انہیں بلا بھیجیں اب جو آپ کے پاس آئے اسے امان ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا ۳۵ (بخاری)

۱ مروان ابن حکم قرشی اموی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا مگر حضور کی زیارت نہ کرسکا لہذا صحابی نہیں کیونکہ حضور انور نے اس کے باپ حکم کو مدینہ منورہ سے شہر بدر فرماکر طائف بھیج دیا۔مروان اس کے ساتھ گیا اس کے کچھ حالات باب الاسراء کی پہلی فصل میں گزر چکے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۶ھ دو شنبہ کے دن بقصد عمرہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور حدیبیہ میں فروکش ہوئے۔حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے اسی نام سے وہ میدان مشہور ہوگیا جس میں یہ کنواں ہے۔یہ جگہ جدہ مکہ معظّمہ کے درمیان ہے مکہ معظّمہ سے قریب ہے اس کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے بعض حصہ حل میں،مکہ معظّمہ سے قریبًا بارہ میل عربی پر واقعہ ہے یا نو میل۔اس سال کا نام سال حدیبیہ ہے کیونکہ اس سال میں صلح حدیبیہ کا واقعہ ہوا۔عربی میں لفظ **بضع** تین سے نو تک کی اکائیوں کو کہتے ہیں۔اس میں شرکت کرنے والے صحابہ چودہ یا پندرہ سو تھے۔حضور چودہ سو کی جماعت لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے راستہ میں اور لوگ ملتے رہے۔حدیبیہ پہنچتے پہنچتے پندرہ سو ہوگئے۔(اشعہ) اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا کو اپنا نائب مقرر فرما گئے۔

۳؎ ذوالحلیفہ وہ ہی جگہ ہے جسے بیر علی کہا جاتا ہے،یہ مدینہ منورہ سے جانب مکہ معظّمہ تین میل کے فاصلے پر ہے یہ مدینہ والوں کا میقات یعنی احرام کی جگہ ہے جیساکہ حج کے بیان میں گزرچکا۔تقلید کے معنی ہیں ہدی جانور کے گلے میں جوتے یا کسی اور چیز کو مضبوط رسی میں باندھ کر جانور کے گلے میں ہار کی طرح ڈال دینا۔ اشعار کے معنی ہیں اونٹ کے کوہان کے داہنے یا بائیں حصے میں نیزہ مارکر کوہان کو لیپ دینا،یہ دونوں عمل بطور نشانی ہدی میں کیے جاتے ہیں اس کی بحث باب حج میں گزرگئی۔

۴؎ **ثنیہ** اس پہاڑی کو کہتے ہیں جس میں راستہ ہوجہاں سے گزر کر دوسری جانب پہنچا جائے یعنی آپ قریب مکہ معظّمہ پہنچے کہ اس پہاڑی کو عبور فرماکر مکہ معظّمہ داخل ہوجاتے۔

۵؎ **قصواء** کے معنی ہیں کان کٹی ہوئی اونٹنی حضور کی اونٹنی کان کٹی ہوئی نہ تھی یہ اس کا نام تھا۔مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام سمجھے کہ آج قصواء میں اڑ جانے کا عیب پیدا ہوگیا۔

۶؎ یعنی قصواء نہ تو پہلے اڑیل تھی نہ آج ہے۔اسے رب تعالٰی نے روک لیا جیسے کہ ہاتھی والوں کو روک لیا تھا۔مقصد یہ ہے کہ حرم شریف میں بے وقت جنگ اور کشت و خون نہ ہو۔خیال رہے کہ جب **ابرہہ** بادشاہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی تو جب ذوالمجاز پہنچا تو اس کا ہاتھی مکہ معظّمہ کیطرف نہ چل سکاجب اسے اور طرف چلاتے چل پڑتاادھر چلاتے نہ چلتا۔اس فرمان عالی کا اسی طرف اشارہ ہےذوالمجاز عرفات سے ایک میل دور بازار تھا۔

۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب صحابہ کرام کو گواہ بنا کر یہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ مقصد جنگ نہیں حتی الامکان ہم جنگ سے گریز کریں گے اور کفار مکہ کی ہر وہ شرط مان لیں گے جس میں حرم الٰہی کی اہانت نہ ہو یہ فرمان عالی آئندہ صلح کی تمہید تھا۔

۸؎ یعنی اس راستہ پر تشریف نہ لے گئے جدھر سے عام لوگ مکہ معظّمہ جاتے ہیں اور جدھر کفار مکہ کا اجتماع تھا بلکہ دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔خیال رہے کہ حضور انور کو غدیر اشطاط پر خبر مل گئی تھی کہ قریش ہمارے روکنے کے لیے اسی طرف جمع ہیں۔

۹؎ **ثمد** ث اور میم کے فتحہ سے بمعنی تھوڑا پانی۔یہاں وہ جگہ مراد ہے جہاں تھوڑا پانی ہو کیونکہ آگے تھوڑے پانی کا ذکر آرہا ہے۔(مرقات و اشعہ)

۱۰؎ یعنی عرض کیا یارسول اللہ پیاس ہے پانی کی ضرورت ہے اور کنواں خشک ہوگیا۔معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ سکتے ہیں،جب حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی اور پالی تو اور چیزوں کی کیا حقیقت ہے،حضور خزائن اللہ کے مالک ہیں۔

۱۱؎ سبحان اللہ! اس تیر کو کنوئیں میں ڈلوانے سے اشارۃً سمجھایا کہ جس چیز کو ہمارا ہاتھ لگ جائے اس کے ذریعہ بھی نعمت الٰہیہ مل جاتی ہیں یہ پانی میں برکت دے دینا تیر کا کمال نہ تھا کمال اس ہاتھ پاک کا تھا جس سے تیر مس ہوا۔(مرقات)اولیاءاللہ حضور کی نگاہ کرم سے قدرت کا تیر ہیں،ان کی نگاہ کرم سے تقدیریں پلٹ جاتی ہیں،میاں محمد قدس سرہ فرماتے ہیں۔شعر

ہر مشکل دی کنجی یار ہتھ مرداں دے آئی مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

دردمنداں دے دردنہ چھوڑن اوگن دے گن کردے کامل لوگ محمد بخشا لعل بنان پتھردے

۱۲؎ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کنواں بعد میں خشک ہوگیا۔مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام اسے جوش مارتا چھوڑ آئے۔

۱۳؎ خزاعہ ازد کے ایک محلّہ کا نام ہے،یہاں کے لوگ خزاعی کہلاتے ہیں،یہ لوگ اپنا یہ مقام چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے تھے،یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت خیر خواہ تھے،یہ بدیل مع اپنے بیٹے عبداللہ کے فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئے۔(اشعہ)

۱۴؎ یہ صاحب ثقفی ہیں ۹ھ میں غزوہ طائف کے بعد ایمان لائے۔(اشعہ)

۱۵؎ سہیل ابن عمرو سرداران قریش سے تھے،غزوہ بدر میں قیدی ہوکر مدینہ منورہ آئے،حضرت عمر نے عرض کی یارسول اللہ ان کے دانت توڑ ڈالیے کہ اب اس منہ سے آپ کی بدگوئی کرتے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس کا انجام اچھا ہوگا۔چنانچہ یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگئے اور حضور کی وفات کے بعد جب بعض مکہ والے مرتد ہونے لگے تو آپ نے ان کو نہایت اچھے طریقے سے ارتداد سے روکا اور حضور کی خبرغیب و پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی،آج جب سہیل آئے تو حضور نے فرمایا ان شاءاللہ کام سہل و آسان ہوگیا،چنانچہ سہیل نے صلح نامہ لکھوایا۔

۱۶؎ یہ فرمان عالی حضرت علی سے ہے کیونکہ صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔صالح باب مفاعلہ سے ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے نے آپس میں صلح کی۔(مرقات)حضور انور نے فرمایا تھا اے علی لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم تو سہیل بولے اس بسم اللہ کو ہم نہیں جانتے آپ وہ ہی بسم اللہ لکھیں۔باسمك اللھم حضور نے فرمایا اچھا اے علی یوں ہی لکھو پھر یہ فرمایا جو یہاں مذکور ہے۔(مرقات)

۱۷؎ یعنی چونکہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے اس لیے اس صلح نامہ میں یہ نہ لکھنے دیں گے وہ لکھوائیں گے جس پر ہم اور آپ متفق ہیں یعنی محمد ابن عبداللہ لکھئے(صلی اللہ علیہ وسلم) اکتب کا مطلب یہ ہے کہ آپ جناب علی کو یہ لکھنے کا حکم دیجئے کیونکہ وکیل کا کام خود مؤکل کا کام ہوتا ہے۔

۱۸؎ چنانچہ حضور انور نے حضرت علی کو حکم دیا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹاکر ابن عبداللہ لکھ دو،حضرت علی نے عرض کیا قسم خدا کی میں اس لفظ کو نہ مٹاؤں گا۔چنانچہ حضور انور نے صلح نامہ خود اپنے دستِ اقدس میں لے کر وہ لفظ مٹاکر اپنے دستِ اقدس سے لکھاابن عبداللہ۔(مرقات،بخاری وغیرہ)یہاں تین چیزیں یاد رکھو:ایک یہ کہ حضور انور کا خود لکھنا معجزہ ہے کیونکہ حضور انور نے لکھنا نہ تو سیکھا تھا نہ کبھی لکھا تھا۔قرآن کریم فرماتاہے:"وَ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ"قرآن کریم نے لکھنے کی عادت کا انکار فرمایااور یہاں لکھنا بطور معجزہ کا ثبوت ہے۔اس کی مکمل بحث یہاں مرقات میں دیکھو۔دوسرے حضرت علی کے بازوؤں میں یہ طاقت ہے کہ خیبر کا دروازہ اکھیڑ لیں مگر بازو حیدری میں حضور انور کے نام کو کاٹنے کی طاقت نہیں،کیوں ہو وہ نام بلند کرنے والے ہیں نہ کہ کاٹنے والے۔تیسرے یہ کہ حضرت علی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تبدیلی پر کوئی معذرت نہ کی حضور کے لقب شریف کی تبدیلی پر معذرت کردی پتہ لگاکہ شعر

ادب گاہےاست زیرآسماں ازعرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید اینجا

باخدا دیوانہ وبامصطفٰی ہوشیار باش۔عقیدۂ نبوت عقیدۂ الوہیت سے زیادہ نازک تر ہے،جناب علی کے اس ادب پر ہمارے جان و مال قربان رضی اللہ عنہ۔

۱۹؎ یعنی صلح نامہ میں بہت سی شرائط لکھی گئیں منجملہ ان کے ایک شرط تو یہ تھی کہ جو مکہ والا مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے اسے آپ مدینہ منورہ میں نہ رکھیں ہم کو واپس کردیں اور چند شرائط اس کے علاوہ تھیں جو اپنے موقعہ پر ذکر کی جائیں گی۔

۲۰؎ اور فریقین کے دستخط صلح نامہ پر ہوگئے۔اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعہ پرخصوصًا جب کہ حرم شریف کا احترام اور مسلمانوں کے خون کا مسئلہ درپیش ہو۔ہر وہ جائز شرط قبول کرلینا جائز ہے جس میں شرعًا کوئی حرج نہ ہو اور بڑا فساد رک جاتا ہو کیونکہ شریعت میں یہ دونوں تحریریں باسمك اللھم اور محمد ابن عبداللہ لکھنا حرام نہیں اور اس تحریر میں مصلحت تھی۔

۲۱؎ اسے شریعت میں کہتے ہیں دم احصار کہ جو کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے پھر حج و عمرہ نہ کرسکے تو وہ وہاں ہی احرام کھول دے اور جانور ذبح کرے۔اس دم احصار کے لیے امام اعظم کے نزدیک حرم میں ذبح ہونا شرط ہے،امام شافعی کے ہاں حل میں بھی ذبح ہوسکتا ہے۔حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں داخل ہے یہ ذبح اسی حصہ میں ہوا۔چونکہ اس صلح نامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ آپ اس وقت بغیر عمرہ کیے واپس جائیں سال آئندہ اسی مہینہ ذی قعدہ میں تشریف لائیں عمرہ کریں اور مکہ معظّمہ میں تین دن قیام فرمائیں اس لیے احصار(یعنی رکاوٹ)پالی گئی اور وہاں ہی احرام کھول دیا گیا،دم احصار کے متعلق مذہب حنفیہ قوی ہے کہ اس کی تائید رب تعالٰی کے اس فرمان سے ہوتی ہے"وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ"اور دوسری جگہ فرماتاہے:"هَدْیًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ"یہاں کعبہ سے مراد مکہ ہے۔

۲۲؎یعنی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظّمہ سے کچھ عورتیں مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئیں تو ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان عورتوں کو واپس لو ٹانے سے منع فرمادیا گیا۔خیال رہے کہ صلح نامہ جو حدیبیہ میں لکھا گیا اس کی تحریر یہ تھی لا یاتیك رجل الا رددته ہمارا جو رجل آپ کے پاس آئے اسے آپ واپس کردیں۔رجل مرد کو کہتے ہیں جس میں عورتیں داخل نہیں۔جن روایات میں بجائے رجل کے احد ہے وہاں روایت بالمعنی ہیں۔راوی نے بجائے رجل کے احد کی روایت کردی۔بعض نے فرمایا کہ صلح مردو عورت دونوں کے متعلق تھی مگر اس آیت سے وہ شرط عورتوں کے حق میں منسوخ ہوگئی مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

۲۳؎یعنی جو شادی شدہ مشرکہ کافرہ عورتیں مسلمان ہوکر آئیں تو تم ان کے مہران کے خاوندوں کو پھیردو اور اگر کنواری لڑکیاں ہوں یا شادی شدہ عورتو ں نے مہر اپنے خاوندوں سے لیے نہ ہوں تو کسی چیز کی واپسی کی ضرورت نہیں۔اس لیے معلوم ہوا کہ اگر کافرہ عورت مسلمان ہوکر دارالاسلام میں آئے تو وہ اپنے کافر خاوند کے نکاح سے نکل جائے گی اور اب نکاح ثانی کے لیے عدت واجب نہ ہوگی۔صرف استبراء کے لیے ایک حیض دیکھا جائے گا۔بعض علماء نے فرمایا کہ مہر بھیجنے کا حکم منسوخ۔عطاء،قتادہ اور مجاہد کا یہ ہی فرمان ہے بعض کے نزدیک یہ حکم باقی ہے۔تفسیر مدارک نے منسوخ مانا،دیکھو تفسیر مدارک اور مرقات۔

۲۴؎ان کا نام عتبہ ابن اسید ہے،ثقفی ہیں،صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات شریفہ میں ہی فوت ہوگئے۔

۲۵؎ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے تین میل فاصلہ پر جانب مکہ معظّمہ ایک منزل ہے جسے اب بیر علی کہا جاتا ہے،یہ اہل مدینہ کا میقات ہے اب وہاں بڑی آبادی ہے۔

۲۶؎خیال رہے کہ یہ دونوں کافر حربی تھے اور ابوبصیر مسلمان اور کافر حربی کو ہر طرح حیلے بہانے سے قتل کردینا جائز ہے اسی لیے ابوبصیر پر قصاص یا اور کوئی کفارہ لازم نہ ہوا۔

۲۷؎ذعر ذال کے پیش ع کے جزم سے بمعنی خوف و ڈر اس کی تنوین تعظیم کی ہے تو معنی ہوئے سخت ڈرو خوف و ہراس۔(مرقات و اشعہ)

۲۸؎کیونکہ ابوبصیر ننگی تلوار لیے ابھی میرے پیچھے آرہے ہیں مجھے چھوڑیں گے نہیں۔

۲۹؎یہ کلمہ یعنی ویل امه تعجب اور ناراضگی کے موقعہ پر بولا جاتا ہے یہاں تعجب کے لیے ہے اور تعجب ابوبصیر کی جرأت و تدبیر پر ہے جو انہوں نے اپنے چھٹکارے کے لیے کی ہے کہ حضور انور کا عہد بھی قائم رہا اور وہ چھوٹ بھی گئے۔

۳۰؎اس جملہ کے بہت معانی کیے گئے ہیں ہم نے جو معنی کیے ہیں بہت واضح ہیں یعنی مسعر حرب جزا مقدم ہے اور لو کان الخ شرط مؤخر اور لو کی جزا شرط سے پہلے آسکتی ہے۔بعض نے لو کی جزاء پوشیدہ مانی ہے اور اسے علیحدہ جملہ بنایا ہے۔مسعر سعار سے اسم آلہ ہے جو سعرت النار سے بنا ہے بمعنی آگ دھونکنے کا آلہ۔جنگ کو آگ سے تشبیہ دی گئی اور ابوبصیر کو دھونکنی قرار دیا گیا اور ہوسکتا ہے کہ باب افعال کا اسم فاعل ہو یعنی اگر کوئی بھی اسے مددگار مل جائے تو یہ مکہ والوں سے کار زار کا بازار گرم کردے۔

۳۱؎ یعنی ابو بصیر اس فرمان عالی سے سمجھ گئے کہ اگر میں مدینہ منورہ میں ٹھہرا تو کفار مکہ پھر مجھے پکڑنے کے لیے آجائیں گے اور حضور انور مجھے ان کے حوالہ کردیں گے اور اب میں مکہ پہنچ کر قتل کردیا جاؤں گا کیونکہ میں نے ان کا ایک آدمی مار دیا ہے۔

۳۲؎ یہ وہ مقام تھا جہاں سے کفار مکہ کے تجارتی قافلے گزرا کرتے تھے۔

۳۳؎ یہ ابوجندل ابن سہیل ابن عمرو وہ ہی ہیں جو مکہ معظّمہ میں ایمان لے آئے تھے،اس پر ان کے باپ نے انہیں قید کردیا تھا اور جب ان کے باپ سہیل ابن عمرو حضور سے صلح نامہ لکھوارہے تھے تو یہ مسلمان کے پاس پہنچ گئے تھے اور پھر مکہ معظّمہ واپس کردیئے گئے تھے اور پھر وہاں قید کردیئے گئے تھے،انہوں نے اسلام کی خاطر بہت مصیبتیں برداشت کی تھیں۔اب یہ کسی صورت سے چھوٹے تو بجائے مدینہ منورہ آنے کے سیف البحر پر ابوبصیر کے پاس پہنچ گئے۔

۳۴؎ کیونکہ مکہ معظّمہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ مدینہ منورہ سے ہم واپس کردیئے جائیں گے مطابق صلح نامہ کے اس لیے بجائے مدینہ منورہ آنے کے وہاں جانے لگے۔

۳۵؎ کیونکہ یہ جگہ مکہ معظّمہ اور شام کے درمیان واقع ہے،اہل مکہ کا گزارہ اسی شام کی تجارت پر تھااس لیے یہ لوگ اس طرف سفر پر مجبور تھے۔

۳۶؎ یہ حضور کی پہلی فتح تھی جو آپ کو اللہ نے کفار پر عطا فرمائی کہ کفار مکہ نے خود ہی اپنی شرط توڑ دی اور حضور کی خوشامد کرکے اس شرط کے توڑنے کی درخواست کی۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین چیزوں پر صلح فرمائی ۱؎ اس چیز پر کہ آپ کے پاس کفار میں سے جو آوے اسے ان کی طرف لوٹا دیں ۲؎ اور مسلمانوں میں سے جو کوئی ان کے پاس پہنچے اسے وہ نہ لوٹائیں اور اس پر کہ سال آئندہ آپ مکہ آئیں ۳؎ اور وہاں تین دن قیام کریں اور وہاں نہ آویں مگر ہتھیار تلوار کمان وغیرہ ڈھکے ہوئے ۴؎ تو آپ کے پاس ابوجندل اپنی قیدیوں میں گھستے ہوئے آئے تو آپ نے انہیں کفار کی طرف واپس کردیا ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ تقریبی تین شرطیں مراد ہیں ورنہ ان کے علاوہ اور شرطیں بھی تھیں مثلًا یہ کہ دس سال تک ہماری آپ کی جنگ نہ ہوگی اور یہ کہ اگر ہمارے آپ کے حلیف آپس میں لڑیں تو آپ اور ہم غیر جانبدار رہیں کہ نہ تو آپ اپنے حلیف کی مدد کریں نہ ہم اپنے حلیف کی مدد کریں۔

۲؎ یہ شرط مسلمانوں کی کمزوری کی بنا پر قبول نہ کی گئی تھی بلکہ حرم شریف کے احترام کے طور پر ورنہ مسلمان اس وقت بفضلہٖ تعالٰی بہت طاقتور تھے،چاہتے یہ تھے کہ حرم کی زمین میں خونریزی نہ ہو ورنہ اب مسلمان بادشاہ یہ شرط قبول نہ کرے گا۔(مرقات)

۳؎ یہ شرط اس لیے لگائی تھی کہ وہ اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کرلینے میں اپنی توہین سمجھتے تھے کہ لوگ کہیں گے کفار مکہ دب گئے اور مسلمانوں کو عمرہ کی اجات دے دی۔

۴؎ کیونکہ اس زمانہ میں بند تلوار صلح کی علامت تھی اور ننگی تلوار جنگ کی پہچان تھی اس لیے ان لوگوں نے یہ قید لگائی۔

۵؎ اگرچہ ابوجندل کی آمد صلح نامہ کی تحریر کے دوران میں تھی اور صلح نامہ کا اجراء تکمیل کے بعد ہوتا ہے مگر سہیل نے ضد کی کہ اگر آپ اسے واپس نہ کرتے تو میں صلح نہیں کرتا اس کی ضد کی بنا پر انہیں واپس کیا گیا جیساکہ بخاری شریف وغیرہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شرط لگائی کہ تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اسے ہم تم کو واپس نہ دیں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس جائے گا آپ اسے ہم پر لوٹا دیں گے ۱؎ تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ یہ لکھ رہے ہیں ۲؎ فرمایا ہاں جو ہم میں سے ان کے پاس جاوے تو اسے اللہ نے دور کردیا ۳؎ اور ان میں سے ہمارے پاس آوے گا تو اللہ اس کے لیے راستہ اور گنجائش کردے گا ۴؎ (مسلم)	

۱؎ اس کی شرح ابھی گزرچکی کہ جو کافر مکہ معظّمہ سے مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے اسے آپ مکہ لوٹا دیں اور جو مسلمان مرتد ہوکر مکہ معظّمہ آئے اسے ہم مدینہ منورہ واپس نہ کریں گے اپنے ہاں ہی رکھ لیں گے۔آنے سے مراد اپنا دین چھوڑکر وہاں بسنے کے لیے آنا ہے۔

۲؎ یہ سوال تعجب کے لیے ہے ان حضرات کو دو وجہ سے تعجب ہوا:ایک یہ کہ یہ شرط قبول کرنا بظاہر کفار سے انتہائی دبنا ہے حالانکہ ہم اس وقت پندرہ سو جوان ہیں،غزوہ بدر میں ہم نے تین سو تیرہ ہوکر کفار پر فتح پالی تھی تو دبنے کی کیا وجہ۔دوسرے یہ کہ کافر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے اسے مکہ واپس بھیجنا گویا اس کے مرتد ہوجانے کی راہ کھول دینا ہے کیونکہ مکہ واپس جاکر اس کا مسلمان رہنا مشکل ہے مگر اس شرط کی مصلحتیں بعد کے واقعات نے ظاہر کردیں حضور جیسا سیاست دان نہ پیدا ہوا نہ پیدا ہوگا۔یہ تو صحابہ کرام کی انتہائی وفاداری تھی کہ ایسی شرطیں دیکھتے رہے اور سرتابی نہ کی۔اگر یہاں اصحاب موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو بغاوت کردیتے جیسے حضور انور تمام نبیوں کے سردار ہیں ویسے ہی حضور کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ کے سردار ہیں۔

۳؎ یعنی جو مسلمان مرتد ہوجائے اس کا مدینہ منورہ میں رہنا خطرناک ہے اسے مکہ معظّمہ بھیج دینا ہی مفید ہے۔گلا ہوا عضو جسم سے علیٰحدہ ہوجانا ہی اچھا ہے۔

۴؎ یعنی جو کافر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آجائے اور ہم اسے واپس کردیں تو وہ مکہ معظّمہ پہنچ کر مرتد نہ ہوگا بلکہ اسلام کا مبلغ ہوکر اور مکہ والوں کو مسلمان بنائے گا جسے ہم نگاہ بھر کر دیکھ لیں وہ کہاں جاسکتا ہے۔شعر

تو جو للکار دے آتا ہوا الٹا پھر جائے　　تو جو چمکار دے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا

اس کے ساتھ ہی ان شاءاللہ وہ مکہ والوں کے ہاتھ ہلاک نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے گا۔اس کے لیے کوئی راہ نکال دے گا۔اس نے تو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گود میں پرورش کرادیا۔وہ فرعون جس نے موسیٰ علیہ السلام کو روکنے کے لیے اسی ہزار بچے ذبح کرائے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غیبی خبر ہی پوری ہوئی جیساکہ احادیث سے وتواریخ سے ثابت ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے آپ عورتوں کی بیعت کے متعلق فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اس آیت سے امتحان لیتے تھےاے نبی!جب آپ کے پاس مؤمنہ عورتیں بیعت کرنے آئیں،الخ تو ان میں سے جو بی بی اس شرط کا اقرار کرلیتی اس سے حضور فرماتے کہ میں نے تمہیں بیعت کرلیا اس کلام سے جو آپ اس سے کرتے اللہ کی قسم بیعت میں حضور کا ہاتھ مبارک کسی عورت سے نہ چھوا۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے بیعت لیتے تو مصافحہ فرماکر بیعت لیتے مگر عورتوں سے کبھی مصافحہ نہ فرماتے صرف کلام سے بیعت فرماتے کیونکہ غیر عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے خواہ پیر ہو یا عالم یا شیخ یا کوئی اور۔حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط مؤمنہ مہاجرہ ہو کر مدینہ منورہ آئیں،کنواری تھیں،ان کے اہل نے انہیں بلایا حضور انور نے واپس فرمانے سے انکارکردیااور اس طرح ان سے بیعت لی۔بہرحال مشائخ کو چاہیے کہ عورتوں سے اس طرح بیعت لیا کریں۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے مسور اور مروان سے کہ مسلمانوں نے دس سال تک جنگ بند رہنے پر صلح کی ان سالوں میں لوگ امن سے رہیں۱؎ اور اس شرط پر کہ ہمارے درمیان بند صندوق ہو۲؎ اور یہ کہ نہ تلوار سونتنا ہو نہ زرہ پہننا	

۳؎(ابوداؤد)	

۱؎مگر اس شرط کے باوجود فتح مکہ دو سال بعد ہی ہوگئی کیونکہ مشرکین نے اس صلح نامہ کی دو شرطیں خود توڑ دیں اور جب صلح نامہ کی ایک شرط بھی ٹوٹ جائے تو کُل شرطیں ٹوٹ جاتی ہیں۔

۲؎**عیبه** چمڑے وغیرہ کا وہ بقیہ یا صندوق جس میں نفیس کپڑے رکھے جائیں۔**مکفوفه** بنا ہے **کف** سے یعنی روکنا یعنی کھلنے سے روکنا(مضبوطی سے بندومقفل)یعنی ان دس سال میں ہمارے آپ کے درمیان جنگ ایسی بند رہے کہ کھل نہ سکے جیسے مقفل صندوق۔

۳؎**اسلال** بنا ہے **سلٌّ** سے بمعنی تلوار سونتنا اس لیے ننگی تلوار کو **سیف مسلول** کہتے ہیں۔**اغلال** مصدر ہے جس کا مصدر ہے **غل** بمعنی چھپانا اس سے بنا ہے **غلاله** یعنی نیچے کی واسکٹ یا صدری۔یہاں مراد ہے زرہ پہننا جس سے جسم ڈھک جاتا ہے۔بعض شارحین نے کہا کہ **اسلال** کے معنی ہیں چھپی ہوئی عداوت اور **اغلال** کے معنی ہیں خیانت مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔(اشعہ)مطلب یہ ہے کہ اس دس سال کے دوران جنگ تو کیا جنگ کی تیاری بھی نہ ہو۔

روایت ہے صفوان ابن سلیم سے ۱؎وہ متعدد صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں سے ۲؎راوی وہ اپنے والدوں سے ۳؎راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ خبردار رہو جس نے کسی معاہدہ والے کافر پر ظلم کیا یا عہد توڑا ۴؎یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کوئی چیز ناخوش دلی سے لی ۵؎تو قیامت کے دن اس کا مقابل میں ہوں گا ۶؎(ابوداؤد)	

۱؎آپ جلیل القدر تابعی ہیں،اہل مرتبہ سے ہیں،بڑے عابد زاہد تھے،چالیس سال زمین سے اپنی پیٹھ نہ لگائی، زیادتی سجود کی وجہ سے پیشانی میں گڑھا پڑ گیا تھا،حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے آزاد کردہ تھے۔بیٹھ کر جان دی،آپ کی ولادت سنہ ۶۰ھ میں ہوئی اور وفات سنہ ۱۳۲ھ میں ہوئی،عبداللہ ابن عمر،عبداللہ ابن جعفر،انس ابن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات ہے اور ان حضرات سے اور بہت سے تابعین سے روایت احادیث کرتے ہیں۔(اشعہ)

۲؎ان بیٹوں میں بعض خود بھی صحابی ہیں اور بعض تابعی۔(مرقات)

۳؎وہ تمام صحابہ ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ تمام عادل ہیں ان کا نام روایت میں نہ آنا حدیث کو ضعیف نہیں کرتا مگر ان صحابہ کے وہ بیٹے جن سے صفوان یہ روایت لے رہے ہیں وہ تمام حضرات صفوان کے نزدیک ثقہ ہیں اس لیے ان کا نام بتائے بغیر بے دھڑک حدیث نقل فرمارہے ہیں۔

۴؎معاہدہ والے سے مراد کافر ذمی اور کافر مستامن سب ہی ہیں۔عہد توڑنے سے مراد یا تو مستامن کی مدت امان میں بلاوجہ کمی کردینا ہے یا جو وعدے اس سے کیے گئے تھے انہیں پورا نہ کرنا ہے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں بہت وسعت ہے ذمیوں پر جزیہ ان کی حیثیت سے زیادہ مقرر کردینا،پیداوار کا خراج اندھا دھند مقرر کردینا،جزیہ خراج کی وصولی میں ان پر ناجائز سختی کرنا،ان سے ہدیے تحفے ڈالی کے بہانے ان کا مال وصول کرنا،ان سے رشوتیں لینا وغیرہ۔

۶؎ یعنی میں اس ظالم حاکم کی شفاعت کرنے کی بجائے اس کی شکایت کروں گا اور عذاب سے بچانے کی بجائے اسے عذاب میں گرفتار کراؤں گا یہ اس رحمۃ اللعالمین کا رحم کہ اس رحم سے کفار بھی محروم نہیں۔

روایت ہے حضرت امیمہ بنت رقیقہ سے ا؎ فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند عورتوں کی جماعت میں بیعت کی تو فرمایا اس میں جس میں تم طاقت و قدرت رکھو ۲؎ میں نے کہا اللہ کے رسول ہم پر ہم سے زیادہ رحیم ہیں ۳؎ بولی یارسول اللہ ہم سے بیعت لیجئے یعنی ہم سے مصافحہ کیجئے تو فرمایا میرا سو عورتوں سے فرمان ایسا ہی ہے جیسے ایک عورت سے فرمان ۴؎	

ا؎ **امیمہ** تصغیر سے ہے،آپ امیمہ بنت عبداللہ ہیں،رقیقہ آپ کی والدہ کا نام ہے،رقیقہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ام المؤمنین کی بہن ہیں تو امیمہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ کی بھانجی ہیں،آپ کی والدہ رقیقہ بنت خویلد ہیں۔

۲؎ یعنی ہم نے بیعت میں اعمال صالح کرنے،گناہوں سے بچنے کا عہد کیا مگر یہ بھول گئے کہ بقدر طاقت کی قید لگالیتے تو حضور انور نے ہم کو خود یاددلایا کہ یہ قید لگالو کہ بقدر طاقت نیکیاں کریں گے۔

۳؎ یا تو زبان سے کہا یا دل میں سوچا،چونکہ حضور انور کا فرمان رب تعالٰی کا فرمان ہے۔**اللہ و رسولہ** فرمایا **سبحان اللہ!** اللہ رسول کی مہربانی ہم پر اتنی ہے کہ خود ہم کو اپنے پر اتنی مہربانی نہیں ان کا رحم و کرم ہمارے خیال سے وراء ہے۔

۴؎ آپ سمجھیں کہ بغیر مصافحہ بیعت ہوتی ہی نہیں اس لیے عرض کیا حضور بیعت میں جواب عالی کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں سے بیعت صرف کلام سے لی جاتی ہے اور ایک عورت سے بیعت سو عورتوں سے بیعت ایک ہی کلام شریف سے ہوجاتی ہے۔اس حدیث کو برک،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،موطا امام مالک نے بروایت محمد ابن منکدر نقل فرمایا مگر صاحب مشکوۃ کو یہ حوالے ملے نہیں اس لیے انہوں نے رواہ فرماکر جگہ خالی چھوڑ دی۔ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے،اس کے راوی محمد ابن منکدر ہیں۔(مرقات،اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ کیا ا؎ تو	

مکہ والوں نے مکہ میں داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کردیا حتی کہ ان سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ اگلے سال تشریف لائیں مکہ میں تین دن قیام فرمائیں۲؎ تو جب انہوں نے تحریر لکھی تو لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے فیصلہ فرمایا وہ بولے ہم اس کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ اگر ہم جانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو نہ روکتے لیکن آپ محمد ابن عبداللہ ہیں ۳؎ تو فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد ابن عبداللہ بھی ہوں۴؎ پھر علی ابن ابی طالب سے فرمایا لفظ رسول اللہ کو محو کردو ۵؎ وہ بولے اللہ کی قسم میں کبھی آپ کو محو نہ کروں گا ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا حالانکہ آپ اچھی طرح لکھتے نہ تھے پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر محمد ابن عبداللہ نے صلح فرمائی ۷؎ کہ مکہ میں داخل نہ ہوں گے ہتھیاروں کے ساتھ سوا تلوار کے وہ بھی میان میں ۸؎ اور یہ کہ مکہ کے باشندوں میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے اسے نہ لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے صحابہ میں سے نہ روکیں گے اگر وہ مکہ میں رہنا چاہے ۹؎ پھر جب حضور مکہ میں تشریف لائے اور مدت گزر گئی تو مکہ والے علی کے پاس آئے بولے اپنے ایمان کے ساتھی سے عرض کرو۱۰؎ کہ ہمارے پاس سے تشریف لے جاویں کہ معیاد گزر چکی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ۱۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی عمرہ کا ارادہ فرمایا،احرام باندھ لیا،یہ واقعہ ۶ھ دوشنبہ کو ہوا۔(مرقات)

۲؎ یہ واقعہ پہلے بیان ہوچکا۔

۳؎ یعنی آپ اس صلح نامہ میں اپنے نام شریف کے ساتھ رسول اللہ تحریر نہ کریں بلکہ ابن عبداللہ لکھوائیں کیونکہ آپ کو رسول اللہ نہ مانتے تھے نہ مانتے ہیں،آج یہ لفظ سہیل ابن عمرو کے منہ سے نکل رہے ہیں عنقریب یہ ہی سہیل کلمہ شہادت پڑھیں گے مسلمان بنیں گے،یہ ہے تیرے رب کی بے نیازی۔

۴؎ یعنی یہ دونوں لفظ حق ہیں،ہم میں دونوں صفات موجود ہیں جو چاہو لکھ لو ہم کو اس پر اعتراض نہیں سبحان اللہ!یہ ہے تحمل ہمارے نبی کا صلی اللہ علیہ وسلم۔مقصد یہ تھا کہ جنگ نہ ہوتاکہ حرم شریف اور بیت اللہ میں خونریزی نہ ہو صلح ہوجائے۔

۵؎ اور اس کی جگہ لکھ دو ابن عبداللہ جیساکہ سہیل کا اصرار ہے۔

۶؎ یعنی علی کے ہاتھ سے لفظ رسول اللہ پر قلم نہ چلے گا،یہ حکم سے سرتابی نہیں بلکہ انتہائی جوش ایمانی اور جذبہ عشق رسول اللہ ہے محبت و اخلاص کی حد ہوگئی۔آپ جانتے تھے کہ یہ حکم وجوب شرعی کے لیے نہیں ہے۔بہرحال جناب علی مرتضٰی کا یہ عمل قابل صد ستائش ہے۔

۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کسی سے لکھنا سیکھا نہ خود کبھی لکھنے کی مشق کی نہ اس سے پہلے کبھی کچھ لکھا تھا،آج اچانک اپنے دست اقدس سے پوری عبارت تحریر فرمائی۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت قرآنیہ کے خلاف نہیں "وَمَاكُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ"کیونکہ آیت کریمہ میں ظہور نبوت سے پہلے کتاب پڑھنے کی اور لکھنے کی نفی ہے اور یہاں اس موقعہ پر لکھنے کا ثبوت ہے۔یہ موقعہ ظہور نبوت سے برسوں کے بعد ہے اور یہ لکھنا بھی حضور انور کا معجزہ ہے یا یوں کہو کہ آیۃ کریمہ میں لکھنے کی عادت کی نفی ہے اور یہاں ایک بار لکھنے کا ثبوت جیسے قرآن مجید فرماتاہے:"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ"ہم نے اپنے محبوب کو شعر گوئی نہ سکھائی اور احادیث سے ثابت ہے کہ کئی دفعہ حضور انور کے منہ شریف سے شعر صادر ہوئے جیسے ھل انت الااصبع رمیت اور جیسے کل امرئی مصبح فی اھلہ وغیرہ کہ آیت کریمہ سے شعر گوئی کی عادت کی نفی ہے اور حدیث شریف میں دو چار شعر صادر ہونے کا ثبوت ہے۔

۸؎ یعنی ہم سال آئندہ عمرہ کرنے اس ماہ ذیقعدہ میں آئیں گے تیر کمان وغیرہ سامان جنگ ساتھ نہ لائیں گے صرف تلوار ساتھ لائیں گے وہ بھی میان میں بند۔

۹؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی یہاں صرف تین شرطوں کا ذکر ہے مگر شرائط ان کے علاوہ اور بھی تھیں جو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ جو مکہ معظّمہ کا کافر مسلمان ہوکر مدینہ منورہ رہنا چاہے آپ اسے نہ رکھیں اور جو مدینہ منورہ کا مسلمان مرتد ہو کر مکہ معظّمہ رہنا چاہے تو آپ اسے نہ روکیں حضور انور نے یہ شرط منظور فرمالی۔

۱۰؎ صاحبك کا یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے۔ساتھی بہت قسم کے ہوتے ہیں:وطن کے ساتھی،پیشہ کے ساتھی،گھر کے ساتھی،باہر کے ساتھی،دل کے ساتھی،جان کے ساتھی،ایمان کے ساتھی،یہاں ایمان کے ساتھی مراد ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے ایمان کے ساتھی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۱؎ چنانچہ جب حضور روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ کی دختر حضور انور کے ساتھ آگئیں جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔

باب اخراج الیھود من جزیرۃ العرب

جزیرہ عرب سے یہودیوں کے نکالنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ عرب اس جزیرہ کا نام ہے جو بحر ہند،بحر شام،دجلہ و فرات سے گھرا ہوا ہے۔عدن سے شام تک طول ہے،جدہ سے عراق تک عرض ہے۔اس کے پانچ صوبے ہیں:حجاز،عراق،یمن،نجد، بحرین،باقی دیگر ممالک کا نام عجم ہے اگرچہ عرب سے یہودونصاریٰ دونوں ہی کو نکالا جائے گا مگر یہاں صرف یہود کا ذکر کیا گیاکیونکہ حضور انور نے حکم تو دونوں فرقوں کے نکالنے کا دیامگر عمل شریف صرف یہود کے نکالنے کا کیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تھے کہ حضور نے فرمایا یہود کی طرف چلو۱؎چنانچہ ہم حضور کے ساتھ چلے حتی کہ ہم ان کے مدرسہ میں پہنچے تو ۲؎نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرماکر فرمایا اے یہود کی جماعت اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے ۳؎جان رکھو کہ زمین اللہ رسول کی ہے۴؎اور میں ارادہ کررہا ہوں کہ تم کو اس زمین سے جلا وطن کردوں ۵؎تو تم میں سے جو اپنا کچھ مال پائے تو اسے فروخت کردے ۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎تبلیغ کے لیے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲؎ مدارس یا تو درس سے بنا ہے یا دراسۃ و تدریس سے،بیت المدارس کے معنی سبق لینے تعلیم حاصل کرنے کا گھر،کبھی یہودیوں کے عالم کو بھی مدرس کہتے ہیں یعنی درس دینے والا،بعض روایا ت میں یوں ہے حتی اتی المدارس۔بہرحال اس سے مراد یا یہود کا دینی مدرسہ ہے یا ان کے پوپ پادری کاگھر جو مدینہ منورہ میں تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے لیے کفار کے گھروں ان مدرسوں،خانقاہوں میں جانا سنت سے ثابت ہے۔

۳؎یعنی آپ وہاں بیٹھے نہیں بلکہ کھڑے کھڑے ان سے یہ کلام فرمایا یا اس لیے کہ وعظ و خطبہ کھڑے ہوکر کرنا بہتر ہے یا اس لیے کہ آپ نے ان کفار کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ فرمایا۔سلامت رہو گے کے معنی ہیں دین ودنیا کی آفات سے بچے رہو گے،اسلام اور نماز رحمانی قلعہ ہے جس میں داخل ہوکر انسان بہت سی آفات سے بچ جاتا ہے،اس کا بہت تجربہ

ہے۔معلوم ہوا کہ تبلیغ نرمی سے کرنا بہتر ہے اور نذارت سے بشارت اعلیٰ کہ حضور انور نے انہیں اسلام لانے پر سلامتی کی بشارت دی۔

۴؎ظاہر ہے کہ ارض سے مراد ساری زمین ہے اور مطلب یہ ہے کہ زمین مخلوق و مملوک رب تعالٰی کی ہے پھر اس کے مالک بنانے سے میری ملکیت ہے"اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ"۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کا ملا کر ذکر کرنا حرام نہیں اور یہ کہنا کہ ہم اللہ رسول کے ہیں دنیا و آخرت اللہ و رسول کی ہے شرک نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم تملیک الٰہی سے اللہ کی ہر چیز کے مالک ہیں۔شعر

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنادیا دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

۵؎تاکہ زمین مدینہ تمہارے وجود نامسعود سے پاک ہوجائے اور یہاں صرف اسلام ہی رہے،ان یہود کی وجہ سے دن رات فتنے رہتے تھے،احزاب جیسی تکلیف مسلمانوں کو انہی یہود مدینہ کی وجہ سے پہنچی،ہمیشہ سلطنتیں اپنے ملک سے غداروں فتنہ گروں کو نکالتی ہیں،جرمنی کے ہٹلر نے یہودیوں کو جرمن سے نکالا تھا،اب بھی خاص مجرموں کو کالا پانی دیا جاتا ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود مدینہ بنی نضیر کو نکالنا حکم الٰہی سے تھا،چونکہ آپ خلیفۃ اللہ ہیں لہذا فرماتے ہیں کہ میں تم کو جلا وطن کرنا چاہتا ہوں۔

۶؎بمالہ کی ب بمعنی عن ہے یعنی ہم تم کو ضبط مال کی سزا نہیں دیتے تم منقول مال ساتھ لے جاؤ اور غیر منقول مال فروخت کرکے قیمت حاصل کرلو۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر۔جب انہوں نے مسلمانوں کو مکمل مٹا دینے کی کوشش کی جس کی وجہ سے احزاب کا واقعہ پیش آیاتب حضور انورنے بنی قریظہ کو تو قتل کرادیا اور بنی نضیر کو جلا وطن فرمادیایہ گفتگو بنی نضیر سے ہے،یہ واقعہ ۴ھ میں ہوا اور قتل بنی قریظہ ۵ھ میں ہوا اور حضر ابوہریرہ ۷ھ میں ایمان لائے۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے مجبور کی بیع جائز مانی۔خیال رہے کہ بیع مضطراور ہے بیع مکرہ اور ہے،یہاں بیع مضطر ہوگی بیع مکرہ نہ ہوگی۔بیع مکرہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی چیز فروخت کرنا نہ چاہے اسے مار پیٹ کر بیع کرالی جائے یہ بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔خیال رہے کہ امام مالک کے ہاں کسی کافر کو ملک عرب میں رہنے کی اجازت نہیں،امام شافعی کے ہاں مکہ،مدینہ،یمامہ کے لیے یہ حکم ہے،نیز علماء فرماتے ہیں کہ کسی کافر کو حجاز میں آنے کی اجازت نہیں ہاں بطور سیر آئیں تو تین دن سے زیادہ وہاں قیام نہ کریں،اگر خفیہ طور پر آجائیں تو نکال دیئے جائیں،اگر وہاں مرکر دفن ہوجائیں تو ان کی نعش حجاز سے نکال دی جائے۔اما م اعظم کے ہاں کفار عارضی طور پر حجاز بلکہ حرم میں جاسکتے ہیں،اس کی پوری بحث کتب فقہ اور مرقات میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جناب عمر خطبہ فرمانے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود سے ان کے مالوں پر معاملہ طے کیا تھا اور فرمایا تھا جب تک اللہ تم کو برقرار رکھے ہم تم کو برقرار رکھیں گے ۱؎میں ان کی جلاوطنی

	مناسب سمجھتا ہوں ۲؎ جب حضرت عمر نے اس کا پورا ارادہ کرلیا تو بنی ابوحقیق کا ایک شخص آیا۳؎ بولا اے امیر المؤمنین آپ تو ہم کو نکال رہے ہیں حالانکہ حضور نے ہم کو برقرار رکھا تھا اور ہم سے مالوں پر معاملہ فرمایا تھا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا تو سمجھتا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھول گیا کہ تیرا کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا کہ تجھ کو تیری اونٹنیاں رات بہ رات لیے پھرتی رہیں گی۴؎ وہ بولا یہ تو ابوالقاسم کا تمسخر تھا تو آپ نے فرمایااے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے ۵؎ چنانچہ ان کو نکال دیا اور ان کو ان کے جو کچھ پھل،مال،اونٹ،سامان،رسیاں وغیرہ تھیں ان کی قیمت دے دی ٦؎(بخاری)

۱؎ یعنی حضور نے فتح خیبر فرماکر یہود خیبر کو وہاں عارضی قیام کی اجازت دی تھی اس طرح کہ اپنے باغوں میں وہ کام کاج کریں پیداوار آدھی ان کی ہو آدھی مسلمانوں کی اور فرمایا تھا کہ یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے نہیں جب ہم چاہیں گے تم کو نکال دیں گے،یہ حضور انور کی خصوصیات سے ہے،ورنہ اب باغ یا کھیت کا ٹھیکہ اس طرح دینا جائز نہیں،ٹھیکہ کے لیے معیاد مقرر ہونا ضروری ہے کہ فلاں وقت تک۔(مرقات)

۲؎ یعنی اب چاہتا ہوں کہ ان یہود کو خیبر سے بھی نکال دوں کہ ان کا خیبر میں رہنا بھی خطرناک ہے اور میرا نکالنا خود حضور انور کا نکالنا ہے۔

۳؎ بنی حقیق یہود کا بہت بڑا مالدار قبیلہ تھا،حقیق بروزن کریم،ان کا کوئی امیر یا سردار آیا اس کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۴؎ سبحان اللہ! حضور کی یہ غیبی خبر تو معجزہ اور حضرت عمر کا یہ فرمان اس طرح یاد رکھنا آپ کی کرامت ہے گویا آپ اس وقت کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔اس فرمان میں یہ بھی اشارہ تھا کہ تم لوگ عرب سے ایسے نکالے جاؤ گے کہ کوئی ملک تمہیں قبول نہ کرے گا،مارے مارے پھرو گے،یہ اب تک مارے مارے پھرتے رہے،اب امریکہ نے انہیں فلسطین میں بسایا چودہ سو برس کے بعد ان شاءاللہ پھر نکلیں گے۔

۵؎ کیونکہ حضور کی کوئی بات غلط نہیں ہوتی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے۔

٦؎ اس طرح کہ اس سال کی پیداوار کے نصف حصہ کی قیمت ان کو دی اور وہ جو سامان نہ لے جاسکے اس کی قیمت عطا فرمادی،اگر آج کی حکومتیں ہوتیں تو ان کے سارے مال ضبط کرکے نکال دیتیں کہ وہ ملک اور اسلام کے غدار تھے،انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا اور بھی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کی وصیت کی مشرکین کو

	جزیرہ عرب سے نکال دو ا؎ اور وفود کو عطیہ دو جیسے انہیں عطیہ دیتا تھا ۲؎ ابن عباس نے فرمایا کہ تیسری وصیت سے خاموشی فرمائی ۳؎ یا کہا کہ میں بھول گیا۔(مسلم،بخاری)

ا؎ بعض شارحین نے یہاں جزیرہ عرب سے مراد حجاز لیا ہے،امام شافعی کے ہاں بھی صرف حجاز مراد ہے یعنی مکہ مدینہ اور یمامہ۔(اشعہ)

۲؎ یہ دوسری وصیت ہے یعنی جو لوگ اپنی قوم کے نمائندے بن کر مدینہ منورہ آئیں ان کی خاطر و مدارات کرو،انہیں تحفے تحائف دو جیساکہ ہمارا عمل رہا۔سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ان وفدوں کی آمد پر بہت خوشی ظاہر فرماتے تھے،یہ لوگ اپنی قوم کی طرف سے ایمان انکی وفاداری کے عہد کے پیغام لے کر آتے تھے،حضور سے بیعت کراتے تھے حضور سے بیعت کرتے تھے،ان کی بیعت ساری قوم کی بیعت ہوتی تھی۔

۳؎ یہاں کچھ کتابت کی غلطی ہے **قال** کا فاعل حضرت ابن عباس نہیں ہیں بلکہ سلیمان احول ہیں جو سعید ابن جبیر سے راوی وہ عبداللہ ابن عباس سے راوی،یعنی سلیمان کہتے ہیں کہ سعید ابن جبیر تیسری وصیت کے بیان سے خاموش رہے یا انہوں نے بیان فرمائی تھی مجھے یاد نہ رہی،ممکن ہے کہ تیسری وصیت یہ ہو کہ تم میری قبر کو بت نہ بنالینا جس کی پرستش کی جائے۔**واللہ ورسولہ اعلم**!(اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں مجھے عمر ابن خطاب نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں یہودیوں عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا حتی کہ اس میں نہ چھوڑوں گا مگر مسلمان کو ا؎(مسلم)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو **ان شاءاللہ** یہود وعیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا ۲؎

ا؎ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے کہ عرب سے تمام دینوں کو نکال دوں،یہاں صرف مسلمان رہیں تاکہ یہ جگہ فتنہ و فساد کی نہ رہے صرف حج وعمرہ،زیارت اور ذکر الٰہی کے لیے رہے جہاں صرف عبادات ہوں سیاسی اڈہ اور فتنہ فساد کا اکھاڑہ نہ بنے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو یہود سے خالی کرالیا،اس طرح کہ وہاں کے یہودیوں میں سے بنی قریظہ کو قتل کردیا اور بنی نضیر کو جلا وطن فرمادیا،خیبر فتح فرمایا تو وہاں کے یہود کو عارضی طور پر کچھ روز رہنے سہنے کی اجازت دی،پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہاں سے بھی نکال دیا،اس طرح حضور انور کی یہ خواہش رب نے پوری فرمادی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	اس میں صرف حضرت ابن عباس کی ہی روایت ہے کہ دو قبلہ نہ ہوں اور وہ جزیہ کے باب میں گزر گئی۱؎

۱؎یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں ہی تھی اور دوسری فصل میں صرف وہ ایک ہی حدیث تھی ہم نے اسے باب الجزیہ میں بیان کردیا،اگر یہاں بھی لاتے تو مکرر ہوجاتی اس لیے ہم یہاں نہ لائے اور دوسری فصل حدیث سے خالی رہی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے یہودونصارٰی کو حجاز کی زمین سے نکال دیا۱؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر والوں پر غالب ہوئے تھے تو وہاں سے یہود کو نکالنا چاہا تھا۲؎ جب حضور اس پر غالب ہوئے تو وہ زمین اللہ رسول اور سارے مسلمان کی تھی۳؎ تب یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ سوال کیا کہ انہیں یہاں ہی چھوڑدیں اس شرط پر کہ وہ لوگ کام کاج کریں اور مسلمانوں کے لیے آدھے پھل ہوں۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم کو اس ہی شرط پر رکھتے ہیں جب تک چاہیں چنانچہ وہ قائم رہے حتی کہ ان کو حضرت عمر نے اپنی خلافت میں تیما اور اریحا کی طرف جلاوطن کردیا۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ زمین حجاز سے مراد جزیرہ عرب ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام ملک عرب سے یہود کو نکال دیا۔

۲؎اس نکالنے کی چند وجہیں ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

۳؎یعنی یہ زمین مسلمانوں کی ملک قرار دی گئی دوسرے علاقوں کی طرح زمین وہاں کے باشندوں کی نہ رکھی گئی اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے۔

۴؎ یعنی باغات کی خدمات یہ لوگ کریں مالک مسلمان ہوں اور پیداوار آدھی آدھی ہو اس طرح کہ مسلمانوں کو ملکیت کی وجہ سے آدھی پیداوار ملے اور ان یہود کو خدمت کی وجہ سے آدھی پیداوار ملے اسے اردو میں ٹھیکہ کہتے ہیں۔

۵؎ یہ دونوں بستیاں بیت المقدس کے پاس ہیں ملک فلسطین میں، بعض شارحین نے فرمایا کہ تیما تو عرب میں واقع ہے اور اریحاء ملک فلسطین کہلاتا ہیں۔

باب الفئ

فئ کا بیان۱ـ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ـ کبھی فئ بمعنی غنیمت آتا ہے یعنی جو مال کفار سے بحالت جنگ لڑکر لیا جائے،اور کبھی فئ وہ مال کہلاتا ہے کہ جو کفار سے بغیر جنگ ملے۔غنیمت سے خمس نکال کر باقی چار خمس مجاہدین کو دیئے جاتے تھے مگر فئ میں نہ خمس ہے نہ تقسیم،یہاں فئ کے یہی معنی ہیں جیساکہ اس باب میں مذکورہ حدیث سے معلوم۔اس فئ میں حضور مختار مطلق تھے جہاں چاہیں خرچ کریں۔اب فئ خراج کے حکم میں ہے کہ وہ مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ ہوگا جیسے پل بنانا،قاضیوں،علماء کی تنخواہ،پولیس پر خرچ۔(مرقات)امام شافعی کے ہاں فئ،جزیہ،خراج میں سے بھی خمس لیا جائے گا مگر یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج سے خمس لیا۔(مرقات)اور ان سے پہلے پیچھے کسی نے یہ قول نہ کیا۔

روایت ہے حضرت مالک ابن اوس ابن حدثان سے ۱ـ فرماتے ہیں حضرت عمر ابن خطاب نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فئ میں سے ایسی چیز سے خاص فرمایا جو ان کے سوا کسی کو نہ دی۲ـ پھر یہ آیت تلاوت کی وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ ، قَدِیۡرٌ تک۳ـ پس یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص رہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو اس مال سے سال بھر کا خرچ دیتے تھے۴ـ پھر جو بچتا تھا تو اسے لیتے اللہ کے مال کے مصرف میں خرچ فرماتے ۵ـ(مسلم،بخاری)	

۱ـ آپ بصری ہیں،صحیح تر یہ ہے کہ صحابی ہیں لیکن آپ سے کوئی روایت ثابت نہیں صحابہ کرام سے ہی احادیث روایت کرتے ہیں،آپ کی اکثر روایات حضرت عمر سے ہیں،مدینہ منورہ میں رہے، ۹۲ھـ میں وفات پائی۔(مرقات واشعہ)

۲؎ اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے:"فَمَآ اَوۡ جَفۡتُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ خَیۡلٍ وَّ لَا رِکَابٍ"یعنی کفار کا جو مال بغیر جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگے اس میں نہ خمس ہے نہ تقسیم بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے مالوں میں بالکل اختیار ہے جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

۳؎ خیال رہے کہ قبیلہ بنی نضیر کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا گیا،ان کے مال مدینہ پاک میں رہ گئے،یہ قوم مدینہ منورہ سے صرف دو میل فاصلہ پر تھی،صحابہ کرام پاپیادہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوکر وہاں پہنچے اور بغیر جنگ ان پر قبضہ کرلیا گیا،مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ بھی مال غنیمت کی طرح تقسیم ہوں گے تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ تقسیم غنیمت میں ہوتی ہے یہ غنیمت نہیں ہے فئ ہے لہذا یہ اموال حضور انور کے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

۴؎ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات کے لیے کبھی کچھ جمع نہ فرمایا مگر اپنی ازواج پاک کو ایک سال کا خرچہ اس زمانہ کے بعد عطا فرمایا لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جو مروی ہے کہ حضور نے کل کے لیے کچھ نہ رکھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے بال بچوں کے لیے سال بھر کا گندم لکڑی وغیرہ خرید لینا سنت ہے کہ اس میں بےفکری بھی ہے اور برکت بھی۔

۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فئ میں سے اپنے سال کا خرچ نکال کر باقی فقراء مساکین اور ضروریات دینی میں خرچ فرماتے تھے،یہ ہی اب سلاطین اسلامیہ کو حکم ہے کہ فئ کا تمام مال مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں،اس مال سے پلوں کی تعمیر،لشکروں کے واسطے ہتھیاروں کی خریداری،قاضیوں و علماء دین کی تنخواہیں ادا کریں،یہ ہی امام اعظم قدس سرہ کا مذہب ہے۔بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ فئ میں سے بھی خمس لیا جائے گا غنیمت کی طرح باقی چار خمس مجاہدین پر خرچ ہوں گے۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ بنی نضیر کے مال ان میں سے تھے جو اللہ تعالٰی نے اپنے رسول پر فئ فرمائے جن پر مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ چنانچہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے خاص طور پر رہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو ایک سال کا خرچ دیتے تھے پھر جو باقی بچتا تھا اسے اللہ کی راہ میں ہتھیاروں جانوروں میں خرچ کرتے تھے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے کہ بنی نضیر کے جلاوطن ہوجانے کے بعد ان کے متروکہ مالوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح خرچ کرتے تھے کہ اولًا اپنے گھر کا سال بھر کا خرچ نکالا پھر باقی مال مجاہدین پر خرچ فرمایا۔خیال رہے کہ وہ جو احادیث پاک میں ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن متواتر شکم سیر کھانا نہ ملاحظہ فرمایا یہ واقعات بنی نضیر کے مال حاصل کرنے سے پہلے کے ہیں بعد میں رب تعالٰی نے وسعت دے دی،پھر اس زمانہ کے بعد جو فقروفاقہ کی نوبت آتی تھی اس کی وجہ ازواج پاک کا زیادہ خیرات و صدقات تھے کہ یہ حضرات فقراء پر بہت خرچ فرمادیتی تھیں سال بھر کا خرچہ

جلد ختم ہوجاتا تھا اور نوبت فاقہ کو پہنچتی تھی،نیز اس سال کے خرچہ میں کچھ جو کچھ کھجوریں ہوتی تھیں سال ان ہی سے نکالا جاتا تھا۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور دنیا سے تشریف لے گئے مگر پھر بھی مسلسل دو دن گندم کی روٹی شکم سیر ہوکر نہ کھائی،اس کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ کھانا کبھی روٹی کبھی کھجوریں تھا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ چونکہ اس زمانہ پاک میں پلوں کی تعمیر،قاضیوں،علماء کی تنخواہوں کا رواج نہ تھا اور ہر وقت تیاری جہاد رہتی تھی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فئ کا مال اس پر ہی خرچ فرماتے تھے۔اب سلاطین پل،مساجد کی
آبادی،فقہاء،علماء دین کی تنخواہوں پر بھی خرچ کریں گے،سرکار اسی فئ سے فقراء مہاجرین پر بھی خرچ کرتے تھے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب فئ آتا تھا اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے اس طرح کہ گھر بار والے کو دو حصے اور (چھڑے)اکیلے کو ایک حصہ دیتے ۲؎ چنانچہ میں بلایا گیا تو مجھے دو حصے دیئے میرے گھر والے تھے پھر میرے بعد عمار ابن یاسر کو بلایا گیا تو انہیں ایک حصہ عطا فرمایا ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ قبیلہ بنی اشجع سے ہیں،غزوہ خیبر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی اشجع کے علم بردار تھے،شام میں قیام رہا وہاں ہی وفات پائی۔

۲؎ یعنی شادی شدہ کو دو حصے اس کا اور اس کی بیوی کا،کنوارے یا بغیر زوجہ والے کو ایک حصہ صرف اسی کا۔(مرقات)اصطلاح میں اھل بیوی کو کہا جاتا ہے،اھل اسم فاعل بمعنی بیوی والا۔

۳؎ کیونکہ اس وقت حضرت عمار کے پاس زوجہ نہ تھیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب پہلے کوئی چیز آتی تو آزاد شدگان سے شروع فرماتے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ شارحین نے محررین کے تین معنے کیے ہیں:آزاد کردہ غلام کیونکہ وہ اکثر فقراء ہوتے ہیں۔مکاتبین جو مال دے کر آزاد ہوں ان کی امداد اس مال سے فرماتے۔عابدین جنہوں نے اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف کردیا ہو۔(مرقات)ان میں علماء قاضی صاحبان داخل ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس	

ایک تھیلی لائی گئی جس میں منکے تھے تو اسے آزاد لونڈی میں تقسیم فرمایا۱؎ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے والد آزاد و غلام میں تقسیم فرماتے تھے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی فئ میں ایک تھیلی موتیوں کی آئی تو حضور انور نے وہ موتی عورتوں میں تقسیم فرمائے لونڈیوں کو بھی دیئے آزاد عورتوں کو بھی۔

۲؎ معلوم ہوا کہ موتی صرف عورتوں کے لیے خاص نہیں مردوں کو بھی دیئے جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی تفسیر یہ عمل شریف ہے۔غلام سے مراد یا آزاد کردہ غلام ہیں یا مکاتب غلام کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک ہوتا ہی نہیں اس کا خرچ مولیٰ یا بیت المال پر ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت مالک بن اوس حدثان سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے ایک دن فئ کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ اس فئ کا نہ تو میں تم سے زیادہ حقدار ہوں۱؎ نہ ہم میں سے کوئی اس کا زیادہ حق دار ہے ۲؎ مگر ہم میں سے ہر ایک کتاب اللہ سے اپنے درجہ پر ہے حضور کی تقسیم پر لہذا مرد کو دیا جائے گا اس کے قدیم الاسلام ہونے پر ۳؎ اور مرد اس کی مشقت پر ۴؎ اور مرد اس کے بال بچوں پر اور مرد اس کی ضروریات پر ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال فئ کے حقدار تھے کہ حضور اس سے اپنا خرچ وصول فرماتے تھے پھر جہاں چاہتے خرچ کرتے میرا یہ حال نہیں ہے میں صرف مسلمانوں کی فلاح وبہبود پر ہی خرچ کروں گا۔معلوم ہوا کہ سلطان اسلام اور خلیفۃ المسلمین مال فئ کے نہ مالک ہیں نہ مستحق،نہ ان کا اس میں کچھ حصہ مقرر ہے وہ صرف قومی کاموں میں خرچ کریں۔

۲؎ یعنی ہم مسلمانوں سے یا ہمارے گھر والوں میں سے کوئی اس فئ کا زیادہ حقدار نہیں۔سبحان اللہ! کس قدر صاف اور انصاف والا کلام ہے۔

۳؎ قدم قاف کے کسرہ سے بھی ہوسکتا ہے بمعنی پرانا ہونا اور ق کے فتح سے بھی بمعنی ثابت قدم ہونا دین پر یعنی اب فئ کی تقسیم میں انسان کا قدیم الاسلام ہونا یا دین پر ثابت قدم ہونا دیکھا جائے گا کہ ہر ایسے مؤمن اور ثابت قدم مؤمن کو فئ سے ضرور دیا جائے گا۔واؤ یا عاطفہ ہے یا بمعنی مع اگر عاطفہ ہو تو قدم کو پیش ہوگا اور اگر بمعنی مع ہو تو فتح ہوگا اس طرح وبلاءہ و وعیالہ کی ترکیب ہے۔

۴؎ یعنی فئ کی تقسیم میں مسلمان کی صبر یا شجاعت کا لحاظ ہوگا۔بلاؤ کے معنی مصیبت بھی ہے اور شجاعت بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔یعنی جن مسلمانوں نے جہادوں میں شجاعتیں دکھائی ہیں ان کو دوسروں پر مقدم رکھا جائے

گا،جن مسلمانوں نے کفار کے ہاتھوں مصیبتیں زیادہ جھیلی ہوں ان کو زیادہ مقدم رکھا جائے گا غرضیکہ دینی درجہ والے کو فوقیت دی جائے گی۔

۵؎ ان دونوں میں دنیاوی وجہ استحقاق کا بیان ہے یعنی حاجتمند مسلمان کو یوں ہی بال بچوں والے مؤمن کو،دوسرے غیر حاجتمند اور چھڑے اکیلے پر مقدم رکھا جائے گا۔خیال رہے کہ یہ چیزیں نفس استحقاق میں فرق کا باعث نہیں بلکہ درجے مرتبہ اور زیادتی حصہ میں فرق کا باعث ہیں۔آپ معلوم کرچکے ہیں اہل و عیال والے کو دو حصہ عطا ہوئے اوراکیلے چھڑے آدمی کو ایک حصہ۔یہ فرق یا تو رب تعالٰی کی طرف سے ہےکہ رب نے فرمایا:"وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ" یاحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔(مرقات)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے کہ فئ میں سے خمس نہیں لیا جائے گا،یہی احناف کا قول ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمرابن خطاب نے یہ آیت تلاوت کی کہ صدقے فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں حتی کہ علیم حکیم تک پہنچے پھر فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہیں۱؎ پھر تلاوت کی جان لو جو چیز تم غنیمت لو اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہے حتی کہ پہنچے ابن سبیل تک پھر فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے ہے۲؎ پھر تلاوت کی جو بستی والے اللہ اور اپنے رسول پر فئ کریں حتی کہ للفقراء تک پہنچے۳؎ پھر تلاوت کی وہ جو آئے ان کے بعد پھر فرمایا کہ اس آیت نے سارے مسلمانوں کو گھیر لیا۴؎ اگر میں زندہ رہا تو چرواہا آئے گا جو بسر اور حمیر کا ہوگا۵؎ اس کا حصہ بھی اس سے ہوگا کہ جس میں اس کی پیشانی پسینہ والی نہ ہوئی۶؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یعنی زکوۃ کے مصرف وہ آٹھ ہیں جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں:فقراء،مساکین،عاملین،مؤلفۃ القلوب،گردنیں چھوڑانا،مقروض،مسافر فی سبیل اللہ یعنی مجاہدین۔

۲؎ یعنی اب مال غنیمت کا خمس ان چارمصرفوں پر صرف ہوگا ذی قربی،یتیم،مساکین،مسافر یہ خمس کے اہل ہیں۔

۳؎ یعنی فئ جو کہ کفار کا مال ان سے بغیر لڑے بھڑے مل جائے وہ اللہ رسول کا ہے،اسے ان پانچ مقامات پر خرچ کیا جائے جو اس آیت میں مذکور ہیں:اللہ رسول،ذی قربی،یتیم،مسکین،مسافر،اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی نے فئ کی تقسیم کے بیان میں"وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ"فرماکر تا قیامت مسلمانوں کو شامل فرمالیا۔جس سے معلوم ہوا کہ فئ کو ایسے کاموں پرخرچ کیا جائے گاجس سے تمام مسلمان ان کی آئندہ نسلیں فائدہ

اٹھاتی رہیں جیسے غازیوں،علماء،قاضیوں،پل کی تعمیروں پر بخلاف پچھلی دو آیتوں کے کہ زکوۃ کے مصارف اور غنیمت کے مصرف خاص لوگ قرار دیئے گئے۔

۵؎ بسر اور حمیر یمن کی دو بستیاں ہیں،بسریمن کا ایک گاؤں ہےاور حمیر وہاں کا مشہور شہر ہے،یہ بستیاں مدینہ منورہ سے کافی فاصلہ پر ہیں اس لیے بطور مثال ان کا نام لیا یعنی دوردراز ملکوں کے مسلمانوں کا بھی فئ میں حصہ ہے۔

٦؎ یعنی وہ دوردراز ملکوں کے مسلمان جنہوں نے کبھی جہاد نہ کیے وہ بھی اس فئ کے حصہ دار ہیں۔خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقسیم فئ میں برابر کے قائل تھے کہ سب کو برابر حصہ دیا جائے۔مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرق مراتب کے لحاظ سے تقسیم میں فرق کرنے کے قائل تھے یہ تھا ان کا اجتہادی اختلاف۔چنانچہ حضرت عمر عطا فئ میں جناب عائشہ کو اپنی بیٹی حفصہ پر ترجیح دیتے تھے،فرماتے تھے کہ اگرچہ یہ دونوں حضور کی زوجہ ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محبوبہ زوجہ ہیں اور حفصہ کے والد یعنی میں حضور کو اتنے پیارے نہ تھے جتنے عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر حضور کو پیارے تھے۔(مرقات)حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما کو ایک بار فئ کا حصہ حضرت اسامہ ابن زید سے کم دیا تو حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ میں اور اسامہ ہجرت میں یکساں ہیں پھر آپ نے عطا میں فرق کیوں فرمایاتو آپ نے جواب دیا کہ اسامہ کے باپ زید حضور کو زیادہ پیارے تھے تمہارے باپ عمر سے اور اسامہ رضی اللہ عنہ حضور کو زیادہ پیارے تھے تم سے۔(مرقات)بہرحال حضرت فاروق اعظم تقسیم فئ میں فرق کے قائل تھے۔امام شافعی رحمۃاللہ علیہ مساوات کے قائل ہیں،وہ فئ کو میراث اور غنیمت پر قیاس کرتے ہیں کہ میراث عالم و جاہل بیٹے کو برابر ملتی ہے یوں ہی غنیمت کا مال افضل و ادنی مجاہد کو برابر ملتا ہے۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ جن سے حضرت عمر نے دلیل پکڑی ان میں یہ تھا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین چیزیں پسند کی ہوئی تھیں ۱؎ بنی نضیر،خیبر اور فدک ۲؎ تو بنی نضیر یہ تو آپ کی حاجات کے لیے مخصوص تھا۳؎ لیکن فدک تو وہ مسافروں کے لیے مخصوص موقوف تھا ۴؎ لیکن خیبر تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصوں پر تقسیم فرمادیا ۵؎ دو حصوں کو مسلمانوں کے درمیان اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کا خرچہ پھر اپنے گھر کے خرچ سے جو بچا اسے فقراء مہاجرین کے درمیان تقسیم کردیا ٦؎(ابوداؤد)

۱؎ صفایا جمع ہے صفیہ کی بمعنی پسند کی ہوئی چھانٹی ہوئی چیز۔حق تعالٰی کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ مال غنیمت میں جو چاہیں اپنے واسطے پسند فرمالیں باقی تقسیم فرمادیں۔حضرت صفیہ ام المؤمنین کو صفیہ اسی واسطے

کہا جاتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے واسطے خاص فرمایا تھا کیونکہ آپ یہود کے سردار کی بیٹی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی اولاد سے تھیں،انہیں آزاد فرماکر ان سے نکاح کرلیا تھا۔

۲؎ بنی نضیر کی زمین مدینہ منورہ سے تین میل فاصلہ پر تھی،خیبر وہاں سے ایک سو ساٹھ میل فاصلہ پر ہے اور فدک خیبر سے تین میل ہے۔اب صرف زمین سفیدہ ہے وہاں باغ نہیں۔ہم نے خیبر کی زیارات کی ہیں۔

۳؎ کہ وہاں کی آمدنی اپنی ازواج پاک،مہمانوں وغیرہ پر خرچ کرتے تھے۔

۴؎ یعنی مسافروں کے لیے نامزد یا موقوف تھا کہ ہر مسافر حاجت مند اس سے خرچ کرے۔

۵؎ یعنی حضور انور نے خیبر کے تین حصے کردیئے تھے کیونکہ خیبر کی بہت سی بستیاں تھیں،نیز خیبر کا کچھ حصہ لڑکر حاصل ہوا تھا کچھ صلح سے لہذا یہ فئ بھی تھا اور غنیمت بھی۔(مرقات)جو حصہ لڑکر فتح ہوا تھا اس میں حضور انور کا خمس تھا اور جو حصہ بغیر لڑے حاصل ہوا تھا وہ خالص حضور انور کا تھا اسی تقسیم کا باعث یہ تھا۔

۶؎ وہ خالص اپنی ملک تھا،اسی سے گھر کا خرچ چلتا تھا لیکن اس خرچ سے جو بچ رہتا تھا وہ بھی مہاجرین فقراء پر خرچ فرمادیتے تھے ان کی غریبی کی وجہ سے،انصار بفضلہٖ تعالٰی غنی تھے اس لیے ان پر خرچ نہ فرماتے۔(اشعۃ اللمعات)اس توجیہ سے حدیث بالکل ظاہر ہوگئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مغیرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مروان کی اولاد کو جمع فرمایا ۲؎ جب آپ خلیفہ ہوئے پھر فرمایا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جس سے آپ خرچ فرماتے تھے اور اس سے بنی ہاشم کے بچوں پر لوٹاتے تھے اسی میں سے اور اسی سے ان کی بیوگان کا نکاح کرتے تھے ۳؎ اور حضرت فاطمہ نے آپ سے سوال کیا تھا کہ یہ انہیں دے دیں تو انکار فرمادیا تھا ۴؎ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف میں اسی طرح رہا حتی کہ حضور اپنی راہ تشریف لے گئے پھر جب ابوبکر صدیق خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے اس میں وہ ہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی شریف میں کرتے تھے حتی کہ آپ بھی اپنی راہ گئے پھر جب حضرت عمر ابن	

	خطاب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے اس میں وہ ہی کام کیے جو ان دونوں بزرگوں نے کیے تھے ۵؎ حتی کہ وہ بھی اپنی راہ گئے پھر اسے مروان نے بانٹ لیا ۶؎ پھر وہ عمر ابن عبدالعزیز کے پاس پہنچا تو میں سمجھتا ہوں کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ کو نہ دیا اس میں میرا حق نہیں کہ تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اسے اسی حال کی طرف لوٹاتا ہوں جہاں پر وہ تھا یعنی حضور اور ابوبکروعمر کے زمانہ میں ۷؎(ابوداؤد)

۱؎خیال رہے کہ مغیرہ تین ہیں:ایک صحابی،دو تابعی مغیرہ ابن شعبہ صحابی ہیں جن کے حالات بارہا بیان ہوچکے اور اکثر صرف مغیرہ کہنے سے یہ ہی مراد ہوتے ہیں۔دوسرے مغیرہ ابن زید موصلی یہ تابعی ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ منکرالحدیث ہیں۔تیسرے مغیرہ ابن مقسم کوفی نابینا تھے،فقہی و متقی تھے،۱۳۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔یہاں یہ تیسرے مغیرہ مراد ہیں نہ کہ مغیرہ ابن شعبہ صحابی کیونکہ حضرت مغیرہ صحابی کا انتقال ۵۰ھ پچاس ہجری میں ہوا اور عمر ابن عبدالعزیز ۹۹ھ ننانوے ہجری میں والی بنے تو یہ واقعہ حضرت مغیرہ صحابی کیسے بیان کرسکتے ہیں۔(مرقات)مگر حضرت شیخ کو یہاں سخت دھوکا لگا کہ وہ مغیرہ ابن شعبہ فرماگئے،یہاں تیسرے مغیرہ یعنی ابن مقسم کوفی مراد ہیں۔

۲؎آپ عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم ہیں،قرشی ہیں،اموی ہیں،تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابوحفص ہے،آپ کی والدہ لیلیٰ بنت عاصم ابن عمرابن خطاب ہیں یعنی حضرت عمرفاروق کی پوتی،سلیمان ابن عبدالملک کے بعد خلیفہ ہوئے، ۹۹ھ میں اور ۱۰۱ھ ایک سو ایک میں وفات پائی،مدت خلافت کل دو سال پانچ مہینہ،عمر شریف چالیس سال ہوئی یا اس سے بھی چند ماہ کم،متقی زاہد شب بیدار،بہت ہی خوفِ خدا رکھنے والے بزرگ تھے،جب آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے آپ کے زمانہ خلافت کے حالات پوچھے گئے تو فرمانے لگیں کہ خلیفہ بننے کے بعد کبھی غسل جنابت نہ کیا،رات کا اکثر حصہ آہ وزاری میں گزارتے تھے۔

۳؎یعنی باغ فدک کی آمدنی سے حضور انور یہ کام کرتے تھے اولًا اپنے گھر بار پر خرچ،پھر فقراءواقارب پر خرچ فرماتے۔**یعود** کے معنی ہیں باربار ان پر خرچ فرمانایہ فرق ہے عائدہ اور فائدہ کے درمیان،**فائدہ** ایک بار نفی اور **عائدہ** بار بار نفی۔

۴؎یعنی حضرت فاطمہ زہرا نے حضور کی زندگی پاک میں باغ فدک حضور سے مانگا۔آپ نے تملیک سے انکار فرمادیا،حضور چاہتے تھے کہ باغ میرے بعد وقف رہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام کا متروک مال وقف ہوتا ہے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا حتی کہ حضرت علی نے بھی اسے اپنی خلافت میں تقسیم نہ فرمایا۔

۵؎ یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق نے صرف متولی ہونے کی حیثیت سے اس باغ کی آمدنی کا انتظام فرمایا،کسی نے اسے اپنی ملکیت قرار نہ دیا۔حضرات امہات المؤمنین نے عثمان غنی کو حضرت صدیق اکبر کے پاس طلب میراث کے لیے بھیجنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے منع فرمادیا وہ حدیث سنا کر کہ حضرات انبیاءکرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔(دیکھو اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح)جناب فاطمہ زہرا نے صدیق اکبر سے میراث مانگی تو آپ نے وہ ہی حدیث سناکر تقسیم میراث سے انکار فرمادیا جسے حضرت زہرا نے قبول فرمایا اور اس کے متعلق کبھی ذکر تک نہ کیا،کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ سرکار فرمان مصطفٰی سن کر ناراض ہوتیں۔**فغضبت** کے معنی ہیں کچھ اور ہیں جو ان شاءاللہ اپنے مقام پر بیان ہوں گے بہرحال یہ باغ وقف رہا۔

٦؎ یعنی مروان ابن حکم نے اپنے دور حکومت میں باغ فدک پر اپنے آپ میں تقسیم کرلیا کہ کچھ حصہ اپنے پاس رکھا کچھ اپنے عزیزوں کو دیا یہ ہی صحیح ہے۔مرقات نے فرمایا کہ مروان کی یہ تقسیم خلافت عثمانی میں ہوئی محض غلط ہے۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان و علی زندہ ہوں اور مروان کی یہ حرکت دیکھ کر خاموش رہیں اور حضرت علی اپنے دور حکومت میں اس کی یہ تقسیم قائم رکھیں مرقات نے یہ سخت غلطی کی ہے۔اشعۃ اللمعات نے یہ ہی فرمایا کہ مروان کی یہ حرکت اپنے دور حکومت میں تھی۔خیال رہے کہ مروان ابن حکم حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دادا ہے،یہ زمانہ نبوی میں پیدا تو ہوا مگر حضور کے دیدار سے محروم رہا کیونکہ حضور انور نے ان کے باپ حکم کو مدینہ سے طائف نکال دیا تھا،یہ اس وقت بہت کم سن تھا خلافت عثمان میں یہ مدینہ منورہ آیا لہٰذا مروان صحابی نہیں۔

۷؎ یعنی اس باغ میں میرا کچھ حصہ نہیں یہ اسی طرح وقف رہے گا جیسے ان حضرات کے زمانہ میں وقف تھا۔چنانچہ آپ نے تمام بنی امیہ سے وہ باغ واپس لے کر ویسے ہی وقف قرار دے دیا۔یہ عدل و انصاف آپ کے انتہائی تقویٰ،طہارت خوفِ خدا کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ حضرت عمر نے اپنی خلافت میں باغ فدک حضرت علی و عباس کی تولیت میں دے دیا تھا،یہ دونوں حضرات متولی تھے نہ کہ مالک،پھر ان دونوں نے اس کی تقسیم چاہی تو جناب فاروق نے فرمایا کہ تقسیم کیسی یہ تمہاری ملکیت نہیں صرف تولیت ہے،یہ قصہ بخاری شریف وغیرہ میں بہت تفصیل سے مذکور ہے۔خیال رہے کہ حضرت علی و عباس نے ملکیت کی تقسیم نہ چاہی تھی بلکہ تولیت کی تقسیم کی خواہش کی تھی حضرت عمر نے اس کو بھی قبول نہ فرمایا تاکہ آگے چل کر یہ تقسیم ملکیت کا ذریعہ نہ بن جائے،حضور کا متروکہ مال سارے مسلمانوں کے نفع پر خرچ ہوگا مگر اس کا انتظام یا بادشاہ کرے گا یا جسے بادشاہ اسلام مقرر فرمادے۔

کتاب الصید والذبائح

شکاراورذبیحوں کابیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱صید مصدر ہے بمعنی شکار کرنا،کبھی خود شکار کردہ جانور کو بھی صید کہتے ہیں یعنی مفعول پر مصدر بول دیتے ہیں۔شکارِحرم حرام ہے،یوں ہی بحالت احرام شکار کرنا حرام ہے،محض تفریح یعنی لہوولہب کے لیے شکار کرنا بہتر نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکار نہ کیا،بعض صحابہ کرام شکار کرتے تھے،حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کیا کرتے تھے۔ذبائح جمع ہے ذبیحہ کی بمعنی ذبح کیا ہوا جانور۔

روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے۱فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنا کتا چھوڑو تو اللہ کا نام لے دو۲پھر اگر کتا تم پر روک رکھے پھر تم اسے زندہ پالو تو ذبح کرلو۳اور اگر ایسے پاؤ کہ کتے نے قتل کردیا ہو اور اسے کھایا نہ ہو تو بھی کھالو اور اگر کھالیا ہو تو اس نے اپنی ذات کے لیئے روکا ہے۴ اگر اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا پاؤ حالانکہ قتل کیا گیا ہو تو نہ کھاؤ۵ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کس نے قتل کیا اور جب تم اپنا تیر مارو تو اللہ کا نام لے لو۶پھر اگر شکار تم سے دن بھر غائب رہے تم اس میں اپنے تیر کے اثر کے سوا نہ پاؤ تو اگر چاہو تو کھالوے۷اور اگر تم اسے پانی میں ڈوبا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ۸(مسلم،بخاری)	

۱آپ عدی ابن حاتم بن عبداللہ ابن سعد طائی ہیں۔شعبان ۷ھ سات ہجری میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے،پھر حضرت علی کے پاس کوفہ میں رہے،حضرت علی کے ساتھ جنگ جمل صفین نہروان میں حاضر رہے،جنگ جمل میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی،مقام کوفہ میں ۶۷ھ سرسٹھ میں وفات پائی،ایک سو بیس سال کی عمر پائی،آپ بہت قد آور سخی تھے۔

۲یعنی شکاری کتے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑو کہ شکاری کتا تیر کی طرح مانا گیا ہے جیسے شکار پر تیر پھینکتے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے ایسے ہی اس وقت لہذا اگر شکاری کتا خود ہی شکار پر حملہ کردے تو بغیر ذبح شکار حلال نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی کتے نے جانور کو پکڑ لیا مگر ہلاک نہ کیاتم نے اسے زندہ پالیا تو ذبح کرنا فرض ہےاور اگر ذبح نہ کیا اور اب وہ مرگیا تو حرام ہوگیا۔

۴؎ یہ امر اباحت کے لیے ہےیعنی یہ جانور حلال ہے اسے کھاسکتے ہو اورنہی تحریم کے لیے ہےیعنی اگر کتے نے اس کے گوشت سے کچھ کھالیا تو تمہیں اس کا کھانا حرام ہےکیونکہ اس کھالینے سے معلوم ہوا کہ ابھی کتا معلم نہیں شکار میں جاہل ہے اور جاہل کتے کا شکار حرام ہے اگر مرگیا ہو۔

۵؎ یہ اسی صورت میں ہے کہ دوسرا کتا غیر معلم ہو تو اسے شکار پر نہ چھوڑا گیا ہو یا دیدہ دانستہ بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو یا کسی مجوسی یا ہندو وغیرہ نے چھوڑا ہو جس کا ذبیحہ حرام ہے۔اگر دوسرا کتا بھی معلم کسی مسلمان شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہوپھر ان دونوں نے شکار کیا تو شکار حلا ل ہے۔(دیکھوکتب فقہ اور مرقات)اگرشرائط میں سے کسی شرط کاعلم نہ ہو تب بھی شکار حرام ہے بہرحال اس میں بہت پابندی ہے۔(اشعہ)

۶؎ تیر سے مراد ہر دھاردار یا نوکیلا ہتھیار ہے جو جسم کو دھار سے کاٹ سکےلہذا اگر شکاری جانور پر تلوار یا چاقو پھینک کر مارا اور وہ دھار یا نوک کی طرف سے لگا تو بھی حلال ہےلیکن غلہ یا گولی کا مارا ہوا حرام ہے تاوقتیکہ ذبح نہ کیا جائے۔

۷؎ یعنی اگر تمہارا دل گواہی دے کہ یہ تمہارے تیر سے ہی مرا ہے تو کھاسکتے ہو اگر دل نہ چاہے اس میں شبہ ہو کہ شاید کسی اور وجہ سے مرا ہوگا تو نہ کھاؤ۔(مرقات)

۸؎ کیونکہ اب شبہ ہے کہ شاید یہ ڈوب کر مرا ہو مشکوک چیز سے پرہیز کرو۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اپنے سکھائے ہوئے کتے چھوڑتے ہیں ۱؎ فرمایا جو تم پر روک لیں وہ کھالو میں نے کہا اگرچہ قتل کردیں فرمایا اگرچہ قتل کر دیں ۲؎ میں نے کہا ہم تیر سے مارتے ہیں ۳؎ فرمایا جو پھاڑ دے وہ کھالو اور جو چوڑائی میں لگے پھر قتل کردے تو وہ موقوذہ ہے وہ نہ کھاؤ ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کلب معلم(شکاری)وہ کتا ہے جو مالک کے چھوڑنے پر دوڑ جائے واپسی کے اشارہ پر واپس آجائے اور شکار میں کچھ نہ کھائے۔جب تین بار اس کا تجربہ کرلیا جائے تو وہ معلم ہے اگر وہ جانور کو زخمی کردے اور جانور مرجائے تو حلا ل ہے اگر بغیر زخم کے مرگیا تو حرام ہے۔

۲؎ بشرطیکہ جانور اس کے دانت سے زخمی ہوخون بہا ہو۔

۳؎ معراض وہ بھاری تیر ہے جس میں نہ پر ہو نہ نوک والا لوہا،لکڑی نوکیلی ہو۔

۴؎ یعنی وہ تیر وسط کے لحاظ سے لاٹھی ہےکنارہ کے لحاظ سے تیر ہےلہذا اگر نوک کی طرف سے لگے تو حلال ہےاگر لاٹھی کی طرح بیچ سے لگےجس کے بوجھ سے شکار مرجائے تو وہ لاٹھی سے مارا ہوا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوثعلبہ خشنی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض

	کیا یا نبی اللہ ہم اہل کتاب کی زمین میں رہتے ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں۲ اور ہم شکار کی زمین ہی میں ہیں اپنی کمان اور اپنے سکھائے ہوئے کتے سے اور بغیر سکھائے کتے سے شکار کرتا ہوں تو کیا چیز درست ہے۳ فرمایا جو تم نے کتابیوں کے برتنوں کے متعلق پوچھا تو اگر تم اس کے سوا اور برتن پاؤ تو اس میں نہ کھاؤ اور اور اگر نہ پاؤ تو اسے دھولو اور اس میں کھاؤ۴ اور جو تم اپنی کمان سے شکار کرو اس پر اللہ کا نام لیا ہو تو کھاؤ۵ اور جو تم اپنے سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرو اس پر اللہ کا نام لو تو کھالو اور جو اپنے غیر سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرو تو اس کی ذبح کو پالو تو کھالو۶ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ اپنی کنیت میں مشہور ہیں،قبیلہ خشن سے ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی قوم کا مبلغ بناکر بھیجا،آپ کی تبلیغ سے وہ سب مسلمان ہوگئے،آپ کا قیام شام میں رہا،۷۵ھ پچھتّر ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ یعنی ہم کو ان اہل کتاب کے گھروں یا دوکانوں میں کبھی کھانا پڑ جاتا ہے یا وہ لوگ کبھی ہم کو سالن وغیرہ بھیجتے ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھالیا کریں۔خیال رہے کہ اہل کتاب سے خریدوفروخت بھی جائز ہے ان کے ہدیے قبول کرنا بھی جائز ہے۔

۳؎ یعنی ہمارے ملک میں شکار بہت پایا جاتا ہے اور ہم لوگ عمومًا شکار کیا کرتے ہیں،تیروں سے بھی،شکاری کتوں سے بھی اور آوارہ کتوں سے بھی ان میں سے کون سا شکار حلال ہے کون سا نہیں،نہایت قابلیت کا سوال ہے ایک عبارت میں چار مسئلے پوچھ لیے۔

۴؎ اس بے نظیر و بے مثال جواب میں فتویٰ بھی ہے،تقویٰ بھی۔تقویٰ یہ ہے کہ ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ اور فتویٰ یہ ہے کہ دھوکر کھالو۔یہ ان کفار کے استعمال کے برتنوں کا ذکر ہے جن میں قوی احتمال یہ ہے کہ وہ سؤر اور شراب استعمال کرتے ہوں گے ان کے غیر استعمالی برتن جو بالکل نئے ہوں ان کے دھونے کی ضرورت نہیں،ان کے ہاں کا پکا ہوا کھانا بھی اسی تفصیل پر ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ نہ کھائے ممکن ہے کہ انہوں نے ایسے برتن میں پکایا ہو جس میں سؤر بھی پکاتے ہوں اور فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس کی طہارت غالب گمان سے معلوم ہو تو کھالے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیر مارا ہو حقیقتًا پڑھا ہو یا حکمًا اور جانور مرگیا ہو تو کھالو کہ اس کا یہ ذبیحہ ہوگیا۔خیال رہے کہ اگر مسلمان ذبح یا تیر مارتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا ہو تو ذبیحہ وشکار حلال ہے،دانستہ چھوڑ دیا تو احناف کے ہاں حرام ہے،شوافع کے ہاں جائز ہے۔تحقیق کتب فقہ پر ملاحظہ کرو۔

۶؎ یعنی شکاری کتا جس پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ دی گئی ہو اگر جانور اس سے زخمی ہوکر مرگیا ہو تب بھی حلال ہے اور آوارہ کتے کا شکار اگر زندہ مل جائے اور ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے ورنہ حرام۔خلاصہ یہ ہے کہ مردہ شکار کے حلال ہونے کی تین شرطیں بیان فرمائیں:کتے کا معلم یعنی شکاری ہونا،اسے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لینا،زخمی ہوکر جانور کا مرنا کہ اس کا خون بہہ جائے اگر ان میں سے کوئی شرط نہ ہو تو شکار حرام ہے۔رب تعالٰی کا فضل ہے کہ میں آج کل تفسیر قرآن کا چھٹا پارہ لکھ رہا ہوں اور مرآت کی چھٹی جلد اور حسنِ اتفاق ہے کہ آج تفسیر نعیمی میں سورۂ مائدہ کی تفسیر میں شکار کی آیت کی تفسیر شکار کے مسائل آج ہی لکھے ہیں اور مرآت میں بھی یہ ہی مسائل آج ہی لکھ رہا ہوں،رب تعالٰی قبول فرمائے۔یہ آج پندرہ جمادی الاخر ۱۳۸۵ھ گیارہ اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز دوشنبہ لکھ رہا ہوں،رب تعالٰی دونوں کتابیں قبول فرماکر صدقہ جاریہ بنائے۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور نے اس کے متعلق فرمایا جو اپنا شکار تین دن بعد پائے تو کھالو جب تک بو نہ دے ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ اس صورت میں ہے جب معلوم ہو کہ جانور تیر سے ہی مرا ہے کسی اور سبب سے نہ مرا لیکن اگر اس میں شک ہو تو نہ کھائے مثلًا تیر خوردہ جانور پانی میں ڈوبا ہوا ہو تو نہ کھاؤ کہ شاید پانی میں ڈوب کر مرا ہو،سڑا بسا گوشت یا اور غذا جو بدبودار ہو اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر مضر صحت ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔(شامی،مرقات)مگر سڑی چربی جو بو دے رہی ہو اگر پکاکر کھائی جائے جس سے اس کی بو اور ضرر دونوں جاتے رہیں تو جائز ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم اپنا تیر مارو پھر شکار تم سے غائب ہو جائے پھر تم اسے پالو تو جب تک بو نہ دے کھالو ۱؎(مسلم)

۱؎ تین دن کی قید اتفاقی ہے۔اگر موسم گرما ہو اور ایک دو دن میں ہی بو پیدا ہوجائے تو نہ کھائے اور اگر سخت سردی کا موسم ہو کہ چار دن میں بھی بو پیدا نہ ہو تو کھالیا جائے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہاں کچھ ایسی قومیں ہیں جن کا زمانہ شرک کے قریب میں ۱؎ ہے وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہم جانتے نہیں کہ اس پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں فرمایا تم بسم اللہ کرو اور کھاؤ ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی وہ لوگ مسلمان تو ہوگئے ہیں مگر انہیں مسلمان ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے،اسلامی احکام سے بے خبر ہیں،ذبح وغیرہ کے احکام نہ جانتے ہوں گے ان کے متعلق شک ہی ہے کہ انہوں نے بسم اللّٰہ سے ذبح کیا ہے یا بغیر بسم اللّٰہ یوں ہی۔

۲؎ یعنی تم بلاوجہ مسلمان کے ذبیحہ پر شک نہ کرو وہ حلال ہے تم بلا دغدغہ بسم اللّٰہ کرکے کھاؤ۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر بوقت ذبح بسم اللّٰہ نہ پڑھی گئی تو اب کھاتے وقت بسم اللّٰہ پڑھنا کافی ہوگا یہ تو ناممکن ہے لہذا یہ حدیث واضح ہے۔

روایت ہے حضرت ابوطفیل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت علی سے پوچھا گیا کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز سے خاص کیا ہے فرمایا ۲؎ ہم کو حضور نے کوئی خاص چیز نہ دی جو عام لوگوں کو نہ دی ہو ۳؎ سوائے اس کے جو میری اس تلوار کے پرتلے میں ہے ۴؎ چنانچہ آپ نے ایک کتابچہ نکالا جس میں تھا کہ اللہ اس پر لعنت کرے جو غیر خدا کے نام پر ذبح کرے ۵؎ اور اللہ اس پر لعنت کرے جو زمین کے نشان چرائے،ایک روایت یوں ہے کہ جو زمین کے نشان بدلے ۶؎ اور اپنے باپ پر لعنت کرے ۷؎ اور اللہ اس پر لعنت کرے جو بدعتی کو جگہ دے ۸؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے،لیثی کنانی ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہیں،حضور کی وفات سے آٹھ سال پہلے ایمان لائے،حضور کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے،۱۰۲ھ ایک سو دو میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی،روئے زمین پر آخری صحابی آپ ہی ہیں جن کی وفات سے دور صحابہ ختم ہوگیا اور آپ کی وفات سے زمین صحابہ سے خالی ہوگئی،بہت فصیح اور حاضر جواب تھے رضی اللہ عنہ۔(مرقات و اشعہ)

۲؎ خلافت حیدری میں روافض کا ظہور ہوا،ان لوگوں نے مشہور کیا تھا کہ اصلی قرآن اور اصلی تعلیم اسلام اہل بیت اطہار کے خصوصًا حضرت علی کے پاس ہے جو ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں اور کسی کے پاس نہیں ہے اس لیے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایسے سوالات کیا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی وہ ہی قرآن اور حضور کی وہ ہی تعلیم میرے پاس ہے جو عام مسلمانوں کے پاس ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری شریعت سارے لوگوں کو دے گئے ہیں۔

۴؎ تلوار سے مراد ذوالفقار ہےجو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو عطا فرمائی تھی۔قراب قاف کے کسرہ سے تلوار کا ظرف جس میں میان کی ہوئی تلوار رکھی جاتی ہے یعنی کچھ اوراق تھوڑے سے ہیں جو میں نے اپنی یاداشت کے لیے اس پر تلے میں رکھ لیے ہیں اور اتنے تھوڑے ہیں جو اس میں آگئے ستر گز لمبا چوڑا قرآن مجید اس پر تلے میں کیونکر آسکتا ہے۔

۵؎ جیسے مشرکین اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں جو مسلمان یہ عمل جائز سمجھ کر کرے وہ مشرک و مرتد ہے۔

۶؎ منار جمع ہے منارۃ کی بمعنی علامت۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے زمین کی حدود کی علامات مراد ہیں جو ملکی حدود ہو یا شخصی حدود مثلًا کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کے کھیت باغ مکان کے حصوں پر ناجائز قبضہ کرنے کے لیے اس کی حدود مٹادے۔ایسے ہی ملکی سرحدوں کی علامات کا حال ہے اور ہوسکتا ہے کہ علامات سے مراد راستہ کے راہبری کے نشانات ہوں جو مسافر کی رہنمائی کرتے ہیں جیسے میل،فرلانگ یا راستہ دکھانے والے علامات جیسے چوراہوں پر لکڑی کے ہاتھ لگے ہوتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شہر کا راستہ یہ ہے،چونکہ انکے مٹانے سے مسافر کو سخت تکلیف ہوتی ہےاس لیے اس پر یہ عتاب فرمایا گیا۔

۷؎ اپنے باپ کو گالی دینے کی دو صورتیں ہیں: براہ راست گالی دینا،دوسرے اس طرح کہ تم کسی کے باپ کو گالی دو تو جواب میں تمہارے باپ کو گالی دے کہ یہ در پردہ تمہارا ہی گالی دینا ہے۔شعر

گر مادر خویش دوست داری　　　دشنام مدہ بمادر کس

(ترجمہ)اگر تم کو اپنی ماں کی عزت پیاری ہے تو دوسرے کی ماں کو گالی نہ دو۔

۸؎ محدث دال کے کسرہ سے،اس کے دو معنی ہیں:ایک تو ظالم جانی جوکسی کو قتل یا زخمی کرے جس سے اس پر قصاص لازم ہو جو اسے چھپائے اس کی پناہ بنے،اس کی حمایت کرے،اس پر لعنت ہے۔ظالم کو سزا دلوانا چاہیے،اسے چھپانے بچانے کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔(مرقات)دوسرے بدعتی اور اس سے مراد اعتقادی بدعت ہے یعنی اسلام میں نئے عقائد نکالنے والا بھی لعنتی ہے اور جو اس کی حمایت و حفاظت و مدد کرے وہ بھی لعنتی ہےجیسے معتزلہ،خوارج،روافض وغیرہ ان کی اصلاح کرنا چاہیے نہ کہ انکی حمایت۔(اشعہ)خیال رہے کہ مؤمن گنہگار کو وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت مگر نام لے کر لعنت صرف کفار کے لیے ہے اور بعد موت اس کافر پر لعنت جائز ہے جس کا کفر کرنا دلائل سے معلوم ہووہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کافر لعنتی تھا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمن سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھریاں ہی نہیں تو کیا ہم بانس سے ذبح کریں ۱؎ فرمایا جو خون بہادے اور اللہ کا نام لیا جائے تو کھالو ۲؎ سواء دانت اور ناخن کے میں اس کے متعلق بتاتا ہوں لیکن دانت تو ہڈی ہے ۳؎ لیکن ناخن وہ حبشیوں کی چھری ہے ۴؎ اور ہم نے اونٹ و بکریاں غنیمت میں حاضر کیں تو ان میں سے ایک	

	اونٹ بھاگ گیا تو ایک شخص نے اسے تیر مار کر دھرلیا ۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اونٹوں کی عادات وحشیوں کی عادات سی ہیں ٦؎ تو جب ان میں سے کوئی جانور تم پر غالب آئے تو تم ان سے یہ ہی کرو ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کل سے مراد یا تو اگلا زمانہ ہے یا اگلا کل۔مقصد یہ ہے کہ ہم جہاد میں جاتے ہیں،ان کے جانور غنیمت میں ملتے ہیں کبھی انہیں ذبح کرنا پڑجاتاہےاور ہمارے پاس چھری ہوتی نہیں کیا ہم بانس کی کھپچ سے ذبح کرلیں کیونکہ اس میں بھی دھار ہوتی ہے جانور ذبح ہوسکتا ہے۔بانس کا نام بطور مثال لیا ہے مراد ہے ہر دھاردار چیز بانس کا ٹکڑا ہو کانچ کا یا پتھر کا۔

۲؎ یعنی ہاں ذبح کرسکتے ہو اور کھاسکتے ہو،یہ حکم شکار اور غیر شکار سب کو شامل ہے تیر یا تلوار سے شکار کو قتل کیا تو حلال ہے یوں ہی دھار دار آلہ سے بکری کو ذبح کیا حلال ہے۔

۳؎ اور ہڈی سے جیسے استنجاء کرنا منع ہے کہ اس سے وہ نجس ہوجاتی ہے ایسے ہی ذبح کرنا منع ہے کہ اس سے وہ نجس ہوگی،یہ ہمارے بھائی جنات کا کھانا ہے۔

۴؎ لہذا اس سے ذبح کرنے میں کفار حبشہ سے مشابہت ہے لہذا اس سے بچو۔خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک جبڑے میں جڑے ہوئے دانتوں سے اور اپنے مقام پر لگے ہوئے ناخن کا ذبیحہ حرام ہے اور الگ دانت الگ ناخن سے ذبح کرنا مکروہ مگر اس سے ذبح ہوجائے گا،باقی اماموں کے ہاں مطلقًا دانت و ہڈی کا ذبیحہ حرام ہے،دلائل کتب فقہ میں اور مرقات و اشعہ میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ یعنی غنیمت کا ایک اونٹ سرکش ہوکر بھاگ گیا پکڑا نہ جاتا تھاتو ایک شخص نے اسے تیر مارا جس سے وہ زخمی ہوکر گر گیا اور مرگیا۔(مرقات)

٦؎ اوابد جمع ہے آبدۃ کی،آبدۃ کے معنی ہیں نفرت اور وحشت کی عادت یعنی اونٹ ہے تو پالتو جانور مگر کبھی اس میں وحشی جانوروں کی نفرت و وحشت ہوجاتی ہے اور یہ وحشی بن جاتاہے۔

۷؎ یعنی پالتو جانور کا ذبح حلق و گلے میں ہوتا ہے اور شکار کا جانورجو قبضہ میں نہ ہو اس کا ذبح یہ ہے کہ جہاں بھی شکاری کا تیر لگ جائے و خون بہہ جائے ذبح ہوجائے گا مگر جب پالتو جانور وحشی ہوکر قبضہ سے باہر ہوجائے تو اس کا ذبح بھی اس طرح درست ہوگا کہ جہاں تیر لگ جائے خون نکل جائے ذبح درست ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر بکری یا مرغی کنوئیں میں گرجائے وہاں مرر ہی ہو تو اس کا ذبیحہ بھی اسی طرح ہوجائے گا۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ۱؎ کہ ان کی ایک بکری تھی سلع میں چرتی تھی ۲؎ تو ہماری ایک لونڈی نے ایک بکری کو مرتے دیکھا تو اس نے ایک پتھر توڑا اس سے اسے ذبح کردیا ۳؎ تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضور نے اس کے کھانے کی اجازت دی ۴؎ (بخاری)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،انصاری ہیں،آپ ہی غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے،آپ ہی کے متعلق سورۂ توبہ کی مشہور آیات نازل ہوئیں۔

۲؎ سلع مدینہ منورہ میں غربی جانب مشہور پہاڑ ہے جس پر غار واقع ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔فقیر نے بھی بار ہا اس کی زیارت کی ہے۔

۳؎ یعنی ایک بکری ریوڑ میں اچانک مرنے لگی تو چرانے والی لونڈی نے ایک پتھر لمبائی میں توڑا جس سے اس میں دھاردار کنارہ پیدا ہوگیا،اس دھار کی طرف سے اسے ذبح کردیا کیونکہ چھری موجود نہ تھی۔

۴؎ یعنی بکری حلال ہوگئی اس کا کھانا جائز ہے۔معلوم ہوا جس دھاردار چیز سے ذبح کردیا جائے ذبح ہوجاتا ہے چھری یا چاقو تو شرط نہیں۔

	روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ تعالٰی نے ہر چیز پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے ۲؎ لہذا جب تم قتل کرو تو احسان و بھلائی سے قتل کرو ۳؎ اور جب تم ذبح کرو تو ذبح بھلائی سے کرو ۴؎ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری تیز کرلیا کرے اور اپنے ذبیحہ کو راحت دے ۵؎ (مسلم)

۱؎ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھتیجے ہیں کیونکہ اوس اور حسان دونوں ثابت کے بیٹے ہیں،خود بھی صحابی ہیں اور آپ کے والد یعنی ثابت ابن منذر بھی صحابی ہیں،حضرت ابوالدرداء اور عبادہ ابن صامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے شداد ابن اوس کو علم و حلم دونوں عطا فرمائے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی انسان ہو یا جانور مؤمن ہو یا کافرسب کے ساتھ اس کے مناسب بھلائی و سلوک کرنا لازم ہے۔ظلم کسی پر جائز نہیں،یہ ہے حضور کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی شان۔

۳؎ یعنی اگر تم قاتل یا کافر کو قصاص یا جنگ میں قتل کرو تو ان کے اعضاء نہ کاٹو مثلہ نہ کرو پتھر کی چھری اور کھٹل تلوار سے ذبح نہ کرو کہ یہ رحم کے خلاف ہے۔

۴؎ اس بھلائی کی کئی صورتیں ہیں: مثلًا جانور کو ذبح سے پہلے خوب کھلاپلالیا جائے ایک کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کیا جائے اس کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے،ماں کے سامنے بچے کو اور بچے کے سامنے ماں کو ذبح نہ کیا جائے،مذبح کی طرف گھسیٹ کر نہ لے جایا جائے اور جان نکل جانے سے پہلے اس کی کھال نہ اتاری جائے کہ یہ تمام باتیں ظلم و زیادتی ہیں۔

۵؎ تیز چھری سے ذبح کردینے میں راحت ہے،کھنڈی چھری سے ذبح کرنے میں بہت تکلیف ہوتی ہےاس سے بچے،پوری گردن نہ کاٹ دے صرف حلقوم اور رگیں کاٹے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ حضور جانور وغیرہ کو قتل کرنے لئے

	باندھنے سے منع فرماتے تھے۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎اس طرح کہ جو جانور اپنے قبضہ میں ہو اسے باندھ دیا جائے اور اس پر تیر کا نشانہ لگایا جائے اور شکار کی طرح اسے مارا جائے یا یہ مطلب کہ ذبح سے کئی دن پہلے اسے بھوکا پیاسا باندھ کر رکھا جائے پھر کمزور ہوجانے پر اسے ذبح کیا جائے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت کی جو ایسی چیز کو نشانہ بنائے جس میں روح ہو۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ جانور کو باندھ کر اسے تیر کا نشانہ بنایا جائے یہ حرام ہے کہ اس میں اگر وہ مرگیا تو جانور حرام ہوگیا نہ مرا اور ذبح کیا گیا تو اسے بلاوجہ ڈبل تکلیف دی گئی بہرحال مطلب واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی ایسی چیز کو نشانہ نہ بناؤ جس میں جان ہے۱؎(مسلم)

۱؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا ورنہ شکار تو حلال ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے میں مارنے چہرے میں داغ لگانے سے منع فرمایا۱؎(مسلم)

۱؎انسان یا جانور کے چہرے پر مارنا سخت منع ہے منہ پر نہ طمانچہ مارے نہ کوڑا وغیرہ کیونکہ چہرے میں نازک اعضاء ہیں جیسے آنکھ،ناک،کان جن پرچوٹ لگنے سے موت یا اندھے ہوجانے یا چہرہ بگڑ جانے کا خطرہ ہے اور چہرے میں داغ لگانا تو بہت ہی برا ہے کہ اس میں تکلیف بھی بہت ہے اور منہ کا بگاڑ دینا۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گدھا گزرا جس کے چہرے میں داغ لگایا گیا تھاتوفرمایا کہ اللہ اس پر لعنت کرے جس نے اسے داغا۱؎ (مسلم)

۱؎اگر یہ گدھا کسی کافر یا منافق کا تھا اور اس نے ہی یہ حرکت کی تھی تب تو لعنت کے معنی بالکل ظاہر ہیں اور اگر کسی مسلمان کا تھا تو لعنت بالوصف گنہگار مسلمان پر جائز ہے جیسے کہا جائے کہ جھوٹے پر لعنت۔خیال رہے کہ چہرے میں داغ لگانا مطلقًا حرام ہےخواہ جانور کے لگائے یا انسان کے۔چہرے کے علاوہ جانوروں کو داغنا علامت و پہچان کے لیے جائز ہے خصوصًا زکوۃ وجزیہ کے جانور۔انسان کے داغ لگانا علاج کے لیے جائز ہے جیسے بعض بیماریوں کا علاج داغ دینا ہی ہوتا ہے،علاج کے علاوہ ممنوع۔حضرت ابی ابن کعب،سعد ابن معاذ،حضرت جابر اور اسعد ابن زرارہ وغیرہم صحابہ کرام نے بعض زخموں میں داغ لگائے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے۔اس داغ کو عربی میں گیّ کہتے ہیں۔جن احادیث میں گیّ یعنی داغنے سے منع فرمایا ہے وہاں وجہ کچھ اور ہے جو ان شاء اللہ ہم کتاب الطب میں عرض کریں گے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عبداللہ ابن ابوطلحہ کو لے گیا تاکہ آپ اس کی تحنیک فرمادیں۱؎ تو میں نے آپ کو پایا کہ آپ کے ہاتھ میں داغنے کا آلہ تھا صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے تھے ۲؎(بخاری)

۱؎عبداللہ ابن ابوطلحہ حضرت انس کے سوتیلے بھائی ہیں یعنی ماں شریک بھائی ہیں،حضرت انس تو ام سلیم کے پہلے خاوند سے پیدا ہوئے تھے مگر یہ عبداللہ حضرت ابوطلحہ سے تھے،حضرات صحابہ اپنے نومولود بچے کو حضور کی خدمت میں لاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور چباکر اپنی زبان شریف سے بچے کے تالو میں لگادیتے تھے تاکہ بچے کے منہ میں سب سے پہلے حضور کا لعاب شریف پہنچے،اس عمل کا نام تحنيك ہے۔

۲؎یعنی آپ بنفس نفیس اس آلہ سے زکوۃ کے اونٹوں کو داغ دے رہے تھے تاکہ زکوۃ کے اونٹ دوسرے اونٹوں سے چھٹ جائیں۔یہ داغ چہرے کے علاوہ اورکسی عضو پر لگائے جاتے تھے۔لوہے کا ٹکڑا گرم کرکے جانور کے ران یا ٹانگ پر داغ دیا جاتا ہے،یہ داغ پھر کبھی چھوٹتا نہیں،رنگ وغیرہ کے نشانات مٹ جاتے ہیں۔ہم نے بعض حبشیوں کو دیکھا کہ ان کے رخسار پر لکیریں داغی ہوتی ہیں یہ حرام ہے جیساکہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا۔

	روایت ہے ہشام ابن زید سے وہ حضرت انس سے راوی فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ طویلہ میں تھے آپ کو دیکھا کہ آپ بکریوں کو داغ رہے تھے مجھے خیال ہے کہ فرمایا ان کے کانوں میں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎حسبته میں ہ کا مرجع حضرت انس ہیں اور یہ قول ان ہشام ابن زید تابعی کا ہے جو حضرت انس سے یہ حدیث روایت فرمارہے ہیں۔یعنی مجھے خیال ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی بکریوں کے کانوں میں داغ لگارہے تھے۔معلوم ہوا کہ کان میں داغ لگانا بھی بالکل جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ ہم میں سے کوئی شکار پائے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا پتھر سے یا لاٹھی کی پھاڑی سے ذبح کردے۱؎ تو فرمایا جس چیز سے چاہو خون بہادو ۲؎اور اللہ کا نام لے

	دو۔(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ مروہ سفید پتھر کو کہتے ہیں اس لیے ایک پہاڑ مکہ کا نام بھی مروہ ہے "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ" پتھر سے مراد پتھر کا وہ ٹکڑا ہے جو دھار دار ہو،یوں ہی لاٹھی کے ٹکڑے سے مراد بانس کی دھاردار کھپچ ہے جس سے ذبح کیا جاسکتا ہے۔

۲؎ امربنا ہے امراء سے بمعنی گزارنا اور بہانا یہاں بمعنی بہانا ہے،بعض نسخوں میں امر ر کے کسرہ سے ہے۔چونکہ خون بہہ کر اپنی جگہ سے گزرتا ہے اس لیے بہانے کو امراء کہہ دیتے ہیں بمر شئت میں ماکاالف گرادیا گیا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو العشراء سے وہ اپنے والد سے ۱؎ راوی کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ذبح حلق اور سینہ کے بغیر ہی نہیں ہوتا ۲؎ تو فرمایا اگر تم اس کی ران میں نیزہ مارو تو کافی ہے ۳؎(ترمذی، ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ گرے ہوئے کاذبح ہے ۴؎ اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ ضرورت کی حالت میں ہے ۵؎

۱؎ ابوالعشراء عین کے پیش سے،ان کا نام اسامہ ابن مالک ہے،تابعی ہیں،دارمی بصری ہیں،اپنے والد سے روایت کرتے ہیں،بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے،چنانچہ ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور امام احمد ابن حنبل نے ان کو ضعیف فرمایا۔(اشعہ)

۲؎ لبہ حلق کا آخری کنارہ جو سینہ سے متصل ہے یا سینہ کے اوپری کنارہ جو حلقوم سے قریب ہے۔سوال کا مقصد یہ ہے کہ کیا ذبح کی یہ ہی صورت ہے کہ گلے اور سینے کے درمیان ہو،اگر یہ ہی ذبح ہے تو جو جانور قبضہ میں نہ ہو اور مر رہا ہو کیسے کیاجائے جیسے کنوئیں میں گری ہوئی بکری۔

۳؎ یہ اضطراری ذبح کاذکر ہے جب جانور قبضہ میں نہ ہو اور اس کاذبح کرنا ضروری ہو تو جہاں کہیں نیزہ بھالامار دیا جائے اور خون بہہ جائے ذبح ہوجائے گا جیسے بھاگی ہوئی گائے،کنوئیں میں گرا ہوا جانور اور تیر سے مارا ہوا شکار۔

۴؎ یعنی کنوئیں میں گرا ہوا جانور جب اس کے نکالنے کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے مرجانے کا اندیشہ ہو تب اس طرح ذبح کرلیا جائے۔

۵؎ یہ تفسیر پہلی تفسیر سے زیادہ عام اور زیادہ شامل ہے،اس میں کئی صورتیں داخل ہیں جو ابھی ہم نے حاشیہ نمبر۲ میں بیان کیں جسے ذبح اضطراری کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کتے یا باز کو تم سکھا لو پھر اسے چھوڑو اور اللہ کا نام ذکر کردو تو اس میں سے کھاؤ

	۱؎جو اس نے تمہارے لیے روک رکھا ہے میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ قتل کردے فرمایا اگرچہ قتل کردے ۲؎اور اس میں سے کچھ نہ کھائے کیونکہ اس نے تمہارے واسطے روکا ہے۳؎(ابوداؤد)

۱؎کتے اور باز کا ذکر بطور مثال ہے ورنہ ہر شکاری جانور کا یہ ہی حکم ہے جیسے سکھایا ہوا چیتا یا شکرہ،ہاں بلی اس حکم سے خارج ہے کہ وہ اس معنی سے شکاری نہیں کہ جنگل میں دوڑ کر حملہ کرکے جانور شکارکرے وہ تو صرف گھر کے چوہوں مرغیوں کا شکار کرتی ہے۔

۲؎معلوم ہوا کہ اس قسم کے شکار،شکاری جانور کا قتل کرڈالنا مضر نہیں بلکہ کھانا مضر ہےاگرچہ کھالیا ہے تو بقیہ گوشت حرام ہے ورنہ حلال۔

۳؎یعنی اس کا کچھ نہ کھانا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے وہ گوشت تمہارے لیے بچا کر رکھا ہے اور وہ سدھا ہوا شکاری ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں شکار کو تیر مارتا ہوں تو کل اس میں اپنا تیر پاتا ہوں۱؎فرمایا جب تم یقین کرلو کہ تمہارے تیر نے اسے مارا ہے اور اس میں درندے کا اثر نہ دیکھو تو کھالو۲؎ (ابوداؤد)

۱؎یعنی آج میرا شکار غائب ہوگیاتلاش پر بھی نہ ملا کل مرا ہواملا جس میں میرے گزشتہ کل کے تیر کا زخم ہے وہ حلال ہے یا نہیں۔

۲؎درندے کا ذکر بطور مثال ہےورنہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی اور وجہ سے اس کے مرنے کا احتمال ہو تو ہرگز نہ کھایا جائے مثلًا پانی میں ڈوبا ہےکیونکہ نہیں معلوم وہ مرکر پانی میں گرا ہے یا گر کر مرا ہےایسے مشکوک شکار کو ہرگز نہ کھایا جائے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم کو مجوسیوں کے کتے کے شکار سے منع فرمایا گیا۱؎ (ترمذی)

۱؎کیونکہ مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال ہے اور اگر مسلمان کا کتا مجوسی نے چھوڑا تو اس کا مارا شکار حرام ہے اور اگر مسلمان و مجوسی دونوں نے اپنے کتے چھوڑےدونوں نے مل کر شکار کیاتب بھی جانور حرام ہے مسلمان ہرگز نہ کھائے۔غرضیکہ کتا چھوڑنے والے کا اعتبار ہے،کتاکااعتبار نہیں یہ بہت خیال رہنا چاہیے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ عیسائی یہودی کا شکاری کتا شکار کرے تو حلال ہےاگرچہ اسے عیسائی یا یہودی نے چھوڑا ہوا۔اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے تو اس کا شکار بھی حلال مگر شرط یہ ہے کہ وہ کتا بھی بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے مسیح یا عزیز کے نام پر نہ چھوڑے کہ غیر خدا کے نام پر ذبیحہ تو مسلمان کا بھی حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوثعلبہ خشنی سے فرماتے ہیں میں نے عرض

	کیا یارسول اللہ ہم لوگ سفر والے ہیں ایہود اور عیسائیوں اور مجوسیوں پر گزرتے ہیں تو ان کے برتنوں کے سوا اور برتن نہیں پاتے فرمایا اگر ان کے علاوہ نہ پاؤ تو انہیں پانی سے دھولو پھر اس میں کھاؤ پیو ۲ (ترمذی)

۱یعنی میں اور میرے قبیلہ والے لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں اور ہم کو اکثر یہ واقعات پیش آتے ہیں جو عرض کررہے ہیں۔

۲یہ حکم احتیاطی ہے،چونکہ یہودونصاریٰ اپنے برتنوں میں سؤروشراب استعمال کرتے ہیں پھر باقاعدہ انہیں پاک نہیں کرتے اس لیے اس احتیاط کا حکم دیا گیا۔فتویٰ یہ ہے کہ یہودونصاریٰ بلکہ مشرکین کے برتن ان کے پکائے ہوئے کھانے پاک ہیں جب تک کہ ہم کو انکے ناپاک ہونے کا علم نہ ہو شریعت ظاہر پر ہے۔آج ولایتی دوائیں،گھی اور بہت سی قسم کے بسکٹ،چاکلیٹ وغیرہ ولایت سے بن کر آتی ہیں،مسلمان عموماً استعمال کرتے ہیں،یوں ہی ولایتی دودھ بلکہ ولایتی ڈبوں کا گوشت یہ سب کچھ شرعًا پاک و حلال ہیں کیونکہ ان کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔تقویٰ یہ ہے کہ ان کے کھانے سے پرہیز کرے،یوں ہی ولایتی کپڑے پاک ہیں ان کا دھونا لازم نہیں۔حضرات صحابہ کرام بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیۃً بھیجے ہوئے کپڑے استعمال فرمائے،ان میں نمازیں پڑھیں یہ سب فتویٰ ہے یہاں تقویٰ کی تعلیم ہے اور یہ امر استحبابی ہے۔

	روایت ہے قبیصہ ابن ھلب سے وہ اپنے والد سے راوی افرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسائیوں کے کھانے کے متعلق پوچھا اور ایک روایت میں ہے کہ حضور سے ایک آدمی نے پوچھا ۲تو فرمایا کھانوں میں سے ایک کھانا ہے جس میں ہم حرج سمجھتے ہیں ۳ فرمایا تمہارے سینہ میں کچھ نہ چبھنا چاہیے ۴تم اس بارے میں عیسائیت سے مشابہہ ہوگئے ۵ (ترمذی،ابوداؤد)

۱قبیصہ تابعی ہیں،ان کے والد ھلب صحابی ہیں،ھلب ان کا لقب ہے،نام یزید ابن قنافہ ہے،قبیلہ بنی طی سے ہیں۔قبیصہ کو نسائی اور ابن مدین نے مجہول کہا،امام عجلی اور ابن حبان نے ثقہ فرمایا۔(اشعہ،مرقات)ابوداؤد اور ترمذی نے ان سے صرف یہ ہی حدیث روایت کی۔

۲یعنی یہودونصاریٰ کے پکائے ہوئے حلال کھانے مسلمانوں کو کھانا مباح ہیں یا نہیں جیسے ان کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی،چاول،دال،بکری وغیرہ کا گوشت،یہ پوچھنے والے عدی ابن حاتم تھے جو پہلے عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہوئے جیساکہ اشعہ میں ہے۔

۳یعنی اہل کتاب وغیرہم کے پکائے ہوئے کھانوں میں ہم کو شبہ رہتا ہے کہ یہ کھانے یا پانی یا برتن پاک ہیں یا نہیں ہم انہیں کھائیں یا نہ کھائیں۔

۴؎ یعنی ایسے کسی کھانے میں بلاوجہ شک نہ کرو شوق سے کھاؤ بغیر دلیل کسی چیز کو ناپاک نہ سمجھو،اسلام میں آسانی ہے ایسی سختیاں نہیں۔خیال رہے کہ یہاں وہم کا ذکر ہے یعنی بلا دلیل ایسے کھانوں کو ناپاک یا حرام سمجھنا کہ شاید پکانے والے کے ہاتھ یا برتن گندے ہوں یا محض وہم۔

۵؎ یعنی تم ایسے شبہات کرکے متقی نہ ہو گے بلکہ عیسائیت کے مشابہ ہوجاؤ گے جو اس قسم کے وہم میں مبتلا ہو کر تارک دنیا اور راہب بن جاتے ہیں اسلام میں ایسے وہموں کا اعتبار نہیں،چونکہ حضرت عدی ابن حاتم پہلے عیسائی تھے اس لیے حضور انور نے عیسائیت کا ذکر فرمایا کہ تم مسلمان ہوجانے کے بعد بھی عیسائیوں کے مشابہ کیوں بنتے ہو۔(اشعہ)اسلام میں ظاہر کا اعتبار ہے۔جھوٹے وسوسے،شبہے اسلام میں معتبر نہیں۔اس حدیث نے معاملہ ہی صاف کردیا۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا ۱؎ مجثمہ وہ جانور ہے جو تیر سے دھرلیا جائے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جو جانور اپنے قبضہ میں ہو اسے باندھ کر تیر کا نشانہ بنایا جائے اور بجائے شرعی ذبح کے اسے اس طرح مارا جائے وہ حرام ہے۔قبضہ کا جانور ذبح ہوجانا چاہیے،تیر کا ذبح مجبوری کی حالت میں ہے جب جانور قبضہ میں نہ ہو۔

۲؎ **مجثمہ** بنا ہے **جثوم** سے جس کے معنی ہیں سینہ زمین سے لگادینا،رب تعالٰی فرماتاہے:"**فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیٰرِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ**"یہاں **جاثمین** کے یہ ہی معنی ہیں۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ہر کیل والے درندے سے ۲؎ اور ہر پنجے والے پرندے سے ۳؎ اور پلاؤ ہوا گدھوں کے گوشتوں سے ۴؎ اور مجثمہ سے اور خلیہ سے منع فرمایا ۵؎ اور اس سے کہ حاملہ عورت سے صحبت کی جائے حتی کہ اپنے پیٹوں کے بچے جن دیں ۶؎ محمد ابن یحیی نے کہا ابو عاصم سے مجثمہ کے متعلق پوچھا گیا ۷؎ تو فرمایا وہ ہے کہ پرندہ یا کوئی چیز باندھی جائے پھر تیر سے مارا جائے ۸؎ اور خلیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا بھیڑیا اور درندہ جسے آدمی پالے تو اس کو چھڑالے پھر وہ ذبح کرنے سے پہلے اس کے قبضہ میں مرجائے ۹؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،صفہ والے فقراء صحابہ رضی اللہ عنھم سے تھے،آپ اس جماعت سے ہیں جنہوں نے جہاد کے لیے حضور انور سے سواریاں مانگیں مگر نہ پائیں تو روتے ہوئے واپس ہوئے جن کا یہ ہی واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے، ۷۵ھ؁ پچھتّر ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ جیسے کتا،بلی،شیر،چیتا،بھیڑیا وغیرہ جن کے منہ میں کیلیں ہوتی ہیں مگر وہ شکار نہیں کرتا لہذا حلال کیل میں شکاری کی قید اس لیے لگائی۔

۳؎ یہاں بھی پنجے والی شکاری چڑیاں مراد ہیں جیسے شکرہ،باز،صقر وغیرہ کوّا بھی شکاری ہے پنجہ والا بھی ہے وہ بھی حرام ہے۔طوطے میں اختلاف ہے،بعض کے ہاں وہ حلال ہے اگر چہ وہ پنجے والا تو ہے مگر شکاری نہیں۔عربی میں اسے یلغار کہتے ہیں۔جن بے وقوفوں نے کوّا حلال مانا انہوں نے یہ حدیث نہ دیکھی ان کی عقلوں پر پردے پڑ گئے۔

۴؎ حمار وحشی نیل گائے حلال ہے،گدھا پہلے حلال تھا خیبر کے دن حرام فرمایا گیا۔

۵؎ خلیہ کی تفسیر آگے آرہی ہے۔اس کا کھانا جب حرام ہے جب کہ وہ بغیر ذبح مرجائے اگر ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے پھر وہ خلیہ نہیں۔

۶؎ یعنی جہاد میں جو عورتیں قید ہوکر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں لونڈیاں بنائیں جائیں مگر ہوں حاملہ ان سے صحبت حرام ہے اگر حاملہ نہ ہوں تو ایک حیض انتظار کرکے ان سے صحبت درست ہے۔

۷؎ ابوعاصم شیخ ہیں محمد ابن یحیی کے اور محمد ابن یحیی شیخ ہیں امام ترمذی کے جو اس حدیث کے راوی ہیں،یعنی میں ابوعاصم کے پاس تھا کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ مجثمہ کس جانور کو کہتے ہیں،جسے شریعت نے حرام کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

۸؎ یعنی مرغی،بکری وغیرہ اپنے قبضہ کا جانور ہے باندھ کر اسے تیر مارا جائے اس طرح وہ مرجائے ہے یہ حرام ہے۔اگر اس زخمی کو ذبح کرلیا جائے تو گوشت حلال ہے مگر یہ کام حرام ہے۔

۹؎ یعنی اگر مرغی کو بلی یا بکری کو بھیڑیا یا چیتا وغیرہ جانور پکڑے لوگ اس کے منہ سے چھڑالیں ذبح نہ کرسکیں وہ زخم کی وجہ سے مرجائے وہ خلیہ ہے اور حرام ہے۔خلیہ بنا ہے **خلس** سے بمعنی اچک لین،چھین لینا،اس سے ہے **اختلاس**۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے اور ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے کونچھے ہوئے سے منع فرمایا۱؎ ابن عیسیٰ نے یہ زیادہ فرمایا کو وہ ایسا ذبیحہ ہے جس کی کھال کاٹ دی جائے اور رگیں نہ کاٹی جائیں پھر چھوڑ دیا جائے حتی کہ مرجائے۲؎(ابوداود)

۱؎ **شریطہ** بنا ہے **شرط الحجام** سے یعنی فصد کھولنے والے کا نشتر مارنا،کھال چیر کر خون نکالنا۔جو شخص جانور کی صرف کھال کاٹ دے حلقوم اور رگیں نہ کاٹے وہ گویا حجام کا سا نشتر مارتا ہے،چونکہ ایسا ذبح شیطانی تعلیم سے ہے جو کفار میں رائج تھا اس لئے اسے شریطہ شیطان کہا گیا یعنی شیطان کا سکھایا ہوا نشتر۔

۲؎ اس حرکت سے جانور کو سخت تکلیف بھی ہوتی ہے کہ جان بہت دیر میں اور مشکل سے نکلتی ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہوجاتا ہے۔**لاتفری** بنا ہے **فری** سے بمعنی کاٹنا۔اصطلاح میں فساد کے لیے کاٹنے کو **فری** کہاجاتا ہے اور **اوداج** جمع ہے **ودج** کی،**ودج** حلقوم کے آس پاس کی رگیں جن کا کاٹنا ذبح کے لئے ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیٹ کے بچہ کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے۱؎(ابوداود،دارمی)	
اور ترمذی نے حضرت ابوسعید سے روایت کی۔	

۱؎ یعنی اگر بکری یا گائے ذبح کی گئی اس کے پیٹ میں بچہ مردہ نکلا وہ حلال ہے کہ ماں کی ذبح سے وہ بھی ذبح مانا جائے گا۔خیال رہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایسا بچہ مطلقًا حلال ہے خواہ اس کے جسم پر بال جمع ہوں یا فقط گوشت کا لوتھڑا ہو۔امام مالک کے ہاں اگر بچہ پورا بن چکا ہے حتی کہ اس کے جسم پر بال بھی اگ گئے ہیں تو حلال ہے،ورنہ حرام۔ہمارے امام اعظم قدس سرہ کے نزدیک اگر بچہ زندہ نکلا اور اسے ذبح کرلیا گیا تو حلال ہے ورنہ حرام۔یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے،بعض نے فرمایا کہ اگر بچہ زندہ نکلا پھر مرگیا تو بھی حلال ہے،بعض نے فرمایا کہ ایسا بچہ حرام ہے،امام صاحب فرماتے ہیں کہ اولًا تو یہ حدیث صحیح نہیں اگر صحیح ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پیٹ کے بچہ کا اس کی ماں کی ذبح کی طرح ہے یعنی جیسے اس کی ماں کو حلقوم ورگوں کو کاٹ کر ذبح کیا جاتا ہے ایسے ہی اس کے بچہ کو ذبح کیا جائے گا۔اور **ذکوۃ امہ** میں **ذکوۃ** منصوب ہے کاف جارہ پوشیدہ ہے یہ منصوب نزع الخافض ہے کیونکہ ایسا شکار اگر پانی میں ڈوبا پایا جائے تو کھانا حرام ہے کہ شاید پانی سے مرا ہو،یوں ہی اس مردہ بچہ میں شبہ ہے کہ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے مرا ہو،امام شافعی کی دلیل یہ حدیث جب نہیں جبکہ عبارت یوں ہوتی **ذکوٰۃ الحیوان ذکوٰۃ الجنین**۔لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے نہ کہ امام شافعی کی۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اونٹنی ذبح کرتے ہیں اور گائے و بکری ذبح کرتے ہیں تو ان کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں آیا اسے پھینک دیں یا کھالیں۱؎ فرمایا اگر چاہو تو کھالو کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کے ذبح کی طرح ہے۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اگر زندہ بچہ نکلا تو اسے یوں پھینک کر مرجانے دیں یا اسے ذبح کرکے کھالیں اس کے متعلق ارشاد ہو۔

۲؎ اس جملہ کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ اگر اسے کھاؤ تو ذبح کرکے کھاؤ اور اس کا ذبح بھی اس کی ماں کی طرح ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ عمرو ابن عاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی چڑیا یا اس سے اوپر کے کسی جانور کو ناحق مارڈالے۱؎ تو اس کے قتل کے متعلق اللہ اس سے پوچھے گا عرض کیا گیا یارسول اللہ اس کا حق کیا ہے فرمایا کہ اسے ذبح کرکے کھائے یہ نہ کرے کہ اس کا سر کاٹے پھر اسے پھینک دے ۲؎(احمد،نسائی،دارمی)	

۱؎ حلال جانور کے شکار کا حق ہے اسے شکار کرکے کھانا،اگر کھانا مقصود نہ ہو محض تفریح اور وقت گزاری کے لیے شکار کرے تو آخرت میں پکڑ ہے۔حرام جانور کے شکار کا مقصود یا اس کی کھال و بال سے نفع حاصل کرنا یا اس تکلیف سے خلق کو بچانا جیسے جنگلی سؤروں کا شکار کہ یہ دفع شر کے لیے بھی ہے اور ان کے اجزاء سے نفع لینے کے لیے بھی۔چنانچہ ہاتھی کی ہڈی،دانت وغیرہ بہت کام میں آتی ہے ایسے ہی شیر و چیتے کی کھال چربی مختلف طرح استعمال کی جاتی ہے۔یہاں حلال جانوروں کے شکار کا ذکر ہے لہذا احدیث سے یہ لازم نہیں کہ حرام جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے کہ وہ کھائے نہیں جاتے،یہ تحقیق خیال میں رہے۔

۲؎ اس حدیث کی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ حلال جانوروں کا شکار صرف کھانے کے لئے کیا جائے اور وہ ضرور کھالیا جائے۔(مرقات)یہ حکم شکار کے لیے ہے قربانی میں مقصود گوشت نہیں ہوتا صرف خون بہاکر رب کو راضی کرنا ہوتا ہے۔لہذا مکہ معظّمہ میں جو ہزارہا زیادہ قربانیاں غار میں گاڑھ دی جاتی ہیں بالکل جائز ہے کہ وہاں مقصود حاصل ہوگیا خون بہانا۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار کا جانور اگر زندہ مل جائے تو اسے ذبح ہی کرنا پڑے گا بغیر ذبح حلال نہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو واقد لیثی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے حالانکہ لوگ اونٹ کی کوہان اور بکری کی چوتڑ کاٹ لیا کرتے تھے ۲؎ تو حضور نے فرمایا کہ جو حصہ جانور کا کاٹ لیا جائے اور جانور زندہ ہو تو وہ حصہ مردار ہے نہ کھایا جائے ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام حارث ابن عوف ہے،ابو واقد کنیت ہے،قبیلہ بنی لیث سے ہیں،قدیم الاسلام ہیں،بدر میں حاضر ہوئے،بعد میں مکہ معظّمہ رہے،وہاں ہی ۶۸ھ ارسٹھ میں وفات پائی،پچھتّر سال عمر ہوئی۔

۲؎ یعنی بقدر ضرورت زندہ اونٹ زندہ بکری کے اعضاء کاٹ کر کھالیتے جانور اسی طرح چیختا رہتا تھا۔مہینوں تک اس کے اعضاء کاٹ کاٹ کر کھاتے رہتے وہ زندہ تڑپتا رہتا،جو قوم اپنی بچیوں کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کردیتے اس سے یہ کام کیا بعید ہے۔

۳؎ یعنی زندہ جانور کا جو عضو کٹ جاوے وہ مردار ہے،اس کا کھانا حرام ہے لہذا اگر شکار کو نیزہ یا تیر مارا جس سے اس کا ہاتھ یا پاؤں کٹ کر الگ ہوگیا پھر اسے ذبح کیا گیا تو وہ کٹا ہوا پاؤں حرام ہے باقی حلال۔بعض لوگ زندہ دنبہ کی چکی سے چربی نکال لیتے ہیں وہ چربی کھانا بھی حرام ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اعضاء جانور کے کھانے کے متعلق ہے۔زندہ بھیڑ کی اون،زندہ ہاتھی کے کاٹے ہوئے دانت کا استعمال حلال ہے اور زندہ جانور کے پیٹ سے نکالا ہوا بچہ جو پیٹ چاک کرکے نکالا جائے اور ہو مردہ وہ کھانا حرام ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے ۱؎ وہ بنی حارثہ کے ایک شخص سے روای ۲؎ وہ احد کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں اونٹنی چرایا کرتے تھے ۳؎ تو اس پر موت دیکھی،ایسی چیز نہ پائی جس سے اسے ذبح کریں انہوں نے ایک میخ لی وہ اس کی گھنڈی میں گھونپ دی	

	۴؎ حتی کہ اس کا خون بہادیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو حضور انور نے اس کے کھانے کا حکم دیا(مالک)اور ان کی روایت میں ہے کہ فرمایا اسے دھار دار لکڑی سے ذبح کرو۵؎

۱؎ تابعی ہیں،کنیت ابو محمد ہے،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں،مدینہ منورہ میں قیام رہا،چوراسی سال عمر پائی ۹۷ھ؁ ستانوے میں وفات پائی۔

۲؎ چونکہ یہ صاحب صحابی ہیں اور صحابہ تمام کے تمام عادل ثقہ ہیں اس لئے ان کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے مضر نہیں۔

۳؎ لقمہ وہ حاملہ اونٹنی جسکا بچہ عنقریب پیدا ہونے والا ہو یا قریب ہی میں پیدا ہوچکا ہو۔شعب پہاڑ کا درہ یا دو پہاڑوں کے درمیان راستہ یا پانی کی گزرگاہ۔(مرقات واشعہ)احد مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔

۴؎ اس طرح کے اس میخ کے گھونپنے سے اس کے گلے میں سوراخ ہوگیا اور خون بہ گیا اور حلقوم کٹ گیا۔

۵؎ شظاظ شین کے کسرہ،پہلی ظ کے شد بمعنی وہ دھاری لکڑی جس کے دونوں طرف دھار ہوگئی ہو۔(اشعہ)

	روایت حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی دریائی جانور حلال نہیں مگر اسے اللہ نے اولاد آدم کے لیے ۱؎ حلال فرمادیا۔(دارقطنی)

۱؎ یعنی دریائی جانور کے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں وہ بغیر ذبح حلال ہے کیونکہ اس میں بہتا خون نہیں۔خیال رہے مچھلی بالاتفاق حلال ہے،مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانور امام اعظم کے نزدیک حرام ہیں،دریائی جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے۔

باب ذکر الکلب

کتے کا بیانہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یہ بیان کہ کون سا کتا پالنا جائز ہے کون سا نہیں اور کس کتے کا قتل جائز ہے کس کا نہیں،چونکہ شکار کے بیان میں کتے کا ذکر بھی تو کیا تھا کہ شکاری کتے کا شکار حلال ہے،اگرچہ وہ کتے کے منہ میں مرجائے اس لیے اب مؤلف نے کتے کے اقسام و احکام باندھا گویا یہ باب پچھلے باب کا تتمہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جانوروں یا شکاری کتے کے سواء۱؎ کوئی اور کتا پالے تو روزانہ اس کے عمل سے دو دانگ کم ہوں گے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جانوروں کی حفاظت یا شکار کے لیے کتا پالنا بالکل درست ہے جس سے کوئی بُرا اثر نہیں پڑا۔ضار اصل میں ضاری تھا،ی تخفیف کرکے گرادی گئی تھی،ضاری بنا ہے ضری سے بمعنی بھڑکانا ضاری بمعنی شکار کو بھڑکانے والا کتا یعنی شکاری کتا۔

۲؎ عمل سے مراد نیک اعمال کا ثواب ہے نہ کہ اصل عمل کیونکہ مذہب اہل سنت یہ ہے کہ کسی گناہ کی وجہ سے نیکی برباد نہیں ہوتی نیکیاں صرف کفر سے برباد ہوتی ہیں اور کتا پالنا گناہ ہے کفر نہیں۔مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کا جو ثواب کتا نہ پالنے والے کو ملتا ہے وہ کتا پالنے والے کو نہیں ملتا،اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ ایسے کتے سے رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے یا اس لیے کہ کتے سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے یا اس لیے کہ کتے والے گھر کے برتن اور کپڑے مشکوک ہوتے ہیں کہ کبھی کتا یہ چیزیں چاٹ لیتا ہے گھر والوں کو خبر نہیں ہوتی لہذا جتنی یقینی پاکی وطہارت بغیر کتے والے گھر میں ہوتی ہے ایسی طہارت کتے والے گھر میں نہیں ہوتی یہ تحقیق ضرور خیال میں رکھی جائے۔(مرقات)بہرحال نیکیوں سے تو گناہ مٹتے ہیں"اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ"مگر گناہوں سے نیکیاں کبھی نہیں مٹتیں وہ صرف کفر سے مٹتی ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ"۔قیراط ایک خاص وزن کا نام ہے،یہاں قیراط فرمانا سمجھانے کے لیے ہے ورنہ ثواب اعمال یہاں کے باٹوں سے نہیں تولا جاتا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے جانوروں یا شکار یا

کھیتی باڑی کے کتوں کے سواء اور کوئی کتا پالا تو اس کے ثواب سے روزانہ ایک قیراط کم ہوگا۱(مسلم،بخاری)	

۱؎اس حدیث میں کھیتی باڑی کے کتے کا اضافہ ہےیعنی کھیت کی حفاظت کے لیے کتا پالنا بھی جائز ہے اسی طرح باغ کی حفاظت بھی ہے اور گھر کی حفاظت بھی۔خیال رہے کہ مکہ معظّمہ مدینہ منورہ میں بلاضرورت کتے پالنے پر دو قیراط کی کمی ہوگی اورکسی جگہ ایک قیراط کی،یا گاؤں و جنگلوں میں کتے پالنے پر ایک قیراط کی کمی ہےشہر میں دو قیراط کی کہ کتے سے زیادہ تکلیف شہر میں ہوتی ہے،یا اولًا دو قیراط کی کمی کا قانون تھاپھر احکام نرم ہونے پر ایک قیراط کی کمی رہ گئی،غرضیکہ یہ حدیث گزشتہ دو قیراط والی حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقات)مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ **اقتناء** اور ہےا**تخاذ** کچھ اور،**اقتناء** میں دو قیراط کم ہوں گے **اتخاذ** میں ایک قیراط،محبت سے کتا پالنااسے اپنے ساتھ بٹھانا ساتھ کھلانا **اقتناء** ہے مگر اسے پالنا اس سے محبت نہ کرنا اس سے علیحدہ رہنا**اتخاذ** ہےلہذا احادیث متعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے ہلاک کردینے کا حکم دیا۱حتی کہ ایک عورت دیہات سے اپنا کتا ساتھ لاتی تو ہم اسے قتل کردیتے تھے۲پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ تم کالے بھجنگے دو داغ والے کو قتل کرو۳کہ وہ شیطان ہے۴(مسلم)	

۱؎عام کتے یا خاص کتے مدینہ منورہ کے مار ڈالنے کا حکم دیاکیونکہ مدینہ منورہ نزول وحی کی جگہ ہےوہاں ایسی گندی چیز کی موجودگی اچھی نہیں۔

۲؎عورت کا ذکر اتفاقی ہے کہ اکثر عرب عورتیں ہی کتے ساتھ رکھتی تھیں۔مطلب یہ ہے کہ جو باہر کا کتا مدینہ منورہ میں آجاتا ہم اس کو بھی نہ چھوڑتے تھے،اس کی مالکہ کے بغیر اذن ہی اسے مار دیتے تھے۔معلوم ہوا کہ ناجائز کتا،سؤر،شراب،جوئے کا سامان وغیرہ یوں ہی طبلہ،سارنگی وغیرہ ناجائز و حرام گانے کے آلات مالک کے بغیر اجازت بھی ضائع کیے جاسکتے ہیں اس میں ضائع کرنے والے پر تاوان نہیں،یہ حدیث بہت سے احکام کی ماخذ ہے۔

۳؎**اسود** کالا اور **بھیم** خاص کالا جس میں اور کوئی رنگ نہ ہو،**ذوالنقطتین** وہ کتا یا سانپ جس کی آنکھوں کے اوپر دو داغ ہوں یہ زیادہ خطرناک ہوتا ہےاور ڈراؤنا بھی،اس قسم کا سانپ تو بہت ہی خطرناک ہے،کتا دیوانہ ہوکر سانپ سے زیادہ خطرناک ہوجاتا ہے کہ دیوانے کتے کا کاٹا ہوا اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ بھی ویسا ہی ہوجاتا ہے اور دیوانے کتے کا کاٹا خود دیوانہ ہوکر بڑی مصیبت سے بہت عرصہ میں مرتا ہے،کتے کی طرح خود بھونکتا ہے۔

۴؎یعنی ایسا کتا نقصان و ضرر میں شیطان کی طرح ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں پہلے تمام کتوں کے قتل کا حکم دیا گیا پھر صرف کالے آنکھوں پر داغ والے کتے کے قتل کا حکم رہا،تمام کتوں کے قتل کا حکم منسوخ ہوا،اب حکم یہ ہے کہ بے ضرر کتوں کے قتل کا حکم منسوخ ہےخواہ کالے ہوں یا کچھ اور ضرر والے خصوصًا دیوانے کتے کا قتل ضروری ہے اور بلاضرورت کتا پالنا منع ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے کتے اور بکریوں کے کتے اور جانوروں کے کتے کے سوا باقی سب کتوں کے مارنے کا حکم دیا ۱؎(مسلم)	

۱؎اس کے متعلق مسئلہ ابھی عرض کیا گیا کہ کتوں کے قتل کا عمومی وجوب منسوخ ہے،ایک شرط کے ماتحت حکم استحبابی باقی ہے،مضر اور دیوانہ کتوں کا قتل اب بھی واجب ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اگر یہ نہ ہوتا کہ کتے بھی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے تو میں ان سب کے قتل کا حکم دیتا۱؎پس تم ہر خالص کالے کتے کو قتل کردو۲؎(ابوداؤد،دارمی) اور ترمذی،نسائی نے یہ زیادتی کی کہ کوئی گھر والے نہیں جو کتا پالیں مگر ہر دن ان کے عمل سے ایک قیراط کم ہوتا ہےسواء شکاری کتے یا کھیتی کے لیے یا بکریوں کے کتے کے۳؎	

۱؎اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡہِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ"۔مطلب یہ ہے کہ کتے بھی مخلوق ہیں،ایک گروہ ہےجس کے پیدا فرمانے میں حکمت ہے اور انسان کو اس سے فائدہ بھی ہے کہ حفاظت و شکار میں کام آتا ہے اس لیے اس کا بالکل فنا کرنا مناسب نہیں۔خیال رہے کہ کتے پالنے کا اور حکم ہے اسے ہلاک کرنے کا دوسرا حکم۔بلا فائدہ اس کا پالنا ناجائز۔فائدہ حفاظت یا شکار ہے اور بلا ضرر اس کا مارنا ممنوع ہے نقصان خواہ بالفعل ہو یا بالاحتمال۔

۲؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ حیوانات کا ذبح کرنا صرف دو وجہ سے جائز ہے یا نفع حاصل کرنے کے لیے یا ان کا نقصان دفع کرنے کے لیے،چونکہ خالص کالا کتا فائدہ کم دیتا ہے نقصان زیادہ اس لیے اس کے مار دینے کا حکم ہے،ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ حکم بھی منسوخ ہے۔اب صرف نقصان دہ کتا ہلاک کیا جائے کالا ہو یا اور رنگ کا۔اس سے معلوم ہوا کہ بچھو،سانپ،بھیڑیا،شیر،چیتا وغیرہ تمام وہ جانور جو صرف نقصان دہ ہیں ان سے نفع کوئی نہیں ان کو مارنا مطلقًا درست ہے۔

۳؎ بکری سے مراد تمام مویشی ہیں جیسے گائے بھینس وغیرہ کہ ان کی حفاظت کے لیے کتا پالنا جائز ہے،یوں ہی باغ،گھر و دکان کی حفاظت کے لیے پالنا درست ہے،ریوڑ کی حفاظت والے کتے بھیڑیئے کو بھی بھگا دیتے ہیں۔اعمال کم ہونے کے معنی اور اس کی وجہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور لڑوانے سے منع فرمایا۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اللہ تعالٰی رحم فرمائے،آج مسلمانوں میں مرغ لڑانا،کتے لڑانا،اونٹ،بیل لڑانے کا بہت شوق ہے یہ حرام سخت حرام ہے کہ اس میں بلا وجہ جانوروں کو ایذاء رسانی ہے،اپنا وقت ضائع کرنا۔بعض جگہ مال کی شرط پر جانور لڑائے جاتے ہیں یہ جوا بھی ہے حرام در حرام ہے۔جب جانوروں کو لڑانا حرام ہے تو انسان کو لڑانا سخت حرام ہے۔خیال رہے کہ اسلامی فوج کو کفار سے لڑانا جہاد ہے،یونہی مشن کے لیے تیاری اور جہاد کے لیے کشتی لڑنا اور لڑانا جہاد کی تیاری ہے یہ دونوں کام عبادت ہیں،مسلمانوں کی آپس میں جنگ کرانا یہ حرام ہے،لڑانا اور چیز ہے،کشتی اور جہاد اور چیز۔

باب مایحل اکله ومایحرم

باب اس کا بیان کہ کس جانور کا کھانا حلال ہے اور کس کا حرام ہے

الفصل الاول

پہلی فصل

۱چونکہ اصلی حالت حلال ہونا ہے عارضی حالت حرام ہونا،نیز حلال چیزیں زیادہ ہیں،حرام کم،ان وجوہ سے حلال کا ذکر پہلے فرمایا حرام کا بعد میں۔(مرقاۃ)قرآن کریم نے صرف چھ چیزیں حرام فرمائیں:(۱)مردار(۲)خون(۳)سؤر کا گوشت(۴)غیر خدا کے نام پر ذبیحہ(۵)گلا گھوٹا جانور(۶)گر کر مرجانے والا۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ چیزیں حرام فرمائیں:جیسے ہر کیل والا شکاری،درندہ جانور جیسے کتا،بلی وغیرہ اور ہر پنجہ والا شکاری جیسے کوّا،باز،شکرہ وغیرہ۔جن جانوروں کی حرمت قطعی و یقینی حدیث سے ثابت ہے ان کی حرمت میں تمام امت کا اتفاق ہے جیسے کتا،بلی وغیرہ۔جن کی حرمت احادیثِ ظنّیہ سے ثابت ہے ان کی حرمت میں اختلاف ہے۔چنانچہ ہمارے امام اعظم کے ہاں سواء مچھلی کے تمام دریائی جانور حرام ہیں،امام مالک کے ہاں سوائے دریائی خنزیر اور دریائی انسان کے تمام دریائی جانور حلال ہیں،امام شافعی کے ہاں سارے دریائی جانور حلال ہیں،وہ اس آیت سے دلیل لیتے ہیں"اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الْبَحْرِ"اور اس حدیث سے **ھوالطھور ماء والحل میتته**،ہمارے امام صاحب کی دلیل یہ آیت"وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔غرضیکہ حرام و حلال کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے،امام احمد کے ہاں سواء منصوص محرمات کے جسے عرب طیب و حلال کہیں وہ حلال ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر کیل والا درندہ اس کا کھانا حرام ہے ۱(مسلم)	

۱یعنی جو کیل والے جانور اپنے دانتوں سے شکار کریں وہ حرام ہیں جیسے چیتا،بھیڑیا،کتا وغیرہ یہ قاعدہ بہت ہی عام اور ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے درندے اور ہر پنجے والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا ۱(مسلم)	

۱خیال رہے کہ حرام جانور کا دودھ بھی حرام ہے سوا انسان کے،یوں ہی حرام جانور کے انڈے حرام ہیں،یہ خیال رہے۔

روایت ہے حضرت ابوثعلبہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھے کے گوشت کو حرام	

فرمایا۱(مسلم،بخاری)	

۱؎وحشی گدھا یعنی نیل گائے بالاتفاق حلال ہے،پالتو گدھے کی حرمت میں گفتگو ہے۔جمہور علماء کے نزدیک گدھا حرام ہے۔حضرت شریح،حسن،عطا ابن ابی رباح،سعید ابن جبیر،حماد ابن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ وہ اسے حلال کہتے ہیں۔(مرقات)مگر عام فقہاء مجتہدین حرام کہتے ہیں،ان کی دلیل یہ ہی حدیث ہےاور یہ آیت "وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَۃً"۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے،خچر،گدھے کھانے کے لیے نہیں بلکہ سواری باربرداری اور آرائش کے لیے ہیں،اس لیے آیت کریمہ میں گھوڑے،کھچر اور گدھوں کو ملاکر بیان فرمایا ہے اور ان تینوں کا ایک ہی مقصد بیان فرمایاجس سے معلوم ہوا کہ یہ تینوں جانور حرام ہیں،یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔
پہچان: حرام و حلال جانور پہچاننے کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ دریائی جانور سارے حرام ہیں سواء مچھلی کے،خشکی کے بے خون والے جانور سارے حرام ہیں سواٹڈی کے۔خون والے خشکی کے جانور دو قسم کے ہیں:پرندے اور چرندے۔پرندے جانور شکاری پنجے والے حرام ہیں،باقی حلال۔چرندے جانوروں میں کیڑے مکوڑے حرام ہیں جیسے سانپ چوہے گوہ وغیرہ ان کے علاوہ کیل والے شکاری جانور حرام ہیں باقی حلال ہیں،یہ ہی مذہب حنفی ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا۱اور گھوڑوں کے گوشتوں کی اجازت دی۲ (مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی شروع اسلام میں گدھا پالتو حلال تھا،غزوہ خیبر میں قیامت تک کے لیے حرام کردیا۔اس خیبر میں عورتوں سے متعہ حرام ہوا اس کی حرمت بھی تاقیامت ہے۔
۲؎گھوڑے کی حلت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔امام شافعی،احمد اور صاحبین کے نزدیک حلال ہے،یہ حدیث حلال فرمانے والوں کی دلیل ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ آیت کریمہ ہے جو پچھلی حدیث میں ہم نے عرض کی کہ رب تعالٰی نے گدھا،خچر،گھوڑا ان تینوں کو جمع فرماکرفرمایا"لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَۃً"کہ یہ تینوں جانور سواری اورزینت کے لیے پیدا فرمائے۔معلوم ہوا کہ ان تینوں میں سے کوئی کھانے کے لیے نہیں مگر چونکہ گھوڑے کی حرمت شرافت وکرامت کی بناء پر ہے اس لیے اس کا جھوٹا پاک ہے جیسے انسان کہ اس کا گوشت حرام مگر جھوٹا پاک،نیز ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ نے حصرت خالد ابن ولید سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے،خچر اورگدھے کے گوشتوں سے منع فرمایا،نیز نسائی شریف نے حضرت سلمہ ابن نفیل سکونی سے روایت کی کہ حضور نے گھوڑے کو ذلیل کرنے اور اس پر ذلت سے بوجھ لادنے سے منع فرمایا۔
اس حدیث کے چند جواب دیئے:ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہےاس کی ناسخ وہ ہی حدیث خالد ہے جو ابھی عرض کی گئی۔دوسرے یہ کہ گھوڑے کے متعلق حلت و حرمت دونوں کی روایات ہیں اور جب حلت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔تیسرے یہ کہ یہاں اذن بمعنی رخص ہےبلکہ بعض روایات میں رخص ہی ہے لہذا مطلب یہ

ہوا کہ غزوہ خیبر میں ایک ضرورت کی وجہ سے گھوڑا کھانے کی اجازت دی یہ اجازت خصوصی تھی۔چوتھے یہ کہ اگر گھوڑا گائے بھینس کی طرح حلال ہوتا تو اس کی قربانی بھی جائز ہوتی،حالانکہ اس کی قربانی کسی نے جائز نہ کی۔پانچویں یہ کہ حضور اور خلفاء راشدین سے گھوڑا کھانا کبھی ثابت نہیں۔خیال رہے کہ پہلے گھوڑا وحشی جانور تھا،حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے سب سے پہلے اس پر سواری کی جب سے یہ جانور پالتو ہوا۔(مرقات واشعہ)بہرحال گھوڑے کے متعلق مذہب امام اعظم میں احتیاط ہے اور باقی مذاہب میں گنجائش۔خیال رہے کہ صحابہ کرام میں سواء حضرت ابن عباس کے کوئی صحابی گدھے کی حلت کے قائل نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ انہوں نے وحشی گدھے کو دیکھا تو اسے ہلاک کردیا۱تب نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کیا اس کا کچھ گوشت تمہارے پاس ہے،عرض کیا ہمارے پاس اس کا پاؤں ہے حضور نے قبول فرمایا اور کھایا۲(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اس کا شکار کرلیا۔وحشی گدھا یعنی نیل گائے بالاتفاق حلال ہے ہر جگہ شکار کیا جاتا ہے اور کھایا جاتا ہے گھوڑے کی طرح ہوتا ہے یوں ہی جنگلوں میں پایاجاتاہے۔

۲؎ حضرت ابوقتادہ نے تو پوچھا تھا کہ کیا یہ حلال ہے حضور انور نے جواب عطا فرمایا کہ اسے کھا کر دکھادیا،یہ جواب قوی جواب سے زیادہ قوی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم نے مرالظہران میں۱ایک خرگوش کو بھڑکایا تو میں نے اسے پکڑ لیا تو میں اسے ابوطلحہ کے پاس لایا انہوں نے ذبح کیا۲اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا چوتڑ اور دونوں ران بھیجی تو حضور نے اسے قبول فرمالیا۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ مرالظہران حرمین شریفین کے درمیان مکہ معظّمہ کے قریب ایک بستی ہے وہاں انہوں نے خرگوش زندہ پکڑ لیا،حضرت ابوطلحہ نے ذبح کیا،حضرت ابوطلحہ حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے یہ ہی اکثر اہل اسلام کا عقیدہ ہے،بعض لوگوں نے اس مکروہ کہا ہے اس لیے کہ اس کی مادہ کو حیض آتا ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گوہ کو نہ تو میں کھاتا ہوں نہ اسے حرام کرتا ہوں ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو گوہ کو حلال کہتے ہیں جیسے امام شافعی و احمد،ہمارے یہاں ممنوع ہے ہماری دلیل دوسری فصل میں آرہی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا تعارض کی وجہ سے مرجوح ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ نرگوہ کے دو ذکر ہوتے ہیں اور اس کی مادہ کی دو فرجیں،کبھی پانی نہیں پیتا،چالیس دن میں ایک بوند پیشاب کرتا ہے،یک وقت ستر انڈے دیتا ہے،اس کی عمر سات سو برس تک ہوتی ہے،گوہ نے ہی حضور کی گواہی بزبان فصیح دی تھی۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ خالد ابن ولید نے انہیں خبردی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میمونہ کے پاس گئے وہ ان کی اور ابن عباس کی خالہ ہیں۱؎ تو انکے پاس بھنی ہوئی گوہ پائی۲؎ تو انہوں نے گوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے اپنا ہاتھ اٹھالیا۳؎ تب خالد بولے کیا گوہ حرام ہے فرمایا نہیں لیکن میری قوم کی زمین میں نہ تھی۴؎ لہذا میں اپنے کو گھن کرتا پاتا ہوں،خالد فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کھینچ لیا تو میں نے گوہ کھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھتے رہے۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ام المؤمنین بی بی میمونہ حضرت خالد کی بھی خالہ ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس کی بھی خالہ ہیں،یہ جملہ معترضہ ہے جس میں وجہ بیان فرمائی کہ میں حضرت میمونہ کے پاس کیوں گیا۔

۲؎ **عشویٰ** وہ گوشت ہے جو دیگچی میں بھونا گیا ہو اور **محنوذا** وہ گوشت ہے جو گرم پتھر سے بھونا گیا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"**جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِیۡذٍ**"۔

۳؎ یعنی یہ گوشت نہ کھایا بلکہ چہرہ انور پر کراہت کے آثار نمودار ہوئے جس سے وہ سوال کیا گیا جو آئندہ مذکورہ ہے۔

۴؎ یعنی گوہ حرام شرعی نہیں لیکن مجھے اس سے نفرت طبعی ہے کیونکہ ہماری پرورش جناب حلیمہ کے ہاں ہوئی ہے وہاں گوہ نہ ہوتی تھی اس لیے ہم نے کبھی کھائی نہیں ہے اب کھانے کو دل نہیں چاہتا کراہۃ طبعی ہے۔

۵؎ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی و دیگر ائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ گوہ حلال ہے،امام اعظم قدس سرہ کے نزدیک ممنوع۔وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگرحرام ہوتی تو حضور انور کے سامنے نہ کھائی جاتی،امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ حدیث آگے آرہی ہے۔جب اباحت اور ممانعت میں تعارض ہو تو ترجیح ممانعت کی ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کھاتے دیکھا۱ (مسلم،بخاری)	

۱دجاج نرومادہ دونوں کو کہتے ہیں،دیك فقط نرمرغ کو۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ فقراء کو مرغیاں پالنا چاہیے اور اغنیاء بکریاں پالیں اور یہاں انہوں نے عجیب عجیب حکایات نقل کیں۔بہرحال اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مرغ حلال ہے۔دوسرے یہ کہ مرغ کھانا تقویٰ کے خلاف نہیں،اللہ دے تو اعلیٰ نعمتیں بھی کھاؤ مگر اپنے کو مزیدار غذاؤں کا عادی نہ بناؤ اپنی طبیعت کو ہر طرح کا عادی رکھو۔

روایت ہے حضرت ابن ابی اوفی سے۱فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوہ کیے ہم حضور کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے۲ (مسلم،بخاری)	

۱ان کا نام عبداللہ ہے،والد کا نام انیس،قبیلہ جہنیہ سے ہیں،غزوہ احد میں شریک ہوئے، ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲ٹڈی حلال ہے حضور کے سامنے صحابہ کرام نے کھائی ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کبھی نہ کھائی بلکہ فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ حرام کرتا ہوں،ہم نے پہلے عرض کردیا ہے کہ خشکی کے بے خون جانور سارے حرام سوا ٹڈی کے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے پتوں والے لشکر میں غزوہ کیا۱اور ابوعبیدہ امیر بنائے گئے تو ہم سخت بھوکے ہوگئے پھر دریا نے ایسی مری مچھلی پھینکی کہ اس جیسی دیکھی نہ گئی۲جسے عنبر کہا جاتا تھا ہم نے اس میں سے آدھا ماہ کھایا۳پھر ابوعبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی لی تو سوار اس کے نیچے سے گزر گیا۴پھر جب ہم آئے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا کھاؤ وہ روزی جو اللہ نے تمہاری طرف ظاہر کی اور ہم کو بھی کھلاؤ اگر تمہارے پاس ہو،فرماتے ہیں پھر ہم نے اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے اس سے کھایا۵(مسلم،بخاری)	

۱خبط کے معنی ہیں درختوں کے پتے،چونکہ اس غزوہ میں حضرات صحابہ نے بھوک کی وجہ سے پتے کھائے تھے اس لیے اسے غزوہ خبط بھی کہتے ہیں اور ان غازیوں کے لشکر کو جیش خبط،یہ غزوہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ دریا نے مچھلی کنارہ پر پھینکی وہ خشکی میں آکر مرگئی ورنہ جو مچھلی دریا میں مرکر تر جائے وہ حرام ہے لہذا حدیث واضح ہے۔وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ دریا کا میتہ حلال ہےاس کے معنی یہ ہیں کہ جو دریا کی وجہ سے مرجائے یعنی پانی نہ ملنے سے جو پانی میں مرکر تیر جائے وہ دریا کا مردہ نہیں بلکہ کسی بیماری کی مردہ ہے۔

۳؎ یعنی وہاں رہ کر پندرہ دن کھائی اور واپسی میں راستہ میں پندرہ دن یا مدینہ منورہ پہنچ کر پندرہ دن تک کھاتے رہے لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں جس میں ایک ماہ تک کھانے کا ذکر ہے۔اس مچھلی کو عنبر اس لیے کہتے ہوں گے کہ اس سے عنبر نکلتا ہے یا اس قسم کی مچھلی کا نام عنبر ہے۔(اشعہ)

۴؎ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ نے سب سے اونچا اونٹ اس کی ہڈی کے نیچے سے گزارا تو وہ اونٹ اس ہڈی کے نیچے سے گزر گیا۔

۵؎ اس عمل شریف سے مچھلی کی حلت عملی طور پر دکھادی گئی گویا قولی فتویٰ بھی دے دیا گیااور عملی فتویٰ بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس ساری کو ڈبو دے پھر اسے پھینک دے۱؎ کیونکہ اس کے بازوؤں میں سے ایک بازو میں شفاء ہے اور دوسرے میں بیماری ہے۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ذباب بنا ہے ذب سے بمعنی دفع کرنا،مکھی کو ذباب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو بار بار دفع کیا جاتا ہےمگر یہ آتی رہتی ہے،ذباب بمعنی دفع کی ہوئی چیز۔اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ مکھی نجس نہیں ہے پاک ہے اور چونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہےاس لیے پانی،دودھ،شوربے وغیرہ میں ڈوب کر مرجانا اسے نجس نہیں کرتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف یہ احتمال کہ شاید مکھی نجاست پر بیٹھ کر آتی ہو،شاید اس پر گندگی لگی ہو اس لیے یہ شوربا ناپاک ہوگیا ہو معتبر نہیں،شریعت ظاہر پر ہے۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہری معنی میں ہے کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالٰی نے بہت جانوروں میں زہر و تریاق جمع فرمادیا ہے۔شہد کی مکھی کے منہ سے شہد نکلتا ہےجو بیماریوں کی شفاء ہے اور اس کے ڈنگ سے زہر نکلتا ہے جو بیماری ہے،بچھو کے ڈنگ میں زہر ہے اور خود بچھو کے جسم کی راکھ زہر کا علاج ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ مکھی پہلے زہریلا بازو ڈالتی ہے تم دوسرے بازوؤں کو غوطہ دے کر پھینکو،زہریلا بازو پہلے ڈالنا اس کی فطری بات ہے،دیکھو چیونٹی کو رب تعالٰی نے کیسی کیسی باتیں سکھادی ہیں،گندم جمع کرتی ہے اگر بھیگی گندم ہو تو اسے خشک کرتی ہےپھر ایسے طریقہ سے رکھتی ہے کہ آئندہ نہ بھیگ سکے،دو ٹکڑے کاٹ کر رکھتی ہے تاکہ اگ نہ جائے،دھنیہ کو نہیں کاٹتی کہ وہ ثابت بھی نہیں اگتا۔پاک ہے وہ رب بے نیاز جس نے بے عقل جانوروں کو یہ سمجھ بخشی۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مخلوق کی ہر خاصیت سے خبردار ہیں حاکم بھی ہیں حکیم بھی صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت میمونہ سے کہ گھی میں چوہا گر کرمرگیا	

	تو۱ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا فرمایا اس کو اور اس کے آس پاس کو گرا دو اور اسی گھی کو کھاؤ۲(بخاری)

۱؎ گھی جما ہوا تھا جیسا کہ آئندہ مضمون میں معلوم ہورہا ہے۔
۲؎ یعنی اگر جمے ہوئے گھی میں چوہا مرجائے تو اس کے میت جسم سے متصل جو گھی ہے وہ نجس ہوگیا ہے،باقی پاک ہے اس نجس کو پھینک دو باقی کھالو۔وہ نجس گھی کھانے کے سوا دوسرے استعمال میں لاسکتے ہیں جیسے اس سے چراغ روشن کرسکتے ہیں،کشتی میں مل سکتے ہیں،پتلے تیل میں اگر چوہا مرجائے تو اسے نہ کھایا جائے،ہاں وہ چند طریقوں سے پاک ہوسکتا ہے جن میں سے آسان طریقہ یہ ہے کہ نجس گھی یا تیل کو پاک گھی کے ساتھ اس طرح بہادیا جائے کہ کوئی آگے پیچھے نہ ہو ساتھ بہے،اس کی تحقیق شامی میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ سانپوں کو مارو۱ خصوصًا دو دھاری والے کو اور بنڈے کو ۲کیونکہ وہ دونوں بینائی ختم کردیتے ہیں اور حمل گرادیتے ہیں۳ عبداللہ فرماتے ہیں۴ اس دوران میں کہ میں ایک سانپ پر حملہ کررہا تھا کہ اسے مار ڈالوں مجھے ابولبابہ نے پکارا کہ اسے نہ مارو تو میں نے کہا رسول اللہ نے سانپوں کے قتل کا حکم دیا ہے وہ بولے کہ اس کے بعد حضور انور نے گھر والے سانپوں سے منع فرمایا یہ سانپ گھر والے ہیں۵ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ہر قسم کے سانپ قتل کردو موٹے پتلے،کالے پیلے،گوبرے اور غیر گوبرے۔
۲؎ **طفیہ** بمعنی دہاری،یہ ایک قسم کا کالا سانپ ہے اس کے جسم پر دو سفید دھاریاں ہوتی ہیں،یہ خبیث ترین سانپ ہے۔بنڈا وہ سانپ جس کی دم موٹی اور چھوٹی ہوتی ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب سانپ کی عمر دو سو سال ہوجاتی ہے تو اس کی دم موٹی پڑجاتی ہے اور بہت ہی زہریلا ہوجاتا ہے۔**واللہ اعلم**!اللہ تعالٰی دونوں سے محفوظ رکھے۔
۳؎ یعنی اگر انسان کی نظر ان کی نظر سے مل جائے تو آدمی اندھا ہوجاتا ہے اور اگر حاملہ عورت کی نظر اس کی نظر سے لڑجائے تو اس کا حمل گرجاتا ہے یا خوف کی وجہ سے یا زہر کے اثر سے۔اللہ کی پناہ!یہاں مرقات نے لکھا ہے کہ ایک سانپ ناظر کہلاتا ہے وہ جس جاندار کو دیکھ لے وہ مرجاتا ہے،ہم نے سنا ہے کہ ایک سانپ کا یہ حال ہے کہ جس جاندار کو دیکھ لے وہ پانی ہوکر بہہ جاتا ہے۔اللہ کی پناہ!
۴؎ محدثین جب عبداللہ مطلقًا بولتے ہیں تو عبداللہ بن مسعود مراد لیتے ہیں مگر یہاں عبداللہ ابن عمر مراد ہیں کیونکہ ابھی ان کا نام شریف بھی گزرا۔(مرقات)

۵؎ یعنی جو سانپ گھروں میں رہتے ہیں بستے ہیں کسی کو تکلیف نہیں دیتے وہ جنات ہیں سانپ نہیں،یہ حکم یا تو مدینہ منورہ کے لیے ہے یا عام مکانوں کے لیے۔حضرت ابوہریرہ و ابن مسعود سے مرفوعًا روایت ہے کہ سانپ کو مارنا ایسا ثواب ہے جیسے غازی کا کافر کو قتل کرنا۔

روایت ہے حضرت ابو سائب سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم ابو سعید خدری کے پاس گئے اس دوران میں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہم نے ان کے تخت کے نیچے حرکت سنی ۲؎ تو ہم نے دیکھا وہاں سانپ تھا میں اسے قتل کرنے کے لیے کودا اور جناب ابو سعید نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ ۳؎ میں بیٹھ گیا جب وہ فارغ ہوئے تو گھر کی ایک کوٹھڑی کی طرف اشارہ کیا فرمایا کیا تم اس کوٹھڑی کو دیکھتے ہو میں نے کہا ہاں فرمایا اس میں ہمارا ایک نو عروس جوان تھا ۴؎ فرماتے ہیں کہ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی طرف گئے ۵؎ تو وہ جوان دوپہریوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیا کرتا تھا اور اپنے گھر لوٹ جاتا تھا ۶؎ ایک دن اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہتھیار لیتے جاؤ کیونکہ میں تمہارے متعلق قریظہ سے ڈرتا ہوں ۷؎ چنانچہ اس شخص نے اپنے ہتھیار لے لیے پھر چلا گیا اچانک اس کی بیوی دروازہ میں کھڑی تھی ۸؎ اس نے بیوی کی طرف نیزے کا اشارہ کیا تاکہ اسے مار دے اسے غیرت آگئی ۹؎ وہ بولی کہ اپنا نیزہ روک رکھو گھر میں جاؤ تاکہ خود دیکھ لو کہ مجھے کس چیز نے نکالا ہے ۱۰؎ چنانچہ وہ گیا تو ایک بڑا سانپ بستر پر کنڈلی مارے ہے (لہرارہا ہے) ۱۱؎ وہ اس سانپ کی طرف نیزہ لے کر جھکا اسے نیزہ میں پرولیا ۱۲؎ پھر نکلا پھر گھر میں چبھولیا تو سانپ نے تڑپ کر اس پر حملہ کیا ۱۳؎ پھر خبر نہیں کہ ان دونوں میں جلدی کون مرا سانپ یا جوان ۱۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ پھر ہم رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا اور ہم نے عرض کیا۱۵؎ کہ اللہ سے دعا فرمادیں کہ اسے ہمارے لیے زندہ فرمادے۱۶؎ فرمایا اپنے ساتھی کے لیے دعا بخشش کرو۱۷؎ پھر فرمایا کہ ان گھروں میں کچھ جنات رہنے والے ہیں۱۸؎ جب تم ان میں سے کچھ دیکھ لوتو ان پر تین دن تنگی کروپھر اگر وہ چلا جائے تو خیر ورنہ اسے مار دو کہ وہ کافر ہے۱۹؎ اور فرمایا کہ جاؤ اپنے ساتھی کو دفن کردو۲۰؎ اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ میں کچھ جن ہیں جو مسلمان ہوچکے ہیں ۲۱؎ تو جب ان میں سے کچھ دیکھو تو اسے تین دن تک خبردار کرو اگر وہ پھر اس کے بعد ظاہر ہو تو اسے مار دو کہ وہ شیطان ہے۲۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ تابعی ہیں،ہشام ابن نمیرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں،مدینہ منورہ میں رہے۔

۲؎ یعنی ہم کو ان کے بستر پر سرسراہٹ محسوس ہوئی۔

۳؎ نماز میں اشارۃً کسی کو کچھ سمجھادینا ضرورۃً جائز ہے بلا ضرورۃً ممنوع،اشارہ ایسا نہ ہو جو مفسد نماز ہوتا ہے۔

۴؎ جس کی شادی نئی نئی ہوئی تھی،عرس بمعنی شادی،عروس دولہا دلہن دونوں کو کہتے ہیں۔

۵؎ غزوہ خندق کے موقعہ پر یہ جوان بھی خندق کھودنے پر مامور تھاان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۶؎ کیونکہ نیا دولہا تھادوپہر میں آرام کرنے گھر جاتا تھادن ڈھلے واپس آجاتا،اپنے کام یعنی خندق کھودنے میں لگ جاتا تھا۔

۷؎ قریظہ یہود کی وہ جماعت جو مدینہ منورہ کے قریب حوالی میں رہتی تھی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی تھی کفار مکہ سے مل کراس جماعت نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرائی تھی،ان لوگوں سے اندرونی حملہ کا ہر وقت ہی خطرہ رہتا تھااس لیے یہ ارشاد فرمایا

۸؎ دروازے کی چوکھٹ کے دو بازوؤں کے درمیان کھڑی تھی اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۹؎ اگرچہ گلی میں اس وقت کوئی مرد نہ تھاجس سے بے پردگی ہوگر اس غیرت مند صحابی کو غیرت آئی کہ میری بیوی ایسی جگہ کیوں آئی جہاں بے پردگی کا خطرہ ہو۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی بہو بیٹیوں کو بے پردہ پھراتے ہیں۔

۱۰؎ تاکہ تم کو پتہ لگے کہ میں مجبوری میں باہر نکلی ہوں،ایسی مجبوری میں پردہ لازم نہیں رہتا،زبان سے نہ بتایا بلکہ اسے دکھانے کی کوشش کی۔

۱۱؎ اب اس جوان کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی باہر کیوں نکلی تھی۔

۱۲؎ اس طرح کہ نیزہ سانپ کے جسم میں گھونپ دیااور سانپ کو طوق کی طرح بنالیا،اسے اس ہار سے مشابہت دی گئی جس میں موتی پرولیے جائیں۔

۱۳؎اس طرح کہ زخمی سانپ نے زور مارااس کے برچھے سے الگ ہو کر جوان کو کاٹ لیازخمی بلکہ لاٹھی کھایا ہوا سانپ ضرور حملہ کرتا ہے اس لیے سانپ کو مارنے والے اسے لاٹھی مارکر فورًا اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں کیونکہ سانپ اچھل کر اس جگہ آگرتا ہے جہاں لاٹھی والا کھڑا ہو۔

۱۴؎یعنی جوان فورًا ہی مرگیاسانپ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے غیرمحسوس وقفہ سے،عرب کا سانپ عمومًا بہت ہی زہریلا ہوتا ہے،ہمارے ہاں بھی ریتیلے علاقوں کے سانپ بہت زہریلے ہوتے ہیں۔

۱۵؎یہ واقعہ نقل فرمانے والے حضرت ابو سعید خدری ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کرنے والے عام حاضرین ہیں۔(مرقات)

۱۶؎صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کبھی مردے زندہ کرنے کے متعلق عرض نہ کیاآج یہ عرض کرنا یا تو اس مرحوم نو عروس اور اس کی نئی نویلی دولہن پر ترس کھاتے ہوئے تھایا وہ حضرات سمجھے کہ جوان مرا نہیں ہے بلکہ بے ہوش ہوگیا ہے،اشعۃ اللمعات نے دوسرا احتمال اختیار فرمایا۔

۱۷؎یعنی اسے زندہ کرانے سے بہتر یہ ہے کہ رب تعالٰی سے اسے بخشواؤ،دعائے خیر دوبارہ زندگی سے افضل ہے۔خیال رہے کہ اس فرمان عالی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معجزہ پر قادر نہیں ہیں،حضور کے دستِ اقدس پر کئی مردے زندہ ہوئے ہیں جس کو ہم نے اپنی کتب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔والدین کریمین کو زندہ فرماکر انہیں مؤمن صحابی بنانا تو مشہور ہی ہے،حضرت شیخ نے مدارج النبوت میں مردے زندہ فرمانے کے واقعات بہت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں جو ذات کریم بے جان لکڑیوں میں زندگی پیدا فرما کر کلمہ پڑھوا سکتی ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کرسکتی ہے۔

۱۸؎یعنی آج کل مدینہ منورہ کے گھروں میں کچھ جنات بہ شکل سانپ رہتے ہیں جن میں سے بعض مؤمن بھی ہیں لہذا یہ حکم ہر جگہ کے لیے نہیں بلکہ خاص مدینہ منورہ کے لیے ہے،وہ بھی اسی زمانہ پاک کے لیے ہے جیساکہ ابھی اس روایت میں آرہاہے۔

۱۹؎یعنی اگر تمہاری اس مہلت سے وہ فائدہ نہ اٹھائے گھر سے نہ بھاگے تو یا تو وہ واقعی سانپ ہی ہے یا کافر جن ہے پھر اسے مار دو۔

۲۰؎اس کے کفن دفن کا انتظام کرو،پھر اس کی میت ہمارے پاس لاؤ ہم نمازجنازہ پڑھائیں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر صحابی کی نماز جنازہ حتی الامکان خود پڑھاتے تھے۔

۲۱؎اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حکم صرف مدینہ منورہ کے لیے تھاوہ بھی اس خاص زمانہ میں تھا جیسے مسلم انسان مدینہ کی گلیوں کو ترستے ہیں،یوں ہی اس زمانہ میں مؤمن جنات بھی وہاں رہنے کے خواہش مند تھے،ان کی رعایت فرماتے ہوئے یہ حکم دیا گیا تھا۔

۲۲؎یعنی موذی سانپ ہے یا کافر جن ہے یا واقعی ابلیس کی ذریت ہے۔معلوم ہوا کہ جن وہ آتشی مخلوق ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرسکتی ہے۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں اس زمانہ میں سانپ کو یہ مہلت دینے کا حکم استحبابی تھا وجوبی نہ تھا۔اگر کوئی مسلمان جن سانپ کی شکل میں ہو اور مسلمان کے ہاتھ مارا جائے تو مارنے والا مسلمان نہ تو گنہگار ہے نہ اس پر دیت یا قصاص ہے کیونکہ وہ غیرشکل میں مارا گیا ہے،یہ قتل مسلم نہیں بلکہ سانپ کا مارنا ہے جیسے کوئی شخص چور

کی شکل میں اپنے کسی دوست کے گھر گھس جاوے گھر والا اپنی حفاظت کے لیے اسے ماردے،پھر پتہ لگے کہ یہ میرا فلاں دوست ہے جو دل لگی مذاق کے لیے چور کی شکل میں آیا تھا تو اس قاتل پر قصاص یادیت نہیں کیونکہ یہ قتل نہ تو قتل عمد ہے نہ قتل خطایہ تو اپنی جان کی حفاظت میں دشمن کا قتل ہے یوں ہی جہاد میں غازی کسی مسلمان کو حربی کافر سمجھ کر مار دے تو اس پر قصاص یادیت نہیں۔

	روایت ہے حضرت ام شریک سے۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹوں کے مارنے کا حکم دیا۲؎ کہ وہ حضرت ابراہیم پر پھونکیں مارتا تھا۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ام شریک دو ہیں اور دونوں صحابیہ ہیں،ایک کا نام عزمہ بنت دہ دان ہے،قرشیہ عامریہ ہیں،لوی ابن غالب کی اولاد سے،دوسری انصاریہ ہیں خبر نہیں یہ کون سی ام شریک ہیں۔(مرقات واشعہ)مگر یہ بے خبری مضر نہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

۲؎ وزغ جمع ہے وزغة کی بمعنی گرگٹ،مشہور جانور ہے چھپکلی سے کچھ بڑا ہوتا ہے،دم لمبی ہوتی ہے،رنگ بدلتا ہے،سبزیوں میں رہتا ہے۔

۳؎یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرودی آگ میں ڈالا گیا تو یہ مردود آگ سے میلوں دور بیٹھا ہوا آگ کی طرف پھونکیں ماررہا تھا کہ آگ تیز ہوکر حضرت ابراہیم کو تکلیف پہنچے،اگرچہ اس کی پھونک سے آگ تیز نہ ہوگئی وہ تو گلزار کردی گئی مگر اس حرکت سے اس کی دل کی حالت معلوم ہوگئی کہ یہ دشمن خلیل ہے اس لیے اس کو مار دینے کا حکم دیا گیا،اس کے برعکس ہدہد اپنی لمبی چونچ میں پانی لاتا دور سے آگ پر ڈال دیتا تھا کہ آگ بجھ جائے،اس کو پانی کا بادشاہ کردیا گیا کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مصاحب بنایا گیا،اس کے ذریعہ ملکہ یمن بلقیس کو ہدایت دی گئی جیسا کہ قرآن کریم سورۂ نمل میں مذکور ہے۔معلوم ہوا کہ عداوت نبی کا انجام برا ہے،محبت رسول کا انجام اچھا،یہ بھی معلوم ہوا جانوروں میں بھی بعض نبی کے محب ہیں بعض نبی کے دشمن،حضور فرماتے ہیں کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے،عیر پہاڑ ہم سے بغض کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار دینے کا حکم دیا اور اس کا نام بدکار رکھا۱؎(مسلم)

۱؎فویسق تصغیر ہے فاسق بمعنی بدکار کی یعنی جیسے چوہا،چیل،کوّا،بچھو وغیرہ موذی جانوروں کو حل و حرم میں قتل کردینا جائز ہے بلکہ ثواب ہے چیل کوّا وغیرہ تو اس لیے فویسق ہیں کہ وہ اپنے نفع کے بغیر انسانوں کا نقصان کرتے ہیں اور یہ اس لیے فویسق ہے کہ دشمن خلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی گرگٹ کو پہلی چوٹ میں مار دے تو اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور

	دوسری چوٹ میں اس سے کم اور تیسری چوٹ میں اس سے کم ۱؎(مسلم)

۱؎اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ گرگٹ کو جلد مار دینے کی رغبت دینازور کی چوٹ لگانا کہ ایک ہی چوٹ میں لوٹ پوٹ ہوجائے ہلکی چوٹ میں ممکن ہے کہ بھاگ جائے۔احمد و ابن حبان نے بروایت حضرت ابن مسعود مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو سانپ کو مارے اس کو سات نیکیاں ہیں اور جو گرگٹ کو مارے تو اسے ایک نیکی۔طبرانی نے بروایت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو گرگٹ کو ماردے اللہ تعالٰی اس کے سات گناہ معاف فرمائے گا۔(مرقات)بہرحال اس کا قتل ثواب ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیونٹی نے نبیوں میں سے کسی نبی کو کاٹ لیا۱؎تو انہوں نے چیونٹیوں کی بستی جلانے کا حکم دیا جلادی گئی۲؎تو اللہ تعالٰی نے انہیں وحی کی کہ آپ کو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے امتوں میں سے ایک امت کو جلادیا جو تسبیح پڑھتی ہے۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎وہ نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں،بعض شارحین نے فرمایا وہ نبی داؤد علیہ السلام ہیں۔عربی میں نوچنے کو **قرص** کہتے ہیں اور کاٹ کھانے کو **عض** مگر یہاں **قرص** بمعنی **عض** ہے کہ چیونٹی کاٹتی ہے نوچتی نہیں۔(مرقات) خیال رہے کہ **عض** منہ سے کاٹ کھانے کو کہتے ہیں،چھری چاقو سے کاٹ ڈالنے کو **قطع**،پھاڑ دینے کو **خرق**،توڑ دینے کو **کسر** کہتے ہیں،یہ اصطلاحیں خیال میں رہنی چاہئیں۔فرق باریک ہے ڈسنے کو **لدغ** کہتے ہیں۔

۲؎چیونٹیوں کی بستی سے مراد ان کے اجتماع کی جگہ ہے جہاں بہت چیونٹیاں رہتی ہیں،یہاں مرقات نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مولٰی تو کفار کی بستیوں پر عذاب بھیجتا ہے حالانکہ ان میں بعض مؤمنین بلکہ صالحین بھی ہوتے ہیں وہ کیوں تباہ کردیئے جاتے ہیں تب وہ ایک درخت کی جڑ میں گئے ٹھنڈی ہوا تھی سوگئے سوتے ہی ایک چیونٹی نے کاٹ لیا جس سے انکی نیند اچاٹ ہوگئی تب انہوں نے وہ چیونٹیوں کا کھڈ ہی جلوادیا یعنی رب تعالٰی نے خود ہی ان کے عمل شریف سے ان کو جواب سمجھادیا۔ (مرقات)

۳؎ان کے دین میں موذی جانوروں کا زندہ جلادینا جائز ہوگا اس لیے ان پر عتاب نہ ہوا،اسلام میں زندہ کو جلانا ممنوع ہے،نیز ہمارے ہاں چار جانوروں کو مارنا ممنوع ہے جن میں چیونٹی بھی ہے جیساکہ دوسری فصل میں آوے گا۔خیال رہے کہ اگر موذی جانور کو بغیر زندہ جلائے مارنا ممکن نہ ہو تو اسے جلا ڈالنا جائز ہے۔(مرقات)جیسے چار پائی کے کھٹمل،سوراخ میں گھسا ہوا سانپ جو کھولتے پانی سے مارے جاتے ہیں یا بھڑوں کا چھتہ جو آگ سے جلایا جاتا ہے کہ اس کے بغیر ان کو مارنا ممکن نہیں اگرچہ ہر چیز رب تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے،مگر چیونٹی تسبیح بھی کرتی ہے اور بے ضرر بھی ہے،جو چیونٹی نقصان پہنچائے یا کاٹ کھائے اسے مار دینا جائز ہے،کبھی چیونٹی کا کاٹا جوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے اس کا قتل جائز ہے جیسے بلی کا قتل جائز نہیں لیکن موذی بلی کا قتل جائز ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب چوہا گھی میں گرجائے تو اگر گھی جما ہوا ہو تو چوہا پھینک دو اور وہ جو اس کے آس پاس ہے[1] اور اگر پتلا ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ[2] (احمد اورابوداؤد)
	دارمی بروایت ابن عباس۔

[1] یعنی اگر چوہا جمے گھی میں گرکر مرجائے تو اسے نکال کر پھینک دو،اس سے متصل گھی بھی کھرچ کر پھینک دو اگر زندہ چوہا نکلا تو گھی پاک ہے۔

[2] بعض علماء نے اس کے معنی یہ کیے کہ اسے کسی طرح بھی استعمال نہ کرو نہ کھانے میں نہ لگانے میں نہ چراغ جلانے میں،مگر حق یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کھانے کے قریب نہ جاؤ دوسری طرح اس کا استعمال درست ہے جیسے اس سے چراغ روشن کرنا،اگر تیل ناپاک ہوجائے تو اس کا صابن میں استعمال کرلینا۔خیال رہے کہ اس حدیث کا مطلب وہ ہی ہے جو پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ پتلے ناپاک گھی کا آس پاس پھینک دینا کافی نہیں اسے اس طرح پاک نہیں کیا جاسکتا۔پتلا گھی،تیل،دودھ ان کے پاک کرنے کا وہ طریقہ ہے جو پہلے بیان ہوا کہ اسے پتلے پاک گھی کے ساتھ بہادو پاک ہو جائے گا من دو من گھی،تیل یا دودھ کا پھینکا نہ جائے گا،پتلی چیزوں کے پاک کرنے کے تین چار طریقے شامی وغیرہ نے لکھے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سفینہ سے[1] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بٹیر کا گوشت کھایا[2] (ابوداؤد)

[1] آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں یا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں،ام المؤمنین نے آپ کو اس شرط پر آزاد کیا تھا کہ زندگی بھر حضور کی خدمت کریں۔آپ کا نام رباح یا مہران یا رومان ہے،ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں تلوار،ڈھال نیزہ،کچھ اور سامان ان پر لاد دیا اور فرمایا تم ہماری سفینہ یعنی کشتی ہو تب سے آپ کا لقب سفینہ ہوگیا،آپ کے چار بیٹے ہیں،عبدالرحمن محمد،زیاد اور کثیر۔

[2] معلوم ہوا کہ بٹیر حلال ہے اس کا کھانا سنت ہے،نہایت سیدھا پرندہ ہے،عرب والے بے وقوف آدمی کو کہتے ہیں انت حباری تو تونرا بٹیر ہے،حباری واحد بھی ہے جمع بھی ہے،مذکر بھی ہے مؤنث بھی اس کا الف اصلی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کے کھانے اور ان کے

	دودھوں سے منع فرمایا۱(ترمذی)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جلالہ کی سواری سے منع فرمایا۲

۱جلالہ وہ گائے ہے جو بہت نجاست کھاتی ہے حتی کہ اس کے گوشت میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے،اس کا بدبودار گوشت،دودھ،کھانا،پینا مکروہ ہے۔اسے کچھ روز تک باندھ کر رکھا جائے جب اس کے جسم سے بو آنا بند ہوجائے تب ذبح کیا جائے۔امام مالک کے ہاں جلالہ کا گوشت بلاکراہت جائز ہے،وہ فرماتے ہیں کہ اس کا گوشت اچھی طرح دھولیا جائے،حضرت عبداللہ ابن عمر چھوٹی ہوئی مرغی کو تین دن باندھ کر رکھتے پھر ذبح فرماتے۔جو جانور کبھی کبھی گندگی کھالے وہ جلالہ نہیں۔(مرقات)

۲یہ ممانعت کراہت تنزیہی ہے کیونکہ جلالہ کا پسینہ بھی بدبودار ہوتا ہے،ممکن ہے کہ سوار کے کپڑے میں پسینہ لگے اور وہ بھی بدبودار ہوجائے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن شبلی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا۱(ابوداؤد)

۱یہ حدیث امام اعظم اقدس سرہٗ کی دلیل ہے کہ گوہ حرام ہے اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔یہ حدیث ابن عساکر نے بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے بلی کھانے سے اور اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا۱ (ابوداؤد،ترمذی)

۱تمام آئمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ بلی کھانا حرام ہے البتہ اس کی فروخت اور اسکی قیمت کے متعلق علماء کا اختلاف ہے،بعض کے نزدیک بلی کی قیمت بلاکراہت جائز ہے،بعض کے نزدیک مکروہ ہے،یہ حدیث مکروہ فرمانے والوں کی دلیل ہے اس کی بحث کتاب البیوع میں گزرچکی۔خیال رہے کہ بلی شکاری جانور بھی ہے اور کیل والی بھی لہٰذا اس قاعدے سے بھی حرام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے شکاری جانور کھانے سے منع فرمایا یہ حدیث ابن ماجہ اور حاکم نے بھی روایت کی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ۱پالتو گدھے اور خچروں کے گوشت حرام فرمائے اور ہر کیل والے درندے اور ہر پنجہ والے پرندے حرام فرمائے۲(ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۳

۱فتح خیبر سے پہلے عرب میں گدھا کھانے کا رواج تھا،شروع اسلام میں بھی رہا،خیبر کے دن اسے حرام فرمایا گیا جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔خیال رہے کہ حمار وحشی جنگلی گدھا جسے فارسی میں گورخر اور اردو میں نیل گائے کہتے ہیں وہ حلال ہے عموماً اس کا شکار کیا اور کھایا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی پنجے والے شکاری پرندے حرام فرمادیئے،جیسا کہ پہلی فصل میں گزر چکا ہے۔
۳؎ یعنی اس اسناد اور ان الفاظ سے یہ حدیث غریب ہے ورنہ مسلم،بخاری نے حضرت براء ابن عازب جابر علی مرتضی ابن عمر ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات کیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھے کھانے سے منع فرمایااور صحاح ستہ میں ابو ثعلبہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پنجہ والے شکاری پرندے سے منع فرمایا،یوں ہی بجّو کھانا حرام ہے جیساکہ احمد و اسحٰق نے ابو یعلی موصلی عن عبداللہ ابن زید سے مرفوعًا روایت کی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت خالد ابن ولید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں،خچروں اور گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۱؎ (ابوداؤد،نسائی)۲؎	

۱؎ یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ گھوڑا حرام ہے جیسے کہ خچر وگدھا حرام ہے،اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہے"وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً"۔جس سے معلوم ہوا کہ گھوڑرے،گدھے اور خچر کی پیدائش سواری اورزینت کے لیے ہے نہ کہ کھانے کے لیے،نیز گھوڑا ذریعہ جہاد ہے حتی کہ غنیمت میں اس کا بھی حصہ رکھا جاتا ہے،اس کو کھانے سے جہاد کے آلہ کی کمی ہوجانے کا خطرہ ہے۔**الحمدللہ!** کہ عملًا تمام مسلمان امام اعظم کا قول مانتے ہیں،ہم نے عرب و عجم کہیں بھی گھوڑے کا گوشت کھاتے فروخت ہوتے مارکیٹ میں آتے نہ دیکھا۔
۲؎ یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی،منذری نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے،ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے،صحابہ کرام سے گھوڑا کھانا ثابت ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث قرآنی آیات اور دوسری روایات کی تائید سے قوی ہے۔جن صحابہ کرام نے گھوڑا کھایا وہ یا تو حرام ہونے سے پہلے کھایا یا انہیں ممانعت کی حدیث پہنچی نہیں،بے خبری میں کھایا۔(ازمرقات)ہم مرآت کے مقدمہ میں عرض کرچکے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کی احادیث کو ضعیف ثابت کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے،وہاں اسنادوں میں ضعیف راوی ذرا مشکل سے ہی داخل ہوسکتے ہیں اگر بعد کے محدثین کو کئی حدیث ضعیف ہوکر ملے تو امام اعظم کو یہ ضعف مضر نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے خیبر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تو یہود آئے انہوں نے شکایت کی کہ لوگوں نے ان کی سرسبز کھجوروں کی طرف جلدی کی۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار ذمہ والوں کے مال ناحق حلال نہیں۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ خضائر جمع ہے خضیرہ کی،خضیرہ اس کھجور کا نام ہے جس کے پھل ابھی کچے ہوں،ہرے ہوں،خضرۃ سے بنا بمعنی سبزی یعنی مسلمان ہمارے باغوں میں پہنچے اور انہوں نے ہمارے ہرے پھل توڑکر کھائے نہ ہم کو قیمت دی نہ ہم سے اجازت لی۔

۲؎ یعنی چونکہ یہود خیبر ہمارے ذمی بن چکے ہیں اور ذمی سے بجز جزیہ اور مستامن سے بجز ٹیکس تجارت اور مال لینا جائز نہیں لہذا تم خیبر کے یہود کے مال سے کچھ نہ لو۔حقھا سے وہ ہی حق مراد ہے جو عرض کیا گیا یعنی جزیہ یا جس مال پر ان سے صلح ہوجائے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کیے گئے دو مردے تو مچھلی اور ٹڈی ہے۱؎ اور دو خون کلیجی اور تلی ہے۲؎ (احمد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی دونوں جانور بغیر ذبح حلال ہیں کیونکہ ان میں بہتا خون نہیں اور ذبح کرنا اسی کو اللہ کے نام پر نکال دینے کے لیے ہوتا ہے جب وہ چیزیں ان میں نہیں تو ان کا ذبح بھی نہیں۔خیال رہے کہ مچھلی بہت قسم کی ہے اور ہر قسم کی حلال ہے بغیر ذبح کھانا درست ہے،بعض مچھلیوں میں خون نکلتا معلوم ہوتا ہے مگر وہ خون نہیں ہوتا بلکہ سرخ پانی ہوتا ہے اس لیے دھوپ میں سفید ہو جاتا ہے خون کی طرح نہ سیاہ پڑتا ہے نہ جمتا ہے۔فقیر نے خود اس کا تجربہ کیا ہے،بہرحال مچھلی بغیر ذبح حلال ہے۔

۲؎ یعنی کلیجی و تلی جما ہوا خون ہے اور حلال ہے۔یہ دونوں چیزیں گوشت نہیں اس لیے جو گوشت نہ کھانے کی قسم کھالے پھر کلیجی یا تلی کھا لے تو حانث نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو الزبیر سے۱؎ وہ حضرت جابر سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کو دریا پھینک دے اور اس سے پانی ہٹ جائے تو اسے کھالو اور جو دریا میں مرجائے اور وہ تیر جائے تو اسے نہ کھاؤ ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)اور محی السنہ نے فرمایا کہ اکثر محدثین اس پر ہیں کہ یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے ۳؎

۱؎ آپ کا نام محمد ابن مسلم ہے،مکی ہیں،حضرت حکیم ابن حزام کے آزادکردہ غلام ہیں،مکہ معظمہ کے تابعین میں سے ہیں،حافظ ہیں،ثقہ ہیں،وسیع العلم ہیں،حضرت جابر،عائشہ صدیقہ،ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے مگر اکثر حضرت جابر سے روایت لیتے ہیں۔۱۲۵ھ ایک سو پچیس یا ایک سو اٹھائیس ہجری میں وفات پائی،آپ سے بہت محدثین نے روایات لیں۔(مرقات،اشعہ)

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ جس مچھلی کی موت پانی نہ ملنے یا کم ملنے کی وجہ سے ہو تو وہ حلال ہے اور جس مچھلی کی موت بیماری کی وجہ سے ہو کہ پانی میں رہتے ہوئے مرجائے اور پانی پر تیر کر آجائے تو ممنوع ہے،یہ ہی حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ طافی مچھلی مکروہ ہے،طافی اسی کو کہتے ہیں،امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما اسے بلاکراہۃ جائز فرماتے ہیں،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ جزر کے معنی ہیں سمٹ جانا،اس کا مقابل ہے مدّ،اسی سے ہے مدو جزر۔وہ جو حدیث شریف میں ہے حل میتتہ دریا کا مردار حلال ہے تو وہاں دریا کے مردار سے مراد وہ ہی ہے جس کی موت کا سبب دریا بنے نہ وہ جس کی موت کا سبب کوئی مرض و بیماری ہو۔ابھی جو حدیث گزری کہ دو مردار حلال ہیں یہ حدیث اس کی شرح ہے کہ دریا کا وہ مردار مراد ہے جو دریا کی وجہ سے مرے۔

۳؎کوئی مضائقہ نہیں اس قسم کی حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے اور اس پر حدیث مرفوع کے احکام جاری ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ امام شافعی صحابہ کرام کے اجتہادی مسائل میں ان کی پیروی نہیں کرتے،وہ فرماتے ہیں ھم رجال ونحن رجال وہ بھی مرد تھے ہم بھی مرد ہیں مگر امام ابوحنیفہ تقلید صحابہ کو لازم جانتے ہیں ان کے اجتہادی مسائل پر عمل ضروری جانتے ہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے متعلق پوچھا گیا۱؎ تو فرمایا کہ اللہ کا بڑا لشکر ہے۲؎ میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ اسے حرام کرتا ہوں۳؎(ابوداؤد) محی السنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۴؎	

۱؎کہ ان کے پیدا فرمانے میں کیا حکمت ہے اور ان کا کھانا حلال ہے یا حرام۔

۲؎یعنی پرندوں میں سب سے بڑی جماعت ٹڈیوں کی ہےاور جب خدا تعالٰی کسی قوم پر غضب کرتا ہےتو اس پر ٹڈی کا عذاب بھیجتا ہے،یہ اس قوم کی کھیتی باڑی،درخت،پھل وغیرہ سب کچھ کھا جاتی ہیں اور اس پر قحط مسلط ہوجاتا ہے،ورنہ رب کی بڑی سے بڑی مخلوق فرشتے ہیں،حق تعالٰی ان کے متعلق فرماتا ہے:"وَ مَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ"۔(مرقات)

۳؎یعنی ٹڈی شرعًا حرام نہیں ہم خود اسے کھاتے نہیں طبعًا اس سے نفرت ہے۔شاید سائل کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ حضور کھاتے ہیں یا نہیں اور ہم کھائیں یا نہیں،لہذا جواب بالکل مطابق ہوگیا کہ ہم نہیں کھاتے تم کھاؤ۔خیال رہے کہ ٹڈی کے حلال ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجتماع ہے۔

۴؎یہ حدیث اسناد سے بھی ضعیف ہے اور معنی سے بھی،اسناد سے تو اس لیے کہ اس کے سارے راوی قوی و ثقہ نہیں،معنی سے اس لیے کہ بہت سی احادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے جن میں ٹڈی کی حلت صراحۃً مذکور ہے۔یہاں مرقات نے ٹڈی کے حلال ہونے کے متعلق بہت سی عجیب روایات بیان کیں۔چنانچہ فرمایا کہ حضرت مریم بنت عمران نے دعا کی تھی کہ مولٰی مجھے بغیرخون والا گوشت دےتو رب نے انہیں یہ ہی ٹڈی دی،آپ نے دعا کی کہ الٰہی اسے بغیر

ماں کے دودھ کے زندہ رکھ اور بغیر کسی ہانکنے والے اور بغیر آواز کے ان میں تنظیم دے اور فرمایا کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام عموماً ٹڈی کھایا کرتے تھےاور فرمایا کہ حضور انور کی ازواج مطہرات ایک دوسری کو طباق بھرکر ٹڈیاں ہدیہ کرتی تھیں وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت خالد ابن زید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کو برا کہنے سے منع فرمایا۱؎ اور فرمایا کہ یہ نماز کی اطلاع دیتا ہے۲؎(شرح سنہ)

۱؎ دیك اسم جنس ہے واحد و جمع سب پر بولا جاتا ہے بمعنی مرغ نر،مادہ کو **دجاجه** کہتے ہیں یعنی مرغ کو نہ برا کہو نہ برا سمجھو،یہ بڑا مبارک جانور ہے۔

۲؎ یعنی نماز تہجد اور نماز فجر کے لیے اٹھاتا ہے۔مرغ میں قدرت نے عجیب کرشمہ رکھا ہے کہ یہ رات کے اوقات سے خبردار رہتا ہے،رات لمبی ہو یا چھوٹی آخری تہائی رات میں بھی بولتا ہے اور صبح صادق کے وقت بھی،حتی کہ بعض علماء نے مجرب مرغ کی آواز پر نماز تہجد پڑھنا جائز فرمایا اور کہا کہ اس کی آواز پر اعتماد جائز ہے،بعض صحابہ کرام سفر میں مرغ ساتھ رکھتے تھے نمازوں کے لیے۔سفید مرغ کے بڑے فضائل ہیں اس کا گوشت اور دل بہت ہی قوی ہوتا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرغ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۱؎(ابوداؤد)

۱؎ بعض روایات میں ہے کہ عرش اعظم کے نیچے ایک جانور سفید مرغ کی شکل کا ہے،ہر سحر کو اذان دیتا ہے،اس کی اذان سنکر زمین کے تمام مرغ اذانِ سحر دیتے ہیں اس لیے مرغ سحر کی اذان کے وقت دعائیں قبول ہوتی ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا ابولیلیٰ نے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گھر میں سانپ نمودار ہو تو اس سے کہہ دو کہ ہم حضرت نوح و حضرت سلیمان کے معاہدوں کے واسطے تجھ سے سوال کرتے ہیں۲؎ کہ تو ہم کو نہ ستا اگر پھر ہوئے تو اسے مار دو (ترمذی،ابوداؤد)۳؎

۱؎ آپ کی کنیت ابو عیسیٰ ہے،ثقہ تابعی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے جب چھ سال باقی رہے تو آپ پیدا ہوئے،کوفے کے رہنے والے ہیں،تراسی ۸۳ھ میں بصرہ کی نہر میں ڈوب کر آپ کی وفات ہوئی،بیس صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے جن میں حضرت عثمان و علی،ابوایوب انصاری،ابوالدرداء ہیں،آپ سے بہت لوگوں نے روایات کیں،آپ کے بیٹے کا

نام محمد تھاابن ابی لیلیٰ کنیت تھی،کوفہ کے قاضی تھے،بڑے فقیہ تھے،جب فقہاء ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں تو وہ ہی محمد مراد ہوتے ہیں،محمد ۷۴ھ چوہتّر میں پیدا ہوئے،۱۴۸ھ ایک سو اڑتالیس میں وفات ہوئی۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ غالبًا عہد نوحی سے مراد وہ معاہدہ ہے جو آپ نے اپنی کشتی میں سوار کرتے وقت سانپ سے لیا تھا کہ بلاوجہ کسی کو ایذا نہ دینا۔معلوم ہوا کہ بعض سانپ انسانوں کی بولی سمجھتے ہیں اور ان کو عہد یاد بھی آجاتے ہیں۔(از مرقات)بعض سانپوں کے سمجھنے کے واقعات مشہور ہیں۔

۳؎ سانپ کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے،ہر سال اپنی کھال اتارتا ہے،اس کی آنکھ میں پتلی گردش نہیں کرتی،اس کے دانت توڑ دیئے جائیں تو پھر جلد ہی اگ جاتے ہیں،دم کاٹ دی جائے تو جلد ہی اگ آتی ہے،انسان سے بہت ڈرتا ہے،آگ سے خوش ہوتا ہے،دودھ بہت رغبت سے پیتا ہے،اگر ذبح کردیا جائے تو کئی دن تک زندہ رہتا ہے،جب اندھا ہوجائے تو سبز سونف جو درخت میں لگی ہو اس سے اپنی آنکھیں ملتا ہے انکھیارا ہوجاتا ہے،سانپ کھانا حرام ہے اس کے گوشت سے بنا ہوا تریاق کھانا بھی حرام ہے الا بحالت اضطرار۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے راوی فرماتے ہیں ۱؎ کہ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے حدیث کو مرفوع کیا کہ وہ سانپ کے قتل کا حکم دیتے تھے ۲؎ اور فرمایا کہ جو انہیں بدلہ کے خوف سے چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ اس قال کا فاعل یا تو عکرمہ ہیں یا اسناد کے ایک راوی ایوب ہیں یعنی عکرمہ یا ایوب کہتے ہیں کہ مجھے گمان غالب ہے کہ یہ حدیث مرفوع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے،خود ان کا اپنا قول نہیں یعنی حدیث موقوف نہیں۔

۲؎ یہ حکم استحبابی ہے،مدینہ منورہ کی آبادی یعنی گھروں کے سانپوں کو مہلت دینے کے بعد قتل کیا جائے اور دوسری جگہ کے سانپوں کو فورًا دیکھتے ہی ماردیا جائے،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اب مدینہ منورہ کے گھروں کے سانپوں کو بھی فورًا قتل کردیا جائے،اس صورت میں یہ حدیث سانپ کو مہلت دینے کی حدیث کی ناسخ ہے۔

۳؎ یعنی ہماری سنت کا تارک ہے۔پہلے جہلاء عرب کہتے تھے اور جہلاء ہند اب تک کہتے ہیں کہ سانپ کو مارنے والے سے اس کی ناگنی بدلہ لیتی ہے اس لیے سانپ کو مت مارو۔اس فرمان عالی میں اسی خیال کی تردید ہے بھلا سانپنی یعنی ناگن کو کیا خبر کہ کس نے مارا ہے۔لوگوں میں مشہور ہے کہ مارے ہوئے سانپ کی آنکھوں میں مارنے والے کا فوٹو آجاتا ہے اس فوٹو سے ناگن قاتل کو پہچان لیتی ہے اس لیے سانپ کو مارکر اس کا سر جلا دیا جاتا ہے تاکہ آنکھوں میں فوٹو نہ رہے مگر یہ بھی غلط ہے اس کا سر جلادینا اسے مار ڈالنے کے لیے ہے،وہ لاٹھی کھاکر بیہوش ہوجاتا ہے لوگ مردہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں،وہ کچھ عرصہ بعد پھر ہوش میں آکر چلا جاتا ہے آگ میں جلانا اس لیے ہے تاکہ واقعی مر جائے۔خیال رہے کہ جب تک سانپ الٹا نہ پڑ جائے کہ پیٹ اوپر آجائے تب تک وہ زندہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب سے ہم نے سانپوں سے جنگ کی پھر صلح نہ کی ۱؎ اور جو کوئی ان میں سے کسی سانپ کو چھوڑ دے ڈرتے ہوئے تو ہم میں سے نہیں ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس فرمان عالی میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے سانپ جنت میں رہتا تھا،نہایت خوبصورت تھا،شیطان جب جنت سے نکالا گیا تو وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیااور حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا دیا،انہیں گندم کھلایا،رب تعالٰی نے فرمایا:"اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ"اے آدم تم اور حوا اور سانپ جنت سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن رہیں گے،یعنی انسان سانپ کا دشمن اور سانپ انسان کا دشمن،تب سے ہماری اور سانپ کی دشمنی قائم ہے،مشرکین سانپ کے فوٹو کو تو پوجتے ہیں اصلی سانپ سے بھاگتے ہیں اسے مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔(از مرقات)
۲؎ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ جو ناگن کے بدلہ کے ڈر سے سانپ کو نہ مارے وہ میری سنت میرے طریقہ سے الگ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے سانپوں کو مار دو جوان کے بدلہ سے ڈرے وہ مجھ سے نہیں ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ ہوسکتا ہے کہ اس عام حکم میں مدینہ منورہ کے سانپ بھی داخل ہوں اور یہ حدیث گزشتہ مہلت کی حدیث کی ناسخ ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم چاہ زمزم کو صاف کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ جنان یعنی پتلے چھوٹے سانپ ہیں ۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مار دینے کا حکم دیا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ جنان جیم کے کسرہ نون کے شد سے جمع جانّ کی،بمعنی پتلا سانپ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"كَاَنَّهَا جَآنٌّ" عصا موسوی پتلے سانپ کی طرح ہوگیا یعنی زمزم کے کنوئیں میں چھوٹے سانپ بہت ہیں جن کے مارے بغیر کنوئیں کی صفائی نہیں ہوسکتی،پھر حضور والا کا ان سانپوں کے قتل کے متعلق کیا حکم ہے۔چاہ زمزم میں ایک حبشی گرکر مرگیا تھا حضرت عباس زمزم کے منتظم تھے،انہوں نے چاہ زمزم پاک کرنا چاہا تب یہ سوال کیاوہ چاہتے یہ تھے کہ اب کنواں پاک تو کرنا ہی ہے لاؤ س کی صفائی بھی کردو،اس کے کیچڑ وغیرہ سب نکال دو۔(مرقات)
۲؎ ان سانپوں کے قتل کا حکم چاہ زمزم کی صفائی کے لیے ہے لہذا یہ حدیث آئندہ آنے والی حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے سانپوں کو مار دو سوا پتلے سفید سانپ کے جو چاندی کی شاخ کی طرح ہوا(ابوداؤد)

۱ؔیا اس لیے کہ ایسے سانپ بےضرر ہوتے ہیں وہ کاٹتے نہیں اگر کاٹ بھی لیں تو ان میں زہر نہیں کسی کو نقصان نہیں پہنچتا یا اس لیے کہ مؤمن جن اس قسم کے سانپ میں تبدیل ہوجاتے ہیں لہٰذا انہیں نہ مارو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے دو کیونکہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے دوسرے میں شفاء ہے ۱ؔ اور وہ اپنے اس بازو سے بچاؤ کرتی ہے جس میں بیماری ہے لہٰذا اس پوری کو ڈبو دو ۲ؔ (ابوداؤد)

۱ؔیہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اس کی شرح بھی کی جاچکی ہے کہ اللہ تعالٰی نے بہت چیزوں بلکہ بہت جانوروں میں دو ضدیں جمع فرمادیں ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ تجربہ یہ ہے کہ مکھی شور بے وغیرہ میں اپنا بایاں بازو ڈالتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بائیں بازو میں زہر ہے داہنے میں شفاء۔مکھی کی خلقت میں چند عجیب چیزیں ہیں:(۱)اس میں زہر اور تریاق دونوں جمع ہیں(۲)وہ جانتی پہچانتی ہے کہ کس بازو میں زہر ہے کس میں تریاق اس لیے پہلا زہر یلا بازو ڈالتی ہے(۳)سفید کپڑے پر کالا پاخانہ کرتی ہے،کالے کپڑے پر سفید(۴)کدّو کے درخت پر بہت ہی کم بیٹھتی ہے اس لیے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے باہر آنے پر کدو کے درخت کے نیچے رکھا گیا جیساکہ قرآن مجید میں ہے تاکہ آپ مکھیوں سے محفوظ رہیں(۵)وہ گندی اور عفونت کی جگہ میں بہت ہوتی ہے مگر زمانہ حج میں منٰی شریف میں نہیں ہوتی حالانکہ وہاں قربانیوں،حاجیوں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے گندگی و عفونت بہت ہوتی ہے(۶)اتنی بہادر ہے کہ بادشاہوں کے منہ و سر پر بے تکلف جا بیٹھتی ہے،اس سے متکبرین کا تکبر ٹوٹتا ہے،یہ ہی جواب امام شافعی نے مامون رشید کو دیا تھا جب اس نے پوچھا تھا کہ مکھی کیوں پیدا کی گئی(۷)اس کی عمر چالیس دن ہوتی ہے(۸)سوا شہد کی مکھی کے باقی تمام مکھیاں دوزخ میں ہوں گی دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے (۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر اور آپ کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہ بیٹھی(۱۰)یہ ہضم نہیں ہوتی اگر پیٹ میں چلی جائے تو انسان کو قے ہوجاتی ہے۔ (مرقات)
۲ؔمعلوم ہوا کہ مکھی ڈوب کر مرجانے سے پانی یا شوربا،دودھ وغیرہ نہ تو ناپاک ہوتا ہے نہ حرام بلکہ وہ پاک رہتا ہے حلال رہتا ہے کہ مکھی میں خون نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کھانے میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے دو کہ اس کے ایک بازو میں زہر دوسرے میں شفا ہے اور وہ زہریلا بازو آگے ڈالتی ہے شفا والا پیچھے رکھتی ہے ۱ؔ (شرح سنہ)

۱یہاں مرقات نے فرمایا کہ مکھی حرام نہیں،ہاں اس سے طبیعت گھن کرتی ہے اور یہ مضر بھی ہےاس وجہ سے کھانا ممنوع ہے،بعض بیماریوں میں مکھی کا پاخانہ پتاشے میں رکھ دیا جاتا ہے،فقیر نے بھی یہ دیکھا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سےفرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا۱چیونٹی،شہد کی مکھی،ہدہد اور ممولا۲(ابوداؤد،دارمی)

۱انکے مارنے کی ممانعت کی حکمتیں اس جگہ مرقات نے بہت ہی بیان فرمائیں وہاں ملاحظہ فرماؤ ہم بھی کچھ عرض کرتے ہیں۔

۲کیونکہ یہ جانور حرام بھی ہیں اور بے ضرر بھی،ان کے قتل میں کوئی فائدہ بھی نہیں اور بلا فائدہ جانور کو قتل کرنا ممنوع ہے۔شہد کی مکھی بڑی مبارک ہےکہ اس کے منہ سے شہد اور موم ملتا ہے،بےضرر ہے اس کی پرورش کرنی چاہیے،اسے مارنا ممنوع ہے۔نملہ سے مراد بڑی چیونٹی ہےجس کے پاؤں بڑے بڑے ہوتے ہیں وہ بالکل ہی بے ضرر ہوتی ہے۔یوں ہی ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاص خادم ہے،اس کا کھانا حرام ہے،گوشت بدبودار بھی ہوتا ہے۔صرد ایک عجیب الخلقت پرندہ ہے اس کا سر بڑا ہوتا ہے،چڑیوں کا شکار کرتا ہے،اس کے پر بڑے ہوتے ہیں آدھے سفید آدھے کالے،اہل عرب اس کو منحوس جانتے ہیں،اس کی آواز سے یہ فال لیتے ہیں جیسے ہمارے ملک کے جہلاء اُلّو کو منحوس سمجھتے ہیں۔چھوٹی چیونٹی کو ذر بڑی چیونٹی کو نمل کہتے ہیں۔یہاں مرقات نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ ہدہد کے لیے زمین صاف شیشہ کی مثل ہے،وہ زمین کی تہ میں پانی دیکھ لیتا ہےاس لیے حضرت سلیمان نے ایک سفر میں ہدہد کو یوں فرمایا"مَا لِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ"کیونکہ آپ کو وضو کی ضرورت تھی ہدہد زمین کی تہ کا پانی بتاتا،جنات کنواں تیار کرتے آپ وضو فرماتے،یہاں ہی مرقات نے اس دعوت کا ذکر فرمایا جو ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کی تھی۔یہاں مرقات نے جانوروں کے اقسام انکے احکام بہت شرح و بسط سے بیان فرمائے کئی صفحات میں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جاہلیت والے لوگ کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ چیزیں گھن کرتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے۱تب اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا اور اپنی کتاب اتاری اور حلال کو حلال فرمایا حرام کو حرام ٹھہرایا۲تو جو حلال کر دیں وہ حلال ہیں اور جو حرام کردیں وہ حرام ہیں اور جن سے خاموشی فرمائی وہ

	معاف ہیں۳؎ اور یہ آیت تلاوت کی فرمادو میں اپنی وحی میں کوئی چیز کسی کھانے والے پر جسے وہ کھالے حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ ہو مردار، پوری آیت۴؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی ان کے ہاں حرام و حلال کا کوئی قاعدہ نہ تھا محض اپنی رائے سے بعض چیزوں کو حرام سمجھتے تھے بعض کو حلال، محض لاقانونی تھی کیونکہ تعلیم ابراہیمی دنیا سے گم ہوچکی تھی،آج بھی مشرکین ہند کے دین میں کوئی قانون نہیں،بعض ہندو ہر جانور کو حرام سمجھتے ہیں،بعض صرف گائے کو،بعض فرقے ان میں کے گائے بھی کھالیتے ہیں،یوں ہی حرام و حلال عورتوں کے لیے کوئی قانون نہیں،نہایت نفیس قوانین تو اسلام ہی کے ہیں۔

۲؎ یعنی جو چیزیں حلال ہونے کے قابل تھیں انہیں حلال کیا اور جو چیزیں حرام ہونے کے قابل تھیں انہیں حرام کیا،یہود پر بعض طیب چیزیں بھی حرام کردی گئی تھیں جیسے حلال جانوروں کی بعض چربیاں اور عیسائیوں پر بعض خبیث چیزیں بھی حلال کردی گئی تھیں جیسے شراب۔اسلام دین فطرت ہے،اس میں بری چیزوں کو حرام کیا گیا ہے اور اچھی چیزوں کو حلال۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ چیزیں تین قسم کی ہیں:وہ جن کا حلال ہونا قرآن یا حدیث میں صراحۃً مذکور ہے،وہ جن کا حرام ہونا قرآن یا حدیث میں صراحۃً مذکور ہے،وہ جن کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں،پہلی قسم حلال قطعی ہے،دوسری قسم حرام قطعی،تیسری قسم معاف یعنی وہ بھی حلال ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں میں اصل اباحت ہے کہ جن سے سکوت یعنی خاموشی ہے وہ مباح ہے،یہ اسلام کا کلیہ قانون ہے جس سے لاکھوں چیزوں کے حال معلوم ہوسکتے ہیں۔آم مالٹا وغیرہ کیوں حلال ہیں اس لیے کہ شریعت میں ان کی ممانعت نہیں آئی۔خیال رہے کہ انسانی نباتات بھی کھانا ہے جیسے سبزیاں،دانے،کبھی جمادات بھی جیسے موتی عنبر،مشک وغیرہ حیوانات بھی۔نباتات و حیوانات کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ جو سبزیاں یا دانہ صحت کو مضر ہو وہ حرام،جو مضر نہ ہو وہ حلال حتی کہ سنکھیا بھی مارکر کھایا جائے توحلال۔حیوانات بعض حرام ہیں،بعض حلال،قرآن کریم نے حرام بعینہٖ صرف ایک جانور کا ذکر کیا یعنی سؤر کا وہ بھی اس کے گوشت کا ذکر فرمایا،باقی حرام لغیرہ میں آٹھ جانوروں کا ذکر فرمایا میتة منخنقة وغیرہ،باقی تمام حرام جانوروں کو حدیث پاک نے بیان فرمایا،کتا،بلی،ریچھ،ہاتھی،گدھا وغیرہ حضور انور نے ہی حرام کیے،سؤر کا صرف گوشت قرآن پاک نے حرام کیا،باقی اس کے کلیجی گردے،چربی حدیث نے حرام کی،پھر ان حرام جانوروں کی حرمت بعد ہجرت قرآن پاک میں آئی۔مدنی سورتوں میں ہی حرام عورتوں،حرام غذاؤں کا ذکر ہے مگر حضور انور نے قبل ہجرت ہی ان سب سے مسلمانوں کو منع فرمادیا تھا،مسلمانوں کو کبھی ماں بہن سے نکاح اور سؤر کتا بلی کھانے کی اجازت نہ دی۔معلوم ہوا کہ حرام و حلال فرمانے والے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اس کی بحث ہماری تفسیر نعیمی پارہ ہشتم میں ملاحظہ کرو۔

۴؎ یعنی اس آیت نے بھی یہ ہی بتایا کہ جس کی حرمت نہ ملے وہ حلال ہے،اصل اشیاء میں اباحت ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول میں دیکھو اور راہ جنت میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے زاہر اسلمی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں گدھوں کے گوشت پر ہانڈیوں کے نیچے آگ جلارہا تھا کہ کسی

حضور کے منادی نے آواز دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھوں کے گوشت سے تم کو منع فرماتے ہیں۲؎(بخاری)	

۱؎ آپ زاہر ابن اسود ہیں،اسلمی ہیں،بیعۃ الرضوان میں حاضر ہوئے،کوفہ میں قیام رہا(مرقات)صحابی ہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ پالتو گدھا شروع اسلام میں حلال تھاخیبر کے دن حرام ہوااور قیامت تک کے لیے حرام ہوگیا،گدھا خچر گھوڑا حرام ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے وہ اسے مرفوع کرتے ہیں کہ جن تین قسم کے ہیں:ایک قسم وہ جن کے پَر ہیں وہ ہوا میں اڑتے ہیں اور ایک قسم سانپ اور کتے ہیں ایک قسم ہے جو قیام بھی کرتے ہیں اور سفر بھی کرتے ہیں۱؎ (شرح سنہ)	

۱؎ جو لوگ جنات کے عامل ہیں انہوں نے جنات کی یہ تینوں قسمیں مشاہدہ کیں ہیں۔مدینہ منورہ میں اکثر کتے عجیب حرکات کرتے دیکھے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات ہیں۔انسان بھی تین قسم کے ہیں:بعض جانوروں کی طرح بے سمجھ،بعض شیاطین کی طرح گمراہ اور بعض ملائکہ سے بھی اعلیٰ۔(مرقات)

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (ششم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

باب العقیقۃ

عقیقہ کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **عقیقہ** بنا ہے **عق** سے بمعنی کاٹنا،الگ کرنا،اس لیے ماں باپ کی نافرمانی کو **عقوق** کہتے ہیں اور نافرمان اولاد کو عاق کیونکہ وہ نافرمان بھی اپنے ماں باپ بلکہ خدا تعالٰی کی رحمت سے کٹ جاتا ہے،الگ ہوجاتا ہے۔اصطلاح شریعت میں عقیقہ،بچے نومولود کے سر سے اتارے ہوئے بال بھی عقیقہ ہیں اور اس حجامت کے وقت ذبح کیا ہوا جانور بھی عقیقہ ہے یعنی الگ کیے ہوئے بال اور سر کاٹا ہوا جانور۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عقیقہ واجب ہے،باقی اماموں کے ہاں سنت۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے واجب ہونے سے تمام ذبیحہ منسوخ ہوگئے جیسے روزۂ رمضان واجب ہونے سے تمام دوسرے روزے منسوخ ہوگئے،غسل جنابت واجب ہونے سے اور دوسرے دنوں کے غسل منسوخ ہوئے۔(اشعۃ اللمعات)امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیقہ کے وجوب کا انکار فرماتے ہیں،سنیت کا نہیں کیونکہ غسل جنابت سے جمعہ و عیدین کے غسل کی سنیت باقی ہے وجوب ختم ہوا،یوں ہی زکوۃ کی فرضیت سے صدقہ فطر باقی ہے لہذا قول یہ ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔

عقیقہ کے احکام قربانی کی طرح ہیں کہ عقیقہ کی بکری ایک سال سے کم نہ ہو،گائے دوسال سے اور اونٹ پانچ سال سے،نیز بکری صرف ایک کی طرف سے ہوسکتی ہے،گائے اونٹ میں سات عقیقہ ہوسکتے ہیں اس طرح کہ لڑکے کے دو حصے لڑکی کے لیے گائے وغیرہ کا ایک حصہ۔عقیقہ کا گوشت بھی قربانی کی طرح تین حصے کیا جائے:ایک حصہ خیرات،ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم اور ایک حصہ اپنے گھر کھایا جائے۔سری نائی کو،ران دائی کو دی جائے اگر وہ دونوں مسلمان ہوں،بقیہ احکام کتب فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت سلمان ابن عامر ضبی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے ۲؎ تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی ۳؎ دور کرو۔(بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں،بصری ہیں،آپ کے سوا کوئی بصری صحابی راوی حدیث نہیں۔(مرقاۃ)

۲؎ یعنی ہر بچہ کے ساتھ عقیقہ سنت ہے جو اس کی ولادت کے ساتویں روز کیا جائے کہ بچہ کے بال مونڈ دیئے جائیں،بکری ذبح کردی جائے لڑکی کی طرف سے ایک،لڑکے کی طرف سے دو،اسی دن اس کا نام رکھا جاوے،بالوں کی برابر چاندی وزن کرکے خیرات کردی جائے۔

۳؎ گندگی سے مراد سر کے بال ہیں کیونکہ وہ بال ماں کے پیٹ سے ساتھ آتے ہیں،آلائش میں لتھڑے ہوتے ہیں اگرچہ دائی غسل دیتے وقت انہیں دھودیتی ہے مگر ان کا سر سے دورکردینا اچھا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ گندگی دور کردینے سے مراد بچہ کا ختنہ کردینا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعائے برکت دیتے اور ان کی تحنیک کرتے تھے ۱؎(مسلم)	

۱؎ تحنیک یہ ہے کہ کوئی بزرگ چھوہارا یا کوئی میٹھی چیز اپنے منہ میں چباکر بچے کے تالو سے لگادے تاکہ سب سے پہلے بچہ کے منہ میں مقبول الٰہی کالعاب اور شیرینی پہنچے۔پہلی غذا کا بچہ پر بڑا اثر پڑتاہے،بزرگانِ دین پہلا پھبا بزرگوں سے دلواتے ہیں،اہلِ مدینہ خوش نصیب تھے کہ ان کے نومولود بچوں کو پہلے حضور انور کی گود،حضور کی دعا،حضور کا لعاب نصیب ہوتا تھاہم تو مدینہ کی گلیوں کو ترستے ہیں۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہ وہ مکہ معظّمہ میں عبداللہ ابن زبیر کی حاملہ ہوئیں فرماتی ہیں کہ قبا میں میرے ہاں ولادت ہوئی ۱؎ پھر میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی اور حضور کی گود میں رکھاآپ نے چھوہارا منگایا اسے چبایاپھر ان کے منہ میں تھوک دیا پھر ان کی تحنیک کی ۲؎ پھر ان کے لیے برکت کی دعا مانگی اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو بچہ پیدا ہوا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حضرت اسماء جناب صدیق اکبر کی صاحبزادی اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی بہن ہیں،حضرت زبیر ابن عوام کے نکاح میں تھیں،عبداللہ بن زبیر جو مشہور صحابی ہیں ان کی والدہ ماجدہ ہی فرماتی ہیں کہ میں عبداللہ بن زبیر کی حاملہ تو ہوچکی تھی قبل ہجرت مگر ان کی ولادت بعد ہجرت مقام قباء میں ہوئی،قباء ایک بستی تھی مدینہ منورہ سے متصل اب وہاں مسجد قباء تو ہے مگر وہ محلّہ آباد نہیں،عبداللہ ابن زبیر اسلام میں پہلے وہ بچہ ہیں جو مہاجرین کے گھر پیدا ہوئے۔

۲؎ یعنی اولًا لعاب دہن سے مخلوط چھوہارا ان کے منہ میں ڈالا پھر اسے ان کے تالو سے مل دیالہٰذا عبارات میں تکرار نہیں۔

۳؎ یعنی مہاجر گھرانوں میں پہلے آپ پیدا ہوئے ورنہ ان سے پہلے انصار کے گھر نعمان ابن بشیر پیدا ہوئے،مدینہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ یہود مدینہ نے مسلمان مہاجروں پر جادو کردیا ہے کسی مہاجر کے اولاد نہ ہوگی،آپ کی پیدائش سے مسلمانوں کو بہت ہی خوشی ہوئی کہ لوگوں کا یہ خیال باطل ہوگیا۔۱۲

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ام کرز سے ۱؎فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رکھو ۲؎فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ۳؎ تمہیں مضر نہیں کہ نر ہوں یا مادہ ۴؎(ابوداؤد،ترمذی)اور نسائی نے یہاں سے روایت کی عن الغلام،الخ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎آپ قبیلہ بنی خزاعہ کے خاندان کعب سے ہیں،مکہ معظّمہ کی رہنے والی ہیں۔

۲؎ مکنہ چڑیوں کا وہ مکان جو وہ تنکوں وغیرہ سے بنالیتی ہیں وہاں ہی رہتی بستی ہیں،وہاں ہی انڈے دیتی ہیں۔اہلِ عرب پرندوں کو فال لینے کے لیے ان کے گھونسلوں سے اڑادیتے تھے کہ اسے ششکاری دی اگر وہ داہنی طرف اڑ گیا تو سمجھے ہم کامیاب ہوں گے اگر بائیں طرف اڑا تو سمجھو ہم ناکام ہوں گے یہاں اس سے منع فرمایا جارہا ہے۔

۳؎غالب یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل دوسری حدیث ہے پہلی حدیث کا تتمہ نہیں۔

۴؎یعنی یہ ضروری نہیں کہ لڑکے کے عقیقہ کے لیے نر بکرے چاہئیں اور لڑکی کے عقیقہ کے لیے مادہ بکری ضروری ہے بلکہ لڑکے کے لیےمادہ مؤنث بکری اور لڑکی کے عقیقہ کے لیے نر بکرے بھی ذبح کئے جاسکتے ہیں،یہ بھی درست ہے کہ لڑکے کے لیے ایک نر بکرا اور دوسری مادہ بکری ذبح کردی جائے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ شاۃ نر اور مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے لہذا یہ عبارت ذکرانا کن او اناثا بالکل درست ہے۔

	روایت ہے حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہوتا ہے ۲؎ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اس کا سر مونڈا جائے ۳؎ احمد،ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔لیکن ان دونوں کی روایت میں بجائے مرتہن کے رھینۃ ۴؎ہے اور احمد و داؤد کی روایت میں نام رکھنے کی بجائے ہے کہ خون سے لتھیڑ دیا جائے ۵؎ابوداؤد نے کہا یسمّی زیادہ صحیح ہے ۶؎

۱؎ خواجہ حسن بصری تابعی ہیں اور حضرت سمرہ ابن جندب صحابی ہیں،ان صحابی کا آخری زمانہ میں قیام بصرہ میں رہا،آپ سے خواجہ حسن بصری اور ابن سیرین وغیرہ جلیل القدر تابعین نے روایات لیں،آپ کے حالات بارہا بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یعنی بچہ دنیاوی آفات و مصیبتوں کے ہاتھوں میں ایسا گرفتار ہوتا ہے جیسے گرو چیز قرض کے قبضہ میں قید ہوتی ہے کہ اس سے مالک نفع حاصل نہیں کرسکتا یا مطلب یہ ہے کہ بچہ کی شفاعت اپنے باپ وغیرہم کے لیے عقیقہ پر موقوف ہے کہ اگر بغیر عقیقہ فوت ہوگیا تو ممکن ہے کہ ماں باپ کی شفاعت نہ کرے۔(مرقات) خیال رہے کہ یہاں مرتہن بمعنی رہین یا مرہون ہے۔

۳؎ یعنی بچہ کی ولادت کے ساتویں دن یہ تین کام کیے جائیں: اس کا نام رکھنا،سرمنڈوانا استرے سے اورجانور ذبح کرنا سنت یہ ہی ہے اور اگر ساتویں دن نہ ہوسکے تو پندرھویں دن یا جب کبھی بھی عقیقہ ہوسکے تو ساتویں دن کا حساب لگایا جائے کہ جب بھی عقیقہ کیاجائے اس کی پیدائش سے ایک دن پہلے کیا جائے مثلًا اگر بچہ جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو جب بھی عقیقہ کیا جائے جمعرات کو کیا جائے۔

۴؎ مرتہن اور رہینہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں صرف لفظ کا فرق ہے۔

۵؎ یعنی بچہ کے سر پر ذبیحہ کا خون مل دیا جائے۔

۶؎ لہذا سنت یہ ہے کہ بچہ کے سر پر بجائے خون کے زعفران ملا جائے کیونکہ خون نجس ہے اور بدبودار بھی اور زعفران پاک ہے اور خوشبودار بھی۔

	روایت ہے محمد ابن علی ابن حسین سے ۱؎ وہ حضرت علی ابن ابی طالب سے راوی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری سے عقیقہ کیا ۲؎ اور فرمایا فاطمہ اس کا سر منڈا دو اور ان کے بالوں کے وزن کی چاندی خیرات کردو تو ہم نے بال تولے تو ایک درہم یا بعضہ درہم وزن ہوا ۳؎ (ترمذی)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ محمد ابن علی ابن حسین نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نہ پایا ۴؎

۱؎ آپ کا نام شریف محمد ہے،لقب امام باقراور آپ کے والد ماجد کا نام علی ہے لقب امام زین العابدین،ان کے والد ماجد کا نام اقدس حضرت امام حسین لقب شہید کربلا واقعہ کرب و بلا رضی اللہ عنہم اجمعین۔امام زین العابدین ہر شب ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے،امام باقر کی کنیت ابو جعفر ہے،آپ تابعین میں سے ہیں،حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملاقات ہے،آپ کے بیٹے امام جعفر صادق ہیں،امام باقر کی ولادت ۵۶ھ چھپن ہجری میں ہوئی اور موت

۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے،تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی۔اس گنہگار نے بارہا قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ حضرات حسنین کریمین کے عقیقوں کے متعلق تین روایات آئی ہیں:ایک،ایک بکری سے عقیقہ فرمایا،دو۲،دو۲ بکریوں سے عقیقہ فرمایا،بکری سے عقیقہ فرمایا یعنی اس میں ایک یا دو کا ذکر نہیں،یہ تیسری روایت ہے۔اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ ایک ایک بکری کی روایت صحیح ہے اور دو۲،دو۲ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔علماء کرام فرماتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ ایک بکری سے جائز ہے دو سے بہتر ہے کیونکہ ایک بکری کی حدیث فعلی ہے اور دو کی حدیث قولی یعنی حکم دیا دو کا اور جب قول و فعل میں تعارض معلوم ہو تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے،نیز دو بکریوں کی حدیث بہت صحابہ کرام سے مروی ہے،نیز ایک بکری میں جواز کا ذکر دو۲ کی روایت میں استحباب کا۔

۳؎ یہ شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے یا کسی نیچے کے راوی کی طرف سے۔

۴؎ کیونکہ امام محمد باقر کی ولادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ بعد ہوئی لہذا درمیان میں کوئی راوی رہ گیا ہے اور حدیث منقطع ہے یا بعض محدثین کی اصطلاح میں مرسل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کی طرف سے ایک ایک بھیڑ عقیقہ کیا۔(ابوداؤد)نسائی کے نزدیک دودو بھیڑیں ہیں ۱؎

۱؎ یعنی اس روایت میں تعارض ہے۔ہم ابھی پچھلی حدیث میں دو بکریوں کی روایت کی چند وجوہ ترجیح عرض کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا اللہ عقوق کو پسند نہیں کرتا شاید حضور نے یہ نام ناپسند کیا ۲؎ اور فرمایا جس کے بچہ پیدا ہو پھر وہ چاہے کہ اس کی طرف سے جانور دے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں دے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یا تو یہ پوچھا کہ عقیقہ کرنا واجب ہے یا سنت یا مستحب یا یہ پوچھا کہ اسے عقیقہ کہنا کیسا ہے یعنی اسم یا مسمّٰی کے متعلق دریافت کیا۔

۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ جن احادیث میں لفظ **عقیقہ** آیا ہے وہ ممانعت سے پہلے کی ہیں اور یہ حدیث ان کی ناسخ ہے،بعض نے اس کے برعکس کہا ہے کہ یہ حدیث ممانعت منسوخ ہے اور وہ احادیث ناسخ ہیں۔فقیر کے

نزدیک دوسرا قول زیادہ قوی ہےاور لفظ **عقیقہ** بولنا بلاکراہت جائزہے۔اس جملہ پاک کا مطلب یہ ہے کہ عقیقہ میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ **عقوق** سے بنا ہوجس کے معنی ہیں والدین کی نافرمانی اور ناحق شناسی لہذا اس کا نام عقیقہ مت رکھو۔

۳؎ یعنی اس عمل کو عقیقہ نہ کہو بلکہ نسیکہ کہو کہ اسمیں فاسد معنی کا احتمال نہیں۔یہاں تصریح ہوگئی کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں چاہئیں اور لڑکی کی طرف سے ایک،یہ ہی سنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حسن ابن علی کے کان میں نماز کی اذان کہی جب کہ انہیں جناب فاطمہ نے جنا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی ولادت کے وقت ان کے کان میں بعینہٖ وہی اذان کہی جو اذان نماز کے لیے کہی جاتی ہے۔حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا مروی ہے کہ جس بچہ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے تو اسے ان شاءاللہ ام الصبیان کی بیماری نہیں ہوتی۔(مسند ابویعلی موصلی و مرقات)حضرت عمر بن عبدالعزیز یہ ہی عمل کرتے تھے،یہ سنت ہے۔(مرقاۃ)اس سے بچہ کے کان میں پہلی آواز اللہ کے نام کی پہنچتی ہے،نیز اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)اس سے معلوم ہوا کہ اذان صرف نماز کے لیے نہیں ہے اور موقعہ پر بھی سنت ہےاس لیے بعد دفن قبر پر اذان دی جاتی ہے،اذان کے مواقع ہم باب الاذان میں بیان کرچکے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم تھے دور جاہلیت میں کہ جب ہم میں سے کسی کے بچہ پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کے سر کو بکری کے خون سے لتھیڑ دیتا پھر جب اسلام آیا تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرتے تھے اور بچہ کا سر منڈواتے اسے زعفران سے لتھیڑتے ۲؎(ابوداؤد)اور رزین نے زیادہ کیا کہ نام رکھتے۔	

۱؎ آپ بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں،غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے،مشہور صحابی ہیں،آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے۔

۲؎ یعنی کہ اسلام میں بچہ کے سر پر بکری کا خون نہیں لیپتے کہ وہ نجس ہے اس کی بجائے زعفران سے بچہ کا سر لیپ دیتے ہیں مگر سر مونڈنے کے بعد۔یوں ہی بعض صوفیاء مرغ کے خون سے بعض تعویذ لکھتے ہیں مگر چاہیے کہ ایسے تعویذ مرغ کے دل کو زعفران و گلاب میں پیس کر لکھے جاویں۔یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت اپنا عقیقہ خود کیا۔واللہ اعلم!عقیقہ کا گوشت اگر کچا تقسیم کردیں تو بھی درست ہے،اگر پکا تقسیم کریں یا کھلادیں تب بھی درست ہے۔واللہ ورسولہ اعلم!

کتاب الاطعمۃ

کھانوں کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جو چیز کھائی جائے وہ **طعام** ہے،اس کی جمع **اطعمہ** ہےخواہ غذاءً کھائی جائے یا دواءًیا لذت کے لیے۔یہاں طعام سے مراد مطلقًا کھانے پینے کی چیزیں ہیں یعنی اس میں دودھ،پانی،شربت وغیرہ بھی شامل ہیں۔اس بیان میں کھانوں کی تفصیل اور کھانا کھانے کے آداب ان کے احکام سب ہی بیان ہوں گے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا اور میرا ہاتھ پیالے میں گھومتا تھا ۲؎ تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ عمر ابن عبداللہ ابن عبدالاسد ہیں،قرشی مخزومی ہیں،جناب ام سلمہ رضی اللہ عنھا کے فرزند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں، ۲ ؁ھ ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوئے،حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی ۸۳ ؁ھ میں عبدالملک ابن مروان کے زمانہ حکومت میں وفات پائی،جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے،جب حضور انور نے حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا تو آپ کو اور آپ کی بہن زینب کو اپنی پرورش میں لے لیا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲؎ یعنی کبھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پیالہ میں کھانا کھاتا تھاتو میں کھانے کے آداب سے واقف نہ تھا اس لیے ہر طرف سے کھانا کھاتا تھاجدھر سے دل چاہا ادھر سے بوٹی لے لی،ادھر ہی لقمہ شوربے میں بھگولیا۔

۳؎ یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کروداہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤہر طرف سے نہ کھاؤ،یہ تینوں حکم جمہور علماء کے نزدیک استحبابی ہیں،بعض آئمہ کے ہاں داہنے ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔خیال رہے کہ ہر چیز پیتے وقت بھی بسم اللہ پڑھے اور داہنے ہاتھ سے پیئے یہ ہی سنت ہے،یہ تینوں امور سنت علی العین ہیں یعنی اگر جماعت میں سے صرف ایک آدمی کرلے تو کافی نہیں ہر شخص داہنے ہاتھ سے کھائے،ہر شخص بسم اللہ پڑھے،ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے،اگر اکیلا بھی کھائے تب بھی اپنے سامنے سے کھائے،ہاں اگر طباق میں مختلف مٹھائیاں یا مختلف قسم کی کھجوریں ہیں تو جہاں سے چاہے کھالے جیساکہ آئندہ آوے گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان کھانے کو اپنے لیے حلال بنالیتا ہے اس بناء پر کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے (مسلم) ۱؎

۱؎یہاں حلال بمعنی کھل جانا اور استحلال بمعنی کھول لینا ہے یعنی کھانے کے اول بسم اللہ پڑھ لینے سے شیطان کے لیے رکاوٹ ہوجاتی ہے اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی جاوے تو وہ کھانا پینا شیطان کے لیے کھل جاتا ہے۔شیطان سے مراد قرین ہے جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے یعنی بسم اللہ نہ پڑھنے والے کے ساتھ کھانا کھانے پر یہ شیطان قادر ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں گھسے تو داخلہ کے وقت اوراپنے کھانے کے وقت اللہ کا ذکر کرے تو شیطان کہتا ہے کہ نہ تمہارے لیے شب باشی ہے نہ کھانا ۱؎اورجب داخل ہو تو اللہ کا ذکر اپنے داخلہ پر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے تم نے شب باشی پالی اور جب اپنے کھانے پر اللہ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے تم نے شب باشی اور کھانا پالیا ۲؎(مسلم)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص گھر میں داخل ہوتے وقت پوری بسم اللہ پڑھ کر داہنا قدم پہلے دروازہ میں داخل کرے پھر گھر والوں کو سلام کرتا ہوا گھر میں آئے،اگر کوئی نہ ہو تو **السلام علیك ایھاالنبی و رحمة الله و برکاته** کہہ دے۔بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ اول دن میں جب پہلی بار گھر میں ہوتے ہیں تو بسم اللہ اور **قل ھو الله** پڑھ لیتے ہیں کہ اس سے گھر میں اتفاق بھی رہتا ہے اور رزق میں برکت بھی۔

۲؎ شیطان کا یہ خطاب اپنی ذریت سے ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اس خطاب میں قرین بھی داخل ہو کہ وہ بھی اس بسم اللہ کی برکت سے نہ کھائے اور ہمارے گھر میں رہنے سہنے سے محروم ہوجائے اور اس کے شر سے محفوظ ہو جائے اور اللہ کے ذکر سے غافل اس نعمت سے محروم رہے۔دوپہر کے کھانے کو غذاء کہتے ہیں اور بعد دوپہر سے رات تک کے کھانے کو عشاء کہا جاتا ہے،یہاں مراد مطلقًا کھانا ہے جو شخص صبح کو یہ عمل کرے تو ناشتہ اور دوپہر کے کھانے سے شیطان محروم ہوگا جو بعد دوپہر یہ عمل کرے تو رات کے کھانے سے وہ محروم رہے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو اپنے داہنے ہاتھ سے پیئے ۱؎(مسلم)

۱؎دودھ یا پانی یا کوئی اور چیز ہمیشہ داہنے ہاتھ سے برتن تھامے۔جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہےاور داہنے ہاتھ سے کھانا پینا مستحب سنت،بعض اماموں کے ہاں امر وجوب کے لیے ہےان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاوہ بولا کہ میں اس ہاتھ سے کھا نہیں سکتا،فرمایا اب نہ کھاسکے گاچنانچہ اس کے بعد اس کا داہنا ہاتھ اس کے منہ تک نہ اٹھ سکارواہ مسلم عن سلمہ ابن اکوع۔(مرقات)طبرانی نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبیعہ اسلمیہ کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو اسے بددعا فرمائی وہ طاعون سے مری۔(مرقاۃ)اگر یہ حکم وجوبی نہ ہوتا تو آپ اتنی سختی کیوں فرماتے مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعات زجرو تنبیہ کے لیے ہوئے کبھی مکروہ عمل پر بھی تنبیہ کردی جاتی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے نہ اس سے پئے کیونکہ شیطان اپنے بائیں سے کھاتا پیتا ہے ۱؎(مسلم)

۱؎بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اپنے دوست انسانوں کو بائیں ہاتھ سے کھانے کی رغبت دیتا ہےمگر حق یہ ہے کہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہی ہےیعنی شیطان خود بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بروں کی مشابہت بھی بری ہے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھاتے تھے ۱؎ اور پونچھنے سے پہلے اپنا ہاتھ چاٹ لیتے تھے ۲؎(مسلم)

۱؎یعنی روٹی کا لقمہ تین انگلیوں سے کھاتے تھے انگوٹھا،کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی۔سنت یہ ہی ہے کہ روٹی ان تینوں انگلیوں سے ہی کھائے بلاضرورت زیادہ انگلیاں استعمال نہ کرے،چاول تو بغیر پانچ انگلیوں کے کھائے جاسکتے ہی نہیں اس لیے پانچوں انگلیوں سے ان کا لقمہ بنایا جائے۔عموماً اہل عرب فرنی چاولوں کا سلیقہ چار انگلیوں سے کھاتے ہیں۔

۲؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انگلیاں چاٹتے تھے پھر رومال سے پونچھتے تھے،پھر دھوتے تھے اب بھی ایسا کرنا سنت ہے،سنی ہوئی انگلیاں صرف دھو ڈالنا طریقہ منکرین ہے۔جن روایات میں پانچ انگلیوں سے کھانا برا ہے وہاں یا پتلی چیز کا کھانا مراد ہے یا وہ عمل کبھی کبھی تھایہاں جواز کے لیے،بہرحال سنت یہ ہے جو یہاں بیان ہوا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور پیالے کو چاٹنے کا حکم دیا ۱؎اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس میں برکت ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ منکرین انگلیاں اور رکابی چاٹنے سے نفرت کرتے ہیں۔تعلیم تواضع کے لیے یہ حکم صادر ہوا۔عیسائی اور انکی دیکھا دیکھی بعض مغرب زدہ لوگ تو انگلیوں سے کھانا بھی ناپسند کرتے ہیں وہ چھری کانٹے اور چمچہ وغیرہ سے ہی کھاتے ہیں،عیسائی تو اس عمل پر مجبور ہیں کیونکہ وہ ناخن کٹواتے نہیں اور ہاتھ دھوتے نہیں،پانی سے استنجاء کرتے نہیں کاغذ سے ہی پونچھتے ہیں،ان وجوہ سے ان کے ناخن زہریلے بھی ہوتے ہیں اور ان میں میل بھی بھرا رہتا ہے وہ انگلیوں سے کیسے کھائیں ان کے ناخنوں میں تو نجاست گندگی میل سب کچھ بھرا ہے۔مسلمان یہ عمل کیوں کریں وہ ناخن کٹواتے ہیں،ہر وقت وضو وغیرہ میں ہاتھ دھوتے ہیں،استنجاء ڈھیلے پھر پانی سے کرتے ہیں،لمبے ناخن ہوتے ہی نہیں اور پورے زہریلے نہیں،بڑے بڑے ناخنوں کا اندر کا میل نجاست زہریلے ہیں۔ہمارے اسلاف ہمیشہ انگلیوں سے کھاتے رہے نہ مرے نہ بیمار پڑے۔ہم سے زیاہ قوی و توانا تھے اور زیادہ عمر پاتے تھے۔اولًا آنکھیں کھانا ٹیسٹ کرتی ہیں کہ اس میں کوڑا کچرا تو نہیں ہے،پھر انگلیاں اسکی سردی گرمی کا پتہ لگاتی ہیں،پھر ناک اس کی خوشبو بدبو محسوس کرتی ہے،پھر زبان اس کا ذائقہ تازہ باسی ہونا،اچھا برا،گلا سڑا ہونا محسوس کرتی ہے،پھر دانت اس کا صاف یا کرکرا ہونے کا پتہ لگاتے ہیں،اتنی جگہ کھانا ٹیسٹ ہوکر گلے سے اترتا ہے،چھری کانٹے چمچے سے کھانے سے دوسری ٹیسٹ ختم ہوجاتی ہے لہذا ضرر کا اندیشہ ہے اس لیے حتی الامکان انگلیوں سے ہی کھانا چاہیے۔

۲؎ لہذا ہوسکتا ہے کہ اس کھانے میں برکت ہوجو انگلیوں یا پیالے میں لگا رہ گیا ہے،اگر انگلیاں ویسے ہی دھو دی گئیں تو ہم برکت سے محروم رہ گئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنا ہاتھ نہ پونچھے حتی کہ اسے چاٹ لے یا چٹا دے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اپنی بیوی کو یا خاوند کو یا چھوٹے بچوں کو یا خاص خادم کو یا شاگرد کو یا مرید کو چٹادے جو اس سے نفرت نہ کرے بلکہ تبرک سمجھ کر چاٹ لیں،کتوں،بلوں کو نہ چٹائیں۔بعض مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کو دیکھا گیا کہ کتے پالتے ہیں اور کتے ان کے پاؤں گردن بلکہ پیار میں منہ تک چاٹتے ہیں اور یہ خوش ہوتے ہیں۔نعوذ باللہ!

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس اس حالت میں موجود رہتا ہے ۱؎ حتی کہ اس کے کھانے کے وقت بھی آموجود ہوتا ہے تو جب تم میں سے کسی کا لقمہ گرجائے تو جو اس میں گندگی ہو وہ دور کردے ۲؎ پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے ۳؎ پھر جب فارغ ہوجائے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں

	برکت ہوگی ۴؎(مسلم)

۱؎ کھاتے پیتے وقت،پیشاب پاخانہ،نماز و دعاحتی کہ اپنی بیوی سے صحبت کرتے وقت بھی قرینی شیطان انسان کے ساتھ رہتا ہےساتھ ہی کھاتا پیتا حتی کہ ساتھ ہی صحبت کرتا ہےجس سے کھانے میں بہت بے برکتی ہوتی ہےاور اولاد بے ادب سرکش ہوتی ہے،اگر ان اوقات میں بسم اللہ پڑھ لی جائے تو کھانوں میں برکت ہوتی ہے اولاد نیک و صالح اور باادب پیدا ہوتی ہے،اگر پاخانہ جاتے وقت بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان اس کا ستر نہیں دیکھ سکتا۔

۲؎ اگر گرے ہوئے لقمہ میں مٹی وغیرہ پاک چیز لگ گئی ہے تو اسے صاف کرکے لقمہ کھائے اور اگر نجاست لگ گئی ہے تو دھوکر کھالے،اگر دھل نہ سکے تو کتے بلی کو کھلادے یوں ہی نہ چھوڑ دے کہ اسمیں مال ضائع کرنا ہے اور رب تعالٰی کی نعمت کی ناقدری ہے۔

۳؎ کہ اس چھوڑے ہوئے لقمہ کو یا تو شیطان کھا ہی لے گا یا اسکے ضائع ہونے پر خوش ہوگا شیطان کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں۔

۴؎ لہذا کچھ بھی نہ چھوڑے سب ہی چاٹ لے،اگر فی آدمی ایک ماشہ کھانا بھی برتن میں لگا رہاجو برتن دھوتے ہوئے نالیوں میں گیا تو حساب لگالو کہ جس شہر میں آٹھ دس لاکھ آدمی رہتے ہوں تو دو دفعہ کتنا کھانا نالیوں میں جاتا ہے،یہ فضول خرچی بھی ہے،مال ضائع کرنا بھی،کھانے کی بے ادبی بھی اس لیے کچھ بھی نہ چھوڑو،برتن کو اچھی طرح صاف کروکھانے کا احترام و ادب یہ ہی ہے یا اتنا چھوڑو کہ دوسرا آدمی کھاسکے۔

	روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تکیہ لگا کر نہ کھاؤں گا ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ کا نام وہب بن عبداللہ سوائی ہے یعنی سواء ابن عامہ سے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ نابالغ تھے مگر حضور سے روایات لی ہیں،آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وزیر خزانہ بنایا تھا،آپ حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے،آپ کوفہ میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے،آپ سے آپ کے بیٹے عوذ نے اور بہت سے تابعین بلکہ حضرت علی نے بھی روایات لیں۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ کھاتے وقت تکیہ لگانے کی چارصورتیں ہیں:ایک یہ کہ ایک پہلو زمین سے قریب کرکے بیٹھے،دوسرے یہ کہ چار زانو بیٹھے،تیسرے یہ کہ ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر ٹیک لگا کر بیٹھے،چوتھے یہ کہ دیوار وغیرہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے یہ چاروں تکیے مناسب نہیں۔دوزانو یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا اچھا ہے طبّی لحاظ سے بھی مفید ہے،کھڑے ہوکر کھانا اچھا نہیں۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت قتادہ سے ۱؎ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا کھایا نہ چھوٹی پیالی میں ۲؎ اور نہ آپ کے لیے چپاتی پکائی گئی ۳؎ قتادہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کس چیز

	پر وہ حضرات کھاتے تھے تو فرمایا دستر خوانوں پر ۴؎(بخاری)

۱؎قتادہ تابعی ہیں،بصری ہیں،نابینا تھے،ان کی ولادت ۶۰ھ میں ہے اور وفات ۱۱۷ھ ہجری میں حضرت انس اور ابو طفیل سے روایات لیتے ہیں۔

۲؎کیونکہ میز پر کھانا طریقہ منکرین ہے تاکہ کھانے کے آگے جھکنا نہ پڑے اور بہت چھوٹی پیالی میں کھانا طریقہ بخیلوں کا ہے تاکہ دوسرا آدمی ساتھ نہ کھاسکے،ساری بوٹیاں اور سالن ہم اکیلے ہی کھائیں۔سنت یہ ہے کہ کھانے کے آگے قدرے جھک کر بیٹھے۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

۳؎بہت باریک روٹی اب بھی عرب شریف میں نہیں ہوتی،روٹی قدرے موٹی ہوتی ہے وہ صحت کے لیے بھی مفید ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چپاتی نہیں پکائی گئی لیکن اگر کوئی شخص چپاتی پیش کرتا تو حضور انور قبول فرماتے اور کھاتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎دستر خوان کپڑے کا،چمڑے کا اور کھجور کے پتوں کا ہوتا تھا،ان تینوں قسم کے دستر خوانوں پر کھانا حضور نے کھایا ہے،دستر خوان بھی نیچے زمین پر بچھتا تھا اور خود سرکار بھی زمین پر تشریف فرما ہوتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا ملاحظہ فرماتے تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ میز پر کھانا بدعت جائزہ ہے اور دستر خوان پر کھانا سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی چپاتی دیکھی حتی کہ اللہ سے مل گئے ۱؎اور نہ بھنی ہوئی بکری آنکھ سے کبھی دیکھی ۲؎(بخاری)

۱؎نہ تو اپنے گھر میں دیکھی نہ کسی دوسرے کے گھر میں،حضرت انس اپنے علم کی نفی فرمارہے ہیں ممکن ہے کہ کبھی ملاحظہ فرمائی ہو حضرت انس کو خبر نہ ہوئی ہو۔

۲؎**سمیط** وہ بکری کہلاتی ہے جو کھال میں بُھونی جائے کہ اولًا کھال کے بال اتارے جاویں پھر اسے گرم پانی سے دھوکر اس کے اندر گوشت بھر دیا جائے اور اسی میں بھون لیا جائے۔امراء و سلاطین ایسا گوشت کھاتے ہیں۔**سمیط** کے یہ معنی خیال میں رہیں،شاۃ مشوی اور چیز ہے **سمیط** کچھ اور حضور انور نے ویسے بُھنا گوشت ملاحظہ فرمایا ہے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ نہ دیکھا ۱؎جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا ۲؎حتی کہ اللہ نے آپ کو وفات دی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلنی نہ دیکھی جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا حتی کہ اللہ نے آپ کو وفات دی ۳؎کہا گیا کہ آپ حضرات جو

کیسے کھاتے تھے فرمایا ہم انہیں پیس لیتے تھے اور اسے پھونکتے تھے جو اڑتا اڑ جاتا جو باقی بچتا ہم گوندھ لیتے پھر کھالیتے ۴؎(بخاری)	

۱؎یعنی میدہ کھانا تو بہت دور کبھی ملاحظہ بھی نہ فرمایا۔اللہ کی شان ہے کہ اب مدینہ منورہ میں میدہ کی روٹی عام ہے آٹے کی روٹی بہت کم ملتی ہے اور کہتے ہیں میدہ کی روٹی بہت قسم کی ہوتی ہے مغربی،شامی وغیرہ۔

۲؎یعنی ظہور نبوت کے بعد میدہ کی روٹی ملاحظہ نہ فرمائی۔اس سے پہلے حضور انور نے شام کا سفر کیا ہے اور بحیرہ راہب کی دعوت میں میدہ کی روٹی ملاحظہ فرمائی ہے۔اس زمانہ میں شام و روم میں میدہ کی روٹی بہت مروج تھی۔بعد اعلان نبوت حضور حجاز میں رہے اور مال سے بے رغبتی بھی بہت رہی۔(مرقات)

۳؎سبحان اللہ!یہ ہے حضور کی سادہ اور بے تکلف زندگی۔

۴؎بعض روایات میں ہے کہ کسی صاحب نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تمنا کی کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھاؤں،آپ فرمانے لگیں تم نہ کھاسکو گے یہ تو ان کی ہی شان تھی جو کھا گئے اور واقعہ ہے کہ ہم گندم کی روٹی بے چھنے آٹے کی نہیں کھاسکتے چہ جائیکہ جو کی روٹی وہ بھی بے چھنے آٹے کی۔شعر

کھانا جو دیکھو جو کی روٹی بے چھنا آٹا روٹی بھی موٹی
وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی تمنا روزنہ کھانا اک دن ناغہ اک دن کھانا
جس دن کھانا شکر کا کرنا صلی اللہ علیہ وسلم

قبضہ میں جس کے ساری خدائی اس کا بچھونا ایک چٹائی
نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صلی اللہ علیہ وسلم

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضور نے کبھی کھانے کو عیب نہیں لگایا اگر پسند فرمایا تو اسے کھالیا اگر ناپسند فرمایا تو چھوڑ دیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی کھانے پکانے میں کبھی عیب نہ نکالا کہ نمک کم ہے یا زیادہ جیسا بعض لوگوں کا عام طریقہ ہے کہ بغیر عیب نکالے کھانا کھاتے ہی نہیں۔گوہ کے متعلق یہ فرمانا کہ یہ ہماری زمین میں نہیں ہوتی اس لیے ہم اس سے گھن کرتے ہیں،یہ کراہت طبع کا بیان تھا پکانے میں عیب نہ نکالا گیا تھا لہذا وہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ ایک شخص بہت کھاتا تھا پھر وہ مسلمان ہوگیا تو کھانا کم کھانے لگا ۱؎یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے ۲؎(بخاری)	

۱؎یعنی بمقابلہ زمانہ کفر کے اب اسلام کے بعد اس کی خوراک کم ہوگئی یہ کمی قدرتی طور پر ہوئی یا اس کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے۔

۲؎اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ کافر کے پیٹ میں سات آنتیں اور مؤمن کے پیٹ میں ایک آنت ہوتی ہے،ہر انسان کے پیٹ میں آنتیں سات ہی ہوتی ہیں مؤمن ہو یا کافر۔(اشعہ)یہ فرمان عالی بطور تمثیل ہے کہ کافر

کھانے پینے کا حریص ہے مؤمن قانع ہوتا ہے،کافر کی نظر ہر وقت کھانے پینے میں رہتی ہیں جانوروں کی طرح،مؤمن کی نگاہ ذکر و فکر میں رہتی ہے یا کافر کے ساتھ شیطان بھی کھاتا ہے مؤمن چونکہ بسم اللہ سے کھانا شروع کرتا ہے،**الحمدللہ** پر ختم اس لیے کافر کھانا زیادہ سمیٹتا ہے،یا مؤمن کے کھانے میں برکت ہوتی ہے کہ تھوڑا کھانا زیادہ قوت دیتا ہے کافر کے کھانے میں بے برکتی،یا یہ مطلب ہے کہ ایک کافر کو سات مؤمنوں کی سی بھوک اور کھانے کی رغبت ہوتی ہے مؤمن تہائی پیٹ کھانے سے پُر کرتا ہے،تہائی پانی سے اور تہائی سانس و ذکر کے لیے خالی رکھتا ہے۔خیال رہے کہ یہ قانون ایک شخص کے لحاظ سے ہوگا یعنی ایک کافر جب مسلمان ہو جائے تو ان شاءاللہ اس کی خوراک کم ہوجائے گی ورنہ بعض مسلمان کافر سے زیادہ کھاتے ہیں،قوی جوان مؤمن کی خوراک ضعیف بڈھے کافر سے یقینًا زیادہ ہوگی لہذا حدیث بالکل واضح ہے جس کا تجربہ اب بھی ہوتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ زیادہ خوراک انسان کے لیے عیب ہے،بڑھ ٹپا آدمی نفرت سے دیکھا جاتا ہے اور زیادہ قوت مردمی انسان کا کمال ہے۔جنتی آدمیوں کی خوراک زیادہ نہ ہوگی البتہ قوت مردمی زیادہ ہوگی۔حضرات انبیاءکرام کو قوت مردمی بہت زیادہ دی جاتی ہے،سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں اور داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔

اور مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اور ابن عمر سے صرف مسند کی روایت کی ۱؎ اور ان کی دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک کافر مہمان ہوا ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا حکم دیا تو دوہی گئی اس نے اس کا دودھ پیا پھر دوسری اس نے وہ بھی پی لیا پھر اور،وہ اسے بھی پی گیا حتی کہ سات بکریوں کا ۳؎ دودھ پی گیا صبح کے وقت مسلمان ہوگیا ۴؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا حکم دیا وہ دو ہی گئی اس نے اس کا دودھ پی لیا پھر دوسری کا حکم دیا تو اسے نہ پی سکا ۵؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے ۶؎

۱؎ یعنی مسلم نے یہ واقعہ بیان نہ کیا کہ ایک مسلمان ہو کر کم کھانے لگا بلکہ ان کی روایت میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے **ان المؤمن** الخ۔

۲؎ یا تو ایمان لانے کے لیے آیا یا صرف زیارت و ملاقات کے لیے دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔خیال رہے کہ ماں باپ،پردیسی مہمان اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کا حق مسلمان پر ہے جو ضرور ادا کرے مہمان کی خاطر کرو اگرچہ کافر ہو۔

۳؎ یہ بکریاں یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھیں یا مختلف حضرات کی تھیں یا ان بکریوں کا دودھ خرید فرما کر اسے پلایا گیا تھا۔عرب کی بکری دودھ بہت دیتی ہے بعض بکریاں تین چار سیر تک دودھ دیتی ہیں یہ شخص بہت دودھ پی گیا۔

۴؎ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ شان بندہ نوازی دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔شعر

نہ فرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

۵؎ اللہ اکبر! پینے والا وہ ہی ہے دودھ وہی ہے مگر حالت وہ نہیں،ایمان کے ساتھ خوراک بھی قناعت والی ہوگئی۔پارس لوہے کو سونا کردیتا ہے،کلمہ حریص کو قانع،کافر کو مؤمن،فاجر کو متقی،خدا کے دشمن کو اس کا دوست بنادیتا ہے۔

۶؎ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزرگئی وہاں کھانے کا ذکر تھا یہاں پینے کا ذکر ہے۔مطلب ایک ہی ہے۔پینے سے مراد دودھ وغیرہ کا پینا،جس مشروب میں غذائیت ہے صرف پانی مراد نہیں یعنی کافر ہوس میں ساتوں آنتیں غذا سے بھرلیتا ہے مؤمن ایک آنت بھرتا ہے باقی آنتیں خالی رکھتا ہے۔مؤمن قانع ہے طبعًا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ **المؤمن** میں الف لام عہدی ہے اوراس سے متقی زاہد قانع مؤمن ہے مگر صحیح یہ ہی ہے کہ لام جنسی ہے بمقابلہ کافر مطلق مؤمن قانع ہوتاہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو کا کھانا تین کو کافی ہے اور تین کا کھانا چار کو کافی ہے ۱؎ (مسلم۔بخاری)	

۱؎ یعنی اگر کھانا تھوڑا ہو کھانے والے زیادہ تو انہیں چاہیے کہ دو آدمیوں کے کھانے پر تین آدمی اور تین آدمیوں کے کھانے پر چار آدمی گزارہ کرلیں اگرچہ پیٹ تو نہ بھرے گا مگر اتنا کھالینے سے ضعف نہ ہوگا،عبادات بخوبی ادا ہوسکیں گی۔اس فرمان عالی میں قناعت مروت کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ دنیا میں بہت سیر ہوکر کھانے والا آخرت میں زیادہ بھوکا ہوگا،جب کھانے میں کمی ہو تو چاہیے کہ امیر لوگ تھوڑا کھائیں تھوڑا بچائیں،بچا ہوا ان غرباء و مساکین پر خرچ کریں جن کے پاس کھانا نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ ایک کا کھانا دو کو کافی اور دوکا کھانا چار کو کافی ہے اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یہ زیادہ نازک حالات کے لیے ہے جب کہ کھانے میں بہت ہی کمی ہوجائے،ان ہنگامی حالات میں آدھا پیٹ کھانا چاہیے اتنے کھانے سے بھی انسان مرتا نہیں کام چل جاتا ہے بلکہ ارزانی کے زمانہ میں بھی مسلمان کو چاہیے کہ کبھی روزہ رکھے کبھی کم کھائے تاکہ مصیبت پڑنے پر بھوک برداشت کرسکے۔ہر ماہ میں تین روزے سنت ہیں اس کی ایک

حکمت یہ بھی ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ کھانا الگ نہ کھاؤ مجتمع ہو کر کھاؤ جماعت میں برکت ہے۔(مرقات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جماعت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے جیساکہ روایات میں ہے۔

	روایت ہے جناب عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لُپٹا بیمار کے دل کو تسلی بخش ہے ۱؎ یہ بعض رنج کو دور کرتا ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ تلبینه بنا ہے لبن بمعنی دودھ سے،عرب میں آٹا یا بھوسی کو پتلا پتلا پکاتے ہیں اس میں کچھ دودھ کچھ شہد ڈالتے ہیں اسے اردو میں لُپٹا اور پنجاب میں سیرہ کہتے ہیں۔یہ چونکہ دودھ کی طرح سفید اور پتلا ہوتا ہے اس لیے تلبینہ کہا جاتا ہے،یہ بہت ہلکی غذا ہے زود ہضم ہے،اکثر بیماروں کو دیا جاتا ہے،یہ پیٹ میں بوجھ نہیں کرتا دل کو قوت بخشتا ہے۔مرقات وغیرہ نے فرمایا کہ اس سے دل کی گھبراہٹ بھی دور ہوجاتی ہے بہت اعلیٰ چیز ہے۔اللہ تعالٰی نے حضور کو حکمت بھی بخشی ہے۔مجمه بنا ہے جمام سے بمعنی راحت۔

۲؎ بعض رنج سے مراد وہ رنج ہے جو بیماری کی کمزوری کی وجہ سے ہو۔جو رنج بیرونی فکر کی وجہ سے ہو اس کے لیے بھی اسے مفید فرمایا گیا مگر بیماری کے رنج کے لیے بہت مفید ہے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جسے اس نے تیار کیا تھا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا ۱؎ تو اس نے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا ۲؎ تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے آس پاس سے کدو تلاش کرتے تھے ۳؎ اس دن کے بعد سے میں کدو سے محبت کرتا رہا ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یا تو اس درزی نے حضرت انس کی بھی دعوت کی تھی یا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے اور مخدوم کے ساتھ عمومًا خاص خدام جایا ہی کرتے ہیں،گھر والے ان کی آمد سے راضی ہوتے ہیں عرفًا یہ بات مروج ہے اس لیے آپ بھی حضور انور کے ساتھ گئے۔جس حدیث میں آتا ہے کہ پانچ صاحبوں کی دعوت پر چھٹا آدمی ساتھ گیا تو حضور انور نے اس کے لیے علیحدہ اجازت مانگی،صاحبِ خانہ نے اجازت دے دی تب اسے کھانے میں شریک کیا وہ چھٹا آدمی خادم خاص نہ تھا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ قدید بنا ہے قد سے بمعنی کاٹنا،عرب میں گوشت کے بڑے بڑے پارچے نمک لگا کر سکھائے جاتے ہیں جو عرصہ تک کھائے جاتے ہیں انہیں قدید کہتے ہیں۔ہم نے بھی منٰی شریف میں بدویوں کو قربانی کا گوشت سکھاتے دیکھا ہے۔

۳؎ حوال جمع ہے حول کی بمعنی گھومنا،کناروں کو حوال کہا جاتا ہے کہ اس طرف گھومنا ہوتا ہے۔**قصعه** یا **صحفه** وہ بڑا پیالہ جس سے پانچ چھ آدمی کھاسکیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ہر طرف سے کدو کے ٹکڑے اٹھاکر کھانے لگے۔معلوم ہوا کہ کدو مرغوب تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ جب مخدوم و خادم ایک پیالے سے کھائیں تو مخدوم ہر طرف سے کھاسکتا ہے۔وہ جو ارشاد ہے **کل مما یلیك** اپنے سامنے سے کھاؤ،وہاں چھوٹوں یا برابر والوں سے خطاب ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔مرقات نے فرمایا کہ جب ایک ساتھی کے ہر طرف ہاتھ ڈالنے سے دوسرے ساتھی نفرت کریں تب یہ حکم ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف سے چیز لگ کر تبرک بن جاتی ہے،حضرات صحابہ نے تو حضور کا پیشاب بلکہ خون بھی پیا ہے تبرکًا لہذا حضور کا حکم دوسرا ہے۔(مرقات)بہرحال یہ حدیث بہت واضح ہے۔بعض روایات میں ہے کہ حضرت انس بھی کدو کے ٹکڑے تلاش کرکے حضور انور کے سامنے رکھنے لگے۔

۴؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اپنے خدام وغلاموں کی دعوت قبول کرنا چاہیے اگرچہ وہ اپنے سے درجہ میں کم ہو۔دوسرے یہ کہ خادم کو اپنے ساتھ ایک پیالے میں کھلانا بہت اچھا ہے۔تیسرے یہ کہ کدو پسند کرنا سنت ہے۔چوتھے یہ کہ ہر سنت سے محبت کرنا خواہ سنت زائد ہو یا سنت ابدی طریقہ صحابہ کرام ہے۔شعر

فقط اتنی حقیقت ہے ہمارے دین و ایمان کی   کہ اس جان جہاں کے حسن پر دیوانہ ہوجانا

پانچویں یہ مخدوم اپنے خادم کے ساتھ کھائے تو پیالے میں سے ہرطرف سے کھاسکتا ہے خادم کو یہ حق نہیں۔چھٹے کہ خادم پیالہ سے بوٹیاں یا کدو وغیرہ چن کر مخدوم کے سامنے رکھ سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن امیہ سے ۱؎ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بکری کی دستی سے کاٹ کر کھاتے تھے جو آپ کے ہاتھ میں تھی ۲؎ پھر آپ کو نماز کی طرف بلایا گیا تو اسے اور چھری کو جس سے کاٹ رہے تھے ڈال دیا پھر کھڑے ہوئے پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ بڑے بہادر پہلوان تھے،جنگ بدرواحد میں مشرکین کی طرف سے لڑنے آئے،جنگ احد سے واپسی کے موقعہ پر مسلمان ہوگئے پھر موتہ میں مجاہد ہو کر گئے ۶ھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حبشہ نجاشی کی طرف پیغام دے کر بھیجا۔ ۶۰ھ ساٹھ ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ اس طرح کہ پوری دستی بھنی ہوئی تھی،حضور انور چھری سے بوٹیاں کاٹتے اور کھاتے تھے یا دانت سے نوچ کر کھاتے تھے۔**احتزاز** بنا ہے **حز** سے بمعنی قطع۔

۳؎ یعنی نہ تو شرعی وضو کیا نہ عرفی وضو کیا یعنی نہ ہاتھ دھوئے نہ کلی کی کیونکہ کھانا کھا کر ہاتھ دھونا کلی کرنا سنت ہے مگر واجب نہیں،یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے ہے۔خیال رہے کہ پختہ گوشت کے بڑے بڑے پارچے چھری

سے کاٹ کر کھانا جائز ہے مگر ضرورت کی وجہ سے مگر بلاضرورت چھری کانٹے سے کھانا مکروہ و ممنوع ہے کہ کفار عجم کا طریقہ ہے،(اشعہ)ہاتھ سے کھانا نوچنا سنت ہے یہاں ضرورۃً یہ عمل کیا گیا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ عموماً بزرگانِ دین میٹھی چیز سے محبت کرتے رہے اس لیے عموماً فاتحہ و نیاز میٹھی چیز پر ہوتی ہے اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن میٹھا ہوتا ہے میٹھائی پسند کرتا ہے۔حلوے میں ہر میٹھی چیز داخل ہے حتی کہ شربت اور میٹھے پھل اور عام مٹھائیاں اور عرفی حلوہ۔(مرقات)مروجہ حلوہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے بنایا حضور انور کی خدمت میں پیش کیا جس میں آٹا گھی اور شہد تھا حضور انور نے بہت پسند کیا اور فرمایا کہ فارسی لوگ اسے دخیص کہتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس سرکہ کے سوا کچھ نہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہی منگایا اسے کھانے لگے اور فرماتے تھے سرکہ اچھا سالن ہے سرکہ اچھا سالن ہے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ سرکہ طبّی رو سے بہت مفید ہے سادہ ارزاں غذا ہے،حضرات انبیاء کرام نے عموماً سرکہ کھایا ہے۔اس کے بہت فضائل حدیث شریف میں آئے ہیں۔عرب میں عموماً کھجور کا سرکہ ہوتا ہے،ہمارے ملک میں رس انگور کا سرکہ ہوتا ہے گنے کے رس کا سرکہ بہت مروج ہے۔اس حدیث کی بنا پر بعض فقہاء نے فرمایا کہ سرکہ بھی سالن ہے جو کوئی سالن نہ کھانے کی قسم کھا لے وہ سرکہ کھانے سے حانث ہوجائے گا اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا مگر خیال رہے کہ قسم کا مدار عرف پر بھی ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی من سے ہے ۱؎ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ اس من سے ہے جو اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا ۳؎	

۱؎ برسات میں گلی لکڑی کے بھیگنے سے چھتری کی طرح ایک گھاس اگ جاتی ہے اسے عربی میں **کماۃ شحم الارض**،فارسی میں سماروق اور کلاہ دیو،اردو میں کھمبی اور چتر مار کہتے ہیں۔بعض لوگ اس کی جڑیں پکا کر کھاتے ہیں۔برسات میں عموماً مل جاتی ہیں۔من بمعنی منت اور نعمت ہے یا مطلب یہ ہے کہ من کی مثل بغیر قیمت مل جانے والی چیز ہے۔

۲؎ اس کی تحقیق ان شاءاللہ کتاب الطب والرقی میں ہوگی۔اس کے پانی کا آنکھ کے لیے شفا ہونا برحق ہے مگر کسی مرض میں کیسے استعمال کیا جائے اس کی تفصیل کتاب الطب میں ہے۔
۳؎ یعنی یا تو بنی اسرائیل پر جو من اترتا تھا وہ ہی تھاجو کچھ فرق کے ساتھ اب اس شکل میں ہے یا جیسے بنی اسرائیل پر من اعلیٰ درجہ کی چیز اتری مگر بغیر محنت مشقت انہیں دی گئی ایسے ہی یہ بھی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی کے ساتھ کھجور کھاتے دیکھا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب ہیں یعنی حضرت علی کے بھتیجے،آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں،حبشہ میں آپ کی ولادت ہوئی،وہاں اسلام میں پہلے آپ ہی پیدا ہوئے،مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں وفات ہوئی،نوے سال عمر شریف ہوئی،آپ بڑے ہی سخی تھے اس سے آپ کا لقب بحرالجود پڑ گیا تھا،آپ سے بہت حضرات نے احادیث کی روایت کی۔(اکمال)
۲؎ کھجور طبعًا گرم و خشک ہے اور ککڑی سرد وتر،ان دونوں کے ملنے سے اعتدال ہوکر فائدہ بڑھ جاتا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ککڑی اور کھجور کو کبھی تو معدہ میں جمع فرمایا کہ بیک وقت کبھی کھجور کھائی کبھی ککڑی اور چبانے میں جمع فرمایا کہ کھجور منہ شریف میں رکھ لی اور ککڑی بھی کتر لی اور دونوں ملاکر چبائیں،کبھی کھجور اور تربوز بھی ملاکر کھائے ہیں،کھجور ککڑی ملاکر کھانا صحت کے لیے بہت ہی مفید ہے۔حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میری رخصتی حضور انور کے پاس ہونے والی تھی مگر میں بہت کمزور تھی میری ماں نے مجھے کھجور ککڑی ملاکر کھلائیں میں چند روز میں موٹی ہوگئی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک وقت چند کھانے کھانا جائز ہیں۔جن روایت میں اس سے ممانعت آئی ہے وہاں اس کی عادت ڈالنا مراد ہے یعنی عادت رکھے ایک کھانے کی مگر کبھی کبھی چند کھانے بھی کھالے تو حرج نہیں،اللہ تعالٰی کی نعمتوں کا جمع کرنا ممنوع نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور تو مرغوب تھی ہی ککڑی بھی بہت مرغوب تھی۔(مرقات و اشعہ)بعض بزرگانِ دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتحہ میں دوسرے کھانوں کے ساتھ کھجوریں اور ککڑیاں اور تربوز بھی رکھتے ہیں ان کے اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم مقام مرالظہران میں ۱؎ حضور کے ساتھ تھے بیلو کے پھل چن رہے تھے ۲؎ تو فرمایا کہ ان میں سے کالے کالے اٹھاؤ کہ وہ اچھے ہوتے ہیں ۳؎ تو عرض کیا گیا کہ آپ بکریاں چراتے رہے ہیں ۴؎ فرمایا ہاں اور نہیں ہے کوئی نبی مگر انہوں نے بکریاں چرائیں ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ مرالظہران مکہ معظّمہ سے ایک منزل فاصلہ پر ہے،اب اس کا نام وادہ فاطمہ ہے۔پہلے مدینہ منورہ کی راہ یہ منزل آتی تھی اب نہیں آتی۔(اشعہ)

۲؎ عرب کے جنگلوں میں یہ بیلو عام پایا جاتا ہے،اس کی مسواکیں عام استعمال ہوتی ہیں اسے عربی میں اراک، اردو میں بیلو، پنجابی میں دان کہتے ہیں،اس کے پھل کو عربی میں کباث کہتے ہیں۔ضلع ملتان میں یہ کباث عام طور پر فروخت ہوتے ہیں اور کھائے جاتے ہیں۔خیال رہے کہ جنگلی درخت،شکار کے جانور کسی کی ملک نہیں جو چاہے استعمال کرے اس لیے یہ حضرات یہ پھل توڑ رہے تھے۔

۳؎ یعنی سرخ پھل نہ اٹھاؤ نہ کھاؤ وہ کچا اور بدمزہ ہوتا ہے،سیاہ رنگ کے پھل پختہ مزیدار اور مفید ہوتے ہیں وہ کھاؤ۔

۴؎ یعنی بیلو کے پھلوں کے یہ راز عمومًا بکریاں چرانے والے کو معلوم ہوتے ہیں کہ وہ ہی عام طور پر جنگلوں میں پھرتے گھومتے ہیں کیا حضور بھی یہ عمل فرماتے رہے ہیں۔خیال رہے کہ حضرات صحابہ کا یہ سوال طریقہ علم کے متعلق ہے یعنی حضور نے یہ راز وحی الٰہی سے جانا ہے یا تجربہ سے بھی لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے قائل نہ تھے۔

۵؎ یعنی حضرات انبیاء کرام عمومًا بادشاہ امراء نہیں ہوتے مساکین ہوتے ہیں عام طور پر انہوں نے بکریاں چرائی ہیں۔چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے بکریاں چرانے کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے،ایوب علیہ السلام نے درزی اور زکریا علیہ السلام نے بڑھئی کے پیشے کیے۔بکریاں چرانے سے دل میں مسکینی،لوگوں سے علیحدگی،غریبوں سے محبت،ملکی سیاست،خلوت میں لذت نصیب ہوتی ہے،بکریوں کے سنبھالنے سے انسانوں کے سنبھالنے کا طریقہ آجاتا ہے۔

حکایت: ایک دن موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ کیا تمہیں خبر ہے کہ تم کو نبوت کیوں دی گئی،عرض کیا مولیٰ تو علیم و خبیر ہے،فرمایا کہ ایک دن تم بکریاں چرا رہے تھے کہ ایک بکری بھاگ گئی تم اس کے پیچھے بہت دور بھاگے بڑی مشقت سے اسے پکڑا تم نے اس پر غصہ نہ کیا بلکہ اسے کندھے پر اٹھاکر لائے،اس شفقت خلق کو دیکھ کر تم کو نبوت عطا کی گئی۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھے دیکھا ۱؎ کہ چھوہارے کھاتے تھے اور ایک روایت ہے کہ تیزی سے چھوہارے کھاتے تھے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ اقعاء اس بیٹھک کو کہتے ہیں کہ چوتڑ زمین پر لگے ہوں دونوں پنڈلیاں کھڑی ہوں یعنی اوکڑوں۔یہ بیٹھک نماز میں مکروہ ہے کھاتے وقت بہتر کیونکہ یہ بیٹھک جلدی کے اظہار کے لیے ہوتی ہے نماز میں سکون کا اظہار چاہیے نہ کہ جلدی اور تیزی کا،کھانے میں جلدی اور تیزی تاکہ اس سے جلد فارغ ہوکر عبادت یا اورکسی دینی کام میں مشغول ہوجائیں۔مطیع فرمانبردار غلام اوکڑوں بیٹھ کر کھاتے ہیں کہ منہ میں نوالہ ہے کان لگے ہیں آقا کی آواز کی طرف کہ کب وہ بلائے اور کب یہ فورًا اٹھ کر جائے،نیز اوکڑوں بیٹھ کر کھانے سے زیادہ کھانا نہیں کھایا جاتا۔غرضیکہ کھانے کی اس نشست میں بہت حکمتیں ہیں۔

۲؎ کھانے میں یہ تیزی اور جلدی یا تو سخت بھوک کی وجہ سے تھی یا کسی کام کی جلدی تھی یا وہ ہی حکمت تھی کہ جلد کھاکر دوسرے کام میں مشغول ہوجائیں کھانا مقصود للغیر ہے عبادت مقصود بالذات۔(مرقات واشعہ) غرضیکہ اس جلدی میں بھی حکمتیں تھیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دو چھوہارے ملا کر کھائے حتی کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے لے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم قحط سالی کے زمانہ میں ہے یا جب ہے جب کہ چھوہارے تھوڑے ہوں کھانے والے زیادہ ہوں،اگر یہ دودو چھوہارے کھائے تو دوسرے ساتھی بھوکے رہ جائیں گے،اگر اکیلا کھارہا ہے یا کھانے میں وسعت ہے تو چاہے چار چار کھائے،یہ بھی خیال رہے کہ یہ ممانعت جب ہے جب کہ کھانا مشترکہ ہو یا کسی کے گھر سب کی دعوت ہو اوراگر کھانا اس کا اپنا ہے جیسے چاہے کھائے۔اس حدیث سے ساتھ کھانے سے بہت سے حکم نکل سکتے ہیں۔اگر چند شخصوں نے مل کر ہانڈی پکائی ہے اور ساتھ ہی کھارہے ہیں تو ہر شخص دوسروں کا خیال رکھ کر بوٹیاں کھائے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گھر والے بھوکے نہیں رہے جن کے پاس چھوہارے ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اے عائشہ وہ گھر جس میں چھوہارے نہیں اس کے باشندے بھوکے ہیں دو یا تین بار فرمایا ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ فرمان عالی مدینہ منورہ اور دوسرے ان شہر والوں کے لیے ہے جہاں عمومًا چھوہارے کھائے جاتے ہیں۔اب بھی اہلِ مدینہ اپنے گھروں میں چھوہارے کھجوریں رکھتے ہیں مہمان و ملاقاتیوں کی خاطر اس سے ہی کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے کا ذخیرہ رکھنا اچھا ہے بلکہ سنت ہے،اس سے گھر میں برکت رہتی ہے اور گھر والوں کو بے فکری،ممکن ہے کہ ہر جگہ کے لیے یہ فرمان عالی ہو۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ چھوہارے کھائے ۱؎ تو اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہ دے گا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عجوہ مدینہ منورہ کے اعلیٰ قسم کے چھوہارے ہیں،ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے،ان پر کچھ دھاریاں قدرتی ہوتی ہیں۔عوالی مدینہ میں ایک باغ ہے جس میں عجوہ کے دو درخت ایسے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے لگایا اب کچھ کم پھل دیتے ہیں۔فقیر نے ان درختوں کو بوسہ دیا ہے اور ان کے پھل کے ۱۱ دانے اپنے ساتھ لایا تھا،اس کا ایک دانہ ایک ریال کا ملتا ہے۔

۲؎حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے۔واقعی عجوہ کھجور میں یہ تاثیر ہے،کسی تاویل کی ضرورت نہیں مگر عجوہ مدینہ منورہ کا ہو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقام عالیہ کے عجوہ ۱؎میں شفا ہے اور وہ تریاق ہیں شروع صبح کے وقت ۲؎(مسلم)

۱؎عالیہ اطراف مدینہ منورہ کا وہ حصہ ہے جو مسجد قبا شریف کی طرف ہے،چونکہ یہ زمین کس قدر اونچی ہے اس لیے اسے عالیہ کہا جاتا ہے۔اس کی حد کم از کم تین میل تک ہے زیادہ سے زیادہ آٹھ میل تک لمبی،کہیں یہ تین میل دور ہے کہیں یہ آٹھ میل اس کے مقابل اطراف کو سافلہ کہتے ہیں۔(اشعہ،مرقات و لمعات)اس کی جمع عوالی ہے وہاں لفظ عوالی عام بولا جاتا ہے۔

۲؎یعنی مقام عالیہ کی عجوہ کھجوریں خصوصی طور پر دافع زہر ہیں اگرچہ اور طرف کی کھجوریں بھی تریاق ہیں مگر چاہیے یہ کہ سویرے تڑکے میں کھائی جائیں،یہ فرمان بالکل برحق ہے۔جڑی بوٹیوں میں اللہ تعالٰی نے مختلف اثرات رکھتے ہیں ایسے ہی ان کھجوروں میں یہ اثر ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ ہم پر بعض مہینہ ایسا آتا کہ ہم اس میں آگ نہ جلاتے وہ غذا کھجوریں اور پانی ہی ہوتی مگر یہ کہ تھوڑا گوشت لایا جاتا ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یعنی بعض مہینے ایسے گزرتے تھے کہ ہم پورا پورا مہینہ کچھ نہ پکاتے تھے صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ کرتے تھے،ہاں اگر کوئی شخص کچھ تھوڑا گوشت بھیج دیتا تو اس کے پکانے کو آگ جلاتے تھے،یہ ہے غذا اس شہنشاہ کونین کی جو کُل جہاں کے مالک و مختار ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور کبھی تھوڑے چھوہارے کھانا پانی پی کر پھر رہ جانا دو دو مہینے یوں ہی گزارہ صلی اللہ علیہ وسلم

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے دو دن گندم کی روٹی سے سیر نہ ہوتے مگر ان میں سے ایک دن چھوہارے ہوتے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یعنی ہمارے تو گھروں کا یہ حال تھا کہ کسی گھر میں مسلسل دو دن تک گیہوں کی روٹی کافی نہیں پکی کہ ہم لوگ شکم سیر ہوکر کھالیتے،ایک دن روٹی ایک دن چھوہارے۔گندم کی قید اس لیے لگائی کہ جو کی روٹی مسلسل پک جاتی تھی خصوصًا فتح خیبر کے بعد کہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج پاک کو ایک ایک سال کے جو اور چھوہارے عطا فرمادیتے تھے جیساکہ احادیث شریفہ میں آتا ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ ہم دو کالی چیزوں سے سیر نہ ہوئے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎دو کالی چیزوں سے مراد چھوہارے اور پانی ہے کہ چھوہارے تو کالے ہوتے ہیں۔پانی کو تغلیبًا کالا فرمایا گیا جیسے چاند و سورج کو قمرین اور امام حسن اور حسین کو حسنین اور حضرت ابوبکروعمر کو عمرین کہا جاتا ہے۔یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف تک ہم نے کھجوریں وپانی بھی خوب سیر ہو کر نہ کھائیں۔فتح خیبر سے پہلے تو اس لیے کہ گھر میں یہ سامان زیادہ نہ ہوتا تھا اور فتح خیبر کے بعد اس لیے کہ حضور انور کو بہت سیر ہوکر کھانا پسند نہ تھا اگرچہ ہر گھر میں سال بھر کے جو اور چھوہارے موجود ہوتے تھے لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ کیا تم جس قدر چاہو کھانے پینے میں مشغول نہیں ۱؎میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ردی خرمے بھی اس قدر نہ پاتے تھے کہ اپنا پیٹ بھرلیں ۲؎(مسلم)	

۱؎یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام و تابعین سے ہے جب کہ مسلمانوں کو اللہ تعالٰی نے بڑی فراخی عطا فرمادی تھی خصوصًا عہد فاروقی عثمانی میں۔مقصد یہ ہے کہ اس فراخی رزق پر اللہ تعالٰی کا شکر کرو یا اعتراضًا فرمایا کہ تم لوگوں نے دنیا کی فراوانی پاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد تقویٰ اور ترک دنیا کا طریقہ چھوڑ دیا۔(مرقات)

۲؎دقل کا لفظی ترجمہ گڈ ہے یعنی ایسے معمولی خرمے جس میں ہر قسم کے خرمے موجود ہیں انکا کوئی خاص نام نہ ہو بکھرے پھرتے ہوں یعنی اعلیٰ کھانوں اعلیٰ کھجوروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ردی معمولی گڈ خرمے بھی افراط سے نہ پاتے تھے،غالبًا یہ ذکر ہے فتح خیبر سے پہلے کا۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس کھانے سے بچا ہوا مجھے بھیج دیتے تھے ۱؎آپ نے ایک دن ایک پیالہ بھیجا جس میں سے کچھ نہ کھایا تھا کیونکہ اس میں لہسن تھا ۲؎میں نے حضور سے پوچھا کہ کیا وہ حرام ہے ۳؎فرمایا نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں اس کی بُو کی وجہ سے ۴؎عرض کیا جسے آپ ناپسند کرتے ہیں اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں ۵؎(مسلم)	

۱؎ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے۔ہر مدینہ والے کی تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر قیام فرمائیں میرے مہمان بنیں مگر یہ سعادت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھی،حضور انور آپ کے گھر مہمان رہے،پہلے گھر کے اوپر حصے میں قیام فرمارہے،پھر نیچے حصہ میں جلوہ افروز رہے،اوپر حضرت ابوایوب کو رکھا۔اہلِ مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خدام بارگاہ کے لیے کھانا لاتے تھے،اہلِ مدینہ میں سب سے زیادہ غریب حضرت ابو ایوب ہی ہیں یہ ہی حضور کے پہلے میزبان ہیں۔سورج طلوع ہوکر پہلے اونچے مقامات کو لچھاتا ہے مگر مدینہ منورہ کا سورج پہلے چھوٹوں کو نیچوں کو لچھاتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم
۔(ازمرقات)حضرت ابو ایوب جب اوپر رہتے تھے تو اس جگہ قدم نہ رکھتے تھے جو جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے مقابل تھی۔

۲؎ کچا لہسن ہوگا جس کی بو نہ ماری گئی ہوگی۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں سے کچھ نہ کھانا اس وجہ سے ہے کہ وہ حرام ہے اگر حرام ہے تو حضور انور نے میرے لیے کیوں بھیجا۔سبحان اللہ!کیا پیارا سوال ہے۔یا وہ کھانا ہے یا لہسن جو اس کھانے میں تھا۔

۴؎ یعنی کچا لہسن کھانے سے منہ میں بو آتی رہتی ہے اور ہمارے پاس فرشتے خصوصًا حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوتے رہتے ہیں جن سے ہم کلامی رہتی ہے۔ان فرشتوں کو منہ کی بو ناپسند ہے اس لیے ہم یہ چیزیں نہیں کھاتے تم کو یہ ملاقات ملائکہ کا شرف حاصل کہاں ہے تم کھاؤ۔

۵؎ یہ ہے درجہ فنافی الرسول یعنی اگرچہ میرے اندر وہ وجہ نہیں جس وجہ سے آپ لہسن نہیں ملاحظہ فرماتے یعنی فرشتوں سے ہم کلامی مگر میرے لیے تو آپ کا پسند فرمانا وجہ پسندیدگی ہے۔مطلب یہ ہے کہ مجھے بھی اس سے طبعًا نفرت ہوگئی اب میری طبیعت لہسن سے نفرت کرنے لگی اس لیے **کرھت** فرمایا **لا اکل** نہ کہا،ان کی طبیعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگئی۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یا فرمایا کہ وہ ہماری مسجد ۱؎ سے الگ رہے یا اپنے گھر میں بیٹھے ۲؎ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہانڈی لائی گئی ۳؎ جس میں ساگ پات کی سبزیاں تھیں تو حضور نے اس میں بو محسوس کی تو فرمایا کہ اسے بعض صحابہ کی طرف بڑھا دو اور فرمایا تم کھاؤ ۴؎ میں ان سے کلام کرتا ہوں جن سے تم کلام نہیں کرتے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ مسجد سے مراد صرف مسجد نبوی شریف نہیں بلکہ تمام مسجدیں ہیں دنیا بھر کی مسجدیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی گاہیں۔بعض روایات میں **مساجدنا** بھی ہے۔وجہ ظاہر ہے کہ مسجدوں میں رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں جنہیں اسکی

بو ناپسند ہے بلکہ مسلمانوں کے مجمعوں،درس قرآن کی مجلسوں،علماء دین و اولیاء کاملین کی بارگاہوں میں بدبودار منہ لے کر نہ جاؤ۔

۲؎ یعنی جب تک منہ میں بدبو رہے گھر میں ہی رہو،مسلمانوں کے جلسوں،مجمعوں میں نہ جاؤ۔حقہ پینے والے۔تمباکو والا پان کھاکر کلی نہ کرنے والوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جسے گندہ دہنی کی بیماری ہو اسے مسجدوں کی حاضری معاف ہے۔

۳؎ قدر کا ترجمہ ہے ہانڈی،بعض روایتوں میں بدر ہے،بدرچودھویں رات کے چاند کو کہتے ہیں،پھر گول طباق کو بدر کہا جاتا ہے۔خیر خواہ طبق لایا گیا ہو یا ہانڈی اس میں پیاز تھی کچی جس کی بو ظاہر ہورہی تھی۔

۴؎ یہ اخلاق کریمانہ ہے کہ لانے والے کا ہدیہ واپس نہیں فرمایامسئلہ بھی بتادیاہدیہ قبول بھی فرمالیااور اس لانے والے کے سامنے ہی حضرات صحابہ کرام کو کھلا بھی دیا تاکہ لانے والے کو رنج نہ ہو۔خیال رہے کہ جیسے بعض انسان بہت نازک ہوتے ہیں جو ادنی بو بھی برداشت نہیں کرتے اور بعض قوی جو کسی بو کی پرواہ نہیں کرتے یوں ہی ملائکہ رحمت بہت ہی نازک ہیں کہ بو کو برداشت نہیں کرتے۔عذاب کے فرشتے یوں ہی انسانوں کے ساتھ رہنے والے فرشتے بہت قوت والے ہیں جو کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔دیکھو حضرت جبریل اور رحمت والے فرشتے کتے والے گھر میں نہیں جاتے مگر ملک الموت کتے کی پرواہ نہیں کرتے۔

۵؎ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اور انکے ساتھی فرشتے جن سے ہم ہمکلام ہوتے رہتے ہیں۔معلوم ہوا کہ اپنے مصاحب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اپنا کھانا ناپ لیا کرو ۱؎ تم کو اس میں برکت دی جائے گی ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی دانہ بیچتے اور خریدتے قرض لیتے دیتےوقت ناپ تول کرلیا کروتاکہ کمی بیشی نہ ہواور تمہارے ذمے دوسروں کا اور دوسرے کے ذمے تمہارا حق نہ رہے یا جب بال بچوں کے لیے کھانا پکانے لگو تو وزن کرکے پکاؤ تاکہ کم نہ پڑے اور نہ کھانا فالتو بچے،یہ حکم استحبابی ہے۔

۲؎ یہ عمل بہت مجرب ہے کہ جب بازار سے کچھ آوے تو ناپ تول کرکے رکھی جائے ان شاء اللہ بہت ہی برکت ہوگی،ہاں خیرات کرتے وقت یا توکل کے موقعہ پر ناپ تول نہ کرے لہذا جن احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کو حضور انور نے کچھ جو عطا فرمائے جس سے وہ برسوں کھاتے رہے جب اتفاقًا تول لیے تو ختم ہوگئے،وہ حدیث اس کے خلاف نہیں وہاں توکل کی تعلیم تھی،یوں ہی فطرہ تول کر خیرات کرے کہ وہاں اداء واجب وزن سے متعلق ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستر خوان جب اٹھایا جاتا ۱؎ تو آپ فرماتے اللہ کا شکر ہے بہت شکر پاکیزہ ۲؎ جس میں برکت دی جائے نہ کفایت کیا ہوا اور نہ وداع کیا ہوا اور نہ اس سے بے	

	پرواہی کی ہوئی اے ہمارے رب۳؎(بخاری)

۱؎حق یہ ہے کہ یہاں مائدہ سے مراد کپڑے کا دسترخوان ہے یا کھجور کے پتوں کا نہ کہ لکڑی کا خوان کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے خوان اور میز پر کھانا نہ کھاتے تھے۔

۲؎یعنی ایسی حمد جو ریا وغیرہ سے پاک ہو،اخلاص سے شامل ہو یہ تینوں کلمے یعنی کثیر،طیب اور مبارك حمدًا کی صفات ہیں اور حمدًا مفعول ہے نحمدہ فعل پوشیدہ کا۔

۳؎ظاہر یہ ہے کہ غیر پیش سے ہےھو پوشیدہ کی خبر اور یہ کلام دعائیہ ہے،ھو کا مرجع بچا ہوا وہ کھانا ہے جو سامنے سے اٹھایا جارہا ہےیعنی ابھی یہ کام ہم کو کافی نہ ہوچکا ہو،ہم سے وداع نہ ہو گیا ہو،ہم اس سے بے نیاز نہ ہوگئے ہوں،ہم کو پھر بھی عطا ہو۔یہ تینوں لفظ اسم مفعول ہیں مکفی۔مودع اور مستغنی اور ہوسکتا ہے کہ غیر کو فتح ہو اور یہ حمدًا کی صفت یا حال ہو یعنی ہم رب کی ایسی حمد کرتے ہیں جو نہ تو کفایت کی جاچکی ہے اور بس ہوچکی اور نہ آخری حمد ہے اور نہ ہم آئندہ کے لیے اس حمد سے بےنیاز ہوچکے ہم پھر بھی اپنے رب کی حمد کرتے رہیں اس کی نعمتوں کے گن گاتے رہیں اور ہوسکتا ہے کہ مکفی،مودع اور مستغنی تینوں اسم فاعل ہوں اور یہ عبارت نحمدہ کے مفاعل سے حال ہو تب معنی ہوں گے کہ ہم اتنی حمد پر کفایت ہی نہ کریں آئندہ بھی حمد کریں نہ حمد کی وداع کریں نہ آئندہ حمد الٰہی سے مستغنی و بے نیاز ہوجائیں مگر پہلی توجیہ ظاہر بھی ہے قوی بھی اور موقعہ کے مناسب بھی کہ کھانا کھا چکنے پر یہ دعا ہے تو کھانے کے متعلق ہونی چاہیے۔ربنا مرفوع بھی ہوسکتا ہے منصوب بھی مجرور بھی۔انت ربنا یا ربنا یہ اللہ کا بدل ہے تو مجرور ہے۔(مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بندے سے خوش ہوتا ہے کہ وہ لقمہ کھائے تو اس پر اللہ کا شکر کرے ۱؎یا گھونٹ پیئے تو اس پر اللہ کا شکر کرے ۲؎(مسلم)اور ہم حضرت عائشہ اور ابوہریرہ کی دونوں حدیثیں ایک ماشبع الخ دوسری،خرج النبی الخ صلی اللہ علیہ وسلم ان شاء اللہ باب فضل فقراء میں بیان کریں گے۳؎

۱؎اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اگرکسی وقت تھوڑا سا کھانا بھی کھائےایک آدھ لقمہ تب بھی خدا کی حمد کرے۔دوسرے یہ کہ کھاتے وقت ہر لقمہ پر اللہ کی حمد کرے ہم نے بعض بزرگوں کو کھانے کے ہر لقمے اور پانی کے ہر گھونٹ پر حمد کرتے دیکھا ہے۔

۲؎اس جملہ کے دو ہی مطلب ہیں جو ابھی ہم نے لقمہ کے متعلق عرض کیے۔

۳؎ یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے مناسبت کا لحاظ کرکے انہیں باب فضل فقراء میں بیان کیا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ کوئی کھانا پیش کیا گیا۱؎ تو میں نے ایسا کھانا نہ دیکھا جو ہمارے اول کھاتے وقت بہت برکت والا ہو اور آخر میں کم برکت والا ہو۲؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہوگیا فرمایا ہم نے کھانے کے وقت اس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا تھا۳؎ پھر وہ بیٹھ گیا جس نے کھایا اور اللہ کا نام نہ لیا تو اسکے ساتھ شیطان نے کھایا۴؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یہ واقعہ یا تو اس زمانہ کا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں رونق افروز تھے یا اسکے بعد اور کسی وقت کا،حضرت ابو ایوب حضور کے پہلے میزبان ہیں۔

۲؎ یعنی جب ہم نے کھانا شروع کیا تو اس میں بڑی برکت دیکھی اور جب فارغ ہونے لگے تو اس کھانے میں بہت ہی بے برکتی محسوس کی۔برکت اور کثرت کا فرق ہم بارہا بیان کرچکے کثرت کمال نہیں برکت کمال ہے،اللہ تعالٰی ہر دینی و دنیاوی کاموں چیزوں میں برکت دے۔

۳؎ یعنی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھی تھی۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ صرف بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔باقی الرحمٰن الرحیم کہہ لینا بھی بہتر ہے مگر صحیح یہ ہے کہ پوری بسم اللہ پڑھنی چاہیے اور ہر کھانے پر ہر شخص پڑھے حتی کہ حیض و نفاس والی عورتیں بھی پڑھیں،حرام اور مکروہ کھانے پر نہ پڑھے بھنگ،چرس،حقہ پر بسم اللہ نہ پڑھے،شراب نوشی پر بسم اللہ پڑھنا کفر ہے۔(مرقات وغیرہ)اس کے پورے مسائل کتب فقہ میں مطالعہ کرو۔

۴؎ یعنی کھانا شروع کرتے وقت ہم میں سے ہر شخص نے بسم اللہ پڑھی تھی دوران کھانے میں ایک شخص کھانے میں ایسا شریک ہوگیا جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اور کھانا شروع کردیا تو اس کے ساتھ جو شیطان قرین تھا وہ اس کے ہمراہ ہمارے کھانے سے کھانے لگا اس لیے بے برکتی آخری میں ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ساتھ رہنے والا شیطان ہے جسے قرین کہتے ہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت ہر شخص کا بسم اللہ پڑھ لینا اس کے ساتھی شیطان کے لیے مفید ہوگا دوسرے کے قرین کے لیے مفید نہیں لہذا ہر شخص کو بسم اللہ پڑھنی چاہیے،اگر پچاس آدمی کی جماعت کھانے بیٹھے تو ہر شخص علیحدہ بسم اللہ پڑھے لہذا بسم اللہ پڑھنا سنت عین ہے سنت کفایہ نہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اگر کوئی جماعت کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھنا سنت کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص نے پڑھ لی تو سب کے لیے کافی ہوگئی اور جو شخص بعد میں کھانے میں شریک ہوا اسے علیحدہ بسم اللہ پڑھنی پڑے گی،وہ حضرات لفظ ثم سے

دلیل پکڑتے ہیں مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے جیسا کہ انا ذکرنا جمع فرمانے سے معلوم ہوا ہر شخص نے بسم اللہ پڑھی تھی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے کھانے پر اللہ کا ذکر بھول گیا ۱؎ تو کہہ لے بسم اللہ اس کے اول میں اور اس کے آخر میں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ اللہ کے ذکر سے مراد بسم اللہ شریف پڑھنا ہے کہ کھانے کے وقت یہ ہی ذکر اللہ سنت ہے ہر وقت کا ذکر علیحدہ ہے۔خوشی کی خبر سننے کے وقت کا ذکر ہے الحمدللہ،غم کی خبر کا ذکر ہے اناللہ،بری بات سننے کے وقت کا ذکر ہے لاحول الخ تو کھانے کے وقت کا ذکر ہے بسم اللہ بلکہ وضو کرتے وقت،سوتے وقت،مسجد میں داخل ہوتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔اس جگہ بعض علماء نے فرمایا کہ ذکر اللہ سے مراد یہ ذکر ہے حتی کہ اگر کھاتے وقت کلمہ طیبہ بھی پڑھ لے تو بھی یہ فائدہ حاصل ہوجائے گا۔شاید یہ حضرت کھاتے وقت اناللہ یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کو بھی مفید کہتے ہوں بہرحال قوی یہ ہے کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد بسم اللہ شریف ہے۔

۲؎ اصل میں فی اولہ و آخرہ تھا فی کو دور کردیا گیا اور اول آخر کو فتحہ دیا گیا۔اول آخر سے مراد کھانے کی ساری حالات ہیں،اول آخر درمیانی حالت جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا" یہاں صبح شام سے مراد تمام اوقات ہیں یعنی جو شخص کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو درمیان میں جب یاد آجائے تب یہ کہہ لے بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ کھانا کھا چکنے ہاتھ دھونے لینے کلی کرلینے کے بعد یاد آوے تب بھی یہ ہی کہہ دے مگر صحیح یہ ہے کہ دوران کھانے میں یاد آتے وقت ہی کہے تاکہ شیطان کھایا ہوا کھانا قے کردے بعد فراغ یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت امیہ ابن مخشی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کھاتا تھا تو اس نے بسم اللہ نہ پڑھی حتی کہ نہ باقی رہا اس کے کھانے سے مگر ایک لقمہ پھر جب اسے اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو اس کے اول و آخر بسم اللہ ۲؎ کہا حضور ہنس پڑے پھر فرمایا کہ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا پھر جب اس نے اللہ کا نام لیا تو جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا سب قے کردیا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبید ہے،امیہ تصغیر سے ہے اور مخشی میم کے فتح شین کے کسرہ ی کی شد سے ہے،آپ صحابی ہیں،خزاعی اسدی ہیں،بصرہ میں قیام رہا،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔(مرقات واشعہ)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرتے وقت پوری بسم اللہ پڑھے لیکن اگر بیچ میں یاد آوے تو صرف بسم اللہ کہے اور ساتھ ہی اولہ و آخرہ کہہ لے۔یہ اصل میں فی اولہ و آخرہ تھا فی کو پوشیدہ کرکے اول آخر کو فتح دے دیا گیا۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں حقیقت میں چھپی مخلوق کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں اور حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں جیسے ہمارا معدہ مکھی والا کھانا ہضم نہیں کرسکتا ایسے شیطان کا معدہ بسم اللہ والا کھانا ہضم نہیں کرتا اگرچہ اس کا قے کیا ہوا کھانا ہمارے کام نہیں آتا مگر مردود تو بیمار بھی پڑ جاتا ہے اور بھوکا بھی رہ جاتا ہے اور ہمارے کھانے کی فوت شدہ برکت لوٹ آتی ہے۔غرضیکہ اس میں ہمارا فائدہ ہے اس کے دو نقصان اور ممکن ہے کہ وہ مردود آئندہ ہمارے ساتھ بغیر بسم اللہ والا کھانا بھی ڈر کے سبب نہ کھائے کہ شاید یہ بیچ میں بسم اللہ پڑھ لے اور مجھے قے کرنی پڑے۔غالبًا یہ شخص اکیلا کھا رہا تھا اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتا ہوتا تو بسم اللہ نہ بھولتا وہاں تو حاضرین بسم اللہ بلند آواز سے کہتے تھے اور ساتھیوں کو بسم اللہ کہنے کا حکم کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تھے ۱؎ تو فرماتے تھے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم کو کھلایا ہم کو پلایا مسلمان بنایا ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)۳؎	

۱؎ خواہ اکیلے یا جماعت کے ساتھ پھر خواہ اپنے گھر والوں کے ساتھ خواہ مہمانوں کے ساتھ پھر خواہ اپنے گھر یا کسی اور کے گھر مہمان بن کر ہر کھانے کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

۲؎ کھانے پانی سے جسم کی پرورش ہے، اسلام وایمان سے جان و دل کی پرورش،ان دونوں نعمتوں پر شکر کرتے تھے کیونکہ شکر سے نعمت بڑھتی ہے،قرآن مجید کا وعدہ ہے،فقط پانی پی کر یہ دعا نہ پڑھتے تھے وہاں صرف **الحمد للہ** کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر نئی نعمت پا کر نیا شکر کرے چونکہ کھانا اصل مقصود ہے اور پانی اس کے تابع اس لیے نعمت ظاہری کا ذکر پہلے فرماتے تھے باطنی کا بعد میں،نیز دعا کو اسلام کے ذکر پر ختم فرمانا اس لیے تھا کہ خاتمہ ایمان پر میسر ہو۔(مرقات)

۳؎ یہ حدیث احمد اور نسائی نے بھی روایت کی،ابن سنی نے اپنی کتاب **الیوم و اللیلۃ** میں نقل فرمائی۔غرضیکہ بہت محدثین نے نقل فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شکر گزار کھانے والا ۱؎ صابر روزہ دار کی طرح ہے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ شکر کا اقل درجہ یہ ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرے الحمدللہ سے ختم کرے،عملی شکریہ ہے کہ کھا پی کر رب تعالٰی کی اطاعت کرے،اللہ توفیق دے۔

۲؎ روزہ دار کا کم سے کم صبر یہ ہے کہ اپنے روزہ کو روزہ توڑنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور درمیانی شکریہ ہے کہ مکروہات سے بچائے،اعلیٰ شکریہ ہے کہ ان چیزوں سے روزہ کو محفوظ رکھے جن سے روزہ غیر مقبول ہوتا ہے یعنی سر سے پاؤں تک ہر عضو کا روزہ ہو۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے دو رکن ہیں: شکر اور صبر تو گویا نصف ایمان شکر ہے نصف ایمان صبر،نصف ہونے میں تشبیہ ہے ورنہ روزہ کا خصوصی درجہ وہ ہے جو کسی عبادت کو حاصل نہیں،فرماتا "الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میرا ہے اور اس کا ثواب میں ہی دوں گا یا اس کا ثواب خود میں ہوں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ صابر روزہ دار تو کھانا پینا چھوڑ کر صبر کرتا ہے اور شاکر کھانے والا اس کھانے سے پیدا شدہ قوتوں کو ناجائز جگہ خرچ کرنے سے روک کر صبر کرتا ہے تو شاکر بھی بالواسطہ صابر ہی ہے۔بہرحال شکر کو صبر سے بہت مناسبت ہے۔

	ابن ماجہ،دارمی بروایت سنان ابن سنہ وہ اپنے والد سے ۱؎

۱؎ سنان سین کے کسرہ اور نون کے فتحہ سے ہے،سنہ کے فتحہ اور نون کے شد سے۔بعض محدثین نے فرمایا کہ سنان اور سنہ دونوں باپ بیٹے صحابی ہیں،بعض نے فرمایا کہ سنان تابعی ہیں اور سنہ صحابی ہیں،سنہ اسلمی ہیں ۳۲ بتیس ہجری میں خلافت عثمانیہ میں ان کی وفات ہوئی،ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے کھلایا پلایا اور اسے بہ آسانی اتارا ۱؎ اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ کھانا چبانے کو منہ میں دانت دیئے،کھانا تر کرنے کو منہ میں لعاب دیا،اسے گھمانے کے لیے منہ میں زبان بخشی،پھر اسے پیٹ میں پہنچانے کے لیے حلق کی فراخ نالی عطا فرمائی۔خیال رہے کہ تسویغ کھانے اور پانی کے لیے بولا جاتا ہے۔

۲؎ کہ ایک منہ سے کھانے پینے کی چیزیں اندر جاتی ہیں مگر دو راستوں سے نکلتی ہیں،کھانا اور راستہ سے پانی دوسرے راستہ سے،پھر معدہ کھانے کا خزانہ بنایا اور مثانہ پانی کا خزانہ بنایا پھر ان دونوں کے بعض اجزاء پر رونگٹے سے پسینہ بنا کر نکالا۔

	روایت ہے حضرت سلمان سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے توارت میں پڑھا کہ ۲؎ کھانے کی برکت وضو کرنا ہے کھانے کے بعد ۳؎ تو میں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا ۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے کی برکت وضو کرنا ہے کھانے سے پہلے اور وضو کرنا ہے کھانے کے بعد ۵؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ آپ سلمان فارسی ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔

۲؎ یعنی مسلمان ہونے سے پہلے میں نے توریت میں پڑھا تھا۔
۳؎ یہاں وضو لغوی معنی میں ہے جو بنا ہے وضوٴ سے بمعنی صفائی اور اچھائی لہذا اس کے معنی ہیں ہاتھ و منہ کی صفائی کرنا کہ ہاتھ دھونا کلی کرلینا ۔
۴؎ یا تو توریت شریف کے اس فرمان کی تصدیق و تائید کے لیے یا یہ پوچھنے کے لیے کہ اب اسلام میں بھی یہ حکم ہے یا دیگر احکام کی طرح منسوخ ہوگیا۔
۵؎ یعنی توریت شریف میں دوبار ہاتھ دھونے کلی کرنے کا حکم تھاکھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد مگر یہود نے صرف بعد رکھا پہلے کا ذکر مٹا دیا۔کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کلی کرنے کی ترغیب اس لیے ہے کہ عمومًا کام کاج کی وجہ سے ہاتھ میلے ہوجاتے ہیں اور کھانے میں ہاتھ و منہ چکنے ہوجاتے ہیں لہذا دونوں وقت یہ صفائی کرلو کھانا کھا کر کلی کرلینے والا شخص ان شاءاللہ پائیوریا سے محفوظ رہتا ہے،وضو میں مسواک کرنے کا عادی دانتوں اور معدے کے امراض سے بچا رہتاہے،کھانے کھانے کے فورًا بعد پیشاب کرلینے کی عادت ڈالواس سے گردہ و مثانہ کے امراض سے حفاظت ہے بہت مجرب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم پاخانہ سے تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم وضو کا پانی حاضر نہ کریں ۱؎ فرمایا کہ وضو کا حکم دیا گیا صرف جب کہ نما ز کی طرف کھڑا ہوں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)
	نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

۱؎ وہ حضرات سمجھے تھے کہ کھانے سے پہلے شرعی وضو کرنا واجب ہےاس لیے وضو کے لیے پانی لانے کی اجازت مانگی۔
۲؎ یہ حصر غالب حالت کے لحاظ سے ہے ورنہ سجدۂ تلاوت،قرآن پاک چھونے،طواف کعبہ کرنے کے لیے بھی وضو کرنے کا حکم ہے،سجدۂ تلاوت کے لیے وضو شرط ہے۔مقصدیہ ہے کہ ہمارے اس فرمان میں کہ کھانا وضو کرکے کھاؤ وضو سے مراد عرفی وضو ہے اور حکم استحبابی ہے،شرعی وضو کھانے کے لیے نہ فرض ہے نہ سنت،اس میں امت پر آسانی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ آپ کے پاس ثرید کا پیالہ لایا گیا ۱؎ تو فرمایا کہ اس کے کناروں سے کھاؤ اور اس کے بیچ سے نہ کھاؤ ۲؎ کیونکہ برکت برتن کے بیچ میں اترتی ہے۔(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے فرمایا جب تم میں

سے کوئی کھانا کھائے تو پیالے کے اوپر سے نہ کھائے لیکن اس کے نیچے سے کھائے ۳؎ کیونکہ برکت اس کے اوپر سے اترتی ہے ۴؎	

۱؎ ثرید بنا ہے ثرد سے بمعنی بھگونا اور تر کرنا۔اصطلاح میں ثرید یہ ہے کہ روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگوئے جائیں،ثرید حضور انور کو پسند تھا،طبّی لحاظ سے بھی ثرید زود ہضم اور مفید ہے حضور کی یہ ادا حکمت سے پُر ہے۔قصعہ وہ بڑا پیالہ ہے جس سے چند آدمی بیک وقت کھاسکیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے کھانا نہ کھاتے تھے جماعت کے ساتھ کھاتے تھے۔کسی نے کیا خواب کہا ہے۔

خوردہ ہماں بہ کہ بہ سہبا خوری　　　　حیف براں خوردہ کہ شبہا خوری

۲؎ یعنی ہر شخص اپنے سامنے والے کنارہ سے کھائے بیچ پیالے سے نہ کھائے،درمیان پیالہ نزول رحمت کی جگہ ہے درمیان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

۳؎ یہاں بھی نیچے سے مراد اپنے سامنے والا کنارہ ہے اور اوپر سے مراد پیالہ کا درمیانی حصہ ہے مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔درمیانی پیالہ حد مشترک ہے اور پیالہ کے کنارے ہر کھانے والے کا حق ہے۔بیچ سے کھانا حرص کی علامت ہے، حریص رحمت الٰہی سے محروم ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے کھانے کے وقت بھی رحمت باری کا نزول ہوتا ہے خاص کر جب کہ سنت کی نیت سے کھایا جائے۔

۴؎ نیچے سے مراد برتن کے کنارے ہیں جہاں سے کھانے والے کھائیں گے اور اوپر سے مراد درمیان برتن ہے،چونکہ یہ درمیانی جگہ قدر مشترک ہے اس لیے برکت کا وہاں ہی نزول مناسب ہے۔اس فرمان عالی میں برکت اور رحمت کو اس پانی سے تشبیہ دی گئی جو اوپر یعنی اونچی جگہ میں اترے اور وہاں سے چو طرفہ کناروں میں پہنچ جائے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ لگاکر کھاتے کبھی نہ دیکھا گیا ۱؎ اور نہ دو شخص آپ کی ایڑیوں کو روندتے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی نہ تو کسی چیز کی ٹیک لگا کر کھانا کھاتے نہ اپنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر کھاتے کہ یہ طریقہ متکبرین کا ہے،اکثر اوکڑوں بیٹھ کر کھاتے کہ یہ طریقہ متواضعین کا ہے۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم راہ میں دو آدمیوں سے بھی آگے نہ چلتے تھے تاکہ آپ اپنی بڑائی ظاہر کریں بلکہ آپ سب کے ہمراہ چلتے تھے،یہ تو تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی عادت کریمہ مگر قدرتی کرشمہ یہ تھا کہ حضور بہت آہستہ چلتے اور ساتھی تیز چلتے تب بھی آپ کے ہمراہ نہ چل سکتے تھے پیچھے ہی رہ جاتے تھے گویا زمین حضور کے لیے لپیٹی جاتی تھی جیساکہ ان شاءاللہ باب المعجزات میں آوے گا۔اسی طرح بہت لمبے قد والے حضرات آپ کے ساتھ ہوتے مگر سب سے اونچے آپ ہی معلوم ہوتے تھے،یہ معجزہ اب بھی گنبد خضراء شریف سے ظاہر

ہے۔خیال رہے کہ دنیا میں پیشوا بن کر رہنا بھی کبھی خدا کا عذاب ہوتا ہے۔مرقات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعا دی تو فرمایا کہ الٰہی اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے لوگوں کا پیشوا بنادے کہ لوگ اس کے پیچھے چلا کریں جو سرداری کا اہل نہ ہو اور کوشش سے سرداری حاصل کرے اس کے لیے سرداری عذاب ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جز سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت لایا گیا حالانکہ آپ مسجد میں تھے ۲؎ تو حضور نے کھایا اور آپ کے ساتھ ہم نے کھایا پھر آپ اٹھے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ پڑھی اور اس پر زیادتی نہ کی ہم نے اپنے ہاتھ بجری سے پوچھ لیے ۳؎(ابن ماجہ)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،جنگ بدر میں حاضر ہوئے،پھر عہدِ فاروقی میں جہاد مصر میں شرکت کی،وہاں ہی وفات پائی ۸۸ھ اٹھاسی ہجری میں وفات ہے۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ غالبًا حضور انور معتکف تھے یا مہمان مسافر آئے تھے جنہیں مسجد میں ٹھہرایا گیا تھا یا یہ کھانا پینا بیان جواز کے لیے تھا۔خیال رہے کہ معتکف اور مسافر کو مسجد میں کھانا پینا بلاکراہت جائز ہے ان دونوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے چھوہارے وغیرہ خشک چیزیں کھانا جس سے مسجد کا فرش خراب نہ ہو جائز ہے،روٹی سالن وغیرہ تر چیزیں جس سے مسجد کے تلوث کا اندیشہ ہو نہ کھانا چاہیئے اور کھانا اس طرح کہ فرش مسجد خراب ہو ہر شخص کو حرام ہے خواہ معتکف و مسافر ہو یا ان کے غیر۔احناف کے نزدیک غیر معتکف و مسافر کو مسجد میں کھانا پینا سونا مکروہ ہے،دیکھو کتب فقہ۔

۳؎ زمانہ رسالت شریف میں حرم نبوی میں بجری بچھی تھی اب بھی وہاں صحن میں بجری ہی ہے۔بجری سے ہاتھ مل دینے سے بجری خراب نہیں ہوتی اور ہاتھ بھی صاف ہوجاتے ہیں وہاں کھانا وغیرہ میں تکلف کوئی نہ تھا۔خیال رہے کہ یا تو نماز کی جلدی تھی یا بیان جواز کے لیے یہ عمل فرمایا ورنہ کھانا کھا کر ہاتھ دھونا،کلی کرنا سنت ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کھانا کے بعد ہاتھ دھونے،کلی کرنے کا حکم ہے کہ وہ بیان سنت کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان جواز کے لیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی آپ اسے پسند کرتے تھے ۱؎ تو آپ نے اسے دانت سے نوچ کر کھایا ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ دستی کا گوشت جلد گل جاتا ہے اس میں چھترے نہیں ہوتے،نہایت لذیذ ہوتا ہے اس کی مثل دوسرے گوشت سی نہیں۔گندگی یعنی پیشاب و گوبر سے بہت دور رہتا ہے،جلد ہضم ہوتا ہے،دانتوں میں اس کے چھترے نہیں پھنستے کیونکہ چھترے ہوتے ہی نہیں۔

۲؎ بوٹی دانت سے نوچ کر کھانا بھی سنت ہےاس میں بے تکلفی بھی ہے،لذت بھی تواضع اور انکسار بھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا پر لاکھوں سلام،ان کی ہر ادا رب تعالٰی کی طرف سے ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ عجمیوں کے معمولات سے ہے ۱؎ اور اسے نوچ کر کھاؤ کہ مزیدار اور جلد اترنے والا ہے ۲؎ ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان اور ان دونوں نے کہا یہ قوی نہیں ۳؎

۱؎ یعنی کھانے کو ہاتھ نہ لگانا چھری کانٹے سے کھانا،گوشت کی اگرچہ چھوٹی بوٹیاں ہوں خوب گلی ہوں پھر بھی چھری سے کھانا طریقہ یہودیوں عیسائیوں کا ہے۔اس سے بچو تم ہاتھ سے کھاؤ،ہاں اگر بڑے بڑے پارچے کھائے گئے ہوں تو کھاتے وقت چھری سے کاٹنے کا ذکر ہے کہ وہاں پارچے بڑے بڑے تھے۔خیال رہے کہ عیسائیوں کے ناخن بڑے بڑے ہوتے ہیں جن میں میل بھرا رہتا ہے پھر وہ پانی سے استنجا کرتے نہیں ہاتھ کبھی دھوتے نہیں اس لیے وہ ہاتھ سے کھاتے نہیں،ہم مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے سر سے پاؤں تک بالکل پاک و صاف رہتے ہیں ہم ہاتھ سے کیوں نہ کھائیں۔

۲؎ یعنی دانت سے نوچی ہوئی بوٹیاں مزیدار زود ہضم اور جلد کھائی جانے والی ہوتی ہیں اس لیے اسی طرح کھایا کرو۔

۳؎ اگر یہ حدیث قوی نہ ہو تو وہ حدیث تو قوی ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم** جو کسی قوم سے مشابہت ان کی نقالی کرے وہ اس قوم سے ہوتا ہے۔حدیث کی اسناد کیسی ہی ہوں حکم بالکل درست ہے،یہ حدیث اس صحیح حدیث سے قوت یافتہ ہے قرآن کریم کی آیت سے بھی قوت پاتی ہے "**لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوۡنَ الْکٰفِرِیۡنَ اَوْلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الْمُؤْمِنِیۡنَ**"۔کفر سے دلی یا عملی محبت حرام ہے۔آپ نو مسلم عیسائیوں کی نقالی میں کھڑے کھڑے کھاتے ہیں ہاں ابھی ہاتھ سے کھاتے ہیں برتن میں منہ نہیں ڈال دیتے۔

	روایت ہے حضرت ام منذر سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کے ساتھ جناب علی تھے اور ہمارے ہاں خوشے لٹکے ہوئے تھے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے لگے اور علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی سے فرمایا اے علی ٹھہرو ۴؎ کیونکہ تم کمزور

	ہو ۵؎فرماتی ہیں پھر میں نے ان حضرات کے لیے چقندر اور جو تیار کیے ۶؎تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اس سے لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہت موافق ہے ۷؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎آپ کا نام لیلٰی بنت قیس ہے،انصاریہ عدویہ ہیں،کنیت ام المنذر،صحابیہ ہیں،قدیم الاسلام ہیں،چنانچہ آپ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔

۲؎ دوالی جمع ہے دالیه کی،دالیہ کچی کھجوروں کے خوشوں کو کہتے ہیں۔اس زمانہ میں باغ والے لوگ اپنے باغوں اور گھروں میں کھجوروں کے خوشے لٹکا دیتے تھے تاکہ جو بیلی ملاقاتی آئے پہلے ان میں سے کھائے گویا یہ بھی خاطر تواضع کا ایک طریقہ تھا۔

۳؎ظاہر یہ ہے کہ دونوں حضرات نے کھڑے کھڑے کھائے مگر یہ کھڑے کھڑے کھانا فیشن کے طور پر نہ تھابلکہ اس خوشے سے توڑ توڑ کر کھانا کھڑے ہو کر ہی ممکن تھا اور ہوسکتا ہے کہ بیٹھ کرکھاتے ہوں مگر بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد جناب علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانا کھڑے ہو کر تھا،مرقات نے اس کو ترجیح دی۔

۴؎یعنی تم نہ کھاؤ کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لو وجہ آگے آرہی ہے۔

۵؎ ناقه بنا ہے نقاهت سے۔نقاہت وہ کمزوری ہے جو بیماری سے اٹھنے کے بعد بیمار میں رہتی ہے،غالبًا آپ بیماررہ چکے ہوں گے۔

۶؎یعنی میں ان حضرات کے لیے چقندر اور جو کالپٹا(سیرا)تیار کیا۔لهم کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ضمیر کا جمع لانا تعظیمًا ہے یا اس کا مرجع حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔عرب والے کبھی دو کو جمع بول دیتے ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ کچھ اور صحابہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔واللہ اعلم!

۷؎یہاں اوفق بمعنی موافق ہے،مقابل ضرر کا،یعنی تمہارے لیے کھجوریں مضر ہیں،یہ لپٹا(سیرا)موافق و مفید ہے کیونکہ جو بہت ہی زود ہضم ہے۔اطباء بیماروں کو آتش جو بتاتے ہیں،چقندر بھی ہلکی غذاہے اور معتدل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم جسمانی بھی ہیں۔دوائیں،پرہیز،مضر و مفید غذائیں سب کچھ جانتے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار بلکہ بیماری سے اٹھنے والے کمزور کو پرہیز لازم ہے۔اطباء کہتے ہیں کہ دوا سے زیادہ پرہیز ضروری ہے دوا بغیر پرہیز ایسی ہے جیسے نماز بغیر وضو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھرچنی پسند تھی ۱؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ثقل کے بہت معانی ہیں:تل چھٹ،ستو اور کھجور،کھرچن،یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ہانڈی کی کھرچن لذیذ بھی ہوتی ہے زود ہضم بھی،تمام ہانڈی کی طاقت ایک طرف اور کھرچن کی طاقت ایک طرف،غرضیکہ چاول وغیرہ کی کھرچن میں بہت خوبیاں ہیں اس جملہ کے اور بہت معنی کیے گئے ہیں۔بعض شارحین نے یہ معنی کیے کہ حضور انور تمام اہل و عیال،مہمانوں،زائرین،مساکین کو شوربا وغیرہ پہلے کھلادیتے تھے خود آخر میں شوربے کا تلچھٹ ملاحظہ فرماتے تھے،مگر میرے نزدیک یہ معنی درست نہیں۔حضور انور مہمانوں،زائرین،مساکین کے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے پھر آخر میں اکیلے کھانے کے کیا معنی۔

	روایت ہے حضرت نبیشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جو کسی پیالہ میں کھائے پھر اسے چاٹ لے ۱؎تو اس کے لیے پیالہ دعاء مغفرت کرتا ہے ۲؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ پیالہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اکیلا آدمی اکثر پیالے میں کھاتا ہے بڑے برتن بڑی تھالی میں جماعت کھاتی ہے۔اکیلا کھانے والا اگر چھوڑے تو اتنا چھوڑے کہ دوسرا کھاسکے ورنہ پیالہ خوب صاف کردے،یہ ہی حکم چاول وغیرہ کا ہے۔

۲؎حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے تاویل ہیر پھیر کی کوئی ضرورت نہیں۔واقعی پیالہ ایسے کھانے والے کے لیے دعا کرتا ہے کیونکہ اس میں برتن کی صفائی ہے۔کھانے کا ادب ہے کھانے کو بربادی سے بچانا ہے۔برتن میں چھوڑنے سے اس پر مکھیاں بھنکتی ہیں،وہ کھانا نالیوں،گندگیوں میں دھو کر پھینک دیا جاتا ہے جس سے اس کی سخت بے ادبی ہوتی ہے،اگر دو تین اشرفی برتن کھانا برباد ہو تو ایک شہر میں کئی من کھانا برباد ہوگا غرضیکہ برتن چاٹنے میں بہت حکمتیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رات اس حال میں گزارے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی ہے جسے دھویا نہیں ۱؎پھر اسے کچھ مصیبت پہنچے ۲؎تو اپنے ہی کو ملامت کرے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎یعنی جو کھانا کھا کر ہاتھ نہ دھوئے یوں کھانے کی چکنائی اس کے ہاتھ میں لگی رہے اور دوپہری میں یا رات میں اسی طرح سوجائے۔

۲؎یہاں مصیبت سے مراد چوہے یا سانپ کا کاٹ جانا ہے کہ یہ دونوں جانور کھانے کی خوشبو پر دوڑتے ہیں یا اس سے مراد برص کی بیماری ہے کہ کھانے کے سنے ہوئے ہاتھ جسم کے پسینہ سے لگ کر جہاں چھو جائیں وہاں کوڑھ کے سفید داغ پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔(مرقات واشعہ)

۳؎ نہ کسی شخص کو برا کہے نہ اپنی تقدیر پر اعتراض کرے کہ قصور خود اس کا اپنا ہے۔مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص کھانے کے بھرے ہوئے ہاتھ لے کر نہ سویا کرے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین کھانا روٹی کا ثرید تھا۱؎ اور کھجور و مکھن کا ثرید تھا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ روٹی کا ثرید یہ ہے کہ شوربے میں روٹی کے ٹکڑے گلا لیے جائیں حتی کہ بوٹیاں بھی اس میں حل کرلی جائیں یہ نہایت لذیذ زود ہضم کھانا ہے۔

۲؎ **حیس** کے لغوی معنی ہیں مخلوط چیز،اصطلاح میں کھجوریں اور مکھن کے مخلوط کھانے کو **حیس** کہتے ہیں۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا یہ بھی نہایت لذیذ ہوتا ہے،چھوہارا اور کھجور ویسے بھی مقوی چیز ہے مکھن سے مل کر اس کی خشکی کم ہوجاتی ہے لذت بھی زیادہ ہوجاتی ہے نقصان بھی جاتا رہتا ہے۔مدینہ منورہ میں فقیر نے کھجور و گھی ملاکر کھائی بہت لذیذ تھی۔

روایت ہے حضرت ابو سید انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روغن زیتون کھاؤ بھی لگاؤ بھی ۲؎ کہ یہ برکت والے درخت سے ہے ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ ابو اسید الف کے پیش سین کے فتحہ سے حضرت مالک ابن ربیعہ کی کنیت ہے جو مشہور صحابی ہیں،تمام غزوات میں شریک رہے،صحابہ بدر میں سب سے آخر میں آپ ہی کی وفات ہوئی، ۶۰ھ ساٹھ ہجری میں وفات پائی،اٹھتر سال عمر ہوئی،آخر میں نابینا ہو گئے تھے اور ابو اسید الف کے فتحہ سین کے کسرہ سے ان کا نام عبداللہ ابن ثابت ہے،مدنی ہیں،انصاری ہیں،یہاں پہلے ابو اسید مراد ہیں۔**واللہ ورسولہ اعلم!(مرقات)**

۳؎ روغن زیتون روٹی کے ساتھ سالن بناکے کھاؤ،سر میں اس کی مالش کرو،یہ حکم بطور مشورہ ہے لہذا استحباب کے لیے ہے۔

۴؎ کیونکہ درخت زیتون برکت والی زمین فلسطین میں ہوتا ہے جو حضرات انبیاءکرام کا مسکن ہے،نیز اسے رب تعالٰی نے شجرہ مبارکہ فرمایا،اس کے فوائد بہت ہیں،بہت سے امراض میں زیتوں کا پھل اس کا تیل کام میں آتا ہے،یہ سالن بھی ہے،جسم اور سر کی مالش کا تیل بھی،چراغ میں روشنی بھی دیتا ہے،بہت مرضوں کا علاج بھی ہے،بواسیر میں بہت مفید ہے۔حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ روغن زیتون میں ستر مرضوں کا علاج ہے جن میں جذام بھی ہے۔(ابونعیم و مرقات)

روایت ہے حضرت ام ہانی سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے میں نے کہا نہیں سوا خشک روٹی اور سرکہ کے ۲؎ تو فرمایا لاؤ ۳؎ وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس	

	میں سرکہ ہو۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

۱؎آپ کا نام فاختہ یا ہند ہے،ابو طالب کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں،زمانہ جاہلیت میں آپ کا نکاح ہبیرہ ابن وہب سے ہوا،آپ مسلمان ہوگئیں،ہبیرہ نے اسلام قبول نہ کیااس لیے علیحدگی کردی گئی۔حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا مگر آپ نے یہ معذرت کی کہ میں بہت بچوں والی بی بی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کما حقہ نہ کرسکوں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے بجائے آرام کے تکلیف ہوگی،آپ بہت احادیث کی راویہ ہیں۔

۲؎یعنی یہ دو حقیر سی چیزیں میرے پاس ہیں جو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق نہیں۔یابس سے مراد ہے سوکھی ہوئی روٹی چند روز کی ہوجس کا چبانا مشکل ہو۔

۳؎ہمراہ ہی کھائیں گے۔

بوریا ممنون خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۴؎قفر کے معنی ہیں خالی ہونااس لیے چٹیل میدان کا قفار کہتے ہیں جو سبزہ سے خالی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی معمولی غذاؤں سے نفرت نہ کرےاپنی عادت سیدھی سادی رکھےسادہ زندگی گزارنے کا عادی رہے۔

	روایت ہے حضرت یوسف ابن عبداللہ ابن سلام سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا پھر اس پر چھوہارا رکھا فرمایا یہ اس کا سالن ہے اور کھالیا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎سیدنا عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں،یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں ان کے یہ صاحبزادہ بھی صحابی ہیں،آپ کا نام حضور انور نے یوسف رکھا،کنیت ابو یعقوب ہے ۱۰۰ھ سو ہجری میں آپ کی وفات ہے،آپ سے تین احادیث مروی ہیں۔

۲؎کھجور کو سالن فرمانا مجازًا ہے یعنی روٹی اس سے کھائی جاسکتی ہے اور یہ مثل سالن کے ہے۔خیال رہے کہ جو سرد خشک ہیں اور کھجور گرم لہٰذا جو کی روٹی کی اصلاح بھی کھجور سے ہوجاتی ہے۔اس حدیث میں صبر وقناعت کی بے مثال تعلیم ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سعد سے ۱؎فرماتے ہیں میں بیمار ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے ۲؎اپنا ہاتھ مرے پستانوں کے بیچ رکھا حتی کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر پائی ۳؎اور فرمایا کہ تم دل کے بیمار ہو حارث ابن کلدہ ثقفی کے پاس جاؤ وہ طبابت کرتے

	ہیں۴؎ وہ مدینہ کی عجوہ میں سے سات عجوہ کھجوریں لیں انہیں معہ گٹھلیوں کے کوٹ لیں اور پھر ان سے تم کو پلادیں ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہاں سعد سے مراد حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جو عشرہ مبشرہ سے ہیں،یہ واقعہ فتح مکہ کے سال کا ہے،اس وقت آپ مکہ معظّمہ میں تھے آپ سخت بیمار ہوگئے تھے۔(مرقات)

۲؎ حضور انور اپنی جائے قیام سے میری جائے قیام پر صرف میری مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے۔معلوم ہوا کہ اپنے خدام کی مزاج پرسی بیمار پرسی کے لیے ان کے گھر جانا سنت ہے۔

۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک قدرتی طور پر قدرے ٹھنڈے تھے جن سے دوسرے کو نہایت خوشگوار ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی،چونکہ حضرت سعد کو دل کی بیماری تھی اس لیے حضور انور نے بیماری کی جگہ ہاتھ رکھا۔معلوم ہوا کہ مرض کی جگہ ہاتھ رکھنا عیادت کے لیے سنت ہے۔**فواد** دل کو بھی کہتے ہیں دل کے پردے کو بھی اور سینہ کو بھی جو دل کا مقام ہے،یہاں غالبًا بمعنی سینہ ہے۔

سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود　　دل کرو ٹھنڈا مراوہ کف پاچاند سا

مبارک ہے وہ بیماری جس میں ایسے تیماردار امت کے غم خوار چل کر مریض کے پاس آویں۔

حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے　　سر بالیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے

اب بھی بعض بزرگوں نے اپنی بیماری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگتے ہوئے زیارت کی ہے کہ حضور نے ان کی تیمارداری و عیادت فرمائی۔سبحان اللہ!

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ کافر طبیب سے علاج کرانا جائز ہے کیونکہ حارث ابن کلدہ مکہ معظّمہ میں مشہور طبیب تھا مگر کافر تھا اس کا اسلام ثابت نہیں۔(اشعۃ اللمعات) مگر حیرت یہ ہے کہ مرقات نے فرمایا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے سال ہوا اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حارث ابن کلدہ شروع اسلام میں فوت ہوا کافر مرا مسلمان نہ ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماہر طبیب سے علاج کرانا چاہیے جو فن طبابت میں مہارت رکھتا ہو ورنہ نیم حکیم خطرہ جان۔اور تجربہ بھی رکھتا ہو یہ کام کرتا بھی ہو۔**یتطیب** سے بہت مسائل حل ہوگئے۔

۵؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ احادیث شریفہ کی تجویز فرمائی ہوئی دوائیں کسی طبیب کی رائے سے استعمال کرنا چاہئیں جو ہمارے مزاج،موسم،دوا کی تاثیر،ہمارے مرض کی کیفیت سے خبردار ہو۔دوسرے یہ کہ بعض دوائیں طبیب ہی کے ہاتھ سے استعمال کرنی چاہیے۔آج ڈاکٹر ہی ٹیکہ تجویز کرتے ہیں وہ ہی لگاتے ہیں،دیکھو حضور انور نے دوا تجویز فرمادی مگر استعمال کے لیے طبیب کے پاس بھیجا۔تیسرے یہ کہ عجوہ کھجور اور اس کی گٹھلی میں بہت فوائد ہیں۔ان سے دل کی دھڑکن،دل کی کمزوری بھی دور ہوتی ہے اور چند فوائد پہلے بیان ہوچکے کہ یہ زہر اور سحر کے لیے مفید ہے۔**لیلدك** بنا ہے **لدٌّ** سے جس کے معنی ہیں بیمار کے منہ میں قطرہ ٹپکانا یا اس کے تالو میں کوئی چیز لیپ دینا جس سے وہ بہ آسانی اسے نگل لے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم تربوز کھجور کے ساتھ کھاتے تھے۔(ترمذی)اور ابوداؤد نے یہ زیادہ فرمایا کہ فرماتے تھے اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے ٹوٹ جائے گی اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے،ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ جس سے تربوز تو کھجور سے میٹھا ہوجاتا اور کھجور تربوز سے تر ہوجاتی تھی،نیز تربوز ٹھنڈا ہے کھجور گرم،دونوں مل کر معتدل ہوجاتے تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ **بطیخ اصغر** خربوزہ کو کہتے ہیں اور **بطیخ اخضر** تربوز کو،یہاں **بطیخ اخضر** یعنی تربوز مراد ہے لیکن تربوز ہی ٹھنڈا ہوتا ہے خربوزہ تو خود گرم ہے۔بعض شارحین نے اس کے معنی خربوزہ کیئے مگر قوی وہ ہی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرانے چھوہارے لائے گئے تو آپ انہیں کریدتے تھے اور اس سے کیڑے نکالتے تھے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ سوکھے اور گھنے ہوئے چھواروں میں کیڑے پڑجاتے ہیں اگر وہ نہ نکالے جائیں تو حلال ہیں اور جب نکال دیئے جائیں تو حرام پھر ان کا حکم مکھی کا سا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر پھل میں کیڑے پڑ جائیں تو پھل حرام نہیں ہوتا،اکثر گولر میں کیڑے بھنگے کی شکل کے پڑ جاتے ہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبوک میں ۱؎ پنیر لایا گیا تو آپ نے چھری منگائی پھر بسم اللہ پڑھی اور کاٹا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ مدینہ منورہ سے خیبر قریبًا ایک سو ساٹھ میل ہے،خیبر سے تبوک پانچ سو میل،یہ شام کے ملک میں واقعہ ہے۔یہ فقیر تبوک کے اوپر سے ہوائی جہاز سے اڑتا ہوا گزرا ہے،خیبر میں حاضری دی ہے،اب بھی تبوک آباد ہے۔غزوہ تبوک مشہور غزوہ ہے،اس میں یہ واقعہ پیش آیا۔تبوک منصرف بھی پڑھا جاتا ہے غیر منصرف بھی۔(مرقات)

۲؎ پنیر کے ٹکڑے اب بھی چھری سے کاٹ کر کھائے جاتے ہیں یہ دہی کی طرح ڈھیلا نہیں ہوتا یعنی حضور انور نے چھری سے کاٹا اور کھایا۔

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی اور پنیر اور حمار وحشی کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا کہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ۲؎ اور جس سے خاموشی فرمائی تو وہ اس میں سے ہے جس سے معافی دی ۳؎(ابن ماجہ،ترمذی)ترمذی نے	

	فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور صحیح تر قول پر یہ حدیث موقوف ہے ۴؎

۱؎ فراء ف کے کسرہ ر کے مدسے بمعنی حمار وحشی،ان تین کے متعلق پوچھا گیا کہ یہ حلال ہیں یا حرام،ان کا کھانا کیسا ہے۔ہماری اردو میں حمار وحشی کو نیل گائے کہتے ہیں، بعض لوگوں نے فراء کے معنی کیے ہیں پوستین کہ اس کا پہنا جائز ہے یا نہیں تب یہ فرد سے بنے گا۔

۲؎ کتابہ سے مراد قرآن مجید ہے اور احل و حرم سے مراد عام ہےخواہ صراحۃً حلال و حرام کیا ہو یا اجمالًا لہذا رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کا حلال ہونا اور سؤر کے گوشت کا حرام ہونا صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہے،ہزارہا حلال و حرام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و حرام کیے جیسے کتا گدھا وغیرہ،یہ قرآن مجید میں اجمالًا موجود ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا"یا فرماتاہے:"وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ"ان آیات نے بتا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دیں وہ لو جس سے منع فرمادیں ان سے باز رہو،یا ہمارے نبی مسلمانوں پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں لہذا حدیث کے تمام حلال و حرام قرآن مجید میں اجمالًا مذکور ہیں۔(ازمرقات مع الزیادۃ)

۳؎ یعنی جن چیزوں کو نہ قرآن کریم نے حلال یا حرام کہا نہ حدیث پاک نے یعنی ان کا ذکر ہی کہیں نہیں وہ حلال ہیں۔یہاں مرقات اور اشعۃ اللمعات اور لمعات نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس سے قرآن و حدیث میں خاموشی ہو وہ حلال ہےآم مالٹا یوں ہی پلاؤزردہ،فرنی،یوں ہی لٹھا ململ۔یوں ہی میلاد شریف و فاتحہ کی شیرینی سب حلال ہیں،کیوں،اس لیے کہ انہیں قرآن و حدیث نے حرام نہیں کیایہ اسلام کا کلی قانون ہے۔

۴؎ اس حدیث کے الفاظ اسناد کے لحاظ سے صحیح ہوں یا ضعیف مگر اس کا مضمون بالکل صحیح ہےکیونکہ اس کی تائید بہت سی آیات قرآنیہ سے ہورہی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ"،الخ"عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا"دیکھو یہاں حدیث میں عفی ہے اور قرآن کریم میں"عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا"ہے اور فرماتاہے:"قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا"الخ،دیکھو اس آیت میں کسی چیز کی حرمت نہ ملنے کو حلال ہونے کی دلیل ٹھہرایا اور فرماتاہے:"وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ"ان مذکورہ حرام عورتوں کے سوا تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں،دیکھو حرام عورتوں کا کیا حرام کی تفصیل نہ کی،حرام چیزیں تو کچھ گنتی کی ہیں باقی کروڑوں چیزیں حلال ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاءالحق میں اور راہِ جنت میں دیکھو جہاں اس مسئلہ کی چند آیتیں اور چند حدیثیں اور فقہاء

کے اقوال جمع کردیئے گئے ہیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بغیر دلیل ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں،حلال کے لیے ثبوت مانگتے ہیں حرام بغیر ثبوت کہہ دیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس شربتی گندم کی سفید روٹی ہوتی جو گھی اور دودھ سے چوپڑی ہوتی ۱؎ تو قوم میں سے ایک صاحب اٹھے انہوں نے یہ تیار کی پھر لائے تو فرمایا یہ گھی کس چیز میں تھا عرض کیا گوہ کے ڈبہ میں ۲؎ فرمایا اسے اٹھالو ۳؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے ۴؎

۱؎ یعنی ہمارا دل چاہتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی گندم کی روٹی ہو گھی میں چُپڑ کر دودھ میں بھگو دی گئی ہو وہ ہم کھائیں۔معلوم ہوا کہ اللہ کی اعلیٰ نعمتیں کھانا یا کھانے کی خواہش کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں نہ معلوم کیا وقت تھا اور کیا رنگ تھا کہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواہش فرمائی۔بعض مسلمان اس حدیث کو دیکھ کر یہ ہی کھانا تیار کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ کرکے مساکین کو کھلاتے ہیں،عشق کے رنگ نیارے۔

۲؎ یعنی جو گھی ان روٹیوں میں چپڑا گیا ہے وہ گوہ کی کھال کے مشکیزہ میں تھا غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھی میں ہلکی سی بو محسوس فرمائی اس لیے پوچھا۔

۳؎ یعنی تم کھالو یا کسی اور کو کھلاؤ ہم ملاحظہ نہ فرمائیں گے۔معلوم ہوا کہ یہ حرام نہ تھا حضور انور کو ناپسند تھا قدرے مہک کی وجہ سے۔

۴؎ یعنی ضعیف اور نامقبول ہے۔اشعۃ اللمعات اور مرقات نے فرمایا کہ ابوداؤد نے اس حدیث کو اس لیے منکر فرمادیا کہ یہ حدیث عادت کریمہ کے خلاف ہے۔حضور اعلیٰ کھانوں کی آرزو کیسے کرسکتے ہیں آپ تو تابعین و متوکلین کے سردار ہیں ہم نے ابھی اس کی وجہ بیان کردی کہ یہ عمل شریف یہاں جواز کے لیے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کھایا ہے،بٹیریں ملاحظہ فرمائی ہیں،جب اعلیٰ نعمتوں کا کھانا تقویٰ کے خلاف نہیں تو ان کی خواہش کرنا خلاف تقویٰ کیونکر ہوگا۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پکائے ہوئے لہسن کھانے سے منع فرمایا ۱؎(ترمذی)

۱؎ مسجد میں آنے والے کو کچی پیاز کچا لہسن کھانا سخت منع ہے ویسے عام حالت میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہی کہ اس کی بو مارکر کھائے۔جب تک حقہ کی بو منہ سے آتی رہے مسجد میں نہ آئے کہ یہ بو لہسن پیاز کی بو سے زیادہ سخت ہے۔

	روایت ہے ابو زیاد سے فرماتے ہیں کہ جناب عائشہ سے

	پیاز کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ آخری کھانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا وہ تھا جس میں پیاز تھی ا(ابوداؤد)

ا پکی ہوئی پیاز ہوگی لہذا یہ حدیث ممانعت کی احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے بسر کے دو سلمی بیٹوں سے افرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور چھوہارے پیش کیے حضور مکھن اور چھوہارے پسند فرماتے تھے ۲(ابوداؤد)

ا ان میں سے ایک کا نام عطیہ دوسرے کا نام عبداللہ ہے،بسراز کے بیٹے ہیں چونکہ یہ دونوں صحابی ہیں لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں تمام صحابہ عادل ہیں۔(مرقات)

۲ اس لیے ہم نے یہ ہی چیزیں بارگاہ عالی میں پیش کیں۔اس کی حکمت پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ چھوہارے اور مکھن کے ملانے میں کیا مصلحت تھی۔

	روایت ہے حضرت عکراش ابن ذویب سے افرماتے ہیں ہمارے پاس بہت ثرید اور گوشت والا پیالہ لایا گیا ۲ تو میں نے اس کے کناروں میں ہاتھ مارا ۳ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے سے کھایا ۴ پھر حضور نے اپنے ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ پکڑ لیا ۵ فرمایا اے عکراش ایک جگہ سے کھاؤ کیونکہ یہ ایک ہی کھانا ہے ۶ پھر ہمارے پاس ایک طباق لایا گیا جس میں قسم قسم کے چھوہارے تھے تو میں اپنے سامنے سے کھانے لگا ۷ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ طباق میں گھومنے لگا ۸ پھر فرمایا اے عکراش جہاں سے چاہو کھاؤ کہ یہ ایک قسم سے زیادہ ہے ۹ پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے اور ہاتھوں کی تری اپنے چہرے اور کہنیوں اور سر پر مل لی ۱۰ اور فرمایا اے عکراش یہ وضو ہے اس سے جسے آگ پکاوے ۱۱ (ترمذی)

ا آپ تمیمی ہیں،بصرہ میں قیام رہا،آپ ہی اپنی قوم کے صدقات لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے۔

۲؎ ثرید کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ گوشت میں بھیگی ہوئی گلائی ہوئی روٹی جس میں بوٹی(شوربا)روٹی یک جان کرلی جائیں۔وذر جمع ہے وذرۃ کی بمعنی گوشت کے ٹکڑے بغیر ہڈی والے یعنی چھوٹی بوٹیاں۔(مرقات،لمعات)

۳؎ یعنی ہر طرف سے کھانا شروع کیا۔خبطب بنا ہے خبط سے بمعنی اونٹ کا چارہ چرنا،چونکہ اونٹ ہر طرف سے کھاتا ہے اس لیے ہر طرف سے کھانے کو خبط کہا جاتا ہے۔

۴؎ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سامنے سے کھانا حضرت عکراش کی تعلیم کے لیے کہ انہیں کھانے کا طریقہ آجائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے کھاسکتے کیونکہ آپ اپنے خادم کے ساتھ کھارہے تھے لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور کے ساتھ حضرت انس کھارہے تھے تو آپ پیالہ میں ہر طرف سے کدوتلاش کرکے کھاتے رہے،وہ عمل بھی تعلیم کے لیے تھا۔معلوم ہوا کہ عالم قولی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کرے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال عملی تبلیغ فرماکر پھر ظہور نبوت کے بعد قولی تبلیغ کی۔

۵؎ کیونکہ حضور انور کا بایاں ہاتھ صاف تھا داہنے ہاتھ میں سالن کا اثر تھا،حضرت عکراش کے داہنے کا اوپر کا حصہ صاف تھا۔

۶؎ اور جب کھانا ایک ہو تو ہر طرف سے کھانا حریص ہونے کی علامت ہے کہ دوسرے کے سامنے بوٹی یا روغن لے کر کھایا جائے لہذا صرف اپنے سامنے سے کھاؤ۔(مرقات)

۷؎ یہ ہے حضور انور کے فرمان پر عمل کہ اب اس طباق میں بھی حضرت عکراش کا ہاتھ گردش نہیں کرتا،ان ہاتھوں پر قربان۔

۸؎ اب ہاتھ شریف کی گردش بھی تعلیم کے لیے تھی کہ اے عکراش ہم کو دیکھو ہم ہر طرف سے کھارہے ہیں تم بھی ہر طرف سے کھاؤ۔

۹؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اگر پھل مٹھائی بھی ایک قسم ہو تو ہر شخص اپنے سامنے سے ہی کھائے،اگر چند قسم کی ہو تو جہاں سے جو چاہے اٹھالے مگر پھر بھی درمیان سے نہ کھائے بلکہ دوسرے کناروں سے کھا سکتا ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ اگر برتن میں اکیلا آدمی ہی کھارہا ہے تب بھی اپنے سامنے سے ہی کھائے کہ یہ ہی سنت ہے جب کہ ایک ہی کھانا ہو۔

۱۰؎ یہ اس لیے کہ اس وقت رومال موجود نہ تھا بیان جواز کے لئے کہ اسی طرح اعضاء پر اپنے تر ہاتھ خشک کر لینا بھی جائز ہے۔خیال رہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے تو انہیں نہ پونچھے اور جب کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے تو پونچھ لے اس میں بڑی حکمت ہے۔

۱۱؎ یعنی وہ جو ہم نے فرمایا ہے کہ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو کرے وہاں وضو سے مراد ہے یہ ہی ہاتھ دھونا کلی کرنا ہے نہ کہ نماز کا وضو۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروالوں کو جب بخار آتا تو آپ سیرے (لپٹا) کا حکم دیتے وہ تیار کیا جاتا پھر انہیں حکم دیتے تو وہ اس سے پیتے۱؎ اور فرماتے کہ یہ	

غمگیں کے دل کو قوت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے تنگی دور کرتا ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے چہرے سے پانی کے ذریعہ میل دور کرتی ہے۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔	

۱؎ حسا جاننے کی چیز کو کہتے ہیں،یہ آٹے،گھی،شکر سے تیار کیا جاتا ہے،اتنا پتلا کہ پیا جاسکتا ہے جسے پنجابی میں سیرا کہتے ہیں،اردو میں لپٹا،عربی میں حسا،یہ نہایت لذیذ نرم اور زود ہضم ہوتا ہے بہت طاقت کی چیز ہے یعنی لپٹا سیرا غمگیں اور بیمار دونوں کے لیے مفید ہے کہ اس سے غم بھی غلط ہوتا ہے اور دل کی کمزوری گھبراہٹ و تنگی جو بیماری سے پیدا ہوتی ہے جاتی رہتی ہے اب بھی اس کا تجربہ ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عجوہ جنت سے ہے اور اس میں شفاء ہے زہر سے ۱؎ اور کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی شفا ہے آنکھ کی لیے ہے ۲؎(ترمذی)۳؎	

۱؎ اس کی شرح ہوچکی ہے یہ تاثیر یا تو ہر عجوہ کھجور میں ہے یا مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور میں،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔حق یہ ہے کہ عجوہ کھجور جنت میں ملے گی اور اس میں جنت کے پھلوں کی سی برکت ہے،اس سے تکالیف بیماری دور ہوتی ہیں اور تندرستی بحال رہتی ہے۔

۲؎ اس کی شرح بھی گزرگئی کہ کھمبی جسے سانپ کی چھتری یا بلی کا پاؤں بھی کہتے ہیں جو برسات کے موسم میں بھیگی لکڑی میں چھتری کی طرح نمودار ہوتی ہے یا تو بنی اسرائیل کا من یہ ہی تھا یا من کی طرح یہ بھی اعلیٰ نعمت ہے جو بغیر محنت ہم کو مل جاتی ہے۔اس کا عرق آنکھ کی بعض بیماریوں میں مفید ہے لہذا کوئی بغیر طبیب حاذق کے مشورہ کے اس کا استعمال نہ کرے،یہ ہی حال تمام احادیث کی دواؤں کا ہے کہ تمام دوائیں برحق ہیں مگر ہم ان کا استعمال طبیب کی رائے سے کریں۔

۳؎ یہ حدیث احمد،ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے اور احمد،نسائی،ابن ماجہ نے ابوسعید خدری اور حضرت جابر سے روایت کی بخاری نے بروایت ابن عباس یہ زیادتی کی کہ عربی مینڈھا سیاہ رنگ کا شفا ہے عرق النساء کو کہ اس کا گوشت مریض کو کھلایا جائے اور اس کا شوربا اسے پلایا جائے۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہمان ہوا ۲؎ تو آپ نے دستی کا حکم دیا وہ بھونی گئی پھر چھری لی پھر اس میں سے میرے لیے چھری سے کاٹنے	

	لگے۳ پھر بلال حضور کو نماز کی اطلاع دینے آئے۴ تو آپ نے چھری ڈال دی فرمایا اسے کیا ہوا اس کے ہاتھ گرد آلود ہوں۵ فرمایا ان کی مونچھیں بڑی تھیں۶ تو مجھ سے فرمایا میں انہیں مسواک پر کتردوں یا تم مسواک پر کترلو۷ (ترمذی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے،آپ خندق کے سال ایمان لائے،صلح حدیبیہ میں حاضر تھے،حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر رہے،بڑے مدبر نہایت عقلمند صاحب الرائے صحابی ہیں،رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی ایک شب میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے گھر بطور مہمان تشریف لے گئے،یہ معنی نہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مہمان اپنا بنایا جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا،یہ پتہ نہیں کہ میزبان کون صحابی تھے۔

۳؎ یا تو صاحبِ خانہ نے اپنے خادم کو یہ حکم دیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ خانہ کو حکم دیا۔اگر میزبان سے بے تکلفی ہو تو مہمان اپنے پسندیدہ کھانوں کی فرمائش کرسکتا ہے کہ وہ گویا اس کا اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔

۴؎ یہ حضور انور کی بندہ نوازی کی شان ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے خدام کے لیے گوشت کاٹتے ہیں۔خیال رہے کہ سکین ہر چھری کو کہتے ہیں مگر **شفرہ** چوڑی اور پرانی چھری کو کہا جاتا ہے۔

۵؎ حضرت بلال ابن ابی رباح کی کنیت شریف ابو عبدالرحمٰن ہے،مزار پرانوار دمشق میں ہے،آپ نے اولاد کوئی نہ چھوڑی۔(مرقات)فقیر نے مزار مقدس پر حاضری دی ہے جس کا ذکر ہمارے سفر نامہ قبلتین میں ہے۔یہ اطلاع دینا علاوہ اذان کے تھا،حضرت بلال اذان کے بعد خصوصی طور پر نماز کے لیے حضور کی خدمت میں عرض کرتے تھے۔

۶؎ یعنی وقت نماز ابھی کافی ہے اور بلال جلدی کررہے ہیں،کھانا کھایا جارہا تھاکہ حضرت بلال نے نماز کے لیے عرض کیا۔عشاء کا وقت بڑا وسیع ہوتاہےاس زمانہ میں جماعت کے لیے گھنٹہ،منٹ مقرر نہ تھے۔

۷؎ کہ مونچھوں کے بال ہونٹ کے کنارہ سے آگے تھے۔یہاں ضمیر بجائے متکلم کے غائب ارشاد ہوئی جیسے ہم اپنے کو کہتے ہیں یہ گنہگار حاضر ہے اور ہوسکتا ہے کہ **شاربہ** کی ضمیر حضرت بلال کی طرف لوٹتی ہو یعنی جناب بلال کی مونچھیں بڑی تھیں۔

۸؎ یعنی یا تو ہم تمہاری مونچھوں کے بڑے بال مسواک پر رکھ کر کاٹ دیں یا تم خود ہی اس طرح ابھی کاٹ لو۔معلوم ہوا کہ حضور انور کو لمبی مونچھیں سخت ناپسند ہیں،ان سے ایسی نفرت ہے کہ گھر جاکر قینچی سے کاٹنے کی اجازت نہ دی بلکہ فرمایا ابھی کاٹ لو یا ہم خود کاٹ دیں،مسلمان اس سے عبرت پکڑیں۔خیال رہے کہ مونچھیں منڈانا بھی منع ہے اور بہت پست کرنا بھی منع بلکہ اتنی کاٹنا کہ ہونٹ کا کنارہ بھی بخوبی کھل جائے۔**اخفاء شارب** کے یہ معنی ہیں اس سے مونچھیں پانی پیتے وقت پانی میں ڈوبتی نہیں۔(مرقات)اس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں حاضر ہوتے تو اپنا ہاتھ نہ لگاتے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس رکھتے اپنا ہاتھ ۱؎ ایک بار حضور کے ساتھ کسی کھانے پر حاضر ہوئے تو ایک لڑکی آئی گویا وہ دھکیلی جارہی ہے ۲؎ وہ اپنا ہاتھ کھانے میں لگانے لگی ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک بدوی آیا گویا دھکیلا جارہا ہے ۴؎ حضور نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لیے کھانا حلال کرتا ہے اس سے کہ کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے ۵؎ وہ اسے لایا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا حلال کرے میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر اس بدوی کو لایا کہ کھانا حلال کرے میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے ۷؎ ایک روایت میں ہے کہ پھر بسم اللہ پڑھی اور کھایا ۸؎ (مسلم)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی بزرگ کے ساتھ دسترخوان پر حاضر ہو تو ان سے پہلے کھانا شروع نہ کرے کہ اس میں بے ادبی ہے۔یہ اس صورت میں ہے کہ سارے کھانے والے بالغ ہوں،ان میں ایک بزرگ باقی خدام لیکن اگر کھانے والے میں کوئی ناسمجھ بچہ بھی ہو تو وہ پہلے کھانا شروع کرسکتا ہے بلکہ اس کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں اور کھانا کھا چکنے پر اس کے ہاتھ پیچھے دھلائے جائیں کیونکہ بچے آہستہ آہستہ کھاتے ہیں،دیر تک کھاتے ہیں اور کھانا سامنے آنے پر زیادہ صبر نہیں کرسکتے۔یہ تمام احکام عالمگیری وغیرہ میں مطالعہ کرو۔

۲؎ جاریہ سے مراد لونڈی نہیں بلکہ چھوٹی بچی ہے جو اتنی تیز دوڑتی آرہی تھی جیسے کسی نے اسے اس طرح دھکا دیا ہو،دھکا کھا کر انسان بہت تیزی سے گرتا ہے۔

۳؎ یعنی ابھی ہم نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اس نے پہلے ہی ہاتھ ڈالنا چاہا بغیر بسم اللہ پڑھے ہوئے درحقیقت اسے شیطان اسی طرح بھگائے ہوئے لارہا ہے۔

۴؎ یہاں بھی یہی حال تھا کہ وہ بدوی صاحب بھی ان حضرات سے پہلے ہی بغیر بسم اللہ پڑھے ہوئے ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے یہاں بھی شیطان ہی کا دھوکا تھا۔

۵؎ یعنی اگر جماعت میں ایک آدمی بھی بغیر بسم اللہ کھانے لگے تو شیطان اس کھانے میں شریک ہوجاتا ہے تم سب کو بسم اللہ پڑھ کر کھاتے شیطان کو ساتھ کھانے کی جرأت نہ ہوتی اس لیے وہ آگے پیچھے ان دونوں کو لایا کہ یہ بغیر

بسم اللہ کھائے اور ان کے ذریعہ شیطان بھی کھائے۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ بچے جو بسم اللہ پڑھ سکیں ضرور بسم اللہ پڑھ کر کھایا کریں ورنہ شیطان کھانے میں شریک ہوگا،ہاں بالکل بے سمجھ بچہ جو صحیح بول نہ سکے اس حکم سے علیحدہ ہے۔

۶؎ تاکہ یوں دونوں میں سے کوئی بغیر بسم اللہ ہاتھ نہ ڈال سکے اور شیطان کو موقع نہ ملے اس کی کوشش بیکار جائے۔

۷؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے بیدھما اس تثنیہ ضمیر کا مرجع وہ لڑکی اور یہ بدوی دونوں ہیں یعنی ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے۔اس نسخہ میں بیدھا ہے جس کا مرجع لڑکی ہے چونکہ پہلے وہ ہی آئی تھی اس لیے اس کا ذکر فرمایا۔اس سے معلوم ہوا جس کے ساتھ یا جس پر شیطان ہو اس کو پکڑ لینے سے وہ شیطان بھی پکڑا جاتا ہے۔بعض عاملین کو دیکھا گیا کہ وہ اس شخص کے بال یا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں جس پر شیطان سوار ہو اس سے خود شیطان قبضہ میں آجاتا ہے،اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے۔

۸؎ ان دونوں نے بھی بسم اللہ پڑھ کر کھایا اور دوسرے حضرات نے بھی۔حضرات صوفیاء چشتیہ فرماتے ہیں کہ قوالی اہل کے لیے حلال ہے نااہل کے لیے حرام،اگر مجمع میں ایک بھی نااہل شریک ہوجائے تو سب کے لیے ممنوع کیونکہ ایک نااہل کی شرکت سے شیطان شریک ہوجاتا ہے اور وہ کام شیطانی بن جاتا ہے،اس قول کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ اگر کھانے والوں کو جماعت میں ایک شخص بھی بغیر بسم اللہ شریک ہوجائے تو شیطان شریک ہوجاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک غلام کو خریدنے کا ارادہ کیااس کے سامنے چھوہارے ڈالے اس نے کھائے تو بہت کھائے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت کھانا نحوست ہےاور اس کی واپسی کا حکم دیا ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی بہت کھانا کفار کی علامت ہے،فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن میں کفر کی علامت ہونا نحوست ہے لہذا اسے واپس کردو۔اس سے معلوم ہوا کہ غلام کا بہت کھانا عیب ہے جس کی وجہ سے اسے واپس کیا جاسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے سالن کا سردار ۱؎ نمک ہے ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں سرداری سے مراد کم خرچ ہونا قناعت کا باعث ہوتا ہے۔

۲؎ بعض تارکین دنیا صرف نمک سے روٹی کھالیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہی حدیث پاک ہے۔مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کھجور،شکر،گھی سے بھی روٹی کھائی جاسکتی ہے مگر نمک سے روٹی کھانا مفید بھی ہے آسان بھی ہے کہ نمک آسانی سے میسر ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ بعض لحاظ سے گوشت سالنوں کا سردار ہے،بعض لحاظ سے سرکہ اور بعض لحاظ سے

نمک لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں گوشت یا سرکہ کو سالن کا سردار فرمایا گیا ہے۔جیسے بعض لحاظ سے حضرت فاطمہ تمام عورتوں کی سردار ہیں،بعض لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہ۔چنانچہ طبرانی نے اوسط میں ابونعیم نے کتاب الطب میں روایت کی کہ دنیا میں سالن کا سردار گوشت ہے،پینے کی چیزوں میں سردار پانی ہے،خوشبوؤں میں سردار قباغیہ ہے۔(مرقات) کھانوں کی لذت نمک سے وابستہ ہے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ زعفران مثقال سے فروخت ہوتا ہے اور نمک احمال (ڈھیروں) سے حالانکہ زعفران سے نمک اعلیٰ ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو کہ یہ تمہارے قدموں کی راحت کا باعث ہے[1]	

[1] یعنی جب تمہارے سامنے کھانے کے لیے کھانا رکھا جائے توجوتے اتار دوجوتا پہن کر کھانا نہ کھاؤ ننگے پاؤں کھانا کھانا مفید بھی ہے اور اس میں کھانے کا ادب بھی۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو اس کے متعلق حکم دیتیں تو ڈھک دیا جاتا حتی کہ اس کے دھوئیں کا جوش جاتا رہتا[1] اور فرماتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ عمل برکت بڑھانے والا ہے [2] (دارمی)	

[1] ثرید کے معنی پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔شوربے میں گلائی ہوئی روٹی یعنی آپ بہت گرم کھانا نہ کھاتی تھیں اور کھانا کھول کر پھونکیں مارکر ٹھنڈا نہ کرتی تھیں بلکہ پکنے کے بعد کچھ دیر ڈھکا رہنے دیتیں جب خود ٹھنڈا ہوجاتا تو کھاتی تھیں۔

[2] یعنی کھانے کا قدرے ٹھنڈا ہوجانا اور پھونکوں سے ٹھنڈا نہ کرنا برکت کا باعث ہے اس لیے کھانے میں بھی تکلیف نہیں ہوتی،دیلمی شریف میں ہے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں۔

روایت ہے حضرت نبیشہ سے فرماتے ہیں [1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پیالہ میں کھائے پھر اسے چاٹ لے تو پیالہ اس سے کہتا ہے کہ تجھے اللہ آگ سے آزاد کرے جیسے تو نے مجھے شیطان سے آزاد کرایا [2] (رزین)	

[1] یہ وہ ہی نبیشہ ہیں جن کا ذکر ابھی کچھ پہلے ہوا جنہیں نبیشہ الخیر کہتے ہیں۔

۲؎ظاہر یہ ہوا کہ پیالہ اپنی زبان میں یہ الفاظ رکھتا ہےصرف زبان حال مراد نہیں۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ سنا ہوا برتن بغیر صاف کیے ہوئے پڑا رہے تو اس سے شیطان چاٹتا ہے،حدیث ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔بعض نے فرمایا کہ کہنے سے مراد ہے زبان حال سے کہنا اور شیطان کے چاٹنے سے مراد کتے بلّوں کا چاٹنا کہ سنے ہوئے برتن کو کتے بلے چاٹتے ہیں اس سے برتن کی توہین ہوتی ہے۔

باب الضیافۃ

دعوت کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ضیافت بنا ہے ضیف سے بمعنی مائل ہونا،اصطلاح میں دعوت کو بھی کہتے ہیں اور مہمان کو بھی اس لیے مہمان کو ضیف کہا جاتا ہے جمع اضیاف۔دعوت اور مہمان دونوں میں کچھ کھانے والے کے آداب ہیں کچھ کھلانے والے کے آداب۔بہتر یہ ہے کہ ہر ایک اپنے آداب و احکام کا خیال رکھیں،یہ احکام و آداب اسی باب میں مذکور ہیں۔بعض وقت دعوت قبول کرنا سنت ہے،بعض وقت مباح،بعض حالات میں مکروہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے ۱اور جو اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے ۲اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا چپ رہے۳ایک روایت میں پڑوسی کے بجائے یوں ہے کہ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے ۴(مسلم،بخاری)	

۱مہمان کا احترام یہ ہے کہ اس سے خندہ پیشانی سے ملے اس کے لیے کھانے اور دوسری خدمات کا انتظام کرے حتی الامکان اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرے،بعض حضرات خود مہمان کے آگے دسترخوان بچھاتے اس کے ہاتھ دھلاتے ہیں یہ اسی حدیث پر عمل ہے،بعض لوگ مہمان کے لیے بقدر طاقت اچھا کھانا پکاتے ہیں وہ بھی اس عمل پر ہے جسے کہتے ہیں مہمان کی خاطر تواضع۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ جو مہمان کی خدمت نہ کرے وہ کافر ہے ۔مطلب یہ ہے کہ مہمان کی خاطر تقاضاء ایمان کا ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری خدمت کر،مہمان کی خاطر مؤمن کی علامت ہے۔خیال رہے کہ پہلے دن مہمان کے لیے کھانے میں تکلف کر،پھر دو دن درمیانہ کھانا پیش کر،تین دن کی بھی مہمانی ہوتی ہے بعد میں صدقہ ہے۔(مرقات)

۲یعنی اس کو تکلیف دینے کے لیے کوئی کام نہ کرے۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے گیارہ حق ہیں:

(۱)جب اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہو اس کی مدد کرو(۲)اگر معمولی قرض مانگے دے دو(۳)اگر وہ غریب ہو تو اس کا خیال رکھو(۴)وہ بیمار ہو تو مزاج پرسی بلکہ ضرورت ہو تیمارداری کرو(۵)مرجائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ(۶)اس

کی خوشی میں خوشی کے ساتھ شرکت کرو(۷)اس کے غم و مصیبت میں ہمدردی کے ساتھ شریک رہو(۸)اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اس کی ہوا روک دو مگر اس کی اجازت سے(۹)گھر میں پھل فروٹ آئے تو اسے ہدیۃً بھیجتے رہو نہ بھیج سکو تو خفیہ رکھو اس پر ظاہر نہ ہونے دو،تمہارے بچے اس کے بچوں کے سامنے نہ کھائیں(۱۰)اپنے گھر کے دھوئیں سے اسے تکلیف نہ دو(۱۱)اپنے گھر کی چھت پر ایسے نہ چڑھو کہ اس کی بے پردگی ہو۔قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے پڑوسی کے حقوق وہ ہی ادا کرسکتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے۔(مرقات)کہا جاتا ہے ہمسایا اور ماں جایا برابر ہونے چاہئیں۔افسوس! مسلمان یہ باتیں بھول گئے۔قرآن کریم میں پڑوسی کے حقوق کا ذکر فرمایا بہرحال پڑوسی کے حقوق بہت ہیں ان کے ادا کی توفیق رب تعالٰی سے مانگئے۔

۳؎ خیر سے مراد یا اچھی بات ہے خواہ واجب ہو یا فرض یا سنت یا مستحب یا ہر مباح بات ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ مباح بات بھی زیادہ نہ کرے تاکہ ناجائز بات میں نہ پھنس جائے۔تجربہ ہے کہ زیادہ بولنے سے اکثر ناجائز باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں۔مشہور مقولہ ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا جو سلامت رہا وہ نجات پا گیا۔فی صدی پچانوے گناہ زبان سے ہوتے ہیں اور پانچ فی صدی گناہ دوسرے اعضاء سے۔مطلب یہ ہے کہ مؤمن کامل وہ ہے جو بھلی بات منہ سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔خیال رہے کہ بات ہی ایمان ہے،بات ہی کفر،بات ہی مقبول ہے،بات ہی مردود۔

۴؎ یعنی اپنے ذی رحم قرابتداروں کے حقوق ادا کرے۔ذی رحم وہ عزیز ہے جس کا رشتہ ہم سے نسبی ہو۔محرم وہ ہے جس سے نکاح کرنا حرام ہو،لہذا داماد محرم ہے ذی رحم نہیں اور چچا زاد بھائی ذی رحم ہے محرم نہیں اور سگا بھائی بھتیجا ذی رحم بھی ہے اور محرم بھی،یہاں ذی رحم عزیز مراد ہیں خواہ محرم ہوں یا نہ ہوں اگرچہ ساس،سسر،بیوی کے حقوق بھی ادا کرنا ضروری ہے مگر ان کو صدرحمی نہیں کہتے۔یہ حدیث،طبرانی،ترمذی جامع صغیر وغیرہ میں اور طریقوں سے وارد ہوئی ہے جس میں علامات ایمان اور بہت چیزیں ارشاد ہوئیں۔

روایت ہے حضرت ابوشریح کعبی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے ۲؎ اس کی مہمانی ایک دن رات ہے ۳؎ اور دعوت تین دن ہے اس کے بعد وہ صدقہ ہے مہمان کو یہ حلال نہیں کہ اس کے پاس ٹھہرا رہے حتی کہ اسے تنگ کردے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کا نام خویلد ابن عمرو ہے،عدوی ہیں،قبیلہ بنی کعب سے ہیں،فتح مکہ کے دن بنی کعب کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا،مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲؎ ہمارا مہمان وہ ہے جو ہم سے ملاقات کے لیے باہر سے آئے خواہ اس سے ہماری واقفیت پہلے سے ہو یا نہ ہو۔جو ہمارے اپنے ہی محلّہ یا اپنے شہر میں سے ہم سے ملنے آئے دوچار منٹ کے لیے وہ ملاقاتی ہے مہمان نہیں اس کی

خاطر تو کرو مگر اس کی دعوت نہیں ہے اور جو ناواقف شخص اپنے کام کے لیے ہمارے پاس آئے وہ مہمان نہیں جیسے حاکم یا مفتی کے پاس مقدمہ والے یا فتویٰ والے آتے ہیں یہ حاکم کے مہمان نہیں۔

۳؎ حضرت لیث اس کی بناء پر فرماتے ہیں کہ مہمان کو ایک شب کھانا کھلانا واجب ہے اگر نہ کھلائے گا تو گنہگار ہوگا۔جائزہ کے معنی ہیں عطیہ ہدیہ،اس کی جمع ہے جوائز جیسے فاضلہ کی جمع فواضلہ یعنی مہمان کا مضبوط و پختہ حق۔

۴؎ اگر صاحب خانہ خود ہی بخوشی روکے تو رک جانے میں حرج نہیں لیکن اس پر تنگی ہو اور مہمان ڈٹا رہے یہ بے غیرتی بھی ہے اور مسلمان کو تنگ کرنا بھی یہ ممنوع ہے۔یہ قوانین آج عیسائیوں نے اختیار کرلیے ہیں،انکے ہاں مہمان پہلے ہی خط لکھ دیتا ہے کہ میں اتنے روز کے لیے آپ کے ہاں آرہا ہوں،پھر جب وہ دن گزر جاتے ہیں اور یہ مہمان کسی وجہ سے ٹھہرتا ہے تو صاحبِ خانہ کو ان زائد دنوں کا بل ادا کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ ہم کو بھیجتے ہیں ۱؎ تو ہم ایسی قوم پر اترے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتی تو حضور کیا حکم دیتے ہیں ۲؎ تب ہم سے فرمایا کہ اگر تم کسی قوم پر اترو پھر وہ تمہارے لیے وہ دیں جو مہمانوں کے لیے مناسب ہے تو قبول کرلو ۳؎ اگر نہ کریں تو ان سے مہمان کا وہ حق لے لو جو مہمانوں کو مناسب ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ جہاد کے لیے یا کسی جگہ نمائندہ بناکر نمائندگی کرنے کے لیے۔

۲؎ یعنی راستے میں منزل بہ منزل ٹھہرتے ہوئے جاتے ہیں ہم کو کھانے پینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے،وہاں کے باشندے بے مروتی کرتے ہوئے ہماری بات بھی نہیں پوچھتے۔

۳؎ ضیف واحد و جمع دونوں کو کہا جاتا ہے،قرآن کریم میں ہے "ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ"۔

۴؎ یہ فرمان عالی تو اس کافر قوم کے متعلق ہے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوتا تھا کہ ہماری فوج کو تمہیں راشن دینا ہوگا،اب اگر وہ یہ وعدہ پورا نہ کریں تو جبرًا پورا کرایا جائے یا حالت مخمصہ کا ذکر ہے جب کہ مسافر بھوک سے مررہا ہو تو جبرًا دوسرے سے مال لےکر بقدرضرورت کھاسکتا ہے،ورنہ دوسرے کا مال بغیر اس کی رضا مندی استعمال کرنا جائز نہیں۔(مرقات)لہذا یہ حدیث اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوٰلَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبٰطِلِ" نہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں ڈکیتی اور کسی کا مال چھین لینے سے منع فرمایا گیا۔بعض نے فرمایا کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب کہ امیروں پر فقیروں کی دستگیری واجب،بعض شارحین نے فرمایا کہ ایک دن کی مہمانی میزبان پر واجب ہے،وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں مگر جمہور کا یہ قول نہیں

اور ان شارحین کا یہ استدلال کمزور ہے،اگر مہمانی واجب بھی ہو تو یہ جبرًا اس سے وصول کرنا کیسے درست ہوا،زکوۃ دینا مالداروں پر فرض ہے مگر فقراء کو حق نہیں کہ ان کا مال جبرًا چھین لیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یا ایک رات باہر تشریف لائے تو اچانک ابوبکر و عمر تھے ۱؎ فرمایا اس گھڑی تم دونوں کو اپنے گھروں سے کس چیز نے نکالا عرض کیا بھوک نے ۲؎ فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے بھی اس نے نکالا جس نے تم کو نکالا ۳؎ اٹھو چنانچہ وہ حضور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ۴؎ ایک انصاری صاحب کے ہاں گئے ۵؎ تو وہ اپنے گھر میں نہ تھے جب حضور کو ان کی بیوی نے دیکھا بولیں خوش آمدید اھلًا ۶؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں کہاں ہیں ۷؎ بولیں ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں ۸؎ اتنے میں انصاری صاحب آگئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا بولے اللہ کا شکر ہے ۹؎ آج مجھ سے بہتر مہمانوں والا کوئی نہیں ۱۰؎ پھر وہ چلے تو ان کی خدمت میں ایک بڑا خوشہ لائے جس میں کچے خشک و تر کھجوریں تھیں عرض کیا اس سے کھایئے ۱۱؎ اور چھری لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ والی سے الگ رہنا ۱۲؎ پھر انہوں نے ان حضرات کے لیے بکری ذبح کی ان صاحبوں نے بکری اور اس خوشہ سے کھایا پانی پیا ۱۳؎ پھر جب سیر ہوگئے اور پانی سے سیراب ہوئے ۱۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکر و عمر سے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم سے ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا قیامت کے دن ۱۵؎ کہ تم کو تمہارے گھروں سے بھوک نے نکالا پھر تم واپس نہ ہوئے حتی کہ تم کو یہ نعمتیں مل گئیں ۱۶؎ (مسلم) ۱۷؎ اور حضرت ابومسعود کی حدیث کان رجل من الانصار باب الولیمۃ میں ذکر کی	

	گئی ۱۸؎

۱؎ بعض روایات میں ہے کہ یہ وقت دوپہر کا تھا۔(اشعہ)
۲؎ ان حضرات کا اس وقت اپنے گھروں سے نکل پڑنا نہ تو کسی سے کچھ مانگنے کے لیے تھا نہ کہیں دعوت میں جانے کے لیے بلکہ وجہ یہ تھی کہ سخت بھوک میں کسی عبادت میں دل نہیں لگا کرتاایسی حالت میں عبادت کرنا ایسے ہی ممنوع ہے جیسے پیشاب پاخانہ کی سخت حاجت میں عبادت مکروہ ہے اس لیے یہ حضرات اپنی عبادات نوافل ترک کرکے دل بہلانے باہر آگئے۔(مرقات)
۳؎ یعنی ہم بھی اس وقت اس وجہ سے باہر تشریف لائے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنی تکلیف کو کسی پر ظاہر کرنا جب کہ ناشکری یا گھبراہٹ کے اظہار یا بے صبری کے لیے نہ ہو جائز ہے۔(مرقات)ان دونوں بزرگوں کا حضور کی خدمت میں بھوک کی شکایات کرنا ایسا ہے جیسے اولاد کا ماں باپ سے بھوک کی شکایت کرنا اور حضور انور کا یہ فرمان ان بزرگوں کی تسکین اور صبر کے لیے ہے یعنی دیکھو ہم کو بھی بھوک ہے مگر صبر بھی ہے۔خیال رہے کہ ان حضرات کا اس موقعہ پر کمانے کے لیے نہ جانا حتی کہ بھوک نے پریشان کردیا دینی کام میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے تھا جو کمائی سے زیادہ اہم تھاورنہ وہ دونوں حضرات معاش کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ یہ حضرات حضور کا دیدار کرکے سیر ہوجاتے تھے ان کی بھوک جاتی رہتی تھی جیسے قحط کے زمانہ میں مصری لوگ جمال یوسفی دیکھ کر سیر ہوجاتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)
۴؎ دو کے لیے جمع فرمانا یا مجازاً ہے یا کبھی دو کو جمع بول دیتے ہیں۔
۵؎ یہ خوش نصیب صحابی حضرت مالک ابن تیہان ہیں۔کنیت ابو الہیثم انصاری ہیں جو بڑے وسیع باغ بہت بکریوں کے مالک تھے،چونکہ اس مہمانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل تھے یہ دونوں حضرات حضور کے تابع تھے اس لیے اتی صیغہ واحد ارشاد ہوا۔
۶؎ اہل عرب مہمان کو دیکھ کر یہ الفاظ کہتے ہیں جیسے انگریزی میں ویل کم،فارسی میں خوش آمدید۔
۷؎ یعنی تمہارے خاوند کہاں ہیں۔معلوم ہوا کہ کبھی اپنے دوست یا خادم کے گھر خود مہمان بن جانا بھی جائز ہے مہمان کے لیے صاحبِ خانہ کا بلانا ضروری نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مالک مکان گھر میں نہ ہو تو اسکے بال بچوں کے پاس انتظار کے لیے بات چیت کرنا درست ہے جب کہ ضرورۃً ہو بغیر خلوت کے ہو۔
۸؎ یعنی ہمارے باغ میں پانی ہے مگر قدرے کھاری ہے باغ سے کچھ فاصلہ پر میٹھے پانی کا کنواں ہے وہاں سے پینے کے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔
۹؎ شمائل ترمذی میں ہے کہ یہ بات ہو رہی تھی کہ مالک ابن تیہان یعنی صاحب باغ بھی آگئے پانی کا برتن زمین پر رکھ کر حضور سے لپٹ گئے میرے ماں باپ فدا۔شعر

زشان و شوکت سلطان نہ گشت چیزے کم ز التفات بمہماں سرائے مسکینے
کلاہ گوشہ مسکین بہ آفتاب رسید کہ سایہ برسرش افگندچوں تو سلطانے

اس میں حضرت مالک ابن تیہان کی اس عظمت کا ظہور ہے کہ سبحان اللہ! حضور انور نے ان کے گھر کو اپنا تصور فرماکر وہاں تشریف ارزانی فرمائی۔خیال رہے کہ آپ بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک ہوئے،بارہ نقیبوں میں آپ بھی تھے،بدرواحد اور تمام غزوات میں شریک رہے۔

۱۰؎ یعنی آج معراج کا دولہا عرش اعظم کا مہمان میرے گھر کیسے کرم فرما ہوگیا،میں اپنے مقدر پر جس قدر ناز کروں کم ہے،آج میرا باغ رشک خلد بریں بلکہ رشک عرش بریں ہے۔

۱۱؎ فورًا چادر بچھائی بڑا سا خوشہ کھجور کا حاضر لائے۔بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے فرمایا صرف رطب کھجوریں ہی کیوں نہ لائے،عرض کیا کہ میں ہر قسم کی کھجوریں حاضر لایا ہوں تاکہ جو پسند خاطر ہو وہ ملاحظہ کریں۔

۱۲؎ یعنی دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔بعض بزرگ دودھ والی گائے بکری بھینس کی قربانی نہیں کرتےان کا ماخذ یہ حدیث ہے اگرچہ فرمان عالی بطور مشورہ تھامگر حضور کے مشورہ پرعمل بھی بہت ہی اچھا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کو پہلے کچھ پھل کھلانا پھر کھانا پیش کرنا سنت صحابی ہے،بعد کھانے کے پھل پیش کرنا بھی سنت ہے جس کی روایات گزرچکیں۔

۱۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور نے دوبارہ کھجوریں کھائیں۔کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی۔

۱۴؎ نووی نے فرمایا کہ شکم سیر کو کھانا پینا جائز ہے جن احادیث میں اس سے ممانعت آتی ہے وہاں ہمیشہ سیر ہوکر کھانا مراد ہے۔

۱۵؎ کہ تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالٰی نے بھوک و پیاس کی حالت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائیں۔ لتسئلن مخاطب کے صیغہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حساب نہ لیا جائے گا کہ حضور کا ہر عمل تعلیم و تبلیغ کے لیے تھا آپ کا حساب نہیں بلکہ بلا حساب اجروثواب بے حساب عطا ہوگا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۶؎ یعنی قیامت میں تم سے سوال یہ ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا یا نہیں اگر کیا تو وہ کیا تھایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے سوال یہ ہوگا کہ ہماری فلاں فلاں نعمتیں تم نے کھائیں یا نہیں۔غرضیکہ سوال توبیخ اور ہے سوال تعداد کچھ اور مرقات نے یہ دوسرے معنی اختیار فرمائے کہ یہ سوال سوال احترام ہوگا ناکہ سوال توبیخ کہ سوال توبیخ یا کفار سے ہوگا یا غافلوں ناشکروں سے۔

۱۷؎ اس حدیث کا تتمہ بھی عنقریب آرہا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم سے فرمایا کہ جب ہمارے پاس غلام آویں تو تم آنا ہم تم کو ایک غلام عطا فرمائیں گےکچھ روز بعد دو غلام حضور کی بارگاہ میں لائے گئےتب ابو الہیثم حاضر بارگاہ ہوئے حضور انور نے فرمایا ان میں سے ایک لے لو۔عرض کیا حضور آپ ہی انتخاب فرماکر ایک عطا فرمادیں فرمایا لے جاؤ یہ نمازی ہے اس سے برتاؤ اچھا کرنا۔چنانچہ ابوالہیثم اس غلام کو گھر لائے اور اسے آزاد کردیا۔

۱۸؎ یعنی ابو مسعود کی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے باب الولیمۃ میں نقل کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کسی قوم کا مہمان ہو پھر مہمان محروم رہے تو ہر مسلمان پر اس کی مدد کرنا لازم ہے ۱؎ یہاں تک کہ وہ اپنی مہمانی اس کے مال اور کھیت سے حاصل کرے ۲؎ دارمی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے پھر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اپنی مہمانی کی مقدار لے لے۔	

۱؎ اس طرح کہ میزبان اسے مہمان نہ بنائے اسے کھانا نہ دے تو اس کے پڑوس کے مسلمان اس میزبان کو سمجھا بجھا کر یا برا بھلا کہہ کر اس سے کھانا دلوادیں۔

۲؎ یعنی اگر سمجھانے بجھانے پر بھی میزبان اس مہمان کا حق نہ دے تو دوسرے مسلمان اس مہمان کی مدد کریں کہ وہ میزبان کے مال و کھیت میں سے ایک دن کے کھانے کے بقدر وصول کرے۔اس حدیث کے دو ہی مطلب ہیں جو ابھی کچھ پہلے حضرت عقبہ ابن عامر کی روایت کی شرح میں عرض کیے گئے کہ یہ مہمان سے مراد مسلمان مہمان اور میزبان سے مراد ہے وہ کافر جماعت جس سے اس شرط پر صلح کی گئی تھی کہ ہمارے مسلمان مہمان کو کھانا دیا کریں یا وہ مہمان مراد ہے جو بھوک سے مررہا ہو دوسرے کے پاس کھانا ہو وہ اسے مرتے ہوئے دیکھے اور کھانا نہ دے ایسی مجبوری میں وہ جبرًا اس کے مال سے کھاسکتا ہے ورنہ بغیر ان حالات کے کسی کا مال جبرًا لینا جائز نہیں۔حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام انطاکیہ والوں پر گئے تو انہوں نے میزبانی نہ کی تو ان بزرگوں نے ان سے کچھ جبرًا وصول نہ کیا جیساکہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالاحوص جشمی سے ۱؎ وہ اپنے باپ سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے تو اگر میں کسی شخص پر گزروں تو نہ وہ میری مہمانی کرے نہ مجھے دعوت دے پھر وہ مجھ پر اس کے بعد گزرے تو میں اسے مہمان بناؤں یا بدلہ لوں فرمایا بلکہ مہمان بناؤ ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام عوف ابن مالک ابن نفر ہے،تابعی ہیں،حضرت عبداللہ ابن مسعود کے ساتھیوں میں سے ہیں،حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ رہے اور قتال خوارج میں شہید ہوئے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی اگر اس نے تمہارے ساتھ بے مروتی کی ہے تم اس سے بے مروتی نہ کرو،برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو،اس کو حق مہمانی دو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ"۔شعر

بدی رابدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء

	روایت ہے حضرت انس یا ان کے سوا سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن عبادہ کے ہاں اجازت چاہی تو فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو حضرت سعد نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ سنایا حتی کہ حضور نے تین بار سلام کیا ۲؎ اور حضور کو سعد نے جواب دیا سنایا نہیں ۳؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوگئے ۴؎ تو جناب سعد حضور کے پیچھے گئے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ۵؎ حضور نے کوئی سلام نہ کیا مگر وہ میرے کان میں پہنچا اور میں نے حضور کا جواب دیا آپ کو نہ سنایا میں نے چاہا کہ آپ کا سلام اور برکت زیادہ حاصل کرلوں ۶؎ پھر وہ سب گھر میں آئے حضور کی خدمت میں کشمش پیش کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھالی ۷؎ پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تمہارا کھانا نیکوں نے کھایا ۸؎ تم پر فرشتوں نے دعاء رحمت کی ۹؎ اور تمہارے پاس روزہ داروں نے افطاری کی ۱۰؎(شرح السنہ)

۱؎ بعض روایات میں ہے عن انس بغیر شک و تردد کے۔

۲؎ ملاقات کو جانے والا تین بار سلام کرے:ایک سلام اجازت،دوسرا سلام ملاقات،تیسرا سلام رخصت۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سلام اجازت کے دروازے کے باہر سے کہے تاکہ صاحبِ خانہ اندر آنے کی اجازت دیں حضرت سعد نے جواب دیا مگر آہستہ کہ حضور اقدس تک آواز نہ پہنچے جس کی وجہ آگے آرہی ہے کہ انہوں نے اس بہانہ سے حضور کے سلام بار بار لینے کی کوشش کی۔

۳؎ خیال رہے کہ یہاں حضرت سعد کے سنانے کی نفی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سننے کی نفی نہیں یعنی حضرت سعد نے اتنی پست آواز سے جواب دیا جو سننے کے قابل نہ تھا ورنہ حواس انبیاء بہت قوی ہوتے ہیں وہ حضرات تو خطرات قلبی کو محسوس فرمالیتے ہیں۔حضرت سلیمان نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی تھی جیساکہ

قرآن مجید میں ہے تو کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کی پست آواز نہ سن سکیں مگر شرعی احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں اس لیے سرکار واپس ہوگئے۔

۴؎ کیونکہ شرعی حکم یہ ہے کہ تین بار اجازت مانگنے پر جواب گھر میں سے نہ آئے تو واپس ہوجاؤ یہاں اس مسئلہ کا اظہار مقصود تھا۔

۵؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ لفظ میرے ماں باپ آپ پر فدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے یعنی امتی صرف حضور سے ہی یہ عرض کرسکتا ہے یا اگر حضور اپنے کرم سے کسی امتی سے فرمادیں تو فرماسکتے ہیں جیسے حضور نے سعد ابن ابی وقاص سے فرمایا ارمِ یاسعد فداك ابی وامی اے سعد تیر چلائے جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔اب ہم حضور کے سواکسی سے یہ نہیں کہہ سکتے۔(مرقات) یہ کلمہ انتہائی محبت کا ہے مسلمانوں کو انتہائی محبت حضور سے چاہیے۔

۶؎ خیال رہے کہ سلام کا جواب اتنی آواز سے دینا فرض ہے جسے سلام کرنے والا سن سکے لیکن یہاں تو وجہ ہی کچھ اور تھی کہ حضرت سعد نے جواب پست آواز میں دیا،اگر ترک فرض سے ایسی برکت حاصل ہوجائے تو ایسے ترک فرض پر ہزار ہا فرض قربان۔حضرت ام ہانی نے حضور کا پیا ہوا پانی پایا تو روزہ توڑدیا دیا اور وہ متبرک پانی پی لیا وہ سمجھیں کہ روزہ کی قضا کر لوں گی مگر یہ پانی مجھے کہاں ملے گا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد پر اعتراض نہ فرمایا۔(از مرقات و اشعۃ اللمعات) شعر

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس لیے فرمایا ومن البرکۃ۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام حضور کا سلام حضور کی دعائیں لینے کے لیے بہانہ تلاش کرتے۔آج مسلمانوں کا یہ پڑھنا یانبی سلام علیك بہانہ ہے جواب سلام حاصل کرنے کا،حضور انور کا میلاد شریف پڑھنا حضور کے نام پر صدقہ و خیرات کرنا بہانہ ہے حضور کی دعائیں لینے کا،قرآن کریم فرماتاہے:"وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ" الخ "وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ" یعنی دیہاتی اپنی خیراتوں کو ذریعہ بناتے ہیں اللہ سے قرب کا اور رسول کی دعائیں لینے کا یہ بہانہ بڑی مبارک چیز ہے۔

۷؎ بعض روایات میں ہے کہ روٹی اور کشمش پیش کی حضور انور نے کشمش سے روٹی ملاحظہ فرمائی۔(مرقات)

۸؎ یہ جملہ دعا ہے یا خبر یعنی تمہارا کھانا خدا کرے ہمیشہ ابرار کھائیں فساق،فجار نہ کھائیں یا خبر ہے،چونکہ حضور انور سید الابرار ہیں اس لیے حضور انور کا کھانا گویا جہان بھر کے ابرار کا کھانا ہے۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما سکتے ہیں ہم اپنے کو کس منہ سے ابرار کہیں،خدا تعالٰی ہم گنہگاروں نابحاروں کو ابرار کی غلامی نصیب فرمادے۔

۹؎ یہ بھی دعا ہے یا خبر یعنی خداکرے ہمیشہ تمہارے لیے فرشتے دعائیں کرتے رہیں یا ہمارے کھانے سے فرشتوں نے تمہارے لیے دعائیں کیں۔معلوم ہوا کہ حضور انور کا کسی کا کھانا ملاحظہ فرمانا فرشتوں کی دعا کا ذریعہ ہے۔(مرقات)

۱۰؎ یہ جملہ دعائیہ ہے یعنی خدا کرے تمہارے کھانے سے روزہ دار افطار کیا کریں تمہارا کھانا اس راہ میں خرچ ہوا کرے کیونکہ اس وقت حضور انور کا نہ تو روزہ تھا نہ یہ وقت افطار کا تھا،بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور کا روزہ تھا جو حضرت سعد کی خاطر توڑ دیا گیا مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ روزہ توڑنے کو افطار نہیں کہتے۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مؤمن اور ایمان کی مثال گھوڑے کی سی ہے اپنی رسی میں جو گھومتا ہے پھر اپنی رسی کی طرف لوٹ آتا ہے ۱؎ اور مؤمن بھول جاتا ہے پھر ایمان کی طرف لوٹ آتا ہے ۲؎ تو تم اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ اور نیکو کار مؤمنوں کو ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)ابو نعیم فی الحلیۃ

۱؎ آخیہ اس لمبی رسی کو کہتے ہیں جس کا ایک کنارہ میخ میں بندھا ہوا دوسرا گھوڑا کے پاؤں میں ہو درمیان رسی کو زمین میں دبادیا ہو،اگر گھوڑا کھل جاوے تو گھوم پھرکر پھر اپنے تھان پر آجاتا ہے اس رسی کو اردو میں تھان کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی مؤمن بھی بھول چوک میں گناہ کے آس پاس گھوم آتا ہے پھر رحمت خداوندی دستگیری کرتی ہے اور اپنے ٹھکانے پر آجاتا ہے توبہ کرلیتا ہے۔شعر

تال سوکھ پربھٹ ہوا اور ہنسا کہیں نہ جائیں　　باندھیں پچھلی پربت کے اور کنکر چن چن کھائیں

خیال رہے کہ جیسا بھاگا ہوا گھوڑا جب واپس آتا ہے تو مالک اسے نکالتا نہیں فورًا باندھ لیتا ہے یوں ہی ہم جیسے بھگوڑے گنہگار بندے جب بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں تو وہ رب کریم ہم کو فورًا قبول فرمالیتا ہے نکالتا نہیں مگر شرط یہ ہی ہے کہ تعلق اس سے قائم رکھیں۔

۳؎ یعنی کوشش کرو کہ تمہارا کھانا اللہ کے نیک بندے کھائیں تاکہ تم کو نیکی کی طرف رجوع کرنے کی جلد توفیق ملتی رہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جسے چار آدمی اٹھاتے تھے جسے غراء کہا جاتا تھا ۲؎ تو جب چاشت پڑھ لیتے تو یہ پیالہ لایا جاتا تھا اس میں ثرید بنایا ہوا ہوتا تھا ۳؎ لوگ اس پر جمع ہوجاتے تھے پھر جب زیادہ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ گئے ۴؎ تو ایک بدوی نے کہا یہ بیٹھک کیسی ہے ۵؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے کرم والا بندہ بنایا ہے

	اور مجھے سرکش متکبر نہیں بنایا ٦؎ پھر فرمایا کہ اس کے کناروں سے کھاؤ درمیان کو چھوڑ دو اس میں برکت دی جائے گی ۷؎ (ابوداؤد)

١؎ آپ سلمٰی مازنی ہیں،آپ خود اور آپ کے والد بسر،والدہ عطیہ اور بھائی بہن سب صحابیہ وصحابی ہیں،شام میں مقام حمص میں رہے،وہاں وضو کرتے ہوئے اچانک فوت ہوئے سنہ ۸۸ء اٹھاسی ہجری میں،آپ شام کے آخری صحابی ہیں۔

٢؎ غراء مؤنث ہے اغرہ کا بمعنی روشن چمکدار۔

٣؎ اکثر یہ ثرید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتا تھا ان تمام نمازیوں کے لیے جو نماز اشراق یا چاشت پڑھتے پھر حاضر ہوتے،مشائخ کرام کے درباریوں کے لنگروں کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔یہ حضور کا لنگر تھا کبھی صحابہ کرام بھی اس پیالے میں اپنے کھانے شامل کردیا کرتے تھے جیساکہ بعض احادیث میں ہے جیسے آج بعض اہل توفیق بزرگوں کے لنگر کے لیے کچھ نذرانہ پیش کردیتے ہیں اس کی اصل بھی یہ ہی حدیث ہے،اب بھی ماہ رمضان میں بعض اہل مدینہ افطار سحری کے وقت مسجد نبوی شریف میں لنگر لگاتے ہیں اور بعض اہلِ خیر اس لنگر میں کچھ چندہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں،میں نے خود جناب الحاج غلام حسین مدنی کے لنگر میں سحریاں کھائی ہیں،اللہ پھر نصیب کرے۔

٤؎ یعنی لوگ اتنے زیادہ ہونے لگے کہ جگہ تنگ ہوگئی حضور انور نے اس تنگی کی وجہ سے اکڑوں کھانا کھایا مگر الگ کھانا منظور نہ فرمایا سب کے ساتھ ہی کھایا یہ ہے کرم کریمانہ۔شعر

عجز اللہ رے تمہارا کہ شہ کل ہو مگر   زندگی تم نے غریبوں میں گزاری ساری

٥؎ ان بدوی صاحب نے متکبرین کے طور طریقے دیکھے تھے کہ وہ نشست و برخاست میں بڑی شان و شکوہ ظاہر کرتے ہیں،وہ حضور انور کی یہ سادگی دیکھ کر حیران رہ گئے تعجب سے پوچھا کہ اللہ اکبر یہ شان اور یہ عجز و انکسار اور تواضع۔

٦؎ یعنی مجھے اللہ تعالٰی نے کریم سخی و بندہ بنایا ہے۔میں چاہتا ہوں کہ میری ہر ادا سے میری بندگی ظاہر ہو اور یہ بیٹھک اظہار بندگی کے لیے بہت ہی مناسب ہے دوسری نشستیں بڑائی ظاہر کرتی ہیں۔

۷؎ یعنی اے میرے ساتھیو! پیالہ کے کناروں سے اپنے اپنے آگے سے کھاؤ بیچ پیالہ سے نہ کھاؤ کہ بیچ پیالہ میں برکت اترتی ہے وہاں سے کناروں تک پہنچتی ہے،اگر تم نے بیچ سے کھانا شروع کردیا تو وہاں برکت آنا بند ہو جائے،غرضیکہ برکت اترنے کی جگہ اور ہے اور برکت لینے کی جگہ کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت وحشی ابن حرب سے وہ اپنے والد سے راوی وہ اپنے دادا سے ١؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے ٢؎ فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو عرض کیا ہاں ٣؎ فرمایا اپنے کھانے پر جمع

	ہوجایا کرو اور اللہ کا نام لو تم کو اس میں برکت دی جائے گی ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ان کا نام وحشی ابن حرب ابن وحشی ابن حرب ہے،یہ وحشی تابعین سے ہیں اور ان کے دادا وحشی ابن حرب وہ ہی ہیں جنہوں نے زمانہ کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا،پھر زمانہ اسلام میں خلافت صدیقی میں مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کیایعنی وحشی نے اپنے باپ حرب سے روایت کی اور حرب نے اپنے باپ وحشی سے روایت کی جو کہ ان راوی وحشی کے دادا ہیں،ان وحشی صحابی کے بہت سے بیٹے ہیں یعنی حرب،اسحاق وغیرہم۔(مرقات و اشعہ)

۲؎یعنی ہم کھاتے زیادہ ہیں اور سیری کم ہوتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو قناعت اور قوۃ علی الطاعۃ نصیب ہو وہ کم میسر ہوتی ہے۔

۳؎یعنی گھر والے ایک ایک کرکے الگ الگ کھاتے ہیں جمع ہوکر ایک ساتھ نہیں کھاتے۔سبحان اللہ!یہ ہے مرض کا بیان ہے اور یہ ہے حکیم مطلق کی تشخیص اور پہچان۔

۴؎ یہ ہے ان حکیم مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج فرمانا کہ جمع ہوکر ایک ساتھ کھانے میں برکت ہے۔خیال رہے کہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا"یعنی تم پر گناہ نہیں مل کر کھاؤ یا الگ الگ کیونکہ آیت کریمہ میں الگ الگ کھانے کے جواز کا ذکر ہے اور اس حدیث پاک میں مل کر کھانے کے استحباب کا تذکرہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو عسیب سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے مجھ پر گزرے تو مجھے بلایا میں نکل آیا پھر جناب ابوبکر پر گزرے انہیں بلایا وہ بھی آپ کے پاس آگئے پھر حضرت عمر پر گزرے تو انہیں بلایا وہ بھی نکل آئے تب چلے ۲؎حتی کہ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے ۳؎تو باغ والے سے فرمایا ۴؎ہم کو کچی کھجوریں کھلاؤ ۵؎وہ ایک خوشہ لائے اس کو رکھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے کھایا پھر ٹھنڈا پانی منگایا وہ پیا ۶؎پھر فرمایا ان نعمتوں کے متعلق تم سے قیامت کے دن سوال ہوگا ۷؎راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے خوشہ لیا اسے زمین پر مارا حتی کہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف جھڑ گئیں پھر عرض کیا یارسول اللہ ہم قیامت کے دن اس کے متعلق پوچھے جائیں گے ۸؎ فرمایا ہاں بجز تین چیزوں کے ۹؎ وہ چیتھڑا جس سے انسان اپنا ستر لپیٹ لے،وہ ٹکڑا روٹی کا جس سے اپنی بھوک دفع کرے،وہ سوراخ جس میں سردی گرمی سے بہ تکلف داخل ہوجائے ۱۰؎(احمد، بیہقی شعب الایمان)۱۱؎	

۱؎ آپ کا نام احمد،لقب احمر ہے،کنیت ابو عسیب مگر اپنی نسبت میں مشہور ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲؎ یعنی چار حضرات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ساتھ ہی یہ تین خدام بارگاہ۔

۳؎ یہ باغ ابوالہیثم کا تھا یا کسی اور انصاری کا مگر یہ واقعہ دوسرا ہے اور جو پہلے مذکور ہوا وہ دوسرا تھا۔

۴؎ پہلے جو واقعہ مذکور ہوا وہاں باغ والے صاحب خود کھجوروں کا خوشہ لائے تھے اور بکری ذبح کی تھی۔یہاں طلب سرکار نے فرمائی،لہذا یہ واقعہ دوسرا ہے۔

۵؎ یہ سوال وہ نہیں جس سے منع فرمایا گیا ہے یعنی ذات کا سوال،یہ سوال ایسا ہے جیسے والد اپنی اولاد سے یا مولیٰ اپنے غلام سے یا دوست اپنے دوست سے کچھ طلب کرے اس سوال سے تو صاحب خانہ کو قیامت تک کے لیے فخر ہوگیا کہ مجھے سرکار حضور نے اس لائق سمجھا کہ مجھ سے یہ طلب فرمایا لہذا یہ احادیث شریفہ میں تعارض نہیں جس سوال سے ممانعت ہے وہ اور سوال ہے یہ کچھ اور سوال۔

۶؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیا اور ان حضرات صحابہ نے بھی،حضور کو ٹھنڈا بلکہ باسی پانی بہت مرغوب تھا۔

۷؎ خیال رہے کہ یہاں **لتسئلن** صیغہ جمع متکلم نہیں بلکہ جمع مخاطب ہے یعنی ت سے ہے ن سے نہیں،یعنی اے میری امت والو! تم سے سوال ہوگا حساب ہوگا کہ ان نعمتوں کا شکریہ تم نے کیا ادا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حساب نہیں حضور سے سوال تو یہ ہوگا کہ آپ کی امت نے آپ سے کیا برتاوا کیا،حضرات انبیاء کرام سے نعمتوں کا سوال نہیں۔(مرقات)

۸؎ یعنی یہ کھجوریں اگرچہ نعمتیں ہیں مگر نہایت معمولی جن کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی یوں ہی باری باری پھرتی ہیں،تعجب ہے کہ ان کا حساب بھی ہوگا۔حضرت عمر کا یہ عمل اور یہ سوال انتہائی خوفِ الٰہی کا باعث تھا کہ جب ان جیسی چیزوں کا بھی حساب ہے تو اعلیٰ چیزوں کا کیا بنے گا،ان کا حساب کس قدر سخت ہوگا تحقیر کے لیے یہ سوال نہیں۔

۹؎ جو ضروریات زندگی سے ہیں ان کے متعلق حساب نہ ہوگا کہ تم نے ان کا شکریہ کیا ادا کیا وہ چیزیں تو عبدیت و مربوبیت کا حق ہیں حق کا حساب نہیں ہوتا۔

۱۰؎ یعنی بقاء انسانی ان تین چیزوں پر موقوف ہے:زندگی رکھنے کے لیے ستر چھپانے والا کپڑا اور پیٹ میں بوجھ ڈالنے کے لیے روٹی کا معمولی ٹکڑا اور چوہے کے سوراخ جیسا معمولی مکان جس میں مال بہ تکلف جا آسکے۔سردی گرمی

سے بچاؤ کے لیے یہ چیزیں زندگی کی موقوف علیہ ہیں قیامت کے حساب سے خارج ہیں مگر یہ کھجوریں اگرچہ معمولی سہی مگر ہیں ضروریات کے علاوہ کہ یہ بھی ہیں جن میں لذت ہے لہذا ان کا حساب ہوگا۔**حجر** ح کے پیش جیم کے سکون سے بمعنی سوراخ یا بمعنی **محجر** یعنی پتھروں سے گھیری ہوئی زمین۔(مرقات)

اا؎ حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث نقل کرکے آخر میں فرمایا کہ حضور نے ارشاد کیا کہ اگر تم کو یہ گراں معلوم ہو تو ہر نعمت کھاتے وقت یہ پڑھ لیاکرو **بسم اللہ علیٰ برکت اللہ** اور کھاچکنے پر پڑھا کرو **الحمد للہ الذی ھو اشبعنا وارادانا وانعم علینا وافضل**،یہ کلمات ان نعمتوں کا شکریہ ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دسترخوان رکھا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے تاآنکہ دسترخوان اٹھالیا جائے اور نہ اپنا ہاتھ اٹھائے اگرچہ سیر ہوجائے ا؎ حتی کہ قوم فارغ ہوجائے اور معذرت کردے ۲؎ کیونکہ یہ کام اپنے ساتھی کو شرمندہ کرے گا کہ وہ بھی اپنے ہاتھ سمیٹ لے گا ممکن ہے کہ ابھی اسے کھانے کی ضرورت ہو ۳؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)	

ا؎ یعنی اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ کھانا کھائے اور خود جلد کھاچکے اور لوگ ابھی کھارہے ہوں تو نہ تو دسترخوان سے اٹھے نہ کھانے سے ہاتھ سمیٹے بلکہ چھوٹے چھوٹے لقمے کچھ وقفہ سے کھاتا رہے تاکہ دوسرے اپنا پیٹ بھرلیں۔

۲؎ یعنی اگر جانے کی جلدی ہو تو باقی کھانے والے ساتھیوں سے کہہ دے کہ مجھے جلدی ہے میں معذور ہوں آپ حضرات کھاتے رہیں۔میرے مرشد برحق صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ کا دسترخوان بہت وسیع تھا،حضرت اپنے خادم کے ساتھ کھاتے تھے مگر جلد کھاچکتے تو فرمادیتے کہ تم لوگ کھاتے رہو مجھے کچھ عذر ہے وہ عمل شریف اس حدیث کی تفسیر تھا۔

۳؎ اس جملہ میں اس حکم کی حکمت کا بیان ہے کہ اگر تم دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوئے تو تمہارے ساتھی شرم کی وجہ سے بغیر فراغت ہی اٹھ کھڑے ہوں گے وہ بھوکے رہیں گے اس لیے ان کا لحاظ کرتے ہوئے ابھی ٹھہرو کچھ کھاتے جاؤ۔امام غزالی فرماتے ہیں جو شخص کم خوراک ہو جب وہ جماعت کے ساتھ کھائے تو کچھ دیر بعد کھانا شروع کرے اور چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھائے اور دیر دیر سے کھائے مگر کھانا سب کے ساتھ ختم کرے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے ا؎ وہ اپنے والد سے راوی ۲؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے ساتھ کھاتے تو ان سب میں آخر تک کھاتے ۳؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎حضرت جعفر وہ ہی امام جعفر صادق ہیں جن کا دنیا میں شہرہ ہے،ان کے والد امام محمد باقر ہیں جو تابعی ہیں،انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین کو بھی پایا ہے اور حضرت جابر ابن عبداللہ کو بھی۔نسب شریف یہ ہے امام جعفر ابن محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

۲؎امام محمد باقر تابعی ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت جابر سے ملاقات کی ہے اور امام جعفر صادق تبع تابعی ہیں لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔حدیث مرسل امام اعظم کے ہاں حجۃ ہے،امام شافعی کے ہاں حجۃ نہیں جیساکہ کتب اصول میں ہے۔

۳؎اگرچہ حضور انور کی خوراک شریف بہت کم تھی مگر کھانا آہستہ آہستہ ہوتا تھا تاکہ آخر تک ملاحظہ فرماتے رہیں تمام ساتھی کھالیں کوئی بھوکا نہ رہے،دسترخوان پر اگر بزرگ ہستی کھاتی رہے تو کھانا جاری ہی مانا جاتا ہے۔

روایت ہیں حضرت اسماء بنت یزید سے ۱؎فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا گیا تو حضور نے ہم پر پیش فرمایا ہم نے عرض کیا ہم کو خواہش نہیں۲؎فرمایا بھوک اور جھوٹ جمع نہ کرو ۳؎(ابن ماجہ)	

۱؎آپ اسماء بنت یزید ابن سکن ہیں،انصاریہ صحابیہ ہیں،بہت عاقلہ بہادر تھیں،جنگ یرموک میں حاضر ہوئیں،خیمہ کی چوب سے نوکافر مارے۔(اشعہ)

۲؎یعنی رسم کے مطابق ہم نے کہہ دیا کہ ہم کو بھوک نہیں کھانے کی خواہش نہیں۔

۳؎یعنی اگر کھانے کی خواہش ہو تو کھالو ایسا نہ ہو کہ خواہش ہو تو مگر خلاف واقعہ کہہ دو کہ ہم کو خواہش نہیں۔اس میں دنیاوی نقصان بھی ہے اور کھانے سے محرومی بھی اور دینی نقصان بھی ہے جھوٹ کا گناہ بھی۔بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ نہ تو کھانے والا جھوٹی تواضع کرے نہ آنے والا جھوٹا تکلف۔اگر کھانے والے کے پاس کافی ہو تو کہے کہ آؤ کھالو ورنہ نہ کہے یہ ہی آنے والے کو چاہیے کہ اگر خواہش ہو تو بیٹھ جائے کھالے ورنہ معذرت کردے اسلام میں تکلف نہیں۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اکٹھے ہوکر کھایا کرو الگ الگ نہ ہوؤ کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے ۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎آزمائش بھی ہے کہ ساتھ کھانے میں تھوڑا کھانا بہت کو کافی ہوجاتا ہے،آپس میں محبت بڑھتی ہے،نماز،جہاد،حج کھانا غرضیکہ عبادات و عادات میں مسلمانوں کی جماعت بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت سے ہے انسان اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے ۱؎(ابن	

ماجہ)	

۱؎ مہمان ملاقاتی کو دروازے تک پہنچانے میں اسکا احترام ہے،پڑوسیوں کا اطمینان کہ وہ جان لیں گے کہ ان کا دوست عزیز آیا ہے کوئی اجنبی نہ آیا تھا۔(مرقات)اس میں اور بہت حکمتیں ہیں آنے والے کی کبھی محبت میں کھڑا ہوجانا بھی سنت ہے۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے اور ابن عباس سے روایت کی اور فرمایا اس کی اسناد میں ضعف ہے ۱؎	

۱؎ یہ ضعف مضر نہیں کہ فضائل اعمال میں اسی قسم کے احکام ہیں حدیث ضعیف بھی قبول ہے،ہاں حرام و واجب احکام میں ضعف حدیث مضر ہے پھر اسناد حدیث کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس گھر میں کھایا جائے ۱؎ اس میں خیروبرکت زیادہ تیزی سے آتی ہے بمقابلہ چھری کے جو اونٹ کے کوہان تک جائے ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی جس گھر میں مہمان،زائرین،ملاقاتی لوگ کھانا کھاتے رہیں وہاں برکت رہتی ہے ورنہ خود گھر والے تو ہر گھر میں ہی کھاتے ہیں۔

۲؎ اونٹ کی کوہان میں ہڈی نہیں ہوتی چربی ہی ہوتی ہے اسے چھری بہت ہی جلد کاٹتی ہے اور اس کی تہ تک پہنچ جاتی ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی گئی یعنی ایسے گھر میں خیروبرکت بہت جلد پہنچتی ہے۔

باب و هذا الباب خال عن الفصل الاول

باب۱ اور یہ باب پہلی فصل سے خالی ہے۲

الفصل الثانی

دوسری فصل

۱ بعض نسخوں میں ہے **باب فی اکل المضطر** یعنی مجبور ومعذور کے کھانے کا ذکر ہمارے نسخے میں صرف باب ہے بغیر ترجمہ باب کے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کھانے کے متعلق مختلف روایات آئیں گی جہاں ترجمہ باب نہیں ہوتا وہاں متفرقات کا بیان ہوتا ہے۔

۲ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ہے **وعن الفصل الثالث** یعنی یہ باب پہلی اور تیسری فصل سے خالی ہے مگر صحیح تر نسخہ یہ ہے کہ پہلی فصل سے خالی ہے مگر مؤلف مصابیح کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ یہاں پہلی فصل نہیں،رہی تیسری فصل وہ تو مصنف کی اپنی ہوتی ہےلائیں یا نہ لائیں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں، چنانچہ برتن ڈھکنے کے باب میں بھی تیسری فصل نہیں مگر اس کا ذکر نہ کیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت فُجیع عامری سے ۱ وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ ہمارے لیے مردار سے کیا حلال ہے ۲ فرمایا تمہارا کھانا پینا کیا ہے ۳ ہم نے عرض کیا صبح و شام ایک ایک پیالہ پی لیتے ہیں ۴ ابو نعیم کہتے ہیں کہ حضرت عقبہ نے مجھ سے اس کی تفسیر کی ایک پیالہ صبح اورایک پیالہ شام فرمایا میرے والد کی قسم یہ تو بالکل بھوک ہے ۵ پھر ہمارے لیے اس حالت میں مردار حلال فرمایا ۶(ابوداؤد)	

۱ فُجیع ف کے پیش اور جیم کے فتحہ سے صحابی ہیں،اپنی قوم عامر کی طرف سے کچھ پیغام حضور کی بارگاہ میں لائے اور مسلمان ہوگئے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲ عام نسخوں میں یحل ی کے فتحہ سے جس کے معنی ہیں کہ مردار کی کتنی مقدار ہمارے لیے حلال ہے مگر مقصد یہ ہے کہ کس حالت میں ہم کو مردار کھانے کی اجازت ہے جیساکہ جواب شریف سے ظاہر ہے۔طبرانی کی روایت میں ہے **مایحل لناالمیۃ**،ی کے پیش ح کے کسرہ سے یعنی کون سی حالت کونسی مجبوری ہمارے لیے مردار کو حلال کرتی ہے۔یہ عبارت بالکل واضح ہے۔

۳؎ یعنی تم کو کس قدر کھانا میسر ہوتاہے تاکہ پتہ لگے کہ تمہیں حالت اضطرار ہے یا نہیں پھر جواب دیا جائے گا۔معلوم ہوا کہ کبھی فتویٰ حالت معین کرکے بھی دیا جاتا ہے مگر عموگا اگر مگر سے جواب دیا جا تا ہے کہ اگر یہ حالت ہو تو یہ حکم ہو وہ حالت ہو تو یہ حکم۔

۴؎ یعنی ہماری تنگدستی کا یہ حال ہے کہ ہم کو کئی دن صاف فاقے سے گزرجاتے ہیں کبھی کبھار ایک پیالہ دودھ یا لسی صبح کو مل جاتی ہے اور کبھی کبھار ایک پیالہ شام کو اور اکثر کچھ بھی نہیں نہ صبح نہ شام،یہ مطلب نہیں کہ روزانہ دو وقتہ صبح و شام ایک ایک پیالہ دودھ پیتے ہیں کہ اتنی غذا سے مخمصہ و مجبوری کی حالت نہیں پیدا ہوتی۔بہت لوگ خصوصًا اس زمانہ میں اہل عرب مہینوں صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ پر گزارا کرلیتے ہیں۔(مرقات)نہ یہ مطلب ہے کہ روزانہ صبح شام ایک ایک پیالہ گھر سے کھانا لیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم سے بعض کو ایک پیالہ دودھ صبح ملتا ہے بعض کو ایک پیالہ دودھ شام کو بعض دفعہ یہ بھی نہیں۔

۵؎ یہاں و ابی یعنی میرے باپ کی قسم فرمانا شرعی قسم کے لیے نہیں تاکید کلام کے لیے ہے لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں اپنے باپ دادوں کی قسم نہ کھاؤ،رب تعالٰی نے قرآن مجید میں انجیر،زیتون وغیرہ کی قسمیں ارشاد فرمائی ہیں یعنی اتنی غذا جان نہیں بچاسکتی تم لوگ مضطرومجبور ہو چوبیس گھنٹہ میں آدھ پاؤ دودھ جان نہیں بچاسکتا۔

۶؎ اس حدیث کے ظاہری معنی کی بنا پر امام مالک و شافعی واحمد نے فرمایا کہ پیٹ بھرنے کے لیے مردار کھانا جائز ہے،وہ فرماتے ہیں کہ صبح و شام ایک ایک پیالہ دودھ جان بچا سکتا ہے مگر حضور نے اس کے باوجود مردار کھانے کی اجازت دے دی۔ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ جان بچانے کے لیے بقدر سدرمق یعنی سانس کی بقاء کے لیے مردار کھانا حلال ہے،امام اعظم نے اس حدیث کے معنی وہ کیے جو ابھی ہم نے عرض کیے،اگر بھرنے کے لیے مردار کھانا حلال ہوتا تو"غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ"قرآن مجید میں کیوں ارشاد ہوتا مردار کو کھائے مگر مزے کے لیے نہ کھائے ضرورت سے زیادہ نہ کھائے،وہ حضرات"غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ"کے کچھ اور ہی معنی کرتے ہیں۔

	روایت ہے ابوواقد لیثی سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کسی زمین میں ہوتے ہیں تو ہم کو بھوک پہنچ جاتی ہے ۱؎ تو ہمارے لیے مردار کب حلال ہے فرمایا جب کہ تم صبح کو یا شام کو پیالہ نہ پاؤ یا زمین کا ساگ پات بھی نہ پاؤ ۲؎ تو تم اس مردار کو اختیار کرلو،اس کے معنی یہ ہیں کہ تم صبح یا شام کو پیالہ نہ پاؤ اور نہ ساگ و پات پاؤ جسے تم کھاؤ تو تمہارے لیے مردار حلال ہے ۳؎ (دارمی)

۱؎ یہ سوال کرنے والے حضرت کوئی اور ہیں اور ممکن ہے کہ وہ ہی فجیع عامری ہوں اور یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہو۔

۲؎ اس عبارت میں او بمعنی واؤ ہے جیسے آیت کریمہ میں "عُذْرًا اَوْ نُذْرًا" او بمعنی واؤ ہے۔(مرقات) یعنی جب تم کو نہ تو صبح یا شام دودھ کا پیالہ نہ ساگ پات ملے نہ گھاس اور درختوں کے پتے ملیں جنہیں چبا کر تم اپنی جان بچاسکتے ہو تب مردار کھاسکتے ہو ۔(مرقات)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر گھاس یا پتے چبا کر جان بچ سکتی ہو تو مردار نہ کھائے،اگر یہ بھی میسر نہ ہو تب مردار کھا سکتا ہے۔حضرات صحابہ کرام نے بعض غزوات میں درختوں کے پتے چبا کر گزارہ کیا مگر مردار نہ کھایا۔یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ مردار کھانا جان بچانے کے لیے ہے پیٹ بھرنے کے لیے نہیں،امام شافعی نے بھی آخر میں یہ قول فرمایا اپنے پہلے قول سے رجوع کرلیا،دیکھو مرقات وغیرہ۔

باب الاشربۃ

پینے کی چیزوں کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اشربہ جمع ہے شراب کی جیسے طعام کی جمع ہے اطعمہ،شراب یا بنا ہے شرب سے بمعنی پینایا شربۃ سے یعنی پانیوں کا بیان یا شربتوں کا بیان۔یہاں پر پتلی پینے والی چیز مراد ہے پانی ہو یا اور چیز چونکہ پانی کھانا کا تتمہ ہے اس لیے اس کا بیان کھانے سے متصل فرمایا اور اس کا صرف باب باندھا۔لباس مستقل علیحدہ ہے اس لیے اس کے لیے باقاعدہ کتاب اللباس باندھی۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پینے میں تین سانس لیتے تھے ۱ (مسلم،بخاری)مسلم نے یہ زیادتی کی کہ فرماتے تھے یہ زیادہ سیر کرنے والا زیادہ صحت بخش اور زود ہضم ہے ۲	

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے میں برتن سے علیحدہ منہ کرکے تین سانسیں لیتے تھے۔پہلی سانس پینا شروع کرتے وقت پھر کچھ پی کر سانس لیتے یہ دوسرا سانس شریف ہوا،پھرکچھ پی کر تیسرا سانس لیتے یہ تیسرا سانس ہوا یعنی دوران پینے میں دو سانس لیتے تھے اور کل تین سانس،یہ عمل شریف ہر پینے میں ہوتا تھاخواہ پانی ہو یا دودھ یا شربت یا کوئی اور چیز اور یہ ہی سنت ہے مگر خیال رہے کہ یہ سانسیں برتن سے منہ الگ کرکے ہیں۔

۲؎ اروی بنا ہے روی سے بمعنی سیرابی اس لیے مشکیزہ کو راویہ کہتے ہیں کہ یہ ذریعہ سیری ہےاور ابری بنا ہے برء سے بمعنی دوری صحت کو براءت کہتے ہیں کہ اس میں مرض سے دوری ہوجاتی ہے،ابرا کا معنی زیادہ صحت بخش ہے اور امراء بنا ہےمرالطعام سے بمعنی کھانا ہضم ہوجانا یعنی تین سانسوں میں پینے سے یہ تین فائدے ہیں،ان فوائد کا آج بھی مشاہدہ ہوتا ہے،ایک سانس میں پانی پینے سے زیادہ پیا جاتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ سرکار اول میں بسم اللہ پڑھتے اور تیسری بار پی کر الحمدللہ پڑھتے تھے،یہی سنت ہے اور فرماتے تھے کہ ایک سانس میں پانی پیناشیطان کاطریقہ ہے اور اس سے مرض کباد یعنی جگر کی بیماری پیدا ہوتی ہے،یہ حدیث بہت اسنادوں پر مروی ہے اس کی تفصیل یہاں مرقات میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے سے	

منع فرمایا۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس ممانعت میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ممکن ہے کہ مشکیزے میں کوئی زہریلا کیڑا ہو جو اس طرح پینے سے منہ کے ذریعہ پیٹ میں چلاجائے،ممکن ہے کہ مشکیزہ کا منہ چوڑا ہو پانی زیادہ گرے کپڑے بھیگ جاویں،نیز پھر مشکیزہ کا پانی استنجے کے قابل نہ رہے کیونکہ پس خوردہ پانی سے استنجا کرنا منع ہے۔جن روایات میں ہے کہ حضور اقدس نے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا وہاں مشکیزہ چھوٹا تھا اور اس کا منہ بہت چوڑا نہ تھا اور خبر تھی کہ پانی صاف ہے لہذا یہ حدیث اس سے متعارض نہیں یا وہ حدیث بیان جواز کے لیے ہے اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے۔مرقات میں اس جگہ ہے کہ ایک شخص نے بطورِ آزمائش مشکیزے کے منہ سے پانی پیا تو اس کے منہ میں سانپ چلا گیا یا مقصد یہ ہے کہ اس طرح ہمیشہ پینا ممنوع ہے کبھی اتفاقًا پی لیناجائزہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزوں کے منہ الٹنے سے منع فرمایا،ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اختناث یہ ہے کہ اس کا منہ الٹ دیا جائے پھر ان سے پیا جائے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ مشکیزے کے پینے کی دوسری صورت ہے کہ مشکیزے کا منہ الٹ کر اس سے پانی پیا جائے اس سے منع فرمایا،اس ممانعت کی حکمتیں ابھی عرض کی گئیں۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے اس سے منع کیا کہ کوئی شخص کھڑے ہوکر پیئے۱؎ (مسلم)	

۱؎یعنی کوئی چیز کھڑے ہوکر پینا ممنوع ہے پانی ہو یا دودھ یا شربت یا اور کوئی چیز یہ حکم استحبابی ہے یعنی بیٹھ کر پینا مستحب ہے۔اس حکم سے تین پانی مستثنٰی ہیں:آبِ زمزم،وضو کا بچا ہوا پانی اور بزرگوں کا پس خوردہ پانی کہ ان تینوں پانیوں کوکھڑے ہوکر پینا مستحب ہے ان کی احادیث بھی آتی ہے،حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے حضور کی پی ہوئی لسی کا بچا ہوا حصہ کھڑے ہوکر پیاجیساکہ آگے آئے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی کھڑے ہوکر ہرگز نہ پیئے تو جو بھول جائے وہ قے کردے ۱؎(مسلم)	

۱؎یہ حکم استحبابی ہے جو کھڑے ہوکر پانی یا کوئی چیز پی لے تو یہ بہتر ہے کہ قے کردے یہ حکم منسوخ نہیں۔(مرقات)یہ حکم اس لیے ہے کہ لوگ اس سے بچیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نبی	

	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آبِ زمزم کا ڈول لایا تو آپ نے کھڑے ہوکر پیا ا(مسلم،بخاری)

ا۔یہ بھی سنت ہے کہ آبِ زمزم کھڑے ہوکر پیئے تعظیم کے لیے۔اس پانی کی دو وجہ سے تعظیم ہے:ایک یہ کہ یہ پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا۔دوسرے یہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف ملا ہوا ہے کہ ان حضور سرکار نے ایک بار زمزم شریف پی کر باقی پانی کنوئیں میں ڈال دیا۔بعض شارحین نے فرمایا اژدہام کی وجہ سے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے کھڑے ہوکر پیا یہ غلط ہے کہ آبِ زمزم ہمیشہ کھڑے ہوکر پینا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے ظہر ادا کی پھر لوگوں کی حاجتوں کے لیے کوفہ کے صحن میں بیٹھے ا حتی کہ نماز عصر آگئی پھر پانی لایا گیا تو آپ نے پیا ۲ اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور سر اور پاؤں کا ذکر کیا ۳ پھر کھڑے ہوئے تو بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا پھر فرمایا کہ لوگ کھڑے ہوکر پینے کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسی طرح جیسا میں نے کیا ۴(بخاری)

ا۔رحبہ ر کے فتح سے بمعنی فضا یا کھلی جگہ،کوفہ کی جامع مسجد کے صحن میں ایک خاص چبوترہ تھاجہاں بیٹھ کر حضرت علی مرتضٰی لوگوں کے مقدمات طے فرماتے اسے رحبۃ کہتے تھے وہ جگہ اب بھی موجود ہے اور اس پر ایک محراب بنادی گئی ہے جسے محراب علی کہتے ہیں۔فقیر نے اس کی زیارت کی ہے یعنی حضرت علی نماز کے بعد اس عدالت کے چبوترہ پر تشریف فرما ہوئے۔

۲۔یہ پینا پیاس دفع کرنے کے لیے تھااس وقت آپ کو پیاس تھی مگر اس بار بیٹھ کر پیاپھر وضو کیا تاکہ معلوم ہوا کہ پس خوردہ پانی سے وضو جائز ہے۔بعض شارحین نے اس کے معنی یہ کیے کہ وضو میں کلی کی کلی کا پانی بجائے اگلنے کے نگل لیا وہ یہاں مراد ہے مگر پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ پینا علاوہ وضوکے تھاوضو کے بعد ہوا۔

۳۔یعنی باقاعدہ وضو کیابعض اعضاء وضو کا ذکر ہےاور پورا وضو مراد ہے جیساکہ ظاہر ہے۔

۴۔یعنی لوگ سمجھتے ہیں پانی کھڑے ہوکر مطلقًا ممنوع ہےحالانکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے وضو کا پانی کھڑے ہوکرپیا۔معلوم ہوا کہ وضو کا پانی کھڑے ہوکرپینا سنت ہے یا یہ مطلب ہے کہ کھڑے ہوکرپینا مطلقًا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے میں نے حضور انور کو کھڑے ہوکرپانی پیتے دیکھا ہےمگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ابھی ہم نے عرض کردیا کہ پانی کھڑے ہوکرپینا حرام نہیں،ہاں بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر پیئےاور چند پانیوں کا کھڑا ہوکرپینا مستحب ہے: ایک آبِ زمزم،دوسرے بعض وضو کا بچا ہوا پانی،تیسرے بزرگوں کا پس خوردہ پانی۔یہاں

مرقات نے فرمایا کہ حضرت علی،سعد ابن ابی وقاص،ابن عمر،عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کھڑے ہوکر پانی پینا درست فرماتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ تمام فقہاء وہی جائز کہتے ہیں صرف مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر پیئے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صاحب کے پاس گئے حضور کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے ۱؎ آپ نے سلام کیا اس نے جواب دیا وہاں باغ میں پانی پھر رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس پانی مشکیزہ میں ہو تو لاؤ ورنہ ہم منہ سے پی لیں ۲؎ وہ بولا میرے پاس مشکیزہ میں باسی پانی ہے چنانچہ وہ چھپر کی طرف گیا ۳؎ پیالہ میں پانی انڈیلا پھر اس پر پالی ہوئی بکری دوہی ۴؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا پھر دوبارہ لایا پھر اس شخص نے پیا جو آپ کے ساتھ آیا تھا ۵؎ (بخاری)	

۱؎ وہ صحابی حضرت ابوبکر صدیق تھے اور باغ والے ابوالہیثم تھے یا کوئی اور انصاری۔

۲؎ عربی میں کرع اس طرح پینے کو کہتے ہیں کہ اس میں ہاتھ استعمال نہ ہو یعنی نالی یا نہر سے منہ لگا کر پی لینا۔

۳؎ **عریش** بنا ہے **عرش** سے بمعنی بلندی،اصطلاح میں **عریش** وہ جھونپڑا ہے جو باغ یا کھیت میں گھاس یا تنکوں سے بنایا جائے اس لیے انگور کی بیل پھیلانے کے لیے جو جگہ چھت دی جاتی ہے اسے **عریش** کہتے ہیں بمعنی **معروشات**۔قرآن کریم فرماتا ہے:"**مَّعۡرُوۡشٰتٍ**"۔

۴؎ عربی میں **داجن** وہ بکری کہلاتی ہے جسے گھر رکھ کر چارا دیا جائے باہر جنگل میں چرنے کے لیے نہ بھیجا جائے۔اس کا مادہ **دجن** ہے بمعنی الفت و محبت،وہ بکری جانور گھر سے الفت رکھتا ہے مالوف ہوتا ہے اس لیے اسے داجن کہتے ہیں۔

۵؎ یہ باغ والے صاحب ایک بار پانی لائے تو حضور انور نے پیا پھر دوبارہ لائے تو دوسرے صاحب یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے پیا۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے ۱؎ وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کھولاتا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ جو چاندی سونے کے برتن میں کھاتا ہے ۳؎	

۱؎ آنیہ جمع ہے **اناء** کی بمعنی برتن،آنیہ کے معنی ہوئے برتنوں بروزن **افعلۃ** جمع قلت ہے۔

۲؎ یجرجر بنا ہے **جرجرۃ** سے بمعنی شیر کی آواز،اب ہانڈی میں پانی کھولنے کی آواز کو جرجرہ کہتے ہیں یعنی چاندی کے برتنوں میں پینا آگ جہنم پیٹ میں بھرنے کا سبب ہےاس لیے اس طرح فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ آگ خود نہیں کھولتی بلکہ پانی کو کھولاتی ہے،یہاں کھولنے ابلنے کی نسبت آگ کی طرف مجازًا ہے جیسے **جری النھر**۔

۳؎ تمام علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ چاندی سونے کے برتن میں کھاناپینا،اس کے چمچے استعمال کرنا،اس کی انگیٹھی میں خوشبو سلگانا،اس کی عطر دانی سے عطر لگانا،اس کے برتن سے وضو یا غسل کرنا،اس کے برتنوں سے چھت یا گھر سجانا،اس کی گھڑی میں وقت دیکھنا،اس کے قلم سے لکھنا،مردوعورت،چھوٹے بڑے سب کو حرام ہے۔عورتوں کو چاندی سونے کے صرف زیور پہننے کی اجازت ہے باقی دیگر استعمال ان کو بھی ویسے ہی حرام ہے جیسے مردوں کو حرام ہے۔بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام شافعی کا قول قدیم یہ تھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا مکروہ ہے،داؤد ظاہری کا قول ہے سونے چاندی کے برتنوں میں کچھ پینا حرام ہےان میں کھانایا اور طرح استعمال کرنا بالکل درست ہےمگر داؤد ظاہری کا یہ قول باطل ہے۔اس مردود کے نزدیک سؤر کا صرف گوشت حرام ہےاور اس کے کلیجی گردے حلال ہیں،ضرورت میں پھنس جانے پر ان میں سے چیز نکال کر استعمال کرےجیسے سونے کی تیل دانی سے تیل لگانا پڑ جائے تو اس سے ہتھیلی پر تیل لوٹ لے پھر اسے سر میں مل لے۔(مرقات واشعہ)یوں ہی سونے چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا حرام ہے،ہاں علاجًا سونے کی سلائی آنکھ میں پھیرنا حلال کہ یہ علاج ہے نہ کہ استعمال،یوں ہی سونے چاندی وغیرہ کا کشتہ کھانا حلال ہے کہ یہ غذا ہے یا دوا۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ پہنو باریک ریشم نہ موٹا ریشم ۱؎ اور نہ پیو سونے چاندی کے برتن میں اور نہ کھاؤ ان کے پیالوں میں کہ یہ کفار کے لیے ہیں دنیا میں اور وہ تمہارے لیے ہیں آخرت میں ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ جس کپڑے کا تانابانا یا صرف بانا ریشم کا ہو وہ مرد کو پہننا حرام ہےعورت کو حلال اور جس کا تانا ریشم کا ہو بانا سوت کا یا اون کا اس کا پہننا مرد کو بھی حلال ہے۔ریشم سے مراد کیڑے کا ریشم ہے،دریائی ریشم یا سن کا ریشم سب کو حلال ہے کہ وہ حریرودیباج نہیں۔

۲؎ یعنی کفار اگر سونے چاندی کے برتنوں میں کھائیں تم انہیں نہ روکو نہ ان سے لڑو مگر ان کی دیکھا دیکھی تم نہ پہنو تمہارے واسطے سونا چاندی جنت میں تیار ہے ان شاءاللہ خوب استعمال کرنا،اس ممانعت میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔اگر مسلمان مردوں نے سونے چاندی کے زیور پہننا شروع کردیئے تو تلوار و بندوق سے جہاد کون کرے گا،مسلمان کا زیور علم اور ہتھیار ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھریلو بکری دوہی گئی ۱؎ اور اس کا دودھ اس کنویں کے پانی سے ملایا گیا جو حضرت انس کے گھر	

	میں ہے ۲؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیالہ پیش کیا گیا آپ نے پیا اور آپ کے بائیں ابوبکر صدیق تھے آپ کے دائیں ایک بدوی ۳؎ حضرت عمر نے کہا یارسول اللہ ابوبکر کو دیجئے ۴؎ حضور نے اس بدوی کو دیا جو آپ کے داہنے تھا پھر فرمایا داہنا پھر داہنا اور ایک روایت میں ہے کہ داہنے پھر داہنے خبردار داہنے کا خیال رکھو ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ داجن کے معنی ابھی کچھ پہلے عرض کردیئے گئے جو بکری گھر پر چارہ سے پالی جائے وہ داجن ہے جو باہر چر کر آوے وہ شاۃ تو ہے مگر داجن نہیں۔

۲؎ یعنی کچی لسی تیار کی گئی،اس کنویں کا نام اس لیے بتایا گیا تاکہ آئندہ مسلمان اس کنوئیں کا پانی برکت کے لیے پئیں،زائرین مدینہ تمام ان کنوؤں کا پانی پیتے ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا یا غسل کیا ہے بیر عبن،بیر شمس،بیر بضاعہ وغیرہ۔

۳؎ ان خوش نصیب بدوی کا نام معلوم نہ ہوسکا بہرحال مدینہ کے چاند بیچ میں جلوہ گر تھے اور یہ تارے داہنے بائیں تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۴؎ حضرت عمر اس وقت حضور انور کے سامنے تھے آپ نے بطور مشورہ یہ عرض کیا کیونکہ جناب صدیق افضل،اعلم،اکمل،اقدم اعلیٰ تھے۔آپ کا منشاء تھا کہ سید المرسلین کی پس خوردہ لسی سید المسلمین نوش کریں۔

۵؎ یعنی کھانے پینے کی ترتیب میں قرب مرتبہ کا اعتبار نہیں قرب مکان کا لحاظ ہے اور داہنا شخص بائیں سے قریب تر ہوتا ہے۔نماز کی امامت میں اعلیٰ و افضل و اعلم کو مقدم رکھا جاتا ہے،یہ ترتیب عقل کے بھی مطابق اور قرین قیاس ہے۔دائرہ کی گردش داہنی طرف سے ہوتی ہے طواف کعبہ میں سنگِ اسود چومنے کے بعد داہنے چلتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا آپ نے اس سے پیا اور آپ کے داہنے ایک لڑکا تھا قوم میں سب سے چھوٹا ۱؎ اور بوڑھے لوگ حضور کی بائیں طرف تو فرمایا اے لڑکے کیا اجازت دیتا ہے کہ ہم یہ بوڑھوں کو دے دیں ۲؎ وہ بولا میں آپ کے پس خوردہ کے لیے کسی کو ترجیح نہیں دوں گا یا رسول اللہ ۳؎ چنانچہ حضور نے وہ پیالہ اس کو عطا فرمایا ۴؎ (مسلم،بخاری) اور ابوقتادہ کی حدیث ان شاءاللہ ہم باب المعجزات میں بیان کریں گے ۵؎

۱؎وہ لڑکا حضرت عبداللہ ابن عباس تھے جو بالکل نو عمر تھے رضی اللہ عنہ۔(مرقات)
۲؎معلوم ہوا کہ یہ حق عبد ہے اگر بندہ خود اپنا حق دوسرے کو دینے پر راضی ہوجاوے تو فبہا ورنہ اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نہ دیا جائے۔
۳؎اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور میں ایثارکرنا سخاوت ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ"مگر اخروی امور میں ایثار نہ کرنا بخل کرنا محمود ہے،یہ بخل قابل ستائش ہے۔یہاں پانی کم نہ تھاجس کے ختم ہوجانے کا اندیشہ ہوتا بلکہ بلاواسطہ حضور کا پس خوردہ پینا مطلوب تھا جوکبھی کسی کو خوش نصیبی سے میسر ہوتا ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اسناد جتنی چھوٹی ہو اتنی اعلٰی اور قوی ہے اور خرقہ نبویہ جس قدر زیادہ واسطوں سے پہنچے اتنا اشرف ہوتا ہے کہ اس میں بہت برکتیں شامل ہوتی ہیں لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ چہارم ہونا بہت ہی محبوب ہے کہ آپ کو حضور کی خلافت تین واسطوں سے پہنچی جس میں بہت برکتیں ان واسطوں کی بھی شامل ہوگئیں بہرحال یہ عمل شریف بہت ہی اعلٰی ہے۔
۴؎اس سے معلوم ہوا کہ حکم اور مشورہ میں فرق ہے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کو حکم نہ دیا تھا بلکہ مشورہ فرمایا تھا کہ اگر تم اجازت دو تو ہم یہ تمہارا حق دوسرے کو دے دیں،حضرت ابن عباس نے مشورہ قبول نہ کیا بلکہ نہایت ادب و احترام اور اچھی معذرت سے اپنا حق خود لے لیا۔اس سے بہت سے مسائل شریعت و طریقت کے حل ہوتے ہیں۔
۵؎یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں ہی تھی مگر ہم نے وہاں بیان کی۔یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے آخر میں ہے ساقی القوم اخرھم شربًا پلانے والا پیچھے ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چلتے پھرتے کھاتے تھے اور کھڑے کھڑے پیتے تھے ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی اور غریب بھی ۲؎

۱؎یعنی ہم بعض صحابہ زمانہ نبوی میں کبھی چلتے پھرتے کچھ کھالیا کرتے تھے جیسے دانے چابنا یا کھجور کھانا اور کبھی کھڑے کھڑے کچھ پی لیا کرتے تھے۔ظاہر یہ ہے کہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر اطلاع کے ہوگا اگر حضور انور ملاحظہ فرماتے تو منع فرمادیتے کیونکہ چلتے پھرتے کھانا اور کھڑے کھڑے پینا ممنوع ہے،یوں گھوڑے پر سوار کھانا پینا بہتر نہیں۔(مرقات)ہوسکتا ہے کہ یہ چلتے پھرتے کھانا کھڑے کھڑے پینا کسی مجبوری و معذوری سے ہو جیسے جہاد

میں بارہا چلتے پھرتے کھانا پڑتا ہے یا ایسی چیز کھائی ہو جو عمومًا چلتے پھرتے کھائی جاتی ہے جیسے دانے یا کھجوریں ورنہ کھڑے کھڑے یا چلتے پھرتے روٹی چاول وغیرہ کھانا ممنوع ہے خصوصًا جب کہ فیشن کے طور پر ہو جیسے آج کل مغرب زدہ مسلمانوں کا حال ہے کہ جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے کھاتے ہیں محض عیسائیوں کی نقالی کرتے ہوئے۔

۲؎ یعنی یہ حدیث تین اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے دوسری سے غریب تیسری سے صحیح،متن ایک ہے اسناد تین۔

روایت ہے عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پیتے تھے۱؎(ترمذی)	

۱؎ کھڑے ہوکر پینا ضرورت کے موقعہ پر تھا یا زمزم یا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیا باقی پانی بیٹھ کر پیے یا کھڑے ہوکر پینا بیان جواز کے لیے تھا بیٹھ کر پینا بیان استحباب کے لیے لہذا دونوں عمل درست ہی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ برتن میں سانس لی جائے یا اس میں پھونکا جائے۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ برتن میں سانس لینا جانوروں کا کام ہے،نیز سانس کبھی زہریلی ہوتی ہے اس لیے برتن سے الگ منہ کرکے سانس لو۔گرم دودھ یا چائے کو پھونکوں سے ٹھنڈا نہ کرو بلکہ کچھ ٹھہرو قدرے ٹھنڈی ہوجائے پھر پیو،اگر پانی میں تنکا وغیرہ ہو تو کچھ گرادو پھونک سے الگ نہ کرو۔بعض لوگوں کو گندہ دہنی کی بیماری ہوتی ہے انکی پھونک سے پانی میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے اس لیے ہر شخص ان دونوں سے پرہیز کرے۔برتن میں سانس لینے اور اس میں پھونک مارنے سے،حضور کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اونٹ کے پینے کی طرح ایک سانس میں نہ پیو لیکن دو دو اور تین تین سانسوں میں پیو۱؎اور جب تم پیو تو بسم اللہ پڑھو اور جب تم الٹاؤ تو الحمدللہ پڑھو ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی بہتر تو یہ ہی ہے کہ تین سانسوں میں پیو دو سانسیں درمیان میں لو ایک آخر میں یا دو سانسوں میں پیو کہ ایک سانس پینے کے بیچ میں لو دوسری آخر میں مگر ہر سانس برتن کو منہ سے الگ کرکے لو۔

۲؎ یعنی جب پینے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور جب پی چکو تو الحمدللہ کہو۔احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں بسم اللہ پڑھ کر پینا شروع کرے پہلی سانس لینے پر کہے الحمدللہ،دوسری سانس لینے پر کہے الحمدللہ رب العالمین، تیسری سانس پر کہے الرحمن الرحیم۔(اشعۃ اللمعات)اس کے متعلق اور دعا میں بھی منقول ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ۱؎ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ میں برتن میں کوڑا جو دیکھوں ۲؎ فرمایا اسے بہا دو ۳؎ وہ بولا میں ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا ۴؎ فرمایا کہ یہ پیالہ اپنے منہ سے الگ کرلو پھر سانس لے لو ۵؎(ترمذی،دارمی)

۱؎ اس ممانعت کی حکمتیں ابھی عرض کی گئیں۔پھونک مارنا پانی میں ہو یا دودھ میں یا کسی اور پینے کی چیز میں،پھر خواہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ہو یا تنکا وغیرہ دور کرنے کے لیے اور خواہ پانی میں پھونک مارے یا کھانے میں سب ممنوع ہے۔چنانچہ طبرانی کی روایت میں ہے عن النفخ فی الطعام والشراب۔

۲؎ یعنی اگر برتن میں کوڑا تنکا نظر آئے تو میں کیا کروں وہ تو پھونک سے ہی دفع ہوسکتا ہے اور آپ حضور پھونک سے منع فرماتے ہیں۔

۳؎ اس طرح کہ برتن سے تھوڑا پانی گرادو جس سے وہ کوڑا بھی گر جائے یا چمچہ یا کسی تنکے سے الگ کردو بہرحال پھونک نہ مارو۔

۴؎ سائل کا مقصد یہ ہے کہ آپ برتن میں پھونک مارنے سے منع فرماتے ہیں اور میں ایک سانس میں پانی وغیرہ سے سیر نہیں ہوتا دوسری تیسری سانس ضرور لینا پڑتی ہے وہ سانس برتن ہی میں لی جاوے گی تو پھر پھونکنا ہوگیا۔

۵؎ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ چند سانسوں میں ہو مگر سانس برتن میں نہ لو برتن منہ سے ہٹا کرلو۔خیال رہے کہ تین سانس سے پینا بہتر ہے ایک سانس سے پینا جائز۔(مرقات)حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک سانس سے نہ پیا۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کی ٹوٹی ہوئی جگہ سے پینے سے منع فرمایا ۱؎ اور اس سے کہ پانی میں پھونکا جائے ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ خواہ پیالہ کا کنارہ کچھ ٹوٹا ہوا ہو یا پیالہ کے وسط میں سوراخ ہو اس سے پانی وغیرہ مطلقًا منع ہے کہ یہ جگہ منہ سے اچھی طرح نہیں لگتی جس سے پانی وغیرہ بہ کر کپڑوں پر گرتا ہے کچھ منہ میں جاتا ہے کچھ کپڑے تر کرتا ہے،نیز یہ جگہ پھر اچھی طرح صاف بھی نہ ہوسکے گی اور ممکن ہے کہ ٹوٹا ہوا کنارہ ہونٹ کو زخمی کردے اور زخم کا خون پانی اور برتن کو ناپاک کردے بہرحال اس حکم میں بھی بہت حکمتیں ہیں۔

۲؎ اس حدیث کو احمد اور حاکم نے بھی انہیں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(دیکھو مرقات)

روایت ہے حضرت کبشہ سے ۱؎فرماتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے کھڑے پانی پیا ۲؎میں اس کے دہانے کی طرف اٹھی اسے میں نے کاٹ لیا ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایایہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔	

۱؎ کبشہ دو ہیں: ایک کبشہ بنت ثابت ابن منذر انصاریہ ہیں جو حضرت حسان ابن ثابت کی بہن ہیں انہیں کبیشہ بھی کہا جاتا ہے،ان کا لقب برضاء ہے۔دوسری کبشہ بنت کعب ابن مالک انصاریہ یعنی عبداللہ ابن قتادہ کی بیوی،نہ معلوم یہ کون سی کبشہ ہیں۔بعض محدثین نے فرمایا پہلی کبشہ ہیں،بعض نے فرمایا دوسری،چونکہ دونوں کبشہ صحابیہ ہیں اس لیے یہ ناواقفیت مضر نہیں کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں۔(مرقات)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ مشکیزے سے منہ لگا کر پینا اور کھڑے کھڑے پینا دونوں جائز ہیں۔جہاں ممانعت آئی وہاں ممانعت تنزیہی یا خلاف اولیٰ مراد ہے۔

۳؎ یعنی مشکیزے کے منہ کا چمڑا جسے حضور انور کے لب لگے تھے میں نے کاٹ کر رکھ لیا کیوں،اس کی تین وجہ ہیں:ایک شفاء کے لیے کہ مدینہ کے بیماروں کو اس چمڑہ کو ڈبوکر پانی پلایا کروں،تبرک کے لیے کہ اپنے پاس برکت کے لیے رکھوں اور اس لیے کہ کسی اور کا منہ اسے نہ لگے کہ یہ بے ادبی ہے اسے حضور کا منہ شریف لگا ہے۔(مرقات)ترمذی نے حضرت ام سلیم کا یہ ہی واقعہ نقل فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو مقبول بندوں کا منہ لگ جائے وہ شفاء بن جاتی ہے۔یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی شفا بن گئی۔(دیکھو قرآن مجید)یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جسم شریف سے لگی ہوئی چیز سے برکت لینا جائز ہے وہ متبرک ہے۔

روایت ہے زہری سے وہ عروہ سے ۱؎وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین شربت ٹھنڈا میٹھا تھا۲؎(ترمذی)اور فرمایا صحیح وہ ہے جو بروایت زہری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلًا مروی ہو ۳؎	

۱؎ امام زہری بھی تابعی ہیں اور عروہ ابن زبیر ابن عوام بھی تابعی ہیں۔ابن شہاب فرماتے ہیں کہ عروہ علم کے دریا ناپیدا کنار ہیں۔(مرقات)

۲؎ یعنی عمومًا ٹھنڈا میٹھا پانی پسند فرماتے تھے،دودھ کی لسی بھی پسند تھی مگر وہ کبھی کبھی ملاحظہ فرماتے تھے لہذا یہ حدیث ان احادیث کی خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی میں دودھ ملا ہوا پسند تھا یا شہد سے میٹھا کیا ہوا پانی مرغوب تھا کہ وہ خاص حالات کا ذکر ہے اور یہاں عام حالات کا۔

۳؎اس لیے کہ سفیان ابن عیینہ کے سوا باقی تمام محدثین نے اسے عن الزہری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا،صرف سفیان ابن عیینہ نے عن عروہ عن عائشہ کی زیادتی کی ہے مگر ثقہ کی زیادتی مقبول ہے،نیز امام احمد نے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے بروایت عائشہ صدیقہ روایت فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو کہے الٰہی ہم کو اس میں برکت دے اور اس سے بھی اچھا ہمیں کھلا۱؎اور جب دودھ پیئے تو کہے الٰہی ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے بھی زیادہ دے ۲؎کہ دودھ کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں جو کھانے اور پانی سے کفایت کرے۳؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎یعنی خدایا ہم کو آئندہ ایسا کھانا کھلا جو اس سے بھی زیادہ پاکیزہ اور نفیس و لذیذ ہوکیونکہ کھانے بعض بعض سے اعلیٰ ہوتے ہیں تو ہمیشہ رب تعالٰی سے اعلیٰ مانگے۔

۲؎یعنی دودھ پی کر یہ نہ کہے کہ ہم کو اس سے بھی اعلیٰ نعمت دے کیونکہ دودھ سے زیادہ اعلیٰ نعمت کوئی نہیں اور ناممکن کی دعاکرنا ممنوع ہے۔

۳؎یعنی صرف دودھ ہی میں وہ نعمت ہے جو بھوک و پیاس دونوں کو دفع کرتا ہے لہذا یہ غذا بھی ہے اور پانی بھی،نیز دودھ میں بچے کی پہلی غذا قدرت کی طرف سے مقرر کی گئی کہ بچہ دنیا میں آکر پہلے کئی ماہ بلکہ دو سال تک ماں کا دودھ ہی پیتا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ **فانہ لیس شیئ** سے آخر تک مسدد کا قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان عالی ہے،دوسری حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے،جنت میں بھی دودھ کی نہریں ہوں گی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سقیا سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۱؎کہا گیا ہے کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان دو دن کا راہ ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎کیونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے پانی میں ہلکی سی نمکینی تھی اب بھی اکثر مدینہ منورہ میں پانی باہر سے لایا جاتا ہے۔بعض گڑھے کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں پانی باہر سے لاکر بھرا جاتا ہے،لوگ اسے پیتے ہیں مگر اب عمومًا وہاں کا پانی بہت شیریں اور نہایت ہلکا زود ہضم ہے،اب تو مدینہ کا سا پانی اور وہاں کا سا گوشت روئے زمین میں کہیں نہیں۔

۲؎یہ جگہ جانب مکہ معظمہ واقع ہے مگر اب راستہ میں نہیں پڑتی۔حضرات صحابہ کرام حضور انور کے لیے اپنے دور دراز فاصلہ سے میٹھا پانی اس قدر لاتے تھے کہ حضور سرکار اکثر وہ ہی پانی پیتے تھے۔بعض مریدین اپنے پیروں کے

لیے دور سے ان کی پسندیدہ سبزی لاکر حاضر کرتے ہیں اس خدمت کی اصل یہ ہی حدیث ہے کہ حضرات صحابہ دو دن کی راہ سے میٹھا پانی حضور کے لیے لاتے تھے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے یا چاندی کے برتن میں پیئے یا اس برتن میں جس میں ان میں سے کچھ ہو ۱؎ تو وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کھولاتا ہے یا بھرتا ہے ۲؎ (دارقطنی)	

۱؎ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ اگر تانبے یا پیتل کے برتن میں سونے یا چاندی کی قلعی ہو تو اس میں کھانا پینا حرام ہے،وہ حضرات **فیہ شیٔ من ذالك** سے سونے چاندی کی قلعی مراد لیتے ہیں مگر امام اعظم کے نزدیک اس سے قلعی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد سونے چاندی کی زنجیریں یا کیلیں میخیں مراد ہیں اگر زیادہ ہوں،ایک دو کیل جو باریک ہو اس کی اجازت ہے۔یہ حکم عورتوں مردوں سب کے لیے ہے،عورتوں کو سونے چاندی کا صرف زیور حلال ہے۔

۲؎ اس کی شرح ابھی فصل اول میں گزر گئی۔

باب النقیع و الانبذة

کشمش وغیرہ کے شربتوں کا بیان1

الفصل الاول

پہلی فصل

1نقیع اکثر کشمش کے شربت(زلال) کو کہا جاتا ہے اور نبیذ عمومًا کھجور کے شربت (زلال) کو کہتے ہیں کہ رات کو کشمش یا کھجوریں پانی میں بھگودی جاتی ہیں صبح کو وہ پانی نتھار کر پیا جاتا ہے اسے نبیذ کہتے ہیں۔یہ بہت ہی مقوی اور زود ہضم ہوتاہے یہ حلال ہے بشرطیکہ خدشہ کو نہ پہنچے اگر بہت روز تک رکھا رہے تو جھاگ چھوڑ دیتا ہے اور نشہ آور ہےاب حرام ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا **کل مسکر حرام**۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالہ سے ہر قسم کے شربت پلائے شہد،نبیذ اور پانی اور دودھ 1 (مسلم)	

1ایک لکڑی کا پیالہ حضرت انس کے ہاتھ میں تھا،آپ نے لوگوں کو دکھاکر فرمایا کہ اس پیالہ سے میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی قسم کے شربت اور دودھ پلایا ہےیعنی یہ پیالہ بڑا ہی متبرک ہے کہ اسے حضور انور کے ہاتھ اور لب بارہا لگے ہیں،آپ نے بصرہ میں لوگوں کو اس پیالہ کی زیارت کراکے یہ فرمایا،یہ پیالہ حضرت انس کی اولاد کے پاس بطور تبرک رہا،پھر نضر ابن انس کی اولاد سے آٹھ لاکھ روپیہ کے عوض خریدا گیا۔(مرقات)یہاں اشعۃ اللمعات میں ہے کہ اما م بخاری نے اس پیالہ کی بصرہ میں زیارت کی اور اس سے پانی پیا۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ حضور کے استعمالی برتنوں کو برکت کے لیے اپنے پاس رکھتے تھے اور لوگوں کو زیارت کراتے تھے،آنکھ والے ان چیزوں کی قدرجانتے ہیں۔ابھی گزر گیا کہ حضرت کبشہ نے مشکیزے کا وہ چمڑا کاٹ کر رکھ لیا جس سے حضور نے پانی پیا تھا۔مثنوی میں ہے کہ حضرت جابر کے گھر وہ کپڑے کا دسترخوان تھا جس سے حضور نے ہاتھ و منہ پونچھ لیے تھےجب وہ میلا ہوجاتا تھا تو اسے آگ میں ڈال دیتے میل جل جاتا کپڑا محفوظ رہتا تھا۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر

قوم گفتند اے صحابی عزیز چوں نہ سوزید و منقی گشت نیز

گفت روزے مصطفٰی دست ودہاں بس بما لید اندریں دستار خواں

اے دل ترسندہ ازنار و عذاب باچنیں دست و دہاں کن انتساب

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزہ میں نبیذ بناتے	

	تھے ۱؎ جس کا دہانہ باندھ دیا تھا اور اس کا دہانہ تھا۲؎ صبح نبیذ بناتے تو وہ شام کو پیتے اور شام کو نبیذ بناتے وہ حضور صبح کو پیتے ۳؎ (مسلم)

۱؎ نبیذ بنا ہے نبذ سے بمعنی پھینکنا،ڈالنا،پھر پھینکی ہوئی چیز کو نبیذ کہنے لگے،اس کے بعد اس پھینکنے کے نتیجہ کو نبیذ کہنے لگے،یہاں آخری تیسرے معنی مراد ہیں یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھجوروں یا کشمش کا نبیذ تیار کرتے تھے کہ شام کو کھجوریں بھگو دیتے تھے۔

۲؎ یعنی اس مشکیزہ کے دو منہ تھے:ایک اوپر والا جس سے پانی وغیرہ بھرا جاتا تھا،دوسرا نیچے والا جس سے پانی وغیرہ نکالا جاتا تھا۔عزلاء ہر منہ کو کہا جاتا ہے۔یہاں نیچے والا منہ مراد ہے کیونکہ اوپر والے منہ کا ذکر تو الگ ہوچکا۔

۳؎ نماز فجر اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقت کو غدوہ(غین کے پیش سے) کہا جاتا ہے اور سورج ڈھلے سے مغرب تک کے وقت کو عشاء(عین کے کسرہ سے) کہا جاتا ہے یعنی صبح کے بھگوئے ہوئے چھواروں کا پانی حضور انور دوپہر کے بعد سے شام تک پی لیتے تھے اور شام کے بھگوئے ہوئے چھوارے صبح کو پی لیتے تھے زیادہ دیر نہ لگائی جاتی تھی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شروع رات میں نبیذ بنایا جاتا اسے حضور پیتے جب صبح ہوتی اسی دن اور رات جو آتی اور کل اور دوسری رات اور کل عصر تک ۱؎ پھر اگر کچھ بچ رہتا اسے خادم کو پلا دیتے ۲؎ یا حکم دیتے تو گرا دیا جاتا ۳؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ایک دن کا بنایا ہوا نبیذ حضور دو روز تک پیتے رہتے تھے کہ اس قدر ٹھہرنے سے اس میں نشہ پیدا ہونے کا احتمال نہ تھا۔

۲؎ اس لیے کہ اس کے بعد تل چھٹ رہ جاتا تھا صاف شربت نہ رہتا تھا نشہ ہرگز نہیں پیدا ہوتا تھا،اگر نشہ پیدا ہوتا تو خادم کو ہرگز نہ پلاتے کہ نشہ پلانا بھی حرام ہے۔(مرقات،اشعہ)

۳؎ گرادینا اس صورت میں ہوتا تھا جب کہ اس میں نشہ پیدا ہوجاتا۔اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ کھانا اگر آقا کھائے اور نیچے کا بچا ہوا کھانا خادم کو کھلائے تو جائز ہے۔وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ خادم کو ساتھ کھلاؤ یہ بیان استحباب کے لیے ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ نشہ آور یا سڑی بسی چیز کسی کو نہ کھلائی جائے بلکہ پھینک دی جائے۔خیال رہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی روایت کہ صبح کا نبیذ شام تک ختم فرمادیتے تھے الخ،گرمیوں کے موسم کے متعلق ہے اور حضرت ابن عباس کی یہ حدیث دو دن تک پینے کی سردی کے موسم کے متعلق ہے۔گرمیوں میں نبیذ میں جلد جوش آجاتا ہے اور جلد نشہ آور ہوجاتا ہے سردی میں نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزہ میں نبیذ بنایا جاتا پھر جب مشکیزہ نہ پاتے تو آپ کے لیے پتھر کی ایک لگن میں نبیذ بنایا جاتا ۱؎(مسلم)

۱؎یعنی نبیذ کے لیے کوشش کی جاتی تھی کہ مشکیزے میں بنایا جائے تاکہ شربت ٹھنڈا رہے اور ڈھکا رہے لیکن اگر مشکیزہ میسر نہ ہوتا تو پتھر کی لگن یا بڑے پیالہ میں بنایا جاتا،پتھر میں شربت جلد گرم ہوجاتا ہے مگر اسے ڈھک دیا جاتا ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو بنی سے اور ٹھلیا سے اور پیالہ سے اور کھوکھلی جڑ سے ۱؎اور حکم دیا کہ چمڑے کی مشکیزوں میں نبیذ بنایا جائے ۲؎(مسلم)

۱؎اہل عرب شراب کے بڑے عادی تھے،جب اسلام میں شراب حرام کی گئی تو شراب بنانے رکھنے پینے کے برتنوں کا استعمال بھی حرام کردیا گیاتاکہ یہ برتن دیکھ کر لوگوں کو شراب یاد نہ آوے اور لوگ پھر سے شراب نہ پینے لگیں،بعد میں برتنوں کی ممانعت کی حدیث منسوخ ہوگئی اسی کی ناسخ حدیث آگے آرہی ہے،یہ شراب کے چار برتنوں کا ذکر ہے۔پختہ کدو جو لمبا ہوتا ہے اسے کھکھل کرلیا جاتاتھا،اس سے جگ کی جگہ کام لیتے تھے کہ اسے دباء کہتے تھے۔چھوٹا گھڑا جس میں تھوڑی شراب رکھتے تھے اسے حنتم کہتے تھے،اس پر اکثر سبز رنگ کردیتے تھے۔شراب پینے کا پیالہ جس میں تارکول لگا ہوتا اسے مزفت کہتے تھے یعنی زفت لگا ہوا روغنی پیالہ۔موٹے درخت کی جڑ کھکھل کرکے زمین میں گاڑ دیتے اس میں زیادہ شراب رکھتے تھے اسے نقیر کہتے۔غرضیکہ شراب رکھنے کے دو برتن تھے اور پلانے کے دو برتن۔ان چاروں برتنوں کا استعمال بھی حرام کردیا گیا اور فرمایا گیا کہ ان برتنوں میں دودھ،پانی،نبیذ اور کوئی شربت بھی نہ پیونہ رکھو تاکہ شراب کا تصور نہ آنے پائے۔

۲؎یعنی چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ بناؤ کیونکہ اولًا چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ میں جلد نشہ پیدا نہیں ہوتا کہ چمڑا ٹھنڈا ہوتا ہے اگر نبیذ میں جوش آجائے اور نشہ پیدا ہوجائے تو چمڑہ کا مشکیزہ پھٹ جاتا ہے۔ان مذکورہ برتنوں میں جلد نشہ پیدا ہوجاتا ہے اور پھر خبر نہیں ہوتی کہ نشہ ہوا ہے یا نہیں،ممکن ہے کہ نشہ پیدا ہوچکا ہو اور تم بے خبری میں پی لو۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو برتنوں سے منع کیا تھا مگر برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام ۱؎ہر نشہ والی چیز حرام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تم کو شربتوں سے منع کیا تھا سوا چمڑے کے برتنوں میں تم ہر برتن میں پیو سوا اس کے کہ نشہ آور چیز نہ ہو۔(مسلم)

۱؎ یہ حدیث پچھلی حدیث کی ناسخ ہے یعنی حرمت و حلت برتن پر موقوف نہیں بلکہ نشہ پر موقوف ہے۔یہ حدیث اس وقت کی ہے جب لوگ ترک شراب کے عادی ہوچکے تھے اور نشہ آور اور غیر نشہ آور میں تمیز کرسکتے تھے حالات بدل گئے حکم بدل گیا۔

۲؎ خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خمر یعنی انگوری شراب تو حرام بعینہٖ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے،اس کے ماسوا دوسری نشہ آور چیزیں خواہ پتلی ہوں جیسے جوار وغیرہ کی شراب یا خشک جیسے افیون،بھنگ وغیرہ نشہ دیں تو حرام ہیں ورنہ حرام نہیں بشرطیکہ لہو و لعب کے لیے استعمال نہ کرے۔دوسرے اماموں کے ہاں ہر پتلی نشہ آور چیز مطلقًا حرام ہے نشہ دے یا نہ دے،خشک نشہ آور چیزیں حد نشہ سے کم حلال ہیں۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ حضور انور نے حرمت کو نشہ پر موقوف فرمایا،فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے ۱؎ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام کچھ دوسرا رکھ لیں گے ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) ۳؎	

۱؎ آپ کے حالات پہلے گزر چکے کہ آپ کا نام کعب ابن عاصم ہے،کنیت ابو مالک یا ابو عامر ہے،ابو مالک زیادہ مشہور ہے،آپ صحابی ہیں،خلافت فاروقی میں وفات پائی۔

۲؎ یہ غیبی خبر ہے جو ہوبہو درست ہوئی یعنی آخر ی زمانہ میں لوگ شراب کے نام بدل دیں گے اور اسے حلال سمجھ کر پئیں گے حالانکہ وہ نشہ والی ہوگی مثلًا انگور کا پانی یا کھجور کا عرق کہیں گے یا اسے وسکی کہہ کر پئیں گے۔معلوم ہوا کہ نام کا اعتبار نہیں نشہ کا اعتبار ہے۔آج بعض لوگ شراب کو برانڈی یا وسکی کہہ کر پیتے ہیں حالانکہ حرام ہوتی ہے۔شراب کا نام قہوہ بھی ہے مگر مروجہ قہوہ یعنی بے دودھ کی چائے بالکل حلال ہے کہ اس میں نشہ نہیں لہذا حلال ہے،غرضیکہ نام کا اعتبار نہیں کام کا اعتبار ہے۔(مرقات)

۳؎ یہ حدیث احمد،ابن حبان،طبرانی،بیہقی نے بھی روایت فرمائی ان کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ ان میں باجے رنڈیوں کے گانے بہت بڑھ جائیں گے،اللہ انہیں زمین میں دھنسادے گا اورانکی صورتیں بندروں سؤروں میں تبدیل فرمادے گا یہ آخر زمانہ میں ہوگا۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہری ٹھلیا کے نبیذ سے پینے سے منع فرمایا ۱؎ میں نے عرض کیا کہ کیا ہم سفید میں پی لیا کریں فرمایا نہیں ۲؎ (بخاری)	

۱؎ مٹی کی ٹھلیا جس میں ہرا روغن کیا گیا ہو،یہ شراب کا خاص برتن تھا،یہ حدیث بھی منسوخ ہے اس کی ناسخ حدیث پہلے گزرگئی۔

۲؎ یعنی اس میں بھی نبیذ نہ بناؤ اور اس کا بنایا ہوا نبیذ ہرگز مت پیو کہ یہ شراب کا برتن ہے،رنگ کا اعتبار نہیں برتن کا اعتبار ہے،یہ حدیث بھی منسوخ ہے۔

باب تغطیۃ الاوانی وغیرھا

برتن وغیرہ ڈھکنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎اس باب میں رات کو برتن ڈھکنے دروازہ بند کرنے،چراغ اور آگ بجھانے سب کا ہی ذکر ہوگا جیساکہ آئندہ پتہ لگے گا۔برتن سے مراد بھرے ہوئے برتن ہیں خواہ پانی سے یا دودھ یا سالن سے،خالی برتن ڈھکنے کا حکم نہیں جیساکہ اس کی وجہ بیان فرمانے سے معلوم ہورہا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب رات کا شروع حصہ ہوجائے ۱؎یا تم شام پاؤ تو اپنے بچوں کو روک لو ۲؎کیونکہ اس وقت شیطان پھیلتے ہیں پھر جب رات کی ایک گھڑی گزر جاوے تو بچوں کو چھوڑ دو ۳؎اور دروازے بندکردو اور اللہ کا نام لو۴؎کیونکہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا ۵؎اور اپنے مشکیزوں کو بندھن دے دو اللہ کا نام لو ۶؎ اور اپنے برتنوں کو ڈھک دو اور اللہ کا نام لو اگرچہ اس پر کوئی چیز کھڑی کردو ۷؎اور اپنے چراغ کو بجھا دو ۸؎(مسلم،بخاری)	

۱؎جنح ج کے فتحہ ن کے جزم سے بمعنی حصہ اور شروع اور تاریکی۔(مرقات)یہاں سارے معنی درست ہیں رات کا شروع حصہ یا رات کی اندھیری۔راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **جنح اللیل** فرمایایا فرمایا **امسیتم**۔مقصد قریبًا ایک ہی ہے۔

۲؎یعنی اس وقت بچوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے دو۔شیطان سے مراد موذی جنات اور موذی انسان دونوں ہیں۔(اشعہ)شام کے وقت ہی بچوں کو اغواء کرنے والے زیادہ پھرتے ہیں۔شیطان سے مراد موذی خبیث جن ہیں ورنہ ایک شیطان تو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے جسے قرین کہتے ہیں لہذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں جن میں قرین کے ہر وقت ساتھ رہنے کا ذکر ہے۔

۳؎ کیونکہ اب ان شیاطین کا زور گھٹ جاتا ہے وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے ہیں اب اگر بچے باہر نکلیں تو حرج نہیں۔ معلوم ہوا جنات و شیاطین کا اثر بچوں پر زیادہ ہوتا ہے اس لیے بچوں کو نکلنے سے روکا گیا ہے۔
۴؎ یعنی جب رات کو سونے لگو تو دروازے بند کرکے سوؤاور بند کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیاکرو،اس کی حکمت ابھی آگے بیان ہورہی ہے۔
۵؎ بند دروازے سے مراد وہ ہے جو بسم اللہ سے بند کیا گیا ہوبغیر ذکراللہ بند کیے ہوئے کے اندر شیطان آسکتا ہے،ان کی روک کے لیے دروازہ بند ہونا اور بسم اللہ پر بند ہونا ضروری ہے بسم اللہ باطنی قفل۔
۶؎ یعنی پانی کے بھرے مشکیزے کا منہ ڈوری سے باندھ دویوں ہی کھلا نہ چھوڑو۔
۷؎ یہ مجبوری کی حالت میں ہے جب کہ کوئی چیز گھڑا وغیرہ ڈھکنے کے لیے نہ ملے۔اس لکڑی اور بسم اللہ کی برکت سے برتن شیطان کے اثر سے محفوظ رہے گا۔
۸؎ چراغ سے مراد بتی والا چراغ ہے جس کی بتی چوہا وغیرہ کھینچ سکے،لالٹین یا بجلی اس حکم سے خارج ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔بند گھر میں جلتی لالٹین چھوڑنا بھی خطرناک ہے اس سے گیس پھیل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

اور بخاری کی روایت میں ہے فرمایا برتن ڈھک دو اور مشکیزوں کو بندھن دے دو اور دروازے بند کردو اور اپنے بچوں کو روک لو شام کے وقت کیونکہ جنات کا پھیلاؤ اور چھین جھپٹ کا وقت ہے ۱؎ اور سوتے وقت چراغوں کو گل کردو کیونکہ بہت بار چوہیا بتی کھینچ لے جاتی ہے تو گھر والوں کو جلا دیتی ہے ۲؎	

۱؎ یہاں چھین جھپٹ سے مراد ان کو دیوانہ کردینا ان پر مسلط ہوجانا ہے۔ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن پر جن آجاتے ہیں ان کو پریشان کرتے ہیں دیوانہ بنادیتے ہیں۔جنات کا یہ تصرف قرآن کریم سے ثابت ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"۔جیسے سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور انسان کو نقصان پہنچاسکتے ہیں ایسے ہی شیطان بھی نقصان پہنچاسکتے ہیں،یہ اثرات بھی بالکل حق ہیں۔
۲؎ یہاں **فویسقه** سے مراد موذی جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کردے۔چوہا،چیل،کوّا،بچھو،دیوانہ کتا سب **فویسق** یعنی موذی ہیں اس لیے ان کو حرم شریف میں بھی اور حالت احرام بھی قتل کرسکتے ہیں۔

اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا برتن ڈھک دو اور مشکیزے باندھ دو ۱؎ دروازے بند کردواور چراغ بجھادو ۲؎ کیونکہ شیطان مشکیزہ نہیں کھولتا اور نہ دروازہ کھولتا ہے نہ برتن کھولتا ہے ۳؎ پھر اگر تم میں سے کوئی نہ پائے مگر یہ کہ اپنے برتن پر لکڑی کھڑی کردے اور اللہ کا	

	نام لے آوے تو یہ ہی کرے ۴ کیونکہ چوہیا گھر والوں پر ان کا گھر بھڑکا دیتی ہے ۵

۱ یہاں بھی برتنوں سے مراد وہ برتن ہیں جن میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں،یوں ہی مشکیزے سے مراد وہ مشکیزے ہیں جن میں پانی یا نبیذ وغیرہ ہوں۔
۲ یہاں بھی چراغ سے مراد کھلا چراغ ہے جس کی بتی چوہا کھینچ سکے،موجودہ بجلی کی روشنی اس حکم سے خارج ہے جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔
۳ یہ اللہ تعالٰی کی مہربانی ہے کہ اس نے ان شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی کہ ان چیزوں کو کھول سکیں جیسے شیطان اس کھانے کو نہیں کھاسکتا جو بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے لہذا حدیث شریف بالکل ظاہر معنی پر ہے اس میں کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں۔
۴ یعنی اگر برتن ڈھکنے کے لیے کوئی ڈھکنا نہ ملے تو اس پر اللہ کا نام لے کر لکڑی کھڑی کردو وہ برتن اس لکڑی اور اللہ کے ذکر کی وجہ سے ان بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔
۵ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم بطور مشورہ ہے لہذا مستحب ہے واجب نہیں،اس میں بہت ہی منافع اور فوائد ہیں۔

	اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اپنے جانور اور بچے نہ چھوڑو ۱ جب کہ سورج ڈوب جائے حتی کہ رات کی سیاہی جاتی رہے ۲ کیونکہ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو شیاطین چھوڑ دیئے جاتے ہیں حتی کہ رات کی یہ سیاہی جاتی رہے۔

۱ فواشی جمع ہے **فاشیة** کی،عربی میں چھوٹے ہوئے جانور کو **فاشیہ** کہتے ہیں خواہ جنگل میں چھوٹا ہوا ہو یا بستی میں کھلا پھرتا ہو پھر مطلقًا جانوروں کو **فواشی** کہا جانے لگا وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی مغرب و عشاء کے درمیان اپنے جانور اور بچے کھلے نہ پھرنے دو۔
۲ یعنی رات کے شروع حصہ کی سیاہی ختم ہوجاوے اور اس کی اصلی سیاہی آجاوے،مغرب عشاء کے درمیان آسمان پر سیاہی ہوتی ہے مگر مغربی کنارہ پر سرخی یا سفیدی ہوتی ہے۔یہاں **فحمہ** سے یہ ہی سیاہی مراد ہے اور جب عشاء کا وقت آتا ہے تو یہ خالص سیاہی ہر طرف چھا جاتی ہے کسی جگہ سرخی یا سفیدی کا نام نہیں ہوتا لہذا حدیث واضح ہے۔

	اور اس کی ایک روایت میں یوں ہے فرمایا کہ برتن ڈھک دو اور مشکیزے باندھ دو کیونکہ سال میں ایک رات ہے جس میں وبائیں اترتی ہیں ۱ نہیں گزرتیں کسی ایسے برتن پر جس پر ڈھکنا نہ ہو مگر اس وباء میں سے اس میں اتر جاتی ہے ۲

۱؎اس کا مطلب یہ ہے کہ عموماً ہر رات شیاطین کا پھیلاوا اول شب میں ہوتا ہےاور سال میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس میں خصوصی بلائیں نازل ہوتی ہیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ان احادیث میں یہ عمومی بلاؤں کا ذکر تھا جو روزانہ شروع رات میں آتی ہیں اور اس حدیث میں خاص ان بلاؤں کا ذکر ہے جو سال میں ایک رات آتی ہے۔

۲؎من بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بلا ان برتنوں میں داخل ہوجاتی ہے جن پر ڈھکنا نہ ہو۔نووی نے فرمایا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر آفت سے بچاؤ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے مسلمان ہر وقت ہر حال میں اللہ کا ذکر کرے،دنیا زہر ہےذکر اللہ اس کا تریاق۔(مرقات)تر لکڑی آگ میں نہیں جلتی،اللہ کے ذکر سے تر زبان ان شاء اللہ دوزخ اور آفات کی آگ سے نہ جلے گی۔مؤمن سوتے جاگتے،جیتے،مرتے اللہ کا ذکر کرے ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صاحب ابوحمید نقیع سے دودھ بھرا برتن نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں لائے ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسے ڈھک کیوں نہیں لیا اگرچہ اس پر لکڑی کھڑی کر دیتے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ابو حمید کا نام عبدالرحمٰن ابن سعد ہے،کنیت ابو حمید خزرجی ساعدی ہیں،نقیع وادی عقیق میں ایک جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے طویلہ بنوایا تھاوہاں حضور کے خدام بھی رہتے تھے ان اونٹوں کی نگرانی کے لیے۔بعض نسخوں میں بجائے **نقیع** کے **بقیع** ہےیعنی ب سے جو مدینہ منورہ کا قبرستان ہے مگر یہ صحیح نہیں وادی عقیق مدینہ منورہ کے مکہ معظّمہ کے قدیمی راہ پر تین میل فاصلہ پر ایک وادی ہے اب راستہ بدل چکا ہے۔

۲؎وہ حضرت کھلے برتن میں دودھ لائے تھے اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یعنی دودھ ڈھک کر لانا چاہیے تھااگر ڈھکنا نہ تھا تو اس کے اوپر لکڑی ہی کھڑی کرلیتے۔ہمارے ہاں عوام میں مشہور ہے کہ دودھ اور دہی کو نظر بد بہت جلد لگتی ہےاس پر لکڑی کھڑی کرلینی چاہیے۔اس کی اصل یہ حدیث ہوسکتی ہے کہ خیال رہے کہ دوکانوں پر دودھ دہی کھلا رکھا رہتا ہےوہ اس حکم میں داخل نہیں،کہیں لے کر جاؤ تو ڈھک لو۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب سونے لگو تو اپنے گھروں میں آگ نہ چھوڑو ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎جلتا ہوا چراغ گل کردو،چولہے میں آگ ہو تو بجھادو،کبھی آگ جلتی چھوڑ کر نہ سوؤ نہ کہیں جاؤ،اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔آگ خطرناک چیز ہےذرا سی بے احتیاطی میں گھر اور سامان جلا ڈالتی ہے،بے خبر سوتے ہوئے جل جاتے

ہیں۔خدا کی پناہ!یہاں آگ سے مراد وہ ہی آگ ہے جس سے آگ لگ جانے کا اندیشہ ہو بجلی کی آگ میں یہ اندیشہ نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک گھر مع گھر والوں کے رات میں جل گیا۱؎اس واقعہ کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو فرمایا کہ یہ آگ تمہاری دشمن ہے۲؎تم جب سونے لگو تو اسے اپنے سے بجھا دیا کرو۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس طرح کہ گھر مع گھر والوں کے جل گیا یا گھر جل کر ان لوگوں پر گر گیا۔غرضیکہ گھر والے بھی ہلاک ہوگئے خواہ جل کر یا دب کر۔

۲؎کیونکہ آگ ہمارے بدن ہمارے مال کی ہلاکت کا ذریعہ ہے،اگر احتیاط سے برتی جائے تو مفید ہے ورنہ ہلاکت۔اسے دشمن فرمانا اس معنی سے ہے یعنی بے احتیاطی سے برتی جائے تو دشمن ہےلہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آگ تو بڑی مفید چیز ہے۔حد میں رہ کر ہر چیز مفید ہے حد سے بڑھ کر مضر۔ہم بھی حد میں رہیں تو اچھے ورنہ حد سے بڑھ جائیں تو خود اپنے دشمن ہیں۔اللہ تعالٰی حد میں رکھے۔

۳؎یہ حکم بطور مشورہ ہےلہذا استحبابی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم رات میں کتوں کا یا گدھوں کا رینگنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۱؎کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۲؎اور جب قدم ٹھہر جائیں تو نکلنا کم کرو۳؎کیونکہ اللہ تعالٰی اپنی رات میں اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے پھیلاتا ہے۴؎اور دروازے بند کرو اور اس پر اللہ کا نام لو کیونکہ شیطان دروازہ نہیں کھولتا جب کہ اسے بند کیا جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے۵؎اور گھڑے ڈھک دو،برتن اوندھے کردومشکیزہ باندھ دو ۶؎(شرح سنہ)	

۱؎ یہاں رات کی قید ہے دوسری روایات میں یہ قید نہیں۔چنانچہ حصن حصین شریف میں ہے کہ جب تم گدھے کا رینگنا سنو تو اعوذ باللہ پڑھو۔ابوداؤد و نسائی حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب تم کتوں کا رونا سنو تو اعوذباللہ پڑھو۔یہاں رات کی قید یا تو اتفاقی ہے یا اس لیے ہے کہ رات میں یہ آوازیں بہت مکروہ معلوم ہوتی ہیں۔

۲؎ یعنی شیاطین کودیکھ کر یہ دونوں جانور آوازیں نکالتے چیختے ہیں۔کتوں کا رونا بلاؤں آفتوں کو دیکھ کر ہوتا ہے اور جب مرغ کی آواز سنو تو دعا مانگو کہ وہ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ صالحین کے پاس دعا مانگنا یا ان سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے اور بدکاروں کو دیکھ کر **اعوذ** پڑھنا افضل۔صالحین فاسقین کا دیکھنا آیاتِ الٰہیہ سے ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی رات گئے جب لوگوں کی آمدورفت بند ہوجائے تم بھی بلاضرورت گھر سے نہ نکلو کہ اس وقت جنات موذی جانور نکلتے ہیں۔

۴؎ یعنی دن بھر زمین میں تم پھیلتے ہوتے ہو رات گئے کوئی اور مخلوق یہاں پھیلتی ہے جو دن میں چھپی رہتی ہے دن میں تم چلو پھر وہ مخلوق چھپی رہے رات میں تم آرام کرو تاکہ وہ مخلوق چلے پھرے اس کو بھی رب تعالیٰ کی زمین پر چلنے کا حق ہے اگر تم بھی اس وقت عام طور پر چلو پھرو تو اس مخلوق سے خلط ملط ہونے کی وجہ سے تم کو تکلیف پہنچے گی۔

۵؎ جیسے ظاہری قفل انسان سے نہیں ٹوٹتے یوں ہی ذکر اللہ کا قفل شیطان سے نہیں ٹوٹتا اور جیسے بسم اللہ کی برکت سے شیطان کھانا نہیں کھاسکتا ایسے ہی بسم اللہ کی برکت سے صحبت میں شریک نہیں ہوسکتا،یوں ہی بسم اللہ کی برکت سے وہ بند دروازہ نہیں کھول سکتا۔

۶؎ گھڑے اور مشکیزے کا ذکر حصر کے لیے نہیں مثال کے طورپر ہے کہ تمام کھانے پینے کے برتن ڈھک دیئے جائیں اور خالی برتن اوندھے کردیئے جائیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ فرماتے ہیں ایک چوہیا بتی کھینچتی ہوئی آئی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا اس چٹائی پر جس پر حضور بیٹھے تھے ۱؎ اس سے درہم برابر حصہ جلادیا ۲؎ تب حضور نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے چراغ بجھادو کیونکہ شیطان ان جیسی چیزوں کی اس کام پر رہبری کرتا ہے پھر تمہیں جلادیتا ہے ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ خمرہ بنا ہے **خمر** سے بمعنی ڈھکنا اور چھپانا،اس سے ہے **خمار** بمعنی ڈوپٹہ،**خمر** بمعنی شراب کہ دوپٹہ سر کو اور شراب عقل کو چھپالیتی ہے۔یہاں خمرہ سے مراد چھوٹا مصلے چٹائی کا جس پر ہر ایک آدمی نماز پڑھ سکے،چونکہ وہ مصلے زمین کو چھپالیتا ہے اس لیے اسے خمرہ کہتے ہیں۔حضور انور رات کے وقت اس مصلے پر جلوہ گر تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

۲؎ مصلے میں آگ لگتے ہی بجھادی گئی ہوگی صرف اتنی ہی جگہ جل پائی ہوگی ورنہ سارا مصلے جل جاتا۔
۳؎ یعنی ابھی توہم جاگ رہے تھے آگ بجھالی اگر سوتے ہوتے تو مصلٰی بلکہ سارا گھر جل جاتا اس لیے سوتے وقت چراغ بجھادیا کرو۔

کتاب اللباس

لباس کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱لباس بمعنی پہننا مصدر ہے باب سمع یسمع سے،اس سے مراد ہے پہنی ہوئی چیز یعنی مصدر بمعنی اسم مفعول۔اس میں کپڑے،جوتے،زیور وغیرہ سب کا بیان آئے گا کہ وہ سب چیزیں پہنی جاتی ہیں۔لباس بمعنی التباس بھی آتاہے مشتبہ ہوجانا متشابہ لگ جانا وہ بھی مصدر ہے مگر ضرب یضرب سے پہلے لباس کا مادہ لبس لام کے پیش سے ہے دوسرے لباس کا مادہ لبس لام کے فتحہ سے یہ فرق ضرور خیال رہے یہاں،پہلا لباس ہے بمعنی پہننا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ محبوب ترین لباس جن کا پہننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا حبرہ تھے ۱(مسلم،بخاری)	

۱یمن کے تیارکردہ کپڑوں میں سے ایک قسم کے سوتی کپڑے کا نام حیرہ ہے ح کے کسرہ سے،یہ بہترین قسم کا کپڑا ہوتاہے،سادہ سفید بھی ہوتا ہے اور سبز وسرخ دھاری والا بھی۔حبر کے معنی ہیں سجاوٹ آراستگی،یہ کپڑا بڑا اچھا ہوتا ہےجس سے دولہنوں کو آراستہ کیا جاتا تھا اس لیے اسے حبرہ کہتے ہیں،قرآن کریم میں ہے"فَهُمۡ فِیۡ رَوۡضَةٍ یُّحۡبَرُوۡنَ"۔یہ کپڑا میل خوردہ ہوتاہے،میل کو چھپالیتا ہے جلد جلد دھونا نہیں پڑتا اس لیے محبوب تھا۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ پہنا ۱(مسلم،بخاری)	

۱ بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے شامی جبہ پہنا،چونکہ اس زمانہ میں شام روم کا ماتحت تھا اس لیے ملک شام کو بھی روم کہہ دیا جاتا تھا یا مطلب ہے کہ بنا ہوا روم کا تھا سلا ہوا شام کابہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔یہ کپڑا اونی ہوتا تھا موٹا بنا ہوا بہت سادہ۔حضرات صوفیاء کرام بھی اکثر صوف یعنی اونی کپڑے پہنتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہا جاتا ہےیعنی صوف پہننے والے حضرت آدم و حوا نے زمین پر آکر پہلے اونی کپڑا پہنا۔حضرت عیسٰی علیہ السلام اکثر صوف پہنتے اور درختوں کے پھل وغیرہ کھاتے تھے،جہاں شام آجاتی سورہتے تھے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ سے ملاقات کی سب کا لباس صوف یعنی اون کا تھا،فقہاء فرماتے ہیں کہ

سفر میں تنگ آستین کی قمیض افضل ہے اور گھر کھلی آستین کی قمیض بہتر ہے۔صحابہ کرام کی آستین ایک بالشت چوڑی ہوتی تھیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوبردہ سے فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے عائشہ نے ایک پیوند والا کمبل اور موٹا تہبند نکالا ۱؎ پھر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ان دونوں میں قبض کی گئی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بعض حضرات ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضور کے تبرکات کی زیارت کرنے آیا کرتے تھے اور آپ انہیں زیارت کراتی تھیں۔**ملبد** کے معنی ہیں لبادہ کیا ہوا یعنی پیوند پر پیوند لگتے لگتے نمدہ کے لباس کی طرح موٹا ہوچکا تھا۔

۲؎ یہ اس دعا کا اثر ہے **اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا** کہ میری زندگی و موت مسکین ہوکر ہو۔شعر

بوریا ممنوں خواب راحتش　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

ہم جیسے کمینے غلام ان کے نام پر عیش کررہے ہیں اور وہ خود اس حالت میں دنیا سے پردہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ و سلم۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ و عمدہ لباس بھی پہنے ہیں مگر ان کی عادت نہ ڈالی،ہر قسم کا لباس بے تکلف پہن لیتے تھے،آخر وقت یہ لباس جسم اطہر پر تھالہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ **سھری اثر نعمۃ ربك علیك**۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بستر جس پر آپ سوتے تھے چمڑہ کا تھا جس کا بھراؤ کھجور کا لیف تھا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بعض لوگوں نے **لیف** کے معنی کیے ہیں کھجور کی چھال،یہ غلط ہے چھال بہت سخت ہوتی ہے۔لیف کھجور کے درخت کا گودا جو نرم ہوتاہے،عرب شریف میں کم چوڑے بہت لمبے گدیلے تکیہ نما ہوتے ہیں ان پر سویا جاتا ہے یہاں وہی مراد ہے یعنی حضور کے سونے کا بستر ایسے گدیلے تھے سردی میں یہ بستر تھا اور گرمیوں میں ٹاٹ لہذا یہ حدیث ٹاٹ والی حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تکیہ جس پر آپ ٹیک لگاتے تھے چمڑہ کا تھا جس کا بھراؤ لیف تھا ۱؎(مسلم)

۱؎ یہاں تکیہ سے مراد چھوٹے اور ٹیک لگانے کے قابل تکیے ہیں حضور کے تکیے جن سے آپ ٹیک لگاتے تھے وہ بھی چمڑے کے تھے جن کے بھراؤ میں کھجور کا گودا تھاغرضیکہ ہر چیز میں سادگی تھی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں اس حال میں کہ ہم

بیٹھے تھے اپنے گھر میں دوپہر کی گرمی میں کہ کسی کہنے والے نے جناب ابوبکر سے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں سر شریف ڈھانپے ہوئے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ ہجرت کے دن کا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو خبر دے دی تھی کہ مجھے عنقریب ہجرت کا حکم ملنے والا ہے تم مکہ معظمہ میں رہو تم ہجرت میں ہمارے ساتھ ہو گے،حضرت صدیق اکبر منتظر رہے آج ہجرت کا حکم ملنے پر دوپہر کے وقت حضور حضرت صدیق اکبر کے گھر تشریف لائے اس طرح کہ چادر شریف اوڑھے ہوئے تھے اور چادر کا ایک حصہ گھونگھٹ کی طرح چہرہ پر تھا جس پر چہرہ صاف نظر نہ آتا تھا یا تو گرمی کی وجہ سے یہ عمل تھا یا تاکہ کوئی حضور کو دیکھ نہ سکے یہ ساری چیزیں صیغہ راز میں رکھنی تھیں،بعض صوفیاء خصوصًا حضرات نقشبندیہ چادر کا گھونگھٹ مارتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے۔بعض لوگوں نے اس کو ناجائز کہا ہے،بعض نے بلا ضرورت ناجائز کہا مگر حق یہ ہے کہ مطلقًا جائز ہے چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے متعلق ایک رسالہ لکھا "طی اللسان عن ذم الصیلسان" جس میں بہت احادیث اس عمل کی جمع فرمائیں۔دوسرے موقعوں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہے،حضرت صحابہ کرام تابعین عظام سے بھی ثابت ہے۔حضور غوث الثقلین قطب الکونین سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان سے فرمایا کہ ایک بستر مرد کا ہو ایک بستر اس کی بیوی کا اور تیسرا مہمان کا ۱؎ اور چوتھا شیطان کا ہوگا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ اہلِ عرب فخریہ طور پر بہت سے بستر بناتے اور ان سے گھر سجاتے تھے جیسے پنجاب کے اہلِ دیہات بہت زیادہ برتنوں سے گھر سجاتے اس پر فخر کرتے ہیں۔اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ صرف تین قسم کے بستر رکھو:اپنے لیے،بیوی بچوں کے لیے اور بقدر ضرورت مہمانوں کے لیے،یہاں بستر کی قسمیں مراد ہیں نہ کہ تعداد لہذا جس کے دو چار بچے ہوں،دو چار مہمان روزانہ آتے جاتے ہوں تو وہ انہیں کے مطابق بستر رکھے۔

۲؎ چوتھے سے مراد چوتھی قسم کا بستر ہے یعنی بلا ضرورت محض فخر اور اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے رکھا جائے خواہ ایک ہو یا زیادہ،چونکہ اس قسم کا بستر تکبر و شیخی کے لیے ہوتا ہے اس کا محرک شیطان ہوتا ہے اس لیے اسے شیطان کی طرف نسبت دی گئی ہے۔بعض شارحین نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ مرد کو اپنی بیوی سے علیحدہ سونا چاہیے ساتھ سونا ممنوع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کا بستر بیوی سے علیحدہ فرمایا مگر یہ ضعیف ہے،بعض حالات بیماری وغیرہ میں علیحدہ سونا پڑتا ہے اس لیے علیحدہ بستر کی اجازت دی گئی۔خاوند بیوی کا ایک بستر پر سونا حدیث سے ثابت ہے،اس کے متعلق بہت احادیث ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر نہ کرے گا جو اپنا تہبند گھسیٹے ا(مسلم،بخاری)

اعرب کے رئیس لوگ شیخی میں تہبند بہت نیچا رکھتے تھے جیسے ہمارے ہاں گاؤں کے چوہدری بہت نیچے باندھتے ہیں جو زمین پر گھسٹتے ہی نجس ہوجاتے ہیں ان کے متعلق یہ وعید ہے اسی لیے بطرًا کی قید لگائی گئی،اگر بغیر فخر کے تہبند نیچا ہو تو یہ وعید نہیں،ہاں سنت یہ ہے کہ مرد کا تہبند یا پاجامہ ٹخنہ سے اوپر رہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا کپڑا افخر سے گھسیٹے قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر کرم نہ کرے گا ۲ (مسلم،بخاری)

اکپڑے میں تہبند،پاجامہ،قمیض،چادر سب ہی داخل ہیں ان میں سے جو بہت زیادہ نیچا ہوکر زمین پر گھٹے اور ہو فخریہ فیشن کے طورپر اس پر یہ وعید ہے۔

۲ان جیسے فرمانوں میں نہ دیکھنے سے مراد ہوتا ہے مہربانی و کرم کی نظر نہ دیکھنا۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں ایک شخص تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا اکہ اسے دھنسا دیا گیا تو وہ قیامت کے دن تک دھنستا رہے گا ۲(بخاری)

اظاہر یہ ہے کہ یہ مرد گزشتہ امتوں میں کوئی تھا اس لیے امام بخاری نے یہ حدیث ذکر بنی اسرائیل کے باب میں نقل فرمائی۔بعض نے فرمایا کہ یہ شخص قریب قیامت حضور کی امت سے ہوگا یعنی فیشن ایبل مسلمان مگر قول اول قوی ہے۔(اشعہ)

۲ **یتجلل** بنا ہے **جلجلة** سے جس کے معنی ہیں حرکت کرنے کی آواز یعنی وہ برابر نیچے کو جارہا ہے اس کے جانے کی آواز اللہ والے سن رہے ہیں،یہ شخص قارون کے علاوہ کوئی اور شخص ہے،قارون کے دھنسنے کی وجہ اس کا بخل اور اس کی بے ادبی بنی تھی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچا ہوگا وہ آگ میں جائے گا ا(بخاری)

ااس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ٹخنے سے نیچے تہبند جہنمیوں کا لباس ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ حصہ تہبند کا دوزخ میں جائے گا اس شخص کو ساتھ لے کر،یہ مطلب نہیں کہ تہبند تو دوزخ میں جاوے اور یہ متکبر سیدھا جنت میں،یہاں بھی تکبر شیخی فیشن کے لیے تہبند نیچا رکھنا مراد ہے۔گزشتہ احادیث اس حدیث کی شرح ہیں اور یہ حکم مردوں کے لیے ہے عورتوں کو ٹخنہ کے نیچے تہبند رکھنا چاہیے تاکہ ان کی پنڈلی کا کوئی حصہ حتی کہ ٹخنہ بھی نہ کھلے کہ یہ ستر عورت ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے [1] یا ایک جوتہ میں چلے [2] اور اس سے کہ کپڑے میں لپٹ جائے [3] یا ایک کپڑے میں اوکڑوں بیٹھے اپنی شرمگاہ کھولے ہوئے [4]

[1] بلا مجبوری بائیں ہاتھ سے کھانا پینا مکروہ تنزیہی ہے،بعض علماء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے کہ اس سے سخت ممانعت ہے۔

[2] ایک پاؤں میں جوتا ہو ایک پاؤں ننگا اس طرح چلنا مکروہ تنزیہی ہے،عذر سے ہو تو ممنوع نہیں ایسے چلنا پھرنا وقار کے بھی خلاف ہے اور اس طرح چلنے میں کچھ دشواری بھی ہوتی ہے کہ جوتا والا پاؤں اونچا ہوتا ہے ننگا پاؤں نیچا،بہرحال اس ممانعت میں بڑی حکمتیں ہیں۔

[3] **اشتمال صماء** یہ ہے کہ ایک چادر جسم پر اس طرح لپیٹ لے کہ جسم سارا بندھ جائے ایک ہاتھ بھی کھلا ہوا نہ رہے کہ یہ مغلول کی طرح ہوجاتا ہے یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔

[4] **احتباء** کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر تہبند صرف چادر اوڑھے ہو اور اوکڑوں بیٹھے تکیہ لگا کر اس طرح کہ شرمگاہ کھل جائے کہ اس میں بے پردگی ہے اس لیے **کاشفا عن فرجه** کی قید لگائی گئی،اگر ستر نہ کھلے تو حرج نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر انس،ابن زبیر،ابو امامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں نہ پہنے گا [1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی جو مسلمان ناجائز ریشم پہنے وہ اولًا ہی جنت میں نہ جاسکے گا کیونکہ ریشم کا لباس ہر جنتی کو ملے گا وہاں پہنچ کر رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ**"۔بعض صورتوں میں اور بعض ریشم مرد کو حلال ہیں ان کے پہننے پر سزا نہیں۔خیال رہے کہ کیڑے کا ریشم مرد کو حرام ہے،دریائی ریشم یا سن سے بنا ہوا نقلی ریشم حلال ہے کہ وہ ریشم نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا میں ریشم وہ ہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں [1] (مسلم،بخاری)

[1] اس کی شرح بھی وہ ہی ہے جو ابھی گزری کہ مسلمان مرد کو کیڑے کا ریشم بلا عذر شرعی ممنوع ہے،اگر بانا سوت کا ہوتانا ریشم کا تو حلال ہے،یوں ہی چار انگل سے کم کی پٹی ریشم کی ہو باقی کپڑا سوت وغیرہ کا تو بھی حلال ہے،اسکی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پئیں اور ان میں کھائیں[1] اور موٹے باریک ریشم کے پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے[2] (مسلم،بخاری)

[1] سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا مردوعورت سب کو حرام ہے،عورتوں کو سونے چاندی کا زیور پہننا حلال ہے مرد کو حرام ہے۔

[2] مردوں کوریشم پہننا بھی حرام ہے اور ریشمی بستر پر سونا ریشمی لحاف اوڑھنا بھی حرام ہے،عورتوں کو یہ سب درست ہے حتی کہ ریشم کی ڈوری گھڑی میں باندھنا،ریشم کا کمر بند استعمال کرنا یہ سب مردوں کو ممنوع عورتوں کو حلال ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی جوڑا ہدیۃً پیش کیا گیا[1] آپ نے وہ مجھے بھیج دیا[2] میں نے اسے پہن لیا پھر میں نے آپ کے چہرہ انور میں ناراضی معلوم کی[3] پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لیے نہ بھیجا تھا کہ تم خود پہن لو تو میں نے تو اس لیے بھیجا تھا کہ تم عورتوں کو اس کے دوپٹے پھاڑدو[4] (مسلم،بخاری)

[1] بعض شارحین نے فرمایا سیرا وہ کپڑا ہے جو ریشم و سوت سے مخلوط کرکے بُنا جاوے مگر حق یہ ہے کہ سیرا خالص ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔(مرقات واشعہ)حلہ چادر و تہبند کے مجموعہ کو کہتے ہیں یعنی جوڑا،یہ پتہ نہ لگا کہ ہدیہ کرنے والا کون تھاغالبًا کوئی کافر بادشاہ ہوگا،حضور انور نے یہ ہدیہ قبول فرمایا حضور نے کفار بادشاہوں کے ہدیے قبول بھی کیے انہیں بدلے عطا بھی کیے۔

[2] یعنی وہ ریشمی جوڑا حضور انور نے مجھے ہدیہ فرمادیا۔معلوم ہوا کہ جو چیز مرد کے لیے حرام عورتوں کے لیے حلال ہےوہ مرد کو ہدیہ کی جا سکتی ہے،اسے مرد سے خرید و فروخت کیا جاسکتا ہے،جس کا استعمال کسی مسلمان کے لیے کسی طرح حلال نہ ہو اس کا ہدیہ لینا دینا اس کی تجارت مسلماں کے لیے حرام ہے جیسے شراب اور سوئر لہذا مسلمان افیون،بھنگ کی خرید و فروخت کرسکتا ہے شراب کی نہیں کرسکتا کہ افیون و بھنگ کا دواؤں لیپ میں استعمال حلال ہے،شراب کا استعمال مطلقًا حرام۔

[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اگر میرے لیے یہ حرام ہوتا تو آپ مجھے کیوں عطا فرماتے اس لیے پہن لیا اگر غور فرماتے تو معلوم کرلیتے کہ یہ مجھے پہننے کے لیے عطا نہیں ہوا بلکہ عورتوں کو پہنانے کے لیے عطا ہوا ہے،اس غور نہ کرنے پر حضور انور نے ناراضگی فرمائی۔

۴؎ بعض روایات میں بجائے نساء کے فواطم آیا ہے تب ان سے مراد حضرت فاطمہ بتول زہرا یعنی زوجہ علی مرتضٰی اور فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم یعنی حضرت علی جعفر و عقیل طالب کی والدہ ماجدہ اور ابو طالب کی زوجہ مطہرہ جنہیں حضور نے فرمایا امی بعد امی میری ماں کے بعد ماں اور فاطمہ بنت حمزہ اسد ابن ہاشم یعنی ام اسماء۔خیال رہے کہ فاطمہ بن اسد نے ہی حضور انور کی پرورش کی،انہی کی قبر انور میں حضور کچھ دیر لیٹے،اسلام میں ہاشم ہی سب سے پہلے انہی کے ہاں فرزند پیدا ہوئے،حضور انور نے حضرت علی کے گھر پرورش پائی،پھر حضرت علی نے حضور کے ہاں پرورش پائی رضی اللہ عنہ۔(ازمرقات و اشعہ)یعنی تم نے ان چند فاطماؤں میں یہ کپڑا تقسیم کردیا ہوتا وہ دوپٹے بنالیتیں۔

روایت ہے حضرت عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سواء اس قدر کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں بیچ والی اور کلمہ والی اٹھائیں انہیں ملایا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اگر دو انگل کی ریشمی پٹی یا دو انگل کا ریشمی بیل بوٹا کسی کپڑے میں ہو تو مرد کے لیے جائز ہے دو انگل چوڑا ریشمی کمربند حرام ہے کہ وہ تو پورا کپڑا ہے۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے حابیہ میں خطبہ دیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین یا چار انگل کے ۱؎	

۱؎ فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ امام اعظم و صاحبین کے نزدیک اگر کسی کپڑے میں چار انگل تک ریشمی پھول ریشمی بیل بوٹے ہوں تو مرد کو حلال ہے،چار انگل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معتبر ہیں کہ جو ہمارے ایک بالشت کے قریب ہیں یہ چار انگل ایک جگہ کے معتبر ہیں،اگر قبا یا اچکن میں جگہ جگہ ریشمی بیل بوٹے ہوں کہ ہر ایک ایک بالشت سے کم ہو مگر جب ملاؤ تو بالشت سے زیادہ ہوجائیں وہ حلال ہے کہ ایک جگہ کا اعتبار ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق سے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانیہ جبہ نکالا ۱؎ جس کا گریبان ریشم کا تھا اور اس کے دونوں دامن ریشم سے سلے ہوئے تھے ۲؎ اور بولیں یہ جبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ۳؎ یہ جناب عائشہ کے پاس تھا جب وہ وفات پا گئیں تو اسے میں نے لے لیا ۴؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے اب ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں ۵؎ اس سے شفاء حاصل کرتے ہیں ۶؎(مسلم)	

۱؎ طیالسه جمع ہے طیلسان کی بمعنی چادر،یہ لفظ فارسی میں تالسان تھا عربی میں طیلسان کیا گیا،بعض نے کہا کہ جمع طیس کی ہے،کسروانی منوی ہے کسریٰ کی طرف جو خسرو کا معرب ہے۔خسرو فارسی میں بادشاہ کو کہتے ہیں یہ کپڑا خالص اونی ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی اس جبہ شریف کے گریبان میں ریشم کی پٹی تھی اور اس کے اگلے پچھلے دونوں دامنوں میں ریشمی کپڑے کے ٹکڑے لگے تھے،چونکہ یہ ریشم چار انگل سے زائد نہ تھالہٰذا حلال تھا۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ کنارہ و حاشیہ کو کفه کہتے ہیں،لمبائی میں ہو تو کفه کاف ضمہ سے اور اگر گولائی میں ہو تو کفه کاف کے کسرہ سے ترازو کے پلڑے کوکفه کومکسر کاف کہا جاتا ہے۔

۳؎ جسے حضور حیات شریف میں پہنا کرتے تھےلوگ اس کی زیارت کرنے آتے تھےآپ یہ فرما کر زیارت کراتی تھیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کی زیارت کرانا سنت صحابہ ہے جیسے آج بال شریف کی زیارت کرائی جاتی ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎ حضور انور نے یہ جبہ جناب عائشہ صدیقہ کو اپنی زندگی شریف میں ہبہ فرمادیا تھا،حضرت اسماء نے یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ کی میراث میں لیا کیونکہ آپ ہی ان کی وارث تھیں کیونکہ عائشہ صدیقہ کی حیات شریف میں ابوبکر صدیق کی ساری اولاد وفات پاچکی تھی سواء حضرت اسماء کے اس لیے آپ نے ہی بہن ہونے کی وجہ سے بطور میراث یہ جبہ لیا۔(اشعہ و مرقات)

۵؎ یعنی یہ جبہ دھوکر تبرک کے لیے پیتے پلاتے ہیں۔

۶؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیض کے غسالہ دھوون سے بیماروں کو شفا حاصل کرتے تھے کہ اسے وہ پانی پلاتے تھے اس سے چھینٹا دیتے تھے۔دوسرے یہ کہ ہم اسے دھوتے تھے برکت کے طور پر پینے کے لیے اور اس قمیض کو باندھ کردکھا کر سینہ پر رکھ کر بیماروں کی شفا حاصل کرتے تھے یعنی شفاء حاصل کرنا کئی طریق سے تھا۔(مرقات)جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایاتھا کہ میری قمیض والد کے چہرے پر لگادووہ انکھیارے ہوجائیں گے۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت کرنا ان کا لباس دھوکر بیماروں کو پلانا سنت صحابہ ہےان میں شفا ہے۔آبِ زمزم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہواتمام بیماریوں کی شفاء ہے۔حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا گیا:"اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ"اپنا پاؤں رگڑو اس سے پانی کے چشمے پیدا ہوں گےاس کا پینا نہانا شفاء ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس جبہ شریف کو سر پر رکھنا،آنکھوں سے لگانا،ہونٹوں سے چومنا اس پر ہاتھ پھیرنا شفاء ہے۔(مرقات)یہ معلوم ہوا کہ جبہ پہننا بھی سنت ہے اور گریبان یا چولی اگر ریشم کی ہو تو چار انگل تک جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب زبیر اور عبدالرحمان ابن عوف کو ریشم پہننے کی اجازت دی ان کی خارش کی وجہ سے

ا(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ان دونوں نے جُوں کی شکایت کی تو ان کو ریشمی قمیض کی اجازت دی ۲	

اریشم کا کپڑا خارش اور جوں کے لیے مفید ہےاس مجبوری میں مرد کے لیے ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے۔
۲ریشمی کپڑے میں جُوں نہیں پڑتی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کسومی رنگے کپڑے دیکھے اتو فرمایا کہ یہ کفار کے لباس میں سے ہیں تم انہیں نہ پہنو ۲	

اکسم ایک پھل ہوتا ہے جو سرخ رنگ دیتا ہے اور خالص سرخ رنگ مرد کے لئے ممنوع ہے عورتوں کے لیے جائز ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اگر بنا ہوا کپڑا سرخ رنگ لیا جائے تو ممنوع ہے اور اگر سرخ سوت سے بنا جائے تو جائز ہے،بعض کے نزدیک مطلقًا ممنوع ہے،یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو یہ تفصیل کرتے ہیں،اس کی تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔
۲یعنی کفار حرام و حلال لباس میں یوں ہی مردانہ زنانہ لباس میں فرق نہیں کرتے جیسا کپڑا چاہتے ہیں پہن لیتے ہیں۔چنانچہ سرخ کپڑا عورتوں کا لباس ہے مگر ان کے مرد بھی پہنتے پھرتے ہیں تم ایسا نہ کروتم مردانہ زنانہ جوڑے میں فرق کرو۔(از مرقات)معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار کے لباس سے اور مردوں کو عورتوں کے لباس سے بچنا چاہیے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میں انہیں دھودوں فرمایا بلکہ انہیں جلادو ا(مسلم)ہم حضرت عائشہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کو تشریف لائے اب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کریں گے ۲	

ایعنی چونکہ اس کا رنگ پکا ہے اور اس میں خوشبو بھی ہے اس لیے دھونے سے نہ رنگ اترے گا نہ بو جائے گی،نیز اگر رنگ و بو جاتی رہی تو اس میں مال ضائع کرنا ہے کہ رنگ قیمتی چیز ہے اسے دھوکر کیوں پھینکو لہذا اسے آگ میں ڈالو یعنی اپنے سے الگ کردو عورتوں کو دے دو وہ پہن لیں گی۔جلانے کا مطلب یہ ہی ہے جیسے اردو میں کہاجاتا ہے بھاڑ میں پھینکو۔چنانچہ حضرت یہ مقصد سمجھے نہیں،گھر آئے تنور جل رہا تھا یہ کپڑا اس میں ڈال دیا دوسرے دن حاضر ہوئے حضور نے پوچھا عبداللہ تم نے اس کپڑے کا کیا کیاعرض کیاتنور میں جلادیا،فرمایا اپنے گھر کی کسی عورت کو دے دیا ہوتا وہ پہن لیتی،عورتوں کے لیے سرخ لباس حلال ہے۔(مرقات)امام اعظم کے ہاں خالص سرخ کپڑا مرد کے لیے بہرحال مکروہ ہے خواہ سرخ سوت سے بنایا گیا ہو یا بننے کے بعد رنگا گیا ہو،یوں ہی

زعفرانی رنگ کا پیلا کپڑا مرد کو مکروہ ہے۔(مرقات)اس حدیث کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت قوی ہے۔

۲؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں ہی تھی چونکہ اس میں حضرات حسنین کریمین کے فضائل کا ذکر ہے کہ حضور انور نے ان دونوں کو اپنے مخطط کمبل میں لے لیا اس لیے ہم اسے مناقب اہل بیت میں ذکرکریں گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کپڑوں میں ا؎ زیادہ پسند قمیض تھی ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)	

ا؎ ثیاب جمع ہے ثوب کی، پہننے کے کپڑے کو ثوب کہا جاتا ہےخواہ سلا ہوا ہو یا بغیر سلالہٰذا بے سلا تہبند بھی ثوب ہےاور سلا ہوا پائجامہ کرتا بھی ثوب۔

۲؎ قمیض سے مراد سوتی قمیض ہےحریر ریشم تو مرد کو حرام ہے اور حضور انور نے کبھی اونی قمیض نہیں پہنی کہ یہ بدن میں چبھتی ہے اور پسینہ میں بو دیتی ہے۔قمیض کے پسند ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ بدن سے چمٹی رہتی ہے بدن سے سرکتی نہیں،نماز میں اسے باربار چڑھانا نہیں پڑتاجیساکہ چادر اوڑھنے کی حالت میں ہوتاہے۔حضور کی قمیض میں گریبان نہ ہوتا تھا بلکہ دو طرفہ کندھوں پر چاک کھلے ہوتے تھے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیض کی آستینیں کلائی تک تھیں ا؎(ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

ا؎ لہٰذا سنت یہ ہی ہے کہ قمیض کی آستینیں نہ تو کلائی سے اوپر ہوں نہ نیچے یعنی ہتھیلی یا انگلیوں تک۔جن روایات میں ہے کہ حضور انور کی آستینیں انگلیوں تک ہوتی تھیں وہاں جبہ کی آستینیں مراد ہیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔جبہ کی آستینیں دراز ہوتی تھیں قمیض کی آستینیں چھوٹی،آج کل قمیض کی آستینیں آدھی کلائی تک بعض لوگ رکھتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے۔شلوکے یا واسکٹ کی آستینیں بازو تک ہوتی ہیں یا بالکل نہیں ہوتیں یہ بھی جائز ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قمیض پہنتے تو داہنی طرف سے	

شروع فرماتے تھے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جب قمیض پہنتے تو قمیض کا داہنہ حصے پہلے پہنتے بایاں حصہ بعد میں اس طرح کہ اولًا داہنا ہاتھ شریف داہنی آستین میں ڈالتے پھر بایاں اور اتارنے میں اس کے برعکس۔ میامن جمع ہے میمنہ کی جس کا مادہ یمن یا یمین ہے۔ قمیض کا ہر داہنا حصہ یمین ہے،آستین دامن کلی وغیرہ۔اس لیے میامن جمع ارشاد ہوا۔اور ہوسکتا ہے کہ میامنہ کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو یعنی اپنے دائیں طرف سے شروع فرماتے تھے تب میامن کو جمع فرمانا تعظیم کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمانوں کے تہبند اس کے آدھی پنڈلیوں تک ہوں ۱؎ اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں ۲؎ جو اس سے زیادہ نیچا ہوگا وہ آگ میں ہوگا ۳؎ یہ تین بار فرمایا اور اللہ تعالٰی اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے گا جو اپنا تہبند فخرًا زیادہ نیچا رکھے(گھسیٹے) ۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ ازرہ الف کے کسرہ سے ز کے جزم سے یعنی تہبند باندھنے کی حالت و ہیئت جیسے جلسہ بیٹھنے کی ہیئت و کیفیت۔(اشعہ و مرقات)یعنی مسلمانوں کے ازاروتہبند باندھنے کی کیفیت یہ چاہیے کہ وہ نصف پنڈلی تک رہے،نصف سے مراد تقریبًا آدھا ہے نہ کہ حقیقی آدھا لہذا کچھ اونچے نیچے ہونے میں حرج نہیں،یہ حد مردوں کے لیے ہے۔عورتوں کے تہبند یا پاجامے ٹخنوں کے نیچے تک ہونے چاہئیں کیونکہ ان کی پنڈلی ستر میں داخل ہے جس کا چھپانا فرض ہے۔عورتیں گھر میں رہتی ہیں گندی گلیوں سڑکوں میں انہیں چلنا پھرنا نہیں پڑتا ان کے لیے پاجامہ نیچا ہونا مضر نہیں،مردوں کو باہر چلنا پھرنا پڑتا ہے ان کے نیچے پانچے نجس ہوجائیں گے اس لیے بھی یہ فرق کیا گیا۔

۲؎ یعنی مرد ٹخنوں تک پائجامہ اور تہبند رکھ سکتے ہیں اس طرح کہ ٹخنے کھلے ہوں۔

۳؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ اس حد سے نیچا تہبند مع پاؤں کے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جب پاؤں دوزخ میں گیا تو پاؤں والا بھی وہاں ہی گیا۔وجہ ظاہر ہے کہ یہ عمل متکبرین اور فیشن ایبل لوگوں کا ہے،نیز ایسے تہبند اکثر نجس رہتے ہیں،راستہ کی گندگی ان کے نچلے کنارہ میں لگ جاتی ہے جس سے نماز درست نہیں ہوتی،اکثر ایسے تہبند میں الجھ کر گر جاتے ہیں خصوصًا زینہ پر چڑھتے اترتے۔

۴؎ فخر کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ سزائیں اس صورت میں ہیں جب کہ فیشن یا تکبر کے طور پر ہو،اگر کوئی شخص بے خیالی میں ایسا کر بیٹھے تو یہ حکم نہیں،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تہبند شریف کبھی بے خیالی میں نیچا ہوجاتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں میں	

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مؤمن کے تہبند اس کی آدھی پنڈلیوں تک ہوں ۱؎ اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں ۲؎ جو اس سے نیچے ہوگا وہ آگ میں ہوگا ۳؎ یہ تین بار فرمایا ۴؎ اور اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہ کرے گا جو فخریہ طور پر اپنا تہبند نیچا رکھے ۵؎ (گھسیٹے) (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ انصاف جمع فرماکر اشارۃً بتایا گیا کہ حقیقی آدھا ضروری نہیں قریبی آدھی پنڈلی تک ہونی چاہیے جیسے کہا جاتا ہے اوائل کتاب یا اواخر کتاب۔اگر حقیقی آدھی پنڈلی مراد ہوتی تو **نصف الساق** فرمایا جاتاکہ پنڈلی کا نصف ایک ہی ہوتا ہے نہ کہ چند۔(اشعہ)

۲؎ یعنی آدھی پنڈلی تک تہبند ہونا بہتر ہے ٹخنوں تک ہونا جائز،آج کل آدھی پنڈلی تک تہبند،منڈا ہوا سر بہت لمبی داڑھی وہابیوں کی نشانی ہے اس لیے ٹخنہ کے اوپر تہبند رکھے یعنی اس جائز کام پر عمل کرے سر نہ منڈائے، داڑھی صرف ایک مشت رکھے زیادہ بھی نہ رکھے تاکہ ان کی مشابہت سے بچے **من تشبہ بقوم فھو منھم**۔

۳؎ اسکی شرح ابھی گزری کہ صرف نیچا تہبند ہی دوزخ میں نہ جائے گا بلکہ اپنے پہننے والے کو بھی ساتھ لے جائے گا۔

۴؎ یہ پوری حدیث تین بار فرمائی یا صرف یہ آخری کلمہ **مااسفل** الخ تین بار فرمایا۔

۵؎ اس فرمان عالی نے ساری حدیث کو مقید کردیایعنی فخریہ طور پر یا فیشن یا یہودونصاری کی نقل کے لیے نیچے پائجامے پہننا دوزخ کا ذریعہ ہے۔اس لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ فیشن یا شیخی کے لیے نیچے پائجامہ پہننا مکروہ تحریمی ہے اس کے بغیر مکروہ تنزیہی یا خلاف مستحب۔

روایت ہے حضرت سالم ۱؎ سے وہ اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایانیچا چھوڑنا تہبند اور قمیض اور عمامہ میں ہے ۲؎ جوان میں سے کوئی چیز زیادہ نیچی رکھے تکبرًا تو قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظرِ رحمت نہ کرے گا ۳؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے بیٹے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے آپ اسم بامسمّٰی تھے،دین و تقویٰ صحیح و سالم رکھتے،حق بات کہنے میں بہت جری اور بے باک تھے،حجاج ابن یوسف جیسے ظالم حاکم کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، ۱۰۶ھ ایک سو چھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بڑے پایہ کے تابعی ہیں۔

۲؎ یعنی صرف نیچا تہبند ہی مکروہ و ممنوع نہیں بلکہ عمامہ کا شملہ،کرتے کا دامن بھی اگر ضرورت سے زیادہ نیچا ہو تو وہ بھی ممنوع ہے اور اس پر بھی یہ ہی وعید ہے۔

۳؎ چنانچہ عمامہ کا شملہ نصف پیٹھ تک چاہیے،بعض چوتڑوں تک رکھتے ہیں ممنوع ہے اور قمیض کا دامن بعضے عرب ٹخنوں کے نیچے رکھتے ہیں ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو کبشہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں چمٹی ہوتی تھیں ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث منکر ہے۔

۱؎ آپ کا نام عمرو بن سعید انصاری ہے،کنیت ابو کبشہ،شام میں قیام رہا۔

۲؎ کمام جمع کمۃ کی، کاف کے پیش سے جیسے قبہ کی جمع ہے قباب،کمہ کی اصل ہے کم بمعنی ڈھکنا گھیرنا،اب اصطلاح میں ٹوپی کو کمہ کہا جاتا ہے کہ وہ سر کو گھیرتی اسے ڈھکتی ہے اور بطح جمع ہے ابطح کی بمعنی فراخ اور چوڑی اس لیے زمین مدینہ کو ابطح بھی کہا جاتا ہے کہ وہ وسیع و فراخ ہے۔یہاں بطحا سے مراد ہے چوڑی ٹوپی جو گول ہو اور فراخ کہ سر سے اٹھی نہ رہے بلکہ ساری کھوپڑی پر چمٹی رہے حضرات صحابہ کی ٹوپیاں ایسی ہی ہوتی تھیں۔بعض شارحین نے کمام کو کُمٌّ بمعنی آستین کی جمع فرمایا اور حدیث کے معنی یہ کیے کہ صحابہ کرام کی آستین فراخ و چوڑی ہوتی تھیں مگر پہلے معنی قوی ہیں کیونکہ کم کی جمع اکمام آتی ہے نہ کہ کمام۔مرقات نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کی ٹوپیوں کی چوڑائی ایک بالشت ہوتی تھی سارے سر پر چمٹی ہوتی تھیں۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ ٹوپیاں بھی اوڑھتے تھے عمامہ لازم بھی تھے بلکہ عمامہ بھی ٹوپیوں پر ہی باندھتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا جب کہ حضور نے تہبند کا ذکر کیا ۱؎ یا رسول اللہ تو عورت ۲؎ فرمایا ایک بالشت لٹکائے ۳؎ بولیں تب تو اس سے کھل جائے گی ۴؎ فرمایا تو ایک گز اس پر زیادہ نہ کرے ۵؎(مالک،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی یہ فرمایا کہ مؤمن کے تہبند آدھی پنڈلی تک رہنے چاہئیں تب حضرت ام سلمہ نے یہ سوال پیش کیا۔

۲؎ یعنی مؤمن تو عورت بھی ہے اگر اس کا تہبند آدھی پنڈلی تک رہے تو اس کی نماز کیسے درست ہوگی اور اس کی پنڈلی ستر ہے اس کا کھلا رکھنا اسے ممنوع ہے۔

۳؎ یعنی بمقابلہ مرد کے ایک بالشت اپنا تہبند زیادہ رکھے۔مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی سے ایک بالشت زیادہ لٹکائے تاکہ ٹخنے بھی ڈھکے رہیں۔

۴؎ یعنی ایک بالشت زیادہ رکھنے میں اگرچہ بیٹھنے کی حالت میں تو اس کا ستر چھپا رہے گا مگر چلنے کی حالت میں اس کے قدم ضرور کھلیں گے یا بے احتیاطی میں پنڈلی بھی کھل جائے گی لہذا ایک بالشت زیادہ ہونے سے بھی ستر حاصل نہ ہوگا۔

۵؎ گز سے شرعی گز مراد ہے یعنی ایک ہاتھ یا دو بالشت جو کہ ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ ہوتے ہیں شریعت میں اسی گز کا اعتبار ہے۔مطلب یہ ہے کہ دو بالشت زیادہ رکھے اس سے زیادہ نہ کرے ورنہ زمین پر گھسیٹے گا اور نجس ہوتا رہے گا۔

	اور ترمذی نسائی کی روایت میں جو حضرت ابن عمر سے ہے یوں ہے کہ بولیں تب تو ان کے قدم کھل جائیں گے ۱؎ فرمایا تو ایک گز لٹکالیں اس پر زیادہ نہ کریں۔

۱؎ یہ عبارت پہلے جملہ کی تفسیر ہے وہاں فرمایا تھا **تنکشف عنها** اس کا مطلب یہ بتایا کہ عورتوں کے قدم کھل جائیں گے۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگرچہ عورت کے قدم ستر نہیں مگر انہیں بھی چھپا کے رکھنا بہتر ہے جیسے عورت کا چہرہ کہ اگرچہ ستر نہیں مگر اجنبی مردوں سے اس کا چھپانا بہتر ہے اب تو یہ باتیں بڑی پرانی معلوم ہوتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت معاویہ ابن قرہ سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں رسول الله صلی الله علیہ وسلم کی خدمت میں مزینہ کی ایک جماعت میں آیا لوگوں نے آپ سے بیعت کی ۲؎ آپ کے بٹن کھلے ہوئے تھے میں نے حضور کی قمیض کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا ۳؎ تو مہر نبوت کو چھوا ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ معاویہ ابن قرہ ابن ایاس مزنی ہیں،تابعی ہیں،جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے،اپنے والد اور انس ابن مالک،عبدالله ابن مفضل صحابہ سے ملاقات ہے،ان کے والد صحابی ہیں،بصرہ میں قیام رہا،ان سے روایت صرف ان کے بیٹے معاویہ نے ہی کی،یہ قوم ازارقہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔(مرقات)

۲؎ تین سے لے کر دس تک کی جماعت کو رھط کہتے ہیں۔مزینہ والے لوگ چار سو تھے جو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں باری باری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے،ایک ٹولی میں یہ تھے لہذا یہ حدیث اور چار سو والی روایت کے خلاف نہیں۔

۳؎ **جیب** کہ لفظی معنی ہیں پھٹن،اصطلاح میں گریبان کو جیب کہتے ہیں۔حضور صلی الله علیہ وسلم کا گریبان شریف سینہ پر نہ ہوتا تھا بلکہ گردن شریف کے داہنے بائیں جگہ کھلی تھی جس سے قمیض پہنتے اور اتارتے تھے مگر آج گریبان والی قمیض زیب تن فرما تھے جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔بعض لوگوں نے سینہ پر گریباں بنانے کو بدعت کہا ہے مگر یہ غلط ہے حضور صلی الله علیہ وسلم سے یہ گریباں بھی ثابت ہے۔(مرقات)آپ کا گریبان شریف میں ہاتھ ڈال دینا بے ادبی سے نہ تھا بلکہ اس مقصد کے لیے تھا جو آگے آرہا ہے یعنی مہر نبوت کو چھوکر بوسہ دینا۔

۴؎ مہر نبوت شریف کا ذکر ان شاءالله عنقریب آوے گا،یہ چھونا برکت حاصل کرنے اور بوسہ دینے کے لیے تھا۔

روایت ہے حضرت سمرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید کپڑے پہنو وہ زیادہ پاکیزہ اور بہت ستھرے ہیں اور بہت پسندیدہ ہیں ۱؎ اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دو ۲؎ (احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)	

۱؎ اطیب بنا ہے طیب سے اگرطیب خبیث کا مقابل ہو تو بمعنی حلال ہوتا ہے جیسے رب تعالٰی کا فرمان:"لَا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَ الطَّیِّبُ"ورنہ اس کے معنی ہوتے پسندیدہ شرعًا یا عقلًا یا طبعًا یہاں اس ہی آخری معنی میں ہے یعنی سفید کپڑا پاکیزہ بھی ہے کہ ذرا سا دھبہ دور سے معلوم ہوجاتا ہے اور دھولیا جاتا ہے،رنگین کپڑے کے داغ دھبے نظر نہیں آتے،نیز رنگین کپڑے کے دھونے میں رنگ ڈھل جانے کا خطرہ ہوتا ہے سفید کپڑے میں یہ خطرہ نہیں،نیز سفید کپڑا اپنے پیدائشی رنگ پر ہے رنگین کپڑے کا رنگ عارضی۔اطیب کے معنی میں دل پسند،جتنا حسن و زیبائش سفید کپڑے میں ہے اتنا دوسرے میں نہیں۔وہ جو وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا یا سرخ جوڑا یعنی سرخ دھاری والا جوڑا پہنا یا عورت کا کپڑا رنگین ہو وہ سب بیان جواز کے لیے ہے یہ فرمان عالی بیان استحباب کے لیے۔بعض طلباء صوفیاء رنگین کپڑے پہنتے ہیں وہ محض اس لیے کہ جلد جلد دھونا نہ پڑیں ورنہ مسلمان کے لیے سفید کپڑا بہت ہی بہتر ہے۔

۲؎ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ عورت کو رنگین کفن دو غلط ہے ہر مردہ کو سفید کفن دینا بہتر ہے کہ اب اس کی گفتگو اور ملاقات فرشتوں سے ہونے والی ہے تو اچھے کپڑوں میں ہونی چاہیے اچھے کپڑے سفید ہیں۔یہاں مرقات نے سفید رنگت پر بہت اعلیٰ گفتگو کی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ یعنی عمامہ شریف کا کنارہ مبارکہ جسے فارسی میں شملہ اور عربی میں عذبہ کہتے ہیں نصف پیٹھ تک ہوتا تھا اور دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رہتا تھا خواہ پیٹھ پر یا سینہ پر مگر سینہ پر ہونا افضل ہے یعنی سامنے۔(مرقات ولمعات)

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے عمامہ باندھا ۱؎ تو اسے میرے آگے اور پیچھے لٹکا دیا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی میرے سر پر خود اپنے دستِ مبارک سے عمامہ لپیٹا۔آج کل فارغ التحصیل طلباء کے سروں پر علماء عمامے لپیٹتے ہیں جسے رسم دستار بندی کہا جاتا ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

۲؎ اس طرح کہ عمامہ کا پہلا شملہ تو سینہ پر ڈالا اور آخری شملہ پیٹھ پر ڈالا یہ ہی سنت ہے۔بعض لوگ آخری شملہ اونچا رکھتے ہیں جسے طرہ کہتے ہیں یہ خلاف سنت ہے،ہاں یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ دوسرا شملہ کبھی رکھا گیا ہے کبھی نہیں۔خیال رہے کہ نماز پنجگانہ کے لیے سات ہاتھ اور نماز جمعہ کے لیے بارہ ہاتھ کا عمامہ بہتر ہے،اس کا شملہ کم از کم چار انگل ہوزیادہ سے زیادہ آدھی پیٹھ تک اس سے زیادہ ممنوع ہے۔شملہ پشت پر رہے یا داہنے ہاتھ کی طرف سینہ پر،بائیں ہاتھ کی طرف سنت کے خلاف ہے،کھڑے ہوکر باندھنا سنت ہے مسجد میں باندھے یا کہیں اور۔

روایت ہے حضرت رکانہ سے ۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور انس کی اسناد قوی و قائم نہیں۔	

۱؎ آپ رکانہ ابن عبد یزید ابن ہاشم ابن عبدالمطلب ہیں،قریشی ہاشمی ہیں،بڑے محدث بڑے شجاع صحابی ہیں،خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی بغیر ٹوپی عمامہ باندھنا طریقہ مشرکین ہے اور ٹوپی پر عمامہ باندھنا طریقہ مؤمنین ہے لہذا ٹوپی پر عمامہ باندھو ٹوپی خواہ سر سے چمٹی ہوئی ہو یا اٹھی ہوئی جسے پنجابی میں کلاہ کہتے ہیں۔(مرقات)عمامہ بہت افضل ہے،بغیر عمامہ کی ۷۰ نمازیں اور عمامہ سے ایک نماز برابر ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پر عمامہ اس طرح باندھے کہ ٹوپی کھلی نہ رہے اگر کلاہ ہو تو اس کے نیچے بھی عمامہ کا کچھ حصہ ہو۔ٹوپی کھلے رہنے میں اعتجار کا احتمال ہے۔اعتجار یہ ہے کہ سر کے آس پاس عمامہ ہو بیچ حصہ کھلا ہو جیسے کہ عام دیہاتی باندھتے ہیں یہ ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ۱؎ اور اسی امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ۲؎ (ترمذی،نسائی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔	

۱؎ اُحل صیغہ واحد غائب ماضی مجہول ہے احل واحد متکلم مضارع نہیں کیونکہ آگے آرہا ہے حرم یہ ہی صیغہ ماضی مجہول یعنی میری امت کی عورتوں پر ریشم پہننا حلال کیا گیا خواہ چھوٹی بچیاں ہوں یا بالغہ جوان سب کے لیے حلال ہے،اناث سب کو شامل ہے۔

۲؎ ذکور ہر مرد کو شامل ہے بچہ ہو یا جوان سب پر ریشم پہننا حرام ہے،ہاں چھوٹے بچہ کو پہنانے والے گنہگار ہوں گے بڑا مرد خود گنہگار ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پاتے تو اس کا نام رکھتے عمامہ یا قمیض ۱؎ یا چادر پھر کہتے الٰہی تیرا شکر ہے جیسے تو نے مجھے یہ پہنایا ویسے ہی میں اس کپڑے کی خیر اور جس کے لیے یہ بنایا گیا اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی اور جس کے لیے یہ بنایا گیا اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد) ۳؎	

۱؎ حضور انور حتی الامکان نیا کپڑا جمعہ کو پہنتے تھے اور نیا کپڑا پہن کر پرانا خیرات فرمادیتے تھے۔(مرقات)پھر پہلے اس کا نام معین فرماتے کہ یہ چادر اوڑھتا ہوں یا قمیض پہنتا ہوں یا تہبند پھراسے زیب تن فرماتے،ان کی ہر ہر ادا پر کروڑوں درود۔

۲؎ کپڑے کی خیر یہ ہے کہ کپڑا پہن کر نیک اعمال کی توفیق ملے اور کپڑے کی شر یہ ہے کہ کپڑے پہن کر گناہ کرے،کپڑے پہن کر نماز پڑھنا خیر ہے اور کپڑے پہن کر چوری کرنا اس کی شر ہے اور بندہ اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے خیر کرسکتا ہے شر سے بچ سکتا ہے،نیز کپڑا پہن کر حمدوشکر کرنا کپڑے کی خیر ہےاس پر فخر کرنا اس کپڑے کی شر۔

۳؎ یہ حدیث احمد،نسائی،ابن حبان نے اور حاکم نے مستدرک میں ان ہی راوی سے روایت کی۔شرح سنہ بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سفید قمیض پہنے دیکھا تو فرمایا کہ نئ ہے یا دھلی ہوئی عرض کیا نئی،فرمایا البس جدیدا عش حمیدًا ومت شھیدا یعنی نیا لباس پہنو اچھے جیوشہید مرورضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانا کھائے پھر کہے شکر ہےاس اللہ کا جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری بغیر قوت و طاقت کے مجھے یہ عطا فرمایا تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۲؎(ترمذی)اور ابوداؤد نے یہ زیادتی کی کہ جو کوئی کپڑا پہنے تو کہے شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے یہ پہنایا اور بغیر میری طاقت و قوت کے مجھے یہ عطا فرمایا تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۳؎	

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ جند سے ہیں،مصر میں قیام رہا،آپ سے آپ کے فرزند سہل نے احادیث روایات کیں۔

۲؎ زبان سے یہ کلمات کہے اور دل میں عقیدہ رکھے کہ مجھے جو کچھ مل رہا ہے میرے علم و عقل کا نتیجہ نہیں صرف میرے رب کا فضل ہے ورنہ مجھ سے اچھے اچھے مارے مارے پھررہے ہیں،بڑی مصیبتوں میں ہیں تو ان شاءاللہ مغفرت ہوگی۔

۳؎حاکم نے مستدرک میں بروایت عائشہ صدیقہ مرفوعًا روایت کی،فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی ایک یا آدھے دینار کا کپڑا خریدے اس پر رب تعالٰی کی حمد کرے تو یہ کپڑا اس کے گھٹنوں پر پیچھے پہنچے گا گناہ پہلے بخش دیئے جائیں گے۔(مرقات)اس کی مثل طبرانی نے حضرت ابو امامہ سے روایت کی کچھ فرق کے ساتھ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو ۱؎ تو تم کو دنیا سے اتنا کافی ہو جیسے سوار مسافر کا توشہ ۲؎ اور امیروں کی مجلس سے اپنے کو بچاؤ ۳؎ اور کسی کپڑے کو پرانا نہ سمجھو حتی کہ اسے پیوند لگالو ۴؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صالح ابن حسان کی ہی حدیث سے پہچانتے ہیں،محمد ابن اسماعیل نے کہا کہ صالح ابن حسان منکر الحدیث ہے ۵؎	

۱؎ دنیا و آخرت میں اچھی طرح ملنا کامل طور پر میرے ساتھ رہنا جس کی وجہ سے میں تم سے بہت خوش رہوں تو یہ عمل کرنا۔

۲؎ یعنی تھوڑی دنیا پر قناعت کرو جیسے مسافر راستہ طے کرتے ہوئے تھوڑا سامان رکھتا ہے بہت سامان کو بوجھ اور وبال سمجھتا ہے۔

۳؎ یعنی خود تو مالدار بننے کی کوشش کرنا بہت دور ہے مالداروں کی صحبت سے بھی پرہیز کرو۔مالداروں سے غافل اور متکبر مالدار مراد ہیں یا وہ صورت مراد ہے جب مالداروں کے پاس بیٹھنے سے ناشکری کا جذبہ پیدا ہو کہ یہ تو اتنا بڑا مالدار ہے میں غریب ہوں،ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت عثمان غنی اور امام اعظم ابوحنیفہ بڑے دولت مند تھے انکی صحبت کیمیا تھی۔

۴؎ یہ انتہائی قناعت کی تعلیم ہے کہ پیوند والے کپڑے پہننے میں عار نہ ہو۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب کہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے کہ آپ کے کپڑوں میں اوپر تلے تین پیوند ایک جگہ پر لگے تھے کہ پیوند گل گیا تو اور لگالیا حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خطبہ دیا اس وقت آپ کے تہبند شریف میں بارہ پیوند تھے۔(مرقات)مقصد یہ ہی ہے کہ پیوند والے کپڑے کے پہننے میں عار نہ ہونی چاہیے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جہاں ارشاد ہے کہ رب کی نعمت کا اثر تم پر ظاہر ہو یا فرمایا کہ نیا کپڑا پاؤ تو پرانا خیرات کردو۔ابن عساکر نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گدھے کی سواری فرمالیتے تھے،اپنا نعلین پا خود سی لیتے تھے،اپنی قمیض میں پیوند لگالیتے تھے اور پہن لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو میری سنت سے نفرت کرے وہ میری جماعت سے نہیں۔(مرقات)

۵؎ ان شاءاللہ حدیث منکر کے معنی،اس کی تعریف اور احادیث کے اقسام و احکام آخر کتاب میں عرض کیے جائیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ ابن ایاس ابن ثعلبہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم نہیں سنتے بے شک پرانے کپڑے پہننا ایمان سے ہے بے شک پرانے کپڑے پہننا ایمان سے ہے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ ابو امامہ دو ہیں اور دونوں صحابی ہیں:ایک ابو امامہ باہلی جو قبیلہ بنی باہلہ سے ہیں،دوسرے وہ جن کا نام ایاس ابن ثعلبہ ہے،یہ انصاری ہیں،یہاں یہ دوسرے ابو امامہ مراد ہیں،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے رضی اللہ عنھم اجمعین۔

۲؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا کہ معمولی لباس پھٹے پرانے کپڑے پہننے سے شرم و عار نہ ہونا کبھی پہن بھی لینا مؤمن متقی کی علامت ہے،ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے لباس پہننے کا عادی بن جانا کہ معمولی لباس پہنتے شرم آئے طریقہ متکبرین کا ہے۔یہاں ایمان سے مراد کمالِ ایمان ہے،اس حدیث کو احمد،ابن ماجہ اور حاکم نے ابو امامہ حارثی سے روایت کیا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا ۱؎ اسے اللہ تعالٰی قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا ۲؎(احمد،ابوداؤد ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جو ایسا لباس پہنے جس سے لوگ اسے امیر جانیں یا ایسا لباس پہنے جس سے اسے لوگ بڑا تارک الدنیا فقیر صوفی ولی سمجھیں یہ دونوں قسم کے لباس شہرت کے لباس ہیں،بعض لوگوں کو ٹاٹ پہنے دیکھا گیا یہ بھی شہرت کا لباس ہے۔غرضیکہ جس لباس میں یہ نیت ہو کہ اس کی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھیں،لوگ اس کی عزت کریں خواہ امیر سمجھ کر خواہ ولی سمجھ کر وہ اس کی شہرت ہے،عزت اللہ رسول کی ہے جسے چاہیں دیں۔مرقات نے فرمایا کہ مسخرہ پن کا لباس پہننا جس سے لوگ ہنسیں یہ بھی لباس شہرت ہے۔

۲؎ قیامت میں سب لوگ ننگے اٹھیں گے پھر میدان محشر میں سب کی تن پوشی کی جائے گی،شہرت کا لباس پہننے والوں کو وہ لباس ملے گا جس سے انکی ذلت ظاہر ہو اس کے عکس کا حکم بھی برعکس ہی ہوگا کہ جو شخص سادہ لباس پہنے باوجود قدرت کے لباس فاخرہ نہ پہنے ان شاءاللہ اسے قیامت میں لباس عزت ملے گا بشرطیہ نیت صادق ہو۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا ۱؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو شخص دنیا میں کفار،فاسق و بدکار کے سے لباس پہنے انکی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے انکا لباس پہنے وہ کل قیامت میں ان شاءاللہ متقیوں کے زمرہ میں اٹھے

گا۔خیال رہے کہ کسی کی سی صورت بنانا تشبہ ہے اور کسی کی سی سیرت اختیارکرنا تخلق ہے یا تشبہ فرمایا گیا ہے۔

حکایت: غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا،موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی مولیٰ یہ کیوں بچ گیا،فرمایا اس نے تمہارا روپ بھرا ہواتھاہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے۔(مرقات)مسلمان کو چاہیے کہ نماز و روزہ وغیرہ عبادات میں بھی اچھوں خصوصًا اچھوں سے اچھے یعنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرنے کی نیت کرے،دل لگے یانہ لگے شکل تو حضور کی سی بن جاتی ہے۔یہاں **من تشبہ** ہے **من تخلق** نہیں۔ان شاءاللہ اصل کی برکت سے خدا ہم نقالوں کو بھی بخش دے گا۔

مسئلہ: جو ہیئت جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لیے کفر ہے جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیئو باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا۔اور جو ہیئت و لباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لیے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ و نیکر اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر جہاد میں کوئی مسلمان جو کفار کی سی شکل و صورت رکھتا ہو دھوکہ سے مسلمان غازیوں کے ہاتھوں مارا جائے تو یہ غازی گنہگار نہیں وہ مرنے والا اپنی اس حرکت کی وجہ سے انہیں میں شمار ہوگا غرضیکہ یہ حدیث بہت جامع ہے۔

روایت ہے حضرت سوید ابن وہب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بیٹوں میں سے ایک صاحب سے ۱؎ راوی وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمال کالباس پہننا چھوڑ دے حالانکہ وہ اس پر قادر ہو اور ایک روایت میں ہے کہ انکسار کے طور پر تو اللہ اسے عزت کا جوڑا پہنائے گا ۲؎ اور جو اللہ کے لیے نکاح کرے تو اللہ اسے بادشاہی تاج پہنائے گا ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ غالب یہ ہے کہ وہ بیٹے بھی صحابی ہیں یا تقویٰ و طہارت سے موصوف ہیں ورنہ یہ حدیث مجہول ہوگی کیونکہ سوید ابن وہب تابعی بھی صحابی کا ذکر نہیں کرتے،صحابی کا نام مذکور نہ ہوکوئی حرج نہیں کہ صحابہ سارے ثقہ ہیں۔

۲؎ یعنی جو بخل کی وجہ سے نہیں بلکہ عجز و انکسار کے لیے قدرت کے باوجود معمولی لباس پہنے اس کا یہ درجہ ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اللہ کی نعمت کا اثر تم پر دیکھا جاتا ہے۔

۳؎ جس تاج کے ایک ایک موتی میں ایسی چمک ہوگی جیسے سورج کی چمک اگر وہ تمہارے گھر کے اندر ہوتا جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے۔(از مرقات)

اور ترمذی نے انہیں سے بروایت معاذ ابن انس لباس کی حدیث روایت کی ۱؎	

۱؎ یعنی اس روایت میں اللہ کے لیے نکاح کرنے کا ذکر نہیں۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ پسند کرتا ہے یہ کہ اس کی نعمت کا اثر اسکے بندے پر دیکھا جائے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جسے رب تعالٰی نے مال دیا ہے تو وہ بخل کی بنا پر بہت ہلکے کپڑے نہ پہنے بلکہ کبھی اچھے کپڑے پہنے تاکہ اللہ تعالٰی کی نعمت کا اظہار ہو اور فقراء اسے غنی سمجھ کر اس سے کچھ مانگ بھی سکیں،اگر اللہ نے عالم دین بنایا ہے تو عالمانہ لباس پہنے تاکہ حاجتمند لوگ اس سے مسئلے پوچھ سکیں،رب کی نعمت کا اظہار بھی شکر ہے اس کی نعمت چھپانا کفران ہے۔یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ معمولی کپڑے پہننا ایمان سے ہے۔وہاں تکبر تکلف کی ممانعت تھی یہاں شکر اور اظہارِ نعمت الٰہی کا حکم ہے،ایک ہی چیز ایک نیت سے بری ہوتی ہے دوسری نیت سے اچھی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لیے تشریف لائے ۱؎ تو ایک شخص کو پراگندہ بال دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے ۲؎ تو فرمایا کہ یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنے سر کو جمع کرے ۳؎ اور ایک شخص کو دیکھا جس پر میلے کپڑے تھے تو فرمایا یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑے دھولے ۴؎ (احمد،نسائی)	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں خادموں سے ملاقات کے لیے انکے گھروں پر کبھی تشریف لے جاتے تھے اس میں ان کی عزت افزائی ہوتی تھی۔زائر فرماکر یہ بتایا کہ یہ تشریف کسی کی بیمار پرسی یا شادی وغیرہ کی تقریب کے سلسلہ میں نہ تھی صرف ہم کو نوازنے کے لیے تھی۔

۲؎ یا ہمارے گھر میں یا راستہ میں ایسے شخص کو دیکھا۔

۳؎ یعنی کیا اس کے پاس تولہ دو تولہ تیل بھی نہیں کہ بالوں میں لگاکر کنگھی کرے جس سے اس کے بال بکھریں نہیں بلکہ مجتمع ہوجائیں۔

۴؎ یعنی کیا اسے تھوڑا سا صابن میسر نہیں جس سے کپڑے صاف کرے۔خیال رہے کہ عزت اور تکبر میں فرق ہے تکبر کے لیے اچھا لباس پہننا ممنوع ہے اس کے لیے ارشاد ہوا **البذاذة من الایمان** اورعورت کے لیے اعلیٰ لباس پہننا اچھا ہے جس کے متعلق یہاں یہ ارشاد ہوالہذا دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

روایت ہے ابوالاحوص سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا مجھ پر معمولی کپڑے تھے ۲؎ تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے	

	میں نے کہا ہاں فرمایا کون سا مال ہے میں نے کہا کہ اللہ نے مجھے ہر قسم کے مال سے دیا ہے ۳؎ اونٹ گائے اور بکری اور گھوڑے اور غلام فرمایا تو جب تجھے اللہ نے مال دیا ہے تو چاہیے کہ اللہ کی نعمت اس کی بخشش کا اثر تجھ پر دیکھا جائے ۴؎ (احمد،نسائی)اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ سے ہے ۵؎

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،آپ کا نام عوف ابن مالک ابن نضر ہے،آپ نے اپنے والد اور ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم صحابہ سے ملاقات کی،آپ سے خواجہ حسن بصری ابواسحاق اور عطاء ابن سائب نے احادیث روایت کیں۔آپ کے والد مالک ابن نضر صحابی ہیں۔

۲؎ جو میری مالی حیثیت سے کم تھے مجھے خدا تعالٰی نے بہت غنی کیا ہوا تھا مگر کپڑے پھٹے پرانے کم قیمت زیب تن کیے ہوئے تھے۔

۳؎ یعنی عرب میں جس مال کی بہت قدر ہوتی ہے جانور اور غلام ان میں سے اللہ نے مجھے ہر مال دیا ہے۔عرب میں جانوروں کی ملکیت کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جیسے آج کل مربے اور شہری جائیداد والے کی بڑی عزت ہوتی ہے۔

۴؎ یعنی قیمتی اور صاف کپڑے پہنو تاکہ لوگ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل ہے یہ بھی اللہ کا شکریہ ہے۔مطلب وہ ہی ہے کہ شکر کے لیے اچھا لباس پہنے فخر کے لیے نہ پہنے،کبھی اچھا لباس پہنے شکر کے لیے کبھی معمولی پہنے انکسار کے طور پر۔اپنے کو اچھے کھانے اچھے لباس کا عادی نہ بنائے کہ کبھی معمولی کھاپی نہ سکے۔

۵؎ یعنی ان دونوں روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں مضمون ایک ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص گزرا جس پر دو سرخ کپڑے تھے ۱؎ تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کیا حضور نے اس کا جواب نہ دیا ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد) ۳؎

۱؎ خالص سرخ کیونکہ مخطط سرخ مرد کو بلاکراہت جائز ہے،یہ حضرت اس وقت تہبند بھی سرخ پہنے تھے اور قمیض بھی سرخ۔

۲؎ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے مرد کے لیے سرخ کپڑے پہننا حرام فرمایا،اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کرنے کی حالت میں انسان سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہوتا،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

۳؎ طبرانی نے بروایت عمران ابن حصین روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرخ رنگ سے بچو کہ یہ شیطانی زینت ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو میں ارغوانی گھوڑے پر سوار ہوں گا ۱؎ نہ کسومی رنگ کے کپڑے پہنوں گا اور نہ ایسی قمیض پہنوں گا جو ریشمی حاشیہ والی ہو ۲؎ اور فرمایا کہ خبردار رہو کہ مردوں کی خوشبو وہ خوشبو ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ ہو خوشبو نہ ہو ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ارجوان معرب ہے ارغوان سے۔ارغوان ایک سرخ رنگ کا پھول ہے،اب ہر سرخ رنگ کو ارغوانی کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔یہ کبھی ریشم کا ہوتا ہے کبھی سوتی،گھوڑے کی کاٹھی پر چھوٹا سا تکیہ رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی ہم کبھی سرخ رنگ کا تکیہ کاٹھی پر رکھ کر سواری نہ کریں گے۔معلوم ہوا کہ خالص سرخ کپڑے پر مرد کو بیٹھنا لیٹنا بھی بہتر نہیں۔خصوصًا جب کہ ریشم کا ہو اس لیے علماء کرام مرد کو ریشمی تو شک،گدیلا،بچھانا،ریشمی لحاف اوڑھنا ممنوع قرار دیتے ہیں۔

۲؎ کفف بنا ہے کفة سے بمعنی حصہ اور کنارہ یعنی جس سوتی قمیض کا گریبان دامن کلی وغیرہ ریشم کی ہو وہ ہم نہ پہنیں گے مگر یہ ممانعت جب ہے جب کہ ان کی چوڑائی چار انگل سے زیادہ ہو لہذا یہ حدیث اس حدیث اسماء کے خلاف نہیں کہ انہوں نے ریشمی دامن والی قمیض دکھا کر فرمایا کہ یہ ہے حضور کا جبہ شریف کہ وہاں چار انگل سے کم ریشمی تھا۔

۳؎ یعنی مسلمان مردوں کو ایسی خوشبو کی اجازت ہے جس کا رنگ کپڑے پر ظاہر نہ ہو مہک ہو جیسے عطر لہذا زعفرانی رنگ کے کپڑے مرد کو منع ہیں کہ اس میں مہک کے ساتھ رنگ بھی ہوتا ہے اور عورتوں کو ایسے کپڑے کی اجازت ہے کہ اس میں رنگت ہو مگر مہک نہ ہو۔عورتوں کو مہک کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ وہ خوشبو اجنبی مردوں تک پہنچے،اگر وہ گھر میں عطر لگائیں جس کی خوشبو خاوند یا اولاد ماں باپ تک ہی پہنچے تو حرج نہیں۔بہرحال مرد کے لیے سفید کپڑے بہتر ہیں عورت لیے رنگین کپڑے بہتر۔

روایت ہے حضرت ابو ریحانہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا: دانت پتلے کرانے سے اور گودا کرانے سے سفید بال اکھیڑنے سے اور مرد کو مرد کے ساتھ بغیر کپڑے یوں ہی عورت کو عورت کے ساتھ بغیر کپڑے کے لیٹنے سے ۲؎ اور اس سے کہ مرد اپنے نیچے کپڑے میں ریشم لگائے ۳؎ عجمیوں کی طرح یا اپنے کندھوں پر ریشم لگائے عجمیوں کی طرح ۴؎ اور چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے اور	

	انگوٹھی پہننے سے سوا حکومت والے کے ۵؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن شمعون ابن یزید ہے،قرضی کہاجاتاہے مگر ہیں انصاری،چونکہ بنی قریظہ کے حلیف تھے اس لیے قرضی کے نام سے مشہور ہوگئے،آپ کی بیٹی کا نام ریحانہ تھااس لیے ابو ریحانہ کنیت ہوئی،بڑے عابد وزاہد متقی تارک الدنیا صحابی ہیں،شام میں قیام رہا،وہاں ہی وفات پائی۔(مرقات و اکمال)

۲؎ بعض بے وقوف حسن و خوبصورتی کے لیے اپنے چوڑے دانت کسی مشین کے ذریعے پتلے کرالیتے ہیں یہ حرام بھی ہے اور سخت نقصان دہ بھی۔بعض مرد اور عموماً عورتیں اپنی کلائیوں اور رخساروں میں سوئی کے ذریعہ سرمہ وغیرہ بھروالیتے ہیں جسے نیلہ گودنا کہا جاتا ہے یہ بھی سخت ممنوع ہے ،یوں مردوں کا ننگے ہو کر ایک ساتھ سونا اور عورتوں کا برہنہ ایک ساتھ سونا حرام ہے،کپڑے پہنے ہوں تو جائز ہے،اگر خاوند بیوی ننگے ایک بستر میں سوئیں تو ممنوع نہیں جب کہ چادر وغیرہ سے ڈھکے ہوئے ہوں بالکل ننگے رہنا سونا ممنوع ہے اکیلے آدمی کا بھی۔سر یا داڑھی میں سے سفید بال نوچ کر الگ کردینا حسن کے لیے ہو تو ممنوع ہے ۔

۳؎ یعنی جب ریشم کا کپڑا نیچے بھی پہننا حرام ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا تو اوپر کا کپڑا ریشمی ہو تو سخت حرام کہ وہ تو نظر بھی آتا ہے یہ حکم مرد کے لیے ہے۔

۴؎ یہ ممانعت جب ہے جب کہ ریشم چار انگل سے زیادہ ہو۔اس سے معلوم ہواکہ عجمی کفار سے مشابہت مسلمانوں کے لیے ممنوع ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ ہندوؤں کی سی دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے۔

۵؎ حکومت سے مراد عام حکومت ہے دینی ہو یا دنیاوی لہذا مفتی قاضی حاکم سب ہی اس میں داخل ہیں کہ مہر والی انگوٹھی پہنیں تاکہ اپنے فتوؤں اور فیصلوں پر اس انگوٹھی سے مہر لگایا کریں مگر وہ بھی چاندی کی ہو سوا چار ماشہ تک۔خلاصہ یہ ہے کہ عام مسلمان مردوں کو انگوٹھی نہ پہننا بہتر،علماء و حکام کو چاندی کی انگوٹھی پہننا بالکل درست۔سونے کی انگوٹھی عورتوں کو حلال ہے مردوں کو حرام۔لوہا،پیتل،تانبہ کی انگوٹھی چھلا مرد وعورت دونوں کو حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی اور قسی کپڑے اور ارغوانی رنگ کے گدیلوں سے منع فرمایا۱؎

۱؎ قسی وہ کپڑا ہے جو شہر قس میں بنایا جاتا ہے،قس مصر کا ایک شہر ہے وہاں یہ ریشمی کپڑا بنتا تھا۔میاثرہ جمع ہے مشیرہ کی۔مشیرہ وہ گدیلہ جو زمین پر ڈال کر اس پر سوار ہواجاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ریشم پر سوار ہو اور نہ چیتے کی کھال پر ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ معاویہ نام کے بہت صحابہ ہیں مگر جب مطلقًا معاویہ بولا جاوے تو اس سے مراد حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۔

۲؎ یعنی گھوڑے کی کاٹھی پر ریشمی گدیلہ یا چیتے کی کھال ڈال کر اس پر سوار نہ ہو،درندوں جانوروں کی کھالوں کو پہننے یا بچھانے سے دل میں تکبر پیدا ہوتا ہے جیسے ہرن کی کھال پر بیٹھنے یا اسے پہننے سے نامردی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔بعض شارحین نے **نمار** کے معنی کیے ہیں دہاری دار کمبل مگر یہ قوی نہیں کیونکہ دہاری دار کمبل بچھانا ممنوع نہیں،نیز اس کی جمع نور ہے نہ کہ **نمار**،نیز جامع صغیر کی روایت میں ہے **عن جلود النمار** یعنی **نمار** کی کھال سے منع فرمایا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ گدیلے سے منع فرمایا ۱؎(شرح سنہ)

۱؎ اس کی شرح اور وجہ ابھی گزر گئی کہ گھوڑے کی کاٹھی پر سرخ رنگ کا گدیلہ ڈال کر مرد کو بیٹھنا ممنوع ہے عورت کو جائز مگر یہ ممانعت سرخ لباس پہننے کی ممانعت سے ہلکی ہے کہ اس کا پہننا زیادہ برا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو رمثہ تیمی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ پر دو سبز کپڑے تھے ۲؎ اور آپ کے بال تھے جن پر بڑھاپا غالب تھا ۳؎ اور سفید بال سرخ تھے ۴؎(ترمذی)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ وفرہ والے تھے ۵؎ جن میں مہندی کا اثر تھا ۶؎

۱؎ آپ کے نام میں اختلاف ہے یا تو رفاعہ ابن یثربی ہے یا عمارہ ابن یثربی،قبیلہ تیم رباب سے ہیں نہ کہ تیم قریش سے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ تمیمی ہیں اپنے والد کے ساتھ آئے اور دونوں مسلمان ہوگئے بعد میں کوفہ میں قیام رہا۔(لمعات و مرقات و اشعۃ اللمعات)

۲؎ قمیض اور تہبند شریف یا تو بالکل سبز تھے یا اس میں سبز دہاریاں تھیں پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔جنتیوں کا لباس سبز ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**عٰلِیَهُمۡ ثِیَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ**"۔اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو ہرے کپڑے پہننا جائز ہے اگر اس عمل شریف کی اتباع میں ہو تو مستحب ہے۔

۳؎ یعنی سر مبارک میں ایک آدھ بال شریف سفید تھا،شعر کی تنکیر کمی بیان کرنے کے لیے ہے۔حضور اقدس کے سفید بالوں کے متعلق تین روایات ہیں:چودہ بال شریف سفید تھے،سترہ تھے،بیس تھے،ہوسکتا ہے کہ اولًا چودہ بال شریف سفید ہوئے ہوں پھر آخر میں سترہ سر مبارک میں اور تین داڑھی شریف میں کل بیس لہذا تینوں روایات درست ہیں۔

۴؎ اس عبارت کے تین مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ سفید بال مہندی سے سرخ کیے گئے تھے۔دوسرے یہ کہ عطر یا خوشبودار تیل کے رنگ سے سرخ تھے یا یہ کہ وہ خالص سفید نہ تھے بلکہ مائل بہ سرخی تھے جب بال سفید ہونے والا ہوتا ہے تو پہلے سرخ ہوتا ہے پھر سفید یا اولًا جڑ کی طرف سے سفید ہوتا ہے نوک کی طرف سے سرخ۔

۵؎ سر کے بال جو کان کی گدیا تک پہنچیں **وفرہ** کہلاتے ہیں اور جو کان و کندھوں کے درمیان ہوں انہیں **حجہ** کہا جاتا ہے اور اگر کندھوں تک پہنچ جائیں تو **لمہ** ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف کبھی وفرہ ہوتے تھے کبھی حجہ،کبھی لمہ۔کندھوں سے نیچے بال مردوں کے لیے بہتر نہیں۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ حلیہ شریف کی احادیث میں ہوگی۔

۶؎ یعنی ان چند سفید بالوں کو مہندی سے سرخ کیا گیا تھا مگر یہ ان کا اپنا خیال ہے۔حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خضاب نہ لگایا نہ سرخ نہ کسی اور رنگ کا،آپ کے بال شریف خضاب کی حد تک سفید ہوئے ہی نہیں،جب سرکار سر میں تیل ڈالتے تو وہ سفید بال ظاہر ہوتے تھے ورنہ نہیں چند سفید بال ظاہر نہیں ہوا کرتے،ہاں یہ ثابت ہے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈک کے لیے سر شریف میں مہندی لگائی ہے۔(اشعہ)نیز داڑھی شریف بھی مہندی سے دھوئی ہے یعنی صفائی کے لیے مہندی لگاکر دھو ڈالی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے ۱؎ تو حضرت اسامہ پر تکیہ لگائے تشریف لائے آپ پر قطری کپڑا تھا ۲؎ جس سے آپ لپٹے ہوئے تھے ۳؎ پھر انہیں نماز پڑھائی ۴؎(شرح سنہ)

۱؎ غالبًا مرض وفات مراد ہے جس میں حضور انور کا وصال شریف ہوگیا۔

۲؎ قطری یمنی اعلیٰ درجہ کا کپڑا ہوتا ہے جو سوتی ہوتا ہے مائل بہ سرخی،حاشیہ پر اعلی درجہ کا کام ہوتا ہے۔قطر ایک بستی کا نام ہے یمن یا بحرین میں وہاں کا تیار کردہ ہوتا ہے جیسے ہمارے ہاں ڈھاکہ کی ململ۔

۳؎ جیسے محرم احرام کی چادر میں لپٹا ہوتا ہے کہ چادر کے دونوں کنارے کندھوں پر پڑے تھے۔**توشح** بنا ہے **وشاح** سے بمعنی کنگن،چونکہ کنگن کلائی سے لپٹ جاتا ہے اس لیے کپڑے میں لپٹنے کو **توشح** کہتے ہیں۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری نماز پڑھائی تھی۔اس کا تفصیلی بیان ان شاءاللہ وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قطری موٹے کپڑے تھے اور حضور جب بیٹھتے تو پسینہ آجاتا آپ پر بوجھ کی وجہ سے ۱؎ پھر شام سے فلاں یہودی کا کپڑا آیا ۲؎ میں نے عرض کیا کہ کاش آپ اس کے پاس کسی کو بھیجتے اس سے دو کپڑے روپیہ

آنے تک خرید لیتے۳؎ چنانچہ حضور نے اس کے پاس بھیجا وہ بولا میں جانتا ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں آپ چاہتے ہیں کہ میرا مال مار لیں۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے وہ جانتا ہے کہ میں ان سب میں زیادہ زیادہ پرہیزگار ان سب میں زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں ۵؎ (ترمذی،نسائی)	

۱؎ یعنی گرمیوں میں ان کپڑوں میں پسینہ آجاتا تھا۔بعض لوگوں نے ثقلاً ماضی مطلق کا تشبہ پڑھا ہے۔

۲؎ اس یہودی فاجر کا نام نہ معلوم ہوسکا۔بز کہتے ہیں بغیر سلے کپڑے کو اور کپڑے کے تاجر کو بزاز کہا جاتا ہے۔بعض نے بز اور خز میں فرق کہا ہے سوتی کپڑا بز اور ریشمی کپڑا خز۔(مرقات)کپڑا آنے سے مراد ہے لوگ کپڑا لے کر آئے اس یہودی کے پاس۔

۳؎ یعنی اس وقت حضور کے پاس روپیہ نہیں ہے ادھار خرید لیں،اس سے وعدہ فرمالیں کہ فلاں تاریخ فلاں دن تک تم کو رقم دے دی جائے گی۔خیال رہے کہ ادھار خریداری میں وقت ادا معلوم ہونا ضروری ہے،یہ کہنا کہ جب روپیہ آئے گا تب قیمت دے دیں گے ناجائز ہے،یہ ہی حال پہلے حکم میں ہے کہ وہاں قیمت نقد ہوتی ہے چیز ادھار وہاں ادائیگی کا وقت مقرر ہونا ضروری ہے۔

۴؎ یعنی اس یہودی تاجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے جو آپ کی طرف سے کپڑا خریدنے گیا تھا یہ گستاخی کا جواب کہلا کر بھیجا کہ آپ قیمت ادا نہ کریں گے یوں ہی میرا مال لے لیں گے حالانکہ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وقت پر قیمت وصول ہوجائے گی۔

۵؎ یعنی اس یہودی نے توریت شریف میں میرا سب سے زیادہ پرہیزگار بڑا امانت دار ہونا پڑھا ہے وہ منہ سے ایسی بکواس کررہا ہے جو اس کی توریت کی آیات کی خلاف ہے حضور کو تو مشرکین عرب بھی صادق الوعدہ اور امین کہہ کر پکارتے تھے،انہیں تو رب تعالٰی نے اپنا امین بناکر دنیا میں بھیجا ان جیسا امین نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔صلی اللہ علیہ وسلم۔غالبًا اس نے کپڑا دیا نہیں۔اللہ اکبر! آج ہم ان کے نام پر پلنے والے ململ،لٹھے،بوسکی پہنیں اور وہ خود باریک کپڑا منگائیں تو یہود نابہبود انکار کردے۔اللہ کی شان ہے۔شعر

بوریا ممنوں خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور مجھ پر کسم میں رنگے ہوئے گلابی کپڑے تھے۱؎ تو فرمایا یہ کیا میں پہچان گیا کہ حضور نے ناپسند فرمایا ۲؎ تو میں چلا اسے میں نے جلاد دیا ۳؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے کپڑے کا کیا کیا کہا کہ میں نے	

اسے جلادیا فرمایا تم نے وہ کپڑا اپنی کسی گھر والی کو کیوں نہ پہنادیااس میں عورتوں کے لیے حرج نہیں۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ حالانکہ مرد کو گلابی کپڑے پہننے ممنوع ہیں میں نے بے خبری میں پہن لیے تھے۔

۲؎کیونکہ حضور انور کا یہ کیا فرمانا سوال کے لیے نہیں بلکہ اظہار تعجب اور انکار کے لیے ہے کہ تم نے میرے صحابی ہوکر یہ کیاکیا،گلابی سرخ کپڑے کیوں پہن لیے۔

۳؎یہ ہے صحابہ کرام کا عشق رسول اوراس عشق کا جذبہ جس کپڑے سے اپنا پیارا ناراض ہو وہ اپنے گھر میں بھی نہ رکھا چہ جائیکہ بدن پر رکھتے،یہ نہ غور کیا کہ یہ مال کا برباد کرنا ہےاسراف یا تبذیر ہے،یہ تو وہ سوچے جو عقل کو حاکم بنائے عشق آیا عقل رخصت ہوگئی۔شعر

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

۴؎خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر انہیں عتاب نہ فرمایامعذور رکھاآئندہ کے لیے مسئلہ بتادیا کہ عورتوں کو سرخ و گلابی رنگ کے کپڑے پہننا بالکل جائز ہےمردوں کو ممنوع ہیں،اس کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔

روایت ہے حضرت ہلال ابن عامر سے وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منٰی میں اپنے خچر پر خطبہ دیتے دیکھا آپ پر سرخ چادر تھی ۱؎اور علی آپ کے سامنے تھے آپ سے لوگوں کو پہنچانتے تھے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ ان جیسی تمام روایات میں سرخ سے مراد لال دھاری دار کپڑے ہیں خالص سرخ مراد نہیں ہوتالہٰذا یہ حدیث سرخ لباس کی ممانعت کی احادیث کے خلاف نہیں تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

۲؎یعنی مجمع و ہجوم بہت تھاحضور کی آواز سب تک پہنچ نہیں سکتی اس لیے حضرت علی حضور سے کچھ دور کھڑے حضور کے فرمان عالی بلند آواز سے لوگوں تک پہنچارہے تھے۔یہاں **یعبر** سے مراد ترجمہ کرنا نہیں مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضور انور کی آواز تو سب تک بطور معجزہ پہنچ رہی تھی حضرت علی مطلب سمجھارہے تھے،یہ معنی **یعبر** کی لیے بہت ہی موزوں ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کالی چادر تیار کی گئی حضور نے وہ پہن لی تو جب اس میں پسینہ آیا اس سے اون کی بو محسوس کی تو اسے الگ فرمایا ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو بہت ہی ناپسند تھی کپڑے کی ہو یا منہ کی یا بغل یا کسی اور چیز کی،طبیعت پاک بہت ہی طیب وطاہر و لطیف تھی اس لیے گرمی میں حضور نے یہ اونی چادر علیحدہ کردی۔حجاج کو چاہیے کہ روضہ اطہر کی

حضوری کے وقت معطر ہوکر حاضر ہوا کریں،بدبو دار کپڑے یا بدبودار منہ سے مسجدوں میں نہ جایا کریں عموماً خوشبو کا استعمال کریں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ایک چادر سے لپٹے ہوئے تھے ۱؎ جس کا پھندنا آپ کے قدموں پر پڑا تھا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ شملہ وہ کپڑا ہے جس پر انسان مشتمل ہو لپٹا ہوا ہو خواہ چادر ہو یا کمبل۔**محتب** بنا ہے **احتباء** سے جس کے معنی ہیں اکڑوں بیٹھنا یعنی حضور انور اکڑوں بیٹھے ہوئے چادر شریف سے لپٹے ہوئے تھے۔حضرات صحابہ کرام حضور کی ہر وضع قطع کی روایت فرماتے ہیں تاکہ انکی ہر کیفیت مسلمانوں کے ذہن نشین ہوجائے،محبوب کی ہر ادا ہی محبوب ہے۔

۲؎ اب بھی اہل عرب یا تو کسی چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں،اگر ٹیک کا سہارا نہ ملے تو اپنے اردگرد چادر لپیٹ کر اس سے ٹیک کا کام لیتے ہیں اس وقت حضور کی یہ وضع تھی۔

روایت ہے حضرت دحیہ ابن خلیفہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قباطی کپڑے لائے گئے ۲؎ تو حضور نے مجھے اس میں سے ایک قبطی عطا فرمایا پھر فرمایا اس کے دو ٹکڑے کرلو ان میں سے ایک کی قمیض کٹوا لو اور دوسرا اپنی بیوی کو دے دو وہ اس کا دوپٹہ بنالیں ۳؎ پھر جب انہوں نے پیٹھ پھیری تو فرمایا اپنی بیوی سے کہہ دو کہ اس کے نیچے اور کپڑا رکھیں جو ظاہر نہ ہونے دے ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ وہ ہی دحیہ کلبی مشہور صحابی ہیں جن کی شکل میں اکثر حضرت جبریل امین آیا کرتے تھے،انہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ چھ ہجری میں قیصر روم کی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا،احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے،شام میں قیام رکھا،حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی،دحیہ دال کے کسرہ سے ہے۔

۲؎ **قباطی** جمع ہے **قبطیۃ** کی۔یہ ایک خاص قسم کے کپڑے کا نام ہے جو باریک سفید ہوتا ہے،مصر میں بنتا ہے اگرچہ قبط قاف کے کسرہ سے ہے مگر قبطی کپڑا ق کے پیش سے ہے۔غالبًا کہیں سے ہدیۃً آئے تھے خریدے نہ گئے تھے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ یہ کپڑے ریشمی نہ تھے سوتی تھے ورنہ مرد کو اس کا پہننا حلال نہ ہوتا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ شریف میں بھی ایسے باریک کپڑے ایجاد ہوگئے تھے جن سے ستر حاصل نہ ہوسکتا تھا۔اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ عورت کو باریک کپڑے کا دوپٹہ اوڑھنا درست ہے۔دوسرے یہ کہ

ایسے باریک کپڑے کے نیچے کوئی موٹا کپڑا ضرور سر پر رکھے تاکہ بال و سر ظاہر نہ ہوں ورنہ نماز درست نہ ہوگی اور بے پردگی بھی ہوگی،خاوند کے سامنے تنہائی میں ویسے بھی اوڑھ سکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے حالانکہ دوپٹہ اوڑھ رہی تھیں تو فرمایا ایک پیچ دو نہ کہ دو پیچ ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی اے ام سلمہ دوپٹہ اس طرح اوڑھو کہ سر سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک کا حصہ ڈھک جاوے مگر صرف ایک پیچ سے ڈھکے دو پیچ نہ پھیرو تاکہ مردوں کے عمامہ کے مشابہ نہ ہوجائے اور زیادہ بڑا دوپٹہ نہ اوڑھنا پڑے کہ اس میں اسراف ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت بہت دراز کپڑا پہننا ممنوع ہے،یونہی مردوں کو عورتوں کے مشابہ اور عورتوں کو مردوں کے مشابہ کپڑا پہننا بھی ممنوع،عورتیں مرد لباس وضع قطع میں ممتاز چاہئیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی ۱؎ تو فرمایا اپنا تہبند اونچا کرو میں نے اونچا کرلیا فرمایا اور زیادہ میں نے اور زیادہ کرلیا ۲؎ پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا ۳؎ تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک ۴؎ (مسلم)

۱؎ اس طرح کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا تھا جو کہ مرد کے لیے منع ہے۔

۲؎ حتی کہ آدھی پنڈلی تک اٹھ گیا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی اس فرمان عالی کے بعد میں نے جب بھی تہبند باندھا آدھی پنڈلی تک باندھا۔

۴؎ یہ حدیث بہت طریقہ سے مروی ہے۔بہتر یہ ہی ہے کہ مرد آدھی پنڈلی تک تہبند رکھے اگرچہ ٹخنوں کے اوپر تک بھی جائز ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا تکبرًا نیچا رکھے ۱؎ تو قیامت کے دن اللہ اس کیطرف نظر نہ فرمائے گا ۲؎ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ میرا تہبند لٹک جاتا ہے ۳؎ مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان لوگوں سے نہیں جو یہ

	کام تکبرًا کریں ۴؎(بخاری)

۱؎ کپڑے سے مراد تہبند یا پائجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے۔تکبرًا فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لیے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے،بے خیالی میں نیچے ہوجانا اتنا سخت ممنوع نہیں جیساکہ آئندہ مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔غرضیکہ ان قیود سے بہت مسائل معلوم ہوئے۔

۲؎ یعنی نظر رحمت،نظر کرم و عنایت نہ فرمائے گا۔اس کی شرح پہلے ہوچکی۔

۳؎ یعنی میں خود تو نہیں لٹکاتا بلکہ تہبند خود ہی لٹک جاتا ہے شکم کسی قدر بھاری ہے اس لیے پیٹ سے سرک جاتا ہے نہ ارادہ ہے نہ غرور۔

۴؎ یعنی ہم نے تکبروغرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصدًا لٹکاتے بھی نہیں لہذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے جناب ابن عباس کو دیکھا کہ وہ تہبند باندھتے تو اپنے تہبند کا اگلا کنارہ اپنے قدم کی پشت پر ڈالتے ۲؎ اور اس کے پیچھے سے اٹھاتے میں نے عرض کیا کہ آپ اس طرح کیوں تہبند باندھتے ہیں فرمایا اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یوں ہی ازار پہنتے دیکھا ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ عکرمہ ابن ابوجہل نہیں ہیں وہ تو صحابی ہیں بلکہ آپ عکرمہ تابعی ہیں،حضرت ابن عباس کے کاتب اور آزاد کردہ غلام،فقہاء مکہ معظّمہ سے ہیں،اسّی سال عمر پائی، ۱۰۷ھ ایک سو سات میں وفات پائی۔

۲؎ تہبند باندھنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے کہ اگلے حصہ کا کنارہ زیادہ نیچا ہو حتی کہ قدم پر پڑ جائے اور پچھلا حصہ اونچا ہو اس میں پچھلے حصہ کا اعتبار ہے۔

۳؎ اس طرح تہبند باندھنا حضور سے کبھی کبھی ثابت ہوا ہے۔اس سے صرف حضرت ابن عباس ہی کو اطلاع ہوئی اور صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم عمامے اختیار کرو ۱؎ کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے ۲؎ اور انہیں اپنی پیٹھوں کے پیچھے لٹکاؤ ۳؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ ہمیشہ یا نماز کے وقت عمامہ باندھا کرو۔عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے مگر عمامہ سنت کے مطابق چاہیے کہ ٹوپی پر باندھا جائے مع شملہ کے ہو،عام دنوں میں سات ہاتھ ہو جو جمعہ کی نماز میں بارہ ہاتھ،شملہ آدھی پیٹھ تک ہو سفید ہو یا سیاہ مگر سرخ رنگ کا نہ ہو۔عمامہ کے تفصیلی مسائل عالمگیری وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔

۲؎ یا تو فرشتے رحمت کے نوری عمامہ باندھتے ہیں جو ان کی شان کے لائق ہے یا جب شکل انسانی میں آتے ہیں تو عمامہ باندھ کر آتے ہیں۔چنانچہ بدر میں جب غازیوں کی امداد کے لیے آئے تو عمامہ باندھتے تھے،قرآن کریم فرماتاہے:"یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیۡنَ"۔ان کی نشانیاں عمامے تھے،ان کے رنگ زرد تھے،شملے کندھوں پر پڑے تھے۔(مرقات)

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شملہ پشت کے پیچھے لٹکاتے تھے کبھی داہنی جانب سینہ پر بھی ہوتا تھا،دونوں طریقے سنت ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ جناب اسماء بنت ابو بکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ۱؎ ان پر باریک کپڑے تھے ۲؎ حضور نے ان سے منہ پھیر لیا ۳؎ اور فرمایا اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے ۴؎ تو جائز نہیں کہ اس کا کوئی حصہ دیکھا جائے سوائے اس کے اور اس کے اور اشارہ فرمایا اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ حضرت اسماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں یعنی عائشہ صدیقہ کی بہن،حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں،یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔(مرقات)

۲؎ ان کی قمیض بھی باریک کپڑے کی تھی جس سے بازو وغیرہ نظر آتے تھے اور دوپٹہ بھی باریک تھا جس سے سر کے بال چمک رہے تھے۔معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی باریک کپڑے ایجاد ہوچکے تھے اب تو بہت ہی برا حال ہے۔

۳؎ یہ منہ پھیر لینا یاتو اظہار ناراضی کے لیے تھایا نگاہ پاک کی حفاظت کے لیے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول احکام سے پہلے بھی احکام پر عامل تھے۔

۴؎ اس طرح کہ قریب بلوغ ہوجائے مراہقہ،مراہقہ ہونے کی عمریں مختلف ہیں۔تندرست لڑکیاں جلد اور کمزور لڑکیاں دیر سے اس حد کو پہنچتی ہیں اس لیے لڑکی کے بلوغ کی عمر نو برس سے پندرہ برس تک کی عمر ہے اور لڑکے کے لیے بارہ برس سے پندرہ برس تک،جیسی تندرستی و صحت ویسے ہی بلوغ۔خیال رہے کہ **محیض** کے معنی ہیں حیض مگر اس سے مراد ہے بلوغ کیونکہ لڑکی کا بلوغ اکثر اس سے ظاہر ہوتا ہے اگرچہ زیر ناف بال اور حمل بھی بلوغ کی علامت ہے،پستان کا ابھار اس کی خاص علامت نہیں۔

۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اگر باریک کپڑے میں سے جسم نظر آرہا ہو تو وہ ننگے جسم کے حکم میں ہے اس کو پہن کر نماز نہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ عورت کے ہاتھ کلائیوں تک اور چہرہ ستر نہیں مگر اب اجنبی کو اس کا دیکھنا حرام ہے،یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو مطر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جناب علی نے ایک کپڑا تین درہم(بارہ آنہ)کا خریدا پھر جب اسے پہنا تو فرمایا اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے زینت کے لباس میں سے وہ عطا فرمایا جس سے میں لوگوں میں زینت حاصل کروں ۲؎ اور اس سے اپنا ستر ڈھانپوں پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو اسی طرح کہتے سنا ۳؎(احمد)

۱؎ ابو مطر تابعی ہیں مگر ان کا نام وحالات معلوم نہ ہوسکے۔تقریب میں فرمایا کہ آپ کی ملاقات حضرت علی سے ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے یعنی درمیان سے ایک راوی چھوٹ گیا ہے،حجاج ابن ارطات نے کہا کہ آپ ثقہ ہیں۔

۲؎ ریش کے لغوی معنی ہیں چڑیا کے،چونکہ پر اس کے لیے زینت ہیں اس لیے اب بمعنی زینت آتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُوٰرِیۡ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیۡشًا"یہ ہے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا شکر کہ صرف تین درہم یعنی بارہ تیرہ آنے کا معمولی لباس پہن کر ایسا شکریہ ادا کررہے ہیں۔

۳؎ اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے میں بھی یہ کہتا ہوں مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالٰی کی ہر نعمت پر شکریہ ادا کرے اعلٰی ہو یا معمولی۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے نیا کپڑا پہنا تو فرمایا شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے وہ پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپوں اور اس سے اپنی زندگی میں زینت حاصل کروں پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی نیا لباس پہنے پھر کہے شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے وہ پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپالوں اور اپنی زندگی میں اس سے زینت حاصل کروں ۲؎ پھر پرانے کپڑے کی طرف توجہ کرے اسے خیرات دے ۳؎ تو وہ اللہ کی پناہ اور اللہ کی حفاظت اور اللہ کی پردہ پوشی میں ہوگا جیتے مرتے ۴؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ،)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ آپ کا نام سعد ابن حنیف ہے،انصاری اوسی ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اس لیے آپ کو تابعین میں سے مانا گیا۔ ۱۰۰ھ میں وفات پائی،بانوے سال عمر پائی مدینہ منورہ کے علماء سے تھے رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی لباس میں بہت سی خوبیاں ہیں ستر پوشی،زینت،سردی گرمی سے بچاؤ،نماز کی ادائیگی لہذا یہ عظیم الشان نعمتوں سے ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ نیا کپڑا،نیا جوتا،نئی ٹوپی۔غرضکہ نیا لباس ملنے پر پرانا خیرات کردینا بہت ہی ثواب کا باعث ہے،پرانی چیز کو یوں پھینک کر برباد نہ کردے کسی غریب کو دیدے اس کے کام آجائے گی مگر ہمیشہ پرانی ہی چیز خیرات نہ کرے کبھی نئی اور دل پسند چیز بھی خیرات کرے"لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ "اور پرانا کپڑا ہمیشہ خیرات ہی نہ کردے کبھی خود بھی پہنے لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت مذکورہ کے خلاف ہے اور نہ اس حدیث عائشہ صدیقہ کے،بغیر پیوند لگے کپڑے کو پرانا نہ سمجھو کہ یہاں سخاوت کی تعلیم ہے وہاں تواضع کی۔

۴؎ سبحان اللہ! یہ رب تعالٰی کا کرم و بندہ نوازی ہے کہ ہم معمولی پھٹے پرانے کپڑے خیرات کریں اور وہ اس کی ایسی بہترین جزائیں عطا فرمائے۔جب پھٹے پرانے کپڑوں کی خیرات پر یہ ثواب ہے تو نئے کپڑوں کی خیرات پر کتنا ثواب ہوگا۔جیتے مرتے پردہ پوشی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی اسے زندگی میں اور بعد موت رسوا نہ ہونے دے گا،اس کے عیب چھپا بھی لے گا بخش بھی دے گا۔

	روایت ہے حضرت علقمہ ابن ابی علقمہ سے ۱؎ وہ اپنی والدہ سے روایت فرماتی ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن ۲؎ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں حالانکہ ان پر باریک دوپٹہ تھا تو حضرت عائشہ نے اسے پھاڑ دیا ۳؎ اور انہیں موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا ۴؎ (مالک)

۱؎ یہ علقمہ ابن قیس نہیں جوکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں بلکہ علقمہ ابن ابوعلقمہ ہیں،ان کے باپ کا نام بلال ہے،حضرت عائشہ صدیقہ کے آزاد کردہ غلام،کنیت ابوعلقمہ،آپ خود بھی تابعی ہیں اور ان کے والد ابو علقمہ بھی تابعی،ان کی ماں کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲؎ یہ عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیق ہیں اور یہ حفصہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی بھتیجی ہیں اور منذر ابن زبیر ابن عوام کی بیوی ۔

۳؎ یعنی اس دوپٹہ کو پھاڑکر دو رومال بنادیئے تاکہ اوڑھنے کے قابل نہ رہے رومال کے کام آوے لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ آپ نے یہ مال ضائع کیوں فرمادیا۔

۴؎ یہ ہے عملی تبلیغ اور بچیوں کی صحیح تربیت و تعلیم۔اس دوپٹہ سے سر کے بال چمک رہے تھے ستر حاصل نہ تھا اس لیے یہ عمل فرمایا۔

روایت ہے حضرت عبدالواحد ابن ایمن سے ۱؎ وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ میں جناب عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا ان پر قطری قمیض تھی پانچ درہم والی ۲؎ آپ بولیں تم اپنی نظر اس میری لڑکی کی طرف تو اٹھاؤ اسے دیکھو کہ یہ اس کو گھر میں پہننے سے نفرت کرتی ہے ۳؎ اور اس کپڑے کی ایک قمیض میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں تھی تو مدینہ میں کوئی لڑی دلہن نہ بنائی جاتی تھی مگر وہ میرے پاس بھیج کر مجھ سے منگالیتی تھی ۴؎ (بخاری)	

۱؎ آپ تابعین سے ہیں،آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے،قاسم ابن عبدالواحد کے والد ہیں،قبیلہ بنی مخزوم سے ہیں،آپ نے بہت تابعین سے روایات لیں،آپ کے والد ایمن بھی تابعی ہیں،ابن ابی عمرو کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲؎ پہلے عرض کیا گیا کہ قطری مصری کپڑے کا نام تھا۔

۳؎ یعنی یہ لڑکی لونڈی ہونے کے باوجود اسے گھر میں نہیں پہنتی اس سے نفرت کرتی ہے اس میں اپنی ذلت سمجھتی ہے۔

۴؎ یعنی زمانہ اس قدر بدل چکا کہ چند سال پہلے یہ کپڑا نئی دلہنوں کو رخصت کرتے وقت پہنایا جاتا تھا اور اب لونڈیاں روزانہ کے کام کاج کے وقت بھی اسے گھر میں نہیں پہنتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ دلہن کے لیے کپڑے عاریۃً مانگ لینا جائز ہے۔بخاری،احمد،نسائی نے حضرت انس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ ہر اگلا دن پچھلے دن سے اور اگلا سال پچھلے سال سے بدتر آوے گا،اس کی وجہ ظاہر ہے کہ زمانہ کو جس قدر نور نبوت سے دوری ہوگی اسی قدر تکلف بڑھیں گے نورانیت گھٹے گی۔(مرقات)اللہ تعالٰی حسن خاتمہ نصیب فرماوے،دنیاوی تکلفات سے بچائے۔جب اس زمانہ میں ہی اس قدر فرق ہوچکا تھا تو اب اس زمانہ کا کیا پوچھنا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیباج کی قبا پہنی جو آپ کو ہدیۃً پیش کی گئی تھی ۱؎ پھر جلد ہی اسے اتار دیا پھر وہ جناب عمر کے پاس بھیج دی کہا گیا یارسول اللہ کس قدر جلد حضور نے اتار دیا تو فرمایا کہ مجھے اس سے جبریل نے منع کردیا ۲؎ تب حضرت عمر روتے ہوئے حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ ایک چیز حضور نے ناپسند کی اور مجھے عطا فرمائی ۳؎ تو میرا کیا حال ہے فرمایا ہم نے تم کو اس لیے نہ دیا کہ تم اسے پہنو اس لیے دیا کہ	

اسے بیچ لوتو حضرت عمر نے وہ دو ہزار درہم میں بیچا ۴؎(مسلم)	

۱؎ اس وقت ریشم مردوں کے لیے ممنوع نہ ہوا تھا اور پہن لینے سے ہدیہ لانے والے کا دل خوش ہوتا اس لیے حضور انور نے پہن لیا۔

۲؎ یہ میرے پہنتے ہی جبریل امین رب العالمین کی طرف سے اس کے حرام ہونے کا حکم لے آئے اور اب سے مردوں کو ریشم پہننا حرام کردیا گیا،یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھاحضرت جبریل نے بتایا،نہ یہ مطلب ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور پر حرام فرمادیالہذا حدیث واضح ہے۔

۳؎ یعنی کیا میں حضور کی نظر میں مسلمان نہیں ہوں اس لیے حضور نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جو مسلمان کو پہننا ممنوع ہے۔یہ حضرت عمر کا انتہائی خوفِ الٰہی ہے۔

۴؎ نہ تو حضور انور نے خود فروخت کرکے اس کی قیمت استعمال فرمائی نہ حضرت عمر کو یہ حکم دیا کہ یہ کپڑا پنی عورتوں کو پہنادوبلکہ حکم دیا کہ اسے فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے کام میں لاؤ کیونکہ یہ کپڑا بہت ہی قیمتی تھا اور جناب عمر کو اس وقت پیسہ کی ضرورت تھی حضور کی کرم نوازی بندہ پروری کی نظر ہر خادم پر رہتی تھی،حضور تو اب بھی ہم غلاموں پر نظر پرورش رکھتے ہیں ہماری ضروریات پوری فرماتے ہیں باذن اللہ۔معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی بڑے قیمتی کپڑے تیار ہونے لگے تھے کہ ایک قبا کی قیمت دو ہزار درہم یعنی پانچ سو روپیہ تھی کیا شاندار کپڑا ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے سے منع فرمایا جو خالص ریشمی ہو۱؎لیکن نشان۲؎اور کپڑے کا تانا اس میں حرج نہیں۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس طرح کہ اس کا تانا بانا دونوں ریشم کا ہو۔**مصمت** کے لغوی معنی ہیں ٹھوس اس کا مقابل ہے کھکل مگر اصطلاح میں خالص کو **مصمت** کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔ریشم سے مراد اصل یعنی کیڑے کا ریشم کیونکہ سن کا ریشم اور دریائی ریشم مرد کو حلال ہے کہ وہ ریشم نہیں ہے۔ریشم اصل کی پہچان یہ ہے کہ اس کو جلاؤ تو اس سے گوشت کے جلنے کی سی بو آتی ہے۔

۲؎ یعنی سوتی کپڑے پر نمبر یا کارخانہ کا نام یا کوئی علامت یوں ہی بیل بوٹا اگر ریشم کا ہو تو جائز ہے بشرطیکہ چار انگل سے زائد نہ ہو۔

۳؎ اس طرح کہ کپڑا کا بانا سوت یا اون کا ہو اور تانا ریشم کا تو مرد کے لیے حلال ہے کیونکہ کپڑا تانے بانے ہی کا نام ہے وہ ہی بنا جاتا ہے،لمبا تار تانا کہلاتا ہے،چوڑائی والا تار جو بناجاتا ہے اسے بانا کہتے ہیں،بانے کا اعتبار ہے تانے کا نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو رجاء سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہمارے	

	پاس عمران ابن حصین تشریف لائے حالانکہ آپ پر ریشمی نقشینی چادر تھی ۲؎ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر اللہ انعام کرے تو اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے ۳؎ (احمد)

۱؎ آپ کا نام عمران ابن تمیم ہے،عطاروی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ایمان لائے مگر دیدار نہ کرسکے اس لیے تابعی ہیں۔حضرت عمرو علی وغیرہم بہت صحابہ سے ملاقات کی،بہت عمر رسیدہ ہوئے تبحر عالم تھے، ۱۰۷ھ ایک سو سات میں وفات پائی۔

۲؎ **مطرف** بروزن **مکرم** بنا ہے **طرف** سے بمعنی کنارہ۔**مطرف** وہ چادر کہلاتی ہے جس کے حاشیوں پر نقش و نگار بیل بوٹے ہوں،نیز وہ چادر بھی مطرف ہے جو ریشم و سوت مخلوط سے بنی جاوے،یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یا تو سوتی یا اونی چادر تھی جس کے چوطرفہ حاشیوں پر ریشمی نقش و نگار بیل بوٹے تھے چار انگل یعنی ہماری ایک بالشت سے کم چوڑے یا وہ چادر اون و ریشم سے مخلوط تھی کہ تانا ریشم کا تھا بانا اون یا سوتی۔(مرقات)غرضیکہ بہت قیمتی چادر تھی۔

۳؎ یعنی میں نے ایسی قیمتی چادر شال اس لیے پہنی ہے کہ مجھے اللہ نے بہت دولت دی ہے تو اسے ظاہر کرتا ہوں شکریہ کے لیے۔

لطیفہ: منہاج العابدین میں ہے کہ فرقد سنجی ایک موٹا کمبل پہنے ہوئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا،آپ نہایت ہی شاندار جوڑا پہنے ہوئے تھے تو فرقد بطور اعتراض آپ کے کپڑے ٹٹولنے لگا،امام حسن نے فرمایا کیا دیکھتا ہے میرے کپڑے جنتیوں کے سے ہیں تیرے کپڑے دوزخیوں کے سے ہیں،مجھے حدیث پہنچی ہے کہ اکثر دوزخیوں کو موٹے کمبل پہنائے جائیں گے پھر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کے کپڑوں میں زہد ہے دلوں میں تکبر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو ۱؎ جب کہ دو چیزیں تم سے الگ رہیں فضول خرچی ۲؎ اور تکبر۔(بخاری ترجمہ باب)

۱؎ یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ مباح کھانا کھاؤ اور بڑھیا سے بڑھیا مباح لباس پہنو،اللہ نے اعلیٰ لباس اور اللہ نے کھانے تمہارے ہی لیے بنائے ہیں،حلال کھانے چھوڑنے کا نام تقویٰ نہیں حرام خصلتیں چھوڑنے کا نام تقویٰ ہے۔بعض لوگ گوشت نہیں کھاتے مگر بھنگ چرس پینے میں نماز کے قریب نہیں آتے اور اپنے کو پہنچا ہوا کہتے ہیں،واقعی وہ شیطان تک پہنچے ہیں۔

۲؎ کھانے پینے کی مقدار میں حد سے بڑھ جانا اسراف و فضول خرچی ہے۔کیفیت میں حد سے بڑھ جانا مخیلہ یا تکبر ہے اسی لیے علماء فرماتے ہیں **لاخیر فی اسرف** اور **لا اسرف فی الخیر** یعنی اسراف میں بھلائی نہیں اور بھلائی میں

اسراف نہیں۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دل و نفس کی ہر خواہش پوری کرنا اسراف ہے کہ جو دل چاہے وہ ہی کھائے پیئے اور فخر کی نیت سے اچھے کھانا مخیلہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کھاؤ پیو اور خیرات کرو اور پہنو کہ جب تک فضول خرچی اور تکبر نہ ملے [1] (احمد،نسائی،ابن ماجہ)

[1] اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ ہر طیب و حلال چیز کھاؤ پہنو بشرطیکہ تکلف اور تکبر سے خالی ہو،دل ٹھیک رکھو۔

مصرعہ درویش صفت باش کلاہ تتری دار

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ لباس جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ سے ملو سفید کپڑے میں [1](ابن ماجہ)

[1] یعنی مسجدوں میں نماز کے لیے سفید کپڑے پہن کرآؤ اور قبروں میں سفید کفن لے کر جاؤ کہ رب تعالٰی سفید لباس پسند فرماتا ہے۔مؤمن مر کر اللہ تعالٰی سے ملاقات کرتا ہے تو چاہیے کہ سفید کفن میں ملاقات کرے۔(مرقات) نیز مرتے ہی حضور کا دیدار بھی ہوتا ہے دوسرے مسلمانوں کی ملاقاتیں بھی،تو چاہیے کہ یہ سب کچھ سفید کفن میں ہو اسی لیے کفن میں خوشبو ملتے ہیں کہ مدینہ کے دولہا سے مہکتے ہوئے ملاقات ہو۔بعض لوگ شب کو وضو کرکے خوشبو مل کر سوتے ہیں کہ دیدار یار خواب میں نصیب ہو تو اچھی حالت میں ہو۔

باب الخاتم

انگوٹھی کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎خاتم ت کے فتحہ سے صفت مشبہ یا آلہ ہے ختم سے بمعنی مہر،چونکہ انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام ہوتا ہے جس سے مہر لگائی جاتی ہےاس لیے انگوٹھی کو خاتم کہتے ہیں یعنی مہر لگانے کا آلہ یا مہر لگانے والی چیز،تمام ہوجانے کو ختم کہتے ہیں کیونکہ اس وقت مہر لگتی ہے۔خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی کہ آپ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی اب کوئی نبی نہیں آسکتا حضرت مسیح پہلے کے نبی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی ۲؎ پھر اسے علیحدہ کردیا ۳؎ پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں نقش کیا محمد رسول اللہ ۴؎ اور فرمایا کہ کوئی اس انگوٹھی کے نقش پر نقش نہ کرائے ۵؎ اور وہ پہنتے تو اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی سے متصل رکھتے ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کہ سونا پہننا مرد کو حرام نہ تھاحرام ہوجانے پر یہ عمل ممنوع ہوگیا۔خیال رہے کہ عورتوں کو چاندی سونے کی انگوٹھی جائز ہے،مردوں کو ساڑھے چارماشہ سے کم چاندی کی انگوٹھی جائز ہے جس میں نگینہ صرف ایک ہو۔تانبہ پیتل،لوہا وغیرہ کی انگوٹھی چھلا مردوعورت دونوں کو حرام ہے۔اس کی پوری بحث کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

۲؎ یہ حکم منسوخ ہے حضور کاآخری عمل یہ ہے کہ حضور نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہےاب یہ ہی سنت ہے اگرچہ سیدھے ہاتھ میں پہننا بھی جائز ہے۔

۳؎ کیونکہ سونا پہننا مردوں کے لیے اب حرام ہوگیا۔

۴؎ اس طرح کہ محمد ایک سطر،رسول دوسری سطر،اللہ تیسری سطر سب سے اوپر۔اس طرح محمد رسول اللہ،یہ انگوٹھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ شریف تک خلفاء کی انگلیوں میں رہی،حضرت عثمان کے ہاتھ سے بیر اریس میں گرگئی جسے بیر خاتم بھی کہتے ہیں،مسجد قبا کے سامنے ہے۔

۵؎ یعنی آپ لوگ ایسی انگوٹھی بنواکر پہن سکتے ہو مگر نگینہ میں یہ نقش نہیں کھودسکتے کیونکہ بادشاہوں کے فرمان نامے اوراحکام نبوی اس مہر سے مزین کرکے بھیجے جاتے ہیں۔اگر دوسروں کی انگوٹھی پر بھی یہ نقش ہو تو بڑے فساد پھیلیں گے۔مفتی صاحبان

آج بھی اپنی مہر والی انگوٹھی بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں کہ اور کوئی شخص ان کے نام کی مہر سے غلط فتویٰ یا فیصلہ صادر نہ کردے،حکومت کی مہریں بڑی محفوظ رکھی جاتی ہیں ان سب کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔یہ ممانعت اس زمانہ میں تھی اب اگر کوئی یہ نقش اپنی انگوٹھی میں کندہ کرے اور تبرک کے لیے اپنے پاس رکھے تو بالکل جائز ہے کہ وجہ ممانعت اب باقی نہیں۔

۶؎ اس عبارت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انگوٹھی نہ پہنتے تھے جب پہنتے تو نگینہ ہتھیلی سے متصل رکھتے۔دوسرے یہ کہ پہنتے تو ہمیشہ تھے مگر بعض اوقات استنجاء وغیرہ کے وقت اتار دیتے تھے پھر جب پہنتے تو اس طرح پہنتے۔خیال رہے کہ اس طرح پہننے سے معلوم ہوا کہ حضور زینت کے لیے نہیں بلکہ ضرورت کے لیے پہنتے ورنہ زینت کی چیز تو نگینہ ہے وہ ہی چھپایا جاتا تھا۔اس وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ سوا بادشاہوں،قاضیوں،مفتیوں کے اور لوگ انگوٹھی نہ پہنیں تو اچھا ہے کہ انگوٹھی کی ضرورت ان ہی لوگوں کو رہتی ہے دوسروں کو ضرورت نہیں۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی اور سرخ لباس پہننے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع ۱؎ میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ۲؎(مسلم)	

۱؎ ان تین چیزوں سے صرف مسلمان مردوں کو منع فرمایا گیا ہے عورتوں کے لیے یہ تینوں چیزیں جائز ہیں۔

۲؎ یہ ممانعت مردوعورت دونوں کے لیے ہے رکوع و سجود دونوں میں تلاوت قرآن سب کو ممنوع ہے ان میں تسبیح ہی پڑھی جائیں،نماز میں تلاوت قرآن صرف قیام کی حالت میں چاہیے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا ۱؎ پھر فرمایا کیا تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری لیتا ہے اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے ۲؎ اس شخص سے کہا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد کہ اپنی انگوٹھی لے لو اس سے کوئی اور نفع اٹھالو ۳؎ وہ بولے اللہ کی قسم میں اسے کبھی نہ لوں گا جب کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ۴؎(مسلم)	

۱؎ یہ ہے عملی تبلیغ کہ برائی کو بہ جبر روک دیا،فرماتے ہیں کہ جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے،نہ کرسکے تو زبان سے روکے،یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے براجانے۔

۲؎ اسے سمجھانے کے لیے یہ فرمایا یعنی مسلمان مرد کے لیے سونا پہننا گویا دوزخ کی چنگاری اپنے ہاتھ میں لینا ہے کیونکہ یہ اس کا سبب ہے۔

۳؎ یعنی حضور انور نے تم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا نہ کہ دوسرے نفع سے تم اسے اٹھالو اسے فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے کام میں لاؤ یا گھر میں کسی عورت کو دیدو وہ استعمال کرے۔یہ تھا شریعت کا فتویٰ جو حضرات صحابہ نے اسے دیا اور بالکل درست تھا۔

۴؎ یہ ہے مفتی عشق کا فتویٰ کہ اب میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں گا کوئی فقیر اسے اٹھالے تاکہ یہ صدقہ میرے اس قصور کا کفارہ بن جائے جو میں نے پہلے بے خبری میں کیا کہ سونا پہنا،اس میں مال کی بربادی نہیں بلکہ اپنا کفارہ ادا کرنا ہے۔(ازاشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کو کچھ لکھنا چاہا۱؎ تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی ڈھلوائی حلقہ چاندی کا تھا جس میں محمد رسول اللہ کندہ کیا گیا ۳؎(مسلم)اور بخاری کی روایت میں ہے کہ انگوٹھی کا نقش تین سطریں تھیں محمد ایک سطر،رسول اللہ ایک سطر،اللہ ایک سطر۴؎

۱؎ دعوت اسلام دینے کے لیے فرمان عالیہ،کسریٰ لقب تھا شاہ فارس کا اور قیصر لقب تھا شاہ روم کا اور نجاشی شاہ حبشہ کا،وہ نجاشی جو پہلے ہی اسلام لاچکا تھا اس کا نام اصحمہ تھا،یہ ۶ھ میں اسلام لائے اور ۹ھ میں ان کی وفات ہوئی،حضور انور نے مدینہ منورہ میں ان کا جنازہ پڑھا ان کے بعد جو نجاشی تخت پر بیٹھا اسے حضور انور نے دعوتِ اسلام دی اس کا نام اس کا اسلام لانا معلوم نہ ہوسکا۔اصحمہ نجاشی کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ کے ساتھ اپنے نکاح کی قبولیت کا فرمان لکھا تھا انہیں دعوتِ اسلام نہ دی گئی تھی۔(مرقات)

۲؎ یعنی ان بادشاہوں کا قانون یہ ہے کہ جس خط پر بھیجنے والے کے نام کی مہر نہ ہو اسے نہ قبول کرتے ہیں نہ سنتے ہیں وہ لوگ دنیاوی وجاہت والوں کے خطوط ہی پڑھتے سنتے ہیں عوام کے نہیں اور ان کے ہاں وجاہت کی علامت مہر ہے۔

۳؎ ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انگوٹھی شریف کا صرف حلقہ چاندی کا تھا نگینہ کسی اور چیز کا تھا مگر حضور نے ایسی انگوٹھی بھی پہنی ہے جس کا حلقہ بھی چاندی کا تھا۔

۴؎ اس انگوٹھی کا نگینہ حبشی پتھر کا تھا جس پر صرف یہ ہی عبارت لکھی تھی اس سے زیادہ عبارت نہ تھی۔جن روایات میں ہے کہ حضور کی انگوٹھی کا نقش پورا کلمہ طیبہ تھا وہ ضعیف ہیں۔

	روایت ہے انہی سے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

	انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اس کا تھا ۱؎(بخاری)

۱؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھیاں مختلف رہی ہیں۔کبھی ایسی انگوٹھی پہنی ہے جس کا نگینہ حبشی پتھر کا تھا اور کبھی ایسی کہ اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا یہاں اس دوسری قسم کی انگوٹھی کاذکر ہے۔حق یہ ہے کہ یہ انگوٹھی خالص چاندی کی تھی،بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انگوٹھی لوہے کی تھی اس پر چاندی کا خول تھا اس کا ثبوت نہیں ملتا۔یہ روایت مرقات نے مکحول اور ابراہیم نخعی سے کی اور کہیں نہیں ملتی۔واللہ اعلم!حق یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کبھی نہیں پہنی۔

	روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جس میں حبشی نگینہ تھا۱؎آپ اس کانگینہ ہتھیلی شریف سے متصل رکھتے تھے۔(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں مرقات میں ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ عقیق کا تھا جس کا رنگ مائل بہ سیاہی تھا یعنی سرخ مائل بہ سیاہی،یہ عقیق تو یمنی تھا مگر اس کو بنایا گیا تھا حبشہ میں اس لیے اسے حبشی کہا گیا۔پیداوار یمنی صنعت حبشی عقیق کا نگینہ بہت مبارک ہے،حدیث شریف میں ہے **تختم بالعقیق فانہ مبارك** چاندی کی انگوٹھی عقیق سیاہ کا نگینہ بہت اعلیٰ ہے۔(مرقات)بعض روایات میں ہے کہ پیلے یاقوت کی انگوٹھی طاعون سے محفوظ رکھتی ہے،بعض میں ہے کہ عقیق کی انگوٹھی فقیری دور کرتی ہے،یہ احادیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں لہذا قوی ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس میں تھی اور اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی کی طرف اشارہ کیا۱؎(مسلم)

۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں انگوٹھی پہنی اسی طرح یعنی اس انگلی میں انگوٹھی پہننا بھی جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اپنی اس انگلی میں یا اس میں انگوٹھی پہنوں فرمایاکہ بیچ والی انگلی اور اس کی برابر والی کی طرف اشارہ فرمایا۱؎(مسلم)

۱؎خیال رہے کہ عورتوں کو ہر انگلی میں انگوٹھی پہننا جائز ہے مگر مردوں کو تین انگلیوں میں پہننا منع ہے: انگوٹھا،کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔اور دو انگلیوں میں پہننا مستحب ہے چھنگلی اور اس کے برابر والی میں،یوں ہی مرد صرف ایک انگوٹھی پہن سکتا ہے وہ بھی چاندی کی سوا چار ماشہ تک،عورتیں سونے چاندی کی دس انگوٹھیاں دسوں انگلیوں میں پہن سکتی ہیں۔(مرقات و اشعہ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے ۱؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی کبھی اپنے داہنے ہاتھ میں بھی پہنتے تھے بیان جواز کے لیے۔

اور ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی کبھی بائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی۔علماء فرماتے ہیں کہ اولًا داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے پھر اسے ترک کردیا اور بائیں ہاتھ میں پہننا شروع فرمایا لہذا آخری عمل یہ ہی ہے بہرحال جائز دونوں عمل ہیں مگر بہتر آخری عمل ہے یعنی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم لیا پھر اپنے بائیں ہاتھ میں سونا ۱؎ پھر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ۲؎ (احمد،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ مجمع میں لوگوں کے سامنے یہ دو چیزیں ہاتھ میں لیں تاکہ لوگ دیکھ لیں اور یہ دونوں چیزیں خوب واضح ہوجائیں۔
۲؎ چونکہ ان دونوں چیزوں کو مستقل طور پر حرام فرمانا تھااس لیے حرام واحد ارشاد فرمایا حرامان تثنیہ نہ فرمایا ورنہ احتمال یہ ہوتا کہ ریشم و سونا مل کر تو حرام ہے اکیلے اکیلے حرام نہیں اس لیے ارشاد فرمایا حرام۔ان میں سے ہر ایک چیز مستقل حرام کہ ریشم بھی حرام ہے سونا بھی حرام ہے مگر مردوں پر ہیں عورتوں کے لیے یہ دونوں چیزیں حلال ہیں۔بعض نے فرمایا کہ حرام مصدر ہے جو واحد،تثنیہ،جمع سب کے لیے استعمال ہوسکتا ہے یہاں دو کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کی کھالوں پر سوار ہونے ۱؎ اور سونا پہننے سے منع فرمایا مگر ریزہ ریزہ ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے کہ کاٹھی یا چار پائی پر چیتے کی کھال بچھا کر بیٹھنا ممنوع ہے کہ یہ طریقہ ہے متکبرین کا،نیز اس سے دل میں نخوت اور سختی پیدا ہوتی ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے یہ حکم مردوں عورتوں سب کے لیے ہے۔

۲؎یعنی مسلمان مرد کے لیے سونے کے ریزے حلال ہیں جیسے تلوار میں یا چاندی کی انگوٹھی میں سونے کے ریزے ہوں تو ان کا استعمال مرد کے لیے بھی حلال ہے۔اس حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔کتب فقہ میں مردوں کے لیے سونے کے پچیس مقام لکھے ہیں کہ ان مقامات میں مردوں کو سونے کا استعمال حلال ہے: جیسے ہلتے دانت کو سونے کی زنجیر سے باندھنا،کٹی ناک کی جگہ سونے کی ناک لگانا،قلمدان یا چاقو کے دستہ میں سونے کے ریزے وغیرہ۔ان کی پوری تفصیل شامی اور عالمگیری میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس پر تانبہ کی انگوٹھی تھی ۱؎ مجھے کیا ہوا کہ میں تم سے بتوں کی بو پاتا ہوں ۲؎ اس نے وہ پھینک دی پھر آیا تو اس پر لوہے کی انگوٹھی تھی تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں ۳؎ اس نے وہ پھینک دی ۴؎ پھر عرض کیا یارسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں فرمایا چاندی کی اور اس کی ایک مثقال پوری نہ کرو ۵؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی) محی السنہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سہل ابن سعد سے بروایت صحیح ثابت ہے مہر کے متعلق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ کچھ ڈھونڈھو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو ۶؎	

۱؎یعنی وہ تانبے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔

۲؎اس زمانہ میں بھی اور اب بھی عمومًا بت پیتل کے ہوتے تھے اس لیے اسلام نے پیتل کے زیور ہر مسلمان کے لیے منع فرمائے خواہ مرد ہو یا عورت،انگوٹھی چھلہ بھی زینت کے لیے ہے یہ بھی پیتل کا ممنوع ہے۔

۳؎دوزخی لوگ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے یہاں ان زنجیروں کو زیور فرمانا ان کی اہانت کے لیے ہے جیسے قیدی کی ہتھکڑی اور بیڑی کو اس کا زیور کہہ دیا جائے۔

۴؎کہ نہ اپنے آپ استعمال کی نہ اپنی بیوی کو استعمال کے لیے دی کیونکہ پیتل لوہے کا زیور مرد و عورت سب کو ہی حرام ہے۔خیال رہے کہ سونے چاندی کا استعمال مطلقًا حرام ہے کہ مسلمان مرد نہ اس کا زیور پہنے نہ کسی اور طرح استعمال کرے،عورتوں کو ان کے زیوروں کی اجازت ہے دوسری طرح استعمال کرنا انہیں بھی حرام ہے لہذا سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا،یوں ہی ان کی گھڑی میں وقت دیکھنا،ان کی سلائی سے سرمہ لگانا حرام ہے،ہاں ان کا کشتہ کھانا یا علاج کے لیے

سونے کی سلائی آنکھ میں پھیرنا حلال ہے کہ یہ علاج ہے۔ان کے علاوہ دیگر دھاتوں کا زیور حرام ہےان کا استعمال دوسری طرح درست ہے،لہذا تانبا پیتل لوہے وغیرہ کے برتن گھڑیاں وغیرہ تمام کا استعمال درست ہے غرضیکہ استعمال میں کئی طرح فرق ہے۔

۵؎ لہذا مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی سوا چار ماشہ تک کی درست ہے۔

۶؎ شاید اس فرمان عالی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی بھی پہننا جائز ہےورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی سے یہ کیوں فرماتے کہ اپنی بننے والی عورت کے مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی تلاش کرلو مگر یہ استدلال بہت کمزور ہے۔اولًا تو اس لیے کہ اس فرمان عالی کے وقت لوہے پیتل کی حرمت کے احکام اسلام میں نہیں آئےاور اگر مان لیا جائے کہ احکام آچکنے کے بعد کی یہ حدیث ہےتب بھی اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نہایت معمولی چیز ہی لے آجیسے کہا جاتا ہے کہ تم مجھے دومٹھی بھر خاک ہی دے دو۔اس کا مقصد یہ نہیں کہ خاک پھانکنا درست ہے۔نیز وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا خول یا پانی تھا وہ انگوٹھی صرف مہر لگانے کی تھی پہننے کی نہ تھی،اگر پہننے کی تھی تو لوہے کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے۔یہ حدیث ان سب کی ناسخ ہے،دیکھو اس کی تفصیل کے لیے مرقات شرح مشکوۃ یہی مقام۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس خصلتیں ناپسند فرماتے تھے ۱؎ زردی یعنی خلوق ۲؎ سفید بالوں کی تبدیلی ۳؎ اور تہبند گھسیٹنا ۴؎ اور سونے کی انگوٹھی پہننا اور غیر محل پر زینت ظاہر کرنا ۵؎ اور پانسے مارنا ۶؎ اور دم کرنا سوا معوذات کے ۷؎ اور تعویذ باندھنا ۸؎ اور پانی غیر محل میں ڈالنا ۹؎ اور بچہ کو بگاڑنا اسے حرام نہ فرمایا ۱۰؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ خلال بکسر خ جمع ہے خلۃ کی بمعنی خصلت و عادت،خصلت کی جمع ہے خصال اور خلت کی جمع ہے خلال۔

۲؎ خلوق ایک خوشبو خاص کا نام ہے جس میں زعفران پڑتا ہے یہ پیلا رنگ دیتی ہے اس لیے اس کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع ہےعورتوں کے لیے جائز،بعض احادیث میں خلوق کی اجازت ہے مگر وہ سب احادیث منسوخ ہیں۔

۳؎ یا اس طرح کہ سفید بال اکھیڑ دیئے جائیں یا اس طرح کہ ان میں سیاہ خضاب کیا جائےیہ دونوں کام ممنوع ہیں مرد کو بھی عورت کو بھی۔

۴؎ یعنی تہبند اتنا نیچا رکھنا کہ زمین پر گھسٹے،یہ عمل مردوعورت سب کے لیے ممنوع ہے۔مرد کا تہبند ٹخنہ سے اونچا رہے عورت کا ٹخنہ سے نیچے۔

۵؎ یعنی عورت کا اپنی زینت نامحرم مردوں پر ظاہر کرنا حرام ہے۔یہ فرمان بہت ہی جامع ہے اس سے پردہ کے متعلق بہت احکام مستنبط ہوسکتے ہیں۔

۶؎ کعاب جمع ہے کعب کی،کعب نردشیر کھیل کے پانسوں کو کہتے ہیں،یہ کھیل کھیلتے وقت پانسے پھینکے جاتے ہیں۔حق یہ ہے کہ نردشیر کھیل مطلقًا ممنوع ہے خواہ اس میں جوا ہو یا نہ ہو،اگر اس پر مالی ہار جیت ہو تب تو بہت ہی ممنوع ہے کہ کھیل ہے اور جوا بھی ورنہ کھیل ہونے کی وجہ سے ممنوع۔غیر معتبر کھیل فعل عبث ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

۷؎ معوذات سے مراد سورۂ فلق اور سورۂ ناس ہیں۔سوا سے مراد وہ منتر ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں۔شرکیہ الفاظ سے جھاڑ پھونک حرام ہے۔آیاتِ قرآنیہ اور ماثورہ دعاؤں سے دم درود جائز بلکہ بہتر ہے اور دعائیں جن میں بتوں وغیرہ کا نام نہ ہو شرکیہ کلمات نہ ہوں ان سے دم بھی جائز ہے باقی سے حرام۔

۸؎ یہاں تعویذ سے مراد مشرکین کے تعویذ وگنڈے ہیں جن میں کفریہ الفاظ بتوں کے نام وغیرہ ہوں یہ حرام ہے۔آیات قرآنیہ دعا اسلامیہ سے تعویذ باندھنا حضرات صحابہ کرام سے ثابت ہے جیساکہ باب المعوذات میں گزر گیا۔تمائم جمع ہے تمیمہ کی،تمیمہ کے بہت معانی ہیں:جادو،منتر،ٹونہ جانوروں کی ہڈیاں درد آنکھ کے لیے باندھنا اور تعویذ۔(اشعۃ اللمعات)

۹؎ یعنی حرام جگہ منی گرانا،زنا کرنا،لواطت کرنا،جلق سے منی نکالنا،عورت کی دبر میں وطی کرنا یہ سب کام حرام ہیں۔

۱۰؎ یعنی جب بچہ دودھ پیتا ہو تو عورت سے صحبت کرنا اگر اس میں اندیشہ ہو کہ اس سے دودھ بھاری ہوکر بچہ کے لیے مضر ہوگا تو اس سے بچے،یہ کام حرام نہیں اس سے احتیاط بہتر ہے اس لیے فرمایا کہ اسے حرام نہ کیا۔محرمہ میں ہ کا مرجع یہ آخری عمل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن زبیر سے کہ انکی ایک آزاد شدہ لونڈی زبیر کی بیٹی کو عمر بن خطاب کے پاس لے گئی حالانکہ ان کے پاؤں میں جھانجن تھے ۱؎ تو انہیں حضرت عمر نے توڑ دیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر جھانجھ کے ساتھ شیطان ہے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیر کی آزاد کردہ لونڈی ان کی لڑکی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائیں،اس بچی کے پاؤں میں بجنے والے جھانجن تھے۔اجراس جمع جرس کی بمعنی جلاجل یعنی گھنگرو اور اس جیسی آواز دینے والی چیز،اونٹ کے گلے کے گھنگروں اور باز کے پاؤں کے چھلوں کو بھی اجراس یا جلاجل کہتے ہیں۔ہمارے ہندوستان میں بھی پہلے عورتوں میں جھانجن کا رواج تھا۔

۲؎ کیونکہ جھانجن ایک قسم کا باجا ہے اور جہاں باجا ہو وہاں فرشتہ رحمت نہیں ہوتا شیطان ہوتا ہے۔شیطان سے مراد وہ شیطان ہے جو کھیل تماشوں پر مقرر ہے،قرین شیطان تو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔انگوٹھی کے باب میں یہ حدیث لانا نہایت ہی موزوں ہے کہ انگوٹھی ایک قسم کا زیور ہی ہے۔

روایت ہے حضرت بنانہ سے جو عبدالرحمٰن ابن حیان انصاری کی لونڈی ۱؎ وہ جناب عائشہ کے پاس تھیں کہ آپ کی خدمت میں ایک بچی لائی گئی جس پر جھانجھن تھے جو آواز کررہے تھے۲؎ آپ بولیں کہ اسے میرے پاس ہرگز نہ لاؤ مگر اس صورت میں کہ اس کے جھانجن توڑ دیئے جائیں۳؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں جھانج ہو۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ بنانہ ب کے پیش سے ہے آپ تابعیہ ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت لیتی ہیں اور آپ سے جھانجن کے متعلق ہی روایات آتی ہیں۔(اکمال)

۲؎ اس طرح کہ چلنے کی حالت میں بجتے تھے جیساکہ مروجہ جھانجن میں دیکھا جاتا ہے۔**علیھا** سے مراد ہے ان کے پاؤں میں جھانجن تھے کیونکہ یہ زیور پاؤں میں پہنا جاتا ہے۔

۳؎ یا اس طرح کہ ان کے اندر کے کنکر نکال دیئے جائیں یا اس طرح کہ اس کے گھنگرو الگ کردیئے جائیں یا اس طرح کہ خود جھانجن ہی توڑ دیئے جائیں غرضیکہ ان میں آواز نہ رہے۔

۴؎ فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو خصوصی طور پر مسلمانوں کے گھروں میں آتے جاتے رہتے ہیں یا وہاں ہی مقیم رہتے ہیں خصوصًا ان گھروں میں جہاں تلاوت قرآن کا ذکر خیر رہتا ہے۔**اجراس** سے مراد مطلقًا بجنے والا زیور ہے خواہ بچوں کے پاؤں یا جانوروں کے گلے یا پاؤں میں ہو۔اسی بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ دوسرے باجے حرام ہیں بعض حالات میں جائز ہوجاتے ہیں جیسے شادی نکاح پر اعلان کے لیے نوبت نقارہ اعلانات کے لیے مگر جھانجھ حرام لعینہ ہے کبھی حلال نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن طرفہ سے کہ ان کے دادا عرفجہ ابن سعد کی ۱؎ کلاب کے دن ناک ٹوٹ گئی تو آپ نے چاندی کی ناک بنوالی وہ آپ پر بدبو دینے لگی تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سونے کی ناک بنالیں۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎حق یہ ہے کہ عبدالرحمٰن اور طرفہ دونوں تابعی ہیں مگر عرفجہ صحابی ہیں،کلاب کاف کے پیش سے جبلہ اور شام کے درمیان ایک گھاٹ کا نام ہے اور جبلہ و شام دونوں پہاڑوں کے نام ہیں،یہاں دو دفعہ جہاد ہوئے ہیں،انہیں کلاب اول اور کلاب ثانی کہا جاتا ہے۔

۲؎اسی حدیث کی بنا پر فقہاء فرماتے ہیں کہ مرد کو سونے کی ناک لگالینا جائز ہے،یوں ہی ہلتے دانت کو سونے کے تار سے باندھ لینا مباح ہے کہ سونے میں میل سے بدبو پیدا نہیں ہوتی۔ہم پہلے بحوالہ شامی عرض کرچکے ہیں کہ پچیس جگہ مرد کو سونے کا استعمال درست ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے پیارے کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے وہ اسے سونے کی بالی پہنادے ۱؎اور جو اپنے پیارے کو آگ کا طوق ڈالنا چاہے ۲؎وہ اسے سونے کا طوق پہنادے۳؎اور جو چاہے کہ اپنے پیارے کو آگ کے کنگن پہنانا چاہے وہ اسے سونے کے کنگن پہنائے۴؎ لیکن تم چاندی کو پکڑ لو اس سے کھیلو کودو ۵؎(ابوداؤد)

۱؎حبیب سے مراد پیارا بیٹا پوتا وغیرہ لڑکے ہیں کیونکہ لڑکیوں کے لیے سونے کے زیور جائز ہیں۔حلقہ میں بالی،چھلا،انگوٹھی،طوق ہار،نیکلس وغیرہ سب ہی شامل ہیں بلکہ اس میں چوڑی کنگن وغیرہ بھی داخل ہیں مگر یہاں گلے کے زیور مراد نہیں کہ ان کا ذکر تو آگے آرہا ہے۔

۲؎طوق سے مراد گلے کا ہار و گلو بند وغیرہ ہیں۔

۳؎لہذا اپنے پیارے کو سونے کا ہار نہ پہناؤ۔

۴؎خیال رہے کہ کسی کو سونے کے زیور پہنانے کا یہ عذاب جب ہے جب کہ پہننے والا اس سے راضی و خوش ہو،چھوٹے نا سمجھ بچوں کواگر زیور پہنائے گئے تو اس کا عذاب پہنانے والوں کو ہوگانہ کہ ان بچوں کو کہ وہ تو بالکل بے قصور ہیں،رب تعالٰی بے قصوروں کو نہیں پکڑتا۔

۵؎اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں بھی سونا نہ پہنیں صرف چاندی پہنیں تب یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث سے جن میں عورتوں کو سونا پہننے کی اجازت دی گئی ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مرد صرف چاندی کی انگوٹھی پہن سکتے ہو تو یہ حدیث محکم ہے،اسے بھی کھیل فرمانے سے اشارۃً بتایا کہ چاندی کی انگوٹھی بھی مرد کے لیے بہتر نہیں یہ بھی کھیل کود ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی اس کی گردن میں اسی طرح آگ کا ہار ڈالا جائے گا قیامت کے دن اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی

بالی ڈالے گی تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے کان میں اسی طرح کی آگ کی بالی ڈالے گا۱ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے۔اسلام میں اولًا سونا پہننا عورتوں کو بھی ممنوع تھایہ حدیث اس وقت کی ہے بعد میں اجازت دی گئی۔یا اس سے وہ سونا مراد ہے جس کی زکوۃ نہ دی جائے گی اگرچہ زکوۃ چاندی کے زیور پر بھی ہے مگر اکثر چاندی کا زیور نصاب کو نہیں پہنچتا،آدھ سیر سے زیادہ چاندی کون عورت پہن سکتی ہے،سونا تو ساڑھے سات تولہ ہو تب بھی زکوۃ لازم ہو جاتی ہے اس لیے خصوصیت سے سونے کا ذکر فرمایا گیا۔خیال رہے کہ مذہب حنفی میں پہننے کے زیوروں پر زکوۃ فرض ہے،امام شافعی کے ہاں اس پر زکوۃ نہیں اس لیے شوافع حضرات اس حدیث کو کراہت تنزیہی پر محمول کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔اول تو اس لیے کہ عورتوں کو سونے کا زیور مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے،دوسرے اس لیے کہ مکروہ تنزیہی پر ایسی وعید نہیں ہوتی لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں قوی ہیں جو ہم نے عرض کیں۔

روایت ہے حضرت حذیفہ کی بہن سے۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت کیا تمہارے پاس چاندی نہیں ہے جس کے زیور پہنو۲ خیال رکھو کہ تم میں کوئی عورت نہیں جو سونے کا زیور پہنے جسے ظاہر کرے۳ مگر اسی سے عذاب دی جائے گی۴ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ ان بہن صاحبہ کا نام اور حالات معلوم نہ ہوسکے مگر وہ صحابیہ ہیں اس لیے یہ معلوم نہ ہونا مضر نہیں تمام صحابہ عادل ہیں۔

۲؎ یعنی بے تکلف سونے کا زیور نہ پہنو کہ حیثیت نہ ہو مگر قرض ادھار یا تنگی برداشت کرکے سونا ہی پہنا جائے۔چاندی کے زیور کو حقیر سمجھا جائے یہ نہ کرو لہذا حدیث بالکل واضح ہے،اس احتمال کی تائید اگلا مضمون کررہا ہے۔

۳؎ اجنبی مردوں پر ظاہر کرے کہ اپنا حسن اور زیور دوسروں کو دکھائے یا فخروغرور کے لیے دکھلاوہ کرے یا غریب عورتوں کو فخریہ دکھا کر انہیں دکھ پہنچائے۔آخری دو معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ اجنبی مردوں کو چاندی کا زیور دکھانا بھی حرام ہے۔عورتیں سونے کا زیور اپنی سہیلیوں کو فخریہ دکھایا کرتی ہیں انہیں حقیر و ذلیل کرنے کے لیے وہ یہاں مراد ہے۔

۴؎ اس فخرواظہار پر عذاب پائے گی نہ کہ صرف زیور پہننے پر لہذا حدیث محکم ہے منسوخ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیور اور ریشم والوں کو ١ منع فرماتے تھے ٢ اور فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم پسند کرتے ہو تو اسے دنیا میں نہ پہنو ٣ (نسائی)	

١ یعنی امیروں کو جو ہمیشہ ریشم اور سونے کے زیور پہن سکیں۔

٢ ہمیشہ ریشم و زیور پہننے سے منع فرماتے تھے کہ نفس اچھے زیور پہننے کا عادی نہ ہوجائے بلکہ چاہیے کہ امیر آدمی بھی کبھی موٹا معمولی لباس پہن لیا کریں،یہ زہد کی تعلیم ہے۔(مرقات)

٣ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ نہ پہنو یا یہ ممانعت استحباب کی ہے یعنی ریشم و زیور عورتوں کو نہ پہننا بہتر ہے۔عورت کا اصلی زیور ایمان تقویٰ پاکدامنی عفت ہے،اس سے دائمی عزت ہے۔امام بغوی نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس کی ناسخ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی وہ حدیث ہے **احل الذهب والحریر للاناث من امتی** میں اپنی امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کرتا ہوں۔**واللہ اعلم!**

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی ١ پھر اسے پہنا فرمایا کہ اس نے آج مجھ کو مشغول کردیا ٢ ایک نظر اس کیطرف رہی ایک نظر تمہاری طرف ٣ پھر اسے علیحدہ کردیا ٤ (نسائی)	

١ چاندی کی انگوٹھی بنوائی یا سونے کی اس کی تحقیق ان شاء اللہ آگے بھی آوے گی۔

٢ یعنی آج یہ واقعہ ہوا کہ اس انگوٹھی نے مجھے اپنی طرف مائل اور متوجہ کرلیا جس کی وجہ سے تمہاری اور تمہارے حالات کی طرف توجہ پوری نہ رہی،یہ **منذ** پوری مدت کے معنی میں ہے۔

٣ یہ اس توجہ کا بیان ہے یعنی میں کبھی تو اس انگوٹھی کو دیکھتا ہوں اور کبھی تم کو،حالانکہ دل یہ چاہتا ہے کہ میں ہر وقت تم کو ہی دیکھا کروں تمہاری ہی اصلاح کیا کروں۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت بڑی پیاری ہے اور اس کی اصلاح ہر وقت مدِنظر ہے،حضور چاہتے ہیں کہ ہر وقت امت پر نظرکرم رہے، یہ ہے نظر کریمانہ۔

٤ اس میں اختلاف ہے کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی۔ابوداؤد نے بروایت حضرت انس بیان فرمایا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی۔اس کے علیحدہ کردینے کے معنی یہ ہیں کہ اسے مہرلگانے کے لیے رکھا تو اپنے پاس ہی مگر اسے پہنا نہیں اور پہننے کی نفی بھی ہیشگی کی ہے یعنی ہمیشہ نہ پہنا کبھی کبھی پہنا مگر اپنے قبضہ میں رکھا ہمیشہ،باقی محدثین نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی سونے کی تھی اور الگ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نہ اسے پہنا نہ اپنے پاس رکھا

بلکہ اسے تڑوادیا،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی بغیرنقش کی جو زینت کے لیے پہنی گئی تھی حضور انور نے اسے الگ کردیاپھر بعد میں نقش والی انگوٹھی مہر لگانے کے لیے پہنی ضرورت کی بنا پر نہ کہ زینت کے لیےلہٰذا یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ مرد کو بلاضرورت چاندی کی انگوٹھی بھی پہننا بہتر نہیں اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔قاضی،بادشاہ،مفتی مہرلگانے کے لیے نقش بنی انگوٹھی پہنیں جس کے نگینہ میں اپنا نام کندہ ہو۔

روایت ہے حضرت مالک سے فرمایا کہ میں یہ ناپسند کرتاہوں کہ لڑکوں کوکچھ سونا پہنایا جائے ۱؎ کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ۲؎ تو میں اسے بڑے چھوٹے مردوں کے لیے ناپسند کرتا ہوں ۳؎ (موطا)	

۱؎ یوں ہی چاندی بھی چھوٹے بچوں لڑکوں کو نہ پہنائی جائےسوا سوا چار ماشہ کی انگوٹھی کے۔خلاصہ یہ ہے کہ سونے چاندی کا زیور بالغ مردوں کی طرح نابالغ لڑکوں کو پہننا حرام ہےمگر اس کا جرم پہنانے والے عزیزوں پر ہوگاکہ ناسمجھ بچے شرعی احکام کے مکلّف نہیں۔

۲؎ اورجب سونے کی انگوٹھی ہی مردوں کے لیے حرام ہے تو دوسرے زیور بدرجہ اولیٰ حرام ہیں۔

۳؎ یہ ہی مذہب ہےدوسرے اماموں کا بھی کہ سونے کا زیور نابالغ لڑکوں کو بھی نہ پہنایا جائے۔

باب النعال

باب جوتے کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎نعال نون کے زیر سے ہر وہ چیز جو پیر کو مٹی سے بچائے۔ اصطلاح میں ہر قسم کی جوتی کو نعال کہتے ہیں۔جوتی انسان کا زیور ہے اس لیے یہ لباس میں شامل ہے،جوتی سنت انبیاء ہے اور حکم اسلامی ہے۔جب حضرت آدم کو لباسِ دنیا عطا ہوا تو اس کے ہمرا کھجور کے پتوں کا نعلین پاک بھی تھا۔بڑی کشتی یعنی بحری جہاز اور چمڑے کا جوتا حضرت نوح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے ۱؎فرمایا انہوں نے کہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنے ہوئے وہ جوتے جس میں بال نہ تھے ۲؎(بخاری)	

۱؎آپ صحابی ہیں،آپ کا نام عبداللہ ہے،فقہاء صحابہ میں سے ہیں،عبادلہ ثلاثہ میں سے ایک ہیں۔

۲؎یعنی کھال اچھی طرح صاف کرکے سب بال اتار دیئے ہوں جس طرح ہمارے ملک میں رواج ہے اس طرح بہت خوبصورت جوتا بنتا ہے،ایسا جوتا بھی زینت انسانی میں شامل ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ مرد کو زینت کرنی جائز ہے جب کہ اس میں شرعی ممانعت نہ ہو نہ اس میں کفر سے مشابہت ہو نہ عورتوں سے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرمایا انہوں نے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پاک میں دو فیتے تھے ۱؎(بخاری)	

۱؎یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی پاک مثل چپّلی کے تھی اور اس کے دونوں چمڑے کے فیتے آپ کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان سے ہوکر پنجے مبارک کے دائیں بائیں جڑے ہوئے تھے جس طرح نقشہ نعلین پاک ہے وہ شکل نہیں بلکہ جس طرح آج کل سپنچ کی چپل بناتے ہیں،نقشہ پاک والی چپل نبی کریم نے اکثر پہنی ہے مگر یہ چپل کبھی کبھی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرمایا انہوں نے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوے میں جس غزوے میں خود شرکت فرمائی فرماتے سنا کہ زیادہ استعمال کرو جوتیوں کو کیونکہ مرد جب جوتے پہنتا ہے سوار کی	

	مثل رہتا ہے[1] (مسلم)

[1] یعنی چلنے کی مشقت سے بچ جاتا ہے جس طرح سوار دھول پتھر اور کانٹے سے بچ جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو داہنے سے شروع کرے[1] اور جب اتارے تو بائیں سے شروع کرے تاکہ داہنا پاؤں میں پہلے پہنا جاوے اور آخر میں اتارا جاوے[2] (مسلم،بخاری)

[1] یہ حکم استحبابی ہے۔اس کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اچھا و اعلیٰ کام داہنی طرف سے شروع کیا جاوے اور ادنی اور گھٹیا کام بائیں طرف سے،مسجد میں داخل ہو تو داہنا پاؤں پہلے داخل کرے بایاں پاؤں پیچھے،جب نکلے تو اس کے برعکس کرے کہ بایاں پاؤں پہلے نکالے داہنا پاؤں پیچھے اور پاخانہ جاتے وقت بایاں پاؤں پاخانہ میں داخل کرے بعد میں داہنا مگر وہاں سے نکلتے وقت اس کے برعکس۔جوتے پہننا اعلیٰ کام ہے اور اتارنا ادنی کام لہذا یہ حکم دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ دونوں جوتے یکدم اوتارنا پہننا بھی سنت کے خلاف ہے،اولًا داہنے پاؤں میں پہنے پھر بائیں میں۔

[2] اسلام میں داہنا حصہ بائیں سے افضل ہے اس لیے یہ حکم دیا گیا حتی کہ وضو میں داہنے ہاتھ پاؤں پہلے دھو لیے جائیں بائیں بعد میں یہ ترتیب بہت جگہ ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی ایک جوتا میں نہ چلے یا تو دونوں پاؤں ننگے کرے یا دونوں میں جوتے پہن لے[1] (مسلم،بخاری)

[1] یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے اسی حکم میں کرتہ اچکن وغیرہ کا پہننا ہے کہ کرتے اچکن کی ایک آستین پہن لینا دوسری یوں ہی لٹکتی رکھنا ممنوع ہے۔یہاں مرقاۃ میں اس حکم کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائیں: ایک یہ ہے کہ یہ طریقہ شیطان کا ہے کہ وہ ایک جوتہ پہن کر چلتا ہے،نیز اس طرح چلنا کچھ دشوار بھی ہوتا ہے خصوصًا جب کہ جوتی کچھ اونچی ہو اور جگہ ناہموار ہو،نیز یہ طریقہ شرفاء کا نہیں اور یہ کم عقلی کی علامت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں جو آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک جوتا شریف میں چلتے دیکھا وہ یا تو اس حکم سے منسوخ ہے یا وہ عمل شریف گھر کے اندر کا ہے اور یہ حکم شریف یا باہر سڑک کا یا وہ حکم بیان جواز ے لیے ہے اور یہ حکم بیان استحباب کے لیے یا وہ اتفاقًا نادر تھا،یہ ممانعت ہیشگی اور عادت ڈال لینے سے ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس کی پوری تحقیق کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کسی کے جوتے کا تسمہ

ٹوٹ جاوے تو ایک جوتے میں نہ چلے حتی کہ اس کا تسمہ درست کرلے ۱؎ اور نہ ایک موزے میں چلے ۲؎ اور نہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے ۳؎ اور نہ ایک کپڑے میں لپٹے ۴؎ اور نہ سخت طریقہ سے کپڑا لپیٹے ۵؎ (مسلم)	

۱؎ یا وہاں ہی بیٹھ کر درست کرلے یا گھر تک دونوں پاؤں سے ننگے جاوے اور وہاں درست کرکے پھر پہنے۔مقصد یہ ہے کہ ضرورت پڑ جانے پر بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلو چہ جائیکہ بلاضرورت اس کی عادت ڈال لینا یہ تو بہت ہی برا ہے۔

۲؎ عربی میں خف چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں جس پر مسح ہوسکے اور جوراب سوتی اونی ریشمی موزے کو کہا جاتا ہے جو قابلِ مسح نہیں۔اہلِ عرب کبھی چمڑے کے موزے کو جوتے کی طرح استعمال کرتے ہیں،صرف ایک موزہ پہننا کہ دوسرا پاؤں کھلا رہے ممنوع ہے خواہ موزہ چمڑے کا ہو یا سوتی اونی۔

۳؎ کیونکہ داہنا ہاتھ افضل ہے اور کھانا اعلیٰ کام ہے تو اعلیٰ کام افضل ہاتھ سے کرنا بہتر ہے۔عرب میں مالدار سردار لوگ اظہار فخر کے لیے بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اور غرباء مساکین داہنے ہاتھ سے۔اسلام نے سب کے لیے داہنا ہاتھ معین فرمایا کہ اس سے کھایا پیا جاوے۔

۴؎ ایک کپڑے میں لپٹنا اس وقت ممنوع ہے جب کہ اس سے شرمگاہ کھل جاتی ہو اگر شرمگاہ ڈھکی رہے تو مضائقہ نہیں۔

۵؎ اس کی شرح پہلے گزرگئی کہ اس طرح کپڑا اپنے جسم پر لپیٹنا کہ ہاتھ بالکل بند جاویں بہ تکلف کھل سکیں یہ ممنوع ہے ورنہ ممنوع نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے جوتہ شریف کے دو تسمے تھے جو دو تسموں سے بٹے ہوئے تھے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ قبال اور شراک دونوں کے معنی ہیں تسمہ مگر شراک اکہرے تسمہ کو کہتے ہیں قبال بٹے ہوئے کو یعنی حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ایک جوتا شریف میں دو تسمہ ہوتے تھے ہر تسمہ بٹا ہوا،اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق کے نعلین پاک کا حال تھا ایک تسمہ کا جوتا سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے پہنا بیان جواز کے لیے اب مروجہ جوتوں میں تسموں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔اس زمانہ میں چپل کا رواج عام تھا وہ بھی تسمہ والی۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللّٰہ	

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے کھڑے جوتا پہنے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یہ ممانعت ان جوتوں میں ہے جن کے پہننے میں ہاتھ لگانا پڑتا ہے جیسے آج کل فل بوٹ تسمے والے یا چمڑے کے موزے کہ انہیں کھڑے کھڑے پہنے انکے تسمے باندھنے میں گرجانے کا اندیشہ ہے۔عام معمولی جوتے جو بہ آسانی بغیر ہاتھ لگائے پہن لیے جاتے ہیں وہ کھڑے کھڑے پہننا بالکل جائز ہے جیسے دیسی اور گرگابی جوتے۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

اور ترمذی و ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے ۱؎وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت دفعہ ایک جوتہ میں چلے۲؎اور ایک روایت میں ہے کہ خود آپ ایک جوتہ میں چلیں(ترمذی)اور فرمایا یہ زیادہ صحیح ہے ۳؎	

۱؎آپ کا ذکر پہلے ہوچکا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے ہیں،تابعی ہیں،حجۃ الوداع میں مقام ذوالحلیفہ پیدا ہوئے،بڑے فقیہ عالم اور بڑے قاری تھے۔(مرقات،اشعہ)

۲؎اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کے معنی وہ ہی ہیں جو پہلے عرض کیے گئے کہ ضرورۃً گھر کے صحن میں ایک دو قدم اس طرح چلے مثلًا دونوں جوتے شریف دور دور پڑے تھے ایک پاؤں مبارک میں جوتہ پہن لیا پھر دو ایک قدم چل کر دوسرے جوتہ تک پہنچے اور وہ پہن لیا اور ممانعت کی احادیث میں باہر سڑک پر اس طرح چلنے کی ممانعت ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں یا وہ احادیث اس حدیث کی ناسخ ہیں یا یہ حدیث بیان جواز کے لیے ہے گزشتہ ممانعت کی حدیث بیان استحباب کے لیے۔

خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض ایسے کام کرنا جو امت کے لیے مکروہ یا ممنوع ہیں بیان جواز کے لیے ہوتا ہے یہ عمل آپ کے لیے ممنوع نہیں۔بلکہ آپ کو اس پر بھی ثواب ملے گا کیونکہ یہ عملی تبلیغ ہے جیسا کہ حضور انور کا کھڑے ہو کر پانی پینا بیان جواز کے لیے تھا ہمارے واسطے مکروہ ہے۔حضور نے یہ عمل تبلیغ مسئلہ کے لیے کیا(اشعۃ اللمعات)

۳؎یعنی ترمذی نے حدیث مرفوع و موقوف دونوں کی روایت کی مگر حدیث موقوف کو اسنادًا صحیح تر کہا کہ یہ عمل حضرت عائشہ صدیقہ کا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا یہ بات سنت سے ہے کہ جب آدمی بیٹھے تو اپنے جوتہ اتارے انہیں اپنی برابر رکھ لے ۱؎(ابوداؤد)	

۱یعنی مجلس میں نہ تو جوتے پہن کر بیٹھے کہ یہ بدتمیزی ہے اور نہ جوتے اپنے آگے رکھے کہ یہ قبلہ معظّمہ کی بے ادبی ہےنہ اپنی داہنی طرف رکھے داہنا حصہ عظمت والا ہے نہ پیچھے کہ اس میں جوتہ چوری ہوجانے کا خطرہ ہے لہٰذا پنی بائیں طرف رکھے۔(مرقات و لمعات)اب تو فیشن پرست مسلمان مع جوتہ فرش پر بیٹھ کر روٹی کھاتے ہیں۔

روایت ہے ابن بریدہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱ کہ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ سادہ موزے ہدیۃً بھیجے حضور نے انہیں پہنا ۲(ابن ماجہ)اور ترمذی نے ابن بریدہ عن ابیہ سے یہ زیادتی کہ پھر حضور نے وضو کیا اور ان پر مسح کیا ۳	

۱بعض نسخوں میں ابوہریدہ ہے مگر غلط ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ ابوبریدہ کنیت ہے عبداللہ ابن مریدہ کی ،بریدہ ابن خصیب اسلمی صحابی ہیں،عبداللہ ابن بریدہ مرو کے حاکم تھے سلیمان ابن بریدہ کے بھائی ہیں دونوں بھائی ثقہ ہیں مگر حضرت عبداللہ بہت شاندار ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲اصحمہ یعنی نجاشی جو شاہ حبشہ تھے پہلے عیسائی تھے پھر حضرت عبداللہ ابن جعفر وغیرہم صحابہ کرام کی تبلیغ پر مسلمان ہوئے،انہوں نے خالص سیاہ رنگ کے چمڑے کے موزے حضور انور کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجے حضور نے انہیں پہنے،بعض علماء فرماتے ہیں کہ موزے سیاہ رنگ کے بہتر ہیں اور جوتے پیلے رنگ کے افضل۔بہتر یہ ہےکہ موزے سادہ ہوں ان پر دھاگے وغیرہ کے نقش و نگار نہ ہوں۔

۳یہاں مرقات نے فرمایا کہ جناب نجاشی رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور قمیص پاجامہ چادر اور موزوں کا جوڑا بھیجا خط میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کا نکاح بی بی ام حبیبہ سے کردیا ہے آپ کی قوم سے ہیں میرے ملک میں ہیں حضور قبول فرمائیں اور یہ حقیر سے ہدایا تحفے میں منظور کریں سرکار نے منظور فرمائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے یا جوتے اگرچہ کفار نے بنائے ہوں بغیر تحقیق کیے پہنے جاسکتے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ وہ پاک ہوں گے بلاوجہ ناپاک نہ سمجھو۔(مرقات)معلوم ہوا کہ حضور انور نے پاجامہ کا ہدیہ قبول کیا ہے مگر پہننا ثابت نہیں۔

باب الترجل

کنگھی کرنے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جس کے سر پر بال ہوں وہ انہیں پریشان نہ رکھے ان میں کنگھی وغیرہ کرتا رہے۔اس باب میں کنگھی کے علاوہ اور چیزوں کا ذکر بھی ہوگا جیسے خضاب وغیرہ۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کنگھی کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ جب حضور انور اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر مبارک گھر کی کھڑکی میں داخل فرمادیتے تھے ام المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو بھی دیتیں تھیں تیل کنگھی بھی کردیتی تھیں۔معلوم ہوا کہ بحالت حیض عورت کا جسم پاک ہوتا ہے وہ ناپاکی حکمی ہے اور بحالت اعتکاف اپنے بعض اعضاء مسجد سے باہر نکال دینا جائز ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ چیزیں فطرت سے ہیں ۱؎ ختنہ کرنا ۲؎ استرا لینا ۳؎ مونچھیں کاٹنا ۴؎ ناخن تراشنا ۵؎ اور بغل کے بال اکھیڑنا ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ سنت قدیمہ جو گزشتہ انبیاء کرام کا بھی طریقہ رہا ہو اسے فطرت کہتے ہیں گویا وہ انسان کی پیدائشی عادت ہے۔یہاں پانچ کا ذکر حد کے لیے نہیں ہے اس کے علاوہ اور بھی سنتیں انبیاء ہیں جو دوسری احادث میں مذکور ہیں۔

۲؎ ختنہ امام اعظم کے ہاں سنت ہے ،امام شافعی کے ہاں فرض۔(مرقات)سات سال کی عمر تک ختنہ کردینا چاہیے،نو مسلم جوان آدمی کا نکاح ایسی عورت سے کردیا جاوے جو ختنہ کرنا جانتی ہو پھر ختنہ کے بعد چاہے تو طلاق دیدے،جو بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو اس کے ختنہ کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ چودہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے:حضرت آدم،شیث،نوح،صالح،شعیب ،یوسف،موسیٰ،زکریا،سلیمان،عیسیٰ،حنظلہ ابن صفوان جو اصحاب رُسل کے نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ حضرات ختنہ شدہ ناف بریدہ پیداہوئے،عورتوں کا ختنہ ہمارے ہاں مکروہ ہے۔

۳؎ یعنی ناف کے نیچے اور پاخانہ کے مقام کے بال استرہ سے صاف کرنا سنت ہے مرد کے لیے اور کسی دواء سے صاف کردینا مرد کے لیے خلاف سنت ہے قینچی سے یہ بال کاٹ دینا مردوعورت دونوں کے لیے خلاف سنت ہے،بحالت جنابت کوئی بال کاٹنا مونڈھنا بہتر نہیں۔(مرقات)

۴؎ اوپری ہونٹ کے بالوں کو مونچھ کہا جاتا ہے۔یہ اتنے کاٹے جاویں کہ اوپرے ہونٹ کا کنارہ خوب کھل جاوے،پانی پیتے وقت یہ بال پانی میں نہ ڈوب سکیں،مونچھیں مونڈنا یا بہت زیادہ پست کردینا خلاف سنت ہے۔محیط میں ہے کہ مردوں کو سر منڈآنا عام حالات میں اچھا نہیں احرام کھولتے وقت سنت ہے۔حلق کے بال نہ منڈائے،بھویں اور چہرے کے کچھ کچھ بال الگ کردینا جائز ہے جب کہ ہیجڑوں سے تشبہ نہ ہو،سینہ اور پیٹھ کے بال مونڈھنا یا کترنا مستحب نہیں۔(مرقات)

۵؎ اس طرح ناخن تراشے کہ ہاتھوں کے پہلے پاؤں کے بعد میں،داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی شروع کرے چھنگلی تک کاٹ دے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرے انگوٹھے تک کاٹ دے پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کاٹ دے۔جو کوئی جمعرات کے دن ناخن تراشا کرے ان شاء اللہ فقیر نہ ہوگا۔حجامت جمعرات کو چاہیے اور غسل تبدیلی لباس خوشبو جمعہ کو افضل ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے جسم پر ناخن کا لباس تھاجنت سے باہر آکر یہ کپڑوں کا لباس عطا ہوا،آپ کا جسم ساٹھ ہاتھ تھا۔(مرقات)

۶؎ بغل کے بال اوکھیڑنا سنت ہے منڈانا جائز،امام شافعی منڈایا کرتے تھے۔ناک کے بال اکھیڑنا ممنوع ہے اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مخالفت کرو مشرکین کی ۱؎ ڈاڑھی بڑھاؤ۲؎ اور مونچھیں پست کراؤ اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھیں نیچی کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ مشرکین سے مراد کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا اہلِ کتاب۔مخالفت سے مراد شکل،لباس،وضع قطع سب میں مخالفت ہوسکتی ہے مگر یہاں شکل میں مخالفت مراد ہے جیساکہ اگلی تفسیر سے ظاہر ہے۔یہ امروجوب کے لیے ہے کہ مسلمان کو کفار کی سی شکل بنانا حرام ہے۔

۲؎ **اوفروا** بنا ہے **وفر** سے بمعنی بڑھانا زیادہ کرانا،**لحی** جمع ہے **لحیۃ** کی بمعنی ڈاڑھی،رخسار اور ٹھوڑی پر جو بال ہیں انہیں **لحیہ** یعنی ڈاڑھی کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ڈاڑھی کو ہاتھ نہ لگاؤ اسے بڑھنے دو اس کے بڑھنے کی حددوسری حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی کی لمبائی چوڑائی سے کچھ کترتے تھے،اسے حضرت عبداللہ ابن عمر کے فعل شریف نے واضح کیا آپ چار انگلی یعنی مٹھی بھر سے زیادہ کو کٹوا دیتے تھے،دیکھو بخاری کتاب الحج اور شامی وغیرہ۔اگر عورت کے ڈاڑھی نکل آوے تو اس کا اکھیڑ دینا ضروری ہے کہ وہ داڑھی نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ڈاڑھی مشت سے کم کرنا بھی منع ہے اور اس سے زیادہ کرنا بھی منع ہے اور ہر دو کے پیچھے نماز مکروہ۔(مرقات و شامی)

۳؎ **احفاء** اور **اعفاء** دونوں کے معنی ہیں بڑھانا۔کفار کی مخالفت کو حضور انور نے مقرر فرمادیا کہ ڈاڑھی بڑھا کر ان کی مخالفت کرواگرکسی جگہ کے کفار ڈاڑھی رکھتے ہوں جیسے ہمارے ہاں کے سکھ تو انکی مخالفت میں داڑھی مونڈانا

حرام ہے کہ مخالفت کو حضور نے مقرر فرمادیا،یہ بھی خیال رہے کہ ایک مشت ڈاڑھی قرآن مجید سے بھی ثابت ہے،حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا"لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ" میری ڈاڑھی نہ پکڑو۔معلوم ہوا کہ آپ کی ڈاڑھی اتنی تھی کہ پکڑنے میں آجائے وہ مٹھی بھر ہی ہے۔انبیاء کرام کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ خشخشی یعنی بھری ڈاڑھی والے تھے بھری ڈاڑھی مشت سے کم نہیں ہوسکتی لہذا فرنچ یا خشخشی یا مشت سے کم داڑھی رکھنا حرام ہے کہ یہ منڈانے کے حکم میں ہے۔اس کی بحث شامی کتاب الصوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے اور ناخن کترنے اور بغل اکھیڑنے اورزیر ناف کے بال مونڈھنے کے متعلق وقت یہ مقرر کیا گیا کہ ہم چالیس شب سے زیادہ نہ چھوڑیں ۱؎(مسلم)	

۱؎یعنی چالیس سے زیادہ دیر لگانا ممنوع ہے۔سنت یہ ہے کہ مونچھیں و ناخن ہر جمعہ کو کاٹے،زیر ناف کے بال بیس دن میں لے لہذا ہفتہ افضل ہے،پندرہ دن درمیانے،چالیس دن انتہائی مدت۔دراز ناخن سے روزی گھٹتی ہے۔حدیث شریف میں ہے جمعہ کے دن ناخن تراشے تو ان شاءاللہ دس دن تک بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور عیسائی نہیں رنگتے تو تم انکی مخالفت کرو ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎لہذا اپنے سر کے بال اور ڈاڑھیاں جب سفید ہوجائیں تو مہندی سے خضاب لگالیا کرو،یہ حکم استحبابی ہے مہندی سے خضاب کرتے رہنا بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ فرماتے ہیں کہ ابو قحافہ فتح مکہ کے دن لائے گئے ۱؎حالانکہ ان کا سر اورداڑھی سفیدی میں ثغامہ کی طرح تھی ۲؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کسی چیز سے بدل دو اورسیاہی سے بچو ۳؎(مسلم)	

۱؎ابو قحافہ کا نام عثمان ابن عامر ہے،قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور خلافت فاروقی تک زندہ رہے، ننانوے سال عمر پائی، ۱۴ھ چودہ میں وفات ہوئی،حضرت ابوبکر صدیق کے والد ہیں،آپ سے کچھ احادیث حضرت ابوبکر صدیق اور اسماء بنت ابوبکر نے روایت کیں۔(مرقات)جب آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا تاکہ ایمان قبول کرلیں تو حضور انور نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ابوقحافہ کو یہاں آنے کی تکلیف کیوں دی ہم خود ان کے پاس جاکر انہیں مسلمان کرتے۔(اشعہ)

۲؎ ثغامه ایک گھاس کانام ہے جو بہت سفید ہوتی ہے۔برف کی طرح،فارسی میں اسے درمنہ سفید کہتے ہیں یعنی حضرت ابو قحافہ کے سر و ڈاڑھی کے بال ایسے سفید تھے جیسے ثغامہ گھاس،حضرت ابوبکر صدیق انہیں اٹھا کر حضور کی خدمت میں لائے تھے۔(مرقات)

۳؎ یعنی ان سر اور ڈاڑھی میں سیاہی کے سواء کسی رنگ کا خضاب کردو چنانچہ مہندی سے سرخ خضاب کردیا گیا۔حق یہ ہے کہ سیاہ خضاب مردعورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔حضرت عثمان غنی و امام حسن و حسین نے سیاہ خضاب لگایاہے مگر زینت کے لیے نہیں بلکہ غزوات میں کفار پر رعب طاری کرنے کے لیے کہ وہ لوگ آپ کو بوڑھا نہ سمجھ سکیں اور آپ پر دلیر نہ ہوجائیں،اب بھی بحالت جہاد غازی کو سیاہ خضاب درست ہے۔(مرقات)حضور انور نے داڑھی شریف میں کبھی خضاب نہ کیا،حضور کے بال خضاب کی حد تک سفید نہ ہوئے صرف چند بال شریف سفید تھے،چند بار سر شریف میں مہندی لگائی تھی دردسر کی وجہ سے۔(مرقات)حضرت ابوبکر صدیق نے مہندی اور وسمہ کا خضاب کیا ہے مگر وسمہ اتنا ہوتا تھاجس سے سیاہ رنگت نہ ہوتی تھی بلکہ پختہ سرخ رنگ ہوتا تھا،اسی طرح اور صحابہ سے بھی خضاب منقول ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں میں جس میں خاص حکم نہ دیا گیا ہو اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے ۱؎ اور اہل کتاب اپنے بالوں کو کھلے رکھتے تھے ۲؎ اور مشرکین اپنے سروں میں مانگ نکالتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی کے بال کھلے چھوڑے ۳؎ پھر بعد میں مانگ نکالی ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ موافقت اور مشابہت میں بڑا فرق ہے کفار سے مشابہت بہرحال حرام ہے موافقت جائز ہے مگر جائز چیزوں میں۔مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں سے حضور انور کو منع نہیں فرمایا گیا ان میں ایسے کام اختیار فرماتے تھے جو مشرکین کے مخالف ہوں اہلِ کتاب کے موافق۔

۲؎ یعنی سر کے بالوں میں مانگ نہ نکالتے تھے یوں ہی کھلے ہوئے چھوڑ دیتے تھے۔

۳؎ پیشانی سے مراد سر ہے،بعض روایات میں راسه ہے یعنی حضور انور نے مانگ نہ نکالی بلکہ بال شریف کھلے رکھے۔

۴؎ کیونکہ جبریل امین نے حضور انور سے یہ ہی عرض کیا کہ مانگ نکالا کریں،چنانچہ اب مسلمانوں کو یہ ہی سنت ہے۔

روایت ہے نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ قزع سے منع فرماتے ہیں ۱؎ نافع سے کہا گیا کہ قزع کیا ہے فرمایا کہ بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا جاوے اور	

	کچھ حصہ چھوڑ دیا جاوے۲؎(مسلم،بخاری)اور بعض محدثین نے اس تفسیر کو حدیث سے ملایا ہے۳؎

۱؎قزع قاف کے فتحہ سے بمعنی بادل کے ٹکڑے،اب اصطلاح میں سر کا بعض حصہ منڈوانے یا کترانے اور بعض رکھانے کو قزع کہتے ہیں اسے بادل کے ٹکڑوں سے تشبیہ دیتے ہوئے،یہ ممانعت بچوں بڑوں سب کے لیے ہے۔مجبوری کے حالات اس سے علیحدہ ہیں جیسے کبھی سر سام میں بیمار کا تالو کھول دیا جاتا ہے یعنی صرف بیچ کھوپڑی کے بال مونڈدیئے جاتے ہیں ویسے بلاضرورت ممنوع ہے کہ کراہت تنزیہی ہے،انگریزی حجامت بھی قزع ہے۔

۲؎بچوں کا ذکر اتفاقًا ہے کہ عرب میں بچوں ہی کی حجامت اس طرح کی جاتی ہے ورنہ یہ ممانعت چھوٹے بڑوں سب کے لیے ہے۔

۳؎یعنی اس روایت میں اسطرح مروی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ تفسیر ارشاد فرمائی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا گیا اور کچھ چھوڑ دیا گیا تھا تو انہیں اس سے منع فرمایا اور فرمایا کُل سر مونڈویا کل چھوڑو۱؎(مسلم)

۱؎خیال رہے کہ کل سر منڈانا جائز ہے مگر بہتر نہیں سواء احرام سے کھلنے کے وقت کہ وہاں سر منڈانا بہتر ہے باقی حالات میں منڈانا بہتر نہیں کہ سواء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی نے سر نہ منڈایا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔(مرقات)حضرت علی کے سر منڈانے کی حکمت شروع کتاب میں عرض کی گئی۔اس زمانہ میں تو سر منڈانا بہت ہی برا ہے کہ وہابیوں کی علامت ہے،حضور نے وہابیوں کے متعلق ارشاد فرمایا سیماھم التحلیق ان کی علامت سر منڈانا ہوگی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگریزی بال رکھنا یا قلمیں بنوانا سب ممنوع ہے کہ اس میں قزع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث مردوں پر۱؎اور مرد بننے والی عورتوں پر لعنت کی۲؎اور فرمایا کہ انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۳؎(بخاری)

۱؎ مخنث بنا ہے خنث سے بمعنی نرمی یا پیچیدگی۔مخنث وہ لوگ جو ہوں تو مرد مگر ان کی آواز وضع قطع عورتوں کی سی ہو۔مخنث دو قسم کے ہیں: ایک پیدائشی،دوسرے بناوٹی یہاں بناوٹی مخنثوں کا ذکر ہے انہیں پر لعنت ہے کہ پیدائشی مخنث تو مجبور ہے۔معلوم ہوا کہ مرد کا عورتوں کی طرح لباس پہننا،ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا،عورتوں کی طرح بولنا،ان کی حرکات و سکنات اختیار کرنا سب حرام ہے کہ اس میں عورتوں سے تشبیہ ہے،اس پر لعنت کی گئی بلکہ ڈاڑھی مونچھ منڈانا حرام ہے کہ اس میں بھی عورتوں سے مشابہت اورعورتوں کے سے لمبے بال رکھنا،ان میں

مانگ چوٹی کرنا حرام ہے کہ ان سب میں عورتوں سے مشابہت ہے،عورتوں کی طرح تالیاں بجانا،مٹکنا،کوے بلانا سب حرام ہے اسی وجہ سے۔

۲؎ یعنی عورتوں کامردوں کی سی شکل بنانا،ان کالباس پہننا،ان کی طرح بے پردہ پھرنا حرام ہے لہذا عورتیں بادشاہ یا حاکم نہ بنیں کہ یہ کام مردوں کے ہیں۔

۳؎ یعنی مخنث کو اپنے گھروں میں نہ آنے دو تمہاری عورتیں اس سے پردہ کریں کہ یہ بڑے بدمعاش ہوتے ہیں،پردہ نشین عورتوں کا ذکر غیر مردوں سے کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مخنث اور مردوں کی ہم شکل بننے والی عورتیں دونوں کو گھروں سے نکال دو اور اپنی عورتوں کو ان سے پردہ کراؤ کہ ایسی عورتیں آوارہ ہیں ان سے پردہ واجب۔(اشعہ)فقہاء فرماتے ہیں کہ آوارہ عورتوں سے شریف عورتوں کا اسی طرح پردہ کرنا فرض ہے جیسے مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے کہ آوارہ عورتیں مردوں سے زیادہ خطرناک ہیں،ایسی آوارہ عورتوں نے شریفوں کے بہت گھر اجاڑ دیئے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے اللہ لعنت کرے ان مردوں پر جو عورتوں کے ہم شکل بنیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی ہم شکل بنیں ۱؎ (بخاری)

۱؎ معلوم ہوا کہ یہ حرکت گناہ کبیرہ ہے،گناہ صغیرہ بھی اگر ہمیشہ کیا جاوے تو کبیرہ بن جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لعنت کرے بال ملانے والی اور ملوانے والی پر اور گودنے والی اور گودانے والی پر ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ان دونوں چیزوں کی شرح پہلے گزرگئی۔**واصلہ** وہ عورت جو اپنے سر کے بالوں میں دوسری عورت کے بال ملا کر دراز کرے۔**مستوصلہ** وہ عورت جودوسری کے سر میں یہ بال جوڑے یا جو اپنے سر کے بال کاٹ کر اسے دے ملانے کے لیے یہ دونوں کام حرام ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی۔**واشمہ** وہ عورت جو سوئی وغیرہ کے ذریعہ اپنے اعضاء میں سرمہ یا نیل گودوالے جیساکہ ہندو عورتیں بعض ہندو مرد کرتے ہیں۔**مستوشمہ** وہ جو دوسری عورت کے گودے دونوں پر لعنت فرمائی۔حرام کام فاعل و مفعول دونوں کی لعنت کا باعث ہوتا ہے۔خیال رہے کہ اگر بالوں میں دھاگہ لگا کر انہیں دراز کرلیا جاوے تو جائز ہے جسے موباف کہتے ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ لعنت کرے اللہ گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر اور بال اکھیڑنے والیوں پر ۱؎ اور حسن کے لیے کھڑکیاں کرانے والیوں پر ۲؎ جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والیاں ہیں ۳؎

تو ایک عورت آپ کے پاس آئی بولی کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم نے فلاں فلاں پرلعنت کی ہے۴ فرمایا میں کیوں لعنت نہ کروں اس پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اور اسپر جو اللہ کی کتاب میں ہے۵ وہ بولی کہ میں نے تو دو تختیوں کے درمیان میں پڑھا ہے جو تم کہتے ہو وہ میں نے اس میں نہ پائی ۶ فرمایا اگر تم نے اسے پڑھا ہوتا تو تم اسے پا لیتیں۷ کیا تم نے نہ پڑھا کہ جو تم کو رسول دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو رسول منع کریں اس سے باز رہو وہ بولی ہاں فرمایا کہ حضور نے اس سے منع فرمایا ہے ۸ (مسلم،بخاری)۹	

۱ یہ لفظ بناہے **نماص** سے،**نماص** بال اکھیڑنے کہ آلہ کو کہتے ہیں جسے پنجاب میں موچنا کہا جاتا ہے یہاں چہرے کا رونگٹا اکھیڑنا مراد ہے یہ حرام ہے ورنہ اگر عورت کے ڈاڑھی یا مونچھیں نکل آویں تو انہیں ضرور اکھیڑ دے۔(مرقات)

۲ **متفلجات** بنا ہے **فلج** سے،**فلج** اس کھڑکی یا کشادگی کو کہتے ہیں جو دو دانتوں کے درمیان ہوتی ہے،بعض عورتیں مشین کے ذریعہ اپنے دانت پتلے کروا کر درمیان میں جھریاں کرالیتی ہیں اسے اپنے لیے حسن و خوبصورت تصور کرتی ہیں یہ حرام ہے،اس سے دانت بھی خراب ہوجاتے ہیں پھر ٹھنڈا پانی گرم چائے یا دودھ نہیں پی سکتیں دانتوں میں لگتا ہے۔**للحسن** کا تعلق یا تو صرف **متفلجات** سے ہے یا **والشمات** اور **متنمصات** اور **متفلجات** تینوں سے ہے یعنی جو عورتیں یہ تینوں کام خوبصورتی کے لیے کریں وہ لعنتی ہیں جو مجبورًا کسی مرض کی وجہ سے کریں انہیں معافی ہے۔

۳ خیال رہے کہ تبدیلی خلق اللہ دوطرح کی ہے:ایک شرعًا جائز دوسری حرام۔چنانچہ ختنہ کرنا،ناخن کٹوانا،مونچھیں ترشوانا ،حجامت کرانا ان میں بھی تبدیلی خلق اللہ تو ہے مگر اس کا حکم ہےاور یہ مذکورہ چیزیں دانت پتلے کرانا وغیرہ تبدیلی خلق اللہ ہے مگر حرام،یہاں حرام تبدیلی مراد ہے یعنی چونکہ اس حرکت میں حرام تبدیلی ہے لہذا یہ ممنوع ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۴ یعنی کسی مسلمان پر لعنت جائز نہیں تو تم نے ان مسلمان عورتوں پر لعنت کیوں کی تم نے صحابی رسول ہو کر ایسی جرات کس بنا پر کی۔

۵ یعنی میں نے خود اپنی طرف سے ان پر لعنت نہیں کی بلکہ اللہ رسول نے لعنت کی ہے میں تو ان لعنتوں کا ناقل ہوں لعنت رسول تو میں نے خود سنی ہے لعنت اللہ قرآن مجید سے معلوم کی ہے لہذا میری یہ لعنت برحق ہے لہذا یہ حدیث مرفوع ہوگئی۔

۶؎ یعنی اس کے متعلق حدیث حدیث تو ہوگئی جو میں نے نہ سنی ہو آپ نے سنی ہو کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت زیادہ حاضر رہتے تھے مگر قرآن کریم تو مقررومعین ہے میں اسے دن رات پڑھتی ہوں میں نے کسی آیت میں ان عورتوں اور ان پرلعنت کا ذکر نہ دیکھا میں اس میں آپ کو سچا کیسے مان لوں۔ **لوحین** سے مراد قرآن مجید کی جلد کے دو گتے ہیں جن کے بیچ میں قرآن مجید ہوتا ہے مراد ہے سارا قرآن مجید۔

۷؎ مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید غور سے پڑھتیں سمجھ بوجھ کر تو تم کو اس میں یہ لعنت مل جاتی اور تم میری تصدیق کردیتیں۔

۸؎ **سبحان اللہ**! کیسا ایمان افروز شاندار استنباط ہے اس آیت سے یہ ثابت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام منع فرمائی ہوئی چیزیں قرآن مجید کی ممانعت میں داخل ہیں اور حضور نے تو ان سے منع فرمایا ہے لہذا قرآن نے بھی انہیں منع فرمایا حضور کی لعنت خدا تعالٰی کی لعنت ہے۔(مرقات) لہذا حضور کی رحمت و کرم رب تعالٰی کی رحمت ہے۔

۹؎ اس حدیث کو احمد،ترمذی ابن ماجہ،ابوداؤد،نسائی نے بھی روایت کیا۔(مرقات) اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ حدیث کے احکام کو قرآن کی طرف نسبت کرسکتے ہیں کہ کتاب قرآن خاموش قرآن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بولتے ہوئے قرآن ہیں،لہذا کہہ سکتے ہیں کہ نماز کی تعدادومقدار زکوۃ کی مقداریں وغیرہ سب کچھ قرآن میں ہے کیونکہ یہ حضور نے بتادیئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نظر حق ہے ۱؎ اور گودنے سے منع فرمایا ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی نظر بد کا اثر حق ہے اس سے مال بدن پر اثر پڑتا ہے باذن اللہ۔جیسے اللہ تعالٰی نے سانپ کے منہ میں، بچھو کے ڈنگ میں زہر رکھا ہے یوں ہی اس نے انسان کی نظر میں بھی اثر رکھا ہے جس سے انسان بیمار یا چیز ضائع ہوجاتی ہے،ان شاء اللہ اس کی تحقیق **کتاب الطب و الرقی** میں آوے گی۔جادو،نظر وغیرہ سب برحق ہے۔جب گالی کے لفظوں میں اثر ہے کہ اس سے دل مغموم ہو جاتا ہے تو جادو کے الفاظ میں بھی اثر ہوسکتا ہے یوں ہی دعاؤں وظیفوں دم درود میں شفاء کا اثر برحق ہے۔

۲؎ اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ گودنے سے نظر نہیں لگتی اور لگی ہوئی نظر دفع ہوجاتی ہے اس لیے حضور انور نے اس سے منع فرمایا کہ یہ خلاف عقل اور عقیدہ باطل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چپکائے ہوئے دیکھا ۱؎(بخاری)	

۱؎ملبد کے معنی ہیں چپکانا۔اہل عرب کوئی خاص گوند ہلکا سا سر میں مل کر بال چپکالیتے تھے تاکہ بال پراگندہ نہ ہوں اسے ملبد کہتے ہیں،یہ بحالت احرام اور غیر احرام سب میں جائز ہے یہاں غالبًا غیر احرام کی حالت میں ملبد مراد ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد زعفرانی رنگ استعمال کرے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی اپنے کپڑے یا بدن میں زعفرانی رنگ استعمال کرنا مرد کے لیے ممنوع قرار دیا عورتوں کو یہ سب کچھ جائز ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ تھوڑا سا زعفرانی رنگ لگالینا مرد کو جائز ہے زیادہ ممنوع ہے مگر حق یہ ہے کہ مطلقًا ممنوع ہے۔جن احادیث سے اس جواز کا دھوکا ہوتا ہے ان میں رنگ لگ جاتا ہے لگانا نہیں لہذا یہ حدیث اپنے اطلاق پر ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجود بہترین خوشبو تیار کرتی تھی ۱؎حتی کہ خوشبو کی چمک آپ کے سر اور آپ کی ڈاڑھی میں پائی جاتی تھی ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اطیب کے دو معنی ہوسکتے ہیں: خوشبو تیار کرتی تھی یا خوشبو لگاتی تھی۔حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت ہی پسند تھی اس لیے ازواج مطہرات خصوصًا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور انور کے لیے خوشبو تیار کیا کرتی تھیں حتی کہ احرام کھولتے وقت بھی خوشبو تیار کی گئی تھی۔

۲؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک اور ڈاڑھی شریف میں خوشبو لگاتے تھے اور وہ خوشبو اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ بالوں میں اس کی چمک دیکھی جاتی تھی،یہ چمک خوشبو کا رنگ نہ تھا چمک تھی،چمک تو پانی کی بھی محسوس ہوجاتی ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ مردوں کی خوشبو بغیر رنگ والی چاہیے کہ وہاں رنگ سے مراد زینت والا رنگ ہے اس کی ممانعت ہے۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر جب دھونی لیتے تو لوبان سے دھونی لیتے غیر مخلوط ۱؎یا کافور سے لیتے جسے وہ لوبان کے ساتھ ڈالتے ۲؎پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دھونی لیتے تھے ۳؎(مسلم)	

۱؎استجمار وہ خوشبو لینا جو جمرہ یعنی آگ کے انگاروں پر رکھ کر حاصل کی جاوے یعنی بخوریادھونی اسی لیے انگیٹھی کو مجمرہ کہتے ہیں یہ جمرہ سے ہے نہ جمار سے،جمار سے جو استجمار آتاہے اس کے معنی ہوتے ہیں ڈھیلے سے

استنجا کرنا،اسی سے ہے جمار جن کی رمی حج میں کی جاتی ہے۔لوبان مشہور خوشبو ہے جو پہلے بہت مروج تھی اب اگربتیوں کی وجہ سے اس کا رواج کم ہوگیا۔

۲؎یعنی کبھی تو خالص لوبان سے دھونی لیتے کبھی لوبان کے ساتھ کافور بھی شامل فرمالیتے تھے دونوں کی ملاکر دھونی لیتے تھے۔

۳؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صرف لوبان سے اور کبھی لوبان و کافور کے مجموعہ سے دھونی لیا کرتے تھے میں بھی اس سنت پر عمل کرتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت کریمہ جو کام کیے وہ سنت زائدہ کہلاتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم اپنی مونچھوں سے کچھ کترتے یا لیتے تھے ۱؎ اور اللہ کے خلیل جناب ابراہیم بھی یہ کام کرتے تھے ۲؎(ترمذی)

۱؎راوی کو شک ہے کہ حضرت ابن عباس نے یاخذ کہا یا یقص معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

۲؎غالبًا حضرت ابراہیم پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے مونچھیں تراشیں آپ کے بعد تمام نبیوں نے یہ عمل کیا اور ہمارے حضور نے یہ سنت خلیل جاری فرمائی لہذا یہ عمل فطرت ہے اس پر بڑا ثواب ہے۔مونچھیں ہرہفتہ یا پندرہ دن میں ضرور تراشنا چاہئیں۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی مونچھوں میں سے کچھ نہ لے وہ ہم میں سے نہیں ۱؎(احمد،ترمذی،نسائی)

۱؎یعنی ہمارے طریقہ سے وہ خارج ہے یا بڑی مونچھیں رکھنے والے کے لیے خطرہ ہے کہ اس کا خاتمہ اسلام پر نہ ہو۔معاذ اللہ!(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی شریف سے طول و عرض سے کچھ لیا کرتے تھے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎اس طرح کہ لمبائی میں مٹھی بھر یعنی چار انگل سے زیادہ بالوں کو کاٹ دیتے تھے اور چوڑائی میں اس دائرے کے حد میں جو بال آتے باقی رکھے جاتے اس سے بڑھتے ہوئے کاٹ دیئے جاتے۔چار انگل تک ڈاڑھی رکھنا واجب

ہے،ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا فسق ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما اپنے ڈاڑھی مٹھی میں پکڑتے تو جو مٹھی سے باہر بال ہوتے انہیں کاٹ دیتے تھے وہ عمل اس حدیث کی شرح ہے۔یہاں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے بہت عرصہ تک ڈاڑھی نہ کٹوائی حتی کہ ڈاڑھی بہت بڑی ہوگئی تو اب اسے نہ کٹوائے بلکہ ویسی ہی رہنے دے۔(اشعہ)جن بزرگوں کی ڈاڑھیاں بہت لمبی دیکھی گئیں ہیں وہاں یہ ہی وجہ ہوئی ہوگی ۔غرضکہ چار انگل سے ہرگز کم نہ کرے مگر اس سے زیادتی اس کی دو صورتیں ہیں: کوشش کرتا رہے کہ زیادہ نہ ہونے پائے،اگر بہت زیادہ کرلی تو پھر ویسے ہی رہنے دے۔

روایت ہے حضرت یعلیٰ ابن مرہ سے۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر خلوق خوشبو دیکھی ۲؎ تو فرمایا کیا تمہارے پاس بیوی ہے۳؎ کہا نہیں فرمایا تو اسے دھودو پھر دھو دو پھر دھودو پھر آئندہ نہ کرو ۴؎ (ترمذی،نسائی)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،اہلِ کوفہ میں آپ کا شمار ہے،صلح حدیبیہ،غزوہ خیبر،غزوہ حنین میں شریک رہے۔

۲؎ خلوق خ اور لام کے پیش سے عرب کی مشہور خوشبو ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے رنگت دیتی ہے۔

۳؎ یعنی اگر تمہارے بیوی ہو تو تم اس رنگت میں معذور ہو کہ اس نے رنگت والی خوشبو استعمال کی ہو اور اس کے کپڑوں سے تمہارے جسم یا کپڑوں میں خوشبو لگ گئی ہو،اس صورت میں تم معذور ہو اور اس خوشبو کے لگ جانے سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔

۴؎ یا تو اس خوشبو کی رنگت ایسی تیز اور پختہ ہوگی جو تین بار دھوئے بغیر کپڑے سے چھوٹ نہ سکتی ہوگی اس لیے تین بار دھونے کا حکم دیا یا مبالغہ کے طور پر فرمایا کہ خوب اچھی طرح دھوؤ تاکہ بامشقت انہیں یاد رہے اور پھر یہ کبھی استعمال نہ کریں۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے جسم میں کچھ خلوق ہو ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ رجل فرماکر اشارۃً بتایا کہ عورت کا یہ حکم نہیں اسے خلوق استعمال کرنا جائز ہے اور شییء فرماکر بتایا کہ خلوق تھوڑی ہو یا زیادہ بہرحال مرد کے لیے ممنوع ہے۔اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ تھوڑی خلوق جائز ہے زیادہ ممنوع۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا استعمال ممنوع ہے ان کے ساتھ نماز مکروہ ہے لہذا مرد اگر ریشمی لباس یا چاندی سونے کا زیور پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز سخت مکروہ واجب الاعادہ ہوگی۔

روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں کہ میں سفر سے اپنے گھر والوں کے پاس آیا میرے ہاتھ پھٹ گئے تھے تو انہوں نے زعفران والی خلوق میرے لگادی ۱؎ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا	

	میں نے آپ پر سلام عرض کیا تو مجھے جواب نہ دیا اور فرمایا جاؤ اسے اپنے جسم سے دھو دو ۲(ابوداؤد)

۱خلوق بغیر زعفران کی بھی ہوتی ہے اور زعفران والی اور یہ زخم کا علاج ہے جیسے آج کل ویسلین کہ اس میں خوشبو ہوتی ہے اوریہ زخموں وغیرہ کا علاج بھی ہے،انکے زخم پر زعفرانی خلوق لگائی گئ تھی علاج کے لیے۔
۲غالبًا اسی پھٹن کا علاج خلوق کے سواء اور بھی ہوگا جیسے موم و تیل وغیرہ یا اس پر ناراضی ہے کہ تم اسے لگائے ہوئے باہر کیوں آئے یا اس پر کہ تم نے خلوق پر پانی بہاکر اس کا رنگ کیوں زائل نہ کردیا ورنہ مجبوری و معذوری میں معافی ہوتی ہے۔(مرقات و اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ اعلانیہ ناجائز کا ارتکاب کرنے والے کے سلام کا جواب نہ دینا تاکہ وہ اس گناہ سے توبہ کرے درست ہے اور ممکن ہے کہ حضور نے آہستہ جواب دیاہو جوانہوں سے سنانہ گیاہو،لہذاحدیث پر یہ سوال نہیں ہوسکتاکہ سلام کاجواب دینافرض ہے پھر حضور نے جواب کیوں نہ دیا جبکہ بزرگ ہستی کے جواب سلام نہ دینے سے اس کے گناہ چھوڑ دینے کی امید ہو تب یہ جواب نہ دینا ایک قسم کی تبلیغ ہے یہ توجیہ خیال میں رہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک ظاہر ہو رنگت چھپی رہے ۱اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو مہک چھپی ہوئی ۲(ترمذی،نسائی)

۱جیسے گلاب،مشک،عنبر اور کافور وغیرہ مرد کے لیے یہ خوشبوئیں بہتر ہیں کہ ان میں رنگت نہیں مہک ہے۔
۲خیال رہے کہ عورت مہک والی چیز استعمال کرکے باہر نہ جائے اپنے خاوند کے پاس خوشبو مل سکتی ہے یہاں کوئی پابندی نہیں جیساکہ دوسری روایت میں ہے کہ جو عورت خوشبو مل کر باہر نکلے وہ ایسی ایسی ہے۔دوسری روایت میں ہے کہ عورت بخور لگاکر ہماری مسجد میں عشاء کے لیے نہ آئے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عورت مہندی لگائے ہوئے باہر نہ پھرے کہ مہندی میں مہک ہے اور عورت کو مہک لگا کر نکلنا ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپی تھی جس سے آپ خوشبو لگاتے تھے ۱(ابوداؤد)

۱ سکه سین کے پیش کاف کے شد سے،عرب کی ایک مشہور خوشبو ہے جس میں بہت خوشبوئیں شامل کی جاتی ہیں مگر یہاں مرادوہ ڈبی یا کپی ہے جس میں یہ خوشبو رکھی جاوے اس لیے **منھا** ارشاد ہواجس میں **من** ابتدائیہ ہے۔(مرقات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر میں تیل اور ڈاڑھی میں کنگھی بہت

	استعمال فرماتے ۱؎اور قناع کا استعمال زیادہ کرتے ۲؎گویا آپ کا کپڑا تیل والوں کا کپڑا ہی تھا۳؎(شرح سنہ)

۱؎حضرت انس سے روایت ہے کہ رات کو حضور کے سرہانے مسواک اور کنگھی رکھی جاتی تھی جب شب اٹھتے تو یہ دونوں چیزیں استعمال فرماتے،حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سات چیزیں سفر وحضر میں نہ چھوڑتے تھے: پیشاب کا برتن،آئینہ،سرمہ دانی،مسواک،قینچی،سرمہ کی سلائی۔(مرقات)

۲؎ قناع ق کے کسرہ سے وہ کپڑا جو ٹوپی کے نیچے پہناجاوے تاکہ تیل ٹوپی و عمامہ میں نہ لگے وہ کپڑا ہی تیل میں تر رہے یعنی چونکہ آپ سر میں تیل زیادہ استعمال کرتے تھے اس لیے ٹوپی شریف کے نیچے ایک کپڑا تیل سے بچاؤ کے لیے استعمال فرماتے تھے۔

۳؎یعنی یہ قناع تیل میں ایسا بھیگا رہتا تھا جیسے تیل والے کے کپڑے تیل سے تر رہتے ہیں دوسرے کپڑے مراد نہیں کیونکہ حضور کے کپڑے بہت صاف اور چٹے رہتے تھے آپ سفید کپڑے پسند فرماتے تھےجو صاف ہوں۔

	روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس مکہ میں تشریف آوری فرمائی ۱؎اس دن آپ کے چار گیسو تھے ۲؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎غالبًا فتح مکہ کے دن کی تشریف آوری مراد ہے جب حضور نے ام ہانی کے گھر میں غسل بھی کیا اور نماز چاشت بھی پڑھی تھی بعد ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار بار مکہ معظّمہ تشریف لے گئے عمرہ قضا کے لیے،فتح مکہ کے لیے،عمرہ ہجرانہ کے لیے اور حجۃ الوداع کے لیے۔حضور انور نے چار عمرے کیے ہیں اور ایک حج،تین عمرے ذیقعدہ ہی میں ایک عمرہ جو حج الوداع کے ساتھ کیا وہ ذی الحجہ میں۔یہ واقعہ جو آپ بیان فرمارہی ہیں وہ فتح مکہ کے دن کا ہے۔

۲؎بٹے ہوئے بالوں کو **غدیرہ ضفیرہ** کہا جاتا ہے جس کی جمع **غدائر** اور **ضفائر** ہے یعنی اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں مبارک کو چار حصوں میں کیا ہوا تھادو حصے بٹ کر داہنے ہاتھ کی طرف لٹکے ہوئے تھے اور دو حصے بائیں جانب۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں مانگ نکالتی تھی تو آپ کی مانگ آپ کے درمیان سر سے چیرتی تھی ۱؎اور آپ کی پیشانی کے بال دو آنکھوں کے درمیان چھوڑتی ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یہ ہی سنت ہے کہ سر کے بال بکھرے نہ رہیں ان میں کنگھی کی جاوے،بالوں کے دو حصے کیے جاویں اور مانگ بیچ سر میں ناک کے اوپر سے سیدھی نکالی جاوے،اب فیشن پرست مردوعورت ایک طرف سے مانگ نکالتے ہیں یعنی ٹیڑھی مانگ خلاف سنت ہے۔

۲؎ اس جملہ کے شارحین نے کئی معنی کیے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام پہلے کلام کا تتمہ ہے یا **فوخ** کہتے ہیں وسط سر یعنی کھوپڑی کو۔مطلب یہ ہے کہ میں حضور انور کے بال شریف کے دو حصے کرتی تھی ایک حصہ داہنی جانب دوسرا حصہ بائیں جانب اور پیشانی کے اوپر سے یہ مانگ شروع کرتی تھی اور کھوپڑی شریف سے اسے گزارتی تھی پوری مانگ بیچ سر میں ہوتی تھی سیدھی جاتی تھی۔یہ ہی معنی بہت موزوں ہیں(مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر گاہے گاہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یہ حکم مرد کے لیے سر کے بالوں میں کنگھی کرنے کے متعلق ہے یعنی جس مرد کے سر پر بال ہوں وہ روزانہ ان میں تیل و کنگھی نہ کرے کہ اسی میں لگا رہے بلکہ کبھی کرے کبھی نہ کرے،ایک دن کرے ایک دن نہ کرے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک دن کرے۔غب غین کے کسرہ سے ب کے شد سے، اس کے معنی ہیں اونٹ کو ایک دن پانی پلانا ایک دن ناغہ کرنا تجارت کو بھی غب کہا جاتا ہے۔اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان ظاہری آرائش میں مشغول ہوکر رب کو نہ بھول جائے اس حکم سے عورتیں مستثنیٰ ہیں وہ چاہیں تو روزانہ مانگ چوٹی کریں،یوں ہی اگر مرد ڈاڑھی میں روزانہ کنگھی کرے تو مضائقہ نہیں دیکھو مرقات۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ وضو کے بعد ڈاڑھی میں کنگھی کرنا فقیری کو دور کرتا ہے،امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روز ڈاڑھی میں دو بار کنگھی کرتے تھے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے فضالہ ابن عبید سے کہا ۲؎ کہ مجھے کیا ہوا کہ میں آپ کو پراگندہ بال دیکھتا ہوں ۳؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بہت عیش پسندی سے منع فرماتے تھے ۴؎ بولے کہ مجھے کیا ہوا کہ تمہارے پاؤں میں جوتے نہیں دیکھتا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں رہا کریں ۵؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ عبداللہ ابن بریدہ ابن حصیب اسلمی ہیں،تابعی ہیں،اپنے والد بریدہ سے جوکہ صحابی ہیں روایات لیتے ہیں،آپ کے بیٹے سہل آپ سے روایات لیتے ہیں،مرو کے قاضی رہے،وہاں ہی وفات پائی۔

۲؎ فضالہ ابن عبید صحابی ہیں،انصاری ہیں،اوسی ہیں،غزوہ احد وغیرہ میں شامل رہے،پھر دمشق میں قاضی رہے امیر معاویہ کے زمانہ میں،وہاں ہی وفات پائی۔(مرقات)

۳؎ یعنی میں آپ کو کبھی کبھی سر و بال کے پراگندہ بال والا دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے آپ روزانہ بال عمدہ کنگھی والے کیوں نہیں رکھتے۔

۴؎ یعنی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پر تکلف رہنے بناؤ سنگھار کئے رہنے سے منع فرمایا ہے،اس ممانعت میں صدہا حکمتیں ہیں۔ہمیشہ بنے ٹھنے رہنے سے صد ہا گناہ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نفس عیاش ہوجاتا ہے،اگر کبھی فقیری آجائے اور تکلیف ممکن نہ رہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے لہذا چاہیئے کہ کبھی کبھی معمولی حالت میں بھی رہا جاوے۔

۵؎ اس میں تقویٰ طہارت کی اعلی درجہ کی تعلیم ہے کہ کبھی کبھی انسان اپنے گھر اپنی گلی کوچہ میں ننگے پاؤں بھی پھر لیا کرے تاکہ اگر کبھی جوتی میسر نہ ہو تو اسے برداشت کرسکے۔غرضکہ اپنے کو کسی چیز کا عادی نہ بنائے،بھوک پیاس کی برداشت پیداکرنے کے لیے روزہ فرض کیا گیا،ہر حالت کی برداشت کے لیے یہ تعلیم دی گئی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بال ہوں وہ ان کا احترام کرے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جس نے سر کے بال رکھے ہوں وہ انہیں ہمیشہ پراگندہ نہ رکھے بلکہ کبھی کبھی ان میں تیل لگائے کنگھی کرے مگر دائمی نہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بہترین وہ چیز جس سے تم بڑھاپے کی علامت بدلو مہندی اور وسمہ ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات نے سیاہ خضاب جائز کہا،وہ کہتے ہیں کہ مہندی اور وسمہ مل کر سیاہ رنگ دیتے ہیں اور ان کے ملاکر لگانے کی اجازت دی گئی ہے مگر یہ دلیل بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ سیاہ خضاب کی صراحۃً ممانعت کی گئی جیسے کہ **اتقوا السواد** وغیرہ مگر سیاہ خضاب کی صراحۃً اجازت کہیں نہیں دی گئی ان جیسی احادیث سے سیاہ خضاب کی اجازت نہیں نکلتی اولًا تو یہاں مہندی وسمہ ملانے کی اجازت ہے ہی نہیں، حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بہترین رنگ سفیدی بدلنے کے لیے مہندی اور وسمہ ہے کہ کبھی مہندی سے رنگ کرے کبھی وسمہ سے،مہندی کا رنگ سرخ ہوتا ہے وسمہ کا رنگ سبز جیسے کہا جاتا ہے کلمہ اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے ایسے ہی یہ ہے اور اگر ملانا ہی مراد ہو تب بھی خیال رہے کہ اگر وسمہ مہندی کے ساتھ آدھوں آدھ یا زیادہ ملایا جاوے تب سیاہ رنگ دیتا ہے اور اگر کم ملایا جاوے تو پختہ سرخ کرتا ہے سیاہ نہیں کرتا سرخ مائل بہ سبزی رنگ ہوجاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے،سیاہ خضاب کی سخت ممانعت احادیث میں وارد ہے،یہ حدیث ان احادیث سے متعارض نہیں اگر یہاں سیاہ رنگ مراد ہو تو احادیث میں تعارض ہوگا۔(مرقات واشعہ ولمعات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اس سیاہی سے خضاب کیا کرے گی کبوتروں کے پوٹوں کی طرح ۱؎ وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال خالص سیاہ کیا کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے خالص سیاہ ہوتے ہیں۔ **حواصل** جمع ہے **حوصلہ** کی بمعنی معدہ یہاں سینہ مراد ہے بعض کبوتروں کے سینے سیاہ ہوتے ہیں۔

۲؎ حالانکہ جنت کی مہک پانچ سو سال کی راہ سے محسوس ہوتی ہے یعنی سیاہ خضاب کرنے والے جنت میں جانا تو کیا اس کے قریب بھی نہ پہنچیں گے یعنی اولًا بعد میں معافی ہوکر پہنچ جاویں گے تو دوسری بات ہے(مرقات)یا یہ مطلب ہے کہ میدان محشر میں جنت کی خوشبو آتی ہوگی جو مسلمانوں کو محسوس ہوگی اس مہک سے مست ہو کر محشر کی شدت بھول جائیں گے مگر یہ سیاہ خصاب کرنے والے محشر میں یہ خوشبو محسوس نہ کرسکیں گے اور وہاں کی تکلیف محسوس کریں گے جیسے حوض کوثر کی ایک نہر محشر میں ہوگی جس سے مؤمن پانی پیتے رہیں گے منافق روک دیئے جائیں گے۔(اشعۃ اللمعات)اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب حرام ہے خواہ سر میں لگائے یا ڈاڑھی میں مرد لگائے یا عورت اس سے معذوری کی حالت مستثنٰی ہے،علاج کے لیے یا غزوہ کے لیے سیاہ خضاب جائز ہے۔(مرقات)بعض لوگ مطلقًا سیاہ خضاب جائز کہتے ہیں،بعض لوگ عورتوں کے لیے جائز کہتے ہیں،بعض مردوں کے سر کے لیے جائز کہتے ہیں،ڈاڑھی کے لیے ممنوع مانتے ہیں،بعض لوگ اسے مکروہ تنزیہی کہتے ہیں یہ کل ضعیف ہیں۔صحیح وہ ہی ہے کہ سیاہ خضاب مطلقًا مکروہ تحریمی ہے۔مردوعورت،سر ڈاڑھی سب اسی ممانعت میں داخل ہیں۔(مرقات)ہاتھ پاؤں میں مہندی وغیرہ سے خضاب عورتوں کو جائز مردوں کے لیے ممنوع الابالعذر۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سبتی جوتے پہنتے تھے ۱؎ اور اپنی ڈاڑھی شریف کو ورس ۲؎ اور زعفران سے رنگتے تھے ۳؎ اور حضرت ابن عمر بھی یہ کرتے تھے ۴؎ (نسائی)	

۱؎ جس کی کھال کے بال اڑا دیئے گئے ہوں۔سبت بمعنی حلق(منڈانا)عام عرب بال والے جوتے پہنتے تھے اب عمومًا بے بال کے جوتے بنتے ہیں۔

۲؎ ورس ایک گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہے پیلا رنگ دیتی ہے۔

۳؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کے لیے یہ گھاس یا زعفران ڈاڑھی شریف میں ملتے تھے جس سے ان کا رنگ سیاہ بالوں میں نمودار ہوجاتا تھا خضاب کے لیے نہیں کیونکہ حضور کی ڈاڑھی شریف سفید ہوئی

نہیں پھر خضاب کیسا لہذا یہ حدیث حضرت انس کی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور انور نے خضاب نہ کیا،آپ کے کل بیس بال سفید تھے۔(اشعۃ اللمعات)مرقات نے کچھ اور توجیہ کی ہے مگر یہ توجیہ قوی ہے اور اس سے احادیث کا اجتماع ہوجاتا ہے۔
۴؎ معلوم ہوا کہ زرد خضاب جائز ہے صرف سیاہ منع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شخص گزرا جس نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا تو فرمایا یہ کیا ہی اچھا ہے فرماتے ہیں پھر دوسرا گزرا جس نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا تھا۱؎ تو فرمایا یہ اس سے اچھا ہے پھر دوسرا آدمی گزرا جس نے زردی سے خضاب کیا تھا تو فرمایا یہ ان سب سے اچھا ہے ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ اسی طرح کہ مہندی میں تھوڑا سا وسمہ تھا جس سے خضاب کا رنگ پختہ سرخ ہوگیا تھا۔سیاہ کی حد کو نہ پہنچا تھا۔(مرقات)لہذا اس سے سیاہ خضاب کی حلت ثابت نہیں ہوئی،سیاہ خضاب کی حلت کی ایک حدیث بھی نہیں حرمت کی بہت احادیث ہیں۔
۲؎ معلوم ہوا کہ زرد خضاب حضور نے بہت پسند فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑھاپے کی نشانی بدلو ۱؎ اور یہود سے مشابہت نہ کرو ۲؎ (ترمذی)اور نسائی نے حضرت ابن عمر اور زبیر سے روایت کی ہے ۳؎

۱؎ یہ حکم مجاہدین کے لیے ہے کہ وہ سفید بال لے کر جہاد میں نہ جائیں یا ان کے لیے جو سفید بالوں کی حفاظت میں مسلمان ہوں،دوسرے مسلمانوں کے لیے اختیار ہے کہ بال سفید رکھیں یا سیاہ کے علاوہ کوئی اور خضاب لگائیں اس کی اور توجیہیں بھی ہیں۔(مرقات وغیرہ)
۲؎ یعنی یہودی اپنے سروڈاڑھی کے بال چٹے جیسے سفید رکھتے ہیں تم سرخ یا پیلے کرلیا کرو تاکہ ان کی مشابہت سے بچو۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مسلمان یہود کی مخالفت کے لیے ڈاڑھیاں منڈوانہ دیں بلکہ اونہیں سرخ کرکے اون کی مخالفت کریں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو سفید ڈاڑھی والا کافر مسلمان ہو وہ ضرور خضاب کرے تاکہ کفر و اسلام کے رنگوں میں فرق ہوجائے مگر جو پرانا مسلمان ہو اس کے لیے سفید ڈاڑھی رکھنا بھی درست ہے۔
۳؎ یہ حدیث احمد نے حضرت زبیر سے روایت کی،احمد نے حضرت انس سے یوں روایت کی بالوں کا سفید رنگ بدلو اور سیاہ خضاب سے بچو کیونکہ سیاہ خضاب کفار کا ہے۔مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے سیاہ خضاب لگانے والا فرعون تھا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑھاپے کی نشانی نہ اکھیڑو کہ وہ مسلمان کا نور ہے[1] جو اسلام میں بوڑھا ہو تو اللہ اس کے لیے ایک نیکی لکھتاہے اور اس سے اس کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کرتا ہے[2] (ابوداؤد)

[1] یعنی جب سر یا ڈاڑھی میں چٹے بال شروع ہوجاویں تو انہیں مت اکھیڑو ان چٹے بالوں سے نفس کمزور ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اب میں بوڑھا ہو چلا ہوں آخرت کی تیاری کروں یہ بال اکھیڑ دینے سے وہ اپنے کو جوان ہی سمجھے گا، یہ فرق ہے خضاب اور سفید بال اکھیڑنے میں اس لیے خضاب کا حکم دیا اکھیڑنے سے منع فرمایا، سفید بال خواہ سفید ہی رہیں یا سرخ کردیئے جاویں قبر یاد دلاتے ہیں کہ تیاری کرو چلنے کا وقت قریب آگیا سویرا ہوگیا اب جاگ جاؤ۔ شعر

اٹھ جاگ مسافر بھور ہوئی اب رات کہاں جو سووت ہے   جو جاگت ہے سو پاوت ہے جو سووت ہے وہ کھووت ہے
اٹھ نیند سے اکھیاں کھول ذرا اور رب سے اپنے دھیان لگا   یہ پریت کرن کی ریت نہیں رب جاگت ہے تو سووت ہے

[2] امام مالک نے بروایت سعید ابن مسیب نقل فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے آپ نے پوچھا یارب یہ کیا فرمایا یہ وقار اور نور ہے، فرمایا الٰہی میرا وقار اور نور اور زیادہ کر۔ وہ جو حاکم و ابن سعد نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ رب تعالٰی نے حضور کو چٹے بال سے بگاڑا نہیں (حاشیہ بیضاوی) وہاں معنی یہ ہیں کہ حضور کے کچھ بال سفید ہوئے تو اس سے حضور کا حسن اور بھی زیادہ ہوگیا کچھ کمی نہ آئی۔ علماء فرماتے ہیں کہ سفید بال اکھیڑنا زینت کے لیے ہو تو منع ہے۔ (مرقات)

	روایت ہے حضرت کعب ابن مرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا[1] (ترمذی، نسائی)

[1] یعنی سفید ریش والے مؤمن کے لیے قیامت میں نور ہوگا کہ اس کی سفید ڈاڑھی نورانی ہوگی یا نور کا باعث ہوگی اس دن سواء ابراہیم علیہ السلام کے ڈاڑھی کسی کے نہ ہوگی مگر یہ سفید ڈاڑھی چہرہ کے نور کا باعث ہوگی۔ ان دونوں حدیثوں کی بناء پر حضرت علی، سلمہ ابن اکوع، ابی ابن کعب اور بہت صحابہ کرام نے کبھی خضاب نہ لگایا اپنی ڈاڑھی اور سر سفید رکھے، وہ فرماتے تھے کہ چٹی ڈاڑھی نور اور درجات کا باعث ہوگی۔ بعض صحابہ کرام اور حضرت حسن و حسین نے خضاب لگایا گزشتہ احادیث کی بنا پر لہذا دونوں عمل جائز ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر اپنے شہر میں خضاب کا رواج عام ہو تو خضاب کرنا بہتر ہے، اگر سفید ڈاڑھی کا رواج عام ہو تو سفید رکھنا بہتر اور جہاد کے موقع پر خضاب

افضل۔(مرقات)یوں ہی اگر ہمارے شہر یا ملک میں یہودی سکھ عام ہوں جو خضاب نہیں کرتے تو خضاب کرنا افضل ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے ۱؎ اور آپ کے بال شریف جمہ سے زیادہ اور وفرہ سے کم تھے ۲؎(ترمذی،نسائی)

۱؎ ایک برتن سے اور ایک ساتھ غسل کرتے تھے پردہ سے کہ دونوں حضرت تہبند باندھے ہوتے تھے۔اس کی بحث کتاب الغسل میں گزرچکی ہے۔وہ حضرات برہنہ ہوکر کبھی غسل نہ کرتے تھے،مستحب بھی یہ ہی ہے کہ غسل خانہ میں بھی تہبند باندھ کر غسل کرے،حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھا،ستر سے مراد ناف سے گھٹنے تک کا بدن ہے یہ دونوں ہستیاں پہلے اپنے ہاتھ دھولیتے تھے پھر بڑے برتن سے چلو لیتے تھے تاکہ پانی مستعمل نہ ہوجاوے اور اسطرح غسل فرماتے تھے کہ بدن کا غسالہ برتن میں نہیں پڑتا تھا۔

۲؎ تابگوش بالوں کو وفرہ کہا جاتا ہے اور تابدوش کولمہ ان دونوں کے درمیان کو جمہ یعنی حضور کے بال شریف کندھوں تک نہ ہوتے تھے کندھوں سے قریب ہوتے تھے کان کی گدیوں سے نیچے اور کندھوں سے اوپر یہ اکثری حالت کا ذکر ہے۔

	روایت ہے ابن حنظلیہ سے ۱؎ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب ہیں فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خریم اسدی ۲؎ اچھے آدمی ہیں اگر ان کے جمہ کی درازی اور ان کے تہبند کا گھسٹنا نہ ہوتا ۳؎ یہ خبر جناب خریم کو پہنچی تو انہوں نے چھری لی تو اس سے اپنے گیسو اپنے کانوں تک کاٹ دیئے اور اپنا تہبند اپنی آدھی پنڈلیوں تک اونچا کرلیا ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام سہیل ابن ربیع ابن عمرو ہے،حنظلیہ آپ کی ماں کا نام ہے،سہیل صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،بڑے گوشہ نشین تاریک الدنیا عالم و عامل بزرگ تھے،لاولد تھے،شام میں قیام رہا،دمشق میں وفات ہوئی،امارت امیر معاویہ کے شروع میں وفات پائی۔

۲؎ آپ کا نام خریم ابن اخرم ابن شداد ابن عمرو ابن فاتک ہے،شام میں قیام رہا،صحابی ہیں،قبیلہ بن اسد سے ہیں جو یمن کا مشہور قبیلہ ہے۔

۳؎ یہ فرمان عالی حضرت خریم کی غیر موجودگی میں ہوا۔معلوم ہوا کہ کسی کی پس پشت اس کی برائی بیان کرنا درست ہے جب کہ اس کی اصلاح مقصود ہو،اگرچہ سر کے بالوں کا کچھ دراز ہونا ممنوع نہیں مگر چونکہ ان کی نیت اظہار

فخر کی تھی اس لیے اس سے منع فرمادیا گیا اس لیے بالوں کے ساتھ درازی تہبند کا ذکر فرمایا ورنہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف کبھی دراز ہوتے تھے۔

۴؎ خیال رہے کہ مردوں کے لیے دونوں حکم ہیں یعنی سر کے بال کٹوانا تہبند اونچا پہننا،عورتوں کو یہ دونوں کام حرام ہیں عورتیں اپنے سر کے بال خود دراز رکھیں ہرگز نہ کٹوائیں تہبند نیچا باندھیں،ہاں احرام سے فارغ ہونے پر عورتیں بالوں کی نوکیں ایک پورا کٹوادیں۔(مرقات)یہ بھی خیال رہے کہ مرد کو لمبے بال رکھنا ان میں عورتوں کی سی مانگ چوٹی کرنا حرام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میرے گیسو تھے میری والدہ نے فرمایا کہ میں انہیں نہ کاٹوں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کھینچتے اور انہیں پکڑتے تھے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ چنانچہ حضرت انس نے اپنے اگلے سر کے بال کبھی نہ کٹوائے انہیں قبر میں ساتھ لے گئے کیونکہ ان بالوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک لگا کرتے تھے حالانکہ سر کے بعض بال رکھنا بعض کٹوانا ممنوع ہے مگر اس خصوصیت نے یہ ممانعت دور کردی۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مس کی ہوئی چیزوں سے تبرک حاصل کرنا سنت صحابہ ہے،مدینہ منورہ کی زمین پاک کی خاک بھی تبرک ہے کہ اسے کبھی وہ تلوے لگے ہیں جو عرش اعظم پر گئے تھے۔شعر

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے ۔۔۔ یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے

اس حدیث سے تصوف کے بہت مسائل حاصل ہوسکتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت انس سے ان کے بچپن سے ہی بڑی محبت تھی،حضور پیار میں ان کے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ شریف رکھتے بالوں کو بٹتے تھے،آپ اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمارہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر کے گھر والوں کو تین دن کی مہلت دی ۲؎ پھر ان کے پاس تشریف لائے فرمایا آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا ۳؎ پھر فرمایا کہ میرے بھتیجوں کو میرے پاس بلاؤ ۴؎ چنانچہ ہم کو لایا گیا گویا کہ ہم چوزے تھے تو فرمایا کہ نائی کو میرے پاس بلاؤ اسے حکم دیا اس نے ہمارے سر مونڈ دیئے ۵؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ حضرت جعفر بھی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے عبداللہ ابن جعفر بھی حضرت جعفر جناب علی مرتضٰی کے بھائی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد کیونکہ جعفر ابن ابی طالب ہیں،حضرت جعفر غزوہ موتہ میں شہید ہوئے یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۲؎ تعزیت کے لیے بیٹھنے اور عزیزواقرباء کے تسلی دینے کے لیے آنے کی مہلت تین دن تک دی جیسے آج کل میت والے تین دن تک چٹائی ڈالتے ہیں یہ سنت سے ثابت ہے اس کا یہاں ذکر ہے،بعض لوگ ان دنوں میں میت کے لیے فاتحہ پڑھتے رہتے ہیں یہ بھی بہت اچھا ہے۔

۳؎ یہاں رونے سے مراد آنکھ کے آنسو نہیں بلکہ تعزیت کے لیے بیٹھنا اور چہرے سے غم کے آثار کا ظاہر ہونا ہے۔کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے سواء خاوند کے کہ اس کی بیوہ بیوی چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

۴؎ یعنی حضرت جعفر کے بچوں کو جواب یتیم ہوچکے تھے۔یہ واقعہ غزوہ موتہ کے بعد کا ہے جس میں حضرت جعفر شہید ہوئے تھے،ان کے بچوں کے بال بڑھے ہوئے تھے اس لیے چڑیا کے بچوں سے تشبیہ دی گئی۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ یتیم عزیزوں کی خبرگیری کرنا ان کی ضروریات پوری کرنا سنت ہے اور یہاں بال منڈوا دینا علامت تھی مدت تعزیت ختم ہوجانے کی۔خیال رہے کہ احرام سے کھلتے وقت کے سواء اور موقعوں پر بال منڈوانا اچھا نہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ اب ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس ان کی بالوں کی نگرانی و خدمت نہ کرسکیں گی اپنی عدت وغم میں گرفتار رہیں گی اس لیے حضور نے ان کے سر منڈوا دیئے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یتیموں کا والی تصرف کرسکتا ہے جیسے حجامت اور ختنہ وغیرہ۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ام عطیہ انصاریہ سے ۱؎ کہ ایک عورت مدینہ میں ختنہ کرتی تھی ۲؎ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مبالغہ کرو کیونکہ یہ عورت کے لیے زیادہ نافع ہے اور خاوند کو زیادہ پسند ۳؎(ابوداؤد)اور فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کا راوی مجہول ہے۔	

۱؎ آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے،کنیت ام عطیہ،عظیم الشان صحابیہ ہیں،قریبًا تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہیں غازیوں کی خدمت زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۲؎ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ بچیوں کی پیدائش کے وقت دائی یا کوئی اور عورت بچی کے نال کے ساتھ کچھ پارۂ گوشت پیشاب کی جگہ کا بھی کاٹ دیا جاتا تھا اسے لڑکیوں کا ختنہ کہتے تھے،اس کے متعلق فرمایا کہ یہ پارۂ گوشت زیادہ نیچے سے نہ کاٹے اولًا تو حدیث صحیح نہیں اگر صحیح بھی ہو تو صرف جواز ثابت کرے گی،احناف کے ہاں لڑکی کا ختنہ مکروہ ہے۔

۳؎ جیسے بچہ کے ختنہ سے صفائی اچھی رہتی ہے ایسے ہی اس ختنہ سے صفائی زیادہ نصیب ہوتی ہے،اس سے صحبت میں زیادہ لذت ہوتی ہے،مرد کے ختنہ سے عورت کو لذت زیادہ اور عورت کے ختنہ سے مرد کو لذت زیادہ،اب اس کا دنیا میں غالبًا رواج نہیں۔

روایت ہے کریمہ بنت ہمام سے ۱؎ کہ ایک عورت نے جناب عائشہ سے مہندی کے خضاب کے متعلق پوچھا ۲؎	

	آپ بولیں کوئی حرج نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتی ہوں۳؎ میرے محبوب اس کی مہک ناپسند کرتے تھے ۴؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ تابعیہ ہیں،آپ کے والد کا نام ابراہیم ابن محمد ابن ابراہیم ابن ہمام ہے۔(مرقات)

۲؎ کہ عورتوں کو اس کا خضاب ہاتھ پاؤں اور سر میں لگانا کیسا ہے مگر غالب یہ ہے کہ یہاں سر میں مہندی لگانا مراد ہے تاکہ یہ حدیث اس حدیث کے مخالف نہ ہو جس میں عورتوں کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانے کا حکم دیا گیا ہے لہذا حدیث واضح ہے(مرقات)

۳؎ شاید سائلہ نے حضرت ام المؤمنین سے پوچھا ہوگا کہ آپ مہندی کیوں نہیں لگاتیں تب آپ نے یہ جواب دیا کہ اس میرے فعل کی وجہ یہ ہے۔

۴؎ اس حدیث کی بنا پر شوافع کہتے ہیں کہ مہندی میں خوشبو نہیں لہذا بحالت احرام اس کا خضاب درست ہے کیونکہ حضور انور کو خوشبو پسند تھی اور مہندی کی بو پسند نہ تھی اگر مہندی میں بھی خوشبو ہوتی تو آپ کو پسند ہوتی،امام اعظم فرماتے ہیں کہ مہندی ہے تو خوشبو اس کا خضاب احرام میں جائز نہیں مگر حضور انور کو جنس خوشبو پسند تھی نہ کہ ہر فرد خوشبو یا بعض خوشبوئیں زیادہ پسند تھیں بعض کم جیسے حضور انور کو گوشت پسند تھا مگر بعض جانوروں کے گوشت ناپسند تھے تو اس سے لازم یہ نہیں کہ وہ گوشت گوشت ہی نہیں۔فقیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی ازواج پاک کے ہاتھ پاؤں کی مہندی بھی بہتر نہ تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک سر میں تو مہندی لگاتی ہی نہ تھیں ان کے بال سفید تھے ہی نہیں ہاتھ پاؤں میں لگاتی تھیں اسے ناپسند فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ازواج پاک حضور کی ناپسند چیزیں استعمال نہ فرماتی تھیں،حضور حیات ہیں اپنے ازواج پاک کو بعد وفات ملاحظہ فرمارہے ہیں،ان کے حالات سے خوش ہوتے ہیں یہ ناپسندیدگی صرف ازواج پاک کے لیے ہے دوسری عورتوں کے لیے حرج نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا ۱؎ یارسول اللہ مجھے بیعت فرمالیجئے ۲؎ تو فرمایا ہم تم کو بیعت نہ کریں گے حتی کہ تم اپنے ہاتھوں میں تبدیلی کرلو یہ ہاتھ تو گویا درندے کے ہاتھ ہیں ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ ہیں،ابو سفیان کی بیوی جناب امیر معاویہ کی والدہ،فتح مکہ کے دن ابوسفیان کے اسلام کے بعد آپ اسلام لائیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح قائم رکھا،بڑی عاقلہ فہیمہ تھیں،کبھی زنا کے قریب نہ گئیں،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت فرمایا کہ زنا نہ کرنا تو آپ بولیں کیا کوئی شریف عورت بھی زنا کرسکتی ہے۔حضرت عمر کی خلافت میں عین ابوقحافہ کے وفات کے دن فوت ہوئیں حضرت عائشہ نے آپ سے

روایات لیں رضی اللہ عنہا۔(مرقات)عہدِ فاروقی میں غزوہ قادسیہ و یرموک میں بڑی مجاہدانہ شان سے شریک رہیں بڑی خدمت اسلام کی۔

۲؎ یہ بیعت علاوہ بیعت اسلام کے کوئی اور تھی کسی خاص معاہدہ پر بیعت اسلام فتح مکہ کے دن کی گئی تھی۔

۳؎ یعنی تمہارے ہاتھ مردوں کی طرح سفید ہیں ان میں مہندی سے رنگ کرو پھر بیعت کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مردوں کی طرح چٹے ہاتھ رکھنا مکروہ ہیں اور مردوں کو عورتوں کی طرح ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا مکروہ ہے حتی کہ عورت کو چاندی کی انگوٹھی بہتر نہیں،اگر پہنے تو اسے رنگ کرلے تاکہ مردوں کی مشابہت نہ رہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے جس کے ہاتھ میں کوئی تحریر تھی پردے کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ روک لیا۱؎ فرمایا میں نہیں جانتا کہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا ہاتھ ہے وہ بولی بلکہ عورت کا ہاتھ ہے ۲؎ فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخن میں تبدیلی کرلیتی یعنی مہندی سے ۳؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی اپنا ہاتھ شریف روک لیا اس کے ہاتھ سے خط نہ لیا اظہار ناراضی کے لیے حضور انور نے کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہ لگایا حتی کہ ان کو زبان سے بیعت فرمایا۔

۲؎ یہ سوال و جواب بھی اظہارِ ناراضی کے لیے ہیں ورنہ حضور کو خبر تھی کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے عورت کا ہاتھ چھپا نہیں رہتا پھر اس کی آواز پہچانی جاتی ہے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ عورت مہندی وغیرہ سے اپنے ناخن رنگین کرے یہ بھی کافی ہے یا مہندی سے ہتھیلیاں رنگے یا صرف ناخن،آج کل ناخن پر پالش لگانے کا رواج ہے مگر پالش میں جسامت ہوتی ہے اس لیے اگر ناخنوں پر لگی ہو تو عورت کا وضو یا غسل نہ ہوگا کہ پالش کے نیچے پانی نہ پہنچے گا۔غرضیکہ ایسی چیز لگائی جاوے جو صرف رنگ دے اس میں جسامت نہ ہو،ابھی جو حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں گزرا کہ حضور انور کو مہندی پسند نہ تھی یہ اپنی ازواج پاک کے متعلق تھا کہ حضور انور کی ازواج مطہرات کے لیے مہندی بہتر نہ تھی عام عورتوں کے لیے مہندی بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ بال ملانے والی اور ملوانے والی اور بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی گودنے والی اور گودوانے والی پر لعنت کی گئی ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ ان چاروں لفظوں کی شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی۔**واصلہ** وہ عورت جو دوسری عورتوں کے بال اپنے سر کے بالوں سے ملائے،حسن کے لیےملانے والی **واصلہ** ملوانے والی **مستوصلہ**۔**نامصہ** وہ عورت جو اپنے چہرے کے رونگٹے اکھیڑے حسن کے لیے اکھیڑنے والی **متنمصہ** اکھڑوانے والی **مستوصلہ**۔اپنے جسم میں حسن کے لیے گودواکر نیل وغیرہ بھروانے والی **واشمہ** اور **متوشمہ**۔

روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پرلعنت کی جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا سا لباس پہنے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو عورت مردوں کا سا لباس پہنے اس پر لعنت ہے اور جو مرد عورتوں کا سا لباس پہنے اس پر لعنت ہے۔چاہیے یہ کہ مرد عورتیں لباس میں ممتاز رہیں،عورت پگڑی نہ باندھے،مرد دوپٹہ نہ پہنے،یوں ہی قمیض شلوار میں زنانہ مردانہ میں فرق رہے۔

روایت ہے حضرت ابن ابی ملیکہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ ایک عورت نعلین پہنتی ہے۲؎آپ بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد بننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎آپ کا نام عبداللہ ابن عبید اللہ ابن ابی ملیکہ ہے،تیمی قرشی ہیں،مشہور جلیل القدر تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضی مکہ رہے،تیس صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے،آپ حضرت عائشہ سیدنا عبداللہ ابن عباس اور ابن زبیر وغیرہم سے روایت کرتے ہیں رضی اللہ عنہم۔

۲؎یعنی مردوں کے سے جوتے پہنتی ہے۔**نعلین** عمومًا وہ جوتے کہلاتے ہیں جو مردانہ ہو۔

۳؎معلوم ہوا کہ مردوں عورتوں کے جوتوں میں بھی فرق چاہیے۔صورت،لباس،جوتہ،وضع قطع سب ہی میں عورت مردوں سے ممتاز رہے،ہاں علم و فضل تقویٰ طہارت میں مردوں سے بڑھ جانے کی کوشش کرے۔حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق کہا جاتا ہے **رجلۃ الرای** آپ مردوں کی سی رائے رکھتی تھیں،اسلام نے تو نماز وحج و عمرہ،جہاد جیسی عبادات میں بھی عورت و مرد میں امتیاز رکھا ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے تو آپ کے گھر والوں میں جس شخص سے آپ کی آخری ملاقات ہوتی وہ فاطمہ تھیں اور پہلے جن کے پاس تشریف لاتے فاطمہ ہوتیں ۲؎چنانچہ آپ ایک غزوہ سے تشریف لائے آپ نے	

اپنے دروازے پر ٹاٹ یا پردہ ڈالا ہوا تھا اور حضرت حسن و حسین کو چاندی کے دو کنگن پہنائے ہوئے تھے۳؎ تو آپ تشریف لائے مگر اندر نہ آئے۴؎ آپ سمجھ گئیں کہ حضور کو تشریف آوری سے اس نے روکا جو آپ نے دیکھا ۵؎ چنانچہ انہوں نے پردہ پھاڑ دیا اور دونوں کنگن بچوں سے الگ کردیئے اور دونوں سے کاٹ دیئے ۶؎ پس دونوں بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے چلے ۷؎ حضور نے ان دونوں سے وہ لے لیے پھر فرمایا اے ثوبان اسے فلاں کے پاس لے جاؤ ۸؎ یہ لوگ میرے گھر والے ہی ہیں میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ یہ اپنی طیب چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں کھالیں۹؎ اے ثوبان فاطمہ کے لیے عصب کا ہار ۱۰؎ اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ ۱۱؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ حضرت ثوبان حضور کے آزاد کردہ مشہور غلام ہیں جو حضور انور کے ساتھ سفروحضر میں ملازم بارگاہ رہتے تھے،آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں کہ آپ کا نام شریف ثوبان ابن بجدد ہے،کنیت ابو عبداللہ حضور کی وفات کے بعد آپ شام چلے گئے،مقام رملہ میں حمص میں مقیم رہے ۵۴ھ چون میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تشریف لے جاتے تو پہلے سارے گھر والوں سے رخصت ہوتے سب سے آخر میں حضرت فاطمہ زہرا سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب فاطمہ کے گھر تشریف لاتے پھر دوسرے اہلِ بیت کے پاس غرضکہ جانا بھی اس گھر سے ہوتا اور آنا بھی اسی گھر میں اس گھر کی عزت پر لاکھوں سلام۔

۳؎ دروازہ کا یہ پردہ غالبًا تصاویر والا تھااور چاندی کے کنگن لڑکوں کے لیے تصاویر والا پردہ یہ دونوں حرام ہیں جناب فاطمہ کو ان کی حرمت کی ابھی تک خبر نہ تھی اسی لیے آپ نے یہ دونوں کام کیے ہوئے تھے ورنہ اہل بیت نبوت دانستہ طور پر ناجائز کام نہیں کرسکتے۔

۴؎ اظہارِ ناراضگی کے لیے یہ ایک طریقہ تبلیغ ہے،یہ تبلیغ عملی ہے جو قولی تبلیغ سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے یعنی اظہار ناراضگی۔

۵؎ آپ نے نور ایمانی فراست ولایت سے معلوم کرلیا کہ اندر تشریف نہ لانے کی وجہ صرف یہ دو کام ہی ہو سکتے ہیں۔

۶؎ یا تو **قطعت** تفسیر ہے تب تو دونوں کے معنی ہیں علیحدہ کردیئے یا ف عطف کی ہے یعنی کنگن دونوں صاحبزادوں سے اتار لیے اور توڑ دیئے تاکہ آئندہ یہ بچے انہیں نہ پہن سکیں بہرحال حضور کی صرف ناراضگی ملاحظہ فرماکر یہ دونوں چیزیں ختم کر دیں۔

۷؎ اس طرح کہ کنگن کے ٹکڑے ان کے ہاتھوں میں تھےجناب فاطمہ نے یہ ٹکڑے ان دونوں کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھیجے تاکہ حضور انہیں اپنے ہاتھ سے خیرات کردیں اور حضور انور کو اس عمل پر اطلاع ہوجاوے اور حضور گھر میں تشریف لاویں۔

۸؎ وہ لوگ فقراء ہیں انہیں صدقہ کرکے دے آؤ ان کا کام چل جاوے گاجناب فاطمہ زہرا کا یہ ہی منشا تھا۔

۹؎ یعنی حضرت فاطمہ زہرا بھی ان کنگنوں کو نہ پہنیں کہ اگرچہ ان کے لیے انکا پہننا جائز ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے اہل بیت جائز آرائش ٹیپ ٹاپ بھی نہ کریں تاکہ ان کے دل دنیا میں نہ لگیں اور آخرت میں ان کے درجات اوربلند ہوں وہ دنیا میں فقروریاضت کی زندگی گزاریں،چونکہ فاطمہ زہرا کو گزشتہ واقعہ سے غم ہوا تھا اس لیے حضور اکرم نے ان کا غم غلط فرمانے کے لیے اگلا حکم صادر فرمایا تاکہ تسلی ہو۔

۱۰؎ ایک یمنی کپڑے کا نام عصب ہے جو دھاری دار ہوتا ہے اور ایک دریائی جانور کی ہڈی ہے جو کوڑیوں کے مشابہہ ہوتی ہے اسے سکھا کر ہار کے منکے بنائے جاتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے،بعض نے کہا کہ عصب ایک دریائی جانور کے دانت ہیں جسے فرس فرعون کہتے ہیں۔(اشعہ)

۱۱؎ اکثر شارحین نے عاج کے معنی ہاتھی دانت کیے ہیں۔بعض نے فرمایا کہ یہ بھی ایک دریائی جانور کے دانت ہیں سواء سؤر اور انسان کے باقی تمام حرام جانوروں کی ہڈی جو خشک ہو پاک ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اثمد سرما لگایا کرو۱؎ کہ وہ نگاہ میں جلا دیتا ہے اور بال اگاتا ہے۲؎ انہوں نے گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمہ دانی تھی جس میں سے ہر رات سرمہ لگاتے تھے تین سلائیاں اس آنکھ میں اور تین اس میں۳؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی ہمیشہ اثمد سرمہ لگایا کرو۔اثمد الف اور میم کے کسرہ ث کے سکون سے ایک خاص سرمہ کا نام ہے جسے اصفہانی سرمہ کہا جاتا ہے یہ ہلکے سرخ رنگ کا سرمہ ہوتا ہے اس بار حج کے موقعہ پر یہ سرمہ مجھے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ سے ملا۔بعض شارحین کا قول ہے کہ عام سیاہ سرمہ کو ہی اثمد کہتے ہیں۔بعض نے کہا کہ تیہ کا نام اثمد ہے،بعض نے کہا کہ جس سرمہ میں تھوڑا مشک حل کرلیا جاوے وہ اثمد ہے مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے، عرب میں اب بھی اسی خاص لال سرمہ کو اثمد کہا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی اثمد سرمہ آنکھوں کی روشنی زیاہ کرتا ہے،پلک کے بال دراز کرتا ہے اگر نہ ہوں تو اگاتا ہے۔مرقات میں ہے کہ یہ آنکھ کا پانی خشک کرتا ہے،آنکھ کے زخم اچھے کرتا ہے،نگاہ قائم رکھتا ہے غرضکہ اس میں بہت فائدے ہیں

مگر اس کے لیے جسے موافق آجاوے بعض لوگوں کو موافق نہیں آتا۔غرضکہ طبیب کی رائے سے اسے استعمال کرنا چاہیے۔

۳؎اس طرح کہ پہلے داہنی آنکھ میں دو سلائیاں پھر بائیں آنکھ میں تین پھر داہنی میں ایک اس طرح کہ ابتداء بھی داہنی سے ہو انتہاء بھی داہنی پر،ہمیشہ رات کو سوتے وقت اس طرح سرمہ لگانا فقیری اور ضعف بصر کو دور کرتا ہے۔بعض روایات میں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے وقت داہنی آنکھ میں تین سلائیاں اور بائیں میں دو لگایا کرتے تھے ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ عمل ہو کبھی وہ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہاں **زعم** کا فاعل حضرت ابن عباس ہیں اور **زعم** بمعنی قول ہے نہ کہ بمعنی وہم،عربی میں بہت دفعہ **زعم** بمعنی قول استعمال ہوتا ہے۔بعض شارحین نے کہا کہ **زعم** کا فاعل محمد ابن حمید ہیں جو امام ترمذی کے شیخ ہیں مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے اثمد سرمہ لگاتے تھے ہر آنکھ میں تین سلائیاں ۱؎فرماتے ہیں کہ حضور فرماتے تھے کہ بہترین دوا جو تم کرو وہ لیپ ہے ۲؎اور نسوار ۳؎اور پچھنے اور جلاب ۴؎اور بہترین وہ سرمہ جو تم لگاؤ اثمد ہے کہ وہ نگاہ میں جلادیتا ہے اور بال اگاتا ہے ۵؎اور بہترین دن جس میں تم فصد لو سترہ تاریخ ہے اور انیس تاریخ اور اکیسواں دن ۶؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج کرائی گئی تو آپ فرشتوں کی کسی جماعت پر نہ گزرے مگر انہوں نے یہ ہی عرض کیا کہ فصد اختیار کرو ۷؎(ترمذی)اور فرمایا حدیث حسن،غریب ہے۔

۱؎یعنی رات کو سوتے وقت سرمہ لگاتے تھے دوپہری میں سوتے وقت نہیں،سنت یہ ہی ہے کہ رات کو سوتے وقت سرمہ لگائے۔دن میں سرمہ لگانا جمعہ کی نماز کے لیے،عیدین کے لیے سنت ہے،یوں ہی عاشورہ کے دن اور روزانہ شب کو سنت ہے۔

۲؎ہر لیپ کو لدود نہیں کہتے بلکہ جو لیپ منہ کے اندرونی حصہ میں کیا جاوے ایک طرف یا دو طرفہ جیسے گلے آجانے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

۳؎ناک میں دوا چڑھانا سعوط ہے خواہ پتلی دوا چڑھائی جاوے یا خشک دوا،اکثر دماغی امراض میں نسوار مفید ہوتی ہے۔

۴؎پیٹ کے امراض کے لیے جلاب بہترین علاج ہیں خصوصًا سناء مکی کا جلاب عرب شریف میں عموما سناء کا جلاب لیا جاتا ہے،دموی امراض میں فصد یا پچھنے بہترین علاج ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جن کے جسم میں خون زیادہ ہو یا خون میں جوش یا فساد آگیا ہو جلاب اور فصد ہمیشہ طبیب حاذق کی رائے سے کرنا چاہیے،بعض شارحین نے فرمایا کہ حجامت،فصد میں فرق ہے سنگی کے ذریعہ خون نکالنا حجامت ہے اور پچھنے سے خون نکالنا فصد۔

۵؎ اس کی شرح ابھی ہوچکی کہ بال سے مراد پلک کے بال ہیں،یہ فائدے ان لوگوں کے لیے ہیں جنہیں اثمد سرمہ موافق آجاوے ناموافق ہونے کی صورت میں نقصان کرتا ہے اس لیے آنکھ کی بیماری والے طبیب کے مشورہ سے یہ سرمہ استعمال کریں۔

٦؎ ان تاریخوں کی ترجیح کی پوری وجہ ان شاءاللہ کتاب الطب والرقی میں ہوگی،یہاں اتنا سمجھ لو کہ چاند کی شروع تاریخوں میں خون میں جوش ہوتا ہے اور آخری تاریخوں میں سکون لہذا درمیانی تاریخیں اختیار کی گئیں جب کہ نہ پورا جوش نہ بالکل سکون،یہ تاریخیں چاند کی معتبر ہیں نہ کہ انگریزی اور تاریخیں طاق چاہئیں جفت نہ ہوں۔

ے؎ فصد میں جسمانی،روحانی بہت فوائد ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ سر میں فصد کرانے میں جنون،جذام،برص،زیادتی نیند،دانتوں کی تکالیف دور ہوتی ہیں،دوسری روایت میں ہے کہ فصد درد سر،آنکھ کی دھند کو دفع کرتی ہے،اس سے قوت حافظہ زیادتی ہوتی ہے۔فصد کے لیے بہترین دن جمعرات،دو شنبہ،منگل کے دن ہیں،جمعہ،ہفتہ،اتوار کے دن فصد نہ کرائے۔بدھ کے دن فصد کرانے سے کوڑھ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے،منگل کے دن حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا ہوئی تھی اس دن فصد بہتر ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے مردوں اور عورتوں کو حمام میں جانے سے منع فرمایا۱؎ پھر مردوں کو اجازت دی کہ وہ تہبند کے ساتھ وہاں جائیں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ کیونکہ حمام میں بہت بے پردگی ہوتی ہے وہاں کے کام کاج والے لوگ بے پردہ نہانے والوں کے سامنے آتے انہیں مالش کرتے ننگے نہلاتے ہیں جیساکہ دیکھا گیا ہے۔

۲؎ عورتوں کو تہبند کے ساتھ بھی حمام میں جانے کی اجازت نہیں کیونکہ ان کا تمام جسم عورت ہے از سر تاقدم،ان میں سے کسی عضو کا غیروں کے سامنے کھولنا جائز نہیں الا عند الضرورۃ لہذا اگر یہ حمام میں تہبند باندھ کر بھی غسل کریں تب بھی باقی جسم کھلا رہے گا اور وہاں کے نوکر چاکر ان کو بے پردہ دیکھیں گے،مرد تہبند باندھ کر نہائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کا سارا جسم ستر نہیں۔خیال رہے کہ عورتوں کی عورت غلیظ یعنی ناف سے گھٹنے تک غیر محرم عورتوں کو بھی دیکھنا حرام ہے الا بالضرورۃ۔حمام میں عورتوں کو اگرچہ عورتیں غسل کرائیں مگر یہ بے پردگی ان سے بھی حرام ہے اور عورتیں اس کی احتیاط ہرگز نہیں کرتیں جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالملیح سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے پاس حمص کی کچھ عورتیں آئیں ۲؎ آپ نے کہا تم کہاں کی ہو وہ بولیں شام کی آپ نے فرمایا شاید تم اس جہاں کی عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہیں وہ بولیں ہاں ۳؎ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر	

	کے علاوہ اپنے کپڑے نہیں اتارتی مگر وہ اپنے اور رب تعالٰی کے درمیان پردہ پھاڑ دیتی ہے۴ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے گھر کے علاوہ میں مگر وہ اپنا پردہ اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان پھاڑ دیتی ہے ۵(ترمذی،ابوداؤد)

۱آپ کا نام عامر ابن اسامہ ہے،ہزلی ہیں،تابعی ہیں،ان کے والد حضرت اسامہ صحابی ہیں،بصرہ کے رہنے والے ہیں، ۱۲۲ھ ایک سو بائیس میں وفات پائی۔

۲حمص شام کا مشہور شہر ہے دمشق اور حلب کے درمیان ہے یہاں ہی حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس ہے،دمشق سے حلب کے دس یسرے(شامی روپیہ)کرایہ ہے درمیان میں حمص آتا ہے،حلب میں زکریا علیہ السلام کامزار ہے۔

۳یعنی ہاں واقعی ہمارے علاقہ میں حمام بہت ہیں اور ہمارے ہاں کے مردوعورتیں حماموں میں غسل کے عادی ہیں۔معلوم ہواکہ لفظ بلیٰ اثبات کے جواب میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۴یعنی عورت اپنے خاوند کے پاس تو اپنے کپڑے اتار سکتی ہے اس کے علاوہ کسی کے گھر میں کسی کے سامنے ننگی نہیں ہوسکتی اگرچہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ ہوحتی کہ اکیلے میں بھی بلا ضرورت ننگی نہ رہے لہذا عورتوں کا حمام میں ننگے ہونا بھی ممنوع ہوا کہ حمام بھی اسی قاعدے میں داخل ہیں۔(مرقات)پردہ پھاڑنے سے مراد حیاءوغیرت کا پردہ چاک کرنا ہے یعنی ایسی عورت رب تعالٰی کے ہاں بے حیاؤں میں شمار ہوتی ہے،اللہ تعالٰی نے لباس بنایا ہی اس لیے ہے کہ اس کے ذریعہ ستر و پردہ پوشی کی جاوے۔

۵ان دونوں روایتوں کے الفاظ میں قدرے فرق ہے معنی بالکل ایک ہیں وہاں الستر تھایہاں سترھا ہے، وہاں بیننا تھا یہاں فیمابینھما ہے وہاں ربھا تھا یہاں اللہ عزوجل ہے،چونکہ محدثین حضور کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتے ہیں اس لیے یہ فرق روایت بھی دکھادیا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے لیے عجم کی زمین فتح کی جاوے گی ۱اور تم اس میں ایسے گھر پاؤ گے جنہیں حمامات کہا جاوے گا تو اس میں مرد نہ جائیں مگر تہبندوں کے ساتھ اور وہاں سے عورتوں کو منع کرو سواء بیمار کے یا نفاس والی کے ۲(ابوداؤد)

۱عرب کے پانچ صوبوں کے سواء باقی کو عجم کہتے ہیں۔اس فتح عجم کی ابتداء زمانہ صدیقی سے ہی ہوچکی تھی پھر خلافت فاروقی و عثمانی میں تو سبحان اللہ مشرق و مغرب فتح ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہو بہو درست ہوئی۔

۲؎ یعنی عورتیں سواء ضرورت کے حمام میں ہرگز نہ نہائیں،مرد بلاضرورت بھی وہاں نہاسکتے ہیں مگر تہبند سے،وجہ فرق ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی۔حضرت جبر ابن نفر فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کا فرمان آیا اس میں تھا کہ حمام میں مرد بغیر تہبند اور عورتیں بغیر بیماری کے نہ جائیں۔کھیل صرف تین قسم کے جائز ہیں: گھوڑا،بیوی،تیر۔حضرت ابوالدرداء حمام میں نہاتے اور اس کی بہت تعریف فرماتے تھے کہ حمام دوزخ کو یاد دلاتا ہے اور بدن کو صاف کرتا ہے یعنی وہاں کمرے کی بھڑک سے دوزخ کی بھڑک یاد آتی ہے۔(مرقات)بعض بیماریوں میں حمام میں نہانا بہت مفید ہے،نفاس والی عورت کو حمام سے بہت فائدہ ہوتا ہے اس لیے مریض اور نفاس کا ذکر فرمایا گیایہ عورتیں بھی حتی الامکان پردہ سے وہاں نہائیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالٰی اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو ۱؎ تو بغیر تہبند حماموں میں نہ جائے ۲؎ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ جانے دے ۳؎ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو تو ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو ۴؎ (ترمذی،نسائی)

۱؎ یعنی توحید سے لے کر قیامت تک تمام ایمانیات پر ایمان رکھتا ہو۔ایمانیات کے دو کناروں کا ذکر فرماکر تمام عقائد مراد لیے گئے ہیں،ایمان سے مراد کامل ایمان ہے۔

۲؎ کیونکہ وہاں حمام کے ملازمین ملنے والے اور نہانے والے نائی موجود ہوتے ہیں ان کے سامنے ننگا نہ ہو ہاں اگر تنہائی کی جگہ وہاں مل جاوے تو جائز ہے۔

۳؎ یعنی اسے وہاں نہ نہانے دے نہ تہبند سے نہ بغیر تہبند وجہ فرق معلوم ہوچکی کہ عورت کا جسم سر سے پاؤں تک ستر ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حمام میں غسل نہ فرمایامکہ مکرمہ میں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جو حمام ہے جسے حمام النبی کہتے ہیں یا تو اس لیے کہ وہ حضور کی ولادت گاہ کے قریب ہے یا اس لیے کہ اس جگہ کبھی حضور انور نے غسل کیا ہوگا وہاں حمام بنادیا گیا یہ مطلب نہیں کہ اس حمام میں حضور نے غسل کیا،یہ بھی خیال رہے کہ حمام میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

۴؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ جس دسترخوان پر فسق و فجور ہورہا ہو وہاں کھانا ممنوع ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہے لہذا اگر شادی میں خاص دسترخوان پر ناچ گانا ہے تو وہاں کھانا نہ کھائے اور اگر اس کے قریب یہ کام ہے خاص دسترخوان پر نہیں تو مشہور متقی نہ کھائے عام مسلمان کھاسکتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ثابت سے [1] فرماتے ہیں کہ حضرت انس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر میں چاہتا کہ وہ سفید بال گنوں جو آپ کے سر میں تھے تو کرلیتا [2] فرمایا اور خضاب نہ کیا،ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا [3] اور حضرت عمر نے خالص مہندی سے خضاب کیا۔ (مسلم،بخاری)	

[1] آپ کا نام ثابت ابن اسلم بنانی ہے،کنیت ابو محمد،بصرہ کے مشہور بڑے عابد تابعی ہیں،حضرت انس کے ساتھ چالیس سال تک رہے،چھیاسی سال عمر پائی ۱۲۳ھ ایک سو تئیس میں وفات ہوئی،آپ اکثر حضرت انس سے روایات لیتے ہیں۔

[2] یعنی سر شریف اور ڈاڑھی مبارک میں چند گنتی کے بال سفید تھے جو شمار میں آجاتے پھر خضاب کیسے ہوتا۔

[3] یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے پکا لال رنگ کا خضاب کیا جو مہندی اور تھوڑے وسمہ سے حاصل ہوتا ہے اتنا وسمہ شامل نہ کیا کہ سیاہ ہوجاوے کہ سیاہ خضاب مطلقًا ممنوع ہے اور حضرت عمر نے خالص مہندی کا سرخ خضاب کیا لہذا خضاب سنت صحابہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ اپنی ڈاڑھی زردی سے پیلی کرتے تھے حتی کہ آپ کے کپڑے زردی سے بھر جاتے تھے [1] ان سے کہا گیا کہ آپ زرد خضاب کیوں کرتے ہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو اسی سے خضاب کرتے دیکھا [2] اور کوئی چیز آپ کو اس سے پیاری نہ تھی اور اس سے اپنے کپڑے سارے رنگ لیا کرتے تھے حتی کہ اپنے عمامہ کو بھی [3] (ابوداؤد،نسائی)	

[1] یعنی ورس خضاب کرتے تھے،یہ ایک گھاس ہے جو زعفرانی رنگ دیتی ہے کبھی صرف اس سے خضاب کرتے ہیں کبھی مہندی میں ملاکر۔کپڑے سے مراد سر سے باندھنے والا کپڑا ہے یا وہ جو خضاب لگا کر داڑھی پر لپیٹ لیا جاتا ہے نہ کہ قمیض و تہبند۔

[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی شریف میں خوشبو لگاتے تھے جس کا رنگ داڑھی پر اور اس کپڑے پر ظاہر ہوجاتا تھا،یہ رنگ خضاب کا نہ تھا یا غسل کے وقت سر و داڑھی شریف میں کوئی چیز مل کر غسل فرماتے تھے صفائی کے

لیے یہ رنگ اس کا ہوتا تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور نے خضاب کبھی نہ لگایا۔

۳؎ یہ ہے سنت کی اتباع کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کسی اور وجہ سے بھی کیاتب بھی حضرت ابن عمر نے اس کام میں اتباع کی،دیکھو حضور کا یہ عمل خوشبو استعمال کرنے کی حیثیت سے تھا حضرت ابن عمر نے رنگ ہی کرلیا ان کا دل اتباع رسول کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں جناب ام سلمہ کے خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے ہمارے سامنے حضور کے بالوں میں سے ایک بال نکالا خضاب کیا ہوا ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ تابعی ہیں،تیمی ہیں،ان کے والدیعنی عبداللہ ابن موہب فلسطینی ہیں،وہاں کے قاضی تھے یہ عثمان ثقہ ہیں حضرت ابوہریرہ،ابن عمر،جابر ابن سمرہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ سرخ رنگ کا خضاب تھا یا تو حضرت ام سلمہ نے اس بال شریف کو خوشبو میں رکھا تھا یہ رنگ اس خوشبو کا تھا یا حضور نے خوشبو ملی تھی یہ رنگ اس کا تھا یا حضور نے سرشریف میں ٹھنڈک کے لیے مہندی لگائی تھی یہ رنگت اس کی تھی لہذا یہ حدیث خضاب نہ لگانے کی احادیث کے خلاف نہیں۔حضرت ام سلمہ نے حضور کی ڈاڑھی کا بال اپنے پاس تبرگًا رکھا ہوا تھا۔(مرقات) نہ معلوم یہ وہ بال شریف تھا یا دوسرا بہرحال حضور کا بال شریف تبرک کے لیے رکھنا اس کی زیارت کرنا سنت صحابہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مخنث لایا گیا ۱؎ جس نے اپنے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا کیا حال ہے لوگوں نے عرض کیا کہ عورتوں کی شکل بناتا ہے تو حکم دیا اسے نقیع کیطرف نکال دیا گیا ۳؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا ہم اسے قتل نہ کریں فرمایا مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ مخنث کا بیان کتاب النکاح میں گزر چکا ہے کہ پیدائشی مخنث ہونا فسق نہیں وہ تو قدرتی چیز ہے،ہاں بہ تکلف مخنث بننا،اپنی آواز،لباس،وضع قطع عورتوں کی رکھنا فسق ہے۔

۲؎ عورتوں کی سی شکل بنانے کے لیے یہ حرکات کرتا تھا جیسا آج کل ہیجڑوں میں دیکھا جاتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیماری بڑی پرانی ہے۔

۳؎ نقیع مدینہ منورہ کے باہر ایک جنگل ہے جہاں اہلِ مدینہ کے جانور چرا کرتے تھے۔اس مخنث کو اس لیے نکال دیا تاکہ اہل مدینہ اس کی صحبت سے بچیں اور اسے عبرت ہو اور توبہ کرے اور پھر واپس آجائے،یہ مطلب نہیں کہ اسے اس حرکت سے منع نہیں فرمایا گیا یہ نکالنا عملی ممانعت ہے۔

۴؎ یعنی اس مخنث کا نمازیں پڑھنا اس کے مؤمن ہونے کی علامت ہے اور اس نے کوئی ایسا جرم کیا نہیں جس کی سزا قتل ہو جیسے زنا یا ظلمًا قتل لہذا اسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ نمازی آدمی خواہ کیسا ہی جرم کرے اسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔خیال رہے کہ یہ مخنث اگر منافق تھا تب تو کوئی اعتراض نہیں اور اگر مخلص مؤمن تھا تو اس نے یقینًا توبہ کرلی ہوگی توبہ کرکے مرا ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ صحابی ہے اور صحابہ تمام عادل ہیں کوئی فاسق نہیں یعنی کوئی صحابی گناہ پر قائم نہیں رہے ان کی عدالت کی گواہی قرآن کریم دے رہا ہے،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

	روایت ہے حضرت ولید ابن عقبہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مکہ والے حضور کے پاس اپنے بچے لانے لگے حضور ان کے لیے دعاء برکت فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے ۲؎ مجھے آپ کے پاس لایا گیا میں خلوق والا تھا تو خلوق کی وجہ سے مجھے مس نہ فرمایا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کی کنیت ابو وہب ہے،قریشی ہیں،حضرت عثمان غنی کے ماں شریکے بھائی ہیں یعنی اردی کے شکم سے وہ بھی پیدا ہوئے،فتح مکہ کے دن اسلام لائے،بڑے شاعر تھے،حضرت عثمان غنی کی خلافت میں کوفہ کے حاکم رہے،مقام رقہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲؎ سبحان اللہ! حضور انور نے فتح مکہ فرمانے پر اہلِ مکہ کے دل بھی جیت لیے کہ یہ لوگ آج ہی مسلمان ہوئے اور آج ہی حضور انور کے ایسے معتقد ہوگئے کہ اپنے بچوں کو حضور پر پیش کرنے لگے،حضور کا کرم کریمانہ ہے کہ ان کے بچوں پر بھی حضور کرم نوازی فرمانے لگے۔

۳؎ یعنی میرے سر پر ہاتھ تو نہ پھرا مگر دعا فرمائی ہاتھ اس لیے نہ پھیرا تاکہ حضور انور کے ہاتھ میں وہ رنگت والی خوشبو نہ لگ جاوے۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے بال جمہ ہیں ۱؎ تو کیا میں ان میں کنگھی کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور ان کی خدمت کرو ۲؎ فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ بہت دفعہ ان میں ایک دن میں دوبار تیل لگاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی

وجہ سے کہ ہاں اور انکی خدمت کرو۳؎(مالک)	

۱؎ جمہ وہ بال ہیں جو کندھوں اور کان کے درمیان ہوں۔سر کے بالوں کی تین حدیں ہیں: وفرہ،جمہ،لمہ۔کندھوں سے نیچے مرد کے بال نہ چاہئیں۔

۲؎ یعنی جو شخص اپنے سر پر بال رکھے تو انہیں پریشان نہ رکھے،بال بکھیرے نہ رہے،بھوت بنا ہوا نہ رہے،سر دھونا،تیل ڈالنا،کنگھی کرنا یہ کام کرتا رہے،پھر اس مانگ پٹی میں اتنا بھی مشغول نہ ہوکہ روزہ نماز ہی بھول جاوے۔

۳؎ اگرچہ اتنا زیادہ مانگ پٹی کرنا بہتر نہیں مگر انہوں نے سمجھا کہ میرے لیے بہتر ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا بالوں کی خدمت کرو لہذا میرا اور حکم ہے دوسروں کا اور حکم جیسے حضرت انس کی والدہ نے جناب انس کے سر کے اگلے بال نہ ترشوائے خصوصیت کی بناء پر۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت حجاج ابن حسان سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم انس ابن مالک کے پاس گئے تو مجھے میری بہن مغیرہ نے بتایا بولیں کہ تم اس دن بچے تھے۲؎ اور تمہارے دو گیسو یا پیشانی پر دو جوڑے تھے۳؎ تو تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور تمہیں دعائے برکت دی اور فرمایا کہ ان دونوں کو مونڈوا دیا اور کترواد یا کرو کیونکہ یہ یہود کا طریقہ ہے ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ تابعی ہیں،بصری ہیں،امام احمد ابن حنبل نے ایک بار کہا کہ ثقہ ہیں دوسری بار کہا کہ ان سے حدیث لینے میں حرج نہیں،یحیٰی ابن معین کہتے ہی کہ وہ صالح الحدیث ہیں۔

۲؎ یعنی حضرت انس کے پاس جانے کے واقعہ کی تفصیل مجھے یادنہیں میری بہن مغیرہ نے مجھے یہ تفصیل سنائی وہ بھی ہم سب کے ساتھ اس دن جناب انس کے پاس گئی تھیں۔**مغیرہ** بدل یا عطف بیان ہے **اختی** سے اور لفظ **مغیرہ** مشترک ہے عورت و مرد کے درمیان کہ مغیرہ مردوں کے نام بھی ہوتے ہیں عورتوں کے نام بھی۔

۳؎ قرنان تثنیہ ہے **قرن** کا بمعنی لٹ یا گیسواور **قصتان** تثنیہ ہے **قصۃ** کا،**قصۃ** ق کے پیش صاد کے شد سے بمعنی جوڑا یعنی پیشانی کے بال جمع کرکے دھاگہ سے باندھ لیے جاویں۔

۴؎ یعنی حضرت انس نے تمہارے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور تمہارے لیے دعاء برکت بھی کی اور یہ حکم بھی دیا۔پہلے گزرچکا ہے کہ **قزع** سے حضور انور نے ممانعت فرمائی یہ ہی آپ فرمارہے ہیں کہ یا تو کل بال رکھاؤ یا کل کتراؤ یا منڈاؤ،بعض بال کتر دینا بعض رکھنا درست نہیں یہ طریقہ یہود ہے۔آج کل سکھ سر کے بال بہت درازرکھتے ہیں اور انہیں سر کے وسط جوڑا بنالیتے ہیں مسلمان کے لیے یہ بھی ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت اپنا سر	

	منڈائے ۱؎ (نسائی)

۱؎ جیسے مرد کو ڈاڑھی منڈانا حرام ہے ایسے ہی عورت کو سر کے گیسو منڈانا یا کتروانا حرام ہے،مرد کی زینت داڑھی سے ہے عورت کی زینت سر کے گیسوں سے۔اس میں گفتگو ہے کہ مرد کو سر منڈانا سنت ہے یا رخصت حق یہ ہے کہ رخصت ہے سنت نہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ نے سواء احرام سے کھلنے کے کبھی سر نہیں منڈایا،حضرت علی ضرورۃً منڈایا کرتے تھے۔(مرقات) فقیر کہتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کا سر منڈانا ثابت نہیں کترایا کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے تو ایک شخص سر اور ڈاڑھی بکھیرے آیا ۲؎ تو اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا گویا آپ اسے اپنے بال اپنی ڈاڑھی کی درستی کا حکم دے رہے تھے ۳؎ چنانچہ اس نے کرلیا پھر واپس آیا ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی شیطان کی طرح سر بکھیرے ہوئے آئے ۵؎ (مالک)

۱؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں،مشہور تابعی ہیں،مدینہ منورہ میں قیام رہا،چوراسی سال عمر پائی، ۹۷ھ ستانوے ہجری میں وفات،پائی مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئے،اکثر روایات حضرت ابن عباس سے لیتے ہیں،یہ حدیث مرسل ہے۔

۲؎ اس طرح کہ نہ سر میں تیل کنگھی نہ ڈاڑھی میں،دونوں کے بال بکھرے ہوئے تھے جس سے شکل بگڑ گئی تھی بری معلوم ہوتی تھی۔

۳؎ یعنی آپ نے زبان سے کچھ نہ فرمایا بلکہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان دونوں کو ٹھیک کرے حضور کا ہر عضو مبلغ ہے۔

۴؎ یعنی مجلس شریف سے باہر گیا وہاں درست کرکے پھر حاضر ہوا۔

۵؎ شیطان سے مراد مردود جن ہیں یعنی بھوت یہ اپنی بدشکلی میں مشہور ہیں ان کی شکل ڈراؤنی ہوتی ہے جیسے فرشتے اچھی صورت سیرت میں مشہور ہیں۔

	روایت ہے ابن مسیب سے ۱؎ انہیں یہ کہتے سنا گیا کہ اللہ تعالٰی پاک ہے پاکی پسند فرماتا ہے ظاہر باطن ستھرا ہے ستھرا پن پسند کرتا ہے ۲؎ کریم ہے کرم پسند کرتا ہے سخی ہے سخاوت پسند فرماتا ہے ۳؎ تو تم صاف رکھو مجھے

	خیال ہے کہ فرمایا اپنے صحنوں کو۴؎اور یہود سے مشابہت نہ کرو۵؎فرماتے ہیں کہ میں نے مہاجرابن مسمار سے یہ ذکر کیا ۶؎تو انہوں نے کہا کہ مجھے عامر ابن سعد نے ۷؎ اپنے والد سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کی مگر انہوں نے کہا کہ اپنے صحنوں کو صاف رکھو ۸؎(ترمذی)

۱؎ آپ کا نام سعید ابن مسیب ہے،مشہور تابعی ہیں،خلافت فاروقی کے دوسرے سال میں پیدا ہوئے،آپ کی کنیت ابو محمد ہے،قرشی مخزومی مدنی ہیں،بڑے محدث،فقیہ،متقی پرہیزگار تھے۔حضرت مکحول کہتے ہیں کہ میں طلب علم میں دنیا میں گھوما میں نے چالیس حج کے مگر سعید ابن مسیب سے بڑا عالم نہ پایا ۹۳ھ ترانوے ہجری میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو طیب اور ظاہری باطنی دونوں پاکیوں کو نظافت کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالٰی بندے کی ظاہری باطنی پاکی پسند فرماتا ہے بندے کو چاہیے کہ ہرطرح پاک رہے جسم،نفس روح، لباس،بدن،اخلاق غرضکہ ہر چیز کو پاک رکھے صاف رکھے،اقوال،افعال،احوال عقائد سب درست رکھے اللہ تعالٰی ایسی نظافت نصیب کرے۔

۳؎کرم و سخاوت میں فرق ہے۔کریم وہ جو غذائیں ہی سخاوت کرے،سخی وہ جو چیز میں سخاوت کرے جس انسان کے اچھے اخلاق ظاہر ہوں وہ کریم ہے۔(مرقات)

۴؎یعنی اپنے گھر تک صاف رکھو لباس،بدن وغیرہ کی صفائی تو بہت ہی ضروری ہے گھر بھی صاف رکھو وہاں کوڑا جالا وغیرہ جمع نہ ہونے دو۔

۵؎ کیونکہ یہود اپنے گھر کے صحن صاف نہیں رکھتے،نیز یہود بہت گندے بہت بخیل بڑے خسیس بڑے ذلیل ہیں،عیسائی اگرچہ کافر ہیں مگر وہ یہود کی طرح گندے نہیں ان میں کچھ صفائی ہے اگرچہ ان کے بھی دانت میلے منہ بدبو دار اور ناخن لمبے ہوتے ہیں ہرطرح کی صفائی تو اسلام نے ہی سکھائی ہے۔

۶؎ یعنی میں نے یہ حدیث جو سعیدابن مسیب سے سنی تھی مہاجر ابن مسمار کو سنائی اور پوچھا کہ کیا آپ نے بھی یہ حدیث کسی سے سنی ہے مہاجر ابن مسمار زہری ہیں،یہ تابعی ہیں،ثقہ ہیں۔

۷؎عامر ابن سعد ابن ابی وقاص بھی زہری قرشی ہیں،تابعی ہیں ۱۰۴ھ ایک سو چارہجری میں وفات پائی ہے، انہوں نے اپنے والد سے اور حضرت عثمان غنی سے ملاقات کی ہے۔(مرقات)

۸؎ لہذا یہ حدیث موقوف بھی ہے مرفوع بھی سعید ابن مسیب کی روایت میں موقوف ہے اور عامر ابن سعد کی روایت میں مرفوع ۔

	روایت ہے حضرت یحیٰی ابن سعید سے انہوں نے سعید ابن مسیب کو فرماتے سنا کہ رحمٰن کے خلیل ابراہیم

لوگوں میں پہلے وہ ہیں جنہوں نے مہمانوں کی مہمانی کی ۱؎ اور لوگوں میں پہلے آپ نے ختنہ کیا ۲؎اور لوگوں میں پہلے آپ نے اپنی مونچھ تراشی۳؎اور لوگوں میں پہلے آپ نے بڑھاپا دیکھا۴؎تو عرض کیا یارب یہ کیا رب تعالٰی نے فرمایا یہ وقار ہے۵؎ اے ابراہیم،عرض کیا رب میرے وقار کو بڑھادے ۶؎(مالک)	

۱؎ اس طرح کہ آپ سے پہلے کسی نے مہمان نوازی کا اتنا اہتمام نہ کیا جتنا آپ نے کیا آپ تو بغیر مہمان کھانا ہی نہ کھاتے تھے۔

۲؎آپ سے پہلے انبیاءکرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے اور انکی امتوں نے ختنہ کیا نہیں کیونکہ اس زمانہ میں ختنہ کا شرعی حکم نہ تھا۔سب سے پہلے آپ کے دین میں ختنہ حکم شرعی بنا اور آپ کی وجہ سے ختنہ سنت ابراہیمی ہوا۔

۳؎آپ سے پہلے کسی نبی کی یا مونچھیں بڑھی نہیں یا بڑھیں اور انہوں نے تراشیں مگر ان کے دینوں میں مونچھ کاٹنا حکم شرعی نہ تھا اب آپ کی وجہ سے یہ عمل سنت ابراہیمی ہوا۔

۴؎آپ سے پہلے کسی کے بال سفید نہ ہوتے تھے اگرچہ ان کی عمریں صدہا سال ہوتی سب سے پہلے آپ کے بال سفید ہوئے۔ آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال ہوئی،نوح علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ ہزار سال مگر بال کسی کے سفید نہ ہوئے۔

۵؎ یعنی بال کی سفیدی وقار کا سبب ہے،اس سے حلم،صبر،عفو اور بڑی اعلیٰ صفات انسان میں پیدا ہوجاتی ہیں۔

۶؎یعنی مجھے حلم و وقار عطا فرما خواہ اس طرح کہ بالوں کی سفیدی بڑھ جاوے جس سے وقار بڑھے یا اس طرح کہ بال ایسے ہی رہیں صرف وقار بڑھے،یہ تو رب تعالٰی کی دین ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف سیاہ رہے وقار سب سے زیادہ عطا ہوا۔

باب التصاویر

تصویروں کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱تصاویر جمع ہے تصویر کی بمعنی صورت بنانا،یہ جاندار کی حرام بے جان کی جائز ہے۔تصویر میں مروجہ فوٹو،قلم کی تصویریں،مجسمے سب ہی داخل ہیں کہ غیرجاندار کے حلال ہیں جاندار کے حرام،حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصاویر حرام نہ تھیں رب تعالٰی فرماتاہے:"یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحٰرِیۡبَ وَ تَمٰثِیۡلَ"۔

روایت ہے حضرت ابوطلحہ سے ۱فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں کتاہو نہ اس گھر میں جس میں تصویریں ہوں ۲(مسلم،بخاری)	

۱آپ کا نام سہل ابن زید ہے،انصاری ہیں،حضرت انس کے سوتیلے والد مگر اپنی کنیت میں مشہور ہیں،آپ کا مزار بصرہ میں ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔

۲ملائکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں،حافظین کاتبین اور عذاب کے فرشتے تو ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔کتے سے مراد غیرضروری کتا ہے اور تصاویر سے مراد جاندار کی تصویریں ہیں جو شوقیہ بلاضرورت ہوں اور احترام سے رکھی جاویں یہ قیدیں ضروری یاد رہیں لہذانوٹ روپیہ پیسہ کی تصاویر جو ضروری ہیں اور فرش وبستر پر تصاویر جو پاؤں سے روندی جاویں جائزہے ان کی وجہ سے فرشتے آنے سے نہیں روکتے،بچوں کی گڑیاں ان سے کھیلنا بچوں کے لیے جائز ہے مگر اس کی تجارت ممنوع ہے مذہب امام مالک،بعض نے فرمایا کہ گڑیا سازی کی احادیث منسوخ ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ غیرمنسوخ ہیں۔(مرقات)اور بچیوں کا گڑیاں بنانا ان سے کھیلنا درست ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ جناب میمونہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن غمگیں سویرا کیا ۱اور فرمایاکہ جبریل نے مجھ سے آج رات ملنے کا وعدہ کیا مگر مجھے ملے نہیں واللہ انہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی ۲پھر آپ کے خیال	

میں ایک کتے کا بچہ آیا جو آپ کے تخت کے نیچے تھا۳؎ حکم دیا وہ نکال دیا گیا پھر اپنے ہاتھ شریف میں پانی لیا اسے اس کی جگہ چھڑک دیا۴؎ جب شام ہوئی تو حضرت جبریل آپ کو ملے تو فرمایا کہ تم نے مجھ سے آج رات ملنے کا وعدہ کیا تھا وہ بولے ہاں لیکن ہم اس گھر میں نہیں جاتے ۵؎ جہاں کتا ہو نہ وہاں جہاں تصویر ہو اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح اٹھ کر کتوں کے قتل کا حکم دے دیا حتی کہ حضور چھوٹے باغ کے کتے کے قتل کا حکم دیتے تھے بڑے باغ کے کتے کو چھوڑ دیتے تھے ۶؎(مسلم)	

۱؎ یعنی آپ صبح کے وقت بہت غمگیں اٹھے۔**واجم** بنا ہے **وجم** سے بمعنی خاموشی اور غم،غصہ۔**واجم** وہ جو غم کی وجہ سے خاموش ہو۔

۲؎ یعنی حضرت جبریل صادق الوعد ہیں ناممکن ہے کہ وہ وعدہ خلافی کریں۔

۳؎ **فسطاط** کے پیش سے خیمہ کو کہتے ہیں یہاں مراد تخت ہے۔(مرقات)کیونکہ خیمہ سفر میں ہوتا ہے نہ کہ گھر میں۔

۴؎ کتے کی جگہ پر پانی چھڑکنا تقویٰ احتیاط کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ کتے کا جسم ناپاک نہیں اس کے منہ کا لعاب ناپاک ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل میں تکدر ہوجاوے تو اس کی وجہ معلوم کرکے بدلہ کردے اس میں غوروفکر کرنا بھی عبادت ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا"ہمارے متقی بندے وہ ہیں کہ جب انہیں شیطان چھو بھی جاوے تو وہ لوگ سوچ لیتے ہیں۔

۵؎ یعنی ہم تو حسب وعدہ حاضر ہونے کو تیارتھے مگر آپ کے گھر میں رکاوٹ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے گھر میں کتا نہ بھی پالا گیا ہو دوسری جگہ سے ہی آکر گھر میں بیٹھ جاوے تب بھی ملائکہ کی تشریف آوری سے رکاوٹ ہے اس لیے باہر کا کتا بھی نہ آنے دیا جاوے۔

۶؎ چونکہ بڑے باغوں کی حفاظت بغیر کتے کے مشکل ہے اور چھوٹے باغ کی حفاظت صرف مالک کرلیتا ہے اس لیے یہ فرق رکھا گیا،یہ ہی فرق اس زمانہ میں جانوروں کے چھوٹے بڑے ریوڑوں میں فرق رکھا گیا ہوگا کہ بڑے ریوڑوں کی حفاظت کے کتے باقی رکھے گئے ہوں گے مگر اب یہ حدیث منسوخ ہوچکی اب شکار اور گھر بار اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتے پالناجائز ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم	

	اپنے گھر کوئی ایسی چیز نہ چھوڑتے جس میں تصویریں ہوں مگر اسے توڑ دیتے تھے ۱؎(بخاری)

۱؎ **تصالیب** جمع ہے **تصلیب** کی اس کے معنی ہیں **صلیب** کی شکل بنانا پھر خود صلیب کو تصلیب کہنے لگے اب یہ لفظ بمعنی تصویر استعمال ہوتا ہے یہاں یہ ہی تیسرے معنی مراد ہیں۔صلیب ٹی کی شکل کی دو لکڑیاں اس طرح T عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسی لکڑیوں کی شکل پر سولی دی گئی لہذا یہ لوگ اس کی بہت تعظیم بلکہ اس کی پرستش کرتے ہیں اکثر جگہ صلیبی نشان لگاتے ہیں اور اپنے سینہ پر اسی کے نشان رکھتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی کسی چیز پر تصویر باقی نہ چھوڑتے تھے اسے پھاڑ دیتے یا توڑ دیتے تھے۔اس تصویر میں وہ تمام قیدیں ہیں جو شروع باب میں عرض کی گئیں یعنی جاندار کی تصویر غیرضروری اور محترم لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے ایک پردہ خریدا جس میں تصویریں تھیں ۱؎ پھر جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہوگئے اندر نہ آئے ۲؎ میں نے آپ کے چہرے میں ناپسندیدگی محسوس کی ۳؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں اللہ رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں ۴؎ میں نے کیا گناہ کیا ۵؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس پردہ کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا کہ یہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور آپ اس سے تکیہ لگائیں ۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویروں والے لوگ قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے ۷؎ ان سے کہا جاوے گا کہ جو تم نے بنایا ۸؎ انہیں زندہ کرو ۹؎ اور فرمایا کہ وہ گھر جس میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے ۱۰؎(مسلم،بخاری)

۱؎ **نمرقہ** ن اور ر کے کسرہ سے بھی آتا ہے اور ان دونوں کے پیش سے بھی۔تکیہ،پردہ،زین پر ڈالنے کی چادر ان سب کو **نمرقہ** کہا جاتا ہے۔غالبًا یہ پردہ تھا جو دروازہ پر لٹکایا گیا تھا اس میں جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں۔

۲؎ اظہارِ ناراضگی کے لیے یہ عملی تبلیغ ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر با اثر عالم یا شیخ کسی فسق کی جگہ نہ جائے تو فسق بند ہوجاوے ایسی صورت میں ہرگز نہ جائے اور اگر اس کے نہ جانے سے اثر نہ پڑے تو جاسکتا ہے اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۳؎ آپ میں مزاج شناسی رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ شریف سے کچھ نہ فرمایا مگر آپ نے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار معلوم کرلیے۔

۴؎ سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز کلمہ ہے اس عرض معروض سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ حضور کا نام لینا بغیر فاصلہ کے بالکل جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول بھلا کرے،اللہ رسول کی بڑی مہربانی ہے۔دوسرے یہ کہ توبہ اور دوسری عبادات میں اللہ کے ساتھ حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنا بالکل جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ"اور فرماتاہے:"وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر گناہ میں اللہ تعالٰی کی بھی ناراضگی ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی"عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ"ہر گناہ سے دو حق تلفیاں ہوتی ہیں لہٰذا ہر گناہ کی توبہ حق تعالٰی کی بارگاہ میں بھی کرے اور حضور کی بارگاہ میں بھی دونوں ذاتوں سے معافی چاہیے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ دوبارہ الی فرمانے سے معلوم ہوا کہ دونوں ذاتوں کی طرف رجوع کرنا مشکل ہے کوئی کسی کے تابع نہیں۔

۵؎ سبحان اللہ! گناہ کے علم سے پہلے توبہ کرلی حضور کو راضی کرنے کے لیے رب فرماتاہے:"عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ"خطا کے ذکر سے پہلے معافی کا اعلان۔

۶؎ یعنی میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ کپڑا یا تکیہ آپ کی خاطر خریدا ہے اپنے لیے نہیں خریدا مجھے خبر نہ تھی کہ حضور اس سے ناراض ہوں گے۔

۷؎ اس فرمان سے معلوم ہورہا ہے کہ تصویریں بنانے والے اور ان کو شوقیہ رکھنے والے دونوں ہی اس مذکورہ سزا کے مستحق ہیں کیونکہ ام المؤمنین نے یہ تصاویر بنائی نہ تھیں صرف رکھی تھیں اور حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔(مرقات)اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوقیہ تصویر کھچوانا بھی حرام ہے کہ تصویر کھچوانے اور تصویر رکھنے میں تصویر بنانے والے کی امداد ہے گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔

۸؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ تصویر والوں سے مراد تصویر بنانے والے اور تصویر استعمال کرنے سب ہی ہیں اور ان سب پر یہ عتاب ہوگا مگر اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف تصویر بنانے والے ہیں کیونکہ خلقتم انہیں سے کہا جاسکتا ہے بہرحال تصویر بنانا سخت حرام اور تصویر کھچوانا اسے حرمت سے رکھنا اس لیے حرام ہے کہ یہ گناہ پر مدد ہے۔

۹؎ یہ حکم تعجیزی ہے جیسے "فَأۡتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثۡلِهِۦ" میں ہے یعنی اس فرمان کا مقصود مصورین کو عاجز کرنا ہے نہ کہ انہیں روح پھونکنے کا حکم دینا۔معلوم ہوا کہ ہر حکم وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔

۱۰؎ یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اگرچہ بعض تصویروں کا رکھنا جائز ہے مگر ان سے بھی رحمت کے فرشتے نہیں آتے کیونکہ تکیہ میں تصویر ہو تو جائز ہے کہ اس میں تصویر کا احترام نہیں پھر بھی حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح کی تصویروں سے بھی فرشتے رحمت کے نہیں آتے۔مگر حق یہ ہے کہ جس تصویر کا رکھنا شرعًا جائز ہو اس سے رحمت کے فرشتے نہیں رکتے،جس کا رکھنا ممنوع ہے اس سے رکتے ہیں،اگر یہ تصاویر ذلت سے پڑی تھیں تب یہ فرمان عالی تقویٰ کی تعلیم کے لیے ہے کہ ہمارے اہل بیت کو اس طرح تصویریں رکھنا بھی مناسب نہیں،اگر احترام سے تھیں تو یہ فرمان اپنی حقیقت پر ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے اس لیے حضور گھر میں نہ آئے۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے کہ انہوں نے اپنے ایک طاق پر پردہ ڈالا جس میں تصویریں تھیں تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھاڑ دیا ۱؎ پھر انہوں نے اس کے دو تکیے گھر میں بنالیے جن پر حضور بیٹھتے تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ وہ طاق وغیرہ پر لٹکانے کے قابل نہ رہا تب اسے بچھانا پڑا لٹکانے اور بچھانے کے احکام میں فرق ہے۔

۲؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تصاویر بستر یا فرش میں ہوں جو پاؤں تلے تصویریں روندی جاتی ہوں تو جائز ہے یہ حدیث بظاہر پچھلی حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے کہ وہاں تو تکیوں کی تصاویر سے منع فرمایا گیا اور یہاں اس کی اجازت دی گئی لہذا یا تو یہ تصویریں جاندار کی نہ تھیں اور اس پر پردہ کو پھاڑنا اس لیے تھا کہ دیواروں چھت پر غلاف ڈالنا دنیاوی تکلف ہے جس سے اہلِ بیت کو بچنا چاہیے اور اگر جاندار کی تصاویر تھیں تو انکے سر کاٹ دیئے گئے تھے جن سے انکا استعمال جائز ہوگیا لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں۔(اشعۃ اللمعات) خیال رہے کہ یہ فرق حکم استعمال کے لیے ہے،رہی تصویر سازی وہ مطلقًا حرام ہے خواہ فرش پر ہو یا بستر میں یا کاغذ یا شیشہ میں یا دیوار وغیرہ میں۔

روایت ہے انہیں سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے تو میں نے ایک باریک چادر بنائی پھر میں نے اسے دروازے پر ڈالدیا ۱؎ جب حضور تشریف لائے تو چادر دیکھی تو اسے کھینچا حتی کہ اسے پھاڑ دیا ۲؎ پھر فرمایا کہ اللہ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی کو	

	پہنائیں۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ نمط وہ باریک چادر جو بستر پر بچھائی جاوے زیبائش کے لیے،اس کی جمع انماط ہے،دروازے پر اس کا ڈالنا زینت کے لیے تھا نہ کہ پردہ کے لیے۔
۲؎ یہ پھاڑنا مال کی بربادی نہیں بلکہ برائی کا مٹانا ہے اور عملی تبلیغ اور اظہار ناراضی لہٰذا یہ عمل عبادت ہے۔
۳؎ تکلفًا بلا ضرورت دروازوں دیواروں چھتوں پر غلاف ڈالنا بہتر نہیں،چونکہ اہلِ بیت اطہار کی شان بہت اعلیٰ ہے اس لیے حضور نے انہیں اس سے بھی منع فرمایا۔(اشعہ)خیال رہے کہ غلاف کعبہ،غلاف روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،بزرگانِ دین کے قبور کی غلاف و چادریں،قرآن پاک کے جزدان وغیرہ اس حکم میں داخل نہیں کہ وہاں دیواروں کا پہنانا مقصود نہیں بلکہ وہاں اس دینی محترم چیزوں کی عظمت کا اظہار ہے۔کعبہ،قرآن،روضۂ رسول،مزارات اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم رکن ایمانی ہے،دیکھو اس کی تحقیق شامی جلد اول میں اور ہماری کتاب جاء الحق میں۔

	روایت ہے ان سے ہی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن سب سے سخت عذاب والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالٰی کی خلق سے مشابہت کرتے ہیں ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جیسی جاندار کی صورتیں اللہ تعالٰی بناتا ہے ویسی یہ بناتے ہیں گویا رب تعالٰی کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس سے مقابلہ کرنے والا مستحق عذاب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح گھڑنے بنانے لگے ۱؎ تو انہیں چاہیے کہ ایک ذرہ پیدا کریں یا ایک دانہ یا ایک جو پیدا کریں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اس تصویر سازی میں اللہ تعالٰی سے تشبیہ یا اس سے مقابلہ کی بو ہے لہٰذا اس سے بچے یہ حکم اطاعت ہے ہم حکم کے بندے ہیں بے جان کی تصویریں بنانا درست ہے جاندار کی صورتیں بنانا حرام ہم کو بسرو چشم قبول ہے۔
۲؎ خیال رہے کہ پرستش کے لیے بت بنانا یا اللہ تعالٰی کے مقابلہ کے لیے تصویریں بنانا کفر ہے،اگر یہ دونوں خیال نہ ہوں تو جاندار کی تصویریں بنانا حرام ہے کفر نہیں۔پرستش کے چاند سورج کے فوٹو،پیپل کے درخت کا مجسمہ بنانا بھی حرام ہے کہ یہ بت سازی ہے۔خیال رہے کہ غیر جاندار چیزوں میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ یہ باغ میرا لگایا ہوا ہے،یہ کھیت میرا اگایا ہوا ہے مگر جاندار چیز میں کسی کے کسب کو

دخل نہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ چڑیا میری بنائی ہوئی ہے اس لیے جاندار کی تصویر سازی جرم ہے غیر جاندار کی نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کے نزدیک سخت عذاب والے تصویر بنانے والے ہیں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں **مصورین** سے مراد بت ساز بت تراش ہیں جو پرستش کے لیے بت بنائیں یا وہ مصور مراد ہیں جو رب تعالٰی کے مقابلہ کے لیے تصویر سازی کریں یہ دونوں کافر ہیں اور کافر واقعی سخت عذاب مستحق ہیں اور اگر مصورین سے مراد عام فوٹو گرافر ہیں تو یہ فرمان عالی ڈرانے کے لیے ہے تاکہ لوگ اس حرکت سے باز آجاویں ورنہ ایسے لوگ فاسق ہیں اور فاسق کا عذاب کافر سے ہلکا ہے یا اس صورت میں **ناس** سے مراد مسلمان ہیں یعنی گنہگار مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے جیساکہ اوپر گزر گیا اور آگے بھی آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر تصویر ساز(فوٹو گرافر)آگ میں ہوگا ہر تصویر کے عوض جو وہ بنائے ایک ذات بنائی جائے گی جو اسے دوزخ میں عذاب دے گی ۱؎ابن عباس نے فرمایا کہ اگر تم ضرور یہ ہی کرو تو درخت اور وہ چیزیں بناؤ جن میں جان نہیں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یا تو اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر میں جان ڈال دی جاوے گی اور وہ سب مل کر اسے عذاب دیں گی یا ہر تصویر کی عوض ایک فرشتہ اس پر مسلط ہوگا جو اسے عذاب دے گالہٰذا نفس سے مراد یا روح ہے یا ذات دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۲؎اس استثناء سے معلوم ہوا کہ ہر غیر جاندار کی تصویر بنانا جائز ہے،بعض علماء نے فرمایا کہ پھل دار درختوں کی تصویر بنانا مکروہ ہے مگر حق یہ ہی ہے کہ مکروہ بھی نہیں،ہاں لہوولعب کی نیت سے بنانا اس لیے مکروہ ہوگا کہ کھیل کود مکروہ ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ایسی خواب گھڑے جو اس نے دیکھی نہ ہو تو اسے مکلّف کیا جاوے گا کہ وہ جَو میں گرہ لگائے اور نہ کرسکے گا

۱؎اور جو کسی قوم کی بات سنے حالانکہ وہ ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کان میں سیسہ ڈالاجائے گا۲؎اور جو تصویر بنائے تو اسے عذاب دیا جاوے گا اور مکلّف کیا جاوے گا کہ اس میں روح پھونکے حالانکہ وہ پھونکنے والا نہیں(بخاری)	

۱؎بعض شارحین نے فرمایا کہ جھوٹی خواب گھڑنے سے مراد ہے نبوت یا ولایت کا دعویٰ کرنا اور لوگوں سے یہ کہنا کہ رب تعالیٰ نے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا فلاں ولی نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ تو نبی یا ولی ہے یا فلاں غیب کی مجھے خبردی ہے مگر حق یہ ہے کہ حدیث میں یہ کوئی قید نہیں ہر جھوٹی خواب گھڑنے والا اس سزا کا مستحق ہے خواہ کسی قسم کی خواب گھڑے کیونکہ مؤمن کی سچی خواب نبوت کا چھیالیسواں[۴۶] حصہ ہے اور وحی خفی ہے تو خواب گھڑنے والا رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور وحی الٰہی جھوٹی گھڑتاہے اس لیے عام جھوٹوں سے یہ جھوٹ بڑا سخت جرم ہے، بعض لوگ تبلیغ کے بہانہ جھوٹی خوابیں کسی بڑے کی طرف نسبت کردیتے ہیں کہ حضور کے روضہ کے فلاں خادم نے خواب میں حضور کو دیکھا آپ نے فرمایا کہ قیامت عنقریب آرہی ہےفلاں فلاں باتیں وغیرہ یہ سب حرام ہیں۔جو میں گرہ لگانے کا حکم دینا وجوب کے لیے نہیں بلکہ عاجز کرنے اور عذاب دینے کے لیے ہے۔

۲؎یعنی جو دوسروں کی خفیہ بات چھپ کر سنے اس کے کان میں قیامت کے دن سیسہ گرم کرکے انڈیلا جاوے گا۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں،واقعی اسے قیامت میں یہ عذاب ہوگا کہ یہ بھی رازونیاز کا چور ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نردشیر کھیل کھیلے ۱؎تو گویا اس نے اپنے ہاتھ سؤر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیے ۲؎(مسلم)	

۱؎فارس کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ آردشیر ابن تابک گزرا ہے اس نے یہ جوا ایجاد کیا۔نرد بمعنی ہار جیت کی بازی اردشیر آردشیر سے لیا گیااس لیے اس کھیل کا نام نردشیر رکھا گیا یعنی اردشیر کا جو اس کی ایجادکردہ بازی۔مرقات نے فرمایا کہ اس کا موجد شابور ابن آرد شیر بن تابک ہے۔

۲؎سؤر کے گوشت و خون میں ہاتھ سانا اسے نجس بھی کرتا ہے اور گھنونا عمل بھی ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی گئی۔خیال رہے کہ نردشیر کی حرمت پر امت کا اجتماع ہے،شطرنج احناف کے ہاں ممنوع ہے،شوافع کے ہاں جائز ہے بشرطیہ اس میں مالی ہار جیت نہ ہو،نماز یا جماعت نماز نہ جائے،کھیلنے والے گالی گلوچ نہ کریں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جناب جبریل آئے بولے کہ میں آج رات آپ کے پاس آیا تھا ۱؎ مجھے داخل ہونے سے کسی چیز نے نہ روکا بجز اس کے کہ دروازے پر تصاویر تھیں اور گھر میں باریک کپڑے کا پردہ تھا جس میں تصاویر تھیں ۲؎ اور گھر میں کتا تھا ۳؎ پس آپ حکم دیجئے کہ ان تصویروں کے سر کاٹ دیئے جاویں جو گھر کے دروازے پر ہیں تاکہ وہ درخت کی طرح رہ جاویں ۴؎ اور پردہ کے متعلق حکم دیجئے کہ کاٹ دیا جاوے اورا س کے دو تکیے بنادیئے جاویں جو پھٹکے رہیں ۵؎ روندھے جاویں اور حکم دیجئے کہ کتا نکال دیا جاوے ۶؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی کیا۔(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ آپ کی زیارت آپ کی ملاقات کے لیے نہ کہ وحی الٰہی لے کر جیساکہ ظاہر ہے۔

۲؎ قرام ق کے کسرہ سے بمعنی باریک نقشین۔ستر کے معنی ہیں پردہ یعنی گھر کے دروازے پرجو پردہ تھا وہ باریک نقشین کپڑے کا تھا جس میں جاندار چیزوں کی تصویریں تھیں،پردہ کا باریک یا نقشین ہونا مضر نہیں ہاں اس پر تصویریں ہونا مضر ہے،حضرت جبریل کی آمد سے رکاوٹ۔

۳؎ یعنی باہر سے آیا ہوا کتا جو آپ کے گھر میں آکر بیٹھ گیا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ازواج پاک نے کتا کبھی نہ پالا۔ معلوم ہوا کہ باہر سے آکر بیٹھ جانے والا کتا بھی ملائکہ رحمت کے آنے سے مانع ہوجاتا ہے اس سے بھی احتیاط چاہیے۔

۴؎ یعنی دروازے کی دیوار یا تختے پرجو تصویریں ہیں ان کی وجہ سے نہ تو دیوار گرائی جاوے نہ پوری تصویر مٹائی جاوے بلکہ انکے سر کاٹ دیئے جاویں سر کے مٹنے سے وہ حیوانی نہ رہے گی جسم حیوان رہے گا جو درخت کے مشابہہ ہے۔خیال رہے کہ صرف چہرے کے فوٹو کی پرستش تو ہوتی ہے اگرچہ باقی جسم نہ ہو مگر بغیر سر صرف جسم کے فوٹو کی پرستش کوئی نہیں کرتا اس لیے بغیر جسم کے صرف چہرے کا فوٹو رکھنا ممنوع ہے مگر بغیر سر کے صرف جسم کا فوٹو یا تصویر رکھنا ممنوع نہیں یہ مسئلہ اسی حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔اس کی پوری تفصیل کتب

فقہ میں دیکھوبلکہ اگر سر کا حصہ الگ نہ کیا جاوے صرف ناک کان ہونٹ کا نقش مٹا دیا جاوے جب بھی جائز ہے۔

۵؎ یعنی ان کا احترام باقی نہ رہے پاؤں سے روندے جائیں۔اس سے ۔معلوم ہوا کہ فرش زمین میں یا فرش دری میں اگر تصاویر ہوں تو حرج نہیں کہ ان تصاویر کی حرمت کوئی نہیں،تصاویر کی حرمت ہی سخت حرام ہے،ہاں تصویر والے فرش پر نماز پڑھنا ممنوع ہے جب کہ اس پر سجدہ ہوتا ہو۔

۶؎ اس طرح کہ آئندہ کتا گھر میں نہ آنے پائے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن ایک گردن نکلے گی ۱؎ جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتی ہوگی اور دوکان ہوں گے جن سے وہ سنتی ہوگی اور زبان ہوگی جس سے بولے گی کہے گی کہ میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں ۲؎ ہر سرکش جابر ظالم پر اور ہر اس پر جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پوجے اور تصویر سازوں پر ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی پورا سر یا پورا جسم عذاب کے فرشتے کا یا آگ کا ایک حصہ بہ شکل سر،تیسرے معنی کچھ بعید سے ہیں یہ بڑا ہی خطرناک عذاب کا فرشتہ ہوگا۔

۲؎ یعنی ان تین قسم کے مجرموں کا عذاب میرے سپرد کیاگیا ہے جیسے بڑے سخت مجرم کے لیے حکومت دُرّلی جتھا مقرر کرتی ہے کہ بڑا مجرم ان کے حوالہ کیا جاتا ہے جو انہیں سخت سزا دیتا ہے لوگ اس جتھے کے نام سے ڈرتے ہیں۔

۳؎ عنید وہ ظالم باغی شخص ہے جو جان بوجھ کر حق کا انکارکرے۔اس حدیث میں تصویر سازوں کے لیے انتہائی وعید ہے کہ ان کی سزا بت پرستوں کی سزا کے برابر کی گئی ہے۔خدا کی پناہ!

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا اور طبلہ حرام فرمادیا ۱؎ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے ۲؎ کہا گیا ہے کہ کوبہ طبلہ ہے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ شراب جوئے کی حرمت تو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے طبلہ وغیرہ باجوں کی حرمت اشارۃً بیان ہوئی کہ فرمایا"وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ"کھیل کی چیزوں میں طبلہ بھی داخل ہے۔

۲؎ نشہ آور چیز خواہ خشک ہو جیسے بھنگ چرس افیون یا پتلی جیسے شراب تاڑی وغیرہ سب حرام ہیں اس پر تمام امت کااجماع ہے۔اختلاف اس میں ہے کہ شراب انگوری کے علاوہ دوسری شرابیں حد نشہ سے کم پینا حرام ہے یا نہیں،اس پر بھی اتفاق ہے کہ افیون،بھنگ،چرس وغیرہ خشک نشہ آور چیزیں دواءً استعمال کی جاسکتی ہیں جب کہ نشہ نہ دیں،بعض معجونوں میں افیون پڑتی ہے۔

۳؎ قاموس میں ہے کہ کوبہ بضم کاف،شطرنج نردشیر،چھوٹا طبل،بربط غرضکہ یہ لفظ مشترک ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا شراب اور جوئے اور باجے اور غبیراء سے وہ شراب ہے جسے حبشی لوگ جوار سے بناتے ہیں جسے سکرکہا جاتا ہے ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس شراب کا اصلی نام تو سکر کہ ہے،غبراء اسی لیے کہتے تھے کہ گدلی ہوئی ہوتی تھی جوار کی شراب تھی،اس کا رواج حبشہ میں بہت تھا سخت نشہ آور تھی حرام کردی گئی جیسے ہندوستان کے بعض علاقوں میں تاڑی پی جاتی ہے یہ بھی حرام ہے کہ نشہ آور ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نرد کھیلے اس نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی ۱؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ نردشیر کے معنی اور اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے یہ بھی ایک قسم کا جوا ہے لہذا حرام ہے پانسوں پر کھیلا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کبوتر کے پیچھے دوڑ رہا ہے تو فرمایا شیطان شیطانہ کا پیچھا کررہا ہے ۲؎ (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ کبوتر باز کو شیطان فرمایا اور کبوتر بازی کو شیطانہ کیونکہ جو چیز رب تعالیٰ سے غافل کردے وہ بھی شیطان ہے اور غافل ہوجانے والا بھی شیطان۔خیال رہے کہ کبوتر پالنا جائز ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بلکہ مسجد حرام میں بہت کبوتر پلے ہوئے ہیں،پہلے زمانہ میں کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا مگر کبوتر بازی کرنا ممنوع ہے،ہر بازی ممنوع ہے کہ یہ نماز تلاوت بلکہ دنیاوی ضروری کاموں سے غافل کردیتی ہے جیسے مرغ،بٹیر پالنا جائز مگر مرغ بازی،بٹیر بازی،تیتر بازی اور انہیں لڑانا حرام ہے خصوصًا جب کہ اس پر مالی ہار جیت ہو کہ اب یہ جواء بھی ہے۔مرقات میں فرمایا کہ صرف اڑانے کے لیے کبوتر پالنا مکروہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سعید ابن حسن سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا بولا اے ابن عباس میں ایسا شخص ہوں کہ میری روزی میری ہاتھ کی کاریگری میں ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں ۲؎ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں تم کو نہیں خبر دیتا مگر وہ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی تصویریں بنائے تو اللہ اسے عذاب دے گا ۳؎ حتی کہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں کبھی نہ پھونک سکے گا تو وہ شخص بہت سخت ہانپا ۴؎ اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا ۵؎ تو آپ نے فرمایا تجھے خرابی ہو اگر اس کے بنانے سے تو باز نہ آئے تو اس درخت کو اور ہر اس چیز کو اختیار کر جس میں جان نہیں ۶؎ (بخاری)

۱؎ آپ خواجہ حسن بصری کے بھائی ہیں،حضرت زید ابن ثابت کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ کے والد کا نام یسار ہے،کنیت ابوالحسن،یہ ہی خواجہ حسن بصری کے والد ہیں،سعید تابعی ہیں،بصری ہیں،ثقہ ہیں،حضرت ابن عباس ابوہریرہ وغیرہم سے ملاقات ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔آپ سے قتادہ،عوف وغیرہم نے احادیث روایت کیں۔

۲؎ یعنی جاندار کی تصویریں بنانا میرا پیشہ ہے اس سے میرا گزارہ ہے مجھے اور کوئی کام آتا نہیں۔

۳؎ یہاں عذاب سے مراد تمہید عذاب ہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔اولًا اس سے روح پھونکنے کو فرمائے گا جب وہ نہ پھونک سکے گا تو عذاب دے گا،اگر حلال سمجھ کر تصویرسازی کرتا تھا تو دائمی عذاب ورنہ بہت دراز مدت تک عذاب۔

۴؎ ربا کے معنی ہیں بلندی اور زیادتی اس لیے بلند زمین کو ربوہ کہتے ہیں اور سود کو ربو کہا جاتا ہے۔اب اصطلاح میں گھوڑے کی سانس پھول جانے کو ربوہ کہنے لگے جو زیادہ دوڑنے سے پھول جاتی ہے کہ اس میں سانس کی زیادتی ہوجاتی ہے جسے فارسی میں تلواسہ کہتے ہیں،اردو میں سانس چڑھ جانا لہذا اس کا ترجمہ ہانپنا نہایت موزوں ہے وہ خوفِ خدا سے ہانپنے لگا جو اسے یہ حدیث سن کر پیدا ہوا۔

۵؎ یعنی خوفِ خدا سے اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا غصہ میں چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور خوف میں پیلا وہ متفکر ہوگیا کہ اب میں گزارہ کیسے کروں مجھے صرف یہ ہی ہنر آتا ہے اور یہ حرام ہے یہ فکر بھی علامت ایمان ہے۔

٦؎ یعنی درخت،پہاڑ،مکانات اور دوسری سبزیاں اور تمام بے جان چیزوں کی تصویریں بنایا کر اس سے تیرا گزارہ بھی ہوگااور تو گناہ سے بھی بچا رہے گا۔خیال رہے کہ یہاں باز نہ آنے سے مراد سرکشی کرنا نہیں بلکہ مجبوری مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا ۱؎ جسے ماریہ کہا جاتا تھا اور ام سلمہ ام حبیبہ زمین حبشہ میں پہنچی تھیں ۲؎ تو ان دونوں نے اس کی خوبصورتی اور وہاں کی تصویروں کا ذکر کیا ۳؎ تو حضور نے اپنا سر اٹھایا پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے اس کی قبر پر مسجد بنالیتے ہیں ۴؎ پھر اس میں یہ تصویریں بناتے ہیں یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین ہیں ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ غالبًا کنیسہ عیسائیوں کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں اور بیعہ یہود کے عبادت خانہ کو،بعض نے اس کے برعکس کہا ہے یہ عجمی ہے،یونانی زبان میں کنیشت تھا اس سے کنیسہ بنایا گیا،یہ ذکر فرمانے والی بیوی حضرت ام سلمہ تھیں یا ام حبیبہ۔

۲؎ یہ دونوں بیبیاں اولًا حبشہ کو ہجرت کرکے گئی تھیں وہاں کئی سال رہ کر پھر مدینہ منورہ آئیں اس لیے وہاں انہوں نے عیسائیوں کا یہ گرجا دیکھا تھا۔لفظ ماریہ دراصل ماروی تھا یعنی بے مثال گرجا۔

۳؎ پہلے راہب عیسائیوں نے گرجوں میں اپنے نیک لوگوں کے فوٹو رکھے تھے تاکہ لوگ ان کی عبادات دیکھ کر خود عبادت میں مشغول ہوں بعد میں ان تصویروں کی پرستش شروع ہوگئی۔(مرقات)ان کے دین میں تصویر سازی حرام نہ تھی اس لیے اسلام نے تصویر سازی حرام فرمادی کہ یہ بت پرستی کی جڑ ہے۔ہم نے بعض جاہل مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ اپنے پیروں کے فوٹوؤں کو سلام کرتے ہیں،بعض کو سجدہ کرتے بھی دیکھا گیا ہے۔

۴؎ سارے اہل کتاب یہودی ہوں یا عیسائی ان سب کا یہ ہی طریقہ ہے کہ اپنے صالح لوگوں کی قبروں پر یا تو اس طرح عبادت خانہ بناتے ہیں کہ انکی قبر میں فرش کنیسہ میں آجاتی ہیں،ان پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں یعنی ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں کہ ان کی طرف سجدے کرتے ہیں یہ دونوں کام حرام ہیں،یہاں مسجد سے مراد سجدہ گاہ ہے ورنہ اہل کتاب مسجدیں نہیں بناتے،ہمارے اسلام میں بزرگوں کی قبروں کے پاس بناتے ہیں یہ بہت ہی اچھا ہے جیسے مسجد نبوی

اور عام وہ مساجد جو اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب بنی ہوئی ہیں ان مسجدوں سے زائرین کو نماز کا آرام بھی رہتا ہے اور وہاں نماز کی قبولیت کی بھی قوی امید ہے۔
۵؎ کہ یہ گمراہ بھی ہیں اور گمراہ گر بھی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سخت تر عذاب والا وہ ہوگا جو نبی کو قتل کرے۱؎ یا اسے نبی قتل کریں۲؎ اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرے۳؎ اور تصویر ساز لوگ اور وہ عالم جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جاوے۴؎

۱؎ جیسے یہود کہ انہوں نے حضرت زکریا اور یحیٰی علیہما السلام بلکہ اور بہت پیغمبر کو قتل کیا یہ بدترین مخلوق ہیں۔
۲؎ قتل فی سبیل اللہ یعنی جہاد میں وہ نبی کے مقابل آئے اور نبی کے ہاتھوں مارا جائے ورنہ جسے نبی قصاص یا حد میں قتل کریں وہ اس حکم سے خارج ہے۔(مرقات) بعض صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص یا حد میں قتل کرایا ہے ان کا تو بیڑا پار لگ گیا کہ حضور کے ہاتھوں پاک ہوکر گر گئے۔
۳؎ ماں یا باپ یا دونوں کو ظلمًا قتل کرے،اگر بیٹا حاکم ہے وہ اپنے باپ کو قصاص یا حد شرعی میں قتل کرے تو وہ اس حکم سے خارج ہے۔
۴؎ اس طرح کہ نہ تو عالم اپنے علم پر عمل کرے نہ کسی سے عمل کرائے اپنا علم سینہ میں چھپا کرلے جائے،علم دین اللہ رسول کی امانت ہے لوگوں تک پہنچاؤ۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ شطرنج عجمیوں کا جوا ہے۱؎

۱؎ اگر شطرنج پر مالی ہار جیت ہو تو بالاتفاق حرام ہے ورنہ امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک ممنوع،بعض علماء کے نزدیک جائز بشرطیکہ اس کی مشغولیت نماز سے غافل نہ کرے اور دوران کھیل کود گالی گلوچ نہ کرے۔

	روایت ہے حضرت ابن شہاب سے کہ ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا شطرنج نہ کھیلے گا مگر خطا کار۱؎

۱؎ یہ احادیث امام اعظم کی دلیلیں ہیں کہ شطرنج مطلقًا ممنوع ہے خواہ اسپر مال کی ہار جیت ہو یا نہ ہو کیونکہ صرف تین کھیلوں کی اسلام میں اجازت ہے شطرنج ان تین کے سواء ہے۔حضرات صحابہ کرام نے کبھی شطرنج نہ کھیلی نہ کسی حدیث میں اس کی اجازت دی گئی بہرحال مذہب احناف بہت قوی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے کہ ان سے شطرنج کھیلنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ باطل سے ہے اور اللہ باطل کو پسند نہیں فرماتا۱؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی

	نے شعب الایمان میں بیان فرمایا۔

۱؎ یعنی اللہ تعالٰی شطرنج کو ناپسند کرتا ہے ایسے موقعہ پر پسند نہ فرمانے کا مطلب ہوتا ہے ناپسند کرنا۔کسی نے امام مالک سے پوچھا کہ شطرنجی آدمی کی گواہی قبول ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جو ہمیشہ کھیلے اس کی گواہی قبول نہیں،آپ نے فرمایا کہ شطرنج حق نہیں اور"فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ"اس کی ممانعت کے متعلق اور بہت احادیث ہیں اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی تعدد اسنادکی وجہ سے حسن ہیں کہ تعداد اسناد ضعیف حدیث کو حسن کردیتی ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری قوم کے گھر تشریف لے جاتے تھےان کے گھروں سے دور تھا یہ ان گھر والوں کو گراں گزرا تو بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم آپ فلاں کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لیے کہ تمہارے گھر میں کتا ہے ۲؎ وہ بولے ان کے گھر میں بلی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی تو درندوں میں سے ہے ۳؎(دارقطنی)

۱؎ یعنی حضور انورہمارے گھر راستہ میں چھوڑکر دوسرے دور والے گھروں میں تشریف لے جاتے ہیں کیا حضور ہم سے ناراض ہیں آپ کی ناراضی تو حق تعالٰی کی ناراضی ہے پھر ہم کس کے ہوکر رہیں جسم سے جان آنکھ سے نور ناراض ہوجائے تو نہ جسم کام کا نہ آنکھ کام کی۔

۲؎ یعنی تمہارے گھر بلاضرورت کتا پالا ہواہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے لہذا ہم بھی وہاں نہیں آتے یہ انتہائی ناراضی کا اظہار ہے۔معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت شریف فرشتوں کی سی طبیعت ہے۔

۳؎ یہ جواب عالی یا تو بطور استفہام انکاری ہے یعنی کیا بلی کتے کی طرح درندہ ہے یعنی یہ درندہ نہیں بلکہ گھر میں چوہوں وغیرہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے لہذا اس کا حکم کتے کا سا نہیں۔

کتاب الطب و الرقی

دواؤں اور دعاؤں کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] طب ط کے فتح سے بھی ہے کسرہ سے بھی پیش سے بھی مگر فتح مشہور ہے اس کے معنی علاج ودوا۔طب ط کے فتح سے اس کے معنی جادو بھی ہیں اس لیے مسحور کو مطبوب کہتے ہیں۔ علاج کے تین ارکان ہیں:دفع مرض،حصول صحت،دفع اسباب مرض۔طب جسمانی قرائن اور طب روحانی قرآن سے ہے اس لیے طب کے اوراق جمع فرمائے گئے۔رقی جمع ہے رقیۃ کی بمعنی جھاڑ پھونک۔ناجائز یا شرکیہ الفاظ سے دم کرنا حرام یا کفر ہے،جائز دعائیں پڑھ کر دم کرنا سنت ہے،جس دم جھاڑ پھونک کے معانی معلوم نہ ہوں انہیں نہ پڑھے۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور علوم بخشے ہیں وہاں علم طب بھی عطا فرمایا بذریعہ وحی کے بھی اور بذریعہ تجربہ وغیرہ کے بھی۔حضرت سلیمان علیہ السلام ہر درخت و گھاس سے پوچھا کرتے تھے کہ تجھ میں کیا تاثیر ہے اگر وہ اچھی تاثیر بتاتی تو اس کی کاشت بھی کراتے تھے اور اس کا نام و فوائد لکھ بھی لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ طب کی تدوین آپ نے بھی کی۔واللہ اعلم!(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کوئی بیماری نہ بنائی مگر اس کے لیے شفا بھی اتاری[1](بخاری)	

[1] موت اور بڑھاپا ان کے سواء تمام امراض کی دوائیں ہیں۔جب اللہ کسی کو شفاء دینا چاہتا ہے تو طبیب کا دماغ اس کی دوا تک پہنچ جاتا ہے ورنہ طبیب کا دماغ الٹا چلتا ہے علاج غلط کرتا ہے۔مصرع!چوں قضا آید طبیب آبلہ شود۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بیماری کی دوا ہے[1] جب دوا بیماری تک پہنچادی جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے اچھا ہوجاتا ہے[2](مسلم)	

[1] یعنی دوا بیماری دور کرنے میں مؤثر تو ہے مگر مستقل مؤثر نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی کے تابع ہے وہ چاہے تو دواء کو مؤثر بنادے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جب اللہ تعالٰی کسی بیمار کی شفا نہیں چاہتا تو دواء اور مرض کے درمیان ایک فرشتے کے ذریعے آڑ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے دواء مرض پر واقع نہیں ہوتی،جب شفاء کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ پردہ ہٹا دیا

جاتا ہے جس سے دواء مرض پر واقع ہوتی ہے اور شفاء ہوجاتی ہے۔(مرقات)ہم نے بہت بیماروں کو دیکھا کہ دواء ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی بعد موت ان کے منہ سے دوا نکلتی ہے یہ ہے وہ آڑ۔

۲؎احمد نے بروایت حضرت علی مرفوعًا روایت کیا کہ ہر مرض کی دواء ہےاور گناہ کی دواء توبہ ہے۔خیال ہے کہ دفع مرض کے لیے دواءکرنا مستحب ہے مگر دفع بھوک کے لیے کھانا اور دفع پیاس کے لیے پانی پینا فرض ہے لہذا اگر کوئی بیمار بغیردواء کیے مرجائے تو گنہگار نہیں لیکن اگر کوئی بھوکا پیاسا بغیر کھائے پیئے مرجائے،مرن برت یا بھوک ہڑتال کرکے مرے تو حرام موت مرے گاکیونکہ دواء سے شفا میں یقین نہیں مگر کھانے سے دفع بھوک میں اور پانی سے دفع پیاس میں یقین یا گمان اغلب ہے دواءکرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ توکل کی قسم ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شفاء تین چیزوں میں ہے سنگی والے کے نشتر میں۱؎یا شہد کے گھونٹ میں۲؎یا آگ سے داغ میں۳؎اور میں اپنی امت کو داغ سے منع کرتا ہوں۔(بخاری)	

۱؎جب کسی مریض کے بھری سنگی لگاتے ہیں تو پہلے مرض کی جگہ نشتر مارتے ہیں پھر سنگی رکھ کر چوستے ہیں پھر وہاں سنگی جم جاتی ہے جب اکھیڑتے ہیں تو فاسد خون نکل جاتا ہے۔شرطہ وہ نشتر ہے ا ور محجم وہ سنگی یا محجم نشتر اور شرطہ نشتر لگانا۔

۲؎خواہ خالی شہد کا گھونٹ یا کسی چیز میں مخلوط ہوکر،رب شہد کے متعلق فرماتاہے:"**فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ**"۔

۳؎یعنی کیّ کرنا،لوہا گرم کرکے داغ دینا ان علاجوں کی وجہ اور پچھنے کے مقدم فرمانے کی حکمتیں یہاں مرقات میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ احزاب کے دن ابی کو ان کی رگ حیات پر تیرا مارا گیا۱؎تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ دیا ۲؎(مسلم)	

۱؎احادیث شریفہ میں داغ سے ممانعت بھی آئی ہے اور داغ لگانا بھی وارد ہے اس لیے محدثین نے ان کی مطابقت کی بہت وجہیں بیان فرمائیں: ایک یہ کہ داغ بیان جوازکے لیے ہے اور ممانعت بیان کراہت کے لیے یعنی داغ سے علاج کرنا جائز ہے مگر بہتر نہیں۔دوسرے یہ کہ جب دوسرے علاج ہوسکتے ہوں تو داغ نہ لگاؤ اگر اس کے سواء اورکوئی علاج نہ ہو تو لگاؤ۔تیسرے یہ کہ اہلِ عرب داغ کو آخری یقینی علاج سمجھتے تھےان کی نظر رب تعالٰی سے ہٹ کر داغ پر اڑگئی،**توکل علی اللہ** جاتا رہا تھاتعلیم توکل کے لیے ممانعت فرمائی گئی،اگر اللہ پرتوکل ہو داغ کو محض دواء سمجھے تو جائز ہے۔چوتھے یہ کہ جہاں داغ لگانا خطرناک ہو وہاں ممنوع ہے غیر خطرہ کی صورت میں جائز۔کیّ کے معنی ہیں داغ،عرب میں لوہا گرم کرکے زخم پر لگادیتے ہیں اسے کیّ کہا جاتا ہے۔

۲؎ حضرت ابی ابن کعب خزرجی انصاری ہیں،بڑے قاری تھے،آپ ان چھ صحابہ سے ہیں جنہوں نے قرآن کریم حفظ کیا تھا،حضور نے آپ کی کنیت ابوالمنذر رکھی، ۱۹ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔احزاب غزوہ خندق کا نام ہے۔اکحل رگ حیوۃ کو کہتے ہیں یہ کلائی کے درمیان ہوتی ہے جیسے ران کی رگ کونساء، پیٹھ کی رگ کو ابہر کہا جاتا ہے،اگر اکحل کٹ جاوے تو خون بند نہیں ہوتا اور موت ہوجاتی ہے اگر اس کو داغ دیا جاوے تو خون بند ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ سعد ابن معاذ کی رگ حیات میں تیر مارا گیا۱؎ تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے تیر سے داغ دیا پھر وہ سوج گیا تو اسے دوبارہ داغ دیا۲؎ (مسلم)

۱؎ تاکہ خون بند ہوجاوے،ابھی پچھلی حدیث میں اس عمل شریف اور ممانعت کی احادیث میں مطابقت عرض کی گئی۔
۲؎ یہ واقعہ بھی اس غزوہ احزاب میں ہوا کہ حضرت سعد ابن معاذ کی رگ حیوۃ میں تیر لگا۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا اس نے آپ کی رگ کاٹ دی پھر اس پر داغ لگادیا۱؎ (مسلم) ۲؎

۱؎ یعنی ایک بار تیر گرم کرکے زخم پر داغ لگایا مگر پھر ورم آگیا تو دوبارہ تیر سے داغ لگادیا گیا اس سے بھی داغ کا جواز ثابت ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر فن کا ماہر بنایا ہے کہ یعنی داغ لگانا ہر شخص کا کام نہیں اس کے لیے بڑے کمال کی ضرورت ہے۔
۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ آپریشن بڑا پرانا علاج ہے زمانہ نبوی میں اس کی اصل موجود تھی چیر پھاڑ رگ کی کاٹ چھانٹ یہ ہی آپریشن کی حقیقت ہے،چونکہ رگ کٹ جانے سے تمام خون نکل جانے کا اندیشہ تھا اس لیے زخم کو آگ سے جھلسا دیا گیا تاکہ خون بند ہوجاوے،اب خون بند کرنے کے لیے ٹیکہ لگایا جاتا ہے ٹیکہ یہاں سے ماخوذ ہوسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری سے شفا ہے۱؎ ابن شہاب نے فرمایا کہ سام موت ہے اور کالا دانہ کلونجی ہے۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ہر مرض سے مراد ہر بلغمی اور رطوبت کے امراض ہیں کیونکہ کلونجی گرم اور خشک ہوتی ہے لہذا مرطوب اور سردی کی بیماریوں میں مفید ہوگی۔(اشعہ)

۲؎ حبة سوداء تین دواؤں کا نام ہے: سیاہ زیرہ،رائی،کلونجی۔اس شرح سے معلوم ہوا کہ یہاں کلونجی مراد ہے،یہ فرمان عالی ایسا ہے جیسے قرآن کریم کا فرمان"اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ"یا جیسے"تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ"کہ کل شیئ سے مراد عام چیزیں ہیں،یوں ہی یہاں مراد عرب کی عام بیماریاں ہیں۔(مرقات)یعنی کلونجی عرب کی عام بیماریوں میں مفید ہے۔خیال رہے کہ احادیث شریفہ کی دوائیں کسی حاذق طبیب کی رائے سے استعمال کرنی چاہئیں صرف اپنی رائے سے استعمال نہ کریں کہ ہمارے مزاج اہلِ عرب کے مزاج سے جداگانہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے ۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے شہد پلادو ۲؎ اس نے پلایا پھر آیا بولا کہ میں نے اسے پلایا اس کے دست بڑھ ہی گئے حضور نے اسے تین بار یہ ہی فرمایا ۳؎ وہ پھر آیا چوتھی بار تو فرمایا اسے شہد پلاؤ وہ بولا کہ میں نے اسے پلایا مگر اس نے پیٹ چلنا ہی بڑھایا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے ۴؎ اس نے پھر شہد پلایا تو آرام ہوگیا ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی دست آرہے ہیں اردو میں بھی دست آنے کو پیٹ چلنا کہا جاتا ہے وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں خالص شہد مراد ہے۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ دو شفاؤں کو مضبوطی سے پکڑو شہد اور قرآن۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ لا علاج بیمار اپنی بیوی سے اس کے مہر کا پیسہ لے کر اس سے دوا خریدے اس میں بارش کا پانی ملا کر استعمال کرے ان شاء اللہ شفا ہوگی کہ بارش کا پانی مبارک ہے"مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا"اور بیوی کے مہر کے پیسہ برکت والا"فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا"۔(مرقات)

۳؎ حضور انور جانتے تھے کہ اس کے پیٹ میں لیس دار بلغمی فضلات جمع ہوگئے ہیں جنہیں شہد خارج کررہا ہے اس کے خارج ہوجانے کے بعد دست بند ہوجائیں گے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے روزانہ ایک بار بقدر ضرورت شہد پلانے کا حکم دیا اس لیے وقت اور مقدار کا ذکر نہ فرمایا۔(مرقات)جیسا مریض ویسی مقدار دوا۔

۴؎ یعنی رب تعالٰی نے شہد کے متعلق فرمایا:"فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ"رب تعالٰی سچا اس کا یہ فرمان سچا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس شہد سے شفا حاصل نہ کرنے میں خطا کار ہے دوا مفید ہے قصور پیٹ میں ہے کہ اس سے شفاء

حاصل نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ مجھے رب نے وحی فرمائی ہے کہ تیرے بھائی کے پیٹ کو شہد سے شفا ہوگی ابھی اس کا ظہور نہ ہونا اس میں پیٹ کا قصور ہے رب تعالٰی کی یہ خبر سچی ہے۔واللہ اعلم!

۵؎ طب میں شہد کو دست آور مانا گیا ہے مگر یہاں اس سے دست بند ہوئے یا تو حضور کی برکت سے لہذا ہم لوگ دستوں میں شہد استعمال نہ کریں یا اس لیے کہ اس شخص کے دست بدہضمی اور فاسد مادہ کے معدے میں جمع ہوجانے کی وجہ سے تھے اس فاسد مادہ کا نکال دینا ہی ضروری تھا اس لیے پہلی تین بار میں شہد سے دست زیادہ ہوئے جب مادہ سارا نکل گیا دست ٹھہر گئے۔پیٹ جھوٹے ہونے کے یہ ہی معنی ہیں کہ اس میں خراب مادہ بہت جمع ہوگیا ہے،بہرحال حضور کی تجویزکردہ دوا بہت حکمتوں پر مبنی ہے۔(اشعہ و مرقات)دوسرے طبیب اپنے فن کو حضور پر قیاس نہ کریں ان کی طب ظنی ہے حضور کی تجویزیں یقینی ہیں وحی الٰہی سے تائید شدہ۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین وہ چیز جس سے تم علاج کرو پچھنے اور قسط بحری ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ قسط دو قسم کا ہے: قسط بحری جسے قسط اظفار بھی کہتے ہیں،اظفار ایک شہر کا نام ہے اس کی طرف نسبت ہے یہ سفید رنگ اور کم گرم ہوتا ہے۔دوسرا قسط ہندی یہ قسط بحری سے بہترین چیز ہے بہترین خوشبودار ہے جس کی دھونی لی جاتی ہے اس کے نفع بہت ہیں: حیض کا خون جاری کرتی ہے،بند پیشاب جاری کرتی ہے،زہر کو دفع،قوت شہوانی کو زیادہ،معدہ کے کیڑے مارتی ہے،بعض بخاروں کو دور کرتی ہے،اس کی دھونی زکام دور کرتی ہے،ریح کی دافع ہے اس لیے اطباء اسے بہترین دوا کہتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے بچوں کو دبانے سے تکلیف نہ دو گلے آجانے میں ۱؎ تم قسط اختیار کرو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کبھی بچوں کے حلق میں گلٹیاں نکل آتی ہیں اس کے علاج کے لیے عورتیں اپنی انگلی میں دوا لگا کر حلق میں انگلی ڈال کر دباتی ہیں جس سے بچوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے،خون جاری ہوجاتا ہے،میں بھی بچپن میں یہ مصیبت بھگت چکا ہوں حضور نے اس سے منع فرمایا۔

۲؎ یعنی قسط بحری کو پانی میں حل کرکے مریض کے ناک میں ٹپکا دو کہ دماغ و حلق میں پہنچ جاوے۔اس علاج سے اطباء حیران ہیں کیونکہ گلے کی گلٹیاں جسے گلے آنا کہا جاتا ہے گرمی سے ہوتی ہیں اور قسط بحری بھی گرم ہے تو گرم کو گرم کیسے دفع کرسکتا ہے مگر اکثر گلے کی گلٹیاں اس خون سے پیدا ہوتی ہیں جس پر بلغم غالب ہو اور قسط بحری بلغم چھانٹنے میں اکسیر ہے لہذا اس سے علاج مفید ہے۔

روایت ہے حضرت ام قیس سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنی اولاد کو اس گلہ آنے سے کیوں دباتی ہو ۲؎ تم اس عود ہندی کو اختیار کرو ۳؎ کہ	

	اس میں سات شفائیں ہیں ان میں سے ذات الجنب بھی ہے گلے آنے سے نسوارلی جاوے اور ذات الجنب سے لیپ کیا جاوے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ ام قیس بنت محصن اسدیہ ہیں،حضرت عکاشہ کی بہن قدیم الاسلام ہیں،ہجرت سے پہلے ایمان لائیں،آپ کو مہاجر ام قیس کہا جاتا ہے۔

۲؎ان لفظوں کے معنی ابھی پچھلی حدیث میں عرض کیے گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو گلے آنے پر حلق دبانے سے منع فرمارہے ہیں۔علاق بمعنی علوق ہے یعنی حلقوم کی آفت ناگہانی گلے کی گلٹیاں۔

۳؎عود ہندی نام ہے قسط بحری کا جس کا ذکر ابھی ہوا،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ قسط ہندی کا نام ہے دونوں قسط گلے آنے میں مفید ہیں۔

۴؎یعنی گلہ آنے میں قسط بحری کو پانی میں حل کرکے ناک میں نسوار کراؤ اور پسلیوں کے درد میں اس کا پسلیوں پر لیپ کرو،ذات الجنب بڑا تکلیف دہ بلکہ مہلک مرض ہے اس میں بھی یہ دوا مفید ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ اور رافع ابن خدیج سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ بخار دوزخ کی بھڑک ہے ۲؎تو اسے پانی سے ٹھنڈا کرو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ حضرت رافع ابن خدیج مشہور صحابی ہیں،جنگ احد میں آپ تیر سے زخمی ہوئے تو آپ سے حضور انور نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہاری گواہی دوں گا اس وقت زخم بھر گیا،پھر عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں دوبارہ ہرا ہوگیا اور اسی سے ۷۳ھ تہتر میں وفات ہوئی،چھیاسی سال عمر پائی۔

۲؎کہ جیسے دوزخ کی آگ فقط ظاہری جسم پر ہی نہ ہوگی بلکہ اندرون بدن میں بھی "تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ"۔یوں ہی بخار کی تپش دل و جگر پر بھی ہوتی ہے لہذا اس آگ کے مشابہ ہے۔

۳؎یعنی صفراوی بخار والے کو ٹھنڈا پانی پلاؤ،اس سے غسل دو یا کپڑا تر کرکے سر اور بعض اعضاء پر رکھو یہ علاج ہر بخار کے لیے نہیں بلکہ خاص بخاروں کے لیے ہے جو عمومًا اہل عرب کو ہوتا ہے،ہمارے ہاں بھی بعض بخاروں میں اطباء مریض کے سر پر تو کپڑا بلکہ برف رکھواتے ہیں لہذا یہ عمل طبیب کے مشورہ سے کیا جاوے،ہمارے ہاں کے اکثر بخاروں میں پانی مضر ہوتا ہے۔احادیث پاک میں بخار والے کو سات مشکیزوں سے نہلانے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے مگر وہ ہی بخار گرمی والے۔حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کا ایک شب کا بخار ایک سال کے گناہ معاف کرادیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے کی اجازت دی نظر بد ڈنک اور اندھوریوں میں ۱؎(مسلم)

۱؎ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا تھا لوگ اس سے مطلقًا پرہیز کرنے لگے،پھر حضور انور نے آیات قرآنیہ دعاء ماثورہ اور تمام ان دعاؤں سے دم کی اجازت دیدی جن میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں،یہ حدیث اجازت کی احادیث سے ہے۔عین نظر بدخواہ انسان کی ہو یا جن کی،حمہ ڈنک زہریلا جیسے بھڑ،بچھو،سانپ،نملہ،باریک دانہ جو پسلیوں پر نمودار ہوکر تمام جسم پر پھیل جاتے ہیں۔بعض نے اس سے خسرہ مراد لی ہے، بعض نے اندھوییں،بعض نے اس کے علاوہ اور یہ دانہ چونکہ چھوٹی چیونٹی کے مشابہ ہوتا ہے اس لیے اسے نملہ کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد سے دم کرنے کا حکم دیا۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اجازت ہے لہذا یہ حدیث یا تو دم کی ممانعت کی احادیث کی شرح ہے یا ان کی ناسخ یعنی وہ دم ممنوع ہے جس میں مشرکانہ الفاظ ہوں،قرآنی آیات اور احادیث کی دعاؤں سے دم جائز ہے ان کی تاثیر برحق ہے۔معلوم ہوا کہ عورتیں بھی دم کرسکتی ہیں مگر مردوں پر دم کرنا ہو تو پردہ کا خیال ضروری ہے بچوں،عورتوں پر دم میں آزادی ہے۔العین سے مراد یا آنکھ دکھنا ہے یا نظر لگنا،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں نسترقی نون سے ہے جمع متکلم۔علماء فرماتے ہیں کہ بدنظری سے بچنے کے لیے یہ آیت کریمہ اکسیر ہے "وَاِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصٰرِہِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ"۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرے پر زرد چھائیں تھیں یعنی زردی۱؎ تو فرمایا کہ اس کے لیے دم کردو کہ اسے نظر ہے۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ سفعه کے بہت معنی ہیں:نشانی،طمانچہ،نظر بد،جلنا آگ لہو،چہرے کی سیاہی مائل بہ سرخی اس لیے یہاں یہ شرح فرمائی۔

۲؎ جن کی نظر ہے یا انسان کی،علماء فرماتے ہیں کہ جنات کی نظر انسانی نظر سے سخت تر ہوتی ہے۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ جنات کی نگاہ نیزے سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔جائز دعاؤں سے دم بھی جائز ہے اس دم پر اجرت لینا بھی درست ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم پھونک سے منع فرمایا تو عمرو ابن حزم کے گھر والے آئے۱؎ بولے یارسول اللہ ہمارے پاس دم ہے جسے ہم بچھو سے دم کرتے ہیں اور آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا۲؎ چنانچہ انہوں نے وہ حضور پر

	پیش کیا تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج ہم نہیں دیکھتے تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچاسکے وہ اسے نفع پہنچائے ۳؎(مسلم)

۱؎عمرو ابن حزم کی کنیت ابو الضحاک ہے انصاری ہیں غزوہ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے غزوہ خندق میں پندرہ سالہ تھے حضور انور نے انہیں نجران کا حاکم بنایاتھا،۱۰ھ دس میں،آپ کی وفات ۵۳ھ ترپن میں مدینہ منورہ میں ہوئی،ان کے اہلِ خانہ یعنی بھائی برادر بچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲؎یعنی ہم سب لوگ بچھو وغیرہ کے کاٹے پر دم کردیتے ہیں تو اس سے فائدہ ہوتا ہے اگر اسے بند کردیں تو ایک فیض بند ہوجاوے گا حضور نے دعا سنانے کا حکم دیا۔

۳؎غالبًا وہ عربی زبان کے الفاظ تھے اگرچہ قرآنی آیت یا دعاء ماثورہ نہ تھی مگر اس کے الفاظ شرکیہ بھی نہ تھے۔ہم نے بعض ورد اردو زبان کے دیکھے بہت زود اثر،آدھا سیسی کے لیے یہ دعا بڑی مفید ہے۔کالی چڑی کلچڑی کالا پھل کھائے اٹھو محمد آکھ دو کہ آدھا سیسی جائے،اس دعا میں کوئی لفظ شرک و کفریا ناجائز نہیں۔بچہ پیدا ہونے میں اگر دشواری ہو تو یہ کوری ٹھیکری پر لکھ کر زچہ کے سر پر رکھی جاوے سر پر چینی کمر میں گھڑا نکل پڑی یا نکل پڑا۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں دم کرتے تھے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے عالی ہے تو فرمایا ہم پر پیش کرو جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس میں شرک نہ ہو ۲؎(مسلم)

۱؎آپ اولًا غزوہ خیبر میں شریک ہوئے،قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا فتح مکہ کے دن،آخر میں شام میں رہے،۷۳ھ تہتر میں وفات پائی۔

۲؎اس حدیث کی بناء پر حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ عمل کی تاثیر کے لیے شیخ کو عمل سنالینا اس سے اجازت لے لینا مفید ہے اگرچہ اس کے معنی جانتا ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ نظر حق ہے ۱؎اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ سکتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے ۲؎اور جب تم دھلوائے جاؤ تو دھودو ۳؎(مسلم)

۱؎یعنی نظر بد کا اثر برحق ہے اس سے منظور کو نقصان پہنچ جاتاہے۔

۲؎یعنی اس کا اثر اس قدر سخت ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر کا مقابلہ کرسکتی تو نظر بد کرلیتی کہ تقدیر میں آرام لکھا ہو مگر یہ تکلیف پہنچادیتی مگر چونکہ کوئی چیز تقدیر کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لیے یہ نظر بد بھی تقدیر نہیں پلٹ سکتی۔

۳؎یعنی اگر کسی نظرے ہوئے کو تم پر شبہ ہو کہ تمہاری نظر اسے لگی ہے اور وہ دفع نظر کے لیے تمہارے ہاتھ پاؤں دھلواکر اپنے پر چھینٹا مارنا چاہے تو تم برا نہ مانو بلکہ فورًا اپنے یہ اعضاء دھوکر اسے دے دو نظر لگ جانا عیب نہیں نظر تو ماں کی بھی لگ جاتی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام میں مشہور ٹوٹکے اگر خلاف شرع نہ ہوں تو ان کا بند کرنا ضروری نہیں دیکھو،نظر والے کے ہاتھ پاؤں دھوکر منظور کو چھینٹا مارنا عرب میں مروج تھاحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا،ہمارے ہاں تھوڑی سی آٹے کی بھوسی تین سرخ مرچیں منظور پر سات بار گھما کر سرسے پاؤں تک پھر آگ میں ڈال دیتے ہیں اگر نظر ہوتی ہے تو بھس نہیں اٹھتی اور رب تعالٰی شفاء دیتا ہے جیسے دواؤں میں نقل کی ضرورت نہیں تجربہ کافی ہے ایسے ہی دعاؤں اور ایسے ٹوٹکوں میں نقل ضروری نہیں خلاف شرع نہ ہوں تو درست ہیں اگرچہ ماثورہ دعائیں افضل ہیں۔ حضرت عثمان غنی نے ایک خوبصورت تندرست بچہ دیکھا تو فرمایا اس کی ٹھوڑی میں سیاہی لگا دو تاکہ نظر نہ لگے،حضرت ہشام ابن عروہ جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے ما شاءاللہ لا قوۃ الا باللہ۔علماء فرماتے ہیں کہ بعض نظروں میں زہریلا پن ہوتا ہے جو اثر کرتاہے۔(مرقات)اس نظر کی پوری بحث تفسیر کبیر سورۂ یوسف میں"یٰبَنِیَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وّٰحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا"کی تفسیر میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم دوادارو کریں فرمایاہاں اے اللہ کے بندو دوا کرو کیونکہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں پیدافرمائی مگراس کے لئے شفاء رکھی سواء ایک بیماری بڑھاپے کے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یعنی دواعلاج توکل کے خلاف نہیں جیسے بھوک کا علاج غذا ہے،پیاس کا علاج پانی ہے اگر دوائیں بیماریوں کا علاج ہوں تو کیا بعید ہے اسی لیے عباد اللہ فرماکر دوا کرنے کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو کہ دوا عبودیت کے خلاف نہیں۔بڑھاپے کو بیماری اس لیے فرمایا گیا کہ بڑھاپے کے بعد موت ہے جیسے بیماری کے بعد موت ہوتی ہے،نیز بڑھاپے میں بہت بیماریاں دبالیتی ہیں۔

لطیفہ:ایک بوڑھے آدمی نے کسی طبیب سے کہا کہ میری نگاہ موٹی ہوگئی ہے طبیب نے کہا بڑھاپے کی وجہ سے،وہ بولا اونچا سننے لگا ہوں جواب ملا بڑھاپے کی وجہ سے،بولا کمر ٹیڑھی ہوگئی ہے کہا بڑھاپے کی وجہ سے، آخر میں بوڑھا بولا کہ جاہل طبیب تجھے بڑھاپے کے سواء کچھ نہیں آتا جواب ملا یہ بے موقعہ غصہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کروا کیونکہ انہیں اللہ تعالٰی کھلاتا ہے۲ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ بعض بیمار کھانے پینے سے نفرت کرتے ہیں تیمارداروں کو چاہیے کہ انہیں اس پر مجبور نہ کریں اس نہ کھانے میں ان کے لیے بہتری ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی رب تعالٰی انہیں صبر بھی دیتا ہے اور قدرتی قوت و طاقت بھی بخشتا ہے،بدن کی قوت ارادہ الٰہی سے ہے نہ کہ محض کھانے سے۔خیال رہے کہ یہ ہی الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روزہ وصال کے لیے بھی ارشاد فرمائے ہیں وہاں کچھ مطلب ہی اور ہے۔(مرقات)وہاں حق تعالٰی حضور کو غیبی روزی عطا فرماتا ہے، بعض صوفیاء کرام نے خواب میں کوئی چیز کھائی بیدار ہونے پر شکم سیر تھے اور کھانے کی خوشبو منہ سے ہاتھوں سے آتی تھی اسی لیے حضور نے اپنے لیے فرمایا **ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی** وہاں **ابیت عند ربی** ہے یہاں یہ عبارت نہیں ہے اس میں یہ ہی فرق ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اس قرب خصوصی کو بیمار پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے کہاں یہ مریض کہاں آقائے دو جہان۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن زرارہ کو لالی کی بیماری سے داغ دیا۱(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ **شوکہ** ایک خاص بیماری کا نام ہے جس میں اولًا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے پھر تمام بدن پر سرخی چھا جاتی ہے حضور انور نے اس کا علاج داغ سے کیا ہے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے۱فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ذات الجنب کا قسط بحری اور زیتون کے تیل سے علاج کریں۲(ترمذی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،کوفہ میں رہے،وہاں ہی ۶۸ھ میں وفات پائی،پچاسی ۸۵ سال عمر ہوئی،آپ کی کنیت ابو عمرو ہے۔

۲؎ اس طرح کہ زیتون کے تیل میں قسط بحری ملا کر درد کی جگہ لیپ کریں اور بیمار کو زیتون کا تیل کھلائیں اسی تیل کی مالش بھی کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ زیتون کا تیل کھاؤ اسے لگاؤ کہ یہ مبارک درخت سے ہے اور اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے جن میں جذام بھی ہے،اس میں بواسیر کو بھی شفا ہے۔(دیکھو مرقات،ترمذی وغیرہما)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و

	سلم ذات الجنب کے لیے تیل اور ورس بیان فرماتے تھے ۱(ترمذی)

۱ ورس یمن میں پیدا ہونے والی ایک گھاس ہے چوبیس سال تک رہ سکتی ہے رنگ سرخ دیتی ہے،ذات الجنب یعنی پسلیوں کے درد میں اس کا لیپ مفید ہے۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے ۱کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو ۲وہ بولیں شبرم سے ۳فرمایا گرم ہے گرم ہے فرماتی ہیں پھر میں نے سناء سے جلاب لیا ۴تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز ہوتی جس میں موت سے شفاء ہو تو سناء میں ہوتی،ترمذی ابن ماجہ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱آپ پہلے حضرت جعفر ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں ان کے ساتھ ہجرت کرکے حبشہ گئیں وہاں ہی ان سے محمد عبداللہ اور عون پیدا ہوئے، پھر مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئیں،حضرت جعفر کی شہادت کے بعد ابوبکر صدیق سے نکاح کیا ان سے محمد پیدا ہوئے،حضرت صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت علی کے نکاح میں آئیں ان سے یحیٰ ابن علی پیدا ہوئے بڑی درجہ والی صحابیہ ہیں،چنانچہ آپ سے حضرت عبداللہ ابن جعفر،عمر ابن خطاب،عبداللہ ابن عباس،ابو موسیٰ اشعری،عبداللہ ابن شداد جیسے صحابہ کرام نے احادیث روایت کیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲یہ لفظ بنا ہے **مشی** سے بمعنی چلنا جلاب کو**مشی** اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے پیٹ چلتے ہیں یا اس سے پینے والا آدمی بار بار چل کر پاخانہ جاتا ہے۔

۳ **شبرم** حجاز کی خاص دوا ہے چنے کی دانوں کی طرح ہوتی ہے پکا کر اس کا پانی پینے سے دست لگ جاتے ہیں۔

۴سناء حجاز مقدس کی مشہور دوا ہے دست آور ہے بے ضرر ہے مکہ مکرمہ کی سنا اپنی خوبیوں میں بہت مشہور ہے اسی لیے اسے سناء مکی کہا جاتا ہے۔صفراوی سوداوی بلغمی،مادہ کودستوں کے ذریعہ نکالنے میں بے مثال ہے سوداوی وسوسوں کی دافع ہے۔(اشعہ)بعض روایات میں سناء زیرہ کی بہت تعریف آئی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے بیماریاں اور دوائیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کے لیے دوا بنائی ۱تو تم لوگ دوا کرو اور حرام سے دوا نہ کرو ۲(ابوداؤد)

۱یعنی ہر بیماری کے لیے حلال و جائز دوا پیدا فرمائی ہے جیساکہ آئندہ عبارت سے معلوم ہورہاہے۔

۲؎ یعنی شراب پیشاب وغیرہ حرام چیزوں سے دوا نہ کرو،طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے حرام میں شفا نہیں رکھی،مسلم شریف میں ہے کہ حضور نے شراب کے متعلق فرمایا کہ وہ دوا نہیں نری داء ہے(بیماری)امام سبکی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ "فِیۡہِمَاۤ اِثْمٌ کَبِیۡرٌ وَّ مَنٰفِعُ لِلنَّاسِ" منسوخ ہے۔جب جو اشراب حرام کردیئے گئے تو ان کے نفع سلب ہوگئے۔(مرقات)فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے متعلق حاذق طبیبوں کا اتفاق ہوجاوے کہ اس کی دواء شراب کے سواء اور کوئی نہیں تو وہ اس مریض کے لیے بقدر ضرورت حرام نہیں رہتی حلال ہوجاتی ہے،پھر بھی شفا حرام میں نہ ہوئی۔(اشعہ)اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرینہ والوں سے فرمانا ہے کہ تم اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو وہاں وحی سے پیشاب میں شفا معلوم ہوئی،یہاں اجماع اطباء سے شفا معلوم ہوئی مگر اولًا تو حاذق طبیب کا ملنا مشکل ہے پھر حاذقوں کا اجماع بہت ہی مشکل،میں نے بعض حاذق طبیبوں سے سنا کہ شہد بہترین بدل ہے شراب کا اگر کسی مرض کے لیے اطباء شراب بتاویں اس میں شہد استعمال کرو وہی فائدہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے منع فرمایا ۱؎ (احمد،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ خبیث سے مراد حرام یا نجس ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد بدمزہ بدبودار دوائیں ہیں۔(مرقات)یعنی مریض کو نہایت بدمزہ بدبودار دوائیں نہ کھلاؤ کہ اس سے زیادہ بیمار ہونے کا اندیشہ ہے خصوصًا نازک طبع لوگوں کے لیے۔

روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ سلمٰی رضی اللہ عنہا سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کے درد کی شکایت نہ کرتا مگر آپ فرماتے کہ پچھنے لگاؤ اور نہ کوئی پاؤں کے درد کی شکایت کرتا مگر آپ فرماتی ان میں خضاب کرو ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ صفیہ بنت عبدالمطلب یعنی حضور کی پھوپھی کی لونڈی ہیں حضور کے غلام ابورافع کی بیوی صاحبہ ہیں حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد اور حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی دایہ ہیں جلیل القدر صحابیہ ہیں رضی اللہ عنہا۔

۲؎ ان حضرات کے سر کے درد زیادتی خون سے اور پاؤں کا درد گرمی سے ہوتا ہوگا۔معلوم ہوا کہ مرد کو پاؤں کے تلووں میں مہندی لگانا درست ہے جب کہ دفع گرمی کے لیے ہو۔یہاں خضاب سے مراد مہندی سے خضاب ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوتا زخم نہ خراش ۱؎ مگر مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مہندی رکھ دو ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ قرح سے مرد چھری چاقو وغیرہ کا زخم ہے اور نکبہ سے مراد پھانسی کانٹے،پتھر وغیرہ کا زخم ہے۔(مرقات)

۲؎ تاکہ مہندی کی ٹھنڈک سے زخم کی گرمی ہلکی پڑ جاوے اور درد میں خفت ہو۔

	روایت ہے حضرت ابو کبشہ انماری سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھنے لگواتے تھے اپنی کھوپڑی پر اور اپنے دونوں کندھوں کے درمیان ۲؎ اور آپ فرماتے تھے کہ جو کوئی ان خونوں میں سے بہاوے ۳؎ تو اسے مضر نہیں کہ وہ کسی بیماری کے لیے کوئی دوا نہ کرے ۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام عمرو ابن سعید ہے،کنیت ابو کبشه،قبیلہ انمار سے ہیں،شام میں قیام رہا،آپ سے روایات بہت کم ہیں۔
۲؎ یا تو ایک دم ان دونوں جگہ فصد لیتے تھے یا کبھی سر میں کبھی کندھے پر دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔
۳؎ خون سے مراد خون فاسد ہے جسے اس فن کے لوگ پہچانتے ہیں یا زیادہ خون جس کی جسم میں موجودگی بیماریوں کا سبب ہے۔(اشعہ)اور اسی خون سے مراد یا تو ان مقامات کا خون ہے یا مطلقًا خون خواہ کسی عضو کا فاسد یا زائد خون ہو۔
۴؎ بیماریوں سے مراد وہ بیماریاں ہیں جن کا تعلق اس خون سے ہے لہذا بشیئ فرمانا بالکل درست ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران پر پچھنے لگوائے اس موچ سے جو آپ کو ہوگئی تھی ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ وثاء عربی میں اس تکلیف کو کہتے ہیں جو کسی عضو کے گوشت پر تکلیف پہنچنے سے ہو،ہڈی محفوظ رہے اب موچ آجانے کو کہا جاتا ہے کہ موچ میں بھی تعلق گوشت سے ہوتا ہے ہڈی پر ضرب نہیں آتی اس لفظ کے لکھنے کی بہت ترکیبیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کے متعلق خبر دی جس میں آپ کو معراج کرائی گئی کہ آپ فرشتوں کی کسی جماعت پر نہ گزرے مگر انہوں نے عرض کیا ۱؎ کہ آپ اپنی امت کو پچھنے کا حکم دیں ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ یہاں امر بمعنی مشورہ ہے یا بمعنی وجوبی حکم کیونکہ بعض بیماریوں میں فصد واجب ہوجاتی ہے۔اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: کہ ایک یہ کہ فرشتوں کو اللہ تعالٰی نے بہت وسیع علم بخشا جس میں علم طب بھی ہے وہ حضرات بیماریوں اور دواؤں سے بھی واقف ہیں۔ دوسرے یہ کہ امت پر حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ فرشتے حتی کہ خدا تعالٰی بھی بندوں سے براہ راست کلام نہیں فرماتا نہ ان پر خود احکام فرماتا ہے جو کچھ کہتا ہے نبی کی معرفت سے کہتا ہے خدا کا فرمان نبی کی معرفت پہنچے تو سب کے لیے قابلِ عمل ہوتا ہے۔

۲؎امت سے مراد ساری امت نہیں بلکہ خاص ملک کے خاص بیماریوں والے امتی مراد ہیں گرم ملک کے لوگوں کو فصد بہت مفید رہتی ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ ہرمسلمان فصد کرلیا کرے بغیر فصد کے وہ مسلمان نہ ہو۔یہاں حجامت سے مراد فصد پچھنے،بھری سنگی سب ہی ہیں،بعض شارحین نے امتك سے مراد لی ہےقومك یعنی آپ اپنی قوم اہل عرب کو حکم دیں۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عثمان سے کہ کسی طبیب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کے متعلق پوچھا۱؎جسے کسی دوا میں ڈالا جاوے تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یہ سوال مطلقًا مینڈک کے متعلق تھا دریائی ہو یا خشکی کا دونوں قسم کے مینڈکوں کی تاثیریں جداگانہ ہیں۔
۲؎فرمایا کہ مینڈک کو قتل نہ کروخواہ دوا کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے یا بلا مقصدکے کیونکہ نہ تو یہ موذی ہے نہ حلال ہے نہ لذیذ۔حرام،خبیث،غیر مفید جانور کا مارنا بلاوجہ ہی مارنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مینڈک کھانا حرام ہے لہذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ مینڈک کسی بیماری میں مفید نہیں،بعض لوگ ایک خاص قسم کے مینڈک کا تیل قوت باہ کے لیے استعمال کرتے ہیں محض غلط و ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گردن اور کندھے کی رگوں میں پچھنے لگواتے تھے ۱؎(ابوداؤد)اور ترمذی و ابن ماجہ نے یہ زیادہ کیا کہ آپ سترہ اور انیس اور اکیس کو فصد لیتے تھے ۲؎	

۱؎اخدعین گردن کی دو طرفہ رگوں کو کہتے ہیں،یہ رگیں حبل ورید کی ہی شاخیں ہیں۔اور گردن میں پیٹھ سے متصل پچھنے لگوانا بہت سی بیماریوں میں مفید ہے،ہم لوگوں کو چاہیے کہ بغیر طبیب حاذق کے مشورہ کے پچھنے ہرگز نہ کرائیں اہل عرب اور ہماری بیماریوں میں بڑا فرق ہے۔
۲؎یعنی آپ اکثر چاند کی ان طاق تاریخوں میں فصد لیتے تھے ان تاریخوں میں خون میں جوش نہیں ہوتافصد سے زیادہ خون بہ جانے کا خطرہ نہیں ہوتا،تاریخوں کو ہمارے حالات میں بڑا دخل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کیفیات سے واقف ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ کو فصد لینا پسند فرماتے تھے ۱؎(شرح سنہ)	

۱؎جیسے بعض کاموں کے لئے بعض دن موزوں ہیں سفر کرنے کے لیے شنبہ دو شنبہ پنج شنبہ بہتر،کتاب شروع کرنے کے لیے بدھ بہتر،یوں ہی فصد کے لیے یہ تاریخیں افضل ہیں،یہ افضلیت رب تعالٰی کی طرف سے ہے ہماری عقل کو اس میں دخل نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا کہ جو سترہ،انیس،اکیس تاریخ کو فصد لے تو ہر بیماری سے شفا ہوگی ۱؎(ابوداؤد)

۱؎بیماریوں سے مراد وہ ہی بیماریاں ہیں جن کا تعلق فصد سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دواؤں علاجوں کے اثر کا تعلق دنوں اور وقتوں سے بھی ہے جیسے کہ اس کا تعلق زمانوں اور مقامات سے ہے۔ایک دوا ایک موسم میں ایک جگہ مفید ہوتی ہے وہ ہی دوا دوسری جگہ دوسرے موسم میں مضر،ٹھنڈی چیز میں گرم موسم گرم ملک میں مفید ہیں اور سرد موسم سرد ملک میں مضر۔یہاں اشعہ میں فرمایا کہ چاند کی شروع تاریخوں میں خون میں بہت جوش ہوتا ہے اور آخری تاریخوں میں بہت جمود و سکون لہذا درمیان مہینہ فصد کے لیے تجویز ہوا جب خون نہ بہت جوش میں ہو نہ بالکل سکون میں تاکہ بقدر حاجت نکلے نہ زیادہ نکلے نہ کم،جنہوں نے چاند کی حرکتوں پر سمندر کا جوار بھاٹا دیکھا ہے وہ اسے بلا تامل مان لیں گے۔

	روایت ہے حضرت کبشہ بنت ابی بکرہ سے ۱؎کہ ان کے والد اپنے گھر والوں کو منگل کے دن فصد سے منع کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ منگل کا دن خون کا دن ہے ۲؎اور اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں خون ٹھہرتا نہیں ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں کیسہ ہے ی اور سین سے،بعض میں کبشہ ہے ب اور شین سے ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے،یہ تابعیہ ہیں،ان کے والد ابوبکرہ صحابی ہیں۔

۲؎کہ قابیل نے ہابیل کو منگل کے دن ہی قتل کیا اور جناب حوا کو منگل کے دن ہی حیض شروع ہوا گویا یہ دن خون کی ابتداء کا ہے یا اس دن میں خون جوش مارتا ہے فصد سے بہت زیادہ بہ جاوے گا۔(مرقات)

۳؎کیونکہ اس دن کی ہر گھڑی میں احتمال ہے کہ شاید وہ ہی گھڑی ہو لہذا اس دن فصد لو ہی نہیں کہ اس میں ہی سلامتی ہے اگر اس گھڑی میں فصد لی گئی تو خون ٹھہرے گا نہیں بالکل نکل جاوے گا اور اس مریض کی موت واقع ہوجانے کا خطرہ ہے۔

	روایت ہے زہری سے ارسالًا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جو کوئی بدھ یا ہفتہ کے دن فصد لے پھر اسے برص پہنچ جاوے تو اپنے ہی کو ملامت کرے ۱؎(احمد،ابوداؤد)اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ اسنادًا بھی مروی ہے مگر صحیح نہیں ۲؎

۱؎ معلوم ہوا کہ ہفتہ یا بدھ کے دن فصد لینے سے برص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے برص جسم کے سفید داغ کو کہتے ہیں یہ کوڑھ کی ایک قسم ہے خدا تعالٰی محفوظ رکھے۔ اطباء تجربہ سے کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی سے حضور کا ہر فرمان برحق ہے زمانوں،مکانوں،دنوں،گھڑیوں میں مختلف تاثیریں ہیں۔
۲؎ جمہور محدثین کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے لہذا سند حدیث کا صحیح نہ ہونا اس کے لیے ہرگز مضر نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے ارسالًا فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی ہفتہ کے دن فصد لے یا لیپ کرے ۱؎ تو سفید داغ کے بارے میں نہ ملامت کرے مگر اپنی ذات کو ۲؎ (شرح السنہ)

۱؎ یعنی اپنے کسی عضو پر کسی دوا کا لیپ کرے جیسے چونا وغیرہ ۔
۲؎ یعنی اگر کوئی شخص ہفتہ یا بدھ کے دن فصد لے پھر اسے برص کی بیماری ہوجاوے تو نہ تو رب تعالٰی کی شکایت کرے نہ کسی اور پر ملامت کرے نہ بے عملی کا بہانہ بنائے بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرے کہ میری غلطی سے یہ بیماری ہوئی ہے۔معلوم ہوا کہ دنوں کی تاثیریں مختلف ہیں اور پرہیزاحتیاط ضروری ہے۔

	روایت ہے عبداللہ ابن مسعود کی بیوی زینب سے ۱؎ کہ عبداللہ نے میری گردن میں دھاگہ دیکھا تو فرمایا ۲؎ یہ کیا میں بولی کہ یہ دھاگہ ہے جس میں دم کیا گیا ہے فرماتی ہیں کہ آپ نے اسے لے کر توڑ دیا پھر فرمایا اے عبداللہ کے گھر والو تم شرک سے بے نیاز ہو ۳؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دم تعویذات اور جادو شرک ہے ۴؎ تو میں نے کہا کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں میری آنکھ کھٹکی تھی اور میں فلاں یہودی کے پاس آجاتی تھی تو جب وہ اسے دم کردیتا تھا تو ٹھہر جاتی تھی ۵؎ تب عبداللہ نے کہا کہ یہ شیطانی کام ہی تھا وہ آنکھ میں اپنے ہاتھ سے چبھوتا تھا پھر جب دم کیا جاتا تو ٹھہر جاتا تھا ۶؎ تمہیں یہ کافی تھا کہ کہہ لیتی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے اے لوگوں کے رب تکلیف دور کردے اور شفاء دے تو ہی شفا دینے والا ہے نہیں ہے شفاء مگر تیری شفاء ۷؎ وہ شفاء دے جو بیماری نہ چھوڑے ۸؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ زینب بنت عبداللہ ابن معاویہ ہیں،ثقفی ہیں،اپنے خاوند کی طرح آپ بھی بارگاہِ نبوت میں بہت مقبول اور درجہ والی تھیں۔(مرقات)

۲؎ محدثین کی اصطلاح میں جب عبداللہ مطلقًا بولا جاوے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۔

۳؎ یہاں دھاگہ سے مراد گنڈے کا نیلا دھاگہ ہے جس پر جادوگر جادو کا دم کرکے مریض کو پہناتے ہیں،چونکہ ان کے دم میں مشرکانہ الفاظ ہوتے ہیں بتوں کا توسل وغیرہ اس لیے آپ نے اس گنڈے پہننے کو شرک قرار دیا لہذا حضرات صوفیاءکرام کے گنڈے جس میں وہ قرآنی آیات یا ماثورہ دعائیں پڑھ کر دم کرکے گرہ لگاتے ہیں بالکل جائز ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر تعویذ گنڈے کو مؤثر حقیقی مان لیا جاوے رب سے نظر ہٹ جاوے تو شرک ہے مگر یہ فقیر کے نزدیک قوی نہیں۔اولًا تو اس لیے کہ حضرات صحابہ ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتے،دوسرے اس لیے کہ یہ بات تو دواؤں میں بھی ہے کہ اگر حکیم کو شافی الامراض اور دوا کو شفاء مستقل مان لے تو مشرک ہے،شافی اللہ ہی ہے یہ چیزیں ذریعہ شفاء ہیں دوا ہو یا دعا۔آل عبداللہ سے مراد حضرت ابن مسعود کے گھر والے ہیں بیوی ہوں یا اولاد۔

۴؎ تولہ ایک خاص جادو کا نام ہے جو زوجین کی محبت کے لیے کیا جاتا ہے لیکن اگر آیات قرآنیہ یا ماثورہ دعاؤں سے اسی محبت کا تعویذ کیا جاوے تو بالکل جائز ہے،حضرات صحابہ کرام نے دعاء ماثورہ کے تعویذات باندھے ہیں۔

۵؎ یعنی میرا تجربہ ہے کہ یہ درد چشم کے لیے مفید ہے اگر یہ شرک ہوتا تو اس میں یہ فائدہ کیوں ہوتا جیسے حرام دوا میں فائدہ نہیں ایسے ہی شرکیہ عمل میں اثر نہ چاہیے سبحان اللہ!کیسا باریک اعتراض ہے۔

۶؎ یعنی یہ بیماری نہ تھی بلکہ شیطانی اثر تھا کہ وہ تمہاری آنکھوں میں انگلی چبھوتا تھا جس سے تم کو درد محسوس ہوتا تھا اور اس یہودی کے دم کردینے پر وہ چبھونا بند کردیتا تھا جس سے تمکو آرام محسوس ہوتا تھا اس کا یہ سارا عمل تمہارا عقیدہ بگاڑنے کے لیے تھا۔معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو بیمار کرسکتا ہے،قرآن کریم فرماتاہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"جب سانپ بچھو بلکہ زہریلی دوائیں آدمی کو بیمار کرسکتی ہیں تو اگر شیطان بیمار کرے تو کیا بعید ہے،یہ سب کچھ رب تعالٰی کے اذن اس کے ارادے سے ہے۔

۷؎ یعنی حقیقی شافی الامراض تو ہی ہے جو مخلوق کو شفا بخشے وہ تیری عطا تیرے کرم سے ہے لہذا شافی الناس تو ہی ہے۔

۸؎ یہ دعا بہت اسنادوں سے بہت محدثین نے نقل فرمائی اور بہت ہی مجرب ہے علماء نے اسے بہت امراض میں مفید پایا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا یہ شیطانی کاموں سے ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ نشرۃ نون کے پیش سین کے سکون سے ایک خاص منتر کا نام ہے جو مجنون کے شفاء کے لیے کیا جاتا ہے یہ جادو کی ایک قسم ہے۔ نشر بمعنی پھیلنا اس سے ہے انتشار،چونکہ یہ عمل جنات شیاطین کے پھیلنے کی بناء پر ہوتا ہے اس کو نشرہ کہا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی یہ عمل وہ ہے جسے جاہلیت کے لوگ اپنے کاہنوں ساحروں کی تعلیم سے کیا کرتے تھے اس میں شرکیہ الفاظ ہیں لیکن اگر قرآنی آیات حضور کی بتائی ہوئیں دعاؤں سے عمل کیے جاویں دفع شیطان کے لیے تو جائز ہے۔چنانچہ احمد،حاکم،ابن ماجہ نے بروایت ابی ابن کعب نقل فرمایا کہ ایک بدوی نے اپنے بچے کی دیوانگی کی شکایت کی تو حضور نے اس پر سورۂ فاتحہ شروع بقر مفلحون تک آیۃ الکرسی اور سورۂ بقر کا آخر ی رکوع،سورۂ حشر کی آخری آیات سورۂ جنّ کی آیت "وَ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا"اور سورۂ اخلاص،فلق،ناس پڑھ کر دم فرمایا اسے فورًا ہی آرام ہوگیا،بعض صحابہ نے مجنون پر صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے تین دن تک۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نہیں پرواہ کرتا ان میں سے جو کام کروں کہ میں تریاق پیوں ۲؎ یا تعویذ باندھو ۳؎ یا اپنی طرف سے شعر کہوں ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عمرو واؤ سے ہے یہ ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ بعض نسخوں میں عبداللہ ابن عاص بھی آیا ہے اس نسخے میں شاید کاتب واؤ لکھنا بھول گیا۔(مرقات واشعہ)

۲؎ تریاق یا دریاق ایک مرکب معجون ہے جسے یونانی حکیم ماغنیس نے ایجاد کیا اور اندردماغس نے اس کی تکمیل کی یہ دوا زہر خصوصًا سانپ کے زہر کے لیے بہت مفید ہے۔ تریاق بہت قسم کی ہوتی ہے: بعض قسموں میں سانپ کا گوشت اور شراب شامل کی جاتی ہے یہ قسم حرام بھی ہے نجس بھی اسی ہی کا استعمال حرام ہے وہ ہی یہاں مراد ہے جس تریاق میں ایسی چیزیں نہ ہوں وہ حلال ہے۔بعض نے فرمایا کہ ہر تریاق سے بچے کہ تریاق کا استعمال کرنے والا اللہ پر توکل نہیں رکھتا تریاق کو ہی مؤثر مانتا ہے۔(مرقات)

۳؎ تعویذ سے مراد زمانہ جاہلیت کے تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوتے تھے ان کا بنانا استعمال کرنا سب حرام ہے۔

۴؎ شعر سے مراد زمانہ جاہلیت کے اشعار ہیں جن کے مضامین فحش وبے حیائی کے ہوتے تھے۔اپنی طرف سے فرمانے کی قید اس لیے لگائی گئی کہ کسی اور کے بنائے ہوئے اشعار پڑھنا یا سیکھنا برا نہیں اگرچہ اشعار برے ہوں کیونکہ ان سے علوم میں بڑی مدد ملتی ہے آج دیوان متنبّی دیوان حماسہ وغیرہ درس میں داخل ہیں اگرچہ ان کے مضامین گندے ہیں غرضکہ ان تینوں فرمانوں میں تفصیل ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدًا شعر کبھی نہ کہا ہاں کبھی بغیر قصد شعر آپ سے صادر ہوئے جیسے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب ہاں لبید وغیرہ کے

اشعار سنے ہیں ان کی تعریف بھی فرمائی ہے حضور نے شعر گا کر ترنم سے کبھی نہ پڑھا اسکی بحث ہماری تفسیر "وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ" کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو داغ لگائے یا جھاڑ پھونک کرے وہ توکل سے دور ہوگیا[1](احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

[1] یعنی اگرچہ داغ لگانا دم کرنا جائز ہے مگر متوکلین کی شان سے بعید ہے۔خیال رہے کہ زمانہ جاہلیت میں داغ اور دم کو دفع مرض کے لیے مستقل علت مانا جاتا تھا اس لیے حضور انور نے اس کو توکل کے خلاف قرار دیا۔دواؤں کے متعلق یہ عقیدہ کسی کا نہ تھااس لیے دوا خلاف توکل نہیں اسی لیے حضور انور نے متوکلین کی صفت میں داغ نہ کرنا،رقیہ نہ کرنا بیان فرمایا دوا نہ کرنے کا ذکر نہ کیا۔

روایت ہے عیسیٰ ابن حمزہ سے فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن عکیم کے پاس گیا[1]انہیں سرخی تھی [2]تو میں نے کہا کہ آپ تعویذ کیوں نہیں باندھتے تو فرمایا کہ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی چیز لٹکائے(باندھے)تو اس کی طرف سونپ دیا جاتا ہے [3](ابوداؤد)	

[1] عیسیٰ ابن حمزہ تابعی ہیں،عبداللہ ابن عکیم کی صحابیت میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ وہ بھی تابعی ہیں انہوں نے حضور کا زمانہ پایامگرزیارت نہ کی ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔یہاں مرقات نےفرمایا کہ ان کا نام عیسیٰ ابن عبدالرحمٰن ابن یعلیٰ ہے یا عیسیٰ ابن یونس ابن اسحاق عیسیٰ بڑے متقی تھے،ایک سال حج کرتے تھے اور ایک سال جہاد،ے۱۸اھ ایک سوستاسی میں وفات پائی۔(مرقات)

[2] حمرہ وہ بیماری ہے جس میں چہرہ اور جسم پر سرخ دھبے پڑ جاتے ہیں اسے پنجابی میں قین کہتے ہیں اس بیماری میں بہت قسم کے دم کیے جاتے ہیں۔

[3] یعنی اگرچہ یہ کام جائز تو ہیں مگر عمل کے خلاف ہیں اس لیے ان سے بچنا بہتر ہےیہ ایسا ہی ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی حکومت کا طلبگار ہوکر اسے حاصل کرے تو وہ حکومت اس کے سپرد کردی جاوے گی اورجو مجبورًا حاکم بنادیا جاوے تو اس کی مدد کی جاوے گی۔(مرقات)ہم ابھی دواؤں اور دم میں فرق بیان کرچکے ہیں کہ دوا علاج میں توکل کیوں قائم رہتا ہے اور اس دم وغیرہ میں کیوں جاتا رہتا ہے۔

روایت ہے عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے جھاڑ پھونک مگر نظر سے یا ڈنک سے [1](احمد،ترمذی،ابوداؤد)اسے ابن ماجہ نے بریدہ	

سے روایت کیا۔	

۱؎یعنی نظر بد اور زہریلے جانوروں کے کاٹ لینے میں دم جھاڑ پھونک بہت زیادہ مفید ہے اتنی اور بیماریوں میں مفید نہیں،یہ مطلب نہیں کہ دوسری بیماریوں میں جھاڑ پھونک جائز نہیں جیسے کہا جاتا ہے لا فتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار یا یہ مطلب ہے کہ نظر بد اور زہر جلد بیمار کردیتے ہیں اس لیے ان میں دوا کا انتظار نہ کرو اس پر جلد جھاڑ پھونک کرو۔(مرقات)ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بیماریوں میں دم کیا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے جھاڑ پھونک مگر نظر سے یا ڈنگ سے یا خون سے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یہاں خون سے مراد نکسیر کا خون ہے اس میں بہت قسم کے جھاڑ پھونک کیے جاتے ہیں جو لوگوں میں مشہور ہیں۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے ۱؎انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ جعفر کی اولاد کو نظر جلد لگ جاتی ہے ۲؎تو میں ان کو دم کردوں فرمایا ہاں۳؎کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ جاتی ہوتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے ۴؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎آپ کے حالات ابھی کچھ پہلے بیان کیے گئے۔جب آپ نے یہ سوال کیا ہے تب آپ حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں۔(اشعۃاللمعات)حضرت جعفر طیار کی کچھ اولاد آپ سے تھی اور کچھ اولاد دوسری زوجہ سے ان سب کے متعلق آپ نے یہ سوال فرمایا۔

۲؎کیونکہ یہ بچے ظاہری باطنی خوبیوں والے ہیں اس لیے لوگ انہیں تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ بچے نظر کی وجہ سے بیمار ہوجاتے ہیں،نظر کا اثر زہر سے زیادہ تیز اور سخت ہوتا ہے اس لیے یسرع فرمانا بالکل درست ہے۔

۳؎غالبًا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نظر کا دم سیکھا ہوگا اس کی اجازت چاہ رہی ہیں جو عطا ہوگئی۔

۴؎یعنی نظر بد بڑی مؤثر ہوتی ہے اگرکسی چیز سے تقدیر پلٹ جاتی تو نظر سے پلٹ جاتی۔خیال رہے کہ غصہ کی نظر منظور میں ڈر پیدا کردیتی ہے،محبت کی نظر خوشی اسی طرح تعجب کی نظر بیماری پیدا کرسکتی ہے رب تعالٰی جس چیز میں چاہے تاثیر خاص پیدا فرمادے وہ قادر مطلق ہے،اگر حائضہ عورت دودھ کے برتن میں ہاتھ ڈال دے تو دودھ خراب ہوجاتا ہے وہ ہی عورت پاک ہوکر ہاتھ ڈالے تو نہیں بگڑتا پھرجیسے بری نظر پر اثر پیدا کرتی ہے یوں ہی صالحین مقبولین کی رحمت کی نظر منظور میں انقلاب پیدا کردیتی ہے،نظر بد بیماریاں پیدا کرتی ہے تو نظر خوب بیماریاں دورکرتی ہے،شیطان نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا انظرنی مجھے مہلت دے اگر کہتا انظرانی مجھے نظر رحمت سے دیکھ لے تو اس کا بیڑا پار ہوجاتا۔(مرقات)ایک شخص نے کہا کہ میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا کسی میں کچھ نہیں

ہے،دوسرے نے کہا کہ مگر کسی نے تجھے نہ دیکھا اگر کوئی نظر والا تجھے دیکھ لیتا تو تیرا یہ حال نہ ہوتا غرضکہ نظر بڑی چیز ہے کوئی نظر خانہ خراب کردیتی ہے کوئی نظر خراب کو آباد کردیتی ہے۔شعر

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اٹھے تو بجلی پناہ مانگے گرے تو خانہ خراب کردے

روایت ہے شفاء بنت عبداللہ سے ۱ـ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ میں حفصہ کے پاس تھی تو فرمایا کہ تم انہیں نملہ کا دم کیوں نہیں سکھاتیں ۲ـ جیسے تم نے انہیں لکھنا سکھایا ۳ـ (ابوداؤد)	

۱ـ آپ کا نام لیلیٰ ہے،شفاء لقب قرشیہ عدویہ ہیں،مہاجرین اولین میں سے ہیں،بڑی عاملہ عاقلہ بی بی تھیں،اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاں دوپہر کا آرام فرماتے تھے حتی کہ آپ نے حضور کے لیے ایک بستر علیحدہ رکھا تھا۔(مرقات و اشعہ)

۲ـ نملہ باریک دانے ہوتے ہیں جو بیمار کی پسلیوں پر نمودار ہوتے ہیں جس سے مریض کو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے اسے تمام جسم پر چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوتی ہیں اس لیے اسے نملہ کہتے ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ اس کا نام موتی جھرہ ہے مگر یہ درست نہیں کہ موتی جھرہ تمام جسم پر ہوتا ہے حضرت شفاء مکہ معظّمہ میں اس مرض کا بہترین دم کرتی تھیں آپ وہاں اس دم کی وجہ سے مشہور تھیں اس دم کے الفاظ مرقات نے یہاں بیان کیے آخری عبارت اس کی یہ ہے "العروس تنتعل وتخضب تكتحل وكل شيئ تفتعل غير انها لاتعص الرجل" یعنی دلہن جوتے پہنے،خضاب لگائے،سرمہ لگائے،سب کچھ کرے خاوند کی نافرمانی نہ کرے۔بی بی حفصہ نے حضور کا ایک راز ظاہر فرمادیا تھا اس لیے فرمایا کہ انہیں نملہ کا دم سکھاؤ جس میں خاوند کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

۳ـ یعنی تم نے جناب حفصہ تو لکھنا تو سکھادیا جو عورتوں کے لیے بہتر نہیں اور نملہ کا دم نہ سکھایا جو فائدہ مند ہے لہذا اس حدیث سے عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینے کی اجازت نہیں عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینا مکروہ ہے خصوصًا اس زمانہ میں جب کہ عورتوں کی آزادی حد سے بڑھ چکی ہے،اس کی ممانعت صریحی حدیث میں وارد ہے لاتعلموهن بالكتابة عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ،بعض شارحین نے فرمایا کہ عوام عورتوں کو یہ تعلیم ممنوع ہے ازواج مطہرات کے لیے جائز تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقات اشعہ)

روایت ہے ابو امامہ ابن سہل ابن حنیف سے ۱ـ فرماتے ہیں کہ عامر ابن ربیعہ نے سہل ابن حنیف کو دیکھا ۲ـ جو نہا رہے تھے تو بولے اللہ کی قسم میں نے آج کا سا دن دیکھا نہ ایسی محفوظ کھالی ۳ـ فرماتے ہیں کہ فورًا سہل گر گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں	

حاضری دی گئی تو عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا حضور کو سہل ابن حنیف کے علاج میں رغبت ہے خدا کی قسم وہ تو اپنا سر بھی نہیں اٹھاتے ۴ تو فرمایا کیا تم انکے متعلق کسی پر شبہ کرتے ہو بولے ہم عامر ابن ربیعہ پر شبہ کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کو بلایاان پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے تم نے دعاء برکت کیوں نہ کی ۵ اچھا اب ان کے لیے دھوؤ ۶ چنانچہ عامر نے ان کے لیے اپنا منہ اور ہاتھ کہنیاں اور گھٹنے اور اپنے پاؤں کے کنارے اور تہند کا داخلی حصہ ۷ ایک پیالہ میں دھویا پھر اس پر ڈالا گیا چنانچہ وہ لوگوں کے ساتھ چل دیا اسے کوئی تکلیف نہ تھی ۸ (شرح) اسے مالک نے بھی روایت کیااور ان کی روایت میں ہے کہ فرمایا نظر حق ہے تم اس کے لیے وضو کرو انہوں نے وضو کیا ۹	

۱ آپ کا نام سعد ابن سہل ہے،کنیت ابوامامہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اسی لیے صحابی نہیں تابعی ہیں،اپنے والد سہل اور ابوسعید خدری سے روایات کرتے ہیں، بانوے سال عمر ہوئی، ۱۰۰ھ ہجری میں وفات ہوئی۔

۲ حضرت عامر دو ہجرتوں والے صحابی ہیں، بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے، حضرت عمر سے پہلے اسلام لائے، ۳۲ھ میں وفات پائی اور سہل ابن حنیف انصاری اوسی ہیں بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے، بعد میں حضرت علی کے ساتھ رہے، کوفہ میں ۳۸ھ اڑتیس میں وفات ہوئی،حضرت علی نے آپ کو پہلے مدینہ منورہ کا پھر فارس کا حاکم بنایا۔

۳ مخبأة بنا ہے خبأء سے بمعنی خیمہ و پردہ مخبأة کنواری پردہ نشین لڑکی کو کہتے ہیں اب بمعنی محفوظ استعمال ہوتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے،حضرت سہل بہت خوبصورت نازک اندام تھے یعنی کیسی چکنی کھال ہے جس سے بدن کی ہڈیاں چھپی ہوتی ہیں جیسے دیوار پر لیس یا سیمنٹ کا پلستر اس سے کھال کی نرمی اور تندرستی مراد ہے۔کہا تعجب سے جس سے نظر لگ گئی۔

۴ یعنی حضرت سہل کو نظر لگ گئی جس سے وہ بے ہوش ہوگئے۔

۵ یعنی نظر لگانا نہ لگانا خود نظر والے کے اختیار میں ہے اگر کسی پسندیدہ چیز کو دیکھ کر ماشاءاللہ یا بارك الله کہہ دے تو نظر نہیں لگتی اگر ان کلمات کے بغیر ہی تعجب سے دیکھے اور تعجب کے الفاظ بولے تو نظر لگ جاتی ہے۔

۶ یعنی اپنی نظر کا اثر دور کرنے کے لیے اپنا چہرہ اپنے ہاتھ اور کہنیاں،گھٹنے،پاؤں دھوکر پانی دو تاکہ ان پر چھڑکا جاوے جیساکہ آگے آرہا ہے۔

۷؎ تہبند کے داخلی حصہ میں تین احتمال ہیں: یا تو خود تہبند کا پلو مراد ہے جو جسم سے متصل ہو یا نظر والے کی ران و سرین مراد ہیں یا اعضاء تناسل اسی طرح کہ اس سے استنجاء بھی کرایا گیا اور پھر یہ پانی منظور پر چھڑکا گیا۔
۸؎ یہ نظر اتارنے کا ایک ٹوٹکہ ہے۔معلوم ہوا کہ نظر کے لیے جائز ٹوٹکے کرنا درست ہے۔یہاں مرقات نے نظر اتارنے کے بہت ٹوٹکے بیان فرمائے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نظر والے کو اعضاء بدن دھوکر دینا واجب ہے جب کہ اس سے یہ مطالبہ ہو کیونکہ یہ دفع نقصان کا ذریعہ ہےجب کہ کچا لہسن،کچی پیاز کھا کر مسجد میں آنا منع ہے تاکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ بھی ضروری ہے۔قاضی عیاض نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی نظر بہت تیز ہوتی ہے مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے بلکہ ایسے لوگوں کو حاکم مجمعوں میں جانے سے روک سکتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کوڑھی کو مجمعوں میں جانے سے روکا تھاپھر خلفاء نے یہ عمل جاری فرمایا۔(مرقات)
۹؎ یعنی نظر والے کو وضو کا حکم دیا پھر وضو کا غسالہ منظورپر چھینٹا مار دیا۔خیال رہے کہ جب دواؤں کی تاثیر میں ہماری عقل کام نہیں کرتی تو ان ٹوٹکوں میں کام نہ کرے گی لہذا ان اعمال پر اعتراض کرنا بے جا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگتے تھے حتی کہ سورۂ فلق و ناس نازل ہوئی۱؎ پھر جب یہ نازل ہوئیں تو ان کو لے لیاان کے ماسوا کو چھوڑ دیا۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی غریب بھی۔	

۱؎ یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس نازل ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کی نظر سے بچنے کے لیے مختلف دعائیں پڑھتے تھےمثلًا **اعوذ باللّٰہ من الجان** وغیرہ یا **اعوذ باللّٰہ من عین الانسان الحاسد**۔
۲؎ یعنی دیگر دعاؤں کی کثرت چھوڑ دی زیادہ تر سورۂ فلق و ناس ہی سے عمل فرمایا،یہ مطلب نہیں کہ بالکل چھوڑدیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا تم میں مغرب کے لوگ دیکھے گئے ہیں ۱؎ میں نے عرض کیا مغرب کیا چیز ہے فرمایا وہ جن میں جنات شریک ہو جاویں ۲؎(ابوداؤد)اور حضرت ابن عباس کی حدیث **خیر ما تداویتم** کنگھی کرنے کے باب میں ذکر کردی گئی ۳؎	

۱؎ مغرب بنا ہے **تغریب** سے بمعنی دورکردینا اسی لیے جلا وطن کرنے کو تغریب کہتے ہیں یہاں مراد ہے رحمت الٰہی سے دور۔
۲؎ اسی طرح کہ ان کے ماں باپ بغیر **بسم اللہ** صحبت کریں جس کی وجہ سے شیطان بھی صحبت میں شریک ہوجائے اس صحبت سے جو بچہ پیدا ہو وہ شکلًا انسان سیرۃً شیطان ہوتا ہے،اس کی نظر بہت سخت بے ادب بدتمیز جیساکہ آج

کل عموماً دیکھا جارہا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوٰلِ وَ الْاَوْلٰدِ" ہمارے بعض بچوں کا یہ حال ہے کہ جنے گئے سینما میں،پلے بڑھے کالج میں،رہے ہوٹلوں میں،مرے ہسپتال میں اللہ اس زندگی سے بچائے۔حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ صحبت کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو بسم اللّٰہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا اس کی نفیس بحث یہاں مرقات میں ملاحظہ کرو بہت نفیس تحقیق کی ہے۔

۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے باب الترجل میں بیان کی مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کی طرف آتی ہیں۱؎ تو جب معدہ درست ہو تو رگیں تندرستی کے ساتھ لوٹتی ہیں۲؎ اور جب معدہ خراب ہو تو بیماری سے لوٹتی ہیں۳؎

۱؎ حوض سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں درخت کی جڑ قائم ہوتی ہے اس پر درخت کی بقاء ہے یوں ہی معدہ پر جسم کی بقاء ہے۔

۲؎ یعنی معدے سے رگیں دوسرے اعضاء کی طرف اچھی رطوبتیں اور صالح غذا لے کر چلتی ہیں جس سے صحت اچھی ہوتی ہے۔

۳؎ یہ حدیث علم طب کی اصل ہے کہ اگر معدہ درست ہے تو تمام جسم درست ہے اگر معدہ خراب ہے تو سارا جسم بیمار۔اس حدیث میں معدہ کو درخت کے حوض سے تشبیہ دی گئی ہے اور بدن کو درخت سے اور بدن کی رگوں کو درخت کی ان رگوں سے جو جڑ سے چلتی ہیں اور شاخ شاخ پتے پتے میں جڑ کا رس پہنچاتی ہے،یہ ہی حال ہماری روحانیت کا ہے حرام اعمال حاصل ہوتے ہیں،اسی لیے رب نے فرمایا:"كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صٰلِحًا"۔حضور فرماتے ہیں کہ جو گوشت حرام غذا سے بنے گا دوزخ کی آگ اسے جلد جلائے گی بہرحال طب نبوی بہت جامع ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ اس درمیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تو بچھو نے کاٹ لیا۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتہ شریف سے

اسے مارا حتی کہ اسے قتل کردیا پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا اللہ بچھو پر لعنت کرے نمازی غیر نمازی نبی غیر نبی کسی کو نہیں چھوڑتا ۲؎ پھر نمک اور پانی منگایا پھر اسے برتن میں ڈالا پھر اسے اپنی انگلی پر ڈالنے لگے جہاں بچھو نے کاٹا تھا اسے پونچھنے لگے اور اس پر فلق و ناس سے دم کرنے لگے ۳؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ آپ کی بائیں ہاتھ کی انگلی شریف میں کاٹ لیا جسم نبی پر زہر،ڈنگ تلوار اثر کرسکتی ہے یہ واردات بشریت پر وارد ہوتی ہے۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ اسے مار کر فرمایا کہ بچھو موذی ہے اسے حل و حرم ہر جگہ مار دو۔موذی وہ جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کردے لہذا کھٹمل جوں موذی نہیں کہ انسان کو کاٹتی ہے مگر اپنا پیٹ بھرنے کے لیے۔

۳؎ یہ ہے دوا اور دعا کا اجتماع نمک و پانی بھڑ(تنبوڑی)اور بچھو وغیرہ کے کاٹے کے لیے بہت مفید ہے۔ **یمسحھا** سے معلوم ہوا کہ دم کرتے وقت بیماری کی جگہ پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے،بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مریض پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم فرماتے تھے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے گھر والوں نے ام سلمہ کے پاس پانی کا پیالہ دے کر بھیجا اور جب کسی آدمی کو نظریا کوئی شے لگ جاتی تو ان کے پاس لگن بھیجتے تھے ۲؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال نکالتیں انہوں نے حضور کا بال چاندی کی کپی میں رکھا ہوا تھا آپ اس کے لیے وہ بال ہلادیتیں ۳؎ اس سے انہوں نے پیا فرماتے ہیں میں نے کپی میں جھانکا تو چند سرخ بال دیکھے ۴؎(بخاری)	

۱؎ یہ عثمان تابعی ہیں،تیمی ہیں،حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں،بڑے ثقہ اور عالم ہیں۔

۲؎ یعنی اہلِ مدینہ کو جب کوئی بیماری یا نظر بد یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو وہ کسی ایسے برتن میں جس میں کپڑے دھوئے جاتے تھے پانی بھیج دیتے اور حضرت ام المؤمنین ام سلمہ وہ عمل فرماتیں ہیں جس کا ذکر ابھی ہورہا ہے۔

۳؎ جلجل لغت میں اس گھنگرو کو کہتے ہیں جو جانوروں کے گلوں میں ڈالے جاتے ہیں یہاں مراد کپی ہے کہ وہ بھی اسی شکل کی ہوتی ہے۔غالبًا آپ وہ بال شریف مع اس کپی کے پانی میں گھول دیتی تھیں لوگ وہ پانی پیتے اور شفا پاتے۔

۴؎ بال کی یہ سرخی خضاب کی نہ تھی بلکہ وہ بال خوشبوؤں میں رکھے گئے تھے یہ رنگ اسی خوشبو کا تھا اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے: ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام حضور کے بال شریف برکت کے لیے اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔دوسرے یہ کہ اس بال شریف کا بہت ہی ادب و احترام کرتے تھے کہ اس کے لیے خاص کپی(ڈبی) یا پونگی بناتے اس میں خوشبو بساتے تھے کیونکہ یہ رنگت خوشبو کی تھی نہ کہ خضاب کی۔ تیسرے یہ کہ صحابہ کرام حضور کے بال شریف کودافع بلا باعث شفا سمجھے تھے کہ انہیں پانی میں غسل دے کر شفاء کے لیے پیتے تھے کیوں نہ ہو کہ جب یوسف علیہ السلام کی قمیض دافع بلا ہوسکتی ہے جیساکہ قرآن کریم فرمارہاہے:"اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ"الخ تو حضور انور کے بال شریف بدرجہ اولیٰ دافع بلا ہو سکتے ہیں۔چوتھے یہ کہ صحابہ کرام حضور کے بال شریف کی زیارت کرنے جاتے تھے جیساکہ روایت سے معلوم ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے ۱؎ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی من سے ہے ۲؎ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے ۳؎ اور عجوہ جنت سے ہے اور وہ زہر سے شفا ہے ۴؎ ابوہریرہ نے فرمایا کہ پھر میں نے تین یا چار یا پانچ یا سات کھمبیاں لیں انہیں نچوڑا اور ان کا پانی ایک شیشی میں ڈال لیا ایک ضیف البصر ۵؎ لونڈی کی آنکھ میں اس کا سرمہ لگایا وہ اچھی ہوگئی ۶؎ (ترمذی)اور فرمایایہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ کمات کا اردو ترجمہ ہے کھمبی جو برسات میں بھیگی لکڑی سے چھتری کی طرح نکلتی ہے اسے سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں۔ان کا مطلب یہ تھا کہ جیسے چیچک انسان کی کھال کے نیچے سے ردی بلغمی فضلات سے نمودار ہوتی ہے ایسے ہی کھمبی زمین کے نیچے سے نمودار ہوتی ہے یہ بھی زمین کی بیماری ہے۔

۲؎ یعنی جیسے بنی اسرائیل پر من اترا تھا بغیر مشقت نہایت لذیذومفید کھانا ایسے ہی یہ کھمبی بغیر مشقت ہم کو مل جاتی ہے بغیر محنت و مشقت سے بہت نافع اس کی شرح پہلے گزر چکی۔کھمبی دو قسم کی ہے۔ایک چھتری نما اور ایک مولی کی طرح لمبی یہاں دوسری قسم مراد ہے۔

۳؎ آنکھ کی گرمی دفع کرنے کے لیے صرف یہ پانی مفید ہے،دوسرے چشمی امراض میں یہ پانی سرمہ میں ڈال کر یا دوسری دواؤں میں ملاکر مفید ہے بعض امراض میں نقصان دہ لہٰذا اس کا استعمال طبیب کی رائے سے کرنا چاہیے۔غالبًا اہل عرب کی آنکھ کی بیماریاں عمومًا ایسی ہوتی ہوں گی جن میں یہ پانی مفید ہو۔(مرقات)اور اشعۃ اللمعات میں ہے کہ

ایک بزرگ نابینا ہوگئے تھے انہوں نے اعتقاد سے یہ پانی استعمال کیا انہیں گئی ہوئی روشنی ملی ان کا نام ابن کمال دمشقی ہے۔

۴؎ یعنی عجوہ کھجوریں جنت سے آئی ہیں اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کو صبح شام کھانے والا زہر کے اثر سے محفوظ رہتا ہے یعنی اس پر زہر اثر نہیں کرتا،اس کی شرح بھی پہلے کی جاچکی ہے وہاں مطالعہ فرمانا چاہیے۔

۵؎ **عمشاء** مؤنث ہے **اعمش** کی **اعمش** وہ شخص ہے جو ضعیف البصر ہو۔اس کی آنکھوں سے پانی جاری ہو۔ یہاں تین یا پانچ یا سات فرمانا کسی راوی کے شک سے ہے ابوہریرہ کی طرف سے شک نہیں۔

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ خالص پانی ہی لگایا گیا۔اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث تجربہ سے بھی قوی ہے حدیث کو قوت بہت وجہ سے حاصل ہوتی ہے جن میں سے ایک وجہ تجربہ بھی ہے یہاں اسی کا ذکر ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔گویا یہ حضور انور کا فرمان ہے اور ایک صحابی کا تجربہ لہذا حدیث بہت قوی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مہینہ میں جو شخص تین صبح شہد چاٹ لیا کرے تو اسے بڑی بلا نہ پہنچے گی ۱؎

۱؎ یعنی شہد کے اس طرح استعمال سے چھوٹی بیماریاں تو کیا شی ہیں بڑی بیماریاں بھی نہیں لگتیں۔احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کو ایک پیالہ شہد کا شربت پیا کرتے تھے۔شارحین کہتے ہیں کہ شہد کے شربت میں ایسی تاثیریں ہیں جن سے بڑے بڑے اطباء بھی ناواقف ہیں،بلغمی بیماریوں کے لیے شہد بہت مفید ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شفائیں اختیار کرو شہد اور قرآن۱؎ ان دونوں حدیثوں کو ابن ماجہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا صحیح یہ ہے کہ آخری حدیث حضرت ابن مسعود پر موقوف ہے۔

۱؎ یعنی دنیاوی و دینی بلاؤں سے شفاء یا ظاہری امراض سے،ظاہری و باطنی شفا شہد اور قرآن ہے ان دونوں کا شفا ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے،شہد کے متعلق فرمان الٰہی ہے"**فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ**" قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے:"**وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ**"اور فرماتا ہے:"**وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ**"یعنی بیماریوں میں شہد بھی استعمال کرو اور قرآنی آیات بھی دم کرواگر شہد پر آیات دم کرکے کھایا جاوے تو سبحان اللہ نور پر نور ہے۔

	روایت ہے ابوکبشہ انماری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کھوپڑی پر زہریلی بکری کی وجہ سے فصد

	کروائی ۱؎ معمر کہتے ہیں ۲؎ کہ پھر میں نے بغیر زہر کے اسی طرح اپنی کھوپڑی میں فصد کرالی تو میرے حافظہ کی عمدگی جاتی رہی حتی کہ مجھے نماز میں سورۂ فاتحہ بتائی جانے لگی ۳؎(رزین)

۱؎ خیبر میں ایک یہودیہ نے بکری کے گوشت میں حضور انور کو زہر دیا زہر بہت سخت تھا یہ گوشت بشر ابن براہ ابن معرور نے بھی کھایا وہ وہاں ہی وفات پا گئے،یہ فقیر ان کی قبر انور پر حاضر ہوا جو خیبر میں ہے۔حضور نے حکم دیا تو وہ گوشت جلاکر دفن کردیا گیا اور حضور انور نے اس یہودیہ کو معافی دے دی یہاں وہ واقعہ بیان ہورہا ہے حضور انور نے اس زہر کا اثر دفع کرنے کیلئے فصد لی۔

۲؎ معمر اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں،آپ کا نام معمر ابن راشد ہے،کنیت ابو عروہ ہے،ازدی ہیں،یمن کے بڑے عالم ہیں،اٹھاون سال عمر ہوئی، ۵۳ ؁ء ترپن میں وفات پائی،تابعین میں سے ہیں،دس ہزار حدیثیں آپ کو حفظ تھیں۔(مرقات)

۳؎ اس سے مقصود ہے حافظہ کی انتہائی خرابی کا بیان۔خیال رہے کہ حضرت معمر نے بلا ضرورت اور بے وقت بے موقعہ سر سے بہت خون نکلوادیا اس لیے آپ کو یہ مرض لاحق ہوا اور وہ بھی عارضی تھا پھر صحت ہوگئی ورنہ حدیث شریف میں ہے کہ سر میں فصد لینے میں سات بیماریوں سے شفا ہے:سر درد،جنون،جذام،برص،زیادہ نیند،درد داڑھ،آنکھ تلے اندھیرا ہوجانا مگر یہ فوائد جب ہیں جب ضرورۃً اور صحیح وقت میں فصد لے اس لیے فصد کسی قابل طبیب کی رائے سے لینا چاہیے ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں فرمایا ابن عمر نے اے نافع میرا خون کھولتا ہے تو فصد والے کو میرے پاس لاؤ مگر جوان آدمی اختیار کرنا نہ بڈھا لینا اور نہ بچہ ۱؎ فرماتے ہیں کہ ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فصد نہار منہ پر اچھی ہے ۲؎ وہ عقل میں اضافہ حفظ میں زیادتی کرتی ہے اور حافظ کا حافظہ بڑھاتی ہے ۳؎ جو فصد کرانا چاہے وہ اللہ کے نام پر جمعرات کے دن کرائے اور جمعہ،ہفتہ،اتوار کے دن فصد سے بچو ۴؎ پیر اور منگل کے دن فصد لو اور بدھ کے دن فصد سے بچو کہ یہ ہی وہ دن ہے جس میں ایوب علیہ السلام بلا میں مبتلا کیے گئے ۵؎ اور کوڑھ اور سفید داغ نہیں شروع ہوتے مگر یا بدھ کے دن یا بدھ کی رات میں ۶؎(ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ بڈھا اور بچہ کمزور ہوتے ہیں وہ فصد کا خون قوت سے نہیں کھینچ سکتے اس لیے جوان اور قوی آدمی سے فصد کھلوائی جاوے۔خیال رہے کہ بڈھا کا تجربہ زیادہ ہوتا ہے طاقت کم اور بچہ میں طاقت بھی کم تجربہ بھی کم،جوان میں اگرچہ تجربہ قدرے کم ہوتا ہے مگر طاقت زیادہ اس لیے آپریشن وغیرہ کے لیے جوان طبیب کو ڈھونڈو بڈھے کے بھی ہاتھ کانپ جاتے ہیں جس سے نشتر کہیں کا کہیں لگ جاتا ہے اس لیے جوان بہتر۔

۲؎ یعنی جب بھی فصد لو تو بغیر کھائے پیئے لو نہار منہ باسی منہ۔ہم نے دیکھا کہ آپریشن سے پہلے مریض کو فاقہ کراتے ہیں بلکہ کچھ گھنٹے پہلے اس کا انیمہ کرکے پیٹ صاف کردیتے ہیں پھر آپریشن کرتے ہیں تاکہ ہرے زخم پر پیشاب پاخانہ نہ ہو قے وغیرہ نہ آئے آج کل کے ڈاکٹری و طبّی اصول احادیث سے مستنبط ہیں۔

۳؎ نہار منہ فصد یا مطلقًا فصد کے یہ فوائد ہیں،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے بشرطیکہ ضرورۃً استعمال کی جاوے۔

۴؎ کیونکہ یہ دن فصد کے لیے اچھے نہیں اللہ تعالٰی نے بعضے دنوں میں بعض خصوصیات رکھی ہیں اس کی حکمتیں وہ ہی جانتا ہے۔ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ آٹھ،اٹھارہ،اٹھائیس،اور تین،تیرہ،تئیس تاریخوں میں نکاح نہ کرے یہ تاریخیں نکاح کے لیے اچھی نہیں۔علامہ شامی نے لکھا کہ بدھ کے دن بیمار پرسی نہ کرے کہ لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

۵؎ ایوب علیہ السلام نے بدھ کے دن فصد لی تو آپ پر بیماری مسلط ہوئی یا بدھ کے دن آپ کی بیماری کی ابتداء ہوئی۔معلوم ہوا کہ بدھ کا دن عتاب کا دن ہے بلکہ بعض قوموں پر بدھ کے دن عذاب آیا لہذا یہ دن کفار پر عذاب کا بھی ہے اور منحوس ہے،رب تعالٰی بدھ کے متعلق فرماتا ہے:"یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ"۔اس سے ثابت ہوا کہ عتاب وعذاب کا دن دائمی منحوس ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ رحمت کا دن دائمی مبارک ہو لہذا پیر کا دن بڑا ہی مبارک ہے کہ حضور انور کی ولادت کا دن ہے۔

۶؎ اس سے پتہ لگا کہ بدھ کے دن کی نحوست دائمی ہے،بعض روایات میں ہے کہ پیر کے دن ایوب علیہ السلام کو شفا عطا ہوئی۔

روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہینہ کی سترہ تاریخ منگل کے دن فصد لینا سال بھر کی بیماری کی دوا ہے ۱؎ اسے حرب ابن اسمٰعیل کرمانی نے جو احمد کے ساتھیوں سے ہیں روایت کیا اور اس کی اسناد ایسی قوی نہیں یوں ہی منتقٰی میں ہے۔	

۱؎ یعنی اگر چاند کی سترہ تاریخ کو منگل کا دن ہو تو اس دن فصد لینا ایک سال تک متعلقہ بیماریوں کا علاج ہے۔جن احادیث میں ہے کہ منگل کے دن فصد نہ لو کہ اس میں ایک ساعت خون کی ہے کہ اس وقت کا خون بہا ہوا بند نہیں ہوتا اس سے وہ منگل مراد ہے جو سترھویں تاریخ کے علاوہ ہو لہذا احادیث میں تعارض نہیں یہ حدیث مختلف الفاظ سے منقول ہے۔

اور رزین نے اس کی مثل ابوہریرہ سے روایت کیا ۱؎ ہے۔	

۱؎محدثین کی اصطلاح میں بذالك سے مراد ہوتا ہے قوی یا صحیح منتقٰی ابن جارود کی کتاب ہے فن حدیث میں۔

باب الفال و الطیرة

فال اور بدفال لینے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ محاورہ عرب میں **فال** ہر اچھی بری شگون کو کہتے ہیں اور **طیرہ** عمومًا بدفالی کو کہا جاتا ہے۔طیرہ بمعنی **تطیر** ہے جیسے **خیرۃ** اور **تحیرا** اس کے لفظی معنی ہیں اڑانا۔اہلِ عرب جب کسی کام کو جاتے تو کسی بیٹھے ہوئے پرندے کو اڑاتے اگر داہنی طرف اڑ جاتا تو سمجھتے کہ ہمیں کامیابی ہوگی،اگر بائیں طرف اڑتاتو کہتے کہ ناکامی ہوگی پھر اس کام کو جاتے ہی نہیں،اگر اوپر یا نیچے کی طرف اڑتا تو سمجھتے کہ کام میں دیر لگے گی رکاوٹ ہوگی،پھر اس کا استعمال مطلقًا فال یا بدفالی میں ہوگیا۔یوں ہی اگر شکاری جانور داہنی طرف نظر پڑتا اسے بروج کہتے اور بائیں طرف نظر آنے کو سنوح،بروج سے نیک فال لیتے،سنوح سے بدفالی،سوانح وبوارح سے ممانعت کے یہ ہی معنی ہیں۔خیال رہے کہ نیک فال لینا سنت ہے اس میں اللہ تعالٰی سے امید ہے اور بدفالی لینا ممنوع کہ اس میں رب سے ناامیدی ہے۔امید اچھی ہے ناامیدی بری،ہمیشہ رب سے امید رکھو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بدفالی کچھ نہیں ۱؎ بہترین چیز فال ہے لوگوں نے عرض کیا فال کیا چیز ہے فرمایا وہ اچھا لفظ جسے تم میں کوئی سنے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ غالبًا یہاں طیرہ سے مراد بدفالی لینا ہے خواہ پرندے سے ہو یا چرندہ جانور سے یا کسی اور چیز سے کیونکہ بدفالی مطلقًا ممنوع ہے،قرآن مجید میں **تطیر** اور **طائر** بمعنی بدفالی آیا ہے،رب فرماتاہے:"**قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ**"اور فرماتاہے:"**قَالُوۡا طٰٓئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ**"۔مقصد یہ ہے کہ اسلام میں بدفالی کوئی شیئ نہیں کسی چیز سے بدفالی نہ لو۔

۲؎ جیسے کوئی شخص کسی کام کو جارہا ہے کسی سے آواز آئی اے **نجیح** یا اے برکت یا اے رشیدیہ جانے والا یہ الفاظ سن کر کامیابی کا امیدوار ہوگیا یہ بالکل جائز ہے۔بعض دکاندار صبح کو **یارزاق**،گمشدہ کے متلاشی **یاواجد**،مسافر لوگ **یاسالم**،حاجی و غازی لوگ **یامنصور یامبرور** اور زائر لوگ **یامقبول** سن کر خوش ہو جاتے ہیں یہ سب اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مرض کا اڑکر لگنا ہے ۱؎ نہ پرندہ نہ الو ۲؎ نہ صفر کوئی چیز ہے ۳؎ اور کوڑھی سے ایسے بھاگے جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو ۴؎ (بخاری)	

۱؎ اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ بیماریوں میں عقل و ہوش ہے جو بیمار کے پاس بیٹھے اسے بھی اس مریض کی بیماری لگ جاتی ہے وہ پاس بیٹھنے والے کو جانتی پہچانتی ہے یہاں اسی عقیدے کی تردید ہے۔موجودہ حکیم ڈاکٹر سات بیماریوں کو متعدی مانتے ہیں: جذام،خارش،چیچک،موتی جھرہ ،منہ کی یا بغل کی بو،آشوب چشم،وبائی بیماریاں اس حدیث میں ان سب وہموں کو دفع فرمایا گیا ہے۔(مرقات واشعہ)اس معنی سے مرض کا اڑ کر لگنا باطل ہے مگر یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بیمار کے پاس کی ہوا متعفن ہو اور جس کے جسم میں اس بیماری کا مادہ ہو وہ اس تعفن سے اثر لے کر بیمار ہوجاوے اس معنی سے تعدی ہوسکتی ہے اس بنا پر فرمایا گیا کہ جذامی سے بھاگو لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔غرضکہ عددی یا تعدی اور چیز ہے کسی بیمار کے پاس بیٹھنے سے بیمار ہوجانا کچھ اور چیز ہے۔

۲؎ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ میت کی گلی ہڈیاں الو بن کر آجاتی ہیں اور الو جہاں بول جاوے وہاں ویرانہ ہوجاتا ہے یہ عقیدہ غلط ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جاوے اس کی روح الو کی شکل میں آکر لوگوں سے کہتی ہے **اسقو**،**اسقو** مجھے پانی پلاؤ،یہ سب باطل خیالات ہیں۔

۳؎ **صفر** سے مراد یا تو ماہ صفر ہے جسے اب بھی بعض منحوس جانتے ہیں یا اس سے مراد پیٹ کا درد ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پیٹ کا درد ایک سانپ ہے جو پیٹ میں رہتا ہے اس کا مروڑہ کھانا پیٹ کا درد ہے اس میں ان دونوں خیالات کی تردید ہے۔(مرقات)اس کی اور بہت شرحیں ہیں۔بعض لوگ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشیاں مناتے ہیں کہ منحوس شہر چل دیا یہ بھی باطل ہے۔

۴؎ یہ حکم عوام کے لیے ہے جن کا عقیدہ بگڑ جانے کا خوف ہو کر اگر کوڑھی کے پاس بیٹھنے سے اتفاقًا انہیں بھی کوڑھ ہوجائے تو سمجھیں کہ کوڑھ اڑ کر لگ گئی ان کے لیے کوڑھی سے علیحدگی اچھی ہے،خاص متوکل لوگ جن کے دلوں پر اس سے کوئی اثر نہ پڑے ان کے لیے یہ حکم نہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مرض کا اڑ کر لگنا ہے نہ کوئی چیز ہے اور نہ صفر تو ایک دیہاتی نے عرض کیا یارسول اللہ اونٹ کا کیا حال ہے کہ وہ ریگستان میں ہرن کی طرح ہوتا ہے ۱؎ پھر اس سے خارشی اونٹ ملتا ہے تو اسے خارشی کردیتا ہے ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارشی کردیا ۳؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی جب تک اونٹ ریگستان میں الگ تھلگ رہتا ہے ہرن کی طرح صاف ستھرا بے عیب ہوتا ہے۔

۲؎ مقصد یہ ہے کہ حضور مرض کی تعدی کا انکار فرماتے ہیں مگر تجربہ شاہد ہے کہ تعدی ہوتی ہے مرض اڑکر لگتا ہے ہم نے اپنے اونٹوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

۳؎ یعنی اگر خارش اڑ کر ہی لگتی ہے تو سب سے پہلا خارشی اونٹ جس سے خارش کی ابتدا ہوئی اسے خارش کہاں سے لگی وہاں تو کہنا پڑے گا کہ رب کے حکم سے وہ خارشی ہوا تو آیندہ بقیہ اونٹ بھی اس کے حکم سے خارشی ہوئے اللہ تعالٰی پر نظر رکھو۔یہاں اعدی فرمانا مشاکلت کے لیے ہے جیسے کماتدین تدان یا جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ ورنہ فرمایا جاتا فمن اعطی الاول۔(مرقات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیماری کا اڑکر لگنا ہے نہ الو ہے نہ برج ہے اور نہ صفر ۱؎(مسلم)

۱؎ ان تمام لفظوں کی شرح ابھی ہوچکی۔نوء کے معنی ہیں برج،اس کی جمع ہے انواءٌ،یہ برج اٹھائیس ہیں چاند کی منزلیں اہلِ عرب بلکہ ہندوستان کے مشرکین بھی بارش کو چاند کے اثر سے مانتے ہیں کہ چونکہ چاند فلاں برج میں پہنچا لہذا بارش ہوئی رب کا نام نہیں لیتے اس لیے یہ ارشاد ہوا کہ برج وغیرہ کوئی چیز نہیں بارش محض عطا الٰہی ہے۔شعر

جب آویں برسن کے تاؤ پروا دیکھیں نہ پچھوا باؤ

جب بارش کا وقت آجاتا ہے تو پوربی پچھمی کوئی ہوا ہو بارش ہوجاتی ہے،یوں ہی نیک بختی بدبختی کو ستاروں کے متعلق ماننا جائز نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ تعدی کوئی چیز ہے نہ صفر نہ بھوت ۱؎(مسلم)

۱؎ بعض لوگوں کا خیال تھا اور ہے کہ خبیث لوگوں کی روحیں مرنے کے بعد بھوت بن کر جنگلوں میں پھرتی ہیں اور لوگوں کو ستاتی ہیں یہاں اس کا انکار فرمایا گیا ورنہ بھوت بمعنی سرکش جنات کا ثبوت ہے وہ انسانوں کو ستاتے بھی ہیں۔حدیث شریف میں ہے اذا تغولت الغیلان فبادروا بالاذان جب بھوت سرکشی کریں تو اذان دو،حضرت ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں میرے طاق میں کھجوریں تھیں انہیں بھوت کھا جاتے تھے۔(مرقات)قرآن کریم فرماتاہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ" شیطان اسے چھوکر دیوانہ کردیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شرید سے وہ اپنے والد سے فرمایا انہوں نے کہ ثقیف کے وفد میں ا۱یک کوڑھی آدمی تھا تو اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ ہم نے تجھ کو بیعت کرلیاتو لوٹ جا ۲؎(مسلم)

۱؎ عمرو ابن شرید تابعی ہیں،ان کے والد شرید ابن سوید ثقفی صحابی ہیں،حضر موت کے رہنے والے تھے۔
۲؎ یعنی حضور انور نے اسے اپنے پاس نہ بلایاوہ اپنی منزل ہی میں رہا اسے مصافحہ فرماکر بیعت نہ فرمایا بلکہ دور سے زبانی بیعت کی خبر دے دی۔خیال رہے کہ یہ حدیث عوام مؤمنین کو احتیاط کی تعلیم کے لیے ہے اور حضور انور کا کوڑھی کو اپنے ساتھ کھلانا خواص مؤمنین کو توکل کی تعلیم کے لیے ہے جیسے گرتی ہوئی دیوار ڈوبتی ہوئی کشتی سے علیحدہ رہنا ایمان کے خلاف نہیں،یوں ہی کسی مہلک بیماری والے سے بچنا خلاف ایمان نہیں جیسے مضر غذاؤں سے پرہیز برا نہیں یوں ہی مضر صحبتوں سے دور رہنا حرام نہیں،شارحین نے اور بہت وجہیں ان احادیث کی مطابقت میں بیان فرمائی ہے اگر شوق ہو تو لمعات اور اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح ملاحظہ کرو۔ہم نے پہلے عرض کیا کہ بعض بیمار کے اردگرد کی ہوا متعفن ہوجاتی ہے جس شخص میں اس مرض کا مادہ موجود ہووہ اس ہوا سے بیمار ہوجاتا ہے جس چراغ میں تیل بتی موجود ہو وہ دوسرے چراغ سے مس کرتے ہی بھڑک اٹھتا ہے اس لیے احتیاط بری نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی فال تو لیتے تھے بد فالی نہ لیتے تھے۱؎ اور اچھا نام پسند فرماتے تھے۲؎(شرح سنہ)

۱؎ یعنی حضور انور اچھے مقام وغیرہ سے نیک فال لیتے کہ انہیں سن کر دیکھ کر رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہوجاتے تھے مگر کسی چیز سے بدفالی نہیں لیتے تھے کہ اللہ سے ناامیدی نہیں چاہیے۔
۲؎ حتی کہ مسلمانوں کے برے نام اچھے ناموں سے تبدیل فرمادیتے تھے کہ نام کا اثر نام والے پر پڑتا ہے،ایک شخص کا نام تھا حزن اسے فرمایا تو سہل ہے۔

	روایت ہے قطن ابن قبیصہ سے وہ اپنے والد سے راوی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیافت اور کنکر پھینکنا۱؎ اور پرندے اڑانا بتوں میں سے ہے۲؎(ابو داؤد)

۱؎ عیافت کی بہت شرحیں کی گئی ہیں مشہور شرح یہ ہے کہ پرندوں کے نام سے فال لینا عیافت ہے جیسے کسی نے عقاب دیکھ کر سمجھا کہ ہم کو عتاب یعنی عذاب ہوگا غراب(کوے)سے غربت وسفر سمجھنا،ہدہد سے ہدایت کا امیدوار ہونا یہ عیافت ہے،کنکر پھینکنا یا ریت میں لکیریں کھینچنا فال کے لیے یہ ہے طرق ط اور ر کے فتحہ سے۔

۲؎ جبت سے مراد یا جادو ہے یا کہانت یا بت یا شیطان۔مطلب یہ ہے کہ یہ کام بت پرستوں،کاہنوں،جادوگروں کے سے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پرندے اڑانا شرک سے

	ہے ا۔یہ تین بار فرمایااور نہیں ہے ہم سے کوئی مگر اللہ تعالٰی اس کو توکل سے لے جاتا ہے ۲۔(ابوداؤدو ترمذی)فرمایا ترمذی نے کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل کو فرماتے سنا کہ سلیمان ابن حرب اس حدیث کے بارے میں فرماتے تھے ۳۔کہ وما منا الا ولکن اللہ یذھبہ بالتوکل میرے نزدیک یہ ابن مسعود کا قول ہے ۴۔

ا۔شرک عملی ہے مشرکوں کا سا کام یا شرک خفی۔

۲۔ الا کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے یخطر فی بالہ اور لکن سے نیا کلام ہے یذھبہ میں ہ کی ضمیر اسی خطرہ کی طرف ہے،معنی یہ ہیں کہ ہم مسلمانوں سے جو کوئی بدفالیاں لیتا ہے تو وہ خطرات و شبہات میں پڑ جاتا ہے لیکن اللہ تعالٰی اس شبہ و خطرہ کو توکل کے ذریعہ ختم فرمادیتا ہے کہ جو کوئی توکل اختیار کرے وہ ان شبہات میں نہیں پڑتا۔اس مطلب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہےاحمد،طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے مرفوعًا روایت کیا کہ جسے بدفالی اس کے کام سے روک دے وہ مشرک ہوگیا،اس کا کفارہ یہ ہے کہ یہ کہہ لے اللھم لاخیر الاخیرك ولا طیر الا طیرك ولا الہ غیرك"اس کی کچھ بحث تیسری فصل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!(مرقات)

۳۔سلیمان ابن حرب اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں،قاضی مکہ تھے،بصرہ کے رہنے والےاپنے وقت کے امام فن تھے،آپ کے سبق میں چالیس ہزار طلباء ہوتے تھے،ماہ صفر ۱۴۰ھ ایک سو چالیس میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ ایک سو اٹھاون میں فن حدیث سے فارغ ہوئے،انیس سال تک حماد ابن زید محدث کے ساتھ رہے،امام احمد ابن حنبل کے استادوں میں سے ہیں،۲۲۴ھ دوسوچوبیس میں وفات پائی۔(مرقات)

۴۔یعنی یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی نہیں بلکہ حضرت ابن مسعود کا اپنا قول ہے حدیث تو الطیر شرك پر ختم ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑااسے پیالہ میں رکھ لیااور فرمایاکھا اللہ پر بھروسہ اسی پر توکل ہے ا۔(ابن ماجہ)

ا۔کوڑھی کو ہاتھ لگانا پھر اس کا ہاتھ اپنے پیالہ میں ڈالنا،پھر اسے ساتھ کھلاناتینوں کام انتہائی توکل پر مبنی ہیں۔صرف مجذوم کو دیکھ کر ہی لوگوں کے دل دھڑک جاتے ہیں چہ جائے کہ اسے ساتھ کھلانا۔اس حدیث میں توکل کی تعلیم ہےاور پچھلی حدیث کو حضور انور نے مجذوم کو بیعت کیا بغیر مصافحہ کے وہاں تعلیم احتیاط تھی۔خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام نفرت والی بیماریوں سے محفوظ ہوتے ہیں جیسے کوڑھ،کھجلی وغیرہ۔(مرقات)حضرت ایوب

علیہ السلام کو جب وہ خاص بیماری آئی تو آپ پر تبلیغ فرض نہ رہی تھی پھر اس میں گفتگو ہے کہ انہیں بیماری کیا تھی۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن مالک سے[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ نہ تو الو کوئی شئے ہے اور نہ مرض کا اڑکر لگنانہ نحوست،اگر کسی چیز میں نحوست ہو تو گھرمیں،گھوڑے اور عورت میں ہوگی [2](ابوداؤد)

[1]حضرت ابوسعید خدری کا نام سعد،ان کے والد کا نام مالک ابن سنان یہ دونوں صحابی ہیں،خدرہ قبیلہ انصار کا ایک خاندان ہے اس لیے انہیں خدری کہا جاتا ہے،۷۴ھ چوہتر ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بقیع سے باہر دفن ہیں یہاں وہ ہی مراد ہیں۔(اشعہ)

[2]محدثین نے اس عبارت کے چند مطلب بیان فرمائے:ایک یہ کہ **طیرہ** سے مراد نحوست ہےاور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیز میں ہوتی لیکن ان میں تو ہے نہیں لہذا کسی شے میں نہیں۔دوسرے یہ کہ اگر نحوست ہو تو ان تین میں ہوگی مگر یقین نہیں لہذا ان میں سے کسی چیز کو یقین سے منحوس نہ جانو۔تیسرے یہ کہ یہاں **طیرہ** سے مراد ناپسندیدگی ہے یعنی تین چیزیں کبھی دل کو ناپسندہوتی ہیں نحوست مرادنہیں۔(مرقات)چوتھے یہ کہ عورت کی نحوست اس کا بانجھ ہونا،خاوند کا نافرمان ہوناگھر میں لڑائی رکھتا ہے،گھوڑے کی نحوست اس کا اڑیل ہونا،سرکش ہونا ہے کہ مالک کو سواری نہ دے،یوں ہی گھر کی نحوست یہ ہے کہ مسجد سے دور ہو وہاں اذان کی آواز نہ آتی ہواور نہ وہاں ذکر اللہ ہوتا ہو۔(مرقات واشعہ)اس صورت میں حدیث بالکل ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتےتو آپ کو یہ پسند تھا کہ سنیں اے راشد اے **نجیح** [1](ترمذی)

[1]راشد کے معنی ہیں ہدایت یافتہ اور **نجیح** کے معنی ہیں کامیاب،کسی کام کو جاتے وقت یہ الفاظ سننا اس لیے پسند تھا کہ ان سے اللہ کے فضل و کامیابی کی امید ہوجاتی ہے۔معلوم ہوا کہ نیک فال لینا بالکل جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزوں سے فال لیتے تھےچنانچہ آپ جب کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو اس سے خوش ہوتے[1]اور اس کی خوشی آپ کے چہرے میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو اس کی ناپسندیدگی آپ کے چہرے میں دیکھی

جاتی ۲؎ اور جب کسی بستی میں جاتے تو اس کا نام پوچھتے تو اگر اس کا نام پسند فرماتے تو اس سے خوش ہوتے اور اس کی خوشی آپ کے چہرہ انور میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند فرماتے تو آپ کے چہرہ میں اس کی ناپسندیدگی محسوس ہوتی ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ اپنی اولاد کے نام اچھے رکھو نام کا اثر نام والے پر پڑتاہے،برے نام والے کو لوگ اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتے،اچھے نام والے کے کام بھی ان شاءاللہ اچھے ہوتے ہیں۔

۲؎ یعنی حضور برے ناموں کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا تیرا نام کیا ہے وہ بولا جمرہ(انگارہ) کہا کس کا بیٹا ہے کہا شہاب کا(شعلہ) کہا تو کہاں رہتا ہے بولا حراقہ میں(جلن) کہا کس محلّہ میں بولا بحرۃ النار میں(آگ کا دائرہ)فرمایا کس طرف بولا ذات نظی میں،آپ نے فرمایا تو اپنا گھر جا کر دیکھ جل چکا ہے دیکھا تو واقعی گھر اور گھر والے جل چکے تھے۔عرب کہتے ہیں الاسماء من السماء نام آسمان سے تعلق رکھتے ہیں۔(مرقات) اہل عرب اپنے بیٹوں کا نام رکھتے تھے اسد(شیر) ذئب (بھیڑیا) کلب(کتا)اور اپنے غلاموں کے نام رکھتے تھے راشد نجیح اور کہتے تھے کہ ہمارے غلام ہماری خدمت کے لیے ہیں اور ہمارے بیٹے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں،غلاموں کے نام اچھے رکھو۔

۳؎ ہمارے ہاں پنجاب میں بعض دیہات کے نام ہیں نور پور،مدینہ،جماپور ایسے نام بڑے مبارک ہیں،بعض بستیوں کے نام ہیں شیطانیہ،خونی چک وغیرہ یہ نام اچھے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستیوں کے برے نام بھی ناپسند فرماتے تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ایک گھر میں تھے جس میں ہماری تعداد اور ہمارے مال زیادہ ہوگئے پھر ہم دوسرے گھر میں منتقل ہوگئے جس میں ہماری تعداد و مال گھٹ گئی تو فرمایا اسے برا کر کے چھوڑ دو ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس فرمان عالی کی بہت حکمتیں ہیں:ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ اس زمین میں رہتے تو ہر وقت ان کے دلوں میں وسوسہ آتے دلوں کو سکون و چین میسر نہ ہوتانہ معلوم کب کیا مصیبت آجائے گی گویا اس زمین کا چھوڑنا ان حضرات کے سکون قلبی کا ذریعہ تھا جس سے انہیں عبادات میں لذت ہو۔

روایت ہے یحیی ابن عبداللہ بن بحیر سے فرماتے ہیں کہ مجھے اس نے خبر دی جس نے فروہ ابن مسیک کو کہتے سنا۱؎ کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے پاس ایک زمین ہے جسے ابین کہا جاتا ہے ۲؎ اور وہ ہماری باغ اور	

	کھیتی کی زمین ہے۳؎ اور اس کی وبا بہت سخت ہے تو فرمایا اسے اپنے سے جدا کردوکیونکہ قرف سے ہلاکت ہے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ یحییٰ ابن عبداللہ صنعان کے باشندے ہیں،ان سے حضرت معمر نے احادیث روایت کیں اور فروہ ابن مسیک صحابی ہیں،مسیک تصغیر ہے مسیک کی،آپ مرادی غطیفی ہیں،اہل یمن سے ہیں،حضور کی خدمت میں ۹ھ ہجری میں آئے،ایمان لائے عہد فاروقی میں کوفہ رہے،اپنی قوم کے سردار بڑے اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں۔

۲؎ ابین بروزن افعل ایک شخص کا نام ہے جس نے شہر عدن آباد کیا اس لیے اسے عدن ابین کہا جاتا ہے، یمن کے علاقہ میں ایک شخص کا نام بھی ابین ہے جو دریا کے قریب ہے،ایک شہر کا نام بھی ابین ہے،غرضکہ ابین بہت چیز کے نام ہیں جیسے ہمارے ہاں پنجاب میں بہاول ایک شخص کا نام تھااب بہاول پور،بہاول نگر شہروں کے نام ہیں اور بہاول بخش،بہاول خان آدمیوں کے نام ہیں۔

۳؎ یعنی وہ زمین بہت ہی زرخیز ہے۔اس کے کچھ حصہ میں باغ ہے اور کچھ حصہ میں کھیت،یہاں کی پیداوار دورجاتی ہے یا اس میں باغ ہے اور باغ کے درمیان کھیت جیساکہ اب بھی مدینہ منورہ میں دیکھا جاتا ہے۔

۴؎ قرف کے معنی ہیں قرب یعنی نزدیک ہونا یعنی ایسے وبائی زمین میں رہنا ہلاکت کا سبب ہے یہ طبّی مشورہ کے طور پر فرمایا کہ جس جگہ کی آب و ہوا موافق نہ ہو وہاں سے چلا جائے یہ مرض اڑکر لگنے کا مسئلہ نہیں اطباء بیماروں کو پہاڑوں پر بھیج دیتے ہیں گرم علاقہ سے منتقل کردیتے ہیں اسی وجہ سے اشعۃ اللمعات نے فرمایاکہ یہ حدیث اس پائے کی نہیں جس پایہ کی احادیث ممانعت ہیں،فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں وباء پھیل جائے وہاں سے بھاگو مت اور جہاں وبا پھیلی ہو وہاں جاؤ مت۔خیال رہے کہ گرنے والے مکان سے بھاگ جانا،زلزلہ کی حالت میں گھر سے باہر نکل جانا خلاف توکل نہیں مگر وبائی جگہ سے بھاگ جانا خلاف توکل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عروہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شگون کا ذکر کیا گیا ۱؎ تو فرمایا ان میں اچھی فال ہے اورکسی مسلمان کو نہ لوٹائے ۲؎ تو جب تم میں سے کوئی وہ دیکھے جسے ناپسند کرتا ہوتو کہہ دے الٰہی بھلائیاں تیرے سوا کوئی نہیں لاتا اور برائیاں تیرے سوا کوئی نہیں دور کرتا، نہیں ہے طاقت اور نہیں ہے قوت مگر اللہ سے ۳؎ (ابوداؤد ارسالًا)

۱؎ کہ لوگ بعض چیزوں سے بدشگونی لیتے ہیں بعض سے اچھا شگون اس کی حقیقت کیا ہے تب حضور نے وہ جواب دیا جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎ فال سے مراد نیک فال ہے جو اچھی بات اچھا نام سننے سے لی جائے یعنی یہ جائز ہے لیکن کوئی شخص کسی کام کو جاتے وقت ناپسندیدہ چیز دیکھے یا سنے جس سے بدشگونی لی جائے تو وہ محض اس وجہ سے اپنے کام سے واپس نہ ہو، اللہ پر توکل کرے اور کام کو جائے۔

۳؎ یہ عمل بہت ہی مجرب ہے ان شاءاللہ اس دعا کی برکت سے کوئی بری چیز اثر نہیں کرتی تمام مروجہ بدفالیوں بدشگونیوں کا بہترین علاج ہے۔واللہ اعلم!

باب الکھانۃ

کہانت کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱کہانت کاف کے فتحہ سے غیبی خبر دینااور کہانت کاف کے کسرہ سے اس غیب گوئی کا پیشہ کرنا، بعض کاہنوں کا دعوٰی تھا کہ ہمارے پاس جنات آکر ہم کو غیبی چیزیں غیبی خبریں بتاتے ہیں کہ شیاطین آسمان پر جا کر فرشتوں کی باتیں سن کر ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر کاہنوں نجومیوں کو بتاتے ہیں۔بعض کاہن خفیہ علامات،اسباب سے غیبی چیزوں کاپتہ بتاتے ہیں انہیں عراف کہتے ہیں اور اس عمل کو عرافت یہ دونوں عمل حرام ہیں ان کی اجرت لینا دینا دونوں حرام ہیں۔(مرقات و اشعہ)لفظ کاہن بہت عام ہے۔نجومی،رمال،عراف سب کو کاہن کہا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن حاکم سے ۱فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم چند کام زمانہ جاہلیت میں کرتے تھےہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے ۲فرمایا تم کاہنوں کے پاس نہ جاؤ ۳فرماتے ہیں میں نے کہا ہم پرندے اڑاتے تھےفرمایا یہ ایسی چیز ہے جسے تم میں سے کوئی اپنے دل میں پاتا ہے تویہ اسے روک نہ دے ۴فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ہم سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں ۵فرمایا حضرات انبیاء میں ایک نبی خط کھینچتے تھے ۶تو جوان کے خط کے موافق ہوجائے تویہ درست ہے ۷(مسلم)	

۱آپ صحابی ہیں سلمی ہیں مدینہ منورہ میں رہتے سہتے ہیں،۱۱۷ھ ایک سو سترہ ہجری میں وفات پائی۔آپ سے عطا ابن یسار وغیرہ نے روایات لیں۔

۲غیبی باتیں چھپی چیزیں گم شدہ مال چوری کا اسباب دل کی سوچی باتیں پوچھنے کے لیے فرمایا جائے کہ یہ عمل کیسا ہے۔

۳کاہنوں سے غیبی خبریں پوچھنا حرام ہے انہیں عالم غیب جاننا ان کی خبروں کی تصدیق کرنا کفر ہے ہاں انہیں جھوٹا کرنے کے لیے ان سے کچھ پوچھ کرلوگوں پر ان کا جھوٹا ظاہر کرنا اچھا ہےکہ یہ تبلیغ ہے یہاں پہلی صورت مراد ہے اس سے منع فرمایا گیا ہے ۔

۴؎ یعنی یہ پرندے وغیرہ اڑانا نفس کے دھوکے ہیں انکی حقیقت کچھ نہیں اگر تم کسی کام کو جارہے ہو اور کوئی پرندہ بائیں طرف کو اڑتے دیکھو تو اپنے کام سے نہ رک جاؤ اپنے کام کو جاؤ رب تعالٰی پر توکل کرو کام بننا نہ بننا اس کی طرف سے ہے۔

۵؎ یعنی علم جفر یا رمل کے طریقہ سے خطوط کھینچ کر غیبی خبریں معلوم کرتے ہیں ان کا یہ عمل ازروئے شریعت اسلامیہ جائز ہے یا نہیں۔

۶؎ یہ نبی یا تو حضرت دانیال ہیں یا حضرت ادریس علیہم السلام ان کا معجزہ یہ علم خط تھا۔یعنی علم جفر یا رمل جس سے وہ غیبی بات دریافت فرما لیتے تھے۔(مرقات)

۷؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ عمل عوام کے لیے حرام ہے کیونکہ ان نبی کے خط سے مشابہت معدوم ہے یا موہوم اور معدوم و موہوم پر اعتماد کرنا ممنوع ہے۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق پوچھا ۱؎ تو ان سے رسول اللہ نے فرمایا کہ وہ لوگ کچھ نہیں عرض کی یارسول اللہ وہ لوگ بعض اوقات کچھ خبریں دیتے ہیں جو سچی ہوتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات حق تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہے ۲؎ جسے جن اچک لیتا ہے تو اسے اپنے دوست کے کان میں ایسے ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کاچوگا دینا ۳؎ یہ لوگ اس میں زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کہ کاہنوں کو غیب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں یا نہیں کبھی انکی خبریں درست نکلتی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔

۲؎ اس طرح کہ فرشتے لوح محفوظ سے غیبی باتیں معلوم کرکے آپس میں ذکر کرتے ہیں۔یہ جن چھپ چھپا کر اسے سن لیتے ہیں وہ بات کاہنوں تک پہنچاتے ہیں وہ بالکل درست صحیح ہوتی ہے۔

۳؎ بعض نسخوں میں بجائے دجاجہ کے زجاجہ ز سے ہے وہ درست نہیں مرغی اپنے بچے کے منہ سے منہ ملا کر دانہ کھلاتی ہے ایسے ہی یہ شیطان کاہن کے کان سے منہ ملا کر یہ بات چپکے سے بیان کرتا ہے۔دوسرا نہ سن سکے۔

۴؎ سو کا ذکر زیادتی بیان فرمانے کے لیے ہے صرف یہ عدد مراد نہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان میں اترتے ہیں عنان بادل ہے ۱؎ تو وہ ان واقعات کاذکر کرتے ہیں جن کا آسمان میں فیصلہ کیا گیا ۲؎ تو شیاطین چوری سے

	سنتے ہیں یہ سن کر کاہنوں کو خبر دیتے ہیں ان کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملادیتے ہیں ۳؎(بخاری)

۱؎عنان کی تفسیر بادل سے یا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی یا کسی راوی نے بادل سے مراد یا تو آسمان دنیا یا جو یعنی آسمان و زمین کے درمیان کی فضا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب بادل نہ ہوں تو فرشتے کہاں اوترتے ہیں۔ (مرقات و اشعہ)

۲؎یعنی فرشتوں کا مقام آسمان ہے وہاں ان کو احکام الٰہیہ واقعات عالم کی اطلاع پہنچتی ہے پھر فرشتے آسمان سے اتر کرفضا میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں وہاں آپس میں ایک دوسرے سے ان غیبی واقعات کا ذکر کرتے ہیں یہاں شیاطین چوروں کی طرح چھپ کر سن لیتے ہیں۔

۳؎یعنی یہ شیاطین اگر ایک ہونے والی بات فرشتوں سے سنتے ہیں تو سو جھوٹی باتیں ملا کر ایک سو ایک باتیں اپنے کاہنوں کو سنا جاتے ہیں یہ سو باتیں جھوٹی ہوتی ہیں وہ ایک بات سچی ہوتی ہے لوگ اس ایک بات سچی کی سچائی دیکھ کر کاہنوں کو سچا سمجھ لیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی نجومی کے پاس گیا۱؎ پھر اس سے کچھ پوچھے تو اس کی چالیس شب کی نمازیں قبول نہ ہوں گی ۲؎(مسلم)

۱؎اسے سچا سمجھ کر اس سے آیندہ غیبی خبریں پوچھنے کے لیے گیا اس کی وہ سزا ہے جو یہاں مذکور ہے لیکن اگر کوئی اسے جھوٹا سمجھ کر لوگوں کو اس کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لیے اس کے پاس گیا اس سے کچھ پوچھا تاکہ اس کی جھوٹی خبر لوگوں کو سنادے اس کی یہ سزانہیں۔

۲؎یعنی اس کی یہ نمازیں ادا ہوجائیں گی اللہ کے ہاں ان کا ثواب نہ ملے گا جیسے غصب شدہ زمین میں نماز کہ اگرچہ ادا تو ہوجاتی ہے مگر اس پر ثواب نہیں ملتا لہذا ان نمازوں کا لوٹانا اس پر لازم نہیں ۔خیال رہے کہ نیکیوں سے گناہ تو معاف ہوجاتے ہیں۔مگر گناہوں سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں وہ تو صرف ارتداد سے برباد ہوتیں ہیں(مرقات)اور جب نمازیں ہی قبول نہ ہوئیں تو دوسری عبادتیں بھی قبول نہ ہوں گی بعض شارحین نے فرمایا کہ چالیس راتوں کی نمازیں سے مراد تہجد کی نمازیں ہیں۔فرائض و واجبات قبول ہوجائیں گے مگر حق یہ ہے راتوں سے مراد دن و رات سب ہیں اور کوئی نماز قبول نہیں ہوتی(اشعہ)دوسری حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کی چالیس دن تک توبہ قبول نہیں ہوتی بہرحال نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا بدترین گناہ ہے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں نماز فجر پڑھائی اس بارش کے بعد جو اس رات ہوئی تھی ۱؎ جب فارغ ہوئے تو لوگوں پر توجہ فرمائی پھر فرمایا کہ کیا

تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا لوگ بولے اللہ رسول جانیں فرمایا کہ رب نے فرمایا میرے بندوں میں سے مجھ پر مؤمن و منکر نے صبح پائی ۲؎ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اس کی رحمت سے بارش ہوئی یہ مجھ پر مؤمن ہیں ستاروں کے انکاری ۳؎ لیکن جس نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں برج سے بارش ہوئی ۴؎ تو یہ میرا منکر ہے تاروں کا مؤمن (مسلم،بخاری)	

۱؎ غالبًا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔حدیبیہ ایک جنگل ہے جدہ اور مکہ معظّمہ کے درمیان بجیرہ منزل سے دور مکہ معظّمہ سے قریب اس کا کچھ حصہ حل میں ہے کچھ حصہ حرم میں یہاں بیعت رضوان ہوئی بڑا مقدس جنگل ہے ہم نے اس کی زیارت کی ہے۔

۲؎ یعنی رب تعالٰی نے فرمایا کہ اس بارش کی وجہ سے بعض بندے مؤمن رہے بعض کافر ہوگئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالٰی جو کلام فرشتوں سے فرماتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے اسے سنتے ہیں جو رب کی سن سکتے ہیں وہ مخلوق کی بھی سن سکتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

۳؎ یعنی وہ ستاروں کو مؤثر نہیں مانتے۔خیال رہے کہ ستاروں کو بعض چیزوں کی علامات ماننا درست ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ بِالنَّجۡمِ هُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ"مگر انہیں مؤثر ماننا حرام یا کفر ہے ستاروں سے وقت،سمت،آفتاب کا طلوع و غریب معلوم کرلیا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی فلاں تارہ فلاں برج میں پہنچا لہذا بارش ہوئی اس کے تاثیر سے بادل اور برسا یہ کہنا حرام بلکہ بعض معانی سے کفر ہے۔خیال رہے کہ ستاروں کو فاعل مدبر ماننا کفر ہے انہیں بارش کی علامت ماننا اگرچہ کفر نہیں مگر یہ کہنا بہت ہی برا ہے کہ فلاں تارے سے یہ بارش ہوئی کہ اس میں کفار کے عقیدے کا اظہار ہے اور ناشکری کے الفاظ ہیں۔اس لیے بعض روایت میں ہے۔اصبح من الناس شاکرًا و کافرًا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ تعالٰی آسمان سے کوئی رحمت نہیں اتارتا ۱؎ مگر اس کی وجہ سے لوگوں کا ایک گروہ کافر ہوجاتا ہے۔اللہ بارش اتارتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے سے ہوتی ہے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ غالبًا برکت سے مراد بارش ہے من السماء کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے آنا کیونکہ بارش آسمان سے نہیں آتی بادل سے آتی ہے ہاں آسمان کی طرف یعنی بلندی سے آتی ہے۔رب تعالٰی بارش کے متعلق فرماتا ہے:"وَ

نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا"اور ممکن ہے کہ برکت سے مراد عام نعمت ہو بارش ہوا،سورج چاند تاروں کی روشنی وغیرہ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی فلاں تارے کے طلوع فلاں تارے کے غروب سے یا فلاں تارے کے فلاں برج میں جانے کی وجہ سے بارش ہوئی۔خیال رہے کہ تاروں کو موثر حقیقی ماننا کفر ہے انہیں علامات مان کر یہ بات کہنا کفر نہیں مگر پھر بھی اچھا نہیں کہ اس سے عوام کے عقیدے بگڑنے کا اندیشہ ہے لہذا یہاں کافرین سے مراد یا اعتقادی کافر ہیں یا ناشکرے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے علم نجوم کا حصہ حاصل کیا اس نے جادو کا حصہ حاصل کیا ۱؎ جس نے اسے بڑھایا اتنا ہی اسے بڑھایا ۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ علم نجوم سے مراد کہانت کا علم ہے کہ ستاروں سے علمِ غیب حاصل کیا جائے۔اسی علم کو جادو سے تشبیہ دینا اس کی انتہائی ذلت کے اظہار کے لیے ہے یعنی علم نجوم جادو کی طرح برا ہے جادو کفر ہے یا قریب کفر۔

۲؎ یعنی جس قدر علوم نجوم میں زیادتی کرے گا۔اس قدر گویا جادو میں زیادتی کرے گا اپنے گناہ بڑھائے گا۔لہذا دونوں جگہ زاد بمعنی ماضی ہے اور مازاد میں ما بمعنی مادام ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ زاد مازاد حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اور زاد کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور نے علم نجوم کی برائی میں بہت زیادتی فرمائی لہذا مازاد مفعول ہے زاد کا۔(اشعہ اللمعات)پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔خیال رہے کہ تاروں سے بارش کا وقت،آندھیاں چلنا سردی گرمی،ارزانی گرانی آئندہ کے حالات معلوم کرنا حرام ہے کہ یہ علوم غیبیہ ہیں جنہیں اللہ تعالٰی ہی جانتا ہے مگر ان سے اوقات اور راستے،سمت قبلہ معلوم کرنا بالکل حق ہے۔چاند کے طلوع کی خبر جو بذریعہ تاروں کے دی جائے شرعًا معتبر نہیں حضرت فرماتے ہیں کہ علم نجوم اس قدر حاصل کرو جس سے تم سمت قبلہ اورر استے معلوم کرلو پھر باز رہو(مرقات)لہذا علم توقیت برحق ہے۔یوں ہی علم ریاضی،علم ہیئت وغیرہ درست ہے اپنی حد میں رہ کر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ کاہن کے پاس جائے ۱؎ پھر اس کی تصدیق کرے یا اپنی بیوی کے پاس بحالت	

حیض جائے یا اپنی بیوی کے پاس اس کی دبر میں جاوے تو وہ اس سے بری ہوگیا جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ۲؎(احمد،ابوداؤد)	

۱؎کاہن و عراف میں فرق یہ ہے کہ کاہن وہ جو آئندہ کی خبریں دے عراف وہ جو موجود چھپی خبریں بتائے کہ تمہاری چوری فلاں نے کی ہے فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے۔

۲؎بحالت حیض یا دبر میں صحبت حرام قطعی ہے اس کا حلال جاننے والا کافر ہے وطی بحالت حیض کی حرمت تو نص قرانی سے ثابت ہے فرماتاہے:"لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ"اور فرماتاہے:"قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ"مگر دبر میں صحبت کی حرمت احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے اور اشارۃً قرآن سے بھی اور وطی بحالت حیض کی حرمت پر قیاس کی وجہ سے بھی یہ قیاس قطعی ہے لہذا دبر میں صحبت حرام قطعی ہے جو حرام جان کر ایسی حرکت کرے وہ سخت بدکار گنہگار ہے۔اس کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ فرماؤ۔خیال رہے کہ لڑکوں سے دبر میں صحبت کرناصریحی قطعی نص سے حرام ہے قوم لوط پر اسی وجہ سے عذاب آیا اور عورت سے دبر میں صحبت قیاس قرآنی سے حرام یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔لہذا اصول فقہ والوں کا اسے قیاس شرعی سے حرام فرمانا بالکل درست ہے جیسا کہ نور الانوار اور توضیح تلویح وغیرہ میں ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جب اللہ تعالٰی آسمان میں کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے پست ہو کر اپنے پر بچھادیتے ہیں ۱؎اس کے فرمان پر گویا کہ وہ پتھر کی چٹان پر زنجیر ہے ۲؎پھر جب ان کے دلوں سے کھول دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا ۳؎وہ کہتے ہیں رب کے فرمودہ کے متعلق کہ حق فرمایا ۴؎اور وہ بلند ہے بڑائی والا تو اسے چھپ کر سننے والے اس طرح سنتے ہیں کہ ان کے بعض بعض کے اوپر ہوتے ہیں سفیان نے اپنے ہاتھ سے یوں بیان کیا کہ اسے مائل کیا اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی کی ۵؎تو وہ بات سنتا ہے اسے اپنے نیچے والے کیطرف ڈال دیتا ہے پھر دوسرا اسے اپنے	

	نیچے والے کی طرف ڈالتا ہے ٦؎ حتی کہ اسے جادو گر کاہن کی زبان پر ڈال دیتا ہے تو اکثر شہاب اسے ڈالنے سے پہلے لگ جاتا ہے اور اکثر وہ اسے لگنے سے پہلے ڈال دیتا ہے ٧؎ تو اس کے لیے سو جھوٹ بنا دیتا ہے ٨؎ تو کہا جاتا ہے کہ کہا اس نے ہم سے فلاں فلاں دن فلاں فلاں بات نہ کہی تھی اسی ایک وجہ سے اس کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے مگر آسمان سے سنی گئی ٩؎ (بخاری)

١؎ یعنی جب اللہ تعالٰی اپنے کسی فیصلہ کا فرشتوں میں اعلان فرماتا ہے تو فرشتے اظہار انکسار کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ بعض فرشتوں کے دو پر ہیں بعض کے تین بعض کے چار۔

٢؎ یعنی فرمان الٰہی کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر والے لوہے کی پتلی زنجیر کھینچو نہایت باریک اس کا سمجھنا بہت دشوار الفاظ غیر واضح۔

٣؎ یعنی جب وہ آواز ختم ہوجاتی ہے اور فرشتوں کے دلوں سے وہ ہیبت جاتی رہتی ہے تو بعض فرشتے بعض سے پوچھتے ہیں یہ پوچھنا ایسا ہوتا ہے جسے طلباء سبق پڑھ کر آپس میں تکرار کرتے ہیں۔

٤؎ یعنی رب نے جو کچھ فرمایا بالکل حق فرمایا یہاں حق مقابل ہے باطل کا یا بمعنی ثابت ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ روزانہ کے واقعات کا ذکر رب تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے، گناہوں کی بخشش، مصیبتوں کا دور کرنا، کسی قوم کی ترقی، کسی کا تنزل، بیماروں کی شفاء، تندرستوں کو بیمار کرنا، ذلیلوں کو عزت دینا، عزت والوں کو ذلیل کرنا فقیروں کو غنی کرنا، اغنیاء کو فقیر بنادینا۔ غرض کہ لوح محفوظ میں تحریر قول میں لائی جاتی ہے۔ (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی ان فرشتوں کو علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور جو فرشتے لوح محفوظ پر مقرر وہ تو کائنات کے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں۔

٥؎ یعنی زمین سے آسمان تک جنات کے پرے اوپر نیچے ایسے کھڑے ہوجاتے ہیں جیسے مائل ہاتھ کی متفرق کھلی انگلیاں۔

٦؎ اس ڈالنے اور بتانے کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے کہ آسمان سے قریب والے جن فرشتوں کی باتیں سن کر فورًا اپنے نیچے والے جن کو سنادیں اس نے اپنے نیچے والے کو اس نے اپنے نیچے والے کو حتی کہ آخری پرے نے اپنے دوست کاہن کو سنادیں یہاں ساحر سے مراد کاہن نجومی ہے۔

٧؎ یعنی پہلا جن جو فرشتوں سے باتیں چراتا ہے اس کو شعلہ آگ کا ضرور لگتا ہے مگر کسی کو یہ خبریں سنادینے کے بعد اور کسی کو سنادینے سے پہلے پھر یہ شعلہ کبھی تو اس جن کو ہلاک کرتا ہے جلا کر اور کبھی جلاتا نہیں صرف دیوانہ کردیتا ہے۔ (مرقات) خیال رہے کہ ہلکی آگ کو قوی آگ فنا کرسکتی ہے۔ جن ہلکی آگ سے پیدا ہیں اور شعلہ کی آگ بہت قوی ہوتی ہے۔ لہذا یہ اسے جلا کر فنا کردیتی ہے۔

۸؎ یا تو پہلا جن ہی یہ ملاوٹ کردیتا ہے یا آخری جن جو کاہن کو سناتا ہے وہ ملاوٹ کرتا ہے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۹؎کاہن کی جھوٹی خبروں کی اشاعت نہیں کرتے لوگ اس ایک سچی خبر کی دھوم مچادیتے ہیں کہ فلاں خبر سچی تھی لہذا کاہن سچا ہے آج کل طبیبوں عاملوں کے متعلق یہ دیکھاجارہا ہے۔اگر کوئی طبیب پچاس بیماروں سے قبرستان بھردے مگر دو چار کو صحت ہوجائے تو اسکی صحت و شفاء کا شہرہ ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک انصاری نے خبر دی اس حالت میں کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے،ایک تارا ٹوٹا،اور روشنی پھیل گئی ۱؎تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جاہلیت میں کیا کہتے تھے جب اس جیسا تارا ٹوٹتا تھا ۲؎وہ بولے کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانیں۔ہم تو یہ کہتے تھے کہ آج رات یا تو کوئی بڑا آدمی ۳؎پیدا ہوا یا کوئی بڑا آدمی مرا ہے۔تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ تارے نہ تو کسی کی موت کے لیے مارے جاتے ہیں نہ کسی کی زندگی کیلیے ۴؎لیکن ہمارا رب کہ مبارک ہے اس کا نام جب کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے ۵؎تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں پھر اس آسمان والے تسبیح کرتے ہیں جو انکے قریب ہیں حتی کہ تسبیح اس دنیا کے آسمان والوں تک پہنچ جاتی ہے ۶؎پھر حاملین عرش کے قریب والے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایاوہ انہیں خبر دیتے ہیں ۷؎فرمایا کہ پھر بعض آسمان والے بعض سے خبریں پوچھتے ہیں حتی کہ اس آسمان دنیا تک خبر پہنچ جاتی ہے۔تو جنات سنی باتوں کو اچک لیتے ہیں ۸؎تو اپنے دوستوں تک ڈال دیتے ہیں اور مار دیئے جاتے ہیں ۹؎پھر کاہن جو کچھ اس کے موافق لاتے ہیں وہ حق ہے ۱۰؎لیکن وہ تو اس میں جھوٹ ملادیتے ہیں اور بڑھادیتے ہیں ۱۱؎(مسلم)

۱؎کہ تھوڑی دیر کے لیے سارے عالم میں سرخ یا سبز یا سفید روشنی ہوگئی جب کہ اب بھی کبھی دیکھا جاتا ہے۔

۲؎ ان کا عقیدہ پوچھنا اس کی تردید کے لیے تھا اور اصل صحیح عقیدہ سمجھانے کے لیے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی بچہ پیدا ہوا جو آگے چل کر شاندار انسان بنے گا اس کی خوشی میں تارا ٹوٹا۔

۴؎ یعنی تم لوگوں کا یہ خیال غلط ہے تاروں کے ٹوٹنے کا تعلق کسی انسان کی موت یا زندگی سے نہیں۔

۵؎ یعنی رب تعالیٰ عالم کے انتظام کے متعلق اپنے کسی فیصلہ کی خبر فرشتوں کو دیتا ہے کہ ہم نے فلاں قوم کو ذلیل کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۶؎ جیسے بادشاہ جب اپنے خاص درباریوں کو اپنے کسی ارادے پر مطلع کرتا ہے تو درباری ادب سے سر جھکا کر کہتے ہیں حضور بالکل حق ہے بالکل درست ہے وغیرہ ایسے ہی فرشتے ارادۂ الٰہی کی خبر پاکر ادب سے تسبیح پڑھتے ہیں ۔خیال رہے کہ یہاں قضا یعنی فیصلہ الٰہی کا ذکر ہے نہ کہ مشورہ کا چنانچہ رب تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی کہ "اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً" میں فیصلہ کی خبر نہ تھی بلکہ بطور مشورہ ان سے کہا گیا تھا کہ تمہاری اس میں کیا رائے ہے لہذا وہاں فرشتوں نے آزادی سے رائے ظاہر کردی کہ خلافت کے مستحق ہم ہیں اگر وہاں قضا و فیصلہ کی خبر ہوتی تو فرشتے وہاں بھی تسبیح ہی پڑھتے۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں قرآن کے احکام واجب العمل ہیں جیسے نماز و زکوۃ کا حکم مگر قرآنی مشورہ واجب العمل نہیں مستحب ہیں جیسے قرض کا لکھ لینا۔

۷؎ اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رب تعالیٰ کی خبر صرف حاملین عرش ہی سنتے ہیں باقی فرشتوں کو پھر یہ لوگ بتاتے ہیں،دوسرے یہ کہ اللہ تعالی نے فرشتوں کو ان پر مطلع فرمایا ہے،حاملین عرش کو بلاواسطہ اور دوسرے فرشتوں کو ان حاملین کے ذریعہ سے۔

۸؎ اس طرح کہ جب یہ چیزیں دنیا کے آسمان یعنی پہلے آسمان والے فرشتوں کو ان کے اوپر والے بتاتے ہیں تو وہاں چھپے ہوئے جنات جو کان لگائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں سن لیتے ہیں۔

۹؎ یعنی بعض دفعہ یہ جن یہ باتیں سنا کر شہاب سے مارے جاتے ہیں اور کبھی اس سے پہلے ہی۔

۱۰؎ یعنی جب یہ کاہن لوگ وہ بات جو اس جن سے سنی ہے وہ لوگوں کو بتاتے ہیں تو حق ہوتی ہے اس کے علاوہ جو بتاتے ہیں وہ ناحق ہوتی ہے۔

۱۱؎ یہ زیادتی ننانوے فی صد ہوتی ہے یعنی سو میں ایک بات درست اور ننانوے باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تاروں کو تین مقصدوں کے لیے پیدا فرمایا ۲؎ انہیں آسمان کی زینت اور شیاطین کی مار بنایا ۳؎ اور نشانیاں بنایا جن سے ہدایت لی جاوے ۴؎ تو جو ان میں اس کے سوا تاویل کرے ۵؎ اس نے خطا کی اور اپنا حصہ ضائع کیا اور اس کا تکلف کیا جو وہ جانتا نہیں ۶؎ اسے بخاری نے

تعلیقًا روایت کیا۔اور رزین کی روایت میں ہے کہ اس نے غیر مفید چیز کا تکلف کیا۔اور اس کا جس کا اسے علم نہیں،اور جس کے علم سے انبیاء و فرشتے ۷؎ عاجز نہیں	

۱؎ آپ تابعی ہیں اور اس زمانہ کے مفسرین کے امام ہیں آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔
۲؎ یعنی تاروں کے بڑے بڑے مقصد یہ تین ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً ہے۔ورنہ تاروں کی پیدائش کے ہزار ہا مقصد ہیں۔
۳؎ چنانچہ قرآن مجید فرماتاہے:"زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصٰبِیۡحَ"اور فرماتاہے:"وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ"یہ تارے آسمان پر ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے نیلی چادر پر رنگ برنگے سلمے ٹکے ہیں۔
۴؎ کہ تاروں سے وقت اور سمت معلوم کی جاتی ہے۔قطب تارے پر سمندری سفر،سمت قبلہ وغیرہ موقوف ہیں مسجدیں اس تارے سے بنائی جاتی ہیں رب فرماتا ہے:"وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوۡنَ"لہذا ستاروں کی یہ تین صفات برحق ہیں۔
۵؎ اس طرح کہ ان سے غیبی چیزیں معلوم کرے ان کو مؤثر مانے بارشیں موسم ان سے ثابت کرے جس کا نتیجہ شرک ہے۔
۶؎ یعنی رب تعالٰی نے اسے ان چیزوں کا مکلّف نہیں کیا وہ غیر ضروری چیزوں میں پھنس کر ضروری عبادات سے غافل ہوجاتا ہے۔
۷؎ یعنی حضرات انبیاء اورفرشتے بھی تاروں سے غیبی خبریں معلوم نہیں کرتے ان کے علوم وحی الٰہی ارشاد ربانی سے ہوتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات کو غیبی علوم دیئے نہیں گئے مقصد یہ ہے کہ ان تاروں کے ذریعے نہیں دیئے گئے یا یہ مطلب ہے کہ حضرات انبیاء کرام نے مخلوق کو تاروں کے ذریعہ ہدایت نہ دی بلکہ اپنے ارشادات اور ربانی کلام کے ذریعے ہدایت دی علم بمعنی تعلیم لہذا تم ان تاروں میں سوچ بچار کرنے کی بجائے کتاب و سنت میں سوچ و بچار کرو۔(ازمرقات)

اور ربیع سے اسی کی مثل مروی ہے اور یہ زیادتی ہے کہ رب کی قسم!اللہ نے تارے میں نہ کسی کی زندگی رکھی ہے نہ رزق نہ موت یہ لوگ اللہ پر جھوٹ ہی باندھتے ہیں اور تاروں سے بہانہ بناتے ہیں ۱؎	

۱؎ یعنی انتظامات دنیا مخلوق کی موت و زندگی،فراخی،تنگی،بارش و خشکی میں تارے موثر نہیں یہ سب کچھ اللہ کی قدر ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ تارے حالات میں موثر نہیں ہاں بعض حالات کی علامات ہیں۔اور علامات سے حالات وابستہ نہیں ہوتے بادل بارش کی علامت ہے۔اس کی علت نہیں بارہا بادل آتے ہیں بارش نہیں ہوتی۔صحبت اولاد کی علامت

یا حد درجہ سبب ہے اس کی علت نہیں لہٰذا علم نجوم باطل بھی ہے اور صحیح بھی موثر ماننا باطل ہےعلامت ماننا برحق ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص علم نجوم کا کوئی باب اس کے سوا کے لیے حاصل کرے جو اللہ نے ذکر فرمایا ۱؎تو اس نے جادو کا حصہ سیکھا،نجومی کاہن،جادو گر،اور کاہن جادو گر کافر ہے ۲؎(رزین)	

۱؎یعنی گزشتہ مذکورہ تین چیزوں کے سوا اور چیزیں ستاروں سے معلوم کرے۔

۲؎کہ جادو گر اپنے عمل سے اور کاہن اپنی باتوں سے لوگوں کے دلوں پر اثر کرتے ہیں یہ دونوں عمل یا کفر ہیں۔یا کفر ان یعنی ناشکری یہ پہلے بتایا گیا کہ علم نجوم کفر بھی ہے حرام بھی ہے اور درست بھی۔

روایت ہے ابو سعید سے،فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اللہ اپنے بندوں سے پانچ سال بارش روک لے پھر بھیجے ۱؎تب بھی لوگوں کا ایک ٹولہ کافر ہی ہو کہ وہ کہیں کہ ہم برج مجدح کی وجہ سے برسائے گئے ۲؎(نسائی)	

۱؎پانچ سال کا ذکر بطور مثال ہے اس سے مقصود دراز مدت ہے یعنی اگر دراز مدت اور بہت انتظار کے بعد بھی بارش آوے تب بھی شکر نہیں کرتے کفر ہی کرتے ہیں۔

۲؎ **مجدح** میم کے کسرہ سے چاند کی ایک خاص منزل کا نام ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ جب چاند اس میں داخل ہوتا ہے تو ضرور بارش آتی ہے۔بعض نے فرمایا کہ **مجدح** تین تاروں کا نام ہے جن کے متعلق عرب کا عقیدہ تھا کہ بارش ان سے ہوتی ہے۔(اشعہ مرقات)جدح کہتے ہیں ستو گوندھنے کو ان تاروں کی شکل و ترتیب ایسی واقع ہے۔جیسے کوئی بیٹھا ہوا ستو گوندھ رہا ہے اس لیے انہیں **مجدح** کہتے ہیں۔جیسے عقرب قوس وغیرہ منزل ہے۔

کتاب الرؤیا

خواب کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]رؤیا بناہے رؤیت سے بمعنی دیکھنا مگر رؤیت عام ہے رؤیا خاص،رؤیت تو دیکھنے کو کہتے ہیں آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے دیکھنا مگر رؤیا صرف خواب کو کہا جاتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا"اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُكَ"الخ۔رؤیا مصدر ہے بشرہ شورای،سقیا۔خواب کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے بیداری میں دل کے خیالات یا الہام الٰہی ہوتے ہیں یا وسوسہ شیطانی یوں ہی خواب سونے والے کے دل کے خیالات ہی سچے خواب الہام الٰہی ہیں،جھوٹے خواب شیطانی وسوسہ،ہمارے خواب نفسیاتی،شیطانی،رحمانی ہر طرح کے ہوتے ہیں مگر حضرات انبیاءکرام کے خواب رحمانی ہی ہوتے ہیں حتی کہ ان کے خوابوں پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں،دیکھو نماز کی اذان حضرات صحابہ کی خواب سے جاری ہوئی،حضور کی تصدیق فرمادینے کی وجہ سے بعض خوابیں بالکل واضح ہوتی ہیں جیسے صحابہ کی اذان کی خواب بعض مجمل جیسے شاہ مصر نے قحط کے سالوں کو گایوں بالیوں کی شکل میں دیکھا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ باقی رہیں موت سے مگر بشارتیں[1]لوگوں نے عرض کیابشارتیں کیا ہیں فرمایا اچھی خواب[2](بخاری)

[1]یعنی ہماری وفات پر وحی،نبوت تا قیامت ختم ہوجائے گی مگر نبوت کا ایک حصہ یعنی ڈرانا اور بشارت باقی رہے گا۔رب تعالٰی خوابوں کے ذریعہ علوم غیبیہ اگلے حالات پر اطلاع برابر جاری رکھے گا خوابیں غیبی خبریں دیتی رہیں گی،خوابیں بشارت بھی ہوتی ہیں ڈراتی بھی ہیں مگر تغلیبًا بشارت فرمایا۔(مرقات)

[2] صالحًا سے مراد یا سچی خوابیں یا اچھی خوشی کی خوابیں عمومًا خوشی کی خواب کو رؤیا کہتے ہیں اور ڈراؤنی خواب کو حلم مگر یہاں رؤیا سے عام خواب مراد ہے اچھی ہو یا ڈراؤنی۔(اشعہ و مرقات)خیال رہے کہ رؤیا بمعنی خواب آتا ہے مگر جب اس کے بعد رؤیت کا کوئی مشتق آجاوے تو بیداری میں دیکھنے کے بھی معنی دیتا ہے،رب فرماتاہے:"وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ"۔حضور انور نے معراج کی شب سارے عالم

غیب کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا مگر اسے رب نے رؤیا فرمایا،چونکہ آگے آرہا ہے ارینٰك اس لیے وہاں آنکھ سے بیداری میں دیکھنا مراد ہوا۔معراج جسمانی کے منکر اسی لفظ رؤیا سے جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

	مالک نے بروایت عطاء ابن یسار یہ زیادتی کی کہ جسے مسلمان آدمی دیکھے یا اسے دکھائی جاوے ۱؎

۱؎یعنی مسلمان خود خواب دیکھے یا دوسرا شخص اس کے متعلق خواب دیکھے۔طبرانی نے بروایت عبادہ ابن صامت حدیث نقل فرمائی کہ مؤمن کا خواب اس کا اپنے رب سے کلام کرنا ہے یا رب کا اس سے کلام کرنا۔
(مرقات)خواب میں رب تعالٰی کا دیدار بھی ہوسکتا ہے،ہمارے امام اعظم نے ننانوے بار رب تعالٰی کو خواب میں دیکھا۔یراھا اور او تری لہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خواب انسان خود دیکھتا ہے کہ دن میں جو خیالات رکھتا ہے وہ ہی خواب دیکھتا ہے اور بعض خواب رب کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں،مؤمن کے یہ خواب الہام کا حکم رکھتے ہیں انہیں کو رؤیا صالحہ کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خواب ۱؎نبوت کا چھیالیسواں ہے ۲؎(مسلم و بخاری)

۱؎رؤیا صالحہ سے مراد سچی خواب ہے جو نہ شیطانی وسوسہ سے ہو نہ دل کے خیالات سے بلکہ خاص رحمان کی طرف سے ہو جس قدر تقویٰ اعلیٰ اس قدر خوابیں سچی ہوتی ہیں۔خیال رہے کہ کبھی کفار و فساق کی خوابیں بھی سچی ہوتی ہیں،شاہ مصر کافر تھا مگر اس نے آیندہ کے سات سال کی قحط سالی بالیوں کی شکل میں دیکھی،حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی اور وہ خواب سچی تھی اس کی اس خواب کے بہت اعلیٰ نتیجے ہوئے۔
۲؎اس کا حقیقی مطلب رب تعالٰی جانے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور کی نبوت کا زمانہ تئیس سال ہے اور ظہور نبوت سے پہلے چھ ماہ یعنی نصف سال آپ کو بہت ہی سچی اور اعلیٰ خوابیں آئیں تو زمانہ خواب زمانہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اس لیے خواب کو چھیالیسواں حصہ فرمایا گیا۔ واللہ اعلم!بعض روایا ت میں ہے ستر واں حصہ ہے،بعض میں ہے پچاسواں حصہ ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے اخلاق اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے لہذا چاہیے یہ کہ فرمان پر ایمان لاؤ مطلب اللہ رسول کے سپرد کرو، بعض نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیالیس خصوصی صفات عالیہ عطا ہوئیں جن میں سے ایک صفت اچھی خواب ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے عدد خاص مراد نہیں بلکہ زیادتی بیان کرنا مقصود ہے یا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی چھیالیس قسم کی ہوئی ہے بلاواسطہ جبریل،بواسطہ جبریل،پھر گھنٹہ کی سی آواز،صاف بیان حق تعالٰی کا خواب میں کچھ فرمادینا حتی کہ معراج میں مشاہدہ جمال کراکر کلام فرمایا ان چھیالیس حصہ سے ایک خواب بھی ہے لہذا یہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔(اشعہ)خیال رہے کہ حضور پر نبوت ختم ہوچکی مگر نبوت کے اوصاف تاقیامت باقی ہیں اوصاف نبوت یا اجزاء نبوت بعینہٖ نبوت نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا ۱؎ کیونکہ شیطان میری شکل نہیں بن سکتا ۲؎(مسلم و بخاری)	

۱؎ یعنی جو شخص خواب میں ایک شکل دیکھے اور سمجھے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ حضور اقدس ہی ہیں شیطان آپ کی شکل بن کر نہیں آیا خواہ وہ شخص حضور کو بچپن شریف کی عمر میں دیکھے یا جوانی کی عمر میں یا بڑھاپے شریف کی عمر میں۔خیال رہے کہ خواب میں حضور کا نورانی چہرہ چمکدار دیکھنا اپنے درستی عقائد کی علامت ہے اور چہرہ انور میں سیاہی دیکھنا اپنے دل کی سیاہی بدعقیدگی ہے،حضور کا لباس صاف سفید اپنے نیک اعمال ہونے کی علامت ہے،لباس مبارک کثیف دیکھنا اپنے اعمال خراب ہونے کی علامت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ حق نما ہے آئینہ میں اپنا چہرہ نظر آتا ہے۔شعر

گفت من آئینہ منقول دوست　　　ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ است

اگر خواب میں حضور کوئی ناجائز حکم دیں تو وہ ہمارے اپنے سننے میں فرق ہے،کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں اشرب خمرا تم شراب پیو اس کی تعبیر دی گئی کہ حضور نے فرمایا ہے لاتشرب تو نے غلطی سے سن لیا اشرب یا خمر سے مراد شراب طہور شراب محبت ہے۔

۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ شیطان خواب میں خدا بن کر آسکتا ہے مگر مصطفیٰ بن کر نہیں آسکتا کیونکہ حضور ہادی مطلق ہیں اور شیطان مضل مطلق گمراہ گر ہادی کی شکل میں کیسے آئے ضدین جمع نہیں ہوسکتیں اللہ تعالیٰ ہادی بھی ہے مضل بھی دیکھو مدعی الوہیت کے ہاتھ پر عجائبات ظاہر ہوسکتے ہیں جیسے دجال مگر مدعی نبوت کے ہاتھ پر کبھی عجائبات ظاہر نہیں ہوسکتے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا ۱؎(مسلم و بخاری)	

۱؎ اس حدیث کے چند معنی کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ دیکھنے سے مراد ہے خواب میں دیکھنا اور حق سے مراد ہے واقعی دیکھنا باطل کا مقابل یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا وہ شکل خیالی یا شیطانی نہیں میری ہے۔دوسرے یہ کہ تاقیامت جو ولی بیداری میں مجھے دیکھے گا وہ مجھ ہی کو دیکھے گا۔شیطان میری شکل میں اس کے سامنے نہ آئے گا۔بعض اولیاء بیداری میں حضور کو دیکھتے آپ سے کلام کرتے ہیں،مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔شیخ ابو مسعود ہر نماز کے بعد حضور انور سے مصافحہ کرتے تھے،ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور انور نے فرمایا اے علی اپنے کپڑے پاک رکھو،نور الدین یحیٰی نے روضہ انور سے جواب سلام سنا،شیخ ابوالعباس کہتے ہیں کہ اگر میں ایک ساعت بھی حضور کا جمال نہ دیکھو تو اپنے مرتد ہوجانے کا فتویٰ دوں،حضرت غوث پاک وعظ فرمارہے تھے کہ شیخ علی ابن ہیتی سامنے بیٹھے تھے کہ انہیں نیند آگئی حضور غوث پاک منبر سے اتر کر ان کے پاس باادب کھڑے

ہوگئے اور حاضرین سے فرمایا با ادب رہو خاموش رہو کچھ دیر بعد علی بیدار ہوئے جناب غوث پاک نے فرمایا اے علی کیا تم نے خواب میں حضور کی زیارت کی بولے ہاں،فرمایا اس لیے میں تمہارے پاس پاس باادب کھڑا ہوگیا،فرمایا تم کو حضور نے کیا حکم دیا عرض کیا آپ کی مجلس میں حاضر رہنے کا،شیخ علی نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا جناب غوث نے بیداری میں دیکھا غرضکہ بیداری میں حضور کو دیکھنا اولیاءاللہ سے ثابت ہے یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔(اشعۃاللمعات)کوئی شخص اس دنیا میں آنکھوں سے بیداری میں رب تعالٰی کو نہیں دیکھ سکتا،قرآن مجید فرماتاہے:"لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ"ان آنکھوں سے رب کو صرف حضور انور نے بیداری میں دیکھا مگر زمین پر رہ کر نہیں بلکہ عرش سے ورا جاکر یعنی معراج کی رات،ہاں خواب میں رب تعالٰی کی زیارت ہوسکتی ہے بلکہ بعض خواص کو ہوئی ہے،حضور انور صبح کی نماز میں دیر سے آئے بعد نماز فرمایا میں نے رب کو اچھی صورت میں دیکھا جیساکہ ہم نے باب المساجد میں اس حدیث کی شرح میں لکھ چکے ہیں،بعض لوگ اس حدیث کے معنی یہ کرتے ہیں کہ یہاں حق سے مراد رب تعالٰی کی ذات ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس نے مجھے دیکھااس نے خدا تعالٰی کو دیکھ لیا کیونکہ حضور انور آئینہ ذات کبریا ہیں جیسے کہا جائے کہ جس نے قرآن مجید پڑھا اس نے رب سے کلام کرلیا یا جس نے بخاری دیکھی اس نے محمد بن اسماعیل کو دیکھ لیاا گرچہ بعض لوگ اس معنی کی تردید کرتے ہیں لیکن ہم نے جو توجیہ عرض کی اس توجیہ سے یہ معنی درست ہیں،قرآن کریم نے حضور کو ذکر اللہ فرمایا:"قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا"کیونکہ حضور کودیکھ کرخداتعالٰی یادآتاہے حضور مذکر ہیں"اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ"۔یہاں مرقات،اشعۃاللمعات نے اس حدیث کے متعلق بڑی اعلٰی باتیں فرمائی ہیں۔

روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا[1] اور شیطان میری شکل نہیں بن سکتا[2] (مسلم،بخاری)	

[1] اس حدیث کے بھی چند معنی کیے گئے:ایک یہ کہ جس صحابی نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے قیامت میں بیداری میں دیکھے گا۔دوسرے یہ کہ جس مسلمان نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے قیامت میں بیداری میں دیکھے گا۔تیسرے یہ کہ جس مسلمان نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے اپنی زندگی ہی میں بیداری میں دیکھے گا۔ خواص اولیاء تو ظاہر ظہور دیکھیں گے ہم جیسے عوام جن میں ضبط کا مادہ نہیں راز چھپا نہیں سکتے وہ مرتے وقت جب زبان بند ہوجائے گی تب پہلے مجھے دیکھیں گے بعد میں وفات پائیں گے تاکہ وہ راز ظاہر نہ کرسکیں۔چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا بیدار ہوکر اس حدیث میں غور کیا اور سوچا کہ اب میں حضور انور کو بیداری میں کیونکر دیکھوں گا،آپ اپنی خالہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے حضرت میمونہ نے حضور کا آئینہ آپ کو دیا جس میں حضور انور اپنا چہرہ انور دیکھا کرتے تھے حضرت ابن عباس نے جب آئینہ دیکھا تو اس میں بجائے اپنی صورت کے حضور کی صورت شریف نظر آئی اپنی صورت بالکل نظر نہ آئی،دیکھو اشعۃاللمعات

یہ ہی مقام۔چوتھے یہ کہ میرے زمانہ حیات شریف میں جو مسلمان مجھ تک نہ پہنچ سکا اس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا وہ ان شاءاللہ عنقریب مجھ تک پہنچ جائے گا اور میری زیارت کرلے گا مگر تیسرے معنی بہت قوی ہیں اور یہ بشارت عام مسلمانوں کے لیے ہے۔

۲؎ یہ حضور کا وہ معجزہ ہے جو تاقیامت باقی ہے کہ جیسے شیطان زندگی شریف میں آپ کی شکل اختیار نہیں کرسکتا تھا یوں ہی تاقیامت کسی کے خواب میں حضور کی شکل میں نہیں آسکتا حضور انور کے سواء اور تمام کی شکلوں میں آجاتا ہے،خواب میں باتیں کرجاتا ہے مرد یا عورت کو احتلام اس کی مہربانی سے ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خواب اللہ کی طرف سے ہےاور بری خواب شیطان کی طرف سے ۱؎ تو جب تم میں سے کوئی پسندیدہ چیز دیکھے تو اپنے پیارے کے سوا کسی سے بیان نہ کرے ۲؎ اور جب ناپسند بات دیکھے تو اس کی شر سے اور شیطان کی شر سے اللہ کی پناہ مانگےاور تین بار تھوک دےاور اس کی خبر کسی کو نہ دے تو وہ خواب اسے مضر نہ ہوگی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اچھے خواب کو رؤیا کہتے ہیں اور برے خواب کو **حلم**،اسی سے ہے **اضغاث احلام** اسی سے بنا ہے احتلام، اگرچہ ساری خوابیں رب تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہیں مگر بارگاہِ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بُری اور ڈراؤنی خوابوں کو شیطان کی طرف سے نسبت دے کیونکہ مسلمان کی بری خوابوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔(مرقات)بہرحال اچھی خواب رب کی بشارت ہے تاکہ مسلمان اللہ کی رحمت کا منتظر اور شکر میں مشغول ہوجائے بری خواب مایوس کن ہےاور مایوسی شیطانی عمل ہے۔

۲؎ یعنی اچھی خواب ضرور بیان کرے تاکہ اس کا ظہور ہوجائے مگر بیان کرے ایسے عالم معتبر سے جو اس کا دوست و خیرخواہ ہو تاکہ وہ تعبیر خراب نہ دے اچھی تعبیر دے خواب کی پہلی تعبیر ہی پر خواب کا ظہور ہوتا ہے۔

۳؎ یہ عمل بہت مجرب ہے کیسی ہی خطرناک خواب دیکھو یہ عمل کرلو ان شاءاللہ اس کا ظہور کبھی نہ ہوگا،اچھی خواب اللہ کی نعمت ہے اس کا چرچہ کرو"**وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ**"اور بری خواب بلاوامتحان ہے اس پر صبر کرو کسی سے نہ کہو رب سے عرض کروان شاءاللہ دفع ہوجائے گی۔(مرقات)چونکہ حضور کے خطرناک خواب بھی رب کی طرف سے ہوتے تھےاس لیے حضور لوگوں سے انکا ذکر فرمادیتے پھر ان کا ظہور بھی ہوتا تھا جیسے حضور نے خواب میں تلوار ٹوٹتی دیکھی اس کا ظہور غزوہ احد کی تکالیف کی شکل میں نمودار ہوا،ہاتھوں پر بھاری کنگن دیکھے ان کا ظہور مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے ہوالہذا حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حضور کے اس عمل شریف کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دے اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور جس کروٹ پر تھا اس سے پھر جاوے ا؎(مسلم)

ا؎عربی میں **بصق** کہتے ہیں تھوکنے کو،**اتفل** کہتے ہیں تھتکارنے کو،یہاں **بصق** سے مراد تھتکارنا ہی ہے جیساکہ دوسری روایات میں ہے یہ تینوں عمل شیطان کو ذلیل کرنے اور اپنے حال کو بدلنے کے لیے ہے،شیطان اکثر بائیں ہاتھ پر رہتا ہے ادھر تھوکنا گویا شیطان کے منہ پر تھوکنا ہے،یہ عمل بھی مجرب ہے،برے خواب میں یہ دیکھ کر یہ کرنا چاہیے اس سے خواب ختم ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب زمانہ قریب ہوگا ا؎تو مؤمن کی خواب جھوٹی نہ ہوسکے گی۲؎اور مؤمن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہےاور جس کا تعلق نبوت سے ہو وہ جھوٹی نہیں ہوتی ۳؎محمد ابن سیرین نے فرمایا۴؎کہ میں کہتا ہوں کہ خواب تین طرح کی ہے نفسیاتی خیالات ۵؎اور شیطان کی دھمکی اور اللہ کی طرف سے بشارت ۶؎تو جو ناپسند چیز خواب میں دیکھےاسے کسی پر بیان نہ کرے اور کھڑا ہوجاوے نماز پڑھ لے ۷؎فرمایا کہ آپ خواب میں طوق کو ناپسند کرتے تھے اورانہیں قید پسند تھی ۸؎کہا جاتا ہے کہ قید دین میں پختگی ہے۔(مسلم،بخاری)

ا؎ قرب زمان میں کئی احتمال ہیں:قریب قیامت،موت کے قریب کا زمانہ یعنی بڑھاپا وہ مہینے جن میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔حضرت امام مہدی کے ظہور کا زمانہ جب کہ لوگوں میں عیش و عشرت بہت ہوگا،سال گزرے گا مہینہ کی طرح،مہینہ ہفتہ کی طرح،ہفتہ ایک دن کی طرح وہ زمانہ جب لوگوں کی عمریں گھٹ جائیں گی یا شروفساد کا زمانہ جب لوگ ایک دوسرے سے گتھ جائیں قتل و خون کے لیے قریب ہوں گے۔(اشعہ)مرقات میں اس کے اور بہت سے معنی کیے گئے ہیں مثلًا یاجوج ماجوج کے خروج کا زمانہ۔

۲؎یعنی ان زمانوں میں اہلِ اسلام کی اکثر خوابیں صحیح ہوا کریں گی ان تمام موقعوں پر خوابیں درست ہونے کی وجہیں مرقات و لمعات وغیرہ نے بہت دراز بیان فرمائی ہیں۔

۳؎اس مضمون کی شرح ابھی کچھ پہلے ہم عرض کرچکے ہیں۔

۴؎ محمد ابن سیرین حضرت انس ابن مالک کے آزاد کردہ غلام ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،بڑے فقیہ محدث عالم باعمل تھے،ستتر ۷۷سال عمر پائی، ۱۱۰ھ ایک سو دس میں وفات ہوئی،بصرہ کے پاس خواجہ حسن بصری کے ساتھ ایک ہی حجرہ میں دفن ہیں۔فقیر نے قبر شریف کی زیارت کی ہے آپ اپنے زمانہ میں علم تعبیر کے امام تھے۔

۵؎ کہ دن بھر کے خیالات رات کو خواب کی شکل میں نظر آجاتے ہیں۔

۶؎ یعنی ہر خواب سچا نہیں ہوتا نفسانی شیطانی خواب مثل وسوسہ کے ہوتے ہیں ناقابل اعتبار اور رحمانی خواب،ہاں رحمانی خواب جس کا تعلق فرشتہ سے ہوتا ہے وہ درست ہی ہوتے ہیں یہ ہماری خوابوں کا حال ہے،حضرت انبیاء کرام کے خواب ہمیشہ رحمانی اور درست ہوتے ہیں لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۷؎ تاکہ نماز کی برکت سے شیطان کا اثر جاتا رہے یہ مشورہ جب ہے جب کہ نماز میں دل لگے ورنہ بائیں ہاتھ کی طرف تھتکار دے،کروٹ بدل لے،**لاحول** شریف پڑھ لے جیساکہ ابھی پچھلی حدیث میں گزرا۔

۸؎ یعنی ابن سیرین خواب میں اپنے گلے میں طوق دیکھنا نا پسند کرتے تھے اپنے پاؤں میں زنجیر و بیڑیاں دیکھنا پسند کرتے تھے اور کہتے تھے یا حضرات صحابہ کرام خواب میں اپنے گلے میں طوق دیکھنا ناپسند کرتے تھے۔**کان یکرہ** کا فاعل ابن سیرین ہیں اور **یعجبھم** کا مرجع حضرات صحابہ کرام ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ گلے میں طوق لعنت کی علامت ہے،پاؤں میں بیڑی دین پر استقامت کی نشانی ہے۔

	بخاری نے فرمایا کہ اسے قتادہ یونس ہشیم اور ابوہلال نے محمد ابن سیرین سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے ۱؎ روایت کیا یونس نے فرمایا میں اسے نہیں خیال کرتا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قید کے متعلق ۲؎ اور مسلم نے کہا مجھے خبر نہیں کہ وہ حدیث میں ہے یا یہ ابن سیرین نے کہا ۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ حدیث میں یہ قول **اکرہ الغل** پورے کا پورا حدیث میں داخل کرلیا گیا ہے ۴؎

۱؎ قتادہ تو مشہور تابعی ہیں،یونس نام کے بہت راوی ہیں یہاں یونس ابن عبید بصری مراد ہیں جو عبدالقیس کے آزاد کردہ غلام ہیں کیونکہ محمد ابن سیرین سے زیادہ روایت یہی کرتے ہیں،ہشیم سے مراد ہشیم ابن بشیر سلمی ہیں،ابو ہلال بھی تابعی ہیں،ان چاروں بزرگوں نے کہا کہ محمد ابن سیرین نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی یونس ابن عبید نے کہا کہ قید کے متعلق یہ فرمان کہ قید پسند کرتے تھے یہ حضور کا فرمان عالی ہے کہ حضور خواب میں قید دیکھنا پسند فرماتے تھے۔

۳؎ یعنی خواب میں قید دیکھنے کا محبوب ہونا یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا محمد ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔

۴؎ یعنی کان یکرہ الغل سے لے کر فی الدین تک کی عبارت حدیث میں نہیں ہے یہ ابن سیرین کا اپنا قول ہے مگر اسے حدیث میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حدیث کا جز معلوم ہوتا ہے یہ شامل کرنے والے یا تو ابن سیرین ہیں یا ابوہریرہ۔(اشعہ) یہاں مرقات نے فرمایا کہ طوق گردن میں پڑتا ہے اور قیامت کے دن کفار کی گردنوں میں طوق ہوگا،رب فرماتاہے:"اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنٰقِہِمۡ"لہٰذا یہ خواب میں دیکھنا اچھا نہیں اور بیڑیاں پاؤں میں پڑتی ہیں جس سے پاؤں ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اس کو اسلام پر ثابت قدمی نصیب ہوگی،اپنے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے دیکھنا بخل کی علامت ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میرا سر کاٹ دیا گیا ہے ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا جب تم میں سے کسی سے شیطان خواب میں کھیلے تو لوگوں کو اس کی خبر نہ دے(مسلم)۲؎	

۱؎ یعنی مجھے ذبح یا قتل کردیا گیا اور میں اپنے ذبح اپنے قتل کو خود دیکھ رہا ہوں وہ صاحب خواب سے گھبرا گئے تھے۔

۲؎ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے معلوم فرمالیا کہ یہ خواب اضغاث احلام سے ہے شیطان نے اسے مغموم کرنے کے لیے یہ خواب دکھایا ہے اگر یہ خواب درست ہوتو اس کی تعبیر ہوتی ہے،تبدیلی حال مغموم دیکھے تو اسے خوشی ہوگی،خوش حال دیکھے تو وہ بدحال ہوجاوے گا،غلام دیکھے تو آزاد ہوجاوے گا،مقروض دیکھے تو قرض سے آزاد ہوجاوے گا لہٰذا یہ حدیث بھی صحیح ہے اور معبرین کی یہ مذکورہ تعبیریں بھی درست ہیں۔ (مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مجھے اس میں جس میں سونے والا دیکھتا ہے دکھایا ۱؎ گیا گویا ہم عقبہ ابن رافع کے گھر میں ہیں کہ ہمارے پاس ابن طاب سے کچھ رطب لائے گئے ۲؎ میں نے تعبیر دی کہ دنیا میں بلندی ہمارے لیے ہے اور آخرت میں انجام بھی اور یہ کہ ہمارا دین طیب ہوگیا ۳؎(مسلم)	

۱؎ مایری النائم سے مراد صادقہ و صالحہ خوابیں ہیں۔النائم میں الف لام عہدی ہے جس سے مؤمن صالح نائم مراد ہے۔

۲؎ یعنی ہم مع صحابہ کرام ان کے گھر میں ہیں ہم سب کے پاس یہ کھجوریں لائی گئیں۔ابن طاب مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جس کی طرف یہ کھجوریں منسوب ہیں،انہیں عذق ابن طاب بھی کہتے ہیں اور رطب ابن طاب بھی۔

۳؎حضور انور نے یہ تعبیر ان کے ناموں سے دی۔حضور انور ناموں سے نامی بیداری بھی لیتے تھے۔چنانچہ سفر ہجرت میں حضور انور نے کفار کی ایک جماعت کو دیکھا جس کا سردار بریدہ اسلمی تھا جسے کفار مکہ نے سو۱۰۰ اونٹ کے وعدہ پر حضور انور کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا،آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ بولا بریدہ تو صدیق اکبر نے فرمایا (بردامرنا) ہمارے کاموں میں ٹھنڈک ہوئی،پھر پوچھا تیرا نسب کیا ہے بولا بنی اسلم،فرمایا ان شاءاللہ ہم کو سلامتی ملی،پھر پوچھا کون سا اسلم؟بولا بنی سہم والے،فرمایا(اصبت سهمك)تو نے اپنا حصہ پالیااسی وقت بریدہ مسلمان ہوگئے اور حضور کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے گویا حضور علیہ السلام نے جو کہا فورًا ہوا انہیں حصہ مل گیا۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کررہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں تو میرا خیال ادھر گیا۱؎ کہ وہ زمین یمامہ یا ہجر ہے ۲؎ مگر وہ نکلا مدینہ یعنی یثرب۳؎اور میں نے اپنی اسی خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک تلوار ہلائی تو اس کا درمیانی حصہ ٹوٹ گیا یہ وہ تکلیف تھی جو مسلمان کو احد کے دن پہنچی ۴؎پھر میں نے اسے دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے زیادہ اچھی ہوگئی تو یہ وہ فتح اور مسلمانوں کا اجتماع ہے جو اللہ تعالٰی نے عطا فرمایا ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎وھل واؤاورہ کے فتحہ سے بمعنی گھبراہٹ اور فورًا دل میں آنے والا خیال۔(مرقات)

۲؎یمامہ ایک لونڈی کا نام تھا جس کی آنکھیں نیلی اور نگاہ بہت تیز تھی،بور نو شہر اور علاقہ اس کی طرف منسوب ہے،یمامہ سارے حجاز میں زیادہ ہرا بھرا اور کھجوروں والی بستی ہے،مکہ معظّمہ سے جانب مشرق ہے،بصرہ کوفہ سے سولہ منزل پر ہے،مسیلمہ کذاب یہاں ہی کا باشندہ تھا،ہجر بحرین کے علاقہ میں ایک شہر ہے جہاں کے گھڑے اور مٹکے بہت مشہور تھے۔

۳؎یعنی اس خواب کے کچھ دیر بعد علامات سے معلوم ہوا کہ ہماری جائے ہجرت مدینہ منورہ ہے جسے لوگ یثرب کہتے ہیں،حضور کی یہ تعبیر ہجرت سے کہیں پہلے ہوچکی تھی خواب دیکھنے کے کچھ بعد جہاں فاذا کی ف سے معلوم ہورہا ہے دیکھو اشعہ۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ کے قریبًا اسّی نام ہیں جن میں سے بہت سے نام شیخ عبدالحق نے اپنی کتاب جذب القلوب میں بیان فرمائے:مدینہ،طیبہ،طابہ،بطحی۔ابطح وغیرہ۔اسے یثرب کہنا منع ہے طریقہ منافقین ہے،قرآن کریم فرمارہا ہے کہ منافقین کہتے ہیں"یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ"امام احمد نے بروایت براء ابن عازب مرفوعًا نقل فرمایا کہ جو اسے یثرب کہے وہ توبہ کرے(مرقات)بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی کہ حضور

فرماتے ہیں جو ایک بار مدینہ کو یثرب کہےوہ کفارہ کے لیے دس بار مدینہ کہے۔(اشعہ)یثرب نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھاجس نے یہ شہر آباد کیا۔(اشعہ)واللہ اعلم! روح البیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے زمانہ سلیمانی میں تبع نے آباد کیا،نیز یثرب بنا ہے ثرب سے بمعنی ہلاکت یا مصیبت،یثرب بمعنی مصیبت و آفات کی جگہ،چونکہ پہلے یہ جگہ بڑی بیماریوں والی تھی اس لیے یثرب کہلاتی تھی حضور کی برکت سے طیبہ یعنی صاف کی ہوئی زمین ہوگئی اب وہ جگہ بجائے دارالوباء کے دارالشفاء بن گئی۔

۴؎ یعنی تلوار کاٹوٹنا مسلمانوں کی وہ پریشانی تھی جو انہیں احد میں پہنچی۔معلوم ہوا کہ غازی مسلمان حضور کی تلوار ہیں اور حضور کے ہاتھ میں ہیں۔

۵؎ اس فتح سے مراد یا تو خود احد کے دن کی فتح ہے کہ اولًا مسلمانوں کے قدم اکھڑے اور ستر حضرات شہید ہوگئے پھر حضور کے قدموں میں جمع ہوگئے اور بخیروخوبی مدینہ منورہ پہنچے،نہ ان کا مال لٹانہ کوئی مسلمان قیدی ہوا،کفار مکہ کی آرزو پوری نہ ہوئی وہ تو مدینہ منورہ کو برباد کرنے آئے تھے ناکام گئے،یامراد بعد کی فتوحات ہیں جیسے فتح مکہ،فتح حنین،فتح خیبر وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم سورہے تھے تو ہمارے پاس زمین کے خزانے لائے گئے ۱؎ تو پھر ہمارے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے وہ ہم پر بھاری پڑے ۲؎ تو ہم کو وحی کی گئی کہ انہیں پھونک مار دو ہم نے پھونکا تو وہ دونوں جاتے رہے ۳؎ ہم نے انکی تعبیر ان دو جھوٹوں سے کی جن کے درمیان ہم ہیں صنعا والا اور یمامہ والا ۴؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک مسیلمہ ہے یمامہ والا اور عنسی ہے صنعا والا،میں نے یہ روایت مسلم،بخاری میں نہ پائی،اسے صاحب جامع نے ترمذی سے ذکر کیا ۵؎

۱؎ اور ہم کو عطا فرمائے گئے یا تو خزانوں کی چابیاں عطا ہوئیں یا خود خزانے کہ حضور انور ان کے مالک بنادیئے گئے۔(مرقات)خزانوں میں زمین اور اسکے تمام ملک اور اس کی تمام چیزیں بحری ہوں یا بری سب مراد ہیں۔حضور سب چیزوں کے مالک کردیئے گئے اب جو جس کو ملے گا یا ملتا ہے حضور کی عطاء سے ملتا ہے۔شعر

لاورب البیت جس کو جوملا ان سےملا بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

۲؎ کیونکہ وہ کنگن مجھے ناپسند تھے،بھاری پڑنے سے مراد ناپسندیدگی ہے۔(مرقات)

۳؎ پھونک سے اڑا دینے میں اشارہ اس جانب ہے کہ وہ دونوں دشمن آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گےآسانی سے دفع ہوجائیں گے۔اس حدیث کی بنا پر بعض معبرین کہتے ہیں کہ اگر مرد خواب میں اپنے ہاتھ میں سونے کے کنگن

دیکھے تو کسی مصیبت میں گرفتار ہوگا کہ سونے کے کنگن مرد کے لیے حرام ہیں،نیز وہ ہتھکڑی کے مشابہ ہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنگن اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوئے دیکھے تھے۔

۴؎یعنی دو جھوٹے مدعی نبوت جو حضور کے زمانہ میں ہی پیدا ہوئے اور دعویٰ نبوت کرچکے تھے ایک اسود عنسی جو یمن کے شہر صنعا میں رہتا تھاجسے حضور کے مرض وفات میں ہی فیروز دیلمی نے قتل کیااور حضور کو خبر دی حضور نے فیروز کو دعا دی،دوسرا مسیلمہ کذاب جو حجاز کے ایک شہر یمامہ میں رہتا تھاجسے خلافت صدیقی میں حضرت وحشی ابن حرب نے قتل کیا،اس کا واقعہ بہت مشہور ہے،یہ دونوں بڑے مردود تھے جیسے آج کل مرزا قادیانی۔اس خواب اور اس تعبیر سے چند مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسیلمہ اور عنسی کی نبوتیں دنیا طلبی کے لیے تھیں کہ حضور نے انہیں سونے کے کنگنوں کی شکل میں دیکھا۔دوسرے یہ کہ ان کی وجہ سے حضور کے قلب پر بوجھ تھا کہ وہ گمراہ گر تھے۔تیسرے یہ کہ وہ اور انکے ایجاد کردہ دین عنقریب فنا ہونے والے تھے۔چوتھے یہ کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت برحق ہے اور آپ کے فتوحات حضور کے کرم سے ہیں کیونکہ مسیلمہ کذاب حضرت صدیق اکبر کی خلافت میں مارا گیاآپ نے اس پر جہاد کیاجسے حضور انور نے اپنی پھونک سے اڑتا دیکھا،صدیق اکبر کا جہاد حضور کی پھونک تھی۔

۵؎اس کا منشاء یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے یہ حدیث فصل اول میں بیان کی حالانکہ یہ صحیحین کی ہیں اسے دوسری فصل میں لانا چاہیے تھا۔

روایت ہے ام العلاء انصاریہ سے ۱؎فرماتی ہیں میں نے عثمان ابن مظعون کا چشمہ خواب میں دیکھا تھا بہتا ہوا ۲؎ میں نے اسکا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیاتو فرمایا کہ یہ اس کا عمل ہے جو اس کے لیے جاری ہے ۳؎(بخاری)	

۱؎آپ کا نام زینب ہے،زید ابن ثابت کی زوجہ ہیں،خارجہ ابن زید کی والدہ،عثمان ابن مظعون آپ کے ہاں دائمی مہمان تھے،آپ کے حصے میں آئے تھے،حضور نے مہاجرین کو انصار میں تقسیم فرمادیا تھاتو حضرت عثمان ابن مظعون جناب ام العلاء کے پاس رہے۔

۲؎یہ مضمون بڑی حدیث کا حصہ ہے۔عثمان ابن مظعون کعب ابن لوی کی اولاد میں سے ہیں،قریش میں تیرھویں مسلمان ہیں،صاحب ہجرتین ہیں،حضور کی ہجرت کے اڑھائی سال بعد مدینہ منورہ میں فوت ہوئے،حضور نے آپ کی پیشانی چومی،آپ مدینہ میں پہلے مہاجر ہیں جن کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے،ان کے متعلق ام العلاء نے خواب میں دیکھا کہ ان کے پاس شفاف پانی کا چشمہ رواں ہے۔

۳؎یعنی حضرت عثمان مرابط مجاہد تھے اور مجاہد کو تاروز قیامت ثواب ملتا ہے،اس کا عمل صدقہ جاریہ ہوتاہے، اسے ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے،یہ پانی کا چشمہ ان کا دائمی ثواب ہے۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے ۱؎فرماتے ہیں	

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے چہرہ انور سے ہم پر متوجہ ہوتے فرماتے تم میں آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے ۲؎ فرماتے ہیں اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو اسے بیان کرتا آپ وہ فرماتے جو رب چاہتا چنانچہ ہم سے پوچھا فرمایا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے ؟ ہم نے عرض کیا نہیں ۳؎ فرمایا لیکن میں نے آج رات دو شخصوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے انہوں نے میرے ہاتھ پکڑے پھر مجھے مقدس زمین کیطرف لے گئے ۴؎ تو ایک شخص بیٹھا تھا اور ایک شخص کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے جسے اس کے جبڑے میں داخل کرتا ہے تو اسے چیر دیتا ہے حتی کہ اس کی گدی تک پہنچادیتا ۵؎ پھر اسکے دوسرے جبڑے سے اسی طرح کرتا اور اس کا وہ جبڑا بھر جاتا پھر لوٹتا تو اسی طرح کرتا ہے ۶؎ میں نے کہا یہ کیا ہے ؟ انہوں نے کہا چلئے ۷؎ چنانچہ ہم چل دیئے حتی کہ ایک شخص پر پہنچے جو اپنی پیٹھ پر لیٹا ہے اور ایک شخص اسکے سر پر پتھر یا چٹان لیے کھڑا ہے ۸؎ جس سے اس کا سر کچل رہا ہے جب اسے مارتا ہے تو پتھر لڑھک جاتا ہے وہ اسے لینے چلا جاتا ہے ۹؎ تو وہ اس تک لوٹ کر نہیں آتا حتی کہ اس کا سر بھر جاتا ہے اور اس کا سر جیسا تھا ویسا ہوجاتا ہے ۱۰؎ پھر وہ لوٹ کر اس تک آتا ہے اور اسے مارتا ہے ۱۱؎ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ وہ بولے چلئے تو ہم چلے حتی کہ ہم ایک سوراخ تک پہنچے جو تنور کی طرح تھا ۱۲؎ کہ اس کا اوپر تنگ نیچا فراخ تھا جس کے نیچے آگ تھی جب آگ بھڑکتی تو وہ لوگ اوپر اچھلتے حتی کہ اس کے نکلنے کے قریب ہوجاتے اور جب بجھتی تو اس میں لوٹ جاتے ۱۳؎ اس میں ننگے مرد وعورتیں تھیں ۱۴؎ میں نے کہا یہ کیا ہے ؟ وہ بولے چلئے ہم چل دیئے حتی کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے جس میں ایک آدمی درمیان نہر کے کھڑا تھا اور نہر

ے کنارے پر ایک آدمی کھڑا ہے جس کے سامنے پتھر تھے جو آدمی نہر میں تھاوہ آتا جب نکلنا چاہتا تو یہ شخص اس کے منہ میں پتھر مارتاتو اسے وہاں ہی لوٹا دیتا جہاں تھا ۱۵؎ پھر یہ کرنے لگا کہ جب بھی یہ نکلنے کے لیے آتا تو اس کے منہ میں پتھر مارتاوہ جہاں تھا وہاں لوٹ جاتامیں نے کہا یہ کیا ہے ؟ وہ بولے چلئے ۱۶؎ ہم چلے حتی کہ ایک سبز باغ تک پہنچے جس میں ایک بڑا درخت تھا جس کی جڑ میں ایک بوڑھے صاحب اور کچھ بچے ۱۷؎ تھے ایک شخص درخت سے قریب تھاجس کے سامنے آگ تھی جسے وہ روشن کررہا تھایہ مجھے درخت تک لے گئے مجھے اس گھر میں داخل کیا جو درخت کے بیچے ہی تھا ۱۸؎ اس سے اچھا مکان میں نے کبھی نہ دیکھا ۱۹؎ اس میں کچھ لوگ بوڑھے اور جوان اورعورتیں وبچے تھے ۲۰؎ پھر وہ مجھے وہاں سے لے گئے مجھے اس درخت میں جڑ کے پاس ایسے گھر میں داخل کیا جو اس سے بھی اچھا اور بہتر تھا ۲۱؎ اس میں بوڑھے اورجوان تھے ۲۲؎ میں نے ان دونوں سے کہاتم نے مجھے آج رات بھر پھرایامجھے اس کی خبر دو ۲۳؎ جو میں نے دیکھا وہ بولے ہاں لیکن وہ شخص جسے آپ نے دیکھا کہ اس کا جبڑا چیرا جارہا ہے یہ وہ جھوٹا ہے جو جھوٹی خبر دیتا ہے جو اس سے نقل کی جاتی ہے حتی کہ سارے ملک میں پھیل جاتی ہے ۲۴؎ جو کچھ آپ نے دیکھا اس کے ساتھ تاروز قیامت کیا جاوے گا اور جو آپ نے دیکھااس کا سر کچلا جارہا ہے یہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالٰی نے قرآن سکھایااور وہ رات میں اس سے غافل سویااور دن میں اس کے فرمان پر عمل نہ کیاجو کچھ آپ نے دیکھااس کے ساتھ یہ قیامت تک کیا جاوے گا ۲۵؎ اور جو لوگ آپ نے تنور میں دیکھے یہ زانی لوگ ہیں ۲۶؎ اور جسے آپ نے نہر میں دیکھا وہ سود خوار ہے ۲۷؎ اور وہ بوڑھے صاحب جنہیں آپ نے درخت کی جڑ	

میں دیکھا ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے آس پاس والے بچے وہ لوگوں کی اولاد ہے ۲۸؎ اور وہ جو آگ روشن کررہے تھے وہ مالک ہیں دوزخ کے خزانچی ۲۹؎ اور پہلا گھر جس میں آپ گئے وہ عام مسلمانوں کا گھر ہے ۳۰؎ اور یہ گھر شہداء کا گھر ہے ۳۱؎ میں جبرئیل ہوں اور ۳۲؎ یہ میکائیل اپنا سر تو اٹھایئے میں نے اپنا سر اٹھایا تو ناگاہ میرے سر پر بادل جیسا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ سفید تہ بہ تہ بادل جیسا ۳۳؎ وہ دونوں بولے یہ آپ کا گھر ہے ۳۴؎ میں نے کہا مجھے چھوڑو اپنے گھر میں جاؤں وہ بولے کہ ابھی آپ کی عمر باقی ہے جو آپ نے پوری نہیں کی اگر آپ وہ پوری کر لیتے تو اپنے گھر چلے جاتے ۳۵؎ (بخاری) اور عبداللہ ابن عمر کی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب مدینہ منورہ کے بارے میں باب حرم مدینہ میں ذکر کی گئی۔	

۱؎ آپ کا ذکر بارہا ہوچکا ہے کہ آپ عظیم الشان صحابی ہیں،بڑے محدث ہیں،بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی، ۵۹ھ ہجری میں یا ۶۰ھ ہجری میں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ لوگوں سے خواب پوچھنا اس کی تعبیر دینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے بشرطیکہ تعبیر خواب کا علم ہو۔

۳؎ یا تو صراحۃً نہیں فرمایا تمام حضرات خاموش رہے،یہ خاموشی نفی کی علامت تھی۔(مرقات)پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۴؎ یہ حضور کی معراج منامی یعنی خواب کی معراج ہے۔زمین مقدس سے مراد فلسطین کی زمین ہے جہاں بیت المقدس واقع ہوا ہے،چونکہ اس زمین میں حضرات انبیاء کے مزارات بہت ہیں اس لیے اسے قدس کہا جاتا ہے۔چنانچہ بیت المقدس سے تیس ۳۰ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے خلیل الرحمٰن وہاں ہے غار انبیاء،اس غار میں ستر ہزار نبیوں کے مزارات ہیں،میں نے وہاں کی زیارت کی ہے،درمیان میں بیت اللحم آتا ہے جائے پیدائش عیسیٰ علیہ السلام یا زمین مقدس سے کوئی اور پاک زمین مراد ہے۔**واللہ اعلم!**

۵؎ یہ کھڑا ہوا شخص فرشتہ عذاب تھا اور بیٹھا ہوا شخص مجرم انسان،یہ عذاب برزخی تھا جو حضور کو آنکھوں سے دکھایا گیا۔

۶؎ یعنی دو طرفہ جبڑے چیرنے کا کام مسلسل کررہا تھا داہنا جبڑا چیرتا تو اتنی دیر میں بایاں جبڑا بھر کر چیرنے کے قابل ہوجاتا اور جب بایاں جبڑا چیرتا تو داہنا جبڑا بھر کر چیرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

۷؎ یعنی آگے چلئے ابھی آپ نے اور بھی عجائبات دیکھنے ہیں سب کی تفصیل آخر میں ایک ساتھ عرض کردی جاوے گی۔

۸؎ **فھر** یا تو چھوٹی پتھریاں مٹھی بھر کر یا مطلقًا پتھر۔**صخرہ** بڑا پتھر بمعنی چٹان شک،راوی کو ہے کہ حضور انور نے **فھر** فرمایا،یا **صخر**۔

۹؎ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں **صخر** فرمایا ہوگا یعنی چٹان کیونکہ یہ صفات چٹان کی ہیں،لڑھکنا پھر اسے اٹھانے جانا،پتھریوں کے لیے بکھرجانا،انہیں جمع کرنا(**بیننا**)کہا جاتا ہے۔

۱۰؎ یعنی اس شخص کے پتھر لینے جانے کے دوران اس شخص کا کچلا ہوا سر پہلے کی طرح بالکل درست اور کچلنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

۱۱؎ مگر اسے بار بار مارنے سر کچلنے سے وہ شخص مرتا نہیں ورنہ عذاب کا دوام کیسے ہو۔

۱۲؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے **ثقب** کے **نقب** نون سے ہے،**ثقب** ث سے ہر آرپار سوراخ کو کہتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا مگر **نقب** نون سے بڑے سوراخ کو ہی کہا جاتا ہے،**ثقب** ث سے زیادہ مشہور ہے۔

۱۳؎ مگر اس کے باوجود ان کی جان نہیں نکلتی ہے تاکہ آگ کا یہ عذاب ان پر قائم رہے۔

۱۴؎ یعنی پہلے دیکھے ہوئے دو عذاب شخصی تھے یہ تیسرا عذاب قومی تھا جس میں مردوعورتیں سب ایک ساتھ ہی گرفتار تھے۔خدا کی پناہ!

۱۵؎ یعنی جو شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے وہ سخت تنگی مصیبت و تکلیف میں ہے وہ وہاں سے نکلنا چاہتا ہے۔آج گرمیوں کے موسم میں گرم پانی کے ٹپ میں کھڑا ہونا ہی سخت تکلیف دہ ہوتا ہے وہ تو گرم خون میں کھڑا ہوتا تھا اس سے بھاگتا تھا مگر کنارے والا آدمی اسے نکلنے نہ دیتا تھا،نہر کے اس پار نکلنے کی راہ نہ تھی اس لیے وہ اس طرف بھاگ کر آتا اور پتھر کھا کر لوٹ جاتا یہ تو عذاب دکھائے گئے اب ثواب دکھائے جاتے ہیں۔

۱۶؎ اور اس کی قدرتیں ورحمتیں بھی دیکھئے۔

۱۷؎ یہاں جڑ سے مراد عین جڑ نہیں بلکہ درخت کی جڑ سے محض جگہ مراد ہے،درخت کے پھیلاؤ کے نیچے وہاں یہ بزرگ اور بچے ہیں۔(مرقات)

۱۸؎ درخت کے نیچے مکان ہونے کی کیفیت ہماری سمجھ سے بالا ہے۔اسے دیکھنے والا جانے یا دکھانے والا بہرحال جو صورت بھی ہو ہمارا اس پر ایمان ہے۔

۱۹؎ یعنی اس دنیا میں کبھی ایسا شاندار مکان نہ دیکھا ورنہ منامی جسمانی خوابوں میں جنت میں مکانات دیکھے تھے یہ بھی جنت کا ہی مکان تھا۔

۲۰؎ **شباب** جمع ہے **شباب** کی بمعنی جوان مرد ہو یا عورت سب پر بولا جاتا ہے۔

۲۱؎ یعنی اس گھر کی بناوٹ اور یہاں کی زیب و زینت پہلے گھر سے کہیں زیادہ تھی،**حسن** سے مراد ہے ذاتی خوبی،**فضل** سے مراد ہے آرائش و افضیلت۔

۲۲؎ یہاں عورتوں بچوں کا ذکر نہیں اس کی وجہ بیان تعبیر سے ہی معلوم ہوگی اس لیے کہ یہ جگہ کاملین کی ہے اور عورتیں بچے کامل کم ہوتے ہیں اس لیے۔
۲۳؎ تاکہ خواب کی تعبیر خواب ہی میں ہوجاوے۔سبحان اللہ اس خواب کے بھی قربان جایئے اور اس تعبیر کے بھی فدا۔
۲۴؎ یعنی جھوٹ کا موجد جھوٹ گھڑنے والا اور لوگوں میں جھوٹ پھیلانے والا جس سے اور لوگ بھی جھوٹ بولیں،اس میں دنیاوی جھوٹے بھی داخل ہیں اور دینی جھوٹے بھی،جو بے دینی کا موجد جھوٹا دین گھڑ کر لوگوں میں شائع کرے لوگ اس جھوٹ کی تصدیق کریں وہ بھی اسی زمرے میں ہے،مثلًا مرزا نے کہا میں نبی ہوں یہ جھوٹ گھڑا پھر اس کے متبعین نے کہا ہاں واقعی وہ نبی ہے یہ ہوئی اس جھوٹ کی اشاعت۔غرضکہ غلط بات،غلط مسئلہ،غلط عقیدہ ایجاد کرنے والوں کا یہ انجام ہے۔
۲۵؎ چونکہ عالم بے عمل فاسق بھی ہے فاسق گر بھی یا گمراہ بھی ہے گمراہ گر بھی کہ اس کی دیکھا دیکھی بہت لوگ بدعمل یا بدعقیدہ ہوجاتے ہیں اس لیے اس کو عذاب بھی بہت ہوا،چونکہ رات میں تلاوت قرآن زیادہ ہوتی ہے دن میں عمل قرآن زیادہ کہ نوے فیصدی اعمال دن میں ہوتے ہیں اس لیے عمل کو دن کے ساتھ خاص فرمایا اور رات کے متعلق فرمایا کہ سو گیا یعنی رات میں نماز تہجد وغیرہ نہ پڑھی جس میں قرآن شریف کی تلاوت کرتا جو سر خدا کے لیے نہ جھکے وہ کچلنے کے ہی قابل ہے۔
۲۶؎ چونکہ زانی اور زانیہ غیر کے سامنے ننگے ہوتے تھے اس لیے انہیں دوزخ میں ننگا رکھا گیا تاکہ اپنا یہ شوق پورا کریں۔اس سے آج کل کے فیشن پرست لوگ عبرت پکڑیں جو نیم عریاں لباس میں باہر پھرتے ہیں،نیز انہوں نے دنیا میں آتش شہوت بے جا بھڑکائی لہذا وہ بھڑکتی آگ میں جلائے گئے،شہوت اپنے محل پر خرچ ہو تو نور ہے اور بے محل خرچ ہو تو نار۔
۲۷؎ چونکہ دنیا میں سودخوار لوگوں کے خون چوستا تھا کہ غریبوں کا مال سود کے ذریعہ حرام طریقے سے جمع کرکے امیر بنتا تھا لہذا اسے خون کی نہر میں کھڑا کیا گیا۔
۲۸؎ علماء فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو عین بچپن میں فوت ہوجاویں وہ برزخ میں،حضرت ابراہیم علیہ السلام و سارہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں رہتے ہیں،قیامت میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے باقی تمام جوان ہوں گے بے ڈاڑھی مونچھ۔
۲۹؎ مالک نام ہے داروغہ دوزخ کا۔
۳۰؎ یعنی وہ جنت کا وہ مقام ہے جہاں عام جنتی مسلمان رہیں گے اس لیے آپ نے وہاں مرد عورتیں اور بچے دیکھے۔
۳۱؎ یعنی یہ گھر شہیدوں اور خاص مؤمنوں کا ہے اس لیے یہاں عورتیں اور بچے کم ہیں کہ یہ مراتب عمومًا مردوں کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔
۳۲؎ تمام فرشتوں میں افضل حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔(مرقات)
۳۳؎ یعنی وہ مکان بہت حسین خوشنما،بہت اونچا،بہت وسیع کہ جہاں تک بغیر اس کے فضل کے نہ پہنچا جاسکے۔

۳۴؎ جنت کا گھر جتنا اونچا اتنا ہی اعلیٰ دوزخ کا گھر جس قدر نیچا اتنا ہی بدتر،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان سے افضل و اعلیٰ ہیں لہذا آپ کا مقام بھی سب سے اونچا و اعلیٰ ہے اتنا اونچا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں کھڑے ہوکر اسے بادل کی طرح اونچا دیکھا۔

۳۵؎ شاید حضور انور نے وہاں رہنا چاہا اس لیے یہ عرض کیا گیا صرف دیکھنے سے منع نہ کیا گیا یعنی اس گھر میں روحانی طور پر رہنا بعد وفات ہوگا اور جسمانی رہنا بعد قیامت ابھی نہ تو حضور کی وفات ہوئی ہے نہ قیامت آئی لہذا ابھی کسی قسم کا رہنا نہیں ہوسکتا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ عمر پوری کرنے پر بھی اس کا داخلہ نہیں وہاں داخلہ تو بعد قیامت ہوگا۔اس پوری حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھی خواب کے بیان کرنے اور تعبیر دینے میں جلدی بہتر ہے،دیکھو حضور انور نے رات کی خواب سویرے ہی بعد نماز فجر بیان بھی کردی تعبیر بھی دے دی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کی خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہوتی ہے جب تک اس کی خبر نہ دی جاوے جب وہ بیان کردی جاوے تو واقع ہوجاتی ہے ۲؎ مجھے خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ خواب نہ بیان کرو مگر دوست سے یا عاقل سے ۳؎ (ترمذی)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے فرمایا کہ پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک تعبیر نہ دی جاوے جب تعبیر دے دی جاوے تو واقع ہوکر رہتی ہے غالبًا انہوں نے فرمایا کہ خواب نہ بیان کرو مگر محبت والے پر یا عقل والے پر ۴؎	

۱؎ آپ کا نام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے،اہلِ طائف سے ہیں،مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ خواب تعبیر سے پہلے اڑتی ہوئی چڑیا ہے جو ظاہر نہیں ہوتی مگر تعبیر ہوجانے کی صورت میں ضرور واقع ہوتی ہے اور تعبیر میں پہلی تعبیر کا اعتبار ہے بعد کی تعبیر دی ہوئی کا اعتبار نہیں۔

۳؎ یعنی پہلی بار تعبیر لینے کے لیے اپنی خواب یا اپنے پیارے سے بیان کرو یا بہت سمجھ دار سے جسے خواب کی تعبیر کا علم ہو۔پیارا اگر تعبیر نہ جانتا ہوگا تو تعبیر دے گا ہی نہیں،عالم تعبیر دے گا مگر درست،بے علم بے وقوف سے خواب نہ کہو کہ وہ غلط تعبیر دے کر تمہاری خواب بگاڑ دے گا۔

حکایت: ایک عورت کا خاوند تلاش روزگار میں باہر گیا ہوا تھاعورت نے خواب میں دیکھاکہ میرے خاوند کے منہ سے کوے نکل کر اڑ رہے ہیں،اس نے اپنی پڑوسن سے بیان کیاوہ بولی کہ کوے تو مردے کے منہ سے اڑتے ہیں تیرا خاوند مرگیا ہوگا،پھر وہ عالم وقت کے پاس گئی انہوں نے فرمایا کہ تیرا خاوند توپ خانہ کا مالک کردیا گیا ہے،کچھ روز بعد اس کی موت کی خبر آگئی تو وہ پھر ان عالم کے پاس گئی اور ماجرا بیان کیا،عالم نے فرمایا کہ خواب کی پہلی تعبیر ہی ہوتی ہے تو نے اس نادان عورت سے اپنی خواب کہہ کر تعبیر خراب کرلی۔

۴؎ کیونکہ خواب بظاہر کبھی بری ہوتی ہے لیکن درحقیقت اچھی کبھی برعکس اس لیے خواب اہل علم اور فن تعبیر جاننے والے سے کہوجو حقیقت تک پہنچ سکیں۔دشمن اپنی عداوت سے،بے وقوف اپنی حماقت سے اچھی خواب کو بری کردے گا بری تعبیر دے کر بلکہ بری خواب کی تعبیر ہی نہ دے کچھ صدقہ دلوادے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ حضور سے جناب خدیجہ نے کہا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی ۲؎ لیکن اظہار سے پہلے وفات پاگئے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خواب میں وہ دکھائے گئے ان پر سفید کپڑے تھے اور اگروہ آگ والوں سے ہوتے تو ان پر اس کے علاوہ لباس ہوتا ۴؎(احمد،ترمذی)	

۱؎ کہ ورقہ مسلمان ہیں یا نہیں،یہ ورقہ ابن نوفل ابن اسد ابن عبدالعزیٰ ابن قصی ابن کلاب ہیں،قرشی ہیں،حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ہیں،اسلام سے پہلے فوت ہوئے وہ عیسائی بن گئے تھے،حضور کا ابتدائی زمانہ نبوت پایاآپ کی تصدیق کی اس لیے بعض نے انہیں صحابی مانا ہے۔(مرقات)انجیل کا عربی ترجمہ آپ نے ہی کیا تھاکبھی بت پرستی نہ کی،آخر میں نابینا ہوگئے تھے،پہلی وحی کے موقع پر حضرت خدیجہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس لے جانا اور ان کا حضور کو نبوت کی بشارت دینا اور تمناکرنا کہ کاش میں کچھ زندہ رہتاتو آپ کی اس وقت مدد کرتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی وغیرہ وغیرہ،بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے۔

۲؎ اور عرض کیا تھا کہ آپ پر جو فرشتہ آج اترا ہے یہ وہ ہی فرشتہ ہے جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر اترتا تھا۔یہ عرض معروض تصدیق کی علامت ہے فرمایا جاوے کہ وہ اس تصدیق سے مؤمن ہوئے یا نہیں۔

۳؎ یعنی ورقہ بن نوفل اس سے پہلے ہی وفات پاگئے کہ آپ لوگوں پر اپنی نبوت ظاہر فرمادیں اور ان کو دعوتِ اسلام دیں۔

۴؎ یعنی ورقہ کے متعلق ہم پر وحی جلی تو نہ آئی مگر وحی خفی یعنی خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردے کو سفید لباس میں خواب میں دیکھنا اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے اور یہ کہ حضرت ورقہ مؤمن ہیں مغفور ہیں بلکہ بعض کے نزدیک صحابی ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت

نبوت پالیااور حضور کی تصدیق کردی اگرچہ اعلان نبوت تبلیغ اسلام کا زمانہ نہ پایا انکے نزدیک یہ چیزصحابیت کے لیے کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت خزیمہ ابن ثابت سے ۱؎ وہ اپنے چچا ابو خزیمہ سے راوی ۲؎ کہ انہوں نے خود کو اس حالت میں دیکھا جس کو سونے والا دیکھتا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیاتو حضور کو خبر دی حضور انکے آگے لیٹ گئے اور فرمایا اپنی خواب سچی کرلو چنانچہ انہوں نے حضور کی پیشانی پر سجدہ کیا ۳؎(شرح السنۃ)اور ہم ابوبکرہ کی حدیث گویا آسمان سے ترازو اتری الخ مناقب ابوبکروعمر میں بیان کریں گے ۴؎

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،کنیت ابوعمارہ انصاری ہے،بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،جنگ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،جب عمار ابن یاسر شہید ہوگئے تو آپ نے تلوار سونت لی اورلڑتے لڑتے شہید ہوگئے،بہت بڑے عابد زاہد صحابی ہیں۔(اشعہ و مرقاۃ)

۲؎ ابو خزیمہ مشہور صحابی ہیں،آپ کو ذوالشھادتین کہاجاتا ہے کیونکہ آپ کی گواہی دو گواہوں کے برابر تھی۔

۳؎ اس طرح کہ حضور انور کی پیشانی پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ کیا یہ سجدہ رب تعالیٰ کو تھا سجدۂ عبادت تھا حضور کو نہ تھا بلکہ حضور کی پیشانی پر آج حضور انور کی پیشانی آپ کا مصلی تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر خواب میں کوئی عبادت کرتے دیکھے تو بیدار ہوکر کرے،بعض بے دین فی زمانہ پیروں ولیوں کو سجدہ کرنا جائز کہتے ہیں اور اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں،مصلے پر سجدہ کرنا مصلی کو سجدہ نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ کسی بندے کو سجدۂ عبادت کرنا شرک ہے سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے،حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھاکہ فرشتے احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں،نیز وہ سجدہ صرف ایک بار ہوا کسی نے کبھی حضرت آدم کو پھر سجدہ نہ کیا،یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا حکم شرعی نہ تھا خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے تھا جیسے ذبح اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ کہ دین ابراہیمی میں ذبح اولاد حکم شرعی نہ تھا اسی لیے وہ سجدہ بھی صرف ایک بار ہوا،اگر سجدہ یوسفی سے دلیل لی جاوے تو چاہیے کہ یہ پیر اپنے مریدوں کو سجدہ کریں کیونکہ یعقوب علیہ السلام جو والد ہیں انہوں نے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام سجدہ کیا تھا۔سجدہ تعظیمی کی بحث ہماری تفسیر نور العرفان میں ملاحظہ کرو ۔سجدہ تعظیمی کی حرمت پر بہت احادیث وارد ہیں اس کے جواز کی کوئی حدیث نہیں محض ان جاہلوں کا قیاس ہے۔

۴؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی،ہم نے وہاں اس باب میں کی کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شان کا اظہاراس لیے وہاں کے مناسب ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھی ہے چنانچہ آپ کی خدمت میں وہ شخص بیان کرتا جسے اللہ چاہتا اور حضور نے ایک صبح فرمایا کہ آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے۱ اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا چلئے میں ان کے ساتھ گیا اور اس طرح کی حدیث بیان کی جو پہلی فصل میں بہت دراز ذکر ہوئی اس میں کچھ زیادتی بھی ہے جو مذکورہ حدیث میں نہیں ۲ اور وہ حضور کا یہ قول ہے کہ ہم ایک سرسبز باغ پر آئے ۳ جس میں ہر قسم کی بہار کی کلیاں تھیں ۴ اور ناگاہ باغ کے درمیان ایک دراز قد شخص ہے نہیں قریب تھا میں کہ ان کا سر دیکھوں آسمان میں درازی کی وجہ سے اور اس شخص کے ارد گرد بہت بچے ہیں جنہیں میں نے کبھی دیکھا ہو ۵ میں نے کہا یہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں؟ فرماتے ہیں وہ دونوں بولے چلو تو ہم ایک بڑے باغ تک پہنچے کہ اس سے بڑا میں نے کبھی نہ دیکھا ۶ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ میں اس میں چڑھ جاؤں فرماتے ہیں کہ پھر ہم اس میں چڑھ گئے تو ایسے شہر تک پہنچے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا تھا ۷ تو ہم شہر کے دروازے پر پہنچے ہم نے دروازہ کھلوایا وہ کھولا گیا ہم اس میں داخل ہوگئے ۸ وہاں ہم کو کچھ لوگ ملے جن کی آدھی شکل تو بہت ہی اچھی تھی جو تم دیکھو اور ان کی آدھی شکل بہت ہی بری جو تم دیکھو ۹ فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے ان سے کہا جاؤ اس

نہر میں کود جاؤفرماتے ہیں کہ سامنے ہی نہر بہ رہی تھی جس کا پانی سفید و خالص چٹا تھاچنانچہ یہ لوگ گئے پھر اس میں کود گئے پھر ہمارے پاس آئے حالانکہ ان سے تمام برائی جاچکی تھی اور وہ نہایت اچھی شکل میں ہوگئے تھے ۱۰اور اس زیادتی کی تفسیر میں ذکر فرمایا ۱۱کہ وہ دراز قد شخص جو باغ میں تھے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں ۱۲اوروہ بچے جوان کے ارد گرد تھے وہ ہر ایسا بچہ ہے جو اسلام پر مرے ۱۳راوی کہتے ہیں کہ بعض مسلمانوں نے کہا یارسول اللہ مشرکوں کے بچے بھی تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مشرکوں کے بچے بھی ۱۴لیکن وہ قوم جن کا آدھا حصہ اچھا اور اچھا برا تھا وہ ایسی قوم ہے جنہوں نے اچھے برے کام ملا کر کئے اللہ تعالٰی نے ان سے درگزر فرمادی ۱۵(بخاری)	

۱یہ بھی منامی معراج ہے جو بالتفصیل پہلے گزر چکی۔یہ دونوں آنے والے دو فرشتے تھے حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام جو شکل انسانی میں حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔

۲یعنی ابھی پہلی فصل میں جو یہ ہی حدیث گزری ہے اس میں وہ زیادتی نہیں جواب اس تیسری فصل میں بیان ہورہی ہے۔

۳**معتمہ** بنا ہے **عمہ** سے بمعنی سیاہی یا اندھیرااس لیے نماز عشاء کو **عتمہ** کہا جاتا ہے کہ وہ رات اندھیری ہوجانے پر پڑھی جاتی ہے۔یہاں **معتمہ** کے معنی ہیں نہایت اعلٰی درجہ کا سبزہ جو مائل بہ سیاہی ہو۔قرآن کریم دو جنتوں کے متعلق فرماتا ہے کہ "**مُدْهَآمَّتَانِ**"وہ دونوں باغ سیاہ ہیں یعنی ان کی سبزی مائل بہ سیاہی ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ **معتمہ** کے معنی ہیں گھنا باغ جس کے نیچے دھوپ نہ پہنچے زمین پر اندھیرا رہے،بعض نے فرمایا بڑی لمبی گھاس والا باغ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔(مرقاۃ واشعہ)

۴ربیع موسم بہار کو کہتے ہیں جو سردی اور گرمی کے درمیان ہوتا ہے،اس زمانہ میں ہر قسم کے پھول و شگوفے کھلے ہوتے ہیں۔**نوز** نون کے فتحہ سے بمعنی شگوفہ و گل یعنی اس باغ میں ہر قسم کی کلیاں تھیں کسی پھول یا کلی کا انتظار نہ تھا۔

۵لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ **قط** نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے مگر حق یہ ہے کہ **قط** نفی و اثبات دونوں کی تاکید کے لیے آتا ہے،یہاں اثبات کی تاکید کے لیے ہے یعنی اس شخص کے ارد گرد اتنے زیادہ بچے ہیں کہ اتنے بچے کبھی کبھی ہی دیکھے ہوں گے۔

۶؎ یعنی یہ باغ اس پہلے باغ سے بھی زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت تھاورنہ یہ نہ فرمایا جاتا کہ ہم نے ایسا باغ کبھی نہ دیکھا۔

۷؎ یعنی اس باغ کے درمیان ایک بڑا شہر تھااس شہر کے درمیان مکانات سونے چاندی کی اینٹوں کے تھے۔

۸؎ خیال رہے کہ دروازہ کھلوانے والے تو وہ دونوں فرشتے ہی تھے مگر اس شہر میں داخل ہونے والے وہ دونوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی حضرات ہیں جیساکہ بالکل ظاہر ہے۔

۹؎ یعنی اس شہر میں لوگوں کے آدھے منہ کالے اور بدنماآدھے منہ گورے اور نہایت خوشنما تھے یہ حسن و قبح انتہائی درجہ کا تھا۔

۱۰؎ یعنی اس نہر میں غسل کرتے ہی ان کے نصف منہ کی سیاہی ختم ہوگئی،سارا چہرہ حسین اور سفید ہوگیاتو یہ لوگ حسین اور گورے ہوکر ہمارے پاس آئے خوشیاں مناتے ہوئے۔سبحان اللہ! عجیب ہی خواب ہے۔

۱۱؎ ذکر معروف ہے اس کا فاعل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی خود حضور انور نے حضرات صحابہ کرام سے تعبیر ارشاد فرمائی۔معلوم ہوا کہ اگرخواب دیکھنے والا خود تعبیر کا علم رکھتا ہو خود بھی تعبیر دیدے کسی سے پوچھنے کی اسے ضرورت نہیں،یہ بھی معلوم ہواکہ خود بھی تعبیر دے تب بھی کسی کو خواب سنادے تعبیر بھی سنادے تاکہ اس کا ظہور ضرور ہوجاوے،بعض نسخوں میں ذکر مجہول کے صیغے سے ہے مگر اسے مرقات نے ضعیف فرمایا۔

۱۲؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت دراز قد دیکھنا آپ کے بلندی درجات کی طرف اشارہ ہے جیسے قیامت کے دن مؤذن لوگ بہت دراز گردن ہوں گے یہ درازی قد معاذ اللہ بری معلوم نہ ہوگی۔

۱۳؎ یعنی وہ انسان کے بچے جو لڑکپن میں مرجاویں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش میں رہتے ہیں۔

۱۴؎ یعنی کفار و مشرکین کے بہت چھوٹے اور بالکل نا سمجھ بچے جو فوت ہوجاویں وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش میں ہی مسلمانوں کے بچوں کے ساتھ ہوں گے۔اس سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام بعد وفات بھی کار سازی کرتے ہیں،دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد وفات ہمارے چھوٹے بچوں کو تربیت و پرورش فرمارہے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سب سے خبردار ہیں بے خبر نہیں،بعد وفات اللہ تعالٰی کے مقبول بندے بے خبر نہیں ہوجاتے۔تیسرے یہ کہ کفار اور مشرکین کے چھوٹے بچے فوت شدہ جنتی ہیں وہ دوزخی نہیں۔جن احادیث میں ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہوکر دوزخی ہیں اس سے وہ بچے مراد ہیں جو ہوش سنبھال کر اپنی فطرت بدل کر کافر ہوکر مریں،جو شعور سے پہلے مرجاویں وہ جنتی ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں اسی لیے یہاں مات علی الفطرۃ ارشاد ہوا۔حدیث شریف میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا مجوسی یا مشرک بنادیتے ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ"۔معلوم ہوا کہ مشرکین کی زندہ دفن شدہ بچی خود دوزخی نہیں بلکہ وہ اپنے ماں باپ کے خلاف گواہ ہے اور فرماتاہے:"وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ"۔ظاہر ہے کہ جنت میں تو بچے پیدا ہوا نہ

کریں گے یہ وہ ہی بچے ہوں گے جو دنیا میں پیدا ہوکر بچپن میں ہی مر گئے اور جنت میں جنتیوں کے خدام بنائے گئے۔(مرقات)فقیر کی یہ تحقیق خوب یاد رکھی جاوے۔

۱۵؎یعنی وہ گنہگار مسلمان ہیں جو بغیر توبہ مر گئے حضور کی شفاعت سے بخشے گئے وہ نہر شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی نہر ہے رب نے انہیں معافی دے دی۔خیال رہے کہ نزع کی حالت میں بدعقیدگی سے توبہ قبول نہیں مگر بدعملی اور گناہوں سے توبہ قبول ہے۔جو اس وقت بھی توبہ نہ کرے اور یوں ہی مرجاوے اس کا ذکر یہاں ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹوں میں سے بدترین جھوٹ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی آنکھوں کو وہ دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھا ۱؎(بخاری)	

۱؎یہاں آنکھوں سے مراد خواب کی آنکھیں ہیں جن سے بندہ خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے یعنی جھوٹی خواب گھڑ کر لوگوں کو سنائے،یہ جھوٹ دوسرے جھوٹوں سے بدتر اس لیے ہے کہ اس میں رب تعالیٰ پر اور نبوت کے چھیالیسویں جزء پر جھوٹ باندھنا ہے۔جامع صغیر میں ہے کہ بدترین جھوٹے تین ہیں:ایک وہ جو کہ اپنا نسب بدلے،اپنے غیر کو باپ کی طرف نسبت دے،دوسرا وہ جو جھوٹی خواب گھڑے،تیسرا وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے یعنی جھوٹی احادیث وضع کرے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچی خوابیں سویرے ۱؎کی ہوتی ہیں۔(ترمذی،دارمی)	

۱؎یعنی صبح سحری کے وقت کی خوابیں اکثر سچی ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت اکثر دل مطمئن ہوتا ہے،معدہ خالی ہوتا ہے،اس سے بخارات دماغ کی طرف نہیں چڑھتے اور اس وقت فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو نماز فجر میں شرکت کر کے دن بھر انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔سبحان اللہ!مبارک بندوں کے نزول کا وقت بھی مبارک ہے،اس وقت کے کام بھی مبارک ہیں،حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:"وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا"۔

کتاب الاداب،باب السلام

اچھی باتوں کا بیان[1]سلام کا باب[2]

الفصل الاول

پہلی فصل

1آداب جمع ہے ادب کی،لغت میں ادب اس کھانے کو کہتے ہیں جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جاوے اس لیے دسترخوان کو ادبہ کہتے ہیں جس پر لوگ جمع ہوکر کھاتے ہیں۔اصطلاح میں ادب وہ محنت اور مشقت ہے جو اچھے کام کرنے کے لیے برداشت کی جاوے۔اسی سے ہے تادیب،بزرگوں کے احترام کو بھی ادب کہتے ہیں بمعنی تعظیم،یہاں ادب سے مراد اچھے کام اور اچھی باتیں۔(اشعۃاللمعات)یہاں مرقات نے فرمایا کہ بڑوں کی تعظیم چھوٹوں پر شفقت ادب ہے۔سلام کے لغوی معنی ہیں آفات یا عیوب سے سلامتی،اسی سے ہے تسلیم۔اللہ تعالٰی کا نام ہے سلام بمعنی تمام عیوب سے پاک،اپنے بندوں کو سلامتی و امن دینے والا،اسی سے ہے مسلم بمعنی صلح و صفائی،یہاں سلام سے مراد سلام کا جواب ہے جو آتے جاتے وقت کہا جاتا ہےیعنی السلام علیکم کہنا اور اس کا جواب دینا۔

لطیفہ: علماء فرماتے ہیں کہ السلام علیکم کے معنی ہیں کہ تم پر سلامتی و امان نازل ہو۔علیکم سے پہلے نازلۃ پوشیدہ ہےاور یہ دعائیہ جملہ ہے،مگر صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں سلام یعنی اللہ تعالٰی تمہارے اعمال،احوال،افعال،اقوال کا نگران ہےوہ سب کچھ دیکھ رہا ہے،ان کے ہاں سلام نام ہے اللہ تعالٰی کا اور علیکم سے پہلے رقیب پوشیدہ ہے بمعنی نگران۔(اشعۃ اللمعات)وہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور انور نے تیمّم فرماکر سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ سلام اللہ کا نام ہےاس لیے بغیر وضو یہ نام نہ لیاوہ حضرات صوفیاء کے معنی کی تائید کرتا ہے۔

دوسرا لطیفہ: مسلمان کو سلام کرنا سنت اور سلام کا جواب دینا فرض ہےمگر ثواب زیادہ ہے سلام کرنے کا یعنی اس سنت کا ثواب اس فرض سے زیادہ ہے جیسے وقت پر قرض ادا کرنا فرض ہے اور وقت سے پہلے ادا کرنا سنت مگر ثواب اس کا زیادہ ہے کہ وعدے سے پہلے ادا کرے یا جیسے محتاج مقروض کو ڈھیل دینا مہلت دینا فرض ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ"معاف کردینا سنت ہےمگر معاف کردینے کا ثواب زیادہ ہےبہرحال بعض سنتوں کا ثواب بعض فرضوں سے زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا[1]جن کے قد کی لمبائی	

	ساٹھ گز تھی ۲؎ تو جب انہیں پیدا کیا تو فرمایا جاؤ ان لوگوں پر سلام کرووہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی بیٹھی ہوئی ۳؎ تو غور سے سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں پھر وہ ہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے ۴؎ چنانچہ آپ گئے تو کہا السلام علیکم ۵؎ ان سب نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ فرمایا تو انہوں نے ورحمۃ اللہ بڑھا دیا ۶؎ تو جو بھی جنت میں جاوے گا حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا ۷؎ اور اس کا قد ساٹھ ۶۰ گز ہوگا پھر جناب آدم علیہ السلام کے بعد مخلوق گھٹتی رہی حتی کہ اب تک ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس جملہ کی چار شرحیں ہیں۔صورت بمعنی ہیئت و شکل ہے یا بمعنی صفت اور ضمیر کا مرجع یا آدم علیہ السلام ہیں یا اللہ تعالٰی لہذا اس جملہ کے چار معنی ہیں۔اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو انکی شکل و ہیئت پر پیدا فرمایا کہ جس شکل میں انہیں رہنا تھا انہیں اول ہی سے وہ شکل دی دوسروں کی طرح نہ کیا کہ پہلے بچہ پھر جوان پھر بڈھا وغیرہ یا اللہ نے حضرت آدم کو ان کی صفت پر پیدا کیا کہ وہ اول ہی سے عالم عارف، سمیع و بصیر وغیرہ تھے دوسروں کی طرح نہیں کہ وہ جاہل پیدا ہوتے ہیں پھر بعد میں ہوش عقل وغیرہ حاصل کرتے ہیں یا اللہ نے حضرت آدم کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا،خود فرماتاہے:"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ"اس لیے کوئی شخص دوزخ میں شکل انسانی سے نہ جاوے گا کہ یہ شکل خدا کو پیاری ہے یا اللہ نے حضرت آدم کو اپنی صفات پر پیدا فرمایا کہ انہیں اپنا علم،اپنا تصرف،اپنی سمع،اپنی قدرت وغیرہ بخشی۔(از اشعہ،مرقات)

۲؎ گز سے مراد شرعی گز ہے یعنی ایک ہاتھ (ڈیڑھ فٹ) یعنی آپ ساٹھ ہاتھ کے ہی پیدا ہوئے دوسرے انسانوں کی طرح نہیں کہ پہلے بہت چھوٹے پیدا ہوتے ہیں پھر بڑھتے رہتے ہیں کیونکہ آپ کی پیدائش ماں باپ سے نہیں تھی لہذا چھوٹا پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

۳؎ **جلوس** یا تو مصدر ہے تو اس سے پہلے **ذو** پوشیدہ ہے یا جمع ہے **جالس** کی جیسے **قاعدہ** کی جمع ہے **قعود** اور **راکع** و **ساجد** کی جمع ہے **رکوع** و **سجود** یعنی وہ جماعت ملائکہ جو بیٹھی ہوئی ہے انہیں سلام کرو،اعلٰی سے ادنی کو سلام کرایا،مسجود سے ساجدین کو تحیۃ کرائی غالبًا یہ واقعہ سجدہ آدم کے بعد کا ہے۔

۴؎ اس ارشاد فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام جواب کا علم نہ تھا بلکہ اسے سنت ملائکہ قرار دینے کے لیے کہا تاکہ اولاد آدم کو یہ معلوم ہوجائے کہ سلام کرنا سنت آدم علیہ السلام ہے اور اعلٰی جواب دینا سنت ملائکہ،رب تعالٰی انہیں تمام چیزوں کا علم پہلے ہی دے چکا تھا۔

۵؎ معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کے الفاظ سے سلام کرنے کا طریقہ پہلے ہی سے معلوم تھا اس لیے رب تعالٰی نے آپ کو سلام کے الفاظ نہ بتائے سب کچھ پہلے ہی بتادیا سمجھادیا گیا ہے۔

۶؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جواب سلام میں السلام علیکم کہنا بھی جائز اگرچہ وعلیکم السلام کہنا افضل ہے۔دوسرے یہ کہ جواب میں کچھ زیادہ الفاظ کہنا بہتر ہے جیساکہ آئندہ آوے گا۔

۷؎ یعنی جنت میں صرف انسان ہی جائیں گے جانور یا جنات نہ جائیں گے اور تمام جنتی انسان آدم علیہ السلام کی طرح حسین و جمیل تندرست ہوں گے کوئی بدشکل یا بیمار نہ ہوگا اور سب کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا کوئی اس سے کم یا زیادہ نہ ہوگا،دنیا میں خواہ پست قد تھا یا دراز قد،بچہ تھا یا بوڑھا،دوزخی کفار بہت موٹے ہوں گے ان کی ایک ڈاڑھ پہاڑ کی برابر ہوں گی۔(اشعہ)

۸؎ یعنی ان کی اولاد برابر قدوقامت میں گھٹتی رہی حتی کہ اب ساڑھے تین فٹ کے لگ بھگ رہ گئی مگر یہ کمی صرف دنیا میں ہے آخرت میں جنت میں پوری کردی جاوے گی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام اچھا ہے ۱؎ فرمایا کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اسے جسے پہچانو یا نہ پہچانو ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اسلامی کاموں میں کون سا کام اچھا ہے۔

۲؎ یعنی سلام صرف اسلامی رشتہ سے ہو کاروباری دنیاوی تعلقات سے نہ ہو۔خیال رہے کہ حضور کے جوابات سائل کے حال کے مطابق ہوتے تھے اسی لیے اس سوال کے جواب مختلف دیئے۔کسی سے فرمایا کہ بہترین عمل نماز ہے،کسی سے فرمایا جہاد ہے یہاں فرمایا بہترین عمل کھانا کھلانا سب کو سلام کرنا یعنی تیرے لیے یہ دو کام بہترین۔خیال رہے کہ **تقری** سلام کرنا،سلام کہلوانا،سلام لکھنا لکھوانا ،سلام کہلا کر بھیجنا سب کو شامل ہے۔**من عرفت** کا تعلق صرف سلام سے ہے کھانا کھلانے سے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کے مؤمن پر چھ حق ہیں ۱؎ جب وہ بیمار ہو تو مزاج پرسی کرے ۲؎ اور جب مرجاوے تو جنازہ پر حاضر ہو ۳؎ جب دعوت دے تو قبول کرے،جب اس سے ملے تو اسے سلام کرے اور جب چھینکے ۴؎ تو جواب دے اور اس کی خیر خواہی کرے جب وہ غائب ہو یا حاضر ۵؎ یہ روایت میں نے نہ تو مسلم،بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے جامع والے نے بروایت نسائی فرمایا ۶؎	

۱؎ یہ حقوق اگرچہ واجب یا فرض یا سنت نہیں مگر حق اسلام ہیں اس لیے ارشاد علیٰ ہوا۔

۲؎ عیادت بنا ہے عود سے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا،چونکہ بیمار کی مزاج پرسی بار بار کی جاتی ہے اسے عیادت کہتے ہیں۔

۳؎ تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھو،اسے دفن کرو۔بعض شارحین نے مات کے معنی کیے جب وہ مرنے لگے یعنی اس کے نزع کے وقت وہاں موجود ہو مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔(مرقات)آج کل امیروں کے جنازوں پر بڑا ہجوم ہوتا ہے غریب کی میت کو کوئی پوچھتا نہیں رب توفیق خیر دے۔

۴؎ دعوت سے مراد کھانے کی دعوت اس کا قبول کرنا سنت ہے بشرطیکہ دعوت ناجائز نہ ہو جیسے میت کے تیجے چالیسویں کی رسمی برادری کی دعوتیں کہ ان کا کھانا کھلانا دونوں ممنوع ہیں۔چھینک کا جواب جب دیا جاوے جب کہ وہ چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والا کہے یرحمك اللہ پھر چھینکنے والا کہے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم۔تشمت کے لغوی معنی ہیں شماتت دور کرنا۔

۵؎ پسِ پشت خیرخواہی کرنا کمال ہے روبرو خیرخواہی کی باتیں کردینا آسان ہے بلکہ بسا اوقات خوشامد ہوتی ہے۔

۶؎ کتاب حمیدی میں صرف بخاری،مسلم کی احادیث جمع کی گئی ہیں اور جامع اصول میں صحاح ستہ کی روایت جمع کی گئی،اس عبارت کا مقصود صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ وہ پہلی فصل میں ایسی حدیث لائے جو مسلم،بخاری میں نہیں مگر ادبًا کہا کہ میں نے وہاں یہ حدیث نہ پائی اپنی تلاش کی کوتاہی بیان کی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم جنت میں نہ جاؤ گے حتی کہ مؤمن بن جاؤ اور مؤمن نہ بنو گے ۱؎ حتی کہ آپس میں محبت کرو ۲؎ کیا میں تمہیں اس پر رہبری نہ کروں کہ جب تم وہ کرلو تو اس میں محبت کرنے لگو اپنے درمیان سلام پھیلاؤ ۳؎ (مسلم)	

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں لاتؤمنون ہے نون کے ساتھ،جن نسخوں میں لاتؤمنوا ہے وہاں ان کا گرانا مجانست کی وجہ سے ہے کہ چونکہ حتی تؤمنوا میں نون نہ تھا تو یہاں بھی نہ لائے،مرقات نے فرمایا کہ عربی میں کبھی نفی بمعنی نہیں ہوتا ہے کبھی برعکس۔

۲؎ یعنی کمال ایمان مسلمانوں کی آپس کی محبت سے نصیب ہوتا ہے،آپس کی عداوتیں بہت سے گناہ بلکہ کبھی کفر کا موجب ہوجاتی ہیں۔

۳؎ سلام پھیلانے کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی ذکر ہوئے کہ ہر مسلمان کو سلام کرے جان پہچان والا ہو یا انجان۔تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کی عداوت مٹانے محبت پیدا کرنے کے لیے سلام مصافحہ ایک اکسیر ہے حضور کا فرمان بالکل ٹھیک ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے کہ سلام کرے سوار پیدل پر ۱؎ اور پیدل بیٹھے ہوئے پر ۲؎ اور تھوڑے بہتوں پر ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جب سوار اور پیدل مسلمان ملیں تو پیدل کو سوار سلام کرے کیونکہ سوار پیدل سے اعلیٰ حالت میں ہے اور سلام میں اظہار عجزونیازہےاس لیے وہ ہی اظہار نیازکرے جو بظاہر افضل ہےمگر یہ افضیلت کا ذکر ہے اس کے برعکس بھی جائز ہے۔

۲؎ یعنی جب کوئی شخص کسی بیٹھے ہوئے شخص کے پاس یا مجمع میں آوے یا ان پر سے گزرے تو وہ مجمع والے اس کو سلام نہ کریں بلکہ یہ آنے والا سلام کرے کہ ملاقات یہ کررہا ہے اس بیٹھے سے کررہا ہے اور سلام ملاقات کرنے والے کے لیے ہے۔

۳؎ جب دو طرفہ مسلمان آرہے ہوں اور دونوں یکساں حالت میں ہوں کہ یا دونوں سوار ہوں یا دونوں پیادہ ہوں تو قانون یہ ہے کہ تھوڑے آدمی بہت سوں کو سلام کریں تاکہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت کا احترام کرے ممکن ہے کہ اس بڑی جماعت میں اللہ والے زیادہ ہوں بڑی جماعت کا بڑا احترام ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلام کرے چھوٹا بڑے پر ۱؎ اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر اور تھوڑے بہت پر ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی جب دو طرفہ مسلمان آرہے ہوں ایک ان میں کم عمر ہو دوسرا بڑی عمر والا تو سنت یہ ہے کہ چھوٹا بڑی عمر والے کو سلام کرے تاکہ بڑے کا احترام ظاہر ہو،چھوٹی عمر والا بیٹھا ہو اور بڑی عمر والا اس پر گزرے تو اب گزرنے والا ہی سلام کرے لہذا حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے۔

۲؎ کیونکہ تھوڑے (قلیل) چھوٹے (صغیر) کے حکم میں ہیں لہذا یہ ہی سلام کریں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند لڑکوں پر گزرے تو انہیں ۱؎ سلا م کیا۔(مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر گزرنے والا بڑا ہواور بیٹھا ہوا چھوٹا یا گزرنے والا ایک ہواور بیٹھے ہوئے بچے زیادہ تو گزرنے والا اور تھوڑی جماعت والا سلام کرے،یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ چھوٹے بچے جو سمجھدار ہوں انہیں بھی سلام کیا جاوے،اگر کسی جماعت میں چھوٹے بڑے مخلوط ہوں اور انہیں کوئی سلام کرے،بچہ جواب دے دے تو سب کا فرض ادا ہوجائے گا جیساکہ اگر بچہ نماز جنازہ پڑھ لے تو فرض ادا ہوگا۔اجنبیہ جوان حسینہ عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے،اپنی محرم عورت یا بیوی یا بوڑھی عورت کو سلام کرنا بالکل جائز ہے،یہ ہی حکم جواب سلام کا ہے اجنبیہ عورت اجنبی مرد کے سلام کا جواب نہ دے،یہ اجنبی اس عورت کے سلام کا جواب دیدے،یہ مسائل کتب فقہ اور مرقات میں اسی جگہ دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہودیوں عیسائیوں پر سلام کی ابتداء نہ کرو ۱؎ اور جب تم ان میں سے کسی راستہ میں ملو تو تنگ راستہ کی طرف انہیں مجبور کرو ۲؎ (مسلم)

۱؎ سارے کفار کا یہی حکم ہے ذمی ہوں یا حربی کہ ان کو مسلمان بلاضرورت سلام نہ کرے کہ سلام میں اظہار احترام ہے اور کفار کا احترام درست نہیں، مرتدین بدمذہبوں کا حکم بھی یہی ہے ضرورت کے احکام جداگانہ ہیں۔ (اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی مسلمان راستہ میں اس طرح ہجوم کرکے چلیں کہ ذمی کفار کنارہ پر چلنے پر مجبور ہوجائیں اسلام کی شان ظاہر کرنے کے لیے بشرطیکہ کنارہ راہ پر غار یا خار نہ ہوں، انہیں غار یا خار میں پھنسا دینا ان کو ایذا دینا ہے اور ذمی کافر کو ایذا دینا ممنوع ہے۔ (مرقات) مستامن کفار اگر ہمارے مہمان بن جائیں یا ان کو بلایا جاوے تو ان کا مہمان کفار کی خاطر ہے۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں کفار بھی مسلمانوں سے ایسا بلکہ اس سے بدتر سلوک کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کو یہودی سلام کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کہتا ہے تم پر موت پڑے تو تم کہہ دو کہ تجھ پر ۱؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ فقیر نے بھی آزمایا ہے مجھے ایک بدمذہب نے صاف طور پر کہا **السام علیکم**، کے معنی ہیں موت تو مطلب یہ ہوا کہ تم پر موت پڑے اس کے جواب میں خواہ وہ **وعلیك** کہے تو واؤ بمعنی ہیں ہے یا صرف **علیك** کہہ دے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کو اہلِ کتاب سلام کریں تو کہہ دو وعلیکم ۱؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ اگر کفار کی جماعت یوں سلام کرے تو وعلیکم کہہ دے، اگر ایک کافر سلام کرے تو وعلیک کہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی تو بولے السام علیکم ۱؎ تو میں نے کہا بلکہ تم پر موت و لعنت پڑے ۲؎ تو حضور نے فرمایا اے عائشہ اللہ رحیم ہے ہر کام میں نرمی پسند کرتا ہے ۳؎ میں نے کہا کیا آپ نے وہ نہ سنا جو انہوں نے کہا تھا، فرمایا میں نے کہہ دیا اور تم پر ۴؎ اور ایک روایت میں ہے تم ہی پر یعنی واؤ کا ذکر نہیں

۵؎(مسلم،بخاری)اور بخاری کی روایت میں ہے فرماتی ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو بولے السام علیک حضور نے فرمایا وعلیکم تو جناب عائشہ رضی اللہ عنھا نے کہا موت ہو تم پر اور تم پر خدا لعنت کرے غضب کرے ۶؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ ٹھہرو نرمی لازم کرواور سختی اور فحش سے بچو ۷؎انہوں نے عرض کیا،کیا آپ نے نہ سنا جو انہوں نے کہا فرمایا کیا تم نے نہ سنا جو میں نے کہامیں نے ان پر ہی لوٹادیاتو میری دعا ان کے بارے میں قبول ہوگی اور ان کی دعا میرے متعلق نہ قبول ہوگی ۸؎اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا تم فحش گو نہ بنو ۹؎کیونکہ اللہ تعالٰی فحش کہنے کو پسند نہیں کرتا ۱۰؎	

۱؎غالبًا یہ یہود مدینہ تھے جو حضور انور سے ملنے آئے تھے۔معلوم ہوا کہ کفار سے ملنا انہیں گھر میں آنے کی اجازت دینا جائز ہےخصوصًا جب ان کو تبلیغ کرنے کے لیےہوں ان بدنصیبوں نے حضور انور کے تمام اہلِ بیت کوکوسا اس لیے علیکم کہا اس کے جواب میں حضور انور نے فرمادیا وعلیکم،جناب عائشہ سمجھیں کہ حضور نے ان کی بکواس میں غور نہیں فرمایااس لیے اگلا کلام آپ نے خود کیا ۔

۲؎ام المؤمنین کا یہ غضب و غصہ حضور کی والہانہ محبت کی بنا پر تھا کہ تم نے محبوب کو یہ کیوں کہا۔

۳؎لہٰذا تم ان آنے والوں پر نرمی کرو۔خیال رہے کہ جنگ و مناظرہ میں کفار پر سختی محبوب ہےمگر جب وہ ہمارے گھر ہم سے ملنے آویں تب ان پر نرمی کی جاوے لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "وَاغۡلُظۡ عَلَیۡہِمۡ"مختلف مقامات کے مختلف احکام ہوتے ہیں۔

۴؎یعنی ہم نے خود اپنا بدلہ لیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تم پر ہی پڑے یہ بدلہ کافی ہے۔حضور انور نے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی وہ بھی مہمان کفار کے ساتھ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر سختی کرنا عبادت ہے حضور مہمان کفار کی خاطر تواضع کرتے تھے لہٰذا اس حدیث سے یہ دھوکا نہ دیا جائے کہ حضور کے دشمنوں پر نرمی کرنی چاہیےمہمان کا حکم کچھ اور ہے۔

۵؎ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ وعلیکم میں واؤ جمع کے لیے نہیں بلکہ بمعنی بلی ہےلہٰذا وعلیکم کے معنی یہ نہیں کہ ہم پر اور تم پر دونوں پر موت واقع ہو بلکہ معنی یہ ہیں ہم پر نہیں بلکہ تم پر موت آئے اور واؤ نہ ہونے کی صورت میں تو معنی بالکل ظاہر ہیں۔

۶؎ یعنی اس روایت میں لعنت کے ساتھ غضب کی زیادتی ہے کہ ام المؤمنین نے انہیں تین بددعائیں دیں: موت کی،لعنت کی،اللہ تعالیٰ کے غضب کی۔

۷؎ عنف سے مراد ہے دل کی سختی،فحش سے مراد ہے زبان کی سختی یعنی دل و زبان دونوں نرم رکھو یہ نرمی صرف مہمان کی وجہ سے ہے ورنہ ان ہی ام المؤمنین کے والد ماجد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ میں صلح کی گفتگو کے موقعہ پر ایک کافر سے کہا تھا **امسس بذکر اللات**،اللات یہ ہے "**اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ**" کا ظہور رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۸؎ یعنی اس سودے میں انہیں کو گھٹا رہا۔

۹؎ یعنی تمہارے منہ سے کبھی فحش بات نہ نکلے،گالی کوسنا،غیبت وغیرہ کہ تمہاری زبان ان باتوں کے لیے نہیں بنی،تم صدیقہ ہو تمہاری زبان سے ہر بات سچی بھلی نکلے۔شعر

جو بات کہو منہ سے وہ اچھی ہو بھلی ہو کھٹی نہ ہو کڑوی نہ ہو مصری کی ڈلی ہو

۱۰؎ یعنی ان دونوں سے رب تعالیٰ ناراض ہے۔خیال رہے کہ فحش سے مراد بری بات کا عادی ہونا،**تفحش** سے مراد ہے بہ تکلف بری بات کہنا کہ اس کی عادت تو نہ ہو مگر دل پر جبر کرکے بری بات منہ سے نکالی جائے۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس پر گزرے جس میں مسلمان مشرکین بت پرست اور یہود مخلوط لوگ تھے ۱؎ حضور نے انہیں سلام کیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بت پرست بیان ہے مشرکین کا،یہود بھی اگرچہ شرک وبت پرستی کرتے ہیں مگر چونکہ انبیاء کو مانتے ہیں اس لیے انہیں مشرکین نہیں کہا جاتا بلکہ اہلِ کتاب کہا جاتا ہے اس لیے یہود کو مشرکین پر معطوف کیا کبھی غلط نسبت بھی فائدہ پہنچادیتی ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ مخلوط جماعت جہاں مسلمان کفار ملے ہوئے بیٹھے ہوں وہاں سے گزرنے والا مسلمان سلام کرے اور اپنے سلام سے مسلمانوں کی نیت کرے اور جب کسی کافر کو خط لکھے تو یوں لکھے "**اَلسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی**"۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ایسی مجلس پر گزرنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے "**اَلسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی**"۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے بچو ۱؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو وہاں بیٹھنے کے سوا چارہ نہیں ہم وہاں بات چیت کرتے ہیں ۲؎ فرمایا اگر بغیر بیٹھے نہ

	مانو تو راستہ کو اس کا حق دو۳؎ انہوں نے عرض کیا کہ راستہ کا کیا حق ہے یارسول اللّٰہ،فرمایا نگاہ نیچے رکھنا،تکلیف دہ چیز ہٹانا اور سلام کا جواب دینا اور اچھائیوں کا حکم دینا،برائیوں سے روکنا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎چونکہ راستہ سے عورتیں بچے گزرتے رہتے ہیں،نیز وہاں سے لوگوں کے مال سواریاں گزرتی ہیں اس لیے وہاں بیٹھنا خطرناک بدنظری کا اندیشہ ہے۔

۲؎یعنی ہماری ضروریات راستوں پر بیٹھنے سے وابستہ ہیں وہاں بیٹھ کر ہم کاروبار اور دیگر ضروریات کی باتیں کرتے ہیں۔

۳؎یعنی راستہ میں بیٹھ کر وہ نیکیاں کرو جس کی برکت سے تمام وہاں کے گناہوں سے بچے رہو اور ثواب کمالو،یہاں حق بمعنی استحقاق ہے کہ راستہ ان اعمال کا مستحق ہے۔

۴؎یعنی راستوں پر بیٹھ کر یہ پانچ نیکیاں یا ان میں سے جس قدر بن پڑیں کیا کرو:نگاہیں نیچی رکھو تاکہ اجنبی عورتوں پر نہ پڑیں،راستہ سے کانٹا اینٹ پتھر الگ کردیا کرو تاکہ کسی راہ گیر کو نہ چبھے نہ ٹھوکر لگے،جو راستہ گزرنے والا تمہیں سلام کرتا ہوا گزرے اس کا جواب دو،اگر تم راستہ میں کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھو تو اس سے روکو،اس کی عوض اسے اچھے کام کرنے کا مشورہ دو اس صورت میں تمہارا وہاں بیٹھنا بھی عبادت ہے۔سبحان اللّٰہ! کیمیا پیتل،تانبہ کو سونا کردیتی ہے،حضور کی تعلیم گناہوں کو ثواب بنادیتی ہے۔شعر

تیرے کرم کا رسالت مآب کیا کہنا ثواب ہوگئے سارے عقاب کیا کہنا

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے وہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے راوی اس قصہ میں فرمایااور لوگوں کو راستہ بتانا ۱؎ابوداؤد نے حدیث خدری کے پیچھے یوں روایت کیا۔

۱؎یعنی چھٹی نیکی بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا ہے،اکثر راہ گیر کسی کی دوکان کسی کے گھر کا پتہ پوچھتے ہوں تو بتادو کہ یہ بھی عبادت ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے راوی اس ہی قصہ میں فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرو،گمے ہوئے(بھولے ہوئے)کو ہدایت دو ۱؎اس سے ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ کی حدیث کے پیچھے یوں ہی روایت کیا اور ۲؎میں نے یہ دونوں حدیثیں مسلم،بخاری میں نہ پائیں۔

۱؎یعنی اگر راستہ یا بازار میں دو مسلمان جھگڑ پڑیں تو ان میں بیچ بچاؤ کرا دو،اگر نہ ہوسکے تو مظلوم کی حمایت کرو یہ بھی ثواب ہے۔

۲؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ وہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی روایت لے آئے مگر مرقات نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی حدیث ابی ہریرہ اور حدیث عمر رضی اللہ عنہما یہاں تکمیل اور تتمہ کے طور پر لائی گئی ہیں نہ کہ اصالۃً۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے لیے مسلمان پر چھ اچھی خصلتیں ہیں ۱؎ جب اس سے ملے تو سلام کرے ۲؎ جب وہ دعوت دے تو قبول کرے ۳؎ اور جب چھینکے تو اسے جواب دے جب بیمار ہوجاوے تو مزاج پرسی کرے جب مرجاوے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے ۴؎ اور اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے ۵؎ (ترمذی،دارمی)

۱؎ ستٌّ کے بعد خصال پوشیدہ ہے اور **بالمعروف** صفت ہے اسی پوشیدہ **خصال** کی،خصال جمع ہے **خصلت** کی بمعنی عادت مگر یہاں مراد وہ حقوق ہیں جن کی عادت ڈالی جائے یعنی مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں ان کی ادا کی عادت ڈالنی چاہیے۔

۲؎ اگر راہ میں ملے تو صرف ایک بار سلام کرے مگر جب کسی کے گھر جا کر ملے تو تین بار سلام کرے،پہلا سلام اجازت داخلہ کے لیے،دوسر سلام جب اندر داخل ہو اس سے ملاقات کرے اور تیسرا سلام وداع ہوتے وقت پہلے سلام کو سلام استیذان کہتے ہیں،دوسرے کو تحیۃ،تیسرے کو سلام وداع۔یہاں راہ چلتے وقت کا سلام مراد ہے اس لیے صرف **لقیہ** فرمایا حضور کے ہر لفظ پاک میں عجیب حکمتیں ہوتی ہیں۔

۳؎ کھانے کے لیے دعوت دے یا اپنے کسی کام کے لیے بلائے بشرطیکہ وہ کھانے کی دعوت یا اس کا یہ کام ناجائز نہ ہو۔

۴؎ اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا،یہاں **یتبع** فرما کر اشارۃً فرمایا گیا جنازہ میں شرکت کرنے کے والوں کو جنازہ سے پیچھے رہنا چاہیے اس سے آگے چلنا ممنوع ہے،ابن ماجہ میں روایت حضرت ابن مسعود ہے کہ **الجنازۃ متبوعۃ لیس بتابعۃ لیس منا من تقدمھا**۔معلوم ہوا کہ جنازہ کے پیچھے چلے یہ ہی احناف کا مذہب ہے،یہاں جنازہ کے ساتھ جانے سے مراد ہے نماز جنازہ پہنچانا،دفن کرنا کامل اتباع یہ ہی ہے۔(مرقات واشعہ)

۵؎ یعنی زندگی بھر ہر مسلمان سے وہ برتاوا کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اللہ تعالٰی اگر یہ نعمت نصیب کردے تو مسلمانوں سے لڑائیاں جھگڑے سب ختم ہوجائیں۔شعر

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

دوسرا شاعر کہتا ہے!

آنچہ برخود نہ پسندی بہ دیگراں مپسند

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو عرض کیا السلام علیکم [1] حضور انور نے اس کا جواب دیا پھر بیٹھ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس [2] پھر دوسرا آدمی اس نے عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضور نے اس کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا تو فرمایا بیس پھر وہ دوسرا آیا عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے اس کا جواب دیا وہ بیٹھ گیا تو فرمایا تیس [3] (ترمذی،ابوداؤد)	

[1] اس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کو بھی سلام کرے تو علیکم جمع سے کہے کہ اس میں ان فرشتوں کو سلام ہوجاتا ہے جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں محافظین اور کاتبین اعمال وغیرہم اگرچہ علیك واحد کہنا بھی جائز ہے۔

[2] عشر فاعل ہے ثبت له پوشیدہ کا یا نائب فاعل ہے کتب فعل مجہول کا یعنی اس کو دس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا یا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی گئیں۔

[3] معلوم ہوا کہ سلام کے ہر کلمہ پر دس نیکیاں ملتی ہیں جتنے کلمات زیادہ ہوں اتنی نیکیاں اسی حساب سے زیادہ ہوں گی،جواب دینے والا زیادہ اچھا جواب دے یعنی سلام کے کلمات پر کچھ کلمات بڑھاکر جواب دے۔

ابوداؤد نے حضرت معاذ ابن انس سے بھی روایت کی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں اس کے ہم معنی اور زیادتی کی کہ پھر دوسرا اور آیا اس نے عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ و مغفرتہ تو فرمایا چالیس اور فرمایا یونہی زیادتیاں ہوتی رہیں گی [1] (ابوداؤد)	

[1] یعنی یہ ثواب صرف مغفرته تک ہی محدود نہیں کہ ان کلمات کے علاوہ اور کوئی کلمہ بڑھاؤ ثواب نہ بڑھے بلکہ جس قدر کلمات بڑھاتے جاؤ گے ثواب بھی فی کلمہ دس کے حساب سے بڑھتا ہی جائے گا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ السلام علیکم بھی جائز ہے سلام کو معرفہ کرکے اور سلام علیکم بھی جائز سلام کو نکرہ کرکے،السلام کے معنی ہیں وہ سلام یعنی اللہ کا سلام یا آدم علیہ السلام کا سلام جو انہوں نے فرشتوں کو کیا تھا وہ تم پر بھی ہو،قرآن مجید میں دو طرح سلام مذکور ہیں رب فرماتا ہے:"وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى"یہاں سلام معروف اور

فرماتاہے: "سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِیۡنَ" یہاں سلام نکرہ ہے۔ خیال رہے کہ جواب سلام میں علیکم پہلے ہو سلام بعد میں،اگر جواب میں بھی السلام علیکم کہہ دیا تو فرض ادا ہوگیا سنت رہ گئی۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے قریب تر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے [1] (احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

[1] یعنی جب دو مسلمان راستہ میں گزرتے ہوئے ملیں اور ان میں سے ہر ایک کو سلام کرنے کا حق ہو تو جو سلام کی ابتداء کرے وہ رحمتِ الٰہی سے بہت ہی قریب ہوگا لہذا یہ فرمان عالی ان فرمانوں کے خلاف نہیں کہ آنے والا بیٹھے ہوؤں کو اور تھوڑے لوگ بہت کو،چھوٹا بڑے کو،سوار پیدل کو سلام کرے۔حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ تین چیزیں محبت پیدا کردیتی ہیں: سلام میں ابتداء کرنا،اپنے مسلمان بھائی کو اچھے لقب سے پکارنا،جب وہ آئے اسے مجلس میں جگہ دے دینا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم عورتوں پر گزرے تو انہیں سلام کیا [1] (احمد)	

[1] اجنبی عورتوں کو سلام کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے کہ وہاں فتنہ کا خطرہ نہیں،دوسرے مسلمان اجنبی عورتوں خصوصًا جوان عورتوں کو ہرگز سلام نہ کریں نہ ان کے سلام کا جواب دیں کہ یہ سلام عشق بلکہ بدکاری کی ابتداء بن سکتا ہے۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرماتے ہیں کہ جماعت کی طرف سے یہ کافی ہے کہ جب وہ گزریں تو ان میں سے ایک سلام کرے اور بیٹھے ہوؤں کی طرف سے یہ کافی ہے کہ ان میں سے ایک جواب دے دے [1] بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعًا روایت کیا [2] اور ابوداؤد نے روایت کی اور کہا کہ اسے حسن ابن علی نے مرفوع کیا وہ ابوداؤد کے شیخ ہیں [3]	

[1] یعنی اسلام میں سلام کرنا سنت علی الکفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک بھی سلام کرے تو سب کی سنت ادا ہوجائے گی اور سامنے والوں پر جواب سلام دینا فرض کفایہ ہے کہ اگر اس جماعت میں سے ایک نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے فرض ادا ہوگیا۔خیال رہے کہ فرض علی الکفایہ تو بہت ہیں جیسے نماز جنازہ اور سلام کا جواب،بعض صورتوں میں جہاد،عالم دین بننا وغیرہ مگر سنت علی الکفایہ صرف دو ہیں: ایک تو سلام، دوسرے چھینک کا جواب۔کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ہمارے ہاں سنت علی العین ہے کہ ہر شخص بسم اللہ پڑھ کر کھائے اور شوافع کے ہاں سنت علی الکفایہ،بہرحال احناف کے نزدیک سنت علی الکفایہ صرف یہ دو چیزیں ہی ہیں۔

۲؎ یعنی یہ حدیث ابوداؤد نے دو اسنادوں سے روایت کی ایک اسناد میں مرفوع ہے یعنی حسن ابن علی کی اسناد میں دوسری اسناد میں حضرت علی کا اپنا قول روایت کیا یعنی حدیث موقوف مگر بیہقی نے صرف مرفوعًا روایت کی۔
۳؎ یعنی یہ حسن ابن علی ابوداؤد کے مشائخ سے ایک شیخ ہیں یہ حسن ابن علی ابن ابی طالب نہیں دھوکا نہ کھانا چاہیے،اس کی اسناد یہ ہیں عن ابی داؤد عن حسن ابن علی عن عبدالملک ابن ابراہیم عن سعید ابن خالد عن عبداللہ ابن فضل عن عبداللہ ابن ابی رافع عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔بہرحال یہ حدیث موقوف بھی ہے مرفوع بھی لہذا مرفوع ہی مانی جاوے گی،اگر موقوف بھی ہوتی تب بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی کہ ایسی حدیث جو عقل سے وراء ہو وہ موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔

	روایت ہے عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم سے نہیں جو ہمارے غیروں سے مشابہت کرے ۱؎ تم نہ تو یہود سے مشابہت کرو نہ نصاریٰ سے،یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلیوں سے اشارہ ہے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے ۳؎

۱؎ جو افعال یا احوال یا چیزیں کفار کی قومی علامتیں ہوں مسلمانوں کے لیے حرام ہیں جیسے ہندوانی دھوتی وغیرہ اور جو ان کی دینی علامتیں ہوں وہ مسلمانوں کے لیے کفر ہیں جیسے ہندوانی قشقہ یا ہندوانی زنار وغیرہ۔
۲؎ یعنی صرف اشاروں سے سلام کرنا منہ سے کچھ نہ کہنا یہود و نصاریٰ کا سلام ہے،مسلمان یا تو زبان سے سلام کریں السلام علیکم کہیں یا اشارہ کے ساتھ منہ سے بولیں تاکہ اسلامی اور غیر اسلامی سلام میں فرق ہوجاوے،یوں ہی صرف سر جھکا دینا یا سر یا آنکھوں سے اشارہ کردینا سلام کے لیے کافی نہیں اور سلام کے وقت خود جھکنا ممنوع ہے تاحد رکوع ہو تو حرام ہے،رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کی توفیق بخشے۔
۳؎ ترمذی نے اس حدیث کو صرف اس لیے ضعیف فرمایا کہ **عن جدہ** میں **ہ** ضمیر کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ اس کا مرجع کون ہے عمر ابن شعیب ہیں یا انکے والد،ہم شروع کتاب میں یہ بحث کرچکے ہیں۔حق یہ ہے کہ یہ اسناد قوی ہے امام سیوطی نے جامع صغیر میں یہ حدیث بروایت عبداللہ ابن عمرو نقل فرمائی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے ۱؎ تو اسے سلام کرے پھر اگر ان کے درمیان درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ ہوجائے پھر اس سے ملے تو پھر اسے سلام کرے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ بھائی سے مراد اسلامی بھائی ہے خواہ اپنا عزیز ہو یا اجنبی۔بھائی فرماکر اشارۃً فرمایا کہ اجنبی عورت کو سلام نہ کرے۔
۲؎ یعنی ملاقات کا سلام غائب ہونے کے بعد ملنے پر ہوگا غائب ہونا اگرچہ معمولی ہی ہو ذرا سی آڑ درمیان میں آگئی ہے غائب ہونا پالیا گیا اب ملنا ملاقات ہے سلام کرو،بلکہ حکمی غائب ہونے کے بعد بھی سلام سنت ہے اس لیے نماز ختم ہونے پر سلام کیا جاتا ہے اس سلام میں نمازی ایک دوسرے کی نیت کریں کیونکہ نمازی بحالت نماز ایک دوسرے سے حکمًا غائب تھے اب عالم بالا کی سیر کرکے آرہے ہیں لہذا سلام کرتے ہیں۔بعد نمازِ فجر بعض لوگ مصافحہ کرتے ہیں اس کی وجہ بھی یہ ہی ہے کہ مصافحہ بوقت ملاقات ہوتا ہے اور یہ بھی وقت ملاقات ہے۔خیال رہے کہ یہاں وہ حالات مراد ہیں جن میں سلام ممنوع نہ ہو لہذا جو پیشاب پاخانہ یا جماع میں مشغول ہو یا سورہا ہو،اونگھ رہا ہو یا نماز یا اذان میں مشغول ہو یا غسل خانہ میں ہو ،کھاناکھارہا ہو لقمہ منہ میں ہو یا تلاوت قرآن کررہا ہو یا دینی درس دے رہا ہو یا سن رہا ہواسے سلام نہ کرے،اگر کرے گا تو اس کا جواب دینا لازم نہ ہوگا۔(مرقات)یوں ہی جمعہ کے دن خطبہ کے وقت سلام ممنوع ہے۔

	روایت ہے قتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اس کے باشندوں کو سلام کرو ۱؎اور جب نکلو تو وہاں کے باشندوں کو سلام سے وداع کرو ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎اپنے گھر میں جاؤ یا دوسرے کے بہرحال سلام کرو،اگر خالی گھر میں جاؤ تو کہوالسلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین،اس کا ماخذوہ آیت کریمہ ہے "فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمْ"۔(مرقات)اور جب مسجد میں جاؤ تو کہو بسم اللہ و السلام علی رسول اللہ۔روح پاک مصطفٰی مسجدوں بلکہ مسلمانوں کے گھروں میں جلوہ فرما ہے۔(شرح شفا شریف)
۲؎ یعنی سلام کرکے وہاں سے آؤ یہ سلام وداع کہلاتا ہے اس کا جواب دینا فرض نہیں مستحب ہے۔(مرقات) بعض شارحین نے فرمایا کہ فاودعوا بنا ہے ودیعة بمعنی امانت سے یعنی رخصت ہوتے وقت اپنا سلام اہل خانہ کے پاس امانت رکھ آؤ کہ پھر خیر سے واپس آؤ اپنی امانت یعنی خیر و برکت و سلامتی وصول کرو،وداع کے وقت مصافحہ کرنا سنت نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اے میرے بچے جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ برکت ہوگی تم پر اور تمہارے گھر والوں پر ۱؎(ترمذی)

۱؎ گھر میں اپنے ماں باپ یا بیوی بچے ہوں بہرحال سلام کرکے داخل ہو اس سے گھر میں اتفاق اور روزی میں بڑی برکت ہوتی ہے۔بہت ہی مجرب ہے،فقیر اس کا عامل ہے اور اس کی بہت برکتیں دیکھتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلام کلام سے پہلے ہے ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث منکر ہے ۲؎	

۱؎ سلام تین قسم کے ہیں: سلام اذن یہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہے اجازت داخلہ حاصل کرنے کے لیے،سلام تحیۃ یہ گھر میں داخل ہونے اور کلام کرنے سے پہلے ہے،سلام وداع یہ گھر سے رخصت ہوتے وقت۔یہاں سلام تحیت مراد ہے یہ کلام سے پہلے چاہئے تاکہ تحیت باقی رہے جیسے تحیۃ المسجد کے نفل کہ وہ بیٹھنے سے پہلے پڑھے جاویں۔

۲؎ اس کی اسناد میں ایک راوی عتبہ ابن عبدالرحمٰن ہے وہ خود بھی ضعیف ہے اور اس کا شیخ محمد ابن زادان ہے جو بہت ہی ضعیف ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس اسناد میں منکر ہے معنًی یہ حدیث صحیح ہے بہت اسنادوں سے مروی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں کہتے تھے اللہ تیری آنکھ ٹھنڈی کرے سویرا اچھا ہو جب اسلام آیا تو ہم اس سے روک دیئے گئے ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اور اس کی بجائے ہم کو اسلامی سلام کا حکم دیا گیا۔معلوم ہوا کہ سوا اسلامی سلام کے اور سلام ممنوع ہے جیسے آداب عرض یا تسلیمات عرض یا خدا حافظ یا یہ کہنا کہ یا علی مدد وغیرہ سب ممنوع ہیں،ہاں اگر اولًا سلام کرے پھر یہ الفاظ کہے تو حرج نہیں،دیکھو مرقات۔فارسی میں کہا جاتا ہے زی ہزار سال یہ سب ممنوع ہیں۔(اشعہ)اسلامی سلام بہت ہی جامع ہے۔ہندوانی سلام رام رام،سیتا رام،انگریزی سلام گڈ مارننگ نہایت بے ہودہ اور بے معنی ہیں۔اسلامی سلام میں سلامتی کی دعا ہے سلامتی جان،مال،عزت،اولاد،زندگی قبر و حشر ہر سلامتی کو شامل ہے۔

روایت ہے حضرت غالب سے ۱؎ کہتے ہیں کہ ہم حسن بصری کے دروازے پر بیٹھے تھے ۲؎ کہ ایک شخص آیا بولا مجھے میرے والد نے میرے دادا سے خبر دی فرمایا مجھے میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ۳؎ کہا حضور کے پاس جاؤ تو حضور کو میرا سلام عرض کرو ۴؎ فرماتے ہیں میں حضور کے پاس حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ میرے والد آپ کو سلام عرض کرتے ہیں تو فرمایا تم پر اور تمہارے باپ پر سلام ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎آپ غالب ابن ابی غیلان ابن خطاب القطان ہیں،بصرہ کے رہنے والے ہیں،تابعین میں سے ہیں،امام نسائی نے آپ کو ثقہ کہا،امام احمد نے ثقہ کہا،امام یحیٰی نے صدوق و صالح فرمایا،بڑے عالم متقی ہیں۔
۲؎ان کی تشریف آوری کے منتظر تھے یا ان کے ساتھ بیٹھے تھےدوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں،دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔
۳؎یعنی میرے دادا کو ان کے باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کہلا کر بھیجا تھا۔
۴؎معلوم ہوا کہ سلام کہلا بھیجنا بھی سنت ہے اب لوگ حجاج کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کہلواتے ہیں حاجی کو چاہیے کہ مواجہہ شریف میں کھڑے ہوکر یوں عرض کرے الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللّٰہ فلاں اور فلاں کی جگہ اس کا نام لے۔
۵؎اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کسی کا سلام پہنچائے تو پہنچانے والے اور بھیجنے والے دونوں کو جواب سلام میں داخل کرلینا چاہیے بلکہ پہنچانے والے کا ذکر پہلے اور بھیجنے والے کا ذکر بعد میں ہونا چاہیے کہ حضور انور نے پہلے فرمایا وعلیك اور بعد میں فرمایا علی ابیك لہذا جو زائرین مدینہ دوسروں کا سلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے ہیں خود بھی جواب میں داخل ہوتے ہیں زہے نصیب۔

روایت ہے حضرت ابوالعلاء حضرمی سے کہ ابوالعلاء حضرمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے ۱؎اورجب آپ ان کی طرف لکھتے تو اپنی ذات سے ابتداء کرتے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎علاء حضرمی کا نام عبداللہ ہے،حضر موت کے باشندے تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین کے گورنر تھے،حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے ان کا عہدہ بحال رکھا،چنانچہ آپ تاوفات اسی عہدے پر رہے،بعض نے فرمایا کہ آپ کی وفات عہدِ صدیقی میں ہے،مرقات نے فرمایا کہ ۱۴ھ چودہ ہجری میں آپ نے وفات پائی اور ابوالعلاء کا نام زید ابن عبداللہ ہے،کنیت ابوالعلاء،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں ابن العلاء ہے۔
۲؎یعنی حضرت علاء جب بحرین سے حضور انور کی خدمت میں کوئی عریضہ لکھتے تو پہلے اپنا نام پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتے تھے کیونکہ یہ ہی سنت رسول اللہ ہے،حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کو خط لکھا تو لکھا"اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم کو فرمان عالی لکھا تو لکھا من محمد رسول اللّٰہ الی ھرقل عظیم الروم،طریقہ خط لکھنے کا یہ چاہیے کہ اپنا نام لکھے،پھر جس کو خط لکھنا ہے اس کا نام ہو،پھر کچھ القاب،پھر سلام،پھر مقصد کی تحریر۔ خیال رہے کہ یہ چیز سلام کی تمہید ہوتی ہے اس لیے اسے باب سلام میں لائے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تحریر لکھے تو مٹی اس پر ڈالے کہ یہ ضرورت کو بہت پورا کرنے والی ہے	

	۱؎(ترمذی)اور کہا یہ حدیث منکر ہے ۲؎

۱؎یا خط پر مٹی ڈال یا خط کو مٹی پر ڈالے اس سے حرف بھی خشک ہوجائیں گے اور ان شاءاللہ جس مقصد کے لیے خط لکھا گیا ہے اس مقصد میں بھی کامیابی ہوگی کہ مٹی ڈالنے میں اظہار عجز ہے اور رب تعالٰی کو عاجزی بڑی پیاری ہے۔شعر

عجز کار انبیاء و اولیاء است   عاجز محبوب درگاہ خدا است

لہذا اگر کسی کو کسی چیز کی درخواست دینا ہو تو یہ عمل کرکے درخواست دے ان شاءاللہ کامیابی ہوگی،بعض شارحین نے مٹی ڈالنے کی اور بہت توجیہیں کی ہیں مگر حق یہ ہے کہ اس سے ظاہری معنی ہی مراد ہیں یعنی خط پر مٹی یا ریت چھڑک دینا۔

۲؎طبرانی نے اوسط میں یہ حدیث بروایت حضرت ابوالدرداء بروایت صحیح نقل فرمائی لہذا اس حدیث کا متن صحیح ہے اگرچہ ترمذی والی اسناد منکر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے کاتب تھا میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ قلم اپنے کان پر رکھو کہ یہ انجام کو زیادہ یاد کرانے والا ہے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے ۲؎

۱؎یعنی اگر کاتب قلم کو کان سے لگائے رکھے تو اسے وہ مقصد یاد رہے گا جو اسے لکھنا ہے۔بہتر یہ ہے کہ قلم داہنے کان پر رکھے اللہ تعالٰی نے ہر چیز میں کوئی تاثیر رکھی ہے،قلم کان میں لگانے کی یہ تاثیر ہے کہ اسے مضمون یاد رہتا ہے۔

۲؎یہ حدیث ابن عساکر نے بروایت حضرت انس مرفوعًا نقل فرمائی وہاں فانه اذكر لك ہے اور جامع صغیر میں حضرت زید ابن ثابت سے مرفوعًا نقل فرمائی وہاں اذکر للمآل ہے،بہرحال یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے لہذا اس کا متن صحیح ہے۔(مرقات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں سریانی زبان سیکھ لوں ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی خط و کتابت سیکھ لوں اور فرمایا کہ میں کسی تحریر میں یہود پر مطمئن نہیں۲؎ فرماتے ہیں کہ مجھ پر آدھا مہینہ نہیں گزرا حتی کہ میں نے سیکھ لی تو جب حضور یہود کو

لکھتے تو میں لکھتا اور جب وہ حضور کو کچھ لکھتے تو حضور کی خدمت میں ان کا خط میں پڑھتا ۳؎(ترمذی)	

۱؎سریانی زبان وہ ہے جس میں توریت شریف نازل ہوئی،یہود عمومًا یہ ہی زبان بولتے اور لکھتے تھے،سریانی زبان عبرانی کے مشابہ یا اس کی شاخ ہے۔(اشعہ)اب یہ زبانیں دنیا سے مٹ چکیں صرف ان کے نام رہ گئے کسی جگہ نہیں بولی جاتیں جیسے ہندوؤں کی سنسکرت کہ دنیا سے مٹ چکی کہیں نہیں بولی جاتی،سریانی عبرانی زبانوں کی جگہ عربی نے لے لی۔

۲؎یعنی ہم یہود کو تبلیغ کرنے کے لیے انہیں خطوط لکھنا بھی چاہتے ہیں اور ان کے جوابات ملاحظہ کرنا بھی چاہتے ہیں،اگرلکھنے پڑھنے کا کام یہود مدینہ سے لیا جاوے تو ان کی خیانت کا اندیشہ ہے کہ ہم کچھ لکھوائیں وہ کچھ لکھ دیں یا یہود کے خطوط میں کچھ لکھا ہو یہ کچھ پڑھ دیں لہذا یہ دونوں کام تم خود کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی زبان سیکھنا ممنوع نہیں بلکہ ضرورت پر اس کا حکم ہے جیسے آج انگریزی یا فرنچ زبانیں ضرورت کے لیے سیکھی جاویں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر تمام زبانیں جانتے ہیں جب حضور جانوروں،پتھروں،کنکروں کی بولیاں سمجھتے ہیں تو انسانوں کی بولی کیوں نہ سمجھیں گے،یہ حکم عالی امت کی تعلیم کے لیے ہے کہ امراء و سلاطین اپنے ہاں دوسری قوموں کی زبان دانی رکھیں بلکہ خود اپنے لوگوں کو ان کی زبان سکھائیں زبان کوئی بری نہیں سب رب تعالٰی کی طرف سے ہیں،فرماتاہے:"وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ"۔

۳؎صرف پندرہ دن میں سریانی زبان کما حقہ سیکھ لینا یا حضرت زید کی ذکاوت سے ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے۔اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہوں کے ہاں ترجمان رہنے چاہئیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی مجلس تک پہنچے تو سلام کرے ۱؎پھر اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جاوے ۲؎پھر جب کھڑا ہو تو پھر سلام کرے ۳؎کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں ۴؎(ترمذی اورابوداؤد)	

۱؎معلوم ہوا کہ آنے والا سلام کرے بیٹھے ہوؤں کو۔

۲؎یعنی اگر وہاں بیٹھنا نہ بھی ہو صرف گزر جانا ہو جب بھی سلام کرے اور اگر بیٹھنا ہو تب بھی سلام کرے۔

۳؎معلوم ہوا کہ راہ گیر یعنی گزرنے والا صرف ایک سلام کرے اور جو مجلس میں کچھ دیر ٹھہرے وہ دو سلام کرے ایک آنے کا دوسرا جانے کا۔

۴؎یعنی سلام لقا اور سلام وداع دونوں سنت ہونے میں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں لہذا یہ دونوں سلام سنت ہیں اور ان کے جواب فرض۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں میں بیٹھنے میں بھلائی نہیں ۱؎ سواء اس کے جو راستہ کو بتائے اور سلام کا جواب دے اور نگاہ نیچے رکھے اور سوار کرنے پر مدد دے ۲؎(شرح سنہ)ابوجری کی حدیث فضل کے باب میں ذکر کردی گئی ۳؎	

۱؎ بلکہ راستوں میں بیٹھنا کبھی گناہوں کا سبب بن جاتا ہے اس سے اجنبی عورتوں پر نظر پڑ جاتی ہے اور بہت خرابیاں ہوجاتی ہیں،ضرورت کے احکام جداگانہ ہیں۔

۲؎ یعنی اگر تم کو راستوں پر بیٹھنا پڑ جاوے تو یہ چار نیکیاں کرتے رہو: بھولے بھٹکے ناواقف کو راستہ بتاؤ،نگاہیں نیچے رکھو،راہ گیروں کے سلام کے جواب دو،اگر کوئی سواری پر سوار ہونے میں دشواری محسوس کرتا ہو تو اسے سوار کرادو،یوں ہی اگر کوئی بوجھ اٹھانا چاہتا ہے مگر اسے دشواری ہورہی ہو تو اس کی گٹھڑی اس کے سر پر رکھ دو۔

۳؎ اس حدیث کے اول میں یہ تھا کہ میں نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا علیك السلام یارسول اللہ تو فرمایا یہ مردوں کا آپس کا سلام ہے تم یوں کہو السلام علیک۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی انہوں نے کہا الحمدللہ(باذن الٰہی)پھر ان سے ان کے رب نے کہا اے آدم اللہ تم پر رحمت کرے ۲؎ ان فرشتوں کے پاس جو جماعت بیٹھی ہے جاؤ تو کہو السلام علیکم ۳؎ چنانچہ انہوں نے کہا السلام علیکم وہ بولے علیک السلام ورحمۃ اللہ ۴؎ پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹے ۵؎ تو فرمایا یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام ہے پھر ان سے اللہ نے فرمایا حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ کی مٹھیاں بند تھیں ۶؎ کہ جو لینا چاہو اختیار کرلو ۷؎ عرض کیا میں نے اپنے رب کا داہنا ہاتھ اختیار کیا میرے رب کے دونوں ہاتھ داہنے اور مبارک ہیں ۸؎ پھر رب نے ہاتھ کھولا تو اس میں آدم اور ان کی اولاد تھی ۹؎ عرض کیا	

	یارب یہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے ۱۰؎ تو ہر انسان کی عمر اس کی آنکھوں کے درمیان لکھی تھی ۱۱؎ ان میں ایک صاحب بہت چمکدار تھے یا ان کے بہت چمک داروں سے ۱۲؎ عرض کیا یارب یہ کون ہیں فرمایا یہ تمہارے فرزند داؤد ہیں اور ان کی عمر میں نے چالیس سال لکھی ہے ۱۳؎ عرض کیا یارب ان کی عمر میں زیادتی کردے فرمایا میں نے ان کے لیے یہ ہی لکھی ہے ۱۴؎ عرض کیا یارب میں نے اپنی عمر میں سے ساٹھ سال انہیں دیئے ۱۵؎ فرمایا تم جانو اور یہ کام ۱۶؎ فرماتے ہیں پھر جتنا اللہ نے چاہا حضرت آدم جنت میں رہے پھر وہاں سے اتارے گئے اور حضرت آدم اپنی عمر گنتے تھے ۱۷؎ پھر ان کے پاس ملک الموت آئے تو آدم نے ان سے کہا تم نے جلدی کی میری عمر ایک ہزار سال لکھی گئی عرض کیا ہاں لیکن آپ نے اپنے فرزند داؤد کو ساٹھ سال دے دیئے ہیں ۱۸؎ حضرت آدم نے انکار کردیا ۱۹؎ چنانچہ ان کی اولاد انکار کرتی ہے آپ بھول گئے تو اولاد بھولنے لگی ۲۰؎ فرماتے ہیں کہ اس دن سے لکھنے گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ۲۱؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی انہیں پیدا ہوتے ہی چھینک آنا جو صحت و تندرستی کی علامت ہے اللہ کی رحمت اس کے فضل سے تھا اور چھینک پر **الحمدللہ** کہنا بھی اللہ کے ارادے اس کی تعلیم اس کی رحمت سے تھا انہیں کسی نے سکھایا نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ علم لدنی سے عالم تھے جیسے ہمارے حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور سجدہ میں حمد الٰہی کی یہ سب رب کی تعلیم سے ہے۔

۲؎ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدے کے بعد کا ہے لہٰذا اس آیت کے خلاف نہیں "**فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ**"۔ یرحمك الله اگر دعائیہ کلام ہے تو بندوں کی تعلیم کے لیے ہے کہ اولاد چھینک کے جواب میں یہ کہا کریں جیسے قرآن کریم میں ہے "**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ**" اور اگر یہ فرمان خبر کے لیے ہے یعنی اللہ تعالٰی تم پر رحمت کرے گا تو مقصد ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی اے آدم آپ ان فرشتوں کے پاس جاؤ انہیں تحیۃ و ملاقات کا سلام کرو۔معلوم ہوا کہ آنے والا سلام کرے بیٹھے ہوؤں کو اگرچہ آنے والا افضل ہو اور بیٹھے ہوئے لوگ مفضول ہوں،دیکھو آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل بلکہ ان کے مسجود ہیں مگر آپ نے ہی سلام کیا۔

۴؎ فرشتوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ زیادہ کیا تاکہ آئندہ کے لیے سبق ہو کہ جواب میں کچھ زیادتی کردی جایا کرے۔

۵؎ یعنی اس جگہ لوٹے جہاں پہلے رب تعالٰی سے کلام کیا تھا ورنہ رب تعالٰی کی رحمت و قدرت ہر جگہ ہے۔

۶؎ یہ جملہ متشابہات سے ہے اس کے حقیقی معنی ہماری عقل و فہم سے بالا ہیں،اللہ تعالٰی جسمانی ہاتھ اور مٹھی سے پاک ہے اس کے معنی یارب تعالٰی جانے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔بعض شارحین نے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد صفت جمال و جلال ہیں،ان صفتوں میں مرحومین اور مردودین ایسے چھپے تھے جیسے مٹی کی چیز مٹھی میں چھپی ہوتی ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم!**

۷؎ یعنی ان دونوں میں سے جس کو چاہو اپنا لو اسکے اندر کے بندوں کو اپنا بنالو۔

۸؎ یہ ساری عبارت متشابہات سے ہے اس کے حقیقی معنی وہ ہیں جو اللہ رسول جانیں۔یہاں اشعۃ اللمعات میں اسی جملہ کے پانچ معنی بیان فرمائے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ مخلوق کے داہنے بائیں میں سے بایاں ضعیف و کمزور ہوتا ہے داہنا قوی،رب تعالٰی ضعف و کمزوری سے پاک ہے اس کی صفات رحمت اور صفات قہر دونوں ہیں یعنی دونوں مبارک و قوی ہیں۔وہ وہ عزیز وغالب ہے جسے گمراہ کرتا ہے تو حکمت سے اور جسے ہدایت دیتا ہے تو حکمت سے۔

۹؎ یہاں آدم علیہ السلام عالم شہود میں تھے دست قدرت میں عالم غیب میں بطورِ مثال تھے،خود اپنے کو دیکھ رہے تھے جیسے کوئی شخص آئینہ میں اپنے کو اور اپنے گھر بار آل و اولاد کو دیکھے جو خود گھر میں موجود ہوں،یہ مثال محض سمجھانے کے لیے ہے از آدم تاروز قیامت سارے انسان حضرت آدم کو دکھادیئے گئے اور یہ دکھانا اجمالًا نہ تھا بلکہ تفصیلًا تھا کہ آپ نے ہر ایک کو پہچان بھی لیا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔رب تعالٰی نے پہلے توآدم علیہ السلام کو تمام عالم کی چیزیں دکھا کر انکے نام بتادیئے اس موقعہ پر صرف اولاد آدم دکھائی۔

۱۰؎ اس ہاتھ میں صالحین یعنی مؤمنین اولیاء و انبیاء ہی تھے،دوسرے دستِ قدرت میں کفار ہوں گے خبر نہیں کہ ہم کس ہاتھ میں تھے رب تعالٰی فضل کرے۔

۱۱؎ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ انسان کی تقدیر اس کی عمر اس کی پیشانی میں لکھی ہوتی ہے اس لیے اسے پیشانی کہتے ہیں یعنی پیش آنے والی چیز۔دوسرے یہ کہ یہ تحریر اللہ کے مقبول بندے پڑھ لیتے ہیں آدم علیہ السلام نے بغیر کسی مدرسہ میں تعلیم پائے یہ تحریر پڑھ لی۔تیسرے یہ کہ آدم علیہ السلام کو سارے انسانوں کی تقدیریں ان کی عمریں معلوم تھیں یہ ہی علوم خمسہ سے ہیں پھر ہمارے حضور کے علم کا کیا پوچھنا،آدم علیہ السلام کا علم ہمارے حضور کے علم کے سمندر کا قطرہ ہے۔شعر

قدرت کی تحریریں جانے امی اور تقدیریں جانے
بخشش کی تدبیریں جانے

وہ ہے رحمت والا

جن کا نام ہے محمد ان سے دوجگ ہیں اجیالا

آن کی آن میں عرش پہ جاوے پلک جھپکتے فرش پہ آوے

دوجگ کا والی کہلاوے

امت کا رکھوالا

جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہیں اجیالا

۱۲؎ غالبًا حضرت آدم علیہ السلام کی غائر نظر حضرت یوسف علیہ السلام یا حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ پڑی ہوگی یا ادھر متوجہ نہ ہوئے ہوں گے ورنہ حضور کا حسن تمام سے زیادہ ہے۔رب کا منشاء یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے زیادہ نہ ہو حضور کو دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ کسی سے لینے کے لیے،رب تعالٰی کا منشاء یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو جناب آدم علیہ السلام کی نگاہ میں حسین ترین دکھایا جاوے تاکہ اگلا واقعہ پیش آوے۔

۱۳؎ آدم علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ عمران کی پیشانی میں پڑھ ہی چکے تھے،رب تعالٰی کا یہ فرمان اس پڑھے ہوئے کی تصدیق و تائید کے لیے ہے۔

۱۴؎ آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ ان کی عمر اپنی طرف سے بڑھادے اس لیے یہ جواب دیا گیا کہ ہم تو انہیں وہ عمر دے چکے جو دینا تھی آپ کی دعا سے اس وقت اس میں زیادتی نہ فرمائیں گے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی عمر پوری دی یعنی ایک ہزار سال اور داؤد علیہ السلام کو بھی یہ ساٹھ سال دیئے جو آدم علیہ السلام دے چکے تھے لہذا اس فرمان عالی کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت ان کی عمر میں زیادتی نہ کریں گے۔(مرقات)

۱۵؎ اس سے چند مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ کے مقبول بندوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں عمریں بڑھ جاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے چالیس سال کے سو سال ہوگئی،قرآن کریم فرماتا ہے:"مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ"بلکہ بعض اعمال سے عمریں بڑھ جاتی ہیں،حضور فرماتے ہیں کہ صدقہ سے عمر بڑھتی ہے۔

۱۶؎ یعنی منظور ہے اگر تم ہی اپنی عمر دے رہے ہو تو تم جانو۔معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اپنی عمر معلوم تھی کہ ایک ہزار سال ہے تب ہی تو آپ اس میں سے ساٹھ سال دے رہے ہیں اگر آپ کو خبر ہی نہ ہوتی کہ میری عمر دس سال ہے یا بیس سال تو آپ ساٹھ سال کیسے دیتے۔

۱۷؎ خیال رہے کہ آپ کی یہ عمر جنت سے واپس آنے کے بعد شروع ہوئی تھی،اس وقت سے آپ نے گنتی شروع کی تھی ورنہ آپ جنت میں بہت دراز مدت رہے وہ مدت عمر کے حساب میں نہیں لگی۔جب بچہ پیدا ہوتا ہے تب

اس کی عمر شروع ہوتی ہے پیٹ میں رہنے کی مدت عمر کے حساب میں نہیں لگتی اس لیے یہاں ثم اهبط ارشاد ہوا۔

۱۸؎ تقدیر کے بیان میں جو حدیث گزری ہے وہاں چالیس سال کا ذکر ہے یہاں ساٹھ کا ذکر۔بات یہ تھی کہ آدم علیہ السلام نے داؤد علیہ السلام کو پہلے چالیس دیئے پھر ساٹھ سال کردیئے یعنی بیس سال اور زیادہ حضرت ملک الموت اولًا تو جب آئے جب کہ جناب آدم کی عمر کے ساٹھ سال باقی تھے آپ نے انکار کیا پھر بیس سال بعد آئے جب چالیس سال باقی تھے تاکہ ان بیس سال میں آپ اور بھی غور کرلیں سوچ لیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاءکرام کی موت ان کی رضا سے آتی ہے وہ جب چاہتے ہیں تب انہیں وفات دی جاتی ہے،موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ اگر آپ ابھی موت نہیں چاہتے تو بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں جتنے بال آپ کے ہاتھ لگیں فی بال ایک سال۔

۱۹؎ یعنی آدم علیہ السلام یہ واقعہ ایسا بھولے کہ یاد دلانے پر بھی انہیں یاد نہ آیا عمر لینا تو یاد رہا مگر عمر دینا یاد نہ رہا۔خیال رہے کہ یہاں انکار اپنی یاد آنے کا ہے نہ کہ اصلی واقعہ کا اصل واقعہ تو بذریعہ فرشتہ کے رب تعالٰی بیان فرمارہا ہے اس کا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔

۲۰؎ آپ سے بھول تو گندم کھانے میں ہوئی اور انکار عمر دینے کا ہوا اولاد میں ماں باپ کا اثر آتا ہے اس لیے انسانوں میں یہ مرض خصوصیت سے موجود ہیں۔

۲۱؎ معلوم ہوا کہ معاملات کا لکھ لینا ان پر گواہ بنالینا آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی چلا آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے میں چند عورتوں میں تھی تو حضور نے ہم کو سلام کیا ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ ہم دوسری فصل میں عرض کرچکے ہیں کہ اجنبی عورتوں کو سلام کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے،ہم لوگ اجنبی جوان عورتوں کو نہ سلام کریں نہ انکے سلام کا جواب دیں،ہاں اپنی محرم عورتوں یا بچیوں یا بوڑھی عورتوں کو سلام جائز ہے۔

روایت ہے طفیل بن ابی کعب سے ۱؎ کہ وہ حضرت ابن عمر کے پاس جاتے تھے تو ان کے ساتھ بازار تک جاتے تو عبداللہ ابن عمر کسی معمولی چیزیں بیچنے والے ۲؎ اور شاندار تجارت کرنے والے اور مسکین پر اور کسی پر نہ گزرتے مگر اسے سلام کرتے ۳؎ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں عبداللہ ابن عمر کے پاس گیا تو مجھ سے بازار تک چلنے کو کہا میں نے کہا آپ بازار میں کرتے کیا ہیں نہ تو خرید وفروخت پر کھڑے ہوتے ہیں نہ سامان کی دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ	

	لگاتے ہیں نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو ہمارے ساتھ یہاں ہی بیٹھے باتیں کرلیں گے ۴؎ فرماتے ہیں کہ تو مجھ سے عبداللہ بن عمر نے فرمایا اے پیٹ والے، راوی کہتے ہیں کہ طفیل کا پیٹ بڑا تھا ۵؎ ہم سلام کے لئے جاتے ہیں کہ جو ہمیں ملے اسے سلام کریں ۶؎(مالک، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہ طفیل تابعی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں پیدا ہوئے مگر آپ کی زیارت نہ کرسکے،آپ کی کنیت ابوالحسن ہے،انصاری ہیں۔

۲؎ سقاط سین کے فتحہ ق کے شد سے بنا ہے سقط سے،سقط معمولی چیزوں کو کہتے ہیں یعنی گھری بڑی چیزیں۔سقاط وہ شخص جو معمولی چیزیں فروخت کرتا ہو جسے اردو میں کہتے ہیں چھابڑہ فروش اور صاحب بیعت اعلیٰ چیزوں کا بیوپاری کہلاتا ہے۔

۳؎ یعنی آپ ہر تاجر غیر تاجر،امیر وفقیر،واقف ناواقف سب کو سلام کرتے تھے اور کچھ خرید و فروخت نہیں کرتے تھے۔

۴؎ یعنی یہاں بیٹھ کر دینی باتیں کریں،کتاب و سنت،اللہ رسول کا ذکر کریں بازار جاتے آتے بات کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔

۵؎ لہذا ابوبطن کے معنی ہوئے پیٹ والے جیسے ابوہریرہ بلیوں والے،ابوبکر اولیت والے،ابوبطن بڑے پیٹ والے۔

۶؎ یعنی ہمارا بازار جانا بھی عبادت ہے کہ ہم وہاں عملی تبلیغ کے لیے جاتے ہیں،سلام کی اشاعت کرنا لوگوں کو سلام کرنے کی عادت ڈالنا۔معلوم ہوا کہ لوگوں کو سنت کا عادی بنانا بھی بہترین عبادت ہے،علماء اگر لوگوں کے پاس جاکر انہیں تبلیغ کریں تو بہت ہی اچھا ہے،گھر بلاکر تبلیغ کرنا اور لوگوں کے گھر جاکر تبلیغ کرنا دونوں ہی سنت ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا فلاں شخص کی کھجور کی شاخ میرے باغ میں ہے ۱؎ اور اس کی شاخ نے مجھے بہت دکھ دیا ہے ۲؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہلا بھیجا کہ میرے ہاتھ اپنی یہ شاخ فروخت کردے ۳؎ وہ بولا نہیں ۴؎ فرمایا تو مجھے ہبہ کردے ۵؎ بولا نہیں فرمایا تو اسے میرے ہاتھ جنت کے درخت کی عوض بیچ دے ۶؎ بولا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایسا شخص نہ دیکھا جو تجھ سے زیادہ بخیل ہو ۷؎ سواء اس کے جو سلام میں بخل کرے ۸؎(احمد، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اس طرح کہ میرا باغ اس کے باغ سے متصل ہے ایک مشترک دیوار بیچ میں ہے،دیوار کی اس طرف اس کی کھجور کا درخت ہے اس درخت کی ایک شاخ دیوار کی اس جانب میرے باغ میں ہے۔حائط وہ باغ کہلاتا ہے جو دیواروں سے گھرا ہو،عرب کے اکثر باغ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

۲؎ کیونکہ یہ شخص اس شاخ کی وجہ سے دیوار پر چڑھتا ہے اور اگر اس شاخ کے پھل میری طرف گرجاویں تو انہیں لینے کے لیے میرے باغ میں آتا ہے ان حرکتوں سے مجھے اورمیرے بچوں کو تکلیف ہوتی ہے،عرب میں باغ والے کا مکان بھی باغ میں ہوتا ہے جہاں اس کے بال بچے رہتے ہیں،اس پڑوسی کی اس آمدورفت سے اسے یقینًا دکھ پہنچتا تھا۔

۳؎ یعنی اس شاخ یا اس درخت کو ہمارے ہاتھ کچھ پیسوں کی عوض فروخت کردو تاکہ ہم وہ شاخ یا وہ درخت کٹوادیں تاکہ اس شخص کی تکلیف دور ہو،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے ولی ہیں اس لیے فرمایا یعنی ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔

۴؎ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ نہ ماننے والا یا فاسق ہوگا یا کافر مگر حضور کے مشورے کا ماننا فرض نہیں نہ قبول کرنے کا حق ہے،یہاں فرمانا مشورہ تھا حکم نہ تھا۔دوسرے یہ کہ حاکم بادشاہ بھی کسی کا مال بغیر اس کی مرضی کے فروخت نہیں کرسکتا بیع میں مالک کی رضا ضروری ہے،حضور انور نے اس سے فرمایا فروخت کردے خود فروخت نہ فرمادیا رب فرماتاہے:"اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجٰرَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ"۔اور ایک سائل کا کمبل و پیالہ نیلام فرمادینا یہ حضور کی ولایت عامہ کی بنا پر تھاجیسے مالک اپنے غلام کا مال یا باپ اپنے چھوٹے بچے کا مال فروخت کرسکتا ہے۔غرضکہ حضور کے دو عمل دو حیثیت سے ہے۔ابی اللحم کے ہاں حضور کی دعوت تھی ایک شخص کو ساتھ لے گئے تو مالک سے اجازت لی،حضرت طلحہ کے ہاں سارے خندق والوں کو مہمان بنا کر لے گئے،وہاں فتوٰی یہاں اپنی ملکیت کا اظہار صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵؎ بغیر دنیاوی عوض کے دیدے یہ ہبہ درحقیقت اس باغ والے کے لیے ہوتا،ھب لی فرمانا اس وجہ سے ہے جو ابھی عرض کی گئی یا ھب لی کے معنے یہ ہیں کہ میری خاطر اس باغ والے کو ہبہ کردے تو یہ سفارش ہے نہ کہ حکم شرعی۔(مرقات)

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان تھا۔مطلب یہ ہے کہ تو اسے سفارش سے بطور صدقہ دیدے میں تجھے اسکی عوض جنت کا باغ عطا کرتا ہوں۔حضور جنت کے مالک ہیں وہاں کی کوئی چیز کسی کو کسی کی عوض دے سکتے ہیں۔

۷؎ شاید یہ شخص کوئی بدوی یعنی جنگلی شخص تھا جسے ان چیزوں کی قدر نہ تھی نہ آداب مجلس سے واقف تھا ورنہ جنت کی عوض درخت کی شاخ کا بک جانا اچھا سودا تھا۔

۸؎ یعنی تجھ سے بڑھ کر بخیل وہ ہے جو مسلمان بھائی کو بلاوجہ سلام نہ کرے مفت کا ثواب کھودے یا وہ ہے جو مجھ پر سلام نہ بھیجے،دوسری توجیہ زیادہ قوی ہے۔(مرقات)اس کی تائید اس حدیث سے ہے کہ بخیل وہ جو میرا ذکر سنے اور مجھ پر سلام نہ بھیجے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا سلام میں ابتداء کرنے والا تکبر سے دور ہے [1] (بیہقی شعب الایمان)

[1] یعنی جو شخص مسلمانوں کو سلام کرلیا کرے وہ ان شاءاللہ متکبر نہ ہوگا اس کے دل میں عجز و نیاز ہوگا،یہ عمل مجرب ہے۔

باب الاستیذان

اجازت لینے کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ استیذان بنا ہے اذن سے،اذن کے معنی علم بھی ہیں اور اباحت و اجازت بھی۔استیذان کے معنی ہیں اجازت داخلہ حاصل کرنا یا یہ علم حاصل کرنا کہ مجھے اس جگہ جانا درست ہے،کسی کے گھر میں جاتے وقت اس سے اجازت مانگنا سنت ہے۔بہتر یہ ہے کہ کہے السلام علیکم کیا میں آسکتا ہوں یہ سلام بھی استیذان کا ہے۔(اشعۃ،مرقات،لمعات)وہ جو آتا ہے کہ السلام قبل الکلام وہاں سلام سے مراد سلام تحیۃ ہے جو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یہ سلام استیذان ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ابوموسیٰ آئے بولے کہ حضرت عمر نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں ان کے پاس آؤں تو میں ان کے دروازے پر آیا میں نے تین بار سلام کیا ۱؎ انہوں نے جواب نہ دیا تو میں لوٹ گیا ۲؎ انہوں نے فرمایا کہ تم کو ہمارے پاس آنے سے کس نے روکا ۳؎ میں نے کہا کہ میں آیا تھا آپ کے دروازے پر تین بار سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا ۴؎ تو میں لوٹ گیا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تین بار اجازت مانگے پھر اسے اجازت نہ دی جاوے لوٹ جاوے ۵؎ حضرت عمر نے فرمایا کہ اس پر گواہی قائم کرو ۶؎ ابو سعید کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ اٹھا اور حضرت عمر کی طرف گیا پھر میں نے گواہی دی ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جب میں حضرت عمر کے دروازے پر آیا تو میں نے تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر تین بار کہا السلام علیکم یہ سلام استیذان ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ داخلہ کی اجازت مانگنے کے لیے صرف سلام کرنا بھی کافی ہے اور یہ بھی

کہ السلام علیکم کیا آجاؤں،چونکہ حضرت عمر مکان میں تھے جو زنانہ تھا اس لیے اجازت مانگنے کی ضرورت ہوئی اگر مردانہ میں ہوتے تو بلانا ہی کافی تھاجسے بلایا جاوے اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی جیساکہ آگے آوے گا۔

۲؎دروازہ پیٹنا نہیں آج آنے والے اگر اجازت نہ پائیں تو دروازہ توڑ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اسلامی احکام سے خبردار نہیں۔

۳؎یا تو میرے لوٹتے ہی مجھے خادم کے ذریعہ بلوا کر یہ کہا یا جب میں کسی اور موقعہ پر حاضر ہوا تب یہ فرمایا پہلے معنی زیادہ موزوں ہے۔

۴؎یعنی گھر سے جواب سلام نہ ملا نہ آپ نے جواب دیا نہ آپ کے اہلِ خانہ میں سے کسی نے اس لیے میں واپس گیا۔

۵؎گھر والا پہلے سلام پر تو پہچانے کون ہے،دوسرے سلام پر غور کرے کہ اسے اجازت دوں یا نہ دوں،تیسرے سلام پر اجازت دے یا نہ دے ان تین سلاموں میں یہ حکمت ہے۔

۶؎اس گواہی مانگنے میں حکمت یہ تھی کہ لوگ حدیث بیان کرنے پر دلیر نہ ہوجاویں یا حدیثیں گھڑنے نہ لگیں،نہ تو یہ وجہ تھی کہ ان صحابی پر آپ کو اعتماد نہ تھا،نہ یہ کہ خبر واحد قبول نہیں کیونکہ دو شخصوں کی خبر بھی واحد ہی ہوتی ہے،حد تواتر سے کم کی خبر خبر واحد ہے۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ کوئی اور صحابی ایسا پیش کرو جس نے حضور انور سے یہ فرمان سنا ہو۔

۷؎ یعنی میں نے حضرت عمر کے پاس جاکر عرض کیا کہ میں نے بھی یہ فرمان عالی حضور انور سے سنا ہے تب آپ خاموش ہوگئے،اسی وجہ سے حضرت امیر معاویہ نے فرمایا تھا کہ جو احادیث عہد فاروقی کے بعد شائع ہوئیں ہم انہیں قبول نہ کریں گے کیونکہ حضرت عمر کی سی احتیاط بعد میں نہ رہی،خلافت حیدری میں روافض و خوارج کا ظہور ہوا،روافض نے حضرت علی کے فضائل میں،خوارج نے آپ کے خلاف حدیثیں گھڑنا شروع کردی تھیں،پھر محدثین نے جرح و تعدیل کرکے احادیث کو چھانٹا اسنادیں قائم کیں،سندوں میں جرح و قدح کی،کھرے کھوٹے کو الگ کرکے دکھادیا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے میرے پاس آنے کی اجازت یہ ہے کہ تم پردہ اٹھا دو اور یہ کہ میری بھنک سنو ۱؎ حتی کہ میں تم کو منع کردوں ۲؎(مسلم)

۱؎یعنی تم بغیر آواز دیئے دروازہ کا پردہ اٹھاؤ گھر میں آجاؤ اگرچہ میں کسی سے خفیہ بات کررہا ہوں تم کو اجازت ہے کہ آجاؤ میری وہ بات سن لو،یہ آپ کی نہایت اہم خصوصیت ہے کہ آستانہ عالیہ میں ایسے باریاب ہیں رضی اللہ عنہ۔چونکہ آپ حضور انور کے خادم خاص تھے اور خصوصی خدام جنہیں بار بار گھر میں آنا جانا رہتا ہے انہیں ہر دفعہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کہ اس پابندی میں تکلیف ہوگی انہیں بھی اور گھر والوں کو،بھی حضور کا یہ فرمان ان

کے لیے دائمی اجازت ہوگیا۔خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابن مسعود سے ازواج پاک پردہ نہیں کرتی تھیں کیونکہ مکان سے مردانہ مکان مراد ہے نہ کہ زنانہ یا یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے ہے۔(مرقات)**سواد** سین کے کسرہ سے،خفیہ آواز یعنی بھنک۔

۲؎ یعنی اگر کسی وقت میں تم کو آتے ہوئے اشارۃً منع کردوں تب نہ آنا وہ کوئی خاص صورت ہوگی گویا یہ عمومی اجازت ہے وہ خصوصی ممانعت ہوگی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس قرض کے بارے میں آیا جو میرے باپ پر تھا۱؎ میں نے دروازہ بجایا فرمایا یہ کون ہے میں نے کہا کہ میں،تو فرمایا کہ میں میں کیا غالبًا حضور نے اسے ناپسند کیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ جناب عبداللہ یعنی حضرت جابر کے والد مقروض تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوگئے،حضرت جابر اس کے متعلق دعا کرانے یا قرض خواہوں سے سفارش کے لیے حاضر بارگاہ ہوئے تھے،یہ حدیث ان شاءاللہ **باب المعجزات** میں آوے گی۔

۲؎ معلوم ہوا کہ آنے والا پوچھنے پر اپنا نام لے صرف میں نہ کہہ دے کہ میں سب ہیں،اس سے گھر والے کو پہچان نہیں ہوتی کہ کون اجازت مانگ رہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوا تو آپ نے پیالہ میں دودھ پایا۱؎ فرمایا ابوہریرہ صفہ والوں کے پاس جاؤ انہیں میرے پاس بلا لاؤ میں ان کے پاس گیا انہیں بلایا تو وہ آگئے انہوں نے اذن مانگا انہیں اذن دیا تو وہ اندر آئے ۲؎(بخاری)

۱؎ غالبًا یہ واقعہ حضور کے اپنے گھر شریف کا ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے گھر کا واقعہ ہے کہ حضور نے ان کے گھر یہ دودھ پایا تھا۔(مرقات)

۲؎ ان بزرگوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بلایا تھا مگر چونکہ وہ حضرات دیر سے آئے تھے اس لیے داخلہ کی اجازت مانگی ورنہ اگر بلانے والے کے ساتھ فورًا آجاوے اور بلانے والا زنان خانہ میں نہ ہو تو داخلہ کی اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں یا یہ اجازت لینا استحبابًا تھا نہ کہ وجوبًا لہذا یہ حدیث آئندہ حدیث کے خلاف نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے کلدہ ابن حنبل سے کہ صفوان ابن امیہ نے ۱؎ دودھ یا ہرنی کا بچہ اور ککڑیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں ۲؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے اعلیٰ حصہ میں تھے ۳؎ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو نہ میں نے سلام کیا نہ اجازت لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ جاؤ پھر کہو السلام علیکم پھر اندر آؤ ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ کلدہ ابن امیہ ماں شریکے بھائی ہیں صفوان ابن امیہ کے،صفوان قرشی ہیں،فتح مکہ کے بعد اسلام لائے،مؤلفۃ القلوب سے ہیں،ان کا باپ امیہ ابن خلف بدر کے دن دوسرے مشرکین کے ساتھ مارا گیا،یہ مکہ معظّمہ میں فوت ہوئے وہاں ہی دفن ہوئے،صفوان بڑے فصیح خطیب تھے۔(مرقات)

۲؎ جدایہ ہرنی کے شش ماہیہ بچے کو کہتے ہیں اور جدی بکری کے شش ماہیہ بچے کو کہا جاتا ہے،ضغابیس جمع ہے ضغیوس کی بمعنی چھوٹی ککڑی جسے پنجابی میں گلہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گلے بہت پسند تھے۔

۳؎ مکہ معظّمہ کے اونچے محلوں کو معلیٰ کہا جاتا ہے اور مدینہ منورہ کے بیرونی بلند حصوں کو عوالی کہتے ہیں۔اشعہ نے فرمایا کہ حضور انور مکہ معظّمہ کے اعلیٰ حصہ میں تھے،مرقات نے کہا کہ مدینہ منورہ میں یہ واقعہ ہوا حضور وہاں تشریف فرما تھے۔

۴؎ یہ عمل اس لیے فرمایا تاکہ انہیں یاد رہے اور آئندہ ایسی غلطی نہ کریں۔جو شخص ہمارے گھر میں بغیر سلام آئے اسے پھر باہر بھیجو اور کہو کہ دوبارہ سلام کرکے آؤ ان شاءاللہ ایک دفعہ کے عمل سے اسے سلام کی عادت پڑ جاوے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بلایا جاوے تو وہ قاصد کے ساتھ آئے تو یہ ہی اس کی اجازت ہے ۱؎ (ابوداؤد)ان کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا آدمی کا قاصد آدمی کی طرف اس کی اجازت ہے ۲؎

۱؎ یہ جب ہے جب کہ وہ شخص جلد آجاوے اور بلانے والا زناں خانہ میں نہ ہو لہٰذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ایسے شخص کا اجازت لینا ثابت ہے۔

۲؎اس میں وہ قیدیں ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں یعنی جو بلانے والے قاصد کے ساتھ آئے اسے داخلہ کی اجازت لینا ضروری نہیں قصد ہی اس کی اجازت ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے دروازے پر آتے تو منہ کے طرف سے دروازے کے سامنے نہ ہوتے لیکن اس کے داہنے یا بائیں رہتے۱؎پھر فرماتے السلام علیکم،السلام علیکم یہ اس لیے تھا کہ اس زمانہ میں گھروں پر پردے نہ تھے ۲؎(ابوداؤد)اور حضرت انس کی حدیث کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا السلام علیکم دعوت کے باب میں ذکر کردی گئی۳؎

۱؎سامنے اس لیے نہ کھڑے ہوتے تاکہ پردہ کے سوراخوں کواڑ کے جھروں سے اندرونی حصہ نظر نہ آوے اور گھر والوں کی بے پردگی نہ ہو۔

۲؎یعنی کواڑوں کے پردے نہ تھے صرف ٹاٹ پڑے رہتے تھےاب جب کہ دروازوں پر کواڑ وغیرہ ہیں تب بھی بالکل دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہونا کہ کواڑوں کی جھری سے یا پردہ ہٹ جانے سے گھر والوں کی بے پردگی نہ ہو۔

۳؎یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت کے باب میں نقل کردی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے عطا ابن یسار سے۱؎کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بولا کیا میں اپنی ماں سے داخلہ کی اجازت لوں ۲؎فرمایا ہاں وہ بولا کہ میں گھر میں اس کے ساتھ رہتا ہوں۳؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے داخلہ کی اجازت لو تو وہ شخص بولا کہ میں تو اس کا خدمتگار ہوں۴؎تو رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجازت داخلہ لو ۵؎کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے ننگا دیکھو وہ بولا نہیں تو فرمایا کہ اس سے داخلہ کی اجازت لو ۶؎(مالک ارسالًا)

۱؎آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ حضرت میمونہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ یعنی اگر اکیلے گھر میں صرف میری ماں حقیقی یا سوتیلی یا دودھ کی یا اور کوئی محرم ہو جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے ماں سے مراد باقی تمام ذی رحم محرم نہیں(مرقات)تو میں بغیر اجازت گھر چلا جاؤں یا ان سے بھی داخلہ کی اجازت لوں۔

۳؎ یعنی اگر میں اپنی ماں سے علیحدہ نہ رہتا ہوں بلکہ ایک گھر میں ساتھ ہی رہتا ہوں کہیں باہر گیا پھر آیا تو کیا پھر اجازت لوں۔

۴؎ اس خدمت گزاری کی وجہ سے بار بار مجھے جانا آنا پڑتا ہے ہر بار اجازت لینے میں حرج ہوگا۔

۵؎ اس اجازت میں یہ آسانی ہے کہ صرف کھانس دینا،پاؤں کی آہٹ کردینا،کنڈی بجادینا،مٹھار دینا کافی ہوگا باقاعدہ سلام کرکے اجازت لینا ضروری نہ ہوگا۔(مرقات)کسی طرح اپنی آمد کی اطلاع کافی ہوگی ۔

۶؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری وجہ بیان ہوئی کہ چونکہ ماں کا ستر دیکھنا حرام ہے اور بے اجازت داخل ہونے میں اس کا اندیشہ ہے لہذا اطلاع کرکے آنا چاہیے،ہاں اگر گھر میں صرف بیوی ہو تو اطلاع کی ضرورت نہیں کہ بیوی سے حجاب نہیں۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک حاضری رات میں ہوتی تھی ۱؎ ایک حاضری دن میں تو میں جب رات میں حاضر ہوتا تو آپ میری خاطر کھنکار دیتے ۲؎ (نسائی)	

۱؎ یعنی میں روزانہ کم از کم ایک بار دن میں حاضر ہوتا تھا اور ایک بار رات میں کبھی زیادہ بار بھی حاضری دیتا تھا یہ حاضریاں زیادہ قرب منزلت کی بنا پر تھیں۔

۲؎ یہ کھنکارنا اجازت کے لیے ہوتا تھا کہ آجاؤ اجازت ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سلام سے ابتداء نہ کرے اسے اجازت نہ دو ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ اس سلام سے مراد یا سلام اجازت ہے یا سلام ملاقات یعنی جو شخص بغیر سلام اجازت داخلہ مانگے یا جو شخص جب گھر میں آئے تو سلام نہ کرے بات شروع کردے تو اسے آنے یا بیٹھنے کی اجازت نہ دو واپس کرو پھر بلاؤ تاکہ وہ اب سلام کرکے آئے یا جو کوئی تمہاری دعوت میں بغیر سلام آجاوے تو اسے کھانا نہ دو لوٹا کر سلام کے ساتھ بلاؤ پھر کھلاؤ۔(مرقات)

باب المصافحۃ و المعانقۃ

مصافحہ کرنے گلے لگنے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱مصافحه بنا ہے **صفح** سے بمعنی کشادگی و چوڑائی اس سے دروازے کے تختوں کو **صفائح الباب** کہتے ہیں اور تلوار کی چوڑائی کو **صفح السیف** کہتے ہیں۔مصافحہ کے معنی ہیں ہاتھ کی چوڑائی یعنی ہتھیلی کو دوسرے کی ہتھیلی سے ملانا،**معانقه** بنا ہے **عنق** سے بمعنی گردن اور گلا،**معانقه** کے معنی ہیں کسی کو گلے لگانا۔مصافحہ معانقہ کے متعلق چند مسائل یاد رکھو:(۱)مصافحہ دونوں ہاتھوں سے چاہیے صرف ایک ہاتھ سے نہ کرے(۲)مصافحہ کرتے وقت ہاتھوں کوہلانا چاہیے(۳)نماز جمعہ یا نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنا اگرچہ سنت نہیں مگر درست ہے بلکہ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے(۴)اجنبی جوان عورت سے مرد کو مصافحہ کرنا حرام ہے(۵)اپنی محرم یا بہت بوڑھی عورت سے مصافحہ جائز ہے،حضرت ابوبکر صدیق اپنے زمانہ خلافت میں اپنی دودھ کی ماں سے مصافحہ کرتے تھے،حضرت عبداللہ ابن زبیر مکہ معظّمہ میں ایک بوڑھی عورت کی اپنے ہاتھ سے خدمت کرتے تھے(۶)خوبصورت امرد لڑکے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں(۷)علماء مشائخ کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے،حضرات صحابہ نے حضور کے پاؤں چومے ہیں(۸)جو شخص اپنے کو لوگوں سے چوموائے اور چومنے کے لیے کہے اشارۃً یا صراحۃً اس کے ہاتھ چومنا منع ہے(۹)مصافحہ کرکے اپنے ہاتھ چومنا منع ہے(۱۰)بچوں کو چومنا جائز ہے(۱۱)ننگے بدن معانقہ کرنا حرام ہے،ہاں کپڑے پہنے ہوئے معانقہ کرنا جائز ہے مگر مرد مرد سے معانقہ کریں،عورتیں عورتوں سے،مرد عورت سے اورامرد لڑکوں سے معانقہ نہ کریں(۱۲)اپنی اولاد کا سر چومنا جائز ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب فاطمہ زہرا کو چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں ان کے جسم سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں،یہ تمام مسائل اشعۃ اللمعات میں ہیں(۱۳)کسی کو سجدہ کرنا،اس کے آگے کی زمین چومنا حرام ہے،یوں ہی سلام میں تاحد رکوع جھکنا حرام ہیں۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ مروج تھا فرمایا ہاں ۱(بخاری)	

۱یعنی بوقت ملاقات مصافحہ کرنا سنت صحابہ ہے بلکہ سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن ابن علی کو چوما ۱اور آپ کے پاس اقرع ابن حابس تھے ۲وہ بولے کہ میرے	

	دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو نہ چوما۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا پھر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا وہ رحم نہیں کیا جاتا ۴؎ (مسلم بخاری)ہم جناب ابوہریرہ کی حدیث اثم لکع مناقب اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ذکر کریں گے ان شاءاللہ اور ام ہانی کی حدیث باب الامان میں ذکر کردی گئی ۵؎

۱؎ ان کے رخسار چومے یا سر یا دونوں،تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۲؎ اقرع ابن حابس فتح مکہ کے سال بعد فتح بنی تمیم کے وفد میں حضور انور کی خدمت میں آئے اپنی قوم میں بہت باعزت تھے۔

۳؎ یعنی میں نے ساری عمر اپنے کسی بچہ کو نہ چوما آپ بچوں کو کیوں بوسہ دیتے ہیں۔خیال رہے کہ بوسہ پانچ قسم کے ہیں:بوسۂ مؤدت جیسے ماں باپ کے ہاتھ پاؤں چومنا،بوسۂ رحمت جیسے اپنے بچوں کو چومنا،بوسۂ شہوت جیسے اپنی بیوی کو چومنا،بوسۂ تحیۃ جیسے مسلمانوں کا ایک دوسرے کو چومنا،بوسۂ عبادت جیسے سنگ اسود یا قرآن مجید کو چومنا۔(از اشعہ)حضور کا یہ بوسہ بوسۂ رحمت تھا۔

۴؎ یعنی بچوں کو چومنا بوسۂ رحمت ہے جس کے دل میں رحم نہیں اس پرخدا تعالٰی بھی رحم نہیں کرتا۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ اپنے ننھے بچوں کو کبھی کبھی چومنا واجب ہے۔(مرقات)

۵؎ یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں اسی جگہ تھیں ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے ان بابوں میں ذکر کیا۔خیال رہے کہ حدیث من لا یرحم لا یرحم یعنی جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔اسے مسلم،بخاری،احمد،ترمذی،ابن ماجہ،طبرانی نے مختلف راویوں سے نقل کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دو مسلمان نہیں جو آپس میں ملیں پھر مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں بخش دیئے جاتے ہیں ۱؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جب دو مسلمان ملیں تو مصافحہ کریں اللہ تعالٰی کی حمد کریں اور اس سے معافی چاہیں تو ان کی بخشش کردی جاتی ہے ۲؎

۱؎ مصافحہ سے گناہ صغیرہ جو ہاتھ سے کیے گئے معاف ہوجاتے ہیں،گناہ کبیرہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ابو الشیخ نے بروایت حضرت عمر مرفوعًا حدیث نقل کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو مسلمان جب مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالٰی کی سو رحمتیں اترتی ہیں نوے رحمتیں مصافحہ کی ابتداءکرنے والے پر اور دس رحمتیں دوسرے پر۔(مرقات)

۲؎ یعنی مصافحہ کرتے وقت دونوں صاحب پہلے تو اللہ کی حمد اس کا شکر کریں کہ اس نے ان کو اسلام کی برکت سے بھائی بھائی بنادیا پھر ہر شخص دونوں کے لیے دعائے مغفرت کرے کہ کہے **یغفر اللہ لنا و لکم**،بعض لوگ اس وقت درود شریف پڑھتے ہیں یہ بھی اچھا ہے کہ حضور کی سنت ادا کرتے وقت حضور پر درود شریف پڑھیں جن کے صدقہ میں یہ سنت ملی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملے تو کیا اس کے آگے جھکے فرمایا نہیں۱؎ کہا کیا اس سے لپٹ جاوے اور اسے چومے فرمایا نہیں ۲؎ عرض کیا کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑ ے اور اس سے مصافحہ کرے فرمایا ہاں۳؎(ترمذی)	

۱؎ کیونکہ جھکنا رکوع ہے اور غیر خدا کو جیسے سجدہ کرنا حرام ہے ایسے ہی رکوع کرنا بھی حرام ہے۔خیال رہے کہ جھکنا جب ممنوع ہے جب کہ تعظیم کے لیے ہو،اگر جھکنا کسی اور کام کے لیے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیے ہوتو جائز جیسے کسی کے جوتے سیدھے کرنے یا اس کا ہاتھ یا پاؤں چومنے کے لیے جھکنا ممنوع نہیں کہ یہ جھکنا اور کاموں کے لیے ہے۔

۲؎ لپٹنے اور چومنے کی ممانعت کی چند وجہیں ہوسکتی ہیں: ہر ایک سے معانقہ کرنا،ہر ایک کے ہاتھ پاؤں چومنا منع ہے،خاص بزرگوں کی دست و پابوسی اور خاص پیاروں کو گلے لگانا جائز ہے یا دنیاداروں مالداروں سے خوشامد کے لیے لپٹنا،ان کے ہاتھ پاؤں چومنا درست نہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں معانقہ اور دست و پا بوسی کا ثبوت ہے،حضور نے بعض صحابہ سے معانقہ کیا ہے اور صحابہ نے حضور کے ہاتھ پاؤں چومے ہیں۔(مرقات،لمعات،اشعہ)

۳؎ یعنی مصافحہ کرنا ہر مسلمان سے سنت ہے بوقت ملاقات مصافحہ کرے بوقتِ وداع نہ کرے کہ وداع کے وقت مصافحہ کرنے سے محبت گھٹتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیمار کی پوری مزاج پرسی یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا اس کے ہاتھ پر رکھے پھر اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے ۱؎	

	اور تمہاری آپس کی پوری تحیت مصافحہ ہے ۲ (احمد،ترمذی)اور ترمذی نے اسے ضعیف کہا۔

۱؎ یعنی جب کوئی شخص کسی بیمار کی مزاج پرسی کرنے جاوے تو اپنا ہاتھ اس کے سر یا ہاتھ پر رکھے پھر زبان سے یہ کہے اس سے بیمار کو تسلی ہوتی ہے مگر بہت دیر تک ہاتھ نہ رکھے رہے یہ ہاتھ رکھنا اظہار محبت کے لیے ہے۔
۲؎ بوقت ملاقات صرف سلام کرنا ادنی درجہ ہے اور معانقہ کرنا انتہائی حالت ہے،ہروقت معانقہ تکلیف کا باعث ہے،درمیانی حالت یہ ہے کہ بوقت ملاقات سلام بھی کرے مصافحہ بھی اور درمیانی حالت ہمیشہ اچھی ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ زید ابن حارثہ مدینہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۱؎ وہ حضور کے پاس آئے تو دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف برہنہ چلے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے۲؎ بخدا میں نے آپ کو برہنہ دیکھا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۳؎ تو حضور نے انہیں گلے لگالیا انہیں چوما۴؎(ترمذی)

۱؎ کسی سفر سے آئے یا کسی جہاد سے عرصہ تک غائب رہنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات سے مشرف ہوئے اس دن حضور کی باری میرے گھر تھی یہ واقعہ میرے گھر میں درپیش ہوا جسے میں نے اپنی آنکھوں دیکھا۔
۲؎ یعنی حضور انور نے چادر اوڑھنے یا قمیض پہننے کا توقف نہ کیا بلکہ قمیض پہنتے ہوئے چادر اوڑھتے ہوئے ہی ان کی طرف بڑھے۔برہنہ کے یہ ہی معنی ہیں یعنی بے چادر یا بغیر قمیض ورنہ حضور انور کا ستر کسی بیوی صاحبہ نے بھی کبھی نہ دیکھا۔(مرقات و اشعہ)
۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور دولت خانہ میں بھی بغیر قمیض کبھی کسی کے سامنے نہ ہوئے،اس شرم و حیاء پر قربان یا یہ مطلب ہے کہ میں نے اس طرح بغیر قمیض کسی سے ملتے نہ دیکھا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔
۴؎ اس میں حضرت زید ابن حارثہ کی انتہائی محبوبیت کا اظہار ہے آپ کو حضور نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشی میں کسی سے گلے ملنا سنت ہے لہذا عید کے معانقہ کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔

	روایت ہے ایوب ابن بشیر سے وہ عنزہ کے ایک شخص سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوذر سے کہا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تم ان سے ملتے تو تم سے مصافحہ کرتے تھے ۲؎ فرمایا کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں آپ سے ملا ہوں اور مجھ سے مصافحہ نہ کیا ۳؎ حضور نے مجھے ایک دن بلایا میں اپنے گھر میں نہ تھا پھر جب میں آیا تو مجھے

	خبر دی گئی تو میں حضور کے پاس آیا آپ ایک تخت پر تھے مجھے لپٹا لیا تو یہ بہت اچھا بہت اچھا ہوا ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ایوب ابن بشیر تبع تابعین ہیں اور قبیلہ عنزہ کے وہ صاحب جن کا نام نہ لیا وہ تابعی ہیں خبر نہیں وہ عادل ثقہ ہیں یا نہیں۔

۲؎یعنی جب تم حضور انور سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے تھے تو کیا حضور تم سے مصافحہ کرلیتے تھے یہ بعید ہے کہ حضور انور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور صحابی مصافحہ نہ کریں۔(مرقات)

۳؎یہاں بھی وہ ہی مطلب ہے کہ جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا تو میں مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتا تھا حضور مجھ سے مصافحہ فرمالیتے تھے۔

۴؎آج کوئی خاص وقت تھا دریائے کرم جوش میں تھا مجھ سے بجائے مصافحہ کے معانقہ فرمایا۔معانقہ مصافحہ سے اس لیے بہتر ہوا کہ مصافحہ میں صرف ہاتھ ملتے ہیں اور معانقہ میں گلا،سینہ وغیرہ سب ہی مل گئے۔فیضان جو معانقہ میں ہوا وہ مصافحہ کے فیضان سے زیادہ تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ صرف سفر سے آنے پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ حالت میں بھی ہوسکتا ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عکرمہ ابن ابوجہل سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن میں آپ کے پاس آیا ۲؎خوش آمدید مہاجر سوار۔(ترمذی)

۱؎ابوجہل کا نام عمرو ابن ہشام قرشی مخزومی ہے،لوگ اسے ابوالحکم کہتے تھے۔حضور نے اس کا نام ابوجہل رکھا یعنی جہالت والا،یہ اس امت کا فرعون ہے،اس کا فرزند عکرمہ بھی حضور کے سخت تر دشمن تھے،فتح مکہ کے دن یہ یمن بھاگ گئے ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث اولًا حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوکر ایمان لائیں،پھر اپنے خاوند کے لیے امن لے کر یمن سے حضور اقدس کی خدمت میں لائیں،جب مکہ آئے تو حضور انور ان کے لیے کھڑے ہوگئے انہیں گلے لگایا اور یہ فرمایا۔خیال رہے کہ انہیں مہاجر کہنا اس معنی میں سے ہے کہ کفر یا دار کفر سے اسلام یا دار اسلام کی طرف انہوں نے ہجرت کی،عکرمہ کا ایمان ۸ھ ہجری میں ہوا اور آپ جنگ یرموک میں شہید ہوئے یعنی خلافت فاروقی میں۔حضور نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا تھا کہ میں نے ابوجہل کی ایک شاخ جنت میں دیکھی ہے جب عکرمہ ایمان لائے تو فرمایا اے ام سلمہ یہ ہے ابوجہل کی جنتی شاخ،آپ کا ایمان نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا ہوا،آپ جب قرآن مجید کھولتے تو کہتے اے میرے رب کے فرمان عالی شان یہ کہہ کر اکثر بے ہوش ہوجاتے تھے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات کے حاشیہ میں ہے کہ آپ یمن جانے کے لیے جدہ پہنچ گئے تھے کشتی میں سوار ہوگئے تھے کہ آپ کی بیوی پہنچ گئی اور آپ کو اپنے دوپٹہ سے اشارہ کیا آپ کشتی سے اتر آئے آپ کو حضور کی امان دہی کی خبر دی وہ بولے کہ میں امان کے لائق ہی نہیں ہوں میں بڑا مجرم ہوں،وہ بولیں کہ حضور کی رحمت تمہارے قصوروں سے زیادہ ہے اس پر وہ آئے اور یہ واقعہ پیش آیا۔(حاشیہ اشعہ)

۲؎ حضور انور نے انہیں گلے لگا کر یہ فرمایا یعنی تم اب دارالکفر سے دارالسلام کی طرف آئے عکرمہ یہ کرم کریمانہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

	روایت ہے حضرت اسید ابن حضیر سے جو انصاری آدمی ہیں ۱؎ فرمایا جب کہ وہ قوم سے بات چیت کررہے تھے ان کی طبیعت میں مذاق تھا ۲؎ جب کہ وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ میں چھڑی چبھودی ۳؎ وہ بولے مجھے قصاص دیجئے حضور نے فرمایا قصاص لے لو عرض کیا کہ آپ پر قمیض ہے اور مجھ پر نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیض اٹھا دی ۴؎ وہ حضور کو لپٹ گئے اور آپ کی کوکھ شریف چومنے لگے پھر بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ چاہا تھا ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں، بیعۃ عقبہ اور جنگ بدر میں حاضر ہوئے، ۲۰ھ بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، بقیع میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود اسید ابن حضیر کا ہے مگر صحیح تو یہ ہے یہ واقعہ ایک اور انصاری کا ہے جن کے مزاج میں خوش طبعی بہت تھی۔مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یہ عبارت یوں ہے ان رجلا من الانصار بینما یحدث۔(مرقات)

۳؎ یہ چھڑی چبھونا بھی خوش طبعی کے طور پر ہوا۔معلوم ہوا کہ کبھی کبھی جائز خوش طبعی کرنا اور سننا اس میں شرکت کرنا جائز ہے۔(اشعہ)

۴؎ خیال رہے کہ بیٹا باپ سے،شاگرد استاد سے،امتی نبی سے،غلام مولیٰ سے اپنا قصاص نہیں مانگ سکتا نہ ان کے درمیان قصاص ہے،دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی بے قصور ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر انہیں کھینچا مگر قصاص کا حکم نہ ہوا،حضور انور کا یہ عمل تعلیم امت کے لیے ہے کہ قصاص دینے میں شرم نہ کریں۔

۵؎ سبحان اللہ!انہوں نے یہ قرب حاصل کرنے کے لیے کیسا لطیف بہانہ کیا ورنہ کہاں یہ صحابی اور کہاں حضور انور سے قصاص۔

	روایت ہے حضرت شعبی سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب جعفر ابن ابی طالب سے ملے تو حضور نے انہیں لپٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا ۲؎ (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان ارسالًا)اور مصابیح کے بعض

نسخوں اور شرح سنہ میں بیاضی سے بطور اتصال روایت ہے ۳؎	

۱؎ آپ کا نام عامر ابن شرجیل ہے،کوفی ہیں،خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے،پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی، بیاسی سال عمر پائی،۱۰۴ھ؁ ایک سو چار میں وفات پائی۔

۲؎ یہ واقعہ جب کا ہے جب حضرت جعفر حبشہ سے ہجرت کرکے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔(اشعہ)

۳؎ بیاضی کا نام عبداللہ ابن جابر ہے،بیاضہ قبیلہ کے ہیں،بیاضہ ایک قبیلہ ہے جو بیاضہ ابن عامر ابن زریق کی اولاد سے ہے،چونکہ شعبی تابعی ہے اس لیے ان کی روایت ارسالًا ہی وہاں تھی وہاں صحابی کا ذکر رہ گیا اور بیاضی صحابی ہیں اس لیے یہ اسناد متصل ہے کہ صحابی حضور سے روایت کررہے ہیں۔

روایت ہے حضرت جعفر ابن ابی طالب سے کہ زمین حبشہ سے لوٹنے کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ ہم چلے حتی کہ ہم مدینہ پہنچے تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ملے حضور نے مجھے گلے لگالیا پھر فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں خیبر کی فتح سے زیادہ خوش ہوا یا جعفر کے آنے سے اور اتفاقًا یہ آمد فتح خیبر کے دن ہوئی تھی ۱؎ (شرح السنہ)	

۱؎ حضرت جعفر ابن ابی طالب یعنی حضرت علی شیرخدا کے بھائی جب حبشہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں ہی ملاقات ہوگئی،اس دن فتح خیبر ہوئی تھی حضور انور نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو خیبر کی غنیمت سے حصہ بھی دیا اور ان کو چوم کر یہ فرمایا کہ آج مجھے اللہ نے دو خوشیاں دکھائیں ہیں:ایک فتح خیبر،دوسری تمہاری۔یہ دونوں خوشیاں ایسی عظیم الشان ہیں کہ ان میں سے کسی کو دوسری پر ترجیح دینا مشکل ہے۔

روایت ہے حضرت زارع سے ۱؎ اور وہ عبدالقیس کے وفد میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی آنے لگے ۲؎ تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومتے تھے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ زارع ابن عامر ابن عبدالقیس ہیں،عبدالقیس قبیلہ کے وفد میں آپ بھی حاضر بارگاہ ہوئے تھے ایمان لائے،صحابی بنے،بصرہ میں قیام رہا۔(مرقات)

۲؎ یعنی جب مدینہ پہنچے تو شوق و محبت میں بے خود ہوگئے اپنی سواریوں سے جلد جلد اتر کر حضور انور کی طرف دوڑنے لگے زیارت کے لیے،آج بھی حجاج جب مدینہ منورہ پہنچتے ہیں تو انہیں سامان رکھنا مشکل پڑ جاتا ہے یہ تڑپ وہ جانے جس کے دل سے لگی ہو۔اسی وفد میں ایک صاحب تھے جن کا نام تھا وشج یہ سردار قافلہ تھے،یہ اپنی سواری سے اترے،غسل کیا،سفید عمدہ لباس پہنا،پھر مسجد شریف میں آکر دو رکعت نفل ادا کی،پھر نہایت ادب و انکسار خشوع وخضوع سے بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے حضور انور ان کے اس ادب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری دو خصلتیں اللہ کو بڑی پیاری ہیں: ایک حلم،دوسرے وقار۔(اشعہ)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ہاتھ پاؤں دونوں چومنا جائز بلکہ مستحب ہے خواہ پاؤں پر ہاتھ رکھ کر ہاتھوں کو چومے خواہ پاؤں پر منہ رکھ کر چومے دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ مصافحہ کرکے اپنا ہاتھ چومنا منع ہے،بزرگوں کے ہاتھ اپنے منہ سے چومے ایسے ہی ان کے پاؤں اپنے منہ سے چومے آنکھیں ان کے قدموں سے ملے۔مبارک ہیں وہ ہونٹ اور آنکھیں جو حضور کے قدم شریف سے لگ جاویں۔شعر

اشارہ آپ کا پاتے ہم آتے اپنی آنکھوں سے   تمہارے آستانہ کو لگاتے اپنی آنکھوں سے

تم آتے خواب میں ہم پتلیاں قدموں سے مل لیتے   ہم اپنی سوئی قسمت کو جگاتے اپنی آنکھوں سے

پابوسی کو سجدہ سمجھنا جہالت ہے،سجدہ میں سات اعضاء زمین پر لگنا اور سجدہ کی نیت ہونا ضروری ہے قدم بوسی میں یہ کچھ نہیں ہوتا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیئت عادت صورت میں ۱؎ ایک روایت میں ہے اور بات و گفتگو میں پورا پور مشابہہ ہو بمقابلہ جناب فاطمہ کے آپ جب حضور کی خدمت میں آتیں تو حضور ان کے لیے کھڑے ہوجاتے ان کا ہاتھ پکڑتے انہیں چومتے انہیں اپنی مجلس میں بٹھاتے ۲؎ اور جب حضور انور ان کے پاس تشریف لاتے تو ان کے لیے کھڑی ہوجاتیں حضور کا ہاتھ پکڑتیں اسے بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بیٹھالیتیں ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ **سمت** کے معنی ہیں ہیئت یعنی رفتار گفتار،کردار اور چال ڈھال،**ھدیا** بمعنی عادت **دلٌّ** لام کے شد سے بمعنی صورت یعنی حضرت خاتون جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی چلتی پھرتی بولتی تصویر تھیں بلکہ تصویر صرف شکل دکھاتی ہے آپ سرکار تو سیرت و خصلت میں بھی حضور کا نمونہ تھی قدرت نے ایک سانچہ میں یہ دو صورتیں ڈھالی تھیں ایک ہمارے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حضور فاطمہ زہرہ کی،ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

کیانظارہ جن آنکھوں نے تفسیر نبوت کا   رسول اللہ کی جیتی جاگتی تصویر کو دیکھا

نبی کی لاڈلی بانو ولی کی ماں شہیدوں کی یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا

۲؎ حضرت فاطمہ زہرا کے لیے حضور کا کھڑا ہونا تعظیم کا نہ تھا کہ تعظیم اپنے سے بڑے کی ہوتی ہے بلکہ خوشی کا قیام تھا ایسے ہی یہ بوسہ محبت و پیار کا تھا۔ساری اولاد میں حضور کو جناب فاطمہ زہرا بہت پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں اور آپ کی والدہ جناب خدیجہ آپ کے لڑکپن میں وفات پا گئی تھیں تو آپ حضور کی گود میں حضور کی آغوش میں پلیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۳؎ حضرت خاتون جنت کا یہ قیام وغیرہ حضور کی تعظیم کے لیے تھا جس میں محبت و جوش کی چاشنی تھی۔معلوم ہوا کہ تعظیم کے لیے قیام سنت فاطمہ زہرا ہے اور خوشی کے لیے قیام سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔معلوم ہوا کہ جوان بیٹی کو چومنا اور جوان بیٹی کا اپنے باپ کو چومنا جائز ہے۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں اولین آمد کے موقعہ پر حضرت ابوبکر کے ساتھ گیا۱؎ تو آپ کی دختر جناب عائشہ لیٹی ہوئی تھیں انہیں بخار آگیا تھا۲؎ تو ان کے پاس ابوبکر آئے بولے اے بچی تو کیسی ہے اور انکا رخسا چوما ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ حضرت براء ابن عازب مشہور صحابی ہیں،انصاری حارثی ہیں،آخر میں کوفہ میں قیام رہا، ۲۴ھ میں کئی علاقہ کے فاتح آپ ہیں،جنگ جمل و صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،کوفہ میں ہی وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔اس روایت سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے قریب ہی خود بھی ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ گئیں تھیں۔

۲؎ کیونکہ اس زمانہ میں زمین مدینہ بڑی وبا والی تھی اس لیے اسے یثرب کہتے ہیں جو مہاجر وہاں پہنچتے تھے انہیں بخار آجاتا تھا اس سلسلہ میں حضرت ام المؤمنین کو بھی بخار آگیا،پھر حضور کے دم قدم سے وہ جگہ ایسی صحت بخش بنادی گئی کہ وہاں کی خاک بجائے خاک وباء کے خاک شفا بن گئی،حضور فرماتے ہیں تربة ارضنا ریقة بعضنا یشفی سقیمنا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ باپ اپنی جوان بچی کا رخسار چوم سکتا ہے یہ چومنا رحمت کا ہے سنت سے ثابت ہے،حضور انور نے اولاد کے رخسار چومے ہیں۔بنیة تصغیر بنت کی بمعنی چھوٹی سی لڑکی اسے اردو میں کہتے ہیں بنیا یہ تصغیر پیار کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچہ لایا گیا۱؎ تو آپ نے اسے چوما پھر فرمایا کہ یقینًا یہ بخیل اور بزدل بنانے والے ہیں۲؎ اور یہ اللہ کے اعلیٰ رزق سے ہیں۳؎ (شرح السنہ)	

۱؎ حضور انور کا اپنا بچہ حضرت حسن یا حسین یا کسی اور کا بچہ۔

۲؎ کہ اولاد کی وجہ سے ماں باپ مال کنجوسی سے خرچ کرتے ہیں ان کے لیے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اولاد ہی کی وجہ سے باپ جنگ میں جانے سے کتراتا ہے کہ میرے بچے میرے بعد کہاں جائیں گے کیا کریں گے یہ عام لوگوں کے عام حالات کا بیان ہے۔

۳؎ ریحان خوشبودار سبزے کو بھی کہتے ہیں اور طیب و اعلیٰ روزی کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں، ماں باپ انہیں چومتے سونگھتے ہیں لہذا یہ اللہ کی عطا کی ہوئی بہترین خوشبو ہیں یہ ماں باپ کے دل کا پھل ہیں لہذا یہ بہترین رزق ہیں۔(مرقات،اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے یعلیٰ سے ۱؎ کہ حسن اور حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوڑتے ہوئے آئے تو حضور نے انہیں اپنے سے چمٹا لیا اور فرمایا کہ اولاد بخیل اور بزدل بنادینے والی ہے ۲؎(احمد)

۱؎ یہاں یعلیٰ ابن مرہ مراد نہیں بلکہ یعلیٰ ابن امیہ مراد ہیں جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور غزوہ حنین، طائف، تبوک میں حاضر ہوئے، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے اسی میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ، آپ سے بہت حضرات نے روایات لیں۔(مرقات)

۲؎ اولاد کو مجبن مبخل فرمانا ان کی برائی کے لیے نہیں بلکہ انتہائی محبت کے اظہار کے لیے ہے یعنی اولاد کی انتہائی محبت انسان کو بخیل و بزدل بن جانے پر مجبور کردیتی ہے۔یہ بات فطری ہے اگرچہ اللہ والوں میں اس کا ظہور کم ہوتا ہے مؤمن کو اللہ رسول بمقابلہ اولاد پیارے ہوتے ہیں لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ، الخ۔

	روایت ہے عطاء خراسانی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں مصافحہ کرو کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ہدیے تحفے دو محبت کرنے لگو گے اور دشمنی جاتی رہے گی ۲؎(مالک ارسالًا)

۱؎ آپ عطاء ابن عبداللہ ابی مسلم ہیں، بلخی ہیں، خراسانی ہیں، تابعی شام میں قیام رہا ۵۰ھ ہجری میں پیدائش ہے، ۱۳۵ھ ایک سو پینتیس میں وفات پائی، آپ سے امام مالک، اوزاعی شعبہ وغیرہم نے روایات لی ہیں۔

۲؎ یہ دونوں عمل بہت ہی مجرب ہیں جس سے مصافحہ کرتے رہو اس سے دشمنی نہیں ہوتی، اگر اتفاقًا کبھی ہو بھی جائے تو اس کی برکت سے ٹھہرتی نہیں، یوں ہی ایک دوسرے کو ہدیہ دینے سے عداوتیں ختم ہوجاتی ہیں، یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف طریقہ سے مروی ہے، دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دوپہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لے ۱؎ تو گویا اس نے وہ شبِ قدر میں پڑھیں ۲؎ اور دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کریں تو ان کے درمیان کوئی گناہ باقی نہیں رہتا مگر جھڑ جاتا ہے ۳؎ (بیہقی ارسالا)

۱؎ یعنی نماز چاشت جس کا وقت شروع چہارم دن سے شروع ہوکر نصف دن یعنی دوپہر پر ختم ہوجاتا ہے اس کے بڑے فضائل ہیں۔

۲؎ کیونکہ ان کے پڑھنے میں مشقت و محنت زیادہ ہے کہ دوپہر کی گرمی اور بھوک کی حالت میں پڑھی جاتی ہے،نیز اس وقت کھانا کھاکر آرام کرنے کو دل چاہتا ہے اس لیے ان کا ثواب زیادہ ہے۔

۳؎ یعنی گناہ صغیرہ جھڑ جاتے ہیں خصوصًا وہ گناہ جو ہاتھوں سے کیے جاویں،گناہ کبیرہ توبہ سے اور حقوق العباد ادا کرنے سے معاف ہوسکتے ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ چوری ڈکیتی کر لی جاوے کسی کا مال مار لیا جاوے بعد میں کسی سے مصافحہ کرلیا جاوے سب معاف ہو۔**نعوذ باللہ!**

باب القیام

کھڑے ہونے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یہاں کھڑے ہونے سے مراد کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ہے تعظیمی قیام ممنوع بھی ہے جائز بھی۔ فاسق دنیا داروں کے لیے کھڑا ہونا ان کی خوشامد میں،یونہی جب مخدوم بیٹھا ہوا اور خدام سامنے دست بستہ کھڑے ہوں،یوں ہی جو اپنی تعظیم کرانا چاہے اس کے لیے کھڑا ہونا یہ سب ممنوع ہے اگر یہ تین چیزیں نہ ہوں تو قیام تعظیمی جائز ہے لہذا قیام کی ممانعت اور جواز کی احادیث درست ہیں ان میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب بنی قریظہ حضرت سعد کے حکم پر اترنے لگے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور وہ حضور سے قریب ہی تھے چنانچہ وہ ایک گدھے پر سوار آئے ۲؎ تو جب مسجد سے قریب ہوئے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ اٹھ کر جاؤ اپنے سردار کی طرف ۴؎ (مسلم،بخاری)یہ دراز حدیث باب حکم اسراء میں گزرچکی۔	

۱؎ غزوہ خندق جسے احزاب بھی کہتے ہیں اس میں یہود مدینہ یعنی بنی قریظہ اور بنی نضیر کا ہاتھ تھاانہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کرکے کفار مکہ سے مدینہ پر چڑھائی کرائی تھی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے فارغ ہوکر پچیس دن بنی قریظہ کا محاصرہ رکھا یہ لوگ تنگ آکر بولے کہ ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن معاذ کو بلوایاتاکہ وہ اپنا فیصلہ دیں یہاں وہ واقعہ مذکور ہے۔

۲؎ حضرت سعد ابن معاذ اس غزوہ خندق میں زخمی ہوگئے تھے زخم سے خون جاری تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر خون قدرتی طور پر بند ہوگیا تھا۔(اشعہ)

۳؎ یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف نہیں ہے بلکہ وہ جگہ ہے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس محاصرہ کے زمانہ میں نماز پڑھتے تھے کیونکہ اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے محلّہ کے ارد گرد مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے وہاں حضرت سعد بلائے گئے تھے۔(مرقات)

۴؎ اس فرمان عالی میں حضور انور نے تمام انصار کو دو حکم دیئے: ایک حضرت سعد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا،دوسرے ان کے استقبال کے لیے کچھ آگے جانا ان کو لےکر آنا بزرگوں کی آمد پر یہ دونوں کام یعنی تعظیمی قیام اور استقبال جائز بلکہ سنت صحابہ ہیں بلکہ حضور کی سنت قولی بھی اس لیےالی سیدکم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضرت سعد کی بیماری کی وجہ سے تھا تاکہ لوگ انہیں سواری سے اتار لاویں مگر یہ درست نہیں ورنہ صرف ایک دو آدمیوں کو کہا جاتا اور بجائے سیدکم کے مریضکم ارشاد ہوتا تمام انصار کو قیام کا حکم نہ ہوتا۔جمہور علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا ہے بزرگوں کے لیے قیام تعظیمی مستحب ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ ابن ابوجہل اور عدی ابن حاتم کی آمد پر ان کی عزت افزائی کے لیے قیام فرمایا،حضرت فاطمہ زہرا حضور انور کی تشریف آوری پر تعظیم قیام کرتی تھیں،صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام تعظیمی بارہا کیا ہے،دیکھو۔(مرقات،اشعہ اور لمعات)ہم باب الاسراء میں اس پر بحث کرچکے ہیں اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں قیام تعظیمی کی مکمل بحث کردی گئی ہے وہاں مطالعہ کرو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ کوئی شخص کسی شخص کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر وہاں بیٹھ جائے ۱؎ لیکن یہ کہہ دے کہ جگہ وسیع کرو اور جگہ دو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم عام ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھ جانا ممنوع ہے،ہاں اگر وہ شخص ناجائز طور پر وہاں بیٹھا تھا تو اسے اٹھا دینا جائز ہے جیسے کوئی مسجد میں امام یا مؤذن کی مقررہ جگہ بیٹھ جاوے یا وہ کسی کی جگہ بیٹھ گیا تھا تو یہ لوگ آکر اٹھاسکتے ہیں کہ یہ جگہ خود ان کی اپنی ہے نہ کہ اس بیٹھے ہوئے کی۔
۲؎ یعنی اگر تھوڑے آدمی بہت سی جگہ گھیرے بیٹھے ہیں تو یہ عام خطاب سے کہے کہ بھائیو ذرا گنجائش کرو ذرا مل کر بیٹھو تاکہ میں بھی جگہ حاصل کرسکوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی جگہ سے اٹھ جاوے پھر وہاں آئے تو اس جگہ کا وہ ہی حقدار ہے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یہ اس صورت میں ہے کہ جانے والا اپنی جگہ کوئی نشانی رکھ گیا ہو جس سے پتہ لگے کہ وہ لوٹ کر آوے گا یا کوئی اور علامت ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ کوئی شخص

	صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا نہ تھا۱؎ یہ حضرات جب حضور کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ حضور کی ناپسندیدگی کو جانتے تھے۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان مال،اولاد،ماں باپ سب سے زیادہ پیارے تھے یہ کمال ایمان کی علامت ہے۔

۲؎ یہ ہمیشہ کا عمل نہ تھا بلکہ اکثر قیام کرتے تھے کبھی نہ کرتے تھے یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور کو دور سے تشریف لاتا دیکھ کر پہلے سے ہی کھڑے نہ ہوجاتے اور کھڑے ہوکر حضور کا انتظار نہ کرتے تھے بلکہ جب آپ ہمارے پاس تشریف لے آتے تھے تب ہم کھڑے ہوتے تھے لہذا یہ حدیث اس آنے والی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے سروقد کھڑے رہیں۱؎ تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے ۲؎(ترمذی و ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث نے ممانعت قیام کی تمام حدیثوں کی شرح کردی کہ جو کوئی اپنے لیے قیام تعظیمی کرانا چاہے اس کے لیے نہ کھڑے ہو یا اس طرح کھڑے ہونا ممنوع ہے کہ مخدوم بیٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں دست بستہ اور یہ عمل تکبروغرور کے لیے ہو ضرورۃً نہ ہو تب سخت ممنوع ہے۔عالم دین کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا یوں ہی عادل حاکم کے روبرو کھڑا ہونا خصوصًا مقدمہ والوں کا یوں استاذ کے سامنے شاگردوں کا کھڑا ہونا مستحب ہے اگرچہ یہ حضرات بیٹھے ہوئے ہوں اور شاگردوں وغیرہ کھڑے ہوں۔(مرقات)ہاں مخدومین کا تکبرًا انہیں کھڑا کرنا خود بیٹھے رہنا یہ ممنوع ہے یہ ہی یہاں مراد ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی اس قسم کی تعظیم کو پسند کرنا یا لوگوں کو ایسی تعظیم کا اپنے لیے حکم دینا جہنمی ہونے کا سبب ہے اور تکبر جہنم کا راستہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی پر ٹیک لگائے تشریف لائے۱؎ ہم کھڑے ہوگئے تو فرمایا ایسے نہ کھڑے ہو جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں ان کے بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ غالبًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے اس لیے عصا پر ٹیک لگائے تشریف لائے۔
۲؎ یعنی تمہارا یہ قیام تو ٹھیک ہے مگر عجمیوں کا سا قیام نہ کرنا کہ مخدوم بیٹھا ہو خدام سامنے دست بستہ سر وقد کھڑے ہوئے ہوں اور مخدوم اس تعظیم کی خواہش بھی کرتا ہو کہ ایسا قیام ممنوع ہے یہ قیود خیال میں رہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں قیام سے مراد وقوف ہے یعنی کسی کے لیے تعظیمًا کھڑا رہنا۔

روایت ہے حضرت سعید ابن ابی الحسن سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک گواہی میں ابوبکرہ ۲؎ آئے تو ایک شخص ان کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا آپ نے وہاں بیٹھنے سے انکار فرمایا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ۳؎ اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی اپنے ہاتھ اس کے کپڑے سے پونچھے جسے یہ پہنے ہوئے نہیں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ سعید ابن ابی الحسن تابعی ہیں،خواجہ حسن بصری کے بھائی ہیں،آپ کے والد کا نام یسار ہے،کنیت ابوالحسن، یہ سعید اپنے بھائی حسن بصری سے ایک سال پہلے فوت ہوئے یعنی ۱۰۹ھ ایک سونو ہجری میں حضرت عبداللہ ابن عباس،ابوہریرہ وغیرہ سے آپ کی ملاقات ہے،آپ کے بھائی قتادہ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔(مرقات و اشعہ)
۲؎ حضرت ابوبکرہ کا نام نقیع ابن حارث ہے،ثقفی ہیں،مشہور صحابی،آپ کے حالات و وفات پہلے بیان ہوچکے۔
۳؎ یہ آپ کی انتہائی تواضع ہے وہ شخص آپ کے لیے خود جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا آپ کو وہاں بیٹھنا بالکل جائز تھا۔کسی کو اس کی جگہ سے بلاضرورت ہٹاکر خود بیٹھ جانا ممنوع ہے جب کہ وہ جگہ اس کی ہو اپنی نہ ہو،چونکہ یہاں اس کا یہ عمل اس ممنوع چیز کے مشابہ تھا لہذا آپ وہاں نہ بیٹھے یا شاید اس شخص کو کسی اور نے اٹھایا ہوگا تاکہ آپ وہاں بیٹھ جائیں اس لیے آپ نہ بیٹھے۔(مرقات)
۴؎ یعنی اپنے گیلے یا کھانے وغیرہ سے لتھڑے ہوئے ہاتھ دوسرے کے کپڑے سے بغیر اس کی اجازت نہ پونچھو جب کہ تم نے یہ کپڑا اسے نہ پہنایا ہو لہذا اپنے بیٹے اپنے غلام کے کپڑے سے ہاتھ پونچھنا جب کہ وہ کپڑا خود اس ہی نے پہنایا ہو جائز ہے،یوں اگر وہ شخص ہمارے اس عمل سے ناراض نہ ہو تو بھی جائز ہے۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے اور ہم آپ کے گرد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے واپس ہونا چاہتے تو آپ اپنا جوتا شریف یا بعض چیز جو آپ پر ہوتی اتار جاتے ۱؎ تو یہ آپ کے ساتھی پہچان جاتے تو وہ حضرات بیٹھے	

	رہتے ۲ (ابوداؤد)

۱یعنی اگر حضور انور ہم لوگوں کے پاس سے اپنے گھر میں تشریف لے جاتے اور ابھی واپس آنے کا ارادہ ہوتا تو اپنا جوتہ شریف وہاں ہی چھوڑ جاتے ننگے پاؤں جاتے یا کوئی اور کپڑا وغیرہ چھوڑ دیتے تاکہ ہم سمجھ جاویں کہ حضور ابھی آتے ہیں۔

۲اس انتظار میں کہ حضور ابھی آتے ہیں وہ اپنے اپنے گھروں کو نہ جاتے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان علیحدگی کرے بغیر ان کی اجازت سے ۱(ترمذی،ابوداؤد)

۱یعنی مجلس میں پہنچ کر دو آدمیوں کو جو ملے ہوئے بیٹھے ہوں ان کو چیر کر بیچ میں بیٹھ جانا ممنوع ہے۔ممکن ہے کہ ان دونوں کی آپس میں محبت ہو ان کی جدائی ناگوار ہو،یہ حکم ہر مجلس کے لیے ہے خواہ مسجد میں ہوں یا اور جگہ جب ان کی اجازت سے درمیان میں بیٹھے گا تو انہیں اس سے رنج نہ ہوگا جیساکہ ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ دوشخصوں کے درمیان ان کی اجات کے بغیر نہ بیٹھو ۱(ابوداؤد)

۱اس کی وجہ وہ ہی ہے جو ابھی عرض کی گئی۔خیال رہے کہ رجل فرمانا اس لیے ہے کہ عورتیں مردوں کے حکم میں ہیں ان پر احکام شرعیہ مردوں کی طرح جاری ہوتے ہیں،رب تعالٰی نے نماز روزے وغیرہ کے احکام مردوں کو ہی دیئے مگر عورتوں پر بھی یہ عبادات فرض ہیں لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد تو یہ حرکت نہ کریں عورتیں کرلیا کریں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں بیٹھتے ہم سے باتیں کرتے تھے پھر جب کھڑے ہوتے تو ہم سیدھے کھڑے ہوجاتے ۱حتی کہ ہم دیکھ لیتے کہ حضور اپنی بعض بیویوں کے گھروں میں تشریف لے گئے ۲

۱؎ حضور کی تعظیم کے لیے کیونکہ یہ بات بہت بری محسوس ہوتی ہے کہ مخدوم کھڑا ہواور خدام بیٹھے یا لیٹے ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ مخدوم کے جانے پر بھی قیام تعظیمی سنت ہے یہ وہ حدیث ہے جس سے قیام تعظیمی کا ثبوت ہے،ممانعت قیام کی احادیث کا مطلب ہم پہلے عرض کرچکے ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں وہاں کا مطالعہ فرماؤ۔

۲؎ اس میں تعظیم کی انتہا ہے کہ جب تک حضور اپنے کسی گھر میں داخل نہ ہوجاتے وہ حضرات کھڑے ہی رہتے تاکہ ہم حضور کے سامنے جب کہ آپ کھڑے ہوں بیٹھے ہوئے نظر نہ آئیں،اللہ تعالٰی ایسا ادب نصیب کرے۔

	روایت ہے واثلہ ابن خطاب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا حالانکہ آپ مسجد میں بیٹھے تھے تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جنبش کی ۲؎ تو اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ جگہ میں کافی گنجائش ہے ۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا حق ہے کہ جب اسے اس کا بھائی دیکھے تو اس کے لیے کچھ جنبش کرے ۴؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ آپ قرشی ہیں،عدوی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ سے ہیں،صحابی ہیں مگر آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔(اشعہ)

۲؎ اس طرح کہ پورے کھڑے تو نہ ہوئے مگر اپنی جگہ سے سرک کر ان کے لیے جگہ بنائی کچھ سکڑ کر بیٹھے۔

۳؎ یعنی جگہ بہت ہے میں بخوبی جہاں چاہوں بیٹھ سکتا ہوں حضور انور کو میرے لیے جگہ بنانے اور اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی ضرورت نہیں پھر آپ نے یہ عمل شریف کیوں کیا۔

۴؎ یعنی ہمارا یہ حرکت فرمانا جگہ کی تنگی کے لیے نہیں بلکہ تمہارے آنے کی خوشی اور تمہارے احترام کے اظہار کے لیے ہے اس عمل سے تم کو خوشی ہوگی کہ حضور انور نے ہماری آمد پر اہتمام فرمایا۔غالبًا یہ آنے والے صاحب اپنی قوم کے سردار ہوں گے،فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم انزلوا الناس منازلھم لوگوں کو ان کے درجوں میں رکھو،یہ انتہائی اخلاق کی تعلیم ہے افسوس! کہ ہم یہ تعلیم قریبًا بھول گئے۔

باب الجلوس و النوم و المشی

بیٹھنے سونے اور چلنے کا باب ١

الفصل الاول

پہلی فصل

١ یہ ترتیب یہاں بہت ہی اچھی ہے انسان پہلے کھانے وغیرہ کے لیے بیٹھتا ہے پھر کھا کر سونے کے لیے لیٹتا ہے سوکر اٹھتا ہے تو مسجد وغیرہ کی طرف جاتا ہے لہٰذا بیٹھنا پہلے ہے،سونا بعد میں،چلنا اس کے بعد ہوتا ہے۔خیال رہے کہ جلوس ہر بیٹھنے کو کہتے ہیں خواہ کھڑے سے بیٹھے یا لیٹے سے بیٹھے،بعض شارحین نے فرمایا کہ کھڑے سے بیٹھنے کو قعود کہتے ہیں اور لیٹے سے بیٹھنے کو جلوس مگر پہلی بات قوی ہے،یہاں جلوس مصدر ہے بمعنی بیٹھنا،کبھی یہ جالس کی جمع بھی ہوتی ہے جیسے رقود جمع ہے راقد کی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"تَحۡسَبُهُمۡ اَیۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ"فلاں جگہ جلوس نکلا وہاں جلوس جمع جالس کی ہے،چونکہ یہ لوگ جگہ جگہ بیٹھتے ہوئے جاتے ہیں لہٰذا اس جماعت کو جلوس کہا جاتا ہے۔اس باب میں مستحب،جائز،مکروہ بیٹھکوں کا بھی ذکر ہوگا اور مستحب و مکروہ سونے کا بھی اور اچھے برے چلنے کا بھی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی صحن میں اکڑوں بیٹھے اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگائے دیکھا ١(بخاری)	

١ گھر کے سامنے کی کھلی جگہ جس پر چھت نہ ہو فنا کہلاتی ہے جسے اردو میں صحن یا آنگن کہتے ہیں۔احتباء یہ ہے کہ دونوں پنڈلیاں کھڑی ہوں،پاؤں کے تلوے زمین سے لگے ہوں،چوتڑ زمین پر ہوں اور دونوں ہاتھ پنڈلیوں پر رکھے ہوں،ان کا حلقہ کیے ہوئے یہ اکڑوں بیٹھنے کی ایک قسم ہے،اس بیٹھک میں اظہار جزو انکسار ہے یہ بیٹھک سنت ہے۔(مرقات)کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بھی بیٹھے ہیں۔

روایت ہے حضرت عباد ابن تمیم سے وہ اپنے چچا سے راوی ١فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ اپنا ایک قدم دوسرے پر رکھے ہوئے تھے ٢(مسلم،بخاری)	

١عباد ابن تمیم ابن زید ابن عاصم تابعی ہیں،انصاری مازنی ہیں،ان کے چچا کا نام عبداللہ ابن زید انصاری ہے وہ غزوہ حرہ میں ٦٣ھ تریسٹھ میں شہید ہوئے۔

۲؎قدم کا قدم پر رکھنا یہ ہے کہ دونوں پاؤں پورے پھیلے ہوئے ہیں اور قدم قدم پر رکھا ہو اس صورت میں ستر نہیں کھل سکتا۔پاؤں پرپاؤں رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک پاؤں کھڑا ہو اور دوسرا پاؤں کھڑے ہوئے گھٹنے پر رکھا ہو۔پہلی صورت جائز یہ دوسری صورت ممنوع لہذا احادیث میں تعارض نہیں پاؤں پر پاؤں رکھنے میں ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے خصوصًا جب کہ تہبند بندھا ہوا ہو،آئندہ حدیث میں پاؤں پر پاؤں رکھنے سے ممانعت آرہی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لیٹنا جائز ہے خصوصًا ضرورت کے وقت یا یہ بحالت اعتکاف۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنا ایک پاؤں دوسرے پر نہ رکھے جبکہ وہ اپنی پشت پر لیٹا ہو ا؎(مسلم)

ا؎اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی اوپر بیان ہوئے کہ آدمی تہبند باندھے یا ڈھیلے پانچہ کا پاجامہ پہنے ہو اور پھر ایک پاؤں کھڑا کرے کھڑے ہوئے گھٹنے پر دوسرے پاؤں کی پنڈلی رکھے اس میں ستر کھل جانے کا سخت خطرہ ہوتا ہے اس لیے ممنوع ہے ویسے بھی اس طرح لیٹنا خلاف تہذیب معلوم ہوتا ہے خصوصًا لوگوں کے سامنے غرضکہ اس ممانعت میں بہت حکمتیں ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے کوئی نہ لیٹے کہ پھر ایک پاؤں دوسرے پر رکھ لے ا؎(مسلم)

ا؎اس ممانعت کی وہ ہی صورت ہے جو ابھی بیان ہوئی کہ ایک پاؤں کھڑا ہو دوسرا پاؤں گھٹنے پر رکھا ہو اور آدمی چت لیٹا ہو کہ اس صورت میں ستر کھلنے کا خطرہ ہے اگر ستر کھلنے کا خطرہ نہ ہو تو جائز ہے بہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص دو چادروں میں اکڑ کر چل رہاتھا ا؎اسے اپنا نفس بڑا پسند آیا تھا اسے زمین میں دھنسا دیا گیا تو وہ اس میں قیامت تک دھنستا چلا جارہا ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)

ا؎شاید یہ شخص قارون تھا یا کوئی ملک فارس کا کافر،بعض نے فرمایا کہ یہ واقعہ قریب قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی سے ہوگا اس صورت میں **یتبختر** بمعنی مستقبل ہوگا اور **اعجبت خسف** تمام افعال بمعنی مستقبل ہوں گے۔**واللہ اعلم**!اس سے معلوم ہوا کہ تکبروغرور کی چال چلنا بھی ممنوع بلکہ باعث عذاب ہے،مسلمان کی چال میں بھی تواضع چاہیے،رب تعالٰی اپنے مقبول بندوں کی صفت یوں فرماتاہے:"**الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ**

هَوْنًا"ہمارے بندے وہ ہیں جو تواضع سے چلتے ہیں۔آج کل بعض لوگ چشمہ لگائے ننگے سر ہاتھ میں بیت گھماتے چلتے ہیں یہ متکبرانہ چال ہے اس سے بچو۔

۲؎ **یتجلجل** بنا ہے **جلجلۃ** سے اس کے معنی ہیں وہ حرکت جس کی آواز ہو۔مقصد یہ ہے کہ تکبر کا انجام ذلت و خواری ہے عجز کا انجام سرداری ہے۔شعر

عجز کار انبیاء و اولیاء است　　　عاجزی محبوب درگاہ خدا است

خاک میں عجز ہے آگ میں تکبر،تو باغ خاک میں ہی لگتے ہیں نہ کہ آگ میں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بائیں طرف تکیے پر ٹیک لگائے دیکھا ۱؎(ترمذی)	

۱؎معلوم ہوا کہ گاؤ تکیہ پر بائیں ہاتھ کی ٹیک لگاکر بیٹھنا سنت ہے بلکہ اگر سادہ تکیہ پر ٹیک لگائی جاوے تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔اس حدیث کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ حضور انور تکیہ پر سر مبارک رکھے بائیں کروٹ پر لیٹے تھے۔(مرقات و اشعہ)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ بہت پسند تھا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تم کو تکیہ دے تو اسے رد نہ کرو۔(اشعہ)

روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھوں سے احتباء فرماتے تھے ۱؎ (رزین)	

۱؎احتباء کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ دونوں زانوں کھڑے ہوں سیرین زمین پر لگے ہوں اور دونوں ہاتھوں سے زانو پکڑے ہوئے کہ ہاتھوں کے حلقے میں انہیں لے لیا جاوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے علاوہ اور وقت میں مسجد میں اس طرح بیٹھتے تھے وہ بھی کبھی کبھی۔

روایت ہے حضرت قیلہ بنت مخرمہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا کہ آپ قرفصاء کی نشست بیٹھے تھے ۱؎فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجزونیاز کرتے دیکھا تو میں خوف سے کانپ گئی ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎قرفصاء ایک خاص بیٹھک کا نام ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی پنڈلیاں زمین سے لگائے اور دونوں ران پنڈلیوں سے پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہو اور دونوں ہاتھ پنڈلیوں پر ہوں یہ بیٹھک انتہائی عاجزی اور تواضع کی ہے،قرفصاء کی اور صورتیں بھی بیان کی گئیں ہیں۔(مرقات واشعہ)اشعہ نے فرمایا کہ یہ بیٹھک عرب کے چرواہوں اور غریب لوگوں کی ہے یا ان لوگوں کی جو کسی خاص اہم کام میں غوروفکر کررہے ہوں بہرحال اس بیٹھک میں عجزوانکسار یا فکر کا اظہار ہے۔

۲؎کیونکہ میں نے یہ خیال کیا کہ جب سید المرسلین امام الاولین والاخرین کی یہ نشست ہے اور آپ کے انکسار کا یہ حال ہے تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں یہ خیال کرکے مجھ پرلرزہ طاری ہوگیا۔

پیش اوگیتی جبین فرسودہ است　　　خویشتن راعبدہ فرمودہ است

بوریا ممنوں خواب راحتش　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

اپنی تواضع کا یہ حال ہے اور دنیا ان کے آستانہ کی خاک چاٹ رہی ہے ان کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑ رہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی اسی جگہ میں چہار زانو بیٹھے رہتے حتی کہ سورج خوب چمک جاتا ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎حسناء ح اور سین کے فتح سے ہے بمعنی خوب اچھی طرح صاف و روشن یعنی حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا کر مصلے شریف پر ہی چہار زانو بیٹھے رہتے جب آفتاب طلوع ہوکر بلند ہوجاتا تب اشراق وہاں ہی پڑھ کر اٹھتےسنت بھی یہ ہی ہے۔خیال رہے کہ آفتاب چمکنے کے بیس منٹ بعد نماز جائز ہوتی ہے اسی وقت سے نماز اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے چہارم دن تک رہتا ہے،پھر چہارم دن سے وقت چاشت شروع ہوتا ہےجو نصف النہار تک رہتا ہے،نصف النہار پر نماز بلکہ سجدہ حرام ہوجاتا ہے،پھر زوال یعنی سورج ڈھلنے پر ظہر کا وقت ہوتا ہے،بعض نوافل کے لیے وقت مقرر ہیں ان میں سے نوافل اشراق بھی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں کہیں اترتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے ۱؎اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتےتو اپنی کلائی کھڑی کرتے اور اپنی ہتھیلی پر اپنا سر رکھتے ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کی حالت میں کسی جگہ اول رات یا آدھی رات میں اترتے آرام فرماتے تو سونے کی نیت سے لیٹتے تھےداہنی کروٹ پر داہنی ہتھیلی پر داہنا رخسارہ رکھ کر لیٹتے تھے لیٹنے میں سنت طریقہ یہ ہی ہے۔

۲؎ یعنی اگر آخری شب میں جب صبح صادق ہونے والی ہوتی آپ آرام کے لیے اترتے تو اس طریقہ سے لیٹتے تاکہ نیند نہ آجاوے۔خیال رہے کہ عرب میں اکثر شب میں سفر کرتے ہیں دن میں کسی منزل پر آرام کے لیے ٹھہر جاتے ہیں۔

روایت ہے ام سلمہ کے بعض گھروالوں سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اس ہی طرح تھا جیساکہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور مسجد آپ کے سر کے پاس تھی ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ مرقات نے فرمایا کہ آل ام سلمہ سے مراد حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کوئی خاص خادمہ ہیں،آل خادم کو بھی کہا جاتا ہے،رب فرماتاہے:"وَ اِذْ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ"۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے حضرت ام سلمہ کی بعض اولاد مراد ہے جو ابو سلمہ سے تھی جن میں سے بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھی جیسے عمرہ،زینب۔واللہ اعلم!

۲؎ یعنی اب جو رخ حضور کی قبر انور کا ہے کہ قبلہ کے داہنے سرہانے اور بائیں طرف پائنتی وہ ہی رخ حضور کے بستر شریف کا ہوتا تھا بلکہ اس بستر کی جگہ قبر انور ہے اور جس کمبل شریف پر آپ سوتے تھے وہ ہی کمبل شریف قبر انور میں بچھادیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنے پیٹ پر لیٹا دیکھا تو فرمایا کہ یہ وہ لیٹنا ہے جسے اللہ پسند نہیں فرماتا ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی اوندھے لیٹنے کو اللہ تعالٰی پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے ناراض ہے کہ اس طرح سونے سے غفلت پیدا ہوتی ہے،اس سونے میں سینہ اور چہرہ جو اشرف اعضاء ہیں زمین پر رگڑتا ہے سر تو سجدہ ہی میں زمین پر رکھا جاوے نہ کسی اور کے سامنے نہ سوتے ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ سونا چار قسم کا ہے: پشت پر سونا یعنی چت یہ سونا اہل عبرت کا ہے،داہنی کروٹ پر سونا یہ اہل عبادت کا سونا ہے،بائیں کروٹ پر سونا یہ اہل استراحت کا سونا ہے،پیٹ کے بل سونا یہ سونا اہل غفلت کا ہے۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ اوندھے سونا دوزخیوں کا ہوگا اور لوطی لوگ ایسے سوتے ہیں۔

روایت ہے یعیش ابن طخفہ ابن قیس غفاری سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی اور وہ صفہ والوں میں سے تھے ۲؎ فرماتے ہیں اس حالت میں کہ میں درد کی وجہ سے اپنے پیٹ پر لیٹا ہوا تھا ۳؎ ناگاہ کوئی صاحب مجھے اپنے پاؤں	

سے ہلانے لگے۴؎ پھر فرمایا کہ اس لیٹنے سے اللہ ناراض ہے ۵؎ میں نے دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۶؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعیش بروزن یزید تابعی ہیں،ان کے والد طخفہ ط،خ،ف،ہ یا طہفہ صحابی ہیں،ان کے والد قیس ابن ابی غزرہ غفاری کوفی ہیں۔

۲؎ یعنی طخفہ صحابی ہیں اور صفہ والوں میں سے ہیں وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

۳؎ سحر سین کے پیش ح کے سکون سے یا سین کے اور ح دونوں کے فتحہ سے حلق اور سینہ کا درمیانی حصہ یعنی سینہ کے اوپری حصہ میں میرے درد تھا اس لیے میں پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا تھا کہ سینہ دبا رہے اور درد کو سکون ہو۔

۴؎ بڑا خوش نصیب ہے وہ جسم جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھوکر لگ جاوے ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

مرمٹ کے خوب لگتی مٹی مری ٹھکانے گر انکی ٹھوکروں میں میرا مزار ہوتا

جس غلطی کی بنا پر حضور کی ٹھوکر نصیب ہوجاوے وہ غلطی بھی اللہ کی رحمت ہے۔

۵؎ چونکہ دوسری طرح لیٹنے سے بھی یہ تکلیف دفع ہوسکتی تھی اس لیے یہ درد اس کے لیے عذر نہ مانا گیا اور اس سے منع فرمادیا گیا لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ضرورت کے وقت ممنوعات بھی درست ہوجاتے ہیں۔

۶؎ سبحان اللہ!آپ نے یہ عذر حضور سے عرض نہ کیا بلکہ فورًا کروٹ بدل لی یا اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

روایت ہے حضرت علی ابن شیبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ایسے گھر کی چھت پر رات گزارے جس پر آڑ نہ ہو ایک روایت میں ہے کہ پتھر نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی ۱؎(ابوداؤد)اور خطابی کی معالم سنن میں حجی ہے۔	

۱؎ یعنی ایسی چھت پر نہ سوؤ جس کے کناروں پر دیوار کی آڑ نہ ہو جسے اردو میں منڈیر کہتے ہیں اگر سوؤ گے تو اللہ تعالٰی نے جو تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے کہ اس کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں وہ اٹھ جاوے گا اور تم ہلاک ہوجاؤ گے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص ایسی چھت پر نہ سوئے جس پر آڑ نہ ہو ۱؎(ترمذی)	

۱؎ ایسی چھت پر سونے والے بہت دفعہ چھت سے گر کر مر گئے بلکہ بہتر ہے کہ چھت بغیر منڈیر رکھی ہی نہ جاوے پوری دیوار نہ ہو تو تھوڑی اونچی ہی بنادی جاوے تاکہ وہاں سے گرنے کا خطرہ نہ رہے اس فرمان میں بڑی حکمتیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر وہ لعنتی ہے ا؎جو حلقہ کے بیچ میں بیٹھے۔(ترمذی،ابوداؤد)

ا؎اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جو کوئی کسی جلسہ میں آخر میں آوے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتاہوا بیچ میں پہنچے وہ لعنتی ہے چاہیے کہ اگر کنارہ پر جگہ ملے تو وہاں ہی بیٹھ جاوے۔دوسرے یہ کہ یہ شخص درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہوں یہ عمل متکبرین کا ہے بڑا آدمی بھی لوگوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھے۔(مرقات و اشعہ)بعض لوگ مذاق دل لگی کرنے کے لیے کسی کو درمیان حلقہ میں بٹھاکر اسے مذاق کا نشانہ بناتے ہیں وہ ہر طرف کے لوگوں سے مذاق کرتا ہے وہ بھی لعنتی ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین محفل وہ ہے جو وسیع تر ہو ا؎(ابوداؤد)

ا؎یعنی جب جلسہ مجلس وغیرہ کرو تو وسیع زمین میں کرو تاکہ لوگوں کو بیٹھنے میں تنگی نہ ہو آرام سے کھلے ہوئے بیٹھیں ایسی مجلس بہت مبارک ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں تشریف لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ آپ کے صحابہ بیٹھے تھے ا؎تو فرمایا کیا ہے مجھے میں تم کو متفرق دیکھتا ہوں۲؎(ابوداؤد)

ا؎یعنی مسجد نبوی شریف میں حضرات صحابہ متفرق بیٹھے تھے دو چار اس طرف اور چار چھ اس دوسری طرف۔

۲؎یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لیے ہے۔عزین بنا ہے عزۃ سے بمعنی علیحدگی اور متفرق ہونا،رب تعالٰی فرماتاہے:"عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ"۔مقصد یہ ہے کہ مسجد یا مجلس میں مسلمان اکٹھے بیٹھا کریں الگ الگ ٹولیاں بنا کر نہ بیٹھیں کہ اس میں کفار سے مشابہت ہے،نیز قالب کا اثر قلب پر پڑتا ہے اگر مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ بیٹھیں گے تو ان کے دل بھی الگ ہوجائیں گے اگر مل کر بیٹھیں گے تو دل بھی مل جائیں گے۔خیال رہے کہ نماز کی انتظار میں مسجد میں مسلمان صف بستہ بیٹھیں کہ فرشتے بارگاہِ الٰہی میں صف بستہ ہی حاضر ہوتے ہیں اور ذکر کی مجلس میں حلقہ باندھ کر بیٹھے کہ جنت میں مسلمان حلقوں سے بیٹھا کریں گے،رب فرماتا ہے:"عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں ہزار ہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سایہ میں ہو پھر اس سے سایہ ہٹ جاوے کہ اس کا بعض دھوپ میں اور

	بعض سایہ میں ہوجاوے تو اٹھ کھڑا ہو ا(ابوداؤد)

اایا تو سایہ میں ہی چلا جاوے یا بالکل دھوپ میں ہوجاوے کیونکہ سایہ ٹھنڈا اور دھوپ گرم اور بیک وقت ایک جسم پر ٹھنڈک و گرمی لینا صحت کے لیے مضر ہے اس لیے ایسا نہ کرے،نیز یہ شیطانی نشست ہے جس سے شیطان خوش ہوتا ہے لہذا اس تشبیہ سے بچنا ضروری ہے۔

	اور شرح سنہ میں انہیں سے ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی سایہ میں ہو پھر اس سے سایہ ہٹ جاوے تو اٹھ کھڑا ہو کہ یہ شیطان کی بیٹھک ہے اسے معمر نے یوں ہی موقوفًا روایت کی ا۔

ایعنی معمر نے جو تابعی ہیں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے موقوفًا روایت کی یہ کلام خود حضرت ابوہریرہ کا بیان فرمایا مگر ایسی موقوف حدیث جس میں قیاس کو دخل نہ ہو وہ مرفوع کے حکم میں ہے خصوصًا جب کہ دوسری اسناد سے مرفوع حدیث بھی آرہی ہو۔خیال رہے کہ ایسی بیٹھک کو شیطان کی بیٹھک فرمانے کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ شیطان اس طرح بیٹھا کرتا ہے۔دوسرے یہ کہ وہ ملعون اس بیٹھک سے خوش ہوتا ہے۔حدیث شریف میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ ظاہری معنی پر ایمان لانا چاہیے واقعی شیطان ایسے ہی بیٹھتا ہے حضور کی نظر ان چیزوں کو دیکھ لیتی ہے جو ہمارے خیالات سے بھی وراء ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوسعید انصاری سے اانہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آپ مسجد سے نکل رہے تھے تو راستہ میں مرد عورتوں کے ساتھ خلط ملط ہوگئے ٢تو عورتوں سے فرمایا تم پیچھے رہو تمہیں یہ حق نہیں کیونکہ تمہارے لیے بیچ راستہ میں چلنا مناسب نہیں٣تم راستہ کے کنارے اختیار کروپھرعورت دیواروں سے مل کر چلتی تھی حتی کہ اس کا کپڑا دیوار سے اولجھتا تھا٤(ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

اآپ کا نام مالک ابن ربیعہ ہے،انصاری ہیں،صحابی ہیں،اصحابِ بدر میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی۔

٢جماعت نماز یا جلسہ وعظ ختم ہونے پر حاضرین مسجد سے نکلے مجمع بہت تھا بھیڑ میں عورتیں مرد مخلوط ہوگئے تب حضور انور نے یہ فرمایا،اب بھی حج کے موسم میں جب نمازی مسجد نبوی سے نکلتے ہیں تو راستے بند ہوجاتے ہیں۔

٣**تحققن** بنا ہے حاق سے بمعنی درمیان اور وسط،**تحققن** بروزن **تنصرن** ہے **نصر ینصر** سے مضارع جمع مخاطب یعنی تم بیچ سڑک پر نہ چلا کرو وہ مردوں کے لیے چھوڑ دیا کرو بیچ راہ میں چلیں،راستہ کے کناروں پر تم چلا کرو تاکہ مردوں سے مخلوط نہ ہوجایا کرو۔

۴؎ یہ ہے حضرات صحابہ کرام کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس فرمان عالی کے بعد کوئی مسلمہ بی بی وسط راہ میں چلی ہی نہیں بلکہ اگر راستہ خالی ہوتا جب بھی وہ کنارے پر ہی چلتی تھی،اب بھی عورتوں کو اگر ضرورۃً راہ چلنا پڑ جاوے تو کنارہ پر ہی چلیں یہ ہی حکم سرکاری ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد عورتوں کے درمیان چلے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر دو عورتیں راہ میں جارہی ہیں تو کوئی اجنبی مرد ان کے درمیان سے نہ گزرے ایک طرف سے گزر جاوے یا ان کے درمیان نہ چلے الگ چلے کیونکہ حضور انور نے راستہ کے الگ الگ حصہ کردیئے ہیں درمیان راہ مردوں کے لیے کنارے عورتوں کے لیے بلکہ اپنی محرم عورتوں کے ساتھ بھی یوں ہی چلے تاکہ دوسرے لوگ اس سے سبق لیں۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو ہم میں سے ہر ایک وہاں بیٹھتا جہاں مجلس ختم ہوتی ۱؎ (ابوداؤد) اور عبداللہ ابن عمرو کی دو حدیثیں باب القیام میں ذکر ہوئیں اور ہم حضرت علی و ابوہریرہ کی حدیثیں باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم و صفاته میں بیان کریں گے ۲؎ ان شاءاللہ تعالیٰ	

۱؎ یعنی کنارہ مجلس پر بیٹھتا تھا لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر درمیان پہنچنے کی کوشش نہ کرتا تھا یہ آداب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔

۲؎ یعنی یہ چار حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں مگر ہم نے ان میں سے دو حدیثیں تو باب القیام میں ذکر کردیں اور دو حدیثیں باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کریں گے کیونکہ ہم کو یہ حدیثیں ان مقام سے زیادہ مناسب معلوم ہوئیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن شرید سے ۱؎ اور وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جب کہ میں اس طرح بیٹھا تھا کہ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے پیٹھ کے پیچھے رکھا ہوا تھا اور میں نے	

	اپنے ہاتھ کی سیرین پر ٹیک لگائی ہوئی تھی ۲؎ تو فرمایا تم ان لوگوں کی بیٹھک بیٹھتے ہو جن پر غضب کیا گیا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ عمرو ابن شرید تابعی ہیں،ان کے والد شرید صحابی ہیں،عمرو طائف کے رہنے والے ہیں،ثقہ ہیں،ان کی ملاقات اپنے والد سے اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے ہے ان دو بزرگوں کے علاوہ اور چند صحابہ سے بھی ہے۔(اشعہ)

۲؎ الیۃ سرین یعنی چوتڑ کو کہتے ہیں مگر یہاں اس سے مراد ہتھیلی کا وہ گوشت ہے جو انگوٹھے کی جڑ سے آخری کنارہ تک ہے۔

۳؎ یعنی اس طرح یہود بیٹھا کرتے ہیں اور یہود پر اللہ کا غضب ہے تو یہ بیٹھک اللہ تعالٰی کو ناپسند ہے تم مؤمن انعام والے بندے ہو تم ان سے تشبیہ کیوں کرتے ہو۔خیال رہے کہ ایک ہاتھ پیٹھ پر رکھنا دوسرے ہاتھ پر ٹیک لگانا مطلقًا ممنوع ہے خواہ داہنا ہاتھ پیٹھ پر بایاں زمین پر یا برعکس(اشعہ)بلکہ دونوں یا ایک ہاتھ کوکھ پر رکھنا یا پیٹھ سے لگانا ہی ممنوع ہے یوں ہی دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے کھڑے کرنا ان پر ٹیک لگانا ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جب کہ میں اپنے پیٹ پر لیٹا ہوا تھا ۱؎ تو مجھے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اے جندب یہ آگ والوں کا لیٹنا ہے ۲؎ (ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ میرا پیٹ زمین سے لگا ہوا تھا اور دونوں پاؤں پھیلے ہوئے تھے جسے کہتے ہیں اوندھا لیٹنا۔

۲؎ جندب حضرت ابوذر غفاری کا نام ہے،کنیت ابوذر ہے۔اس فرمان کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جہنمی لوگ یعنی کفار دنیا میں ایسے لیٹتے ہیں تم ان سے مشابہت نہ کرو۔دوسرے یہ کہ دوزخ میں کفار ایسے لٹائے جایا کریں گے ان کی پیٹھ پر کوڑے مارنے کے لیے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد اپنے چھوٹوں کو پیار یا ناراضی میں ٹھوکر مارنا جائز ہے،حضرات صحابہ کرام تو حضور کی ٹھوکر کھانے پر فخر کرتے تھے آج ہم ان ٹھوکروں کے لیے ترستے ہیں۔شعر

شبلی تشنہ دیدار کو زندہ کرتے　　　　بخت خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے

باب العطاس و التثاؤب

چھینک اور جمائی کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ عطاس مصدر ہے عطۃ کا عطہ کے معنی ہیں چھینک تو عطاس کے معنی ہوئے چھینکنا اور تثاؤب مصدر ہے ثوباء کا ثوباء کے معنی ہیں سستی،تثاؤب کے معنی ہیں سستی کا طاری ہونا۔اصطلاح میں جمائی کو تثاؤب کہتے ہیں کہ اس میں سستی ظاہر ہوئی ہے،تثاؤب مہموزعین ہے نہ کہ اجوف یہ ہی قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالٰی چھینک کو پسند فرماتا ہے ۱؎ اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے ۲؎ تو جب تم میں سے کوئی چھینکے اور اللہ کی حمد کرے تو ہر سننے والے مسلمان پر حق ہے اس سے کہے یرحمک اللہ ۳؎ لیکن جمائی وہ تو شیطان کیطرف سے ۴؎ تو جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو جہاں تک ہوسکے اسے دفع کرے ۵؎ کیونکہ تم میں سے کوئی جب جمائی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے ۶؎ (بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ تم میں سے کوئی جب کہتا ہے ہاتو اس سے شیطان ہنستا ہے ۷؎

۱؎ چھینک سے دماغ صاف ہوتا ہے،چھینک آنے سے دماغ ہلکا ہوجاتا ہے،طبیعت کھل جاتی ہے جس سے عبادات پر زیادہ قدرت ہوتی ہے۔اطباء کہتے ہیں کہ زکام آکر خیریت سے گزر جاوے تو بہت بیماریوں کا دفعیہ ہے۔

۲؎ جمائی سستی کی علامت ہے اس سے جسم میں جمود طاری ہوتا ہے،چھینک رب کو پسند ہے جمائی شیطان کوپسند اس لیے حضرات انبیاءکرام کو جمائی کبھی نہیں آتی۔

۳؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ چھینک کا جواب دینا فرض ہے وہ اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں کہ فرمایا گیا **حقا**۔عام علماء اسے سنت کہتے ہیں،فرض والوں میں بعض لوگ اسے فرض عین کہتے ہیں،بعض فرض کفایہ۔اس سے معلوم ہوا کہ چھینکنے والا **الحمدللہ** بلند آواز سے کہے تاکہ لوگ سن سکیں اور صرف سننے والے پر جواب ہے نہ سننے والے پر کچھ نہیں۔جواب چھینک کے متعلق علماء کا بڑا اختلاف ہے حق یہ ہے کہ اس کا جواب سنت علی العین ہے کہ ہر

سننے والا جواب دے، یہاں حق بمعنی واجب یا لازم نہیں بلکہ بمعنی استحقاق ہے جیسے فرمایا گیا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں مریض کی عیادت کرنا، جنازہ میں شرکت کرنا وغیرہ۔

۴؎ یعنی شیطان کے اثر سے جمائی آتی ہے وہ اس سے خوش ہوتا ہے ہاہ کرنے پر وہ ہنستا ہے اسی لیے حضرت انبیاء کرام کو جمائی کبھی نہیں آئی جیسے کہ انہیں احتلام نہیں ہوتا کہ یہ شیطانی چیزیں ہیں۔(مرقات)

۵؎ جمائی دفع کرنے کی تین تدبیر یں ہیں: جب جمائی آنے لگے تو ناک سے زور سے سانس نکا ل دے۔جب جمائی آنے لگے تو نیچا ہونٹ دانتوں میں دبالے۔جب جمائی آنے لگے تو یہ خیال کرے کہ حضرات انبیاء کرام کو جمائی نہیں آتی۔

۶؎ یعنی جب کوئی جمائی میں منہ پھیلاتا ہے اور ہاہ کہتا ہے تو شیطان خوب ٹھٹھہ مار کر ہنستا ہے کہ میں نے اسے پاگل بنادیا اپنا اثر اس پر کرلیا۔

۷؎ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض آوازوں سے شیطان بھاگتا ہے، بعض آوازوں سے وہ خوش ہوتا ہے،اللہ کے ذکر کی آواز سے اسے تکلیف ہوتی ہے جمائی کی آواز سے وہ ہنستا ہے گانے باجے کی آواز پر وہ خوشی سے ناچتا ہوگا لہذا بری آوازوں سے بچو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے الحمدللہ اور اس کا بھائی اس کا ساتھی اس سے کہے یرحمک اللہ پھر جب کہے یرحمک اللہ تو یہ کہے یھدیکم اللہ و یصلح بالکم ۱؎(بخاری)

۱؎ چونکہ چھینک اللہ تعالٰی کی نعمت ہے لہذا اس پر اللہ کی حمد کرنی چاہیے،چونکہ اس حمد سے اس نے اللہ کی نعمت کی قدر کی لہذا سننے والے نے اسے دعا دی یرحمک اللہ،چونکہ اس دعا دینے والے نے اس پر احسان کیا لہذا احسان کا بدلہ احسان سے کرتے ہوئے یہ پھر اسے دعا دے اور کہے یھدیکم اللہ غرضکہ ان ذکروں کے ایرپھیر میں عجیب حکمت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخصوں نے چھینک لی تو حضور نے ایک کو جواب دیا ۱؎ دوسرے کو جواب نہ دیا تو اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ان کو جواب دیا مجھے نہ دیا فرمایا اس نے اللہ کی حمد کی تم نے نہ کی ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ چھینک کے جواب کو **تشمیت** کہتے ہیں یہ بنا ہے **شمت** سے بمعنی آفت و مصیبت یا لوگوں کا طعنہ۔اس سے ہے **شماتت اعداء** باب تفعیل سلب کے لیے ہے لہذا اس کے معنی ہوئے ہوئے مصیبت دور کرنا یعنی دعا دینا دعاء خیر کو **تشمیت** اسے لیے کہا جاتا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ چھینکنے والے کا جواب جب دیا جاوے جب وہ الحمدللہ کہے اور یہ سنے بھی ایک شخص نے دیوار کے پیچھے چھینک لی تو حضرت عمر نے فرمایا **یرحمك الله ان حمدت الله** اگر تو نے رب کی حمد کی ہو تو خدا تجھ پر رحم کرے اگر اکیلا آدمی چھینک لے اور الحمدللہ کہے کوئی جواب دینے والے نہ ہو تو خود ہی کہہ لے **یغفر الله لی ولکم** کیونکہ فرشتے اس کی چھینک کا جواب دیتے ہیں یہ ان کی نیت سے یہ دعاکرے جیسے نماز کے سلام میں فرشتوں کی نیت کرے اگر اکیلا ہو۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کوئی چھینکے پھر خدا کی حمد کرے تو جواب دو اگر حمد نہ کرے تو اسے جواب نہ دو ۱؎ (مسلم)	

۱؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ نہی ممانعت کے لیے ہے لہذا ایسے شخص کو جواب دینا گناہ ہے،بعض فرماتے ہیں کہ نہی سنیت کی نفی کے لیے ہے یعنی ایسے کو جواب دینا سنت نہیں مگر گناہ بھی نہیں مگر یہ بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کو جواب نہیں دیا لہذا جواب نہ دینا ہی سنت ہے۔(اشعہ)خیال رہے کہ عدم فعل سنت نہیں ہوتا بلکہ ترک فعل سنت ہوتا ہے عدم اور ترک میں بڑا فرق ہے۔عدم زنا پر ثواب نہیں بلکہ ترک گناہ پر ثواب ہے،جب کسی کام کا باعث موجود ہو پھر کام نہ کیا جاوے وہ ترک ہے اور مطلقًا کوئی کام نہ کرنا عدم فعل ہے۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا اور آپ کے پاس ایک شخص نے چھینک لی تو اس سے فرمایا **یرحمك الله** اس نے پھر دوبارہ چھینک لی تو فرمایا کہ یہ شخص زکام والا ہے ۱؎ (مسلم) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے تیسری بار میں فرمایا کہ وہ زکام والا ہے ۲؎	

۱؎ معلوم ہوا کہ جو نزلہ زکام کا بیمار ہواسے ہر چھینک پر جواب نہ دے کہ اس میں بہت حرج ہوگا کہ پھر تو وہ زکام والا کسی کو بات نہ کرنے دے گا وہ چھینکے جاوے تم جواب دیئے جاؤ جیسے اذان کا جواب دے مگر پہلی اذان کا پھر اذانیں سنتا رہے جواب دینا ضروری نہیں۔

۲؎ زیادہ روایات تین کی ہی ہیں کہ حضور انور نے تیسری چھینک پر فرمایا کہ تجھے زکام ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ زکام والے شخص کو بجائے جواب دینے کے کہے **شفاك الله** تجھے اللہ شفادے مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ

دعاءِ صحت تو ویسے ہی کرنی چاہیے چھینک پر کیا موقوف ہے یہ وقت شفا کی دعا کا نہیں ہے،نیز زکام بیماری نہیں ہے بلکہ دماغی بیماریوں کا علاج اس سے بہت مرض دفع ہوجاتے ہیں۔(مرقات)زکام والے کو دیوانگی و جنون نہیں ہوتا جسے کبھی خارش ہواسے جذام و کوڑھ نہیں ہوتا،زکام و خارش میں رب تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمائی لینے لگے تو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے ۱؎ کیونکہ شیطان داخل ہوجاتا ہے ۲؎ (مسلم)

۱؎ اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی یا انگلیوں کی پشت منہ پر رکھ لے کہ یہ ہی سنت ہے جیساکہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۲؎ یا تو خود شیطان ہی داخل ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ مردود ہمارے خون کے ساتھ گردش کرتا ہے مگر ہمارے منہ میں اس وقت گھستا ہے یا اس کے وسوسہ داخل ہوتے ہیں۔بہرحال جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ ضرور رکھ لے کہ اس سے نہ شیطان داخل ہوگا نہ اس کے وسوسہ نہ ہوائی کیڑے مکوڑے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینکتے تو اپنا چہرہ انور اپنے ہاتھ یا آستین سے ڈھانپ لیتے اور اس میں اپنی آواز پست کرتے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ چھینک کے وقت اپنا پورا چہرہ یا پورا منہ کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانپ لینا سنت ہے کہ اس سے رطوبت کی چھینٹیں نہ اوڑینگی اور اپنے یا دوسرے کے کپڑے خراب نہ ہوں گے اور چھینک کی آواز حتی الامکان پست کرنا بھی سنت ہے کہ یہ آواز بلند ہو تو بری معلوم ہوتی ہے لوگ اچھل پڑتے ہیں،چھینک کی آواز آہستہ نکلے الحمد کی آواز بلند ہو۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے ۱؎ اللہ تم پر رحم کرے اور یہ کہے اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کرے ۲؎ (ترمذی،دارمی)

۱؎عمل جو کوئی چھینک پر کہے الحمدللہ علی کل حال اور اپنی زبان سارے دانتوں پر پھیر لیا کرے تو ان شاءاللہ دانتوں کی بیماریوں سے محفوظ رہے گا مجرب ہے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ جو کوئی چھینک پر کہے الحمدللہ رب العالمین علی کل حال تو ان شاءاللہ اسے کبھی ڈاڑھ اور کان کا درد نہ ہوگا۔امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔(ابن ابی شیبہ،مرقات)حق یہ ہے کہ تمام سننے والوں پر جواب دینا سنت ہے یعنی جواب چھینک سنت علی العین ہے۔

۲؎کہ بال کے معنی دل،خیال،حال ہیں۔یہاں بمعنی حال ہے جب حال ہی ٹھیک ہوگیا تو دل و خیال بھی ٹھیک ہوجائیں گے اس لیے یہاں بال سے حال مراد لے تاکہ دعا جامع ہوجاوے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینکا کرتے تھے ۱؎امید یہ کرتے تھے کہ ان سے فرمادیں اللہ تم پر رحم کرے مگر آپ فرماتے اللہ تمہیں ہدایت دے تمہارا حال درست کرے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یعنی دیدہ و دانستہ چھینک لیا کرتے تھے ناک میں تنکے ڈال کر یا کسی اور طریقہ سے جیساکہ یتعاطسون بتارہا ہے۔

۲؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ یہود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقبول الدعاء اللہ کا محبوب جانتے تھے اس لیے آپ کی دعا لینے کی کوشش کرتے تھے مگر ایمان نہ لاتے تھے حضور سے دعا لینے کی ترکیب ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا ہے خصوصًا نماز تہجد کی پابندی کرنا۔دوسرے یہ کہ کفار کے لیے دعاء مغفرت دعاء رحمت کرنا ممنوع ہے انہیں دعاء سے ہدایت کرے،رحمت مغفرت صرف مسلمانوں کے لیے ہے ہدایت کفار کو بھی مل سکتی ہے کہ وہ ہدایت پاکر ایمان قبول کرلیں۔

	روایت ہے حضرت ہلال ابن یساف سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم سالم ابن عبید کے پاس تھے ۲؎تو قوم میں سے کسی شخص نے چھینکا تو بولا السلام علیکم ۳؎تو اس سے سالم نے کہا تجھ پر اور تیری ماں پر ۴؎تو شاید وہ شخص اپنے دل میں غصہ ہوا ۵؎تو فرمایا میں نے وہ ہی کہا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک لی تھی تو بولا السلام علیکم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر اور تیری ماں پر ۶؎جب تم میں سے کوئی چھینکے تو کہے الحمدللہ رب العلمین

اور اس کو جواب دینے والا کہے یرحمك الله اور یہ کہے یغفر الله لی ولکم ۷ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱آپ تابعی ہیں،حضرت اشجع کے آزادکردہ غلام ہیں،حضرت علی اور حضرت ابو مسعود انصاری مسلم ابن قیس سے ملاقات ہے،۱۷۰ھ ایک سو ستر میں وفات پائی آپ سے بہت لوگوں نے روایات لیں۔(مرقات واشعہ)

۲یا تو منہ سے نکل گیا یا بجائے الحمدلله کے السلام علیکم عمدًا کہا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی اللہ کا ذکر ہی ہے یا مسئلہ معلوم نہ تھا۔

۳یہ سلام تحیت کا نہیں ہے بلکہ اظہار ناراضی و بیزاری کا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے جواب میں فرمایا"قَالَ سَلٰمٌ عَلَیۡكَ"یعنی تجھے دور ہی سے سلام ہے اس سلام ہے اس سلام یعنی ناراضگی میں ماں کو اس لیے داخل فرمایا کہ ماں نے بچے کو دین نہ سکھایا یہ باتیں مائیں سکھاتی ہیں اس نے غفلت برتی یا بچے ایسی بدعتیں اکثر ماؤں سے سیکھتے ہیں۔ہمارے ہاں لوگ چاند دیکھ کر سلام کرتے ہیں اماں سلام،ابا سلام یہ بھی بوڑھی عورتوں کی رسم ہے،چونکہ ان رسوم بے موقعہ سلام کی موجد عورتیں ہوتی ہیں خصوصًا مائیں دادیاں اس لیے علی امك فرمایا۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ بے موقعہ سلام کرنے والے کو جواب نہ دیا جاوے،دیکھو حضور انور نے وعلیکم السلام نہ فرمایا،نیز چونکہ اس نے چھینک کر الحمدللہ نہ کہا لہذا اسے جواب بھی نہ دیا گیااس حدیث سے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔

۵یعنی اس نے منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر اس کے چپ ہوجانے سے محسوس ہوا کہ اس کے دل کو اس جواب سے رنج ہوا۔

۶ سبحان الله!کیا حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اس کا رنج دور کرنے کو حدیث پیش فرمائی اور فرمایا کہ اس سارے ہی واقعہ میں میں متبع ہوں متبدع نہیں ہوں۔(مرقات)

۷مقصد یہ ہے کہ یہ موقع سلام کا نہ تھا بلکہ حمد الٰہی کا تھا اگر تم حسب موقعہ الحمد کہتے تو جواب پاتے ہر مقام کے لیے ذکر اللہ علیحدہ ہے۔خوشی کی خبر پر انا لله نہ پڑھو غم کی خبر پر الحمدلله نہ کہو۔

روایت ہے حضرت عبید ابن رفاعہ سے ۱وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا چھینکنے والے کو تین بار جواب دو پھر جو زیادہ کرے تو اگر چاہو جواب دو اگر چاہو نہ دو ۲(ابوداؤد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱عبید ابن رفاعہ تابعی ہیں،ان کے والد رفاعہ ابن رافع صحابی ہیں،ان کی کنیت ابو معاذ ہے،انصاری ہیں زرقی ہیں،بدر احد اور تمام غزوات نبوی میں شریک ہوئے، جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے،حضرت معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے،ان کے دو بیٹے ہیں عبید اور معاذ ایک بھتیجہ یحیٰی ابن خلاد لہذا یہ حدیث مرسل ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی مسلمان کی تین چھینکوں کا جواب دینا سنت ہے مگر چوتھی چھینک کا جواب دینا سنت نہیں تمہاری مرضی پر ہے لیکن اگر جواب دیا تو ان شاءاللہ ثواب ملے گا کہ مسلمان کو دعا دینا عبادت ہے۔یہاں یہ ارشاد نہ ہوا کہ خود چھینکنے والا چوتھی چھینک پر الحمدللہ کہے یا نہ کہے ظاہر یہ ہے کہ کہے حمد الٰہی بہتر ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا اپنے بھائی کو تین بار جواب دو اگر زیادہ ہو تووہ زکام ہے ۱؎(ابوداؤد)اور فرمایا کہ میں انہیں نہیں جانتا ہوں مگر انہوں نے حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کی ۲؎	

۱؎ اور زکام ایک بیماری ہے بیماری کی چھینک کا جواب سنت نہیں۔خیال رہے کہ سنت نہ ہونا اور ہے خلاف سنت ہونا کچھ اور خلاف سنت چیز بدعت ہوتی ہے جس کا کرنا ممنوع ہوتا ہےاور سنت نہ ہونا ممنوع ہونے کی دلیل نہیں،بخاری شریف پڑھنا سنت نہیں مگر خلاف سنت نہیں اس لیے ممنوع نہیں،خلاف سنت وہ ہے جو سنت کو مٹادے اس کا فرق کتاب راہِ جنت میں ملاحظہ فرماؤ آج لوگوں نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔

۲؎ قال کا فاعل ابوداؤد نہیں بلکہ وہ راوی ہیں جنہوں نے حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت کی یعنی سعید مقبری۔ مطلب یہ ہے کہ سعید مقبری کہتے ہیں کہ مجھے خیال پڑتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کا قول نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔(لمعات)اگر مرفوع نہ بھی ہو تب بھی مرفوع کے حکم میں ہوگی کہ صحابی کا وہ قول جو قیاس سے وراء ہو مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔(اشعہ)جیساکہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر کی برابر میں چھینک لی تو بولا اللہ کا شکر ہے اور رسول اللہ پر سلام ۱؎ تو جناب ابن عمر نے کہا کہ میں بھی کہتا اللہ کا شکر ہے اور رسول اللہ پر سلام ۲؎ مگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہ سکھایا ہمیں یہ سکھایا کہ ہم کہیں اللہ کا شکر ہے ہر حال پر ۳؎(ترمذی)	

۱؎ غالبًا وہ صاحب سمجھے کہ حضور انور کو سلام بھی ذکر خیر ہے اور الحمدللہ بھی ذکر خیر اور خیر کو خیر سے ملانا زیادتی خیر کا ذریعہ ہے،دیکھو خطبہ مسجد میں داخلہ کے وقت حمد وصلوۃ وسلام ملے ہوتے ہیں مگر یہ قیاس درست نہ تھا۔(مرقات)

۲؎ یعنی میں نہ تو حمد الٰہی کا انکار کرتا ہوں نہ حضور کو سلام کرنے کا نہ ان دونوں کو جمع کرنے کا میں خود بارہا ان دونوں کو ملا کر کہا کرتا ہوں۔

۳؎ یعنی چھینک کے موقعہ پر حمد الٰہی کو سلام رسول اللہ سے ملانا خلاف سنت ہے،ہم کو حضور نے اس موقعہ پر یہ سکھایا کہ حمد کے ساتھ علی کل حال ملائیں،نیز حمد کے ساتھ سلام کو ملانا اس سنت کے ترک کا باعث ہے لہذا بدعت ہے اور ممنوع۔بعض علماء نے چھینک کے وقت درود شریف کو سنت فرمایا ہے،دیکھو اشعۃ اللمعات۔ مگر وہ حضرات علی کل حال کے بعد درود شریف کو مستحب کہتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کسی نے چھینک کر کہا تھا السلام علیکم تو حضور انور نے اس پر کچھ سختی فرمائی تھی مگر حضرت ابن عمر نے اس شخص پر نہایت نرمی کی،وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے الحمدللہ بالکل نہ کہا تھا صرف سلام کیا تھا لہذا اس پر سختی کی۔یہاں اس شخص نے حمد کے بعد سلام کہا یعنی حمد کو چھوڑا نہیں لہذا نرمی فرمائی یا شاید اس شخص نے بارہا یہ قصور کیا ہوگا اس لیے اس پر سختی کی یہاں اس شخص نے پہلی بار یہ قصور کیا ہے،مرقات میں اس دوسری توجیہ کا ذکر کیا۔

باب الضحك

ہنسنے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ضحك ض کے کسرہ ح کے سکون سے یا دونوں کے کسرہ سے یا ض کے فتحہ سے ح کے سکون سے ہے بمعنی ہنسنا یہاں ضحك سے مراد ہنسنا تبسم کرنا سب مراد ہے اس لیے مصنف اس باب میں تبسم کا ذکر بھی کریں گے۔فقہاء کے ہاں صرف دانت کھل جانا آواز نہ پیدا ہونا تبسم ہے،تھوڑی آواز بھی پیدا ہونا جو خود سنی جائے دوسرا نہ سنے ضحك ہے،زیادہ آواز پیدا ہو کہ دوسرا بھی سنے اور منہ کھل جائے قہقہہ ہے یعنی ٹھٹھا۔نماز میں تبسم کرنے سے نہ نماز جائے نہ وضو،ہنسنے سے نماز جاتی رہے گی،ٹھٹھہ سے نمازوضو دونوں جاتے رہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا ہنستے نہ دیکھا حتی کہ میں آپ کے انتہائی تالو دیکھ لیتی ۱؎آپ مسکرایا کرتے تھے ۲؎(بخاری)

۱؎یہ تفسیر ہے مستجمعا کی یعنی اس طرح ہنستے نہ دیکھا کہ آپ کا منہ شریف کھل جاتا اور میں آپ کے تالو کا آخری حصہ دیکھ لیتی۔لھوات جمع ہے لھات کی،لھات وہ پارۂ گوشت جو تالو کی انتہا اور حلق سے متصل ہے حضور انور اس طرح ساری عمر کبھی نہ ہنسے۔

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے کبھی نہ تھے مسکراتے بہت تھے،ہنسنا قلب میں غفلت پیدا کرتا ہے تبسم خوش اخلاقی ہے اس سے سامنے والے کو خوشی ہوتی ہے۔شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

	روایت ہے حضرت جریر سے ۱؎فرماتے ہیں کہ جب سے مسلمان ہوا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ نہ کیا ۲؎اور مجھے نہ دیکھا مگر تبسم فرمایا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ جریر ابن عبداللہ ہیں،کنیت ابو عمرو ہے،حضور انور کی وفات سے چالیس دن پہلے اسلام لائے بعد میں کوفہ میں قیام رہا،۵۱ھ اکیاون ہجری میں وفات پائی۔(اکمال)بڑے خوبصورت خوش خلق اپنی قوم کے سردار تھے۔

۲؎یعنی جس موقعہ پر دوسروں کو اجازت لے کر آنا ہوتا تھا مجھے بغیر اجازت حاصل کیے حاضری کی اجازت تھی ایک بار حضور نے مجھے ایسی مجالس میں حاضری کی اجازت دے دی تھی گویا اپنا قرب و منزلت بیان فرمارہے ہیں۔خیال

رہے کہ حضور کی مجلس عامہ میں کسی کو اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی جیسے نماز جمعہ عید اور عام مجالس وعظ میں دولت خانہ کے اندر کسی کو بغیر اجازت حاضر ہونے کی اجازت نہ تھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ"الخ مجالس خاصہ میں عام لوگ اجازت لے کر حاضر ہوتے تھے مگر کوئی خاص الخاص بغیر اجازت بھی یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۳؎ حضور کا یہ تبسم اظہار خوشی یا اظہار کرم کے لیے ہوتا تھا۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھتے تھے اپنے اس مصلے سے جس میں فجر کی نماز پڑھتے حتی کہ سورج طلوع ہوجاتا پھر جب سورج طلوع ہوجاتا تو اٹھتے اور لوگ باتیں کرتے تھے تو جاہلیت کے زمانہ کے کاموں کے ذکر میں مشغول ہوجاتے تو ہنستے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے ۱؎(مسلم)اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ وہ حضرات اشعار پڑھتے تھے۔	

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نماز فجر کے بعد اشراق تک مصلے پر بیٹھا رہنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ اس وقت تلاوت قرآن کرنا بہتر نہیں،جن اوقات میں سجدہ حرام ہے ان اوقات میں تلاوت قرآن افضل نہیں کہ اس وقت سجدۂ تلاوت نہ کرسکے گا۔تیسرے یہ کہ نفلی معتکف کو مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے یہ حضرات بہ نیت اعتکاف وہاں بیٹھتے تھے۔چوتھے یہ کہ مسجد میں جائز اشعار پڑھنا جائز بلکہ نعت شریف پڑھنا سنت صحابہ ہے۔پانچویں یہ کہ آخرت کی چیزیں کوئی اپنی عقل سے معلوم نہیں کرسکتا یہ صرف نبوت کے نور سے ہی معلوم ہوتی ہیں،دیکھو حضرات صحابہ کرام اب بعد اسلام اپنے زمانہ جاہلیت کی باتوں پر خود ہنستے تھے کہ ہم اس وقت کیسے نا سمجھ تھے اب حضور کے صدقہ سے سمجھ بوجھ میسر ہوئی۔چھٹے یہ کہ حضور انور بڑے ہی اخلاق کے مالک تھے کہ اپنے کو اپنے خدام کے ساتھ رکھتے تھے ان کے ہر کام میں شریک ہوجاتے تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزء سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تبسم والا ہو ۲؎(ترمذی)	

اؔ آپ صحابی ہیں،زبیدی ہیں،زبید ایک قبیلہ ہے جو زبید نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے،آپ مصر میں سب سے آخری صحابی ہیں جو فوت ہوئے،اسی ۸۰ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔
۲؎ تبسم میں ہزار ہا حکمتیں ہیں،حضور کی ہر ادا میں رب تعالٰی کی حکمتیں ہوتی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت قتادہ سے کہ حضرت ابن عمر سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنستے تھے ۱؎ فرمایا ہاں حالانکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بڑا تھا ۲؎ اور بلال ابن سعد نے کہا ۳؎ کہ میں نے صحابہ کو پایا کہ وہ نشانوں کے درمیان دوڑ لگاتے تھے اور ان کے بعض بعض سے ہنسی کرتے تھے جب رات ہوتی تو راہب(تارک الدنیا) بن جاتے تھے ۴؎(شرح سنہ)	

۱؎ شاید سائل نے وہ حدیث سنی ہوگی کہ زیادہ ہنسنا دل مردہ کرتا ہے تو اس نے سوچا ہوگا کہ حضرات صحابہ کبھی نہ ہنستے ہوں گے وہ حضرات زندہ دل تھے پھر انہیں ہنسی سے کیا تعلق،جسے آج لوگ کہتے ہیں کہ ولی وہ جس کے گھر بار بیوی بچے کچھ نہ ہو جنگل میں تارک الدنیا ہو کر رہے۔مشہور ہے کہ وہ فقیر کیسا جو پاس رکھے پیسہ۔
۲؎ جواب کا مقصد یہ ہے کہ ہنسنا حرام نہیں حلال ہے،وہ حضرات وہ ہنسی نہ ہنستے تھے جو دل مردہ کردے یعنی ہر وقت ہنستا رہنا بلکہ وہ ہنسی ہنستے تھے جو دل کو شگفتہ رکھے اور سامنے والے کو بھی شگفتہ بنادے،ان حضرات کے دل ایمان سے بھرے ہوئے تھے ساتھ ہی وہ حضرات شگفتہ دل بھی تھے انکے پاس بیٹھنے والے بھی خوش ہوجاتے تھے۔
۳؎ آپ تابعی ہیں،بہترین واعظ عابد شب زندہ دار،دمشق میں قیام رہا آپ کو دمشق کا حسن بصری کہا جاتا تھا،آپ کی ملاقات اپنے والد،تمیم داری امیر معاویہ جابر سے ہے رضی اللہ عنہم، ۱۲۰ھ ایک سو بیس ہجری میں وفات ہوئی۔(اشعہ)
۴؎ یعنی وہ حضرات دن میں بھاگ دوڑ ہنسی مذاق سب کچھ کرتے تھے تیر اندازی ان کا بہترین مشغلہ تھا مگر جب رات ہوتی تو مصلی ہوتا اور یہ حضرات ہوتے۔اب دعوت،مناجات،عبادات میں مشغول ہوکر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے تھے۔خیال رہے کہ شب بیداری یعنی نماز تہجد کی قرآن کریم میں بہت ہی تعریف آئی ہے رب تعالٰی نصیب کرے،تو سمجھو کہ تمام نمازیں اطاعت کی ہیں یہ نماز محبت کی،تمام نمازیں مسلمانوں کے لیے آئیں مگر تہجد خاص حضور انور کے لیے،رب فرماتاہے:"وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ"اب جو بھی تہجد پڑھتا ہے حضور کے صدقے پڑھتا ہے۔حضرات صحابہ ظاہرًا ہنستے تھے باطن کی آنکھ سے روتے تھے، اشباہ(صورتوں) میں فرشی تھے ارواح

میں عرشی تھے،بدن سے مخلوق میں تھےدل میں خالق کے ساتھ،یہ ظاہر سب کے ساتھ بہ باطن رب کے پاس،فقراء کے لباس میں بادشاہ تھے ان میں سے ہر صحابی ایسا تھا۔شعر

آفتابے در لباس ذرہ　　　　شیر نردر پوشین برہ اے

بکرے کی کھال میں شیر ذرہ کے لباس میں سورج رضی اللہ عنہم۔

باب الاسامی

ناموں کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱اسامی الف کے فتح ی کی شد سے جمع اسم کی بروزن افاعیل،اسم سے مراد نام ہے خواہ عَلم ہو یا اور کچھ اس باب میں بتادیا جاوے گا کہ کیسا نام برا ہے کیسا اچھا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے کہ ایک آدمی نے کہا اے ابوالقاسم۱ تو اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ سلم نے توجہ فرمائی وہ بولا کہ میں نے تو اس کو بلایا ہے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام تو رکھو میری کنیت نہ رکھو۲ (مسلم،بخاری)

۱کسی شخص کا نام ابوالقاسم تھا اس نے اسے پکارا۔

۲مقصد یہ ہے کہ اگر ہزاروں کے نام محمد ہوں تو دھوکہ نہ ہوگا کیونکہ حضور کو صرف نام سے پکارنا حرام ہے،اب جو حضور کو پکارے گا وہ یارسول اللہ کہے گا یا محمد نہ کہے گا،اگر یا محمد کہہ کر پکارے گا تو کسی اور محمد کو پکارے گا نہ کہ حضور کو، اللہ تعالٰی نے ہمارے حضور کو نام لے کر نہ پکارا یا ایھاالنبی یا ایھا الرسول سے پکارا لہٰذا نام کے اشتراک میں شبہ و دھوکہ نہ ہوگا کنیت کے اشتراک میں ضرور دھوکا ہوگا۔(مرقات)لہٰذا حدیث واضح ہے۔پس حضور انور کو یا ابا القاسم کہہ کر پکار سکتے ہیں کہ یہ حضور کا لقب ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اللہ مگر یا محمد کہہ کر نہیں پکارسکتے کہ محمد حضور کا نام شریف ہے،دیکھو مرقات حضور انور کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا اس نام سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ میں قاسم بنایا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں ۱(مسلم،بخاری)

۱یعنی اللہ کی ہر نعمت تقسیم میرے ہاتھ سے ہوتی ہے دنیاوی نعمت ہو یا اخروی اس لیے حضرات صحابہ نے بارش،جنت،آنکھیں،دولت،اولاد حضور سے مانگی ہیں جب جنت ہی حضور سے مانگ لی تو دیگر چیزیں بدرجہ اولٰی حضور سے مانگی جاسکتی ہیں اس کے لیے کہ ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی اور جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے

اللہ المعطی وانا القاسم نہ اللہ کی عطا مقید ہے نہ حضور کی تقسیم رب فرماتا ہے: "اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت حضور کی حیات شریف میں تھی بعد وفات ہر طرح اجازت ہے خواہ حضور انور کا نام رکھے یا آپ کی کنیت یا دونوں جمع کردے کہ نام رکھے محمد،کنیت رکھے ابو القاسم،اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں یہ ہی قول قوی ہے جو ہم نے عرض کیا کہ یہ حکم حیات شریف میں تھا۔(مرقات و اشعہ)حضرت علی نے حضور کے بعد اپنے بیٹے کا نام محمد کنیت ابوالقاسم رکھی جنہیں محمد ابن حنفیہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے حضور سے پہلے پوچھا تھا کہ کیا میں آپ کے بعد اپنے کسی بیٹے کا نام محمد،کنیت ابو القاسم رکھ سکتا ہوں فرمایا تھا ہاں۔خیال رہے کہ اگر قاسم قوی ہو تقسیم بھی قوی ہوتی ہے،ڈول،چرسہ،رہٹ،ٹیوب ویل،دریا بادل سب ہی پانی تقسیم کرتے ہیں مگر ان کی تقسیموں میں جو فرق ہے وہ معلوم ہے۔سارے نبی اللہ کی نعمتیں تقسیم کرتے تھے حضور بھی تقسیم کرتے ہیں حضور کی تقسیم بہت قوی ہے،تمام امتوں میں وضو تھا مگر اعضاء کا چمکنا حضور کی امت کے وضو سے ہے،پانچ نمازوں کا ثواب پچاس ہے،کیوں،اس لیے کہ یہ حضور کی تقسیم سے ملی ہیں اب پڑھو اللہ المعطی وانا القاسم۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے ناموں میں رب تعالٰی کو بہت پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے [1](مسلم)	

[1] یہ نام اس لیے پیارے ہیں کہ ان میں اپنی عبدیت کو رب کی طرف نسبت کیا گیا ہے تو اس میں دونوں چیزوں کا اظہار ہے اپنی عبدیت،اللہ کی ربوبیت یعنی انبیاءکرام کے ناموں کے بعد یہ نام رب کو بہت پسند ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ کسی نبی کے نام پر نام رکھے،اس کے بعد یہ بہتر ہے کہ یہ نام رکھے۔یہاں عبداللہ اور عبدالرحمٰن بطور تمثیل فرمائے گئے اسماء الٰہیہ میں سے کسی کی طرف عبدیت کی طرف نسبت کرے بہتر ہے۔خیال رہے کہ ملائکہ کے نام پر نام رکھنا ممنوع ہے لہذا کسی چیز کا جبریل یا میکائیل نام نہ رکھو جیساکہ حدیث میں ہے۔(مرقات)چنانچہ بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث نقل کی کہ نبیوں کے نام پر نام رکھو فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے غلام کا نام نہ یسار رکھو [1] نہ رباح نہ نجیح اور نہ افلح [2] کیونکہ تم کہوگے کہ کیا یہاں وہ ہے ہوگا نہیں تو کہے گا نہیں [3](مسلم)اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اپنے غلام کا نام نہ رباح رکھو نہ یسار نہ افلح نہ نافع [4]	

۱؎ غلام سے مراد مطلقًا لڑکا ہے خواہ بیٹا ہو یا غلام یا کوئی اور،وہ جس کا نام رکھنا ہمارے قبضہ میں ہو۔نہی تنزیہہ کی ہے یعنی یہ نام بہتر نہیں۔

۲؎ یسار کے معنی ہیں فراخی،عسر کا مقابل،رباح کے معنی ہیں نفع خسارہ کا مقابل،نجیح کے معنی ہیں کامیاب ظفریاب،افلح کے معنی ہیں نجات والا یہ ممانعت صرف ان ناموں میں محدود نہیں بلکہ ان جیسے اور نام جن کی معنی میں خوبی و عمدگی ہو جیسے ظفر،برکت وغیرہ۔(اشعہ)یہ نام نہ رکھنا بہتر ہےاس کی وجہ خود بیان فرمارہے ہیں۔

۳؎ تو اس صورت میں تمہارے گھر سے نفع،فتح،نجات کی نفی ہوجاوے گی نام رکھے تھے نیک فالی کے لیے مگر جب ان کی نفی کی گئی تو بدفالی ہوگی۔

۴؎ اس روایت میں نافع نہ تھایہاں نافع بھی ہے۔خیال رہے کہ سب سے اعلیٰ و افضل نام محمد اور احمد ہے کہ رب کے محبوب کے نام ہیں پھر ابراہیم،اسماعیل وغیرہ کہ حضرات انبیاء کے نام ہیں،پھر عبداللہ عبدالرحمٰن عبدالستار وغیرہ کہ ان میں اپنی عبدیت اور اللہ کی ربوبیت کا اعلان ہے،بے معنی یا برے معنی والے نام ممنوع ہیں جیسے،بدھو،تلویا جیسے نسیم،ریاض،جاوید،اختر وغیرہ۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ یعلیٰ،برکت،افلح،یسار،نافع اور ان کی مثل نام رکھنے سے منع فرمادیں میں نے پھر آپ کو دیکھا کہ بعد میں اس سے خاموش رہے پھر وفات پاگئے ۱؎ اور اس سے منع نہ فرمایا۔(مسلم)	

۱؎ یعنی مجھے علامات سے معلوم ہوتا تھا کہ حضور انور ان ناموں سے ممانعت فرمادیں گے مگر کی نہیں یا تو حضرت جابر کو ممانعت کی خبر نہ ہوئی،پچھلی روایت میں ممانعت گزرچکی اور نفی کی روایت پر ثبوت کی روایت مقدم ہوتی ہے یا یہاں مراد حرمت کی نہی ہے یعنی یہ نام رکھنا حرام نہ فرمایااور پچھلی روایات میں تنزیہی کراہت کی نہی تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔یہاں مرقات میں ناموں کی بہت تفصیل ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب،ولید،رباح،حکم،کلب کلیب وغیرہ ناموں سے منع فرمایا وہ ہی کراہت تنزیہی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین نام کا وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھاجاوے ۱؎(بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ کا سخت غضب ناک قیامت کے دن اور خبیث ترین وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک رکھا جاوے خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ۲؎	

۱؎ اس لیے کہ ان ناموں میں فخر وتکبر کا اظہار ہے نہ ذلت کے نام رکھو نہ فخر وتکبر کے۔خیال رہے کہ ناموں کا اور حکم ہے القاب و خطابات کا دوسرا حکم۔کسی کو ملک العلماء کا خطاب دینا ممنوع نہیں نام رکھنا ممنوع ہے، ملک الاملاک کا ترجمہ ہے بادشاہوں کا بادشاہ یعنی شہنشاہ اورظاہر ہے کہ اس نام میں تکبر ہے۔اس عبارت میں رجل سے پہلے نام محذوف ہے اور یہ اخنی الاسماء کی خبر ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی حقیقی اور دائمی بادشاہ اللہ تعالٰی ہے بندوں کی بادشاہت و ملکیت عارضی ہے ایسے نام رکھنے والا گویا رب تعالٰی کا مقابلہ کرتا ہے۔خیال رہے کہ املاک جمع ہے ملک کی لام کے کسرہ سے اور ممالک جمع ہے ملک کی لام کے ضمہ سے ملوک جمع ہے ملک بمعنی بادشاہ کی مالک الملوک،مالک الاملاک اور مالک ممالک تمام نام ممنوع ہیں۔خیال رہے کہ یہ ناراضی جب ہے جب کہ وہ شخص اس نام سے راضی ہو اگر راضی نہیں تو وبال اس کے ماں باپ پر ہے جنہوں نے اس کا نام یہ رکھا اسے چاہیے کہ اپنا نام تبدیل کرے۔

روایت ہے حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میرا نام برہ رکھا گیا ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خود اپنی صفائیاں نہ دو تم میں سے بھلائی والے کو اللہ جانتا ہے ۳؎ اس کا نام زینب رکھو ۴؎(مسلم)	

۱؎ یہ زینب حضور انور کی سوتیلی بیٹی ہیں جو اپنی والدہ جناب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور اقدس کے گھر میں آئیں اور حضور انور کی پرورش میں رہیں اور زینب بنت خدیجۃ الکبریٰ حضور کی سگی بیٹی ہیں جو ابوالعاص کے نکاح میں رہیں۔

۲؎ یعنی میری والدہ ام سلمہ نے یا میرے والد ابو سلمہ نے میرا نام برہ رکھا،برہ کے معنی ہیں نہایت نیک صالح بچی۔

۳؎ اس فرمان عالی میں اشارہ اس آیات کریمہ کی طرف ہے"فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ"،"بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ"۔

۴؎ زینب کے بہت معنی ہیں زنب بمعنی موٹاپا تندرستی زینب موٹی و تندرست عورت یا زنب وہ درخت جو خوبصورت خوشبودار ہو یا یہ لفظ بنا ہے زین اور اب سے یعنی اچھے باپ کی بیٹی،یہ تیسرے معنی نہایت موزوں ہیں۔(مرقات)واقعی ان سے بڑھ کر اچھے باپ والی بیٹی کون ہوگی رضی اللہ عنہا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جویریہ کا نام برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جویریہ سے تبدیل کردیا ۱؎ اور یہ ناپسند کرتے تھے کہ کہا جاوے برہ کے پاس سے گئے ۲؎(مسلم)	

۱؎جویریہ تصغیر ہے جاریۃ کی جاریہ کے معنی ہیں لڑکی،جویریہ چھوٹی لڑکی،آپ جویریہ بنت الحارث ہیں،غزوہ مریسیع جسے غزوہ نبی مصطلق بھی کہتے ہیں جو ۵ھ میں ہوا اس میں قید ہوکر آئیں،ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئیں انہیں نے آپ کو مکاتبہ کردیا حضور انور نے آپ کا مال کتابت ادا کردیا اور آپ سے نکاح کرلیا،آپ کی وفات ربیع الاول ۵۶ھ چھپن میں ہوئی،۶۵ سال عمر پائی رضی اللہ عنہا۔(اکمال)

۲؎یعنی حضور انور نے برہ نام اس لیے بدل دیا کہ اگر آپ اپنی ان بیوی صاحبہ کے پاس سے تشریف لائیں تو نہ کہا جاوے کہ آپ برہ یعنی نیک کے یا نیکی کے پاس سے آئے کہ اس کا مطلب یہ بن جاتا ہے کہ نیکی سے نکل کر آئے تو **نعوذ باللہ** برائی میں آئے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر کی بیٹی کا نام عاصیہ تھا۱؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جمیلہ رکھا ۲؎(مسلم)	

۱؎عاصیہ عاصی بمعنی گنہگار کا مؤنث نہیں وہ تو عصیان سے بنتا ہے بلکہ عاص یا عیص کا مؤنث،عرب میں عیص گنجان درخت کو کہتے ہیں۔چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بھائی کا نام عیص ابن اسحاق تھاایک صحابی کا نام ابوالعاص ہے ان ناموں کا ماخذ یہ ہی عیص ہے۔(مرقات)

۲؎چونکہ عاصیہ کے ایک معنی گنہگار عورت بھی ہے اس لیے حضور انور نے یہ نام بدل دیا،اہل جاہلیت اس نام کے معنی کرتے تھے برائیوں سے انکار کرنے والی بی بی۔خیال رہے کہ برہ اور جمیلہ میں فرق یہ ہے کہ برہ بذات خود نیک اور جمیلہ اللہ تعالٰی کے فضل سے نیک بی بی جس سے نیک اعمال ہی سرزد ہوں۔جمیلہ بنا ہے جمال بمعنی حسن سے،عاصیہ کا مقابل مطیعہ ہے مگر جو جمیل ہو وہ مطیع بھی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ منذر ابن ابی اسید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا۱؎جب کہ وہ پیدا ہوئے تو اسے حضور نے اپنی ران پر رکھا فرمایا اس کا نام کیا ہے عرض کیا فلاں فرمایا نہیں لیکن اس کا نام منذر ہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎سہل ابن سعد ساعدی مشہور صحابی ہیں،مدینہ کے آخری صحابی آپ ہی ہیں کہ آپ کی وفات سے مدینہ صحابہ سے خالی ہوا،منذر تابعی ہیں،ثقہ ہیں ابو اسید کا نام مالک ابن اسعد ہے۔(اشعہ)

۲؎پتہ نہ چلا کہ ان کا پہلا نام کیا تھا۔حضور انور نے منذر نام رکھا منذر کے معنی عالم فقیہ بھی ہوسکتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ"تو اس نام میں اچھی فال بھی ہے کہ یہ بڑے ہوکر عالم فقیہ بنیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی نہ کہے کہ میرا عبد میری امۃ تم سب اللہ کے عبد ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں ۱؎لیکن کہے کہ میرا غلام اور میری لونڈی اور میرا فتا اور میری فتات۲؎اور غلام نہ کہے کہ میرا رب لیکن کہے میرا سید اور ایک روایت میں ہے کہ کہے میرا سید میرا مولا۳؎اور ایک روایت میں ہے کہ غلام اپنے آقا کو مولا نہ کہے کیونکہ تمہارا مولیٰ اللہ ہے ۴؎(مسلم)

۱؎عبد بمعنی عابد بھی ہے اور بمعنی خادم بھی بمعنی عابد ہو تو صرف رب تعالٰی کی طرف نسبت ہوگا جیسے عبداللہ یا عباداللہ بمعنی خادم بندوں کی طرف مضاف ہوجاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ"چونکہ اس میں عابد کے معنی کا بھی احتمال ہے لہذا عبدی کہنا مناسب نہیں،یوں ہی امه کے معنی ہیں مملوک،حقیقی مالک رب تعالٰی ہی ہے اور حقیقی مملوک ہم سب اس کے ہیں لہذا بہتر یہ ہی ہے کہ امة کو اپنی طرف نسبت نہ کرو۔

۲؎خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ لازمی حکم لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ"مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ"اہل عرب دن رات کہتے ہیں عبدی فقہاء ہمیشہ فرماتے ہیں عبدی حر لہذا نہ اہل عرب گنہگار ہیں نہ فقہاء۔

۳؎ رب بمعنی مربی،بندہ کو کہنا جائز ہے یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے نوکر سے کہا تھا"ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّکَ"قرآن کریم میں ہے "رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا"۔

۴؎یہاں بھی یہ ہی ہے کہ مولیٰ کہنا بالکل جائز ہے حضور انور نے خود فرمایا مولی القوم منھم مگر چونکہ مولیٰ کے چند معنی ہیں: ایک معنی وہ ہیں جو صرف رب تعالٰی کی صفت ہے اس لیے اگر یہ لفظ بندے کے لیے نہ بولے تو بہتر ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حدیثیں منسوخ ہوں ان کی ناسخ وہ احادیث و آیات ہوں جن میں بندوں کے لیے مولیٰ،عبد،سید وغیرہ کہا گیا ہے لہذا عبدالنبی،عبدالرسول وغیرہ نام جائز ہیں،صاحب درمختار کے شیخ کا نام عبدالنبی تھا دیکھو درمختار کا مقدمہ،اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

	روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کرم نہ کہو کیونکہ کرم مؤمن کا دل ہے ۱؎ (مسلم)

۱؎اہلِ عرب انگور کو اس لیے کرم کہتے تھے کہ اس سے شراب بنتی ہے شراب پی کر انسان نشہ میں بہت سخی بن جاتا ہے کہ اپنا مال جائز ناجائز جگہ خوب اڑاتا ہے،وہ سمجھتے تھے کہ انگور شراب کی اصل ہے اور شراب کرم و

سخاوت کی اصل لہذا انگور گویا سراپا کرم و سخاوت ہے جب شراب حرام کی گئی تو انگور کو کرم کہنے سے بھی منع کردیا گیا اور فرمایا گیا کہ کرم تو مؤمن کا قلب یا خود مؤمن تم ایسا اچھا نام ایسی خبیث چیز کو کیوں دیتے ہو۔عربی میں اچھی زمین،انگور،حج،جہاد سب کو کرم کہتے ہیں،یہ حدیث اس کی طرف اشارہ کررہی ہے،رب فرماتاہے:"اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ"۔(مرقات)بہرحال یہ ممانعت یا محض تنزیہی ہے یا منسوخ ہے اس حدیث کی اور بہت توجیہیں ہیں جو اشعہ نے بیان کیں۔

	اور مسلم کی ایک روایت میں وائل ابن حجر سے ہے فرمایا نہ کہو کرم لیکن کہو عنب اور حبلہ ۱؎

۱؎ یہاں عنب سے مراد درخت انگور ہے نہ کہ انگور کا پھل،حبلہ درخت انگور کی جڑ کو کہتے ہیں اورعنب انگور کے پھل کو بھی کہتے ہیں اور درخت انگور کو بھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انگور کا نام کرم نہ رکھو اور نہ کہو ہائے محرومی زمانہ کی ۱؎ کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے ۲؎(بخاری)

۱؎ اہل عرب ہر مصیبت کو زمانہ کی طرف سے سمجھتے تھے اس لیے مصیبت پڑنے پر زمانہ کی شکایات کرتے بلکہ زمانہ کو گالیاں دیتے تھے انکے محاورہ کے الفاظ میں اسے یہ لفظ بھی یاخیبۃ الدھر ہائے زمانہ کی محرومی اور زمانہ کا نقصان و خسارہ ہم کو اس سے منع فرمایا گیا۔

۲؎ اس جملہ کی شرح کتاب الایمان میں گزرگئی اس جملہ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالٰی ہی زمانہ کو پھیرنے والا ہے۔زمانہ کو برا کہنا درپردہ رب تعالٰی کی شان میں گستاخی کرنا ہے،ہمارے ہاں بھی یہ بیماری ہے عوام کاذکر کیا بعض پڑھے لکھے لوگ زمانہ کو برا کہتے ہیں۔چنانچہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے اپنے بزرگ رشید احمد صاحب گنگوہی کا مرثیہ لکھاتو اس میں زمانہ کو بڑی جلی کٹی سنائیں وہ مرثیہ گنگوہی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہیں اپنے بزرگوں کو نبیوں سے بڑھادیتے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ تم میں سے کوئی زمانہ کو گالی نہ دے کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے ۱؎(مسلم)

۱؎ اسلام میں زمانہ کو مؤثر نہیں مانا گیا مؤثر اور متصرف اللہ تعالٰی ہے،بعض لوگ سردی گرمی کو رات و دن کو گالیاں دے دیتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے کہ میرا

	نفس خبیث ہوگیا لیکن کہے کہ میرا نفس پریشان ہوگیا ۱؎(مسلم،بخاری)اور ابوہریرہ کی حدیث کہ مجھے ابن آدم نے ستایا باب الایمان میں ذکر کی گئی ۲؎

۱؎ عربی میں خبث اور نفس ہم معنی ہیں بمعنی پریشان برائی مگر خبث فساد عقیدہ پر بھی بولا جاتا ہے کفر بیدینی خباثت ہے لہذا اپنے لیے یہ لفظ مشترک استعمال نہ کرو کہ اس میں ایک معنی سے اپنے کفر یا بے دینی کا اقرار ہے بلکہ بجائے خبیث کی لقست کہو گویا جس کے لفظ کے دو معنی ہوں اچھے وبرے ایسے لفظ کو اپنے لیے نہ بولو۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ جو صبح کو پڑا سوتا رہتا ہےوہ خبیث النفس کسلان اٹھتا ہے وہاں اپنے کو یا کسی خاص شخص کو خبیث نہیں کہا گیابلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان ہوا،کسی معین مسلمان پرلعنت کرنا حرام ہے مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹے پر لعنت۔

۲؎یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے کتاب الایمان میں بیان کردی ہے وہاں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے شریح ابن ہانی سے ۱؎وہ اپنے والد سے راوی کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۲؎تو حضور نے لوگوں کو سنا کہ وہ انہیں ابوالحکم کنیت کرتے ہیں ۳؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا پھر فرمایا کہ اللہ ہی حکم ہے اور اسکی طرف فیصلے ہیں تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے ۴؎انہوں نے عرض کیا کہ میری قوم جب کسی بات میں جھگڑتی ہے تو میرے پاس آجاتی ہے میں ان کے درمیان فیصلہ کردیتا ہوں تو دونوں فریق میرے فیصلہ سے راضی ہوجاتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا ہی اچھا ہے ۵؎تو کیا تمہارے کوئی لڑکا ہے بولے میرے شریح اور مسلم اور عبد اللہ ہیں فرمایا ان میں بڑا کون ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ شریح فرمایا تو تم ابو شریح ہو ۶؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ شریح ابن ہانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں پیدا ہوئے حتی کہ حضور انور نے ہانی کی کنیت انہی کی وجہ سے ابو شریح رکھی مگر حضور اقدس کی زیارت نہ کرسکے اس لیے آپ تابعی ہیں،بڑے عابد زاہد تھے،حضرت علی مرتضٰی کے خاص خدام سے تھے،آپ کے والد ہانی ابن یزید صحابی ہیں جیساکہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

۲؎ جو لوگ اپنی ساری قوم کے نمائندے بن کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتے سب کی طرف سے اسلام قبول کرتے تھے انہیں وفد کہتے تھے حضور انور ان کی بڑی خاطر فرماتے تھے۔

۳؎ خیال رہے کہ کنیت میں ابو آتا ہے اس کے معنی ہر جگہ والد نہیں ہوتے ہیں بلکہ اکثر جگہ اس کے معنی ہوتے ہیں والا جیسے ابوجہل جہالت والا،ابوہریرہ بلیوں والے ایسے ہی ابوالحکم فیصلہ کرنے والا،ابوبکر کے معنی ہیں اولیت والے۔

۴؎ یعنی کنیت اچھی نہیں کہ اس کے ایک معنی بہت ہی برے ہیں دو معنی والا نام نہ رکھو جس کے ایک معنی معیوب ہوں۔مودودی صاحب کا نام ہے ابوالاعلیٰ حالانکہ اعلیٰ رب تعالٰی کا نام اور اس کی صفت ہے اس حدیث کی رو سے یہ نام ناجائز ہے۔

۵؎ یعنی تمہارا یہ کام تو بہت ہی اچھا قوم کے جھگڑے چکا دینا ان کی عداوتیں ختم کردینا بہت ہی اچھا کام ہے مگر اس کے باوجود اپنی کنیت ابوالحکم رکھنا اچھا نہیں کہ حکم اللہ تعالٰی کے ناموں میں سے ایک نام ہے چنانچہ اگلا سوال حضور نے فرمایا اور ہوسکتا ہے کہ ما نافیہ ہو اور معنی یہ ہوں کہ یہ کنیت اچھی نہیں کہ حکم رب تعالٰی کا نام ہے اور وہ باپ بیٹا ہونے سے پاک ہے اگرچہ تمہاری نیت بری نہیں مگر اس لفظ میں برے معنی کا احتمال تو ہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ کنیت بڑے بیٹے کے نام سے کی جاوے اگر بڑا بیٹا نہ ہو تو بڑی بیٹی کے نام سے یہ حکم انکا ہے۔(مرقات)جیسے ابو سلمہ اور ام سلمہ،حضرت ابو شریح حضور کے کرم سے جلیل القدر صحابی اور صحابہ کے زمانہ میں ہی مفتی ہوئے،حضرت علی نے انہیں قاضی القضاۃ بنایا حتی کہ آپ نے حضرت علی کے حق میں امام حسن کی گواہی قبول نہ کی حالانکہ حضرت علی بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست مانتے تھے،یہ واقعہ ایک ذرہ کے مقدمہ میں پیش آیا جب حضرت علی مدعی اور یہودی مدعی علیہ تھا۔(مرقات)

روایت ہے مسروق سے ۱؎ فرماتے ہیں میں حضرت عمر سے ملا تو فرمایا تم کون ہو میں بولا مسروق ابن اجدع جناب عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اجدع شیطان ہے ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کوفی ہمدانی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اسلام لائے،اکابر صحابہ سے ملاقات کی،ایک بار چرائے گئے تھے پھر والدین کی تلاش پر ملے اس لیے آپ کا نام مسروق ہوا یعنی چورائے ہوئے یا اغواء کیے ہوئے ایک بار آپ بہت غریب ہوگئے تو خالد ابن عبداللہ حاکم بصرہ نے آپ کو تیس ہزار درہم دینے کی کوشش کی مگر آپ نے رد فرمادیئے توکل کا یہ عالم تھا۔(مرقات)

۲؎یعنی شیطان کی ایک قسم کا نام اجدع ہے یعنی ہر چیز سے کٹا ہوا اب ناک کان کٹے کو اجدع کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تمہارے والد زندہ ہیں تو ان سے کہہ کر نام بدلو اور تاکہ تم کو ابن الاجدع نہ کہا جاوے اور اپنی اولاد میں کسی کا نام اجدع نہ رکھو تاکہ تم کو ابوالاجدع نہ کہا جاوے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے بلائے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھو۱؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎بعض روایات میں ہے کہ انسانوں کو ان کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔غالبًا اس میں حکمت یہ ہوگی کہ حرامی لوگ رسوا نہ ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اظہار شرافت کے لیے یا حضرت حسن و حسین کی عظمت کے اظہار کے لیے کہ حضرت فاطمہ زہرا کی طرف نسبت سے ان کو حضور اقدس سے نسبت کا شرف حاصل ہوجاوے۔(اشعہ)مگر ان روایات میں تعارض نہیں قیامت کے اول وقت ماؤں کے نام سے پکارا جاوے گا بعد میں باپوں کے نام سے یا سب کے سامنے ماں کے نام سے پکاراجاوے گا تنہائی میں باپ کی نسبت سے یا۔یہاں اباء سے مراد امہات ہے بہت دفعہ ماں باپ کو ایک دوسرے کے نام سے یاد کردیتے ہیں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی حضور کا نام اور آپ کی کنیت جمع کرے اور محمد ابوالقاسم نام رکھے۱؎ (ترمذی)

۱؎یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے جس میں حضور انور نے اپنی کنیت رکھنے سے منع فرمایا اس حدیث نے شرح کردی کہ حضور انور کا نام اور کنیت دونوں جمع کرنا منع ہے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں بعد وفات یہ اجتماع بھی جائز ہے۔چنانچہ حضرت علی نے اپنے ایک بیٹے کا نام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی جنہیں محمد ابن حَنفیہ کہا جاتا ہے ان کی ماں کا نام خولہ بنت جعفر تھا،قبیلہ بنی حَنفیہ سے تھی،جنگ یمامہ میں گرفتار ہو کر آئیں،حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی کو ہبہ کردیں آپ نے ان سے نکاح کرلیا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میرا نام رکھو تو میری کنیت نہ رکھو۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو میرا نام رکھے تو میری کنیت نہ رکھے ۲؎جو میری کنیت رکھے وہ میرا نام نہ رکھے۔

۱؎اس حدیث کی شرح وہ ہی ہے جو ابھی کی گئی کہ حضور انور کے زمانہ حیات شریف میں آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرنا ممنوع تھا اس میں اسی کا ذکر ہے۔

۲؎اسطرح کہ اپنا نام محمد ابوالقاسم نہ کرے کہ محمد نام ہو اور ابوالقاسم کنیت ابھی عرض کیا گیا کہ یہ ممانعت زمانہ حیات شریف میں تھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے ایک لڑکا جنا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے ا؎تو مجھ سے ذکر کیا گیا کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں تو فرمایا وہ کیا ہے جس نے میرا نام حلال کیا اور میری کنیت حرام کی یا کس نے میری کنیت حرام کی اور میرا نام حلال کیا ۲؎(ابوداؤد) محی السنہ نے کہا کہ یہ غریب ہے۔	

ا؎معلوم ہواکہ لڑکپن میں بچہ کی کنیت ابو سے جائز ہے یہاں ابو کے معنی ہوتے ہیں والا نہ کہ والد یعنی باپ۔

۲؎یہ حدیث صحیح نہیں اگر صحیح ہو بھی تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا نام اور میری کنیت جمع فرمانا حرام نہیں۔ہم نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ کراہت تنزیہی کے لیے ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں اس اجتماع کی ممانعت ہے۔(اشعہ،مرقات)یا یہ مطلب ہے کہ اس اجتماع کی ممانعت دائمی نہیں ہماری حیات شریف میں ہے۔

روایت ہے محمد ابن حنفیہ سے ا؎وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے تو اگر آپ کے بعد میرے بیٹا پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ دوں فرمایا ہاں ۲؎(ابوداؤد)	

ا؎آپ محمد ابن علی ابن ابی طالب ہیں،کنیت ابوالقاسم ہے،آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر حنفیہ ہیں یعنی بنی حنفیہ قبیلہ کی ہیں،خلافت صدیقی میں گرفتار ہوکر جنگ یمامہ سے آئیں،۸۱ھ اکیاسی ہجری میں آپ کی وفات ہوئی،چھپن سال عمر پائی،مدینہ منورہ میں دفن ہوئے،خود تابعی ہیں اور آپ کے بیٹے ابراہیم تبع تابعی انہی نے آپ سے کچھ احادیث روایت کیں۔

۲؎یعنی حضرت علی مرتضٰی نے حضور انور سے پوچھا کہ اگر آپ کی وفات کے بعد فاطمہ زہرا یا کسی اور بیوی سے میرا لڑکا پیدا ہو تو کیا اس کا نام محمد،کنیت ابو القاسم رکھ دوں فرمایا رکھ دو۔اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور کی وفات کے بعد دونوں کا اجتماع جائز ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت علی کی خصوصیت ہے مگر یہ درست نہیں اگر خصوصیت ہوتی تو حضور کی حیات شریف میں بھی آپ اس پر عمل فرما لیتے حضرت حسن و حسین میں دونوں کا اجتماع فرمادیتے امام حسن کی کنیت ابو محمد ہے اور حضرت حسین کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	

	وسلم نے میری کنیت اس سبزی سے رکھی جسے میں چنا کرتا تھا ۱(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث وہ ہے جسے صرف اسی وجہ سے ہم پہچانتے ہیں اور مصابیح میں ہے صحیح کہا ۲

۱اس گھاس کا نام حمزہ تھا جیسے فارسی میں ترہ تیزک کہتے ہیں اردو میں ترہ تیزی،اس کے پتے میتھی کے ساگ کی طرح ہوتے ہیں مزہ ترش کچھ تیزی کے ساتھ میتھی کے ساگ میں اکثر یہ بھی آجاتی ہے،بچے اسے بڑے شوق سے کھاتے ہیں یعنی میں یہ گھاس(حمزہ)چن کر لاتا خود کھاتا اوروں کو کھلاتا تھا اس لیے حضور نے میری کنیت ابو حمزہ رکھی یعنی حمزہ والے۔

۲یہ حدیث ایک اسناد میں غریب ہے دوسری اسناد میں صحیح،ایک ہی حدیث صحیح بھی ہوسکتی ہے اور ضعیف بھی،حسن بھی،غریب بھی مختلف اسنادوں سے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو بدل دیا کرتے تھے ۱ (ترمذی)

۱یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے جانوروں کے بلکہ شہروں بستیوں کے برے نام بدل کر اچھے نام رکھ دیتے تھے۔چنانچہ ایک شخص کا نام تھا اسود حضور انور نے اس کا نام ابیض رکھا،مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا حضور انور نے اس کا نام مدینہ طیبہ،ابطح،بطحا وغیرہ رکھے،کفار کے لیے برعکس عمل تھاچنانچہ ابوالحکم کا نام حضور نے ابوجہل رکھا۔

	روایت ہے بشیر ابن میمون سے وہ اپنے چچا اسامہ ابن اخدری سے ۱راوی کہ ایک شخص کو اصرم کہا جاتا تھا ۲ وہ اس جماعت میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا نام کیا ہے وہ بولے اصرم فرمایا بلکہ تم زرعہ ہو۳(ابوداؤد)اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص عزیز عتلہ شیطان حکم عراب حباب شہاب نام تبدیل فرمائے۴اور کہا کہ میں نے ان کی اسنادیں مختصر کرنے کے لیے چھوڑ دیں ۵

۱بشیر ابن میمون تابعی ہیں،ثقہ ہیں،ان کے چچا اسامہ صحابی ہیں،ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے،تمیمی ہیں،بصری ہیں۔(اشعہ،مرقات)

۲اصرم بنا ہے صرم سے بمعنی ٹوٹ جانا،کٹ جانا،اصرم کے معنی ہوئے ٹوٹا ہوا،کٹا ہوا۔

۳کیونکہ زرعہ بنا ہے زرع سے بمعنی کھیتی،ظاہر ہے کہ کھیتی سے دانہ بڑھتا ہے اس لیے کھیتی مبارک ہے اور یہ نام مبارک ہے،اصرم کے معنی فاسد ہیں۔اس لیے اپنا نام بدل دو۔

۴؎ کیونکہ عاص مخفف ہے عاصی کا جس کے معنی ہیں گنہگار،اطاعت الٰہی سے علیحدہ یہ مؤمن کی شان نہیں مؤمن اطاعت شعار ہوتا ہے۔عتلہ بنا ہے عتل سے بمعنی سختی شدت،رب تعالٰی فرماتاہے:"عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ"اب ایک مضبوط اوزار کو عتلہ کہتے ہیں جس سے دیوار وغیرہ کھودی جاوے مسلمان سخت نہیں ہوتا،نیز عزیز اسماء الٰہیہ میں سے ہے،عزت سے بنا ہے مسلمان میں فروتنی عجز و نیاز چاہیے۔شیطان لقب ہے ابلیس کا بنا ہے شیط سے بمعنی جلنا ہلاک ہونا یا شطن سے بمعنی بھلائی سے دوری،حکم صفت مشبہ حکومت یا حکم کا بمعنی دائمی حکومت والا یہ رب تعالٰی کی صفت ہے۔غراب بنا ہے غرب سے بمعنی دوری یہ نام ہے کوے کا کہ وہ بہت دور نکل جاتا ہے،حباب شیطان کا نام بھی ہے اور ایک قسم کے سانپ کو بھی کہتے ہیں لہذا یہ نام بھی منحوس ہے اور شہاب آگ کے شعلہ کو بھی کہتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے تارے کو بھی جس سے شیاطین کو بھی مارا جاتا ہے مگر یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر شہاب کو دین کی طرف مضاف کردیا جاوے اور نام ہو شہاب الدین تو کراہت قطعًا نہیں بلاکراہت جائز ہے کہ اب یہ فاسد معنی نکل گئے چمکدار لہذا کراہت نہ رہی۔

۵؎ یعنی ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان تمام ناموں کی تبدیلی کی احادیث مع اسنادوں کے میرے پاس موجود ہیں مگر چونکہ وہ حدیثیں احکام شرعیہ سے متعلق نہیں ہیں اس لیے میں نے اصل حدیث تو بیان کردی اسنادیں چھوڑ دیں کیونکہ ان پر جرح قدح کی ضرورت نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے کہ انہوں نے ابو عبداللہ سے کہا یا ابوعبداللہ نے ابو مسعود سے کہا۱؎ کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زعموا کے متعلق کیا فرماتے سنا ۲؎ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ انسان کی بری سواری ہے ۳؎(ابوداؤد)اور فرمایا کہ ابو عبداللہ حذیفہ ہیں۔

۱؎ یہ شک اس حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی کو ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی نہ کسی سے پوچھا ابو مسعود انصاری کے حالات تو بارہا بیان ہوچکے ہیں اور ابو عبداللہ کنیت ہے حضرت حذیفہ ابن یمان کی محدثین جب ابو عبداللہ بولتے ہیں تو آپ مراد ہوتے ہیں۔(مرقات و اشعہ)

۲؎ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر بات کے متعلق کہتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے ہیں بات بات میں یہ لفظ بولنے کے عادی ہوتے ہیں فرمایئے تو خصلت اچھی ہے یا بری اگر بری ہے تو کس درجہ کی اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ فرماتے سنا ہے یا نہیں۔

۳؎ مطیہ وہ اونٹنی جس پر سوار ہو کر کسی منزل پر پہنچا جاوے،اس لفظ زعموا کو حضور انور نے سواری قرار دیا اور سواری بھی بری جو منزل مقصود پر نہ پہنچائے اس لیے کہ اس لفظ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ خبر دینے والا خود تو اس پر یقین رکھتا نہیں اور خبر دینے والے کا پتہ بھی صحیح نہیں بتاتا کہ فلاں نے کہا بلکہ یوں بولتا ہے کہ لوگ کہتے

ہیں۔مقصد یہ ہے کہ اگر یہ خبر جھوٹی ہو تو میں اس کا ذمہ دار نہیں نہ مجھے اس کے ذمہ دار کی خبر ہے،غیر ذمہ داری کی باتیں کرنا برا ہے جو بات کہو ذمہ داری سے کہو احتیاط سے بولو زبان پر قفل لگاؤ منہ کو لگام دو اس ایک کلمہ میں بہت نصیحتیں ہیں۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا لیکن کہو کہ اللہ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا ۱؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جب کسی وعدہ یا آئندہ خبر کو تم اللہ تعالٰی کی مشیت پر موقوف کرو اور ساتھ ہی کسی اور کے ارادہ کا بھی ذکر کرو تو رب ومربوب خالق و مخلوق کے نام واؤ سے نہ ملا کہ اس میں مساوات یا بے ادبی کا احتمال ہے بلکہ ثم کہو تاکہ ثم کی تراخی سے ربوبیت و عبدیت کا فرق معلوم ہوجاوے رب کا ذکر پہلے بندے کا بعد میں اور بیچ میں ثم ہو کہ اللہ تعالٰی کی مشیت وارادہ دائمی قدیم ہے اور ذاتی ہے بندہ کی مشیت حادث ہے اور رب کی مشیت کے تابع،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللہُ رَبُّ الْعٰلَمِیۡنَ"غرضیکہ یہ فرمان بہت اعلیٰ ہے۔

اور ایک منقطع روایت میں ہے فرمایا نہ کہو کہ چاہا اللہ نے اور چاہا محمد نے(صلی اللہ علیہ وسلم)اور کہو کہ صرف ماشاءاللہ ۱؎(شرح السنہ)	

۱؎ یہ فرمان عالی انتہائی انکساروتواضع سے ہے کہ ہماری مشیت کا ذکر اللہ کی مشیت کے ساتھ ثم سے بھی نہ کروصرف ماشاءاللہ کہو۔خیال رہے کہ قرآن کریم میں بہت جگہ حضور کا نام شریف رب کے نام سے ملایا گیا ہے دیکھو"اَنْ اَغْنٰہُمُ اللہُ وَرَسُوۡلُہٗ مِنۡ فَضْلِہٖ،وَاللہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرْضُوۡہُ"لہذا یہ حدیث یا ضعیف ہے یا ان آیات سے منسوخ ہےاستحباب کے بیان کے لیے ہے یا اظہار تواضع و انکسار کے لیے ہے بہرحال اس ملانے میں شرعًا گناہ نہیں۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا منافق کو سردار نہ کہو ۱؎ کہ اگر وہ سید ہوا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کردیا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس حکم میں کافر،فاسق،منافق سب ہی داخل ہیں بلا ضرورت خوشامد کے لیے ان لوگوں کو ایسے الفاظ کہنے سخت جرم ہیں،رب تعالٰی نے عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کا سید نہ کہا بلکہ زلیخا کا سید یعنی خاوند کہا"اَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ"۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ بے دین کو نہ تو صرف سید کہو نہ سید القوم کہو بے دین تو ذلیل ہے سید عزت والا ہوتا ہے،یوں ہی اسے سردار،سرور،حضور وغیرہ کہنا حرام ہے کہ تعظیمی الفاظ کفار کے لیے استعمال کرنا رب تعالٰی کی ناراضی کا باعث ہیں ضرورت دین یا ضرورت دنیاوی کی وجہ سے یہ کہنا معاف ہے یوں ہی بیدینوں کو مولانا تعظیمًا کہنا جائز نہیں کہ مولٰی تو سید سے بھی زیادہ تعظیم کا لفظ ہے اللہ تعالٰی کے لیے مولانا فرمایا گیا سیدنا نہیں کہا گیا انت مولانا،ہاں اگر مولٰی بمعنی غلام مراد لے کر اسے مولانا کہا جاوے تو جائز،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِخْوٰنُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوٰلِیْکُمْ" بہرحال توریہ جائز ہے تعظیم ناجائز،اس کی پوری تحقیق یہاں ہی مرقات میں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے عبدالحمید ابن جبیر ابن شیبہ سے فرماتے ہیں کہ میں سعید ابن جبیر کے پاس بیٹھا تھا۱؎ تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ ان کے دادا حزن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا تمہارا نام کیا ہے عرض کیا میرا نام حزن ہے فرمایا بلکہ تم سہل ہو ۲؎ عرض کیا میں وہ نام نہ بدلوں گا جو میرے باپ نے رکھا ہے۳؎ ابن مسیب نے کہا کہ پھر ہم میں ہمیشہ رنج و غم رہا ۴؎(بخاری)

۱؎ عبدالحمید بھی تابعی ہیں اور سعید ابن مسیب بھی،ابن مسیب بڑے مشہور عالم فقیہ تابعی ہیں،حضرت عمر کی خلافت میں آپ پیدا ہوئے،بہت صحابہ سے ملاقات کی مکحول کہتے ہیں کہ میں نے روئے زمین میں سعید ابن مسیب سے بڑا عالم نہ دیکھا،چالیس حج کیے،۹۳ھ میں وفات پائی۔

۲؎ حزن ح کے فتحہ سے سخت زمین اور سخت دل انسان،حزن ح کے پیش سے رنج و غم،سہل سین کے فتحہ ہ کے سکون سے نرم زمین اورنرم دل انسان،آسانی و نرمی کو بھی سہل کہتے ہیں،چونکہ حزن کے معنی اچھے نہیں اس لیے آپ نے تبدیلی نام کا مشورہ دیا۔

۳؎ ان کا مقصد یہ تھا کہ سہل یعنی نرم زمین ہمیشہ پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے اس پر غلاظت ڈالی جاتی ہے اس لیے ایسا نام رکھنا میری ذلت ہے،نیز اپنے باپ کی یادگار کا مٹانا ہے اس لیے میں وہ نام رکھوں گا اسے بدلوں گا نہیں۔خیال رہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ تھا امر نہ تھااس لیے حضور نے کچھ ارشاد نہ فرمایاحضور کا مشورہ قبول مستحب ہے واجب نہیں لہذا اس عرض پراعتراض نہیں۔خیال رہے کہ حزن ابن وہب ابن عمرو ابن عایذ مخزومی قرشی ہیں،اشراف قریش سے ہیں، بعد اسلام مہاجر ہوئے،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،شاید یہ واقعہ ان

کی ہجرت کی ابتداء میں تھا جب کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے واقف نہ تھے نہ آپ کے مشوروں کی قدرومنزلت جانتے تھے۔(اشعہ)

۴؎ یعنی حضرت حزن نے جو حضور انور کا مشورہ قبول نہ کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارے خاندان بلکہ ہماری پشتوں میں رنج و غم رہا۔حزن کے بیٹے مسیب ہیں اور مسیب کے بیٹے سعید ابن مسیب ہیں،سعید کہتے ہیں کہ دادا کا اثر ہم پوتوں تک باقی رہا۔اس سے معلوم ہوا کہ برے ناموں کا برا اثر ہوتا ہے اور کبھی ایک شخص کی غلطی سے پورے خاندان پر برا اثر ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو وہب جشمی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نبیوں کے نام پر نام رکھو ۱؎ اور اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں ۲؎ اور بہت سچے نام حارث،ہمام ہیں ۳؎ اور بہت برے نام حرب اور مرہ ہیں ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ حضرات انبیاءکرام کے نام پر نام رکھو فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو کسی کا نام جبریل یا عزرائیل نہ رکھو یوں ہی جاہلیت کے نام ممنوع ہیں جیسے کلب،حمار،عبدالشمس وغیرہ کہ یہ نام ممنوع ہیں ان کا اثر بھی برا ہوتا ہے۔(مرقات)

۲؎ یوں ہی عبدالکریم عبدالرحیم وغیرہ۔خیال رہے کہ ان ناموں کی محبوبیت انبیاءکرام کے ناموں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ بے معنی ناموں کے مقابل ہے۔

۳؎ کیونکہ حارث کے معنی ہیں کماؤ،حرث کہتے ہیں کمائی کو۔**ھمام** کے معنی ہیں قصد وارادہ کرنے والا،**ھم** کہتے ہیں ارادہ کو۔کوئی شخص کمائی یا ارادہ سے خالی نہیں ہوتا لہذا یہ نام بہت سچے ہیں نام مطابق کام کے ہیں۔

۴؎ کیونکہ حرب کے معنی ہیں جنگ و خونریزی،مرہ کے معنی ہیں جھگڑالو یا کڑوی طبیعت کا آدمی،مرہ شیطان کا نام بھی ہے۔

باب البیان و الشعر

وعظ و شعر کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱بیان سے مراد ہے فصیح وبلیغ کلام جو دل کی بات ظاہر کرے،یہ بناہے بین سے بمعنی جدائی و فاصلہ یا بمعنی ظہور،شعر کے معنی ہیں دانائی و عقل مندی اس سے ہے شعور۔اصطلاح میں قافیہ وزن والے کلام کو شعر کہتے ہیں کہ یہ شاعر کی دانائی بتاتا ہے،نیز جھوٹے اور دلچسپ کلام کو بھی شعر کہا جاتاہے جیسے ناول رب فرماتاہے:"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ"وہاں یہ ہی ناول گوئی مرادہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں دو شخص مشرق سے آئے۱انہوں نے وعظ کیا ا ن کی تقریر پر لوگوں نے تعجب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض بیان جادو ہیں ۲(بخاری)	

۱ان دونوں کا نام زبرقان ابن بدر اور عمرو ابن اہشم تھا،یہ دونوں مدینہ منورہ کے مشرقی علاقہ سے آئے تھے،زبرقان نے اپنے فضائل میں بہت فصیح و بلیغ بیان دیا،پھر عمرو ابن اہشم نے زبرقان کی برائی و ہجو میں بہت فصیح کلام کیا جیساکہ زمانہ جاہلیت کے فصحاء اور خطباء کا طریقہ تھا۔

۲یعنی بعض کلام لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کرنے میں،لوگوں کو حیران کردینے میں جادو کا سا اثر رکھتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ بعض کلام جادو کی طرح حرام و باطل ہیں گناہ ہیں کہ ان میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بناکر دکھایا جاتا ہے غرضیکہ یہ فرمان یا بیان کی تعریف کے لیے ہے یا اس کی برائی کے لیے۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض شعر حکمت ہیں ۱(بخاری)	

۱یہاں غالبًا **شعر** سے مراد کلام منظوم ہے یعنی ہر شعر برا نہیں بعض شعر میں علم و حکمت حمد و نعت و منقبت بھی ہوتی ہے اب تو بعض علوم اشعار میں بھر دیئے گئے ہیں،صرف و نحو،فقہ،حدیث کی اصطلاحیں اشعار میں لکھ دی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہلاک ہوگئے گہری باتیں کرنے والے یہ تین بار کہا ا(مسلم)	

اتنطع بنا ہے نطع سے بمعنی حلق یا منہ کا غار،اس کے لفظی معنی ہیں حلق سے نیچے سے بات نکالنے والے اور مراد ہے نہایت فصیح و بلیغ اور مبالغہ آمیز مگر بے فائدہ بلکہ نقصان دہ کلام کرنے والے جیساکہ خوشامدی(جھولی چک)لوگ امیروں کی تعریف میں عموماً کرتے ہیں۔کلام وہ ہے کہ سادہ ہو تھوڑا ہو مگر دل کی گہرائیوں سے نکلے اس کا دوسرے پر اثر ہوتا ہے قرآن و حدیث کی فصاحت بناوٹی نہیں نہ بیکار ہے بلکہ اس سے بے شمار فائدے ہیں کلام کی شیرینی اللہ کی رحمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی سچی بات جو شاعر کہے وہ لبید کی بات ہے اکہ یقینًا اللہ کے سواء ہر چیز فانی ہے ۲(مسلم،بخاری)	

ایہاں کلمہ سے مراد شعر ہے،لبید ابن ربیعہ عامری عرب کے مشہور شاعر ہیں،یہ اپنی قوم بنی جعفر ابن کلاب کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے،حضور کے بعد کوفہ میں رہے ۴۱ھ اکتالیس ہجری میں وفات پائی ایک سو چالیس یا ایک سو پچھتر سال عمر ہوئی،کوفہ میں ہی مزار ہے،اسلام لاکر کوئی شعر نہ کہا،فرماتے تھے کہ اب مجھے قرآن کریم کی فصاحت کافی ہے یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے اشعار بارگاہ رسالت میں شرف قبول پا گئے تو خود بھی مقبول ہوگئے رضی اللہ عنہ۔(مرقات)

۲یہاں باطل بمعنی فانی ہے اور آیتِ کریمہ "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" میں باطل بمعنی بیکار ہے یہ کلام قرآن کریم کے خلاف نہیں لبید کے اشعار یہ ہیں۔

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل   وکل نعیم لا محالة زائل

نعیمك فی الدنیا غرور وحسرة   وعیشك فی الدنیا محل و باطل

سوی الجنة الفردوس ان نعیمها   یبقی وان الموت لا بد نازل

چونکہ لبید نے یہ کلام زمانہ جاہلیت میں کہا تھا پھر قرآن کریم کی آیت کے مطابق ہوا "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" یا فرمان "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" اس وجہ سے بارگاہِ نبوت میں بہت قبول ہوا۔

روایت ہے عمرو ابن شرید سے وہ اپنے والد سے راوی ا فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن ردیف بنا ۲تو فرمایا کیا تمہیں امیہ ابن ابی الصلت کے کچھ شعر یاد ہیں۳میں نے عرض کیا ہاں فرمایا لاؤ میں	

	نے ایک شعر پڑھا فرمایا اورلاؤ ۴؎ حتی کہ میں نے آپ کو سو شعر سنائے ۵؎(مسلم)٦؎

۱؎ عمرو ابن شرید کی کنیت ابو الولید ہے،تابعی ہیں،ثقفی ہیں،طائف کے رہنے والے انکے والد شرید صحابی ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ ایک گھوڑے اونٹ پر آگے حضور انور سوار تھے حضور کے پیچھے میں تھا،حضور کی پشت انور سے میرا سینہ مس کرتا تھا بطور شکریہ اس نعمت کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ اپنا قرب بیان کریں اور یہ بات میں نے حضور سے بہت قریب سے سنی ہے مجھے اس میں تردد شک نہیں۔

۳؎ امیہ ابن الصلت قبیلہ بنی ثقیف کا ایک شاعر تھا جس نے اسلام کا شروع زمانہ اور حضور کی ابتدائی تبلیغ پائی مگر نہ ایمان لایا نہ حضور انورکی خدمت میں حاضر ہوا،اپنے دین تارک الدنیا اور توحیدی تھا،اس کے اشعار توحید والے حضور انور نے سنے فرمایا کہ یہ ایمان کے قریب تھا۔بعض روایات میں ہے کہ اس کے دل میں کفر تھا مگر زبان پر ایمان تھا۔(مرقات)

۴؎ **ہیہ** اصل میں **ایہ** تھا الف ھ سے بدل دیا گیا اس کے معنی ہیں لاؤ یا اور لاؤ،پہلا **ھیہ** بمعنی لاؤ ہے بعد کے **ھیہ** بمعنی اور بھی لاؤ سناؤ۔

۵؎ یہ اشعار حمد الٰہی،دنیا کی بے وفائی،آخرت کے ثواب و عذاب کے تھے حضور انور نے پسند فرمائے اور بہت سے اشعار سنے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اچھے مضمون کے شعر اچھے ہیں جن احادیث میں اشعار کی برائی آئی ہے وہاں برے مضمون کے اشعار مراد ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعر جانتے تھے اس کی بھلائی برائی سے واقف تھے،آیت کریمہ "**وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ**"میں یا تو **شعر** سے مراد ہے جھوٹا کلام یعنی ناول یا **علمنا** سے مراد ہے ملکہ شعر گوئی یا لہجہ سے شعر پڑھنا کہ حضور انور اس سے پاک تھے۔تیسرے یہ کہ دوسروں سے شعر پڑھوا کر سننا سنت سے ثابت ہے۔چوتھے یہ کفار وفساق شاعروں کے اچھے شعر سننا جائز ہیں جب کہ مضمون شعر اچھا ہو۔

٦؎ یہاں اشعہ میں ہے کہ امیہ ابن صلت اہلِ کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات سنتا رہتا تھااور کہتا تھا کہ کاش مجھے ان کی زیارت خدمت نصیب ہو جب حضور انور قریش میں نمودار ہوئے تو جل گیا بولا اگر وہ بنی ثقیف سے ہوتے تو میں ایمان لے آتا اسی حسد میں حضور کی خدمت میں حاضر نہ ہوا،خط میں سب سے پہلے **باسمك اللھم** لکھنے والا یہ ہی شخص تھا اس سے سیکھ کر قریش یہ لکھنے لگے تھے۔

	روایت ہے حضرت جندب سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تھے اور آپ کی انگلی شریف خوناخون ہوگئی ۲؎ تو فرمایا کہ نہیں ہے تو مگر وہ انگلی جو خونیں ہوگئی اور اللہ کی راہ میں تو نے یہ مشقت پائی ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ جندب ابن عبداللہ ابن ابوسفیان بجلی صحابی ہیں،زمانہ ابن زبیر میں وفات پائی۔

۲؎غالبًا غزوہ احد تھا اس غزوہ میں آپ کسی نماز کے لیے تشریف لے گئے تب انگلی میں چوٹ لگ گئی لہذا یہ حدیث نماز کے جانے کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۳؎اے انگلی تو صبر کر صرف تیرا خون ہی نکلا ہے جو معمولی تکلیف ہے جو کچھ تجھے تکلیف پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے۔مالقیت کا ما موصولہ ہے یہ شعر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہے جو بلا قصد شعر گوئی آپ کے منہ سے صادر ہوگیا جیسے قرآن مجید کی بعض آیات شعر بن جاتی ہیں جیسے "اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ" یا جیسے "لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا" یا یہ شعر عبداللہ ابن رواحہ کا ہے آپ نے وہ پڑھا لہذا حضور انور کا شعر پڑھنا ثابت ہوا مگر لہجہ سے یا گاکر نہیں بقیہ اشعار یہ ہیں۔شعر

وما بنفس الی لا تقتلی تموت	هذه حیاض الموت قد صبیت
وما تمیت فقد لقبت	ان تفعل فعلهما هدیت (مرقات)

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے دن جناب حسان ابن ثابت سے فرمایا۱؎کہ مشرکین کی ہجو کرو کہ جبریل تمہارے ساتھ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان سے فرماتے تھے کہ میری طرف سے جواب دو الٰہی روح القدس سے ان کی مدد فرما ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎آپ حسان ابن ثابت ابن منذر ابن حرام انصاری مدنی ہیں،ان چاروں کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی،حضرت حسان نے آٹھ سال کفر میں گزارے،ساٹھ سال اسلام میں خاص شاعر اسلام ہیں،خلافت حیدری میں وفات پائی۔

۲؎یعنی غزوہ خندق کے بعد جب حضور انور نے بنی قریظہ یہود و مدینہ کا محاصرہ فرمایا تب تو حضرت حسان سے یہ کہا کہ کفار کی ہجو کرو جبریل تمہارے ساتھ معاون ہیں،ویسے عام موقعوں پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی میرے حسان کی جبریل سے مدد کر۔معلوم ہوا کہ مقبولوں کی تعریف کرنا نیکی ہے اور مردودوں کی ہجو کرنا نیکی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ قریش کی ہجو کرو کہ یہ ان پر تیر کے مارنے سے زیادہ سخت ہے ۱؎(مسلم)

۱؎یہاں قریش سے مراد ان کے کفار حربی ہیں جو نہ ذمی تھے نہ مستامن جن پر جہاد جائز تھا۔اس سے معلوم ہواکہ ہجو زبانی جہاد ہے جس سے دشمن کے دل زخمی ہوتے ہیں انکی ہمت ٹوٹتی ہے،جس پر تلوار کا جہاد جائز ہے اس کی ہجو بھی جائز ہے لہذا ذمی اور مستامن اور جن کفار سے ہماری صلح ہوچکی ہو انکی ہجو نہ کی جاوے،رب تعالٰی

فرماتا ہے: "جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ" یہ ہجو شدت و غلظت میں داخل ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ مسلمان جوابًا ہجو کریں ابتداءً نہ کریں۔(مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے فرماتے سنا کہ روح القدس تمہاری تائید کرتے رہتے ہیں جب تک کہ تم اللہ رسول کی طرف سے دفاع کرتے ہو ۱؎ اور فرماتی ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حسان نے ان کفار کی ہجو کی تو شفا دی اور شفا پائی ۲؎ (مسلم)	

۱؎ اس طرح کہ کفار اسلام مسلمانوں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بکواس کرتے تھے تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ جوابًا کفار ان کے دین ان کے بتوں کی ہجو اشعار میں کرتے تھے،حضور اس کے متعلق حضرت حسان کو بشارت دے رہے ہیں کہ جب تم ہجو کے اشعار لکھنے لگتے ہو تو جناب جبریل تمہارے دل میں اچھے مضمون ڈالتے ہیں تمہاری زبان پر اچھے الفاظ جمع فرماتے ہیں اور تم کو دعائیں دیتے تمہارا احترام کرتے ہیں یہ ہے حضرت جبریل کی مدد۔معلوم ہوا کہ دشمنان دین کی ہجو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے،بعض وقت قصیدے جہاد میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد پاکستان میں اسے خوب اچھی طرح آزمایا ہے ریڈیو پاکستان نے اس قسم کے قصیدوں کے ذریعہ غازیوں بلکہ سارے پاکستانیوں کو گرما دیا جس کا نتیجہ بہت ہی اچھا رہا۔

۲؎ یعنی پہلے کفار قریش نے مسلمانوں کی ہجو کی جس سے مسلمانوں کے دل زخمی ہوگئے،حضرت حسان نے ان سے بدلہ لیتے ہوئے کفار کی ہجو کی مسلمانوں کے زخموں پر گویا مرہم رکھ دیا ان کے اشعار مرہم زخم دل ہیں۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے دن مٹی ہٹا رہے تھے حتی کہ آپ کا پیٹ غبار آلود ہوگیا ۱؎ فرماتے تھے رب کی قسم اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے ۲؎ نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے ۳؎ تو ہم پر سکون اتار اور اگر ہم دشمن سے مڈھ بھیڑ کریں تو ہم کو ثابت قدم رکھ ۴؎ یقینًا ان کفار نے ہم پر زیادتی کی ۵؎ جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کردیا ۶؎ اس پر اپنی آواز بلند فرماتے تھے ابینا۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ جب کفار عرب نے مل کر مدینہ طیبہ پر یلغار کرنی چاہی تو حضور انور نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور خود بھی اس کام میں شرکت فرمائی اور سرکار عالی مٹی ڈھوتے جاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

۲؎ یعنی ہماری ہدایت ایمان اور ہدایت اعمال محض تیرے فضل و کرم سے ہے۔لولا اللہ کے معنی ہیں لولا فضل اللہ اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا۔اس میں اشارہ ہے اس آیت کریمہ کیطرف "وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ"۔

۳؎ چونکہ نماز و صدقہ دیگر نیکیوں سے افضل ہیں اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا،اھتدینا میں یہ دونوں آگئے تھے۔

۴؎ اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ"۔یعنی اے مولیٰ اگر کفار سے ہماری جنگ ہوجاوے تو ہم کو جہاد میں ثابت قدم رکھ کہ ہمارے پاؤں ان کے مقابلہ میں اکھڑ نہ جائیں۔

۵؎ الاولی مخفف ہے اولئك کا یا اولاء کا اسم اشارہ ہے۔اس سے اشارہ ہے کفار عرب کی طرف اور ان کے ظلم کی جانب خصوصًا ان کفار کی طرف جو اس وقت ساری قوتیں جمع کرکے مدینہ منورہ پر ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے۔

۶؎ یہاں فتنہ سے مراد اسلام سے پھیر دینا،کفر،قتل و غارت میں مشغول کردینا یعنی ان کفار نے چاہا کہ ہم اسلام کے بعد پھر کفر،قتل،ڈکیتی وغیرہ کریں۔اس فرمان میں اس آیتِ کریمہ کی طرف اشارہ ہے "وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ"۔غالب یہ ہے کہ اشعار خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو بے ساختہ منہ مبارک سے نکل رہے ہیں بغیر قصدوارادے کے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصاری خندق کھودنے لگے اور مٹی ہٹانے لگے اور وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کرلی جب تک کہ ہم باقی رہیں ہمیشہ کے لیے ۱؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی نہیں ہے عیش مگر آخرت کا ۲؎ تو تو انصارومہاجرین کو بخش دے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ سبحان اللہ!کیا نظارہ ہوگا کہ مؤمنین اپنے ایمان کے ساتھ خندق کھود رہے ہیں اور یہ گیت گاتے جارہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں یہ دعائیں ارشاد فرمارہے ہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی میں حضرات صحابہ کو تسکین دینا ہے کہ یہاں کی مشقت پر نہ گھبراؤ اگلی زندگی میں دائمی عیش پاؤ گے۔

۳؎یعنی ان تمام کو ابھی ابھی بخش دے ان کے سارے گناہوں کی اگلے ہوں یا پچھلے اسی گھڑی بخشش فرمادے۔(مرقات)یہ ہے کرم کریمانہ۔ظاہر یہ ہے کہ انصارومہاجرین سے مراد سارے انصارومہاجرین ہیں اس کام میں شریک ہوئے ہوں یا کسی اورکام میں مصروف ہوں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرا ہو جو اسے گندہ کردے ۱؎اس سے اچھا ہے کہ شعر سے بھرا ہو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎بعض روایات میں بجائے قیحا کے بخشا ہے،یری ی کے فتحہ رے کے کسرہ دوسری ی کے سکون سے یہ بنا ہے دری سے،دری پیٹ کا وہ زخم جو پیٹ کو بگاڑے لاعلاج بنادے اس سے مراد ہے بگاڑ دے اسے خراب کردے۔

۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد برے اشعار ہیں،بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد کوئی خاص شخص ہے ورنہ اچھے اشعار عام مسلمانوں کے لیے برے نہیں مگر قوی یہ ہے کہ اس سے ہر اچھے برے شعر مراد ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اشعار میں بہت مشغولیت کہ ہر وقت ایں ایں کرتا رہے نہ نماز کا خیال ہو نہ کسی اور عبادت کا بہرحال برا ہے خواہ اچھے اشعار ہوں ایسی مشغولیت ہو یا برے اشعار ہیں۔(مرقات)دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ ہر وقت ہی روں روں کرتے رہتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے گاتے رہتے ہیں یہ برا ہے،حدیث اپنے عموم پر ہے کسی قید یا تاویل کی ضرورت نہیں بلاوجہ احادیث و قرآن میں تاویلیں یا قیدیں لگانا سخت جرم ہے جیسے مرزائی کرتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ۱؎انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالٰی نے شعر کے بارے میں جو آیات نازل کیں وہ کیں ۲؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن اپنی تلوار اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے ۳؎اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اسی شعر سے ان کفار کو تیر کے مارنے کی طرح مارتے ہو ۴؎(شرح سنہ)اور استیعاب عبدالبر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ حضور شعر کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو فرمایا کہ مؤمن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے ۵؎	

اِ آپ مشہور صحابی ہیں جن کے متلق سورۂ توبہ کی آیات توبہ نازل ہوئیں،شعراء اسلام میں بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔حضور انور کے تین شاعر تھے:حسان ابن ثابت،عبداللہ ابن رواحہ،کعب ابن مالک،حضرت حسان کفار پر لعن طعن کے اشعار لکھتے تھے،عبداللہ ابن رواحہ ان کے کفر و شرک کی برائیاں بیان کرتے تھے اور حضرت کعب ابن مالک کفار کو جنگ سے ڈراتے تھے۔(اشعہ،مرقات)حضرت کعب انصاری خزرجی ہیں،۵۰ھ میں وفات پائی،آپ کی عمر چھتّر سال ہوئی۔

۲ یعنی اللہ تعالٰی نے شعروشعراء کی بہت برائیاں قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں اور میں حضور کا شاعر ہوں تو کیا میں اور میرے اشعار بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور کیا میں آئندہ شعر گوئی سے توبہ کرلوں اس سوال میں آیت کریمہ "الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ"کی طرف اشارہ ہے۔

۳ یعنی تمہارے اشعار اس آیت کی زد میں نہیں آتے وہاں برے شعر کہنے والے شعراء مراد ہیں تم تو مجاہد ہو تمہاری شعر گوئی جہاد ہے اور تمہارے اشعار کفار کو مارتے تیروتلواراس لیے رب تعالٰی نے وہاں اس آیت کے متصل ہی فرمایا"اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"زمانہ جاہلیت میں فحش گوئی شراب و حسین عورتوں کی تعریف میں شعر گوئی کا عام رواج تھااسے قرآن کریم نے برا کہا۔

۴ سبحان اللہ!کیا پیارا جواب ہے یعنی مجاہد مسلمان تلوار سے بھی جہادکرتا ہے اور اشعار سے بھی،تلوار کفار نابکار کے اجسام نابکار کو زخمی کرتی ہے اور تمہارے اشعار ان کے دلوں کو چھلنی کرتے ہیں تم ان اشعار میں ثواب پاتے ہو اب بھی جہاد کے موقعہ پر قصیدے مجاہدوں کو گرما دیتے ہیں۔

۵ یہ حدیث صحیح ہے مسلم،بخاری کی شرط پر ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی ہیں فرمایا کہ حیاء اور خاموشی ایمان کی دو شاخیں ہیں ۱ اور فحش گوئی زیادہ بولنا نفاق کی دو شاخیں ہیں ۲(ترمذی)	

۱ عی کے معنی ہیں حیران اور کلام سے عاجزی یہاں مراد ہے کم گوئی یعنی زیادہ خاموشی اور کم گوئی مؤمن کی نشانی ہے کم گو آدمی اپنے باطن کی اصلاح زیادہ کرتا ہے۔

۲ یعنی ہر بات بے دھڑک منہ سے نکال دینا منافق کی پہچان ہے،زیادہ بولنے والا گناہ بھی زیادہ کرتا ہے یعنی اسی فی صدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔

روایت ہے ابو ثعلبہ خشنی سے ۱ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے مجھے سب سے پیارا اور قیامت کے دن مجھ سے بہت قریب تم میں سے اچھے اخلاق والا ہے ۲ اور تم میں سے مجھ کو بہت ناپسند اور	

	مجھ سے بہت دور برے اخلاق والے ہیں۳جو زیادہ بولنے والے منہ پھٹ فراخ گو متکبر ۴(بیہقی شعب الایمان)

۱آپ کا نام جرہم ابن ناشب ہے،قبیلہ خشن سے ہیں،اس قبیلہ کے مورث کا نام خشن ابن نمر تھا،جرہم اپنی کنیت میں زیادہ مشہور ہے یعنی ابو ثعلبہ،آپ بیعت الرضوان میں شریک تھے،حضور انور نے آپ کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا،آپ کی تبلیغ پر آپ کی قوم ایمان لائی،۷۵ھ میں وفات پائی،بعض نے فرمایا کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔(اشعہ)

۲کیونکہ خوش خلق آدمی اکثر نیک اعمال زیادہ کرتا ہےگناہ اس سے کم سرزد ہوتے ہیں۔اخلاق سے مراد اخلاق محمدی ہیں کفار پر سخت،مؤمنوں پر بہت ہی نرم،دیانتداری،وعدہ پورا کرنا،معاملات کا درست ہونا سب ہی خوش خلقی میں داخل ہیں۔خیال رہے کہ خوش خلقی،خوشامد میں فرق ہے،یوں بدخلقی اور استغناء میں فرق ہے۔

۳کیونکہ بدخلق اکثر بدعمل ہوتے ہیں بدخلقی خود بھی بدعملی ہے اور بہت سے بدعملیوں کا ذریعہ۔جھوٹ، خیانت،وعدہ خلافی،بدمعاملگی سب ہی بداخلاقی کی شاخیں ہیں۔

۴ **ثرثارون** بنا ہے **ثرثرۃ** سے بمعنی کثرت کلام یا ایک بات کو بار بار کہنا۔**متشدقون** بنا ہے**شدق** سے بمعنی منہ کا جبڑا۔**متشدق** وہ ہے جو منہ بھر کر باتیں کرے یا جس کے جبڑے باتوں کے لیے کھلے رہیں اور **متفیھقون** بنا ہے**فھق** سے بمعنی وسعت و فراخی یعنی بہت ہی کلام کرنے والا جسے اردو میں کہتے ہیں بکّی،فارسی میں کہتے ہیں بسیارگو۔ایک شاعر کہتا ہے

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو   از شما یک مونہ شد اسرار جو

	اور ترمذی نے اس کی مثل حضرت جابر سے روایت کی اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ثرثارون اور متشدقون کو تو جانتے ہیں مگر **متفیھقون** کیا چیز ہے فرمایا تکبر والے۱

۱یعنی **متفیھقون** سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو تکبرًا بہت بولیں اپنی مجلس میں کسی کو بولنے نہ دیں جو آئے ان کی سنے اپنی کچھ نہ کہہ سکے۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت نہ قائم ہوگی حتی کہ ایسی قوم نکلے گی جو اپنی زبانوں سے اسے کھائیں گے ۱جیسے گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں ۲(احمد)

۱؎ یعنی ان کا ذریعہ معاش یہ ہی ہوگا کہ کسی کی خوشامدانہ جھوٹی تعریف میں قصیدہ کہہ دیا اور انعام حاصل کرلیا،کسی کے دشمن کی برائی میں نظم کہہ ڈالی اور کچھ وصول کرلیا،لوگوں کو فصیح وبلیغ جھوٹے کلام سنائے چندہ کرلیا یعنی صرف زبان سے کمائی کریں گے جیساکہ جاہلیت کے شعراء کا دستور تھا وہ ہی پھر ہوجاوے گا۔نعت خواں،نعت گو،علماء واعظین اس میں داخل نہیں بشرطیکہ باعمل ہوں حلال و حرام آمدنی میں فرق کریں اسی لیے آگے بیان ہورہا ہے۔

۲؎ گائے میدان میں کھاتے وقت ہری سوکھی گھاس نہیں دیکھتی جو سامنے آجائے اسے کھالیتی ہے حتی کہ کبھی دودھک بوٹی بھی کھا جاتی ہے جس سے بیمار بلکہ ہلاک ہوجاتی ہے یہ ہی اس شخص کا حال ہے جو حلا ل و حرام نہ دیکھے جو ملے کھائے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی لوگوں میں اس بلیغ آدمی کو ناپسند کرتا ہے ۱؎ جو اپنی زبان کو پھیرتا ہے جیسے گائے اپنی زبان کو پھیرا دیتی ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ بلیغ یا تو بلاغت سے ہے یا مبالغہ سے اگر بلاغت سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی صرف کلام کی خوبیوں میں کوشش کرے سچ جھوٹ کی پرواہ نہ کرے،اگر مبالغہ سے ہے تو مطلب ظاہر ہے کہ وہ شخص لوگوں کی تعریف یا ہجو میں مبالغہ کرے جھوٹی سچی بات کی پرواہ نہ کرے۔

۲؎ **یتخلل** بنا ہے خلل سے بمعنی درمیان یا بیچ اس سے ہے خلال وہ تنکا جو دانتوں کے بیچ میں جائے۔**یتخلل** کے معنی ہوئے اپنی زبان کو منہ کے بیچ میں گھمائے یعنی بہت بولے بے احتیاطی سے بولے اس کے ذریعہ روزی کمائے بے احتیاطی سے کھائے جیسے گائے باہر زبان نکال کر گھماکر چارا پکڑتی منہ میں لے جاتی ہے اچھی بری چیز میں فرق نہیں کرتی۔(مرقات،اشعہ)**بقر،بقرہ،باقر،باقرہ** سب کے معنی ہیں بیل،گائے۔**بقر** کے معنی ہیں چیرنا،چونکہ گائے بیل کے ذریعہ زمین ہل چلا کر چیرتی جاتی ہے اس لیے اسے باقرہ کہتے ہیں یعنی زمین کو چیرنے والے۔بڑے عالم کو باقر العلوم کہتے ہیں گویا اس نے علم کو چیر کر اس پر قبضہ کرلیا ہے اس لیے ایک امام کا نام باقر ہے،اس میں وہ واعظین بھی داخل ہیں جو محض پیشہ ور واعظ ہیں صرف روزی کمانے کے لیے تقریریں کرتے ہیں سوا لوگوں کو خوش کرنے کے اور کوئی غرض نہیں رکھتے۔یہاں مرقات نے بروایت حکم حضرت ابوہریرہ سے مرفوعًا حدیث نقل فرمائی کہ اللہ تعالٰی دنیا کے عالم،آخرت کے جاہل کو ناپسند فرماتا ہے وعظ تبلیغ دین کے لیے چاہیے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس رات ہم کو سیر کرائی گئی(معراج)ہم ایسی قوم پر گزرے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے ۱؎ تو ہم نے کہا کہ

جبریل یہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ آپ کی امت کے واعظین ہیں۲؎ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎یعنی لوہے کی قینچی آگ سے گرم کی ہوئی۔آگ بھی دوزخ کی تو ان کا تپنا گرم ہونا بھی نہایت ہی سخت ہوگا۔

۲؎مرقات نے فرمایا کہ خطباء میں بے عمل عالم واعظ شاعر سب ہی داخل ہیں۔خیال رہے کہ بے عمل عالم سے بدعمل عالم زیادہ برا بھی ہے خطرناک بھی۔

۳؎فی زمانہ واعظین عمل کا وعظ ہی نہیں کرتے شعر خوانی خوش الحانی قصے کہانی میں وقت پورا کرتے ہیں عام جلسے گویا حلال سینما ہیں کہ سننے والے بھی تماشائی ذہن عیاش ہوتے ہیں،ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب مسلمان علماء کے وعظ سن کر بعد میں یاد کرتے تھے کہ مولوی صاحب نے آج فلاں فلاں مسئلہ بیان کیا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات کا ہیر پھیر سیکھے ۱؎تاکہ اس سے مردوں یا لوگوں کے دل پھانس لے تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے نہ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎صرف کے چند معنی ہیں: ایک مضمون کو مختلف عبارتوں سے بیان کرنا،اچھی عبارت بولنا،جھوٹی بات سچی کرکے دکھانا یعنی جو عالم لچھے دار گفتگو زناٹے کی تقریریں کرنا اس لیے سیکھے کہ لوگ اس کے جال میں پھنس جائیں لوگ اس کے معتقد ہو جاویں۔

۲؎صرف وعدل کے بہت معنی ہیں: صرف فرض،عدل نفل،صرف توبہ،عدل فدیہ،صرف عبادات عدل درستی معاملات یعنی ایسے ریا کار کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قبول نہیں۔وجہ ظاہر ہے کہ اس نے علم دین و دنیا کے لیے حاصل کیا اللہ کی اعلیٰ نعمت کی بے قدری کی۔

روایت ہے حضرت عمرو بن عاص سے کہ انہوں نے ایک دن فرمایا حالانکہ ایک آدمی کھڑا ہوا تو بہت باتیں کیں ۱؎تب حضرت عمرو نے فرمایا کہ اگر یہ اپنے کلام میں اختصار کرتا تو اچھا ہوتا ۲؎میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میں مناسب سمجھتا ہوں یا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ کلام میں اختصار کیا کروں ۳؎کیونکہ مختصر کرنا میں بہتر ہے ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎یعنی بہت لمبی تقریر کی نہایت فصیح و بلیغ تاکہ لوگ اس کے کمال کے قائل ہوجاویں لوگ اس کی دراز تقریر سے گھبرا گئے اکتاگئے۔

۲؎ کہ زیادہ باتیں لوگ بھول جاتے ہیں دلوں پر اثر نہیں ہوتا بہتر یہ ہے کہ کلام تھوڑا ہو مگر دلنشیں اور مؤثر ہو۔

۳؎ ہر کلام میں خصوصًا وعظ و نصیحت میں اختصار مفید اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے **خیر الکلام ماقل و دل** لوگوں کو یاد خوب رہتا ہے۔

۴؎ اس حدیث کی اسناد میں محمد ابن اسماعیل ابن عباس راوی ہے اسے محدثین نے ضعیف فرمایا ہے۔

	روایت ہے حضرت صخر بن عبداللہ ابن بریدہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بعض بیان جادو ہیں اور بعض علم جہالت ہے ۲؎ اور بعض شعر حکمت ہیں ۳؎ اور بعض کلام وبال ہیں ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں،انکے فرزند عبداللہ ابن بریدہ تابعی ہیں،مرو کے قاضی رہے،ان کے بھائی سلیمان ابن بریدہ ان سے زیادہ عالم و متقی تھے،صخر ابن عبداللہ بھی تابعی ہیں،ان کا لقب مروزی ہے،انہوں نے اپنے دادا حضرت بریدہ سے ملاقات کی ہے،حضرت بریدہ غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے مگر اس غزوہ میں شریک نہ ہوئے،بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے،مدینہ کے رہنے والے تھے پھر بصرہ پھر خراسان میں رہے،یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں مقام مرو میں وفات پائی ۶۲ھ باسٹھ میں اور مرو میں ہی دفن ہوئے،آپ سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کیں۔

۲؎ غیر ضروری چیزیں سیکھنا ضروری چیزیں نہ سیکھنا جہالت ہے،بعض لوگ بجائے علم دین کے فلسفہ منطق ریاضی میں عمر صرف کردیتے ہیں یہ جہالت ہے،یوں ہی جو علم رب تک نہ پہنچائے وہ جہالت ہے،یوں ہی علم بے عمل جہالت ہے یا علم کا دعویٰ ہو مگر علم نہ ہو یہ جہالت مرکبہ ہے جس علم کے ساتھ عقل یا معرفت نہ ہو وہ جہالت ہے۔

۳؎ بعض علماء نے بہت سے علوم اشعار میں بیان کردیئے ہیں۔ایک بزرگ نے سارے قرآن مجید کی تفسیر پنجابی اشعار میں لکھی،تفسیر سورۂ یوسف نظم میں تو بہت لوگوں نے لکھیں یہ اشعار حکمت ہیں ان سے علم کی اشاعت بہت ہوتی ہے۔

۴؎ یا کہنے والے پر وبال کہ اپنے کلام سے پکڑا جاوے یا سننے والے پر وبال کہ وہ اکتا جاوے مگر یہ ختم ہی نہ کرے یا وہ سمجھے نہیں اور یہ کہے جاوے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسان کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے جس پر وہ سیدھے کھڑے ہوں ۱؎ رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فخر کرتے تھے یا دفع فرماتے تھے ۲؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ بذریعہ جبریل حضرت حسان کی مدد فرماتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فخر کرتے ہیں یا دفع کرتے رہتے ہیں ۳؎ (بخاری)

۱؎ حضور کی نعت شریف پڑھنے کے لیے یا مشرکین عرب کی ہجو کرنے کے لیے۔سبحان اللہ! کیا تقدیر ہے حضرت حسان کی کہ حضور انور کی مجلس مبارک میں مسجد نبوی شریف میں آپ کو منبر عطا ہورہا ہے نعت خوانی نعت گوئی اللہ کی رحمت ہے بشرطیکہ مقبول ہو۔

۲؎ یعنی حضور کی تشریف آوری اور خود اپنے کو حضور کی اتباع نصیب ہونے پر فخر کرتے تھے۔شعر

انسانیت کو فخر ہے تیری ذات سے ۔۔۔ بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر

یا مشرکین سے حضور کا بدلہ لیتے تھے کہ ان کی ہجو کرتے تھے حضور انور کے فضائل بیان فرماتے تھے،آپ خود سنتے اور لوگوں کو سننے کا حکم دیتے تھے حضرت حسان کو دعائیں دیتے تھے۔

۳؎ یعنی میں دیکھتا ہوں کہ جب تک جناب حسان ہماری نعت خوانی کفار کی ہجو کرتے ہیں ان کے سر پر حضرت جبریل علیہ السلام کا ہاتھ ہوتا ہے اس ہاتھ کے اثر سے انکے دل میں اچھے مضامین پیدا ہوتے ہیں اچھے الفاظ سمجھ میں آتے ہیں اچھی طرح اخلاص کے ساتھ ادا ہوتے ہیں یہ سب کچھ حضرت جبریل کی مدد کا نتیجہ ہے۔خیال رہے کہ دوست چند نوعیتوں کے ہوتے ہیں: اپنا دوست وہ دوست،اپنے دوست کا دوست وہ دوست،دشمن کا دشمن وہ دوست۔یوں ہی دشمن چند قسم کے ہیں: اپنا دشمن،اپنے دشمن کا دوست،اپنے دشمن کا دشمن۔حضرت حسان حضور کے دوست حضور کے دوستوں کے دوست اور حضور کے دشمنوں کے دشمن تھے لہذا آپ تینوں قسم کے دوست تھے اس لیے آپ کا یہ درجہ ہوا،چونکہ حضرت جبریل انبیاءکرام پر وحی لاتے رہے اور وحی روح ہے لہذا آپ کا نام روح ہوا،قدس رب تعالٰی کا نام شریف ہے تو معنی ہوئے کہ رب تعالٰی کی روح یعنی اس کی پسندیدہ روح۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خواں تھا ۱؎ جسے انجشہ کہا جاتا تھا اور وہ تھا خوش آواز ۲؎ تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انجشہ چھوڑ دو کچی شیشیاں نہ توڑو،قتادہ فرماتے ہیں یعنی کمزور دل عورتیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حدی یا حدا وہ گانا ہے جس سے اونٹ کو مستی دلا کر چلایا جاوے اونٹ گانے کا عاشق ہے جیسے سانپ خوش آواز کا،جب اونٹ تھک جاتا ہے تو خوش آوازی سے اسے گانا سنایا جاتا ہے جس سے مست ہوکر خوب تیز دوڑتا ہے اس گانے کو حدی اور گانے والے کو حاد کہتے ہیں۔حضرت انجشہ بڑے خوش آواز تھے اس لیے حدی خواں آپ ہوتے تھے۔حدی کی ابتداء کیسے ہوئی اس کے متعلق یہاں مرقات نے عجیب واقعات بیان کیے۔ایک بدوی نے اپنے

غلام کو مارا اس کا ہاتھ کاٹ کھایا غلام خوش آواز تھاوہ گھبراہٹ میں بولا دی‌دی دی‌بجائے یدی‌یدی کے دی دی کہا اونٹ کو اس پر وجد آگیا تب سے حدی کا دستور قائم ہوا،بعض خوش الحان بدوی کے حدی پر انسانوں کو وجد آجاتا ہے۔

۲؎انجشہ کی کنیت ابوماریہ تھی،حبشی تھے،حضور کے آزادکردہ غلام۔

۳؎یعنی میرے ساتھ سفر میں عورتیں بھی ہیں جنکے دل کچی شیشی کی طرح کمزور ہیں خوش آوازی ان میں بہت جلد اثر کرتی ہے اور وہ لوگوں کے گانے سے گناہ کیطرف مائل ہوسکتی ہیں اس لیے اپنا گانا بند کردو۔یہ فرمان عالی تاقیامت عورتوں کے متعلق ہے ورنہ صحابیات کے متعلق فسق وفجور کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔مقصد یہ ہے کہ مردعورتوں کو گانا نہ سنائے اس طرح عورتیں مردوں کو گانا نہ سنائیں کہ اس سے عشق و بدمعاشی پیدا ہوتی ہے۔شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　　　بساکیں دولت از گفتار خیزد

بہت مرد ریڈیو پر عورتوں کے گانے سن کر ان کے عاشق ہوگئے یوں ہی عورتیں مردوں کا گانا سن کر اغوا ہوگئیں حضور کا ہر فرمان حق ہے عورت کا دل کچی شیشی کی طرح کمزور اور جلد اثر لینے والا ہوتا ہے اس لیے اسلام نے گانا بجانا حرام کیا۔بعض شارحین نے اس کے معنی کیے کہ تمہارے گانے سے اونٹ تیز دوڑیں گے جس سے عورتوں کو تکلیف ہوگی مگر یہ درست نہیں کہ تیز دوڑنے کی تکلیف مردوں کو بھی ہوسکتی ہے پھر صرف عورتوں کا ذکر کیوں ہوا پہلی توجیہ قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک کلام ہے اچھا شعر اچھا ہے اور برا شعر برا۱؎ (دارقطنی)

۱؎یعنی شعر کی اچھائی برائی اس کے مضمون سے ہے،بعض شعر پڑھنا عبادت ہے،بعض کفر،بعض ثواب جیسا مضمون ویسا حکم۔

	اور شافعی نے عروہ سے ارسالًا روایت کی۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں اس حال میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عرج میں چل رہے تھے۱؎ کہ ایک شاعر شعر پڑھتا سامنے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکڑ لو شیطان کو یا روک لو شیطان کو ۲؎ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرا ہوا اس کے لیے اس سے اچھا ہے کہ شعروں

	سے بھرا ہو ۳؎(مسلم)

۱؎عرج یمن کا ایک شہر بھی ہے،علاقہ ہذیل میں ایک میدان بھی،مکہ معظّمہ کے راستہ میں ایک منزل بھی، مدینہ منورہ سے ۷۸ اٹھتر میل پر،یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں۔
۲؎یعنی یہ شاعر انسان شیطان ہے اسے شعر پڑھنے سے روک دو۔شاید اس کی اشعار گندے واہیات تھے جن میں زنا،شراب،عورتوں کی تعریفیں تھیں جیساکہ جاہلیت کے شعراء کے کلام میں دیکھاجاتا ہے اس لیے روک دیا گیا۔
۳؎اس کی شرح پہلے عرض کی گئی کہ یا برے اشعار مراد ہیں یا اشعار کا طبیعت پر غلبہ کہ اسے گانے کے سواء کچھ سوجھے ہی نہیں اس لیے ارشاد ہو ان یمتلی۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گانا دل میں نفاق ایسا اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی مرد کا گانا خود گانے والے اور سننے والے کے دل میں منافقت پیداکرتا ہے لہذا عورت کا گاناسننا یا عورت و مرد کا مل کر گانایا باجہ پر گانا اس سے بدتر ہے۔عرب کہتے ہیں الغناء رقیة الزنا یعنی گانا زنا کا منتر ہے،مراد گانے سے وہ ہی ہے جو اوپر عرض کیا۔خوش الحانی سے نعت شریف حضرت حسان پڑھتے تھے،حضور کی تشریف آوری کے موقعہ پر مدینہ منورہ کی بنی نجار کی بچیوں نے گیت گئے ہیں،شادی عید کے موقع پر بچیوں کو حضور نے اچھے گیت گانے کی اجازت دی،اجنبی عورتوں سے مرد نعت بھی نہ سنیں کہ آواز میں دلکشی ہوتی ہے اسی لیے عورتوں کو اذان دینا،تکبیر کہنا،خوش الحانی سے اجنبیوں کے سامنے تلاوت قرآن کرنا سب ممنوع ہے عورت کی آواز بھی ستر ہے۔

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک راستہ میں تھا کہ آپ نے باجہ کی آواز سنی ۱؎تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں لگالیں اور راستہ سے دور ہٹ گئے دوسری طرف پھر دور جا چکنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اے نافع کیا تم کچھ سن رہے ہو میں نے کہا نہیں تب آپ نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے نکالیں ۲؎فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو حضور نے بانسی کی آواز سنی ۳؎تو یونہی کیا جو میں نے کیا،نافع فرماتے ہیں کہ اس وقت میں چھوٹا تھا ۴؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎یعنی صرف باجہ کی آواز سنی بغیر گانے کی آواز کے غالبًا گانا بھی ہورہا ہوگا اس کی آوا زیہاں نہیں آرہی ہوگی، ڈھول کی آواز دور تک جاتی ہے گانے والے کی آواز تھوڑی دور ہی پہنچتی ہے۔

۲؎ یہ آپ کا انتہائی تقویٰ ہے جس پر عمل آج کل قریبًا ناممکن ہے آج ریڈیولاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ بستی کے گوشہ گوشہ میں گانے باجوں کی تیز آوازیں پہنچتی ہیں کبھی تو لوگوں کو سونے نہیں دیتیں۔

۳؎ یراع ی اور ر کے فتحہ سے بمعنی الغوزہ یا بانسلی بانس کے ٹکڑے میں چند سوراخ کرکے اسے منہ سے بجاتے ہیں۔

۴؎ یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نے خود تو کانوں میں انگلیاں دے لیں تاکہ گانے باجے کی آواز نہ سنیں مگر اپنے غلام حضرت نافع کو اس کا حکم نہ دیا اس کی وجہ کیا ہے،جواب یہ دیا کہ میں اس وقت نابالغ بچہ تھا مجھ پر احکام شرعیہ خصوصًا ورع و تقویٰ کے احکام جاری نہ تھے ورنہ مجھے بھی آپ اس کا حکم دیتے۔غالبًا حضرت عبداللہ ابن عمر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ پر نابالغ ہوں گے۔خیال رہے کہ ان دونوں موقعوں پر گانے باجہ والا آدمی کوئی غیر مسلم ذمی ہوگا اس لیے آپ نے اسے گانے سے نہ روکا خود کانوں میں انگلی دے لی کہ کفار کو ان جیسے کاموں سے مسلمان نہیں روکتے۔(مرقات)لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضرات صحابہ کے گھروں سے گانے باجوں کی آوازیں آتی تھیں نہ یہ کہ حضرت ابن عمر نے گانے والوں کو منع کیوں نہ فرمایا۔

باب حفظ اللسان و الغيبة و الشتم

زبان کی حفاظت اور غیبت اور گالی کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں من الغيبة والشتم ہے تو معنی ظاہر ہیں یعنی اپنی زبان کو غیبت اور گالی سے محفوظ رکھنا،عام نسخوں میں واؤ سے ہے تب معنی یہ ہوں گے کہ اپنی زبان کو ہر بری چیز خصوصًا غیبت و گالی سے محفوظ رکھنا۔خیال رہے کہ کسی مسلمان کے غیر مشہور عیب اس کے پس پشت بلا ضرورۃ بیان کرنا غیبت ہے خواہ وہ شخص زندہ ہو یا مردہ موجود ہو یا غائب۔غیبت حرام ہے اور ہر فحش کلام شتم ہے،سبّ عام ہے شتم خاص۔غیبت کی یہ تعریف اور تعریف کی یہ قیود خیال میں رکھنی چاہیے۔لغوی غیبت کبھی حرام ہے،کبھی کفر،کبھی جائز،کبھی واجب،فرض۔مسلمان کی غیبت بلاوجہ حرام ہے،انبیاء واولیاء کی غیبت جو جنت کی بشارت یافتہ ہیں کفر ہیں جیسے روافض کا تبرا اور راویان حدیث کی غیبت واجب تاکہ احادیث صحیح وغیر صحیح مخلوط نہ ہوجاویں،کسی کے شر سے مسلمان کو بچانے کے لیے غیبت کرنا واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی مجھے اپنے دو جبڑوں اور دو پاؤں کے درمیان کی چیزوں کی ضمانت دے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں ۱(بخاری)

۱ دو جبڑوں کے درمیان کی چیز زبان و تالو وغیرہ ہے اور دوپاؤں کے بیچ کی چیز شرمگاہ ہے یعنی اپنی زبان کو جھوٹ غیبت ناجائز باتیں کرنے سے بچائے،اپنے منہ کو حرام غذا سے محفوظ رکھے،اپنی شرمگاہ کو زنا کے قریب نہ جانے دے ظاہر بات ہے کہ ایسا مسلمان مؤمن متقی ہوگا۔خیال رہے کہ قریبًا اسی ۸۰ فی صدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں جو اپنی زبان کی پابندی کرے وہ تو چوری ڈکیتی قتل بھی نہیں کرتا،انسان جرم جب ہی کرتا ہے جب کہ جھوٹ بولنے پر آمادہ ہوجائے کہ اگر پکڑا گیا تو میں انکار کردوں گا،جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔خیال رہے کہ حضور کی یہ ضمانت تاقیامت انسانوں کے لیے ہے اور حضور کی ضمانت خدا کی ضمانت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ رضاء الٰہی کا کوئی کلمہ بول دیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اللہ تعالٰی اس کی وجہ سے اس کے درجے بڑھا دیتا ہے ۱اور

	بندہ اللہ کی ناراضی کی کوئی بات کردیتا ہےجس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اس کی وجہ سے دوزخ میں گر جاتاہے۲؎(بخاری)اور مسلم،بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اس سے آگ میں گرجاتا ہےمشرق و مغرب کے فاصلے کے برابر۳؎

۱؎یعنی بعض باتیں انسان کے نزدیک معمولی ہوتی ہیں اللہ تعالٰی کے نزدیک عظیم الشان کہ بولنے والے کو عظیم الشان بنادیتی ہیں۔

۲؎یعنی بعض باتیں انسان کی نگاہ میں نہایت معمولی ہوتی ہیں رب تعالٰی کے نزدیک بدترین جرم کہ انسان کو دوزخی بنا دیتی ہیں لہذا زبان کی بہت ہی حفاظت چاہیے۔

۳؎دوزخ میں جس قدر نیچائی زیادہ اسی قدر عذاب سخت،جنت میں جس قدر اونچائی زیادہ اسی قدر ثواب اعلٰی، دوزخ کا طبقہ ہاویہ سب سے نیچا ہے۔مطلب یہ ہے کہ بدعملی کی وجہ سے انسان دوزخ کے اونچے طبقے میں جاوے گا جہاں عذاب ہلکا ہے مگر برے کلام کی وجہ سے نیچے طبقہ میں جاوے گا جہاں عذاب سخت تر ہے۔رب تعالٰی نے انسان کو ارکان(اعضاء)جنان(دل)لسان(زبان)عطا فرمائے ہیں ارکان و جنان کے گناہوں سے لسان یعنی زبان کا جرم بدترین ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎کفر یا بمعنی کفران نعمت یعنی ناشکری ہے،ایمان کا مقابل یعنی بلاقصور مسلمان کو برا کہنا اور بلاقصور اس سے لڑنا بھڑنا ناشکری ہے یا کفار کا ساکام ہے یا اسے مسلمان ہونے کی وجہ سے مارنا پیٹنا یا ناجائز جنگ کو حلال سمجھ کر کرنا کفروبے ایمانی ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہے تو اس کے کفر کو لے کر ان دونوں میں سے ایک لوٹے گا۱؎(مسلم، بخاری)

۱؎یعنی جو مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے اگر وہ مسلمان واقعی کوئی کفریہ کام یا کفریہ کلام کرچکا ہے تب تو یہ کفر اس پر پڑے گا لیکن اگر اس میں کوئی کفر نہ ہو تو یہ کہنے والا کافر ہوجاوے گا جب کہ کسی قطعی ایمان والے کو کافر کہے جیسے صحابہ کرام کو خصوصًا مبشرین الجنتہ کو کافر کہنے والا یقینًا کافر ہے کہ قرآن حدیث تو انہیں مؤمن کہہ رہے ہیں اور یہ انہیں کافر کہتا ہےتو قرآن و حدیث کا منکر ہے یا کسی عقیدہ اسلامیہ کی بنا پر کافر کہتا ہے تو بھی یہ کہنے والا کافر ہے،اس سے وہ شخص مراد نہیں جو کسی کو گالی کے طور پر کافر کہے یا کافر کے معنی ناشکرا یا چھپانے والا کرے لہذا حدیث واضح ہے حضرت خسرو فرماتے ہیں

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگ من تارگشتہ حاجت نار نیست

یہاں کافر عشق سے مراد ہے عشق کا چھپانے والا اسے دل میں رکھنے والا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطّٰغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ"جو کوئی بتوں کو انکارکرے اللہ پر ایمان لائے۔یہاں کفر بمعنی انکار ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت مشکل ہے،فقیر نے جو توجیہ کی ہے ان شاءاللہ اس سے اشکال نہ رہا۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کسی شخص کو فسق کی اور کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ اسی پر لوٹتا ہے اگر اس کا صاحب ایسا نہ ہو ۱؎(بخاری)	

۱؎ مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر یا فاسق نہ کہو کیونکہ اگر وہ واقعی کافر یا فاسق ہوا تب تو یہ لفظ اس پر صادق آوے گا ورنہ کہنے والے پر کہ یہ کہنے والا یا کافر و فاسق ہوجاوے گا یا کافر و فاسق کہنے کا وبال اس پر پڑے گا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی شخص کے کافر ہونے کا دعویٰ کرے یا کہے اللہ کا دشمن اور وہ ایسا ہو نہیں مگر وہ اس پر لوٹتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ مسلمان کو کسی عقیدہ اسلامیہ کی وجہ سے کافر کہنے والا یا ایسے مسلمان کو جس کا اسلام یقینی قطعی ہو کہنے والا خود کافر ہے بطور گالی کافر کہنے کا سخت گنہگار ہے جیسے کسی کو حرامی کہا تو اسے قذف لگ سکتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں اس کا وبال ابتداء کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی دونوں کی برائیوں کا وبال ابتداء کرنے والے پر ہوگا جب کہ دوسرا زیادتی نہ کرجاوے صرف اگلے کو جواب دے۔خیال رہے کہ گالی کے بدلے میں گالی نہ دینا چاہیے کہ گالی فحش ہے جس سے زبان اپنی ہی خراب ہوتی ہے۔سبّ کے معنی ہیں برا کہنا نہ کہ گالی دینا،گالی دینے والے سے بدلہ اور طرح لو اسے گالی نہ دو اگر کتا کاٹ لے تو تم اسے کاٹو مت بلکہ لکڑی سے مار دو لہذا حدیث واضح اس میں گالیاں بکنے کی اجازت نہ دی گئی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ	

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیق کے لیے یہ لائق نہیں ا؎ کہ لعن و طعن کرنے والا ہو ۲؎(مسلم)	

ا؎صدیق کے لغوی معنی ہیں بہت سچا یہ صدیق کا مبالغہ ہے۔صادق وہ جو جھوٹ نہ بولے،صدیق وہ جو جھوٹ نہ بول سکے،صادق وہ جو ایک آدھ بار سچ بولے،صدیق وہ جو ہمیشہ سچ بولا کرے،صادق وہ جو کلام کا سچا ہو،صدیق وہ جو کام کلام ہر وصف کا سچا ہو،صادق وہ جو وہ کہے جو واقعہ ہو،صدیق وہ کہ جو کہہ دے واقعہ ایسا ہی ہوجاوے۔صوفیاء کے نزدیک صدیق ایک درجہ والا جس کا مقام نبی کے بعد بغیر واسطہ بغیر فاصلہ کے ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ"اسلام میں پہلے صدیق حضرت ابوبکر صدیق اکبر ہیں۔

۲؎یعنی جسے اللہ تعالٰی صدیق بنائے وہ لوگوں پر لعنت کرنے کا عادی نہیں ہوتا کیونکہ صدیقیت کو نبوت سے بہت ہی قرب ہے کہ نبی کے بعد صدیق کا درجہ ہے،حضرات انبیاء رحمت والے ہوتے ہیں نہ کہ لعنت بھیجنے والے اور نہ عذاب کی دعائیں کرنے والے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے مذہب میں تبراولعنت بہترین عبادت ہے۔نعوذ باللہ! الحمدللہ کہ اہل سنت نے لعنت کو نہ عبادت سمجھی نہ عادت ڈالی حتی کہ جو لوگ لعنت کے مستحق بھی ہیں ان پر بھی لعنت کرنا اپنا شیوہ نہیں بناتے،ہمارے ہاں ابلیس یا ابوجہل یا فرعون پر لعنت کرتے رہنا عبادت نہیں بلکہ عبث کام ہے۔خیال رہے کہ لعنت دو قسم کی ہے: ایک تو اللہ تعالٰی کی رحمت عامہ سے دوری یہ صرف کفار کے لیے،دوسری رحمت خاصہ یعنی بلندی درجات سے محرومی یہ گنہگار مسلمان کو بھی ہوسکتی ہے،جن کفار کا کفر پر مرنا دلیل شرعی سے ثابت ہو ان پر نام لے کر لعنت کرنا درست ہے۔دوسروں کو وصف سے لعنت کرسکتے ہیں نام لے کر نہیں کرسکتے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر یا ظالموں پر خدا کی لعنت،یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں پر جو جھوٹا ہے لعنت،یہ بھی خیال رہے کہ اللہ کی لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دور کرنا،بندوں کی لعنت کے معنی ہیں اس دوری کی بددعا کرنا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بہت لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے نہ شفیع ا؎(مسلم)	

ا؎یعنی امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت گزشتہ انبیاءکرام کی گواہ بھی ہوگی کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرمادی اور گنہگاروں کی شفیع بھی مگر جو مسلمان لعن و طعن کا عادی ہوگا وہ ان دونوں نعمتوں سے محروم رہے گا لہذا دنیا میں لعن طعن کے عادی نہ بنو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص کہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو اس نے انہیں ہلاک کردیا	

	۲؎(مسلم)

۱؎اھلکھم کی دو قراءتیں ہیں کاف کے ضمہ سے یعنی صیغہ اسم تفضیل ہو اور کاف کے فتحہ سے ماضی۔یعنی جو مسلمانوں کے متعلق یہ کہتا رہے کہ سارے مسلمان ہلاک ہوگئے،رحمت خدا سے دور ہوگئے،بے دینی ہوگئے تو ان سب میں زیادہ ہلاک ہونے والا یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو رحمت الٰہی سے دور سمجھ رہا ہے یا جو لوگوں کو رحمت الٰہی سے مایوس کرے اور کہے کہ لوگ برباد ہوگئے،کافر ہوگئے،فاسق ہوگئے تو ان لوگوں کو رب تعالٰی نے ہلاک نہ کیا بلکہ اس نے ہلاک کیا اگر لوگ مایوس ہوکر گنہگار بن جاویں تو مجرم یہ ہوگا۔مسلمان کہتے ہیں گنہگار ہوں مگر ان شاءاللہ رحمت الٰہی ان کی دستگیری کرے گی انہیں سے کام لے گی کوئی انہیں ابھارنے والا ہو۔ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔شعر

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

رحمت اللعالمین کی امت غافل ہوجاتی ہے اسے جگاتے رہو کام لیتے رہو یہ جاگ اٹھے تو بہت کام کرتی ہے کیوں نہ ہو کہ حضور کی ان پر رحمت ہے۔شعر

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آئے لیکن آئے رحمۃ اللعالمین ہوکر

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم قیامت کے دن بدترین لوگوں میں دو منہ والے کو پاؤ گے جو ان کے پاس اور منہ سے جاوے اور ان کے پاس اور منہ سے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی بدترین بندہ منافق یا چغل خور ہے جو لوگوں میں لڑائی کرنے کے لیے ایک جماعت کے پاس اس کا خیر خواہ بن کر جاوے اور دوسری جماعت سے انہیں بھڑکاوے،دوسری جماعت کے پاس ان کا خیرخواہ بن جاوے انہیں بھڑکاوے لڑائی کراوے۔خدا کی پناہ! یہ عیب فی زمانہ عورت میں بہت زیادہ ہے اس سے توبہ چاہیے اس کا انجام دو طرفہ شرمندگی ہے۔شیخ سعدی نے ان کا انجام یوں فرمایا شعر

کنند ایں وآں خوش ذگر بارہ دل وے اندر میاں کو رنجت و خجل

وہ دونوں مل جاویں گے یہ دوطرفہ روسیاہ ہوگا۔

	روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جنت میں چغل خور نہ جاوے گا۱؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں چغلخور ہے۔

۱؎قتات وہ شخص ہے جو دو مخالفوں کی باتیں چھپ کر سنے اور پھر انہیں زیادہ لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے اگر یہ شخص ایمان پر مرا تو جنت میں اولًا نہ جائے گا بعد میں جائے تو جائے،اگر کفر پر مرا تو

کبھی وہاں نہ جاوے گا۔خیال رہے کہ جو دو طرفہ جھوٹی باتیں لگا کر صلح کرادے وہ نمام نہیں مصلح ہے،نمام وہ ہے جو لڑائی و فساد کے لیے یہ حرکات کرے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سچ کو لازم کرلو کیونکہ سچ نیکی کی طرف ہدایت دیتا ہے ۱؎ اور نیکی جنت کی طرف ہادی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے ۲؎ اور جھوٹ سے بچو کہ جھوٹ بدکاری کی طرف رہبری کرتا ہے اور یہ بدکاری آگ کی طرف ہادی ہے ۳؎ اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے ۴؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا سچائی بھلائی ہے اور بھلائی جنت کی طرف رہبری کرتی ہے اور جھوٹ بدکاری ہے اور بدکاری آگ کی طرف رہبری کرتی ہے ۵؎	

۱؎ یعنی جو شخص سچ بولنے کا عادی ہوجاوے اللہ تعالٰی اسے نیک کار بنادے گا اس کی عادت اچھے کام کرنے کی ہوجاوے گی،اس کی برکت سے وہ مرتے وقت تک نیک رہے گا،برائیوں سے بچے گا۔

۲؎ اور جو اللہ کے نزدیک صدیق ہوجاوے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے ہر قسم کا ثواب پاتا ہے اور دنیا بھی اسے سچا کہنے اچھا سمجھنے لگتی ہے،اس کی عزت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔

۳؎ یعنی جھوٹا آدمی آگے چل کر پکا فاسق و فاجر بن جاتا ہے جھوٹ ہزار ہا گناہوں تک پہنچادیتا ہے،تجربہ بھی اسی پر شاہد ہے۔سب سے پہلے جھوٹ شیطان نے بولا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں پہلا تقیہ پہلا جھوٹ شیطان کا کام تھا۔

۴؎ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ شخص ہر قسم کے گناہوں میں پھنس جاتا ہے اور قدرتی طور پر لوگوں کو اس کا اعتبار نہیں رہتا لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

۵؎ یہ حدیث بہت طریقوں سے مروی ہے جنہیں مسلم،بخاری،جامع صغیر وغیرہ نے روایت فرمایا وہ تمام الفاظ یہاں مرقات نے جمع فرمائے۔

روایت ہے حضرت ام کلثوم سے فرماتی ہیں ۱؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے	

	درمیان صلح کرادے اور کہے خیر بات اور پہنچائے خیر بات ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ ام کلثوم بنت رسول اللہ نہیں بلکہ ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابو معیط ہیں،مکہ معظّمہ میں اسلام لائیں اور وہاں سے پیدل مدینہ منورہ پہنچیں،حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں آئیں،جب غزوہ موتہ میں جناب زید شہید ہوگئے تو ان سے زبیر ابن عوام نے نکاح کرلیا انہوں نے طلاق دے دی تو ان سے عبدالرحمٰن ابن عوف نے نکاح کرلیا،ان سے دو بیٹے ہوئے ابراہیم اور حمید پھر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد عمرو ابن عاص کے نکاح میں آئیں اور اس نکاح سے ایک ماہ بعد وفات پاگئی،حضرت عثمان غنی کی اخیافی بہن ہیں،آپ سے آپ کے صاحبزادہ حمید نے احادیث روایت کیں۔(مرقات)

۲؎یعنی جو مسلمان دو لڑے ہوئے مسلمانوں کے درمیان جھوٹی خبریں پہنچا کر ان میں صلح کرادے تو وہ گنہگار نہیں اور یہ جھوٹ گناہ نہیں مثلًا زیدو عمرو لڑے ہوئے ہیں یہ زید سے کہے کہ عمرو نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں،عمرو کے متعلق بھی یہی کہے حتی کہ ان کی صلح ہوجائے تو یہ شخص ثواب پائے گا۔خیال رہے کہ چندصورتوں میں جھوٹ جائز ہے ان میں سے ایک تو یہ۔دوسرے کسی کا جان ومال محفوظ کرنے دشمن سے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا بلکہ بعض جگہ جھوٹ عبادت ہے جیسے کسی متقی پرہیزگار کااپنے کو گنہگارکہنا عبادت ہے اور بعض سچ کفر ہوجاتا ہے شیطان نے کہا تھا"رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ"سچ کہا تھا ہدایت و گمراہی اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر شیطان ہوگیا کافر۔

	روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم منہ پر تعریف کرنے والوں کو دیکھو ۱؎تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو ۲؎(مسلم)

۱؎یہاں مداحین سے مراد وہ جھولی چک ہیں جو خوشامد کے لیے لوگوں کے منہ پر تعریفیں کرتے ہیں بلکہ اس سے اپنے پیٹ پالتے ہیں،جھوٹی تعریفیں کرکے سامنے والے کو خوش کرتے ہیں جوکسی نیک شخص کی سچی تعریف کرے جس سے اس کو اور زیادہ نیکی کی رغبت ہو وہ اس میں داخل نہیں اس لیے مداحین صیغہ مبالغہ ارشاد ہوا یعنی تعریفیں کرنے کا عادی اس کا پیشہ ور۔

۲؎بعض شارحین نے حدیث کو بالکل ظاہری معنی پر رکھا کہ واقعی ان پر مٹی ڈال دوتاکہ آئندہ وہ اس کام کی جرأت نہ کریں دو چار جگہ منہ پر خاک پڑ جانے سے اس عمل سے توبہ کرلیں۔بعض نے فرمایا کہ اس کامعنی یہ ہے کہ اس پر خاک ڈالو ادھر توبہ نہ کرو یہ نہ سمجھو کہ واقعی تم بڑے اچھے آدمی ہو یا یہ مطلب ہے کہ اسے کچھ دے دو تھوڑا مال بھی گویا خاک ہے تاکہ وہ تمہاری ہجو نہ کرے کہ ایسے لوگ کچھ نہ ملنے پر گالیاں دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ انہیں بہت تھوڑا مال دو جو خاک برابر ہوزیادہ مال نہ دو اور بھی بہت معنی کیے گئے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کی تعریف کی ۱؎ تو فرمایا تیری خرابی تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی تین بار فرمایا ۲؎ تم میں سے جو کسی کی ضرور تعریف ہی کرے تو ہے کہ میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں اللہ تعالٰی اس پر مطلع ہے بشرطیہ وہ اسے ایسا ہی جانتا ہو ۳؎ اللہ پر کسی کی صفائی بیان نہ کرے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی بہت زیادہ تعریف کی بہت مبالغہ سے،غالبًا وہ شخص وہاں موجود ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے دیکھو مرقات۔

۲؎ یعنی وہ شخص ایسی طبیعت کا ہے کہ تیری تعریف سن کر مغرور ومتکبر ہوجاوے گا ایسے شخص کی منہ پر تعریف اسے نقصان دیتی ہے۔خیال رہے کہ بعض لوگ اپنی تعریف سن کر اور زیادہ نیکیاں کرنے لگتے ہیں اور بعض لوگ غرور میں آجاتے ہیں پہلے قسم کے لوگوں کے منہ پر تعریف کرنا مفید ہے،دوسرے لوگوں کے لیے نقصان دہ یہاں دوسری صورت کا ذکر ہے۔

۳؎ یعنی کسی کی تعریف کرنے کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ یقین کے ساتھ تعریف نہ کرے کہ وہ ایسا ہی ہے بلکہ اپنے خیال کا اظہار کرے۔دوسرے یہ کہ جو سمجھتا ہو وہ ہی کہے اگر واقعی اسے اچھا سمجھتا ہے تو اچھا کہے دل میں برا جاننا منہ سے اچھا کہنا جھوٹ بھی ہے اور خوشامد بھی۔

۴؎ یعنی واقعہ کی گواہی نہ دے کہ واللہ وہ بہت ہی اچھا ہے مگر یہ تمام شرائط اس کے متعلق ہیں جس کی برائی بھلائی نص سے ثابت نہ ہو۔حضرات انبیاء خصوصًا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آل و اصحاب کی تعریفیں کامل یقین سے کرے اور خوب کرے مثلًا میں کہہ سکتا ہوں کہ قسم رب تعالٰی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اللہ کے پیارے بندے ہیں،یوں ہی وہ حضرات جنہیں مخلوق ولی اللہ کہتی ہے انہیں ہم یقین سے ولی کہہ سکتے ہیں کہ مخلوق کی زبان خالق کا قلم ہے لہذا یہ حدیث نہ تو آیت قرآنیہ کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے،حضور فرماتے ہیں انتم شھداء اللہ فی الارض۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا جانتے ہو غیبت کیا ہے ۱؎ سب نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں فرمایا تمہارا اپنے بھائی کا ناپسندیدہ ذکر کرنا ۲؎ عرض کیا گیا فرمایئے تو اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جو میں کہتا ہوں ۳؎ فرمایا اگر اس میں وہ ہو جو کہتا ہے تو تو نے اس	

	کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ نہ ہو جو تو کہتا ہے تو تو نے اسے بہتان لگایا ۴؎(مسلم)اور ایک روایت میں ہے ۵؎ کہ جب تو اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرے جو اس میں ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو وہ کہے جو اس نے نہ کیا ہو تو تو نے اسے بہتان لگایا ۶؎

۱؎ یعنی قرآن مجید میں ہے"لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا"یعنی بعض مسلمان بعض کی غیبت نہ کریں،کیا جانتے ہو غیبت کیا ہے اور اس کی تفسیر کیا ہے۔

۲؎ یعنی کسی کے خفیہ عیب اس کے پس پشت بیان کرنا عیب خواہ جسمانی ہوں یا نفسانی دنیاوی یا دینی یا اس کی اولاد کے یا بیوی کے یا گھر کے خواہ زبان سے بیان کرو یا قلم سے یا اشارے سے،غرض کسی طرح سے لوگوں کو سمجھادو حتی کہ کسی لنگڑے یا ہکلے کی پس پشت نقل کرنا،لنگڑاکر چلنا یا ہکلاکر بولنا سب کچھ غیبت ہے یہ فرمان بہت وسیع ہے۔(مرقات)

۳؎ سائل غیبت اور بہتان میں فرق نہ کرسکے وہ سمجھے کہ کسی کو جھوٹا بہتان لگانا غیبت ہے اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا،وہ مایکرہ کے لفظ سے دھوکہ کھاگئے۔

۴؎ سبحان اللہ!کیا نفیس جواب ہے کہ غیبت سچے عیب بیان کرنے کو کہتے ہیں اور بہتان جھوٹے عیب بیان کرنے کو۔غیبت ہوتا ہے سچ مگر ہے حرام،اکثر گالیاں سچی ہوتی ہیں مگر ہیں بے حیائی و حرام ہر سچ حلال نہیں ہوتا،خلاصہ یہ ہے کہ غیبت ایک گناہ ہے بہتان دو گناہ۔

۵؎ یہ روایت مسلم میں نہیں بلکہ امام بغوی نے شرح سنہ میں نقل فرمائی مگر مؤلف کے فی روایۃ کہنے سے دھوکا پڑتا ہے کہ یہ بھی مسلم ہی کی روایت ہے۔(مرقات)

۶؎ غیبت و بہتان کا یہ فرق ضرور خیال رہے بہتان بہرحال برا ہے غیبت کبھی بری کبھی بری نہیں جیساکہ ہم شروع باب میں عرض کرچکے کہ غیبت کے حرام ہونے کی چند شرطیں ہیں: کسی خاص کی ہوں وہ خاص شخص مسلمان ہو،وہ عیب بھی اس کا خفیہ ہو اور بیان بھی کرے بلا ضرورت۔رہا بہتان وہ بہرحال حرام ہے خواہ کسی کو لگائے کسی طرح لگائے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی فرمایا کہ اجازت دے دو یہ اس قبیلہ کا بُرا آدمی ہے ۱؎ پھر جب وہ بیٹھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے خندہ پیشانی کی اور کشادہ روئی فرمائی ۲؎ پھر جب وہ شخص چلا گیا تو جناب عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اس

کے متعلق ایسا ایسا فرمایا پھر اس کے اوپر خنداں پیشانی اور کشادہ روئی فرمائی۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھے فحش گو کب پایا ۴؎ اللہ کے نزدیک بدترین درجہ والا قیامت کے دن وہ ہے جسے لوگ چھوڑ دیں اس کی شر سے ڈر کر اور ایک روایت میں ہے اس کے فحش سے خوف کرکے ۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور انور نے یہ بات اس وقت فرمائی جب کہ وہ ابھی حضور کے پاس پہنچا نہ تھا دروازہ پر ہی تھا یعنی اس کے پس پشت بیان فرمایا جو لغۃً غیبت ہے اس لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث یہاں اس باب میں لائے۔اس شخص کا نام عیینہ ابن حصن تھا۔مؤلفۃ القلوب سے تھا،اپنی قوم کا سردار بہت سخت طبیعت تھا،حضور کے پردہ فرمانے کے بعد مرتد ہوگیا،پھر حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر دوبارہ مسلمان ہوا مگر اس کا خاتمہ اسلام پر ہوا اس کا بھتیجا حرب ابن قیس پختہ مسلمان صاحب علم،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاص مقرب تھا،اس کا واقعہ وہ ہے جو بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے کہ یہ شخص اپنے اس بھتیجے کی معرفت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور آپ سے کہا کہ آپ انصاف نہیں کرتے ہم کو ہمارا حق نہیں دیتے،آپ ناراض ہوئے سزا دینی چاہی،حرب ابن قیس نے عرض کیا"خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ"۔حضور یہ جاہل ہے آپ اس سے درگزر کریں۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی حضور مطابق عادت کریمہ کے بہت اخلاق سے پیش آئے کرم کریمانہ سے کلام فرمایا۔

۳؎ یہ کلام تو حضرت عروہ کا ہے اس لیے **قلت** نہ کہا بلکہ **فقالت عائشه** فرمایا یا حضرت عائشہ کا ہی ہے مگر خود اپنے عمل کی حکایت اپنے نام سے کی۔مقصد یہ ہے کہ حضور کا یہ عمل شریف غیبت میں تو داخل نہیں ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں اسے برا فرمایا اور سامنے اخلاق سے گفتگو فرمائی۔

۴؎ یعنی ہم دوست دشمن نیک و بد سب سے اخلاق ہی برتتے ہیں کسی سے کج خلقی سے پیش نہیں آتے تم کو ہمارا تجربہ ہے۔

۵؎ یعنی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ ان سے نالاں ہوتے ہیں مگر اس سے ڈرکر اس کا احترام کرتے ہیں یہ انہیں میں سے ہے اگر میں اس کے سامنے وہ ہی کہتا جو اس کے پس پشت کہا تھا تو یہ میرے پاس آنا چھوڑ دیتا اور اس کی اصلاح نہ ہوسکتی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا مشہور عیب پس پشت بیان کرنا غیبت نہیں،نیز لوگوں کو اس کی شر سے بچانے کے لیے اس کی شر پر مطلع کردینا غیبت نہیں،نیز کسی کی اصلاح کے لیے اس کو برا نہ کہنا اس سے اخلاق سے پیش آنا سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ہر شخص کی اصلاح کے طریقے جدا گانہ ہیں حضور حکیم مطلق ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ساری امت کو عافیت دی جاوے گی ۱؎ سوا اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے ۲؎ اور اعلانیہ سے یہ بھی ہے ۳؎ کہ کوئی شخص رات میں کوئی کام کرے پھر صبح پائے کہ اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا مگر وہ کہے اے فلاں میں نے آج رات ایسا ایسا کیا ۴؎ حالانکہ رات میں اس کے رب نے اسے چھپا لیا وہ صبح کو اللہ کا پردہ خود ہی کھولنے لگا ۵؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث(جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو) دعوت کے باب میں ذکر کردی گئی ۶؎

۱؎ معافی کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ عفو سے یعنی رب تعالٰی کی طرف سے معافی دی جاوے گی۔دوسرے یہ کہ عافیت سے ہو یعنی اسے عافیت دی ہوئی ہے اس کی غیبت حرام ہے۔

۲؎ یعنی علانیہ گناہ کرنے والوں کی نہ آخرت میں پردہ پوشی کی جاوے گی نہ دنیا میں،ان کی غیبت حرام ہوگی ان کی غیبت جائز ہے کہ وہ خود ہی اپنے پردہ دار نہیں۔

۳؎ مجانه کے معنی اعلان بھی ہیں اور بے پرواہ بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

۴؎ یعنی اپنے چھپے گناہ خود ہی لوگوں پر ظاہر کرے اللہ تعالٰی کی ستاری سے فائدہ اٹھاکر خفیہ توبہ نہ کرے۔

۵؎ اس بناء پر فقہاء فرماتے ہیں کہ چھپے گناہ کی چھپ کر توبہ کرے توبہ کے اعلان نہ کرے توبہ کے اعلان میں گناہ کا بھی اعلان ہوگا۔یہ حکم حقوق عباد اور بعض شرعی سزاؤں کے علاوہ دیگر جرموں کے لیے ہے۔اگر کسی کا حق ہم نے مار لیا اسے خبر نہ ہوئی تو ضرور اسے خبر دے اور حق ادا کرے،اگر خفیہ زنا کرایا ہے تو قاضی کے پاس اقرار کرکے سزا لے جیسے حضرت ماعز نے کہا تھا لہذا حدیث واضح ہے۔

۶؎ یعنی وہ حدیث کہ جو اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ یا اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے مصابیح میں اس جگہ تھی ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت کے باب میں ذکر فرمادی،صاحب مشکوۃ نے ردوبدل بہت جگہ کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو جھوٹ چھوڑ دے جو کہ باطل چیز ہے ۱؎ تو اس کے لیے جنت کے کنارہ میں گھر بنایا جائے گا ۲؎ اور جو لڑائی جھگڑے چھوڑ

دے حالانکہ حق پر ہو اس کیلئے بیچ جنت میں گھر بنایا جاوے گا۳ اور جس کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کے لیے جنت کے اوپری حصہ میں گھر بنایا جاوے گا ۴(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے یونہی شرح سنہ میں ہے مصابیح میں فرمایا غریب ہے ۵	

۱ وھو باطل یا تو جملہ معترضہ ہے جو جھوٹ سے نفرت دلانے کے لیے ارشاد ہوا یعنی جھوٹ ہے ہی باطل چیز اسے چھوڑنا ہی چاہیے یا یہ جملہ حالیہ ہے تو معنی یہ ہوں گے جو جھوٹ باطل ہے وہ چھوڑ دے اور جو جھوٹ مفید ہے اس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں جیسے دو لڑے مسلمانوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا یا نیک بندے کا اپنے کو گنہگار کہنا توبہ کرنا وغیرہ جیساکہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔(ازمرقات واشعہ)

۲ یعنی جنت کا ادنی درجہ کیونکہ کنارہ ادنی ہوتا ہے درمیان اعلیٰ مگر کنارہ سے مراد جنت کا اندرونی کنارہ ہے نہ کہ بیرونی جنت۔

۳ یعنی جو کوئی لڑائی جھگڑا سے بچنے کے لیے اپنا حق بھی ظاہر نہ کرے یعنی حق پر ہو مگر اس پر لڑے نہیں اس کا گھر جنت یعنی جنت کے اعلیٰ درجہ میں ہوگا۔یہاں حق سے مراد دنیاوی حقوق ہیں نہ کہ دینی حقوق اگر کسی مسلمان نے کسی کی زمین یا قرض مار لیایہ لڑائی سے بچنے کے لیے پیچھے نہ پڑاصبر کرکے بیٹھ گیا بڑے درجے والا ہے مگر جو دین حق کو بربادکرنا چاہے اس کا مقابلہ بقدر طاقت زبان قلم تلوار سے ضرور کرے۔

۴ سبحان اللہ!خوش خلقی کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے کہ اس سے جنت الفردوس نصیب ہوتی ہے مگر حسن خلق کے لیے کوشش بھی کرے رب سے دعا بھی۔

۵ لغوی حسن غریب کے خلاف نہیں لہذا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا تم جانتے ہو کہ کون سی چیز زیادہ لوگوں کو جنت میں داخل کرتی ہے اللہ سے ڈر اور اچھی عادت ۱ کیا جانتے ہو کہ لوگوں کو آگ میں کون چیز زیادہ لے جاتی ہے دو خالی چیزیں منہ اور شرمگاہ ۲(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱ تقویٰ کا ادنی درجہ کفر و بدعقیدگی سے بچنا ہے اور درمیانی درجہ گناہوں سے بچنا،اعلیٰ درجہ میں غافل کرنے والی چیز سے بچنا ہے۔یوں ہی خوش خلقی کا ادنی درجہ یہ ہے کہ کسی کو جانی مالی عزت کی ایذا نہ دے،اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرے یہ بہت اعلیٰ چیز ہے جسے خدا تعالیٰ نصیب کرے۔

۲؎ یعنی انسان منہ سے کفر بولتا ہے غیبتیں چغلیاں کرتا ہے،نوے فی صدی گناہ منہ سے ہی ہوتے ہیں،شرمگاہ سے گناہ کرتا ہے جو بدترین گناہ ہے عقل کو مغلوب کرنے والی دین برباد کرنے والی چیز شہوت ہے جس کی جگہ شرمگاہ ہے۔

روایت ہے حضرت بلال ابن حارث سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اچھی بات بول دیتا ہے اس کی انتہا نہیں جانتا ۲؎ اس کی وجہ سے اس کے لیے اللہ کی رضا اس دن تک کے لیے لکھی جاتی ہے ۳؎ جب وہ اس سے ملے گا اور ایک آدمی بری بات بول دیتا ہے جس کی انتہا نہیں جانتا اللہ اس کی وجہ سے اپنی ناراضی اس دن تک لکھ دیتا ہے جب وہ اس سے ملے گا ۴؎ (شرح سنہ)اور مالک،ترمذی،ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔	

۱؎ یہ وہ بلال نہیں جو حضور انور کے مؤذن تھے وہ تو بلال ابن ابی رباح حبشی ہیں یہ بلال ابن حارث مزنی ہیں، ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے،۵ھ پانچ ہجری میں وفد مزینہ میں حضور کی خدمت میں آئے،حضور انور نے آپ کو فرع کے علاقہ کا حاکم مقرر فرمایا،فرع مدینہ منورہ سے پانچ دن کے راستہ پر ہے،فتح مکہ کے دن مزینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا،اسی ۸۰ سال آپ کی عمر ہوئی،۶۰ھ ساٹھ ہجری میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی اسے خبر نہیں ہوتی کہ یہ بات جو میں بول رہا ہوں اللہ کے نزدیک کیسی عظیم الشان ہے یوں ہی بول دیتا ہے۔

۳؎ یہاں الی انتہاء کا نہیں اور حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت تک تو رب اس سے راضی رہے گا بعد میں ناراض ہوجاوے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس رضا کا ظہور دنیا میں ہی نہیں بلکہ روز قیامت تک رہے گا جیسے رب نے شیطان سے فرمایا"اِنَّ عَلَیۡكَ لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ"۔غرضکہ رحمت کے آثار کا ظہور ابدالاباد تک ہے اور عطا رب غفور بعد قیامت ہوگی۔(اشعہ)غرضکہ اس فرمان سے مراد ابدالاباد ہے جیسے کہا جاتا ہے میں تجھ سے قیامت تک نہ بولوں گا یا تجھ سے قیامت تک خوش رہوں گا یعنی کبھی نہ بولوں گا یا ہمیشہ خوش رہوں گا۔

۴؎ یعنی کوئی بات ایسی بری بول دیتا ہے جس سے رب تعالٰی ہمیشہ کے لیے ناراض ہوجاتا ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ بہت سوچ سمجھ کر بات کیا کرے۔حضرت علقمہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بہت سی باتوں سے بلال ابن حارث کی حدیث روک دیتی ہے۔(مرقات)یعنی میں کچھ بولنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث سامنے آجاتی ہے اور میں خاموش ہوجاتا ہوں۔

روایت ہے بہز بن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرابی ہے اس	

کے لئے جو بات کرے تو جھوٹ بولے تاکہ اس سے قوم کو ہنسائے ۲؎ اس کے لئے خرابی ہے اس کے لئے خرابی ہے ۳؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ بہزابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ قشیری بصری تابعی ہیں،ثقہ ہیں،ان کے والد حکیم ابن معاویہ کی صحابیت میں اختلاف ہے،معاویہ ابن حیدہ صحابی ہیں مگر صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب اکمال میں ان کا ذکر نہ فرمایا۔(مرقات)

۲؎ لوگوں کو ہنسانے کے لیے تو جھوٹ بولنا ہمیشہ ہی جرم بلکہ ڈبل جرم مگر لوگوں کو منانے کے لیے سچی بات کہنا اگر کبھی کبھی ہو تو جرم نہیں۔خوش طبعی اچھی چیز ہے مگر اس کا عادی بن جانا گناہ ہے،کسی پریشان یا مغموم کو ہنسا دینے کے لیے اچھی و سچی دل لگی کی بات کہہ دینا ثواب ہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دینے کے لیے اپنا گھریلو واقعہ بیان فرمایا جب کہ حضور نے اپنی ازواج پاک سے ایلاء کیا تھا یہ سنت فاروقی ہے۔بہرحال ایسے جائز کاموں میں بھی اعتدال چاہیے ان کا عادی بن جانا اچھا نہیں۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ خوش طبعی کرنا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی خوش طبعی کرے جو بالکل حق ہوتی تھی۔(مرقات)

۳؎ ویل کے معنی ہیں خرابی،افسوس،دوزخ کے ایک طبقہ کا نام بھی ویل ہے۔یہاں بمعنی خرابی۔تین بار ویل فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ ایسے شخص کیلئے دنیا میں بھی خرابی ہے،برزخ میں بھی،آخرت میں بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ کوئی بات کرتا ہے نہیں کہتا مگر اس لیے کہ اس سے لوگوں کو ہنسائے اس کی وجہ سے وہ آسمان و زمین کے فاصلہ سے زیادہ نیچا گر جاتا ہے ۱؎ وہ اپنی زبان سے پھسلتا ہے اس سے سخت پھسلنی جو اپنے قدم سے پھسلتا ہے ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ اس فرمان عالی سے آج کل کے ڈوم مراثی مسخرے،بھانڈ بھنڈیلے عبرت پکڑیں جو لوگوں کو ہنسا کر گزارہ کرتے ہیں جن کی کمائی صرف لوگوں کی ہنسائی ہے،نیز اس سے وہ واعظین بھی عبرت پکڑیں جو منبر رسول پر وعظ کرتے ہیں صرف ہنسانے کے لیے ان کے وعظ کی کامیابی لوگوں کے قہقہہ سے ہوتی ہے۔پناہ بخدا ان کے وعظ میں پتہ نہیں چلتا کہ دین کا وعظ ہورہا ہے یا سینما کا کوئی دل لگی شو۔

۲؎ یعنی پاؤں کی پھسلن سے زبان کی لغزش زیادہ خطرناک ہے کہ پاؤں کی لغزش سے بدن چوٹ کھاتا ہے مگر زبان کی لغزش سے دل،جان،ایمان زخمی ہوتا ہے۔زبان کی لغزش سے ہی قتل و خون ہوتے ہیں،زبان ہی کی لغزش سے انسان کا فرو بے دین ہوجاتا ہے ابلیس اپنی زبان کی لغزش کی سزا اب تک پارہا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہا نجات پاگیا	

	۱؎(احمد،ترمذی،دارمی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو میری بات سے خاموش رہا وہ دنیا و دین کی آفات سے نجات پا گیا۔دوسرے یہ کہ جس نے خاموشی اختیار کی وہ دونوں جہاں کی بلاؤں سے محفوظ رہا۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ کلام چارقسم کے ہیں:خالص مضر،خالص مفید،مضر بھی مفید بھی،نہ مضر نہ مفید۔خالص مضر سے ہمیشہ پرہیز ضروری ہے،خالص مفید کلام ضرور کرے،جو کلام مضر بھی ہو مفید بھی اس کے بولنے میں احتیاط کرے۔بہتر ہے کہ نہ بولے اور چوتھی قسم کے کلام میں وقت ضائع کرنا ہے ان کلاموں میں امتیاز کرنا مشکل ہے لہذا خاموشی بہتر ہے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو میں نے عرض کیا کہ نجات کا ذریعہ کیا ہے ۲؎فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو ۳؎اور تم کو تمہارا گھر کافی رہے ۴؎اور اپنی خطاؤں پر رو ۵؎(احمد،ترمذی)

۱؎آپ قبیلہ جہینہ سے ہیں،امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے پھر معزول کردیئے گئے،مصر میں ہی میں آپ کی وفات ہوئی ۵۸ھ میں۔(اکمال)

۲؎یعنی ہم دین و دنیا کی مصیبتوں سے کیسے بچیں دنیا میں آفتیں تو گردوغبار کی طرح پھیلتی ہیں ان سے بچاؤ کی تدبیر کیا ہے۔

۳؎ املك الف کے کسرہ سے باب ضرب کا امر ہے ملك بمعنی قبضہ قابو ہے یعنی اپنی زبان کو قبضہ میں رکھو اس کی حفاظت کرو بری بات بولنے سے روکو۔

۴؎یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ جاؤ لوگوں کے پاس بلاوجہ نہ جاؤ گھر سے نہ گھبراؤ اپنے گھر کی خلوت کو غنیمت جانو کہ اس میں صدہا آفتوں سے امان ہے۔بزرگ فرماتے ہیں کہ سکوت،لزوم بیوت اور قناعت بالقوت الی ان یموت امان کی چابی ہے یعنی خاموشی،گھر میں رہنا،رب کی عطا پر قناعت،موت تک اس پر قائم رہنا۔

۵؎یعنی اپنے گزشتہ گناہوں پر نادم ہوکر رونا اختیار کرو دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اپنی عیب جوئی کرو۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے اسے مرفوع فرمایا ۱؎کہ فرمایا جب انسان سویرا پاتا ہے تو سارے اعضاء زبان کی خوشامد کرتے ہیں ۲؎کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ تعالٰی سے ڈر کہ ہم تیرے ساتھ ہیں تو اگرسیدھی رہے گی ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم ٹیڑھے ہوں گے ۳؎(ترمذی)

۱؎چونکہ راوی کو یہ یاد نہ رہا کہ حضرت ابو سعید خدری نے کن الفاظ سے حدیث کو مرفوع کیا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا یا خالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے **رفعه** کہہ دیا۔(مرقات)

۲؎ تکفر بنا ہے کفر سے بمعنی ذلت و عاجزی و خواری،کہا جاتا ہے کفر الیھودی یعنی یہودی ذلیل ہوگیا اپنے صاحب کے آگے جھک گیا۔
۳؎ یعنی نفع نقصان راحت و آرام تکالیف و آلام میں ہم تیرے ساتھ وابستہ ہیں اگر تو خراب ہوگی ہماری شامت آجاوے گی تو درست ہوگی ہماری عزت ہوگی۔خیال رہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے اس کی اچھائی برائی دل کی اچھائی برائی کا پتہ دیتی ہے ۔عرب کہتے ہیں:لسان الانسان اله البیان للکفر والایمان لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ دل کے درست ہوجانے سے تمام جسم درست ہوجاتا ہے کہ دل و زبان کا حال یکساں ہے،بارہا منافقین کی زبان ان کے دل کا نشان دے دیتی تھی،دل دیگ ہے زبان اس کا چمچہ ہے۔

	روایت ہے حضرت علی ابن حسین سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک چھوڑ دینا ہے اس کا جو اسے نفع نہ دے ۲؎(مالک،احمد)اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے اور ترمذی و بیہقی نے شعب الایمان میں ان دونوں سے روایت کی۔

۱؎ علی ابن حسین ابن علی یعنی امام زین العابدین آپ کے فضائل و مناقب بارہا ہم اسی کتاب میں عرض کرچکے ہیں۔
۲؎ یعنی کامل مسلمان وہ ہے جو ایسے کلام ایسے کام ایسی حرکات و سکنات سے بچے جو اس کے لیے دین یا دنیا میں مفید نہ ہوں،وہ کام یا کلام کرے جو اسے یا دنیا میں مفید ہو یا آخرت میں۔سبحان اللہ!ان دو کلموں میں دونوں جہان کی بھلائی وابستہ ہے۔ایک بزرگ کسی محل پر گزرے مالک سے پوچھا کہ تو نے یہ مکان کب بنایا ہے فورًا بولے کہ میں نے یہ کلام بے فائدہ کیا اس کے کفارہ میں ایک سال روزے رکھے۔اپنے نفس کا حساب کرو تاکہ قیامت کا حساب آسان ہو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے وفات پائی تو کسی نے کہا کہ مبارک ہے جنت کی۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ شاید غیر مفید خبر میں گفتگو کی یا نہ گھٹنے والی چیز میں بخل کیا ہو ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی میری طرف سے جنت کی مبارک باد قبول کر کہ تو مؤمن متقی صحابی ہو کر دنیا سے گیا اس سے بڑھ کر کیا درجہ ہوسکتا ہے،یہ خطاب اس میت سے ہے۔
۲؎ مطلب یہ ہے کہ فوری جنتی ہونے کا فیصلہ کسی کے لیے نہیں کیا جاسکتا۔ممکن ہے کہ اس شخص نے بے کار بات کرلی ہو یا مال یا علم میں بخل کیا ہو اس کے حساب میں گرفتار ہو جنت کا داخلہ اس کے حساب سے فراغت کے بعد میسر ہو۔

روایت ہے حضرت سفیان ابن عبداللہ ثقفی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ جن چیزوں کا آپ مجھ پر خوف کرتے ہیں ان میں زیادہ خطرناک کیا چیز ہے ۲؎ فرمایا کہ آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا یہ ۳؎ ترمذی اور اسے صحیح کہا۔	

۱؎ آپ کا نام سفیان ابن عبداللہ ابن ربیعہ ہے،کنیت ابو عمرو،قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،طائف کے رہنے والے تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں طائف کے حاکم رہے۔

۲؎ یعنی میرے اعضاء سارے ہی خطرناک ہیں مگر ان سب میں زیادہ خطرناک کون سا عضو ہے جو مجھے بہت زیادہ نقصان پہنچاسکتا ہے۔

۳؎ حضور انور نے خود سائل کی زبان نہ پکڑی اس لیے کہ اس میں تکلف ہوتا اور یہ احتمال ہوتا کہ شاید صرف ان کی زبان ہی خطرناک ہوگی دوسروں کی نہیں اپنی زبان شریف پکڑنے میں یہ دونوں باتیں نہیں،نیز اشارہ کیا نام نہ لے دیا کہ اشارہ فرمانے میں زیادہ اہتمام ہے،چونکہ کفر و شرک اور اکثر بڑے گناہ زبان سے ہوتے ہیں،نیز زیادہ گناہ اور ہر وقت گناہ زبان سے ہوتے ہیں اس لیے اسی کو زیادہ خطرناک قرار دیا دیگر اعضاء کے گناہوں میں بھی زبان کا دخل ہوتا ہے چوری،زنا،شراب خوری،قتل وغیرہ تمام جرموں میں پہلے زبان کام کرتی ہے پھر باقی اعضاء کہ ان کاموں کے مشورے زبان سے ہی ہوتے ہیں،میدان زبان بناتی ہے پھراس پر چلتے ہیں باقی اعضاء،یہ ہی حال نیکیوں کا ہے کہ زیادہ نیکیاں زبان سے ہوتی ہے اور باقی اعضاء کی نیکیوں میں بھی زبان کا حصہ ضرور ہوتا ہے دوسرے اعضاء کی نیکیاں خاص وقتوں میں ہوتی ہیں مگر زبان کی نیکیاں ہر وقت ہوتی رہتی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور ہوجاتا ہے ۱؎ اس بدبو کی وجہ سے جو آتی ہے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ فرشتے سے مراد یا تو نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہے یا حفاظت کرنے والا فرشتہ یا کوئی خاص رحمت کا فرشتہ،گناہ لکھنے والا فرشتہ دور نہیں ہوتا فرشتوں کے مزاج مختلف ہیں۔میل سے مراد یا تو یہ ہی شرعی میل ہے یعنی فرسخ کا تہائی حصہ یا مراد ہے تاحد نظر زمین۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی بری باتوں نیک و بداعمال میں خوشبو اور بدبو ہے بلکہ ان میں اچھی بری لذتیں بھی ہیں مگر یہ صاف دماغ والوں کو صاف طبیعت والوں کو ہی محسوس ہوتی ہیں اللہ رسول کے نام میں وہ لذت ہے جو کسی چیز ہی میں نہیں مولانا محمد بشیر صاحب فرماتے ہیں شہد سے میٹھا محمد نام،میم سے ہیں محبوب وہ رب کے،ح سے حاکم عجم و عرب کے،دوسری میم سے مالک سب کے،دال سے داتا دونوں جہان کے

فیض ہے ان کا عام شہد سے میٹھا محمد نام

میم مے توحید پلائے اور ح حق سے جاکے ملائے،دوسری میم مراد لائے۔

دال سے دل آرام شہد سے میٹھا محمد نام

روایت ہے حضرت سفیان ابن اسد حضرمی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بری خیانت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو اور تو اس میں جھوٹا ہو ا(ابوداؤد)	

ا یعنی جھوٹ بہرحال برا ہے مگر اس شخص سے جھوٹ بولنا جو تمہیں سچا سمجھتا ہو تم پر اعتماد کرتا ہو یہ بہت ہی برا ہے کہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دھوکا فریب بھی،یوں ہی اللہ رسول سے جھوٹ بولنا بڑا ہی جرم ہے کہ یہ جھوٹ بھی ہے،بے حیائی بے غیرتی،بے شرمی بھی۔اللہ تعالٰی اپنا خوف اپنے حبیب کی شرم نصیب کرے کہ یہ دو چیزیں ہی گناہوں سے بچاتی ہیں۔

روایت ہے حضرت عمار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا میں دو منہ والا ہوگا ا قیامت کے دن اس کی زبان آگ کی ہوگی ۲(دارمی)	

ا دو منہ والا وہ شخص ہے جو سامنے تعریف کرے پیچھے برائی یا سامنے دوستی ظاہر کرے پیچھے دشمنی یا دو لڑے ہوئے آدمیوں کے پاس جاوے اس سے ملے تو اس کی سی کہے دوسرے سے ملے تو اس کی سی کہے ہر ایک کا ظاہری دوست بنے۔

۲ حدیث شریف بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جو رب دنیا میں مٹی کی زبان دے سکتا ہے وہ قیامت کے بعد آگ کی بھی زبان دے سکتا ہے اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں اس زبان میں جو سوزش اور جلن ہوگی وہ ظاہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن نہ تو طعنہ باز ہوتا ہے اور نہ لعنت باز نہ فحش گو نہ بے حیا ا (ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ نہ فحش گو بے حیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

ا یعنی یہ عیوب سچے مسلمان میں نہیں ہوتے اپنے عیب نہ دیکھنا دوسرے مسلمانوں کے عیب ڈھونڈھنا ہر ایک کو لعن طعن کرنا اسلامی شان کے خلاف ہے یہ حدیث بہت جامع ہے۔بعض لوگ جانوروں کو،ہوا کو،گالیاں دیتے

ہیں،بعض کے ہاں حضرات صحابہ کو گالیاں دینا عبادت ہے نعوذباللہ بعض لوگ گالی پہلے دیتے ہیں بات پیچھے کرتے ہیں سب لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان لعنت کرنے والا نہیں ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ مؤمن کو لائق نہیں کہ بہت لعن طعن کرنے والا ہو ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی کامل مسلمان لعن طعن کرنے کا عادی نہیں ہوتا کہ بات بات پر لعنت کرتا رہے اتفاقیہ کبھی منہ سے نکل جانا اس کے خلاف نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نہ تو اللہ کی لعنت سے لعنت کرو ۱؎ اور نہ اللہ کے غضب سے نہ دوزخ سے اور ایک روایت میں ہے کہ نہ آگ سے ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یعنی یہ نہ کہو کہ تجھ پر خدا کی لعنت اللہ کی پھٹکار،نہ یہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب اللہ کا قہر وغیرہ،لعنت وغضب کی بددعا نہ کرو نہ یہ کہو کہ تو جہنم میں جائے یا تیرا ٹھکانہ دوزخ ہو یا تجھے خدا دوزخ میں یا آگ میں ڈالے۔

۲؎ خیال رہے کہ یہ لعنت و پھٹکار اور یہ بددعائیں کسی معین مسلمان کو منع ہیں غیرمعین کو اس کے وصف سے لعنت کرنا بالکل جائز ہے جیسے "لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ" رہے مشرکین و کفار اگر ان کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم ہو تو انہیں نام لے کر لعنت کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔بہرحال لعنت بددعائیں کوئی خاص عبادت نہیں کہ اس کی عادت نہ ڈالے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے ۱؎ تو اس کے سامنے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں پھر وہ زمین کی طرف لوٹتی ہے اور اس کے سامنے زمین کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں ۲؎ پھر وہ داہنے بائیں پھرتی ہے ۳؎ پھر جب جگہ نہیں پاتی تو اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر لعنت کی گئی تو اگر وہ اس کا اہل ہو تو فبہا ورنہ کہنے والے کی طرف لوٹ

جاتی ہے ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ جیسے غبار دھواں وغیرہ بذاتِ خود اوپر چڑھتے ہیں ایسے ہی لعنت و پھٹکار بھی اوپر چڑھتی ہے مگر اسے آسمان میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی کہ وہاں اس کا مستحق کوئی نہیں۔

۲؎ لہذا وہ لعنت زمین میں نہیں دھنس سکتی کہ وہاں بھی اس کا مستحق کوئی نہیں۔خیال رہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت نہ تو آسمان میں رہتے ہیں نہ زمین کے اندر بلکہ اوپر اوپر ہی مارے مارے پھرتے ہیں لہذا اس فرمان پر کوئی غبار نہیں۔

۳؎ یعنی لعنت اس حیران پریشان چیز کی طرح دوڑتی گھومتی ہے جسے اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور تلاش ٹھکانہ کے لیے حیران پریشان گھومے یا بطور تمثیل ارشاد ہوا ہے یا واقعہ ایسے ہی ہوتا ہے کیونکہ ہمارے تمام قول و فعل ایک شکل و حال رکھتے ہیں۔

۴؎ بہرحال لعنت یا تو ملعون پر پڑتی ہے اگر وہ اسکا اہل ہو ورنہ خود لاعن پر لہذا لعنت کرنا چاہیے ہی نہیں۔ سوچو کہ ان کا حال کیا ہوگا جو دن رات حضرات صحابہ پر تبرا اور لعن طعن کرتے رہتے ہیں،اسی طرح جو لوگ جانوروں کو،دھوپ کو،ہوا کو لعنت کردیتے ہیں،بیماریوں کو کوستے پیٹتے ہیں اس سب کا وبال خود ان پر ہی پڑتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص کی چادر ہوا نے اس پر سے اڑادی اس نے ہوا پر لعنت کی ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو کہ یہ تو زیر فرمان ہے ۲؎ اور یقینًا جو کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کی اہل نہ ہو تو لعنت اس پر ہی لوٹتی ہے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ جیسے آج بعض لوگ بیماریوں وغیرہ پر لعنت کردیتے ہیں یہ سخت برا ہے۔

۲؎ ہوا کا نرم و سخت چلنا تیری چادر کا اڑا دینا سب کچھ اللہ تعالٰی کے حکم سے ہے ان میں اس کا کوئی قصور نہیں پھر اس پر لعنت کیسی۔

۳؎ یعنی لعنت کرنے کا گناہ اس پر پڑے گا یا خود لعنت پھٹکار رحمت سے دوری خود اس کو ملے گی۔معلوم ہوا کہ لعنت اور رحمت اپنے مستحق کو جانتی پہچانتی ہیں ان کے ٹھکانوں کو بھی جانتی ہیں حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے کوئی صحابی کسی کی طرف سے کوئی بات نہ پہنچائے ۱؎ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف سینہ آیا کروں ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر کوئی مجھے میرے پیچھے برا کہے تو تم اس کی بات مجھ سے نہ کہو۔خیال رہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنا نام لیا مگر ہم کو قانون بتایا کہ کوئی کسی کی غیبت اس تک نہ پہنچائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دلوں کی گہرائیوں کی بات گھروں کے اندرونی حالات سے خبردار ہیں ان سے کوئی چیز مخفی نہیں،نیز کوئی صحابی حضور انور کی شان میں گستاخی نہیں کرتے تھے نہ سامنے نہ پیچھے حضور کی گستاخی کفر ہے۔رہے منافقین حضور انور ان سے ناراض تھے خواہ کوئی انکی بات پہونچاتا یا نہ پہونچاتا۔بہرحال حدیث بالکل واضح ہے اس پر نہ وہابی اعتراض کرسکتے ہیں نہ شیعہ۔

۲؎ کہ کسی کی عداوت کسی سے نفرت دل میں نہ ہوا کرے یہ بھی ہم لوگوں کے لیے بیان قانون ہے کہ اپنے سینے صاف رکھو تاکہ ان میں مدینہ کے انوار دیکھو ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ رحمت نور کرامت کا گنجینہ ہے وہاں کدورت کی پہنچ نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو صفیہ رضی اللہ عنھا سے یہ ہے کہ وہ ایسی ایسی ہیں یعنی پستہ قد۱؎ تو فرمایا تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو دریا میں ملادیا جائے تو اسے رنگین کردے ۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ جناب عائشہ نے بالشت دکھا کر فرمایا کہ صفیہ اتنی بڑی ہیں یعنی میرے بالشت کی برابر یہ عرض و معروض حضرت صفیہ بنت حیی کے پس پشت ہوئی اس لیے اسے غیبت کہا گیا۔معلوم ہوا کہ غیبت اشارہ سے بھی ہوجاتی ہے۔

۲؎ یعنی بظاہر یہ بات چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے مگر اتنی بڑی ہے کہ اگر اس رنگت کو پوڑیا کی شکل دے دی جاوے اوراسے سمندر میں گھول دیا جاوے تو سارے سمندر کو رنگین کردے تو یہ تمہارے دل کو یقینا گدلا کردے گی تمہارے نیک اعمال کا رنگ بھی بگاڑ دے گی،اس سے توبہ کرو اور آئندہ کبھی کسی کی غیبت نہ کرو۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام گناہوں سے معصوم نہیں،معصوم یا فرشتے ہیں یا حضرات انبیاءکرام،یہ حضرات عادل ہیں کہ گناہ پر جمتے نہیں توبہ کرلیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ غیبت حق العبد جب ہے جب کہ اس کی خبر اس کو پہنچ جاوے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ ہے کہ توبہ سے معاف ہوجاتی ہے،دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو جناب صفیہ سے معافی مانگنے کا حکم نہ دیاکیونکہ حضرت صفیہ کو اس کی خبر نہ ہوئی لہذا یہ حق اللہ رہی۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہوتی بے حیائی کسی چیز میں مگر اسے عیب ناک کردیتی ہے اور نہیں

	ہوتی شرم کسی چیز میں مگر اسے زینت دے دیتی ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی اگر بے حیائی اور حیا و شرم انسان کے علاوہ اور مخلوق میں بھی ہوں تو اسے بھی بے حیائی خراب کردے اور حیا اچھا کردے تو انسان کا کیا پوچھنا حیا ایمان کی زینت،انسانیت کا زیور ہے،بے حیائی انسانیت کے دامن پر بدنما دھبہ ہے۔

	روایت ہے حضرت خالد ابن معدان سے ۱؎وہ حضرت معاذ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جو اپنے بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے ۲؎تو وہ نہ مرے گا حتی کہ خود بھی کرے گا۳؎یعنی وہ گناہ جس سے وہ توبہ کرچکا ہے ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں کیونکہ خالد نے معاذ ابن جبل کو نہیں پایا ۵؎

۱؎آپ جلیل القدر عظیم الشان تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،ملک شام میں مقام حمص کے رہنے والے ہیں،قبیلہ کلاع سے ہیں،ستر ۷۰ صحابہ سے ملاقات کی، ۱۰۴ھ ایک سوچار ہجری میں مقام طرطوس میں آپ کی وفات ہوئی وہاں ہی قبر شریف ہے۔

۲؎گناہ سے وہ گناہ مراد ہے جس سے وہ توبہ کرچکا ہے یا وہ پرانا گناہ جسے لوگ بھول چکے یا خفیہ گناہ جس پر لوگ مطلع نہ ہوں اور عاردلانا توبہ کرانے کے لیے نہ ہوں محض غصہ اور جوش غضب سے ہو یہ قیود خیال میں رہیں۔

۳؎یعنی اپنی موت سے پہلے یہ گناہ خود کرے گا اور اس میں بدنام ہوگا مظلوم کا بدلہ ظالم سے خود رب تعالٰی لیتا ہے۔

۴؎یہ تفسیر حضرت امام احمد ابن حنبل کی ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہے جس سے گنہگار توبہ کرچکا ہے ایسے گناہ کا ذکر بھی نہیں چاہیے جس گناہ میں بندہ گرفتار ہے،اس سے عار دلانا تاکہ توبہ کرے یہ تو تبلیغ ہے اس پر ثواب ہے۔

۵؎یعنی خالد ابن معدان نے معاذ ابن جبل کا زمانہ نہ پایا کیونکہ حضرت معاذ کی وفات ۱۸ھ اٹھارہ میں ہوئی اور خالد کی پیدائش ۱۸ھ کے بعد ہوئی۔خیال رہے کہ اتصال کے لیے راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات کرنا ضروری نہیں صرف ہم زمانہ ہونا کافی ہے،تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے ہاں امام بخاری کے ہاں ملاقات ضروری ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت واثلہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی پر لعن طعن ظاہر نہ کرو ۲؎ورنہ اللہ اس پر رحم کردے گا اور تجھے مبتلا کردے گا ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱؎ واثلہ ابن اسقع لیثی صحابی ہیں،جب حضور انور غزوہ تبوک کے لیے جارہے تھے تو آپ ایمان لائے،تین سال حضور کی خدمت میں رہے،اصحاب صفہ سے تھے ایک سو برس عمر پائی بیت المقدس میں وفات ہوئی۔(مرقات)آپ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی کسی مسلمان کو دینی یا دنیاوی آفت میں مبتلا دیکھ کر اس پر خوشی میں طعن نہ کرو بعض دفعہ خوشی میں بھی کسی پر لاحول پڑھی جاتی ہے۔شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر

مگواندوہ خویش پیش کساں　　　　که لاحول گویند شادی کناں

اگر ملامت کرنا اس کی فہمائش کے لیے ہو تب جائز ہے جب کہ اس طریقہ سے اس کی اصلاح ہوسکے غرضکہ ملامت کی مختلف صورتیں ہیں۔

۳؎ یہ ہے مسلمان کی آفت پر خوشی منانے کا انجام کہ خوشی منانے والا خود گرفتار ہوجاتا ہے بارہا کا آزمودہ ہے ہمیشہ خدا سے خوف کرنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کی نقل کروں اگرچہ مجھے اتنا اتنا ملے ۱؎(ترمذی)اور اس کو صحیح فرمایا۔

۱؎ یعنی اگر مجھے کوئی دنیا کی بڑی سے بڑی دولت نعمت دے اس کے عوض میں کہ میں کسی مسلمان کی کوئی حرکت بطورِ غیبت نقل کروں تو میں وہ دولت قبول نہ کروں گا اور اس کی نقل نہ اتاروں گا۔یہاں حضور انور نے اپنا عمل شریف بیان فرماکر تاقیامت مسلمانوں کو تعلیم دی کہ تم کو کوئی کتنی ہی دولت دے کر کسی مسلمان کی قولی یا عملی غیبت کرائے اس کی نقل اتروائے تو ہرگز قبول نہ کرو،یہاں بھی حکایت سے مراد بطور غیبت ممنوع نقل کرنا ہے۔

	روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں کہ ایک بدوی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھادیا ۱؎ پھر اسے باندھ دیا پھر مسجد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی پھر جب سلام پھیرا تو اپنی سواری کے پاس گیا اسے کھولا اس پر سوار ہوا پھر پکار الٰہی مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کہتے ہو یہ زیادہ بے وقوف ہے یا اس کا اونٹ ۳؎ کہ کیا تم نے نہ سنا جو اس نے کہا لوگ بولے ہاں ۴؎(ابوداؤد)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کفی بالمرء کذبا ہم نے باب الاعتصام کی پہلی فصل میں ذکر کردی۔

۱؎ اعرابی یعنی بدوی حضرات اپنے گاؤں میں عموماً رہتے تھے اتفاقًا کبھی شہر میں کسی کام کے لیے آجاتے تھے وہ آداب سے کم واقف ہوتے تھے۔

۲؎ وہ اپنی غلطی سے اس دعا کو بہت اچھا سمجھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے یہ کہا اس لیے آواز سے کہا کہ حضور انور سن لیں اور خوش ہوجاویں یعنی مجھ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی خاص رحمت کر جو کسی پر نہ ہو۔

۳؎ یہاں ضلات سے مراد گمراہی یا بدعقیدگی نہیں بلکہ بے وقوفی و جہالت ہے کیونکہ اس نے وسیع رحمت کو تنگ کرنے کی دعا کی یا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت خاصہ میں اپنے کو شریک کیا اس میں بے ادبی ہے اور بظاہر دعویٰ مساوات ہے۔(لمعات)

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ دعا صرف اپنے واسطے نہیں کرنا چاہیے بلکہ عام صیغوں سے کی جاوے خصوصًا یہ کہنا کہ اور کسی پر رحم نہ کر یہ تو بہت ہی برا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کا ظاہر ظہور عیب اس کی پس پشت بیان کرنا غیبت نہیں کہ حضور انور نے اس کی جہالت صحابہ سے بیان فرمائی جب کہ وہ سن نہ رہا تھا اس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تعالٰی ناراض ہوتا ہے ۱؎ اور اس سے عرش ہل جاتا ہے ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی گنہگار بدکار لوگوں کی تعریف کرنا خوشامد کے لیے یا ان سے کچھ دنیاوی نفع حاصل کرنے کے ممنوع ہے،رب تعالٰی کی ناراضی کا باعث،ظالم کو عادل کہنا فقہاء کے نزدیک کفر ہے کہ اس میں نص قرآنی کا انکار ہے۔

۲؎ عرش الٰہی کا ہلنا رب تعالٰی کے غضب کے اظہار کے لیے ہے کہ یہ اس کی تعریف کررہا ہے جس سے رب تعالٰی ناراض ہے اگر اسے حلال جان کر اچھا کہا ہے تو کافر ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن تمام خصلتوں پر پیدا کیا جاسکتا ہے سواء خیانت اور جھوٹ کے ۱؎ (احمد)	

۱؎ خلال سے مراد بری عادتیں ہیں اس فرمان عالی سے یا نفی مقصود ہے یا نہیں،پہلی صورت میں معنی یہ ہیں کہ جھوٹ اور خیانت ایسی بری عادتیں ہیں کہ کسی مؤمن میں یہ دونوں چیزیں اصلی پیدائشی نہیں ہوسکتیں،اگر کوئی مؤمن جھوٹا یا خائن ہوگا تو عارضی طورپر ہوگا کہ جھوٹوں خائنوں کی صحبت میں رہ کر یہ جھوٹا یا خائن بن جاوے گا

اس کے علاوہ اور عیوب مؤمن میں پیدائشی ہوسکتے ہیں،دوسری صورت میں یہ معنی ہیں کہ مؤمن کو چاہیے کہ جھوٹا و خائن عادةً نہ بنے ان عیبوں کی عادت نہ ڈالے یہ دونوں اس کی شان ایمان کے خلاف ہیں،رب فرماتاہے:"اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللہِ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ"۔(مرقات،لمعات)

	(احمد،بیہقی شعب الایمان،بروایت سعد ابن ابی وقاص)

	روایت ہے حضرت صفوان ابن سلیم سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں پھر عرض کیا گیا مؤمن کنجوس ہوسکتا ہے فرما ہاں ۲؎ پھر عرض کیا گیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے فرمایا نہیں ۳؎ (مالک،بیہقی شعب الایمان ارسالًا) ۴؎

۱؎ آپ تابعین میں سے ہیں،نہایت متقی پرہیزگار تھے،چالیس سال زمین سے پیٹھ نہ لگائی بیٹھے بیٹھے جان نکلی سجدے کرتے کرتے پیشانی میں غار ہوگیا، ۱۰۲ھ ایک سو دو ہجری میں وفات ہوئی۔(اشعہ و مرقات)لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ صحابی کا ذکر اس میں نہیں ہے۔

۲؎ یعنی مسلمان میں بزدلی یا کنجوسی فطری طور پر ہوسکتی ہے کہ یہ عیوب ایمان کے خلاف نہیں لہذا مؤمن میں ہوسکتی ہیں۔

۳؎ کذاب فرماکر اس طرف اشارہ ہے کہ مؤمن گاہے بہ گاہے جھوٹ بول لے تو ہوسکتا ہے مگر بڑا جھوٹا ہمیشہ کا جھوٹا ہونا جھوٹ کا عادی ہونا مؤمن ہونے کی شان کے خلاف ہے،یہاں بھی وہ ہی مراد جو ابھی پہلی حدیث میں عرض کیا گیایا مؤمن سے مراد کامل الایمان لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں۔

۴؎ ارسال کی وجہ ابھی عرض کی گئی کہ صفوان ابن سلیم تابعی ہیں صحابی نہیں اور تابعی کا کسی حدیث کو حضور سے روایت کرنا ارسال ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ شیطان انسانی شکل میں بنتا ہے پھر کسی قوم کے پاس پہنچتا ہے انہیں کسی جھوٹی بات کی خبر دیتا ہے ۱؎ لوگ پھیل جاتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو سنا جس کی صورت پہچانتا ہوں یہ نہیں جانتا کہ اس کا نام کیا ہے وہ یہ کہتا تھا ۲؎ (مسلم)

۱؎ کسی واقعہ کی خبر یا کسی مسلمان پر بہتان یا فساد و شرارت کی خبر جس کی اصل کچھ نہ ہو،الکذب بہت عام ہے۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں یہ بارہا کا تجربہ ہے۔ماہ رمضان کی ستائیسویں تاریخ جمعہ کے دن یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا عیدالفطر کے دن نماز عید کے وقت تمام شہروں بلکہ دیہاتوں میں خبر اڑ گئی کہ سکھ مسلح ہوکر اس بستی پر حملہ آور ہورہے ہیں قریب ہی آچکے ہیں ہر گھر ہر محلّہ میں شور مچ گیا لوگ تیاریاں کرکے نکل آئے حالانکہ بات غلط تھی،ہر جگہ لوگوں نے کہا کہ ابھی ایک آدمی کہہ گیا ہے خبر نہیں کون تھاپھر جوفساد شروع ہواوہ سب نے دیکھ لیا خدا کی پناہ! اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے شیطان چھپ کر بھی دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے اور ظاہر ہوکر شکل انسانی میں نمودار ہوکر بھی لہذا ہر خبر بغیر تحقیق نہیں پھیلانا چاہیے۔اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی شیطان عالم آدمی کی شکل میں آکر جھوٹی حدیثیں بیان کرجاتا ہے لوگوں میں وہ جھوٹی حدیثیں پھیل جاتی ہیں اس لیے حدیث کو کتاب میں دیکھ کر اسناد وغیرہ معلوم کرکے بیان کرنا چاہیے اگرچہ یہ فرمان حضرت ابن مسعود کا ہے مگر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کہ ایسی بات صحابی اپنے خیال یا رائے سے بیان نہیں فرماسکتے حضور سے سن کر ہی کہہ رہے ہیں۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حطان سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر کے پاس گیا تو میں نے انہیں ایک کالے کمبل میں اکیلے ٹیک لگائے بیٹھے پایا ۱؎ میں نے کہا اے ابوذر یہ گوشہ نشینی کیسی تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تنہائی بہتر ہے ہر ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے تنہائی سے ۲؎ اور اچھی بات بولنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی بہتر ہے بری بات بولنے سے ۳؎	

۱؎ اس طرح کہ اکڑوں بیٹھے تھے اور اپنے اردگرد کمبل لپیٹا ہوا تھا ہاتھوں کے حلقہ میں پنڈلیاں لیے ہوئے تھے یہ انتہائی تواضع کی بیٹھک ہے۔

۲؎ یعنی چونکہ مجھے اس وقت کوئی نیک صالح ساتھی نہ ملا اس لیے تنہائی کو غنیمت سمجھ کر اکیلا بیٹھ گیا،غالبًا کسی اجنبی جگہ میں ہوں گے مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف نہیں کوئی اور مسجد مراد ہے ورنہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں نیک ساتھی کی کیا کمی تھی خیرالقرون تھا۔

۳؎ یعنی تنہائی میں انسان خاموش بیٹھے گااور خاموشی اچھی ہے بری بات سے،برے یار کے پاس بیٹھ کر بری باتیں کرنا پڑتی ہیں اس لیے تنہائی بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا خاموشی سے ثابت رہنا ۱؎ ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے ۲؎	

۱؎ یہاں یا تو ساعةً پوشیدہ ہے یا زمانًا،بعض روایات میں ہے فی الصف فی سبیل اللہ یعنی ایک ساعة یا کچھ دیر یا جہاد کی صف میں خاموش رہنادنیاوی باتیں نہ کرنا۔

۲؎ یعنی اگر کوئی شخص ساٹھ سال عبادت کرے مگر زیادہ باتیں بھی کرے اچھی بری بات میں تمیز نہ کرے اس سے یہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر خاموش رہے کیونکہ خاموشی میں فکر بھی ہوئی،اصلاح نفس بھی،معارف و حقائق میں استغراق بھی،ذکر خفی کے سمندر میں غوطہ لگانا بھی،مراقبہ بھی یہ نعمتیں اگرچہ ایک ساعت کی ہوں ساٹھ سال کی خشک عبادت سے افضل ہیں اس لیے حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ہزار سال کے خاص ذکر سے افضل ہے،خیال رہے کہ ان جیسے مقامات پر ساٹھ سال یا ستر سال سے مراد دراز زمانہ ہوتا ہے نہ کہ صرف یہ مدت۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا دراز حدیث بیان کی ۱؎ یہاں تک کہ فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے وصیت کیجئے ۲؎ فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ تمہارے تمام کاموں کی زینت ہے ۳؎ میں نے عرض کیا کہ کچھ زیادہ کیجئے فرمایا قرآن کی تلاوت اور اللہ کا ذکر اختیار کرو ۴؎ کہ یہ تمہارے چرچے کا باعث ہے آسمان میں اور تمہارے لیے نور ہے زمین میں ۵؎ میں نے عرض کیا کچھ زیادہ فرمایئے فرمایا تم دراز خاموشی اختیار کرو ۶؎ کہ یہ شیطان کو بھگانے والا ہے اور تمہارے دینی کام پر تمہارا مدد گار ہے ۷؎ میں نے عرض کیا کہ مجھے زیادہ دیجئے فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو کہ یہ دل کو مردہ کردیتا ہے اور چہرے کا نور زائل کردیتا ہے ۸؎ میں نے عرض کیا زیادہ کیجئے فرمایا حق بات کہو اگرچہ کڑوی ہو ۹؎ میں نے عرض کیا اور زیادہ دیجئے فرمایا اللہ کی راہ میں ملامت والے کی ملامت سے نہ ڈرو ۱۰؎ میں نے عرض کیا زیادہ کیجئے فرمایا کہ تم کو لوگوں سے وہ بات منع کرے جو تم اپنے میں جانتے ہو ۱۱؎

۱؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض و معروض بہت دراز ہوئی جس کا ذکر دوسری جگہ ہے یہاں نہیں۔

۲؎ مجھے کوئی خاص تاکیدی حکم دیجئے اعلیٰ نصیحت فرمایئے۔اہلِ عرب بہت تاکیدی حکم یا اہم نصیحت کو وصیت کہتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک وصیت ضرور پوری کی جاتی تھی،رب فرماتاہے:"یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ"۔

۳؎ یعنی دین و دنیا کی تمام اچھی چیزوں کی زینت خوف خدا ہے۔خوفِ خدا کے ساتھ عقائد عبادات معاملات جو بھی کیے جاویں کامل ہوں گے،قران کریم میں ہے"وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ" تقویٰ دل کا غسل ہے،نیک عقائد دل کا لباس،نیک اعمال دل کا زیور سب چیزیں تقویٰ کے بعد ہیں۔

۴؎ کیونکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ تقویٰ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اس سے دل نرم پڑتا ہے نرمی دل اللہ کی بڑی نعمت ہے،ہر چیز نرم ہو کر ہی کچھ بنتی ہے لوہا نرم ہوکر اوزار بنتا ہے،زمین میں نرمی کے بعد دانہ و تخم بوئے جاتے ہیں،آٹا پانی سے نرم ہوکر اعلی درجہ کی غذائیں بنتا ہے،دل نرم ہوکر ولی اللہ بن جاتا ہے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"فَاذْکُرُوْنِیْۤ اَذْکُرْکُمْ"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا،اللہ کے ذاکر کا فرشتے چرچا کرتے ہیں،اس سے چہرے پر نور دل میں سرور ہوتا ہے،لوگوں میں عزت نصیب ہوتی ہے آزمائش کرلو۔شعر

گر تو خواہی زیستین با آبرو ذکر اوکن ذکر اوکن ذکر او
ہر گدارا ذکر او سلطان کند ذکر مرزیور ایمان بود
ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زیر پائش عرش و کرسی نہ فلک

۶؎ یعنی دنیاوی کلام سے خاموشی اختیارکرو ذکر اللہ سے خاموشی مراد نہیں۔

۷؎ کیونکہ قریبًا اسّی فی صدی گناہ زبان سے ہوتے ہیں،زبان بند رکھو گناہ کم کرو گے تم پر شیطان کا داؤ کم چلے گا،خاموشی میں ذکروفکر کا زیادہ موقعہ ملے گا۔

۸؎ کیونکہ زیادہ ہنسی دل غافل کر دیتی ہے دل کی غفلت اس کی موت ہے قلب بیدار،زبان ذاکر،جسم صابر اللہ تعالٰی کی نعمتیں ہیں۔

۹؎ یعنی اگر حق بات لوگوں کو بری معلوم ہو تم پر اس کی وجہ سے کچھ تکلیف بھی آجائے مگر کہو ہمیشہ حق بات،اس حق بات سے مراد لوگوں کو اچھی نصیحتیں کرنا ہے۔

۱۰؎ لوگوں کے ڈر سے اچھے کلام اچھے کام نہ چھوڑدو دین پر سختی سے قائم رہو لوگ خواہ زندہ باد کہیں یا مردہ باد۔

۱۱؎ یعنی لوگوں کو ان عیوب پر ملامت نہ کرو جو تم میں خود موجود ہیں پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسروں کی۔خیال رہے کہ اچھی باتیں بتانا اور چیز ہے اور عیب جوئی کچھ اور اپنے کو سب سے ناقص جانو۔شعر

غافل ازایں خلق از خود اے پسر لاجرم گویند عیب یک دگر

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا اے ابو ذر کیا میں تم کو ایسی دو خصلتوں پر رہبری نہ کروں جو پیٹھ پر ہلکی ہیں ۱؎ ترازو میں بھاری ہیں ۲؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں تو فرمایا دراز

	خاموشی اور اچھی عادت۳؎اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مخلوق نے ان دو جیسے کام نہ کیے ہوں گے۴؎

۱؎یعنی ان پر عمل کرنا آسان ہے کچھ مشکل نہیں،چونکہ عمل میں پیٹھ کو بھی دخل ہوتا ہے اس لیے عمل کے لیے پیٹھ کا لفظ استعمال فرمایا جاتا ہے،نیز بوجھ پیٹھ پر ہی اٹھائے جاتے ہیں پیٹھ ہی ہلکا بھاری بوجھ محسوس کرتی ہے بہرحال کلام بڑا فصیح ہے یا مراد ہے زبان کی پیٹھ۔

۲؎یعنی کل قیامت میں یہ خصلتیں جب گناہوں سے تولی جائیں گی تو یہ بھاری ہوں گی گناہ ہلکے ہوجائیں گے،قیامت میں ہمارے کام و کلام کی شکل و صورتیں بھی ہوں گی ان میں وزن بھی ہوں گے وہاں نیکیوں کا وزن اخلاص سے ہوگا۔

۳؎خاموشی سے مراد دنیاوی باتوں سے خاموشی جس کے ساتھ فکر بھی ہے اللہ کے ذکر سے خاموشی اچھی نہیں۔اچھے اخلاق سے مراد ہے خلق و خالق کے حقوق اداکرنا،نرم وگرم حالات میں شاکر و صابر رہنا،چونکہ خاموشی اور صبروشکر میں کوئی خاص محنت نہیں پڑتی بلکہ ان کے ترک میں محنت ہوتی ہے اس لیے انہیں ہلکا فرمایا گیا۔

۴؎کیونکہ انکے فائدے دین و دنیا دونوں جگہ دیکھے جائیں گے۔واقعی ان دو کاموں سے بڑھ کر معاملات کا کوئی کام نہیں،یہاں معاملات کے مقابلہ میں عظمت بیان فرمائی گئی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر پر گزرے حالانکہ آپ اپنے کسی غلام کو برا بھلا کہہ رہے تھے۱؎تو ان کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ برا کہنے والے بھی اور صدیق بھی قسم ربِ کعبہ کی ہرگز نہیں۲؎تو اس دن جناب ابوبکر نے کچھ غلام آزاد کیے۳؎پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا اب کبھی نہ کروں گا۴؎یہ پانچوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔

۱؎یہاں **لعنت** سے لغوی لعنت مراد ہے برا بھلا کہنا یا بددعاکرنا شرعی لعنت جو کفار سے خاص ہے مراد نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لعنت سے توبہ کراتے۔

۲؎یعنی تم تو خالق و مخلوق کے نزدیک صدیق ہو پھر تم کسی کو برا بھلا کیسے کہتے ہو یہ دو صفتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہوتیں صدیق کے لیے صبر ضروری ہے۔مطلب یہ ہے کہ تم میں یہ عیب نہیں ہونا چاہیے نہایت ہی نفیس نصیحت ہے۔

۳؎یہ غلام آزاد کرنا اس غلطی کے کفارہ کے لیے تھا جو بلا شعور آپ سے سرزد ہوگئی،یہ ہے انتہائی تقویٰ بھلائیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں۔

۴؎ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی کو برا بھلا نہ کہااپنی فطرت کو نبوت کے سانچہ میں ڈھال لیا۔

روایت ہے حضرت اسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب عمر حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے وہ اپنی زبان کھینچ رہے تھے ۲؎ تو حضرت عمر نے ان سے عرض کیا ٹھہریئے اللہ آپ کو بخشے تو ان سے جناب ابوبکر نے فرمایا کہ اس نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں لا ڈالا ۳؎ (مالک)	

۱؎ آپ تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابو خالد ہے، حبشی تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے جنہیں حضرت فاروق نے مکہ معظّمہ میں ۱۱ھ میں خریدا،آپ کی عمر ایک سو چودہ سال ہوئی،مروان کے زمانہ میں وفات پائی ۸۰ھ اسّی ہجری میں۔

۲؎ اپنی زبان شریف کو کھینچ کر مروڑ رہے تھے یا اسے باہر نکال ڈالنے کی کوشش فرمارہے تھے گویا اپنی زبان کو سزا دے رہے تھے۔

۳؎ یہ انتہائی خوفِ خدا کی دلیل ہے حضرت صدیق کی زبان صدق کے سواء کیا بولے گی مگر پھر بھی اپنے کو قصور وار کہتے ہیں جیسے حضرات انبیاءکرام نے اپنے کو ظالم خاسر وغیرہ فرمایا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے رب انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا۔شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند　　　عارفاں از اطاعت استغفار

روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے نفس کی طرف سے میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں ۱؎ جب بات کرو سچ کہو،جب وعدہ کرو تو پورا کرو ۲؎ جب امین بنائے جاؤ تو ادا کرو ۳؎ اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو ۴؎ اپنی نگاہیں نیچے رکھو ۵؎ اپنے ہاتھ روکو ۶؎	

۱؎ یعنی تم چھ عادتیں ڈال لو ان کے خلاف نہ کرو تو میں تمہارے جنتی ہونے کا ضامن ہوتا ہوں تم ضرور جنتی ہو گے بلکہ وہاں کا اعلیٰ درجہ پاؤ گے۔

۲؎ وعدہ سے مراد جائز وعدہ ہے وعدہ کا پورا کرنا ضروری ہے مسلمان سے وعدہ کرو یا کافر سے عزیز سے وعدہ کرو یا غیر سے استاذ،شیخ،نبی،اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے تمام وعدے پورے کرو،ہاں اگر کسی حرام کام کا وعدہ کیا ہے اسے ہر گز پورا نہ کرے حتی کہ حرام کام کی نذر پوری کرنا حرام ہے۔

۳؎امانت مال کی ہو یا بات کی یا کسی اور چیز کی ضرور ادا کرے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی رات حضرت علی سے فرمایا کہ ان خونخوار کفار کی امانتیں میرے پاس ہیں وہ تم ادا کردینا۔امانت اور غنیمت میں بڑا فرق ہے۔

۴؎نہ اس سے حرام کاری کرو نہ خاوند بیوی کے سوا کسی پر ظاہر ہونے دو۔**فروج** سے مراد مردوعورت کی ستر غلیظ ہے۔

۵؎چلو پھرو تو نیچی نگاہ سے،بیٹھو تو نیچی نگاہ سے تاکہ غیر محرم کے دیکھنے سے بچو یہ حکم مردوعورت دونوں کو ہے،جہاں اوپر دیکھناضروری ہے یا جائز ہے وہاں ضرور دیکھو،عالم،ماں باپ کا چہرہ،چاند وغیرہ ضرور دیکھو یہاں شرم حیاء کا ذکر ہے۔

۶؎کہ اپنے ہاتھ سے کسی پر ظلم نہ کرو اس سے ناجائز چیز نہ چھوؤ۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن غنم اور اسماء بنت یزید سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب دیکھے جائیں تو اللہ یاد آجائے ۲؎اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی سے چلیں،دوستوں کے درمیان جدائی ڈالنے والے ۳؎پاک لوگوں میں عیب ڈھونڈنے والے ۴؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎عبدالرحمٰن غنم اشعری شامی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے، حضرت معاذ ابن جبل کے ساتھ رہے،اسماء بنت یزید ابن سکن صحابیہ ہیں اسی لیے شارحین فرماتے ہیں کہ بہتر یہ تھا کہ حضرت اسماء کا نام شریف پہلے ذکر کیا جاتا۔

۲؎یعنی ان کے چہروں پر انوار و آثار عبادت ایسے ہوں کہ انہیں دیکھتے ہی رب یاد آجاوے ان کے چہرے آئینہ خدا نما ہوں۔حضور فرماتے ہیں کہ علی کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے آپ کو جو دیکھتا تھا کہتا تھا لا الہ الا اللّٰہ کیسا کریم بہادر حلیم جوان ہے۔(مرقات)بعض لوگوں کے پاس بیٹھنے سے قلب جاری ہوجاتا ہے،حضور داتا صاحب کے مزار مقدس پر پہنچ کر دل کی دنیا بدل جاتی ہے،مصری عورتوں نے جمال یوسفی دیکھتے ہی کہا تھا حاشاللّٰہ،یہ ہے اللہ کی یاد آجانا۔یہاں حضرت شیخ عبدالحق نے فرمایاکہ میں ایک بار مکہ معظمہ کے بازار میں سر نیچا کیے جارہا تھاکہ اچانک ایک شخص پر نظر پڑی میرے منہ سے فورًا **لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وھو علی کل شئی قدیر**۔(اشعہ)

۳؎معلوم ہوا کہ فسادونفاق کے لیے چغلی کھانا ممنوع ہے،صلح کرانے کے لیے ایک دوسرے کو اچھی باتیں پہنچانا عبادت ہے۔

۴؎ باغون جمع باغی کی جس کا مادہ بغی ہے بمعنی چاہنا ڈھونڈھنا۔براء جمع ہے بری کی بمعنی دور یعنی جو عیب سے دور ہوں ان میں عیب جوئی کرنے والے۔اپنے عیب ڈھونڈھنا عبادت ہے دوسروں کے عیب ڈھونڈھنا برا ہے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے مقبول بندوں میں عیب جوئی کفر ہے،بعض بدنصیبوں کو نبیوں ولیوں میں عیب جوئی کی عادت ہوتی ہے۔

روایت ہے ابن عباس سے کہ دو شخصوں نے نماز ظہر یا عصر پڑھی اور وہ دونوں تھے روزہ دار ۱؎ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو فرمایا کہ اپنے وضو اپنی نمازیں لوٹاؤ اور اپنے روزوں میں گزر جاؤ (پورے کرلو)اور دوسرے دن ان کی قضا کرو ۲؎ وہ بولے یارسول اللہ کیوں فرمایا تم نے فلاں کی غیبت کی۔	

۱؎ یعنی یہ دونوں روزہ دار بھی تھے مدینہ منورہ کی سرزمین میں بھی مسجد نبوی شریف میں بھی اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے پیچھے انہوں نے نماز بھی پڑھی اتنی خوبیوں کے ساتھ انہوں نے کسی مسلمان کی غیبت بھی کرلی۔

۲؎ قرآن کریم نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے"اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا"۔اور ظاہر ہے گوشت کھانے خون پینے سے روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے نماز بھی۔خلاصہ یہ ہے کہ گناہ نیکیوں کا کمال دور کردیتے ہیں جیسے نیکیاں اصل گناہوں کا زوال کردیتی ہیں،نیز غیبت کی وجہ سے غیبت کرنے والے کی نیکیاں مغتاب کو دے دی جاتی ہیں اس کا روزہ نماز مغتاب کو دے دیا گیا یہ بغیر روزہ نماز رہ گیا لہذا اسے دوبار ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے نماز پڑھی ہوئی بے کار ہوجاتی ہے ان کی دلیل یہ ہی حدیث ہے۔(مرقات)باقی حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ نماز کا کمال ٹوٹ جاتا ہے بہرحال یہ حکم عالی تنبیہ فرمانے کے لیے ہے۔

روایت ہے ابوسعید و جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے ۱؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ غیبت زنا سے سخت کیسے ہے فرمایا کہ کوئی شخص زنا کرتا ہے تو توبہ کرلیتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اسے بخش دیتا ہے اور غیبت والے کی بخشش نہیں ہوتی حتی کہ اس کا صاحب وہ معاف کرے ۲؎	

۱؎یعنی غیبت ہے تو گناہ صغیرہ اور زنا ہے گناہ کبیرہ مگر شدت اور نتیجہ میں غیبت زنا سے بدتر ہے،یہ نرمی کی وجہ آگے بیان ہورہی ہے۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ زنا گناہ ہے اس کی شرعی سزا بھی بہت سخت ہے مگر ہے حق اللہ جو توبہ سے معاف ہوسکتا ہے،غیبت حق العبد ہے کہ توبہ سے معاف نہیں ہوسکتا جب تک کہ صاحبِ حق معاف نہ کرے،اگر وہ مرگیا تو اس کی معافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔حق اللہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ بندے کے معاف کرنے سے معاف نہ ہو،حق العبد کی پہچان یہ ہے کہ بندے کے معاف کرنے سے معاف ہوجاوے۔زنا حق اللہ،قتل حق العبداس لیے قتل کا قصاص ولی مقتول کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے،زنا اگر زانی مزنیہ کے سارے عزیز معاف کردیں اس کی سزا معاف نہیں ہوتی۔

	اور حضرت انس کی روایت ہے کہ فرمایا زنا والا توبہ کرسکتا ہے اور غیبت والے کی توبہ نہیں ۱؎ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎اس فرمان عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ غیبت کا گناہ توبہ کرلینے سے معاف نہیں ہوتااس کی معافی کے لیے مغتاب کا معافی دینا ضروری ہے۔دوسرے یہ کہ لوگ زنا کو سخت گناہ سمجھتے ہیں اس لیے توبہ کرلیتے ہیں مگر غیبت کو معمولی چیز سمجھ کر اس سے توبہ نہیں کرتے حالانکہ یہ سخت گناہ ہے اس لیے زنا کبھی کوئی کرتا ہے مگر غیبت سب ہمیشہ کرلیتے ہیں الا ماشاءاللہ۔یہ وبا عام ہے اس کو لوگ برا بھی نہیں سمجھتے اس سے بچو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے کفارہ میں سے یہ ہے کہ تو اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرے جس کی تو نے غیبت کی ہے،کہے کہ الٰہی ہم کو اور اس کو بخش دے ۱؎(بیہقی دعوات کبیر)اور بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے۔

۱؎اس فرمان عالی کے بہت معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اگر غیبت کی خبر غیبت والے کو پہنچ گئی تب تو وہ حق العبد بن گئی اس سے جاکر معافی مانگے اور اگر اس کی خبر غیبت والے کو نہ پہنچی تو حق اللہ سے توبہ کرے مگر اس توبہ میں غیبت والے کو بھی شامل کرے۔دوسرے یہ کہ اگر غیبت والا زندہ ہے تو اس سے معافی مانگے اور اگر مرچکا ہے تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔تیسرے یہ کہ غیبت والے سے معافی مانگے اگر وہ معاف کردے تو خیر اگر معاف نہ کرے تو اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرے۔مولانا علی قاری نے فرمایا کہ اگر غیبت کی خبر غیبت والے کو پہنچ جاوے تو حق العبد ہوجاتی ہے اگر خبر نہ پہنچے تو حق اللہ رہتی ہے مگر میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہٗ نے فرمایاکہ غیبت بہرحال حق العبد ہے خواہ اسے خبر پہنچے یا نہ پہنچے جیسے کسی کا مال مار لینا بہرحال حق العبد ہے خواہ مال والے کو خبر پہنچے یا نہ پہنچے کیونکہ غیبت سے غیبت

والے کی آبرو ریزی ہوتی ہے اور آبرو بھی مال کی طرح حق العبد ہے اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ مردے کی غیبت زندہ کی غیبت سے سخت تر ہے کہ مردے سے معافی نہیں مانگی جاسکتی۔اس میں اختلاف ہے کہ غیبت والے سے معافی مانگے تو اجمالًا مانگے یا تفصیلًا یعنی یہ بتاکر معافی مانگے کہ میں نے تجھے یہ کہا تھا یا صرف یہ کہہ دے کہ میں نے تیری غیبت کی تھی مجھے معاف کردے۔

باب الوعد

وعدے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱لغت میں اچھی چیز کی امید دلانے یا بری چیز سے ڈرانے ان دونوں کو وعدہ کہا جاتا ہے۔اصطلاح میں کسی چیز کی امید دلانے کو وعدہ کہتے ہیں،بری چیز سے ڈرانے کو وعید۔میں تم کو کچھ دوں گا وعدہ ہے،تم کو سزا دوں گا وعید ہے۔یہاں وعدہ اصطلاحی مراد ہے خلاف وعدہ کرنا جھوٹ ہے خلاف وعید کرنا معافی،وعدہ خلافی بری چیز ہے معافی اچھی چیز ہے۔

روایت ہے جابر سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے وفات پائی اور حضرت ابو بکر کے پاس علاء بن حضرمی کے پاس سے مال آیا۱تو جناب ابو بکر نے اعلان فرمایا کہ جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قرض ہو یا اس سے حضور کا کوئی وعدہ ہو تو ہمارے پاس آئے ۲حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھے اتنا اور اتنا اور اتنا دیں گے ۳آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تھے۴ حضرت جابر کہتے ہیں کہ جناب صدیق نے مجھے ایک لپ بھر دیا۵ میں نے گنا تو وہ پانچ سو تھے فرمایا اس کے دوگنے اور لے لو ۶(مسلم،بخاری)	

۱علاء ابن حضرمی صحابی ہیں،حضر موت کے رہنے والے ان کا نام عبداللہ ہے،حضور انور نے انہیں یمن کا حاکم مقرر فرمایا عہد صدیقی وفاروقی میں بھی اسی عہدے پر رہے حتی کہ ۱۴ھ چودہ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی،یہاں یمن سے مال آنے کا ذکر ہے۔(مرقات)

۲اور ہم سے حضور کا قرض وصول کرے حضور کا وعدہ پورا کرائے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وعدہ مثل قرض کے ہے۔دوسرے یہ کہ مرحوم کی طرف سے اس کے قرض ادا کردینا اس کے وعدے پورے کرنا سنت ہے خواہ کوئی میت کا عزیز کرے یا کوئی اور اس وجہ سے حضرت صدیق باغ فدک کی آمدنی حضور کے اہل پر خرچ کرتے تھے۔(مرقات)

۳یعنی تم کو تین لپ بھر کر درہم دینار عطافرمائیں گے یہ وعدہ عطیہ خسروانہ عنایت شاہانہ کے طور پر تھا۔

۴یعنی حضور انور نے اپنے لپ بھر کر عطا کا وعدہ فرمایا تھا نہ کہ میرے لپ بھر کر۔

۵معلوم ہوا کہ حضور کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ کرم تھا کہ حضور انور نے اپنے لپ بھر دینے کا وعدہ فرمایا تھا حضرت صدیق اکبر نے اپنا ہاتھ بھر کر انکی جھولی میں ڈالا تھا۔

۶؎ آپ نے خود تین لپ بھر کر نہ دیئے تاکہ اصل اور نائب کے لپ میں فرق رہے۔خیال رہے کہ آپ نے حضرت جابر سے اس وعدہ پر گواہی نہیں مانگی نہ قسم لی کیونکہ معاملات میں گواہی منکر کے مقابل ہوتی ہے یہاں کوئی منکر تھا نہیں اور حضرات صحابہ ثقہ عادل ہیں ان کے قول بغیر قسم قبول ہیں،وہ حضرات حضور سے احادیث روایت کرتے ہیں تو ان پر نہ جرح ہوتی ہے نہ ان سے قسم لی جاوے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کی تقسیم نہیں ورنہ حضرت جابر جناب فاطمہ زہرا و حضرت عباس سے یہ وعدہ پورا کراتے۔دوسرے یہ کہ جو ذاتِ کریم ایسی دیانتدار ہو وہ خلافت جیسی اہم چیز کبھی غصب نہیں کرسکتی حضرت صدیق اکبر خلیفہ برحق ہیں،دیانتدار ہیں،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین اسلام کے پہلے تاجدار ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگت والا دیکھا کہ بڑھاپا آگیا تھا۲؎ اور حضرت حسن بن علی آپ کی ہم شکل تھے۳؎ اور ہمارے لیے تیرہ اونٹنیوں کا حکم جاری فرمایا ہم قبضہ کرنے گئے تو ہم کو آپکی وفات کی خبر پہنچ گئی۴؎ لوگوں نے ہم کو کچھ نہ دیا۵؎ پھر جب حضرت ابو بکر قائم مقام ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس کا کوئی وعدہ ہو وہ آئے۶؎ میں آپ کے طرف گیا میں نے آپ کو یہ خبر دی تو آپ نے ہمارے لیے ان کا حکم دیا۷؎(ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام وہب ابن عبداللہ ہے،کنیت ابو جحیفہ،لڑکپن میں حضور سے ملاقات کی،کوفہ میں قیام رہا،حضرت علی نے آپ کو وزیر خزانہ بنایا،آپ کے ساتھ تمام جنگلوں میں شامل رہے،کوفہ میں ۷۴ھ چوہتر میں وفات پائی وہاں ہی مزار ہے۔

۲؎ سفید مائل بہ سرخی خالص چٹا نہیں سر مبارک اور ڈاڑھی شریف میں بیس بال شریف سفید ہوئے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

۳؎ سر سے ناف تک حضرت حسن حضور کے ہم شکل تھے،ناف سے قدم تک حضرت حسین حضور کے ہم شکل تھے اور از سر تا پا جناب فاطمہ زہرا ہم شکل مصطفیٰ تھیں اس لیے حضرت معاویہ امام حسن کو اپنے تخت پر بٹھاتے تھے اور آپ کا نہایت درجہ احترام فرماتے تھے،کہتے تھے کہ یہ ہم شکل رسول آل رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم۔

۴؎ یعنی ہماری قوم کے لیے حضور انور سے تیرہ اونٹنیاں لے لینے کا حکم جاری فرمایا مدینہ منورہ سے کچھ دور جہاں حضور انور کی وفات کی خبر شائع ہوگئی۔

۵؎ یعنی جو اصطبل کے منتظم تھے انہوں نے ہم کو یہ اونٹنیاں نہ دیں کیونکہ حضور انور کی طرف سے ہبہ تو ہوگیا تھا مگر ابھی قبضہ نہیں ہوا تھا اور ہبہ بغیر قبضہ مکمل نہیں ہوتا اس لیے ان لوگوں کو اونٹنیاں دینے قبضہ کرانے کا حق نہ تھا۔

۶؎ جب خلافت کا معاملہ مکمل ہوگیا اور حالات پرسکون ہوگئے تب آپ نے یہ اعلان فرمایا اس لیے **فلما قام** فرمایا۔(مرقات)

۷ یعنی ان اونٹنیوں پر قبضہ کر لینے کا حکم جاری فرمایا۔خیال رہے کہ بہت سے وعدے اکیلے میں کیے جاتے ہیں جن پر گواہ نہیں ہوتے اگر جناب صدیق گواہی کی قید لگاتے تو حضور انور کے بہت سے وعدے پورے نہ ہوسکتے اس لیے انہوں نے بغیر گواہ وعدے جاری فرمائے،نیز حضرات صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں وہاں جھوٹ کا احتمال نہیں دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی الحسماء سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے پہلے حضور سے خرید وفروخت کی ۲ اور آپ کا کچھ بقایا رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ وہ چیز لاتا ہوں پھر میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا تو حضور انور اس جگہ تھے ۳ فرمایا کہ تم نے مجھ پر مشقت ڈال دی میں تین دن سے یہاں ہی تمہارا انتظار دیکھ رہا ہوں ۴(ابوداؤد)

۱ حق یہ ہے کہ آپ کا نام عبداللہ ابن الحمساء ہے یعنی میم سین سے پہلے ہے مصابیح میں حسماء لکھا گیا ہے،آپ عامری ہیں،مکی ہیں مگر بصریٰ میں قیام رہا۔(اشعہ)

۲ یہ بیع معاوضہ تھی یعنی سامان کے عوض سامان کی اس لیے بایعت باب مفاعلت سے فرمایا۔(مرقات) یہ واقعہ ظہور نبوت سے پہلے کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و دیانت کس شان کی تھی اور نبوت کے ظہور سے پہلے کیسے سچے تھے۔

۳ عبداللہ نے حضور سے عرض کیا تھا کہ آپ کا بقایا اسی جگہ لاتا ہوں حضور مجھے یہاں ہی ملیں حضور انور نے قبول فرمالیا تھا کہ تم کو یہاں ہی ملوں گا یہ ملنے کا وعدہ حضور کی طرف سے ہوا تھا لہذا حدیث واضح ہے اس پر اعتراض نہیں کہ حضور نے تو کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔

۴ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں ٹھہرنا اپنا مال لینے کے لیے نہ تھا اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے تھا مال تو ان کے گھر جاکر بھی وصول کیا جاسکتا تھا۔سچ اور وعدہ پورا کرنا تمام نبیوں کی سنت ہے،اللہ تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے:"وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى"اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے:"اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ"۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی جب کوئی شخص اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت پورا کرنے کی ہو پھر پورا نہ کرسکے وعدہ پر نہ آسکے تو اس پر گناہ نہیں ۱(ابوداؤد،ترمذی)

۱ جائز وعدہ پورا کرنا عام علماء کے نزدیک مستحب ہے وعدہ خلافی مکروہ،بعض علماء کے نزدیک ایفاء وعدہ واجب ہے وعدہ خلافی حرام ہے یہ حدیث ان ہی حضرات کی دلیل ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر وعدہ کرنے والا پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر کسی عذر یا مجبوری کی وجہ سے پورا نہ کرسکے تو وہ گنہگار نہیں،یوں ہی اگر کسی کی نیت وعدہ خلافی کی ہو مگر اتفاقًا پورا کردے تو گنہگار ہے اس بدنیتی کی وجہ سے ہر وعدہ میں نیت کو بڑا دخل ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ بن عامر سے ۱ فرماتے ہیں مجھے میری

	ماں نے ایک دن بلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف فرما تھے وہ بولیں آ تجھے دوں گی ۲؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں کیا دینا چاہتی ہو ۳؎ بولیں میں نے اسے کھجوریں دینے کا ارادہ کیا تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو تم پر جھوٹ لکھا جاتا ۴؎(ابوداؤد، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ آپ عبداللہ ابن عامر ابن کریز ابن حبیب ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہیں،قرشی ہیں،جناب حضرت عثمان غنی کے ماموں ہیں،تیرہ برس کی عمر شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے،خلافت عثمانی میں بصرہ خراسان کے حاکم رہے،امیر معاویہ نے آپ کو اس عہد پر قائم رکھا،خراسان کے فاتح آپ ہی ہیں فارس،اصفہان،کرمان،حلوان وغیرہ آپ نے ہی فتح کیے،بصرہ کی نہر آپ نے ہی کھدوائی،بڑے عالم سخی عابد تھے ۵۹ھ انسٹھ میں وفات پائی۔(مرقات واشعہ)

۲؎ چھوٹے بچے ضد کرکے گھر سے بھاگ جاتے ہیں جب ماں کچھ دینے کا بہانہ کرکے بلاتی ہے تب آتے ہیں یہ ہی واقعہ یہاں ہوا تھا۔

۳؎ یعنی تم نے جو کہا کہ تجھے کچھ دوں گی یہ جملہ خبریہ ہے جس میں سچ کا بھی احتمال ہے جھوٹ کا بھی بتاؤ تم اس بچہ کو کچھ دو گی یا نہیں اگر دینا نہیں ہے تو یہ کلام جھوٹا ہوا۔

۴؎ یہ فرمان عالی بہت ہی سبق آموز ہے کہ ماں چھوٹے بچوں کو جھوٹے بہانے سے نہ بلائے غلط خبر نہ دیں کہ یہ بھی جھوٹ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی شخص سے وعدہ کرے پھر ان میں سے ایک نماز کے وقت تک نہ آئے ۱؎ اور جانے والا نماز کے لیے چلا جاوے تو اس پر گناہ نہیں ۲؎(رزین)

۱؎ یعنی دو مسلمانوں نے آپس میں وعدہ کیا کہ ہم فلاں وقت فلاں جگہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے وہاں آجانا۔

۲؎ یعنی ان دونوں سے ایک آدمی تو وقت پر پہنچ گیا دوسرا نہ پہنچا کہ وقت نماز آگیا یہ پہنچ جانے والا نماز کو چلا گیا پھر اس کے پیچھے دوسرا آیا تو وہ نماز کو چلا جانے والا گنہگار نہیں ہوا وہ اپنے وعدہ پر پہنچ گیا تھا۔خیال رہے کہ وہ جو حدیث شریف میں گزرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وعدے کے موقعہ پر تین دن ایک ہی جگہ قیام فرمایا وہ واقعہ فرضیت نماز بلکہ ظہور نبوت سے پہلے کا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا مستحب ہے،نماز فرض ہے،جماعت مستحب کے لیے فرض یا واجب نہیں چھوڑا جاسکتا۔

باب المزاح

خوش طبعی کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱مزاح میم کے پیش سے بھی آتا ہے میم کے کسرہ سے بھی،میم کے پیش سے ہو تو خوش دلی کی بات مراد ہوتی ہے،میم کے کسرہ سے دل خوش بات کرنا۔ایسی بات جس سے اپنا اور سننے والے کا دل خوش ہوجاوے مزاح ہے اور جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے کسی کا مذاق اڑانا سخریہ ہے۔مزاح اچھی چیز ہے سخریہ بری بات ہے۔جن احادیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح سے منع فرمایا وہاں سخریہ مراد ہے یا ہمیشہ دل لگی کرتے رہنا ہنستے ہنساتے رہنا کہ اس سے دل مردہ ہوتا ہے غفلت طاری ہوجاتی ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی خوش طبعی کرنا ثابت ہے جیساکہ اس باب میں آوے گا اسی لیے علماءکرام فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی خوش طبعی کرنا سنت مستحبہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھلے ملے رہتے تھے ۱حتی کہ میرے بھائی سے کہتے تھے ۲کہ ابو عمیر چڑیا کیا ہوئی ۳اون کی ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتے تھے وہ مر گئی ۴(مسلم،بخاری)	

۱بعض روایات میں ہے لیخاطبنا یعنی ہم سے کلام فرماتے تھے۔

۲ابو عمیر حضرت انس کے چھوٹے بھائی تھے اخیافی،ان کے باپ کا نام زید ابن سہیل تھا،کنیت ابو طلحہ،ابو عمیر کا نام کبشہ تھا۔(مرقات)

۳بعض شارحین نے فرمایا کہ نغیر بلبل کا نام ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ کوئی اور چڑیا ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے حضور کا یہ فرمان حضرت ابو عمیر کو تسکین دینے یا ان کا دل بہلانے کے لیے تھا۔

۴اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ چڑیا پالنا اسے پنجرے میں رکھنا اس سے بچوں کا کھیلنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے دانہ پانی آرام کا خیال رکھے۔دوسرے یہ کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا درست ہے ورنہ چڑیا کا پنجرہ میں رکھنا بھی حرام ہوتا جیساکہ حرم مکہ کا حال ہے کہ وہاں نہ تو شکار کرنا درست ہے نہ شکار کو پنجرے وغیرہ میں رکھنا درست۔تیسرے یہ کہ معلوم بات کا پوچھنا کسی اچھے مقصد کے لیے درست ہے۔حضور کو خبر تھی کہ چڑیا مرگئی پھر بھی پوچھ رہے کہ چڑیا کیا ہوئی۔چوتھے یہ کہ بچوں سے خوش طبعی کرنا ان کا دل بہلانے کے لیے جائز

ہے،پانچویں یہ کہ ہم وزن نام بولنا درست ہے جیسے حضور انور نے فرمایا ابو عمیر،نغیر۔خیال رہے کہ کبوتر پالنا درست ہے کبوتر بازی حرام ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں ۱؎ فرمایا ہم نہیں کہتے مگر سچی بات ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی آقا حضور دونوں جہاں کے والی ہیں ہم لوگ نوکر چاکر حضور کے خدام ہیں،ہم جیسوں سے حضور انور کا خوش طبعی فرمانا حیرت در حیرت ہے یا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت خوش طبعی کو ناجائز سمجھتے تھے تب یہ عرض کیا۔
۲؎ یعنی وہ دل لگی و مذاق حرام ہے جس میں جھوٹ بولا جاوے یا کسی کو ذلیل کیا جاوے ہماری خوش طبعی میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتی لہذا یہ جائز ہے۔خیال رہے کہ ہر وقت دل لگی و مذاق ہیبت دور کردیتا ہےاس لیے کبھی کبھی شاذونادر ہی چاہیے۔

روایت ہے حضرت انس سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی تو فرمایا کہ ہم تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کریں گے ۱؎ وہ بولا میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کو اونٹنی ہی جنتی ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اصطلاح میں اونٹنی کا بچہ چھوٹے اونٹ کو کہتے ہیں جو سواری کے لائق نہ ہو۔یہ ہوئی خوش طبعی وہ صاحب بھی یہ ہی سمجھے کہ حضور انور مجھے چھوٹا سا اونٹنی کا بچہ عطا فرمائیں گے اس پر انہوں نے وہ عرض و معروض کی جو آگے آرہی ہے۔
۲؎ یعنی اونٹ بڑا ہوکر بھی اونٹنی کا ہی بچہ رہتا ہےکسی اور جانور کا بچہ نہیں بن جاتا۔معلوم ہوا کہ خوش طبعی میں کسی لفظ کے بعید معنی مراد لینا جائز ہے۔

روایت ہے انہیں سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے دو کانوں والے ۱؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ حضرت انس کے دونوں کان کسی قدر بڑے تھے اس لیے انہیں دوکان والے فرمایا جیسے خرباق ابن ساریہ کو ذوالیدین فرمایا کرتے تھے یا حضرت انس کی قوت سماعت بہت قوی تھی یا آپ بہت ذکی و ذہین تھے۔بہرحال اس فرمان عالی میں حضرت انس کی تعریف بھی ہے اور خوش طبعی بھی،یہ ہے اس سید الصادقین کی خوش طبعی۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے ایک بوڑھی سے فرمایا۱؎ کہ جنت میں بوڑھی نہ جائے گی وہ بولی ان کا کیا بنے گا ؟ ۲؎ وہ قرآن پڑھتی تھی ۳؎ فرمایا کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتی کہ ہم انہیں پیدا کریں گے دوبارہ پیدائش تو انہیں کنواریاں بنادیں گے ۴؎(رزین)اور شرح سنہ میں مصابیح کے لفظ سے ہے۔	

۱؎ ان بی بی صاحبہ نے حضور انور سے جنت کی دعا کرائی تب یہ فرمایا یہ بی بی صاحبہ غالبًا حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں حضور انور کی پھوپھی حضرت زبیر ابن عوام کی والدہ یہ واقعہ دوبار ہوا ہے: ایک بار حضرت صفیہ سے یہ فرمایا تھا،دوسری بار کسی اور بی بی صاحبہ سے رضی اللہ عنہما۔ نہ معلوم یہ کس واقعہ کا ذکر ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی بوڑھی عورتیں مؤمنہ صالحہ ہوتی ہیں پھر بھی اگر وہ جنت میں نہ جائیں تو کہاں جائیں گی انہوں نے بہت مایوسی و تعجب سے یہ سوال کیا۔

۳؎ یعنی وہ بی بی صاحبہ قرآن مجید کی عالمہ،نہایت ذکیہ،صاحب فہم تھیں تب ہی انہوں نے حضور انور سے یہ سوال کیا تھا۔

۴؎ یعنی جب وہ بوڑھی عورتیں جنت میں جانے لگیں تو بوڑھی نہ رہیں گی بلکہ نوجوان بنا دی جاویں گی ہمیشہ کنواریاں رہیں گی لہذا ہم ذات کی نفی کرتے نہیں صفت بڑھاپے کی نفی فرماتے ہیں۔جنتی عورتوں کی عمر تیس یا تینتیس سال ہوگی یہ ہی عمر ہمیشہ رہے گی۔بعض مفسرین نے"اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰہُنَّ" کی ضمیر حوروں کی طرف راجع کی ہے مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی ساری عورتیں خواہ حوریں ہوں یا دنیا کی بیویاں سب کی طرف لوٹ رہی ہے سب کی عمر یہ ہی ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ ایک شخص دیہاتیوں میں سے ان کا نام زاہر ابن حرام تھا۱؎ وہ گاؤں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ لاتے تھے ۲؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سامان دیتے تھے جب وہ جانا چاہتے ۳؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زاہر ہمارے دیہاتی بھائی ہیں اور ہم زاہر کے شہری ہیں ۴؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے وہ خوبصورت نہ تھے ۵؎ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے زاہر اپنا سامان بیچ رہے تھے حضور نے ان کو پیچھے سے گود میں لے لیا ۶؎ وہ حضور کو نہ دیکھتے تھے بولے یہ کون ہیں مجھے چھوڑ دو انہوں نے التفات کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا	

۷تو انہوں نے کمی نہیں کی اپنی پیٹھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے رگڑنے لگے جب کہ حضور کو پہچان لیا ۸ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اس غلام کو کون خریدتا ہے ۹وہ بولے تب تو رب کی قسم آپ مجھے بے قیمت پائیں گے۱۰رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن تم اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو ۱۱(شرح سنہ)	

۱ان خوش نصیب صحابی کے حالات معلوم نہ ہوسکے حتی کہ صاحب مشکوۃ نے اپنی کتاب اکمال میں بھی بیان نہیں کیے کیونکہ یہ صحابی کسی حدیث کے راوی نہیں۔

۲یعنی دیہاتی چیزیں پھل پھلاری،کھیت کی پیداوار وغیرہ حضور انور کے لیے تحفہ ہی لایا کرتے تھے۔

۳یعنی جب زاہر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہری چیزیں بطور ہدیہ و سوغات ان کو دیتے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے گھر لے جائیں۔

۴یعنی زاہر ہماری دیہاتی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں اور ہم زاہر کی شہری ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں گویا زاہر ہمارا گاؤں ہیں اور ہم زاہر کا شہر یہ اخلاق کریمانہ ہیں کہ اپنے غلاموں نیاز مندوں کو ان القاب سے نوازتے ہیں۔

۵حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت ہی محبت فرماتے تھے اگرچہ وہ ویسے ہی تھے جیسے حبشی لوگ خصوصًا دیہاتی ہوتے ہیں شکل و لباس دیہات کا سا۔**دمیم** کے معنی ہوتے ہیں بدشکل۔(مرقات)مگر اس کی شکل پر ہزاروں خوبصورت قربان جسے پیا چاہے وہ سہاگن

۶اس طرح کہ حضور انور ان کے پیچھے بیٹھے انہیں پیچھے سے اپنی گود میں لے لیا ان کی بغلوں میں سے ہاتھ ڈال کر اپنا ہاتھ شریف زاہر کی آنکھوں پر رکھ لیا یعنی پہچانو ہم کون ہیں۔کاش! میں اس وقت زاہر کے پاس ہوتا تو اس کے قدم سے اپنی آنکھیں ملتا۔رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ واقعہ بیچ بازار میں ہورہا ہے۔

۷حضرت زاہر پہچان تو پہلے ہی گئے ہوں گے بھلا حضور کی خوشبو مہک کسی اور میں کہا۔مقصد یہ ہے کہ جب انہوں نے حضور کو آنکھوں دیکھ لیا بذریعہ کنکھیوں کے لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں ایسی خوشبو تھی کہ جس گلی سے گزرتے وہاں کے گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگ پہچان جاتے تھے کہ حضور گزرے۔شعر

آمدی از پس ببازی چشم پوشیدی مرا ۔۔۔۔ اے نگاہ دست رنگین دست بکشا کیتی

۸حضرت زاہر نے یہ موقعہ غنیمت جانا کہ خود حضور انور نے مجھے اپنی گود میں لے لیا ہے اور اپنا سینہ میری پشت سے متصل کردیا ہے ایسے موقعہ بار بار ہاتھ نہیں آتے اس لیے اپنی پشت کو حضور کے سینہ انور سے خوب مس کیا برکت حاصل کرنے کے لیے۔معلوم ہوا کہ اپنے خدام سے خوش طبعی کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور برکت کے لیے بزرگوں کا جسم ان کے کپڑے چھونے سنت صحابہ ہے۔

۹؎ یہ کلام بالکل حق ہے۔عبد سے مراد ہے عبداللہ،خریدنے سے مراد ہے اس کے عوض دوسرا لانا یعنی کون ہے جو اس جیسا اللہ کا بندہ مجھے دکھائے یا اشتراء میں تجرید ہے لہذا بمعنی یاخذ ہے یعنی اس اللہ کے بندے کو کون لیتا ہے مجھ سے۔(مرقات)

۱۰؎ یعنی مجھ میں نہ شکل نہ عقل نہ رنگ نہ ڈھنگ مجھے کون قبول کرے گا ایسوں کو کون لیتا ہے میں آپ کا کیسے ہو سکتا ہوں۔

۱۱؎ جو حضور کا ہوجاوے وہ بے قیمت کیسے ہوسکتا ہے انکی قیمت سارا جہان نہیں ہوسکتا۔مدینہ منورہ میں ایک صاحب تھے بازار میں جو نئی چیز دیکھتے حضور انور کی خدمت میں ہدیہ لے آتے تھے جب چیز کا مالک قیمت مانگتا ہے تو اسے بھی حضور کے پاس لے آتے،عرض کرتے حضور فلاں دن جو حضور کے پاس فلاں چیز میں نے حاضر کی تھی اس کی قیمت حضور اسے دے دیں یہ تقاضا کررہا ہے،حضور تبسم فرماکر فرماتے کہ تم نے تو وہ چیز ہم کو ہدیۃً دی تھی،عرض کرتے حضور میری پاس اس کی قیمت کہاں سے آئی حضور قیمت ادا فرماتے مگر ان سے کچھ نہ کہتے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوہ تبوک میں حاضر ہوا آپ چمڑے کے خیمے میں تھے میں نے سلام کیا آپ نے مجھے جواب دیا اور فرمایا اندر آجاؤ میں نے کہا پورا یا رسول اللہ نے فرمایا تم پورے ہی آجاؤ ۲؎ میں حاضر ہوگیا عثمان ابن عاتکہ فرماتے ہیں ۳؎ کہ انہوں نے خیمہ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے عرض کیا کہ کیا پورا آجاؤں۔(ابوداؤد)	

۱؎ صحابی ہیں،غزوہ خیبر میں حاضر ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ تھا،شام میں رہے،۷۳ھ تہتر میں وفات پائی۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا کلام ہے۔مقصد یہ ہے کہ خیمہ چھوٹا ہے اس میں گنجائش ہے نہیں میں کل پورا کا پورا آجاؤں یا میرا کچھ حصہ آئے ظاہر معنی مراد ہیں۔

۳؎ یہ عثمان تابعی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کل آٹھ سال سات ماہ کے تھے۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ فرماتے ہیں اجازت مانگی حضرت ابوبکر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو حضرت عائشہ کی آواز سنی بلند ۲؎ تو جب آئے تو انہیں پکڑا تاکہ طمانچہ مار دیں اور فرمایا میں تم کو نہ دیکھوں کہ تم اپنی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اونچی کرتی	

ہو۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکنے لگے۴؎ اور حضرت ابوبکر ناراض ہوکر چلے گئے۵؎ تو نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جب کہ ابوبکر صدیق چلے گئے بولو تم نے مجھے کیسا دیکھا میں نے تم کو ان صاحب سے بچالیا۶؎ راوی کہتے ہیں کہ پھر کچھ دن حضرت ابوبکر ٹھہرے پھر اجازت مانگی ۷؎ تو ان دونوں حضرات کو صلح محبت میں پایا ان سے عرض کیا کہ مجھے اپنی صلح صفائی میں داخل کرلو ۸؎ جیسے تم نے مجھے اپنی لڑائی میں داخل کیا تھا ۹؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے کرلیا ہم نے کرلیا ۱۰؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کے حالات زندگی بارہا بیان ہوچکے کہ آپ اسلام میں پہلے فرزند ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے،حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات ماہ کی تھی،آپ کے والدین صحابی ہیں،بقیہ حالات بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات کا جواب بلند آواز سے دے رہی تھیں یا بے پرواہی میں یا غصہ میں محبوب کا غصہ بھی پیارا ہوتا ہے اسی لیے اس پر قرآن کریم میں عتاب نہیں آیا ورنہ قرآن کریم فرماتاہے:"**لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوٰتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ**"۔

۳؎ اس جملہ کی روایت تین طرح ہے: لا اراك میں تم کو دیکھ رہا ہوں،لا اراك میں تم کو آئندہ نہ دیکھوں،لا اراك کیا میں تم کو نہیں دیکھتادوسری روایت قوی تر ہے کہ یہ کلمہ نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے گزشتہ پر سزا دینے کے لیے طمانچہ مارنا چاہا اور آئندہ کے لیے منع فرمایا یہ طمانچہ اس تادیب میں سے ہے جو والدین اپنی اولاد کو کیا کرتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہ کلمہ دعا ہے یعنی خدا کرے میں تم کو حضور کے سامنے اونچی آواز کرتے نہ دیکھوں۔

۴؎ یا اس طرح کہ حضور انور نے حضرت صدیق کو پکڑ لیا کہ وہ نہ ماریں یا اس طرح کہ حضور انور دونوں کے درمیان آ ڑ ہوگئے کہ حضرت صدیق و صدیقہ کے درمیان کھڑے ہوگئے۔

۵؎ حضرت عائشہ صدیقہ پر ناراض ہوکر گھر سے باہر چلے گئےیہ ناراضگی بھی عبادت ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں من ایک نہ فرمایا الرجل فرمایا یعنی بہادر مرد جسے اللہ رسول کے لیے تم پر غصہ آیا یہ غصہ ان کی بہادری کی علامت ہے۔(مرقات)

۷؎ یعنی کچھ روز حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر نہ آئے یا اتفاقًا یا حضرت صدیقہ پر ناراضگی کی وجہ سے،پہلا احتمال قوی ہے پھر حاضر ہوئے شاید تین روز کے بعد حاضر ہوئے۔

۸؎ صلح سے مراد پیارومحبت ہے اور حرب سے مراد وہ ناراضگی جو زوجین کی آپس میں ہو جاتی ہے یہ ناراضگی بھی زیادہ محبت کی بنا پر ہوتی ہے۔

۹؎ ادخال کی نسبت حضور کی طرف سبب کی بنا پر ہے یعنی آپ دونوں کی شکر رنجی میرے اس معاملہ میں دخل دینے کا باعث بنی۔

۱۰؎ حضور انور نے **فعلنا** دوبار فرمایا ایک بار اپنی طرف سے دوسری بار جناب عائشہ صدیقہ کی طرف سے یعنی میں نے اور تمہاری لخت جگر نورنظر عائشہ صدیقہ نے بھی اپنی صلح میں داخل کرلیا اس طرح کہ تم ہمیشہ کے لیے ہمارے ہر کام میں دخیل ہوگئے ہمارے گھر کے تم کار مختار ہوگئے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔اس حدیث کو **باب المزاح** میں صرف ایک جملہ کی وجہ سے لایا گیا کہ عائشہ دیکھا ہم نے تم کو کیسا بچایا۔

روایت ہے حضرت عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اپنے بھائی سے نہ جھگڑا کرو نہ اس کا مذاق اڑاؤ۱؎ نہ اس سے کوئی وعدہ کرو جو خلاف کرو ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آپس کا مذاق جس سے ہر ایک کا دل خوش ہو یہ چند شرطوں سے جائز ہے جیساکہ عرض کیا جاچکا ہے مگر کسی کا مذاق اڑانا جس سے سامنے والے کو تکلیف پہنچے بہرحال حرام ہے وہ ہی یہاں مراد ہے کیونکہ مسلمان کو ایذاء دینا حرام ہے۔

۲؎ یہاں وعدے سے وہ وعدہ مراد ہے جو جائز ہو،بعض فقہاء کے نزدیک ایساوعدہ پوراکرنا واجب ہے،اکثر کے ہاں مستحب ہے اگر وعدہ کے وقت ان شاءاللہ کہہ دیاجاوے تو سب کے نزدیک اس کا پوراکرنا مستحب ہے۔

باب المفاخرة و المعصبیة

فخر اور تعصب کا بیان ا

الفصل الاول

ا ایک دوسرے پر ذاتی بڑائی ظاہر کرنا کہ میں تجھ سے اونچا ہوں یہ ہے تفاخر،یہ کفار کے مقابل یا ضرورت کے وقت مسلمان سے بھی کرسکتے ہیں جبکہ اس میں دینی مصلحت ہو۔نفسانی فخر حرام ہے کہ یہ تکبر ہے اور تکبر حرام۔**تعصب** بنا ہے **عصب** سے بمعنی قوت۔ اصطلاح میں جماعت میں کنبہ و قوم کو عصب کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں ہے "**وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ**"۔**تعصب** کے معنی ہیں اپنے کنبہ،اپنی قوم،اپنے دھڑے کی حمایت کرنا اگر حق حمایت ہے تو جائز ہے ناحق ہے تو حرام ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عزت والا ہے ا فرمایا سب میں عزت والا اللہ کے نزدیک ان میں بڑا پرہیزگار ہے ۲ بولے اس کے متعلق ہم نہیں پوچھتے فرمایا تو لوگوں میں بڑے اشرف یوسف ہیں اللہ کے نبی اور نبی اللہ کے بیٹے وہ خلیل اللہ کے بیٹے ۳ وہ بولے ہم اس کے متعلق آپ سے نہیں پوچھتے فرمایا تو کیا عرب کے قبیلوں کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے ہو ۴ بولے ہاں فرمایا تم میں سے جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں جب کہ عالم ہوجاویں ۵ (مسلم،بخاری)	

ا اللہ کے نزدیک یا دنیا و آخرت میں کون محترم ہے۔

۲ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللہِ اَتۡقٰکُمۡ"۔خیال رہے کہ انسان کیلئے تقویٰ ذاتی شرافت وعزت ہے اسے حسب کہتے ہیں اور عالی خاندان عارضی عزت ہے اسے نسب کہتے ہیں مبارک ہے وہ جو حسب و نسب دونوں میں اعلیٰ ہو۔

۳ یعنی یوسف علیہ السلام حسب و نسب دونوں میں بہت اعلیٰ ہیں کہ خود بھی نبی ہیں یہ ان کی حسبی عظمت ہے ان کے تین پشت میں نبوت ہے کہ والد نبی دادا پردادا نبی یہ ان کی نسبی شرافت ہے یہ ان کی خصوصیت ہے جیسے حضرات صحابہ میں ابوبکر صدیق کہ حسبی اشرف بھی ہیں کہ صدیق ہیں نسبی اشرف بھی کہ آپ کی چار پشتوں میں

صحابیت ہے خود صحابی ماں باپ اولاد صحابی پوتے نواسے صحابی یہ آپ کی خصوصیت ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام میں نبوت،علم،عالی نسبی جودو سخا،عدل دین دنیا کی ریاست جمع ہیں۔

۴؎ معادن جمع ہے معدن کی بمعنی کان،قبیلہ کو معدن کہتے ہیں کہ وہ ایک جماعت کی کان ہوتا ہے یعنی کیا تم مجھ سے عرب کے قبائل کے متعلق پوچھتے ہو کہ کونسا قبیلہ اشرف ہے۔

۵؎ یعنی اسلام لانے سے اعلیٰ خاندانی آدمی کی شرافت گھٹ نہیں جاتی بلکہ بڑھ جاتی ہے اور اگر وہ عالم باعمل بھی ہوجاوے تو صرف خاندانی مسلمان سے افضل ہوگا۔خلاصہ یہ ہے کہ جو زمانہ کفر میں اپنی قوم میں اعلیٰ و افضل ہو وہ مسلمان ہوکر بھی اعلیٰ و افضل ہی رہے گا اسے نو مسلم یا دیندار سمجھ کر ذلیل نہ سمجھا جاوے گا۔اگر وہ عالم باعمل بھی ہوجاوے تو اس کی شرافت کو اور چار چاند لگ جاویں گے مثلًا آج کوئی بڑا عزت والا پادری یا پنڈت مسلمان ہوجاوے تو اسے نو مسلم یا دیندار کہہ کر حقیر نہ جانو اس کی عزت و احترام باقی رکھو اور اگر وہ عالم ہوجاوے تو اس کا بہت احترام کرو یہاں فقہ سے مراد عالم باعمل ہے،پھر بھی مطلب وہ ہی ہوا کہ شرافت علم و تقویٰ پر ہے غرضکہ حسب ونسب دونوں کی شرافت کا اجتماع رب کی رحمت ہے۔

روایت ہے ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریف بیٹے شریف کے بیٹے شریف کے بیٹے شریف کے حضرت یوسف بیٹے یعقوب کے وہ بیٹے اسحاق کے وہ بیٹے ابراہیم کے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام میں حسبی شرافت تو یہ ہے کہ وہ خودکریم یعنی نبی اور تقویٰ و طہارت کے معلم ہیں۔نسبی شرافت یہ ہے کہ وہ تین پشت میں نبی زادے ہیں۔خیال رہے کہ پہلا الکریم الف سے پڑھا جاوے گا باقی دو بغیر الف،یوں ہی نبیوں میں ابن بغیر الف پڑھے جاویں گے کہ جب ابن دو صفتوں کے درمیان آوے تو بغیر الف پڑھا جاتا ہے۔(اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے وہ حنین کے متعلق فرماتے ہیں ۱؎ کہ ابو سفیان ابن حارث آپ کے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے ۲؎ تو جب مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو آپ اترے کہنے لگے میں جھوٹا نبی نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں ۳؎ فرماتے ہیں اس دن حضور سے زیادہ کوئی بہادر نہیں دیکھا گیا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک وسیع پتھریلا علاقہ ہے،اس فقیر نے اس میدان کی زیارت کی ہے،فتح مکہ کے بعد یہ غزوہ واقع ہوا قبیلہ ہوازن سے یہ جنگ ہوئی۔

۲؎ یہ ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور حضور کے اخیافی بھائی کہ حلیمہ دائی بنت ذویب سعدیہ کا دودھ انہوں نے بھی پیا ہے،بڑے شاعر تھے،زمانہ کفر میں حضور انور کے خلاف انہوں نے بہت اشعار لکھے تھے جن کے جواب حضرت حسان نے دیئے تھے،پھر اللہ نے اسلام کی توفیق دی تو بعد اسلام کبھی حضور کے سامنے سر نہ اٹھایا شرم کی وجہ سے،فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے،حضرت علی مرتضٰی نے ان سے کہا تھا کہ حضور کے سامنے جا کھڑا ہوؤاور یہ آیت پڑھو"تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕیْنَ"چنانچہ انہوں نے یہ ہی کہا،حضور انور نے فرمایا:"لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ"۲۰ھ میں وصال ہوا،عقیل ابن ابی طالب کے گھر میں دفن ہوئے حضرت عمر فاروق نے نماز پڑھائی یہ ابوسفیان وہ نہیں جو امیر معاویہ کے والد ہیں وہ تو ابوسفیان ابن حرب ابن صخراموی ہیں۔(مرقات)

۳؎ غزوہ حنین میں اولًا مسلمانوں کو ہزیمت ہوگئی تھی قبیلہ ہوازن و غطفان نے حضور انور کے خچر کو گھیر کر حضور پر حملہ کرنا چاہا تب آپ خچر سے اترے اور تلوار سونت کر یہ فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مؤمن بھی ہیں بہادر بھی آپ کی اولاد بہادری میں مشہور بھی ہے،حضور انور نے ان کے اولاد ہونے پر فخر فرمایا،یہ فخرکفار کے مقابلہ میں اظہار شجاعت کے لیے تھالہٰذا بالکل درست تھا۔مشرک باپ داداؤں پر فخر جائز نہیں اگر عبدالمطلب کافر مشرک ہوتے تو حضور ان کی اولاد ہونے پر فخر نہ فرماتے،از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور کے تمام آباؤ اجداد کفر اور زنا سے محفوظ رہے۔

۴؎ یعنی حضور کی شجاعت کے جوہر آج دیکھے گئے کہ ایسے نازک موقعہ پر بجائے بھاگنے کے سواری سے اتر کر پیدل ہولیے تلوار سونت کر ان ہزاروں کے مقابلہ میں اکیلے آگئے۔شعر

وہ موقعہ جب فضاءآسمان بھی تھرتھراتی تھی   محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا اے خلقت سے بہتر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابراہیم ہیں ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی لفظ خیر البریہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سجتا ہے کہ وہ اللہ کے خلیل بھی ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے والد بھی،کعبہ بنانے والے بھی،مکہ بسانے والے بھی،میری اصل بھی۔حضور انور کا یہ فرمان عالی تواضعًا ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے خیر البریہ ہیں،حضرت خلیل اپنے زمانہ میں خیر البریہ تھے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں انا سید ولد ادم ادم ومن سواہ تحت لوائی وغیرہ کہ ان احادیث میں واقعہ کاذکر ہے اور یہاں تواضع و انکسار کا اظہار جیسے کوئی بڑا آدمی اپنے سے ماتحت کا احترام کرے اورکرائے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جیسا	

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا۱میں اس کا بندہ ہی ہوں تو کہو اللہ کے بندے اللہ کے رسول ۲(مسلم،بخاری)	

۱لاتطرو بنا ہے اطراء سے بمعنی مبالغہ کرنا،جھوٹی تعریف کرنا،حد سے بڑھانا یعنی مجھے خدایا خدا کا بیٹا یا خدا تعالٰی کا رشتہ دار عزیز نہ کہو کہ یہ چیزیں ہم جنسوں میں ہوتی ہیں رب تعالٰی جنس سے پاک ہے،یہاں خاص مبالغہ کی ممانعت ہے یعنی جس قسم کا مبالغہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا تم میرے بارے میں وہ نہ کرو۔

۲اس کے معنی یہ نہیں کہ تم مجھے عبداللہ و رسولہ کے سوا اور کچھ نہ کہو نہ شفیع المذنبین کہو نہ رحمۃ اللعالمین کہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ میری وہ صفات بیان کرو جو عبدیت کے ماتحت ہوں الوہیت والی صفات مت بیان کرو لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں انا سید ولد ادم یا جیسے انا خطبھم اذا صمتوا یہ حدیث قرآن کریم کی آیات نعت کے خلاف ہے،رب فرماتاہے:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا"۔حق یہ ہے کہ سواء ابن اللہ وغیرہ کے جو تعریف کرسکتے ہو کرو امام بوصیری فرماتے ہیں۔

دع ما ادعته النصاری فی نبیھم　　　واحکم بماشئت من شرف و من عظم

فان فضل رسول اللہ لیس لہ　　　حد فیعرب عنہ ناطق بفم

نبی کریم کو ابن اللہ وغیرہ نہ کہو باقی جو کہہ سکتے ہو کہو کہ ہمارے الفاظ محدود ہیں حضور انور کے صفات غیر محدود،ساری دنیا ساری عمر حضور کے صفات بیان کرے سمندر کا قطرہ بیان نہیں ہو سکتا کہ غیر محدود کو محدود کیسے بیان کرے،ہمارے الفاظ محدود ہیں ۲۸ حرفوں میں حضور کی صفات لامحدود ہیں۔سبحان اللہ! فیصلہ کردیا۔

روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی سے ۱کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے وحی فرمائی کہ انکسار کروحتی کہ انکساری کروحتی کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے ۲(مسلم)	

۱آپ صحابی ہیں،بصری ہیں،حضور انور کو بڑے پیارے تھے،خواجہ حسن بصری وغیرہم نے آپ سے احادیث کی روایت کی۔

۲اس حدیث میں حتی بمعنی کے ہے یعنی عجز و انکسار اختیار کرو تاکہ کوئی مسلمان کسی مسلمان پر تکبر نہ کرے نہ مال میں نہ نسب و خاندان میں نہ عزت یا جتھہ میں اور کوئی مسلمان کسی بندے پر ظلم نہ کرے نہ مؤمن پر نہ کافر پر ظلم سب پر حرام ہے مگر کبر و فخر مسلمان پر حرام ہے کفار پر فخر کرنا عبادت ہے کہ یہ نعمت ایمان کا شکر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قومیں اپنے مرے ہوئے باپ داداؤں پر فخر کرنے سے باز آجائیں جو باپ دادے دوزخ کے کوئلے ہیں ۱؎ ورنہ وہ اللہ پر اس گندگی کے کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوجائیں گے جو اپنی ناک میں گندگی لگاتا ہے ۲؎ یقینًا اللہ نے تم سے جاہلیت کا تکبر دور فرمایااور باپ داداؤں پر فخر دور فرمادیا ۳؎ انسان یا مؤمن متقی ہے یا کافر بدنصیب ہے ۴؎ سارے لوگ حضرت آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہیں ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یعنی اگر تمہارے باپ دادے کافر تھے تو وہ یقینی دوزخ کے کوئلے ہیں اگر مؤمن تھے تو ممکن ہے کہ ان کا خاتمہ خراب ہوا ہو اور وہ دوزخ کے کوئلے بن چکے ہوں ان کے خاندان پر فخر کرنا بڑی ہی حماقت ہے اگر فخر کرو تو حضور کے امتی ہونے پر کہ اللہ تعالٰی نے ہم گنہگاروں کو ان کا دامن نصیب فرمایا۔

بریں نازمہ کہ ہستم امت تو　　　　گنہگار مہ ولیکن خوش نصیمہ

۲؎ جعل ج کے پیش ع کے فتحہ سے گندگی کا کیڑا جسے عرب خنفساء کہتے ہیں اردو والے گبریلہ۔یدھدہ بنا ہے دبدھة سے بمعنی لوٹنا،خراء پاخانہ یعنی جیسے گبریلہ کیڑا گندگی میں لوٹتا اسے اپنی منہ ناک پر ملتا ہے اور خوش ہوتا ہے مگر دنیا اس سے گھن کرتی ہے یہ ہی تمہارا حال ہوجاوے گا کہ تم اکڑ میں رہو گے دنیا تمہیں ذلیل سمجھے گی۔

۳؎ یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ باپ داداؤں پر فخر کرتے تھے اللہ تعالٰی نے تمہیں اسلام کی توفیق دے کر تم سے یہ عیب دور فرمادیا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ انسان دو ہی قسم کے ہیں یا مؤمن یا کافر درمیان میں درجہ کوئی نہیں جو نہ مؤمن ہو نہ کافر۔

۵؎ سبحان اللہ! کس پاکیزہ طریقہ سے سمجھایا کہ کسی کی پیدائش سونے چاندی سے نہیں ہے سب مٹی سے پیدا ہوئے ہیں پھر فخر کیسااور تکبر کس چیز پر ہاں اعمال اچھے کرو اچھے ہوجاؤ گے۔

	روایت ہے حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں بنی عامر کے وفد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۲؎ تو ہم نے کہا کہ آپ

ہمارے سید ہیں فرمایا سید تو اللہ ہے ۳؎ ہم نے عرض کیا کہ آپ ہم سب میں بڑی بزرگی والے اور بڑے عطا والے ہیں ۴؎ تو فرمایا کہ اپنی یہ بات یا بعض بات کہو اور تم کو شیطان بے باک نہ کردے ۵؎(احمد،ابوداؤد)	

۱؎ مطرف تابعی بصری ہیں،بڑے متقی پرہیزگار تھے ۸۷ھ ستاسی میں آپ کی وفات ہوئی،آپ کے والد عبداللہ ابن شخیر صحابی ہیں۔

۲؎ وفد وہ جماعت کہلاتی تھی جو اپنی ساری قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتی تھی اور ایمان قبول کرتی اس کا ایمان ساری قوم کا ایمان ہوتا،حضرت مطرف قبیلہ بنی عامر کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

۳؎ سید بہت معنی میں آتا ہے:سردار،مالک،مولیٰ،خاوند،قرآن کریم فرماتا ہے:"وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ"وہاں سید بمعنی خاوند ہے ان لوگوں نے حضور انور کو سید بمعنی سردار کہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو سید بمعنی مالک و خالق فرمایا یہ خصوصی ارشاد ہے لہذا ہم لوگ اللہ تعالیٰ کو عموماً سید نہیں کہہ سکتے۔خیال رہے کہ ان حضرات نے حضور انور کو سید کہا لفظ سید ہر سردار پیشوا کو کہا جاتا ہے انہیں چاہیے تھا کہ حضور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اللہ کہتے یہ خطاب کسی سردار کے لیے نہیں ہوتا اس لیے انہیں نہایت اخلاق کے ساتھ اس سے روک دیا گیا یہ ممانعت اس عارضہ کی وجہ سے ہے لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور کو سید المرسلین وغیرہ نہ کہا جاوے۔نہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے کہ انا سید ولدادم(ازاشعۃ اللمعات)لہذا خدا تعالیٰ کو سید کہنا ہمارے لیے ہر گز جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسلین وغیرہ کہنا جائز ہے۔

۴؎ طول کے بہت معنی ہیں: دوستوں پر عطا،دشمنوں پر غالب،سنت و عبادت میں زیادتی یہاں بمعنی عطا و غلبہ ہے۔(مرقات و اشعہ)یعنی آپ تمام مخلوق میں زیادہ جواد اور سخی ہیں کفار پر غالب۔

۵؎ لایستجرمنکم میں بہت احتمال ہیں قوی یہ ہے کہ یہ بنا ہے جرأت سے بمعنی دلیری اور بے باکی۔ استجار کے معنی ہیں دلیر بیباک کردینا یعنی شیطان تم کو میری تعریف میں دلیر نہ کردے کہ تم میری وہ تعریف کرو جو کفر یا شرک ہے جیسے تم مجھے خدا کا بیٹا یا خدا کہنے لگ جاؤ،میری تعریف عبدیت کے دائرے میں کرنا لہذا اس حدیث کے معنی یہ نہیں کہ میرے فضائل ہی بیان نہ کرو حضور کی نعت گوئی ثناء خوانی حضرات صحابہ کرتے تھے حضور سنتے تھے خوش ہوتے تھے ان نعتیہ قصیدوں میں حضور کی ایسی تعریفیں ہوتی تھیں کہ سبحان اللہ!اس جملہ کی یہ ہی شرح مرقات و اشعہ نے کی ہے لہذا اس حدیث سے کوئی دھوکہ نہ کھائے. دن رات حضور کی نعت پڑھے حمد باری سنت رسول اللہ سنیت الٰہیہ ہے،رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور کی بہت نعت فرمائی ہے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا　　　　مرتے دم تک اسکی مدحت کیجئے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھاگیا اس پیارے سے محبت کیجئے

روایت ہے حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب مال ہے اور کرم پرہیزگاری ہے ا(ترمذی،ابن ماجہ)	

ایعنی دنیاوی عزت مال ہے کہ مالدار شریف مانا جاتا ہے لیکن آخرت کی عزت نیک اعمال سے ہے تم کو چاہیے کہ آخرت کی عزت اختیار کرو کہ فانی عزت بے کار ہے باقی عزت مفید ہے۔سبحان اللہ! کیا پاکیزہ فرمان ہےدین و دنیا ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ ایک کا وزنی ہونا دوسرے کا ہلکا ہونا ہے۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو جاہلیت کی نسبتوں سے اپنے کو منسوب کرے تو اس کے منہ میں اس کے باپ کی شرمگاہ دیدو اور کنایہ نہ کروا(شرح سنہ)	

ایعنی جو مسلمان اپنے کافر باپ داداؤں کی نسبت پر فخر کرے کہ فلاں کی اولاد سے ہوں،فلاں خاندان سے ہوں تو اس سے صاف صاف کہہ دو کہ اپنے باپ کا ذکر چوس یا یہ مطلب ہے کہ تم کفار کے عیوب بت پرستی کی برائیاں بیان کروکہ تمہارے باپ دادا کے عقیدے اعمال ایسے گندے تھے تم ان کی نسبت پر فخر کیوں کرتے ہو۔

روایت ہے عبدالرحمٰن ابن عقبہ سے وہ حضرت ابی عقبہ سے راوی ااور وہ فارسی غلام سے تھےفرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد میں حاضر ہواتو میں نے مشرکین میں سے ایک شخص کو مارا تو میں نے کہا لے لے مجھ سے میں فارسی غلام ہوں ۲تو میری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا فرمایا تم نے کیوں نہ کہا کہ مجھ سے یہ لے اور میں انصاری غلام ہوں ۳(ابوداؤد)	

ایہ عبدالرحمٰن تابعی ہیں،ان کے والد ابوعقبہ صحابی ہیں یہ اہل فارس سے تھے،جبیر ابن عتیق انصاری کے آزاد کردہ غلام تھے لہذا نسبًا فارسی تھے مگر موالات کے لحاظ سے انصاری تھے،ان کا نام رشد ہے کنیت ابو عقبہ۔

۲یعنی میں نے اپنے فارسی النسل ہونے پر فخرکرتے ہوئے کافر پر حملہ کیا۔

۳یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی ہونے کے فخر کرنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اپنے کو مسلمانوں کی طرف نسبت کرو اس پر فخر کرو اور اس زمانہ میں اہلِ فارس کفار تھے اب وہاں اسلام عام شائع ہےاور عام لوگ

مسلمان ہیں چونکہ قوم کا مولا انہیں میں سے ہوتا ہے اس لیے انہیں غلام انصاری فرمایا گیا لہٰذااس کا مطلب واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جو اپنی قوم کی ناحق پر مدد کرے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو گڑھے میں گر گیا تو اسے اس کی دم سے اوپر کھینچا جاوے ا(ابوداؤد)

ا یعنی جو اپنی ظالم قوم کی بیجا حمایت کرکے انکی عزت و عظمت قائم کرنا چاہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی کنویں میں گرے ہوئے اونٹ کو اس کی دم سے کھینچ کر نکالنے کی کوشش کرے۔اس فرمان عالی میں فاسق قوم کو گرے اونٹ سے تشبیہ دی گئی ان کے فسق و کفر کو کنویں سے جس میں وہ گرے ہیں اس شخص کا اس قوم کی حمایت کرنا گویا اسے دم پکڑ کر نکالنا ہے جیسے کنویں میں گرا اونٹ دم کے ذریعہ نہیں نکل سکتا ویسے ہی فاسق و بدکار ذلیل قوم ایسی تعریفوں سے عزت نہیں پاتی اگر تم انہیں عزت دینا چاہتے ہو تو ان کو گناہوں سے روکو راہ راست پر لگاؤ۔

	روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعصب کیا چیز ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو ا(ابوداؤد)

ا اس حدیث کی شرح اگلی حدیث میں آرہی ہے یعنی اپنی قوم سے محبت کرنا،ان کی مدد کرنا،لوگوں کے طعنہ دفع کرنا تعصب نہیں بلکہ برائی پر ان کی مدد کرنا یہ ہے تعصب یہ ہی ممنوع ہے کیونکہ اس میں گناہ پر مدد ہے اور گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔

	روایت ہے حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم سے ا فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے کنبہ سے دفاع کرے جب تک کہ گناہ نہ کرے ۲(ابوداؤد)

ا یہ وہی سراقہ ہیں رضی اللہ عنہ جو ہجرت کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں گئے تھے،انہیں کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا تھا،یہ کنانی ہیں،بڑے شاعر تھے،دل سے تو وہاں ہی ایمان لے آئے تھے مگر اپنا ایمان فتح مکہ کے دن ظاہر کیا اس لیے آپ کو فتح کے دن کا مؤمن کہا جاتا ہے،مقام قدید میں رہتے تھے،پھر مدنی بن گئے تھے، سنہ ۲۴ھ چوبیس میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی اپنی قوم کو ظالموں سے بچانے والا،ان سے لوگوں کے ناجائز طعنے دفع کرنے والا،انکی مدد کرنے والا نہ متعصب ہے نہ گنہگار بلکہ ثواب کا مستحق ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ"ہاں گناہ پر ان کی مدد کرنے والا گنہگار بھی ہے متعصب بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوٰنِ"۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی طرف دعوت دے ۱؎ اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب میں لڑے ۲؎ اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب پر(قوم پرستی پر)مرے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس طرح کہ اپنی ظالم قوم کی حمایت کے لیے لوگوں کو جمع کرے تاکہ وہ سب اس ظلم پر اسی قوم کی مدد کریں ایسا شخص ہماری جماعت ہماری سنت سے خارج ہے،یہ مطلب نہیں کہ ہمارے دین ہماری ملت سے خارج ہے کہ گناہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔

۲؎ یعنی اپنی ظالم قوم کی حمایت میں ظلم پر مدد کرے اسے چاہیے تھا کہ اپنی قوم کو ظلم سے روکتا یہ الٹی ان کی حمایت کرتا ہے۔

۳؎ یعنی اپنی ظالم قوم کی حمایت و محبت و ہمدردی کرتا کرتا مرے غرضکہ ظلم پر مدد ظلم کی حمایت ظلم سے محبت سب ہی برابر ہے۔

روایت ہے ابودرداء سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کسی چیز سے تیری محبت اندھا بہرا کردیتی ہے ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا اور درست فرمان ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب تجھے کسی سے محبت ہوگی تو تجھے اس کے عیب نظر نہیں آئیں گے تو اس کے خلاف بات نہ سن سکے گا لہذا تو بروں سے محبت نہ کرتاکہ تو اندھا بہرا نہ بن جائے یا یہ مطلب ہے کہ محب کو پیارے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا پیارے کی باتوں کے سوا اور کسی کی بات پسند نہیں آتی لہذا اچھوں سے محبت کرو تاکہ تمہاری آنکھوں میں ان کا ہی جمال رہے ان ہی کی سنو،یہ ہی اصل ایمان ہے۔شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا   حقیقت معرفت اہلِ طریقت اس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

عربی شاعر کہتا ہے۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة   ولکن عین السخط تبدی مساویا

ویفتج من سواك الفعل عندی   فتفعله فیحسن منك ذاك

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبادہ ابن کثیر شامی سے ۱؎ جو فلسطین والوں سے ہیں وہ ان کی ایک عورت سے راوی جسے فسیلہ کہا جاتا ہے ۲؎ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ بھی تعصب سے ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم سے محبت رکھے ۳؎ فرمایا نہیں لیکن تعصب سے یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے ۴؎ (احمد،ابن ماجہ)	

۱؎ حاشیہ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ ان کا نام عباد ابن کثیر شامی ہے بادہ نام نہیں ہے۔واللہ اعلم! فلسطین مشہور ملک ہے جس میں بیت المقدس واقع ہے یہ علاقہ شام اور اردن سے ملا ہوا ہے اور فلسطین عراق کے ایک شہر کا نام بھی ہے ان راوی کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ فسیلہ ف کے پیش اور سین کے فتح سے،اس کے لغوی معنی ہیں کھجور کا چھوٹا درخت یہ بی بی تابعیہ ہیں، ان کا نام جمیلہ بنت واثلہ ابن اسقع ہے،حضرت واثلہ صحابی ہیں(تقریب حاشیہ اشعہ)فسیلہ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۳؎ یعنی فسیلہ کے والد حضرت واثلہ ابن اسقع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنی قوم سے محبت کرنا گناہ ہے یہ بھی تعصب کی ایک قسم ہے۔

۴؎ یعنی اپنی قوم کی ناحق بات کو حق کہنا اگر وہ دوسری قوم کے آدمی پر ظلم کرے تو اس ظالم کی حمایت کرنا صرف اس لیے کہ وہ اپنی قوم کا آدمی ہے یہ ہے تعصب یہ ہی حرام ہے یہ بیماری آج مسلمانوں میں بہت ہی ہے قومی تعصب،صوبائی تعصب بہت ہے اس لیے اس نے مسلمان قوم کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے،سارے مسلمان ایک قوم ہیں خواہ کسی نسب کے ہوں یا کسی ملک کے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے یہ نسب کسی پر گالی کا سبب نہیں ہیں ۱؎ تم سب آدم کی اولاد ہو جیسے صاع کی چیز صاع سے ہے جسے اس نے بھرا نہ ہو ۲؎ کسی کو کسی پر بزرگی نہیں مگر دین اور تقویٰ سے انسان کے لیے یہ شرم و عار کافی ہے کہ وہ بد زبان فحش گو کنجوس ہو ۳؎ (احمد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی کوئی شخص کسی کو نسب کی گالی نہ دے نسب گالی و عار نہیں جیسے کہا جاتا ہے اوجولائے،اونائی وغیرہ یہ حرام ہے نسب کو گالی نہ بناؤ یہ مرض بھی مسلمانوں میں بہت ہے۔

۲؎ طف ط کے فتحہ سے ف کے شد سے بمعنی کم ہونا کم کرنا اسی سے ہے **تطفیف** بمعنی کم تولنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ"۔اصطلاح میں طف وہ چیز ہے جو صاع وغیرہ پیمانہ میں بھری جاوے مگر اسے پُر نہ کرے کچھ خالی رہے۔مطلب یہ ہے کہ ہر انسان پور ا کامل انسان نہیں اس میں کچھ کمی و نقصان ضرور ہے جیسے صاع پیمانہ کا طف کہ اس میں کمی ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی یہ خصلتیں شرم و عار کی چیزیں ہیں نہ کہ محض نسب لہٰذا ان عیوب سے بچنے کی کوشش کرو نسب پر طعن کیسا۔

باب البر و الصلۃ

نیکی اور صلہ رحمی کا بیان ا

الفصل الاول

پہلی فصل

ا بر ب کے کسرہ ر کے شد بمعنی نیکی و بھلائی،یہاں اس سے مراد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا ہے جس کا مقابل ہے عقوق(نافرمانی)۔صلۃ بنا ہے وصل سے بمعنی ملنا ملانا یہاں اس سے مراد رحمی قرابت داروں پر احسان اور ان سے سلوک کرنا کہ اس سے عزیزوں کے دل مل جاتے تھے۔بر کا اسم فاعل بار ہے جمع بررہ،صلہ کا ا سم فاعل واصل ہے جمع وصلہ اور واصلین۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرے اچھے برتاوے کا زیادہ حقدار کون ہے ا فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہاری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تمہارا باپ ۲ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہار اباپ پھر تمہارا قریبی پھر قریبی ۳

ا صحابۃ صاد کے کسرہ سے بمعنی مدد یا برتاوا،خدمت اسی سے ہے صحبت و ہمراہی جو الفت خدمت و مدد کے ساتھ ہواس لیے جن کفار نے حضور انور کے ساتھ مجلس کی انہیں صحابی نہیں کہا جاتا کہ وہ ہمراہی الفت و خدمت کے ساتھ نہ تھی یعنی میرے رشتہ دار قریبی دور کے بہت ہی ہیں اچھا برتاوا کس سے کروں اس کا کون مستحق ہے۔

۲ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے کیونکہ ماں بچہ پر تین احسان کرتی ہے باپ ایک احسان۔پیٹ میں رکھنا،جننا،پرورش کرنا باپ صرف پرورش ہی کرتا ہے۔بیٹا ماں باپ دونوں کی خدمت کرے مگر مقابلہ کی صورت میں ادب و احترام باپ کا زیادہ کرے خدمت و انعام ماں کی زیادہ۔(اشعہ)ماں باپ کے ساتھ سلوک یہ ہے کہ ان سے نرم اور نیچی آواز سے کلام کرے،مالی و بدنی خدمت کرے یعنی اپنے نوکروں سے ہی ان کا کام نہ کرائے بلکہ خود کرے،ان کا ہر جائز حکم مانے،انہیں نام لے کر نہ پکارے،اگر وہ غلطی پر ہوں تو نرمی سے ان کی اصلاح کرے،اگر قبول نہ کریں تو ان پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے،ان کی سختی پر تحمل کرے،یہ آداب قرآن مجید میں اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے عمل شریف میں مذکور ہیں اس کے متعلق ہماری تفسیر نعیمی کا مطالعہ فرماؤ۔

۳؎ یعنی ماں باپ کے ساتھ ان کے عزیزوں کے حق بھی ادا کرے کہ چچا ماموں،دادانانا،بہن بھائی وغیرہم کے حقوق ادا کرے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی ناک رگڑ جاوے۱؎ اس کی ناک رگڑ جاوے عرض کیا گیا یارسول اللہ کس کی فرمایا اس کی جو اپنے ماں باپ کو پائے ۲؎ کہ ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے میں ہوں پھر جنت میں نہ چلا جاوے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی وہ ذلیل ہوجاوے وہ ذلیل ہوجاوے وہ ذلیل ہوجاوے۔ناک رگڑنے سے مراد ذلت و خواری ہے ناک رگڑنے سے مراد ذلت و خواری ہوتی ہے۔

۲؎ احدھما اور کلاھما یہ دونوں عندالکبر کا فاعل ہیں لہذا مرفوع ہیں یعنی انہیں اس حال میں پائے کہ وہ دونوں یا ایک۔بڑھاپے کی قید اس لیے لگائی کہ اس وقت ہی خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور بارگاہِ الٰہی میں بوڑھے کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے،وہ کریم سفید داڑھی بالوں والے بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں پھیرتا،اولاد کو چاہیے کہ ایسے وقت اور ایسے وقت کی خدمت کو غنیمت جانیں۔

۳؎ یا اس طرح کہ ان کی نافرمانی کرے یا اس طرح کہ انکی خدمت میں کمی کرے یا اس طرح کہ انہیں سخت جواب دے۔خیال رہے کہ بڑھاپے میں طبیعت چڑچڑی ہوجاتی ہے،غصہ بڑھ جاتا ہے اس وقت ان کی سخت بات برداشت کرے ان کی سختی کی پرواہ نہ کرے،سمجھے انکی مت کٹ گئی ہے ان شاءاللہ دونوں جہان میں آرام پائے گا،قرآن کریم فرماتا ہے:"اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡہَرۡہُمَا وَ قُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا"بڑھاپے کا ذکر اس لیے بارہا ہوتا ہے کہ وہ وقت تو سنبھالنے کا ہے جس نے وہ وقت سنبھال لیا اس نے کمائی کرلی،ایسے آڑے وقت میں ان پر دل کھول کر خرچ بھی کرے،ان کی خدمت بھی کرے،انکے لیے دعا بھی کرے۔بچپن میں یہ مجبور تھا تو ماں باپ نے اسے سنبھالا اور وہ مجبور ہیں تو یہ انہیں سنبھالے اللہ کی رحمت اسے سنبھالے گی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ میری ماں آئیں جب کہ وہ قریش میں مشرکہ تھیں ۱؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری ماں میرے پاس آئی ہیں وہ دین سے دور ہیں ۲؎ کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں فرمایا ہاں کرو ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ صلح حدیبیہ کے بعد کفار مدینہ منورہ آنے جانے لگے تھے اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیق کی پہلی بیوی حضرت اسماء کی والدہ آئیں۔

۲؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں راغمۃ ہے میم سے مگر اکثر نسخوں میں راغبۃ ب سے ہے،راغمۃ میم سے بمعنی عاجز،ذلیل،خوار،مسکین و غریب یعنی وہ میرے پاس عاجز و محتاج ہوکر آئی ہے میرے مال کی حاجت مند ہے۔راغبۃ ب سے ہو تو اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ بمعنی رغبت خواہش ہو یعنی وہ میرے مال میری خدمت کی خواہش مند ہے،دوسرے یہ کہ بمعنی بے رغبتی و روگردانی ہو یعنی وہ اسلام سے بے رغبت ہے اسے اسلام کی طرف رغبت و میلان نہیں،اگر رغبت کے بعد فی ہو تو بمعنی میلان ہوتی ہے اگر عن ہو تو بمعنی بے رغبتی۔

۳؎ معلوم ہوا کہ کافرومشرک ماں باپ کی بھی خدمت اولاد پر لازم ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ مشرک باپ کو بت خانہ لے نہ جائے مگر جب وہاں پہنچ چکا ہو تو وہاں سے گھر لے آئے کہ لے جانے میں بت پرستی پر مدد ہے اور لے آنے میں خدمت ہے،دوسرے عزیز و قرابت دار بھی اگر مشرک و کافر ہو مگر محتاج ہوں تو ان کی مالی خدمت کرے۔(از اشعہ)

روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ فلاں قبیلہ میرے دوست نہیں ۱؎ میرے دوست اللہ تعالٰی اور نیک کار مسلمان ہیں ۲؎ لیکن ان کا رشتہ رحمی ہے جس کی تری سے میں تر کروں گا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے ان کا نام لیا تھا مگر راوی نے نام نہ لیا کیونکہ وہ لوگ اس وقت برسر اقتدار تھے ان سے خطرہ تھا۔بہرحال اس سے مراد یا ابولہب کی اولاد ہے یا ابوسفیان کی اولاد یا حکم ابن عاص کی اولاد مگر قوی یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے قریشی ہاشمی تمام قوموں کو شامل ہے۔(مرقات)جو بھی اسلام سے یا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے طریقہ سے ہٹ جاوے وہ حضور کا دوست نہیں۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ متقی مسلمان خواہ کسی خاندان کا ہو مجھے پیارا ہے کافر و بے ایمان اگرچہ ہماری نسل سے ہو مردود ہے،قرآن حکیم فرماتا ہے:"اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ"۔

۳؎ خیال رہے صلہ رحمی کرنے،رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کو بلل یعنی تری کہتے ہیں کیونکہ تری سے چیز جڑتی ہے خشکی سے ٹوٹ جاتی ہے،یوں ہی سلوک کرنے سے دل جڑتے ہیں بدسلوکی سے دل ٹوٹ کر الگ الگ ہوجاتے ہیں۔

روایت ہے مغیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے حرام فرمایا ۱؎ ماؤں کی نافرمانی اور بچیوں کا زندہ دفن اور روک رکھنا لاؤ کرنا اور ناپسندیدہ کیا زیادہ قیل و قال بہت سوال ۲؎ بربادی مال	

	کو ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ چونکہ بمقابلہ باپ ماں کا حق زیادہ ہے،نیز ماں کمزور دل ہے بہت جلد رنجیدہ ہوجاتی ہے یا اکثر اولاد وہاں سے ہی ضد کرتی ہے اس کا حکم نہیں مانتی اس لیے صرف ماں کا ذکر فرمایا ورنہ باپ کی نافرمانی بھی ممنوع ہے،اہلِ عرب زندہ بچیوں کو دفن کر دیتے تھے۔**وھات** کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ لیتے رہنا کبھی کسی کو دینا نہیں۔چاہیے یہ کہ لینا سیکھے تو دینا بھی سیکھے،بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں واجب حقوق ادا نہ کرنا حرام کمائی سے پرہیز نہ کرنا۔

۲؎ یعنی ہر حکم کی وجہ پوچھنا عمل نہ کرنا یا زیادہ بولنا لوگوں سے مانگتے رہنا۔

۳؎ حرام رسموں میں مال خرچ کرنا فضول خرچی ہے،مال اڑانا مال کی بربادی ہے،اچھا کھانا پینا جب کہ اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو بالکل جائز ہے یہ فرمان عالی جامع کلمات میں سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بلاتکلف ہم وزن الفاظ بولنا ممنوع نہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گناہ کبیرہ سے ہے کسی شخص کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا ۱؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہے فرمایا ہاں ۲؎ یہ کسی کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے اور یہ کسی کی ماں کی گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ بمعنی اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو گالی دیتا ہے۔

۲؎ فرمایا ہاں یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کو گالی دے **سبحان اللہ**!وہ زمانہ قدوسیوں کا تھا کہ یہ جرم ان کی عقل میں نہ آتا تھا اب تو کھلم کھلا نالائق لوگ اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں ذرا شرم نہیں کرتے۔

۳؎ خیال رہے کہ سبّ ہر قسم کے برا کہنے کو کہتے ہیں گالی ہو یا اور کچھ مگر **شتم** گالی کو کہا جاتا ہے،کبھی سب بمعنی **شتم** آتا ہے اور **شتم** بمعنی سب،کسی سے کہا تیرا باپ احمق ہے یہ ہے سب،کسی سے کہا تیرا باپ زانی ہے حرامی ہے یہ ہے **شتم**۔مطلب یہ ہے کہ کسی کے بزرگوں کو تم برا نہ کہو تاکہ وہ تمہارے بزرگوں کو برا نہ کہے،یہ ہی حکم اولاد و عزیزوں کے متعلق ہے تم کسی کی بیٹی بہن بھانجی کو گالی نہ دو تاکہ وہ تمہاری بیٹی بہن بھانجی کو گالی نہ دے جیسے کہو گے ویسی سنو گے بہت اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے کسی نے کیا خوب کہا۔شعر

گر ما درخویش دوست داری   دشنام مکن بہ مادر من

ابن ابی الدنیا میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعًا ہے کہ کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا اسے بہتان لگانا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین بھلائیوں میں سے کسی شخص کا اپنے باپ کے غائب ہونے کے بعد اس کے محبت والوں سے سلوک کرنا ہے[1](مسلم)	

[1]یہ ولی عام ہے جس میں سفر موت دونوں داخل ہیں یعنی جب ماں باپ سفر میں گئے ہوں یا وفات پاچکے ہوں تو ان کے دوستوں کو اپنا باپ سمجھنا ان سے سلوک کرنا اس لیے کہ یہ ہمارے والدین کے دوست ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت دی جاوے اور اس کی موت میں دیر کی جاوے [1]تو وہ صلہ رحمی کرے۔(مسلم،بخاری)	

[1]انساء کہتے ہیں دیر لگانے کو اس لیے ادھار کو نسیہ کہا جاتا ہے کہ وہاں مال دیر سے ملتا ہے۔اثر کہتے ہیں نشان قدم کو،مرنے سے نشان قدم جاتے رہتے ہیں کہ پھر انسان چلتا پھرتا نہیں،پھر زندگی کو اثر کہنے لگے کہ زندگی میں نشان قدم زمین میں پڑتے ہیں۔موت میں دیر لگانے سے مراد ہے عمر دراز دینا یعنی جو رزق میں برکت عمر میں درازی چاہے وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔خیال رہے کہ تقدیر تین قسم کی ہے:مبرم،معلق،مشابہ مبرم،تقدیر مبرم میں کمی و بیشی ناممکن ہے مگر باقی دو تقدیروں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔دعا نیک اعمال سے عمر بڑھ جانے اور بددعا بدعمل سے عمر گھٹ جانے کا یہ ہی مقصد ہے کہ آخری دو قسم کی عمریں گھٹ بڑھ جاتی ہیں۔ہم یہ مسئلہ باب القدر میں بیان کرچکے ہیں اور تفسیر نعیمی کے پہلے پارہ میں بھی عرض کرچکے ہیں۔دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو ۱۰۰ برس ہوگئی،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وفات یافتہ لوگ جی جاتے تھے اور زندہ رہتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مخلوق پیدا فرمائی[1]جب اس سے فارغ ہوا تو رحم اٹھ کھڑا ہوا پھر اس نے رحمان کا دامن کرم پکڑلیا[2]رب نے فرمایا کیا ہے[3] عرض کیا یہ جگہ ہے اس کی جو توڑے جانے سے تیری پناہ لے[4]فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جو تجھے توڑے اسے توڑ دوں[5]بولا ہاں اے رب فرمایا تو ایسا ہی ہے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎یہاں خلق سے مراد یا تو پیدائش کا فیصلہ فرمانا ہے یا اندازہ لگانا لہذا حدیث واضح ہے۔

۲؎ حقو کہتے ہیں کمر کو جہاں کمر بندیا تہبند باندھا جاتا ہے۔عرب والے جب کسی کی پناہ لیتے یا اس سے کچھ ضروری عرض معروض کرنا چاہتے تھے تو اس کی کمر سے لپٹ جاتے تھے یہاں وہ ہی استعارہ استعمال فرمایا گیا ہے۔رحم سے مراد رحمی رشتہ داری ہے اس عالم میں ہر چیز کی شکل ہے لہذا یہ رشتہ داری ایک خاص شکل میں تھی اور اس نے صاف صاف یہ عرض کیا قیامت میں ہمارے اعمال،قرآن،رمضان کی خاص شکلیں ہوں گی وہ کلام کریں گے لہذا حدیث واضح ہے،بعض شارحین نے کہا کہ یہ حدیث متشابہات سے ہے کہ اسے بغیر سمجھے ہی مان لو۔

۳؎ مہ مخفف ہے ماھذا کا یا اسم فعل ہے یا اصل میں لفظ ماتھاہ وقف کی ہے مطلب یہ ہی ہے کہ تو کیا کہتا ہے۔

۴؎رحم توڑے جانے سے مراد ہے حقوق قرابت ادا نہ کرنا یعنی اس بات سے تیری پناہ لیتا ہوں کہ کوئی میرے حق ادا نہ کرے۔

۵؎ یعنی جو شخص اپنے اہل قرابت کے حق بالکل ادا نہ کرے اور دوسری عبادتیں کرے گاوہ مجھ تک نہ پہنچ سکے گا اور جو حقوق ادا کرے گا اگرچہ گنہگار ہوگا وہ میری رحمت میں داخل ہوگابلکہ اسے دنیا ہی میں اور خیر کاموں کی توفیق بھی مل جاوے گی۔اس حدیث سے معلوم ہو ا کہ رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا واجب ہے قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے،صلہ رحمی کے بہت درجے ہیں جتنا رشتہ قوی اتنے ہی حقوق زیادہ یہ ضرور خیال رہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم بنا ہوا ہے رحمٰن سے ۱؎رب نے فرمایا ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا۲؎اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا ۳؎ (بخاری)

۱؎یعنی رحمان رحمٌ سے بنا ہے لہذا رحم کا رحمٰن سے بہت گہرا تعلق ہے۔شجنۃ درخت کی رگیں جو ایک دوسرے میں گھستی ہوئی ہوں۔مطلب یہ ہے کہ رحمٰن اور رحم کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔(مرقات)جو رحم کے حقوق سے الگ ہوا وہ خدا تعالٰی سے الگ ہوا۔

۲؎یعنی جو رشتہ داروں سے الگ رہے گا مجھ سے الگ رہے گا۔

۳؎رحم توڑنے سے مراد ہے رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنا رب تعالٰی کے اس کو توڑنے سے مراد ہے اپنی رحمت سے دورکردینا یعنی جو رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے دور رہے گا۔

	روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشتے توڑنے والا جنت میں نہ جائے گا ۱؎(بخاری،مسلم)

۱؎ عرش سے مراد یا تو عرش اعظم ہی ہے یا بلند مقام،پہلا احتمال قوی ہے یعنی رشتہ داروں کا حق قرابت کا تعلق دور رہے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم عرش سے لٹکا ہوا ہے[1] کہہ رہا ہے کہ جو مجھے جوڑے اللہ اسے جوڑے اور جو مجھے توڑے اللہ اسے توڑ دے گا[2] (مسلم،بخاری)	

[1] اس عبارت کے معنی پہلے بیان ہوچکے کہ جو رشتہ داروں کا حق ادا کرے گا اللہ سے قرب پائے گا اور جو ادا نہ کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوجاوے گا۔اس میں گفتگو ہے کہ رشتہ داروں کی حد کہاں تک ہے جس کے حقوق ادا کرنا ضروری ہیں۔بعض علماء نے فرمایا کہ جن سے نکاح حرام ہے وہ ذی رحم ہیں لہذا چچا زاد خالہ زاد ذی رحم نہیں،بعض نے فرمایا کہ جن دو کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے وہ ذی رحم ہے،بعض کے نزدیک جن کو میراث پہنچ سکے وہ ذی رحم ہے لہذا والدین،اولاد،بھائی،بہن چچا ماموں ان کی اولاد سب ذی رحم ہیں یہ ہی قول قوی ہے۔(مرقات)رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ"۔یہ گفتگو ذی رحم کے متعلق ہے ان کے علاوہ دوسرے قرابت دار جیسے ساس،سالا،رضاعی ماں رضاعی بھائی یعنی ان کے ساتھ بھی سلوک کرے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حلیمہ اور جناب ثویبہ کے عزیزوں سے سلوک کئے۔

[2] قاطع سے مراد یا تو ڈاکو ہے یعنی قاطع طریق(راہ مار)یا قاطع رحم یعنی رحم یعنی حقوق ادا نہ کرنے والا دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی یعنی یہ لوگ اولًا جنت میں نہ جائیں گے پہلے سزا پائیں گے پھر جائیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو یہ بدلہ چکائے لیکن جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑ دے[1] (بخاری)	

[1] یعنی جو شخص اپنے عزیزوں سے سلوک کرے مگر بدلہ میں کہ وہ کچھ کریں تو اس کی عوض یہ بھی کرے وہ ناقص ہے،کامل رشتے جوڑنے والا وہ ہے جو اپنے عزیزوں کی برائی کا بدلہ بھلائی سے کرے کہ وہ اس پر زیادتی کریں تو یہ سلوک کرے،اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے۔یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ظلم سہہ کر ان کی پرورش فرمائی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ"۔غرضیکہ یہ حدیث کمال اخلاق کی تعلیم دے رہی ہے۔

روایت ہے ابوہریرہ سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے قرابت دار ہیں[1] میں ان سے جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے توڑتے ہیں،ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں،میں ان سے بردباری سے	

برتتا ہوں ۲؎ وہ مجھ پر جہالت کرتے ہیں تو فرمایا کہ اگر ویسا ہی ہے جیسے کہہ رہا ہے تو تو ان کے منہ میں بھوبل ڈال رہا ہے ۳؎ اور تیرے ساتھ اللہ کی طرف سے ان پر مددگار رہے گا جب تک تو اس حال پر رہے ۴؎ (مسلم)	

۱؎ یہاں قرابت سے مراد ذی قرابت یعنی رشتہ دار ہیں یہ صاحب ان کی شکایت بارگاہِ رسالت میں کررہے ہیں۔

۲؎ غرضکہ ہر طرح ان کی برائیوں کا بدلہ بھلائی سے دیتاہوں۔یہ دوسروں کی غیبت یا اپنی شیخی مارنا نہیں بلکہ مسئلہ دریافت کرنا ہے۔

۳؎ سف کے معنی ہیں ان کے منہ میں بھرتا ہے،مل میم کے فتح لام کے شد سے بمعنی گرم راکھ جسے اردو میں بھوبل کہتے ہیں اس جملہ کے بہت معنی ہیں: ایک یہ کہ اس حالت میں ان لوگوں کو تیرا مال حرام ہے اور پھر وہ کھارہے ہیں تو گویا اپنے منہ میں بھوبل بھررہے ہیں،دوسرے یہ کہ ان کو ان حالات میں ایسی شرمندگی چاہیے کہ ان کے منہ جھلس جاویں جیسے بھوبل پڑ جانے سے منہ جھلس جاتا ہے،تیسرے یہ کہ ان کی برائیوں کی عوض تیرا ان سے سلوک کرنا گویا ان کے منہ بھوبل سے بھرنا ہے تو انہیں ذلیل کررہا ہے تیری عزت بڑھ رہی ہے،ان کی شرمندگی وذلت،خیرات سے مال بڑھتا ہے عفو کرم سے عزت بڑھتی ہے۔

۴؎ یعنی جب تک تیرا یہ حلم اور برائی کی عوض بھلائی ہے تب تک اللہ تعالٰی کی طرف سے تجھے مدد پہنچتی رہے گی یا تجھ پر رب کی طرف سے فرشتہ مقرر رہے گا جو تجھے ان کی شر سے بچائے گا اور تیرے عزت و مال میں برکت دے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تقدیر کو نہیں ردکرتی مگر دعا ۲؎ اور عمر میں نہیں زیادتی کرتا مگر اچھا سلوک ۳؎ اور یقینًا انسان رزق سے محروم ہوجاتا ہے اس گناہ سے جو اسے پہنچے ۴؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ ثوبان ابن بجدد ہیں،کنیت ابو عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں،سفروحضر میں حضور کے ساتھ رہے،حضور کی وفات کے بعد شام چلے گئے،پہلے رملہ میں پھر حمص میں قیام رہا وہاں ہی ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎ تقدیر معلق ہے اور دعا سے مراد دعائے مقبول ہے خواہ اپنی دعا ہو یا کسی بزرگ کی،تقدیر مبرم کسی طرح بھی نہیں بدل سکتی۔(مرقات واشعہ)تقدیر معلق کہتے ہیں اسے ہی جو شرائط و قیود پر موقوف رکھی گئی کہ فرشتوں سے فرمایا گیا ہو کہ فلاں شخص اگر یہ کرے گا تو اس کا یہ یہ ہوگا علم الٰہی میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

۳؎ یعنی اپنے ماں باپ اور قرابت دار عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھادیتا ہے اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی تقدیر بدلنے کے متعلق عرض کیا گیا کہ انسان کی عمر دو قسم کی ہے: عمر مبرم یعنی علم الٰہی اور اس کا قطعی فیصلہ اس میں زیادتی کمی ناممکن ہے،دوسری عمر معلق جہاں فرشتوں اولیاءاللہ کو اطلاع یوں دی گئی ہو کہ اگر یہ فلاں نیکی کرے تو اس کی عمر اتنی ہوگی اگر گناہ کرے تو اس سے کم جب یہ بندہ نیکی کرلیتا ہے تو اسے وہ ہی زیادہ عمر مل جاتی ہے جو نیکی پر معلق تھی۔

۴؎ اس فرمان کے چند معنی ہیں:ایک یہ کہ گناہوں سے رزق آخرت یعنی ثواب اعمال گھٹ جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ مؤمن کا گناہوں کی وجہ سے رزق روحانی یعنی اخلاص،اطمینان قلب،دل کا چین و سکون،رغبت الی اللہ گھٹ جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ مؤمن اپنے گناہوں کی وجہ سے تنگی رزق،یا بلاؤں میں گرفتار ہوجاتا ہے تاکہ ان کی وجہ سے گناہوں سے توبہ کرکے پاک و صاف ہوکر دنیا سے جائے لہذا اس فرمان پر یہ اعتراض نہیں کہ اکثر متقی پرہیزگار لوگ مفلوک الحال ہوتے ہیں اور فاسق و بدکار بڑے مالدار۔(مرقات،اشعہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جنت میں گیا تو میں نے اس میں تلاوت سنی ۱؎ میں نے کہا یہ کون ہے بولے یہ حارثہ ابن نعمان ہیں ۲؎ بھلائی ایسی ہوتی ہے بھلائی ایسی ہوتی ہے ۳؎ اور وہ اپنی ماں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکوکار تھے ۴؎ شرح سنہ بیہقی شعب الایمان اور ان کی روایت میں ہے فرمایا میں سویا تو میں نے اپنے کو جنت میں دیکھا ۵؎ بجائے **دخلت الجنۃ** کے۔

۱؎ یعنی ایک بار خواب میں ہم نے جنت دیکھی تو کسی کو خوش الحانی سے قرآن مجید تلاوت کرتے پایا **قراءۃ** کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی **قراءۃ القرآن**۔

۲؎ آپ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں،غزوہ بدر واحد میں شریک ہوئے،ایک بار حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور کے پاس کوئی شخص بیٹھا تھا آپ نے سلام کیا اس شخص نے بھی جواب دیا،جب دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا وہ صاحب جنہوں نے تم کو سلام کا جواب دیا حضرت جبریل تھے۔غالبًا حارثہ اس وقت وفات پاچکے تھے ہوسکتا ہے کہ اس وقت زندہ ہوں،پہلا احتمال قوی ہے۔

۳؎ یہ جملہ یا تو حضور انور کا فرمان ہے جو صحابہ سے فرمایا یا فرشتوں کی عرض و معروض ہے جو انہوں نے حضور سے کی تو **ذلکم** کی جمع تعظیم کے لیے ہے۔

۴؎ یہ قول راوی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی والدہ کی بہت ہی خدمت کرتے تھے اس کی وجہ سے انہیں یہ عظمت ملی۔

۵؎ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ یہ واقعہ خواب کی معراج کا ہے نہ کہ بیداری کی معراج کا جیساکہ ابھی عرض کیا گیا۔

	روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب کی رضا باپ کی رضا مندی میں ہے اور رب کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ غالبًا اس وقت باپ کی خدمت ہی کا ذکر ہوگا اس لیے صرف باپ کا ذکر فرمایا ورنہ ماں کا بھی یہ ہی حکم ہے بلکہ بطریق اولیٰ اس کی مستحق ہے،ممکن ہے کہ والد سے مراد جنس ہو یعنی ولادت والا خواہ مرد ہو یا عورت یعنی ماں ہو یا باپ۔طبرانی نے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا روایت کیا **فی رضا الوالدین** اور **فی سخطھما**۔وہ حدیث اس کی شرح ہے کہ والد سے مراد والدین ہیں۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضور کا یہ فرمان خود عبداللہ ابن عمرو سے تھا کہ وہ خود عابد زاہد تہجد گزار شب بیدار تھے مگر ان کے والد عمرو ابن عاص نے حضور سے شکایت کی کہ میں اپنے بیٹے سے ناراض ہوں تب آپ نے یہ ان سے فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے کہ ایک شخص انکے پاس آیا بولا میری بیوی ہے اور میری ماں اسے طلاق دے دینے کا مجھے حکم دیتی ہے ۱؎ تو ان سے ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ والدین جنت کے دروازوں میں بیچ کا درازہ ہیں تو اگر تم چاہو تو دروازہ سنبھال لو یا اسے ڈھا دو ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی فرمایئے میں کیا کروں اسے طلاق دوں یا نہ دوں کہ طلاق تمام مباح چیزوں میں بہت ہی ناپسندیدہ چیز ہے۔

۲؎ مقصد یہ ہے کہ یا تو اپنی بیوی سے اپنی ماں کو راضی کردو ساس بہو کی صلح کرا دو یا طلاق دے دو صراحۃً طلاق کا حکم نہ دیا کہ ایسی صورت میں طلاق دینا واجب نہیں بہتر ہے اور اگر ماں باپ بیوی پر ظلم کرنے کا حکم دیں کہ اسے خرچہ نہ دے اسے میکے میں چھوڑ دے تو ہرگز نہ کرے کہ ظلم حرام ہے ماں باپ کی اطاعت حکم شرع کے خلاف میں نہیں۔

	روایت ہے بہز ابن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں کس سے سلوک کروں فرمایا اپنی ماں سے میں

نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا پھر اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے فرمایا اپنے باپ سے ۲؎ پھر درجہ بدرجہ قرابت داروں سے ۳؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ بہزابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ قشیری ہیں،بصری ہیں،یہاں جدہ میں ہ ضمیر بہز کی طرف لوٹتی ہے لہذا معاویہ ابن حیدہ سے یہ روایت ہے۔

۲؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ حق الخدمت ماں کا تین گنا ہے باپ کا ایک گنا کہ ماں نے بچہ کو اولًا پیٹ میں رکھا،پھر جنا،پھر دودھ پلایا،اس کے بعد کی پروش میں ماں باپ دونوں شریک رہے۔خیال رہے کہ حق خدمت ماں کا زیادہ ہے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ قرابت داروں سے مراد نسبی قرابت دار ہیں ان میں جتنا قرب زیادہ اتنا حق زیادہ۔چنانچہ پہلے بھائی بہن پھر ماموں چچا وغیرہ اور ہوسکتا ہے کہ قرابت دار عام مراد ہوں جن میں ساس،سالارضاعی ماں وغیرہ سب شامل ہوں۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں ۱؎ اور میں رحمان ہوں میں نے رحم کو پیدا فرمایا ۲؎ اور اس کے لیے اپنے نام سے نام مشتق کیا ۳؎ تو جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے توڑوں گا ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی معبود حقیقی ہوں،سب سے غنی ہوں،سب کا داتا ہوں۔

۲؎ رحم سے مراد یا تو رحمی رشتے اور قرابت داریاں ہیں یا خاص رحم ہے یعنی بچہ دانی جو عورت کے پیٹ میں ہے کہ یہ تمام نسبی رشتوں کا ذریعہ ہے۔

۳؎ یعنی اپنے نام سے اس کا نام بنایا یہاں اشتقاق صرفی مراد نہیں کہ اس قاعدہ سے تو لفظ رحمن بنا ہے رحم سے۔

۴؎ یعنی جو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے گا میں اسے اپنے سے ملالوں گا اور اپنی رحمت تک پہنچادوں گا اور جو ان کے حقوق ادا نہ کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے دور کروں گا جو مجھ سے ملنا چاہے وہ اپنے عزیزوں کے حق ادا کرے گا یا ان پر ظلم کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے دور کروں گا جو مجھ سے ملنا چاہے وہ اپنے عزیزوں کے حق ادا کرے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں	

	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس قوم پر رحمت نہیں اترتی جن میں قرابت توڑنے والا ہو ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی جس قوم میں ایک شخص اپنے عزیزوں کی حق تلفی کرتا ہو اور دوسرے لوگ اس کے اسی گناہ پر مدد کرتے ہوں یا باوجود قدرت کے اسے اس ظلم سے نہ روکتے ہوں تو وہ سب لوگ رحمت سے محروم ہیں گناہ کرنا بھی گناہ ہے باوجود قدرت کے گناہ سے نہ روکنا بھی گناہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ایک کی شامت سے یہ سب لوگ رب کی رحمت سے محروم ہوجاتے ہیں لہذا مطلب واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اس کے مرتکب پر سزا اللہ دنیا میں بھی بھیجے مع آخرت میں ذخیرہ کرنے کے بمقابلہ بغاوت اور رشتہ توڑنے کے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یعنی تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی کیونکہ دنیا دارالعمل ہے آخرت دارالجزاء مگر دوگناہ ایسے ہیں جن کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی: ایک بغی،دوسرا رشتہ داروں کا حق ادا نہ کرنا ان کی حق تلفی۔بغی کے معنی ظلم بھی ہیں،بادشاہ اسلام پر بغاوت کرنا بھی،تکبروغرور کرنا بھی یہاں تینوں معنی کا احتمال ہے۔(مرقات)دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ کو ستانے والا دنیا میں بھی چین سے نہیں رہتا در بدر پھٹکارا پھرتا ہے،ماں باپ کا خدمتگار دنیا میں عیش،چین،عزت پاتا ہے یہ میرا خود اپنا تجربہ ہے۔طبرانی کی روایت میں ہے کہ عزیزوں کی حق تلفی خیانت اور جھوٹ اس لائق ہیں کہ ان کی سزا دونوں جہان میں ملے،رشتے داروں کی خدمت میں وہ نیکی ہے جس کی جزا دونوں جہان میں ملتی ہے حتی کہ بعض لوگ فاسق فاجر ہوتے ہیں مگر رشتہ داروں سے سلوک کی وجہ سے ان کی مال واولاد میں برکت ہوتی ہے۔(مرقات)یہ بھی تجربہ ہے بعض فساق ماں باپ کی خدمت کی برکت سے بہت پھلتے پھولتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور نہ نافرمان اور ہمیشہ کا شراب خوار ۱؎(نسائی،دارمی)

۱؎ منان بنا ہے من سے من کے چند معنی ہیں: کسی پر منت رکھنا یعنی کچھ دے کر اسے طعنے دینا،ایذا رسانی کرنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰی"کاٹنا ختم کرنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ"خواہ قطع رحمی ہو یا قطع طریق یعنی ڈکیتی یہاں سارے معنی بن سکتے

ہیں۔(لمعات،مرقات)عاق ماں باپ کا نافرمان،مدمن خمر وہ جو شراب خوری کا عادی ہو اس سے توبہ نہ کرے یعنی یہ لوگ اولًا جنت میں جانے کے مستحق نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے شراب خواری خود ہی سخت جرم ہے پھر اس پر ہمیشگی ڈبل جرم۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے نسب یاد رکھو جس سے اپنے رشتے جوڑو ۱؎کیونکہ رشتے جوڑنا گھر والوں میں محبت ہے،مال میں برکت ہے ۲؎عمر میں درازی ہے ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎یعنی اپنے ددھیال ننھیال کے رشتہ یاد رکھو اور یہ بھی دھیان میں رکھو کہ کسی سے ہمارا کیا رشتہ ہے تاکہ بقدر رشتہ ان کے حق ادا کرتے رہو،اگر تم کو رشتہ داروں کی خبر ہی نہ ہوگی تو ان سے سلوک کیسے کرو گے۔

۲؎ مثراۃ بناہے ثریٰ سے بمعنی کثرت اسی سے ہے ثروت،مثرات کے معنی ہیں زیادتی مال اور برکت کا ذریعہ ہے۔

۳؎منساۃ بنا ہے نساء سے بمعنی تاخیر یادیر اس لیے ادھار کونسیہ کہتے ہیں کہ اس کی وصولی میں دیر ہوتی ہے۔اجل بمعنی موت یعنی اس کی برکت سے موت دیر سے آتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمر بڑھتی ہے اس کا بہت لوگوں سے تجربہ کیا ہے بالکل درست پایا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہواتو عرض کیا یارسول اللہ میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے تو کیا میری توبہ ہوسکتی ہے ۱؎فرمایا کیا تیری ماں ہے عرض کیا نہیں فرمایا کیا تیری کوئی خالہ ہے عرض کیا کہ ہاں فرمایا اس سے اچھا سلوک کرو ۲؎(ترمذی)	

۱؎یعنی میں نے قولی یا عملی بدترین گناہ کرلیا ہے ایسے بدترین گناہ کی بھی توبہ ہوسکتی ہے یا نہیں۔خیال رہے کہ یہاں سوال گناہ کے متعلق ہے کسی بندے کے حق کے متعلق نہیں کہ حق العبد بغیر ادا کیے یا بغیر اس صاحب حق کے معاف کیے معاف نہیں ہوتا۔

۲؎یہ ہے حضور کی شان پردہ پوشی کہ اس سے پوچھانہیں کہ تو نے گناہ کیا کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے بیان کرکے رسوا نہ ہو۔حضور کو معلوم تھا کہ اس نے گناہ کیا ہے جو صلہ رحمی کی وجہ سے معاف ہوسکتا ہے کسی کا حق نہیں مارا ہے جس کی معافی صلہ رحمی وغیرہ نیک عمل سے نہ ہوسکے۔اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صلہ رحمی سے گناہ معاف ہوتے ہیں کہ صلہ رحمی بھی نیکی ہے اور نیکیوں سے گناہوں کی معافی ہوتی

ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔دوسرے یہ کہ چھپے گناہ کی توبہ بھی چھپ کر ہی کرے،ہاں علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ کرے التوبة علی قدر الحوبة توبہ گناہ کے حد کی ہو اس سے نبی کریم کے علم غیب کا بھی ثبوت ہوا۔

روایت ہے حضرت ابواسید ساعدی سے فرماتے ہیں جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا عرض کیا یارسول اللہ کیا میرے والدین کی بھلائیوں میں سے کوئی بھلائی باقی ہے جو میں ان کی موت کے بعد ان سے کروں ۱؎ فرمایا ہاں ان کے لیے دعا رحمت ان کی بخشش کی دعا ان کے بعد ان کے وعدے پورے کرنا اور ان رشتوں کو جوڑنا جو ان ہی کی وجہ سے ہی جوڑے جائیں ۲؎ اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا ۳؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،انصاری ہیں،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،آپ سے بہت محدثین نے روایات کیں آخر میں نابینا ہوگئے تھے،۷۸ اٹھتر سال عمر پائی، ۶۰ھ ساٹھ میں وفات ہوئی،آپ سارے بدری صحابہ میں آخری صحابی تھے کہ آپ کی وفات سے بدری صحابہ کا سلسلہ ختم ہوا،بڑی عظمتوں برکتوں والے تھے رضی اللہ عنہ۔یعنی میرے ماں باپ کا انتقال ہوچکا ہے اب میں ان سے کوئی سلوک کیسے کروں دل چاہتا ہے کہ سلوک کا سلسلہ قائم رہے۔

۲؎ یعنی اب تم ان کے ساتھ چار قسم کے سلوک کرسکتے ہو: ایک تو ان کے لیے دعاء خیر اور ان کے گناہوں کی معافی کی رب سے درخواست،دعا میں نماز جنازہ بھی داخل ہے۔(مرقات)ہر نماز کے آخر میں رب اغفرلی ولوالدی پڑھنا بھی،ان کے نام پر صدقات و خیرات کرنا بھی،ان کی طرف سے حج بدل کرنا یا کرانا بھی،ان کا
تیجہ،دسواں،چالیسواں،برسی وغیرہ کرنا بھی غرضکہ یہ ایک لفظ بہت جامع ہے یعنی ان کی وصیت پوری کرنا اس کے علاوہ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی سے جو وعدہ کیا ہو اور بغیر پورا کیے مر گئے ہوں وہ پورا کرنا اس میں ادائے قرض بھی داخل ہے۔بعض لوگ اپنے والدین کی اچھی رسمیں باقی رکھتے ہیں یہ بھی اسی میں داخل ہے،اگر ماں باپ کسی تاریخ میں خیرات کرتے تھے یا میلاد شریف گیارھویں کرتے تھے تو وہ ہمیشہ نبھاتے ہیں،جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے اس مسجد کی آبادی کی کوشش کرتے ہیں،جس خانقاہ سے انہیں عقیدت تھی اس خانقاہ سے وابستہ رہتے ہیں یہ صورتیں اسی حدیث میں داخل ہیں۔

۳؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جن عزیزوں سے رشتہ صرف ماں یا باپ کی وجہ سے ہو دوسری وجہ سے نہ ہو ان سے سلوک کرنا کہ یہ میرے والدین کی خوشنودی کا ذریعہ ہے اس میں بھائی بہن،چچا ماموں،پھوپھی خالہ سب ہی داخل ہیں۔دوسرے یہ کہ خالص رضاء والدین کے لیے ان سے سلوک کرنا اپنی ناموری

یا شہرت وغیرہ کو دخل نہ دے۔اس سے معلوم ہوا کہ بندوں کی رضا کے لیے کام کرنا بھی بعض صورتوں میں ثواب کا باعث ہے لہذا حضور کی رضا کے لیے نیک اعمال کرنا بالکل جائز ہے شرک یا گناہ نہیں نبی کریم کا حق ماں باپ سے زیادہ ہے،مرقات و اشعہ نے اسی دوسرے احتمال کو اختیار کیا۔غرضکہ ان عزیزوں کی والدین کی رضا کے لیے خدمت کرے اور والدین کی رضا اللہ رسول کی رضا کے لیے چاہیے۔احترام میں تعظیم و اکرام بھی داخل ہے اور ان کی خدمت ان پر مال خرچ کرنا بھی شامل ہے،بیٹا باپ کے دوستوں ماں کی سہیلیوں سے سلوک کرے۔

	روایت ہے حضرت ابو طفیل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم فرماتے دیکھا ۲؎ کہ ایک بی بی صاحبہ آئیں حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوگئیں تو حضور نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی وہ اس پر بیٹھ گئیں ۳؎ میں نے کہا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا یہ حضور کی وہ ماں ہیں جنہوں نے حضور کو دودھ پلایا ہے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے،امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے خاص ہمراہیوں میں سے ہیں،آخری صحابی جن کی وفات ہوئی آپ ہی ہیں،آپ کی وفات سے دور صحابہ ختم ہوا۔

۲؎ جعرانہ مکہ معظّمہ سے ایک منزل فاصلہ پر ہے طائف کے راستہ میں میدان حنین سے متصل ہے غزوہ حنین کے بعد حضور انور نے یہاں سولہ دن قیام فرمایا یہاں ہی حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں۔

۳؎ اللہ اکبر بادشاہوں کے ایلچی آئیں تو جوتوں پر بیٹھیں جبریل امین آئیں تو التحیات کی طرح حضور کے سامنے دو زانو بیٹھیں مگر یہ خوش نصیب بی بی حاضر ہوں تو ان کے لیے چادر بچھائی جس پر وہ بیٹھیں یہ ہے دودھ کی ماں کی عزت و احترام ۔

۴؎ یہ والدہ حضرت حلیمہ بنت ابی ذویب ہیں جو قبیلہ ہوازن کی ایک بی بی ہیں حضور کی شیر خوارگی کی مدت آپ نے پوری کرائی،غزوہ حنین کے موقعہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں،آپ ان کے لیے کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر مبارک بچھادی۔حق یہ ہے کہ ثویبہ اور حلیمہ اسی طرح حلیمہ کے خاوند مسلمان ہوگئے۔بی بی خدیجہ سے جب حضور انور نے نکاح کرلیا تو ثویبہ حضور کے پاس آیا کرتی تھیں حضور ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور مدینہ منورہ سے ثویبہ کے لیے کپڑے وغیرہ ہدایا بھیجا کرتے تھے،بی بی ثویبہ کی وفات فتح خیبر کے بعد ہے۔دیکھو(مرقات،اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کہ تین آدمی چل رہے تھے

کہ انہیں بارش نے آ لیا تو وہ پہاڑ میں ایک غار کی طرف چلے گئے تو ان کے غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آ گری تو ان کو ڈھک لیا تب ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ ان نیک اعمال کو سوچو جو تم نے اللہ کے لیے کیے ہوں اس کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو ا؎ کہ اللہ اسے کھول دے تو ان میں سے ایک بولا الٰہی میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے چھوٹے تھے ۲؎ میں ان کے لیے جانور چراتا تھا جب میں شام کو ان کے پاس آتا دوہتا تو اپنے ماں باپ سے ابتداء کرتا کہ انہیں اپنے بچوں سے پہلے پلاتا ۳؎ مجھے ایک درخت دور لے گیا ۴؎ تو میں نہ لوٹا حتی کہ شام ہوگئی پھر میں نے ان دونوں کو پایا کہ سو گئے تھے ۵؎ میں نے دودھ دوہا جیسے دوہا کرتا تھا پھر میں دودھ لایا تو ان کے سر کے پاس کھڑا ہوگیا میں ان کو جگانا پسند نہ کرتا تھا اور یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ ان سے پہلے بچوں سے ابتداء کروں ۶؎ اور بچے میرے قدموں کے پاس بھوک سے رو رہے تھے میری ان کی حالت یہ ہی رہی حتی کہ صبح طلوع ہوگئی ۷؎ تو اگر تو جانتا ہو کہ میں نے یہ تیری رضا کی تلاش کے لیے کیا ہے ۸؎ تو اتنی کشادگی کردے جس سے ہم آسمان دیکھ لیں ۹؎ چنانچہ اللہ نے ان کے لیے اتنا کھول دیا کہ وہ آسمان دیکھنے لگے ۱۰؎ دوسرا بولا الٰہی میری چچا زاد تھی جس سے میں بہت ہی محبت کرتا تھا ۱۱؎ جیسی مرد عورتوں سے کرتے ہیں میں نے اس کی طرف اس کے نفس کے مطالبہ کے لیے بھیجا ۱۲؎ اس نے انکار کیا حتی کہ میں اس کو سو دینار دوں ۱۳؎ چنانچہ میں نے محنت کی حتی کہ سو دینار جمع کرلیے پھر میں اس کے پاس وہ لایا جب میں اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھا ۱۴؎ تو وہ بولی اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر، مہر نہ کھول ۱۵؎ میں اس کے سامنے اٹھ کھڑا ہوگیا ۱۶؎ الٰہی تو اگر تو جانتا ہو کہ میں

	نے یہ تیری رضا کی تلاش کے لیے کیا تو اس میں اور زیادہ کشادگی کردے تو اللہ نے اور کشادگی فرمادی ۱۷؎ تیسرا بولا الٰہی میں نے مزدور رکھا تھا چاول کے ایک پیمانہ کے عوض ۱۸؎ تو جب اس نے اپنا کام پورا کرلیا تو کہا مجھے میرا حق دے دو میں نے اس پر اس کا حق پیش کیا وہ اسے چھوڑ گیا ۱۹؎ اس سے بے رغبتی کی میں اس چاول کو بوتا رہا حتی کہ میں نے اس سے بیل اور چرواہے جمع کرلیے ۲۰؎ پھر وہ میرے پاس آیا بولا اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر مجھے میرا حق دے دے میں نے کہا ان بیلوں اور چرواہوں کی طرف جا وہ بولا اللہ سے ڈر مجھ سے دل لگی نہ کر ۲۱؎ میں نے کہا کہ میں تجھ سے دل لگی نہیں کرتا تو یہ بیل اور چرواہے لے لے اس نے قبضہ کرلیا اور لے گیا ۲۲؎ تو اگر تو جانتا ہو کہ میں نے یہ تیری رضا کی تلاش کے لیے کیا تو باقی ماندہ بھی کھول دے رب نے پھر ان سے کھول دیا ۲۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعا کرنا چاہیے کہ یہ بھی ذریعہ قبولیت ہے اور جس کے پاس اپنی نیکیاں نہ ہوں جیسے ہم گنہگار تو وہ مقبول بندوں کی نیکیوں کی توسل سے دعا کریں جیسے ہم کہیں کہ خدایا حضور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول سجدوں کا توسل،حضرت حسین کی پیاری شہادت کا صدقہ،حضور غوث پاک کی اطاعتوں کے طفیل ہم کو اچھا خاتمہ اور تقویٰ توفیق دے انکے نیک اعمال یقینًا مقبول ہیں۔

۲؎ یعنی ماں باپ بوڑھے تھے بچے چھوٹے دونوں کمزور تھے میری خدمت کے حاجت مند ان سب کا میں ہی کفیل تھا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ بوڑھے ماں باپ کو اپنی چھوٹی اولاد پر ترجیح دینا بھی نیکی ہے کہ پہلے ان کی خدمت کرے بعد میں بچوں کو سنبھالے۔

۴؎ یعنی اپنی بکریاں چرانے کے لیے مجھے دور جانا پڑا قریب میں مجھے کوئی درخت نہ ملا جس کے پتے جھاڑ کر بکریاں چراؤں اس لیے گھر دیر میں لوٹا۔

۵؎ یعنی میں جنگل سے رات گئے واپس ہوا پھر دودھ دوہتے ہوئے دیر ہوئی دودھ گرم کرنے میں اور وقت لگا حتی کہ جب میں والدین کے پاس لایا تو وہ سوچکے تھے یا یہ مطلب ہے کہ میرے آتے وقت ہی وہ سوچکے تھے اگر جاگتے ہوتے تو انہیں جلدی دھو کرپلا دیتا۔حلاب کے معنی ہیں دودھ یا دودھ کا برتن جس میں دودھ دوہا جاتا ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ یہ بچوں پر ظلم نہیں بلکہ ماں باپ کا احترام ہے بوڑھے ماں باپ بھی بچوں کی طرح ہی ہوجاتے ہیں،جو انہیں تکلیف دے تو اس کی اولاد اس کے بڑھاپے میں اس کو ایذا دے گی یہ خدمت یا ایذا رسانی نقد سودا ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔(مرقات)

۷؎ صبح کو وہ اٹھے تو میں نے پہلے انہیں دودھ پلایا پھر بچوں کو دیا۔ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص رات بھر کھڑا رہا بچے کچھ دیر چیخ چلا کر سو گئے ہوسکتا ہے کہ بچے بار بار سوتے جاگتے رہے ہوں والدین سوتےرہے ہوں یہ کھڑا رہا ہو۔

۸؎ اس عرض و معروض میں رب کے علم میں تردد نہیں بلکہ اپنے اخلاص میں شک اور تردد ہے یعنی اگر میرے دل میں اخلاص ہوگاتب تو جانتا ہی ہوگا۔

۹؎ کیونکہ اس بند غار میں ہمارا دل گھٹ رہا ہے اس بے کسی بے دردی میں تو ہی ہمارا والی وارث ہے۔

۱۰؎ اس طرح کہ پتھر میں قوی جنبش پیدا ہوئی اور وہ خود بخود سرک گیا یا کسی فرشتے نے کام کیا بہرحال رب تعالٰی نے ان کی دستگیری کی۔

۱۱؎ یعنی یہ محبت چچازاد بہن ہونے کی نہ تھی بلکہ میں اس کا عاشق ہوگیا تھا عشق بھی شہوت کا تھا نہ وہ عشق مجازی جو عشق حقیقی کا ذریعہ ہے۔مصرع! این فساد خوردن گندم بو

۱۲؎ یہاں طلب ہی ارسال کے معنی ہیں اسی لیے بعد میں ایسا ارشاد ہوا یعنی میں نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اپنی ذات میرے حوالے کردے زنا کے لیے۔(مرقات)

۱۳؎ یعنی اس نے زنا کرانے کی اجرت سو اشرفیاں مانگیں اسی اجرت کو خرچی کہتے ہیں۔

۱۴؎ اس طرح کہ میں نے اسے سو اشرفیاں کما کر دے دیں اس نے اپنا نفس مجھے حوالہ کردیا اور ہم دونوں تنہائی میں جمع ہوگئے اور زنا کے لیے بالکل تیار ہوگئے۔

۱۵؎ یعنی میں کنواری بھی ہوں پارسا بھی ابھی تک نہ خاوند کے پاس گئی نہ کسی اجنبی کے پاس۔**مہر** سے مراد پردہ بکارت ہے جو پہلی صحبت پر ٹوٹتا ہے یعنی مجھ سے زنا نہ کر رب یہاں بھی دیکھ رہا ہے۔

۱۶؎ گناہ نہ کرنا بھی کمال ہے مگر نازک حالات میں گناہ سے ہٹ جانا بڑا کمال،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ**"اور فرماتا ہے:"**اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى**"میں نے اپنی دی ہوئی نقدی بھی واپس نہ لی بطورِ صدقہ اس کو دے دی یہ اشرفیاں عورت کے لیے ابھی حرام تھیں اب حلال ہوگئیں یہ ہے انقلاب حقیقت۔

۱۷؎ چنانچہ اب اتنی کشادگی ہوگئی کہ دھوپ بھی غار میں آنے لگی مگر ابھی اتنی کشادگی نہیں ہوئی کہ یہ لوگ نکل سکتے اس لیے تیسرا بولا۔

۱۸؎ فرق اس پیمانے کا نام ہے جس میں سولہ رطل یعنی قریبًا آٹھ سیر دانہ سماتا ہے یعنی میں نے اسے آٹھ سیر دھان(منجی)کے عوض مزدور رکھا۔

۱۹؎یعنی مزدور نے اپنی مزدوری مانگی میں نے پیش کردی مگر کسی وجہ سے اس نے اس مزدوری دھان پر قبضہ نہ کیا اور غائب ہوگیا۔

۲۰؎اس طرح کہ وہ کئی سال تک نہ آیا میں اس زمانہ میں اس کے دھان بوتا کاٹتا رہا ہر سال وہ بڑھتے رہے حتی کہ چند سالوں میں اس کا مال بہت بڑھ گیا،بیل اور غلام بھی اس آمدن سے خریدلیے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے مال کو فضول آدمی اگر تجارت میں لگا کر بڑھا دے تو جائز ہے اس میں گناہ نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک دینار بکری خریدنے کے لیے دیا انہوں نے ایک بکری خرید کر دو دینار میں فروخت کردی پھر ایک دینار میں دوسری بکردی خریدی پھر دینار اور بکری حضور کی بارگاہ میں لائے سرکار نے اس عمل پر ناراضی نہ فرمائی بلکہ ان کے لیے دعاء برکت کی۔(مرقات)اس سے بہت مسائل فقیہہ مستنبط ہوسکتے ہیں:(۱) مسجد،یتیم اور غائب آدمی کا متولی ان کے مال کو تجارت میں لگاسکتا ہے(۲)اس صورت میں سارا نفع مالک ہی کا ہوگا کام کرنے والے کو اس سے کچھ نہ ملے گا(۳)اس صورت میں یہ متولی اجرت نہ پائے گا کیونکہ مالک نے اسے اس کام کا حکم نہ دیا تھا(۴)ماں باپ کی خدمت،پاک دامنی اور خدمت خلق اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں(۵)فی زمانہ حکومتیں اپنے ملازمین کی تنخواہ سے کچھ فنڈ کاٹتی ہیں ملازمت سے الگ ہونے پر یہ جمع شدہ رقم مع زیادتی دیتی ہیں یہ سود نہیں ملازم کے لیے حلال ہے کیونکہ ملازم قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس فنڈ کی رقم کا مالک قابض نہ بنا لہذا وہ رقم دین نہیں یہ نفع سود نہیں،حکومت اس فنڈ سے تجارت کرتی ہے اس تجارتی نفع سے اس ملازم کو دیتی ہے اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۲۱؎وہ سمجھا کہ میری مزدوری چند سیر دھان تھے یہ اتنی زیادہ دولت پیش کررہا ہے مجھ سے دل لگی کررہا ہے۔

۲۲؎بعض روایات میں ہے کہ اسے دس ہزار درہم دیئے یا تو یہ مال اس قیمت کا تھا یا یہ نقدی بھی اس تمام مال کے ساتھ تھی نیک نیتی کی برکت سے یہ کثرت ہوئی۔

۲۳؎اس حدیث سے جہاں اور مسائل معلوم ہوئے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء حق ہے اور حضرات اولیاء مقبول الدعاء ہوتے ہیں یہ تینوں اس زمانہ کے اولیاء تھے۔(مرقات)حدیث شریف میں ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو اگرچہ کافر ہی ہو کہ مظلوم کی بددعا رائیگاں نہیں جاتی،اس کی نفیس تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت معاویہ بن جاہمہ سے کہ جاہمہ ۱؎نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یارسول اللہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے حاضر ہوا ہوں ۲؎تو فرمایا کیا تیری ماں ہے عرض کیا ہاں فرمایا اسے مضبوط پکڑو ۳؎کیونکہ جنت اس کے پاس ہے ۴؎(احمد،نسائی،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎یہ معاویہ بھی صحابی ہیں،ان کے والد جاہمہ ابن عباس ابن مرداس سلمی بھی صحابی یہ اہلِ حجاز سے ہیں۔

۲؎غالبًا اس وقت کفار کا دباؤ زیادہ نہ تھابعض تھوڑے مسلمان بھی ان کے مقابلہ کے لیے کافی تھے۔غرضکہ اس وقت غزوہ فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا۔

۳؎یعنی اپنی ماں کے پاس رہو اس کی خدمت کرو تمہارے لیے اس وقت جہاد سے بہتر ماں کی خدمت ہے کہ ماں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے۔

۴؎پاؤں کا ذکر فرماکر اشارۃً بتایا کہ ماں کی خدمت اور اس کے سامنے عاجزی دونوں ہی ضروری ہیں۔خدمت کے ساتھ اکڑ نہ کرے اس کے پاؤں سے لگارہے تب جنت پائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میرے پاس بیوی تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اسے ناپسند کرتے تھےانہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو۱؎میں نے انکار کیا تو حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس واقعہ کا حضور سے ذکر کیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دے دو ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎شاید اس بی بی میں کوئی دینی خرابی ہوگی محض دنیاوی وجہ پر طلاق کا حکم نہ دیا ہوگا۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ امرو جوب کا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر پر اس حکم کی بنا پر طلاق دینا واجب ہوگیا۔مرقات نے فرمایا کہ امر استحباب کے لیے ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ طلاق دے دو تاکہ تمہارے والد تم پر ناراض نہ ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ماں باپ کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے فرمایاوہ دونوں تیری جنت اور آگ ہیں۱؎(ابن ماجہ)

۱؎یعنی تیرے ماں باپ تیرے لیے جنت دوزخ میں داخلہ کا سبب ہیں کہ انہیں خوش رکھ کر تو جنتی بنے گا انہیں ناراض کرکے دوزخی،یہ فرمان عالی وعدہ وعید دونوں کا مجموعہ ہے اگرچہ یہاں خطاب بظاہر خاص ہے مگر حکم تا قیامت عام ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بندہ جس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک فوت ہوجاوے اور وہ ان کا نافرمان ہو ۱؎پھر وہ ان کے لیے دعا کرتا رہے بخشش مانگتا رہے حتی کہ اللہ اسے نیک کار لکھ دیتا ہے۲؎

۱؎ماں باپ کی نافرمانی میں حق اللہ کی تلفی بھی ہے اور حق العباد کی بربادی بھی لہذا یہ اسلامی گناہ بھی ہے اور ماں باپ کا حق مارنا بھی اور گناہ بھی ہے کبیرہ۔

۲؎ یعنی یہ نافرمان والدین کی وفات کے بعد اولًا نافرمانی سے توبہ کرے پھر مرتے دم تک ان کے لیے گناہوں کی بخشش کی دعا اور ایصال ثواب کرتا رہے تو رب تعالٰی بزرخ میں اس کے ماں باپ کو اس سے راضی کردے گا اور اس کا گناہ کبیرہ تھا بغیر توبہ معاف نہیں ہوتا۔(مرقات)آپ ماں باپ کے بعد ان کا تیجہ،چالیسواں،برسی وغیرہ اور وقتًا فوقتًا ان کے نام پر خیرات جو کیا کرتے ہیں ان سب کی اصل یہ حدیث ہے بلکہ ہر نمازی نماز ختم ہوتے وقت ماں باپ کو دعائیں دے کر سلام پھیرتا ہے رب اغفرلی ولوالدی۔

روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے اپنے ماں باپ کے بارے میں مطیع ہو ۱؎ تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں ۲؎ اگر ان میں سے ایک ہو تو ایک دروازہ اور جو اپنے والدین کے متعلق اللہ کا نافرمان ہو اس کے لیے آگ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں ۳؎ اگر ایک ہو تو ایک دروازہ ایک شخص نے عرض کیا اگرچہ وہ ظلم کریں فرمایا اگرچہ اس پر ظلم کریں اگرچہ ظلم کریں اگرچہ ظلم کریں ۴؎	

۱؎ یہاں للہ فرماکر دو مسئلے بتائے:ایک یہ کہ ماں باپ کی اطاعت اپنی ناموری یا رزق میں برکت کے لیے نہ کرے بلکہ محض اس لیے کرے کہ اللہ تعالٰی کا حکم ہے رب تعالٰی اس سے راضی رہے۔دوسرے یہ کہ ان کی فرمانبرداری ناجائز باتوں میں نہ کرے اگر وہ نماز روزے سے روکیں تو نہ مانے۔

۲؎ کہ اگر اس حال میں مرجاوے تو مرتے ہی ان میں داخل ہوجاوے۔دو دروازے کھولنا اس کی عزت افزائی کے لیے ہے ورنہ جنت میں داخلہ کے لیے ایک دروازہ کھلنا ہی کافی ہے۔حضرت ابوبکر صدیق کے لیے جنت کے ہر دروازہ پر پکار پڑے گی کہ ابوبکر ادھر سے آئیے۔خلاصہ یہ ہے کہ ماں کی خدمت کا دروازہ علیحدہ ہے باپ کی خدمت کا دروازہ علیحدہ ممکن ہے کہ ان دونوں دروازوں میں فرق ہو ماں کی خدمت کا دروازہ عظیم الشان ہو کہ ماں کی خدمت اعلٰی ہے۔واللہ اعلم!

۳؎ اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ ماں باپ کی نافرمانی دوزخ کے دروازہ کھلنے کا ذریعہ ہے کہ نافرمان مرا اور دوزخ میں گیا اگرچہ بعد قیامت اس کی دوسری نیکیاں دوزخ سے اسے نکال دیں مگر فی الحال تو دوزخ میں جائے گا،ماں باپ کی بددعا بڑے سے بڑے متقی کو آفت میں ڈال دیتی ہے۔تم کو معلوم ہے کہ جریج اسرائیلی نے نماز کی وجہ سے ماں کی پکار کا جواب نہ دیا تو مصیبت میں پھنس گیا کہ اسے زنا کی تہمت لگی لوگوں نے مارا اگرچہ پھر اپنی نیکیوں کی وجہ سے نجات پاگیا کہ شیرخوار بچے نے اس کی پاکدامنی کی گواہی دی جس سے اس کی گئی ہوئی عزت واپس آئی مگر ماں کی ناخوشی نے اپنا رنگ دکھا دیا ماں باپ کی نافرمانی ان کی بددعا سے رب کی پناہ۔

۴؎ ظلم سے مراد دنیاوی ناانصافی ہے دینی گناہ مراد نہیں مثلًا ایک باپ اپنے بیٹوں میں سے ایک سے محبت کم کرتا ہے دوسری اولاد کو اس پر ترجیح دیتا ہے یا اسے کسی حق سے محروم کردیتا ہے مگر یہ مظلوم لڑکا ان کی خدمت ضرور کرے اس کی عوض اللہ تعالٰی اسے مالا مال کردے گا آزما کر دیکھ لو ماں باپ کی خدمت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی اپنے ماں باپ سے بھلائی کرنے والا لڑکا جو اپنے والدین کو ایک نظر رحمت سے دیکھے ۱؎ مگر اللہ اس کے لیے ہر نظر کی عوض مقبول حج لکھتا ہے عرض کیا کہ اگرچہ ہر دن سو بار دیکھے ۲؎ فرمایا ہاں اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے ۳؎	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت شعار لڑکے کو ان کی فرمانبرداری کا ثواب تو ملے گا ہی پیار و محبت سے انہیں دیکھنے کا ثواب بھی ملے گا۔غور کرو کہ جب ماں باپ کے دیکھنے کا اتنا ثواب ہے تو جو مؤمن ان آنکھوں سے حضور کا چہرہ انور محبت سے دیکھے اس کو ثواب کتنا ملے گا،فقیر تو کہتا ہے کہ ان کے نام کو محبت سے دیکھنا چومنا بھی ثواب ہے۔شعر

خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا ان کا خوشا وہ وقت کے دیدار عام تھا ان کا

۲؎ سائل نے سمجھا ہوگا کہ دن بھر کی نگاہیں ایک بار میں شمار ہوں گی اس لیے یہ سوال کرکے مسئلہ حل کرلیا۔

۳؎ یعنی اے پوچھنے والے اللہ کریم کی دین پر تعجب نہ کر اگر تو دن بھر میں ہزار بار ماں باپ کو پیار سے دیکھ لے تو تجھے ہزار حج مقبول کا ثواب ملے گا۔خیال رہے کہ یہ تو اپنے ماں باپ کی محبت کا ثواب ہے جنہوں نے ہم کو جنا،جس ماں نے حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو بخشا اس ماں یعنی آمنہ خاتون حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے محبت کا ثواب کتنا ہوگا یہ وہ ماں ہے جس کے قدم پاک پر سارے جہان کی مائیں قربان و نثار ہوں ہماری جیسی سینکڑوں جانیں ان کے نام پر نچھاور ہوں۔

روایت ہے ابی بکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام گناہوں میں سے اللہ جو چاہے بخش دے گا ۱؎ سوا ماں باپ کی نافرمانی کے کہ اس شخص کے لیے موت سے پہلے زندگی میں ہی سزا دیتا ہے ۲؎	

۱؎ یعنی اللہ تعالٰی ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ اگر چاہے گا تو معاف فرمادے گا اس قاعدے سے شرک و کفر اور حق العباد خارج ہیں کہ شرک و کفر تو زندگی میں ایمان لائے بغیر معاف نہیں ہوتے اور حقوق العباد ادا کیے بغیر معاف نہیں ہوتے،نیز تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جو کہ آگے آرہا ہے۔

۲؎ صاحبہ میں ہ ضمیر عقوق کی طرف ہے اور الممات میں الف لام مضاف الیہ کی عوض ہے اس سے مراد یا تو خود یہ نافرمان بیٹا ہے یا ماں باپ۔خیال رہے کہ یہ فرمان عالی سخت ناراضی کے اظہار کے لیے ہے لازمی قانون

کے لیے نہیں لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَ يَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ"۔(مرقات) یا اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں بھی عذاب آجاتا ہے وہ ماں باپ کو ستانا ہے،شرک و کفر پر دنیا میں عذاب آنا لازم نہیں،ماں باپ کو ستانے والا دنیا میں چین نہیں پاتا۔

روایت ہے حضرت سعید ابن العاص سے ا؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چھوٹے بھائی پر بڑے بھائی کا حق ایسا ہے جیسے باپ کا حق اولاد پر ۲؎ ان پانچ حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔	

ا؎ آپ حضرت عمرو ابن عاص کے بھائی ہیں،ہجرت کے سال پیدا ہوئے،قریش کے سرداروں میں سے تھے،حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے،حضرت عثمان نے آپ کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا،طبرستان کے فاتح آپ ہی ہیں، ۵۹ھ انسٹھ میں وفات ہوئی،ایک سعید ابن عاص ابن امیہ بھی ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔

۲؎ یعنی بڑے بھائی کا حق اس قسم کا ہے جس قسم کا حق باپ کا اپنی اولاد پر ہے،یہاں تشبیہ نوعیت میں ہے مقدار حق مراد نہیں۔

باب الشفقة و الرحمة علی الخلق

مخلوق پر شفقت و رحمت کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎**شفقت** بنا ہے **شفق** سے بمعنی ڈرو خوف،پھر اصطلاح میں شفقت اس مہربانی کو کہتے ہیں جو ڈر کے ساتھ ہو یعنی کسی پر مہربانی کرنا اس ڈر سے کہ ان پر مہربانی نہ کرنا اللہ تعالٰی کے ناراضی کا باعث ہے۔رحمت کسی پر بلا استحقاق مہربانی کرنا، رحمت دو قسم کی ہوتی ہے: رحمت عامہ اور رحمت خاصہ یہاں دونوں رحمتیں مراد ہیں۔

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ فرمان عالی یا بطور بددعا ہے یا بطور خبر یعنی خدا اس پر رحم نہ کرے یا رحم نہ کرے گا،لوگوں پر رحمت اللہ تعالٰی کا خاص کرم ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک بدوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو نہیں چومتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تیرے لیے اس کا مالک ہوں کہ اللہ نے تیرے دل سے رحم نکال لیا ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی تم لوگوں کااپنے بچوں کو نہ چومنا اس لیے ہے کہ رب تعالٰی نے تمہارے دلوں سے رحم وکرم نکال دیا ہے ،جن کے دلوں سے اللہ رحم نکال دے اس کے دل میں ہم رحمت و کرم کس طرح ڈالیں ہم تو اللہ کی رحمتوں کے دروازہ ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دولڑکیاں تھیں مجھ سے کچھ مانگتی تھیں۱ تو اس نے میرے پاس ایک چھوہارے کے سوا کچھ نہ پایا میں نے اسے وہ ہی دے دیا۲ اس نے وہ اپنی لڑکیوں میں بانٹ دیا اس میں سے خود نہ کھایا ۳	

	پھر اٹھی اور چلی گئی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے حضور کو یہ خبر دی تو فرمایا جو کوئی بیٹیوں میں مبتلا کردیا جاوے ۴ پھر ان سے اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ ہوجائیں گی ۵ (مسلم،بخاری)

۱ مرآت کی دوسری جلد باب السوال میں گزر گیا کہ بعض مجبوریوں میں مانگنا جائز ہے،یہ بی بی صاحبہ انہیں مجبوریوں میں پھنسی ہوں گی اس لیے اسے سوال درست تھا۔

۲ یعنی میرے پاس سواء ایک کھجور کے اور کچھ نہ تھا میں نے وہ اسے دے دی۔معلوم ہوا کہ جہاں تک ہوسکے فقیر کو کچھ دے دو تھوڑے بہت کا خیال نہ کرے،فقیر بھی تھوڑے کی شکایت نہ کرے تھوڑی چیز قبول ہو جاوے تو بہت ہے اگر بہت سی چیز قبول نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں۔

۳ یعنی وہ خود بھی بھوکی تھی اس کی دونوں بچیاں بھی بھوکی تھیں مگر اس نے بچیوں کو کھلادیا خود کچھ نہ کھایا یہ ناممکن ہے کہ خود سیر ہو اور بچیاں بھوکی ہوں۔

۴ معلوم ہوا کہ بیٹیاں ملنا بھی رب کی طرف سے آزمائش ہے اکثر لوگ اس سے گھبرا جاتے ہیں اس پر صبر کرنا چاہیے کہ بے صبری سے اجر بھی جاتا رہتا ہے۔

۵ یعنی یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہوں گی کہ وہ دوزخ میں جائے گا ہی نہیں یا اگر گیا تو وہاں دوزخ کی آگ اس تک نہ پہنچ سکے گی،یہ بیٹیاں پردہ بن کر اسے محفوظ رکھیں گی مگر شرط یہ ہی ہے کہ ان پر گھبرائے نہیں،ان سے اچھا سلوک کرے۔اس اجر کی وجہ یہ ہے کہ لڑکوں سے لوگوں کو بہت امید یں وابستہ ہیں کہ جوان ہوکر ہماری خدمت کریں گے لڑکیوں پرخرچ ہی کرنا ہوتا ہے وہ بھی بغیر کسی امید کے مگر دیکھا گیا ہے کہ آج کل بمقابلہ لڑکوں کے لڑکیاں ماں باپ کی خدمت بھی زیادہ کرتی ہیں اور انکے مرے بعد ختم فاتحہ زیادہ لڑکیاں ہی کرتی ہیں کوئی خوش نصیب ہی لڑکوں سے آرام پاتے ہیں اکثر لڑکے بدنام اور بربادی کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دو لڑکیوں کو پائے حتی کہ وہ جوان ہو جاویں تو میں اوروہ قیامت کے دن ایسے آئیں گے اور اپنی انگلیوں کو ملایا ۱ (مسلم)

۱ یعنی خوش دلی سے دو لڑکیوں کو پال دینا خواہ اپنی بیٹیاں ہوں یا بہنیں ہو یا یتیمہ بچیاں قیامت میں مجھ سے قرب کا ذریعہ ہے اور جسے اس دن حضور کا قرب نصیب ہوجاوے اسے سب کچھ مل جاوے۔شعر

گر محمد کا ساتھ ہوجائے　　پھر تو سمجھو نجات ہوجائے

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شوہر والی اور مسکینوں پر

	خرچ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی طرح ہے۱مجھے خیال ہے کہ فرمایا اس کی طرح جو تھکے نہیں اور اس روزے دار کی طرح جو افطار نہ کرے ۲(مسلم،بخاری)

۱ارامل جمع ہے ارمل کی جس کا مادہ رمل(ریگستان)چونکہ ریگستان باغات و سبزہ سے خالی ہوتا ہے اس لیے بے شوہر عورت کو ارملہ اور بے بی بی والے مرد کو ارمل کہتے ہیں خواہ کنوارے ہوں یا بیوہ یا خاوند نے طلاق دے دی ہو یا خاوند نے اسے معلقہ کر رکھا ہو اگر یہ فقیر ہے تو اس پر خرچ بھی کرے اور اس کا کام کاج بھی،اگر غنی ہے تو کام کاج کرے اس کا سودا سلف وغیرہ لادیا کرے،لفظ ساعی ان دونوں کو شامل ہے۔(مرقات واشعہ)ایسے شخص کا ثواب تو مجاہد و غازی فی سبیل اللہ کی طرح یا اس کے برابر ہے یہ خدمت بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔
۲یعنی جس قسم کا یا جتنا ثواب اس انتھک عابد کو ملتا ہے جو صائم الدہر قائم اللیل ہو اس قسم کا یا اتنا ثواب اس خدمت کرنے والے کو ملتا ہے۔احسب فرمانے والے حضرت ابوہریرہ ہیں قال کا فاعل حضور۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور یتیم کا پالنے والا۱خواہ اپنا ہو یا غیر کا ۲جنت میں اسی طرح ہوں گے اور کلمہ کی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا ان کے درمیان کچھ کشادگی فرمائی ۳(بخاری)

۱یتیم وہ نابالغ انسان ہے جس کا والد فوت ہوچکا ہو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی لفظ یتیم ان دونوں کو شامل ہے۔
(مرقات)جانوروں میں یتیم وہ چھوٹا بچہ جس کی ماں مرگئی ہو اور موتی وہ یتیم کہلاتا ہے جو اپنی سیپ میں اکیلا ہو یہاں انسان یتیم مراد ہے لڑکا یا لڑکی۔
۲یعنی وہ یتیم خواہ اپنا پوتا نواسا بھتیجا بھانجا ہو یا کوئی غیر کا بچہ جس سے یہ رشتہ داریاں نہ ہوں۔
۳یعنی جیسے ان دونوں انگلیوں میں کوئی فاصلہ نہیں ایسے ہی قیامت میں مجھ میں اور اس میں کوئی فاصلہ اور دوری نہ ہوگی اس کو مجھ سے بہت ہی قرب نصیب ہوگا۔

	روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مسلمانوں کو آپس کی رحمت آپس کی محبت آپس کی مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے ۱کہ جب ایک عضو بیمار ہوجائے تو سارے جسم کے اعضاء بے خوابی اور بخار کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۲(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی کامل مسلمان ایمان اسلامی رشتہ کی وجہ سے ایسے ہیں جیسے ایک جسم کے اعضاء جن کے نام بھی مختلف ہیں کام اور شکل و صورت بھی جداگانہ مگر چونکہ ان سب کی روح ایک ہے اس لیے ایک عضو کی تکلیف تمام اعضاء کو بے قرار کردیتی ہے،یوں ہی مختلف ممالک کے مسلمانوں کے نام،کام،زبان،غذا،دنیاوی رہن سہن مختلف ہیں مگر ان سب کا نبی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں لہذا ایک کی تکلیف سارے مسلمانوں کو بے قرار کردیتی ہے مگر یہ کیفیت زندہ مسلمانوں کی ہے جو مردہ یا بے حس ہوگئے وہ مردہ جسم یا سوکھے ہوئے اعضاء کی طرح ہیں کہ ایک کو چوٹ لگاؤ دوسرے کو خبر نہ ہو۔

۲؎ یعنی ایک عضو کو بیماری ہو تو سارے اعضاء بے قرار ہوکر اس کی تکلیف دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب تک اسے آرام نہ ہوجاوے یہ چین سے نہیں رہتے،یوں ہی ایک مسلمان کی تکلیف کو ساری قوم مل کر دفع کرتی ہے اس کے بغیر چین سے نہیں بیٹھتی۔اللہ تعالٰی ہم سب کو اپنے محبوب سے وابستگی نصیب کرے اور ہمارے قوم کا یہ ہی حال ہوجاوے اب تو یہ حال ہے۔مصرع! سوئی ہوئی قومیں جھاگ اٹھیں بیدار مسلما ن سوتاہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا جسم بیمار ہوجاوے اور اگر اس کا سر درد کرے تو سارا جسم بیمار ہوجاوے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی قوم مسلم گویا ایک جسم ہے،افراد مسلم گویا اس جسم کے اعضاء،ایمان مسلم گویا اس جسم کی جان ہے۔حرارت و غیرت ایمانی کو گویا ایمان سے تعلق ہے اس تعلق کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی تکلیف سارے افراد کی تکلیف ہے۔خیال رہے کہ غدار مسلمانوں کو قوم سے نکالنا ایسا ہے جیسے گلے سڑے عضو کو جسم سے کاٹ دینا تاکہ اس کا فساد دوسرے اعضاء میں نہ پہنچے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا مسلمان مسلمان کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ اسکا بعض سے بعض مضبوط ہوتا ہے ۱؎ اور اپنی انگلیوں کو گتھا دیا ۲؎

۱؎ یعنی مؤمنوں کے دنیاوی اور دینی کام ایک دوسرے سے مل جل کر مکمل ہوتے جیسے مکان کی دیوار میں ایک دوسرے سے مل کر مکان مکمل کرتی ہے۔

۲؎ اس طرح کہ ایک ہاتھ شریف کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل کردیں یعنی گتھادیں یہ سمجھانے کے لیے کہ جیسے یہ انگلیاں ایک دوسرے میں داخل ہوگئیں ایسے ہی مسلمان ایک دوسرے میں گتھے ہوئے ہیں کہ یہ کبھی بے تعلق نہیں ہوسکتے گتھانے والے یا حضرت ابو موسیٰ اشعری ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مثال یہ بتانے کے لیے ہے کہ مسلمانوں کے بعض کے بعض پر حقوق ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی

کہ جب حضور کے پاس سوالی یا حاجت مند آتا تو فرماتے اے صحابہ سفارش کرو ثواب دیئے جاؤ گے ۱؎ اور اللہ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہے فیصلہ فرمائے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اس سائل یا حاجت مند کی حاجت روائی کے لیے ہم سے سفارش کرو تم کو سفارش کرنے کا ثواب ملے گا۔ معلوم ہوا کہ حاکم سے حق اور اہل حق کی سفارش کرنا ثواب ہے کہ نیکی کرنا،نیکی کرانا،نیکی کا مشورہ دینا سب ہی ثواب ہے باطل کی سفارش گناہ ہے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ شرعی حددو میں سفارش حرام ہے اور تعزیرات میں سفارش جائز۔(اشعہ)

۲؎ یعنی اگر ہم تمہاری سفارش کے مطابق فیصلہ کریں تو تمہاری سفارش کی وجہ سے نہ کریں گے بلکہ بہ حکم الٰہی اور اگر سفارش قبول نہ کریں اس کے خلاف فیصلہ کریں تو بھی تمہاری سفارش کی مخالفت سے نہیں بلکہ یہ دونوں عمل بہ حکم الٰہی ہوں گے کیونکہ ہماری زبان پر رب تعالٰی کلام فرماتا ہے ہمارے کام رب کے کام ہیں،ہاں تم کو بہرحال ثواب مل جاوے گا خواہ سفارش قبول ہو یا نہ ہو لہذا تم سفارش قبول نہ ہونے پر ملول نہ ہو اور آئندہ سفارش چھوڑ نہ دو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم ایک شخص نے عرض کیا رسول اللہ ۱؎ اس کی مظلومیت میں تو مدد کروں گا ظالم ہونے پر اس کی مدد کیسے کروں فرمایا اسے ظلم سے روک دو یہ ہے تمہاری اسے امداد ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اپنے بھائی مسلمان کی بہرحال مدد کرو خواہ تمہاری مدد اس کو خوش کرے یا مغموم کرے۔

۲؎ یعنی ظالم کو ظلم سے روک دینا ہی اس کی بڑی مدد ہے کہ اسے مظلوم کی بددعاؤں سے اللہ کے عذاب سے بچالینا ہے۔ایک شاعر کہتا ہے یعنی قدرت پا کر کسی پر ظلم نہ کرو کہ ظلم کا انجام ندامت ہے تم تو رات کو سوجاؤ گے مگر مظلوم نہ سوئے گا،تم پر رات میں بددعا کرے گا اللہ کی آنکھ سوتی نہیں وہ اس وقت اس کو دیکھتی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ۱؎ نہ تو اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے ۲؎ اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہے گا اللہ اس کی حاجت میں رہے گا اور جو مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ اس سے قیامت کے دن کی تکالیف دور کرے گا ۳؎ اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی	

کرے گا۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی مسلمان مسلمان کا دینی و اسلامی بھائی ہے یا مسلمان مسلمان کے لیے سگے بھائی کیطرح ہے بلکہ اس سے بھی اہم کہ نسبی بھائی کو ماں باپ نے بھائی بنایا ہے اور مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی بنایا،حضور سے رشتہ غلامی قوی ہے ماں باپ سے رشتہ نسبی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلمانوں کے بھائی نہیں حضور تو مثل والد کے ہیں اس لیے حضور کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں بھاوج نہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن و مسلم ہم معنی ہیں کہ قرآن کریم نے مؤمنوں کو بھائی قرار دیا"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"اور حضور نے یہاں مسلمون کو۔(ازمرقات)خیال رہے کہ یہاں بھائی ہونا رحمت و شفقت کے لحاظ سے ہے نہ کہ احکام کے اعتبار سے۔

۲؎ یسلم بنا ہے اسلام سے جس کا مادہ سلم بمعنی سلامتی ہے ہمزہ سلب کا تو معنی ہوئے سلامت نہ رکھنا یعنی اسے ہلاک کردینا یا مدد کی ضرورت پر اسے بے یارو مددگار چھوڑ دینا۔

۳؎ سبحان اللہ!کیسا پیارا وعدہ ہے مسلمان بھائی کی تم مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا،مسلمان کی حاجت روائی تم کرو اللہ تمہاری حاجت روائی کرے گا۔معلوم ہوا کہ بندہ بندہ کی حاجت روائی کر سکتا ہے یہ شرک نہیں بندہ بندہ کا حاجت روا مشکل کشا ہے۔

۴؎یعنی اگر کوئی حیا دار آدمی ناشائستہ حرکت خفیہ کر بیٹھے پھر پچھتائے تو تم اسے خفیہ سمجھا دو کہ اس کی اصلاح ہوجائے اسے بدنام نہ کرواگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالٰی قیامت میں تمہارے گناہوں کا حساب خفیہ ہی لے لے گا تمہیں رسوا نہ کرے گا،ہاں جو کسی کی ایذا کی خفیہ تدبیریں کررہا ہو یا خفیہ حرکتوں کا عادی ہوچکا ہو اس کا اظہار ضرور کردو تاکہ وہ شخص ایذا سے بچ جاوے یا یہ توبہ کرے یہ قیدیں ضرور خیال میں رہیں۔غرضکہ صرف بدنامی سے کسی کو بچانا اچھا ہے مگر اس کے خفیہ ظلم سے دوسرے کو بچانا یا اس کی اصلاح کرنا بھی اچھا ہے یہ فرق خیال میں رہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جو مسلمان کی ایک عیب پوشی کرے رب تعالٰی اس کی سات سو عیب پوشیاں کرے گا لہذا کربة کی تنوین تعظیمی ہےاور ستره اللہ میں ستر مطلق بمعنی کامل ہے رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے خیالات سے وراء ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے حقیر جانے۱؎تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے تھے تین بار۲؎انسان کے لیے یہ شر کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے مسلمان پر مسلمان کی ہر چیز حرام ہے اس کا خون اس کا مال اس کی آبرو ۳؎ (مسلم)	

۱؎یعنی مسلمان کو نہ تو دل میں حقیر جانو نہ اسے حقارت کے الفاظ سے پکارو یا برے لقب سے یاد کرو نہ اس کا مذاق بناؤ آج ہم میں یہ عیب بہت ہے۔پیشوں،نسبوں،یا غربت و افلاس کی وجہ سے مسلمان بھائی کو حقیر جانتے ہیں

حتی کہ صوبجاتی تعصب ہم میں بہت ہوگیا کہ وہ پنجابی ہے،وہ بنگالی، وہ سندھی،وہ سرحدی،اسلام نے یہ سارے فرق مٹادیئے۔شہد کی مکھی مختلف پھولوں کے رس چوس لیتی ہے تو ان کا نام شہد ہوجاتا ہے،مختلف لکڑیوں کو آگ جلادے تو اس کا نام راکھ ہوجاتا ہے،آم،جامن،ببول کا فرق مٹ جاتا ہے یوں ہی جب حضور کا دامن پکڑ لیا تو سب مسلمان ایک ہوگئے حبشی ہو یا رومی۔مولانا جامی فرماتے ہیں شعر

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

۲؎ یعنی اسلام میں عزت تقویٰ و پرہیزگاری سے ہے اور تقویٰ کا اصلی ٹھکانہ دل ہے۔تمہیں کیا خبر کہ جس مسکین مسلمان کو تم حقیر سمجھتے ہو اس کا دل تقویٰ کی شمع سے روشن ہو اور وہ اللہ کا پیارا ہو تم سے اچھا ہو شعر۔

خاکساران جہاں رابحقارت منگر توچہ دانی کہ دریں راہ سوارے باشد

صوفیاء کرام اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تقویٰ و پرہیزگاری یہاں ہے یعنی تقویٰ کی کان پرہیزگاری کا مرکز میرا سینہ ہے،میرے سینہ سے تمام اولیاء و علماء کے دلوں کی طرف تقویٰ کے دریا بہتے ہیں ان سینوں سے عوام کے سینوں کی طرف تقویٰ کی نہریں نکلیں۔(مرقات)حضور کا سینہ کشف غیوب کا آئینہ ہے کونین میں حضور کی عطائیں بہتی ہیں۔(مرقات)

۳؎ یعنی کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی اجازت نہ لے،کسی کی آبروریزی نہ کرے،کسی مسلمان کو ناحق اور ظلمًا قتل نہ کرے کہ یہ سب سخت جرم ہیں۔

روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے جنتی لوگ تین ہیں ۱؎ وہ حاکم جو عدل والا صدقہ والا توفیق والا ۲؎ اور وہ شخص جو رحم اور نرم دل ہو ہر قرابت والے پر ۳؎ اور وہ مسلمان جو پاک دامن سوال کرنے سے بچنے والا عیال دار ہو ۴؎ آگ والے پانچ ہیں وہ کمزور جس کی خود اپنی کوئی رائے نہ ۵؎ جو کہ تم میں رہیں تمہارے تابع ہو کہ نہ گھر بار چاہتے ہیں نہ مال ۶؎ اور وہ خیانت والا جس کی ہوس ڈھکی چھپی نہیں رہتی اگرچہ معمولی چیز ہو مگر خیانت کرلیتا ہو ۷؎ اور وہ شخص جو نہیں صبح کرتا نہیں شام کرتا مگر وہ تم کو دھوکہ دیتا رہتا ہے تمہارے گھر بار اور تمہارے مال میں ۸؎ اور حضور نے کنجوسی اور جھوٹ کا بھی ذکر فرمایا ۹؎ اور بد خلق اور فحش گو ۱۰؎ (مسلم)

۱؎ یعنی میری امت میں تین قسم کے لوگ یقینًا جنتی ہیں۔

۲؎ یعنی جسے اللہ حکومت بھی دے تو وہ لوگوں کے ساتھ بھلائی اور سلوک کرے اسے خیر کرنے خیر کرانے کی توفیق ملے کہ حاکم درست ہوجانے سے رعایا خود درست ہوجاتی ہے۔

۳؎ یعنی عوام مسلمانوں پر عمومًا اور اپنے عزیز قرابت داروں پر خصوصًا مہربان ہو۔

۴؎ یعنی وہ مسلمان جو باوجود عیالدار ہونے کے کسی سے بھیک نہ مانگے گناہ کے قریب نہ جاوے۔

۵؎ یعنی اس میں اتنی عقل نہ ہو جو اسے برائیوں سے بچائے کبھی آخرت کے نفع نقصان کو سوچتا ہی نہ ہو جانوروں کی طرح صرف کھانے عیش کرنے کی فکر میں لگا رہے۔

۶؎ یعنی حلال بیوی رکھتے نہیں حلال روزی کماتے نہیں محنت سے جی چراتے ہیں،غیر عورتوں پر نظر حرام رکھتے ہیں،غیروں کا مال ناجائز طور پر کھانے کے درپے رہتے ہیں یہ لوگ نرے دوزخی ہیں۔

۷؎ یعنی اسے خیانت کرنے کی عادت ہوگئی معمولی چیز حقیر سی امانت میں خیانت کرنے سے باز نہیں رہتا یعنی وہ گنہگار بھی ہو ذلیل طبیعت والا بھی یہ بھی دوزخی ہے یہ عادات خالص دوزخیوں کے ہیں۔

۸؎ صبح شام سے مراد ہمیشہ ہے یعنی وہ دھوکہ دینے کا عادی ہوچکا ہوتم سے جب بھی کلام یا کوئی معاملہ کرے دھوکہ ہی دے یہ بھی دوزخی ہے۔

۹؎ چونکہ راوی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ طیبہ یاد نہ رہے جو حضور نے بخل اور جھوٹ کے متعلق فرمائے اس لیے راوی نے اس طرح بیان کیا،اگر اسے الفاظ طیبہ یاد ہوتے تو باقاعدہ بطریق روایت ارشاد کرتے۔

۱۰؎ **شنظیر فحاش** بخل وکذب کا معطوف ہے تو نصبی حالت میں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شنظیر اور فحاش کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ بھی دوزخی ہیں۔**شنظیر** بروزن **خنزیر** بمعنی بدخلق سخت طبیعت اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں مبتداء ہوں اوران کی خبر **من اهل النار** پوشیدہ ہو تو یہ دونوں مرفوع ہوں گے،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **والفحاش** ہے یعنی **فحاش** معطوف ہے **الشنظیر** پر تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا حتی کہ اپنے بھائی کے لیے وہ ہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ فرمان عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات سے ہے ان چند لفظوں میں دونوں جہان کی خوبیاں جمع ہیں یعنی کوئی شخص مؤمن کامل اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے دینی و دنیاوی وہ چیز نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اسی کا ترجمہ ہے کہ آنچہ بر خود نہ پسندی بہ دیگراں پسند۔خیال رہے کہ یہاں خیر مراد ہے ہر مسلمان کے لیے دنیاو آخرت کی خیر چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو۔اس خیر کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوتاہے کسی کے لیے دولت مندی خیر ہے،کسی کے لیے فقیری خیر،کسی کے لیے خلوت خیر ہے،کسی کے لیے جلوت خیر لہذا اگر خلوت نشین مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے جلوت چاہے جسے جلوت بہتر ہو تو اس فرمان کے

خلاف نہیں۔تمام مسلمانوں میں پاور ایک ہی ہے مگر پاور کے اثرات مختلف ہیں جیسے پاور ہیٹر میں پہنچے تو گرمی دیتا ہے فریج میں پہنچے تو ٹھنڈک۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم نہیں مؤمن ہوتا اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوتا اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوتا ۱؎عرض کیا گیا کون یارسول اللہ فرمایا وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎تین بار فرمانا تاکید کے لیے ہے،لایؤمن میں کمال ایمان کی نفی ہے یعنی مؤمن کامل نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا نہیں ہوسکتا۔

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت پہلے ہی نہ فرمادی بلکہ سائل کے پوچھنے پر بتایا تاکہ سننے والوں کے دل میں یہ بات بیٹھ جاوے جو بات انتظار اورپوچھ گچھ کے بعد معلوم ہو وہ بہت دلنشین ہوتی ہے اگرچہ ہر مسلمان کو اپنی شر سے بچانا ضروری ہے مگر پڑوسی کو بچانا نہایت ہی ضروری کہ اس سے ہر وقت کام رہتا ہے وہ ہمارے اچھے اخلاق کا زیادہ مستحق ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ"۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا ۱؎ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو ۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی صالحین اور نجات پانے والوں کے ساتھ وہ جنت میں نہ جاوے گا اگرچہ سزا پاکر بہت عرصہ کے بعد وہاں پہنچ جاوے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ "من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنة"۔

۲؎افسوس کہ یہ سبق آج بہت سے مسلمان بھول گئے اب تو ان کے تیر کا پہلا شکار ان کا پڑوسی ہی ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ اور ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مجھے جناب جبریل پڑوسی کے متعلق مجھے حکم الٰہی پہنچاتے رہے ۱؎حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہاں وصیت سے مراد اصطلاحی وصیت نہیں بلکہ تاکیدی حکم مراد ہے اور حکم کس کا احکم الحاکمین کا نہ کہ حضرت جبریل کا،کہ حضرت جبریل حضور کے حاکم نہیں حضور کے خادم ہیں رب کی طرف سے فرمان رساں فیضان رساں ہیں۔یوصینی سے مراد ہیں حضور کی امت کے لیے حضور کو حکم پہنچاتے رہے کہ آپ اپنی امت کو یہ حکم پہنچادو۔

۲؎ یعنی مجھے یہ خیال ہوا کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو پڑوسی کی مالی میراث میں شریک کردیں گے کہ قرابت کی طرح یہ وصیت بھی میراث پانے کا ذریعہ ہوجاوے گی حضور کی میراث مراد نہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی مالی میراث کسی کو نہیں ملتی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم تین ہو ا؎ تو تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کرو حتی کہ تم لوگوں سے خلط ملط ہو جاؤ اس لیے کہ یہ بات اسے غمگین کرے گی ۲؎ (مسلم،بخاری)	

ا؎ خواہ کسی مجلس میں تین مسلمان ہوں یا کسی راستہ پرجاتے ہوئے تین شخص ہمراہ ہوں یہاں ہمراہی اور مصاحبت مراد ہے لہذا حدیث صاف ہے۔

۲؎ یعنی اگر تین ساتھیوں میں سے دو خفیہ سرگوشی کریں گے تو تیسرے کواندیشہ ہوگا کہ کوئی بات میرے خلاف طے کی جاوے گی میرے خلاف مشورہ کررہے ہیں،جب تین سے زیادہ آدمی ہوں تو باقی کسی کو یہ خطرہ نہ ہوگا کہ میرے خلاف سازش ہورہی ہے۔خیال رہے کہ یہ ممانعت وہاں ہے جہاں تیسرے کو اپنے متعلق یہ شبہ ہوسکتا ہو اگر یہ شبہ نہ ہو سکے تو بلاکراہت یہ عمل جائز ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھرمیں تشریف فرما تھے کہ فاطمہ زہرا حاضر ہوئیں حضور نے انہیں مرحبا کہا اور ان سے کچھ سرگوشی فرمائی۔

روایت ہے حضرت تمیم داری سے ا؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ۲؎ تین بار فرمایا ہم نے عرض کیا کہ کس کی فرمایا اللہ کی ۳؎ اس کی کتاب کی ۴؎ اور اس کے رسول کی ۵؎ اور مسلمانوں کے اماموں کی ۶؎ اور عوام کی ۷؎ (مسلم)	

ا؎ آپ کا نام تمیم ابن اوس ابن دار ہے،آپ عیسائی تھے ۹ھ ہجری میں ایمان لائے،آپ سے کل اٹھارہ احادیث مروی ہیں جن میں سے صرف یہ ایک حدیث صحیحین میں ہے،آپ شب کو نوافل میں ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرتے تھے اور کبھی ایک آیت صبح تک بار بار پڑھتے اورروتے رہتے تھے،اولًا مدینہ منورہ میں رہے،حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام چلے گئے وہاں ہی وفات پائی،مسجد نبوی میں سب سے پہلے چراغ آپ نے ہی روشن کیے۔(مرقات)چراغ کیا۔

۲؎ **نصیحۃ** بنا ہے **نصح** سے بمعنی خالص ہونا عرب کہتے ہیں **نصحت العسل عن الشمع** میں نے شہد کو موم سے خالص کرلیا۔اصطلاح میں کسی کی خالص خیر خواہی کرنا جس میں بدخواہی کا شائبہ نہ ہو یا خلوص دل سے کسی کا بھلا چاہنا نصیحت ہے،یہ بھی جامع کلمات میں سے ہے کہ اس ایک لفظ میں لاکھوں چیزیں شامل ہیں حتی کہ اعتقاد کو

کفر سے خالص کرنا،عبادات کو ریا سے پاک و صاف کرنا،معاملات کو خرابیوں سے بچانا سب ہی نصیحت میں داخل ہیں۔

۳؎اللہ کے لیے نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کے متعلق خالص اسلامی عقیدہ رکھنا،خلوص دل سے اس کی عبادت کرنا،اس کے محبوبوں سے محبت دشمنوں سے عداوت رکھنا،اس کے متعلق اپنے عقیدے خالص رکھنا اس کی شرح بہت وسیع ہے۔(مرقات)

۴؎کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی نصیحت یہ ہے کہ اس کے کتاب اللہ ہونے پر ایمان رکھنا اس کی تلاوت کرنا،اس میں بقدر طاقت غورکرنا،اس پر صحیح عمل کرنا،اس پر سے مخالفین کے اعتراضات دفع کرنا غلط تاویلوں تحریفوں کی تردید کرنا۔

۵؎اللہ کے رسول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یہ ہے کہ انہیں تمام نبیوں کا سردار ماننا ان کے تمام صفات کا اعتراف کرنا جان و مال و اولاد سے زیادہ انہیں پیارا رکھنا انکی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ان کا ذکر بلند کرنا۔

۶؎اماموں سے مراد یا تو اسلامی بادشاہ اسلامی حکام ہیں یا علماء دین مجتہدین کاملین اولیاء واصلین ہیں۔ان کی نصیحت یہ ہے کہ انکے ہر جائز حکم کی بقدر طاقت تعمیل کرنا،لوگوں کو ان کی اطاعت جائزہ کی طرف رغبت دینا،آئمہ مجتہدین کی تقلید کرنا،ان کے ساتھ اچھا گمان رکھنا۔(مرقات)علماء کا ادب کرنا۔

۷؎عام مسلمانوں کی نصیحت یہ ہے کہ بقدر طاقت ان کی خدمت کرنا،ان سے دینی و دنیا مصیبتیں دورکرنا،ان سے محبت کرنا،ان میں علم دین پھیلانا،اعمال نیک کی رغبت دینا،جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے ان کے لیے پسند نہ کرنا یہ حدیث بہت ہی جامع ہے۔

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی ا؎(مسلم،بخاری)

ا؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے ایمان تقویٰ پر بھی بیعت لیتے تھے اور نیک اعمال پر بھی یعنی میری معرفت رب تعالٰی سے یہ وعدہ کرو کہ ہم نیک اعمال کریں گے گناہوں سے بچیں گے۔بیعت کی بہت قسمیں ہیں یہاں بیعت اعمال مراد ہے۔بیعت کی اقسام ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کرو۔ایک بار حضرت جریر نے ایک شخص سے گھوڑا تین سو درہم میں خریدا سودا طے ہوجانے پر فرمایا کہ تیرا گھوڑا زیادہ قیمت کا ہے اچھا چارسودوں گاپھر کہا نہیں پانچ سو دوں گا حتی کہ آٹھ سو درہم تک بڑھا کر خرید لیابائع حیران ہوکر بولا حضرت یہ کیافرمایا میں نے حضور سے بیعت کی ہے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔یہ اس پر عمل ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے سچے اور سچے کیے ہوئے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رحمت نہیں نکالی گئی مگر بدبخت سے ۱؎(احمد،ترمذی)	

۱؎یہاں بھی رحمت میں بڑی گنجائش ہے اپنے پر رحم کرنا کہ گناہوں سے بچنا مسلمانوں پر رحم کرنا بلکہ کفار پر رحم کرنا کہ انہیں دعوتِ اسلام دینا بلکہ جانوروں پر رحم کرنا کہ ان کے دانہ پانی کا خیال رکھنا۔مقصد یہ ہے کہ بدبخت کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل سخت ہوتا ہے اسے کسی پر رحم نہیں آتا لہذا نیک بخت کی علامت یہ ہے کہ وہ نرم دل ہوتا ہے سب پر رحم کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے ۱؎تم ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے ۲؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎کیونکہ رحم وکرم والے بندے اللہ تعالٰی کی صفت و رحمت کے مظہر ہیں اللہ کے اخلاق سے موصوف ہیں،رحمت سے مراد عام رحمت ہے۔

۲؎یعنی تم اللہ کی زمینی مخلوق پر رحم کرو انسانوں پر جانوروں پر تم پر وہ رحم کرے گا جس کی رحمت خاصہ جس کی سلطنت آسمانوں میں بھی ہے یعنی رب تعالٰی یا اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی فرشتے تمہاری حفاظت کریں گے تمہارے لیے دعاءِ مغفرت کریں گے۔(مرقات)

روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ۱؎جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ۲؎اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور بری باتوں سے منع نہ کرے ۳؎ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎یعنی ہماری جماعت سے یا ہمارے طریقہ والوں سے یا ہمارے پیاروں سے نہیں یا ہم اس سے بیزار ہیں وہ ہمارے مقبول لوگوں میں سے نہیں،یہ مطلب نہیں کہ وہ ہماری امت یا ہماری ملت سے نہیں کیونکہ گناہ سے انسان کافر نہیں ہوتا ہاں جو حضرات انبیاء کرام کی توہین کرے وہ اسلام سے خارج ہے۔

۲؎یعنی اپنے سے چھوٹوں پر رحم نہ کرے،اپنے سے بڑوں کا ادب نہ کرے،چھوٹائی بڑائی خواہ عمر کی ہو خواہ علم کی خواہ درجہ کی یہ فرمان بہت عام ہے۔خیال رہے کہ **صغیرنا** اور **کبیرنا** فرماکر یہ بتایا کہ چھوٹے بڑے مسلمانوں کا ادب ان پر رحم چاہیے یہ قید بھی زیادتی اہتمام کے لیے ہےورنہ کافر ماں باپ کا بھی مادری ادب کافر چھوٹے بھائی پر بھی قرابت داری کا رحم چاہیے جیساکہ فقہاء کے فرامین اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے یوں ہی ان کے حقوق قرابت ادا کرے۔(اشعہ)

۳؎ہر شخص اپنی طاقت اور اپنے علم کے مطابق دینی احکام لوگوں میں جاری کرے یہ صرف علماء کا ہی فرض نہیں سب پر لازم ہے۔حاکم ہاتھ سے برائیاں روکے،عالم عام زبانی تبلیغ سے یہ فرض انجام دے فی زمانہ اس سے بہت غفلت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی جوان کسی بوڑھے کا اس کی عمر کی وجہ سے احترام نہیں کرتا مگر اللہ اس کے بڑھاپے پر اسے مقرر کرے گا جو اس کا احترام کرے ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی جو شخص بوڑھے مسلمان کا صرف اس لیے احترام کرے کہ اس کی عمر زیادہ ہے،اس کی عبادات مجھ سے زیادہ ہیں،یہ مجھ سے پرانے اسلام والا ہے تو ان شاءاللہ دنیا میں وہ دیکھ لے گا کہ اس کے بڑھاپے کے وقت لوگ اس کا احترام کریں گے۔اس وعدے میں فرمایا گیا کہ ایسا آدمی دراز عمر بھی پائے گا دنیا میں مال،عیش،عزت بھی اسے ملے گی آخرت کا اجر اس کے علاوہ ہے۔خود اس حدیث کے راوی حضرت انس نے حضور کی دس سال خدمت کی دیکھ لو کہ ان کی عمر ایک سو تین سال ہوئی ان کی زندگی میں ان کی اولاد کی تعداد ایک سو ہوئی یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد ایک مخلوق نے ان سے احادیث روایت کیں،جہاں پہنچ جاتے تھے لوگ ان کی زیارت کے لیے جمع ہوجاتے تھے۔(مرقات)یہ ہے اس حدیث کا ظہور اور اس وعدہ نبوی کی جیتی جاگتی تصویر و تفسیر۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی تعظیم میں سے ہے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کا احترام ۱؎جو حامل قرآن نہ تو اس میں زیادتی کرے نہ اس سے دور رہے ۲؎اور عادل بادشاہ کا احترام کرنا ہے ۳؎ (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ سفید ڈاڑھی والے مسلمان کا احترام،خود رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ کریم اس سے شرم فرماتا ہے کہ ان ہاتھوں کو خالی پھیرے تو بندہ اس کا احترام کیوں نہ کرے۔حامل قرآن میں حافظ،عالم دین،قاری،مفسر،ہمیشہ تلاوت کرنے والا سب ہی داخل ہیں سب کا احترام چاہیے۔(مرقات)

۲؎ یعنی وہ حامل قرآن وہ عالم و حافظ قابلِ تعظیم ہیں جو بدمذہب بیدین نہ ہو جو قرآن کو لوگوں کے گمراہ کرنے کا ذریعہ بنائیں اس کی غلط تاویلیں کریں،اس میں خیانتیں کریں،اس کے ذریعہ مسلمانوں میں فتنہ فساد پھیلائیں ان پر تو خدا تعالیٰ کی بھی پھٹکار ہے بندوں کی بھی۔(مرقات)شعر

حافظا میخوردرندی کن و خوش باش وے | دام تزدیر مکن چوں دگراں قرآن را

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر | تاویل سے کرسکتے ہیں قرآن پاژند

۳؎ منصف حاکم عدل والا بادشاہ اللہ کی رحمت ہے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پاتی ہے وہ رعایا کے لیے مثل مہربان والد کے ہے اس لیے اس کا احترام ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں بہترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو جس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو ۱؎ اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو جس سے برا سلوک کیا جاتا ہو ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یتیم سے سلوک کی بہت صورتیں ہیں: اس کی پرورش،اس کے کھانے پینے کا انتظام،اس کی تعلیم و تربیت،اسے دین دار نمازی بنانا سب ہی اس میں داخل ہے۔غرضکہ جو سلوک اپنے بچے سے کیا جاتا ہے وہ یتیم سے کیا جاوے یہ کلمہ بہت ہی جامع ہے۔

۲؎ برے سلوک میں مذکورہ چیزوں کی مقابل تمام چیزیں داخل ہیں،یتیم بچہ کو تعلیم تربیت کے لیے طمانچہ وغیرہ مارنا ظلم نہیں بلکہ اس کی اصلاح ہے۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے ۱؎ نہیں پھیرتا مگر اللہ کے لیئے ہر بال کے عوض جس پر اس کا ہاتھ پھرے نیکیاں ہوں گی ۲؎ اور جو اپنے پاس رہنے والے یتیم یا یتیمہ سے بھلائی کرے جنت میں میں اور وہ ان کی طرح ہوں گے اور اپنی دو انگلیاں ملائیں ۳؎ (احمد،ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ ہاتھ پھیرنا محبت کے ساتھ ہو یا اس سے مراد ہے مطلقًا معمولی سی مہربانی حقیر سی محبت مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں،یتیم کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنا بھی عبادت ہے۔

۲؎حدیث بالکل ظاہر معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں واقعی جو شخص اپنے عزیز یا اجنبی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے محبت و شفقت کا یہ محبت صرف اللہ رسول کی رضا کے لیے ہو تو ہر بال کے عوض اسے نیکی ملے گی۔یہ ثواب تو خالی ہاتھ پھیرنے کا ہے جو اس پر مال خرچ کرے،اس کی خدمت کرے،اسے تعلیم و تربیت دے سوچ لو کہ اس کا ثواب کتنا ہوگا۔

۳؎یعنی وہ جنت میں میرا ساتھی یا پڑوسی ہوگا جیسے بادشاہ کے خدام بادشاہ کی کوٹھی میں ہی رہتے ہیں مگر خادم ہوکر ایسے ہی وہ بھی میرے ساتھ رہے گا مگر میرا امتی غلام ہوکر۔یہاں بھی احسن مطلق ہے یتیم بچہ سے کسی قسم کا سلوک ہو ثواب کا باعث ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یتیم تھے اس لیے یتیم کی خدمت بڑی ہی اعلیٰ ہے۔مصرع! یتیم ہو کے یتیموں کو پالنے والے۔دو انگلیوں سے مراد کلمہ کی اور بیچ کی انگلی مراد ہے جن میں فاصلہ بالکل نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شامل کرے ۱؎تو اللہ اس کے لیے جنت یقینی طور پر لازم فرمادیتا ہے مگر یہ کہ کوئی ایسا گناہ کرے جو ناقابلِ بخشش ہو ۲؎اور جو تین بیٹیاں یا ان کی مثل بہنوں کی پرورش کرے کہ انہیں ادب سکھائے ان پر مہربانی کرے حتی کہ اللہ انہیں بے نیاز کردے تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کردیتا ہے۳؎تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اور دو کو فرمایا دو کو حتی کہ اگر لوگ کہتے یا ایک کو تو حضور فرمادیتے ایک کو۴؎اور اللہ جس کی پیاری دو چیزیں دور کردے اس کے لیے جنت واجب ہوگئی عرض کیا یارسول اللہ دو پیاری چیزیں کیا ہیں فرمایا اس کی دونوں آنکھیں ۵؎(شرح السنہ)

۱؎کھانے پانی میں شامل کرنا عام ہے خواہ اسے اپنے ساتھ کھلائے پلائے یا اسے اپنے گھر میں رکھ کر اس کی پرورش کرے یا یتیم خانہ بنا کر ان پر خرچ کرے۔اب تو یتیم خانہ والے یتیموں سے بھیک منگواتے ہیں مسلمانوں میں بھکاریوں کی تعداد بڑھاتے ہیں۔

۲؎یعنی شرک و کفر کہ یہ گناہ قابل بخشش نہیں،رب فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ "اسی طرح حقوق العباد بھی کسی نیک عمل سے معاف نہیں ہوتے وہ تو ادا کرنا ہی پڑیں گے یا حق والے سے معاف کرانا ہوں گے۔(مرقات)

۳؎ عموماً بیٹوں سے دنیاوی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ یہ جوان ہوکر ہماری خدمت کریں گے ہمیں کما کر کھلائیں گے لڑکیوں سے یہ امید نہیں ہوتی اس لیے لڑکیوں کا پالنا ان پر صبر کرنا ثواب ہے۔لڑکیاں خواہ بیٹیاں ہوں خواہ بہنیں انہیں سکھانے سے مراد ہے علم دین سکھانا،سینا،پرونا اور جن ہنروں کی انہیں ضرورت ہے وہ سکھانا جس سے وہ کسی محتاج نہ رہیں۔

۴؎ اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ اللہ کی رحمتیں اور اس کی بخشش حضور کے قبضہ میں دی گئی ہیں جس نعمت کو چاہیں عام فرمادیں(مرقات)دیکھو جو وعدہ تین لڑکیوں کے پالنے پر کیا گیا تھا ایک امتی کے سوال پر وہ ہی وعدہ دو بیٹیوں کے پالنے پر ہوگیا یہ ہے حضور کا مختار من اللہ ہونا۔حضور کے مختار کل ہونے کے دلائل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ آنکھوں سے مراد آنکھوں کی روشنی ہے اگرچہ تمام اعضاء اللہ کی نعمت ہیں اور ہم کو پیاری مگر آنکھیں وہ نعمت ہیں جن کی مدد سے سارے اعضاء کام کرتے ہیں،آنکھوں کے بغیر انسان محض دیوار بن کر رہ جاتا ہے اس پر صبر کرنا بہت ہی ثواب ہے،اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے حضور کے صدقہ سے ہماری آنکھیں بھی رکھے اور ثواب بھی عطا فرمائے وہ تو بڑا کریم ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بچے کو ادب کی تعلیم دے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع خیرات کرے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ناصح راوی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ۲؎

۱؎ یعنی اپنی اولاد کو ایک اچھی بات سکھانا خیرات کرنے سے افضل ہے کہ ایک صاع(ٹوپہ)ایک دن میں کھا کر ختم کیا جائے مگر ایک نیک بات کا فائدہ بچے کو عمر بھر پہنچے گا،اپنی لڑکیوں کو مال جہیز دینے سے بہتر یہ ہے کہ اعمال جہیز دیا جاوے،انہیں ایسی تعلیم و تربیت دو کہ وہ اپنی سسرال اپنی اولاد کو سنبھال لیں ہم نے ایسی لڑکیاں دیکھی ہیں جنہوں نے سسرال پہنچ کر سسرال کی کایا پلٹ دی سب کو ٹھیک کردیا۔

۲؎ یعنی یہ حدیث صرف ایک ہی اسناد سے مروی ہے اور اس اسناد میں ایک راوی ناصح بھی ہے جو حافظہ کا کمزور تھا اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے مگر چونکہ یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے لہذا قبول ہے کہ فضائل میں حدیث ضعیف قبول ہوتی ہے اس حدیث کی تائید احادیث صحیحہ اور آیات قرآنیہ سے ہے۔طبرانی نے باسناد حسن مرفوعًا روایت کی کہ اللہ تعالٰی تمہارے ذریعہ ایک کو ہدایت دیدے تو تمہارے لیے ساری دنیا سے افضل ہے اسی طرح آیات قرآنیہ میں اس کی تائید ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ایوب ابن موسیٰ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

	سلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچے کو ایسا عطیہ نہیں دیا جو اچھے ادب سے بہتر ہو ۲؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث مرسل ہے ۳؎

۱؎ایوب ابن موسیٰ ابن اشدق عمرو ابن سعید ابن عاص ابن امیہ تابعی ہیں،فقہاء میں سے ہیں،عطاء اور مکحول سے روایت کرتے ہیں،یہاں دادا سے مراد عمرو ابن سعید یا سعید ابن عاص ہیں،سعید ابن عاص ہجرت کے سال پیدا ہوئے،عثمان غنی کے زمانہ میں قرآن جمع کرنے والوں میں آپ بھی تھے،عہد عثمانی میں کوفہ کے گورنر رہے،طبرستان کے فاتح آپ ہی ہیں، ۵۹ھ انسٹھ میں وفات ہوئی۔(مرقات واشعہ)

۲؎اچھے ادب سے مراد بچے کو دیندار متقی پرہیزگار بنانا ہے اولاد کے لیے اس سے اچھا عطیہ کیا ہوسکتا ہے کہ یہ چیزیں دین و دنیا میں کام آتی ہیں۔ولد میں لڑکیاں لڑکے دونوں ہی داخل ہیں،ماں باپ کو چاہیے کہ اولاد کو صرف مالدار بنا کر دنیا سے نہ جائیں انہیں دیندار بناکر جائیں جو خود انہیں بھی قبر میں کام آوے کہ زندہ اولاد کی نیکیوں کا ثواب مردہ کو قبر میں ملتا ہے۔

۳؎عن جدہ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس سے ایوب کے دادا مراد ہوں یعنی عمرو ابن سعید تب تو یہ حدیث مرسل ہے کہ عمرو بھی صحابی نہیں تابعی ہیں۔دوسرے یہ کہ ایوب کے والد کے دادا سعید ابن عاص مراد ہیں تو حدیث متصل ہے کہ سعید ابن عاص صحابی ہیں،امام ترمذی نے جدہ سے مراد ایوب کے دادا عمرو ابن سعید لیے اس لیے مرسل کہا۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور سیاہ رخسار والی عورت ۱؎ان دو کی طرح ہوں گے قیامت کے دن اور یزید ابن زریع نے بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا ۲؎وہ عورت جو اپنے خاوند سے الگ ہوگئی عزت والی جمال والی جس نے اپنے کو اپنے یتیموں پر روک رکھا حتی کہ وہ جدا ہوگئے یا مر گئے ۳؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی وہ بچوں والی عورت جسے اپنے بچوں کو پرورش میں اپنے تن بدن کا ہوش نہ ہو کپڑے میلے چہرے کالا دھوئیں وغیرہ سے رہتا ہو خواہ بیوہ ہو یا خاوند والی مگر اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ یہاں بیوہ مراد ہے۔

۲؎یعنی وہ مجھ سے جنت میں بالکل قریب ہوگی کیونکہ وہ یتیموں کی پالنے والی ہے اور یتیموں کا پالنے والا حضور سے قریب ہوگا۔

۳؎یعنی اس نے خیال کیا کہ اگر میں نے دوسرا نکاح کرلیا تو میرے یتیم بچوں کو تکلیف ہوگی اس لیے نکاح نہ کیا حتی کہ وہ بچے بالغ ہوشیار ہوکر اس سے بے نیاز ہو گئے یا مر گئے پھر نکاح کیا۔مرقات نے فرمایا کہ اس بشارت

میں طلاق والی عورت بھی داخل ہے۔فقیر کہتا ہے جس کا خاوند گم ہوگیا یا دیوانہ ہوگیاغرضکہ کسی طرح خاوند کی سر پرستی سے محروم ہوگئی ان سب عورتوں کا یہ ہی درجہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کی بیٹی ہو پھر نہ تو اسے برائی دی نہ زندہ دفن کیا اور نہ اس پر اپنے مذکر کو ترجیح دی ۱؎ تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ جیساکہ عرب میں رواج تھا کہ اپنی بیٹی کو یا تو زندہ دفن کردیتے تھے یا اسے زندہ رکھتے تو نہایت ذلیل کرکے،اپنے بیٹوں کو بہت پیار کرتے بیٹیوں کو ذلیل خوار کرتے تھے،اب بھی بعض جاہل مسلمان یہ ہی حرکت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی ایسا آدمی اولین زمرہ میں جنت میں جاوے گا۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جس کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جاوے ۱؎ اور وہ اس کی مدد پر قادر ہو پھر وہ اس کی مدد کرے ۲؎ تو اللہ اس کی دنیا و آخرت میں مدد کرے گا ۳؎ لیکن اگر مدد پر قادر ہوتے اس کی مدد نہ کرے تو اللہ اس جرم پر اسے دنیا و آخرت میں پکڑے گا ۴؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یعنی اس کے سامنے کسی مسلمان کی غیبت کی جاوے خواہ وہ اس کا عزیز ہو یا اجنبی۔

۲؎ یا اس طرح کہ غیبت کرنے والوں کو غیبت سے روک دے یا اس طرح کہ ان کی غیبت کا جواب دے دے یا اس طرح کہ اس غائب شخص کے اوصاف بیان کردے اسے بدنامی سے بچاکر نیک نام کردے،آج کل لوگ غیبت سنتے رہتے ہیں پھر اس غائب شخص کو آکر بتاتے ہیں کہ تجھے فلاں شخص نے یہ کہا تھا یہ ممنوع ہے کہ اس صورت میں اس کے دل کو تکلیف اس نے پہنچائی غیبت کرنے والوں نے تیر چلایا اس نے وہ تیر اس تک پہنچایا اس کے جسم میں چبھویا۔

۳؎ کیونکہ اس نے اللہ کے بندے کی پس پشت مدد کی محض اللہ کے لیے اور رب تعالٰی اپنے بندے کا بدلہ خود دیتا ہے دنیاوی آفات اخروی مصیبتوں سے بچانا اللہ کی بڑی ہی مہربانی ہے۔

۴؎ یعنی جو کوئی مسلمان بھائی کی عزت و آبرو نہ بچائے بلکہ ذلیل کرنے والوں کے ساتھ شریک ہوجاوے تو اللہ تعالٰی اس بندے کا بدلہ خود لے گا کہ اسے دنیاو آخرت میں ذلیل کرے گا جب اس پر کوئی آفت بنے گی تو اسے دفع نہ کرے گا۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ جو اپنے بھائی کے گوشت سے اس کی پیٹھ پیچھے دفع کرے ۲؎ تو اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اسے آگ سے آزاد کردے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اسماء بنت یزید ابن سکن مشہور صحابیہ ہیں،انصاریہ ہیں،بڑی عاقلہ بڑی عابدہ تھیں،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔
۲؎ بھائی کے گوشت سے مراد ہے مسلمان بھائی کی غیبت،دفع کرنے سے مراد ہے غیبت نہ ہونے دینا یا اس کا جواب دے دینا۔
۳؎ جب ایک گنہگار مسلمان کی پس پشت حمایت کرنے کا یہ ثواب ہے تو جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدگویوں دشمنوں کو جوابات دے،ان کی عزت پر حملہ کرنے والوں کے وار اپنے پر لے،ان کے صفات عالیہ کے گیت گائے سوچ لو کہ اس کا درجہ کیا ہوگا۔اللہ تعالٰی نصیب کرے حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شعر

فان ابی و والدتی و عرضی　　　　لعرض محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ میری عزت و آبرو محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو وعزت کے لیے تمہارے مقابلہ میں ڈھال ہیں۔

	روایت ہے ابوالدرداء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے کہ نہیں ہے کوئی مسلمان جو اپنے بھائی کی آبرو سے دفعیہ کرے مگر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس سے قیامت کے دن دوزخ کی آگ دفع فرمادے ۱؎ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی کہ ہم پر حق ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا ۲؎ (شرح سنہ)

۱؎ یہ فرمان عالی بہت ہی عام ہے جو کوئی کسی مسلمان کی آبرو کسی طرح بچائے خواہ اس کے سامنے یا اس کے پس پشت اللہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے گا مسلمان کی عزت اللہ کو بڑی پیاری ہے۔
۲؎ یہ آیت کریمہ یا تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اپنے فرمان مبارک کی تائید میں یا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی اسی حدیث کی تائید میں۔دوستو! آج حضرات صحابہ پر بہت طعن ہورہے ہیں اٹھو ان کی عظمتوں کے ڈنکے بجاؤ دیکھو پھر رب تعالٰی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانوں سے کیسے انعام ملتے ہیں،ان حضرات کی حمایت میں کتابیں چھاپنا،تقریریں کرنا،ان کے فضائل کی آیت و احادیث شائع کرنا سب ہی قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔فقیر نے ایک رسالہ لکھا ہے حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر جس میں حضرات صحابہ خصوصًا جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل کی احادیث و آیات جمع کرکے ان کے فضائل بیان کیے اور ان حضرات سے مخالفین کے اعتراضات دفع کیے خدا کرے یہ حقیر سی خدمت اس فرمان عالی کی برکت سے قبول ہوجاوے اور رب تعالٰی میری سیاہ کاریاں معاف فرمادے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی مسلمان آدمی جو کسی مسلمان آدمی کو ایسی جگہ رسوا کرے جہاں اس کی بے عزتی کی جارہی ہے ۱؎ اور اس کی آبروریزی کی جارہی ہے مگر اللہ تعالٰی اسے ایسی جگہ میں ذلیل کرے گا جہاں وہ اپنی مدد چاہتا ہوگا ۲؎ اور نہیں ہے مسلمان آدمی جو کسی مسلمان کی ایسی جگہ مدد کرے جہاں اس کی عزت گھٹائی جارہی ہو اور جس میں اس کی آبرو ریزی کی جارہی ہو مگر اللہ اس کی ایسی جگہ مدد کرے گا جس میں اس کی مدد اسے محبوب ہو ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ جب کچھ لوگ کسی مسلمان کی آبروریزی کررہے ہوں تو یہ بھی انکے ساتھ شریک ہوکر ان کی مدد کرے ان کی ہاں میں ہاں ملائے۔

۲؎ یعنی اللہ تعالٰی اس جرم کی سزا میں اسے ایسی جگہ ذلیل کرے گا جہاں اسے عزت کی خواہش ہوگی۔خیال رہے کہ یہ احکام مسلمان کے لیے ہیں۔کفار،مرتدین،بے دین لوگوں کی اللہ تعالٰی کے ہاں کوئی عزت نہیں ان کی بے دینی ظاہر کرنا عبادت ہے۔

۳؎ غرضکہ کماتدین تدان جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔کرونی خویش آمدنی پیش۔مسلمان بھائی کی عزت کرو اپنی عزت کرالو،،اسے ذلیل کرو اپنے کو ذلیل کرالو۔جگہ عام ہے دنیا میں ہو یا آخرت جہاں بھی اسے مدد کی ضرورت ہوگی رب تعالٰی اس کی مدد فرمائے گا صرف ایک بار نہیں بلکہ ہمیشہ۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی کا خفیہ عیب ۱؎ دیکھے پھر اسے چھپالے ۲؎ تو اس شخص کی طرح ہوگا جو زندہ درگور بچی کو زندہ کرے ۳؎ (احمد،ترمذی)ترمذی نے اسے صحیح فرمایا۔

۱؎ وہ عیب جو کسی مسلمان کے حق سے متعلق نہ ہو اور یہ شخص اسے لوگوں سے چھپانا چاہتا ہو،بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد مسلمان مرد یا عورت کا ستر ہے یعنی کسی کو ننگا دیکھے تو اسے کپڑا پہنادے ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں۔

۲؎ اس طرح کہ خود اس سے کہہ دے کہ دیکھ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا ورنہ پھر تیری خیر نہ ہوگی اور لوگوں سے چھپالے تاکہ تبلیغ بھی ہوجائے اور مسلمان کی پردہ پوشی بھی لیکن اگر یہ شخص کسی قتل یا نقصان کی خفیہ سازش کررہا ہے تو ضرور اس کی اطلاع اس کو کر دے تاکہ وہ نقصان سے بچ جاوے یا اگر یہ شخص عادی مجرم بن چکا

ہے تو اس کا اعلان کردے لہذا اس فرمان عالی کا یہ مقصد نہیں کہ خفیہ چور قاتل کے جرم چھپاؤ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمان نہایت ہی جامع ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی اس پردہ پوشی کا ثواب ایسا ہے جیسے کسی زندہ دفن شد بچی کو قبر سے نکال کر ان کی جان بچالینا کیونکہ مسلمان کی آبرو اس کی جان کی طرح قابل احترام ہے۔بہرحال مسلمان کی جاتی ہوئی عزت بچانا بڑا ہی ثواب ہے مگر وہ قیود خیال میں رہیں جو ہم نے عرض کیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے ۱؎ کہ اگر اس میں برائی دیکھے تو اس سے دفع کردے ۲؎ (ترمذی)اور اسے ضعیف کہا اور اس کی ایک روایت میں ہے کہ مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے،مؤمن مؤمن کا بھائی ہے کہ اس سے اس کی ہلاکت دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے ۳؎

۱؎ جیسے آئینہ چہرے کے سارے عیب و خوبیاں ظاہر کردیتا ہے ایسے ہی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر اسے مطلع کرتا رہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے۔غرضکہ رسوائی کرنا ممنوع ہے اصلاح کرنا ثواب،پچھلی حدیث میں رسوائی کی ممانعت تھی اسی حدیث میں اصلاح کا حکم ہے۔

۲؎ اسے خبر دے کر یا اس کے لیے دعا خیر کرکے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ اس پر رحم کرے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کرے عیوب فرماکر بتایا کہ ہمارا نفس عیبوں کا سرچشمہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان مؤمنوں کے پاس بیٹھا کریں جن کے ذریعہ انہیں اپنے عیوب پر اطلاع ہو۔آئینہ اس لیے دیکھتے ہیں کہ اپنے چہرے کے چھوٹے بڑے داغ دھبہ نظر آجاویں۔طبیب کے پاس اسی لیے جاتے ہیں کہ وہاں علاج ہوجاوے ایسے مؤمنوں کی صحبت اکسیر ہے۔اس لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے مریدوں اپنے شاگردوں کے پاس نہ بیٹھو جو ہر وقت تمہاری تعریفیں ہی کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی اپنے مرشدوں اپنے استادوں اپنے بزرگوں کے پاس بھی بیٹھو جہاں تمہیں اپنی کمتری نظر آوے۔ہاتھی پہاڑ کو دیکھ کر اپنی حقیقت کو پہنچانتا ہے،ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں میں غور کیا کرو تاکہ اپنی گنہگاری اپنی کمتری محسوس ہوتی رہے۔محققین صوفیاء اس حدیث کے یہ معنی کرتے ہیں کہ مؤمن جب کسی مسلمان میں عیب دیکھے تو سمجھے کہ یہ عیب مجھ میں ہے جو اس کے اندر مجھے نظر آرہا ہے جیسے آئینہ میں اپنے جو داغ دھبے نظر آتے ہیں وہ اپنے چہرے کے ہوتے ہیں نہ کہ آئینہ کے یہ معنی نہایت عارفانہ ہیں۔(اشعۃ اللمعات)اس لیے اگر خواب میں حضور انور کی زیارت ہو مگر شکل مبارک یا لباس خوشنما نہ ہو تو سمجھ لو کہ ہمارا اپنے دل کا حال خراب ہے اصلاح کرو۔اس صورت میں **فلیمط عنه** کے معنی یہ ہوئے کہ مؤمن کے ذریعہ اپنے عیب معلوم کر کے اپنے عیوب دفع کرو۔

۳؎یعنی مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی پس پشت خیرخواہی کرے حتی کہ اگر کوئی اس کی غیبت کرے تو یا اسے غیبت سے روک دے یا اس کا جواب دے کر مؤمن کی عزت بچالے یا اسے سمجھا بجھاکر اس کی اصلاح کرے یا اس کے لیے اصلاح کی دعا کرے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت معاذ ابن انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی مسلمان کو کسی منافق سے محفوظ رکھے۱؎تو قیامت کے دن اللہ تعالٰی ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کی دوزخ کی آگ سے حفاظت کرے گا ۲؎اور جو کسی مسلمان کو کسی چیز کی تہمت لگائے اس کی بے عزتی کا ارادہ کرتا ہو۳؎تو اللہ اسے دوزخ کے پل پر روکے گا حتی کہ وہ اپنی اس بات سے باہر آجاوے۴؎(ابوداؤد)

۱؎یہاں منافق سے مراد غیبت کرنے والے کو اپنے عیب نہیں سوجھتے دوسرے کے نظر آتے ہیں یہ ہی منافق کا حال ہے یعنی غیبت کرنے والے سے اس مسلمان کی عزت بچائے۔

۲؎اس طرح کہ وہ فرشتہ پل صراط پر اسے اپنے پروں میں ڈھانپ کرگزارے گا تاکہ اسے آگ کی تپش نہ پہنچنے پائے۔

۳؎بے عزتی کے ارادہ کی قید اس لیے لگائی تاکہ معلوم ہو کہ کسی کی اصلاح کے لیے یا اس سے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اس کی غیبت درست ہے کہ وہ غیبت نہیں۔

۴؎یعنی جتنی دیر تک اس نے غیبت میں اپنا وقت صرف کیا اتنی دیر تک پل صراط پر روکا جاوے گا۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ جب تک اس سے معافی نہ مانگے تب تک وہ غیبت ہی میں مشغول ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہیں جو اپنے ہمراہیوں کے لیے بہتر ہوں۱؎اور اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی پڑوسی وہ ہیں جو اپنے پڑوسی کے لیے اچھے ہوں ۲؎(ترمذی،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎یہاں ساتھی سے مراد عام ساتھی ہیں مدرسہ کے ساتھی،سفر کے ساتھی،گھر کے ساتھی۔غرضکہ مسلمان کو چاہیے کہ ہر ساتھی کے ساتھ اچھا سلوک کرے،ان کی خیر خواہی کرے،ان سے اچھا برتاوا کرنا،انہیں بری باتوں سے روکنا،اچھی راہ دکھانا سب ہی اس میں داخل ہے۔

۲؎عبادات کی درستی سے بھی زیادہ اہم ہے معاملات کی درستی،پڑوسی سے ہر وقت معاملہ رہتا ہے اس لیے اس سے اچھا برتاوا کرنا بہت ضروری ہے،اس کے بچوں کو اپنی اولاد سمجھے،اس کی عزت و ذلت کو اپنی عزت و ذلت سمجھے،پڑوسی اگر کافر بھی ہو تب بھی پڑوسی کے حقوق ادا کرے۔حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہودی پڑوسی سفر میں گیا اس کے بال بچے گھر رہ گئے رات کو یہودی کا بچہ روتا تھا آپ نے پوچھا کہ بچہ کیوں روتا ہے یہودن بولی گھر میں چراغ نہیں ہے بچہ اندھیرے میں گھبراتا ہے اس دن سے آپ روزانہ چراغ میں خوب تیل بھرکر روشن کرکے یہودی کے گھر بھیج دیا کرتے تھے،جب یہودی لوٹا اس کی بیوی نے یہ واقعہ سنایا یہودی بولا کہ جس گھر میں بایزید کا چراغ آگیا وہاں اندھیرا کیوں رہے وہ سب مسلمان ہوگئے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ میں کیسے جانوں جب کہ میں بھلائی کروں یا جب کہ میں برائی کروں ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے بھلائی کی تو واقعی تم نے بھلائی کی اور جب تم انہیں کہتے سنو کہ تم نے برائی کی تو واقعی تم نے برائی کی ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎یعنی مجھے تو اپنے سارے کام ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر واقعہ میں اچھے کام اور برے کام کی علامت کیا ہے، یہاں کام سے مراد معاملات ہیں۔عقائد،عبادات میں کسی سے اچھا برا کہنے کا اعتبار نہیں۔

۲؎یعنی معاملات میں اچھائی برائی کی علامت یہ ہے کہ تمہارے سارے پڑوسی قدرتی طور پر تم کو اچھا کہیں یا برا کہیں قدرتی بات ہے کہ بعض بندوں کے لیے خود بخود منہ سے اچھائی نکلتی ہے حضور فرماتے ہیں **انتم شہداء اللہ فی الارض**۔مسلمانوں کی زبان رب کا قلم ہے پڑوسی چونکہ ڈھکے حالات سے خبردار ہوتے ہیں اس لیے یہاں پڑوسیوں کی قید لگائی گئی ورنہ اپنے متعلق خودفیصلہ نہ کرو کہ ہم اچھے ہیں یا برے،مخلوق کی زبان سے وہی نکلتا ہے جو رب نکلواتا ہے۔آج بعض قبر والوں کو لوگ ولی اللہ کہہ رہے ہیں ان کے مزارات پر میلے لگے ہوتے ہیں حالانکہ کسی نے ان کو دیکھا بھی نہیں یہ ہے خلق کی زبان۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے درجوں میں اتارو ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎یعنی تمہارے پاس جس حیثیت کا آدمی آوے اس کی تواضع خاطر،اعزاز و اکرام اس کی حیثیت کے لائق کرو، حضرت عائشہ صدیقہ کھانا کھارہی تھیں ایک اجنبی سائل دروازے سے گزرا آپ نے اسے روٹی کا ٹکڑا بھیج دیا، ایک اجنبی گھوڑا سوار گزرا تو آپ نے اس سے کہلا کر بھیجا کہ اگر آپ کو کھانے کی خواہش ہو تو کھانا حاضر ہے،کسی نے ام ا لمؤمنین سے اسی فرق کی وجہ سے پوچھی تو آپ نے یہ ہی حدیث پڑھی معاملات عقائد بلکہ عبادات میں فرق مراتب کرنا ضروری ہے۔مصرع گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

یہ واقعہ اشعۃ اللمعات نے بحوالہ احیاء العلوم نقل فرمایا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو حضور کے صحابہ آپ کے بقیہ وضو کو اپنے پر ملنے لگے۱؎ تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اس پر کیا چیز ابھارتی ہے ۲؎ وہ بولے اللہ اور رسول کی محبت۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے یہ پسند ہو کہ اللہ رسول سے محبت کرے یا اس سے اللہ رسول محبت کریں۴؎ تو وہ جب بات کرے تو سچی کرے،جب امین بنایا جاوے تو امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کا پڑوس اچھا نبھائے۵؎	

۱؎ تبرک کے لیے کیونکہ حضرات صحابہ کرام ہمیشہ حضور کے وضو کا پانی برکت کے لیے اپنے ہاتھوں اور منہ پر ملتے تھے کہ یہ غسالہ جسم اطہر سے مس ہوا ہے۔حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں زندگی پھونک دی تو جو پانی حضور کے عضو شریف سے مس ہوجائے اس کی تاثیر کا کیا پوچھنا۔ظاہر یہ ہے کہ اس پانی سے وہ پانی مرادہے جو اعضاء شریف سے گرتا تھاغسالہ شریف اور ہوسکتاہے کہ اس سے وضو کا بقیہ پانی مراد ہو پہلا احتمال قوی ہے دیکھو اشعہ۔ہمارے وضو وغسل کا غسالہ استعمال کے لائق نہیں،حضور کا غسالہ طیب طاہر بلکہ پاک کرنے والا ہے کہ ہمارا غسالہ ہمارے گناہ دھوکر نکلتا ہے حضور کا غسالہ نور لے کر گرتا ہے۔

۲؎ حضور انور کا یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید ہے ورنہ حضور انور کو تو ہر ایک دل کا ہر حال معلوم ہے۔شعر

اے فروعنت صبح آثار و دھور چشم تو بینندہ ما فی الصدور

۳؎ یعنی حضور ہمارے محبوب ہمارے دلوں کے چین ہیں جو پانی حضور کے عضو سے مس ہو وہ ہی ہم کو پیارا ہے اس لیے اسے چومتے ہیں۔

۴؎ یعنی ہمارے غسالہ کو تبرکًا استعمال کرنا ممنوع یا بے کار نہیں بیشک اس سے برکت حاصل ہوتی ہے مگر اللہ رسول کی محبت کے لیے صرف یہ عمل کافی نہیں کہ یہ کام نفس پر گراں و بھاری نہیں یہ کام تو منافقین بھی کرلیتے ہیں اللہ رسول کی محبت کے لیے ان کی اطاعت و فرمانبرداری بھی ضروری ہے کہ وہ ہی نفس پر گراں ہے۔

۵؎ چونکہ یہ تین کام درستی معاملات کی جڑ ہیں اس لیے ان کا ذکر فرمایا۔جو مسلمان معاملات درست کرلے گا اسے عبادات درست کرنا آسان ہوگا اور معاملات میں زبان سچی ہرقسم کی امانت کی ادائیگی اپنے پڑوسیوں سے اچھا سلوک بڑی ہی اہم چیزیں ہیں۔کسی کو صرف اس کی عبادات اور کثرت نوافل سے نہ آزماؤ بلکہ معاملات سے آزماؤ،معاملات

درست ہیں تو واقعی کامل ہے،آج بہت سے مسلمان ان ہی تین باتوں میں فیل ہوجاتے ہیں،نمازی حاجی بہت ہیں مگر سچے امتی تھوڑے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے ہی صادق الوعد امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے کفار عرب ان القاب سے حضور کو یاد کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے کہ مؤمن وہ نہیں جو خود سیر ہوجاوے اور اس کے برابر میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو[1](بیہقی شعب الایمان)	

[1]اگر اسے اپنے پڑوسی کی بھوک و محتاجی کی خبر ہو تب تو یہ بہت بے مروت ہے اور اگر خبر نہیں تو بہت لاپرواہ ہے۔مؤمن کو چاہیے کہ اپنے عزیزوں قرابت داروں،پڑوسیوں محلّہ والوں کے حالات کی خبر رکھے،اگر کسی کی حاجت مندی کا پتہ چلے تو ان کی حاجت روائی کو غنیمت جان کر کرے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ فلاں بی بی اس کی نماز روزے صدقات کی فراوانی کا چرچا ہے بجز اس کے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ستاتی ہے[1]فرمایا کہ وہ آگ میں ہے[2]عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ فلاں عورت اس کی نماز روزے صدقات کی کمی کا ذکر ہوتا ہے[3]وہ تو پنیر کے کچھ ٹکڑے ہی خیرات کرتی ہے[4]اور وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی فرمایا وہ جنتی ہے[5] (احمد،بیہقی شعب الایمان)	

[1] شاید کہنے والے نے اس بی بی کا نام لیا ہوگا مگر راوی کو یاد نہ رہایا عمدًا نام نہ لیا تاکہ اس مؤمنہ کی رسوائی ہو۔زبان کا ذکر اس لیے کیا اکثر لوگ دوسروں کو زبانی تکلیف دیتے ہیں لڑنا بھڑنا غیبت چغلی کرنا وغیرہ زبان کا زخم سنان یعنی بھالے کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے کہ یہ مرہم سے بھرجاتا ہے مگر وہ نہیں بھرتا۔حضرت علی فرماتے ہیں

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

کسی اردو شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

چھری کا تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

[2]یعنی یہ کام دوزخیوں کے ہیں اگر یہ عبادت گزار بی بی اپنی تیز زبان سے توبہ نہ کرے گی تو اولًا دوزخ میں جاوے گی،نوافل سے لوگوں کے حق معاف نہیں ہوتے،پھر سزا بھگت کر جنت میں جاوے گی لہذا یہ حدیث اس

قانون کے خلاف نہیں کہ صحابہ تمام ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں،بعض حضرات صحابہ سے گناہ ہوئے مگر وہ قائم نہ رہے توبہ کرکے دنیا سے گئے۔

۳؎یعنی وہ نفلی نماز نفلی صدقے کم کرتی ہے فرضی نماز میں کمی مراد نہیں کہ یہ تو فسق ہے صحابہ کرام فسق سے محفوظ ہیں۔

۴؎مطلب یہ ہے کہ وہ بی بی صاحبہ مسکین غریب ہیں معمولی چیز یعنی کچھ پنیر ہی خیرات کرسکتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کی کمی مراد ہے کہ پنیر کے ٹکڑے قطرے زکوۃ وغیرہ میں خیرات نہیں کیے جاتے صرف نفلی صدقات میں دیئے جاتے ہیں۔

۵؎اس فرمان عالی سے ہم لوگوں کے کان کھل جانے چاہئیں ہم میں سے بہت لوگ اصول چھوڑکر فضول میں کوشش کرتے ہیں فرائض کی پرواہ نہیں نوافل پر زور،معاملات خراب وظیفوں چلوں کا اہتمام،دوا کے ساتھ پرہیز ضروری ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں رسول اللہ کچھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اچھوں بروں کی خبر نہ دوں ۱؎راوی نے کہا کہ حاضرین خاموشی رہے ۲؎تو یہ تین بار فرمایا۳؎تو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ہم کو ہمارے برے بھلوں کی خبر دیجئے ۴؎تو فرمایا کہ تمہارا بھلا وہ شخص ہے جس کی خیر کی ۵؎امید کی جاوے اور اس کے شر سے اطمینان کیا جاوے اور تمہارا برا وہ شخص ہے جس کی خیر کی امید نہ کی جاوے اور اس کے شر سے امن نہ ہو ۶؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور ترمذی نےفرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ۷؎	

۱؎یعنی حضور انور ایک مجلس صحابہ میں گزرے تو وہاں کھڑے ہوگئے پھر ٹھہر گئے اور پہلے لوگوں سے یہ سوال فرمایا تاکہ ترغیب بعد تعلیم ہو اور دلوں میں جم جاوے۔

۲؎یہ حضرات سمجھے کہ حضور انور ہمارے نام لے کر فرمائیں گے کہ فلاں اچھا ہے فلاں برا جس سے ہمارے پردہ فاش ہوجائیں گے اس لیے خاموشی بہتر ہے تاکہ ہمارے پردے رہیں۔

۳؎حضور انور کا منشا یہ تھا یہ حضرات خود اشتیاق ظاہر کریں تو ہم بتائیں تاکہ یہ حضرات اشتیاق کا ثواب پائیں اور ہمارا کلام بغور سنیں اس لیے بار بار سوال فرمایا اور خود ہی بیان نہ فرمادیا حضور وہ سخی ہیں جو تقاضے کرکرکے فقیروں کو بھیک دیتے ہیں۔

۴؎ ان صاحب نے محسوس فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمان عالی کی رغبت ہے اور حضور فرمانا چاہتے ہیں اس رغبت میں رب تعالٰی کی حکمت ہے لہذا عرض کیا کہ حضور ضرور فرمائیں حضور کی اس خواہش میں ہمارا بھلا ہی ہوگا۔

۵؎ یعنی قدرتی طور پر لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے اطمینان ہو کہ یہ شخص کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہوسکتا ہے تو خیر ہی کرتا ہے۔

۶؎ یعنی قدرتی طور پر لوگ اس سے ڈرتے ہوں کہ یہ شخص خطرناک ہے اس سے بچو اس سے خیر نہ پہنچے گی شر ہی پہنچے گی۔معلوم ہوا کہ لوگوں کے دل ان کی زبان رب کا قلم ہیں لہذا جسے عام طور پر لوگ ولی کہیں وہ عنداللہ ولی ہی ہے۔

۷؎ اس حدیث کو مختلف عبارتوں سے ابویعلی،احمد،ترمذی،ابن حبان،ابن عساکر وغیرہم نے مختلف صحابہ کرام سے روایت کیا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ تعالٰی نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق تقسیم فرمادیئے ۱؎ جیسے کہ تمہارے درمیان تمہاری روزی بانٹ دی اور اللہ تعالٰی دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اسے بھی جسے ناپسند فرماتا ہے ۲؎ مگر دین اس کو دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے ۳؎ تو جسے اللہ دین عطا فرمادے تو اس سے محبت کرتا ہے ۴؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بندہ مسلمان نہیں ہوتا حتی کہ اس کا دل و زبان سلامت رہے ۵؎ اور مؤمن نہیں ہوتا حتی کہ اس کا پڑوسی اس کے شر سے امن میں ہو ۶؎	

۱؎ یعنی ظاہر روزیاں جسمانی غذائیں ہیں اور اخلاق و عادات روحانی غذائیں جیسے رب تعالٰی نے جسمانی روزی میں فرق رکھا ہے کہ بعض کی روزی حلال بعض کی حرام بعض کی فراخ بعض کی تنگ،یوں ہی بعض کے اخلاق اعلٰی بعض کے خراب،اعمال احوال کا بھی یہ ہی حال ہے۔

۲؎ چنانچہ حضرت سلیمان وعثمان بڑے غنی ہیں یوں ہی فرعون،ہامان شداد بڑے مال دار ہیں دنیا ہر جگہ پہنچ سکتی ہے یہ تو حضور کے نام کی نچھاور ہے۔دولہا کی نچھاور دوست دشمن سب لوٹ لیتے ہیں،دنیا مل جانا محبوبیت کی علامت نہیں۔

۳؎ کیونکہ بارات کا کھانا،جوڑے انعام وغیرہ صرف دولہا کے دوستوں اور تعلق والوں ہی کو ملتے ہیں دین کائنات کے دولہا نبی کریم کے تعلق والے ہی پائیں گے۔دین اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔

۴؎ یعنی کسی کو اچھے عقیدے اچھے اعمال کی توفیق ملنا اس کی علامت ہے کہ رب تعالٰی اس سے محبت کرتا ہے اپنی خاص نعمت خاص غلاموں کو دی جاتی ہے۔

۵؎ یعنی مؤمن کامل وہ ہی ہوگا جس کا دل بدعقیدگیوں،حسد،کینہ سے پاک و صاف ہو،سینہ کینہ سے پاک رکھو تاکہ اس میں انوار مدینہ جلوہ گر ہوں۔بہرحال عبادت سے زیادہ اہم معاملات ہیں اللہ تعالٰی ہمارے معاملات درست کرے۔

۶؎ چونکہ پڑوسی سے ہر وقت معاملہ رہتا ہے اس لیے زیادہ تعلق اسی سے ہوتا ہے جب پڑوسی ہی راضی ہو تو دوسرے لوگ بدرجہ اولٰی راضی ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن الفت والا ہوتا ہے ۱؎ اور اس میں خیر نہیں جو نہ الفت کرے نہ اس سے الفت والا ہوتا ہے ۱؎ اور اس میں خیر نہیں جو نہ الفت کرے نہ اس سے الفت کی جاوے ۲؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ مألف مصدر میمی ہے بمعنی اسم فاعل یعنی الفت والا کہ اسے اللہ تعالٰی اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی امت سے الفت ہوتی ہے اور امت کو اسی سے الفت ہوتی ہے اس کی طرف دل خودبخود کھینچتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ **مألف** اسم ظرف ہو یعنی مؤمن الفت کی جگہ ہوتا ہے اس میں لوگوں کی الفتیں جمع ہوتی ہیں۔

۲؎ یعنی مسلمانوں سے وہ متنفر ہو اور مسلمان اس سے متنفر ہوں ایسا شخص نورِ ایمانی سے محروم ہے۔خیال رہے کہ مسلمانوں سے الفت رکھنا کچھ اور ہے لوگوں کی شر سے بچنے کے لیے علیحدہ رہنا کچھ اور ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ اپنا گھر واپس پکڑو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری کسی امتی کی حاجت پوری کرے اس سے اس کی خوشی چاہتا ہو ۱؎ تو اس نے مجھے خوش کیا ۲؎ اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا ۳؎ اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ۴؎

۱؎ یعنی اس حاجت روائی سے اس بندہ مؤمن کو خوش کرنا چاہتا ہو محض ایمانی رشتہ کی بنا پر کسی اور وجہ سے نہیں۔

۲؎ یعنی اس امتی بندے کی خوشی سے مجھے خوشی ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر شخص کے ہر ظاہر باطن جسمانی دلی حالات کی خبر ہے اگر حضور بے خبر ہوں اور مؤمن کی خوشی کا حضور کو علم نہ ہو تو آپ کو خوشی کیسے ہو۔

۳؎ اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نیک عمل سے مؤمن کو راضی کرنے اور مؤمن کی رضا کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی نیت کرنا شرک نہیں ریا نہیں بالکل جائز ہے۔جب کہ اپنی نامود اور ناموری مقصود نہ ہو۔دوسرے یہ کہ خدا تعالٰی کی رضا صرف حضور کی رضا میں ہے بڑی سے بڑی نیکی جس سے حضور راضی نہ ہوں اس سے خدا تعالٰی ہرگز راضی نہ ہوگا لہذا ہر عبادت میں حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنی چاہیے کہ یہ ذریعہ ہے رب کی رضا کا۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ جنت خدا تعالٰی کی خوش نودی سے ملے گی محض اپنے عمل سے نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی غمگیں کی مدد کرے اس کے لیے اللہ تعالٰی تہتر بخششیں لکھتا ہے ۱؎ جن میں سے ایک تو اس کے لیے تمام کاموں کی درستی ہے اور بہترین مغفرتیں اس کے قیامت کے دن درجے ہیں ۲؎

۱؎ ملھوف کے معنی ہیں غمگیں،حیران پریشان،اس میں پانچ حروف ہیں پہلے دو حرف میم اور لام ہیں جن کے عدد ہیں ستر اس کے بعد تین حرف ہیں ہ وف،پہلے دو حرفوں کے عدد اور آخری تین حرفوں کی شمار کل ۷۳ ہوئی اس حساب سے اسے تہتر رحمتیں عطا ہوتی ہیں۔

۲؎ سبحان اللہ!جب ایک مغفرت سے سارے گناہ معاف ہوگئے تو باقی بہتر مغفرتوں سے کیسی بنے گی رب تعالٰی نصیب فرمادے۔

	روایت ہے انہیں سے وہ جناب عبداللہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خلقت اللہ کی پرورده ہے ۱؎ تو مخلوق میں اللہ کو بہت پیارا وہ ہے جو اللہ کے پروردوں سے اچھا سلوک کرے ۲؎ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ عیال کے معنی پرورده بہت مناسب ہیں۔بال بچوں کو عیال اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ صاحب خانہ کے پرورده ہوتے ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى"رب تعالٰی نے تم کو بڑا ہی عیال والا پایا تو تم کو اتنا غنی کردیا کہ تم سارے جہان کو پال لو۔عائلًا کے یہ ہی معنی حضرت ابن عباس نے کیے،دیکھو بخاری شریف کتاب التفسیر یہ ہی آیت۔اللہ تعالٰی سب کا رازق ہے مخلوق اس کی مرزوق ہے لہذا اس کی عیال ہے یعنی پرورده۔

۲؎ یعنی جیسے تم اس شخص سے بہت خوش ہوتے ہو وہ تمہارے غلاموں لونڈیوں بال بچوں سے اچھا سلوک کرے کیونکہ وہ تمہارے پروردہ ہیں ایسے ہی جو کوئی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کرے اللہ اس سے خوش ہوتا ہے،دیکھو جو کوئی تمہارے بچوں نوکروں غلاموں کو کچھ دے تو تم پر قرض ہوجاتا ہے تم انتظار کرتے ہو کہ مجھے موقعہ ملے تو اس کے نوکروں کو خوش کروں،کسی بچے کی شادی میں تم نیوتا دو تووہ تمہار ا قرض ہوتا ہے رب کے بندوں کو دو تو وہ رب تعالٰی پر قرض ہوتا ہے،فرماتاہے:"مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا"۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے دو جھگڑے والے قیامت کے دن دو پڑوسی ہوں گے ۱؎ (احمد)	

۱؎ یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے پڑوسیوں کے جھگڑے چکائے جائیں گے پہلے ان کے فیصلے ہوں گے پھر دوسروں کے یہ اولیت اضافی ہے حقیقی نہیں،یعنی دوسرے جھگڑوں کے مقابلہ میں پڑوسیوں کے جھگڑے پہلے بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے۔خیال رہے کہ عبادات میں پہلے حساب نماز کا ہوگا،معاملات میں پہلے حساب خون ناحق کا ہوگا،اداءِ حقوق میں پہلے حساب پڑوسیوں کا ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے سختی دل کی شکایت کی فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ ۱؎(احمد)	

۱؎ سبحان اللہ! عجیب علاج ہے یتیموں مسکینوں پر مہربانی اللہ تعالٰی کی رحمت کا ذریعہ ہے اور اللہ کی رحمت سے دل نرم ہوتا ہے،رب فرماتاہے:"اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ"۔نرمی قلب اللہ کی بڑی رحمت ہے علاج بالضد ہوتا ہے تکبر کا علاج تواضع سے،بخل کا علاج سخاوت سے ہوتا ہے ایسے ہی سختی دل کا علاج غریبوں یتیموں پر رحم سے ہے۔

روایت ہے حضرت سراقہ ابن مالک سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو بہترین صدقہ پر رہبری نہ کروں ۲؎ تمہاری وہ بیٹی جو تم تک لوٹا دی جاوے تمہارے سواء اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو ۳؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ آپ سراقہ ابن مالک ابن جعشم ہیں،قبیلہ بنی مدلج سے،آپ کے حالات بیان کیے جاچکے ہیں۔

۲؎ یہاں صدقہ سے مراد شرعی صدقہ واجبہ نہیں وہ تو اپنی اولاد کو جائز نہیں بلکہ مراد نیکی اور کار ثواب ہے۔ اس کا بہترین نیکی ہونا اس لیے ہے کہ اس میں حق قرابۃ کا ادا کرنا بھی ہےاور بے کس کی پرورش بھی ایک عصمت والی بی بی کی حفاظت بھی۔

۳؎ یعنی تمہاری وہ بیٹی جس کا خاوند فوت ہوگیایا پاگل دیوانہ ہوگیا یا گم ہوگیا یا اس نے طلاق دے دی مگر لڑکی کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی یا اسے اچھا رشتہ ملتا نہیں اس لیے مجبورًا وہ میکے میں آگئی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا،اس کی پرورش کرنا بہترین صدقہ ہے کہ وہ اب بے آس ہوکر تمہارے سہارے پر تمہارے پاس آئی،بعض لوگ خود لڑکیوں کو اپنے گھر بٹھالیتے ہیں اسے بلاوجہ بسنے نہیں دیتے وہ یہاں مراد نہیں ایسے لوگ تو بڑے مجرم ہیں اس لیے **مردودۃ** ارشاد ہوا۔

باب الحب فی اللہ و من اللہ

اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی محبت کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ فی اللہ کا فی یا تو اپنے ہی معنی پر ہے تو سبیل پوشیدہ ہے یا بمعنی لام ہے جیسے رب فرماتاہے:"وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا"یعنی اللہ کی راہ میں محبت یعنی کسی بندے سے صرف اس لیے محبت کرے کہ رب تعالٰی اس سے راضی ہوجاوے،اس میں دنیاوی غرض ریا نہ ہو اس محبت میں ماں باپ،اولاد اہل قرابت مسلمانوں سے محبت سب ہی داخل ہیں جب کہ رضا الٰہی کے لیے ہوں۔حضرات اولیاء انبیاء سے محبت سبحان اللہ!یہ تو حب فی اللہ کا اعلٰی درجہ ہے خدا نصیب کرے۔

۲؎ محبت من اللہ سے مراد وہ محبت ہے جو رب بندے سے محبت فرماوے اور اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے جیساکہ بعض بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی آستانوں پر لوگوں کے میلے لگے رہتے ہیں لہذا ان دونوں عبارتوں میں تکرار نہیں دونوں مستقل مضمون ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روحیں مخلوط لشکر ہیں ۱؎ تو ان میں سے جو جو جان پہچان رکھتی ہیں وہ الفت کرتی ہیں اور جو اجنبی رہ چکی ہیں وہ الگ رہتی ہیں۔(بخاری)
	اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔

۱؎ یعنی انسانی روحیں بدنوں میں آنے سے پہلے آپس میں مخلوط تھیں اس طرح کہ سعید روحیں ایک گروہ تھیں اور شقی روحیں دوسرا گروہ مگر سعید آپس میں مخلوط مخلوط تھیں اور شقی آپس میں مخلوط۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے ۱؎ تو حضرت جبریل کو بلاتا ہے پھر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں ۲؎ تم اس سے محبت کرو چنانچہ جبریل اس سے محبت کرتے ہیں ۳؎ آسمان میں اعلان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی فلاں سے

	محبت کرتا ہے۴؎ تم لوگ اس سے محبت کرو ۵؎ تو اس سے آسمان والے محبت کرتے ہیں۶؎ پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے ۷؎ اور جب رب تعالٰی کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں تو تم بھی اس سے ناراض ہوجاؤ فرمایا کہ جبرئیل اس سے ناراض ہوجاتے ہیں پھر آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی فلاں سے ناراض ہے تم لوگ بھی اس سے ناراض ہوجاؤ ۸؎ فرمایا پھر وہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے نفرت رکھ دی جاتی ہے ۹؎ (مسلم)

۱؎ یعنی جب یہ روحیں بدنوں میں آگئی تو ہر روح کو اس روح سے الفت ہوگی جس کے ساتھ پہلے خلط ملط رہ چکی ہے اگرچہ دنیا میں مختلف زمانوں مختلف زمینوں میں رہیں۔

۲؎ یعنی جو روحیں وہاں عالم ارواح میں الگ الگ تھیں کہ یہ روح ایک زمرہ کی تھی وہ روح دوسرے زمرہ کی وہ بدن میں آنے کے بعد اگرچہ ایک جگہ رہیں مگر ان میں الفت نہ ہوگی نفرت ہوگی۔

ناریاں مر ناریاں را طالب اند　　　　نوریاں مر نوریاں راجاذب اند

کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ہوکر الگ رہا،بلقیس یمن میں رہتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی،ابوجہل مکہ میں رہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہا،اویس قرنی دور رہتے ہوئے حضور سے قریب ہورہے بعد دار اورقرب مزار کچھ نہیں۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ بندہ سے مراد مؤمن انسان ہے،محبت سے مراد یا تو اس کی بھلائی کا ارادہ فرمانا ہے تو یہ محبت رب کی ذاتی صفت ہے یا اس بندہ پر کرم و احسان فرمانا ہے تو یہ صفت فعل ہے لہذا حدیث ظاہر ہے اس پر علم کلام کا کوئی اعتراض نہیں۔

۴؎ چونکہ حضرت جبریل تمام فرشتوں سے افضل ہیں،نیز جبریل علیہ السلام ہی خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں اور حضرات انبیاءکرام پر وحی لانے والے اس لیے ان سے ہی یہ فرمایا جاتا ہے۔بلانے سے مراد انہیں مطلع فرمانے کے لیے ندا فرمانا ہے۔رب تعالٰی کی محبت کا سبب یا اس بندے کے نیک اعمال ہوتے ہیں یا کسی محبوب بندے کا محبوب ہونا۔

۵؎ یعنی اے آسمان کے فرشتو صرف اس لیے اس بندے سے محبت کرو کہ وہ اللہ کا پیارا ہے تاکہ تم اس سے محبت کرکے اللہ کے اور زیادہ محبوب بن جاؤ،یہ ہے **محبت فی اللہ** اور **محبت من اللہ**۔

۶؎ یعنی اس اعلان پر سارے آسمان والے اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

ے زمین سے مراد زمینی باشندے انسان ہیں یا جن و انس دونوں مگر وہ جن و انس جو اہل محبت سے ہوں جو بہ شکل انسان جانور ہیں وہ محبت نہ کریں تو نہ کریں۔چنانچہ حضرات انبیاء اولیاء،حضرات صحابہ و اہل بیت کے بہت لوگ دشمن ہیں،یہ لوگ اہل محبت اور دل والے نہیں لباس آدمی میں شیر بھیڑیئے ہیں۔(مرقات)اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل اس بندے کی طرف کھنچنے لگتے ہیں وہ دلوں کا مقناطیس بن جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا"یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔

۸ یعنی اے آسمان والو فلاں بدنصیب انسان سے اللہ تعالٰی ناراض ہے اس پر غضب کرنا چاہتا ہے تم اس سے نفرت کرواس کے لیے بددعائیں کرو۔

۹ یعنی ایسے شخص سے فرشتے نفرت کرتے ہیں اسے بددعائیں دیتے ہیں اور دل والے محبت والے انسانوں کے دلوں میں قدرتی طور پر اس سے نفرت ہوجاتی ہے اگر کچھ برے لوگ اس کی طرف مائل ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں میری عظمت کے لیے آپس میں محبت کرنے والے ۱ آج میں انہیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ۲(مسلم)	

۱ یعنی وہ مسلمان ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں جو کسی دنیاوی وجہ سے نہیں بلکہ صرف میری رضا میری خوشنودی کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے کہ میری عظمت ان کے دلوں میں تھی اس لیے مجھے راضی کرنا چاہتے تھے میرے بندوں کو راضی کرکے۔

۲ ظل کے معنی ہیں سایہ مگر کبھی اس سے مراد ہوتی ہے پناہ،امان جیسے کہا جاتا ہے کہ عادل بادشاہ ظل اللہ ہے یا بزرگوں کو لکھتے ہیں دام ظلھم،اگر یہاں سایہ کے معنی میں ہیں تو مراد ہے عرش اعظم کا سایہ کہ سایہ جسم کا ہوتا ہے رب تعالٰی جسم سے پاک ہے اور اگر مراد ہے پناہ تو ظاہر ہے۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے دوسری بستی میں ملاقات کی ۱ اللہ تعالٰی نے اس کے اوپر ایک فرشتہ مقرر کردیا ۲ وہ بولا کہاں جاتا ہے ۳ اس نے کہا کہ اس بستی میں اپنے ایک بھائی کا ارادہ کرتا ہوں وہ بولا تیرا اس پر احسان ہے جسے تو حاصل کرنا چاہتا ہے ۴ بولا نہیں بجز اس کے کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں	

	۵؎فرشتہ نے کہا کہ میں تیری طرف اللہ کا قاصد ہوں کہ اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو نے اس سے محبت کی ٦؎(مسلم)

ا؎یہاں ملاقات کرنے سے مراد ہےملاقات کے لیے جانا ملاقات کا ارادہ کرنا،بھائی سے مراد ایمانی اسلامی بھائی ہے جس کو اللہ کے لیے بھائی بنایا ہو خواہ نسبی بھائی بھی ہو یا نہیں۔

٢؎عربی میں مدارج راستہ کو بھی کہتے ہیں سیڑھی کو بھی یعنی چلنے کی جگہ یا چڑھنے کی،یہاں بمعنی راستہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی بستی یہاں سے کچھ بلندی میں ہو فرشتہ یا حضرت جبریل علیہ السلام تھے یا کوئی اور دوسرا فرشتہ جو پہلے سے وہاں مقرر کردیا گیا۔(ازمرقات)

٣؎یہ سوال بے علمی کی بناء پر نہیں بلکہ اس سے وہ جواب حاصل کرنے کے لیے ہے جو یہاں مذکور ہے اور اسے بشارت دینے کے لیے ہےتاکہ لوگ یہ دونوں باتیں سنیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے بیان فرمانا اسی مقصد کے لیے ہے۔

٤؎یعنی تو کبھی اس پر احسان کرچکا ہے جس کا عوض حاصل کرنے کے لیے جاتا ہے یا اس کا تجھ پر کچھ احسان ہے جس کا عوض دینے تو جارہا ہے۔ترب بناہے رب سے بمعنی پرورش کرنا،حاصل کرنا،اصلاح کرنا۔(اشعۃ اللمعات)

۵؎یعنی اس سے میری محبت اس لیے ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ ہےاور نیک بندوں کی محبت سے اللہ تعالٰی راضی ہوجاتا ہے بخشے ہوؤں کی ملاقات کرو کہ تم بھی بخشے جاؤ۔

اُٹھ جاگ فرید استیاتوں خلقت ویکھن جا　　　　مت کوئی بخشیا مل پوے توں بھی بخشیا جا

٦؎یعنی تیرا یہ عمل بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگیا اور تیرا مقصد حاصل ہوگیا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ کے واسطے کسی سے محبت کرنا بہترین نیکی ہے۔دوسرے یہ کہ ایسی محبت اللہ تعالٰی کی محبت کا ذریعہ ہے۔تیسرے یہ کہ صالحین کی ملاقات ان کی زیارت کے لیے جانا بہت افضل ہے۔چوتھے یہ کہ عام انسان فرشتہ کو شکل انسانی میں دیکھ سکتے ہیں۔پانچویں یہ کہ اللہ تعالٰی کبھی حضرات اولیاءاللہ کے پاس فرشتہ کے ذریعہ پیغام بھیجتا ہے یہ درجہ الہام سے اوپر ہے۔(مرقات)مگر یہ پیغام وحی نہیں کہ وحی حضرات انبیاء کے سواء کسی کو نہیں ہوتی۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرمایا کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرے اور ان سے ملا نہ ہو ا؎تو فرمایا کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے ٢؎(مسلم،بخاری)

ا؎نہ تو کبھی ان سے ملاقات کی ہو نہ ان کے لیے نیک اعمال کیے ہوں مگر ان سے دلی محبت رکھتا ہو جیسے آج ہم گندے کمینے بدکار سیاہ کار حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اخیار سے محبت کریں۔

۲؎یعنی یہ شخص قیامت میں ان محبوب نیکوں کے ساتھ ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ"۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بروں سے محبت کرنے کا انجام بھی یہ ہی ہے۔خیال رہے کہ ہر نسبت جنسیت چاہتی ہے،عشق و محبت نہ جنسیت دیکھے نہ برابری،بندہ کو اللہ سے،امتی کو رسول اللہ سے عشق ہوسکتا ہےاللہ تعالٰی نصیب کرے،خوف خدا،عشق جناب مصطفے اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ قیامت کب ہے فرمایا افسوس تجھ پر تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے ۱؎وہ بولا میں نے اس کی تیاری کوئی نہیں کی بجز اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں ۲؎فرمایا تو اسکے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہو،حضرت انس نے فرمایا کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی چیز پر ایسا خوش ہوتے نہ دیکھا جیسا کہ وہ اس سے خوش ہوئے ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ افسوس غضب کے لیے نہیں کرم کے لیے ہے جیسے حضرت ابوذر غفاری سے فرمایا علی رغم انف ابی ذر اس کلمہ کا مزہ وہ جانے جسے دل سے لگی ہو یا مقصد یہ ہے کہ تو اعمال تو کرتا نہیں صرف قیامت کے متعلق پوچھتا ہے۔

۲؎یہ صاحب بڑے متقی پرہیزگار عبادت گزار تھے مگر انہوں نے اپنے اعمال کو قیامت کی تیاری قرار نہ دیا کہ یہ سب نیکیاں تو اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ہے جو مجھے دنیا میں مل چکیں اور مل رہی ہیں آخرت کی تیاری صرف یہ ہے کہ مجھے اس برأت کے دولہا سے محبت ہے،دولہا سے تعلق اس سے محبت برأت کے کھانے والے جوڑے انعام کا مستحق بنادیتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ اللہ رسول سے محبت سائرین اور طائرین کے مقامات میں سے اعلٰی مقام ہے،ساری عبادات محبت کی فروغ ہیں مگر محبت کے ساتھ اطاعت بلکہ متابعت ضروری ہے۔برات کا کھانا صرف عمدہ لباس سے نہیں ملتا بلکہ دولہا کے تعلق سے ملتا ہے اگر رب تعالٰی سے کچھ لینا ہے تو حضور سے تعلق پیدا کرو۔

۳؎یعنی حضرات صحابہ کرام کو سب سے بڑی خوشی تو اپنے اسلام لانے پر ہوئی تھی کہ اللہ تعالٰی نے انہیں مؤمن صحابی بننے کی توفیق بخشی اس کے بعد آج یہ فرمان عالی سن کر بڑی خوشی ہوئی۔اس خوشی کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا تھے،ان میں سے بعض تو حضور کے بغیر چین نہ پاتے تھے،انہیں کھٹکا تھا کہ مدینہ منورہ میں تو ہم کو حضور کی ہمراہی نصیب ہے کہ یار نے مدینہ میں اپنا کاشانہ بنایا ہے مگر جنت میں کیا بنے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلٰی علیین سے بھی اعلٰی ہوگا ہم کسی اور درجہ میں ہوں گے،آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اٹھادیا تمام کو تسلی دے دی فرمادیا کہ جس کو مجھ سے صحیح محبت ہوگی اسے مجھ سے فراق نہ ہوگا میرے

ساتھ ہی رہے گا۔خیال رہے کہ یہاں درجہ کی ہمراہی یا برابری مراد نہیں بلکہ ایسی ہمراہی مراد ہے جیسے سلطان کے خاص خدام سلطان کے ساتھ اس کے بنگلہ میں رہتے ہیں۔سب سے بڑا خوش نصیب وہ ہے جسے کل حضور کا قرب نصیب ہوجاوے۔اس قرب کا ذریعہ حضور سے محبت ہے اور حضور کی محبت کا ذریعہ اتباع سنت،کثرت سے درود شریف کی تلاوت،حضور کے حالات طیبہ کا مطالعہ اور محبت والوں کی صحبت ہے یہ صحبت اکسیر اعظم ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھے برے ساتھی کی مثال مشک کے اٹھانے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے ۱ مشک بردار یا تمہیں کچھ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے اور یا تم اس سے اچھی خوشبو پالو گے ۲ اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلادے گا اور یا تم اس سے بدبو پاؤ گے ۳ (مسلم،بخاری)	

۱ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ مثال ہے جس کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ بروں کی صحبت فائدہ اور اچھوں کی صحبت نقصان کبھی نہیں دے سکتی،بھٹی والے سے مشک نہیں ملے گا گرمی اور دھواں ہی ملے گا،مشک والے سے نہ گرمی ملے نہ دھواں مشک یا خوشبو ہی ملے گی۔

۲ یہ ادنی نفع کا ذکر ہے مشک خرید لینا یا اس کا مفت ہی دے دینا اعلیٰ نفع ہے جس سے ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے گا اور صرف خوشبو پالینا ادنی نفع ہے۔خیال رہے کہ ابوجہل وغیرہ دشمنان رسول حضور کے پاس حاضر ہوئے ہی نہیں وہاں حاضری محبت سے حاصل ہوتی ہے۔

۳ اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ حتی الامکان بری صحبت سے بچو کہ یہ دین و دنیا برباد کردیتی ہے اور اچھی صحبت اختیار کرو کہ اس سے دین و دنیا سنبھل جاتے ہیں۔سانپ کی صحبت جان لیتی ہے،برے یار کی صحبت ایمان برباد کردیتی ہے۔

مار بد تنہا ہمیں برجاں زند   یار بد بر دین و بر ایمان زند

صوفیاء کرام کے نزدیک ساری عبادات سے افضل صحبت نیک ہے آج مسلمان نمازی،غازی،حاجی،قاضی بنتے رہتے ہیں مگر صحابی نہیں بنتے کہ صحابی صحبت نبی سے بنتے تھے وہ صحبت اب کہاں نصیب۔حضور سب کچھ دے گئے مگر صحبت ساتھ ہی لے گئے صلی اللہ علیہ وسلم۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں میں	

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا میری محبت میرے بارے میں محبت کرنے والوں اور میرے بارے میں بیٹھنے والوں ملاقات کرنے والوں اور میری راہ خرچ کرنے والوں کے لیے لازم ہوگئی ۱؎ ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میری راہ میں محبت کرنے والے ان کے لیے نور کے منبر ہیں ان پر نبی اور شہداء رشک کریں گے ۲؎

۱؎ یعنی یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان تین کاموں میں سے کوئی کام کرے اور اللہ تعالٰی اس سے محبت نہ کرے،اللہ کی راہ میں اس کے بندے سے محبت کی جائے اور خدا تعالٰی اس سے محبت نہ کرے،خدا کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف سجدہ کرو،اگر رب تعالٰی سے محبت کرنا ہو تو اس کے بندوں سے محبت کرو یہ بندے محبت الٰہی حاصل کرنے کے لیے گویا کعبہ ہیں۔

۲؎ یا تو یہاں غبطہ سے مراد ہے خوش ہونا تب تو حدیث واضح ہے کہ حضرات انبیاءکرام ان لوگوں کو اس مقام پر دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور ان لوگوں کی تعریف کریں گے۔(مرقات)اور اگر غبطہ بمعنی رشک ہی ہو تو مطلب یہ ہے کہ اگر حضرات انبیاء و شہداء کسی پر رشک کرتے تو ان پر کرتے تو یہ فرضی صورت کا ذکر ہے۔(اشعۃ اللمعات)یا یہ رشک اپنی موت کی بنا پر ہوگا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ لوگ ایسے درجے میں ہیں کہ ہماری امت میں نہیں یا یہ مقصد ہے کہ وہ حضرات اپنی امت کا حساب کرا رہے ہوں گے اور یہ لوگ آرام سے ان منبروں پر بے فکری سے آرام کررہے ہوں گے تو حضرات انبیاءکرام ان لوگوں کی بے فکری پر رشک کریں گے کہ ہم مشغول ہیں یہ فارغ البال۔بہرحال اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ یہ حضرات انبیاء کرام سے افضل ہوں گے۔(مرقات واشعہ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے بعض بندے وہ ہیں ۱؎ جو نہ تو نبی ہیں نہ شہید ان پر حضرات انبیاء شہداء قیامت کے دن رشک کریں گے ان کے قربِ الٰہی کی وجہ سے ۲؎ لوگ بولے یارسول اللہ ہمیں خبر دیں کہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا وہ وہ قوم ہے جو اللہ کے قرآن کی وجہ سے ۳؎ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں بغیر آپس کی قرابت داری کے اور بغیر آپس کی مالی لین دین کے ۴؎ تو اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے ۵؎ جب لوگ ڈریں گے یہ نہ ڈریں گے اور جب لوگ

	غمگیں ہوں گے تو یہ غمگیں نہ ہوں گے ۶ اور یہ آیت تلاوت فرمائی خبردار رہو بے شک اللہ کے ولی نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگیں ہوں گے (ابوداؤد)

۱؎ اناس جمع فرماکر یہ بتایا کہ یہ حضرات انسان ہیں اور وہ ایک دو نہیں بلکہ پوری جماعت ہے یہ اولیاء اللہ ہیں اور ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

۲؎ اس فرمان عالی کا مطلب ابھی عرض کردیا گیا کہ ان حضرات کے قربِ الٰہی کی انبیاء کرام شہداء عظام تعریف کریں گے یا ان کی بے غمی بےفکری پر رشک کریں گے۔قیامت میں گنہگاروں کو اپنی حضرات انبیاء کرام کو اپنی امت کی فکر بھی ہوگی غم بھی مگر یہ حضرات اپنے اور دوسروں کے غم و فکر سے آزاد ہوں گے اس آزادی پر حضرات انبیاء رشک کریں گے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ لوگ انبیاءکرام سے افضل ہوں، رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ"یہاں اولیاءاللہ فرمایا گیا انبیاء نہ ارشاد ہوا۔

۳؎ قوی یہ ہے کہ روح الراء کے ضمہ سے ہے بمعنی زندگی بخش چیزاور اس سے مراد قرآن کریم ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کو جاودانی زندگی بخشا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا"اس کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں یعنی قرآن مجید کی اتباع اس کے احکام کی پابندی کی وجہ سے محبت کرتے ہیں کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں۔

۴؎ یعنی ان کی اس محبت کی وجہ آپس کی قرابتداری اور مالی لین دین نہیں ہوتی،صرف اس لیے محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع فرمان ہے خواہ اپنا عزیز ہو یا اجنبی لہذا حدیث واضح ہے،اس کا یہ مطلب نہیں کہ للہ فی اللہ محبت صرف اجنبی سے ہی چاہیے اپنے عزیز و قرابت داروں سے نہ چاہیے اگرچہ وہ کیسا ہی نیک و صالح ہو،چونکہ دنیاوی محبتیں اکثر نسب اور مالی تعلق کی بنا پر ہوتی ہیں اس لیے ان ہی دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا طمع لالچ مال کی زیادتی ہوتی ہے۔

۵؎ یعنی ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے ممبروں پر ہوں گے جیسے دنیا کی مجلسوں میں معزز آدمی کو عزت کی جگہ بٹھایا جاتا ہے ایسے انہیں رب تعالٰی قیامت میں عزت کی جگہ عطا فرمائے گا تاکہ اہلِ محشر پر ان کی عظمت ظاہر ہو۔

۶؎ اس ارشاد عالی نے حضرات انبیاء کے رشک کی وجہ بیان فرمادی کہ یہ لوگ اس دن اپنی اور دوسروں کی فکروں سے آزاد ہوں گے اس بے فکری اور آزادی پر رشک کیا جاوے گا انہیں نہ اپنے بخشے جانے کی فکر کہ وہ بخش دیئے گئے نہ دوسروں کو بخشوانے کی فکر کہ وہ کسی کے ذمہ دار نہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہوگئی۔

۷؎یا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اپنے فرمان عالی کی تائید کے لیے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی حدیث کی تقویت کے لیے۔خیال رہے کہ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اگر قرآنی آیت سے قوت پائے تو صحیح ہوجاتی ہے یعنی ان لوگوں کو نہ عذاب کا خوف ہوگا نہ ثواب جاتے رہنے کا غم۔

اور اسے شرح سنہ میں حضرت ابو مالک سے روایت کیا۱؎ مصابیح کے الفاظ میں مع زیادہ کے یوں ہی شعب الایمان میں ہے۔	

۱؎آپ کا نام کعب ابن عاصم ہے،کنیت ابو مالک ہے،اشعری ہیں،صحابی ہیں،آپ سے بہت حضرات نے روایات نقل کیں،عہدِ فاروقی میں وصال ہوا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوذر سے فرمایا اے ابوذر ایمان کی گرہوں میں سے کون سی گرہ۱؎مضبوط ہے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں فرمایا اللہ کی راہ میں دوستی اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی راہ میں عداوت ۲؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎عری جمع ہے **عروۃ** کی،عروہ رسی کا وہ کنارہ جو ڈول سے بندھا ہوتا ہے اور ڈول اس سے وابستہ ہوتا ہے پھر ہر اس چیز کو عروہ کہا جانے لگا جس سے کوئی چیز پکڑی جاوے جیسے کوزہ کا دستہ وغیرہ لہذا عروہ کے معنی گرہ بہت مناسب ہے یہاں اس سے مراد ایمان کے ارکان اور مؤمنوں کے اعمال ہیں یعنی ایمان کا کون سا رکن اور مؤمن کا کون سا عمل زیادہ لائق بھروسہ ہے۔

۲؎دو طرفہ دوستی موالات ہے اور یک طرفہ دوستی حب،یوں ہی دوطرفہ عداوت معادات ہے یک طرفہ دشمنی بغض۔(مرقات)یعنی لڑائی اللہ کے لیے ہے ملاپ اللہ کے لیے یعنی جو اللہ کا مقبول ہو وہ ہمارا پیارا ہوجائے اگرچہ اجنبی ہو اور جو اللہ کا مردود ہو وہ ہمارا دشمن ہوا اگرچہ قرابت دار ہو۔حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فداء یک تن بیگانہ کاشنا باشد

رام نام کشٹے بھلے کہ ٹپ ٹپ ٹپکے چام واردی کنچن دیہہ کو کہ جس کا نا ہیں رام

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر سے فرمایا اے ابو ذر ایمان کی کون سی گرہ زیادہ مضبوط ہے۱؎ عرض کیا اللہ رسول اللہ ہی خوب جانتے ہیں، فرمایا اللہ کی راہ میں دوستی کرنا اور اللہ کی راہ میں محبت کرنا ۲؎اور اللہ کی راہ میں بغض عداوت کرنا ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی اعمال ایمانی میں کون سا عمل زیادہ قابل اعتماد ہے،یہ سوال اس لیے کیا گیا کہ سننے والوں کے دل میں شوق پیدا ہوا پھر انہیں بتایا جاوے تو انہیں اچھی طرح یاد رہے کہ شوق کے بعد جو بات معلوم ہوتی ہے وہ بہت دل نشین ہوتی ہے۔

۲؎ موالات اور محبت کا فرق ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ دو طرفہ محبت موالاۃ کہلاتی ہے اور یکطرفہ محبت حب، جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا نہیں مگر ہم کو ان سے اللہ کے لیے محبت ہے ان شاءاللہ یہ محبت بہت کام آوے گی۔(مرقات)

۳؎ اس فرمان عالی کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ"الخ یعنی سچے مؤمن اللہ کے دشمنوں سے محبت نہیں کرتے اگرچہ وہ ان کے باپ دادے یا اولاد ہوں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی یا ملاقات کرتا ہے ۱؎ تو رب تعالٰی فرماتا ہے کہ تو اچھا تیرا چلنا اچھا اور تو نے جنت میں منزل یعنی گھر بنالیا ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اوزارہ بھی حضور کا فرمان عالی ہے یعنی اس سے بیماری میں ملاقات کرے یا تندرستی میں ملے دونوں کا درجہ یہی ہے،عیادت اور زیارت میں یہ ہی فرق ہے اور ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاد فرمایا یا زار مگر پہلی بات قوی ہے۔

۲؎ جنت کی بعض زمین سفیدہ بھی ہے جس میں مؤمنوں کے اعمال کے بعد باغ یا مکانات تیار ہوتے ہیں اور بعض زمین میں تمام چیزیں پہلے ہی موجود ہیں جہاں کسی جنت میں گھر بنانے یا مکان بنانے کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس زمین میں بنانا مراد ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے خبر دیدے کہ وہ اسی سے محبت کرتا ہے ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ یہ خبر دینا خوشامد کے لیے یا جھوٹ بولنے کے طریقہ سے نہ ہو بلکہ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان شاءاللہ اسے بھی اس سے محبت ہوجاوے گی اور پھر یہ دو طرفہ محبت بہت پختہ ہوگی یا وہ اس کے لیے دعا کرے گا یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔محبت کی خبر دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔جب کہ اخلاص سے ہو اور محض اللہ کے لیے ہو دنیاوی لالچ سے نہ ہو۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا حضور انور کے پاس کچھ لوگ تھے تو آپ کے پاس والوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے بتادیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اس کے پاس جاؤ اسے بتادو ۲؎ چنانچہ وہ شخص اسکے پاس گیا اسے یہ خبر دی ۳؎ وہ بولا کہ تجھ سے وہ محبت کرے جس کی راہ میں تو نے مجھ سے محبت کی ہے ۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ پھر واپس ہوا تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ۵؎ تو اس نے حضور کو خبر دی جو اس نے کہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے ۶؎ اور تیرے لیے وہ ہے جو تم نے طلب اجر کیا ۷؎ (بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے اور اس کے لیے وہ ہے جو کمائے ۸؎

۱؎ اپنے اعمال صالحہ کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دینا سنت صحابہ ہے اس سے اعمال زیادہ قبول ہوتے ہیں۔

۲؎ کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور محبت بھی خالصًا لوجہ اللہ ہے تاکہ اس کے دل پر تمہاری اسی محبت کا اثر ہو اور وہ بھی تم سے محبت کرنے لگے اور محبت موالاۃ بن جاوے ظاہر ہے کہ موالات محبت سے قوی تر ہے۔

۳؎ یعنی اس پہلے شخص نے اس دوسرے شخص کو خبر دی حضور کے حکم پر عمل کرتے ہوئے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی نہیں استحبابی ہے کہ محبت کی خبر دینا واجب نہیں ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے وجوبی ہو۔

۴؎ سبحان اللہ!اس خبر دینے کا یہ نتیجہ ہوا یقین ہے کہ اس کے دل میں بھی اس سے محبت پیدا ہوگئی ہوگی غالبًا اس شخص نے اس دوسرے شخص کا تقویٰ عبادات اسلام پر پختگی وغیرہ دیکھ کر اس سے محبت کی تھی لہذا یہ محبت فی اللہ تھی۔

۵؎ یہ پوچھا کہ تم نے ان صاحب سے کیا کہا اور انہوں نے تم کو کیا جواب دیا،یہ پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی فرشتوں سے اپنے بندوں کے اعمال کے متعلق پوچھتا ہے حالانکہ علیم ہے خبیر ہے حضور انور کو سب کچھ خبر ہے مگر اس پوچھنے میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے صاحب بڑے پایہ کے بزرگ تھے جن کی ہمراہی ان اول صاحب کے لیے باعث برکت و رحمت تھی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ بشارت یہ فرمایا۔

۷؎ ہمراہ سے مراد دین و دنیا حتی کہ جنت میں ہمراہی ہے۔

۸؎ یعنی تم نے اس شخص سے محض اللہ واسطے محبت کی ہے اس محبت میں کوئی دنیاوی لالچ نہیں اس لیے تمہاری یہ محبت بھی عبادت ہے۔احتساب بنا ہے حسب سے جیسے اعتداد عدد سے حسب کے لفظی معنی ہیں حساب لگانا یا گمان کرنا احتساب کے معنی ہیں اجر طلب کرنا اللہ کی رضا چاہنا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہ ساتھ رہو مگر مؤمن کے ۱؎ اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) ۳؎	

۱؎ یعنی اگرچہ محب کے اعمال محبوب جیسے نہ ہوں مگر محبت کی بنا پر اللہ تعالٰی اسے محبوب سے جدا نہ کرے گا، پھول کے ساتھ گھاس بندھ جاوے تو گلدستہ میں اس کی بھی عزت ہوجاتی ہے،اگر کسی گنہگار کو حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نصیب ہوجاوے تو ان شاءاللہ حضور ہی کے ساتھ ہوا۔

۲؎ یعنی کفار و منافقین کی ہمراہی اختیار نہ کرو،مخلص مؤمنوں کی خصوصًا ان کی جو تم کواپنی صحبت میں کامل مکمل کردے،تم کو اللہ رسول کے رنگ میں رنگ دے ان کی ہمراہی ان کے ساتھ رہنا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اختیار کرو۔

۳؎ یہ فرمان بہت جامع ہے یعنی روزی حلال کماؤ تاکہ نیک لوگوں کے لائق بنو اور کوشش کرو کہ تمہاری روزی کفار و فساق منافقین نہ کھائیں اللہ کے مقبول بندے کھائیں،جو کھا کر نماز پڑھیں عبادات کریں اور انکے ثواب میں تمہارا بھی حصہ ہو تم کو دعائیں دیں تو تمہارا بھلا ہوجائے،اس کا کھانا دانہ کی وجہ سے انہیں تم سے محبت،الفت ہوجاوے،یہ الفت خدا رسی کا ذریعہ بنے کھانے میں کپڑا اور دوسرے خرچ بھی داخل ہیں۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے"وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا"اب تو مسلمانوں کی کمائی میراثی،بھانڈ،قوال کھاتے ہیں یا پھر حاکم حکیم وکیلوں کے ہاتھ لگتی ہے اللہ تعالٰی نیک توفیق دے،اس حدیث کو ہمارے لیے مشعل راہ بنائے،ہماری کمائی میں علماء صالحین طلباء کا حصہ ہو، حج و زیارت میں خرچ ہو،ایسی جگہ خرچ ہو جہاں خرچ سے اللہ رسول خوش ہوجاویں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے ۱؎ تو ہر ایک سوچ لے کہ کس سے محبت کرتا ہے ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)اور ترمذی	

	نے فرمایا حدیث حسن غریب ہے،نووی نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے ۳؎

۱؎ دین سے مراد یا تو ملت و مذہب ہے یا سیرت و اخلاق،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی عمومًا انسان اپنے دوست کی سیرت و اخلاق اختیار کرلیتا ہے کبھی اس کا مذہب بھی اختیار کرلیتا ہے لہذا اچھوں سے دوستی رکھو تاکہ تم بھی اچھے بن جاؤ۔صوفیاء فرماتے ہیں لاتصاحب الا مطیعا ولا تخالل الا تقیا نہ ساتھ رہو مگر اللہ رسول کی فرمانبرداری کرنے والے کے نہ دوستی کرو مگر متقی سے۔

۲؎ یعنی کسی سے دوستانہ کرنے سے پہلے اسے جانچ لو کہ اللہ رسول کا مطیع ہے یا نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانی طبیعت میں اخذ یعنی لے لینے کی خاصیت ہے،حریص کی صحبت سے حرص،زاہد کی صحبت سے زہد و تقویٰ ملے گا۔خیال رہے کہ خلت دلی دوستی کو کہتے ہیں جس سے محبت دل میں داخل ہوجاوے۔یہ ذکر دوستی و محبت کا ہے کسی فاسق و فاجر کو اپنے پاس بٹھا کر متقی بنا دینا تبلیغ ہے،حضور انور نے گنہگاروں کو اپنے پاس بلاکر متقیوں کا سردار بنادیا۔

۳؎ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں جیسے حافظ سراج الدین قزوینی، حافظ ابن حجر نے قزوینی کا بہت رد کیا اور حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت یزید ابن نعامہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ کرے ۲؎ تو اس سے اس کا نام اس کے باپ کا نام پوچھ لے اور یہ کہ وہ کس قبیلہ سے ہے کہ یہ تحقیقات دوستی کو مضبوطی دینے والی ہے ۳؎(ترمذی)

۱؎ یہ جنگ حنین میں مشرکوں کے ساتھ تھے بعد میں اسلام لائے ان کی صحابیت میں اختلاف ہے ۔جامع اصول میں انہیں صحابی کہا،ابو حاتم نے کہا کہ بصری ہیں اور تابعی ہیں۔(اشعہ)ممکن ہے انہوں نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے بحالت کفر سنی ہواور مسلمان ہوجانے کے بعد روایت کی ہو کہ ایسی روایت معتبر ہے۔(مرقات)اور اگر تابعی ہو تو تابعی کی مرسل حدیث صحیح ہے جب کہ وہ ثقہ ہوں۔

۲؎ یعنی اسے دینی بھائی بنائے اس سے میل جول پیدا کرنا چاہیے۔

۳؎ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو عالی خاندان سمجھ کر اس سے محبت کی بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو نفرت ہوگئی اس لیے پہلے سے ہی سارے انتظامات کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۱؎ فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کون سا عمل اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہے ۲؎ کسی کہنے والے نے کہا کہ نماز اور زکوۃ اور کسی کہنے والے نے کہا جہاد ۳؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کو بہت پیارا عمل اللہ کی راہ میں محبت اور اللہ کی راہ میں عداوت ہے ۴؎(احمد)اور ابوداؤد نے آخری حصہ روایت کیا ۵؎	

۱؎ اس طرح کہ ہم لوگ مسجد مبارک میں تھے حضور انور حجرہ مقدسہ میں،اچانک حجرہ اقدس سے مسجد میں ہمارے پاس تشریف لائے۔(مرقات)غالبًا یہ تشریف آوری نماز کے لیے نہ تھی بلکہ ان حضرات کو شرف ملاقات بخشنے کے لیے اس لیے علینا فرمایا۔

۲؎ احب فرمایا افضل نہ فرمایا اس لیے کہ افضلیت لازم نہیں،دیکھو حضرت علی مرتضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین ہیں مگر حضرات شیخین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔(مرقات)اس بنا پر حدیث شریف بالکل واضح ہے۔

۳؎ ان حضرات نے افضلیت اور احبیت میں فرق نہ فرمایا،چونکہ نماز یا زکوۃ یا جہاد افضل اعمال ہیں اس لیے ان لوگوں نے یہ جواب دیا یہاں واؤبمعنی او ہے۔خیال رہے کہ عمومًا نماز تمام اعمال سے افضل ہے بعض ہنگامی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہوتا ہے۔

۴؎ حقیقت یہ ہے کہ نماز،زکوۃ،جہاد بھی الحب فی اللہ کی شاخیں ہیں کہ مسلمان ان اعمال سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے اور تمام گناہوں سے نفرت البغض فی اللہ کی شاخیں ہیں کہ مؤمن تمام گناہوں سے اللہ تعالٰی کے لیے نفرت کرتا ہے،یوں ہی نمازیوں عابدوں سے محبت اللہ کے لیے ہے کفار اور فساق سے نفرت اللہ کے لیے،نیز کل قیامت میں جس عمل پر حضرات انبیاء و شہداء غبطہ کریں گے وہ یہ ہی اللہ کے لیے محبت اللہ کے لیے عداوت ہے لہذا اس عمل کا محبوب ترین ہونا بالکل درست دوسری عبادات اگرچہ افضل ہوں مگر یہ عمل ان عبادات کا ذریعہ ہے لہذا یہ رب تعالٰی کو بڑا پیارا ہے۔

۵؎ یعنی انہوں نے حضور انور کا تشریف لانا یہ سوال فرمانا حضرات صحابہ کا مذکورہ جواب دینا اس کا ذکر نہ کیا احب الاعمال سے روایت فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بندہ کسی بندے سے اللہ کے لیے نہیں محبت کرتا مگر وہ اپنے رب عزوجل کا احترام کرتا ہے ا(احمد)

اسبحان اللہ!بہت ایمان افروز فرمان ہے اللہ تعالٰی کے مقبولوں سے محبت ان کی تعظیم رضا الٰہی کے لیے ہو تو وہ رب تعالٰی کی تعظیم و احترام ہے براہ راست اللہ تعالٰی سے محبت بہت مشکل ہے،اس کریم سے محبت کرنا ہو تو اس کے مقبولوں سے محبت کرو جیسے براہ راست اللہ تعالٰی کو سجدہ ناممکن ہے اللہ کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ معظّمہ کی طرف کرو یہ حضرات محبت الٰہی کا کعبہ ہیں۔اعلٰی حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا

حی وباقی جس کی کرتا ہے ثناء مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا اس پیارے سے محبت کیجئے

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کیا میں تمہیں بہترین مسلمان کی خبر نہ دوں اصحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا تم میں بہترین وہ ہیں کہ جو جب دیکھے جائیں تو خدا یاد آجائے ۲(ابن ماجہ)

ا سبحان اللہ!یہ حضور کی سخا کے جلوے ہیں کبھی فقیر داتا سے سوال کرتے ہیں اور کبھی داتا خود فقیر سے اس کی حاجت پوچھ پوچھ کر حاجت روائی فرماتے ہیں۔اس فرمان عالی کی ضرورت تو لوگوں کو ہے مگر وہ ہماری ضرورتوں سے بھی خبردار ہیں۔خیار جمع ہے خیر کی بمعنی افضل و بہترین اور رب تعالٰی کو زیادہ پیارے۔

۲اس فرمان عالی کی شرح باب حفظ اللسان کی تیسری فصل کے آخر میں کردی گئی بعض لوگوں کے چہروں پر انوار ربانی تجلیات رحمانی ظاہر ہوتی ہیں ان کے اعمال و افعال سنت کے مطابق ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر مؤمنوں کے ایمان تازہ ہوجاتے ہیں،فقیر کے دادا پیر حضور اشرفی میاں جیلانی قدس سرہ بالکل ہم شکل حضور غوث الثقلین تھے جہاں بیٹھ جاتے تھے مسلم وغیر مسلم زائرین کا ہجوم لگ جاتا تھا،بہت لوگ انہیں دیکھ کر ہی مسلمان ہوگئے،یہ ہے اس حدیث کی جیتی جاگتی تفسیر،بعض بزرگوں کے پاس بیٹھ کر قلب جاری ہوجاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر دو شخص اللہ عزجل کی راہ میں محبت کریں اور ان میں سے ایک مشرق میں ہو دوسرا مغرب میں تو اللہ تعالٰی انہیں قیامت کے دن جمع فرمادے گا فرمائے گا ایہ وہ ہے جس سے تو میری راہ میں محبت کرتا تھا۲

۱؎ہم مہجورین مشرق میں ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب میں اللہ تعالٰی حضور کا عشق دے تو ان شاءاللہ جنت بلکہ قیامت میں بھی حضور کا قرب نصیب ہوگا،آخرت کا قرب و بعد دنیا کے قلبی قرب وبعد کا نتیجہ ہوگا دعا ہے کہ مولی۔شعر

زمانہ کی خوبی زمانہ کو دے مجھے تیرے پیارے کا در چاہیے

بعض بدنصیب مدینہ میں رہ کر حضور سے دور ہیں بعض خوش نصیب مدینہ سے دور رہ کر بھی در حضور میں ہیں۔

۲؎یہ ان محب و محبوبین کو قیامت اور جنت میں جمع فرمادینا اتفاقًا نہ ہوگا بلکہ یہ بتاکر جتاکر ہوگا کہ یہ قرب تیری اس محبت کا نتیجہ ہے۔معلوم ہوا کہ سارے اعمال سے زیادہ پیارا عمل محبوبوں سے محبت ہے کہ یہ ان کے قرب کا ذریعہ ہے۔خیال رہے کہ حضور سے محبت کی علامت یہ ہے کہ ان کے احکام،ان کے اعمال،ان کی سنتوں سے،ان کے قرآن،ان کے فرمان،ان کے مدینہ کی خاک سے محبت ہو،بے نماز بے روزہ بھنگی چرسی دعویٰ عشق رسول کریں جھوٹے ہیں محبت کی علامت اطاعت ہے۔

روایت ہے حضرت ابو رزین سے ۱؎ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس چیز کی اصل پر رہبری نہ کروں ۲؎جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی پالو تم ذکر والوں کی مجلس اختیار کرو ۳؎اور جب تم تنہائی میں ہو تو جہاں تک کرسکو اپنی زبان اللہ کے ذکر میں ہلاتے رہو ۴؎اور اللہ کی راہ میں محبت کرو اور اللہ کی راہ میں عداوت کرو ۵؎اے ابورزین کیا تمہیں خبر ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر سے اپنی بھائی کی ملاقات کے لیے نکلتا ہے تو اسے ستر ہزار فرشتے پہنچاتے ہیں ۶؎وہ تمام اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الٰہی اس نے تیری راہ میں جوڑا ہے تو اسے جوڑ دے ۷؎تو اگر کرسکو کہ اپنے جسم کو اس میں مشغول کرو تو ضرور کرو ۸؎	

۱؎آپ کا نام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے،عقیلی ہیں،طائف کے رہنے والے تھے،مشہور صحابی ہیں،آپ سے حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ حضرات نے روایات لیں۔(مرقات،اکمال)

۲؎ملاک میم کے کسرہ سے وہ چیز جس پر کوئی چیز قائم ہو جیسے دل کہ اس پر جسم قائم ہے،اس کا ترجمہ اصل بہت مناسب ہے۔ھذا الامر سے مراد دین ہے یا دین و دنیا کی تمام خوبیاں دوسرے معنی یہاں زیادہ ظاہر ہیں جیساکہ الذی تصیب بہ الخ سے معلوم ہورہا ہے یعنی اے صحابہ! کیا ہم تم کو دین دنیا کی تمام خوبیوں کی اصل سب کی جڑ نہ بتادیں۔

۳؎اس سے مراد علماء دین اولیاء کاملین صالحین و اصلین کی مجلسیں ہیں کیونکہ یہ مجلسیں جنت کے باغات ہیں جیساکہ دوسری حدیث شریف میں ہے یہ مجلسیں خواہ مدرسے ہوں یا درس قرآن و حدیث کی مجلسیں یا حضرات صوفیاء کرام کی ذکر کی محفلیں یہ فرمان بہت جامع ہے جس مجلس میں اللہ کا خوف حضور کا عشق اور اطاعت رسول کا شوق پیدا ہو وہ مجلس اکسیر ہے۔

۴؎ سبحان اللہ!انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: خلوت،جلوت اس فرمان عالی میں دونوں کی اصلاح فرمادی گئی۔جلوت ہو تو اللہ والوں کی صحبت میں،خلوت ہو تو اللہ تعالٰی کے ذکر میں۔بعض مشائخ نے اس فرمان عالی سے دلیل پکڑی کہ ذکر خفی افضل ہے ذکر جلی سے،بعض نے فرمایا کہ ذکر لسانی افضل ہے ذکر جنانی یا پاس انفاس سے کیوں کہ یہاں زبان ہلانے کا حکم دیا مگر انسان بھی مختلف ہیں حالات بھی مختلف،بعض حالات میں ذکر جلی افضل بعض وقت ذکر خفی افضل کون کہہ سکتا ہے کہ اذان اور حج کا تلبیہ،نماز جہر کی قراءت آہستہ کہی جائیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ نماز تہجد اور نماز خفی میں قراءت جہر سے کی جاوے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ذکر وہ بہتر ہے کہ ذاکر ذکر میں فنا ہو اور مذکور سے باقی ہو "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ"سب کچھ بھول کر اپنے سے بھی غافل ہوکر رب کو یاد کرو۔ذکر جہری و خفی کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو،یہاں مرقات کا مطالعہ کرو۔

۵؎جو تمہیں اللہ کے ذکر پر مدد دے اس سے اللہ کے لیے محبت کرو اگرچہ وہ اجنبی ہو اور جو تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل کردے اس سے اللہ کے لیے نفرت کرو اگرچہ تمہارا عزیز ہو۔

۶؎یعنی اسے اس شخص کے گھر تک پہنچاتے ہیں یہ پہنچانا عزت افزائی کے لیے ہوتا ہے اور یہ پہنچانا دعا خیر کے ساتھ ہوتا ہے کہ اسے دعائیں دیتے جاتے اور ساتھ چلتے جاتے ہیں۔سبحان اللہ! ممکن ہے کہ اس میں صالحین کی قبور کی زیارت بھی داخل ہو کہ وہ بھی محض اللہ کے لیے کی جاتی ہے۔

۷؎یعنی اس شخص نے تیری راہ میں اس سے رشتہ محبت جوڑا ہے تو اس کا اپنے رشتہ بندگی رشتہ اطاعت جوڑ لے کہ اسے اپنا خاص بندہ بنالے۔

۸؎یعنی یہ عمل تھوڑا ہے مگر اس کے فائدے بہت لہذا اسے ہمیشہ کیا کرو۔بعض حضرات جب کسی مقبول بندے سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو باوضو اور ذکر الٰہی کرتے جاتے ہیں،یہاں مرقات نے بروایت ابویعلی حضرت عائشہ سے مرفوعًا روایت کی کہ ایسا خفی ذکر جلی ذکر سے ستر درجہ افضل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں یاقوت کے کچھ ستون ہیں جن پر زبرجد کے بالا خانہ ہیں۱؎ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ایسے چمکتے ہیں جیسے روشن تارہ چمکتا ہے،صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)ان

	میں کون رہے گا فرمایا اللہ کی راہ میں محبت کرنے والے ۲؎ اللہ کی راہ میں مل بیٹھنے والے،اللہ کی راہ میں ملاقاتیں کرنے والے۳؎ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

۱؎ سبحان اللہ!ستون یاقوت کے اور بالا خانے زبرجد کے بہت ہی شاندار ہوئے۔**غرف** جمع ہے **غرفه** کی بمعنی بالاخانہ کھڑکی کو غرفہ کہنا مجازًا ہے کہ اکثر وہ بھی بالاخانہ میں ہوتی ہے۔

۲؎ یہ جگہ تو صرف محبت فی سبیل اللہ کی جزا ہے اس محبت فی سبیل اللہ سے جو اچھے نتیجے نکلتے ہیں ان کے ثواب علیحدہ ہیں۔

۳؎ یعنی ان تینوں کاموں میں سے ایک کام کرنے والے یا تینوں کام کرنے والے۔

باب ما ینهی عنہ من التهاجر و التقاطع و اتباع العورات

اس کا بیان کہ مسلمانوں کو چھوڑے رکھنا ان کا بائیکاٹ کرنا۱ چھپے عیوب کی تلاش ممنوع ہے۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تہاجر بنا ہے ھجر سے بمعنی چھوڑ دینا،تقاطع بنا ہے قطع سے بمعنی کاٹ دینا،اگر تہاجر کاٹ دینے کے معنی میں ہے تو والتقاطع کا عطف تفسیری ہے اور اگر الگ معنی میں ہے تو تہاجر خاص ہے اور تقاطع عام یعنی مسلمان بھائی سے تعلق چھوڑ دینا اور رشتہ داروں سے رشتہ کاٹ دینا۔

۲؎ اتباع کے معنی ہیں پیچھے پڑ جانا یہاں مرادہے تلاش میں لگے رہنا،عورت وہ چیز جس کا اظہار ناپسند ہو۔یہاں مراد ہے لوگوں کے چھپے عیوب یعنی مسلمانوں کے چھپے عیوب کی تلاش کرنا تاکہ انہیں ظاہر کرکے بدنام کیا جاوے یہ حرام ہے،چونکہ اس عیب جوئی سے بھی لوگوں میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اس لیے ان دونوں کو ایک باب میں بیان کیا۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص کو یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین شب سے زیادہ چھوڑے رہے کہ جب دونوں ملیں تو یہ اس سے وہ اس سے منہ پھیرلے۱ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے ۲(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں چھوڑنے سے مراد دنیاوی رنجشوں کی وجہ سے ترک تعلق کرنا ہے،چونکہ تین دن کے عرصہ میں نفس کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس لیے تین دن کی قید لگائی گئی۔بدمذہب بے دین سے دائمی بائیکاٹ کرنا یا تعلیم و تربیت کے لیے ترک تعلق کرنا زیادہ کا بھی جائز ہے۔حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب ابن مالک،بلال ابن امیہ،مرارہ ابن لوی رضی اللہ عنہم اجمعین کا پچاس دن رکھا،یہ بائیکاٹ ہجران نہ تھا بلکہ تعلیم تھی لہذا یہ حدیث حضرت کعب کی حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی اگر دنیاوی معاملات میں دو مسلمان لڑ پڑیں پھر ملیں تو بہتر وہ ہوگا جو اس کی ابتداء کرے۔یہاں کشیدگی دورکردینے کی ہدایت ہے کسی خطرناک آدمی سے محتاط رہنا اس کے خلاف نہیں۔تہاجر اور چیز ہے احتیاط دوسری چیز۔ابتداء بالسلام کرنے والے کواس لیے خیر فرمایا کہ وہ تواضع کرتا ہے اللہ کے لیے وہ ہی ہجران دور کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے کو بدگمانی سے بچاؤ۱؎ کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے ۲؎اور نہ تو عیب جوئی کرو نہ کسی کی باتیں خفیہ سنو ۳؎اور نہ بخش کرو اور نہ ایک دوسرے سے حسد و بغض کرو۴؎نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہوجاؤ ۵؎اور ایک روایت میں ہے اور نہ نفسانیت کرو ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں ظن سے مراد مجتہدین علماء کا قیاس نہیں بلکہ بلا دلیل بلا ثبوت مسلمان بھائی کے متعلق بدگمانی کرلینا ہے کہ خواہ مخواہ کسی کو اپنا دشمن سمجھ لینا،اس کے ہر قول ہر کام کو اپنی دشمنی قرار دے دینا یہ برا ہے کہ یہ لڑائی فساد کی جڑ ہے،بعض عورتوں کو بلاوجہ شبہ ہوتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر جادو کرایا ہے اگرگھر میں کسی کو اتفاقًا بخار آگیا یا جانور نے دودھ کم دیا تو اپنے پڑوسیوں پر جادو تعویذ گنڈے کی بدگمانی کرکے دل میں گرہ رکھ لی یہ ممنوع ہے۔

۲؎کیونکہ ایسی بدگمانیاں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطان بڑا جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ بھی بڑے ہی ہوتے ہیں،قرآن کریم فرماتاہے:"اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ"وہ آیت کریمہ اس حدیث پاک کی تاکید کرتی ہے۔

۳؎ **تحس** ح سے کسی کی باتیں خفیہ طور پر سننا کہ اسے خبر نہ ہو۔**تجسّس** جیم سے کسی کے خفیہ عیب کی تلاش میں رہنا حس اور جس میں اور بھی چند طرح فرق کیا گیا ہے۔غرضکہ کسی کی ہر بات پر کان لگائے رہنا،کسی کے ہر کام کی تلاش میں رہنا کہ کوئی برائی ملے تو میں اسے بدنام کردوں دونوں حرام ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ مبارک ہو کہ جسے اپنے عیبوں کی تلاش دوسروں کی عیب جوئی سے باز رکھے۔(مرقات)یعنی وہ اپنے عیب ڈھونڈنے میں ان سے توبہ کرنے میں ایسا مشغول ہو کہ اسے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کا وقت ہی نہ ملے۔

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

۴؎ **تناجش** بنا ہے **نجش** سے،**نجش** کے چند معنی ہیں: دوسروں پر اپنی بڑائی چاہنا،دھوکا دینا،نیلام میں قیمت بڑھا دینا خریدنے کی نیت نہ ہو یہ سب حرام ہے۔حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت کا زوال اپنے لیے اس کا حصول چاہنا کہ اس کے پاس نہ رہے میرے پاس آجائے یہ حرام ہے،شیطان کو حسد نے ہی مارا بغض دل میں کینہ رکھنا۔

۵؎یعنی بدگمانی،حسد،بغض وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن سے محبت ٹوٹتی ہے اور اسلامی بھائی چارہ محبت چاہتا ہے لہذا یہ عیوب چھوڑو تاکہ بھائی بھائی بن جاؤ۔

۶؎ **تنافس** کے بہت معنی ہیں: رغبت کرنا،لالچ کرنا،نفسانیت سے فساد پھیلانا یہاں بمعنی نفسانیت و فساد ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعرات کے دن جنت کے دروازے

کھولے جاتے ہیں ۱؎ تو ہر اس بندے کی بخشش کردی جاتی ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ جانے سواء اس شخص کے جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو ۲؎ تو کہا جاتا ہے کہ انہیں مہلت دو حتی کہ آپس میں صلح کرلیں ۳؎ (مسلم) ۴؎	

۱؎ چونکہ جنت کے طبقے بہت ہیں ہر طبقہ کا علیحدہ دروازہ ہے اس لیے ابواب جمع فرمایا گیا یا خود جنت ہی کے بہت دروازے ہیں جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔جنت کے بعض دروازے وہ ہیں جو سال بھر تک ہر دو شنبہ و جمعہ کو کھلتے ہیں،بعض دروازے وہ ہیں جو ماہ رمضان میں کھلتے ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہر رمضان میں دو دروازے کھلتے ہیں یہ دروازے کھلنا عام رحمت و مغفرت کے لیے ہیں۔

۲؎ لایشرك باللّٰه سے مراد ہے مؤمن ہونا ورنہ جو مشرک نہ ہو مگر ہو کافر وہ بھی نہ بخشا جاوے گا،عداوت سے مراد دنیاوی دشمنی ہے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں کی مغفرت صلح پر موقو ف ہے جب کہ ان میں سے کسی نے صلح کی کوشش نہ کی لیکن اگر ایک نے تو صلح کی کوشش کی مگر دوسرا راضی نہ ہوا ہو تو اس دوسرے کو نہ بخشا جاوے گا اس میں تمام وہ قیود یاد رکھو جو ابھی پہلے عرض کی جاچکی ہیں۔

۴؎ یہ حدیث بخاری نے اپنی کتاب ادب المفرد میں اور ابوداؤد ترمذی نے بھی ان ہی سے روایت فرمائی۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں کے اعمال ہر ہفتہ میں دوبار پیش کیے جاتے ہیں ۱؎ پیر کے دن اور جمعرات کے دن تو ہر بندہ مؤمن کی بخشش کردی جاتی ہے سواء اس بندے کے جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت ہو کہا جاتا ہے کہ انہیں چھوڑو حتی کہ رجوع کرلیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ ناس سے مراد مسلمان ہیں اور جمعہ سے مراد ہفتہ ہے۔مرتین فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ایک دن میں دوبار پیشی نہیں ہوتی بلکہ ہر دن میں ایک بار یہ پیشی بارگاہِ الٰہی میں ہوتی ہے یا اس فرشتے کے سامنے جو لوگوں کے اعمال کا محافظ بنایا گیا ہے،پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ بارگاہ الٰہی میں پیشی ہوتی ہے۔(مرقات)

۲؎ یفیئا بنا ہے فیئٌ سے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمْرِ اللہِ"۔یہ ضرب کا مضارع تثنیہ ہے۔خیال رہے کہ لوگوں کے اعمال جمعہ کے دن حضرات انبیاءکرام بلکہ ماں باپ پر بھی پیش کیے جاتے

ہیں،وہ حضرات ہماری نیکیاں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں گناہ دیکھ کر رنجیدہ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے اپنے مرے ہوئے ماں باپ کو نہ ستاؤ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ نہ دو اس کا یہ مطلب ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرادے ۲؎ بات بھلی کہے اور بھلی بات پہنچائے ۳؎(مسلم،بخاری)مسلم نے یہ زیادتی کی کہ فرماتی ہیں میں نے انہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سنا کہ آپ لوگ جو جھوٹ بولتے ہیں ان میں سے کسی چیز کی اجازت دیتے ہوں سوا تین جھوٹ کے ۴؎ جنگ ۵؎ لوگوں کے درمیان صلح اور مرد کی اپنی بیوی سے بات اور بیوی کی اپنی خاوند سے بات ۶؎

۱؎ ام کلثوم صحابیہ ہیں،انہوں نے ہجرت سے پہلے کسی سے نکاح نہیں کیا بعد ہجرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا،ان کا باپ عقبہ ابن ابی معیط مشہور کافر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت تر دشمن تھا۔(اشعہ)ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہیں جو حضرت عثمان کی زوجہ ہیں اور ام کلثوم بنت علی جو حضرت فاطمہ زہرا کے شکم سے ہیں اور یہ حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔

۲؎ یعنی جن مسلمانوں میں آپس میں لڑائی ہو ان میں جھوٹ بول کر صلح کرادے کہ ہر ایک تک دوسرے کی دل خوش کن بات گھڑ کر سنادے کہ وہ تمہاری بڑی تعریف کرتا تھا تم سے مل جانے کا خواہش مند ہے وغیرہ وغیرہ۔

۳؎ پہلی بات سے مراد دل خوش کن اور دل پسند بات ہے۔بھلی فرما کر اشارۃً بتایا کہ جھوٹ ہے مگر برا نہیں بلکہ اچھا ہے اس پر ثواب ہے۔خیال رہے کہ بعض سچ کفر ہوجاتے ہیں اور بعض جھوٹ ایمان وعرفان کا رکن بن جاتے ہیں بے گناہ کا اپنے آپ کو گنہگار کہنا ہے تو جھوٹ مگر رب کو مقبول ہے پسند ہے،شیطان نے سچ ہی کہا تھا کہ "خَلَقْتَنِیْ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ" مگر اس سچ پر ہی مردود ہوا۔بہرحال یہ حدیث بہت ہی جامع ہے،جھوٹ سے مراد ہے خلاف واقعہ۔

۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین موقعہ پر خلاف واقعہ بات کہہ دینے کی اجازت دی کہ ان کا انجام بہت اچھا ہے۔

۵؎ یعنی جہاد میں اگر مسلمان کمزور ہوں کفار قوی پھر مسلمان کہیں کہ ہم بڑے طاقتور ہیں تم کو فنا کردیں گے ہمارے پاس سامان جنگ بہت ہے جس سے کفار کا حوصلہ پست ہو بالکل جائز ہے کہ یہ اگرچہ ہے تو جھوٹ مگر ہے جنگی تدبیر۔

۶؎ اس طرح کہ زوجین میں سے کوئی دوسرے سے اپنی بہت محبت ظاہر کرے حالانکہ اسے اتنی محبت نہ ہو یا اپنی بیوی سے زیور کا وعدہ کرے مگر بنوا نہ سکے یہ سب اگرچہ ہے جھوٹ مگر ہے جائز کہ اس میں معاشرے کی اصلاح ہے۔

حضرت جابر کی حدیث کہ شیطان مایوس ہوچکا باب الوسوسہ میں ذکر کردی گئی ا؎	

ا؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی ہم نے مناسبت کا خیال کرتے ہوئے اس جگہ بیان کردی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین مقامات کے سواء کہیں جھوٹ جائز نہیں خاوند کا اپنی بیوی سے جھوٹ بولنا تاکہ اسے راضی کرے اور جھوٹ بولنا جنگ میں ا؎ اور جھوٹ بولنا تاکہ لوگوں کے درمیان صلح کرائے ۲؎ (احمد،ترمذی)	

ا؎ یعنی کفار سے جنگ کرتے ہوئے،مسلمان سے تو جنگ کرنا ہی حرام ہے چہ جائیکہ اس سے جھوٹ بولنا۔دوسری حدیث میں ہے **الحرب خدعة** جنگ تدبیر اور چال کا نام ہے۔

۲؎ اس طرح کہ مسلمانوں میں مالی جائیدادی وغیرہ جھگڑے دور کردے اگرچہ جھوٹ کے ذریعہ سے کرے یہ جھوٹ درحقیقت جھوٹ نہیں بلکہ اصلاح ہے۔معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں صلح کرانا ایسا ضروری ہے کہ اس کے لیے جھوٹ کی اجازت دی گئی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑے ا؎ تو جب اس سے ملے تو اسے تین بار سلام کرے ۲؎ ہر بار میں وہ دوسرا اسے جواب نہ دے تو وہ اس کا گناہ لے کر لوٹا ۳؎ (ابوداؤد)	

ا؎ یعنی بہتر تو یہ ہے کہ تین دن کے لیے بھی نہ چھوڑے لیکن تین دن کے بعد چھوڑے رکھنا تو گناہ ہے اس کی وہ تمام قیدیں خیال میں رہیں جو پہلے بیان ہوئیں۔

۲؎ اگر پہلی بار میں جواب نہ دے تو دوبارہ کرے،اگر دوبار میں بھی جواب نہ دے تو تیسری بار کرے،اگر تیسری بار میں بھی جواب نہ دے تو چوتھی بار نہ کرے کہ تین بار اس سلام کی حد ہے۔یہ سلام مصالحت ہے نہ کہ سلام ملاقات کیونکہ ملاقات کا سلام ایک بار ہوتا ہے،سلام بہت قسم کا ہے اور اس کے الگ الگ احکام۔

۳؎ باثمه کی ضمیر میں دو احتمال ہیں یا تو یہ سلام کرنے والے کی طرف لوٹ رہی ہے یا اسے رد نہ کرنے والے کی طرف یعنی اگر تین سلاموں کا جواب نہ دیا تو تین دن تک غصہ رہنے کا گناہ جو دونوں کو ہونا تھا اب دوسرے کا گناہ بھی اس پر پڑے گا یا اس چھوڑے رہنے کا گناہ اب صرف اس پر ہوگا وہ سلام کرنے والا گناہ سے بری ہوگیا یا جواب نہ دینے کا گناہ اس پر ہوگا کیونکہ سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔خیال رہے کہ ہر سلام کا جواب دینا فرض نہیں بلکہ مسلمان کے سلام تحیت کا جواب دینا فرض ہے،تحیت کے علاوہ دوسرے سلاموں کا جواب دینا فرض نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا"۔اس آیت میں سلام علیکم نہ فرمایابلکہ حییتم ارشاد ہوا اسی حکمت کی بنا پر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلم کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے تو جو تین دن سے زیادہ چھوڑے ا؎ پھر مرجاوے تو آگ میں داخل ہوگا ۲؎(احمد،ابوداؤد)	

ا؎ زیادہ سے مراد یا تو ایک ساعت کی زیادتی ہے یا چوتھے دن کی زیادتی یعنی اگر چار دن چھوڑے رہا یا تین سے ایک ساعت زیادہ چھوڑا۔(مرقات)

۲؎ یعنی ہجران کی سزا کا مستحق ہوگا،مسلمان بھائی سے عداوت دنیاوی آگ،حسد،بغض کینہ یہ سب مختلف قسم کی آگ ہیں اور آخرت میں اس کی سزا وہ بھی آگ ہی ہے رب چاہے تو بخش دے چاہے تو سزا دے دے۔

روایت ہے حضرت ابو خراش سلمی سے ا؎ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے بھائی کو ایک سال چھوڑے رہے وہ اس کے خون بہانے کی طرح ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

ا؎ ان کا نام حدرد ابن حدرد سلمی ہے،قبیلہ بنی سلیم سے ہیں،آپ صحابی ہیں،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،کنیت ابو خراش ہے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے،صحابیت میں بڑی فضیلت ہے حالات معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

۲؎ یعنی جیسے مسلمان کا ناحق قتل بڑا گناہ ہے ایسے ہی اسے ناحق سال بھر تک چھوڑے رہنا بڑا گناہ۔خون بہانے میں جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اتنی دراز مدت تک چھوڑے رہنے سے اس کے دل کو ایذاء پہنچتی ہے۔سال کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سال دراز مدت ہے جس میں اکثر مسافر اپنے گھر لوٹ آتے ہیں،اس میں ہر موسم ہوتا ہے،سردی

گرمی بہار خزاں جن میں مختلف لوگوں کے مزاج پر اثر ہوتا ہے ایسا سخت دل ہے کہ کسی موسم میں اس کا دل نرم اور غصہ ٹھنڈا نہ ہوا،جو دل سال بھر تک صاف نہ ہو آئندہ اس کے صاف ہونے کی امید نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی مسلمان کو یہ حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے ۱؎ تو اگر اس پر تین دن گزر جاویں تو یہ اس سے ملے اسے سلام کرے پھر اگر وہ اسے سلام کا جواب دے دے تو دونوں ثواب میں شریک ہوگئے ۲؎ اور اگر جواب نہ دے تو وہ گناہ کے ساتھ لوٹا سلام کرنے والا چھوڑنے سے نکل گیا ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس کی شرح اور وجہ پہلے عرض کی جاچکی۔

۲؎ اصل ثواب میں برابر ہوگئے اگرچہ سلام کی ابتداء کرنے والا اور دوسرے سے ملنے کے لیے جانے والا بڑے ثواب کا مستحق ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں صلح کی ابتداء کرنے والے کا درجہ بڑا فرمایا گیا۔

۳؎ یعنی تین دن تک جو جدائی رہی اس کے گنہگار دونوں تھے اب اس عمل سے یہ صلح میں پیش قدمی کرنے والا تو گناہ سے نکل گیا مگر دوسرا منہ موڑنے والا گناہ میں گرفتار رہا بلکہ یہ دوسرا گناہ اس پر ہوا صلح سے منہ پھیرنا۔

روایت ہے حضرت ابو الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں روزے صدقہ اور نماز سے بڑھ کر درجہ والی چیز نہ بتاؤں ۱؎ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا آپس کے معاملہ کی درستی ۲؎ اور آپس کے معاملہ کا بگاڑ وہ ہی مونڈ دینے والی ہے ۳؎ (ابوداؤد اور ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔	

۱؎ یعنی وہ چیز درجہ میں یا ثواب میں ان مذکورہ عبادات سے بڑھ کر ہو۔خیال رہے یہاں عطف اعلیٰ کا ادنی پر ہے اس لیے نماز کا ذکر بعد میں فرمایا ورنہ نماز روزہ صدقہ سے افضل ہے یا واؤ جمع کے لیے ہے یعنی وہ کام ان تینوں کے مجموعہ سے افضل ہے،یہاں نفلی روزے نفلی صدقہ نفلی نماز مراد ہے نہ کہ فرضی۔(مرقات)

۲؎ ذات کے معنی والی ذو کا مؤنث،بین بمعنی درمیانی(یعنی آپس)ذات بین کے معنی ہوئے آپس والی چیز معاملات یا محبت والے تعلقات،بعض شارحین نے فرمایا کہ ذات بین سے مراد ہے آپس کی دشمنی و عداوت اور ترک

تعلقات،اصلاح سے مراد ہے ان کو دور کردینا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ"وہ آیت اس حدیث کی تائید کرتی ہے۔

۳؎ یعنی مسلمانوں کے آپس کے تعلقات خراب کردینا،ان میں دشمنی ڈال دینا بھلائیوں ثوابوں کو فنا کردینے والی چیز ہے اس کی نحوست سے انسان روزہ نماز کی لذت بلکہ خود روزے نماز وغیرہ دیگر عبادات سے محروم ہوجاتا ہے۔سبحان اللہ!کیسی پیاری تشبیہ ہے جیسے استرہ سر کے بالوں کو جڑ سے ختم کردیتا ہے ایسے ہی یہ حرکت نیکیوں کو جڑ سے اڑا دیتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں۔شعر

تاتوانی پا من اندر فراق　　　　ابغض الاشیاء عندی الطلاق

یہ حدیث مختلف الفاظ مختلف اسنادوں سے مروی ہے۔چنانچہ طبرانی اور بزاز نے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں صلح کراؤ،اس صلح کرانے میں جو کچھ تم بولو گے اس کے ہر حرف کے عوض غلام آزاد کرنے کا ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے گا،تمہارے سارے گناہ بخش دے گا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں پچھلی امتوں کی بیماری سرایت کر گئی ۱؎ حسد اور بغض ۲؎ یہ مونڈ دینے والی ہے میں نہیں کہتا کہ بال مونڈتی ہے لیکن یہ دین کو مونڈ دیتی ہے ۳؎ (احمد،ترمذی)

۱؎ دب بنا ہے دب سے بمعنی آہستہ آہستہ چلنا اس سے ہے **دبیب** اس سے ہے **دابۃ** بمعنی جانور،سرایت کر جانے کو دب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ محسوس نہیں ہوتی اوردل میں اتر جاتی ہے یہاں بمعنی سرایت ہے۔

۲؎ حسد سے مراد ہے دلی خفیہ دشمنی،بغض سے مراد ہے علانیہ دشمنی یا حسد کسی سے جلنا اس کی نعمت کا زوال چاہنا،بغض دشمنی دل میں رکھنا۔

۳؎ اس طرح کہ دین و ایمان کو جڑ سے ختم کردیتی ہے کبھی انسان بغض و حسد میں اسلام ہی چھوڑ دیتا ہے، شیطان بھی انہیں دو بیماریوں کا مارا ہوا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حسد سے بچو کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی حسدوبغض ذریعہ بن جاتا نیکیوں کی بربادی کا یعنی حاسد ایسے کام کر بیٹھتا ہے جس سے نیکیاں ضبط ہو جاویں،حاسد و بغض والے کی نیکیاں محسود کو دے دی جائیں گی یہ خالی ہاتھ رہ جاوے گا۔خیال رہے کہ کفرو ارتداد کے سواء کوئی گناہ مؤمن کی نیکیاں برباد نہیں کرتا،ہاں نیکیوں سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں،رب فرماتاہے:"اِنَّ

اَلْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔(اشعہ)اس حدیث کی بناء پر معتزلہ نے کہا ہے کہ بعض گناہوں سے نیکیاں بھی مٹ جاتی ہیں مگر غلط کہا کیونکہ اس حدیث کا وہ مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا اس حدیث کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔(دیکھو مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آپس کے فساد سے بچو ۱؎کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے ۲؎(ترمذی)

۱؎ذات بین کے معنی آپس والی چیز،سوء کے معنی برائی یعنی آپس والی چیز کی برائی سے بچو نہ تو تم خود آپس میں رنجش رکھو نہ دو شخصوں میں رنجش ڈالو غیبت وغیرہ کرکے کہ یہ بدترین جرم ہے بلکہ بہت سے جرموں کی جڑ ہے۔

۲؎اس کی شرح ابھی ہوچکی کہ یا تو اس مجرم کی نیکیاں برباد ہوجانے کا سبب ہے یا جس مظلوم کے ساتھ یہ برتاوا کیا گیا اس کے گناہ معاف ہوجانے کا سبب،اس کے نامہ اعمال کو گناہوں سے ایسا صاف کردیتی ہے جیسے استرہ سر کو۔

	روایت ہے حضرت ابو صرمہ سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نقصان پہنچائے گا اسے اللہ نقصان دے گا ۲؎اور جو کسی سے مخالفت کرے گا اللہ اس سے مخالفت کرے گا ۳؎(ابن ماجہ،ترمذی)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎آپ کا نام مالک ابن قیس مازنی ہے،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے،آپ کی کنیت ابو صرمہ ہے،آپ زمانہ جاہلیت میں بھی ملتِ ابراہیمی پر عبادت الٰہی کرتے تھے،بہت بڑی عمر میں اسلام لائے،آپ سے حضرت ابن عباس نے روایات لیں۔(مرقات واشعہ)

۲؎یعنی جو کسی مسلمان کو ابتداءً نقصان پہنچائے جانی یا مالی۔ابتداءً کی قید اس لیے لگائی کہ نقصان کے عوض نقصان پہنچانا سزا کے طور پر جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا"۔

۳؎یعنی جو کسی مسلمان سے دشمنی کرے گا رب تعالٰی اسے مردود کرے گا۔دشمنی سے وہ ہی مراد کہ بلاوجہ شرعی مسلمان سے عداوت رکھنا۔شاق بنا ہےشق سے بمعنی کروٹ یا چہرہ کی مخالفت کومشاقة اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ہر شخص دوسرے سے منہ پھیر لیتا ہے اس سے آنکھیں نہیں ملاتا۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لعنتی ہے وہ جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اسے فریب دے ۱؎

	(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۲؎

۱؎یہاں ضرر سے مراد ہے ظاہر ظہور نقصان پہنچانا اور مکر سے مراد ہے خفیہ سازش کر کے نقصان دینا جیسا کہ آج کل عام رواج ہے۔
۲؎اس حدیث کے غریب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی ابو مسلمہ کندی ہے جو فرقد سنجی سے راوی ہے ابو سلمہ کی فرقد سے ملاقات ثابت نہیں ابو سلمہ کو یحیی ابن معین نے متقی اور ثقہ کہا دوسروں نے اسے ضعیف کہا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے پھر بلند آواز سے ندا کی فرمایا اے ان لوگوں کے ٹولو جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہو اور ان کے دل تک ایمان نہ پہنچا ۱؎مسلمانوں کو نہ تو ایذا دو نہ انہیں عار دلاؤ نہ ان کے خفیہ عیوب ڈھونڈھو۲؎کیونکہ جو اپنے مسلمان بھائی کے خفیہ عیوب کی تلاش کرے گا تو اللہ اس کے عیب ظاہر کردے گا اگرچہ اسکے گھر میں ہوں۳؎اور اسے رسوا کردے گا اگرچہ وہ اپنی منزل میں کرے۔(ترمذی)

۱؎یعنی اے منافقو یہاں منافق سے مراد منافق اعتقادی ہے ممکن ہے کہ منافق عملی یا دونوں مراد ہوں۔مرقات نے فرمایا کہ اس میں یہاں فاسق بھی داخل ہے کیونکہ آگے جس عمل کا ذکر ہے وہ فساق ہی کرتے تھے۔
۲؎یہ تینوں حرکتیں منافقین کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہو وہ کام کرنا حتی کہ راستہ میں کانٹا پتھر ڈال دینا کہ مسلمانوں کو لگے ان سے سخت کلامی کرنا،مسلمانوں کے وہ گناہ بیان کرنا جن سے وہ توبہ کرچکے ہوں بلکہ ان کی توبہ کا قرآن کریم میں اعلان ہوچکا ہے،مسلمانوں کے خفیہ عیوب کی تلاش میں رہنا بلکہ ان بے عیب صحابہ کرام کو عیب لگانا جن کی بے عیبی پر قرآن مجید گواہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کو ستانا منافقوں کا کام ہے اس سے موجودہ روافض عبرت حاصل کریں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کے ساتھ یہ برتاوے عملی منافقت ہے،بہتر ہے کہ اپنے عیوب کی تحقیق کرکے ان سے توبہ کرے۔
۳؎یہ قانون قدرت ہے کہ جوکسی کو بلاوجہ بدنا م کرے گا قدرت اسے بدنام کردے گی مگر یہ حکم اس کے لیے ہے جو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا عادی ہو۔کسی خفیہ سازشیں کرنے والے اور خفیہ بدمعاشی کے اڈے بتانے والے،خفیہ زنا،شراب خوری کے اکھاڑے بنانے والوں کی تحقیق کرکے انکو گرفتار کرانا بہت بڑا ثواب ہے کہ یہ عیوب جوئی نہیں بلکہ لوگوں کو برائی سے روکنا ہے۔کسی شاعر نے عیب جوئی کے متعلق خوب کہا شعر

لا تلتمس من مساوی الناس ما ستروا   فیھتك اللہ سترا عن مساویکا

واذکر محاسن ما فیھم اذا ذکروا   ولا تعب احدا منھم بما فیکا

	روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ بدترین سود مسلمان کی

	آبرو میں ناحق دست درازی ہے ۲؎ (ابوداؤد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎آپ عدوی ہیں،عشرہ مبشرہ سے ہیں،بڑے پرانے مسلمان ہیں،حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب آپ کی زوجہ ہیں،حضرت عمرآپ ہی سے قرآن مجید سن کر اسلام لائے،آپ کا انتقال مقام عقیق میں ہوا اور مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں دفن کیے گئے،۵۱ھ اکیاون میں وفات ہوئی،ستر سال سے کچھ زیادہ عمر پائی،آپ سواء غزوہ بدر کے تمام غزوات میں شریک ہوئے،غزوہ بدر میں آپ حضرت طلحہ کے ساتھ قریشی قافلہ کی تلاش میں بھیجے گئے تھے،آپ کو حضور نے بدر کی غنیمت سے حصہ دیا۔(اکمال،مرقات)

۲؎یعنی سود خواری بدترین گناہ ہے جیسے ماں کے ساتھ کعبہ معظّمہ میں زنا کرنا۔(حدیث)سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا الٹی میٹم دیا گیا ہے یہ تو مالی سود کا حال ہے مسلمان کی آبرو،چونکہ مال سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہے اس لیے مسلمان کی آبروریزی اسے ذلیل کرنا بدترین سود قرار دیا گیا۔دیکھو مسلمان عفیفہ عورت کو تہمت لگانے پر اسی۸۰ کوڑے اور ہمیشہ کے لیے مردود الشہادۃ ہونے کی سزا مقرر ہے،کیوں؟اس لیے کہ اس نے مسلمان پاک دامن بے قصور کی عزت پر ہاتھ ڈالالہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ناحق کی قید اس لیے ہے کہ حق آبرو ریزی جائز بلکہ کبھی ضروری ہوتی ہے جیسے غیبت اکثر حرام ہے مگر کبھی مباح بلکہ کبھی واجب ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے میرے رب نے معراج دی ۱؎تو میں اس قوم پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے کہ وہ اپنے چہرے اور سینے کھرچ رہے تھے ۲؎تو میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبروؤں میں مشغول ہوتے ہیں ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں معراج سے مراد جسمانی بیداری کی معراج مراد ہے جو نبوت کے گیارہویں سال ستائیسویں رجب سوموار کی رات ہوئی۔منامی یعنی خواب کی معراجیں حضور کو قریبًا تیس ہوئی ہیں،نماز کی فرضیت اس جسمانی معراج میں ہوئی۔

۲؎اس طرح کہ ان پر خارش کا عذاب مسلط کردیا گیا تھا اور ناخن تانبے کے دہاردار اور نوکیلے تھے ان سے سینہ چہرہ کھجلاتے تھے اور زخمی ہوتے تھے۔خدا کی پناہ! یہ عذاب سخت عذاب ہے یہ واقعہ بعد قیامت ہوگاجو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں سے دیکھا۔

۳؎یعنی یہ لوگ مسلمانوں کی غیبت کرتے تھے ان کی آبروریزی کرتے تھے،یہ کام عورتیں زیادہ کرتی ہیں انہیں اس سے عبرت لینی چاہیے۔

	روایت ہے حضرت مستورد سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

	سے راوی فرمایا جو کسی مسلمان آدمی مشغول ہو کر کچھ لقمے کھائے ۲؎ تو اللہ اسے اس کی مثل دوزخ میں کھلائے گا۳؎ اور جو کسی مسلمان آدمی کی وجہ سے کپڑا پہنایا جاوے تو اللہ اسے اس کی مثل دوزخ سے پہنائے گا۴؎ اور جو کسی شخص کی وجہ سے سنانے اور دکھانے کی جگہ میں کھڑا ہو تو اللہ اسے قیامت کے دن سنانے اور دکھانے کی جگہ کھڑا کرے گا ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام مستورد ابن شداد ہے،کوفی ہیں،آخر میں مصر میں رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کمسن تھے،صحابی ہیں،آپ سے بہت صحابہ نے احادیث نقل کیں۔

۲؎ اس طرح کہ دو لڑے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک کے پاس جاوے اور اسے خوش کرنے کے لیے دوسرے کی غیبت کرے،اسے برا کہے،اسے نقصان پہنچانے کی تدبیریں بتائے تاکہ اس ذریعہ یہ شخص اسے کچھ دیدے یا کھلاوے ایسے خوشامدی لوگ آج کل بہت ہیں۔

۳؎ یہ دوزخ کی آگ کے انگارے ان لقموں کی عوض میں جس قدر یہاں لقمے کھائے اتنے ہی وہاں انگارے کھائے گا۔

۴؎ اس کا مطلب گزشتہ مضمون سے واضح ہے کہ جو کسی کو خوش کرنے کے لیے مسلمان بھائی کی غیبت کرے یا اسے ستائے اس غیبت وغیرہ کی عوض کپڑوں کا جوڑا پائے تو اسے قیامت میں اس جوڑے کی عوض آگ کا جوڑا پہنایا جائے گا۔

۵؎ اس فرمان عالی کے بہت معنی ہیں: ایک یہ کہ جو شخص کسی مشہور شریف آدمی کی پگڑی اچھالے اس کا مقابلہ کرے تاکہ اس مقابلہ سے میری شہرت ہو،دوسرے یہ کہ جو کسی شخص کو دنیا میں جھوٹے طریقہ سے اچھالے تاکہ اس کے ذریعہ مجھے عزت و روزی ملے جیسے آج کل بعض جھوٹے پیروں کے مرید اس کی جھوٹی کرامتیں بیان کرتے پھرتے ہیں تاکہ ہم کو بھی اس کے ذریعہ عزت ملے کہ ہم اس کے بالکے ہیں۔(اشعہ) تیسرے یہ کہ جو شخص دنیا میں نام و نمود چاہے نیکیاں کرے مگر ناموری کے لیے یا جو شخص کسی کے ذریعہ سے اپنے کو مشہور و نامور کرے قیامت میں ایسے شخصوں کو عام رسوا کیا جاوے گا کہ فرشتہ اسے اونچی جگہ کھڑا کرکے اعلان کرے گا کہ لوگو یہ بڑا جھوٹا مکار فریبی تھا۔(مرقات ولمعات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھا گمان ۱؎ اچھی عبادت سے ہے ۲؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ لوگوں کے متعلق نیک گمان کرنا بدگمانی نہ کرنا یا اللہ تعالٰی کے متعلق اچھا گمان کرنا اس کی معافی کی امید رکھنا یہ دونوں احتمال درست ہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان اس سے امید وابستہ کرنا بھی عبادت میں سے ایک اچھی عبادت ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ سے امید اچھی عبادت سے حاصل ہوتی ہے جو عبادت کرے گا اسے یہ امید نصیب ہوگی۔تیسرے یہ کہ عبادت کے ذریعہ اللہ سے اچھی امید رکھو،عبادت سے غافل رہ کر امیدیں باندھنا حماقت ہے جیسے کوئی جو بو کر گندم کاٹنے کی امید کرے۔چوتھے یہ کہ اللہ کے بندوں یعنی مسلمانوں سے اچھا گمان کرنا ان پر بدگمانی نہ کرنا یہ بھی اچھی عبادات میں سے ایک عبادت ہے اس فرمان کے اور بھی معنی ہوسکتے ہیں مثلًا یہ کہ مسلمانوں پر اچھا گمان اچھی عبادات سے حاصل ہوتا ہے جو عابد ہوگا وہ ہی نیک گمان ہوگا جو خود برا ہوگا دوسروں کو بھی برا ہی سمجھے گا۔

	روایت ہے حضرت جناب عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ ۱؎ کا اونٹ بیمار ہوگیا اور حضرت زینب ۲؎ کے پاس بچی ہوئی سواری تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے کہا کہ یہ اونٹ انہیں دے دو ۳؎ وہ بولیں میں اس یہودیہ کو دوں ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے تو انہیں بقر عید محرم اور صفر کا کچھ حصہ چھوڑے رکھا ۵؎ (ابوداؤد) اور حضرت معاذ ابن انس کی حدیث میں **من حمی مؤمنا** الخ شفقت و رحمت کے باب میں ذکر کردی گئی ۶؎

۱؎ آپ کا نام صفیہ بنت حیی ابن اخطب ہے،حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں،پہلے کنانہ بنت ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں ان کا خاوند محرم ۷ھ ہجری میں غزوہ خیبر میں مارا گیا،آپ قید ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں،آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کرکے خود اپنے نکاح سے شرف بخشا لہذا آپ ام المؤمنین ہیں، ۵۰ھ پچاس میں وفات پائی،جنت بقیع میں دفن ہوئیں۔

۲؎ آپ زینب بنت جحش ہیں،آپ کی والدہ امیہ بنت عبدالمطلب ہیں،حضور انور کی پھوپھی،آپ پہلے حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں تھیں ان کے طلاق دے دینے کے بعد حضور کے نکاح میں آئیں،حضور انور سے نکاح ۵ھ ہجری میں ہوا۔

۳؎ غالبًا یہ واقعہ کسی سفر کا ہے جب کہ حضرت صفیہ کو اونٹ کی ضرورت تھی سواری کے لیے اور حضرت زینب کے پاس ایک اونٹ زائد تھا۔

۴؎ عمومًا سوکنوں کو آپس میں غیظ و غضب ہوتا ہے اس بنا پر یہ عرض کیا۔یہودیہ سے مراد قوم یہود ہے نہ کہ مذہب یہود کیونکہ صفیہ اب تو مسلمان ہوچکی تھیں اور جناب زینب سرداران قریش کی بیٹی تھیں یعنی میں یہودی قوم والی بی بی کو نہ دوں گی۔

۵؎ یعنی قریبًا ڈھائی مہینہ ان سے کلام سلام بند فرمادیامگر یہ ترک کلام عداوت کے لیے نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کے لیے ہے۔جن احادیث میں تین دن سے زیادہ ترک کلام کی ممانعت ہے وہاں دشمنی کا ترک کلام مراد ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو بجائے مارنے پیٹنے کے ترک کلام سے تعلیم و تربیت دے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ"۔

۶؎ یعنی یہ حدیث مصابیح میں یہاں ہی مذکور تھی ہم نے مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے وہاں نقل کی یہ حدیث بہت دراز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا تو اس سے فرمایا تو نے چوری کی ۱؎ وہ بولا ہرگز نہیں اس کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا اور میں نے اپنے کو جھٹلایا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یہ فرمان یا تو خبر کے لئے ہے یا پوچھنے کے لئے یعنی کیا تو نے چوری کی۔

۲؎ یعنی اس قسم کی وجہ سے تجھے سچا سمجھتا ہوں کہ مؤمن بندہ اللہ کی جھوٹی قسم نہیں کھاسکتا اس کے دل میں اللہ کے نام کی تعظیم ہوتی ہے اپنے متعلق غلط فہمی کا خیال کرلیتا ہوں کہ میری آنکھوں نے دیکھنے میں غلطی کی،یہ ہے شان نبوت کہ وہ حتی الامکان دوسرے پر اعتماد فرماتے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیری قریب ہے کہ کفر ہوجاوے ۱؎ اور حسد قریب ہے کہ تقدیر پر غالب آجاوے ۲؎	

۱؎ فقیر آدمی کبھی اللہ تعالٰی پر اعتراض کردیتا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ فقیر کردیا،کبھی لوگوں سے اللہ کی شکایت کرتا ہے،کبھی مال حاصل کرنے کے لیے اسلام چھوڑکر دوسرے مذہب میں داخل ہوجاتا ہے اپنے دین کو فروخت کر ڈالتا ہے،کبھی رضا بالقضاء سے منہ موڑ لیتا ہے یہ سب کفر یا سبب کفر ہیں،امیری کے فتنوں سے غریبی کے فتنے زیادہ ہیں۔خیال رہے کہ فقر مع صبر اللہ کی رحمت ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا **الفقر فخری** اور فقر مع کفر(ناشکری)اللہ کا عذاب ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،فقیر صابر کو غنی شاکر سے افضل مانا گیا ہے۔

۲؎ یعنی قریب ہے کہ حسد تقدیر کو بدل دے کیونکہ حاسد خود محسود کی تقدیر بدلنا چاہتا ہے،اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا حاسد کی نعمتیں زائل ہوجاتی ہیں،چونکہ کبھی حسد بھی کفر تک پہنچادیتا ہے اس لیے حسد کو فقیر کے ساتھ بیان فرمایا شیطان حسد کا کافر ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرماتے ہیں جو اپنے بھائی سے معذرت کرے ۱؎ وہ اس کی معذرت نہ مانے ۲؎ یا اس کا عذر قبول نہ کرے تو اس پر ٹیکس والے کا سا گناہ ہوگا ۳؎ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور فرمایا مکاس ٹیکس لینے والا ہے ۴؎

۱؎ یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ناراض کرے پھر عذر خواہی کے لیے اس کے پاس آئے اس سے معافی چاہے یا قصور کا بدلہ کرنا چاہے۔

۲؎ یعنی بغیر عذر اسے معافی نہ دے اس سے دل صاف نہ کرے۔

۳؎ جیسے ٹیکس لگانے والے اور ٹیکس وصول کرنے والے اکثر ظالم ہوتے ہیں انہیں سخت سزا ملے گی ایسے ہی اس شخص کو سخت سزا ملے گی۔

۴؎ ٹیکس مقرر کرنے والا کسی تاجر وغیرہ کا عذر نہیں قبول کرتا بہرحال اپنی مرضی کے مطابق لگادیتا ہے یہ شخص بھی عذر قبول نہیں کرتا اس لیے یہ تشبیہ بالکل درست ہے۔عشار وہ حکام ہیں جو زمین اور کسانوں کی پیداوار پر عشر(دسواں حصہ)لگائے یا وصول کرنے پر مقرر ہوں۔

باب الحذر و التأنی فی الامور

احتیاط کرنے اور کاموں میں اطمینان کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱حذر ح اور ذال کے فتح سے بمعنی پرہیز کرنا احتیاط برتنا اور حذر ذال کے کسرہ سے بمعنی محتاط آدمی،احتیاط کرنے والا شخص۔حذر کے معنی ہیں وہ نقصان دہ شخصوں سے پرہیز کرنا۔تأنی کے معنی ہیں اطمینان سے کام کرنا،اس کا مقابل ہے **تعجیل** یعنی جلد بازی۔خیال رہے کہ ہر کام میں تاخیر و احتیاط سے کام کرے مگر اخروی کاموں میں جلدی کرنا بہتر کہ موت کی خبر نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں کاٹا جاتا۱ (مسلم،بخاری)	

۱اس حدیث کا شان نزول یہ ہے کہ ایک کافر شاعر جس کا نام ابوعزہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت میں سخت توہین آمیز اشعار کہا کرتا تھا،جنگ بدر میں گرفتار ہوگیا اس نے حضور انور سے گزشتہ کی معافی مانگی آئندہ اس حرکت سے باز رہنے کا عہد کیا حضور انور نے اسے چھوڑ دیا،وہ چھوڑکر پھر اس حرکت میں مشغول ہوگیا،پھر جنگ احد میں گرفتار ہوا پھر اس نے معذرت کی اور صحابہ کرام نے اس کی رہائی کی سفارش کی تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں کاٹا جاتا اور اسے رہائی نہ بخشی یعنی جس سوراخ سے ایک بار بچھو نے کاٹ لیا ہو اس سوراخ میں دوبارہ انگلی مت ڈالو،جس شخص سے ایک بار دھوکا کھالیا ہو دوبارہ اس کے دھوکے میں نہ آؤ اس شاعر کو قتل کردیا گیا۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس کے سردار سے فرمایا۱کہ تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ پسند فرماتا ہے بردباری اور وقار ۲(مسلم)	

۱عبدالقیس ایک قبیلہ کا نام ہے،اشج بمعنی رئیس و سردار اس سردار کا نام منذر ابن عائذ تھا،یہ لوگ اپنی قوم کے نمائندہ بن کر اسلام لانے آئے تھے،دوسرے لوگ تو آتے ہی بھاگے ہوئے،حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر اس سردار نے اولًا غسل کیا،پھر عمدہ لباس تبدیل کیا،پھر نہایت وقار و سکون سے مسجد نبوی شریف میں حاضر

ہوا،دو نفل پڑھے،پھر دعا مانگی،پھر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور انور کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی تب یہ فرمایا۔(اشعہ)

۲؎ جب حضور انور نے اسے یہ بشارت دی تو وہ بولا کہ یارسول اللہ میری صفتیں کسبی ہیں یا رب تعالٰی کی عطا کی ہوئی،فرمایا کہ رب تعالٰی کی عطا تب اس نے سجدۂ شکر کیا،بولا کہ اگر میری کسبی ہوتیں تو قابل زوال ہوتیں رب کی عطا زائل نہیں ہوتی خدا کا شکر ہے جس نے مجھے وہ خصلتیں بخشیں ہیں جس سے وہ اور اس کے رسول راضی ہیں۔(مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور بعض محدثین نے عبدالمهيمن ابن عباس کے متعلق اس کے حافظہ کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے ۳؎

۱؎ حضرت سہل بھی صحابی ہیں،آپ کے والد سعد بھی صحابی ہیں،مدینہ منورہ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی دنیاوی یا دینی کاموں کو اطمینان سے کرنا اللہ تعالٰی کے الہام سے ہے اور ان میں جلد بازی سے کام لینا شیطانی وسوسہ ہے۔اس ترجمہ اور شرح سے معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں"سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ"اور نہ اس آیت کے خلاف ہے"یُسٰرِعُوۡنَ فِی الْخَیۡرٰتِ"کہ وہاں سرعت یعنی دینی کام میں دیر نہ لگانے جلد ادا کرلینے کی تعریف ہے اور یہاں خود کام میں جلد بازی کرنا کہ کام بگڑ جائے اس سے ممانعت ہے،بعض لوگ دو منٹ میں چار رکعتیں پڑھ لیتے ہیں یہ ہے عجلت نفس،عبادت میں جلدی بری ہے۔

۳؎ یعنی مہیمن ابن عباس ہیں تو متقی پرہیزگار مؤمن کامل مگر ان کا حافظہ کمزور تھا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے بردبار مگر لغزش والا ۱؎ اور نہیں ہے حکمت والا مگر تجربہ کار ۲؎ (احمد،ترمذی)اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ یعنی عموما انسان لغزشیں کرکے ٹھوکریں کھا کر بردبار و حلیم بنتا ہے کہ لوگ اس کی لغزشوں پر اسے اس کی غلطیوں پر مطلع کرتے ہیں،اسے شرمندہ کرتے ہیں تب کہیں جاکر وہ حلیم بنتا ہے،ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں جو دوسروں کی لغزش سے سبق لے لیں۔

۲؎ یعنی عموماً لوگ تجربہ کرکے حکیم بنتے ہیں۔یہاں عام لوگوں کا ذکر ہے اللہ تعالٰی ہمیشہ سے علیم و حکیم ہے،یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء اول سے ہی علیم و حکیم ہوتے ہیں لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے ۱؎ تو فرمایا کام تدبیر سے اختیار کرو ۲؎ پھر اگر اس کے انجام میں بھلائی دیکھو تو کر گزرو اور اگر گمراہی کا خوف کرو تو باز رہو ۳؎ (شرح سنہ)

۱؎ کہ جب میں کسی کام میں حیران ہوجاؤں تو کیا کروں جیساکہ جواب سے ظاہر ہے۔حضرات صحابہ ہر دینی و دنیاوی کام میں حضور انور سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

۲؎ تدبیر بنا ہے دبر سے بمعنی پیچھے یا انجام،تدبیر کے معنی ہیں انجام سوچنا یعنی جو کام کرنا ہو پہلے اس کا انجام سوچو پھر کام شروع کرو۔

۳؎ یعنی اگر تم کو کسی کام کے انجام میں دینی یا دنیاوی خرابی نظر آئے تو کام شروع ہی نہ کرو اور اگر شروع کرچکے ہو تو باز رہ جاؤ اسے پورا نہ کرو۔

	روایت ہے حضرت مصعب ابن سعد سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی اعمش ۲؎ کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا مگر یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۳؎ فرمایا اطمینان سے کرنا ہر چیز میں اچھا ہے سواء آخرت کے کام کے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہ مصعب خود تابعی ہیں مگر ان کے والد حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی اور عشرہ مبشرہ سے ہیں،حضرت مصعب نے اپنے والد سعد سے اور حضرت علی،ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کی ہے،بڑے مقدس بزرگ ہیں،۱۰۳ھ ایک سو تین میں وفات پائی۔

۲؎ اعمش بھی مشہور جلیل القدر تابعی ہیں،آپ کا نام سلیمان ابن مہران ہے،اسدی ہیں کاہلی ہیں،۶۰ھ ہجری میں مقام ری میں پیدا ہوئے،کوفہ لائے گئے،۱۴۸ھ ایک سو اڑتالیس میں وفات ہوئی۔

۳؎ یعنی غالب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے ممکن ہے کہ حدیث موقوف ہو کہ حضرت سعد ابن وقاص کا اپنا قول ہو۔

۴؎ یعنی دنیاوی کام میں دیر لگانا اچھا ہے کہ ممکن ہے وہ کام خراب ہو اور دیر لگانے میں اس کی خرابی معلوم ہوجائے اور ہم اس سے باز رہیں مگر آخرت کا کام تو لا محالہ اچھا ہی ہے اسے موقعہ ملتے ہی کرلو کہ دیر لگانے میں شاید موقعہ جاتا رہے۔بہت دیکھا گیا کہ بعض حاجیوں کو موقعہ ملا نہ کیا پھر نہ کرسکے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاسْتَبِقُوا

الْخَیْرٰتِ" بھلائیوں میں جلدی کرو شیطان کار خیر میں دیر لگواکر آخر اس سے روک دیتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ"۔کار خیر میں خرچ کرنے پر فقیری کا اندیشہ دلاتا ہے اور حرام کاموں میں خرچ کرنے پر نام کی امید دلاتا ہے کہ تمہارانام ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سرجس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے اخلاق اور اطمینان اور میانہ روی ۱؎ نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ سمت سین کے فتحہ میم کے سکون سے بمعنی دائمی عادت۔اقتصاد وہ کام جو افراط و تفریط کے درمیان ہو جیسے جود یعنی سخاوت درمیان ہے فضول خرچی اور بخل کے یا شجاعت درمیانی حالت ہے ظلم اور بزدلی کے۔میانہ روی بعض اچھی ہے بعض بری یہاں اچھی میانہ روی مراد ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ"اور فرماتاہے:"اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا"۔بعض عارفین فرماتے ہیں کہ علم اچھا ہے جب کہ درمیانی ہوکہ عمل سے نہ روکے،عمل اچھا ہے جب کہ درمیانی ہو کہ علم سے نہ روکے۔(مرقات)

۲؎ یعنی حضرات انبیاء کرام بہت سی صفات سے موصوف ہوتے ہیں ان سے درمیانہ روی بھی ہے جسے یہ نصیب ہوئی اسے نبوت کی خصلت نصیب ہوئی۔چوبیسواں حصہ فرمانا یہ علوم نبوت سے ہے رب تعالٰی جانے اس سے کیا مراد ہے۔(مرقات)اس کے متعلق کچھ عرض کیا گیا ہے تعبیر خواب کے بیان میں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور اچھی عادت ۱؎ اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں حصہ ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یہاں ھدی سے مراد اندرونی حالات ہیں اور سمت سے مرادظاہری حالات ہیں جیسے ایمان باطنی عقیدوں کا نام ہے اور اسلام ظاہری ارکان کا نام۔(مرقات)

۲؎ میانہ روی ہر چیز میں اچھی ہے کمانے میں،خرچ کرنے میں،کھانے پہننے میں حتی کہ نوافل عبادات میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں کہ نہ تو بہت کمی کرے نہ بہت زیادتی،یہ عمل بھی حضرات انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ہے۔اسے پچیسواں حصہ فرمانا اسرار الٰہیہ میں سے ہے جو مطلب ہے وہ حق ہے۔میانہ چال چلنے والا ہمیشہ کام کرسکتا ہے اور نیکی وہ ہی اچھی جو ہمیشہ کی جاوے گی اگرچہ بہت زیادہ نہ ہو۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب آدمی کوئی بات کرے پھر ادھر ادھر دیکھے تو وہ بات امانت ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اگر کوئی شخص تم سے اکیلے میں کوئی بات کہے اور بات کے دوران یا بات کے درمیان میں ادھر ادھر دیکھے کہ کوئی سن نہ لے تو وہ اگرچہ منہ سے نہ کہے کہ یہ کسی سے نہ کہنا مگر اس کی یہ حرکت بتاتی ہے کہ وہ راز کی ہے لہذا اسے امانت سمجھو اس کا راز ظاہر نہ کرو کسی سے یہ بات نہ کہو۔سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم ابن تیہان سے فرمایا۱؎ کہ کیا تمہارے پاس خدمت گار ہے انہوں نے کہا نہیں تو فرمایا کہ جب ہمارے پاس قیدی آویں تو آنا ۲؎ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس دو شخص لائے گئے تو ان کی خدمت میں ابوالہیثم آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ایک چن لو عرض کیا یا نبی اللہ آپ ہی چن دیں۳؎ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس سے مشورہ لیا جاوے وہ امین ہے ۴؎ تم اسے لو کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے ۵؎ اور اس کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو ۶؎ (ترمذی)

۱؎ یہ واقعہ مشکوۃ شریف باب ضیافت میں گزر چکا ہے۔یہ ابوالہیثم وہ ہی خوش نصیب صحابی ہیں جن کے باغ میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہم بھوک کی حالت میں مہمان ہوئے تھے اور انہوں نے حضور کی شاندار مہمانی کی وہاں ہی آپ کے حالات بیان ہوچکے۔

۲؎ وہاں ادھار نہیں ہوتا کوئی معمولی نذر عقیدت پیش کرے وہاں سے مالا مال کردیا جاتا ہے،کھانا کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم تم کو غلام عطا کریں گے۔

۳؎ یعنی آپ کا چناؤ میرے چناؤ سے بہتر ہوگا کہ حضور مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان ہیں۔حضور مصطفی مختار ہیں،حضور کے اختیار پر دار و مدار ہے۔(مرقات)جو حضور کے چناؤ میں آگیا وہ رب تعالٰی کے چناؤ میں آگیا۔

۴؎ قیامت تک کے لیے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ اگر تم سے کوئی شخص مشورہ کرے تو تم پر لازم ہے کہ خلاف مصلحت اسے مشورہ نہ دو اگر ایسا کیا تو تم خائن ہوگے،مشورہ لینے والا اگرچہ دشمن ہو مگر مشورہ اچھا دو۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ نمازی مسلمان کو اپنے کام کاج کے لیے ملازم رکھو،بیوی اولاد،خدام،دوست احباب،رشتہ دار وہ ہی اچھے جو نمازی ہوں،نمازی آدمی ان شاءاللہ متقی پرہیزگار خیرخواہ ہوتا ہے جو خدا سے نہ ڈرے وہ بندے سے اور اس کا حق مارنے سے کیا ڈرے گا۔

۶؎ اس فرمان عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اس خادم کو ہمیشہ اچھی باتوں کی نصیحت وصیت کرتے رہنا اس کی اصلاح بھی تمہارے ذمہ ہے۔دوسرے یہ کہ تم اس کے متعلق میری وصیت قبول کرو کہ اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آنا وہ حضرت یہ دوسرے معنی میں سمجھے اور انہوں نے گھر لے جا کر اسے آزاد کردیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجلسیں امانت والی ہوتی ہیں ۱؎ سواء تین مجلسوں کے حرام خون بہانے کی یا حرام شرم گاہ کی یا ناحق مال مارنے کی مجلسیں ۲؎ (ابوداؤد)اور ابو سعید کی حدیث ان اعظم الامانہ،الخ مباشرۃ کے باب کی پہلی فصل میں ذکر کردی گئی ۳؎	

۱؎ یعنی جب کوئی خاص مجلس یا میٹنگ کی جاوے وہاں جو کچھ طے ہواسے مشتہر نہ کرو بلکہ صیغہ راز میں رکھو کہ وہاں جو کچھ پاس ہوا وہ امانت ہے۔

۲؎ یعنی اگر کسی مجلس خصوصی میں کسی گناہ کا،کسی کی حق تلفی کا،کسی پر ظلم کرنے کا مشورہ کیا گیا تو اسے نہ چھپائے بلکہ مظلوم کو فورًا خبر دیدے کہ تو بچے رہنا تیرے متعلق یہ مشورہ ہورہا ہے اگر چھپائے گا تو گنہگار ہوگا۔

۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں اس جگہ تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس جگہ روایت کردی وہاں مطالعہ کرو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب اللہ نے عقل کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا کہ کھڑی ہو وہ کھڑی ہوئی ۲؎ پھر اس سے فرمایا پھر وہ پھری پھر فرمایا آگے آ،آگئی پھر اس سے فرمایا بیٹھ جا وہ بیٹھ گئی ۲؎ پھر اس سے فرمایا کہ میں نے ایسی مخلوق کو نہیں پیدا کیا ۳؎ جو تجھ سے بہتر تجھ سے افضل تجھ سے اچھی ہو ۴؎ تیرے ذریعہ میں پکڑوں گا تیرے ذریعہ دوں گا ۵؎ تیرے ہی ذریعہ میں پہچانا جاؤں گا ۶؎ تیرے ذریعہ عتاب کروں گا تجھ سے ثواب ہے اور تجھ پر ہی عذاب ۷؎ اس حدیث میں بعض علماء نے گفتگو کی ہے ۸؎	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت عقل مجسم تھی جس سے کھڑا ہونا بیٹھنا آگے پیچھے پھرنا ممکن تھاجیسے بعد قیامت موت دنبہ کی شکل میں لٹاکر ذبح کردی جاوے گی۔ظاہر یہ ہے کہ کھڑے ہونے بیٹھنے آنے جانے سے ظاہری معنی ہی مراد ہیں،ہر طرح گھماکر نظر کرم فرماناعقل کی عزت افزائی کے لیے ہے کہ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۲؎ مقصد یہ ہے کہ رب العالمین نے عقل کو ہر طرح دیکھا اس کا اگلا حصہ پچھلا حصہ اسے اٹھا کر بٹھا کر وغیرہ۔
۳؎ یہاں مخلوق سے مراد صفات انسانی ہیں یعنی صفات انسانی میں سب سے بہتر واعلیٰ و افضل صفت تو ہی ہے کہ تیرے ذریعہ سے انسان مجھے جانتا مانتا ہے،میرے نبیوں کی اطاعت کرتا ہے،ایمان و عرفان حاصل کرتا ہے لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل افضل ہو حضرات انبیاءکرام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے،ہاں عقل رسول دوسرے کی عقل سے افضل مگر خود رسول سے افضل نہیں کہ وہ حضرات افضل الخلق ہیں اور عقل بھی خلق ہے۔
۴؎ خیر سے مراد بذات خود اچھی جس کی ضرورت ہر شخص کو ہے،افضل سے مراد یہ ہے کہ وہ فضائل حاصل کرنے کا ذریعہ ہے،احسن سے مراد یہ ہے کہ اس عقل کے ذریعہ معاملات وغیرہ اچھے کیے جاتے ہیں۔
۵؎ اس طرح کہ اگر کوئی بے عقل بے عقلی میں گناہ کرے تو اسے نہ پکڑوں گا جیسے دیوانہ یا ناسمجھ بچے عاقل ہوکر گناہ کرے گا تو اسے پکڑوں گا،یوں ہی جو کوئی عقل و ہوش سے نیکی کرے گا اسے ثواب دوں گا،جو بے عقلی سے نیکی کرے گا اسے ثواب نہ دوں گا،دیکھ لو کفار کی نیکیوں کا ثواب کچھ نہیں کہ وہ بے عقلی سے کرتے ہیں اگر عقل سے کرتے تو مؤمن ہوکر نیکی کرتے،کٹے ہوئے درخت کو پانی دینے والا بے وقوف ہے پہلے جڑ قائم کرو پھر پانی دو۔
۶؎ بعض صوفیاء فرماتے ہیں جانوروں بلکہ نباتات و جمادات میں بھی عقل ہے کیونکہ یہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کو پہچانتی ہے اس کی تسبیح کرتی ہے"وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"اور معرفت الٰہی تو عقل سے ہوتی ہے یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے،منطقیوں کا کہنا کہ عقل صرف انسان میں ہے غلط ہے۔عقل کا وہ درجہ جس سے ثواب وعذاب ہو وہ صرف بعض انسانوں میں ہے،بے ہوش،دیوانے،ناسمجھ بچوں میں نہیں اگرچہ وہ مؤمن ہیں بلکہ بعض جانوروں کنکر پتھروں سے زیادہ نادان ہیں،دیکھو جانوروں لکڑیوں چاند سورج تاروں نے حضور انور کو پہچانا مگر نہ پہچانا ابوجہل وغیرہ کفار نے اس لیے قرآن کریم نے فرمایا:"اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعٰمِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ"۔
۷؎ یعنی عقل کی بنا پر احکام شرعیہ کی تکلیف ہے اور تیری ہی بنا پر آخرت میں لوگوں کو آخرت کا ثواب و عذاب ہے۔اس عقل سے مراد عقل انسانی ہیں،معرفت الٰہی کے لیے عقل کا اور درجہ درکار ہے ثواب و عذاب کے لیے دوسرا درجہ۔
۸؎ چنانچہ تقی الدین یعنی ابن تیمیہ وغیرہ نے اسے ضعیف بلکہ موضوع بتایا یوں ہی ابوجعفر عقیلی ابو حاتم لیثی،ابو الحسن دار قطنی ابن جوزی نے اسے صحیح نہیں مانا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص نماز روزے زکوۃ حج وغیرہ والوں میں سے ہوتا ہے حتی کہ حضور نے نیکی کے سارے اقسام بیان فرمائے ۱؎ مگر قیامت میں اپنی عقل کے مطابق ہی بدلہ دیا جاوے گا۲؎	

۱؎یعنی جہاد،تبلیغ،لیثی،تعمیرمساجد وغیرہ تمام نیکیوں کا نام لیا کہ بعض لوگ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر ثواب کم پاتے ہیں۔

۲؎چنانچہ بے وقوفوں کو ان نیکیوں کا ثواب کم ملتا ہے عقل مندوں کو زیادہ،جہاں مسجد کی ضرورت نہ ہو وہاں دس بیس مسجدیں بنوا دینے کا ثواب کم بلکہ بالکل ہی نہ ملے گا اور اگر وہاں پانی کی کمی ہو وہاں ایک کنواں کھدوا دینے کا ثواب ان مسجدوں سے زیادہ ہوگا۔

لطیفہ: پٹنہ کے ایک بزرگ ہر پانچ قدم پر دو رکعتیں پڑھتے ہوئے حج کو پیدل جارہے تھے دس سال میں وہ گجرات پہنچے ہم نے کہا کہ اگر وہ ہوائی جہاز سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے اور اتنے روز وہاں رہ کر نوافل پڑھتے تو فی رکعت ایک لاکھ کا ثواب پاتے۔

	روایت ہے حضرت ابو ذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں ۱؎ اور بچنے جیسا کوئی تقوی نہیں ۲؎ اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں ۳؎

۱؎عقل دو قسم کی ہے: عقل مطبوع اور عقل مسموع۔تدبیر سے مراد عقل مسموع ہے کہ اس کے بغیر عقل مطبوع بے کار ہے،ہاں عقل مسموع کبھی عقل مطبوع کے بغیر مفید ہوجاتی ہے۔عقل مطبوع وہ ہے جو فطری طور پر یا تجربہ یا عقل کے ذریعہ حاصل ہو۔عقل مسموع وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے حاصل ہو۔عقل مطبوع دنیاوی انجام کو معلوم کرتی ہے،عقل مسموع اخروی انجام کا پتہ چلاتی ہے،عقل مطبوع کے ساتھ جب عقل مسموع شامل ہو تو مفید ہے۔(مرقات)

۲؎تقوی کے دو رکن ہیں: اچھے کام کرنا،برے کاموں سے بچنا مگر اس کا رکن اعلیٰ برے کاموں سے بچنا ہے۔عبادات آسان ہیں مگر محرمات سے پرہیز،برے معاملات سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔بعض کے نزدیک ورع اور تقویٰ ایک ہی چیز ہے،بعض کے نزدیک محرمات سے بچنا تقویٰ ہے اور شبہ کی چیز سے بچنا ورع یا فرائض پر عمل تقویٰ ہے،سنت و مستحب پر عمل ورع۔خیال رہے نیکیاں گویا روحانی دوائیں ہیں گناہوں سے بچنا گویا روحانی پرہیز،دوا بغیر پرہیز مفید نہیں ہوتی۔(اشعہ)

۳؎لغت میں حسب بمعنی نسب ہے یا باپ کی طرف سے نسب ماں کی طرف سے حسب مگر یہاں اس سے مراد شرافت ہے یعنی شرافت صرف نسب سے نہیں بلکہ اچھے اخلاق اچھے اعمال سے ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ"اچھی عادت،عبادات معاملات بلکہ ایمان و عرفان سب ہی داخل ہیں،کتنی ہی تواضع کرے خوش اخلاق نہیں جس نے اللہ رسول سے بگاڑلی،جو انہیں راضی نہ کرسکا وہ خوش اخلاق کہاں سے آیا ہے یہ بات خوب یاد رکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ میں میانہ روی آدھی زندگی ہے ۱؎ اور لوگوں سے محبت کرنا آدھی عقل ہے ۲؎ اور اچھا سوال آدھا علم ہے ۳؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ۴؎

۱؎ سبحان اللہ! عجیب فرمان عالی ہے۔خوش حالی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے: کمانا،خرچ کرنا مگر ان دونوں میں خرچ کرنا بہت ہی کمال ہے،کمانا سب جانتے ہیں خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے،جسے خرچ کرنے کا سلیقہ آگیا وہ ان شاءاللہ ہمیشہ خوش رہے گا یہاں **معیشة** مصدر ہے بمعنی عیش کی زندگانی۔

۲؎ یعنی عقل کے سارے کام ایک طرف ہیں اور لوگوں سے محبت کرکے انہیں اپنا بنالینا ایک طرف لوگوں کی محبت سے دینی دنیاوی ہزاروں کام نکلتے ہیں،لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرلو پھر انہیں نمازی حاجی غازی بنادو مگر خیال رہے کہ لوگوں کی محبت حاصل کرنے کے لیے اللہ رسول کو ناراض نہ کرلو بلکہ لوگوں سے محبت اللہ رسول کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔

۳؎ یعنی علم و تعلیم میں دو چیزیں ہوتی ہیں: شاگرد کا سوال،استاد کا جواب ان دونوں سے مل کر علم کی تکمیل ہوتی ہے،اگر شاگرد سوال اچھے کرے گا جواب بھی اچھے پائے گا۔ایک استاد اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ میں تم مل کر علم کا نصاب ہیں،حافظ قرآن تم ہو مفسر قرآن میں،سائل تم ہو مجیب میں۔(مرقات)ذہین طالب علم اچھے سوال کرکے علم کی باریکیاں حاصل کر لیتا ہے۔

۴؎ آخری حدیث طبرانی نے مکارم اخلاق میں حضرت ابن عمر سے اور خطیب نے حضرت انس سے بھی مرفوعًا روایت کی،احمد نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی **ماعال من اقصد** جو خرچ میں میانہ روی کرے گا وہ غریب نہ ہوگا۔(مرقات)

باب الرفق و الحیاء و حسن الخلق

نرمی و شرم وغیرت اور اچھی عادت کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ؕرفق کے معنی ہیں نرمی،یہ بنا ہے رفاقت سے اس سے ہے رفیق،اپنے رفقاء کی خاطر مدارات کرنا بھی رفق ہے۔حیاء(شرم) اس دلی رکاوٹ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہیبت بھی ہو،گزشتہ خطا پر ہیبت آئندہ کے لیے وحشت ہو اپنے اور غیر کے معاملہ میں انصاف کرنا اچھا خلق ہے،حضور کا خلق قرآن مجید ہے،حضور کا خلق وہ عادت کریمہ ہے جس سے خلق بھی خوش خالق بھی راضی ہے۔

اولو البروالاحسان والصروالنقی حلالھم بھاجاء القرآن مفضلا

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نرمی فرمانے والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے ۱؎اور نرمی پروہ عطا فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا ۲؎اور وہ جو اس کے ماسواء پر نہیں دیتا(مسلم)اور ان کی ایک روایت ہے کہ حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا تم نرمی اختیارکرو اور سختی اور بدگمانی سے بچو۳؎کسی چیزمیں نرمی نہیں ہوتی مگر اسے اچھا کردیتی ہے اورکسی چیز سے یہ نہیں نکالی جاتی مگر اسے عیب ناک کردیتی ہے ۴؎	

۱؎اللہ تعالٰی رفیق یعنی کریم و رحیم ہے کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا گناہ بخشتا ہے،وہ چاہتا ہے کہ میرے بندے بھی اپنے ماتحتوں اپنے ساتھیوں پر رحیم وکریم ہوں۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کو عام محاورہ میں رفیق کہنا جائز نہیں یہ لفظ اسماء الٰہیہ سے نہیں ہے،یہاں لغوی معنی سے استعمال ہوا۔

۲؎یعنی دنیاوآخرت کے نرمی سے وہ کام بن جاتے ہیں جو سختی سے نہیں بنتے،اکثر سختی سے دوست دشمن بن جاتے ہیں بنتے ہوئے کام بگڑ جاتے ہیں،نرمی سے دشمن دوست ہوجاتے ہیں اور بگڑتے ہوئے کام بن جاتے ہیں۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا

یاطالب الرزق الھینی بقوۃ ھیھات انت بباطل مشغوف

اکل العقاب بقوۃ جیف القلا　　　　درعی الذباب الشھد وھو ضعیف

یعنی سختی سے روزی نہ کماؤ نرمی سے کماؤ،عقاب سختی کی وجہ سے مردار ہی کھاتا ہے،شہد کی مکھی نرمی کی وجہ سے پھول چوستی ہے۔(مرقات)

۳؎ بدگوئی نتیجہ ہے سختی کا اولًا دل میں سختی آتی ہے،پھر بدگوئی،زبان درازی،پھر ہاتھا پائی یعنی مار پیٹ،پھر قتل و خون خدا محفوظ رکھے،شیطان پر سخت رہو بھائی مسلمان پر نرم۔

۴؎ یعنی اگر حقیر آدمی کے دل میں نرمی ہو تو وہ عزیز بن جاوے گا،عظیم الشان آدمی کے دل میں سختی ہو تو وہ حقیر ہوجاوے گا۔مولانا فرماتے ہیں شعر

دربہاراں کے شود سرسبز سنگ　　　　خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

لوہا نرم ہوکر اوزار بنتا ہے،سونا نرم ہوکر زیور،زمین نرم ہوکر قابل کاشت ہوتی ہے،انسان نرم ہوکر ولی بن جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت جریر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو نرمی سے محروم رکھا گیا وہ بھلائی سے محروم کردیا گیا۱؎ (مسلم)	

۱؎ جس پر رب مہربان ہوتا ہے اسے نرم دل بنادیتا ہے،جس پر رب کا قہر ہوتا ہے اسے سخت دل کردیتا ہے،سخت دل میں کسی کا وعظ اثر نہیں کرتا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص پر گزرے جو اپنے بھائی کو شرم و حیاء کے متعلق نصیحت کررہا تھا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑو۲؎ کیونکہ حیاء ایمان سے ہے۳؎ (مسلم و بخاری)	

۱؎ اس سے کہہ رہا تھا کہ تو بہت شرمیلا ہے اتنی شرم نہ کیا کر کیونکہ بہت شرمیلا آدمی دنیا کما نہیں سکتا،یہاں وعظ سے مراد ڈرا کر نصیحت کرنا ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی اسے حیاءوغیرت سے نہ روکو اسے شرمیلا رہنے دو۔

۳؎ خیال رہے کہ جو حیا گناہوں سے روک دے وہ تقویٰ کی اصل ہے اور جو غیرت و حیاء اللہ کے مقبول بندوں کی ہیبت دل میں پیدا کردے وہ ایمان کا رکن اعلیٰ ہے اور جو حیاء نیک اعمال سے روک دے وہ بری ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز پڑھنے سے شرم لگتی ہے یہ حیاء نہیں بے وقوفی ہے،یہاں پہلے یا دوسرے درجہ کی حیاء مراد ہے۔اللہ تعالٰی ہمارے دلوں میں اپنا خوف اپنے حبیب کی غیرت نصیب کرے۔اعلیٰ حضرت اقدس سرہ فرماتے ہیں

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے　　شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں	

	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حیاء بھلائی ہی لاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حیاء ساری خیر ہے ۱؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ شرعی حیاء کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں میں غور کرکے شرمندہ و نادم ہو،اس شرمندگی کی بنا پر آئندہ گناہوں سے بچنے، نیکیاں کرنے کی کوشش کرے،جو غیرت نیکیوں سے روک دے وہ عجز ہے حیاء نہیں۔اس معنی سے یہ حدیث پاک بالکل واضح ہوگئی واقعی یہ حیا تو گویا ایمان ہی ہے خیر ہی ہے۔ (مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پچھلی نبوت کا جو کلام لوگوں نے پایا ان میں سے یہ ہے کہ جب تو حیاء نہ کرے تو جو چاہے کر ۱؎ (بخاری)

۱؎ یہ کلام بمعنی چیز ہے یعنی گزشتہ انبیاء کرام نے اپنی امتوں سے جو حکیمانہ کلام فرمائے ان میں سے ایک یہ کلام شریف بھی ہے کہ جب تیرے دل میں اللہ رسول کی اپنے بزرگوں کی شرم و حیاء نہ ہوگی تو برے سے برے کام کر گزرے گا کیونکہ برائیوں سے روکنے والی چیز تو غیرت ہے جب وہ نہ رہی تو برائی سے کون روکے،بہت لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے برائیاں نہیں کرتے مگر جنہیں نیک نامی بدنامی کی پرواہ نہ ہو وہ ہر گناہ کر گزرتے ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے

اذا لم تخش عاقبة اللیالی ولم تستحی فاصنع ماتشاء

فلا واللہ مافی العیش خیر وفی الدنیا اذا ذهب اللیالی

	روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھا ۲؎ تو فرمایا نیکی اچھی عادت ہے ۳؎ اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینہ میں چبھے اور تو یہ ناپسند کرے کہ اس پر لوگ خبردار ہوں ۴؎ (مسلم)

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی کلب سے ہیں،بعض نے فرمایا کہ آپ انصاری ہیں،آخر میں شام میں قیام فرمایا۔مرقات نے فرمایا کہ آپ اصحاب صفہ سے ہیں،اشعہ نے فرمایا کہ آپ کی والدہ کلابیہ سے حضور نے نکاح کیا اور طلاق دے دی اور کلابیہ عورت آپ کی والدہ ہی تھیں۔(اشعہ)

۲؎ یعنی نیکی اور گناہ کی پہچان کیا ہے مجھے کیسے پتہ لگے کہ یہ کام نیکی ہے اور یہ کام گناہ ہے مجھے ارشاد فرمائیں۔

۳؎ اچھی عادت عام ہے مخلوق کے ساتھ برتاؤاور خالق سے معاملات سب ہی کو شامل ہے نماز روزہ کی پابندی اچھی عادت ہے گناہوں سے بچنا اچھی عادت ہے وغیرہ۔

۴؎ یہ فرمان کامل مسلمانوں کے لیے ہے جیسے ہم کو مکھی ہضم نہیں ہوتی فورًا قے ہو جاتی ہے یوں ہی صالحین کو گناہ ہضم نہیں ہوتا فورًا انہیں دلی قبض روحانی تکلیف محسوس ہوتی ہے عام لوگوں کا یہ حال نہیں۔بعض تو گناہ پر خوش ہوکر اعلان کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں ہر شخص کو اس کے مطابق دواء عطا فرماتے ہیں،یوں ہی النّاس سے مراد مقبول بندے ہیں۔امام نووی نے حضرت وابعہ ابن معید اسدی سے روایت کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نیکی اور گناہ کیا ہوتے ہیں فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لیا کرو جسے تمہارا دل نیکی کہے وہ نیکی ہے جسے تمہارا دل گناہ کہے وہ گناہ ہے۔(اربعین للنووی و مرقات)یعنی تمہارا دل جس پر ہمارا ہاتھ ہے ہر دل کا یہ حال نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا بڑا پیارا تم میں سے ۱؎ اچھی عادت والا ہے ۲؎(بخاری)

۱؎ یعنی سارے مسلمانوں میں مجھے بڑا پیارا مسلمان وہ معلوم ہوتا ہے مجھے اس سے بڑی محبت ہے جس کے اخلاق پاکیزہ خصلت اچھی ہے۔اگر حضور کا پیارا بننا ہے تو خوش خلقی اختیار کرو۔

۲؎ اچھی عادت والا بندہ اللہ تعالٰی کو پیارا ہے،اس کے حبیب کو پیارا،مخلوق کو پیارا،دنیاوی معاملات میں نہایت نرمی دین میں نہایت پختگی و سختی،یہ ہے خلق محمدی اسی کی یہاں تعلیم ہے۔افسوس! کہ آج ہم رفع یدین،آمین بالجہر،قراءت خلف الامام کے مسائل پر سر پھوڑے جاتے ہیں اگر یہ اعمال سنت ہیں تو کیا اخلاق محمدی سنت نہیں ان پر بھی ہم کو توجہ دینا چاہیے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں جو تم میں اچھے اخلاق والے ہوں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں احسانکم اخلاقًا ہے مگر صحیح تر یہ ہی ہے کہ احسنکم اخلاقًا ہے یعنی مسلمانوں میں اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اخلاق کے معنی ابھی عرض کیے جاچکے ہیں۔اخلاق،مداہنت فی الدین،اپنے کو ذلیل کرلینا ان تینوں میں فرق ہے۔اسلامی اخلاق اچھے ہیں،دین میں پلپلا پن اور اپنے کو ذلیل کرلینا برا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے نرمی میں سے اس کا حصہ دیا گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے حصہ دیا گیا ۱؎ اور

	جو نرمی کے حصہ سے محروم رہا وہ دنیا و آخرت کی بھلائی کے حصے سے محروم رہا ۲؎(شرح سنہ)

۱؎اللہ تعالٰی نے جیسے دنیاوی جسمانی روزیوں میں بندوں کے مختلف حصے رکھے ہیں اسی لیے کوئی امیر ہوتا ہے،کوئی فقیر،کوئی دبلا،کوئی بیمار،کوئی موٹا طاقتور اور تندرست،اسی طرح اس کریم نے روحانی ایمانی روزیاں پیدا فرمائیں اور ان میں اپنے بندوں کے مختلف حصے رکھے۔یہاں ارشاد ہوا کہ جس کو لطف و کرم نرمی طبیعت سے زیادہ حصہ ملا اسے دوسری نعمتوں سے بھی کافی حصہ ملے گا۔

۲؎یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوگئی ہے کہ بدخلق سخت طبیعت آدمی اپنے کنبہ محلے میں بھی ذلیل رہتا ہے اور مسجد کی حاضری سے بھی محروم ہوجاتا ہے،محلے والے اس کا مسجد میں آنا پسند نہیں کرتے کہ وہ امام اور نمازیوں سے لڑتا ہی رہتا ہے،مسجد بھی اس سے پناہ مانگتی ہے،یہ ہے دنیا و آخرت کے حصوں سے محرومی۔سختی دل سے اللہ بچائے!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شرم و حیاء ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے ۱؎اور فحش گوئی سخت دلی سے ہے اور سخت دلی آگ میں ہے ۲؎ (احمد،ترمذی)

۱؎یعنی شرم و حیاء ایمان کا رکن اعلٰی ہے۔دنیا والوں سے حیاء دنیاوی برائیوں سے روک دیتی ہے،دین والوں سے حیاء دینی برائیوں سے روک دیتی ہے،اللہ رسول سے شرم و حیاء تمام بدعقیدگیوں بدعملیوں سے بچالیتی ہے،ایمان کی عمارت اسی شرم و حیاء پر قائم ہے،درخت ایمان کی جڑ مؤمن کے دل میں رہتی ہے اس کی شاخیں جنت میں ہیں۔

۲؎یعنی جو شخص زبان کا بے باک ہو کہ ہر بری بھلی بات بے دھڑک منہ سے نکال دے تو سمجھ لو کہ اس کا دل سخت ہے اور اس میں حیاء نہیں۔سختی وہ درخت ہے جس کی جڑ انسان کے دل میں ہے اور اس کی شاخ دوزخ میں،ایسے بے دھڑک انسان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ رسول کی بارگاہ میں بھی بے ادب ہوکر کافر ہوجاتا ہے لہذا یہ فرمان عالی بالکل ہی صحیح ہے۔حضور حکیم مطلق ہیں ہماری بیماریوں ازاریوں پر ہم سے زیادہ خبردار ہیں۔

	روایت ہے مزینہ کے ایک شخص سے ۱؎فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ انسان کو بہترین چیز کون سی دی گئی ہے فرمایا اچھی عادت ۱؎(بیہقی شعب الایمان)
	اور شرح السنہ میں حضرت اسامہ ابن شریک ہے۔

۱؎ مزینہ ایک قبیلہ کا نام ہے،یہ صحابی اس قبیلہ سے ہیں،چونکہ صحابی تمام کے تمام عادل ہیں کوئی فاسق نہیں لہذا اگر صحابی کا نام معلوم نہ ہو تو حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا حتی کہ صحابی کا ارسال بھی صحیح ہے یعنی اگر کوئی صحابی کہہ دیں کہ میں نے کسی اور صاحب سے سنا انہوں نے حضور سے سنا تب بھی حدیث قوی اور صحیح ہے۔(مرقات)

۲؎ اچھی عادت سے مراد وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا جس سے دنیا اور دین دونوں درست ہوجاویں۔

	روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں نہ تو جواظ داخل ہوگا اور نہ جعظری فرمایا اور جواظ سخت دل سخت زبان ہے ۲؎ ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور بیہقی شعب الایمان میں اور جامع اصول والے نے اس میں حضرت حارثہ سے ایسے ہی شرح سنہ میں ہے انہیں حارثہ سے اور اس کے لفظ یہ ہیں کہ جنت میں جواظ جعظری داخل نہ ہوگا کہا جاتا ہے کہ جعظری سخت دل سخت زبان ہے ۳؎ اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت عکرمہ ابن وہب سے ہے،اس کے لفظ ہیں کہ فرمایا جواظ وہ ہے جو جمع کرے اور منع کرے ۴؎ اور جعظری سخت دل سخت زبان ہے۔

۱؎ آپ صحابی ہیں،خزاعی ہیں،حضرت عمر فاروق کے سوتیلے بیٹے اور حضرت عبداللہ ابن عمر کے اخیافی بھائی ہیں،آخر میں کوفہ میں رہے۔

۲؎ غلیظ کے معنی ہیں سخت دل اور فظ کے معنی ہیں سخت زبان کہ ہر ایک سے سخت کلامی کرے۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ **جواظ** اور **جعظری** کے ایک معنی ہیں سخت دل سخت زبان،بعض نے فرمایا کہ جعظری بڑے پیٹ والا موٹے جسم والا جو بہت کھائے کسی کو اپنے کھانے میں سے نہ کھلائے،زیادہ بولنے والا کہ ہر وقت بکے ہی جائے۔خطیب نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے مرفوعًا روایت کی کہ ہر شخص توبہ کرسکتا ہے سواء بدخلق کے کہ وہ ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس سے بدتر گناہ میں گرفتار ہوجاتا ہے۔(مرقات)

۴؎ یعنی ناجائز مال جمع کرے اور جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہ کرے۔زکوۃ،صدقہ فطر،قربانی،بچوں کو خرچہ نہ دے یا وہ جو ہر وقت مال جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فکر کبھی نہ کرے۔جائز مال جمع کرنا برا نہیں مگر ہر وقت جمع کی فکر میں لگا رہنا منع ہے۔خیال رکھو کہ جاری پانی پاک رہتا ہے،یوں ہی جس کنویں سے پانی نکلتا رہے وہ صاف رہتا ہے اگر نکالنا چھوڑ دیا جاوے تو گندا ہوجاتا ہے،اللہ کی راہ میں مال نکالتے رہو پاک صاف رہے گا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر

زکوۃ مال بدر کن کہ دفتر زرا　　　چو باغبان بدر و بیشتر وہد انگور

زکوۃ نکالے جاؤ،انگور کی بیل کاٹتے رہنے سے زیادہ انگور دیتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ بڑی بھاری چیز جو قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں رکھی جاوے گی وہ اچھی عادت ہے ۱؎

	اور اللہ تعالٰی ناراض ہوتا ہے فحش گو بدخلق سے۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے،ابوداؤد نے پہلے حصہ کی روایت کی۔

۱؎ یا تو بعینہٖ اچھی عادت نیکیوں کے پلے میں رکھی جاوے گی کیونکہ قیامت میں ہر چیز کی شکل بھی ہوگی اس میں وزن وغیرہ بھی ہوگا،اچھی عادت کا ثواب،چونکہ اچھی عادت رب تعالٰی کو بہت پسند ہے اس لیے اس میں وزن زیادہ ہے،وہاں وزن رضاء الٰہی سے ہوگا اخلاص کی عبادات وزنی ہوں گی ریا کی عبادات ہلکی کہ ریا کی عبادت سے رب ناراض ہے،اخلاص کی عبادت سے رب راضی،کافر کی عبادات میں کوئی وزن نہ ہوگا،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا"گناہوں میں وزن رب تعالٰی کی ناراضی سے ہوگاجس قدر رب تعالٰی کی ناراضی زیادہ اس قدر گناہ میں وزن زیادہ اللہ محفوظ رکھے۔

۲؎ چونکہ رب تعالٰی بدخلقی بدزبانی سے ناراض ہے لہذا وہ گناہوں کے پلے میں ہوں گے اور اس گناہ میں بہت بوجھ ہوگا۔خیال رہے کہ حضور کے نیک اعمال میں اتنا وزن ہے کہ اسے کوئی ترازو تول سکتی ہی نہیں اسی لیے حضور کی نیکیاں تولی نہ جائیں گی جیسے ہماری ترازو سمندر کا پانی ہوا نہیں تول سکتی ایسے ہی قیامت کی ترازو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نیکیاں نہ تول سکے گی،جب ان کے نام میں اتنا وزن ہے کہ ہم جیسے گنہگاروں کے کروڑوں من کے گناہ ایک کلمہ محمدی سے ہلکے ہوجاویں گے کہ ہمارے کام ہلکے ہیں حضور کا نام بھاری ہے تو ان کے اعمال کیسے ہوں گے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔شعر

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مؤمن۱؎ اچھی عادت سے رات میں کھڑے رہنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ مؤمن سے مراد مؤمن کامل عالم و عامل ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی خوش خلق مسلمان کو خوش خلقی کی وجہ سے نفلی روزوں اور نفلی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے کہ وہ علانیہ اور خفیہ اللہ کی مخلوق کو خوش رکھتا ہے،نفلی روزہ نماز کا فائدہ صرف اپنے کو ہوتا ہے مگر خوش خلقی کا فائدہ مخلوق اٹھاتی ہے لازم سے متعدی اچھی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۱؎ جہاں ہوؤ اللہ سے ڈرو۲؎ اور برائی کے پیچھے بھلائی کرو جو برائی مٹادے۳؎ اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے برتاوا کرو ۴؎ (احمد،ترمذی،دارمی)

۱؎ نووی نے اپنی کتاب اربعین میں فرمایا کہ حضرت ابوذرغفاری اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما چہارم مسلمین ہیں۔(مرقات)حضرت ابوذر غفاری سے خصوصیت سے یہ ارشاد فرمایا گیا اگرچہ اور لوگ بھی سنتے تھے۔

۲؎ اس طرح کہ سارے واجبات ادا کرو اور سارے حراموں سے بچو۔تقویٰ دین کی جڑ اور یقین کی بنیاد ہے۔تقویٰ کے بہت درجے ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر نعیمی میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں عرض کیے۔پہلا درجہ بدعقیدگی سے بچنا ہے،دوسرا درجہ بدعملی سے بچنا ہے،تیسرا درجہ مکروہ بلکہ مشتبہ چیزوں سے بچنا،چوتھا درجہ بیکار چیزوں سے بچنا،پانچواں درجہ جو بارے حجاب ہو اس سے بچنا۔غرضکہ ہر طرح کی آڑ پھاڑ کر یارتک پہنچنا ہے اللہ اس قال کو حال بنادے۔جہاں کہیں ہونے سے مراد ہے علانیہ خفیہ ہر طرح ہر جگہ خدا سے ڈرنا۔

۳؎ یعنی گناہوں کے بعد توبہ کرلو اور بداعمالی کے بعد نیک اعمال کرلو جن سے یہ برائیاں مٹ جاویں۔گانا سن لیا ہے تو قرآن مجید سن لو،بری جگہ بیٹھے ہو تو وعظ و نصیحت کی مجلس میں بیٹھو،اگر حرام جگہ خرچ کردیا ہے تو صدقہ و خیرات کرو غرضکہ ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے کرو،حب دنیا کو حب آخرت سے دھولو،سیاہی دل کو آنکھوں کے آنسو سے دور کرلو غرض کہ سیاہی کو سفیدی سے دور کرو،دنیاوی خوشی کے بعد آخرت کا غم کرلو،اللہ تعالٰی ان نیکیوں کے ذریعہ ان برائیوں کو مٹا دے گا،رب فرماتاہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔

۴؎ اس طرح کہ لوگوں کی تکالیف برداشت کرو،ان پر اپنا مال خرچ کرو،ان سے خندہ پیشانی سے ملو،ان کی مصیبتوں میں کام آؤ۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو آگ پر اور آگ اس پر حرام ہوتی ہے ۱؎ ہر نرم طبیعت نرم زبان لوگوں سے قریب درگزر کرنے والا ۲؎(احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ دونوں لازم و ملزوم ہیں کہ دوزخ کی آگ پر وہ حرام ہوجاوے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہوجاوے کہ نہ آگ اس تک پہنچے نہ آگ تک وہ پہنچے اور اگر وہ کسی وقت دوزخیوں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں جاوے تو اس کو آگ کی گرمی نہ پہنچے۔

۲؎ ھین اور لین ی کی شد سے بھی آتا ہے اور ی کے سکون سے بھی دونوں کے معنی ہیں نرم مگر جب یہ دونوں جمع ہوجاویں تو ایک سے مراد نرم طبیعت ہوتا ہے دوسرے سے مراد نرم زبان۔سھل کے معنی ہیں سمح یعنی لوگوں کی زیادتیوں سے درگزر کر جانے والا،قریب کے معنی ہیں لوگوں سے نزدیک رہنے والا کہ جب اس کی ضرورت پڑے تو حاضر ہوجاوے اگر لوگ اس سے مستغنی ہوں تو یہ بھی بے نیاز رہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

	سے راوی فرمایا مؤمن سیدھا کرم والا ہوتا ہے ۱؎ فاجر چالاک بدخلق ہوتا ہے ۲؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ غر بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکا یہاں مراد ہے دیدہ دانستہ مسلمانوں سے دھوکا کھالینے والا لہذا یہ اس کی مہربانی ہے نہ کہ بے وقوفی۔ہم نے ایسے نیک لوگ دیکھے ہیں جو دیدہ دانستہ طور پر لوگوں سے دھوکا کھا کر ان کا بھلا کردیتے ہیں۔مشہور ہے کہ مولانا احمد جیون سے لوگوں نے دہلی پہنچ کر کہا کہ حضور آپ کے شہر جونپور کا دریا وہاں کے لوگوں کو ڈبو دے رہا ہے حضور پانچ سو روپیہ دیں تو دریا کو دے کر اسے اس حرکت سے باز رکھیں آپ نے دے دیئے کچھ عرصہ بعد وہ لوگ آکر بولے کہ حضور بڑی مشکل سے دریا کو پانچ سو روپیہ میں راضی کرکے شہر سے دفع کیا تو انہیں دعائیں اور انعام دیئے،عالمگیر بادشاہ نے کہا حضور یہ کیا فرمایا مسلمان جھوٹ نہیں بولتے یہ لوگ مسلمان ہیں سچ کہتے ہوں گے حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان سے دھوکا کھایا شیطان چالاک نے دھوکہ دیا یہ ہے کریم اور لئیم میں فرق۔

۲؎ خب بمعنی چالاک دھوکاباز اس کا نتیجہ ہے لئیم ہونا جس مسلمان میں یہ عیوب ہوں وہ ان سے توبہ کرے کہ یہ کفار کے عیب ہیں،کسی کو چالاکی سے پھانس لینا کمال نہیں پھنسے کو نکال لینا کمال ہے۔

	روایت ہے حضرت مکحول سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱؎ مؤمن لوگ نرم دل نرم طبیعت ہوتے ہیں جیسے نکیل والا اونٹ ۲؎ اگر چلایا جاوے تو اطاعت کرے اور اگر پتھر پر بٹھایا جاوے تو بیٹھ جاوے ۳؎(ترمذی مرسلًا)

۱؎ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مکحول تابعی ہیں صحابی نہیں لہذا صحابی کا ذکر نہیں ہوا مگر چونکہ مکحول بڑے عالم ثقہ ہیں اس لیے ان کا ارسال قبول ہے،جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو حضرت مکحول کا ارسال کیوں نہ معتبر ہو۔

۲؎ یعنی مؤمن زبان کا بھی نرم ہوتا ہے دل کا بھی نرم اور وہ اللہ رسول کے ہاتھ میں ایسا ہوتا ہے جیسے نکیل والا اونٹ اپنے مالک کے قبضہ میں۔انف الف کے فتحہ نون کے کسرہ سے یہ بنا ہے انف بمعنی ناک سے،انف وہ اونٹ جس کی ناک میں نکیل اور نکیل مالک کے ہاتھ میں ہو۔

۳؎ یعنی مؤمن اللہ رسول کے احکام پر بلا جرح قدح سر جھکا دیتا ہے خواہ احکام نرم ہوں یا سخت وجہ نہیں پوچھتا کہ یہ حکم کیوں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ مسلمان جو لوگوں میں ملا جلارہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرے اس سے افضل ہے جو نہ ان سے ملا جلا رہے اور نہ ان کی ایذاء پر صبر کرے

	۱؎(ترمذی،ابن ماجه)

۱؎یعنی مسلمان دو قسم کے ہیں: ایک وہ جنہیں خلوت بہتر ہے،بعض وہ جن کے لیے جلوت افضل ان دونوں میں جلوت والے افضل ہیں کیونکہ خلوت والے صرف اپنی اصلاح کرتے ہیں اور جلوت والے دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ تم دنیا میں اپنے دوست زیادہ بناؤ کہ کل قیامت میں مؤمن دوست شفاعت کریں گے اور آپ نے اپنی تائید میں یہ آیت پڑھی"فَمَا لَنَا مِنۡ شٰفِعِیۡنَ وَلَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ"کہ کفار اپنے لیے شفیع اور دوست نہ ملنے پر افسوس کریں گے مگر خیال رہے کہ بعض لوگوں کے لیے،نیز بعض حالات میں،نیز بعض مقامات پر خلوت افضل ہوتی ہے اگر جلوت میں خود اپنے آپ گناہوں میں مشغول ہوجانے کا اندیشہ ہو تو خلوت بہتر،حضرت وہب فرماتے ہیں کہ حکمت دس حصے ہیں نو خاموشی میں ایک خلوت میں۔(مرقات)بہتر یہ ہے کہ کبھی خلوت اختیارکرے کبھی جلوت خیر الامور اوسطہا،عربی میں تنہائی کو عزلة کہتے ہیں۔عارفین فرماتے ہیں کہ عزلة میں اگر علم کا عین نہ ہوتو ذلت ہے اور اگر زہد کی زنہ ہو تو نرمی علت ہےیعنی خلوت وہ اختیار کرے جس کے پاس علم بھی ہو زہد بھی۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن معاذ سے ۱؎وہ اپنے باپ سے راوی بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غصے کو پی جائے ۲؎حالانکہ اس کے جاری کرنے پر قادر ہو۳؎اللہ تعالٰی اس کو قیامت کے دن مخلوق کے سرداروں میں بلائے گا ۴؎یہاں تک کہ اس کو اختیار دے گا کہ جو حور چاہے لے لے ۵؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎آپ سہل ابن معاذ ابن انس ہیں،جہنی ہیں،اہل مصر سے ہیں،یہ معاذ ابن جبل نہیں بلکہ معاذ ابن انس ہیں۔

۲؎یعنی کسی نے دوسرے کو برا بھلا کہااور دوسرا شخص اپنی ذاتی برائی سن کر خاموش رہےدرگزر کرے تو اس کو وہ ثواب ہے جو آگے مذکور ہے۔اس میں صرف وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے ذاتی معاملات میں درگزر کریں لیکن اللہ ورسول،شیخ و استاد وغیرہ کے گستاخ سے بدلہ لینا اور غصہ کا اظہارکرناعین عبادت ہےوہاں غصہ نہ کرنا بے غیرتی ہے۔

۳؎یعنی بدلہ لینے کی ہر طرح طاقت ہے پھر صرف رب کی رضا کے لیے معاف کرتا ہے خواہ یہ شخص حاکم ہو یا طاقتور اور اس شخص پر غالب ہویا امیر ہوخود بدلہ لے سکتا ہو یا دوسرے کے ذریعے سے لے سکتا ہومگر اتنی قدرت کے باوجود پھر تحمل کرےیہ بہت مشکل کام ہے۔

۴؎کہ اس پر عمل کرنے سے انسان ولی اللہ بن جاتا ہے،اس نے دنیا میں اپنے کو عاجز کیارب تعالٰی اس کو قیامت کے دن سرداری عطا فرمائے گا کیسا عظیم کرم ہے۔

۵؎حور کی نسبت اس لیے ہے کہ یہ اس کے دل کو خوش کرنے کے لیے ہے جو اس نے صرف اپنے رب کے لیے رنجیدہ کیااور دل تنگ کیا ذلت برداشت کی کیونکہ مرد کادل بال بچے میں زیادہ خوش رہتا ہےاکیلا آدمی کتنا ہی دولت مند ہواداس رہتا ہے حقیقی خوشی اپنے ہی گھر نصیب ہوتی ہے۔اس حقیقی خوشی کے لیے اپنا گھر بسانے کے لیے حور کا ذکر کیاجائےگاکہ باہر کے غم ہمیشہ گھر میں اچھی بیوی کے ذریعہ ختم ہوتے ہیں تو گویا مؤمن کو رب تسلیاں فرماتا ہےاور مؤمن کا گھر جنت ہےاور دنیا باہر کی جگہ۔

	اور ابوداؤد کی روایت میں جو سوید بن وہب سے روایت ہےوہ ایک صحابی زادے مرد سے راویوہ اپنے باپ سے فرمایا بھردے گا اللہ تعالٰی اس کی دل کو امن وایمان سے ا؎اور ذکر کیا سوید کی حدیث کو من ترك لبس ثوب جمال کتاب اللباس میں۲؎

ا؎یعنی سرداری کے علاوہ امن و ایمان کی لذتیں بھی عطا ہوں گی کہ اگرچہ ایمان ملنے کا وقت دنیا ہے مگر لذت ایمانی قیامت میں ملے گی۔

۲؎یعنی یہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی مگر میں نے مناسبت کی وجہ سے اس کو کتاب اللباس میں لکھ دیا ہےوہاں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے زید بن طلحہ سے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک ہر دین کے اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے ا؎اسے مالک نے ارسالًا روایت کیا۔

ا؎یعنی اگرچہ اسلام کی بہت سی عبادات ہیں مگر حیا داری سب سے بڑی عبادت ہے۔کل دین سے مراد باطل ادیان ہیں اور دین اسلام سے مراد رب تعالٰی کا دین کیونکہ سب انبیاءکرام نے حیاء داری کا سبق دیابے غیرتی بے حیائی سے سب نے منع فرمایا،بے غیرت کا کوئی نیک عمل قبول نہیں اگرچہ ساجد و عابد ہو،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔

	اور ابن ماجہ و بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس وابن عباس سے روایت فرمایا ا؎

۱؎لہذا یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ مسند ہے کیونکہ اس میں حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا نام آگیا،یہ حضرات صحابی ہیں،چونکہ ابن طلحہ تابعی ہیں اور مالک نے انہی سے یہ روایت کی صحابی کا ذکر نہیں کیالہذا ان کی روایت میں حدیث مرسل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرم غیرت اور ایمان سارے ساتھی ہیں۱؎تو جب ان میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔	

۱؎یہاں **قرناء** جمع دو کے لیے ارشاد ہوا،**قرنا** جمع ہے **قرین** کی بمعنی ساتھی،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **قرنا** تثنیہ مذکر ماضی مطلق سے ہے یعنی حیاء اور ایمان رہنے اور جانے میں ساتھ ہیں،جس دل میں ہوں گے دونوں ہوں گے نہ ہوں گے دونوں نہ ہوں گے،مؤمن بے حیا نہیں ہوسکتاکافر حیادار نہیں ہوسکتا۔

اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ جب ان میں سے ایک چھن جاتا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ جاتا ہے۱؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎خیال رہے کہ یہاں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے اور حیاء سے مراد ایمانی شرم و غیرت ہے یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیرت جو گناہوں سے روک دے۔

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں جو آخری وصیت مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جب کہ میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا۱؎یہ تھی کہ فرمایا اے معاذ اپنے اخلاق لوگوں سے اچھے رکھو ۲؎ (مالک)	

۱؎حضرت معاذ ابن جبل کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بناکر بھیجاجب آپ وہاں جانے کے لیے سوار ہوئے تو حضور انور نے یہ فرمایا۔

۲؎یعنی تم وہاں حاکمانہ شان و شوکت سے لوگوں سے الگ تھلگ نہ رہنااور اپنے پاس آنے جانے والوں سے بدخلقی سے پیش نہ آنا۔خیال رہے کہ خلق اور چیز ہے ظالم کو سخت سزا دینا،ملک میں سختی سے انتظام کرنا کچھ اور ہے لہذا یہ حکم عالی سیاست کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس لیے بھیجا گیا کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں ۱؎(مؤطا)	
اور احمد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔	

۱؎اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لائےاور ہم آخری نبی ہیں جیسے ہماری ذات سے دین مکمل ہوا،اللہ تعالٰی کی نعمت تمام ہوئی،نبوت ختم ہوئی ایسے ہی ہم نے تعلیم اخلاق کو مکمل فرمادیا،اب تا قیامت علماء و اولیاء ہمارے نقش قدم پر چل کر ہمارے اخلاق لوگوں کو سکھائیں گے۔اس صورت میں اتمام کا مقصد ناقص کو کامل کرنا نہیں بلکہ اخلاق کے اعلٰی درجہ کی تعلیم ہے۔دوسرے یہ کہ اہل عرب نے عقائد ابراہیمی اعمال ابراہیمی بدل دیئے تھے مگر اخلاق ابراہیمی کے یہ لوگ حامل تھے،درازی زمانہ کی وجہ سے اہل عرب کے اخلاق ناقص ہوگئے تھے میں انہیں اخلاق ابراہیمی کی تکمیل کے لیے آیا ہوں کہ لوگوں کو جناب خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ کے اخلاق کی تعلیم پورے طور پر دوں اور پیدا شدہ نقصان اور کمی کو دور کروں،پہلے معنی شیخ نے فرمائے،دوسرے معنی مولانا ملا علی قاری نے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے محل کی آخری اینٹ ہیں حضور سے نبوت،اخلاق،ہدایت کی تکمیل ہوئی،حضور جمع الجمع ہیں،آپ سے مسیر(چلنا)آپ کی طرف مصیر ہے(لوٹنا)،تمام انبیاء کرام کی صفات کے جامع ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جعفر ابن محمد سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ میں نظر فرماتے ۲؎تو فرماتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے میری صورت اور سیرت اچھی بنائی ۳؎اور میری وہ چیز اچھی کی جو دوسروں کی بری کی ۴؎ بیہقی نے بطریق ارسال روایت کی۔	

۱؎امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر تابعی ہیں،آپ کی ملاقات حضرت جابر سے ہے اور آپ تک حضور انور کا سلام پہنچا ہے۔(مرقات)آپ کا نسب نامہ والد کی طرف سے یہ ہےامام جعفر ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی مرتضٰی اور ماں کی طرف سے آپ کا نسب نامہ یہ ہےامام جعفر صادق ابن حضرت فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن محمد ابن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لہذا آپ نسبًا حیدری ہیں،حسبًا صدیقی،تمام حسینی سید نسب میں حضرت علی کی اولاد ہےاور حسب میں حضرت ابو بکر صدیق کی،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ اور شجرہ انساب۔

۲؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے زمانہ پاک میں آئینہ تھااور حضور نے آئینہ میں شکل مبارک دیکھی،ہاں اکثر پانی میں چہرہ پاک دیکھ کر کنگھی وغیرہ کی ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں ہے کہ کبھی یہ عمل تھا کبھی وہ۔

۳؎خلقی خ کے فتح سے صورت پاک اور خ کی پیش سے سیرت پاک۔حضور انور صورت میں ایسے حسین کہ اللہ تعالٰی کے محبوب ہیں اور سیرت میں ایسے بے مثال کہ رب تعالٰی نے آپ کے خلق کی تعریف فرمائی"اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیۡمٍ"ہم بھی یہ دعا پڑھا کریں حضور کی نقل کرتے ہوئے۔شعر

تیری خلق کو رب نے جمیل کیا　　　تیرے خلق کو رب نے عظیم کہا

کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شاہا تیرے خالق حسن ادا کی قسم

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صورت و سیرت میں بے مثال ہیں۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ صورت کی نورانیت دل کی نورانیت کا پتہ دیتی ہے اس لیے حضور انور آئینہ میں اپنی شکل پاک دیکھ کر اپنی سیرت کا بھی ذکر فرماتے تھے ورنہ سیرت آئینہ میں نظر نہیں آتی۔(مرقاۃ)ہم لوگ بھی آئینہ دیکھ کر یہ دعا پڑھیں یہ سمجھ کر کہ رب تعالٰی نے ہم کو صحت و تندرستی بخشی ہے،بہت سے لوگ کانے نکٹے برص کے مارے اور ہونٹ کٹے ہوتے ہیں جن سے ان کی صورتیں بگڑ گئی ہوتی ہیں شکر ہے کہ ہم ان سب سے محفوظ ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی تو نے میری صورت بھی اچھی کی ہے تو میری سیرت بھی اچھی کر ۱؎(احمد)

۱؎ حضور انور کی یہ دعا یا تو امت کی تعلیم کے لیے ہے یا اچھے اخلاق اور زیادتی کی طلب کے لیے یا اس پر دائم قائم رہنے کے لیے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی سے بڑھ کر خوش خلق ہیں لہذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کے اس قول کے خلاف نہیں کہ آپ کا خلق قرآن ہے۔ہم نماز میں پڑھتے ہیں"اِهْدِنَا الصِّرٰطَ الْمُسْتَقِيْمَ"حالانکہ ہم ہدایت پر ہیں مسلمان ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا"۔صوفیاء کرام فرماتے کہ باطنی ترقی کی انتہا نہیں کیونکہ وہ تجلی الٰہی سے ہے اور تجلی الٰہی کی انتہا نہیں حتی کہ اس کی انتہا جنت میں بھی نہ ہوگی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ" یہ زیادتی ہمیشہ ہوتی رہے گی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تم میں سے بہترین کی خبر نہ دوں صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں جن کی عمریں دراز اور اچھے اخلاق ہوں ۱؎(احمد)

۱؎ عمر کی درازی یا مقدار میں ہو یا کیفیت میں یا دونوں میں۔اچھے اخلاق اور سارے دینی و دنیاوی نیک اعمال داخل ہیں کیونکہ نیک اعمال کی اصل اچھی عادت ہے یعنی بڑا خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالٰی لمبی عمر دے اور لمبی عمر میں نیک اعمال کرنے کی توفیق بخشے کہ قیامت میں عطا بقدر اعمال ہوگی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں کامل ایمان والا اچھے اخلاق والا ہے ۱؎(ابوداؤد،دارمی)

۱؎ کیونکہ اچھی عادت سے عبادات اور معاملات دونوں درست ہوتے ہیں،اگر کسی کے معاملات تو ٹھیک مگر عبادات درست نہ ہوں یا اس کے الٹ ہوتو وہ اچھے اخلاق والا نہیں۔خوش خلقی بہت جامع صفت ہے کہ جس سے خالق اور مخلوق سب راضی رہیں وہ خوش خلقی ہے۔

روایت ہے ان ہی سے ایک شخص نے جناب ابوبکر کو برا کہااور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تعجب و تبسم فرمارہے تھے۱؎ تو جب اس نے بہت زیادتی کی تو آپ نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا۲؎ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم ناراض ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے۳؎ ابوبکر حضور کے پیچھے پہنچے عرض کیا یارسول اللہ وہ مجھے برا کہتا رہاآپ بیٹھے رہے جب میں نے اس کی بات کا جواب دیا تو آپ ناراض ہوگئے اور کھڑے ہوگئے۴؎ فرمایا تمہارے ساتھ فرشتہ تھا جو اسے جواب دے رہا تھا۵؎ پھر جب تم نے خود اسے جواب دیا تو شیطان پڑ گیا۶؎ پھر فرمایااے ابوبکر تین چیزیں بالکل حق ہیں:نہیں ہے کوئی بندہ جس پر ظلم کیا جاوے تو اللہ کے لیے چشم پوشی کرے مگر اس کے ذریعہ اللہ اپنی مدد بڑھادے گا۷؎ اور کوئی شخص دینے کا دروازہ نہیں کھولتا جس سے صلہ رحمی کا ارادہ کرے ۸؎ مگر اس سے اللہ تعالٰی زیادتی مال اور بڑھا دیتا ہے ۹؎ اور کوئی شخص مانگنے کا دروازہ نہیں کھولتا جس سے زیادتی کا ارداہ کرے مگر اس سے اللہ تعالٰی کمی بڑھادیتا ہے ۱۰؎(احمد)	

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تحمل و بردباری ملاحظہ فرماکر ان پر خوش ہونے کی وجہ سے تھا۔معلوم ہوا کہ حضور انور اپنی امت کے نیک اعمال سے بہت خوش ہوتے ہیں،ہم کو چاہیے کہ ہمیشہ نیک اعمال کیا کریں کہ حضور کو اس سے خوشی ہوتی ہے اللہ ہم کو توفیق دے کہ اپنے نبی کو خوش کرلیں ان کی خوشی ہمارے نیک بننے سے ہوگی۔

۲؎ حضرت ابوبکر صدیق کا جواب دینا بالکل جائز تھااور ازروئے قرآن کریم بالکل حق تھا،قرآن کریم فرماتاہے:"وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الْبَغْیُ ہُمْ یَنۡتَصِرُوۡنَ"اور فرماتاہے:"لَا یُحِبُّ اللہُ الْجَہۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ"جناب صدیق اکبر اس وقت مظلوم تھے لہذا آپ پر کوئی اعتراض نہیں نہ آپ سے کوئی ناجائز کام سرزد ہوا۔

۳؎اس ناراضی کی وجہ آگے آرہی ہے کہ ذاتی موذی سے بدلہ لینا شان صدیقی کے لائق نہیں،نیز تم یہ بدلہ اپنے خادم فرشتے کے ذمہ رہنے دواس موذی کو تم خود کیوں منہ لگاتے ہو،مجرموں کو سزا بادشاہ اپنے ہاتھ سے نہیں دیتےبلکہ اپنے خدام سے سزا دلواتے ہیں۔

۴؎یعنی یارسول اللہ میں نے اس پر ظلم نہیں کیاحضور پھر مجھ پر ناراض کیوں ہوئے،ظالم تو وہ ہے میں نے تو صرف بدلہ لیا ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی کسی بات کی بناء پر نہ تھی بلکہ افضلیت کی تعلیم کے لیے تھی جیساکہ آئندہ جواب سے معلوم ہورہا ہے۔خیال یہ بھی رہے کہ یہاں **شتم** بمعنی سب ہے یعنی برا کہنا بمعنی گالی نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے جواب میں گالی دی آپ کی زبان مبارک جھوٹ اور گالی سے ہمیشہ محفوظ رہی۔

۵؎اس طرح کہ جب وہ شخص تم سے کہتا تھا کہ ابوبکر آپ تو ایسے ہیں تو فرشتہ کہتا تھاابوبکر تو اچھے ہیں تو ہی ایسا ہے۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی نگاہیں غیبی فرشتوں کو دیکھتی ہیں اور آپکے کان شریف فرشتوں کی آواز سنتے ہیں،یہ فرشتہ یا تو کوئی خاص فرشتہ تھا جو اس کام کے لیے مامور ہواتھا یا آپ کے ساتھ رہنے والا فرشتہ،پہلا احتمال قوی ہے۔

۶؎یعنی اب تک تمہارا صبر رب کے لیے تھا اب تمہارا جواب دنیا نفس کے لیے ہوا یہ اگرچہ جائز ہے مگر چونکہ اس میں اپنی ذات کو اور غصہ کو دخل ہے اس لیے فرشتہ خاموش ہوگیااور شیطان خوش ہونے لگا۔ممکن ہے کہ اب تم اس کے جواب میں زیادتی کردواب تک وہ ظالم تھا پھر ظلم تمہاری طرف سے ہوجاوے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ جائز کام بھی اگر نفس کے لیے ہو تو شیطان کی خوشی کا ذریعہ بن جاتاہے۔

۷؎یعنی جو شخص اپنے حقوق مارنے والے سے چشم پوشی کرے اس پر موقعہ پاکر بھی اس سے بدلہ نہ لے تو اللہ تعالٰی اس کی مدد اور بھی زیادہ کردے گا۔**بھا** کا مرجع **مظلمة** ہے۔یہ بات تجربہ سے بھی ثابت ہے معافی سے عزت بڑھتی ہے بشرطیکہ معافی کمزوری کی نہ ہواخلاق کی ہو،وہ معافی والی آیتیں منسوخ ہیں جو کمزوری کی وجہ سے ہو اخلاقی معافی کی آیتیں محکم ہیں۔

۸؎یعنی رشتہ داروں سے سلوک کرنا صرف اللہ و رسول کی رضا کے لیے ہواپنی ناموری کے لیے نہ ہوتو ثواب ہے اس کا فائدہ ہے۔

۹؎صدقہ ثواب ہے اور اپنے عزیزوں و اہل قرابت پر صدقہ دوہرا ثواب ہےصدقہ کا بھی اور حق قرابت ادا کرنے کا بھی۔

۱۰؎اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت کسی سے کچھ مانگ لینا جائز ہےصرف ضرورت کے مطابق مانگے اگر اور طرح سے ضرورت پوری ہوسکے تو نہ مانگے،اپنے پاس مال ہے اور زیادتی مال کے لیے مانگنا یہ بہرحال حرام ہے۔نصاب تین قسم کے ہیں: زکوۃ واجب ہونے کا نصاب،خیرات و زکوۃ لینے کی ممانعت کا نصاب اور سوال سے بچنے کا نصاب۔آخری نصاب بقدر ضرورت مال اپنے پاس ہونا ہے،ضرورت والا مانگے بلا ضرورت نہ مانگے،پیشہ ور گداگر ہمیشہ فقیر ہی رہتے ہیں،حاجت مند اور گداگر میں فرق کرنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کسی گھر والوں پر مہربانی کا ارادہ نہیں کرتا مگر انہیں نفع دیتا ہے اور اللہ ان کو محروم کرنا نہیں چاہتا مگر انہیں نقصان دیتا ہے ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی اللہ تعالٰی جن لوگوں پر کرم فرماتا ہے ان کے دلوں میں نرمی ڈال دیتا ہے وہ لوگوں پر نرمی کرتے ہیں جس سے ان کی عزت اور بڑھ جاتی ہے اور جن لوگوں پر اللہ تعالٰی قہر فرماتا ہے انہیں نرمی دل سے محروم کردیتا ہے،ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں،لوگوں سے سختی سے پیش آتے ہیں۔نرمی بہت اچھی چیز ہے ہاں دین میں سختی اچھی ہے۔

باب الغضب و الکبر

غصہ اور غرور کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ غضب یعنی غصہ نفس کے اس جوش کا نام ہے جو دوسرے سے بدلہ لینے یا اسے دفع کرنے پر ابھارے۔غصہ اچھا بھی ہے اور برا بھی،اللہ کے لیے غصہ اچھا ہے جیسے مجاہد غازی کو کفار پر یا کسی واعظ عالم کو فساق و فجار پر یا ماں باپ کو نافرمان اولاد پر آوے اور برا بھی ہوتا ہے جیسے وہ غصہ جو نفسانیت کے لیے کسی پر آوے۔اللہ تعالٰی کے لیے جو غضب کا لفظ آتا ہے وہاں غضب کے معنی ہوتے ہیں ناراضی و قہر کیونکہ وہ نفس و نفسانیت سے پاک ہے۔کبر کا معنی ہے عجب یعنی بڑائی اپنی ذات و صفات کو اچھا جاننا اس کے اظہار کا نام تکبر ہے،اس کا مقابل تواضع و انکسار ہے۔تکبر اچھا بھی ہے اور برا بھی،مسلمان کا اپنے کو کفار سے اچھا جاننا اور انہیں حقیر سمجھنا کہ ان کی ہیبت ہمارے دل میں نہ آئے یہ اچھا تکبر ہے،مسلمان بھائی سے اپنے کو بڑا سمجھنا انہیں ذلیل و حقیر سمجھنا یہ برا ہے۔نبی کے مقابلہ میں تکبر کفر ہے جیسے شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں تکبر کیا تو کافر ہوا،اللہ تعالی کی صفت ہے متکبر وہاں اس کے معنی بہت بڑا،بہت ہی عالی و اونچا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے فرمایا غصہ نہ کیا کرواس نے یہ سوال بار بار دہرایا حضور نے یہ ہی فرمایا غصہ نہ کیا کرو ۱ (بخاری)

۱ شاید یہ سائل غصہ بہت کرتا ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں ہر شخص کو وہ ہی دوا بتاتے ہیں جو اس کے لائق ہیں۔نفسانی غضب و غصہ شیطانی اثر ہے اس میں انسان عقل کھو بیٹھتا ہے،غصہ کی حالت میں اس سے باطل کام و کلام سرزد ہونے لگتے ہیں۔غصہ کا علاج اعوذ باللہ پڑھنا ہے یا وضو کرلینا یا یہ خیال کرلینا کہ اللہ تعالٰی مجھ پر قادر ہے۔رحمانی غضب عبادت ہے "فَرَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضْبٰنَ اَسِفًا" یا جیسے "غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ"۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کشتی سے پہلوان نہیں ہوتا ۱ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے ۲ (مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ یہ جسمانی پہلوانی فانی ہے اس کا اعتبار نہیں دو دن کے بخار میں پہلوانی ختم ہوجاتی ہے۔

۲؎ کیونکہ غصہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے اور نفس ہمارا بدترین دشمن ہے،اس کا مقابلہ کرنا،اسے پچھاڑ دینا بڑی بہادری کا کام ہے،نیز نفس قوت روحانی سے مغلوب ہوتا ہے اور آدمی قوت جسمانی سے پچھاڑا جاتا ہے،قوت روحانی قوت جسمانی سے اعلیٰ و افضل ہے لہٰذا اپنے نفس پر قابو پانے والا بڑا بہادر پہلوان ہے۔

حضرت حارثہ ابن وہب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں جنتی لوگ نہ بتاؤں ہر کمزور جسے کمزور سمجھا جاوے ۱؎ اگر وہ اللہ پر قسم کھا جاوے تو اللہ اس کی قسم پوری کردے ۲؎ کیا میں تمہیں آگ والے نہ بتاؤں ہر سخت دل بدکار متکبر ۳؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ہر سخت دل حرامی ۴؎ غرور والا۔	

۱؎ یہاں **ضعیف** کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تکبر جبر ظلم نہ ہو،یہ مطلب نہیں کہ اس میں طاقت و قوت نہ ہو،اللہ تعالٰی کو قوی اور طاقتور مسلمان پسند ہیں یعنی اس میں طاقت تو ہو مگر وہ اپنی طاقت مسلمانوں پر استعمال نہ کرے اور **متضعف** کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو اس پر امن ہو کہ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا،اس کے شر سے مسلمان اپنے کو محفوظ سمجھیں،یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اسے ذلیل و خوار سمجھیں،مسلمان بڑی عزت والا ہوتا ہے۔اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے"اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ"۔

۲؎ مثلًا اگر وہ کہہ دے کہ قسم خدا کی تیرے بیٹا ہوگا یا قسم خدا کی آج بارش آوے گی یا قسم خدا کی اس اسلامی لشکر کو فتح ہوگی تو اللہ تعالٰی اس کی قسم ضرور پوری فرماوے،ضرور اس کے بیٹا ہو،ضرور آج بارش آوے،ضرور لشکر اسلام کو فتح ہو۔خیال رہے کہ پہلے تو بندہ اللہ تعالٰی کی رضا چاہتا ہے پھر ایک وقت وہ آتا ہے کہ اللہ تعالٰی بندے کی رضا چاہتا ہے۔حضرت صدیق اکبر کے متعلق فرمایا:"وَلَسَوْفَ یَرْضٰی"اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا:"وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی"۔معلوم ہوا کہ بزرگوں سے اللہ کی نعمتیں مانگنا جائز ہے کہ ان کے منہ سے نکلی بات اللہ تعالٰی پوری کرتا ہے۔

۳؎ **عتل** کے بہت معنی ہیں:سخت دل،بدزبان،جھگڑالو،یوں ہی **جواظ** کے بہت معنی ہیں:موٹا فربہ،بدکار،فاسق بخیل جو اپنا مال چھپائے دوسروں کے مال پر نظر رکھے۔(مرقات)یہاں سارے معنی درست ہیں۔

۴؎ **زنیم** بنا ہے **زنم** سے یعنی کان کٹی بکری جس کا کان کٹ کر لٹک رہا ہو۔اصطلاح میں **زنیم** حرامی کو کہتے ہیں کہ یہ شخص بھی دوسری قوم سے ملحق ہوتا ہے جیسے ولید بن مغیرہ،یہاں **زنیم** بمعنی شریر ولئیم ہے جس کے شر سے مسلمان پریشان ہوں،اکثر دیکھا گیا ہے کہ حرامی بچے بڑے شریر و خبیث ہوتے ہیں۔(مرقاۃ)بعض لوگ کہتے ہیں کہ

حرامی جنت میں نہیں جاوے گا اس کی کوئی اصل نہیں،ہاں جوحرامیوں کے سے کام کرے وہ جنت میں اوّلًا نہ جاوے گا۔(از مرقات)علماء فرماتے ہیں کہ حرامیوں کی نسل میں کوئی ولی نہیں ہوتا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ شخص آگ میں داخل نہ ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو۱ اور وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر غرور ہو ۲(مسلم)	

۱یعنی جس کے دل میں رائی برابر نور ایمانی ہووہ ہمیشہ رہنے کے لیے دوزخ میں نہیں جاوے گالہٰذا حدیث واضح ہے۔ایمان سے مراد نتیجہ ایمان ہے اور آگ میں جانے سے مراد ہیشگی کے لیے جانا ہے،ایمان میں زیادتی کمی ناممکن ہےنور ایمان میں ممکن ہے۔

۲اس فرمان عالی کے چند معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ دنیا میں جس کے دل میں رائی برابر کفر ہووہ جنت میں ہرگز نہ جاوے گا۔کبر سے مراد اللہ و رسول کے سامنے غرور کرنا یہ کفر ہے۔دوسرے یہ کہ دنیا میں جس کے دل میں رائی کے برابر غرور ہوگاوہ جنت میں اولًا نہ جائے گا۔تیسرے یہ کہ جس کے دل میں رائی برابر غرور ہوگاوہ غرور لے کر جنت میں نہ جائے گاپہلے رب تعالٰی اس کے دل سے تکبر دور کردے گاپھر اسے جنت میں داخل فرمائے گا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوٰنًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ"۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں وہ نہ جاوے گا جس کے دل میں ذرہ برابر غرور ہو۱ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کا جوتا اچھا ہو۲ فرمایا کہ اللہ تعالٰی جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۳ غرور حق کو جھٹلانا لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے(مسلم)۴	

۱اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا۔خیال رہے کہ آگ میں کبروغرور ہےخاک میں عجز و انکساری،دیکھ لو باغ کھیت خاک میں لگتے ہیں آگ میں نہیں لگتے،ایسے ہی ایمان و عرفان کا باغ خاک جیسے عاجز و منکسر دل میں لگتے ہیں آگ جیسے متکبر دل میں نہیں لگتے ہیں۔

۲سائل سمجھا کہ شاید اچھا لباس پہننا بھی غرور میں داخل ہے کہ اس میں اپنی مالداری یا بڑائی کا اظہار ہے اس لیے اس نے یہ سوال کیا،نیز اکثر متکبرین اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے ہیں تو یہ عمدگی لباس متکبرین کی علامت ہے بہرحال سوال بالکل درست ہے۔

۳؎ یعنی رب تعالٰی ذات و صفات میں اچھا ہے،جمیل ہے مخلوق اس کی صفات کی مظہر ہے تو مسلمان کو چاہیے کہ اپنی عادات،صورت،لباس،اعمال اچھے رکھے تاکہ رب تعالٰی کی صفت جمیل کا مظہر بنے،نیز اس لباس میں رب تعالٰی کی نعمت کا اظہار ہے جو محبوب ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ"اسے تکبر سے کوئی تعلق نہیں۔

۴؎ یعنی متکبر وہ ہے جو کسی معمولی انسان کی حق بات کو اس لیے جھٹلائے کہ یہ اس آدمی کے منہ سے نکلی ہے اور مساکین کو ذلیل سمجھے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالٰی نہ کلام کرے گا ۱؎ اور نہ انہیں پاک کرے گا ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ نہ ان کی طرف نظر کرے گا ۳؎ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بڈھا زانی ۴؎ اور جھوٹا بادشاہ ۵؎ اور فقیر غرور والا ۶؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی ان تین قسم کے لوگوں سے کرم و محبت کا کلام نہ کرے گا غضب و قہر کا کلام کرے گا لہذا حدیث واضح ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے اول وقت جب عدل الٰہی کا ظہور ہوگا تب ان سے کلام نہ کرے گا یا مطلقًا بلا واسطہ کلام نہ کرے گا بواسطہ فرشتوں کے کرے گا۔(مرقات)

۲؎ یعنی ان کے گناہ معاف نہ کرے گا یا ان کی صفائی لوگوں پر ظاہر نہ کرے گا،تزکیہ کے یہ دونوں معنی ہی آتے ہیں۔

۳؎ یعنی نظر رحمت نہ کرے گا نظر قہر کرے گا۔

۴؎ اس لیے کہ زنا اگرچہ بہرحال برا ہے سخت گناہ ہے مگر بڈھا آدمی کرے تو بدترین گناہ ہے کہ اس کی شہوت قریبًا ختم ہوچکی ہے وہ مغلوب و مجبور نہیں جوان آدمی گویا معذور ہے۔(مرقات)

۵؎ کیونکہ بعض لوگ مجبورًا جھوٹ بولتے ہیں،بعض لوگ حاکم کے ڈر یا بادشاہ کے خوف سے جھوٹ بول دیتے ہیں،بعض لوگ تنگدستی سے تنگ آکر جھوٹ کے ذریعے روزی کماتے ہیں بادشاہ کو ان میں سے کوئی مجبوری نہیں وہ جھوٹ بولتا ہے تو بلاوجہ ہی بولتا ہے۔

۶؎ حکومت والوں مال والوں کے پاس غرور تکبر کے اسباب موجود ہیں۔اگر فقیر غرور کرے تو محض دلی خباثت کی وجہ سے ہی کرے گا اس لیے اسکا تکبر بدترین جرم ہے،بعض لوگ غریب ہوتے ہوئے معمولی نوکری معمولی کام نہیں کرتے زکوۃ و خیرات قبول نہیں کرتے،خود بھی بھوکے رہتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو بھی بھوکا مارتے ہیں وہ بھی اس وعید میں داخل ہیں،بعض لوگ بہت غریب ہوتے ہیں مگر اپنی لڑکیوں لڑکوں کے لیے بڑے مالدار رشتے تلاش کرتے ہیں اس تلاش میں اولاد بوڑھی ہوجاتی ہے مگر شادی نہیں کرتے جس کے نتیجے بہت برے ظاہر ہوتے ہیں یہ سب اس فرمان عالی میں داخل ہیں۔درود ہو اس حکیم مطلق محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہم پر ہمارے ماں

باپ بلکہ خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔اللہ تعالٰی ان کی تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے،اس ایک کلمہ میں کیسی ہدایتیں ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے ۱؎ جو ان دونوں میں سے ایک مجھ سے چھیننا چاہے گا ۲؎ میں اسے آگ میں داخل کروں گا ۳؎ اور ایک روایت میں ہے میں اسے آگ میں پھینک دوں گا ۴؎ (مسلم)

۱؎ کبر سے مراد ذاتی بڑائی ہے اور عظمت سے مراد صفاتی بڑائی۔چادر اور تہبند فرمانا ہم کو سمجھانے کے لیے ہے کہ جیسے ایک چادر ایک تہبند دو آدمی نہیں پہن سکتے یوں ہی عظمت وکبریائی سوائے میرے دوسرے کے لیے نہیں ہوسکتی۔

۲؎ اس طرح کہ اپنی ذات یا اپنی صفات کو بڑا سمجھے گا میرا مقابلہ کرے گا گویا میرا شریک بننا چاہے گا۔خدا کی پناہ!

۳؎ دنیا میں فراق و ہجران کی آگ میں،آخرت میں دوزخ کی آگ میں متکبرین کی یہی سزا ہے۔

۴؎ اسے دوزخ میں ایسے پھینک دوں گا جیسے مرا کتا روڑی کوڑے پر ذلت و حقارت کے ساتھ پھینکا جاتا ہے۔خیال رہے کہ کبریائی عظمت سے اعلٰی وافضل ہے اس لیے کبریائی کی چادر اور عظمت کو تہبند فرمایا،چادر تہبند سے افضل ہوتی ہے۔تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا سمجھے،عظمت یہ ہے کہ لوگ اسے بڑا سمجھیں لہذا عظمت میں غیروں کے خیال کو دخل ہوا لہذا تکبر و کبریائی اعلٰی ہے عظمت سے کہ کبریائی ذاتی ہے عظمت اضافی۔(مرقات)خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے مقبول بندوں کی عزت و عظمت رب تعالٰی کا عطیہ ہے،یہ رب تعالٰی کی نعمت عاجلہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی اپنے آپ کو اونچا لے جاتا رہتا ہے حتی کہ وہ جبارین میں لکھ دیا جاتا ہے ۱؎ تو اسے وہ ہی عذاب پہنچتا ہے جو جبارین کو پہنچتا ہے ۲؎ ترمذی کی روایت ہے

۱؎ یعنی اس کا نام متکبرین و جبارین کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ رب کے دفتر الگ الگ ہیں۔نیکوں کے صدہا دفتر بدوں کے ہزار ہا دفتر۔

۲؎ یعنی جو دنیاوی اور اخروی عذاب و ذلت ورسوائی،فرعون،ہامان،قارون کو پہنچی ہے یا پہنچے گی وہ اسے بھی ملے گی انہیں قیامت والے اپنے پاؤں تلے روندیں گے۔

	روایت ہے عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ متکبر لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح جمع کیے جائیں گے مردوں کی صورت میں جنہیں ہر جگہ سے ذلت چھا جائے گی ۱؎ ہانکے جائیں گے دوزخ کے ایک قید خانہ کی طرف جسے بولس کہا جاتا ہے ۲؎ ان پر آگوں کی آگ چھا جائے گی ۳؎ اور وہ دوزخیوں کی پیپ یعنی طینہ سے پلائے جائیں گے ۴؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی ان کی شکل و صورت بھی حقیر،ان کی حالت بھی زار و خوار جیسے دنیا میں چونٹیوں کی کوئی قدرومنزلت نہیں ایسے ہی آخرت میں انکی کوئی منزلت نہ ہوگی،دنیا کی عزتیں وہاں ذلت بن جاویں گی،دنیاوی محبتیں وہاں عداوتوں میں تبدیل ہوجاویں گی،رب فرماتاہے:"اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ"۔

۲؎ خیال رہے کہ تمام انسان قبروں سے بشکل انسانی اٹھیں گے،پھر محشر میں پہنچ کر بعض کی صورتیں مسخ ہوجائیں گی یہاں بھی ان لوگوں کا چیونٹیوں کی شکل میں ہونا محشر میں پہنچ کر ہی ہوگا۔(مرقات) دوزخ میں لوگوں کی صورتیں مختلف ہوں گی۔چنانچہ بعض دوزخی کتوں کی شکل میں ہوں گے،بعض سوٗروں اور گدھوں کی شکل میں،نیز بعض جنتی دنیا میں کانے اور اندھے تھے مگر وہاں سب آنکھوں والے حسین ہوں گے۔بولس بنا ہے بلس سے یعنی یاس و ناامیدی کیونکہ وہاں سے نکلنے کی امید نہ ہوگی اس لیے اس مقام کا نام بولس ہے۔

۳؎ یعنی جیسے پانی میں ڈوبنے والا ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوتا ہے ایسے ہی یہ لوگ آگ کے سمندر میں ڈوبے ہوں گے،ہر طرف سے آگ ہوگی اور اس آگ میں تمام مختلف آگوں کی گرمی جمع کردی گئی ہوگی اسے آگوں کی آگ فرمایا گیا۔

۴؎ اس طرح کہ ان غصہ اور متکبرین کو جہنم کے نچلے طبقہ اسفل السافلین میں رکھا جاوے گا جہاں تمام دوزخیوں کا خون پیپ کچ لہو بہ کر آتا رہے گا،انہیں وہ پلایا جائے گا،اس گندگی کا نام طینۃ الخبال ہے۔خبال بمعنی فساد،طینہ بمعنی بدبودار نچوڑ،یہ نہایت ہی گرم بہت بدبودار،گاڑھا گاڑھا ہوگا،سخت بدمزہ جسے دیکھ کر قے آوے،دل گھبرائے مگر پیاس و بھوک کے غلبہ سے کھانا پڑے گا۔خدا کی پناہ!

	روایت ہے حضرت عطیہ ابن عروہ سعدی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غصہ شیطان

کی طرف سے ہے ۲؎ اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے ۳؎ اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وہ وضو کرے ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ صحابی ہیں، قبیلہ بنی سعد سے ہیں مگر آپ کے حالات قطعًا معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یہاں غصہ سے مراد شیطانی نفسانی غصہ ہے، ایمانی رحمانی غصہ مراد نہیں۔ مسلمان غازی کو کافروں پر جو غصہ آوے وہ غصہ عبادت ہے جس پر ثواب ہے مگر اکثر شیطانی اور رحمانی غصہ میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے، ہم غلطی سے شیطانی غصہ کو رحمانی سمجھ لیتے ہیں۔

۳؎ شیطان کی پیدائش کے متعلق قرآن کریم میں خود اس مردود کا قول موجود ہے "خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ"۔ اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ابلیس جن ہے فرشتہ نہیں کہ فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے ابلیس کی خلقت میں آگ کا غلبہ ہے جیسے انسان کی خلقت میں مٹی خاک کا غلبہ ہے اس لیے اسے ناری نہیں خاکی کہا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی جیسے حسی آگ حسی پانی سے بجھائی جاتی ہے ایسے ہی باطنی آگ باطنی پانی سے بجھائی جاوے۔ وضو دونوں سے مرکب ہے کہ اس میں حسی پانی کا استعمال ہے اور یہ جسم و دل اور روح کی پاکی کا ذریعہ ہے اسی لیے غصہ کی آگ وضو سے بجھتی ہے یہ ماہ نبوی طب کا نسخہ مجرب ہے جس سے یونانی طبیب بے خبر ہیں۔ شعر

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے اور بھی علاج بیان فرمائے ہیں مثلًا لاحول شریف پڑھنا، اعوذ باللہ پڑھنا، مثلًا قرآن کریم فرماتا ہے: "وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ" یعنی جب تمہیں شیطان کا اثر پہنچے تو اعوذ باللہ پڑھو یہ غصہ بھی شیطانی اثر ہے۔ یہ بہرحال لاحول اور اعوذ قولی علاج ہے اور وضو عملی علاج ہے، ٹھنڈا پانی پی لینا بھی غصہ کا علاج ہے۔ (مرقات واشعۃ اللمعات)

روایت ہے ابوذر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے پھر اگر غصہ دفع ہوجائے تو فبہا ورنہ لیٹ جاوے ۱؎ (احمد، ترمذی)	

۱؎ یہ غصہ کا دوسرا عملی علاج ہے یعنی اپنا حال بدل دینا کہ کھڑا ہو تو بیٹھ جاوے، اگر اس سے بھی غصہ نہ جاوے تو لیٹ جائے ان شاءاللہ تعالیٰ غصہ جاتا رہے گا۔ لیٹ جانے میں اپنے کو مٹی میں ملا دینا ہے، مٹی میں تواضع ہے ان

شاءاللہ تعالٰی عجز و انکسار آجاوے گا،نیز کھڑا آدمی جلد کچھ حرکت کر گزرتا ہے بیٹھا ہوایا لیٹا ہوا اس قدر جلدی کوئی حرکت غیر نہیں کرسکتا۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ برا بندہ وہ بندہ ہے جو غروروا کڑ کرے ۱؎ اونچی شان والے کو بھول جائے ۲؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو ظلم اور زیادتی کرے ۳؎ اور قہار اعلٰی کو بھول جائے ۴؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو بھول جاوے کھیل میں لگ جاوے اور قبرستان اور گل جانے کو بھول جائے ۵؎ برا بندہ وہ بندہ ہے جو غرور کرے اور حد سے بڑھ جائے ۶؎ اور اپنی ابتداء و انتہاء کو بھول جاوے ۷؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جو دنیا کو دین کے لیے دھوکہ دے ۸؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جو شبہات سے دین کو بگاڑ دے ۹؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے ہوس کھینچے پھرے ۱۰؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے نفسانی خواہش گمراہ کردے ۱۱؎ وہ بندہ برا بندہ ہے جسے خواہشیں ذلیل کر دیں ۱۲؎ (ترمذی، بیہقی شعب الایمان)اور بیہقی نے کہا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ۱۳؎ ترمذی نے بھی کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ۱۴؎	

۱؎ تخیل دل کا کام ہے یعنی اپنے کو بڑا جاننا اور **اختیال** جسم کا کام یعنی چال ڈھال میں اپنی بڑائی ظاہر کرنا۔اختیال کی بہت صورتیں ہیں:فقہاء کرام متکبروں کی رفتار،ان کی گفتار،ان کی بیٹھک،ان کے لباس سے منع فرماتے ہیں۔

۲؎ ہمیشہ اپنے سے نیچوں کو دیکھنے سے غرور پیدا ہوتا ہے،اپنے سے اوپر کو دیکھنے سے عجزو انکسار پیدا ہوتا ہے۔جب اپنی شان اچھی معلوم ہوتو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر نظر کرو گے اپنے کو بہت نیچا پاؤ گے۔

۳؎ مظلومین پر زیادتی **تجبر** ہے اور غرباء و مساکین پر زیادتی **اعتداء** ہے یعنی اپنی حد سے آگے بڑھنا۔

۴؎ یعنی اسے یہ خیال نہ آوے کہ میرا رب مجھ سے زیادہ قوی اور قادر ہے اگر میں اس کی پکڑ میں آگیا تو کیسے چھوٹوں گا۔

۵؎ اپنی حقیقت کو بھول جانا سہو ہے اور غافل کرنے والی چیزوں میں مشغول ہوجانا لہو۔

۶؎ جو شخص اپنے انجام کو یاد رکھے تو ان شاءاللہ کبھی غافل نہ ہو۔انجام یاد دلانے والی چیز قبر ہے،یہ گردو غبار جو نالیوں میں پڑرہے ہیں صدہا بادشاہ وزراء امراء ہیں جو خاک بن کر اڑتے پھررہے ہیں۔

۷؎ یعنی نہ یہ خیال کرے کہ پہلے میں ایک قطرہ ناپاک تھا پھر کمزور بچہ اور آئندہ میں خاک میں مل کر خاک ہوجاؤں گا درمیان کی اس قوت و دولت پر غرور کرنا عقل کی بات نہیں۔شعر

تم شوق سے کالج میں پڑھو،پارک میں پھولو　　جائز ہے جہازوں میں اڑو یا چرخ پہ جھولو

پر ایک سخن بندہ مسکین کا رکھو یاد　　اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

۸؎ اس طرح کہ نیکوں کی سی شکل بنائے اچھے اعمال کرکے دکھائے تاکہ لوگ اس کے پھندے میں آجاویں اور وہ ان کو اپنے جال میں لے لے جیساکہ آج کل بہت ہورہا ہے۔یختل بنا ہے ختل سے بمعنی دھوکہ دینا،کسی کو فریب میں لے لینا،دنیا سے مراد دنیا والے ہیں۔

۹؎ اس طرح کہ وہ غلط تاویلوں سے حرام کھاتا ہو اور اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کرے،بدمعاش ہو مگر صالح بن کر لوگوں کے سامنے آئے اس طرح اپنا دین خراب کرلے۔

۱۰؎ یعنی دنیاوی لالچ خدا تعالٰی سے ہٹاکر مخلوق کے دروازوں پر پھرائے ہر جگہ ٹھوکریں کھلائے۔کسی نے امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھاکہ کیمیا کیا ہے،فرمایا دو باتیں کیمیا ہیں:اللہ پر نظر،مخلوق سے ناامیدی،قناعت نہ ختم ہونے والی دولت ہے۔اللہ تعالٰی قناعت نصیب کرے۔(مرقات)

۱۱؎ خواہش نفسانی طمع کا نتیجہ ہے۔طمع اور ہوٰی لازم ملزوم ہیں جب طمع ترقی کرجاتی ہے تو انسان بے دین بھی بن جاتا ہے،حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔

۱۲؎ یعنی دولت عزت کی غلط خواہش اسے در در پھرائے ٹھوکریں کھلائے۔خیال رکھو کہ دولت،عزت،ایمان،عرفان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم میں ہے ان کے ہوجاؤ جو مانگو سو پاؤ۔شعر

آنکس کہ درخویش براند　　آن را کہ بخواند بہ درکس نہ دواند

اگر ہم ان کے ہوجاویں تو دنیا ہماری ہوجاوے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایاشعر

ان کے در کا جوا ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

۱۳؎ کیونکہ اس کی اسناد میں ہاشم ابن سعید کوفی ہیں انہیں محدثین نے ضعیف مانا ہے مگر یہ حدیث طبرانی،بیہقی،حاکم نے بہت اسنادوں سے روایت کی ہے لہذا یہ حدیث حسن ہے کہ زیادہ اسنادوں سے ضعیف حدیث بھی قوی ہوجاتی ہے۔(مرقات)

۱۴؎ غرابت صحت کے خلاف نہیں لہذا یہ حدیث غریب بھی ہے صحیح بھی اگر ضعیف بھی ہو تب بھی فضائل اعمال میں قبول ہے۔(مرقاۃ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی بندے نے اللہ کے	

نزدیک کوئی گھونٹ اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر نہ پیا جسے بندہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے پی لے۱؎ (احمد)	

۱؎ یعنی جو شخص مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لیے اپنا غصہ پی لے اور قادر ہونے کے باوجود غصہ جاری نہ کرے وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجے والا ہے۔غصہ پینا ہے تو کڑوا مگر اس کا پھل بہت میٹھا ہے۔غصہ کو گھونٹ فرمایا کیونکہ جیسے کڑوی چیز بمشکل تمام گھونٹ گھونٹ کرکے پی جاتی ہے ایسے ہی غصہ پینا مشکل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے اللہ تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق کہ بھلائی کے ذریعہ دفع کرو،فرمایا وہ بھلائی کے غصہ کے وقت صبر ہے اور برائی کے وقت معافی ہے۱؎ لوگ جب کریں گے تو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے گا اور ان کا دشمن ان کے سامنے پست ہوجاوے گا گویا وہ قریبی دوست ہے۲؎ (بخاری تعلیقًا)	

۱؎ یعنی اس آیت کریمہ میں **احسن** سے مراد صبر کرنا ہے،چونکہ صبر کرنا بدلہ لینے سے اچھا ہے اس لیے اسے **احسن** فرمایا گیا،نیز لوگوں کی برائی کو معاف کردینا سزا دینے سے افضل ہے اس لیے اسے بھی **احسن** کہا گیا مگر یہ اچھائی اپنے ذاتی معاملات کے متعلق ہے۔دینی قومی ملکی جرم کرنے والوں کو ہرگز معافی نہ دی جاوے،انہیں ضرور سزا دی جائے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے چور کو معاف نہ فرمایا۔

۲؎ یعنی ایسی معافی سے اللہ تعالٰی اسے اس کے احباب کو لوگوں کے شر سے بچائے گا اور اس کی عزت بڑھائے گا۔دیکھ لو یوسف علیہ السلام نے اپنے مجرم بھائیوں کو،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مجرموں کو معافیاں دیں تو اب تک اس کی دھوم مچی ہوئی ہے اور وہ لوگ ان کے تابعدار بن گئے،اخلاقی معافی اعلٰی چیز ہے مجبوری کی معافی بری ہے۔

روایت ہے حضرت بہزابن حکیم سے۱؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غصہ ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے۲؎ جیسے ایلوا (تمہ) شہد کو۳؎	

۱؎ آپ کا نام بہزا بن حکیم ابن معاویہ قشیری ہے،آپ تابعی ہیں،ثقہ ہیں۔

۲؎ غصہ اکثر کمال ایمان کو بگاڑ دیتا ہے مگر کبھی اصل ایمان کا ہی خاتمہ کردیتا ہے لہذا یہ فرمان عالی نہایت درست ہے اس میں دونوں احتمال ہیں۔

۳؎ ایلوا ایک کڑوے درخت کا جما ہوا رس ہے،سخت کڑوا ہوتا ہے،اگر شہد میں مل جاوے تو تیز مٹھاس اور تیز کڑواہٹ مل کر ایسا بدترین مزہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا چکھنا مشکل ہوجاتا ہے،نیز یہ دونوں مل کر سخت نقصان دہ ہوجاتے ہیں،اکیلا شہد بھی مفید ہے اور اکیلا ایلوا بھی فائدہ مند مگر مل کر کچھ مفید نہیں بلکہ مضر ہے جیسے شہد و گھی

ملاکر کھانے سے برص کا مرض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے،یوں ہی مچھلی اور دودھ،یعنی مؤمن کو ناجائز غصہ بڑھ جائے تو اس کا ایمان برباد ہوجانے کا اندیشہ ہے یا کمال ایمان جاتا رہتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ نے منبر پر فرمایا ۱؎ اے لوگو انکساری اختیار کرو ۲؎ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ تعالٰی کے لیے انکسار و عجز کرتا ہے اللہ اسے اونچا کردیتا ہے ۳؎ تو وہ اپنے دل کا چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا ۴؎ اور جو غرور کرتا ہے اللہ تعالٰی اسے نیچا کردیتا ہے تو وہ لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنے دل میں بڑا ۵؎ حتی کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سوئر سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے ۶؎	

۱؎ یعنی آپ نے کسی خاص شخص سے معمولی طریقہ سے نہ کہا بلکہ بہت اہتمام کے ساتھ برسر منبر اعلان فرمایا۔

۲؎ یعنی ہر مسلمان اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ نرم رہے،رب تعالٰی مومنوں کی صفت یوں فرماتا ہے:"**اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ**"۔

۳؎ یہ قاعدہ بہت ہی مجرب ہے۔جو کوئی اپنے کو رضا الٰہی کے لیے مسلمانوں کے لیے نرم کردے،ان کے سامنے انکسار سے پیش آئے تو اللہ تعالٰی لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت پیدا فرمادیتا ہے اور اسے بڑی بلندی بخشتا ہے۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے:"**اللھم اجعلنی فی نفسی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا**۔الٰہی مجھے میری اپنی نگاہ میں چھوٹا،لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنادے۔حضرات اولیاء اللہ ہمیشہ اپنے کو عاجز و گنہگار سمجھتے اور لوگ ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں۔شعر

بہر درش گیتی جبیں فرسودہ است　　　خویشتن راعبدہ فرمودہ است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے کو بندہ فرمایا،دنیا ان کے آستانے پر ماتھا ٹیکتی ہے آج حضور کے آستانہ کا غبار بھی قیمتی ہے۔

۵؎ جیساکہ آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ بعض لوگ شیخی کے مارے اکڑے جاتے ہیں،لوگ انہیں گالیاں دیتے ہیں،انہیں برائی سے یاد کرتے ہیں،دیکھ لو ابلیس اپنے آپ کو بہت ہی اونچا سمجھتا ہے مگر دنیا اس پر لعنت و پھٹکار کررہی ہے،یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور۔

۶؎ لوگوں کی نگاہ میں اس کی یہ ذلت اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی ذلیل ہے مؤمنوں کی نگاہ میں ذلت مردودیت کی دلیل ہے۔خدا کی پناہ!

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب تیرے نزدیک تیرے بندوں سے کون زیادہ عزت والا ہے فرمایا کہ جب قدرت پائے بخش دے ۱؎

۱؎ جو قدرت پاکر بخش دے وہ سنیت الٰہیہ پر عمل کرتا ہے،اللہ تعالٰی قادر ہے مگر غفور رحیم ہے،ہمارے گناہ بخشتا رہتا ہے اور بخشے گا۔خیال رہے کہ گناہ قابل بخشش ہیں نہ کہ غداری کہ غداری قابلِ بخشش نہیں اس لیے رب تعالٰی انہیں نہ بخشے گا جو کفر پر مرجائیں،یوں ہی ہم اپنے مجرموں کو ضرور بخشیں مگر دین،قوم،ملک کے دشمن کو ہرگز نہ بخشیں۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنی زبان کی حفاظت کرے اللہ تعالٰی اس کے عیب چھپالے گا ۱؎ اور جو اپنا غصہ روکے اللہ تعالٰی اس سے قیامت کے دن اپنا عذاب روک لے گا ۲؎ اور جو اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں معذرت کرے اللہ تعالٰی اس کے عذر قبول کرلے گا ۳؎

۱؎ اس فرمان کے دو۲ مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو اپنی زبان سے لوگوں کے عیوب بیان نہ کرے اوروں کے عیوب چھپاوے تو اللہ تعالٰی اس کے عیوب دنیا و آخرت میں چھپادے گا۔دوسرے یہ کہ اکثر خاموش رہے تو اس کے عیوب چھپے رہیں گے،عیب و ہنر زبان سے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔شعر

تامرد سخن نہ گفتہ باشد   عیب و ہنرش نہفتہ باشد

۲؎ یعنی اس پر غضب نہ فرمائے گا جیسا عمل ویسا بدلہ۔

۳؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جو اللہ کے لیے دوسرے مجرموں کے عذر قبول کرکے انہیں معافی دے دے گا رب تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کو معافی دے گا۔دوسرے یہ کہ بڑے سے بڑا مجرم اگر توبہ کرے تو بخش دیا جاوے گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں ۱؎ اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی لیکن نجات دینے والی تو وہ اللہ سے ڈرنا ہے خفیہ اور علانیہ ۲؎ اور سچی بات کہنا ہے خوشی اور ناخوشی میں اور درمیانی چال ہے امیری اور فقیری ۳؎ میں لیکن ہلاک کرنے والی چیزیں تو وہ نفسانی خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے ۴؎ اور بخل ہے جس کی اطاعت ہو ۵؎ اور انسان کا اپنے کو اچھا جاننا ۶؎ یہ

	ان سب میں سخت تر ہے ۷؎ان پانچوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ یعنی نجات چھٹکارا اور سبب تین چیزیں ہیں۔
۲؎ یعنی لوگوں کے سامنے اور خلوت ہر حالت میں نیک کام کرے اور اللہ سے ڈرے،اللہ کا ڈر تمام نیکیوں کی جڑ ہے اللہ نصیب کرے۔
۳؎ یعنی ہر حالت میں سچ بولے،غصہ اور خوشی اسے حق گوئی سے باز نہ رکھے اور اپنا خرچ درمیانہ رکھے نہ بخل کرے نہ فضول خرچی۔کمانا ایک کمال ہے اور صحیح خرچ کرنا پچاس کمال،درمیانی چال ہمیشہ ہی مفید ہے۔
۴؎ کہ جو دل چاہے وہ کرے،جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے،اس کی باگ دوڑ نفس امارہ کے ہاتھ میں ہو،ظاہر ہے کہ ایسا شخص ہلاک ہی ہوگا۔
۵؎ پرایا مال ناحق کھانا،اپنے ذمہ جو حقوق ہوں وہ ادا نہ کرنا،گناہ میں مشغول رہنا یہ سب بخل کی اطاعت ہی سے ہوتا ہے،بخل کا نتیجہ حرص ہے۔(مرقات)
۶؎ یعنی کسی کی بات نہ ماننا خواہ کتنی اچھی ہو،اپنی بات ہی منوانا خواہ کتنی ہی بری ہو،اپنے کو کامل سمجھنا دوسروں کو ناقص جاننا یہ بھی تکبر کی ایک قسم ہے۔
۷؎ کیونکہ ہر عیب سے پاک ہونا ہر خوبی سے موصوف ہونا اللہ تعالٰی کی صفت ہے،جو اپنے کو ایسا سمجھے وہ اپنے کو خدا کا ہمسر سمجھتا ہے،ہم سب عیب دار ہیں بے عیب ذات اللہ تعالٰی کی ہے یا اس کی جسے بے عیب بنادے جیسے فرشتے یا حضرت انبیاء علیہم السلام یا بعض اولیائے کرام۔

باب الظلم

ظلم کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ظلم کے لغوی معنی ہیں اندھیرا تاریکی،اس سے ہے ظلمت اور ظلمات۔اصطلاح میں ظلم کے تین معنی ہیں:کسی کا حق مارنا،کسی کو غیر محل میں خرچ کرنا،کسی کو بغیر قصور کے سزا دینا۔اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہم کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتے۔یہاں ظلم سے مراد ہے بے قصور کو سزا دے دینا۔سیدنا عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ساری دنیا کو دوزخ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں،یہاں ظلم کے پہلے دو معنی سے کوئی معنی مراد ہیں۔عارفین فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے ہم کو دل بخشا ہے اپنا ذکر اپنی فکر اپنی محبت کے لیے،جو کوئی اپنا دل اس کے علاوہ کسی کام میں صرف کرے وہ اپنے پر ظلم کرتا ہے۔ایک صوفی فرماتے ہیں شعر

علیك بھا صرفا وان شئت ضربھا   فعدلك عن ظلم الحبیب ھو الظلم

ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں یہاں ہر قسم کا ظلم مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیاں تاریکیاں ہوگا۱(مسلم،بخاری)

۱یعنی ظلم خواہ کسی قسم کا ہو قیامت میں اندھیروں کا باعث بنے گا لہذا انصاف و عدل قیامت میں ان شاءاللہ تعالٰی نور کا سبب بنے گا۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو کچھ بوؤ گے وہی کاٹو گے،یہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔کفر و شرک بھی ظلم ہے،گناہ و بدکاری بھی ظلم،کسی کو ستانا بھی ظلم،ان کے درجے مختلف ہیں۔بدترین ظلم کفر و شرک ہے،اس کے بعد دوسروں کا حق مارنا،اس کے علاوہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرنا جیسا ظلم ویسی قیامت میں تاریکی"ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ"اللہ تعالٰی ظلم سے بچائے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ۱پھر یہ آیت تلاوت کی آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے حالانکہ وہ بستیاں ظالم ہوں ۲(مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں ظالم میں تین احتمال ہیں: یا اس سے مراد لوگوں کے حقوق مارنے والا ہے یا مراد مطلقًا گنہگار یا کافر، پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔وہ بندہ خوش نصیب ہے جو پہلے گناہ پر ہی پکڑا جائے،وہ بہت ہی بدنصیب ہے جس کو گناہ پر نعمتیں ملتی رہیں۔گناہ پر جلدی پکڑ نہ ہونا رب تعالٰی کا غضب ہے کہ انسان اس سے دھوکہ کھا جاتاہے۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا　　　دیر گیرد سخت گیر مر ترا

۲؎ اس آیت کریمہ میں بستیوں سے مراد ان کفار کی بستیاں ہیں جن پر عذاب الٰہی آیا کہ وہاں کے باشندوں کو اولًا بہت ڈھیل دی گئی۔پھر ہلاک کردیئے گئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقامِ حجر میں گزرے ۱؎ تو فرمایاظالموں کے گھروں میں نہ داخل ہو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا مگر اس طرح جاؤ کہ تم اس خوف سے روتے ہو کہ تم کو بھی وہ عذاب پہنچے ۲؎ جو انہیں پہنچاپھر اپنا سر جھکا لیا اور رفتار تیز فرمالی حتی کہ اس علاقے کو طے کرلیا۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حجر وہ جگہ ہے جہاں صالح علیہ السلام کی قوم یعنی قوم ثمود آباد تھی،یہ جگہ تبوک جاتے ہوئے راستہ میں پڑی اور یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہےوہاں عذاب الٰہی آیا تھااب اس کے کھنڈرات موجود تھے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ جہاں عذابِ الٰہی آچکا ہو وہاں جانا نہ چاہیے کہ وہاں اللہ کی لعنت برس رہی ہے کہ تم بھی اسمیں گرفتار نہ ہوجاؤ۔اس سے پتہ چلا کہ جہاں اللہ کی رحمتیں آچکی ہوں وہاں ضرور جانا چاہیے کہ وہاں اب بھی نزول انوار ہےتم بھی اس میں کچھ پالو،مثلًا صفامروہ پہاڑیاں،منیٰ مزدلفہ،عرفات،یوں ہی حضرات اولیاء اللہ کے آستانے تا قیامت انوار الٰہی کے مقامات ہیں۔

۳؎ قوم ثمود کے کنویں کا پانی پینے سے بھی حضور نے منع فرمادیابلکہ جن لوگوں نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھاان کا گوندھا ہوا آٹا بھی پھنکوادیا۔اس سے پتہ لگا کہ مکین کا اثر مکان میں ہوتا ہے،یوں ہی بندوں کا اثر زمانہ میں ہوجاتا ہے۔جس جگہ یا جس وقت اللہ کے مقبول بندے نے عبادت کی ہووہ جگہ وہ وقت قبولیت کے ہوجاتے ہیں۔سرکار دو عالم فرماتے ہیں کہ شہر میں بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں،اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اچھے برے لوگوں کی صحبت میں تاثیر ہے۔(مرقات)مصر میں فرعون پر عذاب نہ آیالہذا وہاں رہنا ممنوع نہیں،طوفان نوح کفار کے لیے عذاب تھا مگر مؤمنوں کے لیے رحمت لہذا اس کا حکم کچھ اور ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کا اپنے بھائی مسلمان پر کوئی ظلم ہو اس کی آبرو کا یا کسی اور چیز کا ۱؎ وہ اس سے آج ہی معافی لے لے۲؎ اس سے پہلے کہ

	اس کے پاس نہ دینار ہو نہ درہم۳؎ اگر اس ظالم کے پاس نیک عمل ہوں گے تو بقدر ظلم اس سے چھین لیے جائیں گے۴؎ اور اگر اس کے نیکیاں نہ ہوں گی ۵؎ تو اس مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے ۶؎(بخاری)

۱؎ یعنی جس نے اپنے بھائی مسلمان کی ناحق بے آبروئی کی ہو یا اس کا مال مارا ہو یا ناحق دبایا ہو یا کسی اور طرح کا اس پر ظلم کیا ہو۔

۲؎ یعنی اپنی اور اس کی موت سے پہلے اس سے معافی لے لے،آج سے مراد دنیا کے دن ہیں۔معافی مانگنے کی چند صورتیں ہیں:(۱)قرض ہو تو ادا کردے(۲)اسے مارا پیٹا ہو تو قصاص دیدے یا ان تمام سے معافی مانگ لے اور وہ بخوشی معافی کردے(۳)اگر قرض خواہ مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو قرض ادا کردے(۴)اور اگر وارث معلوم نہ ہوں تو اسکے نام پر خیرات کر دے(۵)مرحوم کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتا رہے،اسے ثواب ایصال کرتا رہے مگر اس آخری صورت میں معافی کی امید ہے یقین نہیں۔بہتر یہی ہے کہ خود اس سے معافی مانگے بلکہ یہ کوشش کرے کہ کسی کا حق نہ مارے۔

۳؎ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو روپیہ پیسہ خرچ کرکے معافی ہوسکتی ہے مگر قیامت میں یہ صورت ناممکن ہے،وہاں نہ تو کسی کے پاس مال ہوگا اور نہ مال کے ذریعہ معافیاں حاصل ہوں گی۔

۴؎ اور مظلوم کے نامہ اعمال میں لکھ دیئے جائیں گے جیسے ظالم کے صدقات خیرات وغیرہ شامل ہیں کہ تین پیسہ قرضے کے عوض مقروض کی سات سو۷۰۰ نمازیں قرض خواہ کو دلوادی جائیں گی،نمازیں بھی وہ جو باجماعت ادا کی ہوں۔اگر قرض خواہ کافر ہے تو اس کا عذاب ہلکا کردیا جائے گا یا اس کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

۵؎ یا اس طرح کہ ظالم کے پاس نیکیاں ہوں ہی نہیں یا اس طرح کہ نیکیاں تو تھیں مگر حقوق والے لے گئے،اس کے پاس سے ختم ہوگئیں مگر حقوق باقی رہے۔

۶؎ یا تو اس طرح کہ مظلوم کے گناہ جسمانی شکل میں ہوں اور ظالم پر لاد دیئے جاویں یا ان گناہوں کے عوض ظالم کو سزا دے دی جاوے اور مظلوم کو نجات۔خیال رہے کہ کوئی شخص قیامت میں کسی کا گناہ خود خوشی سے نہ اٹھائے گا لیکن اگر رب تعالٰی کی طرف سے جبرًا ڈال دیا جائے تو انکار بھی نہ کرسکے گا۔اس حدیث کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے"وَ لَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ"۔حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں اور اس آیت کے خلاف نہیں کہ"لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی"اور نہ اس کے خلاف ہے"وَ مَا ہُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰہُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ"نہ اس کے خلاف ہے لَیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"نہ اس

کے خلاف ہے "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" کہ ان آیات میں بخوشی دوسرے کے گناہ اٹھانے کی نفی ہے ورنہ اس آیت و حدیث میں جبرًا ڈال دیئے جانے کا ثبوت ہے۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس و کنگال کون ہے ۱؎ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ سامان ۲؎ تو فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز روزے زکوۃ لے کر آیا ۳؎ اور یوں آئے کہ اسے گالی دی،اسے تہمت لگائی،اس کا مال کھایا،اس کا خون بہایا،اسے مارا ۴؎ تو اس کی نیکیوں میں سے کچھ اس مظلوم کو دے دی جاویں اور کچھ اس مظلوم کو ۵؎ پھر اگر اس کے ذمہ حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجاویں ۶؎ تو ان مظلوموں کی خطائیں لے کر اس ظالم پر ڈال دی جاویں ۷؎ پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے ۸؎ (مسلم)	

۱؎ یہاں مفلس سے مراد کامل پورا پور اغریب ہے یا وہ جو بظاہر غنی معلوم ہوتا ہو مگر حقیقتًا مفلس ہو۔

۲؎ یعنی ہم لوگ اپنے محاورہ و اصطلاح میں مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال نہ ہو۔بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال حقیقت پر مبنی ہے صحابہ کرام کا جواب عرف پر ہے۔

۳؎ یعنی نیک اعمال سے بھرپور آئے مالی بدنی ہر طرح کی نیکیاں اس کے پاس ہوں۔خیال رہے کہ دنیا کی تونگری مال سے ہے آخرت کی تونگری اعمال سے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں اعمال سے مراد مقبول نیکیاں ہیں جو شرعًا درست ہوں اور عنداللہ قبول ہوں۔

۴؎ خیال رہے کہ تقویٰ کے دو بازو ہیں: ایک بلکہ پہلا بازو ہے بری چیزوں خصوصًا لوگوں کی حق تلفی سے بچنا، دوسرا بازو ہے نیک اعمال کرنا۔یہ نفی ہے اور اثبات کا مجموعہ تقویٰ ہے۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ گنہگار بھی حضور کا امتی ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتی فرمایا۔دوسرے یہ کہ گنہگاروں کی نیکیاں بھی قبول ہوسکتی ہیں،ہاں نیکیوں کا بقا اس سے ہے کہ اس نے کسی کے حق نہ مارے ہوں۔

۵؎ اس طرح کہ اس ظالم کی کچھ نیکیاں قرض خواہ لے لیں کچھ دوسرے مظلوم لوگ،یہ لائے سب کچھ مگر بچے کچھ نہیں۔

۶؎ تفسیر روح البیان نے ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے نیکیوں میں اضافہ فرماتا ہے کہ ایک کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بعض کا اس سے بھی زیادہ۔یہ چھین لیا جانا اس زیادتی میں ہوگا اصل ایک نیکی

بھی نہ چھنے گی،یونہی روزہ قرض دار کو نہ دیا جاوے گا کہ فرمایا جاوے گا الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کا عوض ہوں۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد میں شفاعت نہ ہوگی جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کردے۔(مرقات)

۸؎ بقیہ قرضوں کے عوض۔اس سے معلوم ہوا کہ قرض بلکہ سارے حقوق العباد کی نہ معافی ہے نہ شفاعت،بغیر صاحب حق کے معاف کئے معاف نہیں ہوتے۔(مرقات)حدیث کا مقصد یہ ہے کہ روپیہ پیسہ کی مفلسی عارضی ہے جو موت آنے پر بلکہ کبھی زندگی میں ہی دولت مل جانے پر ختم ہوجاتی ہے،یہ مفلسی وہ ہے جو مرے بعد بھی ختم نہیں ہوتی۔ابھی عرض کیا گیا کہ اصل نیکی اہل حقوق کو نہ دی جائے گی بلکہ وہ زیادتیاں جو رب کے فضل سے ملی ہیں،روزہ کی اصل کسی کو نہ دی جاوے نہ زیادتی،اہل حقوق کے گناہ ظالم پر ڈالنا عین عدل ہے،دنیا میں مقروض کا مکان،سامان اہلِ حقوق کو دے دیئے جاتے ہیں وہاں اگر ایسا ہو تو مضائقہ نہیں۔خیال رہے کہ یہاں سیئات سے مراد برے عقائد نہیں بلکہ برے اعمال ہیں وہ بھی صغیرہ لہذا اگر کسی مسلمان پر کافر کا قرض رہ گیا تو اس کا کفر یا زنا،چوری وغیرہ اس پر نہ ڈالی جاوے گی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ حقوق حق والوں کے سپرد کرو گے قیامت میں ۱؎ حتی کہ منڈی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جاوے گا ۲؎ (مسلم)حضرت جابر کی حدیث اتقوا الظلم باب الانفاق میں ذکر کی جاچکی ہے ۳؎	

۱؎ یعنی اگر دنیا میں تم نے لوگوں کے حقوق ادا نہ کیے تو لامحالہ قیامت میں ادا کرو گے۔دنیا میں مال سے وہاں اعمال سے بہتر ہے کہ یہاں ہی ادا کردو ورنہ پچھتاؤ گے۔

۲؎ یعنی اگر دنیا میں سینگ والی بکری نے منڈی یعنی بے سینگ والی بکری کو سینگ گھونپا تو قیامت میں اس کے سینگ منڈی بکری کو دے دیئے جائیں گے اور وہ اس کے عوض میں سینگ گھونپے گی یہ عوض تکلیف کا نہیں کیونکہ جانور شرعی احکام کے مکلّف نہیں بلکہ عوض مقابلہ کا ہے۔بہرحال حقوق العباد میں نبی کی شفاعت نہیں،حقوق العباد کی معافی رب کی طرف سے نہیں،حقوق العباد جانوروں کو بھی ادا کرنے ہوں گے آج لوگوں نے یہ ہی آسان سمجھ رکھے ہیں۔

۳؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث مکرر تھی،کتاب الزکوۃ باب الانفاق میں تھی اور یہاں بھی،ہم نے صرف وہاں ایک جگہ بیان کی یہاں بیان نہیں کی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ	

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ تابع نقال نہ بنو ا؎ کہ کہو اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے ۲؎ لیکن اپنے نفس کو قرار دو کہ لوگ بھلائی کریں تو تم بھی بھلائی کرو اور اگر لوگ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو (ترمذی)	

ا؎ امعه الف کے کسرہ میم کے شد سے ہے۔امعه وہ شخص ہے جس کی خود اپنی رائے کچھ نہ ہو،جو دوسروں کو کرتے دیکھے خود بھی کرنے لگے یعنی دوسروں کا مقلد۔(ت) مبالغہ کی ہے تانیث کی نہیں اس لیے امعہ عورت پر نہیں بولا جاتا مرد کو کہا جاتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یہ فرمان عالی لفظ امعه کی شرح ہے۔خیال رہے کہ ظلم کی سزا ظالم کو دینا ظلم نہیں یہ تو اچھا ہے،ہاں ظلم کے عوض ظالم پر ظلم کرنا برا ہے مثلًا چور کے گھر سے اس کا مال چرالینا،جو زید کی بیوی سے زنا کرے تو زید اس زانی کی بیوی سے زنا کرے یہ حرام ہے۔چور کے ہاتھ کاٹنا،زانی کو سنگسار کرنا یہ ہے ظلم کی سزا یہ تو اچھی چیز ہے لہذا حدیث واضح ہے۔ظالم کو سزا اور ظالم پر ظلم کرنے کا فرق ابھی عرض کیا گیا۔یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ ظالم کو قانون سے زیادہ سزا دینا بھی ظلم ہے اور یہ بھی حرام ہے،اگر چور کے بجائے ایک ہاتھ کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جاویں یا اسے قتل کردیا جاوے تو یہ ظلم ہے،ظالم پر بھی ظلم کرنا حرام ہے اس کی بھی پکڑ ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے ا؎ کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو لکھا کہ آپ مجھے خط لکھیں جس میں مجھے وصیت کریں اور زیادہ نہ کریں ۲؎ آپ نے انہیں لکھا کہ تم پر سلام ہو بعد اس کے کہتی ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ تعالٰی کی خوشنودی لوگوں کی ناراضی سے کفایت کرے گا اللہ اسے لوگوں کی مصیبت سے بچائے گا ۳؎ اور جو کوئی خوشنودی اللہ کی ناراضی سے تلاش کرے گا ۴؎ تو اللہ اسے لوگوں کے حوالے کردے گا ۵؎ السلام علیک ۶؎ (ترمذی)	

ا؎ معاویہ سے مراد حضرت امیر معاویہ بن سفیان ہیں رضی اللہ عنہما،آپ خود اور آپ کے والد دونوں مشہور صحابی ہیں،شاید آپ نے یہ خط اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنے دارالخلافہ دمشق سے ام المؤمنین کی خدمت میں لکھا۔

۲؎ یعنی جامعہ نصیحت فرمادیں کیونکہ آپ اہل بیت نبوت سے ہیں کلمات جامعہ آپ کے ہاں کی خصوصیت ہے مجھے بھی اس سے حصہ دیں۔

۳؎ یعنی جو مسلمان اللہ کی رضا کے لیے لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرے تو اگرچہ لوگ اس سے ناراض ہوجاویں مگر ان شاءاللہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے،اللہ تعالٰی اسے لوگوں کے شر سے بچائے گا،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے جس کا اب بھی تجربہ ہورہا ہے۔

۴؎ یعنی ایک کام سے لوگ تو خوش ہوتے ہوں مگر وہ شرعًا حرام ہو،یہ شخص لوگوں کی خوشنودی کے لیے وہ کام کرے،اللہ تعالٰی کی ناراضی کی پرواہ نہ کرے وہ انہیں لوگوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوگا جن کی خوشنودی کے لیے اس نے یہ حرکت کی۔

۵؎ پھر وہی لوگ اس خوشامدی آدمی کو ہلاک یا ذلیل و خوار کردیں گے جنہیں خوش کرنے کو اس نے اپنے رب کو ناراض کرلیا لہذا سب کو راضی کرنے کے لیے رب کو ناراض نہ کرو،کسی کی خوشنودی کے لیے گناہ یا کفر یا شرک نہ کرو۔

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ خط کے اول و آخر میں سلام لکھا جاوے درمیان میں مضمون کو، جناب ام المؤمنین نے یہاں ایسا ہی کیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ۱؎ تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر گراں گزری۲؎ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے کون ہے کہ جس نے اپنے پر ظلم نہ کیا ہو۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مراد نہیں ظلم تو شرک ہے۴؎ کیا تم نے لقمان کا فرمان اپنے فرزند سے نہ سنا کہ اے میرے بچے شریک نہ ٹھہرا بے شک شرک بڑا ظلم ہے ۵؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو تم سمجھتے ہو وہ مراد نہیں یہ تو ایسا ہے جیسا لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ مشرکین عرب اپنا خالق رازق رب تعالٰی کو جانتے مانتے تھے مگر پرستش بتوں کی بھی کرتے تھے اور حج و عمرہ کے تلبیہ میں کہتے تھے لا شریك لك الا شریك واحدا،یہ آیت کریمہ ان کی تردید کے لیے نازل ہوئی یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔

۲؎ اس لیے کہ وہ حضرات سمجھے کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ امن و ہدایت اسے ملے گی جو ایمان لاکر کبھی گناہ نہ کرے،تو سمجھے کہ ایسا شخص دنیا میں کون ہوگا جو کبھی گناہ نہ کرے۔قرآن مجید میں شرک و کفر کو ظلم کہا گیا ہے،گناہ کبیرہ کو بھی،گناہ صغیرہ کو بھی اور بھول و خطا کو بھی جیسے حضرت یونس علیہ السلام کا عرض کرنا"اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ"۔

۳؎ یعنی ہم مسلمانوں میں گناہ سے کوئی نہ بچا ہوگا۔خیال رہے کہ حضرات صحابہ کرام معصوم نہیں مگر عادل ہیں کہ ان سے بعض حضرات گناہ نہیں کرتے اور بعض سے گناہ ہوجاتا ہے مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ **بظلم** کی تنوین تعظیمی ہے اور معنے یہ ہیں کہ بڑے گناہ یعنی شرک سے اپنا ایمان مخلوط نہ کریں۔خیال رہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہے کفر عام ہے اور شرک خاص بلکہ قرآن و حدیث میں اکثر شرک سے مراد کفر ہوتا ہے،چونکہ عرب میں شرک ہی مروج تھا اس لیے آیات و حدیث میں اکثر فرمایا جاتا ہے۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن مجید سے فرمادی۔قرآن کریم ایک جگہ مشرکین عرب کا حال یوں بیان فرماتاہے:"وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللہِ اِلَّا وَہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ"۔خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں ایمان سے مراد لغوی ایمان ہے یعنی ماننا شرعی ایمان مراد نہیں لہذا حدیث شریف یا ان آیات پر اعتراض نہیں کہ شرک و ایمان تو ضدیں ہیں پھر جمع کیسے ہوگئے،کفار عرب مشرک ہوکر مؤمن باللہ کیسے بن گئے یہ حدیث بالکل صاف ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کو شفیع یا حاجت روایا مشکل کشا ماننا بوقت ضرورت انہیں مدد کے لیے پکارنا شرک نہیں،یہ چیزیں تو قرآنی آیات و احادیث صحیحہ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنھم سے ثابت ہیں بلکہ کسی بندے کو خدا کے برابر یا خدا کو بندہ کے برابر ماننا بھی شرک ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ"اور فرماتاہے:"اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الْعٰلَمِیۡنَ"۔اس کی نفیس تحقیق ہمارے رسالہ اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں مطالعہ فرماؤ۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں بدترین درجہ والا قیامت کے دن وہ بندہ ہے جو دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کردے ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ یہ اس طرح کہ دوسرے کو ناجائز طریقہ سے دنیا کما کردے،دنیا اس کی بڑھائے آخرت اپنی برباد کرے جیسا کہ ظالم حکام رعایا پر ظلم کرکے ناجائز ذریعوں سے بادشاہ کے خزانے بھرتے ہیں یا اس طرح کہ کسی دنیادار کی ناجائز تعظیم و توقیر کرکے خود گنہگار ہوا کرے جیساکہ خوشامدی لوگوں کا طریقہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دفتر تین قسم کے ہیں[1] ایک وہ دفتر جسے اللہ نہ بخشے گا وہ اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے[2] اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اللہ نہ بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جاوے[3] اور ایک وہ دفتر ہے جسے اللہ چھوڑے گا نہیں[4] وہ بندوں کے آپس کے ظلم ہیں حتی کہ بدلہ لے گا ان کے بعض کا بعض سے[5] اور ایک دفتر وہ ہے جس کی اللہ تعالٰی پرواہ نہیں کرتا وہ بندوں کا اپنے اور اللہ کے درمیان حق تلفی ہے[6] تو یہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے اسے سزا دے اور اگر چاہے تو اس سے درگزر فرماوے [7]

[1] یعنی بندوں کے گناہوں کے دفتر ان کے نامہ اعمال تین طرح کے ہیں۔دیوان کا ترجمہ ہے رسالہ جس کے جمع کرنے سے کتاب بن جاوے،اس کی جمع ہے دواوین۔

[2] یہاں بھی شرک سے مراد کفر ہے یعنی جو بندہ کفر کرکے بغیر توبہ مرجاوے وہ بخشا نہ جاوے گا،آخرت کی بخشش مراد ہے،دنیا میں توبہ کرنے سے شرک و کفر وغیرہ سب معاف ہوجاتے ہیں،حضور انور نے تمام مشرکوں کو ہی کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا تھا۔

[3] اس طرح کفر بھی نہ بخشا جاوے گا،ہوسکتا ہے کہ یہاں شرک سے مراد کفر ہو۔خیال رہے کہ کفار کے دوسرے گناہ معاف بھی ہوسکتے ہیں اور ان کا عذاب ہلکا بھی ہوسکتا ہے جیسے حاتم طائی سخاوت کی وجہ سے،نوشیراں انصاف کی وجہ سے اور ابو طالب حضور کی خدمت کی وجہ سے ہلکے عذاب میں ہیں حتی کہ ابو لہب کو دو شنبہ کے دن عذاب ہلکا کیا جاتا ہے اور اسے انگلی سے پانی ملتا ہے جیساکہ احادیث میں ہے مگر شرک و کفر کی بخشش یا کافر کا جنت میں داخلہ یہ ناممکن ہے۔

[4] ان کا حساب مطالبہ ضرور کرے گا نہ بخشنے اور نہ چھوڑنے میں فرق ہے۔

[5] بندوں پر ظلم خواہ جانی ہو خواہ مالی خواہ عزت و آبرو کے بہرحال حساب ضرور ہوگا۔اس کے قصاص جاری ہونا رب تعالٰی کا عدل ہے۔مظلوموں سے ظالم کو معافی دلوادینا اس کا فضل،حقوق العباد کے لیے نہ شفاعت ہے نہ رب تعالٰی کی معافی۔

[6] یعنی عبادات میں کوتاہی کرنا اس کا حساب ہو یا نہ ہو،پکڑ ہو یا نہ ہو یہ رب تعالٰی کے عدل و فضل پر موقوف ہے وہ بے پرواہ بادشاہ ہے۔

ے خواہ بقدر گناہ سزا دے یا اس سے کم اور درگزر کی کئی صورتیں یا حساب لے کر معاف فرمادے یا حساب بھی نہ لے،اگر دریائے رحمت جوش میں آجاوے تو گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرمادے"فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ"۔شعر

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا　　کیا بغیر کیا ہے کیا کیا ہوگا

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۱ وہ اللہ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ کسی حق والے کا حق اس سے نہیں روکتا ۲	

۱ مظلوم کافر ہو یا مسلمان فاسق ہو یا پرہیزگار،بددعا خواہ زبان سے ہو یا دل سے خواہ آنکھوں کے آنسوؤں سے ہو صبر کا گھونٹ پی جانے سے ان سب سے ہی بچو۔

۲ یعنی مظلوم جو رب سے فریاد کرتا ہے تو اپنا حق مانگتا ہے۔رب تعالٰی کے ہاں ظلم نہیں وہ عادل بادشاہ ہے ہر حق والے کو اس کا حق دلواتا ہے خواہ جلدی یا دیر سے،دوسرے کا حق سخت ہڈی ہے کہ اگر نگل لی جاوے تو پیٹ پھاڑ ڈالتی ہے۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شعر

مزد بردن استخوان درشت　　لے شکم بدرد چوں بگیرد اندر ناف

بہت دفعہ ہماری دعائیں یا بزرگوں کی ہمارے لیے دعائیں اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ ہم نے لوگوں کے حق مارے یا دبائے ہوئے ہیں ان کی یہ دعائیں پیچھے پڑی ہوتی ہیں۔

روایت ہے اوس بن شرحبیل سے۱ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی ظالم کے ساتھ اسے قوت دینے کو چلے۲ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۳	

۱ آپ صحابی ہیں،شام میں رہتے تھے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔خیال رہے کہ یہ اور صحابی ہیں اور حضرت شرحبیل بن اوس دوسرے صحابی ہیں جو حمص کے رہنے والے ہیں۔یہ حدیث اوس بن شرحبیل سے مروی ہے،صحابی کے حالات معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔

۲ چلنے سے مراد مطلقًا اس کی ظلم پر مدد دینا ہے خواہ اس کے ساتھ چل کر ہو یا گھر میں بیٹھے بیٹھے پھر خواہ زبان سے ہو یا قلم سے،ظلم کی مدد بہرحال حرام ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوٰنِ"۔فی زمانہ ظالموں سے زیادہ ظالموں کے حمایتی لوگ ہیں خصوصًا ان ظالموں کے وکیل یا ان کی ظالمانہ حرکتوں کے مقدمات کی پیروی کرنے والے،ان کی ضمانت دینے والے،انہیں سزا سے چھڑانے کی کوشش کرنے والے سب ہی ظالم ہیں۔

۳؎ یعنی یہ ظالموں کے حمایتی اسلام کے نور سے نکل گئے یا اسلام کی حقیقت سے خارج ہوگئے کہ حقیقت اسلام یہ ہے کہ لوگ اس کے شر سے سلامت رہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہوں نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ ظالم صرف اپنے ذات ہی کو نقصان دیتا ہے ۱؎ تو جناب ابوہریرہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم ۲؎ حتی کہ بٹیریں اپنے گھونسلے میں دبلی ہوکر مرجاتی ہیں ظالم کے ظلم کی وجہ سے ۳؎ ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔	

۱؎ وہ شخص بری نیت سے یہ کہہ رہا تھا،قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کررہا تھا "**وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا**" مگر اس کی نیت نہ تھی کہ ظالموں کے حمایتیوں کی صفائی بیان کرے کہ وہ گنہگار نہیں ہوئے حالانکہ ظلم کی حمایت بھی ظلم ہے،حضرت ابوہریرہ نے اس کی نیت فاسد کو سمجھ لیا۔

۲؎ یعنی ظلم اپنی لپیٹ میں بہت کو لے لیتا ہے،ظالم کے حمایتی ساتھ میں رگڑ جاتے ہیں کہ وہ بھی ظالم ہی ہوتے ہیں،چور کی مدد کرنے والے مجرم ہیں۔

۳؎ یعنی جب ظلم بڑھ جاتے ہیں تو بارش بند ہوجاتی ہے جس سے چڑیاں حتی کہ بٹیریں بھی بھوکی پیاسی مرجاتی ہیں،بٹیر بہت دور جاکر دانہ پانی حاصل کرلیتی ہیں،بعض ایسی جگہ بٹیروں سے آشیانوں میں سبزی ملی ہے جو سبز جنگل سے تیس چالیس میل دور ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ یہ قول درست ہے کہ ظالم اپنے نفس پر ہی ظلم کرتا ہے وہاں اخروی ظلم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مظلوم پر ظلم نہیں کرتا اپنے پر کرتا ہے۔شعر

پنداشت ستم گر کہ جفا برما کرد　　　　بر گردن او بماند و برما بگزشت

باب الامر بالمعروف

باب نیک باتوں کا حکم دینا[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]امر کسی کام کے کرنے کا حکم دینا ہے،حکم دینے والے کو آمر کہا جاتا ہے اور جسے حکم دیا جائے وہ مامور ہوتا ہے،جب کہ جس بات کا حکم دیا جائے اسے مامور بہ کہتے ہیں۔حکم دینے والا عمر کے اعتبار سے یا رتبہ و مقام میں مامور سے بڑا ہوتا ہے،یہاں امر سے حکم کے ساتھ دعوت دینا بھی مراد ہے اور لفظ امر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف کا فریضہ انجام دے وہ اعمال صالحہ،تقویٰ اور پرہیزگاری میں مامور سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا چاہیے تاہم اگر ایسا نہ بھی ہو تو اس فریضہ کی ادائیگی سے رکنا نہیں چاہیے۔**المعروف معرفت** سے بنا ہے باب **فعل یفعل** سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔معرفت کا معنی پہچاننا اور معروف وہ شخص،جگہ یا کام جس کی پہچان حاصل ہو،یہاں معروف سے وہ عقائد و اعمال مراد ہیں جو شریعت میں پہچانے جاتے ہیں اور شریعت نے ان کے کرنے کا حکم دیا ہے مثلًا ایمان،نماز روزہ،زکوۃ حج،سچ دیانت وغیرہ۔معروف کے مقابلے میں منکر کا لفظ آتا ہے اور اس سے مراد وہ امور ہیں جن کی شریعت میں پہچان نہیں یعنی شریعت نے ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ منع فرمایا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ قرآن پاک میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو خیر امت(بہترین امت)قرار دینے کے بعد فرمایا:"تَأۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ" تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔چونکہ امر بالمعروف منصب رسالت ہے اس لیے جو لوگ اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں وہ وارثان انبیاء ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

امر بالمعروف ہر شخص پر اس کے منصب کے حوالے سے اور حسب استطاعت واجب ہے اس پر قرآن و سنت ناطق ہے اور اجماع امت بھی ہے،یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے جیسے کہ "وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ"اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو بھلائی کی دعوت دیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں**منکم امۃ** کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ فرض عین ہوجاتا ہے مثلًا کسی جگہ برائی ہورہی ہو اور ایک آدمی کو اس کا علم ہو کسی دوسرے کو معلوم نہ ہو تو صرف اس پر فرض ہے دوسروں پر نہیں۔نیکی کا حکم دینے والا اپنا فرض ادا کر دے تو بری الذمہ ہوجاتا ہے مخاطب قبول کرے یا نہ۔اگرچہ امر بالمعروف کے لیے ضروری نہیں کہ آمر خود بھی وہ عمل کرے لیکن خود عمل پیرا

ہونے کی صورت میں مخاطب پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں جیساکہ ارشاد خداوندی ہے"لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ"وہ بات کیوں کہتے ہوجس پر خود عمل نہیں کرتے۔امر بالمعروف حکمرانوں،علماء مشائخ بلکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اسے صرف ایک طبقہ تک محدودکردینا صحیح نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر شخص اس کو اپنی ذمہ داری سمجھے تو معاشرہ نیکیوں کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے1 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں سے برا کام دیکھے2 تو اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہیں3 رکھتا تو زبان سے اگر اس کی بھی نہیں رکھتا تو دل سے4 اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے5۔ (مسلم)	

1حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سعد بن مالک انصاری خدری ہے اور آپ اپنی کنیت ابو سعید خدری کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں،آپ ان حفاظ حدیث میں سے ہیں جن کو بہت زیادہ احادیث یاد ہیں،نیز آپ کا شمار بڑے بڑے فضلاء اور عقلاء میں ہوتا ہے،آپ سے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں،چوراسی سال کی عمر میں ۷۴ھ میں آپ نے وصال فرمایا اور آپ کو جنت البقیع(مدینہ طیبہ)میں سپرد خاک کیا گیا،لفظ خدری میں خاء پر ضمہ ہے اور دال ساکن ہے۔

2رای یری مہموز العین باب فتح یفتح دیکھنا،منکر باب افعال سے اسم مفعول ہے وہ کام جو ازروئے شریعت ناجائز ہو اسے ختم کرنا مراد ہے،استطاعت کسی کام کا آدمی کے بس میں ہوناطاقت مراد ہے۔

3برائی کو بدلنے کے لیے ہر طبقے کو اس کی طاقت کے مطابق ذمہ داری سونپی گئی کیونکہ اسلام میں کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ارباب اقتدار،اساتذہ،والدین وغیرہ جو اپنے ماتحتوں کو کنٹرول کرسکتے ہیں وہ قانون پر سختی سے عمل کراکے اور مخالفت کی صورت میں سزا دے کر برائی کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔

مبلغین اسلام،علماء و مشائخ،ادیب و صحافی اور دیگر ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ سے سبھی لوگ اپنی تقریروں تحریروں بلکہ شعراء اپنی نظموں کے ذریعے برائی کا قلع قمع کریں اور نیکی کوفروغ دیں،بلسانہ کے تحت یہ تمام صورتیں آتی ہیں۔

4اور عام مسلمان جسے اقتدار کی کوئی صورت بھی حاصل نہیں اور نہ ہی وہ تحریر و تقریر کے ذریعے برائی کا خاتمہ کرسکتا ہے وہ دل سے اس برائی کو برا سمجھے اگرچہ یہ ایمان کا کمزور ترین مرتبہ ہے کیونکہ کوشش کرکے زبان سے روکنا چاہیے لیکن دل سے جب برا سمجھے گا تو یقیناً خود برائی کے قریب نہیں جائے گااور اس طرح معاشرے کے بے شمار افراد خودبخود راہ راست پرآجائیں گے۔

۵؎ حدیث شریف سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو آدمی برائی کو دل سے بھی برا نہ جانے اسے اپنے آپ کو مؤمنین میں شمار کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ دل سے برا سمجھنے میں تو کسی کا ڈر نہیں پھر بھی برا نہیں سمجھتا تو معلوم ہوا وہ اس پر راضی ہے۔

روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدود میں سستی کرنے والوں ۲؎ اور ان میں گرنے والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے کشتی میں قرعہ ڈالا پس کچھ لوگ اس کے نچلے حصے میں رہے اور کچھ اوپر والے میں نیچے والے پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گزرے انہیں اسپر تکلیف دی جاتی تو انہوں نے کلہاڑی لی اور کشتی کا نچلہ حصہ توڑنا شروع کردیا فریق ثانی نے آکر کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کہا کہ میری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت ہے اگر وہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں تو اسے بچالیں گے اور اپنی جانوں کو بھی اور اگر چھوڑ دیں تو اسے ہلاک کردیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کرلیں گے ۳؎ (بخاری)	

۱؎ ابوعبداللہ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ انصاری ہیں، آپ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال نو مہینے تھی، آپ کے والدین بھی صحابی تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ کوفہ کے والی تھے، ۶۴ھ میں آپ کو اہل حمص نے شہید کیا، آپ سے ایک جماعت نے احادیث روایت کیں جن میں آپ کے صاحبزادے محمد اور حضرت امام شعبی (رضی اللہ عنہم) بھی شامل ہیں۔

۲؎ **المدھن** اسم فاعل **مداھنت** سے بنا ہے جس کا معنی فریب کرنا دھوکہ دینا ہے یہاں سستی کرنا مراد ہے۔**حدود** حد کی جمع وہ شرعی سزائیں جو مقرر ہیں۔ **استھمو** جمع مذکر فعل ماضی باب استفعال قرعہ اندازی کی۔**صار یصیر** ہوجانا، باب **ضرب یضرب**، اجوف یائی۔**تاذوا** انہوں نے اذیت پائی، باب تفعل سے فعل ماضی جمع مذکر کا صیغہ ہے اور مہموز الفاناقص یائی ہے۔**ینقر** باب **نصر ینصر** سے مضارع واحد مذکر کا صیغہ ہے سوراخ کرنا توڑنا۔**اخذواعلی یدیہ** کسی کا ہاتھ روکنا۔**انجوا** باب افعال سے انہوں نے بچایا اور **نجوا** ثلاثی مزید باب تفعیل ہے جو کہ متعدی **اھلك** باب افعال کسی کو ہلاک کرنا یا اس کو ہلاکت کا سبب بتانا اور **ھلك نصر فتح سمع** تینوں طرح آتا ہے اور اس کا معنی ہلاک ہوا دونوں ماضی کے صیغے ہیں۔

۳؎اس حدیث شریف میں ایک مثال کے ذریعہ برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے کی اہمیت کوواضح کیا گیا اور بتایا گیا کہ اگر یہ سمجھ کر امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیا جائے کہ برائی کرنے والا خود نقصان اٹھائے گا ہمارا کیا نقصان ہے تو یہ سوچ غلط ہے اس لیے کہ اس کے گناہ کے اثرات تمام معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور جس طرح کشتی توڑنے والا اکیلا ہی نہیں ڈوبتا بلکہ وہ سب لوگ ڈوبتے ہیں جوکشتی میں سوار ہیں اسی طرح برائی کرنے والے چند افراد کا یہ جرم تمام معاشرے میں ناسور بن کر پھیلتا ہے۔

روایت ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاقیامت کے روز ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گاآگ میں اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی۲؎وہ پھرے گا جیسے گدھا چکی کے گرد پھرتا ہے جہنمی اس کے پاس جمع ہوکر کہیں گےاے فلاں کیا بات ہے جب کہ آپ تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے ؟ کہے گا میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھاتمہیں برائی سے روکتا تھالیکن خود نہیں رکتا تھا۳؎(متفق علیہ)	

۱؎حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی،حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں،ان کی والدہ ام ایمن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت اسامہ بن زید کی عمر بیس سال تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کا وصال ہوا،یہ بھی کہا گیا کہ ۵۴ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ابن عبدالبر کہتے ہیں میرے نزدیک یہ زیادہ صحیح ہے آپ سے ایک جماعت نے روایت کی۔

۲؎**تندلق اندلاق** سے بنا ہے اس کا معنی کسی چیز کا تیزی سے اپنی جگہ سے نکلنا،**اقتاب قتب** کی جمع ہے،**طحن یطحن** باب **فتح** سے پیسنا۔

۳؎اس حدیث شریف میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والا خود بھی باعمل ہواور اگر وہ خود اچھے اعمال نہیں کرتا اور برائی سے اجتناب نہیں کرتا تو سزا کا مستحق ہوگا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ باعمل آدمی کی تبلیغ سے انکار کی گنجائش نہیں ہوتی اور یوں اس کا اپنا عمل دوسروں کے عمل کے لیے ترغیب و تحریص کا کام دیتا ہےلیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر کوتاہی یا لاپرواہی کی وجہ سے مبلغ اعمال صالحہ سے کنارہ کشی رکھتا ہے یا نفس و شیطان کے دھوکے میں آکر برائی کا مرتکب ہوتا ہےتو اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے بلکہ ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے[1] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور نیک کاموں کا حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرتے رہنا ورنہ قریب ہے[2] کہ اللہ تعالٰی تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر تم اس سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی[3] (ترمذی)	

[1] حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازوں کے امین تھے،آپ سے حضرت عمر بن خطاب،حضرت علی المرتضٰی،حضرت ابوالدرداء اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین(رضی اللہ عنہم)نے احادیث روایت کی ہیں،آپ نے ۴۶ھ میں مدائن میں انتقال فرمایا اور آپ کا مزار پر انوار بھی وہیں ہے۔

[2] لیوشکن اوشك سے واحد مذکر غائب لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ کا صیغہ ہے اور یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔

[3] امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری سے پہلو تہی کتنا بڑا جرم ہے۔اس حدیث میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس کا بیان کیا گیارسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو تمہیں یہ فریضہ انجام دینا ہوگا یا اللہ تعالٰی کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بعد اگر دعا بھی کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔یہ نہایت سخت قسم کی وعید ہے یعنی جب تک تم اپنی کوتاہی کا ازالہ نہیں کرو گے اور اللہ تعالٰی سے معافی نہیں مانگو گے تمہاری کوئی دعا قبول نہ ہوگی۔اس حدیث میں امر بالمعروف کاذکر بھی قسم اور تاکیدی صیغوں کے ساتھ ہوا اور عذاب کے ذکر کے لیے بھی تاکیدی صیغہ استعمال کیا گیاجو اس کی اہمیت اور عدم بجا آوری کی صورت میں عذاب کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

روایت ہے حضرت عرس بن عمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں گناہ کیا جاوے تو جو وہاں موجود ہو اور وہ اسے ناپسند کرے تو ایسا ہے جیسے وہاں موجود نہیں اور جو موجود نہیں لیکن اس سے راضی ہے تو وہ ایسا ہے جیسے موجود ہو[2] (ابوداؤد)	

۱؎عرس بن عمیرہ،عرس کی عین پر ضمہ اور راء ساکن ہے جب کہ عمیرہ کی عین مفتوح اور میم مکسور ہے۔یہ حضرت عدی بن عمیرہ کے بھائی ہیں،صحابی ہیں،ان سے ان کے بھتیجے عدی بن عمیرہ اور زید بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہم نے احادیث روایت کی ہیں۔
۲؎اس حدیث شریف میں برائی کو دل سے برا جاننے کی اہمیت کا ذکر ہوا کہ اگرچہ ایک شخص برائی کے ارتکاب کے وقت وہاں موجود نہ بھی ہو لیکن اس پر راضی ہو تو گویا وہ موجود تھا اور جو وہاں موجود ہو لیکن اس حرکت کو ناپسند کرے گویا وہ وہاں موجود ہی نہیں۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گویا حقیقی موجودگی اور عدم موجودگی دل کی ہوتی ہے جسم کی نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ۱؎ نے فرمایا کہ اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہواے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو تم پر اپنی جانوں کا بچانا لازم ہے گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو۲؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لوگ جب کوئی برا کام دیکھیں اور اس سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان پر اپنا عذاب بھیج دے۳؎ روایت کیا اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے اور اس کو صحیح کہا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان پر اپنا عذاب بھیج دے۴؎ اور اسی کی دوسری روایت میں ہے کہ جس قوم میں ظلم کیے جاتے ہوں اور لوگ انہیں روکنے پر قدرت رکھتے ہو لیکن نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان پر عذاب بھیج دے اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں گناہ کیے جاتے ہوں اور کرنے والوں سے دوسرے لوگ زیادہ ہوں۵؎	

۱؎حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت غیر معروف نہیں،آپ سب سے پہلے ایمان لائے،سفر و حضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،آپ کے فضائل و مناقب پر آیات و احادیث کثیر ہ دلالت کرتی ہیں اور آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ اور مسلمانوں کے پہلے امیر تھے۔

۲؎قرآن کریم کی آیت "اے ایمان والو ! اپنی فکر کرو اگر تم ہدایت پر رہو گے تو گمراہ ہونے والے تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے" کے حوالے سے بعض لوگ سمجھتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں بلکہ آدمی کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے دوسروں کے گناہ یا کوتاہیاں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔
۳؎حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مغالطے کو دور کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے حوالے سے بتایا کہ جب لوگ برائی کو دیکھ کر اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو وہ سب عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔
۴؎دوسری روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس تبدیلی کا تعلق طاقت سے ہے یعنی برائی کو بدلنے والے لوگ اس بات کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ بدلیں تو وہ بھی عذاب کے مستحق ہوں گے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت عام اور مطلق نہیں بلکہ مقید اورخاص ہےیعنی جب لوگ تمہاری بات نہ سنیں تو آپ اپنی اصلاح میں مصروف ہوجاؤ اس صورت میں ان کے گناہ کا تم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات ہمارے دور سے متعلق نہیں اس وقت لوگ نیکی کی بات سنتے اور قبول کرتے ہیں یہ زمانہ بعد میں آئے گا،بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جب تم ہدایت پر ہو" کا مطلب یہ ہے کہ تم برائی سے روکو اور وہ نہ مانیں تو اب عذاب عام نہیں ہوگا بلکہ صرف برائی کے مرتکب لوگوں کو ہوگا۔

	حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ ۱؎ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کسی قوم کا کوئی آدمی ان کے درمیان گناہ کرتا ہو اور وہ اسے روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب بھیجے گا اس سے پہلے کہ وہ مریں ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمرو ہے اور آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چالیس دن پہلے اسلام لائے،اس کے بعد کوفہ تشریف لے گئے اور ایک عرصہ دراز کے بعد قرقسیا مقام پر منتقل ہوئے اور ۵۱ھ میں انتقال فرمایا آپ سے بےشمار لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔
۲؎اس حدیث کا مضمون گزشتہ حدیث کے مطابق ہے اور اس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ جس قوم یا جماعت میں کچھ لوگ برائی کے مرتکب ہوں اور وہ قوم ان کو روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ روکے تو وہ بھی عذابِ خداوندی کے مستحق ہوں گے اور یہ عذاب وہ لوگ مرنے سے پہلے دنیا میں ہی دیکھ لیں گے۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ برائی کو بدلنے میں کوتاہی کرنا دوسرے جرائم کے مقابلے میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ دوسرے گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی جب کہ اس کوتاہی کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔(اشعۃ اللمعات)اس حدیث کی روشنی میں حکمرانوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے کہ وہ اقتدار اور طاقت کے باوجود معاشرے سے برائیوں کا قلع قمع نہیں کرتے حالانکہ یہ ان کا فرض ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱؎ نے فرمایا ارشاد باری تعالیٰ تم پر اپنی جانوں کو بچانا لازم ہے گمراہ ہونے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا جب کہ تم ہدایت پر ہو کے متعلق فرمایا خدا کی قسم میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو فرمایا تم نیکی کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو یہاں تک کہ جب دیکھو کہ بخل کی تابعداری کی جارہی ہے خواہشات کی پیروی ہورہی ہے دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے ہر ایک اپنی رائے پر نازاں ہو ۲؎ اور ایسا معاملہ دیکھو کہ چارہ کار کوئی نہ ہو تو تم پر خود کو بچانا لازم ہے ۳؎ اور عوام کو چھوڑ دو کیونکہ پیچھے صبر کے دن ہیں جس نے ان دنوں میں صبر کیا تو گویا چنگاری پکڑی ان دنوں میں عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ہے جو اسی طرح عمل کرتے ہوں، عرض کی گئی کہ یارسول اللہ ان کے پچاس جتنا ؟ فرمایا کہ تمہارے پچاس آدمیوں جتنا ثواب ۴؎ (ترمذی، ابن ماجہ)	

۱؎ حضرت ابو ثعلبہ جرھم بن ناشب خشنی رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ابو ثعلبہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں، بیعت رضوان کے موقع پر آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ لوگ بھی اسلام لے آئے، حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے اور ۷۵ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

۲؎ **ائتمروا** باب افتعال سے جمع مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے، **تناھوا** باب تفاعل سے جمع مذکر حاضر امر کا صیغہ ہے۔ **مطاعًا** باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ، **متبعا** باب افتعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، **مؤثرۃ** تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ۔ **اعجاب** کا مطلب اپنی رائے پر اترانا اور تکبر کرنا ہے۔

۳؎ اس حدیث شریف میں ان مشکل حالات کا ذکر ہے جن میں آدمی کسی سے نیکی کی بات سننا پسند نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کے روکنے سے برائی سے رکے گا کیونکہ لالچ، خواہشات نفسانیہ اور خود پسندی جیسی صفات ذمیمہ نے اسے اندھا اور بہرہ کردیا ہوگا، ان حالات میں اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کی مجلس میں جانے کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے رنگ میں رنگا جاؤں گا تو اس وقت اپنے ایمان کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے، چونکہ وہ لوگ کوئی بات سننے کو ہی تیار نہیں لہٰذا اب امر بالمعروف سے پہلو تہی قابل مؤاخذہ نہیں ہوگی، یہ

وہ حالات ہوں گے کہ اس ماحول میں عمل کرنے والے کو پچاس عاملین کے برابر ثواب ملے گا اور وہ بھی عام لوگ نہیں بلکہ صحابہ کرام میں سے پچاس مراد ہیں۔

۴؎اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ امت کے آخری دور کے لوگوں کو صحابہ کرام پر جزوی فضیلت حاصل ہے لیکن جمہور علماء نے اس کا سخت رد کیا اور فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو شرف صحابیت حاصل ہے اس کا مقابلہ کوئی فضیلت نہیں کرسکتی اور دوسرے لوگ اس اعزاز سے محروم ہیں۔قوت القلوب میں لکھا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر انوار پر ایک نظر پڑنے سے جو پردے کھلتے ہیں اور ان کا کام بنتا ہے وہ دوسروں کی سالہاسال کی محنت سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے پس آپ نے قیامت تک ہونے والی کوئی خبر نہ چھوڑی ا؎مگر اس کا ذکر کردیا یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا،اسی میں آپ نے فرمایا بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالی اس کی تم کو خلافت دینے والاہے پس دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔خبردار! دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو اور ذکر فرمایا کہ قیامت کے روز ہر دغا باز۲؎کے لیے اس کی دنیاوی دغا بازی کے مطابق جھنڈا ہوگا اور حاکم کی عام دغا بازی سے بڑھ کر کوئی دغا بازی نہیں اس کا جھنڈا اس کے پاخانے کی جگہ کے پاس گاڑا جائے گا،فرمایا کہ تم میں سے کسی کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے نہ روکے جب کہ اسے معلوم ہو،ایک روایت میں ہے کہ اگر برا کام دیکھے تو اسے روکے،پس حضرت ابو سعید رو پڑے اور فرمایا ہم اسے دیکھتے ہیں اور لوگوں کی ہیبت ہمیں اس کے متعلق بولنے سے روکتی ہے پھر فرمایاکہ آدمی مختلف درجوں کے پیدا کیے گئے ہیں بعض وہ ہیں جو مؤمن پیدا ہوتے ہیں مؤمن ہی زندہ رہتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں اور ان میں سے بعض کافر پیدا ہوتے ہیں کافر زندہ رہتے ہیں اور کافر ہی مرتے ہیں اور ان میں سے بعض مؤمن پیدا

	ہوتے مؤمن زندہ رہتے اور کافر مرتے ہیں اور ان میں سے بعض کافر پیدا ہوتے کافر زندہ رہتے اور مؤمن مرتے ہیں،راوی کا بیان ہے کہ آپ نے غصے کا ذکر فرمایا کہ ان میں سے بعض کو جلد غصہ آتا اور جلد چلا جاتا ہے پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے ان میں سے بعض کو دیر سے غصہ آتا اور دیر سے جاتا ہے پس ایک دوسرے کے ساتھ ہے تم میں سے بہتر وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے اور جلد چلا جائے اور تم میں سے برے وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے۳ اور دیر سے جائے۴ فرمایا کہ غصے سے بچو کیونکہ یہ آدمی کے دل پر چنگاری ہے کیا تم اس کی رگوں کے پھولنے۵ اور آنکھوں کے سرخ ہونے کو نہیں دیکھتے جس کو غصہ محسوس ہو تو چاہیے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے،راوی کا بیان ہے کہ آپ نے قرض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے کوئی اچھی طرح ادا کردیتا ہے لیکن جب اس کا کسی پر ہو تولینے میں سختی کرتا ہے دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں ان میں سے کوئی ادا کرنے میں برا ہے لیکن اگر اس کا کسی پر ہو تو طلب میں اچھا ہے یہ ایک عادت دوسری کے ساتھ ہے اور تم میں سے بہتر وہ ہے کہ جب اس پر کسی کا قرض ہوتو اچھی طرح ادا کرے اور اس کا کسی پر ہو تو اچھی طرح طلب کرے اور تم میں سے برا وہ ہے کہ جب اس پر کسی کا قرض ہو تو بری طرح ادا کرے اور اس کا کسی پر ہو تو سختی سے طلب کرے خواہ سورج درختوں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں پر ہو۶ نیز فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں سے گزرے ہوئے وقت کے مقابلے میں نہیں باقی رہا مگر اتنا حصہ جتنا آج گزرے ہوئے وقت سے باقی رہ گیا ہے۔(ترمذی)

۱؎لم یدع ودع یدع سے نفی جحد بلم کا صیغہ ہے،مثال واوی باب فتح یفتح ہے مستخلف باب استفعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افعال کے معنی میں ہے۔

۲؎غادر غدر سے اسم فاعل ہے دھوکہ باز کو کہتے ہیں است سرین کو کہتے ہیں۔

۳؎سریع الفی جس کا غصہ جلدی اتر جائے۔

۴؎بطئی الفی جس کا غصہ دیر سے اترے،بطوء تاخیر کو کہتے ہیں۔

۵؎اوداج ودج کی جمع ہے رگیں انتفاخ پھولنا۔

۶؎حیطان حائطہ کی جمع دیواریں باغ کو بھی حائط کہتے ہیں اس طویل حدیث میں کئی مسائل بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے۔(۱)رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں قیامت تک پیش آنے والے مسائل سے متعلق مکمل احکام ذکر فرمائے جو آپ کا معجزہ ہے ورنہ اتنے مختصر وقت میں اور پھر مستقبل کے واقعات کا بیان ممکن نہیں۔(۲)دنیا میٹھی اور سرسبز ہے ہر شخص اسے حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک آزمائش ہوتی ہے کہ آیا دولت و اقتدار حاصل ہونے کے بعد انسان احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے یا ان کی تعمیل لہذا اس آزمائش میں ناکامی کے خوف سے کوشش کی جائے کہ دنیا اور عورتوں کے فتنوں سے دور رہیں۔(۳)دنیا میں جو بھی شخص دھوکہ بازی اور خیانت کرے گا قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل و رسوا ہوگا،حکمرانوں اور بڑے بڑے افسروں کو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔(۴)کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف آڑے نہیں آنا چاہیے ورنہ معاشرتی نظام تباہ و برباد ہوجائے گا۔(۵)خاتمے کے بارے میں فکر مند رہنا چاہیے اور ہر وقت حسن خاتمہ کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔(۶)دنیا میں وہی انسان سب سے اچھا ہے جس کو غصہ دیر سے آئے اور جلد چلا جائے اور وہ شخص سب سے برا ہے جسے جلدی غصہ آئے اور دیر سے جائے۔(۷)غصے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک ایسی آگ ہے جو سب کچھ جلاکر راکھ کردے گی۔(۸)قرض کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سب سے اچھا قرار دیا جو قرض دے تو اچھی طرح واپس مانگے اور قرض لے تو اچھے طریقے سے ادا کرے،جب کہ وہ شخص جو طلب میں بدکلامی کا مظاہرہ کرے اور کسی کا قرض دینا ہوتو اچھے طریقے سے ادا نہ کرے وہ سب سے برا آدمی ہے۔

(۹)نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا جس طرح اب سورج کے غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت باقی ہے اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے لہذا اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

	ابوالبختری۱؎نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہلاک نہیں کیے جائیں گے یہاں تک کہ اپنے آپ کو معذور بنائیں۲؎(ابوداؤد)

۱؎حضرت ابو البختری(باء پر فتحہ اور خاء ساکن)تابعی ہیں اور کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں،آپ کا اسم گرامی سعید بن فیروز ہے،آپ نے رؤیت ہلال کے سلسلے میں بھی حدیث روایت کی ہے۔

۲؎یعذروا اعذار سے مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے گناہوں اور عیبوں کا زیادہ ہونا،اعذار کا معنی عذر کا سبب ہونا اور اس کا ازالہ بھی ہے یعنی جب کسی شخص کے گناہ اور عیب زیادہ ہوجائیں اور اب وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے سزا اور بندوں کی طرف سے نہی عن المنکر کا مستحق ہوجائے اور کوئی بہانہ نہ کرسکے۔اعذار کا معنی صاحب عذر بھی ہوسکتا ہے یعنی وہ گناہ کرکے اس کی مختلف فاسد تاویلیں کریں گے عذر پیش نہ کریں گے۔بعض روایات میں یعذرو(یا پر فتح کے ساتھ)بھی آتا ہے گویا وہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اس بات سے معذور ہیں کہ ان کو جھڑکا جائے اور منع کیا جائے۔

عدی ابن عدی الکندی ۱؎کا بیان ہے کہ ہمارے مولٰی نے ہم سے حدیث بیان کی کہ اس نے میرے جد امجد سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالٰی عام لوگوں کو خاص لوگوں کے عمل کے باعث عذاب نہیں دیتا۲؎ یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان برے کام ہوتے ہوئے دیکھیں اور اسے روکنے کی طاقت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالٰی عام اور خاص سب کو عذاب دے گا۳؎(شرح السنہ)	

۱؎عدی ابن عدی الکندی(الکندی کاف کے کسرہ سے ہے)ایک یمنی قبیلہ کندہ کی طرف منسوب ہیں،آپ تابعی فقیہ ہیں،آپ کے والد عدی بن عمیرہ اور چچا عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں،آپ نے ان دونوں سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے حضرت ایوب اور عطا خراسانی وغیرہما نے احادیث روایت کی ہیں۔

۲؎العامة عام لوگ،الخاصة قوم کے بعض افراد،بین ظھرینھم ان کے سامنے۔اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جب کسی قوم میں سے کچھ افراد برائی کا ارتکاب کریں تو اس کا عذاب صرف انہی کو ہوگا قوم کے دوسرے افراد کو نہیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۳؎البتہ جب ان کے سامنے برائی ہورہی ہو اور وہ روکنے پر قادر ہونے کے باوجود ان کو نہ روکیں تو اب سب کو عذاب ہوگا اور یہ ارشاد خداوندی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ گناہ کرنے والوں کو ان کے عمل کی سزا ملے گی اور دوسرے اس لیے سزا کے مستحق ہوئے کہ انہوں نے برائی کو روکنے سے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرکے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن وہ باز نہ آئے پس علماء ان کی مجالس میں شامل ہوتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو دوسرے بعض کے دلوں سے ملادیا پس ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت فرمائی یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے گزرتے تھے،راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہاں تک کہ تم انہیں ظلم سے پوری طرح روک لو[2](ترمذی،ابوداؤد)اور ایک روایت میں فرمایا خدا کی قسم تم ضرور نیک کاموں کا حکم دو گے برے کاموں سے منع کرو گے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے حق کی طرف کھینچ لو گے اور اسے مجبور کردو گے کہ اپنے حق پر ہی رہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض دلوں کو دوسرے بعض دلوں سے ملادے گا پھر تم پر لعنت کرے گا جیسے دوسروں پر لعنت کی تھی[3]

[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے،کہا جاتا ہے کہ آپ اسلام لانے والوں میں چھٹے نمبر پر ہیں،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے تھے،آپ کے نعلین مبارک اور مسواک مبارک کے امین اور آپ کے راز دار تھے،آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی،غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے،بے شمار احادیث کی روایت سے مشرف ہوئے ۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے،آپ سے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت علی المرتضی اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ عنہم) نے احادیث روایت کی ہیں۔

[2] **فجالسوھم** ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے **اکلوھم،جالسوھم،شاربوھم** تمام صیغے باب مفاعلہ سے جمع مذکر غائب ماضی کے صیغے ہیں اور **ھم** ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔باب مفاعلہ فعل میں شراکت کا تقاضا کرتا ہے گویا ان کا کھانے پینے اور مجلس میں اشتراک تھا،اطر یاطر باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے۔کسی چیز کو توڑ دینا ہے اور دوہرا کرنا۔اس حدیث شریف میں بنی اسرائیل کے علماء کا کردار ذکر کرنے کے بعد اس راستے پر چلنے

سے روکا گیا بتایا گیا کہ بنی اسرائیل کے علماء نے اپنی قوم کو برائی سے منع کیا جب وہ باز نہ آئے تو بجائے اس کے کہ وہ ان کا بائیکاٹ کرکے ان کو برائی چھوڑنے پر مجبور کرتے خود ان کے ہم مجلس اور ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے اور ان کے دل ایک جیسے ہوگئے جس کی بنیاد پر وہ لعنت کے مستحق ہوئے۔
۳؎ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ارباب اختیار اور علماء کو متنبہ کیا کہ تمہیں اس طریقہ کار سے بچنا ہوگا اور برائی کا ارتکاب کرنے والوں کا ہاتھ روکنا ہوگا،منافقت و مداہنت سے کام لینے کے بجائے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا ہوگا ظالم کا ہاتھ روک کر اسے راہِ حق پر لانا ہوگا ورنہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح لعنت کے مستحق ہوجاؤ گے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ا؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ انکے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون ہیں ؟کہا کہ یہ آپ کی امت کے واعظ ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن اپنی جانوں کو بھلا دیتے ہیں۲؎ روایت کیا اسے شرح السنہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں،دوسری روایت میں کہاآپ کی امت کے خطیب جو دوسروں سے کہتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے اور اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔	

ا؎ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے آپ کی کنیت ابو حمزہ خزرجی تھی،آپ کی والدہ کا نام سلیم بنت ملحان تھا،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی،خلافت فاروقی میں آپ بصرہ منتقل ہوگئے وہاں آپ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتے رہے،آپ نے ۹۱ھ میں ایک سو تین سال یا ننانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔اور آپ بصرہ میں انتقال کرنے والے آخری صحابی تھے،مقاریض مقراض کی جمع(اسم آلہ)قینچیاں۔
۲؎ شبِ معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف لوگ مختلف سزاؤں میں مبتلا دکھائے گئے تاکہ آپ اپنی امت کو آگاہ فرمائیں کہ فلاں فلاں جرم کی فلاں فلاں سزا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اور یوں لوگ اجتناب کی راہ اختیار کریں گے،چونکہ واعظین اور خطباء اپنی زبانوں سے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اس لیے خطباء کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کٹتی ہوئی دکھائی گئیں اور واضح کیا گیا کہ دوسرے کو تبلیغ کرکے خود عمل نہ کرنے والے سزا کے مستحق ہیں اور یہ زبانیں اس قابل ہیں کہ ان کو یہ سزا دی جائے۔

روایت ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہ ا؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاآسمان سے روٹی	

	اور گوشت والا دسترخوان نازل ہوا ۲؎ اور حکم دیا گیا کہ خیانت نہ کرنا اور کل کے لیے جمع کرنا پس انہوں نے خیانت کی اور اگلے روز کے لیے اٹھا کر رکھ لیتے پس وہ بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل کردیئے گئے ۳؎ (ترمذی) ۴؎

۱؎ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے،دونوں باپ بیٹا ابتدائی دور میں اسلام لائے اور اسلام لانے کی پاداش میں بڑی سختیاں جھیلیں،آپ کو کفار نے انگاروں پر لٹایا پانی میں غوطے دیئے اور طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کیا لیکن آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، ۳۶ھ میں آپ نے اکانوے برس میں جنگ صفین میں شہادت پائی۔

۲؎ المائدہ امام راغب فرماتے ہیں اس تھال کو کہا جاتا ہے جس میں کھانا کھاتے ہیں لیکن دسترخوان اور کھانے دونوں استعال ہوتا ہے یہاں کھانا مراد ہے۔

۳؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر روٹی اور گوشت آسمان سے نازل ہوا لیکن ان کو ذخیرہ کرنے اور دوسرے دن کے لیے بچاکر رکھنے سے منع یا گیا تھا اور جب انہوں نے اس حکم کی پابندی نہ کی تو انکی شکلیں بگاڑ دی گئیں گویا اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرنے والے اتنی بڑی سزا کے مستحق ہیں یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ یہ امت دن رات حکم خداوندی سے منہ پھیرتی ہے لیکن شکل بگڑنے کے عذاب سے محفوظ ہے۔

۴؎ اس حدیث کو اس باب میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف کرنے والا اپنی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے اور جن لوگوں کو برائی سے روکا گیا وہ عمل نہ کریں تو سزا کے مستحق ہوں گے جیسے ان لوگوں کو دوسرے دن کے لیے ذخیرہ کرنے سے منع کیاگیا لیکن جب انہوں نے اطاعت نہ کی تو ان کو سخت سزا دی گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاآخری زمانہ میں میری امت کو اپنے حکمرانوں سے سخت تکلیفیں ۲؎ پہنچیں گی ان سے نجات نہیں پائے گا مگر وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس پر اپنی زبان،ہاتھ اور دل کے ساتھ جہاد کیایہ وہ شخص ہے جو پوری طرح سبقت لے گیا ۳؎ دوسرا وہ آدمی جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس کی تصدیق کی،تیسرا وہ آدمی جس نے اللہ کے دین

	کو پہچانا اور اس پر خاموش رہا اگر کسی کو نیکی کرتے دیکھا تو اس سے محبت کرنے لگا اور اگر کسی کو غلط کام کرتے دیکھا تو اس سے ناخوش رہا یہ سب اپنی اندرونی حالت کے باعث نجات پاجائیں گے۴(بیہقی)

۱حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی اور خلفاء راشدین میں سے ہیں،آپ کا اسلام قبول کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے،آپ کو بارگاہ خداوندی سے مانگا گیا تھا،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ایمان کے لیے دعا کی اور جب آپ ایمان لائے تو مسلمان ببانگ دھل اسلام کا اعلان کرتے اور نماز پڑھتے،آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور مسلمانوں کی ماں تھیں،آپ کا نظامِ حکومت اور عدل ضرب المثل ہے،آپ پر ۲۸ ذوالحج بدھ کی صبح نماز کے وقت ایک بدبخت نے قاتلانہ حملہ کیا اور اتوار کے دن آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا یہ واقعہ ۲۳ ہجری کا ہےاور اس وقت آپ کی عمر۶۳سال تھی۔شدائدشدت کی جمع ہے سختیاں،مصائب۔

۳السوابق سابقة کی جمع ہے،سبقت کے معنی آگے بڑھنا۔

۴رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے دور کی خبر دی کہ جب حکمران دنیوی لالچ اور خواہشات کا شکار ہوکر اپنی رعایا پر ظلم و زیادتی کریں گے تو اس وقت تین قسم کے لوگ ہوں گے:ایک وہ جو سب سے آگے بڑھنے والے سبقت لے جانے والے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے ان ظالموں کے خلاف جہاد کریں گے۔دوسرے وہ جن کو دین کی پہچان حاصل ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کریں گےاور دین کا اظہار کریں گے لیکن ہاتھ سے نہیں روک سکیں گے۔جب کہ تیسرے قسم کے لوگ دین کی پہچان رکھتے ہوں گے اور زبان سے خاموش رہیں گے،اچھی بات دیکھ کر پسندکریں گے اور برائی اور باطل کے مرتکبین کو دیکھ کر ناپسند کریں گے تو یہ تین قسم کے لوگ نجات پانے والے ہوں گے جب کہ وہ لوگ جواس برائی کو دورکرنا تو درکنار دل سے بھی برا نہیں جانیں گے وہ گویا ان ظالموں کے ساتھ ظلم میں شریک ہوں گے اوریوں وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ۱سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی کی فلاں بستی کو اس کے باشندون پر الٹا دو۲عرض گزار ہوئے کہ اے رب اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہےجس نے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی تیری نافرمانی نہیں کی فرمایا کہ اس پر اور دوسرے سب پر الٹا دو کیونکہ میری خاطر اس کا چہرہ ایک ساعت کے لیے بھی متغیر نہیں ہوا تھا۳(بیہقی)

۱؎حضرت ابو عبداللہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انصاری سلمی تھے،آپ معروف صحابہ کرام میں شامل ہیں اور آپ سے مروی روایات بہت زیادہ ہیں،غزوہ بدر اور اس کے بعد اٹھارہ غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت کی آپ نے چورانوے سال کی عمر میں ۷۴ھ؁ مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا،ایک قول کے مطابق مدینہ طیبہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی آپ ہی ہیں۔

۲؎**قلب یقلب** باب ضرب یضرب سے ہے،اس کا معنی ہے کسی چیز کو الٹ دینا اور پھیر دینا اس سے **اقلب** امر کا صیغہ ہے۔**تمعر یتمعر تمعرا** باب تفعل ہے،غصے کی وجہ سے چہرے کا رنگ بدل جانا۔

۳؎اس حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں اعمال صالحہ سے تعلق اور برائیوں سے اجتناب ضروری ہے وہاں دین و ملت کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم،نیز معاشرتی بگاڑ کی وجہ سے پریشان ہونا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔جو لوگ اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کی خاطر معاشرتی برائیوں کے ازالے کے لیے کوشاں نہیں رہتے اور عدم طاقت کی صورت میں اس پر پریشان بھی نہیں ہوتے ان کا تقویٰ کس کام کا لہذا اپنی اصلاح اور عبادت خداوندی میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ملک و ملت اور مسلمانان عالم کی زبوں حالی کے خاتمے اور معاشرے کو غیر شریک حرکات و سکنات سے پاک کرنے کے لیے کوشاں رہنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالٰی بندے سے پوچھتے ہوئے فرمائے گا تجھے کیا ہوگیا تھا کہ تو برائی کو دیکھتے تھا لیکن اس سے منع نہیں کرتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے حجت سکھادی جائے گی۱؎ لہذا عرض کرے گا اے رب لوگوں سے ڈرتے ہوئے اور تجھ سے امید رکھتے ہوئے ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۲؎

۱؎**فیلقی تلقیہ** باب تفعیل سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے،کسی بات کا دل میں ڈالنا **تلقیۃ** کہلاتا ہے،**رجوت نصر ینصر** سے واحد متکلم فعل ماضی کا صیغہ ہے میں نے امید کی۔

۲؎اس حدیث شریف میں ان لوگوں پر اللہ تعالٰی کی خاص رحمت کے نزول کا ذکر ہے جو برائی سے نفرت کرتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ اس کا قلع قمع کیا جائے لیکن بدمعاشوں کی بدمعاشی ان کے آڑے آتی ہے اور وہ برائی کو دل سے برا سمجھتے ہوئے عملًا اسے ختم نہیں کرسکتے۔قیامت کا دن اتنا ہولناک ہوگا کہ انسان کو جو بات یاد ہوگی وہ بھی بھول جائے گا لیکن برائی سے نفرت کرنے والے لوگوں پر اللہ تعالٰی کی اس قدر رحمت ہوگی کہ وہ خود ان کو جواب سکھادے گا لیکن یہ ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو برائی کے خلاف آواز کسی مجبوری کے تحت بلند نہیں کرسکتے۔

	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۱؎ سے روایت

	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے نیکی اور بدی دونوں قیامت کے روز لوگوں کے لیے کھڑی کی جائیں گی نیکی اپنے کرنے والوں کو خوشخبری سنائے گی اور ان سے بھلائی کا وعدہ کرے گی جب کہ برائی کہے گی کہ دور ہوجاؤ اور ان میں طاقت نہیں ہوگی مگر اس کے ساتھ چمٹنے کی،اسے احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے[2]۔

[1] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس ہے،آپ مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام ہوئے،وہاں سے حبشہ کی طرف ہجرت کی،پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر میں حاضر ہوئے،حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ میں آپ کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا،چنانچہ آپ نے اہواز کا علاقہ فتح کیا،حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آپ کوفہ منتقل ہوئے،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہیں ۵۲ھ میں وصال فرمایا۔

[2] **خلیقتان مخلوقتان** (دو پیدا کی ہوئی چیزیں)لزوم کسی چیز کا کسی سے چمٹ جانا لازم ہوجانا۔اس حدیث شریف میں ثواب و عقاب کی حقانیت کو واضح کیا گیا کہ نیکی اور برائی دنیا میں ہی ختم نہیں ہوجائے گی بلکہ قیامت کے دن ان کا بدلہ (اچھا یا برا) ملے گا،نیکی جس طرح دنیا میں قلبی سرور کا باعث ہوتی ہے قیامت کے دن بھی خوشی کا باعث بنے گی اور برائی جس طرح دنیا میں دل کی پریشانی کا سبب ہوتی ہے قیامت کے دن بھی پریشانی کا موجب ہوگی اور یہ بھی بتایا گیا کہ برائی کا مرتکب شخص اس قدر ناپسندیدہ ہوگا کہ خود بھی اسے اپنے آپ سے دور کرے گی لیکن وہ دور نہیں ہوسکے گا۔اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسانی اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں بندہ صرف کسب کرتا ہے۔

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (ہفتم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

کتاب الرقاق

دل کو نرم کردینے والی باتوں کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ رقاق جمع ہے رقیق کی بمعنی نرمی و پتلی چیز جیسے صغیر کی جمع صغار،کبیر کی جمع کبار اور کریم کی جمع کرام اور رقیقه کی جمع رقائق آتی ہے جیسے دقیقۃ اور حقیقۃ کی جمع دقائق اور حقائق ہے،اسی کا مقابل ہے غلیظ۔یہاں رقاق سے مراد حضور کے وہ کلمات طیبہ جو تاقیامت مسلمانوں کے دل نرم کردیں جیسے لوہا نرم ہوکر اوزار اور سونا نرم ہوکر زیور اور مٹی نرم ہوکر کھیت یا باغ،آٹا نرم ہوکر روٹی وغیرہ بنتے ہیں ایسے ہی انسان دل کا نرم ہوکر ولی،صوفی،عارف وغیرہ بنتا ہے۔دل کی نرمی اللہ کی بڑی نعمت ہے،یہ نرمی دل،بزرگوں کی صحبت اور ان کے پاک کلمات سے نصیب ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نعمتیں ہیں جن میں بہت لوگ گھاٹے میں ہیں تندرستی اور فراغت ۱؎(بخاری)	

۱؎ یعنی تندرستی اور عبادت کے لیے موقعہ مل جانا اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں مگر تھوڑے لوگ ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اکثر لوگ انہیں دنیا کمانے میں صرف کرتے ہیں حالانکہ دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ محنت سے جوڑنا،مشقت سے اس کی حفاظت کرنا،حسرت سے چھوڑنا۔خیال رہے کہ فراغت اور بیکاری میں فرق ہے۔فراغت اچھی چیز ہے،بیکاری بری چیز۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی لوگ کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے سوائے ان ساعتوں کے جو انہوں نے دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر صرف کردیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی قسم نہیں ہے دنیا آخرت کے مقابل مگر ایسی جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ انگلی کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے ۲؎(مسلم)	

۱؎ آپ بہت کم سن صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بالکل نو عمر تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام شریف یاد رکھا،روایت کیا،مصر میں قیام رہا۔(اکمال،اشعہ)

۲؎ یہ بھی فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ فانی اور متناہی کو باقی غیر فانی غیر متناہی سے وہ نسبت بھی نہیں جو بھیگی انگلی کی تری کو سمندر سے ہے۔خیال رہے کہ دنیا وہ ہے جو اللہ سے غافل کردے۔عاقل عارف کی دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے اس کی دنیا بہت ہی عظیم ہے۔غافل کی نماز بھی دنیا ہے جو وہ نام نمود کے لیے کرتا ہے۔عاقل کا کھانا پینا،سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا بھی دین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔مسلمان اس لیے

کھائے پیئے سوئے جاگے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں۔حیاۃالدنیااور چیز ہے،حیوۃفی الدنیا اور،حیاۃللدنیاکچھ اور یعنی دنیاکی زندگی،دنیا میں زندگی،دنیاکے لیے زندگی،جوزندگی دنیامیں ہو مگرآخرت کے لیے ہو دنیاکے لیے نہ ہووہ مبارک ہے۔مولانافرماتے ہیں شعر

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　آب اندر زیر کشتی پشتی است

کشتی دریامیں رہے تونجات ہے اوراگر دریاکشتی میں آجاوے توہلاک ہے۔مؤمن کادل مال واولاد میں رہناچاہیے مگردل میں اللہ و رسول کے سوا کچھ نہ رہناضروری ہے۔

روایت ہے حضرت جابرسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ کے مرے بچے پر گزرے توفرمایاکہ تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گاکہ یہ اسے ایک درہم کے عوض ملے؟ ا؎ صحابہ نے عرض کیاہم نہیں چاہتے کہ یہ ہمیں کسی بھی چیز کے عوض ملے توفرمایااللہ کی قسم! دنیااللہ کو اس سے زیادہ ذلیل ہے جیسی یہ تمہارے نزدیک ۲؎(مسلم)	

ا؎ یعنی بکری کامرداربچہ کوئی چارآنے میں بھی نہیں خریدتا کہ اس کی کھال بےکاراور گوشت وغیرہ حرام ہے اسے کون خریدے۔

۲؎ دنیاکے معنی ابھی عرض کردیئے گئے وہ یادرکھے جاویں۔صوفیاءکرام فرماتے ہیں کہ دنیادار کوتمام جہان کے مرشدہدایت نہیں دے سکتے،تارک الدنیادیندار کوسارے شیاطین مل کرگمراہ نہیں کرسکتے،دنیادار دینی کام بھی کرتاہے تو دنیاکے لیےاور دیندار دنیاوی کام بھی کرتاہےتودین کے لیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیامؤمن کاقیدخانہ ہےاورکافرکی جنت ا؎ (مسلم)	

ا؎ یعنی مؤمن دنیامیں کتناہی آرام میں ہو مگراس کے لیےآخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیاجیل خانہ ہے جس میں وہ دل نہیں لگاتا۔جیل اگرچہ اے کلاس ہوپھر بھی جیل ہے اورکافرخواہ کتنے ہی تکالیف میں ہوں مگرآخرت کے عذاب کے مقابلہ اسکے لیے دنیاباغ اورجنت ہے وہ یہاں دل لگاکر رہتاہے،لہذاحدیث شریف پریہ اعتراض نہیں کہ بعض مؤمن دنیامیں آرام سے رہتے ہیں اور بعض کافرتکلیف میں۔ایک روایت میں ہے کہ حضور انورنےفرمایااےابوذر! دنیامؤمن کی جیل ہےاور قبراس کے چھٹکارے کی جگہ،جنت اس کے رہنے کامقام ہے اور دنیاکافرکے لیے جنت ہے،موت اس کی پکڑکادن اور دوزخ اس کاٹھکانا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کسی مؤمن پرکسی نیکی میں ظلم نہیں کرتاہےاس کاعوض دنیامیں دیاجاتاہے اوراس کے عوض آخرت میں جزا دیاجاوے گا ا؎ رہا کافرتووہ دنیامیں اپنے نیکیوں کے عوض جووہ کرے کھلادیاجاتاہے حتی کہ جب آخرت تک پہنچتاہے تواس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوتی جس کی جزا اسے دی جاوے ۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی مؤمن کو اس کی نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی ملتا ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًاوَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ" تقویٰ کی برکت سے ہر آفت سے نجات،رزق میں فراخی،عزت وعظمت سب ملتی ہے مگر یہاں کی چیزوں سے اس کی آخرت کی جزا کم نہیں ہوتی جیسے سرکاری ملازم کا بھتہ تنخواہ میں نہیں کٹتا اور کافر کی دنیاوی تکالیف آخرت کے عذاب کو کم نہیں کرتیں جیسے ملزم کی حوالات کا زمانہ جیل کی مدت میں نہیں کٹتا۔

۲؎ یعنی کافر جو دنیا میں ہوا،دھوپ،غذا پانی وغیرہ کھاپی لیتا ہے وہ اس کی نیکیوں کے حساب میں آجاتا ہے۔جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کا حساب صاف ہوچکا ہوگا وہاں کچھ نہ پائے گا۔مؤمن دنیا میں قانون سے کھاتا پیتا ہے،آخرت میں محبت سے اجر پائے گا۔قانون میں حساب ہے،محبت میں بے حسابی۔ہوٹل میں کھانا حساب سے ملتا ہے دعوت میں بغیر حساب کے کہ ہوٹل قانون کی جگہ،دعوت محبت کا ظہور"یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ"مؤمن کی دنیاوی تکالیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں حتی کہ بیماریاں،فکریں،رزق کی تنگی سب کفارات ہیں"مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ"کا یہ ہی مطلب ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ خواہشات سے گھیر دی گئی ہے اور جنت تکالیف سے ۱؎ گھیر دی گئی ہے ۲؎(مسلم،بخاری) مگر مسلم کے نزدیک بجائے **حجبت** کے **حفت** ہے۔

۱؎ یعنی دوزخ خود خطرناک ہے مگر اس کے راستہ میں بہت سے بناوٹی پھول و باغات ہیں۔دنیا کے گناہ،بدکاریاں جو بظاہر بڑی خوشنما ہیں یہ دوزخ کا راستہ ہی تو ہیں۔

۲؎ یعنی جنت بڑا باردار باغ ہے مگر اس کا راستہ خاردار ہے جسے طے کرنا نفس پر گراں ہے۔نماز،روزہ،حج،زکوۃ،جہاد،شہادت جنت کا راستہ ہی تو ہیں۔طاعات پر ہمیشگی،شہوت سے علیحدگی واقعی مشقت کی چیزیں ہیں۔خیال رہے کہ یہاں **شہوات** سے مراد حرام خواہشیں ہیں جیسے شراب،زنا،سرود،حرام کھیل،تماشے اس میں جائز شہوات داخل نہیں اور **مکارہ** سے مراد عبادات کی اطاعات کی مشقتیں ہیں لہذا اس میں خودکشی و مال برباد کرنا داخل نہیں۔(مرقاۃ)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہلاک ہوجاوے دنیا کا بندہ روپے پیسے کا بندہ اور اعلیٰ کپڑوں کا بندہ ۱؎ کہ اگر اسے دیا جاوے تو راضی رہے اور اگر نہ دیا جاوے تو ناراض ہوجاوے ۲؎ وہ ہلاک ہوجاوے برباد ہوجاوے اور جب کانٹا لگے تو نہ نکلے ۳؎ خوشخبری ہو اس بندے کو جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہو،اس کے بال پراگندہ ہوں،اس کے قدم گردآلود اگر پہرے میں ہو تو پہرے میں رہے اور اگر لشکر کے پیچھے ہو تو پیچھے رہے ۴؎ اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ دی جاوے اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی

جاوے ۵؎ (بخاری)	

۱؎ روپیہ پیسہ سے مراد عام مال ہے،چونکہ نقد سکہ عمومًا پیارا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہر قسم کا مال حاصل کیا جاتا ہے اس لیے دینار و درہم کا ذکر فرمایا۔**خمیصہ** یا تو نقشیں چادر ہے یا فاخرہ لباس یعنی جو ان چیزوں کی محبت میں گرفتار ہو کہ اس کی نظر ان میں ایسی لگی ہو کہ اسے کبھی آخرت یاد نہ آوے۔

۲؎ یعنی اگر اسے اللہ تعالٰی دنیا دے دے تو خوش رہے اگر کبھی اس پر تنگی آجاوے تو رب سے ناراض ہو جاوے،کفریات بکنے لگے یا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا سلطان اسلام یا کوئی بھی اسے دنیا دے دے تو ان سے راضی رہے ورنہ ان سے ناراض ہو جاوے،اس بندۂ نفس کا کوئی اعتبار نہیں اسے جو چاہے دنیا کی عوض خرید لے،اس کی تائید اس آیت سے ہے"فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ"۔

۳؎ یہ کلمات بددعا کے ہیں کہ ایسا بندہ خدا کرے ہلاک نگوں سار ذلیل وخوار ہو جاوے اور جب کسی مصیبت میں پھنسے تو کوئی اسے نکالنے والا نہ ہو پھنسا ہی رہے۔(اشعہ)ممکن ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہو یعنی ایسا آدمی ذلیل وخوار رہتا ہے مصیبت میں اس کا کوئی غمخوار نہیں ہوتا۔

۴؎ یعنی ایسا غازی فی سبیل اللہ بے نفس ہمیشہ خوش وخرم رہے کہ اس کا حاکم اسے جہاں ڈیوٹی دے دے بخوشی منظور کرے کبھی عذر نہ کرے،اس کے دل میں دنیاوی عزت و وجاہ کی طلب نہ ہو۔خیال رہے کہ اس جملہ میں شرط وجزا بظاہر یکساں معلوم ہوتی ہیں مگر ہماری اس شرح سے معلوم ہوگیا کہ دونوں میں فرق موجود ہے لہذا اس پر اعتراض نہیں ہے۔

۵؎ یعنی اس بے نفس غازی مجاہد کے پاس نہ مال کی فراوانی ہو نہ عزت و وجاہ دنیاوی کی،لوگ اس کی غربت کی وجہ سے اسے اپنے گھر نہیں بلاتے بلکہ نہیں آنے دیتے،اس کی سادہ معمولی زندگی کی وجہ سے اس کی سفارش نہیں قبول کرتے،اس کے پاس بجز دل کے اخلاص اور اطاعت الٰہی کے جذبے کے اور کچھ نہیں وہ گدڑی میں لعل ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بعد جن چیزوں سے تم پر خوف کرتا ہوں وہ دنیا کی تروتازگی دنیا کی زینت ہے جو تم پر کھول دی جاوے گی ۱؎ تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا خیر بھی شر لاتی ہے ۲؎ تو حضور خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے ۳؎ فرماتے ہیں پھر حضور نے اپنے سے پسینہ پونچھا اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ غالبًا حضور نے اس کی تعریف فرمائی پھر فرمایا کہ خیر شر کو نہیں لاتی ہے ۴؎ جیسے بہار اگاتی ہے اس میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ پھلا کر ہلاک کردیتی ہے یا بیمار کردیتی ہے ۵؎ سوائے اس جانور کے جو سبزی کھائے حتی کہ اس کی کوکھیں تن جاویں ۶؎ تو دھوپ میں آجاوے تو لوٹے پوٹے پیشاب کرے پھر لوٹ جاوے اور کھائے ۷؎ اور یقینًا یہ مال ہرا بھرا میٹھا ہے ۸؎ تو جو اسے اس کے حق سے لے اور اس کے حق میں خرچ کرے ۹؎ تو وہ اچھا مددگار ہے	

۱۰؎ اور جو ناحق لے ۱۱؎ وہ اس کی طرح ہوگا جو کھالے اور سیر نہ ہو ۱۲؎ یہ مال اس کے خلاف قیامت کے دن گواہ ہوگا ۱۳؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی میری وفات کے بعد تم پر دنیا کی دولت، فتوحات، عزت وجاہ کے دروازے کھل جاویں گے ان کا مجھے خطرہ ہے کہ کبھی تم ان میں پھنس کر اللہ تعالٰی سے غافل نہ ہو جاؤ، غریبی میں خدا یاد رہتا ہے اور امیری میں بھول جاتا ہے۔ شعر

بادہ نوشیدن دہش زشستن سہل است گر بدولت رسی ہشیار نشینی مردی

۲؎ یہ سوال بہت ہی گہرا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مال و دولت، جاہ و حشمت شر ہوگی یا خیر، اگر شر ہوگی تو رب تعالٰی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کیوں دے گا آپ کی امت تو مرحومہ ہے اور اگر خیر ہوگی تو اس سے یہ شر کیسے پیدا ہوگی، خیر تو خیر ہی کا ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ شر کا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اندیشہ کیوں فرماتے ہیں۔

۳؎ اس سائل کا سوال اتنا عمدہ تھا کہ اس کا جواب رب تعالٰی نے دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمایا، سوال بھی اعلیٰ سوال کرنے والا بھی شاندار۔

۴؎ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ غنیمتیں دولت وعزت وغیرہ خیر ہی ہوں گی مگر اندیشہ یہ ہے کہ تم اس خیر کو غلط استعمال کر کے اپنے لیے وبال بنالو۔ خیر ہمیشہ خیر ہی لاتی ہے مگر اس کا غلط استعمال شر کا باعث ہو جاتا ہے، جب حضور انور پر وحی آتی تھی تو پسینہ آجاتا تھا اگرچہ سردی کا موسم ہوتا۔

۵؎ یہ نہایت نفیس مثال ہے کہ جنگل کا سبزہ اللہ کی نعمت ہے مگر جو گائے اسے ہوس کے ساتھ کھائے جائے بس ہی نہ کرے تو بیمار پڑ جاتی ہے، اسے اس سبزہ نے بیمار نہ کیا بلکہ اس کی ہوس نے اسے مصیبت میں ڈال دیا، یوں ہی جو شخص دنیا سے کبھی سیر نہ ہو، حرام وحلال میں تمیز نہ کرے، جو ملے قبضہ کرلے، اللہ کی عبادت کے لیے فارغ نہ ہو، ہر وقت دنیا طلبی میں سرگرداں رہے ظاہر ہے کہ وہ ہلاک ہوگا۔

۶؎ پیٹ کی دو کروٹوں کا تن جانا پیٹ بھر جانے کی علامت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس کا پیٹ خوب بھر گیا۔

۷؎ یعنی جب پہلا چارہ ہضم ہو جاوے تب دوبارہ کھائے، یوں ہی مسلمان کو چاہیے کہ حلال روزی حاصل کرے وہ بھی صبر و قناعت کے ساتھ کہ کچھ وقت روزی کمانے کے لیے رکھے، کچھ وقت اللہ کی عبادت کے لیے، کمایا ہوا مال کچھ خود کھائے کچھ غرباء فقراء کو کھلائے اسی لیے اسلام میں روزانہ پانچ نمازیں فرض فرمائیں اور مال میں زکوۃ، فطرہ، قربانی وغیرہ کا حکم دیا۔ نیز جو مسلمان گناہ کرے تو فورًا عنایت الٰہی کی دھوپ میں آئے توبہ کرے معافی چاہے، آئندہ زندگی احتیاط سے گزارے یہ مثال بہت پہلو رکھتی ہے۔

۸؎ کہ دیکھنے میں بھی اچھا لگتا ہے برتنے میں بھی آرام دہ ہوتا ہے اس لیے لوگ اس میں جلد پھنس جاتے ہیں، تم احتیاط رکھو۔

۹؎ یعنی مال اچھے راستے سے آئے، اچھے راستہ جائے۔ اگر چھت کا پانی پرنالے سے نہ نکالا جائے تو چھت پھاڑ کر گھر گرا دیتا ہے۔

۱۰؎ یعنی ایسی دنیا دین کی مددگار ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان غنی کی دولت کہ اس سے ان بزرگوں نے جنت خرید لی ایسی دولت اللہ کی رحمت ہے۔

۱۱؎ اس طرح کہ حرام ذریعہ سے کمائے جوا، سود، رشوت چوری وغیرہ سے، حرام طرح سے جمع رکھے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے، نہ کھائے نہ کھانے دے نہ کسی کو کھلائے، جمع کر کے چھوڑ جائے یہ جمع حرام ہے۔ مشہور ہے کہ کنجوس کا مال اس کے مرے بعد صندوق سے نکلتا ہے۔

۱۲؎ یعنی جیسے جوع البقر بیماری والا آدمی کھائے جاتا ہے سیر نہیں ہوتا حتی کہ کھاتے کھاتے مرجاتا ہے یہ ہی حال اس دنیادار کا ہے۔

۱۳؎ یعنی اس کا یہ مال اس کے لیے وبال ہوگا، اس کی حرص وہوس کی گواہی دے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دولت سانپ ہے اور دین اس کا تریاق۔ جس کے پاس دین ہو اس کے لیے دولت مفید ہے، بے دین کی دولت ہلاکت کا سبب ہے۔ اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ متقی مؤمن کا مال قیامت میں اس کے ایمان تقویٰ اور سخاوت کا گواہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت عمروابن عوف سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم ! میں تم پر فقیری سے خوف نہیں کرتا لیکن میں تم پر اس سے خوف کرتا ہوں کہ تم پر دنیا پھیلادی جاوے جیسے تم سے پہلے والوں پر پھیلادی گئی تھی ۲؎ تو تم اس میں رغبت کر جاؤ جیسے وہ لوگ رغبت کر گئے اور تمہیں ویسے ہی ہلاک کر دے جیسے انہیں ہلاک کر دیا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں،بدر میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

۲؎ یہ فرمان ایک بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی مسکینیت دیکھ کر ارشاد فرمائی،یعنی تمہاری یہ فقیری عارضی ہے عنقریب تم بہت غنی ہو جاؤ گے مگر فقیری خطرناک نہیں امیری سے خطرہ ہے کہ اس میں فتنے بہت ہیں۔

۳؎ حضور انور کا یہ فرمان حضرات صحابہ کو ڈرانے اور احتیاط برتنے کے لیے ہے۔اللہ تعالٰی نے حضور کے صحابہ کو دنیاوی ناجائز رغبت اور ہلاکت یعنی کفر و طغیان سے محفوظ رکھا،وہ حضرات بادشاہ و امیر ہو کر بھی دنیا میں پھنسے نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک ہی کرتہ تھا جسے دھو دھو کر پہنتے تھے،حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کفن کے لیے گھر میں کپڑا نہ تھا،پہنے ہوئے کپڑے دھو کر انہیں میں آپ کو کفن کر دیا گیا،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا کہ میں اپنی تلوار فروخت کرنا چاہتا ہوں کہ آج گھر کا خرچ چلا سکوں وہ حضرات امیری میں فقیری کر گئے۔رہیں ان کی آپس کی جنگیں،وہ دنیا کے لیے نہ تھیں،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر۔لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا وہ حضرات بہک گئے ہوں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی روزی بقدر ضرورت مقرر فرما ۱؎ ایک روایت میں ہے کہ بقدر کفایت۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص امتی ہیں جو قیامت تک ہوتے رہیں گے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ان کے حق میں قبول ہوئی،یہ نہیں کہا جاسکتا بہت سید بڑے امیر ہوتے ہیں۔**جمیع آل محمد** نہیں فرمایا دیکھو مرقاۃ میں شرح اس حدیث کی۔**کفاف** بنا ہے کف سے بمعنی روکنا،اس سے مراد وہ مال ہے جو انسان کو سوال کرنے سے بچائے،بھیک سے روک لے یعنی بقدر ضرورت مالی ضرورت ہر شخص کی مختلف ہے لہذا **کفاف** بھی ہر شخص کا علیحدہ۔اس فرمان عالی میں امت کو تعلیم ہے کہ بقدر ضرورت مال پر قناعت کریں زیادتی کی ہوس میں ذلیل و خوار نہ ہو۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ کامیاب ہو گیا جو مسلمان ہوا اور بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے دیئے ہوئے پر قناعت دی ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی جسے ایمان و تقویٰ بقدر ضرورت مال اور تھوڑے مال پر صبر یہ چار نعمتیں مل گئیں اس پر اللہ کا بڑا ہی کرم و فضل ہو گیا،وہ کامیاب رہا اور دنیا سے کامیاب گیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال ۱؎ حالانکہ اس کے مال صرف تین ہیں ۲؎ جو کھا کر ختم کردے یا پہن کر گلادے یا دے تو جمع کردے ۳؎ جو ان کے علاوہ ہے وہ تو جانے والا ہے اور وہ اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے ۴؎ (مسلم)

۱؎ یعنی فخر و تکبر کے انداز میں لوگوں سے کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مکان ہے،یہ میری جائیداد ہے،یہ میرا کنواں ہے،یہ میرا فلاں مال ہے یہ برا ہے۔انسان کو چاہیے کہ یقین رکھے کہ میں اور میرا مال سب اللہ تعالٰی کی ملک ہے میرے پاس چند روزہ ہے عارضی ہے۔خیال رہے کہ جسے انسان اپنا مال کہے اس کا مال یعنی انجام نرا وبال ہے اور جو مال ذریعہ عبادت ہے وہ ذریعہ آمال ہے جس سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔

۲؎ یعنی جو مال انسان کے کام آویں وہ صرف تین ہیں ان کے علاوہ سب دوسروں کے کام آتے ہیں۔خیال رہے کہ انّ مالہ میں ما موصولہ ہے اور لہ اس کا صلہ اور من مالہ میں من بعضیت کا ہے یعنی اس کے مال میں سے وہ جو اسے مفید ہو صرف تین ہیں۔

۳؎ اللہ تعالٰی کے بینک ہیں جہاں جمع کرنے سے بے شمار نفع ملتا ہے۔سبحان اللہ! کیسی نفیس تعلیم ہے۔دینے سے مراد راہِ خدا میں دینا ہے خواہ بال بچوں کو دے یا عزیزوں یا غریبوں کو بشرطیکہ یہ دینا ناموری کے لیے نہ ہو اللہ رسول کی خوشنودی کے لیے ہو۔

۴؎ ھو ذاھب میں ھو ضمیر بندے کی طرف لوٹتی ہے۔ذاھب سے مراد مرنے والا یعنی ان تین مالوں کے سوا اور مالوں کا یہ حال ہے کہ بندہ مرجاتا ہے اور وہ مال دوسروں کے لیے رہ جاتا ہے جیسے زمین باغات،مکانات،نقدی،بنک بیلنس وغیرہ۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ مال میں سے اللہ رسول کا حصہ ضرور نکالتا رہے،یہ مقصد نہیں کہ مکان جائیداد بنائے ہی نہیں،اپنے بچوں کو فقیر کرکے چھوڑے یا یہ مقصد ہے کہ مال کی محبت دل میں نہ ہو دل خاص اللہ رسول کے لیے ہو۔شعر

دل میں ہو یاد تیری گوشۂ تنہائی ہو　　پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو
سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں　　انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں ۱؎ دو تو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے اس کے ساتھ اس کے گھر والے ہیں اس کا مال اس کے اعمال جاتے ہیں ۲؎ تو اس کے گھر والے اور مال لوٹ جاتے ہیں اور اس کے عمل ساتھ رہ جاتے ہیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی بعد مرے قبر تک تین چیزیں ساتھ جاتی ہیں: دو بے وفا جو مردے کو چھوڑ کر لوٹ آتی ہیں ایک وفادار جو ساتھ رہتی ہے۔

۲؎ گھر والوں سے مراد بال بچے،عزیز و اقارب،دوست آشنا جو دفن و نماز میں شرکت کرنے جاتے ہیں۔مال سے مراد اس کے غلام باندیاں ہیں۔اعمال سے مراد سارے اچھے برے عمل ہیں جو میت نے اپنی زندگی میں کیے۔اعمال کے ساتھ جانے سے مراد ان کا میت کے ساتھ تعلق ہے جو مرے بعد قائم رہتا ہے لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

۳؎ نیک اعمال جو قبول ہوگئے ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں برے اعمال شفاعت بخشش یا سزا بھگتنے تک چمٹے رہتے ہیں،ان چیزوں کے بعد پیچھا چھوڑتے ہیں۔جس پر مولیٰ رحم کرے حضور جسے سنبھال لیں اس کا بیڑا پار ہے۔قبر اعمال کا صندوق ہے یا دوزخ کی بھٹی ہے یا جنت کی کیاری اس لیے بزرگوں کی قبر کو روضہ کہتے ہیں یعنی جنت کا باغ۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو ا؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے کوئی نہیں مگر اسے اپنا مال ہی زیادہ پیارا ہے اپنے وارث کے مال سے،فرمایا تو اس کا مال وہ ہے جو آگے بھیج دے اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو چھوڑ جاوے ۲؎ (بخاری)	

ا؎ یعنی کون چاہتا ہے کہ میرے پاس مال نہ ہو،میرے عزیزوں کے پاس مال ہو،وہ سب امیر ہوں میں فقیر کنگال ہوں اس فرمان کا یہ مقصد ہے۔(اشعہ)لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض لوگوں کو دوسروں کا مال بڑا پسند ہوتا ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایسا کون ہے جو دوسروں کا مال ان کے لیے سنبھال کر رکھے اپنا مال برباد کردے یا برباد ہونے دے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ مال دوسروں کا ہے اعمال اپنے ہیں جو مال خیرات کردیا جاوے وہ اعمال بن گیا اور جو جمع کرکے چھوڑ گیا وہ نرا مال رہا اور جس مال کی زکوۃ نہ دی وہ اپنے لیے وبال وارثوں کے لیے مال ہوا۔خیال رہے کہ مال سے صدقات و خیرات کرتے رہنا پھر اللہ ورسول کی رضا کے لیے وارثوں کو غنی کرنے کے لیے مال چھوڑنا یہ بھی عبادت ہے۔

روایت ہے حضرت مطرف سے ا؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم **الھکم التکاثر** تلاوت کررہے تھے ۲؎ فرمایا کہ انسان کہتا ہے میرا مال،میرا مال،فرمایا اے انسان تیرا مال نہیں ہے مگر جو تو کھا کر ختم کردے یا پہن کر گلادے ۳؎ یا خیرات کرکے آگے بڑھادے ۴؎ (مسلم)	

ا؎ آپ کا نام مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر ہے،آپ تابعی ہیں،آپ کے والد صحابی اہل بصرہ سے ہیں،بڑے متقی عالم فقیہ تھے۔

۲؎ نماز کے علاوہ تلاوت تھی۔آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگوں کو مال بڑھانے کی ہوس نے غافل کردیا اسی فکر میں زندگی گزاری کہ ایک کے دو ہوں اور دو کے چار۔

۳؎ اس طرح کہ کھانا کھا کر ہضم کرے کپڑا پہن کر اسے گلادے اگر بہت سے جوڑے بنا کر رکھے اور مرے بعد چھوڑ گیا تو کپڑے بھی تیرے نہیں دوسروں کے ہیں اس لیے جب اللہ نیا کپڑا اور نیا جوتہ دے تو فورًا استعمال شروع کردے ختم ہوجانے پر اللہ اور دے گا۔

۴؎ تصدقت فرما کر اشارۃً ارشاد ہوا کہ اپنی زندگی تندرستی میں اپنے ہاتھ سے خیرات کرجائے،یہ برا ہے کہ زندگی میں کنجوس رہے مرتے وقت وصیت کرے یا امید کرے کہ میرے وارث میری طرف سے صدقہ و خیرات کیا کریں گے یہ شیطانی دھوکہ ہے۔شعر

توشہ اعمال اپنے ساتھ لے جاؤ جی ۔۔۔ کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ۔۔۔ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے   اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے (اعلیٰ حضرت)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امیری زیادہ مال واسباب سے نہیں لیکن امیری دل کی غنا سے ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎دل کی غنا سے مراد قناعت وصبر رضا بر قضا ہے۔حریص مالدار فقیر ہے قناعت والا غریب امیر ہے۔شعر

توانگری نہ بمال است نزد اہل کمال   کہ مال تالب گور است بعد ازاں اعمال

ہوسکتا ہے کہ غنی نفس سے مراد کمالات روحانیہ ہوں کہ اس کی برکت سے دولت منداس کے دروازہ کی خاک چاٹتے ہیں،دیکھ لو داتا گنج بخش اور خواجہ اجمیری کے آستانے رضی اللہ عنہما۔مطلب یہ ہے کہ غنی وہ ہے جس کو نفس غنا نفس کا کمال حاصل ہو۔حضرت علی فرماتے ہیں شعر

رضینا قسمة الجبار فینا   لنا علم وللجهال مال

فان المال یفنی عن قریب   وان العلم باق لا یزال

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون ہے جو مجھ سے یہ چند باتیں لے لے پھر ان پر عمل کرے یا اسے سکھادے جو ان پر عمل کرے ۱؎میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں ہوں تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا پھر پانچ چیزیں گنیں ۲؎فرمایا حرام چیزوں سے بچو تمام لوگوں میں بڑے عابد ہوجاؤ گے ۳؎اور اللہ نے جو تمہاری قسمت کردیا اس پر راضی رہو لوگوں سے غنی ہوجاؤ گے ۴؎اور اپنے پڑوس سے اچھا سلوک کرو کہ مؤمن ہوجاؤ گے ۵؎ اور لوگوں کے لیے وہ ہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو مسلمان ہوجاؤ گے ۶؎ اور زیادہ ہنسو نہیں کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کردیتی ہے ۷؎ (احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۸؎

۱؎اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ علم دین بہر حال اعلیٰ نعمت ہے اگر عمل بھی نصیب ہوجائے تو سبحان اللہ!،بغیر عمل بھی علم نعمت ضرور ہے،نیز بے عمل عالم پر تبلیغ ضروری ہے اور اسے تبلیغ کا ثواب ضرور ملے گا کیونکہ فرمایا گیا کہ ان باتوں پر یا عمل کرلے یا عاملین کو پہنچائے۔(اشعہ)ہوسکتا ہے کہ او بمعنی بل ہو یعنی خود عمل کرے بلکہ عمل کرنے والوں کو پہنچا بھی دے۔(مرقات)

۲؎یا میری انگلیاں شمار فرمائیں یا انگلیوں پر یہ باتیں شمار فرمائیں،چونکہ یہ پانچوں باتیں ترتیب وار ہیں کہ بعض بعض سے پہلے ہیں اس لیے ترتیب وار انگلیوں پر گنائیں۔

۳؎ حرام چیزوں حرام کاموں سے بچنا تقویٰ کا پہلا درجہ ہے اس لیے حضور انور نے اسے پہلے بیان فرمایا۔آج کل لوگ بہت ورد وظیفے نوافل کو ہی تقویٰ سمجھتے ہیں،ان پر عامل ہوتے ہیں مگر جھوٹ،غیبت،دوسروں کا حق دبانے سے پرہیز نہیں کرتے سخت غلطی کرتے ہیں۔پہلے جسم و کپڑے ناپاکیوں سے پاک کرو پھر نماز پڑھو،برائیوں سے بچنا بڑی عبادت ہے۔

۴؎ اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ ترقی کی کوشش نہ کرو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو بلکہ مقصد یہ ہے نہ تو دوسروں پر حسد کرو نہ دنیاوی عروج نہ ملنے پر کف افسوس ملا کرو،نہ رب تعالٰی کی شکایت کرو کہ فلاں کو اتنا دیا ہم کو کم۔حضور غوث الثقلین سید شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں تیری بھاگ دوڑ سے مقسوم سے زیادہ نہ ملے گا اور تیری قناعت کی وجہ سے کم نہ ملے گا اس لیے راضی بہ رضا رہ۔(مرقات)امام ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ دو چیزوں سے مایوس ہو جاؤ آرام سے رہو گے:ایک یہ کہ تم کو دوسروں کے نصیب کی چیزیں مل جاوے گی،دوسرے یہ کہ تمہیں تمہارے نصیب سے زیادہ مل جاوے گا۔(مرقات)

۵؎ یعنی اگر تمہارا پڑوسی تم سے برائی بھی کرے مگر تم اس سے بھلائی کرو تو مؤمن کامل ہو جاؤ گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی شرارت و فتنوں سے محفوظ نہ ہو جاوے اسے امان نہ ہو جائے۔

۶؎ یہاں اسلام علاوہ ایمان کے اور صفت ہے یعنی تم جیسے اپنا بھلا چاہتے ہو ویسے ہی دوسروں کا بھلا چاہو اور جیسے برتاوا اپنے ساتھ چاہتے ہو ویسا ہی برتاوا تم دوسروں کے ساتھ کرو،جو بات اپنے لیے ناپسند کرتے ہو وہ دوسروں کے ساتھ نہ کرو تو تم مسلم یعنی سلامتی والے مسلمان بن جاؤ گے۔

۷؎ یہاں ہنسنے سے مراد ٹھٹھہ مار کر ہنسنا ہے اور دل کی موت سے مراد غفلت ہے یعنی زیادہ وقت ہنسی قہقہہ میں گزارنا دل میں غفلت پیدا کرتا ہے۔خیال رہے کہ مسکرانا اچھی چیز ہے قہقہہ بری چیز،تبسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب کسی سے ملو مسکرا کر ملو۔شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑے ۔۔۔ اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

۸؎ اس کی اسناد عن حسن عن ابی ہریرہ ہے اور خواجہ حسن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پایا نہیں مگر ایک اسناد عن مکحول عن واثلہ ابن اسقع ہے وہ اسناد متصل قوی،نیز یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے لہذا یہ حدیث حسن ہے اور اگر ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اے انسان تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیری غریبی دور کر دوں گا۱؎ اور اگر تو یہ نہ کرے گا۲؎ تو تیرا ہاتھ کام کاج سے بھر دوں گا اور تیری فقیری بند نہ کروں گا۳؎(احمد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی تو اپنا دل میری عبادت واطاعت کے لیے خالی رکھ دست بکار دل بیار پر عمل کر،فراغت دل کے یہ ہی معنی ہیں،یہ مطلب نہیں کہ دنیا کا کاروبار نہ کر خود بھی بھوکے مرو بچوں کو بھی مارو۔دل کی دنیا دوسری ہے اگر اس پر عمل نصیب ہو گا تو ان شاءاللہ کمائی میں برکت دل میں فراغت حاصل ہو گی۔

۲؎ اس طرح کہ اپنا دل دنیا میں لگادے گا کبھی آخرت کی طرف مائل نہ ہو گا تو اس کا انجام وہ ہے جو حضور فرما رہے ہیں۔

۳؎ یعنی اگر تو نے اپنے کو دنیا کی فکروں میں ہی لگا دیا تیرے دل میں دنیا اتر گئی تو تو کام کرے گا زیادہ فکر کرے گا زیادہ،ملے گا وہ ہی جو تیرے مقدر میں ہے تو مالدار ہو کر بھی فقیر ہی رہے گا دل کا چین اللہ کی بڑی نعمت ہے،یہ اس کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے۔حضرت ابن عباس سے مرفوعًا روایت

ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ملک،مال،علم پیش فرمائے گئے توآپ نے علم اختیار فرمایا رب نے علم کی برکت سے انہیں ملک و دولت بھی عطا فرمائے۔(مرقات)اللہ سے آخرت مانگو دنیاخود بخود مل جاوے گی،کسان دانہ کے لیے کاشت کرتا ہے بھوسا خود ہی مل جاتا ہے بندہ مؤمن کو روزی بے گمان ملتی ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کی عبادت و مشقت کا ذکر ہوا اور دوسرے کے تقویٰ کا ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت تقویٰ کے برابر نہیں ہوسکتی یعنی پرہیزگاری کے ۲؎(ترمذی)

۱؎ تقویٰ سے مراد گناہوں سے بچنا ہے یعنی عرض کیا گیا کہ فلاں شخص نفلی عبادات بہت کرتا ہے مگر گناہوں میں احتیاط کم کرتا ہے اور دوسرا آدمی نوافل کم ادا کرتا ہے مگر گناہوں سے بہت بچتا ہے حتی کہ شبہات سے بھی بھاگتا ہے ان میں افضل کون ہے۔

۲؎ **لا تعدل** یا تو نہی مخاطب ہے یا نفی مؤنث غائب یعنی نوافل کو تقویٰ کے برابر نہ کرو یا نوافل تقویٰ کے برابر نہیں ہوسکتے۔خیال رہے کہ تقویٰ کے تین درجے ہیں: تقویٰ عوام محرمات شرعیہ سے بچنا،تقویٰ خواص کا یعنی شبہات سے بچنا اور تقویٰ خاص الخاص کا بقدر ضرورت حلال چیزیں رکھنا زیادہ سے بچنا،یہ آخری تقویٰ حضرات انبیاء شہداء صالحین کا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن میمون اودی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے نصیحت کرتے ہوئے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت ۲؎ جانو:بڑھاپے سے پہلے جوانی کو،بیماری سے پہلے تندرستی کو، فقیری سے پہلے غنا کو اور مشغولیت سے پہلے فرصت کو اور اپنی موت سے پہلے زندگی کو ۳؎(ترمذی)

۱؎ اود ایک قبیلہ ہے جو اود ابن صعب کی طرف منسوب ہے،عمرو ابن میمون کو بعض لوگوں نے صحابی کہا ہے مگر قوی یہ ہے کہ آپ حضور کے زمانہ میں اسلام لائے مگر زیارت نہ کرسکے،جلیل القدر تابعی ہیں لہذا یہ حدیث مرسل ہے۔(اشعہ)

۲؎ **اغتنام** کے معنی ہیں غنیمت حاصل کرلینا یعنی ان پانچ چیزوں سے کچھ کمائی کرلو بار بار یہ موقعہ نہیں ملتے۔

۳؎ لہذا صحت،جوانی،مالداری،فراغت اور زندگی کو رائیگاں نہ جانے دو،اس میں نیک اعمال کرلو کہ یہ نعمتیں بار بار نہیں ملتیں۔میاں محمد صاحب فرماتے ہیں شعر

سدا نہ حسن جوانی رہندی سدا نہ صحبت یاراں   سدا نہ بلبل باغاں بولے سدا نہ باغ بہاراں

باغ میں بہار اور بہار میں بلبل کی شور و پکار ہمیشہ نہیں رہتے کبھی آتے ہیں اسے غنیمت جانو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک نہیں انتظار کرتا مگر سرکشی کرنے والی غنا کا یا بھلا دینے والی فقیری کا ۱؎ یا بگاڑ دینے والی بیماری کا یا بے عقل کردینے والے بڑھاپے کا یا اچانک موت کا ۲؎ یا دجال کا تو دجال مصیبت ہے جس کا انتظار ہے یا قیامت کا اور قیامت بہت ڈراؤنی اور بہت

	کڑوی ہے ۳؎(ترمذی،نسائی)

۱؎ یعنی اگر تمہیں نیکیوں کا موقعہ ملا ہے اور تم کرتے نہیں،کہتے ہو کہ آئندہ کرلیں گے تو کس چیز کا انتظار کررہے ہو یا ایسی امیری کا جو سرکش بنادے یا ایسی فقیری کا جب تمہیں کچھ نہ بن پڑے لوگ تمہیں بھول جاویں۔ہم نے دیکھا کہ بعض لوگوں کو حج کا موقعہ ملتا ہے مگر نہیں کرتے یہ ہی کہتے رہتے ہیں کہ اچھا آئندہ دیکھا جائے گا وہ آئندہ آئندہ کرتے ہی دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔

۲؎ یعنی جوانی کھیل کود سے گما کر بڑھاپے میں جب کہ ہاتھ پاؤں قابو میں نہ رہیں عبادت کرنے کی خواہش کرنا بے وقوفی ہے جو کرنا ہے جوانی میں کرو جوان صالح کا بہت بڑا درجہ ہے۔

۳؎ یعنی اگر ابھی اعمال نہیں کرتے تو کیا دجال کی آمد یا قیامت آنے کے منتظر ہو اس وقت تم نیکیوں کی تمنا کرو گے مگر نہ کرسکو گے یہ فرمان اظہار عتاب کے لیے ہے،مقصد یہ ہے کہ نیک اعمال میں جلدی کرے۔

	روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوشیار رہو دنیا لعنتی چیز ہے اور جو دنیا میں ہے وہ لعنتی ہے ۱؎ سوائے اللہ تعالٰی کے ذکر کے اور اس کے جو رب کے قریب کردے اور عالم کے اور طالب علم کے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ جو چیز اللہ ورسول سے غافل کردے وہ دنیا ہے یا جو اللہ ورسول کی ناراضی کا سبب ہو وہ دنیا ہے،بال بچوں کی پرورش،غذا لباس،گھر وغیرہ حاصل کرنا سنت انبیاء کرام ہے یہ دنیا نہیں۔اس معنی سے واقعی دنیا اور دنیا والی چیزیں لعنتی ہیں۔

۲؎ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں۔اللہ کے ذکر سے مراد ساری عبادات ہیں۔والا بنا ہے ولی سے بمعنی قرب یا محبت یا تابع ہونا یا سبب لہذا اس جملہ کے چار معنی ہیں: وہ حضرات انبیاء واولیاء جو اللہ سے قریب کردیں یا اللہ تعالٰی ان سے محبت کرتا ہے،یا جو ذکر الٰہی سے قریب کردے،یا جو ذکر اللہ کے تابع ہے،یا جو ذکر اللہ کا سبب ہے۔(اشعہ) یعنی اللہ کا ذکر اللہ کے محبوب بندے علماء طلباء اگرچہ دنیا میں ہیں مگر دنیا نہیں ہیں یہ تو اللہ کے محبوب ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کا ذکر ہر عبادت ہر سعادت کا سر ہے جیسے بدن کے لیے جان ضروری ہے ایسے ہی مؤمن کے لیے ذکر اللہ لازمی ہے۔ذکر اللہ سے دنیا کا بقاء آسمان وزمین کا قیام ہے۔(مرقات) جب ذاکرین فنا ہوجائیں گے تو قیامت آجاوے گی۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ پلاتا ۱؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اگر دنیا کی قدرومنزلت مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو کافر کو نہ دی جاتی کیونکہ کفار اللہ کے دشمن ہیں اور دشمن کو پیاری چیز نہیں دی جاتی۔دنیا کے معنی ہم بارہا عرض کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ باغات وکھیت نہ اختیار کرو ۱؎ ورنہ تم دنیا میں راغب ہوجاؤ گے ۲؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ضیعة لفظ مشترک ہے اس کے بہت معانی ہیں: تجارات وکسب مال، باغات واراضی۔دنیا مشاغل یہاں بمعنی باغات اراضی ہیں۔(اشعہ)

۲؎یعنی یہ زمانہ جہاد اور سپاہیانہ زندگی کا ہے اس زمانہ میں باغات وکاشت میں مشغول نہ ہو ورنہ کفار تم کو ہلاک کردیں گے۔یہ فرمان عالی ہنگامی حالات کے ہیں جب کہ مسلمانان مدینہ ہر چہار طرف سے کفار میں گھرے تھے،اس وقت عیش وآرام کی زندگی،پختہ مکانات بنانے،دنیاوی کاروبار میں مصروف ہونے سے منع فرمادیا گیا تھا جیسا کہ زمانہ جنگ میں رات کو روشنی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی بم باری کے خوف سے لیکن جب حالات بدل گئے یہ احکام بھی نہ رہے۔چنانچہ خلافت عثمانیہ میں مسلمانوں نے اپنے گھر پختہ،مسجد نبوی شریف شاندار بنائی اور باغات وکھیتی باڑیاں خوب کیں۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں جیسے مکانات پختہ کرنا ممنوع تھے ویسے ہی قبور پر عمارات سے منع کردیا گیا تھا،جب سکون کا زمانہ آیا تو حضرات صحابہ نے مکانات بھی پختہ بنائے اور بزرگوں کے مزارات پر عمارات بھی بنائیں تاکہ زائرین کو زیارت اور تلاوت اور عبادت وغیرہ میں سہولت ہو۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو باغات کھیتی باڑی میں ایسا مشغول ہو کہ دین کو بھول جاوے،اس صورت میں یہ حکم دائمی ہے کھیتی باڑی ہی کیا جو چیز رب سے غافل کرے وہ ممنوع ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچالیتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچالیتا ہے تو باقی کو فنا ہونے والی پر اختیار کرو ۱؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ دنیاوآخرت دونوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی دنیاآخرت کی ضد ہے،ہاں دنیا سے محبت کرنا آخرت اور رضاالٰہی کے لیے بہت ہی بہتر ہے۔مال سے محبت،بچوں کی پرورش،عزیزوں کے حقوق ادا کرنے،حج وقربانی اور زکوۃ ادا کرنے کے لیے بہرحال اچھا ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم عقل وایمان کا ادنی درجہ یہ ہے کہ انسان جان لے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی،اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرے دنیا میں منہمک نہ ہوجائے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں لعنتی ہے دنیا کا بندہ اور لعنتی ہے درہم دینار کا بندہ ۱؎(ترمذی)	

۱؎ دنیایا درہم ودینار روپیہ پیسہ کا پجاری وہ ہے جو ہر کام ان چیزوں کے لیے کرے حتی کہ نماز بھی پڑھے تو دنیا کے لیے۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جاوئیں وہ ان بکریوں کو اس سے زیادہ خراب نہیں کرتے جتنے انسان کے حرص کرنے سے مال وعزت پر اس کے دین کو ۱؎ (ترمذی،دارمی)	

۱؎نہایت نفیس تشبیہ ہے۔مقصد یہ ہے کہ مؤمن کا دین گویا بکری ہے اور اس کی حرص مال،حرص عزت گویا دو بھوکے بھیڑیئے ہیں مگر یہ دونوں بھیڑیئے مؤمن کے دین کو اس سے زیادہ برباد کرتے ہیں جیسے ظاہری بھوکے بھیڑیئے بکریوں کو تباہ کرتے ہیں کہ انسان مال کی حرص میں حرام و حلال کی تمیز نہیں کرتا،اپنے عزیز اوقات کو مال حاصل کرنے میں ہی خرچ کرتا ہے،پھر عزت حاصل کرنے کے لیے ایسے جتن کرتے ہیں جو بالکل

خلاف اسلام ہیں جیسا آج ممبری وزارت چاہنے والوں کو دیکھا جارہا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ریاکار مرے بعد بھی ریا نہیں چھوڑتا،کسی نے پوچھاوہ کیسے،فرمایاوہ چاہتا ہے کہ میرے جنازہ میں بہت لوگ ہوں تاکہ میری عزت ہو،ریا مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت خباب سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں مسلمان کوئی خرچ نہیں کرتا مگر اس میں اسے ثواب دیا جاتا ہے سوائے اس کے خرچ کے اس مٹی میں [1](ترمذی،ابن ماجہ)

[1] یعنی کھانے پینے لباس وغیرہ پر خرچ کرنے میں ثواب ملتا ہے کہ یہ چیزیں عبادات کا ذریعہ ہیں مگر بلاضرورت مکانات بنانے میں کوئی ثواب نہیں لہذا عمارات سازی کا شوق نہ کرو اس میں وقت اور مال دونوں کی بربادی ہے۔خیال رہے کہ یہاں دنیاوی عمارتیں وہ بھی بلاضرورت بنانا مراد ہیں،مسجد مدرسہ،خانقاہ مسافرخانے بنانے تو عبادات ہیں کہ یہ توصدقات جاریہ ہیں،یوں ہی بقدر ضرورت مکان بنانا بھی ثواب ہے کہ اس میں سکون سے رہ کر اللہ کی عبادت کرے گا۔بعض لوگ دیکھے گئے وہ ہمیشہ مکان کی توڑ پھوڑ ہر سال نئے نمونے کے مکانات بنانے ہی میں مشغول رہتے ہیں یہاں یہ ہی مراد ہے۔(مرقات،اشعہ)

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سارے خرچہ اللہ کی راہ میں ہیں سوائے عمارات کی تعمیر کے کہ ان میں بھلائی نہیں [1](ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اس کی تفسیر ابھی گزرچکی کہ یہاں بنانے سے مراد دنیاوی غیر ضروری عمارتیں ہیں مسجدیں وغیرہ،یوں ہی دنیاوی ضروری عمارتیں اس سے خارج ہیں بلکہ دنیاوی غیر ضروری عمارتیں بناتے رہنا اسراف ہے یعنی فضول خرچی،اسراف گناہ ہے۔

	روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لے گئے [1]ہم حضور کے ساتھ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند عمارت دیکھی تو فرمایا یہ کیا ہے؟[2]حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری صاحب کا ہے [3]تو حضور خاموش ہوگئے اور یہ بات دل شریف میں رکھ لی [4]حتی کہ جب اس عمارت کا مالک حاضر ہوا تو آپ کو بھرے مجمع میں سلام کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا [5]انہوں نے یہ کئی بار کیا حتی کہ ان صاحب نے حضور انور میں اپنے سے غصہ محسوس کرلیا [6]تو حضور کے صحابہ رضی اللہ عنھم سے اس کی شکایت کی [7]اور کہا کہ خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر پاتا ہوں لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے تو تمہاری عمارت دیکھی تھی تو وہ شخص عمارات کی طرف گیا اور اسے ڈھاکر زمین کے برابر کردیا [8]ایک بار پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو وہ عمارت نہ دیکھی [9]فرمایا اس گنبد کا کیا ہوا [10] لوگوں

	نے عرض کیا کہ اس کے مالک نے آپ کی بے توجہی کی شکایت کی ہم نے اسے خبر دی تو اس نے وہ ڈھا دیا تو فرمایا کہ ہر تعمیر اس کے بانی پر وبال ہے ۱۱ سوائے اس کے یعنی سوائے اس کے جس کی اسے ضرورت ہو ۱۲(ابو داؤد)

۱؎ حضور انور یا تو مدینہ منورہ سے باہر بستی میں تشریف لے گئے تھے یا اپنے دولت خانہ سے مدینہ پاک کے کسی محلّہ میں تشریف لے گئے وہاں یہ واقعہ پیش آیا، دوسرا احتمال قوی ہے۔

۲؎ یہ سوال اظہار ناراضی کے لیے ہے یعنی یہ کیا حرکت ہے حضرات صحابہ نے جو جواب دیا وہ اس سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے متعلقات میں سے یعنی یہ حرکت فلاں شخص کی ہے۔

۳؎ یہ عرض کرنا غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ معلوم ہوا کہ مرید کی شکایت شیخ سے کرنا یا شاگرد کی شکایت استاد سے کرنا اصلاح کے لیے بالکل درست ہے غیبت نہیں۔

۴؎ حضور ناراض ہوئے مگر ناراضی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ دل میں رکھ لی۔

۵؎ ان کے سلام کا جواب یا تو حضور نے دیا ہی نہیں یا دیا مگر دل میں جس کی انہیں خبر نہ ہوئی۔ معلوم ہوا اظہار غضب اور اصلاح کے لیے سلام کا جواب نہ دینا جائز، ہر سلام کا جواب دینا فرض نہیں ہوتا، بعض صورتوں میں جواب دینا ممنوع بھی ہوتا ہے لہذا اس عمل شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ حکم قرآن سلام کا جواب دینا فرض ہے تو حضور نے فرض کیوں ترک کیا یہ نکتہ یاد رکھا جائے۔

۶؎ ان صاحب نے پہلے تو سمجھا کہ حضور انور نے اتفاقًا جواب نہ دیا یا حضور کسی فکر میں ہیں میرا سلام سنا نہیں مگر جب بار بار سلام کہا اور جواب نہ پایا تو وہ سمجھے کہ مجھ پر ناراضی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ حاضرین میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ جس سلام کو حضور رد فرمادیں اسے قبول کون کرے، حضرت کعب ابن مالک کا جب بائیکاٹ ہوا ہے تو پچاس دن تک کسی نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

۷؎ حضور کی شکایت نہیں کی بلکہ اپنی محرومی کی شکایت مع حکایت کی کہ لوگو میں تو لٹ گیا آج حضور مجھ سے ناراض ہوگئے۔

۸؎ یعنی ہمارا اندازہ یہ ہے کہ حضور انور نے اس بلند عمارت کو ناپسند فرمایا یہی وجہ ہے تم سے بے توجہی فرمانے کی اور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

۹؎ یہ ہے حضرات صحابہ کا عشق رسول کہ حضور انور نے انہیں نہ توڑھانے کا حکم دیا نہ یہ فرمایا کہ عمارتیں بنانا جائز نہیں ان حضرات کو صرف اندازہ ہی ہوا ہے کہ شاید حضور اس عمارت کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوگئے تو سوچا کہ یہ عمارت میرے اور محبوب کے درمیان آڑ بن گئی ڈھادی۔اس ڈھانے میں مال کا برباد کرنا نہیں اور فضول خرچی نہیں بلکہ یار کو منایا ہے، اگر عمارت ڈھانے سے حضور راضی ہو جائیں تو ان شاء اللّٰہ سودا سستا ہے۔ جناب خلیل رضاء الٰہی کے لیے فرزند کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ یہاں ظاہری فتویٰ نہیں چلتے یہ دل جلوں کے معاملے ہیں۔ شعر

عقل می گوید کہ خود را پیش کن   عشق می گوید کہ ترک خویش کن

ان حضرات نے اس عمارت کا بالائی حصہ نہ گرایا بلکہ جڑ بنیاد سے مٹا دیا تاکہ اس حجاب کی پوری طرح بیخ کنی ہو جائے۔

۱۰؎ یعنی وہ گنبد بالکل ہی غائب ہوگیا یہ کیسے ہوا۔ حضور انور کا یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید کے لیے ہے ورنہ حضور ہر ایک کے عمل دل حال سے خبردار ہیں۔

۱۱؎ اگر وبال سے مراد گناہ ہے تو عمارات سے مراد وہ عمارتیں ہیں جو بلا ضرورت فخر و تکبر کے لیے بنائی جائے کہ یہ عمل ناجائز ہے، فخر و تکبر کا ہر کام حرام ہے اور اگر وبال سے مراد آخرت کا بوجھ ہے تب بلا ضرورت کی ہر عمارت اس میں داخل ہے خواہ فخریہ ہو یا نہیں حتی کہ بلا ضرورت مسجد بنانا بھی

ثواب نہیں بلکہ کبھی گناہ ہے۔ غیر آباد جگہ کوئی نماز واذان ادا کرنے والا نہ ہو مسجد بنادینا محض بیکار ہے،ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنادینا کہ نہ وہ آباد رہے نہ یہ آباد ہو گناہ ہے، بہر حال یہ فرمان عالی وسیع ہے عمارت کے وبال ہونے کی بہت صورتیں ہیں۔

۱۲ضرورت خواہ دینی ہو یا دنیاوی مگر دنیاوی ضرورت کے لیے عمارت بنانا مباح ہے جیسے اپنے مکان دوکانیں اور دینی ضرورت کے لیے بنانا ثواب جیسے مسجدیں مدرسے، خانقاہیں،بزرگان دین کے مزارات پر قبے جب کہ وہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہو ان کی آسائش،تلاوت قرآن مجید وغیرہ کے لیے وہاں عمارت بنانا ثواب ہے۔اس ما لابد منه میں بھی بڑی گنجائش ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہاشم ابن عتبہ سے ۱فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا فرمایا کہ تمہیں مال جمع کرنے کے لیے ایک خادم اور اللہ کی راہ میں ایک سواری کافی ہے ۲ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں بجائے ت کے ہاشم ابن عتبد دال سے ہے اور یہ غلط ہے ۳

۱آپ کا نام شیبہ ابن عتبہ ہے، کنیت ابوہاشم ہند بنت عتبہ کے بھائی، حضرت امیر معاویہ کے ماموں ہیں کیونکہ ہند امیر معاویہ کی والدہ ہیں،آپ فتح مکہ کے دن ایمان لائے،شام میں قیام رہا، خلافت عثمانی میں آپ کی وفات ہوئی،بڑے عالم فقیہ و صالح تھے،آپ سے حضرت ابوہریرہ وغیرہ صحابہ نے احادیث کی روایات لیں۔(مرقات وغیرہ)

۲یعنی یہ غلام اور گھوڑا بھی اللہ کے لیے ہوں محض خواہش نفسانی کے لیے نہ ہوں ان سے دینی کام جہاد یا تبلیغ حج یا طلب علم مقصود بالذات ہو دنیاوی کام مقصود بالتبع لہٰذا اگر بادشاہ اور امراء نیت سے غلام یا گھوڑے رکھیں اس نیت سے کہ ضرورت پڑنے پر یہ مجاہدین غازیوں میں تقسیم کرکے ان سے جہاد کرایا جائے گا تو بالکل درست ہے نیت خیر ہے۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ نہیں کہ ان دو چیزوں کے سواء اور کچھ پاس رکھو ہی نہیں، مقصد یہ ہے کہ بلاضرورت چیزیں نہ رکھو آج بھی حکومتیں زور دیتی ہیں کہ بلاضرورت سامان نہ خریدو۔

۳یہ غلطی مشکوۃ شریف کے نسخوں میں بھی ہے اور بعض حواشی میں بھی کہ عتبہ کو عتبد لکھا ہے بجائے ہ کے دال۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا سوائے ان اشیاء کے اور چیز میں حق نہیں ہے ۱وہ گھر جس میں رہتا ہو اور وہ کپڑا جو اس کا ستر چھپائے اور روٹی کا ٹکڑا اور پانی ۲ (ترمذی)

۱یعنی ان تین چیزوں کے سواء اور کسی چیز کی ضرورت نہیں قیامت میں ان تین کا حساب نہ ہوگا ان کے سواء اور چیزوں کا حساب دینا ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے: "ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ" وہاں نعیم سے مراد عیش و عشرت کی چیزیں ہیں۔خیال رہے کہ شخصی زندگی فانی ہے قومی اور دینی زندگی باقی ہے لہٰذا مسلمان اپنی شخصی زندگی کے لیے معمولی سامان اختیار کرے، قومی و دینی زندگی کے لیے قیامت تک کا انتظام کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اور قوم کے لیے ممالک فتح کیے مگر اپنی ذات کے لیے آرام دہ مکان بھی نہ بنایا یہاں شخصی زندگی اور شخصی حالتوں کا ذکر ہے۔

۲؎ گھر میں بقدر ضرورت گھر کا سامان داخل ہے، روٹی میں سالن شامل ہے، پانی میں دودھ لسی وغیرہ داخل ہیں جن کی کبھی ضرورت پڑتی ہے، حضور انور نے دودھ لسی وغیرہ ملاحظہ فرمائی ہیں۔ حضرت ابراہیم ابن ادھم فرماتے ہیں شعر

و ما ھی الا جوعة ان سددتھا　　　فکل طعام بین جنبیك واحد

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا تو بولا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسے کام پر رہبری کریں کہ جب میں وہ کروں تو مجھ سے اللہ بھی محبت کرے اور لوگ بھی محبت کریں ۱؎ فرمایا دنیامیں بے رغبت رہو تم سے اللہ محبت کرے گا۲؎اور لوگوں کی پاس کی چیزوں سے بے رغبت رہو تم سے لوگ محبت کریں گے ۳؎ (ترمذی، ابن ماجہ) ۴؎	

۱؎ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی محبت جو قدرتی طور سے ہو اللہ کی رحمت ہے، محبت خلق محبت خالق کی علامت ہے انتم شھداء اللہ فی الارض لہٰذا لوگوں کی محبت حاصل کرنے کی کوشش کرنا ممنوع نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ مولیٰ واجعل لی لسان صدق فی الاخرین آئندہ نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری فرمالہٰذا ان صاحب کا یہ سوال بالکل برحق ہے۔

۲؎ دنیا سے بے رغبتی کے رکن تین ہیں: محبت دنیا سے علیحدگی، زائد دنیا سے پرہیز، آخرت کی تیاری، ایسے شخص سے اللہ تعالٰی محبت اس لیے کرتا ہے کہ وہ اللہ کے دشمن سے محبت نہیں کرتا دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے۔ (مرقات) صوفیاء فرماتے ہیں کہ آگ کے ڈر سے دنیا میں رہتے ہوئے اس سے الگ رہنا زہد ہے۔ کسی صوفی نے کیا خواب کہا شعر

وما الزھد الا فی انقطاع الخلائق　　　وما الحق الا فی وجود الحقائق

وما الحب الاحب من کان قلبه　　　عن الخلق مشغولا برب الخلائق

نیز جو دنیا سے بے رغبت ہوگا وہ گناہ کم کرے گا نیکیاں زیادہ اور ایسا بندہ ضرور اللہ تعالٰی کو پیارا ہے۔

۳؎ دنیا کا دستور ہے کہ جو اس کی طرف دوڑتا ہے تو وہ اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بے نیاز ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف آتی ہے۔ جو شخص لوگوں سے تمنا رکھے گا تو خواہ مخواہ ان کی خوشامد کرے گا اور لوگ اسی سے نفرت کریں گے اور جو لوگوں سے بے نیاز ہوگا تو لوگ خوامخواہ اس کی طرف آئیں گے۔ شعر

آس بگذار بادشاہی کن　　　گردن بے طمع بلند بود

۴؎ یہاں صاحب مشکوۃ سے یا کاتب سے غلطی ہوئی کہ ترمذی کا ذکر بھی کردیا یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں مذکور ہے ترمذی میں نہیں اور زہد فی الدنیا سے آخر تک ابن ماجہ، طبرانی، حاکم، بیہقی نے بروایت سہل ابن سعد روایت کی۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے پھر اٹھے اس حالت میں کہ چٹائی نے آپ کے جسم اطہر میں اثر کیا ہوا تھا ۱؎ تب ابن مسعود نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو آپ اجازت دے دیتے کہ ہم حضور کے لیے بستر بچھادیا کرتے اور سب	

	انتظامات کر دیتے ۲؎ تو فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق میں اور دنیا نہیں ہیں مگر اس سوار کی طرح جو ایک درخت کے نیچے سایہ لے پھر چلا جائے اور درخت کو چھوڑ جائے ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ اس وقت جسم اطہر پر قمیص بھی نہ تھی صرف تہبند مبارک زیب تن فرمائے ننگی چٹائی پر آرام فرمایا تھا۔شعر

بوریا ممنون خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۲؎ یہاں لو شرط کے لیے نہیں بلکہ تمنااور آرزو کے لیے ہے یعنی کاش کہ حضور ہم غلاموں کو اجازت دے دیتے تو ہم ہر قسم کے آرام کا انتظام حضور کے لیے کر دیتے۔اعلیٰ لباس،بہترین نرم بستر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی ہم غلاموں سے دیکھی نہیں جاتی۔

۳؎ یعنی جیسے یہ سوار اتنی دیر آرام کے لیے اپنا بستر وغیرہ نہیں کھولتا بلکہ زمین پر ہی لیٹ کر دھوپ ڈھل جانے پر چل دیتا ہے ایسے ہی ہمارا حال ہے کہ ہم کونین کے مالک ہیں مگر اپنے لیے کچھ نہیں رکھتے۔لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمانے کے بعد دنیا کو اور اپنی امت کو چھوڑ دیا،ان سب سے بے تعلق ہوگئے،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ دیں تو ہم ہلاک ہو جائیں،سورج دنیا کو چھوڑ دے تو دنیا اندھیری ہو جاوے،روح بدن کو چھوڑ دے تو بدن مر جاوے،جڑ درخت کو چھوڑ دے تو درخت سوکھ جاوے،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ دیں تو کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میرے دوستوں میں زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مسلمان ہے جو کم سامان والا نماز کے بڑے حصہ والا ہو ۱؎ اپنے رب کی عبادت خوب اچھی طرح کرے اور خفیہ اس کی اطاعت کرے اور لوگوں میں چھپا ہوا رہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیے جاویں ۲؎ اس کا رزق بقدر ضرورت ہو اس پر صبر کرے ۳؎ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی فرمایا اس کی موت جلد آجاوے ۴؎ اس پر رونے والیاں کم ہوں اس کی میراث تھوڑی کم ہو ۵؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اس کے پاس اپنی ذات کے لیے سامان دنیا کم ہو عبادات زیادہ ہوں لہذا حضرت عثمان اور دوسرے امیر صحابہ اس میں داخل نہیں کہ ان کے پاس مال دین کے لیے تھے اپنی ذات کے لیے نہ تھے۔عمر فاروق اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک کرتا دھو دھو کر پہنتے تھے رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یعنی وہ خود اپنی شہرت و عزت کی کوشش نہ کرے اگر رب تعالٰی اسے قدرتی طور پر شہرت دے دے تو اس کی مہربانی لہذا اس حدیث میں مشہور اولیاء اللہ و علماء دین جن کی چوکھٹوں کو دنیا اب بھی چومتی ہے ضرور داخل ہیں کہ یہ شہرت انہوں نے خود نہ چاہی رب نے انہیں مشہور کر دیا یہ بشارت عاجلہ کہلاتی ہے۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ اگر اسے تونگری نہ ملے تو بے صبری نہ کرے راضی بہ رضا رہے۔

۴؎ یعنی بہت آسانی سے ان کی جان نکل جائے جس کے دل میں دنیا کی محبت بہت ہو اس کی جان بڑی مصیبت سے نکلتی ہے،اسے نزع کی تکلیف کے ساتھ دنیا چھوٹنے کا غم بھی ہوتا ہے،مؤمن کو موت کے وقت حضور سے ملنے کی ایسی خوشی نصیب ہوتی ہے کہ وہ شدت نزع کو محسوس نہیں

کرتا،وہ سمجھتاہے کہ زندگی میں مجھے مدینہ منورہ کی حاضری مشکل تھی اب میری قبر ہی مدینہ میں بن جائے گی یہ مطلب نہیں کہ اس کی عمر کم ہو۔(مرقات) لہٰذا یہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں کہ مؤمن کی دراز عمر اللہ کی رحمت ہے۔

۵؎ یہ کمی یا اس لیے ہو کہ وہ غریب اور غیر مشہور تھا یا اس لیے کہ اس نے رونے پیٹنے سے زندگی ہی میں منع کردیا تھا اور مال اللہ کی راہ میں زندگی میں بہت کچھ خرچ کردیا تھا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر میرے رب نے پیش فرمایا کہ میرے لیے مکہ کی زمین کو سونا بنادے ۱؎ تو میں نے عرض کیا یارب نہیں ۲؎ لیکن میں ایک دن سیر ہوا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تو جب بھوکا رہوں تو تیری طرف عاجزی کروں تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوؤں تو تیری حمد کروں اور تیرا شکر کروں ۳؎ (احمد،ترمذی)	

۱؎ یعنی رب تعالٰی نے مجھ پر دو چیزیں پیش فرمائیں: ایک یہ کہ مکہ معظّمہ کے پہاڑوں، وہاں کے پتھروں، کنکروں کو سونے کا بنادیا جائے،دوسرے یہ کہ سارا سونا میری اکیلے کی واحد ملکیت رہے کسی اور کا اس پر قبضہ نہ ہو۔بطحاء کہتے ہیں اس میدان کو جس میں کنکر پتھر پہاڑ ہوں یعنی پتھریلی زمین۔

۲؎ خیال رہے کہ اس کے متعلق حضور سے مشورہ فرمایا تھا آپ کو اختیار دیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس سب کو سونا کردیں۔ مشورہ میں اختلاف کرنے کا حق ہوتا ہے اس کا ماننا لازم نہیں ہوتا اس لیے عرض کیا کہ نہیں۔یہ نہیں بھی بارگاہ الٰہی میں بہت مقبول ہوئی اس نہیں پر ہزار ہاہاں قربان ہوں۔ معنوی طور پر اللہ تعالٰی نے وہاں سونا بنا ہی دیا۔اب زمین حجاز میں سونا نکل رہا ہے خود حضور سونے کی کان ہیں کہ ان کے دم سے لاکھوں حجاج وہاں پہنچتے ہیں اور کروڑوں روپیہ اہلِ مکہ کو دے آتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر حضور چاہتے تو مکہ کے پہاڑ سونا بن جاتے مگر چاہا نہیں لہٰذا وہ آیت کریمہ "اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ" الخ "قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" حضور کا عاجز ہونا بیان نہیں کرتی ورنہ یہ حدیث اس کے خلاف ہوگی۔

۳؎ یعنی اگر میں اتنے سونے کا مالک ہوجاؤں تو صرف بندہ شاکر بنوں گا مگر مسکینیت میں صابر بھی ہوں گا اور شاکر بھی لہٰذا میں امیری پر فقیری کو ترجیح دیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور کی فقیری غریبی اختیاری ہے ہماری طرح بے اختیاری نہیں۔حضرات انبیاء کرام کی موت بھی اختیاری ہوتی ہے کہ وفات کے قریب انہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہیں دنیا میں رہیں یا رب کی بارگاہ میں حاضر ہوجائیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ بیل کی کھال پر ہاتھ پھیرو جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے فی بال ایک سال،ہمارے حضور کو اختیار دیا گیا جب حضور نے عرض کیا اللھم بالرفیق الاعلیٰ تب وفات دی گئی۔

روایت ہے حضرت عبیداللہ ابن محصن سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص تم میں سے صبح پائے کہ اس دل میں امن وامان ہو ۲؎ اپنے جسم میں تندرستی،اس کے پاس اس دن کا کھانا ہو تو گویا اس کے لیے دنیا پوری کی پوری جمع کردی گئی ۳؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎آپ صحابی ہیں مگر حضور سے کوئی حدیث سنی نہیں لہذا آپ کی احادیث مرسل ہیں اور صحابی کا ارسال بالاتفاق مقبول ہے۔آپ قبیلہ بنی خطم سے ہیں،اہل مدینہ میں شمار ہیں،بعض لوگوں نے آپ کو تابعی مانا ہے اور تابعی کی مرسل معتبر ہے جمہور کے نزدیک۔

۲؎سرب سین کے فتحہ یا کسرہ سے ر کے سکون سے بمعنی راستہ،چہرہ،سینہ،دل،نفس،یہاں بمعنی دل ہے یعنی اس کو نہ دشمن کا خوف ہو نہ عذاب الٰہی کا خطرہ کیونکہ اس کا دشمن کوئی نہ ہو اور اس نے کفر یا گناہ نہ کیا ہو۔اہل عرب کہتے ہیں **لیس العید لمن لبس الجدید انما العید لمن امن الوعید** یعنی عید اس کی نہیں جو نئے کپڑے پہن لے بلکہ عید اس کی ہے جو عذاب سے امن میں ہو۔

۳؎**حذافیر** جمع ہے **حذفورہ** کی بمعنی کنارہ جیسے **عصفور** کی جمع **عصافیر**،**جمھور** کی جمع **جماھیر**۔لہذا **احذافیر** کے معنی ہوئے کنارے یعنی جس کو نفسانی امن و عافیت،دل کا چین،بدن کی صحت کچھ تھوڑا سا آج کے گزارہ کا مال میسر ہو تو وہ بادشاہ ہے،اللہ تعالٰی نے اسے ہر قسم کی نعمت دی ہوئی ہے۔

	روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کسی آدمی نے بمقابلہ پیٹ کے بدترین برتن کوئی نہ بھرا ۱؎انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں ۲؎پھر اگر زیادہ کی ضرورت ہی ہو ۳؎تو تہائی پیٹ کھانا اور تہائی پیٹ پانی اور تہائی پیٹ اپنی سانس کے لیے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎زیادہ پیٹ بھرنے سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں،نوے فیصدی بیماریاں پیٹ سے ہوتی ہیں پھر اس سے سخت غفلت پیدا ہوتی ہے دل میں نور نہیں آتا۔

۲؎کیونکہ کھانا اس لیے ہوتا ہے کہ اس سے عبادات،ریاضات کی قوت پیدا ہو،یہ قوت بقدر ضرورت لقموں سے حاصل ہو جاتی ہے۔شعر

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

۳؎یعنی اگر تم چند لقموں پر صبر نہ کرسکو زیادہ کھانے کی رغبت ہو تو پیٹ کے تین حصے کرلو۔

۴؎ایک حصہ کھانے کے لیے،ایک حصہ پانی کے لیے،ایک حصہ سانس آنے جانے کے لیے ان شاءاللہ بہت کم بیمار ہوگے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ قدرے بھوکا رہنے میں دس فائدہ ہیں:جسمانی صحت،دل کی صفائی،طبیعت کی ہشاشی بشاشی یعنی چستی،دل کی نرمی،طبیعت میں انکسار و عجز،تکبر و غرور کا ٹوٹنا،گناہوں کی کمی،درمیانی درجہ کی نیند،عبادات کا شوق،ذکر الٰہی میں لذت و ذوق وغیرہ۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکاریں لیتے سنا ۱؎تو فرمایا کہ اپنی ڈکاریں کم لیں ۲؎کیونکہ قیامت کے دن لوگوں میں بڑا بھوکا وہ ہوگا جو دنیا میں بہت زیادہ شکم سیر ہونے والا ہو ۳؎(شرح سنہ)اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱؎یہ صاحب حضرت وہب ابن عبداللہ یا وہب ابن ابو جحیفہ سوائی تھے،بہت لمبی لمبی ڈکاریں لے رہے تھے کھانے سے سیر ہو کر آئے تھے۔

۲؎یعنی تھوڑا کھایا کرو تاکہ ڈکاریں تھوڑی اور چھوٹی آویں اس کے بعد انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔

۳؎ یعنی دنیا میں بہت کھانے والے قیامت میں بہت کم اعمال لے کر آئیں گے کیونکہ ان کے وقت کا زیادہ حصہ تو کھانا کھانے ہضم کرنے، ہضم نہ ہونے کی صورت میں علاج معالجہ میں گزرا اعمال کب کرتے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر

اندروں از طعام خالی دار　　　　تادر ونور معرفت بینی

حریص دنیا کے اوقات دو کاموں میں خرچ ہوتے ہیں: دنیا کمانا اور کمائی دنیا کی حفاظت کرتے رہنا، اسے رب کی طرف دھیان کرنے کا وقت بہت کم ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن عیاض سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر امت کا کوئی فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی گزشتہ امتوں کی آزمائشیں مختلف چیزوں سے ہوئیں، میری امت کی سخت آزمائش مال سے ہوگی، رب تعالٰی مال دے کر آزمائے گا کہ یہ لوگ اب میرے رہتے ہیں یا نہیں، اکثر لوگ اس امتحان میں ناکام ہوں گے کہ مال پا کر غافل ہوجائیں گے۔ اس کا تجربہ برابر ہورہا ہے، اکثر قتل غارت غفلت مال کی وجہ سے ہوتا ہے، ستر فیصدی گناہ مال کی بنا پر ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن انسان بھیڑ کے بچے کی طرح لایا جاوے گا تو اسے بارگاہِ الٰہی میں کھڑا کیا جاوے گا ۱؎ تب رب تعالٰی اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے عطائیں دیں، تجھے لونڈی غلام بخشے اور تجھ پر بہت انعام کیے ۲؎ تو تو نے کیا کیا ۳؎ تو وہ عرض کرے گا کہ یا رب میں نے وہ جمع کیں اور انہیں بڑھایا اور جتنا تھا اسے زیادہ کرکے چھوڑ آیا ۴؎ مجھے لوٹادے کہ میں تیری بارگاہ میں وہ سارا لے آؤں ۵؎ اس سے رب تعالٰی فرمائے گا کہ مجھے دکھا تو نے آگے کیا بھیجا؟ وہ کہے گا یارب میں نے جمع کیا اور اسے بڑھایا اور اب سے زیادہ کرکے چھوڑ آیا تو تو مجھے لوٹادے میں تیرے پاس سارا لے آؤں وہ ایسا بندہ ہوگا جس نے کوئی بھلائی آگے نہ بھیجی ہوگی ۶؎ تو اسے آگ کی طرف لے جایا جاوے گا۔ (ترمذی) اور اسے ضعیف فرمایا۔

۱؎ یہاں انسان سے مراد غافل مالدار آدمی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ لائے جانے سے مراد حساب و کتاب کے لیے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جانا ہے، اللہ کے مقبول بندے بڑی عزت و احترام سے لائے جائیں گے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا" لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۲؎ **اعطیت، خولت، انعمت** قریبًا ہم معنی ہیں۔ یہاں فرق یوں ہے کہ میں نے تجھے دنیا کا مال و متاع دیا، تجھے لونڈی غلام بخشے اور تجھ پر کتاب وانبیاء کرام بھیجے۔ (مرقات) اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ انعام سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں۔

۳؎ یعنی تونے ان نعمتوں کا شکریہ کیا ادا کیا؟ خیال رہے کہ ہر نعمت کا شکریہ علیحدہ ہے۔اس کی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی دوسرے پارے "وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ" کے ماتحت دیکھو۔اعضاء کا شکریہ بدنی عبادات ہیں،مال کا شکریہ صدقات و خیرات قرآن مجید وغیرہ،ایمانیات کا شکریہ ان پر عمل کرنا ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازیوں کا شکریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل،آپ سے عشق و محبت،کثرت سے درود شریف پڑھنا ہے۔محسن کو دعائیں دینا بھی شکریہ ہے۔مولانا فرماتے ہیں شعر

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

۴؎ یہ ہے غافل کی سوانح عمری،محنت سے جوڑنا،مشقت سے حفاظت کرنا،حسرت سے چھوڑنا یہ گفتگو اس سے ہے جس نے دنیا میں مال کی زکوۃ،فطرانہ،قربانی ادا نہ کی سب کا سب جمع ہی کیا۔حقوق اللہ اور حقوق الناس کا خیال نہ کیا اب کہے گا کہ مجھے موقعہ دے کہ وہ سارا مال تیری بارگاہ میں حاضر کردوں تو قبول فرمالے حالانکہ اب عمل کا وقت نہیں رہا۔

۵؎ یعنی دنیا میں تونے صدقہ و خیرات کتنی کی؟جو کہ تجھے آج کے دن کام آجاتی،یہ جگہ عمل کی نہیں نہ یہ وقت عمل کا ہے اب تو کیے ہوئے کا حساب دو۔

۶؎ اس جملہ نے گزشتہ پوری حدیث کی شرح لکھ دی کہ یہاں اس شخص کا ذکر ہے جو فاسق و فاجر تھا،زکوۃ و خیرات و حقوق ادا نہ کرتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں نعمتوں کے متعلق بندے سے پہلا سوال جو ہوگا وہ یہ کہ اس سے کہا جاوے گا ۱؎ کہ کیا ہم نے تیرے جسم کو صحت نہیں بخشی اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیر نہیں کیا ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی دوسری نعمتوں کے مقابلہ میں ان نعمتوں کا حساب پہلے ہوگا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ پہلے نماز کا حساب ہوگا یا پہلے ناحق خون کا حساب ہوگا اولیت بہت قسم کی ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ دنیاوی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ نعمت تندرستی ہے کہ تمام نعمتیں اس کے ذریعہ استعمال ہوتی ہیں،پھر ٹھنڈا پانی اس کی قدر موسم گرما کے روزوں میں معلوم ہوتی ہے،پانی خود نعمت ہے،ٹھنڈا پانی نعمت پر نعمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن انسان کے قدم نہ ہٹیں گے حتی کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جاوے گا ۱؎ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں خرچ کی اور اس کی جوانی کے متعلق کہ کاہے میں گزاری ۲؎ اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا ۳؎ اور اس میں عمل کیا کیا جو جانا ۴؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی قیامت کے دن پانچ چیزوں کا حساب دیئے بغیر انسان بارگاہِ الٰہی سے نہیں ہٹ سکتا،ان پانچوں میں اگر رہ گیا تو سزا کا مستحق ہوا اگر ان سے نکل گیا تو جنت میں پہنچے گا۔

۲؎ اگرچہ عمر میں جوانی بھی آگئی تھی مگر چونکہ جوانی میں نیک و بداعمال زیادہ کیے جاسکتے ہیں کہ اس وقت ساری قوتیں اپنے کمال پر ہوتی ہیں اس لیے جوانی کے متعلق خاص سوال ہوگا،اسی لیے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ جو جوانی میں عبادت کرے وہ عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا کہ اسے قیامت کے میدان کی گرمی نہ پہنچے گی،جوانی کی عبادت بڑی قدر کی چیز ہے۔شعر

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں	جب بڑھاپا آگیا کچھ بات بن پڑتی نہیں
ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہوچکی	یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آگئی

۳؎ یعنی مال کے متعلق دو سوال ہوں گے: ایک یہ کہ کہاں سے حاصل کیا حلال ذریعہ سے یا حرام سے،کس مقام پر خرچ کیا،طاعت میں یا معصیت میں۔مبارک ہے وہ مال جو اچھی راہ سے آوے اور اچھی راہ پر خرچ ہو جاوے۔اگر بارش کا پانی پرنالہ سے نہ نکالے جاوے تو چھت توڑ دیتا ہے۔

۴؎ ابن عساکر نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے قیامت میں سوال ہوگا کہ تم عالم تھے یا نرے جاہل،اگر تم نے کہا کہ میں عالم تھا تو حکم ہوگا کہ اپنے علم پر عمل کیا کیا؟اور اگر تم نے کہا کہ جاہل تھا تو فرمایا جاوے گا کہ تم جاہل کیوں رہے؟ تمہیں کیا عذر تھا۔علم سے مراد علم دین ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ علم دین سیکھے اور نیک عمل کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم کسی سرخ یا کالے سے بہتر نہیں ۱؎ مگر یہ کہ تم اس سے تقویٰ میں بڑھ جاؤ۲؎(احمد)	

۱؎ سرخ سے مراد عربی ہے،کالے سے مراد عجمی یا سرخ مولیٰ ہے،کالا غلام یا سرخ رومی ہے،کالا حبشی یا امیر سرخ،غریب کالا یعنی تم ملک مال وغیرہ کی وجہ سے دوسروں پر افضل نہیں ہوسکتے افضلیت کسی اور ہی چیز سے ہے۔

۲؎ سیاہ فام مؤمن ہزارہا سرخ سفید کافروں سے افضل ہے۔سیاہ فام متقی ہزارہا سرخ سفید بدکاروں سے افضل ہے۔شعر

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد	فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد
رام نام کشٹے بھلے کہ ٹپ ٹپ ٹپکے جام	وادروں کنجن ویھ کو کہ جس مکھ ناہین رام

یہ کہا جاچکا ہے کہ تقویٰ کے چار درجے ہیں: تقویٰ عامہ یعنی ایمان،تقویٰ خاصہ حرام چیزوں سے بچنا،تقویٰ خاص الخاص مشکوک چیزوں سے بچنا ،تقویٰ خاص الخواص غفلت سے بچنا۔ہر تقویٰ کو اس پر بزرگی ہے جو اس سے خالی ہو لہٰذا کافر سے مؤمن افضل،فاسق سے متقی افضل،غافل سے بیدار افضل یہ فرمان عالی بہت ہی وسیع ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں بے رغبتی کرتا کوئی بندہ دنیا میں ۱؎ مگر اللہ تعالٰی اس کے دل میں حکمت اگا دیتا ہے اور اس سے اس کی زبان میں گویائی دیتا ہے ۲؎ اور اسے دنیا کے عیب اس کی بیماریاں اور ان کا علاج دکھا دیتا ہے ۳؎ اور اسے دنیا سے جنت کی طرف سلامت نکالے گا ۴؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یہاں سے زهد سے مراد دنیا میں دل نہ لگانا ہے اگرچہ لاکھوں کا مالک ہو مگر دل یار سے لگا ہو تو وہ زہد ہی ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ حاجت سے زیادہ مال سے بے رغبت ہونا زہد ہے مرقات نے اسی کو اختیار کیا۔

۲؎ یعنی ایسے شخص کو اللہ تعالٰی چند نعمتیں عطا فرماتا ہے:ایک یہ کہ اس کے دل میں علم و معرفت کے چشمے پھوٹیں گے،دوسرے یہ کہ اس کی زبان پر تاثیر ہوگی اس سے ہمیشہ حق بات نکلے گی اور اس میں تاثیر ہوگی۔

۳؎ یعنی قدرتی طور پر اسے دنیا کی چیزوں کے عیوب معلوم ہوا کریں گے اور ان عیوب سے بچنے کا طریقہ بھی وہ قدرتی طور پر معلوم کرلیا کرے گا،وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ لو یہ فرمان ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔

۴؎ یعنی ان شاء اللہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور اسے داخلہ جنت کا نصیب ہوگا۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جو دنیا میں راغب ہوگا اس کا حال اس کے برعکس ہوگا،اس طرح کہ دوسرے اعضاء کو دنیا میں بھی صرف کیا مگر دل میں اللہ رسول کے سوا کوئی چیز نہ رکھی۔مکان کے دوسرے کمرے سامان کے لیے ہوتے ہیں مگر مالک کا آرام کمرہ صرف مالک کی خلوت گاہ ہوتا ہے وہاں کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ہمارا دل رب کا خاص جلوہ گاہ ہے،جنت ہمارا گھر ہے جہاں سے رب نے ہمارے دشمن شیطان کو نکال دیا ہمارے دل رب تعالٰی کا گھر ہیں،افسوس ہے کہ ہم اس میں شیطان کو بسائیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے دل کو ایمان کے لیے اللہ سے خالص کیا ہے اور اپنے دل کو سلامت رکھا ۱؎ اور اپنی زبان کو سچا،اپنے دل کو مطمئن ۲؎ اور اپنی طبیعت کو سیدھا رکھا اور اپنے کان کو سننے والا اپنی آنکھ کو دیکھنے والا بنایا ۳؎ لیکن کان تو وہ چین کی خبر ہے ۴؎ اور لیکن آنکھ تو وہ اس چیز کو قائم کرنے والی ہے جسے دل حفاظت کرتا ہے ۵؎ کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے دل کو حفاظت کرنے والا بنایا ۶؎ (احمد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی دل کو دل کی بیماریوں حسد،کینہ،بغض،بدعقیدگیوں اور غفلت کی چیزوں سے سلامت رکھا۔رب فرماتا ہے:"اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیۡمٍ"۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ سلیم کے معنی ہیں سانپ کا ڈسا ہوا۔دل وہ ہی پیارا ہے جسے عشق مولٰی کے سانپ نے ڈس کر دنیا سے مردہ کردیا۔

۲؎ نفس مطمئنہ وہ ہے جو اللہ کی محبت اس کی اطاعت سے سرشار ہو۔طبیعت سیدھی وہ ہے جو تکلیف و آرام کسی حال میں یار کے دروازے سے نہ ہٹے،دنیا کی کوئی ہوا اسے جنبش نہ دے سکے۔

۳؎ یعنی اپنے کان سے یار کی بات سنے آنکھ سے قدرت کے نظارے کرے۔شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا   حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

۴؎ قمع قاف کے فتحہ میم کے کسرہ سے۔برتن کے ڈھکنے میں رکھی ہوئی چیز یا برتن کا منہ کہ برتن میں جو چیز جاتی ہے اس کے منہ سے جاتی ہے جو نکلتی ہے اس کے منہ سے نکلتی ہے۔یعنی کان دل کا راستہ ہے اس راستہ سے اچھی باتیں دل تک پہنچتی ہیں۔

۵؎ یعنی آنکھ دل کا دوسرا راستہ ہے کہ اس کے ذریعہ دل تک چیزیں پہنچتی ہیں محبوب کو آنکھ دیکھتی ہے تو دل محبت کرتا ہے۔کسی نے کہا ہے شعر

دیکھاجو حسن یار طبیعت مچل گئی　　　　آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی

مطلب یہ ہے کہ جسے دل محفوظ رکھتا ہے اسے آنکھ ہی تو دل میں ثابت کرتی ہے،وہاں تک پہنچاتی ہے لہذا اپنے کان اور آنکھ کو صاف و پاک رکھو تاکہ ان راستوں سے دل تک اچھی چیزیں ہی پہنچا کریں۔

۶؎ القلب یا تو پیش سے ہے یعنی جس کے دل کو اللہ کی طرف سے محافظ بنایا گیا،یا فتحہ سے ہے یعنی جس نے اپنے دل کو محافظ بنایا کہ دل میں اللہ رسول کی محبت اس کی اطاعت کا جذبہ محفوظ رکھا،نیز بزرگوں کی وعظ و نصیحت یاد رکھی۔ایسے قلب کو یقین سے ترقی ہو کر عین الیقین بلکہ حق الیقین عطا ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ"۔مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یقین سے مراد موت ہے کہ وہ یقینی چیز ہے،نیز موت سے ہر کافر کو اسلام کی حقانیت کا یقین ہو جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالٰی کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا دے رہا ہے جو بھی وہ بندہ چاہتا ہے تو یہ ڈھیل ہے ۱؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ جب وہ بھول گئے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حتی کہ جب وہ لوگ دیئے ہوئے پر خوش ہوگئے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ مایوس ہوگئے ۲؎ (احمد)	

۱؎ یعنی اگر کوئی بندہ گناہ کرتا رہے مگر حق تعالٰی کی طرف سے بجائے پکڑ کے نعمتیں ملتی رہیں تو یہ نعمتیں نہیں بلکہ عذاب ہیں کہ اگر پہلی بار ہی اس کی پکڑ ہو جاتی تو یہ توبہ کرلیتا مگر یہ سمجھا کہ میرے اس گناہ سے رب راضی ہے پھر اور زیادہ گناہ کرتا ہے حتی کہ گناہوں میں حد سے بڑھ کر کافر ہو جاتا ہے،پھر پکڑا جاتا ہے جیسے فرعون کا حال ہوا۔استدراج کے معنی ہیں سیڑھی پر چڑھانا۔ درجہ سیڑھی کے ڈنڈے کو کہتے ہیں،چونکہ مہلت سے بندہ گناہوں میں ایسی ترقی کرتا ہے جیسے آدمی سیڑھی پر چڑھتا ہے اس لیے مہلت کو استدارج کہا جاتا ہے۔رب فرماتا ہے:"سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ"۔

۲؎ اس آیت میں گزشتہ کافر قوموں کا ذکر ہے جیسے قوم فرعون وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ صفہ والوں میں سے ۱؎ ایک شخص نے وفات پائی اور ایک دینار چھوڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک داغ ۲؎ فرماتے ہیں کہ پھر دوسرے شخص نے وفات پائی تو اس نے دو دینار چھوڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو داغ ۳؎ (احمد،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ صفہ چھنے ہوئے چبوترہ کو کہتے ہیں۔جب قبلہ بیت المقدس تھا تو یہ ہی جگہ مسجد تھی،تبدیلی قبلہ پر یہ جگہ ویسی ہی چھوڑ دی گئی اور مسجد کی توسیع کر دی گئی،اب اس جگہ علم دین سیکھنے والے تارک الدنیا صحابہ رہنے لگے جن کے گھر بار،اولاد،مال وغیرہ کچھ نہ تھا،یہ حضرات اکثر ساٹھ ستر کے درمیان رہتے تھے کبھی اس سے کم و بیش،انہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے،حضور انور کی صحبت شریف میں رہنے کے لیے وقف کیا ہوا تھا،انہیں میں حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خرچ وغیرہ کے کفیل تھے،ایک پیالہ دودھ وغیرہ کے معجزات انہیں حضرات پر ظاہر ہوئے تھے۔شعر

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر — جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

حضور انور کو حکم الٰہی تھا کہ ان کے ساتھ رہا کرو۔(قرآن مجید) حضور ان سے فرماتے تھے کہ میں بھی تم میں سے ہوں اور آخرت میں تم میرے ساتھ ہو گے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوفی اُس صفہ سے بنا ہے یعنی چبوترے پر رہنے والے۔(اشعہ) یہاں اہل صفہ فرمایا اصحاب رسول اللہ نہ فرمایا کہ صفہ والے تارک الدنیا تھے۔

۲؎ یعنی ایک دینار ان سے اہل صفہ کے نام پر ایک دھبہ ہے کہ اہل صفہ تارک الدنیا ہونے چاہئیں، پھر انہوں نے یہ دینار بھی کیوں رکھا لہذا حدیث واضح ہے۔اس سے نہ تو مالدار صحابہ پر اعتراض ہو سکتا ہے نہ خود ان وفات یافتہ حضرات پر۔

۳؎ یعنی اس شخص نے دو دینار چھوڑ کر اپنے نام اہل صفہ پر دو دھبے لگائے کہ دعویٰ ہے ترک دنیا کا اور عمل یہ ہے کہ وہ دو دینار پاس ہیں۔خیال رہے کہ بعض لوگوں کے لیے مالداری اچھی ہوتی ہے کہ اس سے وہ شاکر بن جاتے ہیں اور بعض کے لیے غریبی بہتر کہ اس سے وہ صابر رہتے ہیں،اہل صفہ اس دوسری جماعت سے تھے لہذا یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے جیسے بعض کے لیے جلوت افضل ہے اور بعض کے لیے خلوت بہتر ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ ان حضرات کا صفہ میں رہنا گویا اپنے کو فقیر ظاہر کرنا تھا،لوگ انہیں فقیر سمجھ کر خیرات وصدقات دیتے تھے تو یہ لوگ قال سے نہیں بلکہ حال سے سوالی تھے اور جس کے پاس ایک یا دو دینار ہوں اسے سوال حرام ہے بلکہ سوال سے حاصل کیا ہوا مال بھی اسے درست نہیں۔جو مالدار فقیروں کا سا لباس رکھے یا جو جاہل عالموں کی سی وضع بنائے،جو غیر صوفی صوفیانہ رنگ میں رہے پھر لوگ اسے فقیر یا عالم یا صوفی سمجھ کر نذرانہ دیں وہ نذرانے اس کے لیے حرام ہیں۔(مرقات) مگر فقیر کے نزدیک پہلی توجیہ جو اشعۃ اللمعات نے بیان فرمائی بہت ہی قوی ہے کیونکہ حضرات صحابہ سارے ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اور حرام کام یا حرام خوراک کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہ وہ اپنے ماموں سے کہ وہ اپنے ماموں ابن ابی ہاشم کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لیے گئے تو ابو ہاشم رونے لگے ۱؎ انہوں نے کہا کہ اے ماموں کیا تکلیف تمہیں پریشان کررہی ہے یا دنیا کی حرص؟۲؎ وہ بولے ہرگز نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک عہد لیا تھا میں نے وہ اختیار نہ کیا۳؎ پوچھا وہ عہد کیا ہے؟فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تمہیں مال جمع کرنے میں ایک خادم اور ایک سواری وہ بھی اللہ کی راہ کے لیے ہو کافی ہے۴؎ اور میں اپنے کو دیکھ رہا ہوں کہ میں نے جمع کیا ہے۵؎ (احمد،ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کے حالات ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے۔آپ عتبہ کے بیٹے ہیں،ہندہ بنت عتبہ آپ کی بہن ہیں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تو آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماموں ہوئے،آپ کی یہ مرض مرض وفات تھی،غالبًا آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رو پڑے تھے پہلے سے نہیں رو رہے تھے۔

۲؎ یشئز بنا ہے شاز سے بمعنی قلق اور دل کی بے چینی،بے قراری یعنی آپ کا یہ رونا مجھے بے قراری کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے،اگر بے قراری مرض کی تکلیف سے ہے تو طبیب کو بلاتے ہیں اور اگر اپنی غریبی سے ہے تو جتنا مال چاہیے ہم حاضر کردیتے ہیں۔امیر معاویہ کی سخاوت تو مشہور ہے اس کے متعلق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔

۳؎ یہ فرمان حضرات صحابہ کی انتہائی انکساری کا ہوتا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانوں پر جیسا عمل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا اس کی مثال گزشتہ انبیاء کرام کے اصحاب میں نہیں ملتی۔

۴؎ حضور انور کا یہ عہد ساری امت سے ہے اور اس میں ترک دنیا کی رغبت ہے یعنی اگر تمہارے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ ہو تو غم نہ کرو کہ اتنا مال کافی ہے لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کے لیے مال رکھنا ہی حرام ہے ورنہ پھر زکوۃ،فطرانہ،قربانی،حج عمرہ وغیرہ عبادات کیسے ادا ہوں گی۔

۵؎ یعنی میرے پاس ان چیزوں سے زیادہ مال ہے،آپ کا یہ رونا اس پر افسوس کرنا بھی عبادت ہے کہ یہ گریہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہر قول پیارا معلوم ہوتا ہے جب وہ یاد آتے ہیں تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ام الدرداء سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ابو الدرداء سے کہا کہ آپ کا کیا حال ہے کہ آپ کمائی نہیں کرتے جیسی فلاں کرتا ہے ۱؎ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تمہارے لیے سخت پہاڑ ہیں ۲؎ جنہیں بوجھل لوگ طے نہ کرسکیں گے ۳؎ میں چاہتا ہوں کہ ان پہاڑوں کے لیے ہلکا ہوں ۴؎

۱؎ فلاں سے مراد دوسرے حضرات ہیں مال والے یعنی آپ طلب مال کے لیے دوسروں کی طرح کوشش کرکے مالدار کیوں نہیں بن جاتے،یا یہ مطلب ہے کہ دوسروں کی طرح حضور انور سے تم مال کیوں نہیں مانگتے حضور تو ایک ہاتھ اٹھا کر غنی کردیتے ہیں۔شعر

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کردیا　　　　موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام

۲؎ یہاں پہاڑ سے مراد موت،قبر،حشر کی مشکلات ہیں جن سے گزرنا بہت ہی مشکل ہے مگر اس پر آسان ہے جس پر اللہ کرم کرے۔

۳؎ یعنی مال،حال،عزت وجاہ کے طالبین ان پہاڑوں کو بہ آسانی طے نہ کرسکیں گے۔سفر میں جتنا بوجھ زیادہ اتنی ہی تکلیف زیادہ،دنیا میں پھنسے ہوئے آدمی کو مرتے وقت نزع کی تکلیف کے علاوہ دنیا چھوٹنے کا غم بھی ہوتا ہے جو بہت تکلیف کا باعث ہے۔

۴؎ یعنی میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس مال کم ہو تاکہ میرا حساب بھی کم ہو اسی لیے فقراء بمقابلہ امیروں کے جنت میں پہلے جائیں گے وہ تو عرض کریں گے ایک سوٹا ایک لنگوٹا۔شعر

دیا جو تو نے کھایا پیا چلے آئے　　　　گدا سے کیسا حساب و کتاب ہوتا ہے

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا کوئی ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں ۱؎ لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ فرمایا یوں ہی دنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہتا ۲؎ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ نہایت نفیس تشبیہ ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ انسان پانی میں چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں، پاؤں تو ضرور بھگیں گے۔
۲؎ یہاں دنیادار سے مراد دل میں دنیا کی محبت رکھنے والا ہے۔ محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے یا دنیا سے مراد وہ دنیا ہے جو انسان کو اللہ تعالٰی سے غافل کردے۔ دنیا صفر ہے آخرت عدد، اگر صفر اکیلا ہو بغیر عدد کے تو خالی ہے اگر عدد سے مل جاوے تو اسے دس گناہ کردیتا ہے۔ ابوجہل کی دنیا گناہوں کی جڑ تھی اور آخرت سے الگ۔ حضرت سلیمان و عثمان غنی کی دنیا دین کے ساتھ تھی لہذا نیکیوں کی جڑ تھی۔ اللہ تعالٰی ابوجہل و قارون کی دولت سے ہر مسلمان کو بچائے حضرت عثمان کے خزانہ سے عطیہ دے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن نفیر سے ارسالًا ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ مجھے یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو رہوں ۲؎ لیکن مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح بولوں اور سجدہ کرنے والوں میں ہوؤ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو حتی کہ تم کو موت آجائے ۳؎ (شرح سنہ ابو نعیم) حلیہ بروایت ابی مسلم ۴؎	

۱؎ آپ قبیلہ بنی حضرم سے ہیں، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا مگر خلافت صدیقی میں ایمان لائے، ۷۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔ حضرت جبیر سے جو کہ تابعی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔
۲؎ یعنی میری زندگی کا مقصد تجارت اور مال جمع کرنا نہیں، میری زندگی کا مقصد تبلیغ نبوت اور اللہ کی اطاعت ہے، اپنے پاس بقدر ضرورت کبھی مال رکھنا تجارت کرنا اسی کے تابع ہے۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر کے بعد ازواج پاک کو سال بھر کا خرچ عطا فرمادیتے تھے یا یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت، بکریاں چرانے کا کام کیا ہے۔ ظہور نبوت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چیزیں خریدیں ہیں فروخت بھی کی ہیں مگر وہ سب عارضی چیزیں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک کا مقصد وہ تھا جو آگے ارشاد ہو رہا ہے لہذا حضرت عثمان غنی اور دوسرے صحابہ کرام کا تجارتیں کرنا، مال جمع کرنا ممنوع نہیں تھا، اگر مال جمع نہ کیا جاوے تو زکوۃ، حج و عمرہ وغیرہ عبادتیں کیسے کی جاسکتی ہیں۔ کام کرنا اور ہے کام میں مشغول ہو جانا کچھ اور۔
۳؎ اس آیت کریمہ میں موت آنے تک تسبیح، نماز اور ہر ممکن عبادات کرنے کا حکم ہے۔ یقین سے مراد یقینی چیز یعنی موت ہے خدا کرے مرتے وقت تک کوئی نماز، اللہ کا ذکر، مسجد کی حاضری، تکبیر اولیٰ، نوافل، کوئی چیز نہ چھوٹے۔ حضرات صوفیاء کے نزدیک یقین سے مراد عین الیقین یا حق الیقین ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ تسبیح و نماز تو عبادات ہیں اور وَاعْبُدْ رَبَّكَ میں عبودیت کا حکم ہے۔ عبادات اور عبودیت میں بڑا فرق ہے، عبادت آسان ہے عبودیت مشکل ہے، اللہ نصیب کرے۔
۴؎ ابو مسلم خولانی بڑے زاہد، عابد و عالم تھے اور تابعین میں سے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق سے ملاقات کی ہے، ۶۲ھ باسٹھ ہجری میں وفات پائی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حلال روزی تلاش کرے بھیک سے بچنے کے لیے اور اپنے گھر والوں پر کوشش کرے اپنے پڑوسی پر مہربانی کرنے کے لیے ۱؎ وہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی سے ایسے ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا ۲؎ اور جو حلال دنیا طلب کرے مال بڑھانے، فخر و	

تکبر کرنے، دکھلاوے کے لیے تو وہ اللہ سے ملے گا حالانکہ وہ اس پر ناراض ہوگا ۳؎ (بیہقی شعب الایمان اور ابو نعیم حلیہ)	

۱؎ یعنی مال کمانا تین مقصدوں کے لیے ہونا چاہیے: اپنی ذات، اپنے بال بچوں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے اور یہ تمام کام اللہ ورسول کی رضا کے لیے ہوں۔ پہلی دو چیزیں واجب ہیں یعنی خود بھیک سے بچنا اور بال بچوں کے حقوق ادا کرنا، تیسری چیز یعنی پڑوسیوں سے مالی سلوک کرنا یہ مستحب ہے واجب نہیں مگر ثواب اس پر یقینی ہے۔

۲؎ یعنی اللہ کی رحمت اور دل کی خوشی کی وجہ سے اس کا چہرہ چمکیلا ہوگا۔ اس حدیث نے گزشتہ تمام احادیث کی شرح کردی کہ وہاں دنیا جمع کرنے اور دنیا کمانے سے ممانعت جو فرمائی گئی ہے وہاں وہ دنیا مراد تھی جو جائز نیت سے نہ ہو۔ نیت خیر سے دنیا کمانا عبادت ہے کیونکہ یہ بہت سی عبادات کا ذریعہ ہے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ فخر و تکبر کے لیے حلال مال بھی جمع کرنا برا ہے تو حرام مال اس نیت سے جمع کرنا بدرجہا برا ہے کہ وہاں مال بھی حرام ہے نیت بھی حرام۔ بہر حال مال میں تین چیزیں ہوں تو مال اچھی چیز ہے کمائی حلال، خرچ حلال اور نیت حلال۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خیر خزانے ہیں اور ان خزانوں کی کنجیاں ہیں ۱؎ تو خوشخبری ہو اس بندے کے لیے جسے اللہ تعالٰی نے خیر کی کنجی اور شر کا بند قفل بنایا ۲؎ اور خرابی ہے اس بندے کی جسے اللہ نے شر کی کنجی اور خیر کا بند قفل بنایا ۳؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اچھے کام اور اچھی چیزیں بہت سی خوبیوں کے خزانے ہیں اور بعض انسان خزانوں کی چابیاں ہیں کہ وہ اچھے ہو جاویں تو دوسرے بھی اچھے ہو جاویں، اگر بادشاہ حکام، علماء مشائخ متقی ہو جاویں تو رعایا، شاگرد، مریدین خود بخود متقی بن جاویں۔ اللہ تعالٰی ہمارے پاکستان کو متقی پرہیزگار مؤمن حکام نصیب کرے خود بخود دوسرے لوگ متقی بن جاویں گے **الناس علی دین ملوکھم**۔

۲؎ یعنی وہ شخص خوش نصیب ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو بھلائیاں نصیب ہوں اور ظلم و ستم بند ہو جاویں۔ مال، علم بعض کے لیے قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، بعض کے لیے دوری کا باعث، قریبًا ہر چیز کا یہ ہی حال ہے قرب الٰہی کا ذریعہ ہو تو خیر ہے ورنہ شر۔

۳؎ یعنی بعض لوگ ایسے شر پر ہوتے ہیں کہ ان کے شر سے دوسرے محفوظ نہیں ہوتے وہ لوگ منحوس ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے زمانہ اقتدار میں برکت ہی برکت ہو جاتی ہے ملک آباد، لوگ خوشحال ہو جاتے ہیں، بعض کے برسر اقتدار آتے ہی برکتیں ختم ہو جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کے مال میں بے برکتی دی جاتی ہے تو وہ مال کو پانی اور مٹی میں لگا دیتا ہے ۱؎	

۱؎ ان جیسی احادیث کی شرح پہلے ہو چکی کہ ان میں بلا ضرورت عمارتیں بنانا ان کے گارے چونے میں پیسہ خرچ کرنا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے کے مال میں بے برکتی ڈالنا چاہتا ہے تو اسے مکانات گرانے بنانے کا شوق دے دیتا ہے۔ اسے اللہ ورسول کی راہ میں خرچ کرنے، حق والوں کے حق ادا کرنے کا خیال ہی نہیں آتا، وہ اس میں لگا رہتا ہے کہ یہ بگاڑو یہ بناؤ۔ ضروری عمارات جیسے مسجد، ضرورت کے مکان و

دکانیں اس حکم سے خارج ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ لاکھوں روپے کے خرچ سے بنائی، حضرت عثمان غنی نے مسجد نبوی پر بہت روپیہ خرچ کیا۔

روایت ہے ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمارات میں حرام سے بچو ا کیونکہ وہ ویرانی کی جڑ ہے ۲ انہیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔	

ا اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ عمارت پر خرچ کرنے کے لیے حرام مال جمع نہ کرو ورنہ اس میں حرام کام ہی ہوا کریں گے، اچھی کمائی کی عمارت میں ان شاءاللہ اچھے کام ہی ہوتے ہیں، خراب میں خراب کام۔ دوسرے یہ کہ حرام عمارتیں نہ بنائے جیسے ناچ گھر، سینما گھر، زنا گھر، شراب خانے، بت خانے وغیرہ۔

۲ اس جملہ کے بھی دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ مکانات، عمارات عنقریب ویران ہوجائیں گے پھر ان کے لیے حرام مال جمع کرکے اپنی آخرت کیوں برباد کرتے ہو؟۔ دوسرے یہ کہ حرام عمارتیں دین کی خرابی کی جڑیں ہیں کہ وہاں شرابیں، جوئے، بدمعاشیاں دن رات ہوا کریں گی، تم ایسی عمارتیں بنا کر مرجاؤ گے مگر وہاں یہ گناہ ہوتے رہیں گے اور تم کو قبروں میں سزا ملتی رہے گی۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو ا اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو ۲ اور اس کے لیے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو ۳ (احمد، بیہقی شعب الایمان)	

ا یہاں دار سے مراد عیش و عشرت کا گھر ہے یعنی دنیا کو عیش کی جگہ وہ ہی سمجھتا ہے جس کے مقدر میں آخرت کا عیش نہ ہو ورنہ مؤمن دنیا کو عمل کی جگہ اور رہنے کی منزل سمجھتا ہے کہ جتنی زندگی ہے اس میں کچھ کرلو یہ پھر نہ ملے گی۔ (مرقات)

۲ مال سے مراد حرام ذریعہ سے کمایا ہوا اور حرام جگہ خرچ کیا ہوا مال ہے۔ یہ مال حقیقت میں مال نہیں نرا وبال ہے یعنی دنیاوی حرام مال کو وہ مال سمجھتا ہے جس کے نصیب میں حلال مال نہیں تم ایسے نہ بنو، مؤمن اس مال کو راہِ خدا عزوجل میں خرچ کرکے آخرت سنبھالتا ہے۔

۳ یعنی غافل آدمی دنیاوی عیش وآرام کے لیے مال جمع کرتا ہے اور مؤمن آخرت کے لیے جمع کرتا ہے، غافل بے وقوف ہے اور مؤمن عاقل ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں فرماتے سنا کہ شراب گناہوں کی جامع ہے ا اور عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں ۲ اور دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے ۳ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عورتوں کو پیچھے رکھو ۴ کیونکہ اللہ تعالٰی نے انہیں پیچھے رکھا ہے ۵ (رزین) اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے بروایت حسن بطور ارسال روایت کی کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے ۶	

ا یعنی شراب تمام گناہوں کی جڑ ہے کہ گناہوں سے عقل روکتی ہے، جب شراب سے عقل ہی جاتی رہی ہے تو اب گناہوں سے کون روکے، شراب میں انسان قتل اور ماں بہن سے زنا کرلیتا ہے۔ (مرقات)

۲؎ چنانچہ شیطان عورتوں کے ذریعہ بڑے بڑے متقیوں کو شکار کرتا ہے۔ بلعم ابن باعور جیسا متقی انسان مارا گیا تو عورت کی وجہ سے، دنیا میں پہلا قتل یعنی ہابیل کا قتل ہوا تو عورت کی وجہ سے۔

۳؎ اس حدیث کی شرح اور محبت دنیا کے معنی اور یہ کہ محبت تمام دنیا کا سر کیوں ہے سب کچھ پہلے بیان ہو چکا۔ محبت دنیا یہ ہے کہ انسان ہر ذریعہ سے دنیا حاصل کرتا ہے، ضرورت پڑے تو دین دنیا پر قربان کردے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی حصول دنیا میں ہر گناہ کرلیتا ہے۔ فرعون، شداد، نمرود، یزید جیسے لوگ محبت دنیا کیوجہ سے بدترین گناہ کرگئے۔

۴؎ ذکر میں، حکم میں، درجہ میں عورتوں کو مردوں سے پیچھے رکھو، انہیں امام نہ بناؤ کہ انہیں جماعت کی اگلی صفوں میں کھڑا نہ کرو، انہیں بادشاہ یا حاکم نہ بناؤ، انہیں پیر یا مرشد بنا کر ان کی بیعت نہ کرو، مرد بادشاہ ہیں، عورتیں وزیر۔ خیال رہے کہ جس درجہ کی عورت ہوگی اسی درجہ کا مرد بھی لیا جائے گا لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم جیسے گنہگار حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ زہرا سے افضل ہیں۔ عائشہ صدیقہ سے حضور افضل ہیں، فاطمہ زہرا سے علی مرتضیٰ افضل ہیں۔

۵؎ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ"، نیز قرآن کریم میں عورتوں کا ذکر مردوں کے بعد ہے "اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ" بلکہ اکثر جگہ مردوں کے ضمن میں عورتوں کا ذکر ہے جیسے "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" وغیرہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ ملکہ بلقیس یمن کی بادشاہ تھی مگر کب، مسلمان ہونے سے پہلے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی اور آپ کے نکاح میں آئی یمن کی بادشاہ نہ رہی آپ کی ماتحت ہوئی لہذا اس سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ کسی دین میں عورتوں کی امامت سلطنت جائز نہ تھی، از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے دین میں عورتوں کو یہ عہدے نہ دیئے گئے۔

۶؎ یہ کلام حب الدنیا رأس کل خطیئة حضرت نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے یا راوی نے جناب کا کلام نقل فرمایا ہے یا حضور اقدس کا اپنا فرمان عالی ہے۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن ہے۔ (مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جن چیزوں سے میں اپنی امت پر خوف کرتا ہوں ان میں زیادہ خوفناک نفسانی خواہش ہے اور لمبی امید ۱؎ لیکن نفسانی خواہش تو وہ حق سے روک دیتی ہے ۲؎ اور رہی دراز امید تو وہ آخرت کو بھلا دیتی ہے ۳؎ اور یہ دنیا کوچ کرکے جارہی ہے اور یہ آخرت کوچ کرکے آرہی ہے ۴؎ ان دونوں میں سے ہر ایک کے بچے ہیں ۵؎ اگر تم یہ کرسکو کہ دنیا کے بچے نہ بنو تو ایسا کرو کیونکہ تم آج عمل کی جگہ میں ہو جہاں حساب نہیں اور تم کل آخرت کے گھر میں ہوگے جہاں عمل نہ ہوگا ۶؎ (بیہقی شعب ایمان)

۱؎ یعنی جو دل چاہے وہ کرے قانون شرعی کا لحاظ نہ کرے اور یہ خیال کرنا کہ ابھی میری عمر بہت ہے جب مرنے لگوں گا تو نیک کام کرلوں گا یہ دونوں دھوکے ایسے ہیں جن میں عام لوگ گرفتار ہیں۔ نفس و شیطان گناہ جلدی کراتے ہیں، نیکیوں میں دیر لگواتے ہیں کہ ابھی عمر بہت ہے پھر کرلینا۔

۲؎ نفسانی خواہش سے وہ خواہشات مراد ہیں جو خلاف اسلام ہوں،جو ان کی پیروی کرے گا ظاہر ہے کہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت نہ کرے گا۔

۳؎ آخرت یاد آتی ہے جب کہ اپنی موت سامنے ہو۔انسان موت کو قریب سمجھ کر آخرت کی تیاری کرتا ہے،جب یہ خیال دل میں بیٹھ جاوے کہ ابھی سو دوسو سال مجھے موت آنی ہی نہیں تو وہ آخرت کی تیاری کیوں کرے گا لہذا یہ فرمان عالی بالکل برحق ہے۔

۴؎ جب سے ہم پیدا ہوئے ہیں تب سے دنیا جارہی ہے اور آخرت آرہی ہے،ہر سانس آخرت کی طرف ایک قدم ہے۔شعر

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی   خالق نے تری عمر کی ایک سانس گھٹادی

ہمیں خبر نہیں کہ دنیا کب ساتھ چھوڑ دے اور آخرت کب آجاوے۔

۵؎ یہاں بچوں سے مراد تابع،محکوم زیر فرمان لوگ ہیں،راکب وراغب یعنی بعض لوگ دنیا کے طالب اس میں راغب ہیں،بعض آخرت کے طالب اس میں راغب ہیں،انسان دونوں کا طالب نہیں ہو سکتا کہ دونوں ضدیں ہیں۔

۶؎ یعنی دنیا میں اللہ تمہارا حساب نہیں فرماتا جو بھی چاہو عمل کرلو،بعد مرنے کے عمل کا وقت نہ ہوگا حساب ہی حساب ہوگا لہذا بہتر یہ ہے کہ آج تم اپنا حساب خود کرتے رہو۔خیال رہے کہ حضرات انبیاء اور بعض اولیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں،تلاوت قرآن کرتے ہیں مگر ان اعمال پر ثواب نہیں لہذا یہ حدیث برحق ہے کہ ثواب والا عمل صرف زندگی میں ہی ہو سکتا ہے،ہاں اس کا ثواب مرے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے لہذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ دنیا کوچ کرکے پیٹھ پھیر رہی ہے اور آخرت کوچ کرکے سامنے آرہی ہے ۱؎ ان دونوں میں سے ہر ایک کی اولاد ہے تو تم آخرت کی اولاد بنو اور دنیا کی اولاد نہ بنو ۲؎ کیونکہ آج عمل ہے حساب نہیں اور کل حساب ہوگا عمل نہ ہوگا ۳؎ (بخاری ایک باب کا عنوان)	

۱؎ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اپنا قول ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کے بالکل مطابق ہے۔اسے کہتے ہیں توارد یعنی دنیا اور آخرت دونوں ہی حرکت میں ہیں مگر دنیا جارہی ہے آخرت آرہی ہے،دنیا جاکر نہ آئے گی آخرت آکر نہ جائے گی۔

۲؎ اس کے معنی اور مطلب ابھی پہلے عرض کیے گئے تم دنیا کے نہ بنو بلکہ دنیا تمہاری بنے،جو اللہ کا ہو جاتا ہے دنیا اس کی ہو جاتی ہے۔

۳؎ اس کے معنی ابھی عرض کیے گئے کہ دنیا میں رب تعالٰی نہ تو ایمان کا حساب لیتا ہے نہ اعمال کا۔بعد موت کوئی شخص جزا والا عمل نہیں کرسکے گا اگرچہ بعض مقبول بندے قبر میں نماز وتلاوت کرتے ہیں مگر اس پر جزا نہیں اسی لیے زندے انہیں ثواب بخشتے ہیں کہ زندگی کے اعمال کا ثواب ہے ،اب وہ ثواب خواہ عامل ہی رکھے یا کسی کو بخش دے اسے اختیار ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ نے خطبہ میں فرمایا آگاہ رہو کہ دنیا موجودہ سامان ۱؎ ہے جس سے نیک وبد سب کھاتے ہیں،آگاہ رہو کہ آخرت سچی معیاد ہے جس میں قدرت والا بادشاہ فیصلہ فرمائے گا ۲؎ خبردار کہ ساری خوبیاں اپنے کناروں سمیت جنت میں ہیں،آگاہ رہو کہ پوری مصیبت کناروں سمیت آگ میں ہے ۳؎ خبردار کہ تم اللہ سے ڈرتے ہوئے عمل کیا کرو ۴؎ اور	

	جان رکھو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے ۵؎ تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا ۶؎ (شافعی)

۱؎ عرض فانی سامان کو کہتے ہیں جو باقی نہ رہے۔دنیا کا مال رب تعالٰی کی رضا کی علامت نہیں،یہ مردودوں کو بھی مل جاتا ہے،ہاں دنیا میں توفیق خیر مل جانا رضا الٰہی کی دلیل ہے۔

۲؎ آخرت یعنی موت و قیامت کا وقت مقرر ہے،قیامت میں حاکم صرف اللہ تعالٰی ہی ہوگا،تمام بادشاہوں اور حکام کی حکومتیں ختم ہوچکی ہوں گی۔

۳؎ یعنی دنیا کی راحتیں تکالیف سے محفوظ ہیں اور یہاں کی تکالیف میں بھی کچھ راحتوں کو آمیزش ہے آخرت کی راحت تو خالص ہیں اور وہاں کی مصیبتیں ہیں تو وہ بھی خالص۔

۴؎ یعنی نیک اعمال کرتے رہو اور ساتھ ہی رب تعالٰی سے ڈرتے رہو کہ نہ معلوم یہ عمل قبول ہوں یا نہ ہوں۔مؤمن کا کام ہے کہ عمل کرنا اور ڈرنا،غافل منافق کا کام ہے کہ نہ کرنا اور اکڑنا۔

۵؎ اس عبارت میں قلب ہے۔مقصد یہ ہے کہ تم پر تمہارے اعمال پیش ہوں گے مگر فرمایا کہ تم اعمال پر پیش ہو گے جیسے کہا جاتا ہے **عرضت الحوض علی الناقة** میں نے حوض کو اونٹنی پر پیش کیا حالانکہ اونٹنی حوض کے سامنے کی جاتی ہے،اردو میں کہا جاتا ہے کہ گجرات آگیا حالانکہ گجرات تو اپنی جگہ پر رہا ہم گجرات میں آگئے ایسے ہی یہ ہے۔

۶؎ ذرہ سے مراد یا توریت کا ذرہ ہے یا چھوٹی چیونٹی۔اس آیت کریمہ کی تحقیق یہ ہے کہ **من** سے مراد یا تو صرف مسلمان ہیں اور خیر سے مراد وہ نیکی ہے جو ضبط نہ ہوچکی ہو اور شر سے مراد وہ گناہ ہے جو معاف نہ ہوچکا ہو اور دیکھنے سے مراد اس کی سزا و جزا بھگتنا یعنی اے مسلمان تجھ کو ذرہ بھر نیکی کی جزاء اور ذرہ بھر گناہ کی سزا ملے گی بشرطیکہ نیکی ضبط نہ ہوئی ہو گناہ معاف نہ ہوا ہو،یا **من** سے مراد ہر انسان ہے مؤمن ہو یا کافر اور دیکھنے سے مراد ہے اپنے اعمال کو آنکھ سے دیکھ لینا سزا جزا ہو یا نہ ہو یعنی ہر انسان اپنے ہر عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ مؤمن کو اس کے گناہ دکھا کر معاف کیے جائیں گے،کافر کو اس کی نیکیاں دکھا کر ضبط کی جائیں گی لہذا یہ آیت نہ معافی کی آیات واحادیث کے خلاف ہے نہ ضبطی اعمال کی آیات کے خلاف۔

	روایت ہے حضرت شداد سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اے لوگو دنیا موجودہ سامان ہے ۱؎ جس سے نیک و بد لوگ کھاتے ہیں ۲؎ اور آخرت سچا وعدہ ہے جس میں انصاف والا قدرت والا بادشاہ فیصلہ کرے گا اس دن سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دکھائے گا ۳؎ تم آخرت کی اولاد بنو اور دنیا کی اولاد میں سے نہ بنو کیونکہ ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہوگا ۴؎

۱؎ قرآن مجید میں دنیا کو **متاع** فرمایا گیا ہے حدیث شریف میں **عرض** لیکن دونوں کے معنی ہیں سامان،چونکہ دنیا کو چھوڑ کر انسان چلا جاتا ہے دوسرے آکر اسے برتتے ہیں اس لیے اسے متاع یا عرض کہتے ہیں۔زمین نے سب کو کھالیا زمین کو کسی نے نہ کھایا۔**حاضر** بمعنی نقد یعنی ادھار کا مقابل دنیاوی کام کرو تو زندگی میں اس کا نفع نقصان مل جاتا ہے مگر آخرت کے کام کی جزاو سزا بعد قیامت،یہ بڑا ہی ادھار ہے جو برزخ و قیامت گزار کر وصول ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی دنیا کے آرام و تکالیف اعمال کی سزا و جزا نہیں،اگر کبھی کسی نیکی سے دنیا مل جائے تو وہ اس کی جزا نہیں ہے۔
۳؎ دنیاوی حکام کی سزاؤں جزاؤں سے انسان بچ سکتا ہے رب کے فیصلہ سے کوئی نہ بچ سکے گا کیونکہ نہ تو وہ ظالم ہے نہ بے علم نہ مجبور،وہاں بچنا صرف اس کے رحم و کرم سے ہے۔
۴؎ یہاں مال اور اولاد سے مراد وہ ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں طلوع ہوتا سورج مگر اس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں ۱؎ پکارتے ہیں سوائے جن وانس کے ساری مخلوق کو سناتے ہیں ۲؎ کہ اے لوگو اپنے رب کی طرف آؤ ۳؎ جو تھوڑا ہو اور کافی ہو وہ اس سے اچھا ہے جو زیادہ ہو اور غافل کردے ۴؎ ان دونوں حدیثوں کو ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا۔	

۱؎ اس طرح کہ وہ فرشتے بھی سورج کے ساتھ ہی گردش کرتے ہیں اور ہر جگہ طلوع کے وقت سورج کے ساتھ ہوتے ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سورج تو ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع کرتا ہی رہتا ہے جب یہاں دوپہری ہوتی ہے تو کسی اور جگہ صبح سویرا،چونکہ دن نکلنے پر لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں اس لیے صبح کے وقت ہی یہ اعلان مناسب ہوتا ہے۔
۲؎ یعنی جن وانس کے سوا باقی ساری مخلوق یہ آواز سنتی ہے ان دونوں کو فرشتوں کا یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سنایا جارہا ہے جیسے رب تعالٰی نے اپنا کلام بندوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سنایا تاکہ ان دونوں گروہوں کا ایمان بالغیب رہے کہ ایمان بالغیب پر ہی سزا و جزاء کا دارومدار ہے ان ہی دونوں گروہوں پر ایمان بالغیب واجب ہے۔
۳؎ یعنی کام کاج میں مشغول ہوکر رب تعالٰی سے غافل نہ ہوجاؤ،ہاتھ کار میں ہو دل یار کے ساتھ ہو،ہر وقت اس کے دروازہ پر رہو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللہِ"گنہگار ہو تو اس کے دروازے پر،آؤ نیک کار ہو تو آؤ کہ اس کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں۔
۴؎ یعنی جو رزق مقدار میں تھوڑا ہو اور انسان کی حاجات پوری کردے،اسے پاکر رب تعالٰی سے غافل نہ ہوجاوے وہ اس رزق سے بہتر ہے جو مقدار میں زیادہ ہو اور رب تعالٰی سے غافل کردے کہ وہ تھوڑا مال اللہ تعالٰی کی رحمت ہے اور یہ زیادہ مال اللہ کا عذاب ہے۔علم کا بھی یہ ہی حال ہے کہ بقدر ضرورت علم جو خدا رسی کا ذریعہ ہو اس زیادہ علم سے بہتر ہے جو خدا تعالٰی سے غافل کردے عالم کو متکبر بنادے۔خیال رہے کہ فرشتے یہ بات درحقیقت جن وانس کو سناتے ہیں مگر ہمارے حضور کی معرفت سے ان تک پہنچاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ اسے مرفوع کرتے ہیں،فرمایا جب مردہ مرجاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ کیا آگے بھیجا؟ اور انسان کہتے ہیں کہ کیا پیچھے چھوڑ گیا ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ میت سے مراد ہے جو مرنے لگے یعنی مرتے وقت اس کے وارثین تو چھوڑے ہوئے مال کی فکر میں ہوتے ہیں کہ کیا چھوڑے جارہا ہے اور جو ملائکہ اس کی قبض روح وغیرہ کے لیے آتے ہیں وہ اس کے اعمال و عقائد کا حساب لگاتے ہیں کہ جیسے اس کے عمل ہوں ویسے ہی فرشتے،ایسے ہی نیک اعمال والے کو رحمت کے فرشتے لیتے ہیں بدکار کو عذاب کے فرشتے۔

روایت ہے حضرت مالک سے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے	

	میرے بچے لوگوں پر وہ دراز ہو گیا جس سے وہ ڈرتے جاتے ہیں ۱؎ اور وہ آخرت کی طرف دوڑے جارہے ہیں ۲؎ اور تم جب سے پیدا ہوئے تب سے دنیا کو پیچھے چھوڑ رہے ہو اور آخرت کی طرف جارہے ہو ۳؎ اور وہ گھر جس کی طرف تم جارہے ہو اس سے زیادہ قریب ہے جس سے تم نکل رہے ہو ۴؎ (زرین)

۱؎ دراز ہونے سے مراد ہے دور ہونا یعنی اعمال کی سزا و جزا دور ہے کہ بعد قیامت ملے گی اس دوری سے یہ دھوکا کھا جاتے ہیں کہ ابھی موت و قیامت بہت دور ہے نیکیاں کرلیں گے ابھی خوب مزے اڑالو۔

۲؎ یعنی جسے یہ دور سمجھتے ہیں وہ بہت تیزی سے دوڑی آرہی ہے کیونکہ لوگ اس کی طرف ہر سانس میں بڑھ رہے ہیں۔

۳؎ جب سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی عمر شروع ہو جاتی ہے عمر گزرتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ عمر بڑھ رہی ہے مگر حقیقت میں گھٹ رہی ہے۔ایک شاعر کہتا ہے شعر

یسر المرء ما ذهب اللیالی   و کان ذهابهن له ذهابا

۴؎ خیال رہے کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اگرچہ دور معلوم ہو اور ہر جانے والی چیز دور ہے اگرچہ قریب معلوم ہو لہذا قبر اور آخرت قریب ہے دنیا دور ہے کہ وہ چیزیں دوڑی آرہی ہیں اور دنیا دوڑی جارہی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ لوگوں میں سے کون افضل ہے ؟فرمایا ہر سلامت دل والا ۱؎ سچی زبان والا،لوگوں نے عرض کیا کہ سچی زبان والے کو تو ہم جانتے ہیں تو سلامت دل والا کیا ہے ؟ ۲؎ فرمایا وہ ایسا ستھرا ہے جس پر نہ گناہ ہو نہ بغاوت نہ کینہ اور نہ حسد ۳؎ (ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ **مخموم** بنا ہے **خم** سے،**خم** کے معنی ہیں گھر میں جھاڑو دینا،کہا جاتا ہے **خمیت البیت** دل گویا گھر ہے اسے برائیوں سے بچانا گویا اس میں جھاڑو دینا ہے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فصیح اللسان ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سمجھنے کے لیے لغت کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔یہ پوچھنے والے حضرات عرب تھے صاحبِ زبان تھے مگر مخموم کا ترجمہ پوچھ رہے ہیں۔

۳؎ ہر چیز کا کوڑا کچرا مختلف ہوتا ہے۔دل کا کوڑا یہ چیزیں ہیں جن سے دل میلا ہوتا ہے،پھر جیسے ناپاک بدن اس مسجد میں آنے کے قابل نہیں ایسے ہی ناپاک دل مسجد قرب الٰہی کے قابل نہیں،رب تعالیٰ فرماتا ہے: "اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ"۔

	روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تجھ میں چار خوبیاں ہوں تو تجھ پر حرج نہیں کہ دنیا تجھ سے الگ رہے ۱؎ امانت کی حفاظت،بات کی سچائی،اچھی عادت،کھانے میں پاکدامنی ۲؎

	(احمد، بیہقی شعب ایمان)

۱؎ یعنی اگر یہ چار نعمتیں تجھے خدا عطا فرمادے مگر دنیا تیرے پاس زیادہ نہ ہو تو توپرواہ نہ کر کہ وہ نعمتیں دنیا و مافیہا سے افضل ہیں بلکہ دنیا کی زیادتی کبھی ان نعمتوں کو نقصان بھی دیتی ہے لہذا اس صورت میں دنیا کی کمی ہی اچھی ہے۔

۲؎ جسے یہ توفیق مل جاوے ان شاء اللہ تعالٰی وہ دنیا میں کسی کا محتاج نہیں رہتا،اچھی عادت والا ان شاء اللہ بہت عزت پاتا ہے۔جو اپنے حلق کو حرام کمائی سے اور زبان کو حرام بات سے محفوظ رکھے ان شاء اللہ تعالٰی وہ بندہ مقبول الدعا ہوتا ہے،جو رب تعالٰی سے مانگتا ہے پالیتا ہے، تجربہ ہے اللہ تعالٰی نصیب کرے۔صدق مقال اکل حلال عبادات کی اصل ہے۔

	روایت ہے حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا ۱؎ کہ اس بزرگی تک آپ کو کس چیز نے پہنچایا جو ہم دیکھ رہے ہیں فرمایا کہ بات کی سچائی اور امانت کی ادائیگی اور بے کار باتوں کو چھوڑ دینے سے ۲؎ (مؤطا)

۱؎ یعنی دینی اور دنیاوی فضائل تمہیں کن اچھے اعمال کی بدولت نصیب ہوئے،اللہ تعالٰی کو آپ کی کون سی ادا پسند آگئی جس سے آپ کو یہ رتبے مل گئے۔خیال رہے کہ نبوت تو خاص عطار بانی ہے یہ کسی عمل کا نتیجہ نہیں مگر ولایت قرب الٰہی کسبی بھی ہوتی ہے کہ کبھی اپنے اعمال سے ملتی ہے، کبھی محض وہبی عطاء ربانی۔اگر حضرت لقمان نبی ہیں تو یہ سوال نبوت کے متعلق نہیں دیگر مراتب کے متعلق ہے اور اگر آپ نبی نہیں تب تو کوئی سوال ہی نہیں۔

۲؎ جو چیز ہم کو دین یا دنیا میں نفع نہ دے اس کے پیچھے نہ پڑو اس کی تحقیقات نہ کرو،یہ بہت سی آفتوں بہت سے گناہوں سے انسان کو بچالیتا ہے یہ بہترین عمل ہے۔مثل مشہور ہے کہ جس گاؤں جانا نہ ہو اس کے راستہ کی تحقیق کرنا بیکار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال آئیں گے ۱؎ تو نماز آئے گی کہے گی یارب میں نماز ہوں فرمائے گا تو خیر پر ہے،پھر صدقہ آئے گا کہے گا یارب میں صدقہ ہوں فرمائے گا تو بھی خیر پر ہے ،پھر روزے آئیں گے عرض کریں گے یارب ہم روزے ہیں ۲؎ تو فرمائے گا تم خیر پر ہو،پھر باقی نیک اعمال بھی اسی طرح آئیں گے ۳؎ رب تعالٰی فرمائے گا کہ تم خیر پر ہو ۴؎ پھر اسلام آئے گا ۵؎ تو عرض کرے گا یارب تو سلام ہے ۶؎ اور میں اسلام ہوں ۷؎ تو رب تعالٰی فرمائے گا کہ تو بھلائی پر ہے آج تیری وجہ سے میں پکڑوں گا اور تیرے ذریعہ سے دوں گا ۸؎ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین تلاش کرے گا اس سے ہرگز قبول نہ کیا جاوے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں سے ہیں ۹؎

۱؎ یعنی قیامت کے دن انسان کے نیک و بد اعمال اس کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے۔نیک اعمال تو شفاعت کرنے کے لیے اور برے اعمال شکایت کرنے اور اس کے خلاف گواہی دینے کے لیے،وہاں اعمال کا جسم بھی ہوگا اور شکل بھی،یہ بات کریں گے بھی اور سنیں گے بھی۔

۲؎ان اعمال کا یہ عرض کرنا اپنے عاملین کی شفاعت کی تمہید ہے۔عرض کریں گے خدایا تو نے قرآن مجید میں،تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ہمارے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں فلاں فلاں بندہ ہمارا پابند تھا اسے بخش دے۔

۳؎حج عمرہ،جہاد،طلب علم،اچھے اخلاق وغیرہ سب ہی بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے اور یہ ہی عرض کریں گے اسی ترتیب پر آگے پیچھے۔

۴؎یعنی اے نیک عملو تم بھی خیر ہو تمہارے عاملین بھی خیر۔

۵؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد دین محمدی ہے یعنی اصطلاحی اسلام ممکن ہے کہ سارے ہی سچے عقیدے مراد ہوں تب تمام انبیاء کرام کے دین اس میں داخل ہیں۔

۶؎اسلام پہلے حمد الٰہی کرے گا شفاعت کی تمہید کے لیے جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لیے اولًا سجدہ اور سجدہ میں حمد الٰہی کریں گے۔سلام کے معنی سلامت رکھنے والا یعنی مولا تو اپنے بندوں کو سلامتی و امن بخشنے والا ہے۔

۷؎یعنی میرا کام ہے تیرے بندوں کو تیرے حضور سجدہ کرادینا تیرا مطیع بنادینا۔اسلام کے معنی سر بسجود ہونا،مطیع وفرمانبردار بننا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَ تَلَّہٗ لِلۡجَبِیۡنِ"۔مطلب یہ ہے کہ تیرا کام ہے بندوں کو امان دینا میرا کام ہے تیرے بندوں کو تیری امان میں لانا۔سبحان اللہ!کیسی پاکیزہ سفارش وشفاعت ہے خیر الکلام ما قل و دل اچھا کلام وہ ہے جو مختصر ہو مگر جامع ہو۔

۸؎یہ ہے رب تعالٰی کی طرف سے قبول شفاعت یعنی میری پکڑ اور میری معافی صرف تیرے ذریعہ سے ہے جو تیرا ہے وہ میرا ہے جو تیرا نہیں وہ میرا نہیں،مدار نجات صرف تو ہے تیرے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں،تیرے ہوتے ہوئے کوئی دائمی دوزخی نہیں۔

۹؎یہ آیت کریمہ اس فرمان عالی کی تائید ہے کہ بغیر اسلام کے کوئی عمل قبول نہیں۔اس آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جو اسلام پر فوت ہوا اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو مگر وہ خسارہ والوں سے نہیں اس کی بخشش یقینی ہے خواہ اول سے معافی ہو کر یا کچھ سزا پا کر ہو دائمی دوزخ صرف کفار کے لیے ہے۔(مرقات)لہذا انسان کوشش بھی کرے اور دعا بھی کہ موت اسلام پر آوے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہمارا ایک پردہ تھا جس میں چڑیوں کی تصویریں تھیں ۱؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ ہٹادو اسے ۲؎کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے دنیا یاد آتی ہے ۳؎	

۱؎یا تو اس وقت تک تصویر حرام نہ ہوئی تھی یا وہ تصویریں بہت چھوٹی تھیں جو دور سے نظر نہ آتی تھیں اس لیے ہٹائی نہ گئیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جاندار کی تصویر رکھنا تو حرام ہے پھر حضرت عائشہ صدیقہ کے پردہ میں کیوں تھیں۔

۲؎یعنی اس جگہ سے منتقل کردو ہمارے سامنے نہ رکھو اور جگہ رکھو ہٹادو،یہ نہ فرمایا مٹادو،اس وجہ سے جو ابھی عرض کی گئی کہ یا تو اس وقت تصویریں حرام نہ ہوئی تھیں،یا بہت چھوٹی تھیں ایسی چھوٹی تصویریں اب بھی جائز ہیں۔(لمعات)

۳؎یعنی ایسے نقشیں پردے امیروں کے ہاں ہوتے ہیں جس سے ان کی امیری ظاہر ہوتی ہے،یہ پردہ دیکھ کر ہم کو دولت مندی یاد آتی ہے اس لیے یہ میرے سامنے سے ہٹادیا جاوے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوٰجًا مِّنۡہُمۡ زَہۡرَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا"یہ فرمان عالی اس آیت کریمہ پر عمل ہے۔خلاصہ یہ کہ ہمارے گھر میں تکلف شان کی چیزیں نہ رہیں۔

روایت ہے حضرت ابوایوب انصاری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی	

	صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرماؤ اور مختصر فرماؤ ۱ تو فرمایا کہ جب تم اپنی نماز میں کھڑے ہو تو رخصت ہونے والے کی سی پڑھو ۲ اور کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے کل معافی چاہو ۳ اور لوگوں کے قبضے کی چیزوں سے پورے مایوس ہو جاؤ ۴

۱ مقصد یہ ہے کہ بہت سی باتیں نہ تو مجھے یاد رہیں گی نہ میں ان سب پر عمل کرسکوں گا اس لیے ایک دو باتیں ایسی بتائیں جن سے میرے دونوں جہاں درست ہو جاویں۔

۲ یعنی ہر نماز یہ سمجھ کر پڑھو کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو اگلی نماز کا وقت آنے سے پہلے مجھے موت آجاوے۔ظاہر ہے کہ ایسی نماز اچھی طرح دل لگا کر ہی پڑھی جاوے گی،اس میں جواز اور قبول کی شرطیں خوب جمع ہوں گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو چھوڑ کر اور سب سے وداع ہو کر صرف اللہ کی طرف دل لگا کر نماز پڑھو۔

۳ بہت ہی جامع نصیحت ہے یعنی اکثر خاموش رہو اگر بات کرنی پڑے تو اچھی بات کرو کسی کے دل دکھانے والی بات نہ کرو کہ پھر اس سے معافی مانگنی پڑے،خاموش رہنا صدہا گناہوں سے بچالیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کی بات نہ بولو جس سے توبہ کرنی پڑے۔(اشعہ)

۴ یعنی کسی کے مال کی امید ولالچ نہ رکھو تمہارا دل غنی رہے گا تمہیں کسی کی خوشامد نہ کرنا پڑے گی۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرمایا جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تشریف لے گئے ۱ آپ انہیں وصیت فرمارہے تھے اور جناب معاذ سوار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے تھے ۲ ان کے کجاوہ کے نیچے تو جب فارغ ہوئے فرمایا اے معاذ! ممکن ہے کہ تم اس سال کے بعد مجھے نہ ملو غالبًا ۳ تم اب میری مسجد اور میری قبر پر گزرو ۴ تو جناب معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے گھبرا کر بہت روئے ۵ پھر حضور واپس ہوئے تو اپنا چہرہ پاک مدینہ کی طرف کیا ۶ پھر فرمایا کہ لوگوں میں مجھ سے قریب تر لوگ پرہیزگار ہیں جہاں بھی ہوں ۷ ان چاروں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا۔

۱ حضرت معاذ کو یمن کا حاکم اعلیٰ بنا کر بھیجا تو حسب معمول انہیں پہنچانے کے لیے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے اس طرح کہ حضرت معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سوار تھے اور حضور انور پیدل تھے۔

۲ سنت یہ ہی ہے کہ جس کو وداع کرو اسے کچھ دور پہنچانے کے لیے پیدل جاؤ۔میں نے اس جگہ کی زیارت کی ہے جہاں تک حضور پہنچایا کرتے تھے،اس عمل شریف میں اپنے مقرر کردہ حکام کا احترام فرمانا ہے۔

۳ یہاں لعل شک کے لیے نہیں بلکہ یقین کے لیے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا"یا فرماتا ہے:"لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ"۔

۴؎ وقبری میں واؤ بمعنی مع ہے یعنی میری قبر پر آؤ گے جو اسی مسجد میں ہوگی۔(مرقات)اس فرمان عالی میں پانچ غیبی خبریں ہیں: ایک یہ کہ ہم عنقریب وفات پا جائیں گے،دوسرے یہ کہ ہماری وفات مدینہ منورہ میں ہوگی،تیسرے یہ کہ ہماری قبر انور مسجد نبوی شریف میں ہوگی،چوتھے یہ کہ حضرت معاذ ہماری زندگی میں وفات نہ پائیں گے بلکہ ہمارے بعد،پانچویں یہ کہ جناب معاذ ہماری قبر پر زیارت کرنے آئیں گے،یہ پانچوں باتیں علوم خمسہ سے ہیں یہ ہے ہمارے نبی کا علم۔

۵؎ یہ خیال کرکے روئے کہ میں حضور انور سے اب ہمیشہ کے لیے الوداع ہو رہا ہوں۔آج مدینہ منورہ سے چلتے وقت جو حالت حجاج کی ہوتی ہے وہ بیان نہیں ہوسکتی۔شعر

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینے سے	تیرے فدائی نکلتے جب مدینے سے
روضہ اچھا،زائر اچھے،اچھی راتیں اچھے دن	سب کچھ اچھا،ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

حضرت معاذ تو آج مدینہ والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ کے لیے الوداع ہو رہے ہیں۔

۶؎ یعنی میں آگے روانہ ہوا حضور انور واپس مدینہ پاک کی طرف پھرے تو بلند آواز سے یہ فرمایا جو میں نے بھی اپنے کانوں سے سن لیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی تسلی کے لیے تو یہ فرمایا تھا۔

۷؎ اس فرمان عالی کے چند مقصد ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اے معاذ تم اس ظاہری فراق سے غم نہ کرو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو جہاں بھی ہوگے میرے پاس مجھ سے قریب ہی رہو گے۔دوسرے یہ کہ تاقیامت مسلمان تقویٰ پرہیزگاری کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوسکیں گے زبان وطن قومیت ہم سے قریب کرنے کے لیے کافی نہیں،قرآن کے پاس اطاعت کے قدم سے آؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ارادات کے قدم سے پہنچو،ہم صرف مدینہ میں ہی نہیں رہتے ہم تو عاشقوں کے سینہ میں رہتے ہیں۔تیسرے یہ کہ میرے متصل جو خلیفہ بنیں گے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ مجھ سے بہت ہی قریب ہوں گے تم ان کو دیکھ لیا کرنا ان کے رخسار میں میرا جمال دیکھو گے۔(اشعہ و مرقات)بعض حضور کے قرابت دار مکہ میں رہ کر حضور سے دور رہے جیسے ابولہب،بعض دور رہ کر حضور سے قریب رہے جیسے حضرت اویس قرنی۔خیال رہے کہ تقویٰ بہت قسم کا ہے جیسا تقویٰ ویسا حضور انور سے قرب۔تقویٰ کے درجات اس کے اقسام وعلامات ہماری تفسیر نعیمی میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ اللہ تعالٰی جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے ۲؎ تو عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس سے یہ نور پہچانا جاوے،فرمایا ہاں دھوکہ کی جگہ سے دور رہنا،دائمی گھر کی طرف رجوع کرنا ۳؎ اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا ۴؎

۱؎ اس آیت میں ہدایت سے مراد ہدایت خاص ہے جس کے ساتھ توفیق خیر مل جاتی ہے،ہدایت عام تو رب تعالٰی نے ساری مخلوق کو فرمائی اس ہدایت عامہ کے لیے نبی سارے انسانوں کے لیے بھیجے۔

۲؎ اور جب مؤمن کا سینہ کھل جاتا ہے تو عرش وکرسی،لوح وقلم،زمین وآسمان تمام سے زیادہ وسیع ہوجاتا ہے۔حدیث قدسی میں ہے کہ میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں،میں تو مؤمن کے سینہ میں سماتا ہوں یہ اسی نورانی مؤمن کا سینہ ہے۔

۳؎ یعنی اس نور صلبی کی تین علامتیں ہیں: ایک تو دنیا سے دل نہ لگانا، دوسرے آخرت سے دل لگانا۔ دنیا کو **دار الغرور** اس لیے فرمایا کہ اس کا دکھلاوا بہت ہے حقیقت کچھ نہیں، جیسے سراب دور سے پانی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ریت ہوتی ہے یا جیسے پانی کا بُلبُلا کہ دیکھنے میں بہت ابھرا ہوا اندر کچھ نہیں، دنیا سے بادشاہوں، وزیروں، امیروں نے دھوکہ کھایا کہ بہت کچھ جمع کیا بہت محنت بڑی مشقت سے جمع کیا مگر ایک سانس الٹی آگئی آن کی آن میں سب کچھ چھوڑا اور خالی ہاتھ چلے گئے یہ ہے دنیا کا دھوکا۔

خیال رہے کہ حضرت سلیمان وغیرہم کی دنیا انہیں دھوکا نہ دے سکی کہ ان کی دنیا آخرت کی کھیتی تھی کہ اس سے انہوں نے رب کو راضی کرلیا ان کے لیے **دار الغرور** نہیں بلکہ **دار السرور** تھی کہ وہ شاد شاد آئے شاد شاد رہے شاد شاد چلے گئے۔

۴؎ یعنی موت بلکہ علامات موت سے پہلے گناہوں سے توبہ نیک اعمال کا توشہ جمع کرلیتے ہیں۔ ریل آنے سے پہلے سامان تیار رکھتے ہیں، موت یار کے پاس لے جانے والی ریل ہے اس کی آمد سے پہلے سامان تیار کرلو آنے پر کچھ نہ ہوسکے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوخلاد سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنے کی نعمتیں دی گئیں ہیں ۲؎ تو اس سے قرب حاصل کرو کیونکہ اسے حکمت دی جاتی ہے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ ابوخلاد کے نام میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ ان کا نام عبدالرحمٰن ہے (الاصابہ) حق یہ ہے کہ ابوخلاد صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی وہ دنیاوی باتیں کم کرتا ہے ذکر اللہ درود شریف وغیرہ اس میں داخل کہ خدا کرے ان سے زبان ہر وقت تر رہے۔

۳؎ حکمت سے مراد علم باعمل ہے، بعض نے فرمایا شریعت وطریقت کا اجتماع حکمت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص اختیار کرے تو اس کی زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں ان کی صحبت اکسیر ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" حقیقت میں ایسا مسلمان نائب پیغمبر وارث رسول ہے۔ (مرقات)

باب فضل الفقراء و ما کان من عیش النّبیّ صلی اللہ علیہ و سلم

فقیروں کی بزرگی کا بیان۱ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف کیسی تھی۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ فقر کے معنی ہیں خالی ہونا، فقیر وہ جو مال سے خالی ہو۔شریعت میں فقیر وہ ہے جس کے پاس مال کم ہو، طریقت میں فقیر وہ ہے جس کا دل تکبر و غرور سے خالی ہو،اُس میں تواضع،انکسار، مساکین سے محبت ہو فقیر ہے۔صبر اللہ کی رحمت ہے اس کی بہت تعریفیں آئی ہیں اور فقر مع ضجر یعنی بے صبری والا فقر اللہ کا عذاب ہے۔اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ کبھی فقر کفر بن جاتا ہے۔اس باب میں پہلی قسم کے فقراء کی تعریفیں ہوں گی جو مع صبر ہو۔

۲ سبحان اللہ! ان دونوں مضمونوں کا اجتماع بڑا ہی پیارا ہے، فقر محمدی مسلمان کا طرہ امتیاز ہے۔شعر

سروری در دین ماخدمت گری است　　　عدل فاروقی و فقر حیدری است

حق یہ ہے کہ فقیر صابر افضل ہے امیر شاکر سے،قرآن کریم نے فرمایا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے اور صبر کے متعلق فرمایا اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔کسی نے حضور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے پوچھا کہ فقیر صابر افضل ہے یا امیر شاکر،فرمایا ان دونوں سے فقیر شاکر افضل ہے یعنی فقیری بلا نہیں تاکہ اس پر صبر کرو بلکہ اللہ تعالٰی کی نعمت ہے اس پر شکر کرو۔احناف کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور مسکین وہ جس کے پاس بالکل مال نہ ہو، شوافع کے ہاں اس کے برعکس ہے۔(اشعہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اگر آپ چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ رہتے۔(حدیث شریف)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے نکالے ہوئے ۱ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ انہیں بری کرے ۲(مسلم)	

۱ اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیاداروں کے دروازوں پر جاتے ہیں وہاں سے نکالے جاتے ہیں وہ تو رب کے دروازے کے سوا کسی کے دروازے پر نہیں جاتے،بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی حقیقت سے دنیا غافل ہے،اگر وہ کسی کے پاس جاتے تو وہ ان سے ملنا گوارہ نہ کرتا،رب نے انہیں دنیاوالوں سے ایسا چھپایا ہوا ہے جیسے لعل پہاڑ میں یا موتی سمندر میں تاکہ لوگ ان کا وقت ضائع نہ کریں۔

۲ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: کہ ایک یہ کہ وہ بندہ اگر اللہ تعالٰی کو قسم دے کر کوئی چیز مانگے کہ خدایا تجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی یہ کردے تو رب تعالٰی ضرور کردے یہ ہے بندہ کی ضد اپنے رب پر۔دوسرے یہ کہ اگر وہ بندہ خدا کے کام پر قسم کھاکر لوگوں کو خبر دے دے تو خدا اس کی قسم پوری کردے مثلًا وہ کہہ دے کہ خدا کی قسم تیرے بیٹا ہوگا یا رب کی قسم آج بارش ہوگی تو رب تعالٰی ان کی زبان سچی کرنے کے لیے یہ کردے،بعض لوگ بزرگوں کی زبان سے کچھ کہلواتے ہیں حضور کہہ دو کہ تیرے بیٹا ہوگا،کہہ دو کہ تو مقدمہ میں کامیاب ہوگا اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔(اشعۃ اللمعات) حضرت غوث بہاؤالحق ملتانی اور بوڑھی عورت کا واقعہ اس کا ثبوت ہے کہ عورت نے کہا بہاء الحق واپس آجاؤ اللہ کی قسم

آج بارش ہو جائے گی میں بارش کرادوں گی، حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی سیف زبانی تو قرآن کریم میں مذکور ہے،اس کی تحقیق ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت مصعب ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد نے سمجھا کہ انہیں اپنے سے نیچوں پر بزرگی ہے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے کمزوروں کی برکت سے ہی مدد کیے جاتے ہو اور روزی دیئے جاتے ہو ۳؎ (بخاری)	

۱؎ آپ مصعب ابن سعد ابن ابی وقاص ہیں،تابعی ہیں،اپنے والد اور حضرت علی،ابن عمر،طلحہ سے ملاقات ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم، ۱۰۳ھ ایک سو تین میں وفات ہوئی۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ حضرت سعد ابن ابی وقاص مالدار بھی تھے اور بڑے سخی بہادر بھی،ایک بار ان کے دل میں خیال آیا کہ میں فلاں فقیر مہاجر صحابی سے افضل ہوں آپ نے منہ سے کچھ نہ کہا تھا تب حضور انور نے یہ فرمایا اللہ تعالٰی نے حضور کو دلوں کے خطرات پر مطلع فرمایا ہے آپ کا یہ خیال بطور شکر ہوگا نہ کہ بطور فخر مگر چونکہ یہ تصور کہ میں بہادری اور سخاوت میں فلاں سے افضل ہوں آپ کی شان کے لائق نہ تھا اس لیے یہ ارشاد ہوا۔

۳؎ یعنی اے سعد تمہاری سخاوت تو دولت سے ہے اور شجاعت طاقت و قوت سے مگر دولت،قوت،فتح فقراء کی برکت سے وہ تم حضرات کے لیے وسیلہ عظمٰی ہیں اس سے توسل ثابت ہوا۔یہاں مرقات میں فرمایا کہ فقراء مسلمین بندوں کے لیے قطب اور اوطار ہیں جیسے خیمہ میخوں اور قطب چوب سے قائم ہے ایسے ہی دنیا ان لوگوں سے قائم ہے۔فقراء کی برکت سے بندوں کو رزق ملتا ہے،ان کے طفیل بارشیں ہوتی ہیں،غرضیکہ اللہ تعالٰی کی نعمتیں ملنے کا ذریعہ یہ لوگ ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے ۱؎ تو وہاں داخل ہونے والے عمومًا مسکین لوگ تھے اور مالدار روکے ہوئے تھے سوائے اس کے کہ آگ والوں کو آگ کی طرف جانے کا حکم دے دیا گیا تھا ۲؎ اور میں آگ کے دروازے پر کھڑا ہوا تو وہاں عام داخل ہونے والی عورتیں تھیں ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور کا یہ قیام یا تو جسمانی معراج کی رات تھا یا خواب کی معراج میں یا کشف و الہام میں۔(مرقات)

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ مالدار لوگ دو قسم کے ہیں:ایک جنتی،دوسرے دوزخی۔جو مالدار دوزخی ہیں وہ تو دوزخ میں ٹھہرائے گئے جیسے قارون،فرعون،ابوجہل وغیرہ۔جو جنتی ہیں وہ حساب کے لیے روکے ہوئے ہیں،رہے فقراء مسلمان وہ جنت میں بھیج دیئے گئے۔خیال رہے کہ مالدار جنتیوں سے مراد وہ مالدار ہیں جن کا حساب ہونا ہے جن کا حساب ہی نہیں لیا جاتا وہ جنت میں فورًا بھیج دیئے گئے،جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ،یہ بھی خیال رہے کہ یہ چالیس سال مالداروں سے حساب میں صرف نہ ہوں گے رب تعالٰی سارے جہان کا حساب بہت تھوڑی دیر میں لے لے گا پھر ایک مالدار کے حساب میں چالیس سال کیسے خرچ ہوں گے بلکہ ان مالداروں کو حساب کے انتظار میں رکا رہنا پڑے گا جیسے مقدمہ کی تاریخ پر فریقین شام تک انتظار کرتے ہیں کہ کب بلاوا ہو۔

۳؎ کیونکہ عورتیں زیادہ تر دنیا کی طرف مائل ہوتی ہیں اور اپنے خاوندوں بلکہ گھر بھر کو نیکیوں سے روک دیتی ہیں۔ خیال رہے کہ یہ واقعات بعد قیامت ہوں گے مگر حضور انور کی نظر انہیں اس وقت دیکھ رہی ہے کیونکہ پیغمبر کی نظر غائب چیز کو دیکھ لیتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے جنت میں جھانکا ۱؎ تو وہاں کے عام باشندے فقیر لوگ دیکھے ۲؎ اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو وہاں کے اکثر باشندے عورتیں دیکھیں ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہ واقعہ جسمانی معراج کا نہیں کہ اس شب تو حضور انور جنت میں تشریف لے گئے تھے وہاں کی سیر فرمائی تھی یہ خواب کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔

۲؎ کیونکہ حضرات انبیاء کرام کی اطاعت کرنے والے اکثر فقراء ہی رہے، آج بھی دیکھ لو کہ علماء حفاظ وقت پڑنے پر غازی شہید اکثر غریب لوگ ہی ہوتے ہیں، اب بھی مسجدیں، دینی مدرسے غریبوں کے دم سے آباد ہیں، امیروں کے لیے کالج، سینما، کھیل تماشے ہیں فرمان پاک بالکل درست ہے۔

۳؎ اس کی وجہ ابھی بیان کردی گئی کہ عورتیں ناشکری بے صبری زیادہ ہیں عورت بگڑ کر سارے گھر کو بگاڑ دیتی ہے اور سنبھل کر سارے گھر کو سنبھال لیتی ہے، بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔ جنت دوزخ کا یہ داخلہ بعد قیامت ہوگا مگر حضور کی نگاہ شریف نے اسے ملاحظہ فرمالیا۔ ہمارے خواب و خیال سے بھی زیادہ تیز حضور کی نگاہ شریف ہے، ہم خواب و خیال سے اگلی آئندہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فقراء مہاجرین ۱؎ قیامت کے دن مالداروں سے چالیس ۴۰ سال پہلے جنت میں جائیں گے ۲؎ (مسلم)

۱؎ چونکہ سارے مہاجرین فقراء بغیر حساب و عذاب جنتی ہیں اس لیے یہاں مہاجرین کی قید ارشاد ہوئی۔ یہاں مہاجرین سے مراد صحابہ مہاجرین ہیں، رہے دوسرے فقراء تا قیامت ان میں کوئی دوزخی ہے کوئی جنتی اور جنتی بھی بعض اول سے جنت میں جاویں گے بعض سزا پاکر جیسے مجرم و گنہگار فقیر۔

۲؎ اگر مالداروں سے مراد مالدار صحابہ ہیں تو اس کا مطلب ابھی بیان کردیا گیا کہ جن مالداروں کا حساب ہوگا ان سے پہلے فقراء جائیں گے، جنکا حساب نہیں وہ اس میں داخل نہیں اور عام مالدار مراد ہیں تو حدیث بالکل واضح ہے۔ خیال رہے کہ یہ فقراء بعض امیروں سے چالیس سال پہلے اور بعض امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے لہذا یہ حدیث پانچ سو برس والی حدیث کے خلاف نہیں۔ خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں جیسے ربیع موسم بہار کو کہا جاتا ہے۔ خریف بول کر پورا سال مراد لیا جاتا ہے جیسے گردن بول کر پورا جسم مراد لیتے ہیں یعنی جز کے لفظ سے، نام سے کل کو تعبیر کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا جو حضور کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ۱؎ وہ بولا یہ شخص شریف لوگوں میں سے ہے ۲؎ اللہ کی قسم اس لائق ہے کہ اگر پیغام دے تو نکاح کردیا جاوے اور اگر سفارش کرے تو قبول کرلی جاوے ۳؎ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش

رہے ۴؎ پھر دوسرا آدمی گزرا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟۵؎ وہ بولا یارسول اللہ یہ فقیروں مسلمانوں میں سے ہے،اس لائق ہے کہ اگر پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جاوے اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول نہ کی جاوے اور اگر بات کرے تو سنی نہ جاوے ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس جیسے زمین بھر کے آدمی سے بہتر ہے ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ گزرنے والا بھی امیر تھا اور جس سے یہ سوال ہوا وہ بھی امیر ہی تھا یا امیر پرست دنیادار۔غالب یہ ہے کہ دونوں کافر یا منافق تھے ورنہ ایک صحابی سارے جہان کے غیر صحابی مسلمانوں سے افضل ہیں،تمام اولیاء اللہ ایک صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔

۲؎ شریف سے مراد مالدار ہے دنیاوالے لوگ مال کو شرافت سمجھتے ہیں اور مالدار کو شریف جانتے ہیں خواہ وہ کیسا ہی بدتر ہو۔

۳؎ یعنی یہ شخص اپنی امیری کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں عزت والا ہے کوئی اس کی بات ٹالے گا نہیں اگر رشتہ مانگے تو مل جائے گا،اگر کسی کی سفارش کرے گا تو قبول کرلی جائے گی،عوام اہل عرب اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔یہاں عوام کا ذکر ہے نہ کہ حضرات صحابہ کا،حضرات صحابہ کرام کے ہاں تقویٰ و پرہیزگاری سے عزت تھی،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ"۔

۴؎ حضور انور کی یہ خاموشی ناراضی کی تھی جیسا کہ کلام کی روشنی سے معلوم ہورہا ہے۔

۵؎ یہ گزرنے والے کوئی مسکین فقیر صحابی تھے جیسے حضرت بلال،صہیب،عمار بن یاسر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۶؎ کیونکہ یہ شخص غریب و مسکین ہے غریب و مسکین کی بات دنیادار نہیں سنتے۔نہ سننے سے مراد یہ ہی ہے کہ دنیادار اس کی بات نہ سنیں اس کی فقیری کی وجہ سے ورنہ حضرات صحابہ کی بات تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک کے سارے مسلمان سنتے ہیں،ان کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان کی بنیاد ہے،اسلام و قرآن سب ان ہی حضرات سے پھیلا۔

۷؎ یعنی جس کی تو نے تعریف کی اگر ایسے آدمیوں سے روئے زمین بھر جاوے تو ان سب سے یہ آخری اکیلا آدمی افضل و اعلیٰ و اشرف ہے کہ یہ مؤمن متقی صحابی ہے۔اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ وہ پہلا آدمی کوئی امیر کافر تھا یا منافق تھا مؤمن صحابی نہ تھا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضور کی آل مسلسل دو دن جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے ۱؎ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بلکہ ایک دن روٹی ایک دن صرف کھجوریں،پانی یا فاقہ ہوتا تھا،حضور کا یہ فقر و فاقہ اختیاری تھا اگر چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے کے پہاڑ ہوتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اس فقر و فاقہ کو اختیار فرمانے میں تاقیامت فقراء کو تسلی دینا مقصود تھی۔

۲؎ خیال رہے کہ فتح خیبر کے بعد حضور انور ہر زوجہ پاک کو ایک سال کی کھجوریں عطا فرمادیتے تھے کیونکہ خیبر میں باغات کثرت سے ہیں وہاں سے حضور کے حصے کی کھجوریں بہت آتی تھیں۔یہاں مسلسل دو دن تک روٹی سے سیر ہونے کی نفی ہے لہذا یہ حدیث اس واقعہ کے خلاف نہیں کہ وہاں کھجوروں کی عطا ثابت ہے،نیز حضور کے گھر والے ایک دن خود کھاتے تھے دوسرے دن کا کھانا فقراء مسکین کو دیتے تھے۔بہرحال یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں حضور انور پر آخری زمانہ میں دولت کی بارش ہوگئی تھی مگر سب لوگوں پر تقسیم فرمادیتے تھے ان فتوحات سے پہلے طریقہ مبارکہ یہ تھا۔شعر

اور کبھی تھوڑی کھجوریں کھا نا پانی پی کر پھر رہ جانا   دو دو مہینے یوں ہی گزارا صلی اللہ علیہ وسلم

	روایت ہے حضرت سعید مقبری سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ وہ ایک قوم پر گزرے جن کے سامنے بھنی بکری تھی انہوں نے آپ کو بلایا تو آپ نے کھانے سے انکار کردیا۲؎ اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے حالانکہ جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے ۳؎ (بخاری)

۱؎ آپ کا نام سعید ہے،آپ کے والد کا نام کیسان ہے،کنیت ابو سعید یہ دونوں باپ بیٹے تابعی ہیں،چونکہ ان کا گھر قبرستان کے کنارہ تھا اس لیے انہیں مقبری کہتے ہیں۔سعید کی ملاقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،عائشہ رضی اللہ عنھا سے ہے،آخر عمر ان کی عقل میں فتور ہوگیا تھا اس لیے آپ کی بڑھاپے کی روایات معتبر نہیں ہیں،پہلے کی روایات مقبول ہیں۔(از اشعہ،مرقات)

۲؎ انکار کی وجہ آگے آرہی ہے اس وقت کچھ حضور کے ان حالات کا دھیان آگیا تو دل بے قرار ہوگیا،بھونی بکری کھانے کی طرف مائل نہ ہوئے اس لیے نہ کھانا کھایا۔دوسرے اوقات میں حضرت ابوہریرہ نے اچھے کھانے بھی کھائے ہیں،اچھے کپڑے بھی پہنے ہیں،دل کے حالات مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ ہر شخص کو تجربہ ہے۔

۳؎ یعنی مجھے اس وقت خیال یہ آگیا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تو زندگی شریف میں جو کی روٹی سے مسلسل سیر نہ ہوئے اور میں بھونی بکری کھاؤں دل نہیں چاہتا۔ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ فتح خیبر سے پہلے تو آمدنی کم ہونے کی وجہ سے یہ حالت تھی اور فتح خیبر کے بعد ترک دنیا بہت سخاوت کی وجہ سے یہ حالت رہی لہذا حدیث واضح ہے۔خیال رہے کہ یہاں مسلسل نہ کھانے کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے بھنا مرغ بھی کھایا ہے مگر کبھی شاذ و نادر۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی چربی لے کر آئے ۱؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک ذرہ اپنی ایک یہودی کے پاس گروی رکھی اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے جو لئے ۲؎ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس ایک صاع گندم نہ ایک صاع دانہ نے شام کی حالانکہ آپ کے پاس نو بیویاں تھیں ۳؎(بخاری)

۱؎ اھالہ پگھلائی ہوئی چربی اور سنخہ پرانی چربی جس میں پرانی ہونے کی وجہ سے بو پیدا ہوگئی ہو۔معلوم ہوا کہ ایسی چربی حلال ہے کہ یہ مضر صحت نہیں ہوتی مگر سڑا بھنا کھانا صحت کے لیے بہت مضر ہے اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

۲؎ حتی کہ جب حضور انور کی وفات ہوئی تو ذرہ یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوئی حضرت ابو بکر صدیق نے چھڑائی۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے تجارتی لین دین مالی معاملات جائز ہیں اگرچہ ان کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو،یہود کی حرام خوری پر قرآن مجید گواہ ہے "لَیَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوٰلَ النَّاسِ بِالۡبٰطِلِ" مگر حضور انور نے ان سے قرض لیا کفار کے ہدیئے قبول فرمائے۔

۳؎ آل محمد سے مراد حضور کی ازواج پاک ہیں اور یہ واقعہ فتح خیبر سے پہلے کا ہے،فتح خیبر کے بعد حضور انور ہر بیوی صاحبہ کو سال بھر کا خرچ دیدیتے تھے۔(لمعات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ تنگوں والی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے ۱؎ آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہ تھا اور تنگے آپ کی کروٹ میں اثر کرگئے تھے چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے جس کا بھراؤ کھجور کی چھال سے تھا ۲؎ میں نے کہا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رب سے دعا فرمایئے کہ وہ آپ کی امت پر وسعت فرمادے ۳؎ کیونکہ فارس روم پر بڑی وسعت کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے ۴؎ فرمایا اے ابن خطاب تم اس خیال میں ہو ۵؎ یہ وہ قوم ہے جن کے لیے دنیاوی زندگی میں ان کی نعمتیں دے دی گئیں ۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ دنیا ان کے لیے ہو اور آخرت ہمارے لیے ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حصیر چٹائی رومال کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی،ان پتوں کو اردو میں پنگے کہتے ہیں۔

۲؎ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی تکیہ شریف کا غلاف چمڑے کا تھا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی نرم چھال یعنی درخت کھجور کا نرم گودا تھا۔

۳؎ اس عرض و معروض میں یا تو امت کا ذکر زائد ہے۔مطلب یہ ہے کہ آپ پر وسعت فرمادے مگر بے ادبی کے خوف سے امت کا نام لیا،یا مطلب یہ ہے کہ حضور آپ کی امت اس فقر و فاقہ میں آپ کی پیروی نہ کرسکے گی،دعا فرمائیں کہ ان پر اللہ تعالٰی دنیا وسیع کرے انہیں دنیا میں عیش و عشرت نصیب ہو مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے جیسا کہ جواب عالی سے معلوم ہورہا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حضور کے صدقہ سے دنیا بہت ہی فراخ ہوئی،تمام دنیا کے بادشاہ مسلمان بنادیئے گئے جیسا کہ تواریخ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۴؎ یعنی روم و فارس کے بادشاہ کافر ہیں مگر انہیں دنیا بہت دی گئی ہے،وہ عیش و آرام میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے محبوب ہیں حضور کا عیش و آرام ان سے زیادہ چاہیے۔

۵؎ یعنی تمہاری رائے تو ایسی شاندار ہوتی ہے اس کے موافق قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں تم جیسا پختہ اور درست رائے والا کوئی ہی ہوگا،تم بھی یہاں دھوکہ کھاگئے اور کسریٰ و قیصر کی عیش و عشرت والی زندگی کی آرزو رائے ہمارے واسطے کرنے لگے اس لیے یہاں ابن خطاب کے خطاب سے یاد فرمایا نام شریف نہ لیا،ابن خطاب فرمانے میں بھی عجیب ناز و انداز ہے۔

۶؎ یعنی ان کفار کو دنیاوی عیش و آرام عطا فرمانا اللہ تعالٰی کی رحمت نہیں بلکہ عذاب ہے کہ اس کی وجہ سے وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہوگئے،کفر و فسق کے باوجود نعمتیں ملنا ان پر اللہ کا عذاب ہے۔

۷ یعنی کفار کے لیے صرف دنیا ہو ہمارے لیے آخرت بھی ہو۔صوفیاء کے نزدیک دنیا وہ ہے جو اللہ سے غافل کردے،جو مال و دولت آخرت کا توشہ بن جائے وہ دین ہے لہذا اسی حدیث کی بنا پر دولت عثمانی پر اعتراض نہیں ہوسکتا وہ تو عین دین تھی،نیز اللہ تعالٰی نے بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دولت عطا فرمائی جو حضور نے اپنے ہاتھوں سے بانٹیں اب بھی ہم سب حضور کے آستانہ سے پل رہے ہیں،بہرحال یہ حدیث بالکل واضح ہے مؤمن کی دنیا اور ہے کافر کی دنیا اور۔شعر

دونوں کی ہے پرواز اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے ستر صفہ والے صحابہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی پر چادر نہ تھی ۱؎ یا صرف تہبند تھا یا کمبل جسے وہ اپنی گردنوں میں باندھے تھے ۲؎ جن میں سے بعض وہ تھیں جو آدھی پنڈلی تک پہنچتی تھیں،بعض وہ جو ٹخنوں تک پہنچتی تھیں وہ اسے اپنے ہاتھ سے سمیٹے رہتا اس خوف سے کہ اس کا ۳؎ ستر دیکھ لیا جاوے۔(بخاری)

۱؎ صفہ کہتے ہیں چبوترے کو(تھڑہ)مسجد نبوی شریف سے متصل طلباء کے لیے ایک چبوترہ مقرر کیا گیا تھا جہاں یہ علم سیکھنے والے حضرات رہتے تھے انہیں اصحاب صفہ کہتے تھے،ان کی تعداد کل چار سو ہے،ان کے منتظم حضرت ابوہریرہ تھے یہ خود بھی انہیں میں سے تھے،ان حضرات نے اپنے کو دین کے لیے وقف کردیا تھا،مدینہ پاک میں رہتے تو علم سیکھتے تھے ورنہ جہاد میں جاتے تھے،اہل مدینہ ان کو اپنے صدقات و خیرات دیتے تھے۔آج کل بھی دینی مدارس میں یہی ہوتا ہے آج کل کے دینی مدارس کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی قمیص تو کسی کے پاس تھی ہی نہیں صرف تہبند تھا وہ بھی اتنا چھوٹا کہ یہ حضرات اس ایک کپڑے میں پورا جسم ڈھانپنے کی کوشش کرتے تھے۔

۳؎ یعنی یہ لوگ سجدہ ورکوع یا اٹھتے بیٹھتے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے کیونکہ ان کپڑوں کی چوڑائی بہت کم تھی اگر ہاتھ سے نہ پکڑتے تو کھل جاتا ان ہاتھوں میں اسلام پروان چڑھا ہے۔وہ لوگ ناشکرے ہیں کہ بہت نعمتوں کے مالک ہیں پھر اپنے کو غریب ہی کہتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اسے دیکھے جسے اس پر مال و اعضاء میں بڑائی دی گئی ہے تو اسے بھی دیکھ لے جو اس سے نیچے ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا تم اپنے سے نیچے کو دیکھو اپنے سے اوپر کو نہ دیکھو یہ عمل اس کا باعث ہے کہ تم اللہ کی نعمت کی ناقدری نہ کرو ۲؎

۱؎ یعنی اگر تم کبھی ایسے شخص کو جو صحت یا دولت میں تم سے زیادہ ہو اور تم کو اس پر رنج ہو تو فورًا ایسے کو بھی دیکھو جو صحت دولت میں تم سے کم ہے اور خدا کا شکر کرو۔حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس جوتا نہ تھا میں لوگوں کو جوتا پہنے دیکھ کر رورہا تھا،اچانک میں نے اسے دیکھا جس کے پاس پاؤں نہ تھے وہ چوتڑوں سے گھسٹ رہا تھا میں سجدہ میں گر کے شکر کرنے لگا،یہ ہے اس حدیث پر عمل اس سے دل کو بہت تسکین ہوتی ہے۔

۲؎ دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تاکہ تم شکر کرو اور دین کی چیزوں میں اپنے سے اوپر کو دیکھو تاکہ تم اپنی عبادات پر تکبر نہ کرو،اگر تم پنجگانہ نماز پڑھتے ہو تو انہیں دیکھو جو تہجد اور اشراق بھی پڑھتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں فقیر لوگ امیروں سے پانچ سو سال ۱؎ یعنی آدھے دن پہلے جائیں گے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ اس فرمان عالی کا مطلب ابھی کچھ پہلے عرض کیا گیا کہ جن امیروں کا قیامت میں حساب ہوگا ان امیروں سے پانچ سو سال پہلے فقیر لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے لہذا ان امیروں میں حضرت سلیمان علیہ السلام یا حضرت عثمان غنی داخل نہیں کہ ان کا حساب ہی نہیں پھر پیچھے ہونے کے کیا معنی۔خیال رہے کہ گزشتہ حدیث میں چالیس سال پہلے کا ذکر تھا اور یہاں پانچ سو سال کا ذکر ہے کیونکہ فقراء بعضے امیروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے،بعض سے پانچ سو سال پہلے،جیسا امیر ویسا اس کا حساب اتنی ہی اس کے لیے دیر۔یہ بھی خیال رہے کہ یہ دیر حساب کی وجہ سے نہ ہوگی رب تعالٰی سارے عالم کا حساب بہت جلد لے گا یہ ان فقراء کی شان دکھانے کے لیے ہوگی کہ امیروں کو حساب کے نام پر روک لیا گیا اور فقیروں کو جنت کی طرف چلتا کردیا گیا۔

۲؎ یعنی قیامت کا دن ایک ہزار برس کا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ" ہاں بعض کو پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا،ان کے متعلق رب فرماتا ہے:"فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ"اور بعض مؤمنین کو گھڑی بھر کا محسوس ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَذٰلِکَ یَوۡمَئِذٍ یَّوۡمٌ عَسِیۡرٌ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ غَیۡرُ یَسِیۡرٍ"۔(مرقات)لہذا آیات میں تعارض نہیں اور ہوسکتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہو مگر بعض کو ایک ہزار سال کا محسوس ہو،بعض کو اس سے بھی کم حتی کہ ابرار کو ایک ساعت کا محسوس ہوگا جیسے ایک ہی رات آرام والے کو چھوٹی محسوس ہوتی ہے تکلیف والے کو بڑی۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا الٰہی مجھے مسکین زندہ رکھ ۱؎ مسکین ہی وفات دے ۲؎ اور مسکینوں کے ٹولہ میں حشر نصیب کر ۳؎ تو جناب عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیوں ۴؎ فرمایا کہ مسکین لوگ جنت میں غنیوں سے چالیس برس پہلے جائیں گے ۵؎ اے عائشہ مسکین کو خالی نہ پھیرو اگرچہ کھجور کی قاش ہی ہو دے دو ۶؎ اے عائشہ مسکینوں سے محبت کرو انہیں قریب رکھو تاکہ اللہ تعالٰی قیامت میں تمہیں قریب کردے ۷؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید سے **فی زمرۃ المساکین** تک روایت کی۔	

۱؎ یہاں مسکین سے مراد دل کے مساکین ہیں جن کے دلوں میں تکبر نہ ہو نرمی اور تواضع ہو۔متواضع بادشاہ بھی مسکین ہے اور متکبر فقیر مسکین نہیں۔**مسکین** یا بنا ہے **مسکنۃ** سے بمعنی انتہائی متواضع،یا سکون یا سکینہ سے بمعنی وقار قرار اطمینان رضا یا بالقضاء،یہ انسان کی اعلٰی صفتیں

ہیں۔یہود کے متعلق جو مسکنہ آیا ہے اس سے مراد خواری رسوائی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے: " وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ" لہذا حضرت عثمان اگرچہ مال سے غنی ہیں مگر دل سے مسکین و متواضع ہیں۔جب حضور انور کے پاس بہت دولت آئی تب بھی حضور دل کے متواضع رہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔

۲؎ یعنی میرا یہ انکسار و تواضع عارضی نہ ہو دائمی ہو وصال تک قائم رہے کہ میں اپنی نظر میں متواضع ہوؤں اور دوسروں کی نظر میں عظیم الشان۔

۳؎ یہ ہے مساکین کی انتہائی عظمت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ مساکین کو میرے زمرہ میرے گروہ میں اٹھا بلکہ فرمایا کہ مجھے مساکین کے زمرہ میں اٹھا۔ایک بادشاہ فقراء و مساکین صالحین پر گزرا،انہوں نے بادشاہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی،بادشاہ غضب ناک ہو کر بولا تم لوگ کون ہو وہ بولے ہم وہ لوگ ہیں کہ ترک دنیا ہماری محبت ہے اور آخرت چھوڑنا ہم سے عداوت ہے،بادشاہ اس بات سے کانپ گیا اور بولا کہ مجھ میں تم سے عداوت کی طاقت نہیں۔(مرقات) مطلب یہ ہے کہ قیامت میں مساکین کی ایک جماعت ہو ان میں میں بھی ایک ہوں،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کے امام ہیں مگر اپنے کو ان میں سے ایک قرار دینا ان کی عزت افزائی ہے۔

۴؎ یعنی یارسول اللہ حضور اپنے کو مساکین میں محشور ہونے کی دعا کیوں فرمارہے ہیں ان میں کیا خوبی ہے۔

۵؎ لہذا اگر میں بھی مسکینوں کے زمرہ میں ہوا تو جنت میں غنی لوگوں سے چالیس سال پہلے جاؤں گا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازے پر بہت ہی پیچھے پہنچیں گے اولًا اپنی امت کو صراط سے گزار کر وہاں پہنچائیں گے مگر دروازہ جنت بند ہوگا ساری مخلوق دروازہ پر جمع ہوجائے گی،جب حضور انور وہاں نہایت شان سے پہنچیں گے تو دروازہ حضور کے لیے کھلے گا،سب سے پہلے حضور انور پھر انبیاء کرام پھر حضور کی امت بعد میں دوسری امتیں داخل ہوں گی،حضور انور کا یہ فرمان انتہائی تواضع کے لیے ہے۔

۶؎ یعنی جب کوئی مسکین سوال کرنے آئے تو جو میسر ہو اسے دے دو،نہ ہو تو اس سے اچھی بات کہہ دو۔ایک بار ام المؤمنین انگور کھارہی تھیں کہ کوئی سائل آیا آپ کے پاس صرف ایک دانہ انگور بچا تھا آپ نے وہ ہی پیش کردیا،سائل ناراض ہوگیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی "فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ" اور فرمایا انگور تو ذرہ سے بڑا ہے۔(مرقات)

۷؎ معلوم ہوا کہ دنیا میں جو شخص مساکین اولیاء اللہ سے قریب ہوگا وہ کل قیامت میں خدا سے قریب ہوگا۔مولانا فرماتے ہیں شعر

ہر کہ خواہد ہمنشینی باخدا ‎ ‎ ‎ ‎ او نشیند در حضور اولیاء

اس شعر کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو ۱؎ تم اپنے کمزوروں کی وجہ سے ہی روزی اور فتح دیئے جاتے ہو ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ ضعفاء سے مراد وہ نیک مؤمن ہیں جن میں کبھی شیخی شان نہیں ہوتی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے نیک مؤمنوں میں ڈھونڈو میں ان میں ملوں گا۔ڈھونڈو کا مطلب یہ ہے کہ ان فقراء و مساکین کی خدمت کرو جس سے وہ راضی ہوجائیں ان کی مجلسوں میں حاضر رہو۔یہاں مرقات نے بحوالہ ابن مالک فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی توجہ سے تو ہر دم ان مقبولوں کی مجلس میں رہتے ہیں مگر کبھی کبھی جسمًا و صورۃً بھی ان مجلسوں میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔(مرقات)ایسی پاک مجلسوں میں اگر کوئی اجنبی شخص پر نظر پڑے تو اس سے مصافحہ ضرور کرے،ممکن ہے

کہ اس گروہ میں کوئی شہسوار ہو۔حضرت جبریل شکل انسانی میں حضور کی بارگاہ میں آتے تھے،خضر علیہ السلام مختلف انسانی شکلوں میں لوگوں سے ملاقات کرتے رہتے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض امتیوں کے جنازہ میں شرکت کرتے ہیں،حضرت ابوہریرہ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی پہلی محراب ختم ہونے پر ختم شریف کی مجلس میں شرکت فرمائی۔چنانچہ فتاویٰ عزیزیہ کے مقدمہ ص ۱۳ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے۔عبارت یہ ہے نامش پر سید ند گفت ابوہریرہ کہ نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ بودند امروز ختم قرآن عبدالعزیز است ماخواہیم رفت ومراد رجاء دیگر بکارے فرستادہ بودند ازیں جہت تاخیر واقع شد ایں گفت وغائب شد۔فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۳ عرس بزرگاں،میلاد شریف کی مجلسوں،بزرگان دین کی زیارات میں شرکت کرنے کا مقصد یہ ہی ہوتا ہے کہ شاید یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی نصیب ہو جائے۔

گدا بن کر میں ڈھونڈوں تم کو گھر گھر — مرے آقا مجھے چھوڑا ہے کس پر

آخرت میں حضور کے ملنے کے تین مقام ہیں:لب کوثر،میزان،صراط۔دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے کی جگہ بزرگوں کی مجلسیں ہیں ان سے دوری اللہ رسول سے دوری ہے۔مولانا فرماتے ہیں شعر

چوں شدی دور از حضور اولیاء — ایں چنیں واں دور گشتی از خدا

۲؎ کیونکہ ضعفاء میں قطب اور اوتاد ولی ہوتے ہیں،قطبوں اوتادوں سے دنیا کا نظام قائم ہے اگر یہ رہیں تو دنیا رہے جیسے خیمہ چوب اور طناب میخوں سے قائم ہے اگر یہ نہ رہیں تو خیمہ گرجائے آسمان کا خیمہ ان بزرگوں سے قائم ہے۔(مرقات)

روایت ہے امیہ ابن خالد ابن عبداللہ ۱؎ ابن اسید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور فقراء مہاجرین کے توسل سے فتح مانگتے تھے ۲؎(شرح سنہ)۳؎	

۱؎ بعض محدثین نے امیہ بن خالد کو صحابی کہا ہے مگر حق یہ ہے آپ تابعی ہیں،ثقہ ہیں،مکی ہیں یا مدنی، ۸۰ھ کے بعد وفات پائی۔

۲؎ چنانچہ حضور انور جہاد میں یوں دعا فرماتے تھے اللھم انصرنا علی الاعداء بحق عبادك الفقراء المھاجرین۔اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود سب کے وسیلہ عظمیٰ ہیں مگر آپ کا ان کے وسیلہ سے دعا فرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ مقبول بندوں کے وسیلہ سے دعاء کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور افضل بندے اپنے نیک خدام کے وسیلہ سے دعا کیا کریں،صرف نیک اعمال کے وسیلہ پر قناعت نہ کیا کریں۔وسیلہ کی بحث ہماری کتاب "رحمت خدا بوسیلہ اولیاء" میں ملاحظہ کرو۔

۳؎ اس حدیث کو بہت طرح قوت حاصل ہے،رب فرماتا ہے:"لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" اگر مکہ سے یہ فقراء مؤمنین نکل جاتے تو ہم کفار کو عذاب دے دیتے۔معلوم ہوا کہ کفار کا عذاب سے بچارہنا فقراء مؤمنین کی برکت سے ہے۔ابن ابی شیبہ طبرانی نے امیہ ابن عبداللہ سے روایت کی کان صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح بصعالك المسلمین۔امیہ ابن خالد صاحب مشکوۃ کے نزدیک صحابی ہیں اور اگر تابعی بھی ہوں تو نہایت ثقہ ہیں،ایسے ثقہ کی مرسل حدیث بلاد غدغہ قبول ہے۔(مرقات)یہ آیت واحادیث وسیلۂ اولیاء کے لیے اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم کسی بدعمل پر کسی نعمت کی وجہ سے رشک نہ کرو ۱؎ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ مرے بعد کس چیز سے ملے گا ۲؎ اس کے لیے اللہ	

	کے نزدیک نہ مرنے والا جان لیوا ہے یعنی آگ ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ نعمت سے مراد دنیاوی نعمت ہے جیسے اولاد،مال ظاہری،دنیاوی عزت حکومت وغیرہ یعنی اگر کسی بدکار سیاہ کار کو یہ نعمتیں مل جاویں تو تم اس پر رشک نہ کرو،نہ یہ خیال کرو کہ اللہ تعالٰی اس سے راضی وخوشی ہے۔

۲؎ یعنی اس کے لیے یہ نعمتیں بعد موت مصیبت بن جائیں گی جن سے اس کے عذاب میں اور زیادتی ہوگی لہذا یہ نعمت راحت کی شکل میں عذاب ہے۔

۳؎ یعنی ان نعمتوں کا انجام اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے اگر یہ غریب ہوتا تو شاید توبہ کرلیتا راحت وامیری میں توبہ سے محروم رہا لہذا دوزخ میں گیا یا اگر یہ غریب ہوتا تو گناہ کم کرتا۔دولت پاکر گناہ زیادہ کیے دوزخ کے سخت تر طبقے میں گیا،دولت سے دروازے کھل جاتے ہیں مؤمن کے لیے نیکیوں کے کافروں کے لیے گناہوں کے۔**قاتل** سے مراد ایذاء وہ چیز ہے،**لایموت** سے مراد ہے غیر فانی،دوزخ کی آگ کو فنا نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا مؤمن کا جیل خانہ اور اس کی قحط سالی ہے ۱؎ جب مؤمن دنیا چھوڑتا ہے تو جیل اور قحط سے نکل جاتا ہے ۲؎(شرح سنہ)

۱؎ جیسے جیل خانہ میں قیدی کا دل نہیں لگتا اگرچہ وہاں کتنا ہی آرام ہو خواہ اے کلاس کی جیل ہو یا سی کلاس کی،اسی طرح مؤمن دنیا میں دل نہیں لگاتا اگرچہ اسے بڑا ہی آرام ہو لہذا حدیث سے یہ لازم نہیں کہ مسلمان کو دنیا میں تکلیف ہی ہے تکلیف اور چیز ہے دل نہ لگنا کچھ اور چیز،جیسے قحط سالی میں انسانوں کو ذلت قلّت تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی مسلمان کو دنیا میں کوئی نہ کوئی تکلیف رہتی ہی ہے یہ آزمودہ چیز ہے بلکہ تکالیف ناکامیاں ہی انسان کو انسان بناکر رکھتی ہیں،عیش میں غفلت ہوتی ہے تکلیف میں بیداری۔

۲؎ خیال رہے کہ مؤمن کو آخرت میں اس قدر آرام وراحتیں ہیں کہ ان کے مقابل دنیا کی بادشاہت بھی جیل ہے اور کافر کو آخرت میں ایسی مصیبتیں ہوں گی کہ ان کے مقابل دنیا کی سخت سے سخت تکلیف بھی گویا جنت ہوگی،مؤمن مرکر دنیاوی جنجال سے چھوٹتا ہے کافر مرکر جنجال میں پھنستا ہے،موت ایک ریل ہے جو مؤمن کو عیش خانہ اور کافر کو جیل خانہ تک پہنچاتی ہے جیسے ایک ہی ریل میں کسی کی برات جارہی ہے کسی کو پھانسی کے لیے لے جایا جارہا ہے۔

	روایت ہے حضرت قتادہ ابن نعمان سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے بچالیتا ہے ۲؎ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے ۳؎(احمد،ترمذی)

۱؎ آپ بدری صحابی ہیں،حضرت ابوسعید خدری کے ماں شریکے بھائی انصاری ہیں،بیعت عقبہ اور غزوات میں شریک رہے،پینسٹھ سال عمر پائی، ۲۳ھ تئیس میں وفات پائی،آپ افضل صحابہ میں سے ہیں۔(مرقات)

۲؎ اس طرح کہ اس کے دل کو دنیا کی محبت اور غفلت سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ لاکھوں روپیہ کا مالک ہو مگر دل یار سے لگا رہتا ہے،یہ مطلب نہیں کہ اسے کبھی امیر نہیں کرتا،حضرت سلیمان علیہ السلام اور عثمان غنی بڑے مالدار تھے مگر دنیا کی محبت سے محفوظ تھے وہ دنیا میں تھے دنیا ان میں نہ تھی۔

۳؎ یہاں بیمار سے استسقاء کی بیماری والا مراد ہے اسے پانی سے بچایا جاتا ہے،اس کے پیٹ میں پانی نہیں پہنچنے دیا جاتا،یوں ہی اللہ تعالٰی مؤمن کے دل میں دنیا کی محبت نہیں پہنچنے دیتا،مؤمن کا دل تو صرف تجلی گاہ رب العالمین ہے۔

	روایت ہے حضرت محمود ابن لبید سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ دو چیزیں ہیں جنہیں انسان ناپسند کرتا ہے،وہ موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت مؤمن کے لیے فتنے سے بہتر ہے ۲؎ اور مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کو کم کردے گی ۳؎(احمد)	

۱؎ آپ انصاری شبلی ہیں،عہدِ رسالت میں پیدا ہوئے، صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں، ۹۶ھ میں آپ کی وفات ہے۔

۲؎ زندگی وہ اچھی ہے جو رب تعالٰی کی اطاعت میں صرف ہو،کفروطغیان و عصیان کی زندگی سے موت بہتر ہے یہاں یہ ہی مراد ہے۔فتنہ سے مراد ہے گناہ و غفلت وغیرہ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا مانگتے تھے جس کے آخر میں یہ تھاو **اذا اردت بعبادك فتنة فاقبضنی الیك غیر مفتون** مولٰی جب تو اپنے بندوں کو فتنہ میں مبتلا کرے تو مجھے بغیر مبتلا کیے ہوئے موت دیدے۔

۳؎ یہ ان امیروں کے لیے ہے جن کا حساب ہونا ہے،واقعی ایسی امیری سے غریبی اچھی کہ اس غریبی میں جنجال و بال بہت کم ہوتے ہیں،ہاں جن امیروں کا حساب نہیں وہ تو بڑے مزے میں ہیں جیسے حضرت عثمان غنی اور دوسرے امیر المؤمنین۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میں آپ سے محبت کرتا ہوں ۲؎ فرمایا سوچ لو تم کیا کہتے ہو ۳؎ وہ بولا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں ۴؎ تین بار کہا تو فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو کیل کانٹے سے فقیری کیلئے تیار ہوجا ۵؎ یقینًا فقیری مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف تیز دوڑتی ہے بمقابلہ سیلاب کے اپنی انتہاء کی طرف ۶؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،اولًا مدینہ منورہ میں پھر بصرہ میں رہے۔(اشعہ)

۲؎ یہ عرض کرنا یا اس حدیث پر عمل ہے کہ جس سے تم کو محبت ہو اس سے کہہ دو یا اس آیت کریمہ پر عمل ہے "**وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ**"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اللہ تعالٰی کی بڑی سے بڑی نعمت ہے اس کا اظہار وہ بھی حضور انور کے سامنے یہ اس نعمت کا شکریہ ہے ورنہ حضور کو تو پتھروں کے دل کا حال معلوم ہے،فرماتے ہیں احد ہم سے محبت کرتا ہے۔

۳؎ یعنی خوب سوچ کر یہ دعوٰی کرو تم بہت ہی بڑی چیز کا دعوٰی کررہے ہو مجھ سے محبت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

۴؎ محبت سے مراد بہت ہی محبت ہے ورنہ ہر مؤمن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے حضور کی محبت ہی تو اصل ایمان ہے،حضور کی محبت سے ہی خدا کی محبت،کلمہ قرآن کی محبت اسی محبت سے حاصل ہوتی ہے حضور سے تعلق و محبت ایمان کی اصل ہے۔

۵؎ **تجفاف** ت کے کسرہ اور جیم کے سکون سے بمعنی آلات جنگ خود زرہ وغیرہ یعنی تم تیار ہوجاؤ کہ فقیری کے آفات کا مقابلہ کرسکو۔

۶؎ یہاں بھی فقیری سے مراد دل کی مسکینیت ہے اور دل کا محبت مال سے خالی ہوجانا ہے فقیری اور ناداری آفتوں کے برداشت کرنے پر تیار ہوجانا یعنی جسے اللہ میری محبت دیتا ہے اس کے دل سے محبت مال وغیرہ یک دم نکال دیتا ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض صحابہ بلکہ عہد فاروقی میں سارے صحابہ بڑے مالدار تھے تو کیا انہیں حضور سے محبت نہ تھی ضرور تھی،ان سب کے دل محبت مال سے خالی تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ دنیا میں بہت آفات انبیاء کرام پر آتی ہیں اور یہ ہے ان کا محب تو اس پر آفتیں آئیں گی۔

روایت ہے حضرت انس سے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اللہ کی راہ میں بہت ڈرایا گیا جتنا کوئی نہیں ڈرایا جاتا ۱؎ اور میں اللہ کی راہ میں ستایا گیا ایسا کوئی نہیں ستایا جاتا ۲؎ اور مجھ پر تیس دن و رات ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے لیے کھانا نہ تھا جو کلیجے والا کھا سکے سواء اس قدر کے جسے بلال کی بغل چھپائے ہوئے تھی ۳؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ سے روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ بلال تھے اور بلال کے ساتھ اتنا کھانا تھا جسے وہ اپنی بغل میں دبائے ہوئے تھے ۴؎

۱؎ یعنی دین کی تبلیغ قرآن کریم کی اشاعت کے سلسلے میں جتنا کفار نے مجھے ڈرایا ہے اتنا کسی نبی کو ان کی قوم نے نہیں ڈرایا۔

۲؎ اس فرمان عالی سے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ دین کی تبلیغ میں جتنا کفار نے مجھے ستایا اتنا کسی نبی کو نہیں ستایا۔ دوسرے یہ کہ جب کفار مکہ نے مجھے بہت ستایا تب میں اکیلا تھا میرے ساتھ طاقتور مسلمان نہ تھے، جب لوگ ایمان لائے تو کفار کا زور کم ہوگیا انہیں کم ستایا گیا، مرقات نے یہ ہی دوسرے معنی کیے، اشعۃ اللمعات نے پہلے معنی کیے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم سے تکلیفیں اٹھائیں اور حضور انور نے تئیس سال مگر یہ تئیس سال کی تکالیف ان ساڑھے نو سو برس کی تکالیف سے سخت تر ہیں، چونکہ حضور نبیوں کے سردار ہیں اس لیے آپ کی مشکلات بھی زیادہ ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے شعر

بڑوں کو دکھ بہت ہیں چھوٹوں سے دکھ دور   تارے سب نیارے ہیں گہن چاند اور سورج

یعنی چاند سورج کو گہن لگتا ہے تاروں کو نہیں لگتا، بڑوں کو دکھ ہوتا ہے چھوٹوں کو نہیں۔

۳؎ یہ واقعہ ہجرت کا نہیں ہے کیونکہ ہجرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ابو بکر صدیق تھے حضرت بلال ساتھ نہ تھے بلکہ یہ واقعہ طائف شریف تبلیغ کے لیے تشریف لے جانے کا ہے۔ خیال رہے کہ نبوت کے دسویں سال جناب ابوطالب کی وفات ہوئی اور پانچویں دن حضرات ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ہوگئی، حضور نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا یعنی رنج و غم کا سال۔ تین ماہ کے بعد آخر شوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت زید ابن حارثہ تھے، آپ نے طائف کے سردار بنی ثقیف کے معتمد شخص عبید یالیل ابن عبد کلال کو تبلیغ کی اس نے آپ کے پیچھے طائف کے آوارہ لوگ اور وہاں کے لونڈے لگادیئے جنہوں نے حضور انور کو پتھروں سے زخمی کردیا، جناب زید ابن حارثہ نے آپ کو بچالیا تو ان کا سر زخموں سے چور ہوگیا تب جبریل امین نے آکر عرض کیا یارسول اللہ حکم دیں تو ہم طائف کے پہاڑوں کو ملادیں جس سے یہ لوگ پس جاویں، فرمایا اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ممکن ہے ان کی اولاد مسلمان ہوجائے۔ شعر

الہٰ العالمین کر رحم طائف کے مکینوں پر   الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

وہ واقعہ بھی یہاں مراد نہیں کیونکہ اس سفر میں حضرت بلال حضور کے ساتھ نہ تھے بلکہ حضرت زید ابن حارثہ ساتھ تھے، یہاں طائف کا کوئی اور سفر مراد ہے جس میں حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (لمعات، مرقات) بعض نے فرمایا حضور نے طائف کے بہت سفر کیے ہیں۔ ذو کبد فرما کر یہ بتایا کہ ہم دونوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو کوئی جانور بھی کھاسکے چہ جائیکہ انسان کھائے۔

۴؎ ظاہر ہے کہ بغل میں کھانا بہت ہی تھوڑا سا سمائے گا چار چھ روٹیاں اتنا کھانا اور تیس دن دو صاحبوں کا گزارہ۔ اس سید الصابرین پر لاکھوں سلام ہوں اللہ تعالٰی ہم تمام کی طرف سے جزا الجزاء عطا فرمائے کہ تبلیغ میں ایسی مشقتیں اٹھائیں جن کی مثال نہ ملے گی۔

	روایت ہے حضرت ابو طلحہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی تو ہم نے اپنی پیٹ سے ایک ایک پتھر اٹھایا۱ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے دو پتھر دکھائے ۲(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱یہ واقعہ غزوہ خندق کا نہیں کیونکہ اس غزوہ میں تو حضرت ابو طلحہ کے گھر تمام خندق کھودنے والے بلکہ تمام اہل مدینہ کی دعوت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے کہ چار سو جو کی روٹیوں سے سارے اہل مدینہ کو شکم سیر فرمادیا یہ کسی اور غزوہ کا واقعہ ہے۔

۲یعنی تمام صحابہ کو ایک ایک دن کا فاقہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن یا زیادہ کے لگاتار فاقے تھے۔بہت روز تک نہ کھانے سے انسان میں کھڑے ہونے کی قوت نہیں رہتی پیٹ پر پتھر باندھنے سے کھڑا ہونا ممکن ہوجاتا ہے اسے ہم لوگوں نے نہیں آزمایا یہ کام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کرگئے ہم کو ایسی نعمتیں کھلاتے ہیں کہ **سبحان اللہ**!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہیں بھوک نے گھیر لیا۱ تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چھوہارا دیا۲(ترمذی)

۱یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے یا کسی اور غزوہ کا جس میں سفر بہت دراز تھا۔**واللہ ورسولہ اعلم**!

۲کہ چوبیس گھنٹے میں ایک چھوہارا کھا کر گزارہ کریں یہ غذا اور دراز سفر پھر اس پر جہاد وہ حضرات قوت قدسیہ سے ہی جہاد کرتے ہوں گے انسانی طاقت سے یہ بات باہر ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان صفہ والوں کو کبھی ایک ایک کھجور ہی عطافرماتے تھے اور یہ حضرات اسی پر دن رات نکال لیتے تھے اور علم سیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جس میں دو عادتیں ہوں اسے اللہ شاکر صابر لکھتا ہے ۱جو اپنے دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے تو اس کی پیروی کرے ۲اور اپنی دنیا میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے تو اللہ کا شکر کرے اس پر کہ اللہ نے اسے اس شخص پر بزرگی دی ۳تو اللہ اسے شاکر صابر لکھے گا اور جو اپنے دین میں اپنے سے کم کو دیکھے اور اپنی دنیا میں اپنے سے اوپر کو دیکھے تو فوت شدہ دنیا پر غم کرے اللہ تعالٰی اسے نہ شاکر لکھے نہ صابر ۴(ترمذی)ابوسعید خدری کی حدیث کہ اے فقراء مہاجرین خوش ہوجاؤ اس باب میں ذکر ہوچکی جو فضائل قرآن کے بعد ہے ۵

۱یعنی شکر اور صبر دونوں کا ایک شخص میں بیک وقت جمع ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ شکر تو نعمت ملنے پر ہوتا ہے اور صبر نعمت نہ ملنے یا چھن جانے پر ملتا ہے مگر جو ان دو چیزوں پر عمل کرے گا وہ بیک وقت صابر بھی ہوگا اور شاکر بھی،یہ ہے گویا اجتماع ضدین۔

۲یعنی اگر تم اچھے کام کرتے ہو تو ان پر فخر نہ کرو بلکہ ان حضرات کو دیکھو جو تم سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ۔لہذا ہر مسلمان حضرات صحابہ واہل بیت کے اعمال میں غور کرے کہ انہوں نے کیسی نیکیاں کیں تاکہ اس میں غرور نہ پیدا ہو اور زیادہ نیکیوں کی کوشش

کرے،اس کی وجہ سے رب تعالٰی اسے صابر لکھے گا کہ جب یہ شخص ان بزرگوں کے سے کام نہ کرسکے گا تو افسوس کرے گا یہ اس کا صبر ہوگا۔ہم حضرات صحابہ کو دیکھ کر افسوس کریں کہ اس وقت ہم نہ ہوئے،ہم بھی حضور کے جمال سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے،انکے قدموں پر جان فدا کرتے یہ ہے صبر۔شعر

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن مگر کریں کیا نصیب میں تو نامرادی کے دن لکھے تھے

۳؎ اس چیز کے سوچنے سے اس پر بڑی سے بڑی مصیبت آسان ہو جاوے گی اور وہ رب تعالٰی کا شکر ہی کرے گا۔ہم نے آزمایا ہے کہ کسی کا جوان بیٹا فوت ہو جائے اسے صبر نہ آوے وہ حضرت علی اکبر کی شہادت میں غور کرے ان شاءاللہ فورًا صبر نصیب ہوگا بلکہ اپنے آرام پر شکر کرے گا۔

۴؎ بلکہ ایسے شخص کی زندگی حسد جلن،بے صبری اور دل کی کوفت میں گزرے گی،امیروں کو دیکھ کر جلتا بھنتا رہے گا کہ ہائے میرے پاس مال کم ہے اور اپنی عبادت پر فخر کرے گا کہ فلاں بے نماز ہے اور میں نمازی ہوں میں اس سے کہیں اچھا ہوں،یہ ہے اس کا تکبر،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ"۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص دنیا کی کمی پر رنج کرے وہ ایک ہزار سال کی راہ دوزخ سے قریب ہو جاوے گا اور جو شخص دینی کوتاہی پر رنج کرے گا وہ جنت سے ایک ہزار سال کی راہ قریب ہو جاوے گا۔(مرقات یہ ہی مقام)خیال رہے کہ دین میں ترقی کرنے کی کوشش کرنا منع نہیں بلکہ مالداروں کی مالداری پر رشک کرنا ممنوع ہے۔

۵؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں مذکور تھی ہم نے وہاں بیان کردی کہ وہ وہاں کے زیادہ مناسب تھی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوعبدالرحمٰن حبلی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو کو سنا ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ہم فقراء مہاجرین سے ۲؎ نہیں ہیں تو اس سے عبداللہ نے فرمایا کہ کیا تیری بیوی ہے جس کی طرف تو رجوع کرے وہ بولا ہاں،فرمایا کیا تیرے پاس گھر ہے جس میں تو رہے بولا ہاں،فرمایا تب تو تو امیروں میں سے ہے ۳؎ وہ بولا کہ میرے پاس غلام بھی ہے فرمایا تو تو بادشاہوں سے ہے ۴؎ عبدالرحمٰن کہتے ہیں ۵؎ کہ تین شخص حضرت عبداللہ ابن عمرو کے پاس آئے میں انکے پاس تھا ۶؎ انہوں نے عرض کیا اے ابو محمد اللہ کی قسم ہم کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے نہ خرچہ پر نہ گھوڑے پر نہ اور سامان پر ۷؎ تو آپ نے ان سے فرمایا تم جو چاہو ۸؎ اگر چاہو تو ہمارے پاس پھر آنا ہم تم کو وہ دیں گے جو اللہ نے تمہارے لیے میسر فرمایا ۹؎ اگر چاہو تو ہم تمہاری حالت کا ذکر بادشاہ سے کریں ۱۰؎ اگر چاہو صبر کرو ۱۱؎ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن مہاجر فقراء

	جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے پہنچیں گے ۱۲؎ تو وہ بولے کہ ہم صبر کریں گے کچھ نہ مانگیں گے ۱۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن زید ہے، تابعی ہیں، مصری ہیں، ابوایوب انصاری، ابوذر غفاری، عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے، افریقہ میں ۱۰۰ھ میں وفات پائی، بڑے متقی عالم زاہد تھے۔

۲؎ یعنی جن فقراء کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے میں بھی ان فقراء سے ہوں اور جو بشارتیں حضور نے مہاجرین کے لیے دی ہیں میں بھی ان مہاجرین میں سے ہوں مجھ میں یہ دونوں وصف جمع ہیں۔

۳؎ یعنی ان فقراء مہاجرین کے پاس نہ بیوی تھی نہ رہنے کا مکان اس فقر و فاقہ پر وہ قانع تھے تو تو ان کے برابر کیسے ہوسکتا ہے۔

۴؎ رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا" اے اسرائیلیو تمہیں اللہ نے بادشاہ بنایا۔ وہاں ملوك کے معنی کیے گئے ہیں گھربار اور نوکر خادم والا، بنی اسرائیلی رو سے اسے ملک کہتے تھے جس کے پاس بیوی گھر اور نوکر ہوتا تھا۔

۵؎ کاتب نے عبدالرحمٰن لکھا، صحیح ہے ابو عبدالرحمٰن۔

۶؎ ان آنے والوں کے نام معلوم نہ ہوسکے، غالبًا یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور یہ لوگ حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کچھ مانگنے آئے تھے۔

۷؎ نفقة سے مراد نقد رقم ہے درہم دینار، دابة سے مراد جہاد کے لیے گھوڑا ہے اور متاع سے مراد دوسرا سامان جسے فروخت کرکے گزارہ کرلیا جائے۔ (مرقات) ان لوگوں نے اپنی فقیری تو بیان کردی صراحۃً سوال نہ کیا یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے۔ مانگنے کے تین طریقے ہیں: صراحۃً مانگنا ہمیں یہ دے دو، اپنی فقیری بیان کرنا، سامنے والے کی سخاوت بیان کرکے اس کے بال بچوں کو دعائیں دینا، آخری طریقہ بہت کامیاب ہے اس طرح کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے اس لیے درود شریف پڑھنا بہترین دعا ہے، اگر کوئی شخص ساری دعائیں چھوڑ کر صرف درود شریف پڑھا کرے ان شاءاللہ دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ پائے گا۔

۸؎ یعنی جو تم چاہو میں وہ ہی کروں۔ ہوسکتا ہے کہ ما استفہامیہ ہو یعنی تم کیا چاہتے ہو بتاؤ، مرقات نے پہلے معنی کیے، اشعۃ اللمعات نے دوسرے معنی۔

۹؎ یعنی ابھی تو ہمارے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ ہے نہیں پھر کسی اور وقت آنا ان شاءاللہ جو ممکن ہوگا ہم تم کو دیں گے حضرات صحابہ بہت سخی تھے۔

۱۰؎ یہاں بادشاہ سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اس وقت آپ ہی بادشاہ تھے۔ (اشعہ) آپ کی سخاوت اور امیری ضرب المثل بن چکی تھی، حضرات اہل بیت اطہار خصوصًا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بیک وقت پانچ پانچ لاکھ دینار نذرانہ دیئے ہیں، دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہاری سفارش امیر معاویہ سے کردیں وہ تم کو بیت المال سے مالامال کردیں یا تم کو کسی محکمہ میں ملازم رکھ لیں۔

۱۱؎ اس طرح کہ نہ ہم سے مانگو نہ امیر معاویہ کے خزانہ سے کچھ لو، اپنی اس فقیری پر راضی رہو، اپنے ہاتھ کی کمائی سے گزارہ کرو۔ صبر یا توکل کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاوے غیبی دستر خوان کا انتظار کرتا رہے، رب تعالٰی نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں کمانے کے لیے ان سے مال اور اعمال دونوں کماؤ۔ شعر

گر توکل مے کنی در کار کن　　　کسب کن بس تکیہ بر جبار کن

۲؎ یہاں مالداروں سے مراد ہیں مہاجرین مالدار یعنی فقراء مہاجرین امراء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے تو دوسرے امیروں سے تو بہت ہی پہلے جائیں گے۔(مرقات) غالبًا یہ لوگ کسی اور جگہ کے مہاجر تھے مکہ معظّمہ سے ہجرت فتح مکہ کے بعد ختم ہوچکی تھی اور مہاجرین مکہ فاروقی و عثمانی خلافتوں میں مالامال ہوچکے تھے یہ لوگ کسی اور کافر ملک کے مہاجر ہوں گے۔و اللہ اعلم!

۳؎ یعنی ہم اب نہ تو آپ سے کچھ مانگیں گے نہ بادشاہ اسلام سے نہ کسی اور سے،ہم اس فرمان عالی پر عمل کرکے اپنے کمائے پر قناعت کریں گے تا قیامت حضور کے فرمان عالی میں اثر ہے ان فرمانوں کے اثر سے ہی آج ایمان،عرفان،شریعت و طریقت کا بقا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ اس حالت میں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور مہاجرین فقراء کا ایک حلقہ بیٹھا تھا ۱؎ کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضور ان کی طرف ہی بیٹھے میں بھی انہیں کی طرف اٹھ گیا ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقراء مہاجرین اس کی خوشی منائیں جو ان کے چہروں کو کھلا دے ۳؎ کہ وہ جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے،فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے رنگ دیکھے چمک سے کھل گئے تھے ۴؎ عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ حتی کہ میں نے آرزو کی کہ میں ان کے ساتھ یا ان میں سے ہو جاؤں ۵؎ (دارمی)	

۱؎ یعنی فقراء مہاجرین حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔خیال رہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں صفیں بناکر بیٹھنا چاہیے اسی صورت میں حلقے بنانا ممنوع ہے مگر ذکر یا تلاوت قرآن کے لیے حلقے بناکر بیٹھنا چاہیے۔نمازی لوگ مقربین فرشتوں کی مثل ہوتے ہیں،مقرب فرشتے صف بستہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ذاکرین لوگ جنتی لوگوں کے مشابہ ہیں جنتی لوگ حلقے بناکر بیٹھا کریں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِخْوٰنًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ"یہ حضرات اس وقت ذکر یا علمی باتیں کررہے تھے۔قعود جمع ہے قاعد کی جیسے رقود جمع راقد کی یا وقود جمع واقد کی۔

۲؎ میں تو مسجد کے اور کنارہ پر تھا وہ حضرات دوسرے کنارے پر،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف نہ لائے ان کے پاس بیٹھے تو میں بھی وہاں ہی پہنچ گیا۔

۳؎ یعنی ابھی تمہارے چہرے مرجھائے ہوئے ہیں ہم تمہیں وہ خوشی کی خبر سناتے ہیں جس سے تمہارے چہرے خوشی سے کھل جاویں۔شعر

اس کی باتوں کی لذت پر دائم درود — اس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

۴؎ اسفرت بنا ہے اسفرار سے بمعنی چمکنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وُجُوۡہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ"۔

۵؎ یعنی ہمیشہ ان فقراء میں سے ہی رہوں کبھی امیر نہ بنوں،اس فرمان عالی کی شرح پہلے کی جاچکی ہے۔

روایت ہے حضرت ابی ذر سے فرمایا مجھے میرے محبوب نے ۱؎ سات چیزوں کا حکم دیا ۲؎ مجھے مسکینوں سے محبت اور ۳؎ ان سے قرب کا حکم دیا ہے اور مجھے حکم دیا کہ اپنے سے ادنی کو دیکھو اور اپنے سے اوپر کو نہ دیکھو ۴؎ اور مجھے حکم دیا کہ رشتوں کو جوڑوں اگرچہ وہ رشتہ دور کا ہو ۵؎ اور مجھے	

	حکم دیا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں ۶؎ اور مجھے حکم دیا کہ حق بات کہوں اگرچہ کڑوی ہووے ۷؎ اور مجھے حکم دیا کہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں ۸؎ اور مجھے حکم دیا کہ یہ زیادہ کہا کروں نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر اللہ سے کیونکہ یہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے ۹؎ (احمد)

۱؎ خلیل سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خلیل وہ جس کی محبت دل کے اندرون میں داخل ہو جاوے۔ یہ بنا ہے خلۃ سے بمعنی کشادگی، دل کی کشادگی بھر دینے والی محبت خلۃ ہے، خلیل وہ جو محبوب بھی ہو مطاع بھی، خلیل کے بہت معنی ہیں یہاں بمعنی محبوب ہے۔

۲؎ یہ حکم استحبابی ہے اور سارے مسلمانوں کو ہے حضرت ابوذر کی معرفت، ہو سکتا ہے کہ حکم وجوبی ہو اور حضرت ابوذر کے لیے خاص ہو۔

۳؎ مساکین کے معنی ابھی عرض ہو چکے۔ دل میں نخوت و غرور نہ ہو لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت بلال سے تو محبت ہو اور حضرت عثمان غنی سے محبت نہ ہو۔ قرب سے مراد دلی قرب ہے یا جسمانی قرب یعنی مساکین کی صحبت میں رہنا، مساکین کی صحبت دل میں مسکینیت پیدا کرتی ہے۔

۴؎ یعنی دنیاوی مال و متاع عزت وجاہ میں اپنے سے کم حیثیت والوں کو دیکھو جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، دینی کاموں میں اپنے سے زیادہ کو دیکھنا چاہیے جیسا کہ گزر چکا۔

۵؎ رشتوں سے مراد رشتہ دار ہیں، جوڑنے سے مراد ہے ان سے اچھا سلوک کرنا، ان کی بدسلوکی پر نظر نہ کرنا، اس کی تفسیر ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا برتاؤ اپنے بھائیوں سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاوا فتح مکہ کے بعد قریش سے۔

۶؎ کسی سے مراد دنیادار لوگ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا ہر ایک کے لیے فخر ہے، حضور کا دروازہ وہ ہے جہاں بادشاہ بھیک مانگتے ہیں۔ شعر

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھادو جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

۷؎ اپنے متعلق اور دوسروں کے متعلق ہمیشہ حق بات کہو، اپنا قصور ہو تو فورًا مان لو، اپنے متعلق حق کہنا بہت مشکل ہے۔ کڑوی سے مراد ہے اپنے پر کڑوی یا دوسرے پر کڑوی۔

۸؎ یعنی دنیاوی وجاہت والے کا خوف مجھے حق کہنے سے نہ روکے۔ رہے اللہ والے لوگ اگر کبھی ان کا کوئی عمل بظاہر خلاف معلوم ہو تو اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرے بہت دفعہ ان کے بعض اعمال غلط معلوم ہوتے ہیں مگر در حقیقت بالکل درست ہوتے ہیں جیسے رمضان میں حضرت بایزید بسطامی کا لوگوں کے سامنے روٹی کا ٹکڑا کھالینا بالکل حق تھا کہ آپ مسافر تھے اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنی عقیدت سے ہٹادیا، حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ تو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

۹؎ یعنی لاحول شریف جنت کی اعلیٰ نعمت ہے جو عرش اعظم کے نیچے محفوظ ہے، عرش اعظم جنت الفردوس کی چھت ہے، اس کی برکت سے دل کو چین روح کو خوشی نصیب ہوتی ہے، اس میں بندہ اپنی قوت وطاقت سے الگ ہو کر اللہ کی قوت وطاقت پر بھروسہ کرتا ہے۔ وسوسہ کی بیماری کے لیے یہ عمل مجرب ہے کہ بعد نماز فجر و مغرب لاحول شریف ۷، ۷ بار پانی پر دم کر کے پانی پی لیا کرے ان شاء اللہ یہ بیماری جاتی رہے، تیسرے کلمہ کا یہ جز ہے تیسرے کلمہ کی عظمت معلوم ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

	کو دنیا کی تین چیزیں پسند تھیں کھانا،بیویاں،خوشبو ۱؎ تو آپ نے دو چیزیں تو پالیں اور ایک نہ پائی بیویاں اور خوشبو پالیں اور کھانا نہ پایا ۲؎(احمد)

۱؎ان تین چیزوں سے محبت سنت ہے:اپنی بیوی سے محبت تقویٰ کی اصل ہے،جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا وہ بدکار ہوجاتا ہے۔خوشبو کا تعلق روحانیت سے ہے جس قدر روحانیت قوی ہوگی اسی قدر خوشبو بھی پیاری ہوگی،اب بھی دیکھا گیا ہے کہ مقبول بندوں کو خوشبو پیاری ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی بیویاں اور خوشبو تو بہت کثرت سے پائیں مگر کھانا کثرت سے نہ پایا،یہاں اصل پانے کی نفی نہیں بلکہ مبالغہ کی نفی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے تین چیزیں پیاری کی گئیں:خوشبو، بیویاں ۱؎اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ۲؎(احمد نسائی)اور ابن جوزی نے حبب الی کے بعد من الدنیا زیادہ کیا۔

۱؎حبب فرماکر بتایا کہ یہ محبت ہمارے نفس کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے،رب تعالٰی نے ان چیزوں کو ہمارا محبوب بنا دیا۔

۲؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے رغبت طبعی جبلی تھی،رب تعالٰی ان کے صدقہ سے ہم گنہگاروں کو بھی نصیب کرے،نماز،مسجد سے محبت ایمان کی علامت ہے۔خیال رہے کہ پہلی حدیث میں بیوی،خوشبو،کھانے کو دنیا کی چیزیں قرار دیا گیا تھا یہاں دنیا کا لفظ نہیں کیونکہ نماز دنیا کی چیز نہیں یہ خالص دینی کام ہے۔جن لوگوں نے ان تینوں کو دنیاوی کاموں میں داخل کیا ہے وہ غلط ہے اس کا ثبوت حدیث شریف میں کہیں نہیں۔(اشعۃ اللمعات)بلکہ بیویوں اور خوشبو کو دنیا فرمانا اس لیے ہے کہ ان سے تعلق دنیا میں رہتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حضور کی خوشبوئیں دین تھیں کہ دین میں مددگار تھیں۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا کہ تم عیش پسندی سے بچنا ۱؎ اللہ کے بندے عیش و عشرت میں مشغول نہیں ہوتے ۲؎(احمد)روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کے تھوڑے رزق پر راضی ہوگا تو اللہ اس کے تھوڑے پر راضی ہوگا ۳؎(بیہقی)

۱؎یعنی تم یمن میں گورنر بن کر جارہے ہو مگر حکام کی سی عیش و آرام کی زندگی اختیار نہ کرنا،سادہ غذا سادہ لباس رکھنا تاکہ نفس موٹا اور تم غافل نہ ہوجاؤ۔سادہ زندگی سے انسان دین و دنیا میں آرام سے رہتا ہے۔افسوس! آج مسلمان یہ سبق بھول گئے۔ہمارے کالجوں میں فیشن پرستی،زیادہ خرچ کرنا سکھایا جاتا ہے،طلباء تعلیم سے فارغ ہوکر خوب فضول خرچ بن کر نکلتے ہیں پھر مہذب ڈاکو شریف بدمعاش بنتے ہیں اور اگر نوکری مل گئی تو رشوتوں سے ملک کو ویران کرتے ہیں،ان کے خرچ اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ تنخواہ سے پورا نہیں پڑتا،رشوتوں سے خرچہ پورا کیا جاتا ہے،اگر معمولی خرچ کریں تو یہ نوبت نہ آئے۔

۲؎ یعنی اللہ کے بندے ہر حال میں خصوصًا امیر یا حاکم بن کر عیش پسند نہیں ہوتے،اگر حکام غافل اور عیش پسند ہو جائیں تو رعایا تباہ ملک برباد ہو گا۔اللہ تعالٰی کفار کے متعلق فرماتا ہے:"یَاۡکُلُوۡنَ کَمَا تَاۡکُلُ الۡاَنۡعٰمُ"۔خیال رہے کہ اچھا کھانا اچھا پینا اور چیز ہے مگر عیش پسندی کچھ اور چیز،یوں ہی عمدہ غذا و لباس اور ہے سادہ غذا و لباس کچھ اور،اللہ دے تو اچھا کھاؤ پہنو مگر سادگی کے ساتھ اور پھر اچھے کھانے پینے کے عادی نہ ہو جاؤ کبھی پلاؤ کھاؤ،کبھی دال،کبھی چٹنی،کبھی پراٹھے اور قورمہ۔

۳؎ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کی رضا دو قسم کی ہے:رضاء ازلی،دوسری رضاء ابدی۔اللہ کی رضا ازلی ہماری رضا سے پہلے ہے جب وہ ہم سے راضی ہوتا ہے تو ہم کو نیکیوں کی توفیق ملتی ہے مگر رضاء ابدی ہماری رضاء کے بعد ہے،جب ہم اللہ سے راضی ہو جاتے ہیں نیکیاں کر لیتے ہیں تو وہ ہم سے راضی ہوتا ہے۔یہاں رضا ابدی کا ذکر ہے اس لیے بندے کی رضا پہلے بیان ہوئی اور اس آیت کریمہ میں"رَضِیَ اللہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ"رضاء ازلی کا ذکر ہے اس لیے وہاں رضاء الٰہی کا پہلے ذکر ہے۔(مرقات)حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر تم معمولی روزی پاکر بہت شکر کرو تو رب تعالٰی تمہارے معمولی اعمال کی بہت قدر فرمائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بھوکا یا حاجت مند ہو پھر اسے لوگوں سے چھپائے ۱؎ تو اللہ تعالٰی کے ذمہ کرم پر یہ ہے کہ اسے ایک سال کی حلال روزی عطا فرمائے گا ۲؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یہاں بھوک سے مراد ہے قابل برداشت بھوک جس سے ہلاکت نہ ہو،اس کا چھپانا اور خود کما کر پیٹ بھرنا بہتر ہے لیکن اگر بھوک سے جان نکل رہی ہے تو اس کا ظاہر کرنا کسی سے کچھ لے کر بقدر ضرورت کھالینا فرض ہے،اگر چھپائے گا اور بھوکا مر جائے گا تو حرام موت مرے گا۔(مرقات)لہذا فقہاء کا یہ فتویٰ اس حدیث پاک کے خلاف نہیں حدیث کی سچی فہم ضروری ہے۔

۲؎ یہ فرمان بالکل درست ہے اور مجرب ہے اپنی فقیری چھپانے والے بفضلہٖ تعالٰی امیر ہو جاتے ہیں کبھی جلد اور کبھی دیر سے مگر فقط چھپانے پر کفایت نہ کرے کمانے کی کوشش کرے،یہ سال بھر کی روزی آسمان سے نہیں برسے گی بلکہ اسباب سے ملے گی۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بال بچوں والے غریب مسلمان سے بہت محبت فرماتا ہے ۱؎(ابن ماجہ)	

۱؎ جو مؤمن صاحب عیال کثیر البال(بہت فکر مند)فقیر الحال ہو پھر سوال سے بچے تو وہ صاحب کمال ہے،محبوب رب ذوالجلال ہے کہ کسی سے رب کی شکایت نہیں کرتا راضی بہ رضا رہتا ہے مگر یہ عمل ہے بہت مشکل۔

روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر نے پانی مانگا تو ایسا پانی لایا گیا جو شہد سے مخلوط تھا ۲؎ فرمایا یہ بہت اچھا ہے مگر میں اللہ عزوجل کو سن رہا ہوں کہ اس نے لوگوں پر ان کی خواہشات سے عیب لگایا ۳؎ کہ فرمایا کہ تم اپنی پسندیدہ چیز اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے ان سے نفع لے چکے،میں ڈرتا ہوں ۴؎ کہ ہماری نیکیاں	

	جلدی دے دی گئی ہوں چنانچہ آپ نے وہ نہ پیا۵؎ (رزین)

۱؎ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں،مدنی ہیں،تابعی ہیں،بڑے فقیہ عالم محدث اور زاہد و متقی ہیں،۱۳۶ھ ایک سو چھتیس میں وفات پائی۔(مرقات،اکمال)

۲؎ یعنی بجائے سادہ پانی کے شہد کا ٹھنڈا شربت لایا گیا۔

۳؎ یعنی اس وقت مجھے پیاس بھی ہے اور یہ شربت لذیز بھی ہے دل پینے کو بہت چاہ رہا ہے مگر مجھے یہ آیت کریمہ یاد آرہی ہے۔

۴؎ خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ کفار کے متعلق ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت خوف الٰہی حد درجہ کا طاری تھا،خیال فرمایا کہ اس آیت کے الفاظ عام ہیں،ہوسکتا ہے کہ اس میں ہم بھی داخل ہوجاویں لہذا بہتر یہ ہے کہ اس وقت نہ پیوں۔اللہ والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی ان پر خوف کا غلبہ ہوتا ہے،کبھی امید کا لہذا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حضرات صحابہ نے مرغ بٹیریں بھی کھائیں ہیں۔

۵؎ اس حالت میں یہ شربت چھوڑنا انتہائی زہد و تقویٰ ہے جس پر بڑا اجر ہے اور دوسرے وقت اللہ کی نعمتیں خوب کھا کر خوب شکر کرنا عبادت ہے،غرضکہ صبر کا اور وقت ہے شکر کا دوسرا وقت۔شعر

اگر درویش برحالے بماندے　　　دوست از دو عالم برفشاندے

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم چھوہاروں سے سیر نہ ہوئے حتی کہ ہم نے خیبر فتح کرلیا ۱؎ (بخاری)

۱؎ یعنی ہم مہاجرین صحابہ نے فتح خیبر سے پہلے بہت تنگی کی زندگی گزاری خیبر فتح ہونے پر اللہ نے ہم پر بڑی وسعت کردی،خیبر میں باغات بہت زیادہ ہیں،فقیر نے زیارت کی ہے۔

باب الأمل و الحرص

امید اور حرص کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ درازی عمر کی آرزو امل ہے اور کسی چیز سے سیر نہ ہونا، ہمیشہ زیادتی کی خواہش کرنا حرص۔ یہ دونوں چیزیں اگر دنیا کے لیے ہیں تو بری ہیں، اگر آخرت کے لیے ہے تو اچھی اس لیے دراز عمر چاہنا کہ اللہ کی عبادت زیادہ کرلوں اچھا ہے۔ نیک اعمال سے سیر نہ ہونا ہمیشہ زیادتی کی فکر میں رہنا بہت ہی اچھا ہے، رب تعالٰی ہمارے حضور کی تعریف فرماتا ہے: "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ"۔ یہاں دنیاوی امیدیں اور دولت، عزت، شہرت کی حرص مراد ہے جو کہ بری چیز ہے۔ آئندہ احادیث میں اس امل و حرص کی برائیاں بیان ہورہی ہیں، چونکہ یہ امید اور حرص لازم ملزوم ہیں اس لیے ان دونوں کو جمع فرمایا۔ لمبی امیدیں نیک اعمال سے روکتی ہیں، حرص دنیا گناہ زیادہ کراتی ہے، انسان پہلے نیکیوں سے رکتا ہے پھر گناہ کرتا ہے اس لیے امل کا ذکر پہلے فرمایا حرص کا بعد میں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور خط کھینچی اور ایک خط بیچ میں کھینچا اس سے نکلا ہوا اور چند خطوط چھوٹے کھینچے اس خط کی طرف جو بیچ میں تھا۲؎ اس کی طرف سے جس کے بیچ میں یہ تھا۳؎ پھر فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے اسے گھیرے ہوئے اور یہ جو باہر نکلا ہوا ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ چھوٹے خط آفتیں ہیں۴؎ تو اگر انسان اس آفت سے بچا تو اس نے ڈس لیا اور اگر اس سے بچا تو اس نے کاٹ لیا۵؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے، جب عبداللہ مطلق بولتے ہیں تو اس سے آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے یہ خط اپنے دستِ اقدس سے کھینچے اس کی شکل یہ تھی مثالی خط میں غور کرو (انظر فی الکتاب) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اہم مسائل اشاروں میں سمجھادیئے۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوئے اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوئے   وہ راز اک کملی والے نے سمجھا دیے چند اشاروں میں

۳؎ یعنی بیچ والی لکیر میں سے دو طرفہ چھوٹی چھوٹی لکیریں چمٹی ہوئی تھیں جو مربع خط کی طرف تھیں جیسا کہ ہمارے کھینچے ہوئے خط سے ظاہر ہورہا ہے۔

۴؎ یعنی اس شکل میں چار چیزیں ہیں، بیچ والا جو مربع خط سے گھرا ہوا ہے اور جسے چھوٹی لکیریں چمٹی ہوئی ہیں یہ تو انسان ہے اور اس کے ارد گرد جو کھوٹا خط اس کی موت ہے جو ہر طرف سے اسے گھیرے ہوئے ہے اور آس پاس کی چمٹی ہوئی لکیریں یہ دنیاوی آفتیں، بلائیں ہیں، بیماریاں، آپس کی

دشمنیاں، دنیاوی جھگڑے اور فکریں جو دو طرفہ چمٹی ہوئی ہیں اور اس مربع خط سے اوپر نکلا ہوا حصہ یہ انسان کی دنیاوی امیدیں ہیں یعنی انسان اس قدر آفتوں اور چو طرفہ سے موت میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اتنی دراز امیدیں رکھتا ہے جو اس موت سے بھی آگے نکلی ہوئی ہیں۔ شعر

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں　　　سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

۵؎ یعنی انسان عمر میں کبھی بھی آفتوں سے چھٹکارا نہیں پاتا، ایک آفت جاتی ہے تو دو آتی ہیں اور جب دو جاتی ہیں تو اور طرف سے تین چار آتی ہیں یہ آفتیں بلائیں یوں ہی آتی رہتی ہیں حتی کہ اسے موت آجاتی ہے، زیادہ امیدیں باندھنے والے کو موت کی تکلیف بہت ہوتی ہے نزع کی شدت، دنیا چھوٹنے پر حسرت، امیدیں پوری نہ ہونے کا غم لہذا یہ ہی بہتر ہے کہ لمبی امیدیں رکھی ہی نہ جائیں۔ غافل مر کر دنیا اور محبوب چیزوں سے چھوٹتا ہے مگر مؤمن کامل مر کر محبوب سے ملتا ہے، کافر کی موت کا دن چھوٹنے کا دن ہے، مؤمن کی موت کا دن ملنے کا دن ہے اس لیے مقبولوں کی موت عرس یعنی شادی کہا جاتا ہے۔ قبر میں کامیاب ہونے پر فرشتے کہتے ہیں **نم کنومة العروس** سوجا دولہن کی طرح۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند خط کھینچے پھر فرمایا یہ امید ہے اور یہ اس کی موت ہے اس حالت میں کہ انسان یوں ہی ہوتا ہے کہ قرب والا خط اسے آلیتا ہے ۱؎ (بخاری)

۱؎ یا تو یہ خط بھی اسی طرح کھینچا جس کی شکل اوپر دکھائی گئی یا اس طرح کھینچا مگر مطلب وہ ہی ہے کہ انسان آفتوں اور موت میں گھرا ہوا ہے مگر امیدیں موت سے آگے نکلی ہوئی ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی دو چیزیں جوان رہتی ہیں ۱؎ مال کی حرص اور عمر کی حرص ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہاں **امرء** سے مراد عام دنیادار انسان مراد ہے جو بڑھاپے میں بھی حریص رہتا ہے، بعض اللہ کے بندے جوانی میں بھی حریص نہیں ہوتے وہ اس حکم سے علیحدہ ہیں مگر ایسے خوش نصیب بندے ہیں بہت تھوڑے عموما وہ ہی حال ہے جو یہاں ارشاد ہوا۔

۲؎ یعنی عموما بوڑھے آدمی مال جمع کرنے، مال بڑھانے میں بڑے مشغول رہتے ہیں، ہمیشہ زندگی کی دعائیں کراتے ہیں، اگر کوئی انہیں کوسے تو لڑتے ہیں یہ ہے محبت مال و عمر۔ حریص کا دل یا قناعت سے بھرتا ہے یا قبر کی مٹی سے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا بوڑھے کا دل دو چیزوں میں جوان رہتا ہے دنیا کی محبت اور لمبی امید میں ۱؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ محبت دنیا ذریعہ ہے موت سے ڈرنے کا اور لمبی امید ذریعہ ہے اعمال صالحہ میں دیر لگانے کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی سے امید اور آخرت کی لمبی امید میں کمال ایمان کی نشانی ہے۔ امل دنیا کی امید کو کہتے ہیں اور رجاء آخرت کی امید۔ اللہ سے امل بری ہے رجاء اچھی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اس بندے کو معذور رکھتا ہے جس کی موت پیچھے کردی گئی حتی کہ اسے ساٹھ سال تک پہنچادیا ۱؎ (بخاری)

۱؎ اس عبارت کے دو معنی ہیں: ایک یہ اعذار کے معنی ہیں عذر دور کردیتا ہے یعنی باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہے تب مطلب یہ ہوگا کہ بچپن اور جوانی میں غفلت کا عذر سنا جاسکے گا مگر جو بڑھاپے میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع نہ کرے اس کا عذر قبول نہ ہوگا کیونکہ بچپن میں جوانی کی امید تھی جوانی میں بڑھاپے کی اب بڑھاپے میں سوا موت کے اور کس چیز کا انتظار ہے، اگر اب بھی عبادت نہ کرے تو سزا کے قابل ہے اس کا کوئی بہانہ قابل سننے کے نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس اعذار کے معنی ہیں معذور رکھتا ہے یعنی جو بوڑھا آدمی بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ عبادت نہ کرسکے مگر جوانی میں بڑی عبادتیں کرتا رہا ہو تو اللہ تعالٰی اسے معذور قرار دے کر اس کے نامہ اعمال میں وہ ہی جوانی کی عبادت لکھتا ہے، ساٹھ سال پورا بڑھاپا ہے۔ شعر

رسم است کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندۂ پیر

اے بار خدائے عالم آرا بر سعدی پیر خود بہ بخشا

بوڑھے نوکر کی پنشن ہوجاتی ہے وہ رؤف و رحیم رب بھی اپنے بوڑھے بندوں کی پنشن کردیتا ہے مگر پنشن اس کی ہوتی ہے جو جوانی میں خدمت کرتا رہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر انسان کے پاس مال کے دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا تلاش کرے ۱؎ انسان کے پیٹ کو مٹی کے سواء کوئی چیز نہیں بھر سکتی ۲؎ اور اللہ توبہ قبول کرلیتا ہے اس کی جو توبہ کرے ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہاں دو اور تیسرا حد بندی کے لیے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دو جنگل بھر مال ہو تو تیسرے جنگل کی خواہش کرے اور اگر تین جنگل مال ہو تو چوتھے کی اسی طرح سلسلہ قائم رکھے۔ انسان کی ہوس زیادہ مال سے نہیں بجھتی یہ تو فضل ذوالجلال سے بجھتی ہے۔

۲؎ تراب سے مراد قبر کی مٹی ہے یعنی انسان کی ہوس قبر تک رہتی ہے مر کر ہوس ختم ہوتی ہے۔ یہ حکم عمومی ہے اللہ تعالٰی کے بندے اس حکم سے علیحدہ ہیں بڑے صابر و شاکر ہیں جیسے حضرات انبیاء کرام اور خالص اولیاء اللہ مگر ایسے قناعت والے بہت کم ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے اور مٹی کی فطرت خشکی ہے اس کی خشکی صرف بارش سے ہی دور ہوتی ہے، بارش ہونے پر اس میں سبزہ پھل پھول سب کچھ ہوتے ہیں، یوں ہی اگر انسان پر توفیق کی بارش نہ ہو تو انسان محض خشکا ہے، اگر نبوت کے بادل سے توفیق و ہدایت کی بارش ہو تو اس میں ولایت تقویٰ وغیرہ کے پھل پھول لگتے ہیں۔ (مرقات)

۳؎ یعنی انسان اگرچہ برائیوں کا مجموعہ ہے لیکن اگر توبہ کرکے رب کی طرف رجوع کرے تو آغوش رحمت اس کے لیے کھلا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک توبہ ہی توفیق کی بارش ہے۔ خیال رہے کہ بارش سے مٹی میں باغ لگتے ہیں پتھروں میں نہیں لگتے، سخت دل آدمی نیک نہیں بن سکتا۔ شعر

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کا بعض حصہ پکڑا ۱؎ پھر فرمایا دنیا میں رہو جیسے کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر ۲؎ اور اپنے کو قبر والوں سے شمار کرو ۳؎ (بخاری)

۱؎ کندھا مراد ہے، حضور انور نے حضرت ابن عمر کا کندھا پکڑ کر یہ فرمایا۔ کندھا پکڑنا قلبی فیض دینے کے لیے تھا قلبی فیض کے بغیر نصیحت اثر نہیں کرتی۔ (مرقات) زبان سے قال دیا جاتا ہے نگاہ سے حال عطا کیا جاتا ہے، صرف قال بغیر حال مفید نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

قال را بگزار مرد حال شو زیر پائے کاملے پامال شو

۲؎ غریب کہتے ہیں غریب الوطن مسافر کو اگرچہ وہ کسی جگہ چند دن ٹھہر جائے مگر عابر سبیل وہ راگیر ہے جو کسی جگہ دوپہری گزارنے کے لیے بیٹھ جائے یہ دونوں سفر اور جنگل میں دل نہیں لگاتے تم بھی دنیا میں دل نہ لگاؤ،مسافروں کی طرح اگلی منزل کے لیے تیار رہو،دنیا منزل ہے آخرت وطن،منزل پر کچھ دیر آرام کرلو مگر غافل ہو کر سو نہ جاؤ سفر کا سامان باندھے تیار رہو،جب موت کی ریل آئے تمہیں تیار پائے ہر وقت اس کے منتظر رہو۔

۳؎ یعنی جیسے مر کر مردہ سب سے الگ ہوجاتا ہے نہ مال اس کا رہتا ہے نہ عزیز تم زندگی میں اپنا دل ان تمام سے الگ رکھو،دنیا آنے پر پھولو مت جانے پر رب کو بھولو مت،اپنے کو اللہ رسول کے قبضہ میں ایسے کردو جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں۔صوفیاء فرماتے ہیں **موتوا قبل ان تموتوا** مرنے سے پہلے مرجاؤ یا فرماتے ہیں **حاسبوا قبل ان تحاسبوا** حساب دینے سے پہلے اپنا حساب کرلو۔ان زریں اقوال کا ماخذ یہ حدیث شریف ہے جو مرنے سے پہلے مرجائے گا وہ پھر کبھی نہ مرے گا۔شعر

میں مروں تو جگ مرے مرے میری بلا　　　　چیلا سچے پیر کا مرے نہ مارا جائے

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے میں اور میری ماں کسی چیز کو مٹی سے لیپٹ رہے تھے تو فرمایا اے عبداللہ یہ کیا ہے ۱؎ میں نے عرض کیا ایک چیز ہے جسے ہم درست کررہے ہیں فرمایا وہ کام اس سے بھی جلد آرہا ہے ۲؎ (ترمذی،احمد)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی تم تو عبداللہ،اللہ کے بندے ہو پھر ان آفتوں میں کیوں پھنس گئے۔(مرقات)

۲؎ یہ گھر مرمت کے لائق تھا نہیں بالکل درست تھا مضبوط کے لیے یہ سب کچھ کررہے تھے،فرمایا کہ تمہاری موت اس گھر کے فنا ہونے سے پہلے آجائے گی لہذا اس کی مرمت میں پھنس کر اپنے قلب و قالب کی مرمت سے غافل نہ ہوجاؤ،نیک اعمال قالب کی مرمت ہے اللہ کا خوف حضور سے محبت دل کی مرمت ہے اس کی کوشش کرو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کرتے تھے تو فورًا مٹی سے تیمّم کرلیتے تھے ۱؎ میں عرض کرتا یارسول اللہ پانی آپ سے قریب ہی ہے ۲؎ تو فرماتے مجھے کیا خبر ۳؎ شاید اس تک نہ پہنچ سکوں ۴؎(شرح سنہ،ابن جوزی کتاب الوفاء)۵؎	

۱؎ یہ وہ تیمّم نہیں ہے جو پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کے لیے کیا جاتا ہے پانی تو وہاں موجود ہے اور ابھی نماز کا وقت ہے بھی نہیں،یہ تیمّم پانی تک پہنچنے کے زمانہ میں ایک گونہ پاکی حاصل کرنے کے لیے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔غرضکہ شریعت کا تیمّم اور ہے عشق و محبت یا طریقت کا تیمّم کچھ اور ہے یہاں طریقت کا تیمّم ہے۔(اشعہ مع الزیادۃ)

۲؎ یعنی حضور آپ کی شریعت کی رو سے یہ تیمّم درست نہیں ہوا کہ پانی پر قدرت حضور کو حاصل ہے پھر تیمّم کیسا یہ ایسا ہی سوال و جواب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہما السلام میں واقع ہوئے کہ حضرت موسیٰ کے سوالات شرعی تھے حضرت خضر کے جواب حقیقی تھے۔

۳؎ یہاں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں۔درایت کے معنی ہیں اٹکل،قیاس،دلیل سے جاننا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات شریف وحی سے معلوم تھی،حضور نے حج فرض ہوتے ہی حج نہیں کیا ایک سال بعد کیا کیونکہ آپ کو اپنی زندگی معلوم تھی۔یہ فرمان ہمارے لیے ہے کہ تم لوگ اپنے پر اتنا بھروسہ بھی نہ کرو کہ استنجاء کر کے قریبی پانی تک پہنچ جاؤ گے کیونکہ تمہارا علم صرف درایت سے ہے وحی سے نہیں اور زندگی و موت کے علم میں نری عقل بھی کافی نہیں۔

۴؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور پر کبھی عشق کا غلبہ ہوتا تھا،کبھی شریعت کا۔حکم شرعی ظاہر فرمانے کے لیے استنجاء کرکے بغیر وضو قرآن پاک کی تلاوت کرلیتے تھے اور فنافی اللہ کے غلبہ کے وقت بغیر تیمّم کیے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے یہاں حضور کے دوسرے حال یعنی فنا کا ذکر ہے۔دیکھو حضرت طلحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار پانچ آدمیوں کی دعوت کی مگر لے گئے سارے خندق والوں کو یہ ہے حال اور اپنی ملکیت کا اظہار اور ابی اللحم کے ہاں دعوت میں ایک آدمی زیادہ چلا گیا تو اس سے اجازت لی یہ تھا قال یعنی شریعت۔

۵؎ یعنی یہ حدیث امام بغوی نے شرح سنہ میں اور ابن جوزی نے اپنی کتاب کتاب الوفا فی شرف المصطفیٰ میں روایت کی۔(مرقات) وفا اور وفاء الوفاء تاریخ مدینہ یہ اور کتب ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے اور اپنا ہاتھ اپنی گدی پر رکھا ۱؎ پھر ہاتھ دراز کیا فرمایا یہاں اس کی امید ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ تفاسیر کا پچھلا حصہ جسے اردو میں گدی کہا جاتا ہے پنجابی میں گھتی۔

۲؎ یعنی موت تو سر پر کھڑی ہے اور امیدیں بہت لمبی لمبی بندھی ہوئی ہیں یہ ہم جیسے غافلوں کا ذکر ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ شعر پڑھتے تھے شعر

کل امرئٍ مصبح فی اھلہ   والموت اقرب من شراك نعلہ

روایت ہے حضرت ابو سعید سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی اپنے سامنے گاڑی اور دوسری اس کے برابر اور تیسری اس سے بہت دور ۲؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں،فرمایا یہ انسان ہے اور یہ موت ہے ۳؎ مجھے خیال ہے کہ فرمایا اور یہ امید ہے انسان امیدوں میں مشغول رہتا ہے مگر اسے امید سے پہلے موت پہنچ جاتی ہے ۴؎(شرح سنہ)	

۱؎ آپ کا نام شریف سعد ابن مالک ابن سنان ہے (ترمذی ابواب البر والصلہ) آپ کے حالات شریف بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎ یعنی تین لکڑیاں اس طرح گاڑھیں کہ دو ملی ہوئی اور تیسری بہت فاصلہ سے،آج کل اسکولوں میں عملی مشق کرائی جاتی ہے یہ عملی مشق تھی۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ موت انسان سے بہت قریب ہے مگر اس کی امیدیں بہت دراز۔خیال رہے کہ انسان شخصی ضروریات میں کمی کرے مگر قومی دینی مکمل ضروریات و خدمات بہت زیادہ انجام دے کہ اشخاص مرتے ہیں قوم و دین نہیں مرجاتے۔بزرگوں نے دینی کتب لکھیں جو صدیوں سے

مسلمانوں کو فائدہ پہنچارہی ہیں، حضور انور نے سارا اعجاز فتح فرمالیا اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ امت کے لیے دین کے لیے،اب تک ان سے فائدے پہنچ رہے ہیں۔خیال رہے کہ سکندر اعظم اور نپولین اعظم کے مفتوحہ علاقہ دوسری قوموں کے پاس پہنچ گئے،فاروق اعظم کے مفتوحہ علاقے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہیں قریبًا چودہ سو سال گزر چکے ہیں روم،ایران وغیرہ۔

۴؎ یعنی انسان کی ایک امید پوری ہوئی تو دو سامنے آجاتی ہیں دو پوری ہوں تو چار سامنے آتی ہیں یہ سلسلہ یوں ہی دراز ہوتا چلا جاتا ہے کہ موت آلیتی ہے۔شعر

امید بستہ برآمد ولے چہ فائدہ زانکہ　　　امید نیست کہ عمر گزشتہ باز آید

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میری امت کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوگی ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی میری امت کی عمریں عمومًا ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی اگرچہ بعض لوگ ساٹھ سال سے پہلے مرجائیں گے بعض ستر سے بڑھ جائیں گے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم،حضرت ابوبکر صدیق،عمر فاروق،علی مرتضے کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال ہوئیں اور حضرت حکیم امت کی عمر شریف بھی تریسٹھ ۶۳ سال ہوئی کہ آپ کا وصال ۳ رمضان ۱۳۹۳ھ ہوا،حضرت عثمان غنی کی عمر بیاسی یا اٹھاسی سال ہوئی اس حدیث کی صحت پر تجربہ شاہد ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی کم لوگ اس سے آگے بڑھیں گے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور حضرت عبداللہ ابن شخیر کی حدیث باب عیادۃ المریض میں بیان کردی گئی ۲؎

۱؎ یعنی بہت کم لوگ ستر سے آگے بڑھیں گے،سو سال سے آگے بڑھنے والے تو بہت ہی کم ہوں گے۔چنانچہ حضرت انس ابن مالک کی عمر ایک سو تین سال ہوئی،جناب اسماء بنت ابوبکر صدیق کی عمر ایک سو سال ہوئی،کسی قوت میں کمی نہ آئی،حسان ابن ثابت کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی،حضرت سلمان فارسی کی عمر ساڑھے تین سو سال ہوئی مگر اسلام میں تھوڑا عرصہ رہے،۵۳ھ میں وفات پائی۔(مرقات)میں نے حضرت سلیمان فارسی کے مزار کی زیارت کی ہے۔بغداد شریف سے تین میل دور مسلمان پاک بستی میں ہے پہلے اسے مدائن کہتے تھے۔

۲؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے وہاں بیان کردی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی پہلی درستی یقین اور زہد ہے ۱؎ اور اس کا پہلا فساد بخل اور دراز امید ہے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی مسلمان کی پہلی نیکی جو باقی نیکیوں کی جڑ ہے وہ یقین ہے اور یقین چار قسم کا ہے: (۱)جو خیر و شر ہے وہ رب تعالٰی کی طرف سے ہے (۲)جو روزی مقدر میں ہے وہ ضرور ملے گی(۳)نیک و بد اعمال کی سزاو جزاضرور ملے گی(۴)اللہ تعالٰی ہمارے ہر حال سے خبر دار ہے،ان چاروں باتوں پر یقین رکھے تو ان شاءاللہ بخل،حسد،کینہ بد عملی ان سب سے محفوظ رہے گا۔(اشعہ)

۲؎یعنی مسلمان کا پہلا گناہ جو دوسرے گناہوں کی جڑ ہے وہ یہ دو چیزیں ہیں۔بخل جڑ ہے خونریزی فساد کی،لمبی امیدیں جڑ ہیں غفلت وگناہوں کی۔انسان بڑھاپے میں بھی یہ سوچتا ہے کہ ابھی عمر بہت ہے نیکیاں آئندہ کرلیں گے اسی خیال میں رہتے ہیں کہ موت آجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت سفیان ثوری سے ۱؎فرماتے ہیں کہ دنیا میں بے رغبتی موٹا پہننے موٹا کھانے سے معمولی غذا سے نہیں،دنیا میں بے رغبتی جھوٹی امیدوں سے ہے ۲؎(شرح سنہ)	

۱؎آپ کوفی ہیں،مجتہد،فقیہ محدث اپنے وقت کے قطب ہیں،آپ کی دینداری،زہد،تقویٰ اور ثقہ ہونے پر سارے اہل اسلام متفق ہیں۔سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ میں ولادت ہوئی یعنی ۹۹ھ ننانوے میں ۱۶۱ھ ایک سو اکسٹھ میں وفات پائی،آپ سے امام مالک اور دیگر آئمہ دین نے روایات لیں جیسے فضیل ابن عیاض،ابن عیینہ شعبی وغیرہ۔(مرقات،اکمال)

۲؎ سبحان اللہ!کیسا نفیس قاعدہ بیان فرمایا آج بہت لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں۔کہتے ہیں وہ فقیر کیسا جو رکھے پیسہ،عوام اس شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں جو تارک الدنیا ہو کر بیٹھ جائے،بیوی بچے نہ رکھے،موٹا جھوٹا کھایا کرے۔پھٹے کپڑے پہنے اگرچہ بے نماز بے روزہ،بھنگی چرسی ہو۔اللہ تعالٰی نے حلال چیزیں ہمارے استعمال کے لیے پیدا فرمائی ہیں خوب کھاؤ پیو اور خوب عبادت و شکر کرو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صٰلِحًا"۔لذیذ نعمتیں کھاؤ،اچھے اعمال کماؤ،دنیا میں زیادہ رہنے کی امید نہ رکھو،جو کرنا ہے آج کرو کل کی کیا خبر نصیب ہو کہ نہ ہو۔جشب کے معنی ہیں خشک غذا یعنی روکھی روٹی۔

روایت ہے حضرت زید ابن حسین سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا ان سے پوچھا گیا کہ دنیا میں بے رغبتی کیا چیز ہے فرمایا حلال کمائی ۲؎ اور جھوٹی امیدیں ۳؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎آپ تبع تابعی نہیں،حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خدام سے ہیں،آپ کے حالات زندگی معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎حلال کمائی سے عبادات میں لذت،دل میں بیداری،آنکھوں میں تری،دعا میں قبولیت پیدا ہوتی ہے۔جو بندہ مقبول الدعاء بننا چاہے وہ اکل حلال اور صدق مقال یعنی غذا حلال اور سچی زبان رکھے،حلال کمائی وہ جو حلال ذریعوں سے آئے۔

۳؎دنیاوی امیدیں کم رکھنے سے غفلت نہیں آتی انسان گناہ پر دلیر نہیں ہوتا توبہ میں جلدی کرتا ہے یہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔

باب استحباب المال و العمر للطاعة

اطاعت کے لیے مال اور عمر کا بہتر ہونا ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ مال کے معنی ہیں میلان قلبی،دولت کو مال اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً انسان کا دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔عمر کے معنی ہیں آبادی اسی لیے بستی کو عمران کہا جاتا ہے اور ویرانہ کو خراب۔زندگی کے زمانہ کو عمر اس لیے کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں روح جسم کو آباد رکھتی ہے اس میں رہتی بستی ہے لہٰذا وہ زمانہ عمر ہے۔مقصد یہ ہے کہ عمر اور مال اگر اللہ کی راہ میں صرف ہوں تو اچھی چیزیں ہیں۔گزشتہ باب میں اس مال و زندگانی کی برائی بیان ہوئی جو غفلت یا سرکشی میں صرف ہو۔

روایت ہے حضرت سعد سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی پرہیزگار بے نیاز پوشیدہ بندے کو پسند فرماتا ہے۔(مسلم)اور حضرت ابن عمر کی حدیث کہ نہیں ہے رشک ۲ مگر دو چیزوں میں فضائل قرآن کے باب میں بیان کردی گئی ۳	

۱ سعد سے مراد حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں۔محدثین جب عبداللہ بولتے ہیں تو حضرت عبداللہ ابن مسعود مراد ہوتے ہیں اور جب سعد مطلق بولتے ہیں تو سعد ابن ابی وقاص مراد ہوتے ہیں۔

۲ یعنی جس مسلمان میں تین صفتیں ہوں وہ خدا تعالٰی کو بڑا پیارا ہے: متقی ہو یعنی گناہوں سے بچتا ہو اور اللہ رسول کے احکام پر عمل کرتا ہو،غنی یعنی لوگوں سے بے پرواہ ہو۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی متقی بندے کو لوگوں سے بے پرواہی نصیب فرماتا ہے،جو اس کے دروازے پر جھکا رہے اسے دوسرے دروازوں پر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

وہ ایک سجدہ ہے جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

خفی نقطہ والا خ سے بمعنی لوگوں میں چھپا ہوا یعنی وہ لوگوں میں اپنی شہرت نہیں چاہتا ہر نیکی چھپ کر کرتا ہے،خود بھی گمنام رہنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسی میں عافیت و آرام ہے۔خیال رہے کہ بعض بندوں کے لیے خلوت اچھی ہے بعض کے لیے جلوت بہتر،عابدوں کے لیے خلوت بہتر ہے عالموں کے لیے جلوت اچھی تاکہ لوگ ان سے فیض لیں لہٰذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرات خلفاء راشدین اور دوسرے مشہور علماء اولیاء حتی کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب بندے ہیں مگر وہ چھپے ہوئے نہیں کیونکہ ان حضرات نے خود اپنے کو اپنی کوشش سے مشہور نہیں کیا ان کی یہ شہرت اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے،نیز ان حضرات کے لیے شہرت ہی ضروری تھی،سورج چھپنے کے لیے نہیں پیدا ہوا۔مصرع کہ دنیا میں خدا کا نور چھپنے کو نہیں آیا۔بعض نسخوں میں حفی ہے بے نقطہ والی ح سے بمعنی مہربان یعنی لوگوں پر

مہربان،بعض احادیث میں نقی نون سے بھی ہے یعنی طیب و طاہر پاک و صاف۔(اشعہ)اس حدیث کی اور بہت شرحیں کی گئیں ہیں۔
۳؎یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے وہاں بیان کردی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوبکرہ ۱؎سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کون آدمی اچھا ہے فرمایا جس کی عمر بھی لمبی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں ۲؎عرض کیا تو کون آدمی برا ہے فرمایا جس کی عمر دراز ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔(احمد،ترمذی،دارمی)	

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں،اہل طائف سے ہیں،آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں۔
۲؎یعنی جس کی عمر درازہو اور اس کی نیکیاں زیادہ ہوں ہر دن اس کی نیکیاں بڑھائے ایسا شخص بہت ہی خوش نصیب ہے،اور جس کی نیکیاں گناہوں کے برابر ہوں وہ نمبر دوم کا خوش نصیب ہے۔ایسا شخص مشکل سے ملے گا جو زندگی میں کبھی کوئی گناہ نہ کرے،یہ شان حضرات انبیاء کرام کی ہے یا خاص اولیاء اللہ کی،یہاں وہ ہی معنی مراد ہیں جو ہم نے عرض کیے۔

روایت ہے حضرت عبید ابن خالد سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان بھائی چارہ فرمایا ۱؎تو ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں مارا گیا پھر ایک ہفتہ یا اس کے قریب میں دوسرا آدمی فوت ہوا ۲؎لوگوں نے اس پر نماز پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا ۳؎عرض کیا ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اسے بخش دے اس پر رحم کر اسے اس کے ساتھی سے ملادے ۴؎تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس شہید کے بعد اس کی نمازیں اور اس کے عمل یا فرمایا شہید کے روزوں کے بعد اس کے روزے کہاں گئے ان کے درمیان کا فاصلہ آسمان و زمین کے فاصلہ سے زیادہ ۵؎دراز ہے(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎یعنی وہ بڑا بدنصیب ہے جس کی زندگی دراز اور اس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں،اس کی زندگی ہر دن اس کے گناہوں میں اضافہ کرے۔

۲؎ یہ حدیث طبرانی،حاکم،بیہقی ابو نعیم نے مختلف راویوں اور مختلف الفاظ سے روایت فرمائی ان الفاظ سے اور حضرت ابو بکرہ سے صرف ان دو کتب میں ہی ہے۔(مرقات)آپ صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،کوفہ کے رہنے والے ہیں،مہاجر ہوکر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے لہذا مہاجر ہیں۔(اشعہ،مرقات)یا تو یہ دونوں شخص مہاجر تھے یا ایک ان میں سے مہاجر تھے دوسرا انصاری،دوسرا احتمال قوی ہے کیونکہ عقد مواخات بھائی چارے کا رشتہ مہاجر اور انصاری میں کیا جاتا تھا۔یہ پتہ نہیں چلا کہ شہید کون صاحب ہوئے مہاجر یا انصاری،بہرحال ایک صاحب پہلے شہید ہوئے ہیں اور دوسرے صاحب کچھ بعد اپنے بستر پر فوت ہوئے۔

۳؎ یعنی اس میت کی نماز جنازہ میں تم نے اس کے لیے کیا دعا کی۔خیال رہے کہ نماز جنازہ میں دعاء ماثورہ تو پڑھی ہی جاتی ہے اس کے علاوہ اور دوسری دعاؤں کی بھی اجازت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں اور بہت دعائیں کی ہیں۔

۴؎ یعنی یہ صاحب شہید نہیں ہوئے اور ان کا بھائی ایک ہفتہ پہلے شہید ہوگیا،مولٰی تو اپنے کرم سے اس کو اسی شہید کا درجہ عطا فرما،ان دونوں کو وہاں بھی برابر اور یکجا کردے جیسے وہ یہاں یکجا تھے۔سبحان اللہ! بڑی پیاری دعا کی۔

۵؎ یعنی اس شخص کو جو یہ سات دن زیادہ مل گئے ان دونوں میں اس نے نماز روزے اور دوسری نیکیاں کیں اس لیے ان کا درجہ اس شہید سے زیادہ ہوگیا۔خیال رہے کہ یہ صاحب مرابط تھے یعنی جہاد کے لیے ہر دم تیار اور مرابط کو درجہ شہادت کا ملتا ہے لہذا شہادت میں ان شہید کے برابر ہوگئے ان سات دن کے اعمال میں ان سے بڑھ گئے،نیز بعض غیر شہید شہید سے بڑھ جاتے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سے شہید نہیں ہوئے مگر شہیدوں سے افضل ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ"صدیق کو شہید پر مقدم فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابو کبشہ انماری سے ۱؎ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تین باتیں وہ ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ایک بات کی تمہیں خبر دیتا ہوں ۲؎ اسے یاد رکھو وہ تین باتیں جن پر میں قسم فرماتا ہوں وہ یہ ہیں کہ کسی بندے کا مال صدقہ سے نہیں گھٹتا ۳؎ اور کوئی ظلم نہیں کیا جاتا جس پر وہ صبر کرے ۴؎ مگر اللہ تعالٰی اس سے اس کی عزت بڑھاتا ہے ۵؎ اور کوئی بندہ مانگنے کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اللہ اس پر فقیری کا دروازہ کھول دیتا ہے ۶؎ اور جس چیز کی میں تمہیں خبر دیتا ہوں جسے تم یاد رکھو،فرمایا دنیا چار شخصوں کے لیے ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ مال اور علم دونوں دے ۷؎ تو وہ اس میں اللہ سے ڈرتا ہے،رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ کے لیے ان کے حق کے مطابق عمل کرتا ہے ۸؎ تو یہ بہترین درجوں میں ہے ۹؎ اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نے علم دیا مال نہ دیا لیکن وہ ہے سچی

نیت والا، کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کے لیے کام کرتا ان دونوں کا ثواب برابر ہے ۱۰؎ اور ایک وہ بندہ جسے اللہ مال دے اور علم نہ دے تو وہ اپنے مال میں بغیر علم خلط ملط ہی کرتا ہے ۱۱؎ اس میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا اپنے رشتہ داروں سے سلوک نہیں کرتا اور نہ اس میں حق کے عمل کرتا ہے ۱۲؎ تو یہ خبیث ترین درجہ والا ہے ۱۳؎ اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نہ مال دے نہ علم تو وہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس میں فلاں کے سے کام کرتا تو وہ اپنی نیت پر ہے ۱۴؎ اور ان دونوں کا گناہ برابر ہے ۱۵؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔	

۱؎ آپ کا نام عمرو بن سعد ہے یا سعد ابن عمرو یا عامر ابن سعد صحابی ہیں، آخر زمانہ میں شام میں رہے۔

۲؎ یعنی تین خبریں قسم سے بیان کرتا ہوں اور ایک خبر بغیر قسم کے۔ خیال رہے کہ حضور انور کی خبر خواہ قسم سے ہو یا بغیر قسم بالکل حق اور درست ہے، حضور کی خبر کا درست ہونا ایسا ہی لازم و ضروری ہے جیسے اللہ تعالٰی کی خبر کا حق ہونا لازم ہے کہ رب تعالٰی کا جھوٹ بھی ناممکن ہے اور نبی کا جھوٹ بھی ناممکن اگرچہ وہ بالذات ہے یہ محال بالغیر جیسے رب تعالٰی کی قسمیں تاکید کے لیے ہوتی ہیں ایسے ہی حضور انور کی قسمیں تاکید کلام کے لیے ہیں۔

۳؎ یہاں صرف **اقسم** فرماکر قسم کھائی گئی **واللہ**، **باللہ** نہیں فرمایا یہ بھی قسم کا ایک طریقہ ہے۔ صدقہ سے مراد ہر خیرات ہے فرضی ہو یا نفلی۔ تجربہ شاہد ہے کہ خیرات سے مال بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔ آزما کر دیکھ لو میرا رب سچا، اس کے رسول سچے صلی اللہ علیہ وسلم۔ صدقہ سے دنیا میں برکت آخرت میں ثواب ہے۔ فقیر کا تجربہ تو یہ ہے کہ صدقہ والے مال کو عموماً حاکم، حکیم، وکیل چور نہیں کھاتے دنیاوی نقصانات بھی بہت کم ہوتے ہیں۔

۴؎ یہاں صبر سے مراد اخلاقی صبر ہے نہ کہ مجبوری کا صبر۔ صبر، معافی، تحمل کی جو آیات منسوخ ہیں ان میں مجبوری کا صبر ہی مراد ہے، رب فرماتا ہے: "فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ"۔

۵؎ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے اپنے دربار میں آئے ہوئے بھائیوں کو معافی دی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تمام اہل مکہ کو معافی دے دی جن سے عمر بھر ظلم و ستم دیکھے تھے، دیکھ لو آج تک ان حضرات کی واہ واہ ہورہی ہے یہ ہے عزت بڑھنا۔ شعر

صدقے اس انعام کے قربان اس احسان کے　　　　ہورہی دونوں عالم میں تمہاری واہ واہ

۶؎ تجربہ شاہد ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کے پاس اولًا تو مال جمع ہوتا ہی نہیں، اگر ہوجائے تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے جمع کرکے چھوڑ جاتے ہیں، انکے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ مرقات میں ان کی مثال اس کتے سے دی ہے جو منہ میں ٹکڑا لیے شفاف و صاف نہر پر گزرے اس میں اپنے عکس کو دیکھ کر سمجھے کہ یہ دوسرا کتا ہے اس سے ٹکڑا چھین لینے کے لیے اس پر منہ پھاڑ کر حملہ کرے اپنا ٹکڑا بھی کھو بیٹھے۔

۷؎ علم سے مراد علم دین ہے۔معلوم ہوا علم دین بھی اللہ تعالٰی کی دنیاوی نعمتوں سے ایک اعلیٰ نعمت ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ مال سانپ ہے علم دین تریاق،ہمیشہ تریاق کے ساتھ زہر مفید ہوتا ہے،بغیر تریاق ہلاک کردیتا ہے۔
۸؎ اگرچہ **بحقه** میں سارے سلوک،صدقات داخل ہیں مگر چونکہ عزیزوں قرابت داروں کے حقوق ادا کرنا بہترین عبادت ہے اور تمام صدقات میں اعلیٰ و افضل اس لیے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا۔
۹؎ اس لیے کہ یہ شخص دین و دنیا دونوں جگہ سرخرو شاد آباد رہے گا کیونکہ وہ مال کمائے گا حکم الٰہی کے مطابق،خرچ کرے گا اسی کے مطابق،جمع کرے گا اسی فرمان کے ماتحت۔مال کی آمد،جمع،خرچ سب شریعت کے مطابق چاہیے۔
۱۰؎ معلوم ہوا کہ نیکی کی تمنا بھی نیکی ہے۔غریب عالم خواہ زبان سے تمنا کرے یا فقط دل سے بہرحال ثواب برابر ہی ہے۔
۱۱؎ **یتخبط** بنا ہے **خبط** سے بمعنی بے فائدہ ہاتھ پاؤں مارنا خلط ملط کرنا اس لیے دیوانگی کو **تخبط** کہتے ہیں،دیوانہ کو **خبطی** کہ وہ ہر طرح بے فائدہ ہاتھ پاؤں مارتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ**"یعنی وہ ہر حرام و حلال طریقے سے مال کماتا ہے اور ہر حلال حرام جگہ خرچ کرتا رہتا ہے،نہ خود عالم ہے نہ علماء کی بات مانتا ہے جیساکہ آج کل عام امیروں کا حال ہے۔
۱۲؎ ایسے لوگ اگر کبھی اچھی جگہ خرچ بھی کرتے ہیں تو اپنی ناموری کے لیے خرچ کرتے ہیں مگر بے فائدہ بلکہ مضر۔
۱۳؎ کیونکہ اس کا مال اس کے لیے وبال ہے،مال کی وجہ سے اس پر گناہوں کے دروازے بہت کھل جاتے ہیں وہ مال کے نشہ میں نہ کرنے والے کام کرتا رہتا ہے۔اللہ تعالٰی عثمانی مال دے ابوجہلی مال سے بچائے۔
۱۴؎ یعنی فلاں بدمعاش مالدار کی طرح میں بھی شراب پیتا،جوا کھیلتا،زنا کرتا۔کروں کیا کہ یہ کام پیسہ سے ہوتے ہیں اور میرے پاس پیسہ نہیں۔
۱۵؎ یعنی یہ بدنصیب بغیر کچھ کیے سب کچھ کررہا ہے کرنے والوں کے ساتھ دوزخ میں جارہا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس سے کام لیتا ہے ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیسے کام لیتا ہے ۲؎ فرمایا اسے موت سے پہلے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے ۳؎ (ترمذی)۴؎	

۱؎ غالبًا بندہ سے مراد بندہ مؤمن ہے یعنی اللہ تعالٰی اپنے بندہ مؤمن کی جب بھلائی چاہتا ہے تو نہ تو اسے رہنے دے کہ وہ اپنی زندگی برباد و ضائع کردے،نہ اسے گناہوں میں مبتلا ہونے دے۔ممکن ہے کہ **عبد** سے مراد ہر بندہ مؤمن و کافر ہے،اللہ تعالٰی اپنے بندہ کو کافر نہیں رہنے دیتاآخر کار وہ مؤمن ہوجاتا ہے۔
۲؎ یعنی انسان کام ہمیشہ ہی کرتا ہے کوئی شخص بے کار نہیں رہتا جاگنا،چلنا،پھرنا بھی تو کام ہی ہیں سرکار نے کام سے کون سا کام مراد لیا ہے۔

۳؎ یعنی کام سے مراد نیک کام ہیں اور کام لینے سے مراد اس کی موت کے قریب کام لینا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ایسے بندے کا انجام اچھا ہوتا ہے اگرچہ زندگی گناہوں میں گزارے مگر توبہ کرکے گناہوں کا کفارہ ادا کرکے مرتا ہے خاتمہ کا اعتبار ہے۔اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ مؤمن کی زندگی موت سے افضل ہے۔(اشعہ)کہ زندگی عمل کا وقت ہے دوسرے ہر کسی گنہگار کے متعلق ہم فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ دوزخی ہی ہے یہ تو اللہ کو خبر ہے،ممکن ہے کہ وہ مرتے وقت نیک ہوجائے۔خیال رہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ موت زندگی سے افضل ہے کہ وہ راحت آرام اور اپنے کام کے پھل پانے کا زمانہ ہے۔عشاق کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف کے زمانہ میں مؤمن کی زندگی فراق کا زمانہ ہے موت یار کے دیدار کا ذریعہ ہے۔

سنا ہے قبر میں دیدار ہوگا بے حجابانہ　　　　کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مردے اپنی مدفن سے

۴؎ یہ حدیث حاکم نے بسند صحیح،احمد،ابن حبان،طبرانی نے مختلف صحابہ سے مختلف عبارتوں سے روایت کی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو قریب کردے ۲؎ اور بعد موت کے لیے عمل کرے ۳؎ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگادے اور اللہ پر آرزو میں رکھے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں کہ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھتیجہ ہیں،خود بھی صحابی ہیں والد بھی صحابی،آخر میں بیت المقدس میں رہے،آپ علم و حلم دونوں کے جامع تھے،آپ کی کنیت ابو یعلی انصاری ہے،صحابہ کرام آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ دان کے بہت معانی ہیں اگر دُنو سے بنا ہے تو بمعنی قریب کرنا،قریب جاننا ہے اور دین سے بنا ہے جو مغلوب ہے دنی کا تو بمعنی عاجز کرنا ہے عاجز سمجھنا ہے،بعض نے فرمایا کہ بمعنی حساب لینا ہے یعنی اپنے کو اللہ تعالٰی سے اس کے رسول سے نیک بندوں سے قریب رکھے یا اپنے کو موت سے قریب جانے یا اپنے اعمال کا خود حساب لیتا رہے نیک اعمال پر شکر کرے برے اعمال سے توبہ۔

۳؎ یعنی کوئی کام نفس یا دنیا کے لیے نہ کرے ہر کام آخرت کے لیے کرے حتی کہ اس کا کھانا پینا،چلنا پھرنا،سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا اللہ کے لیے ہو"اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ"ایسا آدمی دنیا میں رہتا تو ہے مگر دنیا والا نہیں ہوتا اللہ تعالٰی اس پر عمل کی توفیق دے۔

۴؎ اس فرمان عالی میں عاجز سے مراد بے وقوف ہے کیس کا مقابل،نفس امارہ سے دبا ہوا یعنی وہ بے وقوف ہے جو کام کرے دوزخ کے اور امید کرے جنت کی،کہا کرے اللہ غفور و رحیم ہے،باجرہ بوئے اور امید کرے گیہوں کاٹنے کی،کہا کرے کہ اللہ غفور رحیم ہے کاٹتے وقت اسے گندم بنادے گا اس کا نام امید نہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:" مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیۡمِ"اور فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَجٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوۡنَ رَحْمَتَ اللہِ"۔جو بو

کر گندم کاٹنے کی آس لگانا شیطانی دھوکہ اور نفسانی وسوسہ ہے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو جھوٹی امید نے سیدھی راہ نیک اعمال سے ہٹا دیا ہے جیسے جھوٹی بات گناہ ہے ایسے ہی جھوٹی آس بھی گناہ ہے کرو اور ڈرو۔(اشعہ،مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجلی فرمائی(تشریف لائے)۲؎ آپ کے سر پر پانی کا اثر تھا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حضور کو بہت خوش دل دیکھ رہے ہیں۳؎ فرمایا ہاں،راوی کہتے ہیں کہ پھر قوم امیری کے ذکر میں مشغول ہوگئی۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالداری میں حرج نہیں اس کے لیے جو اللہ سے ڈرے ۵؎ متقی کے لیے تندرستی امیری سے بہتر ہے۶؎ اور دل کی خوشی نعمتوں میں سے ہے ۷؎(احمد)

۱؎ یہ صاحب یسار ابن عبد ہیں جیساکہ حاکم اور ابن ماجہ میں ہے،چونکہ تمام صحابہ بحکم قرآن عادل ہیں کوئی صحابی فاسق نہیں اس لیے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں۔(مرقات)

۲؎ ایسے تشریف لائے جیسے سورج طلوع کرتا ہے کہ رات کو دن اندھیرے کو اجالا بنادیتا ہے،سوتوں کو جگا دینا طلع فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔

۳؎ یعنی حضور نے غسل کیا ہے جمال باکمال اور بھی نکھر گیا ہے،چہرہ انور پر خوشی کے آثار ہیں۔اللہ حضور کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے،رنج و غم کی ہوا بھی نہ لگائے کہ ان کی خوشی سے دنیا کی خوشی وابستہ ہے،ان کا جمال سب کی خوشی کا ذریعہ ہے۔

۴؎ کسی نے وجہ نہ پوچھی کہ اس خوشی کا سبب کیا ہے بلکہ اور گفتگو شروع ہوگئی اس میں مالداری کا ذکر بھی تھا کہ یہ اچھی ہے یا بری۔

۵؎ لاباس فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر مع صبر افضل ہے غنی مع شکر سے،یہ بہت بڑی بحث ہے یعنی غنی جب خوف خدا کے ساتھ ہو تو اس میں حرج نہیں۔

۶؎ یعنی دنیا میں دل کا چین روح کا آرام اللہ کی بڑی نعمت ہے،رب فرماتاہے:"وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ"وہاں دو جنتوں سے مراد ہے دنیا کی جنت یعنی دل کا چین اور آخرت کی جنت اللہ رسول کا دیدار،مال کی خوشی اللہ کے ذکر والوں کے قرب سے نصیب ہوتی ہے۔

۷؎ کیونکہ مالداری کا انجام حساب بلکہ کبھی عقاب ہے جس سے فقراء دور ہیں۔

روایت ہے حضرت سفیان ثوری سے فرماتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں مال ناپسند تھا۱؎ لیکن آج مال مؤمن کی ڈھال ہے۲؎ اور فرمایا اگر یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بادشاہ ہم کو رومال بنالیتے۳؎ اور فرمایا کہ جس کے پاس کچھ دولت ہو تو وہ اسے سنبھالے۴؎ بڑھائے کیونکہ یہ زمانہ وہ ہے کہ اگر کوئی محتاج ہوجاوے تو پہلی جو چیز خرچ کرتا وہ اس کا دین ہے ۵؎ فرمایا کہ حلال مال میں فضول خرچی کی گنجائش نہیں ۶؎ (شرح سنہ)	

۱؎ یعنی زمانہ رسالت میں زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش کرنا ناپسند تھا اس وقت لوگوں پر حال کا غلبہ تھا۔مال کے لیے بہت دوڑ دھوپ اس میں نقصان دہ ہوتی تھی،اس کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ مال حرام یا مکروہ یا ناپسند تھا،مال سے زکوۃ،حج،قربانی،جہاد ہوتے ہیں۔اچھی چیزوں کا ذریعہ اچھا ہوتا ہے گویا اس زمانہ میں لوگوں کو زہد و قناعت مرغوب تھی۔

۲؎ یعنی اب اس زمانہ میں مال حلال بہت سے گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے کہ مؤمن کا اس کے ذریعہ چوری،حرام خوری،نام نمود،دکھاوا،محتاجی سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

۳؎ یعنی اگر میرے پاس دولت نہ ہوتی تو مجھے حکام رومال کی طرح استعمال کرتے کہ اپنی گندگی مجھ سے صاف کرتے، مجھے پیسوں کا لالچ دے کر غلط فتویٰ لیتے اور میرے فتووں سے اپنے ظلم جائز کرالیا کرتے،غریب مولوی کا علم امیروں کے پیسہ پر نچھاور ہوتاہے الا ماشاء اللہ۔مندیل بنا ہے ندل سے بمعنی میل،مندیل میل دور کرنے کا آلہ یعنی رومال،مالدار کا مولیٰ صرف اللہ تعالٰی ہے غریب کا مولیٰ ہر امیر ہے۔

۴؎ یعنی اپنے مال کو ضائع نہ ہونے دے اسے بڑھانے کی کوشش کرے،مال کی قدر کرے خصوصًا عالم دین کے لیے مال بہت ہی ضروری ہے کہ مالدار عالم کے وعظ میں تاثیر اور ہی ہوتی ہے۔

۵؎ دیکھ لو غریب مسلمانوں سے مال کے ذریعہ جھوٹی گواہیاں حرام پیسے بلکہ قتل و خون کرائے جاتے ہیں اور غریب علماء سے پیسہ کے ذریعہ غلط فتوے لکھوائے جاتے ہیں،غریب اماموں سے پیسہ دے کر ناجائز نکاح پڑھوائے جاتے ہیں،متھرا آگرہ کے علاقہ میں ہزار ہا غریب مسلمانوں کو پیسہ دے کر ہندو بنالیا گیا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

۶؎ یعنی حلال مال اس لائق نہیں کہ اسے فضول خرچی کرکے برباد کردیا جائے،اس کی قدرو منزلت کرنی چاہیے یا حلال مال میں فضول خرچی کی گنجائش نہیں وہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ اس میں فضول خرچی کی جائے۔اردو میں کہتے ہیں مال حرام بجائے حرام یا مال مفت دل بے رحم،یا یہ مطلب ہے کہ حلال روزی کو فضول خرچی سے اڑا کر دوسروں کا محتاج بن جانا حماقت ہے،اسے

سنبھالو تاکہ اوروں کے محتاج نہ بنو،قرآن کریم فرماتاہے:"لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوٰلَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا"اپنا مال ناسمجھ بچوں کو نہ دو اللہ نے مال کو تمہاری بقا کا ذریعہ بنایا ہے یا یہ مطلب ہے کہ حلال مال میں فضول خرچی بربادی نہیں واقع ہوتی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن پکارنے والا پکارے گا کہ ساٹھ سالہ لوگ کہاں ہیں ۱؎ یہ عمروہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالٰی فرماتا ہے کیا ہم نے تم کو اس قدر عمر نہ دی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑے ۲؎ اور آیا تمہارے پاس ڈرانے والا ۳؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی پہلے ساٹھ سالہ بوڑھے حاضر ہوں اپنی عمروں کا حساب دیں کہ انہوں نے اتنی دراز عمر کس کام میں خرچ کی۔

۲؎ کیونکہ انسانی عمر کے تین حصے ہوتے ہیں:بچپن،جوانی،بڑھاپا۔ساٹھ سالہ آدمی یہ تینوں حصہ پالیتا ہے،بچپن میں نہ سنبھلے تو جوانی میں سنبھل جائے،اگر جوانی میں نہ سنبھلے تو بڑھاپے میں ٹھیک ہو لیکن اگر بڑھاپے میں بھی نہ درست ہو تو پھر کب ہوگا اب تو صرف موت ہی باقی ہے لہذا بڈھا گنہگار کوئی عذر و معذرت نہیں کرسکتا۔

۳؎ ڈرانے والے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید یا بڑھاپا یا موت ہے،بوڑھے کے پاس یہ سارے ڈرانے والے پہنچ جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شداد سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ بنی عذرہ کے تین شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ مسلمان ہوگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں ہماری طرف سے کوئی سنبھالے گا ۲؎ جناب طلحہ بولے میں،تو وہ ان کے پاس رہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تو ان میں سے ایک اس لشکر میں گیا وہ شہید ہوگیا ۳؎ پھر اور لشکر بھیجا تو ان میں دوسرا گیا تو وہ شہید کردیا گیا پھر مرگیا تیسرا اپنے بستر پر ۴؎ راوی کہتے ہیں کہ جناب طلحہ نے فرمایا کہ میں نے ان تینوں کو جنت میں دیکھا ۵؎ اور اپنے بستر پر مرنے والے کو ان سب کے آگے دیکھا اور جو پیچھے شہید ہوا تھا اسے اس کے قریب دیکھا اور پہلے کو اس کے قریب دیکھا ۶؎ میرے دل میں اس سے کچھ آگیا ۷؎ تب پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو فرمایا کہ تم نے

اس میں سے کس چیز پر تعجب کیا اللہ کے نزدیک اس مؤمن سے کوئی افضل نہیں جسے اسلام میں زیادہ عمر دی جاوے ۸؎ اس کی تسبیح اس کی تکبیر اس کے کلمہ کی وجہ سے ۹؎	

۱؎ آپ تابعی ہیں،آپ کے والد شداد ابن اوس صحابی ہیں،حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خالہ ہیں،بڑے عالم متقی تھے، حضرت عمر،علی،معاذ ابن جبل،ابن عباس سے روایات لی ہیں رضی اللہ عنہ بلکہ اپنے والد،اپنی خالہ سے بھی روایات لی ہیں۔

۲؎ یعنی ان نو مسلم فقراء کا کھانا کپڑا وغیرہ ہمارے ذمہ ہے جو ہماری طرف سے ان کا خرچ برداشت کرے تاقیامت ہم جیسے فقیروں کا گزارہ حضور کے دروازے سے ہوتا رہے گا،دنیاوی وسیلے انہیں کے کرم کا مظہر ہیں۔

۳؎ یعنی یہ تینوں حضرات جناب ابو طلحہ کے مہمان دائمی رہے حتی کہ ایک جہاد میں ان تینوں میں سے ایک شخص شہید ہوگیا۔

۴؎ یہ تیسرے صاحب یا تو ان دو جہاد میں گئے ہی نہ تھے یا گئے تھے مگر شہید نہیں ہوئے تھےبعد میں بیماری سے اپنے بستر پر فوت ہوئے مگر تھے جہاد کے لیے بالکل تیار یعنی مرابط فی سبیل اللہ یہ قیود بہت خیال میں رہیں۔(مرقات)

۵؎ خواب میں دیکھا یا کشف سے۔(مرقات)یہ حدیث الہام اولیاء،کشف اولیاء کی دلیل ہے،بعض حضرات کشف قبور کرلیتے ہیں اس کا ماخذ بھی یہی ہوتا ہے۔

۶؎ یعنی انہیں جنت میں اس طرح دیکھا کہ تیسرے صاحب جو شہید نہ ہوئے تھے ان میں نمبر اول تھے،دوسرے شہید نمبر دوم ہیں اور پہلے شہید نمبر سوم ہیں یہ اولیت آخریت درجہ اور مرتبہ کی تھی کہ جیسا درجہ انہیں ملا تھا ویسا ہی انہوں نے دیکھا۔

۷؎ یعنی یہ ترتیب دیکھ کر مجھے ایسا سوال یا اشکال پیدا ہوا جس کو میں خود حل نہ کرسکا کہ غیر شہید تو نمبر اول اور شہداء اس کے ماتحت۔

۸؎ مقصد یہ ہے کہ دوسرے شہید کو پہلے شہید سے کچھ زیادہ عمر مل گئی اور تیسرے صاحب کو ان دونوں سے زیادہ عمر ملی،چونکہ انہیں ذکر اللہ،عبادت،اطاعت کا موقعہ زیادہ ملا اس لیے یہ دونوں اس پہلے شہید سے افضل ہوئے اور ان دونوں میں یہ تیسرے صاحب دوسرے شہید سے اعلیٰ ہوئے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ تیسرے صاحب بھی شہادت جہاد کے لیے تیار تھے اس لیے انہیں حکمی شہادت تو مل گئی ذکر اللہ میں بڑھ گئے لہذا ان کا درجہ زیادہ ہوگیا۔

۹؎ معلوم ہوا کہ مسلمان کی زندگی کا ہر دن بلکہ ہر ساعت اس کی نیکیاں بڑھ جانے کا ذریعہ ہے اللہ تعالٰی ایسی زندگی نصیب فرمائے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن ابو عمیرہ سے ۱؎ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے تھے،حضور نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ اپنی پیدائش کے دن سے اپنے چہرے کے بل گر جاوے حتی کہ اللہ کی اطاعت میں بوڑھا ہوکر مرجاوے ۲؎ تو اس دن اس عبادت کو حقیر سمجھے گا ۳؎ اور تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹایا جاوے تاکہ اجروثواب اور زیادہ کرے ۴؎ دونوں	

	حدیثیں احمد نے روایت کیں۔

۱؎ چونکہ محمد ابن ابو عمیرہ کی صحابیت مشہور نہ تھی اس لیے راوی نے یہ کہہ دیا کہ آپ حضور کے صحابی تھے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔(اشعہ)

۲؎ یہ فرضی صورت ہے جس سے بہت بڑا مسئلہ حل فرمایا گیا ہے یعنی فرض کرلو کہ کوئی شخص پیدا ہوتے ہی عبادت میں ایسے مشغول ہوجائے کہ کبھی کوئی کام نفس کے لیے نہ کرے اور اسی حال میں بوڑھا ہوکر مرجائے۔چہرے کے بل گر جانے کا مطلب ہے عبادات میں مشغول ہوجائے،ممکن ہے کہ اس سے سجدہ میں گرجانا مراد ہو بہرحال مطلب ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی یہی کہے گا کہ میں نے کچھ نہ کیا اور موقعہ ملتا تو اور کچھ کرلیتا۔

کچھ نہ کیا مگر چلا عمر کو مفت کھوچلا　　عرض ہے تم سے یا شہا میری طرف کو دیکھنا

۴؎ یعنی عبادات ریاضات کے لیے دنیا میں پھر بھیج دیا جاوے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ جسے رب تعالٰی بخش دے گا وہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا نہ کرے گا کہ وہاں مطلب یہ ہے کہ یہاں رہنے سہنے یہاں کے عیش کرنے کے لیے یہاں آنے کی تمنا نہ کرے گا یہ آرزو دوسرے مقصد کے لیے ہے۔

باب التوکل و الصبر

توکل اور صبر کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ توکل بنا ہے وکل سے یا وکول سے جس کے معنی ہیں اپنا کام دوسرے کے سپرد کردینا،اسی سے ہے وکیل۔اصطلاح میں توکل یہ ہے کہ اپنی عاجزی کا اظہار دوسرے پر بھروسہ کرنا،اسی سے ہے تکلان۔شریعت میں توکل کے معنی ہیں اپنے کام حوالہ بہ خدا کردینا۔توکل دو قسم کا ہے: توکل عوام،اسباب پر عمل کرکے نتیجہ خدا کے حوالے کردینا۔توکل خواص،اسباب چھوڑ کر مسبّب الاسباب پر نظر کرنا۔صبر کے معنی ہیں روکنا،شریعت میں صبر ہے مصیبت میں اپنے کو گھبراہٹ سے روکنا راضی بہ رضا رہنا۔صبر کی بہت قسمیں ہیں: عبادت پر صبر،گناہوں سے صبر،مصیبت میں صبر،یہ تینوں صبر بہت اچھے ہیں،یہاں تیسرے معنی کا صبر مراد ہے جیساکہ آئندہ احادیث سے معلوم ہوگا۔یہ تیسری قسم کا صبر کئی طرح ہے عوام کا صبر اور ہے،خواص الخواص کا اور،خواص کا کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر جنتر نہیں کرتے ۱؎ فال کے لیے چڑیاں نہیں اڑاتے ۲؎ اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی کفار کے چھو چھا سے بچتے ہیں ورنہ قرآنی آیات،دعاء ماثورہ سے دم کرنا سنت ہے بلکہ نامعلوم منتر پڑھنا ہی گناہ ہے جس کے معنی کی خبر نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ ان الفاظ کے شرکیہ معانی ہوں لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۲؎ اہل عرب جب کسی کام کو جاتے تو چڑیوں سے فال لیتے تھے کہ کوئی چڑیا دیکھتے تو اسے اڑاتے اگر داہنی طرف اڑ جاتی تو کہتے کہ ہمارا کام ہوجاوے گا،اگر بائیں طرف اڑتی تو کہتے کہ ہمارا کام نہ ہوگا واپس لوٹ آتے یہ حرام ہے۔

۳؎ توکل کے معانی ابھی عرض ہوئے۔یہاں شاید خواص کا توکل مراد ہے یعنی ترک اسباب اور نظر بر مسبّب الاسباب۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھ پر امتیں پیش کی گئیں ۱؎ تو نبی گزرنے لگے جن کے ساتھ صرف ایک شخص تھا کوئی نبی کہ ان کے ساتھ دو شخص تھے اور کوئی نبی کہ ان کے ساتھ جماعت تھی اور کوئی نبی کہ ان کے ساتھ ایک بھی نہ تھا ۲؎ پھر میں نے بڑی جماعت دیکھی جس نے کنارہ آسمان گھیر رکھے تھے میں نے امید کی کہ یہ میری امت ہو ۳؎ تو مجھ سے

فرمایا گیا کہ یہ موسیٰ ہی کی اپنی قوم ہے ۴؎ پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھئے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی جس نے کنارہ آسمان گھیرے ہوئے تھا پھر مجھ سے کہا گیا ادھر اور ادھر دیکھئے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی جس نے کنارے گھیرے ہوئے تھے ۵؎ کہا گیا یہ ہے آپ کی امت اور ان کے ساتھ ان کے آگے ستر ہزار وہ ہیں جو بلا حساب جنت میں جائیں گے ۶؎ وہ وہ ہیں جو نہ تو پرندے اڑاتے ہیں، نہ منتر جنتر کرتے ہیں اور نہ داغ لگاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ۷؎ حضرت عکاشہ ابن محصن کھڑے ہوگئے ۸؎ بولے حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے ان میں سے کرے، فرمایا الٰہی انہیں ان میں سے کردے ۹؎ پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا بولا دعا کیجئے اللہ مجھے ان میں سے کرے، فرمایا اس دعا میں تم پر عکاشہ سبقت لے گئے ۱۰؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہ پیشی یا تو میثاق کے دن ہوئی یا کسی خوابی معراج میں یا جسمانی معراج ہیں، تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جہاں اور چیزیں ملاحظہ فرمائیں وہاں ہی سارے نبی مع ان کی اپنی امتوں کے حال آنکھوں سے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے کوئی نبی اور ہر نبی کا کوئی امتی غائب نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا ہے۔

۲؎ یعنی بعض نبی دنیا میں بھی گزرے جن کی بات ایک شخص نے بھی نہیں مانی وہ ہمارے سامنے اکیلے ہی پیش ہوئے، بعض نبی وہ جن کی دعوت صرف ایک نے یا دو نے یا جماعت نے قبول کی وہ نبی ہمارے سامنے اسی طرح ایک دو یا زیادہ کے ساتھ پیش ہوئے۔ معلوم ہوا کہ امت سے مراد امت اجابت ہے۔

۳؎ یعنی اس جماعت کی یہ زیادتی دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ میری امت ہوگی کیونکہ میرا دن قیامت تک ہے اور ہر زمانہ میں لاکھوں آدمی مسلمان ہیں۔

۴؎ یعنی یہ امت آپ کی نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ہے جو ان پر ایمان لائے اور ایمان پر ہی مرے مرتد نہ ہوئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کے اندازہ میں غلطی ہوسکتی ہے تبلیغی احکام میں غلطی نہیں ہوسکتی ورنہ شریعت محفوظ نہ رہے گی، یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کو علم آہستگی سے دیا گیا۔ خیال رہے کہ یہ لوگ صرف سامنے ہی تھے مگر تھے بہت کہ تاحد نظر آدمی ہی آدمی تھے۔

۵؎ یعنی اس جماعت کی کثرت کا یہ حال تھا کہ آگے داہنے بائیں ہر طرف اس کثرت سے آدمی تھے کہ تاحد نظر آدمی ہی آدمی تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری امت کو ملاحظہ فرمایا حضور سے کوئی شخص پوشیدہ نہیں۔

۶؎ مع ھولاء میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اسی جماعت میں یہ لوگ بھی ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کے علاوہ ستر ہزار وہ بھی ہیں جو بغیر حساب جنتی ہیں، پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ ستر ہزار سے مراد بے شمار لوگ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ خاص تعداد ہی مراد ہو، یعنی ساری امت میں ستر ہزار بے حساب جنتی ہیں۔ اس دوسرے احتمال کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ فرمایا کہ ان ستر ہزار میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار ہوں گے، قرآن مجید میں ہے "یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ"۔ اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا حساب نہ ہوگا بعض لوگ حساب سے مستثنیٰ بھی ہوں گے۔

۷؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ بے حساب جنتی وہ ہیں جو ان اعمال کی وجہ سے بے حساب بہشت میں جائیں گے،ان کے علاوہ اور بہت سی قسم کے لوگ بے حساب جنتی ہیں جیسے نابالغ فوت شدہ بچے،دیوانے صدیقین وغیرہ۔خیال رہے کہ یہاں حساب سے محشر کا حساب مراد ہے نہ کہ قبر کا حساب۔قبر کے حساب سے تو بہت سے لوگ مستثنٰی ہیں،قبر کے حساب سے آٹھ قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے حتی کہ جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہوا بلکہ جو روزانہ موت کو یاد کرلیا کرے وہ بھی حساب سے محفوظ ہے،قبر میں ایمان کا حساب ہے محشر میں اعمال کا حساب۔

۸؎ حضرت عکاشہ مشہور صحابی ہیں،بدر اور بعد بدر تمام غزوات میں شریک ہوئے،بدر میں آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور انور نے آپ کو کھجور کی چھڑی عنایت فرمائی جو آپ کے ہاتھ میں پہنچتے ہی تلوار بن گئی،حضور نے آپ کو جنت کی بشارت دی،۴۵ پینتالیس سال عمر پائی،خلافت صدیقی میں وفات ہوئی،آپ سے حضرت ابوہریرہ عبداللہ ابن عباس اور خود آپ کی بہن ام قیس بنت محصن نے روایات لی ہیں،آپ کا کھڑا ہونا عرض معروض کے لیے تھا۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے سامنے کھڑے ہوکر عرض کرنا سنت صحابی ہے۔

۹؎ بعض روایات میں ہے کہ فرمایا **انت منھم**،ہوسکتا ہے کہ دعا بھی دی ہو اور بشارت بھی۔اس دعا سے معلوم ہوا کہ حضرت عکاشہ اس جماعت میں حضور کی دعا کی برکت سے داخل ہوئے۔(مرقات)

۱۰؎ یہ دوسرے صاحب حضرت سعد ابن عبادہ تھے۔(اشعہ و مرقات)اسی جواب عالی سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے انجام سب کے مقام و درجات کی خبر ہے کہ ایک صاحب کے لیے دعا فرمائی خبر تھی کہ یہ ان میں سے ہیں دوسرے کے لیے خبر تھی یہ ان میں سے نہیں،اب جواب کا مطلب یہ نہیں کہ جنت میں اب کوئی سیٹ خالی نہیں رہی یا وہ جماعت پوری ہوچکی تم کیسے داخل ہوؤ گے،مطلب یہ ہی ہے کہ تم اس جماعت سے نہیں تمہارے لیے دعا کیسے کی جائے۔

روایت ہے حضرت صہیب سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب ہے مرد مسلمان پر کہ اس کے سارے کام خیر ہیں ۲؎ یہ بات کسی کو حاصل نہیں ہوتی سواء مرد مؤمن کے کہ اگر اسے راحت پہنچے تو شکر کرے تو اس کے لیے راحت خیر ہو اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرے تو صبر اس کے لیے بہتر ہے ۳؎(مسلم)	

۱؎ آپ صہیب ابن سنان ہیں،حضرت عبداللہ ابن جدعان کے آزاد کردہ،آپ کی کنیت ابو یحیی ہے،اصلی باشندے موصل کے ہیں مگر رومیوں نے آپ کو قید کرکے روم پہنچا دیا،پھر مکہ معظّمہ میں آپ فروخت ہوکر آئے،مکہ میں ہی ایمان لائے،اللہ کی راہ میں بہت ستائے گئے،آپ کے متعلق یہ آیت اتری"وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللہِ"نوے سال کی عمر ہوئی، ۸۰ھ میں وفات پائی،جنت البقیع میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ یعنی مؤمن کے لیے دنیا میں خیر بھی خیر ہے،شر بھی خیر،راحت و آرام بھی خیر ہے،مصیبت و آلام بھی خیر،وہ ہر طرح نفع میں ہے۔

۳؎ یعنی مؤمن نعمتیں پاکر شاکر بن جاتا ہے اور مصیبتیں پاکر صابر بن جاتا ہے۔خیال رہے کہ شکر و صبر دونوں تین قسم کے ہوتے ہیں: دلی،قولی،عملی،یعنی جنانی،لسانی،ارکانی۔مالدار کا زکوۃ نکالنا عملی شکر ہے،یہ ہی حال صبر کا ہے۔حضرت عمر فرماتے ہیں کہ امیری،فقیری دو سواریاں ہیں مجھے پرواہ نہیں کہ کس سواری پر سوار ہوجاؤں۔(مرقات)

فقر و شاہی واردات مصطفٰی است

کافر فقیر ہو تو رب کی شکایتیں کرکے کافر رہتا ہے،امیر ہو تو فخر و تکبر کرکے اپنا کفر اور زیادہ کرلیتا ہے،مؤمن کا ہر حال اچھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوی مسلمان کمزور مسلمان سے اچھا ہے اور اللہ کو پیارا ہے ۱؎ بھلائی سب میں ہے ۲؎ اس پر حرص کرو جو تمہیں نفع دے اور اللہ سے مدد مانگو عاجز نہ ہو ۳؎ اور اگر تمہیں کچھ تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں وہ کام کرلیتا تو ایسا ہو جاتا ۴؎ لیکن کہو کہ اللہ نے یہ ہی مقدر کیا تھا جو اس نے چاہا کیا کیونکہ اگر مگر شیطان کام کھولتا ہے ۵؎(مسلم)

۱؎ یہاں قوی اور ضعیف سے بدن کا قوی ضعیف مراد ہے یعنی تندرستی و صحت اور مضبوط بدن والا مسلمان کمزور بیمار مسلمانوں سے زیادہ اچھا ہے کہ تندرست مسلمان نماز وروزہ حج بلکہ جہاد وغیرہ عبادات بے تکلف کرسکتا ہے لہذا مسلمان بیمار رہنے کی تمنا نہ کرے بیماری کا فورًا علاج کرکے تندرست ہو جائے۔ ممکن ہے کہ قوی و ضعیف سے مراد دل کا قوی و ضعیف ہو یعنی وہ مسلمان جو لوگوں میں رہ کر انکی سختی برداشت کرکے ان کو راہ راست پر لگائے وہ اس مسلمان سے اچھا ہے کہ کسی کی برداشت نہ کرسکے، گوشہ نشین ہو کر زندگی گزار دے اور ہوسکتا ہے کہ قوی وضعیف اعتقاد کا قوی وضعیف مراد ہو کہ وہ مؤمن جو ہر راحت و تکلیف کو جھیل جاوے، رب کے دروازے سے نہ ہٹے وہ اس مؤمن سے اچھا ہے جو اعتقاد کا کمزور ہو، ذرا سی خوشی یا رنج میں رب کے دروازے سے بھاگ جائے، بہر حال اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔

۲؎ یعنی مؤمن خواہ قوی ہو یا ضعیف دونوں میں خیر ہے ان میں سے کوئی شر نہیں، کافر شر بھی ہے شریر بھی مگر فرق مراتب ضروری ہے۔

۳؎ یعنی جو چیز تم کو دینی نفع دے اس میں قناعت نہ کرو، خوب حرص کرو، اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو مگر اپنی کوشش پر بھروسہ نہ کرو اللہ پر توکل کرو۔ خیال رہے کہ دنیاوی چیزوں میں قناعت اور صبر اچھا ہے مگر آخرت کی چیزوں میں حرص اور بے صبری اعلیٰ ہے، دین کے کسی درجہ پر پہنچ کر قناعت نہ کرلو آگے بڑھنے کی کوشش کرو، رب فرماتا ہے: "فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ"۔ ؎

حاجتے نیست مرا سیر ازیں آبحیات | ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

حریص مال برا مگر حریص اعمال اچھا، رب تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا: "حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ"۔

۴؎ کیونکہ یہ کہنے میں دل کو رنج بھی بہت ہوتا ہے رب تعالٰی ناراض بھی ہوتا ہے اگر میں اپنا فلاں وقت فروخت کردیتا تو بڑا نفع ہوتا مگر میں نے غلطی کی کہ اب فروخت کیا ہائے بڑی غلطی کی یہ برا ہے لیکن دینی معاملات میں ایسی گفتگو اچھی یہاں دنیاوی نقصانات مراد ہیں۔

۵؎ یعنی اس اگر مگر سے انسان کا بھروسہ رب تعالٰی پر نہیں رہتا اپنے پر یا اسباب پر ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں دنیا کے اگر مگر کا ذکر ہے، دینی کاموں میں اگر مگر اور افسوس وندامت اچھی چیز ہے، اگر میں اتنی زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارتا تو متقی ہو جاتا مگر میں نے گناہوں میں گزاری ہائے افسوس! یہ اگر مگر عبادت ہے اگر میں حضور کے زمانہ میں ہوتا تو حضور کے قدموں پر جان قربان کردیتا مگر میں اتنے عرصہ بعد پیدا ہوا ہائے افسوس یہ عبادت ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

جو ہم بھی وہاں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر اللہ پر جیسا چاہیے ویسا توکل کرو ۱؎ تو تم کو ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر لوٹتے ہیں ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ حق توکل یہ ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالٰی کو ہی جانے،بعض نے فرمایا کہ کسب کرنا نتیجہ اللہ پر چھوڑنا حق توکل ہے،جسم کو کام میں لگائے دل کو اللہ سے وابستہ رکھے۔

۲؎ تجربہ بھی ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والے بھوکے نہیں مرتے۔کسی نے کیا خوب کہا شعر

رزق نہ رکھیں ساتھ میں پنچھی اور درویش   جن کا رب پر آسرا ان کو رزق ہمیش

خیال رہے کہ پرندے تلاش رزق کے لیے آشیانہ سے باہر ضرور جاتے ہیں،ہاں درختوں میں چلنے کی طاقت نہیں تو انہیں وہاں ہی کھڑے کھڑے کھاد پانی پہنچتا ہے،کوّے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے تو سفید ہوتا ہے،اس کے ماں باپ اس سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں،اللہ تعالٰی اس بچے کے منہ پر بھنگے جمع کردیتا ہے یہ بچہ انہیں کھا کر بڑا ہوتا ہے جب کالا پڑ جاتا ہے تب ماں باپ آتے ہیں۔(دیکھو مرقات)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو نہیں ہے کوئی وہ چیز جو تم کو جنت سے نزدیک اور دوزخ سے دور کردے مگر میں نے تم کو اس کا حکم دے دیا اور نہیں ہے کوئی وہ چیز جو تمہیں آگ سے نزدیک اور جنت سے دور کردے مگر میں نے تمہیں اس سے منع کردیا ۱؎ اور روح الامین نے،ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں ڈالا ۲؎ کہ کوئی جان نہ مرے گی حتی کہ اپنا رزق پورا کرے ۳؎ خیال رکھو کہ اللہ سے ڈرو تلاش رزق میں درمیانی راہ اختیار کرو ۴؎ اور رزق میں دیر لگنا تم کو اس پر نہ اکسائے کہ تم اللہ کی نافرمانی سے رزق ڈھونڈو ۵؎ کیونکہ اللہ کے پاس کی چیزیں اس کی فرماں برداری سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں ۶؎ (شرح سنہ،بیہقی شعب الایمان) مگر بیہقی نے یہ عبارت روایت نہ کی انّ روح القدس۔	

۱؎ یعنی تبلیغ مکمل کردی کوئی حکم چھپایا نہیں۔

۲؎ روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یہ حدیث وحی خفی ہے۔

۳؎ رزق سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ کھانا پانی،ہوا،دھوپ،زمین پر چلنا وغیرہ سب ہی ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی دی ہوئی روزی ہیں۔بندہ کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی سانسیں،پانی غذا سب مقرر ہوجاتی ہیں۔جب بندہ اپنا طے شدہ حصہ استعمال کرلیتا ہے تب اسے موت آتی ہے۔دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ مرتے وقت تین چار دن تک بے ہوش پڑے رہتے ہیں صرف سانس لیتے رہتے ہیں،کچھ کھاتے پیتے نہیں کیونکہ ابھی ان کے حصے کی

ہوا میں کچھ سانسیں باقی ہوتی ہیں، اپنا پانی کھانا پورا استعمال کرچکتے ہیں وہ سانسیں پوری کرنے کے لیے اس طرح پڑے رہتے ہیں یہ ہے اس حدیث کا ظہور، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ" یہ ہے اس حدیث کی تائید۔

۴؎ یعنی حلال ذریعہ سے روزی کماؤ حرام ذریعوں سے بچو، حرام ذریعوں سے کمانا افراط ہے اور بالکل کمائی نہ کرنا بیکار بیٹھ رہنا تفریط درمیانی راہ یہ ہے۔

۵؎ یعنی اگر کبھی روزی کم ملے یا کچھ روز کے لیے نہ ملے تو چوری، جوا، رشوت، خیانت، غصب وغیرہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو حلال کام کیے جاؤ اس کی مہربانی سے امید رکھو ؎

گر زمیں را بہ آسماں روزی   نہ دہندت زیادہ از روزی

۶؎ یعنی سب کی روزی اللہ کے ہی پاس ہے اگر تم نے اسے حرام ذریعہ سے حاصل کیا تو وہ حرام ہو کر تم تک پہنچی رب بھی ناراض ہوا مگر ملا وہ ہی جو تمہارا حصہ تھا اور اگر حلال ذریعہ سے حاصل کیا تو وہ حلال ہو کر تمہارے پاس پہنچا اللہ تعالٰی بھی راضی ہو گیا ملا تمہارا حصہ ہی۔اس سے معلوم ہوا کہ حرام روزی بھی اللہ کا رزق ہے، نیز اس میں قاعدہ بتایا گیا کہ کسی سے کچھ لینا ہو تو اسے راضی کر کے لو، اللہ سے سب کچھ لینا ہے تو اسے ہمیشہ خوش کرنے کی کوشش کرو۔ یہاں ما عند اللہ سے مراد وہ روزی ہے جو ہم تک حلال راستہ سے پہنچے، بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنت ہے۔واللہ اعلم! (اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دنیا میں زہد و تقوٰی نہ تو حلال کو حرام کرلینے سے ہے۱؎ اور نہ مال برباد کرنے سے ۲؎ لیکن دنیا میں زہد یہ ہے کہ اپنے قبضہ کی چیز پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ کر جو اللہ کے قبضہ میں ہے ۳؎ اور جب تو مصیبت میں گرفتار ہو تو مصیبت کے ثواب میں زیادہ راغب ہو اگر وہ تجھ پر باقی رکھی جاوے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب اور عمرو ابن واقد راوی منکر الحدیث ہے۔	

۱؎ بعض جھوٹے پیروں فقیروں کو دیکھا گیا کہ وہ گوشت اور دوسرے اعلٰی کھانے نہیں کھاتے ہمیشہ موٹا کھاتے موٹا پہنتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی جھوٹ غیبت، بھنگ چرس، ترک نماز میں مبتلا رہتے ہیں اور اسے فقیری بلکہ اولیائی سمجھتے ہیں وہ لوگ اس فرمان عالی کے مظہر ہیں، یہ لوگ پیر نہیں شیاطین ہیں کہ حرام چیز چھوڑتے نہیں حلال سے محروم ہو جاتے ہیں، فقیری کے لیے بھی علم شریعت کی ضرورت ہے۔

۲؎ مال برباد کرنے کی چند صورتیں ہیں اور وہ سب حرام ہیں: (۱) ناجائز جگہ خرچ کرنا (۲) بلاوجہ مال لٹا دینا (۳) بال بچے ہوتے ہوئے لوگوں میں مال بانٹ دینا (۴) سارا مال خیرات کر کے اپنے اور اپنی اولاد کو بھکاری فقیر بنا دینا۔ہاں حضرت ابوبکر صدیق اور انکے بال بچوں کی طرح جو صابر شاکر متوکل ہو وہ سب خیرات کرے ورنہ آج خیرات کر کے کل بھیک مانگے گا یہ حرام ہے۔

۳؎ یعنی تو متقی جب بنے گا جب تیرے دو اعتقاد ہو جاویں: ایک یہ کہ جو چیز تیرے ملک تیرے قبضہ میں ہے اگر اللہ نہ چاہے تو تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔دوسرے یہ کہ جو چیز نہ تیری ملک ہو نہ تیرے قبضہ میں مگر رب تعالٰی چاہے کہ تو اس سے نفع اٹھائے تو عنقریب وہ چیز تیرے پاس پہنچے گی اور تو اس سے نفع اٹھائے گا۔غرضکہ تیرا توکل اللہ پر ہو اپنے پر یا اپنی ملک پر یا اپنے قبضہ پر نہ ہو، یہ توکل انسان کو سچا بندہ بنا دیتا ہے۔بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے

کہ خود اپنے گھر میں پکا ہوا کھانا نصیب نہیں ہوا اور جہاں کا خیال بھی نہ ہو وہاں کھانا مل جاتا ہے خود فقیر نے آزمایا ہے یہ واقعات اس فرمان عالی کی شرح ہیں۔

۴؎ یعنی نیز متقی ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ اگر تجھ پر کوئی آفت آجائے اور تیرا دل چاہے کہ یہ آفت جلد ٹل جاوے پھر تجھے خیال آجائے کہ یہ مصیبت ثواب کا ذریعہ ہے تو تمہارے دل میں اس کی رغبت واقع ہو جانے کی رغبت سے زیادہ ہو، یہاں رغبت کا ذکر ہے دعا کا ذکر نہیں۔ مصیبت کی دعا کرنا ممنوع ہے مگر اس کے ثواب کی رغبت کرنا اچھا ہے، جب مصیبت آپڑے تو اس کی تکلیف پر نہ ہو اس کے ثواب پر نظر ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا ۱؎ تو فرمایا اے لڑکے حقوق الٰہی کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا ۲؎ تو اسے اپنے سامنے پائے گا ۳؎ اور جب مانگو تو اللہ سے مانگو جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو ۴؎ اور یقین رکھو کہ اگر پوری امت اس پر متفق ہو جائے کہ تم کو نفع پہنچائے تو وہ تم کو کچھ نفع نہیں پہنچاسکتی مگر اس چیز کا جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ۵؎ اور اگر اس پر متفق ہو جاویں کہ تمہیں کچھ نقصان پہنچادیں تو ہر گز نقصان نہیں پہنچاسکتے مگر اس چیز سے جو اللہ نے لکھی ۶؎ قلم اٹھ چکے دفتر خشک ہو چکے ۷؎ (احمد، ترمذی)	

۱؎ یعنی میں حضور کے ساتھ ایک سواری پر سوار تھا بہت ہی قریب سے میں نے یہ فرمان عالی سنا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت ابن عباس کی اکثر روایتیں ارسالاً ہوتی ہیں کہ صحابی واسطہ ہوتا ہے جسے آپ اکثر بیان نہیں کرتے یہ روایت اتصالاً ہے۔ (مرقات) آپ کی پیدائش ہجرت سے تین سال پہلے ہے، حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی مگر اس امت کے بڑے عالم تھے، آپ نے دوبارہ جبریل کو دیکھا، آخری عمر شریف میں نابینا ہوگئے تھے، طائف میں قیام رہا، ۶۸ھ میں وفات پائی، اکہتر سال عمر پائی۔ (مرقات)

۲؎ یعنی تم دنیا میں اپنے ہر کام ہر چیز میں احکام الٰہیہ کا لحاظ رکھو، جائز کام کرو ناجائز سے بچو، اللہ کی رضا کے کام کرو ناراضی کے کاموں سے بچو تو اللہ تعالٰی تم کو دینی و دنیاوی آفتوں سے بچائے گا۔

۳؎ یعنی ہر مصیبت میں رب تعالٰی کی رحمت تمہارے دل پر وارد ہو گی جس کے اثر سے تمہارے دل پر غم طاری نہ ہو گا۔

۴؎ یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز، اعلیٰ ادنی مدد اللہ تعالٰی سے مانگو، یہ خیال نہ کرو کہ اتنے بڑے دربار میں ایسی ادنی چیز کیوں مانگو، دوسرے کریم مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں اللہ تعالٰی نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ مجازی طور پر بادشاہ، حاکم، اولیاء، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنا خدا تعالٰی سے ہی مانگنا ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالٰی کے خدام اللہ کے حکم سے اللہ کی نعمت دیتے ہیں، ان سے مانگنا بالواسطہ رب سے ہی مانگنا ہے لہذا یہ حدیث ان قرآنی آیات اور احادیث کے خلاف نہیں جن میں بندوں سے مانگنے کا ذکر یا حکم ہے۔

۵؎ یعنی ساری دنیا مل کر تم کو نفع نہیں پہنچاسکتی اگر کچھ پہنچائے گی تو وہ ہی جو تمہارے مقدر میں لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کا لکھا ہوا نفع دنیا پہنچاسکتی ہے۔ طبیب کی دوا شفا دے سکتی ہے، سانپ کا زہر جان لے سکتا ہے مگر یہ اللہ تعالٰی کا طے شدہ اس کی طرف سے، حضرت یوسف کی قمیص نے دیدۂ یعقوبی کو شفا بخشی، حضرت عیسیٰ مردے زندہ، بیمار اچھے کرتے تھے مگر اللہ کے اذن سے۔

۶؎ لکھنے سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہے اگرچہ وہ تحریر قلم نے کی مگر چونکہ اللہ کے حکم سے کی تھی اس لیے کہا گیا کہ اللہ نے لکھا۔ مطلب ظاہر ہے کہ اگر سارا جہاں مل کر تمہیں کوئی نقصان دے تو وہ بھی طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہوگا کہ لوح محفوظ میں یوں ہی لکھا جاچکا تھا۔خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی نافع، حقیقی ضار اللہ تعالٰی ہی ہے دنیا اس کی مظہر ہے۔ شعر

گرچہ تیر از کماں ہمی گزرد　　　　از کماں دار بیند اہل خرد

۷؎ یعنی تا قیامت جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب سے پہلے ہی لکھا جاچکا ہے بار بار ہر واقعہ کی تحریر نہیں ہوتی۔ہم مسئلہ تقدیر میں عرض کرچکے ہیں تقدیر تین قسم کی ہے: مبرم، معلق اور معلق مشابہ مبرم۔تقدیر مبرم میں ترمیم تبدیلی ناممکن ہے مگر تقدیر معلق میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، تقدیر مبرم علم الٰہی سے اور معلق لوح محفوظ کی تحریر،اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: "یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الْکِتٰبِ"۔خیال رہے کہ تدبیر بھی تقدیر میں آچکی ہے لہذا تدبیر سے غافل نہ رہو مگر اس پر اعتماد نہ کرو نظر اللہ کی قدرت و رحمت پر رکھو۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ انسان کی نیک بختی سے ہے اس کا اللہ کے فیصلہ سے راضی ہونا ۱؎ اور انسان کی بد بختی اس کا اللہ سے خیر مانگنا چھوڑ دینا ہے ۲؎ انسان کی بد بختی سے ہے کہ اس کا اپنے متعلق اللہ کے فیصلہ سے ناراض ہونا ہے ۳؎(احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی سعادت، شقاوت ایک غیبی چیز ہے مگر ان دونوں کی علامات ہیں جو بندہ اللہ تعالٰی کی رضا پر راضی اس کی قضا پر سر جھکائے رہے سمجھ لو کہ ان شاء اللہ یہ سعید ہے،اس کا خاتمہ اچھا ہونے والا ہے اس کے برعکس ہو تو علامت بد بختی کی ہے۔

۲؎ حضرت انس نے مرفوعًا روایت فرمایا کہ جو استخارہ کرے گا نقصان نہ اٹھائے گا،جو مشورہ کرے گا وہ شرمندہ نہ ہوگا،جو درمیانی خرچ رکھے گا وہ فقیر نہ ہوگا۔(طبرانی،مرقات) بعض علماء فرماتے ہیں کہ چار شخص چار نعمتوں سے محروم نہ ہوں گے: شکر گزار بندہ زیادتی نعمت سے محروم نہیں ہوتا،توبہ کرنے والا بندہ قبولیت سے،استخارہ کرنے والا خیر سے،مشورہ کرنے والا درستی سے محروم نہیں۔

۳؎ یعنی جو اللہ کے حکم سے ناراض ہے اس کی شکایتیں کرتا رہے وہ بدنصیب ہے۔خیال رہے کہ مصیبتوں کو دفع کرنے کے لیے تدبیریں کرنا برا نہیں بلکہ اس کا حکم ہے،رب کے فیصلے سے ناراض ہوکر اس کی شان میں بکواس کرنا برا ہے جیسا کہ بعض جاہلوں کا طریقہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا ۱؎ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم واپس ہوئے تو وہ بھی حضور کے ساتھ واپس ہوئے ایک بہت خار دار درختوں والے جنگل میں انہیں دوپہری آئی ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اترے اور لوگ درختوں سے سایہ لینے کے لیے الگ الگ ہوگئے رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک خار دار درخت کے نیچے اترے اس سے اپنی تلوار لٹکادی ہم کچھ سوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو پکارنے لگے ۳؎ آپ کے پاس ایک دیہاتی تھا تو فرمایا کہ اس شخص نے مجھ پر میری تلوار سونت لی میں سورہا تھا میں جاگا تو تلوار اس کے ہاتھ میں پڑی تھی ۴؎ بولا مجھ سے آپ کو کون بچائے گا تو میں نے تین بار کہا اللہ ۵؎ حضور نے اس سے بدلہ نہ لیا وہ بیٹھ گیا ۶؎ (مسلم،بخاری) ابو بکر اسماعیل کی صحیح روایت میں یوں ہے کہ وہ بولا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی ۷؎ تو تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی پھر فرمایا تجھے مجھ سے کون بچائے گا وہ بولا آپ بہترین پکڑ فرمانے والے ہو ۸؎ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں وہ بولا نہیں لیکن میں آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ نہ آپ سے جنگ کروں گا اور نہ آپ سے لڑنے والی قوم کے ساتھ رہوں گا ۹؎ تو حضور نے اس کا راستہ چھوڑ دیا ۱۰؎ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا بولا میں تمہارے لوگوں میں سب سے بہترین کے پاس سے آرہا ہوں ۱۱؎ کتاب حمیدی اور ریاض میں یوں ہی ہے۔

۱؎ نجد کے لفظی معنی ہیں اونچی زمین،اصطلاح میں عرب کے ایک مشہور صوبہ کا نام نجد ہے۔عرب کے پانچ صوبے ہیں: حجاز،عراق،بحرین،نجد، یمن۔چونکہ نجد کی زمین حجاز سے اونچی ہے اس لیے اسے نجد کہتے ہیں،وسیع راستہ کو نجد کہا جاتا ہے،رب فرماتا ہے: "وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" نجد کا علاقہ تہامہ اور عراق کے درمیان ہے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی واپسی میں ایک دن ایسے جنگل میں ان صحابہ کو دوپہری کا آرام کرنا پڑا جہاں خار دار درخت بہت تھے،حسب معمول صحابہ کرام اس جنگل میں الگ ٹھہر گئے اور ایک گھنا درخت جس کا سایہ زیادہ تھا حضور انور کے آرام کے لیے چھوڑ دیا جہاں حضور نے تنہا آرام کیا ان حضرات کا پہلے سے ہی یہ ہی دستور تھا۔

۳؎ یعنی آج خلاف معمول وقت سے پہلے ہی حضور انور بیدار ہوگئے اور ہم کو بھی آواز دے کر جگایا اپنے پاس بلایا۔

۴؎ اس بدوی کا نام معلوم نہ ہوسکا غالبًا یہ عرصہ سے اسی موقعہ کی تاک میں تھا جو اس نے آج پایا تھا اور اس نے اس موقعہ سے اپنا خیال میں پورا فائدہ اٹھایا۔

۵؎ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل خاص اور مخلوق سے بے خوفی کہ ایسے نازک موقعہ پر بھی دل میں گھبراہٹ نہ آئی نہایت سکون سے یہ جواب دیا،اس توکل کا نتیجہ وہ ہوا جو یہاں مذکور ہے،اللہ تعالٰی اپنے بندوں کا حافظ و ناصر ہوتا ہے۔

۶؎ وہ شخص یہ اخلاص کریمانہ دیکھ کر گرویدہ ہوگیا اور بیٹھ گیا ورنہ حضور نے اسے بیٹھنے کو نہ فرمایا تھا۔

۷؎ حضور کے اس فرمان سے اس پر ہیبت طاری ہوگئی جس کے نتیجہ میں تلوار چھوٹ پڑی۔

اس کی باتوں کی لذت پہ دائم درود اس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

۸؎ اخذ کے معنی ہیں پکڑ کرنے والا، بدلہ لینے والا یا تلوار پکڑنے والا یعنی آپ مجھے اس حرکت کا بہترین بدلہ دیجئے کہ خطا میں نے کرلی ہے عطا آپ کردو، گناہ میں نے کرلیا معافی آپ دے دیجئے، جس لائق میں تھا وہ میں نے کرلیا جو آپ کی شان عالی کے لائق ہے وہ آپ کرو، پھل والے درخت کو پتھر مارتے ہیں تو وہ ان پر پھل گراتا ہے۔

۹؎ یعنی میں منافق نہیں ہوں کہ دل میں کفر رکھوں اور زبان سے کلمہ پڑھ دوں، ہاں اتنا وعدہ ہے کہ کبھی آپ سے مقابل نہ آؤں گا آپ کے سامنے میری آنکھ نہ اٹھے گی۔

۱۰؎ یعنی اس سے فرمایا جا تجھے اجازت ہے ہم تجھے معافی دیتے ہیں، حضور نے اسے اپنے دامن کرم میں بلایا تھا مگر وہ آیا نہیں۔

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ — تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اے میرے رب جب تیرے بندہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم خسروانہ عنایت شاہانہ کا یہ حال ہے تو مولیٰ تو توان کا رب ہے، ارحم الراحمین ہے، تیرے کرم و عفو وسخا کا کیا پوچھنا میرے مولیٰ انہیں رؤف رحیم محبوب کا صدقہ ہم مجرموں سے درگزر فرما معافی دے دے۔

مہ فشاند نور سگ عوعو کند — ہر کے بر طینت خود می کند

جب چاند چمکتا ہے تو کتا اس پر بھونکتا ہوا حملہ کرتا ہوا اچھلتا ہے تو چاند اس کے کھلے ہوئے منہ میں نور ڈال دیتا ہے، حضور چاند ہیں اس دشمن کو بھی ایمان دے رہے ہیں۔

۱۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بدن تو آزاد ہوگیا مگر دل مقید ہوگیا کیا تعجب ہے کہ بعد میں اسے ایمان بھی نصیب ہوگیا ہو۔ **واللہ ورسولہ اعلم!**

روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اسے اختیار کرلیں تو وہ انہیں کافی ہو ۱؎ کہ جو اللہ سے ڈرے گا ۲؎ تو اللہ اس کے لیے چھٹکارا بنادے گا اور بے گمان جگہ سے اسے روزی دے گا ۳؎ (احمد،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یعنی اگر اس آیت کریمہ پر تمام دنیا عمل کرے دین و دنیا کے رنج و غم سے اور فکروں سے آزاد ہوجاوے، یہ ایک آیت سب کے لیے کافی ہے۔

۲؎ یہاں تقویٰ سے مراد تقویٰ عامہ ہے یعنی اللہ رسول کے احکام پر عمل کرنا اور جن چیزوں سے انہوں نے منع فرمایا ہے ان سے بچے رہنا تقویٰ ہے، اللہ کی بڑی نعمت ہے جس پر اس کا کرم ہوتا ہے اسے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔

۳؎ اللہ تعالٰی نے اس آیت میں تقویٰ پر وعدے فرمائے ایک تو ہر مشکل و مصیبت سے نجات ملنا اور غیب سے روزی عطا ہونا۔ خیال رہے کہ مصیبت و بلا اور چیز ہے رب تعالٰی کا امتحان کچھ اور، مصیبت سے نجات ملنا چاہیے مگر امتحان میں کامیابی ہونی چاہیے۔ حضرت حسین امام المتقین ہے کربلا میں اللہ نے آپ کو ایسی کامیابی عطا فرمائی جس کی مثال نہیں۔ شعر

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے — اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

لہذا اس آیت کریمہ پر یہ اعتراض نہیں کہ جناب حسین یا امام احمد بن حنبل متقی تھے مگر ان سے مصیبت نہ ٹلی، وہ مصیبت نہ تھی آزمائش تھی۔ جو شخص اس آیت کریمہ کو ورد میں رکھے اسے دست غیب نصیب ہوجاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

اذا المرء امسی حلیف التقی — فلم یخشی من طارق حله

الم تسمع اللہ سبحانہ	و من یتق اللہ یجعل لہ
	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھائی میں ہوں روزی رساں بڑی قوت والا۱ (ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱یہ قرأۃ شاذہ ہے،قرأۃ متواترہ یہ ہے"اِنَّ اللہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ"متین کے معنی ہیں شدید،یہ شاذہ قرأت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے ۱جن میں سے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تھا۲ اور دوسرا کوئی پیشہ کرتا تھا۳ تو کماؤ پیشہ والے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی ۴ تو فرمایا شاید تجھے اس کی برکت سے روزی مل رہی ہے ۵(ترمذی اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے)

۱ غالبًا سگے بھائی تھے جن کا کھانا پینا مشترک تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲ یہ شخص اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف کرچکا تھا حضور کے پاس علم دین سیکھنے آتا تھا۔یہ رسم آج تک چلی آرہی ہے کہ بعض لوگ اپنے کو علم دین کے لیے وقف کردیتے ہیں اور مسلمان ان کا خرچہ اٹھاتے ہیں،اصحاب صفہ بھی ایسے ہی لوگ تھے رضی اللہ عنہم۔

۳ مرقات نے فرمایا کہ وہ طالب علم غیر شادی شدہ تھا اور یہ کمانے والا بال بچوں والا تھا اس طالب علم کا خرچہ یہ کماؤ بھائی ہی اٹھاتا تھا۔معلوم ہوا کہ طالب علم کی خدمت کرنا خرچہ دینا بہت بڑی عبادت ہے۔

۴ اور عرض کیا حضور اس کو طلب علم سے منع فرمادیں اور اسے کمائی کرنے کا حکم دے دیں تاکہ یہ اپنی دنیا سنبھال لے اس کی شادی وغیرہ کا انتظام ہوسکے مجھ سے اس کا بوجھ اتر جائے۔

۵ یعنی تو اسے علم دین سیکھنے دے اس کا خرچہ تو برداشت کیے جا اللہ تعالٰی اس کا رزق تیرے دستر خوان پر بھیجے گا،تجھے برکتیں ہوں گی۔اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بعض لوگوں کا اپنے کو علم دین کے لیے وقف کردینا سنت صحابہ ہے۔عالم دین بننا فرض کفایہ ہے،بقدر ضرورت علم دین سیکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔دوسرے یہ کہ ان طالب علموں کا خرچ مسلمانوں کو اٹھانا چاہیے ان شاءاللہ اس میں بڑی برکت اور بڑا ثواب ہے۔تیسرے یہ کہ اپنے غریب قرابت داروں کی مدد کرنا بڑی برکت کا باعث ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ"اور جب ایک شخص غریب بھی ہو،قرابت دار بھی اور طالب علم بھی اس پر خرچہ کرنا نور علی نور ہے۔خیال رہے کہ حضور انور کا لعل فرمانا شک کے لیے نہیں،کریموں کی شاید بھی یقینی بلکہ حق الیقینی ہوتی ہے۔حدیث شریف میں ہے وھل ترزقون الا بضعفاء کم وہ حدیث اس فرمان عالی کی شرح ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسانی دل کی ہر جنگل میں ایک شاخ ہے ۱تو جو اپنے

دل کو ان تمام شاخوں کے پیچھے ڈال دے ۲؎ اللہ پرواہ نہیں کرے گا کہ کسی جنگل میں اسے ہلاک کردے ۳؎ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اسے گھاٹیوں سے بچائے گا ۴؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی انسان کا دل ایک ہے مگر اس کے لیے فکریں غم بہت ہیں روٹی کپڑا، مکان، بیماریوں میں علاج آپس کی مخالفتیں وغیرہ وغیرہ فکروں غموں کے جنگل ہیں جن سے ہر ایک کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔

۲؎ اس طرح کہ اپنے دل میں ہر فکر و غم کو جگہ دے دے آخرت کی فکروں سے نکل جاوے ہر فکر کے پیچھے بھاگا پھرے۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ ایسے دنیا دار کی طرف اللہ تعالٰی توجہ کرم نہ کرے گا، اسے ان غموں سے آزاد نہ کرے گا، مرتے وقت تک وہ انہیں میں گرفتار رہے گا، آخر اسی حال میں مرجائے گا، عام دنیاداروں کا یہ ہی حال دیکھا جاتا ہے، اللہ تعالٰی ایسی زندگی سے محفوظ رکھے، رب تعالٰی فرماتا ہے کہ دنیادار مالداروں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو کیونکہ "یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّعَذِّبَہُمۡ بِہَا فِی الدُّنۡیَا وَ تَزۡہَقَ اَنۡفُسُہُمۡ وَ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ"۔

۴؎ ایسے متوکل مؤمن پر رنج و غم اولًا آئیں گے نہیں اگر آئیں گے تو پانی کی طرح بہہ جائیں گے، اگر کچھ ٹھہر بھی گئے تو دل ان کا اثر نہیں لیتا دل اللہ کی یاد میں مخمور رہتا ہے۔

ترا درد مرا درماں ترا غم مری خوشی ہے — مجھے درد دینے والے تیری بندہ پروری ہے
اسے فتنہائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز — ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آگئی ہے

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں عظمت و جلالت والا رب فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش برسایا کروں ۱؎ اور دن میں دھوپ نکالا کروں ۲؎ اور انہیں گرج کی آواز بھی نہ سناؤں ۳؎ (احمد)	

۱؎ اس طرح کہ انہیں بادل کی گرج بجلی کی کڑک وچمک کی خبر بھی نہ ہوا کرے کہ ان آوازوں میں کچھ نہ کچھ خوف ضرور ہوتا ہے، یہ فرمان عالی مثال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں کسی قسم کا خوف نہ دکھاؤں۔

۲؎ یعنی ہمیشہ دن میں دھوپ ہی نکالا کروں کبھی دن میں بارش نہ بھیجوں تاکہ انہیں آمدورفت کام کاج میں دشواری اور حرج نہ ہو۔

۳؎ نہ دن میں گرج کی آواز سناؤں نہ رات میں، دوسرے ڈر و خوف کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ غرضکہ ہر طرح انہیں آرام چین بے خوفی کی زندگی عطا کروں مگر بندوں کا حال یہ ہے کہ تھوڑا سا آرام پاکر سرکش ہوجاتے ہیں اگر اتنا آرام ملے تو ان کا کیا حال ہو اس لیے دنیا میں مصیبتیں تکلیفیں آتی رہتی ہیں، یہ تکلیف مصیبتیں ہم کو بندہ بنا کر رکھتی ہیں، فرعون نے آرام پاکر دعویٰ خدائی کیا ڈوبنے لگا تو بندہ بنا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس گیا ۱؎ جب ان کی محتاجی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا ۲؎ جب اس کی بیوی نے یہ دیکھا تو وہ چکی کی طرف اٹھی اسے رکھا ۳؎ اور تنور کی طرف گئی اسے جھونک دیا ۴؎ پھر بولی الٰہی ہمیں روزی دے ۵؎ تو پیالہ بھر گیا ۶؎ راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت تنور کی طرف گئی تو اسے بھرا ہوا پایا ۷؎ فرماتے ہیں کہ پھر خاوند لوٹا بولا کیا تم نے میرے پیچھے کچھ پایا ۸؎ اس کی	

	بیوی نے کہا کہ ہاں اپنے رب کی طرف سے اور وہ شخص چکی طرف اٹھا۹ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۱۰ تو فرمایا کہ یقینًا اگر وہ شخص اسے نہ اٹھاتا تو چکی قیامت تک گھومتی رہتی۱۱(احمد)

۱؎ یہ واقعہ ایک صحابی کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا یہ حضور کا معجزہ تھا۔ان صحابی کی بلکہ ان کے سارے گھر والوں کی کرامت سارے صحابی ولی ہیں اور ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتی ہے،ان صحابی کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲؎ اپنی تنگ دستی کی وجہ سے بال بچوں سے شرما گیا اور جنگل میں چلا گیا کیونکہ اسے شہر میں مزدوری نہ ملی یا وہ مزدوری کرنہ سکتا تھا یا تلاش روزی کے لیے جنگل گیا۔(اشعہ)

۳؎ یعنی جب اس کی بیوی نے اپنے خاوند کی تنگ دستی اور شرمندگی دیکھی تو اس نے چکی کے اوپر کا پاٹ نیچے والے پاٹ پر رکھ دیا۔دیہات کی عورتیں جب کچھ پیسنا چاہتی ہیں تب چکی کا اوپر کا پاٹ رکھتی ہیں ورنہ یہ پاٹ الگ کھڑا کردیا جاتا ہے۔گھر میں تو ایک دانہ نہ تھا مگر اپنی غریبی چھپانے اللہ پر توکل کرنے کی بنا پر یہ کام کیا تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ گھر میں دانہ ہے جو پیسا جائے گا۔

۴؎ تنور اس لیے جھونکا تاکہ پڑوسی دھواں دیکھ کر سمجھیں کہ ان کے ہاں روٹی پک رہی ہے،ان کا فقر کسی پر ظاہر نہ ہو بندے کی یہ ادا رب کو بہت پیاری ہے۔

۵؎ اس دعا کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ابھی روزی دے دے تاکہ ہمارے عیب چھپے رہیں کسی کو ہماری غریبی کا پتہ نہ چل سکے ہماری یہ تدبیر کارگر ہوجائے یا یہ ہے کہ خداوند آج تو ہم جھوٹ موٹ کے لیے تنور جھونک رہے ہیں ہمیں روزی دے کہ سچا تنور جھونکا کریں،پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۶؎ عربی میں **جفنة** بڑے پیالہ کو کہتے ہیں یہاں اس سے چکی کا گھیرا مراد ہے جو چکی کے نچلے پاٹ کے آس پاس ہوتا ہے جس میں آٹا جمع ہوتا ہے،اردو میں اسے گھیرا کہتے ہیں،پنجابی میں گنڈ۔

۷؎ سبحان اللہ! ادھر چکی کا گھیرا غیبی آٹے سے بھرا اور تنور غیبی روٹیوں سے،یہ ہے توکل حقیقی اور اللہ کی یاد کی برکت۔حضرت مریم کو غیبی روزی ملی تھی،حضور کے صحابہ کو غیبی آٹا غیبی روٹیاں بعض موقعوں پر غیبی پانی عطا ہوئے۔

۸؎ یعنی تم نے یہ آٹا روٹیاں قرض منگالی ہیں یا قدرت نے دی ہیں،ممکن ہے کہ اسے جنگل میں اس کی اطلاع دے دی گئی ہو دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کہ اس نے یہ نہ پوچھا کہ یہ رزق کہاں سے آیا بلکہ یہ پوچھا کہ تم کو کچھ ملا یا نہیں،مرقات نے پہلے معنی بیان فرمائے۔

۹؎ یعنی اس نے تنور کا نظارہ دیکھ کر چکی کا نظارہ کیا وہاں آٹا دیکھ کر چکی کا اوپری پاٹ اٹھا کر ہٹا کر اور جگہ کھڑا کردیا۔(مرقات،اشعہ)

۱۰؎ یا تو خود اس شخص نے ہی حاضر ہو کر عرض کیا یا کسی اور شخص نے کہا جو اس واقعہ پر مطلع تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ کسی صحابی کا ہے۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چکی چلی تھی اور آٹا پس کر اس سے نکلا تھا اور گھیرے میں جمع ہوا تھا اور جب اس شخص نے دیکھا تب بھی چکی چل رہی تھی اگر وہ چلتی رہتی تو قیامت تک لوگ اس کا آٹا کھاتے رہتے عجیب نظارہ ہوتا۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزی بندے کو ایسی ڈھونڈھتی ہے جیسے اسے اس کی موت ڈھونڈتی ہے ۱؎(ابونعیم حلیہ)

۱؎ بلکہ رزق کی تلاش موت کی تلاش سے زیادہ قوی ہے کیونکہ موت عمر ختم ہو جانے پوری روزی کھالینے کے بعد آتی ہے مگر رزق ہر وقت آتا رہتا ہے،رب فرماتا ہے: "ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ"۔(مرقات) مقصد یہ ہے کہ موت کو تم تلاش کرو یا نہ کرو۔بہر حال تمہیں پہنچے گی،یوں ہی تم رزق تلاش کرو یا نہ کرو ضرور پہنچے گا،ہاں رزق کی تلاش سنت ہے موت کی تلاش ممنوع مگر ہیں دونوں یقینی۔برادران یوسف علیہ السلام رزق کی تلاش میں مصر گئے گئے ہوئے یوسف کو پالیا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں ۱؎ کہ آپ نبیوں میں سے ایک نبی کی حکایت فرمارہے ہیں جنہیں ان کی قوم نے مارا۲؎ تو انہیں خونا خون کردیا وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے تھے ۳؎ اور کہتے تھے الٰہی میری قوم کو بخش دے کہ یہ جانتے نہیں ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ ہے تصور رسول حضرات صحابہ کرام حضور کی اداؤں کے تصور میں رہتے تھے ۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا　　　تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

۲؎ نبی سے مراد یا نوح علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے بڑی مصیبت اٹھاتے تھے حتی کہ کئی کئی دن بے ہوش رہتے تھے،ہوش آنے پر پھر جاتے، تبلیغ فرماتے یا خود حضور کی ذات ہے،یہ واقعہ طائف کی تبلیغ اور احد شریف کے جہاد کا ہے کہ حضور انور ان ظالم کفار کو دعائیں دیتے جاتے تھے،چہرہ پاک سے خون صاف کرتے جاتے تھے۔(اشعہ)

۳؎ تاکہ خون آنکھوں یا منہ میں نہ پڑے یا زمین پر نہ گرے،زمیں پر گرنے سے عذاب الٰہی آجانے کا اندیشہ تھا۔

۴؎ بخش دے کے معنی یہ ہیں کہ تو انہیں ایمان کی توفیق دے عذاب نہ دے،ورنہ کفار کے لیے بخشش کی دعا بحکم قرآن ممنوع ہے۔نہ جانتے کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں اگر پہچانتے ہوتے تو یہ حرکت نہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ جاہل کا گناہ ہلکا ہوتا ہے عالم کے گناہ سے۔

باب الرياء و السمعة

دکھلاوے اور شہرت کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ریا بنا ہے رؤیة سے بمعنی دیکھنا دکھانا، ریا بمعنی دکھانا،سمعة بنا ہے سمع سے بمعنی سننا سنانا یہاں بمعنی سنانا ہے۔اصطلاح شریعت میں ریا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان لوگوں کو دکھانے کے لیے عبادت کرے اور دکھانا اپنی بڑائی و شیخی کے لیے ہو۔ریا صرف عبادات میں ہے،اپنی مالداری، زور،نسب کا دکھاوا ریا نہیں بلکہ تکبر و غرور ہے،یوں ہی عبادت نہ کرنا مگر اس کا اظہار کرنا ریا نہیں بلکہ جھوٹ یا منافقت ہے جیسے کوئی روزہ رکھے نہیں مگر لوگوں کے سامنے روزہ دار بن کر آئے وہ ریاکار نہیں بلکہ جھوٹا ہے،یوں ہی اپنی عبادات لوگوں کو دکھانا تعلیم کے لیے یہ ریا نہیں بلکہ عملی تبلیغ و تعلیم ہے اس پر ثواب ہے۔مشائخ فرماتے ہیں صدیقین کی ریا مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے اس کا یہ ہی مطلب ہے۔ریا کے بہت درجے ہیں ہر درجے کا حکم علیحدہ ہے،بعض ریا شرک اصغر ہیں،بعض ریا حرام،بعض ریا مکروہ،بعض ثواب۔مگر جب ریا مطلقًا بولی جاتی ہے تو اس سے ممنوع ریا مراد ہوتی ہے۔خیال رہے کہ ریا سے عبادت ناجائز نہیں ہو جاتی بلکہ نامقبول ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے،اگر ریاکار آخر میں ریا سے توبہ کرے تو اس پر ریا کی عبادت کی قضا واجب نہیں بلکہ اس توبہ کی برکت سے گزشتہ نامقبول ریا کی عبادات بھی قبول ہو جائیں گی،مطلقًا ریا سے خالی ہونا بہت مشکل ہے۔کوئی شخص ریا کے اندیشہ سے عبادات نہ چھوڑے بلکہ ریا سے بچنے کی دعا کرے۔ریا کی بحث علم کلام اور کتب تصوف میں خصوصًا احیاء العلوم میں ملاحظہ کرو۔سمعہ یعنی شہرت میں بھی یہی گفتگو ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی تمہاری صرف صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا ۱؎ لیکن وہ تمہارے دلوں تمہارے عملوں کو بھی دیکھتا ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی تمہاری اچھی صورتیں جب سیرت سے خالی ہوں ظاہر باطن سے خالی ہوں،مال خیرات و صدقات سے خالی ہوں تو رب تعالٰی اسے نظر رحمت سے نہیں دیکھتا۔اے مسلمانوں صورت بھی اچھی بناؤ سیرت بھی اچھی لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں اعمال اچھے کرو اور صورت بھگوان داس کی سی بناؤ،یا مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی فقط صورت نہیں دیکھتا سیرت بھی دیکھتا ہے۔

۲؎ اس حدیث میں دیکھنے سے مراد کرم و محبت سے دیکھنا ہے،مطلب وہ ہی ہے کہ تمہارے دلوں عملوں کو بھی دیکھتا ہے۔خیال رہے کہ کوئی شریف آدمی گندے برتن میں اچھا کھانا نہیں کھاتا،رب تعالٰی صورت بگاڑنے والوں کے اچھے اعمال سے بھی خوش نہیں ہوتا من تشبه بقوم فهو منهم۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں تمام شریکوں سے شرک سے بے نیاز ہوں ۱؎ جو کوئی کوئی عمل کرے جس میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک

	کرے تو میں اسے اس کے شرک کے ساتھ چھوڑوں گا ۲ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس سے بری ہوں وہ اس کے لیے ہے جس کے لیے عمل کرے ۳ (مسلم)

۱ یعنی دنیاوالے اپنے حصہ داروں شریکوں سے راضی وخوش ہوتے ہیں کیونکہ وہ اکیلے اپنا کام نہیں کرسکتے مگر میں شریکوں سے پاک بے نیاز ہوں مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں۔شرکاء سے مراد دنیا کے شریک ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے حصہ دار ہوتے ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن مشرکین سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم لوگوں نے جن چیزوں کو میرا شریک ٹھہرایا ہے میں ان سے بے نیاز بھی ہوں بےزار بھی،بے نیاز کو شریک کی کیا ضرورت ہے۔

۲ یعنی جو شخص میری عبادات میں میرے ساتھ میرے بندوں کو بھی راضی کرنا چاہے خالص میرے لیے عبادت نہ کرے تو میں اس پر نظر کرم نہ کروں گا،اس سے فرماؤں گا کہ جاؤ انہیں سے ثواب لو جنہیں راضی کرنے کی تم نے نیت کی تھی۔حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادت میں جنت حاصل کرنے،دوزخ سے بچنے کی نیت کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے،اللہ کے بندے بنو جنت یا دوزخ کے بندے نہ بنو،اگر اللہ تعالٰی جنت دوزخ پیدا نہ کرتا تو کیا وہ عبادت کا مستحق نہ ہوتا۔

۳ یعنی جو شخص دوسروں کی رضا کے لیے ہی عبادت یا میری رضا کے لیے بھی کرے دوسروں کی رضا کے لیے بھی وہ عمل میرے لیے نہیں،انہیں دوسروں کے لیے ہے ان سے ہی ثواب لے۔خیال رہے کہ عبادات میں اللہ تعالٰی کے ساتھ اس کے رسول کی رضا کی نیت ریا نہیں بلکہ عبادت کا کمال ہے کہ حضور کی رضا اللہ کی رضاء ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ" یہاں اہلِ دنیا مراد ہیں چودھری امیر یا عوام۔

	روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سنانا چاہے گا اللہ اسے سنادے گا اور جو دکھانا چاہے گا اللہ اسے دکھادے گا ۱ (مسلم)

۱ یعنی جو کوئی عبادات لوگوں کے دکھلاوے سنانے کے لیے کرے گا تو اللہ تعالٰی دنیا میں یا آخرت میں اس کے عمل لوگوں میں مشہور کردے گا مگر عزت کے ساتھ نہیں بلکہ ذلت کے ساتھ کہ لوگ اس کی عمل سن کر اس پر پھٹکار ہی کریں گے اس کی شرح ابھی کچھ آگے آرہی ہے۔ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے صدقات خیرات شہرت کے لیے اخباروں میں دیواروں پر لکھواتے ہیں،لوگ پڑھ پڑھ کر ان پر لعن طعن کی بوچھاڑ کرتے ہیں کہ اس شہرت کی کیا ضرورت تھی،بعض لوگ شہرت کے لیے اولاد کی شادیوں میں بہت خرچ کرتے ہیں مگر چوطرفہ سے ان پر وہ پھٹکار پڑتی ہے کہ خدا کی پناہ۔اس حدیث کا ظہور آج بھی ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے عرض کیا گیا کہ فرمایئے تو ایک شخص اچھا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں ۱ اور ایک روایت میں ہے کہ اس عمل پر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں فرمایا یہ مؤمن کی فوری بشارت ہے ۲ (مسلم)

۱؎ آزمائش کرلوکہ جوکام اللہ کے لیے چھپ کر کرو خود بخود اس کاچرچہ ہو جاتاہے اور لوگ اس کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں،لوگ چھپ کر تہجد پڑھتے ہیں مگران کے چہرے کانوران کا یہ عمل شائع کردیتاہے۔اشارتًااس سوال میں یہ صورت بھی داخل ہے سوال یہ ہے کہ یارسول اللہ کیا یہ بھی ریاہے۔
۲؎ یعنی یہ ریا نہیں ہے بلکہ قبولیت کی علامت ہے کہ لوگوں کے منہ سے خود بخود اس کی تعریف نکلتی ہے۔صحابہ کرام کے چھپے ہوئے عمل اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں حضور نے احادیث میں ایسے شائع کیے کہ آج تک دنیا میں مشہور ہیں یہ بشارت ربانی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ"غرضکہ ریاکا تعلق عامل کی نیت سے ہے کہ وہ دکھلاوے شہرت کی نیت سے نیکی کرے یہ ہے ریا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید ابن ابی فضالہ سے۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور نے فرمایا کہ جب قیامت کے دن اللہ لوگوں کو جمع فرمائے گااس دن جس میں کوئی شک نہیں توپکارنے والا پکارے گا۲؎ کہ جس نے ایسے کام میں جو اللہ کے لیے کئے کسی کو شریک ٹھہرایا ۳؎ تو وہ اس کا ثواب بھی غیر خدا سے مانگے۴؎ کیونکہ اللہ شریکوں میں شرک سے بے نیاز ہے ۵؎(احمد)

۱؎ آپ کی کنیت ہی آپ کا نام ہے،آپ انصاری حارثی ہیں،اہلِ مدینہ سے ہیں،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف ابوسعید ہے لوگ ابوسعید خدری سمجھے یہ غلط ہے۔
۲؎ یعنی قیامت کے دن ایک فرشتہ اللہ تعالٰی کی طرف سے اعلان فرمائے گا یہ اعلان تمام لوگوں کو سنانے کے لیے ہوگا۔
۳؎ یعنی جوکام رضائے الٰہی کے لیے کیے جاتے ہیں ان میں کسی بندے کے رضا کی نیت کرے۔بندے سے مراد دنیادار بندہ ہے اور ظاہر کرنا بھی اپنی ناموری کے لیے ہونا مراد ہے لہذا جو شخص اپنی عبادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی بھی نیت کرے یا جو کوئی مسلمانوں کو سکھانے کی نیت سے لوگوں کو اپنے اعمال دکھائے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریا صرف عبادات میں ہوتی ہے معاملات اور دوسرے دنیاوی کام تو دکھانے کے لیے ہی کیے جاتے ہیں ان میں ریاکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لیے عمل کے ساتھ **عمله لله** فرمایا گیا۔
۴؎ یعنی آج اعمال کے بدلہ کا دن ہے دنیا میں جس کی رضا کے لیے عبادت کی تھی آج اسی سے جنت بھی مانگو یہ انتہائی سختی و ناراضی کا اظہار ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ ریاکار کبھی بخشا ہی نہ جائے گا ہر مؤمن آخر کار بخشا جائے گا۔
۵؎ اس فرمان عالی کی دوشرحیں ابھی گزشتہ حدیث میں عرض کی جاچکی ہیں۔شرکاء سے مراد دنیا کے شریک و حصہ دار ہیں یا مشرکین کے بت وغیرہ جنہیں وہ اللہ کے شریک جانتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے عمل لوگوں کو سنائے تو اللہ اپنی مخلوق کی کانوں کو سنادے گا اور اسے حقیر ذلیل اور جھوٹا کردے گا ۱؎(بیہقی

	شعب الایمان)

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے۔اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ ریاکار کی عبادات قیامت میں مشہور تو کی جائے گی مگر اس طرح کہ اس شہرت سے اس کی عزت نہ ہو گی، بلکہ ذلت ورسوائی ہو گی مثلًا پکارا جاوے گا کہ فلاں ریاکار نے دکھلاوے کے لیے اتنی نمازیں پڑھیں، اتنے صدقات دیئے، اتنے حج کیے یہ شخص بڑا خبیث ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں ریاکار شہرت پسند آدمی کے عیوب شائع ہو جاتے ہیں جس سے وہ بجائے نیک نام ہونے کے بدنام ہو جاتا ہے یعنی اس کی عبادات تو مشہور نہیں ہوتیں اس کے خفیہ گناہ مشہور ہو جاتے ہیں۔خدا کی پناہ! یہ بھی مجرب ہے اللہ تعالٰی اخلاص نصیب کرے۔ریاء کے نیک اعمال بھی مشہور ہوتے ہیں تو بدنامی کے ساتھ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔اسامع جمع ہے اسمع کی (میم کے پیش سے) جیسے اکالب جمع ہے اکلب کی اسمع کے معنی ہیں سننے کی جگہ یعنی کان۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی نیت آخرت کمانا ہو تو اللہ اس کی غنا اس کے دل میں ڈال دے گا اور اس کی متفرقات کو جمع کردے گا ۱؎ اور اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آوے گی ۲؎ اور جس کی نیت دنیا طلبی ہو تو اللہ فقیری اس کے آنکھوں کے سامنے کردے گا ۳؎ اور اس پر اس کے کام پراگندہ کردے گا ۴؎ اور اس کے پاس آئے گی اتنی جتنی اس کے لیے لکھی گئی ۵؎ (ترمذی) احمد اور دارمی نے حضرت ابان سے انہوں نے زید ابن ثابت سے۔

۱؎ شمل جمع ہے شملة کی بمعنی حاجت یا عادت یعنی اخلاص والے کو رب تعالٰی دلی استغناء بھی بخشتا ہے اور اس کی متفرق حاجتیں یکجا جمع بھی فرمادیتا ہے کہ گھر بیٹھے اس کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں، ضرورتوں کے پاس وہ نہیں جاتا ضروریات اس کے پاس آتی ہیں۔جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔جس جانور کو کیلے سے باندھ دیتے ہیں اس کی ہر ضرورت وہاں ہی پہنچ جاتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۲؎ دنیا سے مراد دنیاوی نعمتیں بھی ہیں اور دنیا کے لوگ بھی یعنی دنیا اور دنیادار اس کے پاس خادم بن کر حاضری دیتے ہیں جیسا کہ اولیاء اللہ کے آستانوں پر دیکھا جارہا ہے۔شعر

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

۳؎ فقیری سے مراد ہے لوگوں کی محتاجی،ان کا حاجت مند رہنا ہے،ان کے دروازوں پر دھکے کھانا،انکی خوشامدیں کرنا۔

۴؎ یعنی اس کا دل پریشان رہے کبھی روٹی کے پیچھے دوڑے گا،کبھی کپڑے کی فکر میں مارا مارا پھرے گا،کبھی دیگر ضروریات کے لیے پریشان پھرے گا،اللہ اللہ کرنے کا وقت ہی نہ پائے گا یہ بھی تجربہ سے ثابت ہے۔

۵؎ یعنی اس کی ایسی دوڑ دھوپ سے اس کی دنیا میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ اس کی پریشانیوں میں ہی اضافہ ہوگا،دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی مقدر میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب کہ میں اپنے گھر میں اپنے مصلے پر تھا ۱؎ کہ میرے پاس ایک شخص آگیا ۲؎ تو مجھے اپنی حالت پسند آئی جس پر مجھے اس نے دیکھا ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ تم پر اللہ رحمت کرے تم کو دو

ثواب ہیں علانیہ کا ثواب اور خفیہ کا ثواب ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی اپنے گھر میں مصلے پر نوافل نماز یا ورد وظیفہ پڑھ رہا تھا کیونکہ حضرات صحابہ فرض نمازیں مسجد میں جماعت سے پڑھا کرتے تھے۔گھر کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ میں ریاکاری کے لیے یہ عمل نہ کررہا تھا ورنہ لوگوں کے مجمع میں کرتا گھر کے گوشہ میں نہ کرتا۔

۲؎ اور اس آنے والے نے مجھے مصلے پر یہ عمل کرتے دیکھا۔آگیا فرما کر یہ بتایا کہ میں نے اسے نہ بلایا تھا نہ اس کا آنا چاہا تھا اتفاقًا ہی آگیا،آنے والا ان کا کوئی ایسا عزیز و قریبی ہوگا جو بغیر اذن مانگے اس کے یا آپ کے گھر والوں نے اسے اجازت دے دی ہوگی۔

۳؎ آپ کو یہ خوشی یا تو اس لیے تھی کہ وہ آنے والا بھی میری طرح یہ اعمال کرے مجھے دیکھ کر تو اس کے اعمال میں مجھے بھی ثواب ملے یا اس لیے کہ وہ مسلمان میرے اس عمل پر بلکہ میرے ایمان و اسلام پر گواہ ہو جاوے کل قیامت میں بارگاہِ الٰہی میں مسلمانوں بلکہ لوگوں بلکہ اللہ کی مخلوق کی گواہیاں بہت ہی کام آویں گی۔بہرحال یہ غرور کی خوشی نہ تھی اللہ کے اس کرم کی خوشی تھی۔

۴؎ یعنی تمہارے اس کام کی ابتداء محض اخلاص پر تھی اسی سے تم گھر کے گوشہ میں یہ کام کررہے تھے اللہ تعالٰی نے تمہارے اس کام کو ظاہر فرمادیا یہ بھی اس کرم ہے۔تمہارا اس پر خوش ہونا کہ مجھے مسلمان نے برے کام پر نہ دیکھا اچھے کام پر دیکھا یہ خوشی بھی اللہ کا کرم ہے اس پر بھی ثواب ہے کہ یہ خوشی شکر کی ہے نہ کہ فخر کی۔غافل زیادتی مال سے خوش ہوتا ہے مؤمن عاقل توفیق اعمال سے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے گناہ پر رنج ہو نیکی پر خوشی وہ کامل مؤمن ہے لہذا تمہیں اس خوشی پر ثواب ہے۔(مرقات و اشعہ)بہرحال ریا اور اخلاص کا مدار نیت پر ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو دین کے بہانہ سے دنیا کمائیں گے ۱؎ لوگوں کے سامنے بھیڑیوں کی کھال پہنیں گے ۲؎ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے ۳؎ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کیا مجھ سے دھوکا کھاتے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں ۴؎ میں اپنی قسم فرماتا ہوں کہ ان لوگوں پر انہیں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا جو بردبار کو حیران کر چھوڑے گا ۵؎(ترمذی)	

۱؎ یختلون بنا ہے ختل سے،باب ضرب کا مضارع ہے ختل کے معنی ہیں دھوکا دینا یا دھوکے سے کچھ حاصل کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی دنیا کو دین کے ذریعہ دھوکا دیں گے یا دین کے بہانہ دنیا کمائیں گے،لوگ اسلام کا نام لے کر قرآن کی آڑ میں جبہ و دستار سے فریب دے کر دنیا کماتے ہیں یہ لوگ بدترین خلق ہیں۔حافظ شیرازی کہتے ہیں

حافظا مئے خور و رندی کن و خوش باش لے　　　دام تزویر مکن چو دگراں قرآن را

یہ بیماری جھوٹے عالموں فریبی فقیروں اور بعض سیاسی رہنماؤں میں بہت زیادہ ہے نام اسلامی جماعت مگر اس بہانہ سے سیاسی غرض رکھنا۔

۲؎ یعنی صرف ان کے کپڑے پہن کر صوفی بنیں گے یا بھیڑ کی کھال۔پہننے سے مراد ہے اپنے کو بہت نرم ظاہر کرنا،گفتار شیریں باتیں نہایت نرم عاجزی تواضع کا اظہار کرنا تاکہ لوگ انہیں تارک الدنیا خدارسیدہ بزرگ سمجھیں۔

۳؎ بھیڑیا دھوکہ سے جھپٹ کر شکار کرتا ہے،اس کے پاؤں کی آہٹ سنی نہیں جاتی وہ شکاری بھی ہے دھوکا باز بھی حیلہ ساز بھی اس لیے حضور انور نے انہیں بھیڑیا فرمایا شیر نہ فرمایا۔شیر بہادر ہے حیلہ ساز نہیں، غیرت مند ہے اپنے گھر پر کسی کا شکار نہیں کرتا باہر جا کر مارتا ہے، کسی جانور کا جھوٹا نہیں کھاتا دوسرے اس کا جھوٹا کھاتے ہیں، بھیڑیئے میں یہ اوصاف نہیں، حضور کا ایک کلمہ سچا موتیوں کی لڑی ہوتا ہے۔

۴؎ یعنی یہ لوگ میرے تحمل میری ڈھیل سے دھوکا کھاتے ہیں اور اسی ڈھیل کی وجہ سے اس حرکت پر دلیر ہو جاتے ہیں۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا　　　دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

۵؎ یعنی اس جرم کی سزا آخرت میں جو ملے گی وہ ملے گی دنیا میں یہ سزا ملے گی،ایسے لوگوں پر ظالم بادشاہ مسلط ہوں گے یا قوم میں خون خرابے فساد برپا ہوں گے یا عام قحط سالی عام وبائی بیماریاں پھلیں گی جس سے بڑے حوصلے والے لوگ بھی حیران ہو جائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں نے ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جن کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ۱؎ تو اپنی ہی قسم فرماتا ہوں کہ ایسا فتنہ مسلط کروں گا جو بردبار کو حیران کردے گا۲؎ میری وجہ سے دھوکہ کھاتے ہیں یا جرأت کرتے ہیں۔(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آج کل یہ دونوں باتیں بدمذہبوں خصوصًا مرزائیوں،وہابیوں میں بہت دیکھی جاتی ہیں یہ لوگ زبان کے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں دلوں میں کفر و بے دینی کا زہر ہوتا ہے۔بعض سانپ بہت ہی خوبصورت ہوتے ہیں مگر بڑے زہریلے ان کو دور سے ہی دیکھو قریب نہ جاؤ۔خیال رکھو کہ کھوٹے سونے کا بیوپاری بڑا میٹھا ہوتا ہے مگر کرتا ہے شکار۔

۲؎ لَاُتِیحَنَّھُمْ بنا ہے اناحة سے جس کا مادہ ہے تح بمعنی تقدیر و تسلیط،اس کی تحقیق ابھی ہوچکی کہ ایسے لوگوں پر کیسے فتنے آئیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر چیز کی ایک خوشی ہے اور ہر خوشی کی ایک کمزوری ہے ۱؎ تو اگر خوشی والا درست رہے اور قریب رہے تو اس کی کامیابی کی امید کرو۲؎ اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاویں تو اسے کچھ گنتی میں نہ لاؤ۳؎(ترمذی)	

۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ ہر عمل کے دو طرف ہیں زیادہ رغبت اور بے رغبتی یہ دونوں چیزیں ناقص ہیں درمیانی چال اچھی ہے۔نماز روزہ سے ایسی رغبت کہ انسان تارک الدنیا ہو کر انہیں میں مشغول رہے یہ بھی ناقص ہے اور بالکل بے رغبت ہو جاوے کہ اس کے قریب نہ جاوے یہ بھی برا ہے، درمیانی حال کہ نماز روزہ بھی کرے دوسرے کام بھی کرے یہ اچھا ہے،اشعۃ اللمعات نے اس کو اختیار کیا ہے۔دوسرے یہ کہ ہر عمل میں پہلے تو خوب رغبت ہوتی ہے بعد میں بے رغبتی ہو جاتی ہے یہ برا ہے، بعض لوگ نماز شروع کرتے ہیں تو پہلے تہجد،اشراق،چاشت سب کچھ پڑھتے ہیں، چند روز بعد پنجگانہ بھی چھوڑ دیتے ہیں یہ برا ہے،بقدر طاقت کام کرو ہمیشہ کرو، صرف پنج گانہ پڑھو نوافل بہت سے نہ پڑھو صرف پنج گانہ پڑھو مگر پڑھو ہمیشہ یہ محبوب ہے۔مرقات نے یہ ہی معنی کیے۔شرۃ شین کے کسرہ سے،رے کے فتحہ سے بمعنی خوشی،حرص،افراط،انہاک ہے۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی جو شخص بقدر طاقت اعمال کرے مگر کرے ہمیشہ وہ کامیاب ہے۔سددسے مراد ہے ہمیشہ کرنا اور قارب سے مراد ہے درمیانی راہ چلنا جو افراط و تفریط سے خالی ہو اور۔ارجو یا تو امر جمع مذکر ہے یعنی امید کرو یا واحد متکلم مضارع ہے یعنی میں امید کرتا ہوں پہلے معنی زیادہ قریب ہیں،یعنی تم جس کو درمیانی چال والا ہمیشہ عمل کرنے والا دیکھو تو اس کی کامیابی کی امید کرو کہ وہ مرتے دم تک قائم رہے گا۔

۳؎ یعنی اگر کوئی شخص زیادہ عبادات کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو جاوے کہ ہر طرف سے لوگ اس کی طرف اشارہ کریں کہ یہ صاحب بڑے عبادت گزار شب بیدار ہیں،اسے دھیان میں نہ لاؤ کہ ایسے لوگ کچھ ہوتے نہیں اگر ہوتے ہیں تو کچھ رہتے نہیں،ان میں ریا تکبر پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے خاتمہ کا اعتبار ہے۔شعر

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتم است　　　　کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

شیخ نے فرمایا کہ عادۃ الہیہ ہے کہ وہ کریم زیادہ تر بروں کا خاتمہ اچھا کردیتا ہے اور اچھوں کا خاتمہ بہت کم خراب کرتا ہے دیکھو اشعۃ اللمعات،اللہ تعالٰی خاتمہ بالخیر کرے۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ انسان کی شر کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا میں انگلیوں سے اشارہ کیا جاوے ۱؎ سواء اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی دنیاوی کمالات دولت،صحت،طاقت میں یوں ہی دینی کمالات علم،عبادت،ریاضت میں مشہور ہونا عوام کے لیے خطرناک ہی ہے کہ اس سے عموماً دل میں غرور تکبر پیدا ہو جاتے ہیں اس سے گمنامی اچھی چیز ہے۔

۲؎ یعنی ہاں بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ شہرت سے متکبر نہیں ہوتے وہ سمجھتے ہیں کہ نیک نامی و بدنامی اللہ کے قبضہ میں ہے اور لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں،انہیں زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگاتے دیر نہیں لگتی۔حضور کے تحمل کا یہ حال ہے کہ

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است　　　　خویشتن را عبدہ فرمودہ است

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو تمیمہ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت صفوان اور انکے ساتھیوں کے پاس گیا ۱؎ جب کہ حضرت جندب انہیں وصیت کررہے تھے ۲؎ لوگوں نے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے ۳؎ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنی شہرت چاہے گا اللہ قیامت کے دن اس کی شہرت کردے گا ۴؎ جو مشقت میں ڈالے گا اللہ قیامت کے دن اس پر مشقت ڈالے گا ۵؎ لوگوں نے کہا ہم کو وصیت کیجئے فرمایا انسان کی پہلی چیز جو بگڑتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے تو جو طاقت رکھے کہ طیب کے سوا کچھ نہ کھائے وہ ضرور ایسا

	کرے۶ اور جو طاقت رکھے کہ اس کے اور جنت کے درمیان مٹھی بھر خون آڑ نہ بنے جسے وہ بہائے تو وہ ایسا ضرور کرے ۷ (بخاری)

۱؎ ابو تمیمہ کا نام طریف ابن مجالد جہمی ہے،آپ تابعی ہیں،بصری ہیں،۹۵ پچانوے میں آپ کی وفات ہے،صفوان ابن سلیم زہری بھی تابعی ہیں،حمید ابن عبدالرحمٰن ابن عوف کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ نے چالیس سال کروٹ زمین پر نہ لگائی۔اصحاب سے مراد ان کے شاگرد ہیں۔(مرقات)

۲؎ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام شریف ہے،آپ مشہور صحابی ہیں،آپ ان حضرات کو ریا،شہرت سے بچنے کی نصیحت فرمارہے تھے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی اے صحابی رسول اگر آپ نے ریاکاری شہرت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو تو ہم کو سنایئے۔

۴؎ اس فرمان عالی کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر چکی کہ جو دنیا میں ریاکار شہرت پسند ہوگا رب تعالٰی اسے قیامت میں رسواء عام فرمادے گا یعنی اسے شہرت تو دے گا مگر بدنامی کی۔

۵؎ یعنی جو اپنے نفس پر غیر ضروری مشقت ڈال لے گا جیسے رات کو نہ سونا،نکاح نہ کرنا،اچھا نہ کھانا،تارک الدنیا ہو کر رہنا وغیرہ یا جو دوسروں پر مشقت ڈالے گا کہ اپنے نوکروں ماتحتوں سے سخت بھاری کام لے گا تو قیامت میں اس پر عتاب الٰہی کا بوجھ و مشقت ڈالا جاوے گا۔

۶؎ یہ فرمان رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ! کیسا پیارا فرمان ہے۔طب یونانی کہتی ہے کہ نوے فیصدی بیماریاں پیٹ سے پیدا ہوتی ہیں،طب ایمانی بھی کہتی ہے کہ نوے فیصدی گناہ پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں،حرام غذا صدہا بیماریوں کی جڑ ہے۔گندا پیٹرول موٹر کی مشین کو خراب کرتا ہے،گندی حرام غذا انسان کی مشینری بگاڑ دیتی ہے لہذا کوشش کرنی چاہیے کہ اکل حلال صدق مقال ہو۔

۷؎ یعنی اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کا لپ بھر خون بھی ظلمًا بہائے گا کہ اسے ظلمًا قتل کرے یا ظلمًا زخمی کرے تو یہ ظلمًا خون اس کے اور جنت کے درمیان حائل ہوجائے گا کہ اسے جنت میں داخل نہ ہونے دے گا لہذا اس سے بچے رہو ایسا نہ ہو کہ حقیر سا گناہ تم کو ایسی عظیم نعمت سے محروم کردے۔خیال رکھو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا ڈالتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی طرف گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس معاذ ابن جبل کو بیٹھا ہوا پایا جو رو رہے تھے۱؎ تو فرمایا کہ آپ کو کون سی چیز رلاتی ہے۲؎ بولے مجھے وہ چیز رلاتی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۳؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۴؎ اور جو اللہ کے ولی سے دشمنی کرے وہ اللہ کے سامنے جنگ کے لیے آگیا۵؎ اللہ تعالٰی پسند کرتا ہے ان نیکوں پرہیزگاروں چھپے ہوؤں کو کہ جب وہ غائب ہوجاویں تو ڈھونڈھے نہ جائیں اور اگر حاضر ہوں تو نہ بلائے جاویں نہ قریب کیے جاویں۶؎ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہوں۷؎ ہر تاریک گرد آلود سے نکلیں۸؎ (ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اس زمانہ میں حجرہ شریف میں دروازہ تھا جس سے لوگ قبر انور تک پہنچ جاتے بہت عرصہ کے بعد دروازہ بند کردیا گیا اب قبر انور تک کوئی نہیں پہنچ سکتا آپ خاص قبر انور سے متصل بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔

۲؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے معاذ کیوں رو رہے ہو فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم رلا رہا ہے یا کوئی اور تکلیف۔ معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کو تکلیف میں دیکھے تو ضرور وجہ پوچھے اگر ہوسکے تو اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرے۔

۳؎ یعنی میں نے ایک نصیحت حضور سے سنی مگر اس پر عمل نہ کرسکا اپنی اس محرومی یا معذوری پر رو رہا ہوں۔

۴؎ علماء فرماتے ہیں کہ ریا کے بہت درجے ہیں کچھ درجے چھوٹی چیونٹی سے زیادہ باریک ہیں۔انسان ان کو ریا نہیں سمجھتا مگر وہ ہے ریا،ان سے بچنا بہت مشکل ہے اس سے تو خاص لوگوں کا بچنا مشکل ہے عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے مجھے خطرہ ہے کہ میں بھی ریا کے کسی درجہ میں مبتلا ہوں۔

۵؎ یعنی میرے رونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے دوستوں کی ایذا رب سے جنگ ہے اور اللہ کے اولیاء ایسے چھپے ہوئے ہیں کہ ان کی پہچان بہت مشکل ہے،بہت دفعہ پڑوسیوں دوستوں سے شکر رنجی ہوجاتی ہے،ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ولی اللہ ہو ان کی تکلیف میرے لیے مصیبت بن جاوے۔حدیث قدسی میں ہے **اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری** میرے ولی میری قبا میں رہتے ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔(مرقات)خیال رہے کہ اولیاء اللہ دو قسم کے ہیں:تکوینی ولی اور تشریعی ولی۔تکوینی ولی جو دنیا کے سیاہ سفید کے مالک و مختار بنادیئے جاتے ہیں،ان کی تعداد مقرر ہے مگر تشریعی اولیاء اللہ تعداد میں جہاں چالیس متقی مسلمان جمع ہوں وہاں ان شاء اللہ ایک ولی ضرور ہوتا ہے،اس ولی کو خود بھی خبر نہیں ہوتی کی میں ولی ہوں مگر ہوتا ہے ولی۔اس کی بحث ان شاء اللہ مشکوۃ شریف آخری باب میں ہوگی۔

۶؎ غالبًا اس سے وہ ہی اولیاء تشریعی مراد ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اولیاء تکوینی بھی اسی میں داخل ہوں کہ اکثر ان میں سے چھپے ہوئے رہتے ہیں کم وہ حضرات ہیں جنہیں مخلوق پہچانتی ہے جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری یا داتا گنج بخش ہجویری وغیرہم۔خیال رہے کہ نبوت کا اعلان ضروری ہے مگر ولایت کا اعلان ضروری نہیں،اکثر اعلان ولایت کرنے والے خالی ہوتے ہیں۔شیخ سعدی نے فرمایا شعر

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر اند　　　آنرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

علماء کے لیے اعلان ضروری ہے کہ یہ نائبین رسول ہیں،نبوت کا اعلان ضروری،اولیاء اللہ اکثر چھپے رہتے ہیں،علماء دین اسلام کی ظاہری پولیس ہیں،اکثر اولیاء اللہ خفیہ پولیس یہ حضرات بھی اپنے کو ولی نہیں کہتے۔بعض اولیاء کے متعلق لوگوں کی زبان سے خواہ مخواہ ولی نکلتا ہے۔

۷؎ جیسے چراغ سے ہدایت و نور ملتا ہے ایسے ہی ان کے دلوں ان کی نگاہوں سے لوگوں کو نور ملتا ہے یہ حضرات حقانیت اسلام کی دلیلیں ہیں۔حق دین وہ ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں انہیں کا راستہ صراط مستقیم ہے،رب فرماتا ہے:"صِرٰطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ"اور فرماتا ہے:"وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ"۔اسی شاخ کا تعلق جڑ سے قائم ہے جس میں سبزہ پھول ہیں،سوکھی شاخ کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا وہ آگ کے لائق ہے،اسلام کی اسی شاخ کا تعلق حضور سے قائم ہے جس میں ولایت کے پھول ہوں۔

۸؎ یعنی یہ اولیاء اللہ تاریک گھروں غیر مشہور محلوں نامعلوم بستیوں سے پیدا ہوتے رہیں گے۔شعر

خاک ساران جہاں را بحقارت منگر　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یا یہ مطلب ہے کہ وہ حضرات تاریک گرد وغبار والے عقائد واعمال وشبہات سے نکل جائیں گے کبھی اس میں پھنسیں گے نہیں۔ (مرقات) امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہر عالم دین متقی ولی اللہ ہے اگر متقی عالم ولی نہ ہو تو کوئی ولی ہی نہیں۔ (مرقات) مشہور یہ ہے کہ جس سے روحانی فیوض جاری ہوں انہیں صوفیاء اولیاء کہا جاتا ہے، جن سے شرعی فیوض جاری ہوں انہیں علماء کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ علانیہ نماز پڑھے تو بھی اچھی اور خفیہ نماز پڑھے تو بھی اچھی تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے [1] (ابن ماجہ)

[1] یعنی اس بندے میں ریاکاری نہیں ہے یہ بندہ مخلص ہے، اگر ریاکار ہوتا تو علانیہ نماز اچھی طرح پڑھتا خفیہ میں معمولی طرح، جب یہ خفیہ میں بھی اچھی طرح پڑھتا ہے تو مخلص ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو ظاہریت کی دوست ہوں گی اور پوشیدہ کی دشمن [1] تو عرض کیا گیا یارسول اللہ یہ کیوں کر ہوگا فرمایا یہ انکے بعض کے بعض سے رغبت اور بعض کے بعض سے ڈرنے کی وجہ سے ہوگا [2]

[1] یعنی قریب قیامت ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی نیکیاں علانیہ پسند کریں گے تاکہ لوگ ان کی واہ واہ کریں، تنہائی میں یا تو اعمال کریں گے ہی نہیں یا کریں گے تو معمولی طریقہ سے۔

[2] یعنی ان لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف اللہ سے امید نہ ہوگی یا کم ہوگی، لوگوں کا خوف لوگوں سے امید ان پر غالب ہوگی۔ اس فرمان عالی میں علماء، عابدین، زاہدین، سخی، مجاہد وغیرہ سب ہی داخل ہیں، ہر عمل اخلاص سے قبول ہوتا ہے۔ یہاں اشعۃ اللمعات میں ہے کہ اس میں وہ بھی داخل ہیں جو لوگوں سے ظاہری محبت کریں وہ بھی غرض کے لیے جب غرض نکل جاوے دوستی بھی ختم ہو جاوے۔

	روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو دکھلاوے کے لیے نماز پڑھے اس نے شرک کیا اور جو دکھلاوے کے لیے روزہ رکھے اس نے شرک کیا اور جو دکھلاوے کے لیے صدقہ دے اس نے شرک کیا [1] یہ دونوں حدیثیں احمد نے روایت کیں۔

[1] شرک دو قسم کا ہے: شرک جلی، شرک خفی۔ شرک جلی تو کھلم کھلا شرک وبت پرستی کرنا ہے۔ شرک خفی ریاکاری ہے، یوں کہو کہ شرک اعتقادی تو کھلا ہوا شرک ہے اور شرک عملی ریاکاری ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں **کل ما صدك عن اللہ فھو صنمك** جو تمہیں اللہ سے روکے وہ ہی تمہارا بت ہے، نفس امارہ بھی بت ہے۔ اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ روزے میں بھی ریاکاری ہوسکتی ہے، ہاں روزے میں ریا خالص نہیں ہوسکتی اسی لیے ارشاد ہے **الصوم لی وانا اجزی بہ**۔ بعض لوگ روزہ رکھ کر لوگوں کے سامنے بہت کلیاں کرتے، سر پر پانی ڈالتے رہتے ہیں، کہتے پھرتے ہیں ہائے روزہ بہت لگا ہے، بڑی پیاس لگی ہے وغیرہ وغیرہ یہ بھی روزے کی ریاء ہے اور اس حدیث میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ ریاء کی دو قسمیں ہیں: ایک ریا اصل عمل میں، دوسری ریا وصف عمل میں۔ اصل عمل میں ریا یہ ہے کہ کوئی دیکھے تو یہ نماز پڑھ لے نہ دیکھے تو نماز پڑھے ہی نہیں۔ وصف عمل

میں ریاء یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے نماز خوب اچھی طرح پڑھے تنہائی میں معمولی طرح پڑھے،پہلی ریا بہت بری ہے دوسری ریاء پہلی سے کم۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

کلید در دوزخ است آں نماز — کہ در روئے مردم گزاری دراز

روایت ہے انہیں سے کہ وہ روئے ان سے کہا گیا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے فرمایا وہ بات جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی وہ مجھے یاد آگئی اس نے مجھے رلادیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں اپنی امت پر شرک اور خفیہ شہوت کا خوف کرتا ہوں ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی فرمایا ہاں ۲؎ خیال رہے کہ وہ لوگ نہ سورج کو پوجیں گی نہ چاند کو نہ پتھر کو نہ بت کو ۳؎ لیکن ریاکاری کریں گے ۴؎ خفیہ شہوت یہ ہے کہ ان میں سے ایک روزہ رکھے گا ۵؎ پھر اس کے سامنے اس کی خواہشات میں سے کوئی خواہش آجاوے تو وہ اپنا روزہ چھوڑ دے ۶؎ (احمد، بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ اتخوف بنا ہے تخوف سے بمعنی بہت ہی ڈرنا۔خوف عام ہے معمولی ڈر ہو یا سخت ڈر،تخوف خاص ہے،بہت ڈر، یاتخوف وہ خوف ہے جس کی علامات ظاہر ہوچکی ہوں،خوف میں یہ قید نہیں یعنی میں اپنی امت پر بہت ہی ڈرتا ہوں۔یا علامات ریا دیکھ کر ڈرتا ہوں۔اس فرمان عالی میں الخفیة شرك اور شہوت دونوں کی صفت۔ معنی یہ ہے کہ میں اپنی امت پر خفیہ شرک اور خفیہ شہوت سے ڈرتا ہوں۔خفیہ وہ شرک و شہوت ہے جو مجاہدہ و ریاضت کرنے والوں پر بھی ظاہر نہ ہو،وہ حضرات بھی اس سے دھوکا کھاجاویں صرف قوت قدسیہ والے ہی اس کی خبر رکھ سکتے ہیں۔(مرقات)

۲؎ سائل کو شبہ یہ ہوا کہ امت محمدیہ تو امت مرحومہ ہے یہ کبھی نہ بگڑے گی اس لیے یہ سوال کیا۔بعدك سے مراد حضرات صحابہ کرام نہیں بلکہ بعد کی نسلیں ہیں،حضرات صحابہ کے ایمان واخلاص کی گواہی قرآن مجید واحادیث نبویہ میں دی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا"۔

۳؎ وثن ہر بت کو کہتے ہیں جس کی پوجا کی جاوے خواہ چاند سورج ہو،یا پتھر درخت وغیرہ یہاں خاص کے بعد عام کا ذکر ہے۔

۴؎ اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہے"فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صٰلِحًا وَّ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا"۔اس آیت میں شرک سے مراد یہ ہی ریاکاری ہے اسی کو حضور انور نے شرک فرمایا بالکل حق ہے۔

۵؎ یا تو روزہ رکھ لے گا یا رکھنے کی نیت کرے گا پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۶؎ اس طرح کہ اس نے روزہ رکھ لیا ہوگا کوئی اچھے کھانے کی دعوت آگئی یا کسی نے شربت سوڈا پیش کیا تو اس کھانے شربت کی وجہ سے روزہ توڑ دیا یا روزہ کی نیت تھی کہ آج روزہ رکھوں گا مگر یہ چیزیں دیکھیں ارادہ بدل دیا محض نفسانی لذت وخواہش کے لیے کہ ایسا مزہ دار کھانا کون چھوڑے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کھانا ہے عرض کیا گیا ہاں،فرمایا لاؤ ہم نے تو آج روزہ رکھ لیا تھا

پھر کھانا ملاحظہ فرمایا کہ افطار فرمالینا خواہش نفس کے لیے نہ تھا بلکہ حکم شرعی بیان کرنے کے لیے تھا کہ نفل روزہ رکھ کر توڑ دینا جائز ہے اگرچہ قضا واجب ہوگی۔ حضرت ام ہانی کو حضور انور نے اپنا پس خواہ پانی دیا آپ نے پی کر پوچھا کہ حضور میرا روزہ تھا فرمایا کوئی حرج نہیں، وہ روزہ توڑنا حضور کے تبرک سے برکت حاصل کرنے کے لیے تھا نہ کہ نفسانی خواہش سے لہذا احادیث سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۱؎ جب کہ ہم مسیح دجال کا تذکرہ کررہے تھے تو فرمایا کہ کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے ۲؎ ہم نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا وہ خفیہ شرک ہے یعنی یہ کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اپنی نماز اس لیے زیادہ کرے کہ کسی شخص کو دیکھے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے ۳؎(ابن ماجہ)	

۱؎ دولت خانہ سے یا باہر سے مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے نماز کا وقت تھا یا ویسے ہی حضرات صحابہ کا مجمع تھا اور اتفاقًا دجال کے خطرناک کا ہم لوگ تذکرہ کررہے تھے۔

۲؎ کیونکہ دجال کو تو کوئی شخص ہی پائے گا وہ بھی قیامت کے قریب پھر انسان اس سے بچ بھی سکے گا کہ نہ اس کے پاس جائے نہ اس کے پھندے میں پھنسے مگر ریاکاری کی مصیبت ہر شخص کو ہر وقت درپیش ہے اس لیے یہ آفت دجال سے زیادہ خطرناک ہے۔

۳؎ یعنی اگر اکیلے میں نماز پڑھے تو تھوڑی اور ہلکی پڑھے مگر جب اسے کوئی دیکھ رہا ہو تو نوافل بہت تعداد میں پڑھے اور خوب لمبے دراز پڑھے، یہ ہے وصف میں ریا جب یہ بھی شرک خفی ہوا تو اصل نماز میں ریا بہت ہی خطرناک ہے۔ ہم ریا کی یہ دو قسمیں پہلے بیان کرچکے ہیں اور یہ بھی بتاچکے ہیں کہ اصل عبادت میں ریا زیادہ خطرناک ہے نماز کا ذکر مثالًا فرمایا ہر نیکی کا یہی حال ہے۔اس بیماری میں واعظین زیادہ مبتلا ہیں،اکثر ہر واعظ کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میرا وعظ سب سے اچھا رہے لوگ خوب واہ واہ کہیں، بعض واعظین بغیر داد لیے وعظ نہیں کہہ سکتے،اللہ تعالٰی اخلاص عطا فرمائے۔ریا والی عبادت گھنے ہوئے تخم کی طرح ہے جس سے پیداوار نہیں ہوتی۔

روایت ہے محمود ابن لبید سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں سے میں تم پر ۲؎ خوف کرتا ہوں ان سب میں زیادہ خوفناک چیز چھوٹا شرک ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ چھوٹا شرک کیا ہے فرمایا ریاکاری ۳؎(احمد) بیہقی نے شعب الایمان میں یہ زیادتی کی کہ اللہ تعالٰی ان سے فرمائے گا اس دن جس دن بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا ۴؎ کہ ان کے پاس جاؤ جنہیں تم دنیا میں اعمال دکھاتے رہے کہ کیا انکے پاس تم جزا یا بھلائی پاتے ہو ۵؎	

۱؎ آپ انصاری ہیں،اشہلی ہیں،آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،امام مسلم نے آپ کو تابعی مانا ہے،امام بخاری آپ کو صحابی کہتے ہیں،امام بخاری کا قول قوی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف پانچ سال تھی۔(مرقات،اشعہ امیر علی)

۲؎ علیکم میں خطاب یا تو حضرات صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مؤمن کے لیے خطرات بہت ہیں مگر ریا کا خطرہ سب سے زیادہ خطرناک ہے کہ اس سے بچنا بہت مشکل،بڑے بڑے اس میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

۳؎ یہ پہلی وہ حدیث ہے جس میں ریا کو شرک اصغر فرمایا گیا ہے۔مشرک اپنی عبادات سے اپنے جھوٹے معبودوں کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے،ریاکار اپنی عبادات سے اپنے چھوٹے مقصودوں یعنی لوگوں کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے اس لیے ریاکار چھوٹے درجہ کا مشرک ہے اور اس کا یہ عمل چھوٹے درجہ کا شرک ہے،چونکہ ریاکار کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا عمل و ارادہ خراب ہوتا ہے اور کھلے مشرک کا عقیدہ بھی خراب ہوتا ہے اس لیے ریا کو چھوٹا شرک فرمایا۔

۴؎ یعنی قیامت کے دن جب اعمال کے بدلے دیئے جانے کا وقت آوے گا تو ریاکار بھی مخلصین کے ساتھ جزا اعمال کا انتظار کریں گے تب ان سے کہا جاوے گا۔

۵؎ یعنی ان مخلصین کے ٹولہ سے الگ ہو جاؤ جنہیں خوش کرنے کے لیے تم اعمال کرتے تھے،ان سے اپنے اعمال کا بدلہ لو وہ ہی تم کو بدلہ دیں،یہ فرمان عالی انتہائی غضب کے اظہار کے لیے ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کوئی شخص پتھر کی چٹان میں بیٹھ کر عمل کرے جس کا کوئی نہ دروازہ ہو نہ روزن ۱؎ تو بھی اس کا عمل لوگوں تک نکل آوے گا جو عمل بھی ہوگا۲؎

۱؎ یعنی فرض کرو کہ کوئی شخص ایسے بند غار میں نیکی کرے جس میں نہ تو دروازہ ہو کہ کوئی وہاں پہنچ سکے،نہ کوئی روزن و سوراخ ہو جس سے کوئی وہاں جھانک سکے،مطلب یہ ہے کہ کیسے ہی خلوت خانہ میں کیسے ہی چھپ کر عبادت کرے۔

۲؎ اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ تم ریا کر کے اپنے ثواب کیوں برباد کرتے ہو،تم اخلاص سے نیکیاں کرو خفیہ کرو اللہ تعالٰی تمہاری نیکیاں خود بخود لوگوں کو بتادے گا،لوگوں کے دل تمہیں نیک ماننے لگیں گے یہ نہایت ہی مجرب ہے۔بعض لوگ خفیہ تہجد پڑھتے ہیں لوگ خواہ مخواہ انہیں تہجد خواں کہنے لگتے ہیں،تہجد بلکہ ہر نیکی کا نور چہرے پر نمودار ہو جاتا ہے جس کا دن رات مشاہدہ ہو رہا ہے،لوگ خواہ مخواہ حضور غوث پاک،خواجہ اجمیری کو ولی کہتے ہیں کیونکہ رب تعالٰی کہلوا رہا ہے یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی جو سیرت ہوگی اچھی یا بری اللہ تعالٰی اس کی علامت ظاہر فرمائے گا جس سے وہ پہچانا جاوے گا ۱؎

۱؎ یہ حدیث ابھی گزری ہوئی حدیث کی شرح ہے اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ نیک اعمال کا نور چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ"۔تجربہ تو یہ ہے کہ خوف خدا عشق جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم دل میں ہو تو چہرہ اور ہی طرح کا ہو جاتا ہے،بعض بزرگوں کے چہرے دیکھ کر کافر مسلمان ہوگئے اور گنہگاروں نے صرف چہرہ دیکھ کر گناہوں سے توبہ کرلی متقی بن گئے آخرت میں تو نیک و بداعمال چہرہ سے ظاہر ہو ہی جائیں گے،کچھ دنیا میں بھی ظہور ہو جاتا ہے،بعض بدکاریوں سے منہ کالا ہو جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

راوی فرمایا میں اس امت پر ہر اس منافق سے ڈرتا ہوں جو باتیں حکمت کی کرے گا اور عمل ظلم کے ۱؎ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔	

۱؎ یعنی قیامت تک میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کے قول اور قسم کے ہوں گے عمل اور طرح کے، قول نہایت ہی اچھے ہوں گے عمل نہایت برے، لوگ ان کی خوش گفتاری سے دھوکا کھا کر ان کے جال میں پھنس جایا کریں گے۔چونکہ ان کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہوگی اس لیے انہیں منافق فرمایا یعنی منافق عملی، رب تعالٰی ہمارا علماء و واعظین کو ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے۔

روایت ہے حضرت مہاجر ابن حبیب سے ۱؎ فرماتے ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ میں حکمت والے کا ہر کلام قبول نہیں کرتا لیکن میں اس کا ارادہ اس کی خواہش قبول کرتا ہوں ۲؎ تو اگر اس کا ارادہ اور اس کی خواہش میری فرمانبرداری میں ہو تو اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد اور وقار بنادیتا ہوں اگرچہ کچھ نہ بولے ۳؎(دارمی)	

۱؎ مہاجر ابن حبیب غالبًا صحابی ہیں اور یہ حدیث مرسل نہیں مگر آپ کے حالات قطعًا معلوم نہ ہوسکے حتی کہ صاحب مشکوۃ نے آپ کا ذکر نہ کیا اپنی کتاب الاکمال میں۔

۲؎ یعنی ہماری بارگاہ میں الفاظ مقبول نہیں نیت و ارادہ قبول ہے،الفاظ بغیر اخلاص ایسے ہیں جیسے بادام بغیر مغز یا درخت بغیر پھل یعنی محض بیکار۔مولانا فرماتے ہیں۔

مابروں رانبگریم و قال را　　　　مادروں رانبگریم وحال را

قال رابگزار مرد حال شو　　　　زیر پائے کاملے پامال شو

۳؎ یعنی اخلاص والے کی خاموشی بھی عبادت ہے حمد الٰہی ہے،اس خاموشی سے لوگوں کو فیض پہنچ جاتا ہے،بغیر اخلاص کی گفتگو بھی بیکار ہے۔ہمارے ہاں پنجاب میں ایک بار مولانا یار محمد صاحب بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ آج ہم نے چپ کا وعظ کرنا ہے یہ کہہ کر خاموش ہوگئے،دس منٹ کے بعد لوگوں میں جوش پھیل گیا،بعض لوگوں کو غشی بے ہوشی طاری ہوگئی،اگر زیادہ دیر یہ سلسلہ جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ بعض لوگوں کی موت واقع ہوجائے یہ ہے خاموشی والی عبادت،بعض بزرگ مراقبہ میں فیض دیدیتے ہیں۔غرضکہ

مصرع　　　　خموشی معنی وارد کہ در گفتن نمی آید

بعض لوگ چیخ چیخ کر گلا پھاڑ لیتے ہیں کوئی اثر نہیں ہوتا۔

باب البکاء و الخوف

رونے اور ڈرنے کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **بکا** بغیر ہمزہ کے بمعنی آنسو ہوتا ہے اور **بکاء** ہمزہ کے ساتھ بمعنی رونا۔**ابکاء** باب افعال سے بمعنی کسی دوسرے کو رلانا۔رونا بہت قسم کا ہے: غم سے رونا،بہت خوشی سے رونا ہے،عشق رسول یا عشق الٰہی میں رونا،ڈر سے رونا یہاں آخری رونا مراد ہے یعنی اللہ تعالٰی کے عذاب کے خوف سے رونا اسی لیے رونے کے ساتھ ڈر کا ذکر فرمایا۔اپنے حال زار پر رونا بھی اسی آخری رونے میں داخل ہے یہ رونا اللہ کی بڑی رحمت ہے۔مولانا فرماتے ہیں ۔

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　مرد آخر میں مبارک بندہ زیست

باش چوں دولاب دائم چشم تر　　تادروں صحن تو روید خضر

تانہ گرید طفل کے جوشد لبن　　تانہ گرید ابر کے خندو چمن

اللہ تعالٰی تڑپنے پھڑکنے اپنے خوف سے رونے کی توفیق دے۔بادل روتاہے تو چمن ہنستا ہے،بچہ روتا ہے تو ماں کے پستان میں دودھ جوش مارتا ہے،ہمیشہ آنکھوں کے پانی سے ایمان کے کھیت کو سینچو تاکہ یہ باغ ہرا بھرا رہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں ۱؎ تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم ۲؎(بخاری)

۱؎ یعنی قیامت کے خوف و دہشت،دوزخ کے عذاب،اللہ تعالٰی کی پکڑ،عالم غیب کے اسرار جتنے مجھے معلوم ہیں تم کو ان کا لاکھواں حصہ بھی حاصل نہیں،نیز تم کو جس قدر علم ہے وہ ہم سے سن کر ہے،ہم کو علم ہے دیکھ کر اور دیکھے سنے علم میں فرق ہے۔

۲؎ یعنی اگر تم کو وہ چیزیں معلوم ہوجائیں یا تو تم ہنسنا بھول ہی جاؤ یا ہنسو بہت کم اور ڈرو بہت زیادہ،تم پر خوف کا غلبہ ہوجاوے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ساری مخلوق کا علم حضور کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے سمندر کے آگے قطرہ کیونکہ **لو تعلمون** میں سارے صحابہ سے خطاب ہے۔دوسرے یہ کہ حضور کے قلب پاک کو اللہ تعالٰی نے بڑی برداشت کی طاقت دی ہے کہ اس قدر عذاب وغیرہ کو جانتے بلکہ دیکھتے ہوئے بھی اپنے کو سنبھالے ہوئے ہیں،لوگوں سے تعلقات بھی رکھتے ہیں،سب سے ہنستے بولتے بھی ہیں۔ہم لوگ تو تارک الدنیا ہوجاتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے"کہ اگر ہم

قرآن مجید پہاڑ پر اتارتے تو وہ بھی اللہ کی ہیبت سے پھٹ جاتا"جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کا دل پہاڑ سے زیادہ قوی ہے۔

	روایت ہے جناب ام العلاء انصاریہ سے ۱؎فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں رسول اللہ ہوں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جاوے گا۲؎(بخاری)

۱؎آپ صحابیہ حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت کی والدہ ہیں یعنی زید ابن ثابت کی بیوی،حضور انور کو آپ سے بہت محبت تھی۔

۲؎یعنی مجھے خبر نہیں کہ دنیا و آخرت میں رب تعالٰی میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔اس حدیث کے متعلق محدثین کے بہت قول ہیں: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اور وہ آیت"وَمَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ"منسوخ ہیں اس آیت سے"لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ"بعض چیزیں قابل نسخ ہوتی ہیں۔(مرقات)فقیر کے نزدیک وہ آیت یہ حدیث منسوخ نہیں،یہاں علم کی نفی نہیں درایت کی نفی ہے۔درایت کہتے ہیں کوئی چیز اپنے قیاس اٹکل اندازے سے معلوم کرنا،علم عام ہے۔مطلب یہ ہے کہ میں باوجودیکہ نبی ہوں اور نبی کی عقل تمام جہان سے زیادہ ہوتی ہے مگر اپنے یا دوسروں کا انجام میں بھی عقل و قیاس سے معلوم نہیں کرسکتا بلکہ مجھے یہ علم وحی الٰہی سے ہے اس لیے اس آیت کے آخر میں ہے "اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ"لہذا یہ حدیث دوسری آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔حضور فرماتے ہیں میں اولاد آدم کا سردار ہوں،حمد کا جھنڈا قیامت میں میرے ہاتھ ہوگا،میں گنہگاروں کی شفاعت کروں گا یا کہ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں،ابوبکر و عمر جنتی ہیں وغیرہ،حضور تا قیامت ہر جنتی و دوزخی کو جانتے پہچانتے ہیں"وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا"۔خیال رہے کہ حضرت ام العلاء نے حضرت عثمان ابن مظعون کی وفات پر فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ تم جنتی ہو،اس پر یہ ارشاد عالی ہوا تھا کہ تم محض اپنی عقل سے یہ کیوں کہہ رہی ہو یہ بات تو میں بھی عقل سے نہیں جان سکتا لہذا حدیث واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر آگ پیش کی گئی ۱؎تو میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جو اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب دی جارہی ہے۲؎جسے اس نے باندھ دیا تھا کہ نہ اسے کھلایا نہ چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی حتی کہ بھوک سے مرگئی۳؎اور میں نے عمرو ابن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ آگ میں انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا یہ پہلا وہ شخص ہے جس نے سائبہ جانور ایجاد کیے۴؎(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ شبِ معراج کا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت دوزخ کی سیر فرمائی اور ہر جگہ کے لوگ ملاحظہ کیے،ممکن ہے کہ کسی خواب کا واقعہ ہو مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

۲؎ یہ عورت بنی اسرائیل کی مؤمنہ تھی کافرہ نہ تھی اسے اس گناہ کی وجہ سے یہ عذاب ہورہا تھا۔(مرقات)معلوم ہوا کہ مؤمن کو بھی بعض گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوجاوے گا۔حدیث شریف میں ہے کہ چغل خور اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے والے کو عذاب قبر ہوگا۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی عذاب کا باعث ہے ان کا حق بھی ضرور ادا کرنا چاہیے،تو جو انسان خصوصًا مسلمان پر ظلم کریں وہ کیسی سزا کے مستحق ہوں گے۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آئندہ واقعات کو بھی دیکھتی ہے۔مجرموں کا دوزخ میں جانا قیامت کے بعد ہوگا مگر حضور انور نے آج ہی ملاحظہ فرمالیا۔حضور نے اس رات جنت میں جاتے ہوئے اپنے آگے حضرت بلال کی جوتوں کی آہٹ سنی یہ آہٹ آج کی نہ تھی بلکہ بعد قیامت جب جنت میں حضور داخل ہوں گے تب حضرت بلال ہٹو بچو کرتے آگے ہوں گے وہ آہٹ حضور آج سن رہے ہیں۔تیسرے یہ کہ حضور لوگوں کے اعمال پر مطلع ہیں کہ کون کیا کرتا ہے۔

۴؎ عمرو ابن عامر قبیلہ بنی خزاعہ کا ایک شخص تھا جس نے عرب میں بت پرستی اور بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیا،اسے بھی حضور انور نے اسی عذاب میں گرفتار دیکھا۔سائبہ وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر چھوڑ دی جاوے اس پر کوئی سواری نہ کرے،وہ جہاں چاہے چرتی پھرے کوئی اسے روک ٹوک نہ کرے جیسے ہندوؤں کے سانڈ بجار۔بعض روایات میں عمرو ابن لُحی آیا ہے،ہوسکتا ہے کہ عامر اس کے باپ کا نام ہو اور لُحی اس کے دادا کا نام لہذا حدیثوں میں تعارض نہیں۔(اشعہ)حضور انور نے اس کو آگ میں جلتے نماز کسوف میں بھی دیکھا ہے۔

	روایت ہے حضرت زینب بنت جحش سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس گھبراہٹ میں تشریف لائے فرماتے تھے لا الہ الا اللہ عرب کی خرابی ہے اس شر سے جو قریب آگئی ۱؎ آج یا جوج ماجوج کی دیوار سے اس کی برابر کھل گئی ۲؎ اور اپنے انگوٹھے اور اس سے ملی ہوئی انگلی کا حلقہ بنا لیا،جناب زینب فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم ہلاک کردیئے جاویں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ ہوں ۳؎ فرمایا ہاں جب کہ خباثت بڑھ جاوے ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس شر سے مراد وہ جنگیں اور فتنے ہیں جو حضور انور بلکہ عہد فاروقی کے بعد عرب میں ظاہر ہوئے حضور نے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے،حضور کی یہ گھبراہٹ ان لوگوں پر شفقت کی وجہ سے تھی۔(اشعہ)

۲؎ یہ دوسری آفت کی خبر ہے۔دیوار سے مراد وہ آہنی دیوار ہے جو سکندر ذوالقرنین نے قوم یا جوج ماجوج کو بند کرنے کے لیے دو پہاڑوں کے درمیان بنائی تاکہ وہ لوگ اس دنیا میں نہ آسکیں۔یاجوج ماجوج کافر انسان ہیں جو بہت قوی بڑی جسامت والے قد آور ہیں،قریب قیامت یہ دیوار گرے گی اور یاجوج ماجوج نکل کر اس دنیا میں آکر آفت ڈھادیں گے۔اس دیوار میں

سوراخ ہوجانا اس کے گرنے کا قرب بتاتا ہے یہ بھی علامت قیامت ہے۔اس سے پتہ لگا کہ حضور کی نظر سارے جہان پر ہے کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے یاجوج ماجوج کی دیوار اس کا سوراخ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد چنگیزی ترکوں کا نکلنا ہے،دنیا خصوصًا اہل عراق کا ان کے ہاتھوں ہلاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔(اشعہ)مگر پہلے معنی قوی تر ہیں۔

۳؎ یہ سوال پہلے فرمان کے متعلق ہے کہ حضور نے فرمایا شر قریب آگئی۔سوال کا مقصد یہ ہے کہ ہم اہل عرب میں مؤمنین صالحین ہیں اور رہیں گے تو کیا انکے ہوتے ہوئے عرب میں یہ شر پھیل جاوے گی۔

۴؎ یعنی جب مسلمانوں میں فسق و فجور عام ہوجاوے تو نیک بندوں کی موجودگی انہیں ان آفات سے بچا نہ سکے گی،کبھی نیک لوگوں کی نیکی بروں کو عذاب سے بچالیتی ہے اور کبھی بروں کی کثرت نیکوں کوعذاب میں گرفتار کردیتی ہے۔

روایت ہے ابو عامر سے یا ابو مالک اشعری سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں وہ قومیں ہوں گی جو موٹے پتلے ریشم ۲؎ اور شراب باجوں کو حلال سمجھ لیں گی ۳؎ اور کچھ قومیں ایک پہاڑی کے برابر اتریں گی جب ان پر ان کے جانور آئیں گے ۴؎ ان کے پاس ایک شخص کسی کام کے لیے آئے گا وہ کہیں گے ہمارے پاس کل لوٹ کر آنا ۵؎ پھر اللہ انہیں رات میں ہلاک کردے گا اور پہاڑ گرادے گا ۶؎ اور دوسروں کو بندر سؤروں میں مسخ کردے گا ۷؎ قیامت کے دن تک ۸؎ (بخاری)اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ہے حر ہے بے نقطہ ہے اور رے سے ۹؎ یہ غلط ہے وہ خ اور ز نقطہ والے سے ہے،اس کی اسی حدیث میں حمیدی اور ابن اثیر نے تصریح کی اور کتاب حمیدی میں ہے ۱۰؎ بخاری سے اور یوں ہی خطابی نے شرح بخاری میں کہا **تروح علیهم سارحة لهم یاتیهم لحاجة** ۱۱؎	

۱؎ ابو عامر اشعری حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا ہیں،صحابی ہیں،غزوہ حنین میں شہید ہوئے اور ابو مالک اشجعی بھی کہتے ہیں یہ بھی صحابی ہیں،چونکہ سارے صحابہ عادل ہیں اس لیے ان کے نام میں تردد سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔

۲؎ **خز** موٹا ریشم،**حریر** باریک ریشم،مرد کے لیے دونوں حرام ہیں۔

۳؎ **معازف** بنا ہے **عزف** سے بمعنی جنات کی یا ہوا کی آواز،اصطلاح میں باجوں کی آواز کو یا اس آواز کو جس کے ذریعہ سے انسانی آواز کو اچھا بنایا جاوے معازف یا ملاہی کہتے ہیں۔یعنی میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ان محرمات کو حلال ہی جان لیں گے،یا حلال کی طرح بے دھڑک استعمال کریں گے،یا ان چیزوں کی حلت کے لیے تاویلیں کریں گے مثلًا کہیں گے کہ ریشم اگر جسم سے متصل ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں،ہم نے کرتا سوتی پہنا ہے اوپر سے اچکن ریشمی ہے،یا کہیں گے

کہ باجے وغیرہ قوالی میں حلال ہیں مجازی عشق کے لیے باجے حرام ہیں ہم تو اللہ رسول کے عشق کے لیے سنتے ہیں وغیرہ۔(مرقات)

۴؎ یعنی یہ لوگ بڑے امیر ہوں گے،پہاڑوں پر اپنی کوٹھیاں بنائیں گے،ان کے پاس بہت نوکر جانور ہوں گے،ان کے نوکر دن بھر انکے جانور چرا کر شام کو واپس لایا کریں گے۔

۵؎ یعنی یہ لوگ نکمّے اور کنجوس و بخیل ہوں گے کہ ان کے پاس کوئی حاجت مند اپنی حاجت کے لیے آوے گا تو اسے ٹالنے کے لیے کہہ دیں گے کہ کل آنا۔

۶؎ یعنی رات میں ان پر غیبی آواز آجاوے گی جس سے ان کے بعض لوگ ہلاک ہوجائیں گے اور بعض پر یہ ہی پہاڑ گر پڑے گا جس سے دب کر یہ لوگ ہلاک ہوجائیں گے اور بعض کا وہ حال ہوگا جو آگے مذکور ہے۔غرضکہ لوگ تین حصہ ہوکر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی امت کے کچھ لوگوں پر قریب قیامت غیبی عذاب بھی آئیں گے اور کچھ لوگ بندر سوٴر بھی بنیں گے۔جہاں ارشاد ہے کہ اس امت پر عذاب نہ آوے گا وہاں عام عذاب مراد ہے۔

۸؎ اس لفظ کے تین مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ لوگ روز قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے،یہ عذاب عارضی نہ ہوگا دائمی ہوگا یعنی اس کا تعلق مسخ سے نہیں عذاب سے ہے۔دوسرے یہ کہ وہ لوگ قیامت کے دن اسی مسخ شدہ صورت میں اٹھیں گے بندروں سوٴروں کی شکل میں یا قیامت سے مراد ان کی موت کا دن ہے کہ موت بھی ایک طرح کی قیامت ہی ہے یعنی وہ لوگ مرتے دم تک بندر سوٴر رہیں گے لہذا حدیث ظاہر ہے،اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ قیامت تک زندہ رہیں اور بندر سوٴر بنے رہیں گے۔

۹؎ حر ح کے کسرہ اور ر کے سکون سے بمعنی فرج یعنی زنا کو حلال سمجھ لیں گے کہ بے دھڑک زنا کریں گے،ان کے نزدیک زنا عیب ہی نہ ہوگا۔

۱۰؎ مگر شیخ ابن حجر نے فرمایا کہ بخاری کے بعض نسخوں میں **خزخ** کے کسرہ اور ز کے سکون سے ہے۔معلوم ہوا کہ دونوں لفظ حدیث میں وارد ہیں۔(اشعہ)آج کل یہ عیوب مسلمانوں کے امیر گھرانوں میں پہنچ رہے ہیں۔

۱۱؎ یعنی اس روایت میں **بسارحة** ب کے ساتھ نہیں ہے صرف **سارحة** ہے،مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔**سارحة** وہ جانور جو جنگل میں چرنے جائیں۔یہاں بھی **یاتیھم** کا فاعل **رجل** محتاج ہے،مطلب وہ ہی ہے کہ ان کے پاس کوئی محتاج آدمی اپنی حاجت لے کر آوے۔اس حدیث میں اس قوم کی تین صفات بیان ہوئیں: وہ بنگلوں کوٹھیوں کے مالک ہوں گے،ان کے پاس دودھ وغیرہ کے جانور بہت ہوں گے جنہیں جنگل میں چرانے کے لیے ان کے نوکر چاکر لے جایا کریں گے،وہ بڑے بخیل و کنجوس ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ کسی قوم پر عذاب اتارتا ہے ان سب پر عذاب بھیج دیتا ہے جو ان میں ہوں ۱؎ پھر اپنے اعمال کے اٹھائے جائیں گے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو صرف گنہگاروں پر ہی نہیں آتا بلکہ گنہگار نیک کار جو بھی وہاں ہوں سب پر آتا ہے،جب چکی چلتی ہے تو گندم اور اس میں رہنے والے گھن سب کو ہی پیس ڈالتی ہے۔خیال رہے کہ یہ قانون کلی نہیں ہے کبھی نیکوں کو بچا بھی لیا جاتا ہے،کبھی وہاں سے نیکوں کو نکال دیا جاتا ہے،رب فرماتاہے:" فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔

۲؎یعنی ان بے قصور نیک لوگوں کو کل قیامت میں اس تکلیف کی جزا دے دی جاوے گی جو انہیں بے قصور پہنچ گئی جیسے باغیوں کی بستیوں پر حکومت بم باری کرے جس سے حکومت کے وفاداروں کے مکانات جائیداد بھی تباہ ہوجاویں تو انہیں ان کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بندہ اس پر اٹھایا جاوے گا جس پر مرے گا ۱؎ (مسلم)

۱؎یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے اگر کوئی کفر پر مرے تو کفر پر ہی اٹھے گا اگرچہ زندگی میں مؤمن رہا ہو اور اگر ایمان پر مرے تو ایمان پر اٹھے گا اگرچہ زندگی میں کافر رہا ہو۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان جو مشغلہ زندگی میں کرے گا اسی پر ان شاء اللہ مرے گا اور جس پر مرے گا اسی پر اٹھے گا ان شاءاللہ،ذاکرین ذکر الٰہی کرتے ہوئے اٹھیں گے،شاغلین یار کے شغل میں،واصلین وصال میں،کاملین کمال میں حتی کہ بلال اذان دیتے ہوئے اٹھیں گے،اللہ تعالٰی زندگی میں اچھا شغل عطا کرے اسی پر موت دے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے دوزخ کی طرف نہ دیکھا جس سے بھاگنے والا سورہا ہے اور نہ جنت کی مثل جس کا طلبگار سورہا ہے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یہ فرمان عالی اظہار تعجب کے لیے ہے کہ دوزخ بڑی ہی خطرناک چیز ہے مگر لوگ اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے صرف منہ سے خوف کا اظہار کرتے ہیں۔جنت بڑی ہی اعلیٰ نعمت ہے مگر لوگ اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے،صرف زبانی رغبت ہی کرتے ہیں،اس بیماری میں ہم سب ہی گرفتار ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے ۱؎آسمان چرچرارہا ہے اور اس

کا حق ہے کہ چرچرائے۲؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ نہ آسمانوں میں چار انگل جگہ ہے مگر فرشتہ وہاں اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے۳؎ اللہ کی قسم اگر تم وہ چیزیں جانتے جو میں جانتاہوں تو تم ہنستے تھوڑا روتے بہت اور بیویوں سے بستروں پر لذت حاصل نہ کرتے۴؎ اور اللہ کی پناہ لیتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے ۵؎ ابوذر کہنے لگے ہائے کاش کہ میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا ۶؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ غیبی چیزیں دیکھتی ہے اور حضور کے کان غیبی آوازیں سنتے ہیں،جس نگاہ سے اللہ تعالٰی ہی نہ چھپا اس سے اور کیا چیز چھپے گی۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا　　　جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

مالاترون میں ما عام ہے ہر غیبی چیز حضور پر ظاہر ہے۔

۲؎ اطت بنا ہے اطیط سے،اطیط کے معنی چرچرانا بھی ہے اور رونا بھی اور مطلقًا آواز بھی یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔فرشتوں کے بوجھ سے چرچرانا جیسے اونٹ کا بھرا ہوا پالان بوجھ سے چرچر کرتا ہے یا خوف الٰہی میں روتا ہے، فرشتوں کی تسبیح و تہلیل سن کر یا خود اللہ کا ذکر اس کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے فرشتوں کے ساتھ۔(مرقات،اشعہ)غرض کہ آسمان آواز ضرور کررہا ہے اس لیے اس کے لیے سننا فرمایا گیا کہ میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان کی یہ آواز میں سن رہا ہوں۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سجدہ کرنے والے فرشتوں کی کثرت کا ذکر ہے کہ آسمان کا ایک چپہ فرشتے کی پیشانی سے خالی نہیں،رکوع، قیام، قعود والے فرشتے ان کے سواء ہیں،رب تعالٰی نے فرشتوں کا قول نقل فرمایا:"**مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ**"سجدہ والوں کی جگہ اور ہے رکوع،قیام والوں کی جگہ اور۔

۴؎ اس سے حضور کے تحمل و برداشت کا پتہ لگتا ہے کہ حضور یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے پھر بھی دنیا و دین دونوں سنبھالے ہوئے ہیں۔

۵؎ صعدات جمع ہے صعید کی بمعنی زمین کی ظاہری مٹی،اس سے مراد ہے جنگل جہاں سفیدہ زمین اور مٹی ہی ہوتی ہے مکان پہاڑ وغیرہ نہیں ہوتے یعنی تم خوف و ڈر کی وجہ سے آبادیوں میں رہنا،آرام کرنا بھول جاتے، جنگلوں میں چیختے روتے پھرتے، منزلیں بہت بھاری ہیں۔

۶؎ دردناک تمنا راوی حدیث حضرت ابوذر کی ہے، بعض صحابہ فرماتے تھے کہ کاش میں جانور ہوتا جسے ذبح کرکے کھالیا جاتا، بعض فرماتے تھے کاش میں چڑیا ہوتا کہ جہاں چاہتا بیٹھتا۔مطلب یہ ہے کہ میں انسان نہ ہوتا جو احکام کے مکلّف ہیں اور گناہ کرتے ہیں۔یہ ان لوگوں کا خوف ہے جن کے جنتی ہونے کی خبر قرآن کریم اور صاحب قرآن نے دے دی ہے۔اب سوچو! کہ ہم کس شمار میں ہیں، بات یہ ہے کہ جتنا قرب زیادہ اتنا ہی خوف زیادہ،اللہ اپنا خوف عطا کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ڈرتا ہے وہ اندھیرے اٹھاتا ہے،جو اندھیرے اٹھاتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے[1] خبردار اللہ کا سودا مہنگا ہے اللہ کا سودا جنت ہے[2] (ترمذی)

[1] یعنی جو دشمن کے شب خون مارنے کا اندیشہ کرتا ہے وہ جنگل میں رات غفلت سے نہیں گزارتا ورنہ مارا جاتا ہے،لٹ جاتا ہے۔شیطان شب خون مارنے والا دشمن ہے،ہم دنیا میں راہِ آخرت طے کرنے والے مسافر،ایمان کی دولت ہمارے پاس ہے یہاں غفلت نہ کرو ورنہ لٹ جاؤ گے۔

[2] اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے "اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوٰلَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ"۔جنت سودا ہے رب تعالٰی فروخت فرمانے والا ہے،ہم خریدار ہیں ہمارے مال جان اس سودے کی قیمت ہے،اس کا عکس یہ ہے کہ اللہ تعالٰی خریدار ہے ہمارے جان و مال سودے ہیں جنت اس کی قیمت ہے، اگر جان دے کر بھی یہ سودا مل جاوے تو سستا ہے مگر ہمارا حال یہ ہے۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

اللہ تعالٰی ہم محتاجوں کو اپنے محبوب کے نام کی خیرات دیدے فقیروں بھکاریوں سے قیمت نہیں مانگی جاتی اس پر ہر کرم کریمانہ ہوتا ہے۔

چہ باشد کہ مشتے گدایان خیل بیایند دار السلام از طفیل

یعنی یارسول اللہ اگر ہم جیسے مٹھی بھر فقیر آپ کے طفیل جنت میں پہنچ جاویں تو تمہارا کیا بگڑتا ہے ہمارا بھلا ہوجاوے گا۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ آگ سے اسے نکال لو جس نے مجھے ایک دن یاد کیا ہو یا ایک جگہ میں مجھ سے خوف کیا ہو[1] (ترمذی،بیہقی کتاب البعث والنشور)

[1] من سے مراد مسلمان مخلص ہے اور خوف سے مراد دل کا ڈر ہے،اس کے عمل کے ہے یعنی جو مسلمان عمر بھر میں ایک بار بھی مجھ سے ڈرا ہو اور ڈر کر گناہ سے توبہ کرلی ہو یا جسے میں ایک بار بھی گناہ کرتے وقت یاد آگیا ہوں اور اس یاد کی وجہ سے وہ گناہ سے باز رہا ہو اسے دوزخ سے نکال لو یا بچا لو۔یہ فرمان عالی اس آیت شریفہ کی تفسیر بھی ہوسکتی ہے "وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى"۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کے متعلق پوچھا کہ وہ لوگ کہ جو کچھ کریں ان کے دل ڈرتے کیا ہیں وہ وہ لوگ

ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں ا فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی ۲ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے نمازیں پڑھتے اور صدقات دیتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں کہ ان کا عمل قبول نہ ہو ۳ یہ لوگ بھلائیوں سے جلدی کرتے ہیں ۴ (ترمذی،ابن ماجہ)	

ا یؤتون ایتان سے بھی بن سکتا ہے بمعنی آنا،لانا کرنا اور ایتاء سے بھی بمعنی دینا خیرات کرنا۔حضرت اُم المؤمنین کا یہ سوال شریف اسی بنا پر ہے کہ وہ یؤتون کو ایتان سے بنا رہی ہیں اور مطلب یہ قرار دیتی ہیں کہ وہ لوگ جو کرتے ہیں کام رب سے ڈرتے ہوئے،کام سے برے کام مراد لیتی ہیں۔(لمعات)یعنی جو برے کام کرتے ہیں رب سے ڈرتے ہوئے لہذا خوفِ خدا گناہ کے وقت چاہیے۔

۲ جواب شریف کا مطلب ہے کہ یؤتون میں دونوں احتمال ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

۳ یعنی یہاں یؤتون بنا ہے ایتان بمعنی لانے کرنے سے مگر اس سے مراد ہے نیک عمل بدنی ہو یا مالی یعنی جو نیک کام کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو۔

۴ مطلب یہ ہے کہ عبارت "اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ" الخ بتارہی ہے کہ یہاں نیک اعمال مراد ہیں کہ وہ لوگ اس خوف کی وجہ سے نیکیاں زیادہ کرتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ متقی لوگ وہ ہیں جو گناہ نہیں کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے ہیں۔کرنا اور ڈرنا ان کی صفت نہ کرنا اور اکڑنا فساق کا کام ہے۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند ۔۔۔ عارفاں از عبادت استغفار

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے دو تہائی حصے گزر جاتے تو اٹھتے فرماتے اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اللہ کا ذکر کرو ا دینے والی چیز آن پہنچی جس سے متصل پیچھے آنے والی آ پہنچی ۲ موت آ پہنچی موت آ پہنچی مع ان تکالیف کے جو اس میں ہے ۳ (ترمذی)	

ا اس واقعہ سے تین مسئلہ معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تہجد کے لیے دو تہائی رات کے بعد اٹھنا چاہیے اس سے پہلے نہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے خاص خدام خاص گھر والوں کو بھی جگانا چاہیے۔تیسرے یہ کہ اس وقت عبادت کی ترغیب کے لیے انہیں ڈرانا یا اللہ کی رحمت سے امید دلانا بہت اچھا ہے۔

۲ راجفة سے مراد ہے قیامت کا پہلا نفخہ،چونکہ اس نفخہ سے زمین میں سخت زلزلہ پڑ جاوے گا اور رادفة سے مراد ہے دوسرا نفخہ جس سے مردے جی اٹھیں گے یعنی قیامت قریب ہے جو کرنا ہے کرلو۔

۳؎ موت ہر شخص کی چھوٹی قیامت ہے اور بڑی قیامت کی دلیل اس کی تکالیف بیان سے باہر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے اعمال میں جلدی کرو۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے ۱؎ لوگوں کو دیکھا گویا وہ ہنس رہے ہیں ۲؎ فرمایا اگر تم لذتیں ختم کرنے والی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو تو وہ تم کو اس سے روک دے جو میں دیکھ رہا ہوں ۳؎ تو لذتیں ختم کردینے والی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں آتا مگر وہ کلام کرتی ہے تو کہتی ہے ۴؎ کہ میں مسافری کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں میں مٹی کا گھر ہوں اور میں کیڑوں کا گھر ہوں ۵؎ اور جب بندہ مؤمن دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے تو خوب ہی آیا تو اپنے گھر میں آیا ۶؎ جو لوگ میری پیٹھ پر چلتے ہیں ان سب میں تو بہت پیارا تھا ۷؎ اب جب کہ آج میں تیری والی بنائی گئی ہوں اور میرے پاس لوٹا تو تو دیکھ لے گا میرا برتاوا اپنے ساتھ ۸؎ فرمایا پھر قبر تاحد نظر فراخ ہوجاتی ہے اور جب بدکار یا کافر بندہ دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے کہ نہ تو خوش آمدید ہے نہ تو گھر میں آیا ۹؎ مجھے ان سب ہی سے زیادہ ناپسند تھا جو میری پشت پر چلتے تھے ۱۰؎ تو آج جب کہ میں تیری والی بنائی گئی اور تو میری طرف لوٹا تو میرا معاملہ اپنے ساتھ دیکھ لینا ۱۱؎ فرماتے ہیں کہ پھر قبر اس سے سکڑ جاتی ہے حتی کہ مردہ کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں ۱۲؎ فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا تو بعض کو بعض کے اندر داخل کردیا فرماتے ہیں اور اس پر ستر پتلے سانپ مسلط کردیئے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک زمین میں پھونک مار دے تو رہتی دنیا تک زمین کچھ نہ اگائے ۱۳؎ وہ اسے کاٹتے اور نوچتے ہیں حتی کہ اسے حساب تک پہنچایا جاوے فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت	

	کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔(ترمذی)

۱؎غالبًا نماز سے مراد نماز جنازہ ہے اگلا مضمون یہ ہی بتارہا ہے۔(مرقات)جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے ہنسنا ممنوع ہے۔

۲؎ یکتشرون کا مادہ کشرٌ ہے بمعنی دانت ظاہر ہونا،ہنسنے کو اکتشار اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں دانت ظاہر ہوجاتے ہیں،تبسم کو کشر نہیں کہا جاتا۔

۳؎یوں تو ویسے ہی موت کا ذکر چاہیے خصوصًا میت کے ساتھ جاتے وہاں سے لوٹتے ہوئے زیادہ چاہیے۔

کلیاں من میں سوچت ہیں جب کلی کوئی کملاوت ہے جو دن ان پر بیت گیا وہ کل ہم پر بھی آوت ہے
مالی آیا باغ میں اور کلیاں کریں پکار کھلی کھلی سب توڑ لو کل ہم ری ہے بار

۴؎ان جیسی احادیث میں قبر سے مراد بزرخ کا عالم ہے خواہ اس قبر کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔(مرقات)ہم اس کی تحقیق مرات جلد اول میں باب عذاب قبر کی شرح میں کرچکے ہیں۔

۵؎لہذا قبر میں واحد قہار کا کرم ہی کام آوے گا،تم لوگ دنیا میں اپنے کو مسافر سمجھو تمہاری حقیقت مٹھی بھر مٹی ہے،کسی بات پر فخر و شیخی نہ کرو،چونکہ تم کو دنیا سے کھانا ہے لہذا کھانے پینے میں حرام حلال کا خیال رکھو کہ انجام فنا ہے۔قبر عمل کا صندوق ہے،اس قبر میں ہمارے گوشت گل سڑ کر کیڑے بنے گا جو اولًا ہمارے اعضاء کھائیں گے،پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھالیں گے،ان حالات سے حضرات انبیاء،شہداء،اولیاء،علماء،عاملین علیحدہ ہیں کیونکہ علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے۔(مرقات)جب شہید کا خون پاک ہے تو علماء کی روشنائی کا کیا پوچھنا اس روشنائی سے دین قائم ہے اس لیے یہ حضرات ان احکام سے علیحدہ ہیں۔(شعر)

اندھیرا گھر اکیلی جان دم گھٹتا دل اکتاتا خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے

۶؎یعنی اے مردہ میں بظاہر تیری قبر ہوں مگر درحقیقت تیرا گھر ہوں جیسے انسان اپنے گھر میں اجنبی نہیں ہوتا خوش و خرم رہتا ہے تو بھی یہاں اجنبی نہیں۔

۷؎کیونکہ تو زندگی میں مجھ پر اللہ کی عبادت کرتا تھا جس سے میں خوش ہوتی تھی۔معلوم ہوا کہ مؤمن بندہ زمین کو بھی پیارا ہوتا ہے۔

۸؎یعنی میری پشت پر رہ کر تو نے مجھے خوش کیا اب جب تو میرے پیٹ میں آیا ہے تو میں تجھے خوش کروں گی۔معلوم ہوا کہ نیک بندے سے ساری روئے زمین خوش رہتی ہے۔

۹؎یعنی اے کافر تو اپنے گھر سے سفر میں آیا ہے کیونکہ کافر کا گھر دنیا ہے اور مؤمن کا گھر آخرت لہذا مؤمن مرکر اپنے گھر میں جاتا ہے کافر مرکر گھر سے جاتا ہے،کافر کی موت چھوٹنے کا ذریعہ ہے مؤمن کی موت ملنے کا ذریعہ،مؤمن ہنستا ہوا مرتا ہے کافر روتا ہوا۔ع یار خنداں رو و بجانب یار۔

خیال رہے کہ قرآن و حدیث میں مؤمن و کافر کی جزا و سزا کا ذکر ہوتا ہے مگر گنہگاروں کا ذکر نہیں ہوتا ان کی پردہ پوشی کے لیے اور تاکہ گنہگار امید و ڈر کے درمیان رہیں۔(مرقات)

۱۰؎ یعنی تو میری پشت پر تو شرک و کفر و گناہ کرتا تھا جس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی۔معلوم ہوا کہ انسان کے کفر و گناہ سے زمین بلکہ ہر چیز کو تکلیف ہوتی ہے۔

۱۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین اور فرشتوں کو رب تعالٰی کی طرف سے سزا دینے کا اختیار ملتا ہے وہ بااختیار سزا دیتے ہیں ورنہ ولیت اور صنیعی کے کچھ معنی نہ ہوں گے۔

۱۲؎ خیال رہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے گنہگار مؤمن پر بھی عذاب قبر ہوجاتا ہے مگر وہ عذاب عارضی ہوتا ہے کسی نیک بندہ کے وہاں گزر جانے،زندوں کی دعا کردینے،جمعہ یا بڑے دن کے آجانے سے ختم ہوجاتا ہے مگر کافر کا یہ عذاب دائمی ہوتا ہے،یہاں دائمی عذاب مراد ہے اللہ تعالٰی محفوظ رکھے۔

۱۳؎ پتلے سانپ میں زہر زیادہ ہوتا ہے موٹے سانپ یعنی اژدھے میں زہر یا تو ہوتا نہیں یا بہت ہی کم ہوتا ہے یعنی وہ سانپ اس قدر زہریلے ہوتے ہیں،ان کی سانس ایسی گرم ہوتی ہے کہ زمین کو لگ جاوے تو زمین قابل کاشت نہ رہے،آج جہاں ایٹم بم پھٹ جاوے وہاں کی زمین پختہ اینٹ کی طرح ہوکر ناقابل کاشت بن جاتی ہے،وہ تو قدرتی زہر ہے اس پر تعجب یا اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔اللہ کا عذاب اس کی پکڑ بہت سخت ہے"اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ"یعنی یہ عذاب قبر کافر کو قیامت تک ہوگا،محشر اور دوزخ کا عذاب جو بعد قیامت ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے۔اس طرح کہ مؤمن کی قبر میں جنت کی خوشبوئیں وہاں کی ترو تازگی آتی رہتی ہیں،کافر کی قبر میں دوزخ کی گرمی وہاں کی بدبو پہنچتی رہتی ہے۔بزرگوں کی قبر کو اردو میں روضہ کہتے ہیں فلاں بزرگ کا روضہ،یہ لفظ اسی حدیث سے ماخوذ ہے یعنی جنت کا باغ۔

روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا یارسول اللہ آپ بوڑھے ہوگئے ۱؎ فرمایا مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ اس طرح کہ حضور پر ضعف کے آثار نمودار ہیں حتی کہ اکثر نماز بھی بیٹھ کر پڑھتے ہیں،یہ مطلب نہیں کہ آپ کے بال سفید یا نگاہ کمزور ہوگئی کیونکہ حضور انور کے سر مبارک داڑھی شریف اور ریش شریف میں بیس سے کم بال سفید تھے۔(از مرقات) حتی کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے شمار کی ہے آپ کے کل چودہ بال سفید تھے۔(مرقات) بعض روایات میں ہے کہ چودہ بال سر شریف میں،پانچ بال داڑھی میں،ایک بال ریش بچی میں۔

۲؎ یعنی جن سورتوں میں عذاب الٰہی کا ذکر ہے ان کے عذاب سے مجھے اپنی امت پر خوف ان کی فکر اس قدر ہے کہ اس فکر نے مجھے بوڑھا کردیا۔ایک بزرگ نے خواب میں حضور کی زیارت کی یہ ہی حدیث پیش کی،فرمایاحدیث صحیح ہے ہم نے یہ فرمایا ہے اس نے پوچھا کون سی آیت نے حضور کو بوڑھا کیا،فرمایا"فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ"۔(مرقات)امت کی استقامت بڑی مشکل چیز ہے جس کی فکر حضور کو ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یارسول اللہ آپ بوڑھے ہوگئے فرمایا مجھے سورۂ ہود،سورۂ واقعہ،سورۂ المرسلات اور عمّ	

	یتساءلون اور اذا الشّمس کوّرت نے بوڑھا کردیا۱؎(ترمذی)اور جناب ابوہریرہ کی حدیث کہ آگ میں داخل نہ ہوگا،الخ کتاب الجهاد میں ذکر کردی گئی۔

۱؎یعنی ان سورتوں میں عذابِ الٰہی کا ذکر ہے جن سے مجھے اپنی امت کی فکر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نگاہوں میں بال سے زیادہ باریک ہیں۱؎ہم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موبقات یعنی ہلاک کرنے والے سمجھتے تھے ۲؎ (بخاری)

۱؎یعنی معمولی روز مرہ کے گناہ جو عادۃً ہوتے رہتے ہیں جیسے بدنظری یا زبان سے جھوٹ غیبت کا نکل جانا جنہیں تم نہایت معمولی سمجھتے ہو۔مرقات نے اس عبارت کے یہ معنی کیے کہ وہ اعمال جنہیں تم باریک نظری سے نیکیاں سمجھتے ہوانہیں کھینچ تان کراچھا جانتے ہو۔

۲؎یعنی ہم انہیں ہلاک کردینے والے گناہ سمجھتے تھے۔معلوم ہوا کہ چھوٹے گناہوں کو بڑا سمجھنا،ان سے بہت ڈرنا بچنا قوت ایمانی کی دلیل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ تابعین کے زمانہ میں بہت سے بری بدعتیں ایجاد ہوچکی تھیں جنہیں لوگ نیکی سمجھتے تھے اور واقع میں وہ گناہ تھے۔آج بعض لوگ نماز کی پرواہ نہیں کرتے،تلاوت قرآن کے قریب نہیں جاتے،دن رات گانا بجانا،ڈھول ڈھماکا حتی کہ بھنگ چرس میں مشغول رہتے ہیں اور اسے خدا رسی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھتے ہیں۔

کار شیطان می کند نامش ولی　　　گرولی ایں است لعنت بر ولی

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم حقیرو معمولی گناہوں سے بچی رہو۱؎ کہ ان کے متعلق بھی اللہ کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہے ۲؎(ابن ماجہ،دارمی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی صرف گناہ کبیرہ سے بچنے پر کفایت نہ کرو بلکہ گناہ صغیرہ سے بھی بچتے رہو،اگر ہوجاویں تو ان کے کفارہ کے لیے نیک اعمال کرواور جلد توبہ کرلو۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنا گناہ کبیرہ ہے،شیطان اولًا چھوٹے گناہ کراتا ہے پھر بڑے گناہوں میں لگادیتا ہے،پھر عقیدے خراب کرتا ہے۔سنتیں بلکہ مستحبات ایمان کے خزانہ کی پہلی دیوار ہے یہاں ہی شریعت کا پہرا رکھو۔

۲؎طالب سے مراد یا اعمال لکھنے والا فرشتہ ہے یعنی چھوٹے گناہوں کی بھی تحریر ہورہی ہے یا قیامت میں باز پرس کرنے والا فرشتہ جو رب تعالٰی کی طرف سے اس پر مقرر ہے یا اس سے مراد ہے عذاب الٰہی جو گنہگاروں کے پیچھے لگا ہوا ہے۔خلاصہ یہ

ہے کہ کوئی گناہ چھوٹا سمجھ کر کرنہ لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے اور کوئی نیکی چھوٹی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک قطرہ پانی جان بچالیتا ہے،نہایت ہی اعلیٰ تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابو بردہ ابن ابو موسیٰ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا کہا تھا ۲؎ میں نے عرض کیا نہیں،فرمایا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے فرمایا کہ اے ابو موسیٰ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ ہمارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنا آپ کے ساتھ جہاد کرنا اور حضور کے ساتھ ہمارے سارے اعمال جو ثابت ہوئے اور یہ کہ ہر کام جو ہم نے حضور کے بعد کئے ہم اس سے نجات پاجائیں پورا پورا ۳؎ تو تمہارے والد نے میرے والد سے کہا نہیں واللہ ۴؎ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیے اور نمازیں پڑھیں،روزے رکھے اور سب سے اچھے عمل کیے اور ہمارے ہاتھوں پر بہت لوگ ایمان لائے اور ہم ان کی امید رکھتے ہیں ۵؎ میرے والد نے کہا کہ لیکن میں تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو تمنا کرتا ہوں ۶؎ کہ یہ سب کچھ ہمارے لیے ثابت اور یہ کہ ہم نے اس کے بعد جو کام کیے ہیں ۷؎ ان سے نجات پاجائیں برابر سربہ سر ۸؎ تو میں نے کہا یقینًا تمہارے باپ اللہ کی قسم میرے باپ سے بہتر تھے ۹؎ (بخاری)

۱؎ آپ عامر ابن عبداللہ ابن قیس اشعری ہیں،مشہور تابعین سے ہیں،اپنے والد اور حضرت علی سے ملاقات کی،قاضی شریح کے بعد آپ ہی کوفے کے قاضی ہوئے،حجاج نے آپ کو معزول کیا۔

۲؎ یعنی ایک دفعہ حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو موسیٰ اشعری آپس میں باتیں کررہے تھے کہ دوران گفتگو میں کیا بات چیت ہوئی تھی کیا تمہیں خبر ہے کہ اس وقت حضرت عمر فاروق پر خوف الٰہی کا دریا موجیں ماررہا تھا اس حال میں آپ نے یہ فرمایا۔

۳؎ یعنی ہم نے کچھ نیک اعمال تو حضور انور کی موجودگی میں کیے اور کچھ نیک اعمال حضور کے بعد،اگر یہ تمام نیکیاں مل کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جاویں کہ ہم کو ثواب ملے نہ ہم کو عذاب تو کیا تم اس پر راضی ہو۔خیال رہے کہ **برد** ماضی ہے **برودۃ** کا بمعنی ٹھنڈک۔حدیث شریف میں سردی کے روزوں کو غنیمت باردہ فرمایا گیا۔**برد** کے معنی ہوئے نیک اعمال ہمارے لیے ٹھنڈک ہوگئے یعنی ضبط نہ ہوئے باقی رہے۔حضرت عمر جیسی ہستی کے اعمال حضور کے زمانہ میں اور بعد میں کتنے ہیں

جیسے آسمان کے تارے کہ نہ تاروں کی شمار ہے نہ حضرت عمر کی نیکیوں کی شماران کا یہ فرمان ہے،بولو اب ہم کس شمار میں ہیں۔

۴؎ یعنی ہم اس کفاف ہوجانے پر راضی نہیں،حضرت ابو موسیٰ پر امید کا غلبہ ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم رب تعالٰی کے اس فیصلہ پر راضی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر رب تعالٰی ہم سے یہ پوچھے تو ہم راضی نہ ہوں ہم عرض کریں کہ مولٰی ہم کو بڑا اجر دے ہم پر بڑا فضل کر۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے — خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

۵؎ بندے پر بعض وقت ایسے آتے ہیں کہ رب تعالٰی بندے کی رضا چاہتا ہے"وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی"اور حضرت ابوبکر صدیق کے لیے فرماتا ہے:"وَ لَسَوْفَ یَرْضٰی"۔

۶؎ یعنی اے ابو موسیٰ تمہاری امید کا یہ حال ہے اور میرے خوف کا یہ عالم ہے کہ میں تو یہ ہی غنیمت سمجھتا ہوں۔

۷؎ یعنی جو عبادات اور جہاد وغیرہ ہم نے حضور انور کے زمانہ میں کیے اور جو کچھ بعد میں کیے یہ سب ملا لئے جاویں۔

۸؎ یہ سارے اعمال ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جاویں کہ ہم کو اللہ کے عذاب سے نجات مل جاوے نہ جنت ملے نہ دوزخ۔

۹؎ اس عبارت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اس معاملہ میں آپ کے والد حضرت عمر میرے والد حضرت ابو موسیٰ سے بہتر تھے کہ ان پر خوف الٰہی کا غلبہ تھا اور میرے والد پر امید کا غلبہ،خوف امید سے افضل ہے کہ خوف ہی سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ اکبر آپ کے والد تو میرے والد سے کہیں بہتر تھے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے،خلیفۃ المسلمین،غازی اسلام،فاتح بلدان تھے پھر انکے خوف و خشیت کا یہ حال تھا تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔خیال رہے کہ بندہ کو رب سے جتنا قرب زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی خوف زیادہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"حضور فرماتے ہیں انا اعلمکم باللہ و اخشاکم۔اللہ تعالٰی حضرت فاروق اعظم کے صدقہ میں ہم کو اپنا خوف دے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے میرے رب نے نو چیزوں کا حکم دیا اللہ سے ڈرنا خفیہ اور ظاہر ۱؎ اور انصاف کی بات کرنا غصہ اور رضا میں ۲؎ درمیانی چال فقیری اور امیری میں ۳؎ اور یہ کہ میں اس سے جوڑوں جو مجھ سے توڑے اور اسے دوں جو مجھے محروم کرے اور اس کو معافی دوں جو مجھ پر ظلم کرے ۴؎ اور یہ کہ میری خاموشی فکر ہو،میرا بولنا ذکر،میرا دیکھنا عبرت ہو اور حکم دوں اچھائی کا اور کہا گیا کہ اچھی باتوں کا ۵؎ (رزین)	

۱؎خوف ہر ڈر کو کہتے ہیں مگر خشیت وہ ڈر جس کے ساتھ تعظیم و توقیر ہو۔تقویٰ وہ ڈر جس کے ساتھ اطاعت ہو۔خفیہ و ظاہر خوف یہ ہے کہ چہرہ پر آثار خوف نمودار ہوں اور دل میں بھی اللہ کا خوف ہو یا علانیہ بھی اچھے اعمال کرے اور تنہائی میں بھی،ایسے کی وہاں قدر ہے۔

۲؎انسان کسی سے خوش ہوتا ہے تو اس کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے اور جب اس پر غصہ آتا ہے تو اسے جھوٹے عیب لگاتا ہے یہ دونوں چیزیں بری ہیں،ہر حال میں اپنے اور دوسروں کے متعلق انصاف کی بات کرے۔

۳؎اس طرح کہ نہ تو امیری میں اترائے نہ غریبی میں گھبرائے،دل کا حال اپنی چال ہر وقت یکساں رکھے اس سے انسان بہت آرام میں رہتا ہے۔

۴؎یہاں معافی سے مراد اخلاقی معافی ہے نہ کہ مجبوری کی معافی یعنی بدلہ لینے پر قدرت ہو پھر معافی دے دی جاوے جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے دربار میں آئے ہوئے بھائیوں کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ فتح فرماکر سب اہل مکہ کو معافی دے دی یہ معافی کمال ہے،قرآن مجید کی جو معافی کی آیتیں منسوخ ہیں وہاں مجبوری و کمزوری کی معافی مراد ہے جیسے"فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ"یا "فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللہُ بِاَمۡرِہٖ"۔

۵؎یعنی جب خاموش رہوں تو رب کی نعمتیں،اس کی قدرتیں سوچوں اور جب بولوں تو اللہ کی حمد،تلاوت،قرآن،تبلیغ، لوگوں کو رہبری کروں،کوئی ناجائز بات منہ سے نہ نکالوں،ہر دنیاوی گفتگو میں اللہ کا ذکر شامل رکھوں۔غرضکہ میری حرکت و سکوں اطاعت الٰہی میں ہو۔عرف و معروف دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اچھی بات،بعض نے کہا کہ عرف عام ہے معروف خاص،معروف اچھے کام اور عرف اچھا کلام اور اچھے کام اچھی بات کا حکم دنیاوی چیز نہیں ہے بلکہ نطقی ذکر کا بیان ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی بندہ مؤمن نہیں جس کی آنکھوں سے آنسو نکلیں اگرچہ مکھی کے سر برابر ہوں اللہ کے خوف سے۱؎پھر وہ آنسو اس کے چہرے کے ظاہری حصہ کو پونچھیں۲؎مگر اسے اللہ آگ پر حرام فرمادے گا۔(ابن ماجہ)	

۱؎خوف سے عام ڈر مراد ہے۔گنہگار کو اللہ کے عذاب کا خوف ہو خواہ نیک کار کو اللہ تعالٰی کی ہیبت ہو۔خیال رہے کہ یہاں خوف کے رونے کی جزاء کا ذکر ہے یعنی دوزخ سے نجات،ذوق شوق کا رونا اس سے افضل اس کی جزاء ان شاءاللہ جنت کی عطا ہوگی۔

۲؎حر ح کے پیش ر کے شد سے بمعنی چہرے کا سامنے والا حصہ یعنی آنسو اس قدر نکلیں کہ اس کے چہرے پر بہہ کر آجاویں۔بہتا خون وضو توڑ دیتا ہے بہتا آنسو گناہ توڑ دیتا ہے۔

باب تغیر الناس

لوگوں میں تبدیلی کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی مختلف زمانوں میں لوگوں کے مختلف حالات ہوجانے کا بیان۔چنانچہ زمانہ نبوی میں لوگوں میں دین پر استقامت۔شریعت کی اتباع،دنیا سے بے رغبتی،دنیاوی دولت و عزت پر غرور نہ ہونا،نیک اعمال پر پابندی،دل کی نورانیت،باطنی صفائی کمال درجہ کی تھی بعد میں وہ کمال نہ رہا،آخر زمانہ میں اس کے برعکس ہوجاوے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ ان سو اونٹوں کی طرح ہیں ۱ جن میں تم ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ ۲ (مسلم،بخاری)

۱یہاں الناس سے مراد آخر زمانہ کے لوگ ہیں،قریب قیامت لوگوں کا یہ حال ہوگا۔زمانہ رسالت میں اگرچہ حضرات صحابہ کے درجات مختلف تھے مگر سب عادل،ثقہ،مؤمن،صالح تھے لہذا اس حدیث سے شیعہ دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ سارے صحابہ گمراہ فاسق تھے سواء حضرت علی،بلال،سلمان وغیرہم چار پانچ صحابہ کے کہ یہ معنی قرآن کی صریحی آیات کے خلاف ہیں اس لیے یہ حدیث تغیر الناس میں مذکور ہوئی،اگلی حدیث بھی اس معنی کی تائید کررہی ہے۔حضور نے فرمایا اصحابی کالنجوم،قرآن کریم فرماتاہے:"فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ "اس آیت و حدیث نے صحابہ کو تارے فرمایا۔

۲راحلۃ بنا رحل سے بمعنی کجاوہ جس پر بوجھ رکھا جاوے یا آدمی سوار ہو یعنی جیسے سو اونٹ ہوں جو رنگ روپ جسامت میں یکساں معلوم ہوتے ہوں مگر سواری یا بوجھ لادنے کے قابل ایک بھی نہ ہو،صرف کھانے پینے کے لیے ہی ہوں ایسے ہی لوگ ہوجائیں گے شکل و صورت،بات چیت میں بڑے اچھے ہوں گے مگر معاملہ کے قابل ایک نہ ہوگا جیساکہ آج دیکھا جارہا ہے۔انسان کی آزمائش معاملہ پڑنے پر ہوتی ہے نماز روزہ،حج و زکوۃ آسان ہے معاملہ کی صفائی بڑی مشکل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ تم اپنے سے اگلوں کی راہ چلو گے بالشت بالشت کے مطابق اور گز گز کے مطابق ۱حتی کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے چلو گے ۲عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ کے،فرمایا تو اور کون ۳

	(مسلم،بخاری)

۱؎ سنن جمع ہے سنة کی بمعنی طریقہ،روشن خواہ اچھا ہو یا برا یہاں برا طریقہ مراد ہے۔اگلوں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں یعنی تم ان یہود و نصاریٰ کے نقال بنو گے اور رسم و رواج ان کی چال ڈھال پسند کرو گے،اسے ہی اختیار کرو گے،بالکل ان کے مطابق ہوجاؤ گے جیسے ایک ہاتھ کا بالشت دوسرے ہاتھ کے بالشت کے بالکل برابر ہوتا ہے یا جیسے ایک گزدوسرے گز کے بالکل برابر۔دیکھ لو آج ہمارا کیا حال ہے یہ فرمان سنو اور اپنا حال دیکھو۔ہندو،سکھ،پارسی،مجوسی سب اپنی شکل اپنے لباس کو اپنی وضع قطع کو پسند کرتے ہیں مگر مسلمان ہیں کہ عیسائیوں کی نقل میں فنا ہوئے جارہے ہیں،سر دیسی ہے بال انگریزی،منہ دیسی ہے زبان انگریزی،غذا دیسی ہے اسے کھاتے ہیں انگریزی طریقے سے۔

۲؎ یعنی اگر عیسائی ایساکام کریں جس میں نفع کوئی نہ ہو نری تکلیف ہی ہو تو تم ان کی نقالی میں وہ کام ضرور کرو گے۔ہم نے دیکھا کہ سخت سردی ہے مگر صاحب بہادر سر نہیں ڈھکتے ننگے سر پھرتے ہیں،بیمار ہوجاتے ہیں،منہ سے بھی روتے ہیں اور آنکھوں ناک سے بھی،روٹی کھاتے ہیں کھڑے ہو کر بلکہ گھوم گھوم کر جنٹلمین اور ان کی عورتیں نیم عریاں لباس بنتے ہیں،پوچھو ان حرکتوں میں فائدہ کیا ہے،صرف نقصان اور تکلیف ہی ہے،یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور اس غیب دان نبی کے علم کے قربان۔

۳؎ یعنی اگلوں سے یہ ہی قومیں مراد ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ انسان معجون مرکب ہے اس میں حیوانیت بھی ہے اور ملکیت بھی۔(فرشتہ کے صفات)اگر انسان پر ملکیت غالب آجاوے تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور اگر اس پر حیوانیت کا غلبہ ہوجاوے تو اسفل السافلین میں پہنچ جاتا ہے۔حاکم نے بروایت حضرت ابن عباس حدیث نقل کی کہ اگر عیسائی سڑکوں پر اپنی بیویوں سے صحبت کریں گے تو تم بھی ایسا ہی کرو گے۔(مرقات)

	روایت ہے مرادس اسلمی ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک لوگ آگے پیچھے چلے جائیں گے اور بھوسی رہ جاوے گی جیسے جو کی یا چھوہاروں کی بھوسی اللہ تعالٰی ان کی مطلقًا کوئی پرواہ نہ کرے گا ۲؎(بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں،بیعت الرضوان میں شریک تھے،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے قیس ابن حازم کی روایت سے۔

۲؎ حثالہ اور حفالہ جو کی بھوسی یا خرمہ کا کوڑا جو کسی کام نہ آسکے۔اس سے مراد وہ نفس پرست مسلمان ہیں جن کے صرف نام مسلمانوں کے سے ہوں باقی وہ دین یا قوم یا وطن کے لیے مطلقًا مفید نہ ہوں۔اگر چھلکا مغز کے ساتھ رہے تو اس کی بھی قدر ہوجاتی ہے،مغز سے علیحدہ ہوکر پھینکا ہی جاتا ہے،اگر بروں کے ساتھ اچھے بھی ہوں تو یہ بھی تیر جاتے ہیں،اگر اچھے نکل جاویں تو ڈوب جاتے ہیں۔یہاں یہ ہی فرمایا گیا کہ جب تک ان میں اچھے رہیں گے تب تک رب تعالٰی ان کی پرواہ کرے گا،اچھوں کے اٹھ جانے پر ان بروں کی کوئی قدر نہ ہوگی ہر طرح غضب میں گرفتار ہوں گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت اکڑ کر چلے ۱؎ اور شاہزادے یعنی فارس و روم کے بچے ان کی خدمت کریں ۲؎ تو اللہ تعالٰی ان کے بہتروں پر بدتروں کو مسلط کردے گا ۳؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ **مطیطیاء** میم کے پیش اور پہلی ط کے فتحہ سے اس کا مادہ **مطی** ہے بمعنی اکڑ غرور،رب تعالٰی فرماتاہے:"**ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰى**"۔معلوم ہوا کہ متکبرین کی طرح چلنا بھی اللہ کے عذاب کا سبب ہے،مسلمان کی نشست و برخاست چلنے پھرنے میں تواضع اور انکسار چاہیے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ**"اور فرماتاہے:"**وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا**"۔

۲؎ یعنی مسلمان فارس و روم کے ملک فتح کریں وہاں کے شہزادے غلام اور شہزادیاں لونڈیاں بن جاویں تو ان مسلمانوں کا وہ حال ہوگا جو آگے مذکور ہے۔

۳؎ چنانچہ دیکھ لو عہد فاروقی میں روم و فارس فتح ہوئے تو مسلمانوں نے عثمان غنی کو شہید کیا اور کچھ عرصہ بعد یزید،حجاج جیسے ظالم بنی امیہ ان پر مسلط ہوگئے۔یہ خبر حضور کا معجزہ ہے نفس انسانی تکالیف میں ٹھیک رہتا ہے۔اس حدیث پاک میں تین غیبی خبریں ہیں:آئندہ فارس و روم کا فتح ہونا،شہزادوں شہزادیوں کا مسلمانوں کا غلام و لونڈیاں بننا،مسلمانوں پر بدترین لوگوں کا حاکم بن جانا۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تم لوگ اپنے امام کو قتل کرو گے اور اپنی تلواروں سے اور تمہارے بدترین لوگ تمہاری دنیا کے وارث ہوجائیں گے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یہ تینوں باتیں عہد عثمانی اور اس کے بعد ہوچکیں اور قریب قیامت میں بھی ہوں گی غالبًا وہ ہی واقعے مراد ہیں جو قریب قیامت ہوں گے۔مسلمانوں نے اپنے خلیفہ عثمان غنی کو قتل بھی کیا،پھر زمانہ حیدری میں آپس میں کشت و خون بھی بہت کیے،پھر بدترین لوگ بادشاہ بھی بنے جیسے یزید،حجاج وغیرہ۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں قائم ہوگی قیامت حتی کہ دنیا کا کامیاب ترین شخص خبیث کے بچے خبیث ہوں گے

۱؎(ترمذی، بیہقی، دلائل النبوۃ)	

۱؎ لکع لام کے پیش کاف کے فتحہ سے بمعنی خبیث،احمق،نادان،بے سمجھ بچہ،یہاں بمعنی خبیث یا بمعنی احمق ہے یعنی قوم کے سردار سلطان حاکم وہ لوگ بنیں گے جو خاندانی خبیث ہوں گے جنہیں دین سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔دوسری حدیث میں جو حضرت حسین کو لکع فرمایا گیا وہاں بمعنی نا سمجھ بچہ پیارا لخت جگر ہے۔یہاں لمعات میں ہے کہ لکع زمین سے چمٹا ہوا میل ہے،ذلیل خبیث نادان کو لکع اس لیے کہا جاتا ہے کہ خباثت اور نادانی اس کے لیے لازم ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن کعب قرظی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت علی ابن ابی طالب کو فرماتے سنا ۲؎ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے ۳؎ کہ اچانک ہم پر مصعب ابن عمیر نمودار ہوئے ۴؎ جن پر صرف ایک چادر تھی چمڑے سے پیوند کی ہوئی تو جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حضور رو پڑے اسی نعمت کے خیال سے جس میں وہ پہلے تھے اور اسی حالت سے جس میں وہ آج ہیں ۵؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم کیسے ہوگے جب تم میں سے کوئی ایک جوڑے میں صبح ملے گا اور دوسرے جوڑے میں شام ۶؎ اور اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جاوے گا اور دوسرا اٹھایا جاوے گا ۷؎ اور تم اپنے گھروں کو ایسے کپڑے پہناؤ گے جیسے کعبہ پہنایا جاتا ہے ۸؎ تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اس دن آج کے دن سے اچھے ہوں گے کہ عبادت سے فارغ ہوں گے اور کام کاج سے بچالیے جاویں گے،فرمایا نہیں تم آج اچھے اس دن کے مقابلہ میں ۹؎(ترمذی)	

۱؎ آپ تابعی ہیں،بنی قریظہ سے ہیں جو یہود مدینہ تھے،آپ کے والد کعب قرظی اس وقت بچے تھے جب بنی قریظہ کو قتل کیا گیا اس لیے وہ قتل سے بچ گئے تھے۔(مرقات)

۲؎ حضرت علی سے یہ سننے والے اگر صحابی ہیں تو حدیث صحیح ہے کہ صحابی سارے کے سارے عادل ثقہ ہیں،اگر ان کا نام معلوم نہ ہو تو حرج نہیں اور اگر یہ سننے والے صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں تو تابعی کی جہالت قابل مغفرت ہے۔(مرقات)مگر اس صورت میں حدیث مجہول ہوگی۔

۳؎ مسجد نبوی میں یا مسجد قبا میں پہلا احتمال قوی ہے۔

۴؎ آپ قریشی مکی اور عبدری ہیں،آپ اسلام سے پہلے بڑے دولت مند نہایت خوش خوراک اور خوش لباس تھے،بیعت عقبہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہی مدینہ منورہ کا مبلغ قرار دیا،آپ نے وہاں اسلام کی بہت اشاعت فرمائی اور ہفتہ میں

ایک دن اجتماع کا رکھا اتفاقًا وہ دن جمعہ مقرر ہوا گویا جمعہ کی بنیاد آپ کے ہاتھوں قدرتی طور پر ہوئی۔بعد ہجرت آپ صفہ والوں میں مقرر ہوئےاور آپ کی غربت و افلاس یا ترک دنیا کا وہ حال ہوا جو یہاں مذکور ہے۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں پہلے حضرت مصعب ابن عمیر اور عبداللہ ابن ام مکتوم پہنچے پھر حضرت بلال،سعد ابن ابی وقاص اور عمار ابن یاسر پہنچے،پھر حضرت عمر بیس صحابہ کرام کے ساتھ پہنچے۔(بخاری شریف جلد اول،ص ۵۵۸،باب مقدم النہارۃ المدینہ)حضرت مصعب جنگ احد میں شہید ہوئے،آپ کو کفن تو کیا پوری ایک چادر بھی نہ ملی،پاؤں شریف کو گھاس سے چھپایا گیا،آپ کے بارے میں یہ آیت آئی"رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰھَدُوا اللّٰہَ"چالیس سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

۵؎جب حضور انور نے آپ کی کپڑے کی چادر میں چمڑے کا پیوند دیکھا یعنی اتنا کپڑا میسر نہ تھا کہ اس سے پھٹی چادر میں پیوند لگالیں اور حضور نے ان کا گزشتہ عیش کازمانہ یاد فرمایا تو رو پڑے یا ان پر رحم فرماتے ہوئے یا ان کے ترک دنیا اور آخرت کے درجات پر خوشی سے روئے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔خیال رہے کہ حضور انور کی ترک دنیا پر حضرت عمر روئے تو حضور انور نے انہیں رونے سے منع فرمادیا وہ حضور انور کا صبر ہے اور یہاں حضرت مصعب پر خود روئے یہ حضور کی رحمت ہے،حضور اپنی امت کی تکالیف پر صابر ہیں امت کی تکلیفوں کو برداشت نہیں فرماتے تھے روتے تھے۔

۶؎یہ فرمان عالی عام صحابہ سے ہے،حضرت مصعب اس میں داخل نہیں کیونکہ آپ نے وہ وسعت وفراخی کازمانہ نہیں پایا یہ فراخی فتوحات فاروقی اور سخاوت عثمانی سے ہوئی،آپ تو احد میں ہی شہید ہوگئے تھے۔

۷؎یعنی تمہارے گھروں میں بیک وقت چند کھانے پکا کریں گے جو تمہارے خدام تمہارے پاس آگے پیچھے لاکر پیش کریں گے۔عرب میں چند کھانے یکدم سامنے نہیں رکھے جاتے بلکہ آگے پیچھے لائے جاتے ہیں بعض امیر گھرانوں میں یہاں بھی یہ عقیدہ ہے۔معلوم ہوا کہ بیک وقت چند کھانے صحابہ کرام کے زمانہ میں جاری ہوگیا تھا،یہ بدعت حسنہ ہے۔(دیکھو شامی)

۸؎یعنی آج تو صرف کعبہ معظّمہ کی دیواروں پر غلاف چڑھایا جاتا ہے مگر اس زمانہ میں تمہاری مالداری کا یہ حال ہوگا کہ تم اپنی چھتوں اپنی دیواروں کو اعلیٰ درجہ کے غلافوں سے چھپاؤ گے۔معلوم ہوا کہ یہ عمل بھی ناجائز نہیں ہے نہ اسراف ہے بلکہ جائز ہے اگرچہ بہتر نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی مگر اسے ناجائز نہ کہا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں اس عمل پر ناپسندیدگی فرمائی گئی ہے کہ وہاں بہتر نہ ہونے کی بنا پر ناپسندیدگی ہے۔

۹؎اس لیے آج بہتر ہو کہ آج تم آپس کے بہت سے فتنوں سے بچے ہوئے ہو،اس زمانہ میں فتنے زیادہ ہوں گے یا اس لیے کہ آج تم فقیر صابر ہو اس دن غنی شاکر ہوؤگے۔اور فقیر صابر افضل ہے غنی شاکر سے،دیکھا گیا ہے کہ بمقابلہ امیروں کے فقیر مسلمان عبادات زیادہ کرتے ہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ کافر فقیر کا عذاب بمقابلہ کافر غنی کے ہلکا ہوگا،اسی طرح مؤمن فقیر کا ثواب عمومًا مؤمن غنی سے زیادہ ہوگا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا۱؎ کہ ان میں اپنے دین پر صبر کرنے والا چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہوگا۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے۔	

۱؎ یہ زمانہ قریب قیامت ہوگا جس کی ابتداء آج ہوچکی ہے۔فی زمانہ دیندار بن کر رہنا مشکل ہے آج ڈاڑھی رکھنا،نماز کی پابندی کرنا دوبھر ہوگیا ہے،سود سے بچنا تو قریبًا ناممکن ہی ہے۔
۲؎ یعنی جیسے ہاتھ میں انگارا رکھنا بہت ہی بڑے صابر کا کام ہے،یوں ہی اس وقت مخلص کامل مسلمان بننا سخت مشکل ہوجاوے گا اس لیے فرمایا گیا کہ اس زمانہ میں ایمان پر قائم رہنے والے کو پچاس صحابہ کے اعمال کے برابر ثواب ملے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تمہارے حکام تم میں بہترین ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے سخی ہوں اور تمہارے کام تمہارے آپس کے مشورہ سے ہوں ۱؎ تو تمہارے لیے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے ۲؎ اور جب تمہارے حکام تم میں سے بدترین ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے کنجوس ہوں اور تمہارے کام تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں ۳؎ تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے ۴؎(ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی جب تک کہ بادشاہ اور حاکموں میں تقویٰ دینداری رہے امیروں میں سخاوت خدا ترسی رہے اور تمہارے گھروں کے کام گھر والوں کے مشورہ سے،قومی کام قوم کے مشورہ سے،ملکی کام ملک والوں کے مشورے سے ہوا کریں تم میں جمہوریت ہو شخصیت نہ ہو،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ"اور فرماتاہے:"وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ"۔خیال رہے کہ اللہ رسول کے احکام میں کسی مشورہ کی گنجائش نہیں،مشورہ والے کاموں میں ضرور مشورہ کرے،نماز روزے کے لیے مشورہ کی ضرورت نہیں،ملکی انتظامات بچوں کی شادی بیاہ کے لیے ضرور مشورہ کرو۔
۲؎ یعنی ان حالات میں تمہاری زندگی موت سے بہتر ہے کہ اس زندگی میں تم نیکیاں بڑھا کر آخرت کا توشہ زیادہ جمع کرلو گے۔
۳؎ یعنی بادشاہ حکام ظالم فاسق ہوں جن کے دلوں میں نہ خدا کا خوف ہو نہ نبی کی شرم،امیروں میں غرباء پروری قوم و ملک کی خدمت کا جذبہ نہ رہے انہیں اپنے خزانہ بھرنے کی ہی فکر رہے،گھر کی کار مختار عورتیں ہی ہوجاویں کہ وہ جو چاہیں سو کریں مرد ان کے ماتحت ہوجاویں یہ تینوں لعنتیں آج دیکھی جارہی ہیں۔پہلے قحط سالی میں امیر لوگ غرباء پروری کرتے تھے،اب غریبوں کا خون چوس کر اور زیادہ امیر بننے کی کوشش کرتے ہیں،گھروں میں عورتیں خود مختار ہیں مردوں کی کچھ نہیں چلتی،حکام اور عدالتوں کے حال بالکل ظاہر ہیں۔ملک میں انتشار،جرموں کی زیادتی،عام چوری ڈکیتی،قتل خون،عدالتوں کے خرچ انہیں کے سہارے ہورہے ہیں،آج انصاف ملتا نہیں بکتا ہے اس کے لیے لوہے کے پاؤں،چاندی کے ہاتھ،نوح علیہ السلام کی عمر چاہیے اللہ سے فریاد ہے۔
۴؎ کیونکہ اس زمانہ میں زندگی فتنوں سے گھری ہوگی انسان زندگی میں گناہ زیادہ کرے گا،موت راحت کا ذریعہ ہوگی،قبر گھر سے بہتر ہوگی ایسی حالت میں اگر مسلمان اپنی موت کی تمنا یا دعا کریں تو گنہگار نہ ہوگا جیساکہ روایات میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ امتیں تم پر ایک دوسرے کو ایسی دعوت دیں جیسے کھانے والے اپنے پیالہ کی طرف ۱؎ تو کوئی کہنے والا بولا کیا اس دن ہماری کمی کی وجہ سے ایسا ہوگا ۲؎ فرمایا بلکہ تم اس دن بہت ہوگے لیکن تم سیلاب کے میل کی طرح ایک سیل بن جاؤ گے ۳؎ اور اللہ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دل میں سستی ضعف ڈال دے گا ۴؎ کسی کہنے والے نے عرض کیا یارسول اللہ وہن کیا چیز ہے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے ڈر ۵؎ (ابوداؤد،بیہقی،دلائل النبوۃ)

۱؎ یعنی کفار کی قومیں یہود،نصاریٰ،مشرکین،مجوسی وغیرہ تم کو مٹانے کے لیے متفق ہوجاویں بلکہ ایک دوسرے کو دعوت دیں کہ آؤ مسلمانوں کو مٹاتے انہیں ستاتے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہوجاؤ یہ حالات اب شروع ہوچکے ہیں۔دیکھو یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے دشمن ہیں مگر آج مسلمانوں کو مٹانے کے لیے دونوں بلکہ ان کے ساتھ مشرکین بھی ایک ہوگئے ہیں،یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور،حضور کا ایک ایک لفظ حق ہے۔

۲؎ یعنی ہمارے مقابلہ میں جو کفار کے حوصلے اتنے بلند ہوجاویں گے کیا اس کی وجہ یہ ہوگی،اس زمانہ میں ہماری تعداد تھوڑی ہوگئی ہوگی،آج ہماری تعداد زیادہ ہی ہے اس سے کفار پر ہماری دھاک بیٹھی ہے۔

۳؎ یعنی بمقابلہ آج تمہاری تعداد اس دن زیادہ ہوگی مگر تم ایسے ہوگے جیسے سمندر میں پانی کا میل دکھاوا زیادہ حقیقت کچھ نہیں۔بزدلی نااتفاقی،پریشانی دل،آرام طلبی،عقل کی کمی،موت سے ڈر،دنیا سے محبت تم میں بہت ہوجاوے گی۔(مرقات)ان وجوہ سے کفار کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دی جاوے گی۔

۴؎ وھن بمعنی سستی،ضعف کمزوری،مشقت یہاں یا بمعنی سستی ہے یا بمعنی ضعف،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ**"اور فرماتا ہے:"**رَبِّ اِنِّىۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّىۡ**"یعنی تم دل کے کمزور وسست ہوجاؤ گے جہاد سے دل چراؤ گے۔

۵؎ یعنی اس سستی وضعف کا سبب دو چیزیں ہیں: ایک دنیا میں رغبت،دوسرے موت کا خوف۔جس قوم میں یہ دو چیزیں جمع ہوجاویں وہ عزت کی زندگی نہیں گزار سکتی۔خیال رہے کہ حب دنیا اور موت سے نفرت لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں نہیں ظاہر ہوتی خیانت کسی قوم میں مگر اللہ ان کے دلوں میں رعب

ڈال دیتا ہے ۱؎ اور نہیں پھیلتا زنا کسی قوم میں مگر ان میں موت زیادہ ہو جاتی ہے ۲؎ اور نہیں کم کرتی کوئی قوم ناپ تول مگر ان سے روزی کاٹ دی جاتی ہے ۳؎ اور نہیں حکم کرتی کوئی قوم ناحق مگر ان میں خونریزی پھیل جاتی ہے ۴؎ اور نہیں عہد توڑتی کوئی قوم مگر ان پر دشمن مسلط ہوجاتا ہے ۵؎ (مالک)	

۱؎ یعنی جو قوم خیانت کرنے کی عادی ہوگی اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس قوم کے دل میں ہمت و جرات نہ رہے گی،دشمن کا خوف اس پر غالب ہوگا،امین کا دل قوی ہوتا ہے۔

۲؎ یہاں موت سے مراد یا تو جسمانی موت ہے یا روحانی موت یعنی جس قوم میں زنا پھیلے گا اس میں وبا،طاعون وغیرہ پھیلے گی یا ایسی خوفناک جنگ آپڑے گی جس سے ان میں موت بہت واقع ہوگی یا اس میں صالحین علماء اٹھ جائیں گے آئندہ پیدا نہ ہوں گے جس سے انکی روحانی موت واقع ہوجاوے گی۔(مرقات)جیسے نیک اعمال میں تاثیر ہے ویسے ہی گناہوں میں مختلف اثرات ہیں۔

۳؎ یعنی کم تولنے کی نحوست سے روزی کی برکت اڑ جاتی ہے یا اس ذریعہ سے کمایا ہوا مال کسی نہ کسی وجہ سے آخر کار ہلاک ہوجاتا ہے۔پانی کی کمائی پانی میں ہی گمائی جاتا ہے اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے مگر لوگ عبرت نہیں پکڑتے۔حرام کمائی،حاکم حکیم،وکیل ہی کھاتے ہیں،حلال میں برکت ہے حرام میں بے برکتی،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَمۡحَقُ اللہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ"اللہ سود کو مٹاتا ہے صدقات و خیرات بڑھاتا ہے۔کتیا سال میں چھ بچے دیتی ہے اور کوئی ذبح نہیں ہوتا،گائے بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہیں اور روزانہ ہزاروں ذبح ہوجاتے ہیں مگر ریوڑ بکریوں گایوں کے ہی نکلتے ہیں کتوں کے نہیں۔

۴؎ یعنی جب عدالتوں میں ظلم ہونے لگیں وہاں ظالم سے مظلوم کا حق نہ دلوایا جاوے تو ملک میں خونریزی ہوتی ہے کہ پھر لوگ ظالموں سے بدلہ خود لیتے ہیں کچہریوں میں نہیں جاتے۔دیکھا گیا ہے کہ قاتل رشوت وغیرہ کے ذریعہ بری ہو کر گھر پہنچا کہ مقتول کے وارثوں نے اسے اور اس کے بچوں گھر والوں کو قتل کردیا،اگر قاتل کو پھانسی ہوجاتی تو اتنی جانیں برباد نہ ہوتیں"وَلَکُمۡ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ"۔

۵؎ یختر بنا ہے ختر سے بمعنی غداری بدعہدی،قرآن مجید میں ہے"اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ"یعنی بد عہد قوم پر دشمن مسلط کردیئے جاتے ہیں کہ ان کے دشمن ان کے حاکم بنتے ہیں۔

باب

باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف باب ہے،ترجمہ باب یعنی عنوان کے بغیر ہے جس کا مطلب ہے کہ متفرقات و ملحقات کا باب،بعض نسخوں میں ہے باب الانذار والتحذیر۔انذار بمعنی ڈرانا،تحذیر بمعنی احتیاط دلانا یا نصیحت کرنا لہذا انذار عام ہے اور تحذیر خاص،کبھی بمعنی ڈرانا بھی آتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ"۔

روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا کہ آگاہ رہو کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ سب سکھاؤں جو مجھے میرے رب نے سکھایا اس دن ۲؎ جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ حلال ہے ۳؎ اور میں نے اپنے بندوں کو پیدا کیا کہ وہ سارے برائیوں سے دور تھے ۴؎ اور ان کے پاس شیاطین آئے تو انہیں دین سے پھیر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کردیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں ۵؎ اور انہیں مشورہ دیا کہ میرا شریک انہیں ٹھہرائیں جس پر میں نے کوئی دلیل نہ اتاری اور اللہ نے زمین والوں کی طرف نظر فرمائی تو ان سب عربیوں عجمیوں پر ناراض ہوا سواء بچے کھچے اہل کتاب کے ۶؎ اور فرمایا کہ میں نے تم کو بھیجا ہے تاکہ تمہارا امتحان لوں اور تمہارے ذریعہ سے امتحان لوں ۷؎ اور میں نے تم پر ہر وہ کتاب اتاری جسے پانی نہ دھو سکے ۸؎ تم سوتے جاگتے پڑھو گے ۹؎ اور اللہ نے مجھے حکم دیا کہ قریشی کو جلا ڈالوں ۱۰؎ تو میں نے عرض کیا یارب تب تو وہ میرا سر کچل دیں گے تو اسے روٹی کو چھوڑیں گے ۱۱؎ فرمایا تم انہیں نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا ۱۲؎ تم ان پر جہاد کرو ہم تمہیں سامان دیں گے ۱۳؎ تم خرچ کرو ہم تم پر خرچ	

	کریں گے۱۴؎ تم لشکر بھیجو ہم پانچ گناہ لشکر بھیجیں گے۱۵؎ اور اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں سے جنگ کرو ۱۶؎ (مسلم)

۱؎ مجاشع ایک قبیلہ ہے جو مجاشع ابن دارم کی طرف منسوب ہے،حضرت عیاض اسی قبیلہ سے ہیں،حضور انور کو ان سے بہت ہی محبت تھی،انہوں نے ایک بار بحالت کفر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا حضور نے قبول نہ فرمایا پھر بعد اسلام ہدیہ بھیجا تو قبول فرمالیا،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،آخر میں بصرہ میں قیام رہا۔(اشعہ)

۲؎ یعنی رب تعالٰی نے مجھے جو کچھ آج سکھایا ہے میں وہ تم کو سکھاؤں۔آج کے سکھانے سے مراد ہے کہ آج کے بھیجے ہوئے احکام شرعیہ ورنہ حضور کو وہ باتیں بھی سکھائی گئی ہیں جو صرف حضور کے لیے ہیں ہم کو انکی تعلیم ممنوع ہے۔

۳؎ یعنی میرا دیا ہوا ہر مال میرے بندوں کو حلال ہے کوئی بندہ اسے بغیر دلیل حرام نہ کہے۔اس میں مشرکین عرب کی تردید ہے جو بلا دلیل بحیرہ سائبہ،وصیلہ وغیرہ جانوروں کو حرام کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں حلال ہونا ہے،جو ممنوع نہ ہو وہ حلال ہے۔اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو بلادلیل حرام کا فتوٰی دیدیتے ہیں ختم کا کھانا حرام ہے،گیارھویں کی شیرنی حرام۔**نعوذ باللہ!**

۴؎ یعنی میں نے انسانوں کو دین پر پیدا فرمایا،وہ **قالوا بلٰی** والے عہد پر پیدا ہوئے،پیدائش کے وقت کوئی کافر مشرک نہ تھا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا**"۔

۵؎ یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں ڈال دیا کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے جیسے مشرکین عرب کے دل میں ڈال دیا کہ بحیرہ جانور حرام ہیں یا بعض جاہلوں کے دل میں ڈال دیا کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے جیسے مشرکین عرب کے دل میں ڈال دیا کہ بحیرہ اور سائبہ جانور حرام ہے یا بعض جاہلوں کے دل میں ڈال دیا کہ گیارھویں عرس کا کھانا حرام ہے۔حرام کے لیے خاص ممانعت کی دلیل چاہیے،جس چیز کا شریعت میں ذکر ہی نہ ہو وہ حلال ہے۔

۶؎ **مقت** بروزن **نصر** ماضی سے بنا ہے **مقتٌ** سے بمعنی ناراض یعنی اللہ تعالٰی سارے عربیوں عجمیوں پر ناراض ہوا کہ وہ سب کفر و شرک میں مبتلا ہوگئے تھے،ہاں کچھ اہل کتاب جو اپنے اصل دین پر قائم رہے تھے مؤمن موحد تھے،ان سے راضی ہوا اور انہیں حضور پر ایمان لانے کی توفیق دے دی۔

۷؎ یعنی اے میرے محبوب ہم نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اس میں آپ کی بھی آزمائش ہے تبلیغ سے اور لوگوں کی آزمائش ہے قبول کرنے سے،آپ پر تبلیغ فرض ہے لوگوں پر آپ کی بات قبول کرنا ضروری ہے۔

۸؎ یعنی وہ کتاب نہ تو منسوخ ہوگی نہ کسی کے بدلنے سے بدل جاوے گی،یہ مطلب نہیں کہ قلمی قرآن شریف پانی سے دھلتا نہیں یا آگ سے جلتا نہیں یہاں یہ دھلنا جلنا مراد نہیں۔

۹؎ یعنی ہم تمہارے سینہ میں قرآن اس طرح محفوظ کردیں گے کہ آپ اسے بے تکلف سوتے جاگتے پڑھیں گے نہ بھولیں گے نہ اٹکیں گے۔

۱۰؎ جلانے سے مراد ہے ہلاک کرنا۔مطلب یہ ہے کہ مشرکین عرب کے لیے جزیہ نہیں ان کے لیے یا اسلام ہے یا قتل لہذا حدیث واضح ہے۔

۱۱؎ یعنی اے مولیٰ میں تو اکیلا ہوں کفار بہت ہیں،میں اکیلا انہیں کیسے قتل کرسکتا ہوں وہ ہی مجھے ہلاک کردیں گے۔

۱۲؎ یعنی کفار قریش کو ان کا وطن چھوڑنے پر مجبور کرو،انہیں دیس نکالا دو کیونکہ انہوں نے آپ کو مکہ معظّمہ چھوڑنے ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔خیال رہے کہ اس فرمان پر عمل کا موقعہ ہی نہ آیا کیونکہ حضور کو مکہ معظّمہ سے نکالنے والے قریشی کچھ تھوڑے جہادوں میں قتل ہوگئے باقی تمام کے تمام مسلمان ہوگئے،کسی کو دیس نکالا دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی لہذا حدیث واضح ہے بلکہ عکرمہ ابن ابوجہل فتح مکہ کے دن مکہ چھوڑکر یمن بھاگ گئے تھے،حضور نے انہیں امن دے کر واپس بلالیا وہ مسلمان ہوگئے۔

۱۳؎ اس عبارت میں **اغز نصر ینصر** سے ہے بمعنی جہاد کرنا،**نغزك** باب افعال سے ہے بمعنی سامان جہاد دینا،اس کا مصدر **اغزاء** ہے یعنی ہم تم کو قوت جہاد جاں نثاری غازی عطا فرمائیں گے،اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمادیا۔

۱۴؎ حق یہ ہے کہ یہاں خرچ سے مراد ہر قسم کا خرچ ہے یعنی اے محبوب آپ جہاد میں اپنے غلاموں پر تاقیامت اپنے در کے نوکروں چاکروں پر خوب خرچ کیے جاؤ،ہم تم کو دیئے جائیں گے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

ہر تو اوباشد تو برا　　　　تا ابد یہ سلسلہ ہو

رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى**"اللہ نے آپ کو بڑا عیالدار پایا تو تم کو ایسا غنی کردیا کہ تم اس جیسے ہزاروں عالم پال لو گے۔(بخاری شریف کتاب التفسیر)آج بھی سارے علماء صوفیاء اولیاء حضور کے دروازے سے ہی پل رہے ہیں،سارا عالم حضور کے خوان کرم سے کھا پی رہا ہے۔

آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان　　　　صاحب خانہ لقب کس کا تیرا تیرا

۱۵؎ یعنی اگر تم کو ضرورت ہوگی تو ہم جہادوں میں انسانوں سے پنج گنا فرشتے بھیجیں گے،بدر میں پانچ ہزار فرشتے اترے،مسلمانوں کے شانہ بشانہ کفار سے لڑے ورنہ ہلاک کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔

۱۶؎ یعنی صحابہ کو لےکر کفار عرب سے جنگ کرو یا تا قیامت اپنی امت کو لےکر کفار سے جنگ کرتے رہو۔اب بھی بہت جہادوں میں حضور مع صحابہ کرام شرکت فرماتے ہیں،چھ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جو ہندوستان پاکستان کی سترہ روزہ جنگ ہوئی اس میں اولیاء اللہ صحابہ کرام بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے،دمشق میں حضرت بلال قبر میں اذان دے رہے تھے کہ حی علی الجھاد،لوگوں نے یہ واقعات دیکھے اور وہ اذان سنی اسی کی برکت تھی اللہ نے پاکستان کو پنج گنا طاقت پر فتح بخشی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی کنبہ والوں کو ڈراؤ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے پھر پکارنے لگے ۱؎ کہ اے بنی فہر،اے بنی عدی قریش کے خاندانوں ۲؎ حتی کہ وہ جمع ہوگئے

	تو فرمایا بتاؤ تو اگر میں تمہیں خبر دوں کہ سواروں کا لشکر اس جنگل میں ہے تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم مجھے سچا سمجھو گے۳؎ وہ بولے ہاں ہم نے آپ پر ہمیشہ سچ ہی آزمایا ہے۴؎ فرمایا تو میں تم کو سخت عذاب کے آگے ڈراتا ہوں،اس پر ابولہب بولا تم کو ہمیشہ کے لیے ہلاکت ہو کیا آپ نے ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا، تب یہ آیت اتری کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود ہلاک ہو۵؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے آواز دی کہ اے عبدمناف کی اولاد اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھا تو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوا چلا پھر ڈرا کہ دشمن اس سے پہلے ہی پہنچ جاوے تو چیخنے لگا یاصباہ ۶؎

۱؎ یہ حضور انور کی پہلی تبلیغ تھی جو صفا پہاڑ پر مکہ والوں کو بلا کر کی گئی،یہ بھی حضور انور کا معجزہ ہے کہ پہاڑ پر چڑھ کر سارے مکہ میں اپنی آواز پہنچادی ورنہ پہاڑ کی چوٹی سے جو آواز دی جاوے وہ نیچے نہیں پہنچ سکتی۔

۲؎ بڑے خاندان کو قبیلہ کہتے ہیں،اس میں چھوٹے چھوٹے خاندانوں کو **بطن** اور **فخذ** کہتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ قبیلہ جنس ہے،بطن نوع،**فخذ** فصل۔قریش تو بہت بڑا خاندان نضر ابن کنانہ کی اولاد،بنی عدی وغیرہ چھوٹے خاندان جیسے پٹھان بڑا قبیلہ ہے اور یوسف زئی،کمال زئی وغیرہ چھوٹے خاندان۔

۳؎ یعنی تمہاری آنکھ کہتی ہے کہ اردگرد میدانوں میں ایک آدمی بھی نہیں مگر میں کہوں کہ دشمن کے لشکروں سے میدان بھرا پڑا ہے تو تم اپنی آنکھ کی مانو گے یا میری زبان کی مانو گے۔

۴؎ یعنی اس صورت میں ہم اپنی آنکھ کی نہ مانیں گے آپ کی زبان کی مانیں گے کیونکہ ہماری آنکھ بارہا غلطی کرجاتی ہے مگر تمہاری زبان کبھی غلطی نہیں کرتی **ما جربنا علیك كذبا قط**،یہ تھی کفار کی عقیدت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔آج بعض کلمہ گو مسلمان حضور کے علم میں تردد کرتے ہیں کفار مکہ سے بدتر ہیں۔

۵؎ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ ابن عبدالمطلب ہے،چونکہ اس کا چہرہ شعلہ کی طرح سرخ اور چمکیلا تھا اس لیے اسے ابولہب کہا جاتا تھا،حضور کا چچا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پتھر اٹھایا حضور کو مارنے کے لیے اس لیے ارشاد باری ہوا کہ یہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جاویں ہلاک ہوجاویں یا دونوں ہاتھوں سے مراد ہے اس کی دنیا و آخرت۔(اشعۃ اللمعات،مرقات)اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱) تبلیغ کی ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو تبلیغ ہو،پھر عزیزوں قرابت داروں محلّہ والوں کو،پھر دوسرے لوگوں کو(۲)حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت دونوں کو دیکھ رہے ہیں جیسے پہاڑ کی چوٹی پر آدمی چوطرفہ دور دور دیکھتا ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تبلیغ پہاڑ پر کی تاکہ حضور کا مقام معلوم ہو(۳)جہاد کے لیے قوت و طاقت ضروری ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جہاد کیے کہ

ہجرت سے پہلے قوت نہ تھی(۴)غیر خدا کی امداد شرک نہیں جہاد میں اللہ کے بندوں کی مدد لی جاتی ہے(۵)اللہ تعالٰی اپنے محبوب کا بدلہ ان کے دشمنوں سے خود لیتا ہے،دیکھو حضور نے ابولہب کو جواب نہ دیا رب نے دیا،یہ ہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناء خوانوں کا ہے،حضور کی تعریف کرو رب تمہاری تعریف کرے گا دنیا تمہارے قدم چومے گی۔

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا	مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا	اس پیارے سے محبت کیجئے

(۶)حضور کی معرفت ساری عبادات پر مقدم ہے،رب کی معرفت بھی حضور کی معرفت چاہیے،دیکھو حضور انور نے پہلی تبلیغ میں اولًا اپنی پہچان کرائی۔

۷؎ عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی خطرہ شدید سے اپنی قوم کو مطلع کرتا تو اپنا کرتہ بانس پر ٹانگ کر بانس لیا پھرتا اور کہتا یا صباہ سے۔نذیر عریانی کہتے تھے حضور وہ مثال دے رہے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور انور کی نگاہیں غیبی عذاب کا مشاہدہ کررہی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی کنبہ والوں کو ڈراؤ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو نداء دی چنانچہ وہ جمع ہوگئے تو حضور نے عام و خاص سے خطاب فرمایا ۲؎ ارشاد فرمایا اے بنی کعب بن لوی اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے مرہ ابن کعب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے عبدشمس کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے عبدمناف کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے ہاشم کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے عبدالمطلب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۳؎ اے فاطمہ اپنی جان آگ سے بچالو۴؎ کہ میں اللہ کے مقابل تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں ۵؎ سواء اس کے کہ تم سے رشتہ داری ہے جس کی تری کو میں تر رکھوں گا۔اور مسلم،بخاری کی روایت میں ہے کہ کہا اے قریش کے گروہ اپنی جانیں بچالو میں اللہ کے مقابل تم سے کچھ دفع نہیں کرسکتا،اے صفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی۶؎ میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ بھی دفع نہیں کرسکتا،اے فاطمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تم جو چاہو مجھ سے میرا مال مانگ لو ۷؎ میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ دفع نہیں کرسکتا ۸؎	

۱؎ عشیرہ اور اقربین کا فرق ہماری تفسیر میں ملاحظہ فرمانا۔
۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع میں عمومی تبلیغ بھی کی اور خصوصی بھی کہ اے فلاں اے فلاں قبیلہ والے لوگو ادھر آؤ ایمان قبول کرو۔معلوم ہوا کہ خصوصی تبلیغ بھی سنت ہے،اس کی تفصیل اگلا کلام ہے جب کہ کس خاص شخص یا خاص قوم کے ایمان لانے سے دوسروں کے ایمان کی امید ہو تو اسے خصوصی تبلیغ ضرور کی جاوے،حضور انور نے کفار بادشاہوں کو تبلیغی خطوط بھیجے۔
۳؎ یہ ہیں حضور کی عمومی تبلیغیں،چونکہ عرب میں قریش بہت عزت والے مانے جاتے تھے اور قریش میں ان مذکورہ خاندانوں کا بڑا وقار تھا اس لیے حضور نے ان خاندانوں کو مخاطب فرماکر تبلیغ فرمائی۔اپنی جانوں کو آگ سے بچانے کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ ایمان قبول کرلو تاکہ تم نار جہنم سے بچ جاؤ،اس آگ سے بچنے کا ذریعہ ایمان واطاعت ہے۔
۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کو بھی اسلام کی تبلیغ کی جاوے کیونکہ اس وقت جناب فاطمہ چھوٹی بچی تھیں، سب لوگوں کے سامنے علانیہ حضرت فاطمہ کو تبلیغ فرمانا لوگوں کو سنانے کے لیے ہے کہ بغیر ایمان قبول کیے نبی کی قرابتداری بلکہ نبی کی اولاد ہونا کافی نہیں۔کنعان نبی زادہ تھا مگر کفر کی وجہ سے جہنمی ہوگیا۔ایمان کی ضرورت سب کو ہے جیسے کوئی شخص سید ہو یا غیر سید دھوپ ہوا پانی غذا سے مستغنی نہیں،یوں ہی کوئی شخص ایمان قرآن اعمال سے بے نیاز نہیں۔آج اپنے کو اعمال سے بے نیاز ماننے والے غذا پانی ہوا سے بے نیاز بن کر دکھائیں بلکہ مرکر انسان ان چیزوں سے بے نیاز ہوجاتا ہے مگر حضور کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے کہ قبر و حشر میں حضور کی غلامی کا سوال ہوتا ہے۔
۵؎ یعنی اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور تم آخرت میں سزا کی مستحق ہوگئیں تو وہ سزا میں تم سے دفع نہیں کرسکتا اور تم عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتیں لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ"کیونکہ اس آیت میں دنیاوی عذاب مراد ہے حضور کی برکت سے کفار پر دنیاوی عذاب نہیں آتا اور یہاں اخروی عذاب مراد ہے اور نہ اس حدیثِ شفاعت کے خلاف ہے **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کو بھی پہنچے گی کہ وہاں امت کا ذکر ہے یہاں کفار کا ذکر ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گار کافر کا عذاب ہلکا ہوسکتا ہے مگر دفع نہیں ہوسکتا۔ ابوطالب کا عذاب بہت ہلکا ہے،ابو لہب کو سوموار کے دن عذاب ہلکا دیا جاتا ہےاور انگلی سے پانی ملتا ہے۔(بخاری شریف کتاب الرضاع)ابوطالب نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے حضور کو دودھ پلایا،بہرحال یہ حدیث بالکل برحق ہےان آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔
۶؎ آپ صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں،حضور کی پھوپھی،زمانہ جاہلیت میں حارث ابن حرب کی بیوی تھیں،حارث کی موت کے بعد عوام ابن خویلد کے نکاح میں آئیں ان سے زبیر ابن عوام پیدا ہوئے،۷۳ تہتر سال عمر پائی،عہد فاروقی میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئی،آپ کی قبر انور زیارت گاہ خلق ہے،فقیر نے زیارت کی ہے،اللہ پھر نصیب کرے۔

۷؎اللہ تعالٰی نے حضور انور کو بی بی خدیجہ کے مال سے غنی فرمادیا تھا،فرمایاہے:"وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى"۔لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ ہجرت سے پہلے حضور انور کے پاس مال نہیں تھا پھر یہ کیسے فرمایا۔خیال رہے کہ حضرت خدیجہ نے حضور انور کو اپنی ذات اپنے مال کا مالک کردیا تھا رضی اللہ عنہا۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا ؎

سیما پہلی ماں کھف امن و امان حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

نیز حضور ہجرت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور بھی کام کرتے تھے۔

۸؎اس فرمان عالی کا مطلب ابھی عرض ہوچکا۔اللہ تعالٰی حضور کے نام کی برکت سے حضور کے خدام کے صدقہ سے آفتیں مصیبتیں دفع فرمادیتا ہے،حضور کا نام دافع بلا ہے،یہاں اللہ کے مقابل اخروی عذاب کفار سے دفع فرمانے کی نفی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری یہ امت رحمت والی ہے ۱؎ اس پر آخرت میں عذاب نہیں ۲؎اس کا عذاب دنیا میں ہے فتنے زلزلے اور قتل ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی دوسرے نبیوں کی امت کے مقابل میری امت پر حق تعالٰی کی رحمت زیادہ ہے،اس کی نیکیاں کم،ثواب زیادہ ہیں۔گناہوں کی معافی کے ذریعے بہت دیئے،بچانے کے بہانے بہت زیادہ ہیں،یہ صدقہ ہے رحمت والے آقا کا ؎

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آئے لیکن آئے رحمۃللعالمین ہوکر

۲؎یعنی اس امت پر آخرت میں عذاب سخت نہیں یا عذاب رسوائی والا نہیں یا عذاب دائمی نہیں لہذا یہ فرمان عالی عذاب والی احادیث کے خلاف نہیں۔بعض شارحین نے کہا کہ اس امت کے گنہگاروں کے لیے عذاب قبر عذاب آخرت کا کفارہ ہے مگر پہلی بات قوی ہے یا چھوٹے گناہ اکثر کفارات سے بخشے جائیں گے ان پر عموماً عذاب نہ ہوگا۔

۳؎یعنی دنیاوی یہ مصیبتیں گناہ صغیرہ کا کفارہ بن جاتی ہیں حتی کہ کانٹا جو پاؤں میں چبھ جاوے وہ بھی کفارہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابو عبیدہ اور معاذ ابن جبل سے ۱؎وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ یہ کام شروع ہوا نبوت اور رحمت سے ۲؎پھر ہوجاوے گا خلافت اور رحمت ۳؎پھر ہوجاوے گا کٹ کھیتی سلطنت ۴؎پھر ہوجاوے گا ظلم سرکشی اور زمین میں فساد ۵؎کہ لوگ ریشم اور زنا اور شرابوں کو حلال سمجھیں گے ۶؎اس کے باوجود روزی دیئے جائیں گے،فتح دیئے جائیں گے حتی کہ اللہ سے ملیں گے ۷؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح امین امت اور عشرہ مبشرہ سے ہیں اور معاذ ابن جبل عظیم الشان صحابی ہیں،ان کے حالات پہلے بیان ہوچکے یہ دونوں صاحب اس حدیث کے راوی ہیں۔

۲؎ امر سے مراد دین اسلام ہے،بدا یا تو بدو سے بمعنی ظاہر ہونا یا بدایة سے بمعنی شروع ہونا یعنی دین اسلام کی ابتداء یا اس کا ظہور ہماری نبوت سے ہے اور یہ نبوت سراسر رحمت الٰہی ہے کیونکہ ہم رحمۃللعالمین ہیں اور یہ امت مرحومہ ہے۔

۳؎ یعنی ہمارے بعد کوئی نبی نہ آوے گا کہ ہم خاتم النبیین ہیں،ہمارے نائب ہوں گے ان کا زمانہ خلافت کا دور ہوگا کہ خلفاء نائب نبی ہوں گے،ان کی بیعت بیعت سلطنت بھی ہوگی اور بیعت ارادت بھی اس لیے اس زمانہ کے لوگ کسی کے مرید نہ بنیں گے،اپنے خلیفہ کی رعایا بھی ہوں گے ان کے مرید بھی۔یہ زمانہ حضرات خلفاء راشدین تک رہا یعنی وفات شریف سے تیس سال تک خلفاء راشدین دین و دنیا دونوں کے پیشوا تھے،ان کی بیعت حضور اقدس کی بیعت تھی۔

۴؎ عضوض بنا ہے عض سے بمعنی دانت سے کاٹ کھانا یعنی اس دور کے بعد خلافت راشدہ ختم ہوجاوے گی، بادشاہوں میں صرف سلطنت رہ جاوے گی اور بادشاہ اکثر ظالم ہوں گے اگر دو چار عادل ہوئے تووہ شمار میں نہیں کہ اکثر کو کل کا حکم ہوتا ہے۔چنانچہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز بنی امیہ کے بادشاہوں میں سے ہیں مگر آپ کا زمانہ نہایت ہی عدل و انصاف کا زمانہ ہوا،آپ کے مناقب احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔(مرقات)لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ یہاں اکثریت کا ذکر ہے،حضرت امیر معاویہ بھی اسلام کے سلطان ہیں ظالم نہیں کہ وہ صحابی ہیں صحابہ ظالم نہیں ہوتے۔

۵؎ یعنی کچھ عرصہ کے بعد ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جن سے زمین میں بڑا فساد پھیلے گا کہ نااہل سلطان ہوں گے، نا اہل ہی حکام رعایا پر ظلم کریں گے،نااہلوں کو عہدے دیں گے،علماء صالحین کو ذلیل کریں گے،مشرکین و کفار پر جہاد کرنے کی بجائے خود مسلمانوں سے لڑیں گے اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ جواب حکام یا بادشاہ کو عادل کہے وہ کافر ہے،کچہریوں کو عدالت کہنا حرام ہے۔(مرقات)کہ اب کچہریاں عدالت نہیں بلکہ انسانوں کے مذبح ہیں،نوے فیصدی ظلم ان کچہریوں کے سر پر ہورہے ہیں۔حضور کی پیش گوئی حرف بحرف ظاہر ہورہی ہے،اللہ تعالٰی زمانہ کے شر سے بچائے۔

۶؎ یعنی زنا،ریشم،شراب بے پرواہی سے استعمال کریں گے گویا بالکل حلال ہے یا یہ مطلب ہے کہ حیلے بہانے بناکر انہیں حلال ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔یہ حدیث پڑھو اور آج کل کے حالات دیکھو،یہ ہے اس غیب داں رسول کا علم غیب۔

۷؎ یعنی اللہ تعالٰی ان پر عذاب نہ بھیجے گا ان کے ظالموں کے باوجود وہ روزی پائیں گے،اگر کبھی کفار پر جہاد کریں گے تو اللہ تعالٰی انہیں فتح دے گا کیونکہ اسی امت پر دنیا میں عذاب نہیں آوے گا۔اس فرمان عالی کا ظہور ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء اس جنگ میں ہوا جو بھارت اور پاکستان میں ہوئی،اللہ تعالٰی نے پاکستان کو بھارت کی پانچ گنا طاقت پر فتح دی یہ اس کی مہربانی ہے۔اللہ سے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سزا و جزاء قیامت پر رکھی گئی ہے دنیا میں رحمت کا ظہور ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ شراب پہلی وہ چیز ہے جو انڈیلی جاوے گی ۱؎ زید ابن یحیی راوی فرماتے ہیں کہ مراد

اسلام ہے۲؎ جیسے برتن سے اونڈیلی جاتی ہے یعنی شراب۳؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے ہوگا حالانکہ اللہ تعالٰی نے اس کے بارے میں واضح بیان فرمادیا ہے۴؎ فرمایا کہ اس کا نام کچھ اور رکھ لیں گے پھر اسے حلال سمجھ لیں گے۵؎ (دارمی)	

۱؎ اس وقت مجلس پاک میں شراب کی حرمت کا ذکر ہورہا تھا تو حضور انور نے یہ فرمایا۔ان کی یا تو خبر پوشیدہ ہے یا اسم پوشیدہ ہے یعنی یا تو ان اول،الخ تھا یا مایکفاء الخمر تھا یعنی میری امت اسلام کے احکام توڑے گی،ان میں سے سب سے پہلے شراب کا حکم توڑے گی کہ اسے پینے لگے گی بعد میں دوسرے احکام توڑے گی۔(لمعات)

۲؎ راوی اس فرمان کی شرح یوں کررہے ہیں کہ گویا اسلام ایک گھڑا ہے جس میں احکام بھرے ہوئے ہیں،گھڑے کو ٹیڑھا کرو تو اوپر کی چیز پہلے گرتی ہے نیچے کی چیز بعد میں،اسی طرح میری امت پہلے شراب کا حکم نکال پھینکے گی بعد میں دوسرے احکام۔اشعہ میں ہے الاسلام سے پہلے فی پوشیدہ ہے یعنی اسلام میں پہلے شراب پی جاوے گی۔

۳؎ یہ جملہ اس تشبیہ کا تتمہ ہے،یہ بھی راوی کا قول ہے یعنی اسلام میں پہلی کون سی چیز پی جاوے گی،شراب۔(اشعہ)

۴؎ یعنی تعجب ہے کہ لوگ مسلمان پہلے شراب کا قانون توڑیں گے حالانکہ شراب کے متعلق قرآن و احادیث میں صاف صریح احکام وارد ہیں پھر یہ کیسے جرات کریں گے۔

۵؎ یعنی شراب کو بیئر یا انگریزی میں وسکی کہہ کر پئیں گے،کہیں گے یہ شراب نہیں یہ تو وسکی ہے یا بیئر ہے۔آج بھی بعض لوگ اس نام سے شراب پیتے ہیں،ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے نام بدلنے سے حکم نہیں بدل جاتا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ وہ حضرت حذیفہ سے راوی فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں نبوت رہے گی جب تک اس کا رہنا اللہ چاہے پھر اسے اللہ اٹھالے گا ۲؎ پھر ہوگی خلافت نبوت کے راستہ پر جب تک اللہ اس کا ہونا چاہے۳؎ پھر اسے بھی اللہ اٹھالے گا ۴؎ پھر کٹکھنا ملک ہوگا ۵؎ پھر وہ رہے گا جب تک اللہ اس کا رہنا چاہے پھر اسے اللہ اٹھا لے گا پھر جبریہ سلطنت ہوگی۶؎ وہ بھی رہے گی جب تک اللہ اس کا رہنا چاہے،پھر اسے اللہ اٹھالے گا،پھر خلافت نبوۃ کی شہ راہ پر ہوگی۷؎ پھر حضور خاموش ہوگئے،حبیب کہتے ہیں ۸؎ پھر جب عمر ابن عبدالعزیز	

	قائم ہوئے تو میں نے انہیں یہ حدیث لکھ بھیجی میں ان کو یہ حدیث یاد دلاتا تھا میں نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ کٹکھنے اور جبریہ ملک کے بعد مسلمانوں کے امیر ہوئے ۹؎تو آپ اس سے بہت خوش ہوئے اور عمر ابن عبدالعزیز کو یہ بہت پسند آئی ۱۰؎(احمد،بیہقی دلائل النبوۃ)

۱؎حضرت نعمان بھی صحابی ہیں،ان کے والد بشیر بھی صحابی،نعمان پہلے وہ بچے ہیں جو بعد اسلام انصار کے گھر پیدا ہوئے،انکی پیدائش پر انصار کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ مدینہ منورہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ یہود نے انصار پر جادو کردیا ہے اب ان کے ہاں اولاد نہ ہوگی،حذیفہ ابن یمان حضور کے صاحب اسرار صحابی ہیں۔

۲؎یہاں نبوت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ ہے جب لوگ صحابی بنتے تھے،یہ زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہوگیا اور پھر خلافت کا زمانہ آگیااور حضور کی سلطنت کا زمانہ تاابد ہے وہ کبھی ختم نہ ہوگا،نبی کی نبوت کا زمانہ اس کے نسخ سے ختم ہوتا ہے،حضور کی نبوت و سلطنت نہ کبھی منسوخ ہو نہ کبھی آپ کی نبوت جاوے،اب بھی حضور کا دور ہے حضور کا زمانہ ہے۔یہاں اٹھالے گا اس سے یہ ہی مراد ہے کہ ہماری وفات ہو جاوے گی لوگ ہمارے دیدار کو ترس جائیں گے۔

۳؎ **منہاج** کے معنی ہیں وسیع راستہ (جرنیلی سڑک)رب تعالٰی فرماتاہے:"**شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا**"۔یہاں منہاج سے مراد ظاہر و باطن فیوض ہیں یعنی اس خلافت میں نبوت کے ظاہری وباطنی فیوض ہوں گے،یہ خلافت کل تیس سال رہے گی جیساکہ دوسری حدیث شریف میں ہے۔

۴؎چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ خلافت کرکے اس لیے امیر معاویہ کے حق میں دست برداری فرمائی ان چھ ماہ پر تیس سال پورے ہوگئے،اس کے بعد اسلام میں سلطنت کی بنیاد پڑی امیر معاویہ پہلے سلطان اسلام ہوئے۔

۵؎کھٹکنے ملک کے معنی ابھی پہلے عرض کردیئے گئے کہ اس زمانہ میں خلافت راشدہ جیسی نورانیت نہ ہوگی نہ اس زمانہ کا سا امن و امان ہوگا،اس زمانہ میں بعض لوگ بعض کو کاٹ کھائیں گے،یہ مطلب نہیں کہ وہ سلطنت لوگوں کو کھاٹ کھائے گی یا سلطان ظالم ہوں گے،ظلم والی بادشاہت کا ذکر تو آگے آرہا ہے۔

۶؎کہ اس دور میں لوگوں کی مرضی کے خلاف جبرًا لوگ سلطان بن جاویں گے خود بھی ظالم ہوں گے اور ان کے حکام بھی ظالم ہوں گے۔

۷؎اس زمانہ سے مراد حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے جو قریب قیامت قائم ہوگی اس دور میں زمانہ رسالت کے تمام فیوض و برکات جاری ہوں گے،اس درمیان میں اگرچہ بعضے بادشاہ بڑے عادل ہوں گے جیسے حضرت عمر ابن عبدالعزیز یا سلطان محی الدین،اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ مگر ان کی سلطنت خلافت علی منہاج النبوۃ نہ ہوگی۔(از مرقات واشعہ)

۸؎یہ حبیب ابن سالم ہیں،حضرت نعمان ابن بشیر کے آزادکردہ غلام،وہ اس حدیث کے ایک راوی اور حضرت نعمان کے کاتب ہیں۔

۹؎ سبحان اللہ! کیسی احتیاط سے کام لیا کہ انہیں خلیفۃ المسلمین نہ کہا نہ انکی حکومت کو خلافت فرمایا بلکہ آپ ہیں تو سلطان اسلام مگر آپ کے زمانہ میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے،آپ نے ظلم کی جڑیں کاٹ دیں،عدل قائم کیا، مسلمان آپ کو عمر ثانی کہتے تھے اور آپ کی حکومت کوخلافت فاروقی کا نمونہ کہا کرتے تھے۔

۱۰؎ یہ خوشی شکریہ کی تھی کہ اللہ کا شکر ہے کہ لوگوں کا میرا متعلق یہ نیک گمان ہے،لوگوں کی زبان ان کا گمان اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

کتاب الفتن

فتنوں کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ فتن جمع ہے فتنة کی،فتنہ کے کل چودہ معنی ہیں: محنت، آزمائش،پسند کرنا،کسی پر فریفتہ ہونا،گمراہ ہونا،گمراہ کرنا،گناہ،کفر،رسوائی، عذاب،سونا،آگ میں گلانا،جنون محبت،لوگوں کے آپس کے جھگڑے وفساد۔(اشعۃ اللمعات)مؤلف اس بارے میں بہت سے باب باندھیں گے حتی کہ فضائل و مناقب کے باب بھی اسی بیان میں آئیں گے ان بابوں میں ان معانی کا لحاظ ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام فرمایا ۱؎ آپ نے اسی جگہ میں قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دیدی ۲؎ جس نے اسے یاد رکھا اس نے یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا ۳؎ یہ بات میرے یہ دوست جانتے ہیں ۴؎ ان واقعات میں سے کوئی چیز ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں پھر اسے دیکھتا ہوں تو ایسے یاد کرلیتا ہوں جیسے کوئی شخص کسی کا چہرہ پہچان لیتا ہے جب وہ اس سے غائب رہا ہو پھر جب اسے دیکھے تو پہچان لے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور انور کا یہ قیام آئندہ واقعات کی خبریں دینے کے لیے تھا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی حضور نے ہر چھوٹے بڑے واقعہ حتی کہ قطرہ قطرہ ذرہ ذرہ کا بیان فرمادیا،یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے"وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ"جس سے معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کا علم بخشا،اتنے تھوڑے وقت میں یہ سب بیان فرمادینا حضور انور کا معجزہ ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام آن کی آن میں زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور کو سب کچھ سکھادیا جس سے حضور ان سب کے عالم بن گئے مگر حضور انور نے حضرات صحابہ کو یہ سب کچھ بتادیا سکھایا نہیں جس سے وہ صحابہ ان سب کے عالم نہیں بن گئے لہذا صحابہ کا علم حضور کے برابر نہیں ہوگیا جیسے اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھادیئے "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ

کُلَّهَا"جس سے وہ ان تمام کے عالم بن گئے مگر آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو یہ نام بتادیئے سکھائے نہیں جس سے فرشتہ عالم نہ بنے "فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ"۔

۳؎ یہ ساری باتیں تو کسی ایک کو بھی یاد نہ رہیں،بعض صحابہ کو زیادہ باتیں یاد رہیں،بعض کو تھوڑی،بعض کو بہت چیزیں بھول گئیں۔

۴؎ یعنی جو صحابہ آج موجود ہیں انہیں یہ واقعہ یاد ہے جو میں نے بیان کیا کہ حضور انور نے یہ سب باتیں ایک مجلس شریف میں بتائی تھیں۔

۵؎ یعنی بہت دفعہ واقعات ہمارے سامنے آکر ہم کو ہماری بھولی باتیں یاد دلادیتے ہیں کہ حضور انور نے یہ فرمایا تھا،دیکھو وہ واقعہ یہ ہے جیسے بھولا بچھڑا آدمی سامنے آجاوے تو پہچان لیا جاتا ہے۔سبحان اللہ! کیسی شاندار مثال ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دلوں پر فتنے پیش آئیں گے۱؎ جیسے چٹائی کا ایک ریگ جو دل فتنے پلادیا گیا اس میں سیاہ دھبہ پیدا کردیں گے اور جو دل انہیں برا سمجھے اس میں سفید داغ پیدا ہوجاوے گا۲؎ حتی کہ لوگ دو قسم کے دلوں پر ہوجائیں گے۳؎ ایک سفید جیسے سنگ مرمر اسے کوئی فتنہ نقصان نہ دے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسرا کالا راکھ ہمرنگ جیسے اوندھا کوزہ۴؎ وہ نہ بھلائی کو پہچانے نہ برائی کو برا جانے سواء اس خواہش کے جو اسے پلادی گئی ۵؎(مسلم)	

۱؎ یہاں فتنوں سے مراد یا دنیاوی آفتیں اور مصیبتیں ہیں یا برے عقیدے برے اعمال ہیں وہ فتنے دور ہوجائیں گے مگر ان کے اثرات دلوں پر رہ جائیں گے جیسے مٹی یا ریتے پر چٹائی بچھاؤ تو اٹھ جاتی ہے مگر اس کے نشان مٹی پر رہ جاتے ہیں۔

۲؎ یعنی جو شخص ان فتنوں کو اچھا سمجھے گا اس کا دل سیاہ ہوجاوے گا،وہ بے ایمان جیئے گا بے ایمان مرے گا اور جو ان فتنوں سے نفرت کرے گا اس کا دل نورانی ہوگا۔یہاں پلائے جانے سے مراد پسند کرنا چاہنا ہے،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ"۔

۳؎ یا تو لوگ دو قسم کے ہوجائیں گے: کالے دل والے اور سفید دل والے یا لوگوں کے دل دو قسم کے ہوجائیں گے: سفید اور کالے۔معلوم ہوا کہ گناہ سے الفت اور نفرت کا اثر دل پر پڑتاہے،پھر کبھی دل کا اثر چہرے پر نمودار ہوجاتا ہے چہرہ دل کی کتاب ہے۔

۴؎ یعنی اس کا دل سیاہ بھی ہوگا اور ناقابل تاثیر جیسے الٹا کوزہ کہ اس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی ایسے ہی اس دل میں کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت ٹھہرے گی نہیں،وہ دل کسی نصیحت کا اثر قبول نہ کرے گا یہ اللہ تعالٰی کا سخت عذاب ہے۔مجحن اجحاء کا اسم فاعل ہے بمعنی اوندھا اور الٹا ہوجانا۔

۵؎ یعنی وہ شخص بجز اپنی دل پسند چیز کے کسی کو اختیار نہ کرے گا اگرچہ کتنی ہی اچھی ہو اور سوائے اپنی ناپسندیدہ چیز کے کسی چیز کو چھوڑے گا ہی نہیں اگرچہ کتنی ہی بری ہو،یہ ہے دل کی موت یا دل کا رین،رب فرماتاہے:"کَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ مَّا کَانُوۡا یَکْسِبُوۡنَ"۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خبریں بتائیں ا؎ جن میں سے ایک تو میں نے دیکھ لی اور دوسری کا منتظر ہوں۲؎ ہم کو خبر دی کہ امانت لوگوں کے دلوں کے اصل میں اتر ی ہے۳؎ پھر لوگوں نے قرآن سیکھا پھر حدیث سیکھی۴؎ اور حضور نے ہم کو اس کے اٹھ جانے کی خبر دی ۵؎ فرمایا آدمی ایک نیند سوئے گا تو اس کے دل سے امانت قبض کرلی جاوے گی۶؎ تو اس کا اثر چھالے کی طرح رہ جاتا ہے ۷؎ پھر ایک نیند سوئے گا تو امانت قبض کرلی جاوے گی حتی کہ اس کا اثر آبلے کی طرح ہوجاوے گا۸؎ جیسے تم اپنے پاؤں پر چنگاری لگاؤ تو ابھار ہو جاوے تم اسے پھولا ہوا دیکھو جس میں کچھ بھی نہ ہو ۹؎ لوگ خریدو فروخت کریں گے اور کوئی بھی امانت ادا نہ کرے گا۱۰؎ حتی کہ کہا جاوے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار شخص ہے ۱۱؎ اور کسی شخص کے متعلق کہا جاوے کہ وہ کیسا عقلمند ہے کیسا خوش طبع ہے کیسا بہادر ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کی برابر ایمان نہ ہوگا ۱۲؎(مسلم،بخاری)	

ا؎ یعنی فتنوں کے زمانوں میں امانت کے متعلق دو خبریں دی لہذا یہ حدیث کتاب الفتن کے مناسب ہے۔

۲؎ حضور انور نے نزول امانت کی بھی خبر دی اور اس امانت کے اٹھ جانے کی بھی دی،میں نے امانت کا نزول تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اس کے اٹھ جانے کا منتظر ہوں نہ معلوم یہ واقعہ میری زندگی میں ہو یا میرے بعد۔

۳؎ امانت سے مراد یا تو ایمان ہے یا شرعی احکام،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّا عَرَضْنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ"۔ممکن ہے کہ اس سے مراد دیانتداری ہو خیانت کی مقابل۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ دلوں میں توفیق خیر پہلے ہوتی ہے،قرآن و حدیث کا سیکھنا عمل کرنا بعد میں میسر ہوتا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو ہم نے دیکھ لیں۔

۵؎ یعنی آخر زمانہ میں روشنی ایمان دلوں سے نکل جاوے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ قرآن و سنت پڑھنا ان پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سونے سے مراد علم دین سے غفلت کرنا ہے اور **نومة** سے مراد معمولی غفلت ہے اس لیے کہ اس سے پہلے قرآن و سنت کے علم کا ذکر ہوا یعنی لوگ علم دین سے معمولی غفلت کریں گے تو اس کا نتیجہ وہ ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔(اشعہ)اور ہوسکتا ہے کہ **نوم** سے مراد سونا ہی ہو تو مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے انقلاب کا حال یہ ہوگا کہ ابھی سونے سے پہلے دل کا اور حال تھا اور سوتے ہی کچھ اور ہوگیا۔(مرقات)

۷؎ **وکت** واؤ کے فتحہ کاف کے سکون سے جمع ہے **وکتة** کی بمعنی نقطہ سفید جو آنکھ کی سیاہ پتلی میں ہو،چھوٹے چھالے یا چھوٹے تل کو بھی **وکت** کہتے ہیں خواہ کالا تل ہو یا سرخ یعنی امین آدمی کے دل سے امانت ختم ہوجاوے گی مگر کچھ اثر باقی رہے گا۔

۸؎ **مجل** میم کے فتح جیم کے سکون سے،آبلہ چھالا جو زیادہ کام کرنے سے ہاتھوں میں پڑ جاتا ہے،کھال سخت ہوجاتی ہے یعنی لوگوں کے دلوں سے امانت آہستہ آہستہ اٹھے گی،ایک بار غفلت میں امانت جائے گی دل میں خیانت آوے گی مگر معمولی جیسے چھالا دوبارہ غفلت میں یہ خیانت دل میں سخت ہوجاوے گی جیسے کام کرنے والوں کے ہاتھ کے سخت دھٹے آبلے۔

۹؎ یہ مضمون علیحدہ ہے یعنی اگر کسی کا عضو معمولی چنگاری سے جل جاوے وہاں چھالا پڑ جاوے تو چھالا ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر اس میں سواء گندے پانی کے ہوتا کچھ نہیں،یوں ہی اس زمانہ کے لوگ لباس و شکل میں بہت اچھے دکھائی دیں گے مگر انکی دلوں میں خیر نہ ہوگی برائی ہی ہوگی۔

۱۰؎ یعنی وہ لوگ آپس میں خرید و فروخت اور دوسرے مالی معاملات کریں گے مگر امین نہ ہوں گے،تجارتوں میں خیانت ملاوٹ سب ہی کچھ کریں گے اپنی زبان پر قائم نہ رہیں گے۔

۱۱؎ یعنی امین آدمیوں کی اتنی کمی ہوجاوے گی کہ اگر کسی شہر کسی قبیلہ میں کوئی ایک امین ہوگا تو لوگ دور دور اس کا چرچہ کریں گے کہ اس علاقہ میں صرف وہ شخص امین ہے۔

۱۲؎ یعنی آخر زمانہ میں لوگوں کی چالاکی دنیاکمانا چست و چالاکی ہونے کی تو تعریف ہوگی مگر اس کے دین تقویٰ امانت کا ذکر بھی نہ کیا جاوے گا،وہ ہوگا بے ایمان خائن جیساکہ آج کل عام چودھریوں نمبرداروں دنیا داروں میں دیکھا جاتا ہے، ہاں بعض اللہ کے مقبول بھی ہوتے ہیں مگر تھوڑے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور میں شر کے متعلق پوچھتا تھا اس خوف سے کہ مجھے وہ پہنچ جاوے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم پہلے جہالت اور شر میں	

تھے پھر اللہ ہمارے پاس یہ خیر لایا ۲؎ تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگی ۳؎ میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد خیر ہوگی،فرمایا ہاں مگر اس خیر میں کدورت ہوگی ۴؎ میں نے عرض کیا اس کی کدورت کیا ہے،فرمایا وہ قوم جو میرے طریقے کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی اور میری عادت کے خلاف عادت قبول کرے گی ۵؎ ان کی بعض باتیں اچھی پاؤ گے بعض بری،میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی،فرمایا ہاں ۶؎ دوزخ کے دروازہ پر بلانے والے جو دوزخ کی طرف انکی بات مانے گا اسے دوزخ میں ڈال دیں گے ۷؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان کی علامات بھی بتائیے،فرمایا وہ ہمارے گروہ سے ہوں گے ہماری زبان میں کلام کریں گے ۸؎ میں نے عرض کیاکہ اگر میں یہ پاؤں تو مجھے آپ کیا حکم فرماتے ہیں،فرمایا مسلمانوں کی جماعت ان کے امام کو پکڑے رہنا ۹؎ میں نے عرض کہ اگر مسلمانوں کی نہ جماعت ہو ۱۰؎ نہ امام فرمایا تو ان تمام فرقوں سے الگ رہنا ۱۱؎ اگرچہ اس طرح ہو کہ تم کسی درخت کی جڑ دانتوں سے پکڑ لو حتی کہ تم کو اسی حالت میں موت آجائے ۱۲؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا میرے بعد ایسے پیشوا ہوں گے جو نہ تو میری سنت اختیار کریں گے نہ طریقہ پر چلیں گے ۱۳؎ ان میں کچھ لوگ اٹھیں گے جن کے دل شیطانوں کے دل ہوں گے انسانی جسموں میں ۱۴؎ حضرت حذیفہ نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں یہ وقت پاؤں تو کیا کروں فرمایا اپنے امیر کی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہاری پیٹھ پر مارے اور تمہارا مال لے لے جب بھی سنو اور اطاعت کرو ۱۵؎	

۱؎ یعنی صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں بہت پوچھتے تھے جیسے نیک اعمال،دنیاوی فراخی،آئندہ فتوحات تاکہ اس پر خوشی و شکر کریں مگر میں شر کی باتیں بہت پوچھتا تھا جیسے گناہ،فتنے،مالداری کے برے نتیجے تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کروں۔ تحلیہ سے پہلے تخلیہ ہے،لباس و زیور سے پہلے غسل ہے،پہلے برائیوں سے بچو پھر نیکیاں کرو۔

۲؎ یعنی ہم اہل عرب پہلے انتہائی برائیوں میں گرفتار تھے پھر اللہ نے ہم کو انتہائی خیر،حضور کی نبوت،وحی،تقویٰ،طہارت ہم کو عطا فرمائی۔

۳؎ یعنی کیا حضور کے پردہ فرمانے کے بعد پھر ہم برائیوں میں آفتوں میں مبتلا ہوں گے۔

۴؎ یعنی اس شر کے بعد خیر آئے گی ضرور مگر خالص خیر نہ ہوگی اس میں شر کی ملاوٹ ہوگی۔دخن بنا ہے دخان سے بمعنی دھواں۔

۵؎ اس فرمان عالی میں اشارہ یا تو قتل عثمان و خلافت علی کی طرف ہے کہ قتل عثمان شر ہے اور خلافت علی خیر مگر اسی خلافت میں روافض و خوارج کا زور تھا یہ کدورت ہے،یا اس میں اشارہ ہے خلافت عمر ابن عبدالعزیز کی طرف کہ وہ خیر تھی مگر اس زمانہ میں بدمذہبوں کا زور تھا۔(ازاشعہ و مرقات)اس کی شرحیں اور بہت کی گئی ہیں۔

۶؎ یعنی کیا اس مخلوط خیر کے بعد کوئی شر ہوگی جو خالص شر ہو اس خیر سے کہیں بدتر ہو۔

۷؎ یعنی ایسے پیشوا جو لوگوں کو ہدایت کے لباس میں گمراہی دیں گے،خیر دکھاکر شر پھیلائیں گے،سنت ظاہر کرکے بدعت پیش کریں گے،زہد ظاہر کرکے عیاشی کریں گے جو ان کی مانے گا وہ دوزخ میں جائے گا گویا یہ لوگ دوزخ میں بھیجنے کا سبب ہوں گے،یہ نسبت سبب کی طرف ہے۔

۸؎ یعنی کلمہ گو اور مدعی اسلام ہوں گے،عرب ہوں گے،عربی بولیں گے اس لیے لوگ ان سے بہت دھوکا کھایا کریں گے کیونکہ چھپے کافر سے بچنا بہت مشکل ہے۔روافض،خوارج،وہابیت،نجدیت وغیرہ سب عرب سے ہی پیدا ہوئیں۔

۹؎ یعنی وہ عقیدے رکھنا جو مسلمانوں کی جماعت کے ہوں،سلطان اسلام کی حمایت کرنا جو تم کو اللہ رسول کے راستہ پر چلائے،ان تمام فرقوں سے الگ رہنا،جماعت مسلمین کے ساتھ رہنافتنوں سے بچنے کا قوی ذریعہ ہے۔اہل سنت والجماعت کے ساتھ رہو،تیرہ سو برس سے مسلمانوں کے جو عقائد چلے آرہے ہیں انہیں پر قائم رہو۔مثلًا آج ایک فرقہ کہتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں یا صلوۃ کے معنی یہ مروجہ نمازیں نہیں،حضور کے بعد اور نبی آسکتے ہیں،نمازیں دن رات میں صرف دو ہیں وہ بھی اسلامی نماز سے جدا گانہ،ہم دیکھیں گے کہ آج تک نماز کے متعلق مسلمانوں کے کیا عقیدے رہے ہیں وہی اختیار کریں یہ ایمان کی ڈھال ہے۔

۱۰؎ یعنی اگر ا یسا زمانہ آجاوے کہ مسلمانوں کا نہ کوئی بادشاہ ہو نہ وہ کسی کی امامت پر متفق ہوں تو میں کیا کروں۔

۱۱؎ یعنی اس صورت میں ان فرقوں میں سے کسی کے ساتھ نہ رہناعقائد اہل سنت کے اختیار کرنا،اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو تو اس جماعت کے عقائد تو محفوظ ہوں گے وہ اختیار کرنا،یہ بھی قاعدہ کلیہ ہے۔

۱۲؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں مسلمانوں کو بستی میں رہنا بہتر ہے تاکہ وہاں نماز باجماعت ادا کرسکے،وقت پر جہاد کرسکے،جمعہ وعیدین میں شرکت کرسکے،بہت سی عبادات جماعت پر موقوف ہیں مگر جب بستیوں میں فتنے زیادہ ہوجاویں تب عزلت وگوشہ نشینی بلکہ آبادیوں کا چھوڑدینا بہتر ہے تاکہ ایمان سلامت رہے،لوگوں سے امان میں رہے،یہ حدیث ایسے ہی نازک حالات کے متعلق ہے۔درخت کی جڑ پکڑ لینے سے مراد بالکل خلوت و تنہا مقام پر چلا جانا ہے جہاں بستی کافتنہ نہ پہنچے۔

۱۳؎ ظاہر یہ ہے کہ آئمہ سے مراد سلاطین ہیں اور مطلب یہ ہےکہ بدعقیدہ بدعمل بادشاہ مسلط ہوجاویں گے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بدعمل بدمذہب پیروعلماء ہوں جیسے آج کل دیکھنے میں آرہے ہیں۔بھنگی چرسی،گانے باجے کے دلدادہ،بے

نماز،بے روزہ مگر کہلاتے ہیں ولی،یہ ولی اللہ نہیں بلکہ ولی شیطان ہیں جیسے آج کل دیکھنے میں آرہے ہیں، اس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی خبر دی ہے۔

۱۴؎ یعنی یہ لوگ انسانی جسم میں شیطان ہوں گے،باتیں اچھی کریں گے،علم سے بے بہرہ،عمل کے خراب ہوں گے،ان سے علیحدگی ضروری ہے۔

۱۵؎ یعنی ظالم بادشاہ اسلام کے ظلم کی وجہ سے بغاوت نہ کروکہ بغاوت سے ملک میں فساد ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظالم بادشاہ دین بگاڑنے کی کوشش نہ کرے۔اسی فرمان عالی کے مدنظر حضرات صحابہ کرام نے بدترین ظالم حکام و سلاطین اسلام پر بغاوت نہ کی جیسے حجاج ابن یوسف وغیرہ ہر جائز بات میں ان کی اطاعت کی۔خیال رہے کہ امام حسین نے یزید کو سلطان اسلام مانا نہیں کہ وہ اس کا اہل نہ تھا،نااہل کو بادشاہ بنانا ممنوع ہے مگر جب بادشاہ بن چکا ہو تو اس کی بغاوت ممنوع ہے لہذا حضرت حسین کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں سے پہلے اعمال کرلو جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے کہ انسان سویرا پائے گا مؤمن ہوکر شام کرے گا کافر ہوکر اور شام کرے گا ۱؎ مؤمن ہوکر سویرا پائیگا کافر ہوکر،دنیاوی سامان کے عوض اپنا دین فروخت کر دے گا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی یہ موقع امن و امان کا غنیمت جانو جو نیکی کرنا ہے کرلو ورنہ ایسے فتنے اٹھنے والے ہیں اور ایسی بلائیں آنے والی ہیں کہ انسان کو کچھ نہ سوجھے گا کہ میں کیا کروں،دلوں کے حالات بہت جلد بدل جائیں گے۔یہاں کافر سے مراد یا تو واقعی کافر ہے یا بمعنی ناشکرا ہے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ یہاں کافر مؤمن کے مقابل ارشاد ہوا۔

۲؎ یعنی معمولی دنیاوی لالچ میں اپنا دین چھوڑ دے گا،اس زمانہ کے علماء رشوت لےکر غلط فتوے دیں گے،حکام رشوتیں لے کر غلط فیصلے کریں گے،عوام پیسہ لے کر جھوٹی گواہی بلکہ شراب خوری،قتل تک کردیں گے یہ تو اب دیکھا جارہا ہے۔(از مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب ایسے فتنے ہوں گے ان میں بیٹھ رہنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے اور ان میں کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور ان میں چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے ۱؎ جو ان کی طرف جھانکے گا وہ اسے اچک لیں گے تو جو کوئی پناہ یا ٹھکانہ پائے تو اس کی پناہ لے لے ۲؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا ایسے فتنے ہوں گے کہ ان میں سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہوگا ۳؎ اور ان میں جاگنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہوا	

	دوڑنے والے سے بہتر ہوگا ۴؎ جو کوئی ٹھکانا یا پناہ پائے تو اس کی پناہ لے لے ۵؎

۱؎ اس فرمان عالی میں بیٹھنا، کھڑا ہونا، چلنا اور دوڑنا بطور تشبیہ و استعارہ ارشاد ہوا ہے۔ بیٹھنے سے مراد ہے ان فتنوں سے الگ تھلگ رہنا، ان سے بالکل واسطہ نہ رکھنا، یہ ذریعہ ہوگا فتنوں سے حفاظت کا کہ وہ نہ فتنوں کو دیکھے گا نہ ان کا اثر لے گا۔ اور کھڑے ہونے سے مراد ہے دور سے انہیں دیکھنا، ان پر خبردار اور مطلع ہونا۔ چلنے سے مراد ہے ان میں مشغول ہونا مگر معمولی طور پر۔ اور دوڑنے سے مراد ہے ان میں خوب مشغول ہونا غرضیکہ عجیب استعارات ہیں۔

۲؎ بعض صحابہ کرام نے جنگ جمل و صفین کو اسی حدیث میں داخل مانا اور وہ حضرات ان جنگوں میں غیر جانب دار رہے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مگر قوی یہ ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے دوسرے حضرات سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔

۳؎ یہاں بھی **نائم** سے مراد بے خبر بے شعور ہے یعنی جو فتنوں سے ایسا بے خبر ہو کہ اسے ان کی خبر بھی نہ ہو۔

یقظان سے مراد ہے خبردار کہ اسے ان فتنوں کی خبر تو ہو مگر اس میں شریک نہ ہو، خبر سے مراد ہے خود بخود خبر ہونا نہ کہ ان کی خبر رکھنا۔

۴؎ **قائم** سے مراد ہے باقی، قاعدہ اس فتنہ کی خبر رکھنے والا مگر اس میں شریک نہیں لہذا بیدار اور قائم میں فرق ظاہر ہے۔

۵؎ ٹھکانہ سے مراد ہے امن کی جگہ اور پناہ سے مراد ہے وہ آدمی جو اسے فتنوں سے بچالے یعنی یا تو پناہ کی جگہ چلا جائے یا ایسے شخص کے پاس رہے جو اس کو ان فتنوں سے بچائے۔(مرقات) لہذا عبارت میں تکرار نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب فتنے ہوں گے پھر فتنے، خبردار پھر فتنے ہوں گے ۲؎ پھر وہ فتنے ہوں گے کہ ان میں بیٹھا ہوا چلتے ہوئے سے بہتر ہوگا اور چلتا ہوا دوڑتے ہوئے سے بہتر ہوگا ۳؎ آگاہ رہو کہ جب وہ فتنے واقع ہوں تو جس کے اونٹ ہو اور اونٹوں سے مل جاوے اور جس کی بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں چلا جاوے اور جس کی زمین ہو وہ اپنی زمین میں پہنچ جاوے ۴؎ تو ایک صاحب بولے یارسول اللہ فرمایئے تو جس کے پاس نہ اونٹ ہوں نہ بکریاں نہ زمین ۵؎ فرمایا وہ اپنی تلوار کی طرف رخ کرے اور اس کی دھار کو پتھر سے کوٹ دے پھر الگ ہونے کی طاقت رکھے ۶؎ اے اللہ کیا میں نے پہنچادیا (تین بار فرمایا) ۷؎ پھر ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ فرمایئے تو اگر مجھے مجبور کیا جاوے حتی کہ مجھے دونوں صفوں میں سے ایک صف تک لے جایا جاوے پھر

مجھے کوئی اپنی تلوار سے مار دے یا آوے کہ مجھے قتل کردے ۸؎ فرمایا وہ اپنا اور تمہارا گناہ لے کر لوٹے گا اور وہ دوزخی ہوگا۹؎(مسلم)	

۱؎ آپ کا نام نفیع ابن عبدالحارث ابن کلاہ ہے،ثقفی ہیں،آپ حضور انور کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں،بصرہ میں رہے، ۴۹ھ؁ انچاس میں وفات پائی۔(اکمال)بڑے متقی و پرہیزگار تھے،صحابہ کی آپس کی جنگوں میں آپ علیحدہ رہے۔

۲؎ یہ فرمان عالی یا تو ان فتنوں کا تسلسل بیان فرمانے کے لیے ہے یعنی آگے پیچھے مسلسل فتنے ہوں گے یا ان کی بڑائی بیان کرنے کے لیے یعنی سخت سے سخت،اس سے بھی سخت فتنے ہوں گے جو سارے عرب کو گھیر لیں گے۔

۳؎ یعنی مسلمان ان فتنوں سے جس قدر دور رہے اسی قدر اچھا،اس فرمان عالی کی شرح ابھی عرض کردی گئی۔

۴؎ امن کے زمانہ میں شہر بہتر ہے گاؤں اور جنگل سے کہ شہر میں علم ہے جمعہ و عیدین بلکہ پنجگانہ کی جماعت ہیں کبھی جہاد کا موقعہ بھی مل جاتا ہے مگر فتنوں کے زمانہ میں شہر سے گاؤں بلکہ جنگل بہتر ہے کہ وہاں امن ہے عافیت ہے شہر میں فتنے ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے ؎

ان السلامة من اللیل و جارتھا   ان لا تمر علی حال یواریھا

۵؎ یعنی جس کے پاس گاؤں یا جنگل میں رہنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو،نہ اپنی زمین ہو،نہ اپنے جانور ہوں نہ اور کوئی ذریعہ وہ کیا کرے اسے تو لامحالہ شہر میں ہی رہنا پڑے گا۔

۶؎ نجات اگر ت سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں چھٹکارا یا عذاب سے بچ جانا اور اگر ہمزہ سے ہو تو اس کے معنی ہیں بھاگ جانا دور ہوجانا،یہاں ہمزہ سے ہے یعنی اس وقت تلوار نہ چلائے بلکہ اپنی تلوار بے کار کردے کیونکہ یہ لڑائیاں مسلمانوں کی آپس میں ہوں گی،وہاں سے بھاگ جانے فتنوں سے الگ ہوجانے کی کوشش کرے۔مسلمانوں کی آپس کی لڑائیں فساد کہلاتی ہیں،کفار سے جنگ جہاد ہے۔حضرت ابوبکرہ کا اور عبداللہ ابن عمر وغیرہم صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ بغاوت کے موقعہ پر کسی طرف شرکت نہ کرے الگ رہے،ان کی دلیل یہ حدیث تھی۔عام صحابہ کرام کا مسلک یہ تھا کہ حق والے کی مدد کرے باغیوں کو کچل دے تاکہ بغاوت پھیلنے نہ پائے،ان کی دلیل یہ آیت تھی"فَقٰتِلُوا الَّتِیۡ تَبْغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمْرِ اللہِ"۔ان کے نزدیک حدیث بغاوت کے لیے نہیں بلکہ عام فسادات اور بلووں کے متعلق ہے یہ ہی قول زیادہ قوی ہے۔

۷؎ یعنی میرے مولیٰ گواہ ہوجا کیا میں نے تیرا یہ حکم تیرے بندوں تک پہنچادیا۔معلوم ہوا کہ فتنوں سے خبردار کرنا بھی ایک تبلیغی حکم ہے جس کا پہنچانا فرض ہے۔

۸؎ یعنی اگر مجھ پر ایسا حال طاری ہوجاوے کہ میں الگ نہ رہ سکوں مجبورًا کسی فریق کے ساتھ جنگ میں کھڑا ہو جاؤں مگر میری نیت جنگ کی نہ ہو صرف جانا پڑ جاوے تو میری یہ موت کیسی ہوگی۔

۹؎ یعنی اس مجبوری کی صورت میں تم گنہگار نہ ہوگے بلکہ تمہارا لے جانے والا یا تمہیں قتل کرنے والا گنہگار ہوگا ایسا کہ تمہارے گزشتہ گناہ بھی اس پر پڑیں گے۔باثمی واثمك کی شرح ہم نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں واضح کردی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں یا پانی کی جگہ لے جائے ۱اپنا دین فتنوں سے بچاکر بھاگ جائے ۲ (بخاری)	

۱ **شعف** جمع ہے **شعفۃ** کی بمعنی بلند چوٹی۔اہل عرب پہاڑ کی چوٹیوں میں بھی اپنے مال مویشی رکھتے ہیں اور وہاں خود بھی رہتے ہیں،یہ جگہ زمین سے بہت بلند ہونے کی وجہ سے بڑے امن عافیت کی ہوتی ہے۔**مواقع قطر** سے مراد ہے وہ جنگل جہاں پانی کے چشمے،سبزہ زار،چراگاہ وغیرہ ہو،یہ تعیم بعد تخصیص ہے یا اس کے برعکس۔

۲ یعنی اس علیحدگی کی وجہ اپنے دین کی حفاظت ہو نہ کہ مسلمانوں سے نفرت کہ ایسے موقعہ پر لوگوں سے خلط ملط اپنے لیے دینی خرابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ٹیلوں میں سے کسی ٹیلہ پر تشریف لے گئے ۱پھر فرمایا کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں ۲لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا کہ میں فتنے دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں کے درمیان بارش گرنے کی طرح گر رہے ہیں ۳(مسلم،بخاری)	

۱ **اشرف** کے لفظی معنی ہیں چڑھنا،جھانکنا،اچک لینا،یہاں بمعنی چڑھنا ہے۔**اطم** ہمزہ کے پیش اور ط کے پیش سے بمعنی اونچا قلعہ اونچا ٹیلہ،جمع ہے **آطام**،چونکہ ٹیلے چڑھنے سے ساری بستی سامنے آگئی اس لیے یہاں پہنچ کر حضور انور نے یہ فرمایا۔

۲ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال آئندہ فرمان عالی کی تمہید ہے ورنہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نہیں دیکھ رہے تھے۔خیال رہے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی ساتھ والوں پر بھی پڑتی تھی جس سے ان پر بھی غیوب کی چیزیں ظاہر ہوجاتی تھیں۔ایک بار حضور خچر پر سوار دو قبروں پر گزرے تو خچر نے عذاب قبر دیکھا اور کودنے لگا،ایک بار عقاب حضور اقدس کے سر مبارک کے مقابلہ سے گزرا تو موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا،حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک بار حضور کا تہبند اوڑھ لیا تو غیبی نور کی بارش آنکھوں سے دیکھ لی،ایک بار حضرت زید نے عرض کیا آٹھوں جنتیں ساتوں دوزخ میرے سامنے ہیں ہر جنتی دوزخی کو دیکھ رہا ہوں۔آج جن خوش نصیبوں کا سر حضور کے قدم تک پہنچ جاتا ہے ان پر عالم غیب منکشف ہوجاتا ہے مگر یہ کبھی کبھی لہذا حدیث واضح ہے۔

۳ اس فرمان عالی میں ان فتنوں کی طرف اشارہ ہے جو یزید ابن معاویہ،مروان ابن حکم،حجاج ابن یوسف وغیرہم کے زمانوں میں واقع ہوئے جنہوں نے سارے عرب خصوصًا مدینہ والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔یہاں دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے محض خیالی وہمی صورتیں مراد نہیں۔حضرات انبیاء کرام کی آنکھیں ہمارے خواب و خیال سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہیں،وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں،ہم خواب و خیال میں اگلے پچھلے واقعات دیکھ لیتے ہیں۔بارش

سے تشبیہ دے کر دو باتیں فرمائیں: ایک یہ کہ وہ فتنے بارش کی طرح ہر گھر میں پہنچیں گے،دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں کوئی شخص خانہ نشین ہوکر بھی ان سے محفوظ نہ رہ سکے گا،خلوت و جلوت ہر جگہ فتنے پہنچ جاویں گے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کی ہلاکت قریش کے کچھ لڑکوں کے ہاتھ پر ہوگی ا(بخاری)	

ا یعنی ہمارے بعد کچھ نو عمر نا تجربہ کار نااہل لونڈے بادشاہ حاکم بن جائیں گے اور اپنی نااہلی ناتجربہ کاری کی وجہ سے میری امت کو ہلاک کردیں گے اس فرمان عالی میں یزید ابن معاویہ،مروان ابن حکم وغیرہ نااہلوں کی طرف اشارہ ہے ان لوگوں کی وجہ سے امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مصیبتیں پیش آئیں وہ سب کو معلوم ہیں۔معلوم ہوا مجاہد غازی جوان چاہیں مگر حکام،سلطان قاضی بوڑھے اور تجربہ کار چاہیں،جہاد میں جوانوں کی شمشیر بوڑھوں کی تدبیر کام آتی ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے زمانہ چھوٹا ہوجاوے گا ا اور علم اٹھالیا جاوے گا ۲ اور فتنے ظاہر ہوجائیں گی اور بخل ڈال دیا جاوے گا ۳ ہرج بڑھ جاوے گا،لوگوں نے عرض کیا ہرج کیا ہے فرمایا قتل ۴(مسلم،بخاری)	

ا **یتقارب** بنا ہے **قرب** سے بمعنی نزدیکی،اس عبارت کے بہت معنی کیے گئے۔مشہور معنی یہ ہیں کہ زمانہ کے اجزاء دن رات،گھنٹہ منٹ،ہفتہ مہینہ سال ایک دوسرے سے گزرنے میں قریب ہوجائیں گے کہ بہت جلد جلد گزرنے لگیں گے۔اسی کی شرح وہ حدیث ہے کہ قرب قیامت سال ایک مہینہ کی طرح،مہینہ ہفتہ کی طرح،ہفتہ دن کی طرح،دن آگ سلگانے کی طرح گزریں گے یا یہ معنی ہیں کہ زمانہ قیامت کے نزدیک ہوجاوے گا یا یہ کہ زمانہ والے لوگ ایک دوسرے سے جنگ و جدال کے لیے گتھ جائیں گے قریب تر ہوجائیں گے یا سارے اوقات شروفساد میں ایک دوسرے سے قریب ویکساں ہوجائیں گے۔

۲ **علم** سے مراد علم دین ہے۔علم دین کے اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ علماء دین وفات پاتے رہیں گے اور بعد کے لوگ عالم بننا چھوڑ دیں گے کیونکہ علم دین کی قدر نہ قوم میں رہے گی نہ حکومت میں جیساکہ آج کل دیکھا جارہا ہے کہ اب علماء بھی واعظ یا پیر بن کر گزارہ کررہے ہیں صرف علماء کے لیے کوئی ذریعہ نہیں۔انگریزی بی اے کرلو تو تمام دروازے کھل جاتے ہیں،عالم دین بنو تو حکومت کا کوئی محکمہ تمہیں نہیں لیتا تم پر حکومت کے سارے دروازے بند ہیں،دین کا اللہ تعالٰی ہی حافظ ہے،دین رسولی باغ ہے علم دین اس کا پانی جب پانی نہ دیا جائے تو باغ کا کیا ہوگا۔

۳ یعنی لوگ کنجوس ہوجائیں گے،علماء علم سکھانے میں بخل کریں گے،کاریگر اپنا ہنر سکھانے میں،مالدار لوگ اپنا مال خرچ کرنے میں بخیل ہوجائیں گے۔**یلقی** فرماکر بتایا گیا کہ یہ بخل شیطان دلوں میں ڈالے گا لوگوں کو بخل کے فائدے،سخاوت کے

نقصانات ذہن نشین کردے گا۔ھرج کے لغوی معنی فتنہ ہے،یہاں خاص فتنہ یعنی قتل و خون مراد ہے۔حرج بڑی حاء سے بمعنی تنگی ہے"لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ"۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا نہ جائے گی حتی کہ لوگوں پر وہ دن آجائے گا جب قاتل نہ جانے گا کہ کس جرم میں قتل کیا اور نہ مقتول جانے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا گیا ۱؎ عرض کیا گیا یہ کیسے ہوگا فرمایا فتنہ عامہ کی وجہ سے ۲؎ قاتل مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ اس فرمان عالی کا ظہور آج پورے طور سے ہورہا ہے۔بات بات پر مکھی،مچھر،کھٹمل کی طرح انسان قتل کرائے جارہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ قاتلوں کو سزا نہیں ملتی تو مقتول کے وارثین ایک کے عوض دو تین کو مار دیتے ہیں پھر وہ لوگ دو کے عوض تین چار کو،اگر عدالتوں سے سزا پوری پوری ملے تو جرموں کی جڑ کٹ جاوے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ"۔

۲؎ یعنی لوگوں میں لاقانونیت،طبیعتوں میں بربریت پیدا ہوجاوے گی،شرافت انسانی لوگ کھو چکیں گے،اس حدیث کی زندہ شرح یہ زمانہ ہے۔

۳؎ قاتل تو قتل کی وجہ سے دوزخ میں جاوے گا اور مقتول ارادۂ قتل کی وجہ سے کہ وہ بھی اسی ارادہ سے آیا تھا اس کا داؤ نہ چلایا وار خالی گیا۔معلوم ہوا کہ گناہ کا پختہ ارادہ بھی گناہ،اللہ تعالٰی گناہ اور ارادۂ گناہ دونوں سے بچائے۔

روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فتنوں کے زمانہ میں عبادت ایسی ہے جیسے میری طرف ہجرت ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی جو ثواب فتح مکہ سے پہلے میرے ہجرت کرکے آنے کا تھا وہ ہی ثواب اس پر فتن زمانہ میں عبادت کرنے کا ہوگا جیسے مہاجر اپنے عزیز و اقارب سے منہ موڑکر رب کی طرف آجاتا ہے ایسے ہی یہ شخص ان تمام سے منہ موڑکر اللہ کی طرف آتا ہے۔

روایت ہے حضرت زبیر ابن عدی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس کے پاس گئے تو ہم نے ان تکالیف کی شکایت کی جو ہم حجاج سے اٹھاتے ہیں ۲؎ فرمایا صبر کرو نہیں آئے گا کوئی زمانہ مگر اس کے بعد والا زمانہ اس سے بدتر ہوگا حتی کہ تم اپنے رب سے ملو،یہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ و	

	سلم سے سنا ۳؎(بخاری)

۱؎ آپ تابعی ہیں،ہمدانی ہیں،مقام رے کے قاضی رہے ہیں،سفیان ثوری وغیرہم نے آپ سے روایات کی ہیں۔
۲؎ حجاج ابن یوسف عبدالملک ابن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا،ایسا ظالم تھا کہ اس نے ایک لاکھ تیس ہزار مسلمانوں کو باندھ کر قتل کیا ہے،جو مسلمان جنگوں میں اس کے ذریعہ قتل ہوئے وہ علاوہ ہیں۔(مرقات)
۳؎ یعنی آئندہ عموماً سلاطین ظالم ہی ہوں گے زمانہ جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتا جاوے گا ظلم و فساد بھی بڑھتا رہے گا لہذا حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دور یا آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی و عیسیٰ علیہ السلام کا دور اس حکم سے علیحدہ ہے،ہر زمانہ پہلے زمانہ سے دین کے لحاظ سے بدتر ہے کبھی کوئی گناہ زیادہ کبھی کوئی گناہ غفلت وغیرہ زیادہ۔مرقات نے فرمایا کہ شر سے مراد بدعات کی اشاعت سنتوں کا چھوڑ دینا ہے یا یہ مطلب ہے کہ آئندہ حکام ظالم بھی ہوں گے بدمذہب بدعقیدہ بھی۔حجاج ظالم ہے مگر دین برباد کرنا نہیں چاہتا اس نے قرآن مجید میں اعراب لگوائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے یا بھلا بیٹھے ۱؎ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ختم ہونے تک تمام فتنہ گروں کو ۲؎ جو تین سو یا کچھ زیادہ ہیں ۳؎ نہیں چھوڑا مگر ہم کو ان کے نام بتادیئے اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلہ کا نام ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی واقعی ہی بھول گئے یا بھلا بیٹھے یا بھولے ہوئے بن گئے کہ ان کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔خیال رہے کہ بھول جانے اور بھلا دینے میں فرق ہے۔ضروری بات بھول جانا گناہ نہیں مگر بھلا دینا گناہ ہے،بھلا دینے میں اپنی بے پرواہی کو دخل ہوتا ہے۔
۲؎ قائد بنا ہے قود سے بمعنی چلانا،ہانکنا،آگے سے کسی کو کھینچنا،سوق پیچھے سے ہانکنا،اس سے ہے سائق۔یہاں اس سے فتنہ پیدا کرنے والے فتنہ پھیلانے والے سردار مراد ہیں جیسے بے دین عالم جو نئے مذہب بری بدعتیں ایجاد کرکے لوگوں میں فتنہ برپا کرتے ہیں۔اس میں بہت وسعت ہے جس میں گمراہ کن علماء،جھوٹے مدعی نبوت،گمراہ بادشاہ سب ہی داخل ہیں جن سے لوگوں میں دینی فتنے پھیلیں۔یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی کھلی دلیل ہے۔
۳؎ یہاں بڑے بڑے فتنہ گر مراد ہیں جن میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزار ہا فتنہ گر ہوں گے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے بہتر دوزخی ایک جنتی،وہاں بھی اصولی فرقے مراد ہیں جن میں سے ہر ایک کی صد ہا شاخیں ہیں،شیعوں کے بہت فرقے،مرزائیوں کی کئی شاخیں لہذا یہ حدیث صاف ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ فتنہ گر تو تین سو سے کہیں زیادہ ہیں۔

۴؎ تمام عرب و عجم،مشرق و مغرب کے فتنہ گر سب ہی بتادیئے پھر صرف ان کا نام ہی نہ بتایا بلکہ پتہ بھی بتادیا،یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب جو اللہ نے انہیں بخشا۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اپنی امت پر گمراہ گر پیشواؤں کا خوف کرتا ہوں ۱؎ اور جب میری امت میں تلوار رکھ دی جاوے گی تو ان سے روز قیامت تک نہ اٹھے گی ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ تلوار کے فتنے سے علمی فتنہ بڑا ہے خونخوار ظالم ایک آدمی کی زندگی ختم کردیتا ہے مگر فتنہ گر گمراہ عالم ہزار ہا خاندان کی روحانی زندگی تباہ کر ڈالتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے ان پر خوف ظاہر فرمایا۔
۲؎ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قتل کے وقت سے مسلمانوں میں کشت و خون شروع ہوا ہے آج تک تلوار میان میں نہیں پہنچی،یہ ہے اس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور یہ ہے ان کی خبر کی تصدیق۔

روایت ہے حضرت سفینہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت تیس سال تک ہے ۱؎ پھر سلطنت ہوجاوے گی ۲؎ پھر سفینہ کہتے تھے کہ حساب لگا لو ابوبکر صدیق کی خلافت دو سال اور حضرت عمر کی خلافت دس سال،حضرت عثمان کی بارہ سال،جناب علی کی چھ سال ۳؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ یہاں خلافت سے مراد خلافت راشدہ خلافت کاملہ اللہ رسول کی پسندیدہ خلافت ہے۔خلیفہ راشد وہ ہے جن کی بیعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت ہو،وہ اسلام کا سلطان بھی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی جیسے حضرات خلفاء راشدین یا آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی۔بعض لوگوں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو بھی خلیفہ راشد مانا ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ صرف خلفاء راشدین تھے جیساکہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور آخر زمانہ میں امام مہدی خلیفہ برحق ہیں،امام عادل ہیں مگر ان کی خلافت خلافت راشدہ نہیں کہلاتی۔
۲؎ جس میں سلطان صرف حاکم تو ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین نہ ہوگا،اس کی بیعت بیعت سلطنت ہوگی،بیعت ارادت نہ ہوگی۔غرضکہ بیعت امارت تو سلطان کی ہوگی اور بیعت ارادت حضرت مشائخ عظام کی۔
۳؎ یہ حساب تقریبی ہے جس میں سال کی کسریں یعنی مہینے چھوڑ دیئے گئے ہیں حساب تحقیقی یہی ہے کہ خلافت صدیقی دو سال چار ماہ،خلافت فاروقی دس سال چھ مہینے،خلافت عثمانی چند دن کم بارہ سال،خلافت حیدری چار سال نو ماہ،چاروں خلفاء کی خلافت انتیس سال سات مہینے نو دن ہے،پانچ ماہ باقی رہے وہ ہی حضرت امام حسن کی خلافت نے پورے کردیئے۔(اشعہ)ان مدتوں کے بیان میں کچھ اختلاف ہے بہرحال حضرت امام حسن کی چند ماہ خلافت پر تیس سال پورے ہوگئے،چونکہ امام حسن کی خلافت دراصل خلافت حیدری کا تتمہ تھی اس لیے اس کا ذکر علیحدہ نہ فرمایا۔خیال رہے کہ مروانی حکومت کا دور یوں ہے یزید ابن معاویہ،اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید،عبدالملک ہشام ابن عبدالملک،ولید،سلیمان،عمر ابن عبدالعزیز،ولید ابن یزید،یزید ابن

ولید،مروان،ابن محمد،پھر حکومت بنی عباس میں منتقل ہوگئی۔(مرقات)حضور خاتم انبیاء ہیں،حضرت علی خاتم الخلفاء اور امام مہدی خاتم الاولیاء ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی جیسے اس سے پہلے تھی ۱؎فرمایا ہاں میں نے عرض کیا تو حفاظت کیا ہے فرمایا تلوار ۲؎میں نے عرض کیا کیا تلوار کے بعد کچھ بقایا ہے ۳؎ فرمایا ہاں ہوگی سلطنت ناپسندیدگی۴؎ اور صلح دھوئیں پر ۵؎میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر گمراہی کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے ۶؎تو اگر زمین میں کوئی اللہ کا خلیفہ ہو وہ تمہارے پشت پر کوڑے مارے اور تمہارا مال لے مگر تم اس کی فرمانبرداری کرنا ۷؎ورنہ اس طرح مر جانا کہ کسی درخت کی جڑ دانتوں سے پکڑے ہو۸؎میں نے کہا پھر کیا ہوگا،فرمایا پھر اس کے بعد دجال نکلے گا جس کے ساتھ نہر اور آگ ہوگی تو جو اس کی آگ میں گرے گا اس کا ثواب ثابت ہوجاوے گا اور اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے اور جو اس کی نہر میں گرے گا اس کا گناہ ثابت ہوجاوے گا ۹؎اور اس کا ثواب ضبط،میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر گھوڑی بچہ دے گی تو اس پر سواری نہ کی جاسکے گی حتی کہ قیامت قائم ہوجاوے گی۱۰؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا صلح دھوئیں پر اور لوگوں کا اجتماع ناپسندیدگی،میں نے عرض کیا یارسول اللہ کہ دھوئیں پر صلح ۱۱؎کیا چیز ہے فرمایا کہ قوموں کے دل اس طرح نہ لوٹیں گے جس پر پہلے تھے میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی فرمایا اندھے بہرے فتنے ہوں گے ۱۲؎جن پر کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں کی طرف بلانے والے ہوں گے ۱۳؎تو اے حذیفہ اگر تم اس حالت میں وفات پاؤ کہ تم کسی درخت کی جڑ دانت سے پکڑے ہو تو تمہارے لیے اس سے اچھا ہے کہ تم ان میں سے کسی کی پیروی کو ۱۴؎(ابوداؤد)

۱؎یہاں خیر سے مراد اسلام ہے اور شر سے مراد کفریا ارتداد یعنی جیسے حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں کفر تھا،کیا اب پھر کبھی کفر کا زور ہوجاوے گا۔

۲؎چونکہ یہاں فتنہ سے مراد ارتداد کا فتنہ ہے جو خلافت صدیقی میں ظاہر ہوا کہ بعض لوگ زکوۃ کے انکاری ہوئے،بعض مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے ان پر تلوار چلانی ضروری ہوئی لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فتنے سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا کہ وہاں مسلمانوں کی آپس کی جنگیں مراد ہیں۔

۳؎یعنی اس فتنہ کے بعد اسلام کی بقاء ہوگی یا پھر بھی کچھ فتنے باقی رہیں گے۔

۴؎اقذاء جمع ہے قذی کی بمعنی آنکھ کا تنکا وغیرہ جس میں بظاہر آنکھ اچھی ہوتی ہے مگر بباطن تکلیف یہاں مراد ہے ناپسندیدگی اور بددلی یعنی لوگ کسی کو اپنا امیر مانیں گے تو مگر صرف ظاہر سے،ان کے دل اس سے راضی نہ ہوں گے،نیز اس سلطنت میں بدعات وغیرہ ہوں گی۔

۵؎ هدنه بنا ہے هدن سے بمعنی سکون و چین۔دخن بمعنی دخان ہےیعنی لوگ صلح تو کرلیں گے مگر اس صلح میں صفائی نہ ہوگی کدورت ہوگی۔اس میں اشارہ ہے حضرت امام حسن اور امیر معاویہ کی صلح کی طرف اگرچہ یہ صلح تو ہوگی مگر لوگوں کے دلوں میں صفائی نہ ہوئی اس لیے ہمارا مذہب ہے کہ حضرت امیر معاویہ اس صلح کے بعد خلیفہ نہ ہوئے بلکہ سلطان اسلام ہوئے،اسلام میں پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق اور پہلے سلطان امیر معاویہ۔(مرقات)

۶؎یہ فتنے مروانی دور سے شروع ہوئے جب کہ مسلمانوں میں برے عقیدے بدعات رائج ہوگئیں،ان میں حکام اور امراء بدعمل بدمذہب ہونے لگے۔

۷؎یہاں خلیفہ سے مراد سلطان اسلام ہے یعنی اگر ظالم بادشاہ بھی ہو تو تم اس کے خلاف بغاوت نہ کرنا کہ بغاوت میں فتنہ پھیلتے ہیں تم اس کی اطاعت ہی کرنا۔

۸؎ جذل بمعنی جڑ،یعنی اگر زمانہ ایسا افراتفری کا ہو کہ مسلمانوں کا بادشاہ کوئی نہ ہو تو تم لوگوں سے الگ ہوجانا،گوشہ نشینی اختیارکرلینا کہ اس زمانہ میں جلوت میں فتنہ ہوگا خلوت میں امن۔دانت سے پکڑنا عربی کی ایک خاص اصطلاح ہے بمعنی مضبوطی سے پکڑنا اور مشکل وقت میں بھی اسے نہ چھوڑنا۔یہاں اشارۃً فرمایا گیا کہ اس وقت گوشہ نشینی بھی مشکل ہوگی مگر یہ مشکل جھیلنا گوشہ نہ چھوڑنا۔

۹؎ظاہر یہ ہے کہ آگ اور نہر سے ظاہری معنی مراد ہیں۔واقعی دجال کے ساتھ آگ بھی ہوگی پانی بھی مگر اس کی آگ درحقیقت ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہوگی اور نہر بھڑکتی ہوئی آگ،وہ مردود اپنے ماننے والوں کو اس نہر میں داخل کرے گا اپنے منکروں کو آگ میں۔

۱۰؎اس میں اشارہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرف۔اس فرمان عالی کے بہت معنی ہیں: (۱)اس زمانہ پاک میں جہاد نہ ہوں گے اور مسلمان کفار کے مقابل گھوڑوں پر جہادنہ کریں گے کیونکہ کفار ختم ہوچکے ہوں گے (۲)اس زمانہ میں گھوڑوں پر سواری نہ ہوگی،دوسری سواریاں ہوگی جن پر سواری کی جاوے گی(۳)دجال کے بعد ایک وقت وہ آئے گا جب قیامت بہت ہی قریب ہوگی حتی کہ گھوڑی کا بچہ جوان اور قابل سواری ہونے سے پہلے قیامت آجاوے گی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ دجال ہلاک ہونے کے بعد

قیامت اتنی قریب ہوگی کہ گھوڑی کی جوانی سے پہلے قیامت آجاوے گی کیونکہ دجال کی ہلاکت کے پانچ سو برس بعد قیامت آوے گی چالیس سال تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دنیا میں رہیں گے بعد کو چار سو ساٹھ سال بعد قیامت۔

ا۱؎ مطلب وہ ہی ہے صرف عبارت کا فرق ہے۔جماعت سے مراد ہے لوگوں کا کسی کی بیعت پر ظاہری طور پر متفق ہوجانا ہے۔

۱۲؎ یعنی ایسے فتنے جو لوگوں کو اندھا بہرہ کردیں گے کہ لوگ اس وقت نہ حق دیکھیں گے نہ حق سنیں گے،لوگوں کی مت ماری جاوے گی،اس وقت حق ایسا مشتبہ ہوجاوے گا کہ نظر نہ آوے گا۔

۱۳؎ یعنی یہ لوگ خود دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے اور مخلوق کو اپنی طرف بلاتے ہوں گے،بدعقیدگی بد عمل دوزخ کے دروازے ہیں۔

۱۴؎ یعنی ان فتنہ والوں میں سے کسی کے ساتھ نہ رہو خلوت نشین ہوجاؤ۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک دن ردیف تھا ا؎ ایک گدھے پر تو جب ہم مدینہ کے گھروں سے نکل گئے تو فرمایا اے ابوذر اس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام بھوک ہوگی ۲؎ تم اپنے بستر سے اٹھو گے تو اپنی مسجد نہ پہنچو گے کہ تم کو بھوک مشقت میں ڈال دے گی ۳؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں، فرمایا پرہیز گار رہنا ۴؎ اے ابو ذر فرمایا،اے ابوذر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام موت پھیل جاوے گی ۵؎ کہ گھر غلام کی قیمت کو پہنچ جاوے گا ۶؎ حتی کہ ایک قبر ایک غلام کی عوض بکے گی ۷؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں،فرمایا صبر کرنا اے ابوذر ۸؎ فرمایا اے ابوذر اس وقت تمہارا کیا ہے حال ہوگا جب کہ مدینہ میں قتل عام ہوگا حتی کہ خون ریت کے پتھروں کو ڈبو دے گا ۹؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں فرمایا ان میں چلے جانا جن میں سے تم ہو ۱۰؎ میں نے عرض کیا کہ ہتھیار باندھ لوں فرمایا تب تو تم قوم میں شریک ہوگئے ۱۱؎ میں نے عرض کیا کہ میں کیا کروں یارسول اللہ فرمایا اگر تمہیں خطرہ ہو کہ تمہیں تلوار کی شعاعیں چوندھیاویں گی تو اپنے کپڑے کا کنارہ اپنے چہرے پر ڈال لینا تاکہ وہ تمہارا اور اپنا گناہ لے کر لوٹے ۱۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎جب ایک گھوڑے یا خچر پر دو آدمی سوار ہوں تو آگے والا **مردف** ہے پیچھے والا **ردیف**۔آپ کا یہ فرمانایا تو اللہ کی نعمت ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ مجھے حضور انور سے بہت ہی قرب نصیب ہوا یا حدیث کی قوت بتانا مقصود ہے،یعنی یہ فرمان عالی میں نے بہت ہی قریب سے سنا لہٰذا بالکل صحیح سنا جس میں کوئی شک شبہ نہیں۔

۲؎یعنی تمہاری زندگی میں مدینہ منورہ میں عام قحط سالی ہوگی معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اگر واقعہ حرہ کی طرف اشارہ ہے تو بھوک سے مراد ہے خود ابوذر کا بھوکا ہونا کہ اس وقت جو صحابہ گوشہ نشین ہوگئے تھے وہ بھوکے رہے۔

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ بھوک سے مراد عام قحط سالی نہیں بلکہ خاص ان کا بھوکا ہونا ہے یعنی تم بھوک کی شدت کی وجہ سے بمشکل مسجد تک پہنچ سکو گے۔

۴؎یعنی تم اس وقت بھوک کی وجہ سے رزق کے لیے شریعت کی حدیں مت توڑنا،حلال روزی پر قناعت کرنا اور بھوک کی وجہ سے بددینوں سے تعلق نہ رکھنا۔

۵؎یہ عام موت کسی وبائی بیماری کی وجہ سے نہ ہوگی کہ مدینہ منورہ وبا سے محفوظ ہے،وہاں دجال طاعون نہیں پہنچ سکتے۔

۶؎اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ مردوں کی زیادتی کی وجہ سے وقف قبرستان تو بھر جائیں گے لوگ مملوکہ زمینوں میں دفن کرنے پر مجبور ہوجائیں گے اور زمینوں کے مالک ایک قبر کی زمین کی اتنی بھاری قیمت وصول کریں گے جتنی قیمت ایک غلام کی ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ ایک قبر کھودنے کی اجرت اتنی زیادہ ہوگی جتنی ایک غلام کی ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ غلاموں کے عوض قبر کی زمین خریدی جاوے گی۔ان صورتوں میں **بیت** سے مراد قبر ہے۔ تیسرے یہ کہ لوگ اس قدر مرجاویں گے کہ گھر خالی رہ جاویں اور اتنے سستے ہوجاویں گے کہ ایک غلام کی قیمت میں ایک گھر مل جاوے گا۔چوتھے یہ کہ گھر میں ایک غلام سارے گھر کا نگراں ہوگا باقی لوگ یا بیمار ہوں گے یا مرچکے ہوں گے،ان صورتوں میں گھر سے مراد رہائشی گھر ہے۔(اشعہ)مگر پہلے دو معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔جو امام کفن چور کا ہاتھ کٹواتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور انور نے قبر کو گھر فرمایا تو جیسے گھر میں سے چوری کرنے والے کے ہاتھ کٹتے ہیں ایسے ہی قبر میں سے چوری کرنے والے کے ہاتھ کٹیں گے مگر یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے کیونکہ کفن کسی کی ملکیت نہیں اور غیر مملوک ہے۔

۷؎یہ فرمان عالی یا تو الگ جملہ ہے یا پہلے جملے کی شرح ہے،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۸؎یعنی اس شدت میں بھی مدینہ منورہ مت چھوڑنا یہاں ہی صبر سے رہنا کہ مدینہ کی موت دوسری جگہ کی زندگی سے افضل ہے۔شعر

ان کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں ان کے در پر دم نکل جائے تو جی جائیں حسن

۹؎اس فرمان عالی میں اشارہ ہے واقعہ حرہ کی طرف جو یزید مردود کے زمانہ میں بعد واقعہ کربلا ہوا کہ یزید نے مسلم ابن عقبہ کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار سے مدینہ منورہ پر حملہ کردیا،تین دن یا پانچ دن مدینہ پاک میں قتل عام کرایا،مسجد نبوی شریف میں کئی دن اذان نہ ہوسکی، مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں حضرات صحابہ و تابعین کا خون پانی کی طرح بہا۔یہاں سے پھر اس لشکر نے مکہ معظمہ کا رخ کیا ابھی یہ لشکر راستہ میں تھا کہ مسلم ابن عقبہ ہلاک ہوا اس کے بعد یزید جہنم رسید

ہوا۔احجار الزیت یا تو مدینہ منورہ کے ایک محلّہ کا نام ہے یا ایک میدان کا کیونکہ وہاں کالے چکنے پتھر ہیں گویا تیل چپڑے سے ہوں۔اس واقعہ کی تفصیل تاریخ مدینہ میں دیکھو۔(از مرقات و اشعہ)

۱۰؎ یہ جملہ خبر بمعنی امر ہے یعنی تم ان کے پاس چلے جانا جن میں سے تم ہو،یعنی اپنے گھر اپنے بال بچوں میں رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا یہ ہی معنی درست ہیں کیونکہ جنگ حرہ میں سوا یزید کے کوئی سلطان تھا ہی نہیں۔

۱۱؎ یعنی اس موقعہ پر اگر تم بھی جنگ کرنے لگے تو اس فتنہ میں شریک ہوگئے اور اس شرکت سے فتنہ بڑھے گا گھٹے گا نہیں اس لیے اس فتنہ میں حضرت امام زین العابدین اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم گوشہ نشین رہے یہ تھا اس حکم پر عمل۔

۱۲؎ یعنی اگر تمہارے گوشہ نشین خانہ نشین ہونے کے باوجود کوئی ظالم سفاک تمہارے گھر میں قتل کرنے آجاوے تو اس کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ اپنا آپ چھپاکر خاموش بیٹھے رہنا کہ وہ تمہیں اس صبروشکر کی حالت میں قتل کردے۔خیال رہے کہ یہ فرمانا حضرت ابوذر سے مگر سنانا ہے دوسرے کو کیونکہ حضرت ابوذر غفاری نے حرہ کا واقعہ نہیں پایا،آپ کی وفات ۳۲ھ بتیس ہجری خلافت عثمانیہ میں ہوئی اور حرہ کا یہ واقعہ ۶۲ھ میں ہوا،یہ حکم خصوصی طور پر زمین مدینہ میں کشت و خون سے بچنے کے لیے ہےاسی لیے حضرت عثمان غنی شہید ہوئے کہ آپ نے قاتل کا وار روکا بھی نہیں، ظالم کفار سے اپنا بچاؤ ان پر وار کرنا ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم لوگوں کی بھوسی میں رہ جاؤ گے ۱؎ کہ ان کے عہدوپیمان اور امانتیں گڑ بڑ ہوں گی اور آپس میں اختلاف کریں گے تو ایسے ہوجائیں گے اور اپنی انگلیوں شریف کو گنتھا دیا ۲؎ عرض کیا مجھے کیا حکم ہے فرمایا جسے بھلا جانو اسے لازم مضبوط پکڑ لو اور جسے برا جانو وہ چھوڑ دو اور تم اپنی خاص ذات کی فکر رکھو عوام سے بچو ۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنا گھر لازم پکڑ لو اپنی زبان قابو میں رکھو ۴؎ جو اچھا جانو وہ اختیار کرلو اور جو برا جانو چھوڑ دو اور اپنا خاص معاملہ اختیار کرو اور عام لوگوں کا معاملہ چھوڑ دو ۵؎ (ترمذی)اور اسے صحیح فرمایا۔

۱؎ حثالہ گیہوں یا جو کی وہ بھوسی جو کسی کام نہ آوے۔اسبغول کی بھوسی بہت کار آمد اور قیمتی چیز ہے اسے حثالہ نہیں کہاجاتا۔یعنی تم بیکار لوگوں میں رہ جاؤ گے جن سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا محض بے کار ہوں گے،ان کا حال آگے ارشاد ہو رہا ہے۔

۲؎ یعنی ان لوگوں میں تین عیب ہوں گے: وعدہ خلافی،امانتوں میں خیانت،آپس میں لڑائی جھگڑے۔ اس سے حضرات صحابہ مراد نہیں بلکہ بعد والے لوگ،تمام صحابہ عادل ثقہ ہیں،ان کی عدالت پر قرآن کریم گواہ ہے،فرماتاہے:"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"۔

۳؎ یعنی اس زمانہ میں اپنی فکر کرو لوگوں کی فکر نہ کرو بلکہ انہیں تبلیغ بھی نہ کرو کہ اس زمانہ میں لوگ تمہاری تبلیغ کا اثر تو لیں گے نہیں الٹے تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔پہلے گزر چکا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں تبلیغ فرض نہیں رہتی۔

۴؎ یعنی اس وقت لوگوں کے حالات ان کے معاملات میں گفتگو نہ کرو اور بغیر سوچے سمجھے بات نہ کرو کہ اکثر اوقات زبان کی وجہ سے آفت آجاتی ہے۔یہ فرمان عالی تاقیامت امان کی تعلیم ہے،زبان پر قابو رکھنے سے بہت آفات دور رہتی ہیں،یوں ہی اپنے گھر میں رہنا لوگوں سے خلط ملط نہ رکھنا گناہوں سے بچے رہنے کا ذریعہ ہے۔

۵؎ یہ وجوبی حکم نہیں بلکہ اباحت اور اجازت کا حکم ہے کہ ایسی مجبوری میں تبلیغ چھوڑ دینے کی اجازت ہے،اگر کوئی ہمت و صبر والا بندہ ایسی حالت میں بھی تبلیغ کرے اور مصیبت جھیلے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔حضرت نوح علیہ السلام نے سخت مجبوری میں تبلیغ کی اور قوم سے بڑی مصیبتیں جھیلیں،حضرت امام حسین نے فتنہ یزیدی میں سفرکیا تبلیغ فرمائی اور جام شہادت نوش کیا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ فتنہ کے زمانہ میں گوشہ نشین بلکہ جنگل نشین ہوجاویں لوگوں سے الگ رہیں مگر حضرت عبداللہ ابن عمرو کو حکم دیا گیا کہ لوگوں میں رہیں بسیں مگر زبان کی نگرانی کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں،حکیم ہر مریض کو اس کے مزاج کے مطابق دوا دیتا ہے،جناب حذیفہ کے لیے وہ مناسب تھا اور جناب ابن عمرو کے لیے یہ مناسب۔حضرت عبداللہ ہمیشہ کے روزہ دار شب بیدار تھے،آپ کے والد عمرو ابن عاص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تین نصیحتیں فرمائیں: تہائی رات جاگو دو تہائی سوؤ،ہر مہینہ تین روزے رکھو،اپنے باپ کا حکم مانو۔اختلاف صحابہ رضی اللہ عنھم کے زمانہ میں حضرت عمرو ابن عاص امیر معاویہ کے ساتھ رہے،حضرت عبداللہ ابن عمرو بظاہر امیر معاویہ کے ساتھ رہے باپ کی وجہ سے اور درپردہ حضرت علی کے ساتھ اور کہا کرتے تھے کہ میں اپنے والد کے ساتھ خیر میں شریک ہوں نہ کہ شر میں،حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ میں ان سے ہوں مگر افسوس کہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہوں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا قیامت کے آگے بہت فتنے ہیں اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ۱؎ان میں آدمی صبح کو مؤمن ہو گا اور شام کو کافر اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح سویرے کو کافر ۲؎ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑے سے بہتر ہو گا اوران میں چلنے والے دوڑنے والے سے بہتر ہوگا ۳؎تو ان فتنوں میں اپنی کمانیں توڑ دو اپنی تانت کاٹ دو اور اپنی تلوار پتھر سے مار دو ۴؎پھر اگر تم میں سے کسی پر گھسا جاوے تو وہ	

حضرت آدم کے بہترین بیٹے(ہابیل)کی طرح ہوجاوے ۵؎(ابوداؤد)اور اسی کی ایک روایت میں خیر من الساعی تک کا ذکر فرمایا،پھر لوگوں نے عرض کیا کہ تب ہم کو حضور کیا حکم دیتے ہیں فرمایا اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جانا ۶؎اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے متعلق فرمایا کہ اس میں اپنی کمانیں توڑ دینا اور اس میں اپنی تانت کانٹ دینا ۷؎اور اس میں اپنے گھروں کا اندرونی حصہ پکڑ لینا ہے۸؎اور حضرت آدم کے بیٹے کی طرح ہوجانا ۹؎ اور کہا یہ حدیث صحیح ہے غریب ہے۔	

۱؎یعنی جیسے اندھیری رات میں کچھ سوجھتا نہیں یوں ہی ان فتنوں میں کچھ سوجھے گا نہیں،حق کیا ہے اور باطل کیا عجیب افراتفری کا زمانہ ہوگا۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ صبح شام سے مراد قریبی اوقات ہیں،بعض لوگ ایسے مذبذب ہوجائیں گے کہ ابھی مؤمن ابھی کافر۔(مرقات)لوگوں کو ایمان کی پرواہ نہ رہے گی۔

۳؎یہاں بیٹھنے والے سے مراد ہے ان فتنوں سے بے تعلق رہنے والا،چلنے والے سے مراد ہے معمولی تعلق رکھنے والا اور دوڑنے والے سے مراد ہے بہت مشغول اور فتنوں میں مبتلا،ظاہری بیٹھنا چلنا دوڑنا مراد نہیں،اس کی مفصل شرح پہلے گزرچکی۔

۴؎یعنی اس زمانہ میں اپنے جنگی ہتھیار بے کار کردو تاکہ تم جنگ کے قابل نہ رہو کیونکہ اس وقت دونوں طرف مسلمان ہوں گے جس کو مارو گے مسلمان کو مارو گے لہذا اپنے کو مارنے کے قابل ہی نہ رکھو اسی میں بھلائی ہے۔

۵؎یعنی اگر اس علیحدگی اور خلوت نشینی کے باوجود کوئی ظالم خونخوار خواہ مخواہ تمہارے گھر میں گھس کر تم پر حملہ کرے تو تم جوابی کاروائی نہ کرو قتل ہوجاؤ مگر مقابلہ نہ کرو۔اس حدیث کی شرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے اگر آپ اس وقت باغیوں کا مقابلہ کرتے تو آپ کے مملوک دو سو غلام تھے اور ہزار ہا ساتھی بڑی سخت جنگ ہوتی اور زمین مدینہ خون سے رنگین ہوجاتی۔

۶؎کہ جیسے گھر کا بچھا ہوا ٹاٹ گھر میں ہی رہتا ہے باہر نہیں جاتا تم بھی گھر میں رہنا باہر نہ جانا لوگوں سے ملنا جلنا بند کردینا،یہ مطلب نہیں کہ باجماعت نماز اور جمعہ و عیدین چھوڑ دینا۔مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے خلط ملط چھوڑ دینا۔

۷؎یعنی جنگ کے ہتھیار ختم کردینا تاکہ تمہارے دلوں میں کبھی جنگ کا خطرہ بھی نہ پیدا ہو،جنگ کرنا تو کیا جنگ کا خیال بھی نہ کرنا کہ دو طرفہ مسلمان ہوں گے جسے مارو گے مسلمان کو مارو گے۔

۸؎یعنی گھر کے اندرونی حصہ میں خلوت و گوشہ نشینی اختیار کرنا جہاں باہر کے لوگ تمہارے پاس نہ آسکیں،گھر کی بیٹھک میں نہ بیٹھنا کہ وہاں خلوت مکمل نہیں ہوتی راہگیروں سے ملاقات ہو ہی جاتی ہے،سواء نماز اور ضروریات کے باہر مت نکلنا۔

۹؎ابن آدم سے مراد ہابیل ہے جو ظلمًا مقتول ہوا،قابیل مراد نہیں یعنی ان فتنوں میں تم ظالم نہ بننا مظلوم بن کر مرجانا قبول کرلینا۔

	روایت ہے حضرت ام مالک بہزیہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر فرمایا اسے بہت قریب کیا ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس میں بہترین آدمی کون ہوگا فرمایا وہ شخص جو اپنے جانوروں میں رہے،ان کا حق ادا کردے اور اپنے رب کی عباد ت کرے ۳؎ اور وہ شخص جو اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہو وہ دشمن کو ڈرائے اور دشمن اسے ڈرائیں ۴؎(ترمذی)

۱؎ آپ صحابیہ ہیں،بہز ابن امراء القیس کی نسل سے ہیں،حجازیہ ہیں،آپ سے طاؤس اور مکحول تابعین نے حدیث کی روایت کی،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یعنی اتنا واضح بیان فرمایا کہ اس فتنہ کو ہمارے ذہنوں سے قریب کردیا ہم کو خوب واضح کرکے بتادیا،یہ مطلب نہیں کہ اسے قریب زمانہ میں بتایا کیونکہ یہ فتنہ زمانہ صحابہ میں نہیں ہوا۔

۳؎ یعنی اگر اس کے پاس جانور ہوں بکریاں اونٹ وغیرہ تو جنگل میں انہیں کے پاس رہے شہر میں صرف جمعہ و عیدین کو آیا کریں،وہاں جنگل میں ہی اپنے نوکروں غلاموں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرلیا کرے لہذا حدیث واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جنگل میں نماز باجماعت اورجمعہ و عیدین کیسے ادا کرے گا۔خیال رہے کہ جو جنگل شہر سے ملحق ہو وہاں کے باشندوں پر جمعہ و عیدین ہے اور جنگل شہر سے دور ہو اس سے ملحق نہ وہاں کے باشندوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عیدین۔

۴؎ یعنی اسلامی سرحدوں(بارڈر)پر رہے اور تیاری جہاد میں مشغول رہے،بارڈر کے باشندے ہمیشہ کفار کے مقابلہ میں رہتے ہیں کبھی کفار انہیں مارجاتے ہیں کبھی یہ کفار کو انکی سرحد میں گھس کر مار آتے ہیں،لوٹ لاتے ہیں،بارڈر پر رہنا بھی عبادت ہے۔اس فرمان عالی میں اشارۃً بتایا گیا کہ ایسے فتنوں میں بھی تیاری جہاد میں مشغول رہنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب ایسا فتنہ ہوگا جو سارے عرب کو گھیرے گا ۱؎ اس میں مقتولوں آگ میں ہوں گے ۲؎ اس میں زبان تلوار کے حملہ سے سخت تر ہوگی ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی فتنہ عام ہوگا جو سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا یا اہل عرب کو فتنہ گروں سے صاف و پاک کردے کہ اس وقت فتنہ گر مارے جاویں گے۔استنظاف کے معنی ہیں گھیرنا اور پاک و صاف کرنا،یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی ان فتنوں میں قتل ہونے والے شہید نہ ہوں گے بلکہ دوزخی ہوں گے کیونکہ ان کی موت اسلام کے لیے نہیں بلکہ فتنہ گری کے لیے ہوگی،ملک و مال و عزت کی ہوس میں ایک دوسرے سے جنگ کریں گے،جب مقتولین دوزخی ہوئے تو قاتلین یقینًا دوزخی ہوں گے۔

۳؎ یعنی اس فتنہ میں کسی ایک گروہ کی حمایت دوسروں کو مخالفت میں زبان کھولنا تلوار چلانے سے بدتر ہوگا کہ اس وقت ایسی باتیں بڑے کشت و خون کا باعث ہوں گی،اس سے بڑے بڑے فتنے واقع ہوں گے۔اللہ کی پناہ!بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد حضرت امیر معاویہ و علی مرتضٰی کی جنگ ہے مگر یہ غلط ہے کہ وہ دونوں جماعتیں جنتی ہیں اگرچہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور امیر معاویہ غلطی پر تھے مگر اجتہادی غلطی معاف ہے۔کسی نے ایک عالم سے پوچھا کہ عمر ابن عبدالعزیز افضل ہیں یا امیر معاویہ؟عالم نے فرمایا کہ جس گھوڑے پر امیر معاویہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار سے جہاد کیا اس گھوڑے کا غبار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے،تمام دنیا کے اولیاء اللہ ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔(مرقات)یہ بحث بہت تفصیل سے ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر مطالعہ فرماؤ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب بہرے گونگے اندھے فتنے ہوں گے ۱؎ جو انہیں اچک کر دیکھے گا اسے اچک لیں گے ۲؎ اور ان میں زبان چلانا تلوار چلانے کی طرح ہوگا ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ایسے فتنے ہوں گے جن میں حق نظر نہ آوے گا،لوگ حیران ہوں گے کہ ہم کیا کریں اور کہاں جائیں انہیں کچھ سوجھے گا نہیں،لوگ حق بولیں گے نہیں حق دیکھیں گے نہیں لہذا لوگ اندھے بہرے گونگے ہوجائیں گے،چونکہ اس کا سبب وہ فتنے ہوں گے لہذا فتنوں کو بہرا گونگا اندھا فرمادیا گیا۔

۲؎ یعنی ان فتنوں کے قریب جائے گا تماشائی بن کر دیکھنے کی کوشش کرے گا وہ فتنہ میں پڑ جائے گا لہذا اس وقت فتنوں سے دور رہو۔

۳؎ اس کا مطلب ابھی بیان ہوچکا کہ اس فتنہ میں کسی کی حمایت میں بولنا سخت فتنہ کا سبب ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے حضور نے فتنوں کا ذکر فرمایا تو بہت زیادہ ذکر کیا ۱؎ حتی کہ ٹاٹ کے فتنہ کا ذکر فرمایا ۲؎ کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ فتنہ احلاس کیا چیز ہے فرمایا وہ بھاگڑا اور لڑائی ہے ۳؎ پھر سراء کے فتنہ کا ذکر کیا ۴؎ جن کا فساد ۵؎ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا ۶؎ وہ سمجھے گا کہ وہ مجھ سے ہے وہ مجھ سے نہیں میرے دوست صرف متقی ہیں ۷؎ پھر لوگ ایسے ایک آدمی پر صلح کریں گے جو پسلی پر گوشت کی طرح ہوگا ۸؎ پھر کالا فتنہ ہوگا ۹؎ جو اس امت میں کسی کو نہ چھوڑے گا مگر اسے طمانچہ لگادے گا ۱۰؎ پھر جب کہا جاوے گا کہ فتنہ ختم ہوگیا تو وہ اور پھیلے گا ۱۱؎ اس میں آدمی صبح کرے گا مؤمن	

ہوکر اور شام کرے گا کافر ہوکر حتی کہ لوگ دو خیموں کی طرف لوٹ جائیں گے،ایک خیمہ ایمان کا جس میں نفاق نہیں اور دوسرا خیمہ نفاق کا جس میں ایمان نہیں۱۲تو جب یہ ہوجاوے تو اس دن یا اس کے اگلے دن دجال کے خروج کا انتظار کرو۱۳(ابوداؤد)	

۱یعنی بہت سے فتنوں کا ذکر فرمایا یا فتنوں کا بہت ذکر فرمایا کہ ہر فتنہ کی تفصیل بیان فرمائی ہر ایک کا واضح بیان کردیا۔

۲احلاس جمع ہے حلس کی،حلس وہ ٹاٹ ہے جو زمین پر نفیس دریوں غالیچوں کے نیچے بچھایا جاتا ہے اوپر کے بستر بدلتے رہتے ہیں مگر وہ ٹاٹ وہاں ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے اس فتنہ کو یا تو احلاس اس لیے فرمایا کہ وہ فتنہ بہت عرصہ تک رہے گا ٹاٹ کی طرح ہوگا کہ ہٹے گا نہیں اس لیے فرمایا کہ اس زمانہ میں لوگوں کو ٹاٹ کی طرح اپنے گھروں میں رہنا مفید ہوگا جو باہر پھرے گا مبتلا ہوجاوے گا۔

۳اس فتنہ میں لوگ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کوئی کسی کی بات نہ سنے گا،ہر ایک دوسرے سے لڑے گا،اسے لوٹے گا،لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں گے۔

۴سراء کے لفظی معنی ہیں عیش و عشرت،مال کی زیادتی،چونکہ مسلمانوں میں یہ فتنہ ان کی زیادہ مالداری زیادہ عیش و عشرت کی وجہ سے ہوگا۔زیادتی مال ہزار ہا فتنوں کا سبب ہے اس لیے اسے فتنہ سراء فرمایا گیا یعنی عیش و مال کا فتنہ۔

۵دخن کے لفظی معنی ہیں دھواں،یہاں مراد فتنہ کی ابتداء ہے اس کا فساد ہے کہ دھواں آگ کی ابتداء ہوتا ہے ایسے ہی یہ اس فتنہ کی ابتداء ہوگی۔

۶یعنی اس فتنہ کی ابتداء ایک شخص سے ہوگی جو اولاد فاطمہ سے ہوگا یعنی سید ہوگا یا حاکم ہوگا یا حکومت کا طلبگار اپنے خاص نفع کے لیے لوگوں کو مصیبت میں ڈال دے گا،چونکہ لوگ سید ہونے کی وجہ سے اس کا ادب و احترام کرتے ہوں گے اس لیے وہ اپنے اس دینی احترام سے غلط فائدہ اٹھاکر یہ فتنہ پھیلائے گا۔

۷یعنی وہ شخص اپنی ان حرکتوں کے باوجود اپنے کو سید ہی کہے گا اور سمجھے گا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا ہوں کیونکہ ان کی اولاد سے ہوں۔یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا ابھی واقع نہیں ہوا۔خوارج اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پرچسپاں کرتے ہیں کہ حضرت علی کی خلافت میں یہ فتنہ واقع ہوچکا مگر یہ ان کی اہل بیت دشمنی ہے ان سرکار کو اس سے کوئی تعلق نہیں،اگلے واقعات بھی جو یہاں مذکور ہیں اس کے خلاف ہیں۔

۸ورك واؤ کے فتحہ ر کے کسرہ سے بمعنی چوتڑ(سیرین)۔ضلع ض کے کسرہ لام کے فتحہ سے پسلی کی ہڈی یعنی جیسے چوتڑ کی گندگی اگر پسلی کی ہڈی پر ہو تو ٹھہرتا نہیں کمزور ہوتا ہے ایسے ہی اس بادشاہ کی حکومت قائم نہ ہوگی بہت کمزور ہوگی۔خلاصہ یہ ہے کہ لوگ اس فتنے سے بچنے کے لیے ایسے شخص کو اپنا بادشاہ مقرر کردیں گے جس کی بادشاہت میں قوت نہ ہوگی،امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں یہ کب ہوا۔

۹؎ دھیما مؤنث ہے دھیم سے جس کا مادم دھم ہے بمعنی سخت سیاہ اندھیرا یعنی ایسا اندھیر والا فتنہ ہوگا کہ لوگوں کو اس میں راستہ نظر نہ آوے گا کہ کدھر جاویں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ دھیماء ایک اونٹنی تھی جس پر آگے پیچھے سات آدمیوں نے جنگ کی جو سب مارے گئے اونٹنی خالی رہ گئی جب سے عربی میں یہ کہاوت بن گئی کہ ایسے خطرناک فتنہ کو دھیماء کہنے لگے۔(مرقات)

۱۰؎ یعنی یہ فتنہ بہت روز تک رہے گا کبھی ہلکا پڑجاوے گا تو لوگ سمجھیں گے ختم ہو گیا پھر تیز ہوجاوے گا حتی کہ ختم ہوگا۔

۱۱؎ یعنی اس فتنہ سے کوئی نہ بچے گا سب پر اس کا اثر پہنچے گا کسی پر زیادہ کسی پر کم۔

۱۲؎ یعنی لوگوں کے دو گروہ ہوجائیں گے خالص مؤمن،خالص منافق یا فسطاط سے مراد شہر ہیں یعنی لوگ دو شہروں میں بٹ جاویں گے۔

۱۳؎ یعنی اس فتنہ سے متصل خروج دجال ہوگا اس لیے معلوم ہوا کہ یہ فتنہ ابھی واقع نہیں ہوا قیامت کے قریب ہوگا۔وہ کون سید ہوگا جو اس فتنہ کا موجد ہوگا یہ رب جانے اور یہ واقعہ کب ہوگا اس کی تاریخ کا بھی پتہ نہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے عرب کے لیے۱؎ اس شر سے جو قریب آگئی وہ شخص کامیاب رہے گا جو اپنا ہاتھ روکے۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ویل کے معنی ہیں خرابی شر قریب،دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہلاکت،یہاں بمعنی خرابی ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی اس زمانہ میں جو جنگ وقتال میں حصہ نہ لے وہ کامیاب ہے۔اس شر سے مراد یا تو یاجوج ماجوج کا نکلنا ہے اس وقت ان سے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی اس لیے قتال سے بچنے والا کامیاب رہے گا یا اس شر سے مراد مسلمانوں کی آپس کی جنگیں ہیں جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئیں اورجنگ جمل و صفین و معرکہ کربلا کی شکل میں ظاہر ہوئی ہیں تب یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جسے حق وباطل کا پتہ نہ لگے وہ اس میں قتال سے بچے۔(ازمرقات)اسی لیے جنگ جمل وصفین میں حضرت صحابہ کرام کے تین گروہ ہوگئے:بعض حضرات علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے،بعض ان کے مقابل،بعض حضرات غیر جانب دار۔یہ وہ ہی حضرات تھے جنہیں پتہ نہ لگا کہ حق پر کون ہے لہذا تینوں جماعتیں اللہ کی مقبول ہیں۔

روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے محفوظ رہے،نیک بخت ہے وہ جو فتنوں سے محفوظ رہے،نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے محفوظ رہے ۲؎ اورجو مبتلا ہو جاوے تو صبر کرے تو اچھا ہے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام مقداد ابن عمرو کندی ہے کیونکہ آپ کے والد نے قبیلہ بنی کندہ سے معاہدہ کیا تھا،ایک شخص تھا اسود اس نے آپ کی پرورش کی اس لیے آپ ابن اسود کہلائے،قدیم الاسلام صحابی ہیں حتی کہ آپ چھٹے مؤمن ہیں۔

۲؎حضور انور نے یہ کلام تین بار فرمایا مبالغہ کے لیے یعنی جسے اللہ تعالٰی فتنوں سے بچائے رکھے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے اس طرح کہ اس کی زندگی میں کوئی فتنہ پھیلے ہی نہیں۔

۳؎ **فواھا** اظہار حیرت کے لیے بھی آتا ہے بمعنی افسوس اور اظہار خوشی کے لیے بھی بمعنی خوب یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں یعنی جو فتنہ میں پھنس گیا مگر صابر رہا اس پر افسوس ہے کہ وہ مصیبت میں مر گیا یا فتنہ میں پھنس کر صابر رہا تو بہت خوب ہے۔**واھا** پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہوا،بعض شارحین نے فرمایا کہ **لمن ابتلی** میں لام مکسور ہے پھر اس کا مطلب ہی کچھ اور ہوگا،مرقات نے فرمایا کہ **واھا** اسماء اصوات میں سے ہے تعجب کے لیے بولا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت میں تلوار رکھ دی جاوے تو قیامت کے دن تک اس سے نہ اٹھے گی ۱؎اور قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکین سے مل جائیں گے ۲؎اور حتی کہ میری امت کے کچھ قبیلے بت پرستی کریں گے ۳؎اور میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے وہ سب گمان کریں گے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں ۴؎حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ۵؎اور میری امت کا ایک گروہ حق پر رہے گا سب پر غالب ان کا مخالف انہیں نقصان نہ پہنچاسکے گا ۶؎حتی کہ اللہ کا حکم آجاوے ۷؎(ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎اسی حدیث کا ظہور ہورہا ہے۔شہادت عثمان غنی سے مسلمانوں میں آپس میں قتل و خون شروع ہوا ہے آج تک ہو رہا ہے،ہمیشہ کہیں نہ کہیں مسلمان آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں ان کا قتل و خون بند نہیں ہوتا۔

۲؎یہ واقعہ بھی ہوچکا بلکہ ہوتا رہتا ہے۔ہم نے اپنی زندگی میں آگرہ کے ضلع میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مرتد ہوتے دیکھ لیے جسے شدھی کا فتنہ کہا جاتا ہے۔

۳؎اس کی صورت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہوئے بت پرستی کریں گے لہذا یہ جملہ مکرر نہیں۔ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے پیروں کے فوٹوؤں کو سجدہ کرتے ہیں،انہیں چومتے،انہیں سجا کر رکھتے ہیں یہ ہے اس حدیث کا ظہور پیروں کے ان فوٹوؤں کو وہ لوگ کہتے ہیں مرقع شریف،یہ ان کا خاص لفظ ہے،بعض کلمہ گو تعزیہ کو سجدہ کرتے دیکھے گئے،قبروں کو تو بہت لوگ سجدے کرتے ہیں،بعض زندہ پیروں کو سجدے کرتے ہیں،یہ ہے بت پرستی۔**نعوذ باللہ!**

۴؎یہ تیس جھوٹے نبی وہ ہیں جنہیں لوگوں نے نبی مان لیا اور ان کا فساد پھیل گیا،دوسرے قسم کے مدعی نبوت جنہیں کسی نے نہ مانا وہ بکواس کرکے مر گئے وہ تو بہت ہیں۔دیکھو ہمارے ملک میں مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کا فتنہ بہت پھیلا اس کے علاوہ ہم نے بہت سے مدعی نبوت دیکھے جن کی طرف کسی نے توجہ ہی نہ دی اپنے کو نبی کہتے کہتے مرگئے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اب تک جھوٹے مدعی نبوت سو۱۰۰ سے زیادہ ہوچکے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی کہ اس کے زمانہ میں اور اس کے بعد کوئی نبی نہ بنے۔اس معنی پر امت کا اجماع ہے جو کہے اس کے معنی آخری نبی نہیں بلکہ اصلی نبی ہیں وہ کافر ہیں کہ وہ قرآنی آیت کے متواتر اجماعی معنی کا انکار کرتا ہے۔

۶؎ اس فرمان عالی میں دو غیبی خبریں ہیں: ایک یہ کہ دوسری امتوں کی طرح حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت گمراہ نہ ہوگی تاقیامت اس میں ایک جماعت سب پر غالب رہے گی کہ دینی غلبہ ہمیشہ اسی کو حاصل رہے۔الحمد للہ اہلسنت و الجماعت سب فرقوں پر غالب ہیں۔خیال رہے کہ حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی،یوں ہی قادری،چشتی،نقشبندی،سہروردی ایک ہی جماعت ہے یعنی اہلسنت والجماعت آج ایک نہیں عالم سوجو بے دین عالموں پر غالب رہتا ہے یہ ہے اس حدیث کا ظہور۔

۷؎ اللہ کے حکم سے مراد حضرت عیسیٰ و امام مہدی کا ظہور ہے جب اسلام کا پورا غلبہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ۱؎ کہ اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس تک گھومتی رہے گی تو اگر وہ ہلاک ہوگئے تو ہلاک ہونے والوں کا راستہ ہلاک شدگان ہے۲؎ اور اگر قائم رہا تو ان کا دین قائم رہے گا۳؎ ستر سال میں نے کہا کہ کیا یہ حساب اگلے باقی زمانہ سے یا گذشتہ فرمایا گزشتہ سے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس فرمان عالی کے بہت مطلب ہوسکتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس میں تین فتنوں کی طرف اشارہ ہے پہلا فتنہ شہادت عثمان غنی جو ۳۵ھ میں ہوا،دوسرا فتنہ جنگ جمل جو ۳۶ھ میں ہوا،تیسرا فتنہ جنگ صفین جو ۳۷ھ میں ہوا۔معنی یہ ہیں کہ اسلام میں فتنے گردش کریں گے ان سالوں میں اور ہوسکتا ہے کہ یہ فرمان عالی اپنی وفات شریف کے قریب فرمایا ہو کہ اب سے اتنے عرصہ تک اسلام قوی رہے گا تیس سال خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ باقی زائد حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حیات شریف کی باقی سال اور یہ کلام تقریبًا ہو۔(اشعہ)

۲؎ یعنی اگر مسلمان اس مذکورہ زمانہ میں ہلاک ہوجائیں کہ اپنے کو درست نہ کرسکیں تو ان کا راستہ وہ ہی ہوگا جو گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا ہوا کہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

۳؎ یعنی اگر اس مذکورہ مدت میں یہ لوگ سیدھے رہے یا سیدھے ہوگئے تو ان کی سلطنت اور حکومت اسلامیہ ستر سال تک قائم رہے اس کا ظہور ہوچکا،اس طرح کہ خلافت راشدہ کا دور یعنی تیس سال ختم ہونے کے بعد حکومت بنی امیہ میں پہنچی،پھر ستر سال کے بعد بنی امیہ سے منتقل ہوکر بنی عباس میں پہنچی اور مسلمانوں میں بہت ضعف پیدا ہوگیا۔

۴؎ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ستر سال جو حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ان کی ابتداء اس مذکورہ مدت بتیس چھتیس سینتیس سال کے بعد شروع ہوگی یا مع ان کے،فرمایا مع ان کے،اس فرمان عالی کے اور بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں۔خیال رہے کہ بنی امیہ کی سلطنت امیر معاویہ سے شروع ہوئی اورمروان ابن محمد

پر ختم ہوئی،یہ کل مدت نواسی۸۹ سال ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ اس مدت میں ستر سال سلطنت اسلامیہ کا غلبہ رہے گا،ستر برس کے بعد بنی امیہ کی سلطنت میں ضعف شروع ہوجاوے گا حتی کہ انیس برس بعد ان سے سلطنت منتقل ہوجاوے گی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو واقد لیثی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ حنین کی طرف تشریف لے گئے ۲؎ تو مشرکوں کے ایک درخت پر گزرے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اسے ذات انواط کہا جاتا تھا ۳؎ تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے لیے بھی کوئی ذات انواط مقرر فرمادیجئے ۴؎ جیسے ان کا ذات انواط ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا سبحان اللہ ۵؎ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لیے کوئی معبود مقرر کردو جیسے ان کے معبود ہیں ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ اپنے سے پہلے والوں کی راہ چلو گے ۷؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام حارث ابن عوف ہے،قدیم الاسلام ہیں،غزوہ بدر میں شریک ہوئے،وفات سے ایک سال پہلے مکہ معظّمہ میں مقیم ہوگئے وہاں ہی وفات پائی،مقام طح میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ حنین ایک وسیع میدان ہے جو مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ہے۔یہ غزوہ فتح مکہ کے بعد ہوا،اس غزوہ میں بہت سے نو مسلم شریک تھے جو فتح مکہ میں ایمان لائے تھے ابھی ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہ ہوا اور اسلام سے پورے واقف نہ تھے اس لیے اگلا واقعہ پیش آیا۔

۳؎ انواط جمع ہے نوط کی بمعنی لٹکانا آویختہ کرنا۔ذات مؤنث ہے ذو کا بمعنی والا،چونکہ اس درخت پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکا کر اس کی پرستش کرتے تھے اس لیے اسے ذات انواط کہتے تھے یعنی تعلیق والا درخت۔مشرکین مختلف طرح بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

۴؎ یہ عرض کرنے والے وہ ہی فتح مکہ کے بعض نو مسلم تھے جو ابھی تک عقائد اسلامیہ سے پورے پورے واقف نہ تھے، وہ سمجھے ہی نہیں کہ یہ ہتھیار لٹکانا بھی پرستش ہے اور ہر پرستش شرک ہے خواہ کسی طرح کی ہو لہٰذا حدیث پر روافض کا کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎ یہ سبحان اللہ فرمانا اظہار تعجب کے لیے ہے کہ تم مسلمان ہوکر ایسی بات کرتے ہو ایسے مطالبے تمہارے لیے موزوں نہیں۔خیال رہے کہ ان لوگوں کا یہ عرض کرنا شرک نہ تھا کہ یہ بے خبری سے تھا اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان کو دوبارہ ایمان لانے کا حکم نہ دیا،اگر ان کی نیت شرک کرنے کی ہوتی تو حضور سے کیوں عرض کرتے خود ہی یہ کام شروع کردیتے۔

۶؎ یعنی ضعیف مؤمنوں کے ایسے غلط مطالبے آج نئے نہیں ہیں بعض مؤمنین بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بدتر مطالبے کیے تھے انہوں نے صاف صاف کہا تھا کہ ہمارے لیے اللہ کے سوا دوسرے معبود مقرر کردیجئے۔

۷؎ بعض روایات میں ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ وہ اسرائیلیوں کے نقش قدم پر چلیں گے حتی کہ اگر کسی اسرائیلی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری امت کے بعض لوگ ایسا کریں گے،اگر کوئی اسرائیلی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو یہ بھی ایسا ہی کریں گے آج اس کا مشاہدہ ہورہا ہے۔انگریزوں نے کھڑے کھڑے کھانا،موتنا شروع کردیا تو مسلمان بھی ایسا ہی کرنے لگے،خدا کرے انگریز ناک کٹانے لگیں تو دیکھنا ہزاروں مسلمانوں کی ناکیں کٹ جائیں گی۔

روایت ہے حضرت ابن مسیب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ پہلا فتنہ یعنی قتل عثمان واقع ہوا تو بدر والے صحابہ میں کوئی نہ بچا ۲؎ پھر دوسرا فتنہ یعنی حرہ واقع ہوا تو حدیبیہ والوں میں سے کوئی نہ بچا ۳؎ پھر تیسرا فتنہ واقع ہوا ۴؎ تو وہ نہ اٹھا حالانکہ لوگوں میں قوت رہی ہو ۵؎ (بخاری)	

۱؎ آپ کا نام سعید ابن مسیب ہے،جلیل القدر تابعی ہیں،آپ نے خلفاء راشدین کو دیکھا ہے۔

۲؎ یعنی اصحاب بدر نے دو فتنے نہ دیکھے بلکہ پہلا فتنہ یعنی شہادت عثمان غنی دیکھی جو ۳۵ھ پینتیس میں ہوئی،اس کے بعد سے دوسرے فتنہ سے پہلے پہلے تمام بدری صحابہ وفات پا گئے،یہ مطلب نہیں کہ شہادت عثمان کے موقعہ تمام بدری صحابہ شہید ہوگئے۔آخری بدری صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جو جنگ حرہ سے چند سال پہلے وفات پاگئے۔(لمعات،مرقات)

۳؎ فتنہ حرہ ۶۳ھ میں واقعہ ہوا جب کہ یزید ابن معاویہ نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی،اس کے بعد سے تیسرے فتنہ تک حدیبیہ والے صحابہ میں سے کوئی نہ رہا،تیسرے فتنہ سے پہلے وہ حضرات وفات پا گئے یہ مطلب نہیں کہ حرہ میں سارے حدیبیہ والے شہید ہوگئے۔

۴؎ بعض شارحین نے کہا کہ تیسرے فتنہ سے مراد عبداللہ ابن زبیر اور حجاج ابن یوسف کی جنگ ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ جنگ ۷۴ھ چوہتر میں ہوئی،اس وقت مسلمانوں میں صحابہ کرام بہت موجود تھے،بعض نے کہا کہ اس سے مراد ازارقہ کا فتنہ ہے مگر یہ بھی درست نہیں کہ یہ فتنہ مدینہ منورہ میں نہ تھا بلکہ عالمگیر تھا۔درست یہ ہے کہ اس سے مراد ابن حمزہ خارجی کا فتنہ ہے جو مروان ابن محمد بن مروان ابن حکم کے زمانہ میں ہوا۔

۵؎ طباخ ط کے کسرہ سے بمعنی قوت و عقل،یہاں مراد ہے کہ اس زمانہ میں کوئی صحابی باقی نہ رہا زمین حضرات صحابہ کرام سے خالی ہوگئی۔

باب الملاحم

لڑائیوں کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ملاحم جمع ملحمۃ کی جس کا مادہ لحم بمعنی گوشت ہے،اس سے مراد بڑی جنگ ہے کیونکہ بڑی جنگوں میں انسانوں کے گوشت کثرت سے بکھرتے ہیں،یا لحمۃ سے بنا ہے بمعنی کپڑے کے تار یعنی تانا بانا،چونکہ جنگ میں لوگ اپنے دشمن سے گتھ جاتے ہیں جیسے کپڑے کے تار ایک دوسرے سے اس لیے اسے ملحم کہتے ہیں۔گزشتہ باب میں جنگوں کا اجمالی ذکر تھا خبر نہ تھی کہ کون سی جنگ کہاں ہوگی مگر اس باب میں اکثر ایسی جنگوں کا ذکر ہوگا جن کی جگہ مقرر ہے اس لیے ان جنگوں کو علیحدہ باب میں بیان فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ کریں ان کے درمیان بڑی ہی خونریزی ہوگی ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا ۱؎ اور یہاں تک کہ قریبًا تیس جھوٹے دجال اٹھیں وہ سب دعویٰ کریں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں ۲؎ اور یہاں تک کہ علم سمیٹ لیا جاوے اور زلزلے بہت ہوجاویں ۳؎ اور زمانہ سکڑ جاوے ۴؎ اور فتنے ظاہر ہوجاویں اور ہرج یعنی قتل زیادہ ہوجاوے یہاں تک کہ تم میں مال زیادہ ہوجاوے ۵؎ حتی کہ مال والا فکر کرے کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے ۶؎ اور یہاں تک کہ وہ مال پیش کرے تو جس پر پیش کرے وہ کہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ۷؎ اور یہاں تک کہ لوگ عالیشان عمارتوں میں فخر کریں گے ۸؎ اور یہاں تک کہ کوئی شخص کسی شخص کی قبر پر گزرے تو کہے ہائے کاش اس کی جگہ میں ہوتا ۹؎ اور یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکلے جب ادھر سے نکلے گا اور لوگ دیکھیں گے تو سارے ہی ایمان لے آویں گے ۱۰؎ مگر یہ وقت ہوگا جب کسی کو اس کا ایمان نفع نہ دے جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان

میں بھلائی نہ کمائی اا اور قیامت قائم ہوجاوے گی اسی حالت میں کہ دو شخصوں نے اپنا کپڑا اپنے درمیان میں پھیلایا ہوا ہوگا تو نہ بیچ سکیں گے اور نہ لپیٹ سکیں گے اور قیامت قائم ہوجاوے گی حالانکہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا تو اسے کھا نہ سکے گا ۱۲ اور قیامت قائم ہوجاوے گی حالانکہ کوئی اپنے حوض پر ہوگا تو اس میں پانی پلا نہ سکے گا اور قیامت قائم ہوگی حالانکہ اس نے اپنا لقمہ اپنے منہ تک اٹھایا ہوگا تو کھا نہ سکے گا ۱۳ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ان دونوں جماعتوں سے مراد حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی اور حضرت امیر معاویہ کے لشکر ہیں جن کے درمیان صفین میں بہت سخت جنگ ہوئی، یہ دونوں جماعتیں مدعی اسلام تھیں، دونوں مسلمان تھیں حتی کہ حضرت علی نے امیر معاویہ کی جماعت کے متعلق فرمایا اخوا ننا بغوا علینا یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہم پر بغاوت کردی۔اس فرمان عالی میں خوارج کا بھی رد ہے جو دونوں کو کافر کہتے ہیں اور روافض کا بھی رد ہے جو حضرت امیر معاویہ کے ساتھیوں کو کافر کہتے ہیں، دونوں مؤمنین صالحین ہیں، حضرت علی حق پر ہیں، امیر معاویہ سے غلطی ہوئی۔

۲؎ دجال بنا ہے دجل سے بمعنی فریب دھوکا، دجال فریبی دھوکہ باز یعنی قریبًا تیس فریبی دھوکہ باز جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے جیسے پنجاب میں دجال جھوٹا غلام احمد قادیانی۔اس حدیث کی شرح ابھی کچھ پہلے عرض کردی گئی کہ ان تیس سے مراد وہ جھوٹے نبی ہیں جن کو لوگوں نے مان لیا، ان سے فتنہ پیدا ہوگیا ورنہ جھوٹے نبی سو سے زیادہ ہوچکے ہیں۔

۳؎ علم سے مراد علم دین ہے،اس کا اٹھنا اس طرح ہوگا کہ علماء وفات پاتے رہیں گے اور آئندہ پیدا نہ ہونگے حتی کہ قریب قیامت حال یہ ہوگا کہ ایک شخص میراث کا مسئلہ مشرق و مغرب لیے پھرے گا کوئی بتا نہ سکے گا، زلزلے تو اب شروع ہوگئے ہیں علم دین کم ہورہا ہے اب جسے دیکھو وہ اسکول کالج کی طرف دوڑتا ہے، علم دین پڑھنے والے بھی عالم کم بنتے ہیں واعظ زیادہ۔

۴؎ اس طرح کہ سال مہینہ کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح گزرے گا،زمانہ سے برکت ختم ہوجاوے گی یہ تو اب بھی دیکھا جارہا ہے۔مرقات نے اس کے یہ معنی کیے کہ عیش و عشرت زیادہ ہوجاوے گی جس سے زمانہ گزرتا ہوا محسوس نہ ہوگا کہ عیش کا زمانہ جلد گزر جاتا ہے۔یہ حال حضرت عیسیٰ و مہدی کے زمانہ میں ہوگا مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

۵؎ یعنی مسلمانوں میں فتنے پھیلیں گے اور مسلمانوں میں قتل و خون زیادہ ہونگے حتی کہ قاتل نہ کہہ سکے گا کہ میں نے قتل کیوں کیا، بات بات پر قتل ہوا کرینگے۔

۶؎ یعنی مال کی زیادتی وفراوانی بہتے ہوئے پانی کی طرح ہوگی مگر برکت نہ ہوگی،مال میں برکت اللہ کی رحمت ہے اور مال کی کثرت کبھی عذاب ہوجاتی ہے۔

۷؎ زکوۃ میں فقیر کا مالک ہوکر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اس زمانہ میں فقیر ملیں گے نہیں اس لیے زکوۃ نکالنے میں دشواری محسوس ہوگی، یہ ابھی زمانہ نہیں آیا، غالبًا امام مہدی کی حکومت میں ایسا ہوگا۔خلافت عثمانی میں اگرچہ مال کو بہتات بہت ہوئی مگر اتنی نہیں۔یھم اگری کے پیش ہ کے کسرہ

سے ہو تو رب کو فتح ہو گا یعنی مال والے کو غم و فکر ہی رہے گی فقیر کی تلاش میں کہ وہ بہت تلاش کرے گا مگر فقیر نہ ملے گا اور اگر ی کے فتح ہ کے پیش سے ہو تو رب کو پیش ہو گا یعنی ارادہ کرے گا کوشش کرے گا مالدار کوئی فقیر ملے، بہر حال یہ لفظ ھم سے ہے بمعنی فکر یا غم۔

۸ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں قناعت بھی ہوگی کہ امیر آدمی صاف کہہ دے گا کہ مجھے مال کی حاجت نہیں ورنہ ہوس والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جتنا مال ملے جہاں سے ملے لے لیتا ہے، حرام و حلال نہیں دیکھتا جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

۹ یعنی ذلیل و خوار لوگ جو پہلے محتاج تھے غنی ہو جائیں گے، شاندار مکان بنائیں گے وہاں اکڑا کرینگے۔

۱۰ یعنی فتنے بہت ہونگے حتی کہ زندہ تمنا کرینگے کہ ہم مر چکے ہوتے، مردے قبروں میں چین سے ہونگے زندے گھروں میں بے چین ہیں۔ خیال رہے کہ دینی فتنوں میں موت کی تمنا کرنا بالکل جائز ہے، دنیاوی فتنوں میں موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے جیسا کہ حدیث شریف وارد ہے۔

۱۱ اس کی شرح ان شاء اللہ علامات قیامت میں آوے گی۔ قریب قیامت آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا برحق ہے، اس وقت سارے کافر ایمان قبول کرینگے مگر وہ ایمان قبول نہ ہوگا کہ ایمان بالغیب نہ رہے گا اور معتبر ہے ایمان بالغیب۔

۱۲ یعنی جو کافر یہ واقعہ دیکھ کر ایمان لائے گا اس کا ایمان قبول نہ ہوگا اور جو فاسق یہ واقعہ دیکھ کر فسق سے توبہ کرے گا تو اسکی توبہ قبول نہ ہوگی۔ (مرقات) اس فرمان عالی کی اور بہت تفسیریں ہیں یہ تفسیر بہت آسان اور صاف ہے۔ خیال رہے کہ اس واقعہ کے بعد ولادت بند ہو جاوے گی کسی کے بچہ پیدا نہ ہوگا، چالیس سال بعد قیامت قائم ہو جاوے گی لہذا اس فرمان پر اعتراض نہیں کہ پھر جو بچے پیدا ہونگے ان کے ایمان کی کیا سبیل ہوگی، اگر ان کا ایمان قبول نہ ہو تو اور وہ دوزخ میں جاویں تو بے قصور کیوں پکڑے گئے، اگر قبول ہو تو اس فرمان کے خلاف ہے۔

۱۳ خیال رہے کہ علامات قیامت تو بہت عرصہ پہلے سے قائم ہو جائیں گی مگر خود قیامت اچانک آوے گی اس لیے اسے ساعت کہتے ہیں یعنی گھڑی بھر میں قائم ہو جانے والی۔ اچانک صور کا نفخہ ہوگا جس سے اولًا جاندار ہلاک ہونگے پھر دوسری چیز فنا پھر آسمان و زمین کے ٹکڑے اڑ جائینگے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ یَخِصِّمُوْنَ" اور فرماتا ہے: "لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً" اس حدیث پاک کی تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

۱۴ یہ ان دونوں سے زیادہ بلیغ ہے یعنی کپڑا لپیٹنا حوض لیپنا تو بہت کام ہے کوئی شخص اٹھایا ہوا لقمہ منہ میں نہ لے سکے گا کہ قیامت آجاوے گی تو وہ قیامت ہے، آج بعض مصیبتیں آجاتی ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تم ایسی قوم سے جہاد کرو گے جن کی جوتیاں بال کی ہونگی ۱ اور حتی کہ تم ترکوں سے جنگ کرو گے ۲ چھوٹی آنکھوں والے سرخ چہرے والے چپٹی ناک والے ان کے چہرے گویا کٹی ہوئی ڈھال ہیں ۳ (مسلم، بخاری)

۱ اس فرمان عالی کے چند معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اس قوم کے سر کے بال پاؤں تک دراز ہوں گے بال گویا جوتے بن گئے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کی پنڈلیوں پر بہت بڑے بڑے بال ہوں گے جو ان کے قدموں تک جوتے کی طرح پہنچے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ ان کے جوتے بے چھلی کھال کے ہوں گے جن سے بال دور نہ کیے گئے ہوں یعنی خچر کی کھال والے چمڑے کے جوتے پہنتے ہوں گے، یہ تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۲؎ یہاں ترک سے مراد موجودہ ترک نہیں یہ تو قدیم الاسلام خدام الحرمین ہیں،انہوں نے دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمت کی،ان کی خدمتیں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں جاکر دیکھو،وہ ترک یا جوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہیں،یا جوج ماجوج کے بائیس قبیلے ہیں اکیس قبیلوں پر ذوالقرنین نے دیوار بنائی اسی قبیلہ کو چھوڑ دیا اس لیے اسے ترک کہتے ہیں یعنی باہر چھوڑا ہوا قبیلہ لہذا حدیث واضح ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہ بہت ہی بدصورت ہوں گے،چہرے سرخ آنکھیں چھوٹی،ناک چپٹی چہرے بالکل گول جیسے کٹی ہوئی ڈھال کیونکہ اگر ڈھال کوٹ دی جاوے تو بالکل گول ہوتی ہے۔ان علامات سے معلوم ہورہا ہے کہ ترک سے مراد یہ موجودہ ترک نہیں کہ ان کے چہرے ایسے نہیں ہوتے،یہ لوگ تو بڑے خوبصورت ہیں۔یہاں مرقات میں فرمایا کہ یہ لوگ شکل میں ناس ہیں مگر سیرت میں نسناس یعنی بن مانس نہایت ہی فسادی خونخوار،یہ جنگ ابھی نہیں ہوئی قریب قیامت ہوگی۔اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ لوگ خوز اور کرمان سے نکلیں گے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تم عجمیوں یعنی خوز اور کرمان سے جہاد کرو گے ۱؎ سرخ چہروں والے، چپٹی ناک والے،چھوٹی آنکھ والے،ان کے چہرے گویا کٹی ہوئی ڈھالیں ہیں،ان کے جوتے بال والے ہیں۲؎ (بخاری)اور اس کی ایک روایت بروایت عمرو ابن تغلب ہے کہ چوڑے چہرے والے۳؎

۱؎ خوز ایک پہاڑ کا نام ہے اس کی وجہ سے اس علاقہ بلکہ وہاں کے باشندوں کو خوز کہا جاتا ہے اس علاقہ کو خوزستان کہتے ہیں۔کرمان کاف کے کسرہ سے ایک علاقہ ہے فارس اور سجستان کے درمیان ایران میں ایک شہر ہے کرمان دوسرا ہے،کرمان شاہ یہ دونوں شہر ہم نے دیکھے ہیں یہاں وہ مراد نہیں۔

۲؎ بعض شارحین نے کہا کہ یہ لوگ وہ ہی ترک ہیں جن کا ذکر ابھی پچھلی حدیث میں ہوا،مرقات نے یہ ہی فرمایا مگر قوی یہ ہے کہ یہ دوسری قوم ہے علاوہ اس ترک قوم کے۔اشعۃ اللمعات اور لمعات نے یہ ہی کہا،**فطس** جمع ہے **افطس** کی بمعنی چپٹی چوڑی۔

۳؎ یعنی اس روایت میں بجائے **حمر الوجوہ** کے **عرض الوجوہ** ہے یعنی چوڑے چکلے چہرے والے ہوں گے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قائم ہوگی قیامت حتی کہ جنگ کریں گے مسلمان اور یہودی تو یہود کو مسلمان قتل کریں گے۱؎ حتی کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا تو پتھر اور درخت کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے ہے آ اسے قتل کر ۲؎ سوا غرقد کے کہ وہ یہود کے درختوں

	میں سے ہے۳؎(مسلم)

۱؎اس حدیث سے معلوم ہورہا تھا کہ یہود کی سلطنت قائم ہوگی اور ان سے مسلمان کی بہت بڑی جنگ ہوگی،آخری جنگ میں مسلمانوں کی فتح اور یہود کی شکست ہوگی بلکہ یہود دنیا سے فنا ہوجائیں گے اور مسلمانوں کے ہاتھوں فنا ہوں گے ان شا اللہ۔چنانچہ یہود کی سلطنت فلسطین میں قائم ہوچکی ہے،امریکہ و برطانیہ کی بڑی مدد سے ان کا علاقہ پھیل رہا ہے،۱۹۶۷ءء میں عرب اور یہود کی جنگ ہوئی،مسلمانوں کو اس جنگ میں بڑی تکلیفیں پہنچی حتی کہ اس وقت بیت المقدس پر بھی یہود کا قبضہ ہے،اس عارضی فتح سے یہود کے حوصلے بہت بلند ہوگئے۔ان شاءاللہ یہ اس جنگ کی تمہید ہے جس کی خبر اس حدیث پاک میں دی گئی۔

۲؎یہ فرمان عالی بالکل حق ہے اور ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔واقعی اس وقت پتھر اور درخت مسلمانوں سے کلام کریں گے اور اپنے پیچھے چھپے ہوئے یہودی کی خبر دیں گے۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ یہود پر تا قیامت ذلت ڈال دی گئی کیونکہ یہود کی یہ سلطنت کا قیام ان کی بڑی ذلت کا پیش خیمہ ہے۔

۳؎غرقد ایک خار دار درخت کا نام ہے اس لیے مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام بقیع غرقد ہے یعنی غرقد کا علاقہ،چونکہ اس زمانہ میں اس میدان میں غرقد کے درخت بہت تھےاس لیے اس کا بقیع غرقد نام رکھا گیا۔یہود اس درخت کی تعظیم کرتے انکے بعض جہلاء اسے پوجتے ہیں،ان کا خیال ہے وادیٔ طوی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی درخت سے رب نے پکارا تھا،یہ ہی درخت کلام الٰہی کا مظہر یا مصدر بنا تھا،رب فرماتاہے:"مِنَ الشَّجَرَةِ اَنۡ یّٰمُوۡسٰۤى اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰهُ"مگر یہ غلط ہے،وہ درخت بیری یا عناب کا تھانہ کہ غرقد کا۔بہرحال یہود اس درخت کی تعظیم بہت کرتے ہیں اس لیے اسے شجر یہود کہتے ہیں،یہ درخت اس دن ان کی پردہ پوشی کرے گا۔حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ قحطان سے ایک آدمی نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ قحطان ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں آباد ہے،یہ لوگ قحطان کی اولاد ہیں اس لیے قحطان کہے جاتے ہیں۔قحطان ان کے مورث اعلیٰ کا نام تھا،یہ شخص بادشاہ ہوگا اور سخت گیر بادشاہ ہوگا،لوگ اس کی اطاعت کریں گے،لاٹھی سے ہانکنے کے یہ ہی معنی ہیں،شاید اس شخص کا نام جہجاہ ہوگا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ رات و دن ختم نہ ہوں گے حتی کہ ایک شخص بادشاہ بنے گا جسے جہجاہ کہا جاوے گا۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ حتی کہ غلاموں میں سے ایک شخص بادشاہ بنے گا جسے جہجاہ کہا جاوے گا۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی قیامت سے پہلے یہ واقعہ ہونا ضروری ہے اس کے بغیر قیامت نہ آوے گی۔شاید جہجاہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا،اشعۃ اللمعات نے یہ ہی فرمایا۔خیال رہے کہ چار بادشاہ ساری دنیا کے بادشاہ ہوئے: سکندر اور حضرت سلیمان،بخت نصر،نمرود غالبًا پانچواں بادشاہ یہ ہوگا جو تمام دنیا پر راج کرے گا۔واللہ اعلم!

۲؎ اس روایت میں من الموالی زائد ہے جو پہلی روایت میں نہ تھا یعنی جہجاہ اصل میں غلام ہوگا بعد میں ساری دنیا کا بادشاہ۔یہ آخری الفاظ مسلم،بخاری کے نہیں مگر چونکہ یہ صرف تائید کے لیے لائے گئے ہیں لہذا اسے مؤلف نے پہلی فصل میں نقل نہ فرمایا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کا ۱؎ خزانہ کھولے گی جو کہ مقام ابیض میں ہے ۲؎(مسلم)

۱؎ اس فرمان عالی میں لفظ آل زیادہ ہے،کسری شاہ فارس کا لقب تھا جو خسرو سے بنا تھا جیسے قیصر شاہ روم کا اور خاقان شاہ چین کا اور فرعون یا عزیز شاہ مصر کا اور نجاشی شاہ حبشہ کا لقب تھا۔

۲؎ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوچکا۔ابیض اس قلعہ کا نام ہے جس میں کسریٰ کا خزانہ محفوظ تھا،یہ قلعہ اس زمانہ کے عجائبات میں سے تھا اب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد مدائن کہتے ہیں۔(اشعہ)نیز ابیض یمامہ کے ایک شہر کا نام بھی ہے یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔(اشعہ)ابیض کسریٰ کو خلیفہ مکتفی باللہ نے ویران کردیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسریٰ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا ۱؎ اور قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد قیصر نہ ہوگا ۲؎ اور ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے ۳؎ حضور نے جنگ کا نام دھوکا رکھا ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ملک ایران جب مسلمان فتح کرلیں گے تو وہ ملک پھر کسی کافر کے پاس نہ پہنچے گا مسلمانوں ہی کے پاس رہے گا۔یہ غیبی خبر ہے چنانچہ ملک ایران عہد فاروقی میں فتح ہوا اور خدا کا فضل ہے کہ اب تک مسلمانوں ہی کے پاس ہے رب تعالٰی مسلمانوں ہی کے پاس رکھے۔

۲؎ چونکہ فتح فارس پہلے ہوئی،فتح روم بعد میں اس لیے فارس کے متعلق ھلك ماضی ارشاد ہوا اور فتح روم بعد میں اس لیے اس کے متعلق لیھلکن مضارع مع تاکید ارشاد ہوا یہ دونوں علاقے عہد فاروقی میں فتح ہوئے اور اس کے متعلق خبر دی گئی کہ فتح روم کے بعد یا تو وہ کفار کے پاس پہنچے گا ہی نہیں یا پہنچے گا تو موجودہ قیصر کی اولاد سے کوئی وہاں کا بادشاہ نہ بنے گا یا اس بادشاہ کا لقب قیصر نہ ہوگا بہرحال حضور سچے حضور کی ساری خبریں سچی ہیں۔

۳؎ یعنی ان ملکوں کے خزانے مسلمان فتح کرکے جہادوں اور اسلام کی اشاعت میں خرچ کریں گے یہ زمانہ فاروقی میں ہوچکا۔

۴؎ یہاں خدعہ بمعنی فریب وجھوٹ نہیں بلکہ بمعنی جنگی چال جنگی تدبیر ہے جس سے دشمن جلد ہتھیار ڈال دے، جنگ میں شمشیر سے زیادہ تدبیر کام آتی ہے،تدبیر سے خونریزی کم ہوتی ہے فتح جلد،مسلمانوں کو تدبیر و شمشیر دونوں سے کام لینا چاہیے۔جنگی تدبیروں کی مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جہادوں میں ملتی ہیں،حضور جب مغرب میں حملہ کرنا چاہتے تو مشرق کے حالات پوچھتے تاکہ کفار کے جاسوس مغرب والوں کو مطمئن کردیں مشرق والوں کو تیار کردیں اچانک مغرب کی طرف حملہ فرمادیتے،حضرات صحابہ نے بعض جنگوں میں اپنی فوجیں پیچھے ہٹالیں،کفار سمجھیں مسلمان بھاگ گئے اور رات کو اچانک حملہ کردیا،تھوڑی فوج سے چو طرفہ سے اس طرح حملہ کردیا کہ کفار سمجھے کہ مسلمان لاکھوں کی تعداد میں آن پڑے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے مسلمانوں نے فتح پالی،اللہ تعالٰی پاکستان کو قائم دائم رکھے۔

روایت ہے حضرت نافع ابن عتبہ سے فرماتے ہیں ۱؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ جزیرہ عرب پر جہاد کرو گے تو اللہ اسے فتح فرمادے گا ۲؎ تو پھر فارس پر تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا پھر تم روم پر غزوہ کرو گے تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا ۳؎ پھر تم دجال پر جہاد کرو گے تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا ۴؎(مسلم)	

۱؎ نافع ابن عتبہ ابن ابی وقاص زہری ہیں،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھتیجے فتح مکہ کے دن ایمان لائے،آپ کا لقب مرقال تھا۔

۲؎ یعنی عرب کا کچھ حصہ ہم فتح فرمالیں گے بقیہ حضرات صحابہ فتح کریں گے حتی کہ جزیرہ عرب میں سواء اسلام کے کوئی دین نہ رہے گا یہ واقعہ ہوچکا۔

۳؎ یہ دونوں ملک عہد فاروقی میں فتح ہوئے اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں فارس تو سارا اور روم کا اکثر حصہ۔

۴؎ اس فرمان عالی میں خطاب صحابہ کرام سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے کیونکہ دجال کا مقابلہ حضرات صحابہ نہیں کریں گے۔ہوسکتا ہے کہ خطاب صحابہ کرام سے ہی ہو کیونکہ خضر علیہ السلام اس مقابلہ میں موجود ہوں گے۔صلح حدیبیہ میں حضرت خضر نے حضور سے بیعت کی ہے جیساکہ ہم بیعت الرضوان کے بیان میں عرض کرچکے ہیں،بلکہ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ وہ مدنی صاحب جنہیں ایک دجال ذبح کرکے زندہ کرے گا پھر نہ مار سکے گا وہ خضر علیہ السلام ہی ہوں گے یعنی تم دجال پر جہاد کرو گے جن علاقوں پر اس نے قبضہ کرلیا ہوگا تم دجال کو قتل کرکے ان پر قبضہ کرو گے لہذا حدیث واضح ہے۔

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب حضور چمڑے کے خیمہ میں تھے ۲؎ تو فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ چیزیں گن لو:میری موت،پھر بیت المقدس کی فتح،پھر عام موت جو تم میں بکریوں کی وبا کی طرح پھیلے گی ۳؎ پھر مال کا بہہ جانا حتی کہ ایک شخص کو سو دینار دیئے	

	جائیں گے پھر بھی وہ ناراض رہے ۴؎ پھر وہ فتنہ کہ عرب کا کوئی گھر نہ رہے مگر وہ اس میں داخل ہوجائے گا پھر وہ صلح جو تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی پھر وہ عہد شکنی کریں گے ۵؎ تو تمہارے مقابل اسی جھنڈوں تلے آئیں گے ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار ہوں گے ۶؎(بخاری)

۱؎ آپ اشجعی ہیں،مشہور صحابی ہیں،غزوہ خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا،آخر میں شام میں رہے، ۷۳ھ تہتر میں وفات پائی۔

۲؎ تبوک خیبر سے پانچ سو میل کیلومیٹر ہے۔حق یہ ہے کہ یہ شام کے علاقہ میں ہے تبوک کے بعد مان ہے اور مان کے بعد عمان پھر عمان سے قریبًا ایک سو کیلو میٹر بیت المقدس ہے۔کیلومیٹر پانچ فرلانگ کا ہوتا ہے یعنی ہمارے میل سے تین فرلانگ چھوٹا۔

۳؎ **قعاص** قاف کے پیش سے بکریوں کی وبائی بیماری جس سے بکری بہت جلدی مرجاتی ہے،یہ واقعہ بھی عہد فاروقی میں ہوچکا کہ لشکر اسلام بیت المقدس کے قریب عمواس بستی میں تھاوہاں طاعون پھیلا جس سے تین دن میں ستر ہزار آدمی فوت ہوگئے،اس وبا کا نام طاعون عمواس ہے یہ اسلام میں پہلا طاعون ہے۔(اشعہ،مرقات) بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ طاعون عمواس میں پھیلا مگرلشکر اسلام جابیا میں تھاعمواص کے قریب عمواس میں اتنے لوگ مرے نہ کہ لشکر میں۔

۴؎ یہ زیادتی مال خلافت عثمانی میں ہوچکی،اس سے متصل ہی میں شہادت عثمان اور بعد کے فتنے جو سارے عرب میں پھیل گئے چنانچہ ارشاد ہوا **ثم فتنة** الخ۔

۵؎ بنی اصفر رومیوں کو کہتے ہیں جو روم ابن عیصوابن اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں،چونکہ روم زرد رنگ مائل بہ سفیدی تھے اس لیے انہیں اصفر کہتے تھے اور ان کی اولاد کو بنی اصفر۔

۶؎ لشکر کی کل تعداد نوے لاکھ ساٹھ ہزار ہوئی عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں عیسائی سات لاکھ تھے مسلمان چالیس ہزار مگر یہاں وہ جنگ مراد نہیں یہ جنگ تو شہادت عثمان کے بعد ہے جیساکہ **ثم** سے معلوم ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ روم اعماق یا دابق میں اتریں گے ۱؎ تو مدینہ سے ایک لشکر ان کی طرف نکلے گاجو اس دن تمام زمین والوں سے بہترین ہوگا ۲؎ تو جب یہ لوگ صف آراء ہوں گے تو روم کہیں گے کہ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان جو ہم میں سے قید کرلیے گئے ہٹ جاؤ ہم ان سے جنگ کریں گے ۳؎ تو مسلمان کہیں گے اللہ کی قسم ہم تمہارے اور اپنے بھائیوں کے درمیان علیحدگی نہ کریں گے چنانچہ مسلمان ان سے جنگ کریں گے

تہائی بھاگ جائیں گے اللہ ان کی توبہ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی قتل ہوجائیں گے وہ اللہ کے نزدیک افضل ترین شہید ہیں اور تہائی فتح کریں گے یہ کبھی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گے۴؎ پھر یہ قسطنطنیہ فتح کریں گے۵؎ جب کہ یہ غنیمتیں آپس میں تقسیم کرتے ہوں گے اپنی تلواریں زیتون کے درختوں سے لٹکا چکے ہوں گے۶؎ ان میں شیطان چیخے گا کہ مسیح دجال تمہارے گھروں میں تمہارے پیچھے پہنچ گیا یہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے یہ خبر غلط ہوگی۷؎ پھر جب یہ لوگ شام میں آئیں گے تو دجال ظاہر ہوگا جبکہ یہ جنگ کی تیاری کررہے ہوں گے ۸؎ صفیں سیدھی کرتے ہوں گے کہ نماز قائم ہوگی تو عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے ۹؎ وہ ان کی امامت کریں گے۱۰؎ پھر جب اللہ کا دشمن انہیں دیکھے گا تو گلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گلتا ہے ۱۱؎ اگر آپ اسے چھوڑ دیتے تو وہ گل جاتا حتی کہ ہلاک ہوجاتا لیکن اللہ اسے آپ کے ہاتھ سے ہلاک کرے گا تو آپ لوگوں کو اس کا خون اپنے نیزے میں دکھائیں گے۔(مسلم)

۱؎ اعماق مدینہ منورہ کے متصل ایک میدان کا نام ہے اور دابق ب کے فتحہ سے مدینہ پاک کا ایک بازار ہے،حلب کے قریب ایک بستی کا نام بھی دابق ہے۔بعض نے کہا وہ یہاں مراد نہیں مگر مرقات نے فرمایا کہ یہاں اعماق سے مراد دمشق کے علاقہ کی ایک بستی اور دابق حلب کے پاس کی بستی اور مدینہ سے مراد شہر دمشق ہے نہ کہ مدینہ منورہ کیونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ ویران ہوگا وہاں کوئی آبادی نہ ہوگی یہ ہی صحیح ہے۔

۲؎ مدینہ سے مراد شہر دمشق ہے کیونکہ یہ لشکر حضرت امام مہدی کا ہوگا،یہ لشکر شام ہی سے نکلے گا،اس جنگ کے بعد دجال کا فتنہ نمودار ہوگا۔

۳؎ اس واقعہ سے پہلے ایک لشکر اسلام رومیوں پر جہاد کرکے ان کے بہت سے قیدی گرفتار کرچکا ہوگا،رومی اس وقت مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تم سے جنگ کرنا نہیں چاہتے ان مسلمانوں کو ہمارے سامنے کردو جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہم سے لڑ کر ہمارے آدمی قید کرکے لے گئے ہیں۔رومیوں کا یہ کہنا محض دھوکے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے ہوگا ورنہ ان کا مقصد سب مسلمانوں سے لڑنا ہوگا۔(اشعہ ومرقات)

۴؎ یعنی اس جنگ میں مسلمانوں کے تین حصے ہوجائیں گے:ایک حصہ تو بزدل ہوکر بھاگ جائے گا،دوسرا حصہ جنگ میں شہید ہوجائے گا،تیسرا حصہ غازی اور فاتح ہوگا۔بھاگنے والے اول درجہ کے بدنصیب ہوں گے،شہید ہونے والے اول درجہ کے شہید،فاتحین اول درجہ کے غازی۔غرضکہ ہر جماعت اول درجہ کی ہوگی کوئی بدنصیبی میں اول درجہ،کوئی خوش نصیبی میں۔

۵؎ قسطنطنیہ روم کا مشہور شہر ہے جسے آج استنبول کہتے ہیں،یہ ایک بار زمانہ صحابہ کرام میں فتح ہوچکا ہےاور اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاوے گااور قریب قیامت پھر مسلمان اسے فتح کریں گے یہاں اس آخری فتح کا ذکر ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۶؎ یعنی فتح پاکر نہایت امن و سکون سے ہوچکے ہوں گےاس لیے اپنی تلواریں درختوں سے لٹکا دی ہوں گی۔امن کی حالت میں غازی ہتھیار جسم سے کھولتے ہیں۔

۷؎ یعنی تم تو یہاں روم میں امن و امان سے ہو تمہارے وطن شام میں دجال ظاہر ہوگیااور تمہارے گھروں میں تمہارے بیوی بچے کو بہکارہا ہے یہ حضرات یہ خبر سنتے ہی یہ غازی دجال سے مقابلہ کرنے کی نیت سے چل پڑیں گے غنیمت وغیرہ کی طرف دھیان نہ دیں گے شام میں پہنچ کر معلوم ہوگا دجال ابھی نہیں نکلا۔

۸؎ غالبًا شام سے مراد بیت المقدس ہے کہ بیت المقدس اگرچہ فلسطین میں ہے مگر فلسطین شام سے بالکل قریب ہے اس لیے شام فرمایا۔(مرقات)ان کو دجال کے نکلنے کی اب درست اطلاع ہوگی انہیں بیت المقدس میں یہ خبر ملے گی۔

۹؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کے باب لد میں شرقی منارہ پر ہوگا ۔

۱۰؎ اس نماز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت فرمائیں گےآئندہ بقیہ نمازوں میں امام مہدی امامت کیا کریں گے لہذا یہ حدیث حضرت مہدی کی امامت والی حدیثوں کے خلاف نہیں کہ یہاں اس نماز کی امامت مراد ہےوہاں دوسری نمازوں کی امامت۔

۱۱؎ پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں مردے زندہ کرنے کی تاثیر تھی اب جو آئیں گے تو ان کی سانس میں زندہ کافروں کو مردہ کرنے کی تاثیر ہوگی،جہاں تک آپ کی نگاہ پہنچے گی وہاں تک آپ کی سانس پہنچے گی اور وہاں تک کہ کفار مریں گے۔دجال آپ کی سانس کی یا نگاہ کی تاثیر سے گھلنے لگے گامگر آپ جلدی سے اس تک پہنچ کر قتل کریں گے اور جو لوگ اس کو خدا مان چکے تھے انہیں اس مردود کا خون دکھائیں گے کہ لو تمہارا خدا مارا گیا ہے،یہ ہے اس کا خون،دجال فلسطین یا شام میں مارا جائے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اولًا دجال بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوگاآپکو دیکھ کر شام کی طرف بھاگے گا،شام کے شروع اور فلسطین کے آخری کنارہ پر مارا جائے گا لہذا تمام احادیث متفق ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ میراث بانٹی نہ جائے۱؎ اور غنیمت سے خوشی نہ منائی جائے ۲؎ پھر فرمایا کہ قوی دشمن جمع ہوں گے شام والوں کے مقابل اور انکے مقابلہ میں مسلمان جمع ہوں گے یعنی رومیوں کے مقابل۳؎ تو مسلمان ایک دستہ منتخب کریں گے موت کے لیے نہ غالب ہوئے نہ لوٹیں گے۴؎ پس سخت جنگ کریں گے حتی کہ ان کے درمیان رات آڑ ہوجائے گی تو یہ بھی لوٹ جائیں گے اور وہ بھی کوئی غالب نہ ہوگا۵؎ اور یہ دستہ فنا ہو جاوے گا۶؎ پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے کہ بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے۷؎ تو عظیم	

	جنگ کریں گے حتی کہ ان کے درمیان رات آڑے آجاوے گی تو یہ اور راہ لوٹ جائیں گے کوئی غالب نہ ہوگااور دستہ فنا ہوجاوے گا مگر پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے کہ بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے تو عظیم جنگ کریں گے حتی کہ شام ہوجاوے گی تو یہ اور وہ لوٹ جائیں گے کوئی غالب نہ ہوگا ۸؎ اور شرط فنا ہوچکے گی پھر جب چوتھا دن ہوگا تو کفار کی طرف بچے کھچے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے ۹؎ تو اللہ ان کفار پر شکست ڈال دے گا ۱۰؎ تو مسلمان اس طرح قتل کریں گے کہ اس جیسا نہ دیکھا گیا ہوگا ۱۱؎ حتی کہ پرندہ ان کے اردگرد گزرے گا تو انہیں پیچھے نہ چھوڑ سکے گا ۱۲؎ حتی کہ گر کر مرجاوے گا ۱۳؎ تو ایک دادا کی اولاد جو سو تھی گنی جاوے گی تو ان میں سے ایک کے سوا کسی کو باقی نہ پائیں گے ۱۴؎ تو کون سی غنیمت سے خوشی منائی جاوے اور کون سی میراث بانٹی جاوے ۱۵؎ جب وہ اس حالت میں ہوں گے کہ اچانک اس سے بڑی جنگ سنیں گے کہ ان تک ایک چیخ آوے گی کہ دجال ان کے پیچھے ان کے بچوں میں پہنچ گیا ۱۶؎ تو وہ لوگ چھوڑ دیں گے جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے اور ادھر متوجہ ہوجائیں ۱۷؎ تو وہ دس سوار جاسوس بھیجیں گے ۱۸؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے نام انکے باپ دادوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتا ہوں ۱۹؎ وہ لوگ اس دن روئے زمین پر بہترین سوار ہوں گے ۲۰؎ (مسلم)

۱؎ یعنی قریب قیامت مقتول اس قدر زیادہ ہوں گے کہ ان کے بچے کھچے وارث میراث آپس میں نہ بانٹیں گے یا مال اس قدر زیادہ ہوچکا ہوگا لوگ اپنے مورثوں کی میراث نہ بانٹیں گے کہ ہمارے پاس خود اپنا مال اتنا ہے کہ دوسرے مال کا ہم کیا کریں یا اس لیے کہ اس زمانہ میں کوئی عالم نہ ہوگا جو شریعت کے مطابق میراث تقسیم کرے یا بادشاہوں کا ظلم اتنا بڑھا ہوا ہوگا کہ مردوں کے مال کی میراث تقسیم نہ ہونے دیں گے۔سب اپنے بیت المال میں جمع کردیں گے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس فرمان عالی کے بھی وہ ہی مطلب ہیں جو ابھی عرض کیے گئے کہ لوگ بہت زیادہ شہید ہوچکے ہوں گے باقی غازی غنیمت تقسیم نہ کریں گے۔جب سو میں سے ایک یا ہزار میں سے ایک بچے تو وہ کیا غنیمت تقسیم کرے یا ظالم بادشاہ غنیمت کا مال خود کھا جائیں گے وغیرہ۔

۳؎ یہ تفسیر سیدنا ابن مسعود کی ہے۔مطلب یہ ہے کہ شامی مسلمان اور رومی کفار کی جنگ ہوگی یہ اجتماع اسی جنگ کے لیے ہوگا۔عدو سے مراد رومی کفار ہیں۔

۴؎ یعنی اس جنگ میں شرط لگاکر نکلیں گے کہ یا فتح کریں گے یا شہید ہوجائیں گے،ہم پیٹھ نہ دکھائیں گے،عجیب جذبہ سے جائیں گے یہ شام کے مسلمان ہوں گے۔یا شرطہ شین کے پیش سے فوج کا اگلا دستہ جو دشمن کے مقابل جاوے۔

۵؎ یعنی جنگ ختم نہ ہوگی بلکہ بند ہوگی وہ بھی رات آجانے کی وجہ سے۔آج کل کی موجودہ جنگیں جو راکٹ،بم،ہوائی جہازوں سے ہوتی ہیں وہ بھی رات میں ہلکی پڑ جاتی ہیں۔فوجی جنگ تو بہت ہی ہلکی ہوجاتی ہے،شہروں پر بم باری بھی ہلکی ہوجاتی ہے۔

۶؎ یعنی مسلمانوں کا اور کفار کا اگلہ دستہ ختم ہوچکا ہوگا،مسلمان جام شہادت پی چکے ہوں گے،یہ مطلب نہیں کہ صرف مسلمانوں کا دستہ شہید ہوجاوے ورنہ کفار کی فتح ہوجاتی ہے لہذا حدیث واضح ہے۔خیال رہے کہ اس لڑنے والے دستہ کے ساتھ مدد کے لیے اور مسلمان بھی ہوں گے دستہ شہید ہوجاوے گا بقیہ مسلمان لوٹ جاویں گے۔لہذا فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہ دستہ شہید ہوگیا تو واپس کون لوٹا۔(مرقات)اور اگر **شرطہ** بمعنی شرط ہو تو مطلب ظاہر ہے کہ یہ شرط ختم ہو جاوے گی بغیر غلبہ واپسی ہوگی۔

۷؎ یہاں بھی شرطہ میں دو احتمال ہیں شین کے فتح سے بمعنی شرط لگانا اور شین کے پیش سے بمعنی دستہ فوج کا تیار کرنا۔(مرقات)

۸؎ ان آخری دونوں جملوں کے وہ ہی دو معنے ہیں جو ابھی عرض کیے گئے ہیں کہ یا تو وہ غازیوں کا دستہ شہید ہوجاوے گا باقی مسلمان لوٹ جائیں گے یا ان کی یہ شرط ختم ہوجاوے گی بغیر غلبہ کے واپسی ہوگی۔

۹؎ **فھد** اور **نھض** دونوں کے معنی ہیں اٹھ کھڑا ہونا یعنی غازیان اسلام ان تین دن کی تکالیف کے بعد ہمت نہ ہاریں گے بلکہ ان میں جوش و خروش بڑھتا ہی جاوے گا اب چوتھی بار بچے کھچے مسلمان کفار پر یلغار کردیں گے۔

۱۰؎ **دبرہ** بنا ہے **دبر** سے بمعنی پیچھا یہاں مراد ہے پیچھے کو بھاگنا یعنی بھاگڑ پڑ جانا۔**علیھم** کا مرجع کفار روم ہیں یعنی اس چوتھے جملہ میں اللہ تعالٰی کفار روم میں بھاگڑ ڈال دے گا کہ وہ پیٹھ پھیر کر مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔

۱۱؎ یعنی کفار میں بھاگڑ پڑ جانے پر ان کا قتل عام ہوجاوے گا،مسلمانوں کے ہاتھوں بہت ہی کفار مارے جائیں گے ایسا قتل عام اس سے پہلے نہ دیکھا گیا ہوگا۔

۱۲؎ پرندہ سے مراد عام چڑیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے کوا مراد ہو یہ فرمان عالی ان لاشوں کی زیادتی بتانے کے لیے ہے خواہ پرندہ اڑے یا نہ اڑے۔

۱۳؎ یا تو لاشوں کی بدبو سے مریں گے یا ان کی زیادتی کی وجہ سے کہ اتنی دور تک لاشیں پڑی ہوں گی کہ اس کا فاصلہ پرندہ طے نہ کرسکے گا اڑتے اڑتے مرجاوے گا مگر فاصلہ طے نہ ہوگا،یہ آخری احتمال قوی ہے شاعر کہتا ہے۔شعر

لایبلغ السمك المحصور غایتها   لبعد مابین قاصیها ودانیها

۱۴؎ وہ تو کفار مقتولین کا حال تھااب مسلمان شہداء کی تعداد سنو کہ یہ بقیہ غازی اپنے بچے کھچوں کو شمار کریں گے تو حالت یہ ہوگی کہ جس قبیلہ کے سو آدمی جہاد میں آئے تھے ان میں سے ایک بچا ہوگا ننانوے شہید ہوچکے ہوں گے یعنی ایک فی صد بچے گا۔اللہ کی پناہ!

۱۵؎ وہ جو پہلے ارشاد ہوا تھا کہ غنیمت تقسیم نہ کی جاوے میراث نہ بٹے گی اس کی وجہ یہ ارشاد ہوئی یعنی جب سو میں ایک بچا تو وہ کس کس کی میراث لے اور کیا غنیمت تقسیم کرے لہذا یہ ہی احتمال قوی ہے کہ زیادہ مردوں کی وجہ سے یہ کام ہوگا۔

۱۶؎ یہ خبر درست ہوگی واقعی دجال نمودار ہوچکا ہوگا پہلی بار جو خبر اڑی تھی وہ غلط تھی جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔

۱۷؎ اپنے بال بچوں کو دجال سے بچانے کے لیے نہ کہ دجال سے جنگ کرنے کے لیے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے تو اس سے جنگ ہوگی ہی نہیں اور جناب مسیح کی تشریف آوری پر وہ قتل ہوگا جنگ جب بھی نہ ہوگی۔

۱۸؎ **طلیعه** بنا ہے **طلع** سے بمعنی خبر اسی سے ہے اطلاع یعنی خبر دینا یا خبر پانا۔**طلیعه** واحد کے لیے بھی آتا ہے جمع کے لیے بھی یعنی مسلمان دس سواریوں کو دجال کی خبر کی تحقیقات کے لیے بھیجیں گے کہ واقعی وہ نکلا ہے یا پہلے کی طرح یہ خبر بھی غلط ہے اگر نکلا ہے تو کہاں ہے کیا کررہا ہے۔

۱۹؎ یہ فرمان عالی ان دس حضرات کی عزت افزائی کے لیے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نام کام ان کی حرکات سکنات جانتے ہیں۔کیوں نہ جانیں کہ حضور سب کے گواہ اور نگران ہیں،رب فرماتاہے:"**وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا**"خود فرمایا **لایخفی علی رکوعکم ولا سجودکم ولاخشوعکم** (تاقیامت کے)مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں،میں تم سب کے ظاہری اعمال دل کے احوال جانتا ہوں۔یہ ہے حضور انور کا غیب کلی صلی اللہ علیہ وسلم،حضور ان سب کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

۲۰؎ روئے زمین فرماکر فرشتوں کو علیحدہ فرمادیا اور اس دن فرماکر حضرات صحابہ عشرہ مبشرہ وغیرہم کو علیحدہ فرمادیا یعنی اس زمانہ کے موجود مسلمانوں میں سب سے بہتر و افضل یہ لوگ ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کا ایک کنارہ خشکی میں ہے اور اس کا دوسرا کنارا دریا میں ۱؎ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ اس پر اولاد اسحاق کے ستر ہزار غازی غزوہ کریں گے ۲؎ تو جب وہاں پہنچیں گے تو اتریں گے تو نہ تو ہتھیاروں سے جنگ کریں گے نہ کوئی تیر پھینکیں گے،کہیں گے **لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر** تو اس کا ایک کنارہ گر جاوے گا ۳؎ ثور ابن یزید راوی کہتے ہیں ۴؎ کہ میں نہیں جانتا اس کے سوا کہ فرمایا وہ کنارہ جو

دریا میں ہے ۵؎ پھر وہ دوبارہ کہیں گے لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر تو ان کے لیے کھول دیا جاوے گا ۶؎ چنانچہ یہ لوگ غنیمت لیں گے جب وہ غنیمتیں تقسیم کررہے ہوں گے ۷؎ تو اچانک ان تک ایک چیخ آئے گی کوئی کہے گا کہ دجال نکل آیا تو وہ ہر چیز چھوڑ دیں گے اور لوٹ جائیں گے ۸؎ (مسلم)	

۱؎ یہ تو تمام شارحین کہتے ہیں کہ یہ شہر ملک روم میں ہے،اس میں گفتگو ہے کہ کون سا شہر ہے۔بعض نے فرمایا کہ وہ قسطنطنیہ ہے مگر یہ قوی نہیں کیونکہ قسطنطنیہ تو بڑی جنگ سے فتح ہوگا نہ کہ اس طرح۔ بعض نے فرمایا کہ وہ شہر رومیہ ہے یعنی سلطان روم کا پایہ تخت۔بعض نے فرمایا کہ وہ بور نطیابستی ہے جس کی دیوار اکیس ہاتھ اونچی ہے،اس کا گرجا بہت لمبا ہے،اس کے بیچ میں تانبے کے گھوڑے کا مجسمہ ہے جس پر سوار کا مجسمہ ہے،اس سوار کے ہاتھ سونے کا گولہ ہے،یہ قسطنطین کا مجسمہ ہے۔قسطنطین وہ شخص ہے جس نے شہر قسطنطنیہ آباد کیا،بعض نے فرمایا کہ وہ کوئی اور شہر ہے جس کا نام معلوم نہ ہوسکا یہ ہی درست ہے۔واللہ اعلم!(مرقات)

۲؎ یہ لوگ ملک شام کے کرد قوم کے ہوں گے جو بنی اسرائیل ہیں مگر مسلمان ہیں جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام کہ اسرائیلی ہیں اور مؤمن بلکہ حضور کے صحابی ہیں۔

۳؎ یعنی ان غازیوں کے نعرہ تکبیر سے اس شہر میں زلزلہ آجاوے گا جس سے اس کا یہ کنارہ گر جاوے گا۔معلوم ہوا کہ جہاد کے وقت نعرہ تکبیر لگانا درست بھی ہے مفید بھی۔

۴؎ ثور ابن یزید تابعی ہیں،ان کی کنیت ابو خالد ہے،حمص کے رہنے والے ہیں،حافظ ہیں،ثقہ ہیں مگر قدریہ ہوگئے تھے،۱۵۵ھ میں وفات ہوئی۔

۵؎ یعنی پہلے نعرہ پر دریا کے جانب والا کنارہ گرے گا بعد والی تکبیروں سے دوسرے کنارے گریں گے۔

۶؎ حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،واقعی یہ شہر صرف نعرہ تکبیر سے فتح ہوگا،اللہ کا ذکر جب مشکل کشاہ ہے تو اس وقت شہر کتنا بھی ہوگا مگر انہیں کی زبان پر فتح ہوگا۔

۷؎ چونکہ یہ شہر صلح سے فتح نہ ہوگا بلکہ طاقت سے فتح ہوگا اس لیے وہاں کے مال غنیمت ہوں گے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۸؎ اپنے وطن لوٹ جائیں گے دجال کا مقابلہ اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے ہوگا،غنیمتیں یہاں ہی چھوڑدیں گے،غنیمتیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے تاکہ ہلکے ہلکے ہوکر جلدی واپس پہنچیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیت المقدس کی آبادی ۱؎	

	مدینہ طیبہ کی ویرانی ہے۲؎ اور مدینہ کی ویرانی بڑی جنگ کا ظہور ہے۳؎ اور بڑی جنگ کا ظہور قسطنطنیہ کی فتح ہے اور قسطنطنیہ کی فتح دجال کا نکلنا ہے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ بعض شارحین نے کہا کہ قریب قیامت بیت المقدس ویران ہوجاوے گا کچھ عرصہ کے بعد آباد ہوگا۔مگر یہ درست نہیں بیت المقدس کبھی ویران نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد بیت المقدس کی بہت آبادی ہے یعنی وہاں پانی کی فراوانی،شہریوں کی روانی،اعلیٰ عمارتوں کی تعمیر یہ قریب قیامت ہوگی۔(مرقات)

۲؎ اب مدینہ منورہ کو یثرب کہنا منع ہے،یہ فرمان عالی ممانعت سے پہلے کا ہے۔یثرب بنا ہے ثرب سے بمعنی آفت و تکلیف،یثرب کے معنی ہیں آفتوں تکلیفوں کی جگہ،چونکہ مدینہ کی زمین وبائی امراض کا مرکز بلکہ سرچشمہ تھی اس لیے اسے یثرب کہتے تھے،حضور کی برکت سے وہ جگہ دارالشفاء بن گئی وہاں کی خاک شفاء ہوگئی لہذا اس کا نام اب طیبہ ہے۔بعض نے کہا کہ یثرب اس شخص کا نام ہے جس نے مدینہ بسایا تھا۔(اشعہ)مگر اس کی ابتداء ڈالنے والا تبع ہے جس کا واقعہ ہم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

۳؎ یہ بڑی جنگ وہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوچکا کہ اس میں فی صد ایک آدمی بچے گا۔(مرقات واشعہ)

۴؎ یعنی قسطنطنیہ کی فتح دجال نکلنے کی علامت ہوگی اس سے قریب ہی دجال نکلے گا یہ مطلب نہیں کہ اس کے متصل لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ فتح بیت المقدس پر شیطان پکارے گا کہ دجال نکل آیا مگر یہ خبر جھوٹی ہوگی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑی جنگ ۱؎ اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا نکلنا سات مہینوں میں ہوگا ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ بعض روایات میں الملحمۃ الکبریٰ ہے،اس جنگ عظیم سے مراد غالبًا وہ ہی جنگ ہے جس میں سو آدمیوں میں سے ایک بچے گا ننانوے ہلاک ہوجائیں گے۔

۲؎ یہ مدت مسلمانوں کے اس شہر کی طرف متوجہ ہونے کے لحاظ سے ہے اور سات ماہ کی یہ روایت بہت ضعیف ہے اس کے بعض راوی مجروح ہیں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی جنگ اور شہر کی فتح کے درمیان چھ سال کا فاصلہ ہے اور ساتویں سال دجال نکلے گا ۱؎ (ابوداؤد)اور فرمایا یہ صحیح ترین ہیں۔

۱؎ یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف ہے جس میں سات ماہ کا ذکر ہے لہذا یا تو یہاں شہر سے مراد قسطنطنیہ کے علاوہ کوئی اور شہر ہے اور وہاں قسطنطنیہ شہر کی فتح کا ذکر تھا وہ حدیث مجروح ہے یہ حدیث صحیح اس لیے یہاں فرمایا کہ **ھذا اصح** یہ زیادہ صحیح ہے لہذا سات ماہ کی روایت صحیح نہیں۔(لمعات)مرقات نے فرمایا کہ اس جنگ سے کوئی اور جنگ مراد ہے اور یہاں

دوسری جنگ مراد،اس گزشتہ جنگ سے سات ماہ بعد دجال نکلے گااور اسی جنگ سے سات سال بعدلہٰذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ قریب ہے مسلمان مدینہ منورہ کی طرف محصور کردیئے جاویں ۱؎ حتی کہ ان کی آخری سرحد مقام سلاح ہو اور سلاح خیبر سے قریب ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی مسلمانوں کو دنیا میں کہیں پناہ نہ ملے گی،تمام دنیا کے مسلمان سمٹ کر مدینہ منورہ میں پناہ لیں گے،مدینہ منورہ کے اندر رہے اور کوئی مدینہ منورہ سے باہر چوطرفہ اسی شہر پاک کی حفاظت کے لیے غرضکہ مسلمان صرف یہاں ہی ہوں گے۔

۲؎ یعنی مسلمانوں کی آخری سرحد مقام سلاح ہوگا،خیبر سے قریب ایک جگہ ہے اور خیبر مدینہ منورہ سے قریب ایک سو نوے کیلومیٹر ہے،ایک کیلو میٹر پانچ فرلانگ کا ہوتا ہے۔مسلمان اپنے اس ملک کی حفاظت کے لیے مقام سلاح میں چھاؤنیاں بناکر یہاں ہی رہیں گے آس پاس سارے کفار ہوں گے ۔غرضکہ مسلمان اس وقت بہت سخت تنگی میں ہوں گے،دنیا بھر کے مسلمان صرف ڈیڑھ سو میل کے رقبہ میں آباد ہوں گے۔

روایت ہے ذی مخبر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم روم سے امن و امان والی صلح کرو گے تو تم اور وہ اپنے سامنے والے دشمن سے جنگ کرو گے ۲؎ تو تم کو فتح دی جاوے گی اور تم غنیمت حاصل کرو گے اور سلامت رہو گے ۳؎ پھر تم لوٹو گے حتی کہ ٹیلوں والی چراگاہ میں اترو گے ۴؎ تو عیسائیوں میں ایک شخص صلیب اٹھاکر کہے گا کہ صلیب غالب آگئی ۵؎ تو مسلمانوں میں سے ایک شخص غضب ناک ہوکر اسے توڑ دے گا ۶؎ اس وقت روم عہد شکنی کریں گے اور جنگ کے لیے جمع ہوجائیں گے،بعض راویوں نے یہ زیادہ فرمایا کہ پھر مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف جوش سے بڑھیں گے ۷؎ پھر جنگ کریں گے تو اللہ اس جماعت کو شہادت سے عزت دے گا ۸؎(ابوداؤد)	

۱؎ ذی مخبر نجاشی یعنی شاہ حبشہ کے بھتیجے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم،آپ سے کئی صحابہ وتابعین نے روایت لی۔**مخبر** میم کے کسرہ اورخ کے سکون سے ہے،ب کے فتح سے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یعنی تم مسلمان اور رومی عیسائی دونوں مل کر مشترکہ دشمن سے جنگ کروگے وہ دشمن غالبًا مشرکین ہوں گے، یہ احتمال ضعیف ہے کہ وہ دشمن یہود ہوں گے۔

۳؎ یعنی اس جنگ میں تم کو مالی و جانی نقصان بہت کم ہوگا مگر فتح بہت شاندار ہوگی اور غنیمت بیشمار حاصل ہوگی۔

۴؎ یعنی غنیمت تقسیم کرنے کے لیے تم اور عیسائی ایک سبزہ زار میدان میں اطمینان سے جمع ہوؤ گے۔معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ مل کر جہاد کرنا جائز ہے۔

۵؎ ہمارے ملک میں صلیب کو ایکس کی شکل پر دکھاتے ہیں X اسی طرح مگر صلیب کی شکل ایسی ہے جیسے انگریزی ٹائی کی نوک اوپر نکلی ہوئی،اسی طرح عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی اس شکل کی لکڑی پر دی گئی،اس موقع پر ایک رومی عیسائی کہے گا کہ یہ فتح ہماری صلیب کی برکت سے ہوئی۔

۶؎ اور صلیب توڑ کر کہے گا کہ فتح ہمارے کلمہ طیبہ کی برکت سے ہوئی تیری صلیب کی کوئی حقیقت نہیں اس پر ان کی آپس میں جنگ چھڑ جائے گی جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

۷؎ یعنی غنیمت وغیرہ کو چھوڑ کر ہتھیار اٹھائیں گے سخت جنگ ہوگی۔

۸؎ یعنی اس جنگ میں مسلمان زیادہ شہید ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا حبشہ کو چھوڑے رہو جب تک وہ یمن چھوڑے رہیں ۱؎ کیونکہ کعبہ کا خزانہ نہ نکالے گا مگر حبشہ کا ایک چھوٹی پنڈلیوں والا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ملک حبشہ آخر زمانہ میں مسلمانوں سے نکل جاوے گا اور وہاں کے باشندے عیسائی یا یہودی ہوجاویں گے،فرمایا گیا کہ تم اس زمانہ میں حبشہ سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا۔لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ عہد صحابہ میں حبشہ فتح ہوا بلکہ حضور انور کے زمانہ میں حبشہ میں اسلام پھیلا حتی کہ مسلمان مہاجرین کو پہلے حبشہ میں ہی پناہ ملی اب بھی حبشہ مسلمانوں کا ملک ہے اور وہاں کے باشندے پختہ مسلمان ہیں،حضرت بلال حبشی ہی تھے نہ یہ اعتراض ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" پھر حضور انور حبشہ کے جہاد سے کیوں منع فرمارہے ہیں کیونکہ یہ حکم قریب قیامت کے وقت کے لیے ہے۔

۲؎ مشہور یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے نیچے بہت بادشاہوں کا خزانہ مدفون ہے وہ شخص اس خزانہ کے لیے خانہ کعبہ ڈھائے گا۔یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوگا جب قرآن مجید کے ورق سادہ رہ جائیں گے اور دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا یعنی قیامت سے بالکل متصل۔خیال رہے کہ رب کا فرمان:"وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" حکم ہے خبر نہیں یعنی جو حرم کعبہ میں آجاوے اسے امن دے دو یہ مطلب نہیں کہ اسے امن رہے گی لہذا یہ حدیث اس آیت شریفہ کے خلاف نہیں۔یہ حبشی کافر ہوگا عیسائی یا یہودی۔واللہ اعلم!

	روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب ۱؎ نے فرمایا حبشیوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور چھوڑے رہو تم ترک کو جب تک چھوڑے رہیں تم کو ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ان صاحب کا نام شریف معلوم نہ ہوسکا مگر چونکہ سارے صحابہ عادل ہیں ان میں فاسق کوئی نہیں اس لیے یہ حدیث مجہول نہ ہوگی صحیح رہے گی۔ہم ابھی گزشتہ حدیث میں بتا چکے کہ حبشہ سے کون سے حبشی لوگ مراد ہیں اور یہ حکم کس وقت کے لیے ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

۲؎ ترك سے مراد قوم یا جوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہے جن سے مسلمانوں کی جنگ عظیم قریب قیامت ہوگی،یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کی مخصص ہے"وَقٰتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً"کہ مشرکین میں سے ان دونوں قبیلوں کو الگ کردیا گیا جیسے خبر کا حکم مطلق ہے"حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ"سے مشرکین عرب بحکم حدیث علیحدہ ہیں کہ ان کے لیے قتل ہے یا اسلام لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ اس حکم قرآن کے خلاف ہے۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

	روایت ہے حضرت بریدہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ایک حدیث میں کہ تم سے ایک چھوٹی آنکھوں والی قوم یعنی ترک جنگ کرے گی فرمایا تم انہیں تین بار ہانکو گے حتی کہ تم انہیں جزیرہ عرب میں پہنچادوگے۱؎لیکن پہلی ہانک میں تو ان میں بھاگ جانے والے نجات پاجائیں گے لیکن دوسری میں بعض نجات پا جائیں گی،بعض ہلاک ہوجائیں گے لیکن تیسری ہانک میں وہ فنا ہوجائیں گے۲؎یا جیسے فرمایا۔(ابوداؤد)

۱؎یہ واقعہ بھی قریب قیامت ہوگا کہ تمہارا ان ترکوں سے مقابلہ ہوگا تم انہیں بھگاتے ہوئے لے جاؤ گے اور وہ آگے آگے ہوں گے اور تم پیچھے پیچھے۔

۲؎یعنی تمہاری اور ان ترکوں کی جنگ تین بار ہوگی پہلی دو جنگوں میں ان کے کچھ لوگ ہلاک ہوں گے تیسری جھڑپ میں وہ سارے ختم ہوجائیں گے یہ بھی قریب قیامت ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ ایک پست زمین میں اتریں گے ۱؎جسے بصرہ کہیں گے۲؎ایک نہر کے کنارے کے پاس جسے دجلہ کہا جاتا ہے۳؎اس پر ایک پل ہوگا اس کے باشندے بہت ہوں گے۴؎اور وہ مسلمانوں کے شہروں میں سے ہوگا اور جب آخری زمانہ ہوگا تو قبیلہ بنو قنطورا ۵؎چوڑے منہ والے چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے ۶؎حتی کہ نہر کے کنارہ اتریں گے تو وہاں کے باشندے تین حصے ہوجاویں گے ایک فرقہ تو گایوں کی دم اور جنگل اختیار کرلیں گے۷؎وہ

	ہلاک ہوجائیں گے اور ایک فرقہ اپنے لیے امان لے لے گا اور ہلاک ہوجائیں گے۸ اور ایک فرقہ اپنے بال بچوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے چھوڑے گا اور ان سے جنگ کرے گا یہ لوگ شہداء ہیں ۹(ابوداؤد)

۱؎ غائطہ پست زمین کو کہتے ہیں اس لیے پیشاب یا پاخانہ بیٹھنے کی جگہ کو غایت کہتے ہیں کہ اکثر وہ پست زمین ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ"۔

۲؎ بصرہ دراصل بسرہ تھا سین سے جس کے معنی ہیں بہت راستوں والا،بصرہ عراق کا بڑا مشہور شہر ہے،بڑی بندرگاہ عراق کی بصرہ ہی میں ہے،یہاں بڑے اولیاء اللہ آرام فرما ہیں ہم نے زیارت کی ہے۔

۳؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں بصرہ سے مراد بغداد ہے کیونکہ دجلہ کے کنارے پر بغداد واقع ہے نہ کہ بصرہ۔بصرہ دریائے شطّ العرب کے کنارے پر ہے لہذا یہاں بصرہ کے معنی لغوی مراد ہیں یعنی بہت سے راستوں والا شہر۔

۴؎ یعنی بغداد مسلمانوں کا بہت بڑا شہر ہوگا،مصر بڑے شہر کو کہتے ہیں،اس سے چھوٹا مدینہ،اس سے چھوٹا بلدہ،اس سے چھوٹا قریہ۔(اشعہ)مگر جب یہ قریہ کے ساتھ کوئی علامت لگادی جائے عظیم وغیرہ تو بڑے شہر کو بھی قریہ کہہ دیتے ہیں۔

۵؎ قنطورا ان ترکوں کے مورث اعلٰی کا نام ہے،بعض لوگوں نے کہا کہ قنطورا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک لونڈی کا نام ہے جس کی اولاد سے وہ ترک ہوں گے مگر یہ درست نہیں کیونکہ وہ ترک یافث ابن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور یافث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئے۔بعض شارحین نے کہا کہ ممکن ہے قنطورا لونڈی یافث کی اولاد سے ہو یا اس کا نکاح کسی اولاد یافث سے بھی،اس طرح یہ دونوں قول جمع ہوجائیں گے ان میں اختلاف نہ رہے گا۔(مرقات)

۶؎ یعنی بصرہ یا بغداد کے مسلمانوں سے جنگ کرنے یہ ترک آئیں گے جن کی شکلیں ایسی ہوں گی۔ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ ترک یاجوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہے۔

۷؎ یعنی بصرہ یا بغداد کے مسلمان اس وقت تین حصوں میں بٹ جائیں گے:ایک حصہ تو ان کفار ترک کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اپنے مال مویشی لےکر جنگل کی طرف بھاگے گا اور وہاں کا باشندہ بن جائے گا تاکہ آرام سے بقیہ زندگی گزاریں جہاد نہ کرنا پڑے،یہ لوگ بزدل ہوکر ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور بری موت مریں گے۔**ھلکوا** سے یہ ہی مراد ہے ذلت کی موت مرنا۔

۸؎ یعنی مسلمانوں کا دوسرا فرقہ ان سے ڈر کر ان سے امان لے لے گا،ان کی رعایا بن جاوے گا۔بعض شارحین نے کہا کہ یہ واقعہ ہوچکا کہ **مستعصم باللہ** بادشاہ نے اپنے اور اپنے ماتحتوں کے لیے امان لے لی مگر یہ درست نہیں کہ **مستعصم باللہ** بغداد کا باشندہ تھا۔یہاں ذکر ہے بصرہ کا لہذا یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا اور وہ ترک کفار سے ہوں گے،یہ وہ واقعہ صفر ۶۵۶ھ ہجری میں گزر چکا۔(مرقات)یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔

۹؎ یعنی مسلمانوں کا یہ تیسرا حصہ کامل غازی اور اعلٰی درجہ کے شہید ہوں گے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اس حصہ کا بڑا حصہ شہید ہوجاوے گا تھوڑا حصہ بچے گا۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس لوگ مختلف شہر آباد کریں گے ان میں ایک شہر ہے جسے بصرہ کہا جاوے گا ۱؎ تو اگر تم وہاں سے گزرو اس میں جاؤ وہاں کی کھاری زمین سے اور وہاں کے مقام کلاء سے ۲؎ اور وہاں کے باغات بازار اور وہاں کے امیروں کے دروازوں سے بچنا ۳؎ اور مقام ضراخی کو اختیار کرنا ۴؎ کیونکہ وہاں زمین دھنسنا پتھر برسنا زلزلے ہوں گے ۵؎ اور ایسی قوم ہوگی جو رات گزاریں گے اور سویرا پائیں گے بندر سوئر ہو کر۔(رواہ)

۱؎ حضور انور کے زمانہ میں بصرہ شہر نہ تھا،اس کے شہر بن جانے کی اس حدیث میں خبر دی گئی۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آج بصرہ بڑا شہر ہے۔۔

۲؎ کلاء بصرہ کے آس پاس کی زمینوں میں سے ایک زمین کا نام ہے غالبًا وہاں سبزہ چارہ بہت ہوگا اس لیے اس علاقہ کو کلاء کہتے ہیں،چونکہ بصرہ اور اس کے آس پاس کے آباد علاقوں کی آب و ہوا بھی خراب ہے اور وہاں آفات بہت آنے والی ہیں اس لیے ان مقامات سے بچنے کا حکم دیا۔

۳؎ بصرہ کے بازاروں میں جھوٹ فریب دھوکہ دہی زیادہ ہے امراء میں ظلم و تشدد بہت اس لیے ان جگہوں سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

۴؎ ضراخی بصرہ شہر بصرہ کے ایک علاقہ کا نام ہے وہ علاقہ پہاڑی ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہاں جلوت سے بچنا خلوت اختیار کرنا،بن باس ہوجانا کہ اس میں امن ہوگی۔

۵؎ یعنی بصرہ میں تین عذاب تو عام آئیں گے:ایک انسانوں،مکانات،عمارتوں میں زمین دھنس جانا،انہیں زمین نگل لے گی،دوسرے تیز ہوائیں چلنا جس سے لوگ ہلاک ہوجاویں یا غیبی پتھر برسنا یا زمین کا مدفون لاشوں کو نکال پھینکنا،تیسرے سخت زلزلے،**قذف** کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔(مرقات)یہ واقعات قریب قیامت ہوں گے۔دوسری حدیث میں ہے کہ یہ مذکورہ عذاب قدریہ فرقے پر آئیں گے غالبًا اس زمانہ میں بصرے میں قدریہ فرقہ بہت ہوگا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے یہ مذکورہ عذاب عام لوگوں پر نہ آئیں گے،خاص لوگوں پر خاص حالات میں آئیں گے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "**وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ**"۔(از اشعہ)یہ وہاں کے خاص عذاب کا ذکر ہے کہ وہاں کی ایک قوم رات کو اچھی بھلی سوئے گی صبح کو اس طرح اٹھے گی کہ ان کے جوان تو بندر بن چکے ہوں گے اور بوڑھے سوئر۔یہ ہے مسخ یعنی صورتوں کی تبدیلی یہ بھی قریب قیامت قدر یہ فرقہ کی ہوگی۔یہاں بعض نسخوں میں سفید جگہ چھوٹی ہوئی ہے یعنی صاحب مشکوۃ کو اس کا حوالہ نہ ملا اور بعض نسخوں میں عبارت ہے **رواہ ابوداؤد ومن طریق لم یجزم بھا الراوی بل قال لا اعلمه الا ذکرہ عن موسیٰ ابن انس عن انس بن مالك**،**اشعۃ اللمعات** میں یہ عبارت اسی جگہ مذکور ہے۔

روایت ہے صالح ابن درہم سے [1] فرماتے ہیں کہ ہم حج کرنے جارہے تھے کہ ایک شخص ملا پس اس نے کہا کیا تم سے قریب کوئی بستی ہے جسے ابلہ کہا جاتا ہے [2] ہم بولے ہاں اس نے کہا تم سے کون اس کا ضامن بنتا ہے کہ مسجد عشار میں میرے لیے دو چار رکعتیں پڑھ دے اور کہہ دے کہ یہ نماز ابوہریرہ کی ہے [3] میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے شہید اٹھائے گا کہ ان کے سواء شہداء بدر کے ساتھ کوئی نہ کھڑا ہوگا [4] (ابوداؤد)اور فرمایا کہ یہ مسجد نہر کے قریب ہے اور ہم ابوالدرداء کی حدیث ان فسطاط المسلمین یمن و شام کے ذکر والے باب میں بیان کریں گے ان شاءاللہ!

[1] صالح ابن درہم تابعی ہیں،قبیلہ باہلہ سے ہیں،آپ نے حضرت ابوہریرہ اور سمرہ ابن جندب سے روایات لیں،آپ نے شعبہ اور فسطان سے روایات لیں۔(اکمال،مرقات)

[2] ابلہ الف اور ب کے پیش لام کے شد سے،بصرہ کے پاس مشہور بستی ہے۔علماء کہتے ہیں کہ دنیا کے چار شہر زمین کی جنت ہیں: بصرہ کا ابلہ،دمشق کا غوطہ،سمر قند کا حفد اور بوان شہر کا شعب،یہ چاروں بستیاں بہت ہی سرسبز ہیں۔ہم نے دمشق کا غوطہ اور بصرہ کا ابلہ دیکھا ہے۔

[3] یعنی تم میں سے کوئی شخص مسجد عشار میں جو کہ ابلہ کی مشہور متبرک مسجد ہے دو چار رکعت نفل پڑھ کر مجھے اس لفظ سے ایصال ثواب کردے کہ الٰہی یہ نماز جو ہم نے پڑھی یہ ابوہریرہ کی طرف سے ہے اس کا ثواب انہیں ملے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ متبرک و مقدس مسجد میں نماز ادا کرنا دوسری نمازوں سے افضل ہے،مسجد نبوی کی ایک نیکی دوسری جگہ کی پچاس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔دوسرے یہ کہ نماز کا ثواب دوسرے کو بخش دینا درست ہے،ہاں کسی کی طرف سے نماز فرض نہیں پڑھی جاسکتی وہ تو خود ہی پڑھنا پڑے گی۔تیسرے یہ کہ کوئی نیکی کرکے کسی دوسرے کو اس طرح ثواب بخشنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو ملے بالکل جائز سنت صحابہ ہے لہذا فاتحہ مروجہ ختم شریف وغیرہ بالکل درست ہے،دیکھو حضرت ابوہریرہ ثواب بخشنے کے الفاظ بتارہے ہیں۔چوتھے یہ کہ اپنے سے بڑے کو ثواب بخشنا جائز ہے اگرچہ وہ کیسی ہی شان کا مالک ہو،دیکھو جناب ابوہریرہ صحابی ہیں اور تابعین کو اپنے لیے ایصال ثواب کا حکم دے رہے ہیں۔ یہ حدیث بہت سے احکام کا ماخذ ہے،نیز زندہ کو زندہ کا ثواب بخش دینا جائز ہے۔

[4] یعنی آخر زمانہ میں ایک عظیم الشان جہاد ہوگا،اس جہاد کے غازی اس مسجد میں جمع ہو کر میدان میں جا کر شہید ہوں گے وہ کل قیامت میں شہداء بدر کے ساتھ کھڑے ہوں گے لہذا اس مسجد میں نماز پڑھنا بہت ہی افضل ہے۔ معلوم ہوا کہ اگرچہ ساری مسجدیں اللہ کا گھر ہیں مگر جس مسجد میں یا جس شہر میں اللہ کے مقبول بندے رہ چکے ہوں یا اب رہتے ہوں یا

آئندہ رہنے والے ہوں وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔اس کی نسبت کی وجہ سے دیکھو وہ غازی شہداء قریب قیامت اس مسجد میں جمع ہوں گے مگر وہاں نماز آج ہی سے افضل ہے۔جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم بھی رکھا ہے وہ مقام اللہ کو محبوب ہے،حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سفیدہ زمین کا ادب کیا جہاں آئندہ مدینہ منورہ شہر آباد ہونے والا تھا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت شقیق سے ۱؎ وہ جناب حذیفہ سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنہ کے متعلق حدیث کا حافظ کون ہے ۲؎ میں نے عرض کیا میں حافظ ہوں جیسے حضور نے فرمایا ہے،فرمایا لاؤ تم بڑے بہادر ہو ۳؎ حضور نے کیسے فرمایا،میں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مرد کا فتنہ اس کے گھر میں اس کے مال میں اور اس کی ذات میں اور اس کی اولاد میں اور اس کے پڑوسی میں ہے جسے روزے نماز،خیرات اچھائیوں کا حکم برائیوں سے روکنا مٹاتے رہتے ہیں ۴؎ تو حضرت عمر نے فرمایا میں یہ ارادہ نہیں کررہا ہوں میری مراد وہ فتنہ ہے جو سمندر کی موج کی طرح اٹھے گا ۵؎ فرمایا میں نے کہا آپ کو اس سے کیا تعلق اے امیر المؤمنین آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے ۶؎ فرمایا تو دروازہ توڑا جاوے گا یا کھولا جاوے گا فرماتے ہیں میں نے کہا نہیں بلکہ توڑا جاوے گا ۷؎ فرمایا یہ اس لائق ہے کہ پھر بند نہ کیا جاسکے ۸؎ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے جناب حذیفہ سے کہا کیا حضرت عمر جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے فرمایا ہاں جیسے یہ جانتے تھے کہ کل سے پہلے رات ہے ۹؎ میں نے انہیں وہ حدیث سنائی جو معمہ نہیں ہے ۱۰؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس سے ڈر لگا کہ حذیفہ سے پوچھیں کہ دروازہ کون ہے تو ہم نے مسروق سے کہا ان سے پوچھو انہوں نے پوچھا تو فرمایا عمر ہیں۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کا نام شقیق ابن ابی سلمہ ہے،آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کی،بہت صحابہ سے ملاقات ہوئی،حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی اور حذیفہ ابن یمان مشہور صحابی ہیں،آپ نے حضرت عثمان غنی کی شہادت کے چالیس دن بعد مدائن میں وفات پائی،وہاں مدائن میں ہی آپ کی قبر شریف ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی احکام،اعمال،عقائد کی احادیث تو ہم سب کو یاد ہیں ہمارے عمل میں ہیں،جو فتنوں بلاؤں آفتوں کی پیش گوئی حضور نے کی ہے وہ کسے یاد ہیں۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ حضرت حذیفہ کو بہادر فرمانا ان کی تعریف و توصیف کے لیے ہے یعنی بڑے دلیر ہوکر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین فتنہ گروں اور فتنوں کے متعلق پوچھ پوچھ کر بہت معلومات جمع کرلی تھیں،نیز تم حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے صاحب اسرار ہو تم نے وہ باتیں معلوم کرلیں ہیں جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں بیان کرو۔بعض شارحین نے فرمایا کہ انہیں بہادر فرمانا ناراضی کے اظہار کے لیے ہے مگر یہ غلط ہے۔حضرت حذیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائیں اور جناب عمر ناراض ہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

۴؎ یعنی انسان دن رات اپنے مال،اولاد،پڑوسیوں کی الجھنوں کی وجہ سے گناہ کرتا ہے،یہ چیزیں انسانوں کے لیے فتنہ ہیں"اَنَّمَاۤ اَمۡوٰلُکُمۡ وَ اَوۡلٰدُکُمۡ فِتۡنَۃٌ"اور یہ مذکورہ نیکیاں ان گناہوں کو مٹاتی رہتی ہیں"اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ"۔

۵؎ یعنی یہ فتنے تو شخصی وقتی فتنے ہیں بلکہ ایک طرح اللہ کی رحمت ہیں،میں تو اس عالمگیر فتنہ کے متعلق پوچھتا ہوں جو سمندر کی لہروں کی طرح دنیا بھر کو لے لے گا،کسی کے روکے نہ رکے گا جس سے مسلمانوں میں قتل عام ہوگا۔

۶؎ یعنی آپ اس فتنہ سے خوف نہ کریں وہ آپ کو نہ پہنچے گا بلکہ آپ کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو بھی نہ پہنچے گا،آپ مسلمانوں کے لیے امان ہیں،آپ وہ بند دروازہ ہیں جس نے مسلمانوں سے فتنوں کو روک رکھا ہے۔

۷؎ حضرت عمر سمجھ گئے وہ دروازہ جس کے ہٹتے ہی فتنوں کا سمندر موجیں مارنے لگے گا وہ میں ہی ہوں تو پوچھا کہ بتاؤ میری موت بستر پر ہوگی یا شہادت کی۔دروازے کھلنے سے مراد ہے طبعی موت اور توڑے جانے سے مراد ہے قتل کیا جانا،ایسے فصحاء بلغاء کے قربان۔

۸؎ یہ فرمان عالی انتہائی فراست و دانائی پر مبنی ہے یعنی اگر دروازہ کھلے تو بند کیا جاسکتا ہے لیکن اگر توڑ دیا جاوے تو بند کیسے ہو۔میرا قتل اس کی علامت ہے کہ فتنے پھر بند نہ ہوں گے،آپ کی یہ فراست بالکل درست ثابت ہوئی۔

۹؎ یعنی اے حذیفہ آپ سے حضرت عمر نے یہ نہ پوچھا کہ دروازہ کون ہے اور نہ آپ نے انہیں بتایا تو کیا حضرت عمر آپ کا مقصد سمجھ گئے،کیا انہیں پتہ لگ گیا کہ دروازہ کون ہے ہم تو کچھ نہ سمجھے ہم پر واضح فرمادیئے۔

۱۰؎ یعنی یہ اشارۃً بات چیت تمہارے لیے معمہ ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے معمہ نہ تھی وہ مجتہد مطلق تھے مزاج شناس رسول۔اس سے معلوم ہوا کہ غیبی خبریں اشارۃً دی جاتی ہیں صراحۃً نہیں،نیز مجتہدین حدیث و قرآن کا منشا سمجھتے ہیں،لوگ قرآن دانی حدیث فہمی میں مجتہدین علماء کے محتاج ہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات شریف فتنوں کے آگے مضبوط بند دروازہ ہے،آپ کے زمانہ میں کسی بیدین فتنہ گر کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں،آپ کی شہادت کے بعد فتنہ گر اٹھیں گے فتنے سر نکالیں گے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی فتح قیامت قائم ہونے کے ساتھ ہے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ اس فتح سے مراد وہ فتح ہے جو قریب قیامت ہوگی۔معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ جسے آج استنبول کہتے ہیں یہ مسلمانوں سے نکل جاوے گا،پھر مسلمان فتح کریں گے۔روم کا یہ شہر عہد صحابہ میں فتح ہوا اور اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔آج بیت المقدس یہود کے پاس پہنچ گیا یہ بھی علامات قیامت سے ہے۔

باب اشراط الساعۃ

قیامت کی علامتوں کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اشراط جمع ہے شرط کی،شرط شین کی فتحہ ر کے سکون سے بمعنی موقوف علیہ جیسے نماز کے لیے وضو۔اس کی جمع شروط یا شرط ہے مگر شین کے فتح سے۔اس کے بہت معنی ہیں: علامات،ابتداء، حقیر مال، چھوٹی چیز،اس سے ہے شرط بمعنی سپاہی،شاہی باڈی گارڈ جو بادشاہ کے آگے چلے اور بادشاہ کی آمد کی علامت ہو۔اس کی جمع اشراط ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔خیال رہے کہ اس باب میں سواء خروج امام مہدی کے باقی تمام چھوٹی علامتیں ہیں،بڑی علامات قیامت اگلے باب میں آئیں گی۔ساعت قیامت کا ایک نام ہے،چونکہ اس کی آمد آناً فاناً ہو گی،یا بعض مقبول بندوں کو یہ گھڑی کی طرح محسوس ہو گی اس لیے اسے ساعت یعنی گھڑی بھر کی چیز کہا جاتا ہے،اس کا نام محشر،قیامت،یوم انزاع، قارعۃ،واہیہ،یوم الحساب،واقعہ،خافضہ،رافعہ وغیرہ ہیں،ہر نام کی الگ وجہ ہے،دیکھو ہماری تفسیر۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کی نشانیوں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جاوے گا اور جہالت بڑھ جاوے گی ۱؎ اور زنا شراب خواری بڑھ جاوے گی ۲؎ اور مرد کم ہو جاویں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی ۳؎ حتی کہ پچاس عورتیں ایک مرد منتظم ہو گا ۴؎ ایک روایت میں ہے کہ علم گھٹ جاوے گا اور جہالت ظاہر ہو جاوے گی۔(مسلم،بخاری)

۱؎ علم سے مراد علم دین ہے۔جہل سے مراد دین علم سے غفلت آج یہ علامت شروع ہو چکی ہے دنیاوی علوم بہت ترقی پر ہیں مگر علوم تفسیر،حدیث،فقہ بہت کم رہ گئے،علماء اٹھتے جارہے ہیں،ان کے جانشین پیدا نہیں ہوتے،مسلمانوں نے علم دین سیکھنا قریبًا چھوڑ دیا،بہت سے علماء واعظ بن کر اپنا علم کھو بیٹھے،یہ سب کچھ اس پیش گوئی کا ظہور ہے۔

۲؎ زنا کی زیادتی کے اسباب عورتوں کی بے پردگی،اسکولوں کالجوں لڑکوں لڑکیوں کی مخلوط تعلیم،سنیما وغیرہ کی بے حیائیاں گانے،ناچنے کی زیادتیاں یہ سب آج موجود ہیں،ان وجوہ سے زنا بڑھ رہا ہے اور ابھی اور زیادہ بڑھے گا۔ہم نے عرب ممالک کے بعض علاقوں میں دیکھا کہ بغیر شراب کوئی کھانا نہیں ہوتا،ہوٹل میں کھانا مانگو تو شراب ساتھ آتی ہے۔

۳؎ اس طرح کہ لڑکیاں زیادہ پیدا ہوں گی لڑکے کم،پھر مرد جنگوں وغیرہ میں زیادہ مارے جائیں گے اپنے بیوی بچے چھوڑ جائیں گے ان وجوہ سے عورتوں کی بہتات ہو گی۔

۴؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک خاوند کی پچاس بیویاں ہوں گی کہ یہ تو حرام ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک خاندان میں عورتیں بیٹیاں پچاس ہوں گی ماں، دادی، خالہ، پھوپھی وغیرہ اور ان کا منتظم ایک مرد ہوگا۔ دوسری احادیث میں ہے کہ قریب قیامت سنگِ اسود اور مقام ابراہیم اٹھالیا جاوے گا، قیامت کے قریب دنیامیں اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت سے پہلے جھوٹے ہوں گے تم ان سے پرہیز کرنا۱؎ (مسلم)

۱؎ جھوٹوں سے مراد جھوٹی حدیثیں گڑھنے والے، یا جھوٹے مسئلے بیان کرنے والے، یا جھوٹے عقیدے ایجاد کرنے والے انہیں سلف صالحین کی طرف نسبت کرنے والے، یا جھوٹے دعویٰ نبوت کرنے والے ہیں۔ یہ لفظ بہت عام ہے جھوٹے علماء، جھوٹے محدثین، جھوٹے عقیدوں والوں سے بچناایساہی ضروری ہے جیسے جھوٹے نبیوں سے بچنالازم ہے جیساکہ **فاحذروھم** سے معلوم ہوا۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سناکہ حضور گفتگو فرمارہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا عرض کیا قیامت کب ہے ۱؎ فرمایاجب امانت ضائع کردی جاوے تو قیامت کا انتظار کرو۲؎ اس نے عرض کیاکہ ضائع ہوناکیسے ہوگا فرمایاجب کام نااہلوں کے سپرد کردیا جاوے تو قیامت کا انتظار کرو۳؎ (بخاری)

۱؎ قیامت کی تاریخ مہینہ دن بتایئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی بخشااور یہ بھی عقیدہ تھاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم دیا گیا اس لیے تو آپ سے یہ سوال کرتے تھے، حضور انور نے بھی انہیں اس سوال پر کافریا مشرک نہ کہابلکہ قیامت کی علامات بیان فرمادیں اور علامتیں وہ بیان کرتا ہے جسے ہر شے کا پتہ ہو۔

۲؎ یہاں امانت سے مراد امامت حکومت سلطنت وغیرہ ہے جو رب تعالٰی کے امانتیں ہیں جو اس نے چندروز کے لیے بندوں کو سپرد فرمائی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ اس طرح کہ حکومت فاسقوں یا عورتوں کو ملے، قاضی فقیر جاہل لوگ بنیں اور بے وقوف لوگ بادشاہ بنیں۔ **توسید** بناہے **وسادۃ** سے اس کے معنی ہیں تکیہ کسی کے نیچے رکھنا یعنی نااہلوں کے سر تلے ان امانتوں کا تکیہ رکھ دیا جائے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت نہ آوے گی حتی کہ مال زیادہ ہوجاوے گااور بہہ جاوے یہاں تک کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوۃ نکالنا چاہے تو کوئی ایسانہ پائے گا ۱؎ جو اس سے وہ قبول کرے اور حتی کہ عرب کی زمین چراگاہ اور نہری ہوجاوے گی ۲؎ (مسلم) انہیں کی ایک روایت میں فرمایا مکانات اہاب یا یہاب تک پہنچ جاویں ۳؎

۱؎ اس کی شرح گزرچکی یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔

۲؎ یہ پیشگوئی تو اب دیکھنے میں آرہی ہے، جدہ سے مکہ معظّمہ تک سبزہ باغات ہوگئے، عراق کے ریتلے میدان باغوں میں تبدیل ہوچکے۔

۳؎ اہاب یا یہاب مدینہ منورہ سے بہت دور ایک جگہ کا نام ہے یعنی مدینہ پاک کی آبادی بڑھتے بڑھتے وہاں تک ہو جاوے گی،اب مدینہ منورہ کی آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے، مسجد قبا تک پہنچ گئی ہے، پہاڑوں پر مکان بن گئے ہیں ہم نے خود دیکھے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال بانٹے گا اور اسے گنے گا نہیں ۱؎ اور ایک روایت میں ہے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور اسے گنے گا نہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎ یہ بادشاہ غالبًا امام مہدی ہوں گے جو اور خوبیوں کے ساتھ نہایت ہی سخی ہوں گے۔

۲؎ اس روایت اور پہلی روایت میں فرق صرف چند لفظوں کا ہے مطلب ایک ہی ہے یعنی اس خلیفہ کے زمانہ میں فتوحات، غنیمتیں دوسرے مال بہت کثرت سے ہوں گے، بادشاہ نہایت سخی ہوگا اس لیے تقسیم کی کثرت کا یہ حال ہوگا کہ لوگوں کو بادشاہ مال دے گا اور گنے گا نہیں، بے گنتی دے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ لایعد کے معنی یہ ہیں کہ وہ بادشاہ کل کے لیے مال اٹھا کر نہ رکھے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ فرات سونے کے خزانہ سے کھل جاوے ۱؎ تو جو وہاں حاضر ہو وہ اس میں سے کچھ نہ لے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی فرات کا پانی خشک ہو جاوے گا اور اس کی تہہ میں سونا چاندی کا خزانہ ظاہر ہوگا۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۲؎ یعنی اس سونے چاندی سے دور بھاگے وہاں ٹھہرے بھی نہیں کیونکہ اس پر بڑی لڑائی اور عام قتل ہوگا، نیز اس خزانہ کے لینے سے عذاب الٰہی نازل ہوگا بلائیں آئیں گی، نیز یہ مال خزانہ قارونی کی طرح منحوس ہوگا اس سے نفع لینا حرام ہوگا۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ فرات سونے کے پہاڑ سے کھل جاوے گا ۱؎ اس پر لوگ آپس میں جنگ کریں گے تو ہر سو میں سے ننانوے آدمی قتل ہو جاویں گے ان میں سے ہر شخص یہ ہی کہے گا کہ شاید میں ہی وہ ہوں جو نجات پا جائے ۲؎(مسلم)	

۱؎ غالبًا یہاں بھی وہ ہی واقعہ ارشاد ہوا جس کا ذکر ابھی پہلے ہوا، عبارت مختلف ہے مقصد ایک ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ دوسرا واقعہ ہے، یہاں پہاڑ سے مراد بیشمار سونا ہے یعنی پہاڑ بھر سونا ظاہری پہاڑ مراد نہیں۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ اس سونے پر سلطنتیں جنگ کریں گی عوام لڑیں گے۔غرضکہ سونا کیا ہوگا جنگ وجدال کی جڑ اور اللہ کا عذاب ہوگا، ہر شخص یہ ہی آس لگائے گا کہ شاید یہ سارا مجھے مل جائے چلو قسمت آزمائی کروں اور لوگوں سے لڑوں بھڑوں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے چاندی کے ستونوں کی شکل میں قے کردے گی ۱؎ تو قاتل آئے گا کہے گا کہ میں نے اس میں قتل کیا اور رشتے توڑنے والا آئے گا تو کہے گا کہ میں نے اس کے لیے اپنے رشتے توڑے اور	

	چور آئے گا تو کہے گا کیا اس کی وجہ سے میرے ہاتھ کاٹے گئے ۲؎ پھر وہ لوگ یہ سب کچھ چھوڑ دیں گے تو اس میں سے کچھ نہ لیں گے ۳؎(مسلم)

۱؎ افلاذ جمع ہے فلذۃ کی بمعنی ٹکڑا، جگر کے ٹکڑوں سے مراد ہے زمین کا خلاصہ۔اس سے مراد ہے سونے چاندی کے دفینے یا کانیں یا دیگر معدنیات یا زمین کی پیداوار گندم وغیرہ جس سے سونا چاندی حاصل ہو۔اس کی شرح وہ آیت ہے "وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا"۔ممکن ہے کہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہو اور زمین سے سونے چاندی کی سلاخیں نمودار ہوں مگر پہلے معانی زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں۔ان معانی سے یہ پیش گوئی پوری ہوچکی،اب زمین سے پیداوار بے شمار ہو رہی ہے،ولایتی کھاد اور ٹیوب ویل کے پانی نے ویرانوں کو آباد زمین میں تبدیل کردیا،ہر چیز کی پیداوار بہت بڑھ چکی ہے مگر آخری معنی کی تائید حدیث پاک کے آخری الفاظ سے ہو رہی ہے۔

۲؎ یعنی اس وقت سونا چاندی بہت حقیر ہوجائیں گے،ان کی بہتات انہیں معمولی چیز بنادے گی تب یہ مجرمین افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ افسوس اس حقیر چیز پر ہمارے اعضاء کاٹے گئے یہ وقت ابھی نہیں آیا ہے لیکن اگر دولت کی زیادتی ایسی ہی ہوتی رہے تو وہ وقت بھی قریب ہی ہے۔

۳؎ یعنی یہ ہی چور وغیرہ اس سونے چاندی کو ہاتھ نہ لگائیں گے،یہ وقت بھی ابھی نہیں آیا ابھی خوب دھڑا کے سے کہ چوری رشوت خوری ظلم و زیادتی ہو رہی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ دنیا نہ جائے گی حتی کہ ایک آدمی قبر پر گزرے گا تو وہ وہاں لوٹے گا اور کہے گا ہائے کاش اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا ۱؎ اور نہ ہوگا اس میں دین سواء بلا کے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی دنیا میں فتنے اور آفتیں بلائیں اس قدر ہوں گی کہ لوگ زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے اور قبر کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ اس قبر میں ہم دفن ہوچکے ہوتے۔

۲؎ یعنی اس لوٹنے والے تمنا کرنے والے میں دین کا شائبہ بھی نہ ہوگا اور وہ دین کی وجہ سے یہ آرزو نہ کرے گا بلکہ فتنوں میں مبتلا ہوگا،انہیں دنیاوی مصیبتوں کی وجہ سے یہ آرزو کرے گا،یا یہ مطلب ہے کہ زمین پر اس وقت دین نہ رہے گا فتنے ہی فتنے بلائیں ہی بلائیں ہوں گی،وہ زمانہ وہ ہوگا جب زمین دین سے خالی ہوجاوے گی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قائم ہوگی قیامت حتی کہ زمین حجاز سے ایک آگ اٹھے گی جو بصرے کے اونٹوں کی گردن چمکادے گی ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس آگ کے متعلق شارحین کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ اس آگ سے مراد فتنہ وجنگ تاتار کی آگ مراد ہے جس کا زیادہ زور بغداد میں رہا۔دوسرے یہ کہ اس آگ سے مراد واقعی آگ ہی ہے مگر وہ قریب قیامت نمودار ہوگی۔تیسرے یہ کہ آگ سے مراد آگ ہی ہے مگر یہ واقعہ ہوچکا کہ ماہ رجب تیسری تاریخ ۶۳۰ھ چھ سو تیس کو بیرون مدینہ منورہ ایک نہایت خطرناک آگ ایک بڑی شہر کی شکل میں نمودار ہوئی،باون ۵۲ دن رہی یہ آگ پتھروں کو جلاکر راکھ کردیتی تھی مگر درخت اس سے نہ جلتے تھے،ایک بڑا پتھر اس جنگل میں تھا جس کا نصف حصہ حرم شریف سے باہر تھا نصف حرم شریف کے اندر،اس آگ نے اس کا بیرونی حصہ جلادیا مگر اندرون حصہ نہ جلاسکی،اس آگ کی گرمی مدینہ منورہ میں نہ پہنچی تھی وہاں

ٹھنڈی ہوا ہی چلتی تھی باہر سخت گرمی تھی،رات کو اس کی روشنی سورج کی طرح ہوتی تھی جس سے اہل مدینہ اپنے کام کاج کرتے تھے مکہ معظّمہ میں اس کی روشنی دیکھی گئی،یمامہ اور بصرہ میں اس آگ کی روشنی دیکھی گئی،اہل مدینہ نے تنگ آکر روضہ مطہرہ پر دعا کی تو وہ آگ جانب شمال چلی گئی اور مدینہ منورہ محفوظ رہا۔(مرقات،اشعہ)بہرحال قوی تریہ ہی ہے کہ یہ واقعہ ہوچکا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قیامت کی علامت ہے مگر ہوچکی یوں ہی یہ آگ علامت قیامت ہے مگر واقعہ ہوچکی،یہ علامت صغریٰ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کردے گی ۱(بخاری)

۱؎ یہاں آگ سے مراد دوسری اور آگ ہے جو قریب قیامت نکلے گی۔پچھلی حدیث میں جس آگ کا ذکر تھا وہ گزر چکی اس نے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالا نہیں یہ آگ نکالے گی۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس آگ سے مراد کوئی جنگ عظیم مراد ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں سے بھاگ جائیں گے مگر یہ درست نہیں۔پہلی توجیہ قوی ہے بلاوجہ کسی لفظ کے حقیقی معنی نہیں چھوڑنے چاہئیں۔اول کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی بڑی علامات میں پہلی علامت یہ ہوگی،باقی علامات اس کے بعد نمودار ہوں گی گویا یہ آگ اگلی علامات کا پیش خیمہ ہوگی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ زمانہ جلد گزرنے لگے گا ۱؎ تو ایک سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور دن ایک گھڑی کی طرح ہوگا اور گھڑی آگ سلگانے کی طرح ۲؎(ترمذی)

۱؎ یا اس طرح جلد گزرے گا کہ زمانہ اور وقت میں برکت نہ رہے گی،انسان ایک کام بھی نہ کرسکے گا کہ دن ختم ہوجاوے گا یا اس طرح کہ لوگ مصیبتوں آفتوں میں ایسے مبتلا ہوجائیں گے کہ انہیں وقت محسوس نہ ہوگا۔مصیبت کا زمانہ اگر احساس کیا جاوے تو دراز محسوس ہوتا ہے،اگر احساس ہی نہ رہے ہوش اڑ جاوے تو وقت محسوس نہیں ہوتا یا اس زمانہ میں لوگوں میں عیش و آرام بہت زیادہ ہوگا اور عیش و آرام کا زمانہ محسوس نہیں ہوتا۔

۲؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی۔ضرمۃ ض کے فتحہ سے ر کے کسرہ سے بمعنی آگ سلگانا جو جلانے سے پہلے ہوتا ہے یہ فرمان عالی بطور مثال سمجھانے کے لیے لہذا حدیث واضح ہے۔یہاں ساعت سے مراد پل یا سیکنڈ یا گھڑی نہیں بلکہ کم از کم ایک گھنٹہ مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حوالہ سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم کو جہاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل بھیجا ۲؎ تو ہم واپس ہوئے کہ ہم نے کوئی غنیمت حاصل نہ کی ۳؎ اور حضور نے ہمارے چہروں میں مشقت محسوس کی ۴؎ تو ہم میں کھڑے ہوئے پھر فرمایا الٰہی انہیں میرے

حوالہ نہ کر کہ میں ان سے دور ہو جاؤں گا۵؎ اور انہیں ان کے نفسوں کے حوالہ نہ کر یہ ان سے عاجز ہو جائیں گے٦؎ اور نہ انہیں لوگوں کے سپرد کر ورنہ وہ ان پر دوسروں کو ترجیح دیں گے۷؎ پھر حضور نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا پھر فرمایا اے ابن حوالہ جب تم دیکھو کہ خلافت زمین مقدس میں اتر گئی۸؎ تو زلزلے اور رنج و غم اور بڑے بڑے کام قریب ہو جائیں گے۹؎ اور اس دن قیامت زیادہ قریب ہوگی بمقابلہ میرے اس ہاتھ کے تمہارے سر سے۱۰؎	

۱؎ حوالہ ح اور واؤ کے فتح سے، آپ عبداللہ ابن حوالہ صحابی ہیں، قبیلہ بنی ازد سے ہیں، شام میں قیام رہا، آپ سے صرف تین حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی ہم کو جہاد کے لیے پیدل بھیجا کیونکہ اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں بہت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا۔ یہ سریہ تھا جس میں حضور خود تشریف نہ لے گئے تھے۔

۳؎ یعنی ہم لوگ نہ تو شہید و زخمی ہوئے نہ دشمن پر فتح حاصل کرسکے، امن و امان سے واپس لوٹے مگر کامیاب نہ لوٹے۔

۴؎ یہاں جہد سے مراد بھوک، سفر کی تکالیف اور ساتھ میں ناکام ہونے کی ندامت و شرمندگی سب ہی مراد ہیں۔ اگر انسان کامیاب لوٹے تو سفر و بھوک کی مشقتیں بھول جاتا ہے، ناکام لوٹے تو مشقتیں دوگنا ہو جاتی ہیں۔

۵؎ یعنی اگر تو انہیں مجھ پر چھوڑ دے اور تو میری مدد نہ کرے بالکل میرے سپرد کردے تو میں انہیں تو کیا اپنے کو بھی نہیں سنبھال سکتا کیونکہ **الانسان خلق ضعیفا**، میں بندہ ضعیف ہوں اور اگر تو میری مدد کرے پھر انہیں میرے سپرد کردے تو یہ تو کیا تیری مدد سے دونوں عالم کو سنبھال لوں گا۔ یوسف علیہ السلام نے قحط کے زمانہ میں رب تعالٰی کی مدد سے تمام جہان کو پال لیا، حضور فرماتے ہیں **اللہ المعطی وانا القاسم**۔ قیامت میں سب کی شفاعت حضور کریں گے آج حضور سب کے سلام عرض معروض سن رہے ہیں ہم جیسے کروڑوں حضور کے نام پر پل رہے ہیں مگر یہ سب کچھ اللہ تعالٰی کی مدد سے ہے لہذا یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محض مجبوری کی نہیں۔ مشین اگر پاور کے تار سے جڑ جاوے تو سب کچھ ہے اس سے الگ ہو کر کچھ نہیں۔

٦؎ دیکھو آج غیر مقلد آئمہ دین کو، رافضی خلفاء راشدین بلکہ تمام صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں، دیوبندی تمام سلف صالحین کو مشرک و کافر بتاتے ہیں۔ اس فرمان عالی کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے "**قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ**" آیت میں **الا ماشاءاللہ** نے مسئلہ واضح کردیا۔

۷؎ ہمارے اعمال کا بھی یہ ہی حال ہے رب کرم کرے تو ہم نیک اعمال کریں گے، اگر وہ ہم کو چھوڑ دے تو ہم بداعمالیوں بد عقیدگیوں کے گڑھے میں گر جائیں۔ ڈھیلہ اوپر جائے گا دوسرے کے پھینکنے سے نیچے گرے گا اپنی طاقت سے۔

۸؎ اس طرح کہ ان کا حق مار کر اپنے آپ لیں گے یا دوسرے نااہلوں کو دیں گے انہیں محروم کردیں گے۔

۹؎ یعنی جب بیت المقدس کو مسلمان فتح کرلیں گے اور اسے دار الخلافہ بنالیں گے کہ بادشاہ اسلام وہاں ہی رہے ہیں یہ قریب قیامت ہوگا، اب تک بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہا مگر دار الخلافہ عمان رہا، اب اس پر یہود نے قبضہ کرلیا ہے ان شاءاللہ عنقریب مسلمان فتح کریں گے۔

۱۰؎ بلابل جمع ہے بلبلۃ کی بمعنی رنج و غم اور وسوسے یعنی اس زمانہ سے ان کو چین نہ رہے گا۔بڑے کاموں سے مراد ہیں قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب غنیمت کو اپنی دولت ۱؎ اور امانت کو غنیمت اور زکوۃ کو ٹیکس بنالیا جاوے ۲؎ اور غیر دین کے لیے علم حاصل کیا جاوے ۳؎ اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت ماں کی نافرمانی کرے اور اپنے دوست کو قریب باپ کو دور کرے ۴؎ اور مسجدوں میں آوازیں اونچی ہوں ۵؎ اور قبیلہ کا بدکار قوم کی سرداری کرے اور قوم کا ذمہ دار ان کا کمینہ ہو اور آدمی کی تعظیم کی جاوے اس کی شرارت کے خوف سے ۶؎ اور رنڈیاں باجے ظاہر ہو جاویں اور شرابیں پی جاویں ۷؎ اور اس کے پچھلے اگلوں پر لعنت کریں اس وقت تم سرخ ہوا،زلزلہ،دھنسنا اور صورتیں بدلنا پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو لگاتار ہوں گی جیسے ہار جس کا دھاگہ توڑ دیا جاوے تو لگاتار کرکے ۸؎(ترمذی)

۱؎ یعنی اس زمانہ سے متصل ہی قیامت ہوگی۔اس جگہ مشکوۃ شریف میں خالی جگہ چھوڑی ہے یعنی صاحب مشکوۃ کو اس حدیث کا مخرج و ماخذ معلوم نہیں ہوا مگر یہ حدیث ابوداؤد اور حاکم نے روایت فرمائی۔اسلام میں جہاد میں مال غنیمت غازیوں میں تقسیم ہوتا ہے گویا غنیمت غازیوں کا حصہ ہوتا ہے مگر قریب قیامت غنیمت کو مالدار آپس میں تقسیم کرلیا کریں گے،غریب غازیوں کو اس سے محروم کردیا کریں گے اسے اپنی دولت سمجھیں گے۔

۲؎ یعنی لوگ امانت کا مال اس طرح ہضم کر جاویں جیسے مال غنیمت اور لوگ زکوۃ دیں تو مگر عبادت سمجھ کر نہیں بلکہ ٹیکس سمجھ کر بے دلی بلکہ بددلی سے۔

۳؎ یعنی مسلمان دینی علم نہ پڑھیں دنیاوی علوم پڑھیں یا دینی طلباء دینی علم پڑھیں مگر تبلیغ دین کے لیے نہیں بلکہ دنیا کمانے کے لیے جیسے آج مولوی عالم مولوی فاضل کے کورس میں فقہ تفسیر و حدیث کی ایک آدھ کتاب داخل ہے تو امتحان دینے والے یہ کتابیں پڑھ تو لیتے ہیں مگر صرف امتحان میں پاس ہو کر نوکری حاصل کرنے کے لیے،بعض طلباء صرف وعظ گوئی کے لیے دینی کتابیں پڑھتے ہیں۔

۴؎ یعنی بیوی کے کہنے میں آکر ماں سے دور رہے،اس کی نافرمانی کرے نیک باپ سے نفرت اور فاسق دوستوں سے محبت کرے۔غرضکہ بیوی اور دوستوں کی محبت میں ماں باپ کو ستائے یہ بات آج عام ہورہی ہے۔

۵؎ یعنی مسجدوں میں دنیاوی باتوں کا شور،لڑائیاں جھگڑے ہونے لگیں،نعت خوانی،ذکر اللہ کی مجلسیں،میلاد شریف ذکر کے حلقے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں بھی مسجدوں میں ہوتے تھے بعد نماز بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا،مسجد حرام میں بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے طواف ہوتا تھا،حضرت حسان مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پڑھتے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اپنا میلاد خود ارشاد فرمایا ہے،لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ پر مسجد میں نعرہ تکبیر لگاتے تھے لہذا یہ آوازیں یہاں مراد نہیں۔

۶؎ یہ تینوں باتیں آج دیکھی جارہی ہیں فاسق و فاجر سردار ہیں،شریر لوگوں سے لوگ ڈرتے ہیں،ان کے سامنے حق بات نہیں کہہ سکتے۔

ے۔ ان چیزوں کارواج توآنکھوں دیکھا جارہاہے۔عرب کے عام علاقوں میں شراب کھانے کا جزبن چکی ہے،ریڈیو کے ذریعہ ہرگھر رنڈی خانہ بناہوا ہے ہر درو دیوار سے گانے کی آوازیں آرہی ہیں،یہ کل سولہ چیزیں ہوئیں۔

۸۔ یعنی جب مسلمانوں میں مذکورہ سولہ عیوب جمع ہوجائیں توان پر یہ مذکورہ پانچ دنیاوی عذاب یکے بعد دیگرے ایسے مسلسل آئیں گے جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جانے پراس کے دانے مسلسل اوپر تلے گرتے ہیں۔خیال رہے کہ مسلمانوں میں چودہ عیوب پیدا ہوچکے ہیں جن میں سے بعض عیب وہ ہیں جو سواء مسلمانوں کے کسی قوم میں نہیں جیسے مسجد میں دنیاوی باتیں کرکے شور مچانا،یابزرگوں اور سلف صالحین کو کافرو مشرک کہنا انہیں گالیاں دینا،عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خچر کے کھر کے نعل کا بڑاہی ادب واحترام کرتے ہیں مگر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو خود ہی مٹاتے ہیں،ساری قومیں اپنے بزرگوں کے دوستوں بیویوں کا بڑااحترام کرتی ہیں حتی کہ ہندو ہنومان کا ادب کرتے ہیں جو رام چندر کا ساتھی تھا،مصیبت کا مددگار تھا مگر مسلمان وہ قوم ہے جواپنے نبی کی بیویوں دوستوں پر تبرا کرنا عبادت جانتی ہے۔ابن عساکر نے حضرت جابر سے مرفوعًا روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر عمر کی محبت ایمان ہے ان سے بغض کفر ہے،جو میرے صحابہ کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو ان کی عزت کی حفاظت کرے میں اس کی حفاظت کروں گا۔(مرقات)اوراب مذکورہ عذاب آنے شروع ہوگئے ہیں ہر جگہ مسلمان زمینی اورآسمانی مصیبتوں میں گرفتار ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت پندرہ خصلتیں اختیار کرے ۱؎ تو ان پر بلا نازل ہوگی اور یہ مذکورہ خصلتیں گنوائیں اور نہیں ذکر کیا کہ علم سیکھا جاوے غیر دین کے لیے ۲؎ فرمایا کہ اپنے دوست سے سلوک اپنے باپ پر ظلم کرے فرمایا اور شراب پی جاوے اور ریشم پہنا جاوے ۳؎(ترمذی)

۱؎ یعنی وہ ہی عیوب جو ابھی مذکور ہوئے غنیمت کو دولت بنانے سے لے کر شراب پینے کے ذکر تک۔

۲؎ یہ قول صاحب مصابیح کا ہے،چونکہ مذکورہ حدیث میں سولہ عیوب کا ذکر ہے اور آپ فرمارہے ہیں پندرہ اس لیے فرمایا کہ حضرت علی نے ایک عیب کا ذکر نہ فرمایا یعنی علم دین سیکھنا دنیا کے لیے۔

۳؎ یعنی اس روایت کے بعض الفاظ پہلی حدیث کے کچھ خلاف ہیں مگر معنی مطلب ایک ہی ہے وہاں تھا ادنیٰ یہاں ہے **بر** ،وہاں تھا **اقصیٰ** یہاں ہے **جفا**،وہاں تھا **الخمور** یہاں ہے **الخمر** ،وہاں ریشم پہننے کا ذکر نہ تھا یہاں ہے مگر یہاں لعنت کا ذکر نہیں اس کی بجائے ریشم پہننے کا ذکر ہے اور بجائے تعلیم دین کے یہ ہو تو اس میں بھی سولہ عیوب کا ذکر ہو جاوے گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا ختم نہ ہوگی حتی کہ عرب کا بادشاہ ایک شخص بنے ۱؎ میرے گھر والوں میں سے جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)اس کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہا ہوتا تو اللہ اس دن کو دراز فرمادیتا ۳؎ حتی کہ اس دن میں ایک شخص بھیجتا جو مجھ سے یا میرے گھر والوں سے ہے اس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے

	موافق ہوگا ۴ وہ آسمان وزمین کو انصاف وعدل سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم وزیادتیوں سے بھری تھی ۵

۱؎ یہ صاحب یعنی امام مہدی ساری دنیا یعنی عرب وعجم کے بادشاہ ہوں گے جیسا کہ اگلی حدیثوں میں آرہا ہے، مگر چونکہ ہر مسلمان دراصل عربی ہے کہ مسلمانوں کے جسم عجمی ہوسکتے ہیں مگر روح سب کی عربی ہے اس لیے **العرب** فرمایا ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

جسم ہندی ہے میرا جان ہے میری مدنی　　　یاخدا دور ہو کس طرح یہ بعدبدنی

یا یہ مطلب ہے کہ اہل عرب ان کا مقابلہ نہ کریں گے عجمی لوگ اولًا کچھ مخالفت کریں گے پھر سب ان کی اطاعت کرلیں گے،یا عرب فرمایا اور عرب وعجم دونوں مراد لیے جیسے "تَقِيْكُمُ الْحَرَّ "فرمایا مگر مراد گرمی سردی دونوں ہیں،ایسے ہی یہاں۔(مرقات)

۲؎ ان کا نام محمد ہوگا،لقب مہدی۔بعض جاہل کہتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے جو اس شکل میں تشریف لائیں گے،یہ عقیدہ کفر ہے۔یہاں صاف ارشاد ہے کہ وہ میرے اہل بیت یعنی اولاد فاطمہ زہرا سے ہوں گے ہاں حسنی سید ہوں گے۔

۳؎ یہ بطور مثال ارشاد فرمایا گیا یعنی امام مہدی کی تشریف آوری کا فیصلہ ہوچکا ہے وہ یقینًا دنیا میں آئیں گے۔فرض کرلو کہ اگر دنیا کی زندگی ختم ہوچکی ہوتی صرف ایک دن باقی رہ گیا ہوتا تب بھی وہ ضرور تشریف لاتے کہ وہ دن ہی دراز ہوجاتا۔

۴؎ یعنی ان کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا۔اس حدیث سے ان روافض کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ امام مہدی پیدا ہوچکے ہیں،ان کا نام محمد ابن حسن عسکری ہے یہ غلط ہے وہ پیدا ہوں گے اور محمد ابن عبداللہ نام ہوگا۔

۵؎ یعنی ان سے پہلے دنیا میں بہت ظلم وستم پھیل چکا ہوگا،آپ عدل وانصاف کریں گے۔قسط سے مراد ہر حق والے کو اس کا حق دے دینا اور عدل سے مراد شریعت کے احکام جاری کرنا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مہدی میری اولاد سے اولاد فاطمہ سے ہے ۱ (ابوداؤد)

۱؎ عترت کے معنی ہیں اہل قرابت عزیز اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج پاک سب ہی داخل ہیں۔بعض نے فرمایا کہ سارے قریشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت ہیں۔واللہ اعلم! اولاد فاطمہ کہہ کر یہ فرمایا کہ یہاں عترت سے مراد اولاد ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ امام مہدی سید ہوں گے،مرزا قادیانی مرزا ہوکر امام مہدی بنتا ہے تعجب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہدی مجھ سے ہیں ۱ چوڑی پیشانی والے،اونچی ناک والے ۲ زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے جیسے وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی سات سال سلطنت کریں گے ۳ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی میری امت میری جماعت بلکہ میری اولاد سے ہیں یا مجھ سے بہت قرب رکھنے والے ہیں جیسے فرمایا گیا کہ حسین مجھ سے ہیں میں حسین سے یعنی میں ان سے قریب وہ مجھ سے قریب۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل بھی ہوں گے حضور کی جیتی جاگتی تصویر کہ یہ دونوں صفتیں حضور انور کی ہیں چوڑی پیشانی،اونچی ناک شریف،کشادہ پیشانی اونچی بینی انتہائی حسن ہے پتلی اونچی لمبی ناک سبحان اللہ !

۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت امام مہدی سلطان ہوں گے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام وزیراعظم یا وزیر دفاع کیونکہ امام مہدی کو بادشاہ فرمایا گیا۔جن روایات میں ہے کہ آٹھ سال سلطنت کریں گے وہاں تقریبی آٹھ سال مراد ہیں یعنی سات سال چندماہ،نیز آٹھ یا نو سال کی روایات مشکوک ہیں سات سال کی روایت یقینی ہے۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی امام مہدی کے قصے کے بارے میں فرمایا پھر آئے گا ان کے پاس ایک شخص کہے گا اے مہدی مجھے دیجئے مجھے دیجئے فرمایا آپ اس کے کپڑے میں لپ بھر کے ڈالتے رہیں گے جس قدر اٹھانے کی وہ طاقت رکھے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی جیسے صورت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ ہوں گے ویسے ہی سیرت واخلاق میں بھی،ان کی طبیعت میں جو سخاوت رحم وکرم انتہائی ہوگا گھڑی بھر بھر دینا جو منگتے سے اٹھ نہ سکے حضور انور کی ہی سخاوت ہے حضور انور نے حضرت عباس کو اتنا دیا کہ گٹھڑی ان سے اٹھ نہ سکی۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ ایک خلیفہ کے وفات وقت اختلاف ہوگا ۱؎ تو ایک شخص اہل مدینہ سے مکہ معظّمہ کی طرف بھاگتے ہوئے نکلے گا۲؎ تو مکہ والوں میں سے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اسے باہر لائیں گے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتا ہوگا۳؎ یہ لوگ اس سے مقام ابراہیم اور سنگ اسود کے درمیان بیعت کریں گے ۴؎ اور ان کی طرف شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا اسے مکہ ومدینہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسادیا جاوے گا۵؎ جب لوگ یہ دیکھیں گے تو ان کے پاس شام کے ابدال اور عراق والوں کی جماعتیں آئیں گی تو اس سے بیعت کرلیں گے ۶؎ پھر قریش کا ایک شخص نکلے گا جس کے ماموں بنو کلب ہوں گے وہ ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا وہ ان پر غالب آئیں گے ۷؎ یہ بنی کلب کا لشکر ہوگا وہ لوگوں میں ان کے نبی کی سنت پر عمل کرے گا ۸؎ اور اسلام زمین میں اپنی گردن بچھادے گا ۹؎ پھر وہ سات سال قیام کریں گے پھر وفات پاجائیں گے اور ان پر مسلمان نماز پڑھیں گے ۱۰؎(ابوداؤد)	

۱؎ اس خلیفہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا مگر یہ آخری خلیفہ ہوگا جس کے بعد امام مہدی خلیفہ ہوں گے پارلیمنٹ کے ممبروں میں اختلاف ہوگا کہ کسے خلیفہ چنیں۔

۲؎ یعنی جس شہر میں اس خلیفہ کا انتقال ہوگا اور جہاں دوسرے خلیفہ کا چناؤ ہونے والا ہوگا وہاں ہی یہ صاحب رہتے ہوں گے،وہ اس خوف سے سب سے نکل جاویں گے کہ لوگ انہیں ہی خلیفہ نہ چن لیں سلطنت سے نفرت کرتے ہوئے نکلیں گے۔جو حکومت سے متنفر ہو اس کا حاکم بننا مبارک ہوتا ہے اور جو حکومت کا طالب ہو اس کا حاکم بننا فساد کا باعث ہے۔یہاں مدینہ منورہ سے مراد یا مدینہ منورہ ہے یا وہ شہر جہاں خلیفہ کا چناؤ ہو رہا ہوگا مگر خیال رہے کہ وہ خلیفہ مدینہ منورہ میں نہیں ہوگا جس کا انتقال ہوا ہوگا۔خلافت عثمان کے بعد ہی مدینہ منورہ سے خلافت منتقل ہوچکی حضرت امیر معاویہ کی یہ پیشگوئی درست ہوئی کہ مدینہ میں خلیفہ کا قتل ہوا اب مدینہ سے خلافت منتقل ہوگئی۔چنانچہ اب تک کوئی خلیفہ مدینہ منورہ میں نہیں رہا نہ آئندہ رہنے کی امید ہے۔

۳؎ یعنی وہ مکہ مکرمہ میں کسی گھر میں تشریف فرما ہوں گے لوگوں سے چھپے ہوئے مگر لوگ یعنی مکہ والے ان کے دروازے پر پہنچ کر انہیں تقاضا کرکے باہر لائیں گے اور ان کے ہاتھ شریف پہ جبرًا بیعت کریں گے اور انہیں اپنا خلیفہ مان لیں گے۔

۴؎ غالبًا یہ بیعت کعبہ معظّمہ کے حطیم شریف میں واقع ہوگی کہ حطیم شریف سنگ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آجاتی ہے۔(مرقات)

۵؎ یعنی اس شام کا بادشاہ کوئی کافر ہوگا،جب اسے ان کی خلافت کا پتہ لگے گا تو وہ ان سے جنگ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر بھیجے گا،اس لشکر کا نام لشکر سفیانی ہوگا کہ یہ لوگ خالد ابن یزید ابن ابی سفیان کے اولاد سے ہوں گے یہ شخص یعنی خالد دراز سر چیچک رو سفید آنکھ والا تھا،یہ لشکر ایک چٹیل میدان میں زمین میں غرق ہوجاوے گا۔یہ میدان حرمین طیبین کے درمیان ہے،یہ وہ میدان نہیں جو ذوالحلیفہ کے سامنے مدینہ منورہ میں ہے۔(مرقات) اس لشکر میں صرف ایک شخص بچے گا جو ان کی ہلاکت کی خبر لوگوں تک پہنچائے گا۔

۶؎ یعنی حضرت امام مہدی کی یہ کرامت جب لوگوں میں مشہور ہوگی تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں ان کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے بیعت کریں گی۔ابدال اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے جن کی تعداد ستر ۷۰ ہے چالیس شام میں اور تیس دوسرے مقامات میں رہتے ہیں،جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو عام مسلمانوں میں سے کسی کو اس کی جگہ مقرر کردیا جاتا ہے اس لیے انہیں ابدال کہتے ہیں۔حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ جس میں رضا بالقضاء،بری باتوں سے زبان روکنا،اللہ کے لیے غصہ کرنا پایا جاوے وہ ان شاءاللہ ابدال میں داخل ہوگا،امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ جو شخص روزانہ تین بار یہ دعا پڑھ لیا کرے تو ان شاءاللہ ابدال میں سے ہوگا۔**اللھم اغفر لامة محمد،اللھم ارحم امة محمد،اللھم تجاوز عن امة محمد**۔عراق سے بھی اولیاء اللہ کی جماعت آکر امام مہدی سے بیعت کرے گی۔(اشعہ)

۷؎ یعنی یہ خبیث انسان اپنے ماموں نبی کلب کی مدد لے کر جناب امام مہدی کے مقابلہ میں لشکر بھیجے گا تو امام مہدی کے لشکر والے اس لشکر پر فتح پائیں گے۔یہ لوگ شکست فاش پائیں گے۔

۸؎ یعنی امام مہدی لوگوں میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیلائیں گے،ان سے سنت پر عمل کرائیں گے دنیا میں بڑی برکات ہوں گی۔

۹؎ **جران** جیم کے کسرہ ر کے فتحہ سے اونٹ کی گردن،جب اونٹ اطمینان سے زمین پر بیٹھتا ہے تو اپنی گردن بچھادیتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں جنگ جدال وغیرہ بند ہوجاویں گے،لوگوں کو امن نصیب ہوگا،اسلام کی بہت اشاعت ہوگی،استقامت اسلام کو سمجھانے کے لیے یہ فرمایا گیا۔

۱۰؎ یعنی امام مہدی خلیفہ بننے کے بعد سات سال خلافت کریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی یہ پتہ نہیں چلا کہ وفات کہاں ہوگی۔شیعہ کہتے ہیں کہ حسن عسکری کے بیٹے محمد امام مہدی ہیں جو پیدا ہوچکے ہیں اور غائب ہوگئے ہیں قریب قیامت ظاہر ہوں گے،یہ عقیدہ محض باطل ہے۔خیال رہے کہ صوفیاء کی اصطلاح میں اولیاء اللہ کے طبقات و تعداد مختلف ہیں۔چنانچہ ہمیشہ دنیا میں ایک قطب ہوگا اور چار اوتاد،چالیس یا ستر ابدال،تین سو یا پانچ سو نقیب،بعض کے نزدیک پانچ امناء یا نجباء بھی ہیں،ان کے کام و نام کتب صوفیاء میں ملاحظہ کرو۔زمانہ تابعین میں اویس قرنی قطب الوقت تھے،پھر

حضور شیخ عبدالقادر جیلانی بالاتفاق قطب ہیں۔(مرقات)ان حضرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔اس کی بحث آخر کتاب میں آوے گی ان شاء اللہ تعالٰی،غوث اعظم قطب عالم غالبًا ایک ہی ولی کا نام ہے،اللہ تعالٰی کے فیوض باطنی قطب عالم پر نازل ہوتے ہیں پھر قطب عالم کی طرف سے عالم میں بقدر ظرف تقسیم ہوتے ہیں،چاروں سمتوں میں رہتے ہیں مشرق،مغرب،جنوب،شمال،یہ حضرات قطب سے فیض لے کر اپنے علاقے میں تقسیم کرتے ہیں۔(مرقات)خیال رہے کہ یہ فیوض باطنی کا حال ہے مسائل فقیہہ صوفیاء کے کشف سے ثابت نہیں ہوتے اگرچہ وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نقل فرمادیں کیونکہ شریعت کے دلائل کتاب وسنت ہیں نہ کہ صرف کشف۔(مرقات)ہاں کشف سے فقہی مسئلہ کی تائید ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلا کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پہنچے گی حتی کہ آدمی جائے پناہ نہ پائے گا جہاں ظلم سے پناہ لے تو اللہ تعالٰی میری اولاد اور میرے گھر والوں سے ایک شخص کو بھیجے گا کہ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی اس سے آسمان وزمین کے رہنے والے راضی ہوں گے ۱؎ آسمان اپنا کوئی قطرہ نہ چھوڑے گا مگر وہ برسا دے گا بہتا ہوا ۲؎ اور زمین اپنی کوئی سبزی نہ چھوڑے گی مگر اگا دے گی ۳؎ حتی کہ زندہ لوگ مردوں کی تمنا کریں گے ۴؎ وہ اسی حالت میں سات سال یا آٹھ سال یا نو سال زندہ رہیں گے ۵؎

۱؎ یعنی امام مہدی سے دنیا کے لوگ آسمانوں کے فرشتے خوش ہوں گے کیونکہ وہ سلطان عادل بھی ہوں گے ولی کامل بھی،سلطان عادل سے زمین والے خوش رہتے ہیں اور ولی کامل سے آسمان والے راضی لہذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے۔

۲؎ یعنی بوقت ضرورت بارش ہوگی اور پوری ہوگی نہ کم کہ پیداوار کم ہو،نہ زیادہ کہ کھیت تباہ ہوجاوے۔اس فرمان عالی کا یہ مطلب ہے یعنی ضرورت والی بارش پوری آئے گی،یہ مطلب نہیں کہ جتنا پانی سمندروں میں ہے سب ہی برس جاوے گا کہ پھر تو دنیا تباہ ہوجاوے۔

۳؎ یعنی جس قدر پیداوار ہوسکتی ہیں وہ ہوگی اور جس قسم کی چیزیں زمین سے پیدا ہوسکتی ہیں وہ سب پیدا ہوجائیں گی ہر قسم کے دانہ پھل نہایت کثرت سے ہوں گے۔اللہ تعالٰی اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے گا،جب بادشاہ اچھا ہو تو اللہ تعالٰی کی رحمت بہت ہوتی ہے۔

۴؎ یعنی زندہ لوگ آرزو کریں گے کہ ہمارے مردے آج زندہ ہوتے تو وہ بھی آج کی برکتیں رحمتیں دیکھتے اور ان سے فائدے اٹھاتے۔

۵؎ یہ شک راوی کو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال فرمائے یا آٹھ سال یا نو سال مگر گزشتہ حدیث سے ثابت ہوا کہ سات سال کی روایت قوی ہے۔یہاں مشکوۃ شریف نے سفید جگہ چھوڑی ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس حدیث کا مخرج صاحب مشکوۃ کو نہ ملا مگر اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا جسے حارث کہا جائے گا ۱؎ کسان ہوگا ۲؎ اس کے لشکر کے اگلے حصہ پر ایک شخص ہوگا جسے منصور کہا جاوے گا ۳؎ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو ایسی ہی جگہ دے گا جیسے

قریش نے اللہ کے رسول کو جگہ دی تھی ۴؎ ہر مسلمان پر اس کی مدد ضروری ہے یا فرمایا اس کی بات قبول کرنا ضروری ہے ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ وراء النہر ایک علاقہ کا نام ہے جس میں بہت سے شہر ہیں جیسے بخارا اور سمرقند وغیرہ۔

۲؎ یعنی اس کا نام حارث ہوگا لقب حراث کیونکہ وہ کھیتی باڑی کرتا ہوگا۔

۳؎ منصور یا تو اس کا نام ہوگا یا اس کا لقب غالبًا یہ صاحب حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔(مرقات)

۴؎ یہاں قریش سے مراد ابوطالب حمزہ اور دوسرے وہ قریش حضرات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے خدمت و حفاظت کرتے رہے اگرچہ اہل سنت کے نزدیک ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں، بعض نے فرمایا کہ آل محمد سے مراد حضرت امام مہدی اور ان کے متبعین ہیں یعنی حارث یا منصور امام مہدی کے بڑے معاون اور مددگار ہوں گے۔

۵؎ یعنی ہر مسلمان پر حارث یا منصور کی مدد کرنا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت نہ آئے گی حتی کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے ۱؎ اور حتی کہ آدمی سے اس کے کوڑے کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ باتیں کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب خبر دے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے پیچھے کیا ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی ہر قسم کے درندے خواہ چرندے ہوں جیسے شیر بھیڑیا وغیرہ یا پرندے جیسے باز شکرہ وغیرہ ہر قسم کے انسان سے باتیں کریں گے اس انسان کی زبان میں جو اس کی مادری ہو۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔مؤمن و کافر ہر انسان سے کلام کریں گے،اولیاء اللہ سے تو آج بھی کلام کرتے ہیں بلکہ ان سے شجر و حجر کلام کرتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

نطق آب و نطق خاک و گل — ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی گو منکر حنانہ است — از حواس اولیاء بیگانہ است

۲؎ یعنی ایسی مشینیں ایجاد ہو جاویں گی جو انسانوں کے کلام بلکہ کام کو کیچ کرلیا کریں گی وہ مشینیں دیواروں،جوتوں،کواڑوں میں فٹ ہوں گی اور اسے ہر بات بتائیں گی۔موجودہ سائنس نے ان چیزوں کو ممکن بلکہ قریب الوقوع بنا دیا،در و دیواروں سے تو اب بھی آوازیں آرہی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑی نشانیاں دوسو برس کے بعد ہیں ۱؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی بڑی علامات قیامت یا ان علامات کا لگاتار ظہور آج سے دوسو برس بعد شروع ہوگا یا ہجرت سے یا ہماری وفات سے سنہ ایک ہزار ہجری سے دوسو برس بعد شروع ہوگا اس بعدیت میں بڑی گنجائش ہے اگر دو ہزار برس بعد بھی ہو تب ان دوسو کے بعد ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب تم کالے جھنڈے دیکھو ۱؎ کہ خراسان کی طرف آرہے ہیں ۲؎ تو تم وہاں جانا کیونکہ اس میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے ۳؎(احمد، بیہقی دلائل النبوۃ)

۱؎ اس میں خطاب حضرات صحابہ سے نہیں بلکہ عام مسلمانوں سے ہے کیونکہ یہ واقعہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں نہیں بلکہ قریب قیامت ہے اگرچہ اس وقت خضر علیہ السلام موجود ہوں گے، یہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابی نہیں، نیز بعض جنات صحابہ ہوں گے مگر وہ زمانہ صحابہ کرام کا زمانہ نہیں ہوگا لہذا خطاب عام ہے۔

۲؎ یعنی اسلام کا عظیم الشان اور جرار لشکر جو بہت سے جھنڈوں کے تلے ہوگا۔غالبًا یہ لشکر جرار حارث اور منصور کا ہوگا جن کا ذکر پہلے ہوچکا۔

۳؎ یعنی اس لشکر میں امام مہدی بذات خود سپاہیانہ شان سے ہوں گے۔آپ اس وقت خلیفہ نہ بنے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ اس لشکر پر امام مہدی کا ہاتھ ہوگا ان کی نصرت ہوگی لہذا یہ حدیث اس فرمان عالی کے خلاف نہیں کہ حضرات امام مہدی کا ظہور حرمین شریفین کے درمیان ہوگا کہ وہ وقت آپ کی خلافت کے ظہور کا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیاہ رنگ ماتمی نہیں جو کہ روافض کا خیال ہے، فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا عمامہ سیاہ تھا،ان جھنڈوں کا رنگ سیاہ ہی ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابواسحاق سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا حضرت علی نے اور اپنے بیٹے حسن کو دیکھا کہ یہ میرا یہ بیٹا سید ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اسے سید فرمایا ۲؎ اس کی پشت سے ایک شخص نکلے گا ۳؎ جو تمہارے نبی کے نام سے موسوم ہوگا،عادت میں ان کے مشابہہ ہوگا اور شکل میں مشابہہ نہ ہوگا ۴؎ پھر پورا قصہ بیان فرمایا کہ وہ زمین کو انصاف سے بھر دے گا (ابوداؤد) اور قصہ کا ذکر نہ فرمایا۔

۱؎ آپ ابواسحاق سبیعی ہمدانی کوفی ہیں،تابعی ہیں،بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے،شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور ۱۲۹ھ میں وفات پائی،بڑے متقی عالم بڑے محدث ہیں۔(اکمال،مرقات)

۲؎ یعنی حضرت حسن مسلمانوں کا سردار ہے۔آج حضور کی اولاد کو جو سید کہتے ہیں اس کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے،رب تعالٰی نے یحیی علیہ السلام کے متعلق فرمایا:"سَیِّدًا وَّ حَصُوۡرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ"۔

۳؎ امام مہدی والد کی طرف سے حسنی سید ہوں گے والدہ کی طرف سے حسینی،آپ کے اصول میں کوئی والدہ حضرت عباس کی اولاد سے ہوں گی لہذا آپ حسنی بھی ہیں حسینی بھی اور عباسی بھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(اشعہ) غالبًا آپ حضور غوث الثقلین شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے ہوں گے،غوث پاک بھی حسنی حسینی سید ہیں۔اس میں روافض کی تردید ہے کہ محمد ابن حسن عسکری امام مہدی ہیں جو غار میں چھپے ہوئے ہیں کیونکہ وہ حسینی سید ہیں حسنی نہیں۔خیال رہے کہ لامھدی الا عیسیٰ نہایت ہی ضعیف بلکہ موضوع حدیث ہے۔حضرت عیسیٰ تو ابن مریم ہیں اور امام مہدی ابن رسول اللہ ہیں۔(مرقات) اور اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی وہاں مہدی سے مراد ہدایت یافتہ معصوم ہے نہ کہ امام مہدی ۔ (مرقات)

۴؎ یعنی امام مہدی اخلاق آداب عادات میں ہماری طرح ہوں گے مگر شکل وصورت میں ہماری طرح نہ ہوں گے یعنی پورے ہم شکل نہ ہوں گے اگرچہ بعض باتوں میں ہماری ہم شکل ہوں گے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے برسوں میں اس برس جس میں آپ کی وفات ہوئی ٹڈی گم ہوگئی تو آپ اس سے سخت غمگیں ہوئے ۱؎ تو آپ نے ایک سوار یمن کی طرف اور ایک سوار عراق کی طرف اور ایک سوار شام کی طرف بھیجا ٹڈی کے متعلق سوال فرماتے تھے کہ کیا کچھ ٹڈیاں دیکھی گئیں تو آپ کے پاس وہ سوار جو یمن گیا تھا مٹھی بھر ٹڈیاں لایا اور آپ کے سامنے بکھیر دیں جب انہیں دیکھا تو حضرت عمر نے تکبیر کہی ۲؎ اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے ایک ہزار امتیں پیدا کیں ۳؎ جن میں سے چھ سو دریا میں ہیں اور چار سو خشکی میں ۴؎ اور سب سے پہلے ہلاکت میں ٹڈی ہے،جب ٹڈی ہلاک ہو جاوے گی تو دوسری امتیں لگاتار ہلاک ہوں گی جیسے لڑی کا دھاگہ ۵؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ آپ نے سمجھا کہ ٹڈی دنیا سے ختم ہوگئی اور یہ ختم ہونا دوسری مخلوق کے ختم ہوجانے کی علامت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے۔یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خوف الٰہی کی انتہا ہے ورنہ آپ کو معلوم تھا کہ ابھی مسلمان بلکہ صحابہ کرام زندہ ہیں،قرآن باقی ہے دجال وغیرہ نہیں ظاہر ہوئے ابھی قیامت کیسی،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پانچ سو سال بعد قیامت آوے گی،یہ ایسا ہی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل دیکھ کر خوف کے آثار نمودار ہوجاتے تھے۔

۲؎ یعنی آپ نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا خوشی سے کہ الحمدللہ ابھی امان ہے۔ معلوم ہوا کہ ٹڈی یمن وبرکت والا جانور ہے،ہاں کبھی عذاب الٰہی بن کر بھی آتا ہے جیسے پانی برکت والی چیز ہے مگر اس کا سیلاب عذاب ہے ہر چیز میں رحمت عذاب کی جہتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ خوشی میں نعرہ تکبیر لگانا سنت صحابہ ہے اسے منع قرار دینا جہالت ہے۔

۳؎ اصولی امتیں ایک ہزار ہیں،فروعی امتیں اٹھارہ ہزار جیسے گھوڑا ایک مخلوق ہے خچر اس میں داخل،سانپ ایک مخلوق ہے اس کی قسمیں اسی ایک میں داخل لہذا روایات میں تعارض نہیں بلکہ امتیں تو لاکھوں قسم کی ہیں اٹھارہ ہزار عالم ہیں یا جاندار اصولی مخلوق ایک ہزار ہے باقی مخلوق بہت زیادہ۔

۴؎ خشکی کا ہر جانور سمندر میں موجود ہے جیسے دریائی انسان،دریائی سوّر،دریائی شیر،دریائی گھوڑا،گائے۔میں نے دریائی بھینس دیکھی ہے مگر دریائی ہر جانور خشکی میں نہیں۔چنانچہ خشکی میں مچھلی،مگرمچھ،گھڑیال وغیرہ نہیں لہذا دریائی مخلوق زیادہ ہے۔

۵؎ کہ جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹنے پر دانے لگاتار آگے پیچھے گرتے ہیں ایسے ہی ان قوموں کی موت مسلسل واقع ہوگی۔

باب العلامات بين يدی الساعۃ و ذکر الدجّال

قیامت کے سامنے والی علامات۱ اور دجّال کا بیان۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ ان علامات سے مراد قیامت کی دس بڑی بڑی علامات ہیں ورنہ قیامت کی چھوٹی بڑی بہت علامات ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں جیسے امام مہدی کا ظہور وغیرہ۔

۲ دجال بروزن قوال مبالغہ کا صیغہ ہے،بنا ہے دجل سے بمعنی جھوٹ یا فریب وغیرہ یا ملمع سازی یا حق و باطل کا خلط ملط،چونکہ دجال میں یہ تمام عیوب ہوں گے اس لیے اسے دجال کہتے ہیں۔دجال دو قسم کے ہیں: چھوٹے اور بڑے چھوٹ دجال بہت ہوئے اور ہوں گے،ہر جھوٹا نبی،جھوٹا مولوی صوفی جو لوگوں کو گمراہ کریں وہ دجال ہیں۔بڑا دجال صرف ایک ہے جو دعویٰ خدائی کرے گا اس کا نام اس کی قوم کا پتہ نہیں چلا۔مشہور یہ ہے کہ اس کی اصل یہود سے ہوگی۔واللہ ورسولہ اعلم! جب اللہ و رسول نے اس کی یہ باتیں بیان نہ فرمائیں تو ہم تحقیق کرنے والے کون۔مرزا قادیانی کہتا تھا کہ انگریز دجال ہیں،ریل ان کا گدھا ہے اور میں مسیح موعود انہیں فنا کرنے والا ہے لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ ریل دجال کا ایسا گدھا ہے جس پر یہ مسیح صاحب زندگی میں سوار ہوتے رہے اور بعد مرنے ان کی لاش لاہور سے قادیان تک اسی گدھے پر گئی ا ور خود انگریزوں کی غلامی میں مرے انہیں تو کیا مارتا خود انگریزوں کی موجودگی میں ہلاک ہوا۔

روایت ہے حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری سے ۱ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے جب کہ ہم کچھ تذکرے کررہے تھے تو فرمایا کیا تذکرہ کرتے ہو، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کررہے ہیں،فرمایا قیامت ہرگز نہ آوے گی حتی کہ اس سے پہلے دس نشانیاں دیکھ لو پھر حضور نے دھواں ۲ دجال جانور ۳ سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا،عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا اور یا جوج و ماجوج ۴ اور تین دھنسے ایک دھنسا پورب میں دوسرا پچھم میں اور ایک دھسنا عرب کے جزیرہ میں ۵ اور ان سب کے آخر میں وہ آگ جو یمن سے نکلے گی ۶ لوگوں کو ان کی قیامت گاہ کی طرف ہانک دے گی ۷ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آگ جو عدن کے بیچ سے نکلے گی لوگوں کو محشر کی طرف ہانک دے گی	

	۸؎ اور ایک روایت میں ہے دسویں علامت کے بارے میں ہے کہ وہ ہوا جو لوگوں کو دریا میں ڈال دے گی ۹؎ (مسلم)

۱؎ آپ صحابی ہیں،بیعت رضوان میں شریک ہوئے،آخر میں کوفہ قیام رہا۔
۲؎ حق یہ کہ اس دھوئیں سے مراد وہ دھواں نہیں جو ہجرت سے پہلے قریش کو قحط سالی میں سخت بھوک کی وجہ سے محسوس ہوا تھا بلکہ اس دھواں سے مراد قریب قیامت والا وہ دھواں ہے جو قریب قیامت مشرق و مغرب میں پھیل جاوے گا،جس سے مسلمانوں کو زکام سا محسوس ہوگا اور کفار دیوانہ ہو جائیں گے یہ دوران چالیس دن رہے گا۔
۳؎ یہ جانورمکہ معظّمہ کے حرم کعبہ سے نمودار ہوگا۔صفا مروہ پہاڑوں کے درمیان سے یہ چوپایہ ہے ساٹھ گز قد،اس کے مختلف اعضاء بدن مختلف جانوروں کے سے ہوں گے،اس کے پاس عصاء موسوی،مہر سلیمانی ہوگی،ہر شخص کو پکڑ کر اس کی پیشانی پر مہر سلیمانی لگائے گا۔جس پر سفید نقش نمودار ہوں وہ مؤمن ہوگا،سیاہ نقش والا کافر،اس جانور کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے "اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ"۔مرقات نے فرمایا کہ یہ جانور تین بار نکلے گا:امام مہدی کے زمانہ میں،پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد،پھر آفتاب کے مغرب سے نکلنے کے بعد۔(مرقات)
۴؎ ان علامات کے ظہور کی ترتیب یہ ہے (۱) پہلے دھواں (۲) پھر دجال (۳) پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۴) پھر یاجوج ماجوج کا خروج (۵) پھر یہ جانور (۶) پھر سورج کا پچھم سے نکلنا۔خیال رہے کہ امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ظاہر ہوجائیں گے،بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ آفتاب کا مغرب سے نکلنا پہلے ہے نزول عیسیٰ علیہ السلام بعد میں مگر درست نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کفار کا ایمان قبول ہوگا اور طلوع آفتاب کے بعد ایمان قبول نہ ہوگا۔(مرقات)
۵؎ گزشتہ زمانوں میں بعض جگہ زمینیں دھنسی ہیں مگر یہ دھنسنا قریب قیامت ہوں گے بڑے علاقہ میں اور بڑے خطرناک جیسے زلزلے عام طور پر آتے رہتے ہیں مگر زلزلہ قیامت خدا کی پناہ"اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ"۔(از مرقات)
۶؎ اس موقع پر دو آگ نکلیں گی:ایک یمن سے،دوسری حجاز سے،آخر میں یہ دونوں جمع ہوجائیں گی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جن میں حجاز سے آگ نکلنے کا ذکر ہے۔خیال رہے کہ یہ آگ ان مذکورہ علامات کے بعد ہوگی ان علامات سے پہلے جن کے متصل صور کا نفخہ ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں آگ کو پہلی علامت فرمایا گیا ہے کہ یہ آگ ان علامات میں پہلی ہے۔
۷؎ قیامت زمین شام یا زمین فلسطین میں قائم ہوگی یہ آگ تمام کو وہاں پہنچاوے گی،یہ قدرت الٰہی ہوگی کہ ساری مخلوق زمین شام میں جمع ہوجاوے گی۔
۸؎ عدن ملک یمن کا مشہور شہر ہے وہ اس کا دارالخلافہ ہے۔یہ عبارت پچھلی عبارت کی شرح ہے کہ وہاں یمن تھا یہاں عدن ہے۔

۹؎ یعنی اس روایت میں دسویں علامت بجائے آگ کے ہوا فرمائی گئی ہے مگر ہوسکتا ہے کہ اس آگ کے ساتھ آندھی بھی ہو،یہ آندھی کفار کو سمندر میں پھینک دے کہ کفار سمندر سے قیامت میں اٹھیں۔خیال رہے کہ وہ آگ مؤمنوں کے لیے عذاب نہیں بلکہ ڈراوا ہوگی جس سے مسلمان ملک شام میں پہنچ جاویں۔**واللہ و رسولہ اعلم**!(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چھ علامات سے پہلے اعمال کرلو۱؎ دھواں،دجال،زمین کا جانور،سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا،عام فتنہ اور تم میں سے ہر ایک کا خاص فتنہ ۲؎ (مسلم)

۱؎ کیونکہ ان چھ علامات کے ظہور کے وقت اعمال صالحہ کرنا بہت ہی مشکل ہوجاویں گے۔

۲؎ یعنی عام فتنوں سے بھی پہلے نیکیاں کرلواور خاص فتنوں سے بھی پہلے کرلو۔خاص فتنے کیا ہیں،ایسے مشاغل بیماریاں جو اعمال سے روک دیں اور پھر موت تو سب سے بڑی آفت ہے جس پر تمام اعمال ختم ہوجاتے ہیں **الا ماشاء اللہ**!(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ پہلی نشانی جو نکلے گی وہ سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا ہے اور جانور کا لوگوں کے سامنے نکلنا ہے ۱؎ دوپہر کے وقت ۲؎ ان دونوں میں سے جو بھی اپنے صاحب سے پہلے ہو تو دوسری اس کے قریب ہی پیچھے ہوگی ۳؎ (مسلم)

۱؎ یہ علامتیں ان علامات سے پہلے ہیں جو ان کے بعد آنے والی ہیں۔اولیت سے مراد اولیت اضافی ہے نہ کہ اولیت حقیقی۔ان تینوں میں دھواں اور دجال پہلے ہیں اور آفتاب کا مغرب سے نکلنا ان دونوں کے بعد۔

۲؎ یعنی اس عجیب الخلقت جانور کو ظاہر ہونا دوپہر کے وقت ہوگا کہ اس وقت مکہ معظّمہ میں دوپہر ہوگی اگرچہ دوسرے ملکوں میں سویرا یا شام یا رات ہو،یا یہ مطلب ہے کہ وہ جانور جہاں بھی پہنچے گا دوپہر کو پہنچے گا کہ اس وقت عام طورپر لوگ باہر ہوتے ہیں،نیز اس وقت جو چیز دیکھی جاتی ہے وہ یقینی ہوتی ہے۔

۳؎ اس حدیث میں ابہام ہے،صراحۃً بیان نہ فرمایا گیا کہ ان میں سے پہلے کونسی علامات ہوگی اور بعد میں کون سی،دوسری احادیث میں اس کی تفصیل ہے جو ابھی کچھ پہلے عرض کی گئی،ہاں یہاں اتنا ہے کہ یہ علامات آپس میں قریب قریب ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزیں جب نمودار ہوں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لائی تھی ۱؎ یا اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی تھی سورج کا اپنے پچھم سے نکلنا ۲؎ اور دجال اور زمین کا جانور ۳؎ (مسلم)

۱؎ چونکہ ان علامات کے ظہور پر قیامت کا سب کو یقین ہوجاوے گا اس لیے اب قیامت غیب نہ رہے گی بلکہ شہادت بن جاوے گی اور ایمان بالغیب معتبر ہے اس لیے اب نہ ایمان معتبر ہوگا نہ اس وقت کی توبہ قبول ہوگی۔خیال رہے کہ توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے نکلنے پر بند ہوگا۔یہاں ثلاث فرمانا ایسا ہے جیسے قرآن کریم فرماتاہے:"یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ"کہ موتی مونگے کھاری سمندر سے نکلتے ہیں نہ میٹھے سے مگر فرمایا دونوں سے نکلتے ہیں،ایسے ہی توبہ قبول نہ ہونے کو تغلیبًا ان تینوں علامتوں کی طرف نسبت فرمایا گیا۔

۲؎ سورج کا یہ طلوع دجال اور دابۃ کے بعد ہے مگر چونکہ دروازہ توبہ بند اسی پر ہوگا اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا۔(مرقات)

۳؎ دجال ا ور دابہ پہلے ہیں طلوع بعد میں،دجال کے نکلنے پر توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا۔عیسیٰ علیہ السلام دجال کے قتل کے بعد دنیا بھر کے کفار کو مسلمان کریں گے،اس وقت جزیہ کا مسئلہ ختم ہوجاوے گا اسلام یا قتل ہوگا جیساکہ دوسری احادیث میں ہے کہ اگر اس وقت ایمان و توبہ قبول نہ ہوں تو مسلمان کرنے کے کیا معنی۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ سورج ڈوباکہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ جاتا کہاں ہے میں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی خوب جانیں،فرمایا یہ جاتا ہے حتی کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے ۱؎ پھر اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے ۲؎ اور قریب ہے کہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو اور اجازت مانگے تو اسے ۳؎ اجازت نہ دی جاوے اور اس سے کہا جاوے کہ جہاں آیا ہے وہاں ہی لوٹ جاتو اپنے مغرب سے طلوع ہو ۴؎ یہ رب تعالٰی کا فرمان ہے کہ سورج اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے فرمایا اس کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ خیال رہے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور عرش سارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔سورج کا دورہ ہر وقت ہی ختم ہوتا ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی جگہ غروب ہوتا ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت سورج سجدے میں رہتا ہے اور آگے بڑھنے دوسرے ملک میں طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے مگر ہر آن کے سجدہ کا تعلق اس ملک سے ہوتا ہے جہاں وہ غریب ہوا لہذا اس حدیث پر موجود فلاسفر اعتراض نہیں کرسکتے سورج کا سجدہ وہ جو اس کے لائق ہے،قرآن کریم فرماتا ہے کہ درخت اور گھاس بیل سجدہ کرتی ہیں"وَ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدَانِ"۔خیال رہے کہ وہ جو قرآن مجید میں ہے کہ ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھا وہاں محسوس ہونے کا ذکر ہے نہ کہ واقعہ کا،ہاں سمندر میں برف کی دلدل تاحد نظر تھی وہاں معلوم ایسا ہوتا تھا جیسے سورج اس دلدل میں ڈوب رہا ہے لہذا وہ آیت اور یہ آیت متعارض نہیں۔

۲؎ یعنی ہر وقت آگے بڑھنے کی اجازت مانگتا رہتا ہے اور ملتی رہتی ہے وہ آگے بڑھتا اور ہر ملک میں طلوع ہوتا رہتا ہے اسے واپس لوٹنے کا حکم نہیں ملتا۔

۳؎ یعنی قریب قیامت سورج کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ملے گی بلکہ پورا دورہ الٹا چکر لگانے کا حکم ہوگا تو ہر جگہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا،اس ایک چکر میں ایسا ہوگا پھر مطابق عادت مشرق سے طلوع ہونے لگے گا۔

۴؎ یہ حکم ہر جگہ کے لیے ہوگااور سورج ساری دنیا میں پچھم کی طرف سے طلوع ہوگا۔

۵؎ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں:ایک یہ کہ قیامت کا دن سورج کا مستقر ہے قیامت تک نکلتا ڈوبتا رہے گا اور قیامت قائم ہونے پر یہ نظام ختم ہوجاوے گا۔دوسرے یہ کہ گرمی سردی میں سورج کا مستقر الگ الگ ہیں کہ ایک ٹھکانہ پر پہنچ کر لوٹ پڑتا ہے پھر آگے نہیں بڑھتا۔تیسری تفسیر وہ ہے جو حضور انور نے خود فرمائی جو یہاں مذکور ہے کہ سورج اپنے ٹھکانہ یعنی عرش کے نیچے ہی چکر لگارہا ہے اس سے اوپر نیچے نہیں ہوسکتا۔یہ تیسرے آسمان پر اترے نہ پانچویں پر چڑھے چونکہ یہ تفسیر خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لہذا قوی ہے۔

روایت ہے حضرات عمران بن حصین سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش اور قیامت کے درمیان دجال سے بڑی کوئی چیز نہیں ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی انسان کی ابتداء پیدائش سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں یہ ہی انسان کے لیے بڑی آفت ہے،اس سے بہت لوگ گمراہ ہوں گے،لوگ دجال کے کرشمے دیکھ کر اسے خدا مان لیں گے اس لیے نوح علیہ السلام سے لے کر آخر تک ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال کے فتنہ سے آگاہ کیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تم پر چھپا نہیں اللہ تعالٰی کانا نہیں اور مسیح دجال آنکھ کا کانا ہے ۲؎ اس کی آنکھ گویا ابھرا ہوا انگور ہے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حدیث شریف میں جب عبداللہ مطلق آتا ہے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۔

۲؎ یعنی اے لوگو! دجال کے حیرت انگیز کرشمے دیکھ کر اسے خدا نہ سمجھ لینااس کی بندگی کی دلیل اس کی اپنی کانی آنکھ ہے وہ اپنے کو شفا نہ دے سکے گا۔

۳؎ یعنی دجال کی داہنی آنکھ کانی بھی ہوگی اور اوپر کو انگور کی طرح ابھری ہوئی جو ہر شخص کو نظر آوے اپنے اس عیب کو دور نہ کرسکے گا۔خیال رہے کہ جو خدا ہونے کا دعویٰ کرے اس کے ہاتھ پر عجیب کرشمے ظاہر ہوسکتے ہیں کیونکہ الوہیت تو مشتبہ ہوسکتی ہی نہیں مگر جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اس کے ہاتھ پر کوئی کرشمہ ظاہر نہیں ہوسکتاورنہ نبوت مشتبہ ہو جاوے۔دجال اگر دعویٰ نبوت کرے تو کوئی عجوبہ نہیں دکھا سکتا یہ خوب خیال رکھو۔یہاں **مسیح** بمعنی اسم مفعول ہے یعنی **ممسوح العین** ایک آنکھ کا کانا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مسیح کہتے ہیں وہاں مسیح بمعنی اسم فاعل ہے یعنی برکت کے لیے

چھونے والے اور چھو کر مردے زندہ، بیماروں کو اچھا کرنے والا۔طافیہ بنا ہے طفی سے بمعنی اوپر ہونا اور ابھرنا اس لیے جو مچھلی پانی پر تر کر آ جاوے اسے طافیہ کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی نبی ایسا نہیں جنہوں نے اپنی امت کو کانے جھوٹے سے ڈرایا نہ ہو۱آگاہ رہو کہ وہ کانا ہے اور تمہارا رب کانا نہیں اس کی دو آنکھوں کے نیچے لکھا ہے ک،ف،ر۲(مسلم،بخاری)	

۱حق یہ ہے کہ یہاں دجال سے مراد وہ ہی دجال ہے جو قریب قیامت نکلے گا اگرچہ ان انبیاء کرام کو خبر تھی کہ ہماری امتیں اسے نہ پائیں گی،پھر بھی اس سے ڈرانا اہتمام ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بڑی ہی ہیبت ناک چیز ہے اس سے پناہ مانگو یہ پناہ مانگنا بھی عبادت ہے۔دیکھو جن صحابہ کو حدیث وقرآن نے انکے جنتی ہونے کی بشارت دے دی وہ بھی دوزخ سے پناہ مانگتے رہے کیونکہ یہ عمل عبادت ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ دجال کے نکلنے کا وقت معین نہیں مگر یہ قوی نہیں کیونکہ اس کے قاتل عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کا نزول قریب قیامت ہی ہے۔

۲یعنی تم اس کے بندہ ہونے اور کافر ہونے اور شرارتی ہونے میں شک نہ کرنا یہ دونوں علامتیں اس کے کافر اور بندہ ہونے کی ہیں۔اپنی آنکھ کو درست نہ کرسکنا علامت بندگی ہے اور ک،ف،ر اس کے کفر کی علامت ہے۔یہاں مرقات نے لکھا کہ مادر زاد کانا شرارتی ہوتا ہے۔خیال رہے کہ یہ حروف ہر پڑھا بے پڑھا آدمی پڑھے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تم کو دجال کے متعلق وہ بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتائی وہ کانا ہے ۱اور وہ اپنے ساتھ جنت دوزخ کی مثل لائے گا۲جسے وہ جنت کہے گا وہ آگ ہوگی ۳میں تم کو ایسے ڈراتا ہوں جیسے اس سے حضرت نوح نے اپنی قوم کو ڈرایا ۴(مسلم،بخاری)	

۱یعنی پچھلے انبیاء کرام نے اپنی امتوں کو دجال کے دوسرے عیوب سے تو آگاہ کیا مگر اس کا کانا ہونا صرف میں ہی بیان کرتا ہوں۔

۲یہ فرمان عالی بالکل ظاہر معنی پر ہے۔واقعی اس کے ساتھ خوشنما باغ بھی ہوگااور ہیبت ناک آگ بھی۔

۳یعنی جو آگ دکھائی دے گی وہ واقعہ میں باغ ہے اور جو باغ معلوم ہوگا وہ واقعہ میں آگ ہے جیسے دنیا عارفین کی نظر میں کہ اس کی نعمتیں حقیقت میں لعنتیں یعنی عذاب ہیں اور یہاں کی تکالیف حقیقت میں رحمت ہیں۔نمرود کی آگ بظاہر آگ تھی مگر حضرت خلیل کے لیے باغ،دریا نیل کا پانی بظاہر پانی تھا مگر فرعونیوں کے لیے آگ،یہ آنکھوں کا دھوکا ہے۔شعر

سوف تری اذا تجلل غبار　　　　افرس تحتك ام حمار

۴؎تاکہ نوح علیہ السلام سے لے کر آخر تک کی امتیں دجال کا بدترین فتنہ ہونا معلوم کرلیں۔خیال رہے کہ دجال کسی جگہ چند دن ٹھہرے گا نہیں بلکہ آندھی کی طرح دنیا میں پھر جاوے گا تاکہ کوئی اس کی حالت میں غور کرکے اسے جھٹلائے نہیں۔اس وقت جسے اللہ ایمان پر قائم رکھے گا وہ ہی رہے گا۔مشکل سے ہزار میں ایک اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔اس وقت امن مدینہ منورہ میں ہو گی۔اس فرمان عالی سے معلو م ہورہا ہے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے نبیوں نے دجال سے نہیں ڈرایا تھا یہ ڈرانا حضرت نوح سے شروع ہوا۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا دجال نکلے گا اور اس کے ساتھ پانی ۱؎اور آگ ہوں گے لیکن جسے لوگ پانی دیکھیں گے وہ آگ ہوگی جو جلا ڈالے گی اور جسے لوگ آگ دیکھیں گے وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا۲؎تو تم میں سے جو یہ پائے وہ اس میں جائے جسے آگ دیکھے کہ وہ میٹھا عمدہ پانی ہے(مسلم،بخاری)مسلم نے یہ زیادہ فرمایا کہ دجال آنکھ کا کانا ہے جس پر موٹا ناخونہ ہے۳؎اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہے کافر جسے ہر پڑھا بے پڑھا مسلمان پڑے گا۴؎

۱؎پانی سے مراد صرف پانی نہیں جو نعمتیں پانی سے پیدا ہوتی ہیں وہ سب مراد ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اس کے ساتھ باغ اور آگ ہوں گے۔(مرقات)

۲؎ یا تو یہ باغ و آگ محض شعبدہ ہوں گے جیسے جادو گر شعبدے باز مٹی کو روپیہ بنا کر دکھا دیتے ہیں یا حقیقتًا یہ ہی ہوں گے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔ایک ہی چیز کا ایک کے لیے باغ دوسرے کے لیے آگ ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ایک قبر میں دو شخص دفن ہوجاویں ایک مؤمن دوسرا کافر تو یہ ایک قبر مؤمن کے لیے جنت کا باغ ہے کافر کے لیے دوزخ کی بھٹی،ایک بستر پر دو آدمی سورہے ہیں ایک شخص اچھی خو اب دیکھ کر مزے لے رہا ہے دوسرا شخص اس بستر پر بری خواب دیکھ کر گھبرا رہا ہے۔یہ باغ و آگ اس کے ساتھ ایسے چلیں گے جیسے آج ریل کے انجن میں پانی کا حوض اور آگ دوڑتے پھرتے ہیں آج ریل،بحری جہاز،ہوائی جہاز کی سیر کرو معلوم ہوگا کہ آرام دہ مکانات کھیلنے کے میدان پاخانہ غسل خانہ باروچی خانہ دوڑتے پھر رہے ہیں بلکہ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔

۳؎یعنی دجال کی ایک آنکھ تو ہوگی ہی نہیں وہ حصہ سر کے پیچھے کی طرح صاف ہوگا،دوسری آنکھ کانی ہوگی ابھرے ہوئے انگور کی طرح یا اس کی ایک آنکھ کبھی صاف سپاٹ ہوگی،کبھی ابھرا ہوا انگور یا کسی کو وہ آنکھ سپاٹ نظر آوے گی،کسی کو ابھرا انگور لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں اس کی آنکھ کو ابھرا ہوا انگور فرمایا گیا ہے۔(مرقات شرح مشکوۃ)

۴؎یعنی اس تحریر کو مؤمن تو بے پڑھا بھی پڑھ لے گا سمجھ لے گا اور کافر پڑھا لکھا بھی نہ سمجھ سکے گا یہ بھی قدرت خداوندی ہوگی۔

	روایت ہے ان سے ہی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ دجال بائیں آنکھ کا کانا ہے۱؎ بہت بالوں والا۲؎ اس کے ساتھ اس کی جنت اور اس کی آگ ہوگی تو اس کی آگ جنت ہے اور اس کی جنت آگ ہے۳؎ (مسلم)	

۱؎ یہاں **اعور** بمعنی عیب ناک ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی تو بلکل سپاٹ ہوگی اور بائیں آنکھ عیب دار ہوگی۔غرضکہ کوئی آنکھ بے عیب نہ ہوگی،یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو اس کی داہنی آنکھ کانی محسوس ہوگی کسی کو بائیں آنکھ،یہ فرق احساس کا ہوگا نہ کہ واقعہ کا۔یہ بھی ایک قدرتی کرشمہ ہوگا وہ مردود سب کچھ کر دکھائے گا مگر اپنی آنکھ نہ درست کرسکے گا۔

۲؎ **جفال** جیم کے پیش سے بمعنی کثیر بہت مگر ہر بہت کو جفال نہیں کہتے بلکہ بہت بالوں کو **جفال** کہا جاتا ہے۔بعض نے فرمایا کہ بندھے ہوئے بڑے جوڑے کو جفال کہتے ہیں۔

۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ اس کا باغ بظاہر باغ معلوم ہوگا حقیقتًا دوزخ ہوگا اور اس کی آگ بظاہر آگ ہوگی حقیقتًا باغ جیسے جناب خلیل کی آگ حقیقتًا باغ بحر قلزم کا پانی حقیقتًا آگ بن گیا تھا۔شعر

گلستان کند آتشے بر خلیل　　　گرو ہے بد آتش بروز آب نیل

روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا تو فرمایا اگر وہ نکلا اور میں تم میں ہوا تو تمہارے بغیر اس کا مقابل میں ہوں گا۱؎ اور اگر نکلا اور میں تم میں نہ ہوا تو ہر شخص اپنی ذات کا محافظ ہے۲؎ اور ہر مسلمان پر اللہ میرا خلیفہ ہے۳؎ وہ جوان ہے سخت گھونگر بال۴؎ اس کی آنکھ ابھری ہوئی ہے گویا میں اسے عبدالعزیٰ ابن قطن سے تشبیہ دیتا ہوں۵؎ تو تم میں سے جو اسے پائے تو اس پر سورۂ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے کہ وہ تمہارا امان ہے اس کے فتنہ سے۶؎ وہ شام و عراق والے راستے سے نکلے گا تو داہنے بائیں فساد پھیلائے گا۷؎ اے اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا ۸؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ اس کا زمین میں ٹھہرنا کتنا ہے فرمایا چالیس دن ۹؎ ایک دن سال کی طرح ہوگا اور ایک دن مہینہ کی طرح اور ایک دن ہفتہ کی طرح اور بقیہ دن تمہارے عام دنوں کی طرح ۱۰؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ تو یہ دن جو ایک سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ہم کو ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی فرمایا	

نہیں تم اس کے لیے اندازہ لگالینا ۱۱؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ زمین میں اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی فرمایا جیسے بادل جس کے پیچھے ہوا ہو ۱۲؎ وہ ایک قوم پر آوے گا انہیں بلائے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے تو آسمان کو حکم دے گا وہ بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا وہ اگائے گی ان کے جانور آئیں گے جیسے پہلے تھے اس سے زیادہ دراز کوہان والے اور زیادہ بھرے ہوئے تھن والے اور زیادہ لمبی کوکھوں والے ۱۳؎ پھر ایک دوسری قوم کے پاس آئے گا انہیں بلائے گا وہ اس کی بات رد کردیں گے وہ ان کے پاس سے لوٹ جاوے گا ۱۴؎ تو یہ لوگ قحط زدہ رہ جاویں گے ۱۵؎ کہ ان کے ہاتھوں میں ان کے مال میں سے کچھ نہ رہے گا ۱۶؎ اور ویرانہ پر گزرے گا اس سے کہے گا اپنے خزانے نکال تو اس کے پیچھے یہ خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح چلیں گے ۱۷؎ پھر ایک جوانی سے بھرے ہوئے شخص کو بلائے گا اسے تلوار سے مار کر اس کے دو ٹکڑے کرکے تیر کے نشان پر پھینک دے گا ۱۸؎ پھر اسے بلائے گا تو وہ آجاوے گا اور اس کا چہرہ چمکتا ہوگا وہ ہنستا ہوگا جب کہ وہ اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالٰی مسیح ابن مریم کو بھیجے گا ۱۹؎ آپ دمشق کے مشرقی سفید مینارے کے پاس دو زعفرانی کپڑوں کے درمیان اتریں گے ۲۰؎ اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے جب اپنا سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو اس سے قطرے ٹپکیں گے موتیوں کی طرح ۲۱؎ پھر کسی کافر کو ممکن نہ ہوگا کہ آپ کی سانس پائے مگر مرجاوے گا اور آپ کی سانس وہاں تک پہنچے گی ۲۲؎ جہاں تک آپ کی نظر جاوے گی آپ اسے تلاش کریں گے یہاں تک کہ اسے باب لد میں پائیں گے ۲۳؎ تو قتل کریں گے پھر حضرت عیسیٰ کے پاس وہ قوم آوے گی جنہیں اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا تو آپ ان کے چہرے صاف فرمائیں گے ۲۴؎ اور انہیں ان کے جنتی درجات کی خبریں دیں گے وہ اس طرح ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ کو رب تعالٰی وحی کرے گا کہ میں نے

اپنے بندے نکالے ہیں جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں تو میرے بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۲۵؎ اور اللہ یا جوج ماجوج کو بھیجے گا جو ہر ٹیلے سے ڈورتے آئیں گے۲۶؎ تو ان کی اگلی جماعت بحیر طبریہ پر گزرے گی اس کا سارا پانی پی جاوے گی۲۷؎ ان کی آخری جماعت گزرے گی تو کہے گی کہ کبھی یہاں پانی تھا حتی کہ جبل خمر تک پہنچیں گے، یہ بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے۲۸؎ تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا آؤ آسمان والوں کو قتل کریں۲۹؎ تو اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے تو اللہ ان کے تیر خون سے رنگین لوٹائے گا۳۰؎ اور اللہ کے نبی اور ان کے ساتھی محصور رہیں گے حتی کہ ان کے لیے ایک بیل کی سری سو اشرفیوں سے بڑھ کر ہوگی۳۱؎ جو تمہارے لیے آج ہے تب اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی متوجہ الی اللہ ہوں گے۳۲؎ تب اللہ ان یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا تو وہ سب ایک شخص کی موت کی طرح مردہ ہوجائیں گے۳۳؎ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی زمین کی طرف اتریں گے تو زمین میں بالشت بھر زمین ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں اور بدبو نے نہ بھردی ہو۳۴؎ تب اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا۳۵؎ اونٹ کی گردن کی طرح وہ انہیں اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۳۶؎ اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں نہبل میں پھینک دیں گے۳۷؎ اور مسلمان ان کی کمانیں ان کے کمانوں ان کے نیزوں اور ترکش سات سال تک جلائیں گے۳۸؎ پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جس سے نہ کوئی گھر مٹی کا بچے گا نہ اون کا تو وہ زمین کو دھودے گی۳۹؎ حتی کہ اسے شیشہ کی طرح کر چھوڑے گی۴۰؎ زمین سے کہا جاوے گا تو اپنے پھل اگا اور اپنی برکت لوٹا دے تو اس دن ایک انار سے ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے سے سایہ لے گی۴۱؎ اور دودھ میں برکت دی

جاوے گی حتی کہ تازہ جنی ہوئی اونٹنی لوگوں کی ایک جماعت کو کافی ہوگی اور نئ جنی ہوئی گائے ایک قبیلہ کو کافی ہوگی اور نئ جنی ہوئی بکری لوگوں کے ایک خاندان کو کافی ہوگی۴۲جب کہ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ ایک خوشگوار ہوا بھیجے گا وہ انہیں ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی تو ہر مسلمان ہر مؤمن کی روح قبض کرلے گی۴۳اور بدترین لوگ رہ جائیں گے جو زمین میں گدھوں کی جفتی کی طرح زنا کریں گےان پر قیامت ہوگی۴۴(مسلم)سوا دوسری روایت کے اور یہ قول ہے کہ انہیں نہبل میں پھینک دے گی سبع سنین تک۴۵(ترمذی)

۱یہ فرمان عالی بالفرض ہے یعنی فرض کرلو کہ اگر وہ میری موجودگی میں آگیاتو تم کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے وہ میرے ہی ہاتھوں فنا ہوجاوے گا،اس کی شعبدے بازیاں میرے مقابل ناکارہ ہوجائیں گی۔اس فرمان عالی سے دو فائدے حاصل ہوئے: ایک یہ کہ اگرچہ اس مردود کا ظہور ابھی نہیں ہوگامگر اس سے ڈرنا رکن ایمان ہے تم اس سے خوف کرو جیسے قیامت ابھی نہیں آئے گی مگر اس سے ڈرتے رہو۔خوف قیامت خوف دجال درحقیقت خوف خدا کا ذریعہ ہیں۔دوسرے یہ کہ دجال اگرچہ مارا جاوے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں لیکن اگر میرے زمانہ میں آجاتا تو میرے ہاتھوں ہی فنا ہوجاتا بلکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی حضور کے نائب ہونے کی حیثیت سے اسے قتل کریں گے۔

۲یعنی ہر شخص اپنی ذات کے لیے اس کا مقابلہ دلائل عقلیہ و شرعیہ سے کرے کہ دلائل سے سوچے کہ یہ خدا نہیں ہوسکتا۔یہاں بھی **حجیج** بمعنی مقابل ہی ہے مگر یہ مقابلہ اسے قتل کرنے کا نہیں بلکہ اپنے ایمان بچانے کا ہے۔(مرقات)گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دجال کو فنا کرنے کے لیے اس کے مقابل ہیں اور یہ ہر شخص اس سے بچنے کے لیے اس کا مقابل۔

۳یہاں خلیفہ بمعنی وکیل و محافظ ہے۔اگر اس وقت ہم حیات ہوتے تو مسلمانوں کی حفاظت ہم کرتے،اب چونکہ ہم نہ ہوں گے تو میری طرف سے میرا رب میری امت کی حفاظت کرے۔اس سے معلوم ہوا بفضلہٖ تعالٰی مؤمن ہمیشہ منصور و محفوظ رہتا ہے۔

۴بالوں میں قدرے خم جسے **جعد** کہتے ہیں بہت اچھا ہے مگر بہت زیادہ خمی کہ بالوں کے کنڈل بن جاوے جسے قطط کہتے ہیں یہ بری ہے،دجال کے بال بہت ہی خم دار ہوں گے۔

۵عبدالعزیٰ زمانہ جاہلیت میں ایک مشرک بادشاہ گزرا ہے،اس کی بدصورتی عرب میں مشہور تھی بلکہ اس کے دیکھنے والے لوگ اس وقت موجود تھے،حضور نے اس سے تشبیہ دی۔چونکہ دجال کی صورت بہت ہی بری ہوگی کہ اس جیسا بدشکل دنیا میں کوئی نہ گزرانہ اس وقت ہوگا اس لیے حضور انور نے جزم و یقین سے تشبیہ نہ دی بلکہ کانّی فرمایا یعنی اسے کچھ کچھ

مشابہت عبدالعزیٰ سے ہوگی ورنہ وہ عبدالعزیٰ سے کہیں بدتر ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے اگلے پچھلے اپنی نگاہوں سے دیکھے ہیں کہ عبدالعزیٰ پہلے گزرچکا ہے اور دجال آئندہ ہوگا مگر دونوں حضور کے علم و نظر میں ہیں۔(از مرقات)

٦؎ یعنی اس زمانہ میں جو کوئی سورۂ کہف کی شروع آیات کذبا تک پڑھتا رہے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ان آیات میں یہ ذکر ہے کہ اصحاب کہف دقیانوس بادشاہ کے فتنے سے محفوظ رہے،ان کی حفاظت کی برکت سے اللہ انہیں دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا۔جواز کا لفظی ترجمہ ہے پاسپورٹ کہ وہ ذریعہ امان ہوتا ہے۔بعض روایات میں ہے کہ سورۂ کہف کی شروع کی دس آیات ہمیشہ پڑھنے والا دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا،بعض لوگ ہمیشہ،بعض لوگ ہر جمعہ کو پڑھتے ہیں تاکہ موجودہ دجالوں سے بچے رہیں۔

٧؎ خلہ نقطہ خ سے ریگستان میں راستہ وسیع،حلہ ح بغیر نقطہ سے کوفہ و بغداد کے درمیان ایک شہر ہے۔بعض روایات میں حلہ ہی ہے،وہاں کے لوگ اب بھی شریر ہیں۔(مرقات)

٨؎ اس میں ندا اس زمانہ کے مسلمانوں سے ہے۔(مرقات)

٩؎ بعض روایات میں ہے کہ چالیس سال قیام کرے گا مگر وہ روایت ضعیف ہے،صحیح روایت چالیس دن کی ہے۔

١٠؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے۔واقعی پہلا دن ایک سال کے برابر دراز ہوگا،اب بھی گرمیوں میں دن بجائے آٹھ گھنٹے کے چودہ گھنٹہ کا ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ غم و اندوہ کی وجہ سے وہ دن سال برابر معلوم ہوگا مگر یہ غلط ہے جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

١١؎ اس طرح کہ اس دن سورج نکلتے ہی فجر کی نماز پڑھنا پھر آٹھ گھنٹہ بعد ظہر پڑھ لینا،پھر چار گھنٹہ کے بعد عصر پھر دو گھنٹہ بعد مغرب اور دو گھنٹہ بعد عشاء،پھر چھ گھنٹہ کے بعد فجر اس طرح پڑھے جانا شاید موجود گھڑیاں اس دن کے حساب کے لیے رب تعالٰی نے پیدا فرمادی ہیں۔معلوم ہوا کہ جن ملکوں میں بعض زمانہ میں عشاء کا وقت نہیں آتا وہاں عشاء کی نماز معاف نہ ہوگی بلکہ پڑھنا پڑھے گی اندازہ سے جیسے لندن میں سال میں چند دن ایسے آتے ہیں کہ نماز عشاء کا وقت نہیں آتا شفق غائب نہیں ہوتی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ حکم خاص اس دن کے لیے ہے خلاف قیاس ورنہ نماز کے اوقات سورج کی حرکت سے وابستہ ہیں اس سال بھر کے دن میں بھی پانچ نمازیں ہی چاہئیں مگر چونکہ حدیث میں یہ حکم آگیا تو اس دن کے لیے قیاس چھوڑ دیا گیا۔چنانچہ اس دن میں رمضان کا روزہ،نماز جمعہ و عیدین نہ پڑھی جائیں گی اگرچہ دن سال بھر کا ہے اور سال میں یہ چیزیں ہوتی ہیں۔

١٢؎ اس تشبیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ دجال اڑتا ہوا دنیا کی سیر کرے گا،ہوائی جہاز ایجاد ہوچکے ہیں جن سے تھوڑے عرصہ میں دنیا کا چکر لگایاجاسکتا ہے یعنی جیسے بادل کے پیچھے جب ہوا ہو تو بہت تیز اڑتا ہے ایسے ہی وہ بہت تیز اڑے گا،آج آواز سے زیادہ رفتار والے ہوائی جہاز ایجاد ہوچکے ہیں۔

١٣؎ یہ رب تعالٰی کی طرف سے خاص آزمائشیں ہوں گی کہ جو لوگ اسے خدا مان لیں گے ان پر بارش نہایت مناسب،پیداوار نہایت اعلٰی،ان کے جانوروں کے دودھ،گھی میں بہت زیادتی ہوجاوے گی،ان کے اونٹ بہت موٹے تازہ اونچے ہو جاویں گے،دوسرے لوگ ان کی اس فراخی کو دیکھ کر دھوکہ کھا جائیں گے کہ واقعی وہ خدا ہی ہے۔دیکھو اس نے اپنے ان بندوں کو کیسا آرام سے اور مالدار کردیا وہ لوگ ان لوگوں کی مالداری و عیش کو دیکھ کر اسے خدا مان لیں گے۔

۱۴؎اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ دجال کسی کو کفر پر مجبور نہ کرسکے گا،یہ شعبدے دکھا کر مائل ہی کرے گا، رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ"یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بندے دلائل کے ذریعے اس کی شر سے محفوظ رہیں گے۔

۱۵؎**محل** بنا ہے **محل** سے بمعنی خشکی و قحط سالی یعنی ان پر نہ تو بارش ہوگی نہ ان کی زمین میں سبزہ رہے گا۔

۱۶؎یعنی ان کا اپنا پہلا مال بھی فنا ہوجاوے گا،جانور یا خشک ہوجاویں گے یا مرجاویں گے،گھروں میں تباہی آجاوے گی مگر یہ لوگ راضی بہ رضا رہیں گے۔

۱۷؎یعنی آبادیوں میں جاکر تو وہ آفت ڈھائے گا اور ویرانہ زمینوں میں پہنچ کر یہ فساد پھیلائے گا اس کے ساتھ اس کے ہالی موالی بہت رہیں گے،ویرانوں کے خزانوں کو اپنے ساتھ لے لے گاجنہیں ان کے ساتھ والے نکلتے دیکھیں گے اور دوسرے لوگوں کو یہ سب بتائیں گے۔**یعاسیب** جمع ہے **یعسوب** کی بمعنی شہد کی مکھیوں کی سردار مکھی کہ جب وہ اڑاتی ہے تو اس کے ساتھ سارے چھتے کی مکھیاں اڑتی ہیں اس لیے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے۔**یعاسیب** جمع فرماکر ارشارۃً بتایا کہ بے شمار مکھیوں کی طرح اس کے ساتھ بے شمار خزانے چلیں گے،یہ خزانے یا تو بذات خود چلیں گے یا کسی سواری میں جیسے آج لاکھوں من سامان ریل،موٹر،بحری جہاز،ہوائی جہاز دوڑتے تیر تے اڑتے پھررہے ہیں۔

۱۸؎یہ جوان آدمی یا تو اس کے متبعین میں سے ہوگا،لوگوں کو اپنی قوت دکھانے کے لیے یہ حرکت کرے گا یا ان میں سے ہوگا جو ان کی پیروی نہ کریں گے اسے سزا دینے کے لیے یہ حرکت کرے گا۔تلوار سے اسے چیر دے گا جیسے آرے سے چیرا جاتا ہے اور دونوں ٹکڑے اتنے فاصلہ پر پھینکے گا جو تیر اور اس کے نشانہ کے درمیان ہوتا ہے یعنی بہت دور۔

۱۹؎یعنی اس کی ایک آواز پر یہ دونوں ٹکڑے حرکت کرکے آپس میں مل جاویں گے پھر پورا جسم بن کر اس میں جان پڑجاوے گی اور وہ جوان دوڑتا ہواآجاوے گا۔ہم نے بعض جادوگروں کو دیکھا کہ آدمی کو چادر اوڑھا کر اس کا گلہ کاٹ دیتے ہیں اورپھر اسے اچھا خاصا کھڑا کردیتے ہیں مگر یہ شعبدہ ہوتا ہے غالبًا وہ حقیقتًا یہ کرے گا۔

۲۰؎اللہ تعالٰی جھوٹے مسیح کو سچے مسیح کے ذریعے ہلاک کرے گا اس لیے اس مردود کو حضرت مہدی قتل نہ کریں گے کہ اس کام کے لیے حضرت مسیح منتخب ہوچکے ہیں۔**مھزودتین** تثنیہ ہے،**مھزودۃ** بمعنی غوطہ دیا ہوا یعنی آپ کے جسم شریف پر گیرویا زعفران رنگے ہوئے دو کپڑے ہوں گے تہبند چادر۔

۲۱؎**جمان** گھنگرو کے دانہ یا موتی کی طرح گول قطرے جو نہایت صاف شفاف و سفید ہوں،آپ خود نہایت حسین ہوں گے آپ کا یہ پسینہ نہایت پاکیزہ و خوشبودار ہوگا۔

۲۲؎بعض شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد سانس نہیں بلکہ دم کرنا ہے یعنی آپ جب دم کرنے کی نیت سے پھونک لگائیں گے تو آپ کا دم تاحد نظر پہنچے گا اور جس کافر کو لگے گا وہ مرے گا۔اللہ کی شان ہے کہ پہلے اسی دم سے مردے زندہ ہوتے تھے اور اب زندہ کافر مردہ ہوں گے۔یا جوج و ماجوج کفار پر آپ کریں گے ہی نہیں کیونکہ ان کی موت اور طرح سے واقع کرنا ہے،بعض نے فرمایا کہ نفس سے مراد سانس ہی ہے۔

۲۳؎لدبیت المقدس کی قریب ایک بستی ہے،اس بستی کے دروازے میں گھستے ہوئے اسے پائیں گے کہ وہ وہاں داخل ہورہا ہوگا اسے دروازہ پر ہی قتل کردیں گے اندر داخل نہ ہونے دیں گے جیسے شداد اپنی جنت کے دروازے پر ہی قتل کردیا گیا۔

۲۴؎یعنی ان مؤمنین کے چہرے جو گردوغبار سے اٹے ہوں گے جیساکہ عام غرباء فقراء کا حال ہوتا ہے،اسے خود حضرت مسیح اپنے ہاتھ شریف سے صاف کریں گے یا محبت و کرم سے ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے مگر پہلے معنی قوی ہیں جیساکہ **عن وجوھھم** فرمانے سے معلوم ہورہا ہے۔آپ غبار صاف فرماتے جائیں گے اورا نہیں جنت کی بلکہ وہاں کے درجات کی خبر دیتے جائیں گے۔

۲۵؎یعنی اے عیسیٰ دجال تو آیا اور ہلاک ہوگیا اب کچھ روز کے لیے ایک بڑی مخلوق یا جوج ماجوج اس زمین پر آرہے ہیں جن کی ہلاکت تمہارے ہاتھوں سے نہیں بلکہ تمہاری بددعا سے ہوگی اس لیے یہ زمین خالی کر دو،طور پہاڑ ان کی شر سے محفوظ رہے گاان مسلمانوں کو وہاں لے جاؤ۔یہ ان کو تنبیہ فرما کر بتایا گیا کہ کسی انسان میں دونوں ہاتھوں سے بھی ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

۲۶؎یعنی جب یا جوج ماجوج کی دیوار ٹوٹے گی تو وہ ہر طرف سے دوڑتے ہوئے اس زمین پر آئیں گے ان کی کثرت سے زمین بھرجاوے گی۔

۲۷؎یعنی ان کی کثرت کا یہ حال ہوگا کہ دریا کا سارا پانی انکا اگلا حصہ ہی پی جاوے گااور دریا خشک کردے گا۔بحیرہ تصغیر ہے بحر کی،بحیرہ طبریہ شام کے علاقہ میں دس میل لمبا دریا ہے،طبریہ ایک بستی کا نام ہے اردن کے علاقہ میں وہاں یہ دریا ہے اس لیے اسے بحیرہ طبریہ کہتے ہیں۔

۲۸؎**خمر** کے معنی ہیں چھپنا ڈھانپنا،اسی سے ہے خمار دوپٹہ،چونکہ وہ پہاڑ بہت سرسبز ہے کہ اس کی پوری زمین سبزہ اور درختوں سے چھپی ہوئی ہے اس لیے اسے جبل خمر کہتے ہیں یعنی سبزہ سے ڈھکاہوا پہاڑ۔(لمعات،مرقات)

۲۹؎اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان تو طور پہاڑ میں محفوظ ہوچکے ہوں گے مگر زمین میں کفار بہت ہوں گے یعنی دجال کو مان لینے والے وہ یاجوج ماجوج کے ہاتھوں مارے جائیں گے حتی کہ زمین میں ان میں سے کوئی نہ بچے گا اس لیے یہ یاجوج ماجوج کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم مار چکے آؤ آسمان والے فرشتوں کو بھی مار لیں تاکہ دنیا میں ہم ہی رہیں ہمارے سوا کوئی نہ رہے۔

۳۰؎ممکن ہے کہ یہ تیر چڑیوں کے لگیں ان کے خون میں بھیگ کر لوٹیں۔اس میں اشارۃً یہ فرمایا کہ یاجوج ماجوج کا فساد صرف زمین میں نہ ہوگا بلکہ فضا میں بھی ہوگا۔

۳۱؎چونکہ اس زمانہ میں مسلمان صرف کوہ طور پر رہیں گے کہیں جا آ نہ سکیں گے اس ہی لیے باہر سے مال کی درآمد برآمد بند ہوگی لہذا قحط بہت پڑ جاوے گا اور باوجودیکہ وہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب ہے،پھر گرانی کا یہ حال ہوگا کہ جو قدر آج سو دینار کی ہے اس سے زیادہ قدر قیمت گائے کی ایک سری کی ہوگی،مسلمانوں پر یہ زمانہ بہت تنگی کا گزرے گا،جب گائے کی سری کی یہ قیمت ہوگی تو باقی گوشت کی قیمت اندازہ لگا لو،سری بہت سستی ہوتی ہے۔

۳۲؎اس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم یا جوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے مؤمنین آمین کہیں گے۔نبی اللہ فرماکر یہ بتایا گیا کہ اس وقت بھی عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے نبوت کے منسوخ ہونے سے ان کے احکام بندوں پر جاری نہیں

ہوتے مگر ان کا درجہ عند اللہ وہ ہی رہتا ہے۔اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جناب خضر کے پاس گئے تو ان کی نبوت منسوخ نہ ہوئی تھی مگر وہاں آپ نبوت کی شان سے نہ گئے تھے نہ حضرت خضر پر توریت کے احکام جاری فرمائے تو جب دینِ مصطفوی میں عیسیٰ علیہ السلام آویں گے تو قرآنی احکام ہوتے ہوئے اپنی منسوخ شریعت کے احکام کیسے جاری کریں گے،مرزائیوں کو اس میں غور کرنا چاہیے۔

۳۳؎ یعنی ایک آن کی آن میں سب ہلاک ہوجائیں گے انہیں مرتے ہوئے ایک ساعت بھی نہ لگے گی،یہ پتہ نہ لگا کہ یہ لوگ زمین میں کتنے دن رہیں گے۔

۳۴؎ یعنی تمام روئے زمین ان مردودوں کی لاشوں اور بدبو سے بھرا ہوگا،مسلمان اس قید سے نکل تو آئیں گے مگر اس مصیبت سے زمین میں کاروبار تو کیا چل پھر بھی نہ سکیں گے۔

۳۵؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا اور مسلمانوں کی آمین پر یہ پرندے رب تعالیٰ بھیجے گا جو تعداد میں بے شمار ہوں گے،جسامت میں بہت بڑے اور طاقتور کہ ایک پرندہ یاجوج کی لاش اٹھائے گا،کہاں سے آئیں گے اور کہاں غائب ہوجائیں گے یہ رب جانے۔ٹڈی دل ہم نے آتے دیکھا ہے نہ معلوم کہاں سے آتا ہے اور پھر کہاں غائب ہوجاتا ہے،ان پرندوں کی شکل بختی اونٹوں کی گردنوں سے ملی ہوگی۔

۳۶؎ یہ بھی رب تعالیٰ کی قدرت ہی ہوگی کہ اتنی زیادہ لاشیں جن سے روئے زمین بھری ہوگی نہ معلوم کہاں غائب کردی جائیں گی اس جگہ کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۳۷؎ **نہبل** بروزن **منبر** بمعنی بڑا پہاڑ۔اور یہ ایک بستی کا نام بھی ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے۔غالبًا اس بستی کا یہ نام اس پہاڑ کے نام سے ہے جیسے ہمارے پنجاب میں سانگلہ ہل ایک شہر کا نام ہے اس کے ایک پہاڑ کے نام پر جہلم ایک شہر ہے دریا جہلم کے نام پر،اس چھوٹی سی جگہ میں اتنی لاشوں کا سماجانا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی سے ہوگا۔

۳۸؎ یعنی یاجوج ماجوج تو مر جائیں گے مگر اپنی تیر ترکش،کمانیں اتنی بڑی تعدا دمیں چھوڑ جائیں گے کہ سات سال تک مسلمان انہیں جلا کر اپنے سب کام چلائیں گے مفت کی لکڑی پائیں گے۔

۳۹؎ اس فرمان کا تعلق یاجوج ماجوج کی ہلاکت سے ہے یعنی ان مردودوں کے ہلاک ہو جانے اور ان کی نعشیں پھینک دیئے جانے پر عالمگیر بارش آوے گی،یہ مطلب نہیں کہ سات تیر و کمان ترکش چلاچکنے کے بعد بارش آوے گی۔

۴۰؎ **زلقه** قاف سے بمعنی صاف آئینہ،**زلفه** سے اس کے بہت معنی ہیں:ڈھلی زمین،صاف تشتری،سبز رنگ کا صاف گھڑا،سیب،صاف پتھر،صاف کردہ زمین،یہاں **زلفه** ف سے بھی ہوسکتا ہے اور قاف سے بھی ہر معنی درست ہیں ز اور لام کے فتحہ سے۔

۴۱؎ یعنی ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دانوں سے ایک پوری جماعت شکم سیری ہوجاوے اور اس کا چھلکا پورے خیمہ کی طرح ہوگا۔**قحف** کھوپڑی کے پیالہ کو کہتے ہیں،چونکہ انار کا چھلکا کھوپڑی کی طرح گول اور ڈھلوان ہوتا ہے اس لیے اسے **قحف** فرمایا گیا کوہ مری اور شملہ کی ایک ہری مرچ میں ڈیڑھ پاؤ قیمہ بھر جاتا ہے۔

۴۲؎لقحہ لام کے کسرہ قاف کے سکون سے نوزائیدہ مادہ جانور خواہ اونٹنی ہو یا گائے یا بکری۔خیال رہے کہ نوزائیدہ کا دودھ کم ہوتا ہے،کچھ دن بعد جب خون ڈال دیتی ہیں تب دودھ بڑھتا ہے۔فرمایا جارہا ہے کہ جب نوزائیدہ یعنی نئ نئ بیاہی ہوئی مادہ جانور کے دودھ میں ایسی برکت و کثرت ہوگی تو سمجھ لو کہ پرانی ہوکر اس کا دودھ کتنا ہوگا،ان احادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ہم نے پہاڑ کے آلو دیکھے ہیں ایک آلو ڈیڑھ سیر بلکہ دو سیر کا،آزادکشمیر کی مولی بہت موٹی بہت لمبی کہ ایک آدمی ایک مولی اٹھا سکتا ہے،رب تعالٰی کی قدرت ہمارے خیال سے ورا ہے۔ہم نے دوسرے حج کے موقعہ پر طائف کے انار دیکھے چھوٹے تربوز کے برابر جن کے دانے چھوٹے آلو کے برابر ایک انار کے شربت سے بوتل بھر جاتی تھی اور جدہ کے تربوز اس زمانہ میں اتنے بڑے دیکھے کہ سبحان اللّٰہ!لہذا یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۴۳؎یہاں مسلم و مؤمن ہم معنی ہیں،مسلم مؤمن کی تفسیر ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بہت عرصہ بعد ہوگا جب کہ دنیا میں پھر کافر پھیل چکے ہوں گے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دنیا میں کوئی کافر نہ رہے گا سب مسلمان ہوچکے ہوں گے یا قتل۔کبھی مسلم و مؤمن میں فرق کیا جاتا ہے کہ ظاہری اطاعت کرنے والا مسلم اور دل سے عقائد اسلامیہ کو ماننے والا مؤمن۔یہ ہوا ایک غیبی ہوا ہوگی جو ہر مسلمان کی جان نہایت آسانی سے نکال لے گی۔

۴۴؎ھرج بمعنی قتل بھی آتا ہے اور بمعنی زنا بھی یہاں بمعنی زنا ہے۔ہرج کے لغوی معنی خلط ملط ہونا ہے خواہ قتل کے لیے خواہ زنا کے لیے عورت و مرد کا اختلاط یہاں دوسرے معنی میں ہے۔بعض شارحین نے بمعنی قتل فرمایا ہے مگر پھر گدھوں سے تشبیہ درست نہیں ہوگی،گدھا جفتی کے وقت رینگتا ہے جس سے دور تک خبر ہوجاتی ہے اس لیے یہاں گدھے سے تشبیہ دی نہ کہ دوسرے جانور سے اگرچہ چیل بھی اس وقت چیختی ہے مگر گدھے سے کم اس کی آواز آتی ہے لہذا گدھے سے تشبیہ نہایت ہی موزوں ہے۔

۴۵؎یعنی اتنی عبارت ترمذی شریف میں ہے مسلم میں نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ دجال نکلے گا تو اس کی طرف مؤمنوں سے ایک صاحب متوجہ ہوں گے ۱؎ تو انہیں دجال کے سپاہی ملیں گے ۲؎ اور ان سے کہیں گے کہ کہاں کا ارادہ کر رہے ہو کہیں گے کہ میں اس کی طرف کا ارادہ کررہا ہوں جو نکلا ہے ۳؎ فرمایا وہ لوگ ان سے کہیں گے کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتے،وہ کہیں گے ہمارے رب میں پوشیدگی نہیں ۴؎ تو یہ لوگ کہیں گے کہ اسے قتل کردو تو ان کے بعض بعض سے کہیں گے کیا تم کو تمہارے رب نے اس کے بغیر قتل کرنے سے منع نہیں کیا ہے ۵؎ تو وہ انہیں دجال کے پاس لے جائیں گے مؤمن جب اسے دیکھے گا تو کہے گا اے لوگو یہ ہی وہ دجال ہے جس کا رسول اللّٰہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ۶؎ فرمایا تب دجال اس کے متعلق حکم دے گا تو انہیں لمبا ڈال دیا جاوے گا کہے گا اسے پکڑلو اور زخمی کردو ۷؎ چنانچہ ان کی پیٹھ اور پیٹ مار کر چوڑے کردیں گے ۸؎ فرمایا وہ کہے گا کیا مجھ پر ایمان نہیں لاتا فرمایا وہ کہیں گے کہ تو جھوٹا مسیح ہے ۹؎ فرمایا بس اس کے متعلق حکم دیا جاوے گا تو آرے سے ان کی مانگ سے چیر دیا جاوے گا حتی کہ ان کے پاؤں چیر دیئے جائیں گے ۱۰؎ فرمایا پھر دجال دو ٹکڑوں کے درمیان چلے گا پھر اس سے کہے گا کھڑا ہو وہ سیدھا کھڑا ہوجاوے گا ۱۱؎ پھر اس سے کہے گا کیا مجھ پر ایمان لاتا ہے تو وہ کہے گا تیرے بارے میں میری بصیرت ہی زیادہ ہوئی ۱۲؎ فرمایا پھر کہیں گے اے لوگو یہ میرے بعد اب کسی آدمی سے یہ نہ کرسکے گا ۱۳؎ فرمایا پھر اسے دجال ذبح کرنے کے لیے پکڑے گا تو اس کی گردن سے گلے تک کے درمیان تانبہ کردیا جاوے گا ۱۴؎ پھر وہ اس تک راہ پانے کی طاقت نہ رکھے گا فرمایا کہ پھر دجال ان کے ہاتھوں پاؤں کو پکڑے گا اور پھینک دے گا لوگ سمجھیں گے کہ اسے آگ کی طرف پھینکا مگر وہ جنت میں ڈالا جاوے گا ۱۵؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص رب العالمین کے نزدیک تمام لوگوں میں بڑی شہادت والا ہوگا ۱۶؎ (مسلم)

۱؎ یہ صاحب مدینہ سے نکلیں گے۔غالبًا حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے کیونکہ وہ اب تک زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے آپ ہی پر دجال کا زور ختم ہوگا۔(مرقات)

۲؎ مسالح ہے جمع **مسلح** کی،**مسلح** کے معنی ہیں ہتھیار رکھنے کی جگہ یعنی ملک کی سرحد پھر سرحد کے باشندے کو مسالح کہنے لگے کہ وہ لوگ ہر وقت ہتھیار بند رہتے ہیں،پھر محافظ سپاہیوں کو مسالح کہنے لگے کہ اکثر سپاہی ہتھیار بند ہوتے ہیں۔(لمعات،مرقات،اشعہ)معلوم ہوا کہ دجال اپنے سپاہی چھوڑے گا جو لوگوں کو اس مردود تک پہنچائیں گے۔

۳؎ آپ کا یہ فرمان نہایت حقارت کے انداز میں ہوگا۔خرج سے اشارۃً یہ فرمائیں گے کہ دجال راہِ حق سے نکلا ہوا ہے ایمان سے ہٹا ہوا ہے۔

۴؎ یعنی اے بیوقوفو! رب تعالٰی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں وہ تمام عیوب سے پاک ہے تمام صفات سے موصوف ہے۔ دجال کھاتا پیتا ہے،پیشاب پاخانہ کرتا ہے،سوتا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ کانا ہے جس میں یہ عیوب ہوں وہ رب کیسا تم اسے رب کیوں مانتے ہو۔

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ دجال کے سپاہیوں میں سے بعض کہیں گے کہ انہیں یہاں ہی قتل کردو بعض کہیں گے کہ نہیں انہیں دجال کے پاس لے چلو۔

۶؎ یعنی یہ صاحب دجال کی صورت اس کی کالی آنکھ کالا منہ دیکھ کر پکاریں گے کہ یہ خدا نہیں بلکہ خدا کا مردود بندہ ہے۔

۷؎ پہلا **شبح** بمعنی چوڑائی میں ڈال دینا یعنی مارنے کے لیے اس کو زمین پر الٹا لٹا دینا جسے پنجابی میں کہتے ہیں لما پا دینا۔دوسرا **شبحو شبح** سے بمعنی زخمی کرنے سے ہے یعنی پہلے انہیں زمین پر لمبا ڈالو پھر انہیں اتنا مارو کہ زخمی ہوجاویں ان دونوں کی اور کئی شرحیں ہیں جو اسی جگہ لمعات میں مذکور ہیں۔

۸؎ پیٹھ چوڑی کرنا ایک خاص محاورہ ہے یعنی مار مار کر ایسا حال کردیں گے کہ اگر ان کی پیٹھ لوہے یا سونے چاندی کی ہوتی تو کٹ کٹ کر چوڑی ہوجاتی۔مقصد یہ ہے کہ بہت ہی ماریں گے مگر وہ اف نہ کریں گے،ہر کام اور ہر شخص کا ایک وقت ہوتا ہے۔حضرت خضر علیہ السلام دجال پر اپنی کرامت یا معجزہ نہ جاری کریں گے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ورنہ یہ خضر وہ ہیں جنہوں نے ایک اشارہ ے گرتی دیوار سیدھی کردی تھی اور ایک انگلی سے بچہ کا سر اکھیڑ کر اسے مار دیا تھا جیساکہ قرآن میں ہے۔

۹؎ یعنی تو جھوٹا مسیح ہے جسے سچے مسیح علیہ السلام قتل کریں گے،یہ فیصلہ الٰہی ہے ورنہ میں ہی تجھے ہلاک کردیتا۔(مرقات)

۱۰؎ اللہ اکبر یہ ہے اللہ کی راہ میں مصیبت جھیلنا کہ لکڑی کھیرے کی طرح آرہ سے چیرے گئے اف نہ کی لوگ یہ تماشا دیکھ رہے ہوں گے۔

۱۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مقابلہ کے وقت کرامت و معجزہ سارے جادو اور استدراج پر غالب رہتا ہے مگر جب مقابلہ نہ ہو تو جادو،استدراج وغیرہ ولی نبی پر اثر کردیتے ہیں۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سارے جادو گر فیل ہوگئے کہ وہاں مقابلہ تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو نے اثر کردیا کہ وہاں مقابلہ نہ تھا بعض انبیاء کرام کو تلوار سے شہید یا زخمی کیا گیا یہاں دوسری صورت ہے۔دوسرے یہ کہ اگر زندگی باقی ہو جب بھی عارضی موت آسکتی ہے۔حضرت خضر کی زندگی قریب قیامت تک ہے مگر آج وہ دجال کے ہاتھوں عارضی طور پر شہید کردیئے گئے، عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ اپنی زندگی ختم کرکے مرے ہوتے تھے مگر اب دعا سے دوبارہ عمر پاتے تھے۔

۱۲؎ یعنی تیرا یہ کرشمہ دیکھ کر مجھے تیرے دجال ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا اور زیادہ یقین ہوگیا پہلے علم الیقین تھا اب عین الیقین ہوگیا۔

۱۳؎ یعنی اس کی شعبدہ بازیاں ختم ہوئیں اب یہ کسی کو مار کر زندہ نہ کرسکے گا مجھ پر اس کا زور ختم ہوا اور مسیح پر اس کا شور ختم ہوجائے گا،یہ مرکر گمنام ہو جائے گا۔

۱۴؎ یعنی ذبح کے وقت جہاں چھری چلائی جاتی ہے وہاں یا تو بعینہٖ تانبہ کی تختی ہوجائے گی یا یہ جگہ تانبہ کی طرح سخت کر دی جائے گی جس پر چھری نہ چل سکے گی اور دجال یا اس کے سپاہی ان بزرگوں کو ذبح نہیں کرسکیں گے۔

۱۵؎ اس جنت و آگ کی تحقیق ابھی کچھ پہلے کی جاچکی ہے یعنی دجال اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے ان بزرگوں کو اپنی خود ساختہ آگ میں ڈالے گا جو دیکھنے میں آگ ہوگی مگر نار نمرود کی طرح درحقیقت نہایت آرام دہ باغ ہوگا۔

۱۶؎ یعنی یہ صاحب اس زمانہ کے تمام شہید مسلمانوں میں اول درجہ کے شہیدہوں گے کیونکہ ایک بار تو آرہ سے چیرے گئے پھر دوبارہ قتل و ذبح کے لیے لٹائے گئے پھر ظاہری آگ میں پھینکے گئے ان سب کے سوا ایسے موقع پر نہایت جرأت و ہمت سے مردانہ واردجال کے مقابل ہوکر سینکڑوں کے ایمان کو بچا گئے اور ظاہر ہے کہ جیسے کارناموں جیسی تکلیف ویسا درجہ۔اس الناس میں حضرات شہداء احد،بدروحنین یا شہداء کربلا داخل نہیں کہ ان کے درجہ تک کوئی مسلمان تاقیامت نہیں پہنچ سکتالہذا حدیث واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ سید الشہداء تو حضرت حمزہ یا شہداء کربلا امام حسین ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ درجہ ان کی نبوت کی وجہ سے سب سے بڑھ جاوے کہ نبی کا عمل غیر نبی کے عمل سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ام شریک سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ دجال سے بھاگیں گے حتی کہ پہاڑوں میں جا پہنچیں گے ۲؎ ام شریک فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ تو اس دن عرب کہاں ہوں گے فرمایا وہ تھوڑے ہوں گے ۳؎ (مسلم)

۱؎ ام شریک دو ہیں: ایک ام شریک انصاریہ صحابیہ،دوسری ام شریک قرشیہ عامریہ،یہاں ام شریک قرشیہ مراد ہیں اور جن ام شریک کے پاس فاطمہ بنت قیس کو عدت گزارنے کا حکم دیا گیا تھا وہ ام شریک انصاریہ تھیں۔(اشعہ) ۲؎ یعنی احتیاطًا مسلمان اپنا دین بچانے کے لیے بستیوں بلکہ جنگلوں میں نہ ٹھہریں گے کیونکہ اس زمانہ میں کوئی جگہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہوگی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی تعریف فرماتے ہوئے یہ فرمارہے ہیں۔معلوم ہوا کہ فتنہ کے زمانہ میں بستیاں چھوڑ کر گوشہ نشین ہوجانا اچھا ہے کہ اس میں دین کی بڑی حفاظت ہے۔

۳؎ جناب ام شریک نے پوچھا کہ عرب تو بڑے بہادر ہیں یہ لوگ دجال پر جہاد کیوں نہ کریں گے،فرمایا کہ اس وقت عرب اتنے تھوڑے ہوں گے کہ جہاد کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔معلوم ہوا کہ جہاد کے لیے قدرت شرط ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اصفہان کے یہود میں سے ستر ہزار آدمی دجال کی پیروی کرلیں گے ۱؎ جن پر طیلسان لباس ہوگا ۲؎ (مسلم)

۱؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں یہود شہر اصفہان میں کثرت سے ہوں گے۔اصفہان ایران کا مشہور شہر ہے میں نے وہاں کی سیر کی ہے یہاں ہی دجال کا زور زیادہ ہوگا اور دجال کے پہلے مددگار و معاون یہود ہوں گے،بعض نے کہا کہ دجال خود یہود میں سے ہوگا۔

۲؎ طیالسہ جمع ہے طیلسان کی جو معرب ہے تالسان کا۔تالسان وہ خاص رومال ہے جس سے سر اور کندھا ڈھکا جاتا ہے یا کوئی اور خاص لباس۔طیلسان پہننے سے ممانعت بھی آتی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا پہننا بھی ثابت ہے،جب

تک یہ یہود کا نشان خاص رہا ممنوع رہا،جب اس کا رواج عام ہوگیا تب حضور نے پہنا تمام لباسوں کا یہ ہی حال کہ جو کفار کی علامت ہوں ان سے بچے اور جب علامت نہ رہیں مشترک بن جاویں تو جائز ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال آوے گا حالانکہ اس کو مدینہ کے راستوں میں داخلہ ناممکن ہوگا تو بعض کھاری زمینوں میں جو مدینہ سے متصل ہیں وہاں اترے گا۱؎ تو اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو لوگوں میں بہترین یا لوگوں میں سے بہترین ہوگا۲؎ وہ کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہ ہی دجال ہے جس کی خبر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو دجال کہے گا کہ بتاؤ تو اگر میں اسے قتل کردوں پھر زندہ کردوں تو کیا تم اس میں کچھ شک کرو گے۳؎ وہ لوگ کہیں گے کہ نہیں تو وہ اس شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا تب وہ کہے گا واللہ کہ اب سے پہلے تیرے متعلق زیادہ سمجھ بوجھ والا نہ تھا۴؎ پھر دجال اسے قتل کرنا چاہے گا تو اس پر قابو نہ دیا جاوے گا۵؎(مسلم)

۱؎ انقاب جمع ہے نقیب کی،معنی پہاڑی راستہ جو پہاڑ میں جائے،اب ہر راستہ کو نقب کہتے ہیں۔یہاں اسی معنی میں ہے یعنی باہر سے جتنے راستے مدینہ منورہ میں آتے ہیں ان سب پر کنارہ مدینہ منورہ پر فرشتے ہوں گے جو دجال کو مدینہ مطہرہ میں داخل ہونے سے روکیں گے وہ ہی یہاں مراد ہے وہ مردود مدینہ منورہ کے باہر جو زمین شورہ ہے وہاں قیام کرے گا۔

۲؎ عام شارحین نے فرمایا کہ وہ حضر علیہ السلام ہوں گے جو دجال کا مقابلہ کرنے نکلیں گے،وہ زندہ ہیں اور تاقیامت زندہ رہیں گے۔اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ہوں گے آپ دجال کے ہاتھوں دکھ اٹھائیں گے مگر اسے بے نقاب فرمادیں گے،اس کی جھوٹی الوہیت کی مٹی انہیں کے ہاتھوں پلید ہوگی،اس وقت آپ اسلام کے مبلغ اعظم ہوں گے اور سب کو نظر آئیں گے سب انہیں پہچانیں گے ان سے گفتگو کریں گے۔

۳؎ دجال اپنے ماننے والوں سے یہ خطاب کرے گا خود ان بزرگ سے یہ خطاب نہ کرے گا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ بزرگ تو مجھے مانیں گے نہیں،اسے خطرہ تھا کہ شاید ان بزرگ کی تقریر سے میرے ماننے والوں کے دلوں میں میری طرف سے کچھ شک ہوگیا اس لیے ان سے یہ کہے گا۔اس فرمان عالی کے اور کئی مطلب کیے گئے ہیں مگر یہ مطلب قوی ہے کہ اس میں خطاب اس کے معتقد یہودیوں سے ہے نہ کہ مؤمنین سے۔

۴؎ یعنی دجال کے کافر ہونے کا جتنا یقین مجھے اب ہوگیا اتنا پہلے نہ تھا کہ پہلے مجھے تیرے متعلق عین الیقین تھا دیکھ کر اب حق الیقین ہوگیا آزماکر۔

۵؎ یعنی اب جو ان بزرگ کو ذبح کرنے جائے گا تو نہ کرسکے گا کیونکہ انکی گردن میں تانبہ یا پیتل ہوجائے گا جو چھری سے کٹ نہ سکے گا اور آج اس وقت سے اس کی یہ شعبدہ بازیاں ختم ہوجائیں گی اس کا زوال شروع ہوجائے گا،پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی لاش گلیوں میں پھرے گی جسے کتے کھاتے ہوں گے اللہ سچا اس کے نبی سچے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مسیح دجال مشرق کی طرف سے آوے گا اس کا ارادہ مدینہ منورہ کا ہوگا ۱؎ حتی کہ احد کے پیچھے اترے گا پھر فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیردیں گے اور وہاں ہی ہلاک ہوگا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ پہلے گزر چکا کہ دجال خراسان سے نکلے گا اور خراسان مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہے وہ مدینہ منورہ کے ارادہ سے اتنا دراز سفر طے کرے گا مگر یہاں داخل نہ ہوسکے گا کہ یہاں سید الابرار آرام فرما ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ پہلے گزر چکا کہ دجال باب لد میں مارا جائے گا اور باب لد دمشق کے قریب ایک بستی ہوگی اور دمشق ملک شام میں ہے اسے وہاں موت لے جائے گی۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مدینہ منورہ میں مسیح دجال کا رعب نہ داخل ہوگا ۱؎ اس دن اس کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی ساری دنیا کے بڑے شہروں میں وہ خود داخل ہوگا اور چھوٹی بستیوں میں اس کے مبلغ اس کی دہشتناک خبریں پہنچائیں گے جس سے لوگ ڈرکر یا لالچ سے اسے رب مان لیں گے مگر مدینہ منورہ وہ محفوظ و مامون شہر ہوگا جہاں نہ دجال آوے نہ اس کا رعب۔یہاں کے لوگ بالکل محفوظ اور مطمئن ہوں گے یہ ہی امن و امان مکہ معظّمہ میں ہوگا،زمین مدینہ میں نہ طاعون داخل ہو اور نہ کوئی وبائی بیماری نہ دجال وغیرہ۔

۲؎ دروازوں سے مراد یا تو راستے ہیں یا خود یہ ہی معروف دروازے یعنی اس دن مدینہ منورہ میں اردگرد چہار دیواری ہوگی اور دیوار میں سات دروازے ہوں گے،اب بھی مدینہ منورہ کے اردگرد کہیں یہ چہار دیواری دیکھی جاتی ہے۔غالبًا اس زمانہ میں یہ چہار دیواری مکمل ہوگی جس میں یہ دروازے ہوں گے،ہر دروازے پر دو فرشتے،ان فرشتوں میں جبریل امین بھی ہوں گے۔وہ جو مشہور ہے کہ حضور کی وفات کے بعد حضرت جبریل زمین پر نہ آئیں گے بالکل غلط ہے۔طبرانی میں ہے کہ جو مؤمن وضو پر مرے اس کے نزع کے وقت اس کے پاس جبریل آمین آتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے جناب فاطمہ بنت قیس سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانچی کو سنا جو اعلان کررہا تھا کہ نماز تیار ہے تو میں مسجد کی طرف گئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ۲؎ تو جب حضور نے نماز	

پوری کرلی تو منبر پر جلوہ افروز ہوئے حالانکہ حضور ہنس رہے تھے۳؎ فرمایا ہر شخص اپنی نماز کی جگہ رہے۴؎ پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ ہم نے تم کو کیوں جمع فرمایا ہے سب نے عرض کی اللہ رسول ہی جانیں،فرمایا واللہ ہم نے تم کو بشارت دینے اور ڈرانے کے لیے جمع نہیں فرمایا ۵؎ لیکن اس لیے جمع فرمایا ہے کہ تمیم داری ایک عیسائی آدمی تھا وہ آیا اور مسلمان ہوگیا ۶؎ اور اس نے ہم کو ایسی خبر دی جو اس کے موافق ہے جو ہم تم کو مسیح دجال کے متعلق بتایا کرتے تھے۷؎ اس نے ہم کو خبر دی کہ وہ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمیوں کے سامنے دریائی جہاز میں سوار ہوئے ۸؎ تو انہیں ایک ماہ تک موج سمندر میں کھلاتی رہی ۹؎ پھر وہ مغرب کی طرف جزیرہ کے قریب پہنچے پھر وہ چھوٹی کشتی میں بیٹھے جزیرہ میں داخل ہوئے۱۰؎ تو انہیں ایک بہت زیادہ اور موٹے بالوں والا جانور ملا ۱۱؎ کہ بالوں کی زیادتی کی وجہ سے یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا اگلا اور پچھلا حصہ کون سا ہے ۱۲؎ ان لوگوں نے کہا تیری خرابی ہو تو کون ہے وہ بولی میں جاسوس ہوں۱۳؎ تم لوگ کلیسہ میں اس شخص کے پاس جاؤ کہ وہ تمہاری خبر کا مشتاق ہے،کہا کہ جب اس نے ہم سے ایک آدمی کا نام لیا تو ہم اس سے بولے کہ وہ جناتنی ہے۱۴؎ کہا کہ پھر ہم تیز چلے حتی کہ کلیسہ میں داخل ہوگئے ۱۵؎ تو اس میں ایک بہت بھاری بھرکم آدمی تھا ہم نے اتنا بڑا اور ایسا مضبوط بندھا ہوا آدمی نہ دیکھا تھا اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے ۱۶؎ اس کو گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے سے جکڑا ہوا تھا ہم نے کہا تیری خرابی ہو تو ہے کون وہ بولا میری خبر پر تم نے قابو پالیا تم بتاؤ تم کون لوگ ہو۱۷؎ انہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں ہم دریائی جہاز میں سوار ہوئے تو ہم کو دریا ایک ماہ تک کھلاتا رہا ۱۸؎ پھر ہم اس جزیرہ میں داخل ہوئے تو ہم کو بڑے بالوں والا جانور ملا وہ بولا میں جاسوس ہوں اس کلیسہ کی طرف جاؤ تو ہم دوڑتے ہوئے تیری طرف آگئے وہ

بولا کہ مجھے بیسان کے باغ کی خبر دو کیا وہ پھل دے رہا ہے ۱۹؎ہم نے کہا ہاں وہ بولا قریب ہے کہ پھل نہ دے گا ۲۰؎بولا مجھے بحیرہ طبریہ کے متعلق بتاؤ کیا اس میں پانی ہے ۲۱؎ہم نے کہا کہ وہ تو بہت پانی والا ہے بولا قریب ہے کہ اس کا پانی خشک ہوجاوے ۲۲؎بولا مجھے چشمہ زغر کے متعلق بتاؤ کیا اس چشمہ میں پانی ہے اور کیا وہاں کے باشندے کھیتی باڑی کررہے ہیں ۲۳؎ہم نے کہا ہاں اس میں بہت پانی ہے اور وہاں کے باشندے اس کے پانی سے کھیتی باڑی کررہے ہیں ۲۴؎وہ بولا مجھے ناخواندہ لوگوں کے نبی کے متعلق خبر دو کہ انہوں نے کیا کیا ۲۵؎ہم نے کہا وہ مکہ سے تشریف لے گئے اور مدینہ قیام پذیر ہوئے بولا کیا عرب نے ان سے جنگ کی ہم نے کہا ں ہاں بولا ان کے ساتھی نبی نے کیا کیا ہم نے اسے بتایا کہ وہ متصل عرب پر غالب آگئے ہیں اور عرب نے ان کی اطاعت کرلی ہے ۲۶؎بولا عرب کے لیے ان کی اطاعت کرنا بہتر ہے ۲۷؎اور میں تمہیں اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں ۲۸؎قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت دی جاوے تو میں نکلوں تو ساری زمین میں چلوں کوئی بستی نہ چھوڑوں مگر وہاں چالیس دن میں اتروں سواء مکہ اور مدینہ کے ۲۹؎کہ وہ دونوں بستیاں مجھ پر حرام ہیں جب کبھی میں ان میں سے کسی میں داخل ہوتا جاؤں گا تو میرے سامنے ایک فرشتہ آوے گا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہوگی جو مجھے وہاں سے روک دے گا اور اس کے ہر راستہ پر فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہوں گی ۳۰؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصامنبر پر مارا اور فرمایا یہ ہے طیبہ یعنی مدینہ منورہ، بولو کیا ہم نے تم کو یہ خبریں دی تھیں لوگوں نے کہا ہاں ۳۱؎آگاہ رہو کہ وہ شام یا یمن کے جنگل میں ہے نہیں بلکہ مشرق کی طرف وہ ہے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا ۳۲؎(مسلم)

۱؎ آپ قرشیہ فہریہ ہیں یعنی فہر ابن مالک ابن نضر کی اولاد سے ہیں،ضحاک ابن قیس کی بہن ہیں،مہاجرین اولین میں سے ہیں،صاحب جمال و عقل تھیں،پہلے عمرو ابن مغیرہ کے نکاح میں تھیں ان سے طلاق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ ابن زید سے نکاح کردیا۔

۲؎ جب کبھی کوئی اہم مشورہ یا ضروری کام ہوتا تو نماز کے بعد مسجد میں کیا جاتا تھا اس موقع پر اعلان ہوتا تھا سب لوگ فلاں نماز مسجد نبوی میں ادا کریں،لوگ اہتمام سے آجاتے تھے یہ ہی مراد یہاں ہے لہذا حدیث ظاہر ہے۔

۳؎ یہاں ہنسا بمعنی تبسم فرمانا ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر شریف میں کبھی ٹھٹھا مار کر نہ ہنسے ہاں تبسم بہت فرماتے تھے۔شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　　اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

۴؎ یعنی کوئی صاحب نہ ہٹے نہ اٹھے ہمارا کلام وہاں ہی بیٹھے سنے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے۔

۵؎ یعنی نہ تو کوئی رحمت کی آیت نازل ہوئی ہے نہ عذاب کی آیت جسے سنانے کے لیے میں نے تم لوگوں کو جمع کیا ہو، نہ مال غنیمت کہیں سے آیا ہے جو تم میں تقسیم کرنا ہے،نہ دشمن کے مقابلہ کے لیے تم کو کہیں بھیجنا ہے آج تو ایک نئی بات ہی سنانا ہے۔

۶؎ حضرت تمیم ابن اوس مشہور صحابی ہیں،قبیلہ بنی عبدالدار سے ہیں،دار ایک بت کا نام تھا اس نسبت سے ان کے مورث اعلیٰ کا نام عبدالدار تھا،بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار تھے،اولًا مدینہ منورہ میں رہے،حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام میں قیام پذیر ہوئے وہاں ہی آپ کا مزار ہے،مسجد نبوی شریف میں سب سے پہلے چراغ جلانے والے بلکہ چراغ کرنے والے آپ ہی ہیں،اولًا آپ عیسائی تھے پھر یہ واقعہ دیکھا جو یہاں مذکور ہے،حضور کے ہاتھ پر ایمان لائے۔(اکمال)آپ ۹ھ میں ایمان لائے،بڑے پایہ کے صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

۷؎ یعنی ہماری خبر کی آنکھوں دیکھی تصدیق سن لو غالبًا حضرت تمیم داری اس مجمع میں موجود تھے حضور نے ان کی موجودگی میں یہ سب کچھ سنایا۔

۸؎ سفینہ تبریہ یعنی ریت کا جہاز اونٹ کو کہتے ہیں اور سفینہ بحریہ یعنی سمندری جہاز بڑی کشتی کو،نیز چھوٹی کشتی کو جو نہروں وغیرہ میں چلے زورق کہتے ہیں،بڑی کشتی کو سفینہ بحریہ،لخم یمن کا ایک قبیلہ ہے اور جذام ج کے پیش سے نجد کا ایک قبیلہ ہے۔(اشعہ،مرقات)

۹؎ بے فائدہ کام کو لعب کہتے ہیں،چونکہ دریامیں اتنے روز تک مارےمارے پھرنا بے فائدہ تھا اس لیے اسے لعب فرمایا۔

۱۰؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بڑی کشتیوں کے اندر اس کے ساتھ چھوٹی کشتیاں رہتی تھیں،بڑی کشتی گہرے پانی میں رہتی تھی اور چھوٹی کشتی سے کنارہ تک آتے تھے۔اقرب جمع قارب کی بمعنی چھوٹی کشتی یہ جمع شاذ ہے فاعل کی جمع افعل کے وزن پر نہیں آتی الا شاذًا۔خلاصہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے ایک ماہ کے بعد زمین دیکھی تو غنیمت سمجھ کر وہاں اترے اور چھوٹی کشتی کے ذریعہ کنارہ پر پہنچے۔

۱۱؎ اھلب بنا ہے ھلب سے بمعنی موٹے بال یا دم پر زیادہ بال،یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی اس جانور کے بال بہت تھے اور موٹے تھے۔دابہ نر اور مادہ دونوں جانوروں کو کہا جاتا ہے،رب فرماتا ہے:"وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُهَا"۔

۱۲؎ یعنی اس کے سر سے دم تک بال ہی بال تھے پتہ نہ لگتا تھا کہ سر کدھر ہے اور دم کدھر ہے گویا عجیب الخلقت مخلوق تھی۔

۱۳؎ یعنی میرا کام ہے لوگوں کی خبریں دجال تک پہنچاؤں جو اس کلیسہ میں بندھا ہوا ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص فرماتے ہیں کہ یہ جانور وہ ہی دابۃ الارض تھا جو قریب قیامت نمودار ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے"اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً"۔

۱۴؎ یعنی ہم کو یہ خوف ہوا کہ شاید جناتی ہو اور ہم کو جس کے پاس بھیج رہی ہے وہ جن ہو ہم جنات میں پھنس نہ جائیں۔

۱۵؎ دیر بنا ہے دار سے اور دار بنا ہے دور سے بمعنی گول عمارت،چونکہ گرجا اکثر گول ہوتا ہے اس لیے اسے دیر کہتے ہیں۔غالبًا اس وقت دجال یہودیوں میں سے ہے جو ایک گرجے میں بندھا ہوا ہے جیساکہ آگے معلوم ہوگا۔

۱۶؎ یعنی اس سے پہلے ہم نے نہ تو اتنا قد آور آدمی دیکھا نہ ایسی مضبوط زنجیر دیکھی جس میں وہ بندھا تھا وہ بھی ہیبت ناک اس کی قید بھی ہیبت ناک۔

۱۷؎ یعنی تم میرے پاس آگئے ہو تم میری خبریں سن ہی لوگے اور میں تم کو سب کچھ اپنے متعلق بتا ہی دوں گا پہلے تم بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو۔خیال رہے کہ یہ دجال ان لوگوں کے حالات پوچھنا چاہتا تھا نہ کہ ان کی حقیقت کیوں کہ اسے خبر تھی کہ یہ لوگ انسان ہیں اس لیے اس نے ما کہا من نہ کہا۔(اشعہ،مرقات)

۱۸؎ یعنی ہم اہل عرب ہیں تجارت وغیرہ کی غرض سے دریائی سفر کررہے تھے کہ سمندر کی موجوں میں ہم پھنس گئے۔

۱۹؎ خیال رہے کہ بیسان دو بستیوں کے نام ہیں: ایک حجاز میں ہے،دوسری فلسطین نہراردن کے قریب،یہاں وہ اس دوسرے بیسان کے متعلق پوچھ رہا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے آزاد تھا اور اس نے یہ تمام مقامات دیکھے تھے پھر یہاں قید کیا گیا۔(مرقات واشعہ)

۲۰؎ یعنی ابھی قیامت قریب نہیں دور ہے کیونکہ علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ یہ باغ خشک ہوجائے گا اس کے پھل ختم ہوجائیں گے۔

۲۱؎ بحیرہ طبریہ ایک نہر ہے اور طبریہ ایک قصبہ کا نام ہے جو نہراردن کے قریب واقع ہے،امام طبرانی اسی قصبہ کے رہنے والے ہیں طبرانی اسی طبریہ کی طرف نسبت ہے۔

۲۲؎ یعنی علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ بحیریہ طبریہ خشک ہوجائے گا ابھی قیامت دور ہے۔

۲۳؎ زغر بروزن زفر ایک شہر ہے شام کے علاقہ میں،زغر ایک عورت کا نام تھا جس نے یہ شہر آباد کیا تھا،اس کے نام پر اس شہر کا نام زغر ہوا،یہاں ایک مشہور چشمہ ہے اس کا نام عین زغر ہے وہ اس کے متعلق پوچھ رہا ہے۔

۲۴؎یہاں دجال نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا مگر مطلب وہ ہی ہے کہ عنقریب یہ چشمہ بھی خشک ہوجائے گا۔ (مرقات)اور قریب قیامت اس کے پانی سے کھیتی باڑی بھی نہیں ہوسکے گی جب پانی ہی نہ ہوگا تو اس کے پانی سے کھیتی کے کیا معنی۔

۲۵؎بعض یہود کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو ہیں مگر ہمارے نبی نہیں کہ ہم تو اہل علم ہیں،آپ عرب ناخواندہ لوگوں کے نبی ہیں اس لحاظ سے وہ حضور کو نبی الامیّین کہہ رہا ہے۔(اشعہ،مرقات)معلوم ہوا کہ دجال یہود قوم سے ہے۔

۲۶؎یعنی جہادوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالب آچکے ہیں اور مدینہ منورہ کے آس پاس کے علاقے انہوں نے فتح کرلیے ہیں اور ان علاقوں کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہوچکے،جو واقعات تھے وہ صحیح صحیح بیان کردیئے۔

۲۷؎سبحان اللہ!دشمن اور بے دین کے منہ سے حضور کی حقانیت کی گواہی نکل رہی ہے،چونکہ ابھی وہ دجال بن کر دنیا کے سامنے آیا نہیں ہے اس لیے یہ سچی بات کہہ رہا ہے جب دجال بن کر آوے گا تب وہ خدا تعالٰی کو بھی نہ مانے گا نبوت تو بہت دور ہے یعنی ان لوگوں کے لیے دین و دنیا کی بہتری اس میں ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرلیں۔شاید یہ ہی سن کر تمیم داری مدینہ منورہ میں آکر مسلمان ہوگئے،بعض صحابہ کو کفار کے ذریعہ ایمان ملا،تمیم داری کو دجال کے ذریعہ،ابوسفیان کو شاہ روم ہرقل کے ذریعہ۔

۲۸؎غالبًا یہ مسیح بنا ہے سباحه سے بمعنی زمین میں چلنا پھرنا سیر کرنا،چونکہ یہ مردود تھوڑے دنوں میں تمام زمین میں چکر لگالے گا اس لیے اسے مسیح کہا گیا۔مسیح کے اور بہت معنی ہیں۔دجال بنا ہے دجل سے بمعنی فریب دینا،اس کا نام کچھ اور ہے لقب دجال ہے،اس وقت وہ اپنی حقیقت خود بیان کررہا ہے۔

۲۹؎یہ ہے اس کافر دجال کے علم کا حال کہ آئندہ ہونے والے واقعات تفصیلًا ایک ایک بتارہا ہے،اپنا مقام اور ساتھ ہی حرمین طیبین کی شان بیان کررہا ہے۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ کے نام ایک سو سے زیادہ ہیں،ان میں سے بہت نام جذب القلوب شریف کے اول میں لکھے ہیں۔یہاں دجال نے اسے طیبہ کہا،طیبہ کے معنی ہیں پاک و صاف کی ہوئی بستی،چونکہ دجال سے وہ بستی محفوظ رہیگی اس کی خباثت وہاں نہ پہنچ سکے گی اس لیے طیبہ کہا۔خیال ہے کہ دجال کے سواء دیگر کفار و مشرکین و منافقین مدینہ منورہ میں جا تو سکتے ہیں مگر رہ نہیں سکتے زندگی میں یا مرے بعد وہاں سے نکال دیئے جائیں گے،یہ زمین مقدس بھٹی ہے جو لوہے کا میل نکال دیتی ہے مگر دجال وہاں جا بھی نہ سکے گا۔

۳۰؎ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی ان فرشتوں میں داخل ہوں گے ان کی تشریف آوری زمین پر بند نہ ہوئی،ہاں وحی لانا بند ہوگیا کہ حضور انور کے بعد کوئی نبی نہیں۔خیال رہے کہ دجال یہ سب کچھ جانتے ہوئے حرمین طیبین میں داخلہ کی کوشش کرے گا جیسے شیطان لاحول کا کوڑا جانتے ہوئے بلکہ یہ کوڑا کھاتے ہوئے بھی ہر ایک کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا ہے،مکھیاں مار کھاتے ہوئے بھی ہر جگہ پہنچتی ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب اسے یہ سب کچھ معلوم ہے تو پھر وہاں جانے کی کوشش کیوں کرے گا۔فطرت نہیں بدلتی یہ اس کی فطری چیز ہوگی،شیطان جانتا ہے کہ میں حضرات انبیاء اولیاء کو بہکا نہیں سکتا"اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ" مگر پھر کوشش میں رہتا ہے۔

۱۳؎حضور انور کا یہ عمل و فرمان انتہائی خوشی سے ہے۔خوشی ایک تو اس کی ہے کہ ہمارے فرمان عالی کی تصدیق ایک غیرمسلم سے ہوئی بلکہ وہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنی۔دوسرے یہ کہ ہمارے مدینہ کی شان عالی یہ ہےاللہ تعالٰی ہم سب کو مدینہ طیبہ کی زیارت نصیب فرمائے۔

۱۴؎اس فرمان عالی کی بہت شرحیں کی گئی ہیں۔بہترین شرح یہ ہے کہ **ماھو** میں **ما** زائدہ ہے نافیہ نہیں۔مطلب یہ ہے کہ دجال کبھی بحر شام میں مقید رہتاہے اور کبھی بحر یمن کی جیل میں رکھا جاتا ہے،آج کل ان دونوں جیلوں میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ سے مشرق جانب میں ہے،یا یہ مطلب ہے کہ وہ شامی یا یمنی جیلوں میں مقید رہتا ہے مگر قریب خروج مدینہ منورہ میں ان طرفوں سے نہ آئے گا بلکہ مشرق کی طرف سے آوے گا۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ سے شام جانب شمال ہے اور یمن جانب جنوب اور نجد جانب مشرق لہذا دجال اس زمانہ میں نجد کی طرف سے آئے گا،یہ ہے میرے محبوب کا علم صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات اپنے کو کعبہ کے پاس دیکھا ۱؎تو میں نے ایک شخص کو دیکھا گندمی رنگ ان سب سے اچھا جو تم نے گندمی رنگ کے لوگ دیکھے ان پٹھے والے بال میں تمام پٹھے والوں سے اچھے جو تم نے دیکھے ہوں اس میں کنگھی کی ہوئی ہے ان سے پانی ٹپک رہا ہے۲؎ دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہیں بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں،میں نے پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہیں۳؎فرمایا میں پھر ایک شخص پر تھا بال چھلے والے۴؎داہنی آنکھ کا کانا گویا اس کی آنکھ ابھراہوا انگور ہے جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے سب سے زیادہ مشابہہ ابن قطن سے تھا ۵؎اپنے دونوں ہاتھ دو شخصوں کے کندھوں پر رکھے بیت اللہ کا طواف کررہا تھا ۶؎میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ مسیح دجال ہے ۷؎(مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ موٹے بال داہنی آنکھ کانی والا آدمی ہے ۸؎لوگوں میں اس سے زیادہ مشابہہ ابن قطن ہے اور ابوہریرہ کی حدیث **لاتقوم الساعۃ حتی تطلع الشمس من مغربھا** الخ **باب الملاحم** میں ذکر کردی گئی اور ہم حضرت ابن عمر کی حدیث **قام رسول اللہ صلی اللہ**	

	علیہ وسلم فی الناس ابن صیاد کے قصہ میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے ۹

۱؎ یا تو خواب میں دیکھا یا کشف میں۔(مرقات)بہرحال یہ دیکھنا ہے بالکل برحق کیونکہ نبی کا کشف بھی وحی ہے اور خواب بھی وحی۔

۲؎ یہ پانی وضو کا ہے یا غسل کا یا رحمت الٰہی کا آپ باوضو طواف کررہے تھے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آیا کرتے ہیں مگر پردہ غیب میں رہ کر اور یہ کہ آپ حج و عمرہ بھی ادا کرتے ہیں مگر لوگوں کی نگاہ سے غائب اور یہ کہ حضور کی نگاہیں پوشیدہ چیزوں کو دیکھتی ہیں بلکہ حضرات انبیاءکرام بعد وفات روئے زمین کی سیر کرتے ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے حضور انور کے ساتھ حج کیا حجۃ الوداع بعد وفات عالم کی سیر کرنا مشکل نہیں۔یہ دونو ں آدمی جن کے کندھوں پر آپ ہاتھ رکھے ہوئے طواف کررہے ہیں وہ حضرت خضر ہیں اور حضرت امام مہدی کی روح،یہ دونوں حضرات جناب مسیح کی مدد آپ کی خدمت کے لیے آپ کے ساتھ ہیں۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں مرد فرشتے ہوں شکل انسانی میں جو آپ کی اس خدمت کے لیے مقرر کیے گئے ہوں۔

۴؎ **جعد** کے معنی ہیں گھونگھر والے بال یعنی قدرے خم دار،**قطط** کے معنی ہیں بہت ہی اٹھے ہوئے چھلے کی طرح گول،جعودہ حسن ہے مگر چھلے والے بال بدصورتی۔

۵؎ یعنی دجال عبدالعزیٰ ابن قطن یہودی کے ہم شکل ہے جسے تم نے دیکھا ہے اگر دجال کو دیکھنا ہو تو اسے دیکھ لو۔(اشعہ،مرقات)

۶؎ یہ شخص وہ فرشتے تھے جو دجال کی قید میں نگرانی کرتے ہیں وہ اسے طواف کرانے ایسے لائیں ہیں جیسے جیل کی پولیس ملزم قیدی کو کبھی حاکم کی کچہری وغیرہ میں اپنی نگرانی میں پیش کرتی ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ابھی دجال کافر نہیں ہوا جب اس کا خروج ہوگا تب کافر ہوگا۔دوسرے یہ کہ ابھی اس کا داخلہ مکہ معظّمہ میں ممنوع نہیں جب اس کا خروج ہوگا تب وہ حرمین شریفین میں داخل نہ ہوسکے گا۔تیسرے یہ کہ دجال ابھی قید میں ہے مگر پھر بھی فرشتوں کے پہرے میں کعبہ وغیرہ میں پہنچتا ہے۔چوتھے یہ کہ حضور نے دجال کو دیکھا ہے اسے پہچانتے ہیں کیونکہ نبی کی خواب وحی ہوتی ہے۔یہاں اشعہ نے فرمایا کہ دجال کا یہ طواف جو حضور انور نے خواب میں دیکھا وہ اس مردود کا مکہ معظّمہ کے اردگرد گھومنا ہے جو وہ قریب قیامت چکر لگائے گا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور عیسیٰ علیہ السلام کا طواف یہ مکہ معظّمہ میں طواف کرکے دجال کے پیچھے گھومنا ہے اسے قتل کرنے کے لیے یہ خواب مثال ہے۔

۷؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماسح یعنی چھوکر بیماروں کو شفا دینے والے،دجال مسیح بمعنی ممسوح یعنی ایک آنکھ پونچھی ہوئی صاف اور بھی بہت فرق ہیں۔

۸؎ یعنی دجال انسان ہے،مرد ہے،رنگ کا سرخ،بدن کا موٹا،بالوں کا چھلے دار،آنکھ کا کانا،اس وقت اس کی داہنی آنکھ کانی ہے،خروج کے وقت کبھی داہنی کانی ہوگی کبھی بائیں جیساکہ پہلے گزرچکا ہے۔واللہ ورسولہ اعلم!

۹؎یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں اسی جگہ تھیں مگر ہم نے مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے پہلی حدیث تو باب الملاحم میں ذکر کردی اور دوسری حدیث ان شاءاللہ ابن صیاد کے باب میں بیان کریں گے کہ وہ حدیثیں انہیں بابوں کے مناسب ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت فاطمہ بنت قیس سے تمیم داری کی حدیث میں مروی ہے ۱؎فرماتی ہیں فرمایا کہ ناگاہ میں اس عورت پر گزرا جو اپنے بال گھسیٹ رہی تھی۲؎انہوں نے کہا تو کون ہے وہ بولی میں جاسوس ہوں اس محل کی طرف جاؤ ۳؎میں وہاں گیا تو ایک شخص تھا جو اپنے بال گھسیٹ رہا تھا قیدوں میں جکڑا ہوا تھا آسمان و زمین کے درمیان کود رہا تھا ۴؎میں نے کہا تو کون ہے وہ بولا میں دجال ہوں ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی تمیم داری کی وہ دراز حدیث جو بروایت مسلم فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے وہ گزر چکی۔ابوداؤد میں وہ ہی حدیث قدرے اختلاف سے مروی ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق صرف لفظی ہے مطلب ایک ہی ہے

۲؎خیال رہے کہ ان دونوں حدیثوں میں پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ وہاں مسلم کی روایت میں **دابة** تھا،اور یہاں ابوداؤد کی روایت میں **امرأة** یعنی عورت ہے،ان دونوں میں کئی طرح مطابقت کی جاسکتی ہے: ایک یہ کہ وہاں **دابة** بمعنی جانور نہیں بلکہ بمعنی زمین پر چلنے والی ہے جس میں انسان بھی داخل ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الۡبُکۡمُ**"لہذا وہاں **دابة** بمعنی عورت تھا۔دوسرے یہ کہ دجال نے بہت سے جاسوس رکھے ہوئے تھے کوئی جانور کی شکل میں کوئی عورت کی شکل میں،تمیم داری کو دو جاسوس ملے ایک جانور،ایک عورت وہاں ایک کا ذکر تھا یہاں دوسری کاذکر ہے۔تیسرے یہ کہ جساسہ شیطانہ تھی کبھی جانور کی شکل میں نظر آئی کبھی عورت کی شکل میں جنات شکلیں بدل سکتے ہیں۔

۳؎وہاں مسلم کی حدیث میں **دیر** تھا بمعنی کلیسہ یہاں قصر ہے مگر ان میں مخالفت نہیں وہ کلیسہ محل کی شکل میں تھا لہذا کلیسہ بھی کہا جاسکتا ہے محل بھی۔

۴؎یعنی قید میں تھا مگر اچھلتا تڑپتا تھا اسے سکون و چین نہ تھا اچھلتا تھا بہت اونچا۔

۵؎وہاں مسلم کی روایت میں سائل پوری جماعت کو فرمایا گیا تھا یہاں صرف تمیم داری کو کہ ارشاد ہوا**فقلت** مگر ان دونوں میں تعارض نہیں۔جماعت کا کام ہر ایک کی طرف نسبت ہوسکتا ہے سب نے پوچھا تو تمیم داری نے بھی پوچھا یا تمیم دار نے پوچھا تو گویا سب نے ہی پوچھا بہرحال دونوں حدیثیں متفق ہیں۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں نے تمہیں دجال کے متعلق	

خبریں دی حتی کہ مجھے خوف ہوا کہ تم نہ سمجھو۱ مسیح دجال پستہ قد ٹیڑھے پاؤں والا ۲ مٹھے ہوئے بال ایک آنکھ کا سپاٹ ہے وہ آنکھ نہ تو ابھری ہوئی ہے اور نہ دھنسی ہوئی ۳ اگر تم پر اشتباہ ہو تو جان لو کہ تمہارا رب کانا نہیں ۴ (ابوداؤد)	

۱ یعنی ہم نے بہت ہی مجلسوں میں دجال کے بہت عیوب بیان کیے ہیں ممکن ہے کہ تم کو وہ سب یاد نہ رہیں تم بہت سی باتیں بھول جاؤ اس لیے ہم اس کے متعلق چند فیصلہ کن باتیں بتاتے ہیں جنہیں تم بے تکلف یاد کرلو۔

۲ **افحج** بنا ہے **فحج** سے بمعنی ٹیڑھے قدم کہ جب کھڑا ہو تو اس کے پنجے بہت پھیلے ہوئے ہوں ایڑیاں قریب قریب ہوں پنڈلیاں پھیلی ہوں۔ **قصیر** بمعنی پستہ قد، ٹھنگنا۔جن روایات میں اسے عظیم کہا گیا ہے وہاں مراد موٹا ہے یعنی پستہ قد مگر بہت موٹا لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔

۳ یعنی ایک آنکھ ابھری ہوئی دوسری سپاٹ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ اس کی ایک آنکھ بھری ہوئی ہوگی۔

۴ یعنی اگر تم کو اس کے کرشمے دیکھ کر دھوکا لگے کہ شاید یہ خدا ہو تو اولًا تو اس کا کھانا پینا سونا وغیرہ بندہ ہونے کی علامت ہیں،ساتھ ہی کانے ہونے کا عیب خاص بندہ ہونے کی علامت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ ہوئے مگر انہوں نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا۱ اور میں نے تم کو اس سے ڈرایا پھر آپ نے ہم سے اس کے وصف بیان کیے فرمایا شاید اسے بعض وہ لوگ پائیں گے جنہوں نے مجھے دیکھا یا میرا کلام سنا ۲ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اس دن ہمارے دل کیسے ہوں گے فرمایا آج کی طرح یا اس سے بھی اچھے ۳ (ترمذی و ابوداؤد)	

۱ یعنی دجال کا فتنہ اتنا بڑا ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ سے حضرات انبیاء کرام نے اپنی امتوں کو ڈرانا شروع کیا حالانکہ اس مردود کا خروج قریب قیامت ہوگا،وہ حضرات جانتے تھے کہ ہماری قومیں اسے نہ پائیں گی،کیوں ڈرایا،اس کی اہمیت و خطرناک ہونا دکھانے کے لیے جیسے قیام قیامت سے تمام نبیوں نے اپنی امتوں کو ڈرایا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ فتنہ صرف وہ ہی لوگ دیکھیں گے جو اس وقت موجود ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضور انور کو دیکھنے سے مراد ہے انسان کا بیداری میں ان آنکھوں سے دیکھنا اور کلام سننے سے مراد ہے بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننا،چونکہ اس زمانہ میں حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوں گے بلکہ اس کا مقابلہ کریں گے جیسا کہ پہلے گزر چکا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی ہے،آپ کا کلام بھی سنا ہے بلکہ بیعت رضوان میں آپ نے ہاتھ شریف پر بیعت بھی کی ہے لہذا حدیث واضح ہے اسی فرمان عالی کے اور بہت مطلب بیان کئے گئے ہیں: بعض نے کہا

کہ اس سے وہ جن صحابی مراد ہیں جو اس وقت موجود ہوں گے،بعض نے کہا کہ کلام سننے سے مراد بالواسطہ احادیث سننا ہے اور دیکھنے سے مراد خواب میں حضور کو دیکھنا ہے مگر یہ توجیہیں کمزور ہیں۔

۳؎ یعنی اس زمانہ میں مسلمانوں کے دل ایمان سے بھرپور ہوں گے،ان کے دلوں میں دجال کے متعلق کوئی شبہ نہ ہوگا،انہیں یقین ہوگا کہ یہ مردود و شعبدے باز کافر ہے ان کے دل حضرات صحابہ کرام کی طرح پاک وصاف ہوں گے اور صحابہ سے بڑھ کر آزمائش میں ثابت قدم رہیں گے کہ حضرات صحابہ کرام کا امتحان دجال سے نہیں لیا گیا لیکن درجہ صحابہ ہی کا بڑا ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن حریث سے ا؎ وہ حضرت ابوبکر صدیق سے راوی فرمایا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی فرمایا دجال مشرقی زمین سے نکلے گا جسے خراسان کہا جاتا ہے اس کے پیچھے کچھ قومیں ہوں گی گویا ان کے چہرے کٹی ہوئی ڈھالیں ہیں ۲؎(ترمذی)

ا؎ آپ کا نام عمرو ابن حریث ہے،کنیت ابو سعید قرشی مخزومی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت بارہ برس کے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ شریف پھیرا ہے،دعائیں دی ہیں،آخر میں کوفہ میں رہے۔

۲؎ خراسان پورے علاقہ کا نام ہے،پھر ایک شہر کا نام بھی ہے،یہ علاقہ ایران کے ملک میں ہے۔فقیر نے وہ علاقہ دیکھا ہے اس کا ایک حصہ ہرات تک پھیلا ہوا ہے،ہرات افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے اس کی اتباع کرنے والے وہ ترک ہوں گے جن کی تحقیق ہم پہلے کرچکے ہیں یہ موجودہ ترک نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دجال کو سنے وہ اس سے دور رہے ا؎ اللہ کی قسم کوئی شخص اس کے پاس جائے گا یہ سمجھ کر کہ میں مسلمان ہوں ۲؎ تو پھر اس کی اتباع کرلے گا ان شبہات کی وجہ سے جن کے ساتھ وہ بھیجا گیا ۳؎(ابوداؤد)

ا؎ یعنی کوئی شخص تماشہ دیکھنے کے لیے بھی دجال کے پاس نہ جائے کہ اس میں خطرہ ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"بروں کی صحبت بری ہے۔

۲؎ یعنی وہ یہ سمجھے گا کہ میں پختہ مسلمان ہوں مجھے دجال اور اس کے شعبدے اسلام سے ہٹا نہیں سکتے اپنی اس موہومہ پختگی کے دھوکے میں مارا جائے گا۔آج بھی بعض لوگ اپنے ایمان کو ناقابل تسخیر قلعہ سمجھ کر بدمذہبوں کی صحبت ان کے وعظ ان کی کتب کا مطالعہ اختیار کرتے ہیں اور بے دین بن جاتے ہیں،بہت لوگ مرزا قادیان کو محض دیکھنے گئے اور قادیانی بن گئے۔

۳؎ یعنی یہ شخص اپنے کو پختہ مؤمن سمجھنے والا اس کی شعبدے بازیاں دیکھ کر شک میں ضرور پڑ جائے گا کہ شاید یہ خدا ہی ہے یہ شبہ بھی کفر ہے،ان شبہات کے باوجود وہ اپنے کو مؤمن ہی سمجھتا رہے گا اور آہستہ آہستہ اس کا کفر اور بھی پختہ ہوتا رہے گا۔ایمان ایک دولت ہے بے دین لوگ اس دونوں کے چور ڈاکو ہیں اگر اس دولت کی حفاظت کرنی ہے تو ان چوروں سے الگ رہو۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید ابن سکن سے۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال زمین میں چالیس سال رہے گا۲؎ ایک سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور دن آگ میں سوکھے پتے جلنے کی طرح ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ آپ مشہور صحابیہ انصاریہ ہیں،بڑی عالمہ عاقلہ عابدہ زاہدہ تھیں۔

۲؎ گزشتہ احادیث میں ارشاد تھا کہ چالیس دن رہے گا یا تو یہ اختلاف احساس کا ہے کہ بعض کو وہ زمانہ چالیس سال کا محسوس ہوگا مگر سال بھی ایسے جو یہاں مذکور ہیں اور بعض کو چالیس دن محسوس ہوگا۔(مرقات) یا دجال کا زمین پر رہنا چالیس سال کا ہوگا مگر اس کا زور آخری چالیس دن ہوگا لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں ان میں تعارض نہیں۔(اشعہ)

۳؎ **شعف** جمع **شعفۃ** کی،**شعفۃ** کھجور کی سوکھی شاخوں سوکھے پتوں کو کہتے ہیں یعنی اگر سوکھے پتوں سوکھی شاخوں میں آگ لگادو تو فورًا بھڑک اٹھتے ہیں اور جلدی راکھ بن کر بجھ جاتے ہیں ایک دن ایسا گزرے گا اس کی شرح گزشتہ احادیث میں گزر گئی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے۱؎ ستر ہزار آدمی دجال کی پیروی کریں گے جن پر نقشین لباس ہوگا ۲؎(شرح سنہ)

۱؎ غالب یہ ہے کہ امت سے مراد امت دعوت ہے جن پر فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں سارا عالم حضور کی امت دعوت ہے اور مسلمان امت اجابت اس صورت میں ایسی حدیث کی شرح وہ گزشتہ حدیث ہے کہ اصفہان کے یہودی دجال کی پیروی کرلیں گے۔یہاں **امتی** سے مراد وہ ہی یہود ہیں کہ وہ حضور کی امت دعوت ہیں اور ستر ہزار سے مراد ہزار ہا آدمی ہیں نہ کہ یہ عدد خاص مگر یہ توجیہ ضعیف ہے کہ اس سے مراد کلمہ پڑھنے والے مال دار مسلمان ہیں جیساکہ آگے مذکور ہے۔

۲؎ یعنی میری امت کے وہ لوگ دجال کو مانیں گے جو پہلے سے ہی فیشن پرست یہودونصاریٰ کے نقال ان کی سی شکل و صورت بنانے والے یہود کا سا نقشین فیشن ایبل لباس پہننے والے ہوں گے انہیں کا بیڑا غرق ہوگا،یا یہ مطلب ہے کہ ستر ہزار امیر لوگ دجال پر ایمان لے آئیں گے تو غریبوں کی تو شمار ہی نہیں،ایک ایک امیر کی دیکھا دیکھی بہت سے غریب بہک جائیں گے مگر آخری یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ فقراء مسلمین بفضلہ تعالٰی دجال کے شر سے محفوظ رہیں گے،ابن الوقت امیر

لوگ زیادہ بگڑیں گے۔آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ اسلام غرباء کے دم سے قائم ہے نمازی،شہید،عالم حافظ عموماً غریب ہی ہیں امیروں کے لیے صرف کالج اسکول ہیں،امیر لوگ عزت وجاہ حاصل کرنے کے لیے ہر دین اختیار کرلیتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے تو آپ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ دجال سے آگے تین سال ہوں گے ایک سال ایسا جس میں آسمان اپنی تہائی بارش روک لے گا اور زمین تہائی پیداوار۱؎دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش روک لے گا اور زمین اپنی کل پیداوار اور تیسرے سال آسمان اپنی پوری بارش روک لے گا اور زمین اپنی کل پیداوار۲؎تو کوئی کھر والا ڈاڑھ والا جانور نہ بچے گا مگر ہلاک ہوجاوے گا۳؎اور اس کے سخت ترین فتنوں میں سے یہ ہوگا کہ ایک بدوی کے پاس آوے گا کہے گا بتا تو اگر میں تیرا اونٹ زندہ کردوں تو کیا تو یقین نہ کرے گا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں۴؎تو شیطان اس کے سامنے اس کے اونٹ کی شکل میں آجاوے گا جیسے تھن ہوتے ہیں اس سے اچھے اور خوب بلند کوہان ۵؎فرمایا اور آوے گا ایک شخص کے پاس جس کے بھائی باپ مرچکے ہوں گے تو کہیں گے کہ بتا تو اگر میں تیرے سامنے تیرے باپ بھائی زندہ کر دوں تو کیا تو یقین کرے گا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں۶؎تو اس کے سامنے شیطان اس کے باپ بھائی کی شکل میں آجاوے گا۷؎فرماتی ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی کام کے لیے تشریف لے گئے پھر واپس ہوئے حالانکہ قوم بہت رنج و غم میں تھی۸؎اس خبر کی وجہ سے جو حضور نے انہیں دی،فرماتی ہیں کہ حضور نے دروازے کے دو بازو پکڑ کر فرمایا اسماء کیا ہے۹؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ دجال کے ذکر سے ہمارے دل نکل گئے ۱۰؎فرمایا اگر وہ نکلا اور ہم زندہ ہوئے تو اس کے مقابل ہم ہوں گے ۱۱؎ورنہ میرا رب ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے۱۲؎عرض کیا یارسول اللہ ہم اپنا آٹا گوندھتے ہیں تو روٹیاں نہیں پکاتے حتی کہ ہم بھوکے ہو جاتے ہیں تو اس دن

مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۱۳فرمایا انہیں وہ تسبیح و تہلیل کافی ہوگی جو آسمان والوں کو کافی ہوتی ہے۔	

۱؎یعنی دجال کی آمد سے نو برس پہلے ہی بے برکتی قحط سالی نمودار ہوجاوے گی پہلے تین سالوں میں جتنی بارش چاہیے اس کی تہائی ہوگی اور جتنا غلہ چاہیے اس کا تہائی ہوگا،اگلے چھ سالوں میں اس سے بھی کم بارش ہوگی اور کم پیداوار،یہ سخت آزمائش ہوگی اللہ تعالٰی جسے بچائے گا اس کا ایمان بچے گا۔

۲؎غرضکہ دجال کے آنے پر لوگ بالکل خالی ہاتھ بے دانہ قحط زدہ ہوچکے ہوں گے اب جب کہ اس کے نکلتے ہی اس کے ماننے والوں پر بارشیں غلہ کی بہتات،دودھ گھی کی فراوانی ہوگی تو بولو لوگوں کا ایمان کیسے بچے گا اللہ حافظ ہے۔

۳؎کھر والے جانوروں سے مراد گائے بھینس،بکری ہرن وغیرہ ہیں۔ڈاڑھ والے سے مراد اونٹ وغیرہ جانور ہیں۔ہلاکت سے مراد صرف مرجانا ہی نہیں بلکہ مرجانا یا قریب موت ہوجانا ہے یعنی قحط اور خشکی سالی کی وجہ سے جانور گویا فنا ہو جائیں گے لہذا یہ فرمان عالی اس فرمان کے خلاف نہیں کہ دجال کو مان لینے والوں کے جانور موٹے تازے اور خوب دودھ والے ہوجائیں گے اور انکار کرنے والوں کے جانور دبلے پتلے خشک ہوجائیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور ہوں گے۔

۴؎یعنی جس بدوی کے اونٹ مرچکے ہوں گے اور وہ بڑا مغموم ہوگا اس سے دجال آکر یہ کہے گا اور اس سے یہ وعدہ لے گا۔

۵؎معلوم ہوا کہ جن شیاطین جانوروں کی شکل میں آسکتے ہیں۔چنانچہ جنات کتے اور سانپ کی شکل میں آجاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے اور جس جانور کی شکل میں آتے ہیں اس کے خواص بھی ان میں ہوجاتے ہیں۔چنانچہ اگر سانپ کی شکل میں آویں تو ان میں زہر ہوتا ہے،ان اونٹوں میں دودھ ہوگا لوگ اسے پئیں گے،موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جب سانپ بنتی تھی تو کھاتی پیتی تھی"تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ"۔

۶؎اس سے معلوم ہورہا ہے کہ دجال کو یہ خبر ہوگی کہ کس کا کون کون عزیز قریبی فوت ہوچکے ہیں تب ہی تو وہ سوال کرے گا،اسے رب کی طرف سے علم بھی دیا جائے گا اور تسلط و قدرت بھی یہ سب کچھ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہوگا۔آج ابلیس کو ہر شخص کے دلی ارادے کی خبر ہے وہ تمام شرعی احکام سے واقف ہے،جانتا ہے کہ شریعت میں کون سا کام حرام ہے کون سا کام فرض یا واجب تب ہی تو وہ فرائض سے روکتا ہے،حرام کی رغبت دیتا ہے،جب اس بیماری کے علم کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اس بیماری کا علاج ہیں وہ بے خبر کیسے ہوسکتے ہیں۔

۷؎معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں اس کے ماں باپ نہ ہوں گے بلکہ محض دھوکہ ہوگا،شیاطین ان کی شکل میں ہوں گے۔
معلوم ہوا کہ دجال زندوں کو مردہ کرکے زندہ کرسکے گا مگر پرانے مردے زندہ نہ کرے گا بلکہ ان کی شکل میں شیاطین ہوں گے۔

۸؎یہ حضور انور کے کلام کی تاثیر تھی کہ لوگوں کے دل بدل گئے۔بعض علماء کے واعظ سے بے نمازی لوگ نمازی بن جاتے ہیں،حضور انور کے الفاظ شریفہ سادہ ہوتے تھے مگر انسان کی کایا پلٹ دیتے تھے،آج رنگین تقریروں میں تاثیر نہیں۔

۹؎لحمتی تثنیہ ہے لحمة کا،لحمہ چوکھٹ کے بازو کو کہتے ہیں،لحمتین دونوں بازو وعتبہ نیچے کی چوکھٹ۔

۱۰یعنی دجال کے حالات لوگوں کے معاملات سن کر ہم تو پریشان ہوگئے کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں نکل آیا تو ہمارا کیا بنے گا ورنہ اس زمانہ کے مسلمان کیا کریں گے۔

۱۱معلوم ہوا کہ اگر دجال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں آتا تو حضور کے مقابل فیل ہوجاتا حضور کے ہاتھوں مارا جاتا اب یہ کام حضور انور کی نیابت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کریں گے۔حضور انور اپنی امت کے والی وارث نگہبان تھے اور ہیں اور رہیں گے۔امام بوصیری کہتے ہیں۔شعر

احل امته فی حرز ملته　　　　　　　کاللیث حل مع ا بألا شبال فی الاجیم

۱۲یہاں خلیفہ بمعنی نائب یا وکیل نہیں بلکہ بمعنی حافظ،ناصر،والی وارث و نگہبان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کا نائب نہیں ہوتا یعنی اگر میرے بعد دجال نکلا تو میری امت رب کے حوالہ ہے وہ ہی اس کا ناصر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی امت کا حقیقی نگہبان رب تعالیٰ اور ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے ذمہ داریاں مختلف ہیں۔

۱۳مقصد یہ ہے کہ مسلمان اس وقت دجال کے ماننے پر مجبور ہوں گے کہ ننگا بھوکا ہر نہ کرنے والا کام کرلیتا ہے،اگر دجال کو نہ مانیں گے تو مرجائیں گے کیونکہ حالات وہ ہوں گے جو حضور فرمارہے ہیں تو مسلمانوں کا ایمان کیسے بچے گا یعنی میری امت سے کہہ دو کہ اس وقت تنگی رزق سے دل تنگ نہ ہوں،اس زمانے میں زمینی مؤمن عرشی فرشتوں کی طرح ہوں گے کہ ذکر اللہ سے ان کا پیٹ بھرتا رہے گا ذکر اللہ ہمیشہ ہی غذاء روحانی ہے مگر اس زمانہ میں غذا جسمانی بھی ہوجائے گا۔بعض اولیاء اللہ نے تین تین سال تک پانی نہیں پیا مگر زندہ رہے کیسے ذکر اللہ کی برکت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق جتنا میں نے سوال کیا اس سے زیادہ کسی نے سوال نہ کیا اور حضور نے فرمایا کہ دجال تم کو نقصان نہ دے گا۱میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہے۲ فرمایا وہ اللہ پر اس سے زیادہ آسان ہے ۳(مسلم،بخاری)	

۱یعنی تم دجال سے مطلقًا خوف نہ کرو گے کیونکہ دجال تم کو ایمان سے نہ ہٹا سکے گا یا اس لئے کہ وہ تمہاری زندگی میں نہ آئے گا یا اس لیے کہ تم ایمان میں پختہ ہو اگر وہ تمہارے زمانہ میں آ بھی گیا تو تم کو بہکانہ سکے گا تم ایمانی قلعہ میں ہو۔بہرحال اس میں حضرت مغیرہ کی عمر اور آپ کی پختگی ایمان دونوں کی غیبی خبر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حال سے خبردار ہیں۔

۲؎یعنی اس مردود کے ظہور کے وقت دنیا میں پانی اور رزق کی بہت تنگی ہوگی اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی پھر مجھے وہ کیوں نہ بہکا سکے گا،روٹی پانی کی ایسی تنگی میں روٹی پانی سے بڑے بڑے بہک جاتے ہیں۔سبحان اللہ!یہ ہے اپنے ایمان کا خوف،یہ خوف قوت ایمان کی دلیل ہے اس میں حضور انور کی خبر جھٹلانا نہیں بلکہ خوف کا اظہار ہے۔حضرات انبیاء کرام سے رب تعالٰی نے جنت کا وعدہ فرمالیا مگر انہیں پھر بھی خدا تعالٰی کی ہیبت ہے۔

۳؎**ذالك** سے اشارہ ہے گمراہ کرنے کی طرف یعنی دجال میرے صحابہ کو بہکانے سے مجبور ہے وہ اس سے زیادہ ذلیل ہے کہ میرے صحابہ پر داؤ چلائے۔یا **ذالك** سے اشارہ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر کی طرف ہے یعنی دجال اس سے زیادہ ذلیل و خوار ہے کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ وغیرہ ہو اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا محض دھوکاشعبدہ ہوگا جس کی حقیقت کچھ نہیں۔(اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دجال ایک سفید گدھے پر نکلے گا ۱؎جس کے پاس دو کانوں کے درمیان ستر باع کا فاصلہ ہوگا ۲؎ (بیہقی کتاب البعث والنشور)	

۱؎**اقمر** کے معنی ہیں تیز سفید،بعض شارحین نے فرمایا کہ قمرہ سفیدی مائل بہ سبزی یا سرخی مائل بہ سیاہی قاموس میں یہ ہی معنی کیے گئے مگر پہلے معنی قوی ہیں کہ یہ قمر بمعنی چاند سے بنا ہے یعنی چاند جیسا چٹا سفید چمک دار،غرضکہ دجال کے گدھے کا رنگ تیز سفید ہوگا۔

۲؎دونوں ہاتھ لمبائی میں پھیلاؤ تو ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں تک باع ہے یعنی اس گدھے کی قامت کا یہ عالم ہے کہ اس کا چہرہ ستر باع قریبًا سو گز ہے حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ ہم نے جنگلی بھینسے کا کلہ قریبًا پانچ ہاتھ کا دیکھا ہے،علی پور شریف میں مچھلی کے ایک کانٹے کا پورا شہتیر ہے ہم نے خود دیکھا ہے،رب تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے،لشکر صحابہ نے ایک مچھلی کا گوشت پندرہ دن کھایا،اس کے آنکھ کے حلقہ میں ایک آدمی کھڑا ہوگیا۔

باب قصۃ ابن صیاد

ابن صیاد کا قصہ ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اس کا نام عبداللہ ہے،لقب صاف،کنیت ابن صیاد یا ابن صائد،یہود مدینہ میں سے ایک یہودی کا لڑکا تھا جو بچپن میں بڑے شعبدے دکھاتا تھا بعد میں جوان ہوکر مسلما ن ہوگیا،عبادات اسلامی ادا کرتا تھا۔اس کے متعلق علماء کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ وہ دجال نہیں تھا بلکہ مسلمان ہوگیا تھا،دوسرے یہ کہ وہ دجال تو تھا مگر وہ مشہور دجال نہ تھا۔حضور انور نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بہت سے دجال ہوں گے یہ بھی انہیں دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔تیسرے یہ کہ وہ دجال مشہور ہی تھا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مدینہ منورہ میں ہی مرا وہاں ہی دفن ہوامگر یہ غلط ہے وہ جنگ حرہ تک دیکھا جاتا رہا،حرہ کے دن غائب ہو گیا۔تمیم داری والی حدیث میں جو دجال کا ذکر ہے اس کے متعلق مرقات میں ہے کہ اس جزیرے میں دجال کا جو جسم تمیم داری نے دیکھا وہ اس کا مثالی جسم ہے یہ جسم ظاہری۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں ابن صیاد کی طرف چلے حتی کہ ان بزرگوں نے ابن صیاد کو بچوں کے ساتھ بنی مغالہ کے ٹیلوں میں کھیلتا ہوا پایا۱یا اس دن ابن صیاد قریب بلوغ تھا تو اسے کچھ پتہ نہ لگا حتی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر مارا۲پھر فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۳اس نے آپ کی طرف دیکھا بولا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے پڑھوں کے رسول ہیں۴پھر ابن صیاد بولا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۵تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دبوچا۶پھر فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۷پھر ابن صیاد نے کہا کہ تو کیا دیکھتا ہے۸کہ میرے پاس سچے جھوٹے دونوں آتے ہیں۹رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر یہ چیز خلط ملط کر دی گئی۱۰پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ	

میں نے تیرے لیے ایک بات سوچی ہے ۱۱ اور آپ نے یہ آیت سوچی "یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ" تو وہ بولا کہ دخ ہے ۱۲ فرمایا دور ہوجا تو اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھے گا ۱۳ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ کیا مجھے آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن مار دوں ۱۴ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ وہی ہوا تو تم کو اس پر قابو نہ دیا جاوے گا اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اسکے قتل میں تمہارے لیے بھلائی نہیں ۱۵ ابن عمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابی بن کعب ایک دن اس باغ میں تشریف لے گئے جس میں ابن صیاد تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی شاخوں میں چھپنے لگے ۱۶ آپ اس حیلہ سے ابن صیاد سے کچھ سننا چاہتے تھے اس سے پہلے کہ وہ آپ کو دیکھے اور ابن صیاد اپنے بستر پر اپنی کمبلی میں لپٹا ہوا تھا جس میں اس کی کچھ گنگناہٹ تھی ۱۷ ابن صیاد کی ماں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور کی شاخوں میں چھپتے ہوئے دیکھ لیا تو بولی اے صاف یہ اس کا نام تھا ۱۸ یہ ہیں محمد، تو ابن صیاد نے گنگناہٹ بند کردی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اسے چھوڑے رہتی تو یہ بیان کردیتا ۱۹ فرمایا عبداللہ ابن عمر نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے تو اللہ تعالٰی کی وہ تعریف کی جو اس کے لائق ہے ۲۰ پھر دجال کا ذکر فرمایا، پھر فرمایا کہ میں نے تم کو اس سے ڈرایا ہے اور نہیں ہے کوئی نبی مگر اس نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ۲۱ چنانچہ حضرت نوح نے اپنی قوم کو ڈرایا اور میں تم سے اس کے متعلق وہ بات کہتا ہوں جو کسی نے اپنی قوم سے نہ کہی تم جانتے ہو کہ وہ کانا ہے اور اللہ کانا نہیں ۲۲ (مسلم، بخاری)

۱؎ بنی مغالہ یہود مدینہ کا ایک قبیلہ ہے۔ الحم جمع ہے الحمۃ کی بمعنی مضبوط قلعہ یا ٹیلہ یعنی اس وقت ابن صیاد یہود کے ان مکانات محلوں ٹیلوں کے پاس بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

۲؎ابن صیاد کا دعویٰ تھا کہ وہ آگے پیچھے اندھیرے اُجالے میں یکساں دیکھ لیتا ہے مگر اسے حضور انور کی تشریف آوری کا مطلقًا علم نہیں ہوا۔حضور انور اس کا دعویٰ جھوٹا کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔

۳؎اس فرمان عالی میں سارے ایمانیات کی تلقین ہیں جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لے وہ توحید وغیرہ تمام عقائد کو مان لے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ کو اسلام کی تبلیغ کی جائے اور اس کا اسلام قبول کرنا معتبر ہے ورنہ حضور انور اسے یہ تبلیغ کیوں فرماتے۔

۴؎یعنی آپ رسول تو ہیں مگر بے پڑھے لوگوں کے،میں خود عالم ہوں آپ میرے رسول نہیں۔بعض یہود کا عقیدہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے رسول ہیں عام خلق کے رسول نہیں،یہ عقیدہ بھی کفر ہے اسی لیے ابن صیاد اس کہنے سے مؤمن نہ بنا۔

۵؎ابن صیاد کا یہ قول محض حضور انور کے فرمان عالی کے مقابلہ میں ہے ورنہ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔خیال رہے کہ کافر ذمی کو قتل نہیں کیاجاتا،نہ کافر بچہ کو قتل کیا جاوے نابالغ بچہ کا ارتداد معتبر نہیں ہے،ان وجوہ سے ابن صیاد قتل نہیں کیا گیا۔لہذا اس حدیث کی بنا پر قادیانی یہ نہیں کہہ سکتے کہ مدعی نبوت مرتد نہیں اور نہ اسے قتل کیا جائے اس حدیث کا منشا کچھ اور ہی ہے۔

۶؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **فرفضه** ہے **رفض** سے مشتق بمعنی چھوڑنا یعنی حضور انور نے اسے چھوڑ دیا پھر اس سے یہ سوال نہ کیا۔عام نسخوں میں **فرصه** ہے ص کے شد سے،یہ بنا ہے **رصٌّ** سے بمعنی دبوچنا،بعض اعضاء کو بعض سے ملادیا،اسی سے ہے **مرصوص**،رب تعالیٰ فرماتاہے:"**كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ**"بعض نسخوں میں ہے **فرضه** نقطہ والی ضاد سے،**رض** کے معنی ہیں توڑنا مروڑنا۔

۷؎یعنی میرا ایمان سارے رسولوں پر ہے اور تو رسول ہے نہیں پھرمیں تجھے رسول اللہ کیسے کہہ دوں،میں خاتم النبیین ہوں،سب سے آخری نبی،نہ میرے زمانہ میں کوئی نبی ہوسکتا ہے نہ میرے بعد۔خیال رہے کہ حضور انور کے زمانہ میں بھی کوئی نبی نہیں ہوسکتا،جو ایسا مانے وہ مرتد ہے خاتم النبیین کا منکر۔خیال رہے کہ جھوٹے مدعی نبوت سے معجزہ مانگنا کفر ہے جب اس کی تصدیق کی نیت سے ہو۔

۸؎یعنی تجھے غائبانہ کون سی چیز نظر آتی ہیں جن کی بنا پر تو بڑے بڑے دعوے کرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

۹؎یعنی میرے پاس جنات غیبی خبریں لاتے ہیں جن میں بعض سچی ہوتی ہیں اکثر جھوٹی۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابن صیاد نبوت کا مدعی نہ تھا بلکہ اپنے کو کاہن کہتا تھا،یہ نہ کہتا تھا کہ میرے پاس حضرت جبریل آتے ہیں اور محمدی بیگم کے ساتھ میرے نکاح کی بشارت لاتے ہیں لہذا قادیانی لوگ اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑسکتے،مرزا جی اپنے کو صاف صاف نبی کہتے رہے۔

۱۰؎یعنی خود تجھے اپنی خبروں کے متعلق اطمینان نہیں تو تیرے ذریعہ کسی اور کو اطمینان کیسے ہوسکتا ہے لہذا تیری صحبت خطرناک ہے۔

اا؎ابن صیاد کا دعویٰ تھا کہ میں لوگوں کے دلوں کے حالات خیالات جانتا ہوں اس لیے حضور انور نے اس سے یہ سوال فرمایا۔معلوم ہوا کہ کاہنوں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ان سے غیبی خبریں پوچھنا جائز ہے،حضور انور نے اس کا جھوٹ ظاہر فرمانے کو یہ سوال کیا اسے اس طرح رسوا کرنا ثواب ہے۔

۱۲؎یعنی اس پوری آیت میں سے وہ پورا ایک لفظ بھی معلوم نہ کرسکا لفظ **دخان** کا صرف **دخ** معلوم کرسکا۔یہ ہی حال کاہنوں کا ہوتا ہے ان کی دس باتوں بلکہ سو میں سے ایک درست نکلتی ہے اور وہ سو میں سے ایک کا پتہ چلاتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور نے یہ آیت اس لیے دل میں سوچی کہ اس میں علامت قیامت کا ذکر ہے اور دجال بھی علامات قیامت سے ہے،نیز قتل دجال مرخ پہاڑ کے نزدیک ہوگا ان وجوہ سے حضور نے یہ آیت سوچی۔(اشعہ،مرقات)

۱۳؎یعنی تو صرف ایک کاہن ہے نہ تجھے علم غیب ہے نہ تو خدا ہے نہ خدا کا مقبول بندہ پھر تو مجھ سے کیوں کہتا ہے کہ آپ میری نبوت کی گواہی دیتے ہیں تیری یہ حیثیت اور یہ بات۔

۱۴؎یعنی چونکہ اس سے بڑا فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لیے اسے قتل کردینا مناسب ہے،یہ ہے حضرت فاروق کا جوش ایمانی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جو جادوگر لوگوں میں فساد پھیلاتے ہیں انہیں ہلاک کرتے ہیں بادشاہ اسلام انہیں قتل کرادے۔

۱۵؎یعنی اگر یہ دجال ہے تو ارادۂ الٰہی یہ ہی ہے کہ دجال کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے اور اگر یہ دجال نہیں ہے تو یہ نابالغ بچہ بھی ہے ہمارا ذمی کافر بھی اسے قتل کرنا جائز نہیں،صرف کاہن ہونا قتل کے جواز کا سبب نہیں۔ حضور انور کا اگر مگر سے کلام فرمانا یا اس لیے تھا کہ اس وقت تک دجال کے متعلق حضور کو پورا علم عطا نہ ہوا تھا بعد میں حضور نے دجال کی شکل اس کے اعمال اس کے خروج کا وقت سب کچھ بتادیا،یہ اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کا اظہار مناسب نہیں،یہ شک کے لیے نہیں بلکہ تشکیک کے لیے ہے ایسے صیغہ قرآن مجید میں بھی آئے ہیں یہ بےعلمی کی دلیل نہیں یہ ہی قول صحیح ہے۔

۱۶؎عرب میں باغ والے لوگ اپنے باغ میں مکان بنالیتے ہیں وہاں ہی رہتے سہتے ہیں،ابن صیاد کے ماں باپ بھی انہیں میں سے تھے۔

۱۷؎ابن صیاد بھی گنگناہٹ میں اپنے حالات بیان کردیتا تھا،حضور انور کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت یہ اپنی مستی میں اپنے حالات بیان کررہا ہے ہم خود بھی سن لیں اور اس کے متعلق صحیح فیصلہ کردیں۔اس سے معلوم ہواکہ بے دین مفسدین کے حالات چھپ کر دیکھنا سننا جائز ہے تاکہ ان کے فساد کی روک تھام ہوسکے،آج ملکی انتظامات میں جاسوسی کو بڑا دخل ہے۔جس تجسّس سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا وہ مسلمانوں کی عیب جوئی کے لیے تجسّس کرنا مراد ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۱۸؎یعنی حضور انور یہاں تشریف فرما ہیں تو ان کا ادب و احترام کر تعظیم کے لیے اٹھ اپنا گانا چھوڑ۔

۱۹؎یعنی یہ بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہوا کہ وہ سب کچھ اپنے متعلق بیان کررہا تھا ایک واقعہ درپیش آگیا کہ وہ کہتے کہتے رک گیا۔معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کا یہ ہی منشاء ہے کہ اس کا حال صیغہ راز میں رہے ورنہ وہ اس وقت اپنی موج میں خود اپنے حالات بیان کررہا تھا کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں یہ کرسکتا ہوں۔

۲۰؎ حضور انور کا طریقہ مبارکہ تھا کہ اپنا کلام حمد الٰہی سے شروع فرماتے تھے وعظ عمومًا دوسرے کلام خصوصًا،یہ فرمان بطور وعظ تھا۔

۲۱؎ یہاں نبی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ا ور ان کے بعد والے پیغمبر ہیں جیساکہ گزشتہ حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا ڈرانا اس کی اہمیت کے لیے تھاجیسے حضور نے صحابہ کو قیامت سے ڈرایا حالانکہ ان حضرات کے زمانہ میں قیامت آنے والی نہ تھی۔

۲۲؎ یہ فرمان عالی ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ابن صیاد دجال نہیں کہ حضور انور نے فرمایا کہ وہ کانا ہے اور ابن صیاد کانانہ تھا،نیز یہ صاحبِ اولاد تھا،مدینہ منورہ میں رہتا تھا،مکہ معظّمہ حج کے لیے جاتا تھا کیونکہ حضور کے بعد وہ مسلمان ہوگیا تھا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں مرا،اس پر مسلمانوں نے نماز پڑھی،اسے وہاں ہی دفن کیا مگر دوسری روایات میں ہے کہ وہ جنگ حرہ میں گم ہوگیا۔**واللہ اعلم!** بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین دلا دیا تھا کہ ابن صیاد دجال نہیں،تمیم داری کی حدیث آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ اس سے یعنی ابن صیاد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر و عمر مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ملے ۱؎ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۲؎ تو وہ بولا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالٰی اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اس کے رسولوں پر ایمان لایا،تو کیا دیکھتا ہے بولا میں عرش پانی پر دیکھتا ہوں ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو دریا پر ابلیس کا تخت دیکھتا ہے فرمایا تو اور کیا دیکھتا ہے وہ بولا میں دو سچے ایک جھوٹا یا دو جھوٹے ایک ایک سچا دیکھتا ہوں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر شبہ ڈال دیا گیا ہے ۵؎ اسے چھوڑو(مسلم)

۱؎ **یعنی** کا فاعل حضرت ابو سعید خدری ہیں۔(مرقات)یہ ملاقات عوالی مدینہ میں اتفاقًا تھی اور ابن صیاد کے گھر تشریف لے جانے کا واقعہ دوسرا ہے،اس وقت ابن صیاد مسلمان نہ ہوا حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد مسلمان ہوگیا،صحابہ کرام کے ساتھ اس نے حج کیا۔

۲؎ اس کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ ابن صیاد کا یہ قول حضور انور کے مقابلہ میں تھاورنہ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔

۳؎ جیسے بعض اولیاء اللہ ابلیس اور اس کے تخت کو آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور اس پر لاحول پڑھ کر اسے دفع کردیتے ہیں،بعض بے دین کاہنوں کو بھی وہ نظر آتاہے اور وہ اس سے بہک جاتے ہیں خدا کی پناہ! ابن صیاد کا یہ دیکھنا اسی طرح کا تھا وہ یہ ہی بیان کررہا ہے۔

۴؎ یعنی اسے اپنی معلومات پرخود ہی یقین نہیں کہ سچی خبر کونسی ہے جھوٹی کونسی تو اس سے کچھ پوچھ گچھ کرنا بے کار ہے۔

۵؎ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ابن صیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معتقد ہوگیا تھا کہ حضور سے غیبی خبریں پوچھنے لگا تھا اور آپ کے جواب پرکسی قسم کی جرح قدح نہیں کرتا تھا،حضور کے پردہ فرمانے کے بعد تو مسلمان ہوگیا تھا۔معلوم یہ بھی ہوا کہ ابن صیاد بھی یہ جانتا تھاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہے وہ جنت و دوزخ زمین و آسمان سب کی خبر رکھتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ ابن صیاد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ سفید میدہ خالص مشک ۱؎(مسلم)	

۱؎ درمکۃ بروزن جعفرۃ بمعنی سفید میدہ،بعد میں بیضاء فرمانا توضیح کے لیے ہے یعنی جنت کی مٹی رنگت میں سفید خوشبو مشک خالص کی سی ہے۔حضور کیوں نہ بتاتے حضور تو جنت کی سیر کرکے آئے ہیں۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ابن صیاد سے ملے ۱؎ تو آپ نے اس سے ایسی بات کہی جس نے اسے غضب ناک کردیا تو وہ پھولا حتی کہ گلی بھردی ۲؎ پھر ابن عمر جناب حفصہ کے پاس گئے انہیں یہ خبر پہنچ چکی تھی انہوں نے ان سے کہا اللہ تم پر رحمت کرے تم نے ابن صیاد سے کیا چاہا کیا تمہیں خبرنہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال ایک غصہ کی حالت میں ہی نکلے گا جس پر اسے غصہ آوے گا ۳؎(مسلم)	

۱؎ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد کا ہے جیساکہ مضمون حدیث سے واضح ہے۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے واقعی وہ پھول کر اتنا موٹا ہوگیا کہ گلی ساری بھر گئی،اب بھی بعض چیزوں میں ہوا بھردی جاوے تو موٹی ہو جاتی ہیں۔

۳؎ یعنی اے ابن عمر تم اسے غصہ نہ دلاؤ اگر یہ واقعی دجال ہوا تو ابھی تم اسے غصہ سے دجال بنا دو گے اور ابھی اس کے خروج کا وقت ہے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ تک ابن صیاد کے ساتھ رہا تو اس نے مجھ سے کہا میں	

	نے لوگوں سے بہت مصیبت پائی١ وہ گمان کرتے ہیں کہ میں دجال ہوں٢ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنتے نہ رہے کہ دجال کے اولاد نہ ہوگی اور میری اولاد ہے،کیا حضور نے یہ نہ فرمایا کہ وہ کافر ہے اور میں مسلمان ہوں٣ کیا حضور نے یہ نہ فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہوسکے گا نہ مکہ میں اور میں مدینہ سے آرہا ہوں اور مکہ کا ارادہ کررہا ہوں٤ پھر اس نے مجھ سے اپنے آخری قول میں کہا کہ آگاہ رہو کہ میں اس کی پیدائش گاہ اور اس کی جگہ جانتا ہوں اور یہ کہ وہ کہاں ہے اور میں اس کے باپ و ماں کو پہچانتا ہوں٥ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے شبہ میں ڈال دیا ٦ میں نے اس سے کہا کہ تو ہمیشہ ہلاک رہے فرمایا اور اس سے کہا گیا کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو ہی وہ دجال ہے فرماتے ہیں وہ بولا کہ اگر یہ مجھ پر پیش کیا جاوے تو میں ناپسند نہ کروں ٧(مسلم)

١ یہاں ما استفہامیہ ہے تعجب کے لیے یعنی مجھے کیسی مصیبت پڑی ہے جو لوگوں سے میں سنتا ہوں۔

٢ یعنی لوگ مجھے دجال کہتے ہیں حالانکہ میں دجال نہیں ہوں،میرے دجال نہ ہونے کی دلیلیں یہ ہیں جو میں خود عرض کررہا ہوں۔

٣ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد اس وقت مسلمان ہوچکا تھا۔

٤ ان دلائل کی بنا پر اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ابن صیاد دجال معروف نہیں مگر جو حضرات فرماتے ہیں کہ وہ دجال ہی ہے وہ ان کے جواب یہ دیتے ہیں کہ ابھی ابن صیاد دجال نہیں بنا تھا جب دجال بن کر آوے گا تب اس کے یہ حالات ہوں گے کہ وہ کافر بھی ہوگا،لاولد بھی ہوگا،کانا بھی اور حرمین طیبین کی زمین سے محروم بھی۔

٥ غالب یہ ہے کہ ابن صیاد نے یہ سب کچھ جھوٹ بولا اسے کچھ بھی پتہ نہ تھا صرف شیخی سے یہ کہہ رہا تھا۔ (مرقات)بعض لوگوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں ہی دجال ہوں اس کی ہر حالت جانتا ہوں۔(اشعہ)

٦ یعنی پہلے تو مجھے خیال ہوگیا تھا کہ واقعی یہ دجال نہیں مگر اس کی گفتگو سے مجھے اشتباہ ہوگیا کہ یہ دجال ہے یا نہیں۔

٧ یعنی اگر میں ہی دجال بنادیا جاؤں اور اس کے تمام عیوب مجھ کو دے دیئے جاویں تو میں اس سے راضی ہوں،اس سے اس کا کفر ظاہر ہے کہ رضا بالکفر کفر ہے۔(لمعات،اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ وہ اسلام ظاہر کرنے پر بھی دل سے مسلمان نہ تھا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں ابن صیاد سے ملا اس کی آنکھ سوج گئی١ تو میں نے کہا کہ تیری آنکھ

	نے کیا کیا جو میں دیکھ رہا ہوں بولا مجھے خبر نہیں ۲؎ میں نے کہا کہ تجھے خبر نہیں حالانکہ وہ تیرے سر میں ہے بولا اگر اللہ چاہے تو تمہاری لاٹھی میں آنکھ پیدا کردے ۳؎ فرماتے ہیں پھر گدھے کی سی سخت آواز نکالی جو تو نے سنا ہو ۴؎ (مسلم)

۱؎ یعنی پہلے اس کی آنکھ اچھی بھلی تھی کہ اچانک سوج گئی اور کسی علاج سے اچھی نہ ہوئی پہلے میں نے اس کی آنکھ اچھی دیکھی تھی آج ورم ہوگیا۔

۲؎ یعنی بغیر سبب بغیر وجہ خود بخود یہ آنکھ ایسی ہوگئی۔

۳؎ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد خدا کو مانتا تھا،اس کے قادر مطلق ہونے پر ایمان رکھتا تھا،وہ کہہ یہ رہا ہے کہ مجھے یہ ورم تکلیف کے بغیر ہوا ہے اس لیے مجھے پتہ نہ لگا اگرچہ آنکھ میرے سر میں تھی جیسے اے ابن عمر اگر رب تعالٰی اچانک تمہاری لاٹھی میں آنکھ پیدا کردے بغیر کسی سبب کے تو اگرچہ لاٹھی تمہارے ساتھ رہتی ہے مگر تمہیں پتہ نہ لگے گا کیونکہ یہ کام اچانک ہوگا ایسے ہی میرا معاملہ ہے۔

۴؎ یعنی تم نے جتنے گدھوں کی آواز سنی ہو ان میں سخت تر آواز سے وہ رینگنے لگا کوئی گدھا اتنی سخت آواز سے نہیں رینگتا۔اس میں دو احتمال ہیں: یا **سمعت** متکلم کا صیغہ ہو یا **سمعت** واحد مخاطب کا صیغہ دونوں مطلب درست ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت محمد ابن منکدر سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے ۲؎ میں نے کہا کہ آپ اللہ کی قسم کھارہے ہیں فرمایا کہ میں نے حضرت عمر کو نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس اس پر قسم کھاتے سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہ فرمایا ۳؎ (مسلم بخاری)

۱؎ آپ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں،بڑے عالم فاضل زاہد ہیں،بہت صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور بہت سے تابعین نے آپ سے روایات لی ہیں، ۱۳۰ھ ایک سو تیس ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ)آپ سے سفیان ثوری،عمرو ابن دینار جیسے حضرات نے روایات لیں۔

۲؎ حضرت جابر کا یہ قسم کھانا کسی نص شرعی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اپنے ذاتی خیال کی وجہ سے تھا جو انہوں نے بعض علامات سے قائم کیا تھا اسی علامت کا ذکر آگے ہے۔

۳؎ بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ غالب گمان پر قسم کھالینا جائز ہے قسم کے لیے یقین ضروری نہیں مگر بعض نے فرمایا کہ قسم صرف یقین پر کھائی جاسکتی ہے اور یہاں دجال سے مراد جھوٹا دجال ہے یعنی فتنہ گر فسادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تیس دجال ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ابن صیاد ان تیس میں سے یقینی ہے خصوصًا اس وقت جب کہ اس نے اسلام ظاہر نہ کیا تھا۔اس معنی سے وہ یقینًا دجال تھا اور یہ قسم یقین پر تھی اور ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر کا یہ مذہب ہو کہ یقینًا ابن صیاد دجال اکبر ہے اپنے یقین پر قسم کھائی ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کہتے تھے اللہ کی قسم میں اس میں شک نہیں کرتا کہ مسیح دجال ابن صیاد ہے ۱؎(ابوداؤد،بیہقی کتاب البعث والنشور)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں دجال سے مراد وہ ہی بڑا دجال ہے اور یہ حضرت ابن عمر کی اپنی رائے ہے علامات کی بنا پر۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے حرہ کے دن ابن صیاد کو گم پایا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎جنگ حرہ وہ حادثہ ہے جو یزید مردود کے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے پر نمودار ہوا واقعہ کربلا کے بعد۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنگ حرہ تک تو ہم نے ابن صیاد کو مدینہ منورہ میں دیکھا پھر اس کے بعد وہ ہم کو نظر نہ آیا۔یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں مرا اور ہم نے اس پر نماز پڑھی اسے دفن کیا کیونکہ حضرت جابر کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ملی وہ اپنے علم کے مطابق فرمارہے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال کا باپ تیس سال تک لاولد رہے گا کہ اس کے ۱؎اولاد نہ ہوگی پھر ان کے کانا بڑی ڈاڑھ والا کم نفع والا لڑکا پیدا ہوگا۲؎جس کی آنکھیں سوئیں گی اس کا دل نہ سوئے گا۳؎پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ اس کا باپ دراز قد دبلا ہوگا گویا اس کی ناک چونچ ہے اور اس کی ماں موٹی لمبے ہاتھ والی عورت ہے۴؎ابوبکر کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں یہود میں ایک بچہ سنا تو میں اور زبیر ابن عوام گئے ۵؎حتی کہ ہم اس کے ماں باپ کے پاس گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف ان دونوں میں تھے ۶؎تو ہم نے کہا کیا تمہارے کوئی بچہ ہے تو وہ دونوں بولے ہم تیس سال رہے کہ ہمارے اولاد نہ ہوئی پھر ہمارے کانا۷؎بڑی ڈاڑھ والا بچہ پیدا ہوا کم نفع والا جس کی آنکھیں سوتی اور اس کا دل نہیں سوتا۸؎فرماتے ہیں کہ ہم ان کے پاس سے نکلے تو وہ دھوپ میں ایک کمبل میں لیٹا ہوا تھا اس کی کچھ گنگناہٹ تھی ۹؎تو اس نے اپنا سر کھولا تو بولا کہ تم نے کیا کہا ہم نے کہا کہ

	کیا تم نے ہماری بات سن لی بولا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۱۰(ترمذی)

۱؎ یہ وہ علامات ہیں جن کی بناء پر بعض صحابہ کو یقین ہوگیا کہ ابن صیاد دجال ہے۔ممکن ہے اس حدیث میں دجال سے مراد بڑا دجال نہ ہو بلکہ چھوٹے دجالوں میں سے ایک دجال ہو۔(مرقات)

۲؎ اضرس کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اس کے منہ میں پیدائشی ڈاڑھ ہوگی کہ اپنے منہ میں ماں کے پیٹ سے ڈاڑھ لائے گا،دوسرے یہ کہ پیدا تو بغیر دانت و داڑھ کے ہی ہوگا مگر جب اس کے ڈاڑھیں نکلیں گی تو دوسرے انسانوں سے بڑی ہوں گی،دوسرے معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

۳؎ یعنی اس بچہ میں دوسری حیرت ناک بات یہ ہوگی کہ وہ گھر والوں یا دوسرے کو کوئی فائدہ نہ دے گا یا بہت کم دے گا،کام کاج کم کرے گا،ماں باپ کی فرمانبرداری کم کرے گا مگر نقصان زیادہ دے گا،اس کے ذریعہ چیزیں زیادہ خراب ہوں گی،لوگوں سے لڑائی دنگے بہت کرے گا۔سوتے میں دل اس کا بیدار رہے گا کہ لوگوں کی باتیں سن لیا کرے گا،ہر چیز دیکھ لیا کرے گا۔

۴؎ یعنی جیسے اس لڑکے میں چند حیرتناک علامات ہوں گی ایسے ہی اس کے ماں باپ میں چند خصوصیات ہوں گی جن علامات سے وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوں گے۔باب لمبا دبلا،ناک چونچ کی طرح،ماں موٹی لمبے ہاتھ والی،اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر چیز بتائی بلکہ دکھائی ہے۔

۵؎ یعنی ہم کو خبر لگی کہ یہود مدینہ میں ایک بچہ اس شکل و شبہات کا پیدا ہوا ہے جو حضور انور نے ارشاد فرمائی تھی ہم کو اس کے دیکھنے کا شوق ہوا اس لیے ہم اس محلّہ میں اس کے گھر گئے۔

۶؎ ان بزرگوں نے اس بچہ کو دیکھنے سے پہلے اس کے ماں باپ کی تحقیق کی،انہیں اسی طرح کا پایا جو حضور انور نے دجال کے ماں باپ کے متعلق خبر دی تھی۔خیال رہے کہ کافرہ،فاسِقہ،بے پردہ آوارہ عورتوں کا دیکھنا حرام نہیں خصوصًا ضرورت کے وقت۔ان بزرگوں نے اس کی ماں کو تحقیق کے لیے دیکھا طبیب مریضہ کو،قاضی شاہدہ کو،گواہ مدعیہ کو ضرورۃً دیکھ سکتے ہیں۔

۷؎ غالبًا وہ پیدائشی ایک آنکھ کا کانا ہوگا بعد میں یہ ہی آنکھ سوج گئی ہوگی یا دوسری آنکھ لہذا یہ حدیث گزشتہ اسی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہم نے دیکھا اس کی ایک آنکھ آج سوج گئی،ہم نے پوچھا کب سوجی وہ بولا مجھے خبر نہیں۔

۸؎ چنانچہ اس کے سونے کی حالت میں جو کچھ کہا جاوے وہ سن لیتا ہے،جو کوئی آئے اسے دیکھ لیتا ہے،پھر خراٹے بھی لیتا ہے۔خیال رہے کہ دجال کے لیے یہ صفت عیب ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت کمال ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہیں سب کچھ دیکھتے سنتے ہیں ان کی حفاظت و ہدایت کے لیے،وہ سب کو دیکھتا ہے گمراہ کرنے کے لیے۔دجال کی گمراہ گری کبھی بند نہیں ہوتی،حضور انور کی ہدایت کبھی نہیں رکتی۔اب بھی حضور ہم سب کو دیکھتے ہم سب کی سنتے ہیں۔

۹؎ **ھمھمۃ** گائے کی ہلکی آواز کو کہتے ہیں۔یہاں وہ آواز مراد ہے جو سوتے میں نکلتی ہے جس میں انسان کچھ باتیں کرتا ہے،اسے اردو میں گنگناہٹ یا بڑبڑانا کہتے ہیں۔(مرقات)

۱۰؎ اس لیے میں نے سوتے میں ہی تم کو دیکھ بھی لیا اور تمہاری باتیں سن بھی لیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک یہودیہ عورت نے مدینہ منورہ میں ایک بچہ جنا جس کی ایک آنکھ سپاٹ تھی اس کی ڈاڑھ اگی ہوئی تھی ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کیا کہ یہ ہی دجال ہوگا ۲؎ اسے ایک کمبل کے نیچے پایا گنگنارہا تھا ۳؎ اس کی ماں نے خبر دیدی بولی اے اللہ کے بندے یہ ابوالقاسم ہیں ۴؎ تو وہ کمبل سے نکل پڑا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا اسے غارت کرے اسے کیا ہوا ۵؎ اگر یہ اسے چھوڑ دیتی تو یہ بیان کر دیتا،پھر حضرت ابن عمر کی حدیث کے معنی کی مثل ذکر کیا تب جناب عمر ابن خطاب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اسے قتل کردوں ۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ وہ ہی ہے تو اسکے قاتل تم نہیں اس کے قاتل حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں ۷؎ اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمہیں مناسب نہیں کہ ذمہ والوں میں سے کسی کو قتل کرو ۸؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوف فرماتے رہے کہ یہ دجال ہو ۹؎ (شرح سنہ)	

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی کانا اور ڈاڑھ والا تھا،حدیث پاک کے ظاہری معنی یہ ہی ہیں۔بعض شارحین نے کہا کہ یہاں ناب جنسی معنی میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس کی ساری ڈاڑھیں کیلیں پیدائشی تھیں۔

۲؎ اس کے متعلق عرض کیا جاچکا کہ یہاں دجال سے مراد چھوٹا دجال ہے اور ممکن ہے کہ بڑا دجال ہی مراد ہو اور یہ پہلے کا واقعہ ہو بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے دجال کی بہت سی نشانیاں بیان فرمائی ہوں۔

۳؎ اس گنگنانے میں وہ اپنے حالات خصوصی بیان کررہا تھا کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں،وہ سب کچھ ہی کہہ جاتا اگر اسے روکا نہ جاتا۔

۴؎ یعنی یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اپنا گنگنانا چھوڑ،ان کا ادب و احترام کر۔معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی نیت بری نہ تھی اور منظور الٰہی یہ تھا کہ ابن صیاد کے حالات پردہ میں ہی رہیں۔

۵؎ یعنی اسے سوجھ گیا کہ میری خبر ابن صیاد کو دے کر اسے خاموش کردیا کچھ دیر خاموش رہی ہوتی۔خیال رہے کہ عربی میں قاتله الله اظہار غضب کے لیے کہا جاتا ہے،اس سے بد دعا مقصود نہیں ہوتی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ"۔

٦؎ کیونکہ یہ بڑا فتنہ گر فسادی ہوگا اگرچہ یہ ابھی بے قصور بچہ ہے مگر حضرت خضر نے بھی تو ایک بے قصور بچہ کو اس لیے قتل کیا کہ وہ آگے چل کر فساد پھیلاتا مجھے بھی اس کے قتل کی اجازت دیجئے تاکہ فساد کی جڑ کٹ جائے۔

٧؎ یعنی اگر یہ وہ ہی بڑا دجال ہے جس کا خروج قریب قیامت ہوگا تو تم اس کے قتل پر قادر نہ ہو گے کہ یہ ارادۂ الٰہی کے خلاف ہے۔

٨؎ یعنی اسلامی قانون سے اس کا قتل جائز نہیں کہ یہ ہے یہودی ذمی اور ذمی کا قتل بغیر بڑے جرم کے جائز نہیں۔حضرت خضر علیہ السلام بھی اب کسی بے قصور بچے کو قتل نہیں کرسکتے کہ اب وہ بھی اسلامی قوانین کے پابند ہیں۔یہ دین موسوی نہیں جس سے حضرت خضر یا کوئی شخص الگ ہو۔

٩؎ اس کے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور انور کا یہ خوف اولًا تھا پھر بعد میں تو حضور نے دجال کے ایسے حالات بیان فرمائے جن سے ہم سننے والوں کو یقین ہے کہ وہ دجال ابھی نہیں آیا۔ادھر تمیم داری کی وہ حدیث کہ انہوں نے ایک کلیسہ میں اسے زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا واضح کرتی ہے کہ ابن صیاد دجال نہیں لہذا حضور انور کو بعد میں یقین تھا کہ یہ دجال نہیں ماں باپ کے حالات یکساں ہوسکتے ہیں،صفات کے ایک ہونے سے چند موصوف ایک نہیں ہوجاتے لہذا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا کم علمی ثابت نہیں ہوتی۔

باب نزول عیسی علیہ السلام

عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لائیں گے،دین محمدی کے تابع ہوں گے،حضور کی شریعت پر عمل کریں گے اور لوگوں سے عمل کرائیں گے،جزیہ اور سؤر کو ختم فرمادیں گے یعنی کسی شخص کو کافر رہ کر جزیہ دینے کا اختیار نہ ہو گا کوئی سؤر نہ کھاسکے گا،سؤر فنا کردیئے جائیں گے یہ دونوں حکم آپ منسوخ نہ کریں گے،خود حضور انور نے فرمادیا تھا کہ ان کی تشریف آوری پر یہ دونوں حکم منسوخ ہوجائیں گے ان کے ناسخ خود حضور انور کے فرمان ہیں جن کا ظہور اس وقت ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں ۱؎ ابن مریم حاکم عادل ہوکر اتریں وہ صلیب کو توڑیں گے سؤروں کو فنا کردیں گے ۲؎ جزیہ کو ختم فرمادیں گے،مال کو بہادیں گے حتی کہ اسے کوئی قبول نہ کرے گا حتی کہ ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہوگا ۳؎ پھر جناب ابوہریرہ فرماتے تھے کہ اگرچاہو تو یہ آیت پڑھو کہ کوئی اہل کتاب سے نہیں مگر وہ ان پر ان کی وفات سے پہلے ایمان لے آوے گا ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی تم مسلمانوں میں وہ آئیں گے نہ کہ تم صحابہ میں۔

۲؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سؤروں کا شکار کرتے رہیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نہ کافر رہنے کی اجازت ہوگی،نہ سؤر کھانے شراب پینے کی،اس وقت کفار کے لیے دو ہی صورتیں ہوں گی: یا اسلام یا قتل،یہ حضور ہی کا حکم ہے جس کا ظہور اس دن ہوگا۔

۳؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی برکت سے دنیاوی مال دلی تقویٰ بہت ہی ہوجائے گا،سارے لوگ متقی پرہیزگار عبادت گزار شب بیدار ہوجائیں گے۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے دم قدم سے زمانے بدل جاتے ہیں،دل تقویٰ سے بھر جاتے ہیں،دلوں پر ان کا اثر پڑتا ہے،یہ حضرات لوگوں کے دل رنگ دیتے ہیں۔لوگ سوچ لیں کہ کیا مرزائے قادیان

کے زمانہ میں یہ کام ہوئے وہ تو خود چندہ کرتے ہوئے قبریں فروخت کرتے ہوئے مرا پھر کس طرح وہ مسیح موعود ہوسکتا ہے رب تعالٰی اس کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔
۴؎ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے یہودی اور عیسائی سارے ہی آپ کو اللہ کا بندہ اللہ کا رسول مان لیں گے اور ابھی تو سب مسلمان ہوئے نہیں۔معلوم ہوا کہ ابھی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی نہیں ہوئی۔**قبل موته** میں ہ ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے نہ کہ اہل کتاب کی طرف کیونکہ اپنی موت کے وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا لہذا اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ سارے اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح پر ایمان لے آتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مرزائے قادیانی مسیح موعود نہیں وہ تو خود عیسائیوں کی سلطنت میں ان کا غلام بن کر رہا انہیں کی غلامی میں مرا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم ابن مریم اتریں گے حاکم عادل ہوکر ۱؎ تو صلیب توڑ دیں گے اور سؤر فنا کردیں گے جزیہ ختم فرما دیں گے ۲؎ اونٹنیاں آوارہ چھوڑ دی جائیں گی جن پر کام کاج نہ کیا جاوے گا ۳؎ اور کینے،بغض،حسد جاتے رہیں گے ۴؎ وہ مال کی طرف بلائیں گے تو کوئی اسے قبول نہ کرے گا ۵؎ (مسلم)اور مسلم،بخاری کی روایت میں ہے فرمایا تم کیسے ہوں گے جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا ۶؎

۱؎ چونکہ قریب قیامت آپ چوتھے آسمان سے فرش پر آویں گے اسی لیے نزول فرمایا گیا،چونکہ آپ بغیر والد کے پیدا ہوئے اس لیے ابن مریم فرمایا،نیز ابن مریم فرماکر یہ بتایا کہ یہ مسیح وہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے جو پہلے دنیا میں تشریف لاچکے تھے اس نام کا کوئی اور آدمی نہ ہوگا۔افسوس ہے کہ مرزا قادیانی کا نام غلام احمد ماں کا نام چراغ بی بی اور وہ آسمان سے اترے نہیں بلکہ ماں کے پیٹ سے جنے گئے مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں،بھلا کچھ حد ہے اس ڈھٹائی کی۔
۲؎ ان تینوں کے معنی پہلے عرض کیے جاچکے ہیں کہ صلیب توڑنے کے معنی یہ ہیں کہ صلیب فنا کردی جائے گی،کسی کو اس کی پرستش کی اجازت نہ ہوگی،اسی طرح سؤر فنا کردیئے جائیں گے کہ نہ کوئی انہیں کھاسکے گا نہ پال سکے گا۔مرزائی ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام سؤروں کا شکار کھیلتے پھریں گے وغیرہ وغیرہ اس کا مطلب یا سمجھتے نہیں یا دیدہ دانستہ یہ کہتے ہیں۔
۳؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اونٹوں کی زکوۃ نہ لی جاوے گی کہ مال کی زیادتی کی وجہ سے زکوۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔یعنی **یسعی** بنا ہے **سعایة** سے جس سے ہے ساعی۔دوسرے یہ کہ اونٹنیوں پر سواری بار برداری نہ کی جائے گی کیونکہ دوسری سواریاں ان کاموں کے لیے بہت ایجاد ہوچکی ہوں گی۔خیال رہے کہ ابھی اونٹنیاں معطل نہ ہوئیں ان سے بہت کام لیے جارہے ہیں لہذا مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ میرے زمانہ میں اونٹ بے کار ہوگئے ریل موٹر وغیرہ کی وجہ

سے محض غلط ہے،آنکھوں دیکھ لو کہ اونٹوں سے صدہا کام لیے جارہے ہیں لوگوں میں امیری نہیں خود مرزا جی مانگتے رہے یا اونٹوں کو شکاری جانور کا خطرہ نہ رہے گا کوئی انکی حفاظت نہ کرے گا۔

۴؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے لوگوں کے دلوں سے حسد بغض کینے نکل جائیں گے کیونکہ کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ رہی گی،ہر ایک کو دین و ایمان کی لگن لگ جائے گی،محبت دنیا ان سب کی جڑ ہے جب جڑ ہی کٹ گئی تو شاخیں کیسے رہیں،نیز مختلف دین نہ رہیں گے سب کا دین ایک اسلام ہوگا۔غرضکہ نہ دنیاوی جھگڑے رہیں گے،نہ دینی اختلافات،نہ کسی کو حرص مال ہوگی،نہ عزت و جاہ کی خواہش۔غرض کہ آپ کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل جاوے گی۔

۵؎ یعنی لوگوں کو مال کی نہ ضرورت رہے گی نہ ہوس۔کفایت،قناعت دونوں میسر ہوں گی اس لیے مال لینا منظور نہیں کریں گے کہ انہیں رغبت نہ ہوگی۔

۶؎ اس فرمان عالی کے چند معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ **وامامکم** میں واؤحالیہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس حالت میں اتریں گے کہ نماز کی جماعت ہورہی ہوگی اور مسلمانوں کو ان کا امام نماز پڑھا رہا ہوگا یعنی امام مہدی،بعد میں نمازیں عیسیٰ علیہ السلام ہی پڑھایا کریں گے۔دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفۃ المسلمین ہوں گے مگر امامت نماز حضرت مہدی کیا کریں گے جو عرب ہوں گے،قرشی ہاشمی مسلمین میں سے ہوں گے۔تیسرے یہ کہ خود عیسیٰ علیہ السلام ہی تم مسلمانوں میں سے ہوں گے اور امام ہوں گے نماز پڑھایا کریں گے،بعض شارحین نے اس تیسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ پہلے دو معنی سے لازم آوے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت بھی مسلمانوں میں سے نہ ہوں بلکہ ان کا دین اپنا پرانا دین ہو۔پہلے دو معنے سے معلوم ہورہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ہوں گے امام کوئی اور ہوگا مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ میں ہی عیسیٰ ہوں،میں ہی امام مہدی،میں ہی کرشن،میں ہی خدا اور یہ حدیث پیش کرتا ہے،یہ حدیث تو اس کے خلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر قیامت تک لڑتی رہے گی ۱؎ فرمایا تب عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آیئے ہم کو نماز پڑھایئے تو وہ کہیں گے ۲؎ نہیں تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں یہ اللہ کی طرف سے اس امت کے احترام کی وجہ سے ۳؎ (مسلم)اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

۱؎ قیامت سے مراد قریب قیامت ہے جب کہ دنیا میں مؤمن و کافر دونوں ہوں گے،قیامت کے قیام کے وقت تو مؤمن نہ رہیں گے۔اور طائفہ سے مراد اسلام کے غازی مجاہد اور علما ربانی،صوفیاء کرام،اولیاء عظام ہیں کہ تاقیامت اسلام میں یہ جماعتیں رہیں گی۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک ہے مگر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ میں نے جہاد منسوخ کردیا۔

۲؎ امیر سے مراد امام مہدی ہیں جو مسلمانوں کے اس وقت دینی امیر حاکم ہوں گے رضی اللہ عنہ۔وہ کہیں گے کہ آپ مجھ سے افضل ہیں کہ اپنے وقت کے نبی اور اس وقت کے عالم مجتہد ہیں آپ نماز پڑھایئے۔

۳؎ یعنی میں نماز پڑھانے نہیں آیا دین اسلام کی دوسری خدمتیں کرنے آیا ہوں امام آپ ہی ہیں،اول وقت تو آپ یہ فرمائیں گے بعد میں بہت سی نمازیں بارہا پڑھائیں گے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں گے۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عیسیٰ ابن مریم زمین کی طرف اتریں گے،نکاح کریں گے،انکے اولاد ہوگی۱؎ اور پینتالیس سال قیام کریں گے۲؎ پھر وفات پائیں گے میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن کیے جائیں گے۳؎ تو ہم اور عیسیٰ ابن مریم ابوبکروعمر کے درمیان ایک مقبرے سے اٹھیں گے ۴؎ (ابن جوزی کتاب الوفاء)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نکاح ایک ہی کریں گے اور اولاد ایک سے زیادہ ہوگی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

۲؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین میں ٹھہرنے کے متعلق تین روایتیں ہیں: سات سال،چالیس سال،پینتالیس سال، ان میں مطابقت اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ آپ تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر تشریف لے گئے اوراب قریب قیامت تشریف لاکر بارہ سال زمین میں رہیں گے۔جن روایات میں پینتالیس سال ہے وہاں یہ مجموعی پوراقیام مرادہے، جن میں چالیس ہے وہاں مجموعی دونوں قیاموں کی دہائی لے لی گئی ہیں،اکائی جو مثل کسر کے ہے چھوڑ دی گئی ہے،سات سال والی روایت میں آئندہ قیام کا ذکر ہے،پانچ سال دجال کو فنا کرنے یاجوج ماجوج سے مسلمانوں کو بچانے،دنیا میں انتظام قائم کرنے میں صرف ہوں گے اور سات سال مستقل امان کے ساتھ خلافت کرنے میں۔(مرقات)

۳؎ چنانچہ اب روضہ شریف میں تین قبریں ہیں چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے،وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے،لوگوں نے امام حسن کو وہاں دفن کرنا چاہا حضرت عائشہ صدیقہ نے اجازت دے دی مگر بنی امیہ نے دفن نہ ہونے دیا،پھر عبدالرحمٰن ابن عوف کو دفن کرنا چاہا جناب عائشہ صدیقہ نے اجازت دی مگر یہ نہ ہوسکا،پھر حضرت عائشہ صدیقہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ وہاں دفن ہوں کہ گھر آپ ہی کا ہے مگر آپ نے فرمایا نہیں مجھے میری سہیلیوں یعنی دوسری ازواج کے ساتھ دفن کرنا بقیع میں،ارادۂ الٰہی تھا کہ وہ جگہ خالی رہے۔(اشعہ)

۴؎ یہاں قبر سے مراد مقبرہ ہے یعنی قیامت کے دن روضہ انور سے ہم چار صالحین اٹھیں گے جن میں دو نبی ہوں گے بیچ میں اور داہنے بائیں صدیق اور عمر فاروق شہید اکبر ہوں گے گویا"مِنَ النَّبِیّنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّھَدَآءِ

وَالصّٰلِحِیۡنَ"اس آیت کا پورا مظہر اور ان پانچوں کا مجمع یہاں ہوگا۔حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق بعد انبیاء سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر خوش نصیب ہیں۔

باب قرب الساعۃ و ان من مات فقد قامت قیامتہ

قیامت کا قریب ہونا اور جو مرگیا تو اس کی قیامت قائم ہوگئی۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱قیامت کو ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت کا قیام بھی پل بھر میں اچانک ہوجائے گا۔حدیث شریف میں قیامت تین معنی میں ارشاد ہوتا ہے:قیامت صغریٰ(چھوٹی)یعنی انسان کی اپنی موت،قیامت وسطیٰ(درمیانی)ایک زمانہ کا ختم ہونا جسے قرن کہتے ہیں،قیامت کبریٰ(بڑی)یعنی لوگوں کا سزا جزا کے لیے اٹھنا۔یہاں پہلی ساعت سے مراد قیامت کبریٰ ہے اور دوسری قیامت سے مراد قیامت صغریٰ ہے۔قیامت کبریٰ قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کا بہت زمانہ گزر چکا جتنا باقی ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔خیال رہے قیامت کبریٰ کے بہت سے موقعہ ہیں: پہلا نفخہ جب سب فنا یا بے ہوش ہوجائیں گے،دوسرا نفخہ جب سب زندہ یا باہوش ہوجائیں گے،پھر اول حال ظہور جلال کا وقت،پھر درمیانہ حال جب حساب وکتاب اس کے علاوہ دوسرے کام ہوں گے،پھر آخر حال فیصلہ کا وقت ان مختلف اوقات میں مختلف حال ہوں گے۔

روایت ہے حضرت شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ جناب انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح بھیجے گئے ہیں۱شعبہ نے فرمایا کہ میں نے قتادہ کو انکے وعظوں میں فرماتے سنا۲کہ جیسے ان دونوں میں سے ایک کی زیادتی دوسری۳پر مجھے یہ خبر نہیں کہ اسے حضرت انس سے روایت کیا یا قتادہ نے خود کہا۔(مسلم،بخاری)	

۱ھاتین سے اشارہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی طرف ہے۔اور اس فرمان عالی کے چند معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان میں کوئی انگلی نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں،ہمارا دین قیامت سے ملا ہوا اور قیامت تک ہے یا ہم قیامت سے بہت قریب ہیں۔کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی سے قریب یا ہم قیامت سے وہاں کے حالات سے خبردار ہیں جیسے قریب والا اپنے قریب والے کے حالات سے خبردار ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ بڑی انگلی کا کنارہ کلمہ کی انگلی کے کنارہ سے اوپر ہے مگر ہے قریب ایسے ہی قیامت ہمارے بعد مگر ہے قریب،حضور کی تشریف آوری علامات قیامت سے ایک علامت ہے۔

۲جس تقریر میں احکام شرعی یا رحمت و عذاب کا ذکر ہو اسے وعظ کہتے ہیں اورجس میں یہ چیزیں نہ ہوں بلکہ گزشتہ یا آئندہ کے واقعات وغیرہ ہوں اسے قصہ کہتے ہیں اور مقرر کو قاضی۔

۳؎ یہ دوسری حدیث ہے اس میں آخری معنی مراد ہیں کہ بڑی انگلی کلمے کی انگلی سے کچھ ہی بڑی ہے ایسے ہی قیامت ہم سے کچھ ہی دور ہے یہ جملہ پہلے جملہ کی شرح نہیں ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے فرماتے سنا کہ تم مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو ۱؎ اس کا علم اللہ کے پاس ہے ۲؎ اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ زمین پر ایسی کوئی نفاس سے پیدا ہونے والی ذات نہیں ۳؎ جس پر سو سال گزریں اور وہ اسی دن زندہ ہو ۴؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی تم مجھ سے یہ پوچھتے ہو کہ قیامت کس سنہ، کس دن، کس مہینے ، کس تاریخ میں قائم ہوگی، یہاں قیامت سے مراد پہلا نفخہ ہے جس میں وہ سب فنا ہوجائیں گے۔

۲؎ یعنی قیامت کا وقوع اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کا علم صرف خدا تعالٰی کو ہے کسی اندازے تخمینہ اٹکل قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی، ہاں اللہ تعالٰی ہی کسی کو بتائے تو وہ قادر ہے۔حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو قیامت کا علم بھی عطا فرمایا اس لیے حضور انور نے قیامت کی ساری علامتیں بیان فرمادیں، قیامت کا دن، تاریخ، مہینہ بتادیا کہ جمعہ کے دن محرم کے مہینہ دسویں تاریخ کو قائم ہوگی، ہاں سنہ نہ بتایا کہ یہ صیغہ راز میں رہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو، بلکہ اللہ تعالٰی حضور کے توسل سے بعض اولیاء اللہ کو بھی علم قیامت بخشتا ہے اس لیے حضور انور نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے اللہ نے قیامت کا علم نہ دیا ہے نہ دے گا۔

۳؎ نفس کا معنی زندہ چیز، **منفوسہ** بنا ہے **نفاس** سے یعنی جو زندہ نفاس والی عورت سے پیدا ہوا ہے وہ آج سے سو برس کے بعد زندہ نہ رہے گا۔خیال رہے کہ اس فرمان عالی سے مراد ہے کہ جو انسان ظاہری زمین پر موجود ہے وہ سو برس کے اندر وفات پاجائے گا۔جنات انسان نہیں، حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام زمین پر نہیں آسمان یا جنت میں ہیں، حضرت خضر زمین پر نہیں رہتے پانی میں رہتے ہیں، الیاس علیہ السلام اور اصحاب کہف ظاہری زمین پر نہیں جو سب کو نظر آویں۔سانپ گدھ وغیرہ جانور نفس تو ہیں مگر منفوسہ یعنی نفاس والی عورت سے پیدا نہیں لہذا یہ سب چیزیں اس فرمان سے علیحدہ ہیں۔چار نبی زندہ ہیں: دو زمین میں حضرت خضر و الیاس کہ خضر پانی میں اور الیاس خشکی میں رہتے ہیں، دو آسمان میں حضرت عیسیٰ چوتھے آسمان پر، ادریس جنت میں علیہم السلام۔(مرقات، اشعہ) حضور غوث پاک کبھی دوران وعظ فرماتے تھے اے اسرائیلی ٹھہریئے ایک محمدی کا کلام سنتے جانا یعنی حضرت خضر سے فرماتے تھے۔(اشعہ)

۴؎ یعنی آج کی تاریخ سے سو برس بعد یہ فرق ختم ہوجائے گا اگرچہ بعض صحابہ کی عمریں سو برس سے زیادہ ہوئیں جیسے حضرت سلمان فارس اور حضرت انس مگر آج کی تاریخ سے سو برس میں سب وفات پاچکیں گے۔معلوم ہوا کہ حضور انور کو سب کی موت کا علم دیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ سو برس ایسے نہ گزریں گے کہ زمین	

	پر کوئی جنی ہوئی ذات آج کی جو موجود رہے ۱؎(مسلم)

۱؎ہم ابھی عرض کرچکے کہ منفوسہ سے مراد انسانی ذات ہے کہ نفاس والی عورتوں سے انسان ہی پیدا ہوتا ہے اور علی الارض فرماکر اصحاب کہف حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کو مستثنٰی فرمادیا کہ وہ اگرچہ زمین میں ہیں مگر زمین پر نہیں یعنی لوگوں پر ظاہر نہیں اور حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام نہ زمین میں ہیں نہ زمین پر وہ تو آسمان پر ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ دیہاتی لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے تو آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے تھے ۱؎تو آپ ان میں سے سب سے چھوٹے کی طرف نظر فرماتے تھے کہ اگر یہ زندہ رہا تو اسے بڑھاپا نہ آئے گا کہ حتی کہ تم پر تمہاری قیامت قائم ہوجاوے گی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎وہ لوگ ساعت سے قیامت کبریٰ یعنی حشر ونشر کا دن مراد لیتے تھے،پوچھتے تھے کہ اب سے کتنے عرصہ بعد قیامت کبریٰ قائم ہوگی،حضور انور جواب میں یہ نہ فرماتے تھے کہ تم مشرک ہوگئے کہ تم نے قیامت کا سوال مجھ سے کیا یہ تو اللہ تعالٰی ہی کو معلوم ہے کسی اور کو اس کا علم ماننا شرک ہے کفر ہے بلکہ احسن طریقہ سے اس سوال کا جواب دیتے تھے۔

۲؎یہاں ساعت سے مراد قیامت صغریٰ یعنی ہر ایک کی اپنی موت ہے یا قیامت وسطیٰ یعنی اس قرن کا ختم ہوجانا۔یہ جواب حکیمانہ ہے کہ تم بڑی قیامت کی فکر کیوں کرتے ہو،تم اپنی قیامت کی فکر کرو یعنی موت کی وہ بہت قریب ہے اسی بچہ کے بڑھاپے سے پہلے تم سب مرجاؤ گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں قیامت کے اندر بھیجا گیا ہوں ۲؎ تو میں قیامت سے اس طرح پہلے ہوں جیسے یہ انگلی اس سے اور اپنی دو انگلیوں کلمہ کی اور بیچ کی طرف اشارہ کیا ۳؎(ترمذی)

۱؎آپ بہت کمسن صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چھوٹے بچے تھے مگر آپ سے بہت احادیث مروی ہیں اولًا کوفہ میں پھر مصر میں رہے۔

۲؎ یعنی میری بعثت اس وقت ہوئی ہے جب علامات قیامت شروع ہوچکی ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد ابتداء ہے جب کہ اس کی نشانیاں ظاہر ہونے لگی ہیں،اسی سے ہے"وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ"بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری علامت قیامت ہے۔

۳؎ اس جملہ کی شرح ابھی گزر گئی۔اس میں اشارۃً فرمایا کہ ہم قیامت کے پڑوسی ہیں جیسے ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی سے بے خبر نہیں ہوتا ایسے ہی ہم قیامت سے بے خبر نہیں اور جیسے بیچ کی انگلی کچھ ہی بڑی ہے پہلی انگلی سے یونہی قیامت کچھ ہی دورہے،ہم سے ہماری آمد ہوچکی اب قیامت ہی کاانتظار کرو۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ میں امید کرتا ہوں کہ میری امت اپنے رب کے نزدیک اس سے عاجز نہیں ہوگی انہیں آدھے دن کی مہلت دے ۱؎ سعد سے کہا گیا کہ آدھا دن کتنا فرمایا پانچ سو سال ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اس فرمان کے بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالٰی پانچ سو سال تک میری امت کو اعمال کرنے کی مہلت ضرور دے گا کہ اس سے پہلے قیامت نہ آوے گی،اس سے زیادہ مہلت دے دے تو اس کی مہربانی ہے۔

الحمدللہ یہ خبر بالکل درست ہوئی اب قریبًا چودہ سو برس گزر چکے اور ابھی قیامت نہیں آئی۔دوسرے یہ کہ پانچ سو سال تک میری امت بڑے فتنوں بڑی آفتوں سے محفوظ رہے گی پھر بڑے بڑے فتنے آفتیں نمودار ہوں گی۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی اس فرمان عالی میں دن سے مراد اللہ کا دن ہے اور اللہ کے دن کے متعلق رب فرماتاہے:"اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ"۔شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے ایک سال کے بعد جو پانچ سو سال ہوں گے یہ امت اس سے آگے نہ بڑھے قیامت اس دوران میں آجائے گی،اب پونے چودہ سو برس ہوئے ڈیڑھ سو سال باقی ہیں۔(اشعہ)ایک روایت میں ہے انسانی دنیا کی عمر ساڑھے سات ہزار سال ہے،حضور انور کی ولادت پاک حضرت آدم علیہ السلام سے ساڑھے چھ ہزار سال بعد ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ سو سال تک اسلامی نظام نہ بگڑنے پائے گا اس مدت کے بعد اس میں خلل پیدا ہوگا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک کاٹ دیا گیا پھر وہ آخر میں ایک

دھاگے سے ہلکا رہ گیا قریب ہے کہ یہ دھاگہ ٹوٹ جاوے ۱؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎یہ تشبیہ نہایت ہی بلیغ ہے جس میں بتایا گیا ہے دنیا اب قریب الختم ہے مگر یہ قرب رب تعالٰی کے علم کے لحاظ سے ہے نہ کہ ہمارے حساب سے،وہاں کا ایک دھاگہ بھی بہت دراز ہوتا ہے اس لیے یہ نہیں کہاجاسکتا کہ قریبًا اس فرمان کو چودہ سو برس ہوچکے اب تک وہ دھاگہ ٹوٹا ہی نہیں۔خیال رہے کہ آدم علیہ السلام تو آخری مخلوق ہیں اور انسان انکی اولاد دنیا آپ سے کروڑوں بلکہ اربوں سال پہلے پیدا ہوچکی تھی،فرشتے،آسمان زمین،چاند ستارے سورج،پھر زمین کے جانور وغیرہ سب پہلے ہی پیدا ہوچکے تھے اور قیامت میں یہ ساری مخلوق فنا کردی جاوے گی یا بے ہوش اور قیامت حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے سات ہزار سال بعد قائم ہوگی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے چھ ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ اس فرمان عالی کے وقت دنیا دھاگے میں لگی رہ گئی تھی اب تو اس فرمان عالی کو بھی پونے چودہ سو سال گزرے اب تو قیامت بہت ہی قریب ہے رب تعالٰی اس کا خوف نصیب کرے۔

باب لا تقوم الساعة الا علی شرار الناس

قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین لوگوں پر ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ بدترین سے مراد کفار اور بدکار ہیں یعنی مؤمنین صالحین قیامت سے پہلے ہی مرچکے ہوں گے جیساکہ پہلے گزر چکا۔ نیکوں کا وجود دنیا کا تعویذ ہے جب تک یہ لوگ ہیں قیامت نہیں آسکتی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جاوے گا ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اس شخص پر قیامت نہ قائم ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہو ۲؎ (مسلم)

۱؎ اللہ اللہ کی تکرار تاکید کے لیے ہے یعنی اس وقت کوئی ایسا آدمی نہ رہے گا جو اللہ کا نام لے اس وقت سارے انسان بت پرست کفار ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم کا بقا علماءوعاملین اور صالحین کی برکت سے ہے، معلوم ہوا کہ علماء صالحین کی برکت، جن، فرشتے، حیوانات، جمادات، نباتات سب کو پہنچتی ہے کہ ان کی وجہ سے یہ تمام قیامت کی وحشت سے امن میں ہیں۔ (مرقات) اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے علماء کی بقاء کے لیے پانی میں مچھلیاں دعا کرتی ہیں۔

۲؎ یہاں احد سے مراد انسان ہیں ورنہ فرشتے تو اس وقت بھی اللہ اللہ کرتے ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین مخلوق پر ۱؎ (مسلم)

۱؎ شرار سے مراد عقائد، اعمال، اخلاق میں بدترین۔ خلق سے مراد صرف انسان ہیں یعنی جن انسانوں پر قیامت قائم ہوگی وہ سارے کافر بے حیا بدکار بے شرم ہوں گے، نیکی کا نام بھی نہ لیں گے، فرشتے اس وقت ہوں گے جو اللہ کرتے ہوں گے لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں گناہ انسان یا جنات ہی کرتے ہیں دوسری مخلوق نہیں کرتی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دوس کی عورتوں کے چوتڑ ذی الخلصہ کے اردگرد تھل تھل ہوں گے ۱؎ اور ذوالخلصہ دوس کا وہ بت ہے جس کی وہ زمانہ جاہلیت میں پوجا کرتے تھے ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ دوس یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے،اس ہی قبیلہ کے حضرت ابوہریرہ تھے،دوسی کفار نے کعبہ معظمہ کے مقابلہ میں ایک بت خانہ بنایا تھاجس میں ایک بت تھا خلصہ نام اس لیے اس گھر کو کعبہ یمانیہ بھی کہتے تھے اور ذوالخلصہ بھی۔اس ذوالخلصہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر ابن عبداللہ اور دیگر غازی صحابہ کرام کے ذریعہ آگ سے جلوا کر فنا کروادیا تھا۔یہاں ارشاد ہورہا ہے کہ قریب قیامت دوس کے کفار پھر اس بت خانہ کو آباد کریں گے اور وہاں کے لوگ اس کا طواف کریں گے۔عورتوں کے چوتڑ ملنے سے مراد ہے کہ ان کی عورتیں تک اس بت خانہ کے اردگرد طواف کعبہ کی طرح چکر لگائیں گی حالانکہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں دین پر بہت پختہ ہوتی ہیں اس وقت وہ بھی بہک جائیں گی۔

۲؎ خلصہ بت کا نام تھا اور ذوالخلصہ بت خانہ کا نام یعنی خلصہ والا گھر،یہ تفسیر یا تو حضرت ابوہریرہ کی ہے یا کسی اور راوی کی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رات و دن ختم نہ ہوں گے حتی کہ لات و عزیٰ کی پرستش کی جانے لگے ۱؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں گمان کرتا تھا کہ جب یہ آیت کریمہ اتری کہ وہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین ناپسند کریں کہ یہ لازوال ہے ۲؎ فرمایا کہ جس قدر اللہ چاہے گا تب تک رہے گا ۳؎ پھر اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو ہر وہ شخص وفات دے دیا جاوے گا ۴؎ جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہے تو وہ باقی رہ جائیں گے،جن میں بھلائی نہیں وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے ۵؎ (مسلم)

۱؎ لات بنا ہے لت سے بمعنی ستو گوندھنا،لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کے لیے ستو گھولا اور گوندھا کرتا تھا،اس کے مرے بعد قبیلہ ثقیف نے ایک بت رکھ لیا۔عزیٰ قبیلہ غطفان کا بت تھا یہ دونوں پہلے کعبہ معظمہ میں تھے،قریب قیامت جب کعبہ معظمہ ڈھا دیا گیا ہوگا مکہ کے لوگ مشرک ہوکر پھر لات و عزیٰ بت بنا کر اسے پوجنے لگیں گے۔خیال رہے کہ جب تک دنیا میں اسلام،قرآن،کعبہ معظمہ ہے تب تک حجاز مقدس میں بت پرستی ہرگز نہیں ہوسکتی،جب روئے زمین سے یہ چیزیں اٹھ جائیں گی تب حجاز میں بھی مشرکین اور بت پرستی ہوگی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ شیطان حجاز والوں سے شرک نہیں کرا سکتا کیونکہ قریب قیامت تو روئے زمین پر کہیں ایک مسلمان نہ ہوگا تو حجاز میں مؤمن کہاں سے آئیں گے۔

۲؎ یعنی میں نے **لیظھرہ** کے معنی یہ سمجھے تھے کہ اب دنیا سے اسلام کبھی بھی ختم نہ ہوگا مگر حضور والا کے فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ قریب قیامت اسلام بھی ختم ہوجاوے گا میرا یہ خیال درست نہ نکلا مجھے اس پر تعجب ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا محققانہ جواب ہے یعنی اسلام دین تام بھی ہے غالب بھی مگر اس غلبہ کی ایک حد ہے جس پر پہنچ کر ختم کردیا جاوے گا۔سورج یقینًا منور ہے مگر بعد غروب سورج کالا نہیں ہوجاتا بلکہ زمین اس کا فیض لینے سے محروم ہوجاتی ہے،نقصان سورج میں نہیں آیا زمین کے فیض لینے میں آیا لہذا اسلام تام ہی ہے۔

۴؎ جب اس طیب ہوا سے تمام روئے زمین کے مسلمان وفات پا جائیں گے تو حجاز مقدس میں مسلمان کیسے رہ سکتے ہیں وہاں بھی مشرکین ہی رہ جائیں گے۔خیال رہے کہ رائی بھر ایمان سے یہ بتایا کہ فاسق سے فاسق مسلمان جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہو صرف عقائد کا درست ہو وہ بھی وفات پاجاوے گا نیک و صالحین کا تو ذکر ہی کیا۔

۵؎ اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ جو عنداللہ مؤمن ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہے وہ تو اس ہوا سے وفات پاجائیں گے اور جو دنیا میں کلمہ گو تھے مگر اللہ کے علم میں کافر مرنے والے تھے وہ مرتد ہوکر باپ دادوں کا دین اختیار کرلیں گے یعنی مرتد ہوجائیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب سارے مسلمان فوت ہوگئے تو مرتد کون ہوا۔

لطیفہ: مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا کہ وہ ہوا چل چکی اور سارے مسلمان مشرک ہوچکے جس سے لازم آیا کہ مولوی اسماعیل اور ان کی ذریت بھی مرتد مشرک ہوچکے کیونکہ وہ بھی زمین پر ہی رہتے تھے وہ کیسے مسلمان رہ گئے،مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں اپنے اور اپنوں پر بھی ہاتھ صاف کر گئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال نکلے گا تو چالیس تک پھرے گا میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا مہینے یا سال ۱؎ پھر اللہ تعالٰی عیسیٰ ابن مریم کو بھیجے گا گویا وہ عروہ ابن مسعود ہیں ۲؎ آپ اسے تلاش کریں گے ہلاک کردیں گے پھر آپ لوگوں میں سات سال ٹھہریں گے ۳؎ کہ دو شخصوں کے درمیان دشمنی نہ ہوگی ۴؎ پھر اللہ ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے بھیجے گا ۵؎ تو روئے زمین پر کوئی نہ رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی یا ایمان ہو مگر وہ ہوا اسے وفات دیدے گی حتی کہ اگر تم میں سے کوئی وسط پہاڑ میں داخل ہوجائے تو وہ اس تک داخل ہوگی کہ اسے وفات دیدے گی ۶؎ فرمایا پھر بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے چڑیوں کی طرح ہلکے درندوں کی سی والے ۷؎ نہ کسی اچھی بات کو جانیں گے نہ کسی برائی کو برا جانیں گے ۸؎ ان کے پاس شیطان انسانی شکل اختیار کے آوے گا کہے گا تم شرم کیوں نہیں کرتے ۹؎ وہ کہیں گے تو ہمیں کیا حکم دیتا ہے وہ انہیں بت پرستی کا حکم دے گا ۱۰؎ وہ اس حال میں ہوں گے ان کا رزق بہتا ہوگا ان کا عیش	

	خوب ہوگا ۱۱؎ پھر صور پھونکا جاوے گا تو اسے کوئی نہیں سنے گا مگر گردن کبھی جھکائے گا اور کبھی اٹھائے گا ۱۲؎ فرمایا پہلا جو شخص سنے گا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹ کا حوض پیتا ہوگا ۱۳؎ پھر لوگ بے ہوش ہوجائیں گے ۱۴؎ پھر اللہ شبنم کی طرح بارش بھیجے گا تو اس سے لوگوں کے جسم اُوگیں گے ۱۵؎ پھر صور میں دوبارہ پھونکا جاوے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے دیکھتے ہوں گے ۱۶؎ پھر کہا جاوے گا اے لوگو اپنے رب کی طرف چلو انہیں ٹھہراؤ ان سے پوچھ گچھ کی جاوے گی ۱۷؎ پھر کہا جاوے گا آگ کی رسد نکالو تو کہا جاوے گا کتنی سے کتنی تو فرمایا جاوے گا ہر ہزار سے نو سو ننانونے ۱۸؎ فرمایا کہ وہ وقت ہوگا جو بچوں کو بڈھا کر دے گا اور یہ وہ دن ہوگا جب پنڈلی کھولی جاوے گی ۱۹؎ (مسلم)اور جناب معاویہ کی حدیث **لاتنقطع الھجرۃ** توبہ کے باب میں ذکر کردی گئی ۲۰؎

۱؎ یہ شک ان راوی کو ہے کہ حضور انور نے کیا فرمایا کہ چالیس دن فرمائے یا چالیس ماہ یا سال ورنہ حضور انور نے چالیس دن فرمایا ایک دن ایک سال کی برابر وغیرہ۔

۲؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عروہ ابن مسعود کے ہم شکل ہوں گے،عروہ ابن مسعود سیدنا عبداللہ ابن مسعود کے بھائی ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہیں جو صلح حدیبیہ کے دن کفار کی طرف سے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے،پھر ۹ھ میں غزوہ طائف کے بعد یہ اسلام لائے پھر اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی جس پر قوم نے انہیں قتل کردیا،یہ عبداللہ ابن مسعود کے بھائی نہیں کہ وہ تو عبداللہ ابن مسعود ابن غافل ہذلی ہیں یہ ہی صحیح ہے۔(مرقات)

۳؎ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے کہ بعض روایات میں ہے چالیس سال،بعض میں ہے سات،سال والی روایات میں آپ کا پہلا قیام جو ۳۳ سال تھا اور سات سال یہ قیام بعد نزول والا ملاکر مراد ہے اور بھی زیادہ کی روایات ہیں۔

۴؎ یعنی ان سات سال میں تمام دنیا میں اسلام ہی ہوگا سب مسلمان متقی ہوں گے،سب کے سینے کینہ سے پاک و صاف ہوں گے۔

۵؎ حضرت عیسیٰ کے پردہ فرمانے کے بعد کچھ عرصہ تو یہ ہی خیر و برکت رہے گی،پھر انسان کافر بھی ہونے لگیں گے حتی کہ کچھ عرصہ بعد دنیا میں کفار بھی بہت ہوجائیں گے لہذا حدیث شریف واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جب سارے انسان مسلمان ہوچکے تھے تو اس کے ہوا چلنے پر کافر کہاں سے آئے جو زندہ رہے۔

۶؎ خلاصہ یہ ہے کہ اس ہوا سے کوئی مسلمان کسی طرح بچے گا نہیں جہاں بھی ہوگا وفات پاجائے گا۔یہ موت اللہ تعالٰی کی بڑی رحمت ہوگی کہ بدترین لوگوں میں مسلمان نہ رہیں گے ہم کو اس دعا کی تعلیم دی گئی ہے **وتوفنا مع الابرار**۔

۷؎ یعنی وہ لوگ بالکل بے عقل ہوں گے اور سخت خونخوار۔چڑیا ہر کام میں جلدی کرتی ہے ایسے ہی وہ ہر برائی بغیر سوچے سمجھے جلدی کریں گے گویا گناہ پر اڑ کر پہنچیں گے اور بے رحمی،غصہ وحشت،بربریت طیش میں خونخوار درندوں کی طرح ہوں گے،بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کو بات بات پر قتل و غارت کریں گے۔

۸؎ بلکہ برعکس اچھائیوں کو برا سمجھیں گے اور برائیوں کو اچھا سمجھیں گے،عقل و علم سے خالی ہوں گے اور ساتھ ہی بڑے مالدار ہوں گے،جب مال ہو مگر عقل،دین،علم نہ ہو تو مال زہر ہے،مال سانپ ہے جس کا تریاق دین ہے۔

۹؎ شیطان کا انسان کے دل میں وسوسے ڈالنا اس کا ادنی فریب ہے مگر شکل انسانی میں آکر بہکانا اس کا بڑا ہی سخت فریب ہے جس سے بچنا مشکل ہے اس لیے قرآن مجید میں انسان شیطان کو جن شیطان سے سخت تر فرمایا کہ "شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ"۔(مرقات)وہ کہے گا کہ تم خدا رسی کا ذریعہ کیوں اختیار نہیں کرتے اللہ کی راہ سے کیوں بہکے ہوئے ہو۔

۱۰؎ یعنی تم لوگ بت پرسی کرو خدارسی کے لیے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اولًا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے ہوں گے نہ خدا تعالٰی کی نہ بتوں کی،جانوروں کی طرح یوں ہی زندگی گزارتے ہوں گے شیطان انہیں برے راستہ پر لگا دے گا۔

۱۱؎ یعنی ان پر بڑا عذاب یہ ہوگا کہ اس بے علمی بے عقلی بے دینی کے ساتھ ان کے پاس مال و دولت رزق بہت ہی وسیع ہوگا کہ اس سے ان پر گناہوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

۱۲؎ لیت لام کے کسرہ سے گردن کی ایک طرف ایک حصہ کو کہتے ہیں یعنی وہ گھبراہٹ میں کبھی گردن کی داہنی کروٹ اونچی کرے گا بائیں نیچی کبھی اس کے برعکس۔اس کی یہ حرکت انتہائی گھبراہٹ میں ہوگی کہ کبھی وہ صور کی آواز داہنے کان سے سنے گا کبھی بائیں سے۔

۱۳؎ صور کی آواز لازمًا نہایت ہلکی اور باریک ہوگی جسے سوا اس شخص کے کوئی نہ سنے گا پھر آہستہ آہستہ تیز ہوتی جائے گی۔

۱۴؎ پہلے بے ہوش ہوں گے پھر فنا،یا بے ہوشی سے مراد ہلاکت ہے،اشعۃ اللمعات نے یہ ہی معنی کیے۔

۱۵؎ یہ واقعہ پہلے نفخہ سے چالیس سال بعد ہوگا اس دوران میں ان مردوں کے جسم گل چکے ہوں گے،اس بارش سے لوگوں کے جسم ایسے اگیں گے جیسے کھیت میں سبزہ اگتا ہے۔

۱۶؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ جسموں کی بالیدگی تو اس ہلکی بارش سے ہوگی اور سب کا زندہ ہونا صور کی آواز سے ہوگا۔

۱۷؎ پہلا خطاب زندہ ہونے والے لوگوں سے تھا کہ اے زندہ ہونے والو یہاں سے میدان حشر کی طرف یعنی شام کی زمین کی طرف چلو،جب یہ لوگ وہاں پہنچ جائیں گے تب فرشتوں سے کہا جائے گا کہ انہیں یہاں کھڑا کردو یہاں ہی ان کا حساب ہوگا۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کی نگرانی میں محشر تک جائیں گے اور انہیں فرشتے وہاں کھڑا کریں گے۔

۱۸؎ یہ سوال جواب رب تعالٰی اور ان فرشتوں کے درمیان ہوگا یعنی اے فرشتو تمام لوگوں میں سے آگ کے مستحقین کو الگ کردو تب وہ یہ سوال کریں گے کہ آگ کا حصہ کتنا ہے،فرمایا جائے گا ہزار میں سے نو سو ننانوے۔اس فرمان عالی کی دو شرحیں ہیں: ایک یہ کہ نو سو ننانوے میں کفار گنہگار جو بھی دوزخ کے لائق ہیں سب ہوں گے،پھر سارے گنہگار حضور کی

شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے،بعض تو یہاں ہی اور بعض دوزخ میں سزا پاکر صرف کفار وہاں رہیں گے۔دوسری شرح یہ ہے کہ محشر کی اس جماعت میں یاجوج ماجوج بھی ہوں گے ان کی تعداد کا یہ حال ہے کہ یہاں بیرونی زمین کے انسان ان کے مقابلے میں فی ہزار ایک ہیں۔(اشعۃ اللمعات)بہرحال یہ خطاب بہت ہی ہولناک ہوگا۔

۱۹؎ یعنی اس دن کی وحشت ودہشت کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس دن بچے ہوتے تو بڈھے ہوجاتے غم و اندوہ کی وجہ سے۔پنڈلی کھلنے سے مراد ہے سخت پریشان ہونا یعنی لوگوں کو اس وقت انتہائی پریشانی ہوگی۔مرقات نے فرمایا کہ جب حاملہ اونٹنی کے پیٹ میں بچہ مرجاتا ہے تو آدمی ہاتھ ڈال کر اسے نکالتا ہے،پہلے اس بچہ کی پنڈلی نمودار ہوتی ہے،یہ اونٹنی پر سخت تر وقت ہوتا ہے،پھر محاورہ میں ہر مشکل میں پھنسنے کو پنڈلی کھل جانے سے سے تعبیر کیاجاتاہے۔قرآن مجید میں جوارشاد ہوا "**یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ**"وہاں پنڈلی کھولے جانے سے مراد بعض کے نزدیک یہ ہے کہ رب تعالٰی اپنی ساق قدرت کھولے گا،لوگوں کو حکم دے گا کہ ہماری ساق کو سجدہ کرو۔

۲۰؎ وہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی ہم نے وہاں بیان کی وہاں کے زیادہ مناسب ہے۔

باب النفخ فی الصور

صور پھونکے جانے کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صور سینگ کے اس بگل کا نام ہے جو قیامت میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔پہلی پھونک جانداروں کو بے جان کرنے کے لیے،دوسری پھونک مردوں کو زندہ کرنے کے لیے۔ان دونوں نفخوں میں چالیس سال کا فاصلہ ہوگا کہ اگر سورج ہوتا اور دن رات نکلتے تو چالیس سال کی مدت ہوتی،اس صور کی بڑائی اس کی آواز کی ہیبت ہمارے خیال و وہم سے وراہے۔آج ایٹم بم اور چیخنے والے بم کی آواز ہی لوگوں کو مار دیتی ہے،بستیوں میں زلزلے ڈال دیتی ہے وہ تو صور ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو نفخوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے لوگوں نے عرض کیا اے ابوہریرہ کیا چالیس دن فرمایا میں نہیں کہہ سکتا،کہا چالیس مہینے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا،کہا چالیس سال فرمایا میں نہیں کچھ کہہ سکتا ۱؎ پھر اللہ آسمان سے پانی اتارے گا تو لوگ ایسے اگیں گے جیسے ساگ اگتا ہے ۲؎ اور نہیں ہے انسان کی کوئی چیز مگر وہ گل جاوے گی سواء ایک ہڈی کے اور وہ ریڑھ کی ہڈی ہے ۳؎ اس سے قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب دی جاوے گی ۴؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں بھی ہے کہ سارے انسان مٹی کھالے گی سواء ریڑھ کی ہڈی کے اس سے پیدا کیا گیا ۵؎ اور اس میں ترکیب دیا جاوے گا۔	

۱؎ یعنی مجھے یاد نہیں کہ حضور انور نے دن فرمایا یا مہینے یا سال اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر دوسری روایات میں چالیس سال وارد ہے۔

۲؎ یعنی اس غیبی بارش سے یہ گلے جسم درست ہوجائیں گے،روح پڑنے کے لائق ہوجائیں گے پھر صور پھونکنے پر یہ اجسام زندہ ہوجائیں گے۔

۳؎ **عجب الذنب** کے لفظی معنی ہیں دم چھ،**عجب** بمعنی اصل ذنب بمعنی دم،جانور کی دم اس ہڈی کے کنارہ سے شروع ہوتی ہے اس کا نام ہے، ریڑھ کی جو گردن سے شروع ہوتی ہے چوتڑ پر ختم ہوتی ہے اسی پر انسان بیٹھتا ہے یہ اس کے لیے ایسی ہے جیسے دیوار کے لیے بنیاد،اگر یہاں یہ ہی ہڈی مراد ہے تو حدیث کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہڈی جلد فنا نہیں ہوتی،اسے خاک سو برس کے بعد گلاتی ہے اور اگر اس سے مراد ہیں اجزاء اصلیہ جو انسان کی جسم کی اصل ہیں تو وہ واقعی کبھی نہیں فنا ہوتے یہ ایسے باریک اجزاء ہیں جو خوردبین سے بھی دیکھنے میں نہیں آتے،انہیں انگریزی میں ایٹم کہتے ہیں۔ عربی میں **اجزاء لایتجزی**۔انسان جل جاوے،اسے شیر کھا جاوے اور پاخانہ بن کر اس کے پیٹ سے نکل جاوے وہ اجزاء ویسے ہی رہتے ہیں حتی کہ غذا خون نطفہ میں یہ اجزاء ہوتے ہیں انہیں اجزاء سے انسان پہلے بھی بنا تھا اور آئندہ بھی بنے گا اس لیے ہم بڈھے کو کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی ہے جو پہلے

بالشت بھر کا بچہ بلکہ نطفہ تھا وہ ہی کیسے کہا جاتا ہے انہیں اصلی اجزاء کو یہ خوب یاد رہے۔زائد اجزاء میں فرق ہوتا رہتا ہے کہ بیماری میں گل کر نکل جاتے ہیں آدمی دبلا ہوجاتا ہے، عیش میں اور اجزاء بڑھ جاتے ہیں مگر اصل اجزاء اسی طرح رہتے ہیں۔

۴؎ لہذا اگرچہ جنت میں سارے انسان جوان اور ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے، دوزخی انسان اتنا بڑا کہ اس کی ایک داڑھ پہاڑ کی برابر مگر ہوں گے وہ ہی دنیا کے انسان کیونکہ ان کے اصل اجزاء وہ ہی ہوں گے روح وہ ہی ہوگی جو دنیا میں تھی لہذا اسلام کا محشر اور ہے آریوں کا تناسخ کچھ اور، حتی کہ جو لوگ دنیا میں بندر سوئر بنادیئے گئے ان کے بھی اجزاء اصلیہ وہ ہی تھے اور روح وہ ہی تھی لہذا وہ بھی تناسخ نہیں۔

۵؎ ہمارا جسم پہلے مٹی تھا پھر دانہ بنا پھر آٹا پھر غذا پھر خون پھر نطفہ پھر گوشت کا ٹکڑا پھر یہ انسانی جسم مگر اصلی اجزاء ہر جگہ وہ ہی رہے۔شعر

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام　　ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن زمین کو سمیٹ لے گا ۱؎ اور آسمان کو اپنے داہنے ہاتھ پر لپیٹ لے گا ۲؎ پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں ۳؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ آج سائنس والے کہتے ہیں کہ اصل زمین ایک انچ کی تھی جسے پھیلا کر اتنا فراخ کردیا گیا ہے،ان کے قول پر تو یہ حدیث بالکل ہی ظاہر ہے کہ زمین جتنی پہلے تھی اتنی ہی چھوٹی سی کردی جاوے،اسلام بھی کہتا ہے کہ پہلے زمین پانی پر جھاگ تھی یہ جھاگ کعبہ معظمہ کی جگہ محفوظ ہے وہ ہی زمین کی اصل ہیں قیامت میں بھی ایسی ہی کردی جاوے گی اس کی کیفیت رب تعالٰی ہی جانے۔

۲؎ قرآن کریم میں ہے "وَ الۡاَرۡضُ جَمِیۡعًا قَبۡضَتُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطۡوِیّٰتٌۢ بِیَمِیۡنِہٖ" یہ حدیث اس آیت کا بیان ہے۔یمین کے معنی اگر داہنا ہاتھ ہے تو وہ آیت اور یہ حدیث متشابہات میں سے ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اس میں بحث نہ کرو اور اگر اس سے مراد قدرت ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ آسمان و زمین اللہ تعالٰی کی قدرت سے حقیر و ذلیل ہوں گے جیسے مٹھی کی چیز مٹھی والے کے ہاتھ میں یا ہاتھ پر لپٹی ہوئی چیز ہاتھ والے کے قبضے میں ہوتی ہے ایسے ہی آسمان و زمین اس کے قبضہ میں حقیر ہوں گے۔

۳؎ یعنی تمام بادشاہوں کی بادشاہت عارضی فانی تھی جو ختم ہوگئی ہماری بادشاہت اصلی دائمی ہے اس لیے فنا نہیں ہوئی۔خیال رہے کہ بادشاہ زمین ہی میں تھے وہ ہی تکبر و غرور کرتے تھے اس لیے الارض کی قید ارشاد ہوئی۔آسمان کی مخلوق فرشتے وغیرہ نہ بادشاہ تھے نہ متکبر انہیں علیحدہ فرمادیا،نیز صرف بادشاہوں کا ذکر فرمایا حضرات انبیاء اولیاء کا ذکر نہ فرمایا کہ ان حضرات نے تکبر کبھی نہیں کیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ دے گا ۱؎ پھر انہیں اپنے داہنے ہاتھ میں لے گا پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہوں کہاں ہیں جابر لوگ کہاں ہیں تکبر والے لوگ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں اپنے دوسرے ہاتھ میں لے گا ۳؎ پھر کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر لوگ کہاں ہیں تکبر و غرور والے لوگ ۴؎ (مسلم)	

۱؎ آسمان ایسے لپیٹے جائیں گے جیسے دفتر لپیٹ دیئے جاتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡکُتُبِ"۔

۲؎ ہاتھ سے مراد قدرت ہے،لپیٹنے سے مراد ان سب کو مسخر اور تابع فرمان بنالینا ہے اگرچہ آج بھی آسمان وزمین تابع فرمان ہیں مگر قیامت میں اس کا پورا پورا ظہور ہوگا۔آسمان کے لیے داہنا ہاتھ فرمانا اور زمین کے لیے بایاں ہاتھ فرمانا اس لیے ہے کہ آسمان پر کبھی کسی کی بادشاہت نہ ہوئی زمین پر بادشاہتیں لوگوں کی رہی ہیں اس لیے زمین کے لیے شمال فرمایا تاکہ اس کی زیادہ مقہوری ظاہر ہو۔(مرقات)کہا جاتا ہے کہ یہ کام تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یعنی نہایت معمولی ہے میرے قبضہ میں ہے۔

۳؎ یہ الفاظ اس حدیث کے زیادہ مناسب ہیں کہ اللہ تعالٰی کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں اور شمال کے جو معنی ابھی ہم نے عرض کیے اس معنی سے یہ مضمون اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ یہ فرمانا اظہار غضب کے لیے ہوگا اس وقت جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا۔حضور انور نے آج ہم کو یہ سب کچھ سنادیا تاکہ ہم لوگوں میں تکبر و غرور پیدا نہ ہو۔خیال رہے کہ ملک بمقابلہ مالک کے عظیم تر ہے مگر بعض لحاظ سے مالک عظیم تر ہے ملک سے۔مالک اور ملک کے بہت نفیس فرق ہماری تفسیر نعیمی **مالك یوم الدین** کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ یہود کا ایک بڑا عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو بولا اے محمد اللہ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں کو درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی مٹی کو ایک انگلی پر اور ساری مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا پھر انہیں ملائے گا۱؎ پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں میں اللہ ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے قول پر تعجب کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسے۲؎ پھر آپ نے تلاوت کی کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدرت نہ جانی۳؎ جو اس کا حق ہے اور زمین ساری اس کے قبضہ میں ہے قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہوئے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں،پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جسے یہ شریک ٹھہراتے ہیں۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس عالم نے غالبًا یہ مضمون توریت شریف یا کسی اور اپنی دینی کتاب سے بیان کیا ہوگا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید نہ کی بلکہ تصدیق فرمائی لہذا درست ہے۔ان چیزوں کو انگلیوں پر رکھنے سے مراد نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی تسخیر ہے یہ ہی بتانا مقصود ہے۔اردو میں کہتے ہیں کہ تم تو مجھ کو اپنی انگلیوں پر گھماتے ہو یعنی مجھ پر پورے پورے قابض ہو،تمہارے اشاروں پر میں کام کرتا ہوں لہذا یہ بالکل واضح ہے اگرچہ آج بھی ہر چیز رب کے قبضہ میں ہے مگر اس دن اس کا ظہور ہوگا۔

۲؎ اس تبسم اور تردید نہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے اس یہودی عالم کی اس بات کی تصدیق فرمادی لہذا یہ درست ہے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اور ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود نے تلاوت کی ہو اس یوپ کی تصدیق کے لیے ما قدروا اللہ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے اللہ تعالٰی کی شان نہ جانی کہ اس کی یہ قدرتیں جانتے ہوئے اس کے لیے اولاد یا شریک مانا ایسی قدرتوں والا اولاد شریک سے پاک ہے کہ اولاد اور شریک اختیار کرنا مجبوری کی بناپر ہوتا ہے فانی اور کمزور کو بقاء نسل اور دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اولاد کی ضرورت ہوتی ہے،یوں ہی شریک وہ اختیار کرتا ہے جو اکیلا کچھ نہ کرسکے۔

۴؎ زمین کے قبضہ میں ہونے اور آسمانوں کے لپٹے ہوئے ہونے کے معنی ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے کہ یہ حدیث یا تو متشابہات میں سے ہے یا یمین سے مراد قدرت ہے اور مطویات کے معنی ہیں قبضہ میں ہونا اس صورت میں معنی ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رب تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق پوچھا کہ جس دن زمین دوسری زمین سے اور آسمان بدل دیئے جائیں گے۱؎ کہ اس دن لوگ کہاں ہوں گے فرمایا پل صراط پر ۲؎ (مسلم)

۱؎ ٦ خیال رہے کہ تبدیلی ذات جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے روپیہ کو پیسوں سے بدل لیا اور صفات کی تبدیلی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے اس چھلے کو انگوٹھی سے بدل لیا یعنی اسے پگھلا کر انگوٹھی کی شکل میں بنالیا۔قیامت کے دن تبدیلی زمین و آسمان کے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ زمین و آسمان کی ذات بدل دی جاوے گی کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کے کردیئے جائیں گے۔دوسرے یہ کہ ذات تو یہ ہی رہے گی مگر ان کے اوصاف بدل دیئے جائیں گے کہ زمین میں نہ پہاڑ رہیں گے،نہ غار،نہ دریا نہ نہریں،ساری زمین روئی کی طرح صاف ہوجاوے گی،پہلا احتمال قوی ہے کہ ذات ہی بدل دی جاوے گی۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ سوال کا مقصد یہ ہے کہ زمین بدلنے کی حالت میں زمین پر رہنے والے انسان کہاں جائیں گے وہ اس پر تو رہ نہیں سکتے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المؤمنین تبدیلی ذات ہی سمجھی ہیں حضور انور نے بھی اس کی تائید کی کہ فرمایا ہاں واقعی اس وقت لوگ اس زمین پر نہ ہوں گے بلکہ پل صراط پر ہوں گے۔(مرقات) یا کسی اور راستے پر ہوں گے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورج و چاند قیامت کے دن سیاہ کردیئے جائیں گے ۱؎ (بخاری)

۱؎ مکوران کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ ان دونوں کو ایسا لپیٹ دیا جاوے گا جیسے گیلا دھلا کپڑا لپیٹ کر گھر کے گوشہ میں ڈال دیا جاتا ہے،دوسرے یہ کہ چاند سورج بے نور کردیئے جائیں گے مگر سورج کی گرمی باقی رہے گی۔چنانچہ میدان حشر میں تجلی نور الٰہی کی ہوگی گرمی سورج کی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا" غرضکہ عجیب نظارہ ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم نے کہ میں کیسے خوشی کروں حالانکہ صور والا فرشتہ ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اور اپنے کان لگائے ہوئے ہے [1] اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے ہے انتظار کر رہا ہے کہ کب پھونکنے کا حکم دیا جاوے [2] لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں [3] فرمایا کہو ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے [4] (ترمذی)

[1] یعنی میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت اسرافیل منہ میں صور لیے عرش اعظم کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم ملے اور میں بلا تاخیر صور پھونک دوں، جب میری آنکھیں یہ نظارہ کر رہی ہیں تو میرے دل کو چین و خوشی کیسے ہو، ادھر خوف لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کی نظریں سب کچھ دیکھتی ہیں۔ شعر

اے فروعنت صبح آثار ودھور　　　چشم تو بینندہ ما فی الصدور

خیال رہے کہ یہ فرمان عالی اظہارِ خوف و خشیت کے لیے ہے اس لیے نہیں کہ ابھی صور پھونک جانے قیامت آجانے کا اندیشہ ہے قیامت تو اپنے وقت پر آوے گی اس سے پہلے بہت سی علامات ہوں گی خروج دجال، نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آندھی بادل آنے پر سرکار پر خوف کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے ہیبت الٰہی کی وجہ سے اس لیے نہیں کہ عذاب الٰہی آنے کا اندیشہ ہے، رب تعالیٰ وعدہ فرماچکا ہے کہ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ"۔

[2] کان لگانا، سر جھکانا تیار رہنے کی علامت ہے۔ خیال رہے کہ یہ تیاری قیامت کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بندہ وقت سے پہلے کام کے لیے تیار رہتا ہے۔

[3] یعنی ہم قیامت قائم ہونے پر یا مصیبتوں پر یا ہر وقت یا اب ہمارے دلوں پر بہت گھبراہٹ ہے کیا کریں کون سا عمل کریں جس سے دل کو چین ہو آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔

[4] خیال رہے کہ یہ کلمات بڑے مبارک ہیں۔ جب حضرت خلیل اللہ نمرود کی آگ میں جارہے تھے تو آپ کی زبان شریف پر یہ ہی کلمات تھے اور جب صحابہ کرام کو خبر پہنچی کہ کفار ہمارے مقابلہ کے لیے بڑی تعداد میں جمع ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی یہ ہی کلمات کہے، یہ کلمات مصیبتوں تکلیفوں میں بہت ہی کام آتے ہیں۔ (مرقات) ہر مصیبت میں یہ کلمات پڑھنے چاہئیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جاوے گا [1] (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

[1] رب جانے کہ وہ سینگ کتنا بڑا ہے اس کا سرا جو منہ میں لیا جاوے گا اس کی فراخی آسمان کے برابر ہے۔ (مرقات) قیامت میں یہ دو بار پھونکا جاوے گا ایک بار دنیا کو فنا کرنے کے لیے دوبارہ مردے زندہ کرنے کے لیے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایاآپ نے رب تعالٰی کے اس قول کی تفسیر میں "فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ "فرمایاصور ہے ۱؎ اور راجفہ پہلی بار پھونکناہے اور رادفہ دوسری پھونک ۲؎(بخاری ایک باب کے عنوان میں)	

۱؎ یعنی اس آیت کریمہ میں ناقور کے معنی ہیں صور اور نقر کے معنی صور میں پھونکنا لہذا آیت کے معنی ہوئے جب صور میں پھونکا جاوے گا۔ناقور کے لغوی معنی ہیں کریدنے والا کھودنے والا،چونکہ صور دوبارہ پھونکنے پر قبریں اکھیڑ کر مردے باہر ہوجائیں گے اس لیے ناقور کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی قرآن مجید کا فرمان "یَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ تَتۡبَعُہَا الرَّادِفَۃُ" میں راجفہ سے مراد صور کا پہلا نفخہ ہے اور رادفہ سے مراد دوسرا نفخہ۔راجفہ بنا ہے رجف سے بمعنی کانپنا تھرتھرانا،رادفہ کے معنی ہیں پیچھے آنے والا،چونکہ پہلے نفخہ پر تمام زمین آسمان تھرتھرا کر پھٹیں گے اس لیے اس کا نام راجفہ ہے دوسرا نفخہ اس کے بعد ہے لہذا وہ رادفہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے صور والے کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ان کی داہنی طرف حضرت جبریل ہیں اور ان کی بائیں طرف جناب میکائیل ۱؎	

۱؎ یعنی جس وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور حضرت میکائیل علیہ السلام بائیں طرف اس حالت میں آپ صور پھونکیں گے اس کی وجہ رب تعالٰی ہی جانے۔

روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ خدا تعالٰی مخلوق کو کیسے لوٹائے گا اور اس کی خلقت میں اس کی نشانی کیا ہے ۲؎ فرمایا کیا تم اپنی قوم کے جنگل میں خشک سالی میں نہیں گزرے تھے وہاں اس وقت نہ گزرے جب سبزہ سے لہلہا رہی ہیں میں نے عرض کیا ہاں فرمایا تو یہ اللہ کی نشانی ہے اس کی مخلوق ہیں اسی طرح اللہ مردے زندہ کردے گا ان دونوں کو رزین نے روایت کیا ۳؎	

۱؎ آپ کا نام لقیط ابن عامر ہے،طائف والوں سے ہیں،مؤلف نے آپ کا ذکر اسماء الرجال میں نہیں کیا۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی دنیاآخرت کا نمونہ ہے آخرت میں مرے ہوئے لوگ زندہ کیے جاویں گے اس کی مثال دنیا میں کیا ہے جسے ہم اس کی دلیل بناسکیں۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ دلیل ہے کہ خشک زمین میں بارش سے تر ہوکر سوکھے سبزہ کے ریزہ دوبارہ ہرے ہوجاتے ہیں ایسے ہی صور کی آواز سے مردوں میں جان بھی پڑ جاوے گی،قرآن مجید میں اسی مثال سے قیامت میں اٹھنے کو سمجھایا گیا ہے،دنیا کی چیزیں عالم غیب کی دلیلیں ہیں ان میں غور کرنا ضروری ہے۔

باب الحشر

حشر کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ قیامت کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام حشر بھی ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا یا جمع ہونا اسے حشر یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن سارے اولین و آخرین ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہوجائیں گے بخلاف دنیا کے،یہاں مختلف جگہ میں لوگ پیدا ہوتے مرتے رہتے ہیں یا اس لیے کہتے ہیں کہ اسی دن ہر شخص اپنے اعمال اپنے احباب کے ساتھ جمع ہوگا،مؤمن مؤمنین کے ساتھ،کافر کفار کے ساتھ **المرء مع من احب** اس دن محبت جامع ہوگی۔ قیامت تک کے حضور کے شیدائی ان شاءاللہ حضور کے ساتھ ہوں گے۔اس کا مقابل ہے **نشر** بمعنی بکھیرنا یا جدا ہونا،جداکرنا،چونکہ قیامت میں بعض وقت لوگ جمع ہوں گے،بعض وقت ایک دوسرے سے الگ بلکہ بیزار اس لیے اسے یوم حشرونشر کہتے ہیں"**یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ وَ اُمِّہٖ وَ اَبِیۡہِ**"اس لیے اسے **یوم الفصل** بھی کہتے ہیں کہ اس دن مؤمن و کافر الگ الگ کردیئے جاویں گے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ قیامت کے دن اس سفیدہ زمین میں جمع کیے جائیں گے۱؎ جو میدہ کی روٹی کی طرح ہے۲؎ جس میں کسی کا نشان نہ ہوگا۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ **بیضاء** بمعنی سفید،**عفراء** بمعنی مائل بہ سرخی یعنی زمین ہوگی تو سفید مگر خالص تیز سفید نہ ہوگی بلکہ سفیدی میں سرخی کی جھلک ہوگی۔

۲؎ **قرصة** بمعنی ٹکیہ یا روٹی،یہ **قرص** سے بنا ہے،شیخ سعدی نے گلستان میں فرمایا شعر

قرص خورشید در سیاہی شد　　　　　یونس اندر دہان ماہی شد

نقی بمعنی میدہ،**قرصة** میں ت وحدت کی ہے یعنی ایک روٹی۔

۳؎ یعنی اس دن ساری روئے زمین پر نہ کسی کا مکان ہوگا،نہ باغ،نہ کھیت،نہ غار،نہ پہاڑ،صاف شفاف میدان ہوگا جس میں نہ کسی کو ٹھوکر لگے نہ کوئی غار میں گرے۔سب کی نظریں آسمان کی طرف ہوں گی اور زمین طے کرتے ہوں گے،اس طرح سب زمین شام تک پہنچیں گے جہاں قیامت کا اجتماع ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہوجاوے گی جسے اللہ تعالٰی اپنے دست قدرت سے تیار کرے گا۱؎ جیسے تم میں سے کوئی سفر میں اپنی روٹی تیار کرتا ہے جنت والوں کی مہمانی کے لیے۲؎ پھر ایک یہودی شخص حاضر ہوا بولا اے ابوالقاسم اللہ آپ پر برکت نازل کرے کیا میں آپ کو جنتیوں کی مہمانی جو قیامت کے دن ہوگی اس کے متعلق خبر نہ دوں۳؎ فرمایا ہاں،بولا زمین ایک روٹی ہوجاوے گی جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا پھر تبسم فرمایا حتی کہ آپ کی کیلیں مبارک نمودار ہوگئیں۴؎ پھر بولا کیا میں آپ کو ان کے سالن کی خبر نہ دوں بالام اور مچھلی۵؎ صحابہ نے کہا وہ کیا چیز ہے بولا بیل اور مچھلی کہ ان دونوں کی کلیجی کے ٹکڑے سے ستر ہزار کھائیں گے۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ساری زمین کو رب تعالٰی صرف کلمہ کن سے بغیر واسطہ فرشتہ روٹی بنادے گا،چونکہ روٹی ہاتھ سے پکتی ہے اس لیے یہاں یہ ارشاد ہوا مراد دست قدرت ہے۔ظاہر یہ ہے کہ حدیث شریف اپنے ظاہری معنی پر ہے واقعی یہ زمین روٹی میں تبدیل ہوجائے گی جو جنتیوں کو اولًا ہی کھلا دی جائے گی۔زمین سے یہ پھل پھول،میوہ پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس روٹی میں یہ سارے مزے ہوں گے اگرچہ کڑوی زہریلی خاردار چیزیں بھی زمین سے ہی نکلتی ہیں مگر ان کی آمیزش اس روٹی میں بالکل نہ ہوگی۔کریلے کڑواہٹ نکال کر پکائے جاتے ہیں،کوار گندل کا جب حلوہ بناتے ہیں تو اس کی کڑواہٹ دور کردیتے ہیں۔

۲؎ یعنی جنتیوں کو پہلے یہ غذا دی جاوے گی پھر وہ غذا سے مستغنی ہوں گے پھل فروٹ لذت کے لیے کھایا کریں گے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ کلام شریف بطور تشبیہ ہے کہ روٹی قدرتی ہوگی مگر زمین کی سی ہوگی،ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ قیامت کے بعد اس زمین اور سمندر کو آگ سے پُرکردیا جاوے گا اور دوزخ کے ساتھ اسے ملادیا جائے گا۔

۳؎ یعنی ہماری توریت شریف میں اہلِ جنت کی پہلی غذا کے متعلق جو لکھا ہے کیا میں حضور کی خدمت میں عرض کروں۔معلوم ہوا کہ وہ یہودی ادب والا تھا کہ حضور سے اجازت لے کر کچھ سنا رہا ہے،بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کرنا ہی ادب کا تقاضا ہے۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم خوشی کے طور پر تھا کہ حضور کے فرمان عالی کی تصدیق ایک یہودی عالم نے کردی۔معلوم ہوا کہ توریت و انجیل کی وہ باتیں جو اسلام کے موافق ہوں قبول کی جاسکتی ہیں اسلام کی تائید کے لیے نہ کہ محض ان کی تصدیق کے لیے۔

۵؎ بالام عبرانی زبان کا لفظ ہے،بمعنی بیل یا گائے،چونکہ حضرات صحابہ اسے سمجھے نہیں اس لیے اس نے ترجمہ کیا۔

٦؎ ستر ہزار سے مراد بے حساب بے اندازہ لوگ ہیں یا ستر ہزار وہ حضرات ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے سب سے پہلے جائیں گے انہیں یہ غذا دی جائے گی۔(مرقات)شاید یہ بیل وہ ہوگا جس پر زمین قائم ہے اور مچھلی وہ جس پر بیل قائم ہے۔زائدۃ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ ستر ہزار جنتی اس بیل کی پوری کلیجی نہ کھائیں گے بلکہ کلیجی کا اوپر والا حصہ اسی سے سب سیر ہوجائیں گے۔خیال رہے کہ یہ غذا جنت میں آگ سے نہ پکے گی کہ وہاں آگ نہیں بلکہ قدرتی طور پر پکی ہوئی ہوگی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانی دسترخوان میں بھونی ہوئی مچھلی اور روٹی آسمان سے اتری تھی۔یہ بھی خیال رہے کہ اہلِ جنت اس کے بعد پھر کبھی غذا نہ کھائیں گے آئندہ پھل ہی کھایا کریں گے صرف لذت کے لیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تین طریقوں سے جمع کیے جائیں گے ۱؎ رغبت کرتے خوف کرتے ۲؎ اور دو ایک اونٹ پر ۳؎ اور تین ایک اونٹ پر اور چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ پر ۴؎ باقیوں کو آگ جمع کرے گی ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی جہاں وہ لوگ قیلولہ کریں گے اور رات گزاریں گے اور ان کی ساتھ صبح کرے گی جہاں صبح کریں گے اور ان کے ساتھ شام کریں گے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی مردے زندہ ہوکر اپنی قبروں سے میدان قیامت کی طرف تین طرح جائیں گے،اس دراز راستہ کو تین طریقہ سے طے کریں گے۔ان طریقوں کا ذکر اگلی حدیثوں میں آرہا ہے کہ بعض تو سواریوں پر،بعض پیدل اور بعض منہ کے بل گھسٹتے۔

۲؎ یہ ان طریقوں کا بیان نہیں بلکہ اس کے علاوہ دوسرے حالات کا بیان ہے کہ حضرات اولیاء اللہ تو خوشی خوشی راغب ہو کر جائیں گے جن کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" اور فرماتا ہے:"لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ"اور فرمایا:"يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا"۔ان حضرات پر قیامت کی گھبراہٹ بالکل طاری نہ ہوگی۔رہے خائفین یہ وہ لوگ ہیں جو گنہگار ہیں ان کی بخشش کی امید ہے۔**خوف** سے مراد پکڑے جانے کا خوف ہے،پہلے لوگ طیارین ہیں دوسرے سیارین۔

۳؎ واثنان کا واؤ حالیہ ہے یہ راغبین راھبین کی ضمیر سے حال ہے۔

۴؎ یہ اونٹ قربانی کے جانور نہ ہوں گے بلکہ قدرتی ہوں گے اور ان میں سے ایک ایک پر چند کا سوار ہونا یا تو اجتماعًا ہوگا کہ سب یک دم اس پر سوار ہوں گے یا باری باری والے کہ ایک سوار ہوگا باقی پیدل چلیں گے پھر دوسرے کی باری،جتنا درجہ زیادہ اتنی ہی شرکت تھوڑی ہوگی۔

۵؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس حشر سے مراد وہ اجتماع ہے جو قیامت سے پہلے ہوگا کہ لوگ اپنی زندگی میں زمین شام میں پہنچ جائیں گے اور اس طرح پہنچیں گے مگر ترجیح اس کو ہے کہ یہ حشر قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا جو کہ علاوہ شام کے اور زمین میں دفن ہوئے ان کو میدان حشر میں ان طریقوں سے پہنچایا جائے گا۔(اشعہ،مرقات)خیال رہے کہ یہاں محشر تک جانے کا ذکر ہے اور اگلی حدیث میں قبروں سے اٹھنے کا تذکرہ لہذا مطلب واضح ہےاس کے متعلق اور بہت قول ہیں۔اس جگہ صبح شام سے مراد حقیقی صبح و شام نہیں بلکہ اتنا وقت مراد ہے کیونکہ اس دن رات و دن صبح شام نہ ہوں گے،یہاں مرقات نے بہت تحقیق کی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ تم حشر کیے جاؤ گے ننگے پاؤں،ننگے بدن بے ختنہ۱؎ پھر آپ نے تلاوت فرمائی کہ جیسے ہم نے اولاد پیدائش کی ابتداء کی تھی ویسے ہی لوٹائیں گے ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے ہم کرنے والے ہیں۲؎ اور پہلے جسے لباس پہنایا جاوے گا قیامت کے دن وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۳؎ اور میرے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ بائیں طرف پکڑ لیے جائیں گے۴؎ تو میں فرماؤں گا کہ میرے ساتھ والے ہیں میرے ساتھ والے۵؎ تو کہیں گے کہ یہ لوگ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے اپنی ایڑیوں پر لوٹے رہے۶؎ تو جو اس نیک بندے نے کہا ہے وہ ہی میں کہوں گا کہ میں ان کا ذمہ دار نگران تھا جب میں ان میں رہا **عزیز الحکیم** تک۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس فرمان عالی میں **انکم** فرماکر بتایا گیا کہ تم عوام لوگ اس حالت میں اٹھو گے ننگے بدن،ننگے پاؤں،بے ختنہ مگر تمام انبیاءکرام اپنے کفنوں میں اٹھیں گے حتی کہ بعض اولیاء اللہ بھی کفن پہنے اٹھیں گے تاکہ ان کا ستر کسی اور پر ظاہر نہ ہو۔جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں قبر انور سے اُٹھوں گا اور فورًا مجھے جنتی جوڑا پہنادیا جاوے گا لہذا یہاں اس فرمان عالی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء،بعض اولیاء مستثنٰی ہیں۔(مرقات،اشعہ)اس لیے یہاں **انتم** فرمایا **نحن** نہیں فرمایا یہ خوب خیال رہے۔

۲؎ یعنی جیسے تم اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے ایسے ہی اپنی قبروں کے پیٹ سے اٹھو گے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ننگے نہیں پیدا ہوئے تھے حریر میں لپٹے ہوئے پیدا ہوئے۔شعر

آنکھوں میں سرمہ بالوں میں شانہ دیا ہوا   لپٹے ہوئے حریر میں ختنہ کیا ہوا

حضور فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکروعمر کے ساتھ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھیں گے،پھر جنت البقیع والوں کا انتظار فرمائیں گے،پھر مکہ معظّمہ والے جنت معلٰی کے مردوں کا،پھر محشر کی طرف اس برات کے ساتھ جائیں گے ایسی حالت میں حضور بغیر لباس کیسے ہوسکتے ہیں۔(مرقات)

۳؎ یعنی کفن اتارکر جنتی جوڑا پہلے حضرت خلیل اللہ کو پہنایا جاوے۔یا تو اس حکم سے حضور علیحدہ ہیں متکلم مستثنٰی ہوتا ہے یا یہ بدلہ ہے اس کا کہ نمرودی آگ میں جاتے وقت آپ کے کپڑے اتار لیے گئے تھے یہ خصوصی فضیلت ہے۔(مرقات)نیز آپ ننگوں کو کپڑے پہناتے تھے،نیز آپ حضور انور کے جدامجد ہیں ان وجوہ سے آپ کا یہ اکرام فرمایا گیا۔

۴؎ اصیحاب تصغیر ہے اصحاب کی،یہاں شرعی صحابہ مراد نہیں کہ شرعًا صحابی وہ ہیں جنہیں بحالت ایمان حضور انور کی صحبت نصیب ہو اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو بلکہ لغوی اصحاب مراد ہیں یعنی میرے پاس بیٹھنے والے لوگ۔یہ وہ لوگ ہیں جو حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد مرتد ہوگئے تھے جیسے منکرین زکوۃ یا مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آنے والے بن گئے تھے،خوارج کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت علی و فاطمہ ہیں،روافض کہتے ہیں کہ ان سے مراد سواء تین چار شخصوں کے باقی تمام صحابہ ہیں جیسے ابوبکر صدیق وغیرہم،دونوں فرقے جھوٹے ہیں اگر حضرت علی یا صدیق اکبر مرتد ہیں تو دنیا میں مسلمان کوئی نہیں رہ سکتا کہ ہم تک حضور کا دین پہنچانے والے تو وہ ہی حضرات ہیں۔

۵؎ یعنی یہ لوگ میرے ساتھی ہیں انہیں میرے پاس آنے دو،حضور انور کا یہ فرمان عالی بطور عتاب ہوگا جیسے رب تعالٰی دوزخی کافر سے فرمائے گا:"ذُقۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ"اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کو اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی،یہاں تو بتارہے ہیں وہاں کیسے بھول جائیں گے،نیز قیامت میں کافر و مؤمن چہروں اور دوسری علامات سے پہچانے جائیں گے،رب فرماتاہے:"یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰھُمۡ"نیز دوسری روایت میں ہے اعرفھم ویعرفوننی میں انہیں پہچانتا ہوں وہ مجھے جانتے ہیں لہٰذا اس فرمان عالی سے وہابی حضور کی بے علمی پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۶؎ یعنی یہ لوگ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد یا منکر زکوۃ ہوکر یا مسیلمہ کذاب کے امتی بن کر مرتد ہوگئے تھے۔فرشتوں کا یہ عرض کرنا ان مردودوں کو رسوا کرنے کے لیے ہوگا نہ کہ حضور انور کو مطلع کرنے کے لیے،حضور کو رب نے ہر غیب پر مطلع فرمادیا۔شعر

خدا مطلع ساخت برجملہ غیب	علی کل شیئ خبیر آمدی

جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت صدیق و فاروق ہوں گے وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر صدیق وفاروق مرتد ہیں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر لینے والے اہلِ بیت اطہار پر کیا فتویٰ ہوگا،امام حسین نے یزید فاسق کی بیعت نہ کی تو ان حضرات نے حضرت صدیق اکبر و فاروق کی کیوں کرلی۔

۷؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی اپنی بیزاری ظاہر فرمانے کے لیے ہے یعنی جب تک میں ان میں رہا ان کی نگرانی کرتا رہا،انہیں کفر سے بچاتا رہا،میری وفات کے بعد میری نگرانی ختم ہوگئی پھر تو جانے وہ جانے۔یہ عرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائی کفار کے متعلق کریں گے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح عرض کریں گے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں،ننگے بدن،بے ختنہ جمع کیے جائیں گے۱میں نے عرض کیا یارسول اللہ مرد و عورتیں سارے بعض بعض کو دیکھیں گے۲تو فرمایا اے عائشہ وہ حال اس سے سخت تر ہوگا کہ بعض بعض کی طرف نظر بھی کریں۳ (مسلم،بخاری)	

۱ ناس فرماکر بتایا کہ یہ حالت عام لوگوں کی ہوگی حضرات انبیاء و خاص اولیاء کی یہ حالت نہیں جیساکہ پہلے عرض کیا گیا،نیز جنات جانوروں کے جمع ہونے کی اور نوعیت ہوگی وہ بھی الناس سے خارج ہیں۔

۲یعنی رب تعالٰی پاکباز نیک بی بیوں کی بے پردگی کیوں فرمائے گا،وہ مردوں کے سامنے صرف بے پردہ ہی نہیں بلکہ ننگی ہوں،بڑا پیارا سوال ہے۔خیال رہے کہ ازواج پاک اور فاطمہ زہرہ باپردہ اٹھیں گی جیساکہ عرض کیا گیا کہ وہ خاص اولیاء اللہ میں داخل ہیں۔

۳یعنی اس دن جلال و ہیبت حجاب بن جاوے گی کوئی کسی کو نہ دیکھے گا،سب کی نظر آسمان پر ہوگی قدم زمین پر، آج بھی بڑی آفت میں سامنے والا آدمی پاس کی چیز نظر نہیں آتی۔

روایت ہے حضرت انس سے ایک شخص نے عرض کیا یا نبی اللہ قیامت کے دن کافر اپنے چہرے کے بل کس طرح محشر میں لایا جائے گا۱فرمایا کہ جس نے دنیا میں دو پاؤں پر چلایا وہ اس پر قادر نہیں کہ اسے قیامت کے دن اس کے منہ کے بل چلائے۲(مسلم،بخاری)	

۱ ان صاحب نے یہ سوال جب کیا جب کہ حضور انور نے خبر دی کہ کفار اپنے قبروں سے زمین حشر تک منہ کے بل گھسٹتے یا رینگتے ہوئے جائیں گے۔

۲یعنی اللہ تعالٰی کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ اس دن کفار کو سانپ کی طرح رینگتا ہوا زمین شام تک لے جاوے اس پر شبہ یا تعجب نہ کرو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حضرت ابراہیم اپنے باپ آزر سے قیامت کے دن کہیں گے آزر کے منہ پر سیاہی اور مٹیلا رنگ ہوگا۱اس سے ابراہیم فرمائیں گے کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر ان کا باپ کہے گا کہ اب میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۲جناب ابراہیم کہیں گے اے رب تو	

نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جس دن لوگ اٹھائیں جائیں گے تو مجھے رسوا نہ کرے گا تو میری ہلاکت والے باپ سے بڑھ کر کون سی رسوائی بڑی ہے۳؎ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کفار پر جنت حرام کردی ہے۴؎ پھر حضرت ابراہیم سے کہا جاوے گا کہ تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے وہ دیکھیں گے۵؎ کہ وہ ایک لتھڑے ہوئے بھیڑیئے پر ہے۶؎ پھر آزر کے ہاتھ پاؤں پکڑ لیے جائیں گے اسے آگ میں ڈال دیا جاوے گا۷؎ (بخاری)	

۱؎ تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے،قرآن کریم یا حدیث شریف میں اسے باپ کہنا مجازاً ہے،ان کے والد کا نام تارخ ہے وہ مؤمن موحد تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ سارے ہی مؤمن موحد ہیں کوئی مشرک کافر زانی نہیں،یہ نسب پاک ان دونوں عیبوں سے منزہ ہے۔قیامت کے دن کفار کے چہرے کالے ہوں گے،مؤمنوں کے منہ اجیالے،یہ چہروں کے رنگ دلوں کے رنگ کے مطابق ہوں گے،حضرت بلال کا حسن وہاں دیکھنا ان شاءاللہ۔یہاں باپ کہہ کر آزر فرمادیا گیا تاکہ کوئی حقیقی والد نہ سمجھ لے چچا ہی سمجھے۔(اشعہ)

۲؎ آزر یہ الفاظ بطور توبہ کہے گا کہ میں نے گزشتہ زمانہ میں غلطی کی اب ہر طرح تمہاری اطاعت کروں گا مجھے بچالو مگر توبہ کی جگہ دنیا ہے اس لیے اب یہ سب کچھ بے کار ہوگا۔

۳؎ یعنی آزر کا دوزخ میں جانا میرے لیے بدنامی کا باعث ہے تو اسے بخش دے۔**ابعد** فرماکر یہ بتایا کہ یہ تیری رحمت سے یا مجھ سے بہت دور رہا،متقی مؤمن اللہ سے نبی سے قریب ہے "اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ"۔اور گنہگار مؤمن ان سے کچھ دور ہے مگر کافر ان سے بہت ہی دور ہے کہ عملاً بھی دور ہے عقیدۃً بھی دور،یا یہ مطلب ہے کہ یہ میری محبت سے دور ہے مجھے اس سے محبت نہیں بلکہ اپنی بدنامی کا خوف ہے،قیامت میں کسی مسلمان کو کسی کافر قرابتدار سے مطلقًا محبت نہ ہوگی۔

۴؎ یعنی اے میرے پیارے خلیل اس کے دوزخی ہونے میں آپ کی رسوائی قطعًا نہیں،اگر یہ مؤمن متقی ہوتا پھر دوزخی ہوتا تو آپ کی بدنامی ہوتی کہ نبی کی خبر غلط نکلی انہوں نے متقی مؤمنوں سے جنت کا وعدہ کیا تھا غلط ہوا یہ تو اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جارہا ہے نہ کہ آپ کا عزیز قریبی ہونے کی وجہ سے،یہ ہے رب تعالیٰ کا کرم اپنے خلیل پر۔

۵؎ معلوم ہوا کہ حضرت خلیل کی نگاہ بچاکر آزر کو دوزخ میں پھینکا جائے گا آپ کے سامنے نہیں،اس میں بھی جناب خلیل اللہ کا احترام ہے،یا یہ مطلب ہے کہ حضرت خلیل خود آزر کو اپنے پاؤں کے نیچے دیکھیں گے یہ ہی ظاہر ہے۔

۶؎ **ذیخ** کا ترجمہ ہے بھیڑیا،**متلطح** بمعنی لتھڑا ہوا گارے کیچڑ وغیرہ میں یعنی اب حضرت خلیل دیکھیں گے کہ آزر بجائے شکل انسانی کے بھیڑیئے کی شکل میں ہے ڈراؤنا ہیبت ناک اور وہ بھی کیچڑ میں لتھڑا ہوا گھناؤنا،اس حالت کو دیکھ کر

آپ کے دل میں سخت نفرت پیدا ہوگی۔خیال رہے کہ وہاں شکلوں پر دلوں کا حال نمودار ہوگا،چونکہ آزر دنیا میں حضرت ابراہیم کے لیے بھیڑیا موذی تھا اور اس کا دل کفر میں لتھڑا ہوا تھا اس لیے اس کی شکل یہ ہوگی۔

ے خیال رہے کہ اس واقعہ میں نہ تو حضرت خلیل نے آزر کی شفاعت فرمائی اورنہ رب تعالٰی نے آپ کی شفاعت روکی بلکہ آپ نے اپنی عزت کا سوال فرمایا،رب تعالٰی نے آپ کو مطمئن فرماکر آپ کی عزت کی حفاظت فرماکر آزر کو اس کے اصلی روپ میں دکھا کر حضرت خلیل اللہ کو اس سے متنفر فرماکر اسے دوزخ میں ڈالا۔لہٰذا حدیث شریف پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ نبی نے کافر کی شفاعت کیوں فرمائی،نہ یہ کہ نبی کی شفاعت منظور کیوں نہ ہوئی۔آپ نے اس کی شفاعت یا دعا کا ایک لفظ بھی یہاں نہ فرمایا اپنے متعلق عرض کیا جیسے حضرت نوح نے کنعان بیٹے کے متعلق فرمایا تھا"اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ" یہ شفاعت نہ تھی بلکہ ایک مسئلہ کا جواب پوچھنا تھا کہ اگر کفار مجھ پر یہ سوال کریں تو میں کیا جواب دوں اسی لیے کنعان کے ڈوبنے کے چھ ماہ بعد یہ عرض کیا جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگ پسینہ پسینہ ہوجائیں گے حتی کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز چلا جاوے گا اور ان کی لگام بن جاوے گا حتی کہ ان کے کانوں تک پہنچ جاوے گا ۱(مسلم،بخاری)

۱ یہ حال ان لوگوں کا ہوگا جنہیں عرش اعظم کا سایہ میسر نہ ہوگا،سایہ والے لوگ بڑے آرام سے ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے،وہاں پسینہ کیسا عادل بادشاہ،جوان صالح،اکیلے میں اپنے گناہ یاد کرکے رونے والاعرش کے سایہ میں ہوں گے،پھر اولیاء انبیاء کا کیا پوچھنا دنیا ان کے سایہ میں ہوگی وہ خود سایہ ہوں گے۔شعر

امی و دقیقہ داں عالم　　　　بے سایہ و سائبان عالم

یہ پسینہ سورج اور دوزخ کی گرمی،انتہائی پریشانی وفکر اور ندامت کی وجہ سے ہوگا۔(مرقات)اور مطابق اپنے اعمال کے ہوگا زیادہ گناہ کیے تو پسینہ زیادہ۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر ایک کا پسینہ الگ ہوگا دوسروں کے پسینہ سے مل کر دریا نہ بنے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی سے پانی میں طاق بن گیا،بعض نے فرمایا کہ تمام پسینوں کا دریا بن جاوے گا مگر یہ دریا کسی کے ٹخنوں تک،کسی کے منہ تک جیسے ایک ہی قبر میں مؤمن مردہ جنت میں ہے،کافر مردہ دوزخ میں،ایک چار پائی پر دو آدمی سورہے ہیں ایک اچھی خواب سے خوش ہے دوسرا بری خواب سے پریشان۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت مقداد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن سورج مخلوق سے قریب کردیا جاوے گا حتی کہ ان سے میل کی مقدار رہ جاوے گا ۱ تو لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے ۲ بعض وہ ہوں گے کہ ان کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا،بعض وہ جن کے گھٹنوں تک ہوگااور بعض وہ جن

کی کمر تک ہوگا اور ان میں بعض وہ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بن جاوے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ شریف سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۳؎ (مسلم)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ میل سے مراد راستہ کا میل ہے کوس کا تہائی حصہ،آج کل ہمارے ہاں آٹھ فرلانگ کا میل ہوتا ہے،عرب میں پانچ فرلانگ کا جسے کیلو کہتے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں میل سے مراد سرمہ کی سلائی ہے بہرحال ہوگا نہایت ہی قریب۔

۲؎ اعمال سے مراد گناہ ہیں یعنی بداعمال خواہ کفر ہو یا دوسرے گناہ اس پسینہ کی تحقیق ابھی ابھی ہوچکی۔

۳؎ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس پسینہ میں ڈوبا نہ ہوگا،بعض قریب ڈوبنے کے ہوں گے،اس اختلاف حال کی وجہ ابھی کچھ پہلے عرض کردی گئی۔خیال رہے کہ **فم** منہ کو کہتے ہیں اور **وجہ** چہرہ کو،فی بنا ہے **فم** سے بمعنی منہ۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرمائے گا اے آدم وہ عرض کریں گے حاضر ہوں خدمت گزار ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے۱؎ فرمائے گا آگ کا حصہ نکالو۲؎ عرض کریں گے آگ کا حصہ کیا ہے فرمائے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے۳؎ تو اس وقت بچے بڈھے ہوجائیں گے اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی۴؎ اور تم لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۵؎ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ ایک ہم میں سے کون ہوگا۶؎ فرمایا خوش ہوجاؤ کہ تم میں سے ایک شخص اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار۷؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگ جنتیوں کے چوتھائی ہوگے تو ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کے تہائی ہوؤ گے ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں میں آدھے ہو گے۸؎ ہم نے تکبیر کہی۹؎ پھر فرمایا تم لوگوں میں نہیں مگر ایسے جیسے سفید بیل کی کھال میں ایک کالا بال یا جیسے کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال۱۰؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ فرمان عالی قیامت کے دن ہوگا حساب سے پہلے،شاہی آستانہ کا ادب یہ ہے کہ نداء کے جواب میں صرف بلٰی یا لبیك نہ کہا جاوے بلکہ اپنی وفاداری،سلطان کی اور دربار کی خدمت گزاری کا بھی ذکر کیا جائے،بادشاہ کی تعریف بھی کی جاوے۔

۲؎ یعنی اپنی اولاد میں سے کفار کو جو آگ کا حصہ ہیں مؤمنین سے الگ کرو۔معلوم ہوا کہ یہ چھانٹ حضرت آدم علیہ السلام سے کرائی جاوے گی۔

۳؎ یہاں فی ہزار ایک جنتی فرمایا گیا باقی دوزخی،حضرت ابوہریرہ کی روایت فی سینکڑہ ایک جنتی تھا باقی دوزخی،اس فرق کی چند وجہ ہوسکتی ہیں: یا تووہاں یاجوج ماجوج کے سواء کے باقی انسانوں کا ذکر تھا اور یہاں مع یاجوج ماجوج کا ذکر ہے،یا وہاں صرف کفار کا ذکر تھا جو ہمیشہ کے دوزخی ہیں اور یہاں کفار اور مؤمن گنہگار سب شامل ہیں۔مؤمن گنہگار عارضی دوزخی ہیں یا وہاں صرف انسان کفار کا ذکر تھا یہاں جن و انس سارے کافروں کا ذکر ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عدد کثرت و زیادتی بیان کرنے کے ہوں خاص تعداد مراد نہ ہو جیسے ہم کہتے ہیں جلسہ میں بیسیوں آدمی تھے۔

۴؎ یعنی اگر اس دن نومولود بچے اور عورتوں کے حمل ہوتے تو اس صدمہ سے بچے تو بڈھے ہوجاتے اور عورتیں حمل گرادیتیں اس فرمان کی دہشت سے۔

۵؎ یہاں حقیقت مراد ہے یعنی یہ سن کر لوگوں کے ہوش اڑ جاویں گے جیسے انہوں نے نشہ پیا ہے مگر یہ نشہ نہ ہوگا ہیبت الٰہی ہوگی۔اس سے بھی حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ علیحدہ ہیں اور تمہیں اس دن نہ گھبراہٹ ہوگی نہ خوف،رب فرماتاہے:"لَا یَحۡزُنُہُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ"اور فرماتاہے:"لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ"۔

۶؎ حضرات سامعین پر خوفِ الٰہی ایسا طاری ہوا کہ وہ سمجھے ہم مؤمنین یا ہم صحابہ میں سے ایک فی ہزار جنتی ہوگا تب یہ عرض کی۔

۷؎ یعنی یہ تعداد صرف تم میں سے پوری نہ کی جاوے گی بلکہ اولین و آخرین جس میں قوم یاجوج اور قوم ماجوج بھی داخل ہے انہیں ملا کر پوری کی جاوے گی،اس لحاظ سے واقعی مؤمن ایک ہےاور کافر نوسو ننانوے تم کو اس کا کیا خوف۔

۸؎ یعنی اولًا تم لوگ تمام اولین و آخرین جنتیوں میں چہارم ہوگے کہ تین حصوں میں سارے جنتی انسان از آدم تا عیسٰی علیہ السلام اور چوتھائی تم،پھر تم نصف تہائی ہوجاؤ گے پھر آدھے۔دوسری روایات میں ہے کہ دو تہائی جنتی حضور کی امت ایک تہائی میں سارے لوگ مگر اس طرح کہ مسلمان جنت میں آگے پیچھے پہنچیں گے،جب سارے مسلمان وہاں داخل ہوجائیں گے تب حضور کی امت ۲/۳ اور باقی امتیں ۱/۳۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوزخی انسان زیادہ ہیں جنتی تھوڑے"وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ"لیکن جنت میں فرشتے اور حوروغلمان بھی ہوں گے،ان کا مجموعہ دوزخی جن وانسانوں سے بڑھ جاوے گا غلبت رحمتی علی غضبی اس طرح ہوگا۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ وعظ و تقریریں،اچھی خوشخبری،اعلیٰ نکتہ سن کر نعرۂ تکبیر لگانا سنت صحابہ ہے جو آج کل بھی رائج ہے۔

۱۰؎ یعنی سارے مؤمنین یا میری امت کے سارے مؤمنین تمام کفار جن و انس کے مقابلہ ایسی نامعلوم نسبت رکھتے ہیں جیسے کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال۔خیال رہے کہ یہ نسبت سارے کفار کے لحاظ سے ہے مجموعہ کفار سے مسلمان واقعی تھوڑے ہیں ورنہ آج دنیا میں مسلمانوں کی مردم شماری ہر کافر قوم سے زیادہ ہے،آج مسلمان دنیا میں قریبًا ایک ارب ہیں ان کے بعد عیسائیوں کی تعداد ہے،پھر دوسری قوم کی لیکن اگر سب کافر ملائے جاویں اور قوم یا جوج ماجوج بھی ملالی جاوے تو اس مجموعہ میں مسلمان کالی گائے کی کھال میں ایک سفید بال ہی ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی قدرت کھولے گا۱؎ اور اسے ہر مؤمن مرد و عورت سجدہ کریں گے۲؎ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھلاوے یا شہرت کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنے لگیں گے تو ان کی پیٹھ ایک تختہ بن جاوے گی۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ احتیاط یہ ہے کہ اس حدیث کو متشابہات میں سے مانو اس پر ایمان لاؤ مگر اس کا مطلب رب کے حوالہ کرو کیونکہ رب تعالٰی پنڈلی وغیرہ اعضاء سے پاک ہے۔بعض نے فرمایا کہ اپنے نور کی تجلی فرمائے گا،تجلی نور کو ساق سے تعبیر فرمایا گیا،قرآن کریم میں ہے"یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّ یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ"وہاں پنڈلی سے مراد انسانوں کی پنڈلی ہوسکتی ہے کہ ان پر ایسی مصیبت طاری ہوگی کہ ان کی پنڈلی کھولی جاوے گی مگر یہاں یہ مطلب نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں ساقه فرمایا گیا کہ رب اپنی پنڈلی ظاہر فرمائے گا۔

۲؎ یہ اس وقت ہوگا جب کھلے کافر چھانٹ کر الگ کیے جاچکے ہوں گے یہاں صرف مؤمنین مخلصین اور منافقین رہ جائیں گے،یہ سجدہ مخلصین اور منافقین میں چھانٹ کے لیے ہوگا۔

۳؎ یعنی مخلصین تو درست سجدے کرلیں گے مگر ریاکار اور منافقین سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے مگر نہ کرسکیں گے،ان کی پیٹھ تختہ کی طرح آکڑ جاوے گی جس سے وہ بجائے سجدہ کے اوندھے گر جاویں گے۔یہ سجدہ مخلص و منافق میں چھانٹ کے لیے ہوگا مگر ان مخلصین میں متقی و گنہگار شامل ہوں گے،یہ سب اپنے رب کو سجدہ کریں گے اور صحیح کریں گے۔وہ سجدہ بڑے مزے کا ہوگا یار سامنے ہے گنہگار سجدہ میں گررہا ہے،اللہ وہ سجدہ ہمیں بھی نصیب کرے۔شعر

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آلباس مجاز میں کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک بڑا موٹا آدمی قیامت کے دن آوے گا۱؎ اللہ کے نزدیک مچھر کے پر برابر وزن نہ دے گا۲؎ اور فرمایا کہ یہ تلاوت کرو کہ ہم قیامت کے دن ان کا وزن نہ رکھیں گے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ **عظیم** سے مراد ہے دنیا میں درجہ کا بڑا،**سمین** سے مراد ہے جسم کا موٹا تازہ فربہ یعنی وہ دنیا میں سردار مالدار بھی تھا اور تندرست و توانا بھی مگر تھا منافق یا کافر۔

۲؎ یعنی وہ کافر و منافق اور اس کے اعمال مچھر کے پر برابر بھی وزن نہ دیں گے کیونکہ ان میں ایمان نہیں،وزن ایمان و اخلاص کا ہوتا ہے۔

۳؎ اس آیت کریمہ کے دو معنی کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ وزن بمعنی میزان ہے یعنی ہم قیامت میں کفار کے لیے میزان قائم ہی نہیں کریں گے کیونکہ وہاں وزن باٹ سے نہ ہوگا بلکہ نیکیوں کا بدیوں سے ہوگا،کافر کے پاس نیکیاں ہی نہیں پھر وزن کیسا۔دوسرے یہ کہ وزن بمعنی بوجھ ہے اور معنی یہ ہیں کہ کفار کی نیکیوں میں ہم وزن نہیں رکھیں گے کہ ان کی نیکیاں صدقات خیرات وغیرہ تولے جائیں گے مگر بہت ہی ہلکے ہوں گے۔یہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے:"**وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوٰزِیۡنُہٗ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ**"جس سے معلوم ہوا کہ کفار کی نیکیاں تولی جائیں گی مگر نہ اُٹھیں گی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ اس دن زمین اپنی خبریں دے گی فرمایا کہ جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں ۱؎ لوگوں نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانتے ہیں فرمایا اس کی خبریں یہ ہیں کہ ہر بندے اور بندی پر گواہی دے گی اس کی جو اس نے اس کی پشت پر عمل کیے ۲؎ کہ کہے گی کہ مجھ پر فلاں فلاں دن فلاں فلاں عمل کیے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہیں ۳؎ (احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔	

۱؎ حضور انور کا یہ سوال خود جواب دینے کے لیے ہے جو بات پوچھ کر بتائی جاوے وہ خوب یاد رہتی ہے اس لیے اس طرح بتایا خود سائل خود مجیب۔

۲؎ زمین کی پیٹھ عام ہے خود زمین مکان کی چھت،پہاڑ کی چوٹی،سمندر کی سطح،ہوائی جہاز کی سیٹ جہاں بھی کوئی عمل کیا جاوے وہ زمین کی پیٹھ پر ہی ہے کیونکہ پہاڑ بھی زمین پر ہے اور پانی و ہوا بھی زمین پر ان میں سے جہاں بھی کچھ کیا جاوے وہ زمین کی پیٹھ پر ہی ہے،قبر کو زمین کا پیٹ کہا جاتا ہے اور ظاہری زمین کو زمین کی پیٹھ۔

۳؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین میں حواس ہیں،یہ عمل کرنے والوں کو بھی پہچانتی ہے ان کے عملوں کو بھی اس کی یہ جان پہچان تفصیل وار ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کو قیامت کے دن ہر ایک کی پہچان ہوگی ان کا ہر عمل یاد ہوگا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں جو مرے مگر شرمندہ ہوگا۱ عرض کیا یارسول اللہ اس کی شرمندگی کیا ہوگی،فرمایا اگر نیک کار ہوگا تو شرمندہ ہوگا کہ اس نے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں۲ اور گنہگار ہوا تو شرمندہ ہوگا کہ وہ کیوں نہ باز آیا۳(ترمذی)	

۱؎ لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ موت سے پہلے زندگی کو،بیماری سے پہلے تندرستی کو،مشغولیت سے پہلے فراغت کو غنیمت جانے جتنا موقع ملے کر گزرے۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

اس دنیا کا ایک ہی پھیرا مڑ نہیں آنا دو جی وار جو کرنا ہے کرلے یار ہوجا سمجھدار

۲؎ حتی کہ اگر کوئی شخص اپنی ساری زندگی سجدہ سجود میں گزار دے وہ یہ کہے گا کہ میری عمر اور زیادہ کیوں نہ ہوئی کہ میں سجدے سجود اور زیادہ کرلیتا اور آج اس سے بھی اونچا درجہ پاتا۔اس فرمان عالی سے بھی حضرات انبیاء کرام علیحدہ ہیں،انہیں وہاں ندامت کیسی وہ تو عظمت کے انتہائی درجہ میں ہوں گے۔

۳؎ اس فرمان میں کفار اور گنہگار سب داخل ہیں۔کفار کو شرمندگی ہوگی کہ ہم مسلمان کیوں نہ بنے،گنہگاروں کو شرمندگی ہوگی ہم نیک کار پرہیزگار کیوں نہ بنے گناہوں سے باز کیوں نہ آئے مگر کفار کو اس وقت کی یہ ندامت کام نہ دے گی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ قیامت کے دن تین طرح جمع کیے جائیں گے۱ ایک قسم پیدل،ایک قسم سوار۲ اور ایک قسم اپنے چہروں پر،عرض کیا گیا یارسول اللہ وہ اپنے چہروں پر کیسے چلیں گے،فرمایا جس نے انہیں ان کے قدموں پر چلایا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ انہیں ان کے چہروں پر چلائے۳ آگاہ رہو کہ وہ اپنے چہروں سے ہر ٹیلے اور کانٹے سے بچیں گے۔(ترمذی)	

۱؎ غالبًا یہ تین جماعتیں محشر سے جنت دوزخ جاتے وقت ہوں گی کہ مسلمان گنہگار تو پیدل ہوں گے،متقی حضرات سوار،کفار اوندھے منہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے چلیں گے،قبروں سے محشر کی طرف سب پیدل جائیں گے جیساکہ پچھلی حدیث میں گزرا۔ممکن ہے کہ قبروں سے محشر ہی کی طرف ان مختلف طریقوں سے لوگ جائیں،دوسرا احتمال اس لیے قوی ہے کہ یہاں **محشر** فرمایا گیا یعنی جمع کیے جائیں گے یا محشر کی طرف جائیں گے۔

۲؎ یہ دوسری جماعت اپنی قربانیوں نیک اعمال پر سوار ہوں گے۔خیال رہے کہ مؤمن اپنے اعمال پر سوار ہوں گے اور کفار پر ان کا مال ان کے اعمال سوار ہوں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ لَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ" جیسے تندرست آدمی غذا پر سوار ہوتا ہے اور پیٹ کے مریض پر غذا سوار ہوتی ہے،چونکہ پیدل لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی سواروں کی کم اس لیے پیدل لوگوں کا ذکر پہلے فرمایا،درجہ ان سواروں کا زیادہ ہوگا۔

۳؎ یعنی یہ بات اللہ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں وہ بڑی قدرتوں والا ہے وہ اس دن انہیں سانپ کی طرح چلائے گا یعنی اس طرح چلنے میں اس کا سر آگے ہوگا باقی حصہ پیچھے،اب اگر ٹیلے روڑے وغیرہ کی ٹھوکر کھائے گا تو کانٹا لگے گا تو سر میں۔غرضکہ راستہ کی ہر آفت سر برداشت کرے گا جیسے دنیا میں راستہ کی ہر مصیبت پاؤں برداشت کرتے ہیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر محشر سے دوزخ کی طرف ہے کیونکہ قبروں سے محشر کی طرف جاتے وقت ساری زمین میدہ کی روٹی کی طرح صاف کردی جاوے گی کہ وہاں نہ خار،نہ غار،نہ ٹیلہ،نہ کنکر وغیرہ جیساکہ پہلے احادیث میں گزر گیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کا دن آنکھوں دیکھے کی طرح دیکھے۱؎ تو اذا الشمس کوّرت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کی تلاوت کرے۲؎(احمد،ترمذی)	

۱؎ سن کر یقین کو علم الیقین کہتے ہیں،دیکھ کر یقین عین الیقین کہلاتا ہے،اندر داخل ہوکر آزماکر یقین حق الیقین کہلاتا ہے۔ابھی ہم لوگوں کو قیامت اور وہاں کے حالات کا یقین ہے مگر علم الیقین،سرکار فرمارہے ہیں کہ اگر تم قیامت کا عین الیقین چاہتے ہو تو یہ سورتیں پڑھو،ان میں قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے جیسے کہ بندہ اسے دیکھ ہی رہا ہے،بعض بیان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سننے سے خبر گویا سامنے آجاتی ہے۔

۲؎ ان سورتوں میں قیامت کا بیان اس کے حالات ایسے طریقہ سے بیان ہوئے ہیں کہ قیامت گویا سامنے آجاتی ہے،بعض وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر ایسے ہی فرماتے تھے کہ قیامت کا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھچ جاتا تھا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ سچ کہنے والے سچی خبر دینے والے۱؎ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ لوگ تین فوجوں میں جمع کیے جائیں گے۲؎ ایک فوج سوار عیش والے لباس پہنے ہوئے۳؎ اور ایک فوج فرشتے ان کے چہروں پر گھسیٹیں گے اور انہیں آگ جمع کرے گی۴؎ اور	

ایک فوج جو چلیں گے اور دوڑیں گے۵؎ اللہ تعالیٰ ان کی سواری پر آفت ڈال دے گا وہ باقی نہ رہے گی حتی کہ ایک شخص جس کے پاس باغ ہوگا وہ ایک قابل سواری اونٹ کے عوض دے گا مگر وہ اس پر قادر نہ ہوگا۶؎ (نسائی)	

۱؎ یعنی حضور انور کی دو صفتیں ہیں:ایک یہ کہ آپ ہم کو سچی خبریں دیتے ہیں،دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ انہیں سچی خبریں دیتا ہے سچ سننے والے سچ بولنے والے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ حشر کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ قریب قیامت عدن سے ایک عالمگیر آگ اٹھے گی جو تمام دنیا کو فلسطین میں پہنچادے گی یہ حشر اول ہے۔دوسرے یہ کہ دوسرا صور پھونکنے پر مردے قبروں سے اٹھ کر فلسطین پہنچیں گے۔تیسرے یہ کہ فیصلہ ہوچکنے پر لوگ اپنے ٹھکانوں کی طرف چلیں گے۔غالب یہ ہے کہ یہاں پہلا حشر مراد ہے جیساکہ آگے والے مضمون سے ظاہر ہے،ممکن ہے کہ دوسرا یا تیسرا حشر مراد ہو۔

۳؎ یعنی یہ لوگ اطمینان سے اپنی سواریوں پر سوار ہوکر سفرکریں گے اعلیٰ لباس پہنے ہوئے۔اگر پہلا حشر مراد ہے تو سواریوں سے مراد ان کی اپنی مملوکہ سواریاں جو اس وقت ان کے قبضے میں ہوں گی اور اگر تیسرا حشر مراد ہے تو قربانی یا اپنے اعمال کی سواریاں مراد ہیں۔اور اگر دوسرا حشر مراد ہے تو سواری پر خاص خاص لوگ ہوں گے باقی لوگ پیدل،یہ سواری ان خاص لوگوں کو رب کی طرف سے مہیا کی جاوے گی۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں آگ سے مراد وہ ہی عالمگیر آگ ہے جو عدن سے اٹھ کر تمام لوگوں کو حشر کے میدان تک پہنچادے گی۔اس صورت میں ملائکہ کے کھینچنے سے مراد ہے ان کا نہایت ذلت کے ساتھ چلنا فرشتے انہیں نظر نہیں آئیں گے مگر کام کریں گے،جیسے آج فرشتے ہمارے ساتھ رہتے ہیں ہم کو نظر نہیں آتے۔یہ اس صورت میں ہے کہ حشر سے مراد پہلا حشر ہو یعنی زندہ لوگوں کا زمین فلسطین میں پہنچنا جمع ہونا اور اگر دوسرا یا تیسرا حشر مراد ہے تو فرشتوں کا انہیں کھینچنا ظاہر ہے۔اس صورت میں **تحشر** کا فاعل فرشتے ہیں اور **النار** کو فتح ہے اصل میں **الی النار** تھا یعنی فرشتے انہیں دوزخ کی طرف گھسیٹیں گے۔(اشعہ)

۵؎ یعنی یہ پیادہ لوگ اطمینان سے نہیں جائیں گے بلکہ بھاگتے ہوئے جائیں گے۔

۶؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہلا حشر مراد ہے یعنی اپنی قبروں سے زمین فلسطین کی طرف جانا اور مطلب یہ ہے کہ اس وقت سواریاں بہت زیادہ ہلاک ہوچکی ہوں گی،جب اس بھاگڑ کا وقت آوے گا تو باغ یا کھیت یا باغ کا مالک چاہے گا کہ کوئی میری یہ زمین لے لے اور مجھے ایک اونٹ قابل سواری دے دے مگر کوئی نہ دے گا کیونکہ اب باغ کھیت بے کار ہوچکے ہوں گے،جب یہاں سے بھاگ جانا ہی ہے تو باغ یا کھیت کا کیا فائدہ۔یہ حدیث علامات قیامت میں آنی چاہیے تھی نہ کہ حشر کے بیان میں مگر صاحب مصابیح کی اتباع میں صاحب مشکوۃ نے یہاں ہی بیان کردی،بعض نے فرمایا کہ اس پوری حدیث میں دوسرے یا تیسرے حشر کا ذکر ہے مگر بعض راویوں نے **ویلقی اللہ الافۃ** الخ ایک دوسری حدیث کا ٹکڑا اس میں داخل کردیا ہے اس صورت میں مطلب ظاہر ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ قبروں

سے محشر کی طرف سب لوگ پیدل جائیں گے مگر حضرات انبیاء اور خاص اولیاء اس وقت بھی سواریوں پر ہوں گے۔(مرقات)پھر محشر سے جنت کی طرف جاتے ہوئے اور پل صراط پر عام متقی مسلمان سواریوں پر ہوں گے اور سواریوں کی رفتار مختلف ہوگی یہ سواریاں قربانیاں اور اعمال کی ہوں گی۔(از مرقات)

باب الحساب و القصاص و المیزان

حساب، بدلہ، ترازو کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ حساب کے معنی میں گنتی و شمار، یہاں مکلّف جن و انس کے اعمال کی گنتی مراد ہے جو قیامت میں بندے کے سامنے کی جائے گی سزا و جزا کے لیے۔اس حساب کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے،اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔**قصاص** بنا ہے**قص** سے بمعنی برابری،یہاں مراد ہے اعمال کا بدلہ جو اعمال کے برابر ہو حساب سب کا نہ ہوگا مگر قصاص سب سے لیا جاوے گا اسی لیے قیامت میں جانوروں کو بھی اٹھاکر قصاص دلواکر مٹی کردیا جاوے گا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی جس کا قیامت کے دن حساب لیا جاوے گا ۱؎ مگر وہ ہلاک ہوجاوے گا میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالٰی یہ نہیں فرماتا کہ اس کا حساب آسان لیا جاوے گا ۲؎ فرمایا یہ تو صرف پیشی ہوگی لیکن جس سے حساب میں جرح کرلی گئی ۳؎ وہ ہلاک ہوجاوے گا ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ میزان یعنی اعمال تولنے کی ترازو حق ہے،اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث سے ہے،اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔اس کے دو پلڑے ڈنڈی،زبان سب کچھ ہے،دو پلڑوں کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مشرق و مغرب میں فاصلہ ہے۔اعمال نامے یا خود اعمال اس میں وزن کیے جائیں گے۔حضرات انبیاء کرام اور بعض اولیاء کے اعمال کا وزن نہ کیا جائے گا،وہاں وزنی پلڑا اونچا ہوگا ہلکا پلڑا نیچے کیونکہ نور اوپر کو اٹھتا ہے نیچے نہیں جھکتا،وہاں وزن باٹ سے نہ ہوگا بلکہ نیکیوں کا گناہوں سے ہوگا۔

۲؎ حساب سے مراد ہے جرح والا حساب تو نے کیا کیا اور گناہ کیوں کیے۔ہلاکت سے مراد ہے عذاب میں گرفتاری جس سے کیوں پوچھ لیا وہ گیا۔

۳؎ یعنی حضور کا یہ فرمان عالی قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق کیونکر ہوا کہ جب حساب آسان ہوگا تو سزا کیسے ہوسکتی ہے۔

۴؎ یعنی ہمارے فرمان عالی میں حساب سے مراد ہے تحقیق وجرح والا حساب جس میں ہر عمل کی پوچھ گچھ ہو،کوئی گناہ نظر انداز نہ کیا جاوے،پھر وجہ گناہ بھی پوچھی جاوے۔اور قرآن مجید میں حساب سے مراد صرف پیشی کا حساب ہے جس میں بعض موٹے موٹے گناہ پیش ہوں اور اکثر نظر انداز کردیئے جاویں،ان پیش فرمودہ اعمال کو دکھاکر اقرار کرا کر معاف کردیا جاوے وہاں بخشش ہی بخشش ہے۔اعلیٰ حضرت نے عرض کیا شعر

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا سے حساب ۔۔۔ بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اس سے اس کا رب کلام کرے گا۱؎ اس کےاور رب کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا۲؎ اور نہ پردہ جو اس کے لیے آڑ ہو تو وہ اپنے دائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہ ہی عمل جو آگے بھیجے اور اپنے بائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہ ہی جو آگے بھیجےاوراپنے سامنے دیکھے گاتوآگ کے سوا نہ دیکھے گااپنےسامنے۳؎ تو تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کی قاش سے۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس فرمان عالی سے معلوم ہواکہ قیامت میں ہر ایک کو رب کا دیدار بھی ہوگا اور ہر ایک رب کا کلام بھی سنے گامگر صالحین کو رحمت کا دیدار و کلام ہوگا بدکاروں سے غضب و قہر کا۔قرآن مجید میں جو ارشاد باری ہے کہ ہم ان سے کلام نہ کریں گے،ہم ان کو دیکھیں گے نہیں وہاں رحمت و کرم کا دیدار و کلام مراد ہے۔

۲؎یعنی ہر چہار طرف اعمال ہوں گے بیچ میں عامل ہوگا اپنے ہرعمل کا نظارہ کرے گا۔

۳؎یعنی حساب یہاں ہورہا ہوگااور دوزخ کی آگ سامنے سے نظر آرہی ہوگی کیسا بھیانک نظارہ ہوگا۔خدا کی پناہ!

۴؎یعنی دوزخ سے بچنے کا اعلیٰ ذریعہ صدقہ و خیرات ہے،صدقہ اگرچہ معمولی ہو اخلاص سے وہ بھی آگ سے بچالے گا،وہاں صدقہ کی مقدار نہیں دیکھی جاتی وہاں صدقہ والے کی نیت پر نظر ہوتی ہے،کھجور کی قاش کی ہی خیرات کردو شاید وہ ہی دوزخ سے بچالے یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا معمولی حق بھی نہ مارو کہ وہ بھی دوزخ میں بھیج دے گا،کسی کی کھجور کی قاش اس کی بغیر اجازت نہ لو۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو قریب کرے گاتو اس پر اپنا پردہ رکھے گا۱؎اور اسے چھپائے گا۲؎ پھر فرمائے گا کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے،کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہےوہ کہے گا ہاں یارب۳؎حتی کہ اس سے اس کے سارے گناہوں کا اقرار کرالے گا اور وہ اپنے دل میں سمجھے گا کہ ہلاک ہوا۴؎ رب فرمائے گا کہ میں نے یہ عیوب دنیا میں چھپالیے تھے۵؎ اور آج انہیں بخشتا ہوں۶؎ پھر اس کی نیکیوں کی تحریر اسے دی جاوے گی۷؎لیکن کفارومنافقین انہوں کو مخلوق کے سامنے پکارا جاوے گا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولےآگاہ رہو! کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۸؎(مسلم،بخاری)	

۱؎کنف کے کئی معنی ہیں:پردہ،حفاظت،پناہ،نگہبانی،سایہ،پرندے کے بازو جن سے وہ اڑتا ہے،یہاں پردہ کے معنی ہیں۔(اشعہ)چونکہ پرندہ انہیں بازوؤں پروں سے اپنے انڈوں بچوں کو چھپاتا بھی ہے ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اس لیے اسے کنف کہتے ہیں۔

۲؎یعنی مؤمن کو گناہوں کے حساب کے وقت محشر والوں سے چھپایا جاوے گا کسی کو خبر نہ ہوگی کہ رب نے کیا حساب لیا اور بندے نے کیا حساب دیا۔

۳؎اس فرمان عالی سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ مؤمن اپنے گناہوں کا فورًا اقرار کرے گا وہاں بہانے نہ بنائے گا،کفار جھوٹ بولیں گے"وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیۡنَ"۔دوسرے یہ کہ مؤمنوں کی نیکیوں کا حساب علانیہ ہوگا گناہوں کا حساب خفیہ ہوگا بلکہ نیکیوں کی نیکی چہروں پر نمودار ہوگی کہ ان کے منہ چمکتے ہوں گے مگر بدوں کی برائیاں چہروں پر ظاہر نہ ہوں گی ان کے منہ نہ بگڑیں گے،کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ پردہ پوش لجپال محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں ان کی پردہ پوشی دنیا میں بھی ہے آخرت میں بھی ہوگی۔

۴؎یعنی اب میں پکڑا گیا عذاب میں گرفتار ہوا وہ شخص دل میں یہ سوچتا ہوگا کسی سے کہے گا نہیں اس لیے فی نفسه فرمایا گیا،رب بھی اس کے عیب چھپائے گا بندہ بھی خاموش رہے گا۔

۵؎اس فرمان عالی سے ہی معلوم ہورہا ہے کہ یہاں دنیا کے چھپے گناہوں کو بندہ خود ہی علانیہ کرتا رہا ہو ان کا وہاں بھی اعلان ہوگا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ غدار کے چوتڑوں پر اس کی غداری کے مطابق جھنڈا لایا جائے گا جس سے وہ سارے محشر میں مشہور ہوگا،وہ غداری بھی علانیہ تھی اس لیے اس کی سزا بھی علانیہ ہوئی۔

۶؎مؤمن کی بخشش ضرور ہوگی کسی کی اول ہی سے،کسی کی کچھ سزا دے کر،کسی کی شفاعت کے پانی سے گناہ دھو کر،کسی کی بخشش دوزخ کی آگ میں کچھ روز تپا کر۔بہرحال ہر گنہگار کی بخشش یقینی ہے کیوں نہ ہو کہ محبوب کی امت تو ہے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

واعظ ان کا میں گنہگار وہ میرے شافع   اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

۷؎یہ تحریر گویا جنت کا پروانہ وہاں کا ویزا ہوگا اس میں اس بندے کی نیکیوں کا ذکر تو ہوگا مگر گناہوں کا تذکرہ نہ ہوگا کہ وہ تو معاف کردیئے گئے۔

۸؎یعنی کفارومنافقین کی نیکیوں کا ذکر تک نہ ہوگا کیونکہ وہ سب رد ہوچکیں بغیر ایمان کوئی صدقہ وغیرہ قبول نہیں،نیز وہ لوگ ان نیکیوں کی عوض دنیا میں اللہ کی نعمتیں استعمال کرچکے،ہاں ان کے گناہوں کا اعلان بھی ہوگا اور حساب علانیہ بھی کیونکہ وہ پردہ پوش نبی کے دامن سے دور رہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی عطا فرمائے گا تو کہے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے آگ سے ۱؎(مسلم)	

۱؎ فك کے معنی ہیں گروی چیز کو چھڑانا،**فکاك** وہ مال ہے جو دے کر گروی چیز چھڑائی جاوے۔ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانہ دوزخ میں ہے دوسرا جنت میں،مؤمن جنت میں اپنا ٹھکانا بھی لے گا اور کسی کافر کا بھی اور کافر دوزخ میں اپنا مقام بھی لے گا اور کسی مؤمن کا بھی۔یہاں یہ ہی مطلب ہے کہ اے مؤمن تو جنت میں اپنا ٹھکانہ بھی لے اور اس یہودی عیسائی کا بھی،یہ تیرے لیے ایسا ہے جیسے گروی چیز کا فکاک۔چونکہ عیسائی یہودی مسلمانوں سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور رہے تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر ہوا،یہ مطلب نہیں کہ مسلمان کے گناہوں کے عوض کافر دوزخ میں جاوے گا کہ یہ اسلامی قانون کے خلاف ہے"**لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی**"۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا ان سے کہا جائے گا کہ آپ نے تبلیغ کی تھی وہ عرض کریں گے ہاں یارب ۱؎ پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم کو تبلیغ کی گئی تھی وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا فرمایا جاوے گا اے نوح! تمہارے گواہ کون ہیں ۲؎ عرض کریں گے محمد مصطفٰے اور ان کی اُمت،حضور نے فرمایا کہ پھر تمہیں کہہ دیا جاوے گا تم گواہی دو گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی ۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے نگران گواہ ہوں ۴؎ (بخاری)	

۱؎ چونکہ نوح علیہ السلام پہلے وہ نبی ہیں جو کفار کی طرف بھیجے گئے اس لیے ابتداء انہیں سے ہوگی۔گزشتہ کافر امتیں اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی اس لیے مقدمہ چلے گا اور اس مقدمہ کی نوعیت یہ ہوگی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کوئی کافر انکار نہ کرسکے گا۔

۲؎ یعنی تم تبلیغ کردینے کے مدعی ہو تمہاری امتیں اس کی منکر اور مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہوتا ہے وہ اگر گواہ قائم نہ کرسکے تو مدعیٰ علیہ قسم کھاکر مقدمہ جیت لیتا ہے۔معلوم ہوا کہ مقدمہ کا فیصلہ اس قانون کے ماتحت ہوتا ہے حاکم کے ذاتی علم پر فیصلہ نہیں ہوتا،دیکھو رب تعالٰی علیم و خبیر ہے مگر تحقیقات ہورہی ہے۔

۳؎ **تشھدون** میں خطاب صحابہ سے نہیں بلکہ ساری امت رسول اللہ سے ہے اولین و آخرین صالحین اور ہم جیسے گنہگار اور یہ گواہی صرف نوح علیہ السلام کے حق میں نہیں ہوگی بلکہ قریبًا تمام نبیوں کے حق میں ہوگی کیونکہ سب کی کافر امتیں ان حضرات کی تبلیغ کا انکار کریں گی۔یہ امت ان انبیاءکرام کی گواہ ہوں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے کہ واقعی یہ سچ کہہ رہے ہیں،میں نے ان کو ان حضرات انبیاءکرام کی تبلیغ کی خبر دی تھی اور حضور اسی امت کی صفائی

بھی یہاں بیان فرمائیں گے کہ الٰہی میری امت گواہی دینے کے قابل ہے۔مدعی کو گواہ بڑا پیارا ہوتا ہے،تمام نبیوں کو یہ امت پیاری ہے۔ہم کو بھی چاہیے کہ مسلمان بن کر رہیں کہ کل قیامت میں ہم نے نبیوں کی گواہی دینی ہے فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی،رب تعالٰی توفیق دے۔

۴؎ اس آیت کریمہ کی نفیس و لذیذ تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ کرواور شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔یہاں دو باتیں سمجھ لو کہ اس آیت میں **وسط** کے معنی بہترین ہے،رب فرماتاہے:"**قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ**"درمیانی زمانہ والی مراد نہیں کیونکہ یہ امت تو آخری ہے۔دوسرے یہ کہ یہاں"**یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَهِیۡدًا**"میں **شھد** بمعنی گواہ نگران ہے اسی لیے یہاں **علیکم** ارشاد ہوا۔یہاں مرقات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں حاضر و ناظر ہیں۔(مرقات)بے خبر نہ گواہ بن سکتا ہے نہ کسی کی صفائی بیان کرسکتا ہے،حضور اپنے ہر امتی کے ہر عمل سے خبردار ہیں اسی لیے آپ ان کی صفائی بیان فرمائیں گے اس لیے وہ انبیاءکرام عرض کریں گے **محمد وامته**۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو حضور ہنسے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس چیز سے ہنستا ہوں فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانیں ۱؎ فرمایا بندے کے اپنے رب سے عرض معروض کرنے پر عرض کرے گا اے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے امان نہیں دی فرمائے گا ہاں فرمایا تو بندہ کہے گا کہ میں اپنی ذات پر کوئی گواہی روا نہیں رکھتا مگر اپنے میں سے گواہ ۲؎ فرمایا کہ رب فرمائے گا آج تو ہی اپنے نفس پر کافی گواہ ہے اور کراماً کاتبین فرشتے گواہ ہیں ۳؎ فرمایا پھر اس کے منہ پر مہر کردی جائے گی ۴؎ پھر اس کے اعضاء سے کہا جاوے گا بولو فرمایا وہ اس کے اعمال کے متعلق کلام کریں گے ۵؎ پھر بندے اور اس کے کلام کے درمیان خلوت کردی جائے گی ۶؎ فرمایا کہ وہ کہے گا کہ تمہیں دوری اور ہلاکت ہو میں تمہیں سے دفع کرتا تھا ۷؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی ہم کو خبر نہیں کہ حضور انور کس چیز سے ہنس رہے ہیں اس مجلس میں کوئی ہنسی کی بات تو ہو نہیں رہی ہے اس کی حقیقت حضور کو معلوم ہے نہ معلوم کیا خیال آگیا کہ حضور ہنس پڑے۔

۲؎ یہ بندہ کافر ہوگا اور کافر بھی وہ جو اپنے کفر و گناہوں کا انکار کرے گا کہ میں نہ مشرک و کافر تھا نہ گنہگار،میں تو نہایت ہی نیک اعمال والا مؤمن تھا،تیرے فرشتوں نے میرے نامۂ اعمال غلط بھرے ان میں غلط اندراج کیا ہے، یعنی سخت ڈھیٹ کافر ہوگا کہے گا مجھے تو میرے جسم میں سے گواہ چاہیں،میں تو ان کی گواہی مانوں گا مجھے انہیں کا اعتبار ہے۔

۳؎ رب تعالٰی فرمائے گا کہ ہم تیرے ان ہی اعضاء سے گواہی لے لیتے ہیں جن سے تو گناہ کرتا تھا اور اس گواہی کی تائید میں کراماً کاتبین فرشتوں کی تحریریں پیش کرتے ہیں تو اپنے ان اعضاء کا بیان سن اور وہ تحریریں دیکھ دونوں کو یکساں پائے گا۔ **سبحان اللہ!** کون ہے جو رب کے حساب پر جرح کرسکے یا بہانہ بنا سکے رب تعالٰی رحم فرمائے۔ شعر

بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے　　　صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب

۴؎ اس طرح کہ اس کے دونوں ہونٹ ملا کر ان پر مہر لگادی جائے گی تاکہ ہونٹ ہل نہ سکیں اور بندہ بول نہ سکے۔ معلوم ہوا کہ کافر انسان کی زبان بڑی ہی بے حیا ہے، رب تعالٰی کی بارگاہ میں بھی جھوٹ بولنے دھوکہ دینے کی کوشش سے باز نہ آوے گی، سارے اعضاء سچ بول دیں گے مگر زبان جھوٹ ہی بولتی رہے گی۔ رب کی پناہ!

۵؎ یعنی اسکا ہر عضو اپنے اعمال کی خبر اور دوسرے عضو کے اعمال کی گواہی دے گا لہذا یہ ہی اعضاء زبان کے کفر و شرک جھوٹ غیبت کی بھی گواہی دیں گے لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ زبان کے گناہوں کی گواہی کون دے گا۔ بہرحال سارے گناہ سامنے آجائیں گے۔ سائیں بلّے شاہ فرماتے ہیں ؎

جندڑیئے گھنڈ چک کے　　　جنڈری تینوں یار دے اگے نچنا پیناں

۶؎ یعنی اعضاء کی ان گواہیوں کے بعد اسے تنہا چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ اپنے اعضاء سے باتیں کرے، اسے کلام کا موقعہ دیا جائے گا جہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔

۷؎ یعنی تمہارا بیڑا غرق ہو میں تمہاری ہی مدد سے تو گناہ کرتا تھا لوگوں کو دفع کرتا تھا اور تم نے ہی میرے خلاف گواہی دے دی تم نے یہ کیا کیا، یا میں تم سے لوگوں کی تکالیف دور کرتا تھا تم کو ہر شر اور ہر تکلیف سے بچاتا تھا مگر تم نے مجھ سے دشمنی کی مجھے نہ بچایا بلکہ پھنسادیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے ۱؎ فرمایا کیا تم دوپہری میں جب کہ سورج بادل میں نہ ہو اس کے دیکھنے میں کچھ تردد کرتے ہو لوگ بولے نہیں ۲؎ تو کیا تم چودھویں رات چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو جب کہ وہ بادل میں نہ ہو عرض کیا نہیں، فرمایا تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اپنے رب کے دیکھنے میں نہیں شک کرو گے مگر جیساکہ شک کرتے ہو تم ۳؎ ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں، فرمایا رب بندے سے ملے گا ۴؎ فرمائے گا اے فلاں کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی، تجھے سردار نہیں بنایا، تجھے بیوی نہیں دی، گھوڑے اونٹ کو تیرا فرمانبردار نہیں کیا اور تجھے نہ کہاکہ تو سردار بنے چہارم غنیمت سے وہ کہے گا ۵؎ ہاں پھر فرمائے گا کیا تجھے

یقین تھا کہ تو مجھ سے ملے گا عرض کرے گا نہیں ۶؎ فرمائے گا میں تجھے بھولا ہوا چھوڑتا ہوں ۷؎ جیسے تو نے مجھے بھلا دیا تھا پھر دوسرے بندے سے ملے گا اس طرح ذکر فرمایا ۸؎ پھر تیسرے بندے سے ملے گا اس کی مثل فرمائے گا وہ عرض کرے گا الٰہی میں تجھ پر تیری کتاب پر تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا میں نے نمازیں پڑھی ہیں روزہ رکھے خیرات کی جہاں تک ہوسکے گا اپنی تعریفیں کرے گا ۹؎ تو رب فرمائے گا اچھا تو تو یہاں ہی ٹھہر ۱۰؎ پھر فرمایا جاوے گا اب ہم تجھ پر گواہ لائیں گے وہ اپنے دل میں سوچے گا کہ ایسا کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے گا ۱۱؎ تب اس کے منہ پر مہر کردی جاوے گی اور اس کی ران سے کہا جاوے گا کہ تو بول،اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال بتائیں گی ۱۲؎ یہ اس لیے ہوگا تاکہ بندہ کے عذر دور کر دے ۱۳؎ یہ بندہ منافق ہوگا،یہ وہ ہوگا جس سے اللہ ناراض ہے ۱۴؎ (مسلم) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی میری امت میں سے جنت میں جائیں گے باب توکل میں بروایت حضرت ابن عباس روایت کردی گئی ۱۵؎	

۱؎ دیدار الٰہی قیامت میں بھی ہوگا اور جنت میں بھی،قیامت میں تو ہر کافر و مؤمن دیکھے گا مگر کافر کو دیدار غضب و قہر والا ہوگا جیساکہ ابھی کچھ پہلے گزر چکا،مؤمن کو رحمت والا،یہاں محشر والے دیدار کے متعلق یہ سوال ہے۔

۲؎ **سبحان اللہ**!کیسا پیارا پاکیزہ جواب ہے کہ سورج جیسی چمک دار چیز جب حجاب میں نہ ہو تو اس کے دیدار میں کوئی تردد نہیں ہوتا اسی طرح وہاں دیدار میں کوئی شک و شبہ نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی جیسے تم ان حالات میں سورج اور چاند کو دیکھنے میں شک نہیں کرتے ایسے ہی رب تعالٰی کا دیدار کرو گے کہ تمہیں اس میں کسی قسم کا تردد نہ ہوگا یقین سے دیکھو گے۔خیال رہے کہ **تضارون** اگر ر کے شد سے ہے تو یہ **ضرر** بمعنی نقصان سے بنا ہے اور اگر ر پر پیش سے ہے تو خبر بمعنی مضائقہ و مناظرہ سے بنا ہے۔معنی یہ ہیں کہ تم لوگ رب تعالٰی کے دیدار میں تم ایک دوسرے سے جھگڑو گے نہیں سب مان لیں گے کہ واقعی رب کا دیدار ہوا۔مطلب یہ ہی ہے کہ اس دیدار میں کسی کو شک نہ ہوگا،شک سے ہی تو مناظرے اور جھگڑے ہوتے ہیں۔ چودھویں کے چاند دوپہر کے سورج میں کوئی مناظرہ نہیں کرتا سب مان لیتے ہیں۔**سبحان اللہ**!کیا نفیس تشبیہ ہے۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ اس بندہ سے مراد بندہ کافر و مشرک ہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے اور ملنے سے مراد ہے رب تعالٰی کو دیکھنا،قیامت میں رب کا دیدار اس سے ہم کلام کفار بھی ہوں گے مگر یہ دیدار و کلام غضب کے ہوں گے نہ کہ رحمت کے،دوزخ میں

پہنچ کر نہ انہیں رب کا دیدار ہوگا نہ اس سے کلام۔مسلمانوں کو یہ دونوں چیزیں قیامت میں بھی میسر ہوں گی دیدار و کلام رحمت والا میسر ہوگا اور جنت میں میسر ہوا کرے گا لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کیخلاف ہے"اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ"اور نہ اس فرمان کے خلاف ہے"لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنۡظُرُ اِلَيۡهِمۡ"قرآن کریم میں رحمت کے دیدار و کلام کی نفی ہے یہاں غضب کے دیدار وکلام کا ثبوت ہے یا قرآن مجید میں دوزخ میں پہنچنے کے بعد دیدار و کلام کی نفی ہے یہاں قیامت میں دیدار و کلام کا ثبوت دونوں برحق ہیں۔

۵؎زمانہ جاہلیت میں سرداران قوم جنگوں میں اگرچہ شریک نہ ہوتے مگر وہاں کے لوٹے ہوئے مال میں سے چہارم حصہ خود لیتے تھے اپنی سرداری کا حق،یہاں اسی کا ذکر ہے یعنی ہم نے تجھ کو دنیا میں عمومی نعمتیں بھی عطا کی تھیں اور خصوصی نعمتیں بھی۔خیال رہے کہ اسلام میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا جاتا تھا اور حضور انور اس میں سے بھی بقدر ضرورت خود لے کر باقی مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ فرمادیتے تھے لہذا اس چہارم اور اس خمس میں بڑا فرق ہے۔

۶؎اس سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ کلام کافر سے ہے جو قیامت کا منکر تھا۔

۷؎یہ فرمان اس آیت کی شرح ہے "وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى"یہاں بھولنے سے مراد ہے چھوڑ دینا کیونکہ اللہ تعالٰی بھول چوک سے پاک ہے۔

۸؎یعنی اس دوسرے کافر بندے سے بھی وہ ہی سوال ہوگا اور وہ بندہ وہی جواب دے گایعنی اپنے کفر و عناد کا اقرار کرے گا۔

۹؎یہ تیسرا بندہ بھی کافر بلکہ منافق ہوگا مگر ڈھیٹ کافر کہ اپنے کفر و شرک اور تمام گناہوں کا انکار کردے گا اور اپنے تقویٰ و طہارت کے دعویٰ کرے گا رب تعالٰی سے بھی شرم نہ کرے گا۔

۱۰؎پچھلے دونوں بندوں کو دوزخ میں بھیج دیا جاوے گا مگر ان کا عذاب اس ڈھیٹ سے ہلکا ہوگا کیونکہ عدالت کو دھوکا دینا جرم ہے یہ جرم اس تیسرے نے کیاان دونوں نے نہیں کیا اسے اس دھوکے کی سزا بھی ملے گی۔یعنی جب تو یہ کہتا ہے تو ٹھہر جا تیرا فیصلہ گواہی وغیرہ کے بعد ہوگا کیونکہ تو اپنے جرموں کا انکاری ہے جرم کے اقراری پر گواہ قائم نہیں کیے جاتے۔ھھنا سے پہلے وقف پوشیدہ ہے یعنی تو اسی حساب کی جگہ ٹھہرا رہے۔

۱۱؎کیونکہ میں نے کفر و شرک اور صدہا گناہ لوگوں سے چھپ کرکئے تھے میرے خلاف گواہی کون دے سکتا ہے،گواہ باخبر چاہیے لوگ بے خبر ہیں لوگوں کو تو میرے کلمہ نمازوں کی خبر ہے۔

۱۲؎یعنی اس کے سارے اعضاء جن سے اس نے گناہ کئے تھے وہ اپنے عمل کا اقرار کریں گے اور دوسرے اعضاء اس پر گواہ ہوں گے مثلًا آنکھ کان کے خلاف گواہ اور کان آنکھ کے خلاف گواہ۔

۱۳؎لیعذر باب افعال کا مضارع ہے،اس کا مصدر اعذار ہے بمعنی دفع عذر،یعنی رب تعالٰی بندے کے سارے عذر ختم کرکے پھر سزا کا فیصلہ سنائے گا۔

۱۴؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ بندہ اپنی دانست میں سچ کہے گا واقعی وہ دنیا میں ریا کاری کے لیے نماز وغیرہ ادا کرتا تھا، منافقت سے کلمہ پڑھتا تھا مگر اس کے یہ اعمال قابل قبول نہ تھے اس لیے رد ہوگئے، خفیہ طور پر کفر و فسق کرتا تھا ان پر پکڑا گیا۔

۱۵؎ یعنی صاحب مصابیح امام بغوی نے وہ حدیث یہاں روایت کی تھی بروایت ابوہریرہ اور **باب التوکل** میں بھی بیان کی تھی بروایت حضرت ابن عباس گویا مکرر بیان کی تھی۔ہم نے یہاں سے ابوہریرہ والی روایت حذف کردی اور **باب التوکل** میں بروایت ابن عباس نقل کردی۔(مرقات)اس عبارت میں بظاہر اشکال دور ہوگیا کہ حدیث ایک ہے مگر دو راویوں سے دو جگہ مصابیح میں ذکر کی گئی تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمالیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں اس طرح داخل فرمائے گا کہ نہ ان کا حساب ہوگا نہ عذاب۱؎ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ۲؎ اور میرے رب کے لپوں میں سے تین لپ۳؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ عربی زبان میں لفظ **سبعتین** یا لفظ **سبعین الفًا** زیادتی بیان کرنے کے لیے آتا ہے وہ ہی مراد ہے۔لاحساب کے معنی ہیں کہ ان سے مطلقًا حساب نہ ہوگا نہ حساب یسیر نہ حساب مناقشہ،مگر مرقات نے فرمایا کہ یہاں حساب مناقشہ کی نفی ہے پیشی والا حساب تو ہوگا مگر قوی یہ ہی ہے کہ مطلقًا حساب نہ ہوگا اور جب حساب ہی نہ ہوا تو عذاب کا سوال ہی نہیں۔حساب سے مراد حساب قیامت ہے اور ہوسکتا ہے کہ حساب قیامت اور حساب قبر دونوں مراد ہوں،نہ حساب قبر سب کے لیے ہے نہ عذاب محشر سب کے لیے،بعض حضرات ان حسابوں سے علیحدہ ہیں۔

۲؎ پہلے ستر ہزار تو وہ تھے جو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے بے حساب جنتی ہوئے اور دوسرے ستر ہزار وہ ہیں جو ان پہلوں کی طفیل ان کی خدمت ان کے قرب کی وجہ سے بے حساب جنت میں گئے۔گلدستہ میں پھولوں کے ساتھ گھاس بندھ جاتی ہے تو وہ بھی عزت پاجاتی ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بے شمار لوگ ہوں گے جوان کے طفیل بخشے جائیں گے۔شعر

شنیدم کہ در روز امیدوبیم　　　　بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ **ثلث** معطوف ہے **سبعون الفا** پر۔مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار اور رب تعالٰی کے تین لپ،بعض نے فرمایا کہ یہ معطوف ہے **سبعین الفًا** پر اور **یدخل** کا مفعول ہے۔یعنی مجھ سے رب نے وعدہ فرمایا کہ تین لپ بھر اور بھی جنت میں بے حساب بھیجے گا مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔لپ سے مراد ہے بے اندازہ کیونکہ جب کسی کو

بغیر گنے بغیر تولے ناپے دینا ہوتا ہے تو وہاں لپ بھر بھر کر دیتے ہیں یا کہو کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے ورنہ رب تعالٰی مٹھی اور لپ سے پاک ہے۔

روایت ہے حضرت حسن سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی دو پیشیاں تو بحث اور معذرت کی ہیں ۲؎ اور رہی تیسری پیشی تو اس وقت نامہ اعمال ہاتھوں میں اڑ کر پہنچ جائیں گے ۳؎ بعض داہنے ہاتھوں میں لیں گے بعض بائیں ہاتھوں میں ۴؎ (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث اس وجہ سے صحیح نہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ سے سنا نہیں ۵؎ بعض محدثین نے یہ حدیث بروایت حسن عن ابی موسیٰ روایت کی ہے ۶؎	

۱؎ حسن سے مراد حضرت خواجہ حسن بصری ہیں، آپ تابعی ہیں، آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ کی خادمہ تھیں، ایک بار آپ رو رہے تھے آپ کی ماں ام سلمہ کا کام کررہی تھی، ام المؤمنین نے آپ کو گود میں لے کر اپنا پستان آپ کے منہ میں دیا، اس پستان شریف کی برکت تھی کہ آپ علوم کے دریا بے پایاں ہوگئے تمام طریقت کے سلسلوں کے مرکز ہیں رضی اللہ عنہ۔

۲؎ **جدال** سے مراد کفار و منافقین کا اپنے جرموں سے انکار کردینا پھر ان کے اعضاء کی گواہی ان کے خلاف۔ **معاذیر** سے مراد ہے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ساتھ ہی اپنی مجبوری و معذوری پیش کرنا کہ میں نے فلاں مجبوری سے یہ گناہ کیا تھا، پہلے گناہوں کا انکار کریں گے پھر اقرار مع ان بہانوں کے مگر گنہگار مسلمان بغیر حیل و حجت اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا اس پر رحمت ہوگی۔

۳؎ یعنی اس بار سب کے نامہ اعمال نہایت تیزی سے اچانک تقسیم ہوجائیں گے گویا اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ گئے پل بھر میں تقسیم ہوگی۔

۴؎ یعنی نامہ اعمال بعض کو داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ بائیں میں نہ پڑ سکیں گے یہ مؤمنین ہوں گے، بعض کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے یہ داہنے میں نہ لے سکیں گے یہ کفار منافقین ہوں گے، اس سے ہی مؤمنین و کفار کی پہچان ہوجائے گی۔ جو کہے کہ حضور انور کو اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی وہ جھوٹا ہے۔

۵؎ لہذا یہ حدیث منقطع ہے اس میں کوئی راوی رہ گیا ہے۔ خیال رہے کہ بخاری نے تین حدیثیں عن الحسن عن ابی ہریرہ روایت کیں، مسلم نے روایت نہیں کیں۔ بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ حسن بصری کی ملاقات حضرت ابوہریرہ سے ہے یہ تو سب مانتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ کا زمانہ پایا ہے غالب ہے کہ ملاقات بھی کی ہو۔ (مرقات، اشعہ)

۶؎ صاحب مشکوۃ نے اکمال میں لکھا کہ خواجہ حسن بصری نے حضرت انس ابن مالک سے، ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ ابن عباس وغیرہم سے ملاقات کی ہے لہذا حسن عن ابی موسیٰ والی روایت ان کے نزدیک متصل ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن مخلوق کے سامنے چھانٹے گا ۱؎ تو اس کے سامنے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے ہر دفتر تاحد بصر ہوگا ۲؎ پھر فرمائے گا کیا تو ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے ۳؎ کیا تجھ پر میرے نگران کاتبین نے ظلم کیا ہے عرض کرے گا نہیں یارب پھر فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے عرض کرے گا نہیں ۵؎ یارب تو فرمائے گا ہمارے پاس تیری ایک نیکی بھی ہے اور تجھ پر ظلم آج نہ ہوگا ۶؎ تو ایک ورقہ نکالا جاوے گا جس میں ہوگا اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ ۷؎ رب فرمائے گا جا اپنے تول پر حاضر ہو ۸؎ وہ کہے گا یا رب یہ ورقہ ان دفتروں کے مقابل کیا ہے ۹؎ رب فرمائے گا کہ تو ظلم نہیں کیا جائے گا فرمایا کہ پھر یہ دفتر ایک پلے میں اور یہ پرچے دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا ۱۰؎ تو یہ دفتر ہلکے ہوجائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہوجاوے گا ۱۱؎ اللہ کے نام کے مقابل کوئی چیز وزنی نہ ہو گی ۱۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی ایک شخص کو دوسرے لوگوں سے علیحدہ کردیا جاوے گا جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو آگے مذکور ہے۔

۲؎ سجل سین اور جیم کے کسرہ لام کے شد سے بڑی کتاب یعنی دفتر،قرآن کریم میں دفتر کے محافظ فرشتے کو سجل فرمایا گیا ہے "كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ" یعنی اس شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پیش کیے جائیں گے اسے دکھائے جائیں گی یہ ہے پیشی والا حساب جسے یسیر کہا جاتا ہے۔(مرقات)

۳؎ خیال رہے کہ قیامت میں کوئی شخص اندھا،کانا،بے پڑھا نہ ہوگا ہر جاہل سے جاہل شخص بھی اس دن سب کچھ پڑھے گا۔

۴؎ خیال رہے کہ بندہ کا یہ اقرار جرم ہے رب تعالٰی کو آج بھی پیارا ہے کل قیامت میں بھی پیارا ہوگا۔اللہ تعالٰی اقرار جرم کی توفیق دے،بہانہ بازیاں اور انکار جرم پر بڑی سخت پکڑ ہے۔اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کیا خوب کہا۔

عذر بدتراز گنہ کا ذکر کیا ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجئے

۵؎ یہاں عذر سے مراد اپنی معذوری یا بہانہ ہے جو گناہ کا باعث ہو یعنی کیا تیرے پاس کوئی وجہ گناہ موجود ہے،مجبوری،بے خبری وغیرہ بندہ اس کا انکار کرے گا۔عرض کرے گا میں نے بغیر کسی مجبوری بے علمی کے گناہ کیے ہیں میں گنہگار ہوں معافی

دے دے، جس لائق میں تھا میں نے کرلیا جو تیری شان عالی کے لائق ہے وہ تو کر،میں گنہگار تو ستار و غفار ہے مہربانی فرما،یا ببول کے درخت میں کانٹے ہی ہوں گے پھل نہیں۔

۶؎ بندے کے اس عذر پر دریائے رحمت جوش میں آجاوے گا۔**بطاقہ** وہ چھوٹا سا پرچہ جو حفاظت کے لیے کپڑے میں لپیٹ کررکھا جاوے،طاقۃ کہتے ہیں کپڑے کی تہہ کو،ب زائد ہے۔(قاموس ولمعات)معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کا کلمہ طیبہ رب کی بارگاہ میں بڑی حفاظت سے رہتا ہے۔

۷؎ یہ کلمہ طیبہ وہ ہوگا جسے مؤمن زندگی میں صدق دل سے پڑھا کرتا تھا اور جواس نے مرتے وقت پڑھا تھا،اسی پر جان رب کے سپرد کی تھی۔اللہ تعالٰی ہم سب کو کلمہ طیبہ پر خاتمہ نصیب کرے۔ہم نے عرض کیا۔

وہ ہی موت ہے وہ زندگی جوخدانصیب کرے ہمیں ۔۔۔ کہ مرے تو ان ہی کے نام پر جو جئے تو ان پہ نثار ہے

۸؎ یعنی میزان اعمال پر جا اپنے ان دفتروں کو اس پرچے سے وزن کرا۔معلوم ہوا کہ وہاں وزن باٹوں سے نہ ہوگا بلکہ نیک اعمال کا برے اعمال سے ہوگا اس لیے حضرات انبیاءکرام اور خاص اولیاء اللہ کے لیے وزن نہیں کہ وہاں گناہ کوئی نہیں پھر وزن کس چیز سے ہو۔

۹؎ یعنی یارب اس وزن سے سوائے میری رسوائی کے اور کیا ہوگا ابھی تو میرا معاملہ تیرے حضور ہے اور جب وزن ہوا تو اس وزن کو سب دیکھیں گی وہاں یہ پرچہ یقینًا ہلکا ہوگا تو میری رسوائی ہی ہوگی اس لیے وزن نہ کرا میرا پردہ رکھ لے۔

۱۰؎ اس طرح کہ نیکیوں کے پلے میں یہ پرچہ رکھا جاوے گا اور گناہوں کے پلہ میں وہ لاکھوں من کے دفتر۔اس سے معلوم ہوا کہ وزن خود اعمال کا نہ ہوگا بلکہ اعمال کی تحریروں کا ہوگا،بعض علماء کا یہ ہی قول ہے۔

۱۱؎ خیال رہے کہ قیامت کے دن وزن بقدر اخلاص ہوگا،منافقین بھی کلمہ پڑھتے تھے آج مرزائی چکڑالوی وغیرہ بھی کلمہ پڑھتے ہیں ان کے کلمہ کا کوئی وزن نہیں گویا یہ بے معنی الفاظ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جب یہ وزن ہے تو سمجھو کہ حضور کے اعمال کا وزن کیسا ہوگا،حضور کا ایک سجدہ ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کے گناہوں سے زیادہ وزنی ہوگا۔خدا تعالٰی ہماری بدکاریوں کو ہماری نیکیوں سے نہ تولے بلکہ اس راتوں کو رونے والے گنہگاروں کا غم کھانے والے امت کے رکھوالے کے سجدہ سے وزن فرمادے تاکہ ہم ڈوبتوں کا بیڑا پار لگ جاوے۔

۱۲؎ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور کے اعمال کا وزن نہ ہوگا کیونکہ کارخانہ قدرت میں کوئی تراوز ایسی نہیں بنی جو حضور کے اعمال تول سکے جیسے آج کوئی ترازو ایسی نہیں جو سمندر کا پانی یا ہوا تول سکے،سورج کی روشنی کا کوئی میٹر نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ انہیں دوزخ یاد آگئی تو رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کون سی چیز رلاتی ہے بولیں مجھے آگ یاد آگئی تو میں رو پڑی ۱؎ اے مردو!کیا تم قیامت میں اپنے گھر والوں کو یاد کرو گے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین موقعوں میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا:میزان کے پاس حتی کہ جان لے کہ اس کا وزن ہلکا ہے یا بھاری اور نامہ اعمال

	ملنے کے وقت جب کہا جاوے آؤ اپنا نامہ اعمال پڑھو حتی کہ جان لے کہ اس کا نامہ اعمال کہاں پڑتا ہے اس کے داہنے ہاتھ میں یا بائیں میں پیٹھ کے پیچھے اور پلصراط کے نزدیک جب کہ وہ دوزخ کے کناروں کے درمیان رکھا جاوے گا۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہاں ذکر سے مراد زبان سے ذکر کرنا نہیں بلکہ دل میں سوچنا مراد ہے۔یہ ہیبت کمال ایمان کی دلیل ہے ورنہ آپ کے جنتی ہونے پر آیات قرآنیہ احادیث نبویہ دال ہیں آپ یقینًا جنتی ہیں مگر خوف خدا رُلارہا ہے۔

۲؎ اس میں خطاب عام خاوندوں سے ہے یعنی اے خاوندو! تم لوگ قیامت میں اپنے بال بچوں کو بخشواؤ گے یا نہیں۔اس خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہیں،حضور کی شفاعت تو ہر مسلمان کو پہنچے گی چہ جائیکہ خاص اپنے گھر والے لہذامطلب واضح ہے اس سے شفاعت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۳؎ یعنی کوئی خاوند اس وقت تک اپنے بیوی بچوں کو یاد نہ کرے گا جب تک اسے اپنے متعلق ان تین باتوں کا اطمینان نہ ہو جائے: وزن کے وقت نیکیوں کا پلہ بھاری ہوجائے،نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں مل جائے،پلصراط سے بخیریت پار لگ جائے ان تین منزلوں سے گزرکر مطمئن ہوکر اپنے بال بچوں کو یادکرے گا۔جواب شریف سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ ان خاوندوں کے متعلق ہے جن کو یہ تین الجھنیں ہوں انہیں اپنی فکریں ہوں،حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن گنہگاروں کی فکر ہوگی اپنی فکر نہ ہوگی۔حضرت انس نے حضور انور سے سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ قیامت میں آپ کے ملنے کے مقامات کون کون سے ہیں وہاں آپ کو کہاں ڈھونڈھوں تو حضور نے اپنے ملنے کے یہ ہی مقامات بیان فرمائے: میزان،حوض کوثر،پلصراط۔غرضکہ یہ سوال وجواب عوام کے متعلق ہے نہ کے حضور کے متعلق۔خیال رہے کہ قیامت میں پلصراط دوزخ پر رکھی جاوے گی جس پر گزرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے،کفار وہاں ہی گرجائیں گے مؤمن بخیریت گزر جائیں گے،وہاں سے گزرنا ضروری ہے کہ جنت کے راستہ میں یہ پل ہے "وَاِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُھَا"۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک شخص حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں میری نافرمانی کرتے ہیں میں انہیں گالیاں دیتا ہوں مارتا ہوں۱؎ تو ان کے متعلق میرا کیا حال ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان خیانتوں نافرمانیوں

اور جھوٹوں کا اور تیرا انہیں سزا دینے کا حساب لگایا جاوے گا۲ پھر اگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے جرموں کے بقدر ہوگی تو ادلًا بدلًا ہوجاوے گا نہ تجھے مفید نہ مضر۳ اور اگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے قصوروں سے کم ہوگا تو تجھے ان پر بزرگی حاصل ہوگی۴ اور اگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے قصور سے زیادہ ہوا تو زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جاوے گا۵ تو وہ آدمی الگ ہٹ گیا اور چیخیں مارنے رونے لگا۶ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو رب کا یہ فرمان نہیں پڑھتا کہ ہم قیامت کے دن انصاف والی ترازو رکھیں گے ۷ تو کوئی جان کچھ بھی ظلم نہیں کی جاوے گی اگر رائی کے دانہ کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لائیں گے،ہم کافی حساب لینے والے ہیں۸ تو وہ شخص بولا یارسول اللہ میں اپنے اوران غلاموں کے لیے انکی جدائی سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارے آزاد ہیں۹(ترمذی)

۱ یعنی اس عمل کی وجہ سے میرا کیا حال ہوگا آیا میں اس مارپیٹ گالی گلوچ میں حق بجانب ہوں یا نہیں اور اس کی وجہ سے میری کوئی پکڑ تو نہیں ہوگی۔

۲ یعنی ان غلاموں کے جرم اور تیری سزا کا حساب لگایا جاوے گا کہ دونوں برابر ہیں یا ایک دوسرے سے کچھ کم و بیش ہیں۔معلوم ہوا کہ سزا اور جرم کی حدود مقرر ہیں۔

۳ یعنی چونکہ نہ ان کے جرم کم ہیں نہ تیری سزا زیادہ ہے اس لیے نہ تجھ پر کچھ وبال ہوگا نہ تجھے کوئی ثواب ملے گا حساب برابر رہے گا۔

۴ یعنی اگر غلاموں کے جرم زیادہ ہوئے اور تیری سزا کم تو غلاموں کی پکڑ ہوگی تو تجھے ثواب ملے گا کہ تو نے ان غلاموں کو ان کے جرم سے کم سزا دی ان کے بعض جرموں پر عفو و تحمل سے کام لیا ہے۔

۵ اس فرمان عالی سے حکام،مدرسین و معلّمین،خاوندوں،ماں باپ کو عبرت لینی چاہیے اگر یہ لوگ اپنے ماتحتوں کو ان کے جرم سے سزا زیادہ دیں گے تو یقینًا پکڑے جائیں گے۔کبھی استاد غصہ میں اپنے شاگردوں کو بے تحاشا ماردیتا ہے اس کی بھی پکڑ ہے۔علامہ شامی نے فرمایا کہ تین طمانچہ سے زیادہ ہرگز نہ مارے اور طمانچہ بھی منہ پر نہ مارے،بلا قصور ہرگز نہ مارے،بعض لوگ اپنی بیویوں کو بات بات پر مارتے ہیں اور بہت مارتے ہیں ان کی بھی پکڑ ہے ان کے اس عمل کا بھی حساب ہے ہر وقت اللہ کا خوف دل میں رکھو۔

۶ یہ ہے اس زبان حق ترجمان کی تاثیر کہ دو لفظوں میں اس کے دل کی دنیا بدل دی رب تعالٰی ہم کو بھی حضور کے فرمان پر عمل اور حضور کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔آمین!

۷؎ یعنی حضور نے اپنے فرمان کی تائید قرآن مجید سے پیش کی۔

۸؎ یہ آیت کریمہ حضور کے فرمان عالی کی حرف بحرف تائید کررہی ہے۔اس آیت میں چند چیزیں فرمائی گئیں: ایک یہ کہ میزان اور اس کے ذریعہ اعمال کا وزن برحق ہے۔دوسرے یہ کہ اس ترازو کے وزن میں کمی بیشی کا شائبہ نہیں،نہ اس میں پاسنگ ہے نہ تولنے والوں میں ڈنڈی مارنے کا اندیشہ۔تیسرے یہ کہ غیر مجرم کو سزا دے دینا یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دے دینا بھی ظلم ہے اللہ تعالٰی اس ظلم سے پاک ہے۔ظلم کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کی چیز اس کی بغیر اجازت تصرف میں لانا۔ظلم کے یہ معنی رب تعالٰی کے لیے ممکن نہیں کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی ملک ہے۔چوتھے یہ کہ حساب دانہ دانہ اور قطرہ قطرہ کا لیا جاوے گا یہ ہے قانون۔اگر اللہ تعالٰی کسی کو معافی دے دے حساب نہ لے تو اس کی مہربانی ہے،قانون اور چیز ہے مہربانی کچھ اور،یہاں قانون کا ذکر ہے اس آیت میں ہے"یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ"لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔

۹؎ آزاد کرنے کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ یہ غلام نہ میرے پاس میری ملکیت میں رہیں گے نہ آئندہ مجھ سے ایسے قصور ہوں گے،ان تمام قصوروں کی وجہ ان لوگوں کا میری ملکیت میں رہنا ہے۔دوسرے یہ کہ غلام آزاد کرنا بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے،میں ان کو آزاد کرتا ہوں تاکہ گزشتہ کوتاہیوں کا کفارہ ہوجائے میں اس آزاد کرنے کی وجہ سے ان گناہوں سے دنیا میں ہی پاک ہوجاؤں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعض نمازوں میں فرماتے سنا الٰہی مجھ سے آسان حساب لے ۱؎ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! آسان حساب کیا چیز ہے ۲؎ فرمایا یہ ہے کہ اس کے نامہ اعمال پر نظر کرادی جاوے پھر اسے معافی دے دی جاوے ۳؎ جس سے حساب میں اس دن جرح کرلی گئی اے عائشہ وہ ہلاک ہوجاوے گا ۴؎ (احمد)

۱؎ یہ دعا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کررہی ہے"فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا"حضرت ام المؤمنین کے سوال نے یہ آیت حل کرادی۔خیال رہے کہ حضور انور کی یہ دعا اُمت کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور انور کا حساب نہ ہوگا ان محبوب عظیم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے،ان کے خاص غلام بے حساب بخشے جائیں گے جیساکہ ہماری پیش کردہ آیت اور دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

۲؎ یعنی جس حساب یسیر کی آپ دعا ہم کو سکھارہے ہیں اور رب تعالٰی اپنے کلام میں خبر دے رہا ہے یہ حساب یسیر ہے کیا چیز۔اپنے فرمان عالی کی شرح اور رب کی آیت کی تفسیر حضور ہی فرمادیں۔

۳؎ یعنی جرم دکھانا اور معافی دے دینا حساب یسیر ہے اور جرم دکھانا اور ان پر جرح فرمانا کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیے یہ سخت حساب ہے۔

۶؎ یعنی جرموں پر جرح ہی اس سے کی جاوے گی جس کو سزا دینا ہوگی جسے بخشا ہوگا اسے دکھاکر معافی دے دی جائے گی،بعض وہ بندے بھی ہوں گے جن کا حساب مطلقًا نہ ہوگا نہ جرح کا نہ پیشی کا بلاحساب جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا مجھے خبر دیجئے کہ قیامت کے دن کھڑے ہونے پر کون قدرت رکھے گا جس کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے ۱؎ تو فرمایا کہ وہ دن مؤمن پر ہلکا کردیا جاوے گا حتی کہ اس پر ایک فرض نماز کی طرح ہوجاوے گا ۲؎	

۱؎ یعنی قرآن کریم کی ایک آیت فرمارہی ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا"خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ"۔دوسری یہ آیت فرمارہی ہے کہ اس دن کسی کو بیٹھنے لیٹنے کی اجازت نہ ہوگی سب کھڑے ہی ہوں گے تو اتنی دراز مدت تک کون کھڑا رہ سکے گا،حضرت عبداللہ ابن عمر نے یہ ہی سورت تلاوت کی جب اس آیت پر پہنچے توپھوٹ کر رونے لگے حتی کہ آگے نہ پڑھ سکے۔(مرقات)

۲؎ یہاں نماز فرض سے مراد نماز کا وقت نہیں بلکہ اداء نماز مراد ہے نماز بھی چار رکعت والی یعنی مؤمن متقی کو قیامت کا دن ایسا معلوم ہوگا جیسے اس نے چار رکعت نماز فرض پڑھی۔فرض کی قید اس لیے لگائی کہ بمقابلہ سنت و نفل کے فرض جلد ادا کیے جاتے ہیں کہ اس کی آخری دو رکعت خالی ہوتی ہیں،نیز اس میں قومہ اور جلسہ سے دعائیں نہیں ہوتیں۔خیال رہے کہ غم کی تھوڑی مدت بہت محسوس ہوتی ہے اور خوشی کی دراز مدت کا کم احساس ہوتا ہے،وصال کی رات منٹوں میں فراق کی رات گھنٹوں میں،دردو بیماری کی بے خوابی کی رات سالوں میں گزرتی معلوم ہوتی ہے،مؤمن دیدار مصطفٰی دیدار خدا کی خوشی میں پھولا نہ سمائے گا اسے قیامت کیا معلوم ہو۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اس دن کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے کہ اس دن کی کتنی درازی ہے ۲؎ تو فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ دن مؤمن پر ہلکا کردیا جاوے گا حتی کہ اس پر اس فرض نماز سے بھی زیادہ آسان ہوجاوے گا جسے وہ دنیا میں پڑھتا تھا ۳؎ (بیہقی کتاب البعث والنشور)	

۱؎ یعنی میری موجودگی میں یہ سوال کسی اور نے کیا میں نے سوال بھی سنا حضور کا جواب بھی۔

۲؎ یعنی کتنی دراز مدت ہے اللہ اکبر! یہ ما اظہار تعجب کے لیے ہے۔یارسول اللہ اس مدت میں لوگوں کا کیا حال ہوگا کیسے کھڑے رہ سکیں گے۔(مرقات)

۳؎ قرآن مجید میں قیامت کو ایک ہزار سال بھی فرمایا گیا ہے اور پچاس ہزار سال بھی،اس حدیث شریف نے اسے چار رکعت نماز سے بھی کم فرمایا یہ اختلاف احساس کا ہے دن تو پچاس ہزار برس ہی کا ہے مگر کسی کو ایک ہزار سال محسوس ہوگا کسی کو چار رکعت نماز کی بقدر۔

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے　　　کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے
الٰہی ہماری یہ شب کیسی آئی　　　نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا لوگ قیامت کے دن ایک میدان میں جمع کیے جاویں گے ۱؎ تو پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کے پہلو اپنی خواب گاہوں سے الگ رہتے تھے ۲؎ پس وہ لوگ کھڑے ہوجائیں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے ۳؎ تو وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے ۴؎ پھر باقی تمام لوگوں کو حساب کی طرف جانے کا حکم دیا جاوے گا ۵؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ صعید چٹیل سفیدہ ہموار زمین کو کہتے ہیں،یہ زمین شام یا زمین فلسطین ہوگی جہاں قیامت قائم ہوگی،اس جگہ سب اچھے برے اکٹھے ہوں گے یعنی سارے مؤمن،رہے کفار تو وہ پہلے ہی چھانٹ دیئے گئے ہوں گے "وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ" فرماکر۔

۲؎ یعنی پابندی سے نما تہجد پڑھنے والے مسلمان پہلے حاضر ہوں جن کا حال یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں جب سب سوتے ہیں تو یہ مصلوں پر روتے تھے۔بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عشاء اور فجر جماعت سے پڑھتے ہیں مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ تہجد والے لوگ تھوڑے ہوں گے یہاں ارشاد ہے وھم قلیل۔

۳؎ یعنی مسلمانوں میں تہجد پر پابند تھوڑے ہی ہوں گے،رب فرماتا ہے:"قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ" اور فرماتا ہے:"وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ" اور فرماتا ہے:"اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِیْلٌ مَّا هُمْ"۔(مرقات)

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز پر پابندی ذریعہ ہے قیامت کے حساب سے بچنے کا،رب فرماتا ہے:"اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ"۔خیال رہے کہ یہ لوگ اس وقت جنت کے دروازے پر تو پہنچ جائیں گے مگر ابھی وہاں داخلہ نہ ہوں گا کیونکہ جنت کا دروازہ پہلے حضور کے لیے کھولا جائے گا اور حضور گنہگاروں کو بخشوا کر حساب دلوا کر

جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔یدخلون کے معنی ہیں دخول کے مستحق ہوجائیں گے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔

۶؎ یعنی تہجد والوں کو یہ حکم روانگی سناکر پھر دوسروں کا حساب شروع ہوگا۔

باب الحوض و الشفاعۃ

حوض ۱ اور شفاعت کا بیان ۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ حوض کے معنی ہیں پانی کا جمع ہونا اور بہنا،اسی سے ہے حیض،رحم سے خون بہنا۔اصطلاح میں پانی کے تالاب کو حوض کہا جاتا ہے۔حضور کے حوض دو ہیں: ایک میدان محشر میں،دوسرا جنت میں،دونوں کا نام کوثر ہے۔محشر والے حوض کا پانی مؤمنوں کو وزن کے عمل سے پہلے ملے گا۔تمام نبیوں کے الگ الگ حوض ہوں گے،حضور کے حوض کا نام کوثر ہے، کوثر کے معنی ہیں بہت ہی زیادہ۔(مرقات)بعض شارحین نے فرمایا کہ حوض کوثر ایک ہی ہے جنت میں وہاں سے ایک نہر میدان محشر میں آوے گی۔

۲؎ شفاعت بنا ہے شفع سے بمعنی ملنا اور جوڑا ہوا اس کا مقابل ہے وتر،رب فرماتا ہے:"وَ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ"الخ۔ شفیع وہ جو قیامت میں گنہگاروں سے مل کر انہیں اپنے سینے سے لگالے گا،اب اس کا ترجمہ ہوتا ہے سفارش۔شفاعت دو قسم کی ہے: شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ۔شفاعت کبریٰ صرف حضورکریں گے،اس شفاعت کا فائدہ ساری خلقت حتی کہ کفارکو بھی پہنچے گا کہ اس شفاعت کی برکت سے حساب کتاب شروع ہوجاوے گا اور قیامت کے میدان سے نجات ملے گی،یہ شفاعت قیامت کے اول وقت جب کہ عدل خداوندی کا ظہور ہوگا حضور ہی کریں گے،اس وقت کوئی نبی اس شفاعت کی جرأت نہ فرمائیں گے۔شفاعت صغریٰ ظہور فضل کے وقت ہوگی یہ شفاعت بہت لوگ بلکہ قرآن،رمضان،خانہ کعبہ بھی کریں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع درجات کے لیے صالحین حتی کہ نبیوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے اور گناہوں کی معافی کے لیے ہم گنہگاروں کی شفاعت کریں گے لہذا آپ کی شفاعت سے انبیاءکرام بھی فائدہ اٹھائیں گے۔**اللهم ارزقنا شفاعة حبيبك** صلی اللہ علیہ وسلم۔حضور کی شفاعت ہم گنہگاروں کا سہارا ہے۔شعر

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے مولیٰ　　　رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

حضور کی شفاعت نو قسم کی ہے:(۱)حساب شروع کرانے کے لیے جس کا فائدہ سب کو ہوگا(۲)بے حساب جنتیوں کو جنت میں پہنچانے کے لیے(۳)جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں ان کی نیکی کا پلہ وزنی کرانے کے لیے(۴)ہم جیسے دوزخ کے لائق لوگوں کو چھڑانے کے لیے(۵)صالحین کے درجے بلند کرانے کے لیے(۶)دوزخ میں گرے ہوئے گنہگاروں کو وہاں سے نکلوانے کے لیے(۷)جنت کا دروازہ کھلوانے کے لیے(۸)اہل مدینہ اور زائرین روضۂ رسول کو اپنا قرب دلوانے کے لیے۔(اشعہ)(۹)بعض کفار کا عذاب ہلکا کرانے کے لیے۔(اشعۃاللمعات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم جنت میں سیر فرمارہے تھے تو ایک نہر پر پہنچے جس کے کناروں پر کھکل موتی کے خیمے تھے ۱؎ ہم نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا اس کی مٹی خالص مشک تھی ۲؎ (بخاری)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ شبِ معراج کا ہے جب حضور نے سارا عالم غیب دیکھا۔غالبًا یہ وہ ہی نہر ہے جو حوض کوثر سے نکل کر محشر کی طرف پہنچائی جائے گی۔

۲؎ کوثر کے معنی ہیں خیرکثیر،حوض کوثر بھی اس کی ایک فرد ہے حضور کے بے شمار فضائل،حضور کے اہلِ بیت اطہار،علماء،اولیاء سب ہی کوثر میں داخل ہیں،یہاں حوض کوثر کو کوثر فرمایا گیا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کا ہے ۱؎ اور اس کے گوشے برابر ہیں ۲؎ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے ۳؎ اس کی خوشبو مشک سے زیادہ اچھی ہے ۴؎ اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں ۵؎ جو اس سے پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی حوض کوثر جو میرا حوض ہے اس کی لمبائی چوڑائی کا یہ حال ہے کہ اگر اس کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف چلا جاوے تو چلنے والا ایک مہینہ میں وہاں پہنچے۔

۲؎ یعنی حوض کوثر مربع ہے لمبائی چوڑائی برابر اور اس کا ہر گوشہ زاویہ قائمہ ہے حادہ یا منفرجہ نہیں بلکہ گہرائی بھی ہر جگہ یکساں ہے یہ نہیں کہ کنارہ پر کم گہرا بیچ میں زیادہ گہرا۔

۳؎ نحوی قاعدہ سے **اشد بیاضا** چاہیے کیونکہ رنگت اور عیب سے فعل تعجب اور تفضیل بروزن **افعل** نہیں آتا مگر اس فرمان سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے،حضور تو نحویوں صرفیوں عربیوں کے امام اعظم ہیں نحوان کی پابند ہے۔

۴؎ یعنی اس حوض میں دودھ بلکہ دودھ سے بھی اعلیٰ چیز جس کی خوشبو مشک خالص سے بھی اچھی،اللہ تعالٰی ہم سب کو نصیب کرے۔

۵؎ تعداد اور چمک دمک میں تاروں کی طرح ہیں۔

۶؎ کوثر کا پانی اولًا تو پیاس بجھانے کے لیے ہم لوگ پئیں گے قبروں سے پیاسے اٹھیں گے،پھر جنت میں پہنچ کر وہ ہی کوثر پیا کریں گے مگر پیاس بجھانے کے لیے نہیں صرف لذت کے لیے،رب فرماتاہے:"**وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى**"مگر بغیر پیاس بھی اس کے پینے میں لذت آئے گی جیسے بغیر بھوک وہاں کے پھل کھانے میں مزہ آوے گا،دنیا میں بغیر بھوک پیاس غذا و شربت میں مزہ نہیں آتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا حوض زیادہ بڑا ہے ایلہ سے عدن تک کے فاصلہ سے ۱؎ وہ برف سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا جو دودھ سے مخلوط ہو ۲؎ اس کے برتن تاروں کے شمار کے ہیں اور میں دوسرے لوگوں کو اس سے روکوں گا جیسے کوئی شخص دوسرے لوگوں کے اونٹ کو اپنے حوض سے روکتا ہے ۳؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اس دن آپ ہم کو پہچان لیں گے فرمایا ہاں تمہاری وہ نشانی ہوگی جو کسی دوسری امت کی نہ ہوگی ۴؎ تم میرے پاس آثار وضو کی وجہ سے روشن منہ پنج کلیان آؤ گے ۵؎ (مسلم) اور مسلم کی روایت حضرت انس سے یوں ہے کہ فرمایا اس میں سونے چاندی کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی شمار میں دیکھے جائیں گے ۶؎ اور اس کی دوسری روایت میں حضرت ثوبان سے مروی ہے فرمایا حضور سے پانی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ دودھ سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا اس میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں جو اسے بڑھاتے ہیں ۷؎ ایک سونے کا ہے دوسرا چاندی کا۔

۱؎ ایلہ شام اور یمن کا سرحدی شہر ہے کوہ طور کے پاس واقع ہے،یہاں شام کا علاقہ ختم ہوجاتا ہے اور عدن وسط شام میں ہے وہاں کا دارالخلافہ ہے بحر ہند پر واقع ہے ان دونوں شہروں میں بڑا فاصلہ ہے۔خیال رہے بعض روایات میں عدن و عمان کا ذکر ہے،بعض میں صنعاء اور مدینہ منورہ فرمایا گیا،یہ تمام فرمان سمجھانے کے لیے ہیں قطعی حد بندی کے لیے نہیں جیسا آدمی ویسے اس سے خطاب۔جن صاحبوں کو ایلہ اور عدن کے فاصلہ کی خبر تھی ان سے ان دونوں شہروں کا ذکر فرمایا،جنہیں دوسرے مذکورہ شہروں کی خبر تھی ان سے وہ شہر بیان فرمائے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ برف سفید بھی ہوتی ہے ٹھنڈی بھی وہاں کا پانی بھی ایسا ہی ہوگا اس لیے برف سے تشبیہ دی۔دودھ شہد سے مخلوط ہوکر بڑا لذیذ ہوتا ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی،یہ تشبیہیں صرف سمجھانے کے لیے ہیں ورنہ دنیا کی کوئی چیز حوض کوثر کے پانی کی طرح نہیں ہوسکتی۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرے لوگوں سے مراد مرتدین و منافقین ہیں جو مسلمانوں کے علاوہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے دوسری امتوں کے مؤمنین مراد ہوں کیونکہ ہر نبی کا حوض الگ ہوگا ان میں اپنی امت ہی ان کے حوض پر پیئے گی۔فقیر کے نزدیک دوسرے معنی قوی ہیں یعنی دنیا میں کوئی شخص دوسرے کے اونٹوں کو اپنے حوض پر پانی نہیں پینے دیتا تاکہ جانور مخلوط نہ ہوجاویں ایسے ہی وہاں ہوگا۔

۴؎ یعنی قیامت میں ساری امتوں کے مؤمنین جمع ہوں گے پھر کیا آپ اپنی امت کے مؤمنوں کو پہچانیں گے۔اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوسری امتوں کو دور فرمانے کا ذکر ہے۔

۵؎ اگرچہ ساری امتوں کے مؤمنین وضو کرتے تھے مگر آثار وضوسے اعضاء کا چمکنا صرف تمہارے لیے ہوگا۔خیال رہے کہ حضور کا پہچاننا اس پر موقوف نہ ہوگا یہ علامات تو عام کے پہچاننے کی ہے۔حضور کی امت میں بعض وہ لوگ ہیں جو وضو فرض ہونے سے پہلے فوت ہوگئے جیسے اولین مؤمنین یا چھوٹے بچے یا دیوانے یا بے نماز مسلمان یا وہ لوگ جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہوگئے حضور انہیں بھی پہچانیں گے حالانکہ نہ انہوں نے کبھی وضو کیا تھا نہ ان کے چہروں پر وضو کا پانی پہنچا تھا،ان کی پہچان نور نبوت سے فرمائیں گے،یہ حدیث **باب فضل الوضو** میں گزرچکی۔حق یہ ہے کہ گزشتہ نبوتوں میں وضو تھا مگر وضو کا یہ اثر صرف امت مصطفوی کے لیے ہے جیسا قاسم ویسی تقسیم،ڈول کی تقسیم اور رہٹ کی اور ٹیوب ویل کی تقسیم اور ہے،پانی ایک ہے تقسیم مختلف،نماز وضو ایک ہے مگر نتیجہ مختلف۔

۶؎ پچھلی حدیث میں **کیزان** ارشاد ہوا۔معلوم ہوا کہ کوزے بھی بہت ہوں گے لوٹے بھی بے شمار لہذا ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔

۷؎ یعنی پہلے سے بھی حوض کوثر میں پانی ہے اور جنت سے دو پرنالے اس میں گریں گے تاکہ پانی کم نہ ہونے پائے۔**میزاب** بنا ہے **مزب** سے بمعنی بہنا **یغت** بنا ہے **غت** سے بمعنی گرنا اور پے درپے پانی پینا،پیٹ میں ڈالنا۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں ۱؎ جو مجھ پر گزرے گا وہ پئے گا اور جو پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا ۲؎ میرے پاس کچھ قومیں آئیں گی جنہیں میں پہچانتا ہوں اور وہ مجھے پہچانتے ہیں ۳؎ پھر میرے اوران کے درمیان آڑ کردی جاوے گی ۴؎ تو میں کہوں گا یہ تو میرے ہیں ۵؎ تو فرمایا جاوے آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا باتیں پیدا کیں ۶؎ میں کہوں گا اسے دوری ہو جو میرے بعد تبدیلی کرلے ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ **فرط** صفت مشبہ ہے اس کا مصدر **فرط** بمعنی آگے ہونا،پیشوائی کرنا،**فرط** کے معنی ہیں پیشرو یعنی حوض کوثر پر تم لوگ میرے پیچھے پیچھے حوض کوثر پر پہنچو گے،حوض کوثر پر رہبری بھی ہم ہی کریں گے یا مطلب یہ ہے کہ حوض کوثر پر پہلے ہم پہنچ چکے ہوں گے وہاں کا انتظام فرمانے کے لیے بعد میں تم پہنچو گے۔غالب یہ ہے کہ یہاں حوض سے مراد وہ حوض ہے جو میدان حشر میں ہوگا کہ پیاس یہاں ہی بجھے گی۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ پینا حساب کتاب سے فارغ ہوکر نصیب ہوگا۔(مرقات)بعض شارحین نے فرمایا کہ مؤمن میدان حشر میں پہنچ کر میزان و حساب سے پہلے یہ پانی پئیں گے،اللہ نصیب کرے۔

۳؎ یعنی تا قیامت جتنے مرتدین وہاں حوض کوثر سے روکے جانے والے ہیں انہیں میں آج ہی پہچانتا ہوں اور اس دن بھی پہچانتا ہوں گا،وہ مجھے دنیا میں بھی پہچانیں گے اور آخرت میں بھی،یا اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں موجود مرتدین جو بعد پردہ فرمانے کے مرتد ہوگئے تھے جیسے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آنے والے مرتدین ہیں جن سے حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق نے جہاد کیے۔

۴؎ اس طرح کہ انہیں دھکے دے کر وہاں سے نکال دیا جاوے گا اتنی دور کہ وہ مجھے نظر نہ آئیں میں انہیں نظر نہ آؤں۔یہ مطلب نہیں کہ انہیں وہاں ہی رکھا جاوے اور بیچ میں پردہ حائل کردیا جاوے۔خیال رہے کہ ان مرتدین کو یہاں لاکر سب کچھ دکھا کر انہیں دور کیا جاوے گا تاکہ انہیں بہت ہی افسوس ہو۔

۵؎ یعنی میرے دوست یا میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے میرا نام لینے والے ہیں۔حضور انور کا یہ فرمان ان کو زیادہ ذلیل کرنے کے لیے ہوگا،جیسے رب تعالٰی دوزخیوں سے فرمائے گا:"**ذُقۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ**"تو چکھ تو تو بڑا عزت والا کرم والا ہے۔یہ مطلب نہیں کہ حضور انور پہچانیں گے نہیں ابھی فرمان عالی گزرا **اعرفهم** میں انہیں پہچانتا ہوں،نیز یہ واقعہ حضور کو آج تو معلوم ہے کل کیسے بھول جاوے گا،نیز ان کے منہ کالے،ہاتھ بندھے ہوئے،بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لیے ہوں گے،رب فرماتاہے:"**یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰهُمۡ**"۔

۶؎ فرشتوں کا یارب تعالٰی کا یہ کہنا کہ تم نہیں جانتے ان مرتدین پر اظہار غضب کے لیے ہے جیسے بلاشبہ باپ بیٹے کو مارنے لگے ماں جو اس سے سخت نالاں تھی محبت مادری میں بچانا چاہے باپ کہے تو اس خبیث کو نہیں جانتی اسے تو میں ہی جانتا ہوں۔اس کا مقصد یہ ہے کہ اسے مت بچا مجھے سزا دے لینے دے،رب تعالٰی منافقین کے متعلق فرماتاہے:"**لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ**"انہیں تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں حالانکہ حضور منافقین کو خوب جانتے تھے،فرماتاہے:"**وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ**"تم انہیں کلام کی روش سے ہی پہچان لیتے ہو۔

۷؎ یعنی میری وفات کے بعد اپنا دین بدلے کہ اسلام چھوڑ کر کافر ہوجائے۔خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر روافض کہتے ہیں کہ سارے حضرات صحابہ مرتد ہو گئے تھے **نعوذ باللہ**!اگر یہ مطلب ہے تو حضرت علی وغیرہم بھی صحابی ہیں ان پر بھی الزام آجائے گا اگر وہ حضرات مرتد ہوتے تو حضرت علی نہ ان سے بیعت کرتے نہ انکے پیچھے نمازیں پڑھتے نہ ان کے ہدایا لیتے اور دیوبندی کہتے ہیں کہ حضور انور کو قیامت میں بھی مخلص مؤمن اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی اس کے جواب ابھی عرض کیے گئے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنین قیامت کے دن روکے جائیں گے ۱؎ حتی کہ اس کی وجہ سے سخت غمگیں ہوں گے تو کہیں گے کہ ہم اپنے رب کی بارگاہ کو شفیع لاتے کہ وہ کہیں اس جگہ سے راحت دے چنانچہ وہ حضرت آدم کے پاس حاضر ہوجائیں گے ۲؎ عرض	

کریں گے آپ انسانوں کے باپ ہیں اللہ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا آپ کو اپنی جنت میں رکھا آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا آپ کو ہر چیز کے نام بتائے اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں۳؎ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے نجات دے،وہ فرمائیں گے کہ میں تمہارے اس مقام میں نہیں ہوں۴؎ اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے جو انہوں نے کی تھی یعنی درخت سے کھانا حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا ۵؎ لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ نے زمین والے کفار کی طرف بھیجا ۶؎ تو وہ حضرت نوح کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے کہ میں تمہارے اس مقام میں نہیں ہوں اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے جو کی تھی یعنی اپنے رب سے بغیر جانے سوال کرنا۷؎ لیکن تم اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ فرمایا تو لوگ جناب ابراہیم کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے کہ میں تمہارے اس مقام کا نہیں اور اپنی تین خلاف واقعہ باتیں یاد کریں گے ۸؎ لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ بندے جنہیں اللہ نے توریت بخشی اور ان سے کلام کیا اور انہیں مشورہ کے لیے قرب بخشا فرمایا تو لوگ جناب موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے جو انہوں نے کی یعنی ایک کا قتل۹؎ لیکن تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ اللہ کے بندے اس کے رسول اللہ کی طرف سے روح اسکا کلمہ فرمایا پھر لوگ جناب عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں۱۰؎ لیکن تم حضور محمد مصطفیٰ کے پاس جاؤ وہ بندے جن کی طفیل اللہ نے ان کے گنہگاروں کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ۱۱؎ فرمایا تو سب میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب کے پاس اس کے مقرر گھر میں حاضری کی اجازت مانگوں گا ۱۲؎ مجھے اجازت دی جاوے گی میں جب رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گرجاؤں گا پھر جتنا اللہ چاہے گا مجھے چھوڑے رکھے

	گا۱۳؎ پھر فرمائے گا اے محمد سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جائے گی،شفاعت کرو قبول کی جاوے گی،مانگو تم کو دیا جاوے گا۱۴؎ فرمایا تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اللہ کی وہ حمدوثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھائے ۱۵؎گا پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جاوے گی میں وہاں سے چلوں گا انہیں آگ سے نکالوں گا اورجنت میں داخل کروں گا۱۶؎ پھر دوسری بار لوٹوں گا اپنے رب سے اس کے گھر میں اجازت مانگوں گا۱۷؎ مجھے وہاں کی اجازت دی جاوے گی جب میں رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا جتنا سجدے میں رہنا رب چاہے گا اتنا مجھے سجدے میں چھوڑے گا پھر فرمائے گا محمد سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائے گی شفاعت کرو قبول کی جاوے گی مانگو دیئے جاؤ گے فرمایا تب میں سر اٹھاؤں گا اپنے رب کی ایسی حمدوثنا کروں گا جو مجھے سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جاوے گی میں روانہ ہوں گا انہیں آگ سے نکالوں گا جب جنت میں داخل کروں گا ۱۸؎ پھر میں تیسری بار لوٹوں گا اپنے رب سے اس کی جگہ میں اجازت مانگوں گا مجھے اس پر اجازت دی جاوے گی تو جب میں رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گرجاؤں گاجب تک اللہ مجھے چھوڑے رکھنا چاہیے گا چھوڑے رکھے گا۱۹؎ پھر فرمائے گا محمد سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جاوے گی شفاعت کرو قبول کی جاوے گی مانگو تمہیں دیا جاوے گا فرمایا تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اپنے رب کی وہ حمدوثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گاپھر شفاعت کروں گا۲۰؎ تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جاوے گی پھر میں وہاں سے روانہ ہوں گا انہیں آگ سے نکالوں گاجنت میں داخل کروں گا حتی کہ آگ میں صرف وہ ہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روکا یعنی جن پر ہیشگی ضروری ہوگئی ۲۱؎ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر اٹھائے فرمایا یہ مقام محمود وہ ہے جس کا تمہارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے ۲۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ مؤمنین سے مراد آدم علیہ السلام روز قیامت سارے اہل ایمان ہیں،روکے جانے سے مراد میدان حشر میں کھڑا رہنا اور حساب کتاب کا انتظار کرنا ہے اس سے حضرات انبیاء علیحدہ ہیں۔

۲؎ طلب شفیع کا ولولہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوگا مگر تلاش میں کفار ساتھ ہوں گے سارے انسان ڈھونڈھیں گے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کا وسیلہ پکڑنا یہ وہ کام ہے جس سے قیامت کے کاموں کی ابتداء ہوگی وہاں پہلے یہ ہی کام وسیلہ والا ہوگا بعد میں دوسرے کام۔

۳؎ معلوم ہوا کہ کسی سے کچھ مانگنا ہو تو پہلے اس کی تعریف کی جاوے بعد میں عرض و معروض اس لیے آج بھی پہلے ہم لوگ اللہ کی حمد،حضور کی نعت و درود کے بعددعا مانگتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ان فضائل و کمالات کے ذریعہ ہماری شفاعت کریں۔

۴؎ یعنی تمہاری شفاعت کبریٰ فرمانا میرا منصب میرا درجہ نہیں یہ دروازہ کسی اور ہی کے ہاتھ پر کھلنے والا ہے۔

۵؎ آپ کا یہ قول رب تعالٰی سے انتہائی ہیبت و خوف کی بنا پر ہے کہ آپ اپنی وہ خطا یاد کرکے رب کے حضور جانے سے جھجکتے ہیں کہ کبھی میری اس خطا کا تذکرہ نہ آجاوے تو میں شفاعت کیسے کروں گا ورنہ رب تعالٰی نے معافی دے کر انہیں زمین کا خلیفہ بنایا،ان کی معافی کا اعلان توریت و زبور و انجیل و قرآن میں کیا گیا۔خوف و خشیت اور چیز ہے،رب تعالٰی کے وعدوں پر بے اعتباری کچھ اور،لہذا اس حدیث سے مسئلہ امکان کذب پر دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

۶؎ زمین سے مراد نوح علیہ السلام کی قوم کی زمین ہے جہاں وہ آباد تھی اور ساری کافر تھی سارے کفار کی طرف رسول پہلے آپ ہی ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام و شیث،ادریس،صالح علیہم السلام مؤمنین یا مؤمن و کافر مخلوط کی طرف بھیجے گئے،بعض شارحین نے فرمایا کہ آپ سے پہلے حضرات نبی تھے رسول و مرسل نہ تھے پہلے رسول آپ ہی ہیں۔

۷؎ یعنی میں نے اپنے کافر بیٹے کنعان کے متعلق رب تعالٰی سے عرض کیا تھا "اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ"وہ میرا اہل بیت ہے،اس پر رب نے فرمایا تھا:"اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ"الخ،اگر اس کا تذکرہ آگیا تو میں تمہاری شفاعت کیسے کروں گا۔خیال رہے کہ نوح علیہ السلام نے کعنان کی شفاعت نہیں کی تھی کیونکہ آپ کا یہ عرض کرنا اس وقت تھا جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر چکی تھی،کنعان کو ڈوبے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا جیساکہ قرآن کریم سے صراحۃً معلوم ہورہا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مولٰی میں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میرے اہل طوفان سے محفوظ رہیں گے اور کنعان ڈوب گیا میں لوگوں کو کیا جواب دوں مگر چونکہ اس کے جواب پر ظاہر عتاب تھا اس لیے آج انہیں یہ خوف ہے سوالی بغیر علم کا مطلب یہ ہے کہ تم کو علم ہے کہ تمہارا اہل نہیں ورنہ سوال تو اس چیز کا ہوتا ہے جس کا علم نہ ہو۔

۸؎ ایک یہ کہ میں بیمار ہوں دوسرے یہ کہ یہ کام اس بڑے نے کیا،تیسرے یہ کہ سارہ میری بہن ہے۔خیال رہے کہ یہ تینوں کلام سچے ہیں مگر ظاہر کے خلاف اس لیے آپ نے رب کے سامنے پیش ہونے سے انکار فرمایا،ہماری مراد دل کی بیماری یعنی کفار سے بیزاری ہے اور **کبیرھم** کا مقصد یہ ہے کہ اس بڑے بت نے دوسرے بت توڑے ہوں گے یہ کلام بطور استہزاء ہے بت پرستوں کی حماقت ظاہر کرنے کو اور حضرت سارہ کو دینی بہن فرمایا نہ کہ نسبی بہن۔

۹؎اس قتل سے مراد قبطی کو گھونسہ مار کر ہلاک کردینا۔خیال رہے کہ موذی کافر کو مار ڈالنا گناہ نہیں بلکہ عبادت ہے، نیز آپ نے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا،نیز اس خطا کی معافی کا اعلان بھی ہوچکا مگر ہیبت الٰہی کے باعث حاضر دربار نہیں ہوتے کہ حکم الٰہی آنے سے پہلے مجھ سے یہ قتل واقع ہوگیا ورنہ بعد میں تو آپ کی دعا سے سارے قبطی ہلاک کردیئے گئے یہ بات خوب خیال رہے۔

۱۰؎حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی کوئی خطا بیان نہ فرمائیں گے مگر پھر بھی شفاعت کی ہمت نہ کریں گے یا تو اس لیے کہ آپ کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا کہا تھا۔چنانچہ آپ سے سوال ہوگا"ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ"الخ یا اس لیے کہ آپ جانتے ہیں شفاعت کبریٰ صرف حضور انور فرمائیں گے۔

۱۱؎یہاں چند باتیں خیال رہیں:ایک یہ کہ یہاں حضور کے طفیل لوگوں کے گناہ معاف کرنا مراد ہے،حضور انور نے کبھی گناہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا ورنہ مغفرت تو سارے نبیوں کی ہوچکی ہے خصوصیت سے حضور انور کے لیے یہ کیوں فرمایا گیا۔دوسرے یہ کہ دنیا میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور انور کی تشریف آوری کی بشارت دی"مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ"۔قیامت میں بھی حضور کا پتہ آپ ہی دیں گے۔حضرت مسیح صبح کا وہ تارا ہیں جو سورج کی خبر دیتاہے۔تیسرے یہ کہ ان تلاش کرنے والوں میں سارے محدثین و فقہاء ہوں گے جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہم کو سمجھائی مگر کسی کو یاد نہ آئے گاکہ حضور شفیع المذنبین ہیں چلو وہاں چلیں حتی کہ حضرات انبیاءکرام کو بھی یاد نہ رہے گا۔یہ لوگ اپنے خیال سے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور حضرات انبیاءکرام کے بھیجنے سے ایک دوسرے کے پاس۔یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ حضور کی شان معلوم ہو اگر پہلے ہی لوگ حضور کے پاس پہنچ جاتے اور شفاعت ہوجاتی تو کون کہہ سکتا تھا کہ شفاعت ہر جگہ ہوسکتی تھی ہم اتفاقًا یہاں آگئے اور حضور نے شفاعت کردی،یہ خیال دفع فرمانے کے لیے اسی طرح پھرایا گیا،یہ بات مرقات نے بیان کی اعلیٰ۔حضرت نے فرمایا۔شعر

خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہیں نہ نبی　　　یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے

چوتھے یہ کہ اس وقت تو مخلوق حضور کو ڈھونڈھے گی بعد میں حضور انور اپنے ہر گنہگار کوتلاش فرمائیں گے۔شعر

ہیں جن کی جستجو میں ہوں وہ مجھ کو آپ ڈھونڈیں گے　　　خداوندا میں تیرے حشر کے میدان کے صدقے

۱۲؎ دارہ میں ہ کی ضمیر یا تو رب تعالیٰ کی طرف ہے تو یہ اضافت عزت و شرف کی ہے یا شفاعت کی طرف یعنی میں اس شفاعت کی جگہ تشریف فرما ہوں گا۔یہ جگہ یا تو مقام محمود ہے یا مقام وسیلہ ہے یا عرش کے نیچے کوئی جگہ یا کوئی اور خاص جگہ جہاں صرف حضور کی رسائی ہے۔خیال رہے کہ لوگ تلاش کرتے کرتے حضور تک ایک ہزار سال میں پہنچیں گے۔

۱۳؎رب تعالیٰ بے حجاب حضور انور کو اپنا دیدار عطا کرے گا،حضور سجدہ کریں گے یہ سجدہ شفاعت کبریٰ کی چابی ہے جس سے دروازہ شفاعت کھلے گا اوررب تعالیٰ عدل سے فضل کیطرف توجہ فرمائے گا۔حضور کا سجدہ میں گرنا ہم گرتے ہوئے گنہگاروں کے سنبھلنے کا ذریعہ ہوگا،یہ سجدہ عرض معروض کی اجازت حاصل کرنے کے لیے ہوگا جیسے شاہی دربار میں جب کچھ عرض کرنا ہو تو پہلے سلامی مجرا ادا کیا جاتا ہے۔حضور کا وہاں سے ہٹ کر یہاں آنا اس لیے ہے کہ وہ جگہ حساب کی تھی اور یہ جگہ اکرام واحترام کی یہ عرض اسی جگہ ہونی چاہیے تھی۔(مرقات) یہ سجدہ ایک ہفتہ کی برابر رہے گا۔

۱۴؎ اس سجدے سے دربار رحمت جوش میں آجاوے گا حکم ہوگا پہلے سر اٹھاؤ تم ہم کو دیکھو ہم تم کو دیکھیں،پھر عرض کرو آج ہماری تمہاری بات آمنے سامنے ہوگی اللھم صلی علی سیدنا محمد و سلم۔

۱۵؎ یعنی وہ حمد و ثنا مجھے بطور الہام مجھے وہاں ہی سکھائی جاوے گی ابھی ہم کو معلوم نہیں۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کے اوصاف دنیا کے واقعات نہیں،حضور کا علم دنیا کے واقعات کو محیط ہے نہ کہ صفات الٰہیہ کو لہذا یہ واقعہ علم غیب کے خلاف نہیں۔

۱۶؎ یعنی یہ جگہ تو شفاعت کی تھی بخشش کی جگہ دوسری ہوگی۔چنانچہ ہم یہاں سے چل کر وہاں پہنچیں گے جہاں بخشش کا ظہور ہوگا۔حد مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حکم ہوگا اپنی اتنی امت کو جنت میں داخل کردو۔معلوم ہوا کہ لوگ جنت میں حضور کے پہنچائے پہنچیں گے اپنے آپ نہ جائیں گے۔

۱۷؎ دارہ کی تحقیق ابھی کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد ہے شفاعت کی جگہ یا اللہ کا گھر جو شفاعت کے لیے خاص کیا گیا وسیلہ یا اور جگہ۔

۱۸؎ خیال رہے اس حدیث میں اختصار ہے۔حضور کی شفاعتیں چند ہوں گی: پہلی شفاعت جس کی تمام دنیا طلبگار ہوگی وہ تو ہے حساب کتاب شروع کرانا،لوگوں کو میدان محشر سے نجات دلانا۔یہ اس وقت ہوگی جب کہ کوئی جنت یا دوزخ میں نہ گیا ہوگا کہ ابھی تو حساب ہی نہیں ہوا ہے وہاں جانا کیسا،اسی مطالبہ اور عرض معروض کا ذکر اول حدیث میں ہوا۔آخری شفاعت دوزخ میں گرے ہوئے مسلمانوں کو وہاں سے نکالنا اس کا ذکر یہاں ہورہا ہے،یہ شفاعت سب سے آخر میں ہوگی درمیان میں بہت سی شفاعتیں ہوں گی۔کسی کا ہلکا پلہ بھاری کرانا،صراط پر گرتے ہوؤں کو سہارا دے کر گزار دینا،بندھے ہوئے گنہگاروں کو کھلوادینا،پکڑے ہوئے گنہگاروں کو چھڑوادینا،ہم جیسے روسیاہوں کے منہ کی کالک صاف کراکر چہرے اوجیالے کرادینا وغیرہ ان شفاعتوں کا یہاں ذکر نہیں فرمایا گیا ابتداء انتہا کا ذکر ہے۔اس کی اور توجیہیں بھی کی گئی ہیں مگر مرقات نے اس کو ترجیح دی۔غرضکہ حدیث میں اختصار ہے ایسے اختصار قرآن مجید میں بہت ہیں۔

۱۹؎ ہم پہلے بہ حوالہ مرقات عرض کرچکے کہ حضور انور کے یہ سجدے ایک ایک ہفتے کی بقدر ہوں گے یعنی اگر دن رات ہوتے تو فی سجدہ ایک ہفتہ گزرتا،نہ معلوم اتنے دراز سجدوں میں حضور کیا کیا اور کیسی کیسی حمد کریں گے اور رب تعالٰی حضور کے کیسے کیسے درجے بلند فرمائے گا یہ تو یا دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۰؎ معلوم ہوا کہ اس آخری شفاعت کے تین حصے ہوں گے ہر حصہ میں تہائی گنہگار دوزخ سے نکالے جائیں گے۔خیال رہے کہ فاستاذن علی ربی میں اس مقام شفاعت میں داخلہ کی اجازت مراد ہے اوریہاں سجدہ کے بعد جو اجازت ہے وہ شفاعت کی اجازت ہے لہذا فرمان عالی میں تکرار نہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور کا ان دوزخیوں کو نکالنا بلاواسطہ بھی ہوگا اور بالواسطہ بھی یعنی بعض کو خود حضور انور نکالیں گے بعض کو حضور انور کے غلام یعنی مؤمنین،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ جنتی مؤمن دوزخ میں جاکر وہاں دوزخی مؤمنین کو نکالیں گے اولًا انہیں جنکے دل میں درہم برابر ایمان ہے،پھر انہیں جن میں نصف درہم برابر ایمان ہے حتی کہ آخر میں انہیں جن میں رائی برابر ایمان ہے۔

۲۱؎ یعنی جن کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا:"خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا"۔اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہورہا ہے کہ دوزخ میں پہنچے ہوئے گنہگار مؤمنین کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضور کی امت کے اولیاء علماء نکالیں گے،یہ مؤمنین خواہ امت

محمدیہ کے ہوں یا دوسری امتوں کے سب کی رہائی حضور کی شفاعت سے ہوگی۔دوسرے نبیوں کا گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس امت کے گنہگاروں کو تو حضور انور اور آپکے خدام نکالیں گے دوسری امتوں کے دوزخی گنہگاروں کو وہ حضرات نکالیں۔واللہ ورسولہ اعلم!

۲۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی خود حضور انور کا اپنا ہے۔نبیکم فرمانا ایسا ہی ہے جیسے رب تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتاہے:"هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ"یعنی کبھی متکلم اپنا نام یا اپنے القاب سے اپنا ذکر کرتا ہے اور ممکن ہے یہ کلام کسی راوی کا ہو تب نبیکم فرمانا بالکل ظاہر ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ بعض بعض میں مخلوط ہوجائیں گے ۱؎پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے عرض کریں گے اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت کیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کے لیے نہیں لیکن تم حضرت ابراہیم کا دامن پکڑو وہ اللہ کے خلیل ہیں ۲؎تو وہ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گےوہ بھی کہیں گے میں اس کے لیے نہیں لیکن تم جناب موسیٰ کو پکڑو وہ اللہ کے کلیم ہیں تووہ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے اس کے لیے میں نہیں۳؎لیکن تم حضرت عیسیٰ کو پکڑو کہ وہ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں تو لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے اس کے لیے میں نہیں ہوں لیکن تم حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو۴؎تو وہ میرے پاس آئیں گے میں فرماؤں گا ہاں میں اس کے لیے ہوں پھر میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا ۵؎مجھے اجازت ملے گی اور ایسی حمدیں مجھے الہام کرے گا جو ابھی میرے علم میں حاضر نہیں ۶؎میں ان حمدوں سے حمد کروں گا اور رب کے لیے سجدہ میں گرجاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جاوے گی،مانگو دیئے جاؤ گے،شفاعت کرو قبول کیجاوے گی،میں عرض کروں گا یا رب میری امت میری امت ۷؎تو فرمایا جاوے گا جاؤ اس کو نکالو جس کے دل میں جَو برابر ایمان ہو تو میں چلوں گا اور یہ عمل کروں گا ۸؎پھر	

	واپس لوٹوں گا انہی حمدوں سے رب کی حمد کروں گا پھر اس کے لیے سجدہ میں گروں گا تو کہا جاوے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ،کہو سنی جاوے گی،مانگو تمہیں وہ دیا جاوے گا، شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں عرض کروں گا یا رب میری امت میری امت تو کہا جاوے گا چلو اسے نکال لو جس کے دل میں ذرہ یا رائی کے دانہ برابر ایمان ہو۹ چنانچہ میں چلوں گا یہ عمل کروں گا پھر لوٹ کر آؤں گا تو رب کی انہیں حمدوں سے ثنا کروں گا،پھر اس کے لیے سجدہ میں گرجاؤں گا تو کہا جاوے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی،مانگو تمہیں دیا جاوے گا،شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں کہوں گا یارب میری امت میری امت فرمایا جاوے گا۱۰ جاؤ اسے نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کمتر ایمان ہو چنانچہ میں جاؤں گا اسے آگ سے نکال لاؤں گا چنانچہ ہم جائیں گے اور یہ کام کریں گے ۱۱ پھر میں چوتھی بار لوٹوں گا اور رب تعالٰی کی حمد و ثنا انہیں محامد سے کروں گا،پھر میں اس کے حضور سجدہ کناں عرض کروں گا تو کہا جاوے گا اے محمد سر اٹھاؤ،کہو سنی جاوے گی،مانگو دیئے جاؤ گے،شفاعت کرو قبول کی جاوے گی ۱۲ تو میں عرض کروں گا یارب مجھے اس کے متعلق اجازت دے جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو ۱۳ رب فرمائے گا یہ تمہارا نہیں لیکن میری عزت و جلالت اور کبریائی کی اور میری عظمت کی قسم میں وہاں سے اسے نکال دوں گا جس نے کہا لا الہ الا اللہ ۱۴ (مسلم،بخاری)

۱؎ ماج بنا ہے موج سے بمعنی مخلوط ہونا،بے قرار ہونا۔یعنی اولًا تو لوگ محشر میں اکیلے اکیلے حیران کھڑے ہوں گے، بہت دراز عرصہ گزارنے پر بعض بعض سے ملیں گے اور مشورہ کریں گے۔اس ناس میں از آدم علیہ السلام تا روز قیامت سارے انسان داخل ہیں کافر ہوں یا مؤمن سواء حضرات انبیاء کرام کے،تلاش شفیع کے لیے سب ہی نکلیں گے حضرات انبیاء کرام نہ نکلیں گے اور ممکن ہے کہ ان لوگوں میں وہ لوگ شامل نہ ہوں جو عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے کیونکہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی جس کو دفع کرانے کے لیے شفیع کو تلاش کریں مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ یہ سارے لوگ ہی تلاش شفیع میں پھریں گے۔جو محشر میں گرفتار بلا ہیں وہ تو رہائی کے لیے شفیع ڈھونڈیں گے،دوسرے لوگ رسائی کے لیے کہ حساب شروع ہو رب کا دیدار اس سے ہم کلامی نصیب ہو۔

۲؎ یہاں ایک واسطہ کا ذکر نہیں فرمایا یعنی نوح علیہ السلام کا،حضرت آدم علیہ السلام بھیجیں گے نوح علیہ السلام کے پاس، وہ بھیجیں گے ابراہیم علیہ السلام کے پاس مگر چونکہ حضرت آدم کے بھیجنے سے نوح علیہ السلام کے پاس گئے ہوں گے اس لیے نوح علیہ السلام کا بھیجنا بالواسطہ آدم علیہ السلام کا بھیجنا ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں وہاں تفصیل تھی اور یہاں اجمال ہے۔

۳؎ یہاں بھی کچھ اجمال ہے،پہلے لوگ ان سے شفاعت کے لیے کہیں گے اس کے جواب میں آپ یہ فرمائیں گے لست لھا کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کبریٰ میرا کام نہیں اس درجہ میں میں نہیں ہوں یہ کوئی اور ہی کرے گا ہم شفاعت صغریٰ کریں گے۔

۴؎ حضور تک پہنچتے پہنچتے لوگوں کو ہزار سال تک لگ جائیں گے اتنی بڑی بھیڑ میں تلاش کرنا آسان نہیں ہے نہ معلوم یہ حضرات کہاں کہاں ملیں گے۔

۵؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ یہ اجازت اس جگہ داخل ہونے کی ہے نہ کہ عرض و معروض کرنے کی،عرض و معروض کی اجازت تو سجدہ کرکے حاصل کی جاوے گی۔

۶؎ یعنی وہ صفات جن سے میں اس سجدے میں اللہ کی حمد کروں گا وہ مجھے ابھی نہیں بتائے گئے اس وقت ہی بتائے جائیں گے۔خیال رہے کہ ہم بذات خود رب تعالٰی کی حمد نہیں کرسکتے جب تک کہ ہم کو حضور نہ سکھائیں،ہماری حمد حضور کے سکھانے سے ہے اور حضور کی حمد رب تعالٰی کے سکھانے اور رب کی جیسی حمد حضور انور نے کی ہے اور کریں گے مخلوق میں کسی نے ایسی حمد نہ کی اسی لیے آپ کا نام احمد ہے۔اس سجدہ میں حضور انور رب کی بے مثال حمد کریں گے اور مقام محمود پر رب تعالٰی حضور انور کی ایسی حمد کرے گا جو کوئی نہ کرسکا ہوگا اس لیے حضور انور کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔خیال رہے کہ حضور انور کا علم واقعات کو گھیرے ہوئے ہے کہ ہر واقعہ حضور کے علم میں ہے مگر اللہ تعالٰی کے اوصاف کوئی نہیں گھیر سکتا کہ اس کے اوصاف غیر محدود ہیں لہذا یہ واقعہ حضور کے علم غیب کلی کے خلاف نہیں۔

۷؎ یعنی میری امت کو بخش دے میری امت کو بخش دے۔اللہ تعالٰی نے ہر نبی رسول کو ایک ایک خصوصی دعا عطا فرمائی تھی جس کی قبولیت کا پورا وعدہ فرمایا تھا،سارے نبیوں نے اپنی دعائیں دنیا ہی میں مانگ لیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ دعاء خاص محفوظ رکھی ہے اس دعا سے امت کی شفاعت فرمائیں گے۔یہ وہ ہی دعا ہے جس سے آپ شفاعت فرمارہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۸؎ خیال رہے کہ ایمان و اسلام میں حقدار کی زیادتی کمی ناممکن ہے کیونکہ یہ ایک بسیط چیز ہے جس کے اجزاء نہیں،ہاں کیفیات میں یا نتائج میں زیادتی کمی ہوسکتی ہے جیسے علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین اعلیٰ ہے مگر کیفیت میں،نیز بعض مؤمنین کو اعمال کی توفیق ملتی ہے بعض کو عرفانِ الٰہی،یہ نتیجہ میں فرق ہے جو وغیرہ کا ذکر اسی فرق کی بنا پر ہے لہذا احادیث واضح ہیں۔

۹؎ ذرہ سے مراد یا چھوٹی چیونٹی ہے یا ریت کا ذرہ یا ھباءً منثورًا یعنی جو اندھیری کوٹھری میں کسی روزن سے دھوپ آنے سے اس میں باریک باریک روئیں اڑتے نظر آتے ہیں۔بہرحال مقصود ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے جس کے ساتھ اور کوئی نیکی نہ ہو۔

۱۰؎حمد الٰہی وہ ہی ہوگی شفاعت کے الفاظ بھی وہ ہی ہوں گے مگر ان سے فائدہ اٹھانے والے جدا گانہ پہلی بار اور لوگ نکالے گئے اس بار،دوسرے لوگ ہر بار میں مختلف گنہگار بخشے جائیں گے جیساکہ حدیث سے ظاہر ہے۔

۱۱؎اس پوری حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں تشریف لے جائیں گے جس سے پتہ لگا کہ حضور ہم گنہگاروں کی خاطر ادنی جگہ پر تشریف لے جائیں گے۔اگر آج میلاد شریف یا مجلس ذکر میں حضور تشریف لاویں تو ان کے کرم سے بعید نہیں ان سے ان کی شان نہیں گھٹتی ہمارے اور ہمارے گھروں کی شان بڑھ جاتی ہے۔شعر

ذیشان و شوکت سلطان نہ گشت چیزے کم　　زالتفات بمہماں سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقان بہ آفتاب رسید　　کہ سایہ برسر ش افگند چوں تو سلطانے

ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

جو کرم سے اپنے شاہِ امم رکھیں مجھ غریب کے گھر قدم　　مرے شاہ کی نہ ہو شان کم کہ گدایہ ان کا پیار ہے
ولے مجھ غریب کا غمکدہ بنے رشک خلد بریں شہا　　کرے ناز اپنے نصیب پر بلے شاہ وہ جو گنوار ہے

دوسرے یہ کہ دوزخ کی آگ نور میں اثر نہیں کرسکتی حضور نور ہیں آگ سے تکلیف حضور کو نہیں پہنچ سکتی۔ہمارا نور نظر آگ سے نہیں جلتا بلکہ حضور کے خاص خدام بھی شفاعت کرنے دوزخ سے نکالنے کے لیے دوزخ میں کود جائیں گے انہیں بھی آگ نقصان نہیں دے گی۔تیسرے یہ کہ رب تعالٰی ہے بخشنے والا رحمت فرمانے والا مگر اپنی ساری نعمتیں حضور کی معرفت دیتا ہے۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان لوگوں کو دوزخ سے رہائی دنیا میں بھی ہم کو قرآن،ایمان،اسلام،عرفان جو کچھ دیا سب رب نے دیا مگر حضور انور کے ذریعہ دیا بغیر ان کے واسطے کے کسی کو کچھ نہیں دیتا۔شعر

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے　　حاشا غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

حضور کی شفاعت پہلے ہوئی گنہگار کی رہائی بعد میں بلکہ رہائی شفاعت کے وجہ سے ہوئی۔چوتھے یہ کہ شرعی ایمان والوں کی حضور صرف شفاعت ہی نہیں کریں گے بلکہ شفاعت بھی کریں گے اور دستگیری بھی۔سجدہ کرکے عرض معروض کرنا شفاعت ہے،دوزخ میں جاکر انہیں نکالنا دستگیری ہے۔حضور دستگیر دو جہاں ہیں جو انہیں دستگیر مددگار نہ مانے وہ اس فرمان عالی کا منکر ہے۔پانچویں یہ کہ ایمان شرعی والوں کی حضور شفاعت و دستگیری دونوں کریں گے جن کا ایمان شرعی نہ تھا ان کی شفاعت تو فرمائیں گے دستگیری نہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۱۲؎خیال رہے کہ یہ چوتھی شفاعت ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں شرعی مؤمن نہ تھے عند اللہ مؤمن تھے ورنہ شرعی مؤمن تو ادنی سے ادنی بھی پہلی تین شفاعتوں سے دوزخ سے رہا کردیئے گئے ہیں اب یہ وہ ہی لوگ ہیں جو شرعًا مؤمن تھے ہی نہیں عنداللہ مؤمن تھے۔

۱۳؎اس کے متعلق بڑی گفتگو ہے کہ یہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کون لوگ ہیں۔بعض شارحین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو عمر بھر کافر رہے مرتے وقت مؤمن ہو کر مرے عمل کوئی نہ کیا،بعض نے فرمایا کہ یہ گزشتہ امتوں کے کلمہ گو گنہگار لوگ ہیں نہ کہ حضور کی امت کے،یہ مرقات نے فرمایا مگر یہ دونوں توجیہیں کچھ ضعیف سی ہیں کیونکہ یہ دونوں تو مؤمن ہیں

بلکہ پہلا شخص بے گناہ مؤمن ہے کہ اسے گناہ کا وقت نہیں ملا۔فقیر کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں ایمان تھا مگر زبان سے اس کا اقرار نہیں کیا،یہ لوگ اللہ کے نزدیک مؤمن ہیں شریعت میں کافر،جیسے ابو طالب وغیرہ انہیں شریعت میں ساتر کہتے ہیں اور جس کی زبان پر ایمان ہو دل میں کفر اسے منافق کہتے ہیں اور جو دل و زبان دونوں کا مؤمن ہو اسے مخلص مؤمن اور جو دل و زبان دونوں کا کافر ہوا اسے مجاہر کہا جاتا ہے۔**فیمن قال** میں قول سے مراد دلی قول ہے یعنی ماننا اور لا الہ الا اللہ سے مراد سارے اسلامی عقیدے ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔اس میں منافقین یا دوسرے توحیدی عقیدہ رکھنے والے کفار داخل نہیں،صرف ساترین مراد ہیں لہذا موجودہ مرزائی چکڑالوی وغیرہ اس سے خارج ہیں۔

۴؎ یعنی ان ساترین کے متعلق تمہاری یہ چوتھی شفاعت قبول ہے مگر انہیں نکالنے کے لیے آپ کو تکلیف نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ صراحۃً آپ کی امت میں داخل نہیں ہوئے اور دنیا میں ان پر شریعت کے احکام جاری نہیں ہوتے حتی کہ ان کا اسلامی کفن دفن نہیں کیا گیا،آج بھی مخلص مؤمن اور یہ ساترین تمہاری شفاعت سے تو نکلیں گے مگر تمہارے ہاتھوں سے نہیں کیونکہ دنیا میں ان کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ نہ تھا۔ہماری اس شرح سے پتہ لگا کہ یہ لوگ بھی حضور کی شفاعت سے ہی نکلے،شفاعت سے کوئی بے نیاز نہیں اس لیے انہیں اس سجدہ سے اور شفاعت سے پہلے دوزخ سے نہیں نکالا گیا۔

	روایت ہے جناب ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا لوگوں میں زیادہ کامیاب میری شفاعت سے قیامت کے دن ۱؎ وہ ہوگا جس نے اپنے خالص دل یا خالص نفس سے کہا لا الہ الا اللہ ۲؎(بخاری)

۱؎ یعنی میری شفاعت سے ہر انسان کو حصہ ملے گا کافر ہو یا مؤمن،مخلص ہو یا منافق مگر پورا بہرہ ور میری شفاعت سے مؤمن ہی ہوں گے کہ وہ اس کی برکت سے دوزخ سے نجات پاجائیں گے۔عام کفار شفاعت کی وجہ سے محشر کی تکلیف سے نجات پائیں گے اور بعض کفار کے عذاب ہلکے ہوجائیں گے اس لیے یہاں **اسعد** فرمایا گیا۔(مرقات)اس کی اور بہت شرحیں کی گئیں ہیں۔

۲؎ لا الہ الا اللہ کہنے سے مراد ہے سارے عقائد اسلامیہ کا اقرار کرنا جیسے کہا جاتا ہے نماز میں **الحمد** پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا۔**خالصًا** فرماکر منافقین کو علیحدہ فرمادیا گیا کہ وہ صرف زبان سے اسلام مانتے ہیں دل میں کافر ہوتے ہیں۔اخلاص کے ساتھ قلب کا ذکر صرف تاکید کے لیے ہے ورنہ اخلاص تو دل سے ہی ہوتا ہے جیسے رب فرماتا ہے:"**اٰثِمٌ قَلْبُهٗ**"۔(مرقات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی حضور کو دستی پسند تھی ۱؎ تو آپ نے اس میں سے نوچ کر کھایا ۲؎ پھر فرمایا میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں ۳؎ جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے ۴؎ اور

سورج قریب ہوگا لوگوں کو اس قدر غم و تکلیف پہنچے گی جس کی وہ طاقت نہ رکھیں گے ۵؎ پھر لوگ کہیں گے تم کسی ایسے شخص کو کیوں نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کرے ٦؎ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور شفاعت کی حدیث ذکر فرمائی اور فرمایا کہ پھر میں چلوں گاتو عرش کے نیچے پہنچوں گا پھر اپنے رب کے حضور سجدہ میں گروں گا ۷؎ پھر اللہ مجھ پر اپنی وہ حمد وہ اچھی ثنائیں کھولے گا جو مجھ سے پہلےکسی پر نہ کھولی تھیں ۸؎ پھر فرمائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ مانگو دیئے جاؤ گے،شفاعت کرو قبول کی جاوے گی ۹؎ تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا عرض کروں گا یارب میری امت میری امت تو کہا جاوے گا ۱۰؎ اے محمد اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں ۱۱؎ جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے داخل کرو یہ لوگ دروازوں میں لوگوں کے ساتھ برابر کے حق دار ہیں ۱۲؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے ایک کی دو چوکھٹوں کے درمیان ۱۳؎ اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ معظّمہ اور ہجر کے درمیان ہے ۱۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ دستی کا گوشت بے ریشہ ہوتا ہے اور نرم بھی مزے دار بھی،جلد گل جاتا ہے،سارے جانور میں یہ ہی گوشت بہت اچھا ہوتا ہے۔

۲؎ **نہس** خالی سین سے اگلے دانتوں سے نوچنا اور **نہش** نقطہ والے شین سے داڑھوں سے گوشت نوچنا یعنی ہڈی سے بوٹی چھوڑانا دونوں لفظ روایات میں وارد ہیں۔

۳؎ اس **ناس** میں سارے انسان داخل ہیں حضرات انبیاء کرام اور ان کی ساری امتیں،اگرچہ حضور ہمیشہ سے ہی ساری مخلوق کے سردار ہیں مگر اس سرداری کا ظہور قیامت کے دن ہوگا کہ سارے لوگ آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور سب حضور کا منہ تکیں گے کوئی آپ کی سرداری کے انکار کرنے کی ہمت نہ کرسکے گا کفار بھی اس کا اقرار کریں گے اور نادم ہوں گے اس لیے **یوم القیامۃ** کا ذکر فرمایا۔

۴؎ یہ **یوم القیامۃ** کا بیان ہے،چونکہ یہ حاضری بارگاہ قیامت کا مقصود ہے اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا ورنہ قیامت میں اور بھی کام ہوں گے جیسے کہ آگے سے معلوم ہورہا ہے۔

۵؎ گرمی کی شدت کا یہ حال ہوگا کہ انسان کا پسینہ ستر گز زمین میں جذب ہوکر اس کے منہ کی لگام بن جائے گا یعنی منہ تک پسینہ میں آدمی ڈوبا ہوگا۔

۶؎ معلوم ہوا کہ قیامت کے کاروبار کی ابتداء توسل یعنی وسیلہ کی تلاش سے ہوگی۔آج جو حضور کے وسیلہ کے منکر ہیں وہ بھی یہ ہی کام پہلے کریں گے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا شعر

ہم بھی محشر میں سیر دیکھیں گے نجدی آج ان سے التجا نہ کرے

۷؎ یہاں جہاں مجھے لوگ پائیں گے اور ساری مخلوق مجھے گھیرے گی وہاں سے روانہ ہوکر اپنے مقام شفاعت میں پہنچوں گا جو میرے لیے خالص تیار کیا گیا ہے۔غالب یہ ہے کہ حضور انور ان سب کو لے کر وہاں پہنچیں گے۔**واللہ و رسولہ اعلم**! وہ نظارہ عجیب ہوگا۔

۸؎ یعنی اس دن جیسی حمد اپنے رب کی میں کروں گا ایسی حمد مخلوق الٰہی میں کسی نے نہیں کی ہوگی یہ حمد مجھے میرا رب بطور الہام سکھائے گا۔

۹؎ اسے کہتے ہیں عرض سے پہلے قبولیت ابھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا کے لیے لب نہیں ہلائے کہ قبولیت کا رب نے وعدہ فرمالیا۔

۱۰؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں یہاں عبارت میں اجمال ہے۔ابتداء ہوئی شفاعت عامہ کے ذکر سے اور انتہاہوئی شفاعت خاصہ کے ذکر پر،یہ شفاعت اپنی امت کو جنت میں پہنچانے کی ہے عام لوگوں کے لیے شفاعت محشر سے نجات دلانے کی ہوگی۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا حساب نہ ہوگا،بعض بے حساب جنت میں بھیجے جائیں گے۔جو دنیا میں اپنا حساب خود لیتا رہے گا اس کا حساب یا تو ہوگا نہیں یا ہوگا تو ہلکا ہوگا۔

۱۲؎ یعنی ان بے حساب جنتیوں کے لیے ایک دروازہ خاص ہے جس سے دوسرے جنتی داخل نہیں ہوسکتے مگر یہ حضرات ان دروازوں سے جاسکتے ہیں جیسے ریل کا فسٹ کلاس کا مسافر ہر درجہ میں سفر کرسکتا ہے مگر تھرڈ والے فسٹ میں سفر نہیں کرسکتے۔

۱۳؎ ایک دروازے کے حصے ہوں تو ہر حصہ مصرع کہلاتا ہے اس سے مقصود ہے دروازہ جنت کی چوڑائی بیان کرنا۔

۱۴؎ ہجر مدینہ منورہ کے علاقہ میں ایک گاؤں کا نام بھی ہے اور بحرین کے ایک شہر کا نام بھی یہاں یہ ہی شہر مراد ہے جو بحرین میں ہے،اس تشبیہ سے مقصود ہے اس دروازے کی فراخی بیان فرمانا حد بندی فرمانا مقصود نہیں۔(اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے شفاعت کی حدیث کے بارے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۱؎ فرمایا کہ امانت اور رحمی رشتے بھیجے جائیں گے ۲؎ وہ پلصراط کے دونوں طرف داہنے بائیں کھڑے ہوں گے ۳؎ (مسلم)

۱؎ حضرت حذیفہ نے پوری حدیث شفاعت بیان کی اس طرح جو بھی ذکر کی گئی مگر اس حدیث میں یہ زیادتی اور ہے۔

۲؎امانت داری مؤمن کی ایک پاکیزہ صفت ہے اس کی بہت قسمیں ہیں: بات کی،مال کی،عزت و آبرو کی امانت داری۔اس کا مقابل ہے خیانت جو انسان کا بڑا عیب ہے۔رحم سے مراد ہے آپس کی نسبتی قرابت داریاں یہ بہت قسم کی ہیں یہ دونوں شکل والی چیزیں ہوں گی وہاں اوصاف اعراض کی شکلیں ہوں گی وہ کلام کریں گی۔

۳؎یہ ان دونوں وصفوں کی انتہائی تعظیم ہوگی کہ ان دونوں کو پل صراط کے آس پاس کھڑا کیا جاوے گا شفاعت اور شکایت کے لیے کہ ان کی شفاعت پر نجات ان کی شکایت پر پکڑ ہوگی۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ انسان امانت داری اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی ضرور احتیاط کرے کہ ان دونوں میں کوتاہی کرنے پر سخت پکڑ ہے مگر انکی شفاعت پر دوزخ سے نجات ہے انکی شکایت پر وہاں گرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کا یہ کلام تلاوت کیا جو حضرت ابراہیم کے متعلق ہے ۱؎یارب ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا تو جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہوگیا۲؎اور جناب عیسیٰ کہیں گے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۳؎تو حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے عرض کیا الٰہی میری امت اور روئے۴؎تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل جناب محمد کے پاس جاؤ تمہارا رب خوب جانتا ہے مگر ان سے پوچھو انہیں کیا چیز رُلارہی ہے ۵؎تو حضور کے پاس حضرت جبریل آئے حضور سے پوچھا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عرض و معروض کی خبر دی ۶؎تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل سے فرمایا تم جناب محمد کے پاس جاؤ کہو کہ ہم تم کو تمہاری امت کے معاملہ میں راضی کرلیں گے تمہیں غمگیں نہ کریں گے ۷؎ (مسلم)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے نماز کے باہر یہ آیت کریمہ سورۂ ابراہیم کی تلاوت فرمائی جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عرض معروض بیان فرمارہا ہےجو آپ قیامت میں بطور شفاعت عرض کریں گے کہ خدایا جن لوگوں نے میری اطاعت کی وہ تو میرے ہوچکے تو انہیں میرے طفیل بخش دے اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو مولیٰ تو گنہگاروں کا بخشنے والا ہے۔غرضکہ شکایت ان کی بھی نہیں کی انہیں بھی بددعا نہ دی یہ ہے شان جمالی۔

۳؎اس پوری آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی شفاعت کا ذکر ہے وہ بھی جمال الٰہی کا مظہر ہیں۔آپ کی عرض بھی یہ ہے کہ میرے مولیٰ اگر تو ان گنہگاروں کو عذاب دے تو تو ان کا رب ہے وہ تیرے بندے،کون تجھے عذاب سے روک سکتا ہے اور

تو انہیں معافی دے دے تو تو عزیز ہے حکیم ہے، تیرے ہر کام میں حکمت ہے،تو سب پر غالب ہے جسے جو چاہے دے دے تجھ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

۴؎ یعنی ان دو محبوب نبیوں کی شفاعت کا ذکر پڑھا تو شفیع المذنبین کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اپنی گنہگار امت یاد آگئی اور اس وقت شفاعت فرمائی۔معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جیسی آیت تلاوت کرے اسی طرح کی دعا مانگے یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔دعا کے وقت روناعلامت قبولیت ہے پھر حضور انور کا رونا حضور کے آنسو سبحان اللہ!حضور کا رونا ہماری ہنسی و خوشی کا ذریعہ ہے بادل روتا ہے تو چمن ہنستا ہے۔شعر

تانہ گریہ ابر کے خند و چمن　　　　تابہ گرید طفل کے جوشد لبن

۵؎ سبحان اللہ!کس ناز کا سوال ہے خود جانتا ہے مگر پوچھتا ہے تاکہ محبوب صراحۃً زبان پاک سے شفاعت کریں اورامت گنہگار کی مشکلیں حل ہوں دریائے بخشش الٰہی جوش میں آئے۔

۶؎ کہ امت کی فکر ان کا غم میرے رونے کا سبب ہے۔خیال رہے کہ رونا بہت قسم کا ہے ان تمام قسموں میں افضل حضور کا شفاعت امت کے لیے رونا ہے۔

۷؎ یعنی آپ اپنی امت کے متعلق جو چاہیں گے جو کہیں گے ہم وہ ہی کریں گے۔احادیث میں ہے کہ اس پر حضور انور نے عرض کیا کہ تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو، خداکرے ہم امتی رہیں۔(اشعہ) مرقات نے بھی اسی کے قریب فرمایا یہاں مرقات نے شفاعت ابراہیمی،شفاعت عیسوی اور شفاعت محمدی میں بہت شاندار فرق بیان فرمایا کہ ان حضرات نے اجمالی شفاعت کی مگر حضور انور نے اپنی امت کا نام لے کر تفصیلی شفاعت فرمائی کہ گنہگار ہو مگر میرا امتی ہو اسے بخش دے۔شعر

خاک اوباش وبادشاہی کن　　　　آن اوباش ہرچہ خواہی کن

نیز اس شفاعت میں اگر مگر نہیں جزم کے ساتھ دعا ہے کہ اسے ضرور بخش دے۔اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شان،امت پر بڑا کرم،امت محمدیہ کا بڑا خوش نصیب ہونامعلوم ہوا۔سارے بندے اللہ کی رضا چاہتے ہیں اللہ تعالٰی حضور کو راضی کرنا چاہتا ہے۔اس کی تائید یہ آیت کررہی ہیں"وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی"حضرت ابوبکر صدیق کے لیے بھی فرمایا:"وَ لَسَوۡفَ یَرۡضٰی"۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ۱؎ کیا تم صاف دوپہری میں جب سورج کے ساتھ بادل نہ ہو سورج کے دیکھنے میں شک کرتے ہو۲؎ اور کیاتم چودھویں صاف رات میں جب کہ چاند کے ساتھ بادل نہ ہو چاند دیکھنے میں شک کرتے ہو عرض کیا یارسول اللہ نہیں ۳؎ فرمایا تم قیامت کے دن اللہ کے دیدار	

میں شک نہیں کرو گے مگر ایسا جیسے ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں شک کرتے ہو۴؎ جب قیامت کے دن ہوگا تو اعلانچی اعلان کرے گا کہ ہر گروہ اس کے پیچھے جائے جس کی وہ پرستش کرتا تھا ۵؎ تو جو بھی اللہ کے سوا بتوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے اسمیں کوئی نہ بچے گا مگر دوزخ میں گرجائیں گے ۶؎ حتی کہ جب ان نیک بندوں کے سواء جو اللہ کی عبادت کرتے تھے کوئی نہ بچے گا تو انکے پاس رب العالمین آئے گا ۷؎ فرمائے گا تم کیا انتظار کررہے ہو ہر امت اپنے معبود کے ساتھ جارہی ہے ۸؎ پھر عرض کریں گے یارب ہم نے دنیا میں ان لوگوں کو چھوڑ ے رکھا جب کہ ہم ان کے بہت حاجت مند تھے اور ہم انکے ساتھ نہ رہے ۹؎ اور جناب ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ کہیں گے یہ ہی ہماری جگہ ہے حتی کہ ہمارے پاس ہمارا رب آوے پھر جب ہمارا رب جلوہ گر ہوگا ہم اسے پہچان لیں گے ۱۰؎ اور جناب ابو سعید کی روایت میں ہے کہ رب فرمائے گا کہ کیا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی نشانی کہ تم اسے پہچان لو گے وہ کہیں گے ۱۱؎ ہاں تو رب پنڈلی کھولے گا ۱۲؎ تو ان میں سے جو دل کے اخلاص سے رب کو سجدہ کرتے تھے کوئی نہ رہے گا مگر اللہ اسے سجدہ کی اجازت دے گا ۱۳؎ اور جو لوگ اپنے بچاؤ اور دکھلاوے کے لیے سجدہ کرتے تھے ان میں سے کوئی نہ بچے گا مگر اللہ اس کی پیٹھ ایک تختہ بنادے گا ۱۴؎ وہ جب بھی سجدہ کا ارادہ کرے گا اپنی پیٹھ پر گر جاوے گا ۱۵؎ پھر دوزخ پر پل رکھا جاوے گا ۱۶؎ اور شفاعت واقع ہوگی ۱۷؎ اور کہیں گے الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ ۱۸؎ تو مسلمان پلک جھپکنے کی طرح اور بجلی کی طرح اور ہوا کی طرح پرندے کی طرح اور تیز گھوڑے کی طرح اونٹ کی طرح ۱۹؎ گزریں گے، بعض تو نجات پائیں گے سلامت رہیں گے، بعض زخمی ہو کر چھوڑ دیئے جائیں گے ۲۰؎ بعض دوزخ کی آگ میں گرا دیئے جائیں گے ۲۱؎ حتی کہ جب مسلمان آگ سے خلاصی پالیں گے تو اس

کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے نہیں ہے تم میں سے کوئی زیادہ جھگڑنے والا اپنے اس حق میں جو تمہیں ظاہر ہوجاوے بمقابلہ مسلمانوں کے جو وہ اللہ سے جھگڑیں گے قیامت کے دن اپنے دوزخی بھائیوں کے لیے۲۲ عرض کریں گے یارب وہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے۲۳ تو ان سے کہا جاوے گا کہ جنہیں تم پہچانتے ہو نکال لوان کی صورتیں آگ پر حرام کردی جائیں گی۲۴ یہ لوگ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے پھر کہیں گی یارب جن کے متعلق تو نے ہم کو حکم دیا تھا ان میں سے تو کوئی باقی نہ رہا ۲۵ رب فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں دینار برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو تو وہ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا لوٹ جاؤ جس کے دل میں زرہ برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو وہ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں آدھی دینار برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو۲۶ چنانچہ وہ بہت ہی خلقت کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گالوٹ جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو وہ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے ۲۷ پھر عرض کریں گے یارب ہم نے دوزخ میں کسی بھلائی والے کو نہ چھوڑا ۲۸ تب اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی رسولوں نے شفاعت فرمالی مؤمنوں نے شفاعت کرلی ۲۹ اب سواء ارحم الراحمین کے اور کوئی باقی نہ رہا۳۰ تب آگ میں سے ایک مٹھی بھرے گا تو ان لوگوں کو وہاں سے نکال دے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی ۳۱ جو کوئلے ہوچکے ہوں گے ۳۲ انہیں اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دہانوں میں ہے جسے زندگی کی نہر کہا جاتا ہے تو وہ یوں اگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کے کوڑا میں اگتا ہے۳۳ پھر وہ نکلیں گے موتی کی طرح ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی۳۴ انہیں لوگ کہیں کے کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں جنہیں رب نے بغیر عمل کیے ہوئے

	بغیر بھلائی آگے بھیجے ہوئے جنت میں داخل فرمادیا۳۵ تو ان سے کہا جاوے گا کہ تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے دیکھا اور اس کی مثل ۳۶ (مسلم،بخاری)

۱؎ خیال رہے کہ قیامت میں حساب کے وقت سارے بندے رب کو دیکھیں گے مؤمن ہو یا کافر مگر مؤمن بہ شان رحمت دیکھیں گے اور کافر بہ شان غضب جیساکہ پچھلی حدیث میں گزرچکا۔پھر اس کے بعد جنتی تو رب تعالٰی کو دیکھا کریں گے کوئی تو جب چاہیں اور کوئی روز ایک بار،کوئی ہفتہ میں ایک بار،کوئی مہینہ میں،کوئی سال میں ایک بار،کوئی اس سے زیادہ عرصہ میں مگر دوزخی لوگ دیدار سے محروم رہیں گے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ" جنتیوں کے بارے میں فرماتاہے:"اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"۔ غالبًا یہاں سوال قیامت کے دن کے دیدار کے متعلق ہے جنتی عورتوں،فرشتوں،مغفور جنات کے متعلق اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں انہیں بھی دیدار ہوگا بعض کہتے ہیں نہیں ہوگا۔(مرقات)

۲؎ تضارون باب مفاعلہ کا مضارع معروف ہے،ضار یضار مضارۃ کے معنی ہیں اژدھام اور بھیڑ میں پھنس جانا،پھر شک کے معنی میں استعمال ہونے لگاکیونکہ بھیڑ میں کوئی چیز صحیح نہیں دیکھی جاتی۔صحو کی معنی ہیں صاف جب کہ آسمان پر بادل نہ ہو تو اسے صحو کہتے ہیں۔

۳؎ سبحان اللہ!کیسی پیاری تشبیہ ہےجس میں یقینی دیدار کی مثال دے کر سمجھایا گیا۔خیال رہے کہ قمر عام ہے اور ہلال،بدر،محق خاص ہے۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے دیکھنے میں تو شک ہوتا نہیں تو یقینًا رب تعالٰی کے دیدار میں بھی شک نہیں ہوگا۔

۵؎ خیال رہے کہ قیامت میں رب کا دیدار دوبار ہوگا پہلی بار تو حساب کے وقت جیساکہ پہلے گزرچکا دوسری بار حساب سے فارغ ہوکر،یہ دوسرا دیدار صرف مسلمانوں کو ہی ہوگا کفار کو نہ ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لہذا یہ حدیث پچھلی احادیث کے خلاف نہیں۔اس موقعہ پر بت پرستوں کے تمام بت حتی کہ سورج،چاند بھی وہاں موجود ہوں گے۔خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ و مریم کو عیسائیوں نے اور حضرت عزیر کو یہود نے نہیں پوجا بلکہ ان کے فوٹوؤں کو اور صلیب کو پوجا تھا وہ لوگ ان تصویروں اور صلیب کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو چاہیے کہ یہ حضرات بھی دوزخ میں جائیں انہیں یہود یا عیسائیوں نے پوجا تھا۔

۶؎ بتوں میں سورج چاند بھی داخل ہیں کہ ان کی پرستش بھی ہوتی تھی۔خیال رہے کہ یہ چیزیں دوزخ میں جائیں گی مگر سزا پانے کے لیے نہیں بلکہ دوزخیوں کو سزا دینے کے لیے حتی کہ سورج کی گرمی آگ کی گرمی سے مل کر ان لوگوں کی تکلیف کو اور بھی زیادہ کردے گی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان پتھروں بتوں کو بلا قصور دوزخ میں کیوں ڈالا گیا اسی طرح دوزخ میں مقرر شدہ فرشتے عذاب دیں گےعذاب پائیں گے نہیں۔

۷؎ رب تعالٰی کے آنے سے مراد ہے اس کا حکم آنا یا یہ تشابہات میں سے ہے،اس ظاہری آنے جانے سے رب پاک ہے۔

۸؎ یعنی تم لوگ بھی ان سے کسی کے ساتھ کیوں نہیں جاتے،رب تعالٰی کا یہ سوال اس کی بے علمی کی بنا پر نہیں بلکہ اس جواب کے لیے ہے جو وہ دے رہے ہیں۔خیال رہے کہ مشرکین تو اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے مؤمن اپنے نبیوں کے ساتھ اور یہ امت اپنے حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں جاوے گی۔رہے توحیدی کفار یا دھریے کفار جو بت پرستی نہیں کرتے تھے انہیں فرشتے ہانک کر دوزخ میں ڈالیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دھریے اور توحیدیئے کفار کس کے ساتھ جائیں۔

۹؎ یعنی جب ہم دنیا میں کفار سے الگ رہے تو اب بھی ان سے الگ ہی رہیں گے وہاں تو ہم کو ان کے ساتھ رہنے کی ضرورت بھی تھی یہاں تو ہم ان سے بے نیاز ہیں ان کے ساتھ ہم کیوں جائیں۔

۱۰؎ یہاں آنے سے مراد تجلی فرمانا اپنا جمال دکھانا ہے۔خیال رہے کہ مسلمان قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور قیامت میں رب تعالٰی کو تعلق ایمان سے پہچانیں گے اگرچہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی دیدار نہ کیا تھا وہاں پہچان رشتہ ایمان سے ہوگی۔

۱۱؎ وہ علامت و نشانی محبت الٰہی ہے جو ایمان و عرفان کا نتیجہ ہے اس ذریعہ سے ہم رب تعالٰی کو پہچان لیں گے۔

۱۲؎ پنڈلی کھولنے کی بہت توجیہیں کی گئی ہیں مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے رب تعالٰی پنڈلی وغیرہ سے پاک ہے۔بعض نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کی پنڈلی مراد ہے یعنی ان پر ایسی تکلیف نازل ہوگی کہ ان کی پنڈلی کھل جائے گی،بعض نے فرمایا کہ اس سے رب تعالٰی کی پنڈلی مرا دہے جو اس کے شان کے لائق ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے رب تعالٰی کی تجلی صفات مراد ہے۔اللہ اعلم بمراد حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۳؎ سبحان اللہ!مزے دار سجدہ یہ ہوگا اب تک بغیر دیکھے سجدے کیے تھے آج مسجودلہ کی تجلی دیکھ کر سجدے کریں گے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں   کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبیں نیاز میں

۱۴؎ یعنی ان ریاکار منافقوں کی پیٹھ اکڑ جاوے گی ٹیڑھی نہ ہوسکے گی اور سجدہ میں پیٹھ خم ہونا ضروری ہے اس لیے بجائے سجدہ کے اوندھے گریں گے۔

۱۵؎ یہ سجدہ مخلصین و منافقین میں چھانٹ ہوگا جو درست سجدہ کرلے گا وہ مخلص مؤمن ہے،جو نہ کرسکے گا وہ منافق۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ دیدار الٰہی منافقین کو بھی ہوگا۔(مرقات)مگر مؤمنوں کو محبت والا دیدار ہوگا منافقوں کو ہیبت بلکہ وحشت والا۔

۱۶؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط آج قائم نہیں ہے قیامت میں اس وقت قائم کیا جائے گا،اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو دوزخی اس سے پہلے دوزخ میں پہنچائے گئے وہ پل صراط سے نہ گزارے گئے کہ پل تو ان کے دوزخ میں پہنچنے کے بعد قائم کیا گیا۔

۱۷؎ اس شفاعت سے مراد ہے دوزخ سے گزارنے کی شفاعت ورنہ بہت سی شفاعتیں اس سے پہلے ہوچکیں،اب جب کہ دوزخ پر سے گزرنے کا وقت آیا تو اللہ کے مقبول بندے شفاعت میں مشغول ہوگئے،اسی شفاعت سے ہم گنہگار ان شاءاللہ بخیریت گزریں گے۔

۱۸؎ جب تک سارے مؤمنین بخیریت گزر نہ جائیں گے تب تک انبیاءکرام سلم سلم کہتے رہیں گے صرف دوبار ہی نہ کہیں گے۔اعلٰی حضرت نے کیا خوب فرمایا شعر

پل سے گزارو راہ گزر کو خبر نہ ہو   جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

۱۹؎ یعنی مؤمن اپنے اعمال و تقویٰ و اخلاص کے مطابق پل سے گزریں گے۔رکاب جمع ہے مگر اس کا واحد کوئی نہیں۔(مرقاۃ) جیسے نساء کا واحد کوئی نہیں اور امراۃ کی جمع کوئی نہیں یعنی پل سے پار لگنے والوں کی رفتاریں مختلف ہوں گی بعض رفتار ایسی تیز جیسے نگاہ کی رفتار،بعض کے ہوا کی سی رفتار،آج ایسے ہوائی جہاز تیار ہوچکے ہیں جن کی رفتار آواز سے زیادہ ہے لہذا ان رفتاروں پر حیرت نہیں کرنی چاہیے۔

۲۰؎ پلصراط کے کنارے پر دو طرفہ جگہ جگہ ٹیڑھے کانٹے یعنی کنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو بار بار اوپر آتے اور گزرنے والوں کو لگتے ہوں گے،بعض لوگوں کو یہ کنڈے لگیں گے زخمی کرکے چھوڑ دیں گے،بعض لوگوں کے جسم میں داخل ہوکر انہیں نیچے کی طرف کھینچیں گے جس سے وہ دوزخ میں گرجاویں گے مخدوش سے ہی یہ مراد ہے،بعضوں کو یہ چھوئیں گے بھی نہیں وہ صحیح سلامت یہاں سے گزر جاویں گے،اللہ تعالٰی ہم گنہگاروں کو بخیریت پار لگادے۔

۲۱؎ مکدوش بنا ہے کدش سے بمعنی دفع یعنی پیچھے سے دھکیلنا۔یہ حال صرف کفار کا ہوگا جنہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔(مرقات)بعض روایتوں میں مکدوش شین سے بمعنی ٹکڑے ٹکڑے کردینا،بعض میں مکروس رے سے بمعنی اوپر تلے ڈالنا۔خیال رہے کہ گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں اور طرح پہنچایا جاوے گا جس سے ان کی پردہ دری نہ ہو،انہیں سزا خفیہ دی جاوے گی رسوا نہ کیا جاوے گا۔

۲۲؎ یعنی نجات یافتہ مسلمان ان مسلمانوں کی سفارش میں رب تعالٰی سے جھگڑیں گے جو دوزخ میں پہنچ گئے،ان کا اپنے رب سے جھگڑنا اس سے بھی زیادہ ہوگا کہ جب کوئی مقدمہ میں جیت جائے تو اپنا حق ہارے ہوئے مدعی علیہ سے مانگے بتاؤ وہ کیسی جلدی کرتا ہے ایسے ہی یہ جنتی رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر کہیں گے کہ مولٰی انہیں سب کو جلدی سے دوزخ سے نکال دے یہ جھگڑنا ناز کا ہوگا نہ کہ بے ادبی کا۔

۲۳؎ یعنی وہ دوزخی مسلمان دنیا میں ان عبادات میں ہمارے ساتھ رہے آج ہمارے ساتھ جنت میں کیوں نہیں مولٰی تو ان کے گناہ معاف فرمادے جنت میں پہنچادے۔

۲۴؎ یعنی ان دوزخی مسلمانوں کی صورتیں نہ بگڑیں گی نہ جل کر کوئلہ ہوں گی۔ان شفاعت کرنے والوں جنتیوں کو حکم ہوگا کہ اچھا تم خود دوزخ میں جاؤ پہچان پہچان کر انہیں نکال لاؤ۔

۲۵؎ یعنی جو نمازی روزہ دار حاجی حضرات اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گئے تھے انہیں تو ہم نکال لائے اب بے عمل لوگ جو صرف گناہ کرتے تھے وہ ہی رہ گئے۔معلوم ہوا کہ ان جنتیوں کو دوزخ کی آگ تکلیف نہ دے گی اور یہ حضرات لوگوں کے دلوں کے ایمان کو پہچانیں گے تو حضور انور کے علم کا کیا کہنا۔

۲۶؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ ایمان کی زیادتی کمی مقدار کی نہیں بلکہ کیفیت کی زیادتی کمی مراد ہے یہ تشبیہ صرف سمجھانے کے لیے ہے۔

۲۷؎ یہ ذرہ برابر ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جن کے عقیدے تو درست تھے باقی ان کے پاس کوئی نیک عمل نہ تھا اور گناہ ان سے بچا نہ تھا ہر قسم کے گناہ کرتے رہے مگر مرے مؤمن۔

۲۸؎ یہاں خیر سے مراد اہل خیر ہیں اور اہل خیر سے مراد شرعی ایمان والے حضرات ہیں یعنی جس کے دل میں رائی برابر شرعی ایمان تھا ہم اسے نکال لائے۔

۲۹؎ یعنی جو لوگ شفاعت کے لائق تھے ان کی شفاعت ہوچکی اور وہ شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نکل کر جنت میں پہنچ چکے۔اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انسانوں کی شفاعت فرشتے بھی کریں گے جیسے آج حاملین عرش فرشتے مؤمن انسانوں کے لیے دعائیں کررہے ہیں جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے۔

۳۰؎ اگرچہ اس سے پہلے بھی دوزخیوں کو رب تعالٰی نے ہی بخشا تھا مگر شفاعت کے وسیلہ سے اور ان نکالنے والوں کی معرفت سے اب ان کے نکلنے کی باری آئی جن کی بخشش کے لیے شفاعت مصطفوی کا وسیلہ تو ہے مگر انہیں دوزخ سے نکالنے میں کسی کا وسیلہ نہیں خود رب تعالٰی انہیں نکالے گا۔

۳۱؎ اس کی شرح پہلے گزرگئی کہ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سواء کلمہ پڑھنے ایمان لانے کے اور کوئی نیکی نہیں کی مگر مرقات اور نووی شرح مسلم نے فرمایا کہ ان کے پاس صرف دل کے چھپے ایمان کے اور کچھ نہیں تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان شرعی نہ تھا یعنی ساترین۔خیال رہے کہ حضور کے والدین کریمین بلکہ سارے آباؤ اجداد جو ظہور نبوت سے پہلے وفات پاگئے دوزخ میں قطعًا نہیں جائیں گے کہ وہ حضرات اہلِ توحید تھے اور اس زمانہ میں صرف عقیدہ توحید نجات کے لیے کافی تھا ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا۔گناہ وہ کام ہے جس سے رب تعالٰی منع کرے ان تک ممانعت پہنچی نہیں کہ انہوں نے زمانہ نبوت پایا نہیں۔

۳۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں جلتے رہنا موت نہ آنا کفار و مشرکین کے لیے ہوگا مؤمن گنہگار اور وہ لوگ جن کو دوزخ سے نکالا جانا ہے وہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے،ان کی جان نکال لی جاوے گی انہیں دائمی عذاب نہ ہوگا۔

۳۳؎ یعنی جو کوڑا سیلاب میں بہتا ہوا آجائے اس میں کوئی دانہ ہو وہ پانی کے اثر سے بہت جلد اگ پڑتا ہے اس طرح وہ بڑھیں گے۔

۳۴؎ یعنی پہلے وہ کالے کوئلے تھے اب جو بڑھیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چمکیلے ہوں گے،ان کی گردنوں میں سونے کا زیور پڑا ہوگا جس سے وہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ بغیر عمل جنت میں آئے یا یہ لوگ عنداللہ مؤمن تھے شرعی ساتر تھے۔

۳۵؎ یعنی ان لوگوں کا لقب ہوگا عتیق الرحمٰن،نام ان کے وہ دنیا والے ہوں گے وہ لوگ اسی لقب سے بڑے خوش ہوا کریں گے۔

۳۶؎ یعنی جہاں تک تمہاری نظر کام کرتی ہے وہ بھی اور اس کی مثل اتنا ہی اور علاقہ بھی ہے ان کی نعمتوں کے تم کو دیا گیا۔خیال رہے کہ ان لوگوں کو صرف فضل کی جنت ملے گی اور مؤمنوں عاملین کو عمل کی جنت بھی ملے گی اور فضل کی بھی،رب فرماتا ہے:"وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ"اور دو جنتوں سے یہ ہی عدل و فضل کی جنتیں مراد ہیں۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو اسے نکال لوچنانچہ وہ نکال لیں گے ۱؎حالانکہ	

جل چکے ہوں گے اور کوئلے ہوگئے ہوں گے پھر وہ نہر حیٰوۃ میں ڈالے جائیں گے۲؎ تو ایسے اُگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کوڑے میں اُگتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ دانہ اولًا پیلا ٹیڑھا نکلتا ہے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ خطاب حضرات انبیاء کرام،فرشتوں اور جنتی مؤمنوں سے ہوگا کہ دوزخ میں جاؤ گنہگاروں کو نکال کر لاؤ کہ یہ سارے حضرات ہی یہ کام کریں گے۔

۲؎ نہر حیٰوۃ وہی چشمہ ہے جس کا ذکر ابھی گزرا کہ یہ جنت کے دروازے پر واقع ہے،چونکہ اس پانی میں ان مردوں کو زندہ کرنے کی تاثیر ہوگی اس لیے اسے نہر حیٰوۃ کہتے ہیں۔

۳؎ یعنی جیسے دانہ جب اُگتا ہے تو نہایت کمزور پیلا اور ٹیڑھا ہوتا ہے پھر ہوا پانی دھوپ پاکر بہتر قوی اور سیدھا ہوجاتا ہے یہ ہی حال ان لوگوں کا ہوگا کہ اس پانی سے اولًا جئیں گے اُگیں گے مگر کمزور زرد رنگ بعد میں قوت پائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیاہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے پھر حضرت ابو سعید کی حدیث کے معنی بیان کیے ۱؎ سوا پنڈلی کھلنے کے اور فرمایا کہ دوزخ کے دونوں کناروں کے درمیان پلصراط قائم کیاجاوے گا ۲؎ تو جو پیغمبر اپنی امت کو لےکر گزریں گے ان میں پہلا میں ہوں گا ۳؎ اور اس دن سواء رسولوں کے اور کوئی کلام نہ کرے گا اور رسولوں کا کلام اس دن ہوگا الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ اور دوزخ میں خم دار کانٹے ہوں گے ۴؎ سعد ان کے کانٹوں کی طرح ۵؎ جن کی بڑائی اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے ۶؎ ان میں سے بعض وہ ہوں گے جو اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاک کیے جائیں گے اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو زخمی ہو کر نجات پاجائیں گے ۷؎ حتی کہ جب اللہ تعالٰی اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہوجاوے گا ۸؎ اور جن کو آگ سے نکالنے کا ارادہ ہوچکا ہے انہیں نکالا جائے گا ان لوگوں میں سے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہے تو فرشتوں کو حکم دے گا۹؎ کہ انہیں نکال لو جو اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ انہیں نکال لیں گے اور انہیں سجدہ کے نشانوں سے پہچانیں گے اور اللہ تعالٰی آگ	

پر یہ ناممکن کردے گا کہ سجدہ کے نشان کو جلائے۱۰؎چنانچہ انسان کے سارے جسم کو آگ کھاجائے گی سواء سجدہ کے اثر کے تو وہ آگ سے نکلیں گے کہ جل کر کوئلے ہوچکے ہوں گے ۱۱؎پھر ان پر زندگی کا پانی بہایا جاوے گا تو وہ ایسے اُگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپری کوڑے میں اُگتا ہے اور ایک شخص جنت و دوزخ کے درمیان باقی رہے گا۱۲؎اور وہ تمام دوزخیوں میں سب سے آخری جنت میں داخل ہونے والا ہوگا۱۳؎اپنا منہ آگ کی طرف کیے ہوگا۱۴؎عرض کرے گا یارب میرا منہ آگ سے پھیر دے مجھے اس کی لُونے جھلس دیا اور اس کی تیزی نے مجھے جلادیا ۱۵؎تو رب فرمائے گا کیا ممکن ہے کہ اگر میں یہ کردوں تو اس کے علاوہ اور مانگے ۱۶؎ وہ کہے گا نہیں قسم تیری عزت کی تو اللہ تعالٰی کو عہدوپیمان دے جو اللہ چاہے چنانچہ اللہ تعالٰی اس کا منہ آگ سے پھیر دے گا ۱۷؎پھر جب اس کو جنت کے سامنے کرے گا اور یہ اس کی ترو تازگی دیکھے گا۱۸؎تو جب تک رب اس کی خاموشی چاہے یہ خاموش رہے گا ۱۹؎پھر کہے گا یارب مجھے جنت کے دروازے کے پاس پہنچادے۲۰؎رب تعالٰی فرمائے گا کہ کیا واقعہ یہ نہیں ہے کہ تو عہدوپیمان دے چکا ہے کہ پہلی مانگی چیز کے سوا اور کچھ نہ مانگے گا وہ عرض کرے گا یا رب میں تیری مخلوق میں بڑا بدنصیب نہ رہوں ۲۱؎تو رب فرمائے گا کہ کیا ممکن ہے کہ تجھے یہ دیدیا جاوے تو تو اس کے سوا کچھ اور مانگے،کہے گا تیری عزت کی اس کے سواء میں اور کچھ نہ مانگوں گا۲۲؎چنانچہ وہ اپنے رب کو عہدوپیمان دے گا جو رب چاہے اسے اللہ تعالٰی جنت کے دروازے تک بڑھائے گا پھر جب وہ اس کے دروازے تک بڑھادے گا پھر جب وہ اس کے دروازے پر پہنچے گا وہاں کی تروتازگی اور جو کچھ وہاں بہار اور خوشی دیکھے گا۲۳؎تو جب تک اس کا خاموش رہنا اللہ چاہے وہ خاموش رہے گا پھر عرض کرے گا یا رب مجھے جنت میں داخل فرمادے۲۴؎تو اللہ تعالٰی فرمادے گا افسوس تجھ پر

	اے ابن آدم تو کتنا عہد شکن ہے ۲۵؎ کیا تو نے عہدوپیمان نہیں دیا تھاکہ تو اس کے سوا نہ مانگے گا جو تجھے دے دیا گیا ۲۶؎ تو عرض کرے گا یارب مجھے اپنی خلقت میں بدنصیب نہ بنا ۲۷؎ تو وہ دعا کرتا رہے گا حتی کہ اس سے اللہ تعالٰی خوش ہوجاؤے گا ۲۸؎ تو جب خوش ہو جاوے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا پھر فرمائے گا تمنا کروہ تمنا کرے گا حتی کہ جب اس کی تمنائیں ختم ہوجائیں گی تو رب فرمائے گا فلاں فلاں تمنا کر خود رب تعالٰی اسے یاد دلانے لگے گا ۲۹؎ حتی کہ جب اس کی آرزوئیں ختم ہوجائیں گی تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ تیرے لیے یہ ہے اور اس کی مثل ۳۰؎ اور حضرت ابو سعید کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرمائے گا تیرے لیے یہ ہے اور اس سے دس گناہ اور ۳۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی انہوں نے وہ ہی حدیث بیان فرمائی جو ابھی گزری مگر اس کے الفاظ مختلف ہیں مضمون یکساں ہے صرف پنڈلی کھلنے کا ذکر نہیں باقی سارا مضمون وہی ہے،اس حدیث میں یہ مضمون زیادہ ہے جو ابھی بیان ہورہا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ پل صراط آج نہیں ہے کیونکہ وہ تو گزرگاہ ہے جب گزرنے والے ہی ابھی نہیں ہیں تو اس پل کی کیا ضرورت ہے۔قیامت کے دن یہ پل قائم کیا جائے گا بدوں کے لیے تنگ ہوگا،نیکوں کے لیے وسیع ہوگا جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔

۳؎ قیامت کے حساب سے فارغ ہوکر اپنی امت کو لےکر پہلے وہاں سے میں گزروں گا اس طرح کہ امت کو اپنے آگے رکھوں گا میں پیچھے انکی حفاظت فرماتا روانہ ہوں گا تاکہ ساری امت میرے سامنے رہے حضور اس موقعہ پر گرتوں کو سہارا دیتے ہوں گے،ہر نبی اپنی امت کے ساتھ اس طرح ہوں گے کہ آگے امت پیچھے نبی۔

۴؎ کلالیب جمع ہے کلوب کی،لوہے کی لمبی سیخ اوپر سے خم دار کلوب کہلاتی ہے۔اردو میں اوکھنڈی کہتے ہیں۔

۵؎ سعدان عرب میں ایک خاص قسم کی گھاس ہوتی ہےخاردار جس کے شاخوں پتوں میں بڑے بڑے کانٹے ہوتے ہیں اسے اونٹ شوق سے کھاتا ہے اس کے کانٹوں کو خشک السعدان کہاجاتا ہے،اس کے پتے پستان کی گھنڈی کی طرح ہوتے ہیں۔(اشعہ،مرقات)

۶؎ اس طرح کہ لوگ گزرتے ہوں گے اور یہ کانٹے حرکت میں بارہا آتے ہوں گے کسی کو تو چھوئیں گے بھی نہیں،کسی کو چھوکر زخمی کرکے الگ ہوجائیں گے،کسی کو چھو کر نیچے گرادیں گےخدا کی پناہ! یہ فرق لوگوں کے ایمان و اعمال کے وجہ سے ہوگا۔

۷؎ کسی کو صرف خراش آوے گی کسی کو زخم کاری لگے گا مگر بچ جائے گا۔

۸؎ اس طرح کہ دوزخیوں کو دوزخ میں اور جنتیوں کو جنت میں داخل فرمادے گا۔یہ فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے کیونکہ قولی فیصلہ یعنی احکام کا صدور تو کب کا ہوچکا ہوگا۔

۹؎ یا تو یہ فرشتے وہ ہیں جو لوگوں کے نامہ اعمال لکھا کرتے تھے یا حاملین عرش اور ان کے اردگرد کے جو مسلمانوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ہم کو بھی چاہیے کہ ان فرشتوں کے لیے دعا کیا کریں ہر ختم و ایصال کے موقعہ پر ان کا نام لیا کریں۔

۱۰؎ یعنی دوزخ کی آگ ان لوگوں کے سارے اعضاء کو جلادے گی مگر اس کی پیشانی خصوصًا سجدہ گاہ کو نہ جلاسکے گی کہ یہ نور الٰہی کی جگہ ہے نور کو نار نہیں جلاسکتی،بعض شارحین نے فرمایا کہ سجدہ کے ساتوں عضو بھی محفوظ رہیں گے۔(اشعہ)بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد پورا چہرہ ہے،اس قول کی تائید بخاری شریف جلد دوم ص ۱۱۰۷ باب ردعمل الجهية میں کی اس حدیث سے ہوتی ہے ویحرم اللہ صورھم علی الناس بہرحال اس کے متعلق کئی احتمال ہیں۔

۱۱؎ یہ لفظ بنا ہے امتحاش سے بمعنی جل کر کوئلہ سیا ہوجانا۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ گنہگار مؤمن دوزخ میں جا کر مردہ بلکہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے وہاں جلنا اور نہ مرنا کفار کے لیے ہوگا۔

۱۲؎ اس ایک شخص سے مراد یا تو نوعًا ایک ہے یعنی ایک قسم کے لوگ جنہوں نے اس قسم کے جرم کیے تھے یا شخصًا ایک ہے یعنی ایک آدمی۔

۱۳؎ یعنی جو لوگ دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیجے جائیں گے ان میں سب سے آخر میں یہ نکالا جائے اور سب سے آخر میں یہ جنت میں پہنچایا جائے گا اسے راستہ میں بہت دیر لگے گی۔

۱۴؎ یعنی اسے دوزخ سے نکال کر کنارہ پر بٹھال دیا جائے گا کہ جنت کی طرف اس کی پیٹھ ہوگی اور دوزخ کی طرف اس کا منہ ہوگا جہاں اس کی تپش پہنچ رہی ہوگی جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے جنت تو ابھی دور ہوگی۔

۱۵؎ قشبنی بنا ہے قشب سے بمعنی جسم میں زہر کا سرایت کرجانا یا آگ کا جسم میں اثر کرکے اسے بگاڑ دینا اس کا ترجمہ جھلسانا بہت موزوں ہے۔

۱۶؎ یعنی ہم تیری یہ عرض پوری کردیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تو اس کے سواء اور کچھ نہ مانگے اسی منہ پھیر دینے پر قناعت کرے۔

۱۷؎ مگر رکھے گا منہ اسی طرح وہاں سے ہٹائے گا نہیں اب بجائے منہ کے اس کی پیٹھ کو تپش پہنچے جیساکہ مضمون سے ظاہر ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہاں سے اسے دور کردیا جائے مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

۱۸؎ اس دن ہر شخص کی نظر بہت تیز ہوگی یہاں سے جنت بہت دور ہوگی مگر یہ دیکھ لے گا،قرآن کریم فرماتاہے:"فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ"۔ہاں بعض کفار قیامت میں اٹھتے وقت اندھے اُٹھیں گے مگر بعد میں نہ کوئی اندھا رہے گا نہ کانا۔

۱۹؎ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بندے کا خاموش رہنا پھر دعا کرنا رب تعالٰی کی طرف سے ہوگا۔آج بھی ہمارا عبادات کرنا دعائیں مانگنا اس کی ہی توفیق سے ہے،وہ ہی ذوق دیتا ہے،وہ الفاظ دعا القاء کرتا ہے،وہ ہی بھیک کے لیے ہم کو جھولی دیتا ہے وہ ہی بھردیتاہے۔

۲۰؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اب تک اس کا صرف منہ پھیرا گیا تھاجنت تک پہنچایا نہ گیا تھا اس نے دور سے یہاں کی تروتازگی دیکھی تھی۔

۲۱؎ یہاں خلق سے مراد جنتی لوگ ہیں یعنی اے مولٰی جو جنت میں آرام کررہے ہیں وہ بھی تیری مخلوق تیرے بندے ہیں اور میں بھی تیری مخلوق ہوں تیرا بندہ ہوں میں ان سب سے بدتر کیوں رہوں مجھ پر کرم فرمادے ان کے پاس پہنچادے۔

۲۲؎ اس حدیث میں بڑی حوصلہ افزائی ہے اس بندے کا قسمیں کھا کھا کر توڑتے رہنا بھی رب تعالٰی کو پسند ہوگا کہ یہ قسم توڑنا سرکشی کے لیے نہ ہوگا بلکہ اللہ کی رحمت کی لالچ میں۔حضرت جندع ابن ضمیرہ نے مدینہ منورہ حاضر ہونے کے لیے کفار کے مجبور کرنے پر کفریہ باتیں منہ سے نکال دی تھیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی"اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمٰنِ"ایسے گناہوں پر ریا کاری کی نیکیاں قربان ہوجائیں،ان گناہوں کی بنا عشق و محبت یا ناز پر ہے۔

۲۳؎ یہ شخص دروازہ جنت پر پہنچ کر اندر جھانک جھانک کر دیکھنے لگے گاوہاں کی نعمتیں دیکھ کر دنگ رہ جاوے گا رب تعالٰی ہی صبر دے گا تو کچھ روز خاموش رہے گا ورنہ وہ فورًا ہی چیخ پڑتا یہ صبروخاموشی بھی رب کی طرف سے ہوگی۔

۲۴؎ یہ اس کی آخری عرض ہوگی اور یہ شخص بہت عرصہ میں یہاں تک پہنچ سکے گا اور یہ عرض کرسکے گا رب جانے کتنا عرصہ لگے گا۔

۲۵؎ ویل دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے مگر کبھی ہلاک و خرابی کے معنی میں آتا ہے یہاں بمعنی افسوس ہے یہ فرمان عالی انتہائی کرم کا ہوگا جیساکہ اگلے فرمان سے معلوم ہورہا ہے۔ما اغدرك فعل تعجب ہے یعنی تو کیسا عہد شکن ہے وعدہ توڑنے والا ہے،اللہ تعالٰی افسوس اور تعجب سے پاک ہے،یہ دونوں فرمان تعجب دلانے افسوس دلانے کے لیے ہیں نہ کہ تعجب یا افسوس کرنے کے لیے۔

۲۶؎ یعنی تو مجھ سے کتنے عہد کرچکا ہے ہر دفعہ عہد توڑدیتا ہے یہ تیری آخری بار ہے۔خیال رہے کہ اگر گناہ کرکے یار کو منالیا جاوے تو وہ گناہ نہیں ہوتاہزار نیکیوں سے افضل ہوتا ہے۔

۲۷؎ اس عرض کا مقصد یہ ہے کہ میں بارہا توڑ کر دیکھ چکا کہ میری ہر عہد شکنی پر تیرا کرم ہے پھر میں کیوں نہ عہد توڑوں۔شعر

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین　　　خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اس عہد شکنی پر ہزار ہا وفاء عہد قربان ہوجائیں،میں سمجھ گیا کہ میں بدنصیب خلق یعنی دائمی دوزخی نہیں ہوں،میں نصب ور ہوں یعنی مؤمن ہوں ورنہ دوزخ سے نکالا نہ جاتا۔(مرقات)

۲۸؎ یعنی اس کی اس عرض پر دریائے کرم جوش میں آجائے گا۔یہاں ضحك کے معنی ہنسنا نہیں اللہ تعالٰی ہنسنے رونے سے پاک ہے۔

۲۹؎اس کرم کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے اسے جنت میں داخلہ کی اجازت دی جاوے گی پھر جب وہ داخل ہوجائے گا تب اسے آرزوئیں کرنے کا حکم ہوگا،جب اس کی آرزوئیں ختم ہوجائیں گی تب رب تعالٰی اس سے خود فرمائے گا کہ بندے یہ بھی مانگ لے۔خیال رہے کہ مانگنے میں ہماری اپنی بندگی کا اظہار ہے رب چاہتا ہے کہ بندہ مجھ سے مانگتا رہے میں دیتا رہوں اور مانگنا سکھاتا ہے پھر دیتا ہے،ہمارا مانگنا بھی اس کی رحمت سے ہے۔شعر

مری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے   قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

۳۰؎وہ تیری طلب پر تجھیں مثل میری عطا و فضل سے اپنی منہ مانگی مرادیں بھی لے اور میرا فضل و کرم بھی لے۔سبحان اللہ!

۳۱؎یعنی یہ زیادتی مقدار میں تو اس سے ایک گنا ہوگا مگر کیفیت میں دس گنا لہٰذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں،مقدار اور کیفیت میں بڑا فرق ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ آخری وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ شخص ہوگا جو کبھی چلے گا اور کبھی گرے گا۱؎اور کبھی اسے آگ جھلسائے گی۲؎پھر جب اس سے نکل جاوے گا تو اس کی طرف دیکھے گا کہے گا مبارک ہے وہ جس نے مجھے تجھ سے نجات دی۳؎اللہ نے مجھے وہ شے دی ہے جو اگلے پچھلوں میں سے کسی کو نہیں دی۴؎پھر اس کے سامنے ایک درخت پیش کیا جاوے گا ۵؎وہ کہے گا اے میرے رب مجھے اس درخت سے قریب کردے میں اس کا سایہ لوں گا اور اس کا پانی پیوں ۶؎تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ اے ابن آدم ممکن ہے کہ اگر میں تجھے یہ دیدوں تو تو مجھ سے اس کے سواء بھی مانگے ۷؎وہ عرض کرے گا نہیں اے رب اور اس سے وعدہ کرے گا کہ اس کے سواء اور نہ مانگے ۸؎اس کا رب اسے معذور جانے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھ رہا ہوگا جس پر صبر نہیں ہوسکتا تو اسے اس درخت سے قریب کردے گا وہ اس کا سایہ لے گا اور اس کا پانی پئے گا ۹؎پھر دوسرا درخت اس کے سامنے کیا جاوے جو پہلے سے اچھا ہوگا تو کہے گا اے میرے رب مجھے اسی درخت سے قریب کر دے ۱۰؎تاکہ میں اس کا پانی پیوں اور اس کا سایہ لوں میں تجھ سے اس کے سواء نہ مانگوں گا۱۱؎تو رب فرمائے گا اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے	

معاہدہ نہ کیا تھا کہ تو اس کے سواء اور مجھ سے نہ مانگے گا پھر فرمائے گا ممکن ہے کہ اگر میں تجھے اس سے قریب کردوں تو تو مجھ سے اس کے سواء مانگے ۱۲؎ وہ رب سے وعدہ کرے گا کہ اس کے سواء نہ مانگے گا اور اس کا رب اسے معذور جانے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھے گا جس پر صبر ناممکن ہے رب اسے اس درخت سے قریب کر دے گا ۱۳؎ وہ اس کا سایہ لے گا اس کا پانی پیئے گا پھر اس کے سامنے جنت کے دروازے کے پاس ایک درخت ظاہر ہوگا جو پہلے دو سے اچھا ہوگا ۱۴؎ تو کہے گا اے میرے رب اب مجھے اس سے قریب کردے تاکہ میں اس کا سایہ لوں اور اس کا پانی پیوں ۱۵؎ اس کے سواء تجھ سے کچھ نہ مانگوں گا تو فرمائے گا اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہ کیا تھا کہ تو مجھ سے اس کا سواء کچھ نہ مانگے گا عرض کرے گا ہاں یارب یہ ہی آخری سوال ہے ۱۶؎ اس کے سوا تجھ سے اور نہ مانگوں گا اور اس کا رب اسے معذور رکھے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھے گا جس پر اس سے صبر نہ ہوگا ۱۷؎ تو اس کو اس سے قریب کردے گا تو جب اس سے قریب کردے گا وہ جنت والوں کی آواز سنے گا ۱۸؎ تو کہے گا اے رب مجھے اس میں داخل فرما رب فرمائے گا ابن آدم مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی ۱۹؎ کیا تجھے یہ بات راضی کرے گی کہ میں تجھے دنیا اور دنیا کی مثل اس کے ساتھ دوں ۲۰؎ عرض کرے گا اے رب مجھ سے تو مذاق کرتا ہے تو رب العالمین ہے ۲۱؎ حضرت ابن مسعود ہنس پڑے پھر فرمایا تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں کس چیز سے ہنستا ہوں لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے تھے صحابہ نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ حضور سرکار کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا رب العالمین کے ہنسنے سے جب وہ بندہ کہے گا ۲۲؎ کہ کیا تو مجھ سے مزاق فرماتا ہے حالانکہ تو رب العالمین ہے تو فرمائے گا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا لیکن میں اپنے ہر

	چاہے پر قادر ہوں۲۳؎اور اسی مسلم کی ایک روایت میں ہے جو حضرت ابو سعید سے ہے اسی طرح ہے مگر انہوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ اے ابن آدم مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی۲۴؎آخر حدیث تک اس میں یہ زیادتی کی ہے کہ اللہ اسے یاد دلائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ ۲۵؎حتی کہ جب اس کی خواہشیں ختم ہوجائیں گی تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ وہ سب کچھ تیرا ہے اور اس سے دس گنا اور ۲۶؎فرمایا پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوگا تو اس پر اس کی دو بیویاں آنکھ والی حوریں داخل ہوں گی۲۷؎کہیں گی شکر ہے اس اللہ کا جس نے تجھے ہمارے لیے اور ہمیں تیرے لیے زندہ رکھا ۲۸؎فرماتے ہیں وہ کہے گا کہ جیسا مجھے عطیہ کیا گیا وہ کسی کو نہ دیا گیا ۲۹؎

۱؎**فھو یمشی** میں **ف** تفصیلیہ ہے جس سے اس شخص کے جنت میں داخلہ کی تفصیل بیان فرمائی گئی،تعقیبیہ نہیں ہے۔جنت میں داخل ہوجانے کے بعد چلنا اور گرنا کیسا یعنی جب جنت میں آتا ہوگا تو راستہ اس طرح طے کرے گا۔

۲؎ **تسفع** کے لفظی معنی ہیں جلاکر نشان لگادینا،بالکل جلا دینے کو **خرق** کہتے ہیں اور معمولی جلا کر چہرہ وغیرہ سیاہ کردینے کو **سفع**۔(مرقات)لہذا اس کے معنی جھلسانا بہت موزوں ہیں مؤمن کو دوزخ کی آگ بالکل جلا ڈالنے پر قادر نہ ہوگی ہاں جھلسادے گی۔

۳؎اس کا آگ سے یہ کلام نہایت ہی فرحت و خوشی کی حالت میں ہوگا اس وقت اسے ایسی خوشی ہوگی کہ اگر موت ہوتی تو آج اسے شادی مرگ ہوجاتی۔

۴؎اس کا یہ کلام بھی انتہائی خوشی کا ہوگا۔خیال رہے کہ ادنٰی جنتی کو بھی یہ خیال نہ آوے گا کہ میں ادنی ہوں اگر یہ خیال ہوجائے تو اسے رنج ہو اور جنت میں رنج کیسا۔

۵؎یہ درخت جنت سے باہر ہوگا اس کے پاس پانی کا چشمہ ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اس درخت کی سرسبزی شادابی حسن و خوبصورتی بیان سے باہر ہے۔

۶؎یعنی میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس درخت تک پہنچ جاؤں ابھی اسے جنت کی خبر نہ ہوگی کہ وہاں کیا کیا ہے۔

۷؎رب تعالٰی کا **لعلی** فرمانا اپنے شک کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ یا تو سامنے والے کے شک کی وجہ سے ہوتا ہے یا یقین کے لیے۔مطلب یہ ہے کہ تو یقینًا آگے اور بھی سوال کرے گا یا تو سوال نہ کرنے پر یقین نہ کر،تیری حالت اس مقام کی فرحت ایسی ہے کہ تو اپنے اس یقین پر قائم نہ رہے گا۔

۸؎اس وقت بندے کو اپنے پر پورا اعتماد ہوگا کہ مجھے وہاں پہنچ جانا ہی کافی ہے میں اس کے سواء اور کچھ نہ مانگوں گا، **نعوذ باللہ** جھوٹا وعدہ کرنے کی نیت نہ کرے گا لہذا اس فرمان پر کوئی اعتراض نہیں وہ جگہ جھوٹ بولنے کی ہوگی ہی نہیں۔

۹؎ یہ شخص یہاں وہ عیش و بہار دیکھے گا جو اس کے خیال و گمان وہم سے ورا ہوں گے وہ چیزیں بیان میں نہیں آسکتیں۔
۱۰؎ پہلا درخت بھی جنت کے راستہ ہی میں تھا اور یہ بھی وہاں ہی ہوگا مگر یہ درخت پہلے نظر نہ آوے گا اس درخت پر پہنچ کر نظر آوے گا،یہ سب کچھ رب تعالٰی کی طرف سے ہوگا،وہ ہی دکھائے گا،وہ ہی دل میں سوال پیدا کرے گا،وہ ہی عطا فرمائے گا۔
۱۱؎ وہ شخص یہ دعا فورًا نہ کرے گا اولًا عرصہ تک خاموش رہے گا،صبر کرنے کی کوشش کرے گا،پھر جب صبر کا جام چھلک جائے گا تب یہ عرض کرے گا جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔
۱۲؎ سبحان اللہ! یہ ارشاد عالی اسے مانگنے پر ابھارنے کے لیے ہے کہ تو مجھ سے اور مانگ یہ سارے کلام محبت وکرم پر ہیں۔
۱۳؎ بعض علماء کو میں نے فرماتے سنا کہ یہ وہ شخص ہوگا جو تھا تو مؤمن مگر اپنے والدین کی خدمت میں کوتاہی کرتا تھا، وہ جوان تھا کماؤ تھا،اس کے ماں باپ بوڑھے اور معذور تھے یہ انہیں خرچہ دیتا تو تھا مگر ترسا ترسا کر بہت انتظار دکھا کر، اس کی سزا کا ظہور اس طرح ہوگا کہ اسے جنت ملے گی تو مگر دکھا دکھا کر ترسا ترسا کر۔واللہ اعلم! غرضکہ ہوگا اسی طرح کا مجرم کہ اسے بہت انتظار کے بعد جنت دی جاوے ورنہ اور لوگ تو جنت میں بغیر انتظار داخل کیے جائیں گے۔
۱۴؎ وہ دونوں درخت تو راستہ جنت میں تھے اب یہ درخت دروازہ جنت سے متصل ہوگا جوان دونوں سے بہتر ہوگا اور یہاں سے جنت کا اندرونی حصہ دیکھنے میں آوے گا یہاں بہار ہی کچھ اور ہوگی جو بیان نہیں کی جاسکتی۔
۱۵؎ وہ سمجھے گا کہ ان دونوں درختوں کی طرح وہاں بھی صرف سایہ اور پانی ہے اسے کیا خبر کہ وہاں جنت کے نظارے بھی ہیں اس لیے صرف سایہ لینے پانی پینے ہی کا ذکر کرے گا۔
۱۶؎ یہاں ھذہ یا تو مبتداء ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یا مفعول ہے جس کا فعل پوشیدہ ہے یعنی آخری سوال میرا یہ ہی ہے اس کے بعد اور سوال نہ کروں گا یا تجھ سے آخری یہ ہی چیز مانگتا ہوں اب نہ مانگوں گا،وہ سمجھتا ہوگا کہ اس سے اعلیٰ تو کوئی چیز ہوسکتی ہی نہیں پھر سوال کیا۔
۱۷؎ لہذا یہ وعدہ خلافیاں بے صبری کی وجہ سے ہوں گی۔
۱۸؎ یا تو جنتی لوگوں کی آپس کی بات چیت سنے گا یا ان کی تسبیح تہلیل،تلاوت قرآن مجید کی آواز جنت میں ذکر اللہ اور تلاوت وغیرہ ہوں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں کوئی اندھا بہرا نہ ہوگا سب کی یہ قوتیں بہت ہی تیز ہوں گی اس لیے یہ شخص جنت کے اندر کی آوازیں دروازے سے سن لے گا،رب فرماتاہے:"فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ"۔
۱۹؎ یصرینی باب ضرب کا مضارع ہے،یہ بنا ہے صری سے بمعنی ختم ہونا،منقطع ہونا،چھٹکارا ملنا یعنی تیرا مجھ سے مانگنا ختم نہیں ہوتا تیری دادو حش سے فارغ نہیں ہوتا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ما استفہامیہ ہے۔معنی یہ ہیں کہ کون چیز مجھے تجھ سے فارغ کرے گی بتا کس چیز پر تیری مانگ ختم ہوتی ہوگی۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں عبارت الٹی ہے اصل میں یہ تھا ما یصرینی منك میری کون سی عطا پر تیری طلب ختم ہوگی تو کس عطا پر مانگنے سے فارغ ہوگا یہ فرمان عالی نہایت ہی کرم و رحم کا ہے۔

۲۰؎ یعنی اگر تجھے جنت کا اتنا رقبہ دے دوں جو ساری دنیا کے رقبہ سے دوگنا ہے تو کیا تو سوالات اور مانگ ختم کردے گا لے تو اتنا لے لے اور اپنی مانگ ختم کر۔

۲۱؎ یہ شخص انتہائی خوشی میں دربار عالیہ کے آداب بھی اور عرض کرنے کا طریقہ بھی بھول جاوے گا وہ سمجھے گا کہ جنت میں اتنی جگہ کہاں سے آئی مجھ سے یوں ہی میرے دل لگانے کے لیے فرمایا جارہا ہے۔استھزاء کے لغوی معنی ہیں دل لگی جو مخاطب کے دل کو لگ جاوے،اللہ تعالٰی دل اور دل لگنے سے پاک ہے اور دل لگی کے ظاہر معنی سے بھی پاک ہے کہ کچھ دینا تو نہ ہو صرف اس کا دل لبھانے کے لیے یہ فرمادے۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ اس کی یہ عرض و معروض ایسی بے خودی میں ہوگی جیسی اس گم شدہ اونٹ والے نے اونٹ مل جانے پر کہا الٰھی انت عبدی وانا ربك خدایا تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب اسے خبر ہی نہ رہی کہ میرے منہ سے نکل کیا رہا ہے ایسی جوش کی حالت کی بے ادبی معاف ہوتی ہے،یہ بے ادبی نہیں بلکہ بے خودی کی بدحواسی ہے۔

۲۲؎ رب تعالٰی کے ہنسنے سے مراد ہے اس کا خوش ہوجانا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا ہے آپ کا تبسم فرمانا یہ،تبسم بھی اظہار خوشی کے لیے ہے،حضرت ابن مسعود کا ہنسنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل فرماتے ہوئے ہے۔حضرات صحابہ کرام حضور کے افعال کریمہ کی روایت بالعمل بھی کرتے تھے جب غضب ہو تو بندہ کی عبادت پر ناراض ہوجائے اور جب کرم ہو تو اس کے گناہ پر خوش ہوجائے۔بلاتشبیہ شیخ سعدی کا وہ مقولہ دیکھو

گہے برسلامے بر بخندو گہے بہ دشنامے خلعت وہندہ

اس کی تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

رب ہم سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔

۲۳؎ یعنی تو نے میری قدرت جانی نہیں تیری طلب سے میری رحمتیں زیادہ ہیں میری عطائیں تیرے وہم و گمان سے ورا ہیں۔

۲۴؎ یعنی مسلم کی روایت میں اتنی عبارت نہیں اور دوسری دراز عبارت ہے جو دوسری روایت میں مذکور ہے۔

۲۵؎ سبحان اللہ!کیسا کریم رحیم ہے کہ خود ہی مانگنا سکھائے اور خود ہی عطائیں فرمائے جب حاکم فرمائے کہ تم فلاں مضمون کی درخواست ہم کو دے دو مطلب یہ ہوتا ہے کہ نوکر رکھ لیا ہے قانونی کارروائی کے لیے درخواست مانگی ہے یہ ہی وہاں بنے گا بلکہ دنیا میں بھی ایسا ہی ہے وہ ہی دعا سکھاتا ہے وہ ہی عطائیں فرماتا ہے۔

۲۶؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ اولًا ایک مثل کی عطا ہوگی پھر دس گنا کی لہذا روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

۲۷؎ اس کی یہ بیبیاں اس کی منتظر تھیں۔خیال رہے کہ اس جنتی کو دو بیویاں تو حورعین ملیں گی اور اس کی دنیا کی وہ بیوی جو اس کے نکاح میں فوت ہوئیں اگر اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے وہ بھی ملے گی ان کے سواء اور وہ عورتیں جو کنواری فوت ہوئیں یا وہ جن کے خاوند کافر مرے وہ بھی اسے ملے گی ہر جنتی کا یہ ہی حال ہوگا۔چنانچہ حضرت مریم اور حضرت بی

بی آسیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہوں گی،یہاں دو فرمانا صرف حوروں کے لیے ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "وَلَهُمۡ فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ"وہاں ازواج جمع ارشاد ہوا ہے یہاں دو حوریں فرمایا گیا دونوں درست ہیں۔

۲۸؎ یعنی اس رب نے تم کو ہمارے لیے اور ہم کو تمہارے لیے دائمی زندگی بخشی کہ اب نہ مرنا ہے نہ یہاں سے نکلنا نہ ہماری تمہاری جدائی تجھے ہم تک پہنچایا۔

۲۹؎ یا تو اس شخص کو اعلیٰ درجات والے جنتیوں کی عطاؤں کی خبر نہ ہوگی وہ سمجھے گا سب سے اعلیٰ نعمتیں مجھے ہی دی گئی ہیں یا اسے ان حضرات کے عطیوں کی طرف دھیان نہ جاوے گا اپنی نعمتوں پر ہی دھیان رہے گا تاکہ اسے رنج نہ ہو کہ جنت میں رنج و غم نہیں،مرقات نے پہلی توجیہ اختیار کی غرضکہ اس کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ قوموں کو ان کے کیے ہوئے گناہوں کی وجہ سے آگ کی لپٹ پہنچے گی ۱؎ سزا کے طور پر پھر اللہ انہیں جنت میں داخل فرمادے گا اپنے فضل اپنی رحمت سے انہیں جہنمی کہا جاوے گا ۲؎ (بخاری)

۱؎ ایسی لپٹ پہنچے کہ جس سے ان کے چہرے جھلس تو جائیں گے مگر بالکل جلیں گے نہیں۔**سفع** کے معنی ہیں حرق قلیل تھوڑی سی جلن۔

۲؎ مگر انہیں اس نام سے خوشی ہوگی کہ رب تعالٰی کی بخشش رحمت انہیں یاد آئے گی،رنج مطلقًا نہ ہوگا کہ جنت میں رنج کیسا۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محمد مصطفٰی کی شفاعت سے ایک قوم آگ سے نکالی جاوے جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا نام جہنمیں رکھا جاوے گا ۱؎ (بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ایک قوم میری شفاعت کی بنا پر آگ سے نکالی جاوے گی جو جہنمی نام دیئے جائیں گے ۲؎

۱؎ ان میں سے وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے صرف کلمہ پڑھا اچھے عقیدے اختیار کیے مگر کوئی نیکی نہ کی اور وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے کلمہ بھی نہیں پڑھا ان کا ایمان شرعی نہ تھا مگر وہ عند اللہ مؤمن تھے،دل میں ایمان رکھتے ہیں زبان سے ظاہر نہ کرتے تھے کسی وجہ سے،ان پر دنیا میں نماز جنازہ بھی نہ ہوئی،انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا گیا،انہیں رب تعالٰی اپنی قدرت والی مٹھی میں بھر کر جنت میں ڈالے گا۔یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہی دوزخ سے نکلیں گے اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے کی جاچکی ہے۔

۲؎ یہ وہ لوگ ہیں جو کلمہ پڑھ کر مسلمان تو ہوگئے مگر غفلت میں زندگی گزار گئے کوئی نیکی نہیں کی کیونکہ انہیں امتی فرمایا گیا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جانتا ہوں دوزخ والوں میں سے آخری نکلنے والے کو اور جنت میں آخری داخل ہونے والے کو ۱؎ ایک شخص آگ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو رب فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا وہ وہاں جاوے گا اسے خیال بندھے کہ جنت بھری ہوئی ہے ۲؎ وہ کہے گا یارب میں نے جنت بھری ہوئی پائی ۳؎ تو رب فرمائے گا جا جنت میں داخل ہوجا کیونکہ تیری ملکیت دنیا کی برابر اور اس کا دس گنا ہے ۴؎ وہ کہے گا کیا تو مجھ سے تمسخر کرتا ہے یا مجھ سے ہنسی فرماتا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور ہنسے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک چمک گئیں ۵؎ اور کہا جاتا تھا کہ یہ جنت والوں میں ادنی درجہ کا ہوگا ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ رجل سے مراد صرف ایک شخص نہیں ہے بلکہ اس قسم کے لوگ ہیں۔حضور ان سب کو تفصیلًا جانتے ہیں ان کے نام، ان کے خاندان،ان کی شکل و صورت وغیرہ جیساکہ اعلم سے معلوم ہوا۔شعر

ہم نے عرض کیا ہے۔ ایک ماہ مدن گورا سا بدن نیچی نظریں کُل کی خبریں

۲؎ کیونکہ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرے گی وہاں تک آدمی ہی آدمی نظر آئیں گے کوئی جگہ جنتیوں سے خالی اسے نظر نہ آوے گی۔

۳؎ میرے مولیٰ اب میں کہاں جاؤں گا جنت میں تو کوئی جگہ خالی ہی نہیں۔

۴؎ اس دن گناہ فرمانے میں عجیب حکمت ہوگی کیونکہ مؤمن کا دنیا میں رہنا بھی نیکی ہے اور نیکی کا بدلہ دس گنا ہے "مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا" لہذا اس قانون سے اسے دنیا کا دس گنا رقبہ عطا ہوا۔(مرقات)

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے سے مراد ہوتا ہے آپ کا تبسم فرمانا کیونکہ قہقہہ لگانا حضور سے کبھی ثابت نہیں،رب تعالٰی کے استہزاء کے معنی بیان ہوچکے۔

۶؎ یہ قول یا تو حضرت ابن مسعود کا ہے یا کسی اور راوی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں۔اس لیے کان یقال فرمایا گیا۔یعنی لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ ادنی درجہ کا جنتی ہوگا جس کی املاک اس قدر وسیع ہوں گی۔اعلیٰ جنتیوں کی ملکیت کا رقبہ تو ہمارے خیال سے باہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جانتا ہوں جنتیوں میں سے آخری داخل ہونے والے کو جنت میں اور دوزخیوں میں سے وہاں سے آخری نکلنے والے کو۱ کہ یہ شخص ہوگا جسے قیامت کے دن لایا جائے گا کہا جائے گا کہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس سے اس کے بڑے گناہ اٹھا رکھو۲ چنانچہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہا جاوے گا تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے اور فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے وہ کہے گا ہاں۳ انکار کرنے کی طاقت نہ رکھے گا۴ اور وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ اس پر وہ پیش کردیئے جاویں۵ کہا جاوے گا کہ تیرے لیے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی ہے۶ تب وہ کہے گا کہ میں نے تو اور بڑے کام کیے تھے جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۷ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور سرکار ہنس پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں چمک گئیں ۸ (مسلم)

۱ یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم ہیں جو دوزخ سے آخر میں نکلے گا وہ ہی جنت میں آخر میں جائے گا۔مرد سے مراد نوع مرد ہے نہ کہ شخصی مرد،اس قسم کے بہت لوگ ہوں گے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تفصیلًا جانتے ہیں۔

۲ یعنی اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ اقرار کرانے کے لیے پیش کرو ابھی بڑے گناہ اسے نہ دکھاؤ۔خیال رہے کہ ابھی ان بڑے گناہوں کی معافی نہیں ہے بلکہ اس سے چھپانا ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳ اس دن اپنے گناہ مان لینا سعادت کی نشانی ہوگی اور بخشش کا پیش خیمہ کہ انکار کرنے پر مصیبت آجاوے گی،مسلمان یہ بات یاد رکھیں۔

۴ یعنی اس کے دل میں اس میں سے کسی گناہ کے انکار کی ہمت نہ ہوگی یہ بے ہمتی نیک بختی کی علامت ہے۔اللہ تعالٰی یہاں گناہ کرنے کی ہم کو ہمت ہی نہ دے یہ ہمت ہارنا ان شاءاللہ جیتنے کا پیش خیمہ ہے،یہ ہمت عذاب ہے کم ہمتی رحمت۔

۵ معلوم ہوا کہ اس دن ہر شخص کو اپنا ایک ایک عمل یاد ہوگا،نامہ اعمال اس کی یاد کی تصدیق کرے گا،رب فرماتا ہے: "اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا"بلکہ مرتے وقت بھی انسان کے سامنے اپنے ہر نیک و بد اعمال آجاتے ہیں بہتر ہے کہ ہر شخص روزانہ سوتے وقت اپنے اعمال کا حساب لیا کرے۔

۶ ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہوگا جس نے اپنے ان گناہوں سے توبہ نہیں کی تھی بغیر توبہ مرگیا تھا اور یہ تبدیلی محض کرم و فضل سے ہوگی۔اس تبدیلی کا مطلب یہ نہیں کہ گناہ نیکیاں بن جاویں گے کہ زنا جہاد بن جاوے اور جھوٹ سچے ہوجاوئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے فی گناہ ایک عطیہ دے دو اگر وہ نیکی کرتا تو یہ پاتا اسے ویسے ہی دے دو۔خیال رہے کہ

توبہ،ایمان،نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی تبدیلی قانون ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ"وہاں یہ تبدیلی صرف فضل و مہربانی ہے۔شعر

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا
بنیانہ کیتی کیتی ٹھکرائی بن کیتی لکھ دین برائی

اللہ تعالٰی انصاف نہ کرے رحم فرمادے کہ ہماری کی ہوئی برائیاں بے کی ہوئی بنادے یعنی محو فرمادے،سب پر مہربانی و معافی کا قلم پھیر دے۔شعر

من نہ گویئم کہ طاعتم بہ پذیر قلم عفو برگنا ہم کش

۷؎ یعنی اس کرم کریمانہ کو دیکھ کر پکار اٹھے گا کہ مولٰی میرے بڑے گناہ تو یہاں موجود ہی نہیں وہ بھی لائے جاویں اور ان بڑے گناہوں پر بڑے عطیے دیئے جاؤیں،تو بخش بے حساب کہ ہیں جرم بے حساب۔

۸؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے انقلاب حال پر تبسم فرمایا کہ ابھی تو گناہ کبیرہ سے ڈررہا تھا اب خود مانگ رہا ہے۔رب کا فضل تو آن کی آن میں کایا پلٹ دیتا ہے وہ اگر چاہے تو ہم جیسے لاکھوں گنہگارپرہیزگاربن جاویں وہاں کیا کمی ہے،پانچ منٹ کی بارش مردہ زمین کو زندہ کردیتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ سے چار آدمی نکالے جائیں گے ۱؎ پھر بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جائیں گے پھر انہیں آگ کیطرف جانے کا حکم دیا جاوے گا ۲؎ تو ان میں سے ایک مڑمڑ کر دیکھے گا عرض کرے گا یارب میں امیدوار تھا جب تو نے مجھے وہاں سے نکال لیا تو اب دوبارہ نہ لوٹائے گافرمایا تو رب اسے آگ سے نجات دے دے گا ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی چار قسم کے لوگ نکالے جائیں گے یا ہر بار میں چار چار افراد نکالے جائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شخصی ہو۔خیال رہے کہ یہ سب لوگ بخشے جائیں گے حضور کی شفاعت سے ہی کوئی آگے کوئی پیچھے کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح۔شفاعت سے پہلے تو رب نہ کسی سے کلام فرمائے گا نہ قیامت کا کاروبار شروع فرمائے گا۔

۲؎ سبحان اللہ!کیسا پیارا حکم ہے دوزخ سے نکل کر ہمارے حضور آؤاچھا پھر وہاں ہی لوٹ جاؤ،اس حکم حکیمانہ پر دل و جان فدا۔اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایاشعر

جملہ عالم بندہ اکرام تو صدچو جان من فدائے نام تو

۳؎ معلوم ہوا کہ رب تعالٰی سے امید بھی بڑی عبادت ہے ایسی عبادت کہ مشکلیں حل کردیتی ہے۔امید ہی وہ عبادت ہے جو اس عالم میں بھی ہوگی اور کام آوے گی امید ہی وہ عبادت ہے جو ہم جیسے گنہگاروں کا سہار اہے۔شعر

زطاعت نہ آور دم الا امید خدایا مگرداں مرانا امید

اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چار میں سے ایک شخص یہ عرض کرے گا باقی تین بھی اسی کی عرض سے بخش دیئے جائیں گے،رحمت والے کا ساتھ بھی رحمت سے حصہ دلادیتا ہے،یا وہ چاروں باری باری سے یہ عرض کریں گے یہاں صرف ایک کا ذکر ہوا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان آگ سے نجات پائیں گے تو وہ جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائیں گے ۱؎ تو بعض کا ان ظلموں کا بدلہ لیا جاوے گا جو ان کے درمیان دنیا میں تھے ۲؎ حتی کہ جب پاک و صاف کردیئے جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جاوے گی ۳؎ تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد مصطفی کی جان ہے ان میں سے ہر ایک اپنے جنتی گھر کا اس سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا جو اپنے دنیاوی گھر کا ہدایت یافتہ تھا ۴؎(بخاری)

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ پل جنت دوزخ کے درمیان کوئی اور پل ہے سواء پلصراط کے کیونکہ پلصراط تو دوزخ کے اوپر واقع ہے جنت کے درمیان نہیں،نیز یہاں ارشاد ہے کہ مؤمن آگ سے نجات پاکر اس پل پر پہنچے گے یعنی پلصراط سے گزر جانے کے بعد اور اگر اس سے پلصراط ہی مراد ہو تو اس کا دوسرا کنارہ مراد ہوگا جو دوزخ کے دوسری طرف جنت کی جانب،اس کا پہلا کنارہ میدان حشر کی طرف،عام شارحین نے اس سے پلصراط مراد لیا ہے۔واللہ اعلم!

۲؎ یعنی ظالموں سے مظلوموں کو بدلہ دلوایا جاوے گا خواہ جانی ظلم ہو یا مالی یا عزت و آبرو کا ظلم۔غالبًا اس سے معمولی ظلم مراد ہیں بڑے ظلم جیسے قتل،مال مار لینا وغیرہ کی سزا میں تو دوزخ میں رکھا جاوے گا۔یہاں قصاص یا تو اس طرح لیا جاوے گا کہ مظلوم سے معاف کرادیا جاوے یا مظلوم کا درجہ بڑھادیا جاوے یا ظالم کا درجہ گھٹا دیا جاوے، قصاص کی بہت صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی گندا جنت میں نہ جائے گا وہاں تو پاک و صاف کی جگہ ہے۔مؤمن بعض گناہوں سے تو دنیاوی تکالیف فکریں بیماریوں وغیرہ کے ذریعہ صاف کردیئے جاتے ہیں،بعض گناہوں سے سکرات موت کی وجہ سے، بعض گناہوں سے عذاب قبر کی وجہ سے مگر بعض گناہ ایسے ہیں جنہیں کچھ دن دوزخ کی آگ میں رکھ کر دور کیے جائیں گے جیسے سونے چاندی کے معمولی میل صابن برش سے صاف کیے جاتے ہیں مگر بعض میل آگ میں تپا کر ہی دور کیے جاسکتے ہیں،یہ ہی ہمارے میلوں کا حال ہے۔(اشعہ)

۴؎ چنانچہ کوئی جنتی جنت میں پہنچ کر کسی سے اپنے گھر کا پتہ نہ پوچھے گا بلکہ خود بخود بے تکلف وہاں ایسے پہنچ جاوے گا جیسے وہاں کا پرانا باشندہ ہے کیونکہ گناہ دھل جانے کی وجہ سے اس کا دل نورانی خالص ہوگیا نور سے کچھ نہیں چھپتا۔ (اشعہ)رب فرماتا ہے:"یَهۡدِیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِیۡمٰنِهِمۡ"اللہ تعالٰی دنیا میں بھی ہم کو کامل نور ایمانی عطا فرمادے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا مگر پہلے اسے اس کا دوزخی ٹھکانہ دکھایا جاوے گا اگر وہ جرم کرتا۱ تاکہ وہ زیادہ شکر کرے اور کوئی آگ میں نہ جاوے گا مگر اسے اس کا جنتی ٹھکانہ دکھایا جاوے گا اگر وہ نیکیاں کرتا تاکہ اس پر حسرۃ ہوجاوے۲(بخاری)

۱ہر شخص کے لیے دو ٹھکانے مقرر ہیں ایک دوزخ میں،دوسرا جنت میں،مؤمن اپنا اور کافر کا جنتی مقام لے گا اور کافر دوزخ میں اپنا اور مسلمان کے مقام کو سنبھالے گا۔یہاں قبر کے امتحان میں کامیاب ہوجانے پر دکھایا جاوے گا،پھر قیامت میں دکھانا مراد ہے جیساکہ مضمون ہے اور عذاب قبر کے باب میں خود قبر میں دکھانے کا ذکر تھا۔
۲مؤمن کی خوشی کی انتہاء نہ رہے گی اور کافر کے رنج و غم بے حد ہوجائیں گےآگ کی تکلیف اور جنت کا گھر چھوٹ جانے کا صدمہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جاویں گے تو موت لائی جاوے گی حتی کہ جنت و دوزخ کے درمیان رکھی جاوے گی۱پھر ذبح کردی جاوے ۲ پھر پکارنے والا پکارے گا اے جنتیو اب موت نہیں اور اے دوزخیو اب موت نہیں۳تو جنتی لوگوں کو خوشی پر خوشی بڑھ جاوے اور دوزخی لوگوں کو غم پر غم زیادہ ہوجاوے گا۴(مسلم،بخاری)

۱دنبہ کی شکل میں موت اعراف پہ کھڑی کی جاوے گی۔خیال رہے کہ دنیا کے اعراض صفات وغیرہ سب کی صورتیں ہیں جو آخرت میں ظاہر ہوں گی،آج ہم خواب میں حالات کو اجسام کی شکل میں دیکھ لیتے ہیں شاہ مصر نے سات سال کا قحط سات بالیوں سات گایوں کی شکل میں دیکھا تھا۔

۲اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ موت وجودی چیز ہے محض عدم نہیں،رب فرماتاہے:"خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ"لہٰذا موت فنا ہوسکتی ہے کہ وہ بھی مخلوق ہے۔
۳لہٰذا اب ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو نہ مرنا ہے نہ یہاں سے نکلنا،نہ بیماری نہ کوئی تکلیف،تمہیں بھی یہاں ہیشگی ہے اور تمہارے عیش و آرام کو بھی دوام۔
۴اس خوشی اور غم کا بیان نہیں ہوسکتا اگر وہاں موت ہوتی تو جنتی تو خوشی سے مرجاتے اور دوزخی غم سے ہلاک ہوجاتے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ میرا حوض عدن سے لے کر۱عمان بلقاء تک ہے۲اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا۳اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کے برابر۴ ہیں جو ایک گھونٹ پیئے گا اس کے بعد پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا ۵لوگوں میں سب سے پہلے وہاں پہنچنے والے وہ مہاجر فقیر ہیں جن کے بال پراگندہ ہیں کپڑے میلے جوامیر عورتوں سے نکاح نہ کرسکیں ان کے درازے نہ کھولے جاویں ۶(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱عدن آج کل یمن کا دارالخلافہ ہے،مشہور شہر ہے،بحر ہند کے کنارے پر واقع ہے،حجاج کا جہاز پہلے عدن ٹھہرتا ہے پھر جدہ پہنچتا ہے۔

۲عمان عین کے فتحہ میم کے شد سے اردن کا مشہور شہر ہے وہاں کا دارالخلافہ ہے اور عمان عین کے پیش میم کے شد سے یمن کا ایک شہر بھی ہے شام کا ایک مقام بھی اور بلقاء شام کی مشہور جگہ،عمان کو بلقاء کی طرف مضاف فرماکر بتایا کہ یہاں شام والا عمان مراد ہے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ بیان حد بندی کے لیے نہیں بلکہ سننے والے کو وسعت سمجھانے کے لیے ہے۔اسی واسطے مختلف احادیث میں مختلف شہروں کے نام لیے گئے جو شخص جن شہروں سے واقف تھا اسے وہ ہی شہر بتائے گئے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حوض کوثر بعض لوگوں کی نگاہ میں دراز ہوگا،بعض کی نگاہ میں بہت دراز،بعض کی نگاہ میں بہت ہی دراز جیسے مؤمن کی قبر کی فراخی مختلف ہے۔(مرقات)

۳مٹھاس کے بیان کے لیے شہد کا ذکر فرمایا کہ شہد میٹھا بھی ہوتا ہے لذیذ بھی اور اس میں شفاء بھی ہے دیگر شیرینی میں یہ خوبیاں جمع نہیں۔

۴کوزوں اور تاروں کی گنتی حضور کو معلوم ہے دوسروں کے علم سے وراء ہے،چونکہ تارے بہت بھی ہیں چمکدار بھی خوشنما بھی اس لیے ان کا ذکر فرمایا ذرات یا قطرات کا ذکر نہیں فرمایا۔ان کوزوں میں کثرت بھی ہے،چمک دمک بھی،بے مثال حسن بھی۔

۵حوض کوثر جنت میں ہے اس کی ایک نہر میدان حشر میں اسی میں تاثیر یہ ہے کہ نہ اب پیاس رہے نہ آئندہ پیاس محسوس ہو۔سبحان اللہ!

۶یہاں فقراء سے مراد وہ فقراء ہیں جو صالحین مؤمنین ہوں جو علم و عبادت میں مشغولیت کی وجہ سے مال و عزت حاصل نہ کرسکے اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف رکھا۔دوسری روایت میں بھی اسے یوں واضح فرمایا کہ دنیا میں بھوکے رہنے والے

آخرت میں سیر ہوں گے۔(مرقات)جنہیں دنیا والے نہیں پوچھتے انہیں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول پوچھتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں **اشعت** وغیرہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گندے رہتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر وقت جسمانی صفائی کے پیچھے نہیں لگتے،اس صفائی میں مشغول ہوکر آخرت کو نہیں بھولتے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ارشاد ہے کہ صفائی و طہارت بہت اعلیٰ چیزیں ہیں،فرمایا گیا طہارت نصف ایمان ہے،نیز اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ لوگوں کے دروازہ پر جاتے ہیں مگر ان کے لیے دروازے نہیں کھلتے۔یہ فرض و تقدیر کا بیان ہے کہ اگر بالفرض وہ کسی دنیادار کے دروازہ پر جائیں تو وہ ان بے چاروں کی طرف التفات نہ کریں ورنہ یہ فقراء تمام عالم سے غنی ہوتے ہیں۔مصرع

کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو

روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک منزل پر اترے تو فرمایا کہ تم ان کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہوجو میرے پاس حوض پر پہنچیں گے[1] کہا گیا تم اس دن کتنے تھے فرمایا سات سو یا آٹھ سو[2](ابوداؤد)	

[1] اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت مراد ہے کہ ان شاءاللہ ہر امتی حوض کوثر پر حاضر ہوگا وہاں کا پانی پیئے گا،کیوں نہ پیئے کہ وہ اس کے نبی کا حوض ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] یہ فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ حضور کی امت تو اربوں کھربوں کی تعداد میں ہے۔آج مسلمان دنیا میں قریبًا ایک ارب ہیں پھر تاقیامت کتنے ہوں گے ہم اندازہ نہیں کرسکتے۔

روایت ہے حضرت سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نبی کا حوض ہے اور وہ حضرت اس پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے پاس زیادہ آنے والے ہیں[1] اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ان سب میں زیادہ ہوں گا آنے والوں میں[2](ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[1] ہر نبی کا حوض علیحدہ ہوگا مگر ہمارے حضور کا حوض جس کا نام کوثر ہے ان سب سے بڑا سب سے خوبصورت اور سب سے لذیز ہوگا۔

[2] کیونکہ ہر نبی کے حوض پر ان کی امت ہی حاضر ہوگی۔امت کی زیادتی نبی کے لیے،شاگردوں کی زیادتی استاد کے لیے، مریدین کی زیادتی شیخ کے لیے،رعایا کی کثرت بادشاہ کے لیے باعث فخر ہوتی ہے۔اس زیادتی کا ذکر دوسری حدیث میں ہے کہ جنتی لوگوں کی کل صفیں ایک سوبیس ہوں گی جن میں سے اسّی صفیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت باقی چالیس صفوں میں ساری امتیں۔خیال رہے کہ ایسے موقعہ پر **لعل** اور رجاء شک کے لیے نہیں بلکہ یقین کے لیے ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں بہت جگہ **لعل** فرمایا گیا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا قیامت کے دن میری شفاعت فرما دیں ۱؎ فرمایا میں شفاعت کروں گا میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں حضور کو کہاں تلاش کروں ۲؎ فرمایا تم مجھے پہلے تو تلاش کرنا پل صراط پر میں نے عرض کیا اگر آپ کو پل صراط پر نہ پاؤں فرمایا پھر مجھے میزان کے پاس ڈھونڈھنا ۳؎ میں نے عرض کیا اگر میں حضور کو میزان کے پاس نہ پاؤں ۴؎ فرمایا پھر مجھے حوض کے پاس تلاش کرنا ۵؎ کیونکہ میں ان تین جگہوں سے علاوہ میں نہ ہوں گا ۶؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یہاں شفاعت سے مراد خاص شفاعت ہے جو خاص غلاموں کی ہوگی، شفاعت عامہ تو ہر مؤمن کی ہوگی۔ خیال رہے کہ حضرت انس نے ایک شفاعت مانگ کر ایمان، تقویٰ، حسن خاتمہ، قبر کے امتحان میں کامیابی سب کچھ مانگ لی کہ یہ چیزیں شفاعت خاصہ کی تمہیدیں ہیں۔ شعر

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خیر　　　　مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

اس ایک کلمہ میں بہت سے وعدے ہیں: تم ایمان پر جیو گے، تمہاری زندگی تقویٰ میں گزرے گی، تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوگا، تمہاری خطائیں قابل معافی ہوں گی، تمہاری شفاعت میرے ذمہ ہوگی کیونکہ کفر حقوق العباد کی شفاعت نہیں ہوگی۔ آج بھی مسلمان روضہ اطہر پر عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتے ہیں، یہ حدیث اس مانگنے کی اصل ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور سے بھیگ مانگنا جائز ہے کہ دنیا کی ہر چیز شفاعت سے نیچے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو محروم نہیں کرتے "وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد مانگو، دین و دنیا مانگو، دنیا کی ہر نعمت مانگو، جو مانگو گے پاؤ گے وہاں سے محروم کوئی نہیں پھرتا۔

۲؎ خیال رہے کہ قیامت میں ایک وقت تو وہ ہوگا جب سارا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈے گا پھر وقت وہ آوے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گنہگار کو ڈھونڈیں گے۔ شعر

عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے　　　　خدا گواہ یہ ہی حال آپ کا ہوگا

وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں　　　　غضب کی بھیڑ میں ان کی میں اس پہچان کے صدقے

حضرت انس کا سوال غالبًا پہلے وقت کے متعلق ہے کبھی ایسا بھی ہوگا کہ گنہگار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور غمخوار محبوب اپنے گنہگار کو تلاش کریں گے دو طرفہ تلاش ہوگی۔ حضور پلصراط کے کنارے پر کھڑے ہوں گے تاکہ گرتوں کو سہارا دیں۔ شعر

سیس پہ گٹھڑی ڈگر گھائل میرے پاؤں　　　　پیارے تمہیں سنبھالیو جب ڈگمگ میں ہوجاؤں

۳؎ حضور میزان پر اپنی امت کے عمل کا وزن اپنے اہتمام سے کرائیں گے کہ اگر کسی امتی کی نیکیاں ہلکی ہوں اور وہ دوزخ میں لے جایا جانے لگے تو اپنا کوئی عمل اپنا قدم رکھ کر شفاعت فرماکر اس کی نیکیاں وزنی کرادیں دوزخ سے بچالیں کیونکہ حضور کے اعمال کا وزن نہ ہوگا۔

۴؎ سبحان اللہ! کیا پیارا سوال ہے یعنی آپ کو اس دن ایک جگہ تو مستقل قرار ہوگا نہیں کبھی ان مجرموں کے پاس کبھی دوسرے کے پاس۔

کوئی صراط پہ ان کو پکارتا ہوگا | کوئی قریب ترازو کوئی لب کوثر
نہیں تو دم میں غریبوں کا فیصلہ ہوگا | کسی طرف سے صدا آئے گی حضور آؤ
تو کوئی تھام کے دامن مچل رہا ہوگا | کوئی کہے گا دہائی یارسول اللہ

غرضکہ ایک جان اور فکر جہاں اللھم صلی علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم تو اگر آپ میزان پر نہ ملیں تو پھر کہاں تلاش کروں۔

۵؎ غالبًا یہاں حوض سے مراد حوض کوثر کی وہ نہر ہے جو میدان حشر میں ہوگی،اصل حوض کوثر تو جنت میں ہے،محشر میں پیا سے پانی پئیں گے،حضور اپنے اہتمام سے انہیں پلوائیں گے یہاں وہ ہی موجودگی مراد ہے۔

۶؎ اس حدیث کے متعلق چار باتیں خیال میں رکھو:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی شفاعت کے اوقات میں ان تین جگہ ہوں گے ورنہ عمومی شفاعت کی جگہ تو مقامِ محمود ہے،رب فرماتاہے:"عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"حاکم کا مقام مقدمات کے وقت کچہری ہوتا ہے،کھانے وغیرہ کے وقت گھر،نماز کے وقت مسجد لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن مجید کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے۔دوسرے یہ کہ یہاں ان تین مقاموں کا ذکر وہاں کی ترتیب کے مطابق نہیں کیونکہ میزان پہلے ہے حوض کی نہر اس سے آگے،پلصراط اس کے آگے۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہمارے نیک اعمال ایسے بھاری ہوجائیں گے جیسے روٹی پانی میں بھیگ کر وزنی ہوجاتی ہے۔چوتھے یہ کہ یہ حدیث اس حدیث حضرت عائشہ کے خلاف نہیں کہ حضور نے فرمایا کہ ان تین مقام پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا،وہاں عام شوہروں کا ذکر ہے نہ کہ حضور انور کا صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں حضور سے عرض کیا گیا کہ مقام محمود کیا چیز ہے فرمایا قیامت وہ دن ہے جس میں اللہ تعالٰی اپنی کرسی پر نزول فرمائے گا تو وہ ایسی چرائے گی جیسے نیا کجاوا چرچراتا ہے اپنی تنگی کی وجہ سے ۱؎ حالانکہ وہ آسمانوں و زمینوں کی فراخی کی طرح ہے ۲؎ اور تم کو ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ لایا جاوے گا ۳؎ تو جنہیں پہلے پہنایا جاوے گا وہ حضرت ابراہیم ہوں گے ۴؎ اللہ تعالٰی فرمائے گا میرے خلیل کو پہناؤ تو

	دو سفید حلے لائے جائیں گے پھر ان کے بعد مجھے پہنایا جاوے گا ۵؎ پھر میں اللہ تعالٰی کے داہنے طرف اس جگہ کھڑا ہوں گا کہ مجھ پر اگلے اور پچھلے رشک کریں گے ۶؎(دارمی)

۱؎ حق یہ ہے کہ یہ عبارت متشابہات میں سے ہے،کرسی پر اللہ تعالٰی کا نزول اس معنی سے ہے جو وہ ہی جانے۔بعض نے فرمایا کہ اس کے احکام وہاں نازل ہوں گےاور وہاں سے نافذ ہوں گے اور کرسی کا چرچرانا ذات الٰہی کے بوجھ سے نہیں بلکہ ہیبت سے ہوگا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہاں اللہ تعالٰی کے کرسی پر نازل ہونے سے مراد ہے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر قدم رنجہ ہونا جیسے اگر اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو افلاک اور املاک نہ ہوتے،یونہی اگر آخر حضور نہ ہوتے تو ہلاکت لوگوں میں واقع ہوجاتی لہذا حضور اول ہیں،حضور آخر ہیں،حضور باطن ہیں،حضور ظاہر مظہر کل ہیں جس سے ذات جامع صفات جسے اللہ کہتے ہیں وہ ظاہر ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی باوجودیکہ کرسیہ کی وسعت سارے آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے مگر اس دن رب کے عدل یا اس کی حکومت یا اس کے فرشتوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کی وجہ سے تنگ ہوجاوے گی۔دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر سارے آسمان اور زمین کرسی میں رکھے جاویں تو ایسے معلوم ہوں جیسے میدان میں سات چھلے ان دونوں احادیث میں تعارض نہیں کہ مقصود ہے کرسی کی وسعت دکھانا نہ کہ معین کرنا۔

۳؎ بکمہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ پا برہنہ بدن برہنہ یا بے ختنہ ہونا عوام کا حال ہوگا۔حضرات انبیاءکرام خصوصًا سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنٰی ہے۔

۴؎ حضرات انبیاءکرام پر ستر کا لباس تو پہلے ہی ہوگا زینت کا لباس اب ترتیب وار پہنایا جاوے گااس لیے یہاں لباس کا حسن مذکور ہوا۔

۵؎ یعنی یہ لباس زینت لباس فاخرہ سب سے پہلے حضرت خلیل کو پھر مجھے پہنایا جاوے گا۔خیال رہے کہ یہ حضرت خلیل اللہ کی جزوی فضیلت ہے کلی فضیلت حضور ہی کو حاصل ہے،ہر جگہ اولیت کا سہرہ حضور کے سر ہے جیساکہ قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور حضرت خلیل کی یہ عظمت خصوصی بھی اس لیے ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہیں اور دین اسلام ان کی ملت کے مطابق ہے۔

۶؎ یعنی مقام محمود عرش اعظم کے داہنے طرف ہے وہ خاص ہمارا مقام ہے جس پر سارے انبیاء اولیاء رشک فرمائیں گے۔خیال رہے کہ دینی عظمت پر رشک کرنا اچھی چیز ہے حسد بری چیز۔خیال رہے کہ اس فرمان عالی میں جواب ہوگیا،سائل نے پوچھا تھاکہ مقام محمود کیا چیز ہے جواب عطا ہوا کہ مقام محمود عرش اعظم کے داہنے ہاتھ ایک خاص عظمت والی جگہ جہاں صرف ہم جلوہ گر ہوں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد از خدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام ملائکہ، انسان وغیرہ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمنوں کی علامت ۱؎ قیامت کے دن صراط پر یہ ہوگی الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ مؤمنین سے مراد دوسری امتوں کے مؤمنین لوگ ہیں،اس دن سب کی زبان عربی ہوگی،حضرات انبیاء کرام بھی فرمائیں گے،سلم سلم یعنی مولیٰ ان گزرنے والوں کو سلامت رکھ،مؤمن بھی کہیں گے رب سلم اے اللہ ہم کو سلامت رکھ لہذا حضرات انبیاء کا یہ کلام شفاعت ہوگا ان کا یہ کلام اپنے لیے دعا۔کفار گھبرائے ہوئے گزریں گے اور پھسل کر گریں گے یہ عرض مؤمنوں کی علامت ہوگی۔

۲؎ خیال رہے کہ دوسری امتوں کے منہ میں رب سلم ہوگا حضور کی امت مؤمنین کی زبان پر لاالہ الا انت ہوگا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ مؤمنین لاالہ الا انت کہتے گزریں گے کیونکہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور یہاں دوسری امتیں۔(مرقات)ابن مردویہ میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ مؤمنین یہ کہتے ہوئے گزریں گے لاالہ الا انت وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون،امام شیرازی نے حضرت ام المؤمنین سے روایت کی کہ مؤمنین اس اندھیری میں کہیں گے لاالہ الا انت۔(مرقات)ہوسکتا ہے کہ مختلف طبقہ کے مؤمنین یہ مختلف دعائیں عرض کریں گے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لیے ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ بروایت جابر)

۱؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بہت قسم کی ہے جن میں سے ایک شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لیے ہے یہاں وہ ہی شفاعت مراد ہے یعنی معافی گناہ کی شفاعت۔اس سے معلوم ہوا کہ جس کا خاتمہ بالخیر ہوگیا وہ شفاعت کا حقدار ہوگیا اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو۔جس حدیث میں ہے کہ ہم زکوۃ نہ دینے والوں کی شفاعت نہ کریں گے وہاں منکرین زکوۃ مراد ہیں جو کافر و مرتد ہیں کہ فرض کا انکار کفر ہے۔جب گناہ کبیرہ والوں کی شفاعت ہوگی تو زکوۃ نہ دینا گناہ صغیرہ ہے اس کی شفاعت کیوں نہ ہوگی۔خیال رہے کہ سواء چند گناہوں کے باقی گناہ صغیرہ ہیں۔دیکھو مرآت جلد اول باب الکبائر۔یہ حدیث بڑی ہمت افزا ہے،حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا کہ میں تم سے عذاب دفع نہیں کرسکتا وہاں یہ ہی مطلب ہے کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہوگی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ شفاعت عقلًا جائز ہے اور شرعًا واجب کہ اس پر بہت آیات واحادیث وارد ہیں۔ہم نے شفاعت کی مکمل بحث تفسیر نعیمی میں"مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ"میں کی ہیں وہاں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس رب تعالٰی کے پاس سے آنے والا آیا تو مجھے اختیار دیا ۱؎ اس کا کہ میری آدھی امت جنت میں داخل فرمائے اور درمیان شفاعت کے ۲؎ تو میں نے شفاعت اختیار فرمائی یہ شفاعت اس شخص کے لیے ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی حضرت جبریل امین یا کوئی اور فرشتہ یہ حکم رب العالمین کا ہمارے پاس پیغام لایا جس میں مجھے اختیار دیا۔سبحان اللہ! اللہ تعالٰی ہمارے حضور کو ان سے پوچھ کر دیتا ہے،یہ ہے محبوبیت"وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی"۔شعر

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　　خدا چاہتا ہے رضاء محمد

۲؎ اس طرح کہ محبوب تم جتنوں کی شفاعت کرو اتنوں کو بخش دوں،پہلے صورت میں حد بندی ہے اس میں بے حد عطا کا وعدہ ہے اس لیے حضور انور نے اسی کو اختیار فرمایا کہ میرے مولیٰ میں بخشواتا جاؤں تو بخشتا جا۔شعر

قدرت کی تحریریں جانے　　　امُی اور تقریریں جانے

بخشش کی تدبیریں جانےوہ ہے رحمت والا　　　جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہے اجیالا

۳؎ یہاں شرک سے مراد کفر ہے،کسی یقینی عقیدہ اسلامیہ کا انکار کفر ہے۔خیال رہے کہ خوارج بعض معتزلہ اور اسمٰعیلی وہابی شفاعت کے انکاری ہیں وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں واقعی ان بدنصیبوں کی شفاعت نہ ہوگی خوارج اور معتزلہ کا انکارِ شفاعت تو مرقات میں اس جگہ ہے اور اسماعیلیہ کا انکار تقویۃ الایمان میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی الجدعاء سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میرے ایک امتی کی شفاعت سے ۲؎ قبیلہ بنی تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے ۳؎(ترمذی،دارمی،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی کنانہ سے ہیں،آپ سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں ایک یہ،دوسری کنت نبیاو آدم فی الروح و الجسد۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ وہ صاحب حضرت عثمان غنی ہیں رضی اللہ عنہ۔بعض نے فرمایا حضرت اویس قرنی ہیں جو تابعی ہیں۔یا یہ مطلب ہے کہ میری امت کے ایک ایک بزرگ کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ بخشے جائیں گے۔پہلی دو باتیں مرقات نے فرمائیں،آخری بات اشعۃ اللمعات نے۔

۳؎ خیال رہے کہ اس شفاعت سے مراد شفاعت صغریٰ ہے کیونکہ شفاعت کبریٰ صرف حضور ہی کریں گے۔بنی تمیم عرب کا بہت بڑا قبیلہ ہے،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ایسی شفاعت کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو عالم کے خیال سے وراء ہے،ان کی شفاعت سے تقدیریں بدل جاویں گی،سب کی مشکلیں حل ہوجاویں گی۔
شعر۔

ایسی بندھی نصیب کھلے مشکلیں کھلیں　　　دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے

روایت ہے حضرت ابی سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک جماعت کی شفاعت کریں گے،بعض وہ جو ایک خاندان کی شفاعت کریں گے،بعض وہ ہیں جو ایک کنبہ کی شفاعت کریں	

	گے ۱؎ بعض وہ ہیں جو صرف ایک آدمی کی شفاعت کریں گے حتی کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے ۲؎(ترمذی)

۱؎ فئام جمع ہے اس کا واحد کوئی نہیں۔اس کے معنی ہیں جماعت،بعض نے فرمایا یہ جمع ہے فئة کی۔قبیلہ وہ جماعت جو ایک دادا کی اولاد ہو۔عصبة بھی جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں،یہ دس سے چالیس تک پر بولی جاتی ہے۔اس حدیث کی تفصیل دوسری احادیث میں وارد ہے کہ حافظ پانچ پشت کی،عالم چودہ پشت کی،شہید اتنی جماعت کی شفاعت کریں گے وغیرہ۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ قیامت میں اولًا عدل الٰہی کا ظہور ہوگا،اس وقت حضور کے سوا کوئی شفاعت نہ کرے گا،بعد میں فضل الٰہی کا ظہور ہوگا اس وقت اور حضرات بھی شفاعت کریں گے۔یہاں دوسرے وقت کا ذکر ہے اس وقت مؤمنین بھی شفاعت کریں گے۔من امتی فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاعتیں امت محمدیہ کے لیے ہیں کہ ان کے علماء صالحین شفاعت کریں دوسری امتوں کے علماء وصلحاء کو یہ درجے نہ ملیں گے۔واللہ اعلم و رسولہ اعلم!

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی ساری امت جنتی ہے کوئی پہلے ہی سے جنت میں پہنچ جاوے گا کوئی کچھ سزا بھگت کر،یہ ہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ "من قال لا اله الا الله دخل الجنة" حتی شفاعت کی انتہا کے لیے ہے یعنی یہ شفاعت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ سارے مسلمان جنت میں پہنچ جاویں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے چار لاکھ کو بغیر حساب جنت میں داخل کرے گا ۱؎ تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو اور زیادہ دیجئے فرمایا اور اس طرح پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے ان کا لپ بھرا ۲؎ اور حضرت ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ ہمیں زیادہ دیجئے ۳؎ فرمایا اور ایسے تو حضرت عمر نے فرمایا اے ابوبکر ہمیں چھوڑو بھی ۴؎ تو ابوبکر نے فرمایا تمہارا کیا حرج ہے کہ ہم سب کو اللہ جنت میں داخل فرمائے ۵؎ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو ایک مٹھی میں ساری خلقت کو جنت میں داخل کردے وہ کرسکتا ہے ۶؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر نے سچ کہا ۷؎(شرح سنہ)

۱؎ یہ تعداد حضور کی امت کی ہے جو احکام شرعیہ کے مکلّف تھے،حضرات انبیاء کرام مؤمنوں کے فوت شدہ ناسمجھ بچے دیوانے جو دیوانگی میں فوت ہوئے ان کا کچھ حساب نہیں۔حضرات انبیاء کرام کا بھی حساب نہیں اس کی تائید وہ آیت فرمارہی ہے "یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ"۔

۲؎ یعنی ان چار لاکھ کے علاوہ رب تعالیٰ کے لپ(بک) بھر اور بھی بغیر حساب جنت میں جائیں گے کہ حق تعالیٰ ان مؤمنوں کو اپنے دونوں دست قدرت میں لے کر وہاں پہنچادے گا۔خدا کرے ہم بھی اس میں آجاویں۔منہ چھوٹا ہے طلب بڑی ہے،وہ قدرتوں والا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ جمع فرماکر یہ بتایا کہ رب تعالیٰ مٹھی بھر کر نہیں بلکہ دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر بخشے گا۔

۳؎ یعنی اور زیادہ بخشش کی خبر دیجئے یا اور زیادہ بخشش کرایئے کہ حضور دعا فرمائیں کہ رب اس سے بھی زیادہ کو بے حساب بے عذاب بخشے کیونکہ رب تعالیٰ آپ کی بات ٹالتا نہیں جو تم کہتے ہو وہ ہی رب کرتا ہے"وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"۔

۴؎ یعنی اے ابوبکر یہ اجمال رہنے دو زیادہ کی تصریح نہ کراؤ تاکہ ہم خوف و امید پر رہیں اعمال کیے جاویں۔

۵؎ یعنی اے عمر ذرا خاموش تو رہو،میں حضور سے ساری امت رسول کے لیے بے حساب جنتی ہونے کا وعدہ لے لیتا ہوں اے عمر تمہارا اس میں کیا بگڑتا ہے کہ سارے امتی رسول اللہ بے حساب جنتی ہوجاویں۔خیال رہے کہ اللہ رسول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق سب سے بڑھ کر رحیم و کریم ہیں۔ان کا رحم و کرم تو مجھ سے پوچھو اللہ ان کی قبر نور سے بھردے،مجھ پر ان کا ان کی دختر جمیلہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ سورۂ نور والی نورانی کا بہت ہی احسان ہے۔

۶؎ یعنی اے ابوبکر تم جو کچھ چاہتے ہو وہ تو حاصل ہوگیا کہ صرف چار لاکھ کا حضور نے ذکر نہیں فرمایا ساتھ ہی رب کے لپ بھر کا بھی ذکر ہے یہ لپ بڑا ہی وسیع ہے۔

۷؎ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی عرض و معروض میں غلبہ امید کی جھلک ہے اور حضرت عمر فاروق کی عرض معروض میں رضا بالقضاء کا ظہور ہے اس لیے حضرت عمر کے قول کی تائید بارگاہِ نبوت سے ہوئی،نیز سب لوگ بغیر حساب بخش دیئے جائیں تو شفیعوں کی شفاعت،محبوبوں کی محبوبیت،گرتوں کے سہارے دینے والے،ڈوبتوں کے ترانے، بگڑتوں کو بنانے،گرتوں کے سنبھالنے کا ظہور کیسے ہو اس لیے حضرت عمر کے قول کو ترجیح دی گئی اور بھی بہت وجوہ ہوسکتی ہیں قیامت میں گنہگاروں کو بخشنا بھی مگر محبوبیت کی شان بندہ نوازی بھی تو دکھانی ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ دوزخی لوگ صف بستہ ہوں گے ۱؎ تو جنتیوں میں سے ایک شخص ان پر گزرے گا تو ان میں سے ایک دوزخی کہے گا اے فلاں کیا تو مجھے پہچانتا نہیں میں وہ ہی ہوں جس نے تجھے ایک گھونٹ پانی پلایا تھا اور بعض دوزخی کہے گا کہ میں وہ ہوں جس نے وضو کا پانی دیا تھا ۲؎ یہ جنتی ان کی شفاعت کرے گا پھر اسے جنت میں داخل کرے گا ۳؎(ابن ماجہ)	

۱؎یعنی جنتیوں کے راستے میں گنہگار مؤمن دوزخ میں جانے کے لیے ایسے صف بستہ کھڑے ہوں گے جیسے امیر و غنی کے راہ میں بھکاری صفت بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔(مرقات)ان سے آس لگائے کہ کوئی ہمیں پہچان لے اور چھڑائے ادھر جنتی آگے پیچھے گزر رہے ہوں گے۔

۲؎یا میں نے تجھے فلاں وقت کھانا کھلایا،یا میں نے تجھے فلاں وقت سلام کیا تھا،یا فلاں وقت کپڑا دیا تھا،یا فلاں وقت تیرے پاس محبت سے کچھ معمولی ہدیہ پیش کیا تھا۔غرضکہ ڈوبتا ہوا تنکے کا سہار الیتا ہے یہ بھی اسی طرح سہارا لے گا،یہ دو چیزیں بطور مثال ارشاد ہوئی ہیں۔(مرقات)

۳؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صالحین،علماء،شہداء کی شفاعت برحق ہے۔دوسرے یہ کہ شفاعت سے ہم جیسے گنہگاروں کی تقدیریں پلٹ جائیں گی،دیکھو یہ پکارنے والا دوزخیوں کی صف میں آگیا تھا شفاعت کی برکت سے وہاں سے نکل کر جنتی ہوگیا دنیا میں بھی یہ ہی حال ہے دعا سے قضا بدل جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ ہم جیسے گنہگاروں کو چاہیے کہ صالحین مقبولین کی خدمت کیا کریں ان کی خدمت بڑی کام آوے گی،ان سے تعلق رکھیں ان سے تعلق بہت فائدہ دے گا،انہیں ہدیہ پیش کریں اگرچہ کھجور کی کھانپ یا اچھی بات ہی ہو،یہ تیسری بات مرقات اور اشعہ نے فرمائی۔چوتھے یہ کہ رب تعالٰی کی قدرت یہ ہے کہ ہر ایک کو براہ راست بغیر وسیلہ ہر چیز دے مگر قانون یہ ہے کہ گنہگاروں کو نیک کاروں کے وسیلے سے دے،دیکھو ان دوزخی صفوں والوں کو رب تعالٰی ہی بخشے گا مگر جنتی راہ گزروں کی شفاعت سے بلکہ ان لوگوں کو جنتیوں کے راستہ میں اسی لیے کھڑا کرے گا کہ انہیں ان کے ہاتھوں شفاعت کی بھیک ملے۔پانچویں یہ کہ دنیا میں اللہ والوں سے تعلق چاہیے،ان کا دیکھنا بھی کل قیامت میں کام آوے گا۔شعر

اُٹھ جاگ فریدا ستیا خلقت ویکھن جا   مت کوئی بخشیا مل پوے تے تو وی بخشیا جا

دیکھو قیامت میں یہ جان پہچان کام آوے گی۔یدخله الجنة فرماکر یہ بتایا کہ وہ جنتی اس دوزخی کو اپنے ساتھ جنت میں لے جاوے گا۔شعر

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو   کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

چھٹے یہ کہ قیامت میں لوگوں کواپنے اچھے برے اعمال یاد ہوں گے،یہاں کی دوستیاں آپس کے سلوک یاد ہوں گے،ایک دوسرے کی پہچان ہوگی۔ساتویں یہ کہ وفات یافتہ بزرگوں کی فاتحہ ختم وغیرہ ان شاءاللہ قیامت میں کام آوے گی کہ اس میں بھی ان حضرات کی خدمت میں کھانے پانی وغیرہ کا ثواب ہدیہ کیا جاتا ہے۔ممکن ہے کہ انکے ذریعہ ہم کو ان کی شفاعت نصیب ہو جاوے سقیتك شربة یہ الفاظ یاد رکھو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دوزخ میں جاچکے ہوں گے ان میں سے دو کا شوروپکار بہت زیادہ ہوگا تو رب تعالٰی فرمائے گا کہ ان دونوں کو نکالو پھر ان سے فرمائے گا کہ کس مقصد کے لیے تمہارا شور زیادہ ہے ۱؎وہ عرض کریں گے کہ ہم نے یہ اس لیے کیا کہ تو ہم پر رحم کرے ۲؎فرمائے گا کہ تم پر میری	

رحمت یہ ہی ہے کہ چلو اپنے کو وہاں ہی ڈال دو جہاں تم دونوں تھے۳؎ چنانچہ ان میں سے ایک تو اپنے کو ڈال دے گا تو اللہ اس پر آگ کو ٹھنڈی سلامتی والی کردے گا۴؎ اور دوسرا کھڑا رہے گا وہ اپنے کو نہ ڈالے گا اس سے رب فرمائے گا کہ تجھے اپنے کو گرانے سے کس چیز نے روکا جیساکہ تیرے ساتھی نے اپنے کو گرادیا ۵؎ وہ کہے گا الٰہی میں امید کرتا ہوں کہ تو مجھے وہاں سے نکالنے کے بعد نہ لوٹائے گا ۶؎ تو اس سے رب تعالٰی فرمائے گا کہ تیرے لیے تیری امید ہے پھر دونوں اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل کیے جاویں گے ۷؎(ترمذی)	

۱؎ یہ دونوں شخص گنہگار مؤمن ہوں گے جو اپنی شامت نفس سے دوزخ میں گئے۔نکالنے کا حکم ان فرشتوں کو ہوگا جو دوزخ پر مقرر ہیں یہ دونوں شخص یا تو آہ وبکا کرتے ہوں گے یا ارحم الراحمین سے فریاد۔

۲؎ کیونکہ ہم نے سنا تھا کہ زاری پر رحمت باری ہوتی ہے دنیا میں ہم اس سے غافل رہے کہ آج کفارہ کررہے ہیں۔

۳؎ میرے اس حکم کی اطاعت کرو یہ اطاعت رحمت کا ذریعہ ہوگی لہذا اس فرمان پر یہ اعتراض نہیں کہ اپنے کو دوزخ میں ڈالنا رحمت کیسے ہوا۔

۴؎ جیسے دنیا میں نار نمرودی کو حضرت خلیل کے لیے معتدل ٹھنڈا کردیا تھا،سبحان اللہ اس کریم کے قہر میں بھی مہر ہے غضب میں بھی کرم ہے۔

۵؎ یعنی کیا تو نے آج بھی اطاعت سے سرتابی کی دنیا میں میرے فرمانے پر مسجد نہ گیا،آج میرے فرمانے پر دوزخ میں اپنے کو نہ گرایا۔

۶؎ سبحان اللہ!کیا پیاری عرض و معروض ہے یعنی الٰہی سرتابی کی میری مجال نہیں امید رحمت نے مجھے یہاں کھڑا رکھا رحم و کرم کا انتظار کررہا ہوں۔غرضکہ عمل اس کے پاس ہے اور امید میرے پاس،کرم فرما تو کریم ہے بخش دے۔

۷؎ یعنی ایک اطاعت کی وجہ سے دوسرا امید کی وجہ سے رب کی رحمت کے مستحق ہوجائیں گے مگر دونوں جنت میں جائیں گے اللہ کی رحمت سے "اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الْمُحۡسِنِیۡنَ"۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ آگ پر حاضر ہوں گے ۱؎ پھر وہاں سے گزریں گے اپنے اعمال کے مطابق ۲؎ تو ان میں سے اگلے لوگ بجلی کی کوند کی طرح،پھر ہوا کی طرح،پھر گھوڑے کی دوڑ طرح،پھر اس کی طرح جو اپنے کجاوے میں	

	سوار ہو،پھر مرد کی دوڑ کی طرح،پھر اس کے چلنے کی طرح۳؎(ترمذی،دارمی)

۱؎اس طرح کہ پلصراط سے گزریں گے جو جنت کے راستہ میں ہے اور دوزخ پر قائم ہے جیسے ہمارے لیے لاہور کے رستہ پنجاب یا راوی کا پل،چونکہ اس پل پر سے آگ اور وہاں کے تمام احوال نظر آئیں گے اس لیے اس گزرنے کو دوزخ پر وار ہونا فرمایا گیا۔اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے"وَاِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا"عربی میں وارد کہتے ہیں پانی پر پہنچنے کو،چونکہ یہ گزرنا حوض کوثر پر پہنچنے کا ذریعہ ہےاس لیے اسے ورود فرمایا۔

۲؎ صدر کے لفظی معنی ہیں لوٹنا مگر یہاں مراد ہے آگے بڑھ جانا وہاں سے گزرجاناکیونکہ جنت وہاں سے آگے ہے پیچھے نہیں،وہاں انکی رفتار اپنے اعمال کے مطابق ہوگی،قربانی دینے والےلوگ اپنی قربانیوں پر سوار ہوں گے مگر ان جانوروں کی رفتار اخلاص کے مطابق ہوگی۔

۳؎غرضکہ بعض لوگ وہاں سے جلد گزر کر جلد جنت میں پہنچ جاویں گے،بعض لوگ دیر سے گزریں گے اور دیر سے جنت میں پہنچیں گے۔اللہ تعالٰی وہ سفر آسان فرمادے یعنی پل صراط سے آگے جنت کے قریب یاجنت میں حوض کوثر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے آگے میرا حوض ہےاس کے دو کناروں کے درمیان ایسا فاصلہ ہے جیسا جرباء اور اذرح کے درمیان ۱؎بعض روایوں نے کہا کہ یہ دو بستیاں ہیں شام میں جن کے درمیان تین رات کی مسافت ہےاور ایک روایت میں ہے کہ اس میں لوٹے آسمان کے تاروں کی برابر ہیں۲؎جو وہاں جائے گا اس سے پیئے گا تو اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوگا۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس فرمان عالی کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ جتنا فاصلہ مدینہ منورہ اور جرباء کے درمیان ہے یا مدینہ منورہ اور اذرح کے درمیان ہے اتنا فاصلہ حوض کوثر کے دو کناروں کے درمیان ہے،دوسرے یہ کہ جتنا فاصلہ خود ان دونوں شہروں جرباء اور اذرح کے درمیان ہے اتنا فاصلہ کوثر کے دو گوشوں کے درمیان ہے،دوسرے معنی کو ترجیح ہے۔(مرقات)بعض نے فرمایا کہ جرباء اوراذرح بالکل قریب قریب ہیں لہذا فاصلہ مدینہ منورہ سے وہاں تک مراد ہے۔

۲؎ صفائی چمک حسن اور تعداد میں وہاں کے لوٹے آسمانوں کے تاروں کی طرح ہیں۔(مرقات)

۳؎ خیال رہے کہ جنت میں جنتی دودھ شراب طہور وغیرہ پیا کریں گے مگر پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ لذت کے لیے پیا کریں گے۔(مرقات)پیاس تو ہمیشہ کے لیے حوض کوثر کا پانی پیتے ہی بجھ چکی ہوگی،اگر یہ حوض جنت کے اندر ہے تو اس کا پانی بھی پیا کریں گے مگر وہ بھی لذت کے لیے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ اور ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی لوگوں کو جمع کرے گا۱؎ تو مؤمن لوگ کھڑے ہوں گے ۲؎ حتی کہ جنت ان کے سامنے قریب کی جاوے گی۳؎ تو آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے عرض کریں گے اے والد صاحب ہمارے لیے جنت کھلوایئے ۴؎ وہ فرمائیں گے کہ تم کو جنت سے نہیں نکالا مگر تمہارے والد کی خطا نے میں اس کام والا نہیں ہوں۵؎ تم میرے فرزند ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ ۶؎ فرمایا کہ حضرت ابراہیم فرمائیں گے کہ اس کام والا میں نہیں ہوں میں تو دور کا دوست ہوں ۷؎ ان موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے خوب ہی باتیں کیں ۸؎ تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے میں اس کام والا نہیں ہوں جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جو اللہ کا کلمۃ اللہ کی روح ہیں تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے میں اس کام کا نہیں ہوں تب سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے ۹؎ آپ اٹھیں گے تو آپ کو اجازت دی جاوے گی۱۰؎ اور امانت رحمت بھیجے جائیں گے وہ پلصراط کے دو طرفہ کھڑے ہوجائیں گے ۱۱؎ دائیں بائیں ان کی پہلی جماعت بجلی کی طرح گزرے گی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ فدا بجلی کے گزرنے کی طرح کون چیز ہے ۱۲؎ فرمایا کیا تم بجلی کو نہیں دیکھتے کہ وہ پلک جھپکنے میں کیسے گزرتی اور جاتی ہے ۱۳؎ پھر ہوا کی گزر کی طرح پھر پرندے کی طرح اور تیز مردوں کے دوڑ کی طرح ان کے اعمال انہیں لے جائیں گے ۱۴؎ اور تمہارے نبی صراط پر کھڑے ہوئے فرماتے ہوں گے الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ ۱۵؎ حتی کہ بندوں کے اعمال عاجز رہ جائیں گے ۱۶؎ یہاں تک کہ ایک شخص آئے گا

جو چل نہ سکے گا سواء گھسیٹنے کے فرمایا کہ صراط سے دونوں کناروں پر کنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو تابع حکم جس کے پکڑنے کا حکم دیئے جائیں گے۱۷اسے پکڑ لیں گے تو بعض زخمی ہوکر نجات پاجائیں گے اور بعض آگ میں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ۱۸اس کی قسم جس کے قبضہ میں ابوہریرہ کی جان ہے کہ دوزخ کی گہرائی ستر سال کی ہے ۱۹(مسلم)	

۱محشر میں ساری مخلوق جمع ہوگی،صرف انسانوں کا ذکر ان کی فضیلت کی بنا پر ہے،نیز آگے جنت کے داخلہ کا ذکر ہے جو صرف انسانوں کو میسر ہوگا۔

۲میدانِ محشر سے نجات دلانے کی درخواست توسارے انسان کریں گےمؤمن ہوں یا کافر مگر جنت کے داخلہ کی شفاعت کی درخواست صرف مؤمن کریں گے کہ یہ نعمت صرف مؤمن انسانوں کو میسر ہوگی اس لیے یہاں مؤمنوں کا ذکر فرمایا۔

۳جنت میدان محشر سے بہت ہی دور ہوگی مگر مسلمانوں کو وہاں سے نظر بھی آوے گی اور قریب بھی محسوس ہوگی جیسے دوربین کے ذریعہ دور کی چیز قریب نظر آتی ہےاس لیے تزلف فرمایا گیالہٰذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ شفاعت کی درخواست محشر میں ہےجنت پلصراط سے وراء ہے،پلصراط کروڑوں میل لمبا پل ہےپھر جنت قریب کیسے ہوگی۔

۴یعنی جنت کا بند دروازہ کھلوایئے۔معلوم ہوا کہ انہیں وہ دروازہ بھی نظر آوے گا،اس کا بند ہونا بھی محسوس ہوگا،نگاہ بہت تیز ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو جنت میں داخل کرایئے کہ ہم پر وہ دروازہ آپ کی شفاعت سے کھل جاوے۔

۵یعنی تم لوگ میری پشت میں تھے اور میرے ذریعہ جنت میں تھے میں نے خطاءً گندم کھالیاباہر آیا تم بھی میری پشت میں باہر آگئے،میں تو تم کو وہاں سے لانے والا ہوں اب وہاں پہنچانے والا کوئی اور ہی ہے۔خیال رہے حضرت آدم صفی اللہ کا یہ فرمان تواضع و انکساری کی بنا پر ہوگا ورنہ واقعہ اصل یہ ہے کہ انہیں جنت سے باہر لانے والے مردود انسان ہیں کہ ان کی پشت میں کفار منافقین سب ہی تھے۔رب کی منشاء تھی کہ حضرت آدم جنت سے باہر جاویں ان مردودوں کو اپنی پشت سے نکال آویں پھر یہاں خالص ہوکر آویں رہیں بسیں،اگر آپ جنت میں رہ گئے تو یہ مردود بھی یہاں ہی پیدا ہوجائیں گے۔

۶اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں اجمال ہے دوسری حدیث میں تفصیل ہے کہ آپ تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے وہ حضرات ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان دونوں میں تعارض نہیں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔

۷حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بات مؤمنین کی اس عرض کے جواب میں فرمائیں گے کہ آپ تو اللہ کے خلیل ہیں، فرمائیں گے کہ خلیل کہتے ہیں باہر کے دوست کو یہ شفاعت کبریٰ باہر کا دوست نہیں کرسکتا یہ تو اندرونی دوست جسے کہتے ہیں حبیب اللہ وہی کرسکتے ہیں۔شعر

تم مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست — تم ہو درون سرا تم پہ کروڑوں درود

خیال رہے کہ ہم کو دوستوں سے بھی محبت ہوتی ہے،اپنے عزیز و قرابت داروں سے بھی،اپنے بچوں سے بھی،اپنی بیوی سے بھی،دوست یار بیٹھک میں ملتے ہیں یہ ہیں بیرونی دوست،عزیز و اقارب دار عام حالات میں گھر میں آکر ملتے ہیں یہ ہیں درون

خانہ کے دوست مگر گھر کے اندر رہنے سہنے والے اپنے بال بچے ہوتے ہیں یہ ہیں اندرونی دوست۔ خلوت صرف بیوی سے ہوتی ہے یہ ہے خاص الخاص محبوبہ راز دار دوست،سارے انبیاء کرام اللہ کے پیارے ہیں مگر حضور خلوت خاص کے راز دار محبوب ہیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے وادی سینا میں جو کلام کیا سب کچھ محبوب کو بتادیا"وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى "الخ مگر جو کلام معراج کے خلوت خانہ میں اپنے اندرونی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا وہ کسی کو نہ بتایا"فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى "وہاں اپنے بندہ کو جووحی کی وہ کی،یہ ہے اندرون خانہ کی محبت اللھم صلی علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وسلم۔

۸؎ لطف یہ ہے کہ جناب خلیل کو اس وقت یہ یاد نہ رہے گا کہ وہ اندرونی دوست حبیب اللہ ہے کون تاکہ لوگوں کو تلاش کرنے کا لطف تو آوے اور سب جان لیں کہ آج سواء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے اور کہیں بھیک نہیں مل سکتی یہ بھلانا ہزارہا حکمتوں سے ہوگا۔

۹؎ لوگوں کا حضور انور کی بارگاہ میں پہنچانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رہبری سے ہوگا۔حضور بشارت مسیح ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی،ہماری جانیں حضرت مسیح علیہ السلام پر فدا کہ وہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشیر خاص ہیں اور ہوں گے یہاں بھی فرمایا تھا"وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ"۔

۱۰؎ حضور کو کلام کرنے عرض و معروض پیش کرنے کی اجازت دی جاوے گی۔شفاعت کی اجازت تو ازل سے دی جاچکی یہ سہرا ان کے سر پر باندھا جاچکا،آپ کا لقب شفیع المذنبین ہوچکا ہے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا شعر

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا بندھا اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

۱۱؎ صلہ رحمی کرنے والوں امانت داری کرنے والوں کی شفاعت کے لیے اُن میں سے دوزخ گرتوں کو سنبھالنے کے لیے یہ دونوں وہاں کھڑے ہوں گے مگر شفاعت کبریٰ حضور ہی کریں گے دروازہ شفاعت کھل جانے کے بعد پھر دوسرے لوگ دوسری چیزیں شفاعت صغریٰ کریں گے۔

۱۲؎ یعنی یا حبیب اللہ حضور انور ان کی رفتار کو بجلی کی کوند سے تشبیہ کس چیز میں دے رہے ہیں،ان میں کون سی چیز بجلی کی طرح ہوگی،یہ پہلا طبقہ انبیاء کرام خاص اولیاء و علماء ہوں گے۔

۱۳؎ یعنی ہم تیز رفتاری میں بجلی سے تشبیہ دے رہے ہیں مگر سبحان اللہ! بجلی میں تیزی کے ساتھ ساتھ چمک دمک نورانیت بھی تو ہوتی ہے،ان حضرات کے چہرے چمکتے ہوں گے،سجدے کے داغ بیٹری کا کام دیں گے پلصراط ان کی وجہ سے منور ہوجائے گا۔

۱۴؎ یعنی ان کی رفتاروں میں یہ فرق ان کے نیک اعمال اور اخلاص کے فرق کی وجہ سے ہوگا جیسا عمل جیسا اخلاص ویسی وہاں کی رفتار،یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اعمال سبب رفتار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم اصلی وجہ رفتار کی ہے جتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب زیادہ اتنی رفتار تیز۔

۱۵؎ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پلصراط کے اس محشر والے کنارہ پر قیام فرما ہوں گے،اپنے گرتوں کو سنبھالتے ہوں گے،آپ آخر میں وہاں سے تشریف لائیں گے،مکہ معظمہ سے پہلے مسلمانوں کو ہجرت کرادی آخر میں وہاں سے آپ روانہ ہوئے اس کا ظہور وہاں ہوگا۔

۱۶؎یعنی آخر میں وہ لوگ آئیں گے جن کو ان کے اعمال چلا نہ سکیں گے یا تو ان کے پاس اعمال نیک ہوں گے ہی نہیں یا ان میں اخلاص وغیرہ نہ ہوگا،عمل میں قوت پرواز اخلاص سے ہوتی ہے۔

۱۷؎اس طرح کہ جنہیں زخمی کردینے کا حکم ہے انہیں زخمی کرکے چھوڑ دیں گے اور جنہیں دوزخ میں گرانے کا حکم ہے انہیں چھید کر گرادیں گے۔خدا کی پناہ!

۱۸؎ **مکروس** اسم مفعول ہے،**کردسۃ** بمعنی ہاتھ باندھنا مکروس دست و پابستہ یعنی اس کنڈے سے ان کے ہاتھ پاؤں بندھ بھی جائیں گے اور دوزخ میں گر کر بھی جائیں گے۔

۱۹؎لہذا جو دوزخ میں گرایا جاوے گا وہ ستر سال میں اپنے ٹھکانے پر پہنچے گا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم شفاعت کے ذریعہ آگ سے ایسی نکالی جاوے گی جیسے کہ وہ ثعاریر ہوں ہم نے عرض کیا کہ ثعاریر کیا چیز ہے فرمایا وہ پتلی ککڑیا ں ہیں ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎**ضغابیس** جمع **ضغبوس** کی جس کا ترجمہ پنجابی زبان میں ہے گلے،اردو میں چھوٹی ککڑی جس پر رواں ہوں وہ بہت نرم اور نازک ہوتی ہے،چونکہ ککڑی بہت جلد بڑھتی ہے اس لیے انہیں اس سے تشبیہ دی گئی کہ وہ بہت جلد بڑھیں گے۔خیال رہے کہ ان کی جسم کی سفیدی بھی شفاعت سے ہوگی لہذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ وہ کوئلے ہوں گے یعنی کالے کیونکہ دوزخ سے نکلتے وقت تو وہ کالے ہوں گے مگر جنت میں پہنچتے پہنچتے سفید اور گورے ہوجائیں گے۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن تین جماعتیں شفاعت کریں گی انبیاء،پھر علماء،پھر شہید لوگ ۱؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ اس ترتیب میں علماء کو شہداء پر مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ علماء کے دوات کی روشنائی جس سے وہ دینی تحریر و تصنیف کریں وہ شہیدوں کے خون سے افضل ہے جیسا شیرازی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن عبدالبر نے حضرت ابوالدرداء سے ابن جوزی نے حضرت نعمان ابن بشیر سے مرفوعًا روایت کی۔(مرقات)شہید اپنے ستر عزیزوں دوستوں کی شفاعت کرے گا۔خیال رہے کہ یہاں خاص شفاعت مراد ہے ورنہ ہر نیک مسلمان گنہگاروں کی شفاعت کرے گا۔(اشعۃ اللمعات)بلکہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے،کعبہ معظمہ،قرآن،ماہ رمضان بھی شفاعت کریں گے۔

باب صفة الجنة و اھلھا

جنت اور جنت والوں کی صفات کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎جنت کے معنی ہیں گھنا باغ جس میں درختوں کی وجہ سے زمین چھپی ہو۔جیم نون ملیں تو اس میں پوشدگی کے معنی ہوتے ہیں،اسی سے ہے جن،جنون،جنتی،جنہ،چونکہ جنت میں گھنے درخت ہیں،نیز وہ دنیا میں نگاہوں سے چھپی ہے،عالم غیب میں سے ہےاس لیے اسے جنت کہتے ہیں۔(مرقات واشعہ)جنتی تین قسم ہیں:کسبی،وہبی،عطائی۔کسبی جنتی وہ ہیں جو اعمال سے جنت میں جاویں،وہبی وہ جو کسی جنتی کے طفیل جنت میں جاویں جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے،عطائی جنتی وہ مخلوق جو جنت کو پُر کرنے کے لیے پیدا کی جاویں گی مگر دوزخ صرف کسبی ہے،اپنی کرنی اپنی بھرنی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے۱؎ وہ نعمتیں تیار کی جو نہ آنکھ نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خطرہ گزرا۲؎اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ انکے لیے کیسی آنکھ کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎صالحین یا تو بنا ہے صلاح سے یا صلاحیت سے یعنی نیک اعمال والے بندوں کے لیے یا جنت کے قابل لوگوں کے لیے،پہلی صورت میں جنت کسبی مراد ہے،دوسری صورت میں عام جنت کسبی ہو یا وہبی یا عطائی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سواء نیک اعمال والوں کے لیے کوئی جنت میں نہ جاوے گا شفاعت وغیرہ کچھ نہیں۔

۲؎یعنی وہاں کی نعمتیں نہ تو بیان میں آسکتی ہیں نہ گمان میں وہ تو دیکھ کر ہی معلوم ہوں گی،اللہ تعالٰی خیریت سے دکھائے اپنے فضل و کرم سے۔خیال رہے کہ یہاں آنکھ،کان،دل سے مراد عوام مسلمانوں کے آنکھ،کان،دل ہیں ورنہ حضرت آدم علیہ السلام تو وہاں رہ کر آئے،ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں وہاں کی سیر فرمائی،حضرت ادریس علیہ السلام تو وہاں موجود ہی ہیں،یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں وہ ان جیسی نعمتیں کسی آنکھ نے نہ دیکھیں نہ سنیں،واقعی دنیا میں نہ ایسی نعمتیں ہیں نہ کسی کے دیکھنے میں آئیں۔

۳؎اس آیتِ کریمہ میں بھی نفس سے مراد عالم لوگ ہیں،آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد دل کی خوشی و سرور کے اسباب ہیں جن سے دل چین میں رہیں،آج بیٹے کو کہا جاتا ہے قرۃ العین۔اس آیت و حدیث سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جنت اور وہا ں کی

نعمتیں پیدا ہوچکی ہیں،کیوں نہ ہو کہ حضرتِ آدم و حوا وہاں رہ چکے ہیں اور ہمارے حضور دیکھ آئے ہیں،وہاں کی بہت سی نعمتیں اب دنیا میں بھی آرہی ہیں،نیل و فرات وہاں سے آرہی ہیں حجر اسود جنت سے ہی آیا ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جنت میں ایک کوزے کی جگہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے[۱] (مسلم،بخاری)	

[۱] کوزے کی جگہ سے مراد ہے وہاں کی تھوڑی سی جگہ واقعی جنت کی نعمتیں دائمی ہیں دنیا کی فانی،پھر دنیا کی نعمتیں تکالیف سے مخلوط وہاں کی نعمتیں خالص،پھر دنیا کی نعمتیں ادنی وہ اعلیٰ اس لیے دنیا کو وہاں کی ادنی جگہ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی راہ میں صبح یا شام چلنا[۱] دنیا سے اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے[۲] اور اگر جنت والی عورتوں میں سے کوئی عورت[۳] زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان کو چمکادے[۴] اور ان کے درمیان کو خوشبو سے بھردے[۵] اوراس کے سر کی مانگ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے [۶] (بخاری)	

[۱] یہاں لو شک کے لیے نہیں بلکہ بیان نوعیت کے لیے ہے۔اللہ کی راہ میں چلنے کی صدہا قسمیں ہیں:نماز کے لیے مسجد میں جانا،طلب علم دین کے لیے جانا،جہاد کے لیے نکلنا،حج و عمرہ کے لیے جانا،کسی زندہ یا وفات یافتہ کی زیارت کے لیے جانا،حلال روزی کی تلاش کے لیے جانا سنت سمجھ کر۔(شعہ)

[۲] دنیا سے مراد ہے نفس کے لیے کاروبار و اشغال اگر خدا کرم کرے تو کھانا پینا سونا بھی دین بن جاوے اگر کرم نہ کرے تو نماز و حج جہاد بھی دنیا بن جاوے یا مراد ہے دنیا کے عیش و آرام۔

[۳] یعنی حور جو آج موجود ہے یا جنت میں پہنچ چکنے کے بعد دنیا کی جنتی عورت بلکہ جنتی عورتوں کا حسن حوروں سے زیادہ ہوگا کہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہوگا۔

[۴] یا تو مشرق و مغرب کے درمیان کو چمکا دے یا جنت اور زمین کے درمیان کے تمام علاقہ کو چمکادے، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ یہاں جنت اور زمین ہی کا ذکر ہورہا ہے۔(مرقات بلکہ اشعۃ اللمعات نے اس آخری معنی کو اختیار فرمایا۔جنتی عورتوں کا حسن دیکھنے کے لیے آنکھیں بھی دوسری ہی عطا ہوں گی جو اس تابش کو جھیل سکیں،ہم تو ان آنکھوں سے سورج کو نہیں دیکھ سکتے۔مخلوق تو ان آنکھوں سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل رنگ روپ نہیں دیکھ سکتے اس لیے معراج رات میں لوگوں سے چھپا کر کرائی گئی یعنی سارے معجزے دکھائے گئے مگر یہ بڑا معجزہ معراج دکھایا نہ گیا چھپالیا صرف سنا گیا کیونکہ اس دن حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصلی رنگ میں تھا۔

[۵] یعنی جنت اور زمین کے درمیانی علاقہ کو مہکا دے وہ مہک بھی ایسی ہو جس کی دنیا والے تاب نہ لاسکیں،ہم خالص مشک سونگھیں تو ناک سے خون جاری ہوجاتا ہے وہ مہک تو اللہ اکبر!

۶؎ صیف سے مراد یا تو جنتی عورت کی مانگ ہے،مانگ میں موتیوں کی لڑی لگائی جاتی ہے،اس لڑی کے موتیوں کی قیمت دنیا کے سارے خزانوں سے زیادہ ہے یا سر پر باندھنے کا رومال جو امیر عورتیں دوپٹے کے نیچے رکھتی ہیں یا دوپٹہ، جو معنی بھی ہوں مطلب یہ ہی ہے،جنتی حوروں کی یہ چیزیں اتنی بیش قیمت ہیں کہ دنیا بھر کے سونے چاندی،ہیرے جواہرات،لعل گوہر اس ایک کی قیمت نہیں بن سکتے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس چلے گا۱؎ اور وہ طے نہ کرسکے گا اور تم میں سے ایک کے کمان کی جگہ جنت میں اس سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوگا۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ درخت شجرہ طوبیٰ ہے جس کے ہر پتہ پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔سایہ سے مراداس کے نیچے کا ایریا وہاں کا علاقہ ہے،یا تجلی الٰہی اور وہاں کی نورانیت،اس کا سایہ ہوگا،یا خود اس درخت کا نور،ظل دھوپ اور روشنی کو بھی کہتے ہیں۔غرضکہ یہ سورج والا سایہ مراد نہیں کہ وہاں سورج نہیں ہوگا۔سو اس سے مراد اتنا عرصہ ہے کہ اگر وہاں دن رات مہینے و سال ہوتے تو سو سال لگتے۔

۲؎ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر چکی ہے۔قاب کے معنی ہیں برابر یا اندازہ،رب فرماتاہے:"فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"کنارہ کمان کو بھی قاب کہتے ہیں۔(اشعہ)اس سے مراد ہے کم سے کم جگہ ورنہ وہاں کسی جنتی کو اتنی چھوٹی جگہ نہ ملے گی وہاں تو ادنی جنتی کا علاقہ دنیا بھر سے زیادہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کا جنت میں ایک کھلی موتی کا خیمہ ہوگا جس کی چوڑائی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی لمبائی ساٹھ میل کی ہے۱؎ اس کے ہر گوشہ میں اس کے گھر والے ہوں گے کہ دوسروں کو نہ دیکھ سکیں گے۲؎ جن پر مؤمن گشت کرے گا۳؎ اور اس کے دو باغ ہوں گے جن کے برتن اور سامان چاندی کے ہوں گے۴؎ اور دو باغ ہوں گے جن کے برتن اور سامان سونے کے ہوں گے۵؎ وہاں کی ہر چیز اور قوم اور رب تعالٰی کو دیکھنے کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہوگی۶؎ رب کی ذات پر جنت عدن میں ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اندازہ لگاؤ کہ اگر وہ موتی دنیا میں آجاوے تو اس کی قیمت کیا ہو،یہاں تو آدھے ماشے کا ایک سچا موتی کئی ہزار روپیہ کا ہوتا ہے،وہاں تو ساٹھ میل چوڑا ساٹھ میل لمبا ایک موتی ہے پھر اس کی صفائی اس کی چمک دمک کیسی ہے وہ خیال میں بھی نہیں آ سکتی ان شاءاللہ دیکھ کر ہی پتہ چلے گا اللہ نصیب کرے۔

۲؎ یعنی اس موتی کے مکان کے چاروں گوشوں میں اس کے مختلف گھر والے آباد ہوں گے کہیں اپنی دنیاوی بیوی بچے، کہیں وہ دنیاوی عورتیں جن کے خاوند کافر مرے اور انکے نکاح میں دی گئیں،کہیں وہ کنواری لڑکیاں جو دنیا میں بغیر شادی فوت ہوئیں،کہیں حوریں خدام ان کے علاوہ انہیں ایک دوسرے کو نہ دیکھنا فاصلہ کی وجہ سے نہ ہوگا کہ جنتی مؤمن کی نگاہ بہت دور سے دیکھے گی بلکہ ان جگہوں میں عمارتیں مختلف ہوں گی،کوٹھیاں بنگلے۔خیال رہے کہ جنت میں پردہ ہوگا،رب فرماتاہے:"حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ "اور فرماتاہے:"قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ"۔ پردہ اس لیے نہیں ہوگا کہ وہاں لوگ فاسق و فاجر ہوں گے بلکہ اس لیے کہ شرم و حیاء اچھی چیز ہے،بے پردگی میں بے شرمی ہے ہاں دوزخ میں پردہ نہیں ہوگا،وہاں ننگے مردوعورت ایک ہی تنور میں جلیں گے۔

۳؎ کہ مؤمن کبھی اپنے اس گھر میں جاوے گا کبھی اس گھر میں اس جانے میں نہ اسے سواری کی ضرورت پڑی گی نہ دیر لگے گی،آن کی آن میں ہر جگہ پہنچ جاوے گا ہر گھر میں گشت لگائے گا۔

۴؎ خیال رہے کہ جنت پوری جنت کو بھی کہتے ہیں اور وہاں کے ہر باغ کو بھی دوسرے معنی سے یہ تثنیہ بھی ہوتی ہے جمع بھی مگر پہلے معنی سے ہمیشہ واحد ہی آتی ہے جیسے زمین پورے روئے زمین کو بھی کہتے ہیں اور زمین کے حصوں کو بھی یعنی جنتی کو چار باغ ملیں گے،دو باغ وہ جن کے درودیوار برتن سامان درخت وغیرہ سب چاندی کے ہوں گے اور دو وہ جن کی ہر چیز سونے کی ہوگی۔

۵؎ خیال رہے کہ جیسے دنیا کے پھلوں کو جنت کے پھلوں سے کوئی نسبت ہی نہیں صرف نام یکساں ہیں یوں ہی دنیا کے سونے چاندی کو وہاں کے سونے چاندی سے کوئی نسبت نہیں وہاں کا ایک ماشہ سونا دنیا کے منوں سونے سے زیادہ قیمتی ہوگا،یہ ہی حال وہاں کے موتیوں وغیرہ تمام چیزوں کا ہے۔چنانچہ وہاں کا سونا چاندی شیشے کی طرح شفاف ہوگا،یہاں یہ بات کہاں۔

۶؎ اس کی بحث ان شاءاللہ دیدار الٰہی کی تحقیق میں آوے گی۔یہاں اتنا سمجھ لو کہ کبریائی کی چادر دیدار کرانے کے لیے ہوگی نہ کہ آڑ کے لیے جیسے سورج پر بخارات کی چادر ہو تو بخوبی دیکھ لیا جاتا ہے اگر یہ چادر نہ ہو تو کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں جنت عدن لغوی معنی میں ہے یعنی پوری جنت کیونکہ ساری جنت دائمی قیام کی جگہ ہے یعنی دیدار الٰہی جنت ہی میں نصیب ہوگا،قیامت میں یہ دیدار نہ ہوگا وہاں دیدار کی دوسری نوعیت ہوگی۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں سو منزلیں ہیں ہر دو منزلوں کے درمیان فاصلہ ایسا ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان اور فردوس اعلی درجہ ہے جس سے جنت کی چاروں	

نہریں پھوٹتی ہیں۲؎ اور اس کے اوپر عرش ہوتا ہے۳؎ تو تم جب بھی اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو۴؎(ترمذی)اور یہ حدیث میں نے نہ مسلم،بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں۵؎	

۱؎ اب تک دنیا میں پچاس منزلہ عمارتیں بن سکتی ہیں یہ بھی سنا ہے رب جانے غلط ہے یا درست۔یہ منزلیں چھوٹی چھوٹی ہیں وہاں سو منزلہ عمارتیں ہر منزل کی چھت آسمان کی طرح اونچی،بعض روایات میں ہے کہ جنت کی منزلیں قرآن مجید کی آیات کی برابر ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ سو منزلیں ایک جنتی کی ملک ہوں۔(مرقات)یا یہ مطلب ہے کہ جنت کے اوپر تلے سو طبقات ہیں،ہر دو طبقات کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

۲؎ شارحین فرماتے ہیں کہ فردوس میں تمام وہ نعمتیں جمع ہیں جو دوسری جنتوں میں ہیں،ان سب کے علاوہ اور بہت نعمتیں ہیں۔اس طبقہ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے جنت کی چاروں نہریں پانی،دودھ،شہد اور شراب طہور کی نہریں جاری ہیں،سب نہروں کا سر چشمہ یہاں ہے۔خیال رہے کہ جنت میں جتنا درجہ اونچا اتنا وہاں آرام زیادہ اور دوزخ میں جتنا طبقہ نیچا اتنی تکلیف زیادہ۔

۳؎ معلوم ہوا کہ سب سے اونچا طبقہ یہ ہی فردوس ہے جس پر جنت ختم ہے اس لیے اسی کی طلب کا حکم دیا جارہا ہے یہ حکم سب کو ہے۔

۴؎ رب تعالٰی دے گا اپنی مرضی سے مگر ہم مانگنے میں کمی کیوں کریں،خوب بلند حوصلہ کرکے مانگیں کبھی کریم کی عطا مانگنے والے کے حوصلے کے مطابق ہوتی ہے۔

۵؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں وہ حدیث بیان کی جو ترمذی کی ہے نہ تو بخاری میں ہے نہ مسلم میں نہ ان دونوں کی جامع یعنی کتاب حمیدی میں ہے مگر یہ حدیث بخاری میں دو جگہ ہے **کتاب الجهاد** میں اور باب **کان عرشه علی الماء** میں اور مسلم میں **باب فضل الجهاد** میں،بخاری میں بروایت ابوہریرہ تھوڑے فرق سے ہے۔(مرقات و اشعہ)غالبًا صاحب مشکوۃ کو ملی نہیں اسی لیے کہا **لم اجد** مجھے نہ ملی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک بازار ہے جہاں جنتی ہر جمعہ کو آئیں گے۱؎ تو شمالی ہوا چلے گی ان کے چہروں ان کے کپڑوں میں بھرجاوے گی جس سے ان کا حسن و جمال اور بڑھ جاوے گا۲؎ پھر یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں گے جو حسن و جمال میں بڑھ چکے ہوں گے۳؎ ان سے ان کے گھر والے کہیں گے اللہ کی قسم تم تو ہمارے پیچھے حسن و جمال میں بہت بڑھ گئے تو یہ کہیں گے رب کی قسم تم لوگ بھی ہمارے پیچھے حسن و جمال میں بہت بڑھ گئے ۴؎(مسلم)	

۱؎ وہاں یہ بازار کاروبار یا خریدوفروخت کا نہیں بلکہ آپس کی ملاقات کا ہے اور رب کے دیدار کا،وہاں سارے جنتی جمع ہوا کریں گے اور وہاں دیدار یار کے سودے ملیں گے،حضور کا دیدار،صحابہ کرام کی ملاقات بلکہ رب العالمین کا دیدار یہاں ہوا کرے گا۔جمعہ سے مراد پورا ہفتہ ہےاور اسی سے ہفتہ بھر کی مقدار مراد ہےکہ جنت میں نہ دن رات ہے نہ ہفتہ مہینہ وغیرہ۔ مرقات نے فرمایا کہ جنت کے بعض وقت دوسرے وقتوں سے افضل ہوں گے جسے علماء دین ہی پہچانیں گےاس افضل وقت کا نام جمعہ ہوگا۔جنتی لوگ علماء سے وہ وقت معلوم کرکے اس بازار میں جایا کریں گے وہاں ان سے رب تعالٰی فرمائے گا جو چاہو مانگو یہ لوگ علماء سے پوچھ کر مانگیں گے لہذا علماء کی ضرورت وہاں بھی ہوگی۔(مرقات)گویا جنت میں یہ جمعہ کا دن رب کی نعمتوں کی زیادتی کا دن ہوگاجیسے دنیا میں جمعہ زیادتی عطا کا دن ہے اس میں ایک نیکی کا ثواب ستر ۷۰ گنا ہے۔

۲؎ یعنی تم دنیا میں جس ہوا کو شمالی(اتّروالی)ہوا کہتے ہو جو بارش لاتی ہے،وہاں ایسی ہوا چلے گی جو خوشبو عطر وغیرہ ان کے جسموں سے بھردے گی۔خیال رہے کہ جب ہم مغرب کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوں تو داہنے ہاتھ کا رخ شمال ہے۔وہاں چونکہ مشرق و مغرب نہ ہوگالہذا شمال و جنوب بھی نہ ہوگا۔اہل عرب بلکہ تمام دنیا والے شمالی ہوا کو بہت مبارک سمجھتے ہیں اسے مون سون کہتے ہیں،یہ بارش لاتی ہےاس لیے اسے شمالی ہوا فرمایا۔(مرقات)

۳؎ یعنی یہ جنتی جب اس بازار سے اپنے گھر واپس ہوں گے تو ان کا حسن و جمال انکی مہک خوشبو وغیرہ اور بھی زیادہ ہوچکی ہوگی جس پر ان کے گھر والے یہ کہیں گے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بازار میں صرف مرد جایا کریں گے،عورتیں اپنے گھروں میں رہا کریں گی تاکہ عورتوں مردوں کا خلط نہ ہو۔پردہ وہاں بھی ہوگا مگر عورتوں کو یہاں ہی وہ سب کچھ دے دیا جایا کرے گاجو مردوں کو بازار میں بلا کر دیا جائے گا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ یعنی اے بیویو ہم تو اس بازار میں جاکر یہ حسن وجمال،خوشبو،مہک،بھڑک لائے تم کو یہاں گھر بیٹھے ہی یہ سب کچھ مل گیا۔یا تو وہ ہوا ان بیویوں کو یہاں ہی پہنچ جایا کرے گی،یا ان مردوں کے قرب سے انہیں سے بھی وہ حسن و مہک ملے گا یا مردوں کو اپنا حسن اپنے گھر والوں میں نظر آوے گا،اپنی خوشبو ان سے بھی محسوس ہوگی۔(مرقات)جس کا ہاتھ عطر سے مہک رہا ہو وہ جس سے مصافحہ کرے اسے بھی مہکا دیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلا گروہ جو جنت میں جاوے گا ۱؎ وہ چودھویں رات کے چاند کی شکل پر ہوگا ۲؎ پھر جو ان سے متصل ہوں گے آسمان کے تیز چمک دار تارے کی روشنی میں ہوں گے ۳؎ ان سب کے دل ایک آدمی کے دل کے موافق ہوں گے کہ نہ ان میں مخالفت نہ بغض ۴؎ ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے ۵؎ جن کی پنڈلیوں کی مینگ حسن کی وجہ سے ہڈی و گوشت کے اوپر سے دیکھی جاوے گی ۶؎ صبح شام اللہ کی تسبیح پڑھیں گے ۷؎ نہ کبھی بیمار ہوں گے نہ پیشاب پاخانہ کریں گے	

اور نہ تھوکیں گے نہ ناک صاف کریں گے ۸؎ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن لوبان اور ان کا پسینہ مشک ہوگا ۹؎ ایک آدمی کے عادت پر ۱۰؎اپنے باپ حضرت آدم کے شکل پر ساٹھ گز بلند ۱۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ پہلے گروہ سے مراد یا حضرات انبیاء کرام ہیں یا انبیاء کرام اور خاص اولیاءاللہ۔(مرقات)ظاہر یہ ہے کہ صرف انبیاء کرام مراد ہیں کہ جنت میں پہلے وہ ہی تشریف لے جائیں گے۔

۲؎ جنت میں سارے نبی چاند کی طرح حسین ہوں گے ہمارے حضور سورج کی طرح حسین ہوں گے۔(مرقات) کیوں نہ ہوں کہ حضور نبوت کے آسمان کے سورج،رب فرماتاہے:" وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا"۔

۳؎ یعنی حضرات انبیاءکرام کے بعد والے حضرات اولیاء،علماء،شہداء،صالحین چمک دار تاروں کی شکل میں ہوں گے خصوصًا صحابہ کرام کہ وہ تو دنیا میں بھی آسمان ہدایت کے تارے ہیں اصحابی کالنجوم۔

۴؎ یعنی جیسے اگر گھر میں اکیلا ایک آدمی ہو تو وہاں لڑائی جھگڑا ناممکن ہے ایسے ہی جنت میں بے شمار مخلوق ہوگی مگر لڑائی جھگڑا ناممکن ہوگا۔

۵؎ حور جمع ہے حورا کی بمعنی صاف و سفید،عین جمع ہے عیناء کی بمعنی بڑی آنکھ والی یعنی خاص حسن کی بیویاں جنس حور سے صرف دو ہوں گی اس کے علاوہ اور بہت سی ہوں گی لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ان جنتیوں کی بیویاں ستر سے زیادہ ہوں گی کہ وہاں دوسرے درجے کی بیویاں مراد ہیں۔(اشعہ)

۶؎ یعنی ان کا گوشت پوست ہڈیاں سب نورانی اور شفاف ہوں گی کہ ان میں کوئی چیز کسی کے لیے حجاب نہ ہوگی یہ نورانیت اور شفافی ان کے حسن کا باعث ہوگی۔دنیا میں اگر گوشت پھٹ جاوے اور مینگ نظر آجاوے تو برا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ چیز نفرت انگیز ہے۔

۷؎ یعنی ہر وقت بلکہ ہر سانس میں رب کی حمد اور قدوسی ہوگی،صبح شام سے مراد ہے ہمیشگی۔

۸؎ یعنی یہ فضلات جنت میں نہ ہوں گے کہ یہ چیزیں گھن اور نفرت کا باعث ہیں،وہاں نفرت کہاں۔تفل تھوک کو کہتے ہیں اور مخاط رینٹ کو۔

۹؎ خیال رہے کہ جنت میں کنگھی ہوگی جو بالوں میں کی جاوے گی مگر میل دور کرنے کے لیے نہیں کہ وہاں میل جوں،کھٹمل نہیں بلکہ بال نکھارنے حسن بڑھانے کے لیے،یوں ہی وہاں انگیٹھی بھی ہوگی اس میں لوبان بھی سلگے گا مگر آگ کے بغیر کہ جنت میں آگ نہیں جیسے وہاں پرندوں کا بھنا ہوا گوشت ملے گا مگر یہ گوشت آگ پر نہ پکے گا،رب فرماتاہے:"وَ لَحْمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشْتَہُوۡنَ"۔نیز جنتیوں کو پسینہ آوے گا مگر گرمی سے نہیں کہ جنت میں نہ سورج کی گرمی نہ آگ کی تپش،یہ پسینہ بہت ہی آرام دہ ہوگا ان الفاظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

۱۰؎ اگر خلق خ کے پیش سے ہے تو اس کی شرح ابھی ہوچکی کہ وہاں لڑائی جھگڑا بغض و حسد نہ ہوگااور اگر خ کے فتحہ سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ سب جنتی ایک ہی قد کے ہوں گے ہم عمر ہوں گے،تیس یا تینتیس سالہ جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جیساکہ معلوم ہوگا۔

۱۱؎ یعنی سارے جنتی ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے،شرعی گز ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہےوہ ہی یہاں مراد ہے آدم علیہ السلام کا قد اتنا ہی تھا۔فی السماء فرماکر بتایا گیا کہ اس سے لمبائی مراد ہے نہ کہ چوڑائی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ سارے نبی نہایت حسین اور بہت ہی خوش آواز ہوں گے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں کھائیں گے پئیں گے ۱؎ اور نہ تو تھوکیں گے نہ پیشاب پاخانہ کریں گے اور نہ ناک جھاڑیں گے ۲؎ صحابہ نے عرض کیا تو ان کے کھانے کا کیا حال ہوگا ۳؎ فرمایا ڈکار اور مشک کی طرح پسینہ ۴؎ تسبیح و حمد الٰہی ان کے دل میں ڈالی جاوے گی جیسے تم سانس لیے جاتے ہو ۵؎ (مسلم)	

۱؎ جنتی جنت میں پرندوں کے گوشت اور اعلی درجہ کے بے شمار پھل کھائیں گےاور دودھ شہد،پانی شراب طہور پئیں گے یہ کھانا پینا بھوک سے نہ ہوگاصرف لذت کے لیے ہوگا کہ وہاں نہ بھوک ہوگی نہ پیاس۔

۲؎ یعنی جنتیوں کے کھانے پینے کے لیےبہت نعمتیں ہوں گی مگر بدن سے اس کے خارج کرنے کے لیے وہ ذریعہ نہ ہوں گے جو دنیا میں ہوتے ہیں پیشاب پاخانہ،تھوک،رینٹ وغیرہ۔

۳؎ یعنی یارسول اللہ پھر کھانے کا فضلہ بدن سے کیسے خارج ہوگا،اگر خارج نہ ہوگا تو وہاں تندرستی کیسے قائم رہے گی،نہایت نفیس سوال ہے۔

۴؎ یعنی کھانا تو ڈکار سے ہضم ہوگا اور پانی وغیرہ پسینہ کے ذریعہ خارج ہوگا۔خیال رہے کہ جنت میں دنیا کی سی ڈکار نہ ہوگی جس کی حدیث شریف میں برائی آئی ہےاقسر ناحشاءك مگر وہ آواز کسی قدر اس میں بدبو بلکہ وہ ڈکار ہی اور قسم کی ہوگی،نیز وہاں پسینہ دنیا کا سانہ ہوگا جو گرمی کی وجہ سے بدبودار تکلیف دہ ہوتا ہے وہ پسینہ اور ہی طرح کا ہوگا نہایت خوشبودار آرام دہ۔

۵؎ سبحان اللہ!کس نفیس طریقہ سے سمجھایا ہے کہ جیسے دنیا میں تم سانس لیتے تھکتے نہیں ایسے ہی وہاں تسبیح و تہلیل کرتے تھکوگے نہیں وجیسے کہ یہاں سانس ہر وقت ہر حال میں جاری رہتی ہے ایسے ہی وہاں جنت میں تسبیح و تہلیل ہر حال ہر وقت میں جاری ہوگی،جیسے یہاں سانس کسی کام سے روکتی نہیں ایسے ہی وہاں ذکر اللہ کسی کام سے روکے گا نہیں۔بعض عارفین پاس انفاس کرتے ہیں یعنی ذکر اللہ ان کی سانس میں جاری ہوجاتا ہےجو سوتے جاگتے کھاتے پیتے جاری رہتا ہےوہ لوگ ایک اعتبار سے دنیا میں ہی جنت میں ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ "وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ"دو جنتوں سے مراد ایک

دنیاوی جنت ہے دوسری اخروی جنت،دنیاوی جنت ذکر الٰہی ہے اخروی جنت اس کا نتیجہ ہے،ارشادباری ہے"اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ"نیک لوگ دنیا میں ہی جنت میں ہیں یعنی ذکر اللہ کی جنت میں"وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ"کفار دنیا میں ہی دوزخ میں ہیں یعنی غفلت کی دوزخ میں جس کا نتیجہ آخرت کی دوزخ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنت میں جائے گا خوش رہے گا کبھی غمگیں نہ ہوگا۱نہ اس کے کپڑے گلیں نہ اس کی جوانی ختم ہو۲(مسلم)	

۱کسی قسم کا غم جنتی کو نہ ہوگا اور ہر طرح کی خوشی اسے میسر ہوگی حتی کہ اپنی کافر اولاد کے دوزخ میں جانے کا بھی غم نہ ہوگا،اس سے قطعًا محبت نہ رہے گی،کوئی اپنے کو دوسرے سے ہلکا نہ سمجھے گا۔

۲غرضکہ جنت میں ہر چیز کو قرار ہے تبدیلی کسی چیز میں نہیں،فنا کسی کو نہیں،جوانی،لباس،خوشی عیش ہر چیز ہمیشہ کی ہے کوئی فنا نہ ہوگا حتی کہ وہاں کے پھل کھالینے کے بعد بھی فنا نہیں وہ ہی پھل جو کھایا ویسا ہی باقی"اُکُلُهَا دَآىٕمٌ"جیسے ہوا دھوپ استعمال کرنے کے بعد بھی ویسے ہی باقی رہتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید و ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پکارنے والا پکارے گا۱کہ تمہارے لیے یہ ہے کہ تندرست رہوگے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تمہارے لیے یہ ہے کہ زندہ رہوگے کبھی نہ مروگے اور تمہارے لیے یہ ہے کہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہوؤگے اور تمہارے لیے یہ کہ خوش رہوگے کبھی غمگیں نہ ہوؤگے۲(مسلم)	

۱یا تو خود رب تعالٰی پکارکر فرمائے گا یا اس کی طرف سے کوئی فرشتہ پکارے گا ایک دفعہ یا باربار۔

۲ان بشارتوں سے جنتیوں کی خوشی میں اور بھی اضافہ ہوتا رہے گا،خوشی کا لطف ہے اور خوشی کی بشارت کا لطف کچھ اور ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی لوگ اپنے اوپر بالاخانہ والوں کو اس طرح ایک دوسرے کو دکھائیں گے جیسے تم چمکدار تارے کو جو شرقی غربی کنارے میں ہو ایک دوسرے کو دکھاتے ہو۱ان کے درمیان فضیلت کی وجہ سے۲ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو انبیاءکرام کی منزلیں	

ہوں گی جن تک ان کے سواء کوئی نہ پہنچ سکے گا۳؎ فرمایا ہاں کیوں نہیں اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ لوگ وہاں پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کی تصدیق کی۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جنت کے نیچے درجے والے جنتی اعلیٰ جنتیوں کو اس طرح ایک دوسرے کو دکھائیں گے جیسے دنیا میں مشرق سے نکلتے چاند تاروں کو ڈوبتے ہوئے دکھاتے ہیں کہ وہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق وہ ہیں حضرت بلال دیکھو وہ رہے حضرت حسین رضی اللہ عنہم،یا یہاں کی عورتیں ایک دوسرے سے کہیں گی دیکھو وہ ہیں خاتون جنت فاطمہ زہرا ہیں،جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھن ان حضرات کا دیدار بھی بڑی نعمت ہوگی،آج مدینہ کی گلیوں کو ہم ترستے ہیں،مدینہ دیکھ کر سب رنج و غم بھول جاتے ہیں،جب مدینہ والے محبوب اور ان کے خدام کو دیکھیں گے تو خوشی کا کیا حال ہوگا۔شعر

میرا دل زار مدینہ میں ہے　　　　میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے
خلد کا بازار مدینہ میں ہے　　　　احمد مختار مدینہ میں ہے

۲؎ یعنی سب جنتی ایک درجے کے نہ ہوں گے ان کے درجے مختلف ہوں گے۔اعلی درجہ کے جنتی اوپر کے طبقوں میں مگر نیچے والوں کو اپنے ادنی ہونے کا خیال بھی نہ آوے گا بلکہ اوپر والوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی ایسی خوشی بیان نہیں ہوسکتی۔

۳؎ سائل کا مقصد یہ ہے کہ ایسے بلند درجات والے جو آسمانی تاروں کی طرح نظر آویں وہ حضرات انبیاء کرام ہی ہوسکتے ہیں،ہم امتیوں میں سے تو کوئی ہوگا نہیں۔

۴؎ یہاں ایمان باللہ سے مراد عیانی ایمان ہے اور تصدیق رسل سے مراد فنا والی تصدیق ہے یعنی ایمان و تصدیق کا اعلی درجہ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سارے ہی جنتی مؤمن ہوں گے وہاں کافر تو کوئی جائے گا نہیں تو پھر نیچے درجوں میں کون رہے گا،عیانی ایمان کی دلیل وہ آیت ہے"قَالَ بَلٰى وَلٰكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ"سن کر تصدیق،دیکھ کر تصدیق،داخل ہوکر تصدیق،فنا ہوکر تصدیق ان سب میں بڑا فرق ہے،یہاں یہ آخری درجہ والی تصدیق مراد ہے۔ہم نے عرض کیا شعر

اس طرح سما مجھ میں ہوجاؤں میں گم تجھ میں　　　　پھر بھی تو ہی تماشا ہو اور تو ہی تماشائی

مرسلین جمع فرماکر اشارۃً فرمایا کہ یہ فرق مراتب صرف امت محمدیہ میں ہی نہ ہوگا،بلکہ ساری امتوں میں ہوگا کہ ان کے جنتی بعض اوپر ہوں گے بعض نیچے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایسی قومیں جائیں گی جن کے دل چڑیوں کے دل کی طرح ہیں۱؎(مسلم)	

۱؎ چڑیوں کے دل میں اللہ پر توکل اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔شعر

رزق نہ رکھن ساتھ میں پنچھی اور درویش　　　　جن کا رب پر آسرا ان کو رزق ہمیش

مالک سے مانوس ہوتے ہیں،اغنیاء سے متنفر کہ غیر کو دیکھا اور بھاگے،دلوں میں ڈر بہت زیادہ کینہ بغض ان کے پاس نہیں،جس انسان میں یہ صفات پیدا ہوجاویں وہ تو فرشتہ بن جاوے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا اے جنتیو! وہ عرض کریں گے ہم حاضر ہیں اے ہمارے رب بندے ہیں تیرے اور ساری خیر تیرے ہاتھ ہے[۱] وہ فرمائے گا کیا تم خوش ہوگئے[۲] عرض کریں گے ہم کیوں خوش نہ ہوں یا رب تو نے ہم کو وہ دیا جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دیا[۳] تو فرمائے گا کیا میں تم کو اس سے بھی اعلیٰ افضل نعمت نہ دوں وہ عرض کریں گے یارب اس سے افضل کوئی چیز ہے[۴] تو فرمائے گا تم پر اپنی رضا نازل کروں گا تو اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہ ہوں[۵] (مسلم،بخاری)

۱؎ عربی میں جب آقا و مولیٰ کی پکار کا جواب دیتے ہیں تو ایسے الفاظ بولتے ہیں حضور حاضر ہوں،خدمت گار ہوں،ہر چیز آپ کے ہاتھ میں ہے۔چونکہ جنت میں ہر کلام عربی زبان میں ہوگا آپس میں بھی اور رب تعالیٰ سے بھی اس لیے عربی کے محاورہ وہاں استعمال ہوں گے،بعض روایات میں ہے کہ اہل جنت کی عربی زبان ہے اور دوزخیوں کی زبان فارسی ہوگی کہ یہ رب تعالیٰ کے قہر کے اظہار کی زبان ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسا دل نواز سوال ہے۔دوستوں یہاں ہم رب کو راضی کرلیں وہاں ہم کو رب خوش کرے گا،یہ چند روزہ زندگی اس کی رضا میں گزاریں اللہ توفیق دے۔

۳؎ یعنی مولیٰ تو نے ہم کو یہاں وہ نعمتیں بخشیں جو فرشتوں جنات وغیرہ کسی مخلوق کو نہ بخشیں۔خیال رہے کہ جنات تو جنت میں جائیں گے ہی نہیں فرشتے اگرچہ وہاں ہوں گے مگر اہل جنت کی خدمت کے لیے نہ کہ وہاں کی نعمتیں استعمال کرنے کے لیے،وہ کھانے پینے شہوت سے پاک ہیں لہذا یہ عرض بالکل درست ہے۔

۴؎ یعنی ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ ان نعمتوں سے بہتر اور کون سی نعمت ہوسکتی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں تو تو نے ہم کو عطا فرمادی ہیں۔

۵؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے کہ یہ رضا ہی بقاء کا دیدار کا ذریعہ ہے،جس سے مالک خوش ہوگیا تو ہر چیز اس کی ہوگئی۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس سے راضی ہوجاتا ہے،بندہ کے راضی ہوجانے کی علامت یہ ہے کہ وہ رب کے احکام اس کی بھیجی ہوئی تکالیف سے راضی رہتا ہے کبھی اس کی شکایت نہیں کرتا دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے پہلے بندوں سے ان کی رضا پوچھی پھر اپنی رضا کی خبر دی۔اس حدیث کی تائید وہ آیات کرتی ہیں"وَرِضْوٰنٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ"اور"رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمْ وَرَضُوۡا عَنْہُ"۔صوفیاء

فرماتے ہیں کہ اگر بندہ یہ جاننا چاہے کہ رب مجھ سے راضی ہے یا نہیں تو وہ غور کرے کہ وہ رب سے راضی ہے یا نہیں،راضی ہوجاؤ،راضی کرلو،اس کا ذکر کرو اپنا ذکر کراؤ۔مولانا فرماتے ہیں شعر

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست　　　　　ایں گداز و سوز و دراز بیک ماست

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ادنی ٹھکانے والے جنتی سے رب فرمائے گاآرزو کروہ آرزو کرے گا اور آرزو کرے گاتو اس سے فرمائے گا کیا تو نے آرزو کرلی وہ کہے گا ہاں تو اس سے فرمائے گا کہ جو تو نے آرزوئیں کیں وہ اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور تیرے لیے ۲؎(مسلم)	

۱؎تمنی دوبار فرمانا زیادتی بیان کرنے کے لیے ہے یعنی بندہ آرزو کرے گا اور خوب ہی کرے گا،بار بار کرے گا،جہاں تک اس کا خیال پہنچے وہاں تک کی تمنائیں کرلے گا۔خیال رہے کہ تمنا اور امید میں بڑا فرق ہےامید تو صرف ہوسکنے والی بات کی ہوتی ہےمگر تمنا ان ہونے والی بات کی بھی ہوسکتی ہے۔ایک بڈھا تمنا کرسکتا ہے کہ کاش میری جوانی لوٹ آتی،نہ معلوم بندہ تمنا کیا کیا کرے گا مجھ گنہگار کی تمنا تو یہ ہے اور ہوگی۔شعر

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی　　　　　جو آنکھیں دی ہیں دکھلادے مجھے صورت محمد کی

۲؎یعنی وہ تمنائیں پوری ہوئیں تیری مانگ سے اور اتنا ہی اور دیا اپنے رحم خسروانہ کرم شاہانہ سے،پہلے ایک گنا ساتھ ہی دے گا آخر میں دس گنا لہذا یہ حدیث دس گنا والی حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ سیحان و جیحان ۱؎ فرات و نیل یہ سب جنت کی نہروں میں سے ہیں۲؎(مسلم)	

۱؎خیال رہے کہ سیحون اور جیحون ملک ارمن میں دو نہریں ہیں یعنی ترکستان اور خراسان میں اور فرات و نیل ملک شام کی دو نہریں ہیں۔(اشعہ)

۲؎فرات کوفہ میں ہے نیل مصر میں،ان چاروں نہروں کا جنت سے ہونا۔اس کی بہت توجیہیں کی گئیں ہیں مگر قوی یہ ہے کہ کوئی تاویل نہ کی جاوے اسے اپنے ظاہر پر رکھا جاوے کہ جنت سے ان کا پانی پہاڑوں میں بھیجا گیااور پہاڑوں سے ان میدانوں میں جاری کیا گیا۔چنانچہ یہ پانی بہت شیریں ہیں ہاضم ہیں،ان نہروں پر حضرات انبیاءکرام بزرگانِ دین بہت ہی کثرت سے تشریف فرمائے ہوئے ہیں،قریب قیامت جب قوم یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگاتو قرآن مجید،علم دین،حجر اسود،مقام ابراہیم اور یہ چاروں نہریں دنیا سے غائب کردی جائیں گی،رب فرماتاہے:"وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ"۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عتبہ ابن غزوان سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا۲؎کہ دوزخ کے کنارے سے پتھر ڈالا جاوے گا	

تو اس میں ستر سال گرے گا اس کی تہہ نہ پائے گا۳؎ رب کی قسم وہ بھری جاوے گی اور ہم سے ذکر کیا گیا کہ جنت کی چوکھٹوں میں سے دو چوکھٹوں کے درمیان چالیس سالوں کا فاصلہ ہے اور اس پر ایک ایسا دن آوے گا جب وہ بھیڑ کی وجہ سے ٹھسا ہوگا۴؎(مسلم)	

۱؎ عتبہ ابن غزوان صحابی ہیں،بدری ہیں،ساتویں مسلمان ہیں کہ ان سے پہلے صرف چھ حضرات ایمان لائے تھے،بڑے تیر انداز تھے۔

۲؎ یا تو حضور انور نے فرمایا یاکسی صحابی نے۔خیال رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق قبول ہے،بعد والوں کے مرسلات میں اختلاف ہے۔(مرقات)

۳؎ اللہ اکبر! یہ ہے دوزخ کی گہرائی،پتھر اگر آسمان سے پھینکا جاوے تو صبح سے چلا ہوا شام تک زمین پر پہنچ جاوے مگر دوزخ کے کنارے سے چلا ہوا ستر سال میں اس کی تہہ تک نہ پہنچے،سوچ لو گہرائی کتنی ہے اتنی گہرائی دوزخ کو کفار انسانوں سے بھرنا ہے۔

۴؎ یعنی جنت کے ہر درازہ کی چوڑائی چالیس سال کی راہ ہے اس قدر وسعت کے بعد جب جنتی اس میں داخل ہوں گے تو ان کے کھوئے سے چھلتے ہوں گے اژدھام اور بھیڑ کا یہ حال ہوگا۔خیال رہے کہ یہ ٹھسنا جب ہوگا جب کہ عام جنتی داخل ہوں گے۔سب سے پہلے ہمارے حضور داخل ہوں گے دروازہ کھلے گا انہیں کے لیے،پھر دوسرے انبیاء کرام،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ترتیب وار پھر دوسری امتیں،جس جماعت کے داخلہ کی باری آوے گی دروازہ ٹھس جاوے گا،اللہ ہم کو بھی نصیب کرے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی فرمایا پانی سے ۱؎ ہم نے عرض کیا جنت کا میٹریل کیا ہے۲؎ فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک اینٹ چاندی کی اور اس کا گارا خالص مشک کا ہے اور اس کی بجری موتی اور یاقوت ہے اس کی مٹی زعفران ہے۳؎ جو وہاں داخل ہوگا خوش رہے گا غمگیں نہ ہوگا ہمیشہ رہے گا کبھی نہ مرے گا،ان کے کپڑے گلیں گے نہیں اس کی جوانی فنا نہ ہوگی ۴؎ (احمد،ترمذی،دارمی)	

۱؎اگر خلق سے مراد جاندار مخلوق ہے،انسان و جانور وغیرہ تو پانی سے مراد نطفہ ہے،اس صورت میں حضرت آدم،حوا،عیسیٰ علیہ السلام اور وہ کیڑے مکوڑے اس حکم سے علیحدہ ہیں جو اوگا سریا چار پائی یا برسات کے موسم میں پیدا ہوتے ہیں کہ ان کی پیدائش نطفہ سے نہیں۔اس معنی کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ "ہم نے ہر جاندار چیز کو نطفہ سے پیدا فرمایا۔اور اگر خلق سے مراد عالم اجسام ہے تو ماء سے مراد یہ ہی پانی ہے۔اللہ تعالٰی نے پہلے ایک جوہر پیدا فرمایا اس پر نظر ڈالی تو ہیبت سے وہ جوہر پگھل گیا پانی بن گیا،اس پانی میں قدرتی گرمی پیدا کی گئی اس سے ہوا بنی کہ پانی گرمی پاکر ہوا بن جاتا ہے،ہوا نے پانی کو حرکت دی اس سے جھاگ پیدا ہوئے وہ جمادیئے گئے تو زمین بنی گویا زمین پانی کا جما ہوا جھاگ ہے،یہ پانی اور زیادہ گرم کیا گیا تو اس سے آگ بنی آگ سے دھواں پیدا ہوا وہ جم کر آسمان بنے،توریت شریف کے پہلے دفتر میں پیدائش کی یہ ہی ترتیب فرمائی گئی ہے،زمین پانی پر ٹھہر نہ سکی ہلتی تھی تو اس پر پہاڑ کے لنگر ڈالے گئے جس سے اسے قرار ہوا۔(اشعۃ اللمعات و لمعات)

۲؎جس سامان سے مکان بناتے ہیں اسے انگریزی اردو میں میٹریل کہتے ہیں جیسے اینٹ گارا چونا،لوہا سیمنٹ وغیرہ یعنی یا رسول اللہ جنت کی تعمیر کس سامان سے ہوئی۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کا ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے باریک سوال کرتے ہیں اور سرکار یہ نہیں فرماتے کہ اچھا جبرئیل امین آئیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے یہ باتیں تو حضرت جبرئیل کو بھی معلوم نہ تھیں جو حضور بیان فرمارہے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر   بحر حق سوئے غریباں یک نظر

۳؎دیکھو یہ ہے اس غیب داں صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کہ جنت کی ساری حقیقت بیان فرمادی جس کی نگاہ سے جنت کی حقیقت نہیں چھپی انہیں سب کی حقیقت بھی معلوم ہے۔خیال رہے سونا پیلا ہوتا ہے چاندی سفید،جو دیوار ان اینٹوں سے بنے وہ کیسی خوشنما ہوگی،پھر زعفران پیلا ہوتا ہے مشک سیاہ،جو مٹی اس سے مخلوط ہو وہ کیسی حسین اور کیسی خوشبودار ہوگی پھر موتی سفید چمکیلے ہوتے ہیں یاقوت رنگ برنگے جو بجری ان سے مخلوط ہو وہ کیسی خوبصورت اور قیمتی ہوگی،پھر وہاں کے درخت گہرے رنگ کے سبز،ان رنگتوں کے ملنے سے جو حسن پیدا ہوا ہے وہ بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتا ان شاءاللہ دیکھ کر ہی سمجھیں گے اور سمجھائیں گے،خدا تعالٰی اس قال کو حال کردے۔

۴؎یعنی جنت میں رنج غم،تکلیف،بیماریاں موت،بڑھاپا،کپڑے میلے ہونا وغیرہ کوئی چیز نہ ہوگی۔مرقات نے فرمایا کہ کپڑے فرماکر سارا سامان مراد لیا گیا ہے کہ وہاں نہ کپڑے میلے ہوں نہ پھٹیں نہ کوئی سامان ٹوٹے پھوٹے نہ مرمت کرایا جاوے،دیکھ لو چاند سورج کی مرمت کون کرتا ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جنت میں کوئی درخت نہیں مگر اس کا تنا سونے کا ہے۱؎ (ترمذی)	

۱؎ جنت کے درختوں کا تنا سونے کا اس کی شاخیں چاندی کی سونے کی یاقوت و زمرد سے جڑی ہوئی ہر طرح کی کلیوں پھولوں سے بھری ہوئی،میووں پھلوں سے لدی ہوئی نیچے نہریں جاری۔سمجھو ہر طرح بہار ہی بہار ہے۔شعر

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا ہم مجرم کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

اچھا اللہ تعالٰی کسی کے طفیل ہم کو بھی بخش دے۔شعر

شنیدم کہ در روز امید و بیم بدان رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے[1] (ترمذی)اور فرمایا یہ حسن غریب ہے۔	

[1] اگر درجہ سے مراد زینہ سیڑھی کے درجے ہیں تب تو مطلب یہ ہے کہ جنت کی ایک منزل سے دوسری منزل کا فاصلہ اتنا ہے کہ وہاں سو درجوں والا زینہ ہو جس کے ہر دو درجوں کے درمیان سو برس کے فاصلہ کی مسافت ہو اور اگر ان درجوں سے مراد جنت کی منزلیں ہیں تو مطلب ظاہر ہے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں،دیکھو مرقات یہ مقام۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں سو درجے ہیں اگر تمام جہانوں کے لوگ ان میں سے ایک درجے میں جمع ہوں تو وہ ان سب کو کافی ہو[1] (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک جنتی کو بہت بڑا علاقہ دیا جاوے گا کہ اتنی جنت صرف انسانوں کے لیے اور انسانوں میں بھی صرف مؤمنو ں کے لیے خاص کردی گئی ہے،اگر ہر ایک کا علاقہ بہت وسیع نہ ہو تو پوری امتوں کی کھپت کیسے ہو۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اللہ تعالٰی کے فرمان کے بارے میں **وفرش مرفوعة** فرمایا ان بستروں کی بلندی ایسی ہے جیسے آسمان و زمین کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت[1] (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[1] اس **فرش** کی بہت تفسیریں کی گئیں ہیں: (۱)جنت کے ایک درجے کا فرش زمین دوسرے درجے کے فرش زمین سے اتنا اونچا ہے جتنا آسمان زمین سے اونچا(۲) جنتی لوگوں کے گھروں میں جو چارپائیاں ہوں گی جن پر ان کے بستر ہوں گے ان کے پائے اتنے اتنے اونچے (۳)فرش سے مراد وہاں کی حوریں اور دوسرے بیویاں ہیں۔بلندی سے مراد درجے کی بلندی ہے یعنی دنیا کی عورتوں کو ان عورتوں سے کچھ نسبت ہی نہیں جیسے زمین و آسمان میں فرق ہے ویسے ہی انکے درجوں میں فرق ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ پہلا گروہ جو قیامت کے دن جنت میں جائے گا ان کے چہروں کی چمک چودھویں رات کے چاند کی چمک کی	

طرح ہوگی اور دوسرا گروہ آسمان میں بہترین چمک دار تارے کی طرح ۱؎ ان میں ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے،ان کی پنڈلی کی مینگ ان سب کے اوپر سے دیکھی جاوے گی ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ پہلا گروہ حضرات انبیاء کرام ہیں دوسرا گروہ حضرات اولیاء اللہ شہداء صالحین کا ہے قلب کی حالت ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔

۲؎ یعنی اس کی بیویاں تو بہت ہوں گی مگر ان میں سے دو بیویاں اسی لطافت والی ہوں گی کہ ستر جوڑے پہنیں گی،پھر بھی ان کی پنڈلی کی ہڈی کی مینگ اوپر سے نظر آوے گی،مگر خیال رہے کہ وہ بیویاں صرف اپنے خاوندوں کے سامنے ہی آویں گی کوئی اور نہیں نہ دیکھ سکے گا،رب فرماتاہے:"قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ"لہٰذا اس پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ پھر ان کے سارے پوشیدہ اعضاء سب کو نظر آئیں گے لباس ستر کا فائدہ نہ دے گا اس لیے کہ وہاں کل بیویوں کا ذکر ہےاور یہاں ایسی لطافت والی بیویوں کا،کل بیویاں بہتر ہیں جن میں سے دو ایسی لطیف اور انہیں سوا ان کے خاوندوں کے کوئی نہ دیکھے گا۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جنت میں مؤمن کو جماع کی اتنی اتنی طاقت دی جاوے گی ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا ۲؎ فرمایا سو آدمیوں کی طاقت دی جاوے گی ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی جنتی مرد کو اپنی بیویوں سے صحبت کرنے کی بہت ہی طاقت دی جاوے گی،اس کو صحبت سے کوئی کمزوری نہ ہوگی۔خیال رہے کہ وہاں صحبت میں منی خارج نہیں ہوگی کہ یہ گندگی ہے جیسے وہاں پیشاب پاخانہ نہیں ایسے ہی وہاں منی نہیں صرف ہوا خارج ہوگی مگر اس ہوا میں لذت منی سے زیادہ ہوگی **ھکذا قال بعض مشائخنا**۔

۲؎ یعنی اتنی قوت مردمی کو ایک مرد کیسے سنبھالے گا،دنیا میں بعض لوگوں میں یہ طاقت اتنی ہوتی ہے کہ وہ ایک بیوی پر صبر نہیں کرسکتے اور عورت کی پلیدی کا زمانہ بمشکل گزار سکتے ہیں پھر وہاں ضبط کیسے ہوگا۔

۳؎ یعنی اللہ تعالٰی ایک جنتی کو دنیا کے سو مردوں کی برابر قوت شہوانی عطا فرمائے گا ساتھ ہی اس کو تحمل کی طاقت بھی دے گا اور مصرف بھی عطا فرمائے گا۔خیال رہے کہ ازروئے علم طب اعلٰی درجے کے جوان میں چوبیس گھنٹے میں پانچ بار صحبت کی طاقت ہوتی ہے،درمیانے درجہ والے میں تین بار کی مگر وہ اسے نبھا نہیں سکتااور وہاں طاقت ہے سو مردوں کی تو گویااس میں چوبیس گھنٹے کی پانچ سو بار صحبت کی طاقت ہوگی۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے سو جنتیوں کی طاقت دی تھی یعنی چار ہزار دنیاوی مردوں کی نو بیویوں پر حضور کا قناعت فرمانا انتہائی صبر تھا،حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں،حضرت داؤد علیہ السلام کی نناوے بیویاں تھیں،یہاں مرقات نے فرمایا کہ دوسری طاقتوں کا بھی یہی حال ہوگا بہرحال ہر طرح اللہ تعالٰی کا فضل ہوگا۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے وہ نبی صلی اللہ	

علیہ وسلم سے راوی فرمایا جنت کی وہ نعمتیں جو جنتی کا ناخن اٹھائے گا۱؎ ظاہر ہوجاوے تو اس سے آسمانوں اور زمین کناروں کے درمیان کی جڑیں سج جاویں گی۲؎ اور اگر کوئی جنتی آدمی جھانک لے تو اس کے کنگن ظاہر ہوجاویں تو ان کی روشنی سورج کی روشنی کو مٹا دے۳؎ جیسے سورج تاروں کی روشنی کو مٹا دیتا ہے۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ دنیا میں انسانوں کے ناخن میں میل بھرا ہوتا ہے جو گندا ہوتا ہے وہاں جنتیوں کے ناخنوں میں جو چیز ہوگی اس کا یہ حال ہوگا۔خیال رہے کہ یہ فرمان عالی سمجھانے کے لیے ہے یعنی وہاں کی معمولی چیز کا یہ حال ہوگا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنتیوں کے ناخنوں بڑے بڑے ہوں گے اس میں کچھ بھرا ہوا ہوگا۔

۲؎ **خوافق** بنا ہے **خفق** سے بمعنی حرکت کرنا بے قرار ہونا،اسی سے ہے خفقان دل،مشرق و مغرب کو خوافیق اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں سے ہی دن و رات طلوع و غروب ہوتے ہیں،چاند تارے سورج حرکت کرتے ہوئے نکلتے ڈوبتے ہیں۔

۳؎ **اساور** جمع ہے **اسورہ** کی اور **اسورہ** جمع ہے **سوار** کی،سوار کنگن کو کہتے ہیں،دنیا میں مردوں کو زیور پہننا حرام ہے کہ یہاں جہاد وغیرہ کرتے ہیں وہاں مباح ہوگا،ہر جنتی زیوروں سے لدا پھدا ہوگا،پھر زیور کی قیمت کا یہ حال ہوگا۔

۴؎ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزرگئی۔جنتیوں کے چہرے دنیا کے سورج سے کہیں روشن ہوں گے،ان کے مقابل سورج تارا ہے ان کے چہروں کو دیکھنے کے لیے آنکھ بھی اور ہی قسم کی عطا ہوگی جو ان کی جھلک برداشت کرسکے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی لوگ بغیر بال والے صاف بدن ۱؎ بے داڑھی والے،سرمہ کی آنکھ والے ہوں گے۲؎ نہ ان کی جوانی ختم ہو،نہ ان کے کپڑے گلیں۳؎ (ترمذی،دارمی)	

۱؎ جنتیوں کا جسم بغیر رونگٹے والا ہوگا مگر سر بغیر بال والا نہ ہوگا کہ بغیر رونگٹے جسم حسین معلوم ہوتا ہے مگر بغیر بال کے سر گنجا برا معلوم ہوتا ہے۔**جرد** جمع ہے **اجرد** کی۔

۲؎ سواء ابراہیم علیہ السلام کے جنت میں کسی کے منہ پر داڑھی نہ ہوگی۔خیال رہے کہ بے داڑھی ہونا اور چیز ہے اور داڑھی منڈانا کچھ اور ہے،جنتی لوگ قدرتی طور پر بے داڑھی ہوں گے،قدرتی طور پر ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی یہ سرمہ کبھی ان آنکھوں سے زائل نہ ہوگا۔

۳؎ لہذا وہ ہمیشہ تیس سالہ رہیں گے،چونکہ جنت میں سورج نہیں،دن رات نہیں،مہینے سال نہیں اس لیے ان کی عمروں میں اضافہ بھی نہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی جنت میں جائیں گے بغیر رونگٹے والے صاف بدن بے داڑھی سرمہ گیں آنکھ،تیس سالہ یا تینتیس	

	سالہ ا۔(ترمذی)

۱۔یہ شک راوی کو ہے کہ حضور انور نے تیس سالہ فرمایا یا تینتیس سالہ اور ہوسکتا ہے کہ جنتی مرد تینتیس سالہ ہوں اور جنتی عورتیں تیس سالہ یہ عمر اعلیٰ درجہ کے جوان کی ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا حضور کی خدمت میں سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر ہوا۱۔فرمایا کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں سوار سو برس چلے گا یا اس کے سایہ میں سو سوار سایہ لیں گے،راوی کو شک ہے۲۔اس میں سونے کے پتنگے ہیں اس کے پھل گویا مٹکے ہیں۳۔ (چاٹیاں)ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۔یہ بیری کا درخت ہے ساتویں آسمانوں کے اوپر یہاں فرشتوں کی انتہا ہے کہ کوئی فرشتہ جو زمین پر آتا ہے،اس سے آگے نہیں بڑھتا اور عرشی فرشتے اس سے نیچے نہیں آتے حتی کہ لوگوں کے اعمال فرشی فرشتے یہاں تک پہنچاتے ہیں پھر وہاں اوپر والے فرشتے لے لیتے ہیں اور اوپر پہنچاتے ہیں اس لیے اسے منتہیٰ کہا جاتا ہے،اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے یا اس کی انتہا جنت میں ہے یا اس کے آگے کسی کا علم نہیں بڑھتا کہ اوپر کیا ہے ان وجوہ سے اسے منتہیٰ کہا جاتا ہے۔(از مرقات)

۲۔یعنی بی بی اسماء کو شک ہے کہ حضور انور نے ان دو باتوں میں سے کیا بات فرمائی پہلی بات زیادہ ظاہر ہے یا یہ کہ بعض لوگوں کو وہ سایہ اسقدر محسوس ہوگا بعض کو اس قدر۔(از مرقات)

۳۔یہ پتنگے وہاں پر مقرر شدہ فرشتے ہیں جن کے پر چمکیلے ہیں۔(اشعہ)اس بیری کے پھل بڑے مٹکوں کے برابر ہیں جو ٹھنڈے میٹھے مکھن جیسے گودے سے بھرے ہوئے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے فرمایا یہ ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے یعنی جنت میں دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھی،اس میں پرندے جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں۲۔عمران بولے یہ تو خوب ہی ہے۳۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں کے کھانے ان سے بھی زیادہ خوب ہیں۴۔(ترمذی)

۱۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر جنت کے اندر ہے وہاں کی شاخیں جنت کے باہر بلکہ میدان محشر میں پہنچی ہوں گی جیساکہ پچھلی احادیث میں گزرا۔

۲۔گویا وہ وہاں کے شتر مرغ ہیں مگر ان کا حسن و جمال رب ذوالجلال ہی جانتا ہے۔

۳۔یعنی یہ نعمتیں بہت اچھی ہیں یا وہ شتر مرغ بہت عمدہ موٹے خوشنما ہوں گے۔

۴؎ یعنی یہ پرندے تو فقط دیکھنے کی نعمت ہے جو بڑی بھلی معلوم ہوگی اگر وہاں کے کھانے دیکھو تو وہ ان سے کہیں زیادہ اچھے ہیں۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کہ جنت میں گھوڑے ہوں گے۱؎ فرمایا کہ اگر تجھے اللہ جنت میں داخل فرمادے تو تو وہاں نہ چاہے گا کہ سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار کیا جاوے جو تجھے جنت میں وہاں اڑا کر پہنچادے جہاں تو چاہے مگر ایسا کیا جاوے گا۲؎ اور حضور سے ایک شخص نے پوچھا عرض کیا یارسول اللہ کیا جنت میں اونٹ ہوں گے،راوی کہتے ہیں کہ اس سے وہ نہ فرمایا جو اس کے ساتھی سے فرمایا تھا۳؎ بلکہ فرمایا اللہ اگر تجھے جنت میں داخل فرمادے تو وہاں تیرے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو تیرا دل چاہے اور تیری آنکھیں پسند کریں۴؎(ترمذی)	

۱؎ شاید ان سائل صاحب کو گھوڑے پسند ہوں گے اس لیے وہ یہ سوال فرمارہے ہیں کہ میری مرغوب چیز بھی وہاں ہو گی یا نہیں۔خیال رہے کہ جنت میں جو چاہو گے وہ ملے گا جو چیز وہاں کے لائق نہ ہو اسکی خواہش دل میں پیدا ہی نہ ہوگی کوئی وہاں حقہ،چائے پان وغیرہ کی خواہش ہی نہ کرے گا۔

۲؎ یعنی اگر تم وہاں گھوڑے کی خواہش کرو گے تو تم کو یہ لید پیشاب کرنے والا اور زمین پر دوڑنے والا گھوڑا نہیں بلکہ یاقوتی گھوڑا دوڑانے والا عطا ہوگا۔خیال رہے کہ وہاں جنتی کی اپنی اپنی رفتار بہت تیز ہوگی کہ اس کا گھر صدہا میل کے علاقہ میں ہوگا اور اس کا اپنا مملوکہ رقبہ تو دنیا بھر سے زیادہ ہوگا مگروہ آن کی آن میں جہاں چاہے گا پہنچے گا،یہ گھوڑے وغیرہ کی عطا اظہار عزت اور زینت کے لیے ہوگی۔حضور معراج میں براق پر گئے مگر اس دن حضور کی خود اپنی رفتار براق سے کہیں تیز تھی اس لیے اس رات حضرات انبیاء براق کے پہنچنے سے پہلے آسمانوں میں اپنے مقامات پر پہنچ چکے تھے حالانکہ ان سب نے نماز بیت المقدس میں حضور کے پیچھے پڑھی تھی اور حضور کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔

۳؎ بلکہ اسے ایک جامع جواب عطا فرمایا جس سے اس کے تمام سوالات حل ہوگئے ورنہ اور لوگ بھیڑ بکریوں وغیرہ کے متعلق سوال کرتے۔

۴؎ اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے"وَ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ"۔ان فرمانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں منہ سے مانگنے کی بھی ضرورت نہ پڑے گی بلکہ دل میں خیال آوے گا کہ چیز سامنے ہوگی حتی کہ وہاں سے پھل توڑنے کے لیے درختوں پر چڑھنا یا بانس سے ہلانا نہ پڑے گا بلکہ شاخیں خود جھک کر پھل اس کے منہ سے لگادیں گی۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوا عرض کیا	

یارسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گھوڑے پسند کرتا ہوں تو کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے۱؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو جنت میں داخل کیا گیا تو تیرے پاس ایک یاقوت کاگھوڑا لایا جاوے گا جس کے دو پر ہوں گے۲؎تو اس پر سوار کیا جاوے گا پھر وہ تجھے وہاں اڑا کر لے جاوے گا جہاں تو چاہے۳؎(ترمذی)اور فرمایا اس حدیث کی سند قوی نہیں اور ابو سورہ راوی حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے،میں نے محمد بن اسماعیل کو فرماتے سنا کہ یہ ابو سورہ منکر الحدیث ہے منکر احادیث روایت کرتا ہے۴؎	

۱؎اس کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ جنت میں گھوڑے کا وجود عبث ہے،مجھے دنیا میں گھوڑے کا شوق ہے اگر وہاں گھوڑا نہ ہوا تو میرا یہ شوق کیسے پورا ہوگا اور اگر میرا یہ شوق پورا ہوا تو ایک عبث بلکہ جنت کے شان کے خلاف چیز موجود ہوگی پھر وہاں وہ گندگی کرے گا،گھاس دانہ چاہے گا،یہ چیزیں وہاں کہاں حضور انور نے جواب ایسا شاندار دیا کہ سبحان اللہ!

۲؎یعنی تو جنتی گھوڑے کی فکر نہ کر بلکہ اپنے جنتی ہونے کی فکر کر اگر تو اللہ کے فضل سے جنتی ہوگیا تو جو تو چاہے گا تجھے ملے گا مگر وہاں کی شان کے لائق،وہاں کا گھوڑا یاقوت کا ہوگا۔

۳؎یعنی وہ گھوڑا نہ تو مستی کرے گا نہ اڑیل ہوگا نہ اسے لگام وغیرہ کی ضرورت ہوگی،تیرا چاہنا اور اس کا اڑنا اور پل بھر میں مقصود منزل پر پہنچ جانا ہوگا۔

۴؎طبرانی نے بروایت حضرت ابو ایوب انصاری مرفوعًا نقل فرمایا کہ جنتی لوگ اعلیٰ درجہ کے یاقوتی اونٹوں پر سوار ہوکر اپنے دوست و احباب سے ملنے جایا کریں گے،جنت میں صرف اونٹ اور پرندے ہوں گے۔(مرقات)خیال رہے کہ وہاں یہ دنیا کے اونٹ یا پرندے نہ ہوں گے بلکہ خود جنت کی مخلوق ہوں گے جیسے حوروغلمان کہ جنت تو صرف انسانوں کے لیے ہے ہاں چند جانور وہاں جائیں گے،حضور کی اونٹنی قصوا،اصحاب کہف کا کتا،صالح علیہ السلام کی اونٹنی،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دراز گوش جیساکہ بعض روایات میں ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر

سگ اصحاب کہف روزے چند   پئے نیکاں گرفت مردم شد

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت والے ایک سو بیس صفیں ہیں۱؎جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہیں اور چالیس صفیں باقی ساری امتوں کی ۲؎(ترمذی،دارمی،بیہقی کتاب البعث والنشور)	

۱؎صفیں کتنی بڑی ہیں یہ ہمارے خیال و وہم سے وراء ہے ان ایک سوبیس صفوں میں از آدم تا روز قیامت سارے مؤمن آجائیں گے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ کل جنتیوں میں دو تہائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی اور ایک تہائی میں ساری پچھلی امتیں، نوع میں وہ لوگ زیادہ کہ وہ ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے نبیوں کی امتیں ہوں گی مگر تعداد اشخاص میں یہ امت زیادہ۔خیال رہے کہ اولًا یہ امت تمام جنتیوں کی نصف ہوگی پھر بعد میں اور زیادہ ہو کر دو تہائی ہوجاوے گی لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں اس امت کو تمام جنتیوں کا آدھا فرمایا گیا،اس کے اور بھی بہت جواب دیئے گئے ہیں،یہ جواب قوی ہے۔**واللہ اعلم**! دیکھو قرآن مجید میں بدری فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بھی فرمائی گئی،تین ہزار بھی،پانچ ہزار بھی کہ وہاں اولًا ایک ہزار آئے،پھر دو ہزار اور آئے جس سے تین ہزار ہوگئے پھر دو ہزار اور آئے جس سے پانچ ہزار ہوگئےایسے ہی یہاں ہے۔

	روایت ہے حضرت سالم سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کا وہ دروازہ جس سے وہ جنت میں داخل ہوں گے اس کی چوڑائی تیز سوار کی رفتار سے تین سال کا ہے۲؎ پھر وہ اس پر تنگ ہوں گے حتی کہ قریب ہوگا کہ ان کے کندھے مل جاویں۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے۴؎ اور میں نے محمد ابن اسمٰعیل سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اسے نہ پہچانا،فرمایا یخلد ابن ابی بکر منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۵؎

۱؎ حضرت سالم جلیل القدر تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن عمر کے فرزند ہیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ سالم کے زمانہ میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا نہایت حق گو،بے خوف،بڑے عالم عابد،زاہد،حجاج ابن یوسف علیہ السلام جیسے ظالم حاکم سے بہت سختی سے بات کرتے تھے، ۱۰۶ھ ایک سو چھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔(اشعہ و اکمال و مرقات وغیرہ)آپ کی اکثر روایات اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر سے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں تین سے مراد تین سال ہیں نہ کہ تین دن حضور کی امت کے داخلہ کے بہت دروازے ہیں جن کی فراخی مختلف ہے،یہاں ایک دروازے کی فراخی کا ذکر ہے اور چالیس سال والی روایت میں دوسرے دروازے کا تذکرہ ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳؎ یعنی وہ دروازہ اس قدر وسعت کے باوجود ان جنتیوں پر تنگ ہوگا کہ ان کے کندھے گویا مل جاویں۔

۴؎ کیونکہ اس حدیث کے الفاظ دوسری صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔

۵؎ یہاں صاحب مشکوۃ سے خطا ہوئی،ان کا نام خالد ابن ابی بکر ہے نہ کہ یخلد،ترمذی اور اسماءالرجال کی کتابوں میں ان کا نام خالد ہی ہے۔**(مرقات)**

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک بازار ہےجس میں خرید و

	فروخت نہیں ہیں مگر یہ مردوں عورتوں کی صورتیں ہیں تو جب کوئی شخص کوئی صورت پسند کرے گا تو اس میں داخل ہوجاوے گا ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ ظاہر یہ ہی ہے کہ یہاں صورت سے مراد مردانی و زنانی صورتیں ہیں جو نہایت حسین و جمیل و آراستہ ہوں گی۔جو جنتی مرد اور جنتی عورت جس صورت کو پسند کرے گا خود اس کی اپنی شکل و صورت ایسی ہوجائے گی مگر یہ تبدیلی ذات نہ ہوگی بلکہ تبدیلی صفت ہوگی جو دنیا میں بھی ہوتی رہتی ہے گورے کالے ہوجاتے ہیں،کالے گورے بچہ کی صورت اور ہوتی ہے جوانی کی صورت اور بڑھاپے کی کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ سے ہے تو جناب ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے تمہیں جنت کے بازار میں ملائے ۱؎ تو جناب سعید نے کہا کہ اس میں بازار ہے ۲؎ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جنت والے جب جنت میں داخل ہوں گے ۳؎ تو وہاں اپنے اعمال کے مطابق داخل ہوں گے ۴؎ پھر انہیں دنیا میں کے دنوں کے حساب سے ایک ہفتہ میں اجازت دے دی جاوے گی تو اپنی رب سے ملاقات کریں گے ۵؎ اور عرش الٰہی ان پر ہوگا ۶؎ اور رب ان پر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تجلی فرمائے گا ۷؎ تو ان کے لیے نور کے منبر موتیوں کے منبر یاقوت کے اور زبرجد کے منبر سونے کے منبر چاندی کے منبر رکھے جائیں گے ۸؎ ان میں سے ادنی(حالانکہ ان میں ادنی کوئی نہیں)مشک و کافور کے ٹیلہ پر ہوں گے ۹؎ وہ یہ تصور نہ کریں گے کہ کرسیوں والے ان سے اعلیٰ جگہ میں ہیں ۱۰؎ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے فرمایا ہاں کیا تم سورج کے اور چودھویں شب میں چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو ہم نے کہا نہیں فرمایا ایسے تم اپنے رب کے دیکھنے میں شک نہ کرو گے ۱۱؎ اس مجلس میں کوئی باقی نہ رہے گا مگر اللہ تعالٰی اس کے سامنے بے حجاب موجود ہوگا ۱۲؎ حتی کہ ان میں سے ایک شخص سے کہے اے فلاں کے بیٹے فلاں کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے ایسا

ایسا کہا تھا اسے اس کی بعض دنیاوی بدعہدیاں یاد دلائے گا۱۳؎ بندہ عرض کرے گا الٰہی کیا تو مجھے بخش نہ دے گا۱۴؎ فرمائے گا ہاں تو میری وسعت رحمت کی وجہ سے اپنے اس درجہ میں پہنچا تو جب کہ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان کے اوپر بادل چھا جائے گا۱۵؎ تو ان پر ایسی خوشبو برسائے گا کہ اس جیسی خوشبو کبھی کسی چیز میں نہ پائی ہوگی۱۶؎ اور ہمارا رب فرمائے گا کہ اس اعزاز کی طرف جاؤ جو میں نے تمہارے لیے تیار کیا ہوا ہے جو چاہو لو۱۷؎ تب ہم اس بازار میں پہنچیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوگا اس میں وہ چیزیں ہوں گی کہ ان کی مثل آنکھوں نے نہ دیکھی نہ کانوں نے سنی اور نہ دلوں پر انکا خطرہ گزرا ۱۸؎ تب ہم جو چاہیں گے ہم کو پہنچادیا جاوے گا۱۹؎ وہاں نہ تو خرید ہوگی نہ فروخت اور اس بازار میں بعض جنتی بعض سے ملیں گے ۲۰؎ فرمایا کہ ایک اونچے درجے والا آوے گا وہ اپنے سے نیچے درجے والے سے ملے گا حالانکہ ان میں نیچا کوئی نہیں تو اس پر جو لباس یہ دیکھے گا وہ اسے پسند آوے گا ابھی اس کی آخری بات ختم نہ ہوگی کہ اسے اپنے پر اس سے اچھا محسوس ہوگا ۲۱؎ یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کا غمگیں ہونا ممکن نہیں پھر ہم اپنے گھروں کی طرف لوٹیں گے تو ہم سے ہماری بیویاں ملیں گی کہیں گی۲۲؎ خوب آئے اپنے گھر میں پہنچے تو تم اس حالت میں آئے ہو کہ تمہارا حسن و جمال اس سے اچھا ہے جس پر تم ہم سے جدا ہوئے تھے۲۳؎ تب ہم کہیں گے کہ آج ہم نے اپنے رب جبار کے پاس ہم نشینی کی ہے ہمارا حق یہ ہی تھا کہ اس طرح لوٹیں مؤمنین جیسے لوٹے۲۴؎ (ترمذی،ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی جیسے آج ہم تم بازار مدینہ میں ملے ہیں ایسے ہی بازار جنت میں ملیں۔مدینہ منورہ اس دنیا کی جنت اور خلد اس دنیا کی بلکہ آج زمین مدینہ جنت سے افضل ہے کہ یہاں محبوب آرام فرما ہیں،اب حضور جنت میں تشریف لے جائیں گے تو وہ جگہ افضل ہوجائے گی جیسے ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ مدینہ منورہ سے افضل تھا اور ہجرت کے بعد امام مالک کے ہاں مدینہ منورہ

مکہ معظّمہ سے افضل ہوگیااور قبر انور تو بالاتفاق سارے جہاں عرش و فرش سے افضل ہے افضیلت ان کے قدم سے وابستہ ہے۔شعر

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است　　　اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

۲؎حضرت سعید کو تو تعجب اس پر ہوا کہ جنتیوں کی ساری ضروریات تو ان کے گھروں میں ہی موجود ہوں گی پھر بازار سے کیا خریدیں گے وہ یہ نہ سمجھے کہ وہاں بازار دیدار کا ہے نہ کہ کاروبار کا وہاں جنتی ایک دوسرے کا اور رب کا دیدار کریں گے۔

۳؎اس طرح کہ اعلیٰ اعمال والے اونچے درجے میں ہوں گے اور معمولی اعمال والے نیچے درجہ میں۔غرضکہ جنت میں تفریق و تقسیم ہوگی اجتماع نہ ہوگا جیسے دنیا میں امیر لوگ کوٹھیوں میں رہتے ہیں فقیر جھونپڑیوں میں اگرچہ وہاں جھونپڑیاں کوئی نہیں بہرحال ایک جگہ اجتماع نہ ہوگا۔

۴؎یعنی جیسے دنیا میں جمعہ کے دن سارے محلے بلکہ ساری بستی کے امیر و غریب شاہ و گدا مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں،رب کا ذکر کرتے ہیں،نماز جمعہ پڑھتے ہیں ایسے ہی جنت میں تمام ادنی و اعلیٰ جنتی اس بازار میں ہفتہ میں ایک بار جمع ہو کر رب کا دیدار کیا کریں گے،دنیا میں جامع مسجد جامع المتفرقین ہوتی ہے ایسے ہی جنت یہ بازار جامع المتفرقین ہوگا،اسی بازار میں ہم جیسے گنہگار ان شاءاللہ شفیع روز شمار کی زیارت سے مشرف ہوا کریں گے،رب کا دیدار گھروں میں خلوت میں ہواکرے گا یہاں جلوت میں ہوگا۔

۵؎یہ ظہور خصوصی ہوا کرے گا ورنہ عرش الٰہی تو جنت کی چھت ہے ہر وقت نظر آیا کرے گا مگر اس بازار میں بہت قریب سے نظر آوے گا،اس کے اور معنی بھی کیے گئے ہیں۔

۶؎یعنی اس بازار میں ایک خصوصی باغ ہوگا جس میں رب کا دیدار ہوگا،یوں سمجھو کہ بازار میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوا کرے گی اور اس باغ میں رب تعالیٰ سے۔

۷؎ منبر سے مراد کرسیاں ہیں جن پر جنتی بیٹھیں گے،چونکہ جنتی لوگ مختلف درجے والے ہوں گے اس لیے یہ کرسیاں بھی مختلف ہوں گی۔کتنی کرسیاں ہوں گی اتنی جتنی گنتی میں نہ آسکیں وہاں عدد کام نہیں کرتا۔

۸؎ان ٹیلوں کا حسن ان کی ساخت،ان کی خوشبو انکی عظمت بیان نہیں ہوسکتی،ان شاءاللہ دیکھ کر ہی بتائیں گے کہ دیکھو وہ ٹیلے یہ ہیں۔

۹؎یعنی یہ ٹیلے والے یہ تو محسوس کریں گے کہ کرسیوں والے ہم سے اعلیٰ ہیں مگر یہ احساس نہ کریں گے کہ ہم ان سے گھٹیا ہیں،ان سے اعلیٰ ہونے پر انہیں خوشی ہوگی،جیسے آج حضور انور کی شان دیکھ کر ہم کو خوشی ہوتی ہے ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

۱۰؎حضرت ابوہریرہ کو تعجب یہ ہوا کہ یہ آنکھیں رب کو کیسے دیکھ سکیں گی یہاں تو ہم سورج میں نظر نہیں جماسکتے۔جواب میں حضور انور نے فرمایا کہ تم دیدار الٰہی بغیر کیف کیا کرو گے اور خوب اچھی طرح کہ شک و شبہ نہ رہے جیسے دوپہری میں سورج اور چودھویں شب میں چاند میں شک نہیں ہوتاایسے ہی وہاں دیدار میں شک نہ ہوا کرے گا۔خیال رہے کہ دنیا میں سورج بذریعہ دھوپ نظر آتا ہے اور چاند بغیر کسی ذریعہ کے مگر ہوتاہے دونوں پر یقین دونوں کا مشاہدہ۔

۱۱؎ محاضرۃ کے معنی ہیں منہ در منہ بغیر واسطہ کلام کرنا،رب تعالٰی جنتیوں سے کلام بھی کرے گا تو بالمشافہ بغیر واسطہ دیدار گفتار سب ایک ساتھ نصیب ہوا کرے گی۔

۱۲؎ کہ تو نے فلاں فلاں وقت فلاں فلاں گناہ کیے تھے،تجھے یاد ہیں یہ ذکر بطور تذکرہ ہوگا سرزنش یا ناراضی کے طریقہ پر نہیں۔اس ذکر سے بندہ کو مطلقًا رنج نہ ہوگا کہ جنت رنج کی جگہ نہیں۔

۱۳؎ سبحان اللہ! یہ بخشش ہی یاد دلائی تھی جس سے بندہ کی خوشی اور دوبالا ہوجاوے گی حضور کی شفاعت رب تعالٰی کی بخشش کی یاد دنیا میں بھی دل کا چین ہے وہاں بھی دل کا چین ہوگی،اعلٰی حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔شعر

اے کہ نامت راحت جاں ودلم　　　　اے کہ فضل تو کفیل مشکلم

۱۴؎ یعنی تو اپنے اعمال سے یہاں نہیں پہنچا بلکہ میرے رحم و کرم سے یہاں پہنچا،کوئی شخص بغیر فضل رب العالمین کے جنت میں نہیں پہنچ سکتا۔

۱۵؎ یہ بادل رحمت خاص اللہ تعالٰی کی ہوگی جو بادل کی شکل میں نمودار ہوگی جیسے دنیا میں بادل چھا جائیں تو عجیب سماں بندھ جاتا ہے،موسم بدل جاتا ہے ایسے ہی وہاں اس بادل کے آتے ہی مجلس کی حالت بدل جاوے گی اور وہ سماں بندھے گا جو بیان نہیں ہو سکتا،اللہ تعالٰی دیکھنا نصیب فرمائے۔

۱۶؎ یعنی اس بادل سے پانی نہیں برسے گا عطر اور خوشبو برسے گی وہ بھی ایسی بے مثال کہ دنیا میں تو کیا اسے پہلے جنت میں بھی کبھی ان لوگوں نے نہیں دیکھی تھی۔

۱۷؎ یہ بازار یا تو وہ ہی ہوگا جس سے گزر کر ابھی یہ لوگ اس جہان میں پہنچے تھے یا دوسرا اور کوئی بازار۔یہاں نعمتوں کے ڈھیر ہوں گے جو انہیں بغیر قیمت عطا ہوں گے۔غرضکہ یہ فروخت کا نہیں بلکہ تقسیم اور عطاء کا بازار ہوگا کچھ نعمتیں گھروں میں ملیں گی خاص نعمتیں یہاں،تاکہ یہ لوگ خالی ہاتھ اپنے گھر نہ جائیں بھرے پھرے جائیں گے۔

۱۸؎ جن فرشتوں نے اس بازار کو گھیرا ہوگا وہ وہاں کے منتظم اور جنتیوں کی خدمت کرنے والے فرشتے ہوں گے۔جو شخص جس نعمت کی رغبت کرے گا وہ اسے اٹھاکر دیں گے بلکہ گھر تک پہنچائیں گے،ان نعمتوں کے نام ان کی خوبی بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں بنے ہمارے الفاظ تو آگرہ کا تاج محل دہلی کا لال قلعہ بیان نہیں کرسکتے تو ان نعمتوں کو بیان کیسے کرسکتے ہیں وہ دیکھ کر ہی معلوم ہوسکیں گی۔

۱۹؎ یحمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بازار کی یہ نعمتیں ہم کو یہاں ہی نہیں دی جائیں گی بلکہ یہ فرشتے جو اس بازار کو گھیرے ہوئے تھے وہ یہ سامان اٹھاکر ان کے گھر پہنچائیں گے۔

۲۰؎ یعنی الفاظ بازار سے یہ نہ سمجھنا کہ وہاں قیمتًا چیزیں ملیں گی،بازار کا وہ مطلب ہے جو حضور انور نے خود ارشاد فرمایا یہ چیزیں حضور ہی بیان کرسکتے ہیں دوسروں کو تو بیان کرنا بھی نہیں آتیں۔

۲۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں ہر امید صرف دل میں خیال آتے ہی پوری ہوجاوے گی،منہ سے بولنے کی بھی ضرورت نہ ہوا کرے گی،یہاں جو اللہ رسول چاہیں وہ ہم کریں،ان شاءاللہ عزوجل وہاں جو ہم چاہیں گے وہ رب کرے گا اللہ تعالٰی توفیق دے۔خیال رہے کہ لفظ روع کبھی گھبرانے کے معنی میں آتا ہے،کبھی خوش ہونا خوش کرنا،پسند آنے پسند کرنے کے

معنی میں آتا ہے،یہاں بمعنی پسند آنا ہے۔(اشعۃ اللمعات)حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اپنے زفاف کے متعلق فرماتی ہیں فلم یرعنی الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بھی روع کے معنی خوش کرنا ہیں۔

۲۲؎اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ نے سارے صیغے جمع متکلم کے ارشاد فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے اور سعید ابن مسیب کے بلکہ سارے صحابہ کے جنتی ہونے کا یقین ہے کیوں نہ ہو رب تعالٰی نے ان سے وعدہ فرمالیا ہے"وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارات دیں پھر شبہ یا دغدغہ کیسے ہو۔ مشکوک معاملہ تو ہمارا ہے اللہ تعالٰی ان حضرات صحابہ کے دامن سے ہم کو وابستہ کرکے یہ نعمتیں بخشے۔

۲۳؎ یعنی جب ہم اپنے گھروں کو واپس ہوں گے تو ہماری دنیا کی بیویاں اور حوریں دروازے پر ہمارا استقبال کریں گی اور ہم سے یہ کہیں گی۔

۲۴؎یعنی ہمارا یہ حسن و جمال اور اس کی زیادتی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس قرب الٰہی کا نتیجہ ہے جو ہم کو خصوصی طور پر میسر ہوا یہ غازیہ اس قرب سے نصیب ہوا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ادنی جنتی وہ ہوگا ۱؎جس کے اسّی ہزار خادم ہوں اور بہتر بیویاں ۲؎اور اس کے لیے موتیوں زبرجد اور یاقوت کا خیمہ لگایا جاوے گا۳؎جیساکہ جابیہ اور صنعاء کے درمیان کا فاصلہ ہے۴؎اور اسی اسناد سے ہے فرمایا جو جنتی چھوٹا یا بوڑھا مرجاوے گا وہ جنت میں تیس سال کا بنادیا جاوے گا،یہ لوگ اس عمر سے کبھی نہ زیادہ ہوں گے۵؎ اسی طرح آگ والے لوگ ۶؎اور اسی اسناد سے ہے کہ فرمایا ان پر تاج ہوں گے جنکا ادنی موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا۷؎ اور اسی اسناد سے ہے فرمایا مؤمن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل اس کا جننا اس کا عمر رسیدہ ہونا پل بھر میں ہوجاوے گا جیسا وہ چاہے ۸؎اور کہا اسحاق ابن ابراہیم نے اس حدیث کے متعلق کہ جب مؤمن جنت میں اولاد چاہے گا تو ایک پل میں ہوجاوے گی مگر وہ چاہے گا نہیں۹؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابن ماجہ نے چوتھی حدیث اور دارمی نے آخری حدیث نقل فرمائی۔	

۱؎ یہاں ادنٰی سے مراد کم بیویوں والا کم خدام والا جنتی ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔وہاں ادنی کوئی نہیں سب اعلٰی ہیں،ہاں بعض بہت ہی اعلی ہیں،دیکھو نبی سب اعلی ہیں مگر بعض بہت اعلیٰ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"اور فرمایا "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ"۔

۲؎ جن میں سے دو تو حورعین ہیں،باقی دنیا کی وہ بیوی جو اس جنتی کے نکاح میں یا حق نکاح میں فوت ہوئی اور وہ عورت جو کنواری مری یا جس کا خاوند کافر مرا یہ مؤمنہ مری لہذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ ایک جنتی کو دو حور عین عطا ہوں گی مگر یہاں مرقات نے کہا کہ دو بیویاں دنیا کی عورتیں اور ستر بیویاں حور۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان ستر حوروں میں دو حورعین باقی اڑسٹھ دوسری حوریں۔

۳؎ یعنی اس خیمہ کی ساخت تو زبرجد لکڑی کی ہوگی مگر اس میں موتی ویاقوت جڑے ہوں گے۔(مرقات)لہذا یہ حدیث غریب ہے۔

۴؎ یعنی اس خیمہ کی لمبائی چوڑائی ایسی ہوگی کہ اس کے دو کناروں میں فاصلہ وہ ہوگا جو جابیہ اور صنعاء شہروں میں ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جابیہ شام کا ایک شہر ہے اور صنعاء یمن کی مشہور بستی ہے ان میں فاصلہ بہت ہی دراز ہے۔

۵؎ یعنی دنیا میں مؤمن کسی عمر میں فوت ہو بچہ یا بوڑھا جنت میں تیس سالہ جوان ہوگا اور اسی عمر پر ہمیشہ رہے گا کیونکہ وہاں دن رات مہینے سال نہیں جس سے عمر بڑھے۔خیال رہے کہ یہاں **یردون** کے معنی ہیں ہوجائیں گے،یہ معنی نہیں کہ لوٹائے جائیں گے ورنہ بچے کے لیے کلمہ درست کیسے ہو۔(مرقات)

۶؎ یعنی دوزخی بھی ہمیشہ تیس سالہ رہیں گے اگرچہ ان کے قد بہت بڑے ہوں گے۔یہ عمر اس لیے تجویز کی گئی تاکہ عیش و تکلیف پوری پوری ہوں۔خیال رہے کہ یہاں چھوٹے دوزخیوں سے مراد کفار کے بچے نہیں بلکہ کم عمر بالغ کافر مراد ہیں،ان کے بچوں کے متعلق دوسری حدیث میں ہے **ھم عصافیر الجنۃ** وہ جنت کی چڑیاں ہوں گے،اللہ تعالٰی کفار کے بے سمجھ بچوں کو دوزخ نہ دے گا۔(مرقات)کیونکہ دوزخیوں سے کہا "وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"تم کو اپنے اعمال ہی کی سزا دی جاوے گی،چھوٹے بچے کے پاس بدعقیدگی بدعملی ہے ہی نہیں۔

۷؎ یعنی اگر وہ موتی دنیا میں آجاوے تو پورب پچھم کو روشن کردے،آفتاب کی روشنی پر اس کی روشنی غالب آجاوے۔

۸؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جنتی اولاد چاہیں گے اور ان کے اولاد ہوگی مگر اولاد کی پیدائش اس کی پرورش اس کا تیس سالہ جوان ہوجانا ایک ہی گھڑی میں ہوگا،وہ بچے یا تو دنیاوی عورتوں سے ہوں گے یا حور کے شکم سے۔معلوم ہوا کہ حور سے اولاد ہوسکتی ہے کہ جنتی نورانی ہیں اور حوریں نور مگر اولاد کی خواہش پر انہیں اولاد ملے گی اسی نوری مخلوق سے۔

۹؎ یہ فرمان اسحٰق ابن ابراہیم کا اپنی رائے سے ہے کہ مؤمن وہاں چاہے گا نہیں۔حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ چاہے گا اور اس کے اولاد ہوگی بہرحال امکان یا وقوع بتارہا ہے کہ جنتی لوگوں کے حوروں سے اولاد ہوگی یا ہوسکے گی۔جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں تو آپ کے اولاد کیسے ہوئی نور کے اولاد نہیں ہوتی،وہ اس حدیث پر غور کریں کہ جنتی لوگ اور حوریں نورانی مخلوق ہیں مگر ان کے اولاد ہوگی،حوریں تو اولاد آدم بھی نہیں ہیں مگر اولاد ہوگی۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ جنت میں آنکھ والی حوروں کا مجمع ہوتا ہے۱؎ جو اپنی آوازیں بلند کرتی ہیں ایسی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ۲؎ کہتی ہیں کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں،کبھی نہ فنا ہوں گے اور ہم خوش رہنے والیاں ہیں کبھی غمگیں نہ ہوں گے،ہم راضی رہنے والیاں کبھی ناراض نہ ہوں گی۳؎ اسے خوشخبری ہو جو ہمارا ہو اور ہم اس کے ہوں۴؎ (ترمذی)	

۱؎ یہاں مرقات میں ہے کہ حوروں کی پیدائش جنتی زعفران اور فرشتوں کی تسبیح سے ہے۔یہ پیدائش ہوچکی ہیں ان کے مجمعے وقتًا فوقتًا ہوتے ہیں،ان مجمعوں میں وہ یہ کہتی ہیں جو یہاں مذکورہ ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی ایسی خوش آوازی سے وہ یہ کہتی ہیں کہ مخلوق نے کبھی ایسی دلکش و پیاری آواز کبھی نہ سنی۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آواز سنی ہے۔

۳؎ یعنی ہم میں تین صفات ہیں:ہمیشہ کی زندگی،ہمیشہ کا چین،ہمیشہ اپنے خاوند سے خوش رہنااور ہم تین عیبوں سے پاک ہیں۔فنا یعنی موت،محتاجی اور دوسری تکالیف بیماری وغیرہ ناراضی،خاوند سے لڑائی جھگڑاہم کو جان پہچان لو۔

۴؎ خیال رہے کہ ہر حور کو خبر ہے کہ میں کسی مسلمان کی بیوی ہوں یا جیساکہ **کتاب النکاح باب معاشرۃ النکاح** میں گزرا کہ جب کسی مؤمن سے اس کی بیوی لڑتی جھگڑتی ہے تو اس کی بیوی یعنی جنتی حور پکارتی ہے کہ اس سے مت لڑ یہ تیرے پاس مہمان ہے،میرے پاس آنے والا ہے۔لہذا یہاں **من کان لنا** کہنا ایک قاعدہ بیان کرنے کے لیے ہےنہ کہ حور کی بے علمی کی بناء پر۔یہ بھی خیال رہے کہ حوروں کا یہ کلام انسانوں کو سنانے کے لیے ہے اور واقعی وہ کلام ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معرفت سن لیاجیسے فرشتوں اور رب تعالٰی کے فرمان ہم کو سنانے کے لیے ہیں اور واقعی ہم نے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سن لیئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برزخ کبری ہے،اس عالم اجسام اور عالم انوار وغیرہ کے درمیان حوروں کو اپنے خاوندوں کی خبر ہے مگر خاوندوں کو ان کی خبر نہیں کہ کونسی حور میرے نکاح میں ہوگی،ہم کو تو ابھی اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں،حوریں قیامت کے بعد عطا ہوں گی۔حضرت آدم علیہ السلام کچھ عرصہ جنت میں رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں جنت میں تشریف لے گئے،حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں رہتے ہیں مگر یہ کوئی حضرات حوروں سے تعلق نہیں رکھتے بعد قیامت ان سے تعلق ہوگا،یہ حضرات اور شہداء جنت کے پھل فروٹ وغیرہ کھاتے رہے اور کھارہے ہیں۔

روایت ہے حضرت حکیم ابن معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے پھر اس سے آگے نہریں نکلتی ہیں۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جیسے دنیا میں بحر سے نہریں نکلتی ہیں ایسے ہی وہاں جنت میں پانی،دودھ،شراب طہور اور شہد کے الگ الگ دریا ہیں جو ان چیزوں کا مرکز یا خزانہ ہیں۔وہاں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں جو ہر جنتی کے گھروں میں پہنچتی ہیں جیسے دہلی کے لال

قلعہ میں جمنا تک نہریں لائی گئی ہیں،جو وہاں کے کمروں میں پہنچتی ہیں،جن کا فرش اور دیواریں سنگ مرمر کی ہیں،بحر اور نہر میں بہت فرق ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر میں عرض کیے ہیں"**تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ** "کے ماتحت۔خیال رہے کہ اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے"**فِیۡہَاۤ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَیۡرِ اٰسِنٍ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ یَتَغَیَّرۡ طَعۡمُہٗ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ عَسَلٍ مُّصَفًّی**"وہ آیت اسی کی تائید ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جنت کا ایک شخص جنت میں ستر مسندوں پر تکیہ لگائے ہوگا۱؎ اس کے کروٹ لینے سے پہلے ۲؎ پھر اس کے پاس ایک عورت آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے گی۳؎ یہ شخص اس کے رخسار میں اپنا منہ دیکھے گا آئینہ سے زیادہ صاف ہوگا۴؎ اس پر ادنی موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکادے گا وہ اسے سلام کرے گی یہ اس کا جواب دے گا اور اس سے پوچھے گا تو کون ہے وہ کہے گی میں زائد نعمتوں سے ہوں۵؎ اس پر ستر جوڑے ہوں گے جنہیں اس کی نظر آر پار کرجاوے گی حتی کہ اس کی پنڈلی کی مینگ ان کے اوپر سے دیکھے گا۶؎ اس عورت پر ایسے تاج ہوں گے کہ ان کا ادنی موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا ۷؎(احمد)	

۱؎ یہ حدیث ترمذی نے حکیم ابن معاویہ سے روایت کی اور راوی نے معاویہ ابن ابوسفیان سے احمد نے معاویہ ابن عبدہ سے۔(مرقات)

۲؎ یعنی جنت میں نیند نہیں بیٹھنا،لیٹنا چلنا،پھرنا آرام کرنا سب کچھ ہوگا۔مطلب یہ ہے کہ مؤمن اپنے پلنگ پر جب بیٹھے گا تو اس کے نیچے اوپر تلے ستر۷۰ مسندیں تکیوں کی طرح ہوں گی،یہ حالت تو لیٹنے اور کروٹ لینے سے پہلے ہوگی پھر اس کا لیٹنا کروٹ لینا کیسے بستروں پر ہوگا وہ تو رب ہی جانتا ہے،اشعہ اور لمعات میں اس کا یہی مطلب بیان کیا۔مرقات نے فرمایا کہ یہ ستر۷۰ مسندیں آگے پیچھے بچھائی جائیں گی رنگ برنگی کبھی کیسی کبھی کیسی۔

۳؎ یہ عورت اس کی بیوی ہوگی اور ہاتھ رکھنا اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہوگا،یہ مار پیٹ لڑائی جھگڑے کی ضرب نہ ہوگی۔

۴؎ یعنی جیسے تم دنیا میں آئینہ میں اپنا چہرہ صاف دیکھتے ہو ایسے ہی وہاں اس بیوی کے چہرہ میں اپنا چہرہ بلکہ ہر چیز صاف صاف دیکھوگے کہ اسکا چہرہ دنیاوی آئینہ سے زیادہ شفاف ہوگا۔
۵؎ یعنی تجھ کو دوسری نعمتیں اور دوسری بیویاں تیرے اعمال کے عوض دی گئی ہیں اور میں تیری وہ خصوصی بیوی ہوں جو محض رب ذوالجلال کے فضل سے زائد دی گئی ہوں،رب فرماتاہے:"لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ"اور فرماتاہے:"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ"حسنی تو جنت ہے اور وہاں کی نعمتیں زیادتی اللہ کا دیدار ہے اور یہ خاص بیوی جو عطیہ خاص ہے۔
۶؎ معلوم ہوا کہ یہ بیوی دوسری بیویوں سے زیادہ حسین اور شفاف و پاکیزہ ہوگی کیوں نہ ہو کہ وہ تو رب کا خاص عطیہ ہے۔
۷؎ یہ مختلف تاج وہ بیوی بہ یک وقت نہ پہنے گی بلکہ آگے پیچھے کبھی وہ تاج کبھی دوسرا تاج اور ہر تاج دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کررہے تھے اور آپ کے پاس دیہات والوں میں سے ایک شخص تھا کہ جنتیوں میں سے ایک آدمی اپنے رب سے کھیتی باڑی کی اجازت مانگے گا۱؎ رب اس سے فرمائے گا کہ کیا تو اپنی چاہی نعمتوں میں نہیں ہے۲؎ عرض کرے گا ہاں لیکن میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں چنانچہ وہ بیج بوئے گا۳؎ تو پلک جھپکنے سے پہلے اس کا اگنا پورا ہوگا کٹ جانا ہوجاوے گا اور پہاڑوں کی طرح ہوجاوے گا۴؎ تب اللہ تعالٰی فرمائے گا اے ابن آدم کوئی چیز تیرا پیٹ نہیں بھرتی۵؎ تو وہ بدوی بولا رب کی قسم ایسا آدمی آپ قریشی یا انصاری ہی کو پائیں گے کہ وہ لوگ کھیتی باڑی والے ہیں۶؎ رہے ہم،ہم تو کھیتی والے ہیں ہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۷؎(بخاری)	

۱؎ یہ شخص دنیا میں کھیتی باڑی کرتا تھا،اسے اس کا شوق وہ اپنا شوق پورا کرنے کو یہ عرض کرے گا کسی کمی کی وجہ سے نہیں۔
۲؎ یعنی باغات تو لذت کے لیے ہوتے ہیں وہ جنت میں موجود ہیں جن کے پھل کھارہا ہے،سیر کررہا ہے،آرام کی زندگی گزار رہا ہے،کھیت ضرورت کے لیے دنیا میں ہوتے ہیں،یہاں ساری ضرورتیں پوری ہیں کھیت کی ضرورت نہیں پھر تو یہ مصیبت کیوں مانگتا ہے۔

۳؎ اس کی خواہش پر اسے بیج دیئے جائیں گے وہ اسی طرح زمین جنت میں یہ بیج پھینک دے گا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہل بیل سے زمین نرم کرے گا وہاں بیل اور ہل نہ ہوں گے دنیا میں بعض پہاڑی علاقوں میں یوں ہی بیج پھینک دینے سے جم جاتے ہیں وہ زمین جنت میں ہے۔

۴؎ یعنی ان تمام کاموں میں نہ وقت لگے گا نہ اسے محنت کرنا پڑے گی،بیج ڈالے گااور سامنے کھیتی کٹی ہوئی نہیں بلکہ دانہ صاف کیے ہوئے کے پہاڑ کے پہاڑ سامنے ہوں گے۔

۵؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ جس حال میں جئیں گے اس حال میں مریں گے اور جس حال میں مریں گے اسی حال میں قیامت میں اٹھیں گے،یہ شخص زندگی میں کھیتی کرتا تھا،کرتا مرا تھاوہاں بھی یہ شوق و خیال رہا۔(مرقات)سنا ہے کہ حضرت بلال اذان کہتے ہوئے اٹھیں گے،عشاق رسول عشق میں سرشار جھومتے ہوئے اٹھیں گے۔شعر

نہ ہم جنت میں جائیں گےنہ ہم دوزخ میں جائیں گے کھڑے دیکھا کریں گے حشر میں صورت محمد کی

ایسے لوگوں کی حرص جنت میں بھی نہ جائے گی۔(اشعہ)

۶؎ یعنی مکہ والے کچھ لوگ اور مدینہ والے عام لوگ ہی کھیتی باڑی کرتے ہیں انہیں کو یہ شوق وہاں بھی ہوگا،ہم لوگ بدوی نہ کھیتی کریں نہ ہم کو یہ شوق ہو۔خیال رہے کہ بدوی لوگ عمومًا جانور پالتے تھے۔

۷؎ آپ کی یہ ہنسی اس بدوی کی حاضر جوابی اور عقلمندی کی وجہ سے تھی۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا ہنسانا بھی عبادت ہے،ایک لونڈی نے حضور انور کے سامنے دف بجانے کی منت مانی تھی جیساکہ ان شاءاللہ مناقب حضرت عمر کے باب میں اس کا ذکر آوے گا۔

روایت ہےحضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا جنتی سویا کریں گے فرمایا نیند موت کی جنس ہے اور جنتی مریں گے نہیں۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یہ جواب عالی مع دلیل کے ہے۔حضور انور نے لا نہیں فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی تاکہ اس کی سمجھ میں آجاوے وہاں موت،اونگھ،غشی بے ہوشی،نشہ غرضکہ غفلت پیدا کرنے والی عقل خراب کرنے والی کوئی چیز نہ ہوگی،سرور و خوشی ہوگی مگر سرور کی مستی نہ ہوگی ورنہ عشاق وہاں رب کو دیکھ کر حضور سے ملاقات کرکے جان دے دیتے۔

باب رؤیۃ اللہ تعالٰی

اللہ تعالٰی کے دیدار کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ دیدار الٰہی کے متعلق چند مسائل اعتقادیہ یاد رکھو: (۱)دنیا میں بندے اللہ تعالٰی کو بصیرت یعنی نور قلبی سے دیکھتے ہیں اسے جانتے پہچانتے ہیں،آخرت میں اسے بصارت یعنی نور نگاہ سے دیکھیں گے کہ وہاں بصارت میں بصیرت ہوگی(۲)دنیا میں آنکھوں سے خدا تعالٰی کا دیدار ممکن ہے مگر واقع نہیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی دعا کی،ناممکن کی دعا ناجائز ہے نبی ناجائز کام نہیں کرتے(۳)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اللہ تعالٰی کا دیدار انہیں آنکھوں سے کیا اور خوب اچھی طرح کیا،اس مسئلہ میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہی ہے(۴)جو شخص دعویٰ ولایت کرتے ہوئے کہے کہ میں نے خدا تعالٰی کو آنکھوں سے دیکھا ہے یا دیکھتا ہوں وہ کافر ہے کہ اپنے کو وہ نبیوں سے افضل کہتا ہے(۵)قیامت میں ہر مؤمن و کافر کو رب کا دیدار ہوگا مؤمن کو رحمت کی شان میں اور کافر کو غضب و قہر کی شان میں(۶)قیامت کے بعد صرف مؤمنوں کو جنت میں دیدار الٰہی ہوا کرے گا کفار کو دوزخ میں نہ ہوگا"كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ"(۷)حق یہ ہے کہ جنت میں ہر مؤمن کو دیدار الٰہی ہوا کرے گا مرد ہوں یا جنتی عورتیں۔عورتوں کے متعلق اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ انہیں بھی دیدار ہوگا(۸)دنیا میں خواب میں دیدار الٰہی ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے،ہمارے امام اعظم نے ایک سو بار رب کو خواب میں دیکھا،امام احمد ابن حنبل نے خواب میں دیکھا پوچھا الٰہی کون سی عبادت افضل ہے؟فرمایا تلاوت قرآن،دوسری بار پھر دیکھا پوچھا الٰہی معنی سمجھ کر تلاوت افضل ہے یا بغیر سمجھے بھی،فرمایا ہر طرح افضل ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے رب کو ظاہر ظہور دیکھو گے ۱؎اور ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ حضور انور نے چودھویں شب میں چاند کو دیکھا ۲؎پھر فرمایا کہ تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھ رہے ہو تم اس کے دیکھنے میں شک نہیں کرتے ۳؎تو اگر تم یہ کر سکو کہ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلی والی نماز پر	

	مغلوب نہ ہو تو کرو۴؎ پھر حضور نے یہ قراءت کی سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حدیث عامۃ المسلمین کی دلیل ہے کہ مؤمن رب تعالٰی کو محشر میں بھی آنکھوں سے دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیکھا کریں گے،خوارج اور معتزلہ اس کے منکر ہیں،یہ حدیث ان کی سخت تردید کررہی ہے اس پر سوالات وجوابات علم کلام کی کتب میں تفصیل وار مذکور ہیں۔خیال رہے کہ یہ دیدار بغیر کسی جہت و سمت کے ہوگا کیونکہ اللہ تعالٰی جہت و سمت سے پاک ہے۔

۲؎ یعنی رحمان کے چاند نے آسمان کے چاند کو دیکھا ڈوبنے والے گہنے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو نہ غروب ہو نہ گہنے،ظاہر کے چمکانے والے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو دل و جان روح و ایمان کو چمکاتا ہے،رات میں چمکنے والے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو ابدالآباد تک ہر وقت دن رات چمکتا ہے اور چمکے گا میں کیا کہوں مجھے الفاظ بھی نہیں ملتے اللھم صل وسلم وبارك علی بدر النبوۃ وشمس الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم۔یوں کہہ لو کہ اس چاند کو جو سورج سے چمکتا ہے اس چاند نے دیکھا جو سورج کو چمکاتا ہے جو دلوں پر دن نکال دیتا ہے۔شعر

پاشمس نظرت الی لیلٰی چوبہ طیبہ رسی عرضے بکنی

توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی موری شب نے نہ دن ہونا جانا

چاند بھی خوش نصیب ہے جسے محبوب نے دیکھا یہ چاند وہ ہی ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں پڑی ہیں۔

۳؎ لاتضامون یا تو بنا ہے ضیم سے بمعنی ظلم و نقصان تو میم پر پیش ہے شد نہیں یا بنا ہے ضم سے بمعنی ملنا بھیڑکرنا تب میم پر شد اور پیش ہے یعنی تم دیدارِ الٰہی میں نقصان میں نہ رہو گے کہ کسی کو دیدار ہو کسی کو نہ ہو،کسی کو یقین سے ہو کسی کو مشکوک طریقہ سے یا تم رب تعالٰی کو بھیڑ کرکے دشواری سے نہ دیکھو گے بلکہ آرام سے دیکھو گے اطمینان کے ساتھ۔(اشعہ،مرقات)یہ دیدار قیامت میں تو ہوگا ہی جنت میں ہمیشہ ہوا کرے گا کسی کو جلد جلد کسی کو دیر سے۔

۴؎ خیال رہے کہ جنت کی ساری نعمتیں نیک اعمال کا عوض ہوں گی خواہ اپنے اعمال کا خواہ اس کے اعمال کا جس کی طفیل جنت میں گیا مگر دیدار الٰہی کسی عمل کا عوض نہ ہوگا خالص عطاء ذوالجلال ہوگی،ان دو نمازوں پر پابندی اس دیدار کی لیاقت و قابلیت پیدا کرے گی یعنی فجروعصر کی پابندی دنیا میں نماز ایسے پڑھو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ یہاں حجاب ہے وہاں حجاب اٹھ جائے گا گویا ختم ہوجائے گا اسے دیکھ کر اس سے کلام کرو۔(اشعہ)

۵؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں تسبیح و تحمید سے مراد نماز ہے،چونکہ فجروعصر کی نماز میں رات و دن کے محافظ فرشتے جمع ہوجاتے ہیں،نیز فجر کی نماز سونے کی غفلت کا وقت ہے اور نماز عصر کاروبار سیر و تفریح کی غفلت کا وقت،ان وجوہ سے ان نمازوں کی تاکید زیادہ کی ہے،رب فرماتاہے:"اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا"،نماز عصر کے متعلق فرماتاہے:"حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى"۔

روایت ہے حضرت صہیب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کیا تم وہ چیز چاہتے ہو جو میں تم کو زائد دوں۱؎ وہ عرض کریں گے کیا تو نے ہمارے منہ اوجیالے نہ کردیئے کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کردیا اور ہم کو آگ سے نجات نہ دے دی۲؎ فرمایا کہ رب حجاب اٹھا دے گا۳؎ یہ رب کی ذات کا نظارہ کریں گے تو انہیں کوئی چیز رب کے دیدار سے زیادہ پیاری نہ دی گئی۴؎ پھر حضور نے یہ تلاوت کی،نیک کاروں کے لیے اچھی چیز ہے اور زیادتی ہے۵؎(مسلم)	

۱؎ یعنی ان نعمتوں کے علاوہ اور نعمت دوں یا تمہارے اعمال کی جزا سے زیادہ عطا کروں جو تمہارے کسی عمل کا بدلہ نہ ہو خاص میری عطا ہو یا تم کو وہ نعمت دوں جو ان سب سے زیادہ ہو سب سے افضل و اعلٰی ہو۔ازید کی تین شرحیں ہیں۔

۲؎ یعنی اے مولٰی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان نعمتوں سے زیادہ ان سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی تو نے ہمارا منہ اجیالا کیا،تو نے ہم کو نعمتوں کے مرکز جنت میں داخل جہاں ہر قسم کی راحتیں ہیں،تو نے ہمیں دوزخ سے بچایا،تیرے نام پر ہماری جانیں فدا،اعلٰی حضرت نے فرمایا۔شعر

جملہ عالم بندۂ اکرام تو　　　　صد چو جان من فدائے نام تو

۳؎ وہ حجاب اٹھاوے گا جو طالب و مطلوب کے درمیان آڑ تھا اور وہ حجاب باقی رکھا جاوے گا جو دیدار کا ذریعہ ہے جسے رداء کبریائی کہتے ہیں جیسے سورج پر ہلکے پتلے بادل کا حجاب جو سورج کو دکھا دیتا ہے اگر یہ حجاب نہ ہو تو سورج پر نظر نہیں ٹھہرتی۔

۴؎ دیداریار کی بہار یا تو مصری عورتوں سے پوچھو جنہوں نے جمال یوسفی کی ایک جھلک سے مست ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے یا جناب ابوبکر صدیق سے پوچھو جو جمال محمدی سے مست ہو کر اپنا سب کچھ فدا کر بیٹھے،آج مخلوق کے حسن پر گردنیں کٹ جاتی ہیں تو خالق کا حسن کیسا ہوگا۔

۵؎ معلوم ہوا کہ زیادہ سے مراد دیدار الٰہی ہے،زیادہ کی تین شرحیں ابھی پچھلی حدیث میں عرض کی گئیں۔یہ نعمت سب سے زیادہ ہے بقیہ نعمتوں میں عدل کا ظہور ہے،اس میں فضل کی جلوہ گری۔اس پوری حدیث کی شرح میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ صفات ذات کا پردہ بھی ہیں اور ذات کو دکھانے والی بھی یہاں جسم کو رنگت کے پردہ میں دیکھا جاتا ہے،اگر رنگ نہ ہو تو جسم نظر نہ آئے،اللہ تعالٰی ذات کا حجاب تو اٹھاوے گا مگر صفات کی چلمن میں ذات کا دیدار کرائے گا۔(اشعہ)دنیا میں رب نے ہم کو اپنا دیدار کرایا مگر رخسار یار میں یعنی جمال محمدی میں وہ بے صورت اسی صورت میں نظر آتا ہے،حضرت اعلٰی فاضل گولڑوی نے فرمایا۔شعر

ایہہ صورت ہے بے صورت دی بے صورت ظاہر صورت تھیں
پر کام نہیں بے سوجھت دا کوئی ورلیاں موتی لے تریں

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتیوں میں ادنی درجے والا وہ ہوگا جو اپنے باغات اپنی بیویوں اپنی نعمتیں اپنے خدام کو اور اپنے تختوں کو ایک ہزار سال کے پھیلاوے میں دیکھے گا۱اور اللہ کے نزدیک بڑی عزت والا ہوگاوہ جو صبح شام اس کی ذات کے نظارے کرے۲پھر تلاوت فرمائی بعض چہرے اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھنے والے۳(احمد،ترمذی)

۱یعنی ادنی جنتی کا اپنا رقبہ اور اس رقبہ میں اپنا سامان پھیلا ہوا اتنا وسیع ہوگا کہ اس کنارے سے اس کنارہ تک انسان ایک ہزار سال میں پہنچے۔یہ تو ادنی درجے کے جنتی کا رقبہ ہے تو سوچو کہ اعلیٰ درجے کا جنتی کا رقبہ کتنا ہوگا،پھر غور کرو کہ جنت کیسی وسیع ہے۔

۲جنتیوں کو رب کا دیدار حسب مراتب ہوگا کسی کو ہفتہ میں ایک بار،کسی کو روزانہ دوبار،کسی کو ہر وقت جیسے دنیا میں بعض لوگ ہر وقت عشقِ الٰہی میں محو رہتے ہیں بعض کبھی کبھی۔

۳یہاں وجوہ سے مراد ذات ہیں اور ناظرہ سے مراد وہ تروتازگی ہے جو مؤمنوں پر نمودار ہوگی جب تک مؤمن رب کو دیکھیں گے کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گے۔

	روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا قیامت کے دن سب اپنے رب کو خلوت میں دیکھیں گے ۱فرمایا ہاں میں نے عرض کیا اللہ کی مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہے فرمایا اے ابو رزین کیا تم سب چودھویں شب میں چاند کو خلوت میں نہیں دیکھتے،عرض کیا ہاں۲فرمایا یہ تو اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے،اللہ تو بہت جلالت و عظمت والا ہے۳(ابوداؤد)

۱ظاہر یہ ہے کہ قیامت کے دن سے مراد وہ ہی فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن مسلمان رب تعالٰی کو بیک وقت دیکھیں گے مگر ہر ایک کو رب سے خلوت بھی ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ یوم قیامت سے مراد جنت ہو جس کا فیصلہ قیامت میں

ہوگا۔سوال کا مقصد یہ ہے کہ خلوت اور جلوت دو ضدیں ہیں بیک وقت دونوں جمع کیسے ہوں گی۔سبحان اللہ! نہایت ہی قوی سوال ہے جس میں منطق کی جان موجود ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! ایک مثال میں مسئلہ حل کردیا کہ بدر کو تمام دنیا اپنے اپنے گھر میں اکیلے بیٹھ کر دیکھے تو وہاں بندے کی خلوت ہے اور چاند کی طرف سے جلوت۔خلوت جمع ہیں مگر دوطرف سے،بندے کی طرف سے خلوت ہوگی،رب کی طرف سے جلوت۔شعر

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوے اور فلسفیوں سے کھل نہ سکے
وہ بھید اک کملی والے نے سمجھا دیئے چند اشاروں میں

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ خالق کی صفات کو مخلوق کے ذریعے سمجھانا جائز ہے محض تمثیل ہے تشبیہ نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ"وہاں تشبیہ کی نفی ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنے رب کو دیکھا فرمایا میں نے اسے دیکھا ہے نور والا ہے۱؎(مسلم)	

۱؎اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں: ایک تو نورٌ رکی تنوین سے اور اَنّٰی حرف استفہام بمعنی کیف اور معنی یہ ہیں کہ رب تعالٰی عظیم الشان نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں،اس نور سے نگاہ خیرہ ہوجاتی ہے۔اس صورت میں یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو دیدار کے منکر ہیں اور دوسری قرأت ہے نورانی جیسے ربانی اور اراہ بمعنی ماضی ہے یعنی میں نے اسے دیکھا ہے،ایسا دیکھا ہے گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں وہ نورانی ہے۔ فقیر کے نزدیک پہلی قرأت بھی دیدار الٰہی کی نفی نہیں کرتی۔وہ صاحب سوال کررہے تھے دنیا میں یعنی اس زمین پر رہتے ہوئے رب کے دیدار کے متعلق یارسول اللہ کیا آپ نے مدینہ میں رہتے ہوئے کبھی ان آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے،فرمایا وہ نور عظیم ہے میں ان آنکھوں سے اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں،یہ آنکھیں اس نور کی تاب نہیں لاتیں،حضور نے رب کا دیدار کیا ہے معراج کی رات،اس وقت آنکھ ہی دوسری تھی عالم ہی دوسرا تھا،معراج کی رات کا دیدار تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے جیساکہ آگے بیان ہوگا۔ان شاء اللہ!

روایت ہے حضرت ابن عباس سے دل نے وہ نہیں جھٹلایا جو دیکھا۱؎اور بے شک اس کو دوسری بار دیکھا،فرمایا حضور نے رب کو اپنے دل سے دوبار دیکھا ۲؎ (مسلم)اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا حضور محمد نے اپنے رب کو دیکھا۳؎عکرمہ فرماتے ہیں میں نے کہا کیا اللہ تعالٰی یہ نہیں کہتا	

	کہ اسے آنکھیں نہیں پاسکتی اور وہ آنکھوں کو پاتا ہے۴ فرمایا تم پر افسوس ہے یہ جب ہے جب رب اپنے خاص نور سے تجلی فرمائے جو اس کا ذاتی نور ہے۵ اور حضور نے یقینًا اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

۱؎ یہ سورۂ نجم شریف کی آیت ہے جس میں معراج میں دیدار الٰہی کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے،جس میں فرمایا گیا ہے کہ حضور نے رب کو آنکھوں سے دیکھا اور دل نے اس دیکھنے کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس کی تصدیق کی،دیکھا آنکھ نے تصدیق کی دل نے، دل کی مدد سے آنکھ نے دیکھا،اگر دل آنکھ کو جھٹلادے تو دل سچا ہوتا ہے آنکھ جھوٹی۔چلتی ریل میں آنکھ دیکھتی ہے کہ سامنے کے درخت بھاگ رہے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ریل بھاگ رہی ہے، آنکھ جھوٹی ہوتی ہے دل سچا۔آیت میں فرمایا گیا کہ آنکھ نے رب کو دیکھا دل نے آنکھ کی تصدیق کی،تصدیق کرنے والا دیکھنے والے کا غیر ہوتا ہے۔

۲؎ اس فرمان میں ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب رب کو آنکھ سے دیکھا مگر دل کی مدد سے دیکھا،اس طرح کہ دیدار کے وقت دل ہوش میں رہا آنکھ کی تائید کرتا رہا جناب کلیم اللہ کی طرح دل پر غشی طاری نہ ہوگئی۔**مرتین** کے معنی ہیں بار بار جیسے رب فرماتاہے:"**ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ**" یعنی حضور رب کی بارگاہ میں معراج کی رات بار بار حاضر ہوتے رہے اسے دیکھتے رہے،ایک بار تو ملاقات اول کے وقت اور نو بار نمازیں کم کرانے کے لیے۔حضرت ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ حضور انور نے رب کو آنکھوں دیکھا معراج میں، شیخ نے مدارج میں فرمایا کہ اس رات یا تو آنکھ دل میں تھی یا دل آنکھ میں لہذا چاہے یوں کہو کہ آنکھ سے دیکھا یایوں کہو کہ دل سے دیکھا مطلب ایک ہی ہے۔(اشعہ)قریبًا سارے صحابہ کا یہ ہی قول ہے کہ حضور انور نے اللہ تعالٰی کو دیکھا سواء حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت انس کے وہ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔

۳؎ یعنی ترمذی کی روایت میں **بفوادہ** نہیں کہ دل سے دیکھا بلکہ یہ ہے کہ اپنے رب کو دیکھا یعنی آنکھ سے دیکھا اسی لیے حضرت عکرمہ نے وہ سوال کیا جو آگے آرہا ہے۔

۴؎ یعنی اے صحابی رسول اور اہل بیت نبی آپ تو کہتے ہیں کہ حضور انور نے رب تعالٰی کوآنکھوں سے دیکھا مگر قرآن کریم یہ فرماتا ہے، آپ کا کلام قرآن مجید کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حضرت عکرمہ نے رؤیت بصر اور ادراک بصر میں فرق نہیں کیا آنکھ کا دیکھنا اور ہے آنکھ کا پانا یعنی اسے احاطہ کرنا گھیرنا کچھ اور۔ہم سمندر زمین،آسمان کو دیکھتے تو ہیں مگر ان کا احاطہ نہیں کرسکتے کہ یہ چیزیں کلی اتنی لمبی چوڑی ہیں،حضور کی آنکھوں نے رب تعالٰی کا دیدار کیا اس کا احاطہ نہیں کیا۔جنتی مؤمن رب کا دیدارکریں گے اس کا احاطہ نہیں کریں گے۔یا **الابصار** سے مراد دنیا کی آنکھ ہے یا اس سے مراد کفار کی آنکھیں ہیں غرضکہ اس آیت کے بہت معنی کیے گئے ہیں۔

۵؎ یعنی لوگ خدا تعالٰی کو جب دیکھ سکتے ہیں جب وہ اپنی تجلی ان کی برداشت کے قابل فرمادے،اگر اپنی ذاتی تجلی فرمادے جیسا وہ ہے ویسا ظاہر ہو تو لوگ کیا اور چیزیں بھی فنا ہوجائیں۔خیال رہے کہ یہ گفتگو مؤمنین کے دیدار کے متعلق

ہے،حضور انور نے تو عین ذات دیکھی جیسا رب ہے ویسا دیکھا،اگر وہ تجلی خدا ہے تو یہ دیدۂ مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم وہ سب کچھ جھیل سکتی ہے۔

روایت ہے حضرت شعبی سے فرماتے ہیں حضرت ابن عباس کعب سے عرفہ میں ملے تو ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تکبیر کہی جس سے پہاڑ گونج گئے[1] تب حضرت ابن عباس نے فرمایا ہم بنی ہاشم ہیں[2] تب حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنا دیدار اور اپنا کلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم فرمادیا تو موسیٰ علیہ السلام سے دوبار کلام کیا[3] اور محمد مصطفیٰ نے رب کو دوبار دیکھا[4] مسروق کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عائشہ کے پاس گیا میں نے عرض کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا[5] آپ بولیں تم نے ایسے بات کہی جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے[6] میں نے عرض کیا پھر میں نے یہ آیت پڑھی کہ حضور نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں[7] آپ بولیں خیالات تمہیں کہاں لیے پھرتے ہیں وہ تو حضرت جبریل ہیں[8] جو تمہیں خبر دے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا یا جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اس میں سے کچھ چھپایا[9] یا حضور ان پانچ باتوں کو جانتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے بارش تو اس نے بڑا بہتان باندھا[10] لیکن آپ نے حضرت جبریل کو دیکھا ان کی اصلی صورت کبھی نہ دیکھی سواء دوبار کے ایک بار سدرۃ المنتہی کے پاس اور دوسری بار محلّہ اجیاد میں ان کے چھ سو پر تھے جنہوں کے کنارہ نے آسمان بند کردیئے تھے[11] (ترمذی) اور مسلم،بخاری نے کچھ زیادتی اور کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی ان دونوں کی روایت میں ہے فرمایا میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا تو رب کا یہ قول کہاں پھر قریب ہوا پھر تو دو کمانوں کی بلکہ اس سے بھی قریب تر،آپ بولیں یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو حضور

	کے پاس مرد کی صورت میں آئے تھے۱۲اور اس دفعہ آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئے جو ان کی اپنی صورت ہے تو کنارہ آسمان بھردیئے۱۳۔

۱؎ یعنی نویں ذی الحجہ حج کے دن حضرت عبداللہ ابن عباس کی ملاقات جناب کعب احبار سے ہوئی،حضرت ابن عباس نے کعب سے رب تعالٰی کے دیدار کے متعلق پوچھا تو حضرت کعب نے اس سوال پر اتنی بلند آواز سے اللہ اکبر کہا کہ پہاڑ گونج گئے،کعب نے یہ سوال بڑا ہی اہم سمجھا۔

۲؎ یعنی ہم اہل بیت نبوت ہیں ہم کوئی غلط یا ناممکن بات نہیں پوچھتے،نیز امت پر ہمارا احترام ضروری ہے اے کعب تم صرف تکبیر پر نہ ٹالو بلکہ جواب دو یا یہ کہ تم ہم سے جو چاہو پوچھو ان شاءاللہ ہم جواب دیں گے۔خیال رہے کہ حضرت کعب احبار تابعی ہیں،پہلے یہود کے بڑے عالم تھے،توریت شریف کے ماہر ہیں،حضرت ابن عباس نے یہ سوال ان سے اس لیے کیا تاکہ بذریعہ توریت ان سے تائید کرائیں۔

۳؎ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار وادیٔ ایمن میں رب سے کلام کیا عطاء نبوت کے وقت اور دوسری بار کوہ طور پر،حضرت احبار نے یہ توریت شریف سے نقل کرکے بتایا۔(اشعہ)معلوم ہوا کہ حضور کے دیدار الٰہی کا ذکر توریت شریف میں بھی تھا۔خیال رہے کہ مرتین سے شخصی بار مراد نہیں بلکہ نوعی بار مراد ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر رب سے بارہا کلام کیا مگر یہ کلام تھا ایک ہی نوعیت کا اور وادیٔ ایمن میں عطاء نبوت کے وقت کلام کیا وہ دوسری نوعیت کا تھا۔

۴؎ یعنی دنیا میں رب سے بلاواسطہ کلام کرنا موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے اور معراج میں اللہ تعالٰی کو آنکھوں سے دیکھنا حضور کی خصوصی صفت ہے ورنہ حضور نے معراج میں رب تعالٰی کا دیدار بھی بار بار کیا اس سے کلام بھی بار بار کیا"فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی"۔

۵؎ غالبًا حضرت مسروق وہاں موجود تھے جہاں حضرت ابن عباس اور کعب احبار کی مذکورہ گفتگو ہوئی جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ حضور نے رب کو دیکھا آپ نے اس کی تصدیق حضرت عائشہ صدیقہ سے کرانی چاہی اس لیے یہ سوال کیا،مسروق تابعی ہیں امام شعبی کے استاذ۔

۶؎ یعنی تمہارے اس سوال سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے بھلا حضور رب تعالٰی کو کیسے دیکھ سکتے ہیں۔خیال رہے کہ جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ جسمانی معراج کا انکار فرماتی ہیں پھر وہ دیدار الٰہی حضور کے لیے کیسے مان سکتی ہیں،یہ دیدار تو معراج کا ایک حصہ ہے یہ دونوں انکار ان کے اجتہاد سے ہیں انہیں دیدار اور معراج کی روایات نہیں پہنچیں۔یہ واقعات تو آپ کے حضور کی زوجیت میں آنے سے پہلے کے ہیں اس لیے آپ نے کوئی حدیث اس پر پیش نہیں کی صرف اپنا اجتہاد بیان فرمایا۔

۷؎ یعنی میں نے سورۂ والنجم کی وہ آیات پیش کیں جن میں یہ ہے"وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی"صرف یہ آیت پیش نہ فرمائی صرف اس آیت سے ان کا منشا پورا نہ ہوتا کہ یہاں آیاتِ رب دیکھنے کا ذکر ہے نہ کہ رب کو دیکھنے کا۔(مرقات)

۸؎ سورۂ والنجم کی یہ آیات ہی بتارہی ہیں کہ یہاں حضرت جبریل مراد نہیں رب تعالٰی کا دیدار ہی مراد ہوسکتا ہے کہ آیتِ اولٰی یہ ہے"عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی"اس شدید القوی سے مراد اللہ تعالٰی ہے کہ اس نے حضور کو قرآن سکھایا نہ کہ جبریل علیہ السلام نے"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"آگے ہے"فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے بندے ہیں نہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے،جب کہ عبدہ کی ضمیر رب کی طرف ہے تو ساری ضمیریں اس کی طرف ہیں"ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى"سے لے کر"وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى"تک کی ساری ضمیریں شدید القوی کی طرف ہیں یعنی رب کی طرف اس آیت سے جسمانی معراج اور رب کا دیدار دونوں ہی ثابت ہیں۔ام المؤمنین نے ادھر توجہ نہ فرمائی اس لیے صحابہ نے آپ کی یہ تفسیر قبول نہ کی۔

۹؎ یعنی حضور انور نے تبلیغی شرعی احکام میں سے کوئی حکم کسی سے نہ چھپایا سب پہنچادیئے اسی لیے مما امربہ فرماتی ہیں،رہے رموزو اسرار وہ اغیار سے ضرور چھپائے،تشابہات کی تفسیر نہ بتائی۔حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور انور سے ایک برتن علم کا وہ ملا ہے کہ اگر میں ظاہر کروں تو میری گردن ماری جائے۔

۱۰؎ یعنی حضور انور یہ پانچ چیزیں بغیر تعلیم الٰہی نہیں جانتے ہاں اللہ تعالٰی کی تعلیم سے جانتے ہیں۔چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور سے پوچھا کہ ہم ازواج میں سے پہلے حضور سے کون ملے گا،کس کی وفات پہلے ہوگی،فرمایا لمبے ہاتھ والی یعنی حضرت زینب،انہیں ام المؤمنین نے پوچھا یارسول اللہ کس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں فرمایا عمر فاروق کی،حضور نے جنگ بدر سے پہلے خطوط کھینچ کر بتادیا کہ کل فلاں کافر یہاں مارا جائے گا فلاں کافر یہاں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں،اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

۱۱؎ اجیاد مکہ مکرمہ کا مشہور محلّہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی جبریل امین کو دوبار ان کی اصل شکل میں دیکھا اس پر تمام امت کا اتفاق ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ سورۂ والنجم میں یہ ہی دیدار جبریل مراد ہے یا دیدار الٰہی،جمہور صحابہ اور عام مسلمانوں کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں دیدار الٰہی مراد ہے نہ کہ دیدار جبریل علیہ السلام۔

۱۲؎ حضرت جبریل حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے،حضرت دحیہ کلبی بڑے ہی خوبصورت تھے جناب جبریل انہیں کی شکل اختیار کرتے تھے۔

۱۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین حضور کے دیدار الٰہی کا انکار فرماتی ہیں کیونکہ آپ جسمانی معراج کی قائل نہیں،بعض صحابہ نے دل سے دیدار مانا ہے مگر عام صحابہ اور سارے بعد کے مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور انور نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اسی طرح کہ دل ہوش میں رہا اور ایسا ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کہ پلک بھی نہ مارا"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى"۔الحمدللہ! فقیر بینوا بندہ گنہگار احمدیار نے دیدار کا مضمون آخر ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ میں لکھا،اللہ تعالٰی اسے قبول فرمائے اور اس گنہگار کو اپنے اور اپنے محبوب کے دیدار سے سرشار فرمادے کہ ہم فقیروں کی یہ معراج ہے۔شعر

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا | میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے رب کے اس فرمان کے بارے میں تو ہوا دو کمانوں کے فاصلہ یا اور زیادہ قریب ۱؎اور رب کے اس فرمان کے بارے میں کہ نہیں جھٹلایا دل نے جو دیکھا اور رب کے اس قول کے بارے میں کہ بے شک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں فرمایا ان سب میں حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے ۲؎(مسلم،بخاری)اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا دل نے نہ جھٹلایا جو دیکھا فرمایا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو باریک ریشم کے جوڑے میں دیکھا کہ انہوں نے آسمان و زمین کو بھر دیا تھا۳؎ترمذی و بخاری کی روایت میں ہے رب کے اس فرمان کے متعلق بے شک ریشمی جوڑے میں دیکھا کہ انہوں نے آسمان و زمین کے درمیان کو بھردیا تھا اور بخاری کی روایت میں اس آیت کے متعلق ہے کہ بے شک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں،فرمایا آپ نے باریک سبز ریشم دیکھا جس نے آسمان کا کنارہ بھر دیا تھا۴؎اور

حضرت مالک ابن انس سے باری تعالیٰ کے قول"اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"کے متعلق پوچھا گیا کہا گیا کہ ایک قوم کہتی ہے کہ لوگ رب کے ثواب کو دیکھیں گے۵؎امام مالک نے فرمایا جھوٹ کہا وہ اس فرمان باری سے جارہے ہیں کہ خبردار وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے،امام مالک نے فرمایا۶؎کہ قیامت کے دن لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گےفرمایا اگر قیامت کے دن مؤمن اپنے رب کو نہ دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو حجاب سے عار نہ دلاتا ۷؎اس نے فرمایا کہ وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۸؎(شرح سنہ)

۱؎ قاب قوسین کے متعلق صوفیاءکرام فرماتے ہیں کہ دو کمانیں مل کر دائرہ بن جاتا ہے جس کے بیچ میں مرکز ہوتا ہے۔جب کسی سے معانقہ کیا جائے گلے لگایا جائے تو دونوں ہاتھوں کا دائرہ اس کی پیٹھ پر بناتے ہیں اور اسے گلے لگاتے ہیں،مصافحہ میں قدرے دور کی ملاقات ہوتی ہے مگر معانقہ میں اتصال کی ملاقات۔نور الٰہی رحمت الٰہی نے اس رات اپنے محبوب کو اپنی آغوش میں اس طرح لیا کہ رحمتِ خداوندی دائرہ تھی اور محبوب اس کا مرکز کہ ہر طرف رب کی رحمت،اس کا نور بیچ میں حضور مصطفیٰ کا ظہور صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یعنی ان آیات میں ساری ضمیریں حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف ہیں،وہ حضور سے قریب ہوئے انہیں حضور نے دیکھا وہ ہی دو کمانوں کے برابر ہوئے لیکن اس تفسیر میں مشکل یہ ہوگی کہ ان آیات میں ایک آیت ہے"فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى"عبدہ کی ضمیر حضور کی طرف نہیں لوٹ سکتی کیونکہ حضور انور اللہ کے بندے ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام کے،وہ آیت بتارہی ہے کہ ساری ضمیریں اللہ تعالٰی کی طرف ہیں جیسے"عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى"میں بیان فرمایا ہم ابھی کچھ پہلے اس کی تحقیق کرچکے ہیں،نیز اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں مطالعہ فرماؤ۔

۳؎ تحقیق یہ ہے کہ رفرف جمع ہے،اس کا واحد ہے رفرفۃ،دوسری جمع رفارف ہے۔اس کے لفظی معنی ہیں بستر،رب فرماتاہے:"مُتَّكِـٕیْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ"۔حضرت جبریل کے پر پھیلانے پر وسیع بستر محسوس ہوئے تھے،اس سے رفرف کا لفظ فرمایا،اب پرندے کے پر کو کہتے ہیں لباس کے جوڑے نرم کپڑے وغیرہ کو بھی رفرف کہتے ہیں،یہاں رفرف بمعنی سبز ہے کیونکہ ساتھ ہی حلہ فرمایا گیا ہے۔

۴؎ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیدار الٰہی کے متعلق صحابہ کرام کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ معراج میں یا کبھی اور دیدار مطلقًانہ ہوا یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ کا ہے۔دوسرا یہ کہ دل سے رب کو دیکھا نہ کہ آنکھوں سے یعنی بصیرت سے دیکھا بصارت سے نہیں،یہ قول حضرت ابن مسعود کی طرف منسوب ہے۔تیسرا یہ کہ حضور انور نے اپنی آنکھوں سے رب کا دیدار کیا،یہ آخری قول جمہور صحابہ کا ہے،حضرت ابن عباس سے یہ ہی مروی ہے وہ سورۂ والنجم کی آیات کی تفسیر میں یہ ہی فرماتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عمر پہلے اس دیدار کے منکر تھے بعد میں حضرت ابن عباس کے قول کی طرف رجوع فرمایا،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے اس انکار کی کوئی دلیل نہیں دی صرف اپنے اجتہاد سے انکار فرمایا،حضرت ابن عباس یہ فرمان صرف اجتہاد سے نہیں فرماسکتے بلکہ کسی روایت کی بناء پر ہی کہہ سکتے ہیں۔(اشعہ)

۵؎ معتزلہ،خوارج دیدار الٰہی کے انکاری ہیں کہ جنت میں کسی کو رب کا دیدار نہیں ہوگا،ان کا ہی یہ قول ہے وہ ہی حضرت امام مالک کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ اس آیت کے یہ ہی معنی کرتے ہیں،یہ تاویل نہیں تحریف ہے۔

۶؎ یعنی اگر اس آیت میں دیدار الٰہی سے مراد اللہ کا ثواب دیکھنا ہے تو اس آیت کے کیا معنی کریں گے کہ کفار رب سے حجاب میں ہوں گے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ مؤمنین حجاب میں نہ ہوں گے اس کا دیدار کریں گے۔سبحان اللہ! کیسا پیارا جواب ہے۔

۷؎ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے جنتیوں کے لیے دیدار الٰہی ساری نعمتوں سے افضل و اعلیٰ نعمت ہے ایسے ہی دوزخیوں کے لیے دیدار سے محرومی سارے عذابوں سے بدتر عذاب ہوگا کہ محبوب کا فراق بھی بڑا عذاب ہے۔

۸؎ یہاں اس دن سے مراد یا دوزخ میں کفار کے داخلہ کے بعد کا دن ہے اس دن کی انتہاء کبھی نہیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے اور اگر قیامت کا دن مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ رب کی نظر کرم سے حجاب میں ہوں گے ورنہ قہر کا دیدار تو قیامت کے دن کفار کو بھی ہوگا جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ جب کہ جنتی لوگ اپنی نعمتوں میں ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک نور چمکے گا۱؎ یہ اپنے سر اٹھائیں گے تو اچانک اللہ تعالیٰ ان پر ان کے اوپر سے متوجہ ہوگا۲؎ فرمائے گا تم پر سلامتی ہو اے جنت والو۳؎ فرمایا یہ ہی وہ رب کا فرمان ہے،سلام کا کلام ہوگا مہربان رب کی طرف سے فرمایا پھر ان کی طرف نظر فرمائے گا وہ رب کو دیکھیں گے تو جب تک رب کو دیکھتے رہیں گے کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گے۴؎ یہاں تک کہ ان سے حجاب فرمائے گا اور اس کا نور باقی رہے گا۵؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جنتی لوگ پھل فروٹ کھانے اپنے بچوں میں شغل خدام سے خدمت لینے اور دیگر نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ ایک نئے قسم کا نور اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

۲؎ یہ نور اس کی تجلی کی جھلک ہوگی۔خیال رہے کہ اللہ سمت سے یعنی اوپر نیچے ہونے سے پاک ہے اس کا اوپر تجلی فرمانا ایسا ہوگا جیسے موسیٰ علیہ السلام پر طور سے تجلی فرمانا یا وادئ سینا میں درخت پر سے کلام فرمانا کہ طور اور درخت تجلی گاہ الٰہی تھے نہ کہ اس کا مکان۔

۳؎ یہ کلام یا تو رب تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے کہ تم ہمیشہ ہر آفت سے سلامت ہو یا اظہار کرم ہے۔غرضکہ دعا نہیں کہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے سے پاک ہے،اس کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہے یا تم پر سلامتی ہو،عرب میں یہ دعائیہ کلمہ اظہار محبت کے لیے ہوتا ہے۔

۴؎ مرقات نے فرمایا کہ یہ وہ معمولی درجے کے جنتی ہوں گے جو نعمتوں میں مشغول ہوکر اس طرف سے غافل ہوگئے تھے،مست الست والے ہر وقت ادھر ہی متوجہ رہیں گے۔

۵؎ جیسے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد اس کا نور بہت دیر تک رہتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے جسم اور روح و دل پر اس نور کی تجلی رہے گی۔

باب صفة النار و اهلها

آگ اور آگ والوں کا بیان [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] نار اور نور دونوں کامادہ ایک ہے،نار کی جمع نیران ہے اور نور کی جمع نیار یا اینار ہے۔نار کے معنی ہیں آگ،نور کے معنی ہیں روشنی۔ شریعت میں جہاں نار آتا ہے اس سے مراد دوزخ کی آگ ہوتی ہے،اہلِ نار سے مراد کفار ہوتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔گنہگار مسلمان اگرچہ کچھ دن دوزخ میں رہیں گے مگر وہ اہلِ نار نہیں کہے جاتے۔اہلِ خانہ وہ ہوتے ہیں جو گھر میں ہمیشہ رہیں چند روزہ مہمان اہل خانہ نہیں ہوتا ایسے ہی اہلِ نار وہ ہی ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری آگ دوزخ کی آگ کا سترواں جزو ہے [1] عرض کیا گیا یارسول اللہ یہ ہی آگ کافی تھی [2] فرمایا وہ آگ ان آگوں سے انہتر درجہ زیادہ تیز رکھی گئی ہے ہر درجہ اس آگ کی مثل ہے [3] (مسلم،بخاری)اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے تمہاری وہ آگ ہے جو انسان جلاتا ہے اور اس روایت میں علیھنّ اور کلھنّ کی عوض علیھا اور کلھا ہے [4]

[1] یعنی دوزخ کی آگ کی تیزی دنیا کی آگ سے ستر گنا ہے جیسے دنیا کی آگیں مختلف قسم کی گرم ہوتی ہیں گھاس پھوس کی آگ ہلکی ہوتی ہے،کیکر وغیرہ کی لکڑی کی آگ تیز ہوتی ہے،ویلڈنگ کی آگ بہت ہی سخت تیز ہوتی ہے جو لوہے تانبہ کو بھی گلا دیتی ہے یوں ہی وہ آگ یہاں کی اعلیٰ سے اعلیٰ آگ سے ستر گنا زیادہ ہوگی۔

[2] یعنی یہ ہی دنیا کی آگ لوگوں کو جلا دینے کے لیے کافی تھی یہ ہی آگ جلا کر راکھ کر ڈالتی ہے۔

[3] جواب کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی آگ ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے مگر وہ آگ سزا دینے کے لیے اس لیے اتنی سخت تیز رکھی گئی۔

[4] ان دونوں روایتوں میں فرق صرف ضمیروں کا ہے کہ اس روایت میں تمام ضمیریں واحد مؤنث کی ہیں اور اس روایت میں جمع مؤنث کی باقی مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ دوزخ کی آگ سے کوئی نسبت نہیں حضور انور کا یہ فرمان عالی سمجھانے کے لیے ہے کہ دنیا میں سخت تر چیز آگ ہی ہے۔

	روایت ہے ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دن دوزخ لائی جائے گی جس کی [1] ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچیں گے

	۲(مسلم)

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ پیدا ہو چکی ہے، نیز وہ اس وقت اس جگہ نہیں جہاں قیامت کے بعد ہوگی یعنی محشر اور جنت کے درمیان راستہ میں، ابھی یہ کسی اور جگہ ہے اس دن ملائکہ اسے کھینچ کر وہاں پہنچائیں گے جہاں اس نے رہنا ہے، اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے "وَ جِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَہَنَّمَ"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ کی سیر فرمائی اس جگہ جہاں وہ تھی۔آج اتنا سورج کس قدر تیزی سے حرکت کررہا ہے یوں ہی دوزخ اپنی جگہ سے ہٹاکر لائی جائے گی۔

۲؎ یہ فرمان عالی بالکل ظاہر پر ہے کسی طرح کی تاویل کی ضرورت نہیں وہ لگامیں کتنی بڑی ہوں گی کتنی مضبوط ہوں گی یہ رب تعالٰی ہی جانتا ہے اور ہر لگام پر کتنے کتنے فرشتے مقرر ہوں گے یہ بھی اللہ رسول ہی جانتے ہیں جنت اسی جگہ رہے گی جہاں پہلے سے تھی۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہوگا جس کے لیے آگ کا جوتا اور دو تسمے ہوں گے جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے جیسے ہانڈی کھولتی ہے ۱؎وہ نہ سمجھے گا کہ کوئی بھی اس سے سخت تر عذاب والا ہے حالانکہ وہ ان سب میں ہلکے عذاب والا ہوگا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی دوزخ کے مختلف طبقے ہیں ہر طبقہ کا عذاب مختلف ہے،اونچے طبقہ کا عذاب نیچے سے ہلکا ہوگا اونچے طبقے کے دوزخیوں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کا ذکر یہاں ہے۔خیال رہے کہ اگر کالا دانہ پاؤں کی انگلی میں نکل آوے تو اس سے سر چکراتا ہے مریض کہتا ہے میری کھوپڑی پھٹی جارہی ہے اس کا نمونہ دنیا میں ہی قائم ہے لہذا اس حدیث پر اعتراض نہ کرو کہ سر کا پاؤں سے کیا تعلق ہے آگ کی جوتی یا تو انگاروں سے بنی ہوئی جوتی ہوگی یا آگ سے تپائی ہوئی جوتی پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی اس کے صرف پاؤں میں آگ ہوگی باقی جسم میں نہیں۔

۲؎ یعنی یہ دوزخی سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب مجھ پر ہی ہے مگر واقعہ یہ ہوگا کہ سب سے ہلکا عذاب اسے ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے ابوطالب ہوں گے وہ دو جوتے پہنے ہوں گے جن سے انکا دماغ کھولتا ہوگا ۱؎ (بخاری)

۱؎ کیونکہ ابوطالب اگرچہ شرعًا مسلمان نہ بنے مگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی خدمت کی حتی کہ حضور انور نے اپنی یتیمی کا زمانہ عبدالمطلب کے بعد انہیں کے پاس گزارا،رب نے فرمایا:"اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی" کے نتیجہ میں ان کا عذاب ہلکا ہوگا۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وہ عمل ہے جو کافروں کے بھی کام آجاتا ہے مگر بغیر شرعی ایمان لائے جنت کا داخلہ میسر نہ ہوگا لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا"ہم نے کفار کے نیک اعمال کو بکھرے ہوئے ریزوں کی طرح برباد کردیا،کہ وہاں بخشش کی نفی ہے اور یہاں عذاب ہلکا ہونے کا ذکر ہے۔ابولہب کو دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا کردیا جاتا ہے اور اسے کلمہ کی انگلی چوسنے پر پانی ملتا ہے،دیکھو بخاری شریف کیونکہ اس نے حضور کی ولادت شریفہ کی خوشی منائی تھی،جب خدمت گار اور خوشی منانے والے کفار پر یہ کرم ہے تو جو مسلمان آج حضور کے دین کی خدمت کریں ان پر کرم کیوں نہ ہوگا۔شعر

دوستاں راکجا کنی محروم　　　　　　توکہ با دشمناں نظرداری

یہ حدیث احمد نے بھی روایت کی۔(مرقات) خیال رہے کہ ابوطالب کے ایمان کے متعلق علماء اہل سنت میں اختلاف ہے۔علامہ احمد دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب وہاں ان کا ایمان ثابت فرمایا ہے۔صاحب تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ وہ شرعًا مؤمن نہ تھے کہ انہوں نے صراحۃً کلمہ نہ پڑھا مگر عنداللہ مؤمن تھے،ان بزرگوں کے نزدیک ابوطالب کو یہ عذاب عارضی ہوگا جیسے بعض گنہگار مسلمانوں کو اور وہ اللہ تعالٰی کے اس لپ کے ذریعہ دوزخ سے نکالے جائیں گے جو شفاعتیں ختم ہوجانے پر رب تعالٰی دوزخیوں سے بھرا ہوا اپنا ایک لپ جنت میں ڈالے گا۔عام علماء فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان ثابت نہیں۔خیال رہے کہ کوئی شخص ان پر زبان طعن دراز نہ کرے،وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے ہی خدمت گزار ہیں،حضور کو اپنے ساتھ لے کر سونے والے،حضور کی خاطر کفار مکہ کے ہاتھوں بہت ہی دکھ درد سہنے والے،ممکن ہے کہ ان پر طعن کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہو ہم اپنی فکر کریں کہ ہمارا انجام کیا ہوگا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن عیش والے دنیادار دوزخی کو لایا جاوے گا اسے آگ میں ایک بار غوطہ دیا جاوے گا ۱ پھر کہا جاوے گا اے انسان تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی تھی کیا تجھ پر کبھی کوئی نعمت آئی تھی وہ کہے گا یارب واللہ کبھی نہیں ۲ اور دنیا میں سخت مصیبت زدہ جنتی کو لایا جاوے گا اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جاوے گا ۳ پھر اس سے کہا جاوے گا اے انسان تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی تھی تجھ پر کبھی کوئی سختی آئی تھی وہ کہے گا یارب واللہ کبھی نہیں ۴ نہ مجھ پر کبھی تکلیف آئی نہ میں نے کبھی کوئی سختی دیکھی ۵(مسلم)	

۱؎ یہ واقعہ بعد قیامت ہوگا نہ کہ قبر میں کیونکہ دوزخ میں داخلہ اس وقت ہے قبر میں تو صرف دوزخ یا جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔

۲؎ پتہ لگا کہ دنیا کے عمر بھر کے عیش و آرام وہاں کے منٹ بھر کے ایک غوطہ پر بھول جائیں گے وہ تو بڑی سخت جگہ ہے دنیا میں کوئی خاص مصیبت پڑے تو سارے عیش فراموش ہوجاتے ہیں۔

۳؎ یا توحوض کوثر میں یا وہاں کی ہوا اور دوسری نعمتوں میں۔غوطہ دیئے جانے سے مراد ہے وہاں کی ہوا کا جھونکا دینا وہاں داخل فرماکر اس کی تجلی دکھانا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ وہاں کے عیش کی ایک جھلک وہاں کی ہوا کا ایک جھونکا عمر بھر کے دنیاوی غموں تکلیفوں کو بھلادے گا،انسان کو چاہیے کہ اس طرف دل لگائے۔خیال رہے کہ یہ عرض معروض جھوٹ نہ ہوگی بلکہ واقعی وہ شخص ان مصیبتوں کو بھول ہی جاوے گا اس بنا پر یہ کہے گا۔

۵؎ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے دنیا میں جو مصیبتیں دیکھیں وہ درحقیقت مصیبتیں ہی نہ تھیں کیونکہ ان کا انجام یہ نعمتیں تھیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ ان مصیبتوں کو بھول ہی گیا ان نعمتوں کی خوشی میں۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن ہلکے عذاب والے دوزخی سے کہے گا ۱ اگر تیرے پاس ساری زمین کی چیزیں ہوتیں تو تو اس آگ سے بچنے کے لیے دے	

	دیتا تو بندہ کہے گا ہاں پھر اللہ تعالٰی فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز طلب کی تھی جب کہ تو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں تھا۲ کہ تو کسی چیز کو میرا شریک نہ مان تو میرا شریک ٹھہرانے کے سوا سے انکاری ہوگیا ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ دنیا میں انسان بیماریوں مصیبتوں کو پیسہ کے ذریعہ دفع کرتا تھا،جان پر مال قربان کرتا تھا کہ گرفتاری کو مالداری کے ذریعہ مال دے کر دفع کرتا تھا اسی قاعدے سے رب تعالٰی پوچھے گا کہ اگر تیرے پاس روئے زمین کی دولت ہوتی اور تو وہ سب کچھ دے کر اس سے بچ سکتا تو کیا تو دے دیتا،وہ بندہ فورًا کہے گا یارب میں ایسا ضرور کرتا یہ تو بہت سستا سودا تھا کہ وہ مال دے کر میں اپنی جان عذاب سے بچالیتا۔

حکایت: ہارون رشید بادشاہ نے پینے کے لیے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا،ایک عالم صاحب نے پوچھا اے سلطان اگر تو جنگل میں پیاس سے مررہا ہو پانی موجود نہ ہو تو یہ پیالہ پانی کتنی قیمت سے خرید سکتا ہے جان بچانے کے لیے،جواب دیا کہ آدھی سلطنت سے،اس نے پوچھا اگر تو یہ پانی خرید کر پی لے تیرے پیٹ میں پہنچ کر یہ پانی رک جائے پیشاب نہ آئے تکلیف سے تیری جان نکلتی ہو تو تو ڈاکٹر کو کتنی فیس دے کر پیشاب نکلوا سکتا ہے، سلطان نے کہا بقیہ آدھی سلطنت،عالم صاحب نے کہا کہ غور کرلے تیری ساری بادشاہت ایک پیالہ پانی پیٹ میں جانے وہاں سے نکلنے پر قربان ہے اب تو جتنا چاہے اس سلطنت پر ناز کر۔

۲؎ یعنی میثاق کے دن ہم نے تجھ سے اپنی وحدانیت کا اقرار کرایا "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" پھر دنیا میں تجھے یہ میثاق یاد دلانے اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے تیرے پاس اپنے نبی بھیجے،تجھے کفر وگناہ سے بچنے کا حکم دیا۔یہاں ارادے سے مراد حکم اور مطالبہ ہے نہ کہ ارادۂ الٰہیہ کیونکہ اللہ کے ارادہ کے خلاف ہوجانا بالکل ناممکن ہے،فرماتا ہے:"لَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَھَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا"اور فرماتا ہے:"وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا"اور فرماتا ہے:"لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی"ہاں امر الٰہی کے خلاف لوگ دن رات حرکتیں کررہے ہیں،ارادہ اور امر الٰہی میں بڑا فرق ہے لہذا حدیث واضح ہے ارادہ بمعنی امر ہے۔

۳؎ ان جیسی احادیث اور آیات میں شرک سے مراد کفر ہوتا ہے کہ کفر ہی دائمی دوزخی ہونے کا ذریعہ ہے۔شرک کفر کی ایک قسم ہے کسی کو اللہ تعالٰی کے برابر جاننا یا اللہ تعالٰی کو کسی کے برابر ماننا شرک ہے"اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"اور فرماتا ہے:"ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ"۔کفر کے معنی ہیں اسلام کے قطعی عقیدے کا انکار۔ہر کفر دوزخ میں ہمیشگی کا سبب ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی تو نے دنیا میں کفر ہی کیا۔

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض دوزخی وہ ہوں گے جنہیں ٹخنوں تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں ان کے گھٹنوں تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں ان کی کمر تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں آگ ان کے گلے تک پکڑے ہوگی ۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی دوزخی لوگوں کو عذاب تو پورے جسم کو ہوگا مگر مختلف طریقوں کا ہوگا جیسا کافر ویسا اس کا عذاب۔دوزخ کی آگ کا تو ایک انگارا ہی سزا کے لیے کافی ہے جس کے گلے تک آگ ہو غور کرلو اس کا حال کیا ہوگا اللہ تعالٰی اس آگ سے بچائے،یہ آگ کفار کو بھی پہنچے گی اور بعض گنہگار مؤمنوں کو بھی مگر مؤمنوں کو کچھ دن کے لیے کافروں کو ہمیشہ کے لیے اور بھی کئی طرح فرق ہوگا۔**ترقوت** وہ ہڈی ہے جو گلے اور گردن کے درمیان ہے جسے ہندی میں ٹیٹوا کہتے ہیں،فارسی میں چنبر۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخ میں کافر کے دو کندھوں کے درمیان فاصلہ تیز سوار کی تین دن کی راہ کا ہوگا ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ کافر کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی ۲؎ اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی راہ ۳؎ اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث کہ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی،تعجیل نماز کے بیان میں ذکر کردی گئی ۴؎	

۱؎ یعنی دوزخ میں پہنچ کر کافر کا جسم بہت ہی بڑا ہو جائے گا،بڑے جسم کو آگ بھی زیادہ گھیرے گی تکلیف بھی زیادہ دے گی۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح ہوں گے وہاں محشر کے میدان کا ذکر ہے کہ وہ محشر میں چھوٹے ذلیل بے مقدار ہوں گے دوزخ میں پہنچ کر بڑے موٹے ہو جائیں گے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،نیز یہ جسم کی موٹائی کفار کے لیے ہوگی گنہگار مؤمنوں کے لیے نہیں۔(مرقات)

۲؎ احد مدینہ منورہ کے مشہور پہاڑ کا نام ہے،چونکہ وہ کسی پہاڑ سے ملا ہوا نہیں اس لیے احد کہلاتا ہے احد کے معنی ہیں اکیلا۔جب کافر کے منہ کی ایک ڈاڑھ احد پہاڑ جیسی تو سوچ لو کہ اس کا منہ کیسا ہوگا،پھر جسم کتنا بڑا ہوگا،اس کی شکل بھی انسانوں کی سی نہ ہوگی کتوں،گدھوں،سؤروں کی شکل میں ہوں گے۔

۳؎ حدیث کے بالکل ظاہری معنی پر ہی ایمان لانا چاہیے بلاوجہ کسی قسم کی تاویل ایچ پیچ ہیر پھیر نہیں کرنا چاہیے۔اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے،میں نے مچھلی کا ایک کانٹا موٹے شہتیر کی برابر دیکھا۔

۴؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی میں نے اس جگہ بیان کردی یہاں سے ہٹا کر کیونکہ اس باب سے زیادہ مناسب تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دوزخ کی آگ پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا حتی کہ سرخ ہوگئی پھر اس پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا حتی کہ سفید ہوگئی ۱؎ پھر اس پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا حتی کہ سیاہ ہوگئی چنانچہ وہ سیاہ تاریک ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ دھونکنے والے فرشتے تھے ان کی دھونکنیاں جن سے دھونکا رب جانتا ہے کتنی بڑی اور کس چیز کی تھیں۔آگ میں سرخی دھوئیں کی ملاوٹ سے ہوتی ہے دھوئیں سے خالص آگ سفید ہوتی ہے ویلڈنگ کی آگ کا رنگ دوسری آگوں سے مختلف ہوتا ہے۔

۲؎ دنیا کی آگ میں گرمی بھی ہے روشنی بھی مگر دوزخ کی آگ میں گرمی تو غضب کی ہے روشنی کوئی نہیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اور اس کی آگ پیدا ہو چکی ہے،رب فرماتا ہے:"اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ"اہلسنت کا یہی مذہب ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن ۱؎ کافر کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہو گی اور اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ۲؎ اور اس کی آگ کی نشست گاہ ربذہ کی طرح تین دن کی راہ ہو گی ۳؎(ترمذی)	

۱؎ قیامت کے دن سے اس طرح کا آخری حصہ مراد ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ قیامت کے دن متکبرین چیونٹیوں کی طرح ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ متکبر غرور والے کافر چھوٹے ہوں دوسرے کافر بڑے جسم والے ہوں بہرحال دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

۲؎ بیضا اس پہاڑ کا نام ہے جو مکہ معظّمہ کے پاس مقام تنعیم میں ہے جس کے دامن میں مسجد حضرت عائشہ واقع ہے جہاں سے عمرہ کرنے والے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں یعنی دوزخی کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح لمبی چوڑی ہو گی یہ فرمان عالی بالکل حق ہے واقعی ایسا ہی ہو گا۔

۳؎ ربذہ وہ ہی جگہ ہے جہاں حضرت ابوذر غفاری کا مزار مبارک ہے،یہ جگہ مکہ معظّمہ سے قریب ہے مگر مدینہ منورہ سے دور ہے تین دن کی راہ پر ہے یعنی کافر اتنے پیچ میں بیٹھے گا اس کے چوتڑ اتنے پیچ میں سمائیں گے جیسے مدینہ منورہ سے مقام ربذہ ہے تین دن کی مسافت۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر کی کھال کی موٹائی بیالیس گز ہو گی ۱؎ اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح اور اس کی دوزخ کی بیٹھک ایسی ہو گی جیسی مکہ اور مدینہ کے قریب کی مسافت ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی کافر دوزخی کی کھال اولًا بیالیس گز موٹی ہو گی پھر اس میں اضافہ ہوتا رہے گا حتی کہ تین دن کی راہ کی مسافت برابر موٹی ہو جائے گی یا بعض دوزخیوں کی کھال بیالیس گز موٹی اور بعض کی کھال اتنی موٹی لہذا یہ حدیث ابھی گزری ہوئی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت ہو گی۔

۲؎ یہ بیان تقریبی ہے لہذا ربذہ والی حدیث کے خلاف نہیں یا کہا جاوے کہ بعض کفار کی نشست گاہ اتنی ہو گی جو وہاں مذکور ہوئی۔مدینہ منورہ سے ربذہ تک کی زمین برابر اور بعض کی اتنی جو یہاں مذکور ہے بہرحال حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر اپنی زبان کوس دو کوس تک نکالے گا جسے لوگ روندیں گے ۱؎ (احمد،ترمذی)فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی جب دوزخی ہانپے گا اور ہانپتے ہی زبان نکالے گا کتے کی طرح تو دو تین میل باہر لٹک جائے گی اور لوگ اس پر چلے پھریں گے۔خدا کی پناہ! ناس سے مراد دوزخی لوگ ہیں جو وہاں دوڑیں گے بھاگیں گے اس دوڑ بھاگ میں اس کی زبان کو روندیں گے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا صعود آگ کا پہاڑ ہے جس میں دوزخی ستر سال چڑھے گا اور	

	وہاں سے گرے گا ہمیشہ ایساہی کرتا رہے گا ۱؎(ترمذی)

۱؎یعنی قرآن مجید میں جو "سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا" ہے وہاں جو صعود ہے وہ اس پہاڑ کا نام ہے جو دوزخ میں ہوگا اور دوزخی اس پر چڑھتے گرتے رہیں گے اس کی بلندی خدا کی پناہ! اتنے اونچے سے گرانا سخت عذاب ہوگا۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا رب کے قول کالمھل کے متعلق ۱؎یعنی تیل کے تلچھٹ کی طرح تو جب اس کے چہرے کے قریب کیا جاوے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گرجاوے گی ۲؎(ترمذی)

۱؎یعنی قرآن مجید میں جو ہے "اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ" تھوہر کا درخت ان مجرموں کی غذا ہے مھل کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا، حضور انور نے مھل کی تفسیر فرمائی۔

۲؎یعنی اس غذا کی رنگت ایسی ہوگی جیسے تیل کی تلچھٹ یعنی گاؤ گرم اس قدر جو یہاں مذکور ہے کہ منہ یا پیٹ میں پہنچنے کے بعد کیا بنے گا پینے سے پہلے منہ کے قریب پہنچنے پر ہی چہرہ بھون ڈالے گا، غور کرو کہ پیٹ میں پہنچ کر کیسی آفت ڈھائے گا ان سب تکالیف کے باوجود جان نہ نکلے گی کہ وہاں موت نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ گرم پانی دوزخیوں کے سر پر ڈالا جائے گا تو یہ گرم پانی اس میں سرایت کرجاوے گا حتی کہ اس کے پیٹ تک پہنچ جاوے گا ۱؎تو اس کے پیٹ کی چیزوں کو کاٹ ڈالے گا حتی کہ اس کے قدموں سے نکل جاوے گا ۲؎ صھر یہ ہی ہے ۳؎پھر جیسا تھا ویسا ہی لوٹا دیا جاوے گا ۴؎(ترمذی)

۱؎حار کہتے ہیں گرم پانی کو اور حمیم کہتے ہیں کھولتے ہوئے پانی کو جو دیگچی میں ابلتا ہو یہ ہی پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا اور اسی پانی سے انہیں غسل دیا جایا کرے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں جوف سے مراد ہے سر کا اندرونی حصہ مگر قوی یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں پیٹ اور ہوسکتا ہے کہ سر پر پانی پڑے پیٹ تک اس کا اثر پہنچے، دیکھا جاتا ہے کہ تلوؤں میں ٹھنڈی چیز ملو تو آنکھوں میں اثر پہنچتا ہے۔

۲؎یعنی پیٹ کی آنتیں، پھیپھڑا، دل جگر وغیرہ سب کچھ کاٹ ڈالے گا اور ان سب کے ٹکڑے پاخانہ کی راہ سے نکل جاویں گے مگر موت نہ آئے گی بلکہ ان سب کے نکلتے ہی دوبارہ پیٹ میں سب کچھ بن جاوے گا دوبارہ کاٹنے کے لیے سب ٹھیک کردیا جاوے گا جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

۳؎یعنی قرآن مجید میں جو ارشاد ہے "يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ" اس آیت میں جو یصھر ارشاد ہے اس سے یہ کٹ کر سب کچھ نکل جانا مراد ہے۔

۴؎خود یہ نکلی ہوئی آنتیں وغیرہ واپس نہیں کی جاویں گی بلکہ پیٹ میں دوبارہ یہ سب چیزیں نئی بنادی جاویں گی، رب فرماتا ہے: "بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا" دنیا میں جلی ہوئی کھال دوبارہ بن جاتی ہے بلکہ اب تو ڈاکٹر مریض کا دل نکال کر دوسرا دل ڈال دیتے ہیں اور آدمی زندہ رہتا ہے جیسا کہ ریڈیو اور اخباروں میں آرہا ہے لہذا ان باتوں کو بغیر چون وچرا مان لینا چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی رب کے اس قول کے متعلق کہ پلایا جاوے گا پیپ کے پانی سے جسے بمشکل نگلے گا ۱؎ فرمایا یہ اس کے منہ کے قریب کیا جاوے گا وہ اسے ناپسند کرے گا ۲؎ جب اس سے قریب کیا جاوے گا تو اس کا چہرہ بھون دے گا اور اس کے چہرے کی کھال گر جاوے گی پھر جب اسے پئے گا تو اس کی آنتیں کاٹ دے گا ۳؎ حتی کہ اس کی دبر سے نکل جاوے گا رب تعالٰی فرماتا ہے وہ گرم پانی مانگے گا تو تلچھٹ جیسا پانی دیئے جائیں گے جو چہرہ بھون دے گا یہ برا پانی ہے ۴؎ (ترمذی)	

۱؎ عربی میں صدید کہتے ہیں کچے لہو کو یعنی پتلی پیپ جس میں خون کی سرخی نمودار ہو یہ دوزخیوں کے پینے کا پانی ہوگا۔ خیال رہے کہ ان کو کبھی یہ کچے لہو پلایا جائے گا کبھی کھولتا پانی لہذا حمیم والی آیت بھی درست ہے اور صدید والی آیت بھی صحیح ہے ان میں تعارض نہیں۔

۲؎ کیونکہ اسمیں بدبو سخت ہوگی شکل نہایت مکروہ مزہ نعوذباللہ دیکھ کر سن کر ہی دل گھبرائے گا مگر پینا پڑے گا سخت پیاس کی وجہ سے

۳؎ یعنی اس بدبو بدمزہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخت گرم بھی ہوگا جس کی گرمی کا یہ حال ہوگا کہ منہ کے قریب ہوتے ہی چہرہ کی کھال جلا کر گرادے گا۔

۴؎ وہ آیت پڑھو حدیث بغور دیکھو یہ اس آیت کی تفسیر اور تفصیل ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ دوزخ کی دیواریں چار ہیں ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی راہ ہے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ سرادق سین کے فتحہ سے ہے پردہ کی دیوار، اس کی جمع ہے سرادقات جیسے فارسی میں کہتے ہیں سرا پردہ۔ جدر جمع ہے جدار کی بمعنی دیوار، قرآن کریم فرماتا ہے: "اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا"۔ مرقات نے فرمایا کہ سرادق اس دیوار کو کہتے ہیں جو اکیلی سارے گھر کو گھیرے ہو۔ دوزخ کی یہ چار دیواریں آگے پیچھے ہیں ہر دیوار پورے دوزخ کو گھیرے ہوئے ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر غساق ۱؎ کا ایک ڈول دنیا میں گرادیا جائے تو دنیا والے سخت بدبو میں مبتلا ہو جاویں ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ غساق بھی دوزخیوں کو پلایا جانے والا پانی ہے یہ تمام دوزخیوں کی قے، خون پیپ اور کچے لہو کا مجموعہ ہے جو نالیوں کے ذریعہ نیچے گرتا ہوگا اسے نیچے کے طبقے والے دوزخی پئیں گے، وہاں نیچے طبقے والے دوزخیوں کا عذاب بہت سخت ہوگا۔ خیال رہے کہ غساق وغیرہ صرف کافر دوزخیوں کو پلایا جائے گا اللہ تعالٰی مسلمان گنہگاروں کو جو کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں رکھے جائیں گے ان پانیوں سے محفوظ رکھے گا کیونکہ مسلمان کے منہ میں اللہ رسول کا نام حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ رب نے انسانیت کا اتنا احترام فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی غذا حیض کا خون ہوتا ہے مگر وہ منہ کی راہ پیٹ میں نہیں جاتا ہے بلکہ بچہ کے ناف میں سوراخ دار ناڑو ہوتا ہے اسی ذریعہ پہنچتا ہے کیونکہ منہ اللہ رسول کے نام کی جگہ ہے مگر جب کفار نے خود ہی اپنی

انسانیت کھودی تو انہیں یہ سزادی گئی، رب فرماتا ہے: "اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا جَزَآءً وِّفَاقًا"۔ ہم کو چاہیے کہ اپنا منہ جھوٹ غیبت وغیرہ سے محفوظ رکھیں کہ یہ منہ یار کے نام کی جگہ ہے۔ گندے گھر میں سلطان کو نہیں بٹھایا جاتا، رب تعالٰی ہمارے منہ دل و دماغ کو گناہوں سے بچائے۔
۲؎ یہاں ڈول سے مراد تھوڑا سا غساق ہے، سمجھانے کے لیئے ڈول ارشاد فرمایا ہے۔ دنیا سے مراد زمین ہے یعنی غساق کی بدبو کا یہ حال ہے کہ اس کا ایک ڈول ساری روئے زمین کو بدبو سے سزادے، اس کی بدمزگی اس کی شکل کا کیا پوچھنا اس کا ایک قطرہ روئے زمین کی چیزیں کڑوی کردے۔ نتن مقابل ہے نوح کا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی کہ اللہ سے ڈرو اس کے ڈرنے جیسا حق ۱؎ اور نہ مرو مگر اسی حالت میں کہ تم مسلمان ہو۲؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین میں ٹپکا دیا جاوے تو دنیا والوں پر ان کی روزیاں خراب کردے۳؎ تو اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی زقوم ہو۴؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی۔	

۱؎ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی سے بچا جائے، شکر کیا جائے ناشکری سے دور رہا جائے، اسے یاد کیا جائے بھولا نہ جائے۔ (حاکم، مرقات) اللہ اس قال کو حال بنادے۔
۲؎ اس طرح کہ اسلام و ایمان پر مرتے دم تک قائم رہو مسلم جیو مؤمن مرو۔ شعر

پانی بھریں پنھاریاں رنگ برنگ گھڑے ‏ ‏ ‏ ‏ بھریا اس کا جانئے جس کا توڑ چڑھے

۳؎ زقوم تھوڑ کو کہتے ہیں وہاں دوزخیوں کی یہ غذا ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر زقوم (ناگ پھنی) نچوڑی جائے اس کی ایک بوند زمین پر ٹپکادی جائے۔ لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ زقوم کسی پانی کا نام نہیں پھر اس کا قطرہ کیسا اور ٹپکانا کیا۔ سیب پھل ہے مگر اس میں عرق تو ہے جو نچوڑنے سے ٹپکتا ہے۔
۴؎ یعنی اس ایک قطرے کی کڑواہٹ بدبو گرمی کی وجہ سے روئے زمین کے سارے دانے پھل کردے، بدبودار گرم ہوجائیں زقوم بھی کفار ہی کو کھلایا جائے گا، رب فرماتا ہے: "اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ"۔ خیال رہے کہ زقوم بنا ہے زقم سے بمعنی سخت بدمزگی۔ (مرقات) یہ غذا بھی ان پر سخت عذاب ہوگی مگر کھائیں گے کہ بھوک ان پر مسلط کردی جائے گی۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ دوزخی دوزخ میں منہ سکوڑے ہوں گے ۱؎ فرمایا اسے آگ بھون دے گی تو اس کا اوپری ہونٹ سکڑ جاوے گا حتی کہ اس کے سر تک پہنچ جاوے گا اور اس کا نیچا ہونٹ لٹک جاوے گا حتی کہ اس کی ناف پر پڑے گا ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ دوزخیوں کے منہ آگ میں جھلس کر سکڑ جائیں گے جس سے ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی کہ انہیں دیکھ کر ڈر لگے گا بھوت بنے ہوں گے۔

۲ غور کرو کہ اگر اوپر کا ہونٹ سر سے لگ جاوے نیچے کا ہونٹ لٹک جائے جس سے سارے دانت کھل جائیں تو شکل کیسی ڈراؤنی ہوگی، ہونٹ تو منہ کی زینت ہیں جن سے منہ حسین معلوم ہوتا ہے جب یہ ہی بگاڑ دیئے گئے تو آدمی بھوت چڑیل سے بدتر معلوم ہوگا۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اے لوگو روؤ اگر رو نہ سکو تو بہ تکلف روؤا کیونکہ دوزخی لوگ روئیں گے حتی کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر ایسے بہیں گے گویا وہ نالیاں ہیں ۲ کہ آنسو ختم ہوجائیں گے تو آنکھوں کو زخمی کردیں گے ۳ اگر کشتیاں اس میں بہائی جاویں تو بہہ جاویں ۴ (شرح سنہ)	

۱ یعنی جیتے جی اپنے گناہوں کے ڈر، رب کے خوف، اس کی رحمت کے شوق، اس کے حبیب کے عشق میں جتنا ہوسکے رولو ایسے رونے کا انجام ان شاءاللہ خوشی و شادمانی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

خوف، شوق، ذوق کا رونا بڑا ہی لذیذ ہے انہیں آنسوؤں سے چمن ایمان کی آبیاری ہوتی ہے۔ شعر

باش چوں دولاب دائم چشم تر　　　تادرون صحن تو روید خضر

۲ کفار دنیا میں بے غم تھے وہاں غمگیں ہوں گے، یہاں خوش تھے وہاں مغموم رہیں گے، یہاں ہنستے بہت تھے وہاں روئیں گے جس سے ان کے خساروں پر نالیاں بن جائیں گی۔

۳ پھر ان کی آنکھوں سے دو قسم کے خون جاری ہوں گے آنسو کی جگہ اور زخم چشم سے پھر اس رونے سے جو تکلیف ہوگی وہ بیان سے باہر ہے۔

۴ ازجیت بنا ہے ازجاء سے بمعنی چھوڑنا بہانا۔ (مرقات، اشعہ) ازجیت یعنی دوزخیوں کی آنکھوں سے اتنا خون بہے گا کہ اس کے تالاب دریا بن جائیں گے کہ ان میں کشتیاں جاری ہوجاویں۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں پر بھوک مسلط کی جاوے تو یہ بھوک سارے عذابوں کے برابر ہوجاوے گی ۱ جن میں وہ مبتلا ہیں وہ فریاد کریں گے تو وہ ضریع میں سے دیئے جائیں گے جو نہ موٹا کرے نہ بھوک سے نجات دے ۲ پھر وہ کھانا مانگیں گے تو انہیں گلے والا کھانا دیا جاوے گا ۳ تو انہیں یاد آوے گا کہ وہ دنیا میں کاہے پانی سے اتارتے تھے (نگلتے تھے) ۴ چنانچہ وہ پانی مانگیں گے تو ان کی طرف کھولتا پانی پیش کیا جاوے گا لوہے کی سنڈاسیوں سے ۵ جب وہ ان کے منہ کے قریب ہوگا تو ان کے منہ بھون دے گا ۶ پھر جب انکے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹوں کی ہر چیز کاٹ ڈالے گا تو کہیں گے کہ دوزخ کے منتظمین کو پکارو ۷ مگر منتظمین کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلیلیں نہیں لائے عرض کریں گے ہاں کہیں گے تو پکارے جاؤ کافروں کی پکاریں ہیں ہی بر باد ۸	

پھر کہیں گے مالک کو پکارو کہیں گے اے مالک اب تو تمہارا رب ہمارا فیصلہ ہی کردے ۹؎ فرمایا وہ انہیں جواب دے گا تم یہاں ہی رہو گے،اعمش فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ دوزخیوں کی پکار اور مالک کے ان کو جواب دینے میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہوگا ۱۰؎ پھر کہیں گے اپنے رب کو پکارو کہ تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں ۱۱؎ تو کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدنصیبی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم تھے ۱۲؎ اے ہمارے رب ہم کو اس سے نکال اگر اب ہم کفر کی طرف لوٹ آئیں تو ہم ظالم ہیں ۱۳؎ فرمایا کہ انہیں جواب دے گا پڑے رہو اس میں مجھ سے بات نہ کرو ۱۴؎ فرمایا کہ اس وقت ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے ۱۵؎ اور اس وقت ندامت اور خرابی کی پکار میں مشغول ہوں گے ۱۶؎ عبداللہ ابن عبدالرحمان نے فرمایا کہ لوگ اس حدیث کو مرفوع نہیں کرتے ۱۷؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی دوزخیوں پر اس شدت کی بھوک مسلط کی جاوے گی کہ اس کی تکلیف دوزخ کی باقی تکلیف کے برابر ہو جاوے گی،اس سے یہ لوگ غذا کے لیے بے تاب ہو جاویں گے۔ بھوک وہ چیز ہے کہ دنیا میں بعض دفعہ بھوکی عورتوں نے اپنے بچے ذبح کر کے کھالیے ہیں۔رب پناہ دے! اس بھوک کی وجہ سے انہیں جو بھی کھانے کے لیے دیا جائے گا بے تأمل اسے دوڑ کر لیں اور کھائیں گے کہ کسی طرح پیٹ بھرے۔

۲؎ ضریع عرب شریف میں ایک خاردار گھاس ہے جس کے کانٹے بھی خطرناک ہوتے ہیں اور وہ زہریلی بھی ہوتی ہے اسے جانور منہ نہیں لگاتے بلکہ جس زمین میں وہ ہو جانور ڈر کے مارے چرتے بھی نہیں وہاں ٹھہرتے بھی نہیں دوزخی پیٹ بھرنے کے لیے وہی کھائیں گے اور سخت تکلیف اٹھائیں گے مگر پیٹ اس سے بھی نہ بھرے گا۔

۳؎ اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے "اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ" یعنی کانٹوں والا کھانا یہ ہی ہے جو انہیں ضریع کے بعد دیا جاوے گا۔

۴؎ یعنی یہ کھانا جب نگلیں گے تو وہ ان کے حلق سے نہ اترے گا، پھنس جائے گا نہ اگل سکیں گے نہ نگل سکیں گے تب انہیں دنیا کا حال یاد آئے گا کہ ہم گلے میں اٹکا ہوا لقمہ پانی سے نگلتے تھے۔

۵؎ یہ بالٹیاں اور سنڈاسیاں قدرتی ہوں گی جس میں کھولتا پانی بھرا ہوگا،فرشتے ان بالٹیوں کو اٹھائے ہوں گے اس کا ذکر یہاں ہے۔اس پانی کی گرمی اس حد تک ہوگی کہ کوئی شخص نہ اس بالٹی کے قریب جاسکے گا نہ ہاتھ لگا سکے اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۶؎ جس پانی کی گرمی کا یہ حال ہو وہ جب منہ میں یا پیٹ میں پہنچے گا تو کیا حال ہوگا اس بلا سے رب تعالٰی بچائے۔

۷؎ یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دوزخ کے داروغہ مالک سے اور دیگر متعلقہ فرشتوں سے عرض کرو کہ ہم کو اس عذاب سے نجات ملے یا موت دے دی جائے۔خیال رہے کہ دوزخی کبھی تو فرشتوں کو پکاریں گے،کبھی رب تعالٰی کو پکاریں گے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "ادۡعُوۡا رَبَّکُمۡ یُخَفِّفۡ عَنَّا یَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ" وہاں دوسری پکار کا ذکر ہے۔

۸؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے کہ دوزخ میں کفار کی دعا پکار بےکار ہوگی کچھ نہ سنی جائے گی، دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہوجاتی ہیں، شیطان نے درازئ عمر کی دعا کی جو قبول ہوئی "اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ"۔(مرقات)اس آیت کے معنی ایک یہ بھی کئے گئے ہیں کہ کافروں کے لیے ان کی نجات کے لیے کسی کی دعا قبول نہیں ایسی دعائیں برباد ہیں۔(مرقات)

۹؎ یہاں فیصلہ سے مراد موت کا فیصلہ ہے یعنی ہم کو موت دے دے حکمی فیصلہ تو پہلے ہی ہوچکا ہے کہ وہ دوزخ میں رہیں۔

۱۰؎ اس ایک ہزار سال میں برابر چیختے چلاتے ہی رہیں گے جواب کا انتظار بھی کریں گے اور چیختے چلاتے بھی رہیں گے۔

۱۱؎ یعنی وہ ارحم الراحمین ہے۔کاش دنیا میں وہ لوگ یہ مانتے اطاعت کرلیتے تو یہ دن کیوں دیکھتے۔

۱۲؎ اگر یہ بات دنیا میں وہ لوگ مان لیتے اور ایمان قبول کرلیتے تو یہ نوبت نہ آتی ہر کام وقت پر ہی درست ہوتا ہے توبہ اور ایمان کا وقت یہ زندگی ہے موت کی سکرات کے وقت کا ایمان بھی قبول نہیں چہ جائیکہ اس وقت کا ایمان۔

۱۳؎ یعنی ابھی ہم ظالم نہیں بلکہ دھوکا کھانے والوں میں ہیں ہم دنیا میں دھوکا کھاگئے کہ یہ جگہ ہم نے دیکھی نہ تھی نبیوں کا ہم نے اعتبار نہ کیا اب ہم یہ عذاب اپنی آنکھوں دیکھ چکے،اگر دوبارہ دنیا میں جاکر تیری نافرمانی کریں تو واقعی ہم بڑے مجرم ہوں گے ایک بار ہم کو دنیا میں اور بھیج دے ہمیں موقعہ اور عطا فرما۔

۱۴؎ یعنی تمہاری درخواست نامنظور رہے۔اس ایمان و اعمال کا اعتبار ہے جو نبی کی زبان پر اعتماد کرکے بے دیکھے اختیار کیا جائے اب تم نے یہ عذاب اپنی آنکھوں دیکھ لیا اگر تم دنیا میں جاکر ایمان لاؤ بھی تو بھی ایمان بالغیب تم کو میسر نہ ہوگا ایمان بالشہادۃ ہوگا جو مردود ہے،یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم دوبارہ دنیا میں گئے تو بھی کفر و شرک و بدکاری ہی کروگے عادی مجرم جب چھوٹتا ہے لوٹتا ہے لہذا ہم سے اس بارے میں کلام ہی نہ کرو ایسی درخواست پیش نہ کرو تمہاری اپیل خارج۔

۱۵؎ کیونکہ اپیل کی آخری عدالت یہ ہی تھی جب یہاں سے ہی اپیل خارج ہوگئی تو اب کہاں جاکر فریاد کریں۔

۱۶؎ اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ شور مچاتے رہے تھے مگر وہ شور و غل تکلیف کا تھا یہ شور و غل مایوسی اور حسرت افسوس کا ہوگا اور کیسا ہوگا وہ رب تعالٰی ہی جانے اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔

۱۷؎ یعنی اس روایت میں یہ حدیث مرفوع ہے مگر محدثین عمومًا اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت ابوالدرداء پر موقوف کرتے ہیں۔لیکن خیال رہے کہ ایسی موقوف حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں کہ ان میں قیاس کو دخل نہیں،صحابی ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہہ سکتے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نے تم کو آگ سے ڈرایا میں نے تم کو آگ سے ڈرایا ۱؎ آپ یہ فرماتے رہے حتی کہ اگر حضور میری اس جگہ ہوتے تو بازار والے سن لیتے ۲؎ اور حتی کہ جو چادر آپ پر تھی وہ آپ کے پاس قدموں پر گر گئی ۳؎(دارمی)	

۱؎ یعنی میں نے تم کو بارہا دوزخ سے مختلف طریقوں سے ڈرایا کیونکہ میں اللہ تعالٰی کی طرف سے نذیر بھی تو ہوں میں نے اپنا یہ فرض ادا کردیا تم لوگ گواہ رہو۔

۲؎ یعنی حضور انور نے جوش میں اس قدر بلند آواز سے یہ کلمات فرمائے کہ اگر حضور انور آج یہاں قیام فرما کر وہ فرماتے تو بازار تک آپ کی آواز پہنچ جاتی۔

۳؎ یعنی جوش کے ساتھ آپ پر وجدانی حالت بھی طاری تھی اور آپ جنبش میں تھے جس کے اثر سے چادر مبارک کندھے شریف سے گر کر قدم مبارک پر آگئی۔ یہ حدیث صوفیاء کرام کے وجد کی دلیل ہے وجدان شوق اور ذوق خوف ہر چیز سے آسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اس جیسی رانگ کھوپڑی کی طرف اشارہ فرمایا ۲؎ آسمان سے زمین کی طرف گرائی جاوے حالانکہ یہ فاصلہ پانچ سو سال کا ہے تو رات سے پہلے زمین پر پہنچ جاوے اور اگر وہ ہی رانگا زنجیر کے سرے سے ۳؎ گرایا جاوے تو چالیس دن رات چلے اس کی جڑ یا اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے ۴؎ (ترمذی)	

۱؎ عبداللہ بھی صحابی ہیں اور آپ کے والد عمرو بھی صحابی مگر دادا عاص ابن وائل کافر حضور انور کا سخت دشمن تھا، اس کا نام عاصی تھا عاص کے ساتھ مشہور ہوگیا۔ عاص ی کو گرا کر بہت دفعہ آخری ی دور کردی جاتی ہے جیسے **باقٍ** سے **باقی**، **متعالٍ**، **متعالی**، **مهتدی** سے **مهتدٍ**۔ (مرقات) بعض محدثین نے فرمایا کہ عاص اجوف واوی یا اجوف یائی ہے اس کی جمع اعیاص ہے، قاموس نے کہا الاعیاص میں قریش اولاد امیہ ابن عبدالشمس اس صورت میں اس کے آخر میں ی ہو ہی نہیں سکتی۔ (مرقات)

۲؎ رصاص ر کے فتحہ سے بمعنی رانگ یا سیسہ، بعض لوگوں نے رضاض ض سے پڑھا بمعنی کنکریٹ مگر یہ غلط ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسانی کھوپڑی کی برابر رانگا یا سیسہ آسمان سے پھینکو تو وہ رات کا چلا صبح سے پہلے زمین پر پہنچ جائے گا۔ چڑھنے کی رفتار بہت سست ہوتی ہے گرنے کی رفتار بہت ہی تیز جیسا کہ مشاہدہ ہے، آسمان پر چڑھنے کی مدت پانچ سو سال ہے گرنے کی مدت دس گھنٹے یا اس سے بھی کم، سادہ اشارہ میں مسئلہ سمجھا دیا گیا ہے۔

۳؎ یہاں سلسلہ سے مراد زنجیر ہے جس میں کفار باندھے جائیں گے جس کی لمبائی دست قدرت کے لحاظ سے ستر ہاتھ ہے یعنی ہمارے ہاں نہیں، رب فرماتا ہے "ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ" اس زنجیر کی لمبائی کا یہ حال ہے۔

۴؎ یہاں **قعر** سے مراد زنجیر کا دوسرا کنارہ ہے نہ کہ گہرائی کیونکہ زنجیر میں گہرائی کہاں یعنی اگر وہ زنجیر دوزخ کے کنارہ سے اس کی تہہ تک لٹکائی جائے تو اس کی درازی کا یہ حال ہوگا کہ یہ سیسہ اس کنارہ سے پھینکا ہوا دوسرے کنارہ تک چالیس سال میں نہ پہنچ سکے اس زنجیر سے کفار کو جکڑا جائے گا اندازہ لگالو کہ وہ جکڑ اور پکڑ کیسی ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابوبردہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک جنگل ہے جسے ہبہب کہا جاتا ہے اس میں ہر ظالم سرکش رہے گا ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام حارث ہے، کنیت ابوبردہ، آپ کے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری مشہور صحابی ہیں، آپ تابعی ہیں، ابو موسیٰ اشعری علی مرتضی وغیرہم صحابہ سے روایت کرتے ہیں، کوفہ کے قاضی تھے، ۱۰۴ھ ایک سو چار ہجری میں وفات پائی۔ (اشعہ)

۲؎ ہبہب بروزن جعفر بمعنی تیزی، جلدی، چمک۔چونکہ وہاں کی آگ بہت تیز ہے اور اپنے مجرموں کو یہ جگہ بہت جلد پکڑے گی اس لیے اسے ہبہب کہا جاتا ہے۔وہاں نہایت ذلت و خواری سے مجرموں کو رکھا جائے گا اسی لیے وہ جگہ متکبر کفار کی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دوزخی دوزخ میں بڑے ہوجائیں گے حتی کہ ان میں سے ہر ایک کی گدیا سے لے کر اس کے کندھے تک سات سو سال کا فاصلہ ہوجاوے گا ۱؎ اور اس کی کھال کی موٹائی ستر گز ہوگی اور اس کی ڈاڑھ احد پہاڑ کی طرح ۲؎

۱؎ جب کان کی لو اور کندھے کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے تو باقی جسم کتنا ہوگا اندازہ لگالو۔خیال رہے کہ اس قد کے متعلق روایات مختلف ہیں جن میں مختلف قد بیان فرمائے گئے ہیں یا تو یہ سب اندازاً ہے سمجھانے کے لیے یا بعض کفار کے قد کتنے بعض کے کتنے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔واقعی ان کی کھال ڈاڑھ اتنی ہی موٹی اور بڑی ہوگی۔رسول اللہ سچے ہیں ان کی زبان پر غلط بات آسکتی ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزسے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ میں تو سانپ ہیں اونٹنی کی طرح ۲؎ ان میں سے ایک ڈسے گا ایک بار ڈسنا کہ وہ دوزخی اس کا زہر چالیس سال تک پائے گا ۳؎ اور آگ میں بچھو ہیں پالان والے خچروں کی طرح ان میں سے ایک ڈنگ مارے گا ایک ڈنگ تو وہ اس کا زہر چالیس سال تک پائے گا ۴؎(یہ دونوں حدیثیں احمد نے روایت فرمائیں)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،کنیت ابوالحارث ہے، سہمی ہیں،بدر میں شریک ہوئے،بعد میں مصر میں رہے،وہاں ہی وفات پائی ۸۵ھ میں فات ہوئی۔

۲؎ وہ سانپ جسامت میں تو اونٹ کی طرح بڑے اور موٹے مگر زہر میں رفتار میں پتلے سانپ کی طرح ہوں گے۔دنیا میں موٹا سانپ یعنی اژدھا زہریلا نہیں ہوتا پتلا بہت زہریلا اور تیز رفتار ہوتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کا عصا "ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ" یعنی اژدھا ہوجاتا ہے جسامت میں اور حرکت کرتا تھا پتلے سانپ کی طرح "کَاَنَّهَا جَآنٌّ"۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دوزخ کے موٹے سانپوں میں زہر نہ ہوگا پھر ان سے کیا فائدہ بلکہ وہاں زیادہ بڑا سانپ زیادہ زہریلا ہوگا۔

۳؎ سانپ کے زہر سے جو جانکنی ہوتی ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتی ہے خدا کی پناہ یہ جانکنی کی تکلیف اسے چالیس سال تک محسوس ہوگی مگر جان نکلے گی نہیں اور موت آوے گی نہیں لیکن جانکنی کی شدت محسوس ہوتی رہے گی۔

۴؎ بچھو کے ڈنگ کی تکلیف اس کو معلوم ہے جسے کبھی بچھو نے کاٹا ہو،اس کا زہر سارے جسم کو پریشان کر دیتا ہے خصوصًا کالا بچھو جو سانپ کو ڈنگ مارے تو وہ بھی مر جاوے۔بعض بچھو دنیا میں ایسے ہیں کہ تانبہ پر ڈنگ ماردیں تو وہ راکھ بن جاوے،پھر دوزخ کے بچھو رب جانے کیسے زہریلے ہوں گے پھر یہ زہر انہیں تکلیف تو دے گا مگر اس سے انکی جان نہیں نکلے گی۔

روایت ہے حضرت حسن سے فرماتے ہیں ہم کو حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنائی فرمایا سورج اور چاند قیامت کے دن گہنے ہوئے دو پنیر کے ٹکڑے ہوں گے ۱؎ خواجہ حسن نے کہا کہ ان دونوں کا گناہ کیا ہے،ابوہریرہ نے فرمایا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنا رہا ہوں تو خواجہ حسن خاموش ہو گئے ۲؎(بیہقی بعث ونشور کا بیان)	

۱؎ ثور کہتے ہیں پنیر کے ٹکڑے کو،پنیر جما ہوا دودھ جو عرب میں ہوتا ہے ہمارے ہاں نہیں ہوتا وہ قدرے سخت ہوتا ہے ہم نے وہاں بہت کھایا ہے۔یعنی چاند سورج دوزخ میں نہایت صاف چکنے ہوں گے مگر بے نور ہوں گے اس لیے **مکوران** فرمایا۔

۲؎ یہ ہے کمال ایمان کہ حضور انور کا نام سن کر عقلی سوال کوئی نہ فرمایا،اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں چاند سورج عذاب پانے کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ اپنے پجاریوں کو عذاب دینے جائیں گے،ان کی گرمی آگ کی گرمی سے مل کر عذاب کو دوبالا کردے گی،دیکھو دوزخ میں عذاب دینے کے لیے فرشتے بھی تو ہوں گے مگر وہ عذاب پانے کے لیے وہاں نہیں گئے بلکہ عذاب دینے کے لیے ہوں گے،نیز یہ دونوں نور ہیں اور نور کو نار تکلیف نہیں دیتی،دیکھو مؤمنین وہاں سے گنہگاروں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں جائیں گے مگر بالکل تکلیف نہ پائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ میں نہ جاوے گا مگر بدنصیب ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ بدنصیب کون ہے؟فرمایا جو اللہ کی فرمانبرداری کا کام نہ کرے اور اس کی نافرمانی نہ چھوڑے ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی دوزخ میں سزا پانے کے لیے صرف بدبخت جن وانس ہی ہوں گے،اگر دائمی داخلہ مراد ہے تو شقی سے مراد پورا بدبخت یعنی کافر ہے اور اگر مطلقًا داخلہ مراد ہے دائمی ہو یا عارضی تو شقی سے مراد مطلقًا بدکار ہے خواہ کافر ہو یا فاسق مسلمان۔

۲؎ یہاں بھی وہ ہی دو احتمال ہیں:اگر کافر مراد ہے تو اس معصیت میں بدعقیدگی بھی داخل ہے اور طاعت میں اچھے عقیدے شامل یعنی وہ کافر دوزخ میں ہمیشہ کے لیے جاوے گا جس نے اچھے عقیدے اچھے اعمال اختیار نہ کیے۔برے عقیدے اور برے اعمال پر رہا،رب فرماتا ہے:"لَا یَصْلٰهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى"۔اور اگر گنہگار مؤمن بھی اس میں داخل ہیں تو معصیت واطاعت سے مراد عمل واطاعت ہے۔خیال رہے کہ دنیا میں خوش نصیبی بدنصیبی مال سے سمجھی جاتی ہے مگر آخرت میں اعمال سے وہاں کی دولت اعمال ہے۔

باب خلق الجنۃ و النار

جنت اور دوزخ کی پیدائش ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں بیان ہوگا کہ جنت دوزخ پیدا ہوچکی ہیں۔یہ ہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے،بعض نومولود بے دین کہتے ہیں کہ ابھی پیدا نہیں ہوئیں بعد قیامت پیدا ہوں گی۔اس کی تحقیق ہم اپنی تفسیر نعیمی پارہ اول میں "اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ" کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت اور دوزخ نے مناظرہ کیا ۱؎ تو دوزخ بولی کہ میں غرور والوں جابروں سے خاص کی گئی ہوں ۲؎ جنت بولی کہ پھر میرا کیا حال ہے کہ مجھ میں صرف کمزور لوگ ان میں سے گرے پڑے سیدھے سادھے ہی داخل ہوں گے ۳؎ اللہ تعالٰی نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے جس بندے پر چاہوں گا رحم کروں گا ۴؎ اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ جس بندے پر چاہوں گا عذاب کروں گا ۵؎ تم میں سے ہر ایک کا بھرنا طے شدہ ہے ۶؎ لیکن آگ تو وہ نہ بھرے گا حتی کہ اللہ تعالٰی اپنا قدم رکھے گا ۷؎ تو کہے گی بس بس اس وقت بھرجاوے گی اور بعض بعض کی طرف سمٹ جاوے گی ۸؎ اللہ تعالٰی اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہ کرے گا ۹؎ رہی جنت تو اللہ تعالٰی اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا ۱۰؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں قولی زبانی مناظرہ مراد ہے نہ کہ صرف حال کا اللہ نے ہر چیز میں حواس و شعور کلام پیدا فرمایا ہے "وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ" سب چیزیں نماز تسبیح ذکر کرتی ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

نطق آب و نطق خاک و نطق گل — ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است — از حواس اولیاء بیگانہ است

۲؎ یعنی اے جنت میں تجھ سے اعلیٰ ہوں کہ مجھ میں اعلیٰ شاندار لوگ آکر رہیں گے بادشاہ،وزراء،متکبرین مالدار کفار اور تو مجھ سے کمتر ہے کہ کمترین لوگ ضعفاء تجھ میں رہیں گے۔

۳؎ دوزخ کے کہنے پر جنت نے بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کیا کہ مجھے کمزوروں کی جگہ کیوں بنایا گیا میں نے کیا قصور کیا تھا۔خیال رہے کہ **ضعفاء** سے مراد بدن اور مال کے لحاظ سے کمزور لوگ ہیں۔**سقط** اور **غرۃ** سے مراد ہے احوال و صفات کے لحاظ سے کمزور۔**سقط** وہ جنہیں لوگ معتبر نہ سمجھیں ان کی طرف التفات نہ کریں۔**غرہ** وہ جودین میں مشغلہ رکھنے والے لوگ جنہیں دنیا کا تجربہ کم ہو کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں بلکہ چالاک انہیں دھوکہ دے دیں،حدیث شریف میں ہے **المؤمن غر کریم الکافر خب لئیم**۔

۴؎ چونکہ جنت اللہ تعالٰی کی رحمت کا مظہر ہےاور اللہ تعالٰی کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لیے پہلے اس سے خطاب فرمایا گیا یعنی جنہیں توضعیف سمجھتی ہے وہ در حقیقت کمزورنہیں وہ تو میرے رحم و کرم کا مرکز ہیں بڑے درجے والے ہیں۔

۵؎ یعنی اے دوزخ تو میرا غضب وقہر کا مظہر ہے تجھ میں وہ لوگ رکھے جائیں گے جو اپنے شامت اعمال کی وجہ سے میرے غضب و قہر کے مستحق ہوگئے،تم دونوں ہی اچھی ہو کہ میرے صفات کا مظہر ہو۔**عذابی** سے مراد ہے عذاب کی جگہ محل عذاب،عدل بھی میری صفت ہے فضل بھی۔

۶؎ یعنی تم دونوں کا کمال اسی میں ہے کہ تم دونوں ہی بھردی جاؤ،چنانچہ ہم تم میں سے کسی میں جگہ خالی نہیں چھوڑیں گے دونوں کو بھر دیں گے۔

۷؎ شارحین نے رجل یعنی قدم کے بہت معنی کیے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ پاؤں بمعنی قدم ہی ہو اور اللہ کے قدم سے مراد وہ ہو جو وہ ہی جانے یہ فرمان عالی متشابہات سے ہے ورنہ اس گوشت و پوست کے ہاتھ پاؤں سے رب تعالٰی پاک اور منزہ ہے۔

۸؎ یعنی جب اللہ تعالٰی آگ میں اپنا قدم قدرت رکھ دے گا تو آگ کا جوش ختم ہوجاوے گا اور زیادتی کا مطالبہ "**هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ**" بندہوجاوے گا یہ قدم وہاں رہے گا نہیں بالکل نکال لیا جاوے گا۔

۹؎ یعنی دوزخ بھرنے عذاب دینے کے لیے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جاوے گی کیونکہ یہ ظلم ہے رب تعالٰی ظلم سے پاک ہے۔خیال رہے کہ ظلم سے دو معنی ہیں کسی کی چیز اس کی بغیر اجازت استعمال کرنا،دوسرے کسی کو بغیر قصور سزا دینا یہ کہہ کہ "**مَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ**" پہلے معنی تو رب تعالٰی کے لیے منصور نہیں کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی مخلوق و مملوک ہے دوسرے معنی ظلم سے رب تعالٰی پاک ہے"**اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ**"لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ اگر اللہ تعالٰی تمام لوگوں کو دوزخ میں بھیج دے تو وہ ظالم نہیں،یہاں ظلم سے پہلے معنی مراد ہیں۔

۱۰؎ خیال رہے کہ دوزخ صرف بدعقیدگی اور بدعملی سے ملے گی مگر جنت کسبی،وہبی،عطائی تین طرح ملے گی۔اپنی نیکیوں سے جنت ملنا کسبی ہے،کسی نیک کے طفیل ملنا وہبی ہے جیسے مسلمان ماں باپ کے چھوٹے بچے مرے ہوئے یا دیوانہ مسلمان یا ہم

جیسے گنہگار حضور کے طفیل،یہ قوم جو جنت بھرنے کے لیے پیدا کی گئی انہیں جنت عطائی ملے گی محض فضل الٰہی سے یہ مسئلہ یہاں سے حاصل ہوا۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی ہیں فرمایا دوزخ میں ڈالا جاتا رہے گا۱؎ اور وہ کہتی رہے گی کیا اور زیادتی بھی ہے۲؎ حتی کہ اللہ تعالٰی اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تب بعض بعض کی طرف سمٹ جاوے گا کہے گی تیری عزت و کرم کی قسم بس بس۳؎ اور جنت میں بچی ہوئی جگہ رہے گی حتی کہ اللہ اس کے لیے ایک مخلوق پیدا فرمائے گا جنہیں جنت کے بچے ہوئے حصے میں رکھے گا ۴؎(مسلم،بخاری)اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ جنت مشقتوں سے گھیر دی گئی،کتاب الرقاق میں بیان کردی گئی۔

۱؎ اس میں جنات،انسان،چاند،سورج،اینٹ پتھر وغیرہ ڈالے جاتے رہیں گے مگر وہ بھرے گی نہیں۔

۲؎ یہ زبان قال کہتی رہے گی نہ کہ بہ زبان حال،ہر چیز میں زبان فہم وغیرہ سب کچھ ہے۔

۳؎ یعنی اب میں بالکل بھر گئی مجھ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگی اب تجھ سے زیادتی کا مطالبہ نہیں کروں گی۔

۴؎ ابھی عرض کیا گیا کہ جنت بھرنے کے لیے ایک مخلوق پیدا کی جاوے گی مگر دوزخ بھرنے کے لیے کوئی مخلوق پیدا نہ کی جاوے گی کیونکہ بغیر عمل جنت مل سکتی ہے بغیر گناہ دوزخ میں نہیں ڈالا جاسکتا،یہ مخلوق انسان ہی ہوگی مگر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے نہ ہوگی اور اس مخلوق کو جنت جزا یا ثواب کے لیے نہ ملے گی محض رب تعالٰی کے فضل سے عطا ہوگی۔اس مخلوق کو حوریں عطا نہ ہوں گی پھل فروٹ اور دوسری نعمتیں دی جاویں گی۔

شرعی معمہ: وہ کون سے انسان ہیں جو آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں؟

جواب: وہ یہ ہی مخلوق ہے جو جنت پر کرنے کے لیے پیدا کی جاوے گی کہ یہ انسان تو ہوگی مگر اولاد آدم علیہ السلام نہیں جیسے،حضرت حواء انسان ہے مگر حضرت آدم کی اولاد نہیں،نیز خود آدم علیہ السلام انسان ہیں مگر اولاد آدم نہیں،مرقات نے فرمایا کہ جنت عمل پر موقوف نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جب اللہ تعالٰی نے جنت پیدا کی تو حضرت

	جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ اسے دیکھو وہ گئے اسے اور جو نعمتیں اس میں جنتیوں کے لیے اللہ نے تیار کی ہیں انہیں دیکھا پھر آئے۱عرض کیا یا رب تیری عزت کی قسم نہ سنے گا اسے کوئی مگر اس میں داخل ہوگا۲پھر رب نے اسے مشقتوں سے گھیر دیا۳پھر فرمایا اے جبریل جاؤ اسے دیکھ کر آؤ،فرمایا تو وہ گئے اسے دیکھا۴پھر آئے عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ جنت میں کوئی داخل نہ ہوسکے گا ۵فرمایا پھر جب اللہ نے آگ پیدا کی تو فرمایا اے جبرئیل جاؤ اسے دیکھو،فرمایا وہ گئے اسے دیکھا پھر آئے ٦ عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم اسے کوئی نہ سنے گا کہ پھر اس میں داخل بھی ہوے۷رب نے اسے لذتوں سے گھیر دیا ۸پھر فرمایا اے جبریل اسے دیکھو فرمایا وہ گئے اسے دیکھا عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ اس میں کوئی داخل ہوئے بغیر نہ بچے گا ۹(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱یہاں آنے جانے سے مراد اپنے جائے رہائش سے جانا آنا یعنی سدرۃ المنتہٰی سے جنت میں گئے پھر وہاں ہی لوٹ کر آئے۔حضرت جبرئیل کا جنت میں جانا ثواب کے لیے نہ تھانہ وہ وہاں پھل وغیرہ کھا سکے کہ وہاں کی نعمتیں انسانوں کے لیے ہیں اس لیے لاھلھا ارشاد ہوا،فرشتے کھانے پینے سے محفوظ ہیں۔

۲یعنی دوزخ میں کوئی نہ جائے گا ساری مخلوق جنت میں داخل ہوجاوے گی کیونکہ یہاں کی نعمتیں راحتیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کو سن کر ان سے صبر نہیں کرسکتا۔

۳یعنی جنت میں بہت اعلیٰ گلشن ہے جگہ بہارا ہے مگر اس کا راستہ خاردار ہے۔حج،روزے،جہاد،زکوۃ،رات کو جاگنا،تہجد پڑھنا یہ اس کے راستے ہیں۔

۴اس دنیا کے عرض یہاں کے اعمال و صفات وہاں اس عالم میں شکل و صورت رکھتے ہیں،حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ تمام چیزیں مشکلتوں کانٹوں کی شکل میں دیکھیں لہذا حدیث واضح ہے۔

۵یعنی کوئی شخص اپنی طاقت سے جنت میں نہ جاسکے گا جس پر تو فضل و کرم فرمائے اور اسے ان مشقتوں کی برداشت کی توفیق دے وہ ہی انہیں برداشت کرکے جنت میں پہنچ سکے گا،حضرت جبرئیل کی عرض بالکل درست ہے جو آنکھوں سے دیکھے جارہے ہیں۔

٦دوزخ میں جانے آنے کے وہ ہی معنی جو ابھی عرض کیے گئے کہ اپنی جگہ سدرۃ المنتہٰی سے گئے وہاں ہی آئے اور وہاں جانا تکلیف کے لیے نہیں سیر کے لیے ہے جیسے کوئی جیل خانہ کی سیر کرنے وہاں جائے تو وہ محض سیر کے لیے گیا ہے وہاں اسے تکلیف نہیں ہوتی۔

۷؎ یعنی مولیٰ یہ جگہ ہمیشہ خالی رہے گی اس میں کوئی نہ آئے گا،ایسی مصیبت کی جگہ کون آئے گا۔
۸؎ گانے،ناچنے،کھیل تماشے،زنا،چوری وغیرہ نفس امارہ کو مرغوب ہیں یہ ہی دوزخ کے راستے ہیں جو نفس کو بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔
۹؎ اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ مولیٰ جسے تو ہی توفیق دے وہ اس راستہ سے بچ سکے گا،اپنی طاقت سے کوئی یہاں سے نہیں بچ سکتا ایک شاعر کہتا ہے۔

لولا اعشقه ساؤا الناس کلهم　　　　الجوب یفقه والاقدام قتال　　　　(مرقات)

اگر مشقت نہ ہوتی تو سب ہی سردار بن جاتے عظمت بہت مشقت سے ملتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے ۱؎ تو اپنے ہاتھ سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا،فرمایا ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھائی تو جنت و دوزخ اس دیوار کی جانب میں اپنی شکل میں دکھائی گئیں ۲؎ میں نے آج کے دن کی طرح خیروشر کا جامع نہیں دیکھا ۳؎(بخاری)	

۱؎ نماز سے مراد فرض نماز ہے یعنی پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی اس کے بعد وعظ کے لیے منبر شریف پر تشریف لائے۔
۲؎ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دیوار میں اتنی وسیع جنت و دوزخ سما گئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس دیوار کی طرف ہم نے جنت بھی دیکھی اور دوزخ بھی،جنت دوزخ اپنے مقام پر تھیں،حضور انور کی نگاہ نے دور کی جنت و دوزخ ملاحظہ فرمائیں حالانکہ وہ عالم دوسرا ہے نہ یہ مطلب ہے کہ جنت و دوزخ کے فوٹو دکھائے گئے۔
۳؎ یعنی جنت سراسر خیر ہے اور دوزخ سراسر شر،میں نے ان دونوں کو اسی وقت اور اس کی جگہ جمع دیکھا۔جو نگاہ مدینہ منورہ میں کھڑے کھڑے جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرماسکتی ہیں اس نگاہ سے زمین کا کوئی چپہ کیسے مخفی رہ سکتا ہے،یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت نظر کی دلیل ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت دوزخ پیدا ہوچکی ہیں،حضور انور نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اس لیے یہ حدیث صاحب مشکوۃ اس باب میں لائے۔وہ واقعہ دوسرا ہے جب حضور انور نے نماز کسوف میں جنت دوزخ ملاحظہ فرمائیں اور جنت کا خوشہ توڑنے کے لیے ہاتھ مبارک اٹھایا بعد میں فرمایا کہ اگر یہ ہم چاہتے تو وہاں کا خوشہ توڑ لیتے۔

باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم الصلوۃ و السلام

پیدائش کی ابتداء، حضرات انبیاء کرام کا ذکر [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اس باب میں دو چیزیں بیان ہوں گی: ایک یہ کہ مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کیسے ہوئی،دوسرے یہ کہ دین و ملت کی ابتداءکس طرح ہوئی۔آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے عالم اجسام کی اصل پانی سے ہے کہ پانی ہی وہ چیز ہے جو ہر شکل اختیار کرلیتا ہے۔چنانچہ پانی لطیف ہوکر ہوا بنا،پھر ہوا گرم ہوکر آگ بنی،آگ کا دھواں جم کر آسمان بنا،قرآن مجید میں آسمان کو دھواں فرمایا گیا ہے،اس پانی کے جھاگ جم کر زمین بنے،اس زمین کا کچھ حصہ سخت کرکے پہاڑ بنادیئے گئے،پھر پہاڑ زمین پر لنگر کی طرح قائم کردیئے گئے تاکہ زمین جنبش نہ کرےلہذا عالم اجسام کی اصل پانی ہے،رب فرماتاہے:"وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ"۔دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تھا اس کے ساتھ کچھ نہ تھا،سب سے پہلے لوح و قلم پیدا فرمائے،پھر عرش و کرسی،پھر آسمان و زمین جن و انس وغیرہ۔دوسری حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے نور محمدی بنایا،پھر اس نور سے سارا عالم بنا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں

تو اصل وجود آمدی از نخست | دگرہرچہ موجود شد فرع تست

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے[1] فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ناگاہ بنی تمیم کی ایک قوم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی حضور نے فرمایا بشارت قبول کرواے بنی تمیم[2] وہ بولے آپ نے ہمیں بشارتیں تو دے دیں ہم کو تو کچھ دیجئے[3] پھر یمن کے کچھ لوگ آئے حضور نے فرمایا جب بنو تمیم بشارت قبول نہیں کرتے تو تم بشارت قبول کرو[4] وہ بولے ہم قبول کرتے ہیں ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ دینی علم سیکھیں اور آپ سے اس چیز کی ابتداء پوچھیں کہ کیا چیز تھی[5] فرمایا اللہ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا اس کا عرش پانی پر تھا[6] پھر اس نے آسمان و زمین پیدا کیے اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی[7] پھر میرے پاس ایک شخص آیا بولا اے عمران اپنی اونٹنی پکڑو	

	وہ بھاگ گئی۸؎ تو میں اسے ڈھونڈنے چلا گیااور اللہ کی قسم میری تمنا ہے کہ وہ چلی گئی ہوتی اور میں وہاں سے نہ اٹھتا ۹؎(بخاری)

۱؎ یہ وہ صحابی ہیں جو تیس سال بیماری سے بستر پر رہے،فرشتوں سے ملاقات کرتے تھے فرشتے انہیں سلام کرتے تھے،آپ کے بقیہ حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎ یعنی اے بنی تمیم تم مجھ سے عقائد و اعمال سیکھو اور اس پر آئندہ جزاء خیر کی بشارت لو لہذا حدیث واضح ہے۔

۳؎ یعنی عقائد و اعمال کی تعلیم اور اس پر بشارتیں تو آپ سناتے بتاتے ہی رہتے ہیں ہم کو تو مال دیجئے۔افسوس کہ ان لوگوں کو اللہ نے مانگ لینے کا وقت دیا مگر انہوں نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا،نصیب اپنا اپنا تقدیر اپنی اپنی اس وقت دریائے رحمت جوش میں تھا۔

۴؎ یعنی اس وقت سے تم فائدہ اٹھالو ہم سے کچھ حاصل کرلو،اچھے حال کا اچھا مآل(انجام)ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی اللہ تعالٰی نے جب اپنی مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پہلے کیا چیز پیدا فرمائی پھر ترتیب خلق کیا رہی۔سبحان اللہ!کیسا پاکیزہ اور محققانہ سوال ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور اول آخر سب کچھ جانتے ہیں سب کچھ آپ کی نظر میں ہے۔

٦؎ اس پانی سے مراد یہ سمندر کا پانی نہیں بلکہ عرش اعظم کے نیچے قدرتی پانی ہے جو ہوا پر ہے اور ہوا اللہ تعالٰی کی قدرت پر۔اس فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ عرش پانی پر رکھا ہوا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پانی اور عرش کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی جیسے ہم کہیں کہ آسمان زمین پر ہے یعنی زمین کے اوپر ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عرش اور پانی سب سے پہلے پیدا ہوئے،دریا کے پانی میں جنبش پیدا ہوئی جس سے جھاگ پیدا ہوئے وہ جھاگ عرصہ تک وہاں محفوظ رہے جہاں خانہ کعبہ ہے،اسی جھاگ کو پھیلادیا گیا وہ زمین ہے،سب سے پہلا پہاڑ بوقبیس ہے جو پیدا کیا گیا۔(مرقات و اشعہ)پانی کے بخار سے آسمان بنا۔

۷؎ ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے غالب یہ ہے کہ لوح و قلم اور یہ تحریر عرش سے پہلے ہوئے۔(اشعہ)

۸؎ یعنی سلسلہ کلام جاری تھا کہ مجھ سے کسی نے یہ کہا میں بقیہ کلام سن نہ سکا۔

۹؎ یعنی یہ مضمون ایسا پیارا تھا کہ مجھے اس کے پورا نہ سننے پر افسوس ہے،اونٹنی بھاگ جاتی مجھے نہ ملتی مگر میں پورا فرمان عالی سن لیتا۔

	روایت ہے حضرت عمررضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہوئے تو ہم کو ابتداء خلق کے متعلق خبر دی حتی کہ جنتی جنت میں اپنے گھروں میں داخل ہوگئے اور دوزخی اپنے گھروں میں۱؎ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۲؎ (بخاری)

۱؎ حضور انور کا یہ وعظ فجر کی نماز سے مغرب کی نماز تک تھا،درمیان میں سواء ظہر کی و عصر کی نماز کے اور کسی کام کے لیے وعظ شریف بند نہ فرمایا اور دن بھر میں ابتداء سے انتہا تک بیان فرمادینا بھی حضور انور کا معجزہ ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام گھوڑے پر زین کستے کستے پوری زبور شریف پڑھ لیتے تھے،بعض روایات میں ہے کہ اس وعظ شریف میں پرندہ کا پر مارنا،قطرہ کا حرکت کرنا،ذرہ کا جنبش فرمانا تک بیان فرمادیا،گزشتہ ماضی کے سارے حالات اور آئندہ مستقبل کا ایک ایک حال بیان کردیا۔یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کلی کی بڑی قوی دلیل اور یہ حدیث ان آیات کی تفسیر ہے"وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ"یارب کا فرمان:"وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ"۔شعر

خدا مطلع ساخت ہر جملہ غیب — علی کل شئ خبر آمدی

۲؎ اللہ تعالٰی نے سارے غیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے حضور کو یاد بھی رہے،فرماتے ہیں**وتجلی لی کل شئی وعرفت** پھر حضور انور نے یہ سب کچھ صحابہ کو بتایا مگر ان میں سے کسی کو سارا یاد نہ رہا۔یہ فرق ہے اس تعلیم میں اور اس تعلیم میں بعض کو زیادہ یاد رہا،بعض کو کم،بعض کو کچھ یاد نہ رہا۔غرضکہ رب نے اپنے محبوب کو سب کچھ سکھایا،حضور نے صحابہ کو سب کچھ وعظ میں بتایا جیسے حضرت آدم کو رب نے سارے نام سکھائے"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"اور حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو وہ سب نام سکھائے نہیں بلکہ بتائے"فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ"یہ فرق خیال میں رہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے ایک تحریر لکھی ۱؎ کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے ۲؎ تو وہ اس کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ تحریر یا تو لوح محفوظ میں ہے دوسری تحریروں کے ساتھ یا تحریر علیحدہ ہے جورب تعالٰی کے پاس محفوظ ہے،ہر وقت رب کی نظر میں ہے۔خیال رہے کہ اس قسم کی تحریریں تاکید اور اہمیت ظاہر فرمانے اور اپنے خاص بندوں کو دکھانے کے لیے ہوتی ہیں،اس لیے نہیں کہ رب تعالٰی کو اپنے بھول جانے کا خطرہ تھا لہذا لکھ لیا **نعوذ باللہ**۔معلوم ہوا ہے کہ وہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی ہے،دیکھ کر پڑھ کر ہم کو سنارہے ہیں۔شعر

قدرت کی تحریریں جانے امی اور تقدیریں جانے — بخشش کی تدبیریں جانے وہ ہے رحمت والا
جن کا نام ہے محمد دو جگ ہے ان سے اجیالا

۲؎ اس فرمان عالی کے چند معنی ہیں:ایک یہ کہ میری رحمت زیادہ ہے میرا عذاب و غضب کم کہ رحمت ہمیشہ رہتی ہے غضب کبھی کبھی۔دوسرے یہ کہ میری رحمت عام ہے جس سے ہر کافر و مؤمن و جن و انس حصہ لے رہا ہے،میرا غضب خاص کافر انسانوں اور جنات پر۔تیسرے یہ کہ رحمت ملنے کے اسباب بہت ہی ہیں ایمان لانا،توبہ کرنا،عبادت کرنا،رونا،ڈرنا،امید رکھنا،بندوں پر رحم کرنا مگر غضب کا سبب صرف ایک ہے یعنی نافرمانی کرنا اگرچہ نافرمانی کی نوعیتیں بہت ہیں۔چوتھے یہ کہ رحمت پہلے ہے غضب اس کے بعد ہے،مخلوق کو پیدا فرمانا،انہیں پالنا،روزی دینا رحمت یہ پہلے ہے،ان کی

نافرمانی پر پکڑنا یہ غضب ہے جو ان رحمتوں کے بعد ہے۔دنیا میں بھی اس کی رحمت زیادہ ہے آخرت میں بھی زیادہ ہوگی۔پانچویں یہ کہ اللہ کی رحمت توبغیر سبب بھی مل جاتی ہے مگر اس کا غضب کسی سبب سے ہی ہوتا ہے۔ہم پر اس نے عالم ارواح اور ماں کے پیٹ میں رحمتیں کیں،اس وقت ہم کون سے اعمال کررہے تھے۔شعر

درعدم کے بود مارا خود طلب — بے طلب کردی عطا ہائے عجب

چھٹے یہ کہ رحمت تو ہمارے بغیر استحقاق کے بھی مل جاتی ہے مگر غضب ہمارے استحقاق سے ہی ہوتا ہے،اب پڑھو یہ آیت کریمہ "عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ"۔ اس کا اثر یہ ہے کہ آپ دائمی رحمت ہیں تو آپ کی نبوت عالمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ساتویں یہ کہ رحمت کی بہت قسمیں ہیں:رحمت ایجاد،رحمت امداد،رحمت توفیق اعمال،رحمت قبول،رحمت جزاء عمل وغیرہ مگر غضب کے اقسام بہت تھوڑے ہیں۔آٹھویں یہ کہ خلف وعید جائز بلکہ واقع ہے مگر خلف وعد ناممکن ہے،اس کی اور دو وجوہ بھی ہوسکتی ہیں۔

۳؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر لوح محفوظ میں نہیں ہے بلکہ خاص تختی پر ہے لوح محفوظ پر فرشتوں،نبیوں،ولیوں کی نظر ہے مگر اس تحریر پر سوا ہمارے حضور کے کسی کی نظر نہیں،یہ تو حضور کا کرم ہے کہ وہ خاص تحریر ہم کو بتادی سنادی،حضور رب کی طرف سے مختار ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا فرشتے نور سے پیدا کیے گئے۱؎ اور جنات خالص آگ سے پیدا کیے گئے۲؎ اور آدم اس سے پیدا کیے گئے جو تم سے بیان کیا گیا۳؎(مسلم)

۱؎ نور کے معنی ہیں روشنی یعنی بذات خود ظاہر دوسروں کا مظہر،یہاں چمک دار جوہر مراد ہے جس میں کثافت بالکل نہ ہو۔(اشعۃ اللمعات)یعنی فرشتے کی پیدائش ایسے جوہر سے ہے جو چمکدار ہے اس میں کثافت بالکل نہیں،ہمارے جسموں کی پیدائش خاک سے ہے جو کثیف ہے اگرچہ اس میں آگ و پانی کی ملاوٹ بھی ہے۔

۲؎ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے "الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ" اگرچہ آگ بھی لطیف ہے کثیف نہیں مگر اس میں گرمی بھی ہے،نور میں گرمی نہیں صرف لطافت ہے،نیز آگ نور اور کثافت کے درمیان ہے خالص ہو تو محض چمک ہے،مکدر ہو تو محض دھواں،یہ ہی فرق ہے فرشتے اور جن کے درمیان۔(اشعہ)

۳؎ اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے "مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ" یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو گلی اور سوکھی کھنکھاتی مٹی سے پیدا فرمایا۔جسم انسانی کی پیدائش مٹی سے ہے،روح انسانی کی پیدائش امر ربی سے "قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف خاکی نورانی ہے،رب فرماتا ہے:"سِرَاجًا مُّنِیۡرًا" آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے کھجور،انار اور انگور پیدا کیے گئے جنت کی حوریں زعفران سے پیدا کی گئیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ

	علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت آدم کی جنت میں صورت بنائی۱ تو جب تک چھوڑے رکھنا چاہا انہیں چھوڑے رکھا،ابلیس ان کے آس پاس گردش کرنے لگا دیکھتا تھا کہ یہ کیا چیز ہے تو جب انہیں خالی پیٹ دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ ایسی خلقت سے پیدا کیے گئے جو اپنے قابو میں نہ ہوں گے۲ (مسلم)

۱؎ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے چند درجے ہیں: اولًا ان کا پتلا زمین پر یعنی مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نعمان میں بنایا اور سکھایا گیا پھر وہ سوکھا ہوا پتلا جنت میں رکھا گیا وہاں ہی روح پھونکی گئی وہاں ہی فرشتوں سے سجدہ کرایا گیاوہاں ہی حوا پیدا ہوئیں،پھر وہاں سے زمین پر بھیجا گیا یہاں اس دوسرے ٹھکانہ کا بیان ہے لہذا یہ حدیث ان روایات کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضرت آدم کا پتلا نعمان مقام میں بنایا گیا،بعض نے کہا کہ **فی الجنة** راوی کی غلطی ہے۔

۲؎ یعنی یہ اپنے پر قابو نہ رکھیں گے خوشی و رنج عیش تکلیف کو برداشت نہ کرسکیں گے شہوت و غصہ میں بے قابو ہوجائیں گے لہذا میں ان کی اولاد کو بہ آسانی بہکا سکوں گا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نبی حضرت ابراہیم نے اسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا۱ تیشہ سے۲(مسلم،بخاری)

۱؎ جب حضرت ابراہیم اسی ۸۰ سال کے ہوئے تب حکم الٰہی پہنچا کہ اے ابراہیم ختنہ کرو،آپ نے اپنا ختنہ خود کرلیا اور ہوا غلط طریقہ سے تو آپ سخت زخمی ہوگئے،اس کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ**"۔خیال رہے کہ چند نبی ختنہ شدہ پیدا ہوئے جن میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں،آج جوجوان یا بوڑھا مسلمان ہو وہ یا تو اپنا ختنہ خود کرے یا کسی ختنہ جاننے والی عورت سے نکاح کرے جو اس کی بیوی بننے کے بعد اس کا ختنہ کرے،نائی سے ختنہ نہیں کراسکتا کیونکہ بالغ مرد کا ستر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرانا سنت ابراہیمی ہے آپ ہی سے یہ رسم جاری ہوئی۔

۲؎ **قدوم** ق کے فتحہ دال کے پیش سے،شام میں ایک بستی ہےاور قدوم دال کے شد سے تیشہ (بسولہ) بڑھئیوں کا مشہور ہتھیار ہے۔آپ نے مقام قدوم میں اسی اوزار سے اپنا ختنہ خود کرلیا،رب تعالٰی کے حکم پر فورًا عمل کیا یہ ہے اطاعت حکم۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ کہا سواء تین جھوٹ کے۱ ان میں سے دو اللہ کی ذات میں تھے کہ میں بیمار ہوں۲ اور آپ کا فرمان کہ بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا۳ فرمایا کہ ایک دن آپ اور جناب سارہ ہجرت میں تھے کہ

آپ ظالمین میں سے ایک ظالم پر گزرے[۴] اسے خبر دی گئی کہ یہاں ایک شخص ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے لوگوں میں سے حسین ترین اس نے آپ کو بلوایا اور سارہ کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں آپ نے فرمایا میری بہن ہیں[۵] پھر آپ سارہ کے پاس آئے ان سے فرمایا کہ یہ ظالم اگر جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو تو یہ تمہارے متعلق مجھ پر غلبہ کرلے گا[۶] اگر وہ تم سے پوچھے تو اسے بتانا کہ تم میری بہن ہو کیونکہ تم میری اسلامی بہن ہو،روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے[۷] پھر اس نے سارہ کو بلوایا آپ کو وہاں پہنچایا گیا جناب ابراہیم کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے جب آپ اس کے پاس گئیں وہ اپنے ہاتھ سے آپ کو پکڑنے لگا[۸] وہ خود پکڑا گیا،روایت میں ہے کہ وہ خراٹے لینے لگا حتی کہ اس کے پاؤں رگڑ گئے،بولا اللہ سے دعا کردیں تم کو نقصان نہ دوں گا،سارہ نے اللہ سے دعا کی وہ چھوڑ دیا گیا،پھر دوبارہ پکڑنا چاہا اسی طرح پکڑا گیا اور زیادہ سخت[۹] بولا میرے لیے اللہ سے دعا کریں تم کو تکلیف نہ دوں گا[۱۰] تو اللہ سے دعا کی وہ کھول دیا گیا[۱۱] پھر اس نے جناب سارہ کو دوبارہ پکڑنا چاہا تو اس طرح اور بہت سخت پکڑا گیا بولا اللہ سے میرے لیے دعا کردیں تم کو تکلیف نہ دوں گا سارہ نے اللہ سے دعا کی وہ کھول دیا گیا[۱۲] پھر اس نے اپنے بعض دیوڑھی بانوں کو بلایا تم میرے پاس انسان نہیں لائے جناتنی لائے ہو[۱۳] چنانچہ انہیں بی بی ہاجرہ خادمہ دیں[۱۴] آپ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا گزری،بولیں اللہ نے کافر کا مکر اس کے گلے میں لوٹا دیا اور ہاجرہ خادمہ عطا فرمائی[۱۵] ابوہریرہ نے فرمایا کہ آسمان کے پانی کے بچو یہ تمہاری ماں ہیں[۱۶] (مسلم،بخاری)

[۱] یہاں جھوٹ سے مراد توریہ ہے یعنی ذو معنی والا لفظ بول کر بعید معنی مراد لینا ہے،ضرورت کے وقت توریہ بالکل جائز ہے۔خیال رہے کہ آپ کا چوتھا قول ھذا ربی بچپن شریف کا تھا،یہ تین توریہ نبوت کی عطا کے بعد ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی کی تفسیر حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو،یہاں اتنا سمجھ لو کہ آپ کی قوم نے آپ کو اپنے میلے میں چلنے کے لیے کہا تو آپ نے کہا میں بیمار ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاسکتا ہوں،مطلب یہ تھا کہ میرا دل بیمار ہے،اسے تمہاری طرف سے رنج و غصہ ہے مگر چونکہ آپ کا جسم شریف بظاہر بیمار نہ تھا اور **سقیم** کے ظاہری معنی ہیں جسمانی بیماری اس لیے اسے کذب یعنی توریہ فرمایا گیا آپ تو **صدیقًا نبیًا** ہیں،اس فرمان عالی کے اور بہت مطلب ہوسکتے ہیں یہ قوی ہے۔شعر

خلیل در جوابے بگو کہ بیمارم　　　اگر ترابہ تماشا وعید خود طلبند

۳؎ اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ کفار تو اپنے میلے میں گئے آپ نے بتخانہ میں تشریف لے جاکر سارے بت توڑ دیئے،ان میں ایک بت بڑا تھا باقی چھوٹے تھے،کفار نے واپس آکر اپنے بتوں کی یہ حالت دیکھ کر آپ سے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا،آپ نے فرمایا ان سب سے بڑے نے کیا۔یہ کلام شریف ظاہر کے خلاف ہے کہ بتوں کو توڑا آپ نے اس توڑنے کو نسبت کردیا بڑے بت کی طرف اس لیے اسے کذب یعنی توریہ فرمایا۔اس فرمان عالی کے بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں،قوی ترین دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ کفار ان بتوں کو اپنا چھوٹا خدا کہتے تھے اللہ تعالٰی کو بڑا خدا،آپ نے فرمایا کہ یہ کام اللہ تعالٰی نے کیا ہے کیونکہ محبوب خلیل کا کام رب کا کام ہے"**وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى**"وہ سمجھے کہ بڑے سے مراد یہ بڑا بت ہے۔دوسرے یہ کہ یہ جملہ خبر نہیں بلکہ انشاء ہے یعنی اس بڑے نے کیا ہوگا ان چھوٹوں سے پوچھ لو،یہ ہوا استہزاء اور استہزاء خبر نہیں پھر جھوٹ کیسا،رب جہنمی کافر سے فرمائے گا"**ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ**"حالانکہ کافر نہ کریم ہے نہ عزیز،چونکہ ان دونوں کلاموں کا تعلق خاص رب تعالٰی سے ہے جس میں آپ کا اپنا نفع کوئی نہیں اس لیے فرمایا کہ یہ دونوں کلام اللہ تعالٰی کے متعلق تھے۔

۴؎ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت خلیل اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ عراق سے شام کی طرف براستہ مصر ہجرت کرکے جارہے تھے کہ مصر سے گزرے،وہاں کا قبطی بادشاہ صادق ابن صادون بڑا ظالم تھا،جس مسافر کی بیوی خوبصورت دیکھتا اسے طلاق دلوا کر خود قبضہ کرلیتا تھا وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔

۵؎ اس ظالم نے پہلے تو آپ کو بلایا تاکہ آپ سے طلاق حاصل کرکے حضرت سارہ پر قبضہ کرے،آپ نے فرمایا کہ یہ بی بی صاحبہ میری بہن ہیں،وہ بے دین بھائی سے بہن کو نہیں چھینتا تھا بلکہ خاوند سے بیوی کو طلاق دلواتا تھا اگر طلاق نہ دیتا تو اسے قتل کردیتا تھا،آپ بہ تعلیم الٰہی اس کا یہ اصول جانتے تھے۔

۶؎ اس طرح کہ مجھ سے تمہیں بذریعہ طلاق لے لے گا یا مجھے قتل کرا دے گا۔مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام بڑے حسین تھے اور عورتوں میں حضرت سارہ بڑی حسینہ تھیں بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت سارہ کی میراث تھا۔حضرت سارہ ہاران کی بیٹی تھیں،ہاران اور آذر دونوں آپ کے چچا تھے،والد تارخ تھے جو مؤمن تھے۔

۷؎ یعنی اس زمین مصر میں میرے تمہارے سواء کوئی مؤمن نہیں اس وقت حضرت لوط آپ کے ساتھ نہ تھے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔(اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ ضرورۃً اپنی بیوی کو بہن کہنا جائز ہے اس سے ظہار نہیں ہوجاتا جیسے حضرت ابوبکر صدیق نے حضور انور سے عرض کیا تھا کہ حضور میں تو حضور کا بھائی ہوں کیا میری بیٹی عائشہ سے آپ کا نکاح درست

ہوگا،ویسے کوئی اپنے کو حضور کا بھائی نہیں کہہ سکتا"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ"یہ بھی کہنا مسئلہ پوچھنے کی ضرورت سے تھا بلاضرورت زوجین ایک دوسرے کو بھائی بہن ہرگز نہ کہیں۔

۸؎آج اس مردود نے اپنے اصول و قواعد کے بھی خلاف کیا کہ باوجودیکہ آپ نے انہیں اپنی بہن کہااس نے پھر بھی پکڑوا کر بلالیا اور آپ کی طرف دست درازی کرنے لگا۔

۹؎اس کی یہ پکڑ اور چھوٹ حضرت سارہ کی کرامت بھی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ بھی۔وہ اپنی حرکت پر پکڑا جاتا تھا جناب سارہ کی دعا پر چھوٹ جاتا تھا،آپ چھوٹنے کی دعا اس لیے کردیتی تھیں کہ اگر وہ مرگیا یا ایسا ہی رہا تو اس کی قوم مجھے تکلیف دے گی۔

۱۰؎اس کی اس بات سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کافر تھا مگر وہابی نہ تھا وسیلہ اولیاء کا قائل تھا،اس نے خود رب سے دعا نہ کی بلکہ حضرت سارہ سے دعائیں کراتا رہا،وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالٰی ان کی سنے گا میری نہ سنے گا ہر وقت اس کا ہاتھ سوکھ جاتا تھا اور اسے مرگی کا سا مرض لاحق ہوجاتا تھا جس سے وہ زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑنے لگتا تھا۔

۱۱؎ اللہ تعالٰی نے اس ظالم کو پکڑا تو اس کے جرم سے مگر چھوڑا حضرت سارہ کی دعا سے جس سے پتہ لگا کہ مجرم اکثر پکڑے جاتے ہیں اپنی حرکتوں سے مگر خلاصی پاتے ہیں بزرگوں کے فیض سے۔آپ کی یہ دعا فورًا ہی قبول ہوئی کہ دعا کی اور وہ چھوڑا گیا۔

۱۲؎مردود بڑا ڈھیٹ تھا کہ بار بار پکڑا جاتا تھا مگر جب چھوٹتا تھا برا ارادہ کرتا تھا کیونکہ وہ عادی مجرم تھا۔

۱۳؎وہ لوگ جنات سے بہت ہی ڈرتے تھے،ہر خطرناک انسان کو جن کہہ دیتے تھے اسی وجہ سے اس نے آپ کو جن کہا یعنی خطرناک انسان جس پر میں قابو نہ پاسکا جیسے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہہ کر آپ سے دعا کراتا تھا"یٰۤاَیُّہَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ"ساحر بمعنی بڑے کرشمے والا انسان۔شیطان سے مراد طاقتور جن ہے نہ کہ ابلیس کہ وہ ابلیس سے خبردار تھا ہی نہیں۔

۱۴؎ اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت ہاجرہ کے ساتھ بھی یہ ہی واقعہ اس کا ہوچکا تھا کہ آپ کو ظلمًا پکڑلیا تھا مگر آپ پر قابو نہ پاسکا مگر انہیں اپنے گھر میں رکھا آپ اس کے ہاں مظلومہ قیدی تھیں وہ بولا کہ چونکہ سارہ بھی اس طرح کی ہیں لہذا ہاجرہ سارہ کو دیدوانہیں بھی میرے گھر سے نکالو آپ لونڈی نہ تھیں کیونکہ لونڈی غلام وہ ہوتا ہے جو کفرو اسلام کی جنگ میں کافر مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور مسلمان اسے غلام بنالیں۔اس زمانہ میں نہ کفرو اسلام کی جنگ ہوئی تھی نہ آپ کسی مسلمان کے ہاں گرفتار ہو کر لونڈی بنائی گئی تھیں،آپ شہزادی تھیں اس کے ہاں مظلومہ قیدی تھیں،آپ کی عصمت اللہ تعالٰی نے محفوظ رکھی تھی سارہ کی طرح کیونکہ سارہ حضرت اسحاق کی ماں بننے والی تھیں اور ہاجرہ حضرت اسماعیل کی والدہ حضور محمد رسول اللہ کی دادی بننے والی تھیں،اللہ ان کی عصمت کا والی تھا،جب نبی کی بیوی بننے والی عورت کو خواب میں احتلام نہیں ہوسکتا تو نبی کی ماں بننے والی بی بی پر کون قابو پاسکتا ہے۔

۱۵؎ اخدم کے معنی ہیں خادمہ بناکردیا نہ کہ لونڈی بنا کرکیونکہ آپ مؤمنہ آزاد تھیں آزاد مؤمن کو کوئی بھی غلام نہیں بنا سکتا،اگر کافر قید کرکے غلام بنا بھی لے تو وہ چھوٹتے ہی آزاد ہوگا۔مرقات نے فرمایا کہ آپ کا نام ہاجرہ اس لیے ہوا کہ آپ

بھی شام سے ہجرت کرکے آئی تھیں۔ہاجرہ بمعنی مہاجرہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو سال کی تھی،آپ سے حضرت اسماعیل علیہا لسلام پیدا ہوئے،انہیں سے عرب آباد ہوئے،انہیں کی اولاد سے آفتاب ہاشمی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چمکے سورج والے آسمان پر کوئی تارہ نہیں،حضرت اسماعیل کی نسل میں سواء حضور کے کوئی نبی نہیں،سارے تارے حضرت سارہ کی اولاد میں چمکے کیسی مبارک نسل ہے۔

۶؎حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یا تو مکہ والوں کو یا اولاد اسماعیل علیہ السلام کو یا سارے عرب کو بنی ماء السماء فرمایا کہ اس لیے کہ یہ لوگ بارش کے پانی کی طرح طیب و طاہر تھے کہ حضور کے ہم وطن تھے یا اس لیے کہ ان کا گزارہ زمزم پانی پر تھا زمزم آسمان سے ہی آیا یا اس لیے کہ انصار عامر ابن حارثہ ازدی کی اولاد سے تھے اور عامر کو لوگ ماء السماء کہتے تھے یعنی اسماعیلیو یا اے اہل عرب تمہاری دادی صاحبہ جناب ہاجرہ ہیں رضی اللہ عنہا۔(اشعہ مرقات،لمعات)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم حضرت ابراہیم سے زیادہ حق دار ہیں شک کرنے کے جب کہ انہوں نے عرض کیا یارب مجھے دکھادے کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا۱؎ اور اللہ لوط پر رحم کرے وہ تو بڑے مضبوط پائے کی طرف پناہ لیے ہوئے۲؎ اور اگر میں اتنی دراز مدت ٹھہرتا جتنا یوسف علیہ السلام ٹھہرے تو بلانے والے کی بات قبول کر لیتا۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے جو عرض کیا تھا"اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی"یہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کرنے کے لیے تھا نہ اس لیے کہ آپ کو قیامت میں مردے زندہ کرنے میں شک تھا اگر انہیں شک ہوتا تو ہم کو ضرور شک ہوتا کہ ہم ان کی اولاد میں ہیں الولد سر لابیہ۔ہم کو تو شک ہے ہی نہیں تو انہیں شک کیسے ہوسکتا ہے میری امت معصوم نہیں اور حضرت ابراہیم معصوم ہیں۔

۲؎ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی غیبت یا ان پر طعن نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہیں نبی اور انہوں نے اپنی پشت پناہ قوی ہونے کی آرزو کی تو معلوم ہوا کہ یہ عمل اور یہ آرزو کرنا جائز ہے کہ انسان مصیبت کے موقعہ پر اپنے عزیزوں قرابت داروں کی پناہ لے۔(مرقات)اگرچہ مضبوط پشت پناہ سب کا رب تعالٰی ہے نبی کا عمل جواز کی دلیل ہے،جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آپ کے ہاں مہمان ہوئے اور بدکار قوم نے آپ کا گھر گھیر لیا تو آپ نے فرمایا"لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ"کاش کہ مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط طاقتور میرا پشت پناہ ہوتا تو میں تمہارا مقابلہ کرتا یا کرواتا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان کی پناہ رب تھا پھر بھی آپ نے یہ فرمایا۔معلوم ہوا کہ مخلوق کا سہارا لینا جائز ہے سنت نبی ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے کہا تھا"اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ"اپنے بادشاہ سے میری مظلومیت کی داستان کہہ دینا۔معلوم ہوا کہ کافر حاکم سے داد خواہی جائز

ہے سنت یوسف علیہ السلام ہے اگرچہ اللہ کے فضل سے آپ اس کافر بادشاہ کے احسان مند ہوکر جیل سے نہ نکلے بلکہ اس پر احسان کرکے نکلے رب نے آپ کی شان بالا رکھی۔بعض شارحین نے رکن شدید سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہی لی ہے یعنی ان کی قوم طاقتور تھی اور آپ کو ان کی حمایت حاصل تھی،دیکھو شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم سے قوت دی کہ کفار نے کہا"لَوۡ لَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ"حضور کو جناب ابو طالب سے قوت دی کہ فرمایا:" اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى"۔(مرقات)

۳؎ یعنی یوسف علیہ السلام نو سال یا بارہ سال جیل میں رہے مگر شاہ مصر کا قاصد آپ کو بادشاہ کی طرف سے بلانے آیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میری پاکدامنی کی تحقیق کرلو پھر میں جیل سے باہر نکلوں گا،یہ آپ کا انتہائی صبر ہے،اگر ان کی جگہ جیل میں ہم اتنا رہتے تو ضرور پہلی ہی دعوت پر ہم جیل سے باہر آتے یہ حضور انور کی انتہائی تواضع ہے ورنہ حضور انور کا صبر یوسف علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ آپ کو پہلی دعوت پر ہی جیل سے باہر نکل آنا چاہیے تھا تاکہ تبلیغ نبوت جلد شروع ہوجاتی اگر ہم وہاں ہوتے تو پہلی دعوت پر باہر آکر تبلیغ شروع فرمادیتے۔(مرقات)مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موسیٰ علیہ السلام بہت شرمیلے پردہ دار تھے ۱؎ ان کی ظاہری کھال کا کوئی حصہ دیکھا نہ جاتا تھا شرم کی وجہ سے تو انہیں بنی اسرائیل میں سے جس نے ایذاء پہنچائی اس نے پہنچائی بولے اس قدر پردہ کسی کھال کے عیب کی وجہ سے ہی ہے یا برص ہے یا خصیوں کا ورم ۲؎ اللہ نے چاہا کہ ان کو بری کرے ۳؎ تو ایک دن وہ اکیلے تنہائی میں گئے تاکہ غسل کریں اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیئے پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ اٹھا ۴؎ موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے دوڑے اے پتھر میرے کپڑے،اے پتھر میرے کپڑے ۵؎ حتی کہ اسرائیلیوں کی ایک جماعت تک پہنچ گئے انہوں نے آپ کو برہنہ دیکھا ۶؎ کہ آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں،وہ بولے اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام میں کوئی خرابی نہیں ۷؎ اپنے کپڑے لیے اور پتھر کو مارنے لگے،رب کی قسم آپ کے مارنے سے پتھر میں تین چار یا پانچ نشانات ہیں ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ بنی اسرائیل سب کے سامنے ننگے نہایا کرتے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام غسل خانہ میں پردہ سے نہاتے تھے،اس حیاء پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو خفیہ بیماری کی تہمت لگادی۔معلوم ہوا کہ پردہ اور شرم سنت انبیاء ہے بے شرمی بے حیائی طریقہ کفار ہے،اس سے موجودہ فیشن پرست سبق لیں۔

۲؎ یعنی آپ اپنے اس عیب کو چھپانے کے لیے چھپ کر نہاتے ہیں اگر بے عیب ہیں تو ہماری طرح سب کے سامنے ننگے کیوں نہیں نہاتے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اس قسم کی بیماریوں اور نفرت آور مرضوں سے محفوظ رہتے ہیں اور اللہ تعالٰی ان کی عزت کا محافظ ہوتا ہے۔

۴؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔آج لوہے سلور کے انجن مشین کی وجہ سے دوڑتے ہیں بلکہ پوری ریل کو دوڑاتے ہیں اگر بہ حکم الٰہی پتھر میں حرکت پیدا ہوجائے تو کیا بعید ہے،جب بھاپ لوہے کو دوڑا سکتی ہے تو حکم الٰہی بھی پتھر کو دوڑا سکتا ہے،آپ کی لاٹھی سانپ بن کر دوڑتی کھاتی پیتی تھی۔خیال رہے کہ ضرورۃً غسل خانہ میں ننگے ہوکر نہانا جائز ہے آپ کے پاس اس وقت کوئی تہبند وغیرہ ہوگا نہیں آپ کے اس عمل شریف میں رب تعالٰی کی وہ حکمت تھی جس کا ذکر آگے آرہا ہے،پیغمبر کا ہر فعل رب کی طرف سے ہوتا ہے۔

۵؎ درخت پتھر وغیرہ لوگوں کی خصوصًا انبیاء کرام کی باتیں سنتے سمجھتے ہیں لہذا آپ کا اسے پکارنا بالکل درست تھا،رب تعالٰی آسمان و زمین کو بالکل پہاڑوں کو پکارتا ہے "یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ"حضرت خلیل نے ذبح شدہ جانوروں کو پکارا لہذا اس پکار پر کوئی اعتراض نہیں۔

۶؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی اپنے نبی پیغمبر سے لوگوں کے طعن دفع فرماتا ہے،حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن سے داغ غلامی دفع کرنے کے لیے سات سال کی قحط سالی بھیجی،تمام قحط زدہ لوگ اپنا سب کچھ آپ کے ہاتھ فروخت کرکے خود آپ کے ہاتھ فروخت ہوگئے غلہ کی عوض اور آپ کے غلام بن گئے اسی طرح رب نے اپنے کلیم کے دامن سے لوگوں کے اس الزام کا دھبہ دھویا،اس وقت ننگا سامنے آنا عرف میں کوئی عیب نہ تھا دینی ضرورت کی وجہ سے شرعًا بھی ممنوع نہ رہا۔آج ضرورۃً ڈاکٹر حکیم کے سامنے ننگے ہونا پڑتا ہے،بعض دفعہ ننگا کرکے تلاشی لی جاتی ہے،جب حفاظت جان کے لیے ننگا ہونا جائز ہے تو وہاں لوگوں کی حفاظت ایمان کے لیے آپ کو ننگا دکھادینا بھی جائز تھا لہذا حدیث شریف پر کوئی اعتراض نہیں کہ رب نے نبی کو برہنہ کیوں دکھایا۔

۷؎ معلوم ہوا کہ نبی ایسی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں،اسی طرح گھنونی گندی بیماریاں انہیں نہیں ہوتیں،نامردی گونگا بہرا پن برص جذام نبی کو نہیں ہوسکتے۔

۸؎ آپ کا پتھر کو مارنا جوش میں واقع ہوا جیسے آپ نے اپنی قوم کی بچھڑا پرستی دیکھ کر توریت کی تختیاں گرادیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پتھر کو مارنا عقلمند آدمی کا کام نہیں،عقل اور جوش اور محبت میں بڑا فرق ہے۔

لوگ عشق کے جوش میں محبوب کا لباس چومتے ہیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پتھر حضور انور کے زمانہ میں موجود تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تھا۔ندب کے معنی ہیں زخم کا اثر،یہاں مراد ہے پتھر میں گڑھے جولاٹھی سے پڑے پھر اسی پتھر سے مقام تیہ میں پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے جسے بنی اسرائیل تیس چالیس سال پیتے رہے۔خیال رہے کہ پتھر کا بھاگنا اور آپ کی مار سے اس میں اثر ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔(مرقات)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جب کہ ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کررہے تھے	

اِکہ آپ پر سونے کی ٹڈیاں گریں۲؎ آپ اپنے کپڑے میں انہیں سمیٹنے لگے۳؎ انہیں ان کے رب نے ندا فرمائی کہ اے ایوب کیا میں نے تم کو تمہیں اس دیکھی چیز سے بے نیاز نہیں کردیا ہے۴؎ عرض کیا ہاں تیری عزت کی قسم لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں۵؎ (بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض سے شفا پاجانے کے بعد کا ہے،غسل خانہ میں تنہائی کی حالت میں ننگا نہانا جائز ہے اگر وہاں بھی تہبند سے نہایا جائے افضل ہے۔

۲؎ جراد اسم جنس ہے مراد بہت ٹڈیاں ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے۔یہ بارش قدرتی تھی رب تعالٰی کے فضل و کرم سے آج بعض دفعہ بارش کے ساتھ بیر بہوٹی برستی ہے لہذا جانوروں کا برسنا ناممکن نہیں۔

۳؎ یعنی آپ اسی طرح برہنہ بدن غسل خانہ سے نکل کر اپنے تہبند شریف میں یہ ٹڈیاں جمع فرمانے لگے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ آسمان سے برسی ہوئی چیز جنگل کی خود رو جڑی بوٹیاں وہاں کے شکار کے جانور کسی کی ملکیت نہیں جس کا جی چاہے لے لے حتی کہ اگر قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہ چیز ہم کو دی گئی ہے اسے بھی لے لینا جائز ہے جیسے برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے سامان میں واپس کی ہوئی رقم دیکھ کر بولے"هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا"۔دوسرے یہ کہ جائز مال کی حرص بری نہیں بلکہ اچھی ہے جب کہ حلال ذریعہ سے حاصل ہواور غفلت پیدا نہ کرے،دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

۴؎ آپ کی بیماری کے بعد رب تعالٰی نے آپ کی بیوی صاحبہ رحمت کو جوانی،صحت بخشی،اولاد بہت عطا کی مال اندازے سے بھی زیادہ عطا فرمایا اس فرمان عالی میں اس طرف اشارہ ہے۔

۵؎ سبحان اللہ!کیسا پیارا جواب ہے یعنی میں بہت مالدار ہوکر بھی تیری عطا سے بے نیاز نہیں،تیری عطا بھاگ کر دوڑ کر قبول کروں گا،اس میں رب کی نعمت کی قدر دانی اور اس کا شکریہ ہے۔غرضکہ حرص نفسانی اور چیز ہے یہ حرص کچھ اور چیز ہے،یہ حرص نفسانی نہ تھی،ہمیشہ اپنے کو رب کا محتاج جانو۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی آپس میں جھگڑ پڑے مسلمان بولا اس کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان پر چن لیاتو یہودی بولا اس کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر چن لیا۱؎ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دیا یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا اور مسلمان کا جو واقعہ ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو بلایا اور اس	

	کے متعلق اس سے پوچھا اور اس نے حضور کو یہ خبر دی۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۴؎ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا۵؎ تو سب سے پہلے ہوش میں آنے والا میں ہوں گا،اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے۶؎ میں نہیں جانتا کہ کیا وہ بے ہوش ہونے والوں میں تھے مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان میں سے ہیں جنہیں اللہ نے مستثنیٰ فرمایا۷؎ اور ایک روایت میں ہے میں نہیں جانتا کہ کیا طور کی بے ہوشی حساب میں لگائی گئی۸؎ یا وہ مجھ سے پہلے اٹھائے گئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس ابن متی علیہ السلام سے افضل ہے۹؎ اور حضرت ابوسعید کی روایت میں فرمایا انبیاءکرام میں بزرگی نہ دو(مسلم،بخاری)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی کے نبیوں میں بزرگی نہ دو۱۰؎

۱؎ موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے مگر چونکہ یہودی نے یہ قید نہ لگائی بلکہ مطلقًا عالمین کہا اس لیے مسلمان نے اسے مارا۔

۲؎ اس نے کہا مجھ پرفلاں مسلمان نے ظلم کیا کہ بلاقصور مارا غالبًا قصاص مانگتا ہوگاحالانکہ قصور یہودی کا تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی اس لیے حضور انور نے اس کا قصاص نہ دلوایا یہ ضرور خیال رہے۔آج بعض مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ ہندوؤں کو قتل کر ڈالتے ہیں،مسلمان اپنے محبوب کی بے ادبی برداشت نہیں کرتا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ مدعیٰ علیہ کا بیان لے کر فیصلہ کیا جاوے مگر یہ حکم عام فیصلوں کے لیے ہے فتویٰ صرف بیان پر ہوتا ہے،بعض صورتوں میں یہ فیصلہ یک طرفہ بیان پر دیا جاتا ہے جیسے قضا علی الغائب حضور انور نے صرف بی بی ہندہ کا بیان سن کر ابوسفیان کے متعلق فتویٰ دے دیا کہ بقدر ضرورت ان کا مال ان سے بغیر پوچھے خرچ کرلیا کرو،حضرت داؤد علیہ السلام نے دو حاضرین میں سے ایک کا بیان لے کر فرمایا کہ ننانوے دنبیوں والا تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری ایک ایک دنبی بھی لینا چاہتا ہے۔خیال رہے کہ حضور انور نے مسلمان سے اس یہود کو نہ قصاص دلوایا نہ معافی مانگوائی کیونکہ قصور یہودی کا تھا کہ اس نے حضور انور کی توہین کی وہ بھی مسلمان کے سامنے یہ بات خیال رہے۔

۴؎ یعنی مجھے دوسرے نبیوں پر ایسی بزرگی نہ دو جس سے دوسرے نبی کی توہین ہوجاوے یا جس سے لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے یا نفس نبوت میں ترجیح نہ دو کہ کسی کو اصلی نبی مانو کسی کو ظلی،بروزی عارضی نبی لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے کہ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"اور نہ اس حدیث کے خلاف کہ انا سید ولد آدم۔اپنی

طرف سے گھڑ کر مسائل بیان نہ کرو،جو افضیلت قرآن یا حدیث سے ثابت ہو وہ بیان کرو لہٰذا حدیث واضح ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الاولین والا آخرین ہیں۔

۵؎ قوی تر یہ ہے کہ یہ نفخ صور وہ نہیں ہے جس سے لوگ زندہ کیے جائیں گے اس وقت تو سب سے پہلے حضور انور ہی زندہ ہوں گے،فرماتے ہیں انا اول من تنشق عنہ الارض بلکہ یہ صور کا پہلا نفخہ ہے جس سے زندہ لوگ مرجائیں گے اور وفات یافتہ لوگ بے ہوش ہوجائیں گے بعد میں ہوش میں آئیں گے،یا سب کے زندہ ہوچکنے کے بعد صور تیسری بار پھونکا جاوے گا جس سے سب لوگ بے ہوش ہوجائیں گے یہاں وہ واقعہ بیان ہورہا ہے۔(اشعۃ اللمعات)رب فرماتا ہے:"وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ"۔

۶؎ یعنی موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے کھڑے ہوئے عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے۔خیال رہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر جزوی فضیلت ہے جو کلی فضیلت کے خلاف نہیں جیسے حضرت آدم کا مسجود ملائکہ اور ابوالبشر ہونا یا عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر والد پیدا ہونا کلیۃً حضور انور ہی تمام انبیاء علیہم السلام افضل ہیں۔

۷؎ یعنی اس نفخہ میں سب لوگ بے ہوش نہ ہوں گے بعض مستثنیٰ بھی رہیں گے،جسے رب نے فرمایا"اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ"واللہ اعلم! وہ ان مستثنیٰ لوگوں میں سے ہیں یا مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے۔

۸؎ یعنی موسیٰ علیہ السلام طور پر تجلی الٰہی دیکھ کر بے ہوش ہوچکے ہیں"فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا"۔غالبًا وہ بے ہوشی حساب میں لگائی گئی،آج بے ہوشی سے محفوظ رہے۔خیال رہے کہ لاادری میں علم عطا الٰہی کی نفی نہیں بلکہ علم بالدلائل کی نفی ہے۔درایت عقلی علم کو کہتے ہیں،اور یہاں اس کا مقصد ہے،عدم اعلام(نہ بتانا)جیسے"مَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَ لَا بِکُمۡ"میں نہیں جانتا کہ قیامت میں تمہارے ساتھ کیا ہوگا اور میرے ساتھ کیا ہوگا وہاں بھی درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں۔

۹؎ متی یونس علیہ السلام کی والدہ کا نام شریف ہے،بعض نے فرمایا کہ آپ کے والد کا نام ہے۔حضرت یونس علیہ السلام نبی ہیں مگر اولو العزم نبی،رب فرماتاہے:"وَ لَا تَکُنۡ کَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ"اس لیے خصوصیت سے حضور انور نے ان کا نام شریف لیا۔یہاں بزرگی نہ دینے کے وہ ہی معانی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے یعنی اصلی نبوت میں فضیلت دینا کہ یہ کفر ہے"لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ"یا اپنی طرف سے گھڑ کر فضیلت دینا کہ یہ حرام ہے یا اس طرح فضیلت دینا کہ دوسرے نبی کی توہین ہوجاوے۔کسی شخص نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سامنے یہ شعر پڑھا۔ع

شان یوسف جو دبی وہ بھی یہاں آکے دبی

آپ نے فرمایا یہ کفر ہے اس طرح کہو شان یوسف جو بڑھی وہ بھی اس در سے بڑھی۔سبحان اللہ!کیسی پیاری اصلاح ہے۔

۱۰؎ اس کے مطلب بھی وہ ہی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے کہ کسی نبی کی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے نبی کی توہین ہو یہ سخت جرم ہے جس کی مثال اس شعر میں ہے۔

چہارم چرخ ہی پر رہ گئی بس حضرت عیسیٰ　　　　مگر عرش بریں پر جا کے محبوب خدا ٹھہرے

یہ حرام ہے کہ بس رہ گئے کہنا نبی کی توہین ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بندے کو لائق نہیں کہ کہے کہ میں یونس ابن متی سے افضل ہوں۱؎ (مسلم،بخاری)اور بخاری کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے افضل ہوں وہ جھوٹ بولا۲؎

۱؎ یعنی کوئی اپنے کو حضرت یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہے کیونکہ کوئی ولی خواہ کسی درجے کا ہو نبی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا،نبی کی شان تو بڑی ہے۔تمام جہان کے اولیاء مل کر صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچتے اور اگر "میں" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس کے مطلب وہ ہی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے۔

۲؎ کیونکہ یونس علیہ السلام نبی ہیں اور تو نبی نہیں پھر اپنے کو ان سے افضل کیسے کہتا ہے،اس سے وہابی عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ کبھی امتی بظاہر نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا۱؎ وہ کافر پیدا ہوا تھا اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر سے سرکش کردیتا۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ خضرخ کے فتحہ ض کے کسرہ سے بمعنی ہرے بھرے،آپ کا نام عباس یا بلیا ابن ملکان ہے،آپ نوح علیہ السلام کے ساتویں پشت میں ہیں،ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے،آپ کا مقام سمندر ہے،الیاس علیہ السلام کا مقام خشکی قیامت تک زندہ رہیں گے،بزرگوں سے ملاقات کرتے ہیں،حضور غوث پاک نے آپ سے فرمایا تھا کہ اے اسرائیلی ولی محمد ولی کی بات سنتے جایئے،آپ نبی ہیں ہر سال حج کے موقعہ پر آپ اور الیاس علیہ السلام جمع ہوتے ہیں،ایک دوسرے کی حجامت کرتے ہیں اور یہ کلام کرتے ہیں **بسم اللہ ماشاء اللہ لایسوق الخیر الا اللہ ،بسم اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ،بسم اللہ ماشاء اللہ مامن نعمۃ فمن اللہ،بسم اللہ ماشاء اللہ لاحول و لاقوۃ الا باللہ**۔جو کوئی رات کو سوتے وقت وضو کرکے داہنی کروٹ پر لیٹے اور یہ کلمات پڑھ کر سوئے ان شاءاللہ ولی ہوجائے۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ یعنی اس بچہ کی فطرت یہ تھی کہ یہ کفر اختیار کرتا اور کافرگر بنتا لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،اس کی ماں باپ مؤمن تھے وہ اس کی محبت میں خود بھی کافر بن جاتے اس لیے خضر علیہ السلام نے اسے قتل کردیا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں کیونکہ ولی اپنے الہام سے بے گناہ بچے کو

قتل نہیں کر سکتا نبی کر سکتا ہے۔دوسرے یہ کہ نبی بہ اعلام الٰہی لوگوں کی سعادت شقاوت کفر و ایمان سے خبردار ہوتے ہیں،یہ علوم خمسہ سے ہے۔خیال رہے کہ ولی اپنے الہام کی بنا پر کسی کی مدد کرسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا خضر اس لیے نام رکھا گیا کہ آپ سفیدہ زمین پر بیٹھے۱ تو اچانک وہ آپ کے پیچھے سے سبزہ سے حرکت کررہی ہے۲(بخاری)	

۱ فروہ سفیدہ خشک زمین کو بھی کہتے ہیں اور خشک گھاس کے گٹھے کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں بلکہ خشک چمڑہ کو بھی فروہ کہا جاتا ہے۔یعنی آپ کا نام شریف خضر نہیں،نام پاک تو بلیا یا عباس ہے،لقب خضر ہے بمعنی سبزہ بخش یا زندگی بخشنے والے،خضر صفت مشبہ ہے خضرۃ سے بمعنی سبزی۔

۲ یعنی وہ زمین یا خشک گھاس صرف آپ کے نیچے ہی سے سبز نہ ہوئی بلکہ پیچھے سے بھی سبز ہوگئی،پیچھے سے مراد اردگرد چوطرفہ ہے یعنی آپ کا معجزہ یہ ہوا کہ آپ کی برکت جہاں آپ بیٹھے وہ میدان سرسبز ہوگیا یا کھاری زمین سبزہ سے بھر گئی۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کا فیض صرف انسانوں کو ہی نہیں پہنچتا بلکہ زمین کو پہنچ جاتا ہے کہ زمین سرسبز اور تبرک بن جاتی ہے،دیکھو حضرت مریم علیہاالسلام کے ہاتھ شریف لگنے سے کھجور کا خشک ڈنڈ سرسبز ہو کر پھلوں سے لد گیا اور فورًا پھل پختہ بھی ہوگئے،رب فرماتاہے:"وَ هُزِّیۡۤ اِلَیۡكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیۡكِ رُطَبًا جَنِیًّا"جب بزرگوں کے ہاتھ کی برکت سے خشک زمین سبز اور خشک درخت پھل دار ہوسکتے ہیں تو ان کی نگاہ کی برکت سے ہمارے خشک و غافل دل بھی ہرے بھرے اور زندہ ہوسکتے ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ حضرت ملک الموت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کے پاس آئے ان سے کہا کہ اپنے رب کا بلاوا قبول کیجئے۱ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مار دیا۲ اسے نابینا کردیا۳ فرماتے ہیں کہ پھر وہ فرشتہ رب تعالٰی کی طرف واپس ہوا۴ عرض کیا کہ تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۵ اور اس نے میری آنکھ بے کار کردی،فرماتے ہیں اللہ نے ان کی آنکھ انہیں لوٹا دی اور فرمایا میرے بندے کی طرف لوٹو۶ ان سے کہو کہ آپ زندگی چاہتے ہیں؟ اگر زندگی چاہتے ہوں تو اپنا ہاتھ بیل کی کھال پر رکھیئے آپ کا ہاتھ جتنے بالوں کو ڈھکے گا آپ ہر بال کے عوض ایک سال جئیں گے۷ عرض کیا پھر کیا فرمایا پھر آپ وفات پائیں گے۸ عرض کیا تو ابھی قریب ہی	

	ہیں۹؎ اے میرے رب مجھے مقدس زمین سے ایک پتھر کی پھینک کے قریب گرادیجئے۱۰؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اگر میں اس کے پاس ہوتا تو تم کو ان کی قبر شریف راستہ کے کنارہ سرخ ٹیلہ کے پاس دکھاتا۱۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی اللہ کا حکم جو آپ کی موت کے متعلق ہے اسے قبول کیجئے اور اپنے کو موت کے لیے پیش کیجئے۔یہ نبی کی ہی شان ہے ورنہ ملک الموت تو بادشاہوں سے بھی یہ نہیں کہتے،آتے ہیں اور جان نکال کر لے جاتے ہیں۔

۲؎ آپ نے ملک الموت کو طمانچہ مارا ان کو نبی کا ادب سکھانے کے لیے کوئی شخص نبی سے یہ نہ کہے کہ نماز پڑھ لیجئے،مسجد میں آیئے تو اس میں ایک طرح کا حکم ہے،حضرات انبیاءکرام حاکم ہوتے ہیں کسی بندے کے مامور یا محکوم نہیں ہوتے،نیز نبی تو ہر وقت ہی رب کے مطیع ہوتے ہیں،ان سے کہنا کہ آپ رب کی اطاعت کریں اس کا شائبہ ہے کہ انہیں غیر مطیع مانا۔(مرقات)نبی کا ادب یہ تھا کہ ملک الموت عرض کرتے کہ آپ کو یہاں رہنے اورچلنے کا اختیار ہے اگر اجازت ہو تو میں تعمیل ارشاد کروں،وہ تو اللہ تعالٰی کی طرف سے موت و حیات کے مختار ہوتے ہیں۔(مرقات)اس طمانچہ کی اور بہت وجہیں بیان کی گئیں ہیں۔

۳؎ جب فرشتہ شکل انسانی میں آئے تو اس کو انسانی اعضاء دیئے جاتے ہیں،ان کے لیے مختلف شکلیں ایسی ہیں جیسے ہمارے لیے مختلف لباس،حضرت ملک الموت کی یہ ہی بشری آنکھ موسیٰ علیہ السلام کے طمانچہ سے بے کار ہوئی ورنہ ملکی آنکھ کسی طمانچہ وغیرہ سے بے کارنہیں ہوسکتی۔اس سے معلوم ہوا نبی کی طاقت فرشتے کی طاقت سے زیادہ ہوتی ہے۔اس کی تحقیق مرقات میں اسی جگہ ملاحظہ کرو حضرت عزرائیل کو اس آنکھ نکلنے کا درد نہ ہوا جیسے ہمارے لباس پھٹنے سے درد نہیں ہوتا۔

۴؎ اس کی واپسی بغیر روح موسوی قبض کیے ہوئے ہوئی۔معلوم ہوا کہ ملائکہ حضرات انبیاء کے تابع فرمان ہوتے ہیں مرضی نہ پائی خالی واپس آگئے۔

۵؎ حضرت ملک الموت طمانچہ مارنے کی وجہ سے یہ ہی سمجھے کہ جناب کلیم اللہ کو ابھی دنیا میں قیام پسند ہے اپنے خیال سے یہ عرض کیا۔

۶؎ رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے قصاص نہیں دلوایا کہ استاد سے شاگرد کا،والد سے بیٹے کا،نبی سے امتی کا قصاص نہیں لیا جاتابلکہ وہاں تو چھوٹا معافی مانگتا ہے۔

۷؎ یعنی اے ملک الموت تم ان سے اس طرح عرض کرو انہیں اختیار دو آنے کے لیے صیغہ امر عرض نہ کرو،اگر وہ بہت دراز مدت بھی دنیا میں رہنا چاہیں تو منظور ہے۔یہ ہی وجہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے طمانچہ مارا کہ وہ حضرات رب کی طرف سے مختار ہوتے ہیں زندگی و موت ان کی اختیاری ہوتی ہے،رب تعالٰی کے اس فرمان میں حضرت ملک الموت کا جواب ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام مرنا نہیں چاہتے،اے ملک الموت جا کر دیکھ لو کہ تم کو حضرت موسیٰ نے موت سے بچنے کے لیے مارا ہے یا کسی اور وجہ سے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقبولوں کی دعا بلکہ انکی خواہش سے عمریں بڑھ جاتی ہیں آئی قضا ٹل جاتی ہے،آفتیں دور ہوجاتی ہیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف پوری ہوچکی لیکن اگر

آپ زندگی چاہتے تو ہزار سال عطا ہوجاتی بلکہ ملک الموت کے اس آنے جانے عرض معروض کرنے کی بقدر قضا ٹلی رہی۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ"کہ آیت میں اس کی نفی ہے کہ کوئی بغیر مرضی رب محض اپنی مرضی سے موت آگے پیچھے کردے اور یہاں کا ذکر ہے کہ مقبولوں کی مرضی پر رب تعالٰی موت آگے پیچھے کردیتا ہےاس لیے آیۃ کریمہ میں يَسۡتَقۡدِمُوۡنَاور يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ جمع مذکر ارشاد ہوا۔

۸؎ مگر وہ وفات بھی ہوگی آپ اختیار سے ہیں۔خیال رہے کہ انبیاء کے لیے بھی موت ضرور ہی آتی ہے مگر وقت موت میں انہیں اختیار ہوتا ہے اور یہ اختیار بھی ہمیشہ کہ جب بھی موت آئے ان کی مرضی سے آئے۔

۹؎ یعنی مجھے اس گھڑی موت منظور ہے تم کو اس وقت مارنا موت کے خوف سے نہ تھا بلکہ وہ کہلوانے کے لیے تھاجو تم نے اب کہا۔خلاصہ یہ ہے کہ بلاوے تین طرح کے ہوتے ہیں:دعوت خوشی کے لیے بلاوا جسے کہتے ہیں نوید مسرت،دوسرے سمن عدالت میں حاضری کا بلاوا،تیسرے وارنٹ گرفتاری۔کافر کی موت وارنٹ ہے،عام مؤمنوں کی موت سمن ہے،حضرات انبیاء کی موت دعوت خوشی یعنی نوید مسرت ہے،ملک الموت نے نوید مسرت کو سمن کے طور سے پیش کیا یعنی نوید مسرت کو سمن بنادیا کہ کہا اجب ربك حاضر بارگاہ ہو اس لیے مارا تھا۔حضرت ملک الموت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جان شریف قبض کرنے کی اجازت چاہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے مشورہ کیا،غرضکہ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ رب تعالٰی آپ کا مشتاق ہے،چلیے تب اجازت دی تو انہوں نے قبض روح کیا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سکھادیا تھا۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں جب آپ کو غصہ آتا تو سر پر اوڑھی ہوئی ٹوپی جل جاتی تھی۔(اشعہ و مرقات)وہ غضب کی آگ جلائی دکھائی نہیں جاسکتی تھی نور نار سے نہیں جلتا۔

۱۰؎ نبی جہاں وفات پاتے ہیں وہاں ہی دفن ہوتے ہیں اس لیے آپ نے فرمایا کہ مجھے میری زندگی شریف میں وہاں پہنچادے جو بیت المقدس سے اتنی دور ہو کہ اگر اس شہر کے کنارہ پر کھڑے ہوکر کوئی کنکر پھینکے تو وہاں پہنچ جاوے چنانچہ آپ کو وہاں ہی پہنچادیا گیا وہاں ہی وفات اور دفن واقع ہوئے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جیسے وقت موت میں نبی کو اختیار دیا جاتا ہے ایسے ہی موت کی جگہ میں انہیں اختیار ملتا ہے جہاں چاہیں وفات پائیں۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کے مزارات کے پاس دفن ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے بیت المقدس میں ستر ہزار انبیاء کے مزارات ہیں فقیر نے زیارت کی ہے۔

۱۱؎ اب اس جگہ کا نام موسی کلیم اللہ ہے،عمان سے بیت المقدس جاتے ہوئے بیت المقدس سے قریب یہ جگہ ہے چھوٹی سی مسجد ہے جس کے داہنے ہاتھ حجرہ میں مزار شریف ہے،فقیر نے اس قبر انور اور اس بستی کی زیارت کی ہے،وہاں نماز پڑھی ہے دیکھو ہمارا سفر نامہ قبلتین۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاءکرام پیش کیے گئے۱؎ تو موسیٰ علیہ السلام مردوں میں درمیانہ قد ہیں گویا کہ وہ شنوءہ کے مردوں میں سے ہیں۲؎ اور میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہماالسلام کو دیکھا تو جن کو ہم نے دیکھا ہے ان میں قریب ترین مشابہت والے عروہ	

ابن مسعود ہیں۳؎ اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو جنہیں میں نے دیکھا ہے ان میں قریب ترین مشابہت والے تمہارے یہ صاحب ہیں یعنی حضور کی ذات شریف۴؎ اور میں نے جبرئیل کو دیکھا تو جسے میں نے دیکھا ان میں قریب ترین مشابہت والا دحیہ ابن خلیفہ ہیں۵؎ (مسلم)	

۱؎ یہ واقعہ شبِ معراج کا ہے کہ بیت المقدس میں بھی اور آسمان پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے نبیوں سے ملاقات کی،رب فرماتاہے:" فَلَا تَكُنۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآٮِٕهٖ"۔

۲؎ شنوءہ یمن میں ایک مشہور قبیلہ ہے جس کے لوگ بہت خوبصورت اور خوش اخلاق ہوتے ہیں،موسیٰ علیہ السلام کا حسن صورۃً بتانے کے لیے حضور نے ان کا ذکر فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی کے مقام ان کی قبور سے بھی خبردار ہیں اور تمام نبیوں سے ملاقات کی ہے انہیں جانتے پہچانتے ہیں۔

۳؎ بعض شارحین نے سمجھا کہ یہ عروہ بھائی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے یہ غلط ہے،یہ مسعود دوسرے ہیں جن کے بیٹے عروہ ہیں،آپ صحابی ثقفی ہیں،جب حضور انور طائف کی فتح سے مدینہ منورہ واپس ہوئے تو آپ مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوئے پھر اپنی کافر قوم کو اسلام کی دعوت دی،آپ نے اپنی گھر کی چھت پر کھڑے ہوکر بہ آواز بلند اذان دینے لگے کسی نے اسی حالت میں آپ کو تیر مارا جس سے آپ اذان دیتے ہوئے شہید ہوئے،حضور انور نے فرمایا کہ یہ اس اسرائیلی مؤمن کی طرح ہیں جو گزشتہ زمانہ میں اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے شہید کیا گیا تھا۔(اشعہ) یہ بہت حسین تھے۔

۴؎ یعنی میں بالکل حضرت ابراہیم کی ہم شکل ہوں جو انہیں دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے،حضور سیرت طیبہ طاہرہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے جلتے تھے۔

۵؎ دحیہ ابن خلیفہ کلبی بڑے مشہور صحابی ہیں،بہت ہی حسین و جمیل تھے،اکثر جبریل امین آپ کی شکل میں حاضر ہوتے تھے،حضرات صحابہ سمجھتے تھے کہ دحیہ کلبی آئے جبریل جب شکل انسانی میں آتے تو اس شکل میں آتے تھے،ان کی اپنی شکل و صورت تو ایسی ہے کہ کسی میں انکے دیکھنے کی تاب نہیں حضور انور نے صرف دوبار آپ کو اصلی شکل میں دیکھا جیساکہ روایات میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں میں نے اس رات جس میں مجھے سیر کرائی گئی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا گندمی رنگ والے دراز قد گھونگر والے بال گویا وہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہیں۱؎ اور میں نے حضرت عیسیٰ کو دیکھا درمیانہ قد سرخی سفیدی کی طرف مائل سیدھے بال والے۲؎ میں نے آگ کے خزانچی مالک کو دیکھا اور دجال کو دیکھا۳؎ ان نشانیوں میں جو اللہ نے حضور کو دکھائیں۴؎ تو آپ کو ان کی ملاقات میں شک	

میں نہ ہو۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ طوالا حرف ط کے پیش سے طویل کا مبالغہ ہے جیسے عجاب عجیب کا مبالغہ اور طوالا حرف ط کے کسرہ سے طویل کی جمع ہے،جیسے کریم کی جمع کرام آپ دراز قد چھریرے بدن گھونگریالے والے بال ہیں۔(مرقات)بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں **جعد** سے گھونگر والے بال مراد نہیں کیونکہ دوسرے روایت میں سبط الشعریعنی سیدھے بال والے بھی آیا ہے بلکہ جعد بمعنی پہلوان بھرے جسم والا مراد ہے،جعد بال کی صفت بھی آتی ہے اور جسم کی صفت بھی۔(اشعہ)

۲؎ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج میں حضور انور نے سارے نبیوں کو اجمالًا نہیں دیکھا جیسے واعظ حاضرین جلسہ پر طائرانہ نظر سے اجمالًا دیکھ لیتا ہے بلکہ تفصیل وار دیکھا ہر ایک کو پہچان لیا،ان کی شکل و شبہات حضور انور کو یاد رہی اس لیے تو ان کی شکلیں بتارہے ہیں،ہم میلاد شریف میں حضور کا حلیہ شریف بیان کرتے اور سنتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات گزشتہ انبیاء کرام بھی دکھائے ان سے ملاقات کلام سلام بھی کرائے اور موجودہ فرشتے مالک دوزخ وغیرہم بھی دکھائے ان سے کلام کرائے اور آئندہ پیدا ہونے والے لوگ دجال وغیرہ دکھائے،حضور کا علم بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ماضی،حال،مستقبل سب کو ملاحظہ فرماچکی ہے۔

۴؎ غالبًا یہ قول فی آیات الخ حضرت ابن عباس کا ہے،یعنی قرآن کریم میں جو ہے"**لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی**"اسی آیات سے مراد یہ ہی نشان قدرت ہیں،اگلوں پچھلوں سے ملاقات۔بعض شارحین نے فرمایا کہ فی آیات کا تعلق دجال سے ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو مع اس کے ان شعبدوں کے ملاحظہ فرمایا جو وہ قریب قیامت ظاہر ہوکر لوگو کو دکھائے گا،بارش برسانا،مردے جلانا وغیرہ اس کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔

۵؎ فی لقائه میں ہ کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں،آیت کریمہ یہ ہے"**وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ**"یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں کچھ تردد نہ کریں وہ خواب و خیال نہ تھا بلکہ واقعی حقیقی چیز تھی،یا اے قرآن خوان مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی اس میں تو کچھ شک نہ کروہ بالکل صحیح یقینی چیز ہے۔معلوم ہوا مقبولان بارگاہِ بعد وفات زندہ ہوتے ایک دوسرے زندوں مردوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں،سوال جواب کرتے ہیں،فرماتاہے:"**وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ**"یہ آیات حفظ کرلینی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ملا میں معراج کی رات حضرت موسیٰ سے۱؎ حضور نے ان کا حلیہ بیان کیا کہ وہ درمیانہ قد آدمی ہیں سیدھے بال والے ۲؎ گویا کہ وہ شنوء ہ	

کے آدمیوں میں سے ہیں اور میں حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ملا درمیانہ قد سرخ رنگ گویا حمام سے نکلے ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا ان کی اولاد میں اس سے زیادہ مشابہ میں ہوں،فرماتے ہیں میرے پاس دو برتن لائے گئے جن میں سے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب تھی۳؎ مجھ سے کہا گیا ان میں سے جو آپ چاہیں لیں۴؎ تو میں نے دودھ اختیار کیا اسے پی لیا تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ کو فطرت کی ہدایت دی گئی۵؎ اگر شراب اختیار کرتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہوجاتی۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام سے تین بار ملاقات کی انہیں قبر میں نماز پڑھتے دیکھا،پھر بیت المقدس میں انہیں نماز پڑھائی،پھر عرش پر جاتے ہوئے چھٹے آسمان پر پھر عرش سے واپسی میں نمازیں کم کرانے کے لیے آٹھ بار اس لیے خصوصیت سے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر اہتمام سے کیا گیا ورنہ سارے نبیوں سے اس شب ملاقات ہوئی ہے،یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔

۲؎ ابھی گزشتہ حدیث میں **جعد** آیا تھا وہاں **جعد** کے معنی ہیں پہلوانوں کا سا بھرا ہوا جسم لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں اور اگر وہاں **جعد** کے معنی ہوں گھونگر والے بال تو اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہوگا کہ سارے بال سیدھے کناروں پر قدرے خم دار جسے کہتے ہیں چھلے والے بال لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ **فیہ خمر** فرماکر بتایا گیا کہ شراب اس برتن میں تھوڑی سی تھی اور **احدھما لبن** فرماکر بتایا کہ دودھ برتن میں بہت زیادہ تھا گویا خود برتن دودھ بن گیا تھا،دنیا کی ہدایت اور ایمان و اعمال دودھ کی شکل میں پیش ہوئے اور یہاں کی بدعقیدگی بدعملیاں شراب کی صورت میں دکھائی گئیں،یہاں کے اعمال وہاں اجسام ہیں۔

۴؎ یہ اختیار دینا فرشتوں کو دکھانے کے لیے تھا کہ اللہ تعالٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حضور کی برکت سے محفوظ رکھے گا۔ (ازمرقات)

۵؎ چونکہ بچہ پیدا ہوکر پہلی غذا دودھ حاصل کرتا ہے اس لیے فطرت دودھ کی شکل میں دکھائی گئی اور شراب انسان کی شکل بگاڑ کر صدہا بدعملیاں بدعقیدگیاں اس سے کرادیتی ہے اس لیے گمراہی سرکشی شراب کی شکل میں دکھائی گئی جیسے خواب میں ہم رحمتوں اور آفتوں کو مختلف شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔شاہ مصر نے قحط سالیوں کو خشک بالیوں دبلی گایوں کی شکل میں دیکھا اسی طرح حضرات انبیاءکرام آئندہ واقعات کو مختلف شکلوں میں ملاحظہ کرتے ہیں۔

۶؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نبی کے عمل کا امت پر اثر پڑتا ہے کہ شراب آپ اختیار فرماتے اور گمراہ ہوتی امت۔دوسرے یہ کہ تاقیامت **ان شاءاللہ** سارے مسلمان کبھی گمراہ نہ ہوں گے،ان میں ایک جماعت ضرور حق پر رہے گی اور وہ ہی جماعت سب پر غالب رہے گی تعداد اس کی زیادہ ہوگی،حضور فرماتے ہیں **اتبعوا السواد الاعظم** بڑے گروہ ہی کی

پیروی کرو۔الحمدللہ اہلِ سنت والجماعت اب ہمیشہ سب پر غالب ہیں اور اسی ۸۰ بلکہ نوے ۹۰ فیصد یہ ہی ہیں۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کیطرف سے مؤید ہیں کوئی کام غلط آپ تک پہنچتا ہی نہیں،دیکھو حضور انور نے اللہ کی توفیق سے دودھ ہی اختیار کیا،جو کوئی خواب میں دودھ پیئے ان شاءاللہ وہ ہدایت پر رہے گا اور اسے خیر کی توفیق ملے گی اس تعبیر کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان چلے تو ایک جنگل پر گزرے تو آپ نے فرمایا یہ کون جنگل ہے لوگوں نے کہا ارزق جنگل۱ فرمایا گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے ان کا رنگ ان کے بال کا کچھ ذکر فرمایا۲ آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دیئے ہوئے بھی آپ کو اللہ سے قرب ہے۳ تلبیہ میں مشغول ہیں اس جنگل میں گزر رہے ہیں۴ فرماتے ہیں کہ پھر ہم کچھ اور چلے حتی کہ ہم ایک گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا یہ کوئی گھاٹی ہے لوگوں نے کہا ہرشی ہے یا کفت۵ تو فرمایا گویا میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۶ جو سرخ اونٹنی پر ہیں آپ پر اونی جبہ ہے آپ کے ناقہ کی مہار کھجور کی کھال کی ہے اسی جنگل میں تلبیہ کہتے گزر رہے ہیں۷(مسلم)	

۱ وادی ارزق حرمین شریفین کے درمیان ایک جنگل ہے،ارزق کے معنی ہیں نیل گوں یا تو وہاں کی زمین نیل گوں ہے یا کسی ایسے آدمی کی طرف منسوب ہے جس کا نام ارزق تھا یا اس کی آنکھیں نیل گوں تھیں یہ گزریا تو حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا تھا یا عمرہ قضاکے وقت۔(مرقات،و اشعہ)

۲ کہ آپ گندمی رنگ ہیں خمدار بال شریف جیساکہ پہلے گزر چکا۔

۳ جوار اور خوار دونوں کے معنی ہیں بچھڑے کی آواز پھر مطلقًا آواز کو کہنے لگے،اب محاورہ میں دعا عجزوانکسار کی آواز کو جوار کہتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی آپ مؤذن کی طرح دونوں انگلیاں کانوں میں ڈالے بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں کانی زائدہ ہے جیسے لااقسم میں لا زائدہ ہوتا ہے،حضور انور اپنی آنکھوں سے ان حضرات کو ملاحظہ فرمارہے تھے اور ان کا تلبیہ سن رہے تھے۔

۴ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے بعد وفات دنیا میں گشت کرتے ہیں اچھے مجمعوں میں جاتے ہیں،ذاکرین کے ساتھ شرکت کرتے ہیں،بزرگوں میں میلاد شریف،ختم رمضان شریف میں وفات یافتہ بزرگوں کو دیکھا ہے،شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے ختم رمضان پر لوگوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیداری میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل فرمایا تھا کہ ہم عبدالعزیز کے ختم قرآن میں شرکت کرنے دہلی جائیں گے،دیکھو فتاویٰ عزیزیہ کا مقدمہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں

لوگوں نے بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کو لاہور اور سیالکوٹ کے بارڈر پر مسلمانوں کی مدد فرماتے ہوئے دیکھا۔

۵؎ ہرشی منزل جحفہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے اسے لفت بھی کہتے تھے،راوی کو شک ہے کہ صحابہ کرام نے ان کا نام ہرشی لیا یا لفت اور ہوسکتا ہے کہ ان حضرات نے یہ ہی عرض کیا ہو یعنی اس پہاڑ کے دو نام ہیں ہرشی اور لفت جو چاہیں ہم کہہ لیں ہرشی یا لفت۔

۶؎ اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہاں کانی فرمانا یقین کے اظہار کے لیے ہے یعنی میں انہیں اس طرح یقینی طور پر دیکھ رہا ہوں گویا انہیں ان کی زندگی شریف میں ہی دیکھ رہا ہوں۔

۷؎ چونکہ یہ حج حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا اس لیے آسمانوں اور زمین سے حضرات انبیاء کرام برکت حاصل کرنے کے لیے شریک ہوئے،حضور انور نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام بہ حیات کامل زندہ ہیں،ان کی موت ان کی زندگی کو فنا نہیں کرتی،جیسے شہداء کا قتل ان کی زندگی فنا نہیں کرتا۔دوسرے یہ کہ وہ حضرات جہاں چاہیں جاتے آتے ہیں۔تیسرے یہ کہ ان کی صرف روح نہیں جاتی بلکہ جسم شریف بھی سیر کرتا ہے۔چوتھے یہ کہ انہیں اس دنیا کی خبر رہتی ہے کہ آج کہاں کیا ہورہا ہے،دیکھو حضور انور کا حج اس دنیا میں ہوا اور ان حضرات کو اس جہاں میں خبر ہوئی۔پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض حضور کے غلام ان بزرگوں کو دیکھتے ان کی آواز سنتے ہیں،ان سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔خیال رہے کہ اونٹنی پر سوار ہونا کانوں میں انگلیاں دینا تلبیہ کہنا جسم کا کام ہے صرف روح کا نہیں اور یہ اونٹنی قدرتی تھی جیسے جبریل امین گھوڑے پر سوار نمودار ہوتے تھے وہ گھوڑا قدرتی ہوتا تھا نہ کہ یہ دنیاوی گھوڑا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام پر قرآن آسان کیا گیا۱؎ تو آپ اپنے گھوڑے کا حکم دیتے تھے اس کی زین لگائی جاتی تھی تو آپ گھوڑے کے زین لگائے جانے سے پہلے قرآن پڑھ لیتے تھے۲؎ اور نہ کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کے کام سے۳؎(بخاری)	

۱؎ یہاں قرآن لغوی معنی میں ہے بمعنی پڑھی ہوئی کتاب اور اس سے مراد زبور شریف ہے،رب فرماتا ہے:"وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَہۡجُوۡرًا"۔

۲؎ جیسے طی الارض کرامت یا معجزہ ہے ویسے ہی طی الوقت بھی معجزہ و کرامت ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہوجاوے یہ عقل سے وراء چیز ہے۔معراج میں حضور کے لیے وقت اور جگہ دونوں چیزیں سمیٹ دی گئیں،حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے کی رکاب میں ایک پاؤں رکھتے وقت قرآن مجید شروع کرتے تھے اور دوسرے قدم رکھتے وقت تک پورا قرآن ختم کرلیتے تھے ایک ایک لفظ صاف صاف سمجھا جاسکتا تھا۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

۳؎حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کا کام کرتے تھے،لوہا ان کے لیے نرم کردیا گیا تھاجس طرح چاہتے اسے موڑ لیتے تھے اس کی اجرت پر گزارہ فرماتے تھے حالانکہ آپ بادشاہ تھے علیہ الصلوۃ والسلام۔

روایت ہے انہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کے بچے تھے بھیڑیا آیاایک کا بچہ لے گیا۱؎اس کی ساتھن بولی کہ بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے اور دوسری نے کہا کہ تیرا بچہ لے گیا ہے۲؎ چنانچہ وہ دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے گئیں آپ نے بڑی کے حق اس کا فیصلہ کردیا۳؎وہ دونوں حضرت سلیمان ابن داؤد کے پاس گئیں انہیں یہ خبر دی۴؎آپ نے فرمایا چھری لاؤمیں تم دونوں کے درمیان بچے کے دو ٹکڑے تقسیم کردوں۵؎تو چھوٹی بولی اللہ آپ پر رحمت کرے یہ نہ کریں یہ اس بڑی کا بچہ ہے۶؎تب آپ نے چھوٹی کے حق میں اس کا فیصلہ کردیا۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ دونوں عورتیں اپنے اپنے لڑکے جنگل میں بٹھال کر کسی کام میں مشغول ہوگئیں کہ یہ حادثہ پیش آگیااور باقی ماندہ بچہ میں جھگڑا پڑگیا۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں عورتوں میں سے ہر ایک چاہتی تھی کہ یہ بچہ مجھے ملے ایک تو واقعی ماں تھی دوسری ماں بنی جا رہی تھی۔

۳؎بڑی کے حق میں یہ فیصلہ فرمانا اس لیے تھا کہ وہ اس بچہ پر قابض تھی یا اس لیے کہ بچہ اس کی ہم شکل تھا۔بہرحال یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اجتہاد سے تھا،وحی الٰہی سے نہ تھا ورنہ اس کی اپیل نہ ہوتی اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے خلاف فیصلہ فرماتے۔معلوم ہوا کہ مجتہد کا اجتہاد برحق ہے اور نبی بھی اجتہاد فرماسکتے ہیں۔

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کی اپیل ہوسکتی ہے اور اپیل والا حاکم پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے بشرطیکہ پہلا فیصلہ اجتہاد سے ہوا ہو وحی سے نہ ہو وحی کی اپیل ناممکن ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّ لَا مُؤۡمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗۤ اَمۡرًا اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہُمُ الۡخِیَرَۃُ"۔

۵؎یعنی اس بچہ کی دو کھانپ کرکے تم دونوں کو ایک ایک دیدوں۔خیال رہے کہ آپ نے اس بے گناہ بچے کے قتل کا ارادہ نہ فرمایا بلکہ اس کلام سے ان عورتوں کی شفقت و محبت کی آزمائش فرمائی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بے قصور کے قتل کا ارادہ کرنا گناہ ہے اور نبی گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

۶؎اس وقت بڑی عورت یا تو خاموش رہی یا کچھ ہلکی تڑپی دکھلاوے کے لیے،حقیقی تڑپ اور بناوٹی تڑپ میں فرق ہوتا ہے۔خیال رہے کہ یہ کلام اقرار کے لیے نہیں بلکہ بے قراری میں تڑپ کے طور پر ہے یعنی آپ اسے قتل نہ کریں اسی کو

دے دیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ چھوٹی نے بڑی کے لیے اقرار کر لیا پھر آپ نے بڑی کو یہ بچہ نہ دیا،اس علامت سے آپ نے پہچان لیا کہ ماں یہ ہی ہے بچہ کی جان بچانے کے لیے کہہ رہی ہے۔

۷؎ اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اجتہاد جائز ہے۔دوسرے یہ کہ کبھی اجتہاد میں غلطی بھی ہوجاتی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے اجتہاد میں خطا ہوئی۔تیسرے یہ کہ خطا اجتہادی پر پکڑ اور مواخذہ نہیں ہوتا،دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ٹوٹ تو گیا مگر ان سے رب نے پوچھ گچھ نہ کی۔چوتھے یہ کہ کبھی افضل کے مقابلے میں مفضول کا فیصلہ قوی اور قابل عمل ہوتا ہے،دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام صاحب کتاب صاحب شریعت نبی ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد ہیں،ان تمام باتوں کے باوجود عملی فیصلہ سلیمان علیہ السلام پر کیا گیا لہذا امام اعظم کے فرمان کے ہوتے ہوئے قول صاحبین پر فتویٰ دینا عمل کرنا درست ہے،یہ حدیث اس کا ماخذ ہے ایک مقدمہ کا ذکر تو قرآن مجید میں فرمایا ہے"فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ"۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج رات نوے بیویوں پر چکر لگاؤں گا،ایک روایت میں ہے کہ سو بیویوں پر۱؎ وہ تمام ایک سوار جنیں گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۲؎ ان سے فرشتے نے کہا ان شاءاللہ کہہ لیجئے مگر وہ نہ کہہ سکے بھول گئے۳؎ چنانچہ آپ نے ان سب پر چکر لگایا۴؎ تو ان میں سے کوئی حاملہ نہ ہوئی سواء ایک عورت کے جو آدمی کی ایک کروٹ لائی اس کی قسم جس کے قبضہ میں حضور محمد کی جان ہے اگر وہ ان شاءاللہ کہہ لیتے تو وہ سب اللہ کی راہ میں سوار ہوکر جہاد کرتے۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس وقت آپ کی بیویاں ننانوے تھیں لہذا یہاں سو سے مراد قریبًا سو ہیں،بعض روایات میں ساٹھ اور ستر بھی ہے کیونکہ بیویاں ساٹھ یا ستر تھیں باقی لونڈیاں تھیں،آپ کی کل بیویاں لونڈیاں ایک ہزار تھیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ دین کی خدمت کے لیے اولاد چاہنا اختیار کرنا سنت انبیاء ہے محض گھر کی رونق اور اپنی خدمت کی نیت نہ کرے۔

۳؎ آپ کی یہ بھول بھی رب تعالٰی کی طرف سے تھی تاکہ دنیا کے لیے مثال قائم ہوجاوے کہ ان شاءاللہ نہ کہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے،ان حضرات کی بھول میں رب کی حکمتیں ہوتی ہیں۔فرشتے سے مراد الہام والا فرشتہ ہے یا آپ کے ساتھ رہنے والا فرشتہ۔

۴؎ یعنی ایک شب میں ان سب سے صحبت کی اس میں آپ کے دو معجزے ہیں:ایک تو جماع کی اتنی طاقت کہ قریبًا سو بیویوں سے صحبت کی۔دوسرے ایک رات میں اتنی صحبتیں ہوجانا تھوڑے وقت میں زیادہ کام۔

۵؎ یعنی وہ سب بیویاں حاملہ ہوتیں جو حاملہ ہوتی سب کے لڑے پیدا ہوتے زندہ رہتے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام میں اپنے پر بھروسہ نہ کرے رب تعالٰی پر توکل کرے تو ان شاءاللہ کامیابی ہوتی ہے،آئندہ کام پر ان شاءاللہ ضرور کہے اور گزشتہ کام پر ان شاءاللہ کہنا برکت کے لیے درست ہے جیسے ان شاءاللہ میں مسلمان ہوں یعنی اللہ کے فضل سے میں مؤمن ہوچکا ہوں۔

	روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۱؎(مسلم)

۱؎ یعنی زکریا علیہ السلام لکڑی سازی کا کام کرتے تھے اس کی آمدنی سے اپنا گزارہ کرتے تھے،کسی نبی نے نبوت کو ذریعہ معاش نہ بنایا۔مرزا قادیانی پہلے ایک نہایت غریب آدمی تھا،جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچا کر نواب بن گیا،شاہانہ زندگی گزار گیاسارے سچے نبیوں نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زندگی گزاری۔کس نبی نے کیا پیشہ اختیار کیا یہ ہماری تفسیر نعیمی پارہ اول میں ملاحظہ کرو۔خیال رہے کہ حضرات انبیاءکرام نے اگرچہ لکڑی لوہے زنبیل سازی وغیرہ اختیار فرمائی مگر انہیں بڑھئی یا لوہار وغیرہ کہنا حرام ہے کہ یہ الفاظ توہین آمیز ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں عیسیٰ ابن مریم سے دنیا و آخرت میں قریب تر ہوں۱؎حضرات انبیاء علاتی بھائی ہیں جن کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۲؎ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں قرب سے مراد زمانہ کا قرب ہے،حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح قریب ہیں کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں۔حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام ہی قریب قیامت اسلام کی خدمت کریں گے،آپ ہی حضور انور کے روضہ اقدس میں دفن ہوں گے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک ۵۷۰ء پانچ سوستر عیسوی میں ہے،آخرت میں اس کے قریب ہوں گے کہ تمام عالم کو جو تلاش شفیع میں سرگرداں ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی حضور انور کا پتہ دیں گے کہ آج تمہاری دستگیری کرنے والا سواء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں،حضرت روح اللہ پر ہماری جانیں فدا جو دنیاو آخرت میں حضور انور کے مبشر ہیں جیسے صبح کا ستارہ جو سورج نکلنے کی بشارت دے کر لوگوں کو جگاتا ہے۔

۲؎ اصول اور قواعد کو دین کہتے ہیں،فروعی مسائل کو مذہب۔ہم اور شوافع مذہبًا قدرے مختلف ہیں مگر تمام آئمہ کا دین اسلام ہے،اسی طرح توحیدورسالت میں تمام انبیاءکرام مشترک تھے مگر فروعی مسائل میں ان میں اختلاف تھا جیسے علاتی بھائی بہن کہ مائیں ان کی مختلف ہوتی ہیں باپ ایک ہی یہی حال حضرات صوفیاءکرام کے اختلاف کا ہے قادری،چشتی،نقشبندی،سہروردی وہ حضرات خود کہتے ہیں انباء السبیل احیان لیس بینھم خلاف۔(مرقات)

۳؎ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہ حضور کے زمانہ میں اس دوران میں کوئی نبی روئے زمین پر تشریف نہ لائے نہ صاحب شریعت نبی نہ غیر صاحب شریعت اس لیے حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام نے اعلان فرمایا تھا "وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" لہذا جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو نبی مانے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور کسی کو کسی طبقہ کا نبی مانے وہ کافر ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ" کیونکہ وہاں اقتداء میں قرب مراد ہے اور یہاں زمانہ میں قرب۔خیال رہے کہ اقتداء سے مراد موافقت ہے حضور انور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں کہ آپ کے دین میں ملتِ ابراہیمی پوری مکمل موجود ہے کچھ معہ زوائد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے مقتدی نہیں سب کے مقتداء ہیں بہرحال آیت و حدیث دونوں اپنے مقام پر حق ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر انسان کی کروٹوں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے۱؎ سواء عیسیٰ ابن مریم کے۲؎ کہ وہ انگلی مارنے لگا تو اس کی انگلی پردہ میں لگی۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں بنی آدم سے مراد اولاد آدم ہیں لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔شیطان کو انسان سے دلی عداوت ہے وہ بچہ کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کے پیچھے پڑتا ہے،اسی مار کے اثر سے بچہ پیدائش کے وقت روتا ہے،بچپن میں بہت سی بیماریاں شیطان کے اثر سے ہوتی ہیں جیسے ام الصبیان وغیرہ جیسے سانپ بچھو وغیرہ جانور،بعض جڑی بوٹیاں انسان کو بیمار کردیتی ہیں ایسے ہی شیطان بھی انسان کو بیمار کردیتا ہے،رب فرماتا ہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"۔

۲؎ ایسے مقام پر متکلم مستثنی ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ولادت پاک کے وقت شیطان نہ چھو سکا۔(اشعۃ اللمعات)اسی لیے حضور ولادت پاک کے وقت روئے نہیں۔

۳؎ یہ حدیث باب الوسوسہ میں گزر چکی ہے،اس وقت اللہ تعالٰی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیطان کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا شیطان کی انگلی اس پردے میں لگی،حضرت حنہ(والدہ مریم)کی دعا سے یہ واقعہ ہوا آپ نے دعا کی تھی "اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا مردوں میں تو بہت کامل ہوئے عورتوں میں سواء مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے کوئی کاملہ نہ ہوئیں۱؎ اور جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی بزرگی ساری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی بزرگی تمام کھانوں پر۲؎

(مسلم،بخاری)اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ یاخیر البریة اور ابوہریرہ کی حدیث ای الناس اکرم اور حضرت ابن عمر کی حدیث کریم ابن کریم،مفاخرہ اور عصبیہ کے باب میں ذکر کردی گئیں۳؎	

۱؎ خیال رہے کہ یہاں کمال سے مراد نبوت و رسالت نہیں کیونکہ یہ کمال تو صرف انسان مردوں کو ہی ملا ہے کوئی عورت اور کوئی غیر انسان نبی نہیں ہوئے بلکہ مراد ولایت کاملہ قطبیت غوثیت وغیرہ ہےاور رب تعالٰی سے قرب خاص کہ یہ صفات مردوں کو زیادہ عورتوں کو کم ملے،نبوت کے متعلق رب فرماتاہے:"وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ"۔نبوت کے فرائض عورت انجام نہیں دے سکتی،پردہ میں رہ کر عام تبلیغ نہیں ہوسکتی۔یہ بھی خیال رہے کہ یہاں نساء سے مراد اس زمانہ کی عورتیں ہیں لہذا اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضرت آسیہ و مریم جناب فاطمہ زہرا خدیجہ اور عائشہ صدیقہ سے افضل ہوں،یہ بیبیاں حضرت آسیہ و مریم سے افضل ہیں۔شعر

مریم ازیک نسبت عیسٰی عزیز | از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃللعالمین | آں امام الاولین و آخرین
بانوے آن تاجدار ھل اتی | مرتضٰی مشکل کشا شیر خدا
مادرآں مرکز پر کار عشق | مادر آں قافلہ سالار عشق!

۲؎ یعنی جناب عائشہ صدیقہ از آدم علیہ السلام تا روز قیامت تمام عورتوں سے ایسی افضل ہیں جیسے ثرید کھانا باقی تمام کھانوں سے افضل،ثرید شوربے میں روٹی بھگو کر پکا ہوا کھانا۔اس میں گفتگو ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ زہرا خدیجۃ الکبریٰ ان تینوں میں افضل کون ہے۔محققین علماء کا قول ہے کہ یہ تینوں مختلف جہات سے افضل ہیں،اس میں بحث نہ کی جاوے تو بہتر ہے،حضرت عائشہ جیسی عالمہ حسن خلقت حسنِ خلق شیریں گفتار ذہینہ ذکیہ بی بی نہ پیدا ہوئی نہ پیداہو،آپ بڑی عالمہ محدثہ فقیہہ ہیں،آپ کی براءت میں سورۂ نور کی اٹھارہ آیتیں نازل ہوئیں۔شعر

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ | ان کی پرنور صورت پہ لاکھوں سلام
بنت صدیق آرام جان نبی | اس حریم براءت پہ لاکھوں سلام

نبوت کے بعد صدیقیت ہے اور عائشہ صدیقہ ہیں،ابوبکر صدیق ہیں۔

۳؎ یعنی وہ حدیثیں مصابیح میں یہاں مذکور تھیں،ہم نے مشکوۃ شریف میں وہاں یعنی باب المفاخرۃ میں بیان کردیں ان کی شرح وہاں ہی دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن رزین سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے	

عرض کیا یارسول اللہ اپنی مخلوق پیدا فرمانے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا فرمایا ہلکے بادل میں تھا۲ نہ اس کے نیچے ہوائیں نہ اس کے اوپر ہوا اور اپنا عرش پانی پر پیدا فرمایا۳(ترمذی)اور فرمایا کہ یزید ابن ہارون نے کہا ہلکے بادل سے مراد ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۴	

۱؎ آپ کا نام یقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے،طائف کے رہنے والے ہیں،مشہور صحابی۔

۲؎ **عماء** کے لفظی معنی ہیں ہلکا بادل جس سے سورج نظر نہ آئے مگر اس روشنی میں کمی نہ ہو۔یہاں اس سے مراد غیب ہے یعنی رب تعالٰی غیب الغیوب تھا جس کے صفات ظاہر تھے،حدیث قدسی ہے **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف**۔(مرقات)حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں عماء ذات واحدہ ہے جسے کوئی نہ جانے سوائے اس کے۔

۳؎ دونوں جگہ **ما** نافیہ ہے یعنی رب تعالٰی تھا اور کچھ نہ تھا حتی کہ ہوا بھی نہ تھی نہ فوقیت تھی نہ تحتیت کیونکہ اوپر نیچے ہونا جہت اور سمت سے ہوتا ہے اس وقت سمت بھی نہ تھی۔

۴؎ یعنی پھر اللہ تعالٰی نے عرش اعظم پیدا فرمایا جو پانی کے اوپر اس طرح تھا جیسے زمین کے اوپر آسمان یعنی اسے گھیرے ہوئے۔اس کی شرح ہم ابھی کرچکے ہیں یہ فرمان ہماری اس شرح کی تائید کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت عباس ابن عبدالمطلب سے فرماتے ہیں کہ وہ بطحاء میں ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۱ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں بیٹھے تھے کہ ایک بادل گزرا لوگوں نے اس کی طرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کا نام کیا رکھتے ہو۲ لوگوں نے عرض کیا سحاب،فرمایا اور مزن بھی عرض کیا مزن بھی فرمایا اور عنان بھی،عرض کیا اور عنان بھی۳ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم نہیں جانتے،فرمایا ان کے درمیان فاصلہ اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا۴ اور جو آسمان اس کے اوپر ہے وہ بھی ایسا ہی ہے حتی کہ آپ نے سات آسمان گنائے۵ پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے جسکے اوپر اور نیچے حصے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۶ پھر اس کے اوپر آٹھ بکرے ہیں۷ جن کے کھروں اور سیرین کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۸ پھر ان کی پیٹھوں پر عرش ہے جس کے نیچے اور اوپر کے درمیان اتنا فاصلہ ہے	

	جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۹ پھر اللہ اس کے اوپر ہے۱۰(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ بطحا کے لفظی معنی ہیں پتھریلی یا کنکریلی نشیبی زمین جہاں سیلاب کی گزر گاہ ہو،اب مکہ معظّمہ کے قریب جنت معلیٰ کے پاس ایک جنگل کا نام ہے،مکہ معظّمہ کو بھی بطحایا ابطح کہتے ہیں،اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے رسول البطحیٰ۔غالبًا یہ جماعت مسلمانوں کی نہ تھی،اس وقت حضرت عباس بھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔(اشعہ)مگر ایک قول یہ ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہےاور یہ جماعت مؤمنین کی تھی،حضرت عباس بھی مسلمان ہوچکے تھے۔(مرقات) واللہ ورسولہ اعلم!

۲؎ حضور انور کا ان سے یہ پوچھنا اگلے کلام کی تمہید ہے جیسے رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہ پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے پھر اگلا کلام فرمایا۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لغات کے بادشاہ ہیں۔مطلب یہ ہے کہ عربی میں بادل کے تین نام ہیں:سحاب،مزن،عنان یا تو بادل کے یہ تین نام ہیں،یا مزن وہ سفید بادل جو پانی کو روک نہ سکے ضرور برسے،عنان بھورا بادل اور سحاب ہر بادل۔(مرقات)اس کلام مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بادل کے یہ تین نام ہیں کیونکہ حضور انور نے اس دیکھے ہوئے بادل کے یہ تین نام ارشاد فرمائے۔

۴؎ یہ شک راوی کا ہے۔خیال رہے کہ ایسے موقعہ پر ستر وغیرہ کے معنی ہوتے ہیں بے شمار یا بہت زیادہ لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے کہ یہاں کا یہ فرمان بمعنی تکثیر ہے نہ کہ حدبندی کے لیے۔

۵؎ یعنی اتنے اتنے فاصلہ پر سات آسمان واقع ہیں فلاسفہ نو آسمان مانتے ہیں وہ کرسی اور عرش کو آسمان ہی کہتے ہیں مگر جھوٹے ہیں،قرآن کریم نے بھی آسمان سات ہی ارشاد فرمائے ہیں۔موجودہ سائنس آسمان کے وجود ہی کا انکار کرتی ہے مگر جھوٹی ہے آسمان ہیں اور سات ہیں انہیں نظر آئیں یا نہ آئیں انہیں ملیں یا نہ ملیں۔

۶؎ یعنی ساتوں آسمانوں کے اوپر صاف اور جاری پانی کا ذخائر دریا ہے جس کی گہرائی اتنی ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان کا فاصلہ،رب جانے کہ وہ پانی کہاں سے آرہا ہےاور کہاں جارہا ہے۔اس حدیث کی تائید وہ حدیث کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک نہایت گہرا دریا پیدا فرمایا۔

۷؎ اوعال جمع ہے وعل کی،وعل کہتے ہیں پہاڑی بکرے کو یہ فرشتے حاملین عرش ہیں جو بکرے کی شکل میں ہیں،یہ ہی فرشتے مؤمنین انسانوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

۸؎ یعنی وہ فرشتے جن کی پشت پر عرش اعظم ہے جو بکروں کی شکل میں ہیں،ان کی عظمت اور جسامت کا یہ حال ہے کہ ان کے کھر سے لے کر چوتڑوں تک اتنا عظیم الشان فاصلہ ہے جب ان کی ٹانگیں اتنی بڑی ہیں تو سمجھ لو کہ بقیہ جسم کتنا ہوگا وہ تو ہماری عقل سے وراء ہے۔

۹؎ یعنی عرش اعظم کا دل اس کی موٹائی اتنی ہے کہ اس کی اوپر اور نیچے کی سطحوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا فاصلہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

۱۰؎ یہاں فوقیت سے مراد جسمانی فوقیت نہیں نہ مکانی بلندی ہے بلکہ عظمت و قدرت کی بلندی مراد ہے یعنی اللہ تعالٰی کی عظمت و قدرت عرش اعظم سے بھی اوپر ہے۔مقصود یہ ہے کہ یہ بت جو زمین پر مارے مارے پھررہے ہیں عبادت کے لائق نہیں،عبادت کے لائق وہ رب ہے جس کی عظمت کا یہ حال ہے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بدوی آیا عرض کیا کہ جانیں مشقت میں پڑ گئیں اور بال بچے بھوکے ہوگئے اور مال برباد جانور ہلاک ہوگئے۲؎ تو آپ ہمارے لیے اللہ سے بارش مانگیں ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع لاتے ہیں۳؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسبیح فرماتے رہے حتی کہ یہ آپ کے صحابہ کے چہروں میں پہنچانا گیا۴؎ پھر فرمایا تجھ پر افسوس ہے اللہ تعالٰی کو کسی پر شفیع بنایا جانا اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۵؎ تجھ پر افسوس کیا تجھے خبر ہے کہ اللہ کی شان کیا ہے اس کا عرش اس کے آسمانوں پر ایسا ہے اور اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اس پر قبہ کی طرح۶؎ اور وہ چرچرارہا ہے جیسے کجاوے کا چرچرانا سوار کی وجہ سے۷؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ صحابی ہیں،عبدمناف کی اولاد سے ہیں،فتح خیبر کے بعد فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے،نسب اور تواریخ کے بڑے عالم تھے،حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد ہیں رضی اللہ عنہ۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا جانی مالی نقصان بہت زیادہ ہوچکا۔معلوم ہوا کہ اپنے دکھ درد کی کہانی حضور کو سنانا بالکل درست اور صحابہ کرام کا عمل ہے،یہاں کی فریاد کی ہوئی رب تعالٰی بہت کرم سے سنتا ہے۔

۳؎ یعنی ہم لوگ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو اپنا شفیع بناتے ہیں کہ آپ کی دعا سے وہ ہم پر بارش بھیجے اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالٰی کو شفیع اور سفارشی بناتے ہیں کہ آپ سے ہماری سفارش و شفاعت کرے کہ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں گویا آپ کی دعا کا شفیع اللہ تعالٰی اور بارش کے شفیع آپ ہوں۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نووارد کی سخت غلطی پر تعجب فرمانے کے لیے بار بار سبحان اللہ کہتے رہے حتی کہ حاضرین بارگاہ کے چہرے اتر گئے اور ان پر خوف الٰہی ہیبت کبریائی کے آثار نمودار ہوگئے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ نے بھی پہلے اس شخص کی غلطی محسوس نہ کی تھی۔

۵؎ **شفاعت** بنا ہے **شفیع** سے بمعنی جوڑا،رب فرماتاہے:"**وَ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ**"۔سفارش کو شفاعت اس لیے کہتے ہیں کہ سائل حاکم کے سامنے اکیلا پیش ہونے کی ہمت نہیں کرتا تو اس حاکم کے کسی منظور مقبول کے ساتھ مل کر جڑ کر حاکم کے

سامنے پیش ہوتا ہے۔بہرحال شفیع سے حاکم افضل واعلیٰ ہونا ضروری ہے اگر خدا تعالیٰ کو شفیع کہا جاوے تو لازم آوے گا کہ کوئی اور اس سے اعلیٰ ہے جس کے دربار میں خدا تعالیٰ سے سفارش کرائی گئی،چونکہ یہ بہت باریک بات تھی اس لیے اس شخص کو نہ تو کافر کہا گیا نہ اس سے توبہ کرائی گئی،اس نے رب تعالیٰ کی توہین نہیں کی بلکہ وہ شفاعت کے معنی نہیں سمجھا۔خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اس کے صفات کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا درست ہے بلکہ اللہ کے نام کے وسیلہ سے بندوں سے مدد مانگنا درست ہے۔ہم کہا کرتے ہیں اللہ کے واسطے یہ دیدو اللہ کے نام کا صدقہ دے دو،کہا جاتا ہے شیئاً للّٰہ بشفاعت ذات اور وسیلہ نام،وسیلہ صفات میں فرق ضرور کرنا چاہیے۔

۶؎ حضور انور نے اپنے بائیں ہاتھ شریف کی ہتھیلی پر اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو خیمہ یا قبہ گنبد کی طرح کھڑا کیا معقول کو محسوس کی طرح دکھایا۔

۷؎ یہ کلام عالی محض سمجھانے کے لیے ہے یعنی باوجودیکہ عرش الٰہی اتنا بڑا ہے کہ وہ تمام آسمانوں کو ایسے گھیرے ہے جیسے قبہ خیمہ اپنے نیچے کی زمین پر چھایا ہوتا ہے گھیرتا ہے مگر رب تعالیٰ کی ہیبت سے گویا چرچرا رہا ہے،سوار کے بوجھ سے کمزور زین یا کمزور پالان چرچراتا ہے ورنہ وہاں نہ تو حقیقتًا بوجھ ہے نہ عرش اعظم میں چرچراہٹ کی آواز۔دیکھو طور پہاڑ تجلی الٰہی سے پھٹ گیا،یہ پھٹنا ہتھوڑے کی زد سے نہ تھا رب کی ہیبت و جلالت سے تھا،یہ حدیث متشابہات سے ہے جیسے "یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ" لہٰذا اس حدیث پر چکڑالویوں کا اعتراض محض حماقت ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں چرچرانے سے مراد ہے رب کی تسبیح و تہلیل کی آواز،عرش اعظم اٹھانے والے فرشتے اور خود عرش رب کی ہیبت سے تسبیح و تہلیل کررہے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں،فرمایا مجھے اجازت دی گئی ہے ۱؎ کہ تم کو اللہ کے فرشتوں میں ایک فرشتے کے متعلق خبر دوں عرش اٹھانے والوں سے کہ اس کے کانوں کی گدیوں سے اس کے کندھوں تک سات سو سال کا فاصلہ ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ہم کو عالم غیب کی ہر چیز کی پوری خبر ہے مگر اس کے اظہار کی اجازت نہیں،ہاں اس میں جو فرشتے حاملین عرش ہیں ان میں سے ایک فرشتے کی جسامت و عظمت بتانے کی اجازت دی گئی ہے وہ تم کو بتائے دیتا ہوں حضور انور نے سارا عالم غیب اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا ہے۔اس حدیث سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کا پتہ لگا،ساتھ ہی معلوم ہوا کہ کسی چیز کا نہ بتانا نہ جاننے کی دلیل نہیں،بتانا تو اجازت ربانی سے ہوتا ہے۔

۲؎ کان کی گدیا اور کندھے کے درمیان بہت ہی تھوڑا فاصلہ ہے،جب اس فرشتے کی کان کی گدیا کندھے سے اتنی دور ہے تو باقی جسم کا اندازہ کون لگاسکتا ہے۔خیال رہے کہ فرشتے انسانی شکل پر نہیں انسان کی شکل تمام خلق سے اچھی ہے "لَقَدۡ

خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ"ان کی اپنی شکلیں مختلف عرش اٹھانے والے فرشتے بکروں سے ملتے جلتے ہیں جیساکہ پہلے گزر چکا۔

روایت ہے حضرت زرارہ ابن اوفی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جبریل سے فرمایا کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو جبریل کانپ گئے[1] اور عرض کیا اے حضور محمد! میرے اور رب کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں اگر میں ان کے بعض سے قریب ہوجاؤں تو جل جاؤں[2] اسی طرح مصابیح میں ہے اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر انہوں نے اس کا ذکر نہ کیا کہ جبریل کانپ گئے۔	

[1] حضرت جبریل علیہ السلام کا کانپ جانا یا اس سوال کی ہیبت سے ہے یا اس تصور سے ہے جو انہیں اس سوال پر بندھا کہ دیدار الٰہی پر بندہ کا کیا حال ہوگا۔

[2] ستر سے مراد زیادتی بیان فرمانا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ میرے اور رب کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں۔خیال رہے کہ نور بھی حجاب بن جاتا ہے جیسے سورج کا نور اس کے لیے حجاب ہے۔اس سوال فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیدار الٰہی ممکن ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوال کبھی نہ فرماتے،نیز اس سے معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی صرف انسانوں کو ہوگا،جنتی مسلمان دیدار کریں گے، حضور انور نے معراج کی رات دیدار ذات اپنی آنکھوں سے کیا"ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ہے فرشتوں کو دیدار کبھی نہیں۔**احترقت** فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ نور میں گرمی ہوتی ہے مگر اور قسم کی،نور کی گرمی نار کی گرمی کو ختم کردیتی ہے،جب مؤمن پلصراط سے گزریں گے تو دوزخ پکارے گی جاگزر جا تیری نورانیت سے میری آگ بجھی جارہی ہے،حضرت خلیل پر نار نمرود ٹھنڈی ہوگئی یہ کرشمہ ہے نور کی گرمی کا۔بعض صوفیاء پر ان کے چلوں میں نورانیت غالب ہوتی ہے تو وہ ٹھنڈا پانی بہت پیتے ہیں،ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہیں،ٹھنڈے پانی کے ٹپ میں بیٹھ جاویں تو وہ گرم ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ یہ حجابات حضرت جبریل کے لیے ہیں نہ کہ رب تعالٰی کے لیے رب تو حجاب میں ہونے سے پاک ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے جناب اسرافیل کو پیدا فرمایا جس دن سے انہیں پیدا کیا ہے اپنے قدموں پر کھڑے ہیں[1] وہ اپنی نگاہ نہیں اٹھاتے[2] ان کے اور رب تعالٰی کے درمیان ستر نور ہیں،ان میں سے کوئی نور نہیں مگر جس سے وہ قریب ہوں تو جل جاویں[3](ترمذی)	

۱؎ معلوم ہوا کہ اسرافیل علیہ السلام ان فرشتوں میں سے ہیں جن کی عبادت کھڑا رہنا ہے اور حکم الٰہی کا انتظار کرنا ہے کہ کب حکم ہو اور میں صور پھونکوں۔

۲؎ یعنی ان کی نگاہیں ادب سے نیچے ہیں،عرش اعظم یا لوح محفوظ کی طرف نظر نہیں اٹھاتے جیسے نمازی اپنی سجدہ گاہ پر قیام میں نظر رکھتا ہے ایسی ہی ان کی نظر ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور اس عالم کی ہر چیز کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔حضرت اسرافیل علیہ السلام کی ہر ادا حضور کی نگاہ میں ہے،اسی طرح سب غلاموں کی ہر ادا حضور کی نگاہ میں ہر وقت ہے۔جو عرش کو دیکھ سکتا ہے وہ فرش پر بھی نظر رکھ سکتا ہے،اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

سر عرش پر ہے تری گزر　　　　دل فرش پر ہے تیری نظر

۳؎ وہ حجاب نورانی ہیں ناری نہیں وہاں جلنا نور سے ہوسکتا ہے نہ کہ نار سے جیسے آج سورج کی شعاعوں سے گرمی حاصل کی جاسکتی ہے بلکہ یہ شعاعیں جلا بھی دیتی ہیں۔اس جلنے کی تحقیق ہم ابھی پچھلی حدیث میں عرض کرچکے ہیں۔ جنت میں جنتیوں کو پرندوں کے بھنے گوشت بھی دیئے جائیں گے،رب فرماتاہے:"وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَهُوۡنَ" وہاں گوشت آگ سے نہ بھونے جائیں گے کہ جنت میں آگ نہیں بلکہ نور سے اور نورانی گرمی سے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت آدم اور ان کی اولاد کو پیدا کیا تو فرشتے بولے یارب تو نے انہیں پیدا فرمایا کہ وہ کھائیں گے پئیں گے،نکاح کریں گے،سوار ہوں گے۱؎ تو ان کے لیے دنیا کردے اور ہمارے لیے آخرت۲؎ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جسے میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جس میں میں نے اپنی روح پھونکی اسے اس مخلوق کی طرح نہ کروں گاجس سے میں نے کہا ہو جاوہ ہوگئی۳؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی اولاد آدم گھر میں رہ کر بھی دنیا میں مشغول رہیں گے اور خشکی دریا کی سواریوں میں سفر کرکے بھی دنیا میں مشغول رہیں گے دنیا انہیں چمٹی رہے گی اور واقعی ٹھیک کہا۔معلوم ہوا کہ فرشتوں کو بھی رب تعالٰی نے علوم غیبیہ بخشے کہ وہ لوگوں کے آئندہ حالات کی خبر رکھتے ہیں،دیکھ لو جو فرشتوں نے ہمارے متعلق کہا تھا ہم ویسے ہی ہیں۔

۲؎ یعنی ہم دنیاوی یہ مذکورہ کام نہیں کرتے صرف تیری یاد ہماری زندگی ہے"وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"لہذا تو انسانوں کو دنیا میں ہمیشہ رکھ اور انہیں وہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے ہم کو یہاں ہمیشہ رکھ یہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے،ایسا نہ ہو کہ ان کو تو دونوں جہاں کی نعمتیں دے اور ہم ان سب سے محروم رہیں لہذا یہ آدمیوں کے لیے بددعا یا بدخواہی نہیں بلکہ ان کی بھی خیر خواہی ہے اور اپنے لیے دعا بھی ہے۔

۳؎ یعنی اے فرشتو میرے ظاہری و باطنی کمالات کا مظہر انسان ہے جیسے تم کو میں نے صرف کن فرماکر پیدا کیا ایک آن میں اور انسان یعنی حضرت آدم کا خمیر عرصہ تک تیار کیا گیا،پھر عرصہ تک اسے سکھایا گیا،میں نے اپنے دستِ قدرت سے اس

کی شکل بنائی اور اسے ظاہری خوبیوں سے آراستہ کیا،پھر اس میں اپنی خاص روح پھونکی جس سے وہ باطنی خوبی کا حامل ہوگیا۔انسان مادہ اور مجرد دونوں کا معجون مرکب ہے،تم بذات خود معصوم ہولہٰذا دوزخ سے محفوظ اور جنت سے محروم ہو،انسان طاقت اور غصے سے مخلوط ہے،عطایا اور بلایا مشحون ہے لہٰذا وہ ثواب و عذاب کا مستحق ہے۔یہ حدیث پاک ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بشر فرشتہ سے افضل ہے،یہ ہی اہلسنت کا مذہب ہے۔ فرشتوں کے کمالات انسان پر موقوف ہیں فرشتے انسان ہی کے ذریعہ حامل وحی،مجاہد غازی سب کچھ ہے،جنس بشریت جنس ملکیت سے افضل ہے اگرچہ بعض افراد ملک انسان کے بعض افراد سے افضل ہیں جیساکہ آگے آرہا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن اللہ کے نزدیک بعض فرشتوں سے زیادہ عزت والا ہے۱(ابن ماجہ)	

۱ اس حدیث میں افراد مؤمنین کا ذکر ہے۔ان کی تفصیل یہ ہے کہ عام مؤمنین افضل ہیں عام فرشتوں سے اور خاص مؤمنین افضل ہیں خاص فرشتوں سے۔یہ بھی خیال رہے کہ خاص مؤمنین سے مراد حضرات انبیاء و رسل و مرسلین ہیں اور خواص ملائکہ سے مراد ہیں حضرت جبرئیل و میکائیل وغیرہ اشراف ملائکہ اور عوام مؤمنین سے مراد ہیں صالحین متقین جن میں خلفاء راشدین،خاص خاص تابعین اولیاءاللہ مراد ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ"لہٰذا حضرات خلفاء راشدین،حضور غوث پاک،امام اعظم ابوحنیفہ عام فرشتوں سے بھی افضل دیکھومرقات،یہ تفصیل خیال میں رہے،ہاں انسانیت افضل ہے ملکیت سے مگر صدیق اکبر بعد انبیاء سب سے افضل ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے میرا ہاتھ پکڑا۱پھر فرمایا کہ اللہ نے مٹی پیدا کی ہفتہ کے دن اور اس میں پہاڑ پیدا کیے اتوار کے دن اور درخت پیدا کیے پیر کے دن اور ناپسندیدہ چیزیں پیدا کیں منگل کے دن،نور پیدا فرمایا بدھ کے دن اور اس میں جانور پھیلائے جمعرات کے دن۲ اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایاآخری مخلوق ہیں۳ اور دن کی آخر ساعت میں عصر سے لے کر رات تک کے درمیان۴(مسلم)	

۱ ہاتھ پکڑنا یا تو اہتمام کے لیے ہے یا یہ تفصیل گنانے کے لیے یا قرب بتانے کے لیے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ ان مذکورہ چیزوں کی پیدائش کی ابتدا ہفتہ(سنیچر) کے دن ہوئی اور انتہا جمعہ کو جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔خیال رہے کہ ہفتہ کے دن سے مراد ہے اس دن کا آخری حصہ جب کہ قریبًا اتوار شروع ہوجاتا ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ" یہ کہا جاوے کہ آیت کریمہ میں آسمان اور زمین کی پیدائش کا ذکر ہے اور یہاں زمینی چیزوں کی پیدائش کا۔

۳؎ یہاں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے مراد یا تو ان کے جسم شریف کی تکمیل ہے یا جسم شریف میں روح پھونکنا مراد ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کے جسم کی ساخت تو بہت عرصہ تک ہوتی رہی،ہر قسم کی مٹی پانی کا جمع فرمانا پھر اس کا خمیر کرنا،پھر اعضاء ظاہری باطنی کا بنانا،پھر بہت روز تک سکھانا اس میں بہت دن لگے،یہ ایک دن اور ایک ساعت میں نہیں ہوا۔جمعہ کو جمعہ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں حضرت آدم کے جسم شریف کی تکمیل ہوئی،جمعہ کے معنی ہیں مجتمع ہونا مکمل ہونا،چونکہ آپ تمام مخلوق کے مقصود ہیں اس لیے آپ کو آخر میں پیدافرمایا گیا،دیکھو مرقات یہ مقام۔اس لیے صبح صادق کا وقت قبولیت دعا کا وقت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا وقت ہے اور بارھویں ربیع الاول شریف مبارک رات ہے مگر روزانہ صبح صادق وقت قبولیت ہے اور جمعہ کی آخری ساعتیں وقت قبولیت ہیں یعنی آدم علیہ السلام کا فیض ہفتہ میں ایک بار حضور کا فیض روزانہ۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے کہ اچانک ان پر بادل آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانتے ہیں۱؎ فرمایا یہ بادل ہے یہ زمین کے ساقی ہیں۲؎ اللہ اسے اس قوم کی طرف لے جاتا ہے جو نہ اس کا شکر کریں نہ اس سے دعا مانگیں۳؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے،صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانتے ہیں،فرمایا آسمان ہے۴؎ محفوظ چھت ہے اور روکی ہوئی موج۵؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں،فرمایا تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۶؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے،انہوں نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں،فرمایا دو آسمان ان کے درمیان فاصلہ پانچ سو سال ہے،پھر فرمایا اسی طرح حتی کہ سات آسمان گنائے۷؎ ہر دو آسمانوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے۸؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ان سب کے اوپر کیا ہے،عرض کیا کہ اللہ

رسول ہی خوب جانیں،فرمایا ان کے اوپر عرش ہے۹؎ اس کے اور آسمان کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو دو آسمانوں کے درمیان ہے۱۰؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے جو تمہارے نیچے ہے۱۱؎ صحابہ نے عرض کی اللہ رسول ہی خوب جانیں،فرمایا وہ زمین ہے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں،فرمایا کہ اس کے نیچے دوسری زمین ہے جن دونوں کے درمیان پانچ سو سال ہیں۱۲؎ حتی کہ سات زمینیں شمار فرمائیں۱۳؎ ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے،پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ایک رسی نیچی زمین کی طرف لٹکاؤ تو اللہ پر ہی گرے گی۱۴؎ پھر قرأت فرمائی وہ اول ہے اور آخر ظاہر ہے اور باطن اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۱۵؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے علم پر اس کی قدرت پر اس کی حکومت پر گرے اللہ تعالٰی کا علم اس کی قدرت اس کی بادشاہت ہر جگہ ہے۱۶؎ اور وہ عرش پر ہے جیسے اس نے خود اپنی کتاب میں اپنی تعریف فرمائی۱۷؎	

۱؎ یہ صحابہ کرام کا انتہائی ادب ہے کہ حضور انور کے سوال پر جانی پہچانی چیز کا نام بھی نہیں بتاتے کہ نہ معلوم اس سوال میں کیا راز اور اتنی ظاہر چیز کے پوچھنے میں کیا حکمت ہے ہمارے عرض کردینے سے وہ فوت نہ ہوجائے۔

۲؎ روایا جمع ہے راویہ کی،راویہ وہ اونٹنی بھی کہلاتی ہے جو زمین کو سیراب کرے اور وہ بڑی مشک بھی جس میں پانی بھرکر اونٹنی پر لاد کرلایا جاوے اور خشک زمین میں بکھیرا جاوے یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔بادل سمندر سے پانی لاتے ہیں اور ہم پر برساتے ہیں۔

۳؎ یعنی بارش اللہ تعالٰی کی نعمت عامہ ہےجو ہر شاکر و کافر کو ملتی ہے جیسے ہوا اور دھوپ۔

۴؎ یا تو آسمان دنیا کا نام رقیع ہے یا ہر آسمان کو رقیع کہتے ہیں،جمع ہے ارقعہ۔

۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے آسمان کا قوام پتلا ہے پانی کیطرح پھر بھی گرنے بگڑنے بہہ جانے سے محفوظ ہے بغیر ظاہری سہارے کے قائم ہےصرف اللہ تعالٰی کی قدرت سے،پھر اس کے دروازے بھی ہیں وہ بھی اس کی طرح رقیق و پتلے ہیں جیسے خیمے کا دروازہ کپڑے کا ہوتا ہے۔

۶؎ یعنی چڑھتے ہوئے اتنا فاصلہ ہے جو کوئی چل کر چڑھ کر وہاں جائے تو پانچ سو سال میں پہنچے، گرنے کے متعلق وہ حدیث ہے کہ صبح کا پھینکا ہوا پتھر شام سے پہلے زمین پر آجاوے۔آج جو راکٹ وغیرہ اگر آسمان پر دو تین دن میں پہنچ جاتے ہوں تو یہ رفتار اور ہی ہے جیسے مدینہ منورہ کراچی سے پیدل سال بھر کا راستہ ہے مگر ہوائی جہاز سے صرف چار گھنٹے کا لہذا حدیث واضح ہے۔

۷؎ اسی طرح بیان فرمانا کہ ان دو آسمانوں کو علیحدہ بیان کیا باقی چار آسمانوں کو علیحدہ،اعلیٰ درجہ کی فصاحت ہے اس طرح بات یاد بھی خوب رہتی ہے۔آسمانوں کا دل ان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہےاور دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ بھی اتنا ہی ہے جتنا بیچ خلا ہے۔فلاسفہ کہتے ہیں کہ تمام آسمان چمٹے ہوئے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے،یہ غلط ہے کیونکہ جو آسمان دیکھ کر آئے وہ ہر دو کے درمیان فاصلہ بتارہے ہیں اور فلاسفر صرف اپنے اندازے سے،دیکھنے والے کا قول زیادہ قابل قبول ہے۔

۸؎ یہ خبر نہیں کہ وہاں اس خلا میں کیا چیز ہے،زمین و آسمان کے درمیان جو خلا ہےاس میں تو ہوا،آگ پھر نہایت ٹھنڈا طبقہ یعنی زمہریر ہے۔

۹؎ فلاسفر کہتے ہیں کہ عرش و کرسی بھی دو آسمان ہیں اور آسمانوں کی تعداد نو ہے مگر غلط ہے آسمان سات ہیں عرش و کرسی ان کے علاوہ ہیں،ان دونوں کی حقیقت آسمانوں کی حقیقت سے وراء ہے۔

۱۰؎ یعنی جتنا فاصلہ پانچ سو سال کا آسمان وزمین کے درمیان ہےاتنا ہی فاصلہ ساتویں آسمان اور عرش عظیم کے درمیان ہےوہ فاصلہ دو آسمانوں کے درمیان ہے۔

۱۱؎ یہاں نیچے سے مراد قدم کے نیچے ہے جس سے ہمارے قدم لگے ہوئے ہیں اگرچہ حضرات صحابہ جانتے تھے کہ یہ زمین ہے مگر پھر عرض یہ ہی کیا کہ اللہ رسول جانیں،یہ ہے اس بارگاہ کا ادب۔

۱۲؎ فلاسفہ کہتے ہیں کہ زمین صرف ایک ہے یا اگر سات ہیں تو ایک دوسری سے چمٹی ہوئی ہیں جیسے پیاز کے چھلکے کہ دیکھنے میں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں مگر دو یا تین غلط ہیں،زمینیں سات ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے جیساکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،رب تعالیٰ فرماتا ہے: "خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ"۔

۱۳؎ خیال رہے کہ تمام زمینوں کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی مٹی مگر ساتوں آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں اس لیے قرآن مجید میں سمٰوٰت جمع ارشاد ہوتا ہے اور زمین کو الارض واحد کہا جاتا ہے لہذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں۔

۱۴؎ یعنی اللہ تعالیٰ کے ملک اس کے علم اس کی قدرت پر گرے گی،جہاں پہنچے گی وہاں اللہ تعالیٰ ہی کا ملک و علم ہوگا،رب تعالیٰ فرماتا ہے: "مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ"۔مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا ملک صرف آسمانوں میں محدود نہیں ہے ہر جگہ ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج آسمانی کرائی گئی وہاں بھی رب تعالیٰ ہی کا کرم و نوازش تھی۔حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچا کر معراج کرائی گئی وہاں بھی رب تعالیٰ ہی کا کرم و نوازش تھی۔(مرقات)اسی لیے حضور انور نے اگلی آیت تلاوت فرمائی۔

۱۵؎ ان چاروں نام شریف کی تفسیر اسماء حسنیٰ کی شرح میں گزر چکی۔اول بمعنی قدیم ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا،یہ حادث کا مقابل ہے،آخر کے معنی ہیں باقی غیر فانی،جب کچھ نہ رہے تو وہ رہے گا اس کے صفات ایسے ظاہر کہ بچہ بچہ جانے،اس کی

ذات ایسی خفی کہ کوئی اسے نہ پاسکے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ماعرفناك حق معرفتك پھر اور کا تو ذکر ہی کیا۔مولانا فرماتے ہیں شعر

یا خفی الذات محسوس العطاء — انت کالماء ونحن کالرحی

انت کالریح ونحن کالغبار — یختفی الریح وغیرہ جھار

ایک صوفی فرماتے ہیں۔

بے حجابی یہ ہے کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار — اس پہ یہ گھونگھٹ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے — ایک تو دیدہ ہے اور تیرے سواء نادیدہ ہے

یا اول وہ جو سب کو پیدا فرمائے،آخر وہ جو سب کو فنا کرے،ظاہر وہ جو سب پر غالب ہو جو چاہے کرے،باطن وہ جو ہرآفت زدہ مصیبت کے مارے کی پناہ ہو اس کے ساتھ ہی وہ ہر چیز کا عالم بھی ہے۔(از مرقات)

۱۶؎ یہ وہ ہی شرح ہے جو ابھی ہم نے عرض کی۔اللہ تعالٰی کسی جگہ میں نہیں وہ جگہ سے پاک ہے جب جگہ نہیں بنی تھی وہ جب بھی تھا کہاں تھا۔معلوم ہوا کہ وہ کہاں جہاں،یہاں وہاں سے پاک ہے،ہاں اس کی سلطنت حکومت،علم قدرت ہر جگہ ہے کوئی جگہ اس کی سلطنت سے خالی نہیں۔

۱۷؎ اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے"ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ"یعنی اس کا خاص تجلی گاہ عرش ہے اس کا پایہ تخت جہاں سے اس کے احکام جاری ہوتے ہیں وہ عرش ہے ورنہ عرش بھی اس کی جگہ نہیں،مگر خیال رکھنا کہ وہ جگہ سے تو پاک ہے مگر ملتا ہے دو جگہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس"لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا"یا مؤمن کے دل میں مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نہ گنجم ہیچ در بالاؤ پست

در دل مؤمن بہ گلنجم اے عجب — گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

ہونے اور ملنے میں بڑا فرق ہے،بلا تشبیہ بجلی کا پاور سارے تار میں ہے مگر ملتا ہے وہاں جہاں بلب ہو یہ بات بہت ہی لحاظ رکھی جاوے۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم کی لمبائی ساٹھ گز تھی سات گز چوڑائی۱؎	

۱؎ یہاں دونوں جگہ گز سے مراد شرعی گز ہے ایک ہاتھ یعنی مروجہ گز کا آدھاگز ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ،یہ بھی خیال رہے کہ ہاتھ سے مراد آج کل کا ہمارا ہاتھ ہے یعنی ہمارے ہاتھ سے آپ ساٹھ ہاتھ لمبے تھےاور سات ہاتھ چوڑے اور اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ تھے ہر شخص چھوٹا بڑا بچہ جوان اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ لمبا ہوتاہے،آپ کا اپنا ہاتھ شریف ہمارے سترہ ہاتھ کا تھا۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا	

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے نبی پہلے ہیں فرمایا آدم علیہ السلام۱ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا وہ نبی تھے فرمایا ہاں کلام والے نبی۲ میں نے عرض کیا یارسول اللہ رسول کتنے ہیں تو فرمایا تین سو اور کچھ اوپر دس بڑی جماعت۳ اور ایک روایت ہے میں حضرت ابو امامہ سے ہے ۴ کہ جناب ابوذر نے فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ نبیوں کی پوری تعداد کتنی ہے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار جن میں سے رسول تین سو پندرہ ہیں بڑی جماعت۵	

۱ آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں اور پہلے نبی تاکہ کوئی وقت نبوت سے خالی نہ رہے،زمانہ نبی سے خالی ہوسکتا ہے نبوت سے خالی نہیں ہوسکتا،آج بھی ہمارے حضور کی نبوت موجود ہے۔

۲ یعنی آپ نبی بھی تھے اور آپ پر صحیفے الٰہیہ بھی نازل ہوئے تھے یعنی صاحب صحیفہ نبی تھے۔

۳ مرسلین سے مراد رسول ہیں۔نبی،رسول اور مرسل میں چند طرح فرق کیا گیا ہے:ایک یہ کہ نبی وہ انسان ہیں جن پر وحی الٰہی آئے کتاب یا صحیفہ آئے یا نہ آئے۔رسول وہ جن پر وحی بھی آئے اور انہیں کتاب یا صحیفہ بھی ملے۔مرسل وہ جن کو نئی کتاب اور نئی شریعت عطا ہو۔نبی رسول تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ ہیں،بعض نے فرمایا کہ نبی وہ جن پر وحی بھی آئے،رسول وہ جن پر وحی بھی آئے اور انہیں کوئی معجزہ بھی عطا ہو۔(مرقات)

۴ یہاں ابو امامہ سے مراد ابو امامہ باہلی نہیں کہ وہ تو صحابی ہیں بلکہ ابو امامہ سہلی ابن حنیف انصاری اوسی مراد ہیں،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،عظیم الشان تابعی ہیں،آپ کی عمر بانوے ۹۲ سال ہوئی ۱۰۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مرقات)

۵ یہ حدیث گزشتہ حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے وہاں ارشاد ہوا تھا تین اور کچھ اور دس،اس کچھ کی یہ تفصیل کی ہے یعنی کل رسول تین سو پندرہ ہیں۔خیال رہے کہ تین سو تیرہ کی بھی روایت ہے اور چودہ کی بھی یہاں پندرہ ہے اس لیے ایمان اس طرح لائے کہ سارے نبیوں رسولوں پر ہمارا ایمان ہے،یہ بھی یاد رکھو کہ نبی رسول اور مرسل میں عام خاص کی نسبت ہے جیسے انسان اور حیوان میں۔ہر مرسل رسول بھی ہے نبی بھی مگر ہر نبی رسول یا مرسل نہیں۔

نکتہ: نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار،رسول تین سو تیرہ،مرسل چار ہیں،اسی طرح صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں،اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں اور خلفاء راشدین چار،پھر چار مرسلین ہیں،ایک ہیں خاتم المرسلین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم،اسی طرح چار خلفاء راشدین ہیں: ایک ہیں افضل الخلق بعد النبیین یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں۱ اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ سب کچھ بتایا جو ان کی قوم نے بچھڑے کے متعلق کیا اس وقت آپ نے تختیاں نہیں گرائیں	

	پھر جب ان کی حرکت دیکھی تو تختیاں گرادیں وہ ٹوٹ گئیں۲؎ ان تینوں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی خبر چاہے کتنی ہی یقینی ہو مگر اس کا اثر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتا،مشاہدہ اور نظارہ کی دل پر تاثیر ہی عجیب ہوتی ہے۔اس سے پتہ لگا کہ حضور سید المرسلین ہیں کیونکہ سارے نبیوں کو رب تعالٰی کی ذات و صفات کی عالم غیب میں خبر دی گئی مگر حضور انور کو معراج کی رات ان سب کا مشاہدہ معائنہ کرایا گیا،خبر معائنہ کی طرح نہیں ہوسکتی تو خبیر بھی بصیر کی طرح نہیں ہوسکتے"اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا"اس لیے حضرت خلیل نے عرض کیا تھا کہ مولیٰ مردے جلا کر دکھادے تاکہ میں اس پر صرف خبیر نہ رہوں بصیر بھی ہوجاؤں،خلیل کو مردے اور ان کا جی اٹھنا دکھایا گیا،حضور کو جِلانے والا خود حی قیوم دکھایا گیا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یہ واقعہ اس دعویٰ کی تائید کے طور پر بیان فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی کی خبر موسیٰ علیہ السلام کو رب نے ہی دی تھی جو بالکل یقینی سچی تھی مگر آپ کو جوش غضب جب آیا اور توریت کی تختیاں آپ نے جب ڈالیں جب کہ اس کو آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا،اس کی تفصیل و تشریح ہماری تفسیر میں دیکھو۔

یہ مرآت جلد ہفتم آج ۵ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ ۵ فروری ۱۹۶۸ء بروز دوشنبہ ختم ہوئی،رب تعالٰی آٹھویں جلد بھی مکمل کرائے !

مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (ہشتم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

باب فضائل سیّد المرسلین صلوٰت اللہ و سلامہ علیہ

رسولوں کے سردار کے فضائل کا بیان،ان پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ؎1

الفصل الاول

پہلی فصل

؎1 فضائل جمع ہے فضیلت کی،فضیلت وہ خصوصی بزرگی ہے جو حضور انور کو عطا ہوئی آپ کے سوا کسی نبی ولی جن فرشتے کو عطا نہ ہوئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد خدا تعالٰی ساری مخلوق سے افضل ہیں،آپ کا مثل رب تعالٰی نے پیدا ہی نہ فرمایا۔

دھر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

حضور کے خصوصی فضائل حد سے وراء شمار سے زیادہ ہیں۔ان کا شمار ساری مخلوق نہیں کرسکتی جو کوئی کچھ بیان کرتا ہے وہ صرف برکت کے لیے،سمندر کا قطرہ ریگستان کا ذرہ ہی بیان کرتا ہے وہ ایسے ہیں جیسا انہیں رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔

لایمکن الثناء کما کان حقہٗ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اسی طرح صاحب مشکوۃ نے صرف ایمان تازہ کرنے اپنا نام حضور کے نعت خوانوں میں لکھوانے کے لیے یہ باب باندھا اور یہ فقیر گنہگار احمد یار اپنے نصیب پر ناز کرتا ہے کہ مجھے رب تعالٰی نے اس باب کی شرح لکھنے کی توفیق بخشی مجھے تو ان کا گنہگار امتی ہونے پر فخر ہے۔

بریں نازم کہ ہستم امت تو گنہگارم ولیکن خوش نصیبم

خیال رہے کہ حضور انور ساری خلقت سے افضل ہیں لہذا آپ نبیوں سے،رسولوں سے،عرش اعظم سے،کعبہ معظّمہ سے،کتاب اللہ لفظی قرآن مجید سب سے افضل ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔چنانچہ کعبہ دیکھنے والا حاجی ہے،کوئی نمازی،کوئی غازی،کوئی قاری یا قاضی ہے مگر حضور کو ایمان کے ساتھ دیکھنے والا صحابی ہے جو تمام سے افضل ہے۔اسی لیے جب حضور انور نے مکہ معظّمہ کو چھوڑا وہاں سے ہجرت کی تو مسلمانوں کو بلاعذر وہاں رہنا حرام ہوگیا حالانکہ کعبہ شریف وغیرہ وہاں موجود تھے،جب فتح مکہ فرمائی تب تاقیامت وہاں رہنا جائز بلکہ ثواب ہوگیا،جب حضور مکی تھے تو آیات قرآنیہ مکی ہوئیں،جب حضور مدنی ہوگئے تو آیاتِ قرآنیہ مدنی ہوگئیں۔رب نے مکہ کی قسم فرمائی اس لیے نہیں کہ وہاں کعبہ ہے بلکہ اس لیے کہ وہاں حضور ہیں" لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا

الْبَلَدِ"حضور کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کا،اس کے بعد خاموشی بہتر ہے، دیکھو اشعۃ اللمعات۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اولاد آدم میں بہترین گروہ میں بھیجا گیا یکے بعد دیگرے گروہ ۱؎ حتی کہ میں اس گروہ سے ظاہر ہوا جس میں سے میں پہلے سے تھا ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک میرانور جس قبیلہ وخاندان میں رہا وہ ہمیشہ دنیا بھر میں تمام خاندانوں سے بہتر تھا،اس میں اچھی خصلتیں شرافت نجابت تھی اور جن کے پیٹھوں یا پیٹوں میں یہ نور رہا وہ زنا اور کفرو شرک سے محفوظ رہے،از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور انور کا کوئی دادا دادی کافر نہ ہوئے سب موحّد مؤمن رہے حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مؤمن تھے،خود جناب خلیل نے فرمایا"رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوٰلِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ"یہاں ولوالدی سے آپ کے باپ تارخ اور والدہ تسلی بنت نمر مراد ہیں اور"وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ"میں اب سے مراد چچا آزر ہے۔والداور اب کا فرق خیال میں رہے۔

۲؎ قرن کے لفظی معنی ہیں ملنا،اصطلاح میں جماعت کو قرن کہتے ہیں،پھر زمانہ،ہم زمانہ لوگ،گروہ سب کو قرن کہتے ہیں،یہاں مراد ہے جماعت یا گروہ اور جماعت سے مراد ہیں حضور کے باپ داداؤں ماں اور ناناؤں کی جماعت یا اس سے مراد ہے صحابہ کرام اہل بیت اطہار کی جماعت یا مراد ہے تا قیامت حضور کی امت یا حضور کا سارا قبیلہ و خاندان،اگر آخری معنی مراد ہیں تو خیر سے مراد ہے اعلیٰ و اشرف قوم جس کی دنیا میں بڑی عزت کی جاتی ہو۔حضور کے خاندان میں اگرچہ بعض لوگ کافر تھے جیسے ابو لہب وغیرہ مگر تھے اونچے خاندان والے قریشی ہاشمی کہ ان کی دنیا میں بڑی عزت تھی اور دوسرے احتمالات کی بنا پر خیر کے معنی ہیں مؤمن متقی پرہیزگار کہ حضور انور کے والدین دادا نانا سب کے سب مؤمن موحد پرہیزگار تھے،کفر زنا،بری حرکتوں سے محفوظ تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی"وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ"اور پھر فرمایا"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ"خدایا میری اولاد میں ایک جماعت مؤمن رہے میرے مولیٰ اس مؤمن جماعت میں آخری رسول بھیج۔کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور تو نور ہوں حضور کی نسل پاک آباء و اجداد نار والے ہوں،اللہ تعالٰی نے حضور کا نور نورانی لوگوں میں رکھا۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی	

	نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو چنا [1] اور کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا [2] اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور مجھ کو بنی ہاشم میں سے چنا [3] (مسلم) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے جناب اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا [4] اور اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے بنی کنانہ کو چن لیا [5]

[1] لغت میں قریش سمندر کی وہ بڑی اور طاقتور مچھلی ہے جو دوسری مچھلیوں کو کھائے اور اسے کوئی نہ کھاسکے،پھر اس کے معنی ہوگئے غالب جوکسی سے مغلوب نہ ہو،پھر قریش نام ہوگیا نضر ابن کنانہ کی اولاد کا کہ یہ جماعت ہمیشہ سب پر غالب رہی اور تاقیامت سب سے اشرف رہے گی،کیوں نہ رہے کہ حضور انور قریشی ہیں۔

[2] کنانہ کے چند بیٹے تھے: ان میں سے ایک نضر ابن کنانہ تھے،نضر کی اولاد قریش ہے،کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کنانی تو ہے مگر قریش نہیں،قریشی سب سے افضل ہیں۔

[3] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف یہ ہے محمد رسول اللہ ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبدمناف ابن قصی ابن کلاب ابن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہرابن مالک ابن نضر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن یاس ابن نضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان،آگے اختلاف ہے۔ہاشم حضور کے چوتھے دادا ہیں ان کی اولاد کو بنی ہاشم کہتے ہیں،یہ حضرات سارے قریش میں افضل ہیں،بنی ہاشم ہی میں وہ آفتاب نبوت ماہتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم چمکے۔خیال رہے کہ حضرت اسحاق ابن ابراہیم کی نسل شریف میں ہزاروں نبی ہوئے،اولاد اسماعیل میں کوئی نبی نہیں ہوا بجز ہمارے حضور کے کیونکہ جس آسمان پر سورج ہے اس میں کوئی اور تارا نہیں اسی طرح عرب میں حضرت اسماعیل سے لے کر حضور انور تک کوئی نبی تشریف نہیں لائے۔

[4] حضرت اسحاق علیہ السلام ہزاروں نبیوں کے والد ہیں مگر چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضور انور کے والد ہیں اس لیے وہ اسحاق علیہ السلام سے بھی افضل ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ ؎

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے　　　بے نور تھا خرد کا ستارہ ترے بغیر

[5] فرق یہ ہوا کہ پچھلی روایت میں بنی کنانہ تھا اور یہاں صرف کنانہ ہے بنی نہیں مگر مطلب ایک ہی ہے۔کنانہ ابن خزیمہ حضور انور کے پندرھویں دادا ہیں جن کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے،حضور کی ذات سے تمام باپ یادادوں کے نام روشن ہوگئے۔ہم کو تو اپنے تیسرے دادا کا نام نہیں معلوم مگر حضور انور کے داداؤں کا نام دنیا میں مشہور ہے،آج کوئی نہیں بتاسکتا ہے کہ شاہجہان یا اکبر بادشاہوں کی ماں یا دائی کا نام کیا تھاوہ کیسی تھیں۔حضور کی دائی حلیمہ سعدیہ والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شان کے قصیدے دنیا میں پڑھے جارہے ہیں۔شاعر کہتا ہے ؎

کم من اب قد علا بابن ذی شرف　　　قد علا برسول اللہ عدنان

حضور نے وہ جگہ جس میں مشرکین کی قبریں اور گھورا تھا مسجد نبوی بنادی تو آج تک وہاں لاکھوں سجدے ہورہے ہیں، اگر وہ کریم ہمارے گندے دلوں پر نظرفرمادیں تو یہ دل عرش معلٰی بن جاوے ؎

گرسر میں رہے سودا ان کا سر گنبد خضرا ہو جاوے   گر دل میں کھچے نقشہ ان کا دل عرش معلٰی ہو جاوے

گلشن میں میں نے دیکھا ہے پھولوں میں خار بھی رہتے ہیں   اے شاہِ عرب مجھ بد کا بھی طیبہ میں گزارا ہو جاوے

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں قیامت کے دن اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں ۱؎ اور میں پہلا وہ ہوں جن کی قبر کھلے گی ۲؎ اور میں پہلا شفاعت فرمانے والا ہوں اور پہلا شفاعت قبول کیا ہوا ۳؎ (مسلم)	

۱؎ قوم کا سید (سردار) وہ ہے جس کی طرف قوم مصیبتوں میں پناہ لے اور وہ ان کی مصیبتیں دفع کرے۔حضور تمام مخلوق کی پناہ دافع البلاء ہیں دیکھو مرقات۔چونکہ اس سرداری کا ظہور قیامت میں ہوگا کہ کوئی اس کا انکار نہ کرسکے گا، دنیا دیکھ لے گی وہ انہی کا دن ہے سب ان کی پناہ لیں گے اس لیے قیامت کی قید لگائی گئی۔(لمعات،مرقات،اشعہ) جو لوگ آج ان سے فریاد کرنے کو شرک کہتے ہیں کل وہ بھی شفاعت کی بھیک انہیں سے مانگیں گے۔

ہم بھی محشر میں سیر دیکھیں گے   نجدی آج ان سے التجا نہ کرے

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آج بھی حضور تمام جہان کے لیے پناہ ہیں انہیں کی پناہ ہے کہ ہم جیسے گنہگار عذابِ الٰہی سے ہوئے بچے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تمام نبیوں کے سردار سب سے افضل ہیں کیونکہ سارے نبی اولاد آدم ہیں اور جب سب نبیوں سے افضل ہوئے تو ساری مخلوق سے افضل ہوئے فرشتے ہوں یا جنات یا کوئی اور مخلوق۔(اشعہ،مرقات،لمعات)

۲؎ یعنی قیامت میں دوسرے نفخے پر سب سے پہلے ہماری قبر کھلے گی پہلے ہم اٹھیں گے۔ترمذی اور حاکم کی روایت میں ہے کہ پہلے ہماری قبر کھلے گی،پھر ابوبکر صدیق کی،پھر عمر فاروق کی،پھر ہم بقیع والوں کا انتظار کریں گے،پھر مکہ معظّمہ کے مدفونین کا ان سب کا حشر ہمارے ساتھ ہوگا۔

۳؎ یہ واقعہ بہت تفصیل سے شفاعت کے بیان میں گزر چکا کہ پہلے شفاعت حضور کریں گے اسی شفاعت کا نام شفاعت کبریٰ ہے،پھر دوسرے شفیع شفاعت کریں گے حتی کہ چھوٹے بچے،ماہ رمضان،قرآن مجید،کعبہ معظّمہ وغیرہم شفاعت کریں گے وہ شفاعتیں صغریٰ ہیں اس لیے حضور انور کو شفیع المذنبین کہتے ہیں۔گنہگاروں کو اس وقت پوچھنے والے جب کوئی نہ پوچھے ہم نے عرض کیا۔

ہیں جیتے جی کے یہ سارے جھگڑے مچی جو آنکھیں تمام چھوٹے
کریم جلوہ وہاں دکھانا جہاں کہ سب منہ پھرا رہے ہیں

ترمذی کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے ہم کو جوڑا پہنایا جاوے گا،عرش کی داہنی طرف خاص جگہ پر ہم جلوہ گر ہوں گے،وہاں ہمارے سواء کوئی کھڑا نہ ہوگا۔(مرقات)احمد،ترمذی،ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ اس دن حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھ ہوگا،حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے سواء سارے نبی ہمارے جھنڈے تلے ہوں گے ہم یہ فخریہ نہیں فرماتے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن میں تمام نبیوں سے زیادہ تابعین والا(امت والا)ہوں گا۱؎ اور میں پہلا وہ ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی قیامت میں سب نبیوں سے زیادہ میری امت ہوگی۔چنانچہ جنتیوں کی ایک سوبیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسّی صفیں حضور کی امت کی ہوں گی باقی چالیس صفوں میں سارے نبیوں کی امتیں۔معلوم ہوا کہ زیادہ غلاموں والا ہونا آقا کی عظمت کی دلیل ہے۔چنانچہ قاریوں میں عاصم،اماموں میں حضرت ابو حنیفہ امام اعظم افضل ہیں کہ ان کے متبع زیادہ ہیں،مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے اسّی فیصدی ولی حنفی ہیں،دیکھو ہماری کتاب جاءالحق حصہ دوم اور دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

۲؎ یعنی دروازہ جنت ہم ہی کھلوائیں گے حضور انور سے پہلے دروازہ جنت پر نبیوں اور امتوں کا میلہ لگ چکا ہوگا۔حضور انور ابھی محشر میں ہوں گے گرتوں کو سنبھالنے،گنہگاروں کو بخشوانے،فریادیوں کی فریاد رسی میں مشغول ہونگے،ادھر دروازہ جنت بند ہوگا حضور کی آمد کا انتظار ہوگا،آپ کے آنے پر دھوم مچ جاوے گی،آپ کے کھلوانے پر دروازہ جنت کھلے گا پہلے حضور تشریف لے جائیں گے،پھر دوسرے نبی،پھر حضور کی امت،پھر دوسری امتیں۔اللہ تعالٰی جنت کھلنے کا یہ نظارہ ہم کو بھی نصیب کرے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن جنت کے دروازے پر میں آؤں گا دروازہ کھلواؤں گا تو خازن جنت کہے گا آپ کون ہیں میں کہوں گا محمد ہوں۱؎ وہ عرض کرے گا کہ مجھے آپ کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیئے نہ کھولوں ۲؎(مسلم)

۱؎ اس کھلوانے میں اور پہلے سے کھلے ہوئے نہ ہونے میں یہ ہی دکھانا ہے کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اتفاقًا حضور انور نے کھلوادیا اور نبی بھی اگر کھلواتے تو کھل جاتا۔

۲؎ یہ ہے"اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا"کا ظہور،ہر دروازہ حضور کے ہاتھ سے ہی کھلے گا۔پہلا دروازہ شفاعت سے کھلے گا،دروازۂ رحمت دروازۂ مغفرت دروازۂ جنت حضور کے ہاتھ سے کھلیں گے۔اعلٰی حضرت نے فرمایا۔

تم سے جہاں کا وجود تم سے کھلا باب جود   تم سے ملا جو ملا تم پہ کروڑوں درود

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کے بارے میں ہم پہلے شفاعت کرنے والے ہیں ۱؎ کسی نبی کی تصدیق اتنی نہ کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی ۲؎ نبیوں میں بعض نبی وہ ہیں جن کی کسی نے بھی ان کی امت سے تصدیق نہ کی سوا ایک کے ۳؎ (مسلم)

۱؎ یعنی جو لوگ اعمال سے جنت کے قابل نہ ہوں گے ان کی شفاعت کرکے انہیں جنت میں داخل کروں گا۔**فی الجنة** سے پہلے **دخولھم** پوشیدہ ہے یعنی جنت کے داخلہ کے بارے میں ورنہ جنت میں پہنچنے کے بعد شفاعت کیسی۔(از مرقات) یا یہ مطلب ہے کہ جنت کے قابل جو لوگ ہوں گے اور ان کی شفاعت فرماؤں گا۔ترقی درجات کے متعلق کہ نیچے والوں کو اونچا کردیا جاوے تب **درجات** پوشیدہ ہے **فی درجات الجنة**۔

۲؎ اس فرمان عالی کے دو معنی ہیں:ایک یہ کہ جتنے زیادہ لوگوں نے مجھ پر ایمان قبول کیا اتنے لوگ کسی اور نبی پر ایمان نہیں لائے یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ دوسرے نبی کسی خاص قوم کے نبی ہوتے تھے حضور انور سارے جہان کے نبی ہیں،نیز اور نبیوں کا زمانہ نبوت محدود تھا حضور کی نبوت تا قیامت ہے۔دوسرے یہ کہ جس قسم کی تصدیق میری کی گئی اس درجہ کی تصدیق کسی نبی کی نہیں کی گئی،میری امت مجھ پر دل وجان سے فدا ہے اور ہوگی۔یہ عشق سوزو گداز کسی اور امت کو نہیں ملا۔(اشعۃ اللمعات)

۳؎ یہ عبارت جملہ اول کے پہلے معنی کی تائید کرتی ہے۔یعنی میری امت دوسرے نبیوں کی امت سے زیادہ ہے۔نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تبلیغ فرمائی مگر صرف اسّی آدمی ایمان لائے آٹھ آدمی اپنے گھر کے بہتّر آدمی دوسرے،حضور نے تئیس سال تبلیغ فرمائی دیکھ لو آج تک کیا حال ہے،نوح علیہ السلام کے بارے میں رب فرماتاہے: "وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اور دوسرے نبیوں کی مثال اس محل کی سی ہے جس کی تعمیر بہت اچھی کی گئی اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی دیکھنے والے اس کے گرد چکر لگاتے تھے اور اچھی تعمیر سے تعجب کرتے تھے سواء اس اینٹ کے ۱؎ تو میں نے ہی اس اینٹ کی جگہ پُر کردی مجھ پر انبیاء ختم کردیئے گئے اور مجھ پر رسول ختم کردیئے گئے ۲؎ ایک روایت میں ہے کہ وہ آخری اینٹ میں ہی ہوں اور نبیوں میں آخری نبی ہوں ۳؎ (مسلم وبخاری)

۱؎ سبحان اللہ!کیسی پیاری مثال ہے نبوت گویا نورانی محل ہے حضرات انبیاء کرام گویا اس کی نورانی اینٹیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا اس محل کی آخری اینٹ ہیں جس پر اس عمارت کی تکمیل ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور آخری نبی ہیں آپ کے زمانے میں یا آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

کوئی اور پھول کہاں کھلے نہ جگہ ہے جوشش حسن سے

نہ بہار آور پہ رخ کرے کہ جھپک پلک کی تو خار ہے

۲؎ یعنی جیسے اس آخری اینٹ سے وہ محل مکمل ہوجاوے گا اور اس کے بعدا س میں کسی اینٹ کی جگہ نہ رہے گی یوں ہی مجھ سے نبوت کا محل مکمل ہوگیا اب کسی نبی کی گنجائش نہ رہی۔خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے مگر وہ پہلے کے نبی ہیں بعد کے نبی نہیں یہ اینٹ پہلے کی لگی ہوئی ہے،نیز وہ اب نبوت کی شان سے نہ آئیں گے بلکہ حضور کے امتی ہوکر۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو نبوت کی شان سے نہ گئے ورنہ خضر علیہ السلام آپ کی اطاعت کرتے بلکہ اطاعت کی شان سے گئے تھے،حالانکہ اس وقت نبوت موسوی منسوخ نہیں ہوئی تھی،تو اگر عیسیٰ علیہ السلام جن کی نبوت منسوخ ہوچکی ہے حضور کی امت بن کر آویں تو کیوں انکار ہے۔

۳؎ اب کسی نبی کی نبوت ممکن نہیں۔خیال رہے کہ آخری بیٹا وہ ہے جس کے بعد کوئی بیٹا پیدا نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ پچھلے سارے بیٹے مرچکے ہوں۔حضور کے آخری نبی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے زمانہ میں اور آپ کے زمانہ کے بعد کوئی پیدا نہ ہوگا،اگر پہلے کے کوئی نبی زندہ ہوں تو مضائقہ نہیں۔چار نبی اب تک زندہ ہیں: دو زمین پر حضرت خضر اور حضرت الیاس اور دو آسمان پر حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام،ان کی زندگی حضور انور کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف نہیں۔اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کے زمانہ میں بھی کوئی نبی نہ پیدا ہوا نہ بہ شان نبوت رہا،سب سے اول سب سے آخر ایک ہی ہوسکتا ہے،حضور اول مخلوق ہیں اور آخری نبی ہیں"هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ"الخ۔دیکھو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نبیوں کی جماعت میں کوئی نبی نہ تھے مگر انہیں اتنے معجزات دیئے گئے جتنے لوگ ان جیسے معجزوں پر ایمان لائے ۱؎ اور جو خصوصی معجزہ مجھے عطا ہوا ہے وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف بھیجی تو میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن زیادہ متبعین میں ہوں گا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ہر نبی کو وقت کے مناسب معجزے دیئے گئے جنہیں دیکھ کر اس زمانہ کے لوگ ایمان لانے پر مجبور ہوں۔چنانچہ دور عیسوی میں طب یونانی کا زور تھا تو آپ کو مردے زندہ کرنے اندھے کوڑے اچھا کرنے کا معجزہ عطا ہوا،دور موسوی میں جادو کا زور تھا تو آپ کو عصا کو سانپ بنادینے اور ہاتھ چمکا دینے کا معجزہ عطا ہوا تاکہ ان چیزوں کو ان فنون

کے استاد دیکھیں اور ایمان لائیں،ان کی پیروی میں دوسرے لوگ ایمان لائیں،جب وہ دور گزر گیا وہ معجزے ختم کردیئے گئے۔اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو وہ زمانہ سائنس کا تھا اسے کوئی ایسا معجزہ ملتا جس سے سائنس والے عاجز رہتے،دیکھو حضور انور کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت زبان دانی کا زور تھا تو حضور کو بلیغ کلام یعنی قرآن کا معجزہ عطا ہوا یہ قانون قدرت ہے۔

۲؎ یعنی گذشتہ نبیوں کے معجزات ان کے ساتھ ہی چلے گئے اب نہ عصاء موسوی ہے نہ تخت سلیمانی۔مگر میرا معجزہ قرآن ہے جو تاقیامت باقی رہے گا کیونکہ میری نبوت تاقیامت ہے اس سے ہر زمانہ میں لوگ قرآن کے ذریعہ مجھ پر ایمان لائیں گے۔خیال رہے کہ قرآن فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے آج علماء کے لیے معجزہ ہے مگر اس میں یہ خوبیاں ہیں کہ بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوگا،بغیر سمجھے لذت دیتا ہے،حفظ ہوجاتا ہے،عوام کو تڑپا دیتا ہے،اس کے ایک نقطہ میں تبدیلی نہ ہوسکی ان وجوہ سے عوام کے لیے معجزہ ہے،دوسری کتب آسمانی میں یہ خوبیاں نہ تھیں لہذا وہ معجزہ نہ تھیں۔خیال رہے کہ حضور کا ذکر کثیر،حضور کی بغیر دیکھے محبوبیت بھی زندہ جاوید معجزے ہیں،تمام حسینوں کے دیکھنے والے لاکھوں مگر ان کے عاشق ایک ایک آج حضور کا دیکھنے والا کوئی نہیں مگر حضور کے عاشق ان کے نام پر جان دے دینے والے لاکھوں ہیں یہ زندہ معجزے ہیں،رب نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا"وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ"نیز آج آسمان پر،پتھروں پر،گائے بکریوں،مرغی کے انڈوں پر حضور کا نام قدرتی طور پر لکھادیکھاگیاہےاور لکھا دیکھا جارہا ہے یہ سب حضور کے معجزے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے پانچ نعمتیں وہ دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ دی گئیں۱؎ میں ایک ماہ کے راستے سے رعب کے ذریعہ مدد کیا گیا۲؎ اور میرے لیے ساری زمین مسجد اور ذریعہ طہارت بنادی گئی۳؎ کہ میری امت کے آدمی کو جس جگہ نماز آجاوے وہ وہاں ہی پڑھ لے اور میرے لئے غنیمتیں حلال کردی گئیں مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کی گئیں۴؎ اور مجھے بڑی شفاعت دی گئی۵؎ اور نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۶؎ میں سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۷؎ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہاں پانچ فرمانا حصر کے لیے نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ یہ پانچ خصوصی فضیلتیں وہ ہیں جو میرے سواء کسی نبی کو نہ دی گئیں تو آئندہ کسی ولی کو ملنے کا احتمال ہی نہیں،ہزارہا خصوصیات ہیں جو حضور انور ہی کو ملیں کسی اور کو نہ ملیں۔لہذا یہ حدیث دوسری ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں اور خصوصیات کا بھی ذکر ہے۔

۲؎ یعنی جو دشمن مجھ سے جنگ کرنے آئیں ابھی وہ ایک ماہ کے راستہ پر مجھ سے دور ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں میری ہیبت چھا جاتی ہے اگرچہ وہ جنگ کریں مگر مرعوب ہوکر،یہ معجزہ کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔اب بھی حضور کے

روضۂ اطہر پر پہلی حاضری کے وقت زائر کے دل میں حضور کی ہیبت بہت ہی ہوتی ہے بعد میں حضور سے انس و محبت پیدا ہوجاتی ہے۔

۳؎ یعنی دوسرے نبیوں کے دینوں میں نماز صرف ان کے عبادت خانوں میں ہوتی تھی گرجوں وغیرہ میں میری امت تمام روئے زمین پر جہاں چاہے نماز پڑھ سکتی ہے،ہاں بعض جگہ نماز جائز نہیں وہ کسی عارضہ سے ہے جیسے قبرستان، حمام،مذبح وغیرہ،نیز کسی دین میں تیمّم نہ تھا یہ صرف میرے دین میں ہے غسل اور بے وضوئی دونوں کا تیمّم زمین پر ہوسکتا ہے یہ ہماری خصوصیات میں سے ہے۔

۴؎ چنانچہ پچھلے دینوں میں جہاد تھے اور ان جہادوں میں مال غنیمت بھی حاصل کیا جاتا تھا مگر یہ مال غنیمت کسی پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا اگر اس میں کچھ غبن نہ ہوتا تو غیبی آگ آتی اسے کھا جاتی،اگر ذرہ بھر بھی غبن ہوتا تو آگ نہ آتی، ہمارے دین میں غنیمت کا مال مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے،یوں ہی قربانی کا گوشت دوسرے دینوں میں کھایا نہیں جاتا تھا بلکہ پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا جسے آگ کھا جاتی تھی اسلام میں قربانی کرنے والا بھی اور دوسرے بھی کھا سکتے ہیں۔

۵؎ یعنی شفاعت کبریٰ جسے شفاعت عامہ کہتے ہیں وہ صرف حضور ہی کریں گے،شفاعت صغریٰ دوسرے نبی،اولیاء اللہ، اور رمضان،قرآن وغیرہ بھی کریں گے،یہاں شفاعت کبریٰ مراد ہے۔

۶؎ اپنی قوم سے مراد وہ خاص قوم ہے جو ان کی امت دعوت ہوتی تھی جس پر واجب ہوتا تھا کہ ان نبی پر ایمان لائے خواہ اپنے خاندان کے لوگ ہوں یا اپنے شہر کے یا دوسرے لوگ۔لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ ابراہیم ولوط علیہما السلام ملک شام و فلسطین کے نبی تھے یہ لوگ ان حضرات کے خاندان کے تھے نہ وطن کے۔

۷؎ علماءکرام کے نزدیک اس فرمان عالی کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی نبوت کے ظہور سے لے کر قیامت تک لوگ آپ کے امتی ہیں خواہ کسی قوم کے ہوں کسی جگہ کے ہوں کسی وقت میں ہوں۔صوفیاءکرام کے نزدیک از آدم علیہ السلام تا روز قیامت سب حضور کے امتی ہیں حتی کہ گذشتہ انبیاءکرام بھی،ہاں وہ قومیں بالواسطہ امتی تھیں ہم لوگ بلاواسطہ اس لیے سارے نبیوں سے حضور پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا"وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ"اور نبیوں نے حضور کے پیچھے معراج میں محمدی نماز پڑھی۔یہاں تو یہ ہے کہ ہم سارے انسانوں کی طرف بھیجے گئے،آگے آرہا ہے کہ ساری مخلوق کی طرف بھیجے گئے جس کا رب اللہ ہے اس کے نبی حضور ہیں،اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے حضور رحمۃ للعالمین۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ نے فرمایا مجھ کو تمام پیغمبروں پر چھ چیزوں سے بزرگی دی گئی ۱؎ مجھے جامع الفاظ دیئے گئے ۲؎ ہیبت سے میری مدد کی گئی ۳؎ میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں اور میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنائی گئی اور میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ۴؎ اور مجھ سے نبی ختم کردیئے گئے ۵؎ (مسلم)

۱؎ ہم ابھی کچھ پہلے عرض کرچکے ہیں کہ پانچ چھ کا ذکر فرمانا حد بندی کے لیے نہیں حضور کو بے شمار خوبیوں میں بزرگی دی گئی ہے لہذا پانچ والی روایت بھی درست ہے اور چھ والی اور زیادہ والی بھی۔

۲؎ قرآن مجید کے الفاظ بھی جامع ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ بھی نہایت جامع ہیں کہ لفظ تھوڑے معنی مطلب بہت زیادہ۔دیکھو حضور فرماتے ہیں اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے،دین کی حقیقت خیر خواہی ہے،مؤمن کامل وہ ہے جو بیکار اور غیر مفید باتیں چھوڑ دے،چھوٹے چھوٹے جملے ہیں مگر ساری شریعت و طریقت ان میں بھری ہے،بعض محدثین نے ایسی حدیثیں کتابی شکلوں میں جمع فرمادی ہیں۔

۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ دشمنوں کے دل میں قدرتی طور پر حضور کا رعب تھا ایسا دیکھا گیا ہے کہ حضور انور اکیلے سورہے ہیں کافر تلوار لے کر آکھڑا ہوا مگر قتل نہ کرسکا تھرتھرا کر گر گیا۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

۴؎ خلق سے مراد ساری مخلوق ہے جاندار ہو یا بے جان،عاقل ہو یا غیر عاقل سب پر حضور کی نبوت حضور کے احکام نافذ ہیں۔ہاں حضور کے احکام ہر قسم کی مخلوق کے لیے علیحدہ ہیں،چاند سورج حضور کے مطیع ہیں،کنکروں پتھروں لکڑیوں نے حضور کا کلمہ پڑھا،یہ ساری مخلوق حضور کو نبی مانتی ہے سواء کفار جن و انس باقی سب حضور کو مانتے ہیں لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر ساری مخلوق حضور کی امت ہے تو سب پر نماز روزہ وغیرہ فرض ہونی چاہیے کیونکہ ہر مخلوق کے احکام جدا گانہ ہیں۔خیال رہے کہ حضرت سلیمان سارے جن و انس کے بادشاہ تھے ان سب کے نبی نہ تھے،اسی طرح آدم علیہ السلام نہ ساری خلقت کے نبی تھے نہ سارے انسانوں کے بلکہ آپ کے زمانہ میں انسان تھے ہی تھوڑے جن کے آپ نبی تھے،اسی طرح نوح علیہ السلام کفار کے ڈوب جانے کے بعد سارے کشتی والوں کے نبی تھے اس وقت کل انسان اتنے ہی رہ گئے تھے،حضور انور کی خصوصیت یہ ہے کہ لاتعداد انسان ہوں اور آپ سب کے نبی ہوں تو سارے انسانوں کا اسی طرح نبی ہونا بھی حضور کی خصوصیت ہے اور ساری مخلوق کا نبی ہونا بھی حضور کی خصوصیت۔

۵؎ یعنی میں آخری نبی ہوں جس پر دور نبوت ختم ہوگیا میرے زمانہ میں یا میرے بعد کوئی نبی نہیں،جو نبی زندہ ہیں ان کی نبوت بھی منسوخ ہوگئی اب وہ میری امت کے ولی ہیں۔حضرت ابن عباس کی روایت میں جو ہے کہ زمین کے سات طبقے ہیں ہر طبقہ میں ابراہیم و موسیٰ اور محمد ہیں وہاں مراد ہادی برحق ہیں نہ کہ نبی۔

	روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جامع باتوں کے ساتھ بھیجا گیا اور ہیبت سے میری مدد کی گئی جبکہ میں سورہا تھا تو میں نے اپنے کو دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں تو میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے اللہ تعالٰی نے زمین کے سارے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائیں۔خیال رہے کہ تمام زمینی اور دریائی پیداواریں زمینی خزانے ہیں۔ان کی چابیاں آپ کو دیئے جانے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو ان سب کا مالک بنادیا اور مالک بھی اختیار والا کہ آپ لوگوں کو اپنے اختیار سے تقسیم فرمادیں۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے　　ہر کار بنایا تمہیں مختار بنایا

بے یارو مددگار جسے کوئی نہ پوچھے　　ایسوں کا تمہیں یار و مددگار بنایا

اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا"حضور بہ عطاء الٰہی اللہ کے سارے خزانوں کے مالک ہیں،حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور سے جنت مانگی جو منظور فرمالیا گیا۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی تو میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھے ۱؎ اور میری امت کا ملک وہاں تک ہی پہنچے گا جہاں تک کہ میرے لیے سمیٹ دیا گیا ۲؎ اور مجھے دو خزانے دیئے گئے سرخ و سفید ۳؎ اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے سوال کیا کہ انہیں عام قحط سے ہلاک نہ کرے ۴؎ اور ان پر ان کی جماعت کے سوا کوئی دشمن مسلط نہ کرے جو ان کی اصل اکھیڑ دے ۵؎ میرے رب نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم جب کوئی فیصلہ فرمادیتے ہیں تو وہ رد نہیں ہوسکتا ۶؎ میں نے آپ کو آپ کی امت کے متعلق یہ وعدہ دے دیا کہ انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر ان کی جماعت کے علاوہ کوئی دشمن مسلط نہ کروں گا ۷؎ جو ان کی اصل اکھیڑ دے اگرچہ وہ دنیا کے ہر طرف سے جمع ہوجاویں حتی کہ وہ امتی خود ان کے بعض بعض کو ہلاک کردیں گے اور بعضے بعض کو قیدی کریں گے ۸؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی ساری زمین مجھے مختصر کرکے دکھادی گئی میرے سامنے رکھ دی گئی۔یہاں مرقاۃ میں ہے کہ ساری زمین حضور انور کے سامنے کردی گئی جیسے آئینہ دار کے ہاتھ میں آئینہ۔(مرقات)حضور انور کو مشرق و مغرب کی سلطنت عطا کی گئی۔(دیکھو اشعۃ اللمعات)اس سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان،مشرق و مغرب حضور انور کی نظر میں بھی ہیں اور حضور انور کے تصرف میں بھی،سمیٹ دینے اور دکھا دینے سے یہ دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں،حاضر ناظر کے یہ ہی معنی ہیں۔مشرق و مغرب دیکھنے کے معنی ہیں کہ میں نے ساری زمین دیکھ لی اس کا کوئی ذرہ چھپا نہیں رہا۔یہاں سمیٹ

دینے دکھادینے کا ذکر تو ہوا مگر بعد میں میں چھپالینے کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات حضور انور کے سامنے ہے۔
۲؎ یعنی ساری روئے زمین پر میری امت کی سلطنت ہوگی۔زمین کے اکثر حصہ پر مسلمانوں کی بادشاہت رہ چکی ہے،قریب قیامت حضرت امام مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر مسلمانوں کی بادشاہت ہوگی۔
۳؎ سرخ خزانہ سے مراد ہے کسریٰ شاہ فارس کے خزانے جن میں سونا زیادہ تھا اور سفید خزانہ سے مراد ہے روم کے خزانے جن میں چاندی زیادہ تھی،یہ دونوں ملک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوئے اور حضور انور کی پیش گوئی پوری ہوئی۔
۴؎ یعنی میری امت قحط و بھوک سے ہلاک نہ ہوجائے لہذا اس پر اعتراض نہیں کہ بعض جگہ مسلمانوں پر قحط آجاتا ہے بعض مسلمان بھوک سے مرجاتے ہیں،یہاں عام امت کی ہلاکت مراد ہے۔
۵؎ **بیضه** کے معنی ہیں انڈا بھی اور خود بھی پھر اسے بمعنی اصل استعمال کیا جاتا ہے۔یہاں اس سے مراد مسلمانوں کا وہ دارالسلطنت ہے جس کی تباہی سے مسلم قوم بالکل تباہ ہوجائے خواہ مدینہ منورہ مراد ہو یا کوئی اور جگہ۔حضور کی اس دعا کا ہی اثر ہے کہ اگرچہ مسلمانوں پر کبھی کفار غالب آجاتے ہیں مگر الحمدللہ انہیں فنا نہیں کرسکتے اور نہ فنا کرسکیں گے،مسلمان اگرچہ گنہگار ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے سایہ میں ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری دعا اور بھی مانگی تھی جس کا ذکر دوسری احادیث میں ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں جنگ اور خونریزی نہ ہو یہ متفق رہیں اس کے متعلق آگے ارشاد ہے۔خیال رہے کہ اس حدیث میں کفار کی سلطنت کی نفی نہیں بلکہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی نفی ہے،کفار مسلمانوں پر بادشاہ تو ہوجائیں گے مگر انہیں بالکل مٹا نہ سکیں گے کہ زمین پر ایک مسلمان نہ رہے۔
۶؎ یعنی اے محبوب نبی کو چاہیے کہ ایسی دعا نہ فرمائیں جو ہمارے فیصلے کے خلاف ہو کیونکہ ہمارے فیصلہ کے خلاف ہو نہیں سکتا اور ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ نبی کی دعا خالی جاوے لہذا نبی ایسی دعا کریں ہی نہیں،آپ کی یہ دونوں دعائیں تو قبول ہیں مگر تیسری دعا کرنے کی آپ کو اجازت نہیں۔
۷؎ یعنی مسلمان خود آپس میں لڑتے بھڑتے رہیں گے اس لیے کبھی کمزور بھی ہوجائیں گے اور تکلیف بھی پائیں گے اس کا ظہور آج تک ہورہا ہے۔اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی اتنی بادشاہتیں موجود ہیں کہ اگر یہ سب متفق ہوجائیں تو کوئی طاقت انہیں دبا نہ سکے مگر یہ ایسے نیک ہیں کہ دو ایک نہیں ہوتے،مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ

مصرع   دل میں دو حرف ہیں اور وہ بھی جدا ایک سے ایک

۸؎ اس فرمان عالی میں اس جانب اشارہ ہے کہ مسلمان آپس میں لڑتے بھڑتے رہیں گے مگر فنا پھر بھی نہ ہوں گے۔

روایت ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی معاویہ کی مسجد پر گزرے ۱؎ اس میں تشریف لے گئے وہاں دو رکعتیں پڑھیں ۲؎ اور ہم نے حضور کے ساتھ نماز پڑھی ۳؎	

حضور نے اپنے رب سے دراز دعا مانگی پھر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں ۴؎ اس نے مجھے دو عطا فرما دیں اور ایک سے منع فرمادیا ۵؎ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ کرے اس نے مجھے یہ عطا فرمادیا، میں نے سوال کیا کہ میری امت کو ڈبو کر ہلاک نہ کرے اس نے مجھے یہ بھی عطا فرمادیا، میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ ان کی آپس میں جنگ نہ ہو مجھے اس سوال سے منع فرمادیا ۶؎ (مسلم)	

۱؎ بنی معاویہ انصار کا ایک قبیلہ ہے،انہوں نے اپنے محلّہ میں مسجد بنائی تھی جسے مسجد بنی معاویہ کہا جاتا تھا۔شیخ نے فرمایا کہ وہ مسجد اب بھی عوالی مدینہ میں ہے اس کے کچھ آثار موجود ہیں،اس کے صحن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے قدم کا نشان ہے مگر اب اس کے نشان دیکھے نہیں جاتے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد تھی اگر کسی مسجد میں اتفاقًا جاوے تو بھی وہاں دو رکعتیں پڑھ لے اسے تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ ساتھ سے مراد جماعت نہیں بلکہ ان سب حضرات نے الگ الگ تحیۃ المسجد کے نفل پڑھے مگر حضور کے ساتھ پڑھے اور اگر جماعت مراد ہے تو یہ جماعت اتفاقیہ طور پر تھی اہتمام سے نہ تھی،نفل کی جماعت بغیر اہتمام اتفاقًا کرلینا جائز ہے۔

۴؎ اس حدیث میں تفصیل ہے پچھلی حدیث میں اجمال تھا،وہاں دو دعاؤں کا ذکر تھا یہاں تین دعاؤں کا ذکر ہے۔یہ واقعہ صرف یہاں ایک بار ہوا مگر اس کا ذکر مختلف طریقہ سے مختلف احادیث میں ہے۔

۵؎ یعنی اس تیسری چیز کے مانگنے سے منع فرمادیا کہ آپ یہ دعا نہ کریں۔

۶؎ خیال رہے کہ اس قسم کی دعاؤں سے حضور انور کو منع فرمادینے میں حضور کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے۔اس ممانعت کا مقصود یہ ہے کہ حضور انور کی زبان خالی نہ جائے۔سوال نہ کرنے دینے اور سوال رد کردینے میں بڑا فرق ہے۔

روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے ملاقات کی میں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات سناؤ جو توریت میں مذکور ہیں ۲؎ انہوں نے کہا ہاں اللہ کی قسم حضور توریت میں بعض ان صفات سے موصوف ہیں جو قرآن میں موجود ہیں ۳؎ وہاں ارشاد ہے اے نبی ۴؎ ہم نے تم کو گواہ ۵؎ بشارت دینے والے ڈرانے والا ۶؎ بے پڑھوں کا حفاظت کرنے والا پناہ بناکر بھیجا ۷؎ تم میرے بندے اور رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل	

رکھا۸؎ نہ سخت دل نہ سخت زبان نہ بازاروں میں شور کرنے والے ۹؎ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معافی و بخشش کردیتے ہیں۱۰؎ اللہ انہیں وفات نہ دے گا حتی کہ ان کے ذریعہ ٹیڑھے دین کو سیدھا کردے گا ۱۱؎ اس طرح کہ لوگ کہیں گے لا الہ الا اللہ۱۲؎ اور اس سے اللہ اندھی آنکھیں بہرے کان اور ڈھکے دل کھول دے گا۱۳؎ (بخاری)	

۱؎ عطاء ابن یسار مشہور تابعی بھی ہیں اور آپ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزادکردہ غلام ہیں،حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص نے توریت علماء یہود سے سیکھی تھی۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف پڑھنی اور دوسرے سے پڑھوا کر سننی دونوں سنت صحابہ ہیں اور گذشتہ آسمانی کتابوں کے نعت والے مضامین یادکرنا لوگوں کو سنانا بھی سنت ہے،پچھلی کتابوں میں حضور کی نعت تلاش کرنی بھی سنت ہے،بعض حضرات نے ہندو شاعروں کے نعتیہ کلام کتابی شکل میں شائع کیے ہیں یہ سب اس عمل سے ماخوذ ہیں۔

۳؎ یعنی توریت شریف میں بزبان عبرانی حضور انور کے بعض صفات ایسے مذکور ہیں جو قرآن کریم میں مذکور صفات کے بالکل مطابق ہیں۔

۴؎ جیسے قرآن مجید میں گذشتہ نبیوں کو پکارا گیا ہے ایسے ہی توریت شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پکارا گیا تھا۔جس آیت توریت کا یہ ترجمہ ہے اس میں حضور انور کو پکار کر حضور کے اوصاف بیان کیے گئے اور مخلوق کو سنائے گئے ہیں،کہیں توریت میں اہل کتاب کو پکار کر حضور کے اوصاف سنائے گئے۔

۵؎ یہ آیتِ کریمہ جزوی طور پر قرآن مجید میں موجود ہے،اس کی تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔شاہد یا بنا ہے شہود سے تو اس کے معنی ہیں حاضر،یا مشاہدہ سے تو معنی ہیں ناظر،یا شہادت سے تو معنی ہیں گواہ۔حضور دنیا میں اللہ کی ذات و صفات سارے عالم غیب کے گواہ ہیں،پچھلے نبی سن کر گواہ تھے حضور انور عینی گواہ کہ سب کچھ دیکھ کر آئے اور گواہی دی اسی لیے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں کہ عینی گواہ پر گواہی ختم ہوجاتی ہے،سمعی گواہ پر عینی گواہ کا انتظار رہتا ہے۔آخرت میں حضور رب کے سامنے اپنی امت کے عقائد اعمال اقوال کے عینی گواہ،سارے نبیوں انکی امتوں کے ہر حال کے عینی گواہ ہیں،نیز دنیا میں لوگوں کے انجام کے گواہ ہیں کہ کون مؤمن مرے گا کون کافر،مؤمنوں میں کون صدیق ہے کون فاروق،کون کس عہدے پر ہے۔غرض کہ حضور کی گواہی بہت اعلیٰ اور جامع ہے۔شاہد بمعنی محبوب یعنی عشاق کے دل میں رہنے والے بھی ہیں۔

۶؎ سارے نبیوں نے سن کر بشارت دی اور ڈرایا حضور انور نے جنت و دوزخ کی سیر فرماکر ہر شخص کا ٹھکانہ مکان جگہ دیکھ کر بشارت دی اور ڈرایا۔یہ فرق ہے حضور کی بشارت و نذارت اور دوسرے نبیوں کی بشارت و نذارت میں۔

ے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہیں کہ آپ کے دامن میں امت پناہ لیے ہوئے ہے۔امیین کے معنی یا تو ہیں امّ القریٰ والے یعنی مکہ کے لوگ یا بے پڑھے لوگ کیونکہ اہل عرب عمومًا بے پڑھے تھے اس زمانہ میں،یا اس کے معنی ہیں نبی امّی والے یعنی ساری امت کے رسول اللہ،یہ تیسرے معنی بہت موزوں ہیں کہ اس میں ساری امت داخل ہے۔(مرقات)حضور کا پناہ ہونا توریت میں مذکور تھا۔

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آور دہ ام ہیچو کا ہے آمدم کو ہے گناہ آوردہ ام

۸ حضور انور بھی اللہ کے عبد ہیں اور ہم بھی اللہ کے عبدوبندے ہیں مگر دونوں کی عبدیت میں فرق یہ ہے کہ ہم کو ناز ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور دستِ قدرت کو ناز ہے کہ حضور انور میرے بندے ہیں"**هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ**"الخ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ایں سراپا انتظار او منتظر

سارے بندے اللہ کی رحمت کا انتظار کرتے ہیں اور اللہ کی رحمت حضور انور کا انتظار کرتی ہے۔توریت میں حضور کا نام متوکل تھا کیونکہ حضور نے اتنا بڑا تبلیغ کا کام کیا بغیر ظاہری سہارے کے۔بھائی کوئی نہیں،ماں باپ بچپن شریف میں رخصت ہوگئے،جو اقرباء تھے وہ دشمن تھے،ایسے ناسازگار حالات میں دنیا کی کایا پلٹ دینا غیبی طاقت نہیں تو اور کیا ہے۔

۹ حضور جیسا نرم دل،حضور جیسا شیریں گفتار،حضور جیسا نیک کردار آسمان نے نہ دیکھا آسمان تو کیا خالق دو جہاں نے نہ دیکھا کیونکہ اس نے ایسا کوئی بندہ پیدا ہی نہیں کیا پھر دیکھنے کے کیا معنی۔حضور وہ ہیں جنہوں نے ابو سفیان ہندہ،عکرمہ،وحشی کو معاف فرمایا،لوگوں کی گالیاں سن کر دعائیں دینے والے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

حضور بازار میں تشریف لے جاتے تھے مگر وہاں شور کے لیے نہیں بلکہ تبلیغ احکام کے لیے اسی لیے یہاں سخاب کی نفی فرمائی نہ کہ ذھاب یعنی جانے کی۔

۱۰ یہاں ذاتی برائی کرنے والوں کا ذکر ہے۔حضور انور نے اپنے ذاتی دشمن سے بدلہ نہ لیا معافی دی مگر دینی قومی ملکی دشمن کو معاف نہ کیا ضرور سزا دی۔وحشی عکرمہ وغیرہم کو معافی دے دی کہ وہ دشمن ذاتی تھے مگر فاطمہ مخزومیہ نے چوری کرلی تو اسے ہرگز معاف نہ فرمایا ہاتھ کٹوادیا کہ وہ دینی قانون کی مجرمہ تھی،یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔آج ہمارا عمل برعکس ہے معافی اور بخشش میں بڑا فرق ہے،رب فرماتاہے:"**اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ**"حضور کی زندگی شریف اس آیت کی تفسیر ہے۔مرقات نے فرمایا کسی کا عیب چھپالینا مغفرت ہے اور سزا نہ دینا معافی ہے۔حضور اللہ تعالٰی کی صفات کے مظہر ہیں،اللہ تعالٰی عفو بھی ہے اور غفور بھی ہے،حضور کو یہ صفات رب نے پوری پوری عطا فرمائی ہیں۔

۱۱؎ ٹیڑھے دین سے مراد ملت ابراہیمی ہے جس میں کفار مکہ نے زیادتی کمی کرکے اسے ٹیڑھا کردیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام برائیوں کو دور کرکے جیسی وہ ملت تھی اسے ویسا کردیا یہ ہے اس ملت کا سیدھا کرنا۔(مرآت)یہ شرح بہت اعلیٰ ہے۔

۱۲؎ لا الہ کہنے سے مراد ہے سارے اسلامی عقیدے مان لینا جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں الحمد پڑھنا واجب ہے یعنی ساری سورۂ فاتحہ۔

۱۳؎ یعنی حضور کے ذریعہ سےلوگوں کو کلمہ طیبہ نصیب ہوگا اور کلمہ طیبہ کے ذریعہ لوگوں کی اندھی آنکھیں روشن، بہرے کان سننے والے،غافل دل جاگ جائیں گے۔بعض روایات میں بھا کی بجائے بہ یعنی حضور انور کے ذریعہ یہ تین نعمتیں ان کو ملیں گی۔

	یوں ہی اسے دارمی نے بروایت عطاء عن عبداللہ ابن سلام بھی اسی طرح روایت کیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ہم آخر ہیں باب الجمعة میں ذکر کردی گئی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت خباب ابن ارت سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو اسے بہت دراز فرمایا ۲؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ایسی نماز پڑھی جو کبھی نہ پڑھتے تھے ۳؎ فرمایا ہاں یہ نماز رغبت اور ڈر کی ہے ۴؎ میں نے اس میں اللہ سے تین چیزیں مانگیں تو اس نے مجھے دو عطا فرمادیں اور ایک سے منع فرمادیا ۵؎ میں نے اس سے مانگا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ فرمائے اس نے مجھے عطا فرمادیا اور میں نے اس سے مانگا کہ ان پر ان کا غیر دشمن مسلط نہ فرمائے ۶؎ مجھے عطا فرمادیا اور میں نے اس سے مانگا کہ ان کے بعض کو بعض کی سختی نہ چکھائے اس سے مجھے منع فرمادیا ۷؎ (ترمذی،نسائی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،پرانے مؤمن ہیں،حضور کے دارارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے،کفار کی ایذا پر بہت صبر کیا،بدر میں شریک ہوئے،کوفہ میں سب سے پہلے وہ مسلمان ہیں جن کی وفات ہوئی،حضرت علی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی،کوفہ میں ہی آپ کا مزار شریف ہے۔(اشعہ)

۲؎ یا تو اس طرح دراز فرمایا کہ اس نماز کے سارے ارکان دراز کیئے یا اس طرح کہ اس میں دعا دراز مانگی،دیکھو مرقات۔یا سجدہ دراز کیا اور سجدہ میں دعا طویل مانگی،نوافل کے سجدہ میں دعا مانگنا جائز ہے یہ نماز نفل ہی تھی جو اس کے لیے ادا کی گئی تھی۔

۳؎ یعنی اس وقت آپ نماز کبھی نہ پڑھتے تھے ایسی دراز اور لمبی نماز آپ کبھی نہ پڑھتے تھے اس صورت میں دن کی نماز مراد ہوگی کیونکہ حضور انور تہجد کی نماز تو بہت ہی دراز پڑھتے تھے۔

۴؎ یعنی دوسری نمازوں میں یا امید غالب ہوتی ہے یا خوف الٰہی غالب مگر اس نماز میں امید و خوف دونوں کامل طور پر جمع تھے۔جب نماز ایسی میسر ہو تو اسے خوب دراز پڑھنا چاہیے تاکہ خوف و امید کا کمال دیر تک رہے۔خیال رہے کہ یہاں امید و خوف سے مراد ہے اپنی امت کے متعلق امید و خوف،ورنہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو اپنی محبوبیت مقبولیت کا یقین ہے وہاں نہ محض امید کی گنجائش ہے نہ خوف کی۔یا مطلب یہ ہے کہ اس نماز میں جو دعا مانگی اس کی قبولیت کی امید تھی اور انکار کا خطرہ،چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دو دعائیں قبول ہوئیں اور تیسری دعا سے روک دیا گیا۔

۵؎ منع فرمانے کے وہ ہی معنی ہیں کہ مجھے یہ دعا مانگنے سے منع فرما دیااس میں دعا کا رد نہیں ہے،رد دعا اور چیز ہے منع عن الدعاء کچھ اور چیز،منع میں محبوبیت کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

۶؎ غیر سے مراد کفار ہیں اور مسلط کرنے سے مراد ہے مسلمانوں پر اس طرح چھا جانا کہ مسلمانوں کو وہ بالکل ہلاک کردیں کہ کوئی مسلمان نہ بچے جیساکہ پہلے گزرا،آج تک نہ تو ایسا ہوا ہے اور نہ ان شاءاللہ ایسا ہوگا۔

۷؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے کہ مسلمانوں میں آپس کی جنگیں تو رہیں گی۔چنانچہ خلافت عثمانی کے آخر دور میں مسلمانوں میں جنگ ہوئی سب سے پہلے حضرت عثمان غنی شہید کیے گئے،اس دن کی میان سے نکلی ہوئی تلوار آج تک میان میں نہ گئی،ہر دور میں مسلمان آپس میں لڑتے بھڑتے ہی رہے،خلافت حیدری میں مسلمانوں کا آپس میں جو کشت و خون ہوا وہ سب کو معلوم ہے،تمام جنگوں میں فریقین کے قریبًا اسّی ہزار مسلمان قتل ہوئے۔معالم التنزیل میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی"قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ"تو حضور انور نے عرض کیا اعوذ بوجھك پھر فرمایا گیا"اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ"عرض کیا اعوذ بوجھك پھر فرمایا"اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ"حضور انور نے عرض کیا الٰهی هذا اهون هذا ایسر الٰهی آسمانی عذاب اور زمینی عذابوں سے یہ آپس کی جنگوں کا عذاب آسان ہے۔

	روایت ہے حضرت ابومالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ اللّٰہ تعالٰی نے تم کو تین آفتوں سے امان دے دی،تم پر تمہارے نبی بد دعا نہ کریں گے کہ تم سارے ہلاک نہ

	ہو جاؤ۱ اور جھوٹے لوگ حق والوں پر غالب نہیں آئیں گے ۲ اس سے کہ تم گمراہی پر جمع نہ ہوؤ گے ۳ (ابوداؤد)

۱ یعنی جیسے گذشتہ نبیوں نے اپنی سرکش قوموں کے لیے بددعائیں کیں اور ان پر عام عذاب آئے حتی کہ زمانہ نوحی میں روئے زمین پر کوئی کافر نہ رہا الحمدللہ میں تمہارے لیے بددعا نہ کروں گا۔اولًا تو اس لیے کہ میں رحمۃللعالمین ہوں کسی پر بددعا نہیں کرتا،دوسرے اس لیے کہ میری قوم گذشتہ قوموں کی طرح سرکش نہیں میری قوم میں اکثر لوگ مؤمن ہوجائیں گے،بعض کافر مریں گے مگر ان کی وجہ سے عام بددعا نہ کروں گا۔(مرقات واشعہ)

۲ یعنی میری امت میں بڑے بڑے بیدین پیدا ہوں گے مگر وہ کبھی اہل حق پر غالب نہیں آسکیں گے اگرچہ بظاہر بیدین بڑے سازوسامان سے لیس ہوں گے اور اہل حق بظاہر بے سامان ہوں گے مگر ہمیشہ غلبہ اہل حق کو ہی رہے گاآج تک اسی کا ظہور ہورہا ہے۔اہلِ سنت کے پاس ترقی کے اسباب بہت کم ہیں اور اہل باطل کے پاس ہر طرح کے اسباب ہیں مگر غلبہ اہل سنت ہی کا ہے۔

۳ یعنی جیسے گذشتہ امتیں جب گمراہ ہوتی تھیں تو ساری کی ساری گمراہ ہوجاتی تھیں ان کے پاس کتاب الٰہی اور انبیاء کرام کی تعلیم باقی نہیں رہتی تھی میری امت میں ایسا نہ ہوگا ان میں گمراہ فرقے بہت پیدا ہوں گے مگر ایک فرقہ حق پر بھی رہے گا۔اس فرقہ کی پہچان دو بیان کی گئیں ہیں: ایک یہ کہ ما علیہ انا واصحابی میری اور میرے صحابہ کی سنت کے متبع ہوں گے۔دوسرے یہ کہ جماعت ان ہی کی زیادہ ہوگی اتبعوا السواد الاعظم،الحمدللہ!۔تیسرے یہ کہ اس فرقے میں اولیاء اللہ ہوں گے،رب فرماتا ہے:"وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"اور فرماتا ہے:"صِرٰطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"۔یہ تینوں چیزیں اسی فرقہ اہلسنت والجماعت میں ہیں،یہ جماعت برحق ہے۔اولیاء اللہ وہ ہیں جو مؤمن ہوں اور متقی ہوں اور لوگ انہیں خواہ ولی مانیں خواہ ولی کہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى"الخ تمام زندہ ولی اور اولیاءاللہ کے آستانہ سب اہل سنت میں ہیں۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اس امت پر دو تلواریں کبھی جمع نہیں فرمائے گا ایک تلوار اس کی اپنی اور دوسری تلوار اس کے دشمن کی ۱ (ابوداؤد)

۱ عمومًا دیکھا گیا ہے کہ اولًا تو مسلمان لڑتے بھڑتے رہتے ہیں مگر جب کفار کا حملہ ہوجاتا ہے تو سب یکدم متفق ہو جاتے ہیں۔۶ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت نے بڑی قوت سے اچانک پاکستان پر ڈھائی بجے رات کے حملہ کردیا اللہ تعالٰی نے اس جنگ میں مسلمانوں کو ایسا متفق کردیا کہ یہ لڑنا بھڑنا بھول گئے اور جب اللہ کے فضل سے ہم نے جوابی کاروائی کی تو بھارت کے دانت کھٹے کردیئے ان کے چھ سو ٹینک،بیس ہزار فوج تباہ کردی آخر وہ صلح پر مجبور ہوگئے،سترہ دن جنگ ہوئی اگر کچھ دن جنگ اور رہتی تو ان شاءاللہ بہت فتح مسلمان پاتے۔بڑی طاقتوں نے بیچ میں

پڑکر صلح کرادی۔یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور کفار جب کبھی مسلمانوں پر غالب آجاتے ہیں اس کی وجہ ہماری غلطیاں ہماری غفلت ہماری اسلام سے دوری ہوتی ہے،اللہ رسول سچے ہیں مگر ہم جھوٹے ہوجاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے شاید انہوں نے کچھ سنا تھا ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے فرمایا میں کون ہوں ۲؎ لوگوں نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں،فرمایا میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے اچھوں میں سے بنایا ۳؎ پھر ان اچھوں کی دو جماعتیں کیں تو مجھے ان کے اچھے فرقہ میں سے بنایا ۴؎ پھر ان اچھوں کے کئی قبیلے کیے تو مجھے اچھے قبیلے میں بنایا ۵؎ پھر ان اچھوں کے گھر بنائے تو مجھے اچھے گھر والوں میں بنایا ۶؎ تو میں ان سب میں اچھی ذات والا ۷؎ اور اچھے گھر والا ہوں ۸؎ (ترمذی)

۱؎ بعض بدباطن منافقوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب و حسب شریف پر کچھ طعنہ کیا تھا جیسے آج عیسائی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ہاجرہ کی نسل سے ہیں اور حضرت ہاجرہ بی بی سارہ یا حضرت ابراہیم کی لونڈی تھیں،اس کی تحقیق ہم پہلے کرچکے ہیں۔حضرت عباس کو یہ طعن سن کر بہت صدمہ ہوا اور حضور انور سے اس کی شکایت کی۔

۲؎ حضور انور نے اس کا جواب صرف حضرت عباس کو نہ بتایا بلکہ مجمع میں کھڑے ہوکر سب کو سنایا تاکہ مسلمان آئندہ ایسے اعتراضات کے جوابات دے سکیں۔اپنے متعلق لوگوں سے سوال فرمایا تاکہ لوگ جواب دیں اور ان کے دل میں یہ بات اتر جائے۔

۳؎ جناب عبدالمطلب سارے عرب میں عظمت و عزت و شرافت میں مشہورومعروف تھے۔غالبًا معترضین نے کہا تھا کہ نبوت ہم کو ملنی چاہیے تھی تب حضور نے یہ فرمایا۔عرب تمام جہان سے افضل ہے حضور انور کو عرب میں پیدا فرمایا،یا یہ مطلب ہے کہ ساری مخلوق میں انسان افضل،مجھے انسانوں میں سے بنایا انسانیت کو حضور سے فخر ہوا۔

۴؎ یعنی انسان دو قسم کے ہیں: عرب و عجم،ان میں عرب افضل ہیں مجھے عرب میں پیدا فرمایا۔

۵؎ یعنی عرب کے بہت سے قبیلے بنائے سب سے بہتر قریش ہیں مجھے قریش میں پیدا فرمایا۔

۶؎ یعنی قریش میں بہت سے خاندان و بطن بنائے سب خاندانوں میں بنی ہاشم افضل ہیں مجھے بنی ہاشم سے پیدا فرمایا۔

ے یعنی اللہ تعالٰی نے مجھے ذاتی شرافت بھی بخشی اور خارجی و بیرونی شرافتیں بھی،بنی ہاشم افضل ہیں مجھے بنی ہاشم سے پیدا فرمایا ہے"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ"بعض قرأت میں انفسکم میں ف کا فتحہ بمعنی نفیس ترین بہترین،یعنی تم میں وہ رسول تشریف لائے جو تم سب میں سب سے زیادہ نفیس اور شریف ہیں۔

۸ خیال رہے کہ عرب میں چھ طبقات ہوتے ہیں: شعب،قبیلہ،عمارہ،بطن،فخذ،فصیلہ،حضور ان چھ طبقات میں سے بہترین میں تشریف لائے۔خیال رہے کہ ہمیشہ انبیاء کرام اعلیٰ نسب اونچے خاندان میں تشریف لاتے رہے جیساکہ ہرقل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔بہترین شکل،بہترین آواز،بہترین اخلاق سے موصوف ہوتے ہیں،کشش والی ہر چیز اللہ انہیں بخشتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ نبوت محض اللہ تعالٰی کے فضل سے ملتی ہے اس میں کسب کو یا کسی اور شرف کو دخل نہیں،ہاں جسے رب نے نبوت دی اسے ہر طرح اشرف بنایا،رب فرماتاہے:"اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ"اور فرماتاہے:"وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ"حضور انور تو نبیوں کے سردار ہیں بعد خدا تمام مخلوق سے بہتر آپ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی فرمایا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے ا(ترمذی)	

ا یعنی جب کہ حضرت آدم کے جسم میں روح پھونکی نہ گئی تھی اس وقت ہم نبی تھے۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ہم علم الٰہی میں نبی تھے کہ اللہ تعالٰی جانتا تھا کہ ہم نبی ہوں گے کیونکہ اللہ تعالٰی تو تمام انبیاء کرام کی نبوت کو جانتا تھا پھر اس میں حضور کی خصوصیت کیا،بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کی نبوت کا اعلان اس وقت ہوچکا تھا،فرشتے حضور پر کروڑوں سال سے درود پڑھ رہے تھے،تمام روحوں کے سامنے سارے نبیوں سے حضور پر ایمان لانے،آپ کی نصرت و مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا تھا"وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ"الخ۔عرش اعظم،آسمان،جنت کے محلوں،دریچوں میں،وہاں کے درختوں کے پتوں پر،حوروں کی پتلیوں میں،فرشتوں کی آنکھوں میں،غلمان کے سینوں پر،طوبٰی کے غنچہ و گل میں حضور انور کا نام لکھ دیا گیا تھا،ان شاءاللہ ہم لوگ بھی وہاں جاکر یہ ساری بہار اپنی آنکھوں دیکھیں گے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم ارواح میں حضور سارے نبیوں کے نبی تھے،آپ ان کی روحوں کو تعلیم و تربیت دیتے تھے،سارے نبی حضور کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرکے دنیا میں تشریف لائے اور حضور سے سیکھے ہوئے علوم مخلوق کو سکھائے۔(اشعۃ اللمعات) اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔چنانچہ ابن سعد نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں،طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس سے یوں روایت کی کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد،امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے اور ابونعیم نے دلائل میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوعًا روایت کی کنت اول النبی فی الخلق واخرھم فی البعث ہم

پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے ہیں بعثت میں سب کے بعد،دانہ درخت سے پہلے زمین میں جاتا ہے اور آخر میں وہ ہی دانہ نمودار ہوتا ہے،ہم نے عرض کیا ۔

باغ رسالت کی ہیں جڑ اور ہیں بہار آخری   مبداء جو اس گلشن کے تھے وہ منتہی یہ ہی تو ہیں

خیال رہے کہ جسمانی نبوت کے لیے شرط ہے کہ نبی انسان ہوں اور انسانی سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوجاتا ہے، روحانی نبوت کے لیے یہ شرط نہیں۔لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ نبی انسان ہونے چاہئیں،اس وقت حضور صفت انسانیت سے موصوف نہ تھے،یا یوں کہو کہ انسانیت کے لیے اولاد آدم ہونا ضروری حضرت بی بی حوا انسان ہیں مگر اولاد آدم نہیں،یوں ہی جو مخلوق جنت بھرنے کے لیے پیدا کی جاوے گی وہ انسان ہوگی مگر اولاد آدم نہ ہوگی لہذا اس وقت بھی حضور انسانیت کی صفت سے موصوف تھے۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے[1] وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا میں اللہ تعالٰی کے نزدیک آخر نبی لکھا ہوا تھاجب کہ آدم اپنی خمیر میں لوٹ رہے تھے[2] میں تم کو اپنی پہلی حالت بتاتا ہوں میں دعاء ابراہیم ہوں اور بشارت عیسٰی ہوں[3] میں اپنی ماں کا نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا جس سے ان کے لیے شام کے محل چمک گئے[4] (شرح سنہ)اور احمد بروایت ابو امامہ حضور کے فرمان ساخبرکم سے۔	

[1] آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں،صفہ والے صحابہ میں سے ہیں،آپ بہت گریہ زاری کرنے والوں سے تھے،آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق آیت کریمہ "وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ "الخ نازل ہوئی۔

[2] یہاں لکھنے سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا مراد نہیں بلکہ کوئی خاص تحریر مراد ہے جو عالم ارواح میں مشہور کرنے کے لیے لکھی گئی تھی،وہاں حضور انور کو سب جانتے پہنچانتے تھے اس تحریر وغیرہ کی وجہ سے۔خمیر میں لوٹنے کے معنی یہ ہیں کہ ابھی اس میں روح نہیں پھونکی گئی خمیر میں سکھایا جارہا تھا۔

[3] یعنی قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کی جو دعا مذکور ہے "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ "اور اسی قرآن میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت مذکور ہے میں وہ ہوں ورنہ بہت نبیوں نے آپ کی دعائیں مانگیں ہیں اور قریبًا سارے نبیوں نے آپ کی بشارتیں دی ہیں صرف ان دو نبیوں نے ہی دعا یا بشارت نہیں دی ۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا   دعاء خلیل اور نوید مسیحا

معلم خدائی کے وہ بن کر آئے　　　　جھکے ان کے آگے سب اپنے پرائے

۴؎ یہاں رؤیاء سے مراد خواب نہیں بلکہ نظارہ ہے کیونکہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے خواب تو ولادت سے پہلے دیکھا تھا،ولادت شریف کے وقت یہ نور اور نور سے ملک شام کے محلات و قصور بیداری میں آنکھوں سے دیکھے تھے۔ ابن جوزی نے کتاب الوفاء شریف میں روایت کی کہ جناب آمنہ نے ولادت کے وقت دیکھا کہ ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا بولا کہ آمنہ یہ دعا مانگو اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد،بلکہ حاملہ ہوتے ہی خواب دیکھا تھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اے آمنہ کیا تم کو خبر ہے کہ تم اس امت کے سید اس امت کے نبی سے حاملہ ہو۔(مرقات)

ے

سب بیبیوں میں آمنہ تم کاملہ ہوئیں　　　　اس فخر انبیاء کی جو تم حاملہ ہوئیں
آئی ندا کہ آمنہ جاگے تیرے نصیب　　　　آئیں گے تیری گود میں اللہ کے حبیب
گودی میں تو کھلائے گی آج اپنے لال کو　　　　اللہ نے کیا ماہ کامل ہلال کو !!

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا میلاد شریف پڑھنا جیسے سنت الٰہیہ اور سنت ملائکہ ہے ویسے ہی سنت رسول اللہ بھی ہے،دیکھو حضور انور منبر پر کھڑے ہوکر اپنا میلاد شریف خود ارشاد فرمارہے ہیں،قرآن کریم نے تو حضور کا میلاد بہت جگہ بیان فرمایا ہے۔حضور انور کے معجزات چھ قسم کے ہیں:بعض وہ جو حضور انور سے پہلے گذشتہ نبیوں اور امتوں نے دیکھے،بعض وہ ہیں جو ولادت پاک سے پہلے والدہ ماجدہ اور عرب بلکہ دنیا نے دیکھے،بعض وہ ہیں جو ولادت پاک کے وقت دیکھے گئے،بعض وہ ہیں جو بچپن شریف میں دیکھے گئے،بعض وہ ہیں جو ظہور نبوت کے بعد سے وفات پاک تک دیکھے گئے،بعض وہ ہیں جو بعد وفات سے قیامت تک دیکھے جائیں گے،انکی تفصیل ہماری کتابوں میں دیکھو۔بعد نبوت سے وفات تک چھ ہزار معجزات منقول ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں ۱؎ فخریہ نہیں کہتا ۲؎ اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا ۳؎ فخریہ نہیں کہتا،اس دن کوئی نبی آدم علیہ السلام اور ان کے سوا ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے تلے نہ ہو ۴؎ میں ان میں پہلا ہوں جن سے زمین کھلے گی ۵؎ فخریہ نہیں فرماتا۔(ترمذی)

۱؎ لغت میں سید بمعنی سردار پیشوا آتا ہے اس لیے قرآن مجید نے زلیخا کے خاوند یعنی عزیز مصر کو جو کافر تھا زلیخا کا سید فرمایا"وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ"۔مگر شریعت کی اصطلاح میں سید بمعنی دستگیر حاجت روا مشکل کشا آتا ہے۔حضور قیامت کے دن سارے انسانوں بلکہ ساری مخلوق کے فریاد رس بھی ہوں گے اور مشکل کشا بھی حاجت روا بھی جس کو ہم بحوالہ مرقات اسی باب کی تیسری حدیث کی شرح میں عرض کرچکے۔اس وقت سب حضور کو دافع

البلاء، مشکل کشا، حاجت رواماں لیں گے اگرچہ آج بھی حضور سرکار اسی معنی سے سید ہیں مگر آج بعض لوگ یہ بات نہیں مانتے قیامت میں سب مان لیں گے اس لیے یوم القیامت فرمایا، جیسے رب فرماتا ہے: "لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ"۔
۲؎ اپنی شیخی و ناموری کے لیے اپنی بڑائی بیان کرنا فخر ہے، اللہ تعالٰی کی نعمت کے اظہار کے لیے بیان کرنا شکر ہے۔ فخر منع ہے، رب فرماتا ہے: "لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ"۔ اور اللہ کے شکر کے لیے اپنے فضائل بیان کرنا عبادت ہے، رب فرماتا ہے: "وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا "اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ"۔ سرکار فرمارہے ہیں کہ میں اپنے فضائل فخریہ نہیں بلکہ شکریہ کے طور پر بیان فرمارہا ہوں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی اور حضور کے صفات جاننے ماننے کا نام ایمان ہے۔ اگر حضور اپنے فضائل بیان نہ فرماتے تو ہم حضور کو کیسے پہچانتے اس لیے اللہ تعالٰی نے اپنے صفات قرآن مجید میں بیان کیے اور حضور نے اپنے فضائل بیان فرمائے تاکہ ہم کو ایمان ملے، تو یہ فرمان ہم کو ایمان دینے کے لیے ہیں لہذا یہ بھی تبلیغ ایمان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ان صفات پر فخر نہیں کرتا بلکہ صفات دینے والے رب پر فخر کرتا ہوں یا میں ان صفات پر فخر نہیں فرماتا بلکہ مجھے اپنی عبدیت، عبودیت، عبادت اور نیاز مندی پر فخر ہے۔ (مرقات) خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی ان کے سامنے تعریفیں فرمائیں تاکہ انہیں اور زیادہ عبادات کا شوق ہو اور یہ بھی حکم دیا کہ کسی تعریف اس کے سامنے نہ کرو تاکہ اس میں فخر پیدا نہ ہوجائے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں المدح هو الذبح غرض کہ لوگ مختلف ہیں۔ (مرقات)
۳؎ اس فرمان عالی کے بہت معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ واقعی ایک جھنڈے کا نام لواء الحمد ہے، یہ جھنڈا اللہ تعالٰی کی اعلٰی نعمت ہے جو صرف حضور کو عطا ہوگی کیونکہ اللہ کی حمد سب سے افضل ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت میں سب سے پہلے سجدہ میں گر کر اللہ تعالٰی کی بے مثال حمد حضور ہی کریں گے، ایسی حمد جو اس سے پہلے کسی نے نہ کی ہو اور علانیہ حمد بھی حضور ہی کریں گے حمد کے جھنڈے سے یہ ہی مراد ہے یعنی اعلان حمد۔ تیسرے یہ کہ حمد سے مراد ہے اللہ تعالٰی کا حضور کی حمد فرمانا اور آپ کی حمد کا اعلان فرمانا کہ تمام دنیا اور خود خدا تعالٰی حضور کی حمد فرمائے، آپ کی حمد کا اعلان کرے۔ قیامت کا حساب صرف چار گھنٹہ میں ہوگا باقی یہ پچاس ہزار برس کا دن حضور کی مدح خوانی میں صَرف ہوگا، رب فرماتا ہے: "عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" ان ہی وجوہ سے حضور انور کا نام احمد، محمد اور محمود ہے بلکہ حضور کی امت کا نام ہے حمادون کیونکہ یہ حضور محمد کی امت ہے ۔

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزم محشر کا   کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

۴؎ اگر پہلے جھنڈے سے مراد یہ ظاہری جھنڈا ہے تو یہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ سارے نبی میرے اس جھنڈے تلے جمع ہوکر حمد الٰہی کریں گے، ہم ان کے امام ہوں گے اور اگر وہاں جھنڈے سے مراد تھی حمد الٰہی تو مطلب یہ ہے کہ سب ہمارے بتانے سکھانے سے حمد الٰہی کریں گے اور اگر وہاں مراد تھی حضور کی حمد تو مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی بھی ہماری حمد کرے گا اور ساری مخلوق حتی کہ انبیاء کرام بھی ہماری حمد کریں گے۔

۵؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ دوسرا نفخ صور ہونے پر سب سے پہلے حضور انور بیدار ہوں گے بعد میں ترتیب وار اور لوگ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ بیٹھے ۱؎ پھر حضور انور تشریف لائے حتی کہ ان حضرات سے قریب ہوگئے ۲؎ تو انہیں کچھ تذکرہ کرتے سنا ۳؎ ان میں سے بعض نے کہا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو اپنا دوست بنایا،دوسرے صاحب بولے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا ۴؎ ایک اور صاحب بولے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اس کی روح ہیں ۵؎ ایک دوسرے نے کہا آدم کو اللہ نے برگزیدہ کرلیا ۶؎ تب ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۷؎ اور فرمایا کہ ہم نے تمہاری گفتگو اور تمہارا تعجب کرنا سنا ۸؎ یقینًا ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام راز کی بات کرنے والے ہیں ۹؎ واقعی وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور کلمہ وہ ایسے ہی ہیں،آدم کو اللہ نے چن لیا واقعی وہ ایسے ہی ہیں ۱۰؎ مگر خیال رکھو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں ۱۱؎ فخریہ نہیں کہتا قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میں ہی اٹھائے ہوں گا جس کے نیچے آدم اور ان کے سواء ہوں گے فخریہ نہیں کہتا میں پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا مقبول الشفاعت قیامت کے دن میں ہوں فخریہ نہیں کہتا میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کی زنجیر ہلائے گا ۱۲؎ تب اللہ کھولے گا پھر اس میں مجھے داخل کرے گا ۱۳؎ میرے ساتھ فقراء مسلمان ہوں گے ۱۴؎ فخریہ نہیں کہتا میں سارے اگلے پچھلوں میں اللہ پر زیادہ عزت والا ہوں ۱۵؎ فخریہ نہیں کہتا۔ (ترمذی،دارمی)

۱؎مسجد نبوی شریف میں بیٹھے یا کسی اور جگہ یوں ہی آپس میں بات چیت کرنے کے لیے۔دیکھو حضرات صحابہ کے دن رات کی آپس کی گفتگو کیسی ہوتی تھی اور ان کی مجلسیں کیسی پیاری ہوا کرتی تھیں،ہماری مجلسیں غیبت بہتان،کسی کے خلاف اسکیم سازی کی ہوتی ہیں مگر وہ مجلسیں دینی ہوتی تھیں۔

۲؎اس وقت حضور انور ان حضرات سے قریب تو ہوئے مگر ان پر ظاہر نہ ہوئے ورنہ وہ حضرات اپنی گفتگو بند کردیتے۔معلوم ہوا کہ آقا اپنے غلاموں کی بات چیت چھپ کر سن سکتا ہے اور اس کی اصلاح بھی کرسکتا ہے،یہ تجسّس نہیں بلکہ اصلاح اور تبلیغ ہے۔تجسّس کہتے ہیں کسی کی عیب جوئی کرنا یہ ممنوع ہے،رب فرماتاہے:"وَلَا تَجَسَّسُوْا"۔

۳؎ان حضرات کی گفتگو اس بارے میں تھی کہ کون نبی افضل ہیں۔بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ انہیں اللہ نے خلیل بنایا،رب فرماتاہے:"وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا" خلیل کے معنی اور خلیل وحبیب میں فرق ان شاءاللہ ابھی ہم عرض کرتے ہیں۔

۴؎یعنی اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے ان کی زندگی شریف میں کوہ طور پر بغیر واسطہ فرشتہ کلام کیا اور کئی بار کیا اسی لیے ان کا لقب ہے کلیم اللہ لہذا وہ ہی تمام نبیوں سے افضل ہونے چاہئیں۔خیال رہے کہ کلیم کے معنی ہیں کہ بار بار کلام فرمانا،اللہ تعالٰی نے آپ سے پہلے تو عطا نبوت کے وقت کلام کیا"وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى"پھر بارہا انہیں کوہ طور پر بلا کر کلام فرمایا،یہ بیداری میں تھا باقی نبیوں سے ایسے بے واسطہ کلام نہ ہوا۔مگر خیال رہے کہ یہ کلام تھا حجابانہ،ہمارے حضور سے معراج میں ملے،بے حجابانہ کلام کیا،وہاں دیدار کے ساتھ گفتار تھی"فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"۔ ؎

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں ان سے پردہ تھا خدا کا آپ سے پردہ نہ تھا

۵؎یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو رب نے ذاتی خوبی یہ بخشی کہ آپ کی پیدائش مرد یا عورت کے نطفہ سے نہیں ہوئی بغیر واسطۂ نطفہ،رب نے حضرت مریم کے پیٹ شریف میں بذریعہ جبریل علیہ السلام کے دم کے آپ کا جسم بنایا،چونکہ آپ روح الامین کے دم سے پیدا ہوئے اس لیے آپ کا لقب روح اللہ ہے اور چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک کلمہ کہہ کر دم کیا تھا اس لیے آپ کا لقب کلمۃ اللہ ہے۔اسی لیے آپ کلمہ کن فرما کر مردے میں روح ڈال دیتے تھے،بیمار اچھے کردیتے تھے کیونکہ آپ روح الامین کے ایک کلمہ کے ذریعہ پیدا ہوئے اس لیے چاہیے کہ آپ تمام نبیوں سے افضل ہوں۔

۶؎یعنی اللہ تعالٰی نے چند خصوصیتوں میں آدم علیہ السلام کو ممتاز فرمایا،آپ کو ابوالبشر بنایا،آپ کو ساری چیزوں کے نام بتائے،آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا،آپ کو اپنا خلیفہ بنایا،آپ کو سارے نبیوں کا والد بنایا اس لیے آپ ہی افضل ہونے چاہئیے تھے ان بزرگوں میں کسی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا ذکر نہ کیا مگر ؎

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو نمکین حسن والا ہمارا نبی

۷؎ یعنی اب حضور انور ان حضرات کے سامنے تشریف لائے اگر پہلے ہی ظاہر ہوجاتے تو وہ حضرات اس آزادی سے گفتگو نہ کرسکتے تھے۔الحمدللہ کہ ان حضرات کے دلائل بھی ہمارے سامنے آگئے اور حضور انور کا فیصلہ بھی سامنے آگیااب تاقیامت یہ فرمان عالی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ رہے گا۔

۸؎ عجب سے مراد ہے ان حضرات کا ان انبیاءکرام کے درجات عالیہ پر تعجب و حیرت کرنا اور انہیں افضل سمجھنا،وجہ فضیلت میں گفتگوکرنا۔

۹؎ نجی بنا ہے نجوی سے بمعنی تنہائی میں خفیہ بات کرنا یعنی سرگوشی۔چونکہ موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ سے طور پر بالکل تنہائی میں کلام کرتے تھے اس لیے آپ کو نجی اللہ فرمایا،آپ کا لقب کلیم اللہ بھی ہے اور نجی اللہ بھی۔

۱۰؎ سبحان اللہ! یہ ہے حضور انور کا انصاف والا کلام کسی کی شان کا انکار نہیں فرماتے بلکہ ان حضرات کی یہ شانیں حضور انور نے ہی دنیا کو بتائیں اور ان کے اوصاف عالم میں مشہور کیے۔جس پیغمبر کی جتنی شانیں حضور نے مشہور فرمادیں ان کی صرف اتنی ہی شانیں مشہور ہوئیں،جس نبی کا نام نہ بتایا ان کے نام دنیا سے گم ہوگئے،جن کے اوصاف کا ذکر نہ کیا ان کے اوصاف گم ہوکر رہ گئے۔

مصرع شان یوسف جو بڑھی وہ بھی اس در سے بڑھی

۱۱؎ یعنی میں ان تمام مذکورہ صفات کا جامع ہوں کیونکہ اللہ کا حبیب ہوں،میں خلیل بھی ہوں،کلیم بھی،مشرف بھی ہوں اس کے ساتھ حبیب بھی ہوں۔(مرقات)خیال رہے کہ خلیل و حبیب میں چند طرح فرق ہے:(۱)خلیل بنا ہے خلت سے بمعنی حاجت،حبیب بنا ہے حب سے یعنی محبت بمعنی اسم فاعل بھی ہے اور اسم مفعول بھی یعنی محب و محبوب۔خلیل وہ جو رب سے محبت کرے حاجت سے،حبیب وہ جو رب سے محبت کرے بغیرکسی حاجت کے یعنی طالب ذات ہو(۲)خلیل وہ جو مرید ہو طالب ہو،حبیب وہ جو مراد ہو،مطلوب ہو،مجذوب ہو(۳)خلیل وہ جو رب کی رضا چاہے،حبیب وہ کہ رب تعالیٰ اس کی رضا چاہے"وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی"اور"فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَۃً تَرۡضٰىہَا"(۴)خلیل وہ جو رب کی مغفرت و رحمت کا امیدوار ہو،حضرت ابراہیم نے کہا تھا"اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ"،حبیب وہ کہ رب تعالیٰ اسے اپنی رحمت کا یقین دلائے"لِیَغۡفِرَ لَکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ"(۵)خلیل وہ جو اپنا ذکر خیر باقی رکھنے کی درخواست کرے"وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ"،حبیب وہ جس کا ذکر رب تعالیٰ بلند کرے"وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ"بلکہ اپنے نام کے ساتھ ان کا نام ملائے(۶)خلیل وہ جو رب سے جنت مانگے"وَ اجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ"،حبیب وہ جسے رب جنت دوزخ بلکہ عالم کثرت کا مالک بنادے"اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ"۔(مرقات) (۷)کلیم وہ جو رب سے کلام کرنے طور پر جائے،حبیب وہ جسے رب کلام کرنے کے لیے عرش پر بلائے(۸)خلیل وہ جو باہر کا دوست ہو،حبیب وہ جو درون سرا ہو۔چنانچہ قیامت میں حضرت خلیل فرمائیں گے کنت خلیلا من وراء۔

تم تو ہو مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست　　　تم ہو درون سرا تم پہ کروڑوں درود

(۹)کلیم وہ جو تجلی صفات کی جھلک کی تاب نہ لائے"وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا"،حبیب وہ جو عین ذات کبریا دیکھے اور مسکرائے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پر تو صفات　　　تو عین ذات می نگری در تبسمی

(۱۰)کلیم وہ جو جس کی راز دارانہ گفتگو محبوب کو سنا دی جاوے،حبیب وہ جس سے ہمکلامی کی باتیں کسی کو نہ بتائی جاویں(۱۱)کلیم وہ جس کا عصا غضب کا اژدہا ہو،حبیب وہ جس کا عصا گرتوں کا سہارا ہو ۔

عصاء کلیم اژدھائے غضب تھا　　　گرتوں کا سہارا عصاء محمد

(۱۲)کلیم اللہ وہ جو رب سے عرض کرے"اَرِنِیْٓ"اور رب فرمائے"لَنْ تَرٰىنِیْ"،حبیب اللہ وہ جسے رب تقاضوں سے بلائے اپنا دیدار دکھائے ان کو یا محمد فرمائے ۔

تو بدیں جمال و خوبی سر عرش گر خرامی　　　ارنی بگوید آں کس کہ بگفت لن ترانی

(۱۳)روح اللہ وہ کہ جب اس کی پاک ماں کو تہمت لگے تو اس کے بچپن شریف کی میٹھی پیاری باتوں کے ذریعہ اس طیبہ طاہرہ کی عصمت بیان کی جائے یعنی اس کا گواہ بچہ ہو،حبیب وہ کہ جب اس کی زوجہ طیبہ طاہرہ کو تہمت لگے تو خود خالق گواہی دے(۱۴)روح اللہ وہ جس کا دم بے جان جسموں کو چند روز عارضی زندگی بخشے مگر حبیب اللہ وہ جس کا نام بے جان مردہ دلوں کو دائمی زندگی بخشے اور اس کا یہ فیض تاقیامت جاری رہے(۱۵)روح اللہ وہ جو مرے ہوئے انسانوں حیوانوں کو زندہ کرے،حبیب اللہ وہ جو خشک لکڑیوں کنکروں کو زندگی اور گویائی بخش کر ان سے اپنا کلمہ پڑھوائے(۱۶)صفی اللہ وہ جنہیں ایک بار فرشتے سجدہ کریں،حبیب اللہ وہ جن پر ہمیشہ اللہ تعالٰی اور فرشتے درود بھیجیں (۱۷)صفی اللہ وہ جو اجسام کے والد ہیں،حبیب اللہ وہ ارواح کے والد ہیں(۱۸)صفی اللہ وہ جو سارے انسانوں کے والد ہیں،حبیب اللہ وہ جو سارے عالم کی اصل ہیں جن کے نور سے عرش و فرش لوح قلم وغیرہ بنے(۱۹)صفی اللہ وہ جنہیں اللہ نے چیزوں کا نام سکھایا"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"،حبیب اللہ وہ جسے رحمٰن نے قرآن سکھایا"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"۔

۱۲؎حلق جمع ہے حلقہ کی اور حلقہ کہتے ہیں چھلے یا زنجیر کی کڑی کو،یہ کڑیاں اور چھلے مل کر زنجیر بنتی ہے،زنجیر ہلانے سے مراد ہے دروازہ کھلوانا اپنی آمد کی اطلاع دے کر۔

۱۳؎ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سارے نبی اور ان کی امتیں جنت کے دروازہ پر حضور انور سے پہلے پہنچ جائیں گے، حضور انور اپنے گنہگاروں کو بخشوانے،نیکیوں کے ہلکے پلے بھاری کرانے،صراط پر گرتوں کو سنبھالنے میں مصروف ہوں گے مگر دروازہ جنت بند ہوگا داروغہ جنت دروازے کے اندر ہوگا کسی کو زنجیر ہلانے بجانے کی جرأت نہ ہوگی،ہمت و جرأت والے نبی کا انتظار ہوگا حضور پہنچ کر دروازہ کھلوائیں گے۔

۱۴؎ اس فرمان عالی کی شرح وہ حدیث ہے کہ فقراء بمقابلہ اغنیاء کے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔خیال رہے کہ یہاں فقیر سے مراد محتاج الی الخلق نہیں،یہ فقیری تو نفس کی ہے جس سے حضور انور نے پناہ مانگی ہے بلکہ اس سے مراد محتاج الی اللہ جسے حضور انور نے اپنے لیے فخر فرمایا **الفقر فخری**۔صوفیاء کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو عدم کے وقت صابر ہے وجود کے وقت باذل و سخی ہو۔(مرقات)لہذا اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضرت عثمان غنی جنت میں آخر میں پہنچیں گے کیونکہ وہ مال کے غنی تھے دل کے فقر والے۔

۱۵؎ یہ فرمان عالی گذشتہ سارے مضمون کا تتمہ یا اس کی وجہ ہے اللہ تعالٰی نے حضور جیسا عزت والا کوئی پیدا ہی نہیں کیا،حضور نے جس پر نگاہ کرم کردیں وہ عزت والا ہوجاوے،خدا تعالٰی کے بعد حضور ہی عزت والے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن قیس ۱؎ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم آخری ہیں اور ہم قیامت کے دن اول ہوں گے ۲؎ اور میں ایک بات کہتا ہوں مگر فخر نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں،موسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ ہیں ۳؎ اور میں اللہ کا محبوب ہوں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے پاس ہوگا ۴؎ اللہ نے مجھے میری امت کے بارے میں وعدہ فرمالیا ہے اور انہیں تین آفتوں سے امان دی ہے ان پر عام قحط نہ بھیجے گا،انہیں کوئی دشمن جڑ سے نہ اکھیڑے گا،انہیں گمراہی پر جمع نہ کرے گا ۵؎ (دارمی)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن ام مکتوم ہے،آپ کے والد کا نام قیس ماں کا نام عاتکہ ہے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی خالہ ہیں،آپ مشہور صحابی ہیں،نابینا تھے،حضور انور نے بہت موقعوں پر مدینہ منورہ کا خلیفہ وقتی آپ کو بنایا،قوی یہ ہے کہ عہد فاروقی میں قادسیہ میں شہید ہوئے۔

۲؎ یعنی دنیا میں سب نبیوں سے آخر ہمارا ظہور ہوا،کتاب آخری یعنی قرآن ہم کو ملی،آخری کلمہ ہمارا جاری ہوا،آخری ملت آخری امت ہماری ہے،قیامت میں ہر جگہ اولیت کا سہرا ہمارے سر ہوگا،اول شفیع ہم،جنت میں پہلے داخلہ ہمارا پھر دوسرے نبیوں کا،ساری امتوں میں پہلے ہماری امت جنت میں جاوے گی پھر دوسری امتیں۔غرضکہ "**هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ**" مخلوق میں ہم ہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔

۳؎ یہاں **صفی** لغوی معنی میں ہے یعنی چنے ہوئے جنہیں اللہ تعالٰی نے اپنے کلام کے لیے چن لیا ورنہ صفی اللہ حضرت آدم علیہ السلام کا لقب ہے آپ کا لقب کلیم اللہ ہے۔

۴؎ ان تمام فرمانوں کی شرح ابھی کچھ پہلے ہم عرض کرچکے ہیں۔حمد سے مراد یا تو حامدیت ہے کہ سب سے زیادہ حمد الٰہی حضور کریں گے اس لیے آپ کا نام پاک احمد ہے،یا مراد محمودیت ہے کہ اس دن سب سے زیادہ حمد حضور ہی کی

ہوگی اسی لیے آپ کا نام پاک محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔محمودیت کا ظہور دنیا میں بھی ہورہا ہے،جتنی حمدوثناء حضور کی ہوئی اور ہورہی ہے اتنی کسی کی نہ ہوئی،ہر زبان میں آپ کے نعتیہ قصیدے بھی ہیں اور نعتیہ کلام بھی۔

۵؎ یعنی میری امت میں اختلافات ہوں گے مگر سارے گمراہ نہ ہوں گے ایک جماعت ضرور حق پر رہے گی،وہ ہی سب پر غالب ہوگی،سواد اعظم یعنی بڑا گروہ وہ ہی ہوگا۔

روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں رسولوں کا پیش رو ہوں ۱؎ فخریہ نہیں کہتا میں نبیوں میں آخری ہوں،فخریہ نہیں کہتا میں پہلا شفاعت والا اور مقبول الشفاعت ہوں فخریہ نہیں(دارمی)	

۱؎ قائد بنا ہے **قود** سے بمعنی کھینچنا کہ چلانے والا آگے ہو چلنے والا پیچھے،سائق کے معنی ہیں ہانکنا کہ چلانے والا پیچھے ہو چلنے والا آگے،حضور جنت میں سب نبیوں سے پہلے جائیں گے اور سارے نبی حضور کے پیچھے پیچھے ہوں گے اس لحاظ سے حضور قائد المرسلین ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب لوگ اٹھائیں جاوے گے ان سب میں پہلے ہم قبر انور سے باہر آئیں گے ۱؎ اور جب لوگ وفد بنیں گے تو ہم پیش رو ہوں گے ۲؎ اور لوگ جب خاموش ہوں گے تو ہم ان کے خطیب ہوں گے ۳؎ اور جب لوگ روکے ہوئے ہوں گے ۴؎ تو ان کے شفیع ہوں گے،لوگ جب مایوس ہوں گے تو انہیں بشارت دینے والے ہم ہوں گے ۵؎ اس دن عزت اور کنجیاں ہمارے ہاتھ ہوں گی ۶؎ حمد کا جھنڈا اس دن ہمارے ہاتھ ہوگا،میں ساری اولاد آدم میں اپنے رب کے نزدیک زیادہ عزت والا ہوں ۷؎ ہمارے پاس ایک ہزار خدام گھومیں گے گویا وہ محفوظ انڈے ہیں ۸؎ یا بکھرے ہوئے موتی ۹؎(ترمذی،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ اس کی شرح گزرچکی کہ جب قیامت میں دوسرے نفخہ پر قبریں کھلیں گی مردے نکلیں گے زندہ ہوکر تو اس کی ترتیب یہ ہوگی کہ سب سے پہلے حضور انور کی قبر کھلے گی اور نبیوں کے بعد میں،پھر سب سے پہلے حضرت صدیق و فاروق کی قبریں کھلیں گی دوسرے لوگوں کی بعد میں اس کا یہاں ذکر ہے۔

۲؎ قرآن کریم فرماتاہے:"یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا وَّ نَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرۡدًا"جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن متقی مؤمن رب کی بارگاہ میں وفد اور نمائندوں کی صورت میں اس سے ملنے کے لیے حاضر ہوں گے اس وقت حضور انور ان سب کے پیشوا اور پیشرو ہوں گے،حضور ہی کے ذریعے لوگ رب سے ملیں گے،حضور ہی رب تعالیٰ کا جواب ان لوگوں کو سنائیں گے یہ واقعہ قیامت میں ہوگا۔

۳؎ یہ واقعہ شفاعت کبریٰ کا ہے جب کہ مخلوق سخت پریشان ہوکر انبیاءکرام کی خدمت میں حاضر ہوگی اور کوئی رسول شفاعت کی جرأت نہ کریں گے رب کی بارگاہ میں سب ہی خاموش ہوں گے،اس وقت حضور ہی سجدہ کرکے حمد الٰہی کرکے شفاعت کریں گے۔خطیب بمعنی پیغام پہنچانے والا خطاب کرنے والا،بندوں کی طرف سے رب کی بارگاہ میں عرض و معروض اوررب کی طرف سے بندوں کو فرمان سنانا اس وقت حضور ہی کاکام ہوگا اس کا ذکر ہے۔

۴؎ یعنی جب لوگ میدان محشر میں جمع تو کردیئے جائیں گے مگر کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا سخت گرمی سے کلیجے منہ کو آگئے ہوں گے،سب خاموش"فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا"تب حضور انور رب سے عرض کرکے حساب وکتاب شروع کرائیں گے،حضور کی شفاعت قیامت کے تمام کاموں کی کنجی ہوگی۔

۵؎ یہاں یاس سے مراد خوف کے باعث گویا بخشش سے مایوسی چھاجانا۔اول قیامت میں مؤمنوں کا یہ حال ہوگاتب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رب کی طرف سے بخشش رحمت مغفرت کی خوشخبری دیں گے کہ مت گھبراؤ تم بخشے جاؤ گے،رب تم پر رحم فرمائے گا۔اس بشارت پر دھڑکتے دل ٹھہر جائیں گے،روتی آنکھیں خشک ہوجائیں گی،لبوں پر مسکراہٹ آجاوے گی مگر یہ بشارات مؤمنوں کے لیے ہوں گی۔

۶؎ یعنی نبیوں ولیوں کو عزت،گنہگاروں کو بخشش،سیہ کاروں کو معافی میرے ذریعہ سے ملے،اللہ تعالیٰ کے لاکھوں خزانے ہیں ہر خزانہ میں کروڑوں رحمتیں ان سب خزانوں کی چابیاں حضور انور کے ہاتھ ہوں گی ۔

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی ۔۔۔ لاورب البیت جو جس کو ملا ان سے ملا

۷؎ اولاد آدم سے مراد سارے انسان ہیں جن میں حضرت آدم و حوا بھی داخل ہیں حضور ان سے بھی افضل ہیں اور جب سارے انسانوں سے حضور افضل ہیں تو باقی مخلوق فرشتے جن وغیرہ سے بھی افضل ہیں کہ انسان ان سب سے افضل ہے۔لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔رب نے مکہ معظّمہ کی قسم اس لیے فرمائی کہ وہاں حضور جلوہ گر ہیں"لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ "ان شاءاللہ یہ تمام صفات قیامت میں سب آنکھوں سے دیکھیں گے جو یہاں بیان ہے وہاں عیاں ہوگا۔

۸؎ بیض جمع ہے بیضة کی بمعنی انڈا،اس سے شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں۔مکنون کے معنی ہیں جسے گردوغبار نہ پہنچا اپنی اصلی صفائی پر ہوں۔عرب میں شتر مرغ کے انڈے کے رنگ کو بہت حسین سمجھتے تھے لہذا انہیں سمجھانے کے لیے یہ فرمایا یعنی سفیدی مائل بہ زردی اس لیے قرآن کریم نے حوروں کا حسن اسی طرح بیان فرمایا"كَاَنَّهُنَّ

بَيْضٌ مَّكْنُونٌ" باقی دنیا میں جیسے حلب شام وغیرہ میں سفیدی مائل بہ سرخی کو پسند کیا جاتا ہے حضور انور کا حسن ایسا ہی تھا جیساکہ حلیہ شریف کے بیان میں آوے گا۔(مرقات)

۹؎ یہاں او فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشبیہ صرف عرب کو سمجھانے کے لیے ہے کہ یوں سمجھو جیسے شتر مرغ کے محفوظ انڈے یا یوں سمجھو جیسے درنا سفتہ۔خیال رہے کہ موتی جس میں سوراخ نہ کیا جائے اور اسے دھاگہ میں نہ پرویا جائے وہ زیادہ حسین معلوم ہوتا ہے سوراخ کیے ہوئے موتی کے مقابلہ میں کہ وہ اپنے سیپ والی حالت پر ہوتا ہے اس لیے ہر جگہ در منثور سے تشبیہ دی جاتی ہے یعنی بغیر پروئے ہوئے موتی ہیں بکھرے ہوئے،نیز وہ خادم حضور کے ہرطرف پھیلے ہوں گے لہذا انہیں بکھرے موتیوں سے تشبیہ دینا بہت ہی موزوں ہے۔یہ خدام یا تو قیامت ہی میں حضور کے گردوپیش ہوں گے یا جنت میں،اگر جنت میں ہیں تو علاوہ ان غلمانوں کے ہوں گے جو دوسرے جنتیوں کو عطا ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پھر مجھے جنتی جوڑا پہنایا جاوے گا۱؎ پھر میں عرش کی داہنی طرف کھڑا ہوں گا۲؎ مخلوق میں میرے سوا کوئی نہیں جو اس جگہ کھڑا ہو۳؎ (ترمذی)اور جامع الاصول کی روایت میں ہے اور انہیں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس کی قبر کھلے گی پھر مجھے جوڑا پہنایا جاوے گا۔	

۱؎ یہ حدیث ایک بڑی حدیث کا تتمہ ہے۔ثم فرماکر اس مضمون کو پہلے مضمون پر معطوف کیا گیا ہے یعنی سب سے پہلے قیامت کے دن قبر انور سے میں اٹھایا جاؤں گا،وہاں ہی مجھے حلہ پہنایا جاوے گا۔وہ جو گزرا کہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلہ پہنایا جاوے گا،پھر مجھے یہ دوسرا جوڑا ہوگا حلہ کرامت یہ جوڑا میدان محشر میں پہنچ کر پہنایا جاوے گا۔اور یہاں جس جوڑے کا ذکر ہے وہ جوڑا ستر کے لیے ہے جو قبر انور پر اٹھتے ہی پہنادیا جاوے گا،سب ننگے جائیں گے حضور انور اور بعض خاص پیارے کپڑے پہنے ہوئے۔

۲؎ یعنی میرا یہ خاص مقام جہاں میں تشریف فرما ہوں گا عرش اعظم کی داہنی جانب ہوگا،اس مقام پر میرے سواء کوئی نہ ہوگا،یہ مطلب نہیں کہ عرش کی داہنی طرف سواء میرے کوئی نہ ہوگا اس دن جب کافرو مؤمن میں چھانٹ ہوگی اور ارشاد ہوگا "وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ" تو مؤمن عرش اعظم کی داہنی طرف کھڑے ہوجائیں گے کفار بائیں طرف رب فرماتاہے: "وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ" اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں یعنی عرش اعظم کی داہنی جانب والے۔

۳؎ کھڑے ہونے سے مراد ہے تشریف فرما ہونا،یہ مقام وسیلہ ہے یا مقام محمود،وسیلہ مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی شفاعت کریں گے اور مقام محمود پر سب حضور کی تعریفیں کریں گے حتی کہ رب تعالٰی بھی۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو۱ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ کیا چیز ہے فرمایا بہشت میں سب سے اونچا درجہ جسے صرف ایک شخص پائے گا ۲ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۳ (ترمذی)	

۱ خیال رہے کہ مقام وسیلہ حضور انور کے لیے ہی نہیں بنایا گیا ہے حضور کے نامزد ہوچکا ہے،پھر ہم سے دعا کرانا اس لیے ہے تاکہ اس دعا کے ذریعہ ہم کو بھی کچھ مل جاوے۔کریموں کو دعائیں دینا بھیک مانگنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے ؎

قلب کی صورت غنچہ بستہ اس کو کرم سے کردو شگفتہ   دے گا دعائیں حافظ خستہ صلی اللہ علیہ وسلم

درود شریف پڑھنے کا بھی یہ ہی مقصد ہے،اذان کے بعد جو دعائے وسیلہ پڑھی جاتی ہے اس کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔

۲ اس کی بحث اذان کے بیان میں گزرگئی۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ جنت میں سب سے بلندوبالا مقام ہے جو صرف حضور انور کے لیے ہے باقی سب کے لیے اس کے نیچے کے مقامات ہیں،حتی کہ فردوس والے جنتی بھی اس کے نیچے ہوں گے۔محشر میں مقام محمود ہی ہےاور اگر وہاں بھی وسیلہ ہے تو وہ دوسرا مقام ہے۔

۳ یہاں ارجو فرمانا بے علمی یا بے یقینی کی وجہ سے نہیں بلکہ تواضعًا ہے یا یوں کہو کہ کریم کی امید بھی یقینی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا ۱ تو میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب ہوں گا اور ان حضرات کا شفاعت والا۲ فخریہ نہیں فرماتا ہوں (ترمذی)	

۱ یہاں امام سے مراد نماز کا امام نہیں بلکہ سب سے آگے چلنے والا،سب کی طرف سے رب کی بارگاہ میں کلام کرنے والا،ہر کام میں سب پر پہل کرنے والا مراد ہے،حتی کہ جنت میں آگے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پیچھے سارے نبی داخل ہوں گے۔

۲ یعنی تمام نبیوں کی شفاعت ہم کریں گے بلندی درجات کی یا ان سب کی شفاعت کی ابتداء ہم سے ہوگی کہ پہلے ہم دروازۂ شفاعت کھول دیں گے پھر ہمارے بعد دوسرے نبی شفاعت کریں گے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر	

	نبی کے بعض نبی قریب تر ہوتے ہیں ا؎ اور میرے قریبی میرے باپ میرے رب کے خلیل ہیں ۲؎ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ لوگوں میں ابراہیم سے قریب ترین وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ۳؎ اور اللہ والی ہے مؤمنوں کا ۴؎ (ترمذی)

ا؎ یعنی حضرات انبیاء کرام میں ہر نبی کو کسی دوسرے نبی سے خاص قرب خاص مناسبت ہوتی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو نوح علیہ السلام سے مناسبت ہے جلالت میں اور کفار کو ہلاک کرانے میں یا عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحیٰی علیہ السلام سے تارک الدنیا ہونے میں۔

۲؎ یعنی میں صورۃً سیرۃً اخلاقاً حضرت ابراہیم سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہوں حتی کہ حضور کا دین اسلام بھی ملت ابراہیم کہلاتا ہے،رب فرماتا ہے:"قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا"حتی کہ حضور انور نے فرمایا کہ بالکل جناب ابراہیم کی ہم شکل ہوں جو انہیں دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے۔

۳؎ حضور انور نے اپنے فرمان عالی کی تائید میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں حضور کو حضرت ابراہیم سے قریب تر فرمایا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ اچھوں سے قرب بھی اچھا ہے،حضور حبیب اللہ ہیں اور خلیل سے قرب خاص رکھتے ہیں نور علی نور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴؎ اس آیت کی تفسیر ہماری تفسیر میں ملاحظہ کرو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توکل،صبر،رضا بالقضاء،راہ خدا میں قربانی دینے سے بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت کا مقابلہ کرکے اسے فنا کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات زندگی کا مطالعہ کرو پھر آقائے دو جہاں کی سیرت پاک بغور پڑھو یکسانیت نظر آئے گی۔جو مؤمن حضور انور کے نقش قدم پر چلے اسے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان شاءاللہ قرب حاصل ہوگا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اخلاق کے درجات مکمل کرنے ا؎ اور اچھے اعمال کے کمالات پورے کرنے کے لیے مجھ کو بھیجا(شرح سنہ)

ا؎ **مکارم** جمع ہے **مکرمة** کی بمعنی پسندیدہ اور اللہ تعالٰی کے نزدیک قابل قدر۔اخلاق جمع ہے **خلق** کی بمعنی عادت و خصلت یعنی دل کی وہ حالت جس سے اچھے اعمال کرنا آسان ہوں۔بعض نے فرمایا کہ دلی باطنی صفات یعنی پچھلے انبیاء کرام بھی لوگوں کو اچھی عادات سکھانے تشریف لاتے تھے مگر ہم اعلیٰ درجہ کے اخلاق سکھانے تشریف لائے ہیں۔

روایت ہے حضرت کعب سے ۱؎ وہ توریت سے حکایت کرتے ہیں فرمایا ہم وہاں لکھا پاتے ہیں ۲؎ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں میرے پسندیدہ بندے ہیں ۳؎ نہ سخت دل ہیں اور نہ سخت زبان اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ۴؎ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف فرمادیتے ہیں بخش دیتے ہیں ۵؎ ان کی ولادت مکہ میں ہوگی ۶؎ اور ان کی ہجرت مدینہ میں ۷؎ اور ان کا ملک شام میں ۸؎ ان کے امتی بہت حمد کرنے والے ہیں، آرام و تکلیف میں اللہ کی حمد کریں گے اور ہر درجہ میں اللہ کی حمد کریں گے ۹؎ اور ہر بلندی پر اللہ کی تکبیر کہیں گے ۱۰؎ سورج کا خیال رکھیں گے ۱۱؎ جب نماز کا وقت آوے گا تو نماز پڑھا کریں گے ۱۲؎ اپنی کمر پر تہبند باندھیں گے ۱۳؎ اور اپنے اعضاء پر وضو کیا کریں گے ۱۴؎ ان کا مؤذن آسمان کی فضا میں اذان دیا کرے گا ۱۵؎ ان کی صف جہاد میں اور ان کی صف نماز میں برابر ہوگی ۱۶؎ رات میں ان کی گنگناہٹ شہد کی مکھی کی بھنکار کی طرح ہوگی ۱۷؎ یہ مصابیح کے لفظ ہیں، دارمی نے معمولی فرق سے روایت کی۔	

۱؎ **محاسن** جمع ہے **حسن** کی، خلاف قیاس اس کے معنی ہیں خوبی عمدگی یا خوب عمدہ اعلیٰ۔ **افعال** جمع ہے **فعل** کی بمعنی ظاہر اعضاء کے ظاہری کام یعنی ہماری تشریف آوری اس لیے ہے کہ ہم تمام لوگو ں کی دل کی عادتیں بھی اعلیٰ درجہ کی کردیں اور ظاہری اعمال بھی، یا ان کے عقیدے بھی ٹھیک کردیں اور اعمال بھی، یا انہیں طریقت بھی سکھادیں شریعت بھی۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ ذاتی خوبی کو کرم کہا جاتا ہے، بیرونی خوبی کو کمال۔ رب فرماتاہے: "مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ" یا مقام کریم یا قرآن کریم حضور نے دنیا کی نیت ارادے عقیدے دلی حالات بھی درست فرمائے اور ان کی عبادات معاملات بھی ٹھیک کئے، انسان کو فرشتوں سے آگے بڑھا دیا، عرب کون تھے انہیں کیا کردیا۔ شعر

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے　　　　اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے صدق مقال، اکل حلال، سائلین کی حاجت روائی، امانت کی حفاظت، حیاء اور شرم، پڑوسیوں سے اچھا سلوک، مہمان کی تواضع، بڑوں کا احترام، چھوٹوں کا لحاظ، ماں باپ کی خدمت نصیب فرماتا ہے یہ اخلاق محمدیہ کا ایک کرشمہ ہیں۔ (از مرقات)

۲؎ آپ مشہور تابعی ہیں،آپ کو کعب احبار کہتے ہیں،یہود کے بڑے عالم توریت کے ماہر تھے،حضور انور کا زمانہ شریف پایا مگر اس زمانہ میں نہ ایمان لائے نہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے،عہد فاروقی میں ایمان لائے،آپ کی کنیت ابواسحاق ہے،خلافت عثمانیہ میں ۳۲ھ میں مقام حمص میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔(اکمال)

۳؎ مختار کے معنی پسندیدہ بھی ہیں اور اختیار والا بھی حضور،دونوں معنی سے مختار ہیں حضور کو اللہ نے اپنے خزانوں کا مالک کیا مختار کیا۔مختار تو توریت میں بھی آپ کو کہا گیا ہے۔شعر

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے سرکار کیا مالک و مختار بنایا

مختار مقابل ہے مجبور کا،حضور مجبور نہیں مختار ہیں۔

۴؎ حضور انور دل کے نرم،زبان کے نرم،طبیعت کے نرم تھے،بازار میں تشریف لے جاتے تھے مگر تبلیغ احکام کے لیے نہ کہ محض سیرو تماشہ کے لیے،یہاں بازار میں جانے کی نفی نہیں بلکہ وہاں گھومنے پھرنے وہاں چیخ و پکار کرنے کی نفی ہے۔

۵؎ ہم عفو اور غفر کے فرق پہلے بیان کرچکے ہیں۔چھوٹے گناہ معاف کرنا غفرہے،حق العباد معاف کرنا عفو ہے،حق اللہ معاف کرنا غفر،جرم معاف کردینا عفو ہے اور جرم چھپالینا کہ اس کا کبھی ذکر نہ کیا جاوے تاکہ اسے شرمندگی نہ ہو غفر ہے۔مدارج النبوۃ میں ہے کہ جب عکرمہ ابن ابی جہل ایمان لائے تو حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تاکید فرمادی کہ عکرمہ کے سامنے کوئی ابوجہل کو برا نہ کہے کہ اس سے فطری طور پر عکرمہ کو تکلیف ہوگی۔خیال رہے کہ ہمارے ہر گناہ میں حق تعالٰی بھی مارا جاتا ہے اور حق الرسول بھی لہذا ہر گناہ کی معافی حضور سے مانگنا جائز ہے کیونکہ ہمارے گناہ سے حضور کو تکلیف ہوتی ہے"عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ"۔

۶؎ خیال رہے کہ حضور کی پیدائش تو مکہ میں ہوئی مگر حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سارے جہاں میں جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہان پر اسی لیے رب نے تمام جہان سے خطاب فرمایا:"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ"پھر جیسے سورج روشنی ساری زمین پر دیتا ہے مگر پھل پھول کی پختگی باغوں کھیتوں میں کرتا ہے،لعل بناتا ہے بدخشاں کے پہاڑوں میں حضور نے ایمان سب کو دیا مگر ولایت و صحابیت کسی کسی کو۔

۷؎ مدینہ منورہ کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام طیبہ ہے یعنی نکھاری ہوئی صاف کی ہوئی زمین کہ رب نے یہاں کی وبا منتقل کرکے ہجر میں بھیج دیں اور اسے شفا کا گھر بنادیا،اب مدینہ کی خاک کا نام خاک شفا ہے۔

۸؎ یعنی ان کے بعد ان کی خلافت مدینہ یا عراق میں رہے گی مگر ان کی سلطنت شام میں ہوگی۔چنانچہ اسلام کے پہلے سلطان حضرت امیر معاویہ کا دارالخلافہ دمشق بنا یعنی ملک شام کا ایک شہر،یہاں ملک سے مراد ملک نبوت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک نبوت تو سارا جہاں ہے"لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا"۔(مرقات)اور اگر ملک نبوت مراد ہو تو چونکہ شام میں ہمیشہ جہادوں کا زور رہا ہے اس لیے اسے خصوصیت سے بیان کیا۔

۹؎ سبحان اللّٰہ! نبی محمد ہیں اور امت حمادون یعنی ہر حال میں حمد الٰہی کرنے والی،ایسی پاکیزہ امت کسی نبی کو نہیں ملی۔

۱۰؎ یعنی اونچے قلعوں میں رہ کر بھی اللہ کی عبادت کریں گے اور نیچے جھونپڑوں میں بھی۔

۱۱؎ یعنی نماز اور روزوں کی وجہ سے ہمیشہ سورج کے طلوع غروب استواء کا حساب رکھیں گے اور اس کی جنتریاں چھاپا کریں گے۔اسلامی نمازیں افطار سحری تو سورج سے ہیں مگر خود روزے عیدیں حج وغیرہ چاند سے اس لیے مسلمان دونوں کا حساب رکھتے ہیں اور کوئی قوم یہ دونوں کام نہیں کرتی۔

۱۲؎ نماز پنجگانہ سواء اسلام کے کسی اور دین میں نہیں ہوئیں اس لیے اس امت کی صفات یہ بیان ہوئیں۔

۱۳؎ انصاف جمع ہے نصف کی بمعنی آدھا،یہاں مراد ہے جسم کا آدھا یعنی کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کمر پر تہبند پائجامہ باندھے رہیں گے،نہ تو ننگے پھریں گے،نہ ننگے رہیں گے،نہ ننگے نہائیں گے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ وہ لوگ باپردہ بہت رہیں گے ستر ڈھکے رہا کریں گے۔یا انصاف سے مراد ہے آدھی پنڈلی تب علیٰ بمعنی الی ہے یعنی ان کے تہبند پائجامے ٹخنوں کے نیچے نہ ہوا کریں گے تاکہ گندے نہ رہیں بلکہ ٹخنوں سے اونچے ہوا کریں گے کہ پاک رہیں اس صورت میں یہ مسلمانوں کی پاکیزگی اور صفائی کا ذکر ہے۔(لمعات،مرقات،اشعہ)ہماری اس شرح سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ حضور انور نے ٹخنوں سے اوپر تک تہبند لٹکانے کی اجازت دی ہے اور یہاں نصف پنڈلی فرمایا گیا۔

۱۴؎ یعنی نماز کے پابند ہوں گے اس پابندی کی وجہ سے وہ ہمیشہ نہایت مبالغہ سے وضو کیا کریں گے۔خیال رہے کہ پچھلی بعض امتوں پر بھی نمازیں فرض تھیں اور وہ لوگ وضو بھی کرتے تھے مگر مسلمانوں کی طرح پابند نہ تھے۔

۱۵؎ گذشتہ امتوں میں نماز کا اعلان اذان سے نہیں ہوتا تھاکسی دین میں گھنٹے بجائے جاتے تھے،کسی میں آگ روشن کرکے نماز کی اطاع دی جاتی تھی،اذان اسلام کی خصوصیت سے ہے۔آسمانی فضا بتاکر فرمایا گیا کہ مؤذن اونچے میناروں پر اذانیں دیا کریں گے،اب لاؤڈ اسپیکر پر اذان بہت ہی لطف دیتی ہے ساری فضا ساری بستی گونج جاتی ہے سبحان اللّٰہ! کبھی فجر کے وقت کی اذانیں سنو اور یہ حدیث پڑھو۔

۱۶؎ یعنی مسلمانوں میں تاقیامت نمازیں باجماعت ہوتی رہیں گی اور جہاد قائم رہیں گے وہ لوگ نمازوں جہادوں میں بڑے اہتمام سے صفیں بنایا کریں گے۔نماز میں مسلمان نفس اور شیطان سے جہاد کرتا ہے جہاد میں کفار سےاس لیے یہاں نماز اور جہاد کی صفوف کا ایک جگہ ذکر فرمایا گیا۔

۱۷؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد آخری رات کی نماز ہےیعنی تہجد،وہ لوگ تہجد کی نماز میں قرأت قرآنیہ آہستہ کیا کریں گے مگر پھر بھی ان کے سینوں سے رونے کی گڑگڑاہٹ ایسی محسوس ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بنبناہٹ،یا اس سے مراد ہے آہستہ آہستہ درد والی آواز سے تلاوت قرآن اور تسبیح و تہلیل ہے،اللہ تعالٰی یہ علامت ہم گنہگاروں کو بھی نصیب فرمائے۔آمین

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سلام سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ توریت میں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مذکور	

	ہے۲اور عیسیٰ ابن مریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیے جائیں گے۳ابو مودود کہتے ہیں۴کہ حجرہ انور میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے ۵(ترمذی)

۱آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے،یہود کے بڑے عالم تھے،انہیں حضور انور نے جنت کی خوشخبری دی،آپ کی وفات ۴۳ھ تینتالیس میں مدینہ منورہ میں ہوئی،قرآن مجید میں جہاں اہل کتاب کی تعریف آتی ہے وہاں اکثر آپ ہی مراد ہوتے ہیں،بڑے فضائل و خوبیوں کے مالک ہیں۔

۲یہاں صفت جنس ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی نعت شریف توریت میں بالتفصیل مذکور ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ توریت میں حضور انور کی صرف ایک صفت مذکور تھی۔

۳یعنی توریت میں یہ بھی مذکور ہے کہ قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لائیں گے یہاں رہیں گے وفات پائیں گے اور حضور انور کے ساتھ روضہ اطہر میں دفن ہوں گے۔مرزا قادیانی کہتا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم میں ہوں مگر وہ مرا ہے لاہور میں دفن ہوا ہے زمین قادیان میں،اس حدیث میں سچے عیسیٰ ابن مریم کا ذکر ہے۔

۴ابو مودود کا نام عبدالعزیز ابن سلیمانی مدنی ہے،تابعی ہیں،حضرت ابو سعید خدری اور سائب ابن یزید عثمان ابن ضحاک وغیرہم صحابہ کرام سے ملاقات ہے۔(مرقات)مہدی کے زمانہ میں وفات پائی۔

۵فی الحال حجرہ شریف میں تین قبریں اس ترتیب سے ہیں کہ آگے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے،اس سے متصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر،اس طرح کہ جناب صدیق اکبر کا سر شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ شریف کے مقابل ہے اس قبر شریف کے متصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر انور ہے کہ آپ کا سر جناب صدیق کے سینہ کے مقابل ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کے متصل دفن ہوں گے اس طرح کہ آپ کا سر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے کے مقابل ہوگا۔یوں سمجھو کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ دو نبیوں کے بیچ میں رہیں گے،ادھر حبیب اللہ ادھر روح اللہ بیچ میں یہ دونوں حضرات علیہم السلام۔عیسیٰ علیہ السلام حج کریں گے،مدینہ منورہ آتے ہوئے راستہ میں وفات پائیں گے،مسلمان میت شریف مدینہ منورہ لاکر یہاں دفن کریں گے۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے نبیوں پر اور سارے آسمان والوں پر بزرگی دی ۱لوگوں نے کہا کہ اے ابن عباس آسمان والوں پر کس طرح بزرگی دی فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے آسمان والوں سے فرمایا کہ تم میں

سے جو کہے گا کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں ۲؎ تو یہ وہی ہوگا جسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ۳؎ اور اللہ تعالٰی نے حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا کہ ہم نے آپ کے لیے روشن فتح دی ۴؎ کہ آپ کے صدقہ سے آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ اللہ بخشے ۵؎ لوگوں نے کہا کہ نبیوں پر کیسے بزرگی دی فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ان کی قوم کی زبان میں ۶؎ تاکہ وہ ان کے لیے بیان کریں تو اللہ جسے چاہے گمراہ کرے آخر آیت تک اور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے لوگوں کے لیے کافی ۷؎ تو حضور کو جن و انسان کی طرف بھیجا ۸؎	

۱؎ یعنی فرشی عرشی ساری مخلوق سے حضور انور کو اللہ نے افضل کیا،حضور **خیر الخلق کلھم** ہیں۔

۲؎ یعنی جو فرشتہ دعوٰی خدائی کرے گا ہم اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔یہ فرمان فرضی صورت پر ہے جیسے قرآن فرماتا ہے کہ اگر خدا کے بیٹا ہوتا تو اسے پہلے میں پوجتا۔فرشتے گناہ بھی نہیں کرسکتے چہ جائیکہ دعوٰی خدائی کریں یہ خوب خیال رہے۔

۳؎ یعنی فرشتوں کے متعلق یہ فرمان عالی قہر و غضب پر مبنی ہے جس سے انہیں خوف و ہراس ہو۔

۴؎ **فتح** سے مراد یا فتح مکہ ہے یا رحمت کے تمام دروازے حضور کے لیے کھولنا مراد ہے یا یہ مطلب ہے کہ رب نے آپ کے ذریعہ سب دروازے کھول دیئے۔اس کی نفیس تحقیق ہمارے حاشیۃ القرآن میں دیکھو۔

۵؎ یعنی حضور انور سے رب تعالٰی نے رحمت و کرم بندہ نوازی والا کلام فرمایا اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ تو کیا گناہ کے ارادے سے بھی محفوظ ہیں لہذا **ذنبك** سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا بخشوانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کرم پر ہے یعنی امت کے گناہ۔اس کی نفیس تحقیق ہماری تفسیر میں ملاحظہ کرو۔ **ذنبك** کی تفسیریں اور بہت کی گئی ہیں۔**تقدم** اور **تأخر** سے مراد امت کے اگلے پچھلے گناہ ہیں۔

۶؎ یعنی پچھلے نبیوں کی امتیں خاص ہوتی تھیں یوں ہی ان کے علاقے،ان کے زمانے مخصوص ہوتے تھے کہ اس کے باہر ان کی نبوت کا ظہور نہ ہوتا تھا۔دیکھو موسی علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان پر اپنے دین اپنی کتاب کے احکام جاری نہ کرسکے،جب ان کی نبوتیں خاص تھیں تو ان حضرات کی زبانیں بھی خاص تھیں وہ خاص اسی زبان میں تبلیغ فرماتے تھے،حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا فرمانا ان کا معجزہ تھا تبلیغ کے لیے نہ تھا۔

۷؎ كافة یا تو ناس کا حال ہے تب توت تانیث کی ہے اور یا ارسلناك کے کاف خطاب سے حال ہے تو ت مبالغہ کی ہے جیسے علامة یا فهامة کی ت۔كافة بنا ہے كف سے بمعنی روکنا یا پورا ہونا،ناس سے مراد حضور انور کے زمانہ سے لے کر تا قیامت سارے انسان ہیں،حضور سب کے نبی ہیں اور سب پر حضور کی اطاعت واجب و لازم ہے۔رات میں ہر گھر کا چراغ علیحدہ ہوتا ہے مگر دن میں سارے جہاں کا سورج ایک اور ہوسکتا ہے ناس سے مراد ہوں سارے انسان از آدم علیہ السلام تا روز قیامت کہ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض پہنچا کسی کو بلواسطہ اور کسی کو بلاواسطہ،رات میں چاند تارے سورج ہی کا نور دنیا کو دیتے ہیں۔

۸؎ اگرچہ مذکورہ آیت میں صرف انسانوں کا ذکر ہے مگر چونکہ جنات انسانوں کے تابع ہیں لہذا وہ بھی ان میں داخل ہیں بلکہ حضور انور ساری مخلوق کے نبی ہیں فرشتے وغیرہ سب آپ کی امت ہیں،رب فرماتاہے:"لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا"رب تعالیٰ رب العالمین ہے حضور رحمۃ للعالمین بھی ہیں اور نذیر للعالمین بھی۔خیال رہے کہ ہر نبی اپنی قوم کی زبان سے واقف بھیجے گئے ساری مخلوق حضور کی امت ہے لہذا حضور سب کی زبان جانتے ہیں۔حضور سے اونٹوں، چڑیوں نے فریادیں کی ہیں،پتھر سلام کرتے تھے،لکڑی کا ستون حنانہ حضور کے فراق میں رویا،آپ سے دل کا دکھ درد کہا اور حضور نے سب کچھ سمجھ لیا۔آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ہر شخص اپنی بولی میں حضور سے فریادیں کرتا ہے کوئی ترجمہ کرنے والا درمیان میں نہیں ہوتا،سب کی سنتے سمجھتے ہیں سب کی دادا رسی فریاد رسی کرتے ہیں یہ ہے حضور کا سب زبانیں جاننے کا ثبوت اللهم صل وسلم بارك عليه۔شعر

قدرت کی تحریریں جانے امی اور تقریریں جانے　　بخشش کی تدبیریں جانے وہ ہے رحمت والا

جن کا نام ہے محمد ان سے دوجگ ہے اوجیالا

روایت ہے حضرت ابوذر غفاری سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے کیسے جانا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں حتی کہ آپ نے یقین کرلیا ۱؎ تو فرمایا اے ابوذر میرے پاس دو فرشتے آئے جب کہ میں مکہ کے بعض پتھریلے علاقہ میں تھا ۲؎ تو ان میں سے ایک تو زمین کی طرف آگیا اور دوسرا آسمان و زمین کے درمیان رہا ۳؎ تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کیا یہ وہ ہی ہیں ۴؎ اس نے کہا ہاں اس نے کہا کہ انہیں ایک شخص سے تولو ۵؎ میں اس سے تولا گیا تو میں وزنی ہوا ۶؎ پھر اس نے کہا کہ انہیں دس سے تولو تو میں ان سے تولا گیا میں ان پر وزنی ہوا،پھر اس نے کہا کہ انہیں سو سے تولو میں ان سے تولا گیا میں ان پر بھاری ہوا ۷؎ وہ بولا انہیں ہزار سے تولو	

میں ان سے تولا گیا تو میں ان پر بھاری ہوگیا گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ پلہ ہلکا ہونے کی وجہ سے مجھ پر گرے پڑتے ہیں ۸ تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اگر تم انہیں ان کی پوری امت سے تولو تو بھی یہ سب پر بھاری ہوں گے ۹ (دارمی)	

۱؎ یعنی حضور آپ نے دنیا میں آکر اپنی نبوت یہاں کے کس سبب سے جانی پہچانی لہذا یہ سوال ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل میں تھے یا بچپن شریف میں ہم کو شجر و حجر سلام کرتے تھے آپ کی نبوت کا اعلان آپ کی ولادت پاک سے پہلے ہوچکا تھا،دنیا بھر نے آپ کو نبی جان لیا تھا۔ پڑھو وہ معجزات جو حمل شریف اور ولادت پاک کے وقت تمام دنیا میں ظاہر ہوئے،رب فرماتاہے:"یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَھُمۡ"انسان اپنے بیٹے کو اس کی ولادت سے پہلے ہی جانتا ہے۔

۲؎ غالبًا یہ واقعہ بہت ہی بچپن شریف کا ہے۔جب حضور حلیمہ دائی کے یہاں تھے یا اس کے کچھ بعد جب بکریاں چراتے تھے۔بطحاء کہتے ہیں پتھریلے علاقہ کو مکہ معظّمہ کے آس پاس تمام علاقہ پتھریلا ہے۔

۳؎ یعنی ہوا میں یا فضا میں معلق رہامیں نے اسے اسی طرح دیکھا مگر حضور یہ عجیب نظارہ دیکھ کر دوڑے نہیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہچان لیا کہ یہ فرشتے ہیں اس لیے فرمایا اتانی ملکان۔

۴؎ یعنی کیا یہ وہ ہی نبی ہیں جن کا اعلان فرشتوں میں کیا جاچکاہے،جن پر ایمان لانے کا عہد و پیمان نبیوں سے ہمارے سامنے لیا جاچکا ہے،جن کی دعائیں جناب خلیل نے مانگی ہیں،جن کی بشارتیں جناب مسیح نے دی ہیں،جن کے مدرسہ فیض میں سارے نبی تعلیم پاکر دنیا میں آتے رہے جو آگے چل کے سارے جہان کا سہارا،مؤمنوں کی آنکھوں کا تارا ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

۵؎ اگر امت سے مراد امت مرحومہ ہے تو شاید حضور انور کو جناب صدیق و فاروق کے ساتھ تولا گیا ہوگا اور اگر مطلقًا امت ہے تو حضور کو جناب خلیل و کلیم کے ساتھ تولا گیا ہوگا،یہ ترازو بھی کوئی اور ہی تھا اور تولنے والے ہاتھ بھی دست قدرت ہی ہوں گے۔

۶؎ یہ وزنی ہونا نبوت کے وزن سے ہوا نبوت بڑی وزنی نعمت ہے۔

۷؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترتیب وار تولنا کہ پہلے ایک شخص سے پھر دس سے پھر سو سے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھانے کے لیے ہے ورنہ اگر پہلے ہی ہزار سے تول دیا جاتا تو یہ بات ظاہر نہ ہوتی۔

۸؎ یعنی جب ترازو کے ایک پلہ میں دو ہزار رکھے گئے اور دوسرے پلہ میں ہم تشریف فرما ہوئے تو ان سب کا پلہ ہلکا ہونے کی وجہ سے اتنا اونچا ہوگیا کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔خیال رہے کہ یہاں جسمانیت کا وزن تھاجس میں ہلکا اونچا ہوتا ہے بھاری نیچا،روحانیت کے وزن میں ہلکا نیچا ہوتا ہے بھاری اونچا کہ جسم کا رجحان نیچے کی طرف ہے کہ وہ مادی چیز ہے اور نورانیت کا رجحان اوپر کی طرف ہے کہ وہ مجرد ہے جیساکہ روایات میں ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہاں ہلکا پلہ اونچا کیوں ہوگا،رب تو فرماتاہے:"اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ"۔

۹؎ خیال رہے کہ یہ تو حضور انور کا ظاہری وزن تھا حقیقی وزن کا یہ حال ہے کہ کارخانہ قدرت میں ایسی ترازو نہیں بنی جو حضور کا ایک سجدہ بھی تول سکے جیسے کسی انسانی کارخانہ نے ایسی ترازو نہ بنائی جو سمندر کا پانی یا ہوا تول سکے،ایسا میٹر نہ بنایا جو سورج کی روشنی ناپ لے تو کارخانہ قدرت نے ایسی ترازو نہ بنائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تول لےاس لیے قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کا وزن نہ ہوگا کہ وزن کس ترازو سے کیا جاوے وہ ترازو کہاں سے آئے کارخانہ قدرت میں تو بنی نہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ ایک گنہگار کے تاحدِ نظر گناہوں کے دفتر ایک ڈیڑھ ماشہ پرچہ کے ساتھ تولے جائیں گے جس پر لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو پرچہ بھاری ہوگا وہ لاکھوں من کے دفتر ہلکے کیوں نہ ہوں کہ وہ تھے اس کے کام،یہ ہے اللہ رسول کا نام ہمارے کاموں سے ان کا نام بھاری ہے۔شعر

دل عبث خوف سے پتّہ سا اڑا جاتا ہے ۔۔۔ پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

اگر قیامت کے دن حضور ساری امت کے ہلکے پلے میں اپنا قدم رکھ دیں تو قسم خدا کی سب کا پلہ بھاری ہوجائے اور سب کے بیڑے پار لگ جاویں اللھم صل وسلم و بارك علیہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر قربانی فرض کی گئی تم پر فرض نہیں کی گئی ۱؎ اور میں چاشت کی نماز کا حکم دیا گیا ہوں تم کو اس کا حکم نہیں دیا گیا ۲؎ (دارقطنی)

۱؎ یعنی ہم میں تم میں شرعی احکام میں بھی فرق ہے کہ تم میں سے جو شخص امیر ہو اس پر قربانی فرض نہیں بلکہ واجب ہے،غریب پر واجب بھی نہیں مگر ہم پر بہرحال فرض ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ فرض نہیں(شامی) یا اس لیے کہ آپ کا مال وقف ہے اور وقف میں زکوۃ نہیں(شامی) یا اس لیے کہ ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی غلام ہے اور اپنے غلام لونڈی کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی آپ کے لیے مصرف موجود نہیں۔(شیخی و مرشدی مولانا نعیم الدین صاحب) فقیر کے نزدیک یہ وجہ قوی ہے ورنہ آپ پر قربانی فرض نہ ہوتی،مال وقف سے قربانی نہیں دی جاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس آیت کی طرف اشارہ ہے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ"۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چھ نمازیں فرض تھیں پانچ تو یہ نمازیں چھٹی نماز تہجد،رب فرماتاہے:"وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ"آیت کریمہ میں نافلہ بمعنی زائدہ ہے یعنی مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہیں آپ پر نماز تہجد زائد فرض ہے۔چنانچہ ہمارے لیے ارکان ایمان پانچ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار یعنی زکوۃ فرض نہیں،ہم پر نمازیں پانچ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چھ یعنی تہجد بھی فرض ہے۔خیال رہے کہ پنجگانہ نمازیں اطاعت کی ہیں جو ہمارے لیے آئیں اور نماز تہجد نماز عشق ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آئی۔ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل یہ نماز پڑھ لیتے ہیں اور نماز چاشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار پڑھنا فرض تھی اس کی زیادتی مستحب تھی لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی ہی نماز چاشت پڑھی ہے۔

باب اسماء النّبی صلی اللہ علیہ وسلم و صفاتہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف اور حلیہ شریف کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے نام بھی ایک ہزار ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بھی ایک ہزار۔اللہ تعالٰی کے دو نام ذاتی ہیں: عربی میں اللہ،عبرانی میں ایل۔حضور انور کے بھی دو نام ذاتی ہیں:محمد،احمد باقی نام صفاتی،چونکہ اللہ رسول کی صفات بہت ہیں،نیز ان کے آستانوں پر مختلف حاجت مند اپنی حاجتیں لےکر حاضر ہوتے رہیں گے اس لیے ان دونوں ذاتوں کے نام بہت ہوئے کہ جیسا حاجت مند آوے اسی نام سے پکارے۔حضور انور سے پہلے کسی کا نام محمد نہ ہوا،ہاں یہ ثابت ہے کہ نجومیوں نے پیش گوئی کی تھی کہ نبی آخر الزمان پیدا ہونے والے ہیں جن کا نام محمد ہوگا تو عرب میں چار شخصوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے مگر چونکہ یہ سن کر انہوں نے یہ نام رکھے اس لیے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام محمد ہوا،چونکہ ساری مخلوق بلکہ خود خالق ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کی تعریف فرماتے رہیں گے اس لیے نام پاک محمد ہوا۔اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو اپنے تیئں نام عطا فرمائے۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر رسالہ مستقل لکھا ہے۔عبدالمطلب نے بھی ایک خواب دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا۔ (مرقات،اشعۃ اللمعات)خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں کوئی نام جامد نہیں سب نام شریف مشتقات ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میرے بہت نام ہیں میں محمد ہوں ۱؎ میں احمد ہوں ۲؎ محو کرنے والا ہوں کہ اللہ میرے ذریعہ کفر کو محو فرمائے گا ۳؎ اور میں جامع ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے ۴؎ اور میں عاقب ہوں،عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین نام حمد سے مشتق ہیں:محمد،احمد،محمود۔محمد کے معنی ہیں ہر طرح ہر وقت ہر جگہ ہر ایک کا حمد کیا ہوا،یا ان کی ہر ادا کی ہر وصف کی ذات کی حمد کی ہوئی۔مخلوق بھی ان کی حمد کرے،خالق بھی ان کی حمد فرمائے۔جتنی نعتیں جتنی سوانح عمریاں ہر زبان میں ہر وقت حضور کی ہورہی ہیں اتنی کسی کی نہیں ہوئیں،کیوں نہ ہو کہ قیامت کا دن اس نعت خوانی ہی میں تو صرف ہونا ہے حساب کتاب تو چار گھنٹہ میں ختم ہوجاوے گا اور دن ہے پچاس ہزار سال کا وہ نعت خوانی میں خرچ ہوگا۔شعر

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزم محشر کا　　　　　کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

۲؎ احمد اسم تفضیل ہے حمد کا یا تو حمد معروف کا تو معنی ہوں گے بہت ہی حمد فرمانے والے اپنے رب کی،یا حمد مجہول کا تو معنی ہوں گے بہت ہی حمد کیے ہوئے پہلے معنی قوی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں حامدیت اور محمودیت میں جیسے آپ مرید بھی اللہ کے اور مراد بھی،یوں ہی آپ طالب بھی ہیں مطلوب بھی،یوں ہی آپ احمد بھی محمود بھی،حبیب بھی ہیں محبوب بھی۔(مرقات)

۳؎حضور سورج ہیں دوسرے انبیاء چاند تارے شمع تھےاور کفر تاریکی ہے اگرچہ تاریکی کو چراغ چاند ستارے بھی دور کرتے ہیں مگر وہ رات کو دن نہیں بناتے سورج رات کو دن بنادیتا ہے،نیز چراغ وغیرہ ایک محدود جگہ میں روشنی کرتے ہیں سورج ساری زمین کو منور کردیتا ہے اس لیے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ماحی ہوا،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں اندھیرا ہی تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دور کیا،نیز حضور ہم گنہگاروں کے گناہوں کو،مجوبوں کے حجاب کو دور کرتے ہیں۔

۴؎سب سے پہلے قبر انور سے حضور اُٹھیں گےپھر دوسرے لوگ،سب سے پہلے حضور میدانِ محشر میں پہنچیں گے پھر حضور کے پیچھے ساری مخلوق۔نیز سارے لوگ آخر کار شفاعت کی بھیک مانگنے حضور ہی کے پاس پہنچیں گے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اردگرد جمع ہوجائیں گے،حضور ہی کو گھیر لیں گے،حضور کے پاس آکر پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے اس لیے حضور حاشر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۵؎عاقب بنا ہے **عقب** سے بمعنی پیچھے۔حضور سارے نبیوں سے پیچھے دنیا میں آئے،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے بہت خیر چھوڑ گئے لہذا حضور عاقب ہیں سب کی عاقبت حضور کے دم سے ہی ہے۔خیال رہے کہ حضور عاقب یعنی پچھلے نبی ہیں لہذا نہ تو آپ کے زمانہ میں کوئی نبی تھا اور نہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی ہوسکتا ہے۔جو انبیاء کرام زندہ تھے یا زندہ ہیں وہ اب بہ شان نبوت زندہ نہیں،اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں جیسے حضرت عیسیٰ و ادریس آسمان میں اورخضروالیاس زمین میں علیہم الصلوۃ والسلام۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنے نام پاک بتاتے تھے فرماتے تھے کہ میں محمد ہوں میں احمد ہوں ۱؎مقفی ہوں ۲؎میں حاشر ہوں میں توبہ کا نبی ہوں ۳؎میں رحمت کا نبی ہوں ۴؎(مسلم)	

۱؎لفظ اللہ اور لفظ محمد میں چند طرح مناسبت ہے:اللہ میں حرف چار تو محمد میں حرف چار،اللہ کے چاروں حرف بے نقطہ محمد کے چاروں حرف بے نقطہ،اللہ میں ایک شد محمد میں ایک شد،اللہ کے تین حرف حرکت والے محمد کے تین حرف حرکت والے،ہاں اللہ کے شد پر الف ہے محمد کے شد پر الف نہیں،اللہ سلطان حضور اس سلطنت کے وزیر اعظم،اللہ بولنے سے دونوں ہونٹ جدا ہوتے ہیں محمد بولنے سے دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں کہ وہ نیچوں کو اوپر والوں سے ملانے ہی تو آئے ہیں۔

۲؎مقفی اسم فاعل سب نبیوں سے پیچھے دنیا میں آنے والا،مقفی اسم مفعول سب نبیوں تمام انسانوں ساری مخلوق سے آگے رہنے والا کہ میرے نقش قدم پر سب چلنے والے یا مقفی اسم سب کی مہمانی کرنے والا کہ دنیا اس کی مہمان ہو وہ سب کا میزبان،قفاوہ کہتے ہیں لطف و کرم مہمانی کے کھانے کو۔(مرقات)

۳؎اس طرح کہ میرے ہاتھ پر ساری خلقت نے توبہ کی اور کرے گی یا میرے دین میں توبہ آسان کردی گئی یا میری برکت میرے صدقہ سے حضرت آدم و دیگر نبیوں کی توبہ قبول ہوئی ان کی مشکلیں حل ہوئیں۔شعر

اگر نام محمد را نہ آوردے شفیع آدم   نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

یا جو میرے دروازے پر آجاوے رب کو تواب ورحیم پائے "لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا"۔

۴؎حضور کی رحمت عامہ تمام جہان پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دنیا میں عذاب آنا بند ہوگئے رحمت خاصہ مؤمنوں پر رحمت خاص الخاصہ ولیوں،صدیقوں بلکہ گذشتہ نبیوں پر بھی ہے،اللہ رب العالمین ہے حضور رحمۃ للعالمین،حضور مؤمنوں پر رؤف ورحیم۔شعر

رب اعلیٰ کی نعمت پر اعلی درود   حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

حضور کی رحمت کا پورا بیان ناممکن ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ نے کس طرح مجھ سے قریش کی گالیوں،ان کے لعن کو پھیر دیا وہ تو مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعن طعن کرتے ہیں ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۱؎(بخاری)	

۱؎ پہلے کفار مکہ حضور انور کا نام شریف لے کر آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے تھے،ابولہب کی بیوی عورابنت حرب نے کہا کہ تم لوگ محمد کہنا بھی چھوڑ دو کہ اس نام میں ان کی تعظیم ہے انہیں مذمم کہا کرو یعنی بہت ہی برے اب وہ لوگ مذمم کہہ کر گالیاں دینے لگے،اس پر حضور انور نے یہ فرمایا کہ وہ مذمم کو برا کہتے ہیں ہوگا کوئی مذمم ہم تو محمد ہیں۔اللہ نے آپ کے نام کو بھی گستاخی سے بچالیا۔جو حضور کو محمد کہہ کر گستاخی کرے وہ اپنے منہ سے خود جھوٹا ہے،محمد وہ جو بے عیب ہو اور تو اسے عیب لگارہا ہے،یہ مردودہ فخریہ کہا کرتی تھی۔

مذمما عصینا وأمره أبينا ودينه قلينا

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پاک اور ڈاڑھی شریف کا اگلا حصہ کھچڑی تھا ۱؎ اور جب آپ تیل لگاتے تو ظاہر نہ ہوتا تھا اور بال بکھرے ہوتے تو ظاہر ہوتا ۲؎ ڈاڑھی شریف میں بہت بال تھے ۳؎ تو ایک آدمی بولا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور تلوار کی طرح تھا ۴؎ فرمایا نہیں بلکہ سورج اور چاند جیسا تھا ۵؎ اور	

	قدرے گول ۶ اور میں نے مہر نبوت کو آپ کے کندھے شریف کے پاس دیکھا کبوتری کے انڈے کی طرح تھی جسم اطہر کے ہم رنگ تھے ۷ (مسلم)

۱؎ **شمط** کے لفظی معنی ہیں کچھ بال سفید ہوجانا کچھ بال سیاہ رہنا اسے اردو میں کھچڑی بال کہتے ہیں۔سر شریف میں چودہ بال سفید تھے،داڑھی شریف میں پانچ بال اور ریش بچی میں ایک بال سفید کل بیس بال شریف سفید ہوئے تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں۔

۲؎ یعنی آپ کے بالوں کا کھچڑی ہونا جب ظاہر ہوتا تھا جب کہ بال شریف بکھرے ہوئے ہوتے ورنہ ظاہر نہ ہوتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ بہت تھوڑے بال سفید تھے۔

۳؎ حضور کی ڈاڑھی شریف پورا خط گھنے بال تھے۔حق یہ ہے کہ ایک مشت رہتی تھی،ایک مشت سے داڑھی کم کرنا ممنوع ہے،مشت سے زیادہ میں بہت اختلاف ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی سینہ تک رہتی تھی،حضور غوث پاک کی داڑھی لمبی تھی،حضرت ابن عمر ایک مشت رکھتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎ یعنی جیسے تلوار سفید اور چمکدار ہوتی ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چمکدار تھا مگر چونکہ اس تشبیہ میں دھوکہ ہوتا تھا کہ تلوار کی طرح لمبا ہو اس لیے اس کی تردید کردی گئی۔

۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو تلوار سے تشبیہ نہ دو چاند سورج سے تشبیہ دو مگر حقیقت یہ ہے۔شعر

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہہ دوں ان کے چہرے کو　　　میں ان کے کفش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں

۶؎ یعنی چہرہ انور مائل بہ گولائی تھا نہ بالکل گول نہ لمبا لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ **لیس بہ کلثم**۔

۷؎ یعنی مہر نبوت جسم شریف کے ہمرنگ تھی برص کی طرح بہت چٹی نہ تھی،یہ بہت ہی حسین معلوم ہوتی تھی حضور کا حسن اسی شعر میں مذکور ہے۔شعر

خوبی و شکل و شمائل حرکات و سکنات　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

کس نیست در جہاں کہ زحسنت عجب نہ ماند　　　ای درکمال حسن عجب ترزہر عجب

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سرجس سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے ساتھ گوشت روٹی کھائی یا فرمایا ثرید کھایا ۱ پھر میں آپ کے پیچھے مڑ گیا تو میں نے حضور کی مہر نبوت دیکھی جو آپ کے دو کندھوں کے بیچ بائیں کندے کی گھنڈی کے پاس تھی ۲ اکٹھی تھی جس پر کھرنڈ کی طرح تل تھے ۳ (مسلم)

۱؎ راوی کو شک ہے کہ ان صحابی نے گوشت روٹی فرمایا یا ثرید کہا۔ثرید گوشت کے شوربے میں گلائی ہوئی روٹی کہ روٹی بوٹی اور شوربا ایک جان کردی جاوے،حضور انور کو یہ بہت پسند تھا۔

۲؎ناغض وہ نرم ہڈی جو کندھے کے درمیان دونوں کندھوں کے کناروں کے ملنے کی جگہ واقع ہے۔**جمعا** بمعنی مٹھی آتا ہے جس میں انگلیاں جمع ہوں یعنی یہ پارہ گوشت یا یہ تل الگ الگ نہ تھے بلکہ یکجا ملے ہوئے تھے۔
۲؎ ثالیل جمع ہے **ثولول** کی چنے کے دانہ کی برابر جو کھرنڈ سا جسم پر نکل آتا ہے،اسے عربی میں **ثولول** فارسی میں زخ کہتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ دو کندھوں کے بیچ میں کچھ ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر تل تھے اگر بغور دیکھا جاتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے میں آتا تھا جیساکہ بعض روایات میں ہے۔یہ حضور کی نبوت کی علامت تھی اسے مہر نبوت کہتے تھے،بحیرہ راہب یہ ہی مہر نبوت دیکھ کر ایمان لایا تھا۔

روایت ہے جناب ام خالد بنت خالد ابن سعید سے ا؎ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے جن میں کالی چھوٹی سی کملی بھی تھی ۲؎تو فرمایا ام خالد کو لاؤ چنانچہ انہیں لایا گیا گود میں اٹھا کر۳؎تو حضور نے وہ کملی اپنے ہاتھ میں لی انہیں پہنائی فرمایا پرانی کرو اور پھاڑو پھر پرانی کرو اور پھاڑو ۴؎اس میں ہرے یا پیلے بیل بوٹے تھے تو فرمایا اے ام خالد یہ بہت اچھے ہیں،سناہ حبشی زبان میں اچھے کو کہتے ہیں ۵؎ فرماتی ہیں میں حضور کی مہر نبوت سے کھیلنے لگی۶؎تو مجھے میرے والد نے ڈانٹا۷؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑدو ۸؎(بخاری)	

ا؎ ام خالد بھی صحابیہ ہیں اور ان کے والد ابن سعید بھی صحابی ہیں،خالد ابن سعید ابن عاص اموی بڑے پرانے مؤمن ہیں،آپ چوتھے مسلمان ہیں،آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کرتے تھے کہ ہم دونوں میں پہلے اسلام کون لایا،ام خالد اپنی کنیت میں مشہور ہیں،آپ حبشہ میں پیدا ہوئیں،بچپن ہی میں مدینہ منورہ لائی گئیں،ان سے حضرت زبیر ابن عوام نے نکاح کیا۔(مرقات،اشعہ،اکمال)
۲؎**خمیصه** مربع کمبل کو کہتے ہیں جس کے کنارے منقش ہوں۔شاید یہ کپڑے مال غنیمت میں آئے تھے یا کسی جگہ سے ہدیہ،حضور انور نے صحابہ کرام میں تقسیم فرمائے اس چھوٹی سی کملی کے لیے نظر انتخاب ان چھوٹی سی صحابیہ پر پڑی۔
۳؎ام خالد کے والد انہیں گود میں اٹھا کر لائے کیونکہ اس وقت آپ بہت کمسن بچی تھی۔
۴؎یعنی اے ام خالد جیتی جاگتی رہو تمہاری عمر دراز ہو تم اس کملی کو پرانی کرکے پھاڑو اس کے بعد اور کپڑے پرانے کرتی پھاڑتی رہو،بعض روایات میں ہے کہ یہ دعا تین بار دی۔
۵؎چونکہ ان کے والد خالد بن سعید اولًا ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے وہاں ام خالد پیدا ہوئیں وہاں کی زبان سیکھ گئیں اس لیے حضور انور نے ان سے حبشی زبان کا کلمہ ارشاد فرمایا **سناہ**،مدینہ منورہ کی زبان **حسنه** نہ فرمایا۔

۶؎ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر نئی اور عجیب چیز کو چھوتے چھیڑتے چٹکی سے دباتے ہیں میں بھی مہر نبوت شریف سے یہ ہی حرکت کرنے لگی۔

۷؎ اور کہا کہ بیٹی ایسی بے ادبی نہ کرو ادب سے بیٹھو۔خیال رہے کہ حضور انور کی قمیض کا گریبان سینہ پر نہ تھا بلکہ گردن کے دونوں طرف چاک تھا جن میں ایک ایک بٹن لگا ہوا تھا وہ بٹن اکثر کھلے رہتے تھے،ام خالد نے اپنا ننھا سا ہاتھ ان چاکوں کے اندر ڈال دیااور مہر نبوت شریف کو مس کرنے لگیں۔کاش وہ پورے وہ انگلیاں ہم کو ان کی زیارت میسر ہوتی تو ہم چوم کر آنکھوں سے لگاتے۔شعر

ہوتے صدقے کبھی ناقہ کے کبھی محمل کے　　　ساربان کے کبھی ہاتھوں کی بلائیں لیتے

دشت طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے　　　دھجیاں جیب و گریبان کی اڑاتے جاتے

اس گنہگار فقیر احمد یار نے اپنی داڑھی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پائنتی شریف کی چوکھٹ جھاڑی ہے،خدا کرے یہ داڑھی جو اس آستانہ کی جھاڑو بنی ہے میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

۸؎ یعنی اس بچی کو اپنا کام کرنے دو اسے اس کام سے برکت حاصل ہورہی ہے کبھی یہ اپنے پوروں اپنی ان انگلیوں پر ناز کیا کرے گی اسے آج دوہری برکتیں نصیب ہیں ہماری چادر کا عطیہ اور مہر نبوت سے مس۔حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس حدیث سے بزرگوں کے خرقے ان کا پہننا،ان سے برکت لینا ثابت فرمایا کہ مؤمنوں کے ان اعمال کی اصل یہ حدیث ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت دراز قد تھے ۱؎ اور نہ بالکل پست قد ۲؎ اور نہ خالص سفید رنگ تھے ۳؎ اور نہ گندمی رنگ نہ تو چھلے دار بالوں والے تھے اور نہ بالکل سیدھے بال والے ۴؎ اللہ نے انہیں نبی بھیجا سرے پر چالیس سال کی عمر شریف کے ۵؎ مکہ میں دس سال رہے اور مدینہ میں دس سال ۶؎ اللہ نے آپ کو وفات دی ساٹھ سال کے کنارے پر ۷؎ اس وقت آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے ۸؎ اور ایک روایت میں انس رضی اللہ عنہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ قوم میں درمیانہ قد تھے نہ بہت دراز اور نہ پست قد ۹؎ چمکدار رنگت ۱۰؎ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف آپ کے آدھے کانوں تک تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے ۱۱؎	

	(مسلم،بخاری)اور بخاری کی روایت میں ہے کہ انس نے کہا کہ حضور بھاری سر۱۲؎ اور بھاری قدم والے تھے۱۳؎ میں نے آپ جیسا حسین نہ آپ کے بعد دیکھا نہ آپ سے پہلے۱۴؎آپ کشادہ ہتھیلی تھے۱۵؎بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور بھاری قدم بھاری ہاتھوں والے تھے۱۶؎

۱؎بائن بنا ہے بون سے بمعنی دوری اسی سے ہے طلاق بائنہ،یہاں بائن سے مراد ہے بہت زیادتی جو حد اعتدال سے دور ہو یعنی حضور انور اتنے دراز قد نہ تھے کہ حد اعتدال سے دور ہوں۔

۲؎اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور مائل بہ درازی تھے کیونکہ **طویل** کے ساتھ **بائن** کی قید بیان ہوئی اور **قصیر** مطلق بغیر قید کے فرمایا۔

۳؎بلکہ آپ کا رنگ شریف سفید مائل بہ سرخی تھایاسرخی پیلا ہوا سفید جو کہ بہت ہی حسین ہوتا ہے۔

۴؎یعنی حضور کے بال شریف نہ تو حبشہ والوں کی طرح بالکل چھلے دارمٹھے ہوئے تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ بال سیدھے کناروں پر خم دار تھےایسے بال بہت حسین معلوم ہوتے ہیں۔

۵؎سرے سے مراد آخری کنارہ ہے۔حضور انور کی نبوت کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا جب آپ کا سنہ شریف پورے چالیس سال کا ہوچکا تھا۔

۶؎تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور انور کی نبوت کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا،اس پر بھی سب متفق ہیں کہ بعد ہجرت مدینہ منورہ میں قیام دس سال رہا مگر اس میں اختلاف ہے کہ ظہور نبوت کے بعد ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں کتنا قیام رہا دس سال،تیرہ سال،پندرہ سال۔قوی یہ ہے کہ تیرہ سال قیام رہا لہذا عمر شریف کل تریسٹھ سال ہوئی ساٹھ یا پینسٹھ سال نہیں یہاں دس سال والی روایت ہے۔

۷؎مرقات نے یہاں فرمایا کہ ساٹھ والی روایت میں دہائی لی گئی ہے تین جو کسر تھی وہ چھوڑ دی گئی اور پینسٹھ سال والی روایت میں ولادت اور وفات کے سال شامل کرلیے گئے ہیں ورنہ عمر شریف تریسٹھ سال ہے اور یہ دونوں روایات اس کے خلاف نہیں۔

۸؎بعض روایات میں ہے کہ سر مبارک داڑھی شریف اور ریش بچی سب میں ملاکر بیس بال سفید تھے،بعض میں ہے کہ کل چودہ بال سفید تھے،یہ روایت چودہ بالوں والی ہے شمار میں اختلاف ہوسکتا ہے،اس روایت میں ہے کہ سر مبارک میں چودہ بال سفید تھے،داڑھی شریف میں پانچ بال اور ریش بچی میں ایک بال سفید۔

۹؎پہلے گزرچکا کہ حضور انور درمیانہ قد تھے مائل بہ درازی یہ قد بہت حسین ہوتا ہے۔

۱۰؎رنگت سفید جس میں سرخی پلائی ہوئی اور وہ جگمگاتی ہوتی تھی یہ حسن کی انتہا ہے۔

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے　　　　اس چمک دار رنگت پہ لاکھوں سلام

۱۱؎ بالوں کی درازی میں چار روایتیں ہیں: نصف کان تک،کانوں کی گدیوں تک،کانوں اور کندھوں کے درمیانی تک، کندھوں تک،ان میں تعارض نہیں کبھی تابگوش کبھی تابدوش مختلف اوقات میں مختلف حالات تھے۔حضور انور بال کٹواتے تھے اور سواء حج وعمرہ کے کبھی منڈواتے نہیں تھے۔

۱۲؎ چھوٹا سر کم عقلی کی علامت ہوتی ہے اور بہت بڑا سر حسین نہیں ہوتادرمیان سر قدرے بڑا بہت حسین ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔شعر

ہر چہ اسباب جمال است رخ خوب ترا ہمہ بروجہ کمال است کمالایخفی (اشعہ)

۱۳؎ بھاری قدم بہادری ثابت قدمی اور عبادت میں طاقت کی دلیل ہیں،پتلے دبلے قدم کمزوروں کی علامت ہے،یوں ہی تلوے اندر کو دھنسے ہونا حسن کے خلاف ہے کہ زمین پر صرف کنارہ قدم لگے باقی الگ رہیں پورا قدم زمین کو لگے، بھرے قدم ہوں یہ حسن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف ایسے ہی تھے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔شعر

دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کف پا چاند سا سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

۱۴؎ یعنی آپ کا حسن کما حقہٗ میں بیان نہیں کرسکتابس اتنا سمجھ لو کہ میری آنکھوں نے نہ آپ سے پہلے حسین دیکھا نہ آپ کے بعد۔حضرت انس کی آنکھ تو کیا دیکھتی جناب جبرئیل امین کی آنکھوں نے ایسا نہ دیکھا۔شعر

معراج میں جبرئیل سے کہنے لگے شاہِ امم تم نے تو دیکھے ہیں بہت بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم

روح الامین کہنے لگے اے مہ جبین تیری قسم آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں درزیدہ ام

بسیار خوباں دیدم ام لیکن تو چیزے دیگری

۱۵؎ کشادہ ہتھیلی علامت ہے جودوسخا کی حضور جیسا سخی پیدا نہ ہوا نہ ہوگا۔عرب کہتے ہیں عبدالکف بخیل وسبط الکف جواد تنگ ہتھیلی والا کنجوس ہوتا ہے،وسیع ہتھیلی والا سخی داتا۔

۱۶؎ خیال رہے کہ حضور انور کے دستِ مبارک قدم شریف تھے تو بھاری مگر کھال مبارک نہایت نرم تھی جیساکہ روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء ریشم سے بھی زیادہ نرم تھے۔نرمی اور چیز ہے بھاری ہونا کچھ اور یہ بھی خیال رہے کہ ہاتھ پاؤں بھاری ہونا مردوں میں ہنر ہے عورتوں میں عیب ہے کیونکہ مردوں کے مضبوط اعضاء بہادری کی علامت ہیں عورتوں کے اعضاء نازک چاہئیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے ۱؎ دو کندھوں کے درمیان فاصلے والے ۲؎ آپ کے بال آپ کے کانوں کی گدیوں تک تھے ۳؎ میں نے آپ کو سرخ جوڑے میں دیکھا آپ سے اچھا میں نے کبھی کوئی نہ دیکھا ۴؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں نے زلفوں ۵؎ والا سرخ جوڑا

	پہنے کوئی ایسا حسین نہ دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین ہو آپ کے بال آپ کے کندھوں کو چھوتے تھے ۶؎ دو کندھوں کے درمیان فاصلہ والے نہ تو دراز قد تھے نہ پستہ قد ۷؎

۱؎ یہ فرمان ترکیبی ہے یعنی قریبًا درمیانہ تھے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قدرے طویل قد تھے جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔(مرقات)

۲؎ دو کندھوں میں فاصلہ جب ہی زیادہ ہوگا جب کہ سینہ چوڑا ہو،حضور کا سینہ مبارک بہت کشادہ تھا۔چوڑا سینہ شجاعت و سخاوت،دل کی وسعت کی علامت ہے،اس سے دل کی وسعت کا پتہ لگتا ہے جس کا دل وسیع ہو وہ کینہ،غصہ،بغض و حسد سے پاک ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا بدلہ کسی سے نہ لیا بلکہ ہمیشہ در گزر کی معافی دی،یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت قلبی۔

۳؎ یعنی کبھی آپ کے بال شریف تاگوش ہوتے تھے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بال شریف کندھوں تک تھے۔

۴؎ یہاں سرخ سے مراد خالص سرخ نہیں کہ مردوں کے لیے خالص سرخ لباس ممنوع ہے بلکہ **مخطط بالاحمر** مراد ہے یعنی اس کپڑے میں سرخ خطوط بھی تھے اور ہرے بھی اور کپڑا ریشمی نہ تھا سوتی تھا۔حلہ سوتی کپڑے کا بھی ہوتا ہے یہ حلہ یمنی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی لباس محبوب تھا۔

۵؎ جو بال کانوں کی گدیوں تک ہوں انہیں وفرہ کہتے ہیں،جو کانوں اور کندھوں کے درمیان ہوں انہیں جمہ کہا جاتا ہے اور جو کندھوں تک پہنچیں انہیں لمہ کہتے ہیں۔حضور انور کے بال کبھی لمہ بھی ہوتے تھے اسی کا یہاں ذکر ہے۔

۶؎ خیال رہے کہ عورتوں کی طرح بہت لمبے بال رکھنا مردوں کو ممنوع ہیں،کندھوں تک مردوں کے بالوں کی انتہا ہے۔

۷؎ یعنی حضور کے جسم شریف میں وہ درازی یا پستی نہ تھی جو بری معلوم ہو۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سماک ابن حرب سے ۱؎ وہ حضرت جابر ابن سمرہ سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ منہ والے ۲؎ سرخ و سفید آنکھ والے پتلی ایڑیوں والے تھے ۳؎ سماک سے پوچھا گیا کہ **ضلیع الفم** کیا چیز ہے فرمایا کشادہ منہ ۴؎ کہا گیا کہ **اشکل العین** کیا ہے فرمایا آنکھ کی لمبائی دراز ۵؎ کہا گیا کہ **منھوش العقبین** کیا ہیں فرمایا ایڑی شریف پر گوشت تھوڑا ۶؎(مسلم)

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں، کوفی ہیں، تیس صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے، بہت مقبول الدعا تھے، خود کہتے ہیں کہ میری بینائی جاتی رہی تھی اللہ تعالٰی سے دعا کی اس نے مجھے بینائی واپس فرمادی۔(اشعہ)

۲؎ منہ کی کشادگی حسن ہے اور منہ کی تنگی بدزیب مگر کشادگی زیادہ مراد نہیں کہ وہ بدزیب ہوتی ہے۔بعض نے فرمایا کہ یہاں کشادگی منہ سے مراد ہے فصاحت و بلاغت مگر یہ قوی نہیں کہ یہاں حلیہ شریف کا ذکر ہے فصاحت کو حلیہ شریف سے تعلق نہیں۔

۳؎ **اشکل** بنا ہے **شکلہ** سے جس کے معنی ہوتے ہیں مخلوط رنگ جس میں سفیدی میں سرخ ڈورے ہوں یا آنکھ کی سفیدی مائل بہ سرخی ہو اسی سے بنا ہے **اشکل**۔

۴؎ عربی میں **وجہ** کہتے ہیں چہرہ کو اور **فم** کہتے ہیں دہان یعنی منہ کو،کشادہ منہ سے مراد ہے ہونٹ قدرے دراز ہوں یہ بھی حسن و خوبی ہے۔

۵؎ محدثین فرماتے ہیں کہ سماک نے جو **اشکل العین** کی تفسیر کی ہے وہ درست نہیں تمام محدثین کا اسی پر اتفاق ہے کہ **اشکل** کے معنی یہ نہیں،اس کے معنی وہ ہی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے یعنی آنکھ کی تیز سفیدی میں سرخ باریک ڈورے یہ بھی حسن ہے۔

۶؎ پتلی ایڑی بہت حسین ہوتی ہے موٹی و چوڑی ایڑی بھدی ہوتی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حسن کے تمام اوصاف جمع تھے۔

	روایت ہے ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے حضور گورے نمکین حسن والے میانہ قد تھے ۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے،لیثی ہیں،کنانی ہیں،کنیت ابو طفیل اسی کنیت میں مشہور ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف کے آٹھ سال پائے،روئے زمین میں سب سے آخری صحابی آپ ہیں جن کی وفات سب صحابہ سے آخر میں ہوئی،آپ کی وفات کے بعد کوئی صحابی دنیا میں نہ رہے دور صحابہ آپ کی وفات پر ختم ہوا، ۱۰۲ھ ایک سو دو میں وفات پائی،مکہ معظّمہ میں وفات ہوئی وہاں ہی دفن ہوئے۔(مرقات،اکمال وغیرہ)

۲؎ حسن دو قسم کا ہوتا ہے: ملیح اور صبیح۔ملیح جس کا ترجمہ ہے نمکین حسن اگرچہ صباحت بھی حسن ہے مگر ملاحت حسن کا اعلیٰ درجہ ہے۔اس میں فرق بیان سے معلوم نہیں ہوسکتا بلکہ اس کی چھانٹ عاشق کی نگاہ کرتی ہے اس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔(اشعۃ)اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔شعر

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو   نمکین حسن والا ہمارا نبی

یوں سمجھو کہ سفید رنگ صبیح ہے اور سفیدی میں سرخی کی جھلک ہو اور اس میں کشش ہو کہ دل ادھر کچھ اور دیدہ اس کے دیدار سے سیر نہ ہو وہ ملیح ہے یعنی نمکین حسن حضور ایسے ہی حسین تھے۔

	روایت ہے حضرت ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت

انس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے متعلق پوچھا گیا۲ تو فرمایا کہ اس حد کو نہ پہنچے کہ خضاب لگاتے۳ میں اگر چاہتا تو آپ کے سفید بال جو داڑھی شریف میں تھے گن لیتا۴ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر میں ان سفید بالوں کو گننا چاہتا جو آپ کے سر شریف میں تھے تو ایسا کرلیتا۵ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا کہ کچھ سفیدی آپ کی ریش بچی اور کنپٹیوں میں تھی اور سر شریف میں کچھ معمولی سا حصہ۶	

۱؎ آپ کا نام ثابت ابن اسلم ہے،بنانی ہیں،کنیت ابو محمد ہے،تابعی ہیں،بصری ہیں،حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ چالیس برس رہے،بصرہ میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎ سوال یہ تھا کہ حضور انور نے سر شریف یا داڑھی مبارک میں خضاب لگایا یا نہیں اگر لگایا تو کس رنگ کا اور کس چیز سے۔**خضاب** بنا ہے **خضب** سے بمعنی رنگنا،سیاہ خضاب ممنوع ہے سرخ خضاب بہتر ہے۔

۳؎ یعنی حضور انور کے سر یا داڑھی شریف کے بال اتنے سفید نہ ہوئے جن میں خضاب لگایا جاسکتا صرف چند بال سفید ہوئے تھے۔یہاں شیخ نے فرمایا کہ سفید بال تو بہت تھوڑے تھے کچھ بال سرخ ہوگئے تھے یعنی سفید ہونے والے تھے کہ وفات شریف واقع ہوگئی اس پر حدیث پیش کی **وکان مثیبه احمر** وہ سرخی بھی قابل خضاب نہ ہوتی۔

۴؎ **شمطات** جمع ہے **شمط** کی شین کی فتح میم کے سکون سے سفید اور میم کے بھی فتح سے ہو تو سیاہی سفیدی سے مخلوط،یہاں پہلے معنی ہیں یعنی سفید بال داڑھی شریف میں پانچ بال سفید تھے۔

۵؎ یعنی سر شریف میں بھی گنتی چنتی کے بال شریف سفید تھےاور داڑھی شریف میں بھی سر شریف میں چودہ بال سفید تھے ظاہر ہے کہ اتنے بال ضرور گنے جاسکتے ہیں۔

۶؎ **نبذ** کے معنی ہیں تھوڑے سے بال وہ بھی الگ الگ،کل بیس بال شریف سفید ہوئے تھے چودہ تو سر شریف میں،پانچ داڑھی مبارک میں،ایک ریش بچی میں۔یہ ہے صحابہ کا عشق رسول کہ حلیہ شریف ہو بہو بیان کردیا۔خدا کرے یہ حلیہ شریف قبر میں یاد رہے کہ اس پر وہاں کی کامیابی موصوف ہے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمکدار رنگت والے تھے آپ کا پسینہ گویا موتی تھا۱ جب چلتے تو طاقت سے چلتے تھے۲ اور میں نے موٹا باریک ریشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف سے زیادہ نرم نہ چھوا۳ اور نہ مشک و عنبر سونگھا جو حضور انور کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۴ (بخاری مسلم)	

۱؎ یعنی چمک دار اور نہایت ہی آبدار صاف شفاف خوشبودار یہاں صرف صفائی و آب تاب مراد ہے خوشبو دوسری احادیث سے مروی ہے۔

۲؎ جب طاقتور آدمی چلتے ہیں تو رفتار کے دوران یکدم پاؤں زمین سے اٹھاتے ہیں گویا پاؤں کو ہیڑ رہے ہیں، حضور انور کی چال پہلی قسم کی تھی۔تکفا کے یہ معنی ہیں جیسے انسان اوپر سے اترتے ہوئے قدم اٹھاتا ہے حضور کی رفتار ایسی تھی۔

۳؎ حضور انور کے ہاتھ موٹے موٹے یعنی بھرے ہوئے نہایت طاقتور تھے مگر ساتھ ہی نہایت نرم بھی تھے۔اس گنہگار نے ایک بار خواب میں اس دست اقدس کو بوسہ دیا ہے بالکل ایسے ہی دیکھے نہایت ٹھنڈے کہ مصافحہ ہوا تو کلیجہ ٹھنڈا ہوگیا رب تعالٰی پھر نصیب کرے۔شعر

خدا نے ان کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے　　　وہ آئے اس جہاں میں سب حسینوں سے حسین ہوکر

۴؎ یہ خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے ہر وقت مہکتی تھی بہت تیز تھی اور دور دور پہنچتی تھی حتی کہ گلی سے گزرتے تو گھروں والے اندرون خانہ محسوس کرلیتے تھے پھر یہ خوشبو بہت دیر تک پھیلی رہتی تھی کہ جس گلی سے گزر جاتے بعد میں بہت دیر تک وہ گلی مہکتی رہتی تھی کہ بعد میں آنے والے پہچان لیتے کہ یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے ہیں۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔شعر

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ　　　کیسی خوشبو میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

بلکہ اب بھی روضہ اطہر پر خصوصًا مواجہہ شریف جہاں کھڑے ہوکر سلام پڑھا جاتا ہے کبھی کبھی نہایت نفیس خوشبو محسوس ہوتی۔بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کبھی کسی کو اپنے گھر میں خصوصًا تہجد کے وقت غیبی خوشبو محسوس ہوتی ہے اس وقت درود شریف پڑھنا چاہیے،یہ خیال کرے کہ یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں۔بعض لوگوں کی وفات کے بعد ایسی خوشبو محسوس ہوتی ہے سمجھو حضور تشریف لائے ہوئے ہیں اس میت کو لینے آئے ہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلیم سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے تھے تو ان کے پاس قیلولہ کرتے تھے ۲؎ وہ حضور کے لیے چمڑے کا بستر بچھادیتی تھیں ۳؎ حضور اس پر آرام کرتے تھے حضور کو پسینہ بہت آتا تھا ۴؎ تو وہ حضور کا پسینہ جمع کرلیتی تھیں ۵؎ اسے خوشبو میں ڈال لیتی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلیم یہ کیا ہے بولیں حضور آپ کا پسینہ ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈال لیتے ہیں یہ بہترین خوشبو ہے ۶؎ اور ایک روایت میں ہے کہ بولیں یارسول اللہ ہم اس کی برکت کی اپنے بچوں کے لیے امید کرتے ہیں ۷؎ فرمایا تم	

ٹھیک کرتی ہو۸؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے،کنیت ام سلیم بنت ملحان ہے،آپ پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں ان سے حضرت انس ابن مالک پیدا ہوئے،مالک ابن نضر مشرک مارے گئے تو ابوطلحہ نے آپ کو اپنے نکاح کا پیغام دیا آپ نے فرمایا کہ میرا مہر یہ ہوگا کہ تم مسلمان ہوجاؤ اس کے سواء میں اور مہر نہیں چاہتی۔چنانچہ ابو طلحہ مسلمان ہوئے اور آپ سے نکاح کیا،بے شمار فضائل و شمائل والی بی بی ہیں۔

۲؎خیال رہے کہ ام سلیم اور آپ کی بہن ام حرام دونوں ملحان کی صاحبزادیاں ہیں۔بعض مورخین نے فرمایا کہ یہ دونوں بیبیاں حضور انور کی رضاعی خالہ تھیں اس لیے آپ سے پردہ نہ کرتی تھیں اور آپ ان کے ہاں آرام فرماتے تھے مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ دونوں بیبیاں مدینہ کے انصار بنی نجار سے ہیں،حضور انور کبھی شیرخوارگی میں مدینہ نہ گئے لہذا حق یہ ہے کہ یہ دونوں بیبیاں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کی رضاعی خالہ تھیں کیونکہ عبدالمطلب نے مدینہ منورہ میں بنی نجار میں ایک بی بی سے نکاح کیا تھا وہاں یعنی مدینہ پاک میں ہی حضرت عبداللہ پیدا ہوئے،وہاں ہی ان کی شیر خوارگی کا زمانہ گزرا اور بنی نجار میں ہی پلے بڑھے،ام حرام اور ام سلیم کی بہن نے انہیں دودھ پلایا اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ یہ دونوں بی بیباں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی دادیاں پھوپھیاں ہیں لہذا آپ کا ان کے پاس جانا سونا بالکل درست ہے۔(مرقات)

۳؎ **نطعا** نون کے کسرہ اور ط کے فتحہ سے چمڑا کا بستر۔

۴؎کیونکہ حضور انور بہت حیا والے تھے جس کو حیاءو شرم بہت ہوتی ہے اسے پسینہ بہت آتا ہے۔(مرقات)

۵؎ظاہر یہ ہے کہ ام سلیم جسم شریف سے پسینہ پونچھ پونچھ کر اپنے عطر میں ملا لیتی تھی،انہیں جسم اطہر چھونا جائز تھا اسی رشتہ کی وجہ سے جو ہم نے عرض کیا اور ہوسکتا ہے کہ اس بستر سے یا حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کپڑے سے نچوڑ لیتی ہوں۔

۶؎پسینہ شریف کا خوشبو دار ہونا غیر اختیاری معجزہ تھاجیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن یا داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی۔حضرات انبیاء کرام کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں: لازمی معجزات جیسے یہ مذکورہ معجزے،عارضی اختیاری معجزات جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا یا ید بیضا کہ جب پھینکا وہ سانپ بن گیا،عارضی غیر اختیاری معجزات جیسے آیاتِ قرآنیہ کا نزول،یہ خوشبو دار پسینہ پہلی قسم کا معجزہ ہے۔

۷؎یعنی بطور تبرک آپ کا پسینہ اپنے بچوں پر ملتے ہیں جس سے خوشبو بھی حاصل ہو برکت بھی کہ اس کی برکت سے ہمارے بچے آفات اور بلاؤں سے محفوظ رہیں۔(اشعۃ)معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات دافع بلا ہوتے ہیں،یوسف علیہ السلام کی قمیض نے حضرت یعقوب کی بینائی کی بلا دور کر دی۔

۸؎اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے پسینہ،ان کے لباس،بال،سارے آثار سے برکت اور قربِ الٰہی حاصل کرنا مستحب ہے۔(مرقات)جب حضرت انس کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ میری میت پر جو خوشبو ملی جاوے اس میں یہ پسینہ شریف شامل کیا جاوے۔(مرقات)حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند شریف اپنی صاحبزادی زینب کے کفن میں رکھوایا برکت کے لیے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی نماز پڑھی ۲؎ پھر اپنے گھر کی طرف چلے میں حضور کے ساتھ چلا آپ کے سامنے بچے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخساروں پر ہاتھ پھیرنے لگے ایک ایک کے ۳؎ رہا میں تو حضور نے میرے رخساروں پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک پائی اور خوشبو ۴؎ گویا عطار کے ڈبہ سے نکالا ہے ۵؎(مسلم)اور حضرت جابر کی حدیث سموا باسمی ناموں کے باب میں ذکر کی گئی اور سائب ابن یزید کی حدیث کہ میں نے مہر نبوت دیکھی پانیوں کے احکام کے باب میں بیان کی گئی ۶؎	

۱؎ آپ اور آپ کے والد سمرہ دونوں صحابی ہیں،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں۔(اشعہ)

۲؎ اس سے مراد نماز فجر ہے کہ ان کی پہلی نماز یہ ہی ہے اس وقت دروازہ مسجد پر بچے جمع ہوجاتے تھے دم کرانے یا دست اقدس اپنے سروں پر پھروانے کے لیے۔

۳؎ بہت چھوٹے بچے اپنے والد کی گود میں تھے کچھ سمجھدار بچے خود کھڑے تھے،حضور انور محبت سے ان کے رخساروں پر اس طرح چھوتے ہوئے نکلتے چلے گئے کہ انگوٹھا شریف ایک رخسار پر انگلیاں دوسرے رخسار پر ان بچوں کی ٹھوڑی حضور کی ہتھیلی شریف میں جیسے عموماً بزرگ حضرات بچوں کے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔

۴؎ یعنی ہاتھ شریف ٹھنڈے اور خوشبودار تھے مگر ٹھنڈک تکلیف دہ نہیں بلکہ نہایت ہی خوشگوار تھی جیسا کہ ظاہر ہے۔

۵؎ خیال رہے کہ حضور انور کا جسم اطہر خود بھی خوشبودار معطر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطر ملتے بھی تھے تاکہ اصل و عارضی دونوں خوشبوئیں مل کر بہت لطف دیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات فرشتوں سے ہوتی رہتی تھی۔ (مرقات) یہاں اس ذاتی خوشبو کا ذکر ہے اس لیے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ اور صفات شریف میں ذکر کی گئی۔

۶؎ یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں اس جگہ مذکور تھیں مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے ان بابوں میں بیان فرمادیں وہاں ہی مطالعہ کرو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرماتے ہیں کہ	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت دراز قد تھے ۱؎ اور نہ پستہ قد بڑے سر اور داڑھی والے ۲؎ موٹی ہتھیلیاں اور موٹے قدم ۳؎ سرخی پلائے ہوئے ۴؎ موٹے جوڑوں والے ۵؎ دراز بالوں کی ڈوری ۶؎ جب چلتے تو قوت سے چلتے گویا آپ بلندی سے اتر رہے ہیں ۷؎ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ تو آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد ۸؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی۔	

۱؎ اس کی شرح پہلے گزر گئی کہ حضور انور کا قد شریف مائل بہ درازی تھا مگر دراز قد نہ تھے۔

۲؎ یعنی حضور انور کی داڑھی شریف نہ تو بچی تھی جو صرف ٹھوڑی پر ہوتی ہے بلکہ بھرا خط تھا اور نہ آپ کٹواتے تھے بلکہ پوری ایک مشت یعنی چار انگل رکھتے تھے لہذا یہ حدیث اس حدیث شریف کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور انور داڑھی کو اطراف سے لیتے تھے۔اس کی تفسیر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہ عمل ہے کہ آپ اپنی داڑھی شریف مٹھی سے پکڑتے جو حصہ مٹھی سے باہر ہوتا اسے کٹوادیتے تھے۔تمام انبیاء کرام گھنی داڑھی والے تھے،حضور انور کی داڑھی شریف بھی گھنی اور بڑی تھی ایک مشت۔

۳؎ یعنی ہتھیلیاں اور تلوے بھرے ہوئے یہ بڑا حسن ہے۔

۴؎ مشرب باب افعال کا مفعول ہے جس کے معنی ہیں سفیدی میں کچھ تھوڑی سرخی پلائی ہوئی۔بالکل سرخ رنگ بھی اچھا نہیں اور سرخی میں سفیدی کی جھلک بھی حسن نہیں بلکہ سفیدی میں سرخی کی جھلک اعلیٰ حسن ہے۔اس حسن کا نام ملاحت ہے یعنی نمکین حسن،پچھلے دو حسنوں کو صباحت کہا جاتاہے۔

۵؎ کرادیس جمع ہے کردوس کی،اس کے معنی ہیں جوڑ جہاں دو ہڈیاں جڑتی ہیں جیسے کندھے،گھٹنے،کلائی،کہنی وغیرہ۔ہڈیوں کے کناروں کو بھی کردوس کہتے ہیں،یہ اگر موٹے ہوں تو اعضاء میں طاقت و قوت پوری ہوتی ہے۔

۶؎ مشربہ بالوں کی وہ پتلی دوڑی جو سینہ کے کنارہ سے ناف تک ہوتی ہے یہ کسی کے ہوتی ہے کسی کے نہیں۔یہ ڈوری علامت ہے وفاداری کی اگر سینہ بالوں سے ننگا ہو تو آدمی اکثر بے وفا مطلبی ہوتا ہے۔

۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال میں ضعف بھی نہ تھا اور تکبر بھی نہیں،قوت والی تواضع والی چال تھی،سر جھکا ہوا قدم پوری طاقت سے اٹھتاپوری طاقت سے زمین پر پڑتا تھا۔یہ لفظ بنا ہے کفو سے بمعنی قدم پر اعتماد۔

۸؎ یہاں قبلہٗ سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اور بعدہٗ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے پہلے کا زمانہ دیکھا ہی نہیں آپ حضور انور سے قریبًا تیس سال چھوٹے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ آپ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف بیان کرتے تو فرماتے تھے ۱؎ کہ نہ تو آپ بہت	

	ہی دراز قد تھے اور نہ بہت ہی پستہ قد ۲؎ قوم میں درمیانہ قد تھے اور نہ تو آپ چھلے والے گھونگر بال تھے اور نہ بالکل سیدھے بال والے آپ کے بال خمدار تھے ۳؎ اور نہ آپ بہت موٹے تھے ۴؎ نہ بالکل گول چہرے والے آپ کے چہرے میں قدرے گولائی تھی سفید رنگ تھے سرخی پلائی ہوئی خوب کالی آنکھیں دراز پلک ۵؎ موٹی ہڈیوں والے موٹے کندھوں والے ۶؎ جسم شریف صاف ۷؎ بالوں کی باریک ڈوری موٹی ہتھیلیاں موٹے موٹے قدم جب چلتے تو پوری طاقت سے چلتے گویا آپ گہرائی میں اُتر رہے ہیں ۸؎ اور جب اِدھر اُدھر توجہ کرتے تو پوری توجہ کرتے ۹؎ آپ کے کندھوں کے بیچ مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین ہیں ۱۰؎ لوگوں میں سخی دل لوگوں میں بہت سچی بات والے ان میں نہایت نرم طبیعت والے اور ان میں بہت اچھے برتاؤ والے تھے ۱۱؎ جو آپ کو اچانک دیکھتا تو آپ سے ہیبت کرتا اور جو آپ سے خلا ملا کرتا جان کر تو آپ سے محبت کرتا ۱۲؎ آپ کا نعت گو کہتا تھا کہ میں نے آپ کی مثل نہ آپ کے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد صلی اللہ علی وسلم ۱۳؎ (ترمذی)

۱؎ یہاں وصف سے مراد ہے صورت پاک کی صفات بیان کرنا یعنی حلیہ شریف۔حضور انور کی نعت شریف چند قسم پر ہے: حضور کے نور کا بیان،صورت کا بیان،سیرت و اخلاق کا بیان،گھر والوں سے برتاوے کا بیان،مخلوق سے تعلق کا بیان،رب کی عبادات کا بیان،بندوں سے معاملات کا بیان،حضور کی جود وسخاوکرم نوازیوں کا بیان غرضکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حال ہر کمال لازوال کی تعریفیں دریا ناپیدا کنار ہیں۔

زفرق تابہ قدم ہر کجا کہ ے نگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

۲؎ **ممغط** بمعنی ممدود ہے باب افعال کا اسم مفعول ہے یعنی انتہائی دراز لمبے،اور متردد بمعنی انتہائی ہے یعنی بہت ہی پستہ قد۔(مرقات)

۳؎ حضور انور کے بال شریف سیدھے اور کناروں پر خم دار تھے اسے اردو میں کنڈل والے بال کہتے ہیں۔یہ بہت ہی حسین ہوتے ہیں حضور کے بال،کھال،خدو خال،رخسار،گفتار،کردار سب ہی حسین تھے،حضور حسن کے مرکز ہیں جہاں سے حسن تقسیم ہوتا ہے۔

۴؎مطھم بہت موٹے کو بھی کہتے ہیں اور بہت دبلے کو بھی یہ لفظ دو ضدوں کے لیے وضع کیا گیا ہے یعنی جیسے حضور انور میانہ قد تھے نہ بہت دراز نہ بہت پستہ قد یوں ہی حضور میانہ جسم تھے نہ بہت بھاری نہ بہت پتلے جسم والے۔(مرقات)

۵؎اذعج وہ آنکھ ہے جس کی سفیدی بھی تیز ہو اور پتلی کی سیاہی بھی خوب تیز ہو یہ آنکھ کا بہت حسن ہے،گدلی سفیدی یا بھوری پتلی حسن کے خلاف ہیں،لمبے پلک حسن ہے پلکوں کا چھوٹا ہونا یا بالکل نہ ہونا حسن کے خلاف ہے۔

۶؎جلیل بمعنی موٹے یا بھاری،مشاش ہڈیوں کا کنارہ کندھوں کا کنارہ یا کندھے۔

۷؎یعنی کلائیوں پنڈلیوں وغیرہ پر بہت بال نہ تھے۔خیال رہے کہ یہ اعضاء شریفہ بالوں سے بالکل خالی نہ تھے جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔(مرقات)

۸؎صبب بلندی کو بھی کہتے ہیں اور نشیبی زمین کو بھی،پہلے صبب بمعنی بلندی گزر چکا یہاں بمعنی گہرائی ہے۔انسان چڑھتے اترتے دونوں حالتوں میں خوب طاقت سے چلتا ہے لہذا دونوں فرمان بالکل درست ہیں کہ سرکار کی رفتار بہت طاقت سے ہوتی تھی جیسے چڑھتے یا اترتے وقت چلا جاتا ہے۔

۹؎یعنی اپنے داہنے بائیں کنکھیوں سے نہ دیکھتے تھے بلکہ ادھر دیکھنا ہوتا تو ادھر گھوم کر دیکھتے تھے پوری توجہ سے۔

۱۰؎مہر نبوت کی تفصیل پہلے گزرگئی یہ مہر خاتم النبیین ہونے کی علامت تھی اسی لیے کسی نبی کو یہ معجزہ عطا نہیں ہوا کیونکہ ان میں کوئی صاحب خاتم النبیین نہ تھے۔

۱۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاوا اپنے پرایوں سے بہت ہی اچھا تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی کو تکلیف نہ پہنچی،جب کسی پر سختی کہ تو اللہ کے لیے جیسے جہاد پر کفار مجرمین کو سزائیں۔

۱۲؎معلوم ہوا کہ چہرہ انور میں وقار رعب دبدبہ اور ہیبت تھی کہ جو اچانک دیکھتا تو مرعوب ہوجاتا مگر اخلاق کریمانہ ایسے تھے کہ چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر رہتا تو آپ سے مانوس ہوجاتا،اب بھی روضہ انور پر ہیبت ہے پہلی بار حاضری پر دل تھرا جاتا ہے پھر وہاں سے ہٹنے کو دل نہیں چاہتا حتی کہ وداع کے وقت آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔شعر

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینے سے ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینے سے

روضہ اچھا زائر اچھے اچھی راتیں اچھے دن سب کچھ اچھا ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

۱۳؎حضرات صحابہ کرام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کیا دیکھتے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل نہ دیکھا،دیکھتے کیسے خدا نے حضور کا مثل بنایا ہی نہیں۔حضور انور کی بے مثالی کا مسئلہ ہم نے تفسیر نعیمی پارہ اول میں"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"کی تفسیر میں کچھ تفصیل سے عرض کیا ہے جسے کہتے ہیں مسئلہ امتناع النظیر۔حضور کا مثل ناممکن ہے۔خیال رہے کہ آیت کریمہ"اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"سے مراد یہ ہے کہ میں

تمہاری طرح بشر ہوں اس چیز میں مثل کہ خالص بندہ ہوں مجھ میں الوہیت کا شائبہ نہیں،نہ خدا ہوں،نہ خدا کا جز،نہ خدا کا بیٹا بھائی وغیرہ بلکہ خالص بندہ ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں ایکم مثلی تم میں مجھ جیسا کون ہے یعنی کوئی نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چلتے تھے کوئی راستہ پھر پیچھے آتا کوئی ۱؎ مگر وہ پہچان جاتا تھا کہ یہاں سے حضور گزر رہے ہیں آپ کی اعلیٰ مہک کی وجہ سے یا کہا آپ کے پسینہ کی خوشبو سے ۲؎(دارمی)	

۱؎ پیچھے سے مراد یہ نہیں کہ فورًا آپ کے بعد کوئی آتا بلکہ دیر تک گلی کوچہ میں خوشبو رہتی تھی کہ اگر کچھ دیر کے بعد بھی کوئی ادھر سے گزرتا تو پہچان لیتا کہ پہلے یہاں سے حضور گزرے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یہ راوی کو شک ہے کہ حضرت جابر نے عرفه فرمایا ف سے یا عرقه کہا قاف سے۔عرف جسم کی ذاتی مہک یا خوشبو کو کہتے ہیں،عرق قاف سے بمعنی پسینہ۔یعنی خوشبو ملے ہوئے عطر کی وجہ سے نہ ہوتی تھی بلکہ خود جسم پاک میں خوشبو تھی یا پسینہ معطر میں مگر عرف زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مہک تو دائمی تھی اور پسینہ صرف گرمی کے موسم میں آتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبیدہ ابن محمد ابن عمار ابن یاسر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب ربیع بنت معوذ ابن عفراء سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف سنائیے ۲؎ وہ بولیں اے میرے بچے اگر تم حضور کو دیکھتے تو چمکتا ہوا سورج دیکھتے ۳؎(دارمی)	

۱؎ آپ عمار ابن یاسر تو صحابی ہیں مگر ان کے بیٹے محمد اور پوتے عبیدہ دونوں تابعی ہیں،عبیدہ بہت مشہور تابعی ہیں،بڑے عالم بڑے عامل متقی تھے،بہت صحابہ رضی اللہ عنھم سے ان کی ملاقات ہے،ان سے عبدالرحمٰن ابن اسحاق جیسے جلیل القدر تابعی نے احادیث روایت کیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے پاس جانا ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال طیبہ طاہرہ سننا بلکہ فرمائش کرکے ان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف سننا بزرگان دین کی سنت ہے۔دیکھو یہ تابعی ایک صحابیہ بی بی کے پاس جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات آپ کا حلیہ شریف آپ کی نعت سننے کے لیے مگر یہ سننا سنانا پردہ میں سے ہوتا تھا،اجنبی عورت مردوں کو خوش الحانی سے نعت نہ سنائے بلکہ جو عورت قاریہ ہو وہ بھی اپنی قرأت عورتوں کو سنائے مردوں کو نہ سنائے کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے اسی لیے عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی کہ امام کو قرأت بلند آواز سے کرنی پڑتی ہے۔

۳؎ یعنی تم کو حضور انور کے چہرہ اطہر میں سورج کی سی تجلی معلوم ہوتی چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا چمکتا دمکتا تھا۔ حضور انور کے چہرہ کو بعض صحابہ چاند جیسا کہتے ہیں،بعض سورج جیسا یا تو یہ دونوں کلام صرف سمجھانے کے لیے ہیں یا جب حضور انور خوشی میں ہوتے تو انوار اور زیادہ ہوجاتے تھے،اس وقت کی چمک کو سورج سے تعبیر کیا گیا ہے عام حالات میں چاند جیسا چہرہ ہوتا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا ۲؎ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور چاند کو دیکھنے لگا ۳؎ آپ پر سرخ جوڑا تھا ۴؎ میری نظر میں حضور چاند سے زیادہ حسین تھے ۵؎ (ترمذی،دارمی)

۱؎ آپ کا نام جابر ابن سمرہ ہے،کنیت ابو عبداللہ ہے،قبیلہ بنی عامر ہے،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں،کوفہ میں رہے وہاں ہی وفات پائی،۷۴ھ چوہتر میں وفات پائی۔(اکمال)

۲؎ اضحیان الف اور ح کے کسرہ سے وہ رات جس میں چاند رات بھر رہے یعنی چودھویں شب اور بادل بھی نہ ہو آسمان صاف ہو جب یہ دو شرطیں ہوں تو اسے اضحیان کہتے ہیں۔

۳؎ اس طرح کہ کبھی تو آسمان کے چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے مدینہ کے چاند شمس الضحٰی بدرالدجی کو صلی اللہ علیہ وسلم۔خیال رہے کہ حضور انور کا چہرہ دیکھنا بھی اعلیٰ عبادت ہے جیسے قرآن مجید کا دیکھنا بھی عبادت ہے بلکہ قرآن کو دیکھنے سے چہرہ انور دیکھنا اعلیٰ و افضل ہے کہ قرآن کو دیکھ کر مسلمان صحابی نہیں بنتا حضور کا چہرہ دیکھ کر صحابی بن جاتا ہے،ان کا نام مسلمان بنائے،ان کا چہرہ صحابی بنائے اور ان کا تصور عارف بناتا ہے۔شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا   حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

فرشتے قبر میں وہ چہرہ ہی دکھاتے ہیں پہچان کراتے ہیں قرآن مجید یا کعبہ معظمہ نہیں دکھاتے،انہیں کے چہرے کی شناخت پر قبر میں بیڑا پار ہوتا ہے،ہر مؤمن کی قبر مدینہ ہے بلکہ ہر مؤمن کا سینہ مدینہ ہے۔ہم نے عرض کیا ہے۔

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ   نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

۴؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حضور انور نے خالص سرخ کپڑے کبھی نہ پہنے بلکہ اس سے مردوں کو منع فرمایا،ان جیسی احادیث میں سرخ دھاریوں والا جوڑہ مراد ہوتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔

۵؎ ان حضرات کی نگاہ حقیقت بین تھی،حقیقت میں چہرہ مصطفوی چاند سے کہیں زیادہ حسین ہے کہ چاند صرف رات میں چمکے یہ چہرہ دن رات چمکے،چاند صرف تین رات چمکے یہ چہرہ ہمیشہ ہر دن رات چمکے،چاند جسموں پر چمکے یہ چہرہ دلوں پر بھی چمکے،چاند نور ابدان دے یہ چہرہ نور ایمان دے،چاند گھٹے بڑھے یہ چہرہ گھٹنے سے محفوظ رہے،چاند کو گرہن لگے یہ کبھی نہ گہے،چاند سے عالم اجسام کا نظام قائم ہے حضور سے عالم ایمان کا۔حضور انور کا چاند سے زیادہ حسین ہونا صرف ان کی عقیدت میں نہ تھا بلکہ واقعہ یوں ہی ہے۔چاند دیکھ کر کسی نے اپنے ہاتھ نہ کاٹے،حسنِ

یوسف دیکھ کر زنانِ مصر نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور حسنِ یوسفی سے حسن محمد کہیں افضل ہے لہذا حضرت جابر کا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہ دیکھی ۲؎ گویا سورج آپ کے چہرے میں گردش کررہا ہے ۳؎ اور میں نے کوئی شخص نہ دیکھا جو اپنی رفتار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز ہو ۴؎ گویا آپ کے لئے زمین لپٹی جاتی تھی ۵؎ ہم تو اپنی جانوں کو مشقت میں ڈال دیتے تھے اور آپ پرواہ نہ فرماتے تھے ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ کوئی چیز میں چاند سورج تارے اور تمام حسین انسان سب ہی داخل ہیں حضور ان سب سے بہتر ہیں۔

۲؎ یعنی نور اور نورانی کرنیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے انور میں ایسی چکر کاٹتی معلوم ہوتی تھیں جیسے سورج اپنے فلک میں گردش کرتا ہے۔(مرقات)اور اگر تجری کے معنی کرلیے جائیں جگمگا رہا ہے تو مطلب بالکل ظاہر ہے۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کی تیزی رستہ طے ہونے کے لحاظ سے تھی نہ کہ سرکار کے چلنے کے لحاظ سے حضور انور نہایت وقار سے آہستہ چلتے تھے،رب فرماتاہے:"وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ"مگر آپ کے آہستہ چلنے کے باوجود راستہ جلد اور بہت زیادہ طے ہوتا تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ یہ بھی حضور انور کا معجزہ تھا کہ آہستہ چلنے پر زمین زیادہ طے ہوتی تھی،بعض صوفیاء کو بھی یہ کرامت عطا ہوتی ہے اسے طے الارض کہتے ہیں،معراج میں جو حضور انور نے طی الارض ہی نہیں کی بلکہ زمین و آسمان،عرش و کرسی،لوح و قلم سب ہی طے فرمالیے،آصف ابن برخیا کی طی الارض تو قرآن مجید سے ثابت ہے،رب فرماتاہے:"اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبْلَ اَنۡ یَّرْتَدَّ اِلَیۡکَ طَرْفُکَ"میں ملکہ بلقیس کا تخت یمن سے آپ کے پاس پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا۔

۵؎ رب کا منشا یہ تھا کہ کوئی شخص میرے محبوب سے آگے نہ چل سکے"لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللہِ وَ رَسُوۡلِہٖ" پر عمل خود رب تعالٰی نے ان سے کرالیا تھا۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں میں کچھ باریکی تھی ۱؎ اور نہ ہنستے تھے مگر مسکراہٹ سے ۲؎ اور میں جب حضور کو دیکھتا تو کہتا تھا کہ آپ آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ آپ سرمہ لگائے نہ ہوتے تھے ۳؎ (ترمذی)	

۱؎یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں بہت موٹی نہ تھیں جو بدنما ہوتی ہیں بلکہ قدرے پتلی تھیں جن سے کمزوری کا نہیں بلکہ لطافت کا ظہور ہوتا ہے،بہت پتلی بھی نہ تھیں جو دوسرے اعضاء کے مناسب نہ ہوں اور اچھی نہ معلوم ہوں۔(مرقات)

۲؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھٹھا مار کر ہنسنا کبھی ثابت نہیں۔بہت ہنسنا دل کو غافل کردیتا ہے،مسکرانے سے اپنا دل بھی خوش ہوتا ہے سامنے والے کا دل بھی موہ لیتا ہے۔

۳؎یعنی حضور پیدائشی طور پر سرگیں آنکھیں والے تھے پھر بھی سوتے وقت ہر آنکھ میں تین سلائی سرمہ لگاتے تھے اگر کبھی سرمہ نہ بھی لگاتے تو وہ قدرتی سرمہ جو رب تعالٰی نے لگا کر دنیا میں بھیجا تھا وہ نمودار ہوتا تھا۔حضور انور قدرتی طورپر ناف بریدہ ختنہ شدہ سرمہ و شانہ کیے ہوئے پیدا ہوئے ولادت پاک اس طرح ہوئی تھی۔شعر

بالوں میں شانہ آنکھوں میں سرمہ دیا ہوا   لپٹے ہوئے حریر میں ختنہ کیا ہوا

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیہ دانتوں میں کھڑکی والے تھے ۱؎ جب کلام فرماتے تو آپ کے ثنیہ دانتوں کے درمیان سے نور سانکلتا تھا ۲؎(دارمی)

۱؎آگے والے اوپر نیچے کے چار دانتوں کو رباعیہ کہتے ہیں،ان سے متصل ایک ایک دانت ثنائی کہلاتے ہیں،کیلوں کو انیاب کہتے ہیں،داڑھوں کو اضراس۔حضور کی ثنائیہ دانت رباعیہ سے بالکل ملے ہوئے نہ تھے بلکہ ان کے درمیان باریک کھڑکیاں تھیں۔یہ بھی حسن کا بہترین مرقع ہے یہ کھڑکی اوپر نیچے والے دونوں ثنایا میں تھیں۔(اشعہ)

۲؎یہ نور دن میں بھی دیکھا جاتا تھا مگر رات میں تو دانتوں کے اس نور سے سوئی تلاش کرلی جاتی تھی۔اعلٰی حضرت نے فرمایا۔

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے   رات کو صبح بناتا ہے اُجالا تیرا

	روایت ہے حضرت کعب بن مالک سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ انور دمک جاتا تھا گویا آپ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا ہے،ہم یہ جان لیتے تھے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی حضور کے دل کی خوشی چہرہ انور پر ظاہر ہوجاتی تھی۔چہرہ پاک چمک دمک جاتا تھا،یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ قدرتی طور پر ہر وقت ہی منور اور چمکیلا تھا مگر خوشی میں ایک خاص چمک اور بھی نمودار ہوتی تھی جس سے وہ نور علٰی نور ہوجاتا تھااور یہ نور ایسا ظاہر باہر ہوتا تھا کہ کسی پر مخفی نہیں رہتا تھا۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۱ وہ بیمار ہوگیا تو اس کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کو تشریف لائے۲ اور اس کے باپ کو اس کے سرہانے توریت پڑھتے پایا۳ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے یہودی میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری۴ کیا تو میرے اوصاف میری نعت، میری ہجرت توریت میں پاتا ہے ۵ کہا نہیں تو جوان بولا ہاں ۶ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم ہم آپ کی نعت آپ کی صفات آپ کی ہجرت توریت میں پاتے ہیں۷ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۸ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اس یہودی کو اس جوان کے پاس سے اٹھا دو اور تم اپنے بھائی کا انتظام کرو ۹(بیہقی دلائل النبوۃ)

۱ عربی میں **غلام** نابالغ مگر سمجھدار بچے کو کہتے ہیں، بہت چھوٹے بچے کو صبی کہا جاتا ہے، شیر خوار کو **رضیع** اور جس کا دودھ چھوڑا دیا جاوے اسے **فطیم** کہا جاتا ہے۔یہ بچہ یہودی کا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا، آپ کی ہر طرح کی خدمت کرتا تھا۔معلوم ہوا کہ کافر بچوں سے خدمت لینا جائز ہے کبھی یہ خدمت و صحبت ہی ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے جیساکہ یہاں ہوا۔اس بچہ اور اس کے باپ کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲ ہوا یہ کہ وہ بچہ حضور عالم کی خدمت میں حاضر نہ ہوا، لوگوں سے وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایسا بیمار ہے کہ چل پھر نہیں سکتا تب مع صحابہ کرام خود حضور انور اس کی بیمار پرسی کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے۔معلوم ہوا کہ کفار کی بیمار پرسی جائز ہے خصوصًا جب کہ وہ کافر تندرستی میں ہمارے پاس آتا جاتا ہو۔

۳ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم لوگ اپنے مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسین پڑھتے ہیں ایسے ہی یہود اپنے مرنے والوں کے پاس توریت پڑھا کرتے تھے وہ بچہ غالبًا قریب الموت تھا۔

۴ اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جیسے خود قسم کھانا جائز ہے ایسے ہی دوسرے کو قسم دینا بھی جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی کو قسم دی جائے یا اس سے قسم لی جاوے تو قسم میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جس سے اس کے دل پر رعب چھا جاوے۔یہود کے نزدیک توریت شریف اور موسیٰ علیہ السلام بڑے عزت و عظمت

والے ہیں اور توریت کا نزول ان کے ہاں اللہ کی بڑی نعمت ہے ان وجوہ سے حضور انور نے ان الفاظ سے اسے قسم دی۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال اس سے اقرار کرانے کے لیے ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور توریت بلکہ ساری کتب الٰہیہ سے واقف ہیں۔توریت و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سب کچھ موجود ہے۔

۶؎ اس یہودی نے دیدہ دانستہ جھوٹ بولا اس نے توریت میں یہ تمام کچھ پڑھا تھا،وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سب کچھ توریت میں پڑھ چکا تھا۔

۷؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا اگرچہ تھا تو کم عمر مگر توریت شریف سے واقف تھااور اس کے دل میں حضور انور کی محبت تھی،اسے یہ نعمت حضور انور کی صحبت پاک سے نصیب ہوئی تھی۔

۸؎ حضور انور کے سامنے مسلمان ہوگیا کوئی اسلام و ایمان میں آتا ہے مگر اس شخص کے پاس ایمان وا سلام آیا کیونکہ جس ذات کریمہ پر ایمان لایا جاتا ہے جن کے نام سے انسان مسلمان بنتا ہے وہ خود اس کے گھر تشریف لے گئے یہ اثر صحبت پاک کا تھا۔

۹؎ فرمایا یعنی اس کی تیمار داری کرو،جب یہ مرجاوے تو اس کے کفن و دفن،نماز جنازہ کا انتظام کرو۔اب اسے یہ یہودی باپ ہاتھ نہ لگائے۔اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نابالغ سمجھ دار بچے کا ایمان معتبر ہے۔دوسرے یہ کہ مرتے وقت کا ایمان قبول ہے جب کہ غرغرہ کی حالت سے پہلے ہو۔تیسرے یہ کہ اسلامی رشتہ جانی رشتوں سے قوی تر ہے کہ مؤمن کا کفن دفن اجنبی مسلمان تو کریں گے مگر اس کا باپ دادا کافر نہ کرے گا۔چوتھے یہ کہ اسلام میں نے نئے پرانے مسلمان برابر ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور نےفرمایا کہ میں رحمت ہوں،رب کاہدیہ ہوں ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی رب نے مجھے تمہارے لیے رحمت بھی بناکر بھیجاہے اور اپنا ہدیہ و تحفہ بھی۔اس فرمان عالی میں اس امت کی بہت ہی عزت فزائی ہے کیونکہ ہدیہ تحفہ اپنے پیاروں کو ہی دیا جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ یہ امت رب کو پیاری ہےاس لیے اسے تحفہ دیا گیا فرماتاہے:"وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ"اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔شعر

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود — حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ دائم درود — ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت کا بیان تھا،اب حضور کی باطنی سیرت کا ذکر شریف ہے۔اخلاق جمع خلق کی ہے بمعنی عادت اور شمائل جمع ہے شمال کی میم کے فتح سے بمعنی طبیعت وجبلت۔اخلاق عام ہے اور شمائل خاص،انسان کی جو عادت دنیا میں آکر پڑے وہ بھی خلق ہے مگر شمال پیدائشی عادت کو ہی کہا جاتا ہے۔حضور کے اخلاق کو رب تعالٰی نے عظیم فرمایا کہ ارشاد ہوا"اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"کوئی شخص بھی کما حقہٗ حضور کے اخلاق کا بیان نہیں کرسکتا۔جب ہم دنیا کی نعمتیں نہیں گن سکتے جو کہ بہت تھوڑی ہیں"قُلْ مَتٰعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ"تو جسے رب عظیم کہے اسے کیسے گن سکتے ہیں اعلٰی حضرت فرماتے ہیں۔شعر

تیری خلق کو رب نے جمیل کیا تیرے خلق کو رب نے عظیم کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیری خالق حسن ادا کی قسم

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ۱؎ کبھی مجھ سے تف نہ فرمایا اور نہ یہ کہ تم نے یہ کیوں کیا اور نہ یہ کہ کیوں نہ کیا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور انور کے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ سال تھی،ان کے والدین اس وقت حضور انور کی خدمت میں انہیں لائے اور بولے کہ ہم نے انہیں آپ کی خدمت کے لیے وقف کردیا۔وفات شریف سنہ ہجری میں ہوئی،وفات شریف تک حضور انور کی خدمت میں رہے بعد وفات مدینہ سے باہر آگئے،مقام موصل میں آپ کامزار ہے۔

۲؎ یعنی میں کم عمر بھی تھا اور کم سمجھ بھی،مجھ سے قصور بھی ہوتے تھے اور کبھی کچھ نقصان بھی ہوجاتا تھاجیسے کوئی چیز ٹوٹ جانا وغیرہ مگر اس سراپا رحم و کرم نے مجھے کبھی جھڑکا نہیں اور ملامت کے طریقہ پر یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کردیا یہ کیوں چھوڑ دیا۔اف کا ترجمہ اردو میں ہے افوہ یہ سرزنش اور ملامت کے وقت بولا جاتا ہے یہاں دنیاوی کاموں میں اف نہ فرمانا مراد ہے شرعی غلطی پر پکڑ کرنا تو اصلاح ہے۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ	

علیہ وسلم لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے ا حضور نے مجھے ایک دن کسی کام کے لیے بھیجا ۲ میں نے کہا اللہ کی قسم می7ں نہ جاؤں گا۳ اور میرے دل میں یہ تھا کہ اس کام کے لئے جاؤں جس کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۴ چنانچہ میں روانہ ہوگیا حتی کہ میں کچھ بچوں پر گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے ۵ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے سے میری گردن پکڑی ۶ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی طرف دیکھا آپ ہنس رہے تھے۷ فرمایا اے انیس کیا تم وہاں جارہے ہو۸ جہاں جانے کا میں نے تم کو حکم دیا تھا میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں جارہا ہوں۹ (مسلم)	

ا ناس سے مراد سارے ہی انسان ہیں خلق سے مراد برتاوا ہے۔(مرقات)

۲ یعنی مجھے وہاں جانے کا حکم دیا لہذا اگلا مضمون بالکل درست ہے۔

۳ یہ جواب نافرمانی یا مخالفت حکم نہیں بلکہ ناز بردار بے نیاز کریم پر نیاز مندانہ ناز ہے۔شعر

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے　　　نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

(اقبال)

جیسے بچے ماں باپ پر ضد کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم تو نہیں کرتے،نیز یہ واللہ قسم کے لیے نہیں کہ اس پر قسم کے احکام جاری ہوں بلکہ بلاقصد یہ لفظ بولا گیا ہے۔امام شافعی کے ہاں یہ قسم لغو ہے،امام اعظم کے ہاں یہ قسم ہی نہیں۔

۴ یعنی میرا یہ انکار صرف زبانی تھا دل سے نہ تھا،چونکہ یہ کام لڑکپن میں تھا اس لیے حضور انور نے بار بار جانے کا حکم نہ دیا بلکہ نہایت ہی نرمی فرماتے ہوئے خاموش ہوگئے صلی اللہ علیہ وسلم۔(لمعات)

۵ جب میں ان کھیلنے والے بچوں پر گزرا تو میں بھی ان کا کھیل دیکھنے کے لیے کھڑا ہوگیا یہ ہی مطلب ہے اس عبارت کا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۶ گردن پکڑنا انتہائی پیارومحبت سے تھا۔قفا کہتے ہیں گردن کے پچھلے حصہ کو یا کہوکہ پچھلا حصہ قفا یعنی گردن ہے اگلا حصہ حلقوم یعنی گلا ہے۔

۷ یعنی مسکرارہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جہاں کہیں لفظ ضحك آتا ہے وہاں تبسم مراد ہوتا ہے کیونکہ حضور انور نے کبھی ٹھٹھا نہ لگایا۔

۸؎ لفظ انس کو انیس فرمانا تصغیر کرکے یہ بھی محبت کرم سے تھا یہ نام کا بگاڑنا نہیں جیسے ہمارے ہاں ساجدہ کو سجو غلام کو گاماں کہہ دیتے ہیں۔

۹؎ یہ ہے اپنے ارادہ کا اظہار یعنی میں نے صرف زبان سے انکار کیا تھاجانے کا ارادہ اس وقت ہی تھاچنانچہ میں مطابق حکم کے جارہا ہوں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا حضور پر نجرانی موٹے کنارے والی چادر تھی ۱؎ حضور کو ایک بدوی نے پکڑ لیا اور حضور کو آپ کی چادر سے کھینچا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بدوی کے سینہ میں پہنچ گئے ۲؎ حتی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے کنارہ میں دیکھا اس کی سخت بھنچنے کی وجہ سے چادر کے کنارہ نے اثر کیا تھا ۳؎ پھر بولا اے محمد اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے میرے لیے بھی حکم دیجئے ۴؎ تو اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا پھر ہنسے پھر اس کے لیے عطا کا حکم دیا ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ نجران یمن کی مشہور بستی ہے جہاں کے عیسائی حضور انور سے مناظرہ کرنے آئے تھے،حضور انور نے انہیں مباہلہ کے لیے کہا انہوں نے نہیں کیا۔بعض کے نزدیک حجاز اور یمن کے درمیان ہے وہاں موٹے اون کی چادریں بہت بنتی تھیں جن کے کنارے بہت زیادہ موٹے ہوتے تھے۔

۲؎ اس بدوی نے اس طرح حضور انور سے بھیک مانگی وہ آداب تو کیا طریقہ گفتگو سے بھی بے خبر تھا،حضور انور نے اس کی اس بے ادبی پر ناراضی نہ فرمائی خیال فرمایا کہ یہ آداب گفتگو سے واقف نہیں ہے۔شعر

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں　　　　آقا حضور اپنے کرم پر نظر کریں

(اعلیٰ حضرت)

۳؎ قرآن کریم نے سچ فرمایا:"اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ کُفۡرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا یَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ"۔(مرقات)

۴؎ غالبًا یہ بدوی نو مسلم تھا جو ابھی دین کے مسائل سے پورا واقف بھی نہ تھا اور بات کرنے کا طریقہ بھی نہ جانتا تھا اور تھا بھی مؤلفۃ القلوب سے جن کو دین پر پختہ کیا جاتا ہے اس لیے حضور انور کو صرف نام شریف سے پکارا اور اس پر کوئی گرفت نہیں فرمائی گئی۔(مرقات)وہ یہ کہہ رہا ہے کہ آپ کے پاس فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے زکوۃ و صدقات کے مال ہیں میں بھی فقیر ہوں مجھے بھی اس میں سے دیجئے۔

۵؎ یعنی حضور انور اس کی یہ حرکت دیکھ کر اس کی یہ بات سن کر مسکرائے اور صحابہ کو حکم دیا کہ اسے مال زکوۃ سے کچھ دے دیں۔اس عطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کافر یا منافق نہ تھا کہ کفار و منافقین کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ حکام بادشاہوں اور بڑے لوگوں کو چاہیے کہ رعایا کی سختی پر صبروتحمل سے کام لیا کریں اس صبر کے پھل بہت شیریں ہوتے ہیں۔شعر

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں　　　ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں بہت حسین اور سب سے زیادہ سخی سب سے زیادہ بہادر تھے ۱؎ ایک رات مدینہ والے گھبرا گئے تو لوگ آواز کی طرف دوڑے ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے روانہ ہوئے ۳؎ آپ لوگوں سے پہلے آواز کی طرف دوڑے اور کہتے جاتے تھے مت گھبراؤ ۴؎ اور آپ ابو طلحہ کے ننگے گھوڑے پر تھے جس پر زین نہ تھی ۵؎ اور آپ کے گلے میں تلوار تھی پھر فرمایا کہ ہم نے اسے دریا پایا ۶؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ بدصورتی،بدخلقی،بخیلی،بزدلی انسانی عیب ہیں اللہ تعالٰی ان سے اپنے نبیوں کو محفوظ رکھتا ہے۔حضور انور چونکہ تمام نبیوں کے سردار سیّد ہیں اس لیے حضور ان عیوب سے بہت دور تھے۔حضور حسین تھے تو ایسے کہ اللہ کے محبوب ہوئے،سخی ایسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت سے آج بھی بلکہ قیامت تک لوگ پرورش پاتے رہیں گے علماء، صوفیاء،نعت خواں،مشائخ اس باڑے سے پل رہے ہیں،ان کا جود و کرم و سخاوت کوئی مجھ جیسے کمینے سے پوچھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی مجھ پر اتنی کہ بیان نہیں کرسکتا۔شعر

ہم نے خطامیں نہ کی تم نے عطا میں نہ کی　　　کوئی کمی سرورا تم پہ کروڑوں درود

مرزا قادیانی ایسا بزدل تھا کہ ڈر کے مارے حج کو نہ گیا،والی افغانستان کو اپنی نبوت کی دعوت دی انہوں نے جواب دیا ایں جا بیا یہاں آکر تبلیغ کرومرزا نہ گیا،سچے نبی کبھی بزدل نہیں ہوتے۔اسی شجاعت کی بنا پر رب نے فرمایا:"فَقٰتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَکَ"،"حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ"۔اے محبوب تم اکیلے ہی کفار سے جہاد کروآپ ہی کو جہاد کا حکم دیا جاتا ہے۔مؤمنوں کو بھی رغبت جہاد دو اس لیے حضور اکثر خچر پر سوار ہوتے تھے کہ خچر جنگ پر پیچھے نہیں لوٹتا۔(مرقات)

۲؎ یعنی مدینہ طیبہ کے کسی محلّہ میں رات کو اچانک شور مچ گیا کہ دوڑو ہماری مدد کو دشمن یا چور ہم پر آن پڑے،کبھی ایسا ہوجاتا ہے سارے محلّہ والے چیخ رہے تھے۔

۳؎ اس جملہ کے دو معنی کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ **هم** کا مرجع وہ ہی چیخنے شور مچانے والے لوگ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگ تو جماعت اور ٹولیاں بن کر شور کی طرف دوڑے کہ ایسے موقع پر امداد کرنے والے اکیلے نہیں جایا کرتے دشمن یا چوروں کا خطرہ ہوتا ہے مگر حضور ان سب لوگوں سے پہلے اکیلے ہی بیدھڑک روانہ ہوئے اور ان سب سے پہلے پہنچے یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری و جرأت۔دوسرے یہ کہ **هم** کا مرجع یہ مدد کے لیے جانے والے لوگ ہیں اور **استقبل** کے معنی ہیں حضور انور واپس آتے ہوئے ان جانے والوں کو ملے آپ وہاں ہوکر سب تحقیقات کرکے ان ڈرنے والوں کو تسلی و تشفی دے کر واپس آرہے تھے ہم جارہے تھے حضور آرہے تھے،یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری۔(مرقات)

۴؎ اس عبارت کے معنی بھی دو ہیں:ایک یہ کہ آپ جاتے ہوئے ان ڈرنے والوں کو تسلی دیتے ہوئے آواز دیتے جارہے تھے کہ مت گھبراؤ میں آگیا ہوں مت ڈرو میں تمہاری مدد کو آگیا ہوں۔اس صورت میں **لم** بمعنی لا ہے اور یہ عبارت نہی کا صیغہ ہے۔دوسرے یہ کہ **لم تراعوا** میں خطاب ہے ان مددگاروں سے جو ادھر جارہے تھے اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ بھی ڈرو نہیں ہم وہاں ہو آئے ہیں وہاں کوئی خطرناک چیز نہیں ہے یوں ہی ان لوگوں کو دھوکا ہوگیا تھا۔**لم تراعوا** بنا ہے **روع** سے بمعنی گھبراہٹ اور ڈر یا یہ مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر ہے یعنی تم لوگ ڈرائے نہ گئے ہو بلکہ یوں ہی وہم میں مبتلا ہوگئے ہو بعض روایات میں **لن تراعوا** ہے۔

۵؎ ابو طلحہ کے اس گھوڑے کا نام مندوب تھا بمعنی مطلوب آپ نے جلدی میں اس پر کاٹھی لگام وغیرہ کچھ نہ لگائی یوں ہی بغیر کاٹھی بغیر لگام سوار ہوکر روانہ ہوگئے۔(مرقات)

۶؎ اہلِ عرب تیز رواور سبک رفتار گھوڑے کو دریا سے تشبیہ دیتے ہیں وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے یعنی جیسے دریا کا سوار نہایت آرام سے بغیر جھٹکے سفر کرتا ہے ایسے ہی اس گھوڑے کا حال ہے کہ مجھے نہایت تیز اور آرام سے لے گیا۔یہ گھوڑا بہت سی سست رفتار اور سخت اڑیل تھا جناب ابوطلحہ اس گھوڑے سے تنگ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سواری کے بعد یہ دونوں عیب جاتے رہے،یہ حضور انور کا ایک معجزہ نہیں بلکہ چند معجزے ہوئے،گھوڑے کی پشت پر سوار ہوگئے تو حقیقت بدل دی جس انسان پر ہاتھ رکھ دیں نظر کرم کردیں اس کی بھی قسمت کھل جاوے۔شعر

السلام اے دو جہاں کے بادشاہ مجھ غریب و خستہ پر بھی اک نگاہ (غلام امام شہید)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز نہ مانگی گئی کہ حضور نے فرمایا ہو نہیں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی حضور انور نے کسی سائل بھکاری کو یہ کبھی نہیں فرمایا کہ ہم تم کو نہیں دیں گے اگر وہ چیز ہو تو عطا فرمادی ورنہ یا خاموشی اختیار کی یا آئندہ کے لیے وعدہ فرمالیا یا معذرت کردی لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف

نہیں"قُلۡتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحۡمِلُکُمۡ عَلَیۡهِ"کہ آیت کریمہ میں معذرت کا لا ہےاور یہاں انکار کا لا مراد ہے۔فرزق شاعر نے حضور کی نعت میں عرض کیاشعر

ماقال لا قط الافی تشهده　　　　لولا التشهد کانت لاءه نعم

کسی نے اس کا ترجمہ یوں کیا۔شعر

نرفت کلمہ لا برزبان اوہرگز　　　　مگر بہ اشھدان لا الٰہ الا اللہ

یعنی حضور انور نے بجز کلمہ طیبہ کے لا انکار کے لیے بھی ارشاد نہ فرمایا۔آج بھی حضور سے مانگ کر دیکھ لو محروم نہ پھرو گے،یہ تو کوئی مجھ سے پوچھے میں نے بہت تجربہ کیا ہے ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

زمانہ نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا　　　　زبان پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان بھری ہوئی بکریاں مانگیں ۱؎ حضور نے وہ سب اسے دے دیں ۲؎ وہ اپنی قوم کے پاس گیا بولا اے میری قوم مسلمان ہوجاؤ اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عطا دیتے ہیں کہ فقیری کا خوف نہیں فرماتے ۳؎ (مسلم)

۱؎ یعنی اتنی زیادہ بکریاں مانگیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کا سارا جنگل بھرا ہوا تھا یہ سب بکریاں حضور انور کی اپنی تھیں کہ غزوہ حنین میں مال غنیمت کے خمس میں اتنی بکریاں آپ کو ملی تھیں۔

۲؎ یعنی بغیر دغدغہ بے تأمل یہ سب اسے عطا فرمادیں۔بعض روایات میں ہے کہ سائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بکریاں دیکھ کر عرض کیا تھا یارسول اللہ حضور تو بڑے مالدار ہوگئے فرمایا کیسے،اس نے عرض کیا کہ اتنی زیادہ بکریاں آپ کی اکیلے کی ملِک ہیں،فرمایا جاسب تجھے عطا فرمادیں لے جا،وہ حیرت سے حضور کا منہ تکتا رہ گیا۔

۳؎ خیال رہے کہ داتا سخی ہے مگر اس کی دین کے دروازے مختلف ہیں کسی کو جمال دکھا کر ایمان بخش دیا،کسی کو جودونوال یعنی سخاوت دکھا کر اپنا متوالا بنالیا،کسی کو میدان جہاد میں جلال الٰہی دکھاکر مؤمن بنادیا ہم جیسے دور افتادہ غلاموں کو اپنا نام سناکر ایمان دے دیا۔ان کا نام،ان کے کام،ان کی صورت،ان کی سیرت سب ہی ایمان بخشنے کا ذریعہ ہیں اس بدوی نے اسی عطا کو حضور کی نبوت کی دلیل بنایامع اپنی قوم کے مسلمان ہوگیا وہ بکریاں کیا ملیں کہ انہیں ایمان مل گیا۔خیال رہے کہ کسی سے مانگنا عیب ہے اس سے منع فرمایا گیا ہے مگر اللہ رسول سے مانگنا ہم سب کے لیے باعث فخر ہے۔

	روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے ۱؎ کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے حنین کی واپسی کے موقعہ پر ۲؎ تو بدوی لوگ حضور سے

	لپٹ گئے آپ سے مانگتے تھے حتی کہ آپ کو ایک خاردار درخت کی طرف لے گئے آپ کی چادر الجھ گئی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے فرمایا مجھے میری چادر تو دے دو۳ اگر میرے پاس ان درختوں کی برابر جانور ہوتے تو میں تم میں تقسیم کردیتا۴ پھر تم مجھے نہ تو کنجوس پاتے نہ جھوٹ بولنے والا نہ بزدل ۵(بخاری)

۱آپ جبیر ابن مطعم ابن عدی ابن نوفل ابن عبدمناف ہیں،قریشی ہیں،بڑے عالم ہیں،حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔(اشعہ)

۲حنین ایک جنگل ہے جو مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ہے،فقیر نے اس کی زیارت کی ہے۔غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد واقع ہوا،اسی علاقہ بلکہ اسی قوم کی حضرت حلیمہ دائی تھیں یعنی قبیلہ بنی ہوازن کی اس لیے حضور انور نے تمام قیدیوں کو آزاد فرمادیا جو اس غزوہ میں گرفتار ہوئے تھے۔

۳اس غزوہ میں مال غنیمت بہت زیادہ مسلمانوں کو ملا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال میں سے زیادہ فتح مکہ میں مسلمان ہونے والے مؤلفۃ القلوب کو بہت مال عطا فرمایا تھا،گذشتہ حدیث کا بکریوں والا واقعہ بھی اس موقعہ پر ہوا تھا۔(اشعۃ اللمعات)یہ لوگ حضور سے ایسے لپٹ گئے تھے جیسے فقراءومساکین ایک کریم غنی کو گھیر لیں حضور کسی منگتے کو ہٹایا نہیں کرتے۔

۴عضاء جمع ہے عضاعة کی بمعنی درخت خاردار ببول ہو یا کوئی اور درخت۔

۵یہاں شجاعت صدق کا ذکر اپنے فضائل کی تکمیل کے لیے بیان فرمایا یعنی مجھے اللہ تعالٰی نے ان تین عیبوں سے بری کیا بخل،بزدلی،جھوٹ۔حضور انور سخی نہیں بلکہ جواد ہیں،خود نہ کھائیں زمانہ بھر کو کھلائیں۔شعر

وہ آقا جو کہ خود کھائے کھجوریں اورغلاموں کو کھلائے نعمتیں دنیا کی کب ایسا کہیں دیکھا

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تھے تو ان کے پاس مدینہ کے لونڈی غلام اپنے برتن لے آتے تھے جن میں پانی ہوتا تھا۱تو وہ کوئی برتن نہ لاتے مگر حضور اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے تو بہت دفعہ وہ لوگ آپ کے پاس بہت ٹھنڈی صبح کو پانی لاتے آپ ان میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے ۲(مسلم)

۱یعنی اہل مدینہ اپنے لونڈی غلاموں کو پانی کے برتن لے کر بھیج دیتے تھے وہ دروازہ مسجد پر کھڑے ہوجاتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ کر نکلتے اور ان برتنوں میں اپنی انگلیاں ڈالتے جاتے تھے۔

۲؎ یہ پانی اہلِ مدینہ اپنے بیماروں کو شفا کے لیے پلاتے تھے اس میں بیان ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کا۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات سے شفاء حاصل کرنا جائز بلکہ سنت صحابہ ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز میں بزرگوں کا ہاتھ لگ جاوے وہ تبرک ہوجاتا ہے،قرآن کریم میں ہے:"وَجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ"۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ مدینہ والوں کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی ۱؎ تو جہاں چاہتی حضور کو لے جاتی تھی ۲؎(بخاری)

۱؎ ہاتھ پکڑنے سے مراد ہے اپنی حاجت برآری کے لیے عرض کرنا یا کہیں لے جانااور اگر ظاہری معنی مراد ہوں تب بھی مضائقہ نہیں کہ ساری امت حضور کی اولاد ہے،حضور انور امت کے باپ ہیں مہربان باپ کا ہاتھ اولاد پکڑ لیتی ہے۔یعنی اگر معمولی سے معمولی آدمی حتی کہ مدینہ کی لونڈی بھی کچھ التجا کے لیے حضور کا ہاتھ پکڑ لیتی تو حضور اس سے ہاتھ چھڑاتے نہ تھے بلکہ اس کی حاجت روائی کردیتے تھے۔

۲؎ خواہ اپنے گھر لے جاتی یا کسی اور جگہ حضور انور منع نہ فرماتے تھے۔

	روایت ہے انہیں سے کہ ایک عورت کی عقل میں کچھ فتور تھا ۱؎ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ سے کچھ کام ہے ۲؎ تو فرمایا اے فلاں کی ماں تو سوچ لے کہ کون سی گلی پسند کرتی ہے کہ میں وہاں تیرا کام کروں ۳؎ تو کسی راستہ میں حضور اس کے ساتھ کھڑے ہوگئے حتی کہ وہ اپنے کام(عرض و معروض)سے فارغ ہوگئی ۴؎(مسلم)

۱؎ یعنی وہ بی بی دیوانی تھی یا مجذوبہ اس کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور راستے سے جارہے تھے کہ یہ مجذوبہ بی بی صاحبہ حاضر ہوکر عرض کرنے لگیں وہ خود حضور انور کے دولت خانہ میں نہ آئی تھی۔(اشعۃ اللمعات)

۳؎ یعنی اگر تو نے مجھ سے کوئی بات تنہائی میں عرض کرنی ہے تو کوئی گلی تجویز کرکے مجھے بتا جہاں میں اکیلے کھڑے ہوکر صحابہ کرام سے جدا ہو کر تیری بات سنوں اور تیرا کام کروں۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ گلی کوچہ یا گزر گاہ عام میں کسی عورت کے ساتھ تنہائی خلوت نہیں نہ اس پر خلوت کے احکام جاری ہوں۔(مرقات)اتنی عبارت لکھ کر میں دوپہری میں آرام کے لیے سو گیا،خواب میں اس گنہگار کو اس کی مکمل شرح بتائی گئی وہ یہ ہے کہ خلوت دو قسم کی ہے:خلوت لغویہ،خلوت شرعیہ۔خلوت لغویہ یہ ہے کلام سننے سنانے

میں تنہائی ہو کہ کوئی ان کی بات نہ سن سکے اگرچہ دیکھنے دکھانے میں جلوت ہو کہ لوگ دونوں کو دیکھ رہے ہو۔کہ خلوت شرعیہ یہ ہے کہ سننے دیکھنے دونوں کے لحاظ سے خلوت تنہائی ہو کہ نہ کوئی دیکھے نہ کوئی کلام سنے۔خلوت شرعیہ نامحرم کے ساتھ حرام ہے مگر خلوت لغویہ بوقت ضرورت حلال ہے۔یہاں خلوت لغویہ تھی خلوت شرعیہ نہ تھی کہ یہاں گلی میں وہ دیوانی حضور کو الگ لیے کھڑی ہے،راہ گیر یہ ماجرا دیکھ رہے ہیں مگر اس کی عرض و معروض حضور انور کا جواب نہیں سن رہے ہیں۔مسجد کے گوشہ میں گلی کوچہ میں دن کے وقت یہی خلوت ہوسکتی ہے لہذا یہ حدیث اس فرمان عالی کے خلاف نہیں کہ کوئی شخص اجنبی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے نہ اس کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دیکھ لو یہ میری زوجہ ہیں(الحدیث)کہ وہاں خلوت شرعیہ کا ذکر اور یہاں خلوت لغویہ واقعہ ہوئی۔ الحمدللہ! فقیر کو یہ خواب میں آج بارہ ذی الحج ۱۳۸۳ھ مطابق بارہ مارچ ۱۹۶۸ء سہ شنبہ کو بوقت دوپہر یہ رہبری فرمائی گئی وہ ہی اس گنہگار نے سپرد قلم کردی،یہ میرے آقا کی کرم نوازی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے فحش گو اور نہ لعنت کرنے والے نہ گالی دینے والے[۱]غصہ عتاب میں فرماتے تھے اسے کیا ہوا اس کی پیشانی میں مٹی لگ جاوے[۲] (بخاری)

[۱]یعنی حضور کی عادت کریمہ فحش باتیں کرنے کی کسی پر لعنت پھٹکار کرنے کی نہ تھی،ساری عمر شریف میں ایک بار بھی کسی کو گالی نہ دی،کسی خادم بیوی کو لعنت کے لفظ سے یاد نہ فرمایا۔خیال رہے کہ سباب اور لعان مبالغے کے صیغے ہیں مگر یہاں اصل لعنت اور گالی کی نفی ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ"۔

[۲]کیسا پیارا کلمہ ہے۔اس کلمے کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ وہ شخص خواہ ناک رگڑ دے مگر کامیاب نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اللہ اسے سجدے سجود کی توفیق دے جس سے اس کی پیشانی سجدہ میں لگا کرے،سجدے سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ع غصہ میں بھی وہ کہتے ہیں کہ تیرا برا نہ ہو

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں عرض کیا یارسول اللہ مشرکین پر بددعا کیجئے فرمایا میں بددعا کرنے والا نہ بھیجا گیا میں تو رحمت ہی بھیجا گیا ہوں[۱](مسلم)

[۱]حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت خاصہ تو مسلمانوں پر ہی ہے اور رحمت عامہ کفار پر بھی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دنیا میں کفار پر عذاب آنا بند ہوا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کفار کو دعوت اسلام دی یعنی رحمت ایزدی سے قریب کرنے کی کوشش فرمائی۔لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دوری کی دعا کرنا،جو رحمت سے قریب کرنے کے لیے بھیجا گیا ہو وہ رحمت سے دور کیسے کرسکتا ہے،فرمایا گیا"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"اس لیے جب حضور انور

نے قبیلہ رعل اور ذکوان کے لیے فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی تو آیت کریمہ نازل ہوئی"لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ"اے محبوب یہ بات آپ کے لیے مناسب نہیں یہ تو جلال والے پیغمبروں حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام کے ہی لائق تھی جن مشرکین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی وہ بحکم الٰہی کی جیسے فرمایا اللھم علیك بالقریش پھر وہ سب بدر میں مارے گئے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ شرمیلے تھے جیسی کنواری لڑکی اپنے پردے میں شرمیلی ہوتی ہے ۱؎ اور جب کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہم چہرہ انور میں اسے پہچان لیتے تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ کنواری لڑکی کی جب شادی ہونے والی ہوتی ہے تو اسے گھر کے ایک گوشہ میں بٹھادیا جاتا ہے اسے اردو میں مایوں بٹھانا کہا جاتا ہے،اس جگہ یعنی گھر کے گوشہ کو مائیں کہتے ہیں عربی میں خدر۔اور اس زمانہ میں لڑکی بہت ہی شرمیلی ہوتی ہے،گھر والوں سے بھی شرم کرتی ہے،کسی سے کھل کر بات نہیں کرتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم اس سے بھی زیادہ تھی،حیاء انسان کا خاص جوہر ہے جتنا ایمان قوی اتنی حیا زیادہ۔

۲؎ یعنی دنیاوی باتوں میں سے کوئی بات یا کوئی چیز حضور انور کو ناپسند ہوتی تو زبان مبارک سے نہ فرماتے مگر چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار نمودار ہوجاتے تھے خدام بارگاہ پہچان لیتے تھے۔ایک دعوتِ ولیمہ پر دو تین آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر شریف میں کھانے کے بعد بیٹھے باتیں کررہے تھے حضور کو ان کے بیٹھنے سے تکلیف ہوئی مگر ان سے نہ فرمایا کہ چلے جاؤ،رب تعالٰی نے ارشاد فرمایا:"اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ وَاللّٰهُ لَا يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَقِّ"تمہارا یہ عمل ہمارے نبی کی تکلیف کا باعث ہے مگر وہ تم سے حیا فرماتے ہیں رب تعالٰی نہیں شرماتا،یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی پورا کھل کر ہنستا نہ دیکھا حتی کہ میں آپ کے کوے دیکھ لیتی ۱؎ آپ تبسم ہی فرمایا کرتے تھے ۲؎ (بخاری)

۱؎ لھوات جمع ہے لہاۃ کی،عربی میں لہاۃ حلق کے کنارہ پر گوشت اور لٹکے ہوئے کوے کو کہتے ہیں۔جب انسان ٹھٹھہ مار کر ہنستا ہے تو پورا منہ کھل جاتا ہے اور وہ جگہ نظر آجاتی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نہیں ہنستے تھے۔

۲؎ یہاں مرقات میں ہے کہ حضور انور سے بہت کم ہنسنا بھی ثابت ہے مگر قہقہہ لگانا ٹھٹھہ مارنا کبھی ثابت نہیں،تبسم فرمانے کی عادت بہت ہی تھی۔(مرقات،اشعہ)

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جلدی کی طرح بات جلدی جلدی نہ کرتے تھے آپ باتیں یوں کرتے تھے کہ اگر کوئی گننے والا گننا چاہتا تو انہیں گن لیتا ا(مسلم،بخاری)

اِحضور انور کا کلام شریف نہ تو لگاتار ہوتا تھا نہ جلد جلد بلکہ ایک جملہ پر رک جاتے تھے تاکہ سننے والا غور کرکے سمجھ لے اور ہر جملے کے کلمات بھی بہت آہستگی سے ادا ہوتے تھے کہ ہر کلمہ دل میں بیٹھ جاتا تھا کیونکہ حضور انور کا ہر کلمہ تبلیغ کے لیے ہوتا تھا،اگر حضور جلد یا مسلسل یا بہت زیادہ کلام فرماتے تو لوگ بھول جاتے آپ کا کلام نہایت جامع مگر مختصر ہوتا تھا کہ حضرات صحابہ قرآن کی طرح اسے یاد کرلیتے تھے وہ ہی حدیث کی شکل میں جمع ہوگیا،اسی کلام مبارک سے آج دین قائم ہے،اسی کلام مبارک سے قرآن سمجھ میں آرہا ہے۔ایک صاحب نے حضور انور کے وعظ جمع کیے وہ ایسے ہیں کہ آج واعظ حضور کے بڑے وعظ کو دس منٹ میں کہہ سکتا ہے مگر ان وعظوں نے دنیا پلٹ دی ہوا کا رخ بدل دیا اللھم صل وسلم وبارك علیہ۔

	روایت ہے اسود سے اِفرماتے ہیں کہ میں نے جناب عائشہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے ۲؎آپ نے کہا کہ اپنے گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے یعنی گھر والوں کا کام کرتے تھے ۳؎پھر جب نماز آجاتی تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے ۴؎(بخاری)

اِآپ اسود بن حلال محاربی ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی پایا خلفاء اربعہ کو بھی دیکھا،بڑے بڑے صحابہ سے ملاقات کی،اسی ۸۰ حج و عمرے کیے،آخر ی زمانہ میں صائم الدھر قائم اللیل تھے،ہر شب ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے،بڑے فقیہ تھے۔

۲؎معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات حضور انور کی بیرونی اور اندرونی زندگی کے حافظ ہونا چاہتے تھے اور امت تک پہنچانا چاہتے تھے اس لیے بیرونی زندگی شریف صحابہ کرام سے پوچھتے تھے اور اندرونی زندگی ازواج پاک سے خصوصًا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے۔

۳؎ مھنة بروزن کلمہ بمعنی کام کاج خدمت یعنی حضور انور اپنے گھر کے کسی کام میں تکلف نہیں کرتے تھے،بکری دوھ لیتے،اپنے کپڑے دھولیتے تھے،پھٹے کپڑے پھٹی نعلین شریف میں پیوند لگالیتے تھے۔معلوم ہوا کہ گھر میں کام کرلینا صالحین کا طریقہ ہے کسی جائز کام میں تکلف نہیں چاہیئے۔

۴؎یعنی جب نماز جماعت کا وقت آتا تو سارے کام چھوڑ دیتے گھر بار سے منہ موڑ لیتے جیسے کسی کو جانتے ہی نہیں اور مسجد تشریف لے جاتے یہ ہی سنت ہے،اللہ ایسی زندگی نصیب فرمائے۔(مرقات)شعر

اپنے کپڑے خود دھولینا خاک کے بستر پر سولینا | سادہ سادہ نیک طبیعت صلی اللہ علیہ وسلم

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نہیں اختیار دیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں کبھی بھی مگر حضور نے ان میں سے آسان کو اختیار کیا ۱؎ جب تک کہ گناہ نہ ہوتا لیکن اگر گناہ ہوتا تو سب لوگوں سے زیادہ دور ہوتے ۲؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کسی چیز میں بدلہ نہ لیا مگر یہ کہ اللہ تعالٰی کے دین کی حرمت توڑی جاتی تو اللہ کے لیے اس کا بدلہ ضرور لیتے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اختیار دینے والا اللہ تعالٰی ہے یعنی اگر اللہ تعالٰی حضور انور کو دو کاموں کا اختیار دیتا تو آپ آسان کام اختیار فرماتے تاکہ امت کو تکلیف نہ ہو۔بعض نے کہا کہ اختیار دینے والے یا کفار ہوتے یا مسلمان کہ اگر یہ لوگ دو باتیں حضور پر پیش کرتے تو آپ آسان اختیار فرماتے جیسے بدر کے قیدیوں کے متعلق قتل کا مشورہ دیا گیا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا بھی،تو حضور انور نے حضور ابوبکر صدیق کا مشورہ فدیہ قبول فرمایا یہ ہے آسان کو اختیار فرمانا،پھر رب تعالٰی نے اس فدیہ لے کر چھوڑ نے کو قانون بنادیا کہ فرمایا:"فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً"۔اس کی مفصل بحث ہماری تفسیر میں دیکھو۔

۲؎ اگر اختیار دینے والا رب تعالٰی ہے تو گناہ سے مراد ہے کسی جائز کام کا گناہ کا ذریعہ بننا ایسے کام سے حضور دور رہتے جیسے رب نے حضور کو اختیار دیا کہ یا آپ شاہانہ زندگی اختیار فرمائیں خزانے آپ کے ساتھ رہیں یا آپ سادہ زندگی قبول فرماویں،چونکہ شاہانہ زندگی دنیا میں مشغولیت نیکیوں میں کمی کا ذریعہ بن سکتی تھی اس لیے حضور انور نے سادہ زندگی اختیار فرمائی۔شعر

عجز اللہ رہے تمہارا کہ شہ کل ہوکر　　　زندگی تم نے غریبوں میں گزاری ساری

۳؎ یعنی حضور انور نے اپنی ذات کے لیے کسی موذی سے بدلہ نہ لیا،جس سے بدلہ لیا دین کی حرمت کے لیے،حضور نے اپنے جن دشمنوں کو قتل کرایا ہے یا قتل کیا ہے وہ بھی درحقیقت دین ہی کے دشمن تھے جیسے عقبہ بن ابی معیط،عبداللہ ابن خطل کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرایا کہ وہ درحقیقت دین کے دشمن تھے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں مالی جرم کا عوض مراد ہے آبرو کے دشمنوں سے بدلہ لیا ہے۔(مرقات،اشعہ)مگر پہلی بات قوی ہے۔حضور نے ہندہ وحشی عکرمہ کو معافی دے دی کہ وہ اپنے دشمن تھے مگر فاطمہ مخزومیہ کا ہاتھ کٹوا دیا کہ اس نے چوری کی تھی قانون اسلامی کا جرم کیا تھا،اس موقع پر کسی کی سفارش قبول نہ فرمائی بلکہ سفارش پر ناراضی فرمائی۔

روایت ہے انہیں سے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہ مارا ۱؎ نہ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو ۲؎ مگر یہ کہ اللہ کی راہ میں جہاد	

	کرتے۳؎اور ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ سے کوئی چیز پائی جاوے۴؎پھر آپ اس کرنے والے سے بدلہ لیتے مگر اس صورت میں کہ اللہ کی محرمات میں سے کوئی حرمت توڑ دی جاتی تو اللہ کے لیے اس کا بدلہ لیتے تھے ۵؎(مسلم)

۱؎یہاں شیئًا سے مراد آدمی ہے یعنی حضور نے کسی آدمی کو کبھی نہ مارا اونٹ گھوڑے کو بارہا مارا ہے،ایک بار بچھو بھی مارا ہے،سانپ کے مارنے کا حکم دیا ہے۔

۲؎چونکہ انسان کو اپنی بیویوں خادموں سے تعلق بہت رہتا ہے اکثر انہیں مارنا پڑتا ہےاس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا ورنہ شیئًا میں یہ بھی داخل تھے کہ یہ بھی آدمی ہی ہیں۔

۳؎حضور انور نے غزوہ احد میں ابی ابن خلف کو اپنے ہاتھ شریف سے قتل کیا۔(مرقات)صرف یہ ہی ایک کافر حضور کے ہاتھوں سے قتل ہوا ہے۔یہاں شرعی سزائیں تعزیرات مراد نہیں وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرموں پر جاری فرمائی ہیں،یہ تمام قتل وغیرہ اپنی ذات کے لیے نہ تھے اللہ تعالٰی کی رضا کے لیے تھے۔

۴؎یعنی اگر کوئی شخص قانون اسلامی کی مخالفت کرتا چوری زنا کرتا تو اس کو سزا ضرور دیتے تھے۔

۵؎یعنی اگر کوئی شخص آپ کا کوئی حق مار لیتا تو آپ اسے معاف فرمادیتے تھے اس سے بدلہ نہ لیتے تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت خدمت کی جب کہ میں آٹھ سال کا تھا۱؎میں نے حضور کی دس سال خدمت کی تو مجھے کبھی کسی چیز پر ملامت نہ کی جسے میرے ہاتھ پر خرابی پہنچتی۲؎اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی مجھے ملامت کرتا تو فرماتے جانے دو۳؎اگر کچھ اور مقدر میں ہوتا تو وہ ہوتا ۴؎یہ مصابیح کے لفظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان میں کچھ معمولی فرق سے روایت کی۔

۱؎ حضرت انس جب حضور انور کی خدمت میں خدمت گاریا خاص خادم کی حیثیت سے حاضر ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر شریف آٹھ سال تھی اور آپ نے کل دس سال حضور کی بے مثال خدمت کی،حضور انور کی وفات کے بعد آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال تھی اس کا یہاں ذکر ہے۔

۲؎ یعنی چھوٹا بچہ تھا مجھ سے کبھی کوئی چیز ٹوٹ بھی جاتی تھی کبھی مجھ سے کام بگڑ جاتے تھے مگر حضور انور مجھے کبھی برا نہ کہتے تھے اور نہ جھڑکتے تھے۔اتی ماضی مجھول ہے **فیہ** اس کا نائب فاعل ہے۔

۳؎ یعنی حضور انور نہ تو خود ملامت کرتے نہ کسی کو ملامت کرنے دیتے تھے۔چیز کا درد گھر کی عورتوں کو بہت زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے ازواج پاک ناراض ہوتی تھیں حضور انہیں منع فرماتے تھے۔

۴؎ یعنی اس برتن کی عمر اتنی ہی تھی اور یہ کام رب کی طرف سے یوں ہی ہونے والا تھا انس تو اس کا مظہر ہیں انہیں کچھ نہ کہو۔اگر ہم لوگ اس طریقہ نبوی پر عمل کریں تو ثواب بھی پاویں اور ہمارے گھر جنت بن جاویں کبھی لڑائی جھگڑے نہ ہوں،گھروں میں فساد لڑائیاں اس چیز کے بھول جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو عادۃً بری باتیں کرتے تھے اور نہ تکلفًا ۱؎ نہ بازاروں میں شورکرنےوالے تھے ۲؎ اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معافی دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ **فحش** کے معنی ہیں حد سے بڑھی ہوئی بات،اکثر گالی کو فحش کہتے ہیں۔بعض لوگوں کے منہ سے عادۃً گالیاں نکلتی رہتی ہیں انہیں خیال بھی نہیں ہوتا کہ میرے منہ سے گالی نکل رہی ہے،بعض لوگ گالی گفتاری کے ایسے عادی تو نہیں ہوتے مگر وہ غصہ میں گالیاں بک دیتے ہیں۔پہلی قسم کے لوگ فاحش کہلاتے ہیں،دوسری قسم کے لوگ **متفحش**۔اللہ تعالٰی نے اپنے اس ستھرے پاکیزہ طیبہ و طاہر نبی کو ان دونوں عیبوں سے محفوظ رکھا تھا۔

۲؎ حضور انور کبھی بازار تشریف لے جاتے تھے مگر تاجروں گاہکوں کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنے کے لیے کبھی خرید و فروخت بھی فرماتے تھے۔یہاں اس کی نفی ہے کہ جیسے بعض لوگوں کو بازار میں پھرنے گھومنے بلاوجہ چیزوں کا بھاؤ پوچھنے کی عادت ہوتی ہے اس سے حضور محفوظ تھے۔

۳؎ **عفو** کے معنی ہیں معافی دینا سزا نہ دینا۔**صفح** کے معنی ہیں دیکھی کو ان دیکھی بنا دینا،مجرم کی طرف سے منہ پھیر لینا جیسے دیکھا ہی نہیں،اس سے سامنے والے پر بڑا ہی رعب پڑتا ہے ہر بات کی گرفت کرنے سے رعب جاتا رہتا ہے۔بڑے بننے کے لیے صفح درگزر ضروری ہے فرماتا ہے:"**فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاصۡفَحۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ**"۔حضور انور اس آیت کے نزول سے پہلے ہی اس پر عامل تھے حضور انور بچپن شریف میں نماز پڑھتے تھے اور قریبًا سارے احکام شرعیہ پر عامل تھے فطری طور پر۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ بیماروں کی مزاج پرسی کرتے تھے اور جنازوں کے ساتھ جاتے تھے ۱؎ غلام کی دعوت قبول کرلیتے تھے ۲؎ اور دراز گوش پر سوار ہوتے	

	تھے میں نے خیبر کے دن دیکھا آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس کی مہار پوست کھجور کی تھی ۳؎(ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان)

۱؎ حضور انور نے بیمار پرسی بعض کفار کی بھی کی ہے مگر جنازہ میں شرکت صرف مسلمانوں کے ہی کی ہے حتی کہ ابو طالب کا انتقال ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا **وادا اباك فی التراب** اپنے باپ کو مٹی میں داب دو اگرچہ حضور کو ان کے انتقال کا صدمہ بہت ہی ہوا تھا۔

۲؎ یہاں مملوک سے مراد یا تو آزاد کردہ غلام ہے یا عبد مأذون جسے تجارت وغیرہ کی اجازت مولیٰ سے مل گئی ہو یا مطلب یہ ہے کہ غلام کا مولیٰ اپنے غلام کے ذریعہ حضور انور کی دعوت کرتا تو بھی قبول فرمالیتے تھے۔(مرقات)پہلے دو معنی زیادہ قوی ہیں۔غرضیکہ طبیعت میں بڑائی شیخی تکبر بالکل نہ تھا مگر خیال رہے کہ حضور انور نے کفار کے ہدیے قبول فرمادیئے ہیں،انہیں تحفے دیئے بھی ہیں لیکن کفار کے گھر دعوت قبول کرنے کا ثبوت نہیں ملتا خصوصًا جب کہ ان کی محبت کی بنا پر ہو۔

۳؎ گدھے کی سواری خصوصًا جب کہ اس کی لگام کھجور کے پوست کی ہو بہت معمولی سمجھ جاتی تھی۔حضور انور فاتح خیبر ہیں مگر ایسی معمولی سواری پر سوار ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی شان و شوکت سلطنت حضور کے قلب پاک کو نہ بدل سکی،سب کو دنیا بدلتی ہے مگر حضور نے دنیا کو بدل دیا خود دنیا سے نہ بدلے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا شریف درست کرلیتے تھے اپنے کپڑے سی لیتے تھے ۱؎ اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے،فرماتی ہیں آپ بشروں میں سے ۲؎ ایک کی سی زندگی رکھتے تھے اپنے کپڑوں کی جوئیں دیکھتے تھے ۳؎ اپنی بکری دوھ لیتے تھے اپنے کام خود کرتے تھے ۴؎(ترمذی)

۱؎ اس عمل شریف سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ پیوند والا کپڑا اور پیوند لگا ہوا جوتا پہننے میں عار نہ کرے یہ سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔دوسرے یہ کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں بھی شرم نہ کرے دوسرے کا حاجت مند نہ رہے مگر یہ دونوں عمل بخل کی بناء پر نہ ہوں بلکہ تواضع انکسار کے لیے ہوں لہذا یہ حدیث اس فرمان عالی کے خلاف نہیں کہ جب نیا کپڑا یا نیا جوتا پاؤ تو پرانا خیرات کردو کہ وہاں سخاوت کی تعلیم ہے اور یہاں تواضع کی۔اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر ہر کام جانتے ہیں،حضور سلطنت کرنا، مقدمہ میں فیصلہ کرنا بھی جانتے ہیں اور کپڑے سینا،جوتہ میں پیوند لگانے سے بھی واقف ہیں یہ سب کچھ کسی سے سیکھا نہیں رب کے ہاں سے سیکھے سکھائے تشریف لائے،حضور انور نے کوئی کمال کسی مخلوق سے نہیں سیکھا۔

۲؎ یعنی حضور کی زندگی پاک شاہانہ پر تکلف نہ تھی عام بشر کی طرح سادہ تھی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور میں سواء بشریت کے اور کوئی کمال نہ تھا اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حضرات صحابہ کرام حضور کو بشر کہہ کر پکارتے ہیں۔بشر کہنا تو بڑی بات ہے حضرت عباس حضور کو بھتیجا نہیں کہتے،حضرت علی رضی اللہ عنہ بھائی نہیں کہتے،حضرت عائشہ خاوند کہہ کر نہیں پکارتیں سب یہی کہتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا"۔

۳؎ خیال رہے کہ حضور انور کے سر یا کپڑوں میں جوئیں پڑتی نہ تھیں ہاں دوسرے کی چڑھ جاتی تھیں وہ آپ اپنے کپڑوں سے صاف کرتے تھے اور ام حرام آپ کے سر شریف سے نکالتی تھیں،ہاں مکھی جسم پاک پر نہیں بیٹھتی تھی مچھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ دیتے تھے۔(اشعہ)بعض شارحین نے فرمایا کہ کبھی ایک دوجوں پڑجاتی جوں پڑنا صفائی خون کی علامت ہے اس لیے جذامی کے سریا کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی مگر فقیر کے نزدیک پہلی بات قوی ہے۔

۴؎ یعنی اپنے کام خود آپ بھی کرلیتے تھے لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضرت انس اور دوسرے صحابہ حضور انور کی خدمت کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ ایک جماعت زید ابن ثابت کے پاس آئی وہ بولے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنائیے فرمایا کہ میں حضور کا پڑوسی تھا ۲؎ تو جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو مجھے بلاتے میں اسے لکھتا تو جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی وہ ہی ذکر کرتے تھے ۳؎ ہمارے ساتھ میں اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ وہ ہی ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ وہ ہی ذکر کرتے ۴؎ یہ تمام باتیں میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر دے رہا ہوں ۵؎(ترمذی)	

۱؎ حضرت زید ابن ثابت تو مشہور صحابی ہیں،کاتب وحی ہیں مگر آپ کے فرزند خارجہ تابعی ہیں،خلافت عثمانیہ کا زمانہ پایا ہے،مدینہ منورہ کے سات قاریوں میں سے ایک ہیں۔

۲؎ یعنی مجھے حضور انور کے پڑوسی ہونے کا شرف حاصل ہے اور میں حضور انور کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہوں کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کے حالات سے باخبر ہوتا ہے مجھ سے پوچھو وہ کیسے تھے۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں صرف آخرت ہی کا ذکر نہ ہوتا تھا کہ لوگ اکتا جائیں بلکہ دنیا کی برائی یا بھلائی کا ذکر بھی ہوتا تھا۔دنیا نفس کے لیے بری ہے اور آخرت کی کھیتی ہو تو اچھی ہے۔جب ہم دنیا کی کوئی بات کرتے تو حضور انور بھی اس میں شریک ہوجاتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ یہ باتیں بھی جائز ہیں۔

۴؎ مگر ان ذکروں میں بہت سے مسائل شرعیہ بھی حاصل ہوجاتے ہیں کیا کھانا چاہیے،کیسے کھانا چاہیے،کون سا کھانا ہم کو مرغوب ہے،اس کھانے میں کیا فوائد ہیں۔حضور کی مجلس علم کی مجلس تھی ہر بات میں تبلیغ و تعلیم تھی۔

۵؎ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو شیخ جلوت میں ہر وقت اللہ اللہ ہی کرتا ہو اور کوئی بات ہی نہ کرتا وہ مکار ہے مجلس میں ہر طرح کا ذکر چاہیے،ہاں جائز ذکر چاہیے ناجائز نہ چاہیے۔رب تعالٰی کو اپنے محبوب حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں پسند ہیں جو ان اداؤں کی نقل کرے گا وہ خدا کو محبوب ہوگا۔مجلس کی یہ ادا کہ وہاں ہر طرح کا دین کا دنیا کا ذکر ہو محبوب کی ایک ادا ہے تم بھی اس ادا کی نقل کرو۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تھے تو اپنا ہاتھ نہ کھینچتے حتی کہ وہ ہی اپنا ہاتھ کھینچتا تھا۱؎ اور آپ اپنا منہ اس کے منہ سے نہیں پھیرتے تھے حتی کہ وہ ہی اپنا منہ حضور کے چہرے سے پھیرتا اور حضور کو کبھی نہ دیکھا گیا کہ حضور اپنے ہم نشین کے سامنے گھٹنے پھیلا کر بیٹھے ہوں۲؎(ترمذی)

۱؎ **الرجل** اس لیے فرمایا گیا کہ حضور انور نے کبھی کسی عورت سے مصافحہ نہیں کیا،مردوں سے اکثر مصافحہ فرمایا،کبھی کسی سے معانقہ یعنی گلے ملنا بھی فرمایا ہے جیسے حضرت جعفر یا حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہم۔یہ حضور کے اخلاقِ کریمانہ ہیں کہ کسی سے جب مصافحہ فرماتے تو اپنا ہاتھ نہ کھینچے وہ جتنی دیر تک آپ کا ہاتھ تھامے رہتا آپ بھی ویسے ہی اس کا ہاتھ پکڑے رہتے وہ دستگیر عالم جو ہوئے۔

۲؎ یعنی حضور انور کبھی کسی مجلس میں کسی کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے نہ اولاد کی طرف،نہ ازواج پاک کی طرف،نہ غلاموں خادموں کی طرف کہ اس عمل سے شاید اس کو تکلیف ہو کہ اس میں سامنے والے کی تحقیر ہوتی ہے،نیز یہ طریقہ متکبرین اور غرور والوں کا ہے۔دوسروں کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھنا اپنی عزت اس کی حقارت ظاہر کرنا اللہ تعالٰی ہم سب کو اخلاق محمدی نصیب کرے۔آمین!

	روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے تھے۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی اپنی ذات کریم کے لیے کوئی چیز کل کے لیے نہ رکھتے،روزانہ حالت یہ ہوتی تھی کہ نیا روز نئی روزی یہ انتہائی توکل ہے۔رہا مہمانوں اور گھر والوں کا معاملہ اس کے متعلق طریقہ یہ تھا کہ فتح خیبر سے پہلے تو گھر شریف میں بھی کچھ نہ ہوتا تھا دو دو ماہ صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ کبھی بالکل فاقہ۔شعر

اور کبھی تھوڑے چھوارے کھانا پانی پی کر پھر رہ جانا دو دو مہینے یوں ہی گزارا صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی تمنا روز نہ کھانا اک دن فاقہ اک دن کھانا جس دن کھانا شکر کا کرنا صلی اللہ علیہ وسلم

مگر فتح خیبر کے بعد ہر بی بی صاحبہ کو ایک سال کے لیے جو اور کھجوریں عطا فرمادیتے تھےوہ ذخیرہ بال بچوں اور مہمانوں کے لیے ہوتا تھا۔(مرقات واشعہ)لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کیونکہ سب کو تو حضور کا ساتوکل میسر نہیں۔شعر

ہوسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان در داناں دیگر اند

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز خاموشی والے تھے [1](شرح سنہ)	

[1] خاموشی سے مراد ہے دنیاوی کلام سے خاموشی ورنہ حضور اقدس کی زبان شریف اللہ کے ذکر میں تر رہتی تھی لوگوں سے بلاضرورت کلام نہیں فرماتے تھے یہ ذکر ہے جائز کلام کا ناجائز کلام تو عمر بھر زبان شریف پر آیا ہی نہیں جھوٹ،غیبت،چغلی وغیرہ ساری عمر شریف میں ایک بار بھی زبان مبارک پر نہ آیا۔حضور سراپا حق ہیں پھر آپ تک باطل کی رسائی کیسے ہو۔آم کے درخت میں جامن نہیں لگتے،بار دار درخت خار دار نہیں ہوتےخود فرماتا ہے کہ جو بھی کلام کرے تو خیر کلام کرے ورنہ خاموش رہے،حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کاش میں گونگا ہوتا مگر حق بات سے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام شریف میں آہستگی اور ٹھہراؤ تھا [1] (ابوداؤد)	

[1] بعض شارحین نے فرمایا کہ ترتیل اور ترسیل کے معنی ہیں کلام میں آہستگی،رب فرماتاہے:"وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا"بعض شارحین نے فرمایا کہ ترتیل کے معنی ہیں آہستگی سے کلام کرنا،ترسیل کے معنی ہیں واضح اور ظاہر کلام فرمانا کہ ایک ایک حرف ظاہر ہو زبان کسی حرف کے ادا کرنے میں لپٹے نہیں۔(مرقات)دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور انور رب تعالٰی کی طرف سے مبلغ اعظم ہیں کلام میں جلدی یا کلام واضح نہ ہونا تبلیغ کے لیے مضر ہےاس لیے رب نے آپ کو فصاحت وبلاعت کے ساتھ خوش ادائیگی بھی عطا فرمائی تھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری اس جلدی کی طرح کلام میں جلدی نہیں کرتے تھے [1] لیکن ایسے کلام کرتے تھے جس	

	کے درمیان فاصلہ ہوتا تھا جو آپ کی خدمت میں بیٹھتا وہ حفظ کرلیتا تھا ۲(ترمذی)

۱ یعنی حضور کے کلام اور کلمات مسلسل نہیں ہوتے تھے جیسے عام لوگ لگاتار کلام کرتے ہیں بلکہ ایک بات بتائی پھر کچھ خاموشی پھر دوسری بات اور ان دو باتوں کے درمیان اللہ کا ذکر۔

۲ صحابہ کرام کو احادیث قرآن مجید کی طرح حفظ تھیں اسی وجہ سے تو احادیث جمع ہوئیں،اس جمع ہونے کی بڑی وجہ حضور انور کا یہ وقار سے کلام فرمانا تھا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزء سے ۱ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہ دیکھا ۲(ترمذی)

۱ آپ کی کنیت ابوالحارث ہے،سہمی ہیں،بدر میں حاضر ہوئے،مصر میں قیام رہا وہاں ہی وفات پائی،آپ مصر کے آخری صحابی ہیں،آپ کی وفات سے مصر صحابہ سے خالی ہوگیا۔(اشعہ و مرقات)

۲ تبسم یعنی مسکرانے سے اپنا دل تازہ اور مخاطب کا دل خوش ہوتا ہے۔زیادہ ہنسی اور ٹھٹھا لگانا دل کو مردہ کردیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سلام سے ۱ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب باتیں کرنے بیٹھتے تو اپنی نگاہ شریف آسمان کی طرف زیادہ اٹھاتے تھے ۲(ابوداؤد)

۱ آپ کی کنیت ابو یوسف ہے،حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے ہیں،توریت کے بڑے عالم تھے،آپ کے فرزند ہیں یوسف اور محمد وغیرہم،۴۳ھ تینتالیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔(اکمال)

۲ یہ نظر کا اٹھنا انتظار وحی میں ہوتا تھا۔(مرقات،اشعہ)اور نہ معلوم قدرت کے کیا کیا نظارے کرتے ہوں گے،رب فرماتاہے:"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ"۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن سعید سے وہ حضرت انس سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو بال بچوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہربان ہو ۱ آپ کے فرزند ابراہیم ۲ بیرون مدینہ میں شیرخوارگی کرتے تھے ۳ تو آپ تشریف لے جاتے تھے ہم

آپ کے ساتھ ہوتے تھے آپ گھر میں تشریف لے جاتے حالانکہ وہاں دھواں ہوتا تھا ان کا رضاعی والد لوہار تھا۴ آپ بچے کو لیتے اسے چومتے پھر لوٹ آتے۵ حضرت عمرو نے فرمایا پھر جب ابراہیم وفات پاگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بچہ ابراہیم شیرخوارگی میں وفات پاگیا ۶ اس کے لیے دو دوائیاں مقرر ہیں جو اس کی شیر خوارگی جنت میں پوری کریں ۷(مسلم)	

۱ عیال بنا ہے عول سے بمعنی پرورش ہر پرورده پالنے والے کا عیال ہے،رب فرماتاہے:"وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی"ہم نے آپ کو بڑا عیال والا پایا تو غنی کردیا۔یہاں عیال سے مراد یا تو بیویاں بچے ہیں یا ساری حضور کی امت ہے کہ سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرورده ہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ بعض نسخوں میں بالعباد ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بال بچوں پر بہت ہی مہربان تھے یا اپنی امت پر بہت ہی مہربان ہیں،پہلے معنی کی تائید تو اگلا واقعہ کررہا ہے دوسرے معنی کی تائید وہ آیت ہے"بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ"۔

۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹے تھے اور چار بیٹیاں:بیٹے تو طیب،طاہر،قاسم،ابراہیم ہیں۔صاحبزادیاں زینب،رقیہ،کلثوم،فاطمہ ہیں رضی اللہ عنہم ساری اولاد حضرت خدیجۃ الکبری کے بطن شریف سے تھیں سوائے حضرت ابراہیم کے کہ وہ جناب ماریہ قبطیہ کے بطن شریف سے تھے۔حضور کی زندگی شریف میں ساری اولاد وفات پاگئی تھیں سواء جناب فاطمہ زہرا کے جو حضور کی وفات کے صرف پانچ ماہ کچھ دن بعد وفات پاگئیں۔

۳ عوالی جمع ہے عالیہ کی بمعنی بلند جگہ عوالی مدینہ بستی مدینہ کے آس پاس کے وہ مقام جو مدینہ منورہ سے ملحق ہیں چونکہ وہ زمین مدینہ سے قدرے بلند ہے اس لیے انہیں عوالی کہتے ہیں۔مسجد قبا،بنی قریظہ اس عوالی میں واقع ہیں،اس فقیر نے عوالی مدینہ کی بارہا زیارت کی ہے۔

۴ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی دایہ دودھ کی ماں کا نام ام یوسف تھا اور اس کے شوہر کا نام براہ ابن اوس انصاری تھا،کنیت ابو سیمین تھی،لقب قین تھا یعنی لوہار کیونکہ وہ لوہاری پیشہ کرتے تھے اس لیے انکے گھر میں دھواں بھی ہوتا تھا۔اس گنہگار نے اس گھر کی زیارت کی ہے،جنت بقیع سے قریبًا نصف میل ہے۔خیال رہے کہ ظئر دایہ کو بھی کہتے ہیں اور دایہ کے خاوند کو بھی،یہاں ظئر دوسرے معنی میں ہیں۔

۵ یعنی حضور انور ہفتہ عشرہ میں ابوسیمین کے گھر اپنا بچہ ابراہیم دیکھنے جاتے وہاں باوجود دھوئیں کے کچھ دیر تشریف رکھتے،فرزند کو چومتے پیار کرتے،پھر واپس تشریف لے آتے تھے۔

۶ خیال رہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ حضور انور کی لونڈی تھیں جنہیں مصرواسکندریہ کے بادشاہ مقوقش قبطی نے حضور انور کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا تھا،ذی الحجہ ۸ھ آٹھ میں انہیں کے بطن شریف سے حضرت ابراہیم پیدا

ہوئے تھے۔یہ سب مانتے ہیں کہ جناب ابراہیم شیرخوارگی میں فوت ہوئے،اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی غالبًا سولہ یا سترہ ماہ تھی جیساکہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

۷؎ یعنی حضرت ابراہیم وفات پاتے ہی جنت میں پہنچادیئے گئے اور دو صاحبہ وہاں انہیں دودھ پلانے کے لیے مقرر کردی گئیں جو انہیں بقیہ ماہ دودھ پلائیں گی اپنا دودھ یا جنت کی نہر کا دودھ یہ جناب ابراہیم کی خصوصیت ہے۔بعض روایات میں ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔اس حدیث کو اکثر محدثین نے محض باطل و موضوع کہا ہے،اگر صحیح بھی ہو تو یہ حضرت ابراہیم کی خصوصیت ہے ورنہ گذشتہ نبیوں کے سارے بیٹے نبی نہیں ہوئے ہیں،نیز اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور خاتم النبیین نہ ہوں کیونکہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جناب ابراہیم زندہ نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں لہذا وہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔(مرقات)غرضکہ یہ حدیث امام نووی ابن عبدالبروغیرہم محدثین کے نزدیک موضوع ہے،بعض محدثین نے اسے مرفوعًا صحیح مانا اور مطلب وہ بتایا جو ابھی ہم نے عرض کیا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے کہ ایک یہودی جس کا نام فلاں پادری تھا ۱؎ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ دینار قرض تھے ۲؎ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضا کیا ۳؎ حضور نے اس سے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس کچھ نہیں ہے جو تجھے دوں ۴؎ وہ بولا کہ میں آپ کو چھوڑوں گا نہیں حتی کہ آپ مجھے قرضہ ادا کردیں ۵؎ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تب تو میں تیرے ساتھ ہی بیٹھوں گا آپ اس کے ساتھ بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر مغرب عشاء آخری اور فجر کی نمازیں پڑھیں ۶؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اسے ڈراتے دھمکاتے تھے ۷؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا ۸؎ جو وہ اس کے ساتھ کرتے تھے،صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ایک یہودی آپ کو روکے ہوئے ہے ۹؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عہد والے کافر وغیرہ پر ظلم کروں ۱۰؎ پھر جب دن چڑھ گیا تو یہودی بولا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں ۱۱؎ اور میرا آدھا مال اللہ کی راہ میں ہے ۱۲؎ حضور جو کچھ	

	میں نے آپ کے ساتھ برتاؤ کیا یہ صرف اس لیے کہ میں آپ میں صفات دیکھ لوں جو توریت میں ہیں۱۳؎ کہ محمد عبداللہ کے بیٹے ہیں،ان کی جائے ولادت مکہ اور جائے ہجرت طیبہ ہے اور ان کی سلطنت شام میں ہے۱۴؎ نہ تو سخت دل ہیں نہ سخت زبان اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے،نہ تو بری باتوں سے متصف ہیں اور نہ سخت کلام برے کلام سے۱۵؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ ہے میرا مال آپ اس میں وہ فیصلہ فرمائیں جو اللہ آپ کو دکھائے ۱۶؎ یہودی بہت بڑا مال دار تھا ۱۷؎ (بیہقی دلائل النبوۃ)

۱؎ یعنی حضرت علی نے اس یہودی کا نام بتایا تھا مگر راوی کو یاد نہ رہا تھا وہ اپنے مذہب کا بڑا عالم تھا۔حبر عالم یہود کو کہتے ہیں،جمع ہے احبار،محدثین نے بھی اس یہودی کا نام نہ بتایا۔

۲؎ یعنی حضور انور نے اس یہودی پادری سے ضرورۃً چند اشرفیاں قرض لی تھیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے مالی معاملات حتی کہ قرض کا لین دین بھی جائز ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کا مال مخلوط ہو کہ اس کی کمائی حرام بھی ہو حلال بھی اس سے قرض ہدیہ لینا درست ہے،دیکھو یہود کے متعلق قرآن کریم فرماتاہے:"اَکّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ "یہ بڑے حرام خور ہیں،رشوتیں،سود جوئے بھی ان کی کمائیاں تھیں مگر حضور انور نے ان سے قرض لیا،اس سے بہت دینی مسئلے حاصل ہوں گے۔

۳؎ اس یہودی کا یہ تقاضا مقررہ مدت سے پہلے تھا۔خیال رہے کہ قرض یعنی دست گرداں میں مدت مقرر لازم نہیں ہوتی،قرض خواہ طے شدہ وقت سے پہلے بھی تقاضا کرسکتا ہے مگر کاروباری قرض جسے دین کہتے ہیں جیسے کوئی چیز خریدی اس کی قیمت قرض کرلی اس میں طے شدہ مدت سے پہلے قرض خواہ کو تقاضا کرنے کا حق نہیں ہوتا۔

۴؎ اس فرمان عالی میں حضور انور کی طرف سے وعدہ خلافی نہیں بلکہ وعدہ خلافی اس قرض خواہ یہودی کی طرف سے تھی کہ وہ طے شدہ مدت سے پہلے ہی قرضہ وصول کرنے آگیا تھا۔

۵؎ فقہ میں اسے ملازمت کہتے ہیں یعنی قرض خواہ مقروض کے ساتھ رہے کہے کہ میں تجھے بغیر قرضہ وصول کیے چھوڑوں گا نہیں۔

۶؎ غالبًا یہ واقعہ مسجد نبوی شریف میں ہوا کہ وہ یہودی مسجد میں ہی حضور انور کے ساتھ بیٹھ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں ہی باجماعت نماز پڑھتے رہے اور اس یہودی کے ساتھ بیٹھے رہے۔یہودی کافر تھا،کفار مسجد میں آسکتے

ہیں،قرآن مجید میں جو ہے"اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ"وہاں نجاست سے مراد عقیدوں کی گندگی اور وہاں مشرکین کو حج بیت اللہ سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ے تہدد اور توعد دونوں کے معنی ہیں دھمکانا ڈرانا۔یہاں تہدد سے مراد ہے مار پیٹ سے ڈرانا اور توعد سے مراد ہے نکال دینے سے ڈرانا وہ حضرات چپکے چپکے اسے ڈراتے دھمکاتے تھے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۸ یعنی قرائن و علامات سے حضور انور نے سمجھ لیا کہ ہمارے صحابہ اس یہودی کو ڈرا رہے ہیں۔فطن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے علامات سے معلوم کیا۔یہ ہے اسلام کا عدل و انصاف اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں، مسلمان حاکم قوم ہیں،وہ یہودی مسلمانوں کی رعیت کا ایک شخص ہے سلطان اسلام پر وہ ایسی سختی کررہا ہے اور اس کو اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیا جاتاایسا عدل و انصاف کسی قوم نے نہیں کیا ہوگا۔

۹ صحابہ کی یہ عرض و معروض بطور تعجب ہے کہ ایک ذلیل حقیر یہودی جو آپ کی رعایا ہمارا ماتحت ہے اس نے پہلی زیادتی تو یہ کی کہ وقت سے پہلے قرضہ کا مطالبہ کیا،پھر اس کا یہ ظلم کہ آپ کے ساتھ رہ پڑا ہم کو اجازت دیں کہ ہم اسے ان حرکتوں کا مزہ چکھادیں۔ان حضرات کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس کو ڈراتے دھمکاتے ہیں،اس کی زیادتی کی وجہ سے ہم کو اس کی اجازت دینی چاہیے۔خیال رہے کہ یا تو ان حضرات کے پاس روپیہ تھا نہیں کہ حضور انور کا قرض ادا کردیتے یا حضور انور کو یہ منظور نہ تھا،یا ان حضرات کو اس یہودی کا وقت سے پہلے مطالبہ کرنا پسند نہ تھا،ان وجوہ سے ان حضرات نے حضور کا قرض ادا نہ کیا بلکہ اور طرح دھمکایالہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صحابہ نے قرض ہی ادا کیوں نہ کردیا۔(از مرقات)حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام سے قرض نہیں لیتے تھے بلکہ غیرمسلموں سے یعنی اپنی رعایا یہود وغیرہ سے قرض لیتے تھے۔(مرقات)

۱۰ معاہد سے مراد ذمی کافر ہے اور غیر معاہد سے مراد مستامن کافر ہے یا معاہد سے مراد ہے ذمی و مستامن دونوں قسم کے کفار اور غیر معاہد سے مراد ہیں حربی کفار کہ ظلم حربی کافر پر بھی جائز نہیں،یا معاہد سے مراد ہیں ذمی مستامن کفار اور غیر معاہد سے مراد ہیں سارے انسان۔خیال رہے کہ ذمی پرظلم کرنا بمقابلہ مسلمان پر ظلم کرنے کے زیادہ برا ہے کیونکہ مسلمان کے قرض کا نتیجہ قیامت میں یہ ہوگا کہ یا تو مقروض کی نیکیاں قرض خواہ کو دے دی جائیں یا قرض خواہ کے گناہ مقروض پر ڈال دیئے جائیں۔اگر کافر قرض خواہ یا مظلوم ہے اور مسلمان ظالم ہے تو یہ دونوں صورتیں وہاں ناممکن ہیں اسی لیے کافر پر ظلم بدتر ہے مسلمان پر ظلم کرنے سے جیسے جانوروں پر ظلم کرنا بدتر ہے انسان پر ظلم کرنے سے کہ جانور کسی سے شکایت نہیں کرسکتادیکھو مرقات یہ ہی مقام،نیز جانور کے ظلم کا مسئلہ شامی میں بھی ہے۔خیال رہے کہ حضور انور نے یہاں قرض مارنے کا ظلم نہیں فرمایا ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت یہ تو تھی ہی نہیں بلکہ قرض خواہ کے پاس نہ بیٹھنے کو اسے ڈرانے دھمکانے کو ظلم قرار دیا ہے اس لیے فرمایا کہ مجھے اس کے پاس بیٹھناچاہیے۔حربی کفار کا مال جنگ میں غنیمت میں لینا جائز ہےامانت،قرض،عاریت کافر کی بھی ادا کرنی پڑے گی۔

۱۱ یعنی میں دیکھ کر اللہ کی توحید اور آپ کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں اس کی تفصیل ابھی آگے آرہی ہے۔

۱۲؎ یعنی میں مسلمان ہوتا ہوں اور اسلام کی توفیق ملنے کی خوشی میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔یہ اس کا شکریہ ہے کہ رب نے مجھے اسلام کے ساتھ صحابیت کا شرف بھی بخشا۔

۱۳؎ یعنی میں نے آپ کی صورت آپ کا حلیہ توریت کے بیان کے مطابق پایامگر وہ سیرت پاک اور دیکھنی تھی جو توریت شریف میں آپ کی بیان کی گئی ہے۔میری یہ سخت روی اس کی تحقیق کے لیے تھی ورنہ قصور تو میرا ہے کہ میں نے وقت سے پہلے قرض کا مطالبہ کیا۔

۱۴؎ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر گئی کہ اسلام میں پہلے سلطان جناب امیر معاویہ ہیں،ان کا دارالخلافہ دمشق تھا جو شام کا پایہ تخت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ کی سلطنت بالکل حق ہے جیسے خلفاء راشدین کی خلافت بالکل درست وحق ہے،نیزیہ کہ امیر معاویہ کی سلطنت حضور انور کی سلطنت ہے۔سلطنت اور خلافت نیز سلطنت اور خلافت راشدہ میں بڑا فرق ہے۔سلطان اسلام مسلمانوں کے صرف اجسام کا حاکم ہوتا ہے اور خلیفۃ المسلمین مسلمانوں کے جسم و قلب و روح سب کا حاکم ہوتا ہے۔رسول اللہ کا جانشین اس کی بیعت سلطنت کی بیعت بھی ہے طریقت کی بیعت بھی کہ وہ مسلمانوں کا بادشاہ بھی ہوتا ہے اور پیر طریقت بھی اس لیے حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ میں لوگ مشائخ کی بیعت نہ کرتے تھے،امیر معاویہ کے زمانہ سے یہ طریقت کی بیعت علیحدہ ہوئی لوگوں نے شیخ اختیار کیے۔

۱۵؎ **متزی** بنا ہے زی سے بمعنی لباس وہیبت،**متزی** باب تفعل کا اسم فاعل برے برتاوے بری باتوں سے ملوث، **فحش** کے معنی ہیں حد سے بڑھی ہوئی چیز،خنا بمعنی بیہودہ۔

۱۶؎ یعنی میں نے یہ مال اللہ کی راہ میں خیرات تو کردیا مگر اسے تقسیم حضور انور کریں،حضور میرے اور میرے مال کے مالک و مختار ہیں جہاں چاہیں جسے چاہیں عطا فرمادیں۔

۱۷؎ اب مال کے ساتھ اس کا حال،اس کا مآل(انجام) بھی اچھا ہوگیا یہ ہے خوش نصیبی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر زیادہ کرتے تھے اور دنیاوی کلام بہت کم کرتے تھے۱؎ اور نماز دراز کرتے تھے اور خطبہ چھوٹا پڑھتے تھے۲؎ اور بیوگان،مساکین کے ساتھ چلنے سے عار نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی حاجت پوری فرمادیں۳؎ (نسائی،دارمی)	

۱؎ خیال رہے کہ **لغو** کے معنی ہیں بے کار کام یا بے کار کلام،یہاں کلام دنیا کو لغو فرمایا ذکر اللہ کے مقابلہ میں وہ بھی حضور انور کی نسبت ہے ورنہ حضور انور کی دنیا عین دین ہے۔حضور کے دنیاوی کام ہماری ہزارہا عبادات سے افضل ہیں حتی کہ حضور انور کا مزاح(خوش طبعی کی باتیں) بھی دین تھیں کہ ان میں بھی تبلیغ تھی ہم کو مزاح دکھانا مقصود تھا۔

۲؎ یعنی جمعہ اور عیدین کے خطبے چھوٹے پڑھتے تھے نمازیں دراز کیونکہ نماز میں رب تعالٰی سے ہم کلامی ہوتی ہے وہ معراج مؤمن ہے اور خطبہ میں لوگوں سے خطاب کم ہی اچھا ہے رب سے ہم کلامی دراز ہی بہتر ہے۔(از مرقات)اب بھی سنت یہ ہی ہے۔

۳؎ یعنی حضور انور کو غریبوں،یتیموں،مسافروں،بیوگان کے ساتھ رہنے سہنے،چلنے پھرنے،ان کا کام کرنے میں کوئی عار نہ تھی،فرشتوں کے بھی ہم نشین تھے عابدوں زاہدوں کے بھی اور گنہگاروں مساکین کے بھی۔شعر

شاہِ باز لامکانی آن او | رحمت للعالمین درشان او

روایت ہے حضرت علی سے کہ ابو جہل نے ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے ۲؎ لیکن ہم تو اسے جھٹلاتے ہیں جو آپ لائے ہیں ۳؎ تب اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں آیت اتاری کہ یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ۴؎(ترمذی)	

۱؎ ابوجہل کا نام عمرو ابن ہشام تھا،قریش مکہ کا سردار تھا،بڑا سخت دل حضور انور کا دشمن تھا،حضور انور نے اس کو ابوجہل کہا یعنی جہالت والا۔ابو کے معنی باپ نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں والا جیسے ابوہریرہ بلی والا،ابوبکر ہر نیکی میں اوّلیت والے ایسے ہی ابوجہل حماقت و جہالت والا،لوگ اسے ابوالحکم کہتے تھے حضور انور نے ابوجہل کہا تووہ ابوجہل ہی ہوکر رہ گیا۔

۲؎ یہ ہے حضور انور کی سچائی کی دھاک جو کفار کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی یعنی ہم نے آپ کی زبان پر کبھی جھوٹ آتے نہیں دیکھا ہماری عقل نہیں قبول کرتی کہ آپ کی زبان جھوٹ کہے۔

۳؎ اس عبارت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ **بما جئت** میں ب سببیہ ہو اور **نکذب** کا مفعول پوشیدہ ہو یعنی ہم آپ کو اس قرآن مجید کی وجہ سے جھوٹا کہتے ہیں اگر آپ قرآن سنانا چھوڑ دیں تو ہم آپ کو جھوٹا کہنا چھوڑ دیں۔ دوسرے یہ کہ **بما** مفعول ہے **نکذب** کا یعنی ہم تو اس قرآن کو جھوٹا کہتے ہیں نہ کہ آپ کو۔تب اس کا مطلب یہ ہے کہ جو فرشتہ آپ کو قرآن لاکر سناتا ہے وہ فرشتہ نہیں ہے کوئی جن وغیرہ جھوٹی مخلوق ہے وہ آپ سے جھوٹ بول جاتا کہ یہ کلام الٰہی ہے ہم اس کو اور اس کلام کو جھوٹا کہتے ہیں آپ دھوکا کھا گئے ہیں لہذا اس قول پر یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ حضور کے متعلق یہ کہتا تھا کہ آپ کا یہ کہنا قرآن کلام الٰہی ہے جھوٹ ہے تو پھر اس نے حضور انور کو جھوٹا کہہ دیا پھر **لانکذبك** کے کیا معنی۔

۴؎ ایک بار ابوجہل کا خاص دوست اخنس ابن شریق اسے علیحدگی میں لے گیااور بولا کہ یہاں کوئی نہیں ہے سچ کہہ دے کہ محمد مصطفٰی سچے ہیں یا نہیں وہ بولا ہیں تو وہ بالکل سچے،اخنس بولا پھر تو انہیں مانتا کیوں نہیں وہ بولا کہ قصی کی اولاد میں پہلے ہی سے کعبہ کی کلید برداری حجاج کو پانی پلانا اور دوسری شرافتیں حاصل ہے اگر نبوت بھی ان میں چلی گئی تو دوسرے قریشیوں کے لیے کون سی عزت باقی بچے گی اس پر یہ آیات اتری لہذا اس آیت کے معنی یہ بھی

ہوسکتے ہیں کہ یہ آیت الہیہ کی وجہ سے آپ کو جھٹلاتے ہیں، یہ حاسد ہیں اگر آپ قرآن نہ سناتے یہ آپ کو جھوٹا نہ کہتے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں ۱؎ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ کے برابر تھی ۲؎ اس نے عرض کیا کہ آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو بندگی والے نبی بنیں اور اگر چاہیں تو بادشاہ نبی بنیں ۳؎ تو میں نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا ۴؎ تو انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ اپنی ذات میں انکسار کریں ۵؎

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ حضور جو چاہیں رب تعالٰی وہ ہی کردے جسے جو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دے دیں حتی کہ حضرت ربیعہ نے حضور انور سے جنت مانگی بلکہ جنت میں آپ کی ہمراہی مانگی حضور نے انہیں عطا فرمائی جیساکہ جلد اول باب السجود میں حدیث گزری۔شعر

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے سرکار بنایا تمہیں مختار بنایا

خیال میں رہے یعنی اگر ہم یہ چاہیں۔مولانا فرماتے ہیں۔

یاد او سرمایہ ایماں بود ہر گدا از یاد او سلطان بود

تو کریمی من کمینہ بندہ ام لیک از لطف شما پرودہ ام

۲؎ اس فرمان عالی سے اس فرشتہ کی قدر آوری اور درازی بیان فرمانا مقصود ہے کہ وہ کعبہ معظّمہ سے دوگنا بلند تھا۔

۳؎ حضرات انبیاءکرام اکثر مساکین تھے،حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام بادشاہ نبی تھے آپ کو اختیار ہے کہ آپ مسکین نبی ہونا قبول فرماویں یا بادشاہت والے نبی بنیں۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام جہان رب تعالٰی کی رضا چاہتا ہے اور اللہ تعالٰی حضور کی رضا چاہتا ہے۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو مشورہ کے لیے دیکھا اشارۃً فرمایا کہ اے جبریل تمہاری کیا رائے ہے۔معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں سے مشورہ کرلینا بھی سنت ہے۔

۵؎ یعنی اے محبوب حضور مسکینیت اور عبدیت اختیار فرماویں کہ یہ غنا سے افضل و اعلٰی ہے۔معلوم ہوا کہ مسکین صابر اعلٰی ہے غنی شاکر سے،رب تعالٰی نے شکر کی جزا زیادتی نعمت بتلائی ہے:"لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ"اور صبر کی جزا خود ذات پروردگار ہے،فرماتا ہے:"اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ"۔خیال رہے کہ اگرچہ حضور انور سارے حجاز کے

بادشاہ ظاہری بھی ہوئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی شاہانہ نہیں گزاری بلکہ درویشانہ گزاری مسکینیت کا یہ ہی مطلب ہے۔شعر

دولت دنیاخاک برابرہاتھ کے خالی دل کے تونگر　　　　ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا ان سے مشورہ لینے والے کی طرح تو جناب جبریل نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ انکسار کریں[1] میں نے کہا کہ میں بندگی والا نبی رہوں گا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر نہیں کھاتے تھے فرماتے تھے میں ایسے ہی کھاؤں گا جیسے بندے کھاتے ہیں اور ایسے ہی بیٹھوں گا جیسے بندے بیٹھتے ہیں[2] (شرح سنہ)	

[1] یعنی حضور تمام نبیوں کے سردار ہیں تو آپ کا ہر وصف آپ کی ہر ادا افضل و اعلیٰ ہی چاہیے،تواضع اعلیٰ ہے کہ آپ ہر چیز کے مالک ہوکر بھی انکسار فرماویں۔

[2] چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دو زانو بیٹھتے تھے اور اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے جیسے مولیٰ کا فرمانبردار مولیٰ کی آواز کا منتظر بندہ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تاکہ اگر مولیٰ بلائے تو اٹھنے میں دیر نہ لگے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ نماز کے باہر بھی دوزانو بیٹھنا افضل ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دفع اکڑوں بھی بیٹھتے تھے۔ (مرقات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور کھانے کے بعد یہ انگلیاں چاٹ لیتے تھے،پھر ہاتھ شریف دھوتے تھے،پانی تین سانسوں میں پیتے تھے یہ باتیں پہلے گزرچکی ہیں۔

باب المبعث و بدء الوحی

ظہور نبوت اورابتداء وحی کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ باب اصل میں بوب تھابمعنی لوٹنا اپنی ابتدا کی طرف،واؤ الف سے بدل گیا اس کی جمع ابواب آتی ہےاور ابوبہ بھی۔ **مبعث** مصدر میمی ہے،بعث بھیجنا،ظہور نبوت کو بعثت کہا جاتا ہے۔وحی کے لفظی معنی اشارہ،خفیہ کلام،آواز،بول کا القاء۔ شریعت میں وہ کلام الٰہی جو نبی سے بواسطہ فرشتہ یا بلاواسطہ ہو یا بطور القاء دل میں ہو۔حضرت داؤد علیہ السلام پر زیادہ وحی اس آخری قسم کی اکثر آتی تھی یعنی دل میں ڈالنا۔(اشعۃ اللمعات) یہاں وحی سے مراد ہیں دوسرے معنی یعنی بواسطہ فرشتہ کلام الٰہی،یہ ہی وحی نبی سے خاص ہے۔وحی بمعنی الہام یا بمعنی **القاء فی القلب** غیر نبی پر بھی ہوتی ہے۔رب فرماتاہے:"**وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی**"یا فرماتاہے:"**وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ**"۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے(نبی بنے) ۱؎ پھر مکہ معظّمہ میں تیرہ سال قیام فرمایا کہ آپ پر وحی کی جاتی تھی پھر ہجرت کا حکم دیئے گئے تو دس سال مہاجر رہے ۲؎ اور تریسٹھ سال کی عمر شریف میں وفات پائی ۳؎ (بخاری،مسلم)	

۱؎ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی آئی تو عمر شریف چالیس سال تھی۔

۲؎ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ظہور نبوت چالیس سال کی عمر میں ہوا،اس پر بھی سب متفق ہیں کہ بعد ہجرت مدینہ میں دس سال قیام فرمایا مگر اس میں اختلاف ہے کہ بعد ظہور نبوت مکہ معظّمہ میں کتنا قیام رہا اس کے متعلق تین روایات ملتی ہیں: دس سال،تیرہ سال،پندرہ سال،تیرہ سال کو ترجیح ہےاور اس کا یہاں بیان ہے۔

۳؎ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے متعلق تین قول ہیں: ساٹھ سال،تریسٹھ سال،پینسٹھ سال،قوی تر قول تریسٹھ سال کا ہے۔بعض شارحین نے ان تینوں قولوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ ساٹھ کے قول میں اکائیوں کو چھوڑ دیا گیا ہےصرف چھ دہائیاں بیان ہوئی ہیں اور پینسٹھ والے قول میں سالِ ولادت اور سالِ ہجرت کو الگ الگ سال شمار کرلیا گیا ہے بہرحال تریسٹھ کا قول قوی ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم،حضرت ابوبکر،عمر فاروق،علی مرتضی ان تمام حضرات کی عمریں تریسٹھ سال ہوئی ہیں۔

نکتہ: لاالہ الااللہ کے حروف بارہ ہیں اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حروف بارہ،یوں ہی ابوبکرصدیق،عمر ابن الخطاب،عثمان ابن عفان،علی ابن ابی طالب سب کے حروف بارہ بارہ ہیں۔ان حضرات کے ناموں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے بہت ہی قرب ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں پندرہ سال قیام فرمایا۱؎ کہ سات سال تک غیبی آواز سنتے تھے اور روشنی دیکھتے تھے اور دیکھتے کچھ نہ تھے ۲؎ اور آٹھ سال آپ پر وحی کی جاتی تھی اور مدینہ منورہ میں دس سال قیام کیا اور پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کا مطلب ابھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ولادت شریف اور ہجرت شریف کے سال علیحدہ مان لیے گئے اس حساب سے پندرہ سال کہے گئے۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ یہ غیبی نوراور غیبی آوازیں ظہور نبوت سے پہلے حضور دیکھتے اور سنتے تھے یہ نور اور آوازیں فرشتے کی تھیں پہلے صرف نور اور آوازوں کا حضور کو عادی بنایا گیا،پھر فرشتہ وحی لایا تاکہ حضور انور اس کی برداشت کرسکیں،اک دم سارا بوجھ نہ ڈالا گیااس کے باوجود نزول وحی پر سردی میں پسینہ آجاتا تھا۔(مرقات واشعہ)موسیٰ علیہ السلام کو پہلے عصا سے مانوس کیا گیا،پھر کوہ طور پر تنہائی میں انہیں عصا کو سانپ بنا کر دکھایا گیاتاکہ فرعون کے سامنے سانپ بن جانے پر آپ کو فکر نہ ہو۔

۳؎ اس کی تحقیق ابھی ہوچکی کہ عمر شریف تریسٹھ ہے یہ دو سال کسروں کو پورا کرکے لئے گئے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضور کو ساٹھ سال کے کنارے پر وفات دی۔(مسلم و بخاری)	
روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تریسٹھ سال کی عمر میں وفات دیئے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تریسٹھ سال کی عمر میں ۱؎ اور عمر رضی اللہ عنہ تریسٹھ سال کی عمر میں ۲؎ (مسلم) محمد ابن اسمٰعیل بخاری نے فرمایا کہ تریسٹھ سال کی روایت زیادہ ہیں ۳؎	

۱؎ حضرت عثمان غنی کی عمر شریف بیاسی سال ہوئی ان تمام حضرات کے نام اور کام یکساں ہیں۔

نکتہ عجیبہ: حضور انور نے فرمایا **خیر القرون قرنی**۔اس قرنی میں ق سے اشارہ ہے ابوبکر صدیق کی طرف،ر سے عمر فاروق کی طرف،ن سے عثمان غنی کی طرف اور ی سے حضرت علی کی طرف یہ چاروں زمانے حضور انور کے اپنے زمانے ہیں رضی اللہ عنھم اجمعین۔حضرت صدیق اکبر کی خلافت دو سال چار ماہ ہوئی،بائیس جمادی الاول منگل کی شب

۱۳ھ تیرہ ہجری مغرب و عشاء کے درمیان وفات پائی،آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے آپ کو غسل دیا،عمر فاروق نے نماز پڑھائی۔

۲؎ حضرت عمر کی خلافت دس سال چھ ماہ ہوئی،چھبیس ذی الحجہ بدھ کے دن آپ کو مغیرہ ابن شعبہ کے یہودی غلام ابو لولو نے فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے محراب النبی میں برچھا مارااس سے آپ شہید ہوئے، ۲۳ھ اتوار کے دن دفن کئے گئے خاص روضہ انور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں۔حضرت علی خاص شہادت عثمان کے دن خلیفہ ہوئے یعنی اٹھارہ ذی الحجہ جمعہ کے دن ۳۵ھ پینتیس ہجری میں عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی نے آپ کو جمعہ کے دن سترہ رمضان ۴۰ھ ہجری میں کوفہ میں شہید کیا،آپ کی خلافت چار سال ۹ ماہ چند دن ہوئی۔حضرت انس نے جب یہ حدیث بیان کی تو اس وقت حضرت علی زندہ تھے اس لیے آپ کا ذکر نہیں کیا۔ (مرقات)ایک دن امیر معاویہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر کی عمریں تریسٹھ سال ہوئیں اب میری عمر بھی تریسٹھ سال ہے میری تمنا ہے کہ اس سال میری وفات بھی ہوجائے مگر آپ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔بلکہ آپ کی عمر شریف اٹھتر سال ہوئی مگر آپ کو اس تمنا کا ثواب مل گیا۔(مرقات)و ترمذی میں جریر عن معاویہ۔

۳؎ چنانچہ امام احمد بن حنبل نے بھی تریسٹھ سال کو ترجیح دی ہے،قاضی عیاض نے تو روایت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔اس پر سب متفق ہیں کہ حضور کی ولادت پاک دو شنبہ کے دن صبح صادق کے وقت ماہ ربیع الاول میں ہوئی،اس پر بھی اتفاق ہے کہ وفات شریف دو شنبہ بارہ ربیع الاول دوپہر کے وقت ہوئی مگر اس میں اختلاف ہے کہ ولادت پاک دوسری ربیع الاول کو ہوئی یا آٹھویں کو یا دسویں کو یا بارھویں کو مگر زیادہ مشہور بارہ ربیع الاول ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ اولًا جس وحی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء ہوئی وہ سوتے میں سچی خواب تھی ۲؎ کہ آپ کوئی خواب نہ دیکھتے مگر وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہوجاتی ۳؎ پھر حضور کو خلوت پسند ہوگئی تو غار حرا میں خلوت کرتے تھے وہاں اس میں عبادت کرتے ۴؎ **تحنث** کے معنی ہیں اپنے گھر لوٹنے سے پہلے چند راتیں عبادت کرنا حضور اس کے لیے توشہ لے جاتے تھے ۵؎ پھر جناب خدیجہ کی طرف لوٹتے تھے اور اتنی راتوں کے لیے توشہ لے جاتے تھے ۶؎ حتی کہ آپ پر حق آیا جبکہ آپ غار حراء میں تھے آپ کے پاس فرشتہ آیا ۷؎ عرض کیا پڑھئے فرمایا میں نہیں پڑھنے والا ۸؎ پھر اس نے مجھے پکڑا مجھے گلے لگایا ۹؎ حتی کہ اسے مجھ سے مشقت پہنچی ۱۰؎ پھر مجھے چھوڑ دیا پھر کہا پڑھیئے میں نے کہا میں نہیں پڑھنے والا اس نے مجھے پھر	

پکڑا پھر مجھے دوبارہ گلے لگایا حتی کہ اس کو مجھ سے مشقت پہنچی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر کہا پڑھیئے میں نے کہا میں نہیں پڑھنے والااس نے مجھے تیسری بار پکڑا اور مجھے گلے لگایا حتی کہ اسے مجھ سے مشقت پہنچی پھر مجھے چھوڑ دیا۱۱ پھر کہا پڑھیئے اپنے رب کا نام جس نے سب کچھ بنایا،جس نے جمے خون سے انسان بنایا پڑھیئےاور آپ کا رب عزت والا ہے جس نے قلم سے سکھایا ۱۲ انسان کو وہ سب سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۱۳یہ وحی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اس طرح کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا۱۴ جناب خدیجہ کے پاس گئے فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو انہوں نے حضور کو چادر اوڑھائی حتی کہ آپ سے رعب جاتا رہا ۱۵پھر بی بی خدیجہ کو یہ خبر دے کر فرمایا کہ میں اپنی جان پر خوف کرتا ہوں۱۶ خدیجہ بولیں رب کی قسم ہرگز نہیں اللہ آپ کو کبھی غمگیں نہ کرے گا ۱۷کیونکہ آپ رشتہ جوڑتے ہیں،بات سچی کرتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں،نیستی والوں کے لیے کمائی کرتے ہیں،مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں، حق کی طرف لے جانے والوں کی مدد کرتے ہیں ۱۸پھر حضور کو جناب خدیجہ ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں جو خدیجہ کے چچا زاد تھے ۱۹ان سے بولیں اے چچیرے بھائی آپ اپنے بھتیجے سے تو سنیے۲۰ حضور نے ورقہ سے کہااے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو۲۱انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خبریں سنائیں جو آپ نے دیکھا تھا تو ورقہ نے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۲۲ہائے کاش میں اس زمانہ میں قوی جوان ہوتا۲۳ہائے کاش میں زندہ ہوتا جب کہ آپ کو آپ کی قوم نکالے گی۲۴تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھے نکالیں گے عرض کیا ہاں۲۵ کوئی صاحب وہ پیغام نہ لائے جو آپ لائے ہیں مگر ان سے

	دشمنی کی گئی۲۶ اور اگر مجھ کو آپ کا وہ زمانہ نصیب ہو تو میں آپ کی بلیغ مدد کروں۲۷ پھر ورقہ نہ ٹھہرے کہ ان کی وفات ہوگئی اور وحی بند ہوگئی ۲۸(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی مرسل حدیث ہے یعنی صحابی کے مراسیل میں سے ہے کیونکہ وہ زمانہ حضرت عائشہ صدیقہ نے پایا نہیں۔غالب یہ ہے کہ کسی صحابی سے سن کر فرمارہی ہیں،صحابی کی مرسل حدیث سب کے نزدیک حجت ہے۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ ام المؤمنین حضور سے سن کر فرمارہی ہوں مگر کسی روایت میں آپ نے حضور انور سے نقل نہ فرمائی۔

۲؎ اگرچہ حضور انور کو ہمیشہ ہی سچی خوابیں آتی تھیں مگر قریب ظہور نبوت یعنی چھ ماہ پہلے ان خوابوں کا سلسلہ بندھ گیا اور تعبیر کا ظہور بہت جلد ہونے لگا۔

۳؎ یعنی حضور کی خواب کا ظہور بہت جلد اور بالکل درست ہوتا تھا جیسے رات کے بعد بہت جلد سویرا ہوتا ہے۔

۴؎ غار حرا حضور انور کا چلہ گاہ ہے جو جبل نور کی چوٹی پر واقع ہے،یہ جبل نور مکہ معظّمہ سے قریبًا دو میل فاصلہ پر جنت معلیٰ سے آگے ہے،فقیر نے اس غار شریف میں نفل پڑھے ہیں۔

۵؎ یعنی کچھ روٹیاں پکوا کر وہاں غارِ حرا میں لے جاتے اور آٹھ دس دن تک باسی تہ باسی روٹیاں کھاتے،وہاں روزے نوافل،رکوع سجود ادا کرتے رہتے تھے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور نزول قرآن سے پہلے ہی عارف باللہ تھے اور عبادات ریاضات سے واقف تھے۔جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے اللہ تعالٰی کو جانا پہچانا اور قرآن سے عبادات سیکھیں وہ جھوٹا ہے۔دیکھو ابھی قرآن کریم آنا بھی شروع نہ ہوااور حضور عبادات کررہے ہیں۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کے چلے اور چلوں میں ریاضات،ترک حیوانات کرنا،روزے رکھنا،کم کھانا،معمولی کھانا سب درست ہیں ان سب کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔خیال رہے کہ ام المؤمنین کا اس زمانہ کو راتیں فرمانا اس لیے ہے کہ خلوت کے لیے رات ہی مناسب ہے۔**ذوات عدد** فرماکر بتایا کہ بہت راتوں تک عبادت کرتے تھے،**ذوات عدد** کثرت کے لیے ہے۔

۶؎ اس میں گفتگو ہے کہ اس زمانہ میں حضور کونسی عبادت کرتے تھے۔حق یہ ہے کہ حضور انور کسی نبی کی شریعت والی عبادت نہیں کرتے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے امتی نہیں بلکہ اجتہاد اور رائے سے عبادت کرتے تھے جو عبادات ابراہیمی یعنی اسلامی عبادت کے موافق تھیں۔(شامی شروع کتاب الطہارۃ اور شروع کتاب الصلوۃ)کلمہ طیبہ کا ذکر،اللہ کی صفات میں فکر،اعتکاف،رکوع،سجود وغیرہ(مرقات)میں تو ایک بار غار میں حاضر ہوا ہوں میرے ساتھیوں کو بخار آگیا تھا،سخت دشوار بہت اونچا اور پیچیدہ راستہ ہے۔قربان ان نرم و نازک تلوؤں پر جو ہر ہفتہ وہاں سے چڑھتے اترتے تھے۔

۷؎ یعنی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے وحی لے کر،بعض نے فرمایا یہ اسرافیل علیہ السلام تھے۔(مرقات)یہ فرشتہ اللہ کا فرمان بھی لایا اور فیضان بھی سینہ سے لگا کر دیا فرمان زبانی پہنچایا جیساکہ آرہا ہے۔خیال رہے کہ اس وقت پہلے فرشتے نے اپنا تعارف نہیں کرایا کہ میں رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں جیسے جناب مریم سے کہا تھا"اِنَّمَآ اَنَا رَسُوۡلُ

رَبِّكَ"نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے ہو کیونکہ آئے ہو۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہلے سے جانتے پہچانتے تھے اگر نہ پہچانتے تو آیۃ کریمہ "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"کا قرآن ہونا بھی نہ جانتے،یہ نہ جاننا شانِ نبوت بلکہ شان اسلام کے خلاف ہے۔قرآن کا جاننا پہچانا ماننا فرض ہے بغیر جانے مانے گا کیا،بعض روایات میں ہے کہ حضور انور کو حریر ریشم کا ایک ٹکڑا دیا جس پر یہ سورت لکھی تھی اور کہا اسے پڑھیئے۔(اشعہ)یا یہ معنی ہیں کہ جو میں پڑھاؤں وہ پڑھیئے۔(مرقات)مگر یہ دونوں توجیہیں قوی نہیں۔ظاہر یہ ہے کہ عرض کیا جو ذکر اور اللہ کا نام پہلے ہی سے آپ کے دل شریف پر نقش ہے وہ پڑھیئے اس لیے اقراء کا مفعول بیان نہ کیا کہ کیا پڑھیئے۔

۸؎ عام شارحین اس کے معنی کرتے ہیں کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا میں امی ہوں مگر یہ قوی نہیں کیونکہ حضور انور کو رب نے لکھنے کی مشق نہیں دی تھی یہ ہی معنی ہیں امی کے۔(اشعہ)حضور کو اللہ کا نام لینا اس کا ذکر کرنا تو اول ہی سے آتا تھا آپ تو اس غار میں عبادات ذکر اللہ عرصہ سے کررہے تھے اور اگر یہ معنی ہوں کہ میں نے پڑھنا کسی سے سیکھا نہیں تو حضرت جبریل یہ تو جانتے ہی تھے پھر اس سوال و جواب کے کیا معنی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے جبریل اس وقت میں نہیں پڑھنے والا اس وقت تو پڑھنے والے تم ہو سننے والا میں ہوں تاکہ نزول قرآن اور وحی الٰہی کے معنی درست ہوں۔وحی قولی کے معنی ہی یہ ہیں کہ فرشتہ کہے نبی سنے۔اس فرمان عالی میں اپنا منصب حضرت جبریل علیہ السلام کی خدمت اور قرآن کے درجے کا متعین فرمانا ہے۔

۹؎ غط کے معنی ہیں دبانا،نچوڑنا،اس پر طاقت صرف کرنا۔یہاں مراد ہے گلے لگا کر خوب زور سے دبانا،یہ معانقہ فیض ربانی سینہ نبوی تک پہنچانے کیے لیے تھا۔بعض مشائخ مصافحہ سے معانقہ سے بلکہ نظر سے توجہ باطنی دیتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔معلوم ہوا کہ حال قال سے پہلے ہے قال زبان سے حال توجہ سے دیا جاتا ہے۔

۱۰؎ اس عبارت کے معنی یہ نہیں کہ مجھے مشقت پہنچی ورنہ عبارت یوں ہوتی بلغنی الجهد۔یہاں لفظ منی سے معلوم ہوتاہے کہ میری طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام کو مشقت پہنچی کہ انہوں نے سارا ملکی زور ختم کردیا۔الجهد یا تو بلغ کا فاعل ہے اور مرفوع ہے تو بلغ کا مفعول پوشیدہ ہے،بلغه یا یہ مفعول ہے اور منصوب تو بلغ کا فاعل ھو پوشیدہ ہے یعنی جبریل کو میری طرف سے مشقت پہنچی یا وہ مشقت کو پہنچے کہ انہوں نے بہت ہی محنت سے وہ امانت فیض مجھ کو سونپی۔

۱۱؎ فیض کی امانت آہستہ تین بار ادا کی۔اس سے معلوم ہوا کہ فیض رسانی آہستگی سے ہوتی ہے۔یہ اس آیت کے نزول کی تمہید ہے جو اس وقت آنے والی ہے تاکہ اس کے حروف کا نزول کان پر ہو،اس کے فیض و نور کا نزول دل پاک پر اس عظیم مہمان کے لیے یہ گھر تیار کیا گیا۔مرقات نے فرمایا کہ پہلی بار جو ارشاد ہوا ما انا بقارئ وہاں ما نافیہ ہے اور اب تیسری بار جو فرمایا ما انا بقارئ اس میں ما استفہامیہ ہے یعنی اب بتاؤ میں کیا پڑھوں۔(مرقات)

۱۲؎ قوی یہ ہے کہ یہاں **قلم** سے مراد وہ پہلا قلم قدرت ہے جس نے لوح محفوظ پر تاقیامت سارے واقعات لکھے پھر لوح محفوظ کی اس تحریر کے ذریعہ فرشتوں نبیوں ولیوں کو سب کچھ بتایا سکھایا اس لیے اسے **کتاب مبین** کہتے ہیں یعنی مقبولوں پر اولین و آخرین کے علوم روشن کرنے والی۔اور ہوسکتا ہے کہ قلم سے مراد یہ ہی دنیاوی قلم ہوں یعنی اس قلم کے ذریعہ سینہ کے علوم محفوظ کیے جس سے اگلوں کے علوم پچھلوں نے سیکھے مگر پہلے معنی قوی بھی ہیں لذیذ بھی۔(اشعہ) یا قلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے جو رب کا قلم ہے جس کے ذریعہ تاقیامت ولیوں عالموں کو علوم سکھائے گئے،اس کی بہت نفیس تفسیریں ہمارے حاشیہ قرآن میں دیکھو۔

۱۳؎ قوی یہ ہے کہ **الانسان** سے مراد انسانیت کی جان حبیب الرحمٰن حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور **مالم یعلم** سے مراد ہے سارے علوم غیبیہ۔اس کی اور بہت تفسیریں ہیں دیکھو ہمارا حاشیۃ القرآن یہاں بیان کی گنجائش نہیں۔خیال رہے کہ یہاں **بسم اللہ** شریف کا ذکر نہیں۔معلوم ہوا کہ **بسم اللہ** ہر سورت کا جز نہیں اور نہ ہر صورت کے اول اتری یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے اور سب سے پہلی صورت **اقراء** شریف ہے۔سب سے اعلیٰ عبادت اللہ کا ذکر اس کا نام جپنا ہے کہ قرآن مجید میں پہلے اسی کا حکم دیا گیا۔

۱۴؎ یہ دل کانپنا اس فیض ربانی کا اثر تھا جو آج عطا ہوا تھا۔بعض مشائخ جب اپنے مرید کو سینے سے لگاکر توجہ دیتے ہیں تو وہ مرید بے ہوش ہوجاتا ہے گرپڑتا ہے یہ توجہ اگر پہاڑوں پر ڈالی جاتی تو پھٹ جاتا یہ تو حضور کا قوت والا دل ہے جو ٹھہرا رہا،رب فرماتاہے:"**لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ**"۔

۱۵؎ یعنی کچھ دیر لگ جانے سکون سے لیٹنے سے صرف رعب ہی گیا۔فیضان و نورانیت میں بالکل کمی نہ ہوئی بلکہ دل شریف میں تحمل و برداشت ہوگئی۔

۱۶؎ یہاں کس چیز کا خوف مراد ہے اس میں بہت گفتگو ہے اپنی موت کا خوف یا دیوانگی و جنون کا خوف،یا نبوت کی ذمہ داری برداشت نہ کرسکنے کا خوف،یا قوم کی ایذا رسانی کا خوف آخری احتمال قوی ہے۔حضرت خدیجہ وہ خوش نصیب بی بی ہیں کہ نبوت کی پہلی خبر انہیں ملی۔

۱۷؎ یعنی جس نے درد دیا وہ ہی دوا دے گا،جس نے نبوت آپ کو دی ہے وہ برداشت و تحمل کی طاقت دے گا اور کفار کی شر سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔

۱۸؎ جناب خدیجہ نے حضور کی چھ صفات حضور کو سنائیں:عزیزوں پر مہربانی،ہمیشہ سچ بولنا،لوگوں کے بوجھ اپنے پر لے لینا،فرض اولاد خصوصًا بچیوں کی پرورش،بے دست و پا فقیروں کو کماکر کھلانا،مہمان نوازی کرنا،غیبی مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرنا۔مقصد یہ ہے کہ آپ ان علامتوں کی وجہ سے بحکم توریت آخری نبی ہیں آپ کا سورج بلند ہوگا،آپ کا دین غالب ہوگا۔حضرت خدیجہ توریت کی عالمہ تھیں اور علماء اسرائیل سے بھی آپ نے حضور کی یہ علامات سنی تھیں اس وجہ سے تو حضور سے نکاح کیا۔اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضور انور اول سے ہی ایسی عالی صفات سے موصوف

تھے،نزول قرآن کے بعد ان سے موصوف نہ ہوئے۔حضور کو قرآن نے یہ چیزیں نہ سکھائیں بلکہ رب نے سکھا کر بھیجا۔معلوم ہوا کہ اچھے صفات اچھے اعمال بلائیں دفع کرتے ہیں حفاظت الٰہی میں رکھتے ہیں۔

۱۹؎حضرت خدیجہ بنت خویلد ابن اسد ابن عبدالعزیٰ ہیں اور جناب ورقہ ابن نوفل ابن اسد ہیں لہذا جناب خدیجہ اور ورقہ اسد میں مل جاتے ہیں،نوفل جناب خدیجہ کے چچا زاد ہیں۔

۲۰؎حضور رشتہ میں ورقہ کے بھتیجے نہیں مگر اہل عرب محبت و پیار میں اپنے کم عمروں کو بھتیجا یا بیٹا کہہ دیتے ہیں وہ محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے۔

۲۱؎ورقہ زمانہ جاہلیت میں عیسائی بن گئے تھے،انجیل کا ترجمہ عربی میں آپ نے کیا تھا،توریت وانجیل کے بڑے ماہر تھے،اس وقت بہت بوڑھے تھے نابینا ہوچکے تھے،صاحب مشکوۃ نے آپ کو صحابہ کی فہرست میں لیا ہے دیکھو اکمال مگر قوی یہ ہے کہ ورقہ صحابی نہیں کیونکہ صحابی وہ ہے جو شرعی مؤمن بن چکنے کے بعد حضور کا دیدار یا صحبت پائے اور شرعی ایمان تبلیغ کی آیات آنے حضور کی تبلیغ اور دعوت اسلام دینے پر حاصل ہوتا ہے ورقہ نے وہ وہ زمانہ نہ پایااس واقعہ کے بعد ہی فوت ہوگئے۔اسی لیے اول صحابی ابوبکر صدیق ہیں نہ کہ ورقہ ابن نوفل اگر ورقہ صحابی ہوتے تو اول صحابی ہوتے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں کو اپنی وحی کی خبر دی ابھی صحابی بننے کا زمانہ شروع ہی نہیں ہوا تھا۔اعلان نبوت کے بعد جو شرعی ایمان لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے وہ صحابی ہوتا ہے اس لیے جناب آمنہ عبدالمطلب کو کسی نے صحابی نہیں کہا۔

۲۲؎ صاحب اسرار یعنی بھیدی ساتھی اگر خیر ہو تو ناموس کہلاتا ہے،شر ہو تو جاسوس کہا جاتا ہے یہاں جبریل مراد ہیں۔چونکہ موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحبِ شریعت صاحب کتاب نبی ہیں اس لیے ورقہ نے ان کا نام لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہ لیا،بعض لوگوں نے کہا کہ ورقہ کے بتانے پر حضور انور کو خبر ہوئی کہ وہ جبریل تھے یہ محض غلط ہے ورنہ لازم آوے گا کہ اتنے وقت تک حضور اس آیت کے کلام الٰہی ہونے سے بے خبر رہے ورقہ کے کہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ یہ آیت"اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ"کلام الٰہی ہے۔بی بی خدیجہ اور ورقہ مکہ بلکہ عرب میں بڑے معزز علماء میں سے مانے جاتے تھے۔منشاء الٰہی یہ تھا کہ پہلے ان دونوں سے حضور انور کی نبوت کی گواہی دلوائی جائے پھر تبلیغ اسلام کا حکم حضور کو دیا جاوے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ان دونوں کے پاس تشریف لے گئے،یہ تشریف لے جانا اپنے جاننے کے لیے نہ تھا بلکہ لوگوں کو بتانے سمجھانے کے لیے تھا۔

۲۳؎عربی میں بکری کے دو سالہ بچہ کو اور اونٹ کے پانچ سالہ بچہ کو جذع کہتے ہیں،اس عمر میں وہ دونوں قوی جوان ہو جاتے ہیں اس لیے ہر قوی جوان کو جذع کہنے لگے وہ ہی معنی یہاں ہیں۔**فیھا** میں **ھا** ضمیر مدت نبوت کو یا مدت نبوت تبلیغ کی طرف ہے یعنی جب آپ کو تبلیغ کا حکم دیا جاوے گا اس وقت میں جوان ہوتا تو آپ کی خدمت کرتا۔

۲۴؎معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ نے حضور انور کے سارے پیش آنے والے واقعات گذشتہ کتابوں میں پڑھے تھے۔خیال رہے کہ اپنی نبوت کا علم ورقہ کے بتانے سے نہیں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بچپن شریف میں پتھر درخت بایں الفاظ سلام کرتے تھے **السلام علیك یارسول اللہ** جیساکہ **باب المعجزات** میں آوے گا۔والدہ ماجدہ آمنہ کی

بشارتیں،جناب حلیمہ کی حکایتیں اپنے متعلق حضور سن چکے تھے،آپ اپنی نبوت سے اس وقت خبردار تھے جب کہ دنیابھی نہیں بنی تھی دیکھو کتاب نشرالطیب مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی۔یہ سب کچھ انتظام لوگوں کو سنانے کا ہورہا ہے کہ لوگ ورقہ کی زبان سے سن لیں اور حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے عالی صفات اعلیٰ واقعات سے خبردار ہوجائیں۔

۲۵؎ خیال رہے کہ یہاں نکالنے سے مراد ہے اتنا تنگ کرنا کہ حضور مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں نہ کہ خود نکالنا کفار مکہ تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے تھے نہ کہ نکالنا وہ تو قتل کے لیے ڈھونڈتے پھرے۔حضور انور کا ان سے یہ پوچھنا بھی اسی لیے تھا کہ لوگ ورقہ کی زبان سے ہجرت کی خبر سن لیں اور ہجرت کو حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل سمجھیں۔

۲۶؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ قریبًا سارے نبیوں نے ہجرت کی الاماشاءاللہ۔خیال رہے کہ دشمنی سارے نبیوں سے کی گئی ہجرت اور جہاد اکثر نبیوں نے کیے۔خیال رہے کہ حضور انور سے پہلے بعض لوگ اصلی عیسائیت پر قائم تھے مگر خال خال وہ بھی پہاڑوں غاروں میں چھپے چھپائے،جناب ورقہ اور سلمان فارسی جیسے لوگوں نے انہیں راہبوں سے یہ علوم حاصل کیے تھے،انہیں علوم کی برکت سے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو جانا پہچانا تھا۔

۲۷؎ مؤزر بنا ہے ازر سے بمعنی پشت اور پشت پناہی و قوت،رب فرماتا تھا"اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ"مؤزر بمعنی مضبوط و قوی۔

۲۸؎ یعنی"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"پہلی وحی کے نزول سے کچھ دن بعد ہی ورقہ کا انتقال ہوگیا اور صرف یہ ہی ایک وحی آکر بند ہوگئی،کتنے روز بند رہی اس میں بہت گفتگو ہے۔غالب یہ ہے کہ چھ ماہ بند رہی اسی دوران میں حضرت جبریل آتے تھے حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے مگر وحی نہ لاتے تھے۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"پہلی وحی ہے اور"یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ"دوسری وحی ان دونوں کے درمیان کچھ دنوں کا فاصلہ ہے۔وحی بند ہونے میں بڑی حکمتیں تھیں قلب پاک کو سکون بخشنا،حضور کو شوق وحی زیادہ کرنا وغیرہ۔(مرقات)

بخاری نے یہ زیادتی کی کہ حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غمگیں ہوئے جو روایت ہم کو پہنچی ہے ۱؎ اس میں ہے کہ آپ سخت غمگیں بارہا صبح کے وقت گئے تاکہ اپنے کو اونچی پہاڑ کی چوٹی سے گرادیں ۲؎ مگر جب کبھی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تاکہ وہاں سے اپنے کو گرادیں تو حضرت جبریل حضور کے سامنے آتے کہتے اے محمد آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اس سے آپ کا قلق جاتا رہتا اور آپ کا دل مطمئن ہوجاتا ۳؎	

۱؎ یہ عبارت فیما بلغنا کسی راوی کا قول ہے یعنی پہلے تو قلب پاک پر رعب اور خوف تھا اور اب شوق کا دریا موجیں ماررہا تھا مگر ادھر سے خاموشی تھی۔شعر

دیر است کہ دلدار پیامے نہ فرستاد　　　　ننوشت سلامی نہ فرستاد کلامے

۲؎ یعنی شوق و فراق برداشت سے باہر ہوگیا تو اپنے کو ہلاک کرنے کے لیے پہاڑ پر چڑھے کہ وہاں سے اپنے کو گرا کر خودکشی کریں اس وقت تک احکام شرعیہ نہیں آئے تھے لہذا یہ ارادہ گناہ نہ تھا۔

۳؎ یعنی جبریل امین آکر عرض کرتے تھے کہ آپ ہیں سچے رسول وحی الٰہی آئے گی اور بارہا آئے گی آپ غم نہ کریں۔یہ سنکر حضور انور واپس گھر لوٹ آتے پھر شوق کا جوش ہوتا پھر وہی ارادہ فرماتے سبحان اللہ!کیا انداز محبوبانہ ہے کہ کلام بھی نہیں فرماتے آگے بڑھنے بھی نہیں دیتے۔شعر

دیکر جھلک سی آپ تو پردہ میں چھپ رہے　　　　اور کہہ گئے کہ آنکھ سے ڈھونڈھا کرے کوئی

روایت ہے حضرت جابر سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آپ وحی بند ہوجانے کے متعلق خبر دیتے تھے ۱؎ فرمایا جب کہ ہم چل رہے تھے ۲؎ کہ ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نگاہ اٹھائی تو وہ ہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا تو میں رعب کی وجہ سے اس سے ڈرا دیا گیا ۳؎ حتی کہ زمین کی طرف مائل ہوگیا ۴؎ پھر میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا میں نے کہا مجھے چادر اوڑھاؤ مجھے چادر اوڑھاؤ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی تب اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی اے چادر اوڑھنے والے اٹھو ۵؎ ڈراؤ،اپنے رب کی بڑائی بولو،اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی دور رکھو ۶؎ پھر وحی گرم ہوگئی اور لگاتار جاری ہوگئی ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ معلوم ہوا کہ حضور انور اپنے حالات خود صحابہ کرام سے بیان فرماتے تھے کہ جب عارضی طور پر وحی بند ہوگئی تو ہمارا کیا حال تھا۔

۲؎ یہ واقعہ مکہ معظمہ بلکہ غار حرا کا ہے۔(مرقات)وہاں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غیبی آواز آسمان کی جانب سے سنی تھی۔معلوم ہوتا ہے کہ اس آواز میں یا تو الفاظ تھے نہیں یا تھے تو معمولی تھے اس لیے حضور نے اسے آواز فرمایا کلام نہ کہا۔

۳؎ جئثت بنا ہے جائثة سے بمعنی گھبراہٹ ڈر،جئثت مجہول فرمانے میں اسطرف اشارہ ہے کہ یہ رعب رب کی طرف سے میرے دل میں ڈالا گیا،یہ رعب اس کلام الٰہی کا تھاجو حضور پر پہلے نازل ہوا تھا۔خیال شریف یہ ہوا کہ پھر کوئی آیت نازل ہوگی دل میں بے قراری اور رعب پیدا ہوگیا۔حضرت جبریل اس وقت بھی شکل انسانی میں تھے ان سے رعب ہونے کی وجہ ہی کوئی نہیں اپنی صورت میں تو صرف دوبار حاضر ہوئے۔

۴؎ ھوی کے معنی ہیں زمین پر لپٹ جانا اوندھے لیٹ کر اپنے ہاتھ پاؤں زمین پر چمٹا دینا۔

۵؎ مدثر بنا ہے دثار سے،عربی میں شعار نیچے والے کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملا ہوا ہو،دثار اوپر والے کپڑے کو، مدثر کے معنی ہوئے چادر کمبل اوڑھنے والے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اے بشریت کی چادر اوڑھ کر مخلوق کے سامنے جانے والے۔نور مطلق نے بشریت کی چادر اوڑھی تب مخلوق آپ سے فیض لے سکی ہے۔شعر

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا　　　　مزمل بن کے آئے تھے ہویدا بن کے نکلیں گے

یہاں مرقاۃ نے اس کے معنی کیے اے نبوت کی عبا اوڑھنے والے،رسالت کا بوجھ اٹھانے والے۔اس کی اور بہت نفیس نفیس تفسیریں ہمارے حاشیہ قرآن نور العرفان فی تفسیر القرآن میں ملاحظہ کرو وہاں لکھا ہے کہ اپنی چادر کرم میں اپنی امت کو چھپانے والے۔

۶؎ یعنی پیارے اٹھو تاکہ دنیا تمہارے سہارے اٹھے۔خیال رہے کہ سورۂ مزمل میں بھی ہے"یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا"وہاں قیام سے مراد ہے نماز میں کھڑا ہونا اوریہاں قیام سے مراد ہے نبوت کی تبلیغ کے لیے اٹھنا یا وہاں نبوت کے لیےاٹھنا مراد ہے یہاں رسالت و تبلیغ کے لیے اٹھنا مراد ہے۔(مرقات)

۷؎ یعنی اپنے جسم کے کپڑے پاک و صاف رکھو۔معلوم ہوا کہ پاکیزگی کا حکم پہلے آیا نماز کا حکم بہت بعد میں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ کپڑوں سے مراد ہے نفس کے صفات،انہیں پاک کرنے سے مراد ہے برائیوں سے دور رکھنا۔(اشعہ)

روایت ہے جناب عائشہ سے کہ حارث ابن ہشام نے ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر وحی کیسے آتی ہے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو میرے پاس جھانج کی سی جھنکار آتی ہے ۳؎ وہ مجھ پر بہت گراں ہوتی ہے ۴؎ تو وہ مجھ سے ختم ہوتی ہے حالانکہ میں نے اس سے وہ یاد کرلیا ہوتا ہے ۵؎ جو اس نے کہا اور کبھی میرے سامنے فرشتہ مرد کی شکل میں آتا ہے مجھ سے بات کرتا ہے ۶؎ جو وہ کہتا ہے محفوظ کرلیتا ہوں ۷؎ جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور انور کو دیکھا کہ آپ پر سخت ٹھنڈے دن میں وحی نازل ہوتی تھی تو ختم ہوتی تھی اس حالت	

میں کہ آپ کی پیشانی پسینہ سے نچڑتی ہوتی تھی ۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے وحی"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"اور دوسری وحی"یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ"ان دونوں کے درمیان فاصلہ وہ ہے جو ہم پہلے عرض کرچکے ہیں یعنی چھ ماہ یا کم و بیش۔حارث ابن ہشام بھائی ہیں ابوجہل کے جس کا نام عمرو ابن ہشام تھا،حارث صحابی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے ان کے لیے جناب ام ہانی نے امان لی تھی،شام میں رہے،جنگ یرموک میں ۱۵ھ میں عہد فاروقی میں شہید ہوئے،انہیں حضور نے فتح مکہ کے دن ایک سو اونٹ تالیف قلب کے لیے عطا فرمائے۔(اکمال)

۲؎ غالب یہ ہے کہ حارث کے اس سوال کے وقت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ موجود تھیں اور ہوسکتا ہے کہ حارث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ واقعہ سنایا ہو۔(مرقات)

۳؎ صلصلہ یا تومسلسل آواز کو کہتے ہیں یا وہ آواز جو لوہے کو لوہے سے لگنے سےمسلسل پیدا ہو۔جرس وہ گھنگرو وغیرہ ہیں جو جانور کے گلے یا پاؤں میں باندھ دیئے جائیں جب وہ دوڑے تو مسلسل جھنکار پیدا ہو۔یہ مثال سمجھانے کے لیے دی گئی ہے یعنی وحی ایک بار اورمسلسل آواز میں ہوتی ہے جو بغیر غور سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا کہا جارہا ہے۔

۴؎ کیونکہ اسے سمجھنا اس میں غور کرنا پھر اسے یاد رکھنا بیک وقت یہ تین کام کرنا پڑتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں فرشتہ نہیں آتا تھا بلکہ کان میں غیبی آواز گھنگرو کی جھنکار کی طرح آتی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کویقین ہوتا تھا کہ یہ وحی الٰہی ہے۔

۵؎ یعنی قدرتی طور پر وہ مجھے یاد بھی ہوجاتی اور میں اس کا معنی مقصد مطلب اسرار سب کچھ سمجھ بھی لیتا ہوں،یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ"حتی کہ فرمایا "ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ"یہ سارے کام رب تعالٰی کے ذمہ کرم پر تھے۔

۶؎ چنانچہ اکثر حضرت جبریل دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے،کبھی اجنبی شخص کی شکل میں،کبھی دوسرے لوگ بھی انہیں دیکھتے تھے کبھی نہیں مگر آواز سنتے تھے۔خیال رہے کہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں صرف حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ بھی ایک بار اور کبھی عورتوں کی شکل میں نہ آئے۔یہ بھی خیال رہے کہ اگر فرشتے وحی لے کر نہ آئیں کسی اور مقصد کے لیے آئین تو ممکن ہے کہ نبی اولًاانہیں نہ پہنچانیں جیسے ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کے لیے بھنا بچھڑا گھر میں سے لےکر آئے تھے انہیں مہمان سمجھ کر مگر یہ ناممکن ہے کہ فرشتہ وحی لائے اور نبی نہ پہچانیں کہ اس صورت میں وحی مشکوک ہوجاویں گی،انہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہےاور جو کچھ کہہ رہا ہے وہ وحی الٰہی ہے۔

۷؎ یعنی اس فرشتے کے الفاظ دماغ میں اس کے کلام کے مضامین دل میں محفوظ کرلیتا ہوں یہ حفاظت رب کی طرف سے ہے۔

۸؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور کی یہ حالت شریفہ دونوں قسم کی وحی میں ہوتی تھی اور یہ حالت حضور انور پر اس کلام شریف کی عظمت اس کی تجلی کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ فرشتہ کی وجہ سے اور حالت شریف صرف تبلیغی وحی آنے پر ہوتی تھی ویسے جب بھی فرشتے آتے تو حضور انور بے تکلف ان سے کلام فرماتے تھے جس کی بہت سی احادیث ہیں۔تبلیغی وحی کی شان ہی اور تھی یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ کبھی جناب جبریل کی ملکیت حضور کی بشریت پر غالب آتی تو جھانجھ کی سی آواز محسوس فرماتے اور کبھی حضور انور کی بشریت حضرت جبریل کی ملکیت پر غالب آتی تو وہ شکل انسانی میں آتے تھے،پہلی صورت میں حضور انور اپنی بشریت سے غائب بے نیاز ہوجاتے تھے،نیز یہ حالت کہ سردی میں پسینہ آجاوے یہ بھی پہلی قسم کی وحی میں ہوتا تھاجب جھانجھ کی سی آواز سنتے اور اپنی بشریت سے بے نیاز ہوتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے بڑے متفکر ہوتے ۱؎ اور آپ کا چہرہ بدل جاتا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سر جھکالیتے اور آپ کے صحابہ اپنے سر جھکالیتے پھر جب ختم ہوتی تو اپنا سر اٹھاتے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یہاں کرب بمعنی فکر مند ہونا نہایت موزوں ہیں،غمگیں ہونے کے معنی مناسب نہیں حضور انور کو یہ فکر یا تو وحی کی شدت کی بنا پر ہوتی تھی یا اس کی تبلیغ کی ذمہ داریوں پر۔اس کے شکریہ ادا کرنے کی فکر کہ وحی ایک نعمت ہے اور نعمت کا شکر لازم ہے وہ بھی بقدر نعمت۔مرقاۃ میں یہاں فرمایا کہ یہ حال شریف ابتداء نبوت میں ہوا کرتا تھا بعد میں نہیں۔واللہ اعلم!

۲؎ حضور انور تو اپنا سر شریف غور سے سننے کے لیے جھکا لیتے تھے،حاضرین بارگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے لیے سر جھکاتے تھے وجہ میں فرق تھا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ آپ نے قریبی عزیزوں کو ڈرایئے ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حتی کہ صفا پہاڑ پر چڑھے پھر پکارنے لگے کہ اے بنی فہر اے بنی عدی قریش کے قبیلوں کے نام لے کر حتی کہ وہ سب جمع ہوگئے ۲؎ حالت یہ ہوگئی کہ اگر کوئی آ نہ سکا تو اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ جا کر دیکھے کہ کیا واقعہ ہے ۳؎ تو ابولہب بھی آیا اور قریش بھی۔تب فرمایا بتاؤ تو اگر میں تم کو خبردوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے کنارے سے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک لشکر اس جنگل سے نکلے گا ۴؎ وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے ۵؎ سب بولے	

	ہاں ہم نے آپ پر کبھی نہ آزمایا مگر سچ ہی ۶؎ فرمایا تو میں تمہارے لیے ڈرانے والا ہوں سخت عذاب کے آگے ۷؎ ابولہب بولا کہ ہلاکت ہو تمہارے لیے کیا تم نے ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا ۸؎ تب یہ آیت نازل ہوئی "تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ"۹؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حضور انور پر چوتھی قسم کی وحی آئی،پہلی وحی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"،دوسری وحی "يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ"، تیسری وحی "مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى" پوری سورت چوتھی وحی یہ اس ترتیب میں اور روایات بھی ہیں۔پہلی وحی میں ذکر اللہ کا حکم،دوسری وحی میں حضور کی محبوبیت کااظہار،تیسری وحی میں تہذیب اخلاق پاکیزگی صفائی کا حکم،چوتھی وحی میں عزیزوں کو تبلیغ۔خیال رہے کہ یہ تربیت بہت ہی شاندار ہے پہلے اپنے اصلاح،پھر اپنی قریبی عزیزوں کی اصلاح، پھر دوسروں کی درستی،یہ ہی ترتیب جہاد میں تھی کہ پہلے قریبی کافروں پر پھر دوروالوں پر،رب فرماتا ہے:"قٰتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ"اب بھی یہ ترتیب چاہیے کہ پہلے اپنے نفس کی اصلاح،پھر قریبی عزیزوں کی،پھر دوسروں کی۔

۲؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ پہلی تبلیغ صفا پہاڑ پر چڑھ کر فرمائی نہ کہ بیت اللہ شریف میں۔اس میں اشارۃً اپنا مقام بتایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر انسان دور دور کی چیز دیکھ لیتا ہے اور پہاڑ کے دونوں طرف کی خبر رکھتا ہے حضور انور انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر ہیں اور اس مقام پر ہیں جہاں کونین نظر آتے ہیں فرش پر بھی نظر رکھتے ہیں عرش پر مخلوق کی بھی خبر رکھتے ہیں،خالق کی ذات و صفات سے بھی خبردار ہیں۔شعر

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل   خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

حضور کی زبان مخلوق کی طرف ہے کان خالق کی طرف حضور کا ایک ہاتھ لینے والا رب کی طرف ہے دوسرا ہاتھ دینے والا ہم بھکاریوں کی طرف۔جب رب اپنے بندوں سے کچھ کہتا ہے تو حضور کی معرفت تو ہم جب رب تعالیٰ سے کچھ کہیں تو حضور کی معرفت حضور برزخ کبریٰ ہیں خالق و مخلوق کے درمیان اللھم صل وسلم وبارك علیه۔

۳؎ یہ آواز سارے مکہ میں پہنچ گئی ہر کان نے سن لی یہ بھی حضور کا معجزہ ہے ورنہ پہاڑ کی آواز نیچے نہیں پہنچتی حضرت ابراہیم کی پکار تمام ارواح کو سنا دی گئی۔

۴؎ یہاں حدیث مختصر لائی گئی،اس تبلیغ کی ابتداء یوں فرمائی کہ ارشاد فرمایا کیف انا فیکم اے اہل مکہ تم میں میں نے اپنی عمر گزاری تم نے میرے شب و روز دیکھے بتاؤ میں تم میں کیسا ہوں،سب نے یک زبان سے کہا کہ صادق الوعد ہیں امین ہیں،تب فرمایا کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں الخ۔جس سے پتہ لگا کہ ایمان کا پہلا رکن حضور انور کو جاننا پہچاننا ماننا ہے باقی ارکان بعد کے ہیں اسی لیے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں قرآن مجید نماز وغیرہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔

۵؎ یعنی اگر تمہاری آنکھیں کہتی ہیں کہ اس میدان میں ایک چیونٹی بھی نہیں مگر میری زبان کہے کہ یہاں لشکر جرار ہے جو عنقریب تم پر حملہ آور ہوگا تو بتاؤ اپنی آنکھوں کو مانو گے یا میری زبان کی۔اس میں حضور انور نے اپنے علوم غیبیہ کا ان کفار سے اقرار کرایا،نبی کہتے ہی اسے ہیں جو غیبی خبریں دے جیسے رب تعالٰی نے آدم علیہ السلام کے علوم فرشتوں کو دکھائے پھرانہیں سجدے کا حکم دیا،علم غیب نبی ماننا سب سے مقدم ہے۔

٦؎ یعنی ہم نے آپ کا بچپن جوانی پختہ سال دیکھی ہےآپ کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آتے دیکھا ہماری آنکھ جھوٹی ہوسکتی ہے مگر آپ کی زبان جھوٹی نہیں ہوسکتی،یہ ہے دشمنوں کی گواہی۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے محبوب کومکہ معظّمہ سے باہر نہیں رکھاتاکہ کفار مکہ فرعون کی طرح یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ باہر سے علم پڑھ کر جادو سیکھ آئے ہیں بلکہ مکہ معظّمہ میں ہی رکھا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان سب کے سامنے رہے اور کوئی یہ الزام نہ دے سکے،کفار مکہ نے حضور کو صادق الوعد اور امین کا لقب دیا تھا۔

۷؎ ابولہب پہلے حضور انور کا بہت مدّاح تھا یہ فرمان عالی سنتے ہی دشمن ہوگیا۔اس نے ایک بھاری پتھر دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر حضور انور کی طرف پھینکا۔(اشعۃ اللمعات)یہ حدیث **باب تغیر الناس** کے بعد والے باب میں گزر گئی۔

۹؎ دونوں ہاتھ سے مراد یا تو ابولہب کی ذات ہے کہ اہل عرب گردن یا دونوں ہاتھ کہہ کر ذات مراد لیتے ہیں،یا اس کے وہ ہی دونوں ہاتھ مراد ہیں جن سے اس نے وہ پتھر اٹھایا تھا۔خیال رہے کہ اگلی تین سورتوں میں **قل** ہے یعنی سورۂ اخلاص اور فلق اور ناس میں مگر اس سورت میں **قل** نہیں تاکہ معلوم ہو کہ اپنے محبوب کا بدلہ رب خود لیتا ہے حتی کہ جو لفظ ابولہب نے حضور انور کے لیے بولے تھے وہ ہی الفاظ رب نے ابولہب کے لیے فرمائے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھتے تھے ۱؎ اور قریش کی ایک جماعت اپنی مجلسوں میں تھی کہ ایک بولا ۲؎ تم میں کون شخص فلاں قبیلہ کے ذبیحہ اونٹ کیطرف جائے گا اور اس کی لید اور اس کے خون اس کی اوجڑی لائے حضور کو مہلت دے حتی کہ جب آپ سجدہ کریں تو اسے آپ کے کندھوں کے بیچ رکھ دے ۳؎ تو ان میں سے بڑا بدبخت گیا پھر جب حضور نے سجدہ کیا تو وہ آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دیا ۴؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ٹھہرے رہے ۵؎ کفار ہنسے حتی کہ بعض بعض پر گرنے لگے ہنسی کی وجہ سے ٦؎ پھر کوئی جانے والا جناب فاطمہ کے پاس گیا ۷؎ وہ دوڑتی آئیں ۸؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رہے حتی کہ انہوں نے آپ سے یہ گندگی ہٹا دی اور آپ ان پر متوجہ

ہوئیں انہیں برا کہتی تھیں ۹؎ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمالی تو عرض کیا الٰہی ان قریشیوں کو پکڑ لے تین بار فرمایا ۱۰؎ اور آپ جب دعا مانگتے تو تین بار مانگتے تھے اور جب سوال کرتے تو تین بار کرتے تھے ۱۱؎ الٰہی پکڑ لے ابوجہل کو ۱۲؎ عتبہ ابن ربیعہ کو شیبہ ابن ربیعہ کو ۱۳؎ اور ولید ابن عتبہ کو اور امیہ ابن خلف کو اور عقبہ ابن ابی معیط کو اور عمارہ ابن ولید کو ۱۴؎ جناب عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے انہیں بدر کے دن بچھڑا ہوا دیکھا ۱۵؎ پھر وہ بدر کے جھیرے کی طرف کھینچ کر پھینکے گئے ۱۶؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان جھیرے والوں پر لعنت ڈالی گئی ۱۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ نماز وہ نماز تھی جو حضور انور اپنے الہام سے پڑھا کرتے تھے،یہ نماز پنج گانہ میں سے نہ تھی کیونکہ یہ واقعہ جب کا ہے جب جناب فاطمہ بہت چھوٹی بچی تھی اور ابھی حضور انور کو معراج نہیں ہوئی تھی نماز پنجگانہ معراج میں عطا ہوئی ہے۔

۲؎ یہ بولنے والا ابوجہل تھا جیساکہ روایات میں ہے،بعض نے کہا کہ کوئی اور تھا۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہ تو یہ حرکت کرے اور ہم لوگ تماشا کے طور پر ہنسی مذاق کریں۔معلوم ہوا کہ حضرات انبیاءکرام سے ہنسی کرنا کفار کا پرانا دستور ہے،ان حضرات کے کسی عمل شریف کا مذاق اڑانا کفر ہے،ان کی ہر ادا کا ادب و احترام ایمان کا رکن ہے۔

۴؎ یہ حرکت کرنے والا عقبہ ابن ابی معیط تھا،بعض نے کہا کہ ابوجہل خود تھا۔

۵؎ چونکہ اس وقت تک نماز کے احکام طہارۃ وغیرہ نہیں آئے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاست پڑ جانے کے باوجود سجدہ جاری رکھا،یہ نماز وہ نہ تھی جو اسلام میں بعد معراج جاری ہوئی یا ممکن ہے کہ سر مبارک اس لیے نہ اٹھایا کہ فرش کعبہ پر یہ نجاستیں نہ گریں۔جب جناب فاطمہ نے یہ چیزیں پھینک دیں تو کپڑے پاک کرکے نماز دوبارہ پڑھی ہو لہذا اب اگر دوران نماز نمازی پر نجاست گرجاوے تو نماز ٹوٹ جاوے گی دوبارہ پڑھنی ہوگی،بعض آئمہ کے ہاں اگر دوران نماز نمازی پر نجاست گرجاوے تو نماز ہوجاتی ہے اول سے کپڑے بدن پاک ہونا چاہئیں درمیان میں پاک رہنا ضروری نہیں انکے قول پر حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۶؎ یہ ہنسی صرف کفر ہی نہ تھی بلکہ عذاب الٰہی کا پیش خیمہ تھی ان لوگوں کو ایمان کی توفیق نہ ملی حتی کہ جنگ بدر میں سارے کفر پر مارے گئے۔

۷۔اس وقت حضرت ابوبکر صدیق یا علی مرتضٰی یا اور کوئی صحابی موجود نہ تھے کفار میں سے کوئی نرم دل کافر جو بدنصیبوں کا مقابلہ کرکے حضور انور کی یہ تکلیف دور نہ کرسکتا تھا وہ دوڑا ہوا جناب فاطمہ کے پاس پہنچا کہ ایسے موقعہ پر چھوٹے بچے بے تکلف وہ کام کرلیتے ہیں جو بڑوں سے نہیں ہوتے اور اگر مسلمان نے خبر دی ہے تو وہ بھی یہی وجہ تھی کہ اس مسلمان کے یہ پلیدی ہٹانے پر جنگ کا خطرہ تھا وہ اکیلا ان سب سے لڑ نہ سکتا تھا اس لیے اس نے یہ ترکیب نکالی۔اشعۃ اللمعات نے کہا کہ یہ خبر دینے والے حضرت عبداللہ ابن مسعود تھے۔

۸۔اس وقت حضرت فاطمہ بہت چھوٹی بچی تھیں اسی لیے آپ دوڑتی ہوئی آئیں بچے جب بھی چلتے ہیں تو دوڑتے ہوئے چلتے ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا کی ولادت پاک کے وقت حضور انور کی عمر شریف اکتالیس سال تھی۔

۹۔خیال رہے کہ عربی میں شتم کہتے ہیں گالی کو،سب کہتے ہیں برا کہنے ملامت کرنے کو۔حضرت فاطمہ کی زبان شریف پر گالی کبھی نہیں آئی ہاں آپ نے اس وقت کفار کو ملامت کی سب کے یہ ہی معنی ہیں۔

۱۰۔قریش سے مراد قوم قریش نہیں،قریش تو خود حضور انور جناب صدیق و فاروق عثمان و علی بھی ہیں۔مراد یہ قریشی لوگ ہیں جنہوں نے مذکورہ بے ادبی گستاخی کی،اگلی عبارت اسی کی تفصیل ہے۔نماز پوری فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے فورًا نماز نہیں توڑ دی بلکہ بقیہ رکعات پوری فرمالیں،اس کی تحقیق ابھی کی گئی کہ اس وقت نماز میں طہارت کے بلکہ خود نماز کے احکام نہیں آئے تھے۔

۱۱۔سنت یہ ہی ہے کہ دعا مانگے تو تین بار،رب سے کچھ سوال کرے تو تین بار،سوال سے مراد بھی دعا ہی ہے۔

۱۲۔ابوجہل کا نام عمرو ابن ہشام ابن مغیرہ مخزومی ہے،اس کی کنیت ابو الحکم تھی کہ لوگوں میں یہ فیصلے کرتا تھا حضور انور نے اس کی کنیت ابوجہل رکھی،اس میں وہ ایسا مشہور ہوگیا کہ اس کا نام اس کی پہلی کنیت چھپ کر رہ گئی۔غزوہ بدر میں عفراء کے دو بچوں معوذ و معاذ کے ہاتھوں قتل ہوا،حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اس کا ناپاک سر جسم سے جدا کیا۔

۱۳۔حضور انور نے اپنی ذاتی دشمن کو کبھی بددعا نہیں دی،یہ دشمن دینی تھے جو حضور انور کی نماز میں خلل ڈالتے اور حضور کو دینی تکالیف بھی پہنچاتے رہتے۔اپنے دشمنوں کو معافی دینا،قوم،ملک،قانون کے دشمنوں پر سختی کرنا یہ ہی اخلاق محمدی ہیں"اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ"۔

۱۴۔خیال رہے کہ شیبہ ابن ربیعہ ابن شمس ابن عبدمناف کو بدر کے دن حضرت علی نے جہنم رسید کیا اور عتبہ ابن ربیعہ کو جو شیبہ کا بھائی تھا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نے بدر کے دن قتل کیا اور امیہ ابن خلف جو حضرت بلال کا پہلا مولیٰ تھا یہ بھی بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں بہت بری طرح مارا گیا جس کا ذکر بہت طویل ہے۔اللہ تعالٰی نے اسے اسی طرح قتل کرایا نیزے،برچھے چھروا کر جیسے وہ حضرت بلال کے جسم شریف میں گرم لوہے کی سلاخیں چبھویا کرتا تھا۔اس کے بھائی ابی ابن خلف کو احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قتل کیا اپنے ہاتھ شریف سے،صرف یہ ہی کافر حضور کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔

۱۵؎یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور انور کی یہ دعا قبول ہوئی اور یہ لوگ کفر پر مرے یا مارے گئے۔خیال رہے کہ ان میں سے عمارہ ابن ولید جنگ بدر میں قتل نہیں ہوا بلکہ حبشہ میں مرا اور عقبہ ابن ابی معیط جنگ بدر سے واپس آکر مارا گیا۔(اشعہ)لہٰذا ان سب کو بدر کا مقتول کہنا تغلیبًا ہے۔

۱۶؎بدر ایک شخص کا نام تھا جو اس جگہ کا مالک تھا اس کے نام پر اس علاقہ کو اور اس کنویں کو بدر کہنے لگے۔قلیب کنویں کے پاس وہ گہرا غار جو کچا ہو اور اس پر من وغیرہ نہ ہو اس میں ان تمام کی لاشیں ڈالی گئیں مگر امیہ ابن خلف کی لاش ڈالی نہیں جاسکی کیونکہ اسے کھینچتے ہی اس کے اعضاء الگ الگ ہوگئے۔

۱۷؎یعنی دنیا میں تو ان کی ایسی ذلت و رسوائی ہوئی اور آخرت کی رسوائی اور عذاب ان کے لیے تیار تھا کہ قلیب میں پڑتے ہی اس میں گرفتار کرلیے گئے۔لعنت سے مراد فرشتوں کی پھٹکار اور ان کی سخت مار ہے جس میں وہ گرفتار ہوئے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے والا بدترین بدبخت ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینے والا بہت ہی خوش نصیب ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ پر کوئی دن ایسا بھی گزرا جو احد کے دن سے زیادہ سخت ہو۱؎ تو فرمایا میں نے تمہاری قوم سے بڑی مصیبتیں جھیلیں۲؎ احد سے سخت دن جب میں نے ان کی مصیبت جھیلی عقبہ کا دن تھا۳؎ جب کہ میں نے اپنے کو ابن عبدیا لیل ابن کلال کے سامنے کیا ۴؎ جو میں نے چاہا تھا اس نے وہ جواب نہ دیا ۵؎ تو میں اپنے رخ پر چلا حالانکہ میں حیران تھا مجھے اس حیرانی سے افاقہ نہ ہوا مگر مقام قرن ثعالب میں۶؎ تو میں نے اپنا سر اٹھایا ۷؎ تو میں ایک بادل کے سامنے تھا جس نے مجھ پر سایہ کیا تھا میں نے دیکھا تو اس میں جبریل تھے۸؎ انہوں نے مجھے پکارا عرض کیا کہ اللہ نے آپ کی قوم کا کلام اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا سن لیا آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے ۹؎ تاکہ آپ ان کفار کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۱۰؎ فرمایا کہ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے پکارا مجھے سلام کیا پھر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱؎ اللہ نے آپ کی قوم کا کلام سن لیا میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں مجھے آپ کے رب نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنے فیصلے کا حکم دیں۱۲؎ اگر آپ چاہیں تو	

	میں ان لوگوں پر دو اخشب پہاڑ ملادوں۱۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پیٹھوں میں سے ایسے لوگ پیدا کرے جو ایک اللہ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں ۱۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز شہید ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت شریف شکستہ ہوا،سر مبارک زخمی ہوا،مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی۔میرے خیال میں ایسا سخت دن آپ پر کوئی نہیں گزرا ہوگا فرمایئے تو اس سے سخت دن بھی کوئی آپ پر گزرا ہے۔

۲؎ یہاں **قومك** فرمانا اظہار افسوس کے لیے ہے حضرت عائشہ صدیقہ کی قوم وہی تو ہے جو حضور انور کی قوم ہے یعنی قریش۔مقصد یہ ہے کہ ہم نے قریش سے بہت تکلیفیں دیکھی ہیں جو غزوہ احد سے زیادہ سخت تھیں کہ ان میں میرے قلب کو زخمی کیا گیا۔

۳؎ عقبہ منیٰ شریف کے ایک حصہ کا نام ہے،جمرہ عقبہ اس ستون کا نام ہے جو اسی جگہ واقع ہے۔حضور انور حج کے زمانہ میں منیٰ شریف میں باہر سے آنے والوں کو تبلیغ فرمایا کرتے تھے یہاں اس تبلیغ کا ذکر ہے۔یوم عقبہ سے مراد ہے عقبہ کے میدان میں تبلیغ کا دن،عقبہ پہاڑ کے راستہ کو کہتے ہیں،چونکہ یہ جگہ دو پہاڑوں کے بیچ میں ہے اسی لیے اس کو عقبہ کہا جاتا ہے۔(مرقات) یا **عقب** بمعنی پیچھے ہے یہاں کا جمرہ پہلے دو جمروں کے پیچھے واقع ہے لہذا یہ ستون جمرہ عقبہ کہلاتا ہے اور یہ جگہ عقبہ۔

۴؎ اس شخص کا نام مسعود ابن عبدیا لیل ابن کلال ابن عمرو تھا،یہ قبیلہ بنی ثقیف سے تھا،طائف کا رہنے والا وہاں کا بڑا سردار تھا،یہ سولہ سولہ ساتھیوں کے ساتھ طائف سے حج کرنے آیا تھا،اسے حضور انور نے عقبہ میں دعوتِ اسلام دی یہ سخت بدتمیزی سے پیش آیا اور اسلام لانے سے انکار کر گیا،حضور انور کو اس سے بہت صدمہ ہوا،ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ سنہ ۱۰ھ ہجری میں مسلمان ہوا،انہوں نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے مگر علامہ واقدی نے کہا کہ یہ مسلمان نہیں ہوا۔واللہ اعلم! (مرقات)

۵؎ یعنی اس نے اسلام قبول نہیں کیا میری کوئی بات نہ مانی بلکہ اپنے ساتھیوں اور لڑکوں کو حضور انور کے پیچھے لگادیا جنہوں نے حضور انور پر پتھر برسائے اور آپ کو زخمی کردیا حتی کہ آپ کے قدم شریف نعلین شریف سے خون کی وجہ سے چپک گئے۔(اشعہ)

۶؎ یعنی اس واقعہ سے مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں گویا بے ہوش ہوگیا اس حالت میں سامنے کی طرف چل دیا حتی کہ مجھے یہ خبر نہیں کہ میں کہاں جارہا ہوں چلتے چلتے مقام قرن الثعالب پر پہنچ گیا،قرن الثعالب کو قرن المنازل بھی کہتے ہیں یہ جگہ نجد والوں کا میقات ہے وہاں پہنچ کر مجھے اس حالت سے افاقہ ہوا۔

۷؎ آسمان کی طرف سے سر اٹھا کر اپنے رب کی رحمت کا انتظار کیا کیونکہ آسمان قبلہ دعا ہے۔

۸؎ آج حضرت جبریل حضور کی خدمت میں نئی شان سے حاضر ہوئے کہ بادل سایہ دار اور پہاڑوں کا حاکم فرشتہ ساتھ ہے۔

۹؎ اس فرشتہ کا نام اسمٰعیل ہے یہ پہاڑوں کے انتظامات پر مقرر ہے،دنیا کے پہاڑوں پر اس کا راج ہے سارے پہاڑ اس کے زیر فرمان ہیں۔

۱۰؎ یعنی پہاڑ تو اس فرشتہ کے زیر فرمان ہیں اور یہ فرشتہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے زیر فرمان جو آپ حکم دیں گے وہ یہ فرشتہ کرے گا اور جو یہ حکم دے گا اس پر پہاڑ عمل کریں گے گویا سارے پہاڑ آپ کے خادم ہیں آپ کے قبضہ میں ہیں،یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت۔آج بعض اولیاء جیسے حضور غوث پاک جہان کے راجہ ہیں اور حضور انور کے زیر فرمان ہیں اللھم صل وسلم وبارك علیه۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان درخت،پتھر،پہاڑ،جانور سب ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے پتھروں نے کلمہ پڑھا،چاند پھٹا،بادل برسے۔یہاں حضو صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شان دکھائی ہے کہ پہاڑوں کا حاکم فرشتہ بھی آپ کے زیر فرمان ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کا تخت خود نہ لائے بلکہ اپنے خادم آصف ابن برخیا سے منگایا جو پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے شام میں لے آئے تاکہ پتہ لگے کہ ان کے آستانہ کے خدام یہ طاقت رکھتے ہیں۔

۱۱؎ حضور انور کو یا محمد کہہ کر پکارنا اس آیت کے نزول سے پہلے تھا"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"اس آیت سے آپ کو صرف نام لے کر پکارنا حرام ہوا یا حضور انور نے اس فرشتہ کے الفاظ کی نقل بامعنی فرمائی اس نے تو رسول اللہ حبیب اللہ کہہ کر پکارا ہوگا حضور انور نے ان لفظوں سے نقل کی جیسے ایک بڑا عالم کہتا ہے کہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تو بھی کچھ بول حالانکہ لوگ تو ادب سے عرض کرتے ہیں۔یا لفظ محمد اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی تمام مخلوق بلکہ خالق کے سراہے ہوئے سب کے ممدوح سب کی تعریف کیے ہوئے اگر ان بے وقوفوں نے آپ کو نہیں پہنچانا تو آپ غم نہ کریں آپ کو تو ساری خلقت جانتی پہچانتی آپ کی حمد و ثنا کرتی ہے۔بہرحال فرشتے کے اس لفظ کو دیکھ کر ہم حضور کو اس طرح نہیں پکارسکتے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رب یایھا النبی،یایھا الرسول، یایھا المزمل،یایھا المدثر کے پیارے القاب سے پکارتا ہے۔

۱۲؎ سبحان اللہ!رب تعالٰی حضور کا کتنا احترام فرماتا ہے کہ خود عذاب نہیں بھیجتا جیسے دوسرے نبیوں کی امتوں پر عذاب بھیجا بلکہ حضور انور کی اجازت پر معلق رکھا۔

۱۳؎ اخشبین تثنیہ ہے اخشب کی بمعنی مضبوط اور بڑا اونچا پہاڑ۔بعض شارحین نے کہا کہ یہ دونوں پہاڑ طائف میں ہیں جن کے بیچ میں طائف واقع ہے،بعض نے کہا کہ مکہ معظّمہ و طائف کے درمیان ہیں،بعض نے فرمایا کہ مکہ معظّمہ میں ہیں ہوسکتا ہے کہ مکہ معظّمہ سے شروع ہوئے اور طائف تک پہنچے ہوں جیسے ہمالیہ پہاڑ کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔(از مرقات)مطلب یہ ہے کہ مجھے حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ملادوں جس سے سارا طائف اس طرح پس جاوے جیسے چکی کے پاٹوں میں دانے پس جاتے ہیں۔

۱۴؎ یہ فرمان عالی ایک سوال کے جواب میں ہے،حضور انور نے اس سے منع فرمایا فرشتہ نے بہ ادب اجازت دینے کا اصرار کیا تب حضور انور نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ اگرچہ یہ لوگ اسی سزا کے مستحق ہیں مگر وہ وہی ہیں ہم ہم ہیں۔ہم تو یہ کہتے ہیں۔

الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر　　اله العالمین کر رحم طائف کے مکینوں پر

دیتے ہیں دعا سرکار انہیں جو مارنے پتھر آتے ہیں　　اعدا پہ یہ رحمت صل علی طائف کی فضائیں شاہد ہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ابن عبدیا لیل اسلام لانے حاضر ہوا صحابہ نے خبر دی کہ وہ آتا ہے فرمایا آنے دو وہ آپ کے سامنے بیٹھ کر بہت زار زار رویا اور کبھی آپ کے سامنے سر اونچا نہ کیا آنکھ نہ اٹھائی۔**واللہ ورسولہ اعلم!** اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور ان کفار کی اولاد کے حالات سے بھی خبردار ہیں کہ وہ ایمان لائیں گے،چنانچہ وہاں سب ہی مؤمن ہوئے اور اب تک ایک بھی کافر نہیں،نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا"**وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا**"خدایا اب یہ قوم کافر و فاجر ہی جنے گی۔معلوم ہوا کہ پشتہاپشت کے حالات سے خبردار ہیں۔شعر

ہم چنیں دانند چنیں حالہا　　ملکہ قبل ازدادن تو سالہا

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکڑی شہید کردی گئی ۱؎ اور آپ کے سر میں زخم لگادیا گیا ۲؎ تو آپ اپنے سے خون پوچھنے لگے ۳؎ اور فرمانے لگے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہو جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا اور اس کی چوکڑی شہید کردی ۴؎ (مسلم)	

۱؎ سامنے کے چار دانت دو اوپر کے اور دو نیچے کے رباعیہ کہلاتے ہیں،بروزن ثمانیہ،اردو میں انہیں چوکڑی کہتے ہیں۔حضور انور کی داہنی کی نیچے کی چوکڑی کا ایک دانت شریف کا ایک کنگرہ ٹوٹا تھا یہ دانت شہید نہ ہوا تھا اور ہونٹ شریف بھی زخمی ہوگیا تھا۔یہ زخم عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر سے لگا تھا،اس کے بعد عتبہ کا جو بیٹا پیدا ہوتا بالغ ہوتے ہی اس کا یہ ہی دانت گر جاتا تھا۔عتبہ کے اسلام میں اختلاف ہے،یہ عتبہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھائی ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ غزوہ احد میں حضور انور پر کفار کی تلواریں ستر پڑیں اللہ نے حضور کو بچالیا،ان کے وار خالی گئے۔ایک کافر کا پتھر سر مبارک میں لگا جس سے خود ٹوٹ کر سر شریف میں گڑ گیا اور خون جاری ہوگیا۔ایک مسلمان نے اس پتھر مارنے والے کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے،آگے گڑھا تھا جس میں حضور انور کا گھوڑا گر گیا اور آپ اس غار میں گر گئے حضرت طلحہ فورًا وہاں کود گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انور کو اپنی گود میں اٹھالیا،حضور نے فرمایا طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کرلی،حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے اپنے دانتوں سے خود کی کڑیاں سر شریف میں سے نکالیں اور مالک ابن

سنان نے حضور کے زخم پر منہ رکھ کر خون چوس لیا،حضور انور نے فرمایا میرا خون تیرے خون سے مخلوط ہوگیا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۳؎ حضور انور اپنے زخم سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے،حضرت علی اپنی ڈھال میں پانی لاتے تھے،جناب فاطمہ زہرا نے چٹائی جلا کر راکھ زخم شریف میں بھری جس سے خون بند ہوا۔

۴؎ چنانچہ حضور انور نے وہ خون زمین پر نہ گرنے دیا فرمایا کہ اگر میرے اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرجاوے تو عذاب الٰہی آ جاوے۔(اشعہ)خیال رہے کہ حضور انور کی فصد کے خون کا یہ حکم نہیں کہ وہ خون اور نوعیت کا ہے یہ زخم کا خون ظالم کے ظلم کا نتیجہ ہے لہذا اس خون کا اثر اور ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس قوم پر اللہ کا غضب سخت ہوتا ہے جو اپنے نبی کے ساتھ یہ کرے اور حضور اپنی چوکڑی کی طرف اشارہ کرتے تھے ۱؎ اللہ کا غضب سخت ہے اس شخص پر جسے رسول اللہ اللہ کی راہ میں قتل کریں ۲؎ (مسلم،بخاری)یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔	

۱؎ یعنی قریش کا میرے ساتھ یہ عمل سخت عذاب کا سبب ہے کیونکہ نبی کو قتل کرنا نبی کو زخمی کرنا عذابِ الٰہی کا باعث ہے،یہ ہے قدرت کا قانون مگر چونکہ آپ رحمت عالمین ہیں اس لیے قریش پر عذاب نہیں آیا یہ ہے رب کی رحمت یہ مطلب یا د رہے،اس بنا پر حدیث پر اعتراض نہیں کہ قریش پر عذاب آیا کیوں نہیں۔

۲؎ یعنی جو کافر جہاد میں نبی کے ہاتھ سے قتل ہو وہ دوزخ کے سخت تر طبقے میں جاوے گا جسے نبی قصاص زنا کی سزا وغیرہ میں قتل کریں اس کا یہ حکم نہیں۔خیال رہے کہ دوسرے مسلمان غازی اگر کسی کافر کو قتل کریں تو وہاں غلطی کا احتمال ہے کہ شاید اسے کافر سمجھنے میں غلطی ہوگئی،نبی جس کو قتل کریں وہاں یہ احتمال نہیں،نیز وہ مقتول کافر نبی کو قتل کرنے ہی کے ارادہ سے آیا تھا جیسے نبی کو قتل کرنا بدترین کفر ہے ایسے ہی نبی کے قتل کا ارادہ کرنا بدتر کفر ہے اس وجہ سے وہ مقتول سخت سزا کا مستحق ہے۔حضور انور نے صرف ایک کافر کو جہاد میں قتل کیا ہے ابی ابن خلف کو۔مسئلہ برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ انہیں کنعان سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا،نیز اس وقت یوسف علیہ السلام نبی نہ تھے،نیز بعد میں ان سب نے یوسف علیہ السلام سے معافی حاصل کرلی لہذا وہ اس قانون کی زد میں نہیں آتے۔سوا نبی کے اور کسی کو دنیاوی وجہ سے قتل کرنا کفر نہیں،یہ نبی کی شان ہے کہ انہیں کسی وجہ سے قتل کرنا یا قتل کا ارادہ کرنا بدترین کفر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت یحیٰی ابن ابی کثیر سے فرماتے ہیں کہ	

میں نے ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن سے۱؎ قرآن کی پہلی نازل ہونے والی آیت کے متعلق پوچھا تو فرمایا یا ایھا المدثر ہے،میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اقرا باسم ربك ہے ۲؎ تو ابو سلمہ بولے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا اور میں نے ان سے اسی طرح کہا جو تم نے مجھ سے کہا تو مجھ سے حضرت جابر نے کہا کہ میں تم کو نہیں خبر دیتا مگر اس کی جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی فرمایا تھا کہ میں نے حراء میں ایک ماہ اعتکاف کیا۳؎ تو جب میں نے اپنا اعتکاف پورا کیا۴؎ تو میں اتر آیا پھر مجھے پکارا گیا میں نے اپنے داہنے دیکھا تو کچھ نہ دیکھا اور میں نے اپنے بائیں غور کیا تو کچھ نہ دیکھا اور میں نے اپنے پیچھے دیکھا تو کچھ نہ پایا ۵؎ پھر میں نے اپنا سر اٹھایاتو ایک چیز دیکھی پھر میں جناب خدیجہ کے پاس آیا میں نے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو انہوں نے اوڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا ۶؎ تب یہ آیت اتری اے کپڑے اوڑھنے والے اٹھو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو پلیدی دور کرو،یہ واقعہ نماز فرض کیے جانے سے پہلے کا ہے ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ دونوں حضرات تابعی ہیں،یحییٰ ابن کثیر بھی اور ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن بھی دونوں بڑے عالم فقیہ،عابد زاہد متقی تھے۔

۲؎ دونوں روایتیں درست ہیں نبوت کی پہلی آیت "اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ" ہےاور رسالت کی پہلی آیت "یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" ہے،آپ پڑھ چکے ہیں کہ "یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" وحی بند ہونے کے بعد اتری ہے۔(مرقات)یعنی تبلیغ انداز کی پہلی آیت "یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" ہے۔

۳؎ یہاں اعتکاف سے وہ اعتکاف مراد ہے جو وحی بند ہوجانے کے زمانہ میں حضور انور نے غار حرا میں کیا تھا "اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ" آیۃ آچکی تھی،اس کے بعد بھی حضور انور غار حرا میں جاتے وہاں عبادت کرتے رہے۔اس سے معلوم

ہوا کہ وحی ایک ماہ تک بند رہی ہے۔(مرقات)وحی بند رہنے کی مدت میں جو گفتگو ہے وہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔حضور انور کا پہلا اعتکاف تو چھ ماہ کا تھاجو نزول وحی سے پہلے ہوا۔

۴؎یعنی یہ دوسرا اعتکاف ایک ماہ والا مراد ہے لہذا حدیث پر کوئی اشکال نہیں وہ پہلا اعتکاف چھ ماہ والا مراد نہیں۔خیال رہے کہ ان اعتکافوں میں حضور انور ساتویں آٹھویں دن اپنے گھر جناب خدیجۃ الکبریٰ کے پاس روٹی لینے تشریف لاتے تھے۔

۵؎یعنی آواز تھی مگر آواز والا کوئی نہ تھا۔

۶؎کیونکہ اللہ کے ذکر اس کی تجلی میں گرمی ہوتی ہے جو کبھی ٹھنڈے پانی سے کم ہوجاتی ہے۔بعض صوفیا کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ٹھنڈے پانی میں نہریا دریا میں کھڑے ہو کر ذکر اللہ کرتے ہیں یہ غلط نہیں ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

۷؎معلوم ہوا کہ طہارت و صفائی کا حکم پہلے آیا نماز کا حکم بعد میں،یہ بھی خیال رہے کہ نماز پنجگانہ معراج میں آئی یعنی شب معراج میں اور نماز تہجد پہلے آئی معراج سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے،بیت المقدس میں حضرات انبیاءکرام کو یہ نماز تہجد کی پڑھائی ہوگی۔واللہ اعلم! یہاں صلوۃ سے مراد مطلقًا نماز ہے کیونکہ سورۂ مدثر کے عرصہ کے بعد سورۂ مزمل آئی اور سورۂ مزمل سے نماز تہجد جاری ہوئی۔

باب علامات النبوّۃ

نبوت کی نشانیاں ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ علامت بنا ہے علم سے بمعنی نشانی۔یہاں نبوت کے نشانات مراد ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پتہ چلے،یعنی وہ عجائب قدرت جو آپ کی تائید میں آپ سے ظاہر ہوں خواہ نبوت کے اعلان سے پہلے جنہیں ارہاص کہتے ہیں خواہ نبوت کے ظہور کے بعد جنہیں معجزات کہتے ہیں،بلکہ گزشتہ آسمانی کتب میں آپ کا ذکر بھی انہیں علامات میں داخل ہے اس لیے اس باب میں یہ تینوں چیزیں بیان ہوں گی اور معجزات کے باب میں صرف وہ عجائبات بیان ہوں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بعد دعویٰ نبوت کے ظاہر ہوئے اس لیے صاحب مشکوۃ معجزات کا علیحدہ باب باندھیں گے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جناب جبریل علیہ السلام آئے جب کہ آپ بچوں کے ساتھ مشغول تھے ۱؎ تو حضور کو پکڑا انہیں لٹایا ان کا دل چاک کیا تو اس سے پارہ گوشت نکالا پھر کہا کہ یہ آپ میں شیطان کا حصہ ہے ۲؎ پھر اسے سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا ۳؎ پھر اسے سی دیا اور اس کی جگہ واپس رکھ دیا ۴؎ چند بچے حضور کی ماں یعنی حضور کی دائی کے پاس دوڑتے آئے ۵؎ بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیا گیا لوگ آپ کی طرف دوڑے آئے ۶؎ آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا ۷؎ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دھاگے کا اثر آپ کے سینہ پاک میں دیکھا کرتا تھا ۸؎ (مسلم)

۱؎ یہاں **لعب** سے مراد لغو کھیل کود نہیں ہے کیونکہ حضور انور اپنی عمر شریف میں کبھی نہیں کھیلے بچپن شریف میں ہی کھیل سے نفرت تھی،کسی بچے نے کھیل کے لیے بلایا تو فرمایا **ما خلقنا لھذا** ہم کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوئے بلکہ لعب سے مراد دنیاوی کام میں مشغولیت ہے۔یہ واقعہ جناب حلیمہ کے ہاں کا ہے جب حضور انور حلیمہ کے

بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے قبیلہ بنی سعد کے جنگل میں تشریف لے گئے تھے اور خود اپنی خوشی سے بہ اصرار گئے تھے یہ واقعہ وہاں کا ہے۔شعر

فضل پیدائشی پر کروڑوں درود کھیلنے سے کراہت پہ لاکھوں سلام (اعلیٰ حضرت)

۲؎یعنی اگر یہ حصہ تمہارے دل میں رہتا تو شیطان اس پر اپنا اثر کیا کرتا ہم وہ چیز آپ کے دل میں رہنے دیں گے ہی نہیں جس پر شیطان اثر جماتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ کرسکتے ہی نہ تھے کیونکہ گناہ یا تو نفس امارہ کراتا ہے یا شیطان،حضور کا نفس امارہ نہیں بلکہ نفس مطمئنہ ہے،شیطان کی حضور انور کے دل تک گزر نہیں پھر گناہ کون کرائے۔خیال رہے کہ اولًا دل میں یہ گوشت کا ٹکڑا پیدا کیا جانا پھر اس کا نکالا جانا ایسا ہے جیسے جسم اقدس پر بالوں ناخنوں کا ہونا پھر ان کا کٹوایا جانا یہ بات نبوت کی شان کے خلاف نہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ اس واقعہ کا نام شرح صدر بھی ہے،شق صدر بھی۔یہ واقعہ عمر شریف میں کئی بار ہوا ہے یہ پہلا موقعہ ہے،رب فرماتا ہے:"اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ"اس آیت میں ان ہی واقعات کی طرف اشارہ ہے،دوسری بار دس سال کی عمر شریف میں،پھر غارِ حرا میں اعتکاف کے زمانہ میں،پھر شبِ معراج میں،ان تین بار میں زیادتی نور زیادتی شرح کے لیے ہوا۔

۳؎یہ طشت سونے کا جنت سے لائے تھے جنتی سونے کا استعمال خصوصًا فرشتوں کے لیے حرام نہیں۔ان شاءاللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے ہم لوگ جنت میں سونے کے زیورات سونے کے برتن استعمال کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ آبِ زمزم سارے پانیوں سے حتی کہ جنت کے کوثر و سلسبیل سے بھی افضل ہے ورنہ فرشتے کوثر لاتےاور کیوں نہ ہو کہ یہ پانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں سے پیدا ہوا اس لیے افضل وہ پانی ہے جس کے چشمے حضور کی انگلیوں سے چھوٹے،اس پانی سے افضل حضور کے منہ شریف کا لعاب ہے کہ ان دونوں پانیوں کو حضور سید الانبیاء سے نسبت ہے۔(مرقات)

۴؎یعنی یہ عمل کرکے دل کو سینے میں اپنی جگہ رکھ کر سینہ سی دیا مگر اس سارے عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تکلیف ہوئی نہ زخم پہنچا نہ خون نکلا،یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ارہاصات ہوئے اسی لیے یہ حدیث اس باب میں لائے۔

۵؎یعنی حضرت حلیمہ کے بچے بھی اور دوسرے بچے بھی جو قریب میں اپنی بکریاں چرا رہے تھے یہ واقعہ دیکھ کر گھبرا گئے اور دوڑے ہوئے بی بی حلیمہ کے پاس آئے اور اس کی خبر دی وہ سمجھے کہ حضور انور کو شہید کردیا گیا۔

۶؎یعنی جناب حلیمہ اور ان کے خاوند ابوکبشہ اور قبیلہ بنی سعد کے قریبًا سارے آدمی ادھر بھاگے یہ عجیب واقعہ سن کر سب گھبرا گئے اس لیے **فاستقبلوہ** جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔

ے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ حیرت یا ہیبت سے بدل گیا تھا عمر شریف سات سال سے بھی کم تھی۔

۸ یہ دھاگے قدرتی تھے اور سینے والے فرشتے تھے،یہ اثر ایسا ہی تھا جیسے آپریشن کے بعد سلائی کا اثر آپریشن کی جگہ رہتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت اور چیز ہے یہ سلائی کچھ اور چیز کیونکہ یہ سلائی اور دھاگے کے نشانات سینہ شریف پر تھے اور مہر نبوت دو کندھوں کے درمیان۔جن لوگوں نے کہا ہے کہ یہ نشان ہی مہر نبوت تھی انہوں نے غلطی کی ہے چار بار شق صدر ہوا،ہر دفعہ اسی طرح ہوا۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں مکہ کے وہ پتھر پہچانتا ہوں جو نبوت کے ظہور سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا ۱ میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں ۲ (مسلم)	

۱ بعض شارحین نے کہا کہ یہ پتھر سنگ اسود ہے مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جو مکہ معظّمہ میں زقاق الحجر میں واقع ہے۔ زقاق الحجر مکہ معظّمہ کا ایک محلّہ ہے جو کعبہ معظّمہ اور جناب خدیجہ کے گھر کے درمیان واقع ہے،اس پتھر میں حضور انور کی کہنی کے آثار موجود ہیں،لوگ خصوصًا اہل مکہ اسی پتھر کی زیارت کرتے ہیں دور دور سے لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں۔(مرقات،اشعۃ اللمعات)اب نجدیوں کی برکت سے یہ تبرکات گم ہوگئے۔

۲ وہ پتھریوں کہتا تھا السلام علیك یارسول الله السلام علیك یا حبیب الله جیساکہ باب المعجزات میں آوے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور اپنی نبوت سے بچپن شریف میں ہی خبردار تھے۔مکہ معظّمہ کے پتھر اور در و دیوار حضور کی نبوت کی گواہی دے چکے تھے،پہلی وحی کے سارے واقعات حضور کی بے علمی کی بنا پر نہیں جیساکہ ہم ابھی پچھلے باب میں عرض کرچکے ہیں۔جو لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت حضور کو اپنی نبوت کی خبر نہ تھی،آپ نے حضرت جبریل کو نہ پہچانا یا یہ کہ خدیجہ کبریٰ اور ورقہ ابن نوفل کے بتانے سے حضور نے اپنے کو نبی جانا غلط ہے۔آج بچپن شریف میں پتھر تک حضور کو رسول اللہ نبی اللہ کہہ کر سلام کررہے پھر بے خبری کیسے۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انہیں حضور کوئی معجزہ دکھائیں ۱ تو حضور نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کرکے دکھایا ۲ حتی کہ انہوں نے حراء کو ان دونوں کے بیچ میں دیکھا ۳ (مسلم،بخاری)	

۱ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ یمن کا سردار حبیب ابن مالک ابوجہل کی دعوت پر مکہ معظّمہ آیا تھا کہ اسلام کا زور کم کرے،لوگوں کو اسلام سے روکے،اس نے ابوجہل وغیرہ کے ساتھ یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ ہم کو آسمانی معجزہ یعنی چاند دو ٹکڑے کرکے دکھائیں حضور انور نے ان سب کو صفا پہاڑ پر لے جاکر یہ معجزہ دکھایا،پھر

وہ بولا کہ اب یہ معجزہ دکھائیں کہ بتائیں میرے دل کو کیا دکھ ہے،فرمایا تیری ایک بیٹی ہے سطیحہ نام جو آنکھوں سے اندھی،کانوں سے بہری،پاؤں سے لنگڑی،زبان سے گونگی،ہاتھوں سے لنجی ہے جا اسے اللہ نے شفا دے دی حبیب نے فورًا کلمہ پڑھا،جب گھر پہنچا تو دروازہ کھولنے وہ ہی بے دست و پا لڑکی سطیحہ آئی باپ کو دیکھ کر اس نے کلمہ پڑھا حبیب بولا تجھے یہ کلمہ کون پڑھا گیا ابھی تو اس ملک میں یہ کلمہ نہیں آیا وہ بولی۔شعر

وہ دکھا کے شکل چلے گئے میرے دل کا چین بھی لے گئے

مری روح ساتھ نہ کیوں گئی مجھے اب تو زندگی بار ہے

میں نے اس حلیہ کے بزرگ کو خواب میں دیکھا جو کہتے ہیں بیٹی تیرے باپ کو ہم مکہ میں کلمہ پڑھا رہے ہیں تو یہاں کلمہ پڑھ لے تجھے اللہ نے شفا بھی بخش دی،میں جاگی تو تندرست تھی اور یہ کلمہ زبان پر جاری تھا۔(خرپوتی)

۲؎ چاند چیرنے کا معجزہ تواتر معنوی سے اور قرآن مجید سے ثابت ہے،رب فرماتاہے:"اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ"آیت میں قیامت کا چاند چرنا مراد نہیں کیونکہ آگے ہے:"وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ"کفار یہ معجزہ دیکھ کر بھی کہیں گے کہ یہ جادو دائمی ہے قیامت میں مستمر چاند چرنے کو جادو کوئی نہیں کہہ سکتا،دیکھو مرقات اور اشعۃ اللمعات۔

۳؎ خیال رہے کہ جنہوں نے یہ معجزہ صفا پہاڑ کی طرف سے دیکھا انہوں نے کہا کہ چاند کے دو ٹکڑوں کے بیچ میں صفا تھا، جنہوں نے جبل نور کی طرف سے دیکھا انہوں نے کہا کہ بیچ میں حرا تھالہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔خیال رہے کہ جیسے چاند گرہن ہر جگہ نظر نہیں آتا ایسے ہی چاند چرنا ہر جگہ نظر نہیں آیا اس وقت بعض ملکوں میں دن تھا،نیز جہاں نظر آیا وہاں سب نے نہ دیکھا،بعض لوگ اس وقت سوچکے تھے جاگتے تھےانہوں نے آسمان کی طرف نہ دیکھاکیونکہ چاندنی میں کوئی کمی یا فرق نہ ہوا تھا،پھر مکہ میں آنے والے نووارد مسافروں نے بھی اس کے دیکھنے کی خبر دی تھی۔چاند کا چِرا رہنا لحظ بھر کے لیے تھاجتنی دیر میں ان لوگوں نےدیکھا اور یقین کرلیا پھر فورًا ہی جوڑ دیا گیا۔شعر

اشارہ سے چیر دیا چھپے ہوئے خود کو پھیر لیا گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب وتواں تمہارے لیے

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوکر پھٹا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا ٹکڑا اس کے نیچے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ رہو ا؎ (مسلم،بخاری)	

ا؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند ٹوٹ کر اس کے دونوں ٹکڑے اپنی جگہ سے نہ ہٹے بلکہ ایک ٹکڑا اپنی جگہ رہا دوسرا جگہ سے ہٹا تھا۔**دونھا** کے معنی یہ نہیں کہ چاند کا وہ ٹکڑا زمین پر اتر آیا تھاپہاڑ کے نیچے پہنچ گیا تھابلکہ

مطلب یہ ہے کہ آسمان کے کناروں کی طرف پہنچ گیا جو پہاڑ کے نیچے نظر آتا تھا جیسے چاند یا سورج نکلتے وقت درختوں کی شاخوں کی سیدھ میں نظر آتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ علیہ سے فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ کیا محمد تمہارے سامنے اپنا چہرہ گرد آلود کرتے ہیں[1] کہا گیا ہاں تو بولا کہ لات و عزیٰ کی قسم اگر میں نے انہیں یہ کرتے دیکھا تو انکی گردن روند دوں گا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ حضور نماز پڑھ رہے تھے[2] ارادہ کیا کہ حضور کی گردن کو روندے تو کفار کو اسی بات نے گھبراہٹ میں کر ڈالا کہ وہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے لوٹ رہا تھا[3] اور اپنے ہاتھوں سے بچاؤ کر رہا تھا، اس سے کہا گیا کہ تجھے کیا ہوا وہ بولا کہ میرے اور حضور کے درمیان آگ کی خندق ہے[4] اور ہیبت اور پَر ہیں[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ مجھ سے قریب ہوتا تو فرشتے اس کے عضو عضو کے ٹکڑے کردیتے[6] (مسلم)

[1] یعنی کیا تمہارے ہوتے ہوئے حضور محمد مصطفیٰ حرم شریف میں آکر کعبہ معظّمہ کے سامنے نماز ادا کرتے ہیں سجدہ کرتے ہیں۔اس مردود نے سجدہ کرنے کو چہرہ گرد آلود کرنا کہا اظہار بے ادبی کے لیے حقارت کے لیے۔**نعوذ باللہ!**

[2] یعنی ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اس طرح آیا کہ یا تو انہیں شہید کردوں یا سخت ایذا پہنچاؤں۔

[3] یہ تھی حضور انور کی ہمت و جرأت کہ کفار میں گھرے ہوئے ہونے اور کفار کے ایسے برے ارادوں کو جاننے کے باوجود اکیلے کعبہ معظّمہ میں نماز پڑھ رہے ہیں نہایت خشوع و حضور کے ساتھ کسی کا خوف دل میں نہیں۔

[4] یعنی پہلے تو ابوجہل بڑی شیخی سے حضور انور کی طرف برے ارادے سے بڑھا اور اس کے ساتھی خوش ہوئے اور اگلی بات کا اظہار کرنے لگے مگر اب یہ لوگ حیران بھی ہوگئے اور پریشان بھی کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ نہایت ذلت و خواری سے الٹے پاؤں لوٹ رہا ہے اپنے ہاتھ سامنے کی طرف پھیلائے ہوئے جیسے کوئی سخت پریشان کن چیز آگے دیکھے تو ہاتھ سامنے کیے ہوئے پیچھے الٹے پاؤں پلٹے۔

[5] یعنی میں نے اپنے آگے تین چیزیں دیکھیں: آگ سے بھری خندق (کھائی) ہے اور ایسی دہشت ناک چیزیں جو میں بتا نہیں سکتا کہ وہ کیا ہیں، تیسرے بڑے بڑے پَر۔غالب یہ ہے کہ یہ آگ دوزخ کی تھی اور پَر ان فرشتوں کے

تھے جو حضور کی حفاظت کے لیے مقرر تھے اور ہولناک عذاب دوزخ کے سانپ بچھو تھے ان کی بڑائی دیکھ کر ابوجہل پہچان نہ سکا۔

۶؎ مگر چونکہ ابوجہل کی ذلت والی موت میدان بدر میں مقرر تھی اس لیے وہ نہ آگے بڑھا نہ ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔

روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ جبکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے آپ سے فاقہ کی شکایت کی پھر آپ کے پاس دوسرا آیا اس نے حضور سے ڈکیتی کی شکایت کی۲؎ تو فرمایا اے عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے۳؎ اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم ایک بڑھیا کو دیکھو گے کہ حیرہ سے چلے گی حتی کہ کعبہ کا طواف کرے گی خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے گی۴؎ اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے ۵؎ اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم آدمی دیکھو گے کہ لپ بھر سونا یا چاندی لے کر نکلے گا اسے تلاش کرے گا جو اسے قبول کرے تو ایسا ایک شخص بھی نہ ملے گا۶؎ جو اس سے قبول کرے اور رب سے ملاقات کے دن تم میں سے ہر ایک اپنے رب کو یوں ملے گا کہ اس کے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا ۷؎ جو اسے ترجمہ کرے،رب فرمائے گا کہ کیا میں نے تیری طرف رسول نہ بھیجا ۸؎ جو تجھے تبلیغ کرے بندہ کہے گا ہاں،پھر فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تجھ پر فضل نہیں کیا بندہ کہے گا۹؎ ہاں تو وہ اپنے داہنے دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر دوزخ اور اپنے بائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر دوزخ ۱۰؎ آگ سے بچو اگرچہ چھوہارے کی قاش کے ذریعہ جو یہ بھی نہ پائے تو اچھی بات کے ذریعہ ۱۱؎ عدی فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھیا کو تو دیکھ لیا کہ وہ حیرہ سے چلتی ہے حتی کہ کعبہ کا طواف کرتی ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی۱۲؎ اور میں خود ان لوگوں میں

	تھا جنہوں نے کسریٰ ابن ہرمز کے خزانے فتح کیے اور اگر تم لوگوں کی عمر دراز ہوئی تو تم وہ بھی دیکھ لو گے جو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی لپ بھر سونا لے کر نکلے گا ۱۳؎(بخاری)

۱؎ حضرت عدی صحابی ہیں،یہ حاتم کے بیٹے ہیں،یہ حاتم وہ ہے جو مشہور سخی گزرا ہے،آپ اپنے والد حاتم ابن عبد ابن سعد کی وفات کے بعد شعبان ۷ھ میں ایمان لائے بعد میں کوفہ میں رہے،حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے،جمل کے دن آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی،ایک سو بیس سال کی عمر پائی ۶۷ھ میں وفات پائی مقام فرقلیہ میں قبر ہے۔(کمال)

۲؎ معلوم ہوا کہ اس وقت قحط سالی اور راستہ کی بدامنی شباب پر تھی،لوگوں کے گھروں میں رزق نہ تھا باہر جا کر کمانے کے لیے راہ میں امن نہ تھی کریں تو کیا۔

۳؎ حیرہ نیشاپور کا ایک محلّہ بھی ہے اور کوفہ کے قریب ایک بستی بھی یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔حضرات صحابہ نے اس زمانہ میں فارس کا ملک وہاں کے شہریوں کے محلے نہیں دیکھے تھے۔

۴؎ یہ بشارت ڈکیتی کی شکایت کا جواب ہے کہ عنقریب ایسا امن و امان کا زمانہ آنے والا ہے۔**ظعینة** بنا ہے **ظعن** سے بمعنی اونٹ کا ہودج یا ہودج کا سوار یعنی مسافر ظعینہ مسافرہ عورت۔یہاں سفر حج کی مسافرہ عورت مراد ہے۔اس فرمان عالی میں اشارۃً فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے زندگی میں یہ امن و امان دیکھ لو گے اسلام کی سخت سزاؤں نے عرب جیسے ملک میں امان قائم کردی جہاں صدیوں سے ڈکیتی چوری قزاقی وغیرہ تھی۔

۵؎ کسریٰ لقب تھا بادشاہ ایران کا یہ اصل میں خسرو تھا بمعنی بڑے ملک کا مالک۔خسرو فارسی لفظ ہے،اس سے عربی میں کسریٰ بنایا گیا لہٰذا یہ معرب ہے۔کنوز فرماکر یہ بتایا کہ تم صرف ملک ایران ہی فتح نہیں کرو گے بلکہ ان کے سونے سے بھرے ہوئے خزانے بھی حاصل کرو گے یہ بشارت عہد فاروقی میں ظاہر ہوئی۔

۶؎ یعنی لوگوں میں مال کی بہت ہی فراوانی ہوگی ساتھ ہی ایمانداری تقویٰ دیانت بھی کمال درجہ کی ہوگی کہ اس وقت نہ تو کوئی فقیر ہوگا جو زکوۃ لینے کے قابل ہو نہ کوئی طمع کا مارا لالچی ہوگا جو خواہ مخواہ زکوۃ لے لے اگرچہ فقیر نہ ہو جیسا آج ہورہا ہے کہ بعض امیر لوگ فقیر بن کر زکوۃ لے لیتے ہیں اس زمانہ میں قناعت بھی ہوگی۔یہ واقعہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہوچکا اور قریب قیامت امام مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے دور میں ہوگا۔یہاں پہلے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے فرمایا کہ اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لو گے جس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ صحابہ کرام دیکھیں گے۔(مرقات واشعۃ اللمعات) بیہقی نے اس پر یقین فرمایا کہ یہ واقعہ ہوچکا حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ میں۔

۷؎ یعنی تم لوگ قیامت میں براہ راست بلاواسطہ اپنے رب سے کلام کروگے یہ کلام عربی زبان میں ہوگا۔قیامت کا سارا کاروبار بلکہ آج نامہ اعمال کی تحریر،قبر میں منکر نکیر کے سوالات سب عربی زبان میں ہیں،مرتے ہی انسان کی زبان عربی ہوجاتی ہے۔رب تعالیٰ کے ہاں سرکاری زبان عربی ہے اس لیے فرمایا کہ لوگ اپنی دنیاوی بولیاں نہ

بولیں گے تاکہ رب کا عربی کلام انہیں سمجھانے کے لیے کوئی ترجمہ کرنے والا درمیان میں نہ ہو۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود تو عربی بولتے تھے مگر ساری زبانیں سمجھتے تھے حتی کہ جانوروں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے اس لیے اونٹوں چڑیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر فریاد کی اور داد پائی،اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔شعر

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پر شتران ناشاد شکوۂ رنج وعنا کرتے ہیں

۸؎ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اپنی اس نعمت کا اقرار کرائے گا جو ساری نعمتوں کی اصل بلکہ ساری نعمتوں کو نعمت بنانے والی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کہ اللہ کی ساری نعمتیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ماتحت استعمال کی جاویں تو نعمتیں ہیں ورنہ عذاب ہیں ہمارے خلاف گواہ۔

۹؎ اس فرمان عالی میں یہ بتایا گیا کہ مال وغیرہ انسان کی محض اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتا ہے۔شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

بہ ناداں چناں روزی رساند کہ دانا اندراں حیراں بماند
اگر بہ ہر سرمویت ہنر دو صد باشد ہنر بہ کارنہ آید چوبخت بدباشد

۱۰؎ اس عبارت میں روئے سخن بخیل مالداروں کی طرف ہے جو مال کا واجبی صدقہ نہ دیں،صحابہ کرام سے خطاب نہیں کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے متقی اول درجے کے سخی تھے جیساکہ حدیث اور تاریخ خواں حضرات سے چھپا نہیں۔

۱۱؎ یہاں کلمہ طیبہ سے مراد یا تو کلمہ شہادت ہے یا اللہ کا ہر ذکر ہے یا فقیر سے اچھی بات کہہ دینا معزرت کردینا آئندہ کے لیے وعدہ کرلینا کہ ابھی کچھ نہیں جب کچھ ہوگا تب ان شاءاللہ تم کودیں گے اسی کو قرآن مجید نے قول معروف فرمایا ہے۔خیال رہے کہ حضور انور نے آئندہ دولت کی خبریں دے کر انہیں سخاوت دینداری پر قائم رہنے کی تاکید فرمادی،یہ ہے قوم کی اصلاح۔

۱۲؎ یعنی خلافت فاروقی میں ایران فتح ہوا،اس کا دارالخلافہ مدائن مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔مدائن میں شاہی محل جسے فارسی میں کوشک کہتے ہیں۔مسلمانوں نے حاصل کیا وہاں کے بے پناہ خزانے مسلمانوں کو ملے،اس جہاد میں میں خود موجود تھا اور یہ امن و امان خلافت عثمانیہ میں بھی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی کہ حیرہ سے بوڑھی عورت اکیلی مکہ معظّمہ آرہی ہے اور راستہ میں کسی ڈکیتی وغیرہ کا اسے خطرہ نہیں حضور انور کی یہ دو پیش گوئیاں تو میں نے دیکھ لیں۔

۱۳؎ یعنی میرا اب آخری وقت آچکا ہے غالبًا تیسری پیش گوئی تم لوگ دیکھو گے کہ کوئی زکوۃ قبول کرنے والا نہ ملے گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عدی ابن حاتم حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ سے پہلے وفات پاگئے ہیں جیساکہ پہلے کہا گیا۔

روایت ہے حضرت خباب ابن ارت سے ۱؎ فرماتے ہیں	

	کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی جب کہ حضور کعبہ کے سایہ میں چادر کا تکیہ لگائے لیٹے تھے ہم نے مشرکین سے بہت سختی جھیلی تھی تو ہم نے عرض کیا کہ حضور اللہ سے دعا کیوں نہیں فرماتے۲ تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے چہرہ انور سرخ تھا۳ اور فرمایا کہ تم سے اگلوں میں ایک شخص کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا اسے اس گڑھے میں دبایا جاتا تھا پھر آرا لایا جاتا تھا وہ اس کے سر پر رکھا جاتا تھا وہ قاشیں کرکے چیر دیا جاتا تھا یہ اسے اس کے دین سے نہ روکتا تھا۴ اور اس کے گوشت کے نیچے ہڈیوں پٹھوں تک پہنچا کر لوہے کی کنگھیوں سے اسے کنگھی کی جاتی تھی اور یہ اسے اس کے دین سے نہ روکتا تھا۵ خدا کی قسم یہ دین پورا ہوکر رہے گا۶ حتی کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک چلے گا۷ کسی سے خوف نہ کرے گا سواء اللہ کے یا سواء بھیڑیئے کے اپنی بکریوں پر مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۸ (بخاری)

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،قبیلہ بنی تمیم سے ہیں،زمانہ جاہلیت میں آپ کو غلام بنالیا گیا تھا پھر بنی خزاعہ کی ایک عورت نے آپ کو خرید لیا اور آزاد کردیا،ابھی حضور انور دار ارقم میں پہنچے نہیں تھے کہ یہ مسلمان ہوگئے،کفار کے ہاتھوں آپ نے بہت ہی ایذائیں پائیں اور صابر رہے بعد میں کوفہ میں قیام رہا وہاں ہی دفن ہوئے،تہتر سال عمر ہوئی ۳۷ھ سینتیس میں وفات پائی۔(مرقات،اکمال)

۲؎ یعنی ہم نے اپنے جسم کے زخم اور تکالیف کے نشانات حضور انور کو دکھا کر یہ عرض کیا کہ ان مشرکین پر حضور بددعا فرمادیں کہ یہ سب ہلاک ہوجاویں اور ہم کو انکی شر سے امن مل۔

۳؎ یا تو اس لیے چہرہ سرخ تھا کہ حضور انور دھوپ میں لیٹے تھے یا اس لیے کہ کفار کی ایذا رسانی کی خبر سے یا مسلمانوں کی جلد بازی ملاحظہ فرماکر صدمہ ہوا اس سے چہرہ انور سرخ ہوگیا۔

۴؎ یعنی پچھلی امتوں میں مؤمنوں پر ایسی سختی کی جاتی تھی کہ انہیں زندہ کو آرے سے چیر دیا جاتا تھا وہ چر جاتے تھے مگر ایمان نہ چھوڑتے تھے نہ ان مصیبتوں سے گھبراتے تھے۔

۵؎ یعنی لوہے کی نوکیلی اور دھار دار کنگھیاں ان کی کھوپڑی میں ٹھونکی جاتی تھیں جب وہ دماغ کی تہہ تک پہنچ جاتی تھیں تو انہیں پیچھے کی طرف زور سے کھینچا جاتا تھا جس سے ان کا بھیجہ تک کھنچ کر باہر نکل پڑتا تھا مگر وہ لوگ اس کے باوجود نہ گھبراتے تھے نہ ایمان چھوڑتے تھے تو تم **خیر الامم** ہو تمہاری استقامت ان سے زیادہ

چاہیے،دنیاوی تکالیف سے مت گھبراؤ یہ عارضی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے قصے سنا کر تسلی دینا سنت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ قرآن کریم نے بھی اس قسم کے بہت سے واقعات بیان فرمائے ہیں۔

۶؎ یہاں دین پورا ہونے سے مراد ہے اسلام کا پھیلنا،مسلمانوں کا غالب آجانا کفار کا مغلوب ہوجانا،مسلمانوں کی سلطنت میں امن و امان قائم ہوجانا۔اس ایک کلمہ میں بہت سی بشارتیں ہیں،رب فرماتاہے:"وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنۡ يُّتِمَّ نُوۡرَهٗ"اور فرماتاہے: "لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ"۔

۷؎ صنعاء یمن کا ایک کنارہ ہے حضر موت دوسرا کنارہ ان دونوں شہروں میں بڑا فاصلہ ہے۔حضر موت وہ شہر ہے جہاں صالح علیہ السلام تشریف لائے اور وہاں ان کی وفات ہوئی،نیز جرجیس علیہ السلام وہاں آئے وہاں ان کی وفات ہوئی اس لیے اس کا نام حضر موت رکھا گیا۔(مرقات)اس شہر میں بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے حتی کہ کہا جاتا ہے حضر موت ینبت الاولیاء یعنی حضر موت شہر ولی اگاتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)ایک قبیلہ کا نام بھی حضر موت ہے یہ قبیلہ جہاں رہتا تھا اس جگہ کا نام حضر موت ہوا۔

۸؎ چنانچہ یہ ساری باتیں خلاف عثمانیہ میں مکمل طور پر ظاہر ہوئیں وہاں ایسا امن و امان قائم ہوا کہ سبحان اللہ! جس وقت حضور انور نے یہ خبریں دی تھیں اس وقت ظاہری اسباب سے یہ بات ناممکن معلوم ہوتی تھی اللہ نے اس ناممکن کو واقع کر دکھایا۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان کے پاس جاتے تھے ۱؎ وہ حضرت عبادہ ابن صامت کی بیوی تھیں ایک دن حضور انکے پاس تشریف لے گئے انہوں نے حضور کو کچھ کھلایا پھر بیٹھ گئیں آپ کے سر کی جوئیں دیکھنے لگیں ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر ہنستے ہوئے جاگے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کیا چیز آپ کو ہنسا رہی ہے یارسول اللہ تو فرمایا میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے اللہ کی راہ میں غازی جو اس سمندر کی فراخی میں سوار ہوں گے ۳؎ جیسے تختوں پر بادشاہ یا بادشاہوں کی طرح ۴؎ تختوں پر میں نے عرض کیا یارسول اللہ حضور اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان سے کرے ۵؎ حضور نے ان کے لیے دعا فرمائی ۶؎ پھر حضور نے سر رکھا اور سو گئے پھر جاگے ہنستے ہوئے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا	

	چیز حضور کو ہنساتی ہے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے اللہ کی راہ میں غازیانہ شان سے جیساکہ پہلی بار میں فرمایا تھا۷ تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے ان میں سے کرے فرمایا تم پہلوں میں سے ہو۸ چنانچہ حضرت معاویہ کے زمانہ میں ام حرام سمندر میں سوار ہوئیں ۹ پھر جب سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گرگئیں اور فوت ہوگئیں۱۰ (مسلم، بخاری)

۱؎ آپ ام حرام بنت ملحان ابن خالد ہیں،بنی نجار قبیلہ سے ہیں،ام سلیم کی بہن ہیں لہذا حضرت انس کی خالہ ہیں،آپ کا نام معلوم نہیں ہوسکاکنیت ہی میں مشہور ہیں،عبادہ ابن صامت کی بیوی ہیں،اپنے خاوند کے ساتھ روم گئیں،مقام قبرص میں سواری سے گرکر فوت ہوئیں وہاں ہی آپ کا مزا ر ہے،خلافت عثمانیہ میں وفات پائی۔(اکمال)

۲؎ حضرت ام حرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محرمہ ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے۔گفتگو اس میں ہے کہ محرمہ کیوں تھیں یا تو آپ کی رضاعی خالہ ہیں یا حضرت عبداللہ کی خالہ ہیں یا عبدالمطلب کی کیونکہ عبداللہ اور عبدالمطلب بنی نجار کے رشتہ دار ہیں۔(مرقات) بہرحال حضور انور کا ان کے پاس جانا،کھانا پینا،وہاں سونا ان کا حضور انور کا سر شریف دیکھنا بالکل جائز تھا۔خیال رہے کہ لیٹے ہوئے آدمی کے سر کو کھجلانا ٹٹولنا اس کے راحت کا باعث ہے ام حرام کا یہ عمل شریف اس لیے تھا۔

۳؎ یعنی میری وفات کے بعد میری امت کے شاندار غازی جہاد کے لیے سمندر کا سفر کریں گے یہ پہلا سمندری حملہ ہوگا جو وہ لوگ کریں گے۔**ثبج** ث کے فتحہ جیم کے شد سے بمعنی چوڑائی،بلندی،گہرائی اور انسان کی پیٹھ و کندھے کے درمیان کی جگہ،یہاں پہلے معنی میں ہے بحر سے مراد بحر عرب یعنی سمندر ہے۔

۴؎ یہ شک راوی کو ہے کہ **ملوگا** فرمایا یا **مثل ملوك** فرمایا۔اس فرمان عالی میں دو باتیں بتائیں: ایک یہ کہ وہ غازی سادہ زندگی سادہ لباس والے نہیں بلکہ شاہانہ شان و شوکت والے ہوں گے،شاہانہ شان سے سمندر کا سفر کریں گے۔دوسرے یہ کہ یہ لوگ اللہ کے بڑے ہی مقرب بندے ہوں گے کہ باوجود شاہانہ شان اور دنیاوی عیش و آرام اور عیش کے ساز و سامان کے اپنے گھر چھوڑ کر جہاد کرنے نکلیں گے،مقبولین بارگاہ ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم فرمانے سے معلوم ہوا کہ سرکار کو اپنی امت کے شان و شوکت دیکھ کر خوشی ہوئی کیوں نہ ہو کہ بچوں کی شان سے باپ کو خوشی ہوتی ہے۔

۵؎ حضرت ام حرام نے محسوس کرلیا کہ حضور انور ان غازیوں سے بہت ہی خوش ہیں اور وہ لوگ سارے کے سارے بخشے ہوئے ہیں،تو عرض کیا کہ حضور دعا فرمادیں کہ میں بھی ان میں سے ہوؤں تاکہ آپ کی نگاہ کرم اور اللہ تعالٰی کی بخشش کی حصہ دار ہوجاؤں۔

۶؎ حضور انور کی دعا کی برکت سے ام حرام اللہ کے ہاں ان غازیوں کی فہرست میں آگئیں جیساکہ آگے معلوم ہورہا ہے۔

۷؎ یعنی اس دوسری خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے غازی دکھائے گئے جو اس سمندر میں اسی نیت جہاد سے اسی ملک روم کا سفر کریں گے مگر یہ لوگ وہ ہی پہلے والے نہ ہوں گے بلکہ دوسرے لوگ ہوں گے،بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ دونوں جماعتیں مغفور ہوں گی۔

۸؎ یعنی تم کو اس جہاد میں شرکت کا موقعہ نہیں ملے گا کیونکہ تم پہلے جہاد میں شہید ہوچکی ہوگی یہ جہاد تمہاری وفات کے بعد ہوگا۔اس فرمان عالی سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وہ سارے مجاہدین دنیا و آخرت میں مؤمن ہوں گے کہ انہیں **امتی** فرمایا۔دوسری روایت میں ہے کہ انہیں **مغفورین** فرمایا۔دوسرے یہ کہ مجاہدین شاہانہ شان و شوکت کے مالک ہوں گے اس وقت مسلمانوں کے پاس دولت ملک بہت ہوگی۔تیسرے یہ کہ ان کے یہ دونوں جہاد قبول ہوں گے اور حضور ان دونوں قسم کے غازیوں سے راضی و خوش ہیں اسی لیے حضور یہ خواب دیکھ کر مغموم نہیں ہوئے بلکہ خوش ہوئے۔چوتھے یہ کہ اس جہاد میں شریک ہونے والے بڑے درجات والے ہوں گے اگرچہ ان میں سے بعض کو جنگ کا موقعہ نہ ملے جیسے خود ام حرام کا واقعہ ہوا۔پانچویں یہ کہ حضور ہر شخص کے وقت موت اور جگہ موت سے خبردار ہیں کہ فرمادیا تم اس دوسرے جہاد کے وقت فوت ہوچکی ہوگی۔چھٹے یہ کہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھی جلیل القدر صحابہ ہیں جنتی ہیں کہ یہ واقعہ امیر معاویہ کے زمانہ ہی میں تو پیش آیا جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خوشی منائی دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر۔

۹؎ یہاں امیر معاویہ کے زمانہ سے مراد آپ کی سلطنت کا زمانہ نہیں ہے بلکہ آپ کی گورنری کا زمانہ ہے کیونکہ یہ پہلا جہاد روم خلافت عثمانیہ ۲۸ھ اٹھائیس میں واقعہ ہوا۔(اشعہ)اس جہاد کی کمان امیر معاویہ کررہے تھے لہذا فی **زمن معاویۃ** فرمایا گیا۔

۱۰؎ یہ واقعہ ۲۸ھ میں ہوا،آپ مقام قبرص میں اس طرح شہید ہوئیں۔خیال رہے کہ دوسرا جہاد روم امیر معاویہ کی سلطنت کے زمانہ میں ہوا، ۵۱ھ اکیاون ہجری میں اس جہاد میں یزید ابن معاویہ غازیوں کا جرنیل تھااور اس میں حضرت عبداللہ ابن عمر،عبداللہ ابن عباس،ابو ایوب انصاری،امام حسین وغیرہم جلیل القدر صحابی غازیانہ شان سے شامل تھے۔اس جہاد میں حضرت ابو ایوب انصاری نے قسطنطنیہ(استنبول)میں وفات پائی،یزید ابن معاویہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یزید ہی نے انہیں قسطنطنیہ(استنبول)کی فصیل کے نیچے دفن کیا اور وہاں کے عیسائیوں سے کہا کہ اگر تم نے اس قبر کی بے حرمتی کی تو میں تمہارے سارے گرجے جو ہمارے ملک میں ہیں ان کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔دیکھو قسطلانی شرح بخاری پارہ گیارہ باب قتال روم اور اکمال۔جو لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین نے کفار سے جہاد کوئی نہ کیا وہ جھوٹے ہیں،جہاد روم کے اس جہاد میں امام حسین شریک تھے،اسی لشکر میں امام حسین کی شرکت البدایہ والنہایہ میں ہے۔غرضکہ پہلا جہاد حضرت امیرمعاویہ کے دور گورنری میں ان کے زیر اہتمام ہوا اور دوسرا جہاد امیرمعاویہ کے دور سلطنت میں ہوا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ضماد مکہ مکرمہ آئے اور یہ تھے ازدشنوءہ سے ۱؎ اس قسم کی ہوا سے جھاڑ پھونک کرتے تھے ۲؎ انہوں نے مکہ کے بے وقوف باشندوں کو کہتے سنا کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ ہیں تو بولے کہ ان صاحب کو میں دیکھ لیتا ہوں شاید کہ اللہ تعالٰی انہیں میرے ہاتھ پر شفا دے دیتا ۳؎ فرماتے ہیں کہ وہ حضور سے ملے بولے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اس خلل والی ہوا سے جھاڑ پھونک کرتا ہوں کیا یہ آپ کو ہے ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں،ہم اس کی حمد کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں،جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں،میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اس کے رسول ہیں اس کے بعد ۵؎ تب ضماد نے کہا اپنے یہ کلمات دوبارہ فرمایئے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے یہ کلمات تین بار لوٹائے ۶؎ وہ بولا کہ میں نے کاہنوں کی باتیں شاعروں کے قول سنے ہیں مگر میں نے آپ کی ان باتوں کی مثل کبھی نہیں سنیں ۷؎ یہ تو سمندر کی تہہ کو پہنچی ہوئی ہیں ۸؎ اپنا ہاتھ لایئے میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں فرمایا اس نے حضور کی بیعت کرلی

۹؎ (مسلم)اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ہے سمندر کی گہرائی میں پہنچ گئے ہیں ۱۰؎ اور ابوہریرہ اور جابر ابن سمرہ

	کی دونوں حدیثیں کہ کسریٰ ہلاک ہوجاوے گا اور دوسری کہ ایک جماعت فتح کرے گی لڑائیوں کے باب میں بیان کردی گئیں۔اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

۱؎ بعض شارحین نے کہا ہے کہ ضماد اور ضمام ایک ہی شخص کے دو نام ہیں مگر یہ صحیح نہیں ضمام ابن ثعلبہ بنی سعد ابن بکر قبیلہ سے ہیں اور ضماد ابن ثعلبہ قبیلہ ازد سے ہیں یہاں ضماد کا ذکر ہے،ضماد ابن ثعلبہ یمنی ہیں،وہاں ایک بڑا قبیلہ ہے شنوء،اس کا ایک خاندان ہے ازد،آپ ازد سے ہیں،انہیں طلب علم کا بہت شوق تھادم منتر بھی خوب کرتے تھے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی دیوانوں پاگلوں پر دم کیا کرتے تھے۔سبحان اللہ!انہیں اسی علم نے حضور تک پہنچایا مسلمان بنادیا جیسے فرعونی جادوگروں کو ان کے علم جادو نے موسیٰ علیہ السلام تک پہنچایااور انہیں ایمان نصیب کردیا۔معلوم ہوا کہ علم کوئی بھی برا نہیں کبھی یہ علم ایمان و معرفت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ہوا سے مراد یا جنون ہے یا جن،اہل عرب جنات کو ہوا کہتے تھے چنانچہ فلاں کو ہوا ہوگئی جب بولتے تھے جب اس پر جنات کا خلل ہوگیا ہو۔

۳؎ سبحان اللہ! جارہے ہیں علاج کرنے کی نیت سے مگر حقیقتًا علاج کرانے وہ سمجھے کہ طبیب بیمار کے پاس جا رہا ہے مگر واقعۃً بیمار حکیم کے پاس پہنچ رہا تھا۔

۴؎ انہوں نے حضور انور کو ہر طرح ٹھیک دیکھ کر سمجھا کہ شاید آپ کو جنات کا دورہ پڑا کرتا ہے،اس وقت دورہ نہیں ہے اس لیے آپ ہوش میں بیٹھے ہیں تب ہی تو اس نے آپ سے پوچھا۔

۵؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے یہ کلمات خطبہ کے طور پر ارشاد فرمائے۔اما بعد کے بعد قرآن کریم کی تلاوت فرمانا چاہتے تھے۔ضماد کو سنانے کے لیے ضماد کو خطبہ سے ہی ایمان مل گیاقرآن مجید تک پہنچنے کی نوبت نہ آئی،انہیں کلمات کی فصاحت و بلاغت نے ضماد کا ہوش اڑا دیا،وہ وارفتگی کی حالت میں بول اٹھے کہ ایک بار یہ کلام اور سنادیجئے کلمات شاندار پھر حضورانور کی زبان سے ادا ہوئے سونے پر سہاگہ ہوگیا۔

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ تین بار میں خاص برکت ہے۔اعضاء وضو دھوؤ تین بار،قل ھو اللہ پڑھو تین بار تو پورے قرآن مجید کا ثواب،حضور دعا مانگتے تھے تین بار۔

۷؎ یعنی آپ کے اس کلام نے بتادیا کہ آپ نہ ساحر ہیں نہ شاعر بلکہ سچے رسول ہیں۔خیال رہے کہ کسی نے متکلم سے کلام کو پہچانا مگر ضماد نے کلام سے متکلم کی شان معلوم کی۔

۸؎ قاموس بنا ہے قمس سے بمعنی گہرائی اس لیے غوطہ خور کو قماس بھی کہتے ہیں غواص بھی یعنی ان پیارے کلمات کی فصاحت و بلاغت دریاء معرفت کی تہہ تک پہنچی ہوئی ہے جہاں کسی انسان کے فکر و وہم نہیں پہنچ سکتے یہ کلمات انسانی نہیں بلکہ القاء ربانی ہیں۔

۹؎ جب ضماد ایمان لاکر کفار مکہ کے پاس واپس ہوئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کہو کیا گزری جواب دیا۔شعر

سنواے دوستو میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ بے شک ان پہ سایہ ہے مگر اللہ کا سایہ ہے

۱۰؎ یعنی ایک روایت میں بجائے قاموس کے ناعوس ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی گہرائی یا تہہ۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضماد کی بات کا جواب نہ دیا اپنی صفائی نہ کی کہ میں دیوانہ نہیں ہوں لوگ غلط کہتے ہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ظاہر کردی کہ جس کے منہ کے کلمات ایسے ہوں سمجھ لو کہ وہ ذات کریم کیسی ہے۔خوش نصیب تھے وہ جو سب کچھ لے گئے۔اس واقعہ سے پتہ لگا کہ بیعت ہوتے وقت مرید شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے اور زبان سے بیعت کرے،دیکھو ضماد نے عرض کیا کہ حضور اپنا ہاتھ لائیں میں بیعت کروں۔بیعت چار قسم کی ہے جن میں سے ایک بیعت اسلام کی بیعت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مجھے ابوسفیان ابن حرب نے منہ در منہ خبر دی ۱؎ کہا کہ میں اس صلح کے زمانہ میں جو میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھی ۲؎ کہتے ہیں کہ میں شام میں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نامہ ہرقل کی پاس لایا گیا ۳؎ ابوسفیان نے کہا کہ یہ خط دحیہ کلبی لائے تھے اور انہوں نے بصرےٰ کے وزیر کو دیا تھا ۴؎ پھر بصرےٰ کے وزیر نے ہرقل کو پہنچایا ہرقل بولا کہ کیا یہاں ان صاحب کی قوم کا کوئی آدمی ہے جو دعویٰ نبوت کررہے ہیں ۵؎ لوگوں نے کہا ہاں چنانچہ قریش کی ایک جماعت میں میں بلایا گیا ۶؎ تو ہم ہرقل کے پاس گئے ہم کو اس کے سامنے بٹھلایا گیا ۷؎ وہ بولا کہ جن صاحب نے دعویٰ نبوت کیا ہے ان سے زیادہ قریبی تم میں کون ہے ۸؎ ابوسفیان نے کہا کہ میں بولا میں ہوں ۹؎ تو مجھے اس کے سامنے بٹھادیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے ۱۰؎ پھر اپنے مترجم کو بلایا اس نے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ میں ان سے ان صاحب کے متعلق کچھ پوچھوں گا جو اپنے کو نبی کہتے	

ہیں تو اگر یہ مجھ سے جھوٹ کہیں تو تم انہیں جھٹلادینا ۱۱؎ابوسفیان کہتے ہیں اللہ کی قسم اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ پر جھوٹ مشہور کیا جاوے گا تو میں اس سے جھوٹ بول دیتا۱۲؎پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھوں کہ ان نبی کا خاندان تم میں کیسا ہے میں نے کہا وہ عالی خاندان ہیں۱۳؎بولا کیا ان کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ تھا میں نے کہا نہیں۱۴؎ بولا کیا ان کے دعویٰ نبوت سے پہلے تم انہیں جھوٹ سے متہم کرتے تھے میں نے کہا نہیں۱۵؎وہ بولا ان کی پیروی کون کرتا ہے سردار لوگ یا کمزور لوگ میں نے کہا بلکہ کمزور لوگ۱۶؎بولا یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے کہا بلکہ بڑھ رہے ہیں بولا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی اپنے دین سے ناراض ہو کر پھر جاتا ہے کہتے ہیں کہ میں نے کہا نہیں۱۷؎بولا کیا تم نے ان سے کبھی جنگ کی ہے میں نے کہا ہاں بولا تمہاری ان سے جنگ کیسی ہوتی ہے کہتے ہیں میں نے کہا کہ ہمارے ان کے درمیان جنگ ایک ڈول ہوتی ہے۱۸؎کبھی ہم پر وہ غالب ہوتے کبھی ان پر ہم غالب،بولا کیا بدعہدی کرتے ہیں میں نے کہا نہیں ۱۹؎آج کل ہم ان سے صلح میں ہیں ہم نہیں جانتے کہ اس میں وہ کیا کریں گے۲۰؎کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم کہ اس بات کے سوا اور کوئی چیز شامل کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا ۲۱؎ وہ بولا کیا ان سے پہلے کسی نے یہ بات کہی تھی۲۲؎میں نے کہا نہیں۲۳؎پھر بادشاہ نے اپنے مترجم سے کہا کہ ان سے کہو کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے متعلق پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ تم میں عالی نسب ہیں اسی طرح انبیاءکرام اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں بھیجے جاتے ہیں۲۴؎اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ	

ہوا ہے تو تم نے کہا کہ نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر انکے باپ دادوں میں بادشاہ ہوا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ وہ صاحب ہیں جو اپنے باپ دادوں کے ملک کے طالب ہیں۲۵؎ اور میں نے تم سے ان کے متبعین کے متعلق پوچھا کہ معمولی لوگ ہیں یا بڑے لوگ تو تم نے کہا بلکہ کمزور لوگ ہیں یہ ہی کمزور نبیوں کی متبعین رہے ہیں ۲۶؎ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے اس دعویٰ سے پہلے تم انہیں جھوٹ کا الزام دیتے تھے تم نے کہا کہ نہیں میں نے پہچان لیا کہ یہ ناممکن ہے کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولیں پھر اللہ پر جھوٹ باندھنے لگیں۲۷؎ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان میں سے کوئی اس دین میں داخل ہونے کے بعد اپنے دین اسلام سے ناراض ہوکر پھر بھی جاتا ہے تم نے کہا کہ نہیں ایمان کا ایسا ہی حال جب اس کی لذت و فرحت دلوں میں گھل مل جاتی ہے۲۸؎ اور میں نے تم سے پوچھا کہ مسلمان بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں ایمان کا یہی حال ہے حتی کہ پورا ہوجاتا ہے۲۹؎ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی ان سے جنگ کی ہے تو تم نے کہا کہ تم نے ان سے جنگ کی ہے تو جنگ تمہارے اور ان کے درمیان ایک ڈول ہوتی ہے کہ وہ تم سے اور تم ان سے لیتے ہو اسی طرح انبیاءکرام آزمائے جاتے ہیں انجام انہیں کے حق میں ہوتا ہے۳۰؎ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا عہدشکنی کرتے ہیں تم نے کہا کہ نہیں کرتے اسی طرح انبیاء عہد شکنی نہیں کرتے ۳۱؎ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کسی نے ان سے پہلے یہ دعویٰ کیا ہے تم نے کہا کہ نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات ان سے پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ ایسے صاحب ہیں جو اپنے سے پہلے کہی	

	ہوئی بات کی پیروی کررہے ہیں ۳۲؎ پھر بولا وہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں ۳۳؎ ہم نے کہا کہ ہم کو نماز،زکوۃ،صلہ رحمی،پاکدامنی کا حکم دیتے ہیں ۳۴؎ وہ بولا جو تم کہتے ہو اگر یہ سچ ہے تو وہ بھیجے نبی ہیں ۳۵؎ میں تو جانتا تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں مگر میرا خیال یہ نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہیں ۳۶؎ اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو ان سے ملنا پسند کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھوتا ۳۷؎ اور ان کا ملک میرے قدموں کے نیچے تک پہنچ جاوے گا ۳۸؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگایا پھر اسے پڑھا۔(مسلم،بخاری) بقیہ پوری حدیث کتاب الی الکفار کے باب میں گزرگئی ۳۹؎

۱؎ ابوسفیان اپنے زمانہ کفر کا یہ واقعہ مسلمان ہونے کے بعد سنا رہے ہیں۔خیال رہے کہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے کفر کے زمانہ کی روایت معتبر ہے۔**من فیہ** فرماکر یہ بتایا کہ مجھ سے براہ راست ابو سفیان نے یہ کہا کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہے۔ایمان لائے،غزوہ حنین میں شریک ہوئے،حضور انور نے انہیں حنین کی غنیمت سے ایک سو اونٹ عطا فرمائے اور چالیس اوقیے سونا،غزوہ طائف میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی غزوہ یرموک میں دوسری آنکھ بھی بے کار ہوگئی تھی، ۳۴ھ؁ چونتیس میں وفات پائی،مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن ہوئے،حضرت عثمان غنی نے آپ کا جنازہ پڑھا،آپ سے حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم نے احادیث نقل کیں۔(اکمال)

۲؎ یعنی ۶ھ؁ چھ ہجری میں میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حدیبیہ میں صلح ہوئی جس کی معیاد دس سال تھی اسی صلح کے بعد ہی سفر میں مکہ مظمہ سے باہر گیا۔خیال رہے کہ صلح حدیبیہ کی مدت تھی تو دس دس سال مگر کفار مکہ نے اس صلح کی ایک شرط توڑ دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنی خزاعہ کے قتل میں مدد کردی اس لیے حضور انور نے ۸ھ؁ میں مکہ معظّمہ پر حملہ فرمایا اسے فتح کرلیا۔

۳؎ حضور انور نے شاہان عرب و عجم کو تبلیغی فرمان نامے بھیجے جن میں ان سلاطین کو دعوت اسلام دی،اس سلسلہ میں شاہ روم ہرقل کو بھی دحیہ کلبی کے ہاں فرمان نامہ بھیجا یہاں اس واقعہ کا ذکر ہے۔

۴؎ خیال رہے کہ بصرہ عراق کا ایک مشہور شہر ہے بغداد شریف کے قریب یہاں وہ مراد نہیں بلکہ **بُصرہ** ب کے پیش سے آخر میں ہ۔یہ دمشق کے پاس ایک بستی ہے شام کا ایک شہر ہے یہاں وہ بستی مراد ہے۔حضور انور

نے دحیہ کلبی کو یہ ہی حکم دیا تھا کہ ہمارا فرمان نامہ عظیم بصرہ کو دو وہ ہرقل کو پہنچائے عظیم بصرہ ہرقل کا گویا وزیر خارجہ تھا،دوسرے ممالک کے بادشاہوں سے کلام وزیر خارجہ کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔

۵؎ ہرقل نے چاہا کہ فرمان عالی پڑھنے سے پہلے حضور انور کے حالات معلوم کرے پھر خط شریف کا مطالعہ کرے متکلم کے کلام کا حال معلوم ہوتا ہے۔

۶؎ یہ تیس آدمی تھے جو بغرض تجارت مکہ معظّمہ سے شام کے ملک میں گئے ہوئے تھے ان کے سردار ابوسفیان تھے،یہ سب ہرقل کے دربار میں بلائے گئے۔

۷؎ ابوسفیان اور ان کی جماعت کو حضور انور کا پہلا فیض تو یہ ملا کہ ان کے صدقہ سے ان لوگوں کو شاہی دربار میں رسائی وہاں باریابی نصیب ہوئی۔

۸؎ یعنی تم سب ہمارے پاس رہو مگر مجھ سے کلام وہ کرے جو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسب و قرابت میں بہت قریب ہو۔یہ اس لیے کہا کہ قریبی رشتہ دار حالات سے زیادہ خبردار ہوتے ہیں وہ حضور انور کے ہر طرح کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔

۹؎ کیونکہ ابوسفیان قرشی ہیں،عبد مناف میں حضور انور سے مل جاتے ہیں،دوسرے لوگوں کو حضور انور سے یہ قرب میسر نہ تھا۔

۱۰؎ یہ نشست اس ترتیب سے اس لیے رکھی کہ بادشاہ مجھ سے بہ آسانی بات کرسکے اور مجھے میرے ساتھی بات بتاسکیں اگر میں کچھ بھول جاؤں اور ٹوک سکیں اگر میں غلط گوئی کروں۔

۱۱؎ یعنی تم لوگ اس گفتگو میں میری بھی مدد کرو اور ان ابوسفیان کی بھی،ان کی مدد تو اس طرح کہ ان کی سچی باتوں کی زبانی یا باشارہ سر تائید کرواور جو وہ بھول جائیں انہیں بتادو،میری مدد اس طرح کہ اگر یہ کچھ جھوٹ بولیں تو انہیں نہ بولنے دو روک دو تاکہ مجھ کو ان کے متعلق صحیح حالات معلوم ہوجائیں۔

۱۲؎ یعنی مجھے حضور انور سے اس زمانہ میں اتنی عداوت تھی کہ اگر میرے ساتھی میرے پاس نہ ہوتے اور مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا تو حضور انور کے متعلق بہت جھوٹی باتیں کہہ دیتاتاکہ اس کے دل میں حضور سے نفرت پیدا ہو۔معلوم ہوا کہ جھوٹ اور بدنامی کو کفار بھی برا سمجھتے تھے افسوس ان لوگوں پر جو خدا تعالیٰ کو جھوٹ سے متصف مانیں۔

۱۳؎ حسب بمعنی نسب بھی آتا ہےاور باپ دادوں کے فضائل کے معنی میں بھی یہاں دونوں احتمال ہیں،بخاری شریف میں بجائے حسب کے نسب ہے ممکن ہے کہ اس نے دونوں لفظ بولے ہوں۔ابوسفیان نے اقرار کیا کہ وہ سرکار سارے عرب میں عالی نسب والا حسب ہیں کیونکہ وہ قرشی،ہاشمی،مطلبی ہیں اتنا اعلیٰ خاندان کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

۱۴؎ یعنی وہ سرکار شاہی خاندان سے یا مساکین خاندان سے ذاتی شرافت کے بعد بیرونی شرافت کا سوال کیا جواب دیا کہ ان کے خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا مساکین کا خاندان ہے یہ شرافت عارضی کا ذکر ہوا۔

۱۵؎اس جواب سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور کی زبان پاک پر ساری عمر شریف میں ایک بار بھی جھوٹ نہ آیا اگر ایک بار بھی جھوٹ بولا ہوتا تو آج ابوسفیان بڑھا چڑھا کر اسے بیان کرتے کیونکہ وہ اس وقت حضور انور کے سخت تر دشمن تھے،یہ ہے دشمنوں کا اقرار و اعتراف الفضل ما شھدت بہ اعداء۔

۱۶؎یعنی عام طور پر مساکین و فقراء ہی ان پر ایمان لائے ہیں امیر اور سردار بہت کم ایمان لائے ہیں۔یہ مطلب نہیں کہ کوئی سردار اور امیران پر ایمان نہیں لایا کیونکہ حضرت عمر،ابوبکر صدیق،حمزہ،جعفر جو قریش کے بڑے سردار تھے اور حضرت عثمان جو سردار بھی تھے اور بڑے مالدار بھی اس وقت ایمان لاچکے تھے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

۱۷؎یعنی اب تک کوئی مسلمان اسلام میں خرابی دیکھ کر اسلام سے نہیں پھرا،قبیلہ عرینہ والے لوگ تو اپنی خیانت اور ڈکیتی کی عادت کی بنا پر مرتد ہوئے تھے نہ کہ اسلام میں خرابی دیکھ کر۔غرضکہ مسلمان گھٹتے نہیں ان میں سے کوئی اسلام سے نکلتا نہیں ہاں بڑھ رہے ہیں کہ لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔

۱۸؎یہاں ڈول سے مراد پرانے زمانہ کا وہ ڈول ہے جس سے اس زمانہ میں کھیت سیراب کیے جاتے تھے کہ ایک رسے کے کناروں پر دو ڈول باندھ کر گول چکر پر رسا چڑھا کر ایک ڈول کو اوپر اور دوسرے کو نیچے کیا جاتا ہے،پھر ایک ڈول داہنے دوسرا بائیں طرف ڈالا جاتا تھا۔مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ ہم پر غالب آتے ہیں جیسے غزوہ بدر میں اور کبھی ہم ان پر غالب آجاتے ہیں جیسے غزوہ احد میں۔شعر

فیوما علینا ویوما لنا | ویوما نسر ویوما نساء

رب تعالٰی فرماتاہے:"وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ"۔

۱۹؎یعنی انہوں نے آج تک کبھی اپنا وعدہ خلاف نہیں کیا حتی کہ مکہ والوں نے حضور کو صادق الوعد اور امین کے خطاب دیئے ہوئے تھے۔خیال رہے کہ جھوٹ عام ہے اور وعدہ خلافی خاص اس لیے اس نے جھوٹ کے متعلق پوچھنے کے بعد وعدہ خلافی کے متعلق پوچھا۔

۲۰؎یعنی آج کل حدیبیہ کے مقام پر ہم میں جنگ بندی وغیرہ پر معاملہ ہوچکااب خبر نہیں کہ وہ اس وعدے کو پورا کریں گے یا نہیں اب تک تو کبھی وعدہ خلافی انہوں نے کی تو نہیں۔

۲۱؎یعنی مجھے یقین تھا کہ حضور انور اس دفعہ بھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے مگر میں نے اپنی ذاتی دشمنی کی بناء پر اتنی بات ہرقل سے کہہ ضرور دی کہ نہ معلوم وہ یہ وعدہ پورا کریں یا نہ کریں،یہ تھا انتہائی دشمنی کا اثر۔

۲۲؎یعنی کیا تمہارے خاندان یا تمہارے ملک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔

۲۳؎خیال رہے کہ ملک عرب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک قریبًا چار ہزار سال کا فاصلہ ہے اس زمانہ میں ملک عرب میں نہ تو کوئی نبی آیا نہ کسی نے دعویٰ نبوت کیا۔لوگ نبوت کو بھول چکے تھے اور نبی کے فیض سے یک سر محروم ہوچکے تھے،رب فرماتاہے:"لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ

اٰبَآؤُهُمْ"اور فرماتاہے:"وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ"یہ لوگ اس زمانہ میں نبوت سے محروم رہنے کی وجہ سے انسانیت تک کھو چکے تھے حضور انور نے ایسوں کو سنبھالا ہے۔

۲۴؎ ہرقل مذہبًا عیسائی تھا،بادشاہ بھی تھا اور اپنے دین کا بڑا عالم بھی،توریت و انجیل کا ماہر تھا،گزشتہ انبیاء کرام کے حالات طیبہ سے پورا خبردار بھی۔اس نے بتایا کہ ہمیشہ انبیاء کرام اپنی ہی قوم میں بڑے عالی نسب و عالی حسب میں آئے کیونکہ نیچی قوم والے کا اونچی قوم میں احترام نہیں ہوتا حتی کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد سارے نبی ان کی اولاد ہی میں آئے کوئی غیر ابراہیمی شخص نبی نہ ہوا،رب فرماتاہے:"وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ"۔مرزائے قادیان نرا جھوٹا تھا،اگر نبی ہوتا تو اولاد ابراہیم یعنی سید ہوتا۔سادات کرام کے ہوتے ہوئے مغل بچہ نبی کیسا۔جن لوگوں نے کہا کہ ہر قوم میں نبی ہوئے اس قوم سے بھنگیوں میں بھنگی،چماروں میں چمارانہوں نے غلط کہاآیت کریمہ"وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ"میں نذیر سے مراد نبی نہیں بلکہ ڈرانے والے مبلغین مراد ہیں۔ہمیشہ نبی اونچی قوم میں آئے نیچے قومیں ان کے تابع رہیں۔خیال رہے کہ اسلام میں کوئی قوم ذلیل نہیں،ہاں بعض قومیں بعض سے افضل ہیں جیسے حضرات سادات کرام دوسری قوموں سے افضل و اشرف ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب الکلام المقبول فی طهارة نسب الرسول میں ملاحظہ کرو۔

۲۵؎ یعنی اگر وہ شاہی خاندان سے ہوتے پھر دعویٰ نبوت کرتے تو کہا جاسکتا تھا کہ یہ دین کے بہانہ سے اپنے لیے رائے عامہ ہموار کررہے ہیں کہ اس ذریعہ سے لوگ میرے ہمنوا بن جاویں اور مجھے اپنا بادشاہ بنالیں میرے باپ دادوں کی طرح یہاں یہ بھی نہیں۔خیال رہے کہ حضور نے دین پھیلانے کے لیے ممالک فتح فرمائے وہ بھی بعد ہجرت۔ملک فتح کے لیے دین کو بہانہ نہیں بنایالہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور آخر کار بادشاہ تو ہوئے،نیز حضور انور نے بادشاہ بننے کے بعد بھی اپنا گزارہ نہایت معمولی سادہ رکھا،زندگی شریف میں کوئی فرق نہیں آیا،ٹوٹا چھوٹا سا گھر بوریا بستر۔فقر و فاقہ،قناعت رضا اسی طرح رہی،مرزا غلام احمد پندرہ روپیہ ماہوار پر چونگی کا محرر تھا،نبوت کا ڈھونگ رچا کر نواب بن گیا،یہ فرق ہے سچے اور جھوٹے میں۔

۲۶؎ یعنی میں نے گزشتہ نبیوں کی تاریخ پڑھی ہے تمام نبیوں کی اتباع پہلے غریبوں نے کی ہے امیر لوگ بعد میں ساتھ لگ گئے اس قاعدے سے بھی وہ سچے نبی معلوم ہوتے ہیں۔دیکھ لو آج بھی اسلام غریبوں سے ہی آباد ہے علماء،حافظ، مجاہد،غازی،اولیاءاللہ عمومًا غریبوں میں ہی ہیں۔مسجدیں آباد ہیں تو غریبوں سے،خانقاہوں میں رونق ہے تو غریبوں سے، دین سے الفت ہے تو عمومًا غریبوں کو۔

۲۷؎ سبحان اللہ!کیسی نفیس دلیل دی یعنی جو ذات کریم تم میں چالیس سال گزارے اور اس دوران میں اس کے منہ سے مخلوق کے متعلق ایک جھوٹ نہ نکلے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ چالیس سال کے بعد یکدم اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھنا شروع کردے کہ کہے مجھے اللہ نے نبی بنایا حالانکہ یہ بات غلط ہو،اللہ پر جھوٹ باندھنا بدترین جرم

ہے۔ہرقل نے متکلم کے صدق سے کلام کا صدق پہچانا یعنی کلام سے متکلم کو نہیں بلکہ متکلم سے کلام کو جانا پہچانا۔

۲۸؎ یعنی ایمان و عرفان ایسی مزیدار چیزیں ہیں کہ جس دل میں یہ پہنچ جاویں وہاں سے پھر نہیں نکلتیں،کوئی لالچ تکلیف دل سے ایمان نہیں نکال سکتی۔اس کی تفسیر و شرح حضرت بلال،صہیب،عمار ابن یاسر وغیرہم فقراء صحابہ کی زندگیاں ہیں کہ انہوں نے اسلام کی خاطر ہر طرح کی مصیبتیں جھلیں،دین سے نہ پھرے،جو ایک دو آدمی مرتد ہوئے ان کے دل میں ایمان جاگزیں نہیں ہوا تھا۔

۲۹؎ یعنی قانون قدرت اور دستور ربانی یہ ہی ہے کہ ایمان کا معاملہ بہت معمولی طور سے شروع ہوتا ہے پھر پھیلتا اور پھلتا پھولتا ہے،رب تعالٰی نے اس کی مثال کھیت سے دی ہے جو کمزور نمودار ہوتا ہے پھر زور پکڑتا ہے،ہرقل کی یہ تمام باتیں بالکل درست تھیں۔

۳۰؎ یعنی تمہاری یہ فتوحات ظاہری اور محض عارضی ہیں،آخر کار چاند انہیں کا چمکے گا سورج انہیں کا چڑھے گا،ہرقل کا یہ خیال بالکل صحیح ثابت ہوا۔

۳۱؎ یعنی حضرات انبیاءکرام وعدہ خلافی عہد شکنی سے معصوم ہوتے ہیں کہ یہ عیوب تو انسانیت کے خلاف ہیں چہ جائیکہ شان نبوت۔اس سے معلوم ہوا کہ علم تاریخ بہترین فن ہے کبھی اس سے ایمان مل جاتا ہے،دیکھو ہرقل تاریخ کا بڑا ماہر تھا تو کس طرح حضور انور کی شان پہچان رہا ہے،یہ دل میں ایمان لاچکا تھا مگر زبان سے اقرار نہ کرسکا اپنی سلطنت کے خوف سے۔

۳۲؎ حضور انور سے پہلے ملک عرب تو کیا غالبًا ساری دنیا میں کسی نے دعویٰ نبوت جھوٹا نہیں کیا۔عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضور انور تک پونے چھ سو برس کے عرصہ میں کوئی نبی تشریف نہیں لائے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی فلسطین میں رہے عرب تشریف نہیں لائے،ان حالات کے ماتحت یہ احتمال بھی نہیں ہوسکتا کہ حضور انور نے کسی کی نقل کرتے ہوئے دعویٰ نبوت فرمایا، ہاں حضور کے زمانہ پاک میں آپ کو دیکھ کر مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا جو عہد صدیقی میں قتل کیا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو بہت لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے آخر میں پنجاب میں مرزا غلام احمد قادیانی نے،رب تعالٰی نے ان سب کو ذلت کی موت ہلاک کیا۔

۳۳؎ حضور انور کے حالات معلوم کرنے کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ابو سفیان سے پوچھیں،اسلام کی اصل بھی یہ ہی ہے کہ پہلے حضور انور کو پہچانو پھر قرآن مجید وغیرہ کی تعلیمات کو،پہلے کلمہ پڑھ کر مسلمان بنو پھر اور کچھ کرو۔اصل ایمان حضور کی پہچان ہے حتی کہ رب تعالٰی کو بھی حضور ہی کی معرفت جانو پہچانو،یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے کہا تھا"نَعۡبُدُ اِلٰـهَكَ وَ اِلٰـهَ اٰبَآٮِٕكَ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ"۔

۳۴؎ چونکہ اس وقت زکوۃ کے احکام آچکے تھے بلکہ جہاد وغیرہ کے بھی اس لیے زکوۃ کا ذکر بھی کیا۔مطلب یہ ہے کہ حضور انور سارے انسانوں کو حکم دیتے ہیں کہ ایمان لاکر بدنی مالی عبادات کرو اپنے اخلاق درست کرو لہٰذا

اس پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ ہجرت سے پہلے حضور انور نے زکوۃ کا حکم نہیں دیا تھا ابوسفیان سے ملاقات حضور انور کی اس زمانہ میں تھی نہ یہ کہ کفار پر نمازو زکوۃ فرض نہیں۔

۳۵؎اس نے توریت و انجیل میں حضور انور کی یہ علامات اور تعلیمات پڑھیں تھیں اس لیے اس نے یہ کہا کوئی معجزہ دریافت کیا۔

۳۶؎یعنی مجھے نبی آخر الزمان کے ظہور کا یقین تھا مگرمیرا خیال یہ تھا کہ وہ دوسرے نبیوں کی طرح بنی اسرائیل میں سے ہوں گے شام یا فلسطین میں،یہ خیال نہ تھا کہ عرب میں بنی اسماعیل میں پیدا ہوں گے اس کا یہ خیال غلط تھا اور کتابوں میں حضور کی ولادت گاہ اور ہجرت گاہ دونوں کا صاف ذکر تھا جیساکہ گزشتہ بابوں میں گزر چکا حتی کہ یہ بھی تھا **وملکہ بالشام** ان کی سلطنت شام میں ہوگی۔

۳۷؎یعنی میں سلطنت کی وجہ سے ان تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر پہنچ جاتا تو ان کے قدم شریف دھوتااور قدموں کا دھوون پیتا۔افسوس! کہ اس قدر جاننے کے باوجود ایمان نہ لایابلکہ ہمیشہ صحابہ کرام سے لڑ بھڑ کر شکستیں کھاکر مرا،اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا،اس کی ہلاکت پر اس کی سلطنت کا چراغ بجھ گیا وہ ممالک اسلامی سلطنت میں داخل ہوگئے،حضرت عمر فاروق کی تاریخ پڑھو۔

۳۸؎یعنی ان کا یہاں بھی راج ہوگا اس نے یہ بات گزشتہ کتابوں میں دیکھ کر اور کہانت کے ذریعے معلوم کی تھی وہ کاہن بھی تھا جیساکہ بخاری شریف میں ہے۔

۳۹؎بخاری شریف میں ہے کہ اس نے اپنے سرداروں سے کہا کہ اگر تم اپنی سلطنت کی بقا چاہتے ہو تو نبی پر ایمان لے آؤ وہ سب بھڑک گئے تو وہ بولا کہ میں تو تمہاری دین کی پختگی آزماتا تھا۔مسند امام احمد میں ہے کہ اس نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر ایک خط حضور انور کی خدمت میں بھیجا کہ میں مسلمان ہوں حضور نے فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے وہ نرا عیسائی ہے۔(اشعہ)معلوم ہوا کہ ہدایت بغیر رب کی مہربانی کے میسر نہیں ہوتی کبھی سلطنت اور امیری ایمان سے روک دیتی ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور انور کو جان پہچان لیناایمان نہیں بلکہ انہیں ماننا ایمان ہے۔

باب فی المعراج

معراج کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ معراج عروج کا اسم آلہ ہے،عروج کے معنی ہیں چڑھنا،معراج بمعنی چڑھنے کا آلہ یعنی سیڑھی مگر اصطلاح میں بمعنی مصدر آتا جیسے میلاد بمعنی ولادت یا معیاد بمعنی وعدہ"اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ"ایسے ہی معراج بمعنی عروج۔معراج کے متعلق لوگوں کے بہت سے قول ہیں: جسمانی تھی یا خواب میں،بارھویں ربیع الاول میں ہوئی یا ستائیسویں رمضان کو،نبوت سے پہلے ہوئی یا بعد میں،نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی یا کم و بیش۔مگر قوی اور صحیح یہ ہے کہ حضور انور کو بہت بار معراج ہوئی: ایک بار جسمانی باقی خواب میں۔جسمانی معراج نبوت کے گیارھویں سال یعنی ہجرت سے دو سال پہلے ہوئی اور اپنی ہمشیرہ ام ہانی کے گھر سے ہوئی ستائیسویں رجب شب دوشنبہ کو ہوئی،رب فرماتاہے:"اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ"اگر صرف خواب میں معراج ہوتی تو بعبدہٖ نہ فرمایا جاتا۔عبد کہتے ہیں جسم مع روح کو، نیز پھر لوگوں میں اتنا شور نہ مچتا خواب پر کون اعتراض کرتا ہے۔

مسئلہ: بیت اللّٰہ شریف سے بیت المقدس تک کی جسمانی معراج قطعی یقینی ہے،اس کا انکار کفر ہے۔بیت المقدس سے آسمان بلکہ لامکان تک کی معراج کا اگر اس لیے انکار کرتا ہے کہ آسمان کے پھٹنے کو ناممکن مانتا ہےتو بھی کافر ہے کہ اس میں آیات قرآنیہ کا انکار ہے ورنہ گمراہ ہے۔اس کی پوری بحث یہاں مرقات اور اشعۃ اللمعات اور ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔ہم نے کہا ہے کہ آیۃ کریمہ "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ سے بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ" تک بیت المقدس تک کی معراج کا ذکر ہے اور"لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا" میں آسمانی معراج کا ذکر ہےاور"اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ"میں لامکانی معراج کا ذکر ہے۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے وہ حضرت انس ابن مالک سے وہ مالک ابن صعصعہ سے راوی ۱؎ کہ نبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم نے انہیں اس رات کے متعلق خبر دی جس میں حضور کو معراج کرائی گئی۲؎ جب کہ میں حطیم بسا اوقات فرمایا کہ حجر میں تھا۳؎ کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اس نے یہاں سے یہاں تک چیرا یعنی آپ کے گلے کی

گھنڈی سے آپ کے بالوں تک۴؎ پھر میرا دل نکالا پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا تھا پھر میرا دل دھویا گیا ۵؎ پھر اسے بھردیا گیا پھر لوٹا دیا گیااور ایک روایت میں ہے پھر پیٹ دھویا گیا زمزم کے پانی سے پھر ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا ٦؎ پھر میرے پاس ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا سفید رنگ تھا جسے براق کہا جاتا ہے۷؎ وہ اپنی انتہائی نظر پر اپنا ایک قدم رکھتا ہے تو میں اس پر سوار کیا گیا۸؎ پھر مجھے جبرئیل علیہ السلام لے چلے حتی کہ وہ دنیا کے آسمان پر پہنچے ۹؎ دروازہ کھلوایا کہا گیا کون۱۰؎ فرمایا جبریل، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے، فرمایا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں۱۱؎ ان کی خوش آمدید ہو وہ خوب آئے پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں داخل ہوا تو وہاں جناب آدم علیہ السلام تھے ۱۲؎ کہا یہ تمہارے والد آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کرو۱۳؎ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا، پھر فرمایا صالح فرزند صالح نبی تم خوب تشریف لائے ۱۴؎ پھر مجھے جبرئیل علیہ السلام اوپر لے گئے حتی کہ دوسرے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون بولے میں ہوں جبریل، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں، کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں، کہا خوش آمدید تم بہت ہی اچھا آنا آئے، پھر دروازہ کھول دیا گیا تو جب میں اندر پہنچا تو ناگہاں وہاں حضرت یحیٰی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام تھے وہ دونوں خالہ زاد ہیں ۱۵؎ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ یحیٰی علیہ السلام ہیں یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں سلام کرو میں نے سلام کیا ۱٦؎ ان دونوں نے جواب دیا پھر کہا صالح بھائی صالح نبی آپ خوب آئے، پھر جبریل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے گئے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون وہ

بولے جبریل علیہ السلام ہوں،کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے،کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،کہا گیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں خوش آمدید تم خوب ہی آئے پھر دروازہ کھول دیا گیا جب میں داخل ہوا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تھے ۱۷؎ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ یوسف علیہ السلام ہیں انہیں سلام کرو میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا صالح بھائی صالح نبی آپ خوب آئے ۱۸؎ پھر مجھے اوپر لے گئے حتی کہ چوتھے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا گیا،کہا گیا کون ہیں فرمایا میں جبریل ہوں،کہا گیا تمھارے ساتھ کون ہے کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم،کہا گیا کیا انہیں بولایا گیا ہے کہا ہاں کہا گیا خوش آمدید اچھا آنا آپ آئے دروازہ کھولا گیا جب ہم اندر داخل ہوئے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تھے ۱۹؎ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس علیہ السلام ہیں آپ انہیں اسلام کریں میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی ۲۰؎ پھر مجھے اوپر چڑھایا گیا حتی کہ پانچویں آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا،کہا گیا کون ہے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں،کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں بلایا گیا ہے،کہا گیا خوش آمدید آپ اچھا آنا آئے دروازہ کھولا گیا جب میں اندر گیا تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تھے ۲۱؎ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی ۲۲؎ پھر مجھے اوپر لے گئے حتی کہ چھٹے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا،کہا گیا کون ہے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں،کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں،کہا گیا خوش آمدید آپ اچھا آنا آئے دروازہ کھولا گیا میں جب اندر پہنچا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے ۲۳؎ جبریل علیہ السلام نے

کہا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی جب وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے ۲۴ ان سے کہا گیا کیا چیز آپ کو رُلا رہی ہے فرمایا اس لیے کہ ایک فرزند ۲۵ میرے بعد نبی بنائے گئے ان کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی ۲۶ پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف اٹھایا گیا جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون ہے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے، کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید آپ بہت اچھا آنا آئے، پھر جب میں وہاں داخل ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تھے ۲۷ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے والد ابراہیم علیہ السلام ہیں آپ انہیں سلام کریں ۲۸ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا خوب آئے اے صالح فرزند صالح نبی ۲۹ پھر میں سدرۃ المنتہیٰ تک اٹھایا گیا ۳۰ تو اس کے بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے ۳۱ اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح، جبریل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں چار نہریں تھیں: دو نہریں تو خفیہ تھیں اور دو نہریں ظاہر ۳۲ میں نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے عرض کیا کہ خفیہ نہریں تو جنت کی دو نہریں ہیں ۳۳ لیکن ظاہری نہریں وہ نیل اور فرات ہیں ۳۴ پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا ۳۵ پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا لایا گیا ۳۶ میں نے دودھ قبول کیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے ۳۷ پھر مجھ پر ہر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر میں واپس ہوا تو موسیٰ علیہ السلام پر گزرا ۳۸ انہوں نے کہا آپ کو کیا حکم دیا گیا میں نے کہا ہر دن پچاس نمازوں

	کا،انہوں نے کہا کہ آپ کی امت ہر دن پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھے گی۳۹؎ اللہ کی قسم میں نے آپ سے پہلے لوگوں کی آزمائش کی اور بنی اسرائیل کو تو خوب آزمایا۴۰؎ لہذا آپ اپنے رب کی طرف لوٹیے اور اس سے اپنی امت کے لیے آسانی مانگیے۴۱؎ چنانچہ میں واپس ہوا تو اس نے مجھ سے دس نمازیں کم کردیں پھر میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا میں پھر رب کی طرف لوٹا اس نے مجھ سے دس معاف فرمادیں میں پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انہوں نے پھر وہی کہا میں پھر لوٹا اس نے مجھے سے دس اور معاف فرمادی میں پھر جناب موسیٰ کی طرف لوٹا انہوں نے پھر وہی کہا میں پھر لوٹا رب نے مجھ سے دس اور معاف کردیں۴۲؎ پھر میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انہوں نے پھر وہی کہا میں پھر لوٹا تو مجھے ہر دن پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ۴۳؎ میں پھر جناب موسیٰ کی طرف لوٹا انہوں نے کہا کہ آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے میں نے کہا ہر دن پانچ نمازیں،انہوں نے کہا کہ آپ کی امت ہر دن پانچ نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی۴۴؎ میں نے آپ سے پہلے لوگوں کی آزمائش کرلی ہے اور بنی اسرائیل کو تو میں نے اچھی طرح آزمالیا ہے آپ پھر اپنے رب کی طرف لوٹیے آپ اس سے اپنی امت کے لیے کمی کا سوال کریں ۴۵؎ حضور نے کہا کہ میں نے اپنے رب سے اتنے سوال کرلیے کہ اب شرم کرتا ہوں لیکن میں راضی ہوں تسلیم کرتا ہوں ۴۶؎ فرمایا کہ پھر میں جب آگے بڑھا تو پکارنے والے نے پکارا کہ میں نے اپنا فریضہ جاری کردیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی۴۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ قتادہ تابعی ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی مشہور صحابی ہیں اور مالک ابن صعصعہ بھی صحابی ہیں۔

۲؎ اسریٰ بنا ہے اسراء سے بمعنی رات میں سیر کرنا۔سارے معجزات لوگوں کو دکھائے مگر معراج لوگوں سے چھپائی گئی بعد میں سنائی گئی کیونکہ معراج میں رب سے وصال تھا،اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت بھی ظاہر تھی اور

حضور کا لباس بھی نورانی تھا،کسی آنکھ میں طاقت نہ تھی کہ حضور کو دیکھتی،گھر کا لباس اور ہوتا ہے دفتر کا لباس دوسرا،دنیا حضور کا دفتر ہے یہاں لباس بشریت میں آئے وہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے وہاں کا لباس نور ہے۔

۳؎ حجر اور حطیم ایک ہی چیز ہے یعنی کعبہ معظّمہ کا پرنالہ گرنے کی جگہ اس کی تفسیریں اور بھی کی گئی ہیں۔اگر یہ جسمانی معراج کا ذکر ہے تو حضور اول شب میں حطیم میں تھے اور آخر شب میں ام ہانی کے گھر میں،یا یوں کہو کہ حضور انور کو ام ہانی کے مکان سے یہاں حطیم میں لائے اور یہاں لاکر لٹایا۔یہاں سینہ پاک چاک کیا یہاں کوثر اور زمزم سے غسل دیا،یہاں حلہ بہشتی پہنا کر حضور کو دولہا بنایا،یہاں سے برات کے جلوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر فرشتے چلے تو اس حدیث میں اس جگہ سے معراج کا ذکر ہے۔فرشتہ یعنی جبریل امین کا ام ہانی کے گھر آنا اور قسم کا ہے یہاں حطیم میں آنا دوسری نوعیت کا ہے۔

۴؎ بالوں سے مراد زیر ناف کے بال ہیں یعنی سارا پیٹ چاک کیا۔

۵؎ بچپن شریف میں دل نکالا گیا تھا اس سے ایک چیز نکال دینے کے لیے،آج دل نکالا گیا ہے اس میں علم و عرفان بھردینے کے لیے۔ وہاں تخلیہ یعنی صفائی تھی آج تحلیہ یعنی دل کی آراستگی ہے،بغیر تکلیف دل دھونا اور حضور انور کا زندہ رہنا یہ بھی معجزہ ہے۔

۶؎ حضور کے قلب شریف میں ایمان و حکمت پہلے ہی سے موجود تھا یہ بھی زیادتی فرمانے کے لیے ہوا سینۂ پاک پہلے ہی نورانی تھا اب نور علی نور ہوگیا۔سونا جنتی تھا،پانی زمزم،جنتی سونے کی لگن میں حرم کا پانی شریف **سبحان اللہ** سونے پر سہاگہ ہے۔

۷؎ **براق** بنا ہے **برق** سے بمعنی بجلی یا چمک دار سفیدی،چونکہ اس کی رفتار بجلی کی طرح تیز ہے اور وہ چمک دار سفید رنگ ہے اس لیے براق کہتے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس پر گذشتہ انبیاء کرام بھی سواری کرتے رہے تھے،بعض نے فرمایا کہ ہر نبی کا براق علیحدہ ہے یہ براق خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور ہے۔(مرقات)اس پر حضور معراج میں بھی سوار ہوئے اور قیامت میں بھی سوار ہوں گے۔یہ جنت میں چرتا رہا ہے،وہاں یہ جانور کسی عمل کی جزا کے لیے نہیں پہنچا تاکہ یہ کہا جائے کہ جنت تو صرف انسانوں کی جگہ ہے وہاں جانور کیسے پہنچا بلکہ حوروغلمان جنتی چڑیوں کی طرح یہ بھی خدمت کے لیے ہے۔خیال رہے کہ ہر نبی کا جنت میں ایک حوض ہوگا مگر حضور کے حوض کا نام کوثر ہے جو سب سے اعلیٰ ہے،یوں ہی ہر نبی کا جنت میں ایک براق ہوگا سواری کے لیے مگر حضور کا براق سب سے اعلیٰ ہوگا وہ یہ ہی براق ہے۔(اشعہ)

۸؎ یعنی میں خود سوار نہ ہوا بلکہ سوار کیا گیا،جبریل امین نے حضور کو سوار کیا رکاب جناب جبریل نے تھامی اور لگام میکائیل نے پکڑی اس شان سے دولہا کی سواری چلی۔(اشعہ)خیال رہے کہ حضور انور کا براق پر سوار ہونا اظہار شان کے لیے تھا جیسے دولہا گھوڑے پر ہوتے ہیں براتی پیدل اور گھوڑا خراماں خراماں چلتا ہے۔براق کی یہ رفتار بھی خراماں تھی ورنہ اس دن خود حضور کی اپنی رفتار براق سے زیادہ تیز ہوتی،دیکھو حضرات انبیاء کرام نے بیت المقدس میں حضور کے پیچھے نماز پڑھی

اور حضور کو وداع کیامگر آسمانوں پر حضور سے پہلے پہنچ گئے اور حضور کا استقبال کیاجیساکہ آگے آرہا ہےکیونکہ آج ان حضرات کی کارکردگی کادن تھا،حضور کے دولہا بننے کا دن تھا یہ ہے نبی کی رفتار۔

۹؎حدیث میں اجمال ہے یہاں بیت المقدس کی نماز و خطبہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیادوسری احادیث میں کیاگیا ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور آسمان پر براق کے ہی ذریعہ پہنچے۔بعض نے کہا کہ وہاں بادبان کے ذریعہ پہنچے،بعض نے کہا کہ وہاں حضرت جبریل اپنے بازوؤں پر لے گئے براق صرف بیت المقدس تک تھامگر قوی پہلا قول ہے۔(اشعہ ومرقات)خیال رہے کہ اسی معراج کے تین حصہ ہیں:فرش سے فرش تک یعنی بیت الحرام سے بیت المقدس تک،دوسرا فرش سے عرش تک،تیسرا حصہ عرش سے لامکاں تک۔بیت المقدس تک اس لیے پہنچایا گیا تاکہ اہل مکہ کو بیت المقدس کے حالات بتاکر دوسری دومعراجوں کا ثبوت دیا جاوے کیونکہ وہ لوگ بیت المقدس جاتے آتے رہتے تھےاور تاکہ بیت المقدس کی عظمت کو چار چاند لگ جاویں،نیز آسمانوں کے دروازے بیت المقدس کے مقابل ہیں یہاں سے سیدھے ان دروازوں پر پہنچا جاوے۔(مرقات)

۱۰؎ اگرچہ فرشتوں میں حضور کی آمد کا پہلے سے ہی اعلان ہوچکا تھا اور آسمانوں کو ہر طرح سجایا آراستہ کیا جاچکا تھا،تشریف آوری کی دھوم مچ چکی تھی مگر دربار الٰہی کا ادب یہ ہے کہ وہاں اجازت لے کر حاضری دی جاوے حضور اللہ کے محبوب بھی ہیں اور عبد بھی معراج میں دونوں شانوں کا اظہار ہے۔خیال رہے کہ اس رات کو کروڑوں فرشتے تو حضور انور کو لینے مکہ معظّمہ آئے تھےاور بہت سے فرشتے استقبال کے لیے اپنی ڈیوٹیوں پر تھےاور آج جبریل امین اس دروازے سے حضور کو لے گئے تھے جو آج تک کسی کے لیے نہیں کھولا گیا تھا وہ صرف حضور انور کے لیے ہی تھا۔آسمان کے کروڑوں دروازے ہیں ہر شخص کی روزی اترنے کا دروازہ،اعمال چڑھنے کا دروازہ،فرشتوں کے چڑھنے کے دروازے ہیں یہ **باب الصعود** یا **باب العروج** تھا،مصعد ملائکہ دروازہ کا ذکر اس جگہ مرقات میں بھی ہے۔

۱۱؎دربان فرشتے کے یہ تین سوال اسی لیے ہیں کہ جبریل یہ دروازہ تمہارے لیے تو ہے نہیں تمہارا دروازہ اور ہے آج تم ادھر کیوں داخل ہونا چاہتے ہو،انہوں نے فرمایا کہ آج میں ان کے ساتھ ہوں جن کی خاطر یہ دروازہ بنایا اور بند رکھا گیا ہےآج اس دروازہ کے کھلنے کا دن ہے،اس رات نہ معلوم کتنے دروازے کھلے ہوں گے۔**ارسل الیه** کا مطلب وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ کیا آج وہ بلائے گئے ہیں،یہ سوال اس اعلان کے خلاف نہیں جو پہلے سے حضور کی معراج کا ہوچکا تھا۔یہ ضابطہ کی کارروائی ہے۔یہاں مرقات میں فرمایا کہ خود رب تعالٰی حضور انور کے ساتھ تھا اور خود ہی حضور کا استقبال فرمارہا تھا۔

۱۲؎آدم علیہ السلام نے ابھی بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور حضور کو وداع فرمایا خود پیچھے روانہ ہوئے مگر استقبال کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہاں پہنچ گئے۔یہ ہے نبی کی رفتار حضور کے براق کی یہ رفتار خراماں تھی،ان حضرات کی کارگزاری کا دن تھااس لیے وہ کبھی اپنی قبر میں ہیں،کبھی بیت المقدس میں،کبھی آسمان کے دروازے میں جیساکہ برات کے منتظمین کا حال ہوتا ہے۔

۱۳؎چونکہ حضور وہاں سے گزرے ہیں‌اور آدم علیہ السلام وہاں ہی ہیں اور رہیں گےآنے والا ٹھہرے ہوئے کو سلام کرتا ہےاس لیے آپ سلام کریں ورنہ حضور سارے نبیوں سے افضل ہیں۔

۱۴؎ صالح یا تو صلاحیت سے ہے بمعنی معراج حق سے ملاقات اس کے دیدار کی صلاحیت رکھنے والے یا اصلاح سے ہے بمعنی نیک، خوش خصال،یا صالح وہ ہے جو خالق و مخلوق دونوں کے حق ادا کرے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی"وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ"صالح وہ ہے جس میں ساری خوبیاں جمع ہیں۔(مرقات)

۱۵؎ یہ دونوں پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی جگہ ملے،یحیی علیہ السلام کی خالہ یعنی مریم کی بہن حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی تھیں،اس رشتہ سے حضرت زکریا نے جناب مریم کی پرورش کا حق ثابت کیا تھا۔(اشعہ)اس کے معنی اور بھی کیے گئے ہیں کہ مریم کی خالہ حضرت زکریا کی زوجہ تھیں تو معنی یہ ہیں کہ یہ دونوں خالہ بھانجی کے بیٹے ہیں کہ مریم بھانجی ہیں اور ایشا یعنی والدہ یحیی علیہ السلام خالہ ابنا خالہ کہنا تغلیبًا ہے جیسے چاند سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں۔

۱۶؎ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے باقی انبیاء کرام دوسروں کی طرح مرتے نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں یعنی دارفنا سے داربقا کی طرف وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔(مرقات)

۱۷؎ خیال رہے کہ ان حضرات انبیاء کرام نے حضور انور کو اپنا بھائی فرمایا کیونکہ سارے نبی نبوت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں جیساکہ حدیث میں ہے کہ انبیاء کرام علاتی بھائی ہیں،عقائد سب کے ایک قواعد شرعیہ میں مختلف۔یہ بھی خیال رہے کہ ان حضرات کا مختلف آسمانوں پر حضور سے ملاقات کرنا استقبال کے لیے ہے ورنہ ان کے مقامات یہ نہیں ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کا مقام چوتھا آسمان ہے مگر معراج میں انہوں نے حضور سے دوسرے آسمان پر ملاقات کی جیسے جب حاجی صاحبان حج سے آتے ہیں تو کوئی کراچی جاکر ان کا استقبال کرتا ہے کوئی لاہور جاکر اور کوئی گجرات کے اسٹیشن پر۔تفسیر روح البیان نے اس ترتیب مکان کی وجہ بہت شاندار بیان کی ہے دیکھو ہماری تفسیر نعیمی۔

۱۸؎ ان سب حضرات کا یہ فرمانا استقبالیہ کلمات کے طور پر تھا۔

۱۹؎ خیال رہے کہ ادریس علیہ السلام کا مقام جنت ہے،آپ نے دنیا میں عارضی موت اختیار کی پھر زندہ ہوئے اور جنت میں داخل ہوئے پھر وہاں سے نہ نکلے،رب نے فرمایا اچھا انہیں یہاں ہی رہنے دو،رب فرماتاہے:"وَرَفَعۡنٰهُ مَکَانًا عَلِیًّا"مگر آج حضور انور کے استقبال کے لیے چوتھے آسمان کے اس دروازہ پر آئے چوتھا آسمان گویا ان کا دفتر ہے جنت انکا گھر،کارگزاری دفتروں میں ہوا کرتی ہے نہ کہ گھر میں۔

۲۰؎ ادریس علیہ السلام حضور انور کے آباءواجداد میں سے ہیں کیونکہ آپ نوح علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے ہیں مگر آپ کو بھائی کہا اس لیے کہ نبوت کے لحاظ سے سارے انبیاء آپس میں بھائی ہیں اس نبوت کے رشتہ سے حضور کو بھائی کہا جیساکہ ہم عرض کرچکے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

۲۱؎ تفسیر روح البیان نے ایک مقام پر فرمایا ہے کہ حضرت انبیاء کرام کے یہ مقامات ان کے درجات اور علوم کے لحاظ سے تھے، جس نبی کا جتنا درجہ اعلیٰ اتنا ہی مقام بلند،دیکھو حضرت ہارون علیہ السلام اور ان سے اوپر چھٹے آسمان پر

حضور انور سے ملے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ابراہیم علیہ السلام چونکہ انبیاء کرام کے والد ہیں اور بڑے درجہ والے اس لیے وہ سب سے اوپر ساتویں آسمان پر حضور انور سے ملے،یہ فرق مراتب بیت المقدس کی نماز میں بھی تھااعلیٰ درجہ والے نبی پہلی صف میں تھے۔واللہ اعلم!

۲۲؎ صالح کے نہایت لذیذ و نفیس معنی ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے کہ رب کے دیدار،اس سے بالمشافہ کلام فرمانے،اس سے اپنی بات منوانے،گنہگاروں کی شفاعت فرمانے کی صلاحیت رکھنے والے۔یہ صلاحیتیں سواء حضور انور کے اور کسی میں نہیں۔

۲۳؎ چونکہ موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحبِ کتاب نبی ہیں آپ کی توریت پر ہزارہا نبیوں نے عمل کیا"یَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ" آپ کلیم اللہ ہیں اس لیے آپ ان سب نبیوں سے اوپر یعنی چھٹے آسمان پر دکھائے گئے۔اکثر علماء فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جناب عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں،ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔

۲۴؎ بعض بیوقوفوں نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کی وجہ سے تھا کہ جو درجہ انہیں مل گیا وہ مجھے نہ ملا اور ان کی امت جس قدر اہل جنت ہوئے میری نہ ہوئی مگر یہ غلط محض ہے کیونکہ آخرت میں تو اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے سینوں سے بھی حسد دور کرے گا،فرماتاہے:"وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ"تو وہ حضرات انبیاء کرام جو دنیا میں حسد سے پاک تھے وہاں حسد کیسے کریں گے۔عام شارحین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا اپنی امت پر اظہار افسوس کے لیے ہے کہ ان بدنصیبوں نے ہمیشہ میری مخالفت کی اس لیے ان میں جنتی تھوڑے ہوئے اور ان محبوب کی امت ان کی اطاعت بہت کرے گی اس لیے وہ جنتی زیادہ ہوں گے مگر عشاق کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا خوشی کا تھا کہ آج ان کی طور والی تمنا پوری ہوگی کہ آج بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں گے اور میں ان کی آنکھوں کو دیکھوں گا گویا رخسار مصطفیٰ جمال الٰہی کا میرے لیے آئینہ بنیں گے۔اگلا مضمون رونے کی وجہ نہیں ہے بلکہ مستقل کلام ہے یہ توجیہ بڑی لذیذ ہے ان شاءاللہ اس کا ذکر بھی آگے آتا ہے۔

۲۵؎ عرب میں غلام بمعنی قوی اور طاقتور بھی آتا ہے اگرچہ وہ ادھیڑ یا بوڑھا ہے۔چنانچہ اہل عرب حضور انور کو شاب یعنی جوان کہتے تھے اور ان سے کم عمر حضرت ابوبکر صدیق کو شیخ کہتے تھے۔موسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غلام کہا بمعنی نہایت قوت و طاقت والے رسول جنہوں نے تھوڑے عرصہ میں دنیا کا نقشہ بدل دیا ہے بگڑی قوم کو بنانا بہت دشوار کام ہے۔

۲۶؎ اس فرمان عالی کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ یہ حسد یا غبط نہیں بلکہ اپنی امت اسرائیلیوں پر اظہار افسوس ہے کہ کاش میری امت بھی ان محبوب کی امت کی طرح تابع فرمان ہوتی،میری امت میں بھی ان کی امت کی طرح اولیاء علماء صالحین رہتے۔

۲۷؎ یعنی سب سے بلند مقام ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی،یہ ہی ترتیب اکثر روایات میں ہے۔بعض روایات میں اس کے خلاف بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو ساتوں آسمان میں دیکھا،ادریس علیہ السلام کو

تیسرے آسمان میں، یوسف علیہ السلام کو دوسرے آسمان میں۔اگر وہ روایت درست ہے تو وہ واقعہ کسی اور معراج کا ہے،حضور انور کو معراجیں بہت ہوئی ہیں ایک جسمانی باقی منامی یعنی خواب میں۔

۲۸؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوق دیدار الٰہی میں بحالت استغراق تھےاس لیے جبریل علیہ السلام ہر بار عرض کرتے تھے کہ یہ فلاں نبی ہیں اور یہ فلاں رسول آپ انہیں سلام کریں،آپ کی توجہ تام رب انام کی طرف تھی"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی"کا ظہور تھا۔(مرقات)ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام انبیاء کرام کو جانتے پہچانتے تھے،کیسے نہ جانتے ابھی کچھ دیر پہلے تو بیت المقدس میں یہ سب حضرات حضور انور کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں،آپ سے ملاقات کرچکے ہیں،آپ کو وہاں سے وداع کرچکے ہیں پھر نہ پہچاننے کے کیا معنی بات وہ ہی ہے جو مرقات میں فرمائی۔

۲۹؎ یہاں مرقات نے باتیں بہت مفید بیان فرمائیں:ایک یہ کہ ان آسمانوں پر یہ انبیاء کرام اپنے جسم شریف سے ہی موجود تھے صرف روح نہ تھی۔دوسرے یہ کہ ہر آسمان پر بہت سے نبی استقبال کے لیے موجود تھے جن کی قیادت خاص خاص نبی کررہے تھے۔پہلے آسمان کی قیادت آدم علیہ السلام کررہے تھے حتی کہ ساتویں آسمان والوں کی قیادت ابراہیم علیہ السلام کررہے تھے،یہاں قائدین انبیاء کا ذکر ہے۔تیسرے یہ کہ اس ترتیب مکانی میں رب تعالٰی کی بڑی حکمتیں تھیں،چونکہ آدم علیہ السلام اول بشر اول نبی ہیں لہذا وہ اول آسمان پر تشریف فرما ہوئے اولیت کے اظہار کے لیے،عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین ہیں کہ آپ میں اور ان کے درمیان میں کوئی اور نبی نہیں لہذا وہ وہاں سے قریب ترین جگہ یعنی دوسرے آسمان پر دکھائے گئے،چونکہ حضور کی امت شکل یوسفی میں جنت میں داخل ہوگی اس لیے آپ ان کے بعد دکھائے گئےاور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبیوں کے والد ہیں اس لیے آپ کو سب سے اونچے آسمان پر بلایا گیا۔

۳۰؎ یہ ایک نورانی بیری کا درخت ہےجس کی جڑ چھٹے آسمان پر ہےشاخیں ساتویں آسمان کے اوپر۔اسے منتہی چند وجہ سے کہتے ہیں: ایک یہ کہ فرشتوں کے علم کی انتہاء یہاں ہے اس سے اوپر کی خبر کسی فرشتے کو نہیں۔دوسرے یہ کہ حضور انور کے سواء کوئی نبی یہاں سے آگے تشریف نہ لے گئے۔تیسرے یہ کہ سب سے بڑے فرشتے حضرت جبریل کی انتہا یہاں ہی ہے کہ وہ اس سے آگے نہیں بڑھتے۔چوتھے یہ کہ لوگوں کے اعمال یہاں تک ہی بذریعہ فرشتے کے پہنچتے ہیں پھر یہاں سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں،یوں ہی احکام الٰہی اوپر سے یہاں تک آتے ہیں پھر فرشتے یہاں سے لیتے ہیں۔بہرحال یہ بیری چند وجھوں سے منتہیٰ یعنی ختم ہونے کی جگہ ہے،یہاں اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے۔(مرقات)

۳۱؎ ہجر یمن کا ایک شہر ہے جہاں کے مٹکے بہت بڑے ہوتے ہیں۔فرمایا اس بیری کے بیر مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح ہیں۔خیال رہے کہ تمام درختوں میں بیری افضل ہےاس کے بعد کھجور کا درخت۔

۳۲؎ یعنی اس بیری کے درخت کی جڑ سے چار نہریں نکل رہی ہیں: دو تو ظاہر بہتی ہیں اور دو زمین دوز جیسے مکہ معظّمہ میں نہر زبیدہ۔

۳۳؎ یہ جنتی نہریں کوثر اور سلسبیل ہیں یا کوثر اور نہر رحمت۔

۳۴؎معلوم ہوا کہ نیل اور فرات بڑی اشرف و اعلیٰ نہریں ہیں کہ ان کی اصل جنت سے ہے۔
۳۵؎اس طرح کہ بیت المعمور تک پہنچایا گیااور وہ میرے سامنے آیا جیسے لاہور جانے والا کہتا ہے کہ لاہور آگیا یعنی میں لاہور آگیا۔بیت المعمور فرشتوں کا قبلہ ہے،کعبہ معظّمہ کے مقابل ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے وہاں فرشتوں کو نماز پڑھائی جیسے بیت المقدس میں نبیوں کو پڑھائی تھی۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔شعر

یہ نور سداسماں پہ بندھا یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا صفوف سمانے سجدہ کیا ہوئی جو اذاں تمہارے لیے

۳۶؎وہاں دین فطرت دودھ کی شکل میں دکھایا گیا،دودھ ہی دنیا میں انسان کی پہلی غذا ہے اس کا رنگ سفید ہے اور سفید رنگ تمام رنگوں کی اصل ہے۔فطرت کی اصل شریعت کی اتباع ہے انتہا وصول الی اللہ ہے۔آج بھی جو خواب میں دودھ پیئے تو اس کی تعبیر فطرت علم دین اور اسلام پر استقامت ہوتی ہے(اشعہ،مرقات)اگرچہ شہد بھی اچھی چیز ہے مگر اس میں دودھ کی سی سفیدی صفائی غذائیت نہیں ہے،یہ شراب جنت تھی جو حرام نہیں۔
۳۷؎نماز کی فرضیت لامکان میں پہنچ کر ایسے مقام پر ہوئی جہاں نہ مکان تھا نہ مقام،نہ یہاں تھا نہ وہاں۔یہ خاص تحفہ تھا جو امت محمدیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دیا گیا،حضور انور تو پہلے ہی سے نمازیں ادا کرتے تھے۔
۳۸؎یعنی چھٹے آسمان پر۔معلوم ہوتا ہے کہ واپسی میں بھی حضور انور سے تمام نبیوں نے اسی ترتیب سے ملاقات کی جس ترتیب سے جاتے وقت ملاقات کی تھی،یہ ہی سواریوں کا حال تھا کہ براق رفرف وغیرہ جس ترتیب سے حضور کو لے گئے تھے اسی ترتیب سے واپس لائے۔
۳۹؎یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کاعلم غیب کہ امت محمدیہ جوان کے بہت بعد ہے اور تاقیامت رہے گی اس کی طبعی کیفیت سے خبردار ہیں۔واقعی اگر نمازیں پچاس رہتیں تو چوبیس گھنٹہ میں پچاس نمازیں سخت بھاری پڑتیں نمازوں کے بعد کوئی وقت ہی نہ بچتا جو دوسرا کام کیا جاتا،کھانا کمانا سونا وغیرہ سب بند ہوجاتے۔خیال رہے کہ طاقت سے زیادہ کی تکلیف دینا رب کا قانون نہیں"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا"۔یہاں تکلیف نہیں کیونکہ یہ حکم امت تک پہنچا ہی نہیں جب ان تک پہنچا تو آسان بن چکا تھا لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔
۴۰؎موسیٰ علیہ السلام کی امت پر دن رات میں صرف دو نمازیں فرض تھیں جنہیں وہ ادا نہ کرسکے اس لیے آپ یہ فرما رہے ہیں اگر موسیٰ علیہ السلام کی ہر بات مانی جاتی تو غالبًا ہفتہ میں ایک نماز رہتی۔
۴۱؎خیال رہے کہ اللہ تعالٰی ارحم الراحمین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رؤف رحیم ہیں مگر امت محمدیہ پر رحم آیا جلال والے نبی موسیٰ علیہ السلام کو،آخر یہ کیوں؟اس کی چند وجہیں ہیں: ایک یہ کہ رب چاہتا تھا کہ دکھادیا جاوے کہ اللہ کے مقبول بندے بعد وفات لوگوں کی مدد کرسکتے ہیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات سے تین ہزار سال بعد مسلمانوں کی مدد یہ کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں۔دوسرے یہ کہ بتا دیا جاوے کہ اللہ تعالٰی جسے دیتا ہے اپنے مقبولوں کے ذریعہ وسیلہ سے دیتا ہے،رب نے یہ رعایت دی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کر دیں مگر موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے۔تیسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام بھی رب سے عرض و معروض کرتے ہیں تو حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے،دیکھو جناب موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی رب سے یہ نہ کہہ دیا کہ پچاس نمازیں زیادہ ہیں

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کہا۔اے لوگو! تم بھی حضور کے توسل سے رب سے عرض و معروض کیا کرو۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ الٰہی میں ایسی باریابی ہے کہ بار بار حاضر ہوسکتے ہیں،دیکھو حضور نے یہاں سے ہی دعا نہ کردی بلکہ بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام اور رب تعالٰی کے درمیان آتے جاتے رہے اس لیے رب تعالٰی نے پانچ پانچ نمازیں کم کیں ایک بار ہی پینتالیس کم نہ کردیں۔پانچویں یہ کہ موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ محبوب بار بار رب کو دیکھ کر آتے ہیں اور میں محبوب کو ان کی آنکھوں کو بار بار دیکھتا ہوں رخسار مصطفٰی جمال کبریا کا آئینہ تھے۔طور والی دعائے دیدار آج قبول ہورہی ہے،وہ تمنا آج پوری ہورہی ہے امت کا بہانہ تھا کام اپنا بنانا تھا اس لیے اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام منتخب ہوئے۔غرضیکہ اس واقعہ میں بہت سی حکمتیں ہیں جو رب ہی جانے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۲؎ یہاں دس دس نمازوں کی معافی کا ذکر ہے،دوسری روایت میں ہے کہ رب نے آدھی نمازیں معاف کردیں،ایک اور روایت میں ہے کہ پانچ پانچ نمازیں معاف فرمائیں یہ آخری روایت مفصل ہے باقی دونوں روایتیں مجمل ہیں یعنی چند بار میں آدھی نمازیں معاف ہوئیں یا دوبار میں دس نمازیں معاف فرمائیں۔تفصیل یہ ہے کہ پانچ پانچ نمازیں معاف ہوئیں اور حضور انور اسی رات دس دفعہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے ایک دفعہ تو پہلی بار اور نو دفعہ حضرت موسیٰ اور رب تعالٰی کے درمیان تب نمازیں پچاس کی پانچ ہوئیں۔

۴۳؎ یعنی میں نے آخر بار میں موسیٰ علیہ السلام کہا کہ نمازیں پینتالیس معاف ہوگئیں اور پانچ باقی رہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حکم شرعی عمل بلکہ مکلفین کی خبر سے پہلے بھی منسوخ ہوسکتا ہے،دیکھو معاف شدہ پینتالیس نمازوں کا حکم ہوا مگر مسلمانوں نے نہ تو ان پر عمل کیا نہ ادا کیں کہ منسوخ ہوگئیں،صرف حضور انور کے علم میں آئیں نسخ سے پہلے حضور کا علم ہی کافی ہے۔

۴۴؎ یعنی عام مسلمان پانچ نمازوں کی پابندی نہیں کرسکیں گے اس میں سستی کیا کریں گے،حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بالکل درست ہوا،دیکھ لو آج مسلمان زکوۃ،حج،جہاد،مسجدوں کی تعمیر بڑے شوق سے کرتے ہیں،روزے کے لیے بچے ضدیں کرتے ہیں مگر نماز کا پابند کوئی کوئی ہی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ"یہاں طاقت سے مراد قوت نہیں بلکہ رغبت والی طاقت مراد ہے۔لہذا اس فرمان موسوی پر کوئی اعتراض نہیں نہ تو رب نے طاقت سے زیادہ نمازوں کا ہم کو مکلّف کیا ہے اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان غلط ہوا،طاقت واستطاعت کی بہت سی قسمیں ہیں۔

۴۵؎ یعنی نمازیں پانچ سے بھی کم کردی جاویں شاید جناب کلیم اللہ کا مقصد یہ ہوگا کہ دن رات میں ایک بلکہ ہفتہ میں ایک نماز رہے۔

۴۶؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ پروگرام پہلے ہی طے شدہ تھا ورنہ جب نو بار حضور انور نے بے جھجک عرض معروض کی تو اب کیوں حیاء فرمائی۔

۷؎یعنی نمازیں پڑھنے میں کم کی گئی ہیں ثواب میں کم نہیں کی گئیں مسلمان پڑھیں پانچ مگر ثواب پچاس ہی کا پائیں گے،رب فرماتاہے:"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"۔

روایت ہے حضرت ثابت بنانی سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس براق لایا گیا۱؎وہ سفید دراز جانور ہے گدھے سے اونچا خچر سے نیچا اپنی ٹاپ اپنی نگاہ کی حد پر رکھتا ہے ۲؎میں اس پر سوار ہوگیا حتی کہ میں بیت المقدس میں آیا تو میں نے اسے اس کڑے سے باندھا جس سے حضرات انبیاء باندھا کرتے تھے فرمایا۳؎پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو اس میں دو رکعتیں پڑھیں۴؎پھر میں نکلا تو میرے پاس جبریل علیہ السلام ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا لائے تو میں نے دودھ اختیار کیا ۵؎تو جبرئیل علیہ السلام بولے کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا پھر ہم کو آسمان کی طرف چڑھایا گیا اور پچھلی حدیث کے معنی بیان کیے۶؎فرمایا کہ ہم جناب آدم علیہ السلام کے پاس تھے انہوں نے مجھے مرحبا کہی اور مجھے دعا خیر دی فرمایا پھر تیسرے آسمان میں پہنچے تو میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تھا انہیں دیا گیا ہے آدھا حسن ۷؎ انہوں نے مجھے مرحبا کہی اور میرے لیے دعا خیر کی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کا رونا ذکر نہیں کیا ۸؎اور فرمایا کہ ساتویں آسمان پر پہنچے تو ہم جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے جو بیت المعمور سے اپنی پیٹھ لگائے تھے ۹؎اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو پھر کبھی وہاں لوٹ کر نہیں آتے۱۰؎پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس لے گئے تو اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۱۱؎اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح تو جب اسے اللہ کے حکم سے وہ نورانیت چھا گئی تو سدرۃ ایک دم بدل گیا۱۲؎اللہ کی مخلوق میں کوئی نہیں جو اس کی خوشنمائی بیان کرسکے۱۳؎رب نے میری طرف جو وحی کی وہ کی۱۴؎پھر	

مجھ پر پچاس نمازیں ہر دن و رات میں فرض فرمائیں ۱۵؎ پھر میں موسیٰ علیہ السلام تک اتر کر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا میں نے کہا کہ ہر دن و رات میں پچاس نمازیں انہوں نے کہا اپنے رب کی طرف لوٹیےاس سے ہلکا کرنے کی درخواست کیجئے کیونکہ آپ کی امت یہ طاقت نہیں رکھتی ۱۶؎میں تو بنی اسرائیل کو آزماچکا ہوں ان پر تجربہ کرلیا ہے،فرمایا پھر میں اپنے رب کی طرف لوٹا میں نے عرض کیا یارب میری امت پر تخفیف فرما تو اس نے پانچ نمازیں کم کردیں ۱۷؎پھر میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا میں نے کہا کہ مجھ سے پانچ کم کردیں انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اس سے کمی کا سوال کریں، فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان دورہ کرتا رہا حتی کہ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہر دن و رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کا دس گناہ ثواب تو یہ پچاس نمازیں ہی ہوئیں ۱۸؎جو کوئی کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر وہ کرے نہیں تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاوے گی ۱۹؎پھر اگر وہ یہ کر بھی لے تو اس کے لیے دس لکھوں گا۲۰؎اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں تو اس کے لیے کچھ نہیں لکھوں گا ۲۱؎پھر اگر وہ کرلے تو اس کے لیے ایک ہی گناہ لکھا جاوے گا۲۲؎فرماتے ہیں کہ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا میں نے انہیں یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کہ اپنے رب کی طرف واپس ہوجایئے اس سے کمی کا سوال کیجئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف اتنا لوٹ چکا کہ اب میں اس سے شرم کرتا ہوں۲۳؎(مسلم)

۱؎حضور انور براق پر سوار ہوئے مسجد حرام شریف میں پھر اسی براق پر سوار ہوئے مسجد اقصیٰ سے آسمان تک سفر میں،ساتویں آسمان سے آگے براق رہ گیا۔رفرف یعنی قدرتی تخت حضور کو اوپر لے گیا پھر عرش اعلیٰ سے اوپر بغیر کسی سواری کے تشریف لے گئے،ادھر سے خطاب تھا ادن یامحمد اے محبوب اور قریب آیئے،ادھر سے ایک قدم حضور آگے بڑھاتے تھے ایک قدم میں ہزارہاپردے طے ہوجاتے تھے۔

۲؎لہذا براق ایک قدم میں آسمان پر پہنچا مگر یہ رفتار خراماں تھی حضرات انبیاءکرام براق سے پہلے اپنے اپنے مقام پر حضور کے استقبال کے لیے پہنچ چکے تھے۔

۳؎یہ کڑا اس گنہگار نے دیکھا ہے،اب وہ زیر زمین ہے تہہ خانہ میں واقع ہے،پیتل کا ہے،بہت باریک رہ گیا ہے،ایک دیوار میں نصب ہے،وہاں لوگ برکت کے لیے نوافل پڑھتے ہیں یعنی حضرات انبیاءکرام جب بیت المقدس میں سواریوں پر آتے تھے تو اس حلقہ سے ہی باندھتے تھے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر نبی کو رب تعالٰی نے براق عطا فرمائے تھے جو اسی حلقہ سے باندھتے تھے مگر یہ شارحین یہ نہیں بتاسکے کہ وہ حضرات اپنے براقوں پر سوار کب ہوئے تھے حضور انور تو معراج میں سوار ہوئے ان حضرات کو معراج عطا نہیں ہوئی،اگر یہ معنی کرو کہ آج سارے نبی اپنے اپنے براقوں پر آئے اور انہیں نے اسی حلقہ سے باندھے تو بالکل غلط ہے کیونکہ یہاں ماضی استمراری ہے باندھتے تھے بہرحال یہ ہی معنی قوی ہیں کہ وہ حضرات اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ جس میخ سے انبیاءکرام کی سواریاں بندھا کریں وہ میخ بھی افضل ہوجاتی ہے۔

۴؎بیت المقدس میں پڑھیں جہاں سارے نبی آپ کے انتظار میں تھے سب نے حضور کے پیچھے یہ رکعتیں ادا کیں۔حقیقت میں حضور کی یہ امامت اس عہد کا ظہور تھا جو میثاق کے دن نبیوں سے حضور کے متعلق اطاعت و فرمانبرداری کا لیا گیا،اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔شعر

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سرعیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

۵؎پچھلی روایت میں گزرا کہ یہ برتن بیت المعمور کے پاس پیش کیے گئے،یہاں ارشاد ہے کہ بیت المقدس کے پاس پیش ہوئے ہو سکتا ہے کہ دونوں جگہ پیش ہوئے ہوں،یا یہ دوسری معراج کا واقعہ ہے جو خواب میں ہوئی تھی۔یہاں شہد کا ذکر نہیں شہد بیت المعمور میں پیش کیا گیا تھا یہاں نہیں،یا روایت میں اجمال ہے۔

۶؎یعنی اس حدیث کے الفاظ پچھلی حدیث کے کچھ خلاف ہیں مگر معنی ایک ہی ہیں۔

۷؎یعنی آدھا حسن تو حضرت یوسف علیہ السلام کو تنہا ملا ہے اور آدھا حسن ساری دنیا کو تقسیم ہوا تو آپ کا حسن سارے حسینوں کے حسن کے برابر ہے۔ترمذی نے بروایت انس حدیث بیان کی کہ حضور نے فرمایا اللہ تعالٰی نے سارے نبی نہایت خوبصورت خوش آواز بھیجے ہیں میں ان سب میں زیادہ حسین اور خوش آواز ہوں لہذا یہاں اس حدیث میں حضور مستثنیٰ ہیں۔شیخ ابن حجر مکی نے شرح شمائل میں فرمایا کہ مسلمان یہ اعتقاد رکھے کہ صورت و سیرت کا حسن اللہ نے سب سے بڑھ کر حضور کو عطا فرمایا،الوہیت کے سوا سارے اوصاف سارے فضل و کمال حضور میں جمع ہیں۔(اشعہ)شعر

کسے بہ حسن و ملاحت بیار مانرسد   ترا دریں سخن انکار کار مانرسد
ہزار سکربہ بازار کائنات زدند   یکے بخوبی صاحب عیار مانرسد   (اشعۃ اللمعات)

یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور کے چہرے میں درودیوار ایسے نظر آتے تھے جیسے آئینہ میں اور فرمایا کہ حسن مصطفیٰ کماحقہٗ صحابہ کو نہیں دکھایا گیا کہ کسی میں اس کے دیکھنے کی طاقت نہ تھی مگر حسن یوسفی کماحقہٗ سب کو دکھادیا گیا،یا اس فرمان کے معنے یہ ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو میرے حسن کا آدھا عطا فرمایا گیا یعنی پورا حسن مجھے عطا ہوا مجھ سے آدھا یوسف علیہ السلام کو۔ (مرقات)۔

حسنِ یوسف سے کہیں بڑھ کر تھا حسنِ مصطفیٰ   بات یہ تھی اس کا کوئی دیکھنے والا نہ تھا

۸؎ صاحب مشکوۃ اس روایت میں اور گذشتہ روایت میں فرق رکھاہے ہیں کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا ذکر تھا اس روایت میں اس کا ذکر نہیں گویا یہاں اجمال ہے۔

۹؎ یعنی ابراہیم علیہ السلام اس طرح کھڑے تھے کہ ان کا منہ تو میری طرف تھا اور ان کی پیٹھ شریف بیت المعمور سے لگی ہوئی تھی۔ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ بیت المعمور خانہ کعبہ کے بالکل مقابل ہے،بعض نے فرمایا کہ یہ ہی بیت المعمور آدم علیہ السلام اپنے ساتھ لائے تھے پھر اٹھالیا گیا۔**واللہ ورسولہ اعلم**! (اشعۃ اللمعات)

۱۰؎ بیت المعمور فرشتوں کا کعبہ و قبلہ ہے کہ اس طرف رخ کرکے سجدے کرتے ہیں اور اس کی زیارت کرنے باری باری سے آتے ہیں،جو ایک بار کرجاتے ہیں وہ دوبارہ نہیں آتے،یہ زیارت فرشتوں کا حج ہے۔

۱۱؎ **فیلة** کی ت تانیث کی نہیں وحدت کی ہےیعنی اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان برابر بڑے ہیں۔

۱۲؎ یعنی جب ہم سدرہ پر پہنچے تو اس پر ایک نور چھا گیا اس نور سے وہ سماں بندھا کہ اسے کوئی بیان نہیں کرسکتا۔اس گنہگار فقیر نے ایک صبح کو جالی شریف پر ایسے انوار دیکھے جو بیان نہیں ہوسکتے وہ نظارہ اب تک یاد ہے اللہ تعالیٰ پھر دکھائے۔الٰہی ایں کرم بار دگرکن!

۱۳؎ یعنی میرے سوا کوئی اس کا حسن بیان نہیں کرسکتا اور مجھے اس کے کما حقہٗ بیان کی اجازت نہیں ایسے موقعہ پر متکلم مستثنٰی ہوتا ہے۔حضور نے تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات بیان فرمادیں،حضور ہی کے بیان سے دنیا نے خدا کو جانا مانا۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

اے رضا احمد پاک کا فیض ہے   ورنہ تم کیا سمجھتے خدا کون ہے

۱۴؎ یہاں وحی سے مراد وہ بالمشافہ کلام ہے جو رب نے حضور انور کو اپنی ذات اپنا جمال دکھاتے ہوئے فرمایا،فرماتاہے:"**فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى**"۔اس کلام کی خبر نہ جبریل علیہ السلام کو ہے نہ کسی اور مخلوق کو۔خیال رہے کہ رب نے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام خلوت میں کیا وہ سب حضور کو بتادیا"**وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى**"مگر جو کلام اپنے محبوب سے کیا وہ کسی کو نہ بتایا۔معلوم ہوا کہ حضور صاحب اسرار خاص ہیں۔

۱۵؎فیصلہ الٰہی یہ ہوچکا تھا کہ نمازیں اولًا پچاس فرض کی جاویں پھر موسیٰ علیہ السلام کے عرض و معروض پر پانچ رہیں یہ پروگرام پہلے سے طے شدہ تھا۔لہٰذااس پر یہ اعتراض نہیں کہ کیا رب کو خبر نہ تھی کہ نمازیں پانچ رہیں گی،رب کو یہ بھی خبر تھی کہ پانچ رہیں گی،یہ بھی خبر تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی مدد ان کی خواہش سے پانچ رہیں گی،یہ بھی خبر تھی کہ پانچ پانچ کم ہوں گی ۹ بار میں پینتالیس کم ہوں گی۔

۱۶؎اس کی شرح ابھی کی جاچکی کہ یہاں طاقت نہ رکھنے سے مراد یہ نہیں کہ وہ مجبور محض ہوں گے بلکہ آسانی والی طاقت مراد ہے۔علی امتك فرماکر یہ بتایا کہ حضور آپ کو پچاس نمازوں میں کوئی تکلف نہ ہوگا آپ کی عام امت پر بھاری پڑیں گی۔

۱۷؎یہ حدیث مفصّل ہے پچھلی حدیث میں قدرے اجمال تھا پانچ پانچ نمازیں کم ہوئیں نو بار پینتالیس کی معافی پانچ باقی۔جہاں دس کی کمی کا ذکر ہےوہاں دوبار کو ایک دفعہ میں فرمایا گیا ہے اجمالًااس کے باقی نکات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

۱۸؎یعنی نماز پڑھنے میں پانچ ثواب میں پچاس ہیں ہمارا فیصلہ قائم ہےترمیم صرف عمل میں کی گئی امت پر تخفیف کے لیے۔

۱۹؎ھم سے مراد ہے کچا خام ارادہ یعنی جو شخص کسی نیکی کا غیر پختہ ارادہ کرے تب بھیاس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاوے گی اگرچہ وہ کسی شرعی عذر یا ظاہری وجہ سے نہ کرسکے جیسے کسی نے حج کا ارادہ کیا مگر قرعہ میں نام نہ نکلا تو اسے ارادہ کا ثواب مل گیا کہ نیکی کا ارادہ کرنا بھی نیکی ہےبلکہ نیکی کی آرزو اور تمنا کرنا بھی نیکی ہے۔حجاج حج کو جارہے ہیں ایک غریب آدمی انہیں دیکھ کر اپنی محرومی پر آنسو بہارہا ہے،تمنا کررہا ہے کہ میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں بھی جاتا اسے ثواب مل گیا۔ایک شخص حضرات صحابہ کرام کی خوش نصیبی میں غور کررہا ہے کہ وہ کیسے خوش بخت تھے کہ حضور کے دیدار سے مشرف ہوئے اور سوچتا ہے کہ ؎

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن

مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

اسے اس تمنا کا ثواب مل رہا ہے اور ان شاءاللہ کل اسے صحابہ کرام کے ساتھ حشر نصیب ہوگا۔

۲۰؎یعنی ارادۂ نیکی ایک نیکی ہے اور عمل نیکی دس نیکیاں ہیں یہ اللہ کا کرم ہے،پھر نیکی کے ہر عمل پر الگ ثواب،نماز کا ارادہ کرنا الگ نیکی،وضو کرنا علیحدہ نیکی،مسجد کو چلنا اور نیکی بلکہ ہر قدم الگ نیکی،وہاں نماز کے انتظار میں بیٹھنا الگ نیکی،نماز کے بعد دعا مانگنا الگ نیکی،نماز تو مستقل علیحدہ نیکی ہے،ہم کام کریں اپنی حیثیت کے لائق وہ عطا فرماتا ہے اپنی شان کے شایاں۔

۲۱؎ھم اور عزم میں فرق ہے۔ھم سے مراد ہے خیال گناہ اس پر پکڑ نہیں،عزم کے معنی ہےگناہ کا پورا ارادہ اس پر پکڑ ہے،کسی کے قتل یا چوری کی تاک میں رہامگر کر نہ سکا تو گنہگار ہوگیا ہاں خیال گناہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس سے باز آجانا توبہ کرلینا نیکی ہے۔

۲۲؎ یعنی نیکی کی طرح گناہ میں اضافہ نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کا ایک لاکھ بن جانا وہ ایک ہی گناہ ہے مگر ہے اتنا بڑا کہ دوسری جگہ کے ایک لاکھ گناہوں کی برابر ہے کیونکہ اس نے حرم شریف کی زمین پاک کی توہین کی جیسے رمضان میں روزہ توڑنا دوسرے زمانہ کے اکسٹھ روزے توڑنے کے برابر ہے مگر ہے ایک ہی جرم لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں نہ یہ دوسری احادیث کے خلاف ہے۔

۲۳؎ اس شرم کے معنی اور اس کی وجہ ابھی پچھلی حدیث میں عرض کردی گئی کہ یہ پروگرام رب تعالٰی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پہلے سے طے شدہ تھا جو کچھ ہوا پروگرام کے ماتحت ہوا۔

روایت ہے ابن شہاب سے ۱؎ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی فرمایا کہ جناب ابوذر رضی اللہ عنہ خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی جب کہ میں مکہ میں تھا ۲؎ پھر جناب جبریل علیہ السلام اترے انہوں نے میرا سینہ کھولا پھر اسے آب زمزم سے دھویا ۳؎ پھر سونے کا ایک طشت لائے حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا اسے میرے سینہ میں لوٹ دیا ۴؎ پھر اسے سی دیا ۵؎ پھر میرا ہاتھ پکڑا تو مجھے آسمان کی طرف لے گئے ۶؎ تو جب میں دنیاوی آسمان تک پہنچا تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے خزانچی سے کہا کھولو اس نے کہا کون ہے،انہوں نے کہا یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں،کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے کہا ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۷؎ اس نے کہا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہاں ہاں ۸؎ جب کھولا تو ہم دنیا کے آسمان میں چڑھ گئے وہاں ایک صاحب بیٹھے تھے جن کے داہنے کچھ جماعتیں تھیں اور ان کے بائیں کچھ جماعتیں تھیں تو جب اپنے داہنے دیکھتے تو ہنستے تھے اور جب اپنے بائیں دیکھتے تو روتے تھے ۹؎ انہوں نے کہا نبی صالح فرزند صالح خوب آئے،میں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کون ہیں،انہوں نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ جماعتیں جو ان کے داہنے بائیں ہیں وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں،داہنے والے ان میں سے جنتی ہیں اور وہ جماعتیں جو ان کے بائیں طرف ہیں وہ دوزخی لوگ ہیں ۱۰؎ جب وہ

اپنے داہنے دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب اپنے بائیں دیکھتے ہیں تو روتے ہیں ۱۱؎ حتی کہ مجھے دوسرے آسمان تک لے گئے پھر اس کے خزانچی سے کہا کھولو ان سے خزانچی نے اس طرح کہا جو پہلے نے کہا،انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نے ذکر کیا کہ آپ نے آسمانوں میں حضرت آدم علیہ السلام،ادریس علیہ السلام،موسیٰ علیہ السلام،عیسیٰ علیہ السلام،ابراہیم علیہ السلام کو پایا یہ یاد نہ رہا کہ ان کے مقامات کیسے تھے ۱۲؎ بجز اس کے کہ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ انہوں نے پہلے آسمان سے آدم علیہ السلام کو اور چھٹے آسمان میں ابراہیم علیہ السلام کو پایا ۱۳؎ ابن شہاب نے کہا کہ مجھے ابن حزم نے خبر دی ۱۴؎ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوحیہ انصاری کہا کرتے تھے ۱۵؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے چڑھایا گیا حتی کہ میں ایک میدان میں پہنچا ۱۶؎ جس میں قلموں کی چرچراہٹ سنتا تھا ۱۷؎ اور ابن حزم اور انس نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالٰی نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں ۱۸؎ تو میں یہ لے کر واپس ہوا حتی کہ موسیٰ علیہ السلام پر گزرا ۱۹؎ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے ذریعہ آپ کی امت پر کیا فرض کیا میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کیں ۲۰؎ انہوں نے کہا کہ اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے کیونکہ آپ کی امت یہ طاقت نہیں رکھتی ۲۱؎ انہوں نے مجھے واپس کردیا رب نے آدھی نمازیں معاف کردیں میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا تو میں نے کہا کہ اس کی آدھی معاف فرمادیں ۲۲؎ انہوں نے کہا آپ اپنے رب کی طرف واپس جایئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی پھر میں واپس ہوا رب نے اس کی آدھی اور معاف فرمادیں ۲۳؎ میں پھر موسیٰ کی طرف لوٹا،انہوں نے کہا کہ رب کی طرف لوٹ جایئے کیونکہ آپ کی امت یہ طاقت

	نہیں رکھتی پھر میں واپس گیا تو رب نے فرمایا کہ نمازیں پانچ ہیں وہ حقیقت میں پچاس ہیں ہمارے ہاں فیصلہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی۲۴ میں پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا انہوں نے کہا کہ اپنے رب کی طرف واپس جایئے میں نے کہا کہ میں اپنے رب سے شرم کرتاہوں ۲۵ پھر مجھے لے گئے حتی کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا ۲۶ اور اس پر مختلف رنگ چھا گئے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھے ۲۷ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتی کی عمارتیں تھیں ۲۸ اور اس کی مٹی مشک تھی ۲۹ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام ابوبکر محمد ابن عبداللہ ابن شہاب ہے،زہری قبیلہ سے ہیں جو زہرہ ابن کلاب کی طرف منسوب ہے،آپ کو زہری کہا جاتا ہے،تابعی ہیں،بڑے فقیہ محدث ہیں،مدینہ منورہ میں قیام رہا،ماہ رمضان ۱۲۴ھ ایک سوچوبیس میں وفات ہوئی۔(اکمال) آپ اپنی کنیت یعنی ابن شہاب میں مشہور ہیں۔

۲؎ میرے گھر سے مراد میرے قیام کا گھر ہے ورنہ اس گھر کی مالکہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب تھیں حضور ان کے گھر سورہے تھے،ملائکہ یہاں سے جگا کر حضور کو حطیم کعبہ میں لائے ابھی تک آپ پر اونگھ طاری تھی پھر یہاں غسل وغیرہ دیا لہذا تمام حدیثیں درست ہیں ان میں تعارض نہیں۔ابتداء معراج جناب ام ہانی کے مکان سے ہوئی ہے اور ابتداء عروج بیت المقدس سے جناب ام ہانی کا گھر محلّہ شعب ابی طالب میں تھا،اب وہ جگہ حرم شریف میں داخل ہوگئی اس کے مقابل ایک دروازہ ہے جسے باب ام ہانی کہا جاتا ہے

۳؎ دنیاوی دولہا کے جسم کو غسل دیا جاتا ہے حضور انور ایسے انوکھے دولہا ہیں کہ آپ کے دل کو بھی غسل دیا گیا۔آبِ زمزم دوسرے پانیوں سے افضل ہے کہ حضرت اسماعیل کے قدم سے جاری ہوا ہے اس لیے یہ پانی اس غسل کے لیے منتخب ہوا۔

۴؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ یہ سونا جنت کا تھا ایمان و حکمت خاص خزانہ ربانی میں سے کیونکہ جنت میں پانی دودھ وغیرہ کے چشمے ہیں،پھل فروٹ کے باغات ہیں مگر وہاں ایمان و حکمت یا چشمہ یا باغ نہیں،یہ ایمان و حکمت کا چشمہ علاوہ اس ایمان و حکمت کے ہے جو اول سے ہی حضور انور کو عطا فرمایا گیا تھا آج اس میں اور اضافہ کیا گیا،یہ دونوں چیزیں رب کے ہاں مستقل صورت و حیثیت رکھتی ہیں

۵؎ یعنی یہ ایمان و حکمت انڈیل کر میرا سینہ بھر دیا پھر اسے سی دیا۔

۶؎ یہاں نہ تو براق کا ذکر ہے نہ مسجد اقصیٰ کی نماز کا۔اس بنا پر بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ معراج خواب کی ہے جسمانی معراج میں براق تھا فرشتوں کی برات بھی بیت المقدس کی نماز بھی۔جو حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں بھی

جسمانی معراج مراد ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں اجمال ہے وہاں تفصیل تھی یہاں ان دو تین چیزوں کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۷؎ اس سوال کی وجہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ آج حضرت جبریل اس دروازے پر دستک دے رہے ہیں جو صرف حضور انور کی معراج کے لیے مخصوص تھا اس کے سواء کسی کے لیے اس کا کھلنا ناممکن تھا،پوچھا اے جبرئیل یہ دروازہ تمہارا تو ہے نہیں تم یہاں کیوں آئے ہو کیا کسی کو لائے ہوان کی خاطر تم بھی یہاں آئے،انہوں نے فرمایا ہاں انہیں کو لایا ہوں جن کے لیے یہ دروازہ کھلنا ہے۔

۸؎ یہ سوال انتہائی خوشی کی بنا پر ہے کہ کیا آج معراج کی رات ہے حضور بہ حیثیت مہمان بلائے گئے ہیں،فرمایا ہاں یہ وہی رات ہے۔

۹؎ واقعہ وہ ہی ہے جو پہلے بیان ہوچکا یعنی پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات،یہاں کچھ تفصیل ہوگئی ہے کہ جناب آدم علیہ السلام کو اس طرح پایا۔

۱۰؎ یہ مؤمنین اور کفار وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے آئندہ تاقیامت پیدا ہونے والے ہیں وہ آپ کے اردگرد اس طرح جمع ہیں کیونکہ جو مؤمنین اور کفار پیدا ہوکر مرچکے وہ اس آسمان پر کیسے آسکتے ہیں۔مؤمنین کی روحیں اعلیٰ علیین میں پہنچیں کفار کی روحیں سجین میں ان کا اجتماع کیسا۔(مرقات)یا یوں کہو کہ یہ وہ ہی مؤمنین و کفار ہیں جو مرچکے ہیں،وہ لوگ کبھی کبھار اپنے مقامات سے بلا کر یہاں اس طرح آدم علیہ السلام کو دکھائے جاتے ہیں،حضور انور جب وہاں پہنچے تو یہ ہی وقت تھا ان کی پیشی کا حضور انور نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔اس واقعہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام تا قیامت ہر سعید و شقی سے خبردار ہیں کہ کون ایمان پر مرے گا اور کون کفر پر،یہ ہی بات علوم خمسہ سے ہے۔دوسرے یہ کہ ان سعید و شقی لوگوں کو حضور انور نے بھی معراج کی رات دیکھا ہےاور سب کو پہچانتے ہیں،حضور ہر ایک کے انجام سے خبردار ہیں۔

بلکہ قبل از زادن تو سالہا　　　　ہم چنیں بینند چندیں حالہا

۱۱؎ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ ہنسنا رونا محبت پدری کی بنا پر تھا۔باپ اپنی اولاد کو اچھے حال میں دیکھے تو خوش ہوتا ہے اور تکلیف میں دیکھے تو غمگیں ہوتا ہے یہ ہی حالت آپ کی اس وقت تھی کہ دوزخیوں کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے کہ یہ میری اولاد کافر رہی دوزخ میں جائے گی،جنتیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے کہ یہ میرے بچے خوش نصیب ہیں جنت میں جائیں گے۔

۱۲؎ یعنی حضور انور نے ان تمام رسولوں کے مقامات بالتفصیل بیان فرمائے تھے مگر تفصیل یاد نہ رہی یہ یادنہ رہنا حدیث کو ضعیف نہیں کردیتا کیونکہ جو انہیں یاد نہ رہا اس کی روایت ہی نہیں کی جویاد نہ رہنا حدیث کو ضعیف کرتا ہے۔جب غلط بات حضور انور کی طرف غلطی سے نسبت کردےاسے سوء حفظ کہتے ہیں وہ یہاں موجود نہیں لہذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

۱۳؎ پچھلی حدیث میں گزرا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضور انور نے ساتویں آسمان میں پایا وہ ہی قوی ہے کیونکہ وہاں تفصیل موجود ہے کہ بیت المعمور سے پشت لگائے ہوئے پایا اور اگر یہ متعدد معراج کے واقعات ہیں تب تو

کوئی دشواری ہی نہیں کہ ایک معراج میں حضور نے جناب ابراہیم کو چھٹے آسمان پر پایا دوسری معراج میں ساتویں آسمان پر پایا۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں آسمانوں پر حضور انور کا استقبال کیاچھٹے پر بھی اور ساتویں پر بھی تب حدیث واضح ہے۔

۱۴؎ابن شہاب یعنی امام زہری کے حالات تو ہم بیان کرچکے۔ابن حزم کا نام محمد ابن عمروابن حزم ہے،ان کے والد صحابی ہیں، انصاری ہیں،محمد ابن عمرو ابن حزم ۱۰ھ ہجری میں نجران میں پیدا ہوئے جب کہ ان کے والد حضور انور کی طرف سے نجران کے حاکم تھے،آپ جنگ حرہ میں شہید ہوئے،ترپن سال عمر پائی، ۶۳ھ میں واقعہ حرہ میں شہید ہوئے۔(مرقات و اکمال)

۱۵؎ابوحیہ کا نام عامر یا مالک یا ثابت ابن نعمان انصاری ہے،صحابی ہیں،بدری ہیں،غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

۱۶؎ مستوی ہر میدان کو نہیں کہتے بلکہ بلند اور اعلیٰ میدان کو کہتے ہیں۔

۱۷؎وہ قلم جس نے لوح محفوظ پر سب کچھ لکھا اور لکھ کر خشک ہوچکا وہ اور قلم ہے جس کے متعلق ارشاد ہے **اول ماخلق اللہ القلم**۔یہاں وہ قلم مراد نہیں جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں وہ فرشتے ان قلموں سے روزانہ کے احکام الٰہیہ لکھتے ہیں اور لوح محفوظ سے ایک سال کے واقعات الگ الگ صحیفوں میں نقل کرتے ہیں یہ صحیفے متعلقہ حکام فرشتوں کو پندرھویں شعبان کی شب میں حوالہ کردیئے جاتے ہیں،رب فرماتاہے:"**فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ**"۔ ان قلموں کی درازی رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔دیسی قلم جب کاغذ پر چلتا ہے تو اس سے چرچراہٹ پیدا ہوتی ہے،حضور انور اس قدر ان سے قریب ہوئے کہ قلموں کی چرچراہٹ سن لی یقیناً تحریر بھی دیکھ لی قدرت کی تحریر حضور کے علم میں ہیں ۔

قدرت کی تحریریں جانےامی اور تقریریں جانے بخشش کی تدبیریں جانے وہ ہے رحمت والا

جن کا نام ہے محمد ان سے دوجگ ہے اوجیالا

۱۸؎ اگرچہ یہ پچاس نمازیں حضور انور پر بھی فرض کی گئیں تھیں مگر امت پر فرض تھیں پڑھنے کے لیے حضور پر فرض تھیں پڑھانے اور سکھانے کے لیے اس لیے امت کا ذکر فرمایا۔

۱۹؎ اسی ترتیب سے جس ترتیب سے جاتے ہوئے گزرے تھےہر آسمان پر انہیں پیغمبر سے ملاقات ہوئی جن سے جاتے ہوئے ملاقات ہوئی تھی۔

۲۰؎خیال رہے کہ اسلام کے تمام فرائض فرش پر ہی بھیجے صرف نمازیں معراج میں عرش پر فرض کی گئیں اس لیے حضور انور نے صرف نمازوں کا ذکر فرمایا اور کسی فرض کا ذکر نہیں کیا۔

۲۱؎ امت کہہ کر یہ بتایا کہ حضور ان نمازوں پر آپ اور آپ کے خاص غلام تو طاقت رکھتے مگر عام امت والے اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

۲۲؎ یہاں اجمال ہے یعنی چند بار حاضریوں میں آدھی نمازیں معاف فرمادیں یعنی پانچ بار حاضری میں پچیس نمازیں کم فرمادیں اور پچیس نمازیں باقی رکھیں۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں شطر بمعنی آدھا نہیں بلکہ بمعنی ایک حصہ ہے یعنی رب

نے اس ایک حاضری میں پچاس نمازوں کا ایک حصہ یعنی پانچ نمازیں معاف فرمادیں اس صورت میں مطلب بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۲۳؎ یہاں شطر بمعنی ایک حصہ ہے نہ کہ بمعنی آدھا جیساکہ ظاہر ہے کیونکہ اگر پچاس کا دوسرا آدھا حصہ بھی معاف ہوجاتا تو کوئی نماز فرض نہ رہتی۔

۲۴؎ نسخ کی حقیقت یہ ہی ہے کہ اس میں حکم کی تبدیلی نہیں بلکہ اس حکم کی مدت کی انتہاء کا بیان ہوتا ہے یعنی پچاس نمازوں کا حکم آپ کی اس آمدورفت تک تھا اب پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ان پر ثواب پچاس ہی کا ہوگا پڑھنے میں پانچ ثواب میں پچاس۔

۲۵؎ حضور کا یہ شرم فرمانا اس لیے تھا کہ اب حضور کا جانا طے شدہ پروگرام کے خلاف ہوتا پہلی تمام آمدورفتیں پروگرام کے مطابق تھیں۔واللہ ورسولہ اعلم !

۲۶؎ غالبًا سدرۃ المنتہٰی کی یہ دوسری سیر ہے واپس آتے ہوئے کیونکہ نمازوں کی فرضیت تو عرش سے اوپر جاکر ہوئی سدرہ اس سے کہیں نیچے ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہوئے ان تمام مقامات سے دیکھتے ہوئے گزر گئے واپسی میں پھر ان تمام پر تشریف لائے سیر فرمائی جیسے حاجی عرفات جاتے ہوئے مزدلفہ سے گزر جاتے ہیں پھر عرفات سے آتے ہوئے مزدلفہ میں ایک رات قیام کرتے ہیں۔

۲۷؎ یعنی اس بار سدرہ پر ایسے رنگ برنگے انوار چھا گئے کہ ان کی حقیقت رب تعالٰی ہی جانتا ہے ان کا حسن بیان میں نہیں آسکتا۔یہ انوار حضور انور کے استقبال کے لیے تھے جیسے معزز مہمان کی تشریف آوری پر دن کو شہر،کوٹھی سجائی جاتی ہے،رات کو سارے ہی چراغ،غبارے،آتشبازی سے رونق کی جاتی ہے یہ ساری سج دھج حضور کے دم قدم سے تھی۔مرقات نے فرمایا کہ اس وقت حضور کو ان انوار کی خبر نہ ہوئی کیونکہ اس وقت حضور کی توجہ خالق کی طرف تھی جیسے دولہا برات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کی نگاہ اصلی مقصود پر ہے۔

۲۸؎ جنابذ جمع ہے جنبذہ کی بمعنی اونچی عمارت۔جنت میں ایک ایک موتی کا ایک ایک وسیع محل ہے اگر وہ ایک موتی دنیا میں آجائے تو سورج کی روشنی خیرہ ہو جائے اور اس کی قیمت ساری دنیا کے خزانے نہ ہوسکیں۔

۲۹؎ یہ سمجھانے کے لیے ہے ورنہ دنیا کے مشک کو اس خوشبو سے کیا تعلق،اس مٹی کی خوشبو پانچ سو سال کی راہ سے محفوظ ہوتی ہے بھلا مشک میں یہ بات کہاں،ہاں مشک کی خوشبو اس مٹی کی خوشبو کی حکایت ہے دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ سے ۱؎ فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ کو سدرۃ المنتہٰی لے جایا گیا یہ چھٹے آسمان میں ہے ۲؎ جو چیزیں زمین سے اوپر اٹھائی جاتی ہیں وہ وہاں تک ہی پہنچتی ہیں پھر وہاں سے لے لی جاتی ہیں اور جو چیزیں اوپر سے اتاری جاتی ہیں وہ وہاں تک ہی پہنچتی ہیں پھر وہاں سے لے لی جاتی

ہیں۳؎ فرمایا کہ اچانک سدرہ پر چھاگئی جو چھاگئی فرمایا وہ سونے کے پتنگے تھے۴؎ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو تین چیزیں دی گئیں آپ کو پانچ نمازیں دی گئیں اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں۵؎ اور آپ کی امت میں سے جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں ان کے گناہ بخشے گئے ۶؎(مسلم)	

۱؎ حدیث اور فقہ میں جب عبداللہ بغیر قید آتا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود مراد ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان میں ہے جیساکہ مالک ابن صعصعہ کی روایت میں ابھی کچھ پہلے گزرا مگر ان دونوں روایتوں میں مخالفت نہیں اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے شاخیں ساتویں آسمان میں،یہاں جڑ کا ذکر ہے وہاں شاخوں کا تذکرہ تھا اس کی شاخوں کا سایہ تمام آسمانوں اور جنت میں ہے۔(مرقات)یہ ہی بات بہت قوی ہے۔

۳؎ جیسے دو ملکوں کی ڈاک کا تبادلہ باڈر یعنی سرحد پر ہوتا ہے اگرچہ دونوں ملکوں کا بادشاہ ایک ہی ہو۔سدرہ سے آگے ہمارے حضور کے سواء کوئی نہیں گیابلکہ حضور تو اس جگہ گئے جہاں جگہ بھی نہیں وہاں نہ جہاں ہے نہ یہاں نہ وہاں۔

برداشت از طبیعت امکاں قدم کہ آں　　　اسریٰ بعبدہ است من المسجد الحرام

تاعرصۂ وجوب کہ اقصاء عالم است　　　کانجانہ جاست ونے جہت ونے شان و نام

۴؎ یعنی سدرۃ المنتہیٰ کے بیان میں جو آیت کریمہ "اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی"وارد ہے اس کی تفسیر حضور انور نے پتنگوں سے کی۔پتنگے یا تو فرشتے ہیں یاارواح انبیاء جو پتنگوں کی طرح محسوس ہوتی ہیں۔خیال رہے کہ اس بیری کے ہر پتہ پر فرشتوں کی فوجیں ہیں،بزرگوں کی روحیں اور سبز رنگ کے غیبی پرندے اور رنگ برنگے انوار لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں کہیں کسی چیز کا ذکر ہے کہیں کسی اور چیز کا۔اس سے پہلے گزرا کہ حضور نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ وہاں کیا چیزیں ہیں وہاں حضور انور کے علم کی نفی مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تمہیں وہ چیزیں کیسے بتاؤں سمجھاؤں وہ بیان میں نہیں آسکتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔میں ان کے بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں پاتا،یوں ہی رب کا فرمانا:"اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی"اس کا مطلب یہ نہیں کہ رب کو بھی خبر نہیں کہ سدرہ پر کون سی چیز چھا گئی تھی مطلب یہ ہی ہے کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا جیسے رب فرماتاہے: "فَغَشِیَہُمۡ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَہُمۡ"بہرحال اس قسم کے فرمان کا منشا بے خبری نہیں۔(مرقات)

۵؎ یا تو سورۂ بقرہ کی آخری آیات معراج کی رات بھی حضور کو عطا کی گئیں اور بعد ہجرت بھی نازل کی گئیں،پہلی عطا بغیر واسطہ فرشتہ ہوئی اور دوبارہ نزول بواسطہ فرشتہ ہوا،یا یہ مطلب ہے کہ ان دعاؤں کی قبولیت وہاں عطا کی گئی جو ان آیات میں تعلیم کی گئی ہے حضور سے وعدہ کرلیا گیا کہ جو بھی یہ دعائیں ہم سے مانگے گا ہم اسے عطا کریں گے،یا مطلب یہ ہے کہ ان آیات کے فیوض ان کے انوار ان کی برکتیں جو شمار سے باہر ہیں حضور کو اس رات

عطا کی گئیں۔(مرقات،اشعہ)ہوسکتا ہے کہ یہ تمام چیزیں مراد ہوں ان آیات کے الفاظ،قبولیت،انوار برکات سب کچھ اس رات حضور کو عطا ہوئیں،یہ آیات "اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ" سے لے کر "فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ" تک ہیں۔

۶؎ شرک باللہ سے مراد مطلقًا کفر ہے یعنی کفر تو نہیں بخشا جاوے گا اس کے علاوہ سارے گناہ قابل بخشش ہیں،ہاں حقوق العباد خود حق والوں سے معاف کرائے جاویں گے جن کی تین نوعیتیں ہوں گی۔قرآن کریم میں قریبًا ہر جگہ شرک بمعنی کفر آتا ہے "لَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا"۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے کو حطیم میں دیکھا ۱؎ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق سوالات کررہے تھے تو انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی ایسی چیزوں کے متعلق سوالات کیے جو مجھے یاد نہ رہی تھیں ۲؎ تو میں اتنا غمگیں ہوا جتنا کبھی نہ ہوا تھا ۳؎ تو اللہ نے میرے سامنے اسے کردیا میں اسے دیکھ رہا تھا وہ کسی چیز کے متعلق مجھ سے نہ پوچھتے تھے مگر میں انہیں بتادیتا تھا ۴؎ اور میں نے اپنے کو نبیوں کی جماعت میں دیکھا ۵؎ تو موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے وہ درمیانہ قد گھونگریلے بال والے ہیں گویا وہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں ۶؎ اور عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ۷؎ ان سے قریبًا ہم شکل عروہ ابن مسعود ثقفی ہیں ۸؎ اورا براہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ۹؎ سب میں زیادہ ان کے مشابہ تمہارے صاحب یعنی میں ہوں ۱۰؎ پھر نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے انکی امامت کی ۱۱؎ پھر جب نماز سے میں فارغ ہوگیا تو مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا اے محمد یہ آگ کے خزانچی مالک ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے ان کی طرف توجہ کی تو انہوں نے مجھے سلام کرنے سے ابتداء کی ۱۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی معراج کے سویرے کو جب ہم نے اپنی معراج کا اعلان کیا ہم حطیم کعبہ میں تھے کہ مشرکین مکہ نے ہم سے سوالات شروع کیے سوالات بھی لایعنی۔

۲؎ مثلاً یہ کہ بیت المقدس میں ستون کتنے ہیں،سیڑھیاں کتنی ہیں،منبر کس طرف ہےاور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں تو بار بار دیکھنے پر بھی یاد نہیں رہتیں تو ایک بار دیکھنے پر یاد کیسے رہتیں۔کفار نے کہا کہ عرش و کرسی کی باتیں جو آپ بیان کررہے ہیں ان کی تو ہم کو خبر نہیں بیت المقدس ہم نے دیکھا ہوا ہے وہاں کی نشانیاں آپ ہم کو بتائیں اسی لیے رب نے اس معراج کے دو حصے کئے:بیت المقدس تک،پھر وہاں سے عرش کے آگے تک تاکہ لوگ اس حصہ معراج کو بہت دلائل سے معلوم کرلیں۔

۳؎ یہ غم اپنے متعلق نہ تھا بلکہ کفار کے متعلق تھا کہ اگر میں نے بیت المقدس کی نشانیاں بیان نہ کیں تو یہ میری معراج نہ مانیں گے اور کافر رہیں گے یہ غم بھی عبادت ہے۔

۴؎ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام پر کبھی تو بسط کی حالت طاری ہوتی ہے تو وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو دیکھتے اس کی خبر رکھتے ہیں اور کبھی قبض کی حالت ہوتی ہے جب اپنے سے بھی بے خبر ہوتے ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں رایت مشارق الارض ومغاربھا اس وقت قبض تھا جب بیت المقدس سامنے آگیا تو یہ وقت بسط کا تھا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینیم گہے برپشت پائے خود نہ بینیم

۵؎ یعنی ہم معراج میں دوران سفر انبیاءکرام کی قبروں پر گزرے تو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔حضور انور نے معراج میں چار بار انہیں کو دیکھا اولًا گزرتے ہوئے ان کی قبروں میں انہیں دیکھا،پھر بیت المقدس میں جہاں سب نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی،پھرآسمانوں میں اپنے مقامات پر،پھر واپسی معراج میں اپنے مقامات پر یہاں پہلی ملاقات کا ذکر ہے۔معلوم ہواکہ انبیاءکرام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں وہ زندہ ہیں مگر یہ نماز تکلیفی نہیں لذت و فرحت کی ہے۔

۶؎ شنوءہ یمن کا مشہور قبیلہ ہے،وہ لوگ بڑے خوبصورت ہوتے ہیں،فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے کا شوق ہو تو ان لوگوں کو دیکھ لو۔

۷؎ غالبًا آپ آسمانوں میں اپنے مقام پر نماز پڑھتے ہوئے حضور کو ملے۔

۸؎ عروہ ابن مسعود ثقفی اور ہیں اور عروہ ابن مسعود ہزلی دوسرے ہیں،یہ عبداللہ ابن مسعود کے بھائی ہیں اور ثقفی دوسرے ہیں،صحابی ہیں،نہایت حسین تھے۔

۹؎ ہوسکتا ہے کہ یصلی میں صلوۃ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف ہو یعنی میں نے انہیں اس طرح پایا کہ وہ مجھ پر درود شریف پڑھ رہے تھے۔

۱۰؎ یعنی اگر تم کو شوق ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھو تو مجھے دیکھ لو میں ان کی ہم شکل ہوں۔

۱۱؎ یعنی بیت المقدس میں سارے نبیوں نے میری اقتداء میں نماز پڑھی ہم نے سب کی امامت فرمائی اور ہوسکتا ہے کہ بیت المعمور والی نماز کی امامت مراد ہوجہاں حضور نے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔خیال رہے کہ حضور کو نماز تو عرش پر پہنچ کر ملی مگر اس سے پہلے ہی نبیوں فرشتوں کو نماز پڑھائی۔معلوم ہوا کہ امت کے لیے نماز عرش پر ملی حضور کو پہلے ہی مل چکی تھی۔

۱۲؎ اس آخری جملہ سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ نماز وہ ہے جو حضور انور نے بیت المعمور میں فرشتوں اور نبیوں کو پڑھائی کیونکہ یہاں ارشاد ہے کہ نماز سے فارغ ہوتے ہی داروغہ دوزخ مالک سے ملاقات ہوئی۔خیال رہے کہ ان تمام حضرات نے آج حضور کے پیچھے محمدی نماز پڑھی تھی انبیاءکرام نے اپنی اپنی نمازیں نہیں پڑھی تھیں۔سارے انبیاءکرام اور فرشتے حضور کے امتی ہیں یعنی قانونی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک کو سلام فرماتے کیونکہ آنے والا سلام کیا کرتا ہے مگر خازن دوزخ نے حضور انور کا احترام کرتے ہوئے پہلے ہی سلام عرض کیا۔

	اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا ۱؎ تو میں حطیم میں کھڑا ہوگیا اللہ نے مجھ پر بیت المقدس ظاہر فرمادیا تو میں انہیں وہاں کی خبر دینے لگا حالانکہ میں اسے دیکھ رہا تھا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ قریش کو یقین تھا کہ حضور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی نشانیاں نہیں بتاسکیں گے ہم کو وہ نشانیاں معلوم ہیں تو ہم کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ آپ بیت المقدس گئے ہی نہیں جیسے آپ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ آپ آج رات بیت المقدس گئے تھے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ آپ آسمانوں پر گئے تھے۔کذبنی کے یہ ہی معنی ہیں یعنی انہوں نے مجھے جھوٹا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔

۲؎ ہم اس کے متعلق ابھی کچھ پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ساری دنیا حضور انور کے سامنے فرمادی ہے مگر اس کشف کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے،کبھی خِفا جسے صوفیاء کی اصطلاح میں قبض وبسط کہتے ہیں۔جب رب تعالٰی کی طرف سے بسط کا فیض ہوا تو یہ حال ہوگیا کہ کفار وہاں کے نشانات پوچھتے تھے اور حضور انور دیکھ دیکھ کر بتاتے تھے،قبض و بسط کی مثال ایسی ہے جیسے کھیت میں بارش کی تری اور دھوپ کی خشکی،بسط بارش ہے قبض دھوپ،کھیت کے لیے نہ ہمیشہ بارش مفید ہے نہ ہمیشہ خشکی فائدہ مند دونوں ہی چاہئیں۔

باب فی المعجزات

معجزات کا بیان [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] **معجزات** جمع ہے **معجزہ** کی،یہ بناہے **اعجاز** سے بمعنی عاجز کرنا،وہ کام جس کے مقابلہ سے بلکہ اس کی سمجھ سے خلق عاجز ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں معجزہ ہر وہ عجیب و غریب خلاف عادت کام ہے جو دعویٰ نبوت کرنے والے کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔دعویٰ نبوت سے پہلے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوا اسے کہتے ہیں ارہاص،بمعنی عمارت کومضبوط وپختہ بنانا بنیادمستحکم رکھنا،اس کے ذریعے نبوت کی دیوار کی پختگی کی جاتی ہے۔اولیاء اللہ کے ہاتھ پر جو عجیب بات ظاہر ہو اسے کہتے ہیں کرامت۔عام مؤمنین کے ہاتھ پر اگر کبھی کوئی عجیب بات ظاہر ہو وہ ہے معونت اور کفار کے ہاتھ سے جو عجوبہ ظاہر ہو وہ ہے استدراج۔یہ پانچ قسمیں یاد رکھو:معجزہ،ارہاص،کرامت،معونت،استدراج۔ گذشتہ انبیاءکرام کو ایک یا دو معجزے عطا ہوئے تھے حضور انور کو ہزارہا معجزے عطا ہوئے،کسی نبی کے ہاتھ میں معجزہ تھا،کسی کے سانس میں،کسی کی آنکھ میں مگر حضور کی شان یہ ہے کہ

دیئے معجزے انبیاءکو خدانے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

نیز سارے نبیوں کے معجزے قصے بن گئے،ہمارے حضور کے بہت سے معجزے تاقیامت دیکھنے میں آئیں گے ذکر کثیر،محبوبیت قرآن مجید،پتھروں،جانوروں پر حضور کا نام کندہ ملنا وغیرہ یہ زندہ جاوید معجزات ہیں۔حضور کے اولیاء اللہ ان کی کرامت حضور کے زندہ معجزے ہیں،مشکوۃ شریف میں چند خصوصی معجزے بیان ہوئے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا[1] کہ میں نے اپنے سروں کے اوپر مشرکین کے قدم دیکھے جب کہ ہم غار میں تھے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر ان میں سے ایک اپنے قدموں کی طرف دیکھے توہم کو دیکھ لے[2] فرمایا اے ابوبکر تمہیں ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے[3] (مسلم، بخاری)	

[1] حضرت ابوبکر کا لقب صدیق ہے۔صادق وہ جو زبان کا سچا ہو،صدیق وہ ہے جونیت،ارادہ،زبان،ہاتھ پاؤں غرض کہ سارے ظاہر باطن اعضاء کاسچاہو۔صادق وہ کہ جیسا واقعہ ہو ویسا کہے اور صدیق وہ کہ جیسا وہ کہہ دے واقعہ ایسا ہی ہوجاوے اسی لیے شاہی ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کہاجب کہ اس نے دیکھا کہ جوآپ نے کہا تھا وہ ہی

ہوا،عرض کیا"یُوۡسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیۡقُ"۔حضرت صدیق اکبر نے مالک بن سنان کے متعلق جو کہا تھا وہ ہی ہوا کہ وہ شہید ہونے کے بعد زندہ ہو کر آئے،ان شاء اللہ یہ واقعہ باب الکرامات میں عرض ہوگا۔

۲؎جب ہجرت کی شب حضور انور کو لے کر صدیق اکبر غار ثور میں بیٹھے تب مشرکین عرب اس غار کے دروازے پر پہنچ گئے تب آپ نے نہایت خوف کی حالت میں یہ کہا،جناب صدیق اکبر کو اس وقت اپنی جان کا خوف نہیں تھا اپنی جان تو آپ پہلے ہی فدا کرچکے تھے کہ اکیلے اندھیرے غار میں گھس گئے سانپ سے کٹوالیا،خوف حضور انور کی تکلیف کا تھا،یہ خوف بہترین عبادت تھا جس پر ساری عبادات قربان ہوں۔

۳؎حضرت صدیق اکبر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو رب تعالٰی کو ایسی پسند آئی کہ اسے قرآن کریم میں بایں الفاظ نقل فرمایا"اِذۡ ھُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصٰحِبِہٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"۔اس واقعہ میں حضرت صدیق اکبر کے چند فضائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ انہیں حضور کا ثانی اثنین،پھر انہیں تیسرا کون کرے حضور کے بعد درجہ اس ثانی کا ہے۔دوسرے یہ کہ انہیں حضور کا صحابی فرمایا گیا لِصٰحِبِہٖ ان کی صحابیت قطعی یقینی ہے۔تیسرے یہ کہ انہیں یار غار یعنی حضور کا گہرا دوست غار کا ساتھی کہا گیا آج بھی کہتے ہیں فلاں میرا یار غار ہے۔چوتھے یہ کہ حضور انور نے فرمایا:"اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی جیسے اپنے حبیب کے ساتھ ہے ویسے ہی جناب صدیق کے ساتھ بھی ہے یعنی جو ان دونوں کے دامن سے الگ ہو اللہ اس کے ساتھ نہیں۔خیال رہے کہ اللہ ثالثھما کہنا عین ایمان ہے اور ان اللہ ثالث ثلثة کہنا عین کفر ہے یعنی خدا کو نسبت کرو ناقص عدد کی طرف نہ کہ برابر عدد کی طرف جیسے وھو رابعھم اور وھو ثالثھم رب کو قرآن میں فرمایا گیا ہے۔(مرقات)یہ واقعہ اس لیے معجزہ بنا کہ حضور کی خبر کے مطابق کفار ان دونوں حضرات کو نقصان نہ پہنچاسکے،مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈے کے ذریعہ رب نے ان دونوں جانوں کو کفار سے بچالیا۔(مرقات)پھر حضرت صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب کچھ کہتے رہے مگر ان کی آواز کفار نے نہیں سنی اور کفار کی آوازیں غار میں جناب صدیق سنتے رہے یہ بھی معجزہ ہے۔

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے وہ اپنے والد سے راوی انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو بکر مجھے بتاؤ کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے تو تم نے کیا کیا تھا ا؎فرمایا ہم اپنی رات چلتے رہے اور کل بھی حتی کہ دوپہری کا ٹھہرنے والا ٹھہر گیا ۲؎اور راستہ خالی ہوگیا کہ اس میں کوئی نہیں گزرتا تھا تو ہم کو ایک لمبا پتھر ظاہر ہوا جس کا سایہ تھااس پر دھوپ نہیں آئی تھی ہم اس کے پاس اتر گئے ۳؎اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک	

جگہ اپنے ہاتھ سے ہموار کردی جس پر حضور سوئیں اور اس پر پوستین بچھادی ۴؎ اور میں نے عرض کیا یارسول اللہ سو جایئے میں آپ کے ارد گرد پہرہ دوں گا ۵؎ چنانچہ آپ سو گئے اور اور میں آپ کے ارد گرد پہرہ دینے لگا ۶؎ تو میں نے ایک چرواہا سامنے سے آتا دیکھا میں نے کہا کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے وہ بولا ہاں میں نے کہا کیا دودھ دے گا بولا ہاں ۷؎ تو اس نے ایک بکری پکڑی ایک پیالہ میں تھوڑا سا دودھ دوہا ۸؎ میرے ساتھ برتن تھا جو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لایا تھا جس میں آپ سیراب ہوتے تھے پیتے تھے اور وضو کرتے تھے تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے آپ کو جگانا پسند نہیں کیا تو میں نے انتظار کیا حتی کہ آپ بیدار ہوگئے ۹؎ پھر میں نے دودھ پر پانی ڈالا حتی کہ اس کا تلہ بھی ٹھنڈا ہوگیا ۱۰؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ حضور پئیں آپ نے پیا حتی کہ میں راضی ہوگیا ۱۱؎ پھر فرمایا کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا میں نے عرض کیا ہاں فرمایا پھر ہم سورج ڈھلنے کے بعد چلے ۱۲؎ اور سراقہ ابن مالک ہمارے پیچھے پہنچ گئے ۱۳؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آن لیے گئے ۱۴؎ فرمایا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے ۱۵؎ پھر انکے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو ان کا گھوڑا ان کے ساتھ پیٹ تک دھنس گیا سخت زمین میں ۱۶؎ سراقہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ دونوں صاحبوں نے مجھ پر بددعا کی ہے ۱۷؎ میں آپ دونوں کو اللہ کا ضمان دیتا ہوں کہ میں تم دونوں سے تلاش کرنے والوں کو دور کردوں گا ۱۸؎ چنانچہ ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی وہ چھوٹ گئے ۱۹؎ پھر وہ یہ کرنے لگے کہ کسی سے نہیں ملتے تھے مگر کہتے تھے تم کفایت کیے گئے ادھر وہ نہیں ہیں کسی سے نہ ملتے مگر اسے واپس کردیتے ۲۰؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ چونکہ ہجرت کی رات صرف جناب صدیق ہی حضور انور کے ساتھ تھے اس لیے لوگ یہ واقعہ انہیں سرکار سے پوچھا کرتے تھے اور جناب صدیق کی یہ خدمت ایسی مقبول ہوئی کہ **سبحان اللہ**!جب جناب صدیق حضور کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھے ہوں گے اور خوب جی بھر بھر کر چہرہ انور کو دیکھتے ہوں گے اس وقت ان کے دل کا کیا حال ہوگا،وہ اس رات ایسی عبادات کررہے تھے جو فرش وعرش پر کوئی نہ کررہا تھا،ان کا زانو حضور کی رحل بنی تھی سامنے جمال یار تھا۔

۲؎ یعنی سورج بیچ آسمان میں آگیا ہمارے سروں پر ٹھہرگیا،اہل عرب دوپہری کے وقت کو کہتے ہیں کہ سورج بیچ آسمان پر ٹھہر گیا کیونکہ اس وقت سورج کی رفتار بہت کم محسوس ہوتی ہے گویا وہ ٹھہرا ہوا ہے یہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے۔

۳؎ یعنی ہم کو پہاڑ کے دامن میں ایک چوڑا پتھر نظر پڑاجس کے نیچے سایہ تھا وہاں دھوپ نہ پہنچ سکی تھی میں مع اپنے محبوب کے اس سایہ میں اتر گئے۔

۴؎ جناب صدیق اکبر اس سفر میں پانی کا ایک مشکیزہ،ایک کھال کچھ پیسے اپنے ہمراہ لائے تھےوہ بھی حضور کے لیے اور اپنے لیے حضور کو لائے تھے سارا مال و متاع مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور جسم کی چادر پھاڑ پھاڑ کر غار ثور کے حوالہ کر آئے تھے آپ کا جسم بے چادر تھا۔

عشق نے کیتا حال فقیراں کپڑے کرکے لیراں لیراں　　بند چاکیتا غار نبی دا اوہ وس دا

۵؎ یعنی حضور بے فکر سوجائیں ہر چہار طرف پہرہ میں دیتا رہوں گا کسی کو آپ تک نہ پہنچنے دوں گا،رات بھر تو جانوروں کو حضور سے دور رکھ چکا ہوں اب دشمن انسانوں کو حضور سے دور رکھوں گا،اب بھی صدیق حضور انور کے پاس قبر میں سورہے ہیں پہرا دے رہے ہیں کہ کسی نااہل کو اس سرکار تک نہیں پہنچنے دیتے۔ہر چاہنے والے فقیر و بے نوا کو حضور تک آپ ہی پہنچاتے ہیں،یہ پہرا تاقیامت قائم ہے،اس گنہگار نے خواب میں اس کا نظارہ کیا۔**انفض** بنا ہے **نفض** سے بمعنی ہر چہار طرف نظر رکھنا،ہر ایک کا حال دیکھنا اس لیے جاسوس جماعت کو نفضہ کہا جاتا ہے دیکھو اشعہ اور مرقات۔

۶؎ **خرجت** سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق وہاں ہی بیٹھے نہ رہے بلکہ حضور کے اردگرد چکر لگاتے پہرہ دیتے رہے کہ کوئی کسی طرف سے آتا نہ ہو۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ جناب صدیق نے اس سے یہ دودھ خریداتھا مانگا نہ تھا اور یہ بکریاں اس چرواہے کی اپنی تھیں یا مالک کی اجازت تھی کہ دودھ فروخت کردیا کرے لہٰذا اس واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں۔(لمعات)

۸؎ **قعب** کہتے ہیں لکڑی کے پیالے کو،**کثبہ** کے معنی ہیں تھوڑا سا یعنی جناب صدیق اکبر کے ساتھ ایک لکڑی کا پیالہ تھا آپ نے اس میں دودھ چوایا۔

۹؎ فوافقته کی دو روایتیں ہیں: ایک روایت پہلے ق بعد میں ف سے بمعنی انتظار کرنا ٹھہرے رہنا،یعنی میں حضور کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا کہ جب جاگیں تب لسی پلاؤں۔دوسرے پہلے ف بعد میں قاف سے یعنی میں نے حضور کی موافقت کی کہ کچھ دیر میں بھی حضور انور کے پاس ہی سوگیا۔(اشعۃ اللمعات)

۱۰؎ یعنی میرے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا میں نے اس سے ٹھنڈا پانی دودھ میں اس قدر ڈالا کہ دودھ کچی لسی بن گیا لسی بھی خوب ٹھنڈی۔

۱۱؎ یعنی میں اصرار کرکے بار بار حضور کو پلاتا رہا اور حضور میری عرض قبول کرکے پیتے رہے میں خوش ہوتا رہا یا تو سارا ہی پلادیا یا کچھ بقیہ جناب صدیق اکبر نے پیا دونوں صورتوں میں آپ کی خوش نصیبی خوش قسمتی پر قربان جایئے۔

۱۲؎ یعنی جب سورج ڈھل گیا اور دوپہری کی تیزی قدرے کم ہوگئی تب ہم دونوں روانہ ہوگئے۔

۱۳؎ کفار مکہ نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرکے ہمارے حوالہ کردے یا انہیں شہید کرکے ہم کو ثبوت دے دے ہم اسے ایک سو اونٹ انعام دیں گے،اس اعلان پر بہت لوگ چوطرفہ دوڑ پڑے،اس طرف حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم مدلجی کنانی آپہنچے اس وقت یہ کافر تھے بعد میں بڑے جلیل القدر صحابی بنے رضی اللہ عنہ۔

۱۴؎ اس وقت حضور انور تلاوت قرآن میں مشغول تھے محویت کے عالم میں تھے،جناب صدیق ہر چہار طرف دیکھ رہے تھے انہیں اپنا خوف نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاک کا خوف،اپنے کو تو غار ثور میں فدا کرچکے تھے۔

۱۵؎ حضور انور کا یہ فرمان عالی اب دوسری بار جناب صدیق نے سنا پہلے غار ثور میں سن چکے تھے اب اس جگہ سنا،جناب موسیٰ علیہ السلام سے بھی بنی اسرائیل نے یہ کہا تھا انا المدرکون ہم تو پکڑے گئے تو آپ نے فرمایا "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ" وہاں اپنا ذکر پہلے تھا رب کا ذکر بعد میں،یہاں اللہ کا نام پہلے ہے اپنا ذکر بعد میں،نیز وہاں ربی یعنی صفاتی نام کا ذکر ہے یہاں اللہ یعنی ذات نام کا ذکر،نیز وہاں معی واحد ہے یہاں معنا جمع ہے یعنی اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے،یا اللہ ہمارے اور ہماری ساری امت کے ساتھ ہے تم غم نہ کرو اس کی تصدیق رب نے فرمائی کہ ارشاد کیا گیا"وَ ہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ"۔

۱۶؎ حضور نے دعا یہ فرمائی کہ مولٰی ہم کو سراقہ کی شر سے بچالے یہ نہیں دعا کی تھی کہ سراقہ کو ہلاک کردے ورنہ سراقہ زندہ نہ بچتے،جو عرض کیا تھا رب نے وہ ہی کردیا۔جلد کہتے ہیں سخت زمین کو جو دھنسنے کے قابل نہ ہو،دلدل یا گہرے ریتے والی زمین میں دھنس جانا ممکن ہے مگر سخت زمین میں دھسنا معجزہ ہے۔

۱۷؎ اس وقت سراقہ حضور انور سے اتنے قریب تھے کہ آپ کی آواز حضور انور تک پہنچ سکتی تھی،سراقہ نے یہ عرض تیسری بار میں کی ہر دفعہ دھنسنے پر دل میں توبہ کرتے زمین چھوڑدیتی،چھوٹ کر پھر نیت بگڑتی کہ گرفتار یا شہید کرنے پر سو اونٹ ملیں گے زمین پھر پکڑلیتی تھی تیسری بار میں اللہ کے حبیب کو پکارا۔

۱۸؎ یہاں حدیث شریف میں اجمال اور اختصار ہے۔حضور انور کی دعا سے زمین نے سراقہ کو چھوڑ دیا،سراقہ بارگاہ اقدس میں بہت نیاز مندی اور اخلاص سے حاضر ہوئے،پھر اپنے اور اپنے بچوں کے لیے حضور انور سے امان تحریری حاصل کی،دل سے مؤمن ہوگئے مگر اپنا ایمان ابھی ظاہر نہیں کیا اور وعدہ کیا کہ حضور آپ اطمینان سے سفر فرماویں میں ادھر کسی جاسوس کو نہ آنے دوں گا سب سے کہہ دوں گا کہ ادھر میں دیکھ آیا ہوں،حضور نے فرمایا کہ سراقہ میں تمہارے ہاتھ میں کسریٰ شاہ فارس کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں۔چنانچہ عہد فاروقی میں فارس فتح ہوا کسریٰ کے کنگن سراقہ کو جناب فاروق نے عطا کیے آپ نے پہنے۔

ابن مالک کو دی بشارت زر اے مرے غیب داں ترے صدقے
مجھ خطا کار پر عطا پہ عطا اے مرے مہرباں تیرے صدقے

اللہ کی شان ہے کہ جو گرفتاری کرنے آئے تھے وہ خود محبوب کی محبت میں گرفتار ہوگئے،جو پکڑنے آئے تھے وہ محافظ بن گئے۔غار ثور میں مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈے سے یار کی حفاظت کرائی اور یہاں خود دشمن کو محافظ و نگران بنا دیا۔

۱۹؎ یہاں بیان ترتیب واقعہ کے موافق نہیں پہلے وہ زمین کی گرفت سے چھوٹے پھر یہ کام ہوئے جو یہاں مذکور ہیں۔

۲۰؎ یعنی میں ادھر دیکھ آیا ہوں ادھر وہ نہیں ہیں جنہیں تم تلاش کرتے ہو چونکہ ابھی سراقہ شرعًا مسلمان نہیں ہوئے تھے،نیز اس قول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت تھی،نیز حضور انور نے اس کہنے کا انہیں حکم نہیں دیا تھا اس لیے وہ اس جھوٹ بولنے پر گنہگار نہیں ہوئے اور اگر ماھھنا میں ما کو موصولہ مان لو تو پھر جھوٹ بنتا ہی نہیں یعنی اس سمت میں جو کچھ ہے اس کے لیے میں تمہاری طرف سے کافی ہوچکا تم تکلیف نہ کرو ادھر نہ جاؤ۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن سلام نے رسول اللہ کی تشریف آوری کی خبر سنی حالانکہ وہ ایک زمین میں کام کررہے تھے ۱؎ تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،عرض کیا کہ میں آپ سے تین ایسی باتیں پوچھتا ہوں جنہیں نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا ۲؎ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے اور بچے کو کون سی چیز اس کے باپ یا اس کی ماں کی طرف کھینچتی ہے ۳؎ راوی نے کہا کہ حضور نے فرمایا کہ ابھی مجھے ان کی خبر جبریل علیہ السلام نے دی ۴؎ قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک پہنچادے گی ۵؎ اور پہلا وہ کھانا جسے جنتی کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی کا کنارہ ہے ۶؎ اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب

	ہوجاوے تو مرد بچہ کو کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی غالب ہوجاوے تو وہ کھینچ لیتی ہے ۷؎ عبداللہ بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں ۸؎ یارسول اللہ یہود بہتان لگانے والی قوم ہے اگر آپ کی پوچھ گچھ سے پہلے وہ میرے اسلام کو جان لیں تو مجھے بہتان لگادیں گے ۹؎ چنانچہ یہود آئے تو حضور نے فرمایا کہ تم میں عبداللہ کیسے شخص ہیں وہ بولے کہ ہم میں بہترین ہیں اور ہمارے بہترین کے بیٹے ہیں ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں ۱۰؎ فرمایا بتاؤتو اگر عبداللہ ابن سلام مسلمان ہوجائیں وہ بولے کہ انہیں اللہ اس سے پناہ دے ۱۱؎ تو عبداللہ نکلے بولے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو یہود بولے کہ وہ ہمارے بدترین ہیں اور ہمارے بدترین کے بیٹے ہیں ۱۲؎ ان کی بہت برائی کی، عبداللہ نے کہا یارسول اللہ یہ ہی وہ چیز ہے جس سے میں ڈرتا تھا ۱۳؎ (بخاری)

۱؎ باغ میں پھل چن رہے تھے وہ پھل آپ کی گود میں تھے دامن پیچھے سے بندھا ہوا تھا،حضور انور کے پاس آئے تو خوشی کے مارے وہ پھل گھر میں رکھ دینا بھول گئے اسی طرح پھل گود میں لیے ہوئے حاضر ہوگئے۔

۲؎ یعنی ان تین سوالوں کے جوابات صرف نبی کو یا ان کے وسیلہ سے،ان کی کتابوں سے،ان کی تعلیم سے دوسروں کو معلوم ہوسکتے ہیں۔مجھے خبر ہے کہ آپ نے کوئی آسمانی کتاب کسی عالم سے پڑھی نہیں ان نبیوں کی تعلیمات آپ تک پہنچی نہیں تو اب آپ نور نبوت سے جواب دے سکتے ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ عبداللہ ابن سلام بھی تو نبی نہ تھے انہیں یہ جوابات کیسے معلوم تھے کیونکہ حضرت عبداللہ توریت کے بڑے عالم ماہر تھے۔

۳؎ خیال تو کرو کہ کیسے گہرے سوالات ہیں جن میں ابتداء انتہا سب کا سوال ہے کہ بیٹا یا بیٹی باپ کے ہم شکل یا ماں کی صورت پر کیوں ہوتے ہیں یکساں کیوں نہیں ہوتے،یہ مبداء کے متعلق سوال ہے اور اہلِ جنت کو پہلی غذا کیا دی جاوے گی،یہ انتہا کے متعلق سوال ہے،حضور انور نے یہ نہ فرمایا کہ مجھ سے نماز وغیرہ کے مسائل عقائد اسلامیہ پوچھو مجھے ان باتوں کی کیا خبر۔معلوم ہوا کہ نبی یقینًا ہر بات جانتے ہیں،نبی کے معنی غیبی خبر والے یعنی غیبی خبریں دینے والے یا خبریں رکھنے والے یا سب کی خبر لینے والے۔ان سوالات نے نبی کا مقام بتادیا نبی بے خبر نہیں ہوتے اور بے خبر نبی نہیں ہوتے۔

۴؎ خیال رہے کہ نبی کو علوم غیبیہ آہستگی سے عطا ہوتے ہیں۔چنانچہ یہاں اس کا ذکر ہے کہ اس وقت جبریل امین کے ذریعہ مجھے اس وقت ان کے جوابات بتائے اس میں حضرت ابن سلام کی نہایت ہی عزت افزائی ہے کہ ان کے سوالات کے جوابات آسمان سے آئے۔

۵؎ اس کا تفصیلی ذکر **باب علامات القیامت** میں ہوچکا ہے۔یہ آگ قریب قیامت عدن سے اُٹھے گی لوگ آگے آگے بھاگیں آگ پیچھے پیچھے ہوگی،رات کو ٹھہرا کرے گی تاکہ لوگ آرام کرسکیں،سب کو فلسطین یا شام میں پہنچا کر غائب ہوجائے گی۔اول علامت سے مراد ہے قیامت سے بالکل متصل بڑی علامت پہلی یہ ہوگی۔

۶؎ اس کا ذکر بھی **باب صفة الجنة واهلها** میں ہوچکا کہ جنتیوں کو سب سے پہلے زمین کی روٹی اور مچھلی جس پر زمین اٹھانے والی گائے کھڑی ہے اس کی کلیجی کا مزیدار کنارہ کھلایا جاوے گا اس کے بعد انہیں کبھی بھوک نہ لگے گی،پھل فروٹ لذت کے لیے کھایا کریں گے۔

۷؎ یعنی اگر رحم میں پہلے مرد کی منی گرے تو بچہ باپ کے ہم شکل ہوتا ہے اور اگر پہلے عورت کی منی گرے تو ماں کی ہم شکل ہوتا ہے،اگر مرد کی منی قوی ہو تو بچہ لڑکا ہوتا ہے اور ماں کی منی قوی ہو تو بچہ لڑکی ہوتی ہے اس لیے جس عورت کے لڑکیاں ہی ہوتی ہوں اسے شروع حمل میں بعض دوائیں کھلائی جاتی ہیں جن سے مرد کا نطفہ قوی ہوجاوے اور بچہ لڑکا بنے، تعویذ دعائیں بھی اسی مقصد کے لیے دیئے جاتے ہیں۔یہ مضمون کچھ فرق کے ساتھ **کتاب الطهارة باب الغسل** میں گزر چکا ہے۔

۸؎ یعنی حضور کے ان جوابات سے مجھے حضور کی نبوت کا یقین ہوگیا۔کوئی یار کارخسار دیکھ کر ایمان لایا،کوئی گفتار سن کر،کوئی رفتار دیکھ کر،کسی نے دلیل سے مانا،کسی نے دل سے،حضرت عبداللہ چہرہ انور دیکھ کر ہی دل سے ایمان لاچکے تھے مگر زبانی اقرار کے لیے احتیاطًا یہ سوالات کیے وہ سمجھے کہ پانی پینا چھان کر مرشد کرنا جان کر۔

۹؎ یعنی یارسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ حضور انور یہود میں میرا مقام معلوم فرمالیں میرے اسلام کی یہود کو خبر نہ دیں ورنہ وہ جھوٹ بول کر مجھے بگاڑ کر پیش کریں گے بلکہ حضور پہلے ان سے میرے متعلق دریافت کریں کہ میرے متعلق ان کا اعتقاد کیا ہے پھر میرے اسلام کی انہیں خبر دیں یہ فخر نہیں بلکہ رب کی نعمت کا اظہار ہے۔

۱۰؎ یعنی خاندانی لحاظ سے بھی وہ ہم سب میں بہتر ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے ہیں،ان کا خاندان ان کا نسب ہم سب میں اعلیٰ ہے،وہ حسب و نسب میں بہت اونچے ہیں اور علمی عملی لحاظ سے ہم سب سے افضل ہیں،توریت کے بڑے عالم اور اس پر عامل ہیں۔**خیرنا و سیدنا** میں یہ فرق ہے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ اولاد نبی ہونا اللہ کی نعمت ہے بشرطیکہ ایمان و تقویٰ کے ساتھ ہو کیونکہ حضور انور نے ان یہود کے اس قول کی تردید نہیں فرمائی یونہی علمی خاندان سے ہونا اللہ کی نعمت ہے۔ان تمام کے متعلق ہماری کتاب **الکلام المقبول فی طهارة نسب الرسول** کا مطالعہ کرو جس میں کہا گیا ہے کہ حضور کا نسب شریف طیب و طاہر اور قیامت میں کام آنے والا ہے۔

۱۱؎ ان کے نزدیک اسلام ایک مصیبت تھی انہوں نے یہ کہا کہ ابن اسلام کے متعلق یہ تصور بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ مسلمان ہو جاویں یہ لفظ یا خبر ہے یا دعا۔

۱۲؎ یہود کی ہٹ دھرمی تو دیکھو کہ سیدنا ابن اسلام کا ایمان دیکھ کر بجائے اس کے کہ اسلام کی حقانیت کے قائل ہوجاتے حضرت عبداللہ ابن سلام بلکہ ان کے خاندان کی شرافت کا انکار کر بیٹھے۔خیال رہے کہ قرآن مجید نے حضرت عبداللہ ابن سلام کے اسلام قبول کرلینے کو اسلام کی حقانیت کی دلیل قرار دیا ہے،فرماتاہے:"اَوَلَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ اٰیَةً اَنۡ یَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ"کسی چیز کو علماء حقانی کا مان لینا اس چیز کی حقانیت کی دلیل ہے۔

۱۳؎ یعنی اگر حضور انور پہلے ہی سے انہیں میرے اسلام کی خبر دے دیتے تو یہ لوگ میری متعلق وہ ہی کہتے جواب کہتے ہیں،یہ لوگ ایسے سرکش ہیں اگر حضور انور کو یہ نہ مانیں تو حضور غمگیں نہ ہوں۔

اور روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ اس وقت کیاجب ہم کو ابوسفیان کی آمد کی خبر پہنچی ۱؎ اور سعد ابن عبادہ کھڑے ہوئے بولے یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں کہ ہم گھوڑے سمندر میں ڈال دیں تو ہم ضرور ڈال دیں ۲؎ اور اگر آپ ہم کو حکم دیں کہ ہم ان کے سینے برک غماد تک ماریں ۳؎ تو ہم ایسا ضرور کریں،راوی نے فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کے لیے بلایا تو لوگ چلے حتی کہ بدر میں اترے ۴؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے اور اپنا ہاتھ زمین پر ادھر ادھر رکھتے تھے ۵؎ راوی نے کہا کہ ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی جگہ سے نہ ہٹا ۶؎ (مسلم)	

۱؎ یہ واقعہ غزوہ بدر کا مقدمہ ہے،ابوسفیان چالیس ہمراہیوں کے ساتھ شام سے تجارت کرکے بہت نفع کما کر مکہ معظّمہ جارہے تھے،یہ سارا منافع مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگی تیاریوں پر خرچ کرنا تھا راستہ میں مدینہ منورہ پڑتا تھا مسلمانوں کو خیال ہوا کہ اس قافلہ کو روک کر یہ مال چھین لیا جاوے،ابو سفیان بحرین کے راستہ سے مکہ معظّمہ پہنچ گئے اور جنگ بدر کی صورت بن گئی تب حضور انور نے مسلمانوں سے مشورہ فرمایا کہ کہو کیا رائے ہے حالات بدل گئے اور جنگ کا نقشہ بن گیا تب حضرات صحابہ نے یہ عرض کیا جو یہاں مذکور ہے۔

۲؎ حضرت سعد ابن عبادہ انصار کے سردار تھے انہوں نے حضور انور کے مشورہ فرمانے پر یہ ایمان افروز جواب دیا۔مطلب یہ ہے کہ حضور انور یہ خیال نہ فرماویں کہ ہم کو ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے لایا گیا تھا نہ کہ جنگ کرنے کو

اور اب جنگ سامنے آگئی ہم پیچھے جائیں گے ہم تو بندہ حکم ہیں جو حکم ہو ہم اس پر کاربند ہوں گے ہمارا حال تو یہ ہے ۔

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیر تمند ماؤں کا

نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں جہاں کو محو کردیں نعرہ اللہ اکبر میں

نحیضھا میں ضمیر لوٹ رہی ہے گھوڑوں کی طرف وہ گھوڑے ان کے سامنے تھے ادھر ضمیر لوٹائی۔(مرقات)دیکھو آگے آرہا ہے اکبادھا۔

۳؎ برک غماد یمن یا ہجر کا آخری شہر ہے جو مدینہ منورہ سے بہت دور ہے۔سینہ مارنے سے مراد ہے ایڑھ مارنا سوار گھوڑے یا اونٹ کے سینہ پر اپنا قدم مارتا ہے تیز چلانے کے لیے یعنی اگر ہم کو حضور حکم دیں کہ برک غماد تک بذریعہ اونٹوں اور گھوڑوں کے پہنچو وہاں جہاد کرو تو ہم کو اس میں تأمل نہ ہوگا اگر چہ وہاں پہنچنا بہت دشوار ہے کیونکہ باوفا غلام ہیں وقت پر منہ موڑنے والے نہیں۔

۴؎ بدر دراصل ایک کنویں کا نام ہے جو اس کنویں کے بنانے والے کے نام پر مشہور ہوا،اب پوری بستی کا نام بدرہے۔یہ جگہ مدینہ منورہ سے قریبًا ایک سو پینتالیس کیلو میٹر پر واقع ہے،اس گنہگار نے اس جگہ کی مفصّل اور بارہا زیارت کی ہے۔ادھر ابوجہل مع اپنے ساتھیوں کے مکہ معظّمہ سے چل کر بدر پہنچا ان کی تعداد نوسو پچاس تھی،سارے سامان جنگی سے لیس تھے، ادھر ابوسفیان ساحلی راستہ سے بخیریت گزرتے ہوئے مکہ معظّمہ پہنچ گئے اور ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ اب چونکہ ہم لوگ بخیریت گھر پہنچ گئے ہیں تم بھی واپس آجاؤ مسلمانوں سے جنگ کی ضرورت نہیں مگر ابوجہل نے جواب بھیجا کہ بہادر جب جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں تو بغیر فتح ہوئے واپس نہیں ہوتے تم بھی ہم تک پہنچو۔چنانچہ پچاس آدمی ابوسفیان کو لے کر پہنچ گئے اب کفار کی تعداد ایک ہزار ہوگئی مسلمان غازی صرف تین سو تیرہ تھے جن کے پاس جو سامان جنگ تھا اس کی فہرست یہ ہے۔

تھے ان کے ساتھ دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

یہ لشکر ساری دنیا میں انوکھا اور نرالا تھا کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

۵؎ حضور انور نے یہ نشان دہی جنگ سے ایک دن پہلے کردی تھی فرمایا کہ کل ستر۷۰ کفار مارے جائیں گے یہاں فلاں اور یہاں فلاں۔

۶؎ سبحان اللہ! یہ ہے کہ حضور انور کا معجزہ علم غیب جس جگہ جس کافر کے ہلاک ہونے کی خبر دی اسی جگہ وہ کافر مارا گیا ایک انچ آگے پیچھے نہ مرا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے ہر ایک کے وقت موت،جگہ موت اور کیفیت موت کی خبر دی ہے کہ کون کہاں مرے گا کب مرے گا اور کیسے مرے گا،کافر ہوکر مؤمن ہوکر،یہ علوم خمسہ ہیں جن کا ظہور بدر میں اس طرح ہوا۔اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جب کہ آپ بدر کے دن ایک قبہ میں تھے ۱؎ الٰہی میں تجھ سے تیرا عہد تیرا وعدہ مانگتا ہوں ۲؎ الٰہی اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جاوے ۳؎ تب جناب ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑا عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اپنے رب پر زاری کافی کرلی ہے ۴؎ تو آپ اس طرح نکلے کہ زرہ میں چل رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ یہ مجمع کفار بھگا دیا جائے گا پیٹھیں پھیر دی جائیں گی ۵؎ (بخاری)	

۱؎ اس قبہ کی جگہ اب ایک مسجد بنی ہے جسے مسجد عریش کہتے ہیں۔اس کے سامنے ایک میٹھے پانی کا چشمہ ہے،فقیر نے اس مسجد میں نماز پڑھی ہے اور ایک بار پڑھائی ہے اور اس چشمہ میں غسل کیا ہے۔

۲؎ شاید اس عہد و وعدہ سے مراد وہ عہدووعدہ ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے"وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے وعدہ کے وسیلے سے دعا کرنا سنت ہے بلکہ اس کے نبی کے وعدے کے توسل سے دعا کرنا حکم الٰہی ہے،فرماتا ہے کہ ہم سے یوں دعا کیا کروں"رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ"یہ تقاضا نہیں بلکہ توسل ہے یعنی وسیلہ کے ذریعہ دعا کرنا۔

۳؎ یعنی اگر تو نے ان مسلمانوں کی مدد نہ فرمائی اور یہ شکست کھا گئے یا شہید ہوگئے تو پھر دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔حضور انور نے یہ دعا اس جوش سے کی کہ آپ کی چادر مبارک کندھے شریف سے گر گئی اور حضور انور پر بہت رقت بلکہ وار فتگی طاری ہوگئی۔(اشعۃ اللمعات)یہ دعا تھی کہ تیر قضا تھا جو اپنا کام کر گیا۔

۴؎ حضرت ابوبکر صدیق کے عرض معروض کا مقصد ہے کہ یارسول اللہ حضور انور جو یہ دعا فرمارہے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے دل مطمئن ہوجائیں،حضور یقین فرمائیں کہ حضور کی دعا سے ہمارے دلوں کو بالکل قوت و اطمینان میسر ہو گئے ہیں،حضور یہ دعا کافی ہے ہمارے دل قوی اور مطمئن ہوچکے ہیں۔اس عرض کا مطلب یہ نہیں کہ **نعوذ باللہ** حضور انور کو پریشانی تھی اور حضرت صدیق اکبر کو اطمینان تھا،حضور انور کو اللہ کی رحمت سے اپنی فتح کا یقین تھا یہ دعا مسلمانوں کے دلوں کو چین دلانے کے لیے تھی"اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ"۔

۵؎ اس میں بھی غیبی خبریں ہیں کہ بفضلہٖ تعالٰی فتح ہماری ہوگی کفار مارے جائیں گے اور جو بچیں گے وہ بھاگ جائیں گے مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے گا۔

روایت ہے انہیں سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا یہ جبریل ہیں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے	

	ہیں ان پر جنگ کے ہتھیار ہیں ۱؎(بخاری)

۱؎ اس میں غیبی خبر ہے کہ ہم حضرت جبریل ان کے گھوڑے اور ان کی حرکات و سکنات کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔خیال رہے کہ اس غزوہ میں فرشتوں کا آنا مسلمانوں کی ہمت افزائی کے لیے نہ کہ کفار کے لیے،ان کی ہلاکت کے لیے صرف ایک فرشتہ ہی کافی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ اس درمیان کہ ایک مسلمان آدمی اس دن ایک مشرک آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا۱؎ جو اس سے آگے تھا کہ ناگاہ اس نے اس کافر کے اوپر کوڑے کی مار اور سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اے حیزوم آگے بڑھ ۲؎ کہ اس نے سامنے اس مشرک کو دیکھا جو مرا پڑا تھا۳؎ اس نے اس مشرک میں غور کیا تو اس کی ناک پر نشان لگ گیا تھا۴؎ اوراس کا چہرہ چر گیا تھا کوڑے کی مار کی طرح وہ کافر سارا کا سارا سبز ہوگیا تھا ۵؎ پھر انصاری آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان کی مدد میں سے ہے ۶؎ چنانچہ اس دن غازیوں نے ستر کافروں کو قتل کیا ستر کو قید کیا ۷؎(مسلم)

۱؎ یعنی غزوہ بدر کے دن جب کفار مکہ میں بھاگڑ پڑ گئی تو اس دوران مسلمان ان کا پیچھا کررہے تھے کہ ایک انصاری کا واقعہ یہ ہوا۔

۲؎ یعنی اس پیچھا کرنے والے انصاری نے اپنے آگے دو آوازیں سنیں ایک تو کوڑے کی آواز جو کسی جانور پر پڑے دوسرے سوار کی آواز جو جانور کو دوڑانے کے لیےاسے آواز دے مگر ان دونوں آوازوں کے ساتھ دیکھی کوئی چیز نہیں اس سے ان صحابی کو سخت تعجب ہوا،نیز یہ بھی نہ سمجھے کہ حیزوم کیا چیز ہے جسے آگے بڑھایا جارہا ہے۔

۳؎ یعنی یہ انصاری اس کافر تک پہنچے ابھی اسکو تلوار نہیں ماری تھی کہ دیکھا کہ وہ سامنے مراپڑا ہے،انہیں دوسری حیرت یہ ہوئی کہ اس قتل کا فاعل کہاں ہے اور اس مقتول کا قاتل کون ہے۔

۴؎ **خطم** بنا ہے **خطام** سے بمعنی ناک پر نشان یعنی اس مقتول کی ناک پر ایسا نشان تھا جیسے کسی نے اس پر کوڑا مارا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے:"**سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوۡمِ**"ہم اس کی تھوتھنی(بوتھی)پر نشان لگادیں گے۔

۵؎یہاں مرقات نے فرمایا کہ سبزی سے مراد ہے سیاہی یعنی وہ کافر تھاتو گورا چٹا مگر بعد قتل اس کا سارا جسم کالا ہوگیا تھا اور ہوسکتا ہے کہ اس سے سبزی ہی مراد ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیبی کوڑا زہریلا تھا،زہر سے مقتول کا رنگ ہرا ہوجاتا ہے۔

٦؎یعنی غزوہ بدر میں ہر آسمان سے فرشتے مسلمان کی مدد کے لیے آئے ہیں تم نے جس فرشتے کی مدد محسوس کی یہ تیسرے آسمان کا فرشتہ تھا۔سبحان اللہ!یہ ہے حضور انور کا غیب کہ ہر غیبی فرشتہ کو بھی پہچانتے ہیں اس کا ٹھکانہ بھی جانتے ہیں کہ کس آسمان کا فرشتہ ہے۔اس حدیث میں ایک صحابی کی کرامت کا ذکر بھی ہے یعنی فرشتہ کی آواز سن لینااور ان کی مدد کے لیے فرشتہ کا آنا اور امتی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتی ہے اس لیے یہ حدیث باب **المعجزات** میں لائے۔

۷؎یہ قتل و قید حضور انور کا معجزہ تھا ورنہ تہائی سے بھی کم جماعت وہ بھی بے ہتھیار اپنے سے تگنے سے زیادہ مسلح لشکر پر کیسے غالب آسکتی ہے۔خیال رہے کہ مکہ معظّمہ کے کفار جنگ آزمودہ لوگ تھے،مدینہ منورہ کے اکثر غازی جنگ سے ناواقف تھے، بعض بالکل نو عمر تھے حتی کہ ابوجہل کو ایسے چھوٹے بچوں نے مارا ہے کہ آج تک دنیا حیران ہے پھر ان بچوں کا ان کا کفار کی صفوں میں اسے مارنا بغیر تائید غیبی کے ناممکن ہے بات یہ تھی۔

نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر بھروسہ ان کا تھا سادہ سی کالی کملی والے پر

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے بائیں احد کے دن دو شخصوں کو دیکھا جن پر سفید سفید کپڑے تھے ۱؎جو سخت جنگ کررہے ہیں میں نے ان دونوں کو نہ تو پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا ۲؎یعنی جبریل و میکائیل ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس جملہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ حضور کے داہنے طرف ایک شخص تھا اور بائیں ایک،کل ملا کر دو شخص۔دوسرے یہ کہ داہنے بائیں دو دو شخص تھے کل چار۔دوسری صورت میں **علیھما** کی ضمیر جنس کی طرف ہے یعنی داہنے والے دونوں پر اور بائیں والے دونوں پر لباس تھے۔(مرقات)

۲؎یعنی اس شکل و صورت میں ان دونوں کو کبھی نہیں دیکھاورنہ یہ فرشتے بارہا حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور حضرات صحابہ ان کو دیکھا کرتے تھے مگر آج ایک نئی شکل میں تھے۔

۳؎یہ تفسیر حضرت سعد ابن ابی وقاص کی اپنی ہے۔غالبًا حضور انور سے سن کر فرمارہے ہیں اگر چار فرشتے دیکھے تھے تو داہنے ہاتھ ایک حضرت جبریل دوسرا فرشتہ ان کا ماتحت،اسی طرح بائیں طرف ایک تو حضرت میکائیل تھے دوسرا ان کا ماتحت،افسر کا ذکر کیا ماتحت کا ذکر نہیں کیا۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ

	علیہ وسلم نے ابو رافع کی طرف ایک جماعت بھیجی ۱؎ تو اس پر عبداللہ ابن عتیک رات میں اس کے گھر میں گھس گئے وہ سورہا تھا ۲؎ آپ نے اسے قتل کردیا، عبداللہ ابن عتیک کہتے ہیں کہ میں نے اس کے پیٹ میں تلوار رکھی حتی کہ وہ اس کی پیٹھ میں گزرگئی ۳؎ میں سمجھ گیا کہ میں نے اسے قتل کردیا پھر میں دروازے کھولنے لگا حتی کہ میں آخری سیڑھی تک پہنچ گیا ۴؎ میں نے اپنا پاؤ ں رکھا تو میں چاندنی رات میں گر گیا میری پنڈلی ٹوٹ گئی ۵؎ میں نے پگڑی سے اس کی پٹی باندھ دی پھر میں اپنے ساتھیوں کی طرف چلا پھرمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو میں نے آپ کو خبر دی تو فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤمیں نے اپنے پاؤں پھیلایا،آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو گویا میں نے کبھی اس کی شکایت نہ کی تھی ۶؎ (بخاری)

۱؎ ابو رافع کا نام ابو حقیق تھا،مدینہ منورہ کا بڑا دولتمند یہودی تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن ہمیشہ حضور کی شان میں بدترین گستاخیاں کرتا تھا اور حضور کے دشمنوں کو پناہ دیتا تھا،اپنے قلعہ میں حضور انور اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتا تھا،اس کا ایک بڑا مضبوط قلعہ تھا جہاں یہ بالاخانہ پر رہا کرتا تھا،حضور انور نے اس کے قتل کے لیے کچھ آدمی بھیجے۔رھط وہ جماعت ہے جو دس سے کم ہو۔

۲؎ یہ پورا واقعہ بخاری وغیرہ میں بہت تفصیل سے آیا ہےحضرت عبداللہ ابن عتیک چاندنی رات ہی اپنی جماعت کو باہر چھوڑکر ایک حیلہ سے اکیلے اس کے بالاخانہ پر چڑھ گئے،وہاں بہت لوگ سورہے تھے پہچان نہ سکے کہ ابو رافع کون ہے اسے آہستہ سے آواز دی ابو رافع،وہ نیند کی غشی میں بول پڑا ہوں،اس ہوں کی آواز کی رہبری میں آپ اس کے بستر تک پہنچ گئے۔

۳؎ یہ واقعہ دوسری بار کا ہوا،پہلی بار آپ نے اس کے پیٹ میں تلوار گھونپی اور لوٹے پھر خیال آیا کہ شاید مرا نہیں پھر لوٹے اور بولے ابو رافع کیا ہواتب وہ چیخا کہ مجھے کوئی مار گیا تب آپ نے وہ عمل کیا جو یہاں مذکور ہے۔

۴؎ ابورافع کے محل کے بہت دروازے تھے آپ نے جاتے وقت وہ تمام دروازے اندر سے بند کرلیے تھے تاکہ وقت پر باہر سے اس کو مدد نہ پہنچ سکے اب واپسی میں وہ دروازے کھولتے گئے اترتے گئے،دروازوں کا سلسلہ دور تک تھا آخری سیڑھی پر پہنچ کر سمجھے کہ زمین آگئی لیکن ابھی ایک سیڑھی باقی تھی۔

۵؎ یعنی چونکہ میرا پاؤں غلط پڑا میں سمجھا کہ زمین پر پاؤں رکھ رہا ہوں میں بے ڈھب گرا اور پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اس زمانہ میں اس کا کوئی علاج ہی نہ تھا۔

۶؎ یعنی گویا میری پنڈلی میں کبھی یہ بیماری نہ ہوئی تھی۔بعض علماء سے سنا گیا کہ اس پنڈلی میں طاقت دوسری پنڈلی سے زیادہ ہوگئی تھی۔حضور کے لعاب میں بہت معجزات تھے:یہاں تو وہ(۱)لعاب ہڈی کا سریش بن گئی(۲)معاذ ابن عفراء کے کٹے ہوئے بازو میں لگا تو بازو جوڑ دیا(۳)حضرت علی کی دُکھتی ہوئی آنکھ میں لگا تو ممیرے کا کام دیا(۴)حضرت طلحہ و(۵)جابر کے گھر ہانڈی و آٹے میں پڑ گیا تو ان میں ایسی برکت ہوئی کہ چار سیر جو سے سینکڑوں آدمی سیر ہوگئے(۶)حدیبیہ کے کنویں میں پڑا تو اس کا تھوڑا پانی زیادہ ہوگیا(۷)کھاری کنوؤں میں پڑا تو کنویں میٹھے ہوگئے(۸)حضرت صدیق کو سانپ نے کاٹا وہاں یہ لعاب لگاتو زہر کا تریاق بن گیا(۹)چاہ زمزم میں لعاب شریف پڑا تو وہ تاقیامت ہر مرض کی شفا بن گیا(۱۰)ایک عیسائی قوم مسلمان ہوئی تو ان کے لیے ایک مشکیزے میں کلی کرکے پانی بھردیا فرمایا اپنے گرجے کی زمین پر چھڑک دو جگہ طاہر طیب عظمت والی ہوجائے وہاں مطہر بن گیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرمایا کہ ہم خندق کے دن کھدائی کررہے تھے کہ ایک سخت پتھر سامنے آگیا۱؎ تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۲؎ عرض کیا کہ یہ پتھر خندق میں پیش آگیا ہے تو فرمایا ہم اتریں گے حضور اُٹھے حالانکہ آپ کا پیٹ پتھر سے بندھا ہوا تھا،ہم تین دن تک اس طرح رہے تھے کہ کوئی چکھنے کی چیز نہیں چکھی تھیں۳؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال لی پتھر پر ماری تو پتھر ریگ رواں بن گیا۴؎ پھر میں اپنی بیوی کی طرف گیا میں نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے ۵؎ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بھوک دیکھی ہے ۶؎ تو انہوں نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع جو تھے اور ہمارے پاس بکری کی پٹھیا تھی۷؎ میں نے اسے ذبح کیا میری بیوی نے جو پیسے ۸؎ حتی کہ ہم نے گوشت ہانڈی میں ڈالا پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا میں نے آپ سے چپکے سے سرگوشی کی عرض کیا یارسول اللہ ہم نے اپنا بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو پیسے ہیں ۹؎ حضور سرکار آپ اور آپ کے ساتھ چھوٹی جماعت تشریف لائیں ۱۰؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ اے خندق والو جابر نے کھانا تیار کیا ہے چلو ۱۱؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ہانڈی نہ	

اتارنا اور اپنے آٹے کی روٹی پکانا شروع نہ کرنا حتی کہ میں آجاؤں ۱۲ پھر حضور تشریف لائے تو حضور کے سامنے آٹا پیش کیا حضور نے لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی پھر ہماری ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اس میں لعاب ڈالا ۱۳ پھر فرمایا کہ روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور اپنی ہانڈی سے شوربا نکالو ۱۴ اور اسے نہ اتارو مجاہدین ایک ہزار تھے،میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان سب نے کھایا حتی کہ کھانا چھوڑ دیا ۱۵ اور لوٹ گئے حالانکہ ہماری ہانڈی جیسی تھی ویسی ہی جوش مار رہی تھی اور ہمارا آٹا پکایا جارہا تھا ۱۶ جیسا کہ تھا۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ پتھر ایسا تھا جس میں کدال کام نہیں کرتی تھی اور کھدائی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔

۲؎ جو مشکل کام کسی سے نہیں ہوسکتا تھا وہ کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کرتے تھے اسی لیے حضرات صحابہ کرام مشکلات میں حضور انور کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۳؎ یعنی تمام صحابہ کرام نے اور خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا اور خندق کی کھدائی کا کام تھا،خالی پیٹ کدال اٹھانا مشکل تھا اس لیے حضور انور نے پیٹ شریف پر پتھر باندھ رکھا تھا تاکہ پیٹ کے بوجھ سے کدال چلانا آسان ہوجاوے۔خیال رہے کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عادۃً کچھ نہ کھائیں اس لیے کہ کھانا موجود نہ ہو تب حضور اقدس پر بھوک کے آثار نمودار ہوتے تھے لیکن اگر عبادۃً نہ کھاتے روزے کی نیت سے تو خواہ کتنا ہی عرصہ نہ کھاتے مطلقًا ضعف نہ ہوتا تھا،اس کے متعلق ارشاد ہے"یُطْعِمُنِیۡ وَ یَسْقِیۡنِ" مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔حضور انور نور بھی ہیں بشر بھی،روزے میں نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تھی اور عادۃً نہ کھانے میں بشریت کا ظہور،دیکھو عیسیٰ علیہ السلام پہلے بھی کھاتے پیتے تھے اور قریب قیامت آسمان سے آکر بھی کھائیں گے پئیں گے کیونکہ آپ بشر ہیں مگر آسمان پر قریبًا دو ہزار سال سے گئے ہوئے ہیں بغیر کھائے پیئے موجود ہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کا نور ہیں،اسی حالت میں حضور انور نے کدال سے وہ سخت پتھر توڑا۔حدیث کا یہ مطلب میرے مرشد مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے خواب میں مجھ کو بتایا۔

۴؎ یہ پتھر تین چوٹوں میں ریگ رواں بن گیا تھا۔

۵؎ یعنی کچھ کھانے پینے کی چیز ہے۔اس سوال سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ گھر کا خرچ عورت کے ہاتھ میں رہنا چاہیے،کمانا مرد کے لیے مناسب ہے خرچ کرنا عورت کے لیے بہتر ہے۔دوسرے یہ کہ اگرچہ جابر کے گھر میں کچھ تھا ضرور مگر تین دن سے انہوں نے اور ان کے گھر والوں نے کچھ نہ کھایا تھا کیونکہ صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کھایا تھا تو یہ کیسے کھالیتے۔

٦؎اس طرح کہ ان کے پیٹ شریف پر پتھر بندھا دیکھا ہے اور چہرہ پاک پر زردی نمودار دیکھی ہے جو سخت بھوک کی علامت ہے۔**خمص** خ اور میم کے فتحہ سے بمعنی جوع شدید(سخت بھوک)۔

٧؎بعض روایات میں **یھمیه** ی کے ساتھ ہے بہت چھوٹی سی بکری،**داجن** بمعنی گھر والوں سے ہلی ملی یعنی گھریلو پٹھیا۔

٨؎یعنی جلدی کھانا تیار کرنے کے لیے ہم دونوں نے تقسیم کار کرلی بیک وقت میں بکری کے ذبح سے فارغ ہوا اور میری بیوی جو پیس کر فارغ ہوئی۔

٩؎یعنی ہمارے گھرمیں کھانا تھوڑا سا ہے اس لیے میں حضور کے کان میں یہ دعوت عرض کررہا ہوں۔معلوم ہوا کہ اگر میزبان مہمان پر اپنی حیثیت ظاہر کردے تاکہ بقدر کھانے کے آدمی آئیں تو جائز ہے،آج شادی بیاہ میں کہہ دیتے ہیں کہ پچاس آدمی یا سو آدمی لانا اس مقرر کرنے کی اصل یہ حدیث ہے۔

١٠؎**نفر** دس سے کم جماعت پر بولا جاتا ہے۔یہ بھی جائز ہے کہ میزبان دعوت والوں کو مقرر کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ خود مقرر نہ کرے دوسرے کو مقرر کرنے کا حق دے دے،یہاں دوسری صورت ہے۔

١١؎**سُور** مہمانی کے کھانے کو کہتے ہیں یعنی دعوت کا کھانا۔خندق کھودنے والے حضرات چودہ سو سے زیادہ تھے،ان سب کی دعوت حضور نے کردی،سور فارسی لفظ ہے۔خیال رہے کہ آج لنگر حضور کا تھاگھر حضرت جابر کا لہذا یہ اعلان اور دعوت بالکل درست ہے۔نیز جو چیز استعمال سے گھٹے نہیں وہ مالک کی بغیر اجازت استعمال کی جاسکتی ہے جیسے کسی کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرلینا،کسی کی دیوار سے سایہ لے لینا آج یہ کھانا ان کھانے والوں کے استعمال سے گھٹے گا نہیں لہذا حضرت جابر کی بغیر اجازت حضور نے سب کو دعوت دے دی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ساری اُمت حضور کی لونڈی و غلام ہیں اور مولیٰ اپنے غلام کے گھر اس سے بغیر پوچھے مہمان لے جاسکتا ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ چار آدمیوں کی دعوت ہو تو پانچواں نہ جائے کہ وہ قانون اور جگہ کے لیے ہے اور یہ اختیار خدا داد یہاں جابر کے گھر کے لیے ہے۔

١٢؎حضرت جابر اس اعلان سے حیران رہ گئے ان کی حیرانی ملاحظہ فرمائی اور تسکین دینے کے لیے یہ فرمایا گھبراؤنہیں اللہ فضل کرے گاجو لائے گا وہ کھلائے گا،تم اتنا کرنا کہ میرے آنے سے پہلے ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا اور آٹا پکانا شروع نہ کرنا پھر قدرت خدا کا تماشا دیکھنا۔خیال رہے کہ اگر حضور اس لشکر کے بغیر کھا آتے تو ان کا دل ٹوٹ جاتا۔ان شاءاللہ حضور ہم گنہگاروں کے بغیر جنت میں بھی اکیلے نہ جائیں گے۔

١٣؎ابھی کچھ پہلے آپ حضور انور کے لعاب کا ایک معجزہ پڑھ چکے کہ عبداللہ ابن عتیک کی ٹوٹی پنڈلی اس لعاب سے جڑ گئی تندرست ہوگئی یہ دوسرا اور تیسرا معجزہ دیکھو اور ایمان تازہ کرو۔حضور انور نے لعاب دو چیزوں میں ڈالاگوندھے ہوئے آٹے میں اور پکتی ہوئی گوشت کی ہانڈی میں۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لعاب یا ان کے وضوء وغیرہ کا غسالہ برکت کے لیے کھانا پینا بالکل جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے۔مؤمن کی طبیعت محبوب کی ہر چیز سے محبت

کرتی ہے کسی چیز سے نفرت نہیں کرتی ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ دعائیہ کلمات کے ساتھ دم یا لعاب ڈالنا بھی سنت ہےاس کا ماخذ بھی یہ ہی حدیث ہے۔

۱۴؎یہ خطاب حضرت جابر کی بیوی صاحبہ سے ہے کہ ایک عورت کو اور بلالو جو تمہارے ساتھ روٹی پکائے چار سیر آٹا پکانے کے لیے دو عورتوں کو مقرر کرنا اگلی برکت کی پیش گوئی ہے۔

۱۵؎یہ ایک ہزار آدمی تین دن سے بھوکے تھے انہوں نے کھانا بھی خوب ہی کھایا ہوگا۔جن روایات میں چودہ سو آیا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ ایک ہزار تو خندق کھودنے والے تھے اور چار سو وہ حضرات تھے جو بعد میں بچے کھچے رہے جو مدینہ منورہ کے گھروں،بازاروں وغیرہ میں تھے،مدینہ منورہ کے بچے عورتیں بھی اس دعوت میں شامل کرلی گئی تھیں۔غرضکہ کھانے والوں کے میلے لگ گئے تھے۔خوش نصیب تھے وہ لوگ جو اس برکت والے کھانے سے مشرف ہوئے۔مدینہ منورہ کے بازار میں ایک سبزی فروش اپنی سبزی پر پانی چھڑک رہا تھا اور کہہ رہا تھایا برکۃ النبی تعالی وانزلی ثم لاترتحلی اے نبی کی برکت آجا یہاں سماجا پھر یہاں سے نہ جا۔(اشعۃ اللمعات)اللھم صل وسلم وبارك علیہ۔اس موقعہ پر حضور انور نے پہلے سب کو کھلایا بعد میں گھر والوں کے ساتھ مل کرخود کھایا اور حضور واپس لوٹے تو حضرت جابر کا گھر روٹیوں بوٹیوں سے بھرا ہوا تھاصلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۶؎ اس واقعہ میں حضور انور کے لعاب شریف کے بہت سے معجزات ہیں: بوٹیوں میں کثرت و برکت،شوربے کے پانی میں برکت،شوربے کے نمک مرچ مصالحہ گھی میں برکت و کثرت،آٹے میں برکت و کثرت،جس لکڑی سے یہ چیزیں پکائی گئیں اس میں برکت،روٹی پکانے والی کے ہاتھ میں قوت و طاقت ورنہ اتنی بڑی جماعت کی دعوت کے لیے کئی من گوشت لکڑیاں آٹا چاہیے بہت پکانے والے اور بہت تنور چاہیں جیساکہ آج کل بیاہ شادیوں کی دعوتوں میں دیکھا جاتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے پانی کے بارہ چشمے پتھر سے پھوٹے یہاں حضور کے لعاب سے ہانڈی سے بوٹیوں شوربے کے چشمے پھوٹے۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمار سے کہا جب کہ وہ خندق کھود رہے تھے تو آپ ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور کہتے کہ اے ابن سمیہ کی سختی ۱؎تم کو باغی جماعت قتل کرے گی ۲؎(مسلم)

۱؎حضرت عمار ابن یاسر کی والدہ ماجدہ کا نام سمیہ بنت ابی حذیفہ تھا،قبیلہ بنی مخزوم سے تھیں،مکہ مکرمہ میں اسلام لائیں،ابوجہل اور دیگر کفار کے ہاتھوں بہت ہی بے دردی سے شہید کی گئیں۔اس جملہ کی کئی ترکیبیں ہیں۔آسان ترکیب یہ ہےبؤس ایک پوشیدہ فعل کا فاعل ہے اور ابن سمیہ منادی ہےیعنی اے سمیہ کے فرزند تم کو سخت تکلیف پہنچے گی۔

۲؎اس فرمان عالی میں تین غیبی خبریں ہیں: ایک یہ کہ حضرت عمار شہید ہوں گے،دوسرے یہ کہ مظلوم ہوں گے،تیسرے یہ کہ ان کے قاتل باغی ہوں گےیعنی امام برحق پر بغاوت کرنے والے،یہ تینوں خبریں من و عن اسی

طرح ظاہر ہوئیں۔ حضرت عمار جناب مولیٰ کائنات علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوئے۔جب یہ حدیث شہادت عمار کے بعد حضرت امیر معاویہ کو پہنچی کہ عمرو ابن عاص نے کہا کہ معاویہ غضب ہوگیاحضرت عمار ہماری جماعت کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضور انور نے ان کے قاتلین کو **فئۃ باغیہ** فرمایا ہےہم اس حدیث کے ماتحت باغی ہوئے تو امیر معاویہ نے کہا**نحن امۃ باغیۃ لدم عثمان** یعنی یہاں باغیہ بغاوت سے نہیں بلکہ **بغیٌ** بمعنی مطالبہ سے،ہم حضرت عثمان کے خون کا بدلہ مانگنے والے ہیں،اس معنی سے واقعی ہم لوگ باغی ہیں۔دوسرے یہ کہ عمار کو قتل کرنے والے دراصل علی ہیں جو انہیں جنگ میں لائے ہم تو عمار کا بڑا احترام کرتے تھے اور کرتے ہیں۔حضرت علی نے فرمایا کہ اگر حدیث کا مطلب یہ ہے تو جناب حمزہ کے قاتل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ ہی آپ کو جنگ احد میں لے گئے تھے۔بہرحال حضرت علی خلیفہ برحق ہیں،امیرمعاویہ ان کی مخالفت کی بنا پر باغی ہیں،حضرت علی کی ڈگری امیر معاویہ کی معافی ہے۔(مرقات و اشعہ)اس کی نفیس تحقیق ہماری کتابہ امیر معاویہ پر ایک نظر میں دیکھو،صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار سب کا احترام لازم ہے۔

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن صرد سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ احزاب آپ سے دور کیے گئے ۲؎کہ ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ نہ کریں گے ہم ان کی طرف جائیں گے ۳؎ (بخاری)

۱؎آپ صحابی ہیں،کوفی ہیں،بڑے بزرگ تھے،واقعہ کربلا کے بعد آپ نے یزیدیوں سے بدلہ لینے کے لیے بہت بڑی جماعت جمع کی اس کوشش میں شہید ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ احزاب غزوہ خندق کو کہتے ہیں،یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا۔**احزاب** جمع ہے **حزب** کی بمعنی گروہ و جماعت،چونکہ اس غزوہ میں کفار کی بہت جماعتیں جمع ہوکر مدینہ طیبہ پر ٹوٹ پڑیں تھیں اس لیے اسے احزاب کہتے ہیں۔ان تمام کے سردار ابوسفیان تھے، ان کی تعداد دس ہزار تھی۔چنانچہ نجدی کفار ایک ہزار تھے جن کا سردار عیینہ ابن حصن تھا ہوازن کا سردار عامر ابن طفیل تھا،بنی کنانہ وغیرہ کے الگ الگ سردار تھے،مدینہ کے یہودی بنی قریظہ اور بنی نضیر ان سے مل گئے تھے ایک ماہ تک مدینہ منورہ کا محاصرہ رہا تھا،دو طرفہ سے تیر اندازیاں اور معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں تھیں کھل کر جنگ نہیں ہوئی پھر اللہ تعالٰی نے تیز آندھی بھیجی جس سے لشکر کفار تتربتر ہوکر بھاگ گیا۔(مرقات وغیرہ)

۳؎اس میں غیبی خبر ہے کہ اب آئندہ مدینہ منورہ پر کفار حملہ نہ کرسکیں گے بلکہ اب ہم ہی ان پر حملہ کریں گے اور ایسا ہی ہوا کہ غزوۂ طائف،غزوۂ خیبر،فتح مکہ،تبوک وغیرہ سب میں مسلمان ہی حملہ آور ہوئے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے لوٹے اور ہتھیار رکھ دیئے اور غسل فرمایا تو آپ کے پاس حضرت جبریل اپنا سر غبار

سے جھاڑتے ہوئے آئے ا بولے آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے خدا کی قسم میں نے نہیں اتارے ان کی طرف جائیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہاں جبریل نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لے گئے ۲

اظاہر یہ ہے کہ **ھو** ضمیر حضرت جبریل کی طرف ہے یعنی جبریل اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے۔چونکہ حضرت جبریل حضور کے خادم اور اسلام کے غازی بن کر آئے تھے اس لیے ان پر غازیوں کے آثار یعنی غبار اور ہتھیار تھے ورنہ فرشتوں پر نہ ہتھیار ہوتے ہیں نہ غبار۔

۲بنی قریظہ اور بنی نضیر یہ یہود مدینہ کی دو جماعتیں تھیں جنہوں نے پہلے تو مسلمانوں سے معاہدہ کیا پھر خود ہی یہ معاہدہ توڑ دیا اور تمام مشرکین عرب کو مدینہ پر چڑھا کر یہ ہی لائے تھے۔انہوں نے مشرکین سے کہا کہ تم باہر سے مسلمانوں پر حملہ کرو ہم اندرون مدینہ ان پر حملہ کریں اور انہیں ایسا پیس ڈالیں جیسے چکی میں دانے۔غزوہ خندق سے فارغ ہو کر حضور انور نے ان پر حملہ کیا،بنی قریظہ چن چن کر قتل کردیئے گئے،بنی نضیر جلا وطن کردیئے گئے یہاں وہ واقعہ مذکور ہے،کتب تواریخ میں یہ واقعہ بالتفصیل موجو د ہے۔

اور بخاری میں روایت ہے کہ جناب انس نے فرمایا گویا کہ میں بنی غنم کی گلیوں میں غبار پھیلا ہوا دیکھ رہا ہوں ۳حضرت جبریل کے سواروں سے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف چلے ۴

۳بنی غنم انصار کا ایک قبیلہ تھا جن کا محلّہ بنی قریظہ کے راستہ میں پڑتا تھا یہاں اس کی نشاندہی فرمائی جارہی ہے۔

۴موکب میم کے فتحہ کاف کے کسرہ سے سواروں کی جماعت جو آہستہ آہستہ چلے یعنی ہم نے اپنی آنکھوں سے بنی غنم کی گلیوں میں غبار اڑتا ہوا دیکھا مگر کوئی چلنے والا نظر نہیں آتا تھا، ہوا بھی تیز نہ تھی حضور انور نے بتایا کہ یہ غبار فرشتوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھ رہا ہے اس واقعہ میں حضور انور کے بہت سے معجزات کا اظہار ہے۔خیال رہے کہ فرشتوں کی جماعت کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام تھے اس لیے صرف انہیں کا ذکر فرمایا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرمایا کہ لوگ حدیبیہ کے دن پیاسے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ڈول تھا ا جس سے حضور نے وضو کیا پھر لوگ اس طرف دوڑ پڑے بولے ہمارے پاس پانی نہیں جس سے ہم وضو کریں اور پئیں سواء اس پانی کے جو آپ کے ڈو ل میں ہے ۲پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس ڈول میں رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں

	کی طرح پھوٹنے لگا ۳؎ فرمایا کہ ہم نے پیا اور وضو کیا ۴؎ حضرت جابر سے کہا گیا کہ تم کتنے تھے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہم کو کافی ہوتا ہم پندرہ سو تھے ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی صلح حدیبیہ کے دن حدیبیہ کنویں کا پانی ہم نے تھوڑی دیر میں ہی خشک کردیا جیسا کہ عرب کے کنوؤں کا حال ہوتا ہے۔اب پانی صرف ایک چمڑے کے ڈول میں تھا جو حضور انور کے سامنے رکھا ہوا تھا،کوہ حمیرہ کا ایک ڈول یا بڑا لوٹا جس سے وضو وغیرہ کیا جاوے۔

۲؎ یعنی اسلامی فوج بغیر پانی کے ہے پیاسی بھی ہے وضو وغیرہ کی بھی اسے ضرورت ہے اور پانی صرف اتنا ہے جتنا آپ کے ساتھ ہے۔

۳؎ حضور انور کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے سے افضل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا تو اس سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوگئے کیونکہ پتھر سے پانی جاری کردینا واقعی معجزہ ہے مگر انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دینا بڑا معجزہ۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

۵؎ خوش نصیب تھے یہ حضرات جنہیں اس پانی سے وضو نصیب ہوگیا جس سے ان کے ظاہر باطن دونوں پاک ہوئے،تمام پانیوں سے حتی کہ آبِ زمزم سے بھی یہ پانی افضل تھا۔(ازمرقات)

۶؎ خیال رہے کہ اہلِ حدیبیہ کی تعداد میں مختلف روایات ہیں چودہ سو،پندرہ سو،تیرہ سو تحقیق یہ ہے کہ ان کی تعداد پندرہ سو پچیس تھی،باقی روایات یا تو تخمینی ہیں یا راوی کی اطلاع کے مطابق ہیں کہ انہیں اطلاع یہ ہی پہنچی۔(مرقات)آپ یہ بتارہے ہیں کہ ہم اس دن قریبًا پندرہ سو تھے مگر پانی کے جوش اور کثرت کا یہ عالم تھا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی سب کے پینے،وضو،غسل کو کافی ہوتا۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے دن چودہ سو تھے ۱؎ حدیبیہ ایک کنواں ہے ہم نے اس کا پانی نکال ڈالا تو اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا ۲؎ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ اس کنویں پر آئے اس کے کنارہ پر بیٹھے پھر پانی کا برتن منگایا وضو کیا پھر کلی کی اور دعا فرمائی پھر وہ پانی کنویں میں ڈال دیا ۳؎ پھر فرمایا اسے گھڑی بھر چھوڑدو ۴؎ پھر لوگ اپنے آپ کو اپنی سواریوں کو سیراب کرتے رہے حتی کہ وہاں سے کوچ کیا ۵؎ (بخاری)

۱؎ ان روایات کی مطابقت ابھی ذکر کی گئی کہ چودہ سو پندرہ سو تقریبی ہے یعنی قریبًا چودہ پندرہ سو تھے لہذا ان میں تعارض نہیں۔

۲؎ عرب میں بلکہ پاکستان میں بعض جگہ کنویں ایسے ہیں کہ اگر ان سے پانی نکالا جاوے تو بہت جلد خشک ہوجاتے ہیں،نوکنڈی میں ہم نے کنویں دیکھے کہ دو تین سو ڈول نکالنے پر خشک ہوجاتے ہیں پھر چوبیس گھنٹے چھوڑے جاویں تب اس میں پانی اور آجاتا ہے یہ ہی حال حدیبیہ کے کنویں کا تھا۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ وضو کلی ایک برتن میں کی پھر اس برتن پر دعاء برکت کی پھر یہ پانی حدیبیہ کنویں میں ڈال دیا،غالبًا حضور انور نے کلی علاوہ وضو کے کی تھی وضوء والی کلی اس کے سوا تھی لہذا **تمضمض** فرمانا زائد نہیں۔

۴؎ یعنی ہمارا تبرک پانی پڑتے ہی کنویں سے پانی نکالنا شروع نہ کردو کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔**ساعۃ** سے مراد گھنٹہ نہیں بلکہ گھڑی بھر مراد ہے یہ ٹھہرنا اس لیے تھا کہ یہ تبرک اپنا پورا اثر کرے۔یار کے جلوے مختلف ہیں کبھی فورًا تاثیر کبھی کچھ ٹھہر کر۔

۵؎ غالب یہ ہے کہ یہ کنواں پھر برابر بھرا ہی رہا کبھی خشک نہ ہوا کاش کہ اس پر گنبد وغیرہ بنادیا جاتا کہ لوگ اس کی زیارت بھی کرتے پانی بھی تبرکًا پیتے۔(مرقات)یہ میدان حدیبیہ مکہ معظّمہ سے بالکل قریب ہی ہے جدہ راستہ پر فقیر نے اس کی زیارت کی۔خیال رہے کہ حضرت جابر کا گزشتہ واقعہ اور ہے یہ واقعہ دوسرا ہے مگر یہ دونوں واقعہ ہوئے حدیبیہ میں۔

روایت ہے حضرت عوف سے وہ ابورجاء سے ۱؎ وہ عمران ابن حصین سے راوی فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو لوگوں نے حضور سے پیاس کی شکایت کی آپ اترے اور فلاں کو بلایا ابو رجاء اس شخص کا نام لیتے تھے اسے عوف بھول گئے اور جناب علی کو بلایا ۲؎ پھر فرمایا تم دونوں جاؤ پانی تلاش کرو وہ چلے تو دونوں ایک عورت سے ملے جو دو بڑے یا چھوٹے توبڑوں کے درمیان تھی ۳؎ توبڑے پانی کے تھے وہ دونوں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اسے اس کے اونٹ سے اتارا ۴؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگایا پھر ان توبڑوں کے منہ سے اس میں پانی انڈیلا اور لوگوں میں آواز دی گئی کہ پی لو ۵؎ چنانچہ لوگوں نے خوب پیا فرمایا کہ ہم چالیس پیاسے آدمیوں نے پیا حتی کہ سیر ہوگئے پھر ہم نے اپنے ساتھ والے مشکیزے اور برتن بھر لیے ۶؎ اللہ کی قسم ان سے پانی لینا جب بند کیا	

	گیا تو ہم کو خیال ہوتا تھا کہ وہ ابتداء کے مقابلہ میں اب زیادہ پُر ہیں ۷(مسلم،بخاری)

۱؎عوف تبع تابعی ہیں اور ابو رجاء تابعی ہیں ابو رجاء کا نام عمران ابن تمیم عطاردی ہے ،حضور انور کے زمانہ ہی میں مسلمان ہوگئے تھے مگر زیارت نہ کرسکے،بہت بڑی عمر پائی ۱۰۷ھ ایک سو سات میں وفات ہوئی،ایک سو بیس سال سے زیادہ عمر پائی۔ (مرقات و اشعہ)

۲؎یعنی حضور انور نے دو صاحبوں کو یہ حکم دیا ایک تو حضرت علی تھے، دوسرے فلاں صاحب تھے ان فلاں کا نام مجھے یاد نہ رہا ابو رجاء نے بتایا تھا عوف بھول گئے۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اپنے دکھ درد حضور کو سنانا اور ان کے دفعیہ کے لیے حضور سے عرض کرنا نہ تو توکل کے خلاف ہے نہ شرک ہے بالکل جائز ہے دیکھو پیاس کی شکایت حضور سے کی۔اب بھی اپنے دکھ درد حضور سے کہنا بالکل جائز ہے،ہم بھیک مانگنے ہی کو پیدا ہوئے،حضور بھیک دینے کو آئے"وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ"۔

۳؎یعنی ایک حبشی عورت اونٹ پر سوار تھی اس کی دونوں جانب دو چھوٹے یا بڑے مشکیزے پانی کے بھرے ہوئے لٹک رہے تھے اور یہ عورت چلی جارہی تھی۔

۴؎ھا ضمیر یا تو اس عورت کی طرف ہے یا اس کے مشکیزہ کی طرف یعنی اس عورت کو یا مشکیزے کو اونٹ سے اتارا یہ عورت بڑی مشکل سے حضور انور کی خدمت میں لائی گئی تھی وہ آنے پر تیار نہ تھی کیونکہ اس کے سفر میں حرج ہوتا تھا،جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔ یہاں دو باتیں دھیان میں رکھی جاویں: ایک یہ کہ ان دونوں صحابہ نے اس عورت کو حاضر بارگاہ کردیا اس کا پانی نہیں چھین لیا کیونکہ وہ عورت اس پانی کی مالکہ تھی اور مالک کی مرضی کے بغیر اس کی چیز استعمال نہیں کرسکتے،ہاں خود مالک کو حضور کی بارگاہ میں حاضر کردیا، دوسرے یہ کہ کسی کو جبرًا روکنا اسے اس کی سواری سے جبرًا اتارنا،اس کا پانی بغیر اس کی مرضی کے لے لینا قانون کے لحاظ سے ممنوع ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے مالک ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں ملک تام بخشی ہے مالک اپنی لونڈی غلام میں ہر طرح تصرف کرسکتا ہے اس کی جان میں بھی اس کے مال میں بھی،خصوصًا جب کہ اس تصرف میں اس شخص کا نقصان بھی نہ ہو۔

۵؎یعنی مشکیزے کے منہ سے پانی ایک برتن لگن وغیرہ میں ڈالا اور لوگوں نے اسی لگن سے پانی لیا کہ لوگ اس برتن سے پانی لیتے تھے۔اسقو کے معنی یہ ہیں کہ خود بھی پی لو اپنے جانوروں وغیرہا کو بھی پلالو۔

۶؎یعنی فی الحال سب نے پانی پی بھی لیا اور آئندہ پینے کے لیے بھر بھی لیا،وضو و غسل بھی کرلیے حضور انور نے اس مشکیزہ کا کنکشن حوض کوثر سے کردیا تھا غالبًا یہ پانی وہاں سے آرہا تھا۔

۷؎یعنی پانی کی برکت کا یہ حال تھا کہ ہم کو محسوس ہوتا تھا کہ جب پانی لینا شروع کیا گیا تھا اس وقت سے اب یہ مشکیزہ زیادہ پر ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی چیز ہمارے استعمال سے کم نہ ہو تو اس کی بغیر اجازت

وہ چیز لے سکتے ہیں لہذا دوسرے کے چشمہ والے کنوئیں سے پانی بھر سکتے ہیں کسی کی روشنی سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں،بچوں سے ایصال ثواب کراسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حتی کہ ہم ایک وسیع جنگل میں اترے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت(استنجاء) کے لیے گئے تو ایسی کوئی چیز نہ پائی جس سے آڑ کریں ۲؎ حضور نے جنگل کے کناروں میں دو درخت دیکھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کی طرف گئے اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑی فرمایا اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر ۳؎ وہ آپ کے ساتھ اس مہار والے اونٹ کی طرح چلے جو اپنے چلانے والے کی اطاعت کرتا ہے ۴؎ حتی کہ آپ دوسرے درخت کے پاس پہنچے ۵؎ تو اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ پکڑی فرمایا اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر وہ بھی اسی طرح حضور کے ساتھ چلا کہ جب ان دونوں کے بیچ میں ہوئے ۶؎ تو فرمایا اللہ کے حکم سے مجھ پر مل جاؤ وہ دونوں مل گئے میں بیٹھ گیا اپنے دل میں کچھ سوچتا تھا ۷؎ میرا اور طرف دھیان گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا اور درختوں کو دیکھا ۸؎ کہ جدا ہوگئے تھے ان میں سے ہر ایک اپنی پنڈلی پر کھڑا ہوگیا تھا ۹؎ (مسلم)	

۱؎ افیح بنا ہے فیح سے بمعنی چوڑائی افیح کے معنی ہیں بہت فراخ لمبا چوڑا جنگل۔

۲؎ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دور چلے گئے تھے مگر پھر بھی بغیر آڑ کے استنجاء کرنا مناسب نہ سمجھا۔بہتر یہ ہی ہے کہ جنگل میں آڑ میں استنجاء کرے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ درخت بھی حضور انور کی بات سنتے ہیں، سمجھتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں جیسے حضور انور ان سب کی یوں سنتے سمجھتے ہیں،ان کے فیصلے کرتے ہیں ایسے ہی وہ تمام چیزیں حضور کی بات جانتی مانتی ہیں۔

۴؎ درخت کے چلنے کی نوعیت یہ ہوئی کہ درخت کی جڑیں باہر آگئیں اور درخت مع اپنی جڑ کے حضور انور کے پیچھے پیچھے ہولیا۔یہ ہے حضور کی بادشاہت مطلقہ کہ انسان و جانور تو کیا درختوں پر بھی جاری ہے وہ بھی حضور کی اطاعت کرتے ہیں اگر انسان حضور کی فرمانبرداری نہ کرے تو درختوں سے بدتر ہے۔

۵؎ سبحان اللہ! یہ ہے حضور کا خدا داد اختیار اور ملکیت اور سارے جہان پر بادشاہت اس درخت کو وہاں دوسرے درخت کے پاس کھڑا نہ کردیا بلکہ اس دوسرے درخت کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا اس طرح کہ ایک ہاتھ میں ایک درخت کی شاخیں تھیں، دوسرے ہاتھ میں دوسرے درخت کی شاخیں تھیں اور دونوں درخت حضور انور کے پیچھے دوڑے آرہے ہیں۔وہ نظارہ بھی قابلِ دید ہوگا جب مطیع فرمانبردار اونٹوں کی طرح حضور کے پیچھے یہ دونوں درخت دوڑے چلے آرہے ہوں گے۔حضور انور صرف آواز دے کر بھی ان درختوں کو بلا سکتے تھے مگر یہ نظارہ دکھانے کے لیے خود انہیں پکڑ لائے۔

۶؎ یعنی جب یہ دونوں درخت ان کے بیچ کی جگہ میں پہنچے تو ان دونوں کو ملادیا ان کے ملنے سے پردہ بن گیا۔

۷؎ یعنی میں کچھ سوچنے لگا،نگاہ میری ان درختوں سے ہٹ گئی۔

۸؎ بعض نسخوں میں الشجرتان ہے تب تو ظاہر ہے کہ الشجرتان مبتداء ہے اور قد افترقتا خبر اور ہمارے نسخوں میں الشجرتین ہے تو نظرت فعل پوشیدہ ہے جس کا یہ مفعول ہے۔

۹؎ یعنی اب جو میں نے دیکھا تو وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ پہنچ چکے تھے میں ان کا جانا نہیں دیکھ سکا پلک جھپکتے وہ دونوں واپس ہوگئے۔معلوم ہوتا ہے کہ آئے تھے حضور کے پکڑنے سے، گئے حضور کے محض حکم اور اشارہ سے حضور کا پکڑنا اور حکم دینا ایک ہی درجہ کا ہے۔

روایت ہے حضرت یزید ابن ابی عبیدہ سے ۱؎ فرمایا کہ میں نے سلمہ ابن اکوع کی پنڈلی میں ایک چوٹ کا اثر دیکھا تو میں نے کہا کہ اے ابو مسلم یہ چوٹ کیسی ہے ۲؎ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ چوٹ ہے جو مجھے خیبر کے دن لگی تھی تو لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہوگئے ۳؎ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے تین بار دم فرمایا تو میں اس وقت تک تکلیف میں گرفتار نہیں ہوا ۴؎ (بخاری)	

۱؎ آپ امام بخاری کے استاذ کے استاذ ہیں مکی ابن ابراہیم امام بخاری کے استاذ ہیں اور یزید ابن ابی عبید مکی ابن ابراہیم کے استاذ، آپ تابعی ہیں،حضرت سلمہ ابن اکوع کے آزاد کردہ غلام ہیں۔آپ سے یحییٰ ابن سعید نے روایت کی۔

۲؎ یعنی میرے مولیٰ حضرت سلمہ ابن اکوع کے پنڈلی میں بہت گہرے زخم کا اثر تھا میں نے اس زخم کی تاریخ پوچھی کہ یہ زخم کہاں اور کب لگا تھا۔

۳؎ خیال رہے کہ خیبر میں باقاعدہ جنگ نہ ہوئی تھی وہاں جھڑپیں کئی ہوئیں تھیں کسی جھڑپ میں آپ کو یہ چوٹ آئی تھی،رب تعالیٰ خیبر کے متعلق فرماتا ہے:"وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا"جس میں فرمایا گیا کہ مسلمان نہایت آسانی سے خیبر کی غنیمتیں حاصل کریں گے۔

۴؎ یعنی حضور کے دم فرماتے ہی آرام ہوگیا اور پھر کبھی مجھے تکلیف نہ ہوئی۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات زید جعفر،ابن رواحہ کی خبر موت لوگوں کو سنائی ۱؎ان کی خبر آنے سے پہلے تو فرمایا کہ جھنڈا زید نے لیا وہ شہید ہوگئے پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے پھر ابن رواحہ نے لیا وہ بھی شہید ہوگئے ۲؎آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں حتی کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا ۳؎یعنی خالد ابن ولید نے حتی کہ اللہ نے ان پر فتح دی ۴؎(بخاری)

۱؎یہ واقعہ غزوہ موتہ میں ہوا جو ۸ آٹھ ہجری میں ہوا،اس غزوہ میں مسلمان تین ہزار تھے اور ہرقل کی رومی فوج ایک لاکھ تھی۔(مرقات،اشعہ)

۲؎حضور انور نے لشکر اسلام روانہ فرماتے وقت سپہ سالار مقرر فرمادیئے تھے کہ اولًا زید ابن حارثہ سپہ سالار ہوں گے،پھر حضرت جعفر ابن ابی طالب طیار،پھر ان کی شہادت کے بعد عبداللہ ابن رواحہ ہوں گے۔موتہ میں یہ حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہورہے تھے اور یکے بعد دیگرے جھنڈا لے رہے تھے اور یہاں حضور مسجد نبوی شریف میں ان تمام واقعات کی خبر دے رہے تھے یہ ہے حضور انور کا علم غیب بلکہ حاضر و ناظر ہونا آج دوربین کے ذریعہ انسان دور کی چیز دیکھ لیتا ہے۔تو نبوت کی دوربین کا کیا کہنا اس زمانہ میں جھنڈا لشکر کے سردار کے ہاتھ میں ہوتا تھا حضور انور کا یہ فرمان کہ جھنڈا فلاں نے لیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امیر لشکر بن گئے۔

۳؎ حضور انور نے جناب خالد کو امارت کے لیے منتخب و نامزد نہیں کیا تھا حضرت عبداللہ ابن رواحہ کی شہادت پر جناب خالد نے خود جھنڈا لے لیا اور لشکر کے امیر بن گئے۔سیف اللہ سے مراد ہے بڑے بہادر،اللہ تعالٰی کی طرف نسبت عظمت کے لیے ہے اس دن حضرت خالد نے کفار اس قدر قتل کیے کہ آپ کے ہاتھ میں سات تلواریں ٹوٹیں اس زمانہ میں تلوار توڑ دینا بڑی بہادری کی علامت تھی۔غالبًا اس دن سے حضرت خالد کا لقب سیف اللہ ہوا،حضرت خالد نے شہادت کی بہت تمنا کی مگر میسر نہ ہوئی کیونکہ اللہ کی تلوار کون توڑتا۔

۴؎ غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ رومیوں پر فتح پائی آج مشرق وسطی یعنی فلسطین وغیرہ میں مسلمان پانچ کروڑ سے زیادہ ہیں مگر بیس لاکھ اسرائیلی ان کے لیے آفت بنے ہوئے ہیں قوتِ ایمانی بڑی طاقت ہے۔شعر

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے　　　مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

	روایت ہے حضرت عباس سے فرماتے ہیں کہ میں حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا ۱؎ تو جب مسلمان و کفار بھڑ پڑے تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے ۲؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی

طرف اپنے خچر کو ایڑھ مار رہے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے تھا ۳؎ اسے روک رہا تھا کہ کہیں تیز نہ چل پڑے ۴؎ اور ابوسفیان ابن حارث ۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عباس بیعت الرضوان والوں کو پکارو ۷؎ تو جناب عباس نے کہا اور وہ تھے بہت بلند آواز ۸؎ آپ نے اپنی بلند آواز سے پکارا کہ بیعت رضوان والے کہاں ہیں فرمایا اللہ کی قسم گویا جب انہوں نے میری آواز سنی تو میں نے انہیں ایسے پھیرلیا جیسے گائے اپنے بچوں پر موڑتی ہے ۹؎ وہ بولے ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں حضور نے فرمایا کفار سے جنگ کرو انصار کے متعلق پکار یہ تھی کہ کہتے تھے اے گروہ انصار اے گروہ انصار راوی نے فرمایا کہ پھر بنی حارث ابن خزرج پر بلاوا محدود ہوگیا ۱۰؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر دوڑائی حالانکہ آپ اپنے خچر پر تھے گویا آپ اس پر جہاد کفار کے منتظر تھے ۱۱؎ تو فرمایا کہ یہ لڑائی گرم ہونے کا وقت ہے ۱۲؎ پھر چند کنکریاں لیں وہ کفار کے منہ کی طرف پھینکیں پھر فرمایا قسم رب محمد کی یہ بھاگ نکلے ۱۳؎ تو خدا کی قسم کچھ نہ ہوا سوا اس کے کہ حضور نے ان پر کنکریاں پھینکیں میں دیکھتا رہا ان کی دھار کند اور ان کا معاملہ ذلت والا ۱۴؎ (مسلم)	

۱؎ حنین ایک جنگل کا نام ہے جو مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے اس گنہگار نے وہاں کی زیارت کی ہے۔ غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد ہوا، بنی ہوازن سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا تھا پہلے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے پھر اللہ نے مسلمانوں کو فتح کامل عطا فرمائی یہ بنی ہوازن جناب حلیمہ دائی کی ہم قوم تھی اس علاقہ میں جناب حلیمہ کا گھر تھا۔ حضور انور نے وہاں ہی پرورش پائی تھی غزوہ حنین بھی ۸ ہجری میں ہوا۔ (مرقات)

۲؎ اس غزوہ میں مسلمان بارہ ہزار تھے اور کفار قریبًا چار ہزار، مسلمانوں کو خیال ہوا کہ آج ہم زیادہ ہیں فتح پائیں گے رب تعالٰی کی طرف سے عتاب ہوا فرماتا ہے: "اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡـًٔا" ہوا یہ کہ

حضرات صحابہ حضور انور سے آگے کفار سے لڑرہے تھے،مسلمان قبیلہ ہوازن کی تیر اندازی کی تاب نہ لاسکے اس لیے ان کے قدم اکھڑ گئے تتر بتر ہو کر بھاگ پڑے،یہاں **المسلمون** سے مراد اکثر مسلمان ہیں سارے نہیں۔

۳؎ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بہادری کہ ایسی حالت میں خاطر اقدس پر قطعًا گھبراہٹ نہیں تنہا ہیں مگر کفار کی طرف ہی بڑھ رہے ہیں۔

۴؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خچر کفار کی طرف دوڑانا چاہتے تھے اور جناب عباس اسے روکتے تھے آپ چاہتے تھے مسلمان سب جمع ہو جاویں تب حضور کا خچر کفار میں پہنچے۔

۵؎ آپ کا نام مغیرہ ہے کنیت ابو سفیان آپ ابن حارث ابن عبدالمطلب ہیں حضور کے چچا زاد بھائی بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی کیونکہ حلیمہ بنت ابو ذویب سعدیہ نے آپ کو بھی دودھ پلایا زمانہ کفر میں حضور انور کے سخت خلاف تھے حضور کے خلاف قصیدے لکھا کرتے تھے،فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور زندگی بھر حضور انور کے سامنے کبھی سر نہ اٹھایا شرم وحیاء کی وجہ سے ۲۰ بیس ہجری میں وفات پائی،حضرت عمر نے جنازہ پڑھایا دار عقیل میں دفن ہوئے۔(اکمال)

۶؎ اس وقت حضور انور کے ساتھ صرف یہ دو حضرات ہی تھے باقی صحابہ کرام جن کے قدم نہ اکھڑے تھے۔وہ اپنے اپنے مقام معین پر کھڑے تھے۔

۷؎ سمرہ والے وہ حضرات ہیں جنہوں نے بیعۃ الرضوان میں شرکت کی تھی یعنی بیعت رضوان والے صحابہ چونکہ یہ بیعت ایک خار دار درخت کے نیچے ہوئی تھی اس لیے انہیں اصحاب سمرہ کہا جاتا ہے انہیں پکارنا مدد کے لیے تھا اور یہ بتانے کے لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں ادھر آؤ۔

۸؎ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عباس کی آواز چند میل تک پہنچتی تھی۔**صیتا** مبالغہ **صائت** کا **صائت** بمعنی آواز والا **صیتًا** بہت بڑی آواز والا۔

۹؎ یعنی جیسے گائے کے بچھڑے ہوئے بچے اپنی ماں کی آواز سن کر شوق و محبت میں دوڑے آتے ہیں ایسے ہی وہ حضرات میری آواز سن کر حضور انور کی طرف بڑے شوق سے آئے اور دوڑے ہوئے آئے۔

۱۰؎ یعنی ان تمام گروہوں کو علیحدہ علیحدہ آوازیں دی گئیں اور وہ سب حضرات آتے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہوتے گئے۔

۱۱؎ معلوم ہوا کہ بندوں سے مدد لینا انہیں مدد کے لیے بلانا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ سنت انبیاء کرام ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد کے لیے لوگوں کو پکارا"**مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰہِ**"۔**تطاول** کے معنی ہیں انتظار میں کسی کو گردن اٹھا کر دیکھنا کہ وہ ہماری مدد کرے۔

۱۲؎ **حمی** کے معنی ہیں گرم ہونا۔**وطیس** بمعنی تنور اس سے مراد جنگ و جہاد ہے(اشعہ)یعنی اب دیر نہ کرو جلد جہاد کرو یہ وقت رحمتِ الٰہی کے نزول کا ہے۔

۱۳؎ اس فرمان عالی میں غیبی خبر ہے چونکہ اس خبر کا وقوع یقینی تھا اس لیے مستقبل کو ماضی سے تعبیر فرمایا یعنی یقین کرلو کہ وہ بھاگ ہی گئے۔

۱۴؎ دھار کند ہونے سے مراد ہے ان کی تیزی ختم ہوجانا جوش ٹھنڈا پڑ جانا اور معاملہ ذلیل ہونے سے مراد ہے ان کفار کا ذلیل و خوار ہوجانا شکست کھا جانا۔اس واقعہ میں حضور انور کے دو معجزے ظاہر ہوئے: ایک فعلی دوسرا قولی۔فعلی معجزہ تو ایک مٹھی کنکروں کا تقسیم ہو کر سب کی آنکھوں میں پڑ جانا ہے اور قولی معجزہ ہے کہ یہ شکست کھا گئے پھر فورًا ہوا بھی ایسا ہی۔

روایت ہے حضرت ابو اسحاق سے ۱؎ کہ کسی نے حضرت براء سے کہا کہ اے ابو عمارہ تم حنین کے دن بھاگ گئے تھے ۲؎ تو فرمایا نہیں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری ۳؎ لیکن حضور کے نوجوان صحابہ اس طرح گئے تھے کہ ان کے پاس بہت سے ہتھیار نہ تھے ۴؎ تو وہ تیر انداز قوم سے ملے جس کا کوئی تیر زمین پر گرتا نہ تھا ۵؎ تو انہوں نے مسلمانوں کو زخمی کردیا ان کے تیر خطا نہیں کرتے تھے تب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر تھے ۶؎ اور ابوسفیان ابن حارث آپ کے خچر کو کھینچ رہے تھے ۷؎ تب حضور اترے فتح کی دعا کی اور فرمایا میں جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں ۸؎ پھر مسلمانوں کی صفیں بنائیں ۹؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام عمرو ابن عبداللہ ہے،سبعی مشہور تابعی ہیں،اڑتیس صحابہ سے ملاقات ہے آپ سے بہت احادیث مروی ہیں(اشعہ و مرقات)

۲؎ یہ سائل قبیلہ بنی قیس سے تھا اس کا نام معلوم نہیں ہوا ابو عمارہ کنیت ہے حضرت براء ابن عازب کی۔**فررتم** سے پہلے ہمزہ استفہام پوشیدہ **افررتم** ہے یعنی کیا تم حنین کے دن بھاگ گئے تھے۔

۳؎ یعنی لشکر کا بھاگنا اس کے افسر کے بھاگنے سے ہوتا ہے ہمارے افسر اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے حضور انور نے بھاگنے کا خیال بھی نہیں کیا پھر ہم کب بھاگے۔حضور انور کا جمارہنا ہم سب کا ڈٹا رہنا تھا **قراءۃ الامام له قراۃ**۔سبحان اللہ!کیا پیارا جواب ہے۔خیال رہے کہ حضور انور کی شان تو ہمارے خیال و گمان سے دراز ہے جس خوش نصیب پر حضور کی نظر ہوجاوے وہ کبھی کسی جنگ میں پیٹھ نہیں پھیرتا،جیسے حضرت ابوبکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم ان بزرگوں نے کبھی کسی جہاد میں پیٹھ پھیرنے کا خیال تک نہ کیا۔

۴؎ یعنی بے ہتھیار ناتجربہ کار نوجوان حضرات تھے۔

۵؎ یعنی ہوازن بڑے تیر انداز تھے ان کا نشانہ خطا نہ ہوتا تھا ہر تیر ہم لوگوں کو لگتا تھا اس لیے ہم میں زخمی بہت ہوئے۔اس کلام میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تمام صحابہ نے کبھی پیٹھ نہیں پھیری تھی صرف ناتجربہ کار لوگ ہی بھاگ پڑے تھے لہذا جماعت مسلمین کو فرارین نہیں کہا جاسکتا۔

۶؎ حضور کے اس خچر کا نام دلدل تھا(اشعہ)یہ چتکبرہ رنگ کا تھاجو مقوقش شاہ اسکندریہ نے حضور انور کو ہدیۃً بھیجا تھا ایک خچر اور بھی حضور کے پاس تھا جو فروہ ابن نفاثہ نے ہدیۃً حاضر کیا تھا۔اس خچر کا نام فضہ تھا وہ سفید رنگ کا تھا۔(مرقات)بعض شارحین نے اس کے برعکس بھی کہا ہے۔

۷؎ اولًا خچر کی لگام صرف حضرت عباس تھامے تھے پھر جب حالت نہایت نازک ہوئی اور کفار کا دباؤ بہت بڑھ گیا تو ابوسفیان ابن حارث بھی آگے آگئے انہوں نے بھی لگام پکڑی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ حضرت عباس لگام تھامے تھے اور رکاب جناب ابوسفیان پکڑے تھے۔(مرقات)

۸؎ حنین میں جب مسلمان تتربتر ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریبًا اکیلے رہ گئے اور کفار نے حضور انور کا خچر گھیر لیا اور بھرپور حملہ کرنا چاہا تب حضور انور گھبرائے بالکل نہیں بلکہ نہایت جرأت سے نیچے اترے تلوار سونت لی اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں جھوٹا نبی نہیں ہوں تاکہ بزدل ہوں،بلکہ سچا نبی ہوں سچے نبی بہادر ہوتے ہیں پھر میں عبدالمطلب کا فرزند جو بہادری شجاعت میں مشہور ہوا کہ بعض موقعوں پر خصوصًا جہاد میں کفار کے مقابل اپنے نسب پر فخر کرنا بالکل جائز ہے خصوصًا جب کہ نسب بہادری شجاعت میں مشہور ہو۔ہاں مسلمانوں کے مقابل اپنے نسب پر فخر کرنا اس طرح کہ دوسروں کی توہین ہو حرام ہے لہذا یہ فرمان عالی ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں نسب پر فخر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ایسے نازک موقعہ پر اپنے نسب کا ذکر دشمن کو مرعوب کرنے کا ذریعہ ہے۔حضرت عبدالمطلب سارے عرب میں بہادری شجاعت و کرامت و عزت میں مشہور تھے۔

۹؎ وہ ہی مسلمان جو تتر بتر ہونے کے بعد حضور انور کے پاس جمع ہوگئے ان کی صفیں بنائیں اس زمانہ میں صفیں بنا کر جنگ ہوتی تھی۔

	اور بخاری کی روایت میں ہے کہ اس کے معنی ہیں ان دونوں کی روایت میں ہے کہ براء کہتے ہیں خدا کی قسم جب جنگ سخت ہوتی تھی تو ہم حضور کی پناہ لیتے تھے ۱؎ اور ہم میں بہادر وہ تھا جو ان کے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہوتا ۲؎

۱؎ یعنی حضور انور جہادوں میں سب مجاہدین کی جائے پناہ ہوتے تھے کہ ہر طرف سے آپ ہی کے پاس آیا جاتا تھا بلکہ قیامت تک ہر مسلمان کی پناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ہر مصیبت ہر آفت میں حضور کی پناہ لو ابلیس کے دھوکوں سے حضور کی پناہ میں آؤ،فرماتے ہیں انا فئة المسلمین میں مسلمانوں کی پناہ ہوں۔

۲؎ عمومًا جہادوں میں سردار محفوظ مقامات میں کھڑے ہوتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں مشکل ترین جگہ پر کھڑے ہوتے تھے جہاں حضور ہوتے تھے وہاں ہی جنگ کا زور ہوتا تھا اس لیے آپ کے ساتھ آپ کے پاس کھڑے ہونا ہر شخص کا کام نہ تھا بہت بہادر ہی وہ جگہ سنبھالتا تھا۔

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی پیٹھیں پھر گئیں پھر جب کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا ۲؎ تو آپ خچر سے اترے پھر زمین سے مٹی کی مٹھی لی پھر اسے کفار کے چہروں کے سامنے کیا پھر فرمایا بگڑ گئے یہ چہرے ۳؎ تو ان میں سے اللہ نے کوئی انسان نہ پیدا فرمایا مگر اللہ نے اس کی آنکھیں اس مٹھی کی مٹی سے بھردیں پھر وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے ۴؎ اللہ نے انہیں شکست دے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غنیمتیں مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں ۵؎ (مسلم)

۱؎ اصحاب سے مراد بعض صحابہ ہیں نہ کہ سارے۔(مرقات)پیٹھ پھیرنے کی وجہ ابھی پچھلی احادیث میں ذکر کی گئی ان حضرات صحابہ کا ناتجربہ کار کم ہتھیار ہونا اور اپنی زیادتی پر اعتماد کرنا مقابل کفار کا بہت نشانہ باز تیر انداز ہونا کہ ان کا کوئی تیر بغیر زخمی کیے نہ گرتا تھا۔

۲؎ **غشوا** بنا ہے **غشیان** سے بمعنی چھا جانا گھیر لینا،سینکڑوں کفار نے ایک ذات کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تھا مگر حضور انور کے قلب پاک پر گھبراہٹ مطلقًا نہیں آئی۔

۳؎ اس موقعہ پر حضور انور نے تین کام کیے تلوار سونت کر خچر سے اترنا،وہ رجز پڑھنا کہ **انا النبی لا کذب،انا ابن عبدالمطلب**۔تیسرا یہ عمل کہ مٹھی بھر کر مٹی کافروں پر پھینکنا۔ خیال رہے کہ بعض موقعوں پر حضور انور کے منہ شریف سے بے تکلف شعر صادر ہوئے ہیں یہ شعر بھی انہیں میں سے ہے لہذا یہ واقعہ اس آیت کے خلاف نہیں"**وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ**"وہاں مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں یا ہم نے محبوب کو شعر گانے کا ملکہ نہیں دیا۔**شاھت** کے معنی ہیں بگڑ گئے،پھرگئے۔

۴؎ اس واقعہ میں حضور انور کے تین معجزے ہیں:(۱)ان سب کی آنکھوں میں مٹی پہنچ جانا(۲)اتنی تھوڑی مٹی سے چار ہزار کافروں کی آنکھیں بھر جانا(۳)ان سب کا ایک مٹھی مٹی سے شکست کھا جانا کہ کفار کو شکست مسلمانوں کی تلوار سے ہوئی مگر اس کی ابتداء اس مٹھی مٹی سے ہوئی۔

۵؎ یعنی مسلمانوں کو فتح،عزت مال،غنیمت،غلام لونڈیاں سب کچھ ہی ملیں مگر ان کے غلام لونڈیاں بعد میں واپس کردیں گئیں اور ان کے مال بطور غنیمت تقسیم کیے اس لیے تقسیم مال کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والوں میں سے ایک شخص کے متعلق فرمایا۱؎ جو دعویٰ اسلام کرتا تھا۲؎ کہ یہ دوزخ والوں میں سے ہے۳؎ تو جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے سخت جہاد کیا اور اس کو زخم بہت آئے تو وہ آیا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غور تو فرمایئے کہ جس کے متعلق حضور نے خبر دی تھی کہ دوزخی ہے اس نے تو اللہ کی راہ میں سخت جہاد کیا حتی کہ اس کو بہت زخم پہنچے۴؎ تو فرمایا آگاہ رہو وہ ہے دوزخی۵؎ قریب تھا کہ بعض لوگ تردد کرجائیں۶؎ تو جب وہ اسی حال میں تھا کہ اس نے زخم کی تکلیف بہت محسوس کی تو اپنا ہاتھ اپنے ترکش کی طرف بڑھایا ایک تیر نکالا اس سے اپنے کو ذبح کرلیا۷؎ تو کچھ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے بولے یارسول اللہ رب تعالٰی نے آپ کی بات سچی کردی۸؎ فلاں شخص نے اپنے کو ذبح کرلیا اور خودکشی کر لی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر۹؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۱۰؎ اے بلال اٹھو اعلان کرو کہ جنت میں نہ جائے گا مگر مؤمن۱۱؎ اور اللہ تعالٰی اس دین کو فاسق آدمی سے بھی قوت دے گا۱۲؎ (بخاری)

۱؎ **معہ** فرماکر یہ بتایا کہ اس شخص کا جسم حضور کے ساتھ تھا دل نہ تھا یعنی وہ حقیقتًا منافق تھا یا وہ عارضی طور پر حضور انور کے ساتھ تھا آخر علیحدہ ہونے والا تھا کہ کافر ہو کر مرنے والا تھا۔

۲؎ یعنی اس شخص پر کوئی علامت کفر موجود نہ تھی بظاہر مسلمان مجاہد غازی تھا حضرات صحابہ کے ساتھ رہتا تھا۔

۳؎ یہ ہے حضور کا علم غیب کہ ہر شخص کے انجام سے خبردار ہیں کہ کون مؤمن مرے گا کون کافر،سعادت و شقاوت کا علم بھی علوم خمسہ میں سے ہے۔

۴؎ یعنی اس کے ظاہری حالات اہلِ جنت کے سے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ مجاہد غازی صابر معلوم ہورہا ہے تعجب ہے کہ حضور نے اسے دوزخی فرمایا ہے۔

۵؎ یعنی وہ کچھ بھی عمل کرے زخمی ہو یا زخمی کرے وہ ہے دوزخی جو ہمارے منہ سے نکل چکا وہ ہو کر رہے گا۔جیسے یوسف علیہ السلام نے قیدی باورچی اور ساقی سے فرمایا تھا"قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡہِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ"جو میرے منہ سے نکل گیا وہ اٹل ہے یعنی ٹل نہیں سکتا اس لیے بعد میں ساقی نے آپ سے کہا یوسف ایھاالصدیق کیونکہ صدیق وہ ہے کہ جو وہ کہہ دے وہ ہو کر رہے۔

۶؎ یعنی اس شخص کے ظاہری حالات ایسے تھے کہ ممکن تھا کہ بعض لوگ اس خبر کی حقانیت میں تردد اور اس کے جنتی ہونے کا گمان کرلیں اور اپنا ایمان خراب کرلیں کیونکہ نبی کی خبر میں تردد کرنا کفر ہے۔

۷؎ بعض روایات میں ہے کہ اس نے اپنی تلوار زمین پر رکھی اور اس کی نوک پر اپنا پیٹ رکھ کر اس پر لد گیا حتی کہ تلوار کی نوک اس کی پیٹھ سے نکل گئی۔مگر دونوں روایتوں میں تعارض نہیں اس نے پہلے تو تیر سے اپنے کو ذبح کیا مگر جب اس سے اس کی جان نہ نکلی تو یہ حرکت کی بہرحال وہ حرام موت مرا یا کافر ہو کر مرا یا فاسق ہو کر ظاہر یہ ہے کہ کافر ہو کر مرا ظاہری حالت لوگوں نے دیکھ لی کہ اس نے خودکشی کی دل کی حالت کی خبر حضور انور نے دے دی اس کا یہ کام اس کے دلی کفر کی علامت بن گیا۔خیال رہے کہ خودکشی حرام ہے اور خودکشی کرنے والا حرام موت مرکر دوزخ کا مستحق ہوتا ہے۔اگر ایمان پر مرا ہے تو بہت عرصہ دوزخ میں رہے گا اور اگر کافر مرا ہے تو ہمیشہ رہے گا حضور انور کا فرمان کہ یہ اہلِ نار ہے دونوں کو شامل ہے۔

۸؎ یہ حضرات اس خوشی میں آئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کو اللہ نے سچا کردکھایا حضور کی عظمت کا ظہور حضور کے علمِ غیب کی تصدیق مؤمنوں کے لیے خوشی و فرحت کا ذریعہ ہے جو لوگ حضور کے علم غیب کی خبروں سے چڑ جاتے ہیں وہ مؤمن نہیں۔

۹؎ حضور انور کا اللہ اکبر فرمانا خوشی کے طور پر تھا،خوشی اس کے مرنے کی نہ تھی بلکہ اس غیبی خبر کی تصدیق کی تھی۔

۱۰؎ معلوم ہوا کہ حضور انور کا علم غیب آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے۔یہاں اشھد فرمانا ظہور نبوت کی بنا پر ہے بمعنی مشاہدہ والی گواہی یہ فرمان عالی لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے۔یعنی اب تم لوگ میری عبدیت اور رسالت کی گواہی بالمشاہدہ دو تم نے پہلے مجھے علم الیقین سے رسول مانا اب عین الیقین سے رسول مانو جیسے ابراہیم اور عزیر علیہما السلام نے مردہ زندہ ہوتے دیکھ کر فرمایا"اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" یا "وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ"حضور انور کے معجزات تو آج بھی دیکھے جارہے ہیں رب تعالٰی بینا آنکھ عطا فرمائے۔

۱۱؎ یعنی بغیر ایمان کوئی نیکی جنت میں پہنچنے کا ذریعہ نہیں تمام نیکیوں کی درستی کے لیے ایمان ایسا ہی ضروری ہے جیسے نماز کے لیے وضو یا جیسے درخت کی سرسبزی کے لیے جڑ کا درست ہونا۔

۱۲؎ یعنی تا قیامت یہ طریقہ رہے گا کہ بعض لوگ دینی خدمات کریں گے جن سے اسلام کو قوت پہنچے مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں گے مگر وہ خود اس کے فائدوں سے محروم رہے جیسا کوئی ریا کار مسجد خانقاہ مدرسہ دینی بنا جاوے لوگ فائدے اٹھائیں یہ خود اپنی خراب نیت کی وجہ سے ثواب نہ پائے یا جیسے کوئی شخص صدقات جاریہ قائم کرے مگر اس کا خاتمہ خراب ہوجاوے لوگ اس کے صدقات کی وجہ سے جنتی بن جاویں وہ خود دوزخی ہو۔الٰہی تیری پناہ !لہٰذا کوئی اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو رب کا فضل مانگتا رہے۔

احمد یار احمق ہویا علم و دھیرا پڑھ کے پڑھے لکھے پر مان نہ کرنا پھٹ جاندا دودھ کڑھکے
شکلاں والیاں ناز دکھاون پکڑ نکالیاں جاون اوگنہاریاں عجز کماون قرب حضوری پاون

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا ۱؎ حتی کہ آپ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ نے فلاں کام کرلیا ہے حالانکہ کیا نہ ہوتا تھا ۲؎ حتی کہ جب ایک دن حضور سرکار میرے پاس تھے تو اللہ سے دعا کی پھر دعا کی ۳؎ پھر فرمایا کہ اے عائشہ کیا تمہیں خبر ہے کہ اللہ نے مجھے وہ بات بتادی جو میں نے اس سے پوچھی تھی ۴؎ میرے پاس دو شخص آئے ان میں سے ایک تو میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس ۵؎ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان صاحب کو کیا بیماری ہے اس نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے ۶؎ وہ بولا کس نے جادو کیا ہے کہا لبید ابن اعصم یہودی ۷؎ نے بولا وہ جادو کس چیز میں کیا گیا کہا کنگھی اور بالوں میں اور نر کھجور کے غلاف شگوفہ میں ۸؎ میں بولا تو وہ سامان کہاں ہے کہا ذروان کنویں میں ۹؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ اس کنویں تک گئے فرمایا یہ ہی وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا ہے ۱۰؎ اس کا پانی مہندی کے نچوڑ کی طرح ہے اور گویا اس کے درخت سانپوں کے سر ہیں ۱۱؎ پھر حضور نے اسے نکلوایا ۱۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ لبید ابن عاصم یہودی اور اس کی لڑکیوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں اور استعمالی کنگھی کے دندانوں میں حضور پر جادو کیا اور ان بالوں میں گیارہ گرہیں لگائیں تب حضور پر وہ اثر ہوا جو آگے مذکور ہے۔

۲؎ یعنی ان لوگوں نے جادو تو بہت ہی سخت کیا تھا مگر اس کا اثر حضور انور کی عقل،حافظہ،دل جگر وغیرہ پر مطلقًا نہ ہوا صرف خیال پر اثر ہوا وہ بھی دنیاوی کاموں میں کہ کھانا نہیں کھایا ہے اور خیال رہا کہ کھالیا دین پر کوئی اثر نہیں ہوا،نبی کے خیال پر جادو کا اثر ہو جانا بالکل درست ہے قرآن کریم نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا"فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَ عِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى"دیکھو فرعونی جادو گروں کے جادو کا اثر موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر یہ ہوا کہ ان کی لاٹھیاں رسیاں حرکت نہیں کرتی تھیں مگر آپ کو حرکت کرتی محسوس ہوتی تھیں جیسے زہر،تلوار بچھو کا ڈنگ جسم نبی پر اثر کرسکتے ہیں ایسے ہی جادو بھی ان پر اثر کرسکتا ہے۔یہ اثر شان نبوت کے خلاف نہیں دیکھو حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی علیہم السلام کو تلوار سے قتل کیا گیا ہمارے حضور کو خیبر میں زہر دیا گیا تو آپ پر اثر ہوا ہاں جب جادو کا معجزہ سے مقابلہ ہوگا تو جادو ناکام ہوگا۔یوں ہی ان حضرات کا دل زبان اس کے اثر سے محفوظ رہے گا کہ اس کا تعلق تبلیغ سے ہے اس جادو کا یہ واقعہ ٦ ہجری بعد صلح حدیبیہ کے ہوا جادو کا زور چالیس دن رہا ازالہ چھ ماہ کے بعد ہوا۔(اشعہ)

۳؎ یعنی حضور انور نے اس جادو کے دفع کے لیے بہت دعا فرمائی۔یہ تکرار تاکید کے لیے ہے یعنی خوب خوب دعا کی۔

۴؎ یعنی میں نے رب سے دعا کی تھی کہ مجھے بیماری کیا ہے کس وجہ سے ہے اگر جادو ہے تو کس چیز میں کیا گیا ہے اور سامان جادو کہاں ہے،رب نے مجھے بتادیا اور دفعیہ کا طریقہ بھی۔

۵؎ یعنی دو فرشتے دو مردوں کی شکل میں میرے پاس آئے جب میں سورہا تھا ایک میرے سرہانے دوسرا پائنتی بیٹھ گیا اور انہوں نے آپس میں سوال جواب کیے میں سن رہا تھا وہ سب کچھ بتا گئے۔

٦؎ خیال رہے کہ کفار جو آپ کے متعلق کہتے تھے مسحور اس کے معنی تھے مجنون یعنی جو جادو کے زور سے بے عقل کردیا گیا یہاں مطلوب کے معنی ہیں کہ جن پر جادو کیا گیا لہذا ان کے مسحور کہنے میں اور ان فرشتوں کے مطلوب کہنے میں بڑا فرق ہے،واقعی حضور انور پر جادو کیا گیا تھا مگر اس سے حضور کی عقل و ہوش و حواس پر مطلقًا اثر نہیں ہوا صرف خیال پر اثر ہوا۔

۷؎ جادو کیا تھا لبید کی لڑکیوں نے مگر ان کی مدد لبید نے کی تھی اور کہا بھی اس نے تھا اس لیے لبید کا نام لیا گیا۔خیال رہے کہ لفظ طب کے بہت معنی ہیں ان میں سے ایک معنی جادو ہے یہاں اسی معنی میں ہے۔

۸؎ **مشط** کنگھی کے دندے کو کہتے ہیں اور **مشاطه** سر یا داڑھی کے وہ بال جو کنگھی کرنے میں دندوں میں الجھ کر باہر آجاتے ہیں،**طلعه** کھجور کا نر درخت جب وہ غلاف میں ہو جس میں کھجور کے پھول محفوظ ہوتے ہیں اکثر جادو کنگھی سے نکلے ہوئے بالوں پر ہوتا ہے اس لیے بعض لوگ ان بالوں کی حفاظت کرتے ہیں اولًا ان پر کچھ تھوتکار دیتے ہیں پھر وہ بال کسی محفوظ جگہ میں ڈالتے ہیں۔

۹؎ اس کنوئیں کے تین نام ہیں ذرواں،ارواں اور ذی ارواں،مختلف احادیث میں یہ مختلف نام آئے ہیں یہ کنواں مدینہ منورہ سے باہر ابوزریق کے باغ میں تھا اب موجود نہیں تب ہی بند کردیا گیا تھا دیکھو مرقات وغیرہ۔

۱۰؎ معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں وہ کنواں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا بھی گیا تھا اور دکھایا بھی گیا تھا اس لیے اریتها فرمایا۔

۱۱؎ یعنی اس کنویں کا پانی نکالا نہیں جاتا تھا اس لیے پانی کا رنگ بدل گیا تھا اور اس کنویں پر جو طرفہ تھور کے درخت تھے جس کی شاخیں سانپ کے پھن کی طرح ہوتی ہیں ان پر باریک اور لمبے کانٹے ہوتے ہیں۔شیاطین سے مراد پھن والے سانپ ہیں۔

۱۲؎ اس طرح نکلوایا کہ آپ سرکار کنویں کے کنارہ پر کھڑے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و عمار کو کنویں میں اتارا انہوں نے جادو کا سامان نکالا موم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتلا تھا جس میں گیارہ سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں بالوں میں گیارہ گرہیں تھیں اس جگہ اس وقت جبریل امین سورۂ فلق اور سورۂ ناس لائے ان دونوں میں گیارہ آیتیں ہیں حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت پڑھتے تو پتلا میں سے ایک سوئی نکل جاتی تھی اور بالوں کی ایک گرہ کھل جاتی تھی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ کچھ ہلکا ہوجاتا تھا اس طرح گیارہ آیتیں پڑھنے پر گیارہ سوئیاں نکل گئیں اور گیارہ گرہیں کھل گئیں حضور انور بالکل صحت یاب ہوگئے۔(اشعۃ اللمعات)حضور انور نے اس یہودی سے بدلہ نہیں لیا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے آپ کچھ تقسیم فرمارہے تھے۱؎ کہ آپ کے پاس چھوٹی کوکھ والا ایک شخص آیا جو بنی تمیم سے تھا۲؎ بولا یارسول اللہ انصاف کیجئے۳؎ حضور نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں تو کون کرے گا اگر میں انصاف نہ کروں تو تو خائب و خاسر ہوجاوے۴؎ تو جناب عمر نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں فرمایا اسے چھوڑ دو۵؎ کیونکہ اس کے کچھ ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانے گا۶؎ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا۷؎ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۸؎ کہ اس کی نوک اس کے پر اس کی قدح یعنی لکڑی اس کے نوک کے نیچے کو دیکھو تو اس میں کچھ نہیں پا جاتا ہے حالانکہ وہ گوبر اور خون میں سے گزرا ہے۹؎ ان کی نشانی ایک کالا آدمی ہے جس کے بازوں میں سے ایک بازو عورت کے پستان کی طرح ہوگا یا گوشت کی بوٹی کی طرح جو ہلتا ہو۱۰؎ یہ لوگ مسلمانوں کے بہترین فرقے کے خلاف

	خروج کریں گے ۱۱؎ حضرت ابو سعید نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے سنی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب علی ابن ابی طالب نے ان لوگوں پر جہاد کیا ۱۲؎ میں آپ کے ساتھ تھا ۱۳؎ تو آپ نے اس شخص کے متعلق حکم دیا وہ ڈھونڈا گیا اسے لایا گیا حتی کہ میں نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی علامت پر دیکھا ۱۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص آیا دھنسی ہوئی آنکھیں ابھری پیشانی گھنی داڑھی اونچی کنپٹی والا سر منڈا ہوا ۱۵؎ وہ بولا اے محمد اللہ سے ڈرو ۱۶؎ تو فرمایا کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کی اطاعت کون کرے گا مجھے اللہ تعالٰی زمین والوں پر امین بنائے اور تم مجھے امین نہ جانو ۱۷؎ ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت مانگی ۱۸؎ حضور نے منع فرمادیا جب وہ چلا گیا تو حضور نے فرمایاکہ اس کی پشت سے ایک قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی ۱۹؎ قرآن ان کے گلے سے نہ اترے گا ۲۰؎ وہ اسلام سے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے ۲۱؎ اگر میں انہیں پاؤں تو قوم عاد کی طرح قتل کروں ۲۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ واقعہ غزوہ حنین کا ہے جس میں مال غنیمت بہت زیادہ حاصل ہوا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں ایمان لانے والے مؤلفۃ القلوب کو بہت زیادہ عطا فرمایا حتی کہ ابو سفیان وغیرہم کو سو سو اونٹ عطا کیے یہ تقسیم مقام جعرانہ میں ہوئی،فقیر نے حنین اور جعرانہ کی زیارات کی ہیں۔

۲؎ یہ شخص پستہ قد تھا اسے اس وجہ سے ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا،عرب کا مشہور قبیلہ ہے یہ منافق تھا جیساکہ اس کے کلام سے ظاہر ہورہا ہے۔

۳؎ اس منافق نے یہ لفظ دو معنی والا بولا بظاہر معنی یہ تھے کہ آپ عطا میں برابری کیجئے ہر ایک کو یکساں دیجئے۔مگر اس کی نیت یہ تھی کہ آپ انصاف کیجئے ظلم نہ کیجئے آپ ظلم کررہے ہیں کہ حق دار کا حق مار کر غیر حق دار کو دے رہے ہیں۔یہ درحقیقت حضور کی نبوت کا انکار ہے نبی ظلم نہیں کرسکتے حضور انور اس کا یہ مقصد سمجھ گئے لہذا وہ جواب دیا جو آگے آرہا ہے۔(مرقات)

۴؎ یعنی مجھے رب تعالیٰ نے عدل قائم فرمانے کے لیے رحمت عالم بنا کر بھیجا میری ذات سے عدل،رحم،ایمان،عرفان قائم ہے اگر میں ہی عدل نہ کروں تو پھر تجھے امان و عرفان کیسے ملے گا تو تو بالکل ہی خائب و کاسر ہوجاوے گا،بندے اور رب کے درمیان نبوت ہی تو ہے جس سے بندہ کا تعلق قائم ہے اگر نبوت کا واسطہ بیچ میں نہ رہے تو بندے رب سے کٹ جائیں گے خائب و خاسر ہوں گے۔

۵؎ حضرت عمر نے اس کے قتل کی اجازت اس لیے مانگی کہ وہ مرتد ہوگیا۔حضور انور کی گستاخی کرکے مرتد قابل قتل ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا اس لیے ہے کہ حضور انور کی نظر لوح محفوظ پر ہے حضور جانتے ہیں کہ تقدیر الٰہی یہ ہے کہ اس کی نسل سے خوارج وہابی پیدا ہوں نیز یہ قتل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حق خود ہی چھوڑ دیا تو قتل ختم ہوگیا آج اگر کوئی یہ بکواس کرے تو قتل کیا جاوے گا دیکھو مرقات۔

۶؎ یعنی اس کی نسل سے ایسی قوم پیدا ہوگی جن کی ظاہری نمازیں قرآن خوانی تمہاری نماز قرآن خوانی سے زیادہ ہوگی۔میں نے مسقط کے خوارج دیکھے ہیں ان کے برادران دینی وہابی دیوبندی یہاں دیکھنے میں آرہے ہیں،بڑے نمازی مگر دین سے خارج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت گستاخ و بدگو۔

۷؎ خوارج کے متعلق ہر جگہ یہ ہی آتا ہے کہ قرآن بہت پڑھیں گے آج بھی وہابی دیوبندی قرآن ہی بہت پڑھتے ہیں۔

۸؎ رمیه بمعنی مرمیه ہے وہ شکار جسے تیر سے شکار کیا جاوے وہ تیر اس شکاری جانور کے پورے جسم میں داخل ہو کر نکلتا ہے مگر اس پر خون گوشت گوبر،پیشاب وغیرہ کا بالکل اثر نہیں ہوتا۔

۹؎ جیسے بندوق کے مختلف اجزاء کے مختلف نام ہیں: بٹ،سال بٹ،کراگری ایسے ہی تیر کے اجزاء کے بہت نام ہے تیر کا اگلا نوک والا دھار دار لوہا نصل کہا جاتا ہے،اس کے نیچے جو دو پر ہوتے ہیں انہیں نصاف کہتے ہیں اور تیر کی لکڑی قدح یا نفی کہلاتی ہے نصال کے نیچے کا حصہ خذذ کہا جاتا ہے۔مقصد یہ ہے کہ جیسے تیر اپنے تمام اجزا کے ساتھ اس جانور کے سارے اجزاء میں سے ہو کر نکل جاتا ہے مگر خود اس کے خون وغیرہ سے رنگین نہیں ہوتا ایسے ہی وہ لوگ اسلام میں آکر اسلام سے نکل جائیں گے۔اس طرح کہ ان میں اسلام کا کوئی اثر نہ ہوگا۔جیسا آج دیکھا جارہا ہے ان میں حافظ قاری،مولوی بہت مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں دین سے دور کا تعلق بھی نہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ان خوارج کے دل گویا تیر کی نصل نوک ہے ان کے سینے گویا تیر کے پر ہیں،ان کے بدن گویا تیر کی لکڑی ہے،ان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء گویا تیر کا خذذ ہیں کہ وہ لوگ عبادات اور علوم میں بڑی مشقتیں کریں گے مگر انہیں فائدہ کچھ نہ پہنچے گا۔(مرقات)خوارج کی تکفیر میں اختلاف ہے اس حدیث سے ان کا کفر ثابت ہوتا ہے۔(اشعہ)

۱۰؎ یعنی جب یہ فرقہ نکلے گا اس وقت ان کا سردار اس شکل کا ہوگا اس کا ایک ہاتھ ہوگا دوسرا ہاتھ نہ ہوگا بلکہ اس کے کندھے پر عورت کے پستان کی طرح گوشت ہوگا اس لیے اس کا نام ذو الثدیہ ہوگا۔

۱۱؎ خیال رہے کہ خوارج اگرچہ امیر معاویہ کو بھی برا کہتے ہیں مگر حضرت علی مرتضٰی اور اہل بیت اطہار کی بڑے سخت دشمن ہیں۔حضرت علی سے ہی انہوں نے جنگ کی اس فرمان عالی میں اسی طرف اشارہ ہے اس میں یہ بھی بتادیا کہ

امیر معاویہ اور ان کی جماعت مؤمنین ہیں مگر ان جنگوں میں وہ حق پر نہیں حق پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت ہوگی اس لیے علی خیر فرقة ارشاد ہوا یہ ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب۔

۱۲؎ جب حضرت معاویہ نے صلح کرنے کے لیے حکم یعنی پنچ منظور کرلیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری کو اپنا حکم مقرر کیا اور امیر معاویہ نے حضرت عمرو ابن عاص کو تو ان لوگوں نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ دونوں مشرک ہوگئے کیونکہ انہوں نے اللہ کے سوا کوئی حکم مان لیا وہ اس آیت کی وجہ سے انکاری ہوگئے "اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ"ان کی تعداد دس ہزار تھی حضرت عبداللہ ابن عباس کی فہمائش پر پانچ ہزار ان میں توبہ کرگئے حضرت ابن عباس نے یہ آیت پیش فرمائی "فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا" باقی پانچ ہزار ذوالفقار حیدری سے فی النار ہوئے ان کے چند آدمی بچے جن کی ذریت آج وہابیوں کی شکل میں ہمارے لیے وبال بنی ہے،یہ لوگ بھی ہر بات پر شرک کا فتویٰ جڑتے ہیں یہ شرک کا فتویٰ خوارج سے چلا ہے اب وہابیوں نے کتابیں شائع کی ہیں جن میں یزید ابن معاویہ کو برحق اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے دیکھو ان کی کتب خلافت معاویہ ویزید اور خلافت رشید ابن رشید حضرت امیر المومنین یزید صلی اللہ علی یزید۔(نعوذ باللہ)

۱۳؎ یعنی مجھے یہ فخر ہے کہ اس جہاد میں جناب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اس جماعت مرتضوی کے بڑے فضائل ہیں۔

۱۴؎ یعنی جناب علی رضی اللہ عنہ اس جہاد سے فارغ ہوئے اور خارجیوں کی لاشیں بکھری دیکھیں تو فرمایا کہ ان کے سردار کی لاش تلاش کرو۔بعض روایات میں ہے کہ بار بار تلاش کرنے پر بھی اس کی لاش نہ ملی تو فرمایا قسم خدا کی اس کی لاش انہیں لاشوں میں ہے تمہاری تلاش میں کمی ہے محمد مصطفیٰ کا فرمان برحق ہے پھر اس مردود کی لاش بہت سی لاشوں کے ڈھیر میں دبی ہوئی ملی بالکل وہ ہی علامات موجود تھیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھیں یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب۔

۱۵؎ اب بھی خوارج کی اور ان کی ذریت وہابیوں کی عموماً داڑھی لمبی،سر منڈا ہوا پیشانی پر سجدہ کے داغ گھٹنے تک پائجامے یا اونچے تہبند ہوتے ہیں خوارج کی یہ علامات دوسری روایات میں آئی ہیں۔اہل سنت کو چاہیے کہ داڑھی ایک مشت سے زیادہ نہ رکھیں سر منڈانے کی عادت نہ ڈالیں،ان لوگوں کی علامات سے بچیں حج کے سوا کبھی سر نہ منڈائیں کفار کی علامات سے بچیں۔

۱۶؎ اس بے ہودہ بکواس میں دو گستاخیاں ہیں: ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام شریف سے پکارنا حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے:"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ"الخ۔دوسرے حضور انور کے عمل شریف کو ظلم سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل و انصاف کی تبلیغ کرنا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف کے مرکز ہیں،حضور کی بارگاہ سے خوفِ خدا عشق رسول لوگوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۷؎یعنی اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق میں ساری نعمتوں کا قاسم مجھے بنایا اللہ المعطی وانا قاسم اس نے مجھے امین بنایا ہے تب ہی تو تقسیم میرے سپرد کی ہے اور تم مجھے امین نہیں جانتے۔

۱۸؎قتل کی یہ اجازت مانگنے والے حضرت عمر تھے رضی اللہ عنہ جیسا کہ پچھلی روایت میں گزرا اور حضور انور کی ممانعت کی وجہیں بھی وہاں ہی بیان ہوئیں اب ایسی بکواس کرنے والے کی سزا قتل ہی ہے کہ وہ مرتد ہے۔

۱۹؎اس غیب داں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا ظہور آج بھی ہورہا ہے،خوارج اور وہابی دیوبندی قرآن پر بہت زور دیتے ہیں سب کو قرآن کے نام پر اپنی طرف بلاتے ہیں حتی کہ اپنی انجمنوں مدرسوں کے ناموں میں قرآن ضرور رکھتے ہیں اشاعت القرآن، تبلیغ القرآن،اپنے کو شیخ القرآن کہلواتے ہیں۔خیال رکھو کہ اگر دل میں قرآن والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ ہو تو قرآن سے صرف گمراہی ملتی ہے"یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا"ترجمہ قرآن ابوجہل ابولہب بھی جانتا تھا مگر کافر رہا۔

۲۰؎کیونکہ ان کی زبان پر قرآن ہوگا دل میں شیطان،عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر قرآن ہو دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان،بغیر پاور بجلی کی فٹنگ بے کار ہے یہ فیضان اور ہے جس کے لیے مدینہ منورہ سے کنکشن ضروری ہے یہ لوگ قرآن کو شکار کا جال بناتے ہیں ۔

حافظامے خورد زندگی کن و خوش باش دلے | دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

۲۱؎اس پیش گوئی کا مشاہدہ آج بھی ہورہا ہے۔وہابیوں دیوبندیوں کی جنگ ہمیشہ مسلمانوں سے ہی رہی یہ ہی لوگ مسلم لیگ کے دشمن رہے،کانگریس کے حامی پاکستان کے مخالف رہے،ہندوستان کے حامی مسلمانوں کو مشرک بناتے ہیں اور گاندھی جواہر لال پر دل سے نثار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پڑھنا شرک کہتے ہیں مگر کانگریس کے ترنگے جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں۔جواہر لعل نہرو کو مرحبا یا نہرو رسول امن نجدیوں نے ہی کہا یہ ہے اس پیش گوئی کا مشاہدہ۔

۲۲؎یعنی جیسے قوم عاد ایسی تباہ کی گئی کہ ان کا فرد بشر نہ بچا ایسے ہی میں انہیں قتل کرتا ان کا ایک فرد بشر باقی نہ رہتا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو قتل نہ کرنے دیا اس کی ذریت کے قتل کے متعلق فرمایا کیونکہ ابھی یہ شخص مسلمانوں کے مقابل نہ آیا تھا اس کی ذریت طاقت حاصل کرکے سلطان اسلام کے مقابل آوے گی اس لیے اس وقت قتل کی مستحق ہوگی الحمدللہ یہ کام حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے کیا ۔

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن | پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف بلاتا تھا وہ مشرکہ تھی ایک دن میں نے اسے دعوت دی۱؎تو اس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ باتیں سنائیں جو میں ناپسند کرتا ہوں ۲؎تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

	میں روتا ہوا گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ رب سے دعا فرمائیں کہ وہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے حضور نے کہا اے اللہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے تو میں خوشی خوشی نکلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ۳؎ تو جب میں دروازے تک پہنچا تو وہ بند تھا ۴؎ میری ماں نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو بولیں اے ابوہریرہ وہاں ہی رہو اور میں نے پانی کی چھلک سنی انہوں نے غسل کیا پھر اپنی قمیص پہنی اور اپنے دوپٹہ سے جلدی کی ۵؎ دروازہ کھولا پھر بولیں اے ابوہریرہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا میں خوشی سے رورہا تھا حضور نے اللہ کا شکر کیا اور دعا خیر کی ۶؎ (مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے والدین کو بھی تبلیغ کی جاوے جب وہ کافر مشرک بت پرست ہوں یوں ہی اگر وہ مصیبت میں گرفتار ہوں تو بھی انہیں تبلیغ کی جاوے۔

۲؎ یعنی میری ماں نے شان مصطفوی میں ایسی گستاخی کی جس کا خیال کرنا منہ سے نکالنا کسی کو سنانا بھی ناپسند کرتا ہوں۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سنتے ہی مجھے یقین ہوگیا کہ میری ماں کو ضرور ہدایت ملے گی اور ان شاءاللہ ابھی ملے گی اس لیے میں خوش ہو کر قدرت خدا کا نظارہ کرنے اپنے گھر گیا۔

۴؎ اور یہ بندش دروازہ خلاف عادت تھی اس لیے مجھے تعجب ہوا۔

۵؎ یعنی میری والدہ خوشی خوشی دروازہ کھولنے اتنی جلدی آئیں کہ انہوں نے صرف تہبند اور قمیص ہی پہنی دوپٹہ نہ اوڑھا اسی حالت میں دروازہ کھولا اور مجھے کلمہ طیبہ سنایا اور مجھے اپنے ایمان کا گواہ بنایا۔

۶؎ کہ خدا تعالٰی ان کو دین پر استقامت دے۔معلوم ہوا کہ نو مسلم کے لیے دعا استقامت کرنا سنت ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرمایا تم کہتے ہو ۱؎ کہ ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات زیادہ کرتے ہیں ۲؎ اور اللہ وعدہ والا ہے ۳؎ میرے مہاجر بھائیوں کو بازار میں چیخ پکار مشغول رکھتی تھی اور میرے انصاری بھائیوں کو ان کے مالوں میں کام کاج مشغول رکھتا تھا ۴؎ میں ایک مسکین آدمی تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن دل بھر کے

	پکڑے رہتا تھا۵؎ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم میں سے کوئی اپنا کپڑا پھیلا دے حتی کہ میں اپنا یہ کلام پورا کرلوں پھر وہ اپنے سینے سے لگائے پھر کبھی میرا کوئی کلام بھول جاوے ۶؎ چنانچہ میں نے کمبل پھیلادیا مجھ پر اس کے سواء اور کوئی کپڑا نہ تھا ۷؎ حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام پورا کرلیا پھر میں نے وہ کمبل اپنے سینے سے لگالیا تو اس کی قسم جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنے اس دن سے حضور کا کوئی فرمان نہ بھولا ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس کلام میں خطاب یا تو تابعین سے ہے یا اس زمانہ کے بقیہ صحابہ کرام سے جو یہ چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

۲؎ خیال رہے کہ ان صحابہ یا تابعین کا یہ کہنا کہ ابوہریرہ بہت احادیث کی روایت کرتے ہیں بے اعتمادی یا اعتراض کے طور پر نہ تھا بلکہ تعجب سے تھا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک صرف چار سال میسر ہوئی مگر ہزاروں حدیثیں آپ نے روایت کیں دوسرے صحابہ زیادہ صحبت پاک میں رہے۔حضرت صدیق اکبر عمر بھر ساتھ رہے مگر ان سے مروی روایات تھوڑی ہیں تعجب ہے آپ پر جھوٹی احادیث گھڑ لینے کا شبہ نہیں ہوسکتا کہ صحابہ سارے عادل ہیں انہیں اللہ تعالٰی نے گناہوں جھوٹ وغیرہ سے محفوظ رکھا ہے چہ جائیکہ وہ اللہ رسول پر جھوٹ بولیں۔

۳؎ یہ عبارت دو طرح پڑھی جاسکتی ہے **واللہ الموعد** دونوں کو کسرہ واؤ قسمیہ یعنی وعدہ فرمانے والے یا ڈرانے والے رب کی قسم میں ایک ایک لفظ درست روایت کرتا ہوں دوسرے **واللہ الموعد** دونوں کو پیش یعنی مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالٰی نے بندوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ہے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے ان وعیدوں کی پیش نظر میں کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول سکتا ہوں۔

۴؎ یعنی میری کثرت احادیث کی وجہ مجھ سے ہی سنو مہاجرین و انصار میں سے کوئی صاحب بھی حضور انور کے پاس ہر وقت نہیں رہتے تھے مہاجرین تو بازاروں میں کاروبار کرتے ہوتے تھے کہ وہ حضرات عموماً تاجر لوگ تھے انصار حضرات باغوں کھیتوں والے تھے،انہیں اپنے باغوں کھیتوں میں رہنا پڑتا تھا وہ حضرات خاص اوقات میں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

۵؎ یعنی مجھے دنیاوی کوئی کام نہیں تھا،حضور کی خدمت میں رہنا میرا مشغلہ تھا چہرہ انور صلی اللہ علیہ وسلم تکتے رہنا میرا کاروبار تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ میرا بازار تھا یہ ہی میرا باغ و بہار ہے۔

۶؎ یعنی ایک دن دریاء عطا موجزن تھا لوگوں کو قوت حافظہ تقسیم فرمارہے تھے فرمایا کوئی ہے جو اپنا کپڑا بچھائے ہم ایک دعا پڑھتے ہیں جب وہ دعا ختم ہوجاوے تو وہ یہ ہی کپڑا اپنے سینے سے لگالے ان شاءاللہ اس کا حافظہ بہت ہی قوی ہوجاوے گا۔خیال رہے کہ تھوڑی چیز ہاتھ پھیلا کر لی جاتی ہے مگر بڑے سخی کی بڑی عطا چادر پھیلا کر سمیٹی جاتی ہے یہاں چادر پھیلانا کا حکم دیا گیا معلوم ہوتا ہے عطا بڑی ہے۔خیال رہے کہ قوتِ حافظہ انسان کی ایک صفت

ہے جو قدرتی طور پر لوگوں کو عطا ہوتی ہے کوئی قوی حافظے والا ہوتا ہے کوئی ضعیف حافظہ والا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صفات انسانیہ بھی عطا فرماتے ہیں بحکم پروردگار۔

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں دی خلد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

اس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کوئی دنیاوی بات بھولیں تو بھولیں میرا کلام کبھی نہ بھولیں گے۔

۲؎ **نمرہ** نون کے فتحہ اور میم کے کسرہ سے وہ اونی کمبل جس میں سیاہ و سفید دھاریاں ہوں اس وقت سر سے پاؤں تک آپ صرف یہ ہی کمبل اوڑھے تھے اور کوئی کپڑا آپ کے پاس نہیں تھا اکیلے تھے یہ ہی اتار کر بچھادیا ضرورۃً برہنہ ہونا جائز ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عضو ہر ادا اللہ کے خزانوں کا دروازہ ہے کسی کو دم کرکے نعمتیں بخش دیں کسی کو نظر سے کسی کو ہاتھ سے کسی کو زبان شریف سے یوں ہی ہر جگہ حضور کا دروازہ عطا ہے جہاں رہ کر بھکاری اپنا ہاتھ پھیلا دے وہاں ہی عطا ہوجاتی ہے۔سورج کا نور کسی خاص جگہ میں نہیں جہاں بھی موجود ہو حجاب سے نکل آؤ نور پا جاؤگے اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

منگتے کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی دوری قبول و عرض میں صرف ہاتھ بھر کی ہے

مولانا حسن رضا خان صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔شعر

جہاں ہاتھ پھیلا دے منگتا بھکاری وہ ہی در ہے داتا کی دولت سرا کا

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو ذی الخلصہ سے راحت نہ دو گے ۲؎ میں نے عرض کیا ہاں اور میں گھوڑے پر ٹھہر نہ سکتا تھا میں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو حضور نے اپنا ہاتھ شریف میرے سینہ پر لگادیا حتی کہ میں نے آپ کے ہاتھ کا اثر اپنے سینے میں پایا ۳؎ اور فرمایا الٰہی اسے ثابت رکھ اسے ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنادے ۴؎ فرمایا اس کے بعد اپنے گھوڑے سے نہ گرا ۵؎ پھر وہ ڈیڑھ سو سواروں میں گئے جو قبیلہ احمس سے تھے ۶؎ ذی الخلصہ کو آگ سے جلا دیا اور اسے ڈھا دیا ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام جریر ابن عبداللہ ہے،کنیت ابو عمرو،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سال اسلام لائے خود فرماتے ہیں کہ میں وفات شریف سے چالیس دن پہلے ایمان لایا پھر عرصہ تک کوفہ میں رہے پھر شہر قرقیہ میں رہنے لگے وہاں ہی سنہ ۵۱ھ اکیاون میں وفات پائی۔(اکمال)اللہ نے آپ کو صورت و سیرت دونوں کا حسن بخشا تھا۔(اشعہ)

۲؎ کفار یمن کا ایک قبیلہ تھا خثعم انہوں نے کعبہ معظّمہ کے مقابل اپنے ہاں ایک کعبہ بنایا تھا جس کا نام ذوالخلصہ رکھا تھا۔خلصہ وہاں رکھا ہوا ایک بت تھا یا کوئی خاص درخت جس کی وہ پرستش کرتے تھے جیسے بھارت کی ہندو پیپل کی پوجا کرتے ہیں اس گھر کو کعبہ یمانیہ بھی کہتے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ذوالخلصہ کی وجہ سے بہت تکلیف تھی کہ کہیں جاہل مسلمان بھی اس کا طواف و حج بھی نہ کرنے لگیں اسلام تا قیامت رہے گا اس لیے اس کا انتظام بھی قوی چاہیے اس لیے حضرت جریر سے یہ فرمایا کہ اسے جا کر فنا کردو۔

۳؎ دیکھو یہ ہے عطاء مصطفوی حضرت ابوہریرہ کو زبانی کلمات کے ذریعہ قوت حافظہ بخشی اور حضرت جریر کو انگلیوں کے ذریعہ قوت قلبی بخشی جس سے وہ گھوڑے پر ٹھہرنے لگے حضور کی ہتھیلی اور قدم شریف کی ٹھنڈک ان سے ہی پوچھو جنہیں ایسے موقع ملے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کف پا چاند سا | سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

۴؎ یہ ہے سوال سے زیادہ عطا حضرت جریر نے صرف قوت قلبی مانگی تھی مگر تین نعمتیں عطا ہوئی قوت قلبی اور ہدایت پر قائم رہنا،لوگوں کو ہدایت دینا کہ ان کے ذریعہ لوگ ہدایت پر آویں۔

۵؎ یعنی اس ہاتھ شریف کی برکت سے میں بقیہ عمر بھی گھوڑے سے نہ گرا۔

تو مرا دل دہ و دلیری بیں | روبہ خویش خواں وشیری بیں

حضور مجھے دل بخشو میری دلیری دیکھو مجھے اپنا گیدڑ کہہ دو پھر میری شیری و بہادری دیکھو ؎

ومن يك من رسول الله نصرته | ان تلقه الاسد فی اجامها نجم

۶؎ احمس قریش کا ایک خاندان ہے یہ لفظ بنا ہے حماستہ سے بمعنی شجاعت و بہادری اس خاندان کو احمس اس لیے کہتے تھے کہ یہ لوگ دین و دنیا میں بڑے مانے جاتے تھے حتی کہ زمانہ جاہلیت میں یہ لوگ بہت ہی مشرکانہ رسوم سے محفوظ تھے جیسے زمانہ حج میں گھروں میں پیچھے سے آنا۔

۷؎ غالبًا کفار یمن کی جرأت ہی نہ ہوئی کہ ان کا مقابلہ کرتے ان حضرات نے اس ذوالخلصہ میں پہلے تو آگ لگائی پھر اسے ڈھاکر پھینک دیا اور ایسا فنا کیا کہ اب تک وہ نہ بنایا جاسکا۔سلطان محمود غزنوی نے سومنات مندر تباہ کیا پھر انڈیا نے وہ مندر بنایا ۱۹۶۵ء کی جنگ میں غازیان پاکستان نے اسے پھر تباہ کردیا خدا اسے کبھی آباد نہ ہونے دے ہمارے پاکستان کو دائم و قائم رکھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کاتب وحی تھا وہ اسلام سے پھر گیا ۱؎ اور مشرکین سے جا ملا ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے زمین قبول نہ کرے گی ۳؎ مجھے ابوطلحہ نے خبر دی کہ وہ اس زمین میں گئے جہاں وہ مرا تھا اسے باہر پھینکا ہوا پایا پوچھا اس میت کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس کو بارہا دفن کیا اسے	

	زمین نے قبول نہ کیا ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یہ ایک عیسائی آدمی تھا جو پہلے مسلمان ہوا اور بارگاہِ عالی میں اتنا قرب حاصل کر گیا کہ حضور کے ہاں کا تبِ وحی ہوگیا ،پھر مرتد ہو کر عیسائی بن گیا اللہ کی پناہ ابلیس نے بہت قرب الٰہی حاصل کیا پھر مارا گیا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ عبداللہ ابی سرح تھا مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا وہ مرتد ہونے کے بعد پھر مسلما ن ہوگیا۔(ازمرقات)
۲؎اس نے مشرکین سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں سکھاتا تھا جو میں بتاتا تھا وہ ہی وحی کرکے لکھ لیا جاتا تھا۔**نعوذ باللہ!**
۳؎یعنی یہ عنقریب کافر ہی مرے گااور اس کی لاش قبر میں نہ رہ سکے گی بلکہ اسے نکال پھینکے گی اس میں تین غیبی خبریں ہیں جو ہوبہو پوری ہوئیں۔
۴؎اس سے معلوم ہوا کہ زمین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست و دشمن کو پہچانتی ہے اور حضور کے حکم کے تابع ہے کہ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالکل ویسا ہوا، ابولہب کے بیٹے عتبہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے شیر پھاڑے گا ایسا ہی ہوا کہ ایک شیر نے سب کے منہ سونگھے اس کا منہ سونگھ کر اسے پھاڑ ڈالا۔

	روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے سورج ڈوب چکا تھا ۱؎حضور نے آواز سنی تو فرمایا کہ یہود اپنی قبروں میں عذاب دیئے جارہے ہیں۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎غالبًا یہ واقعہ مدینہ منورہ ہی کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر بعد غروب تشریف لے گئے صحابہ کرام ساتھ تھے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور ساتھیوں نے بھی عجیب آوازیں سنیں۔یہاں صوت اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب کو شامل ہے۔
۲؎یہاں دو معجزوں کا ظہور ہے: ایک تو صحابہ کرام کو مردہ یہودی کی آوازیں سنا دینا ہے، دوسرے پہچان لینا اور بتادینا کہ یہ عذاب کی آوازیں ہیں یا تو عذاب دینے والے فرشتوں کی آوازیں ہیں یا عذاب پانے والے یہود کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر سوار تھے اس نے دو قبروں کا عذاب دیکھ لیا اور بدک گیا وہاں خچر کی آنکھوں سے حجاب اٹھا دیئے یہاں صحابہ کے کانوں سے حجاب ہٹا دیئے اسی طرح جس ولی کے سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھ دیں اس کی آنکھوں سے حجاب اٹھ جاتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک مصطفیٰ　　　تابہ بینی زابتداتا انتہاء

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس ہوئے تو جب مدینہ سے قریب ہوئے تو ایک ہوا چلی جو سوار کو دفن کیے دیتی تھی ۱؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہوا ایک

	منافق کی موت پر بھیجی گئی ہے ۲؎ پھر مدینہ منورہ پہنچے تو منافقوں کا ایک سردار تھا مرچکا تھا ۳؎ (مسلم)

۱؎ عرب کے جنگلوں میں کبھی خونی آندھیاں آتی ہیں جو سواروں کو مع سواری ریتے میں دفن کردیتی ہیں مگر یہ آندھی آج مدینہ منورہ کے بالکل قریب آئی اس لیے ہم کو تعجب ہوا کہ یہاں یہ آندھی کیسی۔

۲؎ یعنی یہ تیز ہوا غضب ربانی کے اظہار کے لیے ہے جو صرف اسی منافق کی موت پر بھیجی گئی ہے تاکہ لوگوں کو اس منافق کی موت اس کے عذاب پر مطلع کیا جاوے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ چاند سورج کسی کے مرنے جینے پر نہیں گہتے۔

۳؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ منافق رفاعہ ابن ورید تھا اور یہ سفر غزوہ تبوک کا تھا، بعض نے فرمایا کہ وہ منافق رافع تھا اور سفر غزوہ بنی مصطلق تھا۔(مرقات)اس موت پر ہوا چلنا بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ ہوا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منافق کی موت کی خبر دی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی موت کو پہچان لینا بھی معجزہ ہے کہ یہ آندھی اس کی موت کی بنا پر چلی۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے حتی کہ عسفان پہنچے وہاں چند شب قیام فرمایا ۱؎ لوگ کہتے ہیں کہ ہم یہاں کسی کام میں تو ہیں نہیں اور ہمارے بال بچے اکیلے ہم سے غائب ہیں ۲؎ ہم ان پر مطمئن نہیں یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مدینہ میں نہ کوئی گھاٹی ہے نہ کوئی راستہ مگر اس پر دو فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت کررہے ہیں ۳؎ حتی کہ ہم لوگ وہاں پہنچے پھر فرمایا کوچ کرو ہم نے کوچ کیا اور مدینہ پہنچ گئے اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو ابھی ہم نے اپنے سامان نہ اتارے تھے کہ ہم پر بنی عبداللہ ابن غطفان نے حملہ کردیا ۵؎ حالانکہ اس سے پہلے انہیں کوئی چیز نہیں بھڑکاتی تھی۔(مسلم)

۱؎ یعنی ہم مدینہ منورہ واپس ہوتے وقت مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ چلے اور منزل عسفان پر چند روز قیام پذیر ہوگئے عسفان مکہ معظّمہ سے دو منزل پر ہے اب راستہ میں یہ منزل نہیں آتی یہ پتہ نہیں لگا کہ عسفان میں یہ قیام کیوں ہوا شاید کسی دشمن کا انتظار ہوگا جو کہ وہاں نہ پہنچا۔

۲؎ خلوف جمع ہے خالف کی جس کا مادہ ہے خلف بمعنی پیچھے جیسے راقد کی جمع رقود،قاعدہ کی جمع قعود۔خلوف گھر میں رہ جانے والی عورتیں بچے جن کے ساتھ مرد نہ ہوں۔(مرقات)یعنی ہم لوگ یہاں بلا ضرورت ٹھہرے ہوئے ہیں ہمارے گھروں میں بال بچے اکیلے جن سے ہم غائب ہیں دشمنوں کا خطرہ ہے یہ گفتگو بعض ضعفاء مؤمنین کی ہے۔

۳؎ یعنی ہم اپنے بال بچوں سے غائب ہیں مگر بہت سے فرشتے ان کی نگرانی کررہے ہیں نقب زمینی راستہ اور شعب پہاڑی راستہ یہاں مراد ہے مدینہ کے راستہ اور گلی کوچے۔

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی کی قسم کھانا شریعت میں بلا کراہت درست ہے،یا جس کے نام کی شرعی قسم کھائی جاتی ہے جس پر شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ غیر خدا کی قسم لغوی قسم ہوتی ہے نہ کہ شرعی اس پر احکام شرعی جاری نہیں ہوتے جیسے باپ کی قسم اولاد کی قسم۔

۵؎ یعنی بنی غطفان اگر ہماری غیر موجودگی میں حملہ کردیتے تو ہمارے بچوں بیویوں کو بہت تکلیف پہنچ جاتی کہ وہ اکیلے تھے اس وقت انہیں حملہ کرنے سے انہیں کوئی چیز مانع نہ تھی۔معلوم ہوا کہ فرشتوں کی حفاظت ان کو حملہ سے روکے رہی،۱۹۶۵ء میں بھارت نے رات کے ڈھائی بجے لاہور پر حملہ کیا جب کہ پاک سرحد پر کوئی نہ تھا مگر انہیں خیال ہوا کہ شاید ہم گھیرے میں آرہے ہیں کہ ہمارے سامنے راستے سڑکیں صاف ہیں رک گئے پھر پاک فوج پہنچ گئی اور صبح ہوتے کفار کے کشتوں کے پشتے لگادیئے انہیں سخت جانی و مالی نقصان پہنچا کر پیچھے دھکیل دیا۔یہ ہے اللہ کی نصرت اس موقعہ پر حضرات اولیاء اللہ معرکہ میں دیکھے گئے بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی عین محاذ جنگ پر امام حسین،داتا گنج بخش،میاں شیر محمد صاحب شیر قپوری خود بموں کو دفع کرتے دیکھے گئے۔مدینہ منورہ میں لوگوں نے خواب دیکھا کہ حضور انور بہت تیزی سے روضہ اطہر سے نکلے اور روانہ ہونے لگے پوچھا حضور کہاں جارہے ہیں فرمایا پاکستان وہاں جہاد ہورہا ہے اللھم صل وسلم وبارك علیه۔اللہ نے حضور کے غلاموں پاکستانیوں کو وہ فتح دی کہ اس کی مثال نہیں ملتی حالانکہ بھارتی فوج پانچ گناہ زیادہ تھی یہ حدیث ان سب واقعات کی اصل ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو سخت قحط سالی پہنچی تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے جمعہ کے دن ایک دیہاتی اٹھا بولا یا رسول اللہ مال برباد ہوگیا اور بچے بھوکے ہوگئے ۱؎ آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا فرمائیں تو حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے ۲؎ ہم آسمان میں بادل نہیں دیکھتے تھے ۳؎ تو اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ حضور نے ہاتھ نیچے نہ کیے حتی کہ بادل پہاڑوں کی طرح اٹھا پھر حضور اپنے منبر	

	سے نہ اترے حتی کہ میں نے آپ کی داڑھی پر بارش ٹپکتے دیکھی ۴ پھر ہم پر آج اور کل اور پرسوں ہوتی رہی دوسرے جمعہ تک اور یہ ہی بدوی یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا عرض کیا یارسول اللہ عمارتیں گر گئیں مال ڈوب گئے آپ اللہ سے دعا کریں ۵ تو حضور نے عرض کیا یاالٰہی ہمارے آس پاس برسا ہم پر نہ برسا ۶ پھر آپ بادل کے کسی گوشہ کی طرف اشارہ نہ فرماتے مگر وہ چر جاتا ۷ اور مدینہ تالاب کی طرح ہوگیا ۸ اور وادی قنات ایک مہینہ تک بہتی رہی ۹ کسی طرف سے کوئی نہ آیا مگر اس نے بارش کی خبر دی ۱۰ اور ایک روایت میں ہے کہ الٰہی ہم پر نہ برسا ہمارے آس پاس برسا الٰہی ٹیلوں پر اور پہاڑیوں پر اور جنگلوں کے اندرون پر اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر برسا ۱۱ فرمایا تو بارش رک گئی اور ہم دھوپ میں چلنے لگے ۱۲ (بخاری، مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے فقر و فاقہ کی شکایت حضور سے کرنا انہیں اپنے دکھ درد سنانا سنت صحابہ ہے، ہم بھی عرض کرسکتے ہیں کہ یارسول اللہ گناہوں نے ہماری پیٹھ توڑ دی پناہ دو مولانا جامی فرماتے ہیں۔شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہے آمدم کوہے گناہ آوردہ ام

ان دکھڑے سنانے کی اصل یہ حدیث ہے صحابہ نے خود اللہ تعالٰی سے دعا بارش نہ کری حضور سے دعا کے لیے عرض کیا معلوم ہوا کہ ہماری دعاؤں اور حضور کی دعا میں فرق ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ استسقاء کے لیے نماز استسقاء پڑھنا شرط نہیں ہے صرف دعا بھی استسقاء ہے یہ امام اعظم کی دلیل ہے۔امام اعظم نماز استسقاء کا انکار نہیں کرتے بلکہ اسے شرط نہیں مانتے دیکھو حضور نے صرف دعا کی اور بارش آگئی،یہ بھی معلوم ہوا کہ عین خطبہ جمعہ میں دعا مانگ سکتے ہیں۔

۳؎ **قزعہ** بادل کا چھوٹا ٹکڑا یعنی آسمان بالکل صاف تھا شیشہ کی طرح۔

۴؎ **اللہ اکبر!** دعا تھی یہ کہ تیر تھا جو قبولیت کے نشانہ پر لگا خطبہ ختم ہونے سے پہلے بادل جمع بھی ہوگیا اور برس بھی پڑا۔مسجد کی چھت ٹپکنے بھی لگی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار پر قربان ہو کر گرنے بھی لگی۔**اللھم صل وسلم وبارك علیه**،یارسول اللہ ہمارے خشک دلوں پر بھی کرم کی بارش برسا دو۔شعر

انا فی عطش وسخاك اتم اے گیسوئے پا اے ابر کرم برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گراجانا

۵صحابہ کرام سمجھتے تھے کہ جن کی دعا بارش لائی ہے انہی کی دعاء ہٹائے گی اس لیے بارش تھمنے کی دعا خود نہ کی بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی۔معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔شعر۔

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی　　　وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا

٦اس سے معلوم ہوا کہ بارش اگر مضر ہو تو اس کے بند کرنے کی دعا کرنا جائز ہے بارش حد میں ہو تو رحمت ہے اور حد سے بڑھ جاوے تو زحمت ہے،جو لوگ کہتے ہیں کہ بارش رحمت ہے اس کے رکنے کی دعا نہیں کرنا چاہیے غلط ہے۔

ےحضور انور نے دعا کے بعد اپنے اختیار خداداد کا اظہار بھی کیا کہ ایک بار اسی انگلی کے اشارے سے چاند چیر دیا تھا اسی اشارہ سے ڈوباہوا سورج خیبر میں واپس لوٹایا تھا،اسی انگلی کے اشارہ سے جما ہوا بادل پھاڑ دیا اور اسے واپس لوٹادیا۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں ہوا دی گئی تھی"فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ"حضور کے قبضہ میں ساری خدائی دے دی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۸زمین مدینہ میں پانی ایسا بھرا تھا جیسے تالاب میں بھرا ہوتا ہے اس پانی پر اب دھوپ پڑھ رہی تھی۔(مرقات)یا **جوبۃ** کے معنی ہیں بڑی گیند یعنی مدینہ کے اوپر آسمان گیند کی طرح ہوگیا کہ یہاں بادل کوئی نہیں آس پاس بادل تھا اور ضرورت کی جگہ برس رہا تھا(اشعہ)جو فرمایا تھا بادل نے وہ ہی عمل کیا۔

۹ **قناۃ** ایک جنگل کا نام ہے اس میں پہاڑی پانی آتا تھا گویا یہ ایک نالہ تھا جو ویسے خشک رہتا تھا بارش میں بہتا تھا۔فرماتے ہیں کہ اتنی بارش ہوچکی تھی کہ ایک ماہ تک پہاڑ سے پانی اس جنگل میں آتا رہا اور یہ نالہ برابر بہتا رہا۔

۱۰ معلوم ہوتا ہے کہ اولًا بارش صرف مدینہ منورہ پر ہوئی دوسری دعا سے اردگرد مقامات پر ہوئی اور دوسری دعا کے بعد لوگ جس طرف سے بھی آئے بارش کی خبر لائے۔حضور کا فیضان عام ہوا جس سے دور نزدیک سب نے فائدہ اٹھایا۔شعر

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو　　　تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو

۱۱ ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں بلکہ پچھلی روایت میں اجمال ہے اس میں تفصیل۔

۱۲گزشتہ جمعہ کو یہ حضرات دھوپ میں مسجد میں آئے تھے بارش لے کر گھروں کو گئے تھے،آج اس کے برعکس بارش میں مسجد شریف آئے دھوپ میں گھر گئے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو کھجور کے ایک ڈنڈے سے ٹیک لگا لیتے تھے جو مسجد کے ستونوں میں سے تھا۱پھر جب حضور کے لیے منبر بنادیا گیا تو آپ اس پر جلوہ گر ہوئے تو جس ڈنڈا کے پاس آپ خطبہ پڑھتے تھے وہ چیخ	

	پڑا حتی کہ قریب تھا کہ چرجاوے ۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے حتی کہ اسے پکڑا اپنے سے چمٹایا تو وہ سسکیاں بھرنے لگا اس بچے کی سسکیوں کی طرح جسے چپایا جاوے ۳؎ حتی کہ قرار پکڑگیا،راوی نے کہا کہ وہ اس ذکر الٰہی پر رویا جو وہ سنا کرتا تھا ۴؎(بخاری)

۱؎ اس ستون کا نام اسطوان حنانہ ہے،حنانہ بنا ہے حنین سے بمعنی باریک آواز سے رونا یہ ستون محراب النبی کے بائیں طرف بالکل متصل ہے اب وہاں اینٹ کا ستون ہے اسے اسطوان حنانہ ہی کہتے ہیں۔یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب منبر نہیں بنا تھا حضور انور زمین پر ہی کھڑے ہو کر خطبہ فرماتے تھے۔

۲؎ رونے کی یہ آواز تمام صحابہ نے سنی یہ ستون کیوں رویا اس کے متعلق بعض ظاہر بین لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ذکر الٰہی سنا کرتا تھا اب اس سے محروم ہوگیا لہٰذا ذکر کی محرومی پر رویا۔یہ محض غلط ہے آج ہم لوگ بھی ذکر الٰہی کرتے ہیں ستون کیوں نہیں روتے،نیز خطبہ کی آواز تو اب بھی اس ستون تک آرہی تھی کہ وہ منبر سے بالکل ہی قریب تھا،نیز پھر وہ حضور کے سینہ سے لگالینے پر خاموش ہوگیا وجہ صرف یہ تھی کہ اس نے یہ کہا۔شعر

مسندت من بودم از من تاختی　　　　برسر منبر تومسند ساختی

در فراق تو مرا چوں سوخت جان　　　　چوں نہ نالم بے تو اے جان جہاں

یہ گریہ وزاری اس لیے تھا کہ وہ جمعہ کے دن پشت پاک مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسہ لیتا تھا آج اس وصال کی نعمت سے محروم ہوگیا اس فراق پر رویا۔

۳؎ یعنی جب حضور انور نے اس ستون کو اپنے سینہ پاک سے لگایا تو وہ اس طرح سسکیاں بھرنے لگا جیسے روتے بچے کو ماں سینے سے لگائے تو وہ خاموش ہونے سے پہلے سسکیاں بھرتا ہے۔اس واقعہ سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تمام حسینان جہاں صرف انسانوں کے محبوب رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے انوکھے حسین ہیں کی ساری مخلوق کے محبوب ہیں کیوں نہ ہوں خالق کے محبوب ہیں،دیکھو لکڑیاں فراق میں گریہ و زاری کررہی ہیں دوسرے یہ کہ سارے حسینوں کا یہ حال ہے کہ انہیں دیکھا ہزاروں نے مگر عاشق ہوا ایک۔حسن یوسف کی عاشق صرف زلیخا،لیلٰی پر فریفتہ صرف مجنوں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حسین ہیں کہ آج انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں مگر جاں نثار عاشق لاکھوں،حسن یوسفی صرف بازار مصر میں چمکا،حسن محمدی ہر جگہ تا ابد چمک رہا ہے۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　　　سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

۴؎ یہ حاشیہ آرائی صرف قتادہ کی ہے کہ ستون ذکر الٰہی پر روتا تھا مگر قتادہ صاحب کے ذکر پر کبھی کوئی ستون نہیں رویا یہ غلط ہے فراق رسول میں روتا تھا۔خواجہ حسن بصری جب یہ حدیث پڑھتے تو بہت روتے تھے فرماتے تھے کہ حضور کے عشق میں خشک لکڑی روئی تم اس لکڑی سے کم نہ ہو۔علماء فرماتے ہیں کہ چاند چرنے اور ستون کے رونے کی حدیثیں معنًی متواتر ہیں لفظًا مشہور مستفیض ہیں۔(اشعۃ اللمعات) یہاں مرقات نے فرمایا کہ ستون قربِ رسول فوت ہونے پر رویا تھا۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھایا تو فرمایا اپنے داہنے ہاتھ سے کھا وہ بولا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا فرمایا اب طاقت نہ رکھے گا ۲؎ اسے صرف تکبر نے اس سے منع کیا راوی نے فرمایا کہ پھر وہ یہ ہاتھ اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا ۳؎(مسلم)	

۱؎زمانہ جاہلیت میں سردار لوگ الٹے ہاتھ سے کھاتے تھے معمولی آدمی داہنے ہاتھ سے یہ شخص کوئی سردار تھا جو اس متکبرانہ عادت سے الٹے ہاتھ سے کھارہا تھا۔

۲؎اس نے شرمندگی مٹانے کے لیے کہا کہ میرا داہنا ہاتھ بیمار ہے منہ تک نہیں پہنچتا۔اسی پر یہ جواب ارشاد ہوا یعنی اب تک تو منہ تک آتا تھا اب نہ آسکے گا۔معلوم ہوا کہ لوگوں کے اعضاء بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ہیں۔

۳؎وہ شخص علاج کرتے کرتے تھک گیا مگر اس کا ہاتھ منہ تک نہ اٹھ سکا۔شعر

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک   کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کہ چھوڑ دیا

روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک بار اہلِ مدینہ گھبرا گئے ۱؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ کے سُست گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہ اڑتا بھی تھا۲؎جب حضور لوٹے تو فرمایا کہ ہم نے تمہارے اس گھوڑے کو دریا پایا۳؎پھر اس کے بعد وہ گھوڑا نہیں مقابلہ کیا جاتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ اس دن کے بعد کبھی پیچھے نہ رہا ۴؎(بخاری)	

۱؎یعنی مدینہ والوں میں شور مچ گیا کہ دشمن آگیا خیال ہوا کہ غسان اپنی شامی فوج لے کر مدینہ پر ٹوٹ پڑا اس خیال سے ایک دم گھبراہٹ ہوگئی۔(اشعہ وحاشیہ)

۲؎**کان یقطف** یا تو **بطیئا** کا بیان ہے یعنی وہ گھوڑا قریب قریب قدم رکھتا تھا یا بمعنی اڑیل ہے کہ وہ بمشکل قدم اٹھاتا تھا یعنی سست رفتار بھی تھا اور اڑیل بھی۔

۳؎یعنی یہ گھوڑا دریا کی طرح تیز رفتار بھی ہے اور سبک رفتار بھی کہ سوار کو اس کی رفتار سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔معلوم ہوا جس پر حضور کا قدم پہنچ جاوے وہ سست ہو تو تیز ہوجاتا ہے۔

۴؎یعنی حضور انور کا یہ فیض اس گھوڑے پر وقتی نہ تھا بلکہ دائمی ہوا کہ آئندہ تاحین حیات وہ گھوڑا کبھی کسی گھوڑے سے پیچھے نہ رہا۔سب سے آگے ہی رہتا تھا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ہوئی ۱؎ ان پر قرض تھا میں نے انکے قرض	

	خواہوں سے درخواست کی وہ اپنے قرض کی عوض موجودہ چھوارے لے لیں ۲؎ انہوں نے انکار کیا ۳؎ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے عرض کیا کہ حضور جانتے ہیں کہ میرے والد احد کے دن شہید ہوگئے اور بہت سا قرض چھوڑ گئے ہیں،میں چاہتا ہوں کہ آپ کو قرض خواہ دیکھیں ۴؎ فرمایا جاؤ ہر قسم کے چھواروں کا ایک ایک طرف ڈھیر لگادو ۵؎ میں نے یہ کام کردیا پھر میں نے حضور کو بلایا جب قرض خواہوں نے حضور کو دیکھا تو شاید وہ اس گھڑی مجھ پر بھڑک گئے ۶؎ پھر جب حضور نے ان لوگوں کا یہ عمل دیکھا تو ان میں سے بڑے ڈھیر کے آس پاس تین چکر گھومے ۷؎ پھر اس پر بیٹھ گئے ۸؎ پھر فرمایا اپنے قرض خواہوں کو ہمارے سامنے بلاؤ پھر آپ ناپ کراتے رہے ان سب کے لیے حتی کہ اللہ نے میرے باپ کا سارا قرضہ ادا کردیا ۹؎ میں اس پر راضی تھا کہ اللہ میرے والد کا قرض ادا کردے میں اپنی بہنوں کو ایک چھوارا بھی نہ پہنچاؤں ۱۰؎ مگر اللہ نے سارے ڈھیر سلامت رکھے اور حتی کہ میں اس ڈھیر کو دیکھتا تھا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے گویا اس میں سے ایک چھوارا بھی کم نہیں ہوا ۱۱؎(بخاری)

۱؎ وفات سے مراد شہادت کی موت ہے کیونکہ حضرت جابر کے والد عبداللہ غزوہ احد شہید ہوئے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔وفات کے معنی ہیں پورا کرنا کافر کی موت سے اس کی ڈھیل و مہلت کی گھڑیاں پوری ہوتی ہیں وہ پکڑ میں آتا ہے،مؤمن کی موت سے اس کی کام کی گھڑیاں پوری ہوتی ہیں آرام و انعام شروع ہوتا ہے، اللہ والوں کی موت سے ان کی انتظار کی گھڑیاں پوری ہوتی ہیں انہیں وصال یار نصیب ہوتا ہے اس لیے ان کی وفات کو وصال یا عرس کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی باغ میں جس قدر چھوارے پیدا ہوں وہ وصول کرلیں باقی قرضہ معاف کردیں ان پر قرضہ بہت زیادہ تھا اور موجودہ پھل بہت تھوڑے۔

۳؎ یہ قرض خواہ سارے یہودی تھے بھلا یہود میں اتنا حوصلہ کہاں سے آیا۔(مرقات)انہوں نے کہا کہ ہم چند سال تک تمہارے باغ کی ساری پیداوار وصول کرتے رہیں گے اپنا قرض پورا وصول کریں گے۔

۴؎ ممکن ہے کہ یہود مدینہ آپ کو دیکھ کر کچھ غیرت کریں اور موجودہ پیداوار لے کر بقیہ قرض معاف کردیں۔معلوم ہوا کہ قرض کی معافی میں کوشش کرنا بحالت مجبوری جائز ہے۔

۵؎ مدینہ منورہ میں قریبًا اسی۸۰ قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔آپ کے باغ میں بہت قسم کی کھجوریں تھیں فرمایا ہر کھجور کا علیحدہ ڈھیر لگادو تاکہ ادا قرض میں آسانی ہو اور بعد میں چھانٹنے میں دیر نہ لگے اور ہر قرض خواہ کو اس کے قرض کی کھجوریں دی جائیں۔

۶؎ اغروابی کے بہت معنی کیے گئے ہیں مرقات نے بھڑکنے کے معنی کیے یعنی مجھ پر ان کا غصہ تیز ہوگیا وہ سمجھے کہ یہ قرض تو ادا کرتے نہیں سفارش لا کر ہمارا نقصان کرنا چاہتے ہیں۔

۷؎ حضور انور کا اس بڑے ڈھیر کے گرد تین بار چکر لگانا اس میں برکت و فیض دینے کے لیے تھاتاکہ ہر طرف اس میں برکت پہنچے یہ شرعی طواف نہیں وہ تو عبادت ہے اور سوائے کعبہ معظّمہ کے کسی کا شرعی طواف جائز نہیں،بعض لوگ برکت حاصل کرنے کے لیے بزرگ کی قبر کے اردگرد گھومتے ہیں۔بعض لوگ اس قبر کے تعویذ پر پانی کا برتن گھماتے ہیں برکت کے لیے ان دونوں کاموں کا ماخذ یہ حدیث ہے یہ عمل شرک نہیں۔مگر عوام مسلمانوں کے سامنے یہ کام نہ کرے کہ لوگ شرعی طواف اور اس طواف میں فرق نہ کریں گے قبر کا طواف ہی شروع کردیں گے اس کا خیال رہے۔

۸؎ حضور انور کا اس ڈھیر پر بیٹھنا برکت لازم کردینے کے لیے تھا۔بعض لوگ بزرگوں کو اپنے گھر بلاتے ہیں ان کی تشریف آوری کو برکت کا باعث سمجھتے ہیں ان کے بیٹھنے کی جگہ کو مبارک سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے، اللہ کے مقبول بندوں کے قدم میں برکت ہے"وَجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ"۔دعائے درویشاں رد بلا قدم درویشاں رحمت خدا صحابہ کرام حضور انور سے اپنے گھروں میں دو رکعت نفل پڑھواتے اور اس جگہ کو مصلی بنا لیتے تھے۔

۹؎ ایک ڈھیر سے ہی سارا قرضہ ادا ہوگیا دوسرے ڈھیروں کی نوبت ہی نہ آئی اور اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی ویساکاویسا ہی رہا یہ ہے حضور کے قدم شریف کی برکت۔

۱۰؎ یہ کھجوریں اتنی تھیں ہی نہیں کہ ان سے قرضہ پورا ادا ہوتا اس لیے یہ میری تمنا تھی۔معلوم ہوا کہ سعادت مند بیٹا وہ ہے جو باپ کے بعد اس کا قرض ادا کرے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابیت،جہاد،شہادت سب مل کر بھی حق العبد معاف نہیں کراتیں وہ تو ادا کرنا ہی ہوگا افسوس کہ آج ہم لوگ حقوق العباد مار لینے میں بڑے بہادر ہیں۔

۱۱؎ خیال رہے کہ ان قرض خواہوں کی حضرت عبداللہ پر مختلف قسم کی کھجوریں قرض تھیں کسی کی عجوہ تھیں کسی کی صفاوی کسی کی برنی تھیں حضور انور نے ان سب کو اعلیٰ درجہ کی کھجوریں ادا کیں یہ ڈھیر بڑا بھی تھا اور اعلیٰ درجہ کا بھی اعلیٰ درجہ سے قرض ادا کرنا سنت ہے اس لیے حضور انور نے ہر قسم کی کھجور کے الگ ڈھیر لگوائے تھے تاکہ ہر قرض خواہ کواس کی قرض کی کھجوریں دی جاویں مگر سب کو اعلیٰ ہی ملیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ام مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ڈبہ میں گھی کا ہدیہ بھیجا	

	کرتی تھیں ۱؎ ان کے پاس ان کے بچے آتے ان سے سالن مانگتے حالانکہ ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ اس ڈبے کی طرف جاتیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجتی تھیں تو اس میں گھی پاتیں تھیں ۲؎ ان کے لیے ان کے گھر کا سالن رہا ۳؎ حتی کہ انہوں نے اسے نچوڑ لیا ۴؎ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں فرمایا کیا تم نے اسے نچوڑ لیا عرض کیا ہاں فرمایا اگر تم اسے چھوڑ دیتیں تو وہ باقی رہتا ۵؎ (مسلم)

۱؎ یعنی ایک ڈبہ میں حضور انور کی خدمت میں گھی ڈال کر بطور ہدیہ حضور کی خدمت میں بھیجا کرتی تھی گھی کو نسبت ہوجاتی تھی حضور سے اور ڈبہ کو اس گھی سے اس دور کی نسبت نے بھی رنگ دکھادیا۔

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سامری کے سونے کے بچھڑے میں جان ڈال دی تھی۔شعر

اے ہزاراں جبریل اندر بشر بہر حق سوئے غریباں یک نظر

۲؎ سبحان اللہ! اس ذاتِ کریم سے نسبت سے خالی بھی بھر جاتے ہیں اس ڈبہ کو حضور انور سے صرف اتنی نسبت تھی کہ اس میں حضور سرکار کے لیے گھی حاضر کیا جاتا تھا تو یہ ڈبہ خالی ہو کر بھی بھرا ہوتا تھا،اگر ہمارے خالی دلوں پر حضور نظر کریمانہ فرمادیں تو یہ ایمان و عرفان سے بھرجاویں۔

۳؎ یعنی بہت عرصہ تک یہ ڈبہ گھر بھر کو سالن دیتا رہا یہ گھر کبھی بے سالن نہ ہوا۔عرب میں صرف گھی یا صرف زیتون کے تیل بلکہ صرف کھجوروں سے روٹی کھالیتے ہیں۔

۴؎ تاکہ بہت سا گھی نکل آوے یہ ہے ہوس اس لیے اس نے کام بگاڑ دیا کہ آئندہ پھر گھی نکلنا بند ہوگیا(مرقات)۔برکت کی چیز کو ناپنا تولنا،نچوڑنا،جھاڑنا اچھا نہیں۔

۵؎ یعنی تمہاری پشتہاپشت تک یا قیامت تک اس ڈبے سے گھی نکلتا رہتا۔اس حدیث کے ماتحت صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس ڈبہ پر حضور انور نے کچھ دم نہیں کیا۔اسے ہاتھ نہیں لگایا۔صرف دور کی نسبت حضور سے ہوگئی تو برکت کا یہ حال ہوا۔لہذا جس چیز پر حضور کا نام پڑجاوے اس میں بھی برکت ہوگی لہذا جو چیز حضور کے نام پر لگادی جاوے کہ اس کھانا پر حضور کی فاتحہ پڑھ دی جاوے یا کہا جاوے کہ یہ دودھ حضور کا میرا بیٹا حضور کا غلام ہے ان شاءاللہ اس میں برکت ہوگی۔مجھ گنہگار کو میرے والد نے حضور قطب ربانی محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے درکار فقیر بنادیا ہے میرے پیدا ہوتے ہی انہوں نے فرمایا تھا کہ میرا یہ بچہ حضور سرکار بغداد کا غلام ان کے در کا فقیر ہے تو یہ گنہگار اپنے ہر کام میں اپنے گھر میں برکت دیکھتاہے۔بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ نے ام سلیم سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم کی آواز کمزور سی سنی ہے جس میں بھوک محسوس کرتا ہوں ا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے وہ بولیں ہاں چنانچہ انہوں نے جو کی چند ٹکیاں نکالیں پھر اپنا دوپٹہ نکالا تو اس کے بعض سے روٹیاں لپیٹیں پھر اسے میرے ہاتھ سے چھپادیا اور بعض حصہ لپیٹ دیا ۲ پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو میں وہ لے گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا ۳ آپ کے ساتھ لوگ تھے تو میں نے انہیں سلام کیا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے میں نے کہا ہاں فرمایا کھانا دے کر میں نے کہا ہاں ۴ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے پاس والوں سے فرمایا اٹھو حضور چلے اور میں انکے سامنے چلا ۵ حتی کہ میں ابوطلحہ کے پاس آیا تو میں نے انہیں یہ خبر دی ابوطلحہ نے کہا اے ام سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر تشریف لے آئے ۶ ہمارے پاس کھانا نہیں جو انہیں کھلائیں وہ بولی اللہ رسول ہی جانیں ۷ ابوطلحہ چلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوطلحہ حضور کے ساتھ تھے۔ ۸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلیم جو کچھ تمہارے پاس ہے لاؤ ۹ چنانچہ یہ ہی روٹیاں لائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حکم دیا وہ توڑ دی گئیں ام سلیم نے ڈبہ نچوڑا اسے سالن بنادیا ۱۰ پھر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے وہ پڑھا جس کا پڑھنا اللہ نے چاہا ۱۱ پھر فرمایا دس آدمیوں کو اجازت دو انہیں بلایا گیا انہوں نے کھایا حتی کہ سیر ہوگئے پھر چلے گئے پھر فرمایا اور دس کو بلاؤ پھر اور دس کو ۱۲ تو ساری قوم نے کھالیا اور سیر ہوگئے قوم کل ستر ۷۰ یا اسی ۸۰ آدمی تھے ۱۳ (بخاری، مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ دس کو بلاؤ وہ آئے

	فرمایا کھاؤ بسم اللہ پڑھ کر انہوں نے کھایا۱۴؎ حتی کہ یہ ہی معاملہ اسی۸۰ آدمیوں سے کیا گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور گھر والوں نے کھایا ۱۵؎ اور بقیہ چھوڑ بھی دیا اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میرے پاس دس آدمی لاؤ حتی کہ چالیس آدمی گنائے ۱۶؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ۱۷؎ تو میں دیکھنے لگا کہ کیا اس میں سے کچھ کم ہوا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پھر بقیہ لیا اسے جمع فرمایا پھر اس میں برکت کی دعا کی تو وہ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا تو فرمایا اسے لو ۱۸؎

۱؎ یعنی حضور انور کی آواز میں ضعف ہے معلوم ہوتا ہے کہ کئی دن سے کھانا نہیں کھایا ہے۔یہ تحقیق پہلے کی جاچکی ہے کہ اگر حضور انور روزے کی نیت سے عرصہ تک بالکل نہ کھائیں تو مطلقًا ضعف محسوس نہیں ہوگا۔لیکن اگر بغیر روزہ کی نیت کے کھانا ترک فرمادیں تو بشریت کا ظہور ہوگا اور ضعف ظاہر ہوگا۔

۲؎ یعنی روٹیاں بہت ہی تھوڑی تھیں جو ایک بچہ یعنی حضرت انس کی بغل میں آگئیں ایک دوپٹہ کے کونہ میں لپٹ گئیں جس کا دوسرا حصہ میری بغل سے لپیٹ دیا گیا۔اقراص جمع ہے قرص کی بمعنی ٹکیاں(گلی)چھوٹی روٹی یہ جو کی تھیں۔

۳؎ یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے جب کہ حضور انور خندق کھودنے کھدوانے میں خندق میں تشریف فرما تھے بلکہ مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو اس دن نماز کے لیے وہاں میدان میں مقرر فرمالی گئی جہاں اب خمسہ مساجد بنی ہوئی ہیں۔حضور انور کے ساتھ اس وقت اسی۸۰ آدمی تھے۔(اشعہ،مرقات)

۴؎ حضرت انس نے یہ مجمع دیکھ کر روٹیاں پیش کرنے کی ہمت نہ کی کہ پونجی تھوڑی مقام شاندار عشاق کی بھیڑ بہت زیادہ تھی مگر وہاں کون چیز مخفی تھی جسے عرش و فرش کی خبر ہے اسے حضرت انس کی بغل کی روٹیوں کی خبر کیوں نہ ہو سب کچھ بتادیا کہ تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے روٹیاں دے کر بھیجا ہے۔

۵؎ یعنی حضور انور نے وہاں روٹیاں قبول نہ فرمائیں بلکہ کھانے کے ساتھ خود ان کے گھر پر کرم فرمائی کی۔اب حضرت انس خادمانہ شان سے آگے آگے تھے اور تمام مہمان پیچھے۔

۶؎ حضرت طلحہ نے یہ شکایت یا ناراضی کے طور پر نہیں کہا بلکہ بطور فکر کہا کہ اب کیا کریں ہمارے ہاں کھانا قریبًا ہے ہی نہیں اور مہمان زیادہ آگئے۔

۷؎ یعنی اے ابو طلحہ تم فکر کیوں کرتے ہو جو سرکار مختار ہماری حالت سے خبردار اتنے مہمان لائے ہیں وہ ہی انہیں کھلائیں گے۔شعر

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر　　　کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

بے یارو مددگار جسے کوئی نہ پوچھے ایسوں کا تمہیں یارو مددگار بنایا

۸؎ یعنی باقی تمام صحابہ پیچھے رہ گئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابو طلحہ کے گھر میں تشریف لائے۔معلوم ہوا کہ میزبان کو چاہیے کہ معظم مہمان کا استقبال کرے۔

۹؎ یعنی تم نے جو وہاں بھیجا تھا اب یہاں لاؤ ہمارا منشا یہ تھا کہ گھر تمہارا ہو لنگر ہمارا نیز ہم چاہتے تھے کہ تم بھی اسی کھانے سے کھاؤ اگر ہم وہاں ہی کھالیتے کھلادیتے تو یہ فائدے حاصل نہ ہوتے۔

۱۰؎ یعنی ان روٹیوں کا ملیدہ بنا دیا گیا جناب ام سلیم نے اس پر کچھ گھی ڈال کر اسے مزے دار بنادیا۔معلوم ہوتا ہے کہ اس پر شکر نہیں ڈالی گئی کہ وہ تھی ہی نہیں پھیکا ملیدہ بنایا گیا گھی بجائے سالن کے ہوگیا جس سے روٹی کا ملیدہ کھانا آسان ہوگیا۔

۱۱؎ یہ پتہ نہ چلا کہ حضور انور نے اس پر کیا پڑھا۔بہرحال دعائے برکت کی کچھ اسماء الٰہیہ پڑھے اس سے ثابت ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا قرآن مجید وغیرہ سنت ہے ہم فاتحہ میں یہ ہی کرتے ہیں کہ کھانا سامنے رکھ کر آیات قرآنیہ دعائیں درود شریف وغیرہ پڑھتے ہیں ایصال ثواب کرتے ہیں یہ ممنوع یا شرک نہیں۔

۱۲؎ حضور انور نے سب کو یک دم کھانے پر نہ بلایا یا اس لیے کہ گھر میں سب کی جگہ نہ تھی دس آدمی ہی کی گنجائش تھی یا اس لیے کہ کھانے کا برتن چھوٹا تھا سب کے ہاتھ اس میں نہ پہنچتے یا اس لیے کہ اگر سب حضرات کو یک دم بٹھادیا جاتا تو وہ کھانا کم دیکھ کر خود بھی کم کھاتے تاکہ سب کو مل جاوے یا اس لیے تاکہ دیر تک یہ میلا لگا رہے اور لنگر جاری رہے۔(از مرقات)

۱۳؎ ان حضرات کی تعداد میں روایات مختلف ہیں چالیس۴۰ تھے ستر۷۰ تھے اسی۸۰ تھے،اسی۸۰ سے بھی زیادہ تھے ان سب کو جمع اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اولًا چالیس آدمی تھے پھر زیادہ ہوتے رہے حتی کہ ستر اسی یا اس سے بھی زیادہ نے کھانا کھایا۔(مرقات)

۱۴؎ کھانے کے آداب یہ بھی ہیں کہ اپنے سامنے سے کھائے اور بسم اللہ سے کھانا شروع کرے الحمدللہ پر ختم کرے یہ اعمال باعث برکت ہیں بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ ہر لقمہ پر بسم اللہ پڑھتے ہیں۔

۱۵؎ سنت یہ ہے کہ صاحبِ خانہ اور صاحبِ طعام سب سے آخر میں کھائے حضرت یوسف علیہ السلام زمانہ قحط میں روزانہ ایک وقت کھانا کھاتے تھے اور تمام آنے والوں کو کھانا کھلا کر تحقیق فرما کر کہ کوئی رہا تو نہیں سب نے کھا لیا پھر خود آپ کھاتے تھے۔

۱۶؎ یہ بقیہ اتنا ہی تھا جتنا اولًا رکھا گیا تھا اس میں کم بالکل نہیں ہوا تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۱۷؎ یہ روایت پچھلی روایت کے خلاف نہیں چالیس آدمیوں کے بعد حضور انور نے کھایا اور حضور انور کے کھا چکنے کے بعد اور چالیس آدمیوں نے کھایا کہ لوگ آتے رہے کھاتے رہے۔(اشعۃ اللمعات)

۱۸؎ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے اس کھانے پر دو بار دعا فرمائی پہلے کھانا کھلاتے وقت پھر سب کے کھا چکنے کے بعد اس دعا کا اثر بعد کو رہا اور لوگوں نے بھی اس سے کھایا۔

روایت ہے انہیں سے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے	

پاس ایک برتن لایا گیا آپ زوراء میں تھے ۱؎ تو حضور نے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹنے لگا ۲؎ قوم نے وضو کرلیا قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے کہا کہ تم کتنے تھے فرمایا تین سو یا تین سو کے قریب ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ زوراء مدینہ منورہ کا مشہور مقام ہے جہاں آج کل مدینہ کا بازار ہے یعنی سبزی منڈی۔(مرقات واشعہ)

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ پانی خود انگلیوں کے درمیان یعنی گاہیوں میں سے ایسے پھوٹا جیسے پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہوتا ہے۔حضور کا یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ سے افضل اور عجیب تر ہے کہ پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹے،بعض نے جو کہا ہے کہ اس سے مراد پانی میں برکت ہوگئی غلط ہے حدیث کی منشاء کے خلاف ہے۔

۳؎ غالب یہ ہے کہ پانی کی قلّت ہوگئی ہوگی اور وضو کرنے والے زیادہ ہوں گے عرب میں کبھی بستیوں میں بھی پانی کم ہوجاتا ہے۔ہمارے ہاں گجرائت میں ایک بار پانی کی بہت ہی کمی ہوگئی تھی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ شہر میں پانی کی کمی کیسی وہاں تو پانی ہوتا ہی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم انہیں ڈر کی چیز سمجھتے ہو ۱؎ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو پانی کم ہوگیا فرمایا کچھ بچا ہوا پانی تلاش کرو ۲؎ لوگ ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا حضور نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیا پھر فرمایا آؤ برکت والے پاک پانی اور اللہ کی برکت پر ۳؎ میں نے پانی کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا ہے اور یقینًا ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے حالانکہ وہ کھایا جاتا تھا ۴؎(بخاری)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آیات سے مراد حضور انور کے معجزات ہیں اس ہی لیے یہ حدیث **باب المعجزات** میں لائی گئی بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد آیات قرآنیہ ہیں آپ کا اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے"**وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّا تَخۡوِیۡفًا**"اور رب کے اس فرمان کی طرف بھی اشارہ ہے"**وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ کَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ**"۔مقصد یہ ہے کہ تم ان قرآنی آیات سے یہ مت سمجھ لینا کہ معجزات ڈرانے یا قوموں پر عذاب کے لیے ہی آتے ہیں جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی وغیرہ بلکہ مؤمنین کے لیے رحمت ہوتے ہیں اور سرکش معاندین کے لیے عذاب،جو معجزہ مانگیں اور دکھائے جانے پر ایمان نہ لائیں ان پر عذاب آجاتا ہے۔

۲؎ یعنی کسی برتن میں کسی کے پاس کچھ بچا کھچا پانی ہو تو لاؤ۔خیال رہے کہ یہاں برکت کا معجزہ دکھانا مقصود تھا اس لیے پانی منگایاورنہ آپ کو اس پانی کی ضرورت نہ تھی سوکھے برتن میں بھی پانی پیدا ہوسکتا تھا۔

۳؎ یعنی یہ پانی پاک اور پاک گر بھی ہے اور برکت والا بھی ہے کہ تھوڑا پانی سب کو کافی ہوگا اور تمام پانیوں سے افضل و اعلیٰ بھی ہے کہ ہماری انگلیوں سے اس کا چشمہ پھوٹا ہے۔دنیا میں تین پانی بڑے افضل ہیں۔(۱) یہ پانی کیونکہ حضور کی انگلیوں سے جاری ہوا(۲) آبِ زمزم جو جناب اسماعیل کے قدم سے پیدا ہوا،پھر وہ پانی جو حضرت ایوب علیہ السلام کے ایڑی سے پیدا ہوا،رب فرماتا ہے:"اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ"بعض کے نزدیک پھر وہ پانی جو جناب مریم کے لیے جاری کیا گیا"قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا"۔خیال رہے کہ جس پانی کو اللہ والوں سے نسبت ہوجاوے اس کی عزت و عظمت ہےاور جس کو بتوں سے نسبت ہو وہ منحوس اگرچہ دونوں پانی اللہ کی مخلوق ہیں آبِ زمزم کی تعظیم ایمان کا رکن ہے اور گنگا کے پانی کی تعظیم کفر ہے کہ علامت کفر ہے۔

۴؎ اس حدیث کی تائید وہ آیت کریمہ کرتی ہے"وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ایک مٹھی کنکریاں لیں تو ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی ہم سب نے سنی حضور انور نے ان حضرات کے کانوں سے حجاب اٹھادیئے جس سے انہوں نے یہ تسبیح سن لی حضور کی نظر حضور کا ہاتھ حضور کی توجہ عالم غیب کا مشاہدہ کرادیتے ہیں حضور خچر پر سوار ہوگئے تو اس کی آنکھوں نے قبرکا عذاب دیکھ لیا مردے کی چیخ و پکار سن لی۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ تم اپنی رات بھر اور کل تک چلتے رہو گے اور ان شاءاللہ کل پانی پر پہنچو گے ۱؎ تو لوگ چلے اس طرح کہ کوئی کسی پر توجہ نہیں کرتا تھا۲؎ ابو قتادہ فرماتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے حتی کہ رات آدھی ہوگئی ۳؎ تو آپ راستہ سے ہٹ گئے تو آپ نے اپنا سر مبارک رکھا پھر فرمایا کہ ہم پر ہماری نماز کی حفاظت کرنا ۴؎ تو پہلے جو صاحب جاگے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب کہ دھوپ آپ کی پشت شریف میں تھی ۵؎ پھر فرمایا سوار ہو چنانچہ ہم سوار ہوئے پھر چلے حتی کہ جب سورج چڑھ گیا تو حضور اترے پھر وضو کا برتن منگایا جو میرے ساتھ تھا جس میں کچھ پانی تھا تو اس

سے وضو کیا ۷؎ہلکا وضو کیا عام وضوؤں سے کم فرمایا کہ کچھ پانی باقی رہ گیا فرمایا اس برتن کو ہمارے لیے سنبھال کر رکھنا کہ اس سے ایک قابل حکایت معجزہ ہوگا۸؎ پھر جناب بلال نے نماز کی اذان کہی ۹؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے۱۰؎ اور سوار ہوگئے ہم حضور کے ساتھ سوار ہوئے تو ہم لوگوں تک اس وقت پہنچے جب دن چڑھ گیا ۱۱؎ اور ہر چیز گرم ہوگئی لوگ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ ہم ہلاک ہوگئے ہم پیاسے ہو گئے ۱۲؎ تو فرمایا تم پر ہلاکت نہ آئے گی اور وضو کا برتن منگایا تو آپ انڈیلنے لگے اور ابوقتادہ لوگوں کو پلانے لگے دیر نہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے برتن میں پانی دیکھ لیا لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۱۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخلاق اچھے رکھو تم سب سیر ہوجاؤ گے ۱۴؎ راوی نے فرمایا کہ لوگوں نے ایسا ہی کیا ۱۵؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انڈیلنے لگے اور میں پلانے لگا حتی کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی باقی نہ رہا ۱۶؎ پھر انڈیلا مجھ سے فرمایا پیؤ میں نے عرض کیا میں نہیں پیوں گا حتی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پی لیں تو فرمایا قوم کو پلانے والا آخر میں ہوتا ہے ۱۷؎ فرمایا تو میں نے پیا اور حضور نے پیا،فرمایا راوی نے کہ لوگ پانی پر پہنچے خوب سیر کر راحت یافتہ ۱۸؎ (مسلم)ان کی صحیح میں یوں ہی ہے اور ایسے ہی ہے کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں اور مصابیح میں آخرھم کے بعد لفظ شربا زیادہ فرمایا ۱۹؎	

۱؎ صحابہ کرام کسی سفر میں تھے کہ پانی کی کمی ہوگئی تب یہ فرمایا۔پانی سے مراد ہے حضور انور کے معجزہ سے پیدا ہونے والا پانی جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی تم کو پانی ہم کل اپنی انگلیوں سے نکال کر دکھائیں گے،پلائیں گے،انتظار کرو جو چیز انتظار کے بعد ملتی ہے اس کی قدر ہوتی ہے۔

۲؎ کیونکہ گرمی سخت تھی،پانی کی کمی تھی،سفر دراز تھا اور منزل پر پہنچ کر پانی ملنے کی امید تھی کہ وعدہ اس کا کیا گیا تھا اس لیے کوئی کسی کی طرف دھیان نہ کرتا تھا۔راستہ طے کرنے کی ہر ایک کو فکر تھی۔

۳؎ ابھار بنا ہے بھرۃ سے بمعنی حصہ۔ابھار کے معنی ہیں ایک حصہ گزر گیا یعنی زیادہ گزر گیا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا گویا رات کا آخری حصہ آگیا۔

۴؎ یعنی نیند کا غلبہ ہے ہم لوگ سوتے ہیں تم میں سے بعض حضرات نماز فجر کا خیال رکھیں پو پھٹ جانے پر ہم کو بیدار کردیں۔

۵؎ یعنی سب لوگ سوتے رہ گئے حتی کہ دن چڑھ گیا تب سب سے پہلے حضور انور کی آنکھ کھلی۔خیال رہے کہ حضور انور کا سوتا رہ جانا غفلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس رات رب نے اپنے محبوب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا جس سے آپ کی توجہ اس دنیا کی طرف نہیں رہی اور نماز قضا ہوگئی تاکہ لوگوں کو نماز قضا پڑھنے کا طریقہ آجائے اس قضا میں بھی تبلیغ تھی،اس قضا پر ہزاروں ادائیں قربان لہذا یہ حدیث اس فرمان کے خلاف نہیں کہ ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے۔

۶؎ اس جگہ سے آگے چلنا چند وجہوں سے تھا: ایک یہ کہ ابھی وقت مکروہ تھا اور سفر ضروری تھا خیال فرمایا کہ وقت کراہت بھی نکل جاوے اور کچھ سفر بھی طے ہوجاوے،دوسرے یہ کہ آئندہ معجزہ اس جگہ پہنچ کر دکھانا تھا اس معجزہ کے لیے وہ جگہ ایسی موزوں تھی جیسے شق القمر دکھانے کے لیے صفا پہاڑ۔تیسرے یہ کہ یہاں نماز قضاء ہوئی تھی اس جگہ سے جلد ہٹ جائیں دوسری جگہ جا کر پڑھیں۔(از مرقات)مگر پہلی دو وجہیں قوی ہیں۔

۷؎ بیضاۃ دراصل موضاۃ تھا بمعنی وضو کا آلہ وضوء سے بدلا گیا۔خیال رہے کہ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی یہاں وضو کسی دوسری وجہ سے ٹوٹا ہوگا یا وضو پر وضو کیا ثواب کے لیے نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔

۸؎ یعنی اس برتن پر ہمارا ایک ایسا معجزہ ظاہر ہوگا جس کے قصے تا قیامت رہیں گے۔نباء کہتے ہیں شاندار خبر کو اس سے ہے نبی یعنی شاندار خبر والے خبر رکھنے والے یا خبر دینے والے یا خبر لینے والے۔

۹؎ اس سے دو مسئلے فقہی معلوم ہوئے: ایک یہ کہ ادا نماز کی طرح قضا نماز کے لیے بھی اذان کہی جاوے گی۔دوسرے یہ کہ اگرچہ سارے ساتھی نمازی نماز کی جگہ جمع ہوں پھر بھی اذان کہی جاوے گی بلکہ اگر کوئی شخص جنگل میں اکیلے نماز پڑھے تب بھی اذان کہہ لے کہ اس کے ساتھ فرشتے نماز پڑھیں گے اور جہاں تک اذان کی آواز پہنچے گی وہاں تک کا ہر ذرہ ہر قطرہ اس کے ایمان کا گواہ بن جاوے گا۔

۱۰؎ اس عمل شریف سے فقہی مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر فجر کے فرض اور سنتیں دونوں قضا ہوگئی ہوں اور زوال سے پہلے قضا کرنا ہوں تو سنتوں کی بھی قضا کرے لیکن اگر فرض ادا کرلیے سنتیں رہ گئیں تو بھی سنتوں کی قضا نہیں اور اگر دونوں رہ گئے تھے بعد زوال قضا پڑھیں تو بھی سنتوں کی قضا نہیں۔(کتب فقہ)

۱۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چند صحابہ کرام حضور انور کے ساتھ تھے جو نماز فجر کی قضا میں حضور کے ساتھ رہے اور عام صحابہ آگے بڑھ گئے تھے،ریگستان کے سفر میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگ یہ سفر جلدی طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں آگے جا کر وہ حضرات ٹھہر گئے اور حضور انور مع ان ساتھیوں کے ان سے جا ملے۔

۱۲؎ معلوم ہوا کہ اپنی بھوک پیاس فقر و فاقہ کی شکایت حضور سے کرسکتے ہیں یہ شرک نہیں بلکہ سنت صحابہ ہے۔بارش نہ ہونے،بارش زیادہ ہوجانے قحط سالی کی شکایت حضور انور سے صحابہ کرام نے کی ہیں کیوں نہ کریں بچے اپنی تکالیف ماں یا باپ سے کہتے ہیں۔امت اپنی تکلیف حضور سے نہ کہے تو کس سے کہے حضور ہم سب کے پناہ گاہ ہیں یہ پناہ تاقیامت ہے۔

۱۳؎ آپ خود اندازہ لگاسکتے ہیں کہ بہت تیز گرمی،تپتے ہوئے ریت،سخت پیاس کی حالت میں اچانک پانی نظر آجاوے تو پیاسوں کی بے قراری کا کیا حال ہوگا اس کا اندازہ وہ ہی کرسکتا ہے جو کبھی ان حالات سے دو چار ہوا ہو،سب حضرات جھوم کر پانی پر ٹوٹ پڑے۔

۱۴؎ یعنی آپس میں دھکم پیل نہ کرو پانی کم نہیں ہے سب کو بہت پانی عطا ہوگا پانی کافی ہے۔

۱۵؎ یعنی یہ حکم پاتے ہی ان حضرات کی بے چینی جاتی رہی،اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر وقت اچھے اخلاق سے برتاوا کرے۔آج کل ایسے اژدہام پر قطار لگواتے ہیں یہ بہت اچھا ہے اور اس کا ماخذ یہ فرمان عالی ہوسکتا ہے۔

۱۶؎ یعنی سب لوگ پی چکے وضو کرچکے صرف ہم دو صاحبوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

۱۷؎ یعنی قانون یہ ہے کہ پلانے والا پیچھے پیئے،کھلانے والا پیچھے کھائے ہم ہیں پلانے والے اس لیے ہم تمہارے بھی بعد پئیں گے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کی طرف سے قاسم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور تاقیامت ہیں اور حضور انور کی طرف سے قاسم حضرت ابوقتادہ تھے حقیقتًا پلانے والے حضور انور تھے ظاہری ساقی ابوقتادہ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ساقی تو حضرت ابوقتادہ تھے۔

۱۸؎ اس واقعہ کے بعد ہم پانی کے کنوئیں پر پہنچے تو اس طرح پہنچے کہ پانی سے خوب سیر تھے کیونکہ حضور کے چشمہ فیض سے پانی پی چکے تھے۔

۱۹؎ یعنی مصابیح کی روایت میں ہے ساقی القوم اخرھم شربا ان کتب میں لفظ شربا نہ تھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ جب غزوہ تبوک کا دن ہوا تو لوگوں کو بھوک نے گھیرلیا ۱؎ جناب عمر نے عرض کیا یارسول اللہ ان لوگوں سے ان کے بچے ہوئے توشے منگایئے پھر ان کے لیے اللہ سے اس کھانے پر برکت کی دعا کیجئے فرمایا ہاں ۲؎ چنانچہ دستر خوان منگایا اسے بچھایا پھر ان کے بچے ہوئے توشے منگائے تو کوئی شخص ایک مٹھی جوار لانے لگا اور کوئی ایک مٹھی	

چھوہارے اور کوئی دوسرا روٹی کا ٹکڑا ۳؎ حتی کہ دستر خوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہوگئی ۴؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی پھر فرمایا کہ اسے اپنے برتنوں میں لے لو ۵؎ چنانچہ لوگوں نے اپنے برتنوں میں لے لیا حتی کہ لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا مگر اسے بھر لیا پھر کھایا حتی کہ سیر ہوگئے اور باقی بچ رہا ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ۷؎ کوئی بندہ اس گواہی کو لے کر اللہ سے نہ ملے گا جب کہ شک نہ کرے پھر وہ جنت سے حجاب میں بھی رہے ۸؎ (مسلم)	

۱؎ تبوک ایک مشہور بستی ہے حجاز اور شام کے درمیان خیبر سے پانچ سو میل جانب عمان ہے اور خیبر مدینہ منورہ سے ایک سو چالیس میل ہے تبوک کو بعض نحویوں نے منصرف مانا ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ غیر منصرف ہے کہ وزن فعل ہے اور علم، بعض نے کہا کہ تانیث ہے اور علم مگر قوی یہ ہے کہ مونث نہیں کہ ایک جگہ کا نام ہے جگہ مذکر ہے۔یہ غزوہ ۹ھ ہجری ماہ رجب میں ہوا یہ حضور انور کا آخری غزوہ ہے اونٹ کی سواری سے مدینہ منورہ سے ایک ماہ کا راستہ ہے،اب تو ہوائی جہاز مدینہ منورہ سے عمان ڈھائی گھنٹہ میں پہنچ جاتے ہیں۔اسی غزوہ کا ذکر سورۂ توبہ شریف میں ہے یہ غزوہ سخت گرمی میں واقع ہوا تھا لوگوں پر بہت سختی تھی۔

۲؎ اولًا لوگوں نے حضور انور سے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مانگی اجازت دے دی گئی لوگ اونٹ ذبح کرکے کھانے لگے کئی اونٹ ذبح ہوگئے تب جناب فاروق اعظم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس طرح ہماری ساری سواریاں ختم ہوجائیں گی پھر جہاد اور سفر کیسے ہوگا۔حضور ذبح روک دیں اور یہ کرم فرمادیں آپ کی زبان پاک میں سب کچھ ہے۔شعر

تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے   پڑے ہوئے تو سرِرہگزار ہم بھی ہیں

۳؎ غور کرو کہ شاہی فوج کا راشن یہ تھا اس بے سرو سامانی میں کیسے کام انجام دیئے دنیا اس سے دست بدنداں ہے آج کل فوجوں کے راشن اور ان کے آرام و عیش بھی دیکھو۔

۴؎ یہ سب کچھ مل کر اتنا بھی نہ تھا کہ ایک دن کا کھانا بھی ہوجائے۔

۵؎ یعنی ان موجودہ چیزوں میں سے جو بھی چاہو جتنی چاہو لے لو اپنے برتن ہر چیز سے بھر لو اس طرح کہ جتنا پہلے تھا اتنا ہی بچ رہا جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

۷؎ اس گواہی سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کی توحید کے بھی گواہ ہیں اور اپنی نبوت کے بھی گواہ جیسے رب تعالٰی خود اپنی وحدانیت کا گواہ ہے فرماتا ہے:"شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ"اور

حضور انور کی یہ گواہی ہم سے گواہی دلوانے ہم کو گواہ بنانے کے لیے ہے۔دوسرے یہ کہ معجزات اور آیات دیکھ کر بندہ کا یقین اور زیادہ ہوجانا چاہیے اور زیادتی یقین پر گواہی دینا سنت ہے گویا اب دیکھ کر نبوت و وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے پہلے سن کر گواہی دی تھی اب دیکھ کر گواہی دی۔

۸؎ یعنی یہ ناممکن ہے کہ بندہ کا توحید و رسالت پر خاتمہ ہو اور پھر وہ جنت میں کبھی نہ جائے وہ جنت میں ضرور جائے گا خواہ اولًا ہی وہاں پہنچے یا کچھ سزا پا کر پاک و صاف ہو کر مگر شرط یہ ہے کہ اس گواہی میں تردد نہ کرے دل کے یقین سے گواہی دے لہذا اس بشارت سے منافقین خارج ہیں۔خیال رہے کہ ان جیسی احادیث میں کلمہ سے مراد سارے ایمانی عقائد ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں الحمد پڑھنا واجب ہے الحمد سے مراد ہے پوری سورۂ فاتحہ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مرزائی چکڑالوی سب ہی کلمہ پڑھتے ہیں کیا سب جنتی ہیں حضور فرماتے ہیں کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے سارے دوزخی ہوں گے سواء ایک کے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب زینب کے نکاح میں نوشاہ تھے ۱؎ میری ماں ام سلیم نے کچھ چھوارے گھی اور پنیر کا ارادہ کیا اس سے حلوہ بنایا اسے ایک پیالہ میں ڈالا ۲؎ بولیں اے انس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ عرض کرو کہ میری ماں نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ یہ آپ کے لیے ہماری طرف سے تھوڑا سا ہدیہ ہے ۳؎ اے اللہ کے رسول چنانچہ میں گیا اور میں نے یہ کہا فرمایا اسے رکھ دو ۴؎ پھر فرمایا جاؤ ہمارے پاس فلاں فلاں کو اور فلاں کو بلا لاؤ جن کا حضور نے نام لیا اور جس سے تم ملو ہمارے پاس بلا لاؤ ۵؎ میں انہیں بھی بلا لایا جس کا نام لیا تھا اور اسے بھی جس سے میں ملا پھر میں لوٹا تو گھر حاضرین سے بھرا ہوا تھا ۶؎ جناب انس سے کہا گیا کہ کتنے شمار کے لوگ تھے فرمایا قریبًا تین سو ۷؎ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس حلوہ پر ہاتھ رکھا اور جو اللہ نے چاہا وہ پڑھا ۸؎ پھر حضور دس دس کو بلانے لگے وہ اس سے کھانے لگے حضور ان سے فرماتے تھے کہ اللہ کا نام لو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے ۹؎ فرمایا کہ لوگوں نے کھایا حتی کہ سیر ہوگئے ایک ٹولہ نکلتا	

	تھا دوسرا ٹولہ آتا تھا حتی کہ سب نے کھالیا پھر مجھ سے حضور نے فرمایا اے انس اٹھالو میں نے اٹھالیا جب اٹھایا تو مجھے پتہ نہیں کہ جب رکھا گیا تھا جب زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا ١٠(مسلم،بخاری)

١یعنی حضور انور نے جناب ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا سے نیا نکاح کیا تھا۔عروس دولہادولہن دونوں پر بولا جاتا ہے بمعنی نوشاہ یعنی نیا دولہا یا نئ دولہن اس لیے منکر نکیر قبر میں کامیاب ہونے والے مردہ سے کہتے ہیں نم کنومة العروس خواہ مرد ہو یا عورت۔

٢مشکوۃ شریف کے عام نسخوں میں تور ہےت کے ساتھ بعض نسخوں میں یور ہےی سے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی بڑا پیالہ جس میں پانی بھی پیا جاوے سالن بھی کھایا جاوے۔

٣یعنی یہ ہدیہ حضور انور کے لائق تو نہیں ہے تھوڑا سا ہے مگر حضور انور کرم کریمانہ سے قبول فرمالیں یہ نہ دیکھیں کہ کتنا ہے اور کیا ہے یہ نظر فرمائیں کہ کس دل سے بھیجا ہے۔

٤طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ حقیر ہدیہ کو بھی رد نہ فرماتے تھے ایسی خوشی سے قبول فرماتے تھے کہ لانے والے کا دل خوش ہوجاتا تھا بہت ہی رغبت کا اظہار فرماتے تھے یہ اخلاق کریمانہ قیامت تک ہیں امت دن رات ایصال ثواب کرتی رہے گی وہاں سے قبولیت بلکہ اس کا بہترین بدلہ ملتا رہے گا بعض لوگ اپنی ساری عبادات حضور انور کی طرف سے اداکرتے ہیں نماز، روزہ،حج، وغیرہ ان شاءاللہ ان کے ہدیے رد نہ ہوں گے قبول ہوں گے اور نہ معلوم ادھر سے کیا ملے گا،ایک صحابی نے ککڑی پیش کی تھی اسے لپ بھر سونا عطا ہوا تھا۔خدا کرے ہم کو رحمت کی نظر سے ایک بار دیکھ لیں توہماری ساری محنت ٹھکانے لگ جاوے یہ فریاد سن لیں۔شعر

سایہ رحمٰن سن لو والی قرآن سن لو　　　　صدقہ تم پر جان سن لو،اے مرے سلطان سن لو

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی بارگاہ میں سلام کہلوانا سنت صحابہ ہے آج بھی زائرین کی معرفت مسلمان سلام کہلواتے ہیں۔

٥حضور نے کرم کریمانہ سے اس تھوڑے سے کھانے کو گویا اپنا ولیمہ بنالیا اس لیے لوگوں کو جمع فرمایا اور خود جناب انس کو بھی بلانے بھیجا جب ان سے یہ فرمایا کہ جسے دیکھو اسے دعوت دے دو بچے تو اس چیز کے شوقین ہوتے ہیں انہوں نے سارے مدینہ منورہ کو دعوت دے دی ہوگی۔

٦گھر سے مراد گھر اور مسجد شریف دونوں ہیں ورنہ گھر شریف میں تین سو آدمیوں کی جگہ نہ تھی مہمان مسجد شریف میں ٹھہرائے جاتے تھے۔

٧زھاء کے لغوی معنی ہیں مقدار یا اندازہ،محاورہ میں بمعنی قریب استعمال ہوتا ہے یعنی وہ لوگ کم و بیش تین سو آدمی تھے کچھ کم یا زیادہ۔

۸؎ یہ خبر نہیں کہ کیا پڑھا دعاء برکت ہی فرمائی ہوگی۔معلوم ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر دعا کرنا قرآن مجید پڑھنا جائز بلکہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے فاتحہ میں یہ ہی ہوتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر دعا کرنا قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ایصال ثواب کی دعا کرتے ہیں۔حضور انور قربانی کرکے جانور کو سامنے رکھ کر فرماتے تھے کہ مولیٰ یہ میری امت کی طرف سے ہے اسے قبول فرما یہ ہے ایصال ثواب۔

۹؎ یہ دونوں کام سنت طعام ہیں یعنی بسم اللہ پڑھنا اور اپنے سامنے سے کھانا بیچ میں سے نہ کھائے نہ دوسرے کے آگے سے اٹھائے۔

۱۰؎ یہ تردد ظاہر کے لحاظ سے ہے ورنہ اب کھانا زیادہ ہوچکا تھا کہ حضور کی دعاء برکت اور صحابہ کرام کا کھالینا شامل ہوچکے تھے۔(مرقات)خیال رہے کہ حضور انور نے جناب زینب رضی اللہ عنھا سے نکاح کرکے ولیمہ خود کیا تھا جس میں ایک بکری ذبح کی تھی اس میں ایک ہزار آدمی تھے اس میں بھی برکت ہوئی تھی یہ واقعہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں بکری ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد کیا میں اونٹ پر تھا۱؎جو تھک گیا تھا تو وہ چل سکتا نہ تھا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملے فرمایا تمہارے اونٹ کو کیا ہوا میں نے کہا کہ تھک گیا ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے چلے اونٹ کو ڈانٹا پھر اس کے لیے دعا کی ۲؎تووہ دوسرے اونٹ کے آگے چلنے لگا ۳؎پھر مجھ سے فرمایا اپنے اونٹ کو کیسا دیکھتے ہو میں نے کہا خیریت سے ہے اسے آپ کی برکت پہنچ گئی فرمایا ۴؎تو کیا تم اسے ایک اوقیہ میں میرے ہاتھ فروخت کرو گے ۵؎تو میں نے اونٹ حضور کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کردیا کہ مجھے مدینہ تک اس کی پشت پر سواری کا حق ہو ۶؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے میں صبح کو آپ کے پاس لے گیا مجھے حضور نے اس کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی لوٹا دیا ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ناضح بنا نضح سے بمعنی پانی چھڑکنا پانی بکھیرنا،اصطلاح میں ناضح وہ اونٹ ہے جس سے کھیت کو پانی دیا جاوے اس پر کبھی سواری بھی کرلیتے ہیں یہ اونٹ بھی ایسا ہی تھا۔

۲؎دعا فرمائی اس اونٹ کو قوت و طاقت ملنے کی اس دعا سے اس اونٹ میں زور آگیا جس کمزور پر نظر فرمادیں اس میں قوت آجاوے۔شعر

مجھ سے بے بس کی طاقت پہ دائم درود　　　　مجھ سے بے کس کی قوت پر لاکھوں سلام

۳؎ قدامھا بیان ہے بین یدی کا ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں،ابل سے مراد ہیں سارے اونٹ یعنی اب میرا یہ تھکا ماندہ اونٹ دوسرے اونٹوں سے آگے چلتا تھا۔

۴؎ یعنی اب جو میرے اونٹ میں یہ زور آگیا ہے وہ آپ کی طاقت ہے کہ اب یہ روکے نہیں رکتا۔دیتا اللہ تعالٰی ہی ہے مگر دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت۔

۵؎ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور درہم ساڑھے چار آنے کا کل گیارہ روپیہ چار آنہ میں اونٹ کا سودا طے ہوا۔اس زمانہ میں جانوروں کی قیمتیں بہت تھوڑی تھیں۔

۶؎ فقار جمع ہے فقرہ کی بمعنی جوڑ اسی لیے حضور انور کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا کہ اس میں جوڑ تھے یہاں اس سے مراد ہیں اونٹ کی پیٹھ کی ہڈیاں یعنی میں فروخت تو کررہا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ مدینہ منورہ تک اس پر سواری کروں گا وہاں پہنچ کر حضور کے حوالے کروں گا۔

۷؎ یہ بیع بظاہر بیع بالشرط ہے جوکہ ممنوع ہے مگر درحقیقت یہ بیع تھی ہی نہیں بلکہ وعدہ بیع تھا کیونکہ بیع میں ضروری ہے کہ دو طرفہ ادھار نہ ہو یا قیمت پر یا چیز پر اسی مجلس عقد میں قبضہ ہوجائے۔یہاں نہ حضور انور نے قیمت دی نہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ دیا لہذا یہ بیع نہ تھی بلکہ بیع کا وعدہ تھا مدینہ منورہ آکر اونٹ دینے قیمت لینے پر بیع ہوئی یا یوں کہو کہ یہ لفظًا بیع تھی حقیقتًا نہ تھی اسی لیے حضور کی طرف سے بطور رعایت پیش کی گئی تھی مگر پہلی توجیہ قوی معلوم ہوتی ہے۔بہرحال یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کالی بالکالی سے منع فرمایا یا بیع بالشرط سے منع فرمایانہ احناف کے خلاف ہے۔احناف کہتے ہیں کہ شرط فاسد لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے شرط فاسد کی تعریف اور شرط لگانے کی صورتیں کتب فقہ ملاحظہ کرو کہ نفس عقد میں ایسی شرط لگائی جاوے جس میں کسی کا نفع ہو اور نفع والا خود شرط لگائے اور وہ شرط ایسی ہو کہ تجارت اس کا تقاضا نہ کرتی ہو یہ بیع کو فاسد کردیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو حمید ساعدی سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے تو وادی قریٰ میں ایک عورت کے باغ پر پہنچے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس باغ میں پھلوں کا اندازہ لگاؤ ۲؎ ہم نے لگایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وسق اندازہ لگایا ۳؎ اور اس عورت سے کہا کہ اس کا وزن خیال رکھنا حتی کہ ہم تجھ تک ان شاءاللہ واپس ہوں ۴؎ ہم چلے گئے حتی کہ تبوک پہنچ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات تم پر سخت	

ہوا چلے گی تو اس میں کوئی کھڑا نہ ہو جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی مضبوط باندھ دے ۵؎ چنانچہ بہت سخت ہوا چلی ایک شخص کھڑا ہوگیا اسے ہوا نے اٹھالیا حتی کہ اسے طی کے پہاڑوں پر پھینک دیا ۶؎ پھر ہم آئے حتی کہ وادی قریٰ پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے باغ کے متعلق پوچھا کہ اس کے پھل کس حد تک پہنچے وہ بولی دس وسق ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ غزوہ تبوک کا ذکر پہلے ہوچکا کہ یہ غزوہ ۹ ہجری میں ہوا،وادی قری مدینہ منورہ سے تین دن کی راہ کے فاصلہ پر واقع ہے شام کو جاتے ہوئے یہ مقام آتا ہے۔

۲؎ حدیقہ،بستان،حائط،روضہ قریبًا ہم معنی ہیں یعنی باغ۔غالبًا یہ باغ کھجوروں کا تھا اور درخت پھل سے لدے ہوئے تھے پکنے کے قریب تھے۔

۳؎ یعنی ہم لوگوں نے مختلف اندازے لگائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وسق کا اندازہ لگایا یعنی اس باغ میں کھجوریں دس وسق ہوں گی وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع قریبًا ساڑھے چار سیر کا درخوں پر پھل کھیت میں پودوں پر دانے کا اندازہ لگانا آسان نہیں اس میں بڑی مہارت درکار ہے۔

۴؎ یعنی پھل توڑ کر تول لینا وزن یاد رکھنا جب ہم واپس آئیں توہم کو بتانا کہ پھلوں کا کتنا وزن ہوا۔

۵؎ یعنی آج رات سارا انتظام کرکے سونا رات میں کسی کو اٹھنے کی ضرورت نہ رہے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔

۶؎ طی ایک قبیلہ کا نام ہے جس سے حاتم طائی تھا یہ قبیلہ ملک یمن میں تھا یہ دونوں پہاڑ اس ہی جگہ واقع ہیں ان میں سے ایک کا نام آجاء ہے دوسرے کا نام سلمٰی بعض نے کہا کہ سلمی پہاڑ نجد میں ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ دونوں پہاڑ یمن ہی میں ہیں(مرقات)یہ حضور انور کا معجزہ ہے بلکہ دو معجزے ہیں۔

۷؎ یہ حضور کا تیسرا معجزہ ہے کہ حضور انور کا اندازہ ایسا درست تھا کہ اس میں ایک تولہ کا بھی فرق نہ ہوا یہ محض اندازہ نہ تھا ورنہ کچھ فرق ہوتا بلکہ یہ حضور انور کا علم غیب تھا۔

روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مصر فتح کرو گے ۱؎ وہ وہ جگہ ہے جس میں قیراط کا بہت نام لیا جاتا ہے ۲؎ تو جب تم اسے فتح کرو تو اس کے باشندوں سے بھلائی کرنا ۳؎ کیونکہ اس کا احترام ہے اور قرابت داری ہے یا فرمایا کہ سسرالی رشتہ ہے ۴؎ پھر جب تم دو شخصوں کو اینٹ بھر جگہ میں جھگڑتے دیکھو تو وہاں سے نکل جانا ۵؎	

	راوی نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن شرحبیل ابن حسنہ اور ان کے بھائی ربیعہ کو دیکھا گیا کہ وہ ایک ایک اینٹ بھر جگہ میں جھگڑ رہے تھے تو میں وہاں سے نکل گیا۶؎(مسلم)

۱؎مصر سے مراد یہ ہی مشہور شہر مصر ہے جہاں یوسف علیہ السلام نے سلطنت فرمائی۔

۲؎قیراط بہت چھوٹا سا وزن ہے یعنی دینار کا بیسواں حصہ یعنی وہاں کے تاجرین بہت ہی بے مروت ہیں کسی کی رعایت رتی بھر بھی نہیں کرتے قیراط تک کا حساب کرتے رہتے ہیں اگرچہ وہ چند رتی کا ہو یہ کہتے رہتے ہیں اتنی چھٹانک اتنی رتی۔معلوم ہوا کہ اہل مصر معاملات میں بہت سخت ہیں،یہ بھی معلوم ہوا کہ تاجر کو سخت گیر ہونا نہیں چاہیے معمولی چیزوں میں تولہ رتی کا حساب نہ کرے سونا چاندی اور چیز ہے اس میں رتی کا بھی حساب لگتا ہے۔

۳؎یعنی اگرچہ مصر والے معاملات میں سخت ہیں ان کے مزاج بھی سخت ہیں طبیعت بھی تیز ہے مگر تم ان کی سختی برداشت کرنا ان سے برتاؤاچھا کرنا ان کی سختی کا بدلہ نرمی سے کرنا۔

۴؎یعنی ہم کو مصر والوں سے دو طرح تعلق ہے ایک یہ کہ ماریہ قبطیہ مصر سے آئی تھیں جن کے بطن شریف سے ابراہیم ابن رسول اللہ پیدا ہوئے لہذا وہاں کے لوگوں کو ہماری طرف سے امان ہے ذمہ بمعنی امان،دوسرا تعلق یہ ہے کہ ہماری دادی صاحبہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مصر ہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی تھیں انہیں کی اولاد سے ہم ہیں وہ ہماری دادی کا وطن ہے لہذا ان لوگوں سے ہماری قرابت داری بھی ہے۔**صھر** کے معنی ہیں سسرالی رشتہ یعنی ہماری لونڈی ماریہ مصر کی ہیں لہذامصر میں ہمارا سسرالی رشتہ ہے۔اس فرمان عالی سے دو مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے نسبی رشتہ کی طرح سسرالی رشتہ کا بھی احترام کرے،ساس سسر کو اپنا ماں باپ سمجھے،ان کی قرابت داروں کو اپنا عزیز جانے بلکہ انکی بستی کا وہاں کے باشندوں کا احترام کرے کہ وہ ساس و سسر کے ہم وطن ہیں۔دوسرے یہ کہ نبی کے رشتہ داروں بلکہ نبی کے ملک والوں کا بھی ادب کرے لہذا ہم پر لازم ہے کہ حضور کی اولاد کا مکہ والوں کا احترام و ادب کریں ان کی سختی پر تحمل کریں اہل عرب کی سختی پر سختی تحمل کرنے والوں کے لیے شفاعت کا وعدہ ہے وہ لوگ کیسے ہی سہی مگر ہمارے رسول کے اہل وطن ہیں حضور کے پڑوسی ہیں۔ایک بزرگ گولڑوی غلام محی الدین صاحب حج کے بعد جناب حلیمہ سعدیہ کے گاؤں پہنچے وہاں سات دن قیام کیا ہر روز الگ الگ جماعتوں کی دعوت فرماتے رہے حتی کہ ایک دن وہاں کے کتوں کی دعوت کی حلوہ پوری وغیرہ پکوا کر خود انہیں کھلاتے تھے روتے جاتے تھے کہ یہ جناب حلیمہ کے وطن کے کتے ہیں ان سب باتوں کا ماخذ یہ حدیث ہے۔غرض یہ کہ وہاں کے درو دیوار کی عزت کرے افسوس ! ان بے دینوں پر جو ازواج پاک یا صحابہ کبار کی برائیاں کرتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے حضور کو ایذا ہوتی ہے۔

۵؎یہ حکم حضرت ابوذر کو دیا گیا کہ تم یہ واقعہ دیکھو گے کہ دو آدمی ایک اینٹ بھر جگہ میں لڑیں گے جب یہ دیکھو تب مصر میں نہ رہنا کیونکہ یہ ایک بڑے فتنہ کی ابتداء ہوگی جس کا مرکز مصر ہوگا ایسا ہی ہوا کہ اس کے بعد اہل

مصر نے حضرت عثمان غنی سے بغاوت کردی انہیں شہید کرنے کے بعد محمد ابن ابوبکر کو جو حضرت علی کی طرف سے وہاں گورنر تھے شہید کردیا پھر ایسے فتنے اٹھے کہ خدا کی پناہ یہ ہے حضور کا علم غیب۔(مرقات)

۶؎ شرحبیل ابن حسنہ صحابی ہیں اور عبدالرحمٰن ربیعہ دونوں ان کے بیٹے ہیں یہ جھگڑا اس وقت ہوا جب کہ حضرت عثمان کا آخری دور خلافت تھا عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح یعنی حضرت عثمان کا رضاعی بھائی حضرت عثمان کی طرف سے مصر کا گورنر تھا اہلِ مصر اس کی گورنری سے ناراض ہوئے حتی کہ واقعہ شہادت عثمان پیش آگیا یہ اینٹ بھر جگہ پر جھگڑا اس فتنہ کی ابتداء کی علامت تھا۔اللہ اکبر! حضور کا علم کس قدر وسیع ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میرے ساتھیوں میں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں۔۱؎ جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کی خوشبو پائیں گے حتی کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہوجاوے ۲؎ ان میں سے آٹھ وہ ہیں جنہیں ایک پھوڑا ہی کافی ہوگا آگ کا شعلہ جو ان کے کندھوں میں ظاہر ہوگا حتی کہ ان کے سینوں میں پار ہوجاوے گا ۳؎(مسلم)ہم سہل ابن سعد کی حدیث کہ میں یہ جھنڈا کل دوں گا جناب علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کریں گے اور حضرت جابر کی حدیث کہ جو اس گھاٹی پر چڑھ جاوے ان شاءاللہ جامع المناقب باب میں ہم ذکر کریں گے۔	

۱؎ ان منافقوں کو اصحاب یا امت لغوی معنی سے فرمایا گیا ہے ورنہ منافق نہ صحابی ہے نہ حضور کا امتی(یعنی مسلمان) صحابی وہ ہے جو بحالت ایمان حضور کی زیارت کرے اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہو۔خیال رہے کہ یہ فرمان عالی غزوہ تبوک کے موقعہ پر ہوا جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس لوٹ رہے تھے تو ایک شب جسے لیلۃ العقبہ کہتے ہیں حضور انور ایک گھاٹی میں اترے آپ کے ساتھ عمار ابن یاسر اور حذیفہ ابن یمان تھے چوتھا منافقین نے سازش کی غار میں پہنچ کر حضور انور پر حملہ کردیں اس ارادے سے وہ غار میں پہنچے مگر حذیفہ و عمار کو دیکھ کر بھاگ گئے۔حضور نے جناب حذیفہ سے پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں کے نام جانتے ہو عرض کیا کہ نہیں فرمایا ہم جانتے ہیں تم کو ان کے نام بتائیں گئے ان سے دو توبہ کرلیں گے اور بارہ دوزخی ہیں یہاں یہ واقعہ مذکور ہے بعد میں حضور انور نے جناب حذیفہ کو ان کے نام بتائے تابعین میں اکثر لوگ حضرت حذیفہ سے ان بارہ کے نام پوچھا کرتے تھے۔(مرقات)

۲؎یعنی ان میں سے آٹھ منافق کفر پر مریں گے جنت میں ہرگز نہ جاسکیں گے۔اس فرمان کا ماخذ قرآن مجید کی یہ آیت ہے"وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ"یہ ہے حضور انور کا علم غیب کہ لوگوں کی موت اس کی کیفیت سعادت شقاوت سے خبردار ہیں حالانکہ یہ چیزیں علوم خمسہ سے ہیں۔

۳؎دبیلہ تصغیر ہے دبلۃ کی،دبلہ اندرون جسم میں ایک پھوڑا ہوتا ہے جو اندر ہی پھوٹ جاتا ہے آدمی مرجاتا ہے اسے فارسی میں عرسلک کہتے ہیں غالبًا یہ کینسر پھوڑا ہے۔جسے سرطان بھی کہا جاتا ہے،بعض شارحین نے کہ فرمایا کہ یہ طاعون کی گلٹی ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔اس پھوڑے میں اس غضب کی سوزش اور بدبو ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ اسی لیے حضرت حذیفہ نے دبیلہ کی تفسیر سراج من نار سے کی یعنی اس پھوڑے سے بیمار کو ایسی سوزش وجلن ہوتی ہے جیسے اس کے جسم میں آگ کا شعلہ بھڑکا ہوا ہے۔خلاصہ فرمان یہ ہے کہ ان آٹھ منافقوں کو دنیا میں یہ عذاب ہوگا کہ ان کی موت ایسی مصیبت اور ذلت و خواری سے ہوگی،اخروی عذاب یہ ہے کہ وہ کفر پر مریں گے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے،دیکھو حضور انور کا علم کہ حضور کو ہر شخص کی دنیا و دین دونوں کی خبر ہے نبی کے معنی ہیں خبردار۔

۴؎ یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے وہاں بیان کیں کہ وہاں کے مناسب ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ابو طالب شام کی طرف گئے ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کی جماعت میں تشریف لے گئے ۱؎جب وہ اس راہب پر پہنچے تو اترے اپنی سواریاں کھولیں ۲؎ان کے پاس وہ راہب آیا حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ اس پر گزرتے تھے وہ ان کے پاس نہ آتا تھا ۳؎فرمایا کہ لوگ اپنے سامان کھول رہے تھے راہب ان لوگوں کے درمیان گھسنے لگا ۴؎حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا بولا یہ تمام نبیوں کے سردار ہیں یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ انہیں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا ۵؎تو سرداران قریش نے اس سے کہا کہ تجھے کیسے علم ہوا ۶؎وہ بولا کہ تم جب اس گھاٹی سے سامنے آئے تو کوئی درخت پتھر نہ رہا مگر وہ سجدے میں گر گیا ۷؎یہ مخلوق نبی کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتی ۸؎

	اور میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے کندھے کی ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے ۹؎ پھر وہ لوٹ گیا ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کیا جب ان لوگوں کے پاس کھانا لایا اور حضور اونٹ چرانے میں مشغول تھے تو بولا انہیں بلا بھیجو ۱۰؎ چنانچہ آپ آئے آپ پر بادل تھا جو سایہ کررہا تھا ۱۱؎ جب آپ قوم سے قریب ہوئے تو ان کو درخت کے سایہ میں پہلے پہنچا ہوا پایا جب حضور بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا ۱۲؎ وہ بولا دیکھو درخت کا سایہ کہ آپ پر جھک گیا پھر بولا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں ان کا ولی کون ہے لوگوں نے کہا ابو طالب ہیں وہ انہیں قسمیں دیتا رہا حتی کہ حضور کو ابوطالب نے لوٹا دیا ۱۳؎ اور حضور کے ساتھ ابوبکر نے بلال کو بھیجا ۱۴؎ اس راہب نے آپ کو بسکٹ اور تیل کا توشہ دیا ۱۵؎ (ترمذی)

۱؎ اس وقت حضور کی عمر بارہ سال تھی ابو طالب تجارتی قافلہ لے کر مکہ معظّمہ سے شام کی طرف گئے تھے حضور انور بخوشی تشریف لے گئے (از اشعہ) تشریف لے جانے میں وہ راز تھا جو آگے آرہا ہے یعنی بحیرہ راہب کو جمال دکھا کر ایمان بخشنا۔

۲؎ اس عیسائی پادری کا نام بحیرہ تھا اور اس منزل کا نام بصری تھا یہ جگہ شام میں واقع ہے۔(اشعہ) بحیرہ عیسائیوں کا بڑا عالم بھی تھا بڑا عابد بھی لہذا ان روایات میں تعارض نہیں جن میں اسے عالم کہا گیا ہے بعض میں عابد۔

۳؎ بعض علماء کو میں نے فرماتے سنا کہ یہ راہب اس راستہ پر اس لیے بیٹھا تھا کہ اسے معلوم ہوا تھا کہ نبی آخر زمان اس راہ سے کبھی گزریں گے وہ شوق زیارت میں یہاں تھا۔واللہ ورسولہ اعلم۔ قافلے اس پر گزرتے تھے وہ پرواہ بھی نہ کرتا تھا کیونکہ ان قافلوں میں اسے تجلی و انوار نظر نہ آتے تھے۔آج اس نے اس قافلہ میں آثار نبوت دیکھے۔شعر

همہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف به امید ز آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

دوسرے شکاری شکار کو ڈھونڈھتے ہیں وہ ایسے شکاری ہیں کہ شکار انہیں ڈھونڈتے ہیں۔

۴؎ یعنی اس قافلہ کے رکتے ہی وہ اس قافلہ میں آن گھسا اور فردًا فردًا۔ایک ایک کو دیکھنے لگا **خاتم النبیین** کا جو نقشہ اس کے ذہن میں تھا بہ تعلیم انجیل وہ کسی کے مطابق نہ ہوا۔

۵؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ العالمین سے مراد اولین و آخرین تمام جہان ہے حضور گزشتہ موجودہ آئندہ ساری مخلوق کے نبی رحمت اور سردار ہیں اب سارے انبیاء کرام اور ان کی امتیں حضور کی امت ہیں۔(از مرقات) اللہ تعالٰی رب العالمین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید العالمین رحمۃ للعالمین،رسول عالمین ہیں۔

۶؎ یعنی تو نے حضور کے یہ اوصاف حمیدہ کس ذریعہ سے پہچانے ابھی تو نے ان کے حالت دیکھے بھی نہیں ہیں۔خیال رہے کہ اہل مکہ ولادت پاک سے بھی حضور انور کے معجزات جنہیں ارہاص کہتے ہیں دیکھا کرتے تھے،ان میں سے بعض لوگ حضور کی نبوت پہچان گئے تھے مگر بحیرہ نے تو ابھی کچھ بھی نہ دیکھا تھا۔اس لیے انہوں نے بطور تعجب پوچھا۔

۷؎ بحیرہ راہب اس زمانہ کے اولیاء اللہ میں سے تھا اس نے اپنے کشف سے ان تمام کا سجدہ میں گرنا دیکھ لیا اور لوگ نہیں دیکھ سکے درخت و پتھروں کے سجدہ کی نوعیت کیا تھی یہ تو دیکھنے والے ہی جانیں۔خیال رہے کہ اولیاء اللہ کا وجود دین کی حقانیت کی دلیل ہے جس دین میں اولیاء اللہ ہوں وہ سچا ہے جس درخت میں پھل پھول ہو اس کی جڑ ہری ہے چونکہ اس وقت عیسائیت تھی وہاں اولیاء اللہ تھے منسوخ ہوتے ہی وہاں ولایت نہ رہی مسلمانوں کے صدہا فرقے ہیں مگر سواء اہل سنت کے اولیاء اللہ کسی فرقہ میں نہیں پتہ لگا کہ یہ ہی مذہب برحق ہیں۔

۸؎ خیال رہے کہ انسانوں کے سوا تمام چیزیں حضور کو سجدہ کرتی تھیں اونٹوں نے حضور کو سجدہ کیا یہاں معلوم ہوا کہ درختوں پتھروں نے حضور کو سجدہ کیا۔انسانوں کو بھی سجدۂ سر حرام ہے دل و جان و ایمان حضور کو سجدہ کناں ہیں۔شعر

گو سجدہ سر ہے ان کو منع لیکن دل و جان ہیں سجدہ کناں ہے حکم شریعت سر پہ رواں دل و جان نے اجازت پائی ہے

۹؎ بعض روایات میں ہے کہ اس نے حضور کی مہر نبوت کی زیارت کی اور اہل مکہ سے حضور انور کے سونے جاگنے کھانے پینے چلنے پھرنے وغیرہ کے حالات پوچھے سب کچھ انجیل کی مذکورہ علامات کے موافق پایا۔(اشعہ)**غضروف** وہ نرم ہڈی جو جوڑوں کے ملنے کی جگہ ہوتی ہے نہ گوشت کی طرح بالکل نرم نہ ہڈی کی طرح ایک دم سخت(لمعات)یہ ہڈی اور گوشت کے درمیان واسطہ ہوتی ہے۔

۱۰؎ یعنی یہ راہب کھانا پکا کر ان لوگوں کے پاس لایا یہ سب لوگ اپنی جگہ موجود تھے حضور انور یہاں نہ تھے آپ اونٹ چرانے کچھ فاصلے پر تھے اس نے سمجھا کہ جس دولہا کی خاطر یہ کھانا پکایا گیا ہے وہ تو یہاں موجود نہیں برات بغیر دولہا کیسے سجے بولا دولہا کو بلاؤ پھر کھانا کھاؤ۔

۱۱؎ خیال رہے کہ گرمی میں دن کے وقت حضور انور پر بادل سایہ کرتا تھا،رات کو کبھی نہیں،دن میں سردی کے موسم میں بادل سایہ نہیں کرتاتھا تاکہ گرمی میں حضور کو دھوپ کی تکلیف نہ ہو اور اول ہی سے جسم پاک بے سایہ تھا خوشبو دار تھا کبھی جسم اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی یہ حضور انور کے ارہاصات ہیں جو ظہور نبوت سے پہلے ظاہر تھے،بعض نادان کہتے ہیں کہ جب حضور انور پر بادل سایہ کیے رہتا تھا تو جسم اقدس کا بے سایہ ہوناکیونکر معلوم ہوا۔ان کا یہ سوال عبث ہے کیونکہ سایہ صرف دھوپ میں نہیں پڑتا بلکہ چاندنی میں شمع کے سامنے بھی پڑتا ہے،نیز رات میں اور سردیوں کے دن میں بادل سایہ نہیں کرتا تھا اس سے بے سایہ ہونا ظاہر ہوجاتا تھا۔

۱۲؎ یعنی جس درخت کے نیچے ان تمام کو کھانا کھلانے کا انتظام کیا گیا تھا اس درخت کا سایہ پر ہوچکا تھا لوگ وہاں بیٹھ چکے تھے حضور انور مجمع کے کنارے پر بیٹھ گئے۔جہاں درخت کا سایہ نہ تھا۔خیال رہے کہ بادل حضور پر چھتری

کی طرح سایہ کرتا تھا کہ صرف آپ پر سایہ رہے تاکہ معجزہ ہونا ثابت ہو لہذا یہاں یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کہ حضور کو درخت کے سایہ کی ضرورت ہی نہ تھی آپ پر تو بادل کا سایہ تھا،نیز درخت بھی حضور انور کی خدمت کرنا چاہتا تھا،رب کی مرضی تھی کہ محبوب کا یہ دوسرا معجزہ ظاہر ہو۔خیال رہے کہ یہ درخت حضور کی خدمت میں جھک گیا۔اس بے سایہ والے پر اپنا سایہ ڈال دیا۔اس طرح کہ دوسرے کنارہ کے لوگ سایہ سے نکل کر دھوپ میں ہوگئے تاکہ سب کو اس معجزہ کا مشاہدہ ہو مرقات نے فرمایا کہ اس وقت بادل ہٹ گیا اور درخت کا سایہ حضور پر پڑنے گا۔

۱۳؎ بحیرہ نے کہا کہ ان کی شہرت دنیا بھر میں پہنچ چکی ہے رومی کفار ان کے درپئے آزار ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو قتل کردیں ان کی حفاظت کرو مکہ واپس بھیج دو۔ابو طالب نے منظور کرلیا،حاکم کی روایت میں ہے کہ اس دوران میں راہب کو سات رومی ملے جو حضور انور کے قتل کے ارادے سے اس طرف آتے تھے انہیں بھی کاہنوں نے پتہ بتایا تھا کہ نبی آخر الزماں اس ماہ اس راستہ سے گزریں گے بحیرہ نے بمشکل انہیں واپس کیا(اشعہ)

۱۴؎ ابن حجر نے اصابہ میں فرمایا کہ حدیث بالکل صحیح ہے اس کے راوی سارے ثقہ ہیں اتنی عبارت کہ ابوبکر صدیق نے بلال کو حضور انور کے ساتھ بھیجا کسی کی ملائی ہوئی ہے یہ باطل محض ہے کیونکہ بلال تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ڈھائی سال حضور سے چھوٹے تھے۔اس وقت حضور انور کی عمر بارہ سال تھی تو جناب صدیق کی عمر ساڑھے نو سال تھی۔غرضکہ اتنی روایت غلط ہے۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

۱۵؎ امام قیروی کعب نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد کے تمام راوی مسلم بخاری کے راوی ہیں سارے ثقہ ہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا ہم اس کے بعض اطراف میں گئے ۱؎ تو کوئی درخت پتھر آپ کے سامنے نہ آیا مگر وہ کہتا تھا یارسول اللہ آپ پر سلام ہوا ۲؎ (ترمذی،ودارمی)	

۱؎ غالبًا یہ واقعہ ظہور نبوت کے بعد کا ہے آپ کسی کام کے لیے حضور کے ساتھ مکہ کے اطراف میں گئے تھے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ درختوں پہاڑوں پتھروں کا یہ سلام حضرت علی نے خود سنا لہذا اس واقعہ میں حضور کے معجزے حضرت علی کی کرامت دونوں کا ذکر ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عرض کرنا کہ **الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ** شرک یا حرام نہیں بالکل جائز ہے اسے تو پتھر درخت بھی حرام نہیں سمجھتے اس کے منکرین پتھروں جانوروں سے بھی بدتر ہیں ہم نماز میں پڑھتے ہیں **السلام علیك ایها النبی**۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس رات جس رات میں معراج کرائی گئی براق لایا گیا لگام و زین دیا ہوا تو آپ پر اس نے سرکشی کی ۱؎ تو اس سے جبریل نے کہا کہ کیا محمد کے ساتھ تو یہ کرتا ہے ۲؎ ان سے زیادہ اللہ کے نزدیک	

	عزت والا تجھ پر کوئی نہیں سوار ہوا۳؎ فرمایا وہ پسینہ سے نچوڑ گیا(۴) (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی کودنے اچھلنے لگا یہ کودنا اچھلنا خوشی میں تھا مگر اس سے سواری میں دقت واقع ہوئی۔خیال رہے کہ معراج میں براق کی سواری حضور کے اعزاز کے لیے تھی ورنہ حضور کو سواری کی کوئی ضرورت نہ تھی حضرات انبیاء کرام اس رات بیت المقدس میں پھر آسمانوں پر بغیر سواریوں کے گئے کیونکہ وہ حضرات اس رات براتی تھے۔حضور دولہا تھے دولہا سواری پر ہوتے ہیں براتی پیدل۔

۲؎ یعنی اے براق تیری یہ شوخی اگرچہ فخر یا خوشی سے ہے مگر بے ادبی ظاہر کررہی ہے تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم کر یہاں ادب کی جگہ ہے۔

۳؎ بعض لوگوں نے اس عبارت سے دھوکا کھایا ہے کہ اس براق پر حضرات انبیاء کرام سوار ہوتے رہے ہیں آج حضور سوار ہورہے ہیں مگر یہ استدلال بہت کم زور ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اور لوگ سوار تو ہوئے ہیں مگر وہ حضور کی طرح معزز و مکرم نہ تھے۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی سوار ہوا ہی نہیں یہ تجھ پر پہلے سوار ہیں اور سب سے بے مثال ہیں،کسی نبی کو نہ تو معراج ہوئی نہ انہیں کبھی براق کی سواری کی ضرورت پیش آئی۔

۴؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ براق کی اچھل کود خوشی میں تھی اور یہ پسینہ آنا بے ادبی کی شرمندگی سے ہوا۔بعض واعظین بیان کرتے ہیں کہ براق نے حضور سے وعدہ لیا کہ قیامت میں آپ مجھے اپنی سواری کے لیے منتخب فرمائیں وعدہ فرمایا تب وہ خاموش کھڑا ہوگیا۔یہ روایت کسی معتبر کتاب میں نہیں ملی۔واللہ اعلم! اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اچھل کود ناز کی تھی۔شعر

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے   نیا مند نہ کیوں عاجزی سے ناز کرے

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم بیت المقدس تک پہنچے تو جبریل نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا جس سے پتھر چر گیا اس سے براق باندھا۱؎ (ترمذی)

۱؎ میں نے اس پتھر کی اس کے سوراخ میں پیتل کے کڑے کی زیارت کی ہے جس پر براق باندھا گیا تھا اب وہ جگہ زمین دوز ہوگئی ہے کئی سیڑھیاں اتر کر وہاں پہنچنا ہوتاہے۔وہاں اندھیرا ہے روشنی کرکے نوافل پڑھے جاتے ہیں۔یہ جگہ مسجد اقصیٰ میں بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔یہاں انبیاء کرام اپنے گھوڑے باندھاکرتے تھے یہ سوراخ بند ہوگیا تھا۔جبریل امین نے اشارہ سے یہ سوراخ کھول دیالہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ہمارا براق اس حلقہ سے باندھا گیاجس سے انبیاء کرام باندھا کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت یعلی ابن مرہ ثقفی سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں دیکھیں جب کہ ہم حضور کے ساتھ چل رہے تھے کہ

	ہم ایک اونٹ پر گزرے جس پر پانی دیا جارہا تھا۲؎ تو جب حضور کو اونٹ نے دیکھا تو چیخا اپنی گردن رکھ دی۳؎ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے،فرمایا اس اونٹ کا مالک کہاں ہے وہ حضور کے پاس آیا فرمایا اسے میرے ہاتھ بیچ دے۴؎ اس نے کہا یارسول اللہ ہم یہ حضور کو ہبہ کرتے ہیں یہ ایسے گھر والوں کا ہے جن کے پاس اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہیں ۵؎ فرمایا جب تم نے اس کا یہ حال بیان کیا تو اس نے زیادتی کام اور چارہ کی کمی کی شکایت کی تم اس سے اچھا سلوک کرو ۶؎ پھر ہم چلے حتی کہ ایک منزل میں اترے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوگئے ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا حتی کہ آپ پر سایہ کرلیا پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۷؎ پھر جب بیدا ر ہوئے تو میں نے حضور سے یہ ذکر کیا فرمایا یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب سے یہ اجازت چاہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرے تو اسے اجازت دے دی ۸؎ راوی نے کہا کہ پھر ہم ایک گھاٹ پر گزرے تو آپ کے پاس ایک عورت اپنا بچہ لائی جسے دیوانگی تھی ۹؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بانسہ پکڑا پھر فرمایا کہ نکل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ۱۰؎ پھر ہم چلے تو جب لوٹے تو اس گھاٹ پر گزرے اس سے بچہ کے متعلق پوچھا وہ بولی اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ کے بعد ہم نے اس سے کوئی شبہ کی چیز نہ دیکھی ۱۱؎ (شرح سنہ)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،حدیبیہ،فتح خیبر،حنین،طائف وغیرہ کے جہادوں میں حاضر رہے آپ نے ایک سفر میں حضور کے تین معجزے دیکھے اس کا بیان فرمارہے ہیں یہ پتہ نہیں چلا کہ کس سفر میں تھے اور یہ واقعہ کب کا ہے۔

۲؎ یُسنٰی بنا ہے سنی سے بمعنی کھیت کو پانی دینا اسی سے ہے سانیہ وہ اونٹنی جس سے کھیت کو پانی دیا جاوے یعنی اس وقت کھیت والے اس پر کھیت کو پانی دے رہے تھے۔

۳؎اونٹ کی لمبی گردن سینے سے سر تک کو جران کہتے ہیں یعنی وہ حضور انور کے سامنے اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنی ساری گردن زمین پر بچھادی اس نے اس طرح اپنی انتہائی عاجزی ظاہر کی۔

۴؎اسے ہم پال لیں گے یہ تیرے ہاں تنگ ہے حضور آفت زدوں کے غم خوار ہیں۔بیکسوں کے غمگسار جن کی کوئی قیمت نہ ہو ان مولے ہوں ان کے خریدار ہیں۔شعر

بے یار ومددگار جسے کوئی نہ پوچھے ایسوں کا تمہیں یار و مددگار بنایا

۵؎یعنی ان لوگوں کا سہارا ان کا گزارہ اس اونٹ سے ہے حضور چاہیں تو قبول فرمالیں ہم کو کوئی عذر نہیں۔

۶؎یعنی اچھا ہم نہیں خریدتے تم اپنے پاس رکھو مگر اس سے کام کم لو چارہ زیادہ دو۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور جانوروں کی بولی بھی سمجھتے ہیں حضرت سلیمان صرف چڑیوں چیونٹیوں کی بولی سمجھتے تھے،حضور شجر و حجر خشک و تر ساری مخلوق کی بولی جانتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور حاجت روا مشکل کشاہ ہیں۔یہ وہ مسئلہ ہے جسے جانور بھی مانتے ہیں جو انسان مسلمان ہو کر حضور کو حاجت رواں مشکل کشانہ مانے وہ جانوروں سے بدتر ہے۔تیسرے یہ کہ حضور کی کچہری میں جانور بھی فریاد ہوتے ہیں۔شعر

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریادہاں یہی چاہتی ہیں ہرنی دوا

اس در پر شتران ناشاد شکوہ رنج و عناد کرتے ہیں

لہذااپنا ہر دکھ درد حضور سے کہو فریاد کرو۔

۷؎اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے معجزات سوتے میں بھی جاری رہتے تھے صرف بیداری پر ہی منحصر نہ تھے۔

۸؎یعنی درخت کی یہ حاضری صرف سایہ کرنے کے لیے نہ تھی بلکہ مجھے سلام کرنے کے لیے تھی اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کو جانور درخت بھی سلام کرتے ہیں دوسرے یہ کہ حضور انور سوتے میں بھی سلام کرنے والوں کے سلام سنتے انہیں جواب دیتے ہیں آج بھی بعد وفات حضور کو دنیا سلام کرتی ہے۔تیسرے یہ کہ اللہ تعالٰی خود اپنی مخلوق کو حضور کی بارگاہ میں سلام کرنے بھیجتا ہے۔دیکھو درخت اللہ تعالٰی سے اجازت لے کر سلام کرنے آیا تھا رہی یہ بات کہ درخت کو رب تعالٰی نے کیسے اجازت دی اور درخت نے یہ اجازت کیوں کر معلوم کی اس میں بڑی دراز گفتگو ہے حق یہ ہے کہ درختوں پتھروں کے بھی قدرتی دل ہیں ان کے دل میں ڈال دینا اللہ کی اجازت ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ" آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی یہ ہے اللہ کا ان سے کلام فرمانا۔

۹؎وہ عورت اپنے دیوانہ بچے کو حضور کے پاس لائی تاکہ اسے حضور کے دم اور حضور کی برکت سے شفاء نصیب ہو معلوم ہوا کہ یہ حاجت مندوں کا حضور کے دروازے پر جانا سنت صحابہ ہے۔

۱۰؎اس میں خطاب اس بچہ کی بیماری یعنی دیوانگی سے ہے اور انی رسول اللہ میں وجہ خطاب کا ذکر ہے یعنی تو اس میں سے نکل جا کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اس شان رسالت سے تجھ کو نکل جانے کا حکم دے رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ حضور کی حکومت بیماریوں پر بھی ہے،آپ کا حکم ان پر بھی جاری ہے دیکھو حضور انور نے نہ تو کوئی دوا بتائی نہ کوئی دعا پڑھ کر دم کیا بلکہ اسے نکل جانے کا حکم شاہانہ دیا اور بیماری نے اطاعت کی ہم نے عرض کیا ہے۔

تخت ہے ان کا تاج ہے ان کا	دونوں جہاں میں راج ہے ان کا
جن و ملک ہیں ان کے سپاہی	رب کی خدائی میں ان کی شاہی

اا یعنی وہ بیماری جڑ سے جاتی رہی پھر اس کا شائبہ بھی نہ ہوا سبحان اللہ! یہ ہے حضور کی بادشاہت۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک عورت اپنے بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی بولی یارسول اللہ میرے اس بچہ کو دیوانگی ہے اور اسے جنون شام سویرے پکڑتا ہے۱ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی اسے قے ہوئی اور اس کے پیٹ سے کالا سا پلا سا نکلا جو چلتا تھا ۲(دارمی)	

۱ یعنی اسے دیوانگی ہمیشہ نہیں رہتی بلکہ صبح و شام ظاہر ہوا کرتی ہے۔

۲ یہ واقعہ دوسرا ہے پچھلی حدیث میں جو گزرا وہ واقعہ دوسرا تھا وہاں اس میں کیڑے کے نکلنے کا ذکر نہ تھا جرء کہتے ہیں کتیا کے پلے بچے کو،وہ کیڑا اسی شکل و شبہات کا تھا وہ دراصل جنون تھا جو کیڑے کی شکل میں تھا بیماریوں کی بھی شکلیں ہوتی ہیں جو اللہ والوں کو نظر آتی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون کو ایک کالی عورت کی شکل میں ملاحظہ فرمایا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جب کہ آپ غمگیں بیٹھے تھے مکہ والوں کی ایذا رسانی کی وجہ سے کہ خون سے رنگین تھے۱ عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو ایک نشان دکھاؤں ۲ فرمایا ہاں انہوں نے آپ کے پیچھے ایک درخت کی طرف دیکھا عرض کیا اسے بلائیے۔حضور نے اسے بلایا وہ آگیا آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا ۳ پھر عرض کیا اسے حکم دیجئے کہ لوٹ جائے حضور نے اسے حکم دیا وہ لوٹ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کافی ہے ۴(دارمی)	

۱ یہ واقعہ غزوہ احد کا ہے جب کہ حضور انور پر تلوار و نیزوں کے ستر۷۰ وار کیے گئے جن سے اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا مگر ایک پتھر سر مبارک پر لگادوسرا دانت شریف پر ایک پتھر سے آپ کی انگلی شریف زخمی ہوگئی ان تین زخموں کی وجہ سے آپ خونا خون ہوگئے اور آپ کو بہت تکلیف پہنچی۔(مرقات،لمعات،اشعہ)

۲؎ یعنی آپ کو آپ کی سلطنت خداداد دکھاؤں کہ اللہ نے آپ کا راج ساری مخلوق پر قائم فرمایا ہے اگرچہ بعض لوگ نادانی سے آپ کی حکومت نبوت نہ مانیں آیت سے مراد حضور کا وہ معجزہ ہے جس کا تعلق حضور کے خدا داد اختیار سے ہے۔

۳؎ یعنی حضور کے بلانے پر درخت بے توقف چلا آیا۔

۴؎ یعنی اب مجھے کفار کی مخالفت یا ان کی ایذا رسانی کی کوئی پرواہ نہیں جب مجھے اللہ تعالٰی نے ایسی حکومت بخشی ہے تو ان کفار کا نہ ماننا مجھے ایذائیں دینا ایک عارضی چیز ہے یہ سب میرے زیر نگیں آنے والے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی آیا جب قریب ہوا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۱؎ اور یہ کہ حضور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ بولا جو آپ کہتے ہیں اس پر گواہی کون دیتا ہے ۲؎ فرمایا یہ درخت خار دار ۳؎ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا وہ جنگل کے کنارہ پر تھا وہ زمین چیرتا ہوا آیا حتی کہ آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا پھر حضور نے اس سے تین بار گواہی لی اس نے تین بار گواہی دی ۴؎ کہ حضور ویسے ہی ہیں جیسے انہوں نے فرمایا پھر اپنے جھاڑی کی طرف لوٹ گیا ۵؎ (دارمی)	

۱؎ یہ سفر یا تو جہاد کا تھا یا عمرے کا کچھ پتہ چلا نہیں(مرقات)تشہد سے پہلے ہمزہ استفہامیہ پوشیدہ ہے۔حضور انور نے اس سے یہ سوال فرمایا۔

۲؎ یعنی انسانوں کے علاوہ اور کون شخص ہے جو آپ کی نبوت پر گواہی دے(اشعہ)اس نے نبی کے اختیاران کی سلطنت خدا داد دیکھ کر مسلمان ہونا چاہا۔

۳؎ **سلمه** کا ترجمہ ہے ببول(کیکر)جس کے پتوں کو عربی میں **قرظ** کہتے ہیں جس سے کھال رنگی جاتی ہے یعنی پکائی جاتی ہے،اس کی جمع **سلام** ہے بغیرت کے۔(مرقات)

۴؎ یہ گواہی وہ بدوی اپنے کانوں سے سن رہا تھا اس کا آنا جانا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔اس نے ایک معجزہ مانگا تھا حضور انور نے اسے دو معجزے دکھائے درخت کا آنا جانا،گواہی دینا ورنہ ہو سکتا تھا کہ حضور خود اس درخت کے پاس جاتے اس سے گواہی لے لیتے۔

۵؎ اس واقعہ کو امام بوصیری نے قصیدہ بردہ شریف میں یوں بیان فرمایا ہے۔

جاء ت لدعوته الاشجار ساجدة　　　تمشی الیه علی ساق بلا قدم

حضرت حسان یوں بیان فرماتے ہیں۔

نطق الحجر جاء الشجر شق القمر باشارته

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا بولا میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں ۱؎ فرمایا اگر میں اس خوشہ کو اس درخت سے بلاؤں تو وہ گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۲؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا وہ کھجور کے درخت سے اترنے لگا حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گر گیا پھر فرمایا لوٹ جاؤ وہ لوٹ گیا ۳؎ یہ دیہاتی مسلمان ہوگیا ۴؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی مجھے کوئی معجزہ دکھائیں جس سے میں آپ کی نبوت کو پہچانوں۔معلوم ہوا کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے دیگر انبیاء کرام کو گنے چنے معجزے عطا ہوئے۔حضور کے معجزات بے شمار گزشتہ نبیوں کے معجزات ان کی وفات پر ختم ہوگئے،حضور کے بہت سے معجزے تاقیامت باقی۔

۲؎ عذق کا ترجمہ اردو میں ہے گُدّھا یعنی درخت کی وہ موٹی شاخ جس میں چھوٹی اور پتلی بہت سی شاخیں ہوں یہ تحقیق ہے مرقات کی مگر لمعات اور اشعہ میں ہے کہ عذق بمعنی خوشہ یہاں بمعنی خوشہ ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی اس خوشہ گچھے کی کھجوریں ایک ایک کرکے آپ کے دامن میں گری پھر اسی طرح اوپر اٹھ گئیں۔اور اپنے خوشہ سے لگ گئی ان کا یہ آنا جانا ہی گویا انکی گواہی تھی۔

۴؎ حضور پر ایمان مختلف ذریعوں سے لوگوں کو حاصل ہوا ہے کوئی آپ کو دیکھ کر ہی ایمان لایا کوئی آپ کے صفات عالیہ میں غور کرکے کوئی آپ کا کلام سن کر اور کوئی صرف نام سن کر کوئی کسی خاص معجزے سے یہ اعرابی اس آخری قسم میں سے تھا جو معجزہ دیکھ کر ایمان لایا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیا کسی بکریوں کے چرواہے کی طرف گیا ان میں سے ایک بکری پکڑی اسے چرواہے نے تلاش کیا حتی کہ بکری کو اس سے چھڑا لیا ۱؎ فرمایا کہ بھیڑیا ٹیلہ پر چڑھ گیا ہے وہاں بیٹھ گیا اور دم دبالی اور بولا کہ میں نے اس روزی کا ارادہ کیا جو مجھے اللہ نے دی میں نے اسے لیا پھر تو نے وہ مجھ سے چھین لی ۲؎ تو یہ شخص بولا اللہ کی قسم میں نے آج جیسا واقعہ کبھی نہ دیکھا بھیڑیا باتیں کررہا ہے ۳؎ تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب تو یہ ہے کہ ایک صاحب دو پہاڑوں کے بیچ کھجوروں کے

	جھنڈوں میں ۴؎ تم کو ساری گزشتہ اور آنے والی باتوں کی خبر دے رہے ہیں ۵؎ وہ شخص یہودی تھا ۶؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو آپ کو یہ خبر دی اور مسلمان ہوگیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قیامت کے آگے نشانیاں ہیں ۷؎ قریب ہے کہ ایک شخص نکلے گا تو نہ بولے گا حتی کہ اس کے جوتے اور اس کا کوڑا اسے ان باتوں کی خبریں دیں گے جو اس کے پیچھے اس کے گھر والوں نے کیں ۸؎ (شرح سنہ)

۱؎ یعنی چرواہے نے بھیڑیئے کا پیچھا کرکے شور مچا کر اس کو مار پیٹ کر اس کے منہ سے بکری چھڑالی یہ اس کی بہادری تھی ورنہ بلی کے منہ سے چڑیا چھڑانا مشکل ہے۔

۲؎ یعنی تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ رب کی دی ہوئی روزی مجھ سے چھین لی۔

۳؎ یعنی میں نے ایسا کبھی نہ دیکھا نہ سنا کہ بھیڑیا انسان سے ایسی فصیح زبان میں باتیں کرے یہ تو عجیب تربات ہے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں ہوا جب کہ حضور ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں آگئے تھے یہ شخص حضور انور سے بالکل بے خبر تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ اس سے مراد زمین مدینہ ہے کہ یہ دو سیاہ پہاڑوں کے بیچ میں ہے اور اس میں کھجوروں کے درخت بہت ہیں جیسا کہ زیارت کرنے والوں پر ظاہر ہے۔

۵؎ یعنی تمام غیبی خبریں دے رہے ہیں از آدم علیہ السلام تا روز قیامت ہر بات لوگوں کو بتارہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا علم غیب جانور بھی مانتے تھے جو انسان ہو کر اس کا انکار کرے وہ جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

۶؎ یہ شخص وہ صحابی ہیں جنہیں بھیڑیئے کے ذریعہ ایمان ملا،بعض صحابہ کو تابعین کے ذریعہ ایمان ملا جیسے حضرت عمرو بن عاص کو ایمان ملا نجاشی شاہ حبشی کے ذریعہ اور نجاشی تابعی تھے۔یار کے جلوے رنگ برنگے ہیں کسی کو صحابہ کے ذریعہ ایمان دیتا ہے اور کسی کے ذریعہ صحابی کو ایمان ملتا ہے۔اس یہودی کا نام ہبار ابن اوس خزاعی ہے اور اس کا لقب معلم الذئب ہے،یعنی جس سے بھڑیئے نے کلام کیا۔(از مرقات)

۷؎ یعنی بھیڑیئے کا انسان سے یہ کلام کرنا علامات قیامت سے ہے اب قیامت قریب ہے اور یہ حضور انور کا معجزہ بھی ہے معجزہ کے لیے تصرف ضروری نہیں۔حسن یوسفی،لحن داؤدی ان حضرات کے معجزے تھے حالانکہ وہ ان میں تصرف نہیں کرتے تھے۔

۸؎ یعنی قریب قیامت کوئی شخص اپنا جوتا اپنا کوڑا اپنے گھر چھوڑ جاوے گا وہ دونوں گھر والوں کی آوازیں ان کے کام کھینچ کرلیں گے اس شخص کے آنے پر یہ دونوں سب کچھ بتادیں گے۔یہ زمانہ اب بہت ہی قریب معلوم ہوتا ہے۔ایسے آلات ایجاد ہوچکے ہیں کہ جو آوازیں صورتیں کھینچ(جذب) کرلیتے ہیں اور مشین پر لگانے سے سب کچھ بول دیتے ہیں

جیسے ٹیپ ریکارڈر وغیرہ،ٹیلی ویژن نے تو کمال کردیا ہے کہ وہ تو صورت بھی اپنے میں کھینچ کرکے سب کو دکھادیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوالعلاء سے ۱؎ وہ سمرہ ابن جندب سے راوی ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پیالے سے صبح سے رات تک کھاتے رہتے تھے دس اٹھتے اور دس بیٹھتے تھے ۲؎ ہم نے کہا کہ کہاں سے بڑھتا تھا ۳؎ فرمایا تم کس چیز سے تعجب کرتے ہو وہ نہ بڑھتا تھا مگر وہاں سے اور اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا ۴؎ (ترمذی،دارمی)	

۱؎ ابوالعلاء عین کے فتح سے تابع ہیں آپ کا نام یزید ابن عبداللہ ابن شخیر ہے، ۱۱۱ھ ایک سو گیارہ میں آپ کی وفات ہوئی(اکمال۔مرقات)

۲؎ یعنی ایک بار ہم نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ تجربہ کیا کہ ایک پیالہ کھانا سینکڑوں آدمیوں کو کافی ہوا کہ صبح سے شام تک لوگ اس سے کھاتے رہے سیر ہوتے رہے یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ واقعہ کس وقت اور کس جگہ کا ہے۔

۳؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں فَمِمَّا ہے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کہ یہ برکت کہاں سے آرہی تھی فَمِمَّا کی من ابتدائیہ ہے اور جن نسخوں میں من نہیں ہے تب بھی مطلب یہ ہی ہے کہ وہ کیا چیز تھی جو برکت کا باعث تھی۔

۴؎ غالب یہ ہے کہ سائل ابوالعلاء ہیں اور جواب دینے والے حضرت سمرہ ابن جندب ہیں ہوسکتا ہے کہ کوئی اور صاحب سائل ہوں جواب دینے والے ابوالعلاء ہوں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن تین سو پندرہ حضرات کی جماعت میں تشریف لے گئے ۱؎ عرض کیا الٰہی یہ ننگے پاؤں ہیں انہیں سواریاں دے الٰہی یہ ننگے بدن ہیں انہیں لباس دے ۲؎ الٰہی یہ بھوکے ہیں انہیں سیر فرمادے اللہ نے حضور کو فتح دی ان غازیوں میں کوئی شخص نہ تھا مگر وہ ایک یا دو اونٹ لے کر لوٹا انہیں کپڑا بھی ملا اور وہ سیر ہوئے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ مشہور یہ ہے کہ غازیان بدر تین سو تیرہ تھے جن میں ستتر ۷۷ مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس ۲۳۶ انصاری تھے۔(دیکھو اشعۃ اللمعات)

۲؎ ان بزرگوں کے پاس سامان جنگ حسب ذیل تھا۔شعر

تھے ان کے ساتھ دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں   پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں
یہ لشکر ساری دنیا میں انوکھا اورنرالا تھا   کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

یہ بے سروسامانی دیکھ کر حضور انور نے یہ دعا کی جو قبول ہوئی۔

۳؎ حضور انور کی یہ دعا حرف بہ حرف قبول ہونااور صرف ایک دن کے بعد ہی اس کا ظہور ہونا حضور انور کا معجزہ ہے ان غازیوں کو کپڑا،سواریاں بے شمار ہاتھ آیا اور کفار مکہ اپنے ساتھ کھانے کا سامان،غلہ،اونٹ وغیرہ بہت لائے تھے جنگ کے دن جناب عباس کی طرف سے سارے لشکر کفار کا کھانا پکایا گیا تھا وہ لوگ یہ کھانا نہ کھا سکے کہ شکست کھا گئے ستر مارے گئے،ستر قیدی ہوئے اور باقی بھاگ گئے یہ کھانا پکا پکایا مسلمانوں کے ہاتھ آیا پکایا کفار نے کھایا مؤمنین نے اور کچا راشن جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ تو اندازے سے باہر ہے یہ ہی حضور انور کی قبولیت دعا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعودرضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ تمہاری مدد کی جاوے گی اور تم غنیمتیں پانے والے ہو تم کو فتح دی جاوے گی۱؎ تو جو تم میں سے یہ پائے وہ اللہ سے ڈرے بھلائیوں کا حکم دے برائیوں سے منع کرے۲؎ (ابو داؤد)	

۱؎ یعنی ہمارے زمانہ حیات میں بھی اور بعد وفات بھی تم کو بہت ملک فتح ہوں گے۔یہ غیبی خبر ہے جو ہو بہو ظاہر ہوئی خصوصًا زمانہ فاروقی ہیں۔

۲؎ یعنی ان فتوحات کے بعد تم اپنا فرض منصبی بھول نہ جانا۔تبلیغ جاری رکھنا کہ جہادوں بلکہ فتوحات کا منشا یہ ہی ہے۔شعر

جنگِ شاہاں فتنہ و غارت گری است   جنگ مؤمن سنت پیغمبری است

کافر دنیا کے لیے ملک گیری خدمت ملک کے لیے لڑتا ہےمؤمن خدمت دین اور اعلاء کلمہ رب العالمین کے لیے لڑتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ خیبر والوں میں سے ایک یہودی عورت نے بھنی بکری میں زہر ملایا۱؎ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کردی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی لی اس میں کھایا ۲؎ آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت نے کھایا۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ اٹھالو اور یہودی عورت کے پاس کسی کو بھیجا اسے بلایا فرمایا کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے وہ بولی آپ کو کس نے بتایا	

فرمایا مجھے اس دستی نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے ۴؎ وہ بولی ہاں میں نے کہا کہ اگر وہ سچے نبی ہیں تو انہیں نقصان نہ دے گا اور اگر نبی نہیں ہیں تو ہم ان سے راحت پا جائیں گے ۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرمادیا اسے سزا نہ دی ۶؎ آپ کے جن صحابہ نے اس بکری سے کچھ کھایا تھا وہ وفات پاگئے ۷؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کندھوں پر پچھنے لگوائے اس وجہ سے کہ آپ نے بکری سے کچھ کھایا تھا ابوہند نے پچھنے لگائے سنگی اور چھری سے وہ بیاضہ انصاری کے غلام تھے ۸؎ (ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ اس عورت کا نام زینب بنت حارث تھا مرحب ابن ابی مرحب کی بہن تھی سلام ابن مسلم کی بیوی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت میں زہر دیا تھا کہ زہر ملا کر گوشت بطور ہدیہ حضور انور کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کفار کا ہدیہ قبول کرلینا مؤمن کے لیے جائز ہے۔دوسرے یہ کہ اہل کتاب کافر کا ذبیحہ حلال ہے۔تیسرے یہ کہ کفار کا پکایا ہوا کھانا مسلمان کھا سکتا ہے کہ یہ بکری یہود نے ہی ذبح کی تھی اور یہودن نے پکائی تھی اس نے ہدیۃً بھیجی تھی،چوتھے یہ کہ اللہ کی رضا پر راضی رہنا بندے کا طرہ امتیاز ہے حضور انور کو اللہ تعالٰی نے کل غیب بخشا آپ کو ہر چیز کی حقیقت معلوم ہے مگر اس وقت مرضی الٰہی تھی بعض صحابہ اس گوشت سے شہید ہوجاویں اور حضور انور کو اس گوشت سے تکلیف بہت مدت بعد میں پہنچے اوربوقت وفات یہ زہر اپنا اثر دکھائے بعد میں اس سے حضور کی وفات ہو اور شہادت کا درجہ حضور کی قدم بوسی کرے اس لیے اس وقت حضور انور کو اس زہر کی طرف توجہ ہی نہ ہوئی تاکہ تقدیر الٰہی ظاہر ہو کر رہے۔خیال رہے کہ بعض صحابی یہاں ہی اس زہر سے شہید ہوگئے اور حضور انور پر بوقت وفات زہر عود کر آیا اسی زہر سے حضور انور کی شہادت ہوئی جیسے حضرت صدیق اکبر پر ان کی وفات کے وقت غار ثور کا زہر لوٹ آیا تھا کہ وہاں انہیں سانپ نے کاٹا تھا،وفات دونوں حضرات کی زہر سے ہوئی وفات میں بھی حضرت صدیق کی فنا فی الرسولیت جگمگارہی ہے۔

۳؎ ان کھانے والوں میں سے حضرت بشر ابن براء ابن معرور شہید ہوگئے۔(مرقات)اس لیے مکیدہ کا نام مکیدہ ہے اہل عرب وہاں بہت کم جاتے ہیں وہاں کی آب و ہوا صحت کے خلاف ہے۔

۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ خود گوشت نے حضور کو خبر دی کہ مجھ میں زہر ملا ہے مگر یہ خبر کھالینے کے بعد دی اور اگر کھانے سے پہلے خبر دی ہو تو حضور انور کا کھانا اور صحابہ کو کھانے دینا خودکشی نہیں بلکہ رضا بالقضاء ہے حضور انور جانتے تھے کہ ان لوگوں کا اور ہمارا تکلیف پانا بعض کا وفات پانا ارادہ الٰہی میں آچکا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا ذبح فرزند فرمانا۔

۵؎ یعنی میں نے آپ کا یہ معجزہ دیکھنا چاہا کہ آپ پر زہر اثر نہ کرے میرے نزدیک آپ کی نبوت کا ثبوت یہ تھا کہ آپ کی وفات اس زہر سے نہ ہو۔

٦؎ یعنی اپنی تکلیف کا اس سے بدلہ نہ لیا اور بشر کے وارثوں سے معافی دلوادی انہوں نے قصاص معاف کردیا قصاص مقتول کے وارثوں کا حق ہوتا ہے بعض روایات میں ہے کہ وہ عورت یعنی زینب بنت حارث مسلمان ہوگئی واللہ ورسولہ اعلم اس نے کہا کہ میں نے آپ کی نبوت اس معجزے سے معلوم کرلی میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ ایک ہے آپ اس کے سچے رسول ہیں۔(مرقات)

۷؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ صرف بشر کی وفات اس زہر سے ہوئی مگر اس جمع کے صیغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات چند حضرات کی ہوئی۔خیبر میں تیرہ شہداء کے مزارات ہیں میں نے ان کی زیارت کی ہے غالبًا یہ تیرہ حضرات اس وقت کے شہید ہیں واللہ ورسولہ اعلم۔ہوسکتا ہے کہ بشر فورًا موقعہ پر شہید ہوگئے ہوں باقی بارہ صحابہ کچھ دن بعد فوت ہوئے ہوں،اشعۃ اللمعات نے یہ ہی توجیہ فرمائی ہے۔

۸؎ ابو ہند کا نام یسار حجام ہے قرن بمعنی سینگ اس سے مراد ہے سنگی شغرہ چوڑی چھری کو کہتے ہیں۔آپ کا یہ فصد لینا زہر کی گرمی دور کرنے کے لیے تھا گویا علاج تھا۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن حنظلیہ سے۱؎ کہ لوگ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے تو انہوں نے بہت دراز سفر کیا حتی کہ شام ہوگئی ۲؎ تو ایک سوار آیا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو میں نے ہوازن کو دیکھا جو سارے کا سارا قبیلہ اپنی عورتوں جانوروں کے ساتھ حنین میں جمع ہوگیا ہے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ انشاء اللہ یہ سب کچھ کل مسلمانوں کی غنیمت ہوگی ۴؎ پھر فرمایا کہ آج رات ہماری حفاظت کون کرے گا ۵؎ انس ابن مرثد غنوی بولے یارسول اللہ میں کروں گا ٦؎ فرمایا سوار ہوجاؤ۔چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے فرمایا اس گھاٹی کے سامنے جاؤ حتی کہ اس کی بلندی پر پہنچ جاؤ ۷؎ پھر جب ہم نے سویرا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلے پر تشریف لائے دو رکعتیں پڑھیں ۸؎ پھر فرمایا کہ کیا تم نے اپنے سوار کو محسوس کیا ایک صاحب نے کہا یارسول اللہ ہم نے تو محسوس نہ کیا ۹؎ پھر نماز کی تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے گھاٹی کی طرف کنکھیوں سے دیکھنے لگے ۱۰؎ حتی کہ جب نماز پوری فرمائی تو فرمایا خوش ہوجاؤ تمہارا سوار آپہنچا ۱۱؎ تو ہم گھاٹی میں درختوں کی طرف دیکھنے لگے تو ناگاہ وہ آرہا تھا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکھڑا ہوا ۱۲؎ تو عرض کیا کہ میں چلا حتی کہ میں اس گھاٹ کی چوٹی پر پہنچ گیا جہاں کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا پھر جب میں نے سویرا کیا تو میں ان دونوں گھاٹیوں(پہاڑیوں)پر چڑھ گیا ۱۳؎ تو میں نے کسی ایک کو نہ دیکھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس رات نیچے اترے عرض کیا نہیں سواء نماز کے یا ادا حاجت کے ۱۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد کوئی عمل نہ کرنا تم کو مضر نہیں ۱۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ حنظلیہ حضرت سہل کی ماں یا دادی کا نام ہے آپ کے والد کا نام ربیع ابن عمرو ہے حضرت سہل بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے بڑے عابد،لوگوں سے علیحدہ رہنے والے گوشہ نشین تھے لاولد رہے آخر میں دمشق میں رہتے تھے وہاں ہی خلافت امیر معاویہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ۔(مرقات)

۲؎ یعنی تمام دن ہم چلتے رہے حتی کہ شام ہوگئی۔

۳؎ بکرہ کہتے ہیں جوان اونٹنی کو،اہلِ عرب جب کسی قوم کی کثرت بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ قوم ساری کی ساری بہت تعداد میں آگئی تو کہتے ہیں **علی بکرۃ ابیھم ظعن** بوڑھی عورتیں،نعم ہر قسم کے جانور یعنی قبیلہ ہوازن اپنی ساری جماعت سارے مال کے ساتھ حنین میں آپ سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہوچکے ہیں ہوازن جناب حلیمہ کی قوم تھی آپ قبیلہ بنی ہوازن سے تھیں رضی اللہ عنہا۔

۴؎ یعنی ان شاءاللہ کل جہاد ہوگا اس میں یہ لوگ قیدی ہوں گے ان کے مال مسلمانوں کی غنیمت بنیں گے ایسا ہی ہوا۔یہ ہوا حضور کے علم غیب کا معجزہ۔

۵؎ دشمن کے خطرہ کے وقت سارا لشکر رات کو نہیں سوجاتا کیونکہ شب خون کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے کوئی شخص حفاظت کرتا ہے پھر لشکر سوتا ہے اس قاعدے سے حضور انور نے یہ فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی بندے کی حفاظت لینا نہ تو شرک ہے اور نہ توکل کے خلاف نہ "**فَاللّٰہُ خَیۡرٌ حٰفِظًا**" کے مخالف حقیقی حفاظت رب تعالٰی کی ہے بندے اس حفاظت کے

مظہر ہیں خود حضور انور ساری امت کے محافظ ہیں"وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" شہید بمعنی رقیب(محافظ)۔

۶؎ حضرت ابو مرثد کا نام کنار یا انیس ہے آپ خود اور آپ کے باپ دادا بھائی سب صحابی ہیں فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شامل ہوئے، ۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۷)یعنی تم رات اس پہاڑی پر جاگ کر گزارو ہر چہار طرف نظر رکھو کسی طرف سے دشمن کو آتا دیکھو تو ہم کو خبر دو۔آج رات ان کے لیے یہ جاگنا پہرہ دینا اعلیٰ درجہ کی عبادت تھی۔شعر

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں

۸؎ یعنی سنت فجر ادا کیں معلوم ہوا کہ سفر میں سنت و نفل سب پورے پڑھے جائیں گے صرف چار رکعت والے فرض میں قصر ہوگا کہ وہ بجائے چار کے دو ہوں گے۔

۹؎ یعنی کیا آج رات میں کسی وقت ابو مرثد نیچے اترے تم نے انہیں دیکھا معلوم ہوا کہ سنت فجر کے بعد فرض سے پہلے دنیاوی بات کرلینا جائز ہے اس میں حرج نہیں ہاں بلا ضرورت زیادہ بات نہ کرے(از اشعہ)معلوم یہ بھی ہوا کہ حضور کو اپنے نوکروں چاکروں خدام کی فکر رہتی ہے،آج بھی جو لوگ خدمت دین کررہے ہیں حضور کو ان کی فکر ہے پھر ہمیں اپنی فکر کیوں ہو وہ فکر کرنے والے سلامت رہیں صلی اللہ علیہ وسلم شعر۔

سن اے دشمن میں بگڑنے کا نہیں وہ سلامت ہیں بنانے والے

۱۰؎ یعنی حضور نے نماز فجر ہم کو پڑھائی مگر اس طرح کہ حضور کا گوشہ چشم اس راستہ کی طرف تھا جس سے حضور کے خادم نے آنا تھا۔رب کی نماز میں اپنے خادم کا انتظار فرمایا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ سفر میں نماز باجماعت ادا کی جاوے اذان تکبیر وغیرہ سب کچھ ہو،دوسرے یہ کہ نماز میں گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھنا نماز کو ناقص نہیں کرتا ہاں منہ پھیرنا مکروہ ہے اور سینہ پھیرنا نماز کو فاسد کردیتا ہے،تیسرے یہ کہ حضور انور تو اپنے خدام کو نماز میں ملاحظہ کرتے تھے اور حضرات صحابہ عین نماز میں حضور کی نگاہوں کو دیکھتے تھے کیونکہ ان راوی نے فجر کی نماز میں دیکھا کہ حضور گوشہ چشم سے اس طرف دیکھ رہے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ نماز بھی عبادت ہے اور حضور کی ادائیں دیکھنا بھی عبادت ہے اس میں دو عبادتوں کا اجتماع ہے حضور کو دیکھنا وہ عبادت ہے کہ مؤمن کو صحابی بنادیتا ہے۔

۱۱؎ یعنی سلام پھیرتے ہی دعا سے پہلے ہم کو ابو مرثد کے بخیریت پہنچنے کی خوشخبری دی یہ ہے کرم کریمانہ اس میں بھی حضور کے علم کا ظہور ہے کہ ابو مرثد ابھی نمودار بھی نہ ہوئے تھے حضور نے آڑ کے پیچھے سے یار کو دیکھ لیا اور خبر دے دی۔

۱۲؎ خیال رہے کہ ابو مرثد نے فجر کی جماعت میں شرکت نہ کی آج ان کے لیے پہاڑی چوٹی کعبہ تھی اور ان کا وہاں رہنا جماعت تھی۔حضور کی اطاعت اصل عبادت ہے ان کی ترک جماعت پر ہماری لاکھوں باجماعت نمازیں قربان ہوں ان کی قضا پر ہماری ادائیں نچھاور ہوں۔

۱۳؎ ابو مرثد نے آج رات کی کارروائی صحابہ کرام کو بلکہ خود حضور انور کو سنائی۔خیال رہے کہ اپنی عبادت صحابہ کرام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانا نہ تو ریا ہے نہ عبادت ناقص ہونے کا ذریعہ بلکہ یہ تو عبادات کو زیادہ قبول بنانے کا ذریعہ ہے۔حضور انور کی خوشنودی عبادات کا مغز ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ"ساری عبادات میں اللہ تعالٰی کی رضا کے ساتھ حضور کو راضی کرنے کی بھی نیت کرو۔

۱۴؎ یعنی میں آج رات پورے طور پر ہی حضور کی طرف سے سپرد کردہ خدمات انجام دیتا رہا ہوں میں سواء نماز یا استنجے کے کسی کام کے لیے بھی نیچے نہیں اترا۔

۱۵؎ یعنی اب اگر تم کوئی نفلی عبادت نہ کرو یا تم اگر اب جہاد نہ کرو تو تمہارے درجے میں کمی نہ ہوگی کیونکہ تم نے آج ایسی بڑی عبادت کرلی یعنی اللہ کے رسول کی حفاظت جس سے تم جنت کے اعلٰی درجہ پر پہنچ گئے لہذا عمل سے مراد عمل نفلی یا جہاد نفلی ہے۔(مرقات،اشعہ)مگر فقیر کہتا ہے کہ عمل سے مراد مطلقًا عمل ہے فرض ہو یا نفل کیونکہ نفلی عبادات کا چھوڑنا ویسے بھی مضر نہیں ہوتا نفل تو کہتے ہیں اسے ہیں جس کا کرنا ثواب نہ کرنا گناہ نہ ہو لہذا یہ ہی مطلب ہے کہ اگر تم فرضی عبادات بھی نہ کرو تو تم کو مضر نہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت عثمان غنی سے فرمایا تھا کہ تم جو چاہو کرو تم جنتی ہوچکے اس کا مقصد یہ نہیں کہ تم پر فرض عبادات فرض نہ رہیں۔یہ فرمان ایسے ہیں جیسے پرندے کے پر کاٹ کر اس سے کہو کہ اڑتا پھر اب وہ اڑے کیسے دل پر قبضہ حضور نے کرلیا اب اس میں ترک عبادت کا خیال کیسے پیدا ہو اس فرمان عالی کے بعد انہوں نے نوافل اور زیادہ شروع کردیئے ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ چھوارے لایا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان میں برکت کی دعا فرمادیں۱؎ تو انہیں حضور نے ملادیا پھر ان میں میرے لیے برکت کی دعا کی ۲؎ فرمایا انہیں لے لو اسے اپنے توشہ دان میں ڈال لو جب اس میں سے کچھ لینا چاہو تو اس میں اپنا ہاتھ ڈال دو اس میں سے لے لو اور کبھی جھاڑنا مت ۳؎ میں نے ان چھوہاروں میں سے اتنے وسق اللہ کی راہ میں خیرات کیے ہم ان میں سے کھاتے کھلاتے رہے ۴؎ وہ یہ میری کمر سے کبھی جدا نہ ہوئے تھے حتی کہ جناب عثمان کے قتل کا دن ہوا تو وہ مجھ سے گر گیا ۵؎ (ترمذی)	

۱؎ برکت کے معنی ہیں خیر کا بیٹھ جانا وہاں سے نہ نکلنا یہ بنا ہے برک سے بمعنی اونٹ کا بیٹھنا کثرت اور برکت میں بڑا فرق ہے برکت یہ ہے کہ چیز تھوڑی ہو مگر نہ خود ختم ہو نہ اس کا نفع ختم ہو کثرت یعنی زیادتی تو کفار کو مل جاتی ہے مگر برکت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

۲؎ خیال رہے کہ دعائیہ کلمات میں برکت کسی پاکیزہ زبان سے پیدا ہوتی ہے اس لیے انہوں نے دعائیہ کلمات خود پڑھ کر دم نہ کردیئے۔بلکہ حضور انور سے دم کرائے کارتوس بغیر رائفل کے مار نہیں کرتا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا"وَ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ"رب نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں بھی ہوں برکت میرے ساتھ ہے۔معلوم ہوا کہ کسی چیز پر دم کرتے وقت اسے ملا لینا سنت ہے۔

۳؎ متبرک چیزوں میں توکل ضروری ہے اس لیے انہیں ناپنا،تولنا،جھاڑنا نہیں چاہیے بلکہ اس میں سے لیتے رہو،استعمال کرتے رہو اس کا اندازہ بھی نہ لگاؤ کہ اب اتنی رہ گئی ہوگی۔یہ صوفیانہ عمل ہے۔

۴؎ یعنی میں نے کھائے دوستوں کو کھلائے اور کئی من خیرات کیے مگر پھر اتنے ہی رہے جتنے تھے۔وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع ساڑھے چار سیر کا تو ایک وسق چھ من تیس سیر ہوا۔آپ نے کئی وسق خیرات کیے حالانکہ پاؤ بھر یا آدھ سیر چھوہارے تھے سوچو کتنی برکت ہوئی کیونکہ یہ چوہارے جناب ابوہریرہ کی کمر سے بندھے رہتے تھے کمر سے اتنا ہی وزن بندھ سکتا ہے۔

۵؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت مدینہ منورہ میں عجیب افراتفری کا واقعہ تھا کہ لوگ اپنی محبوب چیزوں سے بھی غافل ہوگئے تھے اس تھیلے کے گر جانے پر یہ برکت ختم ہوگئی حضرت ابوہریرہ اس کے بعد یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

للناس هم ولی همان بينهم هم الجراب وهم الشيخ عثمان (مرقات)

یعنی لوگوں کو تو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں ایک اپنے تھیلے کے گم ہوجانے کا دوسرا حضرت عثمان غنی کی شہادت کا۔رضی اللہ عنہ

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ ایک رات مکہ میں قریش نے مشورہ کیا۱؎ بعض نے کہا کہ جب سویرا ہو تو انہیں رسیوں سے باندھ دو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض دوسرے بولے کہ بلکہ انہیں قتل کردو بعض بولے بلکہ انہیں نکال دو ۲؎ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کردیا تو جناب علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر یہ رات گزاری اور نبی صلی	

اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے حتی کہ غار پر پہنچ گئے ۳؎ اور مشرکین رات بھر جناب علی کی نگرانی کرتے رہے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر ۴؎ جب صبح پائی تو ان پر دوڑے ۵؎ پھر جب جناب علی کو دیکھا تو اللہ نے ان کے فریب رد کردیئے ۶؎ بولے تمہارے وہ ساتھی کہاں ہیں ۷؎ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا ۸؎ چنانچہ وہ سب حضور کے نشان قدم پر کھوج لگاتے چلے ۹؎ جب پہاڑ پر پہنچے تو ان پر غار مشتبہ ہوگیا ۱۰؎ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اس غار پر پہنچے اس کے دروازہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو بولے کہ اگر حضور یہاں گھسے ہوتے تو اس کے دروازے پر جالا نہ ہوتا ۱۱؎ حضور نے اس میں تین شب قیام فرمایا ۱۲؎ (احمد)	

۱؎ یہ واقعہ ہجرت کی رات کا ہے کہ دارالندوہ میں کفار قریش جمع ہوئے کہ اب اسلام کو ختم کرنے کی آخری تدبیر کیا کرنی چاہیے اس مجمع میں شیطان شیخ نجدی کی شکل میں حاضر تھا ہر ایک کی رائے پر اعتراض کرتا تھا۔(مرقات)

۲؎ ان تین رایوں میں شیطان نے دو رائیں رد کردیں اور قتل کی رائے پسند کی وہ بولا کہ اگر تم انہیں باندھ دو گے تو ان کے قبیلہ کےلوگ انہیں کھول دیں گے اگر تم انہیں مکہ معظّمہ سے نکال دو گے تو وہ اس جگہ پہنچ کر اسلام پھیلائیں گے جہاں جائیں گے۔بہتر یہ ہی ہے کہ انہیں سب مل کر اچانک قتل کردو۔بنی ہاشم تم سب سے بدلہ نہ لے سکیں گے۔آخر خون بہا لینے پر راضی ہوجائیں گے تم سب چندہ کرکے انہیں خون بہا دے دینا اس پر اتفاق ہوگیا اور کفار نے حضور انور کا گھر گھیر لیا اس برے ارادے سے۔(مرقات وغیرہ) قتل کی رائے ابوجہل کی تھی تائید ابلیس کی۔

۳؎ حضور کی خوابگاہ گھیرے اس ارادے سے کھڑے تھے کہ حضور تہجد کے لیے اٹھیں ہم ان پر حملہ کردیں حضور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ ان خونخواروں سفاکوں کی امانتیں میرے پاس ہیں یہ امانتیں ادا کرکے ہمارے پاس مدینہ منورہ پہنچ جانا۔تم مطمئن رہو تمہارا بال بیکا نہیں کرسکیں گے یہ فرما کر حضور انور ان کفار میں سے انکی جماعت کو چیر کر نکلے یہ پڑھ رہے تھے "فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ"وہ سب اندھے ہوگئے اور حضور وہاں سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق کے مکان پر تشریف لے گئے جناب صدیق کو ساتھ لیا غار ثور شریف لے گئے کس طرح گئے یہ حضرت صدیق سے پوچھو کہ وہ حضور کو وہاں کیسے لے گئے راستہ میں کبھی حضور کے آگے چلتے کبھی پیچھے کبھی داہنے کبھی بائیں جدھر خطرہ محسوس کرتے ادھر ہوجاتے آخر حضور کو اپنے کندھے پر لے لیا اور پہاڑ کی چڑھائی شروع کردی چڑھائی قریبًا دو ڈھائی میل ہے راستہ خطرناک ہے رستہ میں نوکیلے پتھر ہیں

اب لوگ دن میں وہاں جاتے ہیں تو بمشکل وہ راہ طے کرتے ہیں۔عشاق اس راستہ کو چومتے ہیں کہ یہاں جناب صدیق کے تلوے لگے ہوں گے۔

۴؎یہ نگرانی اور محاصرہ اس طے شدہ پروگرام کے ماتحت تھا وہ سمجھے کہ بستر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورہے ہیں آپ کے تہجد کے لیے جاگنے کا انتظار کرتے رہے۔

۵؎یعنی حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر چوطرفہ سے ٹوٹ پڑے حملہ آور ہوگئے۔

۶؎یعنی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم کیا سمجھے تھے اور ہوا کیا وہ کدھر سے نکلے اور نکل کر کہاں گئے عقل کام نہیں کرتی۔:"وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ"

۷؎یہ ہے حضور انور کی حفاظت کہ حضور نے فرمایا تھا علی وہ تمہارا بال بیکا نہ کرسکیں گے ایسا ہی ہوا ورنہ ایسی افراتفری میں حضرت علی کا شہید ہوجانا بہت ممکن تھا یا وہ طیش میں آکر ہی آپ کو شہید کردیتے مگر کچھ نہ ہوا یسے ہوتا کہ حضرت علی کے سر پر حضور انور کا ہاتھ تھا اور اللہ کی رحمت و حفاظت،تاقیامت جس کی حضور حفاظت فرمالیں اسے دین و دنیا میں امان مل جاتی ہے۔شیطان،شیطانی انسان بلکہ ساری مخلوق سے اسے امن مل جاتی ہے۔اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔شعر

خوف نہ کر ذرہ رضا تو تو ہے عبد مصطفیٰ　　　تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

۸؎سبحان اللہ! کیسا پیارا سچا جواب ہے یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت وہ کہاں ہیں حضرت علی کو کیا خبر تھی کہ حضور ابھی تک مکہ معظّمہ میں ہیں یا کہیں باہر تشریف لے گئے جواب نہایت ہی سچا ہے۔

۹؎خیال رہے کہ کچھ دور تو حضور انور کے ساتھ حضرت صدیق چلے کبھی آپ کے داہنے کبھی بائیں آگے کبھی پیچھے پھر حضور کو اپنے کندھے پر لے لیا اور نرم زمین پر اپنے پنجوں سے اس طرح چلے کہ جب پنجے اٹھاتے تو گھما کر پنجوں کا نشان مٹاتے جاتے کہ کوئی کھوجیا کھوج نہ لگا سکے کفار کھوج وہاں تک ہی لگاسکے جہاں تک حضرت صدیق ساتھ تھے آگے اپنے اندازے سے گئے پہاڑ پر بھی اندازے سے چڑھے ورنہ پتھریلی زمین میں اور پہاڑ پر نقش قدم نہیں پڑا کرتے۔

۱۰؎اب بھی وہاں زائرین کے لیے غار ثور مشتبہ ہوجاتا ہے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چند غار واقع ہیں وہاں کسی رہبر کے بغیر پہنچنا مشکل ہوتا ہے ہم بھی وہاں اللہ کے کرم اور رہبر کے ذریعہ حاضر ہوئے نوافل پڑھے۔

۱۱؎اس غار کے دروازے پر پہنچ کر بعض کافر بولے کہ اس کے اندر جاکے دیکھ لو تو دوسرے بولے کہ اگر اس میں کوئی گھسا ہوتا توجالا اور کبوتری کے انڈے ٹوٹ جاتے ایک بولا کہ یہ جالا تیری پیدائش سے پہلے کا ہے۔حالانکہ حضور کے اندر پہنچ جانے کے بعد وہ جالا مکڑی نے تنا تھا کبوتری نے انڈے دیئے تھے اگر رب چاہے تو اپنے محبوب کو مکڑی کے جالے کے ذریعہ بچائے غضب کرے تو فرعون کو اس کے قلعہ کی دیواریں نہ بچا سکیں۔بزرگان دین فرماتے ہیں کہ حرم کے کبوتر اسی کبوتری کی نسل ہیں جس نے وہاں انڈے دیئے تھے ان کا اب تک احترام ہے واللہ ورسولہ اعلم امام ابوصیری فرماتے ہیں۔شعر

ظنوا الحمام وظنوا العنکبوت علی خیر البریۃ لم تنسج ولم تجم

۱۲؎ اس غار کے دو دروازے ہیں کفار اس دروازے پر پہنچے جس سے حضور داخل ہوئے تھے اس دروازے کی لمبائی ایک ہاتھ ہے چوڑائی صرف ایک بالشت یہ فقیر اس غار شریف سے نکلتے وقت دروازے میں پھنس گیا تھا رگڑ سے کچھ سر کے بال اڑ گئے وہاں پہلے بہت سوراخ تھے مگر اب کوئی سوارخ نہیں ہے۔اندر چھ سات آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس غار میں حضرت صدیق نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ اگر کفار اپنے قدموں کو دیکھ لیں تو ہم کو دیکھ لیں فرمایا"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"جو قرآن کریم نے نقل فرمایا جناب صدیق کو تو اس غار میں مار(سانپ)نے کاٹا حیرت ہے کہ کفار نے جو کچھ کہا حضور انور اور حضرت صدیق نے اندر سب کچھ سن لیا مگر ان حضرات نے جو اندر باتیں کیں وہ کفار نہ سن سکے۔حالانکہ فاصلہ ایک ہی تھا یہ ہے حضور کا معجزہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری ہدیہ کی گئی جس میں زہر تھا۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے یہودی یہاں ہیں انہیں ہمارے پاس جمع کرو وہ سب حضور کے آگے جمع ہوئے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے ایک چیز کے متعلق پوچھتا ہوں کیا تم مجھ سے سچ بولو گے انہوں نے کہا ہاں اے ابو القاسم تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا باپ کون ہے ۲؎ وہ بولے فلاں فرمایا تم نے جھوٹ بولا بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے وہ بولے آپ نے سچ کہا اور درست کہا ۳؎ فرمایا تو کیا اب تم مجھ سے سچ کہو گے جس چیز کے متعلق اگر میں تم سے پوچھو وہ بولے ہاں اے ابوالقاسم ۴؎ اور اگر ہم آپ سے جھوٹ بولیں تو آپ پہچان لیں گے جیسے ہمارے باپ کے متعلق پہچان لیا ۵؎ تو ان سے فرمایا کہ آگ والے کون ہیں وہ بولے کچھ دن ہم اس میں رہیں گے ۶؎ پھر اس میں ہمارے نائب آپ لوگ ہوں گے ۷؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ورے ہو اس میں رہو اللہ کی قسم ہم اس میں تمہارے نائب کبھی نہیں بنیں گے ۷؎ پھر فرمایا کہ کیا اب مجھ سے سچ بولو گے اس چیز کے متعلق جو میں تم سے پوچھوں وہ بولے	

ہاں اے ابوالقاسم فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ڈالا ہے وہ بولے ہاں ۸؎فرمایا تم کو اس پر کس چیز نے جرائت دی وہ بولے ہم نے چاہا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے راحت پاجائیں اور اگر سچے ہیں تو آپ کو نقصان نہ دے گا ۹؎(بخاری)	

۱؎ یہ بکری خیبر کے یہود نے ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی بھیجنے والی یہودیہ کا نام زینب تھا یہ واقعہ ابھی دوسری فصل میں گزر چکا۔

۲؎یعنی تمہارے قبیلہ کا مورث اعلیٰ جد کون ہے تم سب کس کی اولاد میں ہو۔

۳؎یہ ہے حضور انور کا علم غیب کہ حضور لوگوں کی نسلوں تک سے واقف ہیں پھر آپ پر گوشت کا زہر کیسے مخفی رہ سکتا ہے اس زہر کھالینے میں وہ حکمتیں تھیں جو ابھی دوسری فصل میں عرض کی گئیں،حضور مرضی الٰہی سے واقف اسرار الٰہیہ سے خبردار ہیں جو کچھ ہو اللہ رسول کے درمیان طے شدہ پروگرام کے ما تحت ہوا۔

۴؎یہود نامسعود اکثر حضور انور کا نام نہیں لیتے تھے کنیت شریف سے پکارتے تھے کیونکہ حضور کا نام شریف توریت میں مذکور تھا یہ آپ کی نبوت کی دلیل تھی اس سے انہیں موت آتی تھی۔

۵؎معلوم ہوا کہ وہ یہود بھی حضور کے علمِ غیب کے قائل ہوچکے تھے تب ہی تو بولے کہ ہمارا جھوٹ آپ پر چھپ نہ سکے گا جو حضور کے علم کا انکار کرے وہ ان یہود سے بدتر ہے۔حضور کو سب کی نسل واصل کی خبر ہے کسی کا بیٹا ہونا ایسی غیبی خبر ہے جسے بجز پروردگار کوئی نہیں جانتا۔حضور کو رب نے یہ بھی بتادیا ہے۔

۶؎ان یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ جتنے روز ہمارے باپ دادوں نے بچھڑا پرستی کی ہے اتنے روز ہم دوزخ میں رہیں گے پھر نکال کر جنت میں پہنچادیئے جائیں گے،رب فرماتا ہے:"لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً" مسلمان وہاں ہمیشہ رہیں گے یہ وہ ہی بکواس ہے۔

۷؎یعنی تم اس خبر میں بھی جھوٹے ہو پہلی خبر واقعہ اور تمہارے علم دونوں کے خلاف تھی یہ خبر واقعہ کے خلاف ہے تمہارے عقیدے کے اگرچہ موافق ہو۔

۸؎اگرچہ زہر ملانے والی صرف ایک یہودن عورت تھی مگر چونکہ یہ کام ان سب کے مشورہ سے ہوا تھا لہذا سب کا فعل تھا اس لیے ان سے حضور انور نے یہ سوال فرمایا اور انہوں نے یہ مذکورہ جواب دیا اگر وہ لوگ حضور کا علمِ غیب ابھی ابھی آزماچکے نہ ہوتے تو ہر گز اپنا جرم قبول نہ کرتے وہ سمجھ گئے کہ۔ع! کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
علیم و خبیر حاکم کے سامنے اقرار ہی کرنا پڑتا ہے۔

۹؎اس کی شرح ابھی دوسری فصل میں گزر گئی کہ ان یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھنا چاہا کہ اگر حضور کو زہر مضر نہ ہو تو آپ سچے نبی ہیں انہیں یہ معجزہ دکھادیا گیا۔چنانچہ زینب جو زہر ملانے والی تھی غالبًا وہ اور دوسرے چند یہودی ایمان لے آئے جیساکہ پہلے کہا گیا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن اخطب انصاری سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز فجر پڑھائی اور منبر پر چڑھے ہم کو خطبہ دیا حتی کہ ظہر کا وقت آگیا پھر اترے پھر نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے تو ہم کو خطبہ دیا حتی کہ عصر کا وقت آگیا پھر اترے پھر نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے حتی کہ سورج ڈوب گیا ۲؎ تو ہم کو تمام ان چیزوں کی خبر دی جو قیامت کے دن تک ہونے والا ہے ۳؎ فرمایا کہ ہم میں زیادہ جاننے والا وہ تھا جو ہم میں زیادہ حافظ تھا ۴؎ (مسلم)	

۱؎ آپ ابو زید اعرج کے نام سے مشہور ہیں،آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ غزوات کیے ہیں،حضور نے ان کے سر پر ہاتھ شریف پھیرا اور ان کے لیے دعائے خیر کی،آپ کی عمر شریف سو سال ہوئی مگر سر شریف میں صرف چند بال سفید ہوئے تھے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ یعنی حضور نے تھوڑے وقفہ کے بعد سارا دن وعظ و خطبہ ارشاد فرمایا،یہ خطبہ احکام کا نہ تھا بلکہ غیبی خبریں دینے کا تھا۔

۳؎ یعنی تاقیامت قطرہ قطرہ ذرہ ذرہ بتادیا جو پرندہ تاقیامت پر ہلائے گا وہ سب کچھ تفصیل وار بتادیا۔یہ ہے حضور کا علم غیب کلی۔حضور کا یہ معجزہ ہے کہ سارے واقعات صرف ایک دن میں بتادیئے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام گھوڑا کستے کستے پوری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔اس معجزہ کا نام ہے طی الوقت یہ بھی طی الارض کی طرح ایک معجزہ ہے،کبھی کرامت کے طور پر ولی کے ہاتھ پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو یہ سارے واقعات یاد نہ رہے کسی کو زیادہ یاد رہے کسی کو کم لہذا ان میں سے کسی کا علم حضور انور کے علم کے برابر نہیں ہوگیا۔خیال رہے کہ تعلیم یعنی سکھانا اور چیز ہے اور خبر دینا یعنی اعلام یا انباء کچھ اور چیز اللہ تعالٰی نے حضور کو ہر چیز سکھادی"وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ"اور حضور نے یہ تمام باتیں لوگوں کو سنادیں بتادیں سکھائیں نہیں"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا"،"فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ"میں یہ ہی فرق ہے۔

روایت ہے حضرت معن ابن عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ فرمایا میں نے مسروق سے پوچھا کہ جس رات جنات نے قرآن سنا ہے تو جنات کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے دی ۱؎ انہوں نے کہا کہ مجھے تمہارے والد یعنی عبداللہ ابن مسعود نے بتایا کہ ان کی خبر ایک درخت نے دی ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جنات ایک ناری مخلوق ہے جو نظر نہیں آتی۔یہ لوگ حضور انور کا قرآن مجید سننے آئے حضور نے ان کی آمد کی خبر صحابہ کو دی تو یہ تابعی پوچھ رہے ہیں کہ حضور انور کو خبر ان جنات کی آمد کی کس نے دی۔
۲؎ یعنی ان جنات کی آمد کی خبر ایک قریب والے درخت نے دی کہ یارسول اللہ جنات حاضر ہیں حضور پر ایمان لانا چاہتے ہیں تب حضور تشریف لے گئے انہیں قرآن مجید سنایا اور مسلمان کیا،جنات کا یہ واقعہ دوسرا ہے اور قرآن مجید میں جو واقعہ مذکور ہے وہ واقعہ دوسرا" قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ "۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم مکہ مدینہ کے درمیان جناب عمر کے ساتھ تھے تو ہم چاند ایک دوسرے کو دکھانے لگے میں تیز نظر تھا تو میں نے دیکھ لیا میرے سوا کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے چاند دیکھا ہے۱؎ میں جناب عمر سے کہنے لگا کہ کیا آپ دیکھتے نہیں آپ اسے نہ دیکھ سکے کہتے ہیں کہ میں اسے عنقریب اپنے بستر پر لیٹے ہوئے دیکھوں گا۲؎ پھر ہم کو بدر والوں کے متعلق خبریں دینے لگے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایک دن پہلے کفار کے قتل گاہ دکھاتے تھے فرماتے تھے کہ ان شاء اللہ کل یہ جگہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی اور ان شاء اللہ کل یہ جگہ فلاں کی قتل گاہ ہوگی۳؎ جناب عمر فرماتے ہیں کہ اس کی قسم جس نے انہیں حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ لوگ ان حدود سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھیں بالکل نہ ہٹے۴؎ پھر وہ اوپر تلے ایک کنویں ڈال دیئے گئے۵؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے حتی کہ ان تک پہنچ گئے۶؎ فرمایا اے فلاں ابن فلاں اے فلاں ابن فلاں کیا تم نے وہ سب باتیں درست پائیں جن کا تم سے اللہ و رسول نے وعدہ کیا تھا۷؎ کیونکہ میں نے وہ سب درست پایا جو مجھ سے اللہ نے وعدہ کیا تھا جناب عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان جسموں سے کیسے کلام کرتے ہیں جن میں جان نہیں تو فرمایا بات تم ان سے زیادہ نہیں سنتے بجز اس کے کہ وہ مجھے کچھ جواب

	نہیں دے سکتے ۸؎(مسلم)

۱؎ یعنی اس سفر میں حضرت فاروق اعظم کے ساتھ بہت لوگ تھے مگر آج چاند کسی کو نظر نہیں آیا سواء میرے کیونکہ چاند بہت باریک تھا۔

۲؎ یعنی ابھی میں دیکھنے کی کوشش کیوں کروں عنقریب چاند اتنا بڑا ہوجاوے گا کہ مجھے بستر پر لیٹے ہوئے بے تکلف نظر آوے گا،عام شارحین نے یہ ہی معنی کیے۔یا میں اس ماہ کے آخر میں زخمی کیا جاؤں گا جس سے میری شہادت واقع ہوگی میں زخم خوردہ ہوکر بستر علالت پر اسے دیکھوں گا۔چنانچہ اس ماہ ذی الحجہ کے آخر میں آپ کو زخمی کیا گیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔اس صورت میں یہ غیبی خبر ہے۔**واللہ ورسولہ اعلم**! یہ واقعہ اس سفر کا ہے جب آپ آخری حج کو گئے واپس آکر شہید کر دیئے گئے۔

۳؎ اس فرمان عالی میں تین غیبی خبریں ہیں: وقت موت کی خبر کہ فلاں شخص کل مرے گا،جگہ موت کی خبر کہ فلاں جگہ مرے گا،تیسرے نوعیت موت کی خبر کہ کفر پر مرے گا نہیں بلکہ ہمارے ہاتھوں مارا جائے گا۔غرضکہ علوم خمسہ میں سے تین چیزوں کی خبر حضور نے دے دی بلکہ خط کھینچ کر بتادیا کہ فلاں کافر اس حد کے اندر مارا جائے گا۔

۴؎ یعنی اس دائرہ اس حد کے اندر ہر شخص قتل ہوا جہاں حضور انور نے دائرہ کھینچ کر جگہ مقرر فرمائی تھی۔شعر

خدا مطلع ساخت بر جملہ غیب　　　علی کل شئی خبیر آمدی

۵؎ کفار کی لاشوں سے یہ ہی برتاوا ہوتا ہے۔نماز،دفن کفن مؤمن کی میت کے لیے ہے۔فقیر نے وہ جگہ دیکھنے کی بہت کوشش کی جہاں یہ لاشیں پڑی تھیں مگر اہل بدر نے کہا کہ کفار کی جگہ کا کیا دیکھنا تم حضور کے آثار دیکھو۔

۶؎ معلوم ہوا کہ کفار کی قبروں ان کی لاشوں پر کسی مصلحت سے جانا بالکل جائز ہے،زیارت قبر کے لیے جانا جائز نہیں،رب فرماتا ہے:"**وَلَاتَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ**"۔یہ حدیث اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں کہ یہاں حضور کا کفار کی لاشوں پر جانا اس مقصد کے لیے ہے جو آگے آرہا ہے۔

۷؎ حضور کے اس عمل شریف سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ہر میت مؤمن ہو یا کافر بعد مرنے کے زندوں کا کلام سنتی ہے حتی کہ دفن کرنے والوں کے قدموں کی آہٹ سنتی ہے جیساکہ **باب الدفن** میں گزرا۔دوسرے یہ کہ بعد موت انسان کی ہر طاقت بڑھ جاتی ہے دیکھو ہزارہا من مٹی میں دفن ہونے کے باوجود مردہ آواز بلکہ جوتوں کی آہٹ سن لیتا ہے،اگر زندہ کو اتنی مٹی میں دبا دیا جاوے تو وہ توپ کی آواز بھی نہیں سن سکتا۔تیسرے یہ کہ بعد وفات یا کہہ کر پکارنا جائز ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ یارسول اللہ کہنا شرک ہے حالانکہ نماز میں کہا جاتا ہے **السلام علیك ایها النبی**۔

۸؎ یعنی مردے کفار یا تو تمہاری برابر سنتے ہیں یا تم سے زیادہ تم سے کم نہیں سنتے،ہاں فرق یہ ہے کہ تم ہم کو جواب سنا سکتے ہو یہ جواب دیتے تو ہیں مگر زندوں کو سنا نہیں سکتے کیونکہ اب وہ ایسی آواز سے بولتے ہیں جنہیں یہ کان نہیں سن سکتے،اللہ والے مردوں کی آواز سن لیتے ہیں لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زندہ بزرگوں کا مردوں کی آوازیں سننا ثابت ہے۔خیال رہے کہ جن آیات میں مردوں کے سننے کی نفی ہے وہاں مردوں

سے مراد دل کے مردے یعنی کفار ہیں جیسے "اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى" وغیرہ کیونکہ اس آیت کے آخر میں ہے "اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا" یعنی وہاں مردے کا مقابلہ مؤمن سے کیا گیا ہے لہذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں۔سماع موتی کے ثبوت میں بہت سی آیات ہیں دیکھو ہماری کتاب فہرست القرآن۔

	روایت ہے حضرت انیسہ بنت زید ابن ارقم سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب زید کے پاس ایک مرض میں مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے،فرمایا اس بیماری سے تم پر کوئی خطرہ نہیں ۲؎ مگر تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم کو میرے بعد دراز عمر ملے گی ۳؎ تو تم نابینا ہوجاؤ گے ۴؎ عرض کیا کہ میں صبر اور طلب اجر کروں گا ۵؎ فرمایا تو جنت میں بے حساب جاؤ گے ۶؎ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ نابینا ہوگئے پھر اللہ نے ان کی نظر لوٹا دی پھر وہ فوت ہوئے ۷؎

۱؎ انیسہ الف کے پیش ن کے فتحہ سے،آپ حضرت زید ابن ارقم کی صاحبزادی ہیں،خود تابعین سے ہیں اور زید ابن ارقم صحابی ہیں اس لیے آپ کی کنیت ابو انیسہ بھی ہے اور ابو عمر بھی،انصاری خزرجی ہیں،آخر میں کوفہ میں رہے،وہاں ۶۸ھ اٹھتر میں وفات پائی،اٹھاون سال عمر ہوئی رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی تم اس مرض سے وفات نہیں پاؤ گے ابھی تمہاری عمر باقی ہے،یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کہ لوگوں کی زندگی اور موت سے خبردار ہیں۔

۳؎ یعنی تم میرے بعد بہت دراز عمر پاؤ گے۔

۴؎ یعنی تم آخر میں نابینا ہوجاؤ گے۔

۵؎ صبر سے مراد علاج نہ کرنا نہیں بلکہ رب کی شکایت نہ کرنا گھبراہٹ ظاہر نہ کرنا ہے دوا اور دعا صبر کے خلاف نہیں بے صبری چیز ہی اور ہے۔طلب اجر کا مطلب یہ ہے کہ میں سمجھوں گا کہ رب تعالٰی مجھے اس تکلیف اور صبر پر جنت عطا فرمائے گا۔

۶؎ یعنی اگر تم نے بے صبری پر صبر اور طلب اجر کرلیا تو تم ان لوگوں میں سے ہوؤ گے جو قیامت کے حساب و کتاب سے مستثنٰی ہیں بے حساب جنتی ہیں۔

۷؎ خیال رہے کہ حضور انور کو اس شفا کی بھی خبر تھی مگر آپ نے انہیں بتایا نہیں تاکہ ان کا امتحان اور صبر اعلیٰ درجہ کے ہوں۔(مرقات)ظاہر یہ ہے کہ دوبارہ انہیں روشنی ملنا دوا اور دعا سے ہوا جو خلاف صبر نہیں۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ پر وہ بات تھوپے جو میں نے نہ کہی ہو وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۱؎ یہ اس طرح ہوا کہ آپ نے ایک شخص کو بھیجا اس نے آپ پر جھوٹ باندھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بددعا کردی تو وہ مردہ پایا گیا کہ اس کا پیٹ چر گیا تھا اسے زمین نے قبول نہ کیا ۲؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیں۔	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی کئی صورتیں ہیں:ایک یہ کہ جان بوجھ کر حدیث گھڑے اور اسے حضور کی طرف نسبت کردے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا،دوسرے یہ کہ کوئی موضوع حدیث بیان کرے اور اس کا موضوع ہونا نہ بتائے۔خیال رہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے،یہ وضع حدیث نہیں بلکہ حدیث کا مضمون اپنے الفاظ میں بیان کرنا ہے،ہم کہتے ہیں کہ رب نے فرمایا نماز قائم کرو حالانکہ قرآن مجید اردو نہیں ہے ہمارا یہ قول قرآن کا ترجمہ ہے،اس کی مثال وہ وائل ابن حجر کی روایت ہے آمین کے متعلق رفع بھا صوتہ ترجمہ ہے مد بھا صوتہ کا،راوی نے مد کا ترجمہ رفع کیا اور اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا یہ حدیث گھڑنا نہیں یہ فرق خیال رہے۔اپنا گھر آگ میں بنانے کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کو دوزخی سمجھ لے۔جھوٹ بولنا گناہ ہے اور جھوٹ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا بدترین گناہ ہے۔

۲؎ اس شخص نے لوگوں کو جھوٹی حدیث گھڑ کر سنائی حضور انور نے نور نبوت سے جان لیا اس کے لیے بددعا فرمادی،ایسا ہی ہوا کہ اسے بعد موت دفن کیا گیا تو زمین نے نکال کر پھینک دیا۔یہ واقعہ کوئی اور ہے اور وہ کاتبِ وحی جو مرتد ہوگیا تھا کفار کے پاس پہنچا بولا کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مل کر قرآنی آیات گھڑا کرتے ہیں اس کا انجام بھی یہ ہوا تھا وہ واقعہ دوسرا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کھانا مانگنے آیا حضور نے اسے جو کا آدھا وسق عطا فرمایا۱؎ وہ شخص اس کی بیوی اس کے مہمان اس سے کھاتے رہے حتی کہ اس نے ناپ لیا تو ختم ہوگیا ۲؎ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا فرمایا اگر وہ اسے نہ ناپتی تو تم سب اس سے کھاتے رہتے تو وہ تمہارے پاس رہتا ۳؎(مسلم)	

۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع ساڑھے چار سیر کا تو آدھا وسق تیس صاع ہوا یعنی ایک سو پینتیس سیر تین من پندرہ سیر۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ برسہا برس تک کھاتے رہے یہ ہوا حضور انور کا معجزہ کہ تھوڑے غلہ میں بہت ہی برکت ہوئی۔

۳؎ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ایسی برکت والی چیز کا ناپ تول توکل کے خلاف ہے اس لیے اس کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت عاصم ابن کلیب سے وہ اپنے والد سے وہ ایک انصاری سے راوی ۱؎ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبر پر تشریف فرما تھے کھودنے والے کو سمجھاتے تھے فرماتے تھے کہ اس کے پاؤں کی طرف فراخ کرو اس کے سر کی طرف فراخ کرو پھر جب واپس ہوئے تو آپ کے سامنے اس کی بیوی کی طرف سے بلانے والا آیا ۲؎ آپ نے منظور فرمایا ہم آپ کے ساتھ تھے کھانا لایا گیا ۳؎ حضور نے اپنا ہاتھ رکھا پھر قوم نے کہ سب کھانے لگے ۴؎ تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے منہ میں لقمہ پھرا رہے ہیں ۵؎ پھر فرمایا کہ میں ایسی بکری کا گوشت محسوس کرتا ہوں جو اس کے مالک کی بغیر اجازت لی گئی ہے ۶؎ اس عورت نے کہلاکر بھیجا کہ یارسول اللہ میں نے نقیع کی طرف بھیجا تھا یہ وہ جگہ تھی یہاں بکریاں فروخت کی جاتی تھیں تاکہ میرے لیے بکری خریدے ۷؎ بکری ملی نہیں میں نے اپنے پڑوسی کے پاس آدمی بھیجا جس نے بکری خریدی تھی یہ کہ مجھے وہ بکری قیمتًا بھیج دے وہ ملا نہیں ۸؎ تو میں نے اس کی بیوی کے پاس بھیجا اس نے وہ میرے پاس بھیج دی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو ۹؎ (ابوداؤد، بیہقی دلائل النبوۃ)	

۱؎ خیال رہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں اس لیے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا حدیث کو مجہول نہیں کرتا، ہاں صحابہ کے سوا کسی اور راوی کا نام مذکور نہ ہو تو حدیث مجہول ہوجاتی ہے کہ خبر نہیں وہ راوی کون ہے کیسا ہے، فاسق ہے یا عادل۔

۲؎ یعنی عرض کیا یارسول اللہ میت کی بیوی حضور کو بلا رہی ہے کھانے کی دعوت نہیں تھی جیساکہ الفاظ حدیث سے معلوم ہورہا ہے یہ بات خیال میں رکھی جاوے۔

۳؎ یہاں کھانا دعوت کے طور پر نہیں پکایا گیا تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ طعام کے لیے بلایا گیا تھااس کے گھر حضور تشریف لے گئے تھے کھانے کا وقت تھااس نے کھانا بھی پیش کردیا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ میت والوں سے دعوت لینا ممنوع ہے۔اس مسئلہ کی بہت صورتیں ہیں:(۱)بعض وارث نابالغ ہوں(۲)بعض وارث غائب ہوں(۳)قوم دعوت دینے پر مجبور کرے کہ میت کی روٹی دے(۴)اہلِ میت رواج کے ماتحت شرم و حیاء سے روٹی دیں،پہلی دو صورتوں میں دعوت دینا دعوت کھانا دونوں حرام ہیں کہ اس میں یتیم کا مال کھانا ہے اور غائب کا مال اس کی اجازت کے بغیر کھانا ہے،آخری دو صورتوں میں کھانا مکروہ ہےاگر یہ چار صورتیں نہ ہوں مثلًا مہمانوں کے لیے کسی خاص وارث نے یا سارے بالغ وارثوں نے کھانا پکادیا یا اتفاقًا کسی کو کھلا دیا تو بلا کراہت جائز ہے۔یہاں جو واقعہ بیان ہورہا ہے اس میں یہ چاروں صورتیں نہ تھیں لہذا فقہاء کا یہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔

مسئلہ: میت کا کفن دفن اس کے سارے مال سے کیا جاوے مگر اس کی نیاز فاتحہ میں یہ خیال رکھا جاوے کہ اگر بعض وارث یتیم نابالغ یا غائب ہوں تو اولًا متروکہ مال تقسیم کیا جاوے پھر بالغین حاضرین اپنے حصہ میں سے نیاز فاتحہ کریں اور یہ کھانا صرف فقراء مسکین کو کھلایا جاوے۔غرضکہ میت والوں کے ہاں کھانے کی بہت صورتیں ہیں:بعض حرام ہیں،بعض مکروہ،بعض مباح ہیں یہاں مکمل تفصیل کی گنجائش نہیں۔

۴؎ قوم سے مراد صاحبِ خانہ کے مہمان ہیں جن کے لیے کھانا تیار کیا گیا تھا اور وہ صحابہ کرام جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جو اتفاقًا وہاں پہنچ گئے تھے اور کھانے میں شریک ہوگئے تھے۔

۵؎ یعنی لقمہ منہ میں لے لیا چبایا منہ میں گھمایا مگر نگلا نہیں ہم نے یہ محسوس کرلیا تو یا تو کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا حضور انور نے خود ہی وہ فرمایا جو آگے آرہا ہے۔

۶؎ یعنی یہ گوشت نہ تو حرام جانور کا ہے نہ مردار کا مگر ایسا ہے جس میں احتیاط نہیں برتی گئی۔اس فرمان عالی سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور کو پس پردہ چیز کی خبر دی گئی وہاں وحی الٰہی نہیں آئی تھی بلکہ زبان شریف نے گوشت کی لذت کے ساتھ اس کی کیفیت بھی محسوس کرلی۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق اور شکم کو ہمیشہ حرام بلکہ مکروہ بلکہ مشتبہ بلکہ غیر احتیاطی چیزوں سے محفوظ رکھا،بخاری شریف میں ہے کہ بچپن شریف میں حضور نے کبھی بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھایا۔خیال رہے کہ کفار کی مشترک کمائیاں مؤمن کے لیے حلال ہیں لہذا حضور انور کا ابوطالب کے ہاں اور موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ہاں پرورش پانا یوں ہی حضور انور کا کفار کے ہدیے قبول فرمانا بالکل درست تھا،اب بھی ایسے مشترکہ مال والے کی دعوت کھالیناجائز ہے۔

۷؎ نقیع نون سے مدینہ پاک کے قریب وادی عقیق کی طرف ایک بازار تھا جہاں اور چیزوں کے ساتھ جانور بھی فروخت ہوتے تھے۔جن لوگوں نے بقیع ب سے پڑھا غلط ہے بقیع تو مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے وہاں بازار کہاں یہ تفسیر کسی راوی کی ہے۔

۸؎ یعنی میرا پڑوسی اپنے لیے ایک بکری خرید کر لایا تھامیں نے کہلا کر بھیجا تھا کہ وہ بکری میرے ہاتھ فروخت کردے کہ مجھے اس کی فوری ضرورت ہے۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی اپنے خاوند کا مال اس کی بغیر اجازت نہ تو فروخت کرسکتی ہے نہ ہبہ،اگر کرے گی تو درست نہ ہوگا،ہاں وہ معمولی حقیر چیزیں جس کے ہبہ کرنے کی اجازت عادۃً خاوند کی طرف سے ہوتی ہے وہ ہبہ خیرات کرسکتی ہے جیسے روٹی کا ٹکڑا،پھٹا پرانا کپڑا۔واقعہ یہ تھا کہ مالک بکری والا اب تک گھر نہ آیا تھا کہ اس سے اجازت لی جاتی اور گوشت بگڑ جانے کا اندیشہ تھا دونوں کفار تھے جن پر شرعی احکام جاری نہ تھے،حکم دیا کہ یہ مشتبہ کھانا ان قیدیوں کو کھلا دو اور بکری کی بازاری قیمت مالک بکری کو ادا کردی جاوے کہ یہ مال غصب ہے،غصب کے یہ ہی احکام ہیں۔معلوم ہوا کہ کھانا نہ تو ضائع کیا جاوے اور نہ بگڑنے دیا جاوے۔

روایت ہے حضرت حرام ابن ہشام سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا حبیش ابن خالد سے راوی وہ ام معبد کے بھائی ہیں ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظّمہ سے باہر کیے گئے آپ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرکے روانہ ہوئے آپ اور ابوبکر صدیق اور ابوبکر کے غلام عامر ابن فہیرہ اور ان کے رہبر عبداللہ لیثی ام معبد کے خیمے پر گزرے ۲؎ انہوں نے آپ سے گوشت چھوہارے مانگے تاکہ ان سے خریدیں انہوں نے یہ کوئی چیز ام معبد کے پاس نہ پائی یہ حضرات بے توشہ تھے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری دیکھی جو خیمے کے کنارہ میں تھی فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے انہوں نے عرض کیا کہ یہ ایسی بکری ہے جسے دبلے پن نے بکریوں سے پیچھے کردیا ہے ۴؎ فرمایا گیا اس میں دودھ ہے وہ بولیں کہ وہ اس سے بہت دور ہے ۵؎ فرمایا کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ اسے دوھ لوں بولیں آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر آپ اس میں دودھ دیکھیں تو دوھ لیں ۶؎ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اس کے تھن پر اپنا ہاتھ پھیرا اللہ تعالٰی کا نام لیا اور ان کے لیے ان کی بکری میں دعا کی تو اس نے ٹانگیں چیر دیں ۷؎ اور دودھ اتار لائی جگالی کرنے لگی تو حضور نے ایسا برتن منگایا جو ایک جماعت کو سیراب کردے اس میں دوہا چھلکتا ہوا حتی کہ جھاگ اوپر آگئے ۸؎ پھر حضور نے ام معبد کو پلایا حتی کہ وہ سیر ہوگئیں اور اپنے ساتھیوں کو پلایا

	حتی کہ وہ بھی سیر ہوگئے پھر انکے آخر میں خود پیا ۹ پھر اس میں پہلی بار کے بعد دوہا حتی کہ برتن بھردیا یہ ام معبد کے پاس چھوڑ دیا اور ان سے بیعت لی اور وہاں سے ان سب نے کوچ کردیا ۱۰(شرح سنہ)ابن عبدالبر نے استیعاب میں،ابن جوزی نے کتاب الوفاء اور اس حدیث میں ایک بڑا قصہ ہے۔

۱؎ ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد خزاعیہ ہے،یہ امیر بی بی تھیں،مسافروں کو کھانا پانی مفت دیتی تھیں،مدینہ منورہ کے راہ میں رہتی تھیں،یہ اس دن یا بعد میں مدینہ منورہ آکر ایمان لائیں۔(مرقات)

۲؎ مکہ معظّمہ سے دو حضرات چلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق،مالک ابن فہیرہ اور عبداللہ لیثی بعد میں ملے عبداللہ اس وقت کافر تھے۔معلوم ہوا کہ کفار سے دینی کام میں مدد لینا درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت میں عبداللہ لیثی سے رہبری کا کام لیا۔

۳؎ یعنی ان حضرات کو اس وقت کھانے کی سخت ضرورت تھی اور ساتھ میں کھانا نہیں تھاام معبد کے پاس کھانا نہ خریدا جاسکا کہ ان کی پاس تھا ہی نہیں۔

۴؎ یعنی یہ بکری کمزور دبلی ہے کہ دبلے پن اور کمزری کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے کے لیے باہر نہیں جاسکتی اس لیے میرے خیمہ میں بندھی ہے۔

۵؎ یعنی یہ بکری اولًا تو بکرے کے پاس نہیں گئی،دوسرے یہ کمزور بہت ہے،تیسرے یہ بیمار ہے اس میں دودھ کہاں سے آیابیاہی بکری بھی ایسی کمزور ہو تو دودھ نہیں دیتی چہ جائیکہ یہ کنواری بھی ہے۔

۶؎ اگرچہ حضور علیہ السلام نے یہ دودھ اللہ کی قدرت سے نکالا مگر چونکہ ام معبد کی بکری کے تھن سے نکالا اس لیے ان سے ان تھنوں کے استعمال کی اجازت لی،اب ان سے جو دودھ نکالا وہ حضور انور کی ملک تھا یا ام معبد کی اس میں گفتگو ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی ملک تھا کیونکہ حضور انور نے اس دودھ کے پینے کی ام معبد سے اجازت نہ لی نہ انہیں قیمت دی۔خیال رہے کہ بعض غزوات میں حضور انور نے بدوی کے مشکیزے سے پانی تمام لشکر کو پلادیا اورپانی اتنا ہی رہاوہاں مشکیزے والے کی اجازت نہ لی،وہاں اپنی ملکیت مطلقہ کا اظہار تھا اور یہاں مسئلہ شریعہ بتانا تھا جیسے ایک دعوت میں ایک آدمی چلا گیا تو حضور نے صاحب خانہ سے اجازت لی اور حضرت جابر کے ہاں سارے لشکر کو بغیر دعوت ہی لے گئے۔

۷؎ بکری دوہتے وقت دوہنے والے کے لیے اپنی ٹانگیں چیر دیتی ہے اور اگر دودھ نہ دینا ہو تو نہیں چیرتی یہاں اس کا ذکر ہے۔

۸؎ یہ ہے چھلکتے کی تفسیر یعنی جھاگ تو اوپر آگئے اور دودھ لبالب بھر گیا۔

۹؎ ترتیب یہ رکھی کہ پہلے ام معبد کو پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو پھر آخر میں خود پیا۔اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور اس دودھ کے مالک تھے اوریہ سب حضور کے مہمان تھے۔

۱۰؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کو دوبارہ دوہا پہلی بار کا دودھ تو پی لیا پلادیا دوسری بار کا دودھ خیمہ میں چھوڑ دیا اور ام معبد اسی وقت مسلمان ہوگئیں،پھر جب ام معبد کے خاوند آئے تو انہوں نے گھر میں عجیب خوشبو محسوس کی اور دودھ سے گھر بھرا ہوا پایا،تعجب سے پوچھا ام معبد کے جواب کو کسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے۔

تھوڑی دیر ہوئی اک آیا کالیاں زلفاں والا   دو گھڑیاں اس گھروچ بیٹھا کر گیا نور اجالا

(مرقات)

اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے بعض پہاڑوں پر یہ شعر سنے گئے

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ   رفیقین خلا خیمۃ ام معبد

ھما نزلا بالبر ثم ترحلا   فافلح من امسی رفیق احمد

اللہ ان دونوں ساتھیوں کو جزاء خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے کچھ دیر رہے پھر کوچ کر گئے۔کامیاب ہے وہ جو محمد مصطفٰی کا ساتھی بنا۔

تتمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تین قسم کے ہیں:بعض وہ جو آپ کے ساتھ لازم تھے جیسے جسم کا شریف کا بے سایہ ہونا،جسم اقدس سے بے مثال خوشبو وغیرہ،بعض وہ جو آپ کے اختیار میں تھے جیسے چاند چیرنا سورج واپس فرمانا۔بعض بے اختیاری جیسے آیات قرآنیہ کا نزول پھر بعض معجزات وقتی تھے جو حضرات صحابہ نے دیکھے جو آپ نے مشکوۃ شریف میں پڑھ لیے۔بعض معجزات دائمی ہیں جو قیامت تک دیکھے جائیں گے جیسے آیاتِ قرآنیہ کہ ہر آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔حضور کا ذکر کثیر کہ ہر جگہ آپ کا چرچہ ہے آپ کی محبوبیت کہ بغیر دیکھے دنیا آپ کی عاشق ہے آپ کے نام پر سر کٹا دیتی ہے۔آپ کے اولیاء اللہ کی کرامات کہ ہر کرامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے تاقیامت آپ کے دین کا بقاء علماء حقانی کا وجود کہ یہ سب چیزیں حضور کے زندہ جاوید معجزات ہیں۔وقتی معجزات جو روایات میں آگئے وہ تقریبًا چھ ہزار ہیں بلکہ آپ بذات خود معجزہ تھے آپ کا نام معجزہ ہے۔

باب الکرامات

کرامات کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ کرامات جمع ہے کرامت کی بمعنی تعظیم و احترام،اصطلاح شریعت میں کرامت وہ عجیب و غریب چیز ہے جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔حق یہ ہے کہ جو چیز نبی کا معجزہ بن سکتی ہے وہ ولی کی کرامت بن سکتی ہے سواء اس معجزہ کے جو دلیل نبوت ہو جیسے وحی اور آیاتِ قرآنیہ۔معتزلہ کرامات کا انکار کرتے ہیں،اہلِ سنت کے نزدیک کرامت حق ہے۔آصف بن برخیا کا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو یمن سے شام میں لے آنا،حضرت مریم کا بغیر خاوند حاملہ ہونا اور غیبی رزق کھانا،اصحاب کہف کا بے کھانا پانی صدہا سال تک زندہ رہنا کرامات اولیاء ہیں جو قرآن مجید سے ثابت ہیں۔حضور غوث پاک کی کرامات شمار سے زیادہ ہیں۔(اشعہ)حضور انور کے معجزات بے شمار،سرکار بغداد کے کرامات بے شمار،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سب کو عام سرکار بغداد کی ولایت سب کو عام،فرماتے ہیں کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے آپ کی ولایت تا قیامت جاری ہے۔

غوث اعظم درمیان اولیاء　　　چوں جنابِ مصطفیٰ در انبیاء

ولایت اور کرامات دین کی حقانیت اور اس کے منسوخ نہ ہونے کی دلیل ہیں۔اب عیسائیوں یہودیوں میں کوئی ولی نہیں کیونکہ وہ نبوتیں منسوخ ہوچکیں۔آج سواء اہل سنت کے کسی فرقے میں اولیاء نہیں دیوبندی،وہابی،شیعہ،مرزائی،چکڑالوی کسی دین میں ولی نہیں کیونکہ یہ فرقے باطل ہیں۔جس شاخ کا تعلق جڑ سے قائم نہ رہے وہاں جڑ سے فیض آنا بند ہوجاوے اس شاخ میں پھل پھول نہیں لگتے۔اسلام کی جڑ ہری ہے کہ اس میں اب بھی اولیاء اللہ اور کرامات پائے جاتے ہیں مگر ان فرقوں کا تعلق جڑ سے نہیں دوسرے دینوں کی جڑیں خشک ہوچکیں لہذا ان میں ولایت نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ اسید ابن حضیر اور عباد ابن بشر ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے کاموں کے متعلق بات چیت کرتے رہے حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا یہ واقعہ سخت اندھیری رات میں ہوا ۲؎ پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپسی کے لیے نکلے ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھوٹی لاٹھی تھی تو ان میں سے ایک کی لاٹھی چمک گئی ۳؎ حتی

	کہ وہ دونوں اس کی روشنی میں چلتے حتی کہ جب ان کو راستہ نے علیحدہ کیا تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی تو ان میں سے ہر ایک اپنی لاٹھی کی روشنی میں چلا حتی کہ اپنے گھر پہنچ گیا۵(بخاری) ۶

۱ اسید ابن حضیر انصاری اوسی ہیں،بدروغیرہ میں شریک ہوئے، ۲۰ھ بیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور عباد ابن بشر بھی انصاری ہیں،بدر وغیرہ میں آپ بھی شریک رہے،کعب ابن اشرف یہودی کے قتل میں آپ بھی شریک تھے،جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۴۵ پینتالیس سال کی عمر ہوئی۔(مرقات)

۲ یہ حضرات اندھیری رات میں حضور انور کے پاس سے اپنے گھر جانے والے تھے،روشنی کا کوئی سامان نہ تھا تب یہ کرامات ظاہر ہوئیں۔

۳ یا تو پوری لاٹھی چمکی ٹیوب کی طرح یا اس کا سرا چمکا بیٹری کی طرح پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ پوری لاٹھی چمکی۔

۴ چونکہ اب دونوں صاحبوں کے راستے الگ الگ ہوگئے ایک کی روشنی دوسرے کے لیے کافی نہ تھی اس لیے دوسرے صحابی کی لاٹھی بھی ٹیوب بن گئی،اس کا چمکنا بھی قدرتًا ہوا پہلی لاٹھی کو مس کرکے نہیں ہوا جیساکہ ظاہر ہے۔

۵ یعنی گھر پہنچنے پر ان کی روشنی ختم ہوگئی ٹیوب سے لاٹھی بن گئی۔معلوم ہوا کرامت ولی معجزہ کی جنس سے ہوسکتی ہے دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء عطا ہوا وہ تھا نبی کا معجزہ اور ان صحابیوں کو عصاء بیضاء عطا ہوا یہ تھی کرامت۔

۶ بخاری شریف میں یہ واقعہ باب علامات النبوۃ کے آخر میں اور مناقب انصار کے ماتحت باب مناقب اسید ابن حضیر میں نقل فرمایا مگر اس کے الفاظ یہ نہیں،یہ الفاظ مصنف عبدالرزاق اور مستدرک حاکم اور مسند حاکم میں نقل ہوئے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جب غزوہ احد ہوا تو رات میں مجھے میرے باپ نے بلایا کہا کہ میں اپنے متعلق خیال کرتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں پہلا شہید میں ہوں گا۱ اور میں اپنے نزدیک تم سے زیادہ پیارا کسی کو نہیں چھوڑتا سواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ۲ اور مجھ پر قرض ہے تم ادا کردینا ۳ اور اپنی بہنوں کے لیے بھلائی کی وصیت قبول کرو ۴ ہم نے سویرا پایا تو پہلے شہید وہ ہی تھے اور میں نے انہیں دوسرے کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا ۵

۱؎ یہ ہے صحابی کا علم غیب کہ اپنی موت نوعیت موت حسن خاتمہ وغیرہ سب کی خبر پہلے سے دے دی۔
۲؎ یعنی مجھے سب سے زیادہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،ان کے بعد تم مجھے سب سے زیادہ پیارے ہو جو دل میں ہے وہ ہی آپ کی زبان پر ہے۔آپ کا یہ قول اس حدیث کی تفسیر ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اولاد ماں باپ اور سارے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوجاؤں،رب تعالٰی حضور کی ایسی محبت نصیب کرے۔
۳؎ اس ادائے قرض کا واقعہ **باب المعجزات** میں گزر چکا۔آپ پر بہت کھجوریں قرض تھیں جو حضور انور نے کھجوروں کے ایک ڈھیر سے ادا کردیں اور اس ڈھیر کی ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی۔
۴؎ یعنی تم اکیلے تو میرے بیٹے ہو اور میری آٹھ یا نو بیٹیاں ہیں،تم ہی ان کے اکیلے منتظم ہو تم ان سے اچھا برتاوا کرانا،ترجیح اس کو ہے کہ حضرت جابر کی نو بہنیں تھیں بھائی کوئی نہ تھا۔(اشعہ،مرقات)غالبًا آپ کی والدہ نہ تھیں پہلے ہی فوت ہوچکی تھیں۔**واللہ ورسولہ اعلم!**
۵؎ چونکہ اس موقعہ پر کفن بہت کم تھا اس لیے سرکاری حکم تھا کہ ایک ایک قبر میں چند شہید دفن کیے جاویں۔اسی فرمان کے مطابق حضرت عبداللہ کو ان کے دوست اور ان کے بہنوئی حضرت عمرو ابن جموح کے ساتھ دفن کیا گیا۔خیال رہے کہ حضرت عمرو ابن جموح حضرت عبداللہ کے گہرے دوست بھی تھے اور ان کے بہنوئی بھی۔(مرقات و اشعہ)پھر بعد میں حضرت عبداللہ کو وہاں سے منتقل کرکے جنت البقیع میں دفن کیا گیا،فقیر نے قبر شریف کی زیارت کی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر سے ۱؎ کہ صفہ والے مسکین والے لوگ تھے ۲؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں کو یا چھٹے کو لے جاوے ۳؎ اور حضرت ابوبکر تین شخص لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس حضرات لائے ۴؎ ابوبکر صدیق نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کا کھانا کھایا پھر کچھ ٹھہرے حتی کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی آپ پھر لوٹ گئے پھر کچھ ٹھہرے حتی کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا کھانا کھالیا ۵؎ پھر آپ آئے اس کے بعد رات کا مشیت الٰہی کے بقدر حصہ گزر گیا ان سے ان کی بیوی نے کہا کہ تمہیں تمہارے مہمانوں سے کس چیز نے روکا ۶؎ آپ نے کہا کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا وہ بولیں

کہ انہوں نے تمہارے آنے تک کھانے سے انکار کیا ۷؎ آپ ناراض ہوئے اور بولے خدا کی قسم میں یہ کبھی نہ کھاؤں گا ۸؎ آپ کی بیوی نے قسم کھالی کہ وہ بھی نہ کھائیں گی اور مہمانوں نے قسم کھالی کہ وہ بھی نہ کھائیں گے ۹؎ جناب صدیق نے کہا کہ یہ قسم شیطان کی طرف سے ہوگئی آپ نے کھانا منگایا پھر کھایا پھر ان سب نے کھایا ۱۰؎ تو وہ لوگ کوئی لقمہ نہ اٹھاتے تھے مگر اس کے نیچے سے اس سے زیادہ بڑھتا تھا ۱۱؎ آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ اے بنی فراس کی بہن ۱۲؎ یہ کیا وہ بولیں میری آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم ۱۳؎ یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے ۱۴؎ ان سب نے یہ کھانا کھایا اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا کہا گیا ہے کہ حضور نے بھی اس میں سے کھایا ۱۵؎(مسلم،بخاری)اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث کہ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے **باب المعجزات** میں ذکر کردی گئی ۱۶؎	

۱؎ حضرت عبدالرحمٰن جناب صدیق اکبر کے بڑے بیٹے اور جناب عائشہ صدیقہ کے سگے بھائی ہیں،ان دونوں کی والدہ جناب ام رومان ہیں،آپ کا نام پہلے عبدالکعبہ تھا،حدیبیہ کی سال اسلام لائے حضور انور نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ صفہ کا ترجمہ ہے چبوترہ مسجد نبوی شریف کے متصل ایک چھتا ہوا چبوترہ بنایا گیا تھا جس میں وہ حضرات رہتے تھے جنہوں نے اپنے کو طلب علم اور خدمت دین کے لیے وقف کردیا تھا،یہ حضرات ستر تھے انہیں اصحاب صفہ کہتے تھے۔ان حضرات میں مشہور صحابہ کرام یہ ہیں ابو ذر غفاری،عمار ابن یاسر،سلمان فارسی،صہیب،بلال،ابوہریرہ،خباب ابن ارت،حذیفہ ابن یمان،ابو سعید خدری،بشیر ابن خصاصہ،ابو موہبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم،انہیں حضرات کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ"الخ۔(مرقات)

۳؎ ان حضرات کا کھانا پینا مدینہ والوں کے ذمہ تھا،اب تک یہ ہی دستور چلا آرہا ہے کہ دینی علم کے طلباء مساجد میں رہتے ہیں اور مسلمان محلّہ والے ان کے مصارف برداشت کرتے ہیں اسی طرح دین چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔

۴؎ یعنی آج واقعہ یہ ہوا کہ جناب ابوبکر صدیق تین طالب علم لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس طلباء کو مہمان بنایا یہ لانا ہمیشہ کے لیے نہ تھا صرف رات کے لیے تھا۔بعض سخی مسلمان اپنے ہاں طالب علموں کا مستقل کھانا لگادیتے ہیں یہ ان کی ہمت ہے،سب سے بہتر صدقہ جاریہ یہ ہے کہ کسی کو اپنے خرچہ سے عالم بنایا جاوے جیسے امام اعظم نے امام ابویوسف کو اپنے خرچہ پر اپنی تعلیم سے جید عالم بلکہ امام مجتہد بنادیا جن کا فیض تاقیامت رہے گا۔

۵؎ یعنی حضرت ابوبکر صدیق عشاء کی نماز تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر شریف پر رہے،پھر حضور کے ساتھ نماز عشاء پڑھی پھر بعد عشاء حضور کے گھر لوٹ گئے اور بعد نماز عشاء حضور کے ساتھ کھانا کھایا اس میں رات کافی گزر گئی۔ادھر حضرت صدیق اکبر کے مہمان سارے گھر والے آپ کے منتظر رہے کسی نے کھانا نہیں کھایا،ان کا خیال تھا کہ جناب صدیق کے آنے پر سب مل کر کھائیں گے،صاحب خانہ کا انتظار سنت صحابہ ہے جیساکہ معلوم ہوا۔

۶؎ یعنی تمہارے دیر سے آنے سے تمہارے مہمانوں کو تکلیف ہوئی وہ اب تک بھوکے ہیں تم بہت دیر سے آئے،ایسی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں اس میں بے ادبی یا گستاخی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۷؎ آپ نے سوال کیا کہ تم نے مہمانوں کو میرے بغیر ہی کیوں کھانا نہیں کھلادیا،انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے کھانا پیش کیا تھا مگر مہمانوں نے کہا کہ ہم جناب صدیق اکبر کے ساتھ ہی کھائیں گے،اس زمانہ میں قاعدہ تھا کہ مہمان میزبان مل کر کھانا کھاتے تھے اب بھی عرب میں یہ ہی دستور ہے۔

۸؎ جناب صدیق اکبر کو خیال ہوا کہ ہمارے گھر والوں نے مہمانوں سے یوں ہی رسمًا کھانے کے لیے کہا ہوگا اصرار نہیں کیا ہوگا ورنہ وہ ضرور کھالیتے اس لیے آپ گھر والوں پر ناراض ہوئے اور کھانا نہ کھانے کی قسم کھالی۔(مرقات)

۹؎ بی بی صاحبہ کا نہ کھانے کی قسم کھالینا اس لیے تھا کہ خاوند کے بغیر بیوی کھانا کھالینا معیوب سمجھتی ہیں یعنی اگر آپ بھوکے رہیں گے تو میں بھی بھوکی رہوں گی۔مہمانوں نے خیال کیا کہ ہماری وجہ سے یہ آپس کی شکر رنجی ہوئی تو وہ بولے ہم بھی نہیں کھائیں گے ہم لوگ اس خانہ جنگی کا باعث بنے۔مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ پہلے آپس میں صلح کریں پھر ہم کھانا کھائیں گے۔

۱۰؎ اہلِ عرب خصوصًا مسلمان مدینہ اپنے مہمانوں کا بڑا احترام کرتے تھے اور کرتے ہیں انکی ہر ضد پوری کرتے ہیں اس لیے آپ نے اپنے مہمانوں کی خاطر اپنی قسم توڑ دی،اب بھی مہمان کی خاطر نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے جب کہ مہمان روزے دار میزبان کے بغیر کھانا نہ کھائے،یوں ہی اگر مہمان روزہ دار ہو اور میزبان کھانے کی ضد کرے تو مہمان نفلی روزہ توڑ سکتا ہے مگر قضا واجب ہوگی۔

۱۱؎ یہ ہوئی جناب صدیق اکبر کی کرامت یعنی خود آپ اور آپ کے مہمان بلکہ سب گھر والے جب ایک لقمہ برتن سے اٹھاتے تو اس جگہ پیالہ میں نیچے سے کھانا اور نمودار ہوجاتا جو اٹھائے ہوئے لقمہ سے زیادہ ہوتا سبحان اللہ! کرامت معجزے کی قسم سے ہے کہ کھانے کی برکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے حضرت صدیق اکبر کی کرامت بھی۔

۱۲؎ آپ کی بیوی صاحبہ کا نام ام رومان ہے،آپ قبیلہ بنی فراس سے تھیں اس لیے جناب صدیق نے انہیں **اخت بنی فراس** فرمایا یعنی اس قبیلہ والوں کی بہن۔

۱۳؎ **قرۃ عینی** یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔(اشعہ)

۱۴؎ یعنی یہ کھانا کھاچکنے کے بعد پہلے سے تین گنا زیادہ ہوگیا یہ فقط اندازہ ہے۔

۱۵؎ سبحان اللہ! کیسا مبارک کھانا تھا کہ اسے جناب صدیق اکبر ان کے گھر والوں انکے مہمانوں نے بھی کھایا اور آخر میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا وہ کھانا تو مبارک در مبارک ہوگیا۔

۱۶یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے باب المعجزات میں بیان کردی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب نجاشی نے وفات پائی تو ہم چرچہ کرتے تھے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا رہتا ہے ۱(ابوداؤد)	

۱یعنی اصحمہ شاہ حبشہ جن کا لقب نجاشی تھاجب وہ وفات پا گئے تو عرصہ تک عام لوگوں نے آپ کی قبر پر ظاہر ظہور نور دیکھا،امیر علی نے حاشیہ اشعۃ اللمعات میں لکھا کہ یہ نور حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حبشہ کے قیام کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عام لوگوں نے بھی۔اس سے معلوم ہوا کہ کرامت بعد وفات بھی ظاہر ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی ہے،کچھ عرصہ بعد یہ کرامت بند ہوگئی،صاحب دلائل خیرات شریف محمد سلیمان جزولی کی قبر سے عرصہ تک مشک خوشبوآتی رہی پھر ہلکی پڑ گی پھر بند ہوگئی۔(شرح دلائل)

روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ جب صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا۱تو بولے ہم کو خبر نہیں کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اتاریں جیسے کہ ہم اپنے مُردوں کو برہنہ کرتے ہیں یا ہم اسی طرح آپ کو غسل دیں کہ آپ پر کپڑے ہوں۲جب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ نے ان پر نیند طاری کردی حتی کہ ان میں کوئی شخص نہ تھا مگر اس کی ٹھوڑی اس کے سینہ میں تھی۳پھر گھر کے گوشہ سے کسی بولنے والے نے گفتگو کی وہ نہیں جانتے تھے کہ کون ہے۴کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح غسل دو کہ آپ پر کپڑے ہوں چنانچہ لوگ اٹھے آپ کو غسل دیا ۵کہ آپ پر آپ کی قمیض تھی قمیض کے اوپر پانی ڈالتے تھے قمیض ہی سے ملتے تھے ۶(بیہقی دلائل النبوۃ)	

۱ارادوا کا فاعل یا صحابہ کرام ہیں یا اہل بیت عظام یا دونوں حضرات۔وفات شریف پیر کے دن ہوئی،غسل شریف اور نماز و دفن بدھ کے دن،غسل کے وقت حضرات صحابہ دولت خانہ سے باہر تھے اور اندر ازواج مطہرات پانی دیتیں اور ڈالتی تھیں،حضرت علی مرتضیٰ حضور کو غسل دیتے تھے۔یہ سب کچھ حضرت ابوبکر صدیق کے بتانے سے کیا گیا دیکھو ترمذی شریف کا آخر۔

۲؎ یہاں قانون اور احترام میں یا یوں کہو کہ علم و عشق میں مقابلہ ہوا،قانون کہتا تھا کہ حضور انور کے کپڑے اتارے جائیں ناف سے گھٹنوں تک تہبند رہے جیساکہ عام مسلمان میت سے کیا جاتا ہے مگر احترام کہتا تھا کہ کپڑوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

۳؎ یعنی اس وقت اندر والے اور باہر والے صحابہ کرام اہل بیت عظام اونگھ رہے تھے جو جس حال میں تھا اسی حال میں اونگھ رہا تھا۔

۴؎ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ کلام فرمانے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے جو ان حضرات کو نظر نہیں آتے تھے۔(مرقات)خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اپنے وقت کے نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ولی ہیں۔صلح حدیبیہ کے موقع پر جو بیعت الرضوان لی گئی اس میں خضر علیہ السلام شامل تھے اور الیاس علیہ السلام بھی،اب بھی ہر سال یہ دونوں حضرات حج میں جمع ہوتے ہیں جیسے کہ باب ذکر انبیاء میں گزرچکا۔

۵؎ ان سب کے غسل دینے کے وہ ہی معنی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے یعنی ان سب نے غسل دینے کا انتظام کیا کوئی پانی لایا کسی نے دوسرے انتظامات کئے۔

۶؎ اس طرح غسل دینا حضور انور کی خصوصیات سے ہے،دوسروں کو غسل دیتے وقت کرتہ وغیرہ اتارا جاوے گا مگر خیال رہے کہ حضور انور کو کفن اس قمیض کے ساتھ نہیں دیا بلکہ بعد غسل قمیض اتاری اس طرح کہ جسم شریف کو برہنہ نہیں کیا۔جن لوگوں نے کہا کہ مع قمیض کفن دیا گیا انہوں نے غلطی کی۔(مرقات واشعہ)

روایت ہے ابن منکدر سے۱؎ کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ ۲؎ روم کی زمین میں لشکر سے بہک گئے یا قید کر لیے گئے ۳؎ وہ بھاگتے ہوئے چلے لشکر کی تلاش کرتے تھے کہ اچانک شیر سامنے تھا تو بولے اے ابوالحارث کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں ۴؎ میرا واقعہ ایسا ایسا ہوا ہے تو شیر دم ہلاتا ہوا آیا حتی کہ ان کی برابر کھڑا ہو گیا ۵؎ جب کوئی آواز سنتا تو ادھر چلا جاتا پھر آپ کی برابر چلنے لگتا حتی کہ یہ لشکر تک پہنچ گیا پھر شیر لوٹ گیا ۶؎ (شرح سنہ)	

۱؎ محمد ابن منکدر تیمی مشہور تابعی ہیں،بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے،۱۳۰ھ ایک سو تیس میں وفات ہوئی،ستر ۷۰ سال سے زیادہ عمر ہوئی۔

۲؎ حضرت سفینہ جناب ام سلمہ کے غلام ہیں آپ نے انہیں آزاد کیا اس شرط پر کہ زندگی بھر حضور کی خدمت کریں،انہوں نے عرض کیا کہ میں اس شرط کے بغیر بھی حضور ہی کے پاس رہوں گا۔ایک سفر میں حضور انور اور بعض صحابہ نے ان پر اپنا سامان لاد دیا حضور انور نے فرمایا کہ تم ہمارا سفینہ ہو یعنی کشتی ہو اس دن سے آپ کا نام سفینہ ہوگیا اور پہلا نام گم ہو گیا،جو آپ سے آپ کا نام پوچھتا تھا تو فرماتے تھے کہ اب میں سفینہ ہوں مجھے حضور نے جو

بنادیامیں وہ ہی بن گیا۔(اشعہ،مرقات)آپ کا نام رباح یا مہران یا رومان ہے واللہ اعلم!آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن،محمد،زیاد،کثیر ہیں۔(اکمال)

۳؎ غالبًا یہ واقعہ خلافت معاویہ کا ہے کیونکہ روم پر حملے آپ ہی کے زمانہ سے شروع ہوئے۔جناب سفینہ اسی کسی جہاد میں قید کرلیے گئے،راتوں رات بھاگ کر لشکر اسلام کی تلاش میں جارہے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

۴؎ اس ازلی مشکل میں حضرت سفینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کو یاد کیا یہ نہ کہا کہ اے شیر میں اللہ کا بندہ ہوں کیونکہ شیر کہہ سکتا تھا کہ تم گائے بکری مرغی کو جو اللہ کے بندے ہیں کھالیتے ہو تو میں تجھ اللہ کے بندے کو کھا سکتا ہوں۔اس سے پتہ لگا کہ مشکل کے وقت اچھوں کی نسبت کام آجاتی ہے،بعض بزرگ اپنے پیر کا نام لے کر دریاسے گزرگئےان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۵؎ اور زبان حال سے گویا یہ کہنے لگا۔شعر

شیر کہیاسفینے تائیں سن راہی راہ جاندے | جو غلام رسول اللہ دے اسیں غلام اونہاندے

اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کے غلاموں کو پہچانتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور حضور کی نسبت دافع بلا مشکل کشا ہے۔تیسرے یہ کہ جانور اولیاء اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔چوتھے یہ کہ اولیاء اللہ کے دلوں میں مخلوق کا خوف نہیں،جناب سفینہ شیر سے ڈرے نہیں بھاگے نہیں مگر بعض وقت انہیں خوف ایذا ہوجاتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو سانپ یا فرعون سے ایذا کا خوف ہوا۔

۶؎ شیر نے حضرت سفینہ کی حفاظت بھی کی اور رہبری بھی،پتہ لگا کہ شیر کو لشکر اسلام کا پتہ تھا کہ کہاں ہے جیسے بعض کھانوں کی خوشبو دور تک پہنچتی ہے ایسے ایمان و تقویٰ کی خوشبو جانوروں کو بلکہ بعض اولیاء کو دور سے محسوس ہوتی ہے۔دیکھو ایک شیر نے ابولہب کے بیٹے عتبہ کا منہ سونگھ کر اسے پھاڑ دیا تھا وہ پہچان گیا کہ گستاخ کا منہ یہ ہے۔اسی طرف قصیدہ بردہ نے اشارہ کیا۔

ومن تکن برسول اللہ نصرته | ان تلقه الاسر فی اجامها نجم

روایت ہے ابوالجوزاء سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مدینہ کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہوگئے تو انہوں نے جناب عائشہ سے شکایت کی ۲؎ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف غور کرو اس سے ایک طاق آسمان کی طرف بنادو ۳؎ حتی کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے لوگوں نے ایسا کیا تو خوب برسائے گئے حتی کہ چارہ اگ گیا اور اونٹ موٹے ہوگئے ۴؎ حتی کہ چربی سے گویا پھٹ پڑے تو اس سال کا نام پھٹن کا سال رکھا گیا ۵؎ (دارمی)	

۱؎ آپ کا نام اوس بن عبداللہ ہے،ازدی ہیں،بصری ہیں،تابعی ہیں، ۸۳ھ تراسی ہجری میں شہید کئے گئے،بہت صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

۲؎ شکایت یہ کی کہ بارش نہیں ہوتی چیزیں مہنگی ہوگئیں،مقصد یہ تھا کہ آپ رب سے دعا کریں۔معلوم ہوا کہ آسمانی آفات کی شکایت اللہ کے مقبول بندوں سے کرسکتے ہیں۔

۳؎ یعنی میرے حجرے کی چھت قدرے پھاڑ دو تاکہ قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی آڑ نہ رہے۔یہ طریقہ تھا قبر انور کے وسیلہ سے بارش مانگنے کا حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے اجتہاد سے یہ طریقہ اختیار فرمایا۔

۴؎ مرقات شریف اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ حضور انور کی حیات شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعائیں مانگتے تھے،بعد وفات جناب عائشہ صدیقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور بلکہ اس کی خاک کی برکت سے دعا کرائی یہ بھی در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلے سے دعاء ہے یہ طریقہ بہت مبارک ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وفات یافتہ بزرگوں کے وسیلہ سے دعائیں کرنا جائز ہے۔دوسرے یہ کہ ان کے تبرکات کے وسیلہ سے دعائیں کرنا جائز بلکہ سنت صحابہ ہے۔تیسرے یہ کہ بزرگوں کی قبریں باذن الٰہی دافع البلاء اور مشکل کشا ہیں،یوسف علیہ السلام کی قمیض دافع البلاء تھی کہ اس کی برکت سے یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہوگئیں(قرآن مجید)ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھوون شفا تھا(قرآن مجید)"اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ"اس کی تحقیق ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھو۔بعض صوفیا ننگے سر آسماں کے نیچے بیٹھ کر دعائیں یا وظیفے کرتے ہیں یہ حدیث ان کی اصل ہے۔خیال رہے کہ آسمان ہماری روزی کا خزانہ ہے"وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ"لہٰذا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاکر یا قبر انور کی چھت کھول کی دعا کرنا جائز ہے۔

۵؎ یعنی قبر انور کی برکت سے بارش نہ تو بہت زیادہ ہوئی جو کھیتیاں برباد کرے نہ بہت تھوڑی جو کافی نہ ہو،نہ بے وقت ہوئی بلکہ بروقت ہوئی اور بقدر ضرورت ہوئی جو بے ضرر بلکہ نہایت مفید ہوئی،یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ کی کرامت ظاہر کررہا ہے۔

روایت ہے سعید ابن عبدالعزیز سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ جب جنگ حرہ کا زمانہ ہوا ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تین دن نہ اذان کہی گئی نہ تکبیر کہی گئی اور سعید ابن مسیب مسجد سے نہ ہٹے ۳؎ وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایک گنگناہٹ سے جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے سنتے تھے ۴؎(دارمی)	

۱؎ آپ تنوحی دمشقی ہیں،اہل شام کے مفتی ہیں،بڑے متقی زاہد تھے،امام اوزاعی کے ہم زمانہ ہیں،امام احمد فرماتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں آپ اور امام اوزاعی بڑے ثقہ تھے۔

۲؎ یہ واقعہ یزید ابن معاویہ کے زمانہ کربلا کے واقعہ کے بعد ہوا،اس مردود نے مسلم ابن عقیل کے سرکردگی میں مدینہ منورہ پر حملہ کردیا اہلِ مدینہ پر بڑے ظلم ڈھائے،چونکہ یہ حملہ مقام حرہ کی طرف سے ہوا تھا اس لیے اسے جنگ حرہ کہا جاتا ہے۔حرہ مدینہ منورہ کے باہر ایک پتھریلا میدان ہے،یہ واقعہ ۶۳ھ میں ہوا۔یہاں مرقات میں ہے

کہ اہل مدینہ نے ایک شامی قافلہ کو تاراج کردیا اس پر یہ واقعہ پیش آیا،حرہ کے واقعہ کے بعد ہی یزید ہلاک ہوگیا،حرہ ذی الحجہ ۶۳ھ میں ہوا۔
۳؎ سعید ابن مسیب تابعی ہیں،انہوں نے چالیس حج کیے،بڑے عابد زاہد تھے، ۷۳ھ تہتر میں وفات پائی،زمانہ حرہ میں لوگ سمجھتے کہ آپ دیوانہ ہوگئے ہیں۔
۴؎ قبر انور سے نماز کے اوقات میں آواز آنا حضور انور کا معجزہ تھااوراس آواز کا سعید ابن مسیب کا سن لینا یہ کرامت ہےاس لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

روایت ہے ابوخلدہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے کہا۱؎ کہ کیا حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے فرمایا انہوں نے دس سال حضور کی خدمت کی ہے اور حضور نے ان کے لیے دعا فرمائی ہے ۲؎ ان کا ایک باغ تھا جو ہر سال میں دوبار میوہ دیتا تھا اور اس باغ میں ایک گھاس تھی جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی ۳؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔	

۱؎ ابوخلدہ کا نام خالد ابن دینار ہے،تمیمی ہیں،سعدی بصری ہیں،وہاں درزی گری کی دکان کرتے تھے،تابعی ہیں،ابوالعالیہ کا نام رفیع ابن مہران ریاحی ہے،آپ بھی تابعی ہیں،حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق سے ملاقات ہے، ۹۰ھ نوے میں آپ کی وفات ہے۔
۲؎ غالبًا یہ قول ابوالعالیہ کا ہےاس سے مقصود ہے حضرت انس کی عظمت بیان کرنا۔
۳؎ شاید اس گھاس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت و کرم سے ہاتھ شریف پھیر دیا ہوگا،حضرت انس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادتی عمر و اولاد کی دعا بھی کی تھی تو آپ کی عمر سو برس سے زیادہ ہوئی،آپ کی اولاداوراولاد در اولاد آپ کی زندگی میں ایک سو تک پہنچی جن میں تہتر لڑکے تھے اور ستائیس لڑکیاں اور مال کی برکت تو یہاں مذکور ہے۔

ہاتھ جس سمت اٹھے غنی کردیا　　　موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

یہ سب حضور پاک کے معجزات ہیں اور حضرت انس کی کرامات۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عروہ ابن زبیر سے۱؎ کہ سعید ابن زید ابن عمرو ابن نفیل سے ۲؎ اروی بنت اوس نے۳؎ مروان ابن حکم کی کچہری میں جھگڑا(مقدمہ) کیا۴؎ اور	

دعویٰ کیا کہ انہوں نے اس کی زمین کا ایک حصہ لے لیا ۵؎ تو سعید نے کہا کہ کیا میں اس کی زمین کا کچھ حصہ لے سکتا ہوں اس کے بعد کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں ۶؎ مروان نے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کسی کی ایک بالشت زمین ظلمًا لے لے تو سات زمین تک کی زمین گلے میں طوق ڈالا جائے گا ۷؎ ان سے مروان نے کہا کہ اس کے بعد میں تم سے کوئی دلیل نہیں مانگتا ۸؎ تو سعید نے کہا الٰہی اگر یہ جھوٹی ہو تو اس کی آنکھیں اندھی کردے اور اسے اس کی زمین میں مار دے ۹؎ راوی نے فرمایا کہ وہ نہ مری حتی کہ اس کی آنکھیں جاتی رہیں اور جب کہ وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ وہ ایک گڑھے میں گر گئی مرگئی ۱۰؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں محمد ابن زید ابن عبداللہ ابن عمرو سے ۱۱؎ اس کے معنی مروی ہیں کہ انہوں نے اسے اندھا دیکھا جو دیواریں ٹٹولتی تھی کہ مجھے سعید کی دعا لگ گئی ۱۲؎ اور وہ اس کنویں پر گزری جو اس کے گھر میں تھا جس کے بارے میں اس نے سعید سے جھگڑا کیا تھا تو وہ اس میں گر گئی وہ ہی اس کی قبر بن گئی ۱۳؎	

۱؎ آپ حضرت زبیر ابن عوام کے بیٹے ہیں،تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،آپ کی والدہ اسماء ہیں یعنی عائشہ صدیقہ کی بہن،عبداللہ ابن زبیر کے بھائی ہیں،آپ ۲۲ھ بائیس میں پیدا ہوئے،قراء مدینہ میں سے تھے۔

۲؎ حضرت سعید عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر کے بہنوئی ہیں،بہت مقبول الدعاء تھے،آپ کی تلاوت سن کر حضرت عمر اولًا غصہ میں آئے پھر مسلمان ہو گئے،آپ سواء بدر کے تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ آپ کی بیوی تھیں،آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ ہوئی، ۵۱ھ اکیاون میں وفات پائی،مقام عقیق میں وفات ہوئی، وہاں سے مدینہ منورہ لائے گئے جنت بقیع میں دفن کیے گئے۔(اکمال)

۳؎ غالبًا اروئ تابعہ ہیں،آپ کے والد اوس ابن اوس صحابی ہیں،بعض نسخوں میں اروئ بنت اویس ہے۔

۴؎ مروان کی کنیت ابو عبدالملک ہے،قرشی اموی ہیں،حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دادا ہے،مروان حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوا مگر حضور کی زیارت نہ کرسکا لہذا تابعی ہیں کیونکہ حضور انور نے اس کے باپ حکم کو طائف کی طرف

نکال دیا تھا یہ اس کے ساتھ تھا،دمشق میں فوت ہوا ۶۵ھ میں مرا،اس سے بہت صحابی حتی کہ حضرت عثمان و علی اور عروہ ابن زبیر اور امام زین العابدین نے بھی اس سے احادیث لیں۔(اکمال)یہ امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔

۵؎ یعنی میری کچھ زمین حضرت سعید ابن زید نے غصب کرلی ہے مجھے واپس دلوائی جاوے۔

۶؎ یعنی یہ ناممکن ہے کہ میں صحابی رسول ہوکر اور زمین کے غصب کے متعلق سرکار کا فرمان عالی سن کر پھر کسی کی انچ بھر زمین غصب کروں۔

۷؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ آسمان کی طرح زمین بھی سات ہیں اور وہ سات زمینیں سات ملک نہیں بلکہ اوپر تلے تہ بہ تہ سات طبق ہیں ورنہ سات زمینیں ہنسلی بنا کر گلے میں ڈالنے کے کیا معنی،اس کی تائید اس آیت سے ہے"سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ"۔

۸؎ یہاں **بینه** سے مراد دلیل ہے نہ کہ گواہ کیونکہ حضرت سعید ابن زید مدعیٰ علیہ تھے،آپ پر گواہ لازم نہ تھے قسم ضروری تھی یعنی میں آپ سے قسم بھی نہ لوں گا بغیر قسم آپ کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں ایسا شخص کسی کی زمین غصب نہیں کرسکتا۔

۹؎ حضرت سعید نے یہ زمین اروی بنت اوس کے حوالے کردی اور یہ بددعا ساتھ میں دی کہ خدایا یہ زمین اگر اس کی نہ ہو تو اسے اندھا بھی کردے اور اس زمین میں اسے ہلاک بھی کردے جو میں نے اس کے حوالہ کی ہے۔(مرقات)ارضھا سے مراد ہے اس عورت کی یہ مقبوضہ زمین نہ کہ اس کی مملوکہ زمین۔

۱۰؎ اس زمین میں ایک کنواں تھا اس کنویں میں گر کر مری۔

۱۱؎ محمد ابن عبداللہ تابعی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی ہے ان سے احادیث لی ہیں۔

۱۲؎ یعنی اس عورت نے آج اقرار کرلیا کہ حضرت سعید سچے تھے میں جھوٹی اور ان کی بددعا سے مجھ پر یہ آفات آئی ہیں۔شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

تواں بہ حلق فرو بردن استخوان درشت ولے شکم بہ درد چوں بگیرد اندر ناف

ظلم کی چیز ایک سخت ہڈی ہے جو نگل لینے کے بعد پیٹ پھاڑ ڈالتی ہے۔

۱۳؎ اس سے بظاہر معلوم ہورہا ہے کہ اس کی نعش کنویں سے نکالی نہ جاسکی نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جاسکی نہ کفن دفن ہوسکا یہ ہے اللہ کے مقبول بندے کی بد دعا۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت ازدرحق بہر استقبال می آید

مظلوم کی بددعا قبولیت کے پاس نہیں جاتی بلکہ قبولیت اس کے پاس آتی ہے۔اس حدیث میں حضرت سعید کی کرامت کا ثبوت ہے کہ جو آپ کے منہ سے نکلا وہ ہوبہو پورا ہوا اسی لیے اسے بابِ کرامات میں لائے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ جناب عمر نے ایک

لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا جنہیں ساریہ کہا جاتا تھا ۱؎ تو جب کہ جناب عمر خطبہ پڑھ رہے تھے ۲؎ کہ اچانک چیخنے لگے اے ساریہ پہاڑ کو لو ۳؎ پھر لشکر سے ایک قاصد آیا بولا اے امیر المؤمنین ہم کو ہمارا دشمن ملا انہوں نے ہم کو بھگادیا تو کوئی چیخنے والا بولا اے ساریہ پہاڑ کو لو ہم نے اپنی پیٹھیں پہاڑ کی طرف لگالیں تب انہیں اللہ تعالٰی نے بھگادیا (بیہقی دلائل النبوۃ)	

۱؎ یہ لشکر مقام نہاوند میں بھیجا گیا تھا،نہاوند جنوبی ہمدان کے پہاڑوں کے پاس مشہور بستی ہے،ہمدان ملک فارس میں ہے،ان سردار کا نام حضرت ساریہ ابن زنیم ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی جمعہ کے دن نماز سے قبل خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے حضرت ساریہ کو پکارا دوران خطبہ خطیب لوگوں سے کلام دنیاوی بھی کرسکتا ہے اور یہ کلام تو خالص دینی تھا کہ جہاد میں مدد فرمانا مقصود تھا۔

۳؎ حضرت ساریہ نہاوند میں جہاد کررہے تھے کفار نے اپنی فوج کا کچھ حصہ پہاڑ کے پیچھے کرلیا تاکہ وہ پہاڑ کے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کردیں انہیں گھیرے میں لے رہے تھے،حضرت ساریہ اس سازش سے بے خبر تھے،مدینہ منورہ سے حضرت عمر نے انہیں پکارا کہ اے ساریہ پہاڑ کو دیکھو یا یہ مطلب ہے کہ اے ساریہ پہاڑ کو اپنی پناہ بنا کر لڑو تاکہ تم پر پیچھے سے حملہ نہ ہوسکے،حضرت ساریہ اس ہدایت سے سنبھل گئے رب نے فتح دی۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ والے دور کو نزدیک کی طرح دیکھ لیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ اپنی آواز دور تک پہنچادیتے ہیں۔تیسرے یہ اللہ والے دور سے مدد کرتے ہیں۔حضرت آصف ابن برخیا کا واقعہ تو قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آپ ایک آن میں ملک یمن کے شہر سبا سے تخت بلقیس فلسطین میں دربار سلیمانی میں اٹھا لائے"اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ"۔آج سائنس نے یہ سارے کام کرکے دکھادیئے تو کیا نوری قوت ناری طاقت سے کم ہے،ابھی حال میں روس نے ایک راکٹ میں کتیا بٹھا کر فضا آسمانی میں بھیجی وہ بتیس ہزار میل بلند فضا میں راکٹ میں اڑ رہی تھی اور روس کا محکمہ اطلاعات طاس برخبر دے رہا تھا کہ اب کتیا سورہی ہے اب کھارہی ہے اب بھونک رہی ہے،اب اس کے خون کا دباؤ کتنا ہے،اب اس کا علاج یہاں سے کیا جارہا ہے پھر خبر دی کہ آج وہ کتیا مرگئی اس کتیا کا نام لائیکا تھا۔اخبارات میں یہ خبر برابر شائع ہوتی رہیں ریڈیو بولتا رہا سارے توحید پرست اس پر ایمان لاتے رہے کسی نے اس پر شرک کا فتویٰ نہ دیا۔

روایت ہے حضرت جناب نبیہہ ابن وہب سے ۱؎ کہ کعب حضرت عائشہ کی خدمت میں آئے ۲؎ سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو جناب کعب بولے نہیں ہے کوئی دن مگر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں حتی کہ رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں۳؎ اپنے پر بچھادیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے رہتے ہیں ۴؎ حتی کہ جب شام پاتے ہیں تو وہ چڑھ جاتے ہیں اور ان کی مثل اترتے ہیں وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں ۵؎ حتی کہ جب حضور سے زمین کھلے گی تو حضور ستر ہزار فرشتوں میں نکلے گے جو حضور کو پہنچائیں گے۶؎(دارمی)

۱؎ حضرت نبیہہ تصغیر سے تابعی ہیں،شیبہ ابن عثمان حجبی کے بھتیجے ہیں،بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے۔

۲؎ کعب احبار یہود کے بڑے عالم ہیں،آپ کا نام کعب ابن مانع ہے،کنیت ابو اسحٰق،آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر اس وقت نہ ایمان لائے نہ حضور سے ملے،عہدِ فاروقی میں ایمان لائے اور عہدِ عثمانی میں مقام حمص میں وفات پائی، ۳۲ھ ہجری میں وہاں ہی آپ کی قبر ہے۔(مرقات)

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ ملائکہ کی یہ حاضری اور ان کی ڈیوٹیوں کی یہ تبدیلی حضرت کعب نے اپنی آنکھوں سے بطور کشف ملاحظہ کی اس لیے یہ حدیث باب الکرامات میں لائی گئی۔اگر توریت سے دیکھ کر آپ یہ کہتے تو یہ حدیث باب الکرامات میں نہ لائی جاتی۔(اشعہ)

۴؎ خیال رہے کہ ہمیشہ سارے فرشتے ہی حضور پر درود بھیجتے ہیں"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ"مگر یہ ستر ہزار فرشتے وہ ہیں جن کو عمر میں ایک بار حاضری دربار کی اجازت ہوتی ہے یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت حاصل کرنے کو حاضری دیتے ہیں۔

۵؎ معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار دار ؎ مجرم پڑے رہیں تو رضا عمر بھر کی ہے

جو فرشتہ ایک بار حاضری دے جاتا ہے اسے دوبارہ حاضری کا شرف نہیں ملتاساری عمر میں صرف چند گھنٹے یعنی آدھا دن کی حاضری نصیب ہوتی ہے۔

۶؎ **یزفون** بنا ہے زف سے،زف کے معنی ہیں محبوب کو محبوب تک پہنچانا اسی سے ہے **زفاف**(رخصتی)کہ اس میں دولہا کو دولہن کے گھر تک پہنچایا جاتا ہے یعنی قیامت کے اس دن کی ڈیوٹی والے فرشتے حضور کو اپنی جھرمٹ میں لے کر رب تعالٰی تک پہنچائیں گے دولہا کی طرح۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت کعب احبار نے یہ بات گزشتہ آسمانی کتب سے دیکھ کر فرمائی ہے،چونکہ اس میں حضور کا احترام و اکرام ہے لہذا اسے باب الکرامات میں لائے،**کرامت** بمعنی عزت و عظمت۔(مرقات)ممکن ہے کہ یہ فرمان حضرت کعب کا انکشاف بھی ہو اور گزشتہ کتب سے ثابت بھی۔

باب

باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں دو قسم کے مضامین ہوں گے:حضرات صحابہ کرام کی ہجرت مدینہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے مقدمات اس لیے صرف باب کہا کہ اس کا مضمون ایک نہیں چند ہیں۔خیال رہے کہ حضور انور ماہ صفر کے آخری تاریخوں میں شنبہ کے دن درد سر بخار سے بیمار ہوئے سترہ دن بیمار رہے،بارھویں ربیع الاول دو شنبہ کو وفات ہوئی،بدھ کو دفن ہوئے،زمانہ مرض میں چالیس غلام آزاد کیے،آخری دن میں مسجد تشریف نہ لائے،حضرت صدیق اکبر کو اپنی جگہ امام مقرر کیاصرف ایک نماز میں تشریف لائے جس کے بعد خطبہ فرمایا،بعد وفات حضرت ابوبکر صدیق کی ہدایت پر ازواج پاک اور علی مرتضی نے غسل دیا(ترمذی)بعد غسل آنکھ کے کوئے شریف میں پانی کا قطرہ رہ گیاوہ حضرت علی نے چاٹ لیا تھا جس سے آپ کا حافظہ بہت ہی قوی ہوگیا،آپ کی قبر انور میں آپ کے غلام شقران نے آپ کا کمبل بچھادیا،قبر انور لحد یعنی بغلی تھی جسے نو اینٹوں سے بند کیا گیا۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت براء سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے جو پہلے ہمارے پاس پہنچے وہ مصعب ابن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے وہ دونوں ہم کو قرآن پڑھانے لگے ۲؎پھر جناب عمار و بلال اور سعد آگئے پھر حضرت عمر ابن خطاب بیس صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں آپہنچے ۳؎پھر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لائے ۴؎تو میں نے مدینہ والوں کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی چیز سے خوش ہوئے جیساکہ حضور کی تشریف آوری سے خوش ہوئے حتی کہ میں نے بچیوں اور بچوں کو کہتے سنا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ۵؎پھر آپ نہ آئے حتی کہ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى"ان جیسی مفصل کی سورتوں کے درمیان میں پڑھ چکا تھا ۶؎(بخاری)	

۱؎ براء ابن عازب مشہور انصاری صحابی ہیں،پہلے آپ غزوہ خندق میں شریک ہوئے اس سے پہلے بچہ تھے،حضرت علی کے ساتھ جنگ جمل و صفین میں شریک ہوئے عبداللہ ابن زبیر کی خلافت میں کوفہ میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ ان دونوں حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کی عرض معروض پر مدینہ منورہ بھیجا تاکہ یہ دونوں انصار کو قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دیں،اولًا مدینہ منورہ میں یہ دونوں حضرات آئے۔(اشعہ)

۳؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پاک تشریف لے جانے سے پہلے پچیس صحابہ مدینہ منورہ ہجرت کرکے پہنچ چکے تھے اسلام وہاں پھیل چکا تھا۔

۴؎ حضور انور جناب ابو بکر صدیق کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرکے پہنچے دن دو شنبہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ نبوت کے تیرھویں سال۔

۵؎ مسلم شریف باب حدیث الهجرت میں ہے کہ اس دن بچیاں بچے مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں یہ کہتے پھرتے تھے یا محمد یارسول اللہ اور چھتوں پر عورتیں وغیرہا اس جلوس کا نظارہ کرتی تھیں مگر یہ روایت مسلم کی اس روایت کے خلاف نہیں بعض بچے یہ کہتے تھے اور بعض دوسرے بچے جلوس نکالتے تھے،یا اولًا یہ کہا بعد میں جلوس نکالا اور وہ کلمات کہے۔

۶؎ یعنی حضورانور کے مدینہ منورہ تشریف لانے تک ان آنے والے صحابہ کرام سے سورۂ اعلیٰ اور اس جیسی دوسری سورتیں اوساط مفصل کی سیکھ چکا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ اعلیٰ مکیہ ہے مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس سورہ کے آخر میں ہے"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى"یہاں تزکی سے مراد ہے صدقہ فطر ادا کرنا اور صلی سے مراد ہے نماز عید پڑھنا۔صدقہ فطر اور نماز عید دونوں ۲ھ ہجری میں آئیں پھر یہ سورت مکیہ کیسے ہوئی اس لیے بعض نے فرمایا کہ ساری سورۂ اعلیٰ تو مکیہ ہے مگر یہ آیت مَدَنِیہ ہے مگر حق یہ ہے کہ پوری سورۂ اعلیٰ مکیہ ہے اس آیت میں نماز عید اور فطرہ کی ترغیب ہے جو مکہ معظّمہ میں دی گئی اس پر عمل بعد ہجرت ہوا۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ یہاں تزکی سے مراد تزکیہ نفس دل کی صفائی ہو اور صلی سے مراد نماز پنجگانہ ہو اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۱؎ تو فرمایا کہ ایک بندے کو اللہ نے اس کا اختیار دیا کہ اسے دنیا کی ترو تازگی اتنی عطا کرے جتنی وہ چاہے اور وہ نعمتیں جو اس کے پاس ہیں ۲؎ تو اس بندے نے اللہ کے پاس کی نعمتیں اختیار کرلیں ۳؎ حضرت ابو بکر رونے لگے عرض کیا آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ۴؎ ہم نے ان پر تعجب کیا لوگ بولے ان بزرگ کو تو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم تو اس بندے کے متعلق خبر دے رہے ہیں جسے اللہ نے اختیار دیا کہ اسے دنیا کی سرسبزی دے اور وہ جو اس کے پاس ہے وہ دے اور آپ کہتے ہیں کہ آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۵ پھر پتہ لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اختیار دیئے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق ہم سب میں زیادہ علم والے تھے۶ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ مرض وفات میں وفات شریف سے پانچ دن پہلے ہوا۔(اشعہ،مرقات)یعنی جمعرات کے دن اور پیر کے دن وفات شریف ہوئی۔

۲؎ یعنی ان بندہ کو رب نے اختیار دیا کہ یا تووہ دنیا میں بہت دراز عمر اور ہر طرح کا عیش و آرام قبول کریں یا رب تعالٰی کی ملاقات اور آخرت کی نعمتیں اختیار کریں جو ان کی مرضی ہو وہ ہی رب کی طرف سے عطا ہو۔

۳؎ یعنی ان بندے نے دنیا کو چھوڑ دیاآخرت اور وہاں کی نعمتیں اعلٰی بھی ہیں اور غیر فانی بھی۔(مرقات)

۴؎ یعنی یارسول اللہ اگر آپ میرے اور میرے ماں باپ کے فدا ہوجانے سے دنیا میں رہنا قبول فرمالیں تو مجھے فدا ہونے قربان ہونے میں کوئی تأمل نہ ہو،میں مع اپنے ماں باپ کے آپ پر قربان ہوجاؤں آپ یہاں سے نہ جاویں۔(مرقات)

۵؎ یعنی حضور انور نے کوئی رونے والی بات فرمائی نہیں حضرت صدیق اکبر روئے کیوں اور فدا ہوجانے پر تیار کیوں ہوئے حضور تو کسی بندے کاایک واقعہ بیان فرمارہے ہیں اس میں رونے اور فدا ہونے کی کیا بات ہے یہ ہماری سمجھ میں نہ آیا۔

۶؎ یعنی جب پانچ دن کے بعد حضور انور کی وفات ہوئی تب ہم کو پتہ لگا کہ حضور انور نے یہ واقعہ اپنا بیان فرمایا،ایک بندہ سے مراد اپنی ذات مبارکہ تھی یہ راز سوائے حضرت ابوبکر کے کوئی نہ سمجھا اس لیے آپ روئے اور یہ کلمات فرمائے۔معلوم ہوا کہ جناب صدیق اکبر تمام صحابہ اور اہلِ بیت سے بڑے عالم بہت ذکی و فہیم اور سب سے زیادہ مزاج شناس رسول تھے رضی اللہ عنہ اسی لیے حضور انور نے اپنے مصلے پر آپ کو کھڑا کیا امام وہ ہی بنایا جاتا ہے جو سب سے بڑا عالم ہو،سارے صحابہ میں آپ سب سے بڑے عالم تھے۔ہم نے عرض کیا ہے۔

علم میں فضل میں بے شبہ تو سب سے افضل   اس امامت سے ترے کھل گئے جوہر صدیق
اس امامت سے کھلا تم ہو امام اکبر   تھی یہ ہی رمز نبی کہتے ہیں حیدر صدیق

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر آٹھ سال کے بعد نماز پڑھی۱؎ زندوں مردوں کو رخصت فرمانے والوں کی طرح ۲؎ پھر آپ منبر پر چڑھے فرمایا کہ میں تمہارے آگے پیشرو ہوں۳؎ اور میں تمہارا نگران گواہ ہوں۴؎ اور تمہارے وعدہ کی جگہ حوض ہے ۵؎ اور میں اسے اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۶؎ اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی	

گئیں ۷ میں تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے ۸ لیکن میں تم پر دنیا کا خوف کرتا ہوں کہ تم اس میں رغبت کر جاؤ اور بعض نے یہ زیادتی کی پھر تم جنگ کرو تو اسی طرح ہلاک ہوجاؤ جیسے تم سے پہلے والے ہلاک ہوئے ۹ (مسلم،بخاری)	

۱؎ شوافع کہتے ہیں کہ یہاں صلوۃ سے مراد دعاء مغفرت ہے نہ کہ نماز جنازہ،ان کے ہاں شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی مگر یہ بات قوی نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء احد کی زیارت کرتے اور انکے لیے دعاء مغفرت فرماتے تھے پھر اس دعا کا ذکر خصوصیت سے کیوں ہوا اللھم الا ان یقال کہ یہ دعاء خصوصی تھی۔یعنی دعاء وداع جس میں وداعیہ کلمات تھے۔ہمارا قوی جواب یہ ہے کہ حضور انور نے شہداء احد کی آج نماز جنازہ پڑھی آٹھ سال بعد نماز جنازہ پڑھنا حضور انور کی خصوصیت ہے،بعض روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ یہ نماز جنازہ تھی لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ شہید پر نماز جنازہ پڑھی جاوے گی اس کی مفصل بحث صلوۃ جنازہ میں گزرچکی۔

۲؎ یعنی اس دعا یا نماز جنازہ سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور زندہ اور مردہ مسلمانوں کو وداع فرمارہے ہیں،زندوں کو اس لیے کہ اب وفات کا وقت قریب ہے لوگ اب حضور کی زیارت نہ کر سکیں گے،مردوں کو اس لیے کہ اب مردوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں وغیرہ بند ہونے والی ہیں یہ واقعہ مرض وفات شروع ہونے سے پہلے ہوا۔

۳؎ فرط بمعنی فارط ہے جیسے تبع بمعنی تابع۔فرط وہ شخص ہے جو کسی جماعت سے آگے منزل پر پہنچ کر ان کے طعام قیام وغیرہ تمام ضروریات کا انتظام کرے جس سے وہ جماعت آکر ہر طرح آرام پائے۔مطلب یہ ہے کہ میں تم سے پہلے جارہا ہوں تاکہ تمہاری شفاعت تمہاری نجات تمہاری ہر طرح کارسازی کروں،تم میں سے جو بھی ایمان پر فوت ہوگا وہ میرے پاس میری حفاظت میرے انتظام میں اس طرح آوے گا جیسے مسافر اپنے گھر آتا ہے بھرے گھر میں۔(از اشعہ)مؤمن مرتے ہی حضور کی پاس پہنچتا ہے بلکہ بعض مؤمنوں کی جانکنی کے وقت حضور انور انہیں لینے تشریف لاتے ہیں جیساکہ امام بخاری کا واقعہ ہوا اور بہت مرنے والوں سے سنا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگئے۔خیال رہے کہ چھوٹے فوت شدہ بچوں کو بھی فرط فرمایا گیا ہے مگر وہ فرط ناقص ہیں حضور انور فرط کامل یعنی ہر طرح کے منتظم،نیز ایدیکم میں خطاب ساری امت سے ہے نہ کہ صحابہ کرام سے حضور اپنی امت کے دائمی منتظم ہیں۔

۴؎ اس کی تائید اس آیت سے ہے"وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"شہید بمعنی نگران گواہ ہے نہ کہ فقط گواہ ورنہ علیٰ نہ آتا بلکہ لام آتا۔شہادت کے ساتھ اگر علیٰ ہو تو خلاف گواہی مراد ہوتی ہے یعنی اے مسلمانوں میں تمہارے ایمان،اعمال قلبی حالات کا علیم و خبیر و حفیظ و نگراں ہوں،تم سب کے ایمان کی نبض پر میرا ہاتھ ہے،مجھے ہر شخص کے ایمان اور درجہ ایمان کی ہر وقت خبر ہے۔اس کی نہایت لذیذ و نفیس تفسیر ہماری تفسیر نعیمی پارہ دوم کے شروع میں ملاحظہ کرو۔

۵؎ یعنی میں نے جس شفاعت خاصہ کا تم سے وعدہ کیا ہے وہ شفاعت حوض کوثر پر کروں گا۔(مرقات) یا قیامت میں میری تمہاری خصوصی ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔(اشعہ)اس صورت میں یہاں خصوصی ملاقات مراد ہے ورنہ حضور کی ملاقات حضور کا دیدار تو مؤمن کو قبر میں ہی نصیب ہوتاہے پھر قیامت میں بہت جگہ دیدار ہوگا،بعض لوگ بعد وفات تاقیامت حضور ہی کے پاس رہتے ہیں **اللھم اجعلنا منھم**۔

٦؎ یہ ہے حضور کا حاضروناظر ہونا کہ مدینہ منورہ میں کھڑے ہوئے اس حوض کوثر کو دیکھ رہے ہیں جو جنت میں ہے اور جنت ساتوں آسمان سے اوپر ہے ،جس کی نگاہ مدینہ سے جنت تک کو دیکھ سکتی ہے اس کی نظر ساری روئے زمین کو یہاں کے رہنے والوں کو بھی دیکھ سکتی ہے کیونکہ زمین حوض کوثر سے قریب ہے۔

۷؎ اس طرح کہ مجھے زمین کے تمام خزانوں کا مالک مختار قاسم بنایا جسے جو ملے گا ہماری عطا سے ملے گا۔فرماتے ہیں **اللہ المعطی وانا قاسم**۔اشعہ نے فرمایا کہ یہ تو ظاہری خزانوں کا حال ہے رہے باطنی خزانے سو آسمان و زمین ملک و ملکوت کی چابیاں حضور کو عطا ہوئیں۔

سرکار کیا مالک و مختار بنایا	دی کنجی تمہیں اپنے خزانوں کی خدا نے

۸؎ یعنی مجھے یہ خطرہ نہیں کہ تم سارے یا تم عمومًا کافر ہو جاؤ لہذا یہ فرمان عالی اس کے خلاف نہیں کہ حضور انور کے بعد چند لوگ مرتد ہوگئے۔(مرقات)

۹؎ امام نووی نے فرمایا کہ اس میں حضور کے بہت سے معجزات کا ذکر ہے کہ حضور انور نے بہت سی غیبی خبریں دیں جو ہوبہو پوری ہوئیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ مجھ پر اللہ کی نعمتوں میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں اور میرے دن میں اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان وفات پائی۱؎ اور اللہ نے میرے تھوک اور آپ کے تھوک کو حضور کی وفات کے وقت جمع فرمایا ۲؎ کہ میرے پاس عبدالرحمن ابن ابوبکر صدیق آئے کہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ دیئے بیٹھی تھی میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ عبدالرحمن کی طرف دیکھ رہے ہیں۳؎ میں پہچان گئی کہ آپ مسواک چاہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ کیا میں اسے آپ کے لیے لے دوں تو آپ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۴؎ تو میں نے وہ لے لی آپ پر مسواک سخت ہوئی میں نے کہا کہ کیا اسے آپ کے لیے نرم کردوں تو سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں ۵؎ چنانچہ میں نے نرم

کردی تو حضور نے اسے اپنے دانتوں پر پھیرااور آپ کے سامنے برتن تھا جس میں پانی تھاپھر آپ اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے پھر انہیں منہ پر پھیرنے لگے ۶؎ فرماتے تھے کہ اللّٰہ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی بہت سختیاں ہیں ۷؎ پھر اپنا ہاتھ کھڑا کیا پھر فرمانے لگے کہ اوپر والے ساتھیوں میں حتی کہ جان شریف قبض کرلی گئی اور آپ کا ہاتھ جھک گیا ۸؎(بخاری)

۱؎ اس طرح کہ وفات شریف کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے سینہ پر تکیہ لگائے تھے اس وقت آپ کا سینہ عرش اعظم سے افضل تھا۔

جس کا پہلو ہو نبی کی آخری آرمگاہ　　　　جن کے حجرہ میں قیامت تک نبی ہیں جاگزیں

۲؎ یہ ام المؤمنین پر رب تعالٰی کا دوسرا احسان عظیم ہے کہ آخری فیض حضور انور کا انہیں اس طرح نصیب ہوا۔اس وقت آپ وہ عبادات کررہی تھیں جو عرش و فرش میں کسی کو میسر نہ تھی۔خیال رہے کہ جیسے حضور انور کی نظر سے نظر ملنا حضور کے ہاتھ سے ہاتھ ملنا،حضور کے قدم سے کسی کا سر ملنا اللہ کی بڑی نعمت ہے یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب سے لعاب ملنا بھی اس کی بڑی نعمت بلکہ یہ آخری نعمت اور خاص کر اس آخری وقت میں جب کہ حضور کے ظاہر فیوض بظاہر ختم ہورہے تھے صرف حضرت ام المؤمنین ہی کو نصیب ہوئی۔

۳؎ یا تو عبدالرحمٰن کو دیکھ رہے ہیں یا انکے ہاتھ کی مسواک کو اور یہ دیکھنا محبت کی نگاہ سے ہے۔

۴؎ یہ حیات شریف کی آخری ساعتیں تھیں اس وقت نقاہت بہت زیادہ ہوگئی تھی اس لیے زبان شریف سے ہاں نہیں فرمایا بلکہ سر مبارک کی ہلکی سی جنبش سے اشارہ فرمایا۔

۵؎ یعنی مسواک نئی تھی سخت تھی اسے آپ اپنے منہ سے چباکر نرم نہ کرسکے۔خیال رہے کہ مقبولین بارگاہ پر یہ کمزوری بدنی ہوتی ہے روحانی نہیں روح ان کی بہت قوی ہوتی ہے لہٰذا یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ خود اتنے کمزور ہوجاتے ہیں تو بعد وفات کسی کی مدد کیا کریں گے۔

۶؎ جانکنی کے وقت حرارت اور تپش بہت ہوتی ہے اس لیے اس وقت میت کو پانی پلایا بھی جاتا ہے اور وضو بھی کرایا جاتا ہے کہ پانی کی ٹھنڈک سے تسکین ہوتی ہے،حضور انور کا اپنے منہ پر پانی پھیرنا اس میں بھی امت کو اس عمل کی تعلیم ہے۔

۷؎ سکرات جمع ہے سکرۃ کی بمعنی غشی،نشہ۔موت کی سختی کو سکرۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے مرنے والے کو غش پر غش آتے ہیں،چونکہ موت کی سختی کئی قسم کی ہوتی ہے اسلیے سکرات جمع ارشاد ہوا۔بدن کی رگ رگ سے جان کا نکلنا آسان نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سختی ساری امت کے لیے تسکین خاطر کا باعث ہے کہ کوئی شخص اس سختی سے گھبرا نہ جاوے اپنے نبی کی سکرات کو پیش نظر رکھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا بے چین دلوں کا چین ہے،اس موقعہ پر لا الہ الا اللہ فرمانا بھی تسکین دل کے لیے ہے اللہ کے ذکر سے چین آتا ہے "اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ

تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ"یہ کلمات اس قدر آہستہ کہے ہوں گے صرف ام المؤمنین کان لگا کر سن سکیں۔اللہ کے مقبول بندے بعض حالات میں دنیاوی باتیں نہیں کرسکتے مگر ذکر اللہ کرتے ہیں جیسے زکریا علیہ السلام ایک موقع پر تین دن تک کسی سے کلام نہ کرسکے مگر ذکر اللہ کرتے رہے اسی طرح حضور انور نے اس وقت مسواک زبان سے نہ مانگی مگر یہ ذکر کے الفاظ زبان سے ادا کیے۔

۸؎ رفیق بنا ہے رفق سے بمعنی نرمی یا بمعنی قرب.یہ ایک اور جماعت سب پر بولا جاتا ہے جیسے صدیق یا خلیط.اس سے مراد یا تو جماعت ملائکہ ہے یا جماعت انبیاء کرام یا رب تعالٰی کی ذات،حدیث شریف میں ہے **اللہ رفیق یحب الرفق**،یا اس سے مراد ہے جنت کیونکہ وہ رفق یعنی نرمی کی جگہ ہے غرضکہ اس میں بہت احتمال ہیں۔(مرقات،اشعہ)ہاتھ شریف کے گود میں گر جانے پر جناب ام المؤمنین کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں بیمار ہوتے کوئی نبی مگر انہیں دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے ۱؎ اور آپ اپنے اس مرض میں تھے جس میں وفات دیئے گئے تو آپ کو سخت خراٹے نے پکڑ لیا ۲؎ میں نے آپ کو کہتے سنا کہ ان لوگوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین،شہداء اور صالحین کے ساتھ ۳؎ تو میں نے جان لیا کہ آپ کو اختیار دے دیا گیا ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ساری مخلوق کی موت اضطراری ہوتی ہے مگر حضرت انبیاءکرام کی وفات اختیاری کہ پہلے انہیں رب کی طرف سے اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہیں تو دنیا ہی میں رہیں چاہیں تو ہمارے پاس آجاویں،جو کہتے ہیں کہ نبی ہماری طرح ہوتے ہیں وہ اس حدیث میں غور کریں،وہ حضرات زندگی و موت اور ان کے ہر شعبہ میں دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

۲؎ بحۃ ب کے پیش ح کے شد سے بمعنی کھانسی یا خراٹہ یا غرغرہ یعنی گہری سانس جو تکلیف سے لی جاوے جسے اردو میں سلگی کہتے ہیں یعنی آخری سانس۔

۳؎ یعنی خدایا اب میں دنیا میں رہنا نہیں چاہتا میں تیرے ان مقبول بندوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں،یا اللہ ہم گنہگاروں کو بھی ان مقبولوں کی ہمراہی نصیب فرما۔

گر محمد کا ساتھ ہوجائے   پھر تو سمجھو نجات ہوجائے

۴؎ یعنی رب العالمین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے منہ موڑ کر ان حضرات کی ہمراہی قبول فرمالی،اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام رب کے فرمان کا جواب ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سخت ہوگئی تو آپ پر بے چینی چھانے لگی ۱؎ جناب فاطمہ بولی ہائے اباجان کی تکلیف ۲؎ تو فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے باپ کو تکلیف اب کبھی نہ ہوگی ۳؎ پھر جب وفات پائی تو فاطمہ بولیں ہائے ابا جان آپ نے اپنے رب کا بلاوا قبول کرلیا ۴؎ ہائے ابا جان آپ کا مقام تو جنت الفردوس ہوگیا ہائے ابا جان ہم جبریل کو تعزیت دیتے ۵؎ پھر جب دفن کیے گئےتو جناب فاطمہ بولیں کہ اے انس کیا تمہارے دلوں نے گوارہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مٹی ڈالو ۶؎ (بخاری)	

۱؎ کرب سے مراد یا شدت مرض ہے یا بے چینی یا سخت تکلیف جس سے غشی آجاوے۔

۲؎ یعنی اب میں کیا کروں آپ کی تکلیف مجھ سے دیکھی نہیں جاتی دفع کرنے یا اپنے پر لینے سے مجبور ہوں۔

۳؎ یعنی اے بیٹی تیرے باپ پر بس یہ آخری تکلیف ہےاس کے بعد کبھی تکلیف نہ ہوگی کیونکہ اب میں دار التکلیف سے رخصت ہورہا ہوں وہاں جارہا ہوں جہاں راحت ہی راحت ہے۔

۴؎ یعنی ابا جان آپ نے ہم کو بے کس چھوڑ دیااپنے رب کا بلاوا قبول کرلیا اب میں کہاں جاؤں کسے ابا کہہ کر پکاروں تم نے مجھے کس پر چھوڑا۔

۵؎ یعنی آپ تو جنت کو سدھار گئے ہم کو یہاں تڑپتا چھوڑ گئے،ہم حضرت جبریل کو آپ کی خبر وفات سنائیں جن کا اب زمین پر آنا وحی لانا ختم ہوگیا۔

۶؎ یعنی اے انس تم نے کن ہاتھوں اور کس دل سے حضور انور پر قبر کی مٹی ڈالی اورتم نے کیسے اس چاند کو قبر میں چھپایاتم سے یہ کیسے برداشت ہوا۔خیال رہے کہ سیدہ کے یہ الفاظ نہ تو نوحہ ہیں نہ بے صبری بلکہ حضور کے فراق پر بے چینی ہے جو بذات خود عبادت ہے۔ نوحہ یہ ہے کہ میت کے ایسے اوصاف بیان کیے جاویں جو اس میں نہ ہوں اور پیٹا جاوے۔بے صبری یہ ہے کہ رب تعالٰی کی شکایت کی جاوے،جناب سیدہ ان دونوں سے محفوظ ہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ دنیا میں پانچ حضرات بہت روئے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام فراق جنت میں،حضرت نوح علیہ السلام و یحیٰی علیہ السلام خوف خدا میں،حضرت فاطمہ زہرا فراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں،حضرت امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد حضرت حسین کی پیاس یاد کرکے۔جناب سیدہ زینب فرماتی تھیں۔

صبت علی مصائب لوانھا   صبت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر روز روشن پر پڑتیں تو وہ شب تاریک بن جاتی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو حبشی بچے اپنے نیزوں سے کھیلتے تھے آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں ۱؎(ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ میں نے کوئی دن نہ برااور نہ بہت تاریک دیکھا اس دن سے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ۲؎اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب وہ دن تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو مدینہ کی ہر چیز چمک گئی ۳؎پھر جب وہ دن ہوا جس میں حضور نے وفات پائی تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور ہم نے مٹی سے اپنے ہاتھ نہ جھاڑے حالانکہ ہم حضور کے دفن میں مشغول تھے حتی کہ ہم نے اپنے دلوں کو غیر پایا ۴؎	

۱؎حراب چھوٹا نیزہ،بعض روایات میں **بحناجرھم** ہے یعنی حضور انور کی تشریف آوری کی خوشی میں مدینہ منورہ میں رہنے والے حبشی لوگ نیز ہ بازی یا خنجر بازی کرنے لگے کہ نیزے یا خنجروں کو لے کر یہ لوگ ناچتے کودتے تھے اپنے کرتب دکھاتے تھے۔معلوم ہوا کہ خوشی میں بچوں کا گانابجانا،کھیل کود کرنا جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے۔عیدمیلاد کے موقعہ پر جلوس نکالنااور جلوس کے آگے تلوار نیزہ گتکہ پٹا وغیرہ لےکر کرتب دکھانا سب جائز ہے۔جس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کی جائےدرست ہے۔اس موقع پر بنی نجار کی بچیاں بھی دف بجاتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے گاتی تھیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں شریک ہونا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

۲؎یہ عبارت بالکل ظاہری معنی پر ہےاس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔واقعی اس دن سورج نکلا تھادھوپ بھی تھی مگر سورج میں بھی تاریکی اور سیاہی تھی اور دھوپ میں بھی وفات شریف کا اثر ہر درودیوار پر ظاہر تھا۔یہ غلط احساس نہ تھا کیوں نہ ہوتا کہ یہ فراق رسول کا دن ہے جیسے شہادت امام حسین کے روز سارا دن سرخ خونی رنگ تھا اورجو پتھر وغیرہ اٹھایا گیا اس کے نیچے خون نمودار ہوا۔

۳؎ یہ چمک دھوپ سے نہ تھی بلکہ قدرتی نورانیت تھی جو بیان میں نہیں آسکتی صرف دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے جیسے قیامت میں نورانی چمک ہوگی،رب فرماتاہے:"وَ اَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا"۔آج بھی بعض اہلِ بصر باخبر حضرات کو کبھی یہ تجلی ربیع الاول کی بارھویں تاریخ دن میں بلکہ رات میں بھی اور شبِ قدر میں نظر آتی ہے۔فرق یہ ہے کہ اس دن وہ تجلی سب کو نظر آتی تھی اب کسی قسمت والے کو نظر آتی ہے،یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ چمک محسوس تھی۔

۴؎ یعنی ابھی ہم حضور انور کے دفن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے دلوں میں وہ نورانیت،صفائی،نرمی رغبت الی اللہ نہ رہی جو کہ حضور کی حیات شریف میں تھی کیونکہ اب وحی آنا بند ہوگئی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا مشاہدہ ختم ہوگیا،تعلیم و تائید ظاہری انتہاء کو پہنچ گئی۔(مرقات و اشعہ)غرضکہ ایمانی حالت تصدیق میں فرق آنا مراد نہیں۔خیال رہے کہ حضور سب کچھ دے گئے مگر اپنا دیدار ساتھ لے گئے جس سے لوگ صحابی بنتے تھے اس لیے تاقیامت حاجی،قاری،قاضی نمازی بنتے رہیں گے مگر صحابی نہ بنیں گے کیونکہ صحابی بنانے والی چیز تو قبر انور میں چھپ گئی۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا　　　خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا

ہم خواب میں دیدار کو بھی ترس گئے

تم آتے خواب میں ہم پتلیاں تلووں سے مل لیتے　　　ہم اپنی سوئی قسمت کو جگاتے اپنی آنکھوں سے

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کے دفن میں لوگوں نے اختلاف کیا۱؎ تو ابوبکر صدیق نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ۲؎ کہ اللہ نے کسی نبی کو وفات نہیں دی مگر اس جگہ جہاں ان کا دفن کیا جانا پسند تھا۳؎ حضور کو آپ کے بستر کی جگہ میں ہی دفن کرو ۴؎(ترمذی) ۵؎	

۱؎ چنانچہ بعض صحابہ نے کہا کہ حضور کو مکہ معظمہ میں دفن کیا جاوے،بعض نے کہا بیت المقدس میں جہاں حضرات انبیاءکرام سورہے ہیں،بعض نے کہا کہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں(اشعہ و مرقات)بلکہ بعض نے کہا کہ حضور انور کو دفن کیا ہی نہ جاوے(مرقات)تاکہ تاقیامت لوگ اس چاند کا دیدار کرتے رہیں۔

۲؎ صحابہ نے پہلے تو حضرت صدیق اکبر سے پوچھا کہ کیا حضور انور کو دفن کیا جاوے گا فرمایا ہاں،پھر پوچھا کہ کہاں،فرمایا وہاں ہی جہاں وفات ہوئی ہے۔(شمائل مرقات)

۳؎ یعنی جس جگہ اللہ تعالٰی کو یا ان رسول کو دفن ہونا پسند تھا وہاں ہی ان کو وفات دی گئی لہذا رب کو یہی پسند ہے کہ حضور انور حضرت عائشہ کے حجرہ میں دفن ہوں تاکہ آپ سے جگہ کو عزت ملے کسی جگہ سے آپکو عزت نہ ملے۔خیال رہے کہ حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ مجھے فلسطین پہنچاکر وفات دی جاوے چنانچہ وہاں ہی آپ کی وفات اور آپ کا دفن واقع ہوئے۔یوسف علیہ السلام اولًا مصر میں دفن ہوئے اپنی جائے وفات میں،پھر چار سو برس کے بعد آپ

کا تابوت فلسطین لایا گیا۔یعقوب علیہ السلام زندگی شریف میں فلسطین پہنچے پھر وہاں وفات پاکر دفن ہوئے لہذا ان واقعات سے اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ یہ حضرات اپنی وفات کی جگہ دفن نہ ہوئے یا یہ کہو کہ نبی جس جگہ وفات پائیں اس جگہ انکا دفن ہونا بہتر ہے،اگر اور جگہ دفن کردیئے جائیں تو بہتر نہ ہوگا غرضکہ یہاں ذکر بہتری کا ہے نہ کہ واقع کا۔

۴؎ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ حضور انور اپنے گھر میں دفن ہوئے کیونکہ آپ کا گھر آپ کی وفات کے بعد کسی وارث کی ملک نہ بنا بلکہ وقف ہوگیا اور وقف میں قبر بنائی جاسکتی ہے،پھر حضرت صدیق و فاروق اس وقف شدہ جگہ میں حضور کے پہلو میں دفن ہوئے۔ہم لوگ اپنے گھر میں دفن نہیں ہوسکتے یوں ہی ہم مسجد میں دفن نہیں ہوسکتے کہ مسجد اور قسم کا وقف اور قبر دوسری قسم کا وقف۔

۵؎ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد میں عبدالرحمٰن ابن ابوبکر ملکی یہ ضعیف ہے۔(مرقات)مگر یہ ضعف ترمذی کے لیے ہے صدیق اکبر کے لیے نہیں کیونکہ یہ حدیث دوسری اسنادوں سے بھی مروی ہے۔مالک نے یہ حدیث یوں روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر شریف کے پاس دفن کرو،بعض نے کہا کہ بقیع میں تب جناب صدیق نے یہ فرمایا اور حجرہ عائشہ صدیقہ میں قبر کھودی گئی۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تندرستی میں فرماتے تھے کہ اللہ تعالٰی کسی نبی کو وفات نہیں دیتا حتی کہ انہیں ان کا جنتی مقام دکھادیا جائے ۱؎ پھر انہیں اختیار دیا جاوے،جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضور پر نزع طاری ہوا اور آپ کا سر میری ران پر تھا ۲؎ تو آپ پر غشی آگئی پھر افاقہ ہوا تو اپنی نظر چھت کی طرف اٹھائی پھر فرمایا الٰہی میں نے اوپر کے ساتھی قبول کیے ۳؎ میں بولی کہ اب حضور ہم کو نہیں اختیار کریں گے فرماتی ہیں کہ میں پہچان گئی کہ یہ وہ ہی حدیث ہے جو حضور ہم کو اپنی تندرستی میں خبر دیتے تھے ۴؎ اس فرمان کے متعلق کہ کوئی نبی وفات نہیں دیا جاتا حتی کہ اسے اس کا جنتی مقام دکھادیا جاتا ہے پھر اختیار دیا جاتا ہے جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ آخری بات	

	جو حضور نے کی وہ یہ ہی تھی کہ میں نے اپنے اوپر کے ساتھی قبول کیے۔(مسلم وبخاری)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ نبی کو بیداری میں ان کا جنتی مقام دکھاکر انہیں اختیار دیا جاتا ہےاور یہ اختیار دینا ان کی عظمت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے ورنہ رب ان کے وقت موت کو جانتا ہے اور وہ حضرات وہ ہی اختیار کرتے ہیں جو رب کا فیصلہ ہے۔(اشعہ)

۲؎ پہلے حضور کا جسم اطہر جناب عائشہ صدیقہ کی گود میں اور سر شریف آپ کے سینہ پر تھا،چونکہ اس طرح جانکنی میں تکلیف ہوتی ہے اس لیے عین قبض روح کے وقت حضور انو ر کو سیدھا قبلہ رو لٹایا گیا اور سر شریف ام المؤنین کی ران پر رکھا لہٰذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے سینے اور گلے کے درمیان ہوئی۔

۳؎ رفیق اعلیٰ یعنی اوپر کے ساتھیوں کے متعلق بیان کیا جاچکا ہے۔بعض شارحین کا خیال ہے کہ حضور کے چار ساتھی زمین کے ہیں یعنی خلفاء راشدین اور چار ساتھی آسمان کے:حضرت جبریل،میکائیل،اسرافیل،عزرائیل علیہم السلام یہاں رفیق اعلیٰ سے وہ مراد ہیں۔واللہ ورسولہ اعلم!

۴؎ یعنی اس حدیث کا ظہور اب ہورہا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں فرماتے تھے جس میں وفات پائی کہ اے عائشہ میں اس کھانے کا اثرپاتا رہتا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۱؎ اور یہ وہ وقت ہے کہ میں اپنا دل کی رگ کاٹوٹنااس زہر سے محسوس کررہا ہوں ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی ایک یہودیہ نے بکری کے گوشت میں ہم کو زہر کھلادیا تھا خیبر میں اس وقت سے آج تک ہر سال اس زہر کا اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے،اس وقت وفات نہ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا،ہر سال تکلیف ہوتے رہنا حضور کے اجر کی زیادتی کے لیے تھاکہ ہر سال آپ کو تکلیف کا ثواب ملتا رہا۔

۲؎ أبھر یا تو دل کی رگ کو کہتے ہیں یا گردن کی رگ کو،یا وہ شہ رگ جو سر سے پاؤں تک پھیلی ہوئی ہے۔ان میں سے کسی رگ کا ٹوٹ جانا موت کا باعث ہوتا ہے۔اس وقت وہ زہر لوٹا تاکہ آپ کو شہادت حکمی عطا ہو زہر سے موت شہادت ہے۔غرضکہ حضور انور کی وفات زہر کے عود کرنے سے ہوئی اسی طرح حضرت ابوبکرصدیق کی وفات اس وقت سانپ کے زہر لوٹ آنے سے ہوئی جس نے ہجرت کی رات غار میں آپ کو کاٹا تھا،حضرت صدیق کو فنا فی الرسول کا وہ درجہ حاصل ہے کہ آپ کی وفات بھی حضور انور کی وفات کا نمونہ ہے،پیر کے دن میں حضور کی وفات اور پیر کا دن گزار کر شب میں حضرت صدیق کی وفات،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن شب کو چراغ میں تیل نہ تھاحضرت صدیق کی وفات کے وقت گھر میں کفن کے لیے پیسے نہ تھے یہ ہے فنا رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وفات آیا۱؎ اور گھر میں کچھ لوگ تھے جن میں حضرت عمر ابن خطاب بھی تھے ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی نہ بہکو۳؎ تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے تم کو اللہ کی کتاب کافی ہے۴؎ گھر والے اختلاف کر بیٹھے جھگڑنے لگے ۵؎ بعض کہتے تھے کہ پیش کرو تاکہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر لکھ دیں، بعض تھے جو وہ ہی کہتے تھے جو حضرت عمر نے کہا، پھر جب انہوں نے شور اور اختلاف زیادہ کیا ۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ ۷؎ عبید اللہ کہتے ہیں ۸؎ کہ حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ پوری مصیبت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریر فرمانے کے درمیان حائل ہوگئی ان کے اختلاف اور شور کی وجہ سے ۹؎ اور سلیمان ابن ابی مسلم احول کی روایت میں ہے ۱۰؎ کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ہائے جمعرات کا دن اور کیا ہی تھا جمعرات کا دن پھر آپ روئے حتی کہ آپ کے آنسو نے کنکر تر کردیئے میں نے کہا اے ۱۱؎ ابن عباس جمعرات کا دن کا کیا ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی بیماری سخت ہوگئی تو فرمایا کہ میرے پاس کندھے کی ہڈی لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم اس کے بعد کبھی بہکو گے نہیں مگر لوگ جھگڑ پڑے نبی کے پاس جھگڑا نہیں چاہیے ۱۲؎ تو لوگ بولے کہ حضور کا خیال مبارک کیا ہے کیا آپ پریشان باتیں کررہے ہیں آپ سے پوچھ لو۱۳؎ چنانچہ وہ آپ سے بار بار پوچھنے لگے ۱۴؎ تو فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو جس میں میں مشغول ہوں وہ اس سے اچھا ہے جس کی طرف تم مجھے

بلاتے ہو ۱۵؎ پھر ان کو تین چیزوں کا حکم دیا ۱۶؎ مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکالو ۱۷؎ وفود کو ان کا حق دو جیساکہ انہیں ہم دیا کرتے تھے ۱۸؎ اور تیسری سے خاموشی فرمائی یا حضور نے وہ بات کہی مگر میں بھول گیا ۱۹؎ سفیان کہتے ہیں کہ یہ سلیمان کا قول ہے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی زمانہ وفات قریب ہوا،یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہےاور وفات شریف دوشنبہ یعنی پیر کو ہےتو یہ واقعہ وفات سے پانچ دن پہلے کا ہے۔

۲؎ یہ تمام حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرسی کرنے آئے تھےاسی جماعت میں حضرت ابن عباس،حضرت علی وغیرہم بھی تھےرضی اللہ عنہم۔

۳؎ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین چیزوں سے معصوم ہیں:گناہ سے خصوصًا جھوٹ سے،شرعی احکام بدلنے سے،شرعی حکم چھپانے سےاور مخلوق تک نہ پہنچانے سے حتی کہ جب حضور انور پر جادو ہوا تب بھی آپ کوئی عبادت کوئی حکم شرعی نہ بھولے اور نہ تبدیل فرماسکے لہذا آج جو حکم لکھنا چاہتے تھےوہ ہی تھا جو تندرستی شریف میں بیان کرچکے تھے کوئی نئی چیز نہ تھی۔اس میں گفتگو ہے کہ حضور انور اس وقت کیا لکھنا چاہتے تھے،بعض کے نزدیک نماز کی تاکید،لونڈی غلاموں سے اچھا سلوک،مہمانوں سے اچھا برتاؤ۔بعض کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت نامہ جس کا ذکر ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ سے کیا بھی تھا کہ ابوبکر کو بلاؤمیں ان کے لئے خلافت لکھ دوں،پھر فرمایا چھوڑو کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالٰی اور مسلمان ابوبکر کے ہوتے کسی کو خلیفہ نہ بنائیں گے،پھر عملی طور پر آپ کو خلیفہ بنا بھی دیا کہ اپنے مصلے پر امام بنا کر کھڑا کردیا۔یہ امامت صغریٰ آپ کی امامت کبریٰ کی دلیل ہے جیسے کہ کسی بزرگ کا اپنے کسی خلیفہ کو دستار بندی کردینا،سجادہ پر بٹھا دینا۔شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو خلافت لکھنا چاہتے تھےمگر اس کی کوئی دلیل نہیں،اگر یہ ارادہ ہوتا تو حضور کسی کی نہ مانتےضرور لکھواتے،نیز ابھی وفات میں پانچ دن باقی تھےاس دوران میں فرمادیتے یا لکھوادیتے،نیز شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قطعی اور منصوص ہے کہ غدیر خم پر حضور انور نے انہیں اپنا خلیفہ مقرر کردیا تھااس صورت میں شیعہ حضرات کی یہ توجیہ درست نہیں۔

۴؎ یہ حضرت عمر کی قوت اجتہاد ہے کہ آپ سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم شرعی نہیں ہےبلکہ مشورہ ہے اور حضور انور وہ ہی کوئی چیز لکھوائیں گے جو پہلے حضور نے ہم کو بتادی سمجھادی ہے محض کرم کریمانہ سے اس تکلیف کے باوجود لکھوانے کا ارادہ فرمارہے ہیں۔عرض کرو کہ ہم نے حضور سے سب کچھ سیکھ لیا ہےاب حضور اس تکلیف کی زحمت نہ فرمائیں لہذا یہ عرض حضور کے حکم کی مخالفت نہیں،رب تعالٰی نے فرشتوں کو ایک خلیفہ کے تقرر کا اعلان فرمایا تو فرشتوں نے اس پر سلمنا نہیں کہابلکہ اپنی رائے پیش کردی کہ ہم کو ہی خلافت دی جائے۔یہ امر الٰہی کی مخالفت نہ تھی بلکہ مشورہ میں رائے پیش کرنا تھی۔اس فرمان کا مقصد یہ بھی ہے کہ اے گروہ صحابہ تم کو

قرآن مجید کافی ہے،حدیث شریف کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قرآن تم کو سمجھادیا ہےاس سے حدیث کا انکار مقصود نہیں۔

۵؎ اہلِ بیت سے مراد اس گھر میں موجود لوگ ہیں ازواج یا اولاد مراد نہیں۔اختلاف سے مراد یہ ہے کہ بعض نے کہا کہ کاغذ اور دوات قلم لاؤ،بعض نے کہا کہ نہ لاؤ یعنی اختلاف رائے سے لڑنا بھڑنا مراد نہیں۔

۶؎ **لغط** وہ آواز جس کے الفاظ سمجھ میں نہ آئیں،جب چند شخص بیک وقت بولیں تو یہی حال ہوتا ہے۔خیال رہے کہ اس وقت ان لوگوں میں سے کوئی بھی شور نہیں مچارہا تھابلکہ چند ہلکی آوازیں مل کر شور بن گئیں جیساکہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے یا یہاں بلند آواز سے بولنا ضرورۃً تھا بے ادبی کے طور پر نہ تھاجیسے حضور کے سامنے اذان یا اعلان بلند آواز سے کرنالہٰذا صحابہ کرام کا یہ عمل اس آیت کے خلاف نہیں"**لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ**"۔یہ بھی خیال رہے کہ ان حضرات صحابہ کا یہ اختلاف اجتہادی اختلاف تھاجیسے حنفی شافعی کا اختلاف۔بعض صحابہ ظاہری الفاظ حدیث کی بنا پر کہہ رہے تھے کہ کاغذ قلم لاؤ،بعض صحابہ مقصد حدیث پہچان کر کہہ رہے تھے کہ نہ لاؤحضور سب کچھ بتا چکے ہیں اب اس شدت مرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف لکھنے کی نہ دو۔اگر یہ کام گناہ ہوتاتو حضور ان سب سے توبہ کراتے بلکہ آیت قرآنیہ توبہ کے لیے آجاتی جیسے رب نے فرمایا:"**اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا**"یہ ناممکن ہے کہ حضور کے سامنے گناہ ہو اور حضور توبہ سے باز رہنے کا حکم نہ دیں۔

۷؎ یعنی ہم کچھ نہیں لکھتے تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔معلوم ہوا کہ حضرت عمر کی رائے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور کچھ لکھوایا نہیں۔**قوموا** فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا یہ کوئی عمل ناجائز نہ تھا۔

۸؎ آپ عبداللہ ابن عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعود ہزلی ہیں یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے ہیں،تابعی ہیں،فقیہ ہیں،محدث ہیں،یہ حدیث آپ نے ابن عباس سے روایت کی ہےاس حدیث کے آپ ہی راوی ہیں۔

۹؎ حضرت ابن عباس کی رائے تھی کہ حضور انور ضرور لکھ دیں اس لیے آپ یہ فرمارہے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت ابن عباس بھی اس عمل کو گناہ یا کفر قرار نہیں دیتے بلکہ صرف افسوس کررہے ہیں۔

۱۰؎ آپ ابن ابی نجیح کے ماموں ہیں،تابعی ہیں اس حدیث کی بعض روایات کے راوی ہیں۔

۱۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ وفات شریف کے پانچ دن پہلے یعنی جمعرات کا ہےوفات شریف پیر کے دن ہے۔آپ کا یہ گریہ و زاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں تھا،محبوب کی وفات کے بعد اس کی ہر بات یاد آتی ہےاوررونا آتا ہے۔ایک بچہ کو حکیم نے پانی سے منع کردیا تھا،بچہ فوت ہوگیا تو ماں اس پانی بند کرنے کو یاد کرکے روتی تھی۔

۱۲؎ **لاینبغی** فرمانے سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ واقعہ نہ کفر تھا نہ حرام نہ فسق صرف غیر مناسب تھا،پھر آپ کا یہ اعتراض دونوں جماعتوں پر ہے لاؤ کہنے والوں پر بھی نہ لاؤ کہنے والوں پر بھی کیونکہ تنازع تو دونوں نے ہی کیا تھا۔

۱۳؎ ہجر کے معنی ہیں چھوڑنا اسی سے ہے ہجرت اور ہجران،اصطلاح میں اس لفظ کے چند معنی ہیں: ہذیان،فحش کام،خواب میں بڑبڑانا،بے ہوشی یا نشہ میں مخلوط کلام یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا کہ ان سب میں انسان عقل چھوڑ کر باتیں کرتا ہے۔یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی حضور انور سے پوچھ لو کیا واقعی آپ کاغذ قلم منگا رہے ہیں یا غشی کی حالت میں یہ کلام فرمارہے ہیں۔ان حضرات کو تعجب یہ تھا کہ حضور انور نے حیات شریف میں ہم کو سارا دین بتادیا سمجھادیا اب کون سی بات باقی ہے جس پر ہماری ہدایت موقوف ہے جواب لکھی جاوے گی شاید آپ مرض کی غشی میں یہ فرمارہے ہیں،بعض بے دین کہتے ہیں کہ ہجر بمعنی ہذیان (بکواس) ہے اور ان لوگوں نے حضور کی سخت توہین کرتے ہوئے یہ لفظ بولا مگر یہ غلط ہے مگر بولنے والے اور سن کر خاموش ہونے والے دونوں کافر ہوجاتے ہیں۔کیا حضرت علی و عباس اور ابن عباس آج کے علم دین لاہوری سے بھی گئے گزرے تھے جس نے توہین کرنے والے راجپال کو قتل کرکے پھانسی پالی۔یہ حضرات ایسی توہین سنتے رہے اور خاموش رہے **نعوذ باللہ**!معلوم ہوا کہ یہ لفظ توہین کا نہ تھا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ہجر میں سوال انکاری ہے اور روئے سخن انکار کرنے والوں سے ہے یعنی تم جو کاغذ لانے سے انکار کرتے ہو کیا حضور غشی میں یہ حکم دے رہے ہیں حالانکہ حضور کا ہر کلام وحی الٰہی ہوتا ہے سوتے میں ہو یا جاگتے میں حضور سے پھر پوچھ کر دیکھ لو۔

۱۴؎ بار بار پوچھنے کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی نوعیت معلوم کریں آیا کہ یہ فرمان عالی حکم ہے یا مشورہ ہے یا غشی کی حالت کا کلام ہے،اگر اب بھی حکم دیں کہ کاغذ قلم دوات لاؤ تو یہ حکم ہے فورًا حاضر کردیا جاوے۔

۱۵؎ یعنی اس وقت میں متوجہ الی اللہ ہوں اس کے پاس جانے کی تیاری کر رہا ہوں تم لوگ مجھے اپنے اختلافات طے کرنے کی طرف بلاتے ہو تم جاؤ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔اس جواب عالی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کاغذ قلم لانے کا فرمان حکم نہ تھا صرف مشورہ تھا ورنہ حضور انور فرماتے کہ ضرور لاؤ ہم ضرور لکھوائیں گے،پھر کسی کی کیا مجال تھی کہ کاغذ نہ لاتا یا لانے سے منع کرتا،حضور انور کو سارے عرب نے تبلیغ سے روکا آپ نہ رکے تو یہاں صرف ایک دو کے عرض کرنے سے کیسے رک سکتے تھے۔

۱۶؎ یہ ہی تین باتیں وہ تھیں جو حضور انور لکھوانا چاہتے تھے یہ تینوں باتیں پہلے بھی فرما چکے تھے اور اب بھی فرمادیں انہیں کی تحریر ہوتی۔

۱۷؎ اس فرمان عالی کی تحقیق **باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب** میں ہوچکی کہ عرب میں خصوصًا حجاز میں سواء اسلام کے اور کوئی دین نہیں رہنا چاہیے،شاہی محل میں دشمن نہیں رہا کرتے۔

۱۸؎ یعنی تا قیامت جو کفار اپنی قوم کے نمائندے بن کر اسلام قبول کرنے کے لیے یہاں آئیں یوں ہی جو مسلمان ہماری قبر انور کی زیارت کرنے یا علم دین سیکھنے یہاں آئیں ان کی خاطر مدارات کروجیسے ہم کرتے تھے کیونکہ وہ ہمارے اوررب کے مہمان ہیں۔

۱۹؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ وہ تیسری بات یہ تھی کہ اسامہ ابن زید کے لشکر کو تیار کرکے جہاد پر روانہ کردینا حضور انور اس لشکر کو تیار کررہے تھے کہ بیمار ہوگئے،بعض نے کہا کہ وہ تیسری بات یہ تھی کہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پرستش کرو اس کی تحقیق اس مقام پر ہوچکی۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے جناب عمر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرمایا کہ ہم کو ام ایمن کے پاس لے چلو۱؎ ہم ان کی ملاقات کریں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات فرماتے تھے ۲؎ تو جب ہم ان تک پہنچے۳؎ تو وہ رونے لگیں ان سے ابوبکر صدیق نے کہا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے کیا آپ نہیں جانتی کہ اللہ کے پاس کی نعمتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہتر ہیں۴؎ وہ بولیں کہ میں اس لیے نہیں روتی کہ میں یہ نہیں جانتی کہ اللہ کے پاس کی نعمتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہتر ہیں مگر میں تو اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی آنا بند ہوگئی۵؎ انہوں نے ان دونوں کو بھی رونے پر بھڑکادیا وہ دونوں بھی ان کے ساتھ رونے لگے ۶؎ (مسلم)	

۱؎ جناب ام ایمن کا نام شریف برکت ہے حبشہ کی تھیں،حضرت عبداللہ یعنی حضور کے والد ماجد کی لونڈی تھیں،حضور کی پرورش انہوں نے بھی کی ہے،حضور انور نے آپ کا نکاح حضرت زید ابن حارثہ سے کردیا تھا،انہیں کے بطن شریف سے حضرت اسامہ ابن زید پیدا ہوئے،آپ جہادوں میں جاتیں تھیں زخمیوں کی مرہم پٹی غازیوں کی خدمت کرتی تھیں،حضرت عمر فاروق کی وفات سے بیس دن بعد آپ کی وفات ہوئی،حضرت زید ابن حارثہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے غلام بن گئے تھے،حضور انور نے جناب خدیجہ سے انہیں مانگ لیا اور آزاد کرکے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔(مرقات)

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ام ایمن کی ملاقات کے لیے انکے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے چلو ہم بھی اس سنت پر عمل کریں ام ایمن کی زیارت کریں۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کی وفات کے بعد ان کے معمولات قائم رکھنا،ان کے دوستوں سے محبت کرنا،بلکہ جن کی وہ حضرات ملاقات کرتے ہوں ان سے ملاقات کے لیے جانا سنتِ صحابہ ہے۔

۳؎ مشکوۃ کے عام نسخوں میں فلما انتھینا ہے جمع متکلم سے تو اس میں حضرت انس بھی شامل ہیں یعنی حضرت انس کہتے ہیں کہ جب ہم تینوں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور عمرفاروق ام ایمن کے پاس پہنچے۔بعض نسخوں میں ہے۔فلما انتھیا تثنیہ مذکر غائب ہے یعنی جب وہ دونوں صدیق و فاروق ام ایمن کے پاس پہنچے بہرحال ان بزرگوں کو دیکھ کر

ام ایمن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد آگئے کیونکہ یہ دونوں حضرات حضور کے ساتھی اور خاص محبوب دوست تھے۔بعد وفات مرحوم کی چیزیں،اس کی اولاد،اس کے دوست دیکھ کر مرحوم یاد آتا ہے اور لوگ رونے لگتے ہیں یہ رونا ایسا ہی تھا۔

۴؎ یعنی جہاں حضور اب ہیں وہ جگہ دنیا سے بہتر ہے کہ یہاں تکالیف تھیں وہاں آرام و راحت ہے،وہاں ہر وقت اپنے رب سے قرب خاص حاصل ہے پھر تم اتنی بے قرار ہوکر روتی کیوں ہو۔

۵؎ یعنی میرا رونا اپنی محرومی پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے ہم اللہ کی بہت نعمتوں سے محروم ہوگئے،آیاتِ قرآنیہ کا آنا بند ہوگیا،احادیث نبویہ کا سلسلہ ختم ہوگیا،مسلمانوں کا صحابی بننا ختم ہوگیا،حضور سب کچھ ہم کو دے گئے مگر یہ چیزیں اپنے ساتھ لے گئے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ۔۔۔ روئے گل سیر نہ دیدیم بہار آخر شد

اب حضرت جبریل کیوں آئیں گے اور کہاں آئیں گے۔

۶؎ یعنی یہ سن کر حضرت صدیق و فاروق اعظم بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے یہ رونا تو امت کو قیامت تک رہے گا کہ کسے دیکھ کر صحابی بنیں گے،کس کے منہ سے آیات و احادیث کے پھول جھڑتے ہوئے دیکھیں،حضرت بلال یہ ہی سوچ کر مدینہ چھوڑکر دمشق چلے گئے کہ اب میں کس کی طرف اشارہ کرکے اذان کہا کروں گا۔حالت یہ ہو گئی تھی کہ

قافلہ سالار سفر کر گیا ۔۔۔ قافلہ کو زیر و زبر کر گیا

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں ہمارے سامنے آئے جس میں آپ کی وفات ہوئی ہم لوگ مسجد میں تھے آپ ایک کپڑے سے پٹی باندھے آئے ۱؎ حتی کہ منبر کیطرف تشریف لے گئے اس پر جلوہ گر ہوئے ہم حضور کے پیچھے ہوگئے ۲؎ فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اپنی اس جگہ سے حوض کو دیکھ رہا ہوں ۳؎ پھر فرمایا کہ ایک بندہ پر دنیا اور اس کی زینت پیش کی گئی تو اس نے آخرت کو اختیار کرلیا ۴؎ فرماتے ہیں کہ یہ بات سواء ابوبکر کے کوئی نہیں سمجھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں پھر عرض کیا بلکہ ہم آپ پر اپنے ماں باپ اپنی جانیں اپنے مال فدا کریں گے یارسول اللہ،فرماتے ہیں کہ پھر آپ اترے پھر منبر پر اس گھڑی تک نہ کھڑے ہوئے ۵؎ (دارمی)	

۱؎ حضور انور کو بخار اور درد سر تھا انہیں بیماریوں میں وفات شریف واقع ہوئی درد سر کی وجہ سے پٹی باندھی تھی۔معلوم ہوا کہ درد میں پٹی وغیرہ باندھنا توکل کے خلاف نہیں نہ اس میں رب تعالٰی کی شکایت ہے یہ تو ایک قسم کا علاج ہے۔

۲؎ یعنی ہم سب مسجد نبوی میں متفرق طور پر بیٹھے ہوئے تھے حضور انور کے پیچھے پیچھے ہولئے اور منبر شریف کے قریب جمع ہو کر بیٹھ گئے تاکہ با آسانی کلام مبارک سن سکیں۔سبحان اللہ! کیا نظارہ ہوگا جیسے شمع کے اردگرد پروانے جمع ہیں۔

۳؎ اس فرمان عالی کے متعلق ابھی کچھ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔حضور انور کا منبر شریف حوض کوثر کے بالمقابل ہے،حضور نے منبر پر کھڑے ہوکر خبر دی کہ میں اپنا حوض کوثر یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔اس حدیث سے حضور کی نظر کی وسعت ثابت ہوئی۔ہماری نظر میں دور بین لگادی جاوے تو میلوں تک دیکھ لیتی ہے تو جن کی آنکھ پر نبوت کی دور بین ہو وہ کہاں تک دیکھیں گے،پھر یہ نہ فرمایا کہ اس کے بعد میں حوض نہ دیکھوں گا دیکھنے کا ثبوت تو ہے پھر چھپ جانے کا ثبوت نہیں۔

۴؎ یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضور انور کی خدمت میں جبریل امین نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو دنیا میں رہیں،ہم دنیا کے خزانے آپ کو دے دیں اور یہاں کے پہاڑوں کو سونا چاندی بنادیں،ان آسائشوں سے آپ کا ثواب آخرت بالکل کم نہ ہوگا اگر آپ چاہیں تو ہمارے پاس تشریف لائیں،حضور انور کا ایک غلام اس وقت موجود تھا اس نے عرض کیا ابھی کچھ عرصہ حضور ہمارے پاس رہیں تاکہ ہم حضور سے نفع حاصل کرلیں آپ کے سایہ میں رہیں تب حضور انور نے جناب جبریل کی طرف بطور مشورہ نظر کی اور فرمایا کہ ہم اب وہاں ہی جانا چاہتے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۵؎ ساعۃ سے مراد یہ گھڑی ہے یا قیامت یعنی حضور اس گھڑی تک یا قیامت تک پھر منبر پر تشریف نہیں لائے بلکہ وفات واقع ہوگئی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب آیت اذا جاء نصر اللہ،الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ کو بلایا فرمایا مجھے اپنی موت کی خبر دے دی گئی ۱؎ وہ روئیں تو فرمایا مت روؤ کیونکہ میرے گھر والوں میں سے پہلے مجھ سے تم ملوگی ۲؎ آپ ہنس پڑیں ۳؎ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے دیکھ لیا وہ بولیں اے فاطمہ ہم نے تم کو دیکھا کہ تم روئیں پھر ہنس پڑیں ۴؎ آپ بولیں کہ حضور نے مجھے خبر دی کہ آپ کو آپ کی وفات کی خبر دی گئی تو میں رونے لگی تو فرمایا مت روؤ کیونکہ تم میرے سب گھر والوں	

سے پہلے مجھ سے ملوگی تو میں ہنس پڑی ۵؎ اور رسول اللہ نے فرمایا کہ اذا جاء نصر اللہ و الفتح الخ اور یمن والے آئے ۶؎ وہ دلوں کے نرم ہیں ایمان تو یمن والوں کا ہے اور حکمت یمن والی ہے ۷؎(دارمی)	

۱؎ یعنی اے فاطمہ یہ سورۃ کریمہ میری وفات کی خبر دے رہی ہے کیونکہ میرے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد پورا ہو چکا یعنی دین کی تکمیل،مکہ معظّمہ کی فتح،خانہ کعبہ کا بتوں سے پاک ہوجانا۔چنانچہ گزشتہ آسمانی کتب میں لکھا تھا کہ اللہ تعالٰی نبی آخر الزمان کو وفات نہ دے گا حتی کہ ان کے ذریعہ ٹیڑھی ملت کو سیدھا کردے گا یہ کام ہوچکا اب ہمارے یہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے،مجھے حکم دیا گیا ہے کہ رب کی تسبیح وحمد وغیرہ میں مصروف ہوجاؤں یہ اس سفر کی تیاری ہے۔(از مرقات)

۲؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا حضور انور کے اہلبیت میں سے ہیں،ازواج پاک اہلبیت سکونت ہیں،آپ اہلبیت ولادت۔دوسرے یہ کہ حضور انور نے حضرت فاطمہ زہرا کے وقت وفات کی بھی خبر دی اور طریقہ وفات کی بھی،بعد وفات ان کے مقام کی بھی یعنی ہمارے گھر والوں میں سب سے پہلے تمہاری وفات ہوگی تم کو ایمان پر خاتمہ،قبر کے امتحان میں کامیابی عطا ہوگی،تمہارا مقام میرے پاس ہوگا،یہ ہے حضور کا علم غیب کلی کہ علوم خمسہ پر بھی مطلع فرمادیا گیا ہے۔

خدا مطلع ساخت برجملہ غیب   علی کل شیئ خبیر آمدی

۳؎ سبحان اللہ!حضرت فاطمہ زہرا کے لیے موت عید ہوگئی اپنی وفات کی خبر پر خوشی منارہی ہیں کیوں نہ ہو کہ یہ وفات حضور کی ملاقات کا ذریعہ ہے اس لیے بزرگوں کی وفات کو عرس کہتے ہیں یعنی برات اس کا ماخذ حضرت فاطمہ کی یہ خوشی ہے رضی اللہ عنہا۔

۴؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال کرنے والی چند بیویاں ہیں،دوسری حدیث میں ہے کہ یہ سوال حضرت عائشہ صدیقہ نے کیا تھا،ہوسکتا ہے کہ سوال تو حضرت عائشہ نے کیا ہو دوسری ازواج پاک بھی سوال میں شریک ہوگئی ہوں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۵؎ خیال رہے کہ حضرت فاطمہ زہرا نے یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد دی آپ کی حیات شریف میں جواب دینے سے انکار کردیا،یہاں یہ ہی مراد ہے حضرت فاطمہ سیدہ نے حضور کی وفات کے بعد یہ فرمایا جب کہ دوبارہ ازواج پاک نے پوچھا،چنانچہ فاطمہ حضور کی وفات کے بعد قریبًا چھ ماہ زندہ رہیں۔

۶؎ یعنی اس سورۃ میں اشارہ ہے "وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللہِ اَفۡوَاجًا" تو یہاں الناس سے مراد اہل یمن ہیں کہ یہ لوگ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق اسلام لائے۔خیال رہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہاں الناس سے صرف اہل یمن ہی مراد نہیں بلکہ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والے اور اس کے بعد حضور کی بارگاہ میں حاضری دے کر ایمان لانے والے سب ہی مراد ہیں،ان سب لوگوں کے مؤمن ہونے کی قرآن نے گواہی دی لہذا

ابو سفیان ہندہ،امیر معاویہ وحشی یہ سب لوگ بحکم قرآن مؤمن ہیں،ان کے ایمان اور دین اسلام میں داخل ہونے کی خبر تو قرآن نے دی ان کے ایمان سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں ہے،نیز اگر یہ لوگ آئندہ مرتد ہوجانے والے ہوتے تو ان کے ایمان لانے پر حضور کو شکر کا حکم نہ دیا جاتا۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے صحابہ کرام کو حضرات انبیاء سے بہت ہی مناسبت دی ہے۔چنانچہ کل انبیاءکرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں رسول تین سو تیرہ ہیں مرسل چار اور مرسلین میں سردار مرسلین ایک ہیں یعنی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم،اسی طرح حضرات صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں اصحابِ بدر تین سو تیرہ ہیں اور خلفاء راشدین چار ہیں اور سید الخلفاء ایک یعنی حضرت ابوبکر صدیق۔

۷ یعنی علم و ایمان یمن کا پیارا ہے کیوں نہ ہو کہ وہ علاقہ حجاز سے متصل داہنی طرف واقع اس لیے اسے یمن کہتے ہیں،یمین سے مشتق ہے وہ عشاق رسول کا علاقہ ہے۔چنانچہ حضرت اویس قرنی یمن ہی کے ہیں رضی اللہ عنہ،ابو موسٰی اشعری یمن کے ہیں بلکہ حضرات انصار بھی اصل میں یمن ہی کے باشندے ہیں بعد میں مدینہ میں بسے۔حدیث شریف میں ہے انی لاجد نفس الرحمن من جانب الیمن،فتوحات مکہ شریف میں اس حدیث کے یہ ہی معنی بیان کیے۔(اشعۃ اللمعات،مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ انہوں نے کہا ہائے میرا سر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ ہوگیا اور میں زندہ ہوا تو تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا ۱ تو جناب عائشہ بولیں ہائے ہلاکت رب کی قسم میں آپ کے متعلق گمان کرتی ہوں کہ آپ میری موت چاہتے ہیں اگر ایسا ہوگیا تو آپ اس دن کے آخر میں اپنی بعض بیویوں سے آرام فرمائیں گے ۲ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ ہائے میرا سر ۳ میں نے قصد یا ارادہ کیا تھا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور ولی عہد کروں اس خطرہ سے کہ کہنے والے کہیں یا تمنا کرنے والے تمنا کریں ۴ پھر میں نے سوچا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان دفع کریں گے یا اللہ دفع کرے گا اور مسلمان انکار کریں گے ۵ (بخاری)

۱ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے سر میں درد تھا،انہوں نے فرمایا ہائے میرا سر پھٹا جارہا ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس مرض سے وفات پاگئیں تو ہم تمہارے لیے دعاءمغفرت کریں گے،تمہاری نماز جنازہ پڑھائیں گے۔(مرقات)

۲؎ یعنی آپ میری موت کے دن ہی مجھے بھول جائیں گے،مجھے دفن کرنے کے بعد اسی دن دوسری بیوی کے ساتھ آرام فرمائیں گے میں اپنی جان سے جاؤں گی،یہ کلام اور یہ شکایت محبوبانہ ہے،پیاروں کی پیاروں سے شکایت کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔

۳؎ یعنی اے عائشہ تمہارے درد سر کو تو ان شاءاللہ آرام ہوجائے گا۔درد سر ابھی ابھی مجھے شروع ہوا ہے،یہ درد مرض وفات کی ابتداء ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ درد سر اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اس کا اثر حضرت عائشہ صدیقہ پر ہوا کہ اس درد کی چمک ان کے سر شریف میں محسوس ہوئی کمال محبت کی وجہ سے جیسے فصد لی لیلیٰ نے اور خون نکلا مجنون عامری کے جسم سے۔(مرقات)اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ پردیس میں بیٹا بیمار ہو تو گھر پر ماں کا دل دھڑکتا ہے بلکہ ماں بیمار پڑجاتی ہے،دلی محبت کے انداز نرالے ہیں۔جس امتی کو حضور اب بھی یاد فرماتے ہیں وہ امتی کہیں ہو تڑپنے لگتا ہے جب رب بندے کو عرش پر یاد کرتا ہے تو بندہ رب کی یاد میں دیوانہ ہوتا ہے۔

گفت اللہ گفتت لبیک ماست　　　　ایں گداز و سوز و درد از پیک ماست

دل کا دل سے عجیب کنکشن ہوتا ہے خدا کرے دل ان محبوب سے لگ جاوے یہ بہاریں دل کے لگنے کی ہیں۔

۴؎ یعنی میرا دل چاہتا ہے کہ ابوبکر صدیق کو ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کے ساتھ ملاکر باقاعدہ ابوبکر کو اپنا خلیفہ جانشین کردوں اور ان کے ولی عہد ہونے کا عبدالرحمٰن کے گواہ ہونے کا اعلان کردوں۔

۵؎ یعنی ابوبکر صدیق کی خلافت کا ارادہ الٰہی ہوچکا ہے وہ میری خلافت کے لیے منتخب ہو چکے ہیں،نیز مسلمانوں کے دل کہیں گے کہ میرے بعد خلیفہ وہ ہی ہوں اس لیے میں ان کی خلافت کا اعلان نہیں کرتا۔خیال رہے کہ حضور انور نے عملی طور پر حضرت صدیق کو اپنا ولی عہد مقرر کردیا تھا کہ اپنے سامنے آپ کو اپنے مصلے پر کھڑا کردیا مسلمانوں کا امام بنادیا یہ امامت گویا آپ کی دستار خلافت تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دستار بندی خود کردی تھی،صراحۃً اعلان نہیں کیا تاکہ ولی عہد بنانے کا یہ بھی ایک طریقہ رہے بلکہ حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو ہی اپنا نائب بنا کر سورۂ توبہ کے احکام کا اعلان کرنے بھیجا کہ آئندہ سے کوئی مشرک حج نہ کرے کوئی ننگا طواف نہ کرے۔ان امور سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت صدیق کا خلافت کے لیے انتخاب اللہ کی طرف سے تھا،مسلمانوں کا اس پر اجماع ہوا حضور انور نے اس کی عملی وضاحت فرمادی لہذا اس خلافت کا انکار کفر ہے۔خیال رہے کہ اسلام میں جمہوریت بھی ہے اور شخصیت بھی محض جمہوریت لعنت ہے۔اقبال کہتے ہیں۔

گریز از طرز جمہوری غلام مرد کامل شو　　　　کہ از مغزود صد خر فکر انسانے نمی آید

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے بقیع سے واپس ہوئے ۱؎ تو مجھے پایا کہ میں درد سر محسوس کرتی تھی اور کہتی تھی ہائے رے سر،فرمایا اے عائشہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے رے سر ۲؎ فرمایا کہ تم کو مضر نہیں اگر تم مجھ سے پہلے مرگئیں تو میں تم کو غسل دوں گا کفن پہناؤں گا اور تم

پر نماز پڑھوں گا۳؎ اور تمہیں دفن کروں گا میں بولی گویا میں آپ کو محسوس کرتی ہوں خدا کی قسم اگر آپ یہ کرتے تو آپ میرے گھر واپس آئیں گے اس میں بعض بیویوں کے ساتھ آرام کریں گے۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے پھر آپ کا وہ مرض شروع ہوگیا جس میں آپ کی وفات ہوئی ۵؎ (دارمی)	

۱؎ یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ جنازہ کس خوش نصیب کا تھاجو حضور کے ہاتھوں دفن ہوا۔

۲؎ یعنی اے عائشہ تمہارے سر میں دردسر نہیں ہے بلکہ میرے سر میں درد ہے جس کا اثر تم پر پڑ رہا ہے کہ تم اس کی چمک محسوس کررہی ہو جیساکہ ابھی کچھ پہلے بیان کیا گیا۔

۳؎ یعنی اے عائشہ تمہارا میری حیات میں وفات پانا بہتر ہے کہ تم میرے ہاتھوں غسل،کفن،نماز جنازہ پاؤ گی۔(مرقات)خیال رہے کہ خاوند اپنی بیوی کو نہ تو غسل دے سکتا ہے نہ ہاتھ لگا کر کفن پہنا سکتا ہے یہ حضور انور کی خصوصیت ہے کہ اپنی ازواج پاک کو بعد وفات کفن غسل دے سکتے ہیں،اسی طرح حضرت علی بھی اپنی زوجہ فاطمہ کو غسل اور کفن دے سکتے تھے بلکہ دیا اور حضور انور کی وفات کے بعد حضرت علی اور ازواج پاک نے مل کر غسل دیا۔یہ سب اس لیے تھا کہ حضور انور کی وفات یا ازواج پاک کی وفات سے ان کا نکاح نہیں ٹوٹتا قائم رہتا ہے،اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ فاطمہ دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہیں اوروں کے نکاح موت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

مسئلہ: خاوند کی موت سے بیوی کا نکاح کسی قدر باقی رہتا ہے کہ اس پر عدت واجب ہے لہذا وہ ضرورۃً خاوند کو غسل دے سکتی ہے مگر بیوی کی موت سے نکاح بالکل ہی ختم ہوجاتا ہے کہ وہاں عدت بھی نہیں اس لیے خاوند ضرورت پر بھی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا وہ بالکل ہی اجنبی ہوجاتا ہے۔یہ غلط مشہور ہے کہ خاوند بیوی کے جنازہ کو کندھا بھی نہ دے ضرور دے بلکہ ضرورت پڑنے پر قبر میں وہ ہی اتارے۔نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اور نبی کی وفات نکاح نہیں توڑتی،شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔

۴؎ یعنی میرا گمان یہ ہے کہ اگر میں وفات پا گئی تو آپ مجھے دفن کرکے اس ہی دن میرے ہی گھر میں دوسری بیوی سے آرام فرما ہوں گے یہ ہے حضور پر بخل جو عین عبادت ہے۔کسی نے کیا خوب کہا۔

نیناں میں جو آن بسو تو نیناں جھانپ ہی لوں نہ میں دیکھوں اور کو نہ توئے دیکھن دوں

۵؎ حضور کی وفات شریف درد سر اور بخار سے ہوئی ہے،بخار مبارک بیماری ہے دوسری بیماریاں ایک ایک عضو کو ہوتی ہیں اسی کے گناہ اس سے معاف ہوتے ہیں مگر بخار سارے جسم پر چھا جاتا ہے اور رگ رگ کے گناہ نکال کر معاف کرادیتا ہے۔

روایت ہے جعفر ابن محمد سے وہ اپنے والد سے راوی کہ ایک قریشی آدمی ان کے والد علی ابن حسین کے پاس	

آیا ۱؎ بولا کیا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ سناؤں آپ نے فرمایا ہاں ہم کو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناؤ وہ بولا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کے پاس جبریل آئے ۲؎ عرض کیا اے محمد مجھے اللہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے خصوصیت سے آپ کی عزت افزائی فرمانے احترام فرمانے کے لیے ۳؎ رب آپ سے اس کے متعلق پوچھتا ہے جو وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے کہ آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں ۴؎ فرمایا اے جبریل میں اپنے کو غمگیں پاتا ہوں اور اپنے کو ملول پاتا ہوں ۵؎ پھر حضور کی خدمت میں دوسرے دن حاضر ہوئے آپ سے یہ ہی عرض کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسا ہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا پھر آپ کے پاس تیسرے دن آئے تو وہی عرض کیا جو پہلے دن عرض کیا تھا اور حضور نے انہیں وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا ۶؎ اور ان کے ساتھ ایک فرشتہ آیا جسے اسمٰعیل کہا جاتا ہے ۷؎ وہ ایک لاکھ ایسے فرشتوں کا سردار ہے جو ہر ایک ایک لاکھ پر سردار ہے اس نے حضور سے اجازت مانگی پھر آپ سے اس سے متعلق پوچھا پھر جبریل نے کہا یہ موت کا فرشتہ آپ سے اجازت مانگ رہا ہے ۸؎ اس نے آپ سے پہلے کسی آدمی سے اجازت نہ مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی آدمی سے اجازت مانگے گا ۹؎ فرمایا اسے اجازت دے دو انہوں نے اسے اجازت دے دی پھر کہا اے محمد اللہ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تو اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کی جان قبض کر لوں اور اگر آپ مجھے چھوڑنے کا حکم دیں تو اسے چھوڑوں دوں ۱۰؎ تو فرمایا اے ملک الموت کیا تم یہ کام کرو گے ۱۱؎ عرض کیا ہاں مجھے اسی کا حکم ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی اطاعت کروں،فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا ۱۲؎ تو جبریل نے عرض

	کیا کہ اے محمد اللہ تعالٰی آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۱۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت سے فرمایا کہ جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے وہ کر گزرو چنانچہ انہوں نے آپ کی روح قبض کرلی ۱۴؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور تعزیت کا وقت آیا۱۵؎ تو لوگوں نے گھر کے ایک کنارہ سے آواز سنی کہ اے گھر والوں تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں اللہ کی راہ میں ہر مصیبت سے صبر کرنا ہے ۱۶؎ اور ہر فوت شدہ کا خلیفہ ہے ۱۷؎ اور ہر گزر جانے والے کا عوض ہے ۱۸؎ تو اللہ سے ہی ڈرو اور اس سے امید رکھو پورا مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم کردیا گیا۱۹؎ حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے یہ خضر علیہ السلام ہیں۲۰؎ (بیہقی دلائل النبوہ)۲۱؎

۱؎ یعنی حضرت امام جعفر صادق اپنے والد محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریشی ان کے والد حضرت امام زین العابدین کے پاس آیا۔امام حسین کے تین بیٹے تھے،تینوں کے نام علی تھے علی اکبر،علی اوسط،علی اصغر۔علی اوسط امام زین العابدین ہیں،علی اکبر علی اصغر کربلا میں شہید ہوئے۔

۲؎ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔امام زین العابدین صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں،تابعی کا کسی حدیث کو حضور کی طرف نسبت کرنا ارسال ہے۔

۳؎ یعنی اللہ تعالٰی نے مرض وفات میں آپ کے سوا کسی کی مزاج پرسی نہیں فرمائی یہ آپ کی خصوصیت ہے۔خیال رہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری میں بھی رب تعالٰی ان کی مزاج پرسی فرماتا تھا جیساکہ تفسیر روح البیان وغیرہ میں ہے اسی لیے آپ صحت یاب ہونے کے بعد اس مزاج پرسی کے بند ہو جانے پر رویا کرتے تھے،فرماتے تھے کہ وہ خطاب بڑا ہی لذیذ ہوتا تھا مگر وہ مزاج پرسی مرض وفات میں نہ تھی لہذا یہ مزاج پرسی حضور کی خصوصیت ہے اور خاصة لك فرمانے پر کوئی اعتراض نہیں۔

۴؎ سبحان اللہ! کیسی بیماری ہے اور کیسی پیاری مزاج پرسی،اس بیماری پر ہزار ہا تندرستیاں قربان ہوں جس میں رب تعالٰی مزاج پوچھے۔

سر بالیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے   حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے

۵؎ غم اور کرب یعنی تکلیف میں فرق ظاہر ہے یہ غم و تکلیف اپنی امت اور اپنے دین کے فکر سے تھی کہ میری امت اور میرے دین کا میرے بعد کیا بنے گا۔(اشعۃ اللمعات)لہذا یہ فرمان بے صبری نہیں اور اگر مرض کی تکلیف مراد ہے تب بھی بے صبری نہیں۔تیمار دار جب اپنا غمگسار بھی ہو تو اس سے اپنی تکلیف کا اظہار بے صبری نہیں،یہ عرض

رب تعالٰی سے ہے۔یعقوب علیہ السلام سید الصابرین ہیں مگر فرماتے ہیں"اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ"رب کی بھیجی ہوئی تکلیف مزیدار ہوتی ہے اور اس کی مزاج پرسی زیادہ لذیذ۔

اب حالت زخم جگری پوچھتے کیا ہو　　　جب تم ہی نمک پاش ہو پھر کیوں نہ مزہ ہو

۶؎خیال رہے کہ ان تینوں دنوں میں صرف مزاج پرسی کی گئی نہ تو صبر کی تلقین کی گئی نہ تخفیف تکلیف کا وعدہ فرمایا گیا کہ اچھا ہم مرض ہلکا فرمادیں گے۔مطلب یہ ہے کہ مرض ویسا ہی رہے گا ہاں مزاج پرسی فرماتے رہیں گے تاکہ اس کی لذت سے مرض کی تکلیف محسوس نہ ہو۔حسن یوسفی سے مست ہوکر مصری عورتیں ہاتھ کٹنے کی تکلیف محسوس نہ کرسکیں تو خطاب الٰہی کی لذت میں مرض کی تکلیف کا احساس کیا ہو۔

۷؎اسماعیل فرشتے کا ہیڈکوارٹر پہلا آسمان ہے یعنی آسمان دنیا،یہ فرشتہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ہی آیا تھااس فرشتہ نے بھی حضور سے حاضری کی اجازت مانگی تھی۔

۸؎حضرت جبریل اور اسمٰعیل دونوں فرشتے پہلے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے تھے حضرت عزرائیل علیہ السلام نے بعد میں آنے کی اجازت مانگی۔

۹؎خیال رہے کہ حضرت ملک الموت نے ان تمام نبیوں کی جان ان کی اجازت سے قبض فرمائی مگر کسی نبی سے ان کے گھر میں آنے کی اجازت نہیں مانگی،یہ حاضری کی اجازت مانگنا حضور کے لیے خاص ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

بے اجازت ان کے گھر میں جبریل آتے نہیں　　　آنکھ والے جانتے ہیں احترام اہلِ بیت

رب فرماتا ہے:"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَكُمۡ"اس حکم میں فرشتے بھی داخل ہیں۔الذین امنو میں کبھی صرف انسان مؤمن داخل ہوتے ہیں،کہیں جن و انس مسلمان اور کہیں جن و انس فرشتے سارے مؤمنین یہاں آخری صورت ہے،اس کی تحقیق ہماری تفسیر میں دیکھو۔

۱۰؎حضرت ملک الموت کی یہ دوسری اجازت طلبی ہے پہلی اجازت دولت خانہ میں حاضری کی تھی اور یہ اجازت طلبی قبض روح کی ہے یہ اجازت سارے نبیوں سے لی جاتی ہے یہ فرق خیال میں رہے۔اترکہ میں ہ کا مرجع روح ہے۔روح کے لیے ضمیر مذکر و مؤنث دونوں آتی ہیں۔(مرقات)خیال رہے کہ فرشتوں سے یہ سوال و جواب اس طرح ہوئے جو دوسروں کو محسوس نہ تھے یا حضور انور کو خبر ہوئی،یا ان فرشتوں کو یا حضور کے بتانے سے یا خاص کشف سے جو صاحبِ کشف صحابہ کو معلوم ہوئے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس وقت تو صرف حضرت عائشہ حاضر تھیں جن کے سینہ پر حضور انور کا سر تھا وہ تو یہ روایات بیان نہیں فرماتیں جیسے ام المؤمنین کے بستر میں وحی آتی تھی انہیں خبر بھی نہ ہوتی تھی حضور فرماتے تھے کہ اے عائشہ تم کو جبریل سلام کہہ رہے ہیں ایسے ہی یہ گفتگو ہوئی۔بعض واعظین بیان کردیتے ہیں کہ ملک الموت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کی طویل گفتگو ہوئی کہ ملک الموت نے آنے کی اجازت مانگی جناب فاطمہ رضی اللہ عنھا نے انکار کیا،پھر بہت دراز گفتگو ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا فاطمہ کیا ہے آپ نے واقعہ بیان کیا،فرمایا یہ تیرے گھر کا ادب ہے جو وہ اجازت مانگ رہے ہیں،یہ ملک

الموت ہیں کسی سے اجازت نہیں مانگا کرتے،یہ سب غلط ہے حضور اس وقت نہ تو فاطمہ زہرا کے گھر میں تھے نہ فاطمہ زہرا وہاں موجود تھیں اس روایت کا کہیں ثبوت نہیں۔

۱۱؎ یعنی کیا تم جان قبض کرنے نہ کرنے میں میری بات مانو گے میری اطاعت کرو گے۔

۱۲؎ حضور کا حضرت جبریل کو دیکھنا مشورہ لینے کے لیے تھا کہ بولو کیا رائے ہے چلیں یا یہیں رہیں۔

۱۳؎ یعنی رب تعالٰی کا آپ کو بلانا محبت خاص کی بنا پر ہے،رب تعالٰی کو آپ کی وہاں تشریف آوری کا شوق ہے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی ہر جگہ سے ہر چیز کو دیکھتا ہے وہ حضور انور سے دور نہیں تھا کہ اللہ تعالٰی تو ہر وقت حضور سے قریب ہے "نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ" پھر مشتاق ہونے کے کیا معنی،اپنے گھر اپنے قرب میں بلانے کا مشتاق تھا۔رب تعالٰی کو مشتاق کہا جاسکتا ہے،یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کو شوق ملاقات تھا اسے اشتیاق تھا۔

۱۴؎ قبض روح کی صورت پہلے مذکور ہوچکی کہ حضور کا ہاتھ دعا کے لیے اٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرت عائشہ صدیقہ کی گود میں گر گیا جس سے پتہ چلا کہ وفات ہوگئی۔

۱۵؎ اس طرح کہ گوشہ گوشہ سے تعزیت کے پیغام آنے لگے۔تعزیت کے معنی ہیں پس ماندگان کو تسلی دینا۔تعزیت دفن سے پہلے بھی ہوتی ہے اور بعد دفن بھی،یہ تعزیت دفن سے پہلے تھی ابھی سرکار کا جسم اطہر گھر میں تھا۔

۱۶؎ یعنی آپ لوگ اللہ کو راضی کرنے کے لیے اس مصیبت عظمٰی پر صبر کرو اس کا بڑا اجر ہے۔

۱۷؎ جس کسی کو رب تعالٰی وفات دیتا ہے تو اس کے پیچھے والوں کا خود انتظام فرماتا ہے،اسکی بیوہ اس کے یتیموں کو خود سنبھالتا ہے یہ معنی ہیں خلیفہ کے۔حضور کی وفات سے امت یتیم رہ گئی اللہ تعالٰی اسے خود سنبھالے گا۔

۱۸؎ یعنی رب تعالٰی بندہ سے جب کوئی نعمت لے لیتا ہے تو اس کا عوض دنیا یا آخرت میں عطا فرماتا ہے بشرطیکہ بندہ صابر رہے۔

لکل شیئ اذا فارقته خلف　　　　ولیس ﷲ ان فارقت من عوض

یعنی ہر فوت شدہ چیز کا عوض مل جاتا ہے مگر جس سے اللہ کا راہ چھوٹ گیا اس کا عوض کچھ نہیں اللہ اس سے محروم نہ کرے۔

۱۹؎ یعنی بڑی مصیبت والا شخص وہ ہے جو مصیبت پر بے صبری کرکے اس کے ثواب سے محروم ہوجائے۔

۲۰؎ ظاہر یہ ہے کہ علی سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب ہیں،انہوں نے اس وقت حاضرین سے یہ فرمایا آواز پہچان کر بتایا۔ممکن ہے کہ علی سے مراد حضرت امام زین العابدین ہوں جنہوں نے اس وقت یہ فرمایا یعنی اس حدیث کی روایت کے وقت امام جزری نے حصن حصین شریف میں روایت کی کہ پہلے فرشتوں نے تعزیت کی۔حاکم نے مستدرک میں فرمایا کہ فرشتوں کی تعزیت کے بعد ایک سفید ریش نہایت حسین و جمیل تندرست لوگوں کو چیرتے ہوئے حضور انور کے جسم اطہر تک پہنچے اور یہ الفاظ کہے جو یہاں مذکور ہیں۔حضرت ابو بکر صدیق اور علی مرتضٰی نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں بہرحال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔(مرقات و اشعہ)

۱۲؎ بعض محدثین نے اسے ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے مگر چونکہ یہ حدیث بہت سندوں سے مروی ہے،ان سندوں کے تعداد سے متن حدیث قوی ہوگیا اور یہ حدیث حرام حلال احکام شرعیہ کی نہیں صرف فضائل کی ہے،فضائل میں حدیث ضعیف بھی مقبول ہے۔(مرقات)مگر اس حدیث کا مطلب وہ ہی ہے جو فقیر نے ابھی عرض کیا۔

باب

باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یہ باب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا تتمہ ہے،اس میں وفات شریف کے متعلق متفرق چیزیں بیان ہوں گی اس لیے اس باب کا ترجمہ مقرر نہیں فرمایا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑانہ درہم نہ بکری نہ اونٹ ۱ اور نہ کسی چیز کی وصیت فرمائی ۲ (مسلم)	

۱ یعنی ان چیزوں میں سے کچھ بھی میراث بنا کر نہ چھوڑی جو کچھ چھوڑا وہ وقف فی سبیل اللہ کرکے چھوڑا کہ ان کا وارث کوئی نہ ہو سارے مسلمان فائدہ اٹھائیں۔لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور نے اپنے ایک خچر اور قصوااونٹنی اور نو حجرے اور بنی نضیر کے مال اور فدک باغ چھوڑے کیونکہ یہ سب کچھ وقف فی سبیل اللہ ہوئے کسی وارث کو کچھ نہ ملا۔دیکھ لو کہ نو حجرے روضہ اطہر بنادیئے گئے،اس میں حضور انور اور جناب صدیق وفاروق کی قبریں بنیں۔مقبرہ وقف ہوتا ہے کسی کی ملک نہیں ہوتا،بقیہ سارے مالوں کا یہ ہی حال ہوا۔کتب تواریخ میں جوآتا ہے کہ حضور انور کی بیس اونٹنیاں بہت سے اونٹ اور سات بکریاں سات بھیڑیں تھیں وہ غلط ہے،اس حدیث نے ان سب کی نفی کردی وہ جانور صدقات کے تھے ان کا حضور انور انتظام فرماتے تھے۔(از مرقات و لمعات)اس کی تصریح ابھی آگے آرہی ہے۔

۲ یعنی اپنے کسی مال کی وصیت کسی کے لیے نہیں کی کہ فلاں مال فلاں کو دینا ورنہ حضور انور نے نماز تقویٰ طہارت کی وصیت ساری امت کو فرمائی۔خیال رہے کہ جس مال کی میراث تقسیم نہیں ہوتی اس کی وصیت بھی نہیں ہوسکتی،میراث اور وصیت گویا ہم جنس ہیں۔جب حضور انور کا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں۔بعض لوگ ام المؤمنین سے کہتے تھے کہ حضرت علی حضور کے وصی ہیں،آپ نے باغ فدک وغیرہ کی وصیت انہیں کی تھی تو آپ تردید میں فرماتی تھیں کہ حضور انور کا وصال تو میرے سینہ پر ہوا وصیت کس وقت کردی وصال کے وقت تو میں موجود تھی۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن حارث سے جو جناب جویریہ کے بھائی ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ اشرفی چھوڑی نہ درہم نہ غلام نہ لونڈی ۱ نہ کوئی اور چیز سواء اپنے سفید خچر کے ۲ اور	

اپنے ہتھیار ۳؎ اور زمین کے جنہیں وقف فرمایا ۴؎ (بخاری)	

۱؎ حضور انور کے جو لونڈی غلام تھے یا تو حضور کی حیات شریف میں وفات پا گئے تھے یا حضور انور نے انہیں آزاد فرمادیا تھا،آپ نے کوئی غلام یا لونڈی نہ چھوڑی۔

۲؎ اس خچر کا نام دلدل تھا،یہ مقوقش شاہ اسکندریہ نے حضور انور کی خدمت میں تحفہ پیش کیا تھا۔(اشعہ)

۳؎ ان ہتھیاروں میں ایک زرہ تھی جو ایک یہودی کے پاس گروی تھی،ایک نیزہ تھا،ایک خود،ایک تلوار ذوالفقار تھی،گھر کے کپڑے کمبل شریف وغیرہ کا یہاں ذکر نہیں کہ وہ معمولی چیز ہیں۔(مرقات)

۴؎ **جعلها** کا مرجع مذکورہ تینوں چیزیں ہیں یعنی یہ سب چیزیں حضور نے وقف فرمادیں تھیں اپنے اس فرمان عالی سے کہ **ما ترکناہ صدقة**۔حضور انور کی ملک چار چیزیں تھیں:فدک کا نصف حصہ،وادی قریٰ کا تہائی،خیبر کا پانچواں حصہ اور کچھ بنی نضیر کی زمین کا یہ تمام چیزیں وقف ہوگئیں تھیں۔بعد وفات حضرت فاطمہ نے اور حضور انور کی ازواج مطہرات نے حضرت صدیق اکبر سے میراث مانگی،آپ نے سب کو انکار فرمادیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کی تولیت حضرت علی و عباس کو دی،جھگڑا ہوجانے پر ان دونوں نے تقسیم کی درخواست کی جو نامنظور ہوئی،تمام خلفاء کے زمانوں میں یہ وقف ہی رہیں،مروان ابن حکم نے ان پر قبضہ کرلیا۔(از اشعہ و مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے وارثین اشرفی تقسیم نہ کریں ہم جو چھوڑیں ہماری بیویوں کے خرچہ ۱؎ اور ہمارے نوکروں کی تنخواہ کے بعد وہ وقف ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حق یہ ہے کہ حضور انور کی وفات سے آپ کا نکاح ٹوٹتا نہیں اس لیے کہ حضور انور زندہ ہیں لہذا حضور پر اپنی ازواج کا خرچہ بعد وفات بھی واجب ہے جو آپ کا خلیفہ ادا کرے گا۔بعض نے فرمایا کہ حضور کی ازواج ہمیشہ گویا عدت میں رہتی ہیں اور عدت کا خرچہ خاوند پر ہوتا ہے لہذا ان کا خرچہ حضور پر لازم ہے۔عامل سے مراد یا تو خلیفہ ہے یا حضور کی زمین میں کام کاج کرنے والے مگر حق یہ ہے کہ جو مسلمانوں کا کام کرے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نوکر ہے،اس کی تنخواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جاری ہوتی ہے۔(مرقات)لہذا ہم سب لوگ علماء مشائخ،سلاطین،وزراء حکام سب حضور کے نوکر چاکر ہیں،انہیں تنخواہ حضور کے ہاں سے ملتی ہے کسی کو تو کسی نوکری وغیرہ کے ذریعہ سے اور کسی کو محض توکل کے وسیلہ سے۔فقیر کی آزمائش تو یہ ہے کہ جو شخص ان کی نوکری کرے اسے گھر بیٹھے تنخواہ ملتی ہے،جس جانور کو کھونٹے سے باندھ دیا جاوے اس کی ساری ضرورتیں چارہ،پانی دوا وغیرہ کھونٹے پر ہی پہنچایا جاتا ہے۔خدا کرے کہ ان کی نوکری مل جاوے وہ نوکر رکھ لیں یعنی ان دو خرچوں کے بعد جو باقی بچے وہ عام مسلمانوں پر صدقہ ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضور عمر ابن عبدالعزیز نے مروان کے تمام مظالم ختم کیے،اس کے قبضہ میں حضور کی زمینیں واگذار کرکے وقف کیں۔(مرقات)

۲؎ یعنی ہماری وفات کے بعد ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی۔سارے انبیاءکرام کا یہ ہی حکم ہے،قرآن کریم میں جو ہے"وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ"وہاں علم کی میراث مراد ہے نہ کہ مال کی اسی لیے آگے ہے"وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ"۔نیز اگر مالی میراث مراد ہوتی تو صرف حضرت سلیمان کا ذکر نہ ہوتا بلکہ حضرت داؤد کے بارہ بیٹے ۹۹ بیویوں وغیرہم سب کا ذکر ہوتا۔خیال رہے کہ عمومًا وراثت مال نسب سے ملتی ہے وراثت کمال نسبت سے اور وراثت احوال فنا سے۔حضور کا مال نہیں بٹتا حضور کے کمال حضور کے احوال تقسیم ہوتے ہیں،خدا تعالٰی ہم کو حضور سے نسبت دے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم مورث نہیں ہوتے ۱؎ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے(مسلم،بخاری)

۱؎ صدقہ سے مراد ہے وقف،وقف کے منافع لوگ حاصل کرتے ہیں اصل محفوظ رہتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ جب اپنے بندوں میں سے کسی گروہ پر رحمت چاہتا ہے تو اس کے نبی کو اس سے پہلے وفات دیتا ہے پھر اس نبی کو اس کے آگے پیشرو بناتا ہے ۱؎ اور جب کسی گروہ کی ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے نبی کی زندگی میں عذاب دیتا ہے کہ نبی اسے دیکھتا ہے پھر اس کی ہلاکت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے جب وہ اسے جھٹلاتے ہیں ۲؎ اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔(مسلم)

۱؎ یہاں سلف اور فرط ایک ہی معنی میں ہیں اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔مؤمن مرکر نہ تو لاوارث ہوتا ہے نہ اجنبی گھر میں جاتا ہے،اس کے والی وارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے وہاں پہنچ چکے ہیں،ان کی آغوش رحمت میں جاتا ہے بھرے گھر میں اترتا ہے۔

۲؎ اللہ تعالٰی نے گذشتہ جلالی نبیوں کی نافرمان امتوں کو ان کے سامنے ہلاک فرماکر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور ہمارے حضور کی نافرمان امت کو حضور کے سامنے ہی ہدایت دے کر آپ کا مطیع بناکر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔چنانچہ مکہ معظّمہ کے نافرمان کافر فتح مکہ کے دن سارے کے سارے ایمان لائے حضور کے مطیع ہوئے۔جلالی پیغمبروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہے حضور کی آنکھوں کی ٹھنڈک کچھ اور،ہر آنکھ کے لیے ٹھنڈا سرمہ علیحدہ ہے۔خیال رہے کہ حضور انور بھی ہر مؤمن کی آنکھ کی ٹھنڈک،دل کا چین،بے قراروں کا قرار،بے کسوں کے کس،بے بسوں کے بس،بے سہاروں کے سہارا ہیں۔

تم ہو دوائے درد دل تم ہو قرار بے قرار　　　　دل کی لگی میرے نبی تیرے سوا بجھائے کون

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ تم میں سے کسی پر وہ دن آوے گا کہ وہ مجھے نہ دیکھے ۱؎ تو اسے میرا دیکھنا زیادہ پیارا ہوگا اپنے گھر والوں سے جب کہ اس کا مال بھی ان کے ساتھ ہو ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی اے میرے صحابہ اس وقت کو غنیمت جانو کہ تم کو میرا دیدار میسر ہے،عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم میرے دیدار کو ترس جاؤ گے اور کہا کرو گے۔

قافلہ سالار سفر کر گیا　　　　قافلہ کو زیر و زبر کر گیا

۲؎ یعنی مسلمان تمنا کریں گے کہ کوئی ہمارے گھر والوں اہل و عیال کو بمع مال ہم سے لے لے اور ہم کو ایک نظر حضور کا جمال دکھادے بلکہ خواب میں ہی دیدار کرادے،دیکھ لو آج مدینہ کی گلیوں کے لیے ہم لوگ ترستے ہیں۔میں نے مدینہ منورہ کے ایک جلسے میں اہلِ مدینہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مدینہ والوں تمہیں کیا خبر کہ مدینہ کیا ہے یہ تو ہم مہجوروں سے پوچھو سات آٹھ سال تک قرعہ میں نام نہیں نکلتا،جب خدا خدا کرکے نام نکلتا ہے تو ہم لوگوں کی عید ہوجاتی ہے پھر ہزاروں روپیہ خرچ کرکے مدینہ منورہ پہنچتے ہیں،صرف آٹھ دس دن کے بعد نکلنے کا حکم مل جاتا ہے تو تمہارا منہ تکتے ہوئے چلے جاتے ہیں،اس پر لوگ چیخیں مار کر رونے لگے۔ہمارا قصیدہ وداعیہ پڑھو۔

دور سے آئے تھے پردیسی غلام　　　　عرض کرنے کو غلامانہ سلام

آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب　　　　یہ تو فرماؤ کہ بلواؤ گے کب

چشم رحمت سے نہ تم کریو جدا　　　　رکھیو اپنے سایہ میں ہم کو سدا

باب مناقب قریش و ذکر القبائل

قریش کے فضائل اور قبائل کے ذکر کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مناقب جمع ہے منقبة کی جس کا مادہ ہے نقب،بمعنی پہاڑی دشوار گزار راستہ۔اصطلاح میں فضیلت بزرگوں کو منقبت کہتے ہیں کہ انسان بمشکل اسے حاصل کرتا ہے،اسی سے ہے نقیب بمعنی سردار۔قریش اس بڑی مچھلی کو کہتے ہیں جو اور مچھلیوں کو کھائے اسے کوئی نہ کھائے،اصطلاح میں نضر ابن کنانہ کی اولاد کو قریش کہتے ہیں کہ یہ سب سے افضل ہے۔قبیلہ ایک دادا کی اولاد کو کہتے ہیں،اونچا قبیلہ شعب ہے،اس کے نیچے قبیلہ،اس کے نیچے عمارت،اس کے نیچے بطن،اس کے نیچے فخذ ہے جیسے اردو میں قبیلہ،خاندان،نسب،کنبہ وغیرہ۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ اس کام میں قریش کے تابع ہیں ان کے مسلم قریش کے مسلمانوں کے تابع ہیں اور ان کے کافر قریش کے کافروں کے تابع ۱؎ (مسلم)

۱؎ اس فرمان عالی کے بہت معنی کیے گئے ہیں۔قوی معنی یہ ہیں کہ زمانہ کفر میں بھی قریش تمام لوگوں کے سردار تھے کہ یہ حرم شریف کے باشندے،کعبہ کے پاسبان کلید بردار وغیرہ تھے حتی کہ کفار عرب ان کا لباس لے کر طواف کرتے تھے ورنہ ننگے،پھر ہدایت و اسلام میں بھی بقیہ لوگوں کے سردار ہوئے کہ حضور انور انہیں میں تشریف لائے،خلافت انہیں میں ہے۔کفار عرب فتح مکہ کے منتظر تھے یہ فتح ہوا تو سب لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہوگئے بہرحال قدرتی طور پر ہمیشہ سے ہمیشہ تک قریش افضل تھے اور ہیں اور رہیں گے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ بھلائی برائی میں قریش کے تابع ہیں ۱؎ (مسلم)

۱؎ خیر سے مراد اسلام اور شر سے مراد ہے کفر یعنی قریش دوسرے کفار کے سردار تھے اور مؤمنین قریش دوسرے مؤمنوں کے سردار ہیں،یہ مضمون بہت طرح سے احادیث میں وارد ہے۔احمد نے حضرت علی سے مرفوعًا روایت کی کہ اگر میں جنت کی زنجیر کھولوں تو پہلے بنی ہاشم کو وہاں داخل کروں۔(مرقات)معلوم ہوا کہ خاندانی بزرگیاں قابل قبول ہیں،رب نے بنی اسرائیل سے فرمایا:"وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

	کہ یہ چیز قریش میں ہے جب تک کہ ان میں سے دو بھی رہیں ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ خلافت وہ سلطنت ہے جس میں نیابت رسول بھی ہو۔یہاں **ھذا الامر** سے مراد خلافت اسلامیہ ہے اور یہ خبر بمعنی امر ہے یعنی اگر دنیا میں دو قریشی بھی رہ جائیں تب بھی خلیفۃ المسلمین قریشی ہی ہونا چاہیے کہ ایک قریشی خلیفہ ہو اور دوسرا قرشی اور باقی لوگ اس کی رعایا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آج تو عرصہ سے حکومت قریشیوں سے نکل چکی ہے۔خیال رہے کہ خلیفہ صرف قرشی ہی ہوسکتا ہے مگر سلطان اسلام ہر مسلمان ہوسکتا ہے۔خلافت اور ملوکیت میں یہ فرق ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے ملوکیت و سلطنت عام،پھر خلافت دو قسم کی ہے: خلافت راشدہ اور غیر راشدہ۔خلافت راشدہ خلفاء اربعہ ابوبکر صدیق،عمر فاروق،عثمان غنی اور حضرت علی پر ختم ہوگئی۔اس کے چھ ماہ حضرت امام حسن نے پورے کیے،بعد میں خلافت غیر راشدہ یا ملوکیت ہوئی۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ خبر ہی ہے مگر اس میں عدل و انصاف کی قید ہے جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ اگر قریش عادل و منصف رہیں تو خلافت ان ہی میں رہے گی اگرچہ دو قرشی ہوں جب کہ ان میں انصاف نہ رہا تو ان سے خلافت نکل جاوے گی تب بھی حدیث ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ چیز قریش میں ہے کہ نہیں دشمنی کرے گا ان کی کوئی مگر اسے اللہ اس کے منہ کے بل اوندھا ڈال دے گا جب تک کہ دین قائم کریں ۱؎(بخاری)

۱؎ یعنی جب تک کہ قریش عدل و انصاف کریں دین اسلام قائم رکھیں تب تک ان کی شان یہ ہوگی کہ وہ خلیفۃ المسلمین ہوں گے اور ان کا دشمن ذلیل و خوار ہوگا مگر جب قریش ہی دین سے الگ بلکہ دین کے دشمن ہوجاویں تو نہ وہ اس خلافت کے مستحق رہیں گے نہ ان کا مخالف ذلت و خواری کا حق دار بلکہ پھر حکومت دوسروں کو ملے گی،اس حدیث نے پچھلی حدیث کو واضح کردیا۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اسلام بارہ خلیفوں تک غالب رہے گا ۱؎ جو سارے کے سارے قریش کے ہوں گے اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کا دین جاری رہے گا جب تک ان میں بارہ شخص والی ہوں جو سب قریش سے ہوں گے اور ایک روایت میں ہے کہ دین قائم رہے گا حتی کہ قیامت قائم ہو جاوے یا ان پر بارہ خلیفہ ہوں جو سارے قریش سے ہوں ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں خلافت سے مراد خلافت نبوت نہیں یعنی خلافت راشدہ کیونکہ اس کی مدت صرف تیس سال ہے جو امام حسن پر ختم ہوتی ہے بلکہ خلافت امارت مراد ہے،خلیفہ بمعنی امیر ہے۔اہل سنت کے نزدیک اس فرمان عالی کے چند معنی کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ یہ واقعہ امام مہدی کے بعد سے قیامت تک ہوگا ڈیڑھ سو سال میں یہ بارہ خلفاء ہوں گے،پہلے پانچ خلیفہ سبط اکبر یعنی امام حسن کی اولاد ہیں،پھر پانچ خلیفہ سبط اصغر یعنی امام حسین کی اولاد میں،پھر ایک خلیفہ امام حسین کی اولاد میں جیساکہ بعض احادیث میں ہے۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ خلفاء مختلف وقتوں میں ہوں گے۔تیسرے یہ کہ حضور انور کے بعد سے مسلسل بارہ امیروں کے زمانہ تک دین غالب رہے گا کفار کا غلبہ نہ ہوسکے گا اگرچہ ان میں سے بعض فاسق ظالم ہوں گے جیسے یزید ابن معاویہ وغیرہ۔چوتھے یہ کہ آخری زمانہ میں بیک وقت بارہ بادشاہ مختلف ممالک میں ایسے ہوں گے جن کے سبب اسلام غالب ہوگا۔واللہ اعلم!(اشعۃ اللمعات)اس حدیث سے شیعہ اپنے بارہ امام ثابت کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:
علی،حسن،حسین،امام زین العابدین،محمد باقر،جعفر صادق،موسیٰ کاظم،علی رضا،محمد تقی،علی تقی،حسن عسکری،آخری میں امام مہدی کہ یہ حضرات خلفاء برحق ہیں یعنی مستحق خلافت اگرچہ ان میں سے اکثر بظاہر خلیفہ نہ ہوئے۔(مرقات)مگر یہ قول صراحۃً باطل ہے کہ شیعہ کے نزدیک ان کا زمانہ تاقیامت ہے ان کے زمانوں میں دین کہاں غالب رہادین مغلوب ہوگیا حتی کہ امام مہدی کو غار میں چھپ جانا پڑا اب وہ قریب قیامت ہی آئیں گے۔اہل سنت کی مذکورہ چار شرحوں میں تیسری شرح قوی معلوم ہوتی ہے،ان میں بارہ بادشاہوں میں آخری بادشاہ ولید ابن یزید ابن عبدالملک ابن مروان ہے،اس بادشاہ کے قتل ہونے پر مسلمانوں میں بڑا اختلاف پیدا ہوگیا ،دیکھو اشعۃ اللمعات یہ ہی مقام۔خلافت راشدہ اور غیر راشدہ اور امارت و سلطنت کا فرق ملحوظ رہے۔
۲؎ ان دونوں روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غفار کی اللہ مغفرت کرے،سالم کو اللہ سلامت رکھے ۱؎ اور عصیہ نے اللہ رسول کی نافرمانی کی ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ قبیلہ غفار اور اسلمہ بغیر جنگ و جدال اسلام لائے،ان میں بڑے بڑے نامور صحابہ ہوئے جیسے حضرت ابو ذر غفاری، ان وجوہ سے ان کی تعریف فرمائی۔قبیلہ غفار پہلے حاجیوں کی چوری میں بدنام تھا،حضور نے ان کی مغفرت کی دعا فرمائی کہ خدایا زمانہ جاہلیت میں جو انہوں نے گناہ کیے ہیں وہ معاف فرمادے،قبیلہ اسلمہ والوں کو اسلمی کہتے ہیں۔
۲؎ عصیہ قبیلہ وہ ہے جنہوں نے دھوکہ سے ستر قاری صحابہ کو بیر معونہ لے جا کر شہید کردیا جن پر حضور انور نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی یہ واقعہ مشہور ہے،ان کے متعلق ارشاد ہورہا ہے کہ اس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی لہذا یہ ہماری دعاؤں کا مستحق نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قریش اور انصار اور جہینہ اور مزینہ اور اسلم اور غفار اور اشجع آپس میں	

	دوست ہیں ۱؎ان کا اللہ رسول کے سوا کوئی دوست نہیں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ موالی اگری کے شد سے ہو تو معنی ہیں کہ یہ ساتوں قبیلے میرے دوست میرے پیارے ہیں اور اگری کے سکون سے ہو تو معنی یہ ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے اسلامی دوست ہیں ان کے دلوں میں غبار نہیں۔
۲؎ یعنی ان ساتوں قبیلوں کو صرف اللہ رسول سے محبت ہے،ان کی وجہ سے مسلمانوں سے الفت ہے،یہ کفر اور کفار سے بالکل محبت نہیں رکھتے ان سے کٹے ہوئے اور ان سے بے تعلق ہیں۔معلوم ہوا کہ کفار سے کٹا ہوا رہنا ایک محمود وصف ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلم اور غفار اور مزینہ جہینہ بہتر ہیں بنی تمیم اور بنی عامر اور دونوں حلیفوں بنی اسد اور بنی غطفان سے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی یہ مذکورہ چار قبیلہ بنی تمیم و بنی عامر سے افضل ہیں کیونکہ یہ چاروں قبیلے بنی تمیم سے پہلے اسلام لائے اور ان میں ایمان کے آثار بہت قوی ہیں۔خیال رہے کہ تمیم اس قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا نام ہے۔ایک بار حضور انور نے بنی تمیم سے فرمایا تھا کہ بشارت قبول کرو یہ بولے حضور آپ نے ہم کو بشارتیں تو دے دیں ہم کو کچھ مال دیجئے،حضور انور کو اس جواب سے بہت صدمہ ہوا اور بنی اشعر قبیلہ سے فرمایا کہ اگر بنی تمیم نے بشارت قبول نہ کی تو تم قبول کرو اور انہوں نے بہت خوشی سے کہا کہ ہم قبول کرتے ہیں یارسول اللہ۔قبیلہ بنی اسعد اور بنی غطفان زمانہ جاہلیت میں ایک دوسرے کے حلیف تھے کہ ہم میں سے جس پر کوئی آفت آئے تو دوسرا اس کی مدد کرے جیساکہ عرب میں دستور تھا۔بہرحال وہ چار قبیلے ان قبیلوں سے افضل ہیں،وجہ افضلیت حضور ہی جانتے ہیں ہمارا تو ان کی زبان ان کے فرمان پر ایمان ہے جس کو افضل کردیا وہ افضل ہے جسے نیچا کردیا وہ نیچا ہے۔

قسم خدا کی نہ اٹھ سکا قیامت تک ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں تین وجہوں سے بنی تمیم سے محبت کرتا رہا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق فرماتے سنا،میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ یہ لوگ میری امت میں دجال پر سخت تر ہوں گے ۱؎فرمایا ان کے صدقے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہماری قوم کے صدقے ہیں ۲؎اور جناب عائشہ کے پاس ان میں کی ایک لونڈی تھی تو فرمایا کہ اسے آزاد کردو کہ یہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی دجال کے خروج کے وقت بنی تمیم بہت زیادہ ہوں گے،دجال کا مقابلہ سب سے زیادہ یہ ہی کریں گے،یہ مقابلہ ان کے قوت ایمان کی دلیل ہے۔معلوم ہوا کہ بعض افراد کی عظمت کی وجہ سے ساری قوم کو عظمت مل جاتی ہےخواہ وہ افراد اب ہوں یا پہلے ہوچکے ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں۔یہاں تیسری قسم کی عظمت ہے کہ دجال سے مقابلہ کرنے والے تمیمی قریب قیامت ہوں گے مگر اس قوم کا احترام محبت آج ہی سے ہے۔

۲؎ یعنی حضور انور نے بنی تمیم کو اپنی قوم فرمایا،اس نسبت سے ان کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔

بد ہیں تو تمہارے ہیں بھلے ہیں تو تمہارے　　نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے

ہم لاکھ بار کہیں کہ حضور ہمارے رسول ہیں اگر وہ ایک بار فرمادیں کہ تو ہمارا امتی ہے تو تقدیر کھل جاوے۔

رضا قسمت ہی کھل جاوے جو طیبہ سے خطاب آئے　　کہ تو ادنی سگ درگاہ دربار معالی ہے

خیال رہے کہ ہم مذہب،ہم مشرب،ہم وطن،ہم پیشہ،ہم نسب،ہم زبان،ہم استاذ،ہم پیر ان سب کو قوم کہا جاتا ہے۔یہاں ہم وطن یا ہم زبان کے معنی سے قوم فرمایا گیا ورنہ بنی تمیم قرشی ہاشمی نہیں ہیں۔

۳؎ یعنی بنی تمیم عرب میں اولاد اسمٰعیل سے ہیں،اس خاندان اور عرب اس نسل کا غلام آزاد کرنا افضل ہے۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد پر احسان کرنا دوسروں پر احسان کرنے سے افضل ہے،اولاد سے سلوک آباء اجداد کی خوشنودی کا باعث ہے۔بعض مسلمان گیارہویں شریف کا کھانا حضور غوث پاک کی اولاد یعنی حسنی سیدوں کو کھلاتے ہیں یعنی انہیں ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہوسکتی ہے،اصل سے نسل کو شرف ملتا ہے مگر کبھی نسل سے اصل کو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جو قریش کو ذلیل کرنا چاہے گا خدا اسے ذلیل کرے گا ۱؎(ترمذی)	

۱؎ جو شخص قریشی خاندان کو ذلیل کرے وہ دنیا و آخرت میں یا فقط آخرت میں ذلیل و رسوا کیا جاوے گا اور جو قریش کو اس لیے ذلیل جانے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے تو وہ کافر ہے،اگر کسی قرشی سے ذاتی جھگڑا ہوجائے تو وہ دوسری بات ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی تو نے اگلے قریش کو تکلیف چکھائی ہے تو ان کے پچھلوں کو بخشش چکھا ۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی قریش پر اسلام لانے سے پہلے بدر،احزاب میں شکستیں اور اس سے پہلے خشک سالی قحط کی آفات آچکی ہیں،اب جب یہ لوگ مسلمان ہوچکے تو انہیں نعمتیں فتوحات ارزانی وغیرہ عطا فرما،یہ ہے کرم نوازی کہ دشمنی کے زمانہ کی تکالیف کا بھی انعام دلوارہے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو عامر اشعری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسد اور اشعری لوگ بہترین قبیلے ہیں ۲؎ وہ لوگ جنگ میں بھاگتے نہیں خیانت کرتے نہیں وہ مجھ سے ہیں میں ان سے ہوں ۳؎ (ترمذی)

۱؎ آپ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا ہیں،عظیم الشان صحابی ہیں،غزوہ حنین میں شہید ہوئے،حضور انور نے آپ کی وفات پر دعا کی کہ الٰہی اسے بہت سوں کی سرداری عطا فرما۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یہ دونوں قبیلے یمن کے ہیں ان میں بڑے بڑے صحابہ ہوئے۔

۳؎ یعنی ان قبیلوں میں تین وصف ہیں: بہادری کہ جنگ میں دشمن کے مقابلہ سے بھاگتے نہیں،امانت داری کہ کبھی خیانت نہیں کرتے،مجھ سے قرب روحانی کہ وہ مجھ سے قریب ہیں میں ان سے قریب،یہ تیسری بات سب سے اعلیٰ ہے۔قرب سے مراد روحانی اور دلی قرب ہے۔اس فرمان میں اشارہ اس جانب ہے کہ یہ لوگ متقی ہیں کیونکہ "اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ"۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ازد اللہ کا لشکر ہے زمین میں ۱؎ لوگ انہیں پست کرنا چاہیں گے اور اللہ نہ چاہے گا مگر انہیں بلند کرنا ۲؎ اور لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آوے گا کہ کوئی کہے گا ہائے ہائے کاش کہ میرا باپ ازدی ہوتا اور ہائے کاش کہ میری ماں ازدیہ قبیلہ کی ہوتی ۳؎ (ترمذی)اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ ازد شنوءہ ایک مشہور قبیلہ ہے جو ازد ابن یغوث کی اولاد سے ہے،سارے انصاری اس کی اولاد سے ہیں،یہ ازد ابن یغوث یمن میں رہتا تھاوہ ازد ابن یغوث ابن لیث ابن مالک ابن کہلان ابن سبا ہے،ان لوگوں کو ازد اللہ اس لیے کہا گیا کہ وہ پہلے ہی سے بڑے بہادر جنگ میں ثابت قدم رہنے والے تھے،پھر اس قبیلہ یعنی انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت شاندار خدمات انجام دیں اسلام کے پھیلانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی کفار انہیں ذلیل کرنا چاہیں گے مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ انہیں غالب اور عزت والا رکھے گا۔اس میں غیبی خبر ہے ایسا ہی ہوا اب تک انصار کا بڑا احترام ہے اور رہے گا۔

۳؎ یعنی قبیلہ ازد کی ایسی عزت ہوگی کہ لوگ اس پر رشک کریں گی حتی کہ بڑی عزت والے انسان بھی کہا کریں گے کہ کاش ہم بھی ازدی ہوتے حتی کہ کہا جاوے گا کہ ہماری ماں ہی ازدی ہوتی تو ہم کو اس نسبت سے شرف حاصل ہوتا۔معلوم ہوا کہ قبیلہ ازد کی بڑی عزت ہوگی۔

روایت ہے حضرت عمران بن حصین سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ آپ تین قبیلوں کو ناپسند کرتے تھے ثقیف اور بنی حنیفہ اور بنی امیہ ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،حضرت ابوہریرہ کے ساتھ خیبر کے سال اسلام لائے،تیس سال بستر علالت پر رہے،چلنے پھرنے سے معذور تھے،آپ کو فرشتے سلام کرتے تھے،ایک دوست آپ کی حالت زار دیکھ کر رونے لگے،آپ نے فرمایا اگر تم کو میری اندرونی حالت کی خبر ہوتی تو تم مجھ پر خوشی حاصل کرتے مجھے فرشتے برملا سلام کرتے ہیں انہیں جواب دیتا ہوں،اس لذت میں مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی،میری زندگی میں یہ بات کسی سے نہ کہنا۔(اشعہ)آپ نے ۵۲ھ باون میں بصرہ میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎ ثقیف بنی ہوازن کا ایک خاندان ہے اس خاندان کے مورث کا لقب ثقیف تھا،اس کا نام قسی ابن منبہ ابن اکبر ابن ہوازن ہے۔(مرقات)اور بنی حنیفہ بھی ایک قبیلہ ہے جو اثال ابن الحلیم کی اولاد ہے۔اثال کا لقب حنیفہ تھا،اسی قبیلہ کی عورت خولہ بن جعفر حنفِیہ ہے جو حضرت علی کی بیوی ہے اس کے بطن سے محمد ابن حنفِیہ پیدا ہوئے،اس سے جو نسل چلی انہیں علوی کہا جاسکتا ہے یعنی حضرت علی کی اولاد۔(از مرقات)اور بنی امیہ مشہور قبیلہ ہے اس قبیلہ سے حضرت عثمان ابن عفان ہیں،امیہ ہاشم کا بھائی تھا،ہاشم کی اولاد ہاشمی کہلاتی ہے،ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور امیہ کی اولاد اموی یا بنی امیہ کے نام سے موسوم ہے۔ان تینوں قبیلوں کو ناپسند فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بعض لوگ بڑے موذی و خطرناک ہوتے ہیں،بنی ثقیف میں ظالم حجاج ابن یوسف اور بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب جس نے دعویٰ نبوت کیا،بنی امیہ میں یزید عبید اللہ ابن زیاد جیسے ظالم ہوئے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ بنی امیہ کا ہر فرد حضور کو ناپسند تھا ورنہ حضرت عثمان بنی امیہ میں وہ ہستی ہیں جو حضور کی دو بیٹیوں کے خاوند ہوئے اس لیے آپ کو ذوالنورین یعنی دو نور والا کہا جاتا ہے،اس دنیا میں کوئی شخص کسی نبی کی دو صاحبزادیوں کا خاوند نہیں ہوا سوا آپ کے،ایسے ہی عمر ابن عبدالعزیز بنی امیہ سے ہیں رضی اللہ عنہم۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ثقیف میں ایک جھوٹا ہوگا اور ایک ہلاک کرنے والا،عبداللہ ابن عصمہ نے کہا کہ کہا جاتا ہے کہ جھوٹا تو مختار ابن ابی عبید ہے ۱؎ اور ہلاک کرنے والا حجاج ابن یوسف ہے ۲؎ ہشام ابن حسان نے کہا کہ انہیں گنو جنہیں حجاج نے باندھ کر قتل کیا ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ خیال رہے کہ بنی ثقیف میں مختار ابن عبید ابن مسعود ثقفی ہوا ہے جو واقعہ کربلا کے بعد شہداء کربلا کا بدلہ لینے کے بہانہ اٹھا لشکر عظیم اس کے ساتھ ہوگیا،اس نے عبداللہ ابن زیاد کو قتل کیا پھر دعویٰ نبوت کیا اور عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں مارا گیا اسی مختار کی قبر کوفہ میں ہے شیعہ لوگ اس قبر کا بڑا احترام کرتے ہیں مگر یہ مرا ہے مرتد ہو کر۔مختار کا باپ صحابی تھا،مختار ہجرت کے سال پیدا ہوا،۶۷ ہتّر میں اسے مصعب ابن عمیر نے قتل کیا سولہ مہینے حکومت کی۔(مرقات)

۲؎ حجاج ابن یوسف بادشاہ عبدالملک ابن مروان کی طرف سے عراق اور خراسان کا حاکم تھا،یہ واسط میں ہلاک ہوا شوال ۷۵ پچھتّر میں مرا عمر چون ۵۴ سال ہوئی۔

۳؎ یعنی جن مسلمانوں کو حجاج نے قتل کیا ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور جو مسلمان معرکہ جنگ میں شہید ہوئے ان کی تعداد پچاس ہزار ہے۔(اشعہ)دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ظالم ہوا ہو۔خدا کی پناہ!

	مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی کہ جب حجاج نے عبداللہ ابن زبیر کو قتل کیا تو بی بی اسماء نے کہا ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی کہ ثقیف میں ایک جھوٹا ہے اور ایک ہلاک کرنے والا جھوٹے کو تو ہم نے دیکھ لیا ۲؎ لیکن مہلک کو تو میں تجھے نہیں خیال کرتی مگر وہ ہی ۳؎ اور پوری حدیث تیسری فصل میں آوے گی۔

۱؎ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے قتل کا واقعہ ابھی تیسری فصل میں آرہا ہے حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق حضرت زبیر کی بیوی اور عبداللہ ابن زبیر کی والدہ عائشہ صدیقہ ام المؤمنین کی بہن ہیں رضی اللہ عنہا۔

۲؎ یعنی مسیلمہ کذاب جس نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا بہت لوگوں کو گمراہ کیا آخر وحشی کے ہاتھوں خلافت صدیقی میں مارا گیا تواریخ اس واقعہ سے بھری ہوئی ہیں۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظالم کا نام نہیں بتایا مگر تیرے کام بتارہے ہیں کہ تو وہی ہے کہ تو نے امت رسول کو بہت ہی قتل کیا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو ثقیف کے تیروں نے جلا ڈالا ۱؎ حضور ان پر بد دعا کریں فرمایا الٰہی ثقیف کو ہدایت دے ۲؎(ترمذی)

۱؎ یہ عرض و معروض غزوہ طائف میں ہوئی جبکہ مسلمانوں کو بنی ثقیف سے بہت تکلیف پہنچی۔(مرقات)صحابہ نے عرض کیا تھا کہ ان کی ہلاکت کی دعا فرمادیں۔

۲؎ چنانچہ حضور کی دعا سے سارے ثقفی لوگ ایمان لائے یہ ہے شان رحمۃ للعالمین۔

	روایت ہے عبدالرزاق سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ وہ مینا سے وہ حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ کے پاس ایک

شخص آیامیرا خیال ہے کہ وہ قبیلہ بنی قیس سے تھا۲؎ بولا یارسول اللہ حمیر پر لعنت کیجئے۳؎ حضور نے اس سے منہ پھیر لیاوہ آپ کے پاس دوسری طرف سے آیا آپ نے اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ اور طرف سے آیا حضور نے اس سے منہ پھیر لیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ حمیر پر رحم کرے ۴؎ ان کے منہ میں سلام ہے ان کے ہاتھوں میں کھانا ہے وہ امن اور ایمان والے ہیں ۵؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اسے ہم نہیں جانتے مگر عبدالرزاق کی حدیث سے اور ان مینا سے منکر حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔	

۱؎ آپ عبدالرزاق ابن ہمام ابن نافع ہیں،تبع تابعین میں سے ہیں اور یہ تابعی ہیں،ضعیف ہیں،عبدالرحمٰن ابن عوف کے غلام ہیں۔(اشعہ)

۲؎ یعنی وہ آنے والا شخص قبیلہ بنی قیس سے تھا،قیس غیلان ایک شخص تھا جس کا نام الیاس ابن مضر تھا،لقب قیس،اس کی اولاد کو بنی قیس کہا جاتا ہے۔(مرقات)

۳؎ شاید ان دونوں قبیلوں یعنی قیس اور حمیر کی آپس میں مخالفت ہوگی اس لیے اس نے بددعا کے لیے کہااس وقت تک حمیر قبیلہ ایمان نہ لایا ہوگا۔

۴؎ حمیر بروزن درہم یمن کے مغربی شہر کا نام بھی ہے اور حمیرابن سبا ابن یشحب ایک آدمی کا نام بھی ہے اس کی اولاد کو حمیر کہا جاتا ہے،اب یہ بہت بڑا قبیلہ ہے۔

۵؎ یعنی ان میں چار صفات ہیں:نرم زبان،سخی ہاتھ،دل میں امن کہ کسی کو ستاتے نہیں،کامل ایمان یا تو فی الحال ایمان والے ہیں یا آئندہ ایمان والے ہونے والے ہیں میں ان پر بددعا کیسے کروں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کس قبیلہ سے ہو۱؎ میں نے کہا کہ دوس سے ہوں فرمایا میں نہیں سمجھتا تھا کہ دوس میں کوئی ایسی چیز ہے جس میں بھلائی ہو۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جب حضرت ابوہریرہ ایمان لائے تو حضور انور نے ان سے ان کے قبیلہ کا نام پوچھاتوانہوں نے فرمایا میں قبیلہ دوس سے۔خیال رہے کہ دوس ابن عدنان ابن عبداللہ اس قبیلہ کا مورث اعلیٰ ہے اس کی طرف یہ قبیلہ منسوب ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی ہمارا خیال تھا کہ قبیلہ دوس میں سارے لوگ ہی برے ہیں مگر ماشاء اللہ تم دوسی ہو اور اچھے ہو اس میں دوس قبیلہ کی برائی ہے اور حضرت ابوہریرہ کی بہت تعریف۔

روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ اپنادین چھوڑ بیٹھو گے۱میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں آپ کے ذریعہ تو اللہ نے ہم کو ہدایت دی۲فرمایا کہ تم عرب سے بغض رکھو تو مجھ سے ہی رکھو گے۳(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔	

۱؎ حضرت سلمان فارسی یعنی ایران کے رہنے والے تھے،عرب میں رہنے لگے۔بعض طبیعتوں میں صوبائی یا ملکی تعصب ہوتا ہے کہ ہمارا ملک ہمارا صوبہ اچھا دوسرا صوبہ وہاں کے لوگ برے اس کی پیش بندی فرماتے ہوئے یہ ارشاد ہوا کہ یہاں فارسیت اور عربیت کا فرق نہ کرنا۔یہ کلام شریف اگلے کلام کی تمہید ہے ان تعصبوں سے اللہ بچائے مگر کس نفیس طریقہ سے تعلیم فرمائی سبحان اللہ!اپنے ذکر سے ابتداء فرمائی تاکہ ان کے قلب پر گہرا اثر ہو۔

۲؎ یعنی جب انسان اپنے ماں باپ سے عداوت نہیں کرتا جن سے جان ملتی ہے تو حضور سے تو ہم کو ایمان،قرآن عرفان بلکہ رحمان ملا تو کیسے ہوسکتا ہے کہ میں حضور سے بغض رکھوں۔

۳؎ یعنی عرب سے اس لیے نفرت کرنا کہ وہ عرب ہیں حضور سے بغض ہے کیونکہ حضور سرکار عربی ہیں،قرآن عربی میں ہے لہذا مدینہ منورہ کے منافقین اور عرب کے یہودیوں،نجد کے وہابیوں سے نفرت کرنا ان سے بعض رکھنا بالکل درست ہے کہ اس میں کفر سے نفرت ہے نہ کہ ان کے عربی ہونے سے،حضور کی ہر منسوب چیز سے الفت رکھنا علامت ایمان ہے،اس نسبت سے نفرت کرنا علامت کفر ہے،دیکھو صفا مروہ پہاڑوں کو حضرت ہاجرہ سے نسبت ہے تو انہیں شعائر اللہ فرمایا"اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ"اور شعائر اللہ کی تعظیم دلی تقویٰ ہے"وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ"۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عرب سے خیانت کرے۱وہ میری شفاعت میں داخل نہ ہوگا اور اسے میری محبت نصیب نہ ہوگی ۲(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اسے ہم نہیں پہچانتے مگر حصین ابن عمرو کی حدیث ہے اور وہ محدثین کے نزدیک ایسے قوی نہیں ۳	

۱؎ غش کے لفظی معنی ہیں ملاوٹ کرنا یہاں مراد ہے ان کی طرف سے دل میں کھوٹ رکھنا عداوت رکھنا ان سے خیانت کرنا۔(اشعہ،مرقات،لمعات)

۲؎ حضور کی شفاعت کی بہت قسمیں ہیں:میدان محشر سے نجات دلانے کی شفاعت،گناہ معاف کرانے کی شفاعت،درجے بلند کرانے کی شفاعت۔پہلی شفاعت سے کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے اور دوسری شفاعت ہم جیسے گنہگاروں کے لیے

ہیں،آخری شفاعت ولیوں حتی کہ نبیوں کے لیے بھی ہے،دوسری شفاعت کے لحاظ سے حضور کو شفیع المذنبین کہا جاتا ہے یہاں آخری شفاعت کی نفی ہے کیونکہ دوسری شفاعت تو گناہ کبیرہ والوں کی بھی ہوگی،فرماتے ہیں **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** اور اگر کسی نے عرب سے عربی ہونے کی وجہ سے بغض رکھا تو وہ کافر ہے اس کے لیے یہ شفاعت بھی نہیں۔

۳؎ یعنی یہ حدیث قوی نہیں مگر چونکہ فضائل اعمال میں ہے لہذا قبول ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اتنی اسنادوں سے مروی ہے کہ معنًی متواتر ہے۔چنانچہ حاکم نے انس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ عرب کی محبت ایمان سے ہے اور ان سے نفرت منافقت ہے۔طبرانی میں ہے کہ قریش سے محبت ایمان ہے ان سے عداوت کفر ہے جس نے عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی،جس نے عرب سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی۔حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوعًا روایت کی کہ فقیروں سے محبت رکھو ان کے پاس بیٹھو،عرب سے دلی محبت کرو وغیرہ۔(مرقات)بہرحال یہ حدیث مختلف طریقوں سے مختلف اسنادوں سے مروی ہے۔

روایت ہے ام جریر سے جو طلحہ ابن مالک کی لونڈی ہیں فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے مولا کو کہتے سنا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کا نزدیک ہونا عرب کی ہلاکت ہے ۱؎(ترمذی)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ تمام ملکوں سے آخر میں ملک عرب فنا ہوگا اس کے بعد قیامت ہی ہے،یہ جگہ دنیا کا تعویذ ہے کیوں نہ ہو کہ یہ جگہ حضور کی ہے اور حرمین شریفین ہے جو دنیا کا مرکز ہیں مرکز سے دائرہ کی بقاء ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سلطنت قریش میں ہے اور قضاء انصار میں ۱؎ اور اذان حبشہ میں ۲؎ اور امانتداری ازدیعنی یمن میں ہے ۳؎ اور ایک روایت میں یہ حدیث موقوف ہے۔ (ترمذی)اور فرمایا یہ بہت صحیح ہے۔	

۱؎ یعنی مناسب یہ ہے کہ سلطان اسلام قرشی ہو نقیب یا وزیر انصاری ہوں۔چنانچہ حضور انور نے ہجرت سے پہلے ستر انصاریوں کو مدینہ منورہ کی نقابت اور سرداری کے لیے منتخب فرمایا۔بعض شارحین نے کہا کہ قضا سے مراد شخصی قاضی ہوتا ہے،انصار اسلام کا ستون ہیں انہیں کے شہر میں انہیں کے ذریعہ سے اسلام پھیلا،حضرت معاذ کو حضور انور نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔

۲؎ کیوں نہ ہو کہ مؤذنوں کے سردار حضرت بلال حبشی ہیں جن کی اذان کی آواز عرش معلٰی تک پہنچتی تھی،ایک دن حضرت بلال کو اذان سے روک دیا گیا دوسرے شخص نے اذان دی تو وحی الٰہی آئی۔

گفت ہاتف بردر خیر الورا   چہ سبب بے بانگ شدیت خدا

آج بغیر اذان نماز کیوں پڑھ لی حضور انور نے فرمایا کہ مولٰی آج تو بڑی خوش الحانی سے اذان ہوئی ہے تو فرمایا۔

گفت ہاتف بازاز بانگ بلال   خوش شدے برعرش رب ذوالجلال

۳؎ ازد ملک یمن کا ایک قبیلہ ہے،ازد فرمانے سے شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید یمن کے دوسرے قبیلوں میں امانت داری نہ ہو تو فرمایا کہ ازد سے ہماری مراد سارا یمن ہے سارے یمنی امین ہوتے ہیں کیوں نہ ہوں کہ حضرت اویس قرنی کے ہم وطن ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مطیع سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ میں فرماتے سنا کہ اس دن کے بعد قیامت تک کوئی قرشی باندھ کر قتل نہیں کیا جاوے گا ۲؎ (مسلم)

۱؎ مطیع کا نام عاصی ہے حضور انور نے ان کا نام مطیع رکھا،عبداللہ ابن مطیع قرشی سرداروں میں سے ہیں،جب اہل مدینہ نے یزید سے بغاوت کی تو انہیں کو اپنا امیر بنایا تھا،آپ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ قتل کیے گئے، ۷۳ھ میں عبداللہ ابن زبیر نے آپ کو کوفہ کا حاکم بنایا مختار نے انہیں قتل کیا۔(مرقات)

۲؎ یعنی آئندہ کوئی قرشی مرتد نہ ہوگا تاکہ اپنے ارتداد کی وجہ سے باندھ کر قتل کیا جاوے یا یہ خبر بمعنی ممانعت ہے کہ کسی قرشی کو بلاوجہ باندھ کر قتل نہ کیا جاوے یا کسی معرکہ میں کوئی قرشی باندھ کر قتل نہ کیا جاوے گا لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور کے بعد ظالم حجاج نے بہت سے قرشی باندھ کر قتل کیے،یوں ہی اگر قرشی کسی کو قتل کردے تو اسے قصاص میں باندھ کر قتل کرنا جائز ہے۔(لمعات،مرقات)

	روایت ہے ابو نوفل معاویہ ابن مسلم سے فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن زبیر کو مدینہ کی گھاٹی پر دیکھا ۱؎ فرماتے ہیں کہ قریش اور لوگ ان پر گزرنے لگے حتی کہ ان پر عبداللہ ابن عمر گزرے ۲؎ تو ان پر رک گئے پھر بولے اے ابو خبیب تم پر سلام اے ابو خبیب تم پر سلام اے ابو خبیب ۳؎ خدا کی قسم میں تم کو اس سے منع کیا کرتا تھا خدا کی قسم میں تم کو اس سے منع کیا کرتا تھا خدا کی قسم تم کو اس سے منع کیا کرتا تھا ۴؎ خدا کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں تم بہت روزہ نماز والے صلہ رحمی کرنے والے تھے ۵؎ خدا کی قسم جس گروہ کے نزدیک تم برے ہو وہ برا گروہ ہے ۶؎ اور ایک روایت

میں ہے کہ وہ اچھا گروہ ہے ۷؎ پھر عبداللہ ابن عمر چلے گئے پھر حجاج کو عبداللہ کے ٹھہرنے اور ان کی گفتگو کی خبر پہنچی تو ان کی لاش پر آدمی بھیجا وہ اپنی شاخ سے اتارے گئے پھر یہود کے قبرستان میں ڈال دیئے گئے ۸؎ پھر اس نے ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر کو بلوایا انہوں نے آنے سے انکار کیا اس نے دوبارہ قاصد سے کہلا بھیجا کہ یا تو میرے پاس آجاؤ ورنہ تمہارے پاس اس کو بھیجوں گا جو تم کو بالوں سے کھینچے گا ۹؎ فرماتے ہیں کہ انہوں نے انکار ہی کیا بولیں خدا کی قسم میں تیرے پاس نہیں آؤں گی حتی کہ میرے پاس اسے بھیجے جو میرے بال پکڑ کر مجھے گھسیٹے ۱۰؎ فرماتے ہیں وہ بولا میری جوتی ۱۱؎ دکھاؤ اس نے اپنی جوتی لی پھر اکڑتا ہوا چلا ۱۲؎ حتی کہ ان کے پاس پہنچ گیا بولا تم نے مجھے دیکھ لیا کہ میں نے اللہ کے دشمن سے کیسا سلوک کیا ہے آپ بولیں کہ میں نے تجھے دیکھا کہ تو نے انکی دنیا ان پر بگاڑ دی اور انہوں نے تجھ پر تیری آخرت بگاڑ دی ۱۳؎ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو ان سے کہتا ہے کہ اے دو کمر بند والی کے بیٹے خدا کی قسم میں دو کمر بند والی ہوں ان میں سے ایک تو ۱۴؎ اس سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا اور حضرت ابوبکر کا کھانا جانوروں سے اٹھاتی تھی ۱۵؎ رہا دوسرا تو وہ ہی کمر بند ہے جس سے عورت بے نیاز نہیں ہوتی آگاہ رہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی تھی کہ قبیلہ ثقیف میں ایک جھوٹا ہوگا اور ایک فسادی ہلاکت والا جھوٹا تو ہم نے دیکھ لیا رہا فسادی تو میں تجھے نہیں سمجھی مگر وہی ۱۶؎ راوی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس سے اٹھ گیا انہیں کوئی جواب نہ دیا ۱۷؎ (مسلم)

۱؎ سیدنا عبداللہ ابن زبیر کو حجاج ابن یوسف نے سولی پر چڑھایا،یہ واقعہ مکہ معظّمہ میں ہوا مگر انہیں مدینہ منورہ کے راستہ پر سولی دی گئی اس لیے عقبۃ المدینہ ارشاد ہوا۔بعد کو ان کی قبر مقام جیجون میں بنائی گئی۔یہاں مرقات میں

ہے کہ مکہ معظّمہ میں جنت معلیٰ کی تمام قبریں حتی کہ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کی قبر بھی حضرات اولیاء اللہ کے کشف سے بنائی گئی ہے تاریخی لحاظ سے ان کی قبروں کے مقامات کا پتہ نہیں چلتا۔

۲؎ حضرت عبداللہ ابن زبیر کو برسر راہ سولی پر لٹکایا گیا تھا لوگ گزرتے تھے اور ان کی لاش کو لٹکا ہوا دیکھتے تھے ان پر حضرت ابن عمر بھی گزرے انکی لٹکی ہوئی لاش دیکھی۔

۳؎ حضرت ابن زبیر کی بڑے بیٹے کا نام خبیب تھا اس لیے آپ کی کنیت ابو خبیب ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ میت کو دفن سے پہلے بھی سلام کرنا جائز ہے اور تین بار سلام کرنا ثابت ہے۔

۴؎ حضرت ابن زبیر نے اولًا تو یزید کی بیعت نہیں کی بلکہ بہت سے علاقہ پر خود حاکم بن گئے پھر مروان پھر عبدالملک ان میں سے کسی کی بیعت نہ کی تھی حتی کہ عبدالملک نے حجاج ابن یوسف کو آپ کے مقابل بھیجا،حجاج نے آپ کو قتل کرکے آپ کا سر مدینہ منورہ بھیج دیا اور جسم کو راستہ میں سولی پر لٹکا دیا جو لشکر یزید نے مدینہ پر حملہ کرنے بھیجا تھا جس نے وہاں قیامت ڈھا دی وہ لشکر اس موقعہ پر مکہ معظّمہ آیا اس نے حضرت ابن زبیر سے جنگ کرکے آپ کو قتل کیا حضرت ابن عمر اسی کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ میں نے تم کو منع کیا تھا کہ خلافت و امارت کے جھگڑوں میں نہ پڑھو تم نے میری بات نہ مانی دیکھ لو اس کا انجام کیا ہوا۔(اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد لاشوں سے کلام سلام جائز ہے،حضور نے ابوجہل وغیرہ کی لاشوں سے صالح اور شعیب علیہ السلام نے عذاب شدہ کفار کی لاشوں سے کلام فرمایا۔

۵؎ یعنی جہاں تک مجھے علم ہے تم بڑے عابد و زاہد صحیح معاملات والے تھے،حضرت ابن زبیر بہت روزے رکھتے تھے حتی کہ کبھی مسلسل پندرہ دن تک روزے رکھتے قائم اللیل تھے۔

۶؎ یعنی حجاج ابن یوسف کی قوم جو تم کو برا سمجھتی ہے وہ بدترین قوم ہے تم اچھے ہو وہ قوم ہی بری ہے حجاج ابن زبیر کو عدو اللہ یعنی اللہ کا دشمن کہتا تھا اس کی تردید میں آپ نے یہ فرمایا۔

۷؎ یہ عبارت یا تو راوی کی غلطی ہے یا آپ نے بطور تمسخر یہ فرمایا کہ وہ بڑی اچھی جماعت ہے یعنی وہ اپنے کو اچھا سمجھتی ہے حالانکہ ہے بری۔

۸؎ سیدنا عبداللہ ابن عمران تمام جنگوں میں الگ تھلگ رہے تھے،نیز حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے بڑے متبع سنت علم و عمل کے جامع تھے ان وجوہ سے ان کا بڑا احترام تھا۔جب حجاج کو پتہ چلا کہ حضرت ابن عمر نے یہ فرمایا ہے تو اسے خطرہ ہوا کہ اگر اب عبداللہ ابن زبیر کی لاش سولی پر رہی تو لوگوں میں زبردست اشتعال پیدا ہوگا،ممکن ہے کہ لوگ بھڑک جاویں اور ملک میں فساد ہوجاوے اس لیے آپ کی لاش یہود کے قبرستان میں ڈلوادی،اب وہ قبرستان لاپتہ ہے پھر مسلمانوں نے ان کی لاش جنت معلیٰ میں دفن کی بہت عرصہ کے بعد۔(اشعہ)

۹؎ حضرت اسماء بنت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ کی بہن حضور انور کی سالی ہیں،صحابیہ ہیں،حجاج ظالم کو کسی کی بزرگی کا بھی لحاظ نہ تھا اس نے بی بی اسماء کو اپنے دربار میں حاضر کرنا چاہا۔

۱۰؎ یعنی میں اپنی خوشی اپنے اختیار سے تیرے پاس نہیں آؤں گی ہاں اگر تو نے جبرًا بلا لیا تو میں مجبور ہوں گی۔

۱۱؎ سبت وہ جوتا جس پر بال نہ ہوں یعنی بال منڈے ہوئے چمڑے کی جوتی،سبت بمعنی مونڈنا صاف کرنا،بعض نے فرمایا کہ سبت ایک جگہ کا نام ہے جسے سوق البست کہتے ہیں۔عرب میں وہاں کا جوتا عام پہنا جاتا ہے جیسے ہمارے ملک میں تلہ گنگ کا جوتا یا ہندوستان میں دہلی کا جوتا۔

۱۲؎ توذف کے معنی ہیں قریب قریب قدم ڈال کر چلنا جیساکہ متکبرین کا طریقہ ہے یعنی وہ اکڑتا مٹکتا ہوا چلانہایت فخر و تکبر سے۔

۱۳؎ اس بدنصیب نے حضرت اسماء سے تعزیت کرنے کی بجائے الٹا ان کو طعنہ دیاان کا جوان بیٹا شہید کیا اور پھر زخم دل پر یہ نمک چھڑکا اپنے دشمن کو اللہ کا دشمن کہا،یعنی اے اسماء تم نے دیکھ لیا کہ میں نے تمہارے بیٹے اللہ کے دشمن کو کس طرح تکالیف کے ساتھ شہید کیا۔سبحان اللہ! کیسا پیارا جواب دیا کہ تو نے انہیں شہید کرکے ان کی دنیا ختم کردی مگر انہوں نے تیرے ہاتھوں شہید ہوکر تجھے ظالم بناکر تیری آخرت تباہ کردی،تجھے دوزخ کا مستحق بنادیا،انہیں صرف پانچ منٹ کی تکلیف ہوئی تو دائمی عذاب کا مستحق ہوگیا۔

پنداشت ستمگر کہ ستم برما کرد　　　　بر گردن او بماند برما بگذشت

۱۴؎ حجاج مردود حضرت عبداللہ ابن زبیر کو ماں کی گالی دیتا تھا کہ اے دو کمر بند والی عورت کے بیٹے،اس کا مقصد یہ تھا کہ تمہاری ماں لونڈی ہیں کہ مولیٰ کی خدمت کے لیے اپنی کمر دو نالوں سے باندھتی ہیں تم لونڈی کے بیٹے ہو،آپ فرماتی ہیں کہ اے مردود یہ لقب میرے لیے باعث فخر ہے مجھے حضور کی طرف سے ایک خدمت کے صلہ میں بطور خطاب ملا ہے تو اسے میرے لیے بطور گالی بناتاہے۔

۱۵؎ اس عبارت کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ دواب بمعنی کیڑے مکوڑے ہے اور ارفع کے معنی میں محفوظ کرتی تھی۔یعنی ہجرت کے دن میں نے اپنے کمر بند کے ایک ٹکڑے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کا کھانا باندھا تھا تاکہ وہ مکھی مچھر وغیرہ سے محفوظ رہے حضور اپنے سات لے جائیں۔دوسرے یہ کہ دواب سے مراد گھوڑے ہیں یعنی میں نے اپنے کمر بند سے کھانا باندھا تاکہ وہ گھوڑے کی پیٹھ سے گر نہ جائے۔(اشعہ)مگر پہلے معنی قوی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق اپنے گھر سے ہجرت کے وقت گھوڑے پر سوار نہ تھے پیدل گئے تھے،غار ثور سے نکل کر اونٹ پر سوار ہوئے تھے۔مطلب یہ ہے کہ یہ لقب میرے لیے باعث فخر ہے میں نے اپنے کمربند سے حضور انور کی خدمت کی تھی کہ ہجرت کے وقت جلدی میں کوئی مجھے ڈوری یا چیز نہیں ملی تو میں نے اپنا کمر بند کاٹ کر اس سے حضور کے کھانے کا دسترخوان باندھ دیا دوسرا اپنے پاجامہ میں رکھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت میں فرمایا کہ تم ذات النطاقین یعنی دو کمر بند والی ہو،اس دن سے میرا لقب یہ ہی ہوگیا اور مجھے اس لقب پر ناز ہے۔

۱۶؎ مبیر بنا ہے ابارۃ سے جس کا مادہ بور ہے بمعنی ہلاکت "کُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا"۔یہاں مراد ہے قاتل ظالم سفاک واقعی حجاج جیسا ظالم قاتل کوئی نہ ہوا ہوگا یعنی جھوٹا نبی مسیلمہ کذاب تو ہم سب نے دیکھ لیا اسے عہد صدیقی میں فنا بھی کردیا مگر فسادی قاتل تو ہی معلوم ہوتا ہے چونکہ تو اسلامی لباس میں ہے اس لیے محفوظ و سلامت ہے۔

۷؎ یہ حضرت اسماء کی کرامت ہی سمجھو کہ حجاج جیسے ظالم نے یہ سب کچھ سنا اور جواب نہ دیا چپکا چلا گیا۔حضرت عبداللہ ابن زبیر کی شہادت کے دس دن بعد بی بی اسماء کا انتقال ہوگیا غالبًا اسی صدمہ میں آپ کی عمر شریف ایک سو برس ہوئی کوئی دانت نہ گرا تھا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر کے پاس ابن زبیر کے فتنہ کے زمانہ میں دو آدمی آئے۱؎ بولے کہ لوگ جو کررہے ہیں وہ آپ دیکھتے ہیں اور آپ حضرت عمر کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ کو بغاوت سے کون چیز مانع ہے ۲؎ فرمایا کہ مجھے مانع یہ ہے کہ اللہ نے مجھ پر میرے مسلمان بھائی کا خون حرام کردیا ۳؎ وہ بولے کہ کیا اللہ نے یہ نہ فرمایا کہ ان سے جنگ کرو حتی کہ فتنہ نہ رہے ۴؎ ابن عمر بولے کہ وہ جنگ تو ہم کرچکے حتی کہ فتنہ نہ رہا ۵؎ اور دین اللہ کا ہوگیا اور تم لوگ چاہتے ہو کہ جنگ کرو حتی کہ فتنہ ہوجاوے اور دین غیر اللہ کا ہوجاوے ۶؎ (بخاری)

۱؎ ابھی حضرت ابن زبیر شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ حجاج سے جنگ کی تیاری تھی اس وقت ان دونوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے یہ کہا۔

۲؎ یعنی آپ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور امیر المؤمنین فاروق اعظم کے فرزند آپ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں،آپ خلافت کا اعلان فرمادیں اور حجاج کا مقابلہ کریں یا کم از کم حضرت عبداللہ ابن زبیر کی امداد فرما دیں۔

۳؎ یعنی ان جنگوں میں دو طرفہ مسلمان ہیں میں جس کے ساتھ شریک ہوا تو میرے ہاتھ سے مسلمان ہی مارے جائیں گے اور قتل مسلم حرام ہے۔خیال رہے کہ حضرت ابن عمران صحابہ سے ہیں جو ان تمام جنگوں کو فتنہ سمجھتے تھے اور ان سے علیحدگی میں عافیت و ثواب جانتے تھے۔بعض صحابہ نے ان جنگوں کو بغاوت سمجھا وہ حکومت کے ساتھ شریک ہوگئے،بعض نے حکومت کو غلط سمجھا وہ مخالفین کے ساتھ شریک ہوئے،حضرت ابن عمر ہمیشہ ان تمام جنگوں میں علیحدہ رہے ہر جماعت کے علیحدہ دلائل تھے ان کا یہ اختلاف اجتہادی تھا ان میں سے کوئی گنہگار نہ تھا۔

۴؎ یعنی اے ابن عمر یہ جنگ برحق ہے فتنہ مٹانے کے لیے ہے آپ ضرور اس میں شرکت کریں۔

۵؎ یعنی اس آیت میں فتنہ سے مراد شرک و کفر ہے اور جنگ سے مراد ہے کفار سے جہاد یعنی ہم کفار سے جہاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں کرچکے اب یہ جنگیں مسلمانوں کی آپس میں ہیں جو نرا فساد ہیں۔

۶؎ یعنی تمہاری لڑائیوں کا انجام یہ ہوگا کہ مسلمان کمزور پڑ جائیں گے کافر حکومتیں تمہارے مقابل دلیر ہوجائیں گی،خطرہ ہے کہ اسلام کمزور ہوجائے گا یہ ملکی جنگ ہے دینی جہاد نہیں۔شعر

جنگ شاہاں فتنہ و غارتگری است　　　جنگ مؤمن سنت پیغمبری است

آپ کے کلام میں پہلے فتنہ سے مراد کفر اور اس دوسرے فتنہ سے مراد ہے امن سوزی یعنی گزشتہ جہاد دفع کے لیے تھے اور اب یہ قتال اسلام کی جڑیں ہلادینے کے لیے ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ طفیل ابن عمرو دوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۱؎ بولے کہ دوس تو ہلاک ہوگئے انہوں نے نافرمانی کی اور انکار کیا تو ان پر اللہ سے بددعا کریں لوگ سمجھے کہ حضور ان پر بددعا کریں گے مگر فرمایا الٰہی دوس کو ہدایت دے اور انہیں یہاں پہنچا دے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ طفیل ابن عمرو کا لقب ذوالنور ہے کیونکہ جب حضور نے انہیں اپنی قوم کی طرف نمائندہ بناکر بھیجا تو ان کے عرض کرنے پر کہ میری نمائندگی کی کوئی نشانی عطا ہو حضور نے ان کی پیشانی چمکادی یہ نور آپ کے سامنے رہتا تھا پھر وہ نور ان کی لاٹھی میں منتقل ہوگیا وہ لاٹھی رات میں مشعل کی طرح چمکتی تھی،آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو آپ کی تبلیغ پر حضرت ابوہریرہ اور طفیل کے والد تو ایمان لائے والدہ ایمان نہ لائیں،آپ خلافت صدیق میں غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے۔

۲؎ سبحان اللہ! یہ ہے کرم کریمانہ کہ خود دوسی شخص اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے بددعا چاہتے مگر رحمت والے محبوب انہیں دودعائیں دیتے ہیں ایک ایمان کی دوسری ان کے مدینہ منورہ حاضر ہوکر حضور کو دیکھ کر صحابی بن جانے کی،اللہ نے حضور کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں یعنی الٰہی انہیں مؤمن بنا کر میرے پاس لا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین وجہ سے عرب سے محبت کرو ۱؎ کیونکہ میں عربی ہوں قرآن عربی ہے اور جنتی لوگوں کی بولی عربی ہے ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ عرب سے مراد عرب کے مؤمنین ہیں،کفار عرب اور عرب کے یہود و نصاریٰ سے نفرت و عدوات ضرور ہے کہ یہ نفرت ان کے کفر سے ہے نہ کہ عربی ہونے سے۔مؤمنین عرب ہمارے سروں کے تاج ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔

۲؎ یہاں مرقات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی،قرآن مجید عربی،جنتیوں کی زبان عربی،قبر کا حساب عربی زبان میں ہے،عربی زبان تمام زبانوں سے زیادہ فصیح زیادہ مختصر ہے،عرب نے حضور سے شریعت لی ہم کو پہنچائی،انہوں نے ہی کفار سے اولًا جہاد کیے،انہوں نے ہی حضور کے اقوال و اعمال دیکھے اور سنے وہ اسلام کی اصل ہیں،انہوں نے ہی اطراف عالم میں میں اسلام پھیلایا،بدرو حنین بلکہ یرموک اور قادسیہ وغیرہ غزوات انہوں نے ہی جیتے وہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کی عربی زبان نہیں ہوگی(مرقات) یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن وہ ہے جو عربی میں ہے،اس کے ترجمے قرآن نہیں نہ ان کی تلاوت نماز میں درست،حضرت جبریل علیہ السلام

نے جو قرآن حضور کو سنایا وہ عربی تھا۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ مرتے ہی سب کی زبان عربی ہوجاتی ہے اس لیے قبر و حشر کے سارے کاروبار عربی میں ہوں گے،اہل جنت کی زبان عربی ہی رہتی ہے۔دوزخیوں کی زبان بدل جاتی ہے۔

باب مناقب الصحابة

حضرات صحابہ کے فضائل ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱مناقب جمع ہے منقبة کی بمعنی فضیلت و بزرگی۔(مرقات) صحابہ جمع ہے صاحب کی یا صحابی کی بمعنی ساتھی۔شریعت میں صحابی وہ انسان ہے جو ہوش و ایمان کی حالت میں حضور انور کو دیکھے یا صحبت میں حاضر ہو اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہو جاوے،اگر درمیان میں مرتد ہوگیاپھر مسلمان ہوکر مرا تب بھی صحابی ہے جیسے اشعث ابن قیس کے متعلق مشہور ہے۔(از اشعہ)جنات فرشتے یوں ہی حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صحابی نہیں۔صحابہ کی تعداد ان کے اقسام ہم ابھی کچھ پہلے عرض کرچکے ہیں۔صحابی تمام جہان کے مسلمانوں سے افضل،روئے زمین کے سارے ولی غوث قطب ایک صحابی کے گردقدم کونہیں پہنچتے۔صحابہ میں خلفاء راشدین بہ ترتیب خلافت افضل ہیں،پھر عشرہ مبشرہ،پھر بدر والے،پھر بیعت رضوان والے،پھر صاحب قبلتین۔کوئی صحابی فاسق نہیں سب عادل ہیں،رب فرماتاہے:"وَ اَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ التَّقۡوٰى وَ كَانُوۡۤا اَحَقَّ بِهَا"اور فرماتاہے:"وَ كَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡيَانَ"۔صحابہ کے متعلق پوری بحث ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں کا کوئی احد(پہاڑ) بھر سونا خیرات کرے تو ان کے ایک کے نہ مد کو پہنچے نہ آدھے کو۱ (مسلم،بخاری)	

۱ چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے چار سیر کا تو مد ایک سیر آدھ پاؤ ہوایعنی میرا صحابی قریبًا سوا سیر جو خیرات کرے اور ان کے علاوہ کوئی مسلمان خواہ غوث و قطب ہو یا عام مسلمان پہاڑ بھر سونا خیرات کرے تو اس کا سونا قرب الٰہی اور قبولیت میں صحابی کے سوا سیر کو نہیں پہنچ سکتا،یہ ہی حال روزہ نماز اور ساری عبادات کا ہے۔جب مسجد نبوی کی نماز دوسری جگہ کی نمازوں سے پچاس ہزار گناہ ہےتو جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور دیدار پایاان کا کیا پوچھنا اور ان کی عبادات کا کیا کہنایہاں قرب الٰہی کا ذکر ہے۔جس حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ کے فلاں جہاد کے مجاہدین کی ایک جماعت کو فی کس پچاس صحابہ کے برابر ثواب ملے گاوہاں ثواب کا ذکر ہےقرب اور درجہ کا ذکر نہیں،درجہ اور ثواب میں بڑا فرق ہے۔اگر کسی سپاہی کو بادشاہ انعام دے دے تو وہ وزیر اعظم کے

درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کا ذکر ہمیشہ خیر سے ہی کرنا چاہیے کسی صحابی کو ہلکے لفظ سے یاد نہ کرو۔یہ حضرات وہ ہیں جنہیں رب نے اپنے محبوب کی صحبت کے لیے چنا،مہربان باپ اپنے بیٹے کو بروں کی صحبت میں نہیں رہنے دیتا تو مہربان رب نے اپنے نبی کو بروں کی صحبت میں رہنا کیسے پسند فرمایا۔

رسول اللہ طیب ان کے سب ساتھی بھی طاہر ہیں چنیدہ بہر پا کاں حضرت فاروق اعظم ہیں

روایت ہے حضرت ابوبردہ سے وہ اپنے والد سے راوی[1] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ بہت دفعہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے[2] فرمایا کہ تارے آسمان کے لیے امان ہیں جب تارے جاتے رہیں گے تو آسمان کو وہ پہنچے گا[3] جس کا وعدہ ہے اور میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں[4] تو جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ گزرے گا جس کا ان سے وعدہ ہے[5] اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں تو جب میرے صحابہ چلے گئے تو میری امت کو وہ پہنچے گا جس کا ان سے وعدہ ہے[6] (مسلم)	

[1] یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری سے،ابو بردہ انہیں کے فرزند ہیں۔

[2] حضور انور کا اکثر آسمان کو دیکھنا یا تو انتظار وحی میں ہوتا تھا یا اس لیے کہ آپ کا وطن اصلی وہ ہی ہے،یا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انوار غیبیہ اور عالم بالا کی چیزیں نظر آتی تھیں۔

[3] قیامت میں پہلے آسمان سے تارے جھڑیں گے پھر آسمان پھٹیں گے،جب تک تارے آسمان پر ہیں آسمان پھٹنے سے امن میں ہے،فرماتاہے:"وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ"۔

[4] اس طرح کہ میری موجودگی میں وہ حضرات آپس کے جنگ و قتال وغیرہ آفات سے محفوظ ہیں۔

[5] خیال رہے کہ صدیقی فاروقی زمانہ میں جو صحابہ میں امن و امان رہا وہ حضور ہی کا فیض تھا،سورج ڈوبنے کے بہت بعد تک شفق رہتی ہے وہ سورج ہی کی روشنی ہوتی ہے،خلافت عثمانی کے نصف تک امن رہی پھر دنیاوی فتنے بہت پھیلے بلکہ عثمان غنی کی شہادت سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

[6] یعنی صحابہ کے بعد دینی فتنے اسلامی فرقے اور بدعات مسلمانوں میں بہت پھیل جائیں گی۔صحابہ کرام کے زمانہ میں اگرچہ فتنے ہوئے مگر مسلمانوں کا دین ایسا نہ بگڑا تھا جیساکہ بعد میں بگڑا اور اب اس زمانہ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اللہ محفوظ رکھے۔**مایوعدون** سے مراد ہے خیر اور خیر والوں کا اٹھ جانا،شر اور شر والوں کا پھیل جانا اسی لیے حضور انور نے فرمایا **اصحابی کاالنجوم** میرے صحابہ آسمان ہدایت کے تارے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید الخدری سے فرماتے ہیں کہ	

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آوے گا۱؎ کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی تو لوگ کہیں گے کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو تو کہیں گے کہ ہاں پھر انہیں فتح دی جاوے گی۲؎ پھر لوگوں پر ایک زمانہ آوے گا تو لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی تو کہا جاوے گا کہ تم میں وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ رہا ہو لوگ کہیں گے ہاں پھر انہیں فتح دی جاوے گی، پھر لوگوں پر ایک زمانہ آوے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی تو کہا جاوے گا کہ کیا تم میں وہ ہے جو ان کے ساتھ رہا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ رہے لوگ کہیں گے ہاں تو انہیں فتح دی جاوے گی۳؎ (مسلم وبخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ آوے گا کہ ان میں سے ایک لشکر بھیجا جاوے گا تو کہیں گے کہ دیکھو کیا تم اپنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی پاتے ہو تو ایک صحابی پائے جائیں گے تو انہیں فتح دی جاوے گی۴؎ پھر دوسرا لشکر بھیجا جاوے گا تو کہیں گے کیا ان میں کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا۵؎ پھر انہیں فتح دی جاوے گی پھر تیسرا لشکر بھیجا جاوے گا تو کہا جاوے گا کہ دیکھو کیا تم ان میں وہ شخص دیکھتے ہو جس نے اسے دیکھا ہو جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے کو دیکھا ہو پھر چوتھا لشکر ہوگا تو کہا جاوے گا کہ دیکھو کیا تم ان میں کوئی ایسا دیکھتے ہو جس نے اسے دیکھا ہو جس نے اسے دیکھا ہو جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو ایک شخص پایا جائے گا تب اسے فتح دی جاوے گی۶؎

۱؎ اس زمانہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا زمانہ ہے جو زمانہ صحابہ کو بھی شامل ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی غازی لوگ ان صحابی کے توسل سے بارگاہِ الٰہی میں دعا فتح کریں گے اور انہیں فتح نصیب ہوگی یا صحابی کی صرف شرکت جہاد سے مطمئن اور خوش دل ہوجائیں گے ان کے وجود سے اللہ کی رحمت کی امید قوی کریں گے۔
۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے بعد صحابہ کے طفیل سے،پھر صحابہ کے بعد تابعین کے طفیل سے،پھر تابعین کے بعد تبع تابعین کے طفیل سے انکے وسیلہ سے جہادوں میں فتح کی دعائیں کی جائیں گی اور فتح نصیب ہوگی۔اس حدیث سے توسل اولیاء کا ثبوت ہوا اور یہ کہ اولیاء اللہ کے وسیلہ سے اللہ کی رحمتیں آتی ہیں،جہادوں میں فتح نصیب ہوتی ہے،لکڑی کے طفیل لوہا بھی تر جاتا ہے۔قرآن کریم سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ بزرگوں کے تبرکات،عمامہ،نعلین،بال،لباس وغیرہ کے ذریعہ فتح نصیب ہوتی ہے،فرماتاہے:"اِنَّ اٰیَۃَ مُلْکِہٖۤ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ التَّابُوۡتُ فِیۡہِ سَکِیۡنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمْ وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوۡسٰی وَاٰلُ ہٰرُوۡنَ"دیکھو رب نے طالوت کے ساتھی اسرائیلیوں کے لیے ایک جہاد میں حضرت موسیٰ و ہارون کے تبرکات عمامہ،جوتا وغیرہ ایک صندوق میں رکھے ہوئے بھیجے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے اگرچہ نسبت دوری کی ہو۔حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کے نیچے کی خاک سے سامری کے سونے کے بچھڑے میں جان پڑ گئی جو قرآن مجید سورۂ طٰہٰ میں بالتفصیل مذکور ہے"فَقَبَضْتُ قَبْضَۃً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ"الخ۔
۴؎ یعنی اس ایک صحابی کی برکت سے ان کے توسل دعا سے فتح نصیب ہوگی،یہ مطلب نہیں کہ ان صحابی کی شجاعت و بہادری سے فتح ہوگی۔
۵؎ یعنی کسی تابعی کو جہاد میں ساتھ لے لو یا ان کے توسل سے دعاء فتح کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کے لیے اولیاء اللہ کی تلاش کرنا سنت مسلمین ہے حضور انور کو محبوب ہے۔
۶؎ اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے جیسے صحابیت کے لیے صرف ایک نظر حضور کے چہرہ پر یا ایک آن کی صحبت کافی ہے،ایسے ہی تابعیت کے لیے صحابی کو ایک نظر دیکھ لینا یا ایک آن ان کی صحبت میں رہنا کافی ہے،ایسے ہی تبع تابعیت کے لیے مگر حق یہ ہے کہ صحابیت کی لیے تو حضور کو ایک نظر دیکھنا کافی ہے مگر تابعیت کے لیے بہت عرصہ صحابی کی صحبت میں رہنا ضروری ہے۔(اشعہ)خیال رہے کہ سارے تابعی یا تبع تابعی عادل و ثقہ نہیں ان میں فساق وفجار بھی ہیں اور ابرار و اخیار بھی،یزید حجاج وغیرہم تابعی ہیں مگر ہزارہا فاسقوں کے ایک فاسق ہیں۔خیال رہے کہ اولیاء اللہ سے توسل تاقیامت جاری رہے گا،حضور انور نے فرمایا کہ چالیس ابدال کی برکت سے بارشیں ہوں گی،نیز وفات یافتہ بزرگوں کا وسیلہ بھی حق ہے۔حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ نے حضور کے روضہ انور کی چھت کھلوادی جس سے بارش ہوئی،یہاں منشا یہ ہے کہ جس لشکر میں صحابی یا تابعی ہوں تو ان کی برکت سے اللہ فتح دیتا ہے۔بہرحال یہ حدیث وفات یافتہ بزرگوں سے توسل کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں بہترین میرا گروہ ہے ۱؎ پھر وہ لوگ جو اس سے قریب ہوں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں ۲؎

	پھر ان کے بعد ایسی قوم ہوگی جو گواہی دے گی حالانکہ گواہ بنائی نہ جائے گی۳؎ خیانت کرے گی امانت نہ کرے گی۴؎ نذر مانے گی اور نذر پوری نہ کرے گی۵؎ اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ قسم کھائیں گے حالانکہ قسم نہ لئے جائیں گے۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ قرن کے لفظی معنی ہیں ملنا اسی سے ہے اقتران اور قرین،اصطلاح میں زمانہ کو بھی قرن کہتے ہیں اور زمانہ والوں کو بھی جو بیک وقت موجود ہوں یہاں قرن بمعنی اہل زمانہ ہیں یعنی ساتھی اس لیے آگے ہے ثم الذین یلونھم۔قرن بمعنی زمانہ میں گفتگو ہے کہ کتنے زمانہ کو قرن کہتے ہیں۔بعض نے کہا چالیس سال،بعض نے کہا اسی۸۰سال،بعض نے کہا سو سال،قوی یہ ہی ہے قرن مطلقًا زمانہ کو کہتے ہیں اس کی حد نہیں۔(مرقات)

۲؎ یہاں پہلے قرن سے مراد صحابہ کرام ہیں،دوسرے سے مراد تابعین،تیسرے سے مراد تبع تابعین ہیں۔خیال رہے کہ زمانہ صحابہ حضور کی ظہور نبوت سے ایک سوبیس سال تک رہا یعنی قریبًا ۱۰۰ھ سو ہجری تک اور زمانہ تابعین ۱۰۰ھ سے ۱۷۰ھ ایک سو ستر تک اور زمانہ تبع تابعین ۱۷۰ھ سے ۲۲۰ھ دو سوبیس تک،اس کے بعد مسلمانوں میں بڑے فتنے تفرقہ بازیاں شروع ہوگئیں۔معتزلہ،فلاسفہ،جہمیہ وغیرہ فرقے بعد ہی کی پیداوار ہیں بدعات کا زور بعد ہی میں ہوا۔

۳؎ اس فرمان عالی کے بہت مطالب بیان کیے گئے ہیں مگر آسان اور قوی مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ واردات کے موقعہ پر موجود نہ کیے گئے ہوں گے بلائے نہ گئے ہوں گے مگر قاضی کے ہاں گواہی دیں گے یعنی جھوٹی گواہی جیساکہ آج کل دیکھاجارہا ہے کہ کچہریوں میں لوگ مقدمہ والوں سے پوچھتے پھرتے ہیں کہ کیا تمہیں گواہ چاہئیں تو ہم حاضر ہیں اتنے روپیہ دو جو بتاؤ اس کی گواہی دے دیں لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اچھے گواہ وہ ہیں جو بغیر بلائے گواہی دیں وہاں سچی گواہی مراد ہے۔

۴؎ یعنی وہ لوگ امین نہ ہوں گے خائن ہوں گے یا وہ لوگ خائن ہوں گے انہیں کوئی امین نہ بنائے گا،اپنی امانت ان کے سپرد نہ کرے گا جانتا ہوگا کہ یہ خائن ہے۔

۵؎ یعنی مانی ہوئی نذریں پوری نہ کریں گے۔معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنا بڑا ضروری ہے،رب فرماتاہے:"یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُوۡنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیۡرًا"۔خیال رہے کہ زیادہ نذریں ماننا اچھا نہیں مگر مانی ہوئی نذر کا پورا کرنا بہت ضروری ہے یہ شرعی نذر کا حکم ہے،لغوی نذر جو اولیاء اللہ کے نام کی ہو اس کا پوراکرنا بہتر ہے فرض نہیں جیسے میلاد شریف یا گیارہویں شریف کی نذریں ماننا،اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔یعنی وہ لوگ بہت عیش و آرام میں رہیں گے کام کاج کریں گے نہیں جس سے موٹے ہوجائیں گے،انہیں موٹا ہونا بہت پسند ہوگا قدرتی موٹاپے کا یہاں ذکر نہیں ہے،یا یہ مطلب ہے کہ جھوٹی شیخی مارا کریں گے،یا یہ مطلب ہے کہ بہت

مالدار ہوناپسند کریں گےتاکہ موٹے تازے رہیں۔ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالٰی موٹے عالم کو پسند کرتا ہے وہاں بھی موٹاپے سے یہ ہی احتمالات ہیں۔(مرقات)

٦؎ یعنی بہت قسم کھانے کے عادی ہوں گے بلاوجہ قسمیں کھایا کریں گے جیساکہ اب بھی بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ قسم پہلے بات پیچھے،یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ بے اعتبار جھوٹے ہوں گے اپنا اعتبار دلانے کے لیے بات بات پرقسم کھایا کریں گے پھر بھی لوگوں کو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔خیال رہے کہ بہت قسمیں کھانے سے روزی گھٹتی ہے یہ تو سچی قسموں کا اثر ہےپھر جھوٹی قسموں کا کیا حال ہوگا۔(دیکھو شامی)

	اور مسلم کی روایت میں حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ پھران کے پیچھے ایسے لوگ آئیں گے جو موٹاپا پسند کریں گے ا؎

ا؎ سمانۃ کے تین معنی ابھی ہم نے عرض کردیئے عیش و آرام سے حاصل کیا ہوا موٹاپا،جھوٹی شیخی،مالداری۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تمہارے بہترین ہیں ا؎ پھر وہ جو ان کے قریب ہیں پھروہ جوان کے قریب ہیں ٢؎ پھر جھوٹ ظاہر ہوگا حتی کہ آدمی قسم کھائے گا حالانکہ قسم لیا نہ جاوے گا اور گواہی دے گا حالانکہ گواہی لیانہ جاوے گا آگاہ رہو کہ جو جنت کا وسط چاہے وہ جماعت کو مضبوط پکڑے ٣؎ کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے ٤؎ اور وہ دو سے دور رہتا ہے ٥؎ کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے خلوت نہ کرے کیونکہ شیطان ان کا تیسرا ہوتا ہے ٦؎ اور جس کو اس کی نیکی خوش کرے اور اس کی برائی غمگیں کرے تو وہ مؤمن ہے ٧؎

ا؎ جن صحابہ نے حضور انور کی صحبت پائی،حضور سے علم و عمل حاصل کیے،حضور کی تربیت پائی وہ تو انسان کیا فرشتوں سے بڑھ گئے مگر جن کی صرف ایک نظر جمال جہاں آرا پر پڑ گئی انہیں ایمان شہودی حاصل ہوگیا۔حضور کے جمال پر ایک نظر وہ کام کرتی ہے جو عمر بھر کے چلے خلوتیں عبادتیں نہیں کرسکتیں کوئی اس جیسا نہیں ہوسکتا۔(از اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی تابعین و تبع تابعین بعد والوں سے افضل ہیں کہ ان میں اکثر عادل یا مستور الحال ہیں فاسق تھوڑے مگر ان کے بعد کے لوگ اس کے برعکس ہیں کہ ان میں فاسق زیادہ عادل کم ہیں بلکہ ان زمانوں کے فاسقوں میں جتنی حمیت دینی تھی بعد کے بعض عادلوں میں اتنی نہیں غیرت ایمان برابر گھٹ رہی ہے جیساکہ آگے ارشاد ہے،محمد ابن قاسم کا سندھ فتح کرنا حجاج ابن یوسف کی ایک غیرت اسلامی کی بنا پر ہوا۔

۳؎ یعنی جماعت صحابہ کے عقیدے اختیار کرے ان کے سے اعمال کرنے کی کوشش کرے،نیز عامۃ المؤمنین کی راہ چلے ہمیشہ عام مسلمانوں کی راہ چلے تاابد بڑا گروہ اہل سنت والجماعت ہی کا رہے گااسی لیے اس کے نام میں جماعت داخل ہے اہل سنت والجماعت۔

۴؎ یعنی جو عقائد و اعمال میں مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ شیطان کا ساتھی ہے دوزخی ہے۔

۵؎ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے اور بھیڑیا بکریوں کے گلہ پر رحم کم کرتا ہے دور والی یا کنارے والی بکری کو جلد پھاڑتا ہے،یہ مضمون کتاب الاعتصام میں گزر چکا۔

۶؎ عورت سے مراد اجنبی عورت ہے لہذا اپنی ذی رحم ماں بہن بیٹی ساری ذی رحم محرمہ یوں ہی اپنی بیوی اس حکم میں داخل نہیں بلکہ جوعورت صرف محرمہ تو ہو کہ اس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو مگر ذی رحم نہ ہو جیسے ساس اس سے بھی خلوت بہتر نہیں جب کہ وہ جوان ہو۔(دیکھو شامی)خیال رہے کہ دودھ کے بھائی بہن دودھ کے چچا تائے سے پردہ فرض نہیں مگر خلوت ان سے بھی بہتر نہیں جب کہ دونوں جوان ہوں کیونکہ وہ اگرچہ محرم تو ہیں مگر ذی رحم نہیں۔

۷؎ یعنی علامت ایمان یہ ہے کہ آدمی کو اپنی برائیاں اپنے گناہ برے معلوم ہوں،ان پر وہ غم کرے اور اپنی نیکیاں اچھی معلوم ہوں ان پر خوشی کرے اس کا دل مفتی ہوتا ہے جو اسے برے بھلے کاموں کا فتوی دیتا رہتا ہے اللہ ایسا ایمان نصیب کرے۔ مصنف کو اس حدیث کا حوالہ نہیں ملا،یہ حدیث نسائی شریف کی ہے اس کی اسناد کے سارے راوی قوی ہیں سواء ابراہیم ابن حسن خثعمی کے اس سے مسلم،بخاری نے احادیث نہیں لیں مگر وہ بھی ثقہ ہیں لہذا حدیث صحیح ہے اور اس مضمون کی احادیث احمد ابن حبان،طبرانی،حاکم،بیہقی نے بھی روایت کیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۱؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی جس نے بحالت ایمان مجھے دیکھااور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا وہ دوزخ سے محفوظ رہے گالہذا جو لوگ حضور انور کے بعد مرتد ہوکر مرے وہ اس بشارت سے علیحدہ ہیں،یوں ہی جن لوگوں کو اخلاص سے صحابہ کرام کی صحبت نصیب ہوئی ان کی خدمات میسر ہوئیں وہ بھی دوزخ سے محفوظ ہیں۔ہم صحابیت اور تابعی کا فرق پہلے بیان کرچکے ہیں کہ صحابی کے لیے ایک نظر جمال مصطفوی دیکھ لینا کافی ہے مگر تابعیت کے لیے صحابی کی صحبت خدمت ضروری ہے۔اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی انہیں نیک اعمال کرنے برے اعمال سے بچنے یا ان سے توبہ کرنے کی توفیق دے گاجس سے وہ دوزخ سے بچ جائیں گے۔عوام میں مشہور ہے کہ جو پاک پتن شریف میں حضرت بابا

گنج شکر فرید الدین کے مقبرہ کے بہشتی دروازے میں داخل ہوجاوے وہ جنتی ہے وہاں بھی مطلب یہ ہے خدا تعالٰی اسے جنتی اعمال کی توفیق دے گا اور اس دروازے میں داخلہ کی برکت سے گزشتہ گناہ صغیرہ معاف فرما دے گا،گناہ کبیرہ سے بچنے کی توفیق دے گا،رب فرماتاہے:"ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ"یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کے لیے گناہ حلال ہوگئے۔مولانا فرماتے ہیں۔

گفت طوبی من رانی مصطفٰی | والذی بصیر لمن وجہی یراے

جن اکھیاں نے دلبرد دیکھیا اوہ اکھیا تک لیاں | توں ملیوں تے ساجن ملیا ہن آسان لگ گیاں

حضور کو دیکھنے والی آنکھ کی زیارت بھی بہشتی ہونے کا ذریعہ ہے۔احمد اور ابن حبان نے اور عبدالحمید نے بروایت حضرت ابن عمر حدیث نقل فرمائی **وطوبی لمن رانی امن بی وطوبی لمن لم یرانی وامن سبع مرات**(مرقات)جو مجھے دیکھ کر مجھ پر ایمان لائے اسے ایک بار مبارک اور جو مجھے بغیر دیکھے ایمان لائے اسے سات بار مبارک۔خیال رہے کہ سارے صحابہ جنتی ہیں مگر عشرہ مبشرہ وہ ہیں جنہیں ایک حدیث نے جمع فرمایا ورنہ سارے صحابہ جنتی ہیں عشرہ مبشرہ یہ ہیں:

وہ یار بہشتی اند قطعی | بوبکر و عمر علی و عثمان

سعد است و سعید و بوعبیدہ | طلحہ زبیر و عبدالرحمٰن

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں نشانہ نہ بناؤ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا[1] اور جس نے انہیں ستایا اس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑے[2](ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی میرے صحابہ سے بغض مجھ سے بغض ہے تو اس کے برعکس صحابہ سے محبت مجھ سے محبت ہے۔صحابہ کی شان تو بہت اونچی ہے،مدینہ طیبہ کے خاردخار سے محبت،وہاں کے جانوروں،وہاں کے کتوں سے محبت حضور انور سے محبت کا ذریعہ بھی ہے اور اس کا نتیجہ بھی ہے۔حضرت امیرملت محدث علی پوری قدس سرہٗ مدینہ منورہ میں ایک دعوت میں کھانا کھارہے تھے کہ ایک کتا آ گیا کسی نے لاٹھی ماری جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی آپ کھانا چھوڑکر بھاگے یہ

کہتے ہوئے کہ ارے یہ مدینہ کا کتا ہے اسے نہ مارو،کتے کو گود میں اٹھالیا اپنی پگڑی پھاڑ کر اس کی ٹانگ سے باندھی،گھر لائے علاج کرایا،عشق سب کچھ کرالیتا ہے،مجنوں سے پوچھو کہ لیلیٰ کے کتے کی شان کیا ہے۔
۲؎ یعنی صحابہ کرام میں سے کسی کو ستانا درحقیقت مجھے ستانا ہے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ صحابہ کو برا کہنے والا قتل کا مستحق ہے کہ اس کا یہ عمل عداوت رسول کی دلیل ہے۔(مرقات)اور عداوت رسول عداوت رب ہے ایسا مردود دوزخ ہی کا مستحق ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے صحابہ کی مثال میری امت میں کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے درست نہیں ہوتا۱؎ حسن نے فرمایا کہ ہمارا نمک تو چلا گیا ہم کیسے درست ہوں۲؎(شرح سنہ)

۱؎ یعنی جیسے نمک ہوتا ہے تھوڑا مگر سارے کھانے کو درست کردیتا ہے ایسے ہی میرے صحابہ میری امت میں ہیں تھوڑے مگر سب کی اصلاح انہی کے ذریعہ سے ہے۔ریل کا پہلا ڈبہ جو انجن سے متصل ہے وہ ساری ریل کو انجن کا فیض پہنچاتا ہے انجن سے وہ کھنچتا ہے اور سارے ڈبہ اس کے ذریعہ کھنچتے ہیں۔
۲؎ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اب ہم حضرات صحابہ کا دیدار کیسے کریں،ان سے روایات کیسے لیں،ان سے حضور کے حالات کیسے پوچھیں وہ تو چلے گئے۔اصلاح سے مراد ہے مزیدار یعنی ہمارے اندر وہ لذت سوزوگداز کیسے پیدا ہو وہ حضرات نہ رہے۔خیال رہے کہ خواجہ حسن بصری کے زمانہ میں ایک سو دس صحابہ موجود تھے مگر چونکہ اب ان کا زمانہ ختم ہورہا تھا اس لیے آپ یہ افسوس فرمارہے تھے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا کوئی صحابی کسی زمین میں وفات نہیں پاتا مگر وہ قیامت کے دن ان کا پیشرو ان کا نور ہوگا۱؎(ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابن مسعود کی حدیث کہ مجھے کوئی نہ پہنچائے،الخ زبان کی حفاظت کے باب میں ذکر کردی گئی۲؎

۱؎ یعنی جس سرزمین میں میرے کسی صحابی کی وفات و دفن ہوں گے قیامت کے دن اس سر زمین کے سارے مسلمان ان صحابی کے جلو میں محشر کی طرف چلیں گے اور یہ صحابی ان سب کے لیے روشن شمع ہوں گے،ان کی روشنی میں سارے لوگ قبروں سے محشر تک اور محشر سے جنت تک پل صراط و غیرہ سے ہوتے ہوئے پہنچیں گے۔
۲؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی ہم نے مناسب کالحاظ رکھتے ہوئے **باب حفظ اللسان** میں بیان کردی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم ان کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں۱؎ تو کہو کہ تمہاری شر پر اللہ کی پھٹکار۲؎ (ترمذی)

۱؎ اس فرمان عالی میں غیبی خبر بھی ہے کہ آئندہ مسلمانوں میں دشمنان صحابہ پیدا ہوں گے اور یہ کہ ایسے دشمن خود صحابہ کے زمانہ ہی میں پیدا ہوجائیں گے۔چنانچہ خلافت حیدری میں عبداللہ ابن سبا یہودی نے مذہب رفض ایجاد کیا اور پھیلایا غرضیکہ اس فرمان عالی میں دو غیبی خبریں ہیں۔

۲؎ یعنی صحابہ کرام تو خیر ہی خیر ہیں تم ان کو برا کہتے ہو تو وہ برائی خود تمہاری طرف ہی لوٹتی ہے اور اس کا وبال تم پر ہی پڑتا ہے۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی پر لعنت کرے مگر وہ لعنت کے لائق نہ ہو تو لعنت خود اس لعنت کرنے والے پر پڑتی ہے۔علی شرکم میں اسی جانب اشارہ ہے کہ کسی کے کام پر لعنت کرنا آسان ہے اور فاعل پر لعنت کرنا دشوار،دیکھو یہاں علی شرکم فرمایا علیکم نہیں فرمایا۔حضرت حسان نے ان کفار سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرتے تھے فرمایا۔

اتھجوہ ولست لہ بکفو   فشر کما الخیر کما فداء   (مرقات)

حدیث مرفوع میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم پیدا ہوگی جنہیں رافضی کہا جائے گا کیونکہ اسلام کو رفض کرچکے ہوں گے (چھوڑ چکے ہوں گے)وہ لوگ مشرکین ہیں وہ اپنے کو محبان اہل بیت کہیں گے مگر ہوں گے جھوٹے کیونکہ جناب ابوبکر و عمر کو گالیاں دے گے۔(مرقات،صواعق)روافض دشمنان صحابہ ہیں،خوارج دشمنانِ اہل بیت، ان کی دشمنی سے ان صحابہ و اہل بیت کے درجات تا قیامت بڑھتے رہیں گے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا جو میرے بعد ہوگا۱؎ تو مجھے وحی فرمائی کہ اے محمد تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے تاروں کی طرح ہیں کہ ان کے بعض بعض سے قوی ہیں اور سب میں نور ہے تو جس نے ان کے اختلاف میں سے کچھ حصہ لیا جس پر وہ ہیں تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۲؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

	میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تو تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۳؎(رزین)

۱؎ یہاں اختلاف سے اجتہادی علمی و عملی اختلاف مراد ہے،اس میں غیبی خبر ہے کہ میرے صحابہ میں اختلاف ہوں گے۔خیال رہے کہ صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں اختلاف کی بنا پر تھیں نہ کہ عداوت کی بنا پر جیسے حضرت سارہ اورجناب ہاجرہ کا اختلاف یا جیسے برادرانِ یوسف علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے اختلاف،اس کا انجام بخیر ہوتا ہے ہم کسی کو برا نہ کہیں اس کے باوجود وہ ایک دوسرے پر رحیم و کریم تھے،رب فرماتاہے"رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ"۔اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ یہاں اختلاف سےمراد فقہی مسائل میں اختلاف ہے۔جو شخص کسی صحابی کے فتویٰ پر عمل کرے گا نجات پاجاوے گا،آئمہ دین جیسے امام اعظم اور امام شافعی وغیرہم صحابہ ہی کے مقلد ہیں،امام اعظم حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اور امام شافعی حضرت عبداللہ ابن عباس کے اکثر مسائل میں تابع ہیں دونوں ہدایت پر ہیں۔

۳؎سبحان اللہ! کیسی نفیس تشبیہ ہے حضور نے اپنے صحابہ کو ہدایت کے تارے فرمایا اور دوسری حدیث میں اپنے اہلِ بیت کو کشتی نوح فرمایا،سمندر کا مسافر کشتی کا بھی حاجت مند ہوتا ہے اور تاروں کی رہبری کا بھی کہ جہاز ستاروں کی رہنمائی پر ہی سمندر میں چلتے ہیں،اسی طرح امتِ مسلمہ اپنی ایمانی زندگی میں اہلِ بیت اطہار کے بھی محتاج ہیں اورصحابہ کبار کی بھی حاجت مند۔امت کے لیے صحابہ کی اقتداء میں ہی اہتداء یعنی ہدایت ہے۔

باب مناقب ابی بکر

حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ مناقب جمع ہے منقبۃ کی بمعنی فضیلت و بزرگی۔حضرت ابوبکر صدیق کا نسب شریف یہ ہے عبداللہ(ابوبکر)ابن عثمان(ابوقحافہ)ابن عامر ابن عمرو ابن کعب ابن سعد ابن تمیم ابن مرہ۔آپ ساتویں دادا یعنی مرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں،آپ کا لقب صدیق ہے،کنیت عتیق،معراج کی صبح کو حضور کی معراج کی شاندار تصدیق کی وجہ سے آپ کو صدیق کہا گیا اور حضرت بلال کو آزاد کرنے پر آپ کا لقب عتیق یعنی دوزخ سے آزاد یا لوگوں کو آزاد کرنے والے۔آپ کے فضائل آسمان کے تاروں،زمین کے ذروں کی طرح بے شمار ہیں،بعد انبیاءکرام آپ ہی افضل الخلق ہیں،آپ اسلام کے بعد کبھی حضور انور سے جدا نہ ہوئے،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے،سفید رنگ دراز قد دبلے بدن والے،چوڑی پیشانی تھے،آپ اور آپ کے ماں باپ آپ کی ساری اولاد اور آپ کی اولاد کی اولاد صحابی ہیں یہ شرف کسی کو نصیب نہیں ہوا،مکہ معظّمہ میں آپ کی پیدائش واقعہ فیل سے دو سال چار ماہ بعد ہوئی اور جمادی الآخر کی بائیس تاریخ منگل کی شب ۱۳ھ میں مغرب و عشاء کے درمیان مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی،بلافصل حضور کے پہلو میں آرام فرما ہیں،دو سال چار ماہ خلافت کا زمانہ ہے،۶۳ تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ سارے انسانوں میں مجھ پر بڑا احسان کرنے والے اپنی صحبت اپنی محبت و مال میں ابوبکر ہیں ۱اور بخاری کے نزدیک ابابکر ہے اور اگر میں کسی کو دلی دوست بناتا تو میں ابوبکر کو دوست بناتا۲ لیکن اسلام کا بھائی چارا اور اس کی دوستی ہے۳مسجد میں کوئی کھڑکی نہ رکھی جاوے سواء ابوبکر کی کھڑکی کے۴ دوسری روایت میں یوں ہے کہ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا۵ (مسلم،بخاری)	

۱؎ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا مال جان،اولاد وطن سب کچھ حضور پر قربان کردیا،غار ثور میں ہجرت کی رات اپنی جان حضور پر فدا کی کہ سانپ سے کٹوالیا،اپنی صاحبزادی عائشہ صدیقہ کا نکاح حضور انور سے کیاجب آپ کی عمر چھ سال تھی اور حضور کی عمر ۴۵ سال حالانکہ آپ جانتے تھے کہ جب حضور کا وصال ہوگا تو حضرت عائشہ عین جوانی میں ہوں گی،آپ کے بعد نہ آپ کو میراث ملے گی نہ آپ کا نکاح کسی سے ہوسکے گا،یہ ہے اولاد کی قربانی۔جس وقت آپ ایمان لائے تو چالیس ہزار دینار اشرفیاں آپ کے پاس تھیں جو سب حضور پر خرچ کیں،وفات کے وقت کفن کے لیے کپڑا بھی نہ تھا پرانے کپڑوں میں کفن دیا گیا،حضور نے فرمایا کہ صدیق کا احسان مجھ پر بڑا ہے۔

آن امن الناس بر مولائے ما　　　　آں کلیمے اول سینا ما

مسجد نبوی شریف کی اصل زمین حضرت ابوبکر صدیق نے دس دینار میں خرید کر وقف کی(ابن ماجہ کا حاشیہ ص ۵۴)بعد میں حضرت عثمان نے آس پاس کی زمین خرید کر ملحق کی۔

۲؎ خلیل یا تو بنا ہے خلت خ کے پیش سے بمعنی دلی دوست جس کی محبت دل کی گہرائی میں اتر جاوے،حضور کا ایسا محبوب صرف اللہ ہی ہے،یا بنا ہے خلت خ کے فتحہ سے بمعنی حاجت یعنی وہ دوست جس پر توکل کیا جاوے اور ضرورت کے وقت اس سے مشکل کشائی حاجت روائی کرائی جاوے،حضور انور کا ایسا کار ساز حاجت روا محبوب سواء خدا کے کوئی نہیں ورنہ اصل محبت حضور کو جناب صدیق سے بہت ہی ہے۔

۳؎ یعنی ہم مطلقًا محبت کی نفی نہیں کررہے ہیں محتاجی حاجت روائی کی محبت کی نفی ہے یا جگری و دلی محبت کی جو صرف ایک سے ہی ہوسکتی ہے،ایمانی محبت ان سے علی وجہ الکمال ہے۔خیال رہے کہ حضرت صدیق نے کبھی حضور کو بھائی کہہ کر پکارا نہیں کہ یہ حرام ہے"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ"الخ۔

۴؎ **خوخة** بمعنی کھڑکی یا بمعنی چھوٹا دروازہ۔جن صحابہ کرام کے مکانات مسجد کے متصل تھے انہوں نے اپنے گھروں کی دیواروں میں مسجد کی طرف روشندان اور چھوٹے دروازے رکھے تھے کہ روشندانوں سے حضور کو دیکھ لیا کریں اور آسانی سے مسجد میں آتے جاتے رہیں ان سب کے بند کردینے کا حکم دیا سواء صدیق اکبر کے دروازے کے۔خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے دو گھر تھے ایک مسجد شریف سے متصل دوسرا مقام سخ میں۔یہ اس کھڑکی کا ذکر ہے جو مسجد سے ملے ہوئے مکان میں تھی،اب **باب الصدیق** اس مکان کی یادگار ہے لہذا مرقات کا یہ فرمانا کہ آپ کا گھر تو مقام سخ میں تھا پھر کھڑکی مسجد نبوی کی طرف کیسی اور اس کی تاویل خلافت سے کرنا کچھ قوی نہیں۔

۵؎ خیال رہے کہ آپ کا نام عبداللہ ہے اور کنیت ابوبکر ہے،ابو کے معنی ہیں والا جیسے ابوہریرہ بلی والے،بکر کے معنی ہیں اولیت، اسی سے ہے بکرہ باکرہ اور باکور،ابوبکر کے معنی ہوئے اولیت والے۔چونکہ آپ ایمان ہجرت حضور کی وفات کے بعد وفات میں اور قیامت کے دن قبر کھلنے وغیرہ سب کاموں میں آپ ہی اول ہیں اس لیے آپ کو ابوبکر کہا گیا رضی اللہ عنہ۔یہ بھی خیال رہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد حضور نے حضرت علی کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا کہ مسجد میں صرف علی کی کھڑکی رہے جس پر جناب حمزہ نے شکایت کی تھی کہ یارسول اللہ آپ نے اپنے چچا کو تو اس کی اجازت نہیں دی اور چچا زاد بھائی کو اجازت دے دی،فرمایا کہ میں نے نہیں حکم دیا بلکہ یہ حکم الٰہی ہے اور

حضرت صدیق اکبر کو یہ اجازت وفات شریف سے تین دن پہلے دی ہے جو یہاں مذکور ہے۔(اشعۃ اللمعات)مرقات میں بھی اس کے قریب قریب ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو دوست بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور میرے ساتھی ہیں اور اللہ نے تمہارے صاحب کو دوست بنایا[1] (مسلم)	

[1] صاحبکم سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے یعنی اللہ نے مجھے اپنا خلیل اپنا دوست بنالیا ہے تو میں نے بھی اس کو اپنا خلیل بنالیا اس کے سوا کوئی نہیں بنایا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مؤمن کے صاحب یعنی ساتھ رہنے والے ہیں،رب فرماتاہے:"وَ مَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ"اور فرماتاہے:"مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی"کیونکہ حضور انور ہر مؤمن کے دل میں ایمان میں،جان میں،سفر میں،قبر میں،حشر میں ساتھ رہتے ہیں،حضور ہر مؤمن کے ہر وقت ہر جگہ کے ساتھی ہیں جیسے جان جسم کی ساتھی۔خیال رہے کہ حضرت ابراہیم بھی خلیل اللہ ہیں اور حضور انور بھی مگر ان دونوں خلتوں میں فرق ہے۔خلت محمدی اعلیٰ واکمل ہے خلت ابراہیمی سے،جناب ابراہیم اللہ کے ایسے خلیل ہیں کہ جو رب کہتا ہے وہ آپ کرتے ہیں مگر حضور اللہ کے ایسے خلیل کہ جو آپ کہتے ہیں وہ رب کرتا ہے،دیکھو فرماتاہے:"فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَۃً تَرۡضٰىہَا"اور فرماتاہے:"وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی"اسی لیے حضور کا لقب ہے حبیب اللہ جو حضور انور کا ہوجاوے وہ بھی اللہ کا دوست ہوجاتا ہے"فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللہُ"مسجد کی چٹائی لوٹا وغیرہ سب مسجد کی طرح اللہ کی ہوجاتی ہیں یعنی وقف۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں فرمایا کہ میرے پاس اپنے والد ابو بکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں[1] کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے یا کہنے والا کہے کہ میں[2] لیکن نہیں اللہ اور مؤمنین ابو بکر کے سوا کو منع کردیں گے[3] (مسلم)اور کتاب حمیدی میں بجائے انا ولا کے انا اولیٰ ہے۔	

[1] بھائی سے مراد حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو بکر الصدیق ہیں جیساکہ بعض روایات میں ہے،بھائی کو بلانا وصیت نامہ لکھانا کے لیے تھا۔(مرقات و اشعہ)کتاب سے مراد خلافت نامہ ہے۔اس ارادہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ سلطان اسلام اپنا خلیفہ کسی کو بناسکتا ہے ورنہ حضور انور اس کا ارادہ نہ کرتے لہٰذا حضرت ابو بکر صدیق کا جناب عمر کو اپنا جانشین خلیفہ مقرر فرمادینا بالکل درست ہوا۔خیال رہے کہ حضور انور نے تحریری طور پر حضرت صدیق کو خلیفہ نہ بنایا مگر

عملی خلیفہ بنادیا کہ حج وداع سے پہلے حج کا امیر اور وفات کے وقت مسجد نبوی شریف کا امام جناب صدیق کو بنادیا یہ عملی طور پر ولی عہد بنانا تھا۔

۲؎ یعنی کوئی یہ نہ کہے کہ خلیفہ رسول اللہ میں ہوں حالانکہ ابوبکر کے ہوتے کسی کو خلافت کا حق نہیں۔ولا کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی ولا یکون کذلك۔

۳؎ یعنی نہ تو اللہ تعالٰی کسی اور دوسرے کی خلافت پسند فرمائے گا کیونکہ وہ فیصلہ فرماچکا ہے کہ خلیفہ رسول جناب صدیق اکبر ہوں اور نہ مسلمان کسی اور کو ووٹ دیں گے کیونکہ ان سب کو معلوم ہے کہ افضل خلیفہ ہونا چاہیے اور بعد رسول افضل خلق حضرت صدیق اکبر ہی ہیں اور ایسا ہی ہوا کہ سعد ابن عبادہ نے خلیفہ ہونے کی تمنا بلکہ کوشش کی مگر مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ جناب صدیق اکبر کی خلافت پر ہوا،وفات کے وقت جو حضور نے کاغذ و قلم منگایا تھا شاید حضرت صدیق اکبر کے لیے خلافت لکھنا چاہتے تھے حضور انور کے خلافت نامہ نہ لکھنے میں بھی آئندہ مسلمانوں کو تعلیم تھی کہ خلیفہ کا چناؤ اس طرح بھی ہوسکتا ہے یعنی ووٹ کے ذریعہ۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ سلم کے پاس ایک عورت آئی اس نے کسی چیز کے متعلق حضور سے بات کی۲؎ تو اسے حضور نے دوبارہ حاضری کا حکم دیا وہ بولی یارسول اللہ فرمایئے تو اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں شاید اس کی مراد موت تھی۳؎ فرمایا اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آجانا۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ قرشی ہیں،نوفل ابن عبد مناف کی اولاد سے،آپ کا نام جبیر ہے،کنیت ابو محمد،فتح مکہ سے ایک سال پہلے خیبر کی فتح پر ایمان لائے حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد تھے۔

۲؎ یا تو کوئی مقدمہ پیش کیا فیصلہ کے لیے یا حضور سے کچھ مانگا یا کوئی مسئلہ پوچھا پہلا احتمال قوی ہے۔کسی مقدمہ میں حاکم کا تاریخ دینا جائز ہے،اس کی اصل یہ حدیث ہے حضور نے اسے کل کی تاریخ دی۔

۳؎ یہ واقعہ حضور کی وفات شریف سے قریب کا ہے اس بی بی کا مطلب یہ تھا کہ اگر حضور کل سے پہلے وفات پاجائیں تو کس سے فیصلہ کراؤں۔

۴؎ یعنی اگر میری وفات ہوجاوے تو ابوبکر صدیق سے اپنا فیصلہ کرالینا،اس فرمان عالی میں حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات سلاسل کے لشکر پر امیر بنا کر بھیجا۱؎ فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس آیا میں نے کہا لوگوں میں آپ کو زیادہ پیارا کون ہے فرمایا عائشہ میں نے کہا مردوں میں فرمایا ان کے والد۲؎ میں نے عرض	

	کیا پھر کون فرمایا عمر پھر حضور نے چند حضرات گنائے تو میں چپ ہوگیا اس خوف سے کہ مجھے ان سب کے آخر میں کردیں۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ذات سلاسل مدینہ منورہ سے دس روز کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے یا تو یہاں مشرکین نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ بھاگ نہ سکیں،یا وہاں ایک کنویں کا نام سلاسل ہے جیسے آج خیبر کے راستہ میں ایک منزل کا نام سلسلہ ہے یا وہاں کا ریتہ زنجیروں کی طرح ہے ان وجوہ سے اسے ذات سلاسل کہتے ہیں۔پہلے حضور نے حضرت عمرو ابن عاص کو تین سو صحابہ پر امیر بنا کر وہاں بھیجا انہوں نے حضور سے کمک طلب کی تو ایک اور جماعت صحابہ بھیجی جس میں حضرت ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ ابن جراح بھی تھے،حضرت عمرو ابن عاص نے جو دیکھا کہ حضور انور نے مجھے آج حضرت صدیق و فاروق پر بھی امیر بنا دیا تب واپسی پر یہ سوال کیا جو یہاں مذکور ہے وہ سمجھے کہ میں ان بزرگوں سے بھی افضل ہوں۔(اشعہ)

۲؎ محبت کی بہت قسمیں ہیں:ایک محبت عائشہ صدیقہ سے زیادہ ہے دوسری قسم کی محبت حضرت فاطمہ سے زیادہ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اس سوال کے جواب میں فرمایا مجھے بہت پیاری فاطمہ زہرا ہیں اور مردوں میں انکے خاوند۔

۳؎ یعنی میں تو اس خیال میں تھا کہ چونکہ حضور انور نے مجھے اس لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت صدیق و فاروق سپاہیانہ شان سے تھے لہذا میں ان سے بھی افضل ہوؤں گا مگر پتہ لگا کہ میں تو ان سے بہت ہی فاصلہ پر ہوں ایسا نہ ہو کہ میری باری سب سے آخر میں آئے اس لیے میں پوچھنے سے باز رہا تاکہ پردہ ہی رہے۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن حنفیہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون بہتر ہے۲؎ فرمایا ابوبکر میں نے کہا پھر کون فرمایا عمر،میں ڈرا کہ آپ کہہ دیں گے کہ عثمان تو میں نے کہا پھر آپ نے فرمایا میں تو نہیں مگر مسلمانوں میں سے ایک شخص۳؎ (بخاری)

۱؎ آپ محمد بن علی ابن ابی طالب ہیں،آپ کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر ابن قیس ہے،قبیلہ بنی حنیفہ سے تھیں جو خلافت صدیقی میں گرفتار ہوکر جنگ یمامہ میں آئیں اور حضرت علی کو دی گئیں،آپ تابعی مشہور عالم بڑے بہادر تھے،ایک بار ایک زرہ حضرت علی کی خدمت میں پیش کی گئی جو آپ کے قد شریف سے بڑی تھی محمد ابن حنفیہ نے اپنے ہاتھ سے زائد زرہ توڑ کر حضرت علی کے قد پر فٹ کردی،کسی نے آپ سے پوچھا کہ حضرت علی جنگ میں تم کو بھیجا کرتے ہیں حسن و حسین کو نہیں بھیجتے فرمایا وہ دونوں آنکھیں ہیں میں بہادر ہاتھ ہوں آنکھوں کی حفاظت ہاتھ سے کی جاتی ہے۔

۲؎ یہ سوال حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں ہوا تھا جب کہ حضرات شیخین و عثمان غنی وفات پاچکے تھے۔

۳؎ یہ فرمان حضرت علی کی انتہائی تواضع اور انکساری پر ہے ورنہ ان تین خلفاء کے بعد افضل الخلق آپ ہی ہیں رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ الکریم۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکر کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے پھر عمر کو پھر عثمان کو۱؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو رہنے دیتے ان میں کسی کی بزرگی بیان نہ کرتے۲؎(بخاری)اور ابوداؤد کی روایت میں ہے فرمایا ہم کہتے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ کے بعد ابوبکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ۳؎

۱؎ کیونکہ یہ تینوں حضرات سید سیدہ تجربہ کاراور حضور انور کے مشیر خاص اور راز دار تھے ان کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قدرتی طور پر جاگزین تھی۔

۲؎ یعنی ان تینوں صاحبوں کی سی بزرگی کسی اور صحابی کو نہ دیتے تھے۔خیال رہے کہ حضرت علی کا شمار اہل بیت نبی میں ہے اسی لیے ان کا ذکر نہ فرمایا۔یہاں ذکر صحابہ کا ہے کہ صحابہ میں ہم یہ ترتیب رکھتے تھے،نیز حضور کے زمانہ میں حضرت علی بہت کم سن تھے اور وہ تین حضرات شیوخ میں سے تھے ورنہ حضرت عمر کا عقیدہ تھا کہ اہل بدر،اہل بیعۃ رضوان اور علماء صحابہ ان کے مجتہد ہیں دوسرے صحابہ سے افضل ہیں خصوصًا حضرت علی بہت افضل واعلیٰ ہیں۔(مرقات)لہذااس پر یہ اعتراض نہیں کہ آپ نے حضرت علی اصحاب بدر،عشرہ مبشرہ،بیعۃالرضوان والے صحابہ کا ذکر کیوں نہیں کیا۔(مرقات)

۳؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ کسی صحابی کو ان تین جیسی فضیلت ہم نہیں دیتے تھے بقیہ حضرات کی اپنی اپنی فضیلت مسلم ہے۔خیال رہے کہ حضرت علی میں رب نے دو بزرگیاں جمع فرمائی ہیں: صحابیت اور حضور کا اہل بیت میں سے ہونا،آپ کے گھر میں حضور نے اور حضور کی گود میں آپ نے پرورش پائی،غسل ولادت حضور نے جناب علی کو دیا اور غسل وفات جناب علی نے حضور کو دیا،ادھر چار یار میں داخل اور ادھر پنج تن پاک میں شامل رضی اللہ عنہ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں مگر

	ہم نے اس کا بدلہ کردیا۱ سوا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ ہم پر ان کا احسان ہے کہ اللہ انہیں اس کا بدلہ قیامت کے دن دے گا۲ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا۳ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا۴ خیال رکھو کہ تمہارے صاحب اللہ کے دوست ہیں۵

۱؎ یہاں شخصی خدمات و احسانات کا ذکر ہے کہ جس شخص نے ہم سے کچھ سلوک کیا تھا ہم نے اس سے بڑھ کر بدلہ دے دیا۔ لہذا یہ حدیث اس فرمان کے خلاف نہیں کہ انصار کے احسانات و خدمات کا بدلہ نہ ہوسکا قیامت میں رب تعالٰی سے دلوایا جاوے گا کہ وہ قومی اور جماعتی احسان و خدمات ہیں،احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ اس احسان سے یا تو وہ بدنی،مالی،وطنی اولادکی قربانیاں مراد ہیں جو حضرت صدیق اکبر برابر کرتے رہے یا حضرت بلال کو خرید کر آزاد کرنا مراد ہے کہ حضور نے فرمایا کہ صدیق نے مجھ پر احسان کیا کہ بلال کو آزاد کیا،رب نے فرمایا:"وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی"کی آیت کریمہ میں اس آزادی بلال کا ذکر ہے۔(مرقات)حضرت بلال کی خریداری پر حضور نے صدیق اکبر کے لیے فرمایا تھا۔

مصطفٰی گفتش کہ اے اقبال　　　جودر خریدن می شوم انباز تو

اے ابوبکر بلال کی خریداری میں ہم کو بھی اپنے ساتھ ملالو آدھی قیمت ہم سے لے لو ہم تم دونوں ان کے خریدار تو حضرت صدیق تڑپ گئے قدموں پر فدا ہو کر بولے۔

گفت ماد و بندگان کوئے تو　　　کرو مش آزاد ہم بروئے تو

حضور میں بھی آپ کا غلام بلال بھی آپ کے غلام،حضور میں نے انہیں آپ کے لیے خریدا ہے میں نے انہیں آزاد کردیا بلال نے جب چہرہ مصطفٰی دیکھا تو۔

چوں بدیدآں خستہ روئے مصطفٰی　　　خر مغشیا علیہ برقفا

چہرہ پاک دیکھتے ہی غش کھا کر گئے بے ہوش ہوگئے حضور نے اپنی چادر سے چہرہ کا گردو غبار صاف کیا اور فرمایا **اوذیت فی اللہ کثیرا** اے بلال تجھے اللہ کی راہ میں بڑی اذیتیں پہنچیں رضی اللہ عنہ،اے صدیق تم پر لاکھوں سلام کہ تم نے ہم سب مسلمانوں کے آقا حضرت بلال کو آزاد کیا تم نے ہمارے آقا حضرت بلال کو آزاد کیا تم ہمارے آقا کے آقا ہو۔

۳؎ چنانچہ جب ابوبکر صدیق ایمان لائے تو آپ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے،آپ بڑے امیر کبیر تھے اتنی بڑی دولت حضور انور پر خرچ کردی۔بہت سے غریب مسلمان جو کفار کے غلام تھے بڑی مصیبت میں تھے انہیں خرید کر آزاد کیا ان سب میں حضرت بلال ابن ابی رباح اور مالک ابن فہیرہ بہت مشہور ہیں،جب ہجرت میں حضور کے ساتھ گئے تو چند درہم آپ کے ساتھ تھے وہ بھی حضور پر خرچ کرنے کے لیے ساتھ تھے۔

۴؎ صوفیاء کے نزدیک خلیل وہ ہے جس کی محبت میں دل رہے اور رفیق وہ ہے جس کی محبت دل میں رہے،کشتی دریا میں اور دریا کشتی میں فرق ہے۔

۵؎ صاحبکم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات مبارک ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرمایا ابوبکر ہمارے سردار ہیں ہم سب سے بہتر ہم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت صدیق افضل الخلق بعد انبیاء ہیں،ان کی افضلیت مطلقًا قرآن سے ثابت ہے،رب فرماتاہے:"وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ" اولو الفضل منکم میں خطاب سارے صحابہ اہل بیت سے ہے اور اولو الفضل مطلق ہے اسی طرح جناب صدیق کی صحابیت قرآن سے ثابت ہے"اِذْ يَقُوْلُ لِصٰحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ"یوں ہی ان کا سب مسلمانوں سے بڑھ کر متقی ہونا ان کا دوزخ سے بہت دور رکھا جان قرآنی مسئلہ ہے"وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ"الخ۔اتقی اسم تفضیل یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ سب مسلمانوں کے سردار سب سے بہتر رسول اللہ کو سب سے زیادہ پیارے حضرت ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہ۔ایک قسم کی محبت میں فاطمہ زہرا سب سے پیاری اور ایک قسم کی محبت میں عائشہ صدیقہ سب سے زیادہ پیاری،ایک اور قسم کی محبت میں ابوبکر صدیق سب سے بڑھ کر،ایک اور قسم کی محبت میں حسن و حسین سب سے زیادہ پیارے ہیں،پھر یہ سب اللہ تعالٰی کے پیارے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے ابوبکر سے فرمایا کہ تم میرے غار میں ساتھی ہوا ۱؎ اور حوض پر میرے ساتھی ۲؎ (ترمذی)

۱؎ غار سے مراد یا تو غار ثور ہے جہاں ہجرت کے موقعہ پر تین دن حضور کے ساتھ صدیق اکبر نے قیام فرمایا،یا مراد قبر ہے پہلا احتمال قوی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ"حضرت صدیق اکبر کی صحابیت قطعی یقینی ہے اس کا انکار کفر ہے کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔(از مرقات)

۲؎ یعنی دونوں جہان میں تم میرے خاص ساتھی ہو جس ہمراہی میں کسی کی شرکت نہیں ورنہ حضور کے سارے غلام حوض پر حضور کے ساتھ ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس قوم میں ابوبکر ہوں انہیں یہ لائق نہیں کہ ان کی امامت ابوبکر کے سوا کوئی اور

	کرے۱(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۲

۱ مرض وفات شریف میں جب شدت ہوئی اور حضور انور نماز کے لیے مسجد تشریف نہ لاسکے تب حکم دیا کہ میری جگہ جناب ابوبکر نماز پڑھائیں،حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت عمر کو امام بنانے کی رائے دی تو آپ نے ان کے جواب میں یہ فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ جناب صدیق اکبر کو اپنی جگہ مصلےٰ پر کھڑا فرمانا اتفاقًا نہ تھا بلکہ کسی حکمت اور وجہ سے تھا۔اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرت صدیق اکبر کا یہ انتخاب امامت کبریٰ یعنی خلافت کے لیے دلیل بنانا تھا اس کی تمہید تھی۔دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق تمام صحابہ سارے اہل بیت سے افضل بھی ہیں اور زیادہ عالم بھی کیونکہ امام اسی کو بنایا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عالم اور افضل ہو،معراج میں سارے نبیوں کی امامت حضور انور نے کی سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی کیونکہ آپ ان سب حضرات سے افضل اور بڑے عالم تھے۔تیسرے یہ کہ امامت نماز میں عالم قاری پر مقدم ہوگا دیکھو تمام صحابہ میں بڑے قاری حضرت ابی ابن کعب تھے مگر حضرت صدیق کو امام بنایا گیا جو بڑے عالم تھے لہذا مذہب حنفی قوی ہے کہ عالم قاری پر مقدم ہے۔خیال رہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور کا حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مسجد نبوی شریف میں کا امام بنانا اتفاقًا تھا وہاں یہ نہ فرمایا تھا کہ عبداللہ کے ہوتے کسی کو امامت کا حق نہیں لہذا ان دونوں اماموں میں فرق ہے۔

۲ یہ حدیث امام ترمذی کو غریب ہوکر ملی صحابہ کرام کے لیے غریب نہ تھی اس وقت میں غریب بنانے والا راوی شامل نہیں ہوا تھا اس پر صحابہ کا عمل ہوچکا۔یہاں لمعات میں ہے کہ حضرت علی نے صدیق اکبر سے فرمایا کہ آپ کو رسول اللہ نے ہمارے دین میں ہمارا پیشوا بنادیا تو دنیا میں آپ کو پیچھے کرنے والا کون ہے۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا۱ اتفاقًا اس وقت میرے پاس مال بہت تھا تو میں نے سوچا کہ اگر میں کسی دن ابوبکر سے بڑھ سکا تو آج بڑھ جاؤں گا۲ فرماتے ہیں کہ میں اپنا آدھا مال لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا میں نے کہا کہ اتنا ہی اور ابوبکر سارا وہ مال لے آئے جو ان کے پاس تھا۳ فرمایا اے ابوبکر تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا رکھا عرض کیا کہ میں نے انکے لیے اللہ رسول کو رکھا میں نے سوچا کہ میں کسی چیز کی طرف ان سے آگے نہ بڑھ سکوں گا۴ (ترمذی،ابوداؤد)

۱ غزوہ تبوک کے موقعہ پر یہ حکم ہوا تھا۔

۲؎ حضرت عمر کا گمان یہ تھا کہ صدقہ میں سبقت زیادتی مال سے ہوتی ہے اور مال تو میرے پاس زیادہ ہے لہذا میں ہی آج بڑھ جاؤں گا مگر بعد میں پتہ لگا کہ صدقہ میں سبقت اخلاص کی زیادتی سے ہوتی ہے،کثرت اور برکت میں فرق ہے۔

۳؎ سارے مال کی خیرات حضرت صدیق اکبر کی خصوصیت ہے ان کی اور ان کے بال بچوں کی طرح متوکل نہ کوئی ہوگا نہ سارا مال خیرات کرے گا۔ہم جیسوں کو بعض مال خیرات کرنے کا حکم ہے"اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ"مماکا من بعضیت کا ہے۔ اگر ہم سارا مال خیرات کردیں تو اگرچہ ہم صبر کر جاویں مگر ہمارے بیوی بچے پیٹ پیٹ کر مرجاویں۔خیال رہے کہ عابدوں کی نماز و زکوۃ اور ہے عاشقوں کی اور نوعیت کی،عارفوں کی اور طرح کی،عابدوں کی زکوۃ سال کے بعد چالیسواں حصہ عاشقوں کو زکوۃ اشارہ پا کر سارا مال،عابدوں کی نماز مسجدوں کی دیواروں کے سایہ میں،عاشقوں کی نماز تلواروں کے سایہ میں۔اس جواب سے معلوم ہوا اللہ رسول کے نام پر خیرات اللہ رسول پر توکل شرک نہیں عین ایمان ہے،کیا پیارا جواب ہے کہ میں نے گھر والوں کے لیے اللہ رسول کو چھوڑا معلوم ہوا کہ اللہ رسول کافی ہیں۔

۴؎ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر کا یہ کل مال جناب عمر کے آدھے مال سے مقدار میں کم تھا مگر درجہ میں بہت زیادہ تھا قبولیت میں سب سے بڑھ کر تھا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو فرمایا کہ تم آگ سے اللہ کی طرف سے آزاد شدہ ہو۱؎ اس دن سے آپ کا نام عتیق رکھا گیا۲؎(ترمذی)

۱؎ عتیق کے بہت معنی ہیں: پرانا،افضل جیسے کعبہ کو بیت عتیق کہتے ہیں،آزاد شدہ،آزاد کرنے والا،آپ کا نام عبداللہ ہے،کنیت ابوبکر،لقب عتیق،آپ کی زوجہ کا نام اسماء بنت عمیس ہے،آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے یہ ہی غسل دیں ایسا ہی کہا گیا۔(مرقات)

۲؎ یہاں عتیق بمعنی آزاد کرنے والا ہے،حضرت صدیق کے غلام بھی دوزخ سے آزاد ہیں۔

تو ہے آزاد سقر سے ترے بندے آزاد ہے یہ سالک بھی ترا بندہ بے زر صدیق

حضور کے سارے صحابہ ہی آگ سے آزاد ہیں"وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"مگر جناب صدیق کی آزادی کسی خاص نوعیت کی ہے جیسے"لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس سے زمین کھولی جاوے گی پھر ابوبکر پھر عمر۱؎ پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا تو وہ میرا ساتھ جمع کیے جائیں

گے پھر میں مکہ والوں کا انتظار کروں گا۲ حتی کہ ہم دونوں حرموں کے درمیان حشر کیے جائیں گے۳ (ترمذی)	

۱ یعنی قیامت میں جب دوسری بار صور پھونکا جاوے گا تو پہلے قبر انور ہماری پھٹے گی ہم اٹھیں گے پھر ترتیب وار ان دونوں بزرگوں کی۔خیال رہے کہ ان دونوں بزرگوں کی اولیت یا تو اس امت کے لحاظ سے ہے یا ساری امتوں کے اولیاء کے لحاظ سے۔(مرقات)ورنہ پہلے حضور کی قبر انور کھلے گی پھر دوسرے نبیوں کی قبور مگر گروہ اولیاء اللہ میں پہلے ان دونوں بزرگوں کی۔

۲ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور جنت بقیع والے مؤمنوں کے پاس خود تشریف لے جائیں گے پھر یہاں ہی مکہ کے جنت معلے کے مدفونین کا انتظار کریں گے،وہ لوگ یہاں ہی پہنچیں گے،پھر یہاں ہی حضور انور فلسطین کی زمین کی طرف چلیں گے جہاں محشر قائم ہوگی مگر بعض روایات میں ہے کہ یہ اجتماع حرمین طیّبین کے درمیان ہوگا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور ادھر سے مکہ والوں کے لیے چلیں گے ادھر سے مکہ والے حضور انور کی طرف درمیان میں ملاقات ہوگی مگر پہلی روایت قوی ہے کہ اہل مکہ مدینہ منورہ میں پہنچے گے۔

۳ اس سے معلوم ہوا کہ حرمین طیّبین کی زمین میں دفن ہونا بڑی ہی خوش نصیبی ہے۔اللہ تعالٰی زمین مدینہ میں دفن نصیب کرے مجھے اور حضور کے سارے غلاموں کو۔شعر

کعبہ کے صدقہ دل کی تمنا مگر یہ ہے | مرنے کے وقت منہ ہو دشد کی طرف
اگر ایسی موت آئے تو کیا پوچھنا میرا | ہوں خاک پر نگاہ دریار کی طرف

خیال رہے کہ ان دونوں قبرستانوں کے مدفون تو حضور کیساتھ یہاں ہی جمع ہوجائیں گے،دوسرے مسلمان محبت والے شام کی زمین یعنی محشر میں حضور انور کے ساتھ ہوجائیں گے۔حضور فرماتے ہیں **من احب قوما حشر معھم** جو جس قوم سے محبت کرے گا اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جناب جبریل آئے میرا ہاتھ پکڑا پھر مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی۱ جناب ابوبکر نے کہا یارسول اللہ میری آرزو ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا۲ حتی کہ اسے دیکھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر تم وہ شخص ہو جو میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں جائے گا۳(ابوداؤد)	

۱؎ غالبًا یہ واقعہ معراج کی رات کا ہے یا کسی اور وقت کا۔(اشعۃ اللمعات)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور کی امت کے داخلہ کے لیے جنت میں علیحدہ دروازہ بنایا گیا ہے وہاں بھی امتیازی شان اس امت کی ہے یہ سب حضور کے صدقے سے ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری تمنا ہے یعنی جب حضور وہ دروازہ دیکھنے گئے تو کاش میں بھی حضور کے ساتھ ہوتا اور وہ دروازہ دیکھتا۔

۳؎ یعنی اے ابوبکر اللہ نے تمہارے لیے اس سے اعلیٰ درجہ رکھا ہے وہ یہ کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں جاؤ گے تمہارے بعد دوسرے لوگ۔خیال رہے کہ سب سے پہلے جنت میں حضور انور تشریف لے جائیں گے،پھر سارے نبی،پھر حضور انور کی امت،پھر دوسرے نبیوں کی امتیں اور اس امت میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق تولازم آیا کہ بعد انبیاء سب سے پہلے جناب صدیق اکبر جنت میں جائیں گے۔اس سے پتہ لگا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق بعد انبیاء ساری مخلوق سے افضل ہیں بعد انبیاء سب سے پہلے جنت میں داخلہ آپ کا ہی ہوگا۔

نوٹ ضروری: جنت میں ساری مخلوق سے پہلے حضرت بلال جائیں گے اس طرح کہ حضور کے داخلہ کے وقت آگے آگے بلال ہوں گے ہٹو بچو کرتے ہوئے جیسے غلام شاہوں کے آگے چلتے ہیں خادمانہ شان سے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ اے بلال تم کونسی نیکی کرتے ہو کہ میں نے جنت میں تمہارے قدموں کی آہٹ اپنے آگے سنی وہاں وہ ہی آہٹ سنائی گئی جو قیامت کے بعد جنت کے داخلہ کے وقت حضور کے آگے آگے چلنے کی ہوگی مگر وہ خدمت گاری کی حیثیت ہے،جزا والا داخلہ پہلے وہاں حضرت ابوبکر صدیق کو میسر ہوگا لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں پہلے ہی پہنچے ہوئے ہیں یا آدم علیہ السلام پہلے وہاں رہ کر آئے ہیں مگر وہ داخلہ جزا کے لیے نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمر سے کہ ان کے پاس حضرت ابوبکر کا ذکر کیا گیا تو آپ روئے اور بولے کہ میری آرزو یہ ہے کہ میرے سارے عمل حضرت ابوبکر کے ایک دن کے اور ایک رات کے عمل کی طرح ہوتے۱؎ آپ کی رات وہ رات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار کی طرف پہنچے تو جب وہ دونوں اس غار تک پہنچے عرض کیا واللہ آپ اس میں داخل نہ ہوں حتی کہ آپ سے پہلے میں داخل ہوجاؤں اگر اس میں کوئی چیز ہوتو مجھے پہنچے نہ کہ آپ کو تو آپ داخل ہوئے	

اسے صاف کیا۲ اور اس کے ایک کنارہ میں سوراخ پایا آپ نے تہبند پھاڑا اس سے سوراخ بند کیا سے ان میں سے دو سوراخ رہ گئے ان میں اپنے پاؤں دیدیئے۳ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تشریف لایئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنا سر آپ کی گود میں رکھا اور سو گئے۴ ابو بکر کے پاؤں میں سوراخ سے ڈس لیا گیا۵ آپ نے بالکل جنبش نہ کی اس ڈر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ پڑیں۶ پھر آپ کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے۷ تو فرمایا اے ابو بکر کیا ہوا عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ فدا میں تو ڈس لیا گیا تب رسول اللہ نے اپنا لعاب لگادیا تو وہ تکلیف جاتی رہی۸ جو وہ پاتے تھے پھر وہ زہر لوٹ آیا اور آپ کی وفات کا سبب بنا۹ لیکن آپ کا دن تو جب رسول اللہ نے وفات پائی اہلِ عرب مرتد ہوگئے اور بولے کہ ہم زکوۃ نہ دیں گے۱۰ تو فرمایا کہ اگر مجھے ایک رسی کا انکار کریں گے تو میں ان پر جہاد کروں گا۱۱ میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ لوگوں پر موافقت کریں اور ان پر نرمی کیجئے۱۲ تو مجھ سے فرمایا کہ تم جاہلیت میں سخت تھے۱۳ اور اسلام میں نرم،وحی بند ہوچکی اور دین مکمل ہوچکا کیا دین میں کمی کی جاوے گی حالانکہ میں زندہ ہوں۱۴ (رزین)۱۵

۱ اس فرمان فاروقی کے تین مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ وہ دونیکیاں اپنی مجھے دے دیتے اور میری ساری نیکیاں خود لے لیتے۔دوسرے یہ کہ مجھے بجائے ان تمام نیکیوں کے وہ دو نیکیاں میسر ہوجاتیں۔تیسرے یہ کہ قیامت میں رب تعالٰی میری تمام نیکیوں کو حضرت صدیق کوان دو نیکیوں کی طرح قرار دے دے۔

۲ اس سے معلوم ہوا کہ نگاہِ فاروقی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حضور پر جان نچھاور کرنا ساری نیکیوں سے افضل ہے۔حضرت عمر اپنی ساری نمازوں،سارے روزوں،سارے جہادوں،ساری فتوحاتِ اسلامیہ کو اس غار کے جھاڑنے سوراخ میں پاؤں لگانے،سانپ سے کٹوانے،حضور انور کا سر اپنے زانو پر رکھنے پر قربان کررہے ہیں۔حضرت صدیق نے اس رات تہجد،سجدے سجود نہیں کیے تھے بلکہ محبوب کی یہ خدمات کی تھیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔شعر

مولیٰ علی نے واری تیری نیند پر نماز اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلی خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جاں اپنی دے چکے　　اور حفظِ جاں تو اصل فروض غرر کی ہے
گو تو نے ان کو جان پھیر دی غار پر　　وہ تو کرچکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فروع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے اس رات جناب صدیق نے وہ عبادت کی جو روئے زمین پر اس وقت کوئی نہیں کررہا تھا یعنی اپنے زانو پر حضور کا سر رکھ کر حضور کے چہرے کو تکتے رہنا اس وقت یہ عبادت کوئی نہیں کررہا تھا رضی اللہ عنہ۔

۳؎ یہ ہے درجہ فنافی الرسول اور عشق صادق کا،عشق نے لباس کے ٹکڑے اڑا دیئے دونوں پاؤں سوراخوں سے کٹوا دیئے،اس وقت عجیب کیفیت سے حضرت صدیق وہاں بیٹھے ہوں گے کہ پاؤں اوپر ہیں خود نیچے ہیں اس نشست پر ہزارہا نماز کی نشستیں قربان ہوں۔

۴؎ آج حضرت ابوبکر صدیق کا زانو کعبہ معظّمہ بلکہ عرش معلیٰ سے افضل تھا۔رحل پر قرآن رکھا جاوے تو وہ محترم ہے جس کی گود صاحبِ قرآن کی رحل بنے وہ کیوں نہ افضل ہوگا۔خیال رہے کہ جناب آمنہ حلیمہ ثویبہ کی گود میں حضور نے پرورش پائی،حضرت ابوبکر و علی کی گود میں حضور نے سر رکھ کر آرام فرمایا،ہجرت کی رات ابوبکر کی گود میں اور خیبر کے دن حضرت علی کے زانوں پر،حضرت عائشہ صدیقہ کے سینہ پر حضور انور کی وفات ہوئی۔یہ گود یہ زانو بہت ہی افضل ہیں جیسے آل عبا کچھ دیر کے لیے حضور کی عبا کمبل شریف میں رہے تو افضل ہوگئے ایسے ہی یہ حضرات ان نسبتوں سے سارے جہان سے افضل ہوئے۔یہ فقیر ان گودوں ان زانوؤں کے توسل سے دعائیں کیا کرتا ہے رب تعالٰی سے قبولیت کی امید ہے۔

۵؎ یعنی مار غار نے یار غار کو کاٹ لیا عرب کا سانپ بہت ہی زہریلا ہوتا ہے،سانپ نے کئی بار کاٹا ایک ہی جگہ تاکہ آپ اپنا پاؤں ہٹالیں مگر پاؤں نہ ہٹا،جان کہتی ہے کہ ہٹاؤ ایمان کہتا ہے کہ جنبش نہ کرو وہاں ایمان جان پر غالب رہا۔

۶؎ جب سانپ کا زہر جسم میں اثر کرتا ہے تو اعضاء بدن میں سخت پٹخنی پڑتی ہے،اس وقت انہیں روکنا بڑی ہی ہمت و جرائت کی بات ہے۔

۷؎ آپ کے یہ آنسو سخت تکلیف کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر جاری ہوئے جنہیں حضور انور کے نورانی چہرے پر جگہ ملی۔

۸؎ حضور انور کے لعاب شریف کے معجزات بھی شمار سے باہر ہیں۔حضرت علی کی دُکھتی آنکھوں میں لگا تو اس نے کحل الجواہر کا نفع دیا،سیدنا عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی پنڈلی میں لگا تو ہڈی جوڑنے والے سریش کا کام کیا،حضرت طلحہ کے گندھے ہوئے آٹے اور گوشت کی ہانڈی میں پڑا تو بے مثال برکت دی،حضرت ابوبکر صدیق کے ڈسے ہوئے پاؤں کے انگوٹھے میں لگا تو تریاق کا کام دیا،لعاب کیا ہے اللہ کی قدرتوں کا مظہر اتم ہے۔بعض صالحین کو فرماتے سنا گیا کہ جو شیخ صدیقی حضرت محمد ابن ابوبکر کی اولاد سے ہیں انہیں سانپ یا تو کاٹتا نہیں اگر کاٹے تواثر نہیں کرتا اس لعاب شریف کا اثر ہے اور ان کی اولاد کے پاؤں کے انگوٹھے میں سیاہ تل ہوتا ہے حتی کہ اگر ماں باپ دونوں کی طرف سے شیخ صدیقی ہو تو دونوں پاؤں کے انگوٹھے میں یہ تل ہوگا۔میں نے بہت صدیقی حضرات کے پاؤں کے انگوٹھے میں یہ تل دیکھے ہیں غرضکہ یہ عجیب معجزات ہیں۔

۹؎ اس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے وقت یہ ہی سانپ کا اثر لوٹ آیا اسی زہر سے آپ کی وفات ہوئی اور آپ کو درجہ شہادت عطا ہوا یہاں بھی فنا فی الرسول کی جلوہ گری ہے۔حضور انور کی وفات خیبر والے زہر سے ہوئی کہ اس کا اثر واپس آیا اور جناب صدیق کی وفات غار ثور والے سانپ کے زہر سے ہوئی،حضور کی وفات کی شب چراغ میں تیل نہ تھا اورحضرت ابوبکر کی وفات کے وقت گھر میں کفن کے لیے کپڑا نہ تھا،پہنے ہوئے کپڑے دھوکر انہیں میں کفن دیا گیا یہ ہے اسلام کا پہلا تاجدار رضی اللہ عنہ۔

۱۰؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ زکوۃ کی فرضیت کے منکر ہوگئے لہذا مرتد ہوگئے تھے کہ فرض کا انکار کفر ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ ظاہری مال زکوۃ سلطان اسلام کو ادا کرنے کے منکر ہوگئے ہوں تو باغی ہوئے دونوں سے قتل جائز ہے۔اس کی تحقیق کتاب الزکوۃ میں گزر گئی وہاں کہا گیا ہے کہ اب مال باطن سونا چاندی اور مال ظاہری جانور وغیرہ سب کی زکوۃ خود مال والا ہی دے سلطان کو نہ دے۔

۱۱؎ **عقال** عین کے کسرہ سے بمعنی رسی بھی آتا ہے اور بمعنی بکری کا بچہ بھی یہاں دونوں احتمال ہیں،بعض روایات میں بجائے **عقال** کے عناق آیا ہے بمعنی بکری کا بچہ۔مقصود یہ ہے کہ اگر معمولی زکوۃ بھی ہم کو سپرد نہ کریں تو ان پر جہاد ہوگا۔

۱۲؎ یعنی ان پر جہاد نہ کریں بلکہ کچھ ڈھیل دیں اورنرمی سے انہیں سمجھادیں حضرت علی بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیق اکبر سے یہ ہی عرض کیا وہ بولے کہ حضور انور صاحب معجزات تھے مگر آپ نے تیئس سال میں احکام شرعیہ جاری فرمائے ہم یک دم کیسے جاری کرسکتے ہیں،آپ نے کسی کی بات نہ مانی اور حضرت فاروق اعظم کو جواب دیا جو یہاں مذکور ہے۔(حاشیہ اشعۃ اللمعات)

۱۳؎ یہ ہے حضرت ابوبکر صدیق کی قوتِ ایمانی کہ دین کے معاملہ میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں۔

۱۴؎ یعنی اپنے جیتے جی اسلام میں کوئی رخنہ نہیں پڑنے دوں گا میرے بعد اللہ حافظ ہے۔خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے زمانہ جاہلیت میں کبھی کفروشرک نہیں کیا۔مرقات میں بحوالہ **معال العرش الحبیب** روایت نقل فرمائی کہ ایک دن ابوبکر صدیق نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یارسول اللہ میں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا ایک بار مجھے میرے باپ ابوقحافہ ایک بت کے سامنے لے گئے اور کہا یہ ہے ہمارا رب اسے سجدہ کر،باپ کسی کام کو گئے میں نے بت سے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے،میں ننگا ہوں مجھے کپڑا دے،پھر میں نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا اگر تو خدا ہے تو میری مار سے اپنے کو بچالے،یہ کہہ کر میں نے اسے اس پتھر سے توڑ دیا میرے باپ نے آکر یہ دیکھا تو بولے یہ کیا،میں نے کہا دیکھ لو اپنے خدا کا حال جو میری مار سے نہ بچ سکا،میرے باپ نے یہ شکایت میری ماں سے کی وہ بولیں کہ میں نے صدیق کی پیدائش کے وقت ایک غیبی آواز سنی کہ اے اللہ کی بندی بشارت ہو اس بچے کی جو عتیق ہے،رسول اللہ کا رفیق ہے،آسمان میں اس کا نام صدیق۔(مرقات یہ ہی مقام) جب حضرت صدیق حضور کو یہ واقعہ سنا چکے تو حضرت جبریل نازل ہوئے اور فرمایا صدیق سچ کہہ رہے ہیں۔(مرقات)

۱۵؎ یہ حدیث نسائی نے بدین الفاظ نقل کی اور بخاری مسلم نے اس کے معنی روایت کیے۔(مرقات)

باب مناقب عمر

حضرت عمر کے فضائل ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ عمر صفت مشبہ ہے اس کا مصدر عمران ہے بمعنی آبادی،عمر کے معنی ہیں آباد رکھنے والا یا آباد کرنے والا۔حضرت عمر نے اسلام آباد کیا قدرت نے انہیں پہلے ہی عمر نام عطا فرمایا۔انسان کی زندگی کی عمر کو عمر کہتے ہیں یعنی جسم کی آبادی کا زمانہ جیساکہ روح اسے آباد رکھتی ہے۔آپ کی کنیت ابوحفص ہے،آپ کے فضائل بے شمار ہیں،آپ اسلام کے مطلوب ہیں کہ حضور انور نے رب سے دعا کرکے انہیں لیا،قرآن مجید کی بیس آیات سے زیادہ آپ کی رائے کے موافق آئیں،ان آیات کی تفصیل لمعات میں شیخ نے کی،اشعۃ اللمعات میں صرف تعداد بتائی آپ نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں اسلام دور دور پھیلایا،جتنی فتوحات آپ کے زمانہ میں ہوئیں ان کی مثال ملنی مشکل ہے،آپ مدینہ منورہ کی زمین مسجد نبوی شریف محراب النبی میں نماز فجر پڑھاتے ہوئے شہید ہوئے،آپ ۲۶ چھبیس ذی الحجہ بدھ کے دن ۲۳ھ زخمی کیے گئے اور یکم محرم اتوار کے دن دفن کیے گئے،تریسٹھ سال عمر پائی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سے پہلی امتوں میں الہام والے لوگ تھے تو اگر میری امت میں کوئی ہوا تو وہ عمر ہیں ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس فرمان عالی کے بہت مطلب ہوسکتے ہیں۔آسان مطلب یہ ہے کہ **محدثون** سے مراد ہیں صاحب وحی انبیاء کرام یعنی گزشتہ امتوں میں حضرات انبیاء کرام ہوتے تھے،اگر میری امت میں کوئی نبی ہوتے تو وہ عمر ہوتے،اس کی شرح وہ حدیث ہے **لو کان بعدی نبی لکان عمر** اگر میرے بعد نبی ہوتا تو جناب عمر نبی ہوتے ورنہ حضور کی امت میں ہر زمانہ میں ہزارہا الہام والے اولیاء اللہ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے،تمام صحابہ خصوصًا حضرت عثمان و علی و صدیق صاحب الہام اولیاء اللہ تھے۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں حضرت عمر ابن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی حضور کے پاس قریش کی کچھ عورتیں تھیں ۱؎ جو آپ سے کلام کررہی تھیں اور زیادہ مانگتی تھیں ۲؎ اونچی آواز سے ۳؎ تو جب حضرت عمر نے	

	اجازت مانگی تو ان سب نے حجاب میں جلدی کی۴؎ تو عمر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ہنس رہے تھے تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کے دندان کو ہنستا رکھے۵؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان عورتوں سے تعجب کرتا ہوں جو میرے پاس تھیں جب انہوں نے آپ کی آواز سنی تو پردے میں جلدی کی۶؎ حضرت عمر نے فرمایا اے اپنی جانوں کی دشمن۷؎ کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں وہ بولی ہاں۸؎ آپ سخت طبیعت اور سخت گیر ہیں۹؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب اے ابن خطاب اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے شیطان تم سے نہیں ملتا کسی راستہ میں چلتا ہوا مگر وہ آپ کی راہ کے سوا دوسرے راہ چلتا ہے۱۰؎ (مسلم،بخاری) حمیدی نے کہا کہ برقانی نے یارسول اللہ کے بعد ما أضحك سے زیادہ کیا ۱۱؎

۱؎ یہ بیویاں حضور انور کی ازواج پاک تھیں: حضرت عائشہ،حفصہ،ام سلمہ،زینب بنت جحش وغیرہا۔(مرقاۃ،اشعہ) لہذا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ حضور انور سے ان عورتوں نے پردہ کیوں نہیں کیا۔

۲؎ یعنی عرض یہ کرتی تھیں ہمارا خرچہ جو حضور سے ہم کو ملتا ہے وہ کم ہے زیادہ عطا ہوا کرے اس میں ہمارا گزارا نہیں ہوتا،استکثار کے معنی ہیں زیادہ مانگنا۔

۳؎ یہ واقعہ یا تو اسوقت کا ہے جب کہ ابھی آیت کریمہ "لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوٰتَکُمۡ" الخ نہیں آئی تھی یا ان میں سے ہر ایک بی بی صاحبہ آہستہ آہستہ آواز سے بولتی تھیں مگر سب آوازیں مل کر بلند ہوتی تھی،یا یہ کہو کہ حضور کی آواز شریف پر اپنی آواز بلند کرنا یا بے ادبی سے اونچی آواز کرنا حرام ہے مطلقًا بلند آواز کرنا منع نہیں،یہ بلندی آواز حرام نہ تھی۔(مرقات) لہذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں کہ ازواج پاک حضور عالی کی بارگاہ میں اونچی آواز سے کیوں کلام کرتی تھیں کیا حضور انور کے سامنے اذان نہیں ہوتی تھی اور اونچی آواز سے ہوتی تھی مگر یہ بلندی آواز جائز تھی۔عالیة اصواتهن سے مراد ہے کہ وہ روزانہ عادی آواز سے زیادہ آواز بلند کیے تھیں۔

۴؎ ان بیویوں میں اکثر وہ تھیں جو حضرت عمر سے اجنبی تھیں،ان سے پردہ فرض تھا جیسے حضرت صدیقہ وغیرہا اور بعض وہ بھی تھیں جو حضرت عمر کی محرم تھیں جیسے جناب حفصہ بنت عمر مگر یہ سب ہی چھپ گئیں کیوں،ہیبت فاروقی کی وجہ سے۔

۵؎یعنی یارسول اللہ اللہ تعالٰی آپ کو ہنسی خوشی رکھے میرے آقا اس وقت تبسم کی وجہ کیا ہے۔معلوم ہوا کہ شاہوں کے آستانہ میں گفتگو کرنے کا بھی سلیقہ چاہیے،دعائیں دے رہے ہیں بات کچھ نہیں کہتے کہ حضور دعائیں سن لیں مقصد خود سمجھ لیں۔

٦؎یعنی یہ بیویاں مجھ سے نہ ڈریں تم سے ڈریں۔خیال رہے کہ مقام ناز اور ہے مقام خوف دوسرا حضور پر تو گنہگاروں کو بھی ناز ہے وہاں مچلنا اور مچل مچل کر مانگنا ہی رب کو محبوب۔

گنہگار نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے　　　کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے

۷؎یہ لفظ اس غضب کا ہے جس میں کرم شامل ہو جیسے حضور کا فرمان عقر حلق،یا پنجابی میں اوڈپڑ جانیے،یا اردو میں منڈی منڈی وغیرہ یعنی تم خرچہ زیادہ کرانے کے لیے اپنے نفع نقصان کا بھی خیال نہیں کرتیں۔حضور انور کے سامنے زیادہ بے تکلفی کبھی ضبط اعمال کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے اس لیے تم اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال رہی ہو خود اپنی دشمن ہو۔

۸؎ہاں کا تعلق صرف ایک بات سے ہے یعنی ہاں ہم آپ سے ڈرتے ہیں،یہ معنی نہیں کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتے۔(مرقات)

۹؎یعنی آپ کے ہاں پکڑ زیادہ ہے حضور کے ہاں کرم زیادہ ہے اس لیے اے عمر تم سے ڈر لگتا ہے۔

۱۰؎اس فرمان عالی کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ تو کمزور عورتیں ہیں،تمہاری ہیبت کا تو یہ حال ہے کہ شیطان جیسا مردود سخت تر جن بھی تم سے ڈرتا ہے،تمہیں دیکھ کر بھاگتا ہے راستہ چھوڑ جاتا ہے،یہ مطلب نہیں کہ ان عورتوں کا یہ کام شیطانی تھا یا اس وقت شیطان وہاں موجود تھا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو نہ بھاگا حضرت عمر سے بھاگ گیا۔

۱۱؎برقان ملک خوارزم کا ایک شہر ہے یہ محدث وہاں کے رہنے والے تھے اس لیے انہیں برقانی کہا جاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جنت میں گیا۱؎ تو میں ابو طلحہ کی بیوی رمیصا کے پاس پہنچا۲؎ اور میں نے ایک آہٹ سنی تو میں نے کہا یہ کون ہیں فرمایا یہ بلال ہیں۳؎ اور میں نے ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک بی بی تھیں میں نے کہا یہ کس کا ہے سب نے کہا عمر ابن خطاب کا۴؎ میں نے چاہا کہ وہاں داخل ہوں کہ اسے دیکھوں تو تمہاری غیرت یاد آگئی۵؎ جناب عمر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا یارسول اللہ کیا میں آپ پر غیرت کرسکتا ہوں٦؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ واقعہ یا تو معراج کا ہے یا کشف کا یا خواب کا۔

۲؎رمیصاء نام ہے حضرت ام سلیم کا جو حضرت انس کی والدہ اور ابو طلحہ کی بیوی ہیں،آپ پہلے مالک کی بیوی تھیں ان سے انس ابن مالک پیدا ہوئے پھر ابوطلحہ کے نکاح میں آئیں۔رمیصاء بنا ہے رمص سے،رمص آنکھ کا کیچڑ جو آنکھ

کے کوئے میں جمع ہوجائے۔آپ کے نام میں بہت روایات ہیں بعض میں غمیصا ہے،بعض میں رمیصاء ص بے نقطہ والی ہے، بعض میں رمیضاء ض نقطہ والی سے،معنی سب کے ایک ہیں۔آپ رمیصاء بنت ملحان ہیں،کنیت ام سلیم اگرچہ ابھی آپ جنت میں پہنچی نہ تھیں وہاں داخلہ قیامت کے بعد ہوگا مگر نبی کی نگاہ آئندہ واقعات بھی دیکھ لیتی ہے ام سلیم تو ابھی زندہ تھیں۔سبحان اللہ! کیسی خوش نصیب بی بی ہیں کہ حضور انور نے ان کے جیتے جی انہیں جنت میں دیکھ لیا۔

۳؎ یہ فرمان عالی باب التطوع میں گزرچکا۔ایک روایت میں یوں ہے کہ ہم جب بھی جنت میں گئے تو ہم نے بلال کو اپنے آگے چلتے دیکھا،حضور انور کو قیامت میں جنت میں داخلہ کے وقت کا واقعہ آج دکھادیا گیا کہ جب حضور انور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے تو حضرت بلال آپ کے آگے خادمانہ شان سے ہٹو بچو کہتے ہوئے چلیں گے۔اے بلال! تیری تقدیر کے قربان۔

۴؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ ہم نے پوچھا یہ محل کس کا ہے ملائکہ نے عرض کیا ایک عربی شخص کا،ہم نے کہا کہ عربی تو ہم بھی ہیں یہ کس شخص کا محل ہے کہا ایک قرشی کا،میں نے کہا کہ قرشی ہم بھی ہیں یہ ہے کس کا فرشتوں نے کہا محمد مصطفیٰ کے ایک امتی کا،ہم نے فرمایا محمد مصطفیٰ ہم ہی ہیں یہ کس کا محل ہے تب کہا عمر ابن خطاب کا۔(مرقات)

۵؎ یعنی چونکہ اس محل میں تمہاری بی بی حورعین بھی تھی اس لیے ہم تمہاری غیرت کا خیال کرکے اندر نہ گئے ورنہ خیال تھا کہ اس کے ہر گوشہ میں گھوم پھر کر اس محل کا معائنہ فرماویں۔

۶؎ امام سیوطی نے اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی روایت فرمائے هل رفعنى الله الا بك وهل هدانى الله الا بك مجھے اللہ نے آپ کے صدقہ تو یہ بلندی بخشی اور آپ ہی کے صدقہ سے ہدایت دی آپ میرے مائی باپ ہیں آپ پر کیا غیرت۔

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار | کہ اگر خارہ گر گل ہمہ پروردہ تست

برات کی ساری بہار دولہا کے دم قدم سے ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میں سورہا تھا تو میں نے لوگوں کو دیکھا وہ مجھ پر پیش کیے جارہے ہیں جن پر قمیض ہیں،بعض وہ ہیں جو پستان تک پہنچتی ہیں بعض اس سے بھی کم ۱؎ اور مجھ پر عمر ابن خطاب پیش کیے گئے اس حال میں کہ ان پر وہ قمیض ہے جسے وہ کھینچ رہے ہیں ۲؎ لوگوں نے کہا یارسول اللہ اس کی کیا تعبیر لی فرمایا دین ۳؎ (مسلم،بخاری)

ا۔ دون ذلك میں دو احتمال ہیں: اس سے کم یا اس سے نیچے۔دوسرے معنی کی تائید وہ روایت کرتی ہے کہ بعض کی قمیض ناف تک تھی،بعض کی گھٹنے تک،بعض کی آدھی پنڈلی تک یہ حضور کا خواب ہے اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے جس پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں"یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذْبَحُکَ"۔

۲۔یعنی حضرت عمر کی قمیض ان کے قدموں سے نیچے تھی جو ان کے چلنے پر گھسٹ رہی تھی۔

۳۔حضور انور نے لباس کی تعبیر دین سے فرمائی کیونکہ لباس تو بدن کا ستر اور زینت ہے اور دین دل و جان کا ستر بھی ہے زینت بھی۔اس خواب اور نبوی تعبیر سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر نہایت ہی کامل الایمان قوی دین والے ہیں،اگر ہم جیسے گنہگاروں پر جناب فاروق کی نظر کرم ہوجائے تو ہمارے دین و ایمان کامل سے کامل تر ہوجائیں رضی اللہ عنہ۔ غالب یہ ہے کہ ان پیش ہونے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ دین یا ایمان کی مقدار میں زیادتی کمی نہیں ہوتی یعنی کوئی آدھا یا چوتھائی مسلمان نہیں ہوتا سارے پورے مؤمن ہوتے ہیں،ہاں کیفیت میں فرق ہوتا ہے،بعض مؤمن،بعض کامل مؤمن،بعض اکمل یعنی کامل تر مؤمن"وَلٰکِنۡ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیۡ"۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب ہم سو رہے تھے تو ہمارے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے پی لیا۱ حتی کہ میں نے دیکھا کہ سیرابی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے۲ پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر ابن خطاب کو دے دیا لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اس کی تعبیر کیا دی فرمایا علم۳(مسلم،بخاری)	

ا۔ دودھ لانے والا فرشتہ تھا اور دودھ علم دین تھا اور پیالہ یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک منہ جس سے یہ علم جاری ہوتا ہے یا آپ کی وحی،دوسرا احتمال قوی ہے۔

۲۔یعنی وہ دودھ میری رگ رگ میں سرایت کر گیا حتی کہ ناخنوں سے نکل کر بہنے لگا،اس میں اشارہ ہے دودھ کی زیادتی کی طرف۔

۳۔علم سے مراد علم دین ہے۔خیال رہے کہ دودھ انسان کی پہلی جسمانی غذا ہے اور علم پہلی روحانی غذا جس سے روح کی پرورش ہوتی ہے اس لیے دودھ کی تعبیر علم سے دی۔عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان ایک عالم ہے جسے عالم مثال کہا جاتا ہے یہ عالم ہے تونورانی مگر مشابہہ ہے عالم جسمانی سے۔نیند میں ایک روح اس عالم کی سیر کرتی ہے،اس سیر میں جو دیکھتی ہے وہ رؤیا صادقہ یعنی سچی خواب کہلاتی ہے۔علم چار صورتوں میں نظر آتا ہے: پانی،دودھ،شراب،شہد۔یہ ہی علم ان چار صورتوں میں جنت میں ہوگا کہ وہاں ان ہی چیزوں کی نہریں ہوں گی۔پانی نظر آنا گویا علم لدنی ہے،دودھ شریعت کے اسرار کا علم،شراب طہور علم کامل،شہد گویا نبوت کا علم ہے۔بعض عارفین فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدین ان چار علوم کا منبع ہیں،حضرت عمر اس علم کا سرچشمہ ہیں جو دودھ کی شکل میں ہے۔اس علم میں حضرت

عمر سب سے اعلی،دوسرے علوم میں باقی تین خلفاء سب سے اکمل۔اس میں اختلاف ہے کہ علم یا استعداد علم کی انتہا ہے یا نہیں قوی یہ ہے کہ انتہا نہیں،رب فرماتا ہے:"وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا"۔حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی فرماتے ہیں ۔

شربت الحب کاسا بعد کاس　　　　　فما نفد الشراب ولا رویت

یہ بحث مرقات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ کرو۔حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر تمام قبائل عرب کے علوم ایک پلے میں رکھے جائیں اور حضرت عمر کا علم دوسرے پلے میں تو حضرت عمر کا علم سب سے بڑھ جاوے گا،صحابہ کرام کہا کرتے تھے کہ علم کے دس حصے کیے گئے نو حصے حضرت عمر کو دیئے گئے ایک حصہ دوسرے لوگوں کو،یہ تقسیم حضور انور کی طرف سے ہوئی۔(از مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب ہم سو رہے تھے کہ میں نے اپنے کو ایک کنویں کے کنارہ پر دیکھا[1] جس پر ڈول تھا تو میں نے جیسا اللہ نے چاہا نکالا پھر اسے ابو قحافہ کے فرزند نے لے لیا[2] تو اس سے ایک یا دو ڈول نکالے[3] اور ان کے کھینچنے میں کچھ ضعف تھا[4] اللہ انکے ضعف کو بخشے[5] پھر دو چرسا بن گیا[6] تو اسے عمر ابن خطاب نے لے لیا میں نے لوگوں میں کسی پہلوان کو نہ دیکھا جو جناب عمر کی طرح کھینچتا ہو[7] حتی کہ لوگوں نے واڑہ اختیار کر لیا[8]

[1] کچی کنویں جس کی من یعنی رکاوٹ کی دیوار نہ بنی ہو قلیب کہلاتی ہے اور پکا کنواں جس کی من ہو اسے طویٰ کہتے ہیں۔ یعنی ہم ایک بغیر من والے کنویں کے کنارے پر تھے لوگ اور جانور اس کے پاس پیاسے کھڑے تھے ہم نے کچھ ڈول نکال کر انہیں پلایا۔

[2] ابو قحافہ حضرت ابوبکر صدیق کے والد کی کنیت ہے،ان کا نام عثمان ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق کے بعد تک زندہ رہے۔(اشعہ)

[3] اس میں حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی مدت کی کمی کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی خلافت ایک دو سال ہی ہوگی۔ حرف او شک کے لیے نہیں،بعض نے کہا کہ یہاں او بمعنی بلکہ ہے۔(اشعہ)

[4] یہاں ضعف سے مراد سستی یا کمزوری نہیں بلکہ نرمی اور مہربانی ہے حضرت صدیق اکبر فطرتًا نرم دل اور مہربان تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۵؎ یہ دعاء مغفرت حضرت صدیق اکبر پر کرم کے اظہار کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے میرا بیٹا اللہ اسے بخشے بہت اچھا ہے یا جیسے رب فرماتا ہے: "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ" لہذا اس سے حضرت ابو بکر کا کوئی گناہ ثابت نہیں ہوتا۔(اشعہ) حضرت ابو بکر صدیق نے اتنی تھوڑی سی مدت خلافت میں وہ کارہائے نمایاں کیے کہ سبحان اللہ! حضرت عمر فاروق کی تمام فتوحات کی جڑ جناب صدیق اکبر نے ہی قائم فرمائی،ملک کے اندرونی خلفشار کو آپ نے ہی دور کیا، فتوحات اسلامی کی بنیاد آپ نے ہی رکھی،آپ نے بہت ملک فتح فرمائے۔دیکھو الفاروق جس کے آخر میں فتوحات صدیقیہ کا نقشہ دیا گیا ہے آپ نے ہی جھوٹے نبیوں کو ختم مرتدین کا قلع قمع فرمایا رضی اللہ عنہ۔

٦؎ ڈول کے چرسا بن جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں اسلامی سرحدیں بہت دور تک پہنچیں گی فتوحات بہت زیادہ ہوں گے۔

۷؎ اس قوت سے پانی نکالنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ اتنے بڑے ملکوں کو فتح فرماکر ان کا انتظام سنبھال بھی لیں گے اور بڑی قوت و شوکت سے ان میں اسلام پھیلائیں گے کہ مشرق ومغرب میں آپ کی برکت سے اسلام پھیل جاوے گا۔**عبقر** ایک جنگل کا نام تھا جس کے متعلق عرب کا خیال تھا کہ وہاں جنات رہتے ہیں۔چنانچہ ہر بہادر قوی پہلوان کو عبقری کہہ دیتے تھے کہ یہ شخص انسانی طاقت سے زیادہ کام کرتا ہے گویا یہ اس جنگل کا قوی جن ہے۔**یفری** بنا ہے **فری** سے بمعنی چھڑاکاٹنا،مشکل کام کرنے کو **فری** بولا جاتا ہے۔(مرقات)

۸؎ **عطن** عین اور ط کے فتح سے واڑا،یعنی وہ جگہ جہاں جانوروں کو کھلا پلاکر باندھا جاوے،اسے اردو میں باڑا کہتے ہیں،پنجابی میں واڑہ کہتے ہیں۔

	اور حضرت ابن عمر کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا پھر اسے عمر ابن خطاب نے ابوبکر کے ہاتھ سے لے لیا ان کے ہاتھ میں چرسا بن گیا تو میں نے کوئی پہلوان نہ دیکھا جو ان کی بہادری دکھائے حتی کہ لوگ سیراب ہوگئے اور واڑہ اختیار کرلیا۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی لوگ خود بھی سیراب ہوگئے اور انہوں نے اپنے جانوروں کو بھی سیراب کرلیا۔اس تعبیر میں اشارہ اس جانب ہے کہ اس سیرابی کی ابتداء حضرت صدیق اکبر سے ہوگی اور تکمیل حضرت عمر فاروق پر۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ نے جناب عمر کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی ان کے دل میں جو خیالات آتے ہیں وہ حق ہوتے ہیں اور زبان سے جو بولتے ہیں وہ حق بولتے ہیں،ان کے خیالات ان کے کلام نفسانی یا شیطانی نہیں ہوتے بلکہ رحمانی ہوتے ہیں۔**جعل** فرماکر یہ بتایا کہ یہ حقانیت ان کی اپنی کوشش سے نہیں بلکہ قدرتی فطرتی ہے رب کی طرف سے ہے جو کبھی زائل نہیں ہوسکتی۔

اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ فرمایااللہ نے جناب عمر کی زبان پر حق رکھ دیا جسے وہ بولتے ہیں۱؎	

۱؎ یہ عبارت پہلی عبارت کے قریبًا ہم معنی ہے وہاں **جعل** تھا یہاں **وضع** ہے مطلب ایک ہی ہے کہ ان کی یہ حقانیت رب کی طرف سے ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ہم خیال کرتے تھے کہ جناب عمر کی زبان پر سکینہ بولتا ہے۱؎ (بیہقی دلائل النبوۃ)	

۱؎ سکینہ کے لفظی معنی ہیں سکون قلب اور دلی اطمینان،اصطلاح میں سکینہ وہ فرشتوں کی جماعت ہے جو مؤمنوں پر مصیبت کے وقت اترتی ہے،انکے کے دل ہاتھ میں لے لیتی ہے جس سے انکے دل ٹھہر جاتے ہیں گھبراتے نہیں،رب فرماتاہے:"**هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ**"اور فرماتاہے:"**فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ**"یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی حضرت عمر کے کلام ان کی زبان میں مسلمانوں کے دلوں کو چین ہوتا تھا یا وہ فرشتہ جسے سکینہ کہتے ہیں وہ حضرت عمر کی زبان پر بولتا تھا۔(لمعات)بعض بزرگوں کے کلام بلکہ ان کی صحبت میں دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا الٰہی اسلام کو عزت دے یا ابوجہل ابن ہشام سے یا عمر ابن خطاب کے ذریعہ۱؎ تو جناب عمر نے سویرا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح ہی حاضر ہوئے اسلام قبول کرلیا۲؎ پھر مسجد میں ظاہر ظہور نماز پڑھی گئی۳؎(احمد و ترمذی)	

۱؎ یعنی الٰہی ان دونوں میں سے ایک کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دے تاکہ ان کے ذریعہ سے اسلام خوب پھیلے۔معلوم ہوا کہ عالم اسباب میں اسباب سے کام لینا جائز ہے۔حضرت عمر کا اسلام سبب بنا اشاعت اسلام کا،حضور انور نے اس کی دعا مانگی۔رب تعالٰی بھی حضرت عمر کے متعلق ارشاد فرماتاہے:"**یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ**

الْمُؤْمِنِيْنَ"اے نبی آپ کو اللہ تعالیٰ اور یہ مؤمن کافی ہے جس نے اب آپ کی اتباع کی ہے یعنی حضرت عمر۔آپ کے اسلام لانے پر فرشتوں نے ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دیں۔غرضکہ سب طالب اسلام ہیں اور حضرت عمر مطلوب اسلام۔

۲؎ آپ کے اسلام لانے کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرے اسے ایک سو اونٹنیاں اور ایک سو اوقیہ چاندی انعام دوں گا،حضرت عمر نے اس سے کہا کہ کیا تو یہ وعدہ پورا کرے گا اس نے کہاہاں نقددوں گا ادھار نہ ہوگا،آپ تلوار لےکر دار ارقم کی طرف چل دیئے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع مسلمانوں کے قیام فرما تھے،راستہ میں کسی نے کہا کہ عمر تم نے اگر ان کو قتل کردیا تو بنی ہاشم کے مقابلہ سے کیسے بچو گے،آپ نے فرمایا شاید تو بھی مسلمان ہوچکا ہے جو مجھے ڈراتا ہے اس نے کہا کہ اس سے عجیب یہ ہے کہ تمہاری بہن اور تمہارے بہنوئی بھی مسلمان ہوچکے ہیں،آپ کو غیرت آئی اپنی بہن کے گھر پہنچے تو گھر سے قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آرہی تھی،حضرت سعید ابن زید جوان دونوں کو قرآن پڑھا رہے تھے وہ چھپ گئے،آپ نے اپنے بہنوئی سے کہا میں نے سنا ہے تم مسلمان ہوچکے ہو یہ کہہ کر انہیں لپٹ گئے مارنے لگے،بہن چھڑانے لگیں تو انہیں بھی مارا،بہن بولیں اے عمر تم چاہے ہم کو ہلاک کردو ہم تو مسلمان ہوچکے ہیں،اس کلام نے اپنا کام کردیا دل پر چھری سی چل گئی،فرمایا وہ کلام مجھے بھی سناؤ جو تم پڑھ رہی تھیں،فرمایا پہلے غسل کرو آپ نے غسل کیا پھر کلام سنا سورہ طٰہٰ شریف تھی جب یہ آیت"اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى"سنی تو نعرہ مار کر بولے کہ جس کی یہ صفت ہے وہ ہی لائق عبادت ہے۔اتفاقًا حضرت خباب ابن ارت وہاں پہنچے فرمایا اے عمر آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تمہارے ایمان کی دعا مانگی ہے تم کو ایمان اس دعا کی برکت سے ملا پھر آپ حضرت خباب کے ساتھ حضور کے پاس بیت ارقم میں پہنچے۔

گر کے قدموں پر وہ قربان ہوگئے پڑھ لیا کلمہ مسلمان ہوگئے (مرقات)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نے یہ دعا نہ کی تھی کہ خدایا اسلام کو عمر کے ذریعہ عزت دے بلکہ دعا یہ کی تھی اللھم اعز عمر بالاسلام خدایا عمر کو بذریعہ اسلام عزت دے مگر یہ غلط ہے حضور نے یہ ہی دعا کی تھی کہ خدایا عمر کے ذریعہ اسلام کو عزت دے،یہ ایسا ہی ہے جیسے رب کا فرمانا"فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ"یا حضور فرماتے ہیں زینوا القرآن باصواتکم۔حضرت عمر نبوت کے پانچویں سال ایمان لائے،آپ سے چالیس مسلمانوں کا عدد پورا ہوا،آپ سے تین دن پہلے جناب حمزہ ایمان لائے تھے۔(مرقات)

۳؎ یعنی جناب عمر کے اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے آپ کے اسلام لانے پر مسلمانوں نے علانیہ مسجد حرام میں آکر نماز پڑھی۔یہاں نماز سے یہ نماز پنجگانہ فریضہ اسلام مراد نہیں کیونکہ حضرت عمر نبوت کے پانچویں سال ایمان لائے اور نماز پنج گانہ نبوت کے گیارہویں سال معراج میں فرض ہوئیں،بلکہ اس سے وہ نمازیں مراد ہیں جو حضور انور اپنے الہام سے لوگوں کو پڑھاتے اور خود پڑھتے تھے جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور پر پہلی وحی آئی تو آپ غار حرا میں اعتکاف و عبادات میں مصروف تھے۔بعض روایات میں ہے کہ اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو فاروق کا خطاب دیا مگر بعض روایات میں ہے کہ آپ کو فاروق کا

خطاب اس دن دیا گیا جب آپ نے اس منافق کو قتل کیا جو ایک یہودی کے ساتھ جھگڑے میں حضور انور کے فیصلہ سے راضی نہ ہوا تھاآپ کے پاس اپیل لایا تھا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جناب عمر نے ابوبکر صدیق سے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے۱ بہتر تو جناب ابوبکر نے کہا کہ آگاہ رہو اگر تم نے یہ کہا ہے تو میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ کسی شخص پر سورج نہیں چمکا جو جناب عمر سے بہتر ہو۲ (ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱ یہ ہی اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق بعد انبیاء تمام خلق سے افضل ہیں۔یہاں بعد رسول اللہ سے مراد بعد انبیاءکرام ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ آپ نبیوں سے افضل ہوں۔

۲ یہاں یا تو زمانہ فاروقی کا ذکر ہے جب حضرت ابوبکر صدیق وفات پاچکے ہوں گے،یا بعد ابوبکر صدیق مراد ہے،یا یہ مطلب ہے کہ عدالت میں یا سیاست میں حضرت عمر سب سے افضل ہیں ان جیسا دنیا میں کوئی سیاست دان عادل نہ ہوا۔لہذا یہ فرمان اس کے خلاف نہیں کہ حضرت صدیق بعد انبیاء سب سے افضل ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو جناب عمر ابن خطاب ہوتے۱(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱ یعنی اگر ہمارے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہوتا تو حضرت عمر نبی ہوتے کیونکہ ان کے دل میں رب کی طرف سے الہام اور القاء بہت ہوتا ہے اور انہیں وحی سے بہت ہی مناسبت ہے اسی لیے قرآن مجید کی بہت سی آیات آپ کی رائے کے مطابق ہیں جیسے پردہ،شراب کی حرمت،بدر کے قیدیوں کے بارے میں آیات۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی جہاد میں تشریف لے گئے۱ تو جب واپس ہوئے تو ایک سیاہ فام لونڈی آئی بولی یا رسول اللہ میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ آپ کو صحیح سلامت واپس لائے تو آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۲ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو نے منت مانی ہے تو بجالے ورنہ نہیں۳ وہ دف بجانے لگی ابوبکر صدیق آئے وہ بجاتی رہی پھر جناب علی آئے وہ بجاتی رہی پھر جناب عثمان آئے وہ بجاتی رہی۴

	پھر حضرت عمر آئے تو اس نے دف اپنے چوتڑوں کے نیچے رکھ لی پھر اس پر بیٹھ گئی۵ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر شیطان تم سے ڈرتا ہے۶ میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ بجارہی تھی پھر ابوبکر آئے وہ بجاتی رہی پھر علی آئے وہ بجاتی رہی پھر عثمان آئے وہ بجاتی رہی۷ پھر اے عمر جب تم آئے تو اس نے دف پھینک دی۸(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

۱؎ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کون سا غزوہ تھا۔

۲؎ یہ نذر شرعی نہیں تھی کہ نذر شرعی میں ضروری ہے کہ جنس واجب سے ہو،دف بجانا اور گانا کہیں واجب نہیں۔نذر بمعنی نذرانہ عقیدت ہے ہر شخص اپنی حیثیت کے لائق ہی نذرانہ اس بارگاہ عالی میں پیش کرتا ہےاس لونڈی کے پاس یہ ہی نذرانہ تھا۔

کچھ پاس نہیں میرے کیا نذر کروں تیرے　　اک ٹوٹا ہوا دل ہے اور گوشہ تنہائی

۳؎ ذکر بجانے کا ہےگانے کی اجازت بھی اس میں داخل ہے۔(مرقات)یعنی گاتے بجاتے اپنے دل کے ارمان پورے کرے۔خیال رہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی تشریف آوری پر خوشی منانا بہترین عبادت ہے اس لیے یہ نذر درست ہوئی،نذر عبادت کی ہوتی ہے۔(مرقات و اشعہ)گناہ کی نذر درست نہیں،حضورصلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لا نذر فی معصیة**۔(نسائی شریف)خیال رہے کہ جھانجھ کے ساتھ دف وغیرہ ممنوع ہے بغیر جھانجھ بلاضرورت کھیل کود کے لیے بھی ممنوع،غرض صحیح کے لیے دف تاشہ بجانا جائز ہے۔لہذا اعلان نکاح،روزے کے افطار یا سحری کے لیے یوں ہی غازیوں کے لیے دف بجانا جائز ہے،یہ دف جھانجھ سے اور لہو و لعب سے خالی تھی لہذا جائز تھی۔لونڈی پر نہ تو پردہ واجب ہے نہ اس کی آواز عورت ہے،اسے اجنبی شخص دیکھ بھی سکتا ہے اس کی آواز بھی سن سکتا ہے۔لہذا یہاں یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور نے اجنبی عورت کو کیوں دیکھا اور اس کی آواز کیوں سنی۔نہ اس سے مروجہ ناچ گانے پر دلیل پکڑی جاسکتی ہے کہ اب آزاد عورتیں بن سنور کر گاتی ہیں،یہ حرام قطعی ہے اس حدیث سے بہت لوگ دھوکہ کھاگئے ہیں۔

۴؎ یعنی وہ لونڈی ان حضرات میں سے کسی سے نہیں ڈری،برابر دف بجاتی اور گیت گاتی رہی۔

۵؎ یہ ہیبت فاروقی تھی کہ اس بی بی نے وہ کام بند کردیا جو جائز بلکہ عبادت تھا مگر لہو و لعب کی صورت میں تھا،حضرت عمر کو دیکھ کر گھبرا گئی جیسے بعض ہیبت والے آدمیوں کو دیکھ کر بیٹھے ہوئے باتیں کرنے والے لوگ ادھرادھر ہوجاتے ہیں جگہ خالی کرجاتے ہیں حالانکہ وہاں انکا بیٹھنا باتیں کرنا حرام نہیں ہوتا لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر یہ کام جائز تھا تو حضرت عمر کو دیکھ کر اس بی بی نے بند کیوں کردیا اور اگر حرام تھا تو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیوں کیا۔مگر حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ کام ان حضرات کے لیے درست تھا

حضرت عمر کے لیے درست نہ تھا اس لیے ان حضرات کے سامنے ہوتا رہا،حضرت عمر کے آنے پر بند ہوگیا کہ اب لہو و لعب بن گیا۔قوالی درد والے کے لیے درست ہے مگر جو اس زمرہ کا نہ ہو جس کے عشق پر اطاعت کا غلبہ ہو اس کے لیے درست نہیں اور اگر قوالی میں ایک شخص غیر اہل آجاوے تو سب کے لیے لہو بن جاتی ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔یہ واقعہ ایسا ہے جیسے حضرت عائشہ نے حریرہ بنایا اور بی بی سودہ سے کہا کہ کھاؤ انہوں نے انکار کیا آپ نے حریرہ ان کے منہ سے مل دیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ سے فرمایا کہ تم بھی عائشہ کے منہ سے مل دو انہوں نے بھی مل دیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرمارہے تھے وہ دونوں ہنس رہی تھیں کہ حضرت عمر نے دروازے کے باہر سے آواز دی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں جلدی اپنے منہ دھولو عمر آرہے ہیں،حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس دن سے میں جناب عمر سے ہیبت کرتی ہوں دیکھو مرقات۔

۶؎ یعنی اے عمر یہ تو ایک عورت ہے جو ایسا کام کررہی تھی جو حقیقتًا درست تھا صورۃً کھیل تھا یہ کیوں نہ ڈر جاتی تمہاری ہیبت کا تو یہ عالم ہے کہ تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے جو مردود دوسروں سے نہیں ڈرتا۔اس فرمان عالی میں نہ تو اس عورت کو شیطان فرمایا گیا اور نہ اس کے اس عمل کو شیطانی کہا گیا کہ یہ عمل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہوا تھا لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے،یا یہ مطلب ہے کہ اب تمہارے آنے سے یہ کام غیر درست ہوگیا اور بند ہوگیا جیساکہ ابھی عرض کیا گیا۔

۷؎ یعنی ہم چاروں ہستیوں سے یہ بی بی نہ گھبرائی ہمارے رحم و کرم پر بھولی رہی گاتی بجاتی رہی۔

۸؎ اس حدیث سے بہت سے وہ مسائل حاصل ہوئے جو ابھی شرح کے ضمن میں عرض کیے گئے:(۱)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی اور تشریف آوری کی خوشی منانا عبادت مستحبہ ہے لہذا میلاد شریف معراج شریف وغیرہ کی تاریخوں میں عید منانا خوشیاں کرنا عبادت ہے(۲)لونڈی پر پردہ نہیں(۳)لونڈی کی آواز اجنبی سن سکتا ہے(۴)دف بجانا مطلقًا منع نہیں بلکہ لہو و لعب کے لیے ہوتو منع ہے(۵)اچھے اور جائز اشعار گانا اور ان کا سننا منع نہیں(۶)حضرت صدیق و عثمان و علی رضی اللہ عنہم پر غلبہ محبت ہے اور حضرت عمر پر غلبہ اطاعت لہذا ان حضرات کے مراتب جداگانہ ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے شور اور بچوں کی آواز سنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو ایک حبشی بچی ناچ رہی تھی اور بچے اس کے اردگرد تھے۱؎ فرمایا اے عائشہ آؤ دیکھو۲؎ چنانچہ میں آئی تو میں نے اپنے جبڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھ دیئے۳؎ میں حضور کے سر اور کندھے کے درمیان سے ادھر دیکھنے لگی مجھ سے فرمایا کیا تم سیر نہیں ہوئیں کیا تم سیر نہیں ہوئیں میں کہنے لگی نہیں تاکہ میں حضور کے نزدیک اپنا مقام دیکھوں۴؎ کہ اچانک حضرت عمر	

نمودار ہوئے تو لوگ اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۵؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جن و انس کے شیطانوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عمر سے بھاگ گئے۶؎ فرماتی ہیں پھر میں لوٹ آئی(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی۔	

۱؎ یہ ناچنے والی لونڈی تھی وہ بھی بچی اور اس کا تماشہ دیکھنے والے بھی مدینہ منورہ کے بچے تھے۔تزفن بنا ہے زفن سے بمعنی پاؤں زمین پر مارنا،اس سے مراد ہے ناچنا عموماً بچے ایسی حرکت کرتے ہیں یہ ان کا کھیل کود اور شغل ہوتا ہے۔

۲؎ اس وقت ام المؤمنین بھی نو عمر بچی ہی تھیں آپ کو کھیل دیکھنے کا بہت شوق تھا یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کریمانہ۔ہم کو تعلیم دی کہ گھر والوں سے ایسا برتاؤ کرو اپنی بیوی کے جائز شوق حتی المقدور پورے کرو۔معلوم ہوا کہ بچوں کا کھیلنا اور انہیں کھیل دکھانا بالکل جائز ہے۔

۳؎ لحیی تثنیہ ہے لحیٰ کا بمعنی جبڑے،یہ مضاف ہے متکلم کی طرف اس لیے ی مشدد ہے۔یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم میرے سامنے کھڑے ہوگئے آڑ بن گئے میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی رکھ دی کندھے اور سر مبارک کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھنے لگی۔

ناز برداری تمہاری کیوں نہ فرمائے خدا ناز نین حق نبی ہیں تم نبی کی نازنین

آپ کا لقب ہے محبوبہ محبوب رب العالمین رضی اللہ عنہا،ہم سب کو فخر ہے کہ ہم اس عظمت والی ماں کی اولاد ہیں۔

۴؎ یعنی میں بہت دیر تک یہ تماشا دیکھتی رہی اور حضور انور میری خاطر کھڑے رہے،میں اگرچہ تماشہ سے سیر ہوچکی تھی مگر میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ حضور انور کو مجھ سے کتنی محبت ہے اور میری خاطر حضور کب تک یہاں قیام فرما رہیں گے۔

۵؎ اس بھاگنے کی وجہ ابھی پچھلی حدیث میں عرض کی گئی کہ یہ کام جائز تھا مگر صورۃً کھیل تماشا تھا،حضرت عمر کی ہیبت چھوٹوں بڑوں سب کے دلوں میں تھی یہ رعب و ہیبت رب تعالٰی کا عطیہ تھی۔

۶؎ یہ شیاطین جو اس وقت بھاگے یہ وہ شیاطین تھے جو انسانوں کے ساتھ رہتے یا جو بازاروں میں مجمعوں میں رہتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ بازاروں میں مساجد میں مجمعوں میں شیاطین رہتے ہیں،مسجدوں کے شیاطین وضو اور نماز میں بہکانے کے لیے رہتے ہیں،بازاروں میں گناہ کرانے کے لیے،اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ بازاروں اور مسجدوں میں جانا حرام ہو یا وہاں کی حاضری شیطانی کام ہو۔دوسری روایات میں ہے کہ عید کے دن بچے حدود مسجد میں کھیل رہے تھے حضرت عمر نے انہیں بھگانا چاہا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر آج عید ہے انہیں عید منانے دو۔حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس کچھ بچیاں گا بجارہی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے لیٹے تھے،جناب صدیق اکبر نے انہیں منع کیا تو چہرہ انور کھول کر فرمایا کہ اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے آج ہماری

عید ہے انہیں خوشی منانے دو۔بہرحال یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ حضرت ام المؤمنین بھی اس وقت بچی تھیں اور وہ ناچنے والی بھی بچی ناچ دیکھنے والے بھی بچے تھے لہذا یہاں بے پردگی کا سوال پیدانہیں ہوتا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس اور ابن عمر سے کہ جناب عمر نے فرمایا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی ۱؎میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم مقام ابراہیم کو جاء نماز بنالیتے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مقام ابراہیم جاء نماز بناؤ۲؎اور میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کی بیویوں کے پاس بھلے برے لوگ آجاتے ہیں۳؎مناسب تھا کہ آپ انہیں حکم دیتے کہ وہ پردہ کرلیتیں تو پردہ کی آیت نازل ہوئی۴؎اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی بیویاں غیرت کھا کر جمع ہوئیں۵؎تو میں نے کہا کہ ممکن ہے کہ اگر وہ تم کو طلاق دے دیں تو ان کا رب انہیں تم سے اچھی بیویاں عطا فرمادے تو آیت بھی اسی طرح اتری۶؎

۱؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا ادب ہے یہ نہ کہا کہ رب نے میری موافقت فرمائی حالانکہ آپ کی رائے پہلے تھی نزول آیات بعد میں۔ اس میں اشارۃً یہ فرمایا کہ رب کا حکم قدیم تھا میری یہ رائے احادیث ادب کی انتہا ہے۔یہاں تین کا ذکر زیادتی کی نفی کے لیے نہیں،کل پندرہ[۱۵] آیتیں آپ کی رائے کے مطابق آئی ہیں۔(مرقات)بدر کے قیدیوں کے متعلق آیت،منافقوں کا جنازہ نہ پڑھنے کی آیت بھی آپ کی رائے کے مطابق آئی رضی اللہ عنہ۔

۲؎یعنی میرا دل چاہتا ہے طواف کے نفل کہ ہم مقام ابراہیم کے سامنے اس طرح پڑھا کریں کہ کعبہ کی طرف نماز ہو مگر سامنے یہ پتھر بھی ہو جس پر جناب خلیل کے قدم پڑے ہیں تاکہ عین نماز میں اس پتھر کا بھی ادب ہوتا رہے تو رب تعالٰی نے اس ہی چیز کا حکم دیا کہ "وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی"آج تک طواف کے نفل اس جگہ اسی طرح ادا ہوتے ہیں یہ ہے حضرت عمر فاروق کا احترام تبرکات۔آپ کا سنگ اسود سے فرمانا کہ اے پتھر تو ایک پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان،میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے دیکھا ہےاس لیے چومتا ہوں اس کا مقصد سنگ اسود کی توہین فرمانا نہیں وہاں مقصد ہی کچھ اور ہے جو ہم حج کے بیان میں عرض کرچکے ہیں،یہ بھی غلط ہے کہ حضرت عمر نے بیعت رضوان والا درخت کٹوایا وہ تبرکات کے دشمن نہ تھے،آپ تبرکات کا ایسا احترام کرتے تھے جو یہاں مذکور ہے۔

۳؎ یعنی ابھی اسلام میں پردہ کا حکم نہیں اس لیے ہر طرح کے آدمی آپ کے دولت خانہ میں آجاتے ہیں حضور کی شان اس سے ارفع واعلیٰ ہے آپ اپنی ازواج پاک کو پردہ کا حکم دیں۔

۴؎ یہاں اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ عام مؤمنہ عورتوں کا پردہ یہ ہے کہ اپنا چہرہ اجنبی کو نہ دیکھنے دیں مگر ازواج پاک کا پردہ یہ تھا کہ برقع اوڑھ کر بھی کسی اجنبی کے سامنے نہ ہوں تاکہ ان کے جسم کا اندازہ بھی کسی کو نہ ہوسکے۔(اشعۃ اللمعات) یہاں مرقات میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب عائشہ صدیقہ ایک پیالہ میں حیس کھارہے تھے،حضرت عمر حاضر ہوئے فرمایا آؤ تم بھی کھاؤ وہ کھانے لگے کہ حضرت عمر کی انگلی حضرت عائشہ کی انگلی سے چھوگئی آپ نے کہا اوہ کاش آپ کی بیویوں کو کوئی آنکھ نہ دیکھ سکتی اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔

۵؎ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ جناب زینب کے پاس شہد تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت مرغوب تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ بعد عصر ان کے پاس تشریف لے جاتے شہد ملاحظہ فرماتے تھے،حضرت عائشہ اور حفصہ وغیرہ کو اس سے بہت غیرت ہوئی کہ حضور روزانہ وہاں کیوں جاتے ہیں،انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے روکنے کے لیے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں وہ یہ کہہ دیں کہ حضور انور کے منہ شریف سے مغافیر گوند کی بو آتی ہے ان دونوں بیویوں نے یہ ہی عرض کیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پر شہد حرام فرمالیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ"وہ واقعہ یہاں مذکور ہے اس موقع پر حضرت عمر نے یہ فرمایا تھا۔

۶؎ جو الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے تھے انہی الفاظ میں آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ جناب عمر نے فرمایا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی مقام ابراہیم میں اور پردہ میں اور بدر کے قیدیوں میں ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ان مختلف روایتوں میں مختلف باتوں کا ذکر ہے اور سب روایات درست ہیں تقریبًا پندرہ آیات حضرت عمر کی رائے کے مطابق آئی ہیں۔متفرق روایات میں متفرق چیزوں کا ذکر ہے بدر کے قیدیوں کے متعلق جو واقعہ ہوا ہے وہ تو مشہور ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ عمر ابن خطاب کو چار باتوں میں لوگوں پر بزرگی عطا ہوئی بدر کے دن قیدیوں کے تذکرہ سے آپ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا۱؎ تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ رب کی تحریر پہلے نہ ہوچکی ہوتی تو تم کو اس لیے ہوئے مال میں بڑا عذاب پہنچتا۲؎ اور ان کے پردہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو پردہ کا	

مشورہ دیا تو ان سے جناب زینب بولیں اے ابن خطاب کیا تم ہم پر حکم چلاتے ہو حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے۳؎ تب رب نے یہ آیت نازل کی کہ جب تم ان سے سامان مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۴؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کہ الٰہی تو عمر کے ذریعہ اسلام کو قوت دے اور ان کی رائے جناب ابوبکر کے متعلق رائے کی وجہ سے آپ نے لوگوں سے پہلے ان سے بیعت کی۵؎ (احمد)	

۱؎ یعنی حضرت عمر کا مشورہ یہ تھا کہ سارے قیدی اس طرح قتل کیے جائیں کہ ہر مسلمان اپنے عزیز کافر قیدی کو قتل کرے اس طرح کہ یارسول اللہ اپنے چچا عباس کو آپ قتل کریں اور اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو حضرت صدیق قتل کریں اوراپنے ماموں ہشام کو میں قتل کروں یہ لوگ سرداران کفر ہیں ان کے قتل ہوجانے سے کفر کا زور ٹوٹ جائے گا،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ لوگ آخر ہمارے ہی بھائی بھتیجے وغیرہ ہیں ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جاوے،اس فدیہ کے مال سے اسلام کو قوت حاصل ہوگی،اس سے ہم آئندہ غزوات کے لیے ہتھیار خریدیں گےاور یہ قیدی شاید آئندہ مسلمان ہوجاویں،حضور انور نے جناب صدیق اکبر وغیرہ کی رائے کو ترجیح دی اور ان تمام قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔

۲؎ خیال رہے کہ ان خطابات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں روئے سخن اور حضرات سے ہے اس لیے **لمسکم** اور **اخذتم** میں جمع کی ضمیریں ارشاد ہوئیں۔یہ بھی خیال رہے کہ ارادۂ الٰہی یہ ہی تھا کہ یہ لوگ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جاویں اور بعد میں سب مؤمن ہوکر اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سارے چھوٹے ہوئے قیدی بعد میں مسلمان ہوئے اور اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں،نہ یہ چھوڑنا برا تھا اگر چھوڑنا برا ہوتا تو یہ آیت پہلے ہی آجاتی اور چھوڑنے سے روک دیتی،یہ کیا ہوا کہ جب چھوڑ دیئے گئے مال وصول کرلیا گیا پھر یہ آیت نازل ہوئی، نیز اگر یہ کام برا ہوتا تو یہ لیا ہوا مال حرام ہوتا حلال نہ ہوتا مگر وہ مال فدیہ حلال رہا،رب نے فرمایا کہ "**فَکُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَیِّبًا**"پھر لطف یہ ہے کہ یہاں تو فدیہ لینے پر بظاہر عتاب ہورہا ہے مگر آئندہ کے لیے اجازت دی جارہی ہے کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا کرنا کہ ارشاد ہوا"**فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً**"اس آیت کا منشا یہ ہے کہ تم لوگوں نے اتنا بڑا کام خود اپنے اجتہاد سے کیوں کیا وحی کا انتظار کیوں نہ کیالہٰذا اس واقعہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عمر جناب ابوبکر صدیق یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں اور ان قیدیوں کا چھوڑنا گناہ ہو،اس کی تحقیق ہماری تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔حضرت صدیق کی خطا ان سب کی سلامتی جان اور ایمان بلکہ صحابیت وغیرہ کا ذریعہ بنی اس خطا پر ہماری عمر بھی کی عبادتیں قربان ہوں۔

۳؎ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کچھ تیز طبیعت تھیں اور ابھی پردہ کے احکام آئے نہ تھے حضرت عمر کی رائے تھی کہ پردہ ہو اس پر آپ ناراض ہوئیں۔

۴؎ حضرت عمر کے تاقیامت مسلمانوں پر بڑے ہی احسانات ہیں ہم کو پردہ کی نعمت ملی تو ان سرکار کے صدقہ سے،رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ملی تو ان کے طفیل،نماز تراویح کی باقاعدہ دائمی جماعت ملی تو ان کے کرم سے اور آج تراویح کے ذریعہ حفظ قرآن بلکہ حفاظت قرآن ہے،اللہ تعالٰی ہم سب کی طرف سے ان سرکار کو جزاء خیر دے۔

۵؎ خیال رہے کہ دنیا میں چار انتخاب بہت ہی اعلٰی و افضل ہوئے:جناب آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا کہ میں انہیں پرورش کروں گی"عَسٰۤى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ"،بی بی صفورا نے موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا کہ اپنے والد سے کہا "يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ"ابا جان انہیں اپنے کام کے لیے رکھ لو،زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا انتخاب کیا انہیں خرید کر اپنے گھر کے لیے،حضرت عمر نے جناب صدیق کا انتخاب کیا خلافت کے لیے،اس آخری انتخاب کا فائدہ دنیا ہمیشہ اٹھائے گی۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ شخص میری امت میں جنت کے بڑے درجہ والا ہے۱؎ ابوسعید نے فرمایا اللہ کی قسم ہم یہ شخص حضرت عمر ابن خطاب ہی کو سمجھے رہے حتی کہ وہ اپنی راہ چلے گئے۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ اس فرمان عالی کے بہت مطلب بیان کیے گئے:قوی یہ ہے کہ ذاك الرجل سے اشارہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ حضور انور نے اس سے پہلے دجال کا ذکر فرماتے ہوئے کہا کہ ایک شخص اس سے کہے گا کہ تو کافر ہے تو وہی ہے جس کی خبر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی،وہ دجال ان بزرگ کو آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کردے گا پھر زندہ کر لے گا،وہ زندہ ہوکر فرمائیں گے کہ اب تو مجھے تیرے کافر ہونے کا اور بھی زیادہ یقین ہوگیا،اس کے بعد حضور انور نے یہ فرمایا کہ یہ شخص میری امت میں بڑے درجہ والا جنتی ہوگا یعنی اس زمانہ کے لوگوں میں سب سے افضل ہوگا۔(مرقات)

۲؎ یعنی ہمارا خیال یہ تھا کہ دجال سے مقابلہ والے وہ صاحب حضرت عمر ہی ہوں گے آپ کے زمانہ میں دجال نکلے گا اور آپ اس کا مقابلہ کریں گے مگر جب آپ شہید کردیئے گئے تب ہم سمجھے کہ کوئی اورصاحب ہیں۔لہذا حدیث واضح ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ کیا حضرت عمر جناب صدیق اکبر سے بھی بڑے درجے والے ہیں۔(مرقات)اس عبارت کے اور مطلب بھی بیان کیے گئے ہیں مگر یہ مطلب آسان بھی ہے اور واضح بھی اور قوی بھی۔

روایت ہے حضرت اسلم سے۱؎ فرماتے ہیں مجھ سے ابن عمر نے ان کے یعنی حضرت عمر کے بعض حالات پوچھے۲؎	

	میں نے انہیں خبر دی تو فرمایا کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی میں نے حضرت عمر سا کوئی زیادہ کوشش والا زیادہ سخی نہیں دیکھا حتی کہ وفات پائی ۳؎(بخاری)

۱؎ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ کی کنیت ابو خالد ہے، حبشی تھے، ۱۱ھ میں آپ کو حضرت عمر نے خریدا تھا،آپ تابعی ہیں اور آپ کے بیٹے کا نام زید ابن اسلم ہے،آپ نے مروان ابن حکم کی حکومت میں وفات پائی ایک سو چودہ سال عمر ہوئی۔(مرقات)ایک اسلم اور بھی ہیں جن کی کنیت ابو رافع ہے وہ صحابی ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔

۲؎ چونکہ جناب اسلم حضرت عمر کے غلام اور خاص خادم تھے آپ کے علانیہ اور خفیہ حالات سے مطلع تھے اس لیے حضرت عبداللہ ابن عمر اگرچہ صاحبزادہ ہیں مگر آپ کے خفیہ حالات خادم خاص سے پوچھ رہے ہیں یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر نے مجھ سے فرمایا کہ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وہ خصوصی خفیہ حالت بیان کرو جس کی صرف تم کو خبر ہوگی اور کسی کو خبر نہیں۔

۳؎ یعنی حضور انور کی وفات کے بعد خلافت فاروقی میں آپ سے بڑھ کر محنتی اللہ کی راہ میں جفاکشی راہ خدا میں زیادہ سخی کوئی نہ دیکھا۔(اشعۃ اللمعات)اس صورت میں حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو آپ سے بڑھ کر سخی اور محنتی تھے یا یوں کہو کہ یہ حضرت عمر کی خصوصی فضیلت ہے آپ کی مثل مشقت و محنت اللہ کی راہ میں غالبًا کسی نے نہ کی ہوگی۔

	روایت ہے مسور ابن مخرمہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر کو نیزہ مارا گیا۲؎ تو آپ غم کرنے لگے ان سے ابن عباس نے تسکین دیتے ہوئے عرض کیا۳؎ اے امیر المؤمنین آپ ان تمام کی پرواہ نہ کریں۴؎ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تو ان کی رفاقت خوب نبھائی پھر وہ آپ سے جدا ہوئے وہ آپ سے راضی تھے پھر آپ حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ رہے تھے تو ان کی رفاقت خوب نبھائی وہ آپ سے جدا ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے پھر آپ مسلمانوں کے ساتھ رہے ان کا ساتھ خوب نبھایا۵؎ اگر آپ ان سے جدا ہوئے تو اس طرح جدا ہوں گے کہ وہ آپ سے راضی ہوں گے۶؎ آپ نے فرمایا یہ جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کا اور آپ کی خوشنودی کا ذکر کیا یہ اللہ کا

	احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا۷ لیکن جو تم نے حضرت ابوبکر کی صحبت اور ان کی خوشنودی کا ذکر کیا یہ بھی مجھ پر اللہ کا احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا۸ لیکن میری گھبراہٹ تم دیکھ رہے ہو وہ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۹ اللہ کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر کرسونا ہو تو میں عذاب الٰہی سے فدیہ دے دوں اسے دیکھنے سے پہلے۱۰ (بخاری)

۱؎ آپ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھانجے ہیں بہت کم عمر صحابی ہیں،حضور انور کی ہجرت کے دو سال بعد مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے،ذی الحجہ ۸ھ آٹھ ہجری میں مدینہ منورہ لائے گئے،حضور انور کی زیارت کی،آپ کی آٹھ سال کی عمر تھی جب حضور انور کی وفات شریف واقع ہوئی،بڑے فقیہ عابد و زاہد تھے۔

۲؎ حضرت عمر کو مغیرہ ابن شعبہ کے غلام ابولولو نے مدینہ منورہ میں چھبیس ذی الحجہ ۲۳ تئیس ہجری کو بدھ کے دن نیزہ مارا آپ زخمی ہونے کی حالت میں بہت ہی رنج و غم فرمانے لگے۔

۳؎ **تجزع** باب تفعیل کا مضارع ہے اوریہاں یہ باب سلب مادہ کے لیے ہے،**جزع** بمعنی گھبراہٹ اور **تجزعه** بمعنی گھبراہٹ دور کرنے یعنی تسلی دینا۔

۴؎ **کل ذالك** سے پہلے ایک فعل لاتبتال پوشیدہ ہے یعنی آپ ان تکالیف کی پرواہ نہ کریں کیونکہ آپ کو اللہ تعالٰی نے بڑے کرم سے نوازا ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۵؎ یعنی تین نعمتیں تو آپ کو پہلے مل چکی ہیں:حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے راضی ہونا،پھر حضرت ابوبکر کی صحبت و رفاقت کہ آپ ان کے وزیر باتدبیر رہے اور ان جناب کا آپ سے خوش رہنا پھر خلافت اسلامیہ اور ان میں آپ کا عدل و انصاف فرمانا مسلمانوں کا آپ سے راضی رہنا۔

۶؎ یعنی اگر اس قاتلانہ حملہ سے آپ کی وفات ہوگئی تو **سبحان اللہ**!شہادت وہ بھی مدینہ منورہ کی زمین میں نماز کی حالت میں مسجد نبوی شریف میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے شریف پر،یہ خوبیاں آپ کے سواءکسی کو میسر نہ ہوئیں نہ ہوں گی پھر مسلمانوں کا آپ سے راضی ہونا۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کا راضی رہنا بھی اللہ کی نعمت ہے اور مسلمانوں کا خوش رہنا بھی اللہ کی رحمت ہے یہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔

۷؎ یعنی حضور انور کی صحبت حضور کا مجھ سے راضی رہنا یہ میری کسبی خوبی نہیں ہے یہ خاص عطاء ذوالجلال ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدا،بخشندہ

صحابی رسول اللہ بننا وہ سعادت ہے کہ اس کے مقابل کوئی سعادت نہیں بنی،تمام جہان کے ولی غوث قطب صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔

۸؎ یعنی حضور انور کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی صحبت اور ان کا مجھ سے راضی ہونا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی صحبت اللہ کی رحمت ہے۔

آدھی سے آدھی بھلی اور آدھی سے بھی آدھ بھیگا سنگت سادھ کی کاٹے کوٹ اپرات

یعنی اللہ کے مقبول بندوں کی صحبت ایک بلکہ آدھی گھڑی کی بھی مبارک ہے ان کی صحبت گناہوں کے پہاڑ توڑ دیتی ہے حضرت فرید کی والدہ ان سے فرماتی تھیں۔

اُٹھ جاگ فریدا ستیا اوہ خلقت ویکھن جا مت کوئی بخشیا مل پوے کہ تو بھی بخشیا جا

ان سب کی اصل یہ حدیث شریف ہے۔

۹یعنی میری یہ گھبراہٹ اپنی تکالیف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے ہے کہ میرے بعد مسلمانوں کا خصوصًا آپ اہل بیت لوگوں کا کیا بنے گا میں بڑے بڑے فتنوں کے سامنے مضبوط اور بند دروازہ ہوں میری شہادت کے بعد مسلمانوں میں بڑے بڑے فتنے ہوں گے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔چنانچہ شہادت عثمان جو مسلمانوں میں تلوار چلنے کا مبداء بنی وہ آپ کے بعد ہی واقع ہوئی۔

۱۰یہ ہے خوف الٰہی کی انتہا جو کمال ایمان کی دلیل ہے۔حضرت عمر وہ ہستی ہیں کہ ان کے طفیل لوگ بخشے جائیں گے مگر خود اپنی ہیبت کا یہ حال ہے یہاں مرقات نے حضرت عمر فاروق کی چند کرامات کا ذکر فرمایا۔

کرامات عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۱)جمعہ کے دن حضرت عمر خطبہ پڑھ رہے ہیں کہ پکارا اے ساریہ پہاڑ کو لودو یا تین بار فرمایا،لوگوں نے بعد خطبہ پوچھا کہ اے امیر المؤمنین ساریہ تو نہاوند میں جہاد کررہے ہیں آپ نے انہیں یہاں سے کیسے پکارا،فرمایا میں نے ان سب کو جہاد کرتے دیکھا،دشمن پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کرنا چاہتا تھا میں نے انہیں اطلاع دے دی،بہت عرصہ بعد ساریہ آئے انہوں نے کہا کہ ہم کو حضرت عمر کی آواز نے شکست سے بچایا۔(۲)جب حضرت عمرو ابن عاص نے مصر فتح فرمایا تو وہاں دیکھا کہ ہر سال دریائے نیل میں ایک کنواری لڑکی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے آپ نے یہ رواج روک دیا دریائے نیل سوکھ گیا،آپ نے حضرت عمر کو مدینہ منورہ خط لکھا حضرت عمر نے دریائے نیل کے نام خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ اے دریا اگر تو خدا کے حکم سے بہتا ہے تو اللہ کے حکم سے جاری ہوجا اور حکم دیا کہ میرا یہ خط دریا نیل میں ڈال دیا جاوے ڈالا گیا تو دریا قیامت تک کے لیے جاری ہوگیا۔(۳)ابو مسلم خولان کو اسود ابن قیس نے کہا کہ تو مجھے نبی مان لے انہوں نے انکار کیا اس نے آگ جلوا کر ابو مسلم کو اس میں ڈال دیا آگ ان پر ٹھنڈی ہوگئی،اس نے انہیں اپنے شہر سے نکلوادیا اور مدینہ منورہ حضرت عمر کے پاس آئے آپ نے انہیں اپنے سینے سے لگا کر کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو آگ سے بچالیااور سنت خلیل نصیب کی حالانکہ کسی نے حضرت عمر کو یہ خبر نہ دی تھی،کہا گیا تم عبداللہ ابن ایوب نہیں ہو عرض کیا ہاں۔(۴)حضرت عمر ایک رات مدینہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے پہرہ دے رہے تھے کہ ایک گھر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز آئی جو اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھ دودھ میں پانی ملا دے لڑکی بولی اماں یہ حضرت عمر نے منع فرمایا ہے،بوڑھی بولی کہ عمر ہم کو نہیں دیکھ رہے ہیں لڑکی بولی کہ عمر کا رب دیکھ رہا ہے،آپ نے صبح کو اپنے بیٹے عاصم سے کہا کہ تم فلاں گھر جاؤ اس لڑکی سے

نکاح کرلو تم کو اس کے پیٹ سے نہایت ہی مبارک روح ملے گی،عاصم ابن عمر نے اس سے نکاح کیا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی نام عاصم بنت عاصم ابن عمر اس سے عبدالعزیز ابن مروان نے نکاح کیا اس کے شکم سے عمر ابن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔(۵)حضرت عمر نے ایک بدوی کو پہاڑ سے اترے ہوئے دیکھا فرمایا کہ غالبًا اس کا بیٹا فوت ہوگیا ہے اس نے اس کے مرثیہ میں سات شعر بھی ہے ہیں اگر تم کہو تو میں اس کے اشعار سنادوں،اتنے میں وہ بدوی اترایا پوچھا تو کہاں سے آرہاہے بولا اس پہاڑ کی چوٹی پر امانت رکھ کر پوچھا کیا امانت بولا اپنا بیٹا دفن کرکے فرمایا اپنے مرثیہ کے سات شعر سنا جو تو نے کہے ہیں،وہ بولا اے امیر المومنین وہ شعر تو میں نے ابھی دل میں سوچے ہیں آپ کو کیسے پتہ لگا پھر اس نے سات شعر سنادیئے،وہ اشعار یہاں مرقات نے نقل کیے جن کا پہلا شعر یہ ہے۔

یاغائبا من نبوب من سفر　　　عاجلہ علے موتہ علی صغرہ　　　(مرقات)

(۶)ایک عورت کا تیل زمین پر گر گیا وہ کھڑی رو رہی تھی زمین تیل چوس چکی تھی،وہاں سے حضرت عمر گزرے وجہ رونے کی پوچھی اور کوڑا لے کر زمین کو مارنے لگے کہ اے زمین کیا میرے دور خلافت میں تو نے اس کا تیل غصب کیاواپس اگل،زمین نے تیل واپس اگلا عورت نے برتن میں بٹورلیا۔(۷)حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت فاروقی میں خواب دیکھا کہ میری آنکھ دیر سے کھلی کہ فجر کا وقت تنگ ہوگیا مسجد نبوی میں پہنچا تو حضور انور کو محراب میں بیٹھا پایا فرمایا علی جلد نماز پڑھو وقت جارہا ہے،فجر پڑھی واپس ہوئے تو دیکھا اس محراب میں حضور انور کے آگے کھجوروں کا طباق رکھا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور مجھے عطا کی یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی واقعی نماز کو دیر ہوگئی تھی،دوڑتے ہوئے مسجد نبوی شریف میں گئے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق محراب میں بیٹھے ہیں دیکھ کر فرمایا علی جلدی نماز پڑھو وقت جارہا ہے فورًا پڑھی واپس آکر دیکھا کہ حضرت عمر کے سامنے کھجوروں کا طباق رکھا ہے آپ نے حضرت علی کو ایک کھجور دی آپ نے کھالی دوسری مانگی تو فرمایا کہ ابھی تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کھجور دی تھی مجھ سے دوسری کیوں مانگتے ہو،یہ آخری دو کرامات دوسری کتب سے حاصل کی گئیں۔

باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنهما

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یعنی اس باب میں صرف وہ احادیث مذکور ہوں گی جن میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے فضائل یکجا ذکر ہیں اگرچہ دونوں حضرات یکجا ہی رہے تھے کہ دونوں حضور انور کے وزیر مشیر،صاحب راز،مقرب بارگاہ حضور کے ساتھی تھے حتی کہ یہ دونوں قبر میں بھی حضور کے ساتھ رہے۔(اشعہ)

روایت حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی ہیں فرمایا کہ ایک شخص گائے لیے جارہا تھا کہ تھک گیا تو اس پر سوار ہوگیا وہ بولی کہ ہم اس کام کے لیے نہیں پیدا کیے گئے ہم زمین کی کھیتی کے لیے پیدا کیے گئے [1] تو لوگ بولے سبحان اللہ گائے بول رہی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر میں اور ابوبکر و عمر ایمان لائے حالانکہ وہ دونوں وہاں نہ تھے [2] اور فرمایا کہ جب کہ ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیئے نے حملہ کیا اسے لے گیا اسے بکری والے نے پکڑ لیا اس سے چھڑالیا تو اس سے بھیڑیئے نے کہا کہ درندوں کے دن اس کا کون محافظ ہوگا جس دن میرے سوا اس کا کوئی چرواہا نہ ہوگا تو لوگ بولے سبحان اللہ بھیڑیا بول رہا ہے،حضور نے فرمایا کہ اس پر میں ایمان لایا اور ابوبکر اور عمر حالانکہ وہ دونوں وہاں نہ تھے [3] (مسلم بخاری)	

[1] یہ واقعہ گزشتہ زمانہ کا ہے شاید کسی اسرائیلی کا واقعہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بیل کی پیٹھ پر سوار ہونا اس پر بوجھ لادنا بہتر نہیں اسے کھیتی میں ہی استعمال کروکیونکہ حضور انور نے یہ واقعہ بغیر تردید نقل فرمایا۔(مرقات، اشعہ) جانوروں کو مروّجہ کاموں میں ہی استعمال کرنا بہتر ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کو ان دونوں حضرات کے ایمان پر بہت ہی اعتماد تھا کہ جس چیز کو ہم قبول فرمالیں اس کو وہ دونوں حضرات ضرور مان لیں گے بغیر تردد اور بغیر ہیر پھیر کیے،جانور کا انسان سے کلام کرنا عقل سے وراء ہے مگر میری تصدیق کی وجہ سے وہ دونوں مان لیں گے ان کے ایمان کا میں ذمہ دار ہوں یہ ہی ان بزرگوں کی عظمت ہے۔حضور کا ہاتھ شریف حضرت عثمان کا ہاتھ بنا،بیعۃ الرضوان میں اور آج حضور انور کا دل و دماغ اور حضور انور کی زبان شریف حضرت ابوبکر و عمر کے دل و دماغ و زبان بنے یہ ہے ان بزرگوں کی شان۔

۳؎ **یوم السبع** یاتوب سے ہے بمعنی درندہ،**یوم السبع** کے معنی درندوں والا دن۔اس سے کون سا دن مراد ہے اس میں بہت گفتگو ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد قرب قیامت وہ جنگ عظیم ہے جب کہ لوگ جنگ کی وجہ سے اپنے جانوروں سے غافل ہوجائیں گے اور بھیڑیئے ان کی بکریاں گائے خوب کھائیں گے،بعض نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا ایک میلہ ہوتا تھا جس میں لوگ شرکت کرنے کے لیے اپنے گاؤں خالی کرجاتے تھے،ان کے پیچھے درندے ان کے جانور آزادی سے کھاتے تھے،بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ **یوم السبع** ہے ی سے بمعنی عہدوسیلہ تب بھی مطلب یہ ہی ہوگا۔فقیر کے نزدیک یہ دونوں مطلب قوی نہیں کیونکہ یہاں تو یہ ہے کہ اس دن بھیڑیئے کے سواء کوئی راعی چرواہا نہ ہوگا جس سے معلوم ہورہا ہے کہ بھیڑیئے بکریوں کی حفاظت کریں گے۔ شکار مراد لینا بعید لہذا غالبًا اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے جب شیر اور بھیڑ ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے اس دن بھیڑیئے گویا بکریوں کے چرواہے ہوجائیں گے۔

۴؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اس واقعہ کو میں جانتا ہوں اور حضرت ابوبکروعمر کی طرف سے اس پر ایمان لاتا ہوں۔یہ واقعہ درست ہے جو مجھے بذریعہ وحی یا کشف معلوم ہوا جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ میں ایک قوم میں کھڑا ہوا تھا کہ لوگوں نے جناب عمر کے لیے دعائیں کیں جب کہ وہ اپنے تختے پر رکھے گئے۱؎ کہ ایک شخص میرے پیچھے سے جس نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی کہنے لگا اللہ تم پر رحمت کرے۲؎ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تم کو اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۳؎ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے بہت سنا تھا کہ میں اور ابوبکر اور عمر وہاں تھے اور میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا اور میں اور ابوبکر و عمر چلے اور میں ابوبکر و عمر داخل ہوئے اور میں ابوبکر و عمر نکلے میں نے مڑ کر دیکھا تووہ علی ابن	

ابی طالب تھے ۴؎(بخاری،مسلم)	

۱؎ یعنی شہادت کے بعد آپ کو غسل دینے کے لیے تختہ پر رکھا،چونکہ آپ کی شہادت فقہی نہ تھی کہ آپ زخم کھا کر کئی دن زندہ رہے اس لیے آپ کو غسل دیا گیا۔شہید فقہی کو نہ غسل دیا جاوے نہ کفن،شہید فقہی میں ایک قید یہ ہے کہ زخمی ہوتے ہی وفات ہوجاوے دیر نہ لگے۔

۲؎ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک سے تھاان سے کہہ رہے تھے کہ اللہ تم پر رحمت کرے۔خیال رہے کہ اللہ کی رحمت گنہگاروں پر مغفرت کی ہے،نیک کاروں پر کرم نوازی کی،حضرات صحابہ پر قرب خصوصی کی یہاں خاص رحمت مراد ہے،اللہ کی رحمت کے سب حاجت مند ہیں مگر جیسا محتاج ویسی اس کی رحمت۔اس سے معلوم ہوا بزرگان دین بعد وفات سنتے ہیں ان سے خطاب کلام درست ہے۔

۳؎ یعنی حضور انور نے تم دونوں کے نام اپنے نام سے ملائے تمہارے کام اپنے متصل رکھے۔نام و کام کے متصل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام بھی متصل ہیں نام و کام پتہ دیتے ہیں مقام کا اور اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام و کام کو اپنے نام سے متصل کیا ہے تو آپ کو رب سے بھی بہت قرب ہے۔

۴؎ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اکثر حضرت عمر کی بہت تعریف کرتے تھے حتی کہ فرماتے تھے کہ اب زمین پر ایسا شخص نہ رہا کہ جس کے اعمال کی میں تمنا کروں اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے آرزو ہے کہ میں رب تعالٰی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سے نیک اعمال لے کر ملوں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی لوگ علیّین والوں کو دیکھیں اور دکھائیں گے جیسے تم کنارہ آسمان پر چمک دار تارے کو دیکھتے ہو۱؎اور ابوبکروعمر انہیں میں سے ہیں اور یہ دونوں بہت اچھے ہیں۲؎اور ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔	

۱؎ علیّین ایک دفتر کا نام بھی ہے اور جنت کے اعلٰی درجہ کا نام بھی،قرآن مجید میں دفتر کو علیّون فرمایا گیا"وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ"۔یہاں جنت کے اعلٰی درجہ کو مراد لیا گیا ہے جیسے سجّین دفتر کا نام بھی ہے جس میں دوزخیوں کے نام تحریر ہیں اور دوزخ کے سب سے نیچے حصہ کا نام بھی،یعنی علیّین جنت کے درجوں سے ایسا اونچا ہے جیسا آسمان زمین سے اونچا اور علیّین والے دوسرے جنتیوں کو ایسے نظر آئیں گے جیسے

زمین والوں کو تارے نظر آتے ہیں وہ ایک دوسرے کو دکھائیں گے دیکھو وہ ہیں حضرت صدیق وہ ہیں حضرت عمر۔

۲؎ یعنی حضرت ابوبکر و عمر سارے علیّین والوں سے افضل و اعلیٰ ہوں گے،جب یہ جنت کے نیچے درجوں میں جھانکیں گے تو ان درجوں میں ایسی چاندنی پھیل جاوے گی جیسے زمین پر چودھویں رات کے چاند سے پھیل جاتی ہے،ان کی شان ان شاءاللہ وہاں دیکھیں گے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابوبکر و عمر جنتی ادھیڑوں کے اگلے پچھلوں کے سردار ہیں۱؎ سواء نبیوں اور رسولوں کے اور مرسلین کے۲؎(ترمذی)
	اور ابن ماجہ نے حضرت علی سے روایت کی۔

۱؎ جوانی اور بڑھاپے کے درمیانی زمانہ کو کہولت کہا جاتا ہے یعنی تیس سال کے بعد سے پچاس سال تک عمر۔مطلب یہ ہے کہ دنیامیں جو لوگ اس عمر میں فوت ہوئے اور وہ تھے جنتی ان سب کے سردار یہ دونوں ہیں ورنہ جنت میں سارے جنتی جوان تیس سالہ ہوں گے کوئی بوڑھا یا ادھیڑ عمر نہ ہوگا،عورتیں اٹھارہ سالہ ہمیشہ یہ ہی عمر رہے گی کہ وہاں دن رات مہینے سال نہیں گزرتے جیسے"وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوٰلَهُمْ" حالانکہ بعد بلوغ انسان یتیم نہیں رہتا۔

۲؎ رسول تین سو تیرہ ہیں،مرسلین چار،ان میں اکثر رسول ادھیڑ عمر میں وفات یافتہ ہوئے یعنی رسولوں کے بعد ان دونوں کا درجہ ہوگا،یہ حضرات ان ادھیڑ جنتیوں سے افضل ہیں جو نبی نہ ہوں کیونکہ کوئی غیر نبی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا جیسے کوئی غیرصحابی صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا اور جب یہ دونوں حضرات جنتی ادھیڑوں سے افضل ہوئے تو جنتی جوانوں بچوں سے بھی افضل ہوئے۔(مرقات)چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ هما سید کهول اهل الجنة وشبانها بعد النبيّين والمرسلين،ایک روایت میں ہے کہ حضور نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوبکر و عمر جنتی جوانوں بوڑھوں سے افضل ہیں مگر تم انہیں یہ خبر نہ دیناچنانچہ حضرت علی نے ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد یہ حدیث بیان فرمائی۔(مرقات)ان حضرات کی یہ سرداری حضرات حسنین کریمین کی سرداری کے خلاف نہیں کیونکہ دونوں سرداریوں کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ضلع کا افسراعلیٰ ڈپٹی کمشنر بھی ہوتا ہے اور ایس پی بھی مگر الگ الگ نوعیتوں سے۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نہیں جانتا کہ تم میں میری بقاء کتنی ہے۱؎ تو میرے بعد والوں کی پیروی کرو ابوبکروعمر کی۲؎(ترمذی)

۱؎ لفظ لا ادری حضور کی اپنی بے خبری کے لیے نہیں ہے بلکہ لوگوں کی اطلاع نہ دینے کے لیے ہے ورنہ حضور انور کو اپنی وفات کی بھی خبر تھی اور دوسروں کی وفات کی بھی اس لیے حضور نے حج کی فرضیت کے سال حج نہ کیا اگلے سال کیا کہ آپ کو خبر تھی کہ اس سال ہماری وفات نہیں ورنہ فرض یہ ہے کہ حج فرض ہوتے ہی حج کرے۔حضرت سعد بہت بیمار ہوئے ان سے فرمایا کہ تم اس بیماری سے مرو گے نہیں۔خیال رہے کہ درایت عقل سے جاننے کو کہتے ہیں،علم اس سے عام ہے۔اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں حصہ اول میں ہے دیکھو۔حضور نے فاطمہ زہرا اور اپنی زوجہ مطہرہ زینب کی وفات کی خبر دی،غزوہ بدر میں ایک دن پہلے بتادیا کہ کل یہاں فلاں کافر مرے گا یہاں فلاں،عقلی علوم بتائے جاتے ہیں کشفی علوم اکثر چھپائے جاتے ہیں۔

۲؎ اس میں ان بزرگوں کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کہ میرے بعد یہ حضرات خلیفہ ہوں گے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت بلا فصل قرآن کریم میں بھی مذکور ہے"سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ"اس آیت میں جنگ یمامہ کا ذکر ہے جو خلافت صدیقی میں ہوئی،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تو سوائے ابوبکر و عمر کے کوئی اپنا سر نہ اٹھاتا تھا۱؎ یہ دونوں حضرات حضور کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور حضور انہیں دیکھ کر مسکراتے تھے۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ حضور کی مجلس اقدس میں سب لوگ نیچے سر نیچی نگاہ کیے خاموش بیٹھتے تھے جیسے پرندوں کا شکاری بالکل خاموش سکون سے بیٹھتا ہے یہ تھا اس بارگاہ کا ادب۔

۲؎ پیارا پیارے کو دیکھ کر خوشی سے مسکراتا ہے یہاں وہ رنگ تھا دوسرے صحابہ میں ادب کا ظہور ہے یہاں محبوبیت کا جلوہ گری یعنی یہ دونوں صاحب اسرار اور بارگاہ عالی میں بہت باریاب تھے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نکلے اور مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر و عمر بھی ان دونوں میں سے ایک صاحب آپ کے داہنی طرف تھے دوسرے بائیں طرف حضور ان دونوں کے ہاتھ پکڑے تھے تو فرمایا ہم یہ قیامت کے دن ایسے ہی اٹھائے جائیں گے۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ سب سے بڑا خوش نصیب وہ ہے جسے قیامت میں حضور انور کا قرب نصیب ہوجاوے تو جو حضور انور کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بارگاہ الٰہی میں پیش ہو اس کے مقدمہ کا کیا پوچھنا۔اس حدیث میں اپنی قبور کا بھی پتہ دے دیا گیا ہے۔شعر

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو   کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

اس لحاظ سے بھی بعد انبیاء ساری مخلوق میں سب سے بڑے خوش نصیب یہ دونوں حضرات ہیں جنہیں حضور انور سے دنیا میں قبروں حشر میں ایسا قرب نصیب ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حنطب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکر و عمر کو دیکھا تو فرمایا یہ کان اور آنکھیں ہیں۱؎(ترمذی،مرسلًا)	

۱؎ اس فرمان عالی پر چار شرحیں ہوسکتیں ہیں:(۱)یہ دونوں مسلمانوں کے کان و آنکھیں ہیں کہ جیسے انسان بغیر کان و آنکھ سے کچھ نہ دیکھ سکے نہ سن سکےایسے ہی مسلمان ان کا دامن چھوڑ کر نہ راہِ ہدایت دیکھ سکے نہ قرآن و حدیث،نہ اللہ رسول کی بات سن سکے(۲)یہ دونوں دین اسلام کی آنکھیں اور کان ہیں کہ جیسے جسم کی تکمیل آنکھوں کانوں سے ہوتی ہے ایسے ہی دین کی تکمیل ان بزرگوں سے ہے قرآن و حدیث ان کے ذریعہ سے سمجھو(۳)یہ دونوں میرے کان و آنکھ ہیں جیسے ہر شخص کو اپنے آنکھ کان بڑے پیارے ہوتے ہیں کہ ان دونوں کی ہر طرح حفاظت کرتا ہے ایسے ہی یہ دونوں میرے پیارے وزیر ہیں مجھے بڑے محبوب ہیں،اعلیٰ وزیر بادشاہ کی آنکھ کان ہوتے ہیں اس معنی کی تشریح اگلی حدیث میں آرہی ہے(۴)یہ دونوں سراپا آنکھ و کان ہیں جیسے آنکھ دیکھنے سے سیر نہیں ہوتی،کان سننے سے سیر نہیں ہوتےایسے ہی یہ دونوں مجھے دیکھنے میری سننے سے کبھی سیر نہیں ہوتے۔(لمعات،مرقات،اشعہ)ان کا عقیدہ تو یہ ہے۔شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا   حقیقت معرفت اہلِ طریقت اس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

ان دونوں نے دیکھا تو حضور کو اور سنی تو حضور کی،یہ وہ جسم ہیں جن کی جان حضور ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔آنکھیں و کان سارے اعضاء سے افضل ہیں،رب فرماتا ہے:"وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصٰرَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ"یوں ہی سارے اہل اسلام میں یہ دونوں افضل ہیں۔کان افضل ہیں آنکھ سے کہ آنکھ کے بغیر علم حاصل کیا جاسکتا ہے مگر کان کے بغیر نہیں اس لیے کان کا ذکر پہلے فرمایا آنکھ کا بعد میں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے کوئی نبی مگر اس طرح کہ ان کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے۱؎ مگر	

ہمارے آسمانی دو وزیر جبریل اور میکائل ہیں۲ اور ہمارے زمین والوں میں سے دو وزیر ابوبکر و عمر ہیں۳ (ترمذی)۴	

۱ وزیر جو بادشاہ کی سلطنت کا بوجھ اٹھائے،اسے اچھے مشورے دے،اس کا صاحب راز ہو۔یہ لفظ بنا ہے وزر بمعنی بوجھ سے"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"۔

۲ حضور آسمانوں کے بھی بادشاہ ہیں اور زمین کے بھی۔آسمانی سلطنت کا انتظام حضرت جبریل و میکائیل کرتے ہیں،حضور کے احکام وہاں نافذ کرتے ہیں۔ترتیب ذکری سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت جبریل درجہ میں جناب میکائیل سے بہت بڑے ہیں کہ ان کا ذکر پہلے فرمایا۔

۳ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت زمین میں بھی ہے آسمان میں بھی ورنہ دونوں جگہ وزیر ہونے کے کیا معنی بلکہ حضور عالمین کے سلطان بادشاہ اور نبی ہیں"لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا"۔(۲)حضرت ابوبکر صدیق جناب عمر فاروق سے افضل ہیں کہ پہلے ان کا نام شریف ارشاد ہوا بعد میں حضرت عمر کا۔(۳)وزارت صدیقی وفاروقی افضل واعلیٰ ہے وزارت جبریلی و میکائیلی سے کہ حضرت صدیق و فاروق پایہ تخت کے وزیر ہیں،ہر دم حضور کے ساتھ رہنے والے،زمین تمام انبیاء خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پایہ تخت ہے "اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیۡفَةً"۔

۴ یہ حدیث حاکم نے حضرت ابو سعید خدری سے،حکیم ترمذی نے حضور ابوہریرہ سے،ابن عساکر نے حضرت ابوذر غفار سے،حافظ ابوالحسن علی ابن نعیم بصری نے حضرت انس ابن مالک سے بالفاظ مختلف روایت کی اور امام سمرقندی نے خواجہ حسن بصری سے روایت کیا کہ ساق عرش پر لکھا ہے"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وزیراہ ابوبکر و عمر۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا۱ کہ آسمان سے ایک ترازو اتری تو آپ اور ابوبکر تولے گئے آپ بڑھ گئے۲ اور حضرت ابوبکر و عمر تولے گئے تو ابوبکر بڑھ گئے اور تولے گئے عمر و عثمان تو عمر وزنی رہے۳ پھر ترازو اٹھائی گئی۴ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگیں ہوگئے یعنی یہ خواب حضور کو گراں گزری۵ پھر فرمایا کہ یہ نبوت کی خلافتیں ہیں پھر اللہ جسے چاہے گا ملک دے گا۶(ترمذی،ابوداؤد)۷	

۱؎ یعنی میں نے خواب دیکھا۔خیال رہے کہ صحابہ کرام کے خواب خصوصًا وہ خواب جو بارگاہِ رسالت میں پیش ہوکر تائید حاصل کرلیں وہ کشف والہام بلکہ وحی کا پر تو ہیں،اسلام میں مروجہ اذان حضرات صحابہ کی خواب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید سے جاری ہوئی۔خیال رہے کہ بکرہ کنویں کی گھڑی یا خرچی کو کہتے ہیں۔آپ غزوہ طائف میں مسلمان ہوئے اور اپنے کو طائف کے قلعہ سے مسلمانوں کے لشکر میں اس طرح پہنچایا کہ اپنے کو ایک کنوئیں کی چرخی پر ڈال دیا اور ڈھلکتے ہوئے مسلمانوں کے لشکر تک پہنچ گئے لہذا ابوبکرہ کہلائے یعنی چرخی والے مؤمن۔

۲؎ یعنی آسمان سے غیبی کنڈا اترا جس میں آپ کے ساتھ حضرت صدیق کو اس طرح تولا گیا کہ ایک پلڑے میں آپ تھے دوسرے میں حضرت صدیق آپ کا پلڑا اونچا ہوگیا حضرت صدیق والا پلڑا نیچا یعنی آپ وزنی رہے حضرت صدیق سے۔خیال رہے کہ مادیات میں وزنی پلڑا نیچے ہوتا ہے مگر نورانیت میں وزنی پلہ اونچا رہتا ہے ہلکا پلہ نیچا"اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ"نور اوپر کو چڑھتا ہے۔

۳؎ یہ وزنی ہونا ان بزرگوں کے درجات کی فضیلت کی بناء پر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق جناب عمر سے افضل اور حضرت عمر حضرت عثمان سے افضل۔

۴؎ خیال رہے کہ ان تینوں خلفاء کی خلافت راشدہ بھی ہے اور ان کی خلافتوں پر امت کا پورا اجماع بھی ہوا۔صدیق و فاروق کی خلافت پر از ابتدا تا انتہا،جناب عثمان کی خلافت پر از ابتداء اور حضرت علی کی خلافت راشدہ تو ہے مگر ان کی خلافت پر کبھی اجماع مسلمین نہ ہوا اول ہی سے اختلاف ہوا اور آخر تک رہا غالبًا اسی وجہ سے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وزن نہ دکھایا گیا،خلفاء راشدین کاملین مجمع علیہم کا وزن دکھایا گیا۔

۵؎ گراں اس لیے گزرا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معلوم فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت اسلامیہ کا زوال و انحطاط شروع ہوجائے گا کیونکہ وزن نہیں دکھایا گیا۔

۶؎ یعنی خلافت عثمانیہ کے بعد اسلام میں سلطنت و امارت قائم ہوجاوے گی۔ایسا ہی ہوا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے سلطنت قائم کرلی۔خیال رہے کہ خلافت،نبوۃ اور سلطنت میں فرق یہ ہے کہ خلافت نبوت میں لوگوں پر حکومت بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت بھی کہ ان کی بیعت بیعت خلافت بھی اور بیعت ارادت بھی،لوگ ان کے رعایا بھی ہیں ان کے مرید بھی مگر سلطان کی بیعت بیعت حکومت تو ہے بیعت ارادت نہیں اور مسلمانوں کو کسی مرشد کا بیعت ہونا ہوگا،جانشینی رسول کا عہدہ ختم ہوگیا،سلطنت اسلامیہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔گذشتہ کتب میں حضور کی صفات میں یہ بھی ذکر تھا کہ ملکہ بالشام اور ظاہر ہے کہ شام میں سلطنت امیر معاویہ کی ہی قائم ہوئی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت قرار دیا گیا۔

۷؎ یہ حدیث ابوداؤد نے کچھ فرق سے روایت کی ہے۔مسند امام احمد میں ہے کہ خود حضورانور نے یہ خواب دیکھا مگر اس میں یوں ہے کہ میں اپنی ساری امت سے تولا گیا تو میں وزنی ہوا،پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ،پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ،باری باری سے میری ساری امت سے تولے گئے تو ان میں سے ہر ایک ساری امت سے وزنی ہوا پھر ترازو اٹھالی گئی،اس میں اشارہ اسی جانب ہے کہ ان تین خلافتوں پر ساری امت کا اجماع ہوگا۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا تو حضرت ابوبکر ظاہر ہوئے پھر فرمایا کہ تم پر ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا تو حضرت عمر نمودار ہوئے۱(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ اس سے ان دونوں حضرات کا جنتی ہونا معلوم ہوا۔خیال رہے کہ یہ حدیث ان دونوں بزرگوں کی فضیلت بیان فرمارہی ہے نہ کہ افضیلت،چونکہ جنت کی بشارت اور صحابہ کرام کو بھی دی گئی ہے،چونکہ اس حدیث میں دونوں کا جنتی ہونا مذکور ہے اس لیے یہ حدیث یہاں لائے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک ایک چاندنی رات میں میری گود میں تھا۱کہ بولی یارسول اللہ کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں گی۲؎ فرمایا ہاں وہ حضرت عمر ہیں۳؎میں بولی تو جناب ابوبکر کی نیکیاں کہاں گئیں۴؎فرمایا کہ حضرت عمر کی ساری نیکیاں ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی طرح ہیں۵؎(رزین)	

۱؎ ضاحیۃ بنا ہے ضحو سے بمعنی چمکدار روشن۔اس سے مراد وہ رات ہے جس میں چاندنی ہو اور بادل نہ ہو،آسمان صاف ہو،چاند خوب چمک رہا ہو۔حضرت عائشہ صدیقہ کی گود اس وقت عرش معلٰی سے افضل ہوگئی ہوگی کہ وہ صاحب قران صلی اللہ علیہ وسلم کی رحل نبی رضی اللہ عنہا۔

۲؎اس سوال سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر آسمان کے ہر گوشہ کی خبر ہے اور زمین کے ہر کونہ اور تاقیامت اپنے ہر امتی کے ہر عمل کی خبر ہے کیونکہ تارے مختلف آسمانوں پر ہیں اور امت کی عبادتیں زمین کے مختلف گوشوں میں دن کے اجیالے میں رات کے اندھیرے میں ہوں گی۔دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتاسکتا ہے جسے دونوں کی خبر ہو یہ ہے حضرت صدیقہ ام المؤمنین کا عقیدہ۔

۳؎یہ ہے حضور انور کا علم کہ نہ یہ فرمایا کہ جبریل امین کو آنے دو پوچھ کر بتائیں گے نہ یہ کہ قلم دوات کاغذ لاؤ ٹوٹل لگا کر کہیں گے،نہ یہ کہ ذرا مجھے سوچ کر حساب لگا لینے دو بلاتامل فرمایا کہ میری ساری امت میں حضرت عمر وہ ہیں جن کی نیکیاں تعداد میں آسمانوں کے تاروں کی برابر ہیں یہ ہے حضور کا علم غیب کلی۔

۴؎ آپ سمجھیں کہ احد میں حضرت ابوبکر صدیق بھی داخل ہیں اور ان کی نیکیاں حضرت عمر کی نیکیوں سے کم ہیں۔

۵؎ اس ایک نیکی میں بہت گفتگو ہے کہ اس سے کون سی نیکی مراد ہے۔فقیر کے نزدیک اس سے مراد ہجرت کی رات غار ثور میں حضور انور کی خدمت مراد ہے،اس رات حضرت صدیق نے تہجد نہیں پڑھی تھی اور کوئی عبادت نہیں کی تھی حضور انور کی بے مثال خدمت کی تھی اور آپ کا مبارک سر اپنے زانو پر رکھ کر خوب جی بھر کر اس صورت پاک کے نظارے کیے تھے،یہ ایک نیکی دنیا بھر کی ساری نیکیوں سے بڑھ کر قرار پائی۔شعر

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں   اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

باب مناقب عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان کے فضائل رضی اللہ عنہ ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ آپ کا نام عثمان ابن عفان ابن ابی العاص ابن امیہ ابن عبد الشمس ابن عبدمناف ہے،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،لقب ذوالنورین، خطاب جامع القرآن،آپ یکم محرم ۲۴ھ چوبیس میں تخت خلافت پر جلوہ گر ہوئے،بارہ سال خلافت کی،بیاسی سال عمر پائی،آپ کے حالات جلد اول کے شروع میں بیان ہوچکے ہیں وہاں مطالعہ فرماؤ۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے تھے اپنی رانیں یا اپنی پنڈلیاں کھولے۱؎ تو جناب ابوبکر نے اجازت مانگی انہیں اجازت دی اسی حالت پر انہوں نے کچھ بات چیت کی،پھر حضرت عمر نے اجازت مانگی انہیں بھی اسی حالت میں اجازت دے دی۲؎ پھر انہوں نے بھی بات چیت کی،پھر جناب عثمان نے اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کرلیے۳؎ جب وہ چلے گئے تو جناب عائشہ نے کہا کہ جناب ابوبکر آئے آپ نے ان کے لیے نہ تو جنبش کی اور نہ ان کی پرواہ کی پھر عمر آگئے تو آپ نے ان کے لیے نہ تو جنبش کی اور نہ ان کی پرواہ کی پھر جناب عثمان آئے پھر تو آپ بیٹھ گئے۴؎ اور اپنے کپڑے درست کرلیے تو فرمایا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۵؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جناب عثمان شرمیلے آدمی ہیں مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے انہیں اسی حالت پر اجازت دے دی تو وہ مجھ تک اپنی حاجت نہ پہنچاسکیں گے۶؎(مسلم)

۱؎ یعنی بے پرواہی سے لیٹے ہوئے تھے جس سے آپ کی پنڈلیاں یاران شریف کھلی تھیں۔خیال رہے کہ حضرت امام مالک کے نزدیک مرد کی ران ستر نہیں باقی آئمہ کے ہاں یہ ستر ہے،حضرت امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے مگر یہ استدلال کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ اول تو خود راوی کو شک ہے کہ ران کھلی تھی یا پنڈلی اس شک کے ہوتے ہوئے استدلال درست کیسے ہوسکتا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ران کھلی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل ننگی تھی،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ران سے قمیض ہٹی ہوئی تھی تہبند شریف اس جگہ پر تھا۔عاری اور کاشف میں بڑا فرق ہے۔ (مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی ان دونوں صاحبوں کی آمد پر حضور انور نے کوئی تکلف نہیں فرمایا اسی طرح بے پرواہی سے آرام فرمارہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات باریاب بارگاہ اور صاحب اسرار بے تکلف محبوب ہیں۔

۳؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ ران شریف کھلی ہوئی نہ تھی بلکہ اس سے قمیض ہٹی ہوئی تھی ورنہ ارشاد ہوتاسترھا اسے ڈھک لیا۔اس سوی ثیابہ نے کاشفًا کے معنی واضح کردیئے کہ وہاں قمیض ہٹانا مراد تھا نہ کہ بالکل برہنہ ہونا۔

۴؎ یعنی اس فرق کی وجہ کیا ہے یہ تینوں حضرات حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام ہیں پھر برتاوے میں یہ فرق کیوں ہے۔

۵؎ سبھی فرشتے بھی حضرت عثمان سے شرم کرتے ہیں ان کی توقیرو تعظیم کا اہتمام فرماتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ کا عقد فرمایا تو حضرت عثمان بھی وہاں موجود تھے ان کے سینے سے کرتہ ہٹ گیا تو وہاں کے موجود فرشتے اس مجلس سے ہٹ گئے،حضور انور نے ملائکہ سے ہٹنے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا حضرت عثمان سے ہم کو شرم آتی ہے،حضرت عثمان کی شرم و حیاء کا یہ حال تھا کہ آپ غسل خانہ میں تہبند باندھ کر غسل کرتے تھے صرف اوپر کا بدن برہنہ ہوتا تھا تب بھی آپ سیدھے نہ بیٹھتے تھے شرم سے جھکے ہوئے ہی غسل فرماتے تھے۔(مرقات)آپ نے کبھی اپنی شرم گاہ کو نہ دیکھا،اس چمن کے ہر پھول کا رنگ و بو علیحدہ ہے۔

۶؎ یعنی اگر ہم حضرات ان کے سامنے اسی بے تکلفی سے لیٹے رہے تو وہ اتنے شرمیلے ہیں کہ یہاں نہ بیٹھ سکیں گے نہ مجھ سے بات کرسکیں گے نہ وہ عرض پوری کرسکیں گے جس کے لیے ملنے وہ یہاں آئے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی مولیٰ میرا عثمان بڑا ہی شرمیلا ہے توکل قیامت میں اس کا حساب نہ لینا کہ وہ شرم و حیاء کی وجہ سے تیرے سامنے کھڑے ہوکر حساب نہ دے سکے گا۔چنانچہ پہلے حساب ابوبکر کا ہوگا پھر عمر کا پھر علی کا پھر دوسروں کا حضرت عثمان کا حساب ہوگا ہی نہیں۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نبی کا کوئی ساتھی ہوتا ہے میرے ساتھی یعنی جنت میں عثمان ہیں[۱] (ترمذی)	

۱؎ فی الجنۃ کسی راوی کی تفسیر ہے یعنی میرے خصوصی ساتھی حضرت عثمان ہوں گے ورنہ مطلقًا ساتھی اور بہت سے خوش نصیب حضرات بھی ہوں گے۔چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ میرے خاص دوست ابوبکر و عمر ہوں گے۔مرقات)

اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد قوی نہیں[۱] اور یہ منقطع ہے[۲]	

۱؎ یہ حدیث بہت اسنادوں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔اس کثرت اسناد سے اس کا ضعف جاتا رہا،نیز ترمذی کی اسناد ضعیف ہے باقی اسنادیں صحیح ہیں۔چنانچہ یہ حدیث ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ سے،امام سیوطی نے جامع صغیر میں،ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے،ریاض میں حضرت زید ابن اسلم سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔(مرقات)یوں ہی امام احمد نے حضرت طلحہ سے روایت کی۔

۲؎ منقطع حدیث وہ ہے جس کی اسناد میں ایک راوی یا دو راوی الگ الگ جگہ سے چھوٹ گئے ہوں اور اگر دو راوی مسلسل چھوٹ گئے ہوں تو اسے معضل کہتے ہیں۔ان شاء اللہ حدیث کے اقسام و احکام ہم شرح کے آخر میں لکھیں گے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن خباب سے فرماتے ہیں[۱] کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ عسرت کے لشکر پر رغبت دے رہے تھے[۲] تو جناب عثمان کھڑے ہوکر بولے یا رسول اللہ میرے ذمہ اللہ کی راہ میں سو اونٹ ان کے کمبل اور پلان کے ساتھ[۳] حضور نے اس لشکر کے متعلق پھر رغبت دی پھر جناب عثمان کھڑے ہوگئے عرض کیا میرے ذمہ دو سو اونٹ ہیں مع ان کے کمبل کے اور پلان کے حضور نے پھر	

	رغبت دلائی تو عثمان کھڑے ہوگئے بولے میرے ذمہ اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ ہیں مع ان کے کمبل و پالان کے ۴ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور انور منبر سے اتررہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اب اس کے بعد عثمان پر کوئی گناہ نہیں وہ جو بھی کریں اس کے بعد عثمان پر کوئی گناہ نہیں وہ جو بھی کریں ۵ (ترمذی)

۱؎ آپ حضرت خباب ابن ارت کے بیٹے ہیں،آپ خود تو تابعی ہیں مگر آپ کے والد خباب ابن ارت صحابی ہیں،آخر میں بصرہ میں قیام رہا وہاں ہی وفات ہوئی۔

۲؎ غزوہ عسرت غزوہ تبوک کا نام ہے اور اس غزوہ میں جانے والوں کو جیش عسرت کہتے ہیں کیونکہ یہ غزوہ مسلمانوں کی سخت تنگی نا داری بے سامانی کی حالت میں ہوا،گرمی سخت تھی تبوک جگہ بہت دور تھی۔چنانچہ خیبر مدینہ منورہ سے ایک سو ساٹھ میل ہے اور خیبر سے تبوک پانچ سو میل ہے تو تبوک مدینہ منورہ سے چھ سو ساٹھ ۶۶۰ میل ہوا وہاں سے عمان وہاں سے بیت المقدس یہ سب ایک ہی راستہ پر ہیں،حضور انور نے لوگوں کو جہاد کے لیے چندہ دینے کا حکم دیا۔غزوہ تبوک حضور انور کا آخری غزوہ ہے جو ۹ھ میں ہوا،اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی غزوہ نہ کیا(مرقات)اس غزوہ میں لشکر اسلام بہت بڑا تھا۔خیال رہے کہ غزوہ بدر میں لشکر اسلام تین سو تیرہ تھا،احد میں سات سو،حدیبیہ میں پندرہ سو،فتح مکہ میں دس ہزار اور غزوہ حنین میں بارہ ہزار(مرقات)تبوک میں چالیس ہزار اور ستر ہزار کے درمیان تھا۔(مدارج)

۳؎ احلاس جمع ہے حلس کی۔حلس وہ کمبل جو اونٹ پر کاٹھی کے نیچے ڈالا جاتاہے اس کا ترجمہ جھول کرلو اور۔اقتاب جمع ہے قتب کی بمعنی پالان جس میں سواری کی جاتی ہے۔(مرقات و اشعہ)مطلب یہ ہے کہ سو اونٹ مع تمام سامان کے میں حاضر کرتا ہوں۔

۴؎ حضور انور نے تین بار چندہ کی اپیل کی ہر بار میں حضرت عثمان نے سو دو تین سو اونٹ کا مع سامان کے اعلان کیا کسی کو بولنے کا موقع ہی نہ دیا،چھ سو اونٹ مع سامان کا بھی اعلان کیا اور ایک ہزار اشرفیوں کا بھی جیساکہ دوسری روایات میں آرہا ہے۔خیال رہے کہ یہ تو ان کا اعلان تھا مگر حاضر کرنے کے وقت نو سو پچاس اونٹ پچاس گھوڑے اور ایک ہزار اشرفیاں پیش کیں پھر بعد میں دس ہزار اشرفیاں اور پیش کیں دیکھو مرقات۔ہم نے حضرت عثمان کی شان میں یہ واقعہ یوں عرض کیا ہے۔شعر

دست عطا کھل گیا دیکھا جو یہ ماجرا   غازیان مصطفٰی بے سرو سامان ہیں

خیال رہے کہ آپ نے پہلی بار میں ایک سو کا اعلان کیا،دوسری بار سو کے علاوہ اور دو سو کا،تیسری بار اور تین سو کا کل چھ سو کا اعلان فرمایا۔(مرقات)

۵؎ اس عبارت میں پہلا ما نافیہ ہے ما علیٰ عثمان اور دوسرا ما موصولہ ہے ما عمل بعد ھذہ،یعنی عثمان اب اس کے بعد جو کام بھی کریں انہیں مضر نہ ہوگا۔اس فرمان عالی کا منشاء یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان کو گناہوں کی اجازت دے دی گئی بلکہ یہ ایسا ہے جیسے پرندے کے پر کاٹ کر اس سے کہا جاوے کہ جا اڑتا پھر اب اڑے کاہے سے یوں ہی حضور انور نے ان کے دل پر اپنا ہاتھ رکھ لیااب عثمان کے دل میں گناہ کرنے کا خیال بھی کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں عمل سے مراد نفلی عمل ہیں یعنی اگر اب عثمان کوئی نفلی عبادت نہ کریں تو مضر نہیں مگر یہ غلط ہے نقصان نہیں ہوتا،نفل تو ہوتا ہی وہ ہے جس کے نہ کرنے پر نقصان نہ ہو لہذا مطلب وہ ہی ہے جو ہم نے کہا کیونکہ عبادت نہ کرنے سے تو ہم کو بھی غرض کیا۔

روایت ہے عبدالرحمان ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ عثمان نے جب لشکر عسرت کو سامان دیا تو اپنی آستین میں ہزار اشرفیاں لائے انہیں حضور کی گود میں ڈال دیا۱؎ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ آج کے بعد سے عثمان کو کوئی عمل جو وہ کریں نقصان نہ دے گا۲؎ (احمد)	

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صدقہ دینے میں جلدی کرے ٹال مٹول نہ کرے فورًا صدقہ دے۔دوسرے اللہ کی راہ کا صدقہ حضور کی بارگاہ میں پیش کردو وہ موقعہ بموقعہ خرچ کریں جس سے وہ صدقہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوجائے۔دیکھو حضرت عثمان نے یہ اشرفیاں خود غازیوں پر صرف نہ کیں حضور کی بارگاہ میں پیش کیں،رب فرماتاہے:"خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَ تُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا"صدقہ کے ذریعہ حضور مسلمانوں کو پاک فرماتے ہیں اس لیے آج بھی ایصال ثواب کرتے وقت مسلمان کہتے ہیں نذر اللہ نیاز رسول اللہ۔

۲؎ اس فرمان عالی میں حضرت عثمان غنی کو تین بشارتیں دی گئیں: ایک یہ کہ ان کے سارے گزشتہ گناہ اور خطائیں معاف ہوگئیں ان کا آج کا یہ عمل ان کا کفارہ بن گیا۔دوسرے یہ آئندہ وہ گناہوں سے محفوظ رہیں گے۔تیسرے یہ کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔(از مرقات)یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علوم خمسہ پر مطلع ہونا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضرت عثمان نے اعلان تو چھ سو کا کیا تھا مگر دیئے نو سو پچاس اونٹ،پھر ہزار کے تکملہ کے لیے پچاس گھوڑے مع سازو سامان کے حاضر کیے اس طرح کل ایک ہزار سواریاں اور ایک ہزار اشرفیاں حاضر کیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان کا حکم دیا تو عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد تھے مکہ کی طرف۱؎ حضور نے لوگوں سے بیعت لی۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ	

وسلم نے فرمایا کہ عثمان اللہ کے اور اس کے رسول کے کام میں گئے ہیں۳ پھر حضور نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ہاتھ عثمان کے لیے ان کے ہاتھ سے بہتر ہوگیا جو ان کے اپنے لیے تھا۴(ترمذی)	

۱؎ جیسے کفار مکہ کی طرف سے کچھ نمائندے حضور کی خدمت میں صلح کی بات چیت کرنے آئے تھے یوں ہی حضرت عثمان حضور کی طرف سے کفار مکہ کے پاس صلح کی بات کرنے گئے کیونکہ کفار پر ان کے بہت احسانات تھے وہ لوگ آپ کا احترام کرے تھے،ادھر لشکر اسلام میں یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار مکہ نے حضرت عثمان کو قتل کردیااس پر حضور نے سب مسلمانوں سے بیعت جہاد لی کہ یہ بیعت حضرت عثمان کے لیے ہی لی گئی۔اسے بیعۃ الرضوان اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے متعلق رب نے فرمایا:"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"گویا یہ بیعت رضا الٰہی کا تمغہ ملنے کا ذریعہ تھی۔

۲؎ یہ بیعت بیعت جہاد تھی حضور انور نے لوگوں سے اسلام پر بھی بیعت لی ہے نیک اعمال کرنے پر بھی اور گناہوں سے بچنے پر بھی کسی سے سوال نہ کرنے پر بھی اورکسی خاص عمل پر بھی،یہ بیعت یہ ہی آخری بیعت تھی یعنی خاص عمل پر۔یہ بیعتیں موجودہ مرّوجہ بیعتوں کی اصل ہیں جو اولیاء اللہ سے کی جاتی ہیں۔

۳؎ یہاں حاجت بمعنی ضرورت نہیں،اللہ تعالٰی ضرورت سے پاک ہے بلکہ بمعنی کام یا خدمت ہے۔چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا فی اللہ کا درجہ حاصل تھااس لیے حضور کا کام اللہ کا کام ہے ورنہ حضرت عثمان حضور کے کام کے لیے گئے تھے۔(مرقات)روایات میں ہے کہ کفار نے حضرت عثمان سے کہا کہ کعبہ حاضر ہے آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت ہےآپ خوب طواف عمرہ کریں سنگِ اسود کو بوسے دیں،حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں حضور انور کے بغیر کعبہ کو دیکھوں گا بھی نہیں۔چنانچہ آپ کعبہ میں نہیں گئے یہاں صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت عثمان تو خوب عمرہ کریں گے حضور نے فرمایا کہ میرا عثمان میرے بغیر نہ عمرہ کرے گا نہ طواف یہ ہے حضرت عثمان کا ایمان کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دولہا کے بغیر برات کیسی۔

۴؎ حضور انور نے خیال فرمایا کہ یہ بیعت بڑی ہی عظمت و عزت کا ذریعہ ہے اس کا چرچہ قرآن میں آوے گا اور تاقیامت رہے گا،اس سے میرا عثمان محروم نہ رہے تو سب کو دکھا کر فرمایا کہ میرا ایک ہاتھ عثمان کا ہےاور دوسرا ہاتھ میرا اور میں خود عثمان کی طرف سے اپنے سے بیعت کرتا ہوں حضور کو یہ بھی علم غیب تھا آپ مکے میں شہید نہیں کیے گئے خود مرید خود مراد۔

مصرع خود کوزہ گر خود کوزہ خود گل گوزہ

روایت ہے حضرت ثمامہ ابن حزن قشیری سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں دار کے دن حاضر تھا۲؎ جب کہ ان پر حضرت عثمان نے جھانکا فرمایا میں تم کو اللہ اور اسلام کی قسم	

دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے یہاں سوا رومہ کنویں کے میٹھا پانی نہ تھا۳ تو فرمایا کہ کون رومہ کنواں خریدے اوراپنا ڈول مسلمانوں کے ڈولوں کے ساتھ کردے بعوض جنت کی اس نعمت کے جو اس سے اچھی ہے۴ تو اسے میں نے اپنے ذاتی مال سے خرید لیا۵ اور تم آج مجھے اس کا پانی پینے سے روکتے ہو حتی کہ میں سمندر کا پانی پی رہا ہوں۶ لوگ بولے ہاں ضرور پھر فرمایا کہ میں تم کو اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ مسجد نمازیوں پر تنگ ہوگئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ آل فلاں کا علاقہ کون خریدے گا کہ اسے مسجد میں بڑھا دے جنت کی اس نعمت کی عوض جو اس سے بہتر ہے میں نے اسے اپنے ذاتی مال سے خرید لیا۷ مگر تم آج مجھے اس میں دو رکعت پڑھنے سے روکتے ہو۸ لوگ بولے ہاں ضرور انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو اللہ تعالٰی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے مال سے تنگی والے لشکر کو سامان دیا۹ لوگ بولے ہاں ضرور فرمایا میں تم کو اللہ تعالٰی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ کے ثبیر پہاڑ پر تھے۱۰ اور حضور کے ساتھ ابوبکر اور عمر اور میں تھا تو پہاڑ ہلا۱۱ حتی کہ اس کے پتھر نیچے گر گئے۱۲ تو اسے حضور نے اپنے پاؤں سے ایڑی ماری فرمایا اے ثبیر ٹھہر جا۱۳ کہ تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۱۴ لوگ بولے ہاں ضرور۱۵ آپ نے فرمایا اللہ اکبر قسم رب کعبہ کی انہوں نے گواہی دے دی میں شہید ہوں یہ تین بار کہا۱۶ (ترمذی،نسائی،دار قطنی)	

۱؎ حضرت ثمامہ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ کرسکے اس لیے آپ تابعین میں سے ہیں،آپ نے حضرت عمروعثمان، عبداللہ ابن عمر،عائشہ صدیقہ،ابوالدرداء رضی اللہ عنہم کی زیارات کی ہیں۔

۲؎حضرت عثمان کے گھر شریف کا باغیوں نے محاصرہ کرلیا تھا،آپ اس گھر میں گھر گئے تھے باہر نہیں نکل سکتے تھے اس زمانہ کا نام یوم الدار ہے،آخر کار آپ اس زمانہ میں شہید کردیئے گئے۔

۳؎حضرت عثمان غنی نے چھت پر چڑھ کر گھیرا ڈالے ہوئے لوگوں کو آواز دی اور ان سے یہ کلام فرمایا۔رومہ اس کنوئیں کے مالک کا نام تھا جس سے عثمان غنی نے خریدا۔یہ مسجد قبلتین کے شمالی جانب واقع ہے،اس کا پانی بہت ہی میٹھا لذیذ اور ہلکا زود ہضم ہے اب اسے بیر عثمان بھی کہتے ہیں اور بیر جنت بھی کیونکہ اس کنوئیں کی خرید پر حضرت عثمان سے جنت کا وعدہ فرمایا گیا۔فقیر نے اس کنوئیں کی زیارت کی ہے پانی پیا ہے۔

۴؎یعنی ایسا کون ہے جو یہ کنواں خرید کر وقف کردے کہ خود بھی اس کا پانی استعمال کرے اور دوسرے لوگ بھی اس کی عوض اسے جنت کا حوض کوثر دیا جائے گا۔خیال رہے کہ اوقاف بھی صدقہ ہوتے ہیں مگر ایسا کہ انہیں خود وقف کرنے والا بھی استعمال کرسکتا ہے جیسے کنواں،قبرستان،مسجد وغیرہ اس لیے ارشاد ہوا کہ اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے برابر کردے۔

۵؎یہ کنواں ایک یہودی کا تھا وہ بہت مہنگا پانی فروخت کرتا تھا اور مسلمانوں کو بہت تنگ کرتا تھا،آپ نے پینتیس ۳۵۰۰۰ ہزار درہم میں یہ کنواں اس یہودی سے خریدا اور حضور سرکار عالی کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میں یہ کنواں آپ کے ہاتھ کوثر کے عوض فروخت کرتا ہوں حضور خرید کر وقف فرمادیں،حضور نے فرمایا میں نے خرید لیا اور وقف کردیا۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی تمام نعمتوں کے بتملیک الٰہی مالک و مختار ہیں،جو نعمت جس کے ہاتھ چاہیں فروخت کردیں رب تعالٰی اس پر اعتراض نہیں فرماتا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اب حوض کوثر عثمان غنی کی ملکیت ہے جو جنتی کوثر سے پیئے گا وہ عثمان غنی کا پیئے گا۔اللہ نے ہم کو بیر رومہ کا پانی تو پلادیا اپنے فضل سے کوثر کا پانی پلا دے۔

۶؎یعنی میں تمہارے محاصرہ کی وجہ سے کھاری کنوؤں کا پانی پی رہا ہوں جن کا پانی سمندر کے پانی کی طرح کھاری ہے۔(اشعہ و مرقات ولمعات)یہ مطلب نہیں کہ سمندر کا پانی پی رہا ہوں کہ سمندر مدینہ منورہ سے بہت دور ہے۔

۷؎مسجد نبوی شریف کی اصل زمین حضرت ابوبکر صدیق نے پچاس دینار کے عوض خریدی،اس پر مسجد اس طرح تعمیر ہوئی کہ کھجوروں کے ڈنڈ ستون بنائے گئے اور شاخیں گویا کڑیاں اور اس کے پتے چھت پتھر چن کر محراب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی۔مگر مسلمان برابر بڑھتے رہے حتی کہ یہ مسجد تنگ ہوگئی تب حضور انور نے یہ فرمایا،حضرت عثمان غنی نے پچیس ہزار درہم میں آس پاس کی متصل زمین خریدی اور مسجد میں شامل کر دی یہاں یہ واقعہ بیان ہورہا ہے۔یہاں مرقات نے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا کہ حضور انور نے ایک مکہ والے سے کہا کہ تو اپنا مکان جو مسجد حرام سے متصل ہے جنت کے عوض میرے ہاتھ فروخت کردے تاکہ میں اسے مسجد حرام میں شامل کردوں اس نے انکار کردیا،حضرت عثمان اس کے گھر پہنچے اسے بیع پر راضی کرلیا،دس ہزار اشرفیوں میں اس کا گھر خریدا اور حضور انور سے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ وہ گھر جنت کی عوض مجھ سے خریدتے ہیں،فرمایا ہاں آپ نے وہ گھر حضور کو دے دیا حضور انور نے اسے مسجد حرام میں شامل فرمادیا۔معلوم ہوا کہ مسجد کعبہ اور مسجد نبوی دونوں میں آپ کی زمین شامل

ہے۔(مرقات)حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو گواہ بنایا کہ میں عثمان کے لیے اس کی عوض جنت کے گھر کا ضامن ہوں۔

۸؎ یعنی مسجد نبوی شریف کا وہ الحاقی حصہ جو میرے گھر سے بالکل متصل ہے تم مجھے اس میں بھی دو رکعت نہیں پڑھنے دیتے چہ جائیکہ ریاض الجنت یا منبر کے پاس نماز پڑھ سکوں،آپ اس محاصرہ کے زمانہ میں مسجد نبوی شریف میں آنے کے لیے ترس گئے تھے۔

۹؎ غزوہ تبوک میں جانے والے لشکر اسلام کی سامان کی فہرست ابھی کچھ پہلے عرض کی گئی کہ آپ نے کل اونٹ نو سو پچاس گھوڑے پچاس اور کل دینار دس ہزار دیئے۔لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے چالیس ستر ہزار یا ایک لاکھ۔معلوم ہوا کہ ضرورۃً اپنے نیک اعمال کا اعلان کرنا لوگوں سے ان کا اقرار کرانا جائز ہے تاکہ وہ ستانے سے باز آجائیں۔

۱۰؎ **ثبیر** بروزن زبیر ایک شخص کا نام تھا،چونکہ وہ اس پہاڑ پر دفن کیا گیا تھااس لیے اس پہاڑ کا نام بھی ثبیر ہوگیا۔یہ مکہ معظّمہ کا بہت بڑا پہاڑ ہے جومکہ سے شروع ہوکر منیٰ میں پہنچتاہے دونوں جگہ سے نظر آتا ہےاس لیے بعض لوگوں نےاسے مکہ معظّمہ کاپہاڑ کہاہے،بعض نے منیٰ کا دونوں قول درست ہیں۔جبل نور جس میں غار حرا واقع ہے اس مقابل کے سے یہ پہاڑ ثبیر بھی گزرتا ہے۔(اشعہ،مرقات،لمعات)

۱۱؎ پہاڑ کیوں ہلا اس میں بہت قول ہیں۔قوی اور ظاہر تر قول یہ ہے کہ حضور انور کے قدم پڑنے سے اسے شوق و محبت میں وجد آگیا یہ حرکت اس کی وجدانی حالت تھی،ہوا چلتی ہے شاخیں ہلتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑتے ہیں پتھر اور پہاڑ ہلتے ہیں،قرآن کریم میں سارے صفات نور،ہدایت،شفا پہلے ہی سے تھی مگر حضور انور پر نازل ہونے سے اس میں مکی مدنی ہونے کی صفت پیدا ہوئی،اس میں درد سوزوگداز پیدا ہوا کہ لوگ اسے سن کر بغیر سمجھے ہوئے بھی تڑپتے ہیں"**تَرٰۤی اَعْیُنَہُمْ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمْعِ**"جیسے بیٹری جب کسی مشین سے چارج ہو جاوے تو اس میں پاور پیدا ہوجاتی ہے،یہ حدیث حضرات صوفیاء کے وجدان کے حال آنے کی اصل ہے۔

۱۲؎ پہاڑ کے نچلے حصے کو **حضیض** کہتے ہیں،اونچی چوٹی کو **ذروہ** یعنی وہ پہاڑ ایسا زور سے ہلا کہ اس کے پتھر پہاڑ کے نیچے گر گئے۔جو لوگ صوفیاء کے وجد پر اعتراض کرتے ہیں ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں"**فَہِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً**"۔

۱۳؎ معلوم ہوا کہ پہاڑوں میں دانائی سمجھ بوجھ اور عشق رسول کی لگن ہےاس لیے حضور انور نے اسے ایڑی بھی ماری اور اس سے کلام بھی کیا وہ اس خطاب سے ٹھہر بھی گیا۔

۱۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بلکہ نبیوں کے سردار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یعنی قول و فعل حال و قال کے سچے اور حضرت عمر و عثمان دونوں شہید۔خیال رہے کہ یہاں شہید سے مراد حقیقی شہید ہےیعنی نیزہ یا تلوار سے زخمی ہوکر وفات پانے والے ورنہ حکمی شہید تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور حضرت ابوبکر بھی کہ حضور انور نے خیبر والے زہر سے اور جناب ابوبکر نے غار ثور والے سانپ کے زہر سے وفات پائی،ان دونوں میں سے حضرت عمر شہید حقیقی ہیں مگر غیر فقہی اور حضرت عثمان شہید حقیقی بھی ہیں فقہی ہیں۔

۱۵؎ اللھم نعم کے معنی یہ ہیں کہ الٰہی ہم کو کوئی جواب بن نہیں پڑتا سوائے اقرار کے اور اس کے کہ ہم کہیں ہاں۔

۱۶؎ یعنی اس حدیث کے مطابق میں شہید ہوں تو یقینًا میرا قاتل اور قاتل کے سارے مددگار ظالم خونخوار ہیں،یہ حدیث تمہیں ظالم قرار دے رہی ہے میں حق پر ہوں تم باطل پر۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ پہاڑ وغیرہ کو بھی حضور سے محبت ہے آپ ساری مخلوق کے محبوب ہیں کیوں نہ ہوں کہ خالق کے محبوب ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور انور کو پتھروں کے دل کی خبر ہے تو انہیں ہمارے دلوں کی خبر کیسے نہ ہوگی،ہمارے دکھ درد فراق کی جلن حضور سے مخفی نہیں۔تیسرے یہ کہ پہاڑ وغیرہ حضور کی بات سمجھتے ہیں ورنہ آپ اس سے یہ کلام نہ فرماتے۔چوتھے یہ کہ حضور انور کو سب کے انجام کی خبر ہے کہ کس طرح اور کس حال میں کس کی موت ہوگی کہ فرماتے ہیں ایک صدیق ہو کر اور دو شہید ہو کر وفات پائیں گے ایمان عرفان،محبت رحمان،عشق رسول میں دنیا سے جائیں گے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں حضور کو اپنی بھی خبر نہ تھی۔پانچویں یہ کہ حضرت عثمان غنی قطعی یقینی شہید ہیں تو ان کے قاتل اور قاتل کے مددگار یقینی قطعی ظالم ہیں کہ شہید وہ ہی ہوتا ہے جو ظلمًا قتل کیا جاوے اسی طرح جو آج جناب عثمان کو برا کہتے ہیں وہ ظالم ہیں۔

روایت ہے حضرت مرہ ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا جب کہ آپ نے فتنوں کا ذکر کیا اور انہیں بہت قریب بتایا۱؎ تو ایک شخص چادر پوش گزرا تو فرمایا کہ اس دن یہ ہدایت پر ہوگا۲؎ میں اس شخص کی طرف اٹھا تو وہ عثمان ابن عفان تھے،فرماتے ہیں کہ میں نے ان کا چہرہ حضور کے سامنے کیا اور کہا کہ کیا یہ فرمایا ہاں(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی۔	

۱؎ یہاں فتنوں سے مراد وہ جنگ وجدال ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں میں ہونے والے تھے۔**قربھا** کے معنی یہ ہیں کہ فرمایا وہ فتنے قریب ہی ہونے والے ہیں۔

۲؎ **مقنع** بنا ہے **قناع** سے بمعنی گھونگھٹ یعنی ایک صاحب چادر اوڑھے چادر میں اپنا منہ چھپائے ہوئے گزرے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عثمان ممکن ہے۱؎ کہ اللہ تعالٰی تم کو ایک قمیض پہنائے تو اگر لوگ تم سے اس کا اتار دینا چاہیں تو تم ان کی وجہ سے اسے مت اتارنا۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث میں بڑا قصہ ہے۳؎	

۱؎ سبحان اللہ!کیسی تحقیق ہے کہ حضور انور کو ان کا چہرہ دکھا کر کہلوا لیا کہ کیا یہ ہی اس دن ہدایت پر ہوں گے تاکہ کوئی یہ نہ ہے کہ حضور انور کو دھوکا ہوگیا تھا آپ نے کسی اور کے لیے کہا تھا مگر وہ اتفاقًا عثمان تھے آپ پہچان نہ سکے۔ہر زمانے میں فاضل دیوبند موجود رہے ہیں یعنی حضور کے کمالات کے انکاری۔خیال رہے کہ اس حدیث کی راوی مرہ ابن کعب صحابی ہیں،شام میں رہتے تھے، ۵۵ھ؁ پچپن میں اردن میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی اللہ تعالٰی آپ کو خلافت عطا فرمائے گا لوگ تم کو معزول کرنا چاہیں گے تم ان کے کہنے سے خلافت سے دست بردار نہ ہونا کیونکہ تم حق پر ہوؤ گے وہ باطل پر،اگر تم دست بردار ہوگئے تو لوگ شبہ کریں گے کہ شاید تم حق پر ہی نہیں،نیز پھر یہ رواج پڑ جاوے گا کہ جس خلیفہ یا سلطان سے لوگ ناراض ہوئے اسے معزول کردیا،اس سے ممالک اسلامیہ میں فساد پھیلے گا۔حضور کے فرمان کے مطابق بالکل ایسا ہی ہوا کہ باغیوں نے آپ سے یہ ہی مطالبہ کیا کہ آپ خلافت سے الگ ہوجائیں آپ نے جام شہادت نوش فرما کر جان دے دی مگر خلافت سے علیحدگی قبول نہ کی یہ اس حکم پر عمل تھا،باغیوں سے جنگ بھی نہ کی تاکہ زمین مدینہ میری وجہ سے مسلمانوں کے خون سے رنگین نہ ہوجائے۔

۳؎ وہ قصہ یہ ہے کہ مصری لوگ حضرت عثمان کے عامل کی شکایت آپ کے پاس لائے اور اس کی معزولی اور محمد ابن ابوبکر کو عامل بنانے کا مطالبہ کیا آپ نے منظور کیا،معزول نامہ لکھ کر انہیں دے دیا وہ چلے گئے کہ مصر کے راستہ میں مروان ابن حکم کی حرکت سے ایک واقعہ پیش آیا جس سے وہ سب پھر لوٹ آئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ مروان کو ہمارے حوالہ کرو،آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو بہت روز محصور رکھ کر شہید کردیا اناللہ وانا الیہ راجعون،اسلام میں یہ پہلا فتنہ واقع ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا ۱؎ تو جناب عثمان کے لیے فرمایا کہ یہ اس میں مظلوم قتل کیے جائیں گے ۲؎ (ترمذی)اور کہا کہ یہ حدیث اسناد میں حسن بھی ہے غریب بھی۔

۱؎ یعنی اسلام میں سب سے پہلے بڑے فتنہ کا ذکر فرمایا یہ فتنہ وہ ہی ہے جو خلافت عثمانیہ میں واقعہ ہوا جسے فتنہ دار کہا جاتا ہے جس میں حضرت عثمان اپنے گھر میں محصور کرکے شہید کیے گئے۔

۲؎ اس ارشاد عالی میں چند غیبی خبریں ہیں:حضرت عثمان کی موت کی تاریخ،آپ کی وفات کی جگہ،آپ کی نوعیت کہ شہید ہو کر ہوگی آپ کا ایمان پر خاتمہ کیونکہ شہادت کے لیے اسلام پر موت ضروری ہے یہ ہے حضور انور کا علم غیب۔

	روایت ہے ابوسہلہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے دار کے دن جناب عثمان نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد کیا ہے میں اس پر صابر ہوں ۲؎

	(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی۔

۱؎ آپ کا نام سائب ابن خلاد ہے،کنیت ابو سہلہ انصاری خزرجی ہیں،صحابی ہیں، ۹۱ھ میں وفات پائی مگر بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ ابو سہلہ حضرت عثمان غنی کے غلام ہیں،اشعۃ اللمعات نے یہ ہی فرمایا اور یہ ابو سہلہ تابعی ہیں۔واللہ رسولہ اعلم!

۲؎ اس عہد کا ذکر پہلے ہوچکا کہ اے عثمان رب تعالٰی تم کو قمیض پہنائے گا تم سے لوگ اتروانا چاہیں گے تم اتارنا نہیں،آپ فرمارہے ہیں کہ مجھے بھوکا پیاسا شہید ہوجانا منظور حضور انور کے حکم کی خلاف ورزی منظور نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک مصری آدمی بیت اللہ کے ارادے سے آیا تو اس نے ایک قوم کو بیٹھا ہوا دیکھا بولا یہ قوم کون ہے لوگوں نے کہا یہ قریش ہیں بولا ان میں سردار کون ہے لوگ بولے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں۲؎ وہ بولا اے ابن عمر میں آپ سے ایک چیز کے متعلق پوچھتا ہوں آپ مجھے خبر دیں۳؎ کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان احد کے دن فرار ہوگئے تھے۴؎ آپ نے فرمایا ہاں،بولا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بدر سے غائب رہے تھے وہاں حاضر نہیں ہوئے تھے فرمایا ہاں،بولا کیا آپ جانتے ہیں کہ بیعت الرضوان سے بھی غائب رہے۵؎ اس میں حاضر نہ ہوئے فرمایا ہاں وہ بولا اللہ اکبر۶؎ حضرت ابن عمر نے فرمایا آ میں تجھے بتاؤں۷؎ احد کے دن آپ کے قدم اکھڑ جانا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے انہیں معاف فرمادیا۸؎ رہا ان کا بدر سے غائب رہنا تو ان کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر رقیہ تھیں اور وہ تھیں بیمار ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اس غازی کا ثواب اور حصہ ملے گا جو بدر میں حاضر ہوا۹؎ رہا ان کا بیعت الرضوان سے غائب رہنا تو اگر کوئی اور شہر مکہ میں عثمان سے زیادہ با اثر ہوتا تو اسے رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم بھیجتے۱۰؎ حضور نے جناب عثمان کو وہاں بھیجا اور بیعت الرضوان ان کے جانے کے بعد ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۱۱؎ پھر اسے آپ نے دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی ہے۱۲؎ پھر حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اب اسے تو اپنے ساتھ لیتا جا۱۳؎(بخاری)

۱؎ آپ تابعی ہیں،تیمی ہیں،حضرت ابوہریرہ عبداللہ ابن عمروغیرہم صحابہ سے ملاقات ہے،آپ سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور سفیان ثوری وغیرہم نے روایات لیں۔

۲؎ یہ مصری شخص کوئی خارجی دشمن حضرت عثمان تھا۔خیال رہے کہ مصریوں نے ہی حضرت عثمان کا گھر گھیرا تھا انہیں سے حضرت عثمان کی شہادت ہوئی،یہ آدمی حج کرنے مکہ معظّمہ آیا تھا ادھر سے حضرت عبداللہ ابن عمر اور بہت سے قرشی حضرات مدینہ منورہ سے حج کرنے مکہ معظّمہ پہنچے ہوئے تھے کہ یہ اس جماعت کے پاس پہنچا۔

۳؎ یعنی آپ صحابی بھی ہیں حضرت عمر کے فرزند ارجمند بھی،بڑے عالم بھی،قرآن کریم کے ماہر بھی اور یہ واقعات جن کے متعلق میں پوچھنا چاہتاہوں آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

۴؎ اس مردود کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان احد کے دن غزوہ سے فرار ہوگئے تھے اور جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنا بڑا گناہ ہے یہ گناہ حضرت عثمان نے کیا۔

۵؎ یعنی غزوہ بدر اور بیعۃ الرضوان اللہ تعالٰی کی بڑی ہی نعمتیں ہیں ان دونوں سے حضرت عثمان محروم رہے کہ نہ بدر میں حاضر ہوئے نہ بیعۃ الرضوان میں۔

۶؎ اس بدنصیب کا اللہ اکبر کہنا نہ تو اللہ تعالٰی کی عظمت بیان کرنے کے لیے تھا نہ ذکر اللہ کے لیے بلکہ اپنی بے دینی پر خوشی کا اظہار کرنے کے لیے کہ ہم قتل عثمان میں حق بجانب ہیں ہم نے انہیں قتل کیا ٹھیک کیا یہ حمد الٰہی نہ تھی اپنے کفر کا اظہار تھا۔معلوم ہوا کہ کبھی اللہ کا ذکر حرام بلکہ کبھی کفر بھی ہوجاتا ہے اللہ کے ذکر کے لیے نیت خیر چاہیے۔

۷؎ یعنی ابھی اللہ اکبر نہ کہہ خوشی نہ منا ان سب باتوں کے جواب بھی سنتا جا۔

۸؎ آپ کا اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے"اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ"حضرت عثمان ہی نہیں بلکہ سواء دس بارہ حضرات کے باقی سب کے قدم اکھڑ گئے تھے حالات ہی ایسے ہوگئے تھے۔درہ والے حضرات کی غلطی سے درہ خالی رہ گیا کفار مکہ نے پیچھے سے حملہ کردیا،پیچھے کا حملہ بہت سنگین ہوتا ہے،قدم اکھڑ گئے رب تعالٰی نے خطا کی معافی کا اعلان قرآن کریم میں فرمادیا،جس خطا کی معافی کا اعلان رب فرما دے وہ ہماری عمر بھر کی عبادات سے افضل ہے،جن کی

قبولیت کی کوئی خبر نہیں پھر اس پر طعن کرنا بے ایمانی ہے جیسے کوئی آدم علیہ السلام پر گندم کھانے کا طعن کرے وہ بے دین ہے۔

۹؎یعنی عثمان غنی غزوہ بدر سے غائب نہیں رہے وہ بدر میں تھے جہاد کررہے تھے،مدینہ منورہ میں ان کا گھر ان کے لیے بدر کا میدان تھا اور اپنی زوجہ یعنی رقیہ بنت رسول اللہ کی خدمت ان کے لیے بدر کا جہاد تھا۔یہ ہے اس شہنشاہ کے اختیارات خداداد کے عثمان غنی کے لیے مدینہ منورہ بلکہ حضرت عثمان کا گھر بدر بنادیا اگر وہ چاہیں تو ہمارے لیے پاکستان کی زمین کو مدینہ بنادیں ۔

بنادو میرے سینہ کو مدینہ نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

سینہ میں جو آجاؤ بن آئے مرے دل کی سینہ تو مدینہ ہو دل اس کا ہو شیدائی

یہ دل ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن پھر طیبہ و کعبہ کی پہلو میں ہویک جائی

حضرت رقیہ اس مرض میں وفات پاگئیں عثمان غنی بہت ہی روئے،حضور نے پوچھا عثمان کیوں روتے ہو عرض کیا میں حضور کی دامادی سے محروم ہوگیا ہوں،فرمایا کہ مجھ سے جبریل امین نے فرمایا ہے کہ حکم رب العالمین یہ ہے کہ میں اپنی دوسری صاحبزدی ام کلثوم کا نکاح تم سے کردوں بشرطیکہ وہ ہی مہر ہو جو رقیہ کا تھا اور تم اس سے وہ ہی سلوک کرو جو رقیہ سے کیا،چنانچہ حضرت ام کلثوم کا نکاح آپ سے کر دیا۔دنیا میں ایسا کوئی نہیں جس کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں اس لیے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے یعنی دو نور والے۔معلوم ہوا کہ حضور بھی نور ہیں اور آپ کی اولاد بھی نور۔ حضرت ام کلثوم کی وفات پر فرمایا کہ اگر میری ایک سولڑکیاں ہوتی تو یکے بعد دیگرے تمہارے نکاح میں دے دیتا۔(مرقات)

۱۰؎یعنی حضرت عثمان غنی کے کفار مکہ پر بہت احسانات تھے اور وہ لوگ اپنے محسن کا احترام کرتے تھےاس لیے حضور انور نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر صلح کی بات چیت کرنے وہاں بھیجا،اگر کوئی اور شخص ایسا باثر ہوتا تو حضور اسے ہی بھیجتے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کو حضرت عثمان پر بہت ہی اعتماد تھا کہ اعتماد والے ہی کو اپنا نمائندہ بنایا جاتا ہے۔آپ کی شہادت کی خبر پر ہی بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیااس کے باعث آپ ہی ہیں۔

۱۱؎یعنی بیعت رضوان کے موقعہ پر آپ موجود تھے ہی نہیں،یہ بیعت مقام حدیبیہ میں ہورہی تھی اور حضرت عثمان اس وقت حضور انور کے بھیجے ہوئے مکہ معظّمہ میں تھے۔یہاں مرقات نے لکھا کہ حضرت عمر کو بھیجنے کی صلاح ہوئی تھی مگر آپ نے یہ ہی معذرت کی کہ مکہ والوں پر میرا کوئی احسان نہیں جس کی وجہ سے وہ مجھ سے محبت کریں عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا جائے۔جب حضرت عثمان مکہ پہنچے تو اہل مکہ نے آپ کا استقبال کیا اور کہا کہ آپ عمرہ کرلیں آپ نے فرمایا حاث انی اطوف فی غیبہ ناممکن ہے کہ میں کعبہ کا طواف بھی کروں حضور کی غیر موجودگی میں۔

۱۲؎اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کو خبر تھی کہ حضرت عثمان شہید نہیں کیے گئے وہ مکہ میں بخیریت ہیں ورنہ بیعت لینے کے کیا معنی،یہ ہے حضور انور کا علم غیب ورنہ یہاں تو خبر اڑ چکی تھی کہ جناب عثمان شہید کردیئے گئے،دیکھو مرقات یہی مقام۔

۱۳؎ یعنی یہ جواب بھی اپنے گھر ساتھ لے جاخدا حسد سے بچائے،حاسد صفات کو عیوب جانتا ہے۔بیعت الرضوان کا واقعہ حضرت عثمان کی انتہا درجہ کی فضیلت بتارہا ہے،وہ خارجی اسے آپ کے عیوب میں گن رہا ہے۔سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے مگر شیطان کو حسد نے گمراہ کیا۔

روایت ہے حضرت عثمان کے مولیٰ ابو سہلہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان سے کچھ چپکے سے کہنے لگے اور حضرت عثمان کا رنگ بدلنے لگا۲؎ پھر جب دار والا دن آیا تو ہم نے کہا کہ کیا ہم جنگ نہ کریں فرمایا نہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا ہے میں اس پر اپنے کو قائم رکھے ہوئے ہوں۳؎	

۱؎ ابوسہلہ حضرت عثمان ابن عفان کے آزاد کردہ غلام تھے آپ کا نام اور آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے حضرت عثمان کے اس وقت مدینہ منورہ میں دو سو غلام موجود تھے۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے شہادت عثمان کے ہر واقعہ کی حرف بہ حرف موبمو تفصیل وار خبر دے دی تھی یہ ہے حضور کا علم غیب۔

۳؎ یعنی مجھ سے حضور نے عہد لیا ہے کہ اس موقعہ پر صبر کروں،قاتلوں کا مقابلہ نہ کروں،خلافت نہ چھوڑوں اس عہد کی بنا پر حضرت عثمان نے نہ تو خود اپنا دفاع کیا نہ اپنے کسی غلام کو نہ کسی دوست کو جنگ کی اجازت دی،ورنہ آپ کے اپنے اتنے غلام تھے کہ باقاعدہ باغیوں سے جنگ کرسکتے تھے آپ جانتے تھے کہ اب میری شہادت یقینی ہے میں زمین مدینہ کو خون سے کیوں رنگین کراؤں۔

روایت ہے حضرت ابوحبیبہ سے۱؎ کہ وہ حضرت عثمان کے گھر گئے جب عثمان اس میں محصور تھے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو سنا کہ وہ حضرت عثمان سے گفتگو کرنے کی اجازت مانگ رہے تھے۲؎ آپ نے انہیں اجازت دے دی وہ کھڑے ہوئے۳؎ اللہ کی حمد و ثنا کی پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میرے بعد فتنہ اور اختلاف دیکھو گے یا فرمایا کہ اختلاف اور فتنہ۴؎ تو لوگوں میں سے ہی کسی کہنے والے نے کہا کہ اس وقت ہمارا کون ہوگا یا اس وقت آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں فرمایا تم اس امیر کو اور اس کے ساتھیوں کو لازم پکڑنا اور آپ حضرت عثمان کی طرف اشارہ کرتے	

	تھے ۵؎ (بیہقی دلائل النبوۃ)

۱؎ آپ کا نام عمرو ابن نصیر ہے،حازی ہیں،ہمدانی ہیں،تابعی ہیں،حضرت علی سے روایات لیتے ہیں۔
۲؎ یعنی ابوحبیبہ جب حضرت عثمان کے پاس حاضر ہوئے تو وہاں جناب ابوہریرہ کو پایا کہ وہ آپ سے اجازت مانگ رہے تھے کہ مجھے اجازت دیجئے میں آپ کے متعلق ان محاصرہ کرنے والے باغیوں سے کچھ گفتگو اور فہمائش کروں کہ وہ اس حرکت سے باز آجائیں یا خود حضرت عثمان سے کچھ عرض و معروض کرنے کی اجازت مانگ رہے تھے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ آپ سے اس وقت کلام کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔
۳؎ حضرت ابوہریرہ یا تو اس گھر کی چھت پر کھڑے ہوئے لوگوں سے خطاب کرنے کو یا ان باغیوں میں آکر کھڑے ہوئے بہرحال خطاب باغیوں ہی سے کیا جہاں سے بھی کیا۔
۴؎ یہ شک کسی اور راوی کو ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں یعنی حضرت ابوہریرہ نے فتنہ و اختلاف فرمایا یا اختلافًا و فتنةً فرمایا۔بہرحال اس اختلاف اور فتنہ سے مراد حضرت عثمان غنی کے زمانہ کا یہ فتنہ و اختلاف ہے جو آج موجود ہے۔
۵؎ یعنی اس وقت حضرت عثمان خلیفہ برحق ہوں گے ان کے ساتھی حق پر ہوں گے تم سب کو امان عثمان کے دامن میں ملے گی تو اے باغیوں بغاوت سے باز آجاؤ۔خیال رہے کہ ان صحابہ نے باغیوں کو فہمائش تو کی مگر کسی نے ان سے جنگ نہ کی جس کی وجہ ہم ابھی اوپر عرض کرچکے۔حضرت عثمان غنی نے قسمیں دے دے کر اپنے غلاموں اور دوستوں کو جنگ سے روکا خود جب شہید ہوئے تو بچاؤ کے لیے اپنا ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔آپ سید العابدین ہیں حضور انور کے عہد پر قائم،قاتل نے پہلے آپ کا ہاتھ کاٹا تو آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اسی ہاتھ نے قرآن لکھا تھا،آپ قرآن مجید پڑھ رہے تھے،جب گردن کاٹی گئی تو خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ"۔وہ قرآن اب بھی تاشقند میں موجود ہے جس پر خون عثمان کے دھبے ہیں،اس کا فوٹو ہمارے صدر پاکستان محمد ایوب خان کو تاشقند والوں نے دیا ہے۔

باب مناقب ھٰؤلاء الثلثۃ رضی اللہ عنھم

ان تینوں کے فضائل ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی اس باب میں وہ حدیثیں پائی جائیں گی جن میں ان تینوں حضرات کے فضائل ہوں رضی اللہ عنہم۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق عمر و عثمان احد پر چڑھے تو وہ ان سب پر کانپا ۱؎ حضور نے اسے اپنے پاؤں سے مارا فرمایا اے احد ٹھہر جا کہ تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں ۲؎ (بخاری)

۱؎ یہ حضرات یا تو احد پہاڑ اور وہاں پر شہداء کے مزارات کی زیارت کرنے تشریف لے گئے تھے یا ویسے ہی سیر و سیاحت کے لیے چڑھے تھے، پہاڑ خوشی میں وجد کرنے اور ہلنے لگا کہ آج مجھ پر ایسے قدم آئے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندے ولی ساری خلقت کے محبوب ہوتے ہیں ان کی تشریف آوری سے سب خوشیاں مناتے ہیں انہیں پتھر اور پہاڑ بھی جانتے ہیں۔

۲؎ اس ترتیب ذکر ی سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑا درجہ نبی کا پھر صدیق کا پھر شہید کا کیونکہ صدیق کا ذکر شہید سے پہلے ہوا، قرآن مجید میں بھی اسی ترتیب سے ذکر ہے"مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ"۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سب کے انجام سے خبردار ہیں کہ فرمایا ان میں سے دو صحابہ شہید ہو کر وفات پا جائیں گے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ وجد والے صوفیاء سے ضبط والے صوفی افضل ہوتے ہیں کہ حضور نے احد کو یہ ہی تلقین فرمائی کہ وجد نہ کر ضبط کر،کسی نے حضرت جنید سے پوچھا کہ سماع کے وقت آپ کو وجد کیوں نہیں آتا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی "وَ تَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُہَا جَامِدَۃً وَّ ہِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ"۔(مرقات)یعنی ہم وہ پہاڑ ہیں جو بظاہر ٹھہرے معلوم ہوتے ہیں بہ باطن متحرک،اسی قسم کا واقعہ جبل ثبیر جبل حراء پر بھی گزرا ہے،حرا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم،ابوبکر،عمر،عثمان،علی،طلحہ،زبیر تھے وہ وجد میں آگیا تو فرمایا تجھ پر نبی،صدیق اور شہداء ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ

	میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھا۱؎ کہ ایک صاحب آئے دروازہ کھولنے کو کہا،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے لیے کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت دے دو ۲؎ وہ ابوبکر تھے میں نے انہیں حضور کے فرمان کی بشارت دے دی انہوں نے اللہ کا شکر کیا ۳؎ پھر اور صاحب آئے انہوں نے دروازہ کھلوایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لیے بھی کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت دے دو ۴؎ میں نے کھولا تو وہ جناب عمر تھے میں نے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی انہوں نے خدا کا شکر کیا پھر ایک اور صاحب نے دروازہ کھلوایا مجھ سے حضور نے فرمایا کہ ان کے لیے بھی کھول دو اور انہیں بھی جنت کی بشارت دو ایک مصیبت پر جو انہیں پہنچے گی ۵؎ میں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور بولے اللہ مددگار ہے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ حائطہ دراصل دیوار کو کہتے ہیں پھر اس باغ کو کہہ دیتے ہیں جو چار دیواری سے گھرا ہو یہاں وہی مراد ہے اور حضرت ابو موسیٰ اس باغ کے دروازے پر حضور کے دربان بن بیٹھے تھے حضورانور وسط باغ میں جلوہ افروز تھے۔

۲؎ حضرت ابوبکر صدیق نے دروازہ کھٹکھٹایا ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا یارسول اللہ کوئی صاحب دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں کیا کھول دوں تب یہ فرمایا۔معلوم ہوا حضور انور نے نور نبوت سے یہ بھی دیکھ لیا کہ آنے والے جناب صدیق ہیں اور یہ بھی کہ وہ قطعی جنتی ہیں فرمایا دروازہ بھی کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت بھی دے دو۔

۳؎ اس کا شکر کیا کہ اب میں رجسٹری شدہ جنتی ہوگیا کہ مالک جنت نے مجھے اپنی زبان سے جنتی فرمادیا صلی اللہ علیہ و سلم،جسے حضور انور صرف مسلمان کہہ دیں اس کی تقدیر جاگ جاوے۔

۴؎ یہ ہے حضور انور کی شان بشری حضور انور کی بشارت و نذارت سن کر نہیں بلکہ دیکھ کر ہے جس درجہ کا جو جنتی ہے اس درجہ کی اسے بشارت ہے۔جنت کی بشارت میں حسن خاتمہ،قبر کے سوالات میں کامیابی،حشر میں کامیابی،پل صراط پر خیریت سے گزرنا سب ہی آگیا کیونکہ جنت تو ان چیزوں کے بعد ملے گی،اب ان حضرات کا دوزخی ہونا ایسا ہی ناممکن ہوگیا جیسے دو خدا ہونا بالکل ناممکن ہے کیونکہ ہم نے جس زبان سے اللہ کی وحدانیت سنی اسی زبان سے ان کا جنتی ہونا سنا،حضور کی زبان وہ زبان ہے جس پر خود اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے۔ان کا ہر کلام وحی الٰہی "اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی" ان حضرات کو دوزخی ماننے والا ایسا ہی جہنمی ہے جیسے دو خدا ماننے والا۔

۵؎ یہاں علیٰ بمعنی مع ہے یعنی انہیں جنت کی بشارت دو مگر ایک مصیبت عظمٰی کے سات۔خیال رہے کہ مؤمن کی تکالیف اور مصیبتیں بھی اللہ کی رحمتیں ہوتی ہیں اس لیے اس مصیبت کی بشارت دی گئی۔(مرقات)

٦؎ حضرت عثمان غنی نے دونوں چیزوں پر خدا کا شکر کیا مگر بلا وقفہ پھر اللہ سے مدد مانگی کہ مجھے صبر کی توفیق ملے۔خیال رہے کہ ایسے موقعہ پر دفعیہ کی دعا کرنا ممنوع ہے کہ اس میں ایک طرح کی بے صبری ہے۔عبدیت کے اظہار کے لیے ہر وقت دعائیں مانگو مگر امتحان کے موقعہ پر دفعیہ کی دعا نہ کرو بلکہ صبر کر کے پاس ہونے کی کوشش کرو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین کی شہادت کی تفصیلی خبر دی تو فرمایا **اللھم اعط حسینی صبرا جمیلا و اجرا جزیلا** خدایا میرے حسین کو صبر جمیل دے اور اجر جزیل یعنی بڑا ثواب دے۔دفعیہ کی دعا نہ کی بچہ کو امتحان سے بچاتے نہیں بلکہ محنت کراکے کامیاب کراتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف میں کہا کرتے تھے ابو بکر،عمر،عثمان اللہ ان سے راضی رہے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی ہم حضور کی حیات شریف میں حضور کے سامنے ان تین صحابہ کو ایک ساتھ ذکر کرتے تھے اسی ترتیب کے ساتھ کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق کا نام پھر حضرت عمر کا پھر حضرت عثمان کا نام لیتے تھے ان کے مراتب میں بھی یہ ہی ترتیب ہے اور حضور انور ہماری یہ ترتیب سنتے اور خاموش رہتے تھے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ آج رات ایک نیک بندے کو خواب دکھایا گیا ۱؎ گویا ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیوستہ کیے گئے (جوڑے گئے) اور عمر ابو بکر کے ساتھ جوڑے اور عثمان عمر کے ساتھ جوڑے گئے ۲؎ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ہم نے کہا کہ نیک بندے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۳؎ رہا ان کے بعض کا بعض سے جوڑا جانا یہ وہ خلفاء دین ہیں جس	

	دین کے ساتھ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ رجل صالح سے مراد خود حضور انور کی اپنی ذات بابرکات ہے۔خیال رہے کہ صالح یا بنا ہے صلح سے بمعنی نیکی،یا صلاحیت سے بمعنی ہر کمال کی لیاقت و قابلیت یہاں دونوں معنی درست ہیں۔پھر مؤمنین کی صالحیت اور قسم کی اولیاء اللہ کی اور قسم کی،نبیوں کی اور قسم کی،پھر حضور کی صلاحیت اورہی قسم کی ہے۔لفظ صالح ایک ہے مگر درجہ صالحیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔حضرات انبیاء کرام نے دعا کی تھی"تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ"۔بتاؤ یہاں صالح کے کیا معنی ہیں جس کی دعا وہ حضرات مانگ رہے ہیں۔

۲؎ یعنی ابوبکر صدیق کے ہاتھ میں میرا دامن پکڑایا گیا اور جناب عمر کے ہاتھ میں صدیق اکبر کا اور حضرت عثمان کے ہاتھ میں فاروق اعظم کا دامن دیا گیا لہذا میرے بعد خلافت صدیقی ہے کہ وہ نبوت سے وابستہ ہے،پھر خلافت فاروقی کے وہ خلافت صدیقی سے وابستہ،پھر خلافت عثمانی جو خلافت فاروقی سے وابستہ ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ حضور انور کو رجل صالح کہہ کر پکارنا جائز نہیں کہ یہ القاب دوسروں کے لیے بھی بولے جاسکتے ہیں، رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا"حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو ایسے القاب سے پکارو جن سے کسی بادشاہ کو بھی نہ پکارو،انہیں یارسول اللہ یا نبی اللہ یا حبیب اللہ جیسے پیارے القاب سے پکارو۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف خواب سنائی تعبیر حضرات صحابہ نے خوددے لی۔معلوم ہوا کہ جب تعبیر بالکل ظاہر ہو تو اسے لوگوں کی فہم پر چھوڑ دینا بھی سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب مناقب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ آپ کا نام علی بھی ہے اور حیدر بھی،کرار آپ کا لقب ہے،کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے۔حیدر کے معنی ہیں شیر،آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد ہیں،انہوں نے اپنے والد کے نام پر آپ کا نام حیدر رکھا۔ کرار کے معنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا۔ابوطالب نے آپ کا نام علی رکھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خطاب اسد اللہ دیا۔آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں اور حضور کے داماد اور حضور کی نسل کی اصل کہ حضور کی اولاد آپ ہی سے چلی،حسنین کریمین کے والد،ولایت کے مرکز،شریعت کے دریا ناپیدا کنار،آپ پنجتن پاک میں بھی داخل ہیں اور چار یار میں بھی،ایک ہاتھ اس جماعت میں رکھتے ہیں دوسرا ہاتھ اس جماعت میں،آپ کے گھر میں حضور کی پرورش ہوئی اور حضور نے آپ کو پرورش کیا،غسل ولادت حضور نے جناب علی کو دیا اور غسل وفات حضرت علی نے حضور کو دیا،آپ آل عبا سے ہیں،حضور کی امت میں قاسم ولایت آپ ہی ہیں،ہر ولی کو آپ سے فیض ولایت ملتا ہے۔غرضکہ آپ کے فضائل ریت کے ذروں آسمانوں کے تاروں کی طرح بے شمار ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ آپ کے فضائل کی صحیح روایات دیگر صحابہ کے فضائل سے زیادہ ہیں کیونکہ آپ کے زمانہ میں خوارج نے آپکے خلاف بہت بکواس کی تو اہل سنت نے آپ کے فضائل کی احادیث بہت تحقیق سے جمع کیں۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ آپ کے فضائل میں روافض نے بہت احادیث گھڑ بھی لی ہیں۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی سے فرمایا کہ تم مجھ سے اس درجہ میں ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھا ۱ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ۲ (مسلم،بخاری)	

۱ جب حضور غزوہ تبوک میں جانے لگے تو حضرت علی کو اہل مدینہ کی حفاظت پر اور حضرت عبداللہ ابن مکتوم کو نماز کی جماعت کرانے پر مقرر فرمایا،حضرت علی نے جہاد میں ساتھ جانے کی خواہش کی تو یہ فرمایا کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام جب طور پر مناجات کے لیے گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب خلیفہ بنی اسرائیل میں چھوڑ گئے ایسے ہی میں تم کو اپنا نائب خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ تا ہوں اور خود جاتا ہوں۔

۲؎یعنی تم میں اور جناب ہارون علیہ السلام میں فرق یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بھی تھے اور نبی بھی تم میرے خلیفہ تو ہو مگر نبی نہیں کیونکہ مجھ پر نبوت ختم ہوچکی اب نہ تو میرے زمانہ میں کوئی نبی ہو نہ میرے بعد۔اس حدیث سے روافض یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ حضرت علی حضور کے خلیفہ بلا فصل ہیں،ان میں اکثر تو کہتے ہیں کہ تمام صحابہ اس لیے کافر ہیں کہ انہوں نے حضرت علی کے ہوتے ہوئے اور کو خلیفہ مان لیا،بعض روافض کا عقیدہ یہ ہے کہ خود حضرت علی بھی کافر ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت کے لیے صحابہ سے جنگ نہ کی بلکہ ان خلفاء کی بیعت کرلی۔(مرقات)یہ عقیدہ تو سارے روافض کا ہے کہ حضرت علی نے تقیہ کرکے دب کر ان خلفاء سے بیعت کی تھی۔ **نعوذ باللہ** شیر نہ تقیہ کرتا ہے نہ دبتا ہے نہ مظلوم ہوتا ہے حضرت علی شیر تھے۔شعر

چوں علی شیر است و حق باشیر نر   ظلم نتواں کرد بر شیر اے پسر

روافض کا یہ استدلال بالکل غلط ہے اس لیے کہ یہاں اس وقتی خلافت کا ذکر ہے جو حضور کی غیرموجودگی میں حضرت علی کو عطا ہوئی واپسی پر ختم ہوگئی۔حضرت ہارون کے ساتھ مشابہت صرف اس عارضی وقتی خلافت میں ہے تشبیہ مطلق نہیں بلکہ تشبیہ مقید ہیں ورنہ حضرت ہارون سگے بھائی تھے موسیٰ علیہ السلام کے،حضرت علی چچا زاد بھائی،نیز حضرت ہارون عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے حضرت علی چھوٹے،حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے وفات پاگئے تھے حضرت علی بعد میں حیات رہے،نیز حضور نے صرف حفاظت مدینہ کا حضرت علی کو خلیفہ کیا تھا نماز کا امام نہ بنایا تھا وہ تو ابن ام مکتوم تھے رضی اللہ عنہ لہٰذا خلافت بلافصل کو اس حدیث سے دور کا تعلق بھی نہیں۔

	روایت ہے حضرت زربن حبیش سے فرماتے ہیں فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی قسم جس نے دانہ چیرا اور ہر جان کو پیدا کیا کہ مجھ سے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد فرمایا کہ مجھ سے محبت نہ کرے گا مگر مؤمن اور مجھ سے نہ بغض رکھے گا مگر منافق ۱؎ (مسلم)

۱؎ حب علی ایمان کی نشانی ہے بغض علی نفاق کی علامت ہے مگر محبت سے مراد ہے سچی محبت نہ کہ محض دعویٰ کی محبت، سچی محبت علی بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت کو حاصل ہے۔سچی محبت کی چند علامات ہیں: ایک یہ کہ اعمال میں ان سرکار کی پیروی کرے ان کی مخالفت نہ کرے،حضرت علی کی ساری اولاد سارے دوستوں سے محبت کرے،بغض صحابہ اور حب علی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔غضب تو دیکھو کہ حضرت علی کے دو بیٹوں سے محبت اور ان کے باقی بیٹوں،باقی بیٹیوں سے عداوت،ابوبکر،عثمان ،ام کلثوم یہ سب اولاد علی ہیں ان کو گالیاں دیتے ہیں یہ محبت علی کیسی۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا کہ کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا کہ جس کے ہاتھ اللہ تعالیٰ فتح دے گا۱؎ وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ رسول اس

سے محبت کرتے ہیں ۲؎ پھر جب لوگوں نے صبح پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب حاضر ہوئے ہر ایک یہ آس لگائے کہ جھنڈا اسے دیا جاوے ۳؎ فرمایا علی ابن طالب کہاں ہیں لوگوں نے عرض کیا آنکھوں کے بیمار ہیں فرمایا انہیں بلاؤ ۴؎ چنانچہ انہیں لایا گیا ۵؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب ان کی آنکھوں میں لگایاوہ ایسے اچھے ہوگئے گویا انہیں درد تھا ہی نہیں ۶؎ حضور نے انہیں جھنڈا دیاتو علی نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں ان سے جنگ کروں حتی کہ وہ ہماری مثل ہوجاویں ۷؎ فرمایا اپنے نرمی پر جاؤ حتی کہ ان کے میدان میں اترو پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور انہیں اللہ کے ان حقوق کی خبر دو جو ان پر لازم ہیں اسلام میں ۸؎ خدا کی قسم اللہ تمہارے ذریعے ایک شخص کو ہدایت دے دے یہ تمہارے لیے اس سے اچھا ہے کہ تمہارے پاس سرخ اونٹ ہوں ۹؎ (مسلم،بخاری) اور براء کی حدیث کہ حضور نے جناب علی سے فرمایا کہ تم مجھ سے قریب ہو میں تم سے بلوغ صغیر کے باب میں ذکر کردی گئی ۱۰؎	

۱؎ یعنی تقدیر الٰہی یہ ہے کہ حضرت علی فاتح خیبر ہوں اور اس فتح کا سہرا ان کے سر رہے ورنہ اور صحابی بھی فتح کرسکتے تھے۔جس پر حضور ہاتھ رکھ دیتے وہ ہی فتح کرلیتا انہیں صحابہ نے یرموک اور قادسیہ جیسی جنگیں فتح فرمائی ہیں رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یعنی اللہ رسول اس کے ہاتھ پر خیبر فتح ہونا پسند کرتے ہیں۔اس فرمان عالی کہ مطلب یہ نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اللہ رسول کو پیارے ہیں باقی تمام صحابہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا حسنین کریمین خدا کو پیارے نہیں خدا تعالٰی ان سب سے ناراض ہے **نعوذ باللہ**!

۳؎ تمام صحابہ نے رات بھر صبح کا انتظار کیا کہ دیکھیں کس کی قسمت چمکتی ہے صبح کو تمام صحابہ اسی امید میں حضور انور کے سامنے پیش ہوگئے مگر یہ سعادت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھی،چونکہ اس سعادت کے ملنے کی تمنا کرنا اس کا رات بھر انتظار کرنا بھی عبادت تھا اس لیے حضور نے صراحۃً حضرت علی کا نام نہیں لیا تاکہ سب لوگ انتظار اور تمنا کرکے ثواب پائیں۔

۴؎ حضرت علی کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اس لیے وہ فجر کی نماز میں حاضر نہ ہوسکے اپنے خیمہ میں رہے،حضور انور نے بطور تعجب پوچھا کہ اس مبارک موقعہ پر علی کیوں نہیں،یہ نہیں ہوا تھا کہ حضرت علی مدینہ منورہ میں تھے حضور نے پکارا اے علی میری مدد کو پہنچو میرا ساتھ صحابہ نے چھوڑ دیا آپ مدینہ سے اڑ کر خیبر پہنچے **نعوذ باللہ**! یہ سب روافض کا بہتان ہے۔

۵؎ یعنی آنکھوں میں اتنی تکلیف تھی کہ دوسرے صحابہ آپ کو پکڑ کر حضور تک لائے حضور نے آنکھوں کی تکلیف دیکھ کر لعاب دہن لگایا۔

۶؎ یہ ہے لعاب رسول کا معجزہ۔حضرت علی کی آنکھ کا سرمہ ہے،حضرت عبداللہ ابن عتیک کی ٹوٹی ہڈی کا سریش ہے، کھاری کنویں میں پڑے میٹھا کردے خشک کنویں میں پڑے اس میں پانی پیدا کردے غرضکہ معجزات کا مجموعہ ہے۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ اس کے بعد آپ کی آنکھوں میں کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔خیال رہے کہ حضور انور کو یہ خبر تھی کہ خلافت حیدری میں اسلامی فتوحات نہ ہوں گی خانہ جنگی رہے گی اس لیے فتح خیبر کے لیے آپ کو چنا گیا تاکہ تاقیامت خیبر کا ہر ذرہ آپ کی شجاعت کے خطبے پڑھے۔شعر

اللہ تعالٰی تری شوکت تری صولت کا کیا کہنا | کہ خطبہ پڑھ رہا ہے آج تک خیبر کا ہر ذرہ

۷؎ یعنی کیا میں اہلِ خیبر کو جبرًا مسلمان بناؤں کہ وہ یا مسلمان ہوجائیں یا قتل کردیئے جائیں،خیبر کے عام باشندے یہودی تھے۔

۸؎ یعنی ان پر یکدم حملہ مت کرو بلکہ پہلے انہیں مسلمان ہوجانے کی رغبت دو اسلام پر مجبور نہ کرو۔

۹؎ یعنی ایک کافر کو مسلمان بنانا دنیا کی بڑی دولت سے بھی بہتر ہے بلکہ کافر کو قتل کرنے سے بہتر ہے کہ اسے رغبت دے کر مسلمان کرلیا جاوے کہ اس سے اس کی ساری نسل مسلمان ہوگی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ پہلے دن حضور نے حضرت ابوبکر صدیق کی سرکردگی میں لشکر بھیجا سخت جنگ ہوئی مگر کامیابی نہ ہوئی،دوسرے دن حضرت عمر کی سرگردگی میں لشکر بھیجا اس دن بہت گھمسان کا رن پڑا مگر خیبر فتح نہیں ہوا،تیسرے دن فتح کی بشارت دی اور حضرت علی کی سرکردگی میں لشکر بھیجا آپ کے ایک ہاتھ پر خیبر فتح ہوا۔(مرقات)حضور کے غلام ابو رافع فرماتے ہیں کہ اس دن حضرت علی کے ساتھ خیبر کی جنگ میں تھا آپ کے ہاتھ میں ڈھال تھی دوسرے میں تلوار یہود خیبر قلعہ سے نکل آئے سخت جنگ ہوئی ایک یہودی نے آپ کے ایک ہاتھ پر کوئی چیز ماری جس سے ڈھال گر گئی آپ نے قلعہ کا دروازہ اٹھالیا۔اور اسے ڈھال کی طرح استعمال فرمایا خیبر فتح فرمانے کے بعد اسے رکھا ہم سات آدمیوں نے اسے اٹھانا چاہا تھا جن میں میں بھی تھا مگر ساتویں کے زور سے وہ ہل نہ سکا یہ ہے طاقت حیدری۔(مرقات)شعر

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن | پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

اسے امام احمد نے باب مناقب میں روایت کیا حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت علی نے دروازہ خیبر اکھیڑا اور مسلمانوں کو اس پر سے اتار دیا خیبر فتح ہوگیا،بعد میں چالیس آدمیوں نے اسے اٹھانا چاہا نہ اٹھ سکے،بعض روایات میں ہے ستر صحابہ نہ اٹھا سکے۔حاکم نے اربعین میں حضرت علی سے روایت کی کہ جب سے حضور کا لعاب میری آنکھ میں

لگا میری آنکھیں دکھنے نہ آئیں،احمد نے حضرت عبدالرحمٰن ابن یعلیٰ سے روایت کی کہ حضرت علی گرم کپڑے گرمیوں میں اور ٹھنڈے کپڑے سردیوں میں پہنتے تھے،میں نے اس کی وجہ پوچھی آپ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ میں لعاب لگایا تو ساتھ میں یہ دعا دی الٰہی علی سے ٹھنڈک اور گرمی دور کردے اس دن سے مجھے نہ سردی لگتی ہے اور نہ گرمی۔(مرقات)

۱؎اور اس کی شرح بھی وہاں ہی ہوچکی کہ علی مجھ سے قریب ہیں میں علی سے قریب ہوں۔اس کا مطلب وہ نہیں جو روافض کرتے ہیں کہ علی مجھ سے پیدا ہوئے اور علی کے نور سے میں پیدا ہوا **نعوذ باللہ**،یا علی میرے جسم کا ٹکڑا ہیں اور میں علی کے جسم کا ٹکڑا ہوں ورنہ دور لازم ہوگا،نیز اس صورت میں حضرت علی کا نکاح جناب فاطمہ زہرا سے درست نہ ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی مجھ سے ہیں میں علی سے ہوں اور وہ ہر مؤمن کے ولی ہیں ۱؎

۱؎ یہاں ولی بمعنی خلیفہ نہیں بلکہ بمعنی دوست یا بمعنی مددگار ہے جیسے رب فرماتاہے:"**اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا**"وہاں بھی ولی بمعنی مددگار ہے۔اس فرمان سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مصیبت میں یاعلی مدد کہنا جائز ہے کیونکہ حضرت علی ہر مؤمن کے مدد گار ہیں تا قیامت۔دوسرے یہ کہ آپ کو مولیٰ علی کہنا جائز ہے کہ آپ ہر مسلمان کے ولی اور مولیٰ ہیں۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں ۱؎ (ترمذی،احمد)

۱؎یہاں بھی مولیٰ بمعنی خلیفہ نہیں بلکہ بمعنی مددگار یا بمعنی دوست ہے جسے حضور سے محبت ہے اسے حضرت علی سے محبت ہونی ضروری ہے،اگر مولیٰ بمعنی خلیفہ ہو تو بتاؤ کہ حضور انور کس کے خلیفہ تھے اور جو لوگ حضور کے زمانہ میں شہید یا فوت ہوئے ان کے علی خلیفہ کیسے ہوئے ہاں آپ محبوب،مددگار،دوست ہر مؤمن کے ہیں۔

	روایت ہے حضرت حبشی ابن جنادہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علی مجھ سے ہیں میں علی سے ہوں ۲؎اور میری طرف سے پیغام نہ دے گا مگر میں یا علی ۳؎(ترمذی)اور احمد نے ابو جنادہ سے

	روایت کی۔

۱؎ آپ صحابی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں آپ نے دیکھا اہل کوفہ سے ہیں۔(مرقات،اشعہ)
۲؎ امام احمد نے مناقب میں ابو رافع سے روایت کی کہ جب غزوہ احد میں حضور کو کفار نے گھیر لیا ان میں سے بعض جھنڈے لیے ہوئے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان جھنڈے والوں کو قتل کردیا،حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے حق ادا کردیا حضور نے فرمایا کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں آپ دونوں سے ہوں۔(مرقات)
۳؎ یہ فرمان عالی اس وقت کا ہے جب فتح مکہ کے بعد حج کا موسم آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چند احکام کا اعلان فرمانے مکہ معظّمہ بھیجا جن میں یہ بھی تھا کہ اب کوئی مشرک مکہ معظّمہ نہ آئے کوئی ننگا طواف نہ کرے اور اس زمانہ میں صلح یا پیغام یا صلح کا خاتمہ کرنا ہوتا تو یا تو حاکم خود اعلان کرتا تھا یا حاکم کا قریبی رشتہ دار اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں خیال فرمایا کہ کفار عرب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ اعلان قبول نہ کریں گے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ سورۂ توبہ کا اعلان فرمادیں حضرت علی راستہ میں ہی حضرت صدیق کو مل گئے،صدیق اکبر نے پوچھا کہ اے علی تم امیر بن کر آئے ہو یا مامور،فرمایا نہیں بلکہ مامور بن کر آیا ہوں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں علی سے قریب ہوں علی مجھ سے قریب ہیں،میری طرف سے علی ہی صلح وغیرہ کی گفتگو لوگوں سے کرسکتے ہیں۔ **یؤدی** کے معنی ہیں اداء پیغام کرسکتے ہیں۔ خیال رہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر وہاں نقض صلح یا صلح کی گفتگو کرنے حضرت عثمان کو نہ بھیجا گیا،صلح نامہ توخود حضور انور نے اس میدان میں لکھوایا تھا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ وہاں حضرت عثمان کو کیوں بھیجا علی کو کیوں نہ بھیجا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ کرایا ۱؎ تو علی آئے ان کی آنکھیں آنسو بہارہی تھیں عرض کیا کہ آپ نے اپنے صحابہ میں بھائی چارہ کرادیا مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دین و دنیا میں میرے بھائی ہو ۳؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

۱؎ اس طرح کہ مہاجرین کو انصار کا بھائی قرار دیا کہ فلاں مہاجر فلاں انصار کا بھائی اور فلاں فلاں کا کہ ہر ایک دوسرے کے مال میں برابر کا حصہ دار ہے اور بعد وفات ایک دوسرے کا وارث بعد میں یہ حکم آیت میراث سے منسوخ ہوگیا انصار نے اپنا آدھا مال بخوشی اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا ایسی بے مثال مہمان داری آسمان نے کبھی نہ دیکھی تھی۔
۲؎ یارسول اللہ آپ نے مجھے کسی انصاری کا بھائی نہ بنایا میں بے یارومددگار رہ گیا۔

۳؎ یعنی تم رشتہ میں بھی میرے چچا زاد بھائی ہو اور اب اس عقد مواخات میں بھی تم کو اپنا بھائی بنایا اور دنیا و آخرت میں اپنا بھائی بنایا۔سبحان اللہ! مگر خیال رہے کہ اس کے باوجود کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہہ کر نہ پکارا جب پکارا تو یارسول اللہ کہہ کر پھر کسی ایرے غیرے کو بھائی کہنے کا حق کیسے ہوسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چڑیا تھی ۱؎ تو فرمایا الٰہی میرے پاس ایسے شخص کو لا جو ساری مخلوق سے تجھے پسند ہو کہ میرے ساتھ یہ چڑیا کھائے ۲؎ تو ان کے پاس علی آئے آپ کے ساتھ کھائی (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۳؎

۱؎ یعنی بھنی ہوئی بٹیریا کوئی اور ایک انصاری بی بی نے بھون کر بطورِ ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجی تھی۔(مرقات)

۲؎ **باحب خلقك** میں ب بمعنی **من** ہے یعنی جو جماعت تجھے بہت محبوب ہے ان میں سے ایک کو بھیج دے اور واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جماعت میں تھے یا یہ مطلب ہے کہ جس کا میرے ساتھ یہ چڑیا کھانا مجھے بہت پسند ہو اسے میرے پاس بھیج دے۔بہرحال اس کا مطلب یہ نہیں کہ جناب علی خدا کو محبوب تھے اور کوئی نہ تھا ورنہ لازم آوے گا کہ حضرت فاطمہ زہرا بلکہ خود حضور اور حسنین کریمین بھی خدا کے محبوب بندے نہ ہوں **نعوذ باللہ**! خیال رہے کہ محبوبیت بہت قسم کی ہے: ازواج اور قسم کی محبوبہ ہیں،فاطمہ زہرا دوسری قسم کی محبوبہ،حضرت حسنین اور طرح کے محبوب،علی مرتضٰی اور طرح کے محبوب، ابوبکر صدیق عمر فاروق اور طرح کے محبوب،ازواج اولاد دوست ان سب سے محبت ہوتی ہے مگر مختلف قسم کی،ایک قسم کی محبت میں حضرت علی سب سے زیادہ ہیں۔دوسری قسم کی محبت میں حضرت ابوبکر صدیق یا عائشہ صدیقہ سب سے زیادہ محبوب ہیں لہذا تمام احادیث برحق ہیں۔

۳؎ ابن جوزی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے مگر حق یہ ہے کہ موضوع نہیں۔یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی جو سب ضعیف ہیں،تعدد اسناد سے حدیث ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتا تھا تو آپ مجھے عطا فرماتے تھے ۱؎ اور جب میں خاموش ہوتا تو آپ مجھ سے کلام کی ابتداء فرماتے ۲؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ اگر سوال سے مراد ہے کچھ پوچھنا تو عطا سے مراد ہے جواب دینا اور اگر سوال سے مراد ہے کچھ مانگنا تو عطا سے مراد ہے عطا فرمانا دونوں احتمال درست ہیں۔خیال رہے کہ کسی اور سے مانگنا باعث شرم ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ و

سلم سے مانگنا باعث فخر ہے ہمارا ہاتھ دست سوال ہے حضور کے سامنے پھیلنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ دست عطا ہے ہمارے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو بھرنے کے لیے۔

۲؎ اس جملہ کے بھی دو مطلب ہیں: جب میں خاموش رہتا کچھ نہ پوچھتا نہ بولتا تو حضور انور خود مجھ سے کلام کی ابتداء فرماتے تاکہ میں بولوں۔دوسرے یہ کہ اگر میں کچھ نہ مانگتا تو حضور خود بغیر مانگے مجھے عطا فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بن مانگے دینے والے داتا ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔حضرت علی اس واقعہ سے اپنا قرب رسول بیان فرمارہے ہیں کہ مجھے اس بارگاہ میں بہت قرب تھا کیوں نہ ہوتا کہ علی نے آغوش رسول میں پرورش پائی تھی رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں علم کا گھر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں ۱؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور فرمایا کہ بعض محدثین نے یہ حدیث شریک سے روایت کی ہے اور اس میں صنابحی کا ذکر نہ کیا اور ہم یہ حدیث سوائے شریک کے کسی ثقہ سے نہیں پہچانتے ۲؎	

۱؎ یعنی جیسے گھر کی جو چیز ملتی ہے دروازہ سے ملتی ہے ایسے ہی میرے علم سے جو کچھ جسے ملے گا علی کے ذریعے ملے گا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم بہت ہیں اور ان علوم کے بہت دروازے ہیں۔حضرت علی ولایت اور قضا کے دروازہ ہیں کہ فرمایا **واقضاھم علی**،**حضرت ابی ابن کعب علم تجوید** یعنی قراءت کے دروازے ہیں کہ فرمایا **انہ اقراءکم** اور حضرت زید ابن ثابت علم فرائض کے دروازہ ہیں کہ فرمایا **انہ افرضکم** اور حضرت معاذ ابن جبل علم حلال و حرام کے دروازہ ہیں کہ **ھو اعلمکم بالحلال والحرام**۔حضور کے علوم جنت سے زیادہ وسیع ہیں جب جنت کے دروازہ آٹھ ہیں **لھا ثمانیۃ ابواب** تو نہ معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے کتنے دروازے ہیں جن میں سے ایک حضرت علی بھی ہیں،ہر صحابی حضور کے کسی نہ کسی فیض کا دروازہ ہیں فرمایا **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم**۔(مرقات)صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم ولایت کے حضرت علی قاسم ہیں ہم نے عرض کیا۔

ہوں چشتی قادری یا سہروردی نقشبندی ہوں ولایت کا انہی کے ہاتھ سے سب کو ملا ٹکڑا

غرضکہ یہاں حصر کا کوئی لفظ نہیں کہ صرف علی دروازہ ہیں اور دوسرا نہیں۔بعض روایات میں ہے کہ میں علم کا شہر ہوں ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی بنیاد ہیں،عمر رضی اللہ عنہ اس کی دیوار،عثمان رضی اللہ عنہ اس کی چھت اور علی رضی اللہ عنہ دروازہ ہیں۔اسے مرقات نے بحوالہ کتاب الفردوس نقل فرمایا اسی جگہ۔غرضکہ اگر علم سے مراد علم طریقت ہے تو صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کا دروازہ ہیں اور اگر علم شریعت مراد ہے تو حضرت علی دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں۔

۲؎اس حدیث کی اصل ابی الصلب عبدالسلام ابن صالح حرولی سے ہے،یہ شخص شیعہ تھا مگر غالی نہ تھا اس سے دیگر صحابہ کرام کے مناقب کی روایات مروی ہیں،بعض محدثین نے اسے موضوع کہا بعض نے ضعیف مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔(از مرقات و اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے دن حضرت علی کو بلایا ان سے سرگوشی کی ا؎تو لوگوں نے کہا کہ حضور کی سرگوشی اپنے چچا زادے کے ساتھ بہت دراز ہوئی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے میں نے سرگوشی نہیں کی لیکن اللہ نے سرگوشی کی ۲؎(ترمذی)

ا؎غزوہ طائف ۸ھ میں ہوا ہے فتح مکہ سے متصل یعنی فتح طائف کے دن حضور انور نے حضرت علی سے بہت دراز سرگوشی فرمائی لوگوں نے اس دراز سرگوشی پر تعجب کیا۔(اشعہ)یا مطلب یہ ہے کہ جب حضور نے حضرت علی کو طائف بھیجا۔(مرقات)

۲؎اس عبارت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ مجھے رب تعالٰی نے علی سے سرگوشی کرنے انہیں راز بتانے کا حکم دیا ہے میں اس کے حکم سے یہ عمل کررہا ہوں۔دوسرے یہ کہ میری سرگوشی درحقیقت رب تعالٰی کی سرگوشی ہے کہ میں فنا فی اللہ ہوں میرا ہر کام گویا رب کی طرف سے ہے اس کی طرف منسوب ہے،فرماتا ہے:"وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی"اعلٰی حضرت نے خوب فرمایا ؎

سنگریزہ می زند دست جناب — مارمیت اذ رمیت آید خطاب

تا ابد گر شرح این معضل کنم — جز تحیر ہیچ نبود حا صلم

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی میرے اور تمہارے سوا کسی کو جائز نہیں کہ اس مسجد سے جنبی ہوکر گزرے ا؎علی ابن منذر کہتے ہیں کہ میں نے ضرار ابن صراد سے کہا کہ اس حدیث کے معنی کیا ہیں فرمایا یہ مطلب ہے کہ میرے اور تمہارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ جنابت میں مسجد کو راستہ بنائے ۲؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

ا؎یہ حدیث اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے،یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مسجد میں جنبی ہونے کی اجازت ہے بلکہ بحالت جنابت مسجد میں سے گزرنے کی اجازت دی گئی مطلب وہ ہے جو آگے آرہا ہے۔

۲؎ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ کسی کے گھر کا دروازہ مسجد کی طرف نہ ہوتا کہ اسے مسجد میں گزرنا پڑے سوائے حضرت علی کے کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد میں ہوسکتا ہے وہ مسجد میں گزریں اگرچہ بحالت جنابت ہوں یہ حکم حضور کی حیات شریف میں تھا۔وفات کے قریب فرمایا کہ جس کا دروازہ مسجد میں ہو وہ بند کردیا جاوے سوائے ابوبکر کے دروازہ کے کہ وہ کھلا رہے۔لایبقین خوختہ آخر میں ہے الا خوخۃ ابی بکر اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔خیال رہے کہ دوسری مسجدوں میں سے گزرنا بحالت جنابت احناف کے یہاں منع ہے،شوافع کے ہاں جائز ہے الا عابری سبیل مگر مسجد نبوی شریف میں سے بحالت جنابت گزرنا سب کے نزدیک حرام ہے سواء حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق کے،اب بھی حضرت صدیق کے گھر کا دروازہ مسجد نبوی میں ہے جسے اب باب ابوبکر الصدیق میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

روایت ہے حضرت ام عطیہ سے۱؎ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جن میں جناب علی تھے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو فرماتے سنا حالانکہ آپ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے الٰہی مجھے موت نہ دینا حتی کہ تو مجھے علی کو دکھا دے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام شریف نصیبہ بنت کعب یا بنت حارث ہے،انصار،یہ ہیں،اکثر جہادوں میں جاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا یا تو حضرت علی کو بھیجتے وقت مانگی یا جب حضرت علی چلے گئے تب مانگی یا جب اس لشکر کی واپسی کی خبر پہنچی تب مانگی۔بہرحال اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو حضرت علی سے انتہائی محبت تھی ان کی غیرموجودگی بہت شاق تھی۔(مرقات وغیرہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور ان سے مؤمن بغض نہیں رکھتا ۱؎ (احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے	

۱؎ سبحان اللہ! حضرت علی ایمان کی کسوٹی ہیں۔جو اپنے ایمان کی تحقیق کرنا چاہے کہ میں مؤمن ہوں یا منافق وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں غور کرے کہ مجھے ان سرکار سے کتنی محبت ہے۔خیال رہے کہ یہاں محبت علی کا ذکر ہے نہ کہ صرف دعویٰ محبت علی کا،محض دعویٰ محبت کرنااور ہر طرح ان سرکار کی مخالفت کرنا در حقیقت حضرت علی سے

عداوت ہے۔بعض لوگ بے نماز بھنگی چرسی اولاد علی کو،حضرات صحابہ کو جو حضرت علی کے دوست ہیں انہیں گالیاں دیتے ہیں وہ محبان علی نہیں دشمنان علی ہیں،رب فرماتاہے:"اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ"اطاعت علی بڑی چیز ہے اللہ وہ نصیب کرے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے علی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا ۱؎ (احمد)

۱؎ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جو کوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نسبی خاندان کی گالی دے وہ درحقیقت اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے کیونکہ حضور بھی حضرت علی کے خاندان میں شامل ہیں یہ خالص کفر ہے۔دوسرے یہ کہ جو انہیں عناد سے برا کہے وہ درحقیقت مجھے برا کہتا ہے کیونکہ میں اوروہ گویا ایک ہی ہیں ان کی تعظیم میری تعظیم ہے،ان سے عداوت مجھ سے عداوت ہے۔خیال رہے کہ کبھی کسی صحابی نے حضرت علی سے نہ عداوت رکھی نہ انہیں برا کہا،ان میں اختلاف رہے ان سے مخالفت یا عداوت نہ تھی،یہ اختلاف ایسے ہی تھے جیسے حضرات برادران یوسف علیہ السلام کی مخالفت یوسف علیہ السلام سے یا جیسے حضرت سارہ کا حضرت ہاجرہ سے اختلاف کہ یہ نہ کفر ہے نہ فسق بلکہ اختلاف رائے ہے یہ حدیث بہت طریقوں سے مروی ہے۔چنانچہ امام احمد نے عروہ ابن زبیر سے روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت عمر کے سامنے حضرت علی کی کچھ برائی کی تو حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ کیا تم اس قبر کے مکین کو جانتے ہو اس میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب جلوہ گر ہیں تم جب بھی علی کاذکر کرو تو خیر سے کرنا،اگر تم ان کی اہانت کی تو سمجھو کہ تم نے حضور کو ستایا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں حضرت عیسیٰ کی مثال ہے ۱؎ جن سے یہود نے بغض رکھا حتی کہ ان کی ماں کو تہمت لگائی ۲؎ اور ان سے عیسائیوں نے محبت کی حتی کہ انہیں اس درجہ میں پہنچادیا جو ان کا نہ تھا ۳؎ پھر فرمایا میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے محبت میں افراط کرنے والے مجھے ان صفات سے بڑھائیں گے جو مجھ میں نہیں ہیں ۴؎ اور بغض کرنے والے جن کا بغض اس پر ابھارے گا مجھے بہتان لگائیں گے ۵؎ (احمد)

۱؎ سبحان اللہ!جو زبان حق ترجمان سے نکلا وہ ہو کے رہاآج یہ نظارہ ہورہا ہے،روافض حب علی کے دعویٰ میں حد سے آگے نکل گئے،خوارج بغض علی میں حد سے آگے نکل گئے۔ان شاءاللہ اہلِ سنت کا بیڑا پار ہے۔الحمدللہ ہمارے ایک ہاتھ میں جناب علی کا دامن ہے دوسرے ہاتھ میں حضرت صدیق و فاروق کا،ہم بفضلہٖ تعالٰی اہل بیت کی کشتی میں سوار ہیں اور صحابہ کرام سے ہدایت لے رہے ہیں جو امت کے لیے ہدایت کے تارے ہیں۔

۲؎ چنانچہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت تو کیا آپ کی عظمت و شرافت ہی کا انکار کردیا جناب مریم کے دامن پاک میں زنا کا دھبہ لگادیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دھبہ دھویا،قرآن کریم نے ان کی عصمت و عظمت کے خطبے ارشاد فرمائے رضی اللہ عنہا۔

۳؎ چنانچہ بعض عیسائیوں نے آپ کو خدا کہہ دیا،بعض نے آپ کو خدا کا بیٹا کہا،بعض نے تیسرا خدا۔غرضکہ عبدیت سے نکال کر الوہیت میں داخل کردیا۔

۴؎ چنانچہ بعض روافض حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کہتے ہیں ان کا شعر ہے۔

علی کو مصطفیٰ سے میں تو افضل کہہ نہیں سکتا | مگر اپنے سے بہتر دیکھ کر داماد کرتے ہیں

بعض روافض آپ کو خدا کہتے ہیں۔یہ نصیری فرقہ کا مذہب ہے عام شیعہ یہ پڑھا کرتے ہیں۔

دکھا دو یا علی جلوہ نصیری کے خدا تم ہو | یہ آنکھیں طالب دیدار ہیں حاجت روا تم ہو

لوگ بے وجہ نصیری کو برا کہتے ہیں | کچھ تو دیکھا ہے علی میں جو خدا کہتے ہیں

۵؎ حضرت علی کے اس فرمان میں محبت کو افراط سے مقید کیا کیونکہ محبت علی اصل ایمان ہے ہاں محبت میں ناجائز افراط برا ہے مگر عداوت علی اصل ہی سے حرام بلکہ کبھی کفر ہے اس لیے شان یعنی عداوت کو بغیر قید بیان فرمایا،بڑا ہی فصیح و بلیغ فرمان ہے۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب اور زید ابن ارقم سے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خم تالاب پر اترے ۱؎ تو جناب علی کا ہاتھ پکڑا فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میں مؤمنوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں سب نے کہا ہاں فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مسلمان کا والی ہوں اس کی جان سے زیادہ ۲؎ لوگ بولے ہاں تو فرمایا الٰہی جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ (دوست) ہیں ۳؎ الٰہی جوان سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جوان سے دشمنی کرے تو اس کا دشمن رہ ۴؎ جناب علی سے اس کے بعد حضرت عمر ملے بولے اے ابو طالب کے فرزند مبارک ہو کہ تم نے صبح سویرا

	پایا اس طرح کہ تم ہر مؤمن مرد وعورت کے مولیٰ ہو ۵؎(احمد)

۱؎غدیر بمعنی تالاب خم ایک جگہ ہے جحفہ منزل سے تین میل دور یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی پر ہوا بعض لوگ سمجھے کہ یہ واقعہ حج کو جاتے ہوئے ہوا اس وقت حضرت علی یمن میں تھے وہاں موجود ہی نہ تھے اس وہم سے انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے واپسی پر یہ واقعہ ہوا ہے اس وقت جناب علی ساتھ تھے۔

۲؎اولی من انفسھم میں عموم مراد ہے اور یہاں اولی من نفسہ میں خصوصی حکم مراد ہے،اس فرمان عالی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ"۔

۳؎مولیٰ کے معنی ہیں دوست،مددگار،آزاد شدہ غلام،آزاد کرنے والا مولیٰ۔اس کے معنی خلیفہ یا بادشاہ نہیں۔علی کہتے ہیں رب فرماتاہے:"فَاِنَّ اللہَ ہُوَ مَوۡلٰىہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صٰلِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ"۔شیعہ کہتے ہیں کہ مولا بمعنی خلیفہ ہے اور اس حدیث سے لازم ہے کہ بجز حضرت علی کے خلیفہ کوئی نہیں آپ خلیفہ بلافصل ہیں مگر یہ غلط ہے چند وجہ سے: ایک یہ کہ مولیٰ بمعنی خلیفہ یا بمعنی اولی بالخلافہ کبھی نہیں آتا بتاؤ اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل کس کے خلیفہ ہیں حالانکہ قرآن مجید میں انہیں مولیٰ فرمایا"فَاِنَّ اللہَ ہُوَ مَوۡلٰىہُ وَ جِبۡرِیۡلُ"۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے خلیفہ نہیں پھر من کنت مولاہ کے کیا معنی ہوں گے۔تیسرے یہ کہ حضرت علی حضور کی موجودگی میں خلیفہ نہ تھے حالانکہ حضور نے اپنی حیات شریف میں یہ فرمایا پھر مولیٰ بمعنی خلیفہ کیسے ہوگا۔چوتھے یہ کہ اگر مان لو کہ مولیٰ بمعنی خلیفہ ہی ہو تو بھی بلا فصل خلافت کیسے ثابت ہوگی واقعی آپ خلیفہ ہیں مگر اپنے موقعہ اپنے وقت میں۔پانچویں یہ کہ اگر یہاں مولیٰ بمعنی خلیفہ ہوتا تو جب سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار سے حضرت صدیق اکبر نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے الخلافۃ فی القریش خلافت قریشی میں ہے تم لوگ چونکہ قریش نہیں لہذا تم امیر نہیں بن سکتے وزیر بن سکتے ہو،اس وقت حضرت علی نے یہ واقعہ لوگوں کو یاد کیوں نہ کرادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھے خلافت دے گئے میرے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا بلکہ آپ خاموش رہے اور تینوں خلفاء کے ہاتھ پر باری باری بیعت کرتے رہے۔معلوم ہوا کہ آپ کی نظر میں بھی یہاں مولیٰ بمعنی خلیفہ نہ تھا۔چھٹے یہ کہ حضور کے مرض وفات میں حضرت عباس نے جناب علی سے کہا کہ چلو حضور سے خلافت اپنے لیے لے لو حضرت علی نے انکار کیا کہ میں نہیں مانگوں گا ورنہ حضور مجھے ہرگز نہ دیں گے۔(اشعہ وکتب احادیث)اگر یہاں مولیٰ بمعنی خلیفہ تھا تو یہ مشورہ کیسا۔ساتویں یہ کہ خلافت کے لیے روافض کے پاس نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت چاہیے یہ حدیث نہ تو قطعی الثبوت ہے کہ حدیث واحد ہے نہ قطعی الدلالت کہ مولیٰ کے بہت معنی ہیں اور مولیٰ بمعنی خلیفہ کہیں نہیں آتا۔

۴؎معلوم ہوا کہ جو حضرت علی کا دشمن ہے خدا تعالیٰ اس کا دشمن ہے صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف رائے تھا دشمنی نہ تھی وہ تو"رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ"تھے۔ابھی اس کی تحقیق گزرگئی،اختلاف،مخالفت،دشمنی میں بڑا فرق ہے۔

۵؎ یعنی اے علی تم کو اللہ نے بڑی شان بخشی تمہاری محبت و الفت ایمان کی کسوٹی ہے تمہارا دشمن کافر ہے تمہارا محب مؤمن بشرطیکہ محبت صحیح ہو۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ جناب ابوبکر و عمر نے حضرت فاطمہ کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ چھوٹی ہے ۱؎ پھر ان کا پیغام جناب علی نے دیا حضور نے ان کا نکاح علی سے کردیا ۲؎ (نسائی)	

۱؎ یعنی تم دونوں کی عمریں بہت زیادہ ہیں اور فاطمہ بچی ہیں عمری مناسبت نہیں ہے،دوسری وجہ یہ تھی کہ ابھی جناب فاطمہ کے نکاح کے متعلق وحی الٰہی نہیں آئی تھی یہ نکاح وحی پر موقوف تھا جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔(ازمرقات)اس جواب سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت ابوبکر یا عمر کی عمریں جناب فاطمہ سے مناسب ہوتیں تو ان سے نکاح کردیا جاتا۔آخر رقیہ وام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے اور بی بی زینب کا نکاح ابو العاص سے ہوا نکاح کے وقت جناب فاطمہ کی عمر سترہ سال اور حضرت علی کی عمر بائیس سال تھی اورحضرت ابوبکر و عمر کی عمریں بہت زیادہ تھیں۔

۲؎ اس نکاح کا پورا واقعہ یہاں مرقات میں تحریر ہے ہم نے بھی اپنی کتاب اسلامی زندگی میں نظم میں لکھا ہے۔جب جناب فاطمہ کی عمر پندرہ سال ہوئی تب حضرت علی نے کسی ذریعہ سے پیغام نکاح دیا حضور نے فرمایا کہ مجھے رب نے یہ ہی حکم دیا ہے کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا سواء حضرت علی کے دروازے کے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی جن صحابہ کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی میں تھے ان تمام دروازوں کے بند کردینے کا حکم دیا سواء حضرت علی کے دروازے کے کہ وہ مسجد میں ہی رہا،اس کی پوری بحث باب مناقب ابوبکر میں گزرچکی۔حضرت ابوبکر صدیق کا دروازہ بھی مسجد نبوی میں رکھا گیا حضرت صدیق اکبر کا دروازہ مسجد میں رہنا مسلم،بخاری کی روایت سے ثابت ہے جیسا کہ باب مناقب ابی بکر الصدیق میں گزر گیا۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قرب و منزلت تھی جو مخلوق میں کسی کو نہ تھی ۱؎ میں آپ کی خدمت میں سویرے تڑکے آتا تھا عرض کرتا تھا آپ پر سلام اے اللہ کی نبی ۲؎ تو اگر آپ کھکار دیتے تو میں اپنے گھر لوٹ جاتا ورنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ۳؎ (نسائی)	

۱؎ واقعی حضرت علی کو بعض قرب حضور سے وہ حاصل ہے جو کسی بشر بلکہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں،آپ حضور کے چچا کے بیٹے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے گھر میں اور آپ نے حضور کی آغوش میں پرورش پائی ہے،آپ جناب فاطمہ کے خاوند ہیں،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کی اصل ہیں آپ ساری مخلوق میں منفرد ہیں۔

۲؎ یعنی میں نماز فجر سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آتا تو اجازت داخلہ کے لیے سلام کرتا تھا یہ سلام تحیت نہ تھا بلکہ سلام استیذان تھااجازت مانگنے کا سلام۔

۳؎ یعنی مجھ کو صریحی اجازت کی ضرورت نہ تھی مجھے حاضری کی اجازت عامہ مل چکی تھی حضور انور کا جواب سلام نہ دینا میرے لیے اجازت ہوتی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ اجازت لینے کے واسطے جو سلام ہو اس کا جواب دینا واجب نہیں سلام تحیت کا جواب دینا واجب ہے۔(از مرقات)سلام بہت قسم کے ہیں:سلام تحیت،سلام رخصت،سلام کرم،سلام غضب،سلام متارکہ وغیرہ ان سب کے احکام جداگانہ ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا تو مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے میں کہہ رہا تھا کہ الٰہی اگر میری موت آگئی ہے تو اب مجھے چین دے اور اگر ابھی دیر ہے تو مجھے صحت دے اور اگر امتحان ہے تو مجھے صبر دے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا انہوں نے دوبارہ آپ پر پیش کردیا جو کہا تھاحضور نے اپنے پاؤں سے ان کو ٹھوکر لگائی ۲؎ اور فرمایا الٰہی انہیں عافیت دےانہیں شفا دے،راوی کو شک ہے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ بیماری نہ ہوئی ۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی۔

۱؎ سبحان اللہ! عجیب و غریب دعا ہے جس میں مرض کے ہر پہلو پر دعا کی گئی ہے۔راحت دینے سے مراد موت دے دینا کہ مؤمن کی موت بھی راحت ہوتی ہے کہ موت کے ذریعہ مؤمن دنیا کی آفات و تکالیف سے نجات پا جاتا ہے۔ارفع بنا ہے رفع سے بمعنی وسعت عیش۔اس سے مراد ہے صحت اور تندرستی کیونکہ زندگی کی بہار تندرستی سے ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ حضور کے قدم شریف میں شفا ہے آپ کی ٹھوکروں سے بیمار اچھے ہوتے ہیں،بعض صوفیاء بیمار کو ٹھوکر لگاتے ہیں اس عمل کی اصل یہ حدیث ہے ۔

سنگریزوں نے حیات ابدی پائی ہے ٹھوکروں میں ترے اعجاز مسیحائی ہے

۳؎ یعنی اس ٹھوکر شریف کے بعد مجھے یہ بیماری کبھی نہ ہوئی دوسری بیماری ہوئی ہوں تو ہوئی ہوں۔سبحان اللہ! حضور کے قدم سے صرف صحت ہی نہیں ہوتی بلکہ تندرست رہنے کی گارنٹی بھی ہوتی ہے۔

باب مناقب العشرۃ رضی اللہ عنھم

دس صحابہ کے فضائل رضی اللہ عنھم ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یہ دس حضرات وہ مبارک جماعت ہے جسے خصوصی طور پر جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا۔

یہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا | اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

وہ دس حضرات یہ ہیں جن کے نام شریف ان دو شعروں میں ہیں۔

وہ یار بہشتی اند قطعی | بوبکر و عمر،علی و عثمان

سعد است و سعید و بوعبیدہ | طلحہ زبیر،عبدالرحمان

یعنی ابوبکر صدیق،عمر فاروق،عثمان غنی،علی حیدر کرار،طلحہ،زبیر ابن عوام،سعد ابن ابی وقاص،عبدالرحمٰن ابن عوف،ابوعبیدہ ابن جراح،سعید ابن زید یہ تمام حضرات قرشی ہیں ان کے بڑے درجے ہیں۔(از اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت عمر سے فرمایا کہ اس خلافت کا زیادہ حقدار اس جماعت سے کوئی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ حضور ان سے راضی تھے ۱؎ تو حضرت علی،عثمان،زبیر،طلحہ،سعد اور عبدالرحمٰن کا نام لیا ۲؎(بخاری)

۱؎ عربی میں نفر تین سے دس تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔حضور کے راضی ہونے سے مراد اعلیٰ درجہ کی رضا و خوشی ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ تمام اہل بیت سے راضی تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس فرمان فاروقی سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو خلیفہ کرسکتے ہیں،دیکھو اس وقت حضرت عثمان و علی سب سے افضل تھے مگر جناب عمر نے اور حضرات کا نام بھی خلافت کے لیے لیا۔دوسرے یہ کہ خلافت چند طرح سے ہوسکتی ہے:(۱) خلیفہ خود کسی کو اپنا جانشین کردے جیسے حضرت صدیق نے عمر فاروق کو کیا(۲) مجلس شوریٰ کسی کو خلیفہ بنالے جیسے عثمان غنی کی خلافت۔ (مرقات) خلافت کے لیے ہاشمی یا معصوم ہونا شرط نہیں۔

۲؎ جب ابو لولو نے عین نماز فجر میں محراب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عمر کو خنجر مارا آپ سخت زخمی ہوئے،صحت کی امید نہ رہی تو لوگوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں تب آپ نے ان چھ بزرگوں کے نام لیے کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ چن لینا۔خیال رہے کہ اس دس کی جماعت میں جناب صدیق اکبر

پہلے وفات پاچکے تھے،آپ اب شہادت کا جام نوش کررہے ہیں،حضرت ابو عبیدہ ابن جراح بھی وفات پاچکے تھے،رہے سعید ابن زید وہ حضرت عمر کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور سگے بہنوئی بھی اس لیے اپنی قرابت کی بنا پر ان کا نام نہیں لیا جیسے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ ابن عمر کو کہیں عہدہ پر نہ لگایا نہ اس وقت ان کا نام لیا،آپ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے ان پانچ حضرات سے کہا کہ تم میں سے بعض حضرات بعض کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوجائیں کیوں کہ تم مع میرے چھ ہو اور خلیفہ بنے گا ایک تو حضرت زبیر نے کہا کہ میں علی کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں،سعد ابن وقاص آپ کے حق میں طلحہ جناب عثمان کے حق میں دست بردار ہوگئے،اب چھ میں تین رہ گئے عثمان علی اور عبدالرحمٰن ابن عوف پھر عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان و حضرت علی سے فرمایا کہ تم دونوں میں سے ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہوجائے مگر وہ دونوں خاموش رہے تو آپ نے کہا اے علی و عثمان تم مجھے اختیار دو کہ میں جسے چاہوں خلیفہ بنادوں دونوں نے کہا ہاں آپ مختار ہیں پھر بہت تحقیق و تلاش کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ آپ کے فضائل روز روشن کی طرح عیاں ہیں اگر میں آپ کو خلیفہ بنادوں تو آپ عدل کرنا اگر عثمان کو بنادوں تو آپ ان کی اطاعت کرنا یہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا ان دونوں نے وعدہ کیا،پھر عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہاتھ پھیلایئے میں تمہارے ہاتھ میں بیعت کرتا ہوں پھر سب لوگوں نے اور حضرت علی نے جناب عثمان سے بیعت کرلی اس کا پورا واقعہ مرقات،اشعۃ اللمعات اور کتب تواریخ میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت قیس ابن ابی حازم سے [1] فرماتے ہیں کہ میں نے جناب طلحہ کا ہاتھ شل دیکھا [2] جس سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احد کے دن حفاظت کی [3] (بخاری)	

[1] قوی یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،حضور انور کو زمانہ کفر میں دیکھا تھا،پھر جب اسلام کی بیعت کرنے حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی تھی۔جن لوگوں نے آپ کو صحابی کہا ہے انہوں نے اس دیدار رسول سے دھوکا کھایا ہے جو آپ کو زمانہ کفر میں ہوا تھا۔آپ نے عشرہ مبشرہ میں سے نو صحابہ سے احادیث روایت کیں یہ کسی تابعی کو میسر نہیں ہوا،نہروان کے جہاد میں حضرت علی کے ساتھ تھے،آپ کی عمر سو برس سے زیادہ ہوئی، سنہ ۹۸ء اٹھانوے میں وفات ہوئی سوائے عبدالرحمٰن ابن عوف کے عشرہ مبشرہ میں سے سب سے روایات لیں۔(مرقات)

[2] آپ طلحہ ابن عبداللہ ہیں،کنیت ابو محمد ہے،قرشی ہیں،قدیم الاسلام سواء بدر کے سارے غزوات میں شریک ہوئے بدر کے موقعہ پر انہیں حضور انور نے ابو سفیان کے قافلہ کی تلاش کے لیے بھیجا ہوا تھا جب واپس آئے تو جہاد ہوچکا تھا۔(مرقات)آپ کو اس غیر حاضری کا بہت صدمہ ہوا فرمایا کہ اچھا اب اگر کوئی غزوہ ہوا تو میں اپنے رب کو دکھادوں گا کہ میں کیسی خدمت اسلام کروں گا،اگلے سال احد میں آپ شریک ہوئے جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور کفار نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر گھیر لیا تو آپ حضور کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہوگئے جو تیر،تلوار،نیزہ حضور پر آتا آپ اپنے جسم شریف پر لے لیتے حتی کہ پچھتّر زخم کھائے،جب صحابہ غزوہ احد کا ذکر کرتے

تو کہتے کہ وہ دن ابو طلحہ کا دن تھا،آپ نہایت حسین تھے،آپ جمعرات کو پچیس جمادی اولیٰ ۳۶ھ چھتیس جنگ جمل میں شہید ہوئے،چونسٹھ سال عمر پائی،بصرہ میں دفن ہوئے۔(مرقات واشعہ)فقیر نے ان کے مزار کی زیارت کی ہے،آپ کے متعلق یہ آیت آئی:"فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ"انہوں نے اپنا مقصد حیات پورا کردیا نذر پوری کردی۔اشعہ نے فرمایا کہ آپ نے اسی زخم کھائے حتی کہ ننگیز بھی زخمی ہوگیا تھا۔

۳؎ لوگ آپ کے اس سوکھے ہوئے ہاتھ شریف کی زیارت کرتے ہوں گے اس لیے فرمایا ایت۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا کہ قوم کی خبر کون لائے گا۱؎ تو جناب زبیر نے عرض کیا میں۲؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے مخلص دوست ہوتے ہیں اور میرے مخلص دوست زبیر ہیں۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ احزاب غزوہ خندق کا نام ہے جو ۵ھ ہجری میں ہوا،اسے غزوہ احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ہر قسم کے کفار نے جمع ہو کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی۔احزاب جمع ہے حزب کی بمعنی گروہ یا ٹولہ۔حضور انور نے کفار کی کثرت دیکھ کر فرمایا تھا کہ مدینہ کے اردگرد خندق کھود دو تاکہ وہ ہر طرف سے مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوسکیں اور خندق کے دروازہ پر پہرہ رکھو اس لیے اسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔کفار نے بہت دن تک مدینہ منورہ کا سخت محاصرہ رکھا ایک دن حضور نے خبر دی تھی کہ آج رات سخت آندھی آوے گی جو کفار کی جماعتوں کو تتر بتر کردے گی چنانچہ رات کو آندھی آئی سخت سردی تھی تب حضور انور نے رات میں فرمایا کہ کون ہمت کرے گا کہ کفار کے لشکر کی تحقیق کرکے آئے کہ ان کا کیا حال ہوا وہ تتر بتر ہوگئے یا کچھ باقی ہیں۔

۲؎ اس رات سردی اس قدر تھی کہ ادھر جانے کی بلکہ گھر سے نکلنے کی کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی،اس وقت حضرت زبیر کا جرأت کرنا بہت بڑی خدمت تھی۔خیال رہے کہ حضرت زبیر ابن عوام قرشی ہیں،ان کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں لہذا آپ حضور کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور بی بی اسماء بنت ابوبکر کے خاوند ہیں تو حضور کے سنڈھو ہوئے،سولہ سال کی عمر میں ایمان لائے،آپ کے چچا نے آپ کو دھوئیں میں بند کردیا تاکہ گھبرا کر اسلام چھوڑ دیں مگر آپ ایمان پر قائم رہے،آپ کو جنگ جمل میں عمرو ابن جرموز نے قتل کیا، ۳۶ھ میں آپ کی عمر چونسٹھ سال ہوئی،وادی سباع میں دفن کیے گئے،پھر عرصہ کے بعد بصرہ میں نعش شریف لائی گئی وہاں دفن کیے گئے۔(مرقات)اس حقیر نے قبر شریف کی زیارت کی ہے۔

۳؎ حواری بنا ہے حور سے بمعنی صفائی یا سفیدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے کچھ دھوبی ایمان لائے آپ کی بہت خدمت کی انہیں حواری کہا جاتا ہے،اب ہر مخلص دوست کو حواری کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔

روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی قریظہ کے پاس کون جائے گا جو ان کی خبر لائے	

۱؎ میں چل دیا پھر جب میں لوٹا تو میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ دونوں جمع فرمادیئے کہ فرمایا تم پر میرے ماں باپ فدا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ غالبًا یہ واقعہ بھی غزوہ احزاب ہی کا ہے اسی غزوہ میں یہود مدینہ نے بغاوت کردی تھی،کفار مکہ سے انہوں نے یہ ساز باز کی تھی کہ باہر سے تم مدینہ پر حملہ کرو اندرون مدینہ ہم اور مسلمانوں کو دانہ کی طرح پیس کر رکھ دو،حضور انور کے حکم کے مطابق حضرت زبیر دوبارہ تفتیش کے لیے باہر گئے ایک بار کفار مکہ کا حال دیکھنے دوسری بار بنی قریظہ کا حال دیکھنے۔بعض نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی غزوہ بنی قریظہ میں ہوا جب کہ بنی قریظہ اپنے قلعوں میں چھپ گئے تھے حضور نے ان کا محاصرہ فرمایا،یہ غزوہ بھی ۵ھ میں ہوا خندق کے متصل۔

۲؎ اس موقعہ پر حضور نے حضرت زبیر سے یہ فرمایا اور غزوہ احد میں حضرت سعد ابن ابی وقاص سے یہ ہی فرمایا تھا فداك ابی و امی۔خیال رہے کہ میں فدا میرے ماں باپ فدا انتہائی محبت و عظمت ظاہر کرنے کے لیے کہے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ سنا کہ آپ نے کسی کے لئے اپنے ماں باپ جمع کئے ہوں سواء سعد ابن مالک کے ۱؎ میں نے احد کے دن آپ کو فرماتے سنا کہ اے سعد تیر مارو تم پر میرے ماں باپ فدا۔ (مسلم، بخاری)	

۱؎ خیال رہے کہ مالک نام ہے ابو وقاص کا لہذا یہ فرمان سعد ابن ابی وقاص سے ہے یعنی احد کے دن آپ کے سوا کسی سے یہ نہ فرمایا فداك ابی و امی یا حضرت علی کو خبر نہ ہوئی ورنہ حضور نے حضرت زبیر سے بھی یہ فرمایا ہے۔خیال رہے کہ سعد ابن ابی وقاص ۵۵ھ پچپن میں مقام عقیق میں فوت ہوئے،پھر آپ کی نعش مدینہ منورہ لاکر دفن کی گئی،مروان ابن حاکم نے جنازہ پڑھایا اس وقت وہ ہی وہاں کا حاکم تھا،آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی عشرہ مبشرہ میں سب سے پیچھے آپ کی وفات ہوئی۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ میں پہلا وہ عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱ھ ایک ہجری میں حضرت ابو عبیدہ ابن حارث کی سرکردگی میں ساٹھ صحابہ کو ابوسفیان کے مقابلہ میں بھیجا کفار بہت ہی زیادہ تھے اس لیے جنگ نہ ہوئی مگر حضرت سعد ابن ابی وقاص نے ان کفار پر ایک تیر چلایا یہ مسلمانوں کی طرف سے پہلا تیر کفار پر چلا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آتے وقت ایک رات بے خواب رہے ۱؎ پھر فرمایا کاش کوئی نیک شخص ہماری حفاظت کرتا ۲؎ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی تو فرمایا یہ کون	

ہے عرض کیا میں سعد ہوں فرمایا کیا چیز تم کو یہاں لائی عرض کیا میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر خطرہ گزرا تو میں ان کی حفاظت کرنے آیا۳ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی پھر سوگئے ۴(بخاری،مسلم)	

۱ یہ واقعہ کسی غزوہ سے واپسی کے وقت ہوا کہ تمام رات حضور سفر کرتے رہے آخر رات میں آرام فرمانے کے لیے اترے۔

۲ چونکہ اس زمانہ میں بغیر حفاظت سونا خطرناک تھا اس لیے یہ دعا کی۔حضور نے یہاں دو دعائیں کیں: ایک یہ کہ میری حفاظت کے لیے کسی کو بھیج دے،دوسرے یہ کہ وہ محافظ بندہ صالح ہو حالانکہ رب وعدہ فرماچکا تھا کہ "وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ"تاکہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوجاوے۔اس سے معلوم ہوا کہ صالحین کی حفاظت غیر صالحین کی حفاظت سے بہتر ہے۔اللہ تعالٰی ہمیشہ صالحین کی حفاظت میں ہم سب کو رکھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر خدا کی مدد لینا نہ خلاف توحید ہے نہ خلاف توکل۔

۳ سبحان اللہ! یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ادھر دعا فرمائی ادھر حضرت سعد کے دل میں یہ خیال آیا۔معلوم ہوا کہ حضرت سعد کا ایمان آپ کا تقویٰ وغیرہ رجسٹری شدہ ہے۔

۴ ایسی دعا تیر بہدف ہوتی ہے،حضور انور نے بہت خوش ہوکر یہ دعا دی،حضرت کا بیڑا تر گیا دعا کرانا اور دعا لینا اس میں بہت فرق ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر امت کا کوئی امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ ابن جراح ہیں ۱(مسلم،بخاری)	

۱ یعنی ہر امت میں بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ ان پر قوم پورا پورا بھروسہ کرتی تھی سب کو ان پر اعتماد تھا،ثقہ اور قوم میں پسندیدہ تھے،میری امت میں ان صفات کے ایسے مظہر حضرت ابو عبیدہ ہیں جو اللہ تعالٰی اور مخلوق اور اپنے نفس کے حقوق پورے پورے ادا کرتے ہیں ان میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتے۔خیال رہے کہ یہ صفات تمام صحابہ میں تھیں مگر حضرت ابوعبیدہ میں علی وجہ الکمال تھیں اور حضرت ابو عبیدہ میں امانت داری کے سواء اور بہت صفات تھیں مگر یہ صفات نمایاں تھی اس لیے فرمایا کہ اس امت کے امین ابو عبیدہ ہیں لہذا اس سے نہ تو یہ لازم ہے کہ باقی صحابہ امین نہ تھے،نہ یہ کہ جناب ابوعبیدہ میں سوائے امانت داری کے اور کوئی صفت نہ تھی۔حضرت ابو عبیدہ نے ۱۸ھ اٹھارہ میں ملک شام میں وفات پائی،عمر شریف اٹھاون سال ہوئی،عہد فاروقی میں وفات ہوئی،آپ مسلمانوں کے جرنیل اعظم تھے،آپ کی حتی الامکان کوشش یہ ہوتی تھی کہ جہاد میں مسلمانوں کا خون کم سے کم بہے اور زیادہ سے زیادہ فتح ہو،جب حضرت عمر نے حضرت خالد بن ولید کو معزول کرکے آپ کو سپہ سالار بنایا تو آپ نے

بیس روز تک حضرت خالد کو اس کی خبر ہی نہ دی،سپاہیانہ شان سے کام کرتے رہے،دوسروں سے ان کو پتہ چلا کہ میں معزول ہوچکا رضی اللہ عنہما۔(مرقات)جب نجران کے لوگوں نے حضور سے عرض کیا کہ آپ ہمارے ہاں کوئی اپنا امین بھیج دیں تو حضور انور نے فرمایا کہ میں ایسا امین بھیجوں گا جیساکہ چاہیے،سب صحابہ منتظر رہے کہ ہم بھیجے جاویں مگر حضرت ابوعبیدہ کو بھیجا گیا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن ابی ملیکہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے سنا ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو کسے بناتے فرمایا ابوبکر کو،پھر کہا گیا پھر ابوبکر صدیق کے بعد کسے بناتے فرمایا عمر کو،کہا گیا کہ عمر کے بعد پھر کسے بولیں ابو عبیدہ ابن جراح کو ۲؎(مسلم)	

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عبید اللہ ابن ابی ملیکہ ہے اور ابو ملیکہ کا نام زہیر ابن عبداللہ ہے،آپ تیمی قرشی ہیں،تابعی ہیں، حضرت عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں آپ قاضی رہے، ۱۱۷ھ ایک سو سترہ میں وفات پائی،بہت صحابہ سے ملاقات کی۔

۲؎ یہ حضرت عائشہ صدیقہ کا اپنا اندازہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد خلفاء ترتیب وار مقرر فرماتے تو پہلے حضرت ابوبکر کو مقرر کرتے پھر حضرت عمر کو پھر حضرت ابوعبیدہ ابن جراح کو کیونکہ حضرت ابو عبیدہ میں خلافت کی تمام صلاحیتیں امانت داری سیاست دانی وغیرہ سب علی وجہ الکمال موجود تھیں۔سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے پہلے چناؤ کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق نے کہا تھا کہ مجھے خلافت کا شوق نہیں تم میں علی،عمر،ابوعبیدہ ابن جراح موجود ہیں ان میں سے کسی کو خلیفہ بنالو،لوگوں نے کہا آپ سے بہتر کون ہوسکتا ہے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر صدیق اکبر کو اپنا خلیفہ بنادیا تھا کہ مرض وفات شریف میں اپنے مصلے پر حضرت صدیق کو کھڑا کردیا تھامگر قول سے خلیفہ نہیں بنایا تھا۔یہاں قولی خلیفہ بنانا مراد ہے کہ اگر حضور کسی کو اپنے قول سے خلیفہ بناتے تو ان صاحبوں کو بناتے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حراء پر تھے اور ابوبکر و عمر اور عثمان و علی طلحہ اور زبیر تھے کہ پتھر کی چٹان ہلی ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہر جا نہیں ہیں تجھ پر مگر نبی یا صدیق یا شہید ۲؎ بعض محدثین نے یہ زیادہ کیا کہ سعد ابن ابی وقاص بھی تھے اور حضرت علی کا ذکر نہیں کیا ۳؎(مسلم)	

۱؎ حراء شریف یعنی جبل نور کی یہ حرکت وجدانی تھی اس فخر میں کہ آج مجھ پر ان حضرات کے قدم ہیں جن کا درجہ عرش الٰہی سے بھی زیادہ ہے۔معلوم ہوا کہ پتھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ انکے صحابہ کو جانتے پہچانتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں،جس دل میں ان حضرات سے الفت نہ ہو وہ پتھر سے زیادہ سخت ہے۔

۲؎ یہاں او بمعنی واؤ ہے اور شہید سے مراد جنسی شہید ہے کیونکہ یہ پانچ حضرات سب ہی شہید ہیں حضرت عمر،عثمان، علی کی شہادت تو دنیا میں مشہور ہے،حضرت طلحہ اور زبیر کی شہادت جنگ جمل کے موقعہ پر ہوئی جب کہ یہ دونوں حضرات جنگ سے علیحدہ ہوچکے تھے،حضرت زبیر تو وادی السباع میں قتل کیے گئے وہاں سے بصرہ لاکر دفن کیے گئے، حضرت طلحہ جنگ سے الگ ہوگئے پھر بھی قتل کیے گئے۔(مرقات)

۳؎ حضرت سعد ابن ابی وقاص شرعی شہید نہ ہوئے بلکہ اپنے گھر میں آپ کی وفات ہوئی گھر وادی عقیق میں تھا،وہاں سے مدینہ منورہ آپ کی نعش لائی گئی جنت البقیع میں دفن کی گئی مگر چونکہ آپ کی وفات کسی ایسے مرض سے ہوئی جس میں موت شہادت ہوتی ہے اس لیے آپ کو شہید کہا گیا۔(اشعہ،مرقات)پیٹ کی بیماری،طاعون کی بیماری سے مرنے والا حکمًا شہید ہوتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر جنتی ہیں اور عمر جنتی ہیں اور عثمان جنتی ہیں اور علی جنتی ہیں۲؎ طلحہ جنتی ہیں اور زبیر جنتی ہیں اور حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف جنتی ہیں اور سعد ابن ابی وقاص جنتی ہیں اور سعید ابن زید جنتی ہیں اور ابوعبیدہ ابن جراح جنتی ہیں۳؎(ترمذی)

۱؎ آپ کا نام اسلام سے پہلے عبدالکعبہ تھا مسلمان ہوجانے پر حضور نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا،آپ کی کنیت ابو محمد ہے، زہری قرشی ہے،حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کو مسلمان کیا آپ صاحبِ ہجرتین ہیں،پہلے مکہ معظّمہ سے حبشہ کی طرف پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی،تمام غزوہ میں حضور انور کے ساتھ رہے غزوہ احد میں ڈٹے رہے،حضور انور نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر آپ کے پیچھے نماز فجر کی ایک رکعت پڑھی سواء آپ کے کسی کے پیچھے حضور نے نماز نہیں پڑھی،احد کے دن آپ کو اکیس زخم لگے،پاؤں کے زخموں کی وجہ سے آپ کے ایک پاؤں میں لنگ ہوگئی تھی،آپ واقعہ فیل سے دس سال بعد پیدا ہوئے، ۳۲ھ بتیس میں وفات پائی بہتر سال عمر ہوئی،بقیع شریف میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں ان چار حضرات کا ذکر اسی ترتیب سے ہوتا ہے ابو بکر،عمر،عثمان،علی۔اسی ترتیب ذکری سے ان کے ترتیب مراتب کے طرف اشارہ ہوتا ہے۔بعد رسل حضرت ابو بکر صدیق ساری خلقت سے افضل ہیں،پھر حضرت عمر،پھر

حضرت عثمان،پھر حضرت علی۔ترتیب خلافت کی طرف سے بھی اشارہ ہوتا ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ (از مرقات)

۳؎ یہ وہ حدیث ہے جس کی بنا پر اس مبارک جماعت کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے یعنی ایک حدیث میں ان دس کو نام بنام جنت کی بشارت دی گئی ورنہ حضور کا ہر صحابی مبشر بالجنتہ ہے،رب فرماتاہے:"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"۔ان ناموں کی یہ ترتیب خود حضور انور نے ہی دی ہے راوی نے نہیں دی اسی ترتیب سے ان کے درجات ہیں۔(اشعہ)

	اور ابن ماجہ نے حضرت سعید ابن زید سے روایت کی۱؎

۱؎ آپ سعید ابن زید ابن عمرو ابن نفیل ہیں،آپ کا لقب اعور ہے،سواء بدر کے تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،آپ بدر میں حضرت طلحہ کے ساتھ جاسوسی کے لیے ابو سفیان کے قافلہ کی تلاش میں بھیجے گئے تھے،حضور انور نے آپ کو بدر کی غنیمت سے حصہ دیا،فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی بہن آپ کے نکاح میں تھیں،آپ ہی کے ذریعہ سے حضرت عمر ایمان لائے،آپ کے والد حضرت زید ابن عمرو نے اسلام سے پہلے دین کی تلاش میں حضرت ورقہ ابن نوفل کے ساتھ بہت سفر کیے،حضرت ورقہ تو عیسائی ہوگئے مگر آپ نہ ہوئے آپ دین ابراہیمی پر رہے،مکہ والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ اے قریشیو میرے سواء تم میں سے کوئی دین ابراہیمی پر نہیں،جب سنتے کہ فلاں جگہ زندہ بچی دفن کی جانے والی ہے تو وہ بچی آپ اس کے ماں باپ سے لے آتے اس کی پرورش کرتے،جوان ہوجانے پر اس کے ماں باپ سے پوچھتے تھے کہ اگر تم کو چاہیے تو لے جاؤ ورنہ اس کی بیاہ شادی سب میں اپنے خرچ سے کروں گا۔(بخاری شریف،مرقات)قرآن شریف نے تین شخصوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی شرک و کفر سے بچے۔زید ابن عمرو ابن نفیل،ابو ذر،سلمان فارسی ان کے بارے میں یہ آیت ہے "وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا"۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کہ میری امت میں میری امت پر بہت رحیم و کریم ابوبکر ہیں اور اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں اور ان سب میں سچے جہاد والے عثمان ہیں اور زیادہ علم فرائض دان زید ابن ثابت ۱؎ سب میں بڑے قاری ابی ابن کعب ہیں ۲؎ حرام وحلال کو بہت جاننے والے معاذ ابن جبل ہیں ۳؎ ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اس امت کے امین ابو عبیدہ ابن جراح ہیں ۴؎ (احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور معمر نے قتادہ سے مرسلًا روایت کی اس میں یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر فیصلہ فرمانے والے علی ہیں ۵؎

۱؎ حضرت زید ابن ثابت گیارہ برس کی عمر میں ایمان لائے آپ علم فرائض (میراث) کے امام ہیں،آپ اس جماعت کے امیر تھے جس نے خلافت صدیقی و عثمانی میں قرآن جمع کیا،بہت مخلوق نے آپ سے روایات لیں،چھپن سال عمر پائی، ۴۵ھ پینتالیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎ ابی ابن کعب انصاری خزرجی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھ شخصوں نے قرآن مجید حفظ کیا ان میں ایک آپ ہیں،آپ کی کنیت ابو المنذر ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سید الانصار کا لقب دیا،آپ علم تجوید (قراءت) کے امام ہیں، ۱۹ھ انیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔(مرقات)

۳؎ یعنی معاذ ابن جبل بڑے فقیہ ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری خزرجی ہیں،آپ ان ستر انصاریوں میں سے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت عقبہ کی،بدر اور تمام غزوات میں شامل ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنایا پھر حضرت عمر نے جناب ابوعبیدہ کے بعد آپ کو شام کا حاکم مقرر کیا،اس سال امواس کی طاعون میں آپ کی وفات ہوئی یعنی ۱۸ھ اٹھارہ میں کل اڑتیس سال عمر ہوئی۔(مرقات)

۴؎ ابو عبیدہ ابن جراح بڑے زاہد تارک الدنیا صحابی ہوئے ہیں،جب حضرت عمر شام سے واپس ہوئے تو لشکروں کے آفیسران آپ سے ملنے آئے آپ نے پوچھا میرے بھائی ابوعبیدہ کہاں ہیں تھوڑی دیر میں ابو عبیدہ بھی آگئے،حضرت عمر آپ سے گلے ملے اور فرمایا کہ میں تمہارے گھر ٹھہروں گا دیکھا تو ایک جھونپڑہ ہے جس میں سامان صرف تلوار ڈھال اور زین ہے،حضرت عمر نے فرمایا کہ کل سامان خانہ یہ ہی ہے عرض کیا مجھے میری منزل تک یہ ہی پہنچادے گا،فرمایا کچھ روٹی کھلاؤ تو آپ نے اپنے تھیلے سے کچھ سوکھے ٹکڑے نکال کر پیش کیے حضرت عمر بہت روئے اور فرمایا اے ابو عبیدہ تم کو دنیا اپنے میں پھنسانہ سکی یہ تھے اسلام کے جرنیل اعظم۔آپ ساتویں دادا میں حضور سے مل جاتے ہیں،آپ خلافت فاروقی میں طاعون امواس میں فوت ہوئے،آپ پر نماز معاذ ابن جبل نے پڑھائی۔

۵؎ یعنی مقدمات کا فیصلہ کرنے کے علم میں حضرت علی سب سے اعلیٰ و افضل ہیں اس لیے حضرت عمر آپ کی رائے لیے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرتے تھے،آپ کو حضور نے یمن کا گورنر بنایا تھا آپ کے فیصلے بہت عجیب عجیب مشہور ہیں۔خیال رہے کہ اس حدیث میں ہر جگہ اسم تفضیل ارشاد ہوا ہے جس میں بتایا گیا کہ یہ تمام صفات دیگر صحابہ میں بھی موجود ہیں مگر فلاں صحابی میں فلاں صفت کامل تر ہے۔اس فرمان عالی میں حضرت علی کے بہت سے فضائل ہیں کیونکہ صحیح فیصلے وہ ہی کرسکے گا جس کا علم کامل ہو،اسے اپنے نفس پر پورا اعتماد ہو،طبیعت میں اجتہادی ملکہ ہو یہ تمام صفات حضرت علی میں تھے۔

روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں کہ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو زرہیں تھیں ۱؎ آپ ایک چٹان پر چڑھنے لگے ۲؎ مگر نہ چڑھ سکے تو حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے حتی کہ حضور چٹان پر چڑھ گئے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے سنا کہ طلحہ نے جنت واجب کرلی ۴؎(ترمذی)	

۱؎ زرہ لوہے کی قمیض ہے جو جنگ میں پہنی جاتی تھی،یہ بہت وزنی ہوتی تھی،دو زرہ بہت بڑا طاقت ور ہی پہن سکتا تھا کہ اتنے وزن کو پہن کر چلنا دوڑنا معمولی کام نہ تھا۔

۲؎ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے تھے آپ اونچی جگہ کھڑے ہوکر جنگ کا حال اور مسلمانوں میں دوڑنے والے اور کھڑے رہنے والوں کو دیکھنا چاہتے تھے،اسی جنگ میں عتبہ ابن ابی وقاص نے آپ کے دانت پر تیر مارا جس سے آپ کا دانت شہید ہوا اور نیچا ہونٹ زخمی ہوگیا،عبداللہ ابن شباب نے آپکا چہرہ زخمی کردیا،ابن حمیہ نے حضور کی کنپٹی زخمی کردی اس زرہ کے دو حلقے آپ کے سر میں گڑھ گئے،عامر نے ایک خفیہ گڑھا کھودا ہوا تھا اس میں حضور گر گئے،ابو سعید خدری نے حضور کے چہرہ کا خون چوسا حضور نے فرمایا کہ جو میرا خون اپنے خون سے ملادے وہ جنتی ہے۔(مرقات)

۳؎ یہ حضرت طلحہ کی انتہائی ہمت و قوت ہے کہ بار نبوت مع دو زرہوں کے اپنی پشت پر اٹھالیا یہ طاقت رب نے عطا فرمائی حضور انور دو زرہوں کا بوجھ لے کر اس چٹان پر نہ چڑھ سکے ابو طلحہ سیڑھی بن کر نیچے بیٹھ گئے اور حضور انور چٹان پر چڑھ گئے آپ کی پیٹھ پر قدم رکھ کر۔

۴؎ یہ خدمت پسند آگئی فرمایا طلحہ کے لیے جنت واجب ہوگئی اسی خدمت کی وجہ سے۔معلوم ہوا کہ لاکھوں نماز روزے سجدے سجود جہاد سے حضور کی خدمت افضل ہے،اسی غزوہ میں حضرت طلحہ نے اپنے جسم کو حضور کی ڈھال بنا کر اسی ۸۰ زخم کھائے،یہ جنتی نہ ہوں تو کون ہو آپ اتنے زخم کھا چکنے کے بعد حضور انور کے نیچے سیڑھی بن کر بیٹھے تھے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ ابن عبیداللہ کی طرف دیکھا فرمایا جو اس شخص کو دیکھنا چاہے جو روئے زمین پر چل رہا ہے اور اس نے اپنا عہد و پیمان پورا کردیا تو انہیں دیکھے ۱؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو اس شہید کو دیکھنا چاہے جو روئے زمین پر چل رہا ہے وہ طلحہ ابن عبیداللہ کو دیکھے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ نحب بمعنی نذر بھی آتا ہے اور بمعنی موت بھی یہاں موت کی نذر مراد ہے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حضرت طلحہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے تھے ابوسفیان کے قافلہ کی تحقیقات کے لیے،جب واپس ہوئے تو افسوس کیا اور فرمایا کہ اب اگر کوئی غزوہ ہوا تو میں اس کا بدلہ کرکے دکھادوں گا،جنگ احد میں وہ کارنامے کرکے دکھائے کہ سبحان اللہ! قریبًا اسی زخم کھائے حضور کی حفاظت کرتے ہوئے حتی کہ آپ کا ایک ہاتھ خشک ہوگیا پھر حضور کے قدموں کے نیچے بیٹھے کہ حضور ان کی پشت پر قدم رکھ کر پتھر کی چٹان پر چڑھے،اس پر انعامات عطا ہوئے۔اس فرمان میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ "مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ"۔

۲؎ اس فرمان عالی کے تین مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ حضرت طلحہ جنگ احد میں درحقیقت شہید ہوچکے ہیں اب ان کی زندگی صرف ظاہری ہے جو اتنے کارنامے کرچکا ہو وہ شہید ہی ہے۔دوسرے یہ کہ آئندہ چل کر یہ جنگ جمل میں شہید ہوں گے یہ عنداللہ شہید ہیں ان کا نام شہداء کی فہرست میں ہے۔تیسرے یہ کہ ان کا جسم تو اس عالم شہادت میں ہے مگر ان کا دل عالم غیب میں پہنچ چکا ہے یہ روحانی جنانی شہید ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ا؎ سنا کہ طلحہ اور زبیر میرے جنت کے پڑوسی ہیں ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

ا؎ یہ حدیث مختلف الفاظ سے ابن ماجہ،ابن عساکر وغیرہم نے روایت کی،ریاض میں ہے کہ طلحہ کے بیٹے موسیٰ ابن طلحہ امیر معاویہ کے پاس پہنچے تو جناب امیر معاویہ نے ان سے فرمایا کیا میں تم کو خوشخبری نہ دوں میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی نذر موت پوری فرمادی۔(مرقات)

۲؎ یعنی دونوں حضرات جنت میں مجھ سے بہت ہی قریب ہوں گے،پڑوسی قریب ہی ہوتا ہے قریب ہی رہتا ہے۔اس فرمان عالی میں ان دونوں حضرات کے مؤمن متقی ہونے،ان کا خاتمہ بالخیر،قبر کے امتحان میں کامیابی،محشر میں نجات،پل صراط سے بخیریت گزرنا،جنت میں داخلہ،وہاں کا مقام سب ہی بتادیا گیا۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یعنی احد کے دن فرمایا کہ الٰہی اس کی تیر اندازی کو مضبوط کر اور اس کی دعا قبول فرما ا؎ (شرح سنہ)	

ا؎ اس فرمان عالی کے بھی دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ **اجب دعوتہ** تفسیر ہے **سدد رمیتہ** کی اور معنی یہ ہیں کہ مولیٰ اس کی دعا کو تیر بہدف بنادے کہ جو اس کے منہ سے نکلے تو پورا کردے۔دوسرے یہ کہ یہ دو دعائیں ہیں ایک یہ کہ ان کی تیر اندازی میں برکت دے کہ اس سے بہت کافر ہلاک ہوں اور ان کا نشانہ درست رہے،دوسری دعا یہ کہ الٰہی انہیں مقبول الدعاء مستجاب الدعوات بنا۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی سعد جب بھی تجھ سے دعا کریں تو قبول فرمایا کر ا؎ (ترمذی)	

ا؎ سعد سے مراد حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جیساکہ دوسری روایات میں صراحۃً مذکور ہے،آپ بفضلہٖ تعالٰی بڑے مقبول الدعاء تھے حضور انور کی اس دعا کی برکت سے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے سواء کسی کے لیے اپنے باپ و ماں جمع نہیں فرمائے ا؎ کہ ان سے احد کے دن فرمایا تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں ۲؎ اور ان	

سے فرمایا اے بہادر لڑکے تیر چلا ۳؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی احد کے دن کسی کے لیے ماں باپ جمع نہ کیے یا حضرت علی کو دوسرا واقعہ علم میں نہ ہوا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور نے جناب طلحہ سے یہ ہی فرمایا تھافداك ابی و امی۔

۲؎اس کا مطلب کچھ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس قسم کے فرمان انتہائی عزت افزائی کے لیے ہوتے ہیں تم پر میں فدا تم پر میرے ماں باپ فدا۔

۳؎ حزور بمعنی جوان بہادر تجربہ کار،آپ جب مسلمان ہوئے تو سترہ سال کے تھے غزوہ احد کے وقت آپ جوان تھے جوان آدمی کو بزرگ بیٹا یا بچہ کہہ دیتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ ایک مشرک نے بہت مسلمانوں کو زخمی یا شہید کیا تھا،میں نے اسے تاک کر تیر مارا جو اس کی پیشانی پر لگا جس سے وہ گر گیا اور اس کا تہبند اٹھ گیا وہ ننگا رہ گیا حضور انور ہنس پڑے اور مجھے دعائیں دیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جناب سعد حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہیں میرے ماموں کوئی شخص مجھے اپنا ایسا ماموں دکھائے ۱؎ (ترمذی)اور کہا کہ سعد بنی زہرہ سے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بنی زہرہ سے تھیں ۲؎اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں اور مصابیح میں بجائے فلیرنی کے فلیکرمن ہے ۳؎	

۱؎ یعنی ایسا شاندار ماموں کسی کو نہیں ملاجیسا ماموں اللہ نے مجھے دیا ہے۔یہ حضرت سعد کی انتہائی عظمت ہے ۔

اولئك ابائی فجئنی بمثلھم　　　　انما جمعتنا یا جریر المجامع

۲؎زہرہ زوجہ ہیں کلاب ابن کعب ابن لوی ابن غالب کی جناب آمنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتی ہیں،کلاب میں اور زہرہ کی اولاد میں حضرت سعد بھی ہیں اس طرح حضرت سعد جناب آمنہ کے خاندان سے ہوئے اور ماں کا سارا خاندان خواہ دادا کی طرف سے ہو یا نانا کی طرف سے اپنے نانا ماموں ہوتے ہیں۔خیال رہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی دادھیال مکہ معظّمہ میں ہے اور ننہال مدینہ طیبہ میں اس نسبت سے انصار مدینہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا ماموں ہیں اور ادھر حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی۔

۳؎اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے دیکھ لیا کہ میں اپنے ماموں سعد کا کیسا ادب و احترام کرتا ہوں تم لوگ بھی اپنے نانا ماموں کا اسی طرح احترام و ادب کیا کرو،میرا یہ عمل تمہارے لیے سبق ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت قیس ابن حازم سے فرماتے ہیں کہ	

میں نے سعد ابن ابی وقاص کو فرماتے سنا کہ میں پہلا عربی مرد ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا ۱؎ اور میں نے اپنے کو دیکھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے ہمارے پاس کیکر کے بیج ۲؎ اور کیکر کے پتوں کے اور کوئی کھانا نہ تھا اور ہم میں سے ہر ایک ایسا پاخانہ کرتا تھا جیسا کہ بکری کرتی ہے جس میں کوئی تری نہیں ہوتی ۳؎ پھر بنو اسد مجھے اسلام سکھانا چاہتے ہیں ۴؎ تب تو میں خسارہ والا ہوجاؤں گا اور میرے عمل برباد ہوجائیں گے ۵؎ لوگوں نے حضرت عمر کے پاس ان کی شکایت کی تھی کہا تھا کہ یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے کی جاچکی ہے کہ آپ نے کس موقعہ پر یہ تیر چلایا تھا اول تیر چلانا بھی اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت رحمت ہے۔

۲؎ حبلہ ح کے پیش ب کے سکون سے کیکر یعنی ببول کے بیج۔نہ معلوم وہ حضرات یہ کیسے کھاتے ہوں گے یہ ہیں ان حضرات کی قربانیاں بے مثال اسلام کی قدر ان سے پوچھو ہم نے کمایا ہوا اسلام پایا ہم کیا قدر کرسکتے ہیں۔

۳؎ یعنی ہم کو پاخانہ بکری کی مینگنی کی طرح بالکل خشک ہوتا تھا جس میں کوئی تری نہیں،اگر کوئی تر چیز کھائیں تو تری ہوجب پتے اور ببول کے بیج کھائے جائیں گے توپاخانہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

۴؎ یہاں اسلام سے مراد نماز ہے کیونکہ نمازاسلام کا بہت اہم رکن ہے،قرآن مجید میں نماز کو ایمان کہا گیا ہے"**مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمٰنَکُمۡ**"تعزیر بمعنی سزا بھی آتا ہے اور بمعنی تعلیم اور بمعنی تعظیم بھی"**وَ تُعَزِّرُوۡہُ وَ تُوَقِّرُوۡہُ وَ تُسَبِّحُوۡہُ**"یہاں بمعنی تعلیم ہے۔(اشعہ)

۵؎ یعنی اگر ان تمام خدمات اور صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود مجھے نماز بھی نہیں آئی میں ان لوگوں کے سکھانے کا حاجت مند رہا تو میں بہت ہی خائب و خاسر ہوا،یہ لوگ مجھے نماز سکھانے کی کوشش نہ کریں بلکہ مجھ سے نماز اور دوسرے احکام اسلام سیکھیں میں صحبت یافتہ مصطفٰی ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔یہاں بنی اسد سے مراد زبیر ابن عوام ابن خویلد ابن اسد کی اولاد ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنے علمی کمالات و فضائل بیان کرنا جائز ہے کہ یہ بھی رب کا شکر ہے فخر نہیں۔

۶؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا،وہاں قبیلہ بنی اسد آباد تھے ان لوگوں نے آپ کی شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کی اس شکایت میں یہ بھی کہا کہ یہ نماز غلط پڑھتے ہیں اور ہم کو غلط ہی پڑھاتے ہیں جس سے ہماری نمازیں برباد ہوتی ہیں،حضرت عمر نے آپ کو طلب فرمایا اور

ان کی شکایت پیش کیں تو آپ نے جواب میں یہ فرمایا کہ میں اولین مؤمنوں میں سے ہوں میں نے صدہا نمازیں حضور کے پیچھے پڑھی ہیں میری نماز غلط کیسے ہوسکتی ہے۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کو اسلام کا تہائی دیکھا ۱؎ اور کوئی آدمی نہیں لایا مگر اس دن جب میں اسلام لایا اور میں سات روز تک اس طرح رہا کہ میں اسلام کا تہائی حصہ تھا ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی بالغ اور آزاد مردوں میں دو صاحب مجھ سے پہلے ایمان لائے تھے تیسرا میں اسلام لایا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص ساتویں مؤمن ہیں وہاں کل تعداد مراد ہے یہاں آزاد مردوں کی۔حضرت خدیجہ،ابوبکر صدیق،علی مرتضی،حضرت بلال ان سے پہلے ایمان لاچکے تھے مگر جناب خدیجہ بی بی تھیں اور علی بچے بلال غلام تھے۔ (اشعہ،مرقات)

۲؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ میرے ایمان لانے کے بعد سات دن تک کوئی ایمان نہیں لایا،میں آزاد بالغ مردوں میں تیسرا حصہ مؤمنوں کا رہا سات دن تک۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اپنی بیویوں سے فرماتے تھے کہ میرے بعد تمہارے حالات کی مجھے بڑی فکر ہے ۱؎ تم پر صبر نہ کریں گے مگر صبر اور صدق والے ۲؎ جناب عائشہ سے فرمایا یعنی صدقہ والے پھر حضرت عائشہ نے جناب ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن سے فرمایا ۳؎ کہ اللہ تمہارے والد کو جنت کے سلسبیل سے پلائے اور ابن عوف نے امہات المؤمنین پر ایک باغ صدقہ کیا تھا ۴؎ جو چالیس ہزار میں فروخت ہوا ۵؎(ترمذی)	

۱؎ ازواج مطہرات حضور انور کی وفات کے بعد کسی جگہ نکاح نہیں کرسکتیں اور نہ حضور انور کی میراث پاسکیں نہ رہنے کے لیے گھر اس لیے کبھی کبھی حضور انور کو یہ خیال آجاتا تھا تو دل مبارک پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا،ان تمام ازواج مطہرات میں جناب عائشہ صدیقہ کا حال نہایت قابل فکر تھا کیونکہ آپ نکاح کے وقت سات سالہ تھیں حضور کی عمر شریف ترپین سال ہوئی،عین جوانی میں حضور کا سایہ اٹھا پھر ساری عمر شریف ایسی بے سرو سامانی میں گزاری اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر نے مجھ پر احسان کیا کہ اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دی۔ہمارے برخودار مفتی محمد مختار نے عرض کیا ہے ۔

پونجی راہ خدا میں دے دی　　　بیٹی نبی کے نکاح میں دے دی

جان کی لگائی بازی اکثر　　　رضی اللہ تعالٰی عنہ

۲؎ یعنی میرے بعد تمہاری خدمت وہ ہی کرتے رہیں گے جن میں صبر اور صدق دل کوٹ کوٹ کر بھری ہو کہ میرے بعد میری خاطر تمہاری خدمت عمر بھر کرتے رہیں۔

۳؎ ابو سلمہ کی کنیت ہی نام ہے آپ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے بیٹے ہیں،خود تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء میں سے ہیں،آپ نے بڑے بڑے صحابہ سے احادیث روایت فرمائیں،آپ سے بڑے بڑے محدثین نے روایات لیں ہیں، ستانوے ۹۷ھ میں وفات پائی بہتّر سال عمر ہوئی۔(مرقات)

۴؎ یہاں صدقہ سے مراد خیرات نہیں ہے کوئی بیٹا اپنی ماں کو خیرات دیتا نہیں بلکہ اس سے مراد نذرانہ ہدیہ ہے جو لائق بیٹا اپنی ماں کی خدمت میں پیش کرتا ہے،صدقہ بہت معنی میں آتا ہے۔یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم کھوٹی پونجی لائے ہیں"تَصَدَّقْ عَلَیْنَا اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ"وہاں صدقہ بمعنی نذرانہ ہے۔

۵؎ حضرت عبدالرحمان ابن عوف کی سخاوت ملاحظہ ہو: (۱)حضور کی حیات شریف میں آپ نے ایک بار چار ہزار دینار خیرات کیے(۲)ایک بار چالیس ہزار دینار راہِ خدا میں دیئے(۳)ایک بار پانچ سو گھوڑے مجاہدوں کو دیئے(۴)ایک بار ڈیڑھ ہزار اونٹ راہِ خدا میں دیئے(۵)وفات کے وقت پچاس ہزار دینار خیرات کرنے کی وصیت کی(۶)ایک بار آپ بیمار ہوئے تو اپنا تہائی مال خیرات کرنے کی وصیت کی مگر بعد میں آرام ہوگیا تو وہ مال خود ہی خیرات کردیا(۷)ایک بار صحابہ سے کہا کہ جو اہل بدر سے ہواسے فی کس چار سو دینار میں دوں گا(۸)ایک بار ایک دن میں ڈیڑھ لاکھ دینار خیرات کیے رات کوحساب لگایاپھر بولے کہ میرے سارا مال مہاجرین و انصار پر صدقہ ہے حتی کہ فرمایا میری قمیض فلاں کو اور میرا عمامہ فلاں کو جبریل امین حاضر ہوئے،عرض کیا یارسول اللہ عبدالرحمٰن کے صدقات قبول انہیں بے حساب جنتی ہونے کی خبردے دیجئے(۹)آپ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے(۱۰)یہ واقعہ کہ ازواج مطہرات کی خدمت میں یہ باغ پیش کیا جس کا یہاں ذکر ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیویوں سے فرماتے سنا کہ جو شخص تم سب پر میرے بعد تم پر نچھاور کرے وہ سچا اور نیک ہوگا ۱؎ الٰہی عبدالرحمٰن ابن عوف کو جنت کے سلسبیل سے پلا ۲؎(احمد)

۱؎ **یحثو** بنا ہے **حثو** سے بمعنی لپ بھر بھر کر کسی پر بکھیرنا یعنی نثارکرنا نچھاور کرنا یعنی جو میرے بعد تم پر دل کھول کر خرچ کرے وہ بہت ہی نیک و صالح ہوگا۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا ہے کہ تاقیامت جو مسلمان تمہارے نام پر خیرات کرے،تمہاری طرف سے حج بدل کرے،تمہارے نام پر مسجدیں یا خانقاہیں بنائے وہ بہت ہی نیک صالح ہے،اس فرمان عالی میں تاقیامت مسلمانوں کو لے لیا گیا ہے۔

۲؎ سلسبیل جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جس کاذکر قرآن مجید میں ہے"عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلًا"۔اہل عرب کہتے ہیں ماء سلسل،سلاسل،سلسبیلا یعنی بہت کثرت سے بہنے والاپانی۔یہ دعا یا تو حضرت ام سلمہ کی ہے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ چونکہ عبدالرحمان ابن عوف نے میری ازواج پاک سے یہ سلوک کیا یا کرنے والے ہیں، خدایا تو انہیں جنت کا چشمہ سلسبیل عطا فرما۔معلوم ہوا کہ حضور کی دعا لینے کا ذریعہ ازواج مطہرات کی خدمت کرنا ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جناب عائشہ صدیقہ کے گھر رہتے ہیں جو بھی ثواب ختم وغیرہ کا ہدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا ہو اس میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کا نام شریف ضرور لیا جائے،ان کے توسط سے بارگاہ رسالت میں پیش کیا جائے تب حضور کے ہاں قبول ہوتا ہے۔فقیر حقیر احمد یار کی نیت پختہ ہے کہ اگر اب کی بار رب نے حج نصیب کیا تو ان شاءاللہ جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حج بدل کروں گا اور عمرہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے،اس گنہگار پر ان دونوں سرکاروں کے بڑے احسانات ہیں مجھے انہوں نے ہی اپنے قدموں سے لگا کر باریاب کیا ہے رضی اللہ عنہما اللہ ان کا بھلا کرے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نجران والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۱؎ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایک امین آدمی بھیجیں ۲؎ تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایسا امین بھیجوں گا جیسا چاہیے ویسا امین ہے ۳؎ لوگوں نے اس کا انتظار کیا فرمایا کہ حضور نے ابو عبیدہ ابن جراح کو بھیجا۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ نجران تین بستیوں کا نام ہے: یمن کا ایک شہر جو سنہ دس ہجری میں واقع ہوا،یہ جگہ نجران ابن زید ابن سبا کے نام پر آباد ہوئی،دوسرا نجران جو علاقہ حوران میں واقع ہے دمشق کے قریب،تیسرے عراق کا نجران جو کوفہ کے پاس ہے، یہاں پہلا نجران مراد ہے وہاں کے لوگ ہی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔(مرقات)

۲؎ امین کے معانی پہلے بیان کیے جاچکے ہیں یعنی ایسا امانت دار آدمی ہمارے علاقہ میں بھیجیں جو ہمارا قاضی امیر اور معلم ہو۔

۳؎ حق امین کا مطلب ہے کہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا امین ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ زید جیسا عالم ہونے کا حق ہے ویسا عالم ہے،سارے صحابہ امانت والے ہیں مگر حضرت حذیفہ اول نمبر امانت دار۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد ہم کسے امیر بنائیں ۱؎ فرمایا اگر تم ابوبکر کو امیر بناؤ تو تم انہیں امین دنیا سے بے رغبت آخرت میں رغبت والا پاؤ گے ۲؎ اور اگر تم عمر	

	کو امیر بناؤ تو تم انہیں قوت والا امانت والا پاؤ گے کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامتی کی ملامت سے نہیں ڈرتے۳؎اور اگر تم علی کو امیر بناؤ میں نہیں سمجھتا کہ تم ایسا کرو گے ۴؎تو تم انہیں ہدایت یافتہ پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستہ پر چلائیں گے ۵؎(احمد)

۱؎ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال جب کیا گیا جب کہ حضرات صحابہ کو یہ یقین ہوگیا کہ حضور انور کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ خلیفۃ المسلمین میں یہ صفات ہونا ضروری ہیں:امانت،زہدو تقویٰ،آخرت میں رغبت،صوفیاء فرماتے ہیں کہ اخلاص ذریعہ خلاص ہے۔

۳؎یعنی حضرت عمر بھی خلافت کے لائق ہیں کہ ان میں قوت،امانت،دیانت،سیاست اور حق پر مضبوطی سے قائم رہنا،کسی کی پرواہ نہ کرنا ساری صفات موجود ہیں،دنیا نے دیکھ لیا کہ جناب عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اسلام اور مسلمین کی کیسی خدمات کیں۔

۴؎یعنی تم سب لوگ حضرت علی کو خلیفہ نہیں بناؤ گے ان کی خلافت پر مسلمان متفق نہ ہوں گے،اس میں غیبی خبر ہے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کی خلافت پر امت کا اجتماع نہیں ہوا۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر پہلے کیا پھر عمر فاروق کا پھر جناب علی کا اسی ترتیب سے خلافت ہوئی۔اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم لوگ حضرت علی مرتضٰی کو پہلا خلیفہ نہ بناؤ گے کہ قلم الٰہی اسی طرح چل چکا ہے کہ حضرت علی کی عمران دونوں سے زیادہ ہو اور وہ دونوں حضرات بھی خلیفہ بنیں اگر جناب علی پہلے خلیفہ ہوجاتے تو وہ صاحب خلیفہ نہ ہوسکتے حالانکہ ان دونوں کی خلافت بھی تقدیر مبرم ہوچکی ہے۔اس صورت میں لااراکم کے معنی ہیں کہ مجھے یقین ہے تم علی کو پہلا خلیفہ نہ بناؤ گے۔حضور انور نے یا تو جناب عثمان کا ذکر فرمایا ہی نہیں یا فرمایا تھا مگر راوی نے یا اختصار کردیا یا اسے نسیان ہوگیا۔(اشعہ)

۵؎یعنی جناب علی مرتضٰی رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور تم کو ہدایت دینے والے،جو لوگ انہیں خلیفہ مانیں گے وہ ہدایت پر ہوں گے،جو انہیں خلیفہ نہیں مانیں گے وہ اس معاملہ میں ہدایت پر نہ ہوں گے بلکہ باغی ہوں گے،یہ ہی اہلسنت کا مذہب ہے کہ حضرت علی خلیفہ برحق ہیں امیر معاویہ اس زمانہ میں باغی تھے۔حضرت علی کی ڈگری امیر معاویہ کی معافی اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ابوبکر پر رحمت کرے انہوں نے اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کردیا۱؎اور مجھے ہجرت گاہ تک پہنچایا ۲؎ اور غار میں میرے ساتھ رہے۳؎اور بلال کو اپنے مال سے آزاد کیا۴؎اللہ عمر پر رحمت کرے کہ وہ حق بات

	کہتے ہیں اگرچہ کڑوی ہوانہیں حق نے ایسا کردیا کہ ان کا کوئی دوست نہیں۵؎اللہ عثمان پر رحمت کرے کہ ان سے فرشتے غیرت کرتے ہیں،اللہ علی پر رحمت کرے،الٰہی علی کے ساتھ حق کو گردش دے جدھر وہ گردش کریں۶؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زندہ کو رحمۃ اللہ علیہ کہہ سکتے ہیں۔(مرقات)خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی دختر نیک اختر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا،اس میں اپنی بیٹی کی قربانی ہے جس کی وجہ ابھی ہم کچھ پہلے عرض کرچکے ہیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدیق اکبر کی قربانیوں کے سلسلے میں ذکر فرمایا۔

۲؎اس طرح کہ غار ثور تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر لے گئے اور اس سے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب رفیق سفر رہے مدینہ منورہ تک۔خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے دو اونٹ پالے تھے ہجرت کے لیے ایک اپنے واسطے دوسرا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے،جب حضور نے ہجرت کی خبر دی تو حضرت صدیق نے وہ اونٹ پیش فرمایا،حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں منظور ہے مگر قیمت سے،چنانچہ حضور نے آٹھ سو درہم میں وہ اونٹ جناب صدیق سے خریدا مگر قرض۔(اشعہ)یہ ثابت نہیں کہ حضور انور سے یہ قرضہ جناب صدیق نے وصول بھی کیا اگر وصول کیا بھی ہوگا تو حضور ہی پر خرچ کیا ہوگا۔

۳؎یعنی غار ثور کی کئی راتیں کئی دن جناب صدیق نے میرے ساتھ گزارے کہ اس زمانہ میں ان کے سواء کسی نے مجھے نہ دیکھا،اس زمانہ میں ان کی عبادت تھی میرا منہ تکنا جو کسی اور کو میسر نہ تھی،اس غار میں مجھ پر جان فدا کی کہ میری حفاظت کرتے ہوئے سانپ سے اپنے پاؤں میں کٹوالیا یہ قربانی صرف انہوں نے کی رضی اللہ عنہ۔

۴؎ سبحان اللہ!حضرت بلال کی خریداری ان کا آزاد کرنا حضور نے جناب صدیق اکبر کی قربانیوں کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے،حضرت بلال امیہ ابن خلف کے ہاتھوں بڑی مصیبت میں تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بلال کو خرید لیتا اور آزاد کرکے مجھ پر احسان کرتا حضرت صدیق نے پانچ سو درہم اور ایک قیمتی غلام نسطاس کے عوض جناب بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا۔حضور نے فرمایا ؎

گفت پیغمبر کہ اے اقبال جو ۔۔۔ در خریدن می شوم انبار تو

گفت ماد و بندگان کوئے تو ۔۔۔ کرو مش آزاد ہم بر روئے تو

اے صدیق بلال کی آدھی قیمت ہم سے لےلو اور ہم تم دونوں بلال کے خریدار بنیں،جناب صدیق نے عرض کیا کہ میں اور بلال دونوں آپ کے آستانہ کے غلام حضور میں کس کا ہوں اور میرا پیسہ کس کا ہے حضور اسے میں نے آپ کی خدمت کے لیے آزاد کردیا۔

چوں بدید آں خستہ روئے مصطفےٰ ۔۔۔ خر مغشیا علیہ برقفا

جب بلال نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھا بے ہوش ہوکر گرپڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کا سر اپنے زانو پر رکھا فرمایا کہ اوذیت فی سبیل اللہ اے بلال تو اللہ کی راہ میں بہت ہی ستایا گیا۔حضرت عمر فرمایا کرتے تھے ھو سیدنا واعتق سیدنا ابوبکر میرے آقا ہیں انہوں نے میرے آقا بلال کو آزاد کرایا ہے تاقیامت مسلمانوں کے محسن اعظم ہیں۔ابوبکر صدیق ہم سب کے آقا حضرت بلال کو آپ نے ہی آزاد کیا،یوں ہی عامر ابن فہیرہ کو حضرت صدیق نے آزاد کیا جن کی لاش بعد شہادت آسمان پر اٹھائی گئی(بخاری شریف)رضی اللہ عنہم اجمعین خدا کرے مجھے صدیق بغیر قیمت ہی خریدلیں اور دوزخ سے آزاد کردیں ؎

ہے یہ سالک بھی ترا بندہ بے ذر صدیق　　　　تو ہے آزاد سفر سے ترے بندے آزاد

حضرت صدیق نے بہت لونڈیاں اور غلام وہ آزاد کیے جو کفار کے ہاتھوں سخت مصیبت میں تھے۔

۵؎ یعنی خوشامد کی بناء پر کوئی ان کا دوست نہیں بہت لوگ خوشامدی ہوتے ہیں وہ خوشامدیوں کے دوست بھی ہوتے ہیں۔لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ رسول اور جناب صدیق اور مہاجرین و انصار بھی حضرت عمر کے دوست نہیں،نہ یہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے"اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا"۔

۶؎ حق سے مراد قرآن مجید ہے اس کی شرح وہ حدیث ہے جو امام جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں نقل فرمائی القرآن مع القرآن یعنی قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ۔ہم نے جناب علی کی شان میں عرض کیا ہے ؎

یہ ہے خاموش قرآن اور وہ قرآن ناطق ہیں　　　　نہ ہوں جس دل میں یہ اس میں نہیں قرآن کا رشتہ

باب مناقب اهل بيت النّبى صلى الله عليه و سلم و رضى الله عنهم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے فضائل رضی اللہ عنہم اجمعین ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ اہل بیت کے معنی ہیں گھر والے۔اہل بیت رسول چند معنی میں آتا ہے:(۱) جن پر زکوۃ لینا حرام ہے یعنی بنی ہاشم عباس،علی، جعفر،عقیل،حارث کی اولاد(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پیدا ہونے والے یعنی اولاد(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہنے والے جیسے ازواج پاک(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آنے جانے والے جیسے حضرت زید ابن حارثہ اور جیسے اسامہ ابن زید،یہاں ازواج پاک کے سواء باقی حضرات مراد ہیں یعنی اولاد اور خدام خاص کیونکہ ازواج پاک کے لیے مؤلف نے علیحدہ باب باندھا ہے۔خیال رہے کہ بیویوں کا اہل بیت ہونا قرآنی آیات سے ثابت ہے،رب نے حضرت سارہ کو جناب ابراہیم کی اہل بیت فرمایا"رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ"حضرت صفورہ کو جناب موسیٰ علیہ السلام کا اہل فرمایا"اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا"حضرت عائشہ صدیقہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت فرمایا"وَ اِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقٰعِدَ لِلۡقِتَالِ"اور اولاد کا اہل بیت ہونا حدیث سے ثابت ہے،حضور نے جناب فاطمہ حسنین کریمین اور جناب علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا اللهم هؤلاء اهل بيتى خدایا یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج،اولاد سب ہی اہل بیت ہے رضی اللہ عنہم۔خلاصہ یہ ہے کہ بیت تین قسم کے ہیں:بیت نسب،بیت سکن،بیت ولادت اس لیے اہل بیت بھی تین قسم کے ہیں۔(از اشعہ)

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو بلائیں ۱تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کو بلایا ۲عرض کیا الٰہی میرے گھر والے یہ ہیں ۳(مسلم)	

۱ اس طرح کہ انہیں اپنی ان بددعاؤں میں شامل کریں خواہ اس طرح کہ مباہلہ میں انہیں حاضر کریں یا اس طرح کہ وہ اگرچہ یہاں سے غائب رہیں مگر انہیں بددعاء میں داخل کریں۔چنانچہ نجران کے عیسائیوں نے یہاں اپنے بچوں کو نجران سے نہیں بلایا تھا۔

۲؎ اس وقت حضرت رقیہ،ام کلثوم اور جناب ابراہیم وفات پاچکے تھےاس لیے وہ نہ آئے۔حضرت علی اہل بیت سکونت اہل بیت نسب ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنھا و حسنین کریمین اہلِ بیت ولادت۔

۳؎یعنی الٰہی یہ بھی میرے اہل بیت ہیں،یہ مطلب نہیں کہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان کے سواء اور کوئی نہیں ورنہ یہ حدیث ان آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہوگی اور ان احادیث کے بھی جو ابھی ہم نے عرض کیں۔خیال رہے کہ انسان ایسے موقعہ پر اپنے بچوں کی قسم کھاتا ہے بیویوں یا دوستوں کی قسم نہیں کھاتا اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ان کو اپنے ہمراہ لے گئے مگر تفسیر روح المعانی نے حوالہ سے فرمایا کہ اس موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کو مع ان کی اولادوں کے بھی ساتھ لے گئے تھے،دیکھو ہماری تفسیر نعیمی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے آپ پر کالی اون کی مخلوط چادر تھی ۱؎ حسن ابن علی آئے حضور نے انہیں داخل کرلیا پھر جناب حسین آئے وہ بھی انکے ساتھ داخل ہوگئے پھر جناب فاطمہ آئیں انہیں بھی داخل کرلیا گیا پھر جناب علی آئے انہیں بھی داخل کرلیا پھر فرمایا اے نبی کے گھر والوں اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کردے ۲؎ اور تم کو خوب پاک و صاف فرمادے ۳؎(مسلم)	

۱؎یہ واقعہ اس وقت ہوا جب کہ آیتِ کریمہ "یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا" نازل ہوئی۔

۲؎خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اوپر سے انہیں کا ذکر ہے اور خود اس آیت کے اول میں انہیں سے خطاب ہے اور بعد میں بھی انہیں سے خطاب،اگر اتنے ٹکڑے میں یہ حضرات مراد ہوں تو آیاتِ بلکہ ایک آیت کے اجزاء میں سخت بے ربطی ہوجاوے گی مگر چونکہ انہیں ازواج پاک اہلِ بیت کے لفظ سے یاد فرمایا گیا لہذا **یطھرکم** ضمیر جمع مذکر ارشاد ہوئی کہ لفظ اہل بیت مذکر ہے جیسے فرشتوں نے حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا"اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ"وہاں بھی **علیکم** جمع مذکر کی ضمیر ارشاد ہوئی ہے۔حضور انور نے چاہا کہ ان حضرات کو بھی اس میں داخل فرمالیں لہذا دعا فرمائی کہ الٰہی یہ بھی میرے گھر والے ہی ہیں انہیں بھی خوب پاک فرمادے اسی لیے روایات میں ہے کہ جناب ام سلمہ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے بھی اس کمبل شریف میں داخل فرمالیں فرمایا **انت علی خیر**

تم تو اس آیت خیر میں ہو ہی تمہارے لیے دعا کرکے داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے،ہم تو ان کو داخل کرنے کی دعا کررہے ہیں جو اس میں داخل نہیں۔

۳؎ ان ساری آیات میں حضور کی ازواج پاک سے خطاب ہے"یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ"فرماکر انہیں حکم دیا گیا کہ پردے میں رہو،تلاوت قرآن کرو،نماز کی پابندی کرو۔اس جملہ یعنی"لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ"الخ میں ان احکام کی حکمت کا ذکر ہے کہ ہم نے تم کو یہ احکام اس لیے دیئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے زمانہ جاہلیت کی گھنونی عادات کی گندگی دور رکھے اور تم کو پاک و صاف رکھے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے یہ حضرات پاک و صاف نہ تھے اب پاک ہوں گے۔خیال رہے کہ سواء انبیاء کرام اور فرشتوں کے معصوم کوئی نہیں ہاں حضرت صحابہ اور بعض اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔اس آیت سے ان حضرات کی معصومیت ثابت نہیں ہوتی جیساکہ روافض نے سمجھا۔معصوم وہ جو گناہ نہ کرسکے،محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے۔بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ نے حضور سے اس موقعہ پر عرض کیا حضور میں بھی آپ کی اہل بیت ہوں فرمایا تم بھی اہلِ بیت ہو،بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ام سلمہ کو بھی کمبل میں لے لیا پھر یہ دعا فرمائی۔(مرقات)خیال رہے کہ لفظ پنجتن پاک اس حدیث سے لیا گیا ہے اور یہ واقعہ بہت بار ہوا کبھی ام سلمہ کو کمبل شریف میں داخل نہیں کیا اور کبھی داخل فرمالیا ہے۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ جب جناب ابراہیم کی وفات ہوئی ۱؎ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جنت میں اس کے لیے ایک دائی ہے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ جناب ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن شریف سے پیدا ہوئے باقی ساری اولاد حضرت خدیجہ سے یعنی طیب،طاہر،قاسم اور رقیہ،زینب،کلثوم،فاطمہ رضی اللہ عنہم۔ابراہیم مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے،ذی الحجہ شہ میں سولہ مہینہ عمر پا کر وفات پاگئے،جنت البقیع میں عثمان ابن مظعون کے برابر دفن ہوئے،فقیر نے زیارت کی ہے،عثمان ابن مظعون حضور کے رضاعی بھائی تھے۔

۲؎ یعنی جنت کی کوئی خاص مخلوق ان کی خدمت کرتی ہے اور جنت کی خاص نعمتوں سے ان کی پرورش کی جاتی ہے۔خیال رہے کہ **مرضعة** ت سے وہ ہے جو دودھ پلائے اور **مرضع** وہ جو یہ کام کرسکے اگرچہ نہ کرے جیسے حائض وہ عورت جسے حیض آسکے یعنی بالغہ اور وہ جسے حیض آرہا ہو۔یہ فرق دیکھو لمعات شریف اسی جگہ اسی لیے قرآن کریم میں ہے"تَذۡہَلُ کُلُّ مُرۡضِعَۃٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ"وہاں **مرضع** نہیں فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ کے پاس تھیں جناب فاطمہ آئیں ۱؎ آپ کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال سے بالکل مختلف نہ تھی ۲؎ تو جب انہیں حضور نے دیکھا تو فرمایا	

خوش آمدید اے میری بچی پھر انہیں بٹھالیا پھر ان سے کچھ سرگوشی کی ۳؎ آپ بہت سخت روئیں تو جب ان کا رنج ملاحظہ فرمایا تو ان سے دوبارہ سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑی ۴؎ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے ان سے سرگوشی کے متعلق پوچھا ۵؎ آپ بولیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش نہیں کرسکتی پھر جب حضور کی وفات ہوگئی تو میں نے کہا کہ میں تم کو اس کی وجہ سے جو میرا تم پر حق ہے قسم دیتی ہوں کہ تم مجھے بتادو ۶؎ آپ بولیں لیکن اب تو ہاں ضرور ۷؎ جس وقت حضور نے پہلی بار مجھ سے سرگوشی کی تو آپ نے مجھے خبر دی کہ حضرت جبریل ہر سال مجھ پر قرآن مجید ایک بار پیش کیا کرتے تھے اور انہوں نے اس سال مجھ پر دوبار پیش کیا ۸؎ میں نہیں خیال کرتا مگر یہ کہ میری وفات قریب ہے تم اللہ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا ۹؎ میں تمہارا بہترین پیش رو ہوں ۱۰؎ تو میں رونے لگی تو جب حضور نے میری گھبراہٹ دیکھی تو مجھ سے دوبارہ سرگوشی کی فرمایا اے فاطمہ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم جنتی لوگوں کی بیویوں یا مؤمنوں کی بیویوں کی سردار ہو ۱۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ مجھ سے حضور نے سرگوشی کی کہ اس بیماری میں حضور کی وفات ہوگی تو میں روئی پھر مجھ سے دوبارہ سرگوشی کی مجھے خبر دی کہ میں ان کے گھر والوں میں پہلی ہوں گی جو ان کے پیچھے پہنچوں گی ۱۲؎ تو میں ہنس پڑی۔(مسلم،بخاری)

۱؎ فاطمہ بنا ہے **فطم** سے بمعنی دور ہونا اس لیے جس بچہ کا دودھ چھڑا دیا جاوے اس فطیم کہتے ہیں۔چونکہ اللہ تعالٰی نے جناب فاطمہ ان کی اولاد ان کے محبین کو دوزخ کی آگ سے دور کیا ہے اس لیے آپ کا نام فاطمہ ہوا۔(مرقات)آپ کا لقب ہے بتول اور زہرا بتول کے معنی ہیں منقطع ہونا کٹ جانا"**وَ تَبَتَّلْ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا**"چونکہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے الگ تھیں لہٰذا بتول لقب ہوا زہرا بمعنی کلی آپ جنت کی کلی تھیں حتی کہ آپ کو

کبھی حیض نہیں آیا۔(مدارج)آپ کے جسم سے جنت کی خوشبو آتی تھی جسے حضور سونگھا کرتے تھے(مبسوط سرخسی)اس لیے آپ کا لقب زہرا ہوا رضی اللہ عنہا۔ہم نے عرض کیا ۔

بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نگہت کا

۲؎حضرت فاطمہ سر سے پاؤں تک ہم شکل مصطفیٰ تھیں،آپ کی چال ڈھال ہر وضع قطع حضور کے مشابہہ تھی،اللہ نے رسول کی جیتی جاگتی تصویر بنایا تھا ہم نے عرض کیا۔

رسول اللہ کی جیتی جاگتی تصویر کو دیکھا کیا نظارہ جن آنکھوں نے تفسیر نبوت کا

۳؎حضور جب فاطمہ زہرا کو آتے دیکھتے تو خوشی میں کھڑے ہوجاتے تھے پیشانی اور ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے،اپنی جگہ بٹھالیتے تھے یہ واقعہ وفات شریف سے بالکل قریب ہی ہوا۔

۴؎تمام ازواج پاک موجود تھیں مگر یہ راز کی بات صرف جناب فاطمہ سے فرمائی آپ صاحب راز ہیں۔

۵؎یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو ہم نے حضرت فاطمہ سے پوچھا کہ حضور نے تم سے کیا فرمایا۔

۶؎یعنی میں تمہاری ماں ہوں اور تم میری بیٹی ہو ماں کا بیٹی پر حق ہوتا ہے اس حق کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اب تم مجھ کو بتادو کہ حضور انور نے تم سے کیا فرمایا تھا۔

۷؎جناب فاطمہ نے اپنی قوت اجتہادیہ سے معلوم فرمالیا تھا کہ حضور کی حیات شریف میں یہ بات چھپانے کی تھی کیونکہ اس میں حضور کی وفات کی خبر تھی قبل از وقت اس کا اظہار مناسب نہ تھا اب جب کہ وفات شریف ہوچکی وہ راز نہ رہی تو اس گفتگو کا دوسرا حصہ یعنی میری وفات اور میرے درجہ کا اظہار بھی راز نہ رہا اس لیے اب بیان فرمادیا۔

۸؎ظاہر یہ ہے کہ قرآن سے مراد سارا قرآن مجید ہے حضرت جبریل علیہ السلام ہر ماہ رمضان میں پورے قرآن کا حضور کے ساتھ دور کرتے تھے مگر اس دور کا نام نزول قرآن نہ تھا نزول تو وہ تھا جو حسب موقع آیات کا ورد ہوتا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ ماہ رمضان میں قرآن مجید کا دور کرنا سنت رسولی بھی ہے اور سنت جبریلی بھی کہ ایک پڑھے دوسرا سنے،پھر وہ پڑھے یہ سنے۔یہ واقعہ یعنی دوبار ایک ماہ میں دور فرمانا پندرہ دن میں دورہ ختم کردینا حضور کے آخری رمضان شریف میں ہوا اور حضرت فاطمہ سے حضور کا یہ فرمان رمضان کے بعد تھا،اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے سارے قرآن سے واقف تھے،جسے قرآن نہ آتا ہو اس کے ساتھ دور نہیں کیا جاتا بلکہ اسے پڑھایا جاتا ہے،یہ بھی معلوم ہوا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کی خبر تھی کہ اگلے رمضان سے پہلے ہماری وفات ہوجاوے گی،بعض سورتیں مکمل نہیں نازل ہوئی تھیں کچھ آیات آچکی تھیں کچھ آنے والی تھیں پھر دور کیسا۔

۹؎یعنی اے فاطمہ جیسے تم ہماری حیات شریف میں طیبہ طاہرہ متقیہ صابرہ رہی ہو ایسے ہی ہماری وفات کے بعد بھی رہنا تمہارے پائے استقلال میں جنبش نہ آنے پائے آپ نے اس پر عمل کرکے دکھادیا۔رونا صبر کے خلاف نہیں نوحہ پیٹنا،ماتم کرنا صبر کے خلاف ہے یہ آپ نے کبھی نہیں کیا۔

۱۰؎ پیش رو وہ جو کسی کے آگے کسی مقام پر جاکر اس کا انتظام وغیرہ کرے یعنی ہم تم سے پہلے جارہے ہیں جب تم آؤ گی تو ہم تمہارے انتظار میں ہوں گے تمہارا گھر بار ساز و سامان ہماری نگرانی میں سب تیار ہوچکا ہوگا۔سبحان اللہ !

۱۱؎ یعنی مؤمن مردوں کی بیویوں کی تم سردار ہوگی لہذا جناب فاطمہ ازواج مطہرات خصوصًا جناب عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبریٰ کی سردار نہیں کہ وہ بیویاں مؤمنین کی بیویاں نہیں بلکہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔سبحان اللہ ! کیسی پیاری اور جامع عبارت ارشاد فرمائی۔

۱۲؎ یعنی میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تمہاری وفات ہوگی۔یہاں یہ نہ فرمایا کہ تمہاری وفات ہوگی بلکہ فرمایا سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔اس میں کئی غیبی خبریں ہیں:حضرت فاطمہ زہرا کا وقت وفات آپ کی نوعیت وفات کہ آپ کا خاتمہ ایمان،تقویٰ پرہیزگاری کے اعلیٰ درجہ پر ہوگا آپ کا قبر و حشر میں اول نمبر کامیاب ہونا،آپ کا پل صراط سے بخوبی گزر جانا،آپ کا جنت کی اعلیٰ مقام پر حتی کہ حضور کے ساتھ رہنا یہ ہی علوم خمسہ کی خبریں ہیں۔خیال رہے کہ فضیلت فاطمہ زہرا کے متعلق چند قول ہیں:ایک یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا دنیا بھر کی تمام عورتوں سے افضل ہیں حتی کہ بی بی مریم جناب عائشہ اور جناب خدیجۃ الکبریٰ سے بھی۔دوسرے یہ کہ حضرت خدیجہ و عائشہ جناب فاطمہ زہرا سے افضل ہیں۔تیسرے یہ کہ یہ تینوں حضرات یعنی جناب خدیجۃ الکبریٰ،عائشہ صدیقہ،فاطمہ زہرا ہم رتبہ ہیں کوئی کسی سے افضل نہیں برابر ہیں،ترجیح دوسرے قول کو ہے کہ جناب عائشہ و خدیجہ حضرت فاطمہ زہرا سے افضل ہیں کہ وہ ماں ہیں اور جناب فاطمہ زہرا بیٹی،نیز جنت میں وہ دونوں حضور کے ساتھ ہوں گی حضرت فاطمہ علی کے ساتھ،نیز عائشہ صدیقہ بڑی فقیہ عالمہ مجتہدہ ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ"۔امام مالک فرماتے ہیں کہ طہارت نفس،شرف نسب میں جناب فاطمہ زہرا کی برابر کوئی نہیں ہوسکتا۔

	روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے ۱؎ جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز انہیں پریشان کرے وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو انہیں تکلیف دے مجھے ستاتا ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے یا میرے گوشت کا ٹکڑا،اس بناء پر جناب فاطمہ زہرا سب سے افضل ہیں بھلا حضور کے لخت جگر کی برابر کون ہوسکتا ہے،آپ کا نام فاطمہ کبریٰ کے لیے حضور کی سب سے چھوٹی بیٹی،۲ ہجری رمضان میں آپ کا نکاح جناب علی سے ہوا،ذی الحجہ میں رخصت،آپ کے چھ بچے ہوئے: حسن،حسین،محسن،زینب،ام کلثوم،رقیہ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد وفات پائی،عمر شریف اٹھائیس سال ہوئی،آپ کو جناب علی کرم اللہ وجہہ نے غسل دیا آپ نے ہی نماز پڑھی اور شب میں دفن کیا۔(مرقات) مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔

۲؎ یعنی جو فاطمہ زہرا کو تکلیف دینے انہیں ستانے کے لیے کوئی کام یا کلام کرے اس نے مجھے ایذا پہنچائی یہ کلمات انصار صحابہ بلکہ ہر مؤمن کے لیے بھی آئے **من ابغض الانصار ابغضه الله،حب قريش ايمان و بغضهم كفر،حب العرب ايمان و بغضهم كفر،من ابغض العرب فقد ابغضنى**۔(مرقات) خیال رہے کہ کسی سے حضرت سیدہ کا ناراض ہونا کچھ اور ہے اور ان کو ناراض کرنا کچھ اور،جب حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو آپ ناراض ہوئیں آپ کی شکایت حضور سے کی،حضرت ابوبکر صدیق سے اپنی میراث مانگی،آپ نے ایک حدیث سنا کر انکار کیا تو آپ اپنے مانگنے پر ناراض یعنی نادم ہوئیں،اس ناراضگی کی حیثیت کچھ اور ہے،قیامت میں اعلان ہوگا کہ تمام لوگ اپنے سر جھکالیں فاطمہ گزر رہی ہیں،جناب فاطمہ ستر ہزار حوران بہشتی کے ہمراہ بجلی کی کوند کی طرح گزریں گی۔ (صواعق،مرقات)

۳؎ غالبًا یہ فرمان عالی جب صادر ہوا جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا اور جناب فاطمہ زہرا نے یہ شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز بلکہ فرض کام سے حضور ناراض ہوں تو وہ کام حرام ہوجاتا ہے۔نکاح سنت ہے مگر فاطمہ زہرا کی موجودگی میں حضرت علی کے لیے حرام ہوگیا کہ یہ جناب فاطمہ کی تکلیف کا باعث تھا اور آپ کی تکلیف حضور کی تکلیف کا سبب۔خیال رہے کہ حضرت فاطمہ زہرا ابوبکر صدیق پر ناراض نہ ہوئیں نہ ہوسکتی تھیں کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرکے میراث دینے سے معذرت کی تھی فرمان رسول پر ناراضی کسی مسلمان کا کام نہیں چہ جائیکہ حضرت فاطمہ۔

روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہم میں خطیب کھڑے ہوئے اس پانی پر جسے خم کہا جاتا ہے ا؎ مکہ مدینہ کے بیچ تو اللہ کی حمد وثناء کی اور وعظ و نصیحت فرمائی پھر فرمایا کہ حمد کے بعد لوگو خبردار میں بشر ہوں ۲؎ قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آجائے میں اس کا بلاوا قبول کرلوں ۳؎ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑتا ہوں ۴؎ جن میں سے پہلی تو اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے ۵؎ تم اللہ کی کتاب لو اسے مضبوط پکڑو ۶؎ پھر کتاب اللہ پر ابھارا اس کی رغبت دی ۷؎ پھر فرمایا اور میرے اہل بیت ۸؎ میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں ۹؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے ۱۰؎ جس نے اس کی اتباع کی وہ ہدایت پر رہا جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہوا ۱۱؎	

	(مسلم)

۱؎ غدیر خم کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے کہ حرمین شریفین کے درمیان جحفہ منزل کے قریب ایک جگہ کا نام خم ہے وہاں ایک تالاب ہے اس تالاب کو غدیر خم کہتے تھے،وہاں کا یہ واقعہ ہے۔
۲؎ چونکہ میں بشر ہوں لہذا مجھے بھی موت یقینًا آنی ہے۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہوگا جانا ایک دن — سب کو ہے منہا خلقناکم کا صدمہ ایک دن

۳؎ رسول رب سے مراد یا حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو سب کے پاس موت کے وقت آتے ہیں،یا حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو وفات شریف کے وقت ملک الموت کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے استقبال کے لیے بارگاہ الٰہی میں ساتھ لے جانے کے لیے۔
۴؎ ثقلین بنا ہے ثقل سے بمعنی بوجھ،جن و انس کو بھی ثقلین کہتے ہیں کہ زمین میں ان کا بڑا وزن ہے،پھر فرمان الٰہی احکام شرعیہ کو ثقل کہتے ہیں کہ ان پر عمل نفس پر بوجھ ہے "اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا" چونکہ قرآن مجید پر عمل اہل بیت کی اطاعت نفس پر بھاری ہے لہذا انہیں ثقلین فرمایا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ثقلین بمعنی زینت کی چیزیں ہیں۔جن و انس کو ثقلین اس لیے فرمایا گیا ہے کہ ان سے زمین کی زینت ہے "سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ" محشر میں انہیں کا حساب و کتاب ہے،چونکہ ایمان کی زینت دین کی رونق قرآن مجید اور اہل بیت اطہار سے ہے اس لیے انہیں ثقلین فرمایا۔(مرقات)یعنی دو بھاری بھرکم چیزیں یا نفیس ترین چیزیں جو متاع ایمان میں سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔
۵؎ یعنی قرآن مجید میں عقائد و اعمال کی ہدایت ہے اور یہ دنیا میں دل کا نور ہے قیامت میں پلصراط کا نور۔
۶؎ استمساک کے معنی ہیں مضبوطی سے تھامنا کہ چھوٹ نہ جائے قرآن کریم کو ایسی مضبوطی سے تھامو کہ زندگی اس کے سایہ میں گزرے موت اس کے سایہ میں آئے کیونکہ ۔

گر تومی خواہی مسلمان زیستن — نیست ممکن جز بقرآن زیستن

خیال رہے کہ کتاب اللہ میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہے کہ وہ کتاب اللہ کی شرح اور اس پر عمل کرانے والی ہے،سنت کے بغیر کتاب اللہ پر عمل ناممکن ہے لہذا یہ نہیں کہاجاسکتا کہ صرف قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں بلکہ فقہ بھی کتاب اللہ کی ہی شرح یا حاشیہ ہے۔
۷؎ یعنی قرآن مجید پر عمل نہ کرنے سے ڈرایا عمل کرنے پر رغبت دی ثواب کا وعدہ فرمایا۔
۸؎ یعنی میری اولاد میری ازواج جناب علی وغیرہم ان کی اطاعت ان سے محبت کرو۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بیت یعنی گھر دو ہیں: ایک جسم کا گھر،دوسرے ذکر کا گھر یہ دونوں آبادی دنیا کا ذریعہ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم خانہ والے تو آپ کی اولاد ازواج ہیں اور ذکر خانہ والے تاقیامت علماء اولیاء صالحین ہیں ان کے دلوں میں حضور کا نور بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہیں۔(حکیم علی ترمذی،اشعۃ اللمعات)

۹یعنی میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں،ان کی نافرمانی بے ادبی بھول کر بھی نہ کرنا ورنہ دین کھو بیٹھو گے۔خیال رہے کہ حضرات صحابہ اور اہل بیت کی لڑائیاں جھگڑے عداوت و بغض کے نہ تھے بلکہ اختلاف رائے کے تھے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اختلاف رائے یوسف علیہ السلام کے متعلق یا جناب سارہ کا اختلاف رائے حضرت ہاجرہ سے لہذا وہ نہ کفر ہیں نہ الحاد ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت علی و عائشہ دونوں پر الزام آجاوے کہ دونوں اہل بیت ہیں اوران دونوں بزرگوں کی جنگ ہوئی جمل میں،اس پر مفصل گفتگو ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

۱۰یہ فرمان عالی اس آیت کی طرف اشارہ ہے"وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا" جیسے کنویں میں گیا ہوا ڈول رسی سے وابستہ رہے تو پانی لے آتا ہے وہاں کی کیچڑ میں نہیں پھنستالیکن اگر رسی سے کھل جاوے تو وہاں کی دلدل میں پھنس جاتا ہے،دنیا کنواں ہے جہاں نیک اعمال و ایمان کا پانی بھی ہے اور کفر و گناہوں کی دلدل بھی،ہم لوگ گویا ڈول ہیں اگر قرآن اور صاحب قرآن سے وابستہ رہے تو یہاں کے کفرو عصیان میں نہیں پھنسیں گے نیک اعمال کا پانی لے کر بخیریت اپنے گھر پہنچیں گے۔خیال رہے کہ قرآن رسی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کھینچنے والے مالک ہیں اور اگر حضور رسی ہیں تو رب تعالٰی اوپر کھینچنے والا۔امام ابوصیری کہتے ہیں۔

دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ   مستمسکون بحبل غیر منفصی

رسی کا ایک کنارہ ڈول میں ہوتا ہے دوسرا کنارہ اوپر والے کے ہاتھ میں اگر اوپر والا ہاتھ نہ کھینچے تو رسی ڈول کو نہیں نکال سکتی۔

۱۱لہذا کوئی قرآن چھوڑ کر ہدایت پر نہیں آسکتا۔خیال رہے کہ بعض مؤمنین بغیر کتاب اللہ صرف نبی کے ذریعہ رب تک پہنچ گئے جیسے فرعونی جادوگر یا جیسے وہ لوگ جو عین جہاد میں ایمان لاکر فورًا شہید ہوگئے مگر کوئی شخص صرف کتاب اللہ سے بغیر نبی رب تک نہیں پہنچا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ وہ جب حضرت ابن جعفر کو سلام کرتے تو کہتے تھے تم پر سلام ہو اے دو پروں والے کے فرزند ۱(بخاری)

۱حضرت جعفر ابن ابی طالب قدیم الاسلام مؤمن ہیں،اپنے بھائی علی سے دس سال بڑے تھے،غزوہ موتہ میں ۸ھ میں ستر زخم کھا کر شہید ہوئے،اکتالیس سال عمر پائی،ان کے متعلق حضور نے فرمایا کہ میں جعفر کو فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتا دیکھ رہا ہوں اس دن سے آپ کا لقب طیار یا ذوالجناحین پڑ گیا اس لیے آپ کے فرزند عبداللہ ابن جعفر کو لوگ ابن طیار ابن ذی الجناحین کہتے تھے۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھاکہ حسن ابن علی آپ کے کندھے پر تھے آپ فرماتے تھے الہی میں اس سے محبت کرتا ہوں تو تو اس سے محبت کر ۱ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جس درجہ کی محبت ان سے میں کرتا ہوں تو بھی اسی درجہ کی محبت کر یعنی بہت زیادہ،ورنہ حضرت حسن تو پہلے ہی سے اللہ کے محبوب تھے۔پہلا احب الف کے پیش سے ہے مضارع متکلم دوسرا احببه الف کے فتحہ سے صیغہ دعا۔امام حسن پندرہ رمضان ۳ھ ہجری کو پیدا ہوئے، ۵۰ھ پچاس ہجری میں وفات پائی،بقیع میں دفن ہوئے ۴۷ھ سال عمر پائی،حضرت علی کی وفات کے بعد چالیس ہزار سے زیادہ لوگوں نے آپ سے بیعت کی ۴۱ھ اکتالیس پندرہ جمادی اولیٰ کو آپ نے امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری فرمائی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کے ایک حصہ میں نکلا حتی کہ آپ جناب فاطمہ کے ڈیرے پر آئے تو فرمایا کہ کیا یہاں بچہ ہے کیا یہاں بچہ ہے ۱؎ یعنی جناب حسن تو نہ ٹھہرے کہ حسن دوڑتے ہوئے آگئے حتی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے گلے لگ گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی میں اس سے محبت کرتا ہوں تو تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے محبت کرے اس سے محبت کر ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ لکع کے معنی ہیں کم عقل یا بے عقل۔بچہ کو لکع اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بے عقل ہے اس کے اور بہت معنی ہیں۔

۲؎ حضور کی یہ دعا تاقیامت محبین حسنین کے متعلق قبول ہے بشرطیکہ محبت واقعی ہو محض دعویٰ کی نہ ہو ورنہ ہم نے بعض جاہل پیروں کو دیکھا کہ بھنگ گھوٹ رہے ہیں اور گاتے جاتے ہیں گھٹے بھنگ تو چڑھے رنگ یا علی مدد پنجتن پاک کی جے لاحول ولا قوۃ۔یہ محبت حسین نہیں عداوت حسنین ہے حضرات حسنین نے کبھی نماز چھوڑی نہیں انہوں نے کبھی پڑھی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا کہ حسن ابن علی آپ کی ایک کروٹ پر تھے آپ کبھی لوگوں پر توجہ فرماتے اور کبھی ان پر اور فرماتے تھے ۲؎ کہ میرا یہ بیٹا سید ہے ۳؎ شاید کہ اللہ تعالٰی اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے ۴؎ (بخاری) ۵؎

۱؎ آپ کا نام نفیع ابن حارث ہے،ثقفی ہیں،آپ کے حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں،مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں وعظ کے لیے کبھی امام حسن کی طرف محبت بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں پیار و الفت سے۔

۳؎سید بمعنی سردار۔رب تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:"سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّامِّنَ الصّٰلِحِیْنَ"۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو آج ہمارے ہاں سید کہتے ہیں وہ یہاں سے لیا گیا ہے۔سید اصل میں سیود تھا واؤی ہوکر ی میں مدغم ہوگئی،بعض نے فرمایا کہ سید وہ جس کا غصہ اس کی عقل پر غالب نہ ہو،بعض نے فرمایا کہ سید وہ جو خیروبرکات میں دوسروں سے بڑھ کر ہو۔حضرت حسن نسب،حسب،علم و عمل،سیادۃ میں دوسروں سے اونچے ہیں۔(مرقات)

۴؎ اس فرمان عالی میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علی کی شہادت کے بعد اور امام حسن کی خلافت کے زمانہ میں پیش آیا کہ آپ کے ہاتھ پر چالیس ہزار آدمیوں نے موت پر بیعت کرلی تھی،قلّت اور ڈر سے آپ پاک تھے، امیر معاویہ سے جنگ کی تیاری تھی کہ آپ نے امیر معاویہ کے حق میں سلطنت سے دست برداری کرلی،آپ کے بعض ساتھیوں پر یہ بات بہت گراں گزری حتی کہ کسی نے آپ سے کہا اے مسلمانوں کی عار،آپ نے فرمایا کہ عار نار سے بہتر ہے صرف اس خیال سے آپ نے یہ کام کیا کہ نانا جان کی امت میں قتل و خون نہ ہو۔ان دونوں جماعتوں کو مسلمان فرمانے میں یہ بتایا گیا کہ امیر معاویہ اور امام حسن رضی اللہ عنہما دونوں اور ان دونوں کی جماعتیں مسلمان ہوں گی،بغاوت اسلام سے نہیں نکال دیتی اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ باغی کی گواہی قبول ہے باغی کی طرف سے قضا قبول کرنا جائز ہے،ان کے قاضی کے فیصلے نافذ ہیں۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم غیب بخشا کہ حضور نے آنے والے واقعہ کی خبر اس وضاحت سے دی،یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور انور اس صلح سے راضی اور خوش ہیں،یہ بھی معلوم ہواکہ امام حسن کی یہ دست برداری صحیح ہے جب دست برداری درست ہے تو امیر معاویہ کی سلطنت بھی درست ہے۔مذہب اہل سنت یہ ہے کہ اولًا امیر معاویہ باغی تھے،امام حسن کی اس دست برداری کے بعد آپ پہلے سلطان المسلمین ہوئے،خلافت راشدہ امام حسن پر ختم ہوگئی۔حضور کے متعلق توریت و انجیل میں خبر دی گئی تھی کہ ان کا ملک شام میں ہوگا،یہ وہ ہی ملک ہے ملک شام جہاں امیر معاویہ سلطان ہیں۔سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے ہاتھ ان کے خون سے متلوث نہیں کیے تو اپنی زبانیں لعن سے ملوث نہ ہونے دیں۔امیر معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت حسن کے لب اور زبان چوستے ہیں جو لب و زبان حضور نے چوسے ہوں اس سے دوزخ کی آگ بہت دور رہے گی۔(احمد،مرقات)

۵؎اس صلح کے وقت واقعہ یہ ہوا کہ امیر معاویہ نے امام حسن کے پاس سادہ کاغذ بھیجا اور فرمایا کہ آپ جو شرائط صلح چاہیں لکھ دیں مجھے منظور ہے،امام حسن نے لکھا کہ اتنا روپیہ سالانہ بطور وظیفہ ہم کو دیا جایا کرے اور آپ کے بعد پھر خلیفہ ہم ہوں گے،آپ نے کہا مجھے منظور ہے۔چنانچہ آپ سالانہ وظیفہ دیتے رہے اس کے علاوہ اکثر عطیہ نذرانے پیش کرتے رہتے تھے،ایک بار فرمایا کہ آج میں آپ کو وہ نذرانہ دیتا ہوں جو کبھی کسی نے کسی کو نہ دیا ہو۔چنانچہ آپ نے اربعۃ مائۃ الف الف نذرانہ کیے یعنی چالیس کروڑ روپیہ۔(مرقات)جب امام حسن امیر معاویہ کے پاس آتے تو امیر معاویہ انہیں اپنی جگہ بٹھاتے خود سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے،کسی نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں فرمایا کہ

امام حسن ہم شکل مصطفیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اس مشابہت کا احترام کرتا ہوں۔ان امور کی پوری تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی نعم ۱ سے فرماتے ہیں کہ میں نے جناب عبداللہ ابن عمر کو سنا جب کہ آپ سے ایک شخص نے مُحرم کے متعلق پوچھا،شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہے کہ یہ پوچھا کہ مُحرم مکھی مار سکتا ہے ۲ تو فرمایا عراقی لوگ مجھ سے مکھی کے متعلق پوچھتے ہیں اور رسول اللہ کی دختر کے بیٹے کو قتل کرچکے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں ۳ (بخاری)

۱ آپ تابعی ہیں،بڑے عالم متقی درویش و صابر بندے تھے،فقروفاقہ پر قانع،ایک بار حجاج نے آپ کو تاریک جگہ بند کرکے دروازہ اینٹوں سے چن دیا پندرہ دن بعد نکالا اگر زندہ ہوں تو قتل کردو اگر وفات پاچکے ہوں تو دفن کردیا جاوے دروازہ کھولا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے آخر آپ کو آزاد کردیا۔(اشعہ)

۲ کسی عراقی حاجی نے آپ سے پوچھا تھا کہ بحالت احرام محرم مکھی مار سکتا ہے یا نہیں،مکھی شکار ہے یا نہیں۔

۳ یعنی یہ لوگ مجھ سے مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھتے ہیں حالانکہ کربلا میں حضرت حسین کو شہید کرکے آئے ہیں وہاں نہیں پوچھا کہ قتل حسین جائز ہے یا نہیں۔اس فرمان نبوی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حسن و حسین دنیا میں جنت کے پھول ہیں جو مجھے عطا ہوئے ان کے جسم سے جنت کی خوشبو آتی ہے اس لیے حضور انہیں سونگھا کرتے تھے اور حضرت علی سے فرماتے تھے السلام علیك یا ابا ریحانین اے دو پھولوں کے والد،اس فرمان عالی کے اور بہت معنی کیے گئے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

روایت حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جناب حسن ابن علی سے زیادہ کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہ تھا ۱ اور جناب حسین کے بارے میں ۲ بھی فرمایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے۔(بخاری)

۱ یعنی حضرت حسین و حسن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے،حضرت حسن نصف بالائی جسم میں حضرت حسین نصف زیریں حصہ میں۔

۲ امام حسین کا نام شریف حسین ابن علی ابن ابی طالب ابن عبدالمطلب ہے،کنیت ابو عبداللہ ہے،پانچ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے اور جمعہ کے دن دس محرم ۶۱ھ کو کربلا میں شہید ہوئے،کربلا کوفہ بلا کے درمیان مشہور جگہ

ہے،آپ کو سنان ابن انس نخعی نے شہید کیا یا شمر ابن ذالجوشن نے آپ کا سر مبارک خولی ابن یزید اشجعی نے تن شریف سے جدا کیا اور عبید اللہ ابن زیاد سے یہ اشعار پڑھ کر انعام مانگا۔

اوقرر کابی فضة ذھبا　　　　انی قتلت الملك محجبا

قتلت خیر الناس اما و ابا　　　　و خیرھم اذ ینسبون نسبا

آپ کے ساتھ آپ کے گھر والے تئیس آدمی شہید ہوئے،آپ کی عمر اٹھاون سال ہوئی، ۶۷ھ میں عبید اللہ ابن زیاد کو ابراہیم ابن مالک ابن اشتر نخعی نے قتل کیا،اس کا سر مختار کے پاس،مختار نے عبداللہ ابن زبیر کے پاس اور ابن زبیر نے امام زین العابدین کے پاس بھیجا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ سے لگایا پھر فرمایا الٰہی انہیں حکمت سکھا اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں قرآن سکھا ۱ (بخاری)

۱ حضور کی یہ دعا قبول ہوئی حضرت عبداللہ ابن عباس بڑے فقیہ مجتہد صحابی ابن صحابی ہیں،اللہ نے آپ کو علم قرآن علم فقہ بہت وسیع عطا فرمایا ہے،آپ کا لقب حبر امت ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم پاخانہ تشریف لے گئے تو میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا ۱ توجب آپ باہر آئے فرمایا یہ کس نے رکھا ہے حضور کو خبر دی گئی تو فرمایا الٰہی اسے دین کا فقیہ بنادے ۲ (مسلم،بخاری)

۱ حضور انور اس دن حضرت عبداللہ ابن عباس کی خالہ جناب میمونہ ام المؤمنین کے گھر قیام فرماتھے تہجد کا وقت تھا حضور استنجاء خانہ میں تشریف لے گئے،حضرت ابن عباس جو اس رات وہاں ہی سوئے تھے تاکہ حضور کی رات کی زندگی شریف دیکھیں آپ اٹھے اور وضو کے لیے پانی استنجاء خانہ کے دروازے پر رکھ دیا یہ خدمت بارگاہ نبوت میں قبول ہوگئی۔

۲ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ فقہ فی الدین یعنی دینی سمجھ مسائل دینیہ کا استنباط کرسکنا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے خوش ہوکر انہیں یہ دعا دی،دین کا علم اور چیز ہے دین کا فقہ اور چیز ہے،رب فرماتاہے:"وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا"اور فرمایا ہے"يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ"۔ان آیات میں حکمت سے مراد فقہ فی الدین ہے اسی تفقہ سے انسان کتاب و سنت کو سمجھتا ہے اسی سے الہام اور وسوسہ میں فرق کرتا ہے۔حضرت ابن عباس ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی،آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو بار دیکھا آخر عمر شریف میں نابینا

ہوگئے، ۶۸ھ میں طائف میں وفات ہوئی،اکہتر سال عمر پائی،آپ بہت سے علوم کے جامع تھے رضی اللہ عنہ۔(مرقات)

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے ۱؎ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہے کہ حضور انہیں اور جناب حسن کو پکڑتے تھے عرض کرتے تھے الٰہی میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑتے اور مجھے اپنی ران پر بٹھاتے تھے اور حسن ابن علی کو اپنی دوسری ران پر بٹھالیتے تھے پھر ان دونوں کو لپٹاتے تھے ۳؎ پھر فرماتے الٰہی ان دونوں پر رحم فرما کہ میں ان پر رحم کرتا ہوں ۴؎ (بخاری)	

۱؎ آپ اسامہ ابن زید ابن حارثہ خزاعی ہیں،آپ کی والدہ کا نام برکت ہے،کنیت ام ایمن جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کی آزاد کردہ لونڈی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے والیوں میں سے،اسامہ ابن زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اسامہ صرف دس سال کے تھے ۵۴ھ چون میں وفات ہوئی۔

۲؎ یہ حضرت اسامہ کی انتہائی عظمت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں انہیں حضرت حسن کے ساتھ ملایا اس لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث اہل بیت کے بیان میں لائے تاکہ معلوم ہو کہ اسامہ ابن زید بھی اہل بیت اطہار سے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہنے سہنے آنے جانے والے۔اس محبت سے مراد ہے کوئی خصوصی محبت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر مبنی ہے ورنہ اللہ تعالٰی کو ہر مسلمان مؤمن سے محبت ہے،محبت بالمؤمنین،بالصالحین،بالاولیاء،بالانبیاء،بالمصطفیٰ اور بمحبوبین المصطفیٰ ان سب محبتوں میں بڑا فرق ہے۔

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں صاحبوں کو اپنی الگ الگ رانوں پر بٹھال کر ان دونوں کو اپنے سینے سے لگالیتے تھے گویا تین سینے ایک جگہ ہوجاتے تھے سینہ محمد حسن مجتبیٰ اور سینہ اسامہ ابن زید۔خیال رہے کہ سارے قرآن مجید میں سواء زید ابن حارثہ کے کسی صحابی یا اہل بیت کا نام نہیں آیا "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا" اور سواء مریم کے کسی عورت کا نام نہ آیا سواء رمضان کے کسی مہینے کا نام نہ آیا۔

۴؎ یعنی میں ان دونوں پر خصوصی رحمت کرتا ہوں تو بھی ان پر خاص ہی رحمت کر ورنہ حضور کی عمومی رحمت سارے عالم پر ہے "وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر حضرت اسامہ	

ابن زید کو امیر بنایا ا؎ تو بعض لوگوں نے ان کی امارت میں اعتراض کیا ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ان کے امیر ہونے میں طعنہ کرتے ہو تو تم ان کے والد کے امیر ہونے میں بھی اس سے پہلے طعنہ کرتے تھے ۳؎ اللہ کی قسم وہ امیری کے لائق تھے ۴؎ اور وہ مجھے لوگوں سے زیادہ پیارے تھے اور یہ بھی ان کے بعد مجھے لوگوں میں پیارے ہیں ۵؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی دوسری روایت میں اسی کی مثل ہے اس کے آخر میں ہے کہ تم کو ان کے متعلق وصیت کرتا ہوں کہ وہ تمہارے صالحین میں سے ہیں ۶؎	

ا؎ حضرت اسامہ ابن زید کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات شریف میں بہت بار امیر لشکر بنایا تھا وفات کے قریب بھی ایک لشکر پر آپ ہی کو امیر بنایا اسے سریہ اسامہ کہتے ہیں۔جب پہلی بار انہیں امیر بنایا تب یہ واقعہ پیش آیا یا ہر دفعہ یہ ہی واقعہ ہوا کہ لوگ ان کی امارت پر اعتراض کرتے رہے۔

۲؎ یہ طعن کرنے والے منافقین اور عرب کے بدوی لوگ تھے جو حضرت زید اور اسامہ ابن زید کی امارت پر اس لیے اعتراض کرتے تھے کہ یہ حضرات غلام تھے اور اہل عرب کبھی غلاموں کو کسی کا سردار نہیں بناتے تھے اسلام نے غلاموں کو اٹھا کر سردار بنادیا۔

اس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا　　　اس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کردیا

۳؎ خیال رہے کہ غزوہ موتہ میں جو شام کے علاقہ میں ہے حضور انور نے حضرت جعفر طیار جیسے بزرگوں کے ہوتے ہوئے حضرت زید ابن حارثہ کو امیر لشکر بنایا لوگ حیران ہوگئے،منافقین اور ناواقفین نے اس انتخاب پر اعتراض کیا کہ غلام کی امیری کیسی حضور انور یہاں اس کا ذکر فرمارہے ہیں۔

۴؎ یعنی اسلام میں غلامی آزادی کا فرق غلط ہے یہاں ہر مؤمن غلام ہو یا آزاد سب برابر ہیں،عظمت تقویٰ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عمل سے یہ فرق توڑ دیا۔

۵؎ خیال رہے کہ حضرت زید ابن حارث غزوہ موتہ میں شہید ہوگئے تھے،اس بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو امارت کے لیے منتخب کیا اس لشکر کی امیری جس میں حضرت فاروق عام مہاجرین و انصار تھے عام منافقین نے اعتراض کیا کہ ایسے لوگوں کے ہوتے ہوئے اسامہ کو امیر بنانا درست نہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۶؎ زید ابن حارثہ کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ قبیلہ بنی معن سے تھیں،اپنی قوم سے ملنے جارہی تھیں کہ بنی قین نے حملہ کرکے زید کو اغوا کرلیا،آپ اس وقت آٹھ سالہ تھے،بازار عکاظ میں حکیم ابن حزام ابن خویلد کے ہاتھ فروخت کردیا،حکیم نے اپنی پھوپھی جناب خدیجہ کو ہبہ کردیا،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ سے نکاح کیا تو بی بی خدیجہ نے حضور کو بخش دیا،حضور نے ان پر قبضہ کرلیا یہ خبر زید کے گھر والوں کو پہنچی تو زید کے والد حارثہ اور

ان کے چچا کعب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمارا بچہ ہم کو عطا فرمادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ چاہیں تو لے جائیں،حضرت زید نے کہا کہ حضور انور پر میرے ماں باپ سارا کنبہ فدا میں حضور کے قدموں میں ہی رہنا چاہتا ہوں،آپ نے مقام حجر میں کھڑے ہوکر فرمایا کہ لوگو گواہ رہنا میں زید کو اپنا بیٹا بناتا ہوں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کا نکاح ایک عالی نسب قرشیہ بی بی زینب سے کردیا مگر زید اور زینب میں سلوک نہ ہوا انہوں نے طلاق دے دی تب زینب سے حضور نے نکاح کیا،یہ واقعہ نکاح قرآن مجید میں موجود ہے۔زینب حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں،زید غزوہ موتہ میں ۸ھ آٹھ ہجری جمادی اولیٰ میں شہید ہوئے،پچپن سال عمر پائی۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ زید ابن حارثہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہم انہیں زید ابن محمد ہی کہہ کر پکارتے تھے[1] حتی کہ قرآن مجید نازل ہوا کہ لوگوں کو ان کے باپوں کے نام سے بلاؤ[2] (مسلم،بخاری)حضرت براء کی حدیث کہ حضور نے علی سے فرمایا انت منی بلوغ صغیر اور پرورش کے باب میں ذکر کردی گئی۔	

[1] اس کی وجہ ابھی ہم بیان کرچکے کہ حضور نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنایا تھا اور عرب میں دستور تھا کہ اپنے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے،اسے میراث بھی ملتی تھی،اس کی بیوی کو اپنی بہو سمجھتے تھے اپنی طرف اس کی نسبت کرتے تھے،اس قاعدے سے لوگ حضرت زید کو زید ابن محمد کہتے تھے۔

[2] جب حضرت زید ابن حارثہ نے جناب زینب کو طلاق دی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تب لوگوں نے کہنا شروع کردیا حضور انور نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا ان سب کی تردید میں یہ آیت اور بہت سی آیات نازل ہوئیں مثلًا"فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا"کہا اور جیسے"مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ"یا جیسے"مَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَکُمۡ اَبۡنَآءَکُمۡ"وغیرہ۔اس مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ انسان کی نسبت اس کے باپ کی طرف ہونی چاہیے مگر قرآن کریم نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو ہر جگہ عیسیٰ ابن مریم ہی فرمایا یعنی ماں کی طرف نسبت کیا اگر آپ کا کوئی باپ ہوتا تو باپ ہی کی طرف نسبت کی جاتی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حج میں عرفہ کے	

	دن دیکھا جب کہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ پڑھ رہے تھے [1] میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اے لوگو میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم ان کو تھامے رہو گے گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہل بیت [2] (ترمذی)

[1] قصواء حضور کی اونٹنی کا نام تھا،بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ چونکہ اس کا کان کٹا ہوا تھا اس لیے اسے قصواء کہتے تھے۔واللہ اعلم! (مرقات)

ہوتے صدقے کبھی ناقہ کے کبھی محمل کے سارباں کے کبھی ہاتھوں کی بلائیں لیتے

دشت طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے دھجیاں جیب و گریبان کی اڑاتے جاتے

حضور انور نے حجۃ الوداع کا خطبہ اسی اونٹنی پر دیا تھا۔

[2] عترت کے بہت معنی ہیں: قوم،اقارب،نزدیکی لوگ،ایک دادا کی اولاد اور گھر والے۔اھل بیتی فرماکر عترت کی تفسیر فرمادی کہ یہاں عترت سے مراد اہل بیت ہیں،قرآن پکڑنے سے مراد ہے اس کے پر عمل کرنا،عترت کو پکڑنے سے مراد ہے ان کا احترام کرنا،ان کی روایات پر اعتماد کرنا،ان کے فرمانوں پر عمل کرنا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف اہل بیت ہی کو پکڑو باقی کو چھوڑو،صحابہ کرام کے متعلق ارشاد ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ اہل بیت امت کے لیے کشتی ہیں صحابہ امت کے لیے تارے ہیں،سمندر کے سفر میں دونوں کی ضرورت ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ ازواج پاک ہوں یا اولاد سب ہمیشہ ہدایت پر رہیں گے کبھی گمراہ یا بے راہ نہ ہوں گے۔بعض شارحین نے کہا کہ اہل بیت کی اطاعت ان احکام میں ضروری ہے جو خلاف شرع نہ ہوں مگر حق یہ ہے کہ وہ حضرات نہ تو خلاف شرع کوئی کام کرتے ہیں نہ اس کا حکم دیتے ہیں۔(مرقات)بعض جاہل کہتے ہیں کہ یہاں اہل بیت سے مراد قیامت تک کے سید ہیں مگر یہ غلط ہے۔سید کہلانے والے لوگ بعض مرزائی شیعہ وغیرہ ہیں بعض فساق پھر ان کی اطاعت کیسی ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاوے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اسے تھامے رہو تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے [1] اللہ کی کتاب جو آسمان سے زمین تک دراز رسی ہے [2] اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت یہ دونوں جدا نہ ہوں گے حتی کہ میرے پاس حوض پر آجاویں [3] تو غور کرو تم ان دونوں سے میرے بعد کیا معاملہ کرتے ہو۔(ترمذی)

۱؎یعنی قرآن اہل بیت سے بڑا ہے اور عظمت والا ہے۔**احدھما** سے مراد قرآن کریم ہے اور **آخر** سے مراد اہل بیت ہیں۔(مرقات)یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑا،قرآن اہل بیت سے بڑا،اہل بیت قرآن سے بڑے ورنہ پھر تو **کل واحد منھما** ہوتا،یہاں بھی اہل بیت میں سارے گھر والے داخل ہیں خواہ ازواج پاک ہوں یا اولاد۔

۲؎جیسے اوپر سے لٹکی ہوئی رسّی ترقی کا ذریعہ بھی ہوتی ہے تنزل کا ذریعہ بھی کہ اسی سے چڑھا جاتا ہے اسی سے اترا جاتا ہےایسے ہی قرآن ہی کے ذریعہ اس پر عمل کرکے ترقی ہوگی قرآن چھوڑ کر تنزل،قرآن اللہ کی امان ہے جس نے اسے پکڑ لیا اللہ کی امان میں آگیا۔(مرقات)یہ فرمان عالی اس کی دلیل ہے کہ قرآن اہل بیت سے افضل ہے کیونکہ وہ اللہ کی رسی ہے۔(مرقات)

۳؎اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ قرآن اور اہل بیت آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے،اہل بیت ہمیشہ قرآن و حدیث پر عامل رہیں گے،قرآن ان کے دل و دماغ اور عمل میں رہے گا۔دوسرے یہ کہ قرآن اور اہل بیت کبھی مجھ سے جدا نہ ہوں گے حتی کہ یہ دونوں میرے پاس حوض پر پہنچ جاویں گے اور حضور کی بارگاہِ عالی میں انکی سفارش کریں گے جنہوں نے ان دونوں کا حق ادا کیا۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی اور فاطمہ اور حسن و حسین سے فرمایا کہ جو ان سے لڑے میں ان سے لڑنے والا ہوں اور جوان سے صلح کرے میں ان سے صلح جو ہوں ۱؎ (ترمذی)	

۱؎اس حدیث کی بنا پر روافض حضرت عائشہ صدیقہ اور امیر معاویہ اور ان دونوں کے ساتھیوں کو کافر کہتے ہیں کہ انہوں نے جناب علی سے جنگ کی تو گویا حضور سے جنگ کی اور حضور سے جنگ کفر ہے۔اس کے تین جواب ہیں:ایک الزامی دو تحقیقی۔جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر ان حضرات کی آپس میں صلح بھی ہوگئی جناب علی و عائشہ کی صلح تو ہو ہی گئی،امیر معاویہ سے جناب علی نے صلح کی کوشش کی،پھر امام حسن نے صلح کرلی لہذا ان پر **انا سلم لمن سالمھم** صادق آگیا۔جواب تحقیقی ایک یہ ہے کہ جنگ کا لفظ اظہار غضب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کفر مراد نہیں ہوتا جیسے قرآن کریم سود خوار کے لیے فرماتاہے:"**فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ**"اور حضور فرماتے ہیں کہ جو ولی اللہ سے دشمنی کرے **اذنته بالحرب**۔تیسرے یہ کہ دشمنی کی جنگ کو حرب کہتے ہیں،ان بزرگوں کی جنگیں اختلاف رائے کی بنا پر تھیں دشمنی کی نہ تھیں،جب برادران یوسف علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو اتنا ستاکر برسوں رلا کر کافر نہ ہوئے اور حضرت سارہ جناب ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و دانہ جنگل میں ڈلوا کر کافر نہ ہوئیں تو وہ حضرات صحابہ کافر کیسے ہوں گے،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

روایت ہے جمیع ابن عمیر سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس گیا میں نے	

	پوچھا کون شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارا تھا۲ آپ نے فرمایا فاطمہ پھر کہا گیا کہ مردوں میں فرمایا ان کے خاوند۳(ترمذی)

۱یہ تابعی ہے،کوفہ کے باشندے ہیں،کہا جاتا ہے کہ خفیہ شیعہ تھا۔واللہ اعلم!(اشعہ)

۲ان پھوپھی صاحبہ کا نام معلوم نہ ہوسکا یہ سوال یا تو خود جمیع نے کہا یا ان کی پھوپھی نے۔سألت یا تو متکلم ہے یا واحد غائب۔(مرقات)

۳یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ کی حق گوئی کہ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور کو سب سے زیادہ پیاری میں تھی اور میرے بعد میرے والد بلکہ جو آپ کے علم میں حق تھا وہ صاف صاف کہہ دیا اگر یہ ہی سوال حضرت فاطمہ زہرا سے ہوتا تو آپ فرماتیں کہ حضور کو زیادہ پیاری جناب عائشہ تھیں پھر ان کے والد۔معلوم ہوا کہ انکے دل بالکل پاک و صاف تھے۔افسوس! ان پر جوان حضرات کو ایک دوسرے کا دشمن کہتے ہیں۔(اشعہ)خیال رہے کہ محبت بہت قسم کی ہے اور محبوبیت کی نوعیتیں مختلف ہیں۔اولاد میں سب سے زیادہ پیاری جناب فاطمہ ہیں،بھائیوں میں سب سے زیادہ پیارے علی مرتضٰی ہیں،ازواج پاک میں بہت پیاری جناب عائشہ صدیقہ ہیں۔غرضکہ ایک محبت کے سلسلہ میں جناب فاطمہ بہت پیاری،دوسرے سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ بہت پیاری رضی اللہ عنہما،مقابلہ ایک سلسلہ کے افراد میں ہوتا ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ جس حدیث کا راوی رافضی ہو اور روایت فضائل اہل بیت کی ہو تو سمجھ لو کہ وہ حدیث موضوع ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ سے۱کہ جناب عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت غصہ کی حالت میں آئے ۲میں حضور کے پاس تھا حضور نے فرمایا آپ کو کس چیز نے غصہ میں کیا عرض کیا یارسول اللہ ہم کو قریش سے کیا تعلق ہے کہ جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ہنس مکھ ہوکر ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو اس کے سوا اور طریقہ سے ملتے ہیں۳رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے حتی کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۴پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا حتی کہ اللہ رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت کرے۵پھر فرمایا اے لوگو جس نے میرے چچا کو ستایا اس نے مجھے ستایا۶کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے۷(ترمذی)اور مصابیح میں مُطلب سے

روایت کی۔	

ا؎ آپ عبدالمطلب ابن ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں،حضور کے چچا زاد صحابی ہیں،اولًا مدینہ منورہ میں رہے،پھر شام ہی میں ۶۲ھ باسٹھ میں وفات پائی یعنی دمشق میں۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی کسی نے آپ کو کسی کام یا کسی بات سے غصہ دلادیا تھا اسی حالت میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۳؎ یعنی غیر ہاشمی جو قریشی ہیں وہ ہم ہاشمیوں اور غیر ہاشمیوں میں فرق کرتے ہیں،ہم بنی ہاشم کو اپنا غیر سمجھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح ملتے ہیں اور بنی ہاشم سے منہ بنا کر ملتے ہیں۔

۴؎ حضور انور کا چہرہ انور مائل بسرخی تو ویسے ہی تھا جب کبھی ناراضی ہوتی تو اس سرخی میں تیزی آجاتی تھی یہ آپ کی ناراضی کی علامت ہوتی تھی،یہ معنی ہیں **حتی احمر** کے۔(مرقات)

۵؎ اس سے مراد حضور کے سارے اہل بیت اولاد ازواج اور حضور کے سارے قرابت دار ہیں جن میں حضرت عباس داخل ہیں۔ان سب سے محبت اس لیے کرے کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہ حضرات حضور کا کنبہ ہیں جب حضور پیارے تو حضور کا سارا کنبہ بھی پیارا۔

۶؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا ہے کہ جو کوئی حضرت عباس کو عداوت سے ستائے وہ حضور کا دشمن ہے،جس کا جھگڑا یا اختلاف حضرت عباس سے ہوجاوے وہ اس حکم میں داخل نہیں۔لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت علی اور عباس کا ایک باغ کے متعلق سخت جھگڑا ہوا تھا جو بارگاہ فاروقی میں پیش ہوا لہذا حضرت علی بھی اس زد میں آگئے کیونکہ وہ دشمنی کی جنگ نہ تھی بلکہ معاملات کا اختلاف تھا۔

۷؎ **صنو** ایک جڑ کی چند شاخوں کو کہتے ہیں۔چونکہ باپ اور چچا دونوں ہی ایک دادا کے بیٹے ہوتے ہیں اس لیے چچا کو باپ کا **صنو** کہا گیا مطلب ہے مثل،یعنی چچا والد کی مثل ہوتا ہے اس کا ادب و احترام باپ کا سا کرو۔طبرانی نے بروایت ابو ایوب انصاری حدیث نقل کی کہ ایک بار حضور نے فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ تمہارے باپ نبیوں کے سردار،تمہارے باپ کے چچا حمزہ شہیدوں کے سردار،تمہارے دوسرے چچا دوپروں والے تمہارے بیٹے حسن و حسین سبط ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں ا؎(ترمذی)	

ا؎ اس حدیث کا مطلب بھی پہلے بیان ہوچکا کہ میں عباس سے قریب ہوں اور عباس مجھ سے قریب ہیں۔جناب عباس حضور سے صرف دو سال بڑے تھے،کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ بڑے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں،تو فرمایا کہ بڑے تو وہ ہی ہیں عمر میری زیادہ ہے **انا اسن وھو اکبر**۔حضرت عباس بچپن میں گم ہوگئے تھے تو آپ کی والدہ نے منت مانی تھی کہ الٰہی میرا عباس مل جاوے تو میں کعبہ کو ریشم کا غلاف پہناؤں،آپ مل گئے تو انہوں نے ریشمی غلاف کعبہ کو پہنایا آپ نے ہی پہلے ریشمی غلام چڑھایا۔حضرت عباس نے اپنی وفات کے وقت سترہ غلام آزاد کیے، آپ

نے بیاسی سال عمر پائی رجب ۳۲ھ بتیس میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئے،فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔آپ کی وفات بارہ ماہ رجب جمعہ کے دن ہوئی،جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ کوئی عباس کو قتل نہ کرے وہ جبرًا فوج کفار میں لائے گئے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے عباس سے فرمایا کہ جب پیر کا سویرا ہو تو تم اور تمہارے فرزند میرے پاس آؤ۱تاکہ میں تمہارے لیے ایسی دعا کروں جس سے اللہ تم کو اور تمہارے فرزند کو نفع دے چنانچہ وہ اور ان کے ساتھ ہم سب سویرے ہی گئے حضور نے ہم کو اپنا کمبل اوڑھایا ۲پھر فرمایا الٰہی عباس اور ان کے بیٹے کی ظاہری و باطنی بخشش کر۳جو کوئی گناہ نہ چھوڑے الٰہی ان کی حفاظت فرما ان کی اولاد میں۴(ترمذی)اور رزین نے زیادہ کیا کہ الٰہی ان کی اولاد میں خلافت مقرر فرما۵ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱معلوم ہوا کہ سوموار کے دن کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے ورنہ آپ ابھی اس وقت دعا کردیتے یا اس دن حضور کی کوئی خاص خوشی ہوگی،خوشی اور جوش کے وقت کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے لڑکوں نے کہا" یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا"ابا جان ہمارے لیے بخشش کی دعا کرو تو آپ نے فرمایا"سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ"ابھی نہیں آئندہ دعا کروں گا یعنی جب میں یوسف علیہ السلام کو دیکھوں گا دل خوش ہوگا تب دعا کروں گا۔دعا کرانے اور دعا لینے میں بڑا فرق ہے یہاں ولد سے مراد ساری اولاد ہے۔

۲لہذا حضرت عباس اور ان کے سارے لڑکے بھی اصحاب عبا ہیں کہ حضور انور نے انہیں اپنے کمبل شریف میں اپنے ساتھ لیا،یہ ہی واقعہ حضرت فاطمہ وحسنین کریمین کے ساتھ ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ دو شنبہ کا دن اور دو شنبہ کا سویرا بہت اعلیٰ دن اور اعلیٰ وقت ہے،کیوں نہ ہو کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا دن اور وقت ہے۔ہم کو بھی چاہیے کہ دو شنبہ کے دن صبح سویرے درود شریف اور دعاؤں کی کثرت کیا کریں،جس دن جس مہینہ جس وقت میں اللہ کی کوئی نعمت دنیا کو ملے وہ دن مہینہ وہ وقت تا قیامت برکت والا ہوجاتا ہے۔ماہ رمضان شب قدر میں ایک بار قرآن مجید آچکا مگر تاقیامت وہ مہینہ وہ رات برکت والی ہوگئی،یوں ہی ماہ ربیع الاول دو شنبہ کا سویرا برکت والا ہے خصوصًا جب کہ ربیع الاول کا مہینہ بارہ تاریخ سویرے کا وقت ان کا اجتماع ہوجائے تب تو سبحان اللہ!

۳یعنی ظاہری ذنوب باطنی عیوب جو جانے علام الغیوب سب کو معافی دے دے آئندہ کے لیے اصلاح فرمادے کہ نہ ان تک ذنوب پہنچیں نہ عیوب۔(از مرقات)

۴؎ یعنی حضرت عباس کو مع ان کی اولاد کے اپنی حفظ و امان میں رکھ یا حضرت عباس کو ان کی اولاد میں رہتے ہوئے محفوظ رکھ مطلب ایک ہی ہے۔خیال رہے کہ ان بزرگوں کو کمبل شریف میں لے کر یہ اشارہ فرمایا کہ یہ لوگ بظاہر چند ہیں مگر درحقیقت ایک ہیں کہ ایک کمبل رحمت میں ہیں کل قیامت میں ایک جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (مرقات)

۵؎ نبی کی خلافت باطنی ولایت ہے۔مطلب یہ ہے کہ الٰہی تاقیامت ان کی اولاد میں ولایت قائم رہے،ان میں اولیاء اللہ، ابدال،غوث و قطب،علم شریعت و طریقت رہے،ان کی نسل ولایت سے خالی نہ ہوجاوے۔اشعۃ اللمعات نے خلافت کے معنی کئے سلطنت،دولت پائیدار۔چنانچہ بہت عرصہ خلافت و سلطنت بنی عباس میں رہی۔(اشعہ)

	روایت ہے انہیں سے کہ انہوں نے جبریل کو دوبار دیکھا اور ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار دعا کی ۱؎ (ترمذی)

۱؎ چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے والد صاحب کے ساتھ حضور انور کی بارگاہ میں حاضر ہوا حضور کے پاس ایک صاحب تھے جو بہت ہی حسین و جمیل تھے،کچھ دیر بعد حضرت عباس حضور انور کے پاس پھر حاضر ہوئے پوچھا حضور وہ حسین صاحب کہاں گئے،فرمایا وہ جبریل تھے جب تم دونوں یہاں آئے تو جبریل نے مجھ سے پوچھا یہ دونوں کون تھے میں نے فرمایا میرے چچا اور میرے چچا کا بیٹا،فرمایا یہ بچہ محل خیر ہے،ہم نے فرمایا جبریل تم ان کے لیے دعا خیر کرو انہوں نے کہا اللهم بارك عليهم اللهم اجعل منه كثيرا طيبًا۔(مرقات)دوسری بار اور جگہ حضور انور کے پاس بیٹھا ہوا حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں دیکھا آپ وہاں پہنچے اتفاقًا سلام نہ کیا،حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اگر یہ سلام کرتے تو میں انہیں بہت اچھا جواب دیتا،حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابن عباس تم کو سلام سے کس چیز نے منع کیا۔یہ واقعہ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں بروایت ابن عساکر اور شیخ نے اشعۃ اللمعات میں نقل کیا۔خیال رہے کہ حضرت جبریل کو بشکل انسان ابن عباس نے دو بار دیکھا،ان کی اصل شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء کسی نے نہ دیکھا حضور نے بھی صرف دوبار ان کی اصلی شکل میں دیکھا۔

	روایت ہے انہیں سے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار دعا کی کہ الٰہی انہیں حکمت عطا کر ۱؎(ترمذی)

۱؎ ایک بار تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمبل شریف میں لے کر دعا دی،دوسری بار جب حضرت ابن عباس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے پانی رکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء خانہ میں تشریف لے گئے تھے باہر تشریف لائے پانی رکھا ہوا دیکھ کر دعا دی۔(اشعہ،مرقات)جب حضرت عبداللہ ابن عباس کو قبر میں رکھا گیا تو لوگوں نے غیبی آواز سنی "یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً" دیکھو اشعۃ اللمعات۔

حکمت سے مراد ہے قرآن مجید کا علم، حدیث شریف کی باریکیوں تک ذہن کی رسائی،قرآن و حدیث سے مسائل شرعیہ فرعیہ کا استنباط۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جناب جعفر فقراء سے بہت محبت کرتے تھے ۱؎ اور ان کے پاس بیٹھتے تھے ان سے باتیں کرتے تھے ۲؎ وہ آپ سے باتیں کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی کنیت ابو المساکین رکھتے تھے ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ اگرچہ تمام صحابہ و اہل بیت مساکین سے محبت کرتے تھے مگر حضرت جعفر ابن ابی طالب ان سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔

۲؎ یعنی حضرت جعفر کی اکثر نشست و برخاست زیادہ بات چیت غرباء و مساکین سے ہوتی تھی۔

۳؎ عربی میں ابو بہت معنی میں آتا ہے باپ،والا،مہربان یہاں آخری دو معنی میں ہے یعنی مسکینوں والے یا مسکینوں پر بہت مہربان۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے جناب جعفر کو فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے دیکھا ۱؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یہ فرمان عالی حضرت جعفر کی شہادت کے بعد کا ہے،آپ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے لہذا یہاں دیکھنے سے مراد معراج میں دیکھنا نہیں بلکہ بیداری میں مدینہ منورہ سے دیکھنا مراد ہے۔معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ مدینہ میں رہ کر جنت کو دیکھتی ہے تو یقینًا ہم کو بھی دیکھتی ہے،حضور بفضلہٖ تعالٰی ناظر ہیں بلکہ حاضر ہیں کہ نماز کسوف میں حضور نے ہاتھ بڑھایا پھر سمیٹ لیا بعد میں فرمایا کہ جنت کا خوشہ ہم نے پکڑ لیا تھا مگر چھوڑ دیا،جب ان کی نگاہ ان کا ہاتھ مدینہ میں رہتے ہوئے جنت میں پہنچ سکتا ہے تو ہم غریبوں کے پاس بھی پہنچ سکتا ہے۔

اے فروغت صبح آثار و دھور　　　چشم تو بینندہ ما فی الصدور

اس حدیث کی بنا پر آپ کا لقب ہے جعفر طیار۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی جو لوگ جوانی میں وفات پائیں اور ہوں جنتی حضرت حسنین کریمین ان کے سردار ہیں ورنہ جنت میں تو سبھی جوان ہوں گے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ حضرات حسنین کریمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے نبیوں کے بھی سردار ہوں۔شباب جمع ہے شاب کی بمعنی جوان،جوانی کی عمر اٹھارہ برس سے تیس سال تک ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین یہ دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں ۱؎(ترمذی) یہ حدیث پہلی فصلی میں گزر چکی ۲؎	

۱؎اس فرمان عالی کی شرح گزر گئی کہ جیسے باغ والے کو سارے باغ میں پھول پیارا ہوتا ہے ایسے ہی دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں میں مجھے حضرات حسنین کریمین پیارے ہیں۔اولاد پھول ہی کہلاتی ہے سارے نواسی نواسوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں فرزند بہت پیارے تھے۔

۲؎صاحب مشکوۃ نے صاحب مصابیح پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث تو پہلی فصل میں لاچکے تھے پھر اب یہاں مکرر کیوں لائے مگر قارئین کو معلوم ہے کہ وہاں بخاری کی روایت تھی یہاں ترمذی کی روایت ہے،نیز الفاظ حدیث میں کسی قدر فرق ہے محدثین ان وجوہ سے ایک حدیث کئی بار لے آتے ہیں۔

روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں ایک رات کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا ۲؎تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تشریف لائے کہ آپ کسی چیز کو گود میں لیے تھے مجھے خبر نہ تھی کہ وہ کیا ہے ۳؎تو جب میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا میں نے پوچھا یہ کیا ہے جو آپ گود میں لیے ہیں ۴؎ حضور نے اسے کھولا تو حسن و حسین آپ کی رانوں پر تھے فرمایا یہ میرے دونوں بیٹے میری بیٹی کے بیٹے ہیں ۵؎ الٰہی میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر ۶؎(ترمذی)	

۱؎حضرت اسامہ ابن زید ابن حارثہ کے حالات و فضائل پیچھے گزر چکے۔

۲؎طروق کے معنی ہیں طریق طے کرکے کسی کے پاس پہنچنا،اب اصطلاح میں رات کے جانے کو طروق کہتے ہیں۔ماخوذ ہے طروقة الفهل سے اس لیے تارے کو طارق کہتے ہیں کہ وہ رات میں گویا سفر کرتا ہے"وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ"۔

۳؎یعنی مجھے یہ تو محسوس ہوتا تھا کہ حضور انور کی گود میں کچھ ہے کہ آپ کی گود ابھری ہوئی تھی مگر یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ کیا چیز،رات اندھیری تھی اور وہ چیز بھی کمبل شریف میں چھپی ہوئی تھی۔

۴؎حضرت اسامہ بہت دیر تک حاضر رہے باتیں کرتے رہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھے رہے بغیر جنبش کیے ہوئے اس لیے آپ نے یہ پوچھنے کی ہمت کی۔

۵؎یہ عبارت بیان ہے ابنای کا یعنی یہ حکمًا میرے بیٹے ہیں اور حقیقتًا میری بیٹی کے بیٹے ہیں مجھے ان سے بیٹوں جیسی محبت ہے۔خیال رہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی اولاد حضور کی نسل ہے اس سے حضور کی نسل چلی گویا حسن و حسین حضور کی نسل بھی ہیں اور نسل کی اصل بھی ورنہ نسب باپ سے ہوتا ہے نہ کہ ماں سے،ہاں شرف ماں سے بھی ہوجاتا ہے۔لفظ آل دونوں پر بولا جاتا ہے بیٹے کی اولاد پر بھی اور بیٹی کی اولاد پر بھی۔ حضرت حنہ اور مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن کریم نے عمران کی آل فرمایا حتی کہ ایک سورہ کا نام آل عمران ہوا۔

۶؎اس دعا کا مقصود حضرت اسامہ کو سنانا اور بتانا ہے کہ اسامہ میرے حسن و حسین سے محبت کرو کہ ان کی محبت اللہ تعالٰی کی محبوبیت کا ذریعہ ہے۔خیال رہے کہ دلی محبت بجلی کی کرنٹ کی طرح ایک متعدی چیز ہے جس سے محبت ہوتی ہے اس کی اولاد گھر والے نوکروں چاکروں حتی کہ اس کے شہر سے محبت ہوجاتی ہے" لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ "۔شعر

اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است	خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است

روایت ہے حضرت سلمٰی سے ۱؎فرماتی ہیں کہ میں ام سلمہ کے پاس گئی وہ رو رہی تھیں میں نے کہا آپ کو کیا چیز رلاتی ہے آپ بولیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یعنی خواب میں ۲؎آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک پر مٹی ہے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کا یہ حال کیسا ہے فرمایا میں ابھی قتل حسین کے موقعہ پر حاضر تھا ۳؎(ترمذی)اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎بی بی سلمٰی جناب ابو رافع جو حضور کے آزادکردہ غلام ہیں ان کی زوجہ ہیں،حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی ازواج مطہرات کی خدمت کیا کرتی تھیں،جناب فاطمہ زہرا کو اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر صدیق نے غسل میت دیا ان کے ساتھ مدد کے لیے بی بی سلمٰی موجود تھیں۔(اشعہ،مرقات)

۲؎حضرت ام سلمہ نے یہ خواب دسویں محرم جمعہ کے دن دوپہری میں دیکھی تھی وہ وقت تھا حضرت حسین کی شہادت کا۔مگر حق یہ ہے کہ خواب واقعہ کربلا سے پہلے کا ہے جس میں حضور انور نے آئندہ آنے والے واقعہ کی ام سلمہ کو خبر دی ہے خاص شہادت کے دن کا واقعہ نہیں۔

۳؎خیال رہے کہ ام سلمہ کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے،اولًا ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں، ۴ھ میں ابو سلمہ کی وفات ہوئی،اسی سال حضور کے نکاح میں آئیں،چوراسی سال عمر پائی ۵۹ انسٹھ میں وفات ہوئی۔(اکمال،اشعہ)اور واقعہ کربلا آپ کی وفات سے دو سال بعد ہوا۔حضور انور نے آنے والے واقعہ کی حضرت ام سلمہ کو اس طرح خبر دے دی جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں شاہ مصر نے گایوں اور بالیوں کو کھاتے ہوئے دیکھا حالانکہ واقعہ قحط سالی کئی

سال بعد ہوا،خواب میں آئندہ یا گزشتہ واقعات موجودہ شکل میں دکھائے جاتے ہیں۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:مؤمن خصوصًا اہل بیت خصوصًا جناب حسین کی تکلیف سے حضور انور کو قبر شریف میں تکلیف ہوتی ہے حضور اس دنیا سے بے خبر نہیں،رب فرماتا ہے"عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ"۔دوسرے یہ کہ حضور اپنی وفات کے بعد بھی عالم کی سیر فرماتے ہیں اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔وہ جو کہا جاتا ہے کہ حضور میلاد شریف میں تشریف لاتے ہیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔تیسرے یہ کہ مقبولوں کی رفتار نور نظر کی رفتار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔چوتھے یہ کہ حضور انور کہیں تشریف لے جاویں مدینہ آپ سے خالی نہیں ہوتا جیسے نور نظر آسمان کی سیر کرے مگر آنکھ میں بھی رہتا ہے، حضور نے ہاتھ بڑھا کر جنت کا خوشہ پکڑ لیا مگر حضور رہے مدینہ میں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں آپ کو زیادہ پیارا کون ہے فرمایا حسن اور حسین ۱؎ اور حضور فاطمہ سے فرماتے تھے کہ میرے پاس میرے بچوں کو بلاؤ پھر انہیں سونگھتے تھے اور اپنے سے لپٹاتے تھے ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۳؎	

۱؎ اس کی شرح پہلے کی جاچکی ہے کہ محبت کی بہت قسمیں ہیں: اولاد سے محبت اور قسم کی ہے،ازواج سے اور قسم کی، دوستوں سے اور قسم کی۔اولاد میں حضرات حسنین بہت پیارے ہیں،ازواج میں حضرت عائشہ صدیقہ محبوبہ محبوب رب العالمین ہیں،دوست و احباب میں حضرت ابوبکر صدیق بہت پیارے ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ حضور انہیں کیوں نہ سونگھتے وہ دونوں تو حضور کے پھول تھے پھول سونگھے ہی جاتے ہیں،انہیں کلیجے سے لگانا لپٹانا انتہائی محبت و پیار کے لیے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کو سونگھنا،ان سے پیار کرنا،انہیں لپٹانا چمٹانا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۳؎ ذخائر میں ہے کہ یہ حدیث دوسری روایت میں حسن بھی ہے صحیح بھی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ہم کو خطبہ دے رہے تھے ۱؎ اچانک حسن و حسین آئے جن پر دو سرخ قمیضیں تھیں ۲؎ وہ چلتے تھے اور گرتے تھے ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے ان دونوں کو اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا ۴؎ پھر فرمایا سچ فرمایا اللہ تعالٰی نے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں ۵؎ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے گرتے ہیں تو میں صبر نہ کرسکا حتی کہ میں نے اپنی بات بند کردی اور ان دونوں کو اٹھالیا ۶؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

۱؎غالب یہ ہے کہ یہ خطبہ وعظ نہ تھا بلکہ خطبہ جمعہ تھا،ان دونوں کے لیے حضور نے خطبہ جمعہ توڑا جب ان کے لیے نماز کا سجدہ دراز کیا جاسکتا ہے تو انہیں کے لیے خطبہ جمعہ بھی توڑا جاسکتا ہے۔

۲؎یعنی ان دونوں فرزندوں کی قمیضوں میں سرخ دھاریاں تھیں خالص سرخ نہ تھیں کہ خالص سرخ کپڑا مردوں اور لڑکوں کو پہننا پہنانا ممنوع ہے۔(مرقات)

۳؎یعنی یہ دونوں فرزند بہت چھوٹے تھے نیا نیا چلنا سیکھا تھا اس لیے برابر چل نہ سکتے تھے،چلتے گر جاتے پھر اٹھ کر چلتے گر جاتے تھے جیساکہ بہت چھوٹے بچوں میں دیکھا جاتا ہے۔

۴؎خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین میں سے کسی سے نہ منگایا نہ کسی اور کی گود میں بٹھایا بلکہ خود منبر شریف سے اتر کر خطبہ چھوڑ کر بچوں کے پاس گئے انہیں اٹھا کر لائے اپنے برابر بٹھایا یہ ہے حضور کی انتہائی محبت ان دونوں سے۔

۵؎اس آیت کریمہ میں فتنہ بمعنی آفت یا مصیبت نہیں بلکہ محنت یا آزمائش ہے اللہ تعالٰی ان کے ذریعہ مؤمن کو ثواب دیتا ہے۔

۶؎خیال رہے کہ حضرات حسنین کریمین کے لیے خطبہ قطع کرنا حضور کی خصوصیت ہے نہ تو ہم کو جائز ہے کہ ہم اپنے بچوں کے لیے خطبہ جمعہ چھوڑیں یا توڑیں نہ حضرت علی و فاطمہ زہرا کو جائز تھا کہ انہیں صاحبزادوں کے لیے خطبہ یا نماز چھوڑیں،حضور نے ان دونوں کے لیے اپنا سجدہ دراز فرمایا۔حضرت امامہ بنت ابوالعاص یعنی اپنی نواسی کو کندھے پر لے کرنماز پڑھی اس طرح کہ رکوع سجدہ کے وقت انہیں اتار دیا بعد میں پھر کندھے پر لے لیا اگر ہم ایسا کریں گے تو نماز ٹوٹ جائے گی اور ہم گنہگار ہوں گے اس لیے حضرت امامہ کو گود میں لے کر نہ تو ابو العاص نے نماز پڑھی نہ جناب زینب نے،احکام شرعیہ اور ہیں خصوصیات کچھ اور۔

روایت ہے حضرت یعلٰی ابن مرہ سے۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۲؎اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے،حسین اسباط میں سے ایک سبط ہیں۳؎(ترمذی)	

۱؎حضرت یعلٰی صحابی ہیں،غزوہ خیبر،حنین،حدیبیہ،طائف میں شریک ہوئے،آخر میں بصرہ میں قیام رہا۔(مرقات،اشعہ)

۲؎یعنی میں اور حسین گویا ایک ہی ہیں ہم دونوں سے محبت ہر مسلمان کو چاہیے،مجھ سے محبت حسین سے محبت ہے اور حسین سے محبت مجھ سے محبت ہے،چونکہ آئندہ واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھے اس لیے اس قسم کی باتیں امت کو سمجھائیں۔(مرقات)احمد اور ابن عساکر نے روایت کی کہ حسن میرے ہیں اور حسین علی کے اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑا بیٹا دادا نانا کا ہوتا ہے چھوٹا بیٹا باپ کا،یہ تقسیم اظہار کرم کے لیے ہے دیکھو مرقات۔

۳؎سبط وہ درخت جس کی جڑ ایک ہو اور شاخیں بہت یعنی جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسباط کہلاتے تھے کہ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل شریف بہت چلی،رب فرماتاہے:"وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ

اَسۡبَاطًا اُمَمًا"ایسے ہی میرے حسین سے میری نسل چلے گی اور ان کی اولاد سے مشرق و مغرب بھرے گی،دیکھ لو آج سادات کرام مشرق و مغرب میں ہیں اور یہ بھی دیکھ لو کہ حسنی سید تھوڑے ہیں حسینی سید بہت زیادہ ہیں اس فرمان عالی کا ظہور ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرمایا کہ حسن سینے اور سر کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہہ تھے ۱؎ اور حسین اس سے نیچے کے حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہہ تھے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ خیال رہے کہ حضرت فاطمہ زہرا ازسر تاقدم بالکل ہم شکل مصطفٰی تھیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ہم نے عرض کیا ہے۔

کیا نظارہ جن آنکھوں نے تفسیر نبوت کا　　　رسول اللہ کی جیتی جاگتی تصویر کو دیکھا

اور آپ کے صاحبزادگان میں یہ مشابہت تقسیم کردی گئی تھی۔یہاں **اشبہ** یا تو ماضی ہے باب افعال کا یا اسم تفضیل ہے **سمع یسمع** کا۔حضرت حسین کی پنڈلی قدم شریف اور ایڑی بالکل حضور کے مشابہہ تھی۔**علی جدہ وعلیہ الصلوۃ والسلام**!

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قدرتی مشابہت بھی اللہ کی نعمت ہے جو اپنے کسی عمل کو حضور کے مشابہہ کردے تو اس کی بخشش ہوجاتی ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم**۔تو جسے خدا تعالٰی اپنے محبوب کے مشابہہ کرے اس کی محبوبیت کا کیا حال ہوگا اس لیے یہ حدیث فضائل اہلِ بیت کے سلسلے میں لائی گئی۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں آپ کے ساتھ مغرب پڑھوں ۱؎ اور آپ سے عرض کروں کہ میرے اور تمہارے لیے دعائے مغفرت کریں ۲؎ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ کے ساتھ مغرب پڑھی آپ نے مغرب پڑھی حتی کہ عشاء پڑھی ۳؎ پھر حضور واپس ہوئے میں آپ کے پیچھے گیا،حضور نے میری آواز سنی تو فرمایا یہ کون ہے کیا حذیفہ،میں نے کہا ہاں فرمایا تمہاری کیا حاجت ہے اللہ تمہیں اور تمہاری ماں کو بخشے ۴؎ یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترا ۵؎ اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہ جنتی	

	لوگوں کی بیویوں کی سردار ہیں ۶ اور حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں ۷ (ترمذی) اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ۸

۱ حضرت حذیفہ کا گھر مسجد نبوی شریف سے کچھ فاصلے پر تھا اس لیے ان کو ان کی والدہ نے شام کے وقت گھر رہنے کی تاکید فرمائی تھی، مسجد نبوی شریف میں حاضر ہونے کی اجازت نہ دیتی تھیں، انہیں یا تو حضرت حذیفہ پر خوف تھا یا اپنے پر اس لیے آپ نے فرمایا کہ اماں جان مجھے آج وہاں حاضری کی اجازت دے دیجئے۔

۲ یعنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجوم کم ہوتا ہے مجھے عرض معروض کرنے کا اچھا موقعہ ملے گا اس لیے رات میں حاضری کی اجازت مانگی۔

۳ یعنی میں نے نماز مغرب حضور انور کے ساتھ پڑھی پھر عشاء تک حضور کے پاس حاضر رہا۔ بعض مشائخ کرام مغرب سے عشاء تک نوافل اور وظائف پڑھتے ہیں اسے احیاء مابین العشائین کہتے ہیں۔ اب بھی مدینہ منورہ میں مسلمان مغرب کی نماز کے لیے مسجد نبوی شریف میں جاتے ہیں تو عشاء پڑھ کر آتے ہیں۔

۴ حضور انور نے نور نبوت سے حضرت حذیفہ کو بھی جان لیا ان کے دل کی حاجت بھی معلوم کرلی کہ یہ کیوں آرہے ہیں، بھلا جس پر پتھر کے دل کی بات ظاہر ہو کہ فرمایا احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں اس پر انسانوں کے دل کے حالات دلی تمنائیں کیسے مخفی رہ سکتی ہیں، وہاں عرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں انہیں ہماری حاجتیں مرادیں سب معلوم ہیں۔ شعر

قدرت کی تحریریں جانے   امی اور تقریریں جانے
بخشش کی تدبیریں جانے   وہ ہے رحمت والا
جن کا نام ہے محمد ان سے دوجگ ہے اجیالا

۵ اس فرشتہ کا نام روایات میں نہیں آیا بہرحال رحمت کا خاص فرشتہ ہے خادم بارگاہ ہے۔

۶ اس کی شرح پہلے گزرچکی کہ جناب سیدہ فاطمہ زہرا جنتی مؤمنین کی بیویوں کی سردار ہیں لہذا اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ وہ جناب خدیجۃ الکبریٰ اور عائشہ صدیقہ کی بھی سردار ہوں کیونکہ وہ تو سید الانبیاء کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

۷ اس کی شرح پہلے گزر گئی جو لوگ جوانی میں وفات پاگئے اور تھے جنتی انکے سردار حضرات حسنین کریمین ہیں لہذا آپ دونوں نبیوں کے سردار نہیں کیونکہ کوئی نبی جوانی میں دنیا سے تشریف نہیں لے گئے، جنت میں سب ہی جوان ہوں گے۔

۸ یہ حدیث احمد نے بروایت حسن روایت فرمائی۔ (مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن ابن علی کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے کہا اے صاحبزادے تم بہت اچھی سواری پر سوار ہو تو نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سوار بھی تو اچھا ہے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی اے دیکھنے والے تو نے یہ تو دیکھا کہ جناب حسن کی سواری سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا ہے یہ نہ دیکھا کہ سوار سید الشہداء ہے سید الاولیاء حضرت علی کا فرزند دلبند ہے اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا کا لخت جگر ہے،سید الانبیاء کا نور نظر ہے رضی اللہ عنہ آپ کا لقب ہے راکب دوش رسول۔

روایت ہے حضرت عمر سے کہ آپ نے اسامہ کے لیے تین ہزار پانچ سو مقرر فرمائے اور عبداللہ ابن عمر کے لیے صرف تین ہزار مقرر فرمائے ۱؎ تو عبداللہ ابن عمر نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر ترجیح کیوں دی ۲؎ اللہ کی قسم وہ کسی موقعہ میں مجھ سے آگے نہ بڑھے ۳؎ فرمایا اس لیے کہ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے باپ سے زیادہ پیارے تھے ۴؎ اور اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے زیادہ محبوب تھے ۵؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے کو اپنے پیارے پر ترجیح دی ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مشہور صحابہ کے لیے بیت المال سے سالانہ وظیفے مقرر فرمائے تھے ان کے گزارے کے واسطے،اس سلسلہ میں اپنے محبوب ترین فرزند کا سالانہ وظیفہ تین ہزار درہم مقرر فرمائے اور حضرت اسامہ کے لیے ساڑھے تین ہزار درہم مقرر کیے یعنی پانچ سو درہم زیادہ۔

۲؎ چونکہ وظیفے کی زیادتی کمی درجہ کی زیادتی کمی کی علامت ہوتی ہے اس لیے جناب عبداللہ نے سوال فرمایا،مال کی ہوس یا حضرت اسامہ پر حسد سے نہ کہا۔

۳؎ **مشھد** کے معنی ہیں حاضری کی جگہ یعنی مجلس۔اس سے مراد عام مجلس خیر ہے علمی ہو یا عملی،جہاد کی ہو یا حج کی۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد جہاد ہے یعنی ایسی کوئی مجلس خیر نہیں گزری جس میں اسامہ شریک ہوئے ہوں میں شریک نہ ہوا ہوں۔

۴؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان عالی تواضع اور انکسار کی بنا پر ہے ورنہ حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے ہی محبوب صحابی ہیں یا یوں کہو کہ گھر میں رہنے سہنے کی محبوبیت حضرت زید کو زیادہ حاصل ہے ہر وقت گھر میں نظر آنے والے پر زیادہ کرم رہتا ہے غرضکہ اس سے کوئی خاص محبت مراد ہے۔

۵؎ یہاں بھی وہ ہی تحقیق ہے کہ اس مخصوص محبت میں جناب اسامہ حضرت ابن عمر سے بڑھے ہوئے تھے۔

۶؎ **سبحان اللہ!** یہ ہے حضرت عمر کا عشق رسول آپ نے حضرات حسنین کریمین کے لیے پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر فرمایا تھا،حضرات خلفاء ثلثہ اہلِ بیت اطہار کے لیے امان تھے،ان کے زمانہ میں حضرات حسنین بلکہ حضرت علی

کسی غزوہ میں نہ بھیجے گئے،ان کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت علی پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے حتی کہ آپ کو مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا یہ ہی حال حضرات حسنین کریمین کا ہوا۔

	روایت ہے حضرت جبلہ ابن حارثہ سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ساتھ میرے بھائی زید کو بھیج دیں ۱؎ فرمایا وہ یہ ہیں اگر وہ تمہارے ساتھ جائیں تو میں انہیں منع نہ کروں گا ۲؎ جناب زید نے کہا یارسول اللہ اللہ کی قسم میں آپ پر کسی کو ترجیح نہ دوں گا ۳؎ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کی رائے اپنی رائے سے بہتر دیکھی ۴؎ (ترمذی)

۱؎ حضرت زید کا پورا واقعہ پہلے مذکور ہوچکا ہے کہ آپ آٹھ سال کی عمر میں دشمنوں کے ہاتھ قید ہوگئے تھے،بازار میں فروخت کردیئے گئے،حکیم ابن حزام نے آپ کو خریدا اور اپنی پھوپھی خدیجۃ الکبریٰ کو ہدیۃً دے دیا،جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضور کے نکاح میں آئیں تو آپ نے حضرت زید کو حضور کی خدمت کے لیے مقرر فرمادیا،حضور نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا،آپ کے بڑے بھائی جبلہ ابن حارثہ کو پتہ لگا کہ زید ابن حارثہ حضور انور کے پاس ہیں تو وہ انہیں لینے آئے تب یہ عرض کیا۔خیال رہے کہ حضرت زید غزوہ موتہ میں حضرت جعفر کے ساتھ شہید ہوئے،پچپن سال عمر ہوئی حضور نے انہیں حضرت جعفر کا بھائی بنادیا تھا۔(اشعہ)

۲؎ یعنی اگر یہ اپنے گھر جانا چاہیں تو لے جاؤ میں انہیں منع نہیں کروں گا۔

۳؎ یعنی آپ پر میرے ماں باپ بھائی برادر فدا ہوں میں آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں ماں باپ کے پاس جانا نہیں چاہتا، مجھے اپنے در سے دور نہ کریں آپ کی خدمت دین و دنیا کی ساری نعمتوں سے افضل ہے۔

۴؎ یعنی میں نے انہیں حضور کے فراق کا مشورہ دیا انہوں نے وصال چاہا وہ مجھ سے بہتر رائے والے تھے انہوں نے حضور کو اختیار کیا۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بھاری بیمار ہوگئے تو میں اور دوسرے لوگ مدینہ آئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۱؎ جب کہ کلام فرمانا بند ہوچکا تھا تو حضور نے کوئی بات نہ کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مجھ پر رکھنے اور اٹھانے لگے میں پہچان گیا کہ آپ میرے لیے دعائیں فرما رہے ہیں ۲؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

ا؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے مہاجرین و انصار کا ایک لشکر روانہ فرمایا جس کے سردار حضرت اسامہ ابن زید تھے،یہ لشکر ابھی مقام جرف میں پہنچا تھا جو مدینہ منورہ سے باہر قریب ہی ہے کہ اسے پتہ لگا کہ حضور انور کو سخت بخار اور درد سر ہے،یہ سب لوگ یہ خبر وحشت اثر سن کر مدینہ منورہ واپس آگئے یہاں یہ واقعہ مذکور ہے۔ چونکہ جرف مدینہ منورہ سے ایسا اونچا ہے جیسے عرفات مکہ معظّمہ سے اس لیے **ھبطت** فرمایا یعنی میں اترا۔(لمعات)

۲؎ حضرت اسامہ اب جو حاضر بارگاہ ہوئے تو حیات شریف کے آخری لمحات تھے زبان مبارک سے کلام فرمانا بند کردیا تھا اس لیے حضور انور نے اشارہ سے دعا فرمائی جسے حضرت اسامہ نے فراست ایمانی سے سمجھ لیا،حضرت اسامہ خوش تھے کہ انہوں نے حضور کی آخری دعائیں لے لیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کی ناک صاف کرنے کا ارادہ کیا ا؎ تو جناب عائشہ نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ یہ کام میں کروں فرمایا اے عائشہ ان سے محبت کرو کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں ۲؎(ترمذی)	

ا؎ حضرت اسامہ ابن زید بچے تھے حضور کی گود میں تھے کہ ناک آگئی حضور انور نے اپنے دستِ اقدس سے ناک صاف کرنا چاہی جیسے عمومًا گود کے بچوں کے لیے کیا جاتا ہے۔

۲؎ حضور کی محبت رکن ایمانی ہےاور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت یہ ہے کہ حضور کے ہر محبوب سے محبت ہو حتی کہ مدینہ منورہ کی گلی کوچوں سے دوستی کرے،گوشت سے،چھوٹے کدو سے محبت کرے۔شعر

ومن مذھبی حب الدیار لا ھلھا | وللناس فیما یعشقون مذاھب

روایت ہے حضرت اسامہ سے فرمایا کہ میں بیٹھا ہوا تھا ا؎ کہ جناب علی و عباس آئے اجازت داخلہ چاہتے تھے انہوں نے اسامہ سے کہا کہ ہمارے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے دو ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ علی اور عباس اجازت مانگ رہے ہیں فرمایا کیا تم جانتے ہو کیا مقصد انہیں یہاں لایا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا لیکن میں جانتا ہوں ۳؎ انہیں اجازت دے دو وہ دونوں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ پوچھنے حاضر ہوئے ہیں کہ حضور کو اپنے گھروالوں میں کوئی زیادہ پیارا ہے ۴؎ فرمایا فاطمہ بنت محمد،وہ بولے ہم آپ کے اہل بیت کے متعلق پوچھنے نہیں آئے	

	ہیں۵؎ فرمایا میرے گھر والوں میں مجھے زیادہ پیارا وہ ہے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور میں نے بھی انعام کیا ۶؎ یعنی اسامہ ابن زید۷؎ وہ بولے پھر کون فرمایا علی ابن ابی طالب۸؎ تو جناب عباس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے چچا کو ان سب سے آخر کر دیا۹؎ فرمایا کہ علی تم سے ہجرت میں سبقت لے گئے ہیں۱۰؎ (ترمذی) یہ حدیث کہ عم الرجل صنو ابیہ کتاب الزکوۃ میں ذکر کردی گئی۔

۱؎ یعنی میں حضور کے دروازے پر دربان بن کر بیٹھا تھا جسے اس در کی دربانی مل جاوے وہ بادشاہ سے افضل ہوجاوے۔

۲؎ اگر دروازہ پر کوئی نہ ہو تو سلام اجازت بلند آواز سے کرے کہ اندر آواز پہنچے اور اگر کوئی ہو تو اس کے ذریعہ سے اجازت حاصل کرے یہاں یہ ہی دوسری صورت تھی۔

۳؎ یعنی ہم نور نبوت سے ان کے دل کے ارادے جانتے ہیں،جس پر عرش و فرش کی ہر چیز ظاہر ہو اس سے کیا چھپے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے خوب فرمایا شعر

دلِ فرش پر ہے تری نظر سرعرش پر ہے تری گزر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

۴؎ یعنی حضور فرمادیں کہ آپ کو زیادہ پیارا کون ہے تاکہ ہم اس کی محبوبیت پر ایمان لائیں اور ہم بھی اس سے محبت کریں۔

۵؎ یہاں اھل سے مراد اولاد ہے یعنی ہم محبت ولادت کے متعلق نہیں پوچھتے ہم تو دوستوں کی دوستی کی محبت کے متعلق حضور سے پوچھنے آئے۔معلوم ہوا کہ محبت کی بہت قسمیں ہیں: ولادت کی محبت،زوجیت کی،دوستی کی وغیرہ وغیرہ۔ان ہر قسم کے محبوبوں میں ایک ایک سردار،محبت ولادت میں فاطمہ زہرا سردار ہیں اور محبت زوجیت میں عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبریٰ اعلیٰ و اکمل۔

۶؎ اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ"۔یہ آیت حضرت زید ابن حارثہ کے متعلق ہے ان پر اللہ نے یہ احسان کیا کہ انہیں ایمان عرفان کی دولت بخشی،حضور انور نے یہ احسان کیا کہ انہیں اپنا صحابی بلکہ اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔معلوم ہوا کہ حضور بھی اللہ کے بندوں پر انعام احسان کرتے ہیں۔

۷؎ اگرچہ یہ انعام و اکرام حضرت زید پر ہوئے مگر چونکہ جناب اسامہ ان کے فرزند ہیں اس لیے وہ بھی اسی انعام سے فیض یاب ہوئے۔

۸؎ سبحان اللہ! یہاں حضرت علی کو محبوبیت میں جناب اسامہ ابن زید کے بعد فرمایا۔معلوم ہوا کہ محبوبیت افضیلت کو لازم نہیں۔تمام کے نزدیک حضرت علی جناب اسامہ سے افضل ہیں مگر یہاں محبوبیت میں ان کو مقدم فرمایا گیا۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں محبت کی نوعیتیں مختلف ہیں:ایک قسم وہ ہے جس میں جناب اسامہ حضرت علی سے پہلے اور ان پر مقدم ہیں۔

۹؎ یعنی یارسول اللہ میں تو حضور انور کا چچا ہوں اور جناب علی چچا زاد ہیں پھر ان کو مجھ پر مقدم کیوں فرمادیا اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔خیال رہے کہ یہ سوال اعتراض نہیں حضور انور پر اعتراض کفر ہے جو فرمایا بالکل حق فرمایا۔

۱۰؎ کیونکہ اے عباس تم نے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فتح مکہ کے دن کی جب کہ ہم تم کو راہ میں مل گئے تمہاری ہجرت قبول ہوگئی مگر جناب علی تو ہماری ہجرت کی بعد ہی ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے۔خیال رہے کہ حضرت عباس کے ایمان کے متعلق اختلاف ہے کہ ایمان کب لائے،بعض نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور ایمان لاتے ہی ہجرت کے لیے نکلے،بعض نے فرمایا کہ آپ بدر کے دن ایمان لائے جبکہ حضور نے خبر دی کہ عباس آپ میری چچی صاحبہ کو چار سو درہم دے کر جنگ بدر میں شرکت کے لیے نکلے تھے حضور کا یہ علم دیکھ کر ایمان لائے،بعض کے نزدیک حضور کی ہجرت سے پہلے ایمان لاچکے تھے بہرحال ظہور ایمان فتح مکہ کے دن ہوا۔دیلمی نے فردوس میں نقل فرمایا کہ حضور فرماتے ہیں میرے بھائیوں میں بہتر علی ہیں،چچاؤں میں بہتر حمزہ ہیں۔بعض روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت عباس،ابوسفیان،بلال اور سلمان فارسی حضرت عمر کے دروازے پر گئے داخلہ کی اجازت مانگی خادم نے کہا کہ پہلے بلال آئیں اس پر ابوسفیان نے جناب عباس سے کہا کہ عمر ہمارے غلاموں کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں،حضرت عباس نے کہا کہ ہم اسلام میں بلال کے بعد آئے ہماری جزا یہی ہے۔(مرات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عقبہ ابن حارث سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے عصر کی نماز پڑھی پھر نکلے چل رہے تھے آپ کے ساتھ حضرت علی تھے تو حسن کو دیکھا بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے انہیں اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمایا میرے باپ صدقے ۲؎ تم نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی ہم شکل ہو علی کے ہم شکل نہیں اور علی ہنس رہے تھے ۳؎ (بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،نوفل ابن عبد مناف کی اولاد سے ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،مکہ معظّمہ میں رہے۔(مرآت)

۲؎ یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے جناب حسن کو پیار محبت سے اپنے کندھے پر اٹھالیا۔بابی کے معنی یہ نہیں کہ میرے باپ کی قسم کہ غیر خدا کی قسم ممنوع ہے بلکہ اس کے معنی ہیں کہ میرے باپ تم پر فدا تم پر قربان،یہ ہے جناب صدیق کی محبت اہل بیت اطہار سے۔

۲؎ یعنی اے حسن تمہاری شکل حضور انور سے ملتی جلتی ہے اپنے والد جناب علی سے نہیں ملتی جلتی۔خیال رہے کہ حضور سے بالکل مشابہت مخلوق میں کسی کو نہیں ہوسکتی اللہ تعالٰی نے حضور کو بے مثال بنایا ہے۔شعر

انہیں خالق نے اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے | وہ آئے اس جہاں میں سب حسینوں سے حسین ہو کر

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت | وہ آئے لیکن آئے رحمۃ للعالمین ہو کر

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی شکل نمونہ ہے حضور کے شکل مبارک کی لہذا یہ حدیث حضرت علی کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور کا مثل نہ پہلے دیکھا گیا نہ بعد میں(مرقات)کہ وہاں پوری مثلیت مراد ہے۔روافض کا ایک فرقہ غرابیہ ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت علی حضور سے ایسے مشابہہ تھے جیسے کوّا کوّے سے،جب پہلی وحی آئی تو حضرت علی حضور کے پاس تھے ہم شکلی کی وجہ سے جبریل دھوکا کھاگئے اور بجائے علی کے حضور کو وحی اور نبوّت دے گئے۔(مرقات)شاید بعد میں رب نے فرمایا ہوگا خیر اب چلنے دو۔

۳؎ یہ شخص عبید اللہ ابن عبداللہ ابن زیاد ثقفی ہے،یہ یزید ابن معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا،اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں لشکر تیار کیا یہ مردود ۶۶ چھیاسٹھ ہجری میں مقام موصل میں ابراہیم ابن مالک ابن اشتر نخعی کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ عبید اللہ ابن زیاد کے پاس حضرت حسین کا سر لایا گیا ۱؎ تو طشت میں رکھا گیا ۲؎ وہ ٹھونکنے لگا ۳؎ اور ان کے حسن کے متعلق کچھ کہا ۴؎ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم شکل تھے ۵؎ اور آپ وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے۔(بخاری)اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا کہ حضرت حسین کا سر لایا گیا تو وہ آپ کی ناک میں چھڑی مارنے لگا اور کہنے لگا کہ میں نے اس جیسا حسین نہ دیکھا تو میں نے کہا کہ آپ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے ۶؎ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح بھی ہے حسن بھی غریب بھی۔

۱؎حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کر اس مردود کے سامنے پیش کیا گیا واقعہ کربلا کے موقعہ پر یہاں اس کا ذکر ہے۔

۲؎یعنی ایک چھڑی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی اس سر مبارک دانت اور ناک شریف میں ٹھونکیں لگانے لگا کچھ سوچتے ہوئے یہ حرکت کررہا تھا۔

۳؎اس نے یا تو آپ کے حسن کی تعریف کی خواہ بطورِ تمسخر یا واقعی یا آپ کے متعلق برے الفاظ بولے کہ آپ حسین نہیں میں نے تو آپ کے حسن کا بڑا شہرہ سنا تھا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر پہلے معنی قوی ہیں ابھی ترمذی کی روایت سے آرہا ہے۔

۴؎ظاہر یہ ہے کہ حضرت انس کا یہ فرمان ابن زیاد کی تائید کے لیے ہے یعنی واقعی امام حسین بڑے ہی خوبصورت و حسین تھے تجھے ان کے مقابلہ میں شرم کرنی چاہیے تھی،یہ حضور کے ہم شکل تھے تو نے کس چاند کی صورت کو خاک میں سلادیا۔

۵؎اس کی تحقیق ہم گزشتہ احادیث میں کرچکے ہیں کہ خالص وسمہ سبز رنگ دیتا ہے مگر مہندی سے ملکر تو پکا لال رنگ دیتا ہے اور اگر مہندی سے غالب ہو سیاہ رنگ دیتا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ حضرت حسین نے خالص وسمہ لگایا ہوا تھا اور داڑھی شریف کا رنگ ہرا تھا اور اگر سیاہ رنگ ہو تب بھی آپ کو جائز تھا کہ آپ غازی تھے،غازی کو سیاہ خضاب جائز ہے بلاوجہ ممنوع ہے لہذا اس حدیث سے سیاہ خضاب کے جواز پر دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

۶؎طبرانی کی روایت میں ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین کی آنکھوں اور ناک شریف میں چھڑی لگائی میں نے کہا کہ یہاں سے اپنی چھڑی ہٹامیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ان مقامات کو بوسہ دیتے تھے جہاں تو چھڑی لگا رہا ہے تب وہ باز آیا۔ذخائر میں بروایت عمارہ ابن عمر ہے کہ جب ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے کٹے ہوئے سر لائے گئے تھے یہ سب سر ایک طشت میں تھے کہ شور مچا وہ آیا وہ آیا دیکھا تو ایک سانپ آیا جو ابن زیاد کے منہ ناک اور آنکھوں میں پھرا اور چلا گیا،پھر شور مچا وہ آیا وہ آیا پھر وہی سانپ آیا اور اسی طرح ابن زیاد کے منہ اور ناک میں گھسا پھر چلا گیا۔(از مرقات)رب نے اس کی گستاخی کی سزا دنیا میں یہ دی اخروی سزا باقی ہے،یہ حدیث ترمذی نے بھی روایت فرمائی۔

روایت ہے ام الفضل بنت حارث سے ۱؎کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں بولیں یارسول اللہ میں نے آج رات ایک خطرناک خواب دیکھا ہے ۲؎فرمایا کیا ہے،بولیں حضور بہت خطرناک ہے فرمایا وہ کیا ہے،بولیں میں نے دیکھا جیسے کہ آپ کے جسم کا ٹکڑا کٹا اور میری گود میں رکھا گیا ۳؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھی خواب دیکھی ہے ان شاء اللہ فاطمہ لڑکا جنے گی وہ بچہ تمہاری گود میں رہے گا

	۴؎ چنانچہ جناب فاطمہ نے حضرت حسین کو جنم دیا وہ میری گود میں رہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۵؎ پھر میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی انہیں آپ کی گود میں بھر دیا پھر میرا دھیان بٹ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ۶؎ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یانبی اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں یہ کیا ہے۷؎ فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کرے گی۸؎ میں نے کہا اس کو فرمایا ہاں اور وہ میرے پاس وہاں کی سرخ مٹی میں سے کچھ مٹی لائے۹؎

۱؎ آپ کا نام لبابہ عامریہ ہے،کنیت ام الفضل،حضرت عباس کی زوجہ ہیں اور عباس کی اکثر اولاد آپ سے ہی ہے،حضرت میمونہ کی بہن ہیں،جناب خدیجہ کے بعد پہلے آپ ہی ایمان لائیں رضی اللہ عنہا۔(مرقات)

۲؎ یہاں منکر بمعنی ممنوع یا حرام نہیں بلکہ بمعنی خطرناک ہیبت ناک ہے یعنی میں نے ایسی خواب دیکھی ہے جو میرے خیال میں بڑی ہی خطرناک اور ہیبت ناک ہے۔

۳؎ حجرح کے کسرہ سے بمعنی کوکھ اور ح کے فتح سے بمعنی پرورش،آپ سمجھیں کہ حضور انور کے گوشت کا ٹکڑا میری گود میں آنا بہت ہی خطرناک ہے۔

۴؎ یعنی جناب فاطمہ زہرا امید سے ہیں ان کے بیٹا ہوگا اور تم اسے اپنی گود میں کھلایا کرو گی،حضرت حسین میرے جسم بلکہ میرے قلب و جگر کا ٹکڑا ہیں اس خواب کی یہ ہی تعبیر ہے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ حضرت ام الفضل بطور خدمت جناب امام حسین کی پرورش کرتی تھیں۔مبارک ہیں امام حسین جو فاطمہ زہرا کے بطن شریف میں اور ام الفضل کی پرورش میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رہے۔

۶؎ یعنی مجھے یہ پتہ نہیں لگا کہ حضور انور کے رونے کی ابتدا کیسے ہوئی کیونکہ میرا دھیان اتفاقًا بٹ گیا تھا جب میں نے حضور کی طرف دھیان کیا تو آپ کو زاروقطار روتے پایا۔

۷؎ یعنی حضور بلا سبب کیوں رو رہے ہیں۔لختِ جگر گود میں ہے یہ وقت تو خوشی کا ہے خوشی کے موقعہ پر غم کیسا۔

۸؎ امتی فرماکر یہ بتایا کہ جناب امام حسین کو قتل کرنے والے کلمہ گو ہوں گے،اپنے کو مسلمان کہیں گے عیسائی یہودی یامشرکین نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ قتل امام حسین گناہ کبیرہ تو یقینًا ہے مگر جن لوگوں نے اس فعل کو حلال سمجھ کر کیا یا حضرت امام حسین سے ذاتی عداوت کی بنا پر وہ تو کافر ہوگئے اور جنہوں نے دنیاوی لالچ میں یہ حرکت کی وہ بدترین فاسق ہیں۔قتل نبی کفر ہے،غیر نبی کا قتل مطلقًا کفر نہیں،یوں ہی جس نے حضرت امام حسن کو زہر دیا وہ بھی بدترین فاسق ہے اسے کافر نہیں کہا جاسکتا،یہ ہی حال قاتل علی اور قاتل عثمان کا ہے کہ یہ سب لوگ فاسقین ہیں جیسے یوسف

علیہ السلام کے دسوں بھائی جنہوں نے انہیں ستایا کنویں میں ڈالا فروخت کیا،یعقوب علیہ السلام کو جھوٹی خبر دی وہ سب لوگ فاسق ہوئے کافر نہیں ہوئے،پھر توبہ کرنے اور ان دونوں بزرگوں سے معافی حاصل کرلینے پر ان کا فسق ختم ہوا امتی فرمانے میں یہی اشارہ ہے۔جو لوگ قتل حسین کو کفر کہتے ہیں وہ قتل امام حسن،قتل علی،قتل عثمان کو کفر کیوں نہیں کہتے،یوں ہی برادران یوسف علیہ السلام کو کافر کیوں نہیں کہتے۔

۹؎ یعنی حضرت جبریل امین علیہ السلام نے مجھے کربلا کی مٹی لاکر دکھائی جو خون امام حسین سے سرخ تھی۔خیال رہے کہ کربلا معلٰی کی مٹی سرخ نہ تھی اور نہ اب سرخ،قتل امام حسین علیہ السلام کے وقت یا تو ساری مٹی سرخ ہوگئی تھی یا خاص وہ مٹی جس پر حضرت امام حسین علیہ السلام کا خون گرا وہ ہی مٹی لا کر دکھائی۔مقبولین آئندہ کے واقعات کو دیکھ لیتے اور سن لیتے ہیں،حضور انور نے معراج کی رات جنت میں اپنے آگے حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی حالانکہ یہ واقعہ بعد قیامت ہوگا کہ حضرت بلال حضور کے آگے ہٹو بچو کرتے جنت میں جائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوایک دن دوپہری میں خواب میں دیکھا پراگندہ بال گردا گرد آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس میں خون تھا۱؎ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں یہ کیا ہے فرمایا یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے آج میں اس خون کو اٹھاتا رہا۲؎ میں وہ وقت خیال میں رکھنے لگا میں نے یہ وقت قتل کا پایا۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیں اور احمد نے آخری حدیث روایت کی۔	

۱؎ غالبًا یہ خواب دسویں محرم الحرام ۶۱ھ؁ کو دیکھا ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بعد وفات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اور دنیا کے واقعات کی خبر ہے کہ کہاں کیا ہورہا ہے۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھر کی سیر فرماسکتے ہیں کربلا عراق میں ہے،مدینہ منورہ حجاز میں مگر مدینہ والے محبوب اس موقعہ پر وہاں تشریف لے گئے۔تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی جگہ جانے آنے میں قطعًا دیر نہیں لگتی،دیکھو وہاں حضرت امام حسین شہید ہورہے ہیں یہاں سے حضور آن کی آن میں تشریف لے بھی گئے آ بھی گئے حضرت ابن عباس کو خبر بھی دے دی۔چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اعمال ان کے تحفے ہدیئے ہاتھ شریف میں لے سکتے ہیں انہیں قبول کراسکتے ہیں،خون امام حسین علیہ السلام جو اعلٰی درجہ کی عبادت رب کی بارگاہ میں تحفہ تھا دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں ہے۔پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تشریف لے جائیں مدینہ منورہ آپ سے خالی نہیں ہوتا اس لیے ہر

وقت آپ پر سلام زائرین عرض کرتے رہتے ہیں جیسے ہمارا نور نظر جب آسمان کی سیر کررہاہوتا ہے تب آنکھ اس سے خالی نہیں ہوجاتی ورنہ اندھی ہو جاتی۔

۳؎ یعنی میری اس خواب اور قتل امام حسین کا وقت بالکل ایک تھا پل بھر کا فرق نہ تھا،رفتار نبی کا یہ عالم ہے معراج کی رات نبیوں نے حضور کے پیچھے نماز بیت المقدس میں پڑھی،حضور برق رفتار براق پر آسمانوں پر تشریف لے گئے تو انبیاءکرام کو وہاں موجود پایا یہاں سے نبیوں نے حضور کو وداع کیا آسمانوں پر استقبال کیا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمت سے روزی دیتا ہے ۱؎ اور اللہ کی محبت کے لیے مجھ سے محبت کرو۲؎ اور میری محبت کے لیے میرے اہل بیت سے محبت کرو۳؎(ترمذی)	

۱؎ یہاں انسان کی ابتدائی منزل کا ذکر ہے۔رب کی نعمتوں کی وجہ سے اس سے محبت کرنا ابتداء ہے اور بذات خود اس سے محبت کرنا وہ نعمت دے یا نہ دے یہ ہے انسان کی انتہاء،ابتداء محبت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے "فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ"رب تعالٰی اپنی ذات و صفات سے محبوب ہے کرم نوازیاں تو بعد کی چیزیں ہیں۔

۲؎ یعنی اللہ کی محبت حاصل کرنے کے لیے مجھ سے محبت کرو کیونکہ میں اللہ تعالٰی کا محبوب ہوں،محبوب کا محبوب خود اپنا محبوب ہوتا ہے،رب فرماتاہے:"فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"۔

۳؎ یعنی میری محبت حاصل کرنے کے لیے میرے گھر والوں اولاد پاک ازواج مطہرات سے محبت کرو کیونکہ وہ میرے محبوب ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ان محبتوں میں ترتیب یہ ہے کہ اہلِ بیت کی محبت زینہ ہے حضور کی محبت کا اور حضور کی محبت ذریعہ ہے رب تعالٰی کی محبت کا۔(ازمرقات)مطلب یہ ہے کہ محبت اہلِ بیت اس لیے چاہیے کہ وہ محبت رسول کا ذریعہ ہے اس لیے نہیں کہ وہ بغض صحابہ کا ذریعہ بنے جیساکہ آج کل بعض مدعیان اہلِ بیت کا طریقہ ہے کہ ان کے نزدیک محبت اہل بیت تبرا صحابہ سے مکمل ہوتا ہے،یہ لوگ محبتِ اہل بیت کو بہانہ بناتے ہیں صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو ذر سے ۱؎ کہ انہوں نے کعبہ کا دروازہ پکڑے ہوئے فرمایا۲؎ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آگاہ رہو کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال جناب نوح کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوگیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا ہلاک ہوگیا۳؎(احمد)	

۱؎ آپ کا نام جندب ابن جنادہ غفاری ہے،آپ اسلام سے پہلے ہی بڑے زاہد تھے،آپ چھٹے مسلمان ہیں،مکہ معظّمہ آکر ایمان لائے،پھر حضور کے حکم سے اپنے وطن چلے گئے،پھر بعد غزوہ خندق مدینہ منورہ میں آئے،پھر خلافت عثمانیہ میں مقام ربذہ میں رہے،وہاں ہی ۳۲ھ میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎ دروازہ کعبہ اس لیے پکڑا تاکہ اس حدیث کی اہمیت سننے والوں کو معلوم ہو جاوے۔

۳؎ یعنی جیسے طوفان نوحی کے وقت ذریعہ نجات صرف کشتی نوح علیہ السلام تھی ایسے ہی تاقیامت ذریعہ نجات صرف محبت اہل بیت اور ان کی اطاعت ان کی اتباع ہے،بغیر اطاعت و اتباع دعویٰ محبت بے کار ہے۔دوسری حدیث میں ہے کہ میرے صحابہ تارے ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاجاؤ گے،گویا دنیا سمندر ہے اس سفر میں جہاز کی سواری اور تاروں کی رہبری دونوں کی ضرورت ہے۔الحمدﷲ! اہل سنت کا بیڑا پار ہے کہ یہ اہلِ بیت اور صحابہ دونوں کے قدم سے وابستہ ہیں۔خوارج کے پاس کشتی نہیں روافض کی نظر ان تاروں پر نہیں یہ دونوں اس سمندر سے پار نہیں لگ سکتے۔

باب مناقب ازواج النّبی صلی اللہ علیہ و سلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے فضائل ؎۱

الفصل الاول

پہلی فصل

؎۱ اللہ تعالٰی کی تعریف کو حمد کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو نعت کہتے ہیں،بزرگانِ دین کی تعریف کو منقبت کہا جاتا ہے خواہ نثر میں ہو یا نظم میں۔ازواج جمع ہے زوج کی یہ خاوند اور بیوی دونوں پر بولا جاتا ہے یہاں مراد بیویاں ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بعض وہ ہیں جو نکاح میں بھی آئیں اور قرب سے بھی مشرف ہوئیں،بعض وہ ہیں جو نکاح میں آئیں مگر قربت سے پہلے انہیں طلاق ہوگئی،بعض کو حضور نے صرف پیغام دیا مگر ان سے نکاح نہ ہوا،بعض حضور کے زمانہ میں وفات پا گئیں،بعض حضور کی بعد فوت ہوئیں۔جو نکاح اور مقاربت دونوں سے مشرف ہوئیں ان کی تعداد بارہ یا چودہ ہے اور ترتیب یہ ہے:(۱)خدیجہ بنت خویلد(۲)سودہ بنت زمعہ(۳)عائشہ صدیقہ(۴)حفصہ بنت عمر(۵)زینب بنت خزیمہ(۶)ام سلمہ بنت امیہ(۷)زینب بنت جحش(۸)ام حبیبہ بنت ابو سفیان(۹)جویریہ بنت حارث(۱۰)میمونہ بنت حارث(۱۱)صفیہ بنت حیی(۱۲)ریحانہ بنت زید۔اور بیس بیویاں وہ ہیں جن سے نکاح ہوا مگر مقاربت سے پہلے طلاق ہوگئی دیکھو اشعۃ اللمعات میں یہ ہی مقام۔ان نکاحوں کی ترتیب یہ ہے کہ حضور نے پہلا نکاح بی بی خدیجہ سے کیا پچیس سال کی عمر شریف میں،بی بی خدیجہ کی عمر شریف چالیس تھی اور ہجرت سے تین سال پہلے جناب خدیجہ کی وفات ہوئی،پھر سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا،اس کے بعد جناب عائشہ صدیقہ سے ہجرت سے پہلے نکاح کیا چھ سال کی عمر میں نو سال کی عمر میں رخصت ہوئی،آپ کی وفات ۵۴ ہجری میں ہوئی پھر ۲ھ یا ۳ھ میں بی بی حفصہ سے نکاح کیا،ان کی وفات ۴۵ھ میں ہوئی، ۳ھ میں زینب بنت خزیمہ سے نکاح کیا اور ۴ھ میں ان کی وفات ہوئی، ۴ھ میں ام سلمہ بنت امیہ مخزومیہ سے نکاح کیا، ۵۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ۵ھ میں زینب بنت جحش سے نکاح کیا، ۲۱ھ میں وفات ہوئی،پھر ۶ھ میں ام حبیبہ بنت ابوسفیان سے نکاح ہوا،نجاشی شاہِ حبشہ نے آپ کا نکاح کیا یہ پہلے عبداللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں جو حبشہ پہنچ کر وفات پاگئے،اسی ۶ھ میں حضرت جویریہ سے نکاح کیا ۵۹ھ میں وفات ہوئی، ۷ھ میں میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا،اسی ۷ھ میں صفیہ بنت حیی سے نکاح کیا،آپ اس وقت سترہ سالہ تھیں، ۵۲ھ میں وفات پائی۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد بی بی خدیجہ سے ہیں سواء ابراہیم کے وہ جناب ماریہ قبطیہ کے شکم سے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں حقیقی ہیں: زینب،کلثوم،رقیہ،فاطمہ رضی اللہ عنہم اور چار صاحبزادیاں سوتیلی ہیں جناب ام سلمہ کی بیٹیاں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اور اس کی بہترین بی بی مریم بنت عمران ہیں ۱؎ اور اس کی بہترین بی بی خدیجہ بنت خویلد ہیں ۲؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ ابو کریب نے فرمایا کہ وکیع نے اس آسمان وزمین کی طرف اشارہ کیا۳؎	

۱؎ ھا کا مرجع دنیا ہے یعنی ایک وقت میں جناب مریم جہان کی ساری عورتوں سے افضل تھیں۔
۲؎ یعنی اب تاقیامت جناب خدیجہ جہان کی عورتوں سے افضل ہیں۔اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ جناب خدیجہ سے افضل ہیں یا برعکس،نیز یہ کہ حضرت فاطمہ افضل ہیں یا بی بی خدیجہ۔
۳؎ اس صورت میں بجائے ھا کے ھما ہوگا یا ضمیر واحد تغلیبًا ارشاد ہوئی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خدیجہ آرہی ہیں ان کے ساتھ برتن ہے جس میں سالن اور کھانا ہے ۱؎ تو جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا سلام اور میرا سلام فرمائیں اور انہیں جنت کے اس گھر کی بشارت دے دیں جو ایک موتی کا ہے نہ اس میں شور ہے نہ کوئی تکلیف ۲؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ حضور انور کے غارِ حرا میں تشریف فرما ہونے کا ہے ایک بار حضرت خدیجہ حضور کے لیے کھانا لے کر وہاں حاضر ہوئیں تب حضرت جبریل نے یہ خبر دی۔(مرقات)ہوسکتا ہے کہ ظہور نبوت کے بعد حضور انور نے غارِ حرا میں قیام فرمایا ہو تب یہ واقعہ ہواپہلی بار میں تو صرف اقرأ وہاں نازل ہوئی۔
۲؎ یعنی خدیجہ کے لیے جنت میں خاص مکان تیار کیا گیا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک میں سے کسی پر اتنی غیرت نہ کی جتنی جناب خدیجہ پر غیرت کی ۱؎ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہ تھا ۲؎ لیکن حضور ان کا بہت ذکر کرتے تھے بہت دفعہ بکری ذبح کرتے پھر اس کے اعضاء کاٹتے پھر وہ جناب خدیجہ کی سہیلیوں میں بھیج دیتے تھے ۳؎ تو میں کبھی حضور سے کہہ دیتی کہ گویا خدیجہ کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہ تھی ۴؎ تو آپ فرماتے وہ ایسی تھیں	

	وہ ایسی تھیں اور ان سے میری اولاد ہوئی۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ غرت بنا ہے غیرت سے یہاں غیرت بمعنی شرم و حیا بمعنی حسد نہیں بلکہ بمعنی رشک یا غبطہ ہے،دینی امور میں رشک جائز ہے۔جناب عائشہ صدیقہ نے حضرت خدیجہ کی محبوبیت دیکھ کر رشک فرمایا کہ میں بھی ان کی طرح حضور انور کی محبوبہ ہوتی کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میری وفات کے بعد اسی طرح تعریفیں فرماتے جیسی ان کی فرماتے ہیں۔خیال رہے کہ جناب عائشہ صدیقہ حضور کی بڑی ہی محبوبہ زوجہ ہیں،آپ کی محبوبیت بی بی خدیجہ کی محبوبیت سے کسی طرح کم نہیں،رشک اس بات میں ہے جو ہم نے عرض کی بعد وفات محبت مصطفٰی کا جوش۔

۲؎ یعنی جناب خدیجہ میرے نکاح میں آنے بلکہ میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی وفات پاچکی تھیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی موجودگی میں کسی بی بی سے نکاح نہیں کیا سارے نکاح ان کی وفات کے بعد کیے،حضور کی ساری اولاد بی بی خدیجہ سے ہے سواء جناب ابراہیم کے حضرت عائشہ صدیقہ حضور انور کو کنواری ملیں اور جناب خدیجۃ کو حضور انور کنوارے ملے آپ مسلمانوں کی پہلی ماں ہیں۔شعر

سیما پہلی ماں کہف امن و امان　　　　حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

۳؎ یعنی اکثر حضور انور حضرت خدیجہ کی طرف سے بکری ذبح فرماتے انہیں ثواب پہنچانے کے لیے اس کا گوشت ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرماتے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔دوسرے یہ کہ میت کو صدقہ و خیرات کا ثواب بخشنا سنت ہے۔تیسرے یہ کہ میت کے نام کا کھانا اس کے پیاروں دوستوں کو دینا بہتر ہے،اس سے میت کو دہری خوشی ہوتی ہے ایک ثواب پہنچنے کی دوسرے اس کے دوستوں پیاروں کی امداد ہونے کی۔بعض لوگ گیارہویں کا کھانا سیدوں کو،مزارات کے چڑھاوے وہاں کے مجاوروں کو دیتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث ہے کہ مجاورین اور اولاد میت کو پیارے ہوتے ہیں۔چوتھے یہ کہ میت کو دنیا کے حالات کی خبر رہتی ہے تب ہی تو وہ اپنے پیاروں پر صدقہ کرنے سے خوش ہوتی ہے۔

۴؎ یعنی جب میں حضور انور کی زبان پاک سے ان کی بہت تعریف سنتی تو جوش غیرت میں عرض کرتی کہ یارسول اللہ حضور تو ان کی ایسی تعریفیں کرتے ہیں کہ گویا ان کے سوا کوئی بیوی آپ کو ملی ہی نہیں یا ان کے سواء دنیا میں کوئی بی بی ہے ہی نہیں۔

۵؎ یہاں **کانت وکانت** میں جناب خدیجہ کے بہت سے صفات کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ بہت روزہ دار،تہجد گزار،میری بڑی خدمت گزار،میری تنہائی کی مونس،میری غمگسار،غار حراء کے چلّے میں میری مددگار تھیں اور میری ساری اولاد انہیں سے ہے،وہ جناب فاطمہ زہرہ کی ماں ہیں قیامت تک کے سیدوں کی نانی رضی اللہ عنہا۔خیال رہے کہ ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد ابن اسد قرشیہ ہیں،پہلے ابن ہالہ ابن زرارہ کے نکاح میں تھیں،پھر عتیق ابن عابد کے نکاح میں رہیں،پھر چالیس سال کی عمر شریف میں حضور کے نکاح میں آئیں،ہجرت سے تین سال پہلے مکہ معظّمہ میں وفات پائی،۶۵ پینسٹھ سال عمر شریف پائی،حضور کے ساتھ پچیس سال رہیں۔(اکمال،مرقات)

	روایت حضرت ابوسلمہ سے کہ ۱؎ حضرت عائشہ فرماتی ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ یہ حضرت جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۲؎ انہوں نے جواب دیا کہ ان پر سلام اور اللہ کی رحمت اور بولیں حضور وہ دیکھتے تھے جو میں نہ دیکھتی تھی۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ابو سلمہ دو ہیں: ایک تو جناب ام سلمہ کے پہلے خاوند وہ صحابی ہیں،دوسرے ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن ابن عوف یہ تابعی ہیں یہ ہی یہاں مراد ہیں۔

۲؎ عائش ترخیم ہے عائشہ کی،نہایت محبت و پیار میں یہ فرمایا گیا۔اس حدیث کی بناء پر بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ جناب عائشہ صدیقہ سے افضل ہیں کہ جناب عائشہ کو تو جبریل امین نے سلام کیا اور جناب خدیجہ کو حضرت جبریل نے رب تعالٰی کا سلام پہنچایا۔(مرقات،لمعات)

۳؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھتے تھے اور باوجودیکہ حضرت جبریل میرے گھر میں بلکہ میرے بستر میں میرے پاس ہی حضور انور کی خدمت میں آتے تھے مگر میں انہیں نہ دیکھتی تھی،نور کو دیکھنے کے لیے نور کی آنکھیں چاہئیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کسی کا سلام پہنچائے تو اگرچہ یہ کہنا افضل ہے کہ علیك وعلیه السلام مگر یہ کہنا بھی درست ہے وعلیه السلام۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے تین رات خواب میں دکھائی گئیں تھیں تمہیں فرشتہ ریشمی ٹکڑے میں لاتا تھا مجھ سے کہتا تھا کہ یہ تمہاری بیوی ہیں۱؎ میں نے تمہارے رخ سے کپڑا ہٹایا تو تم تھیں،میں نے کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اسے جاری(پورا)فرمادے گا۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کبھی تو خواب میں حضور پر جناب عائشہ صدیقہ ریشمی ٹکڑے میں پیش کی جاتی تھیں،کبھی جبریل کی ہتھیلی پر آپ کی صورت نقش کی جاتی تھی ان دونوں واقعوں کا ذکر احادیث میں ہے یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رب تعالٰی کی طرف سے آپ کی زوجیت کے لیے منتخب ہیں یہ آپ کے لیے رب تعالٰی کا تحفہ ہیں سمجھ لو کہ رب کا تحفہ کس شان کا ہوگا رضی اللہ عنہا۔

۲؎ خیال رہے کہ یہاں ان ایک شک کے لیے نہیں جیسے بادشاہ کہے کہ اگر میں بادشاہ ہوں تو تجھ کو یہ انعام دوں گا،چونکہ یہ خواب رب تعالٰی کی طرف سے ہے لہذا ہو کے رہے گی۔خیال رہے کہ نبی کی خواب وحی ہوتی ہے خواہ ظہور نبوت کے بعد ہو یا پہلے،دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کی سجدہ والی خواب آپ کی نبوت سے پہلے تھی مگر وحی منامی تھی۔خیال رہے کہ حضور انور نے جناب عائشہ صدیقہ سے دسویں سال نبوت نکاح کیا،ماہ شوال میں ہجرت سے دو سال پہلے ۲ھ ہجری میں رخصت ہوئی،قریبًا نو سال حضور کے نکاح میں رہیں،اٹھارہ سال کی عمر شریف تھی

کہ حضور کا وصال ہوگیا، ۵۷ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی،دسویں رمضان منگل کی شب وفات ہوئی،بقیع شریف میں دفن ہوئیں،حضرت ابوہریرہ نے آپ پر نماز پڑھائی،اس وقت مروان مدینہ کا حاکم تھا امیرمعاویہ کا دور سلطنت تھا،رات میں دفن ہوئیں۔(مرقات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتی ہیں کہ لوگ اپنے تحفوں ہدیوں کے لیے جناب عائشہ کا دن تلاش کرتے تھےاس سے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی چاہتے تھے۱فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں دو گروہ تھیں۲ایک گروہ وہ جس میں جناب عائشہ اور حفصہ۳اور صفیہ۴اور سودہ تھیں۵اور دوسری جماعت میں ام سلمہ۶اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی بیویاں۷ تو ام سلمہ کے گروہ نے گفتگو کی ان سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرو کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ بھیجنا چاہے تو آپ کو ہدیہ بھیج دیا کرے حضور جہاں بھی ہوں۸چنانچہ ام سلمہ نے حضور سے عرض کیا حضور نے ان سے فرمایا کہ مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دو کیونکہ سواء عائشہ کے کوئی بیوی نہیں جن کے بستر میں ہوں اور وحی آئے۹ام سلمہ نے کہا یارسول اللہ میں آپ کی ایذا رسانی سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۱۰پھر تمام بیویوں نے جناب فاطمہ کو بلایا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۱۱انہوں نے حضور سے عرض کیا تو فرمایا اے بچی جس سے میں محبت کرتا ہوں تم ان سے محبت نہیں کرتیں بولیں ہاں فرمایا تو ان سے محبت کرو۱۲ (مسلم،بخاری)اور حضرت انس کی حدیث کہ عائشہ کی بزرگی ساری عورتوں پر الخ **باب بدء الخلق** میں ذکر کردی گئی۱۳

۱؎ لوگ جانتے تھے کہ حضور کو جناب عائشہ صدیقہ سے بہت محبت ہے ان کے ذریعہ سے جو تحفہ ہمارا حضور تک پہنچے گا وہ حضور کی بارگاہ میں زیادہ قبول ہوگا۔اب بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ جو ایصال ثواب حضور کی بارگاہ میں حاضر کریں حضرت عائشہ صدیقہ کا واسطہ ضرور اختیار کریں ان کا نام ضرور لیا کریں۔

۲؎ یعنی حضور انور کی بیویاں اس وقت نو تھیں مگر ان کی دو جماعتیں بنی ہوئیں تھیں ایک جماعت میں چار دوسری میں پانچ کیونکہ ہر بی بی اپنی متفق الخیال بی بی سے وابستہ تھیں۔

۳؎ جناب عائشہ صدیقہ کے حالات ہم بیان کرچکے ہیں۔بی بی حفصہ جناب عمر فاروق کی دختر ہیں،آپ کی والدہ زینب بنت مظعون ہیں،پہلے جیش ابن وفافہ کے نکاح میں تھیں وہ غزوہ بدر کے بعد وفات پاگئے، ۳ھ میں حضور انور کے نکاح میں آئیں،آپ کی وفات شعبان ۴۵ھ پینتالیس میں ہوئی،ساٹھ سال عمر پائی،بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ایک طلاق آپ کو دے دی تھی پھر رجوع فرمالیا۔(مرقات)

۴؎ آپ صفیہ بنت حیی ابن اخطب ہیں،آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں،پہلے کنانہ ابن ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں وہ محرم ۷ھ میں غزوہ خیبر میں مارا گیا آپ قید ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں پہلے دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں،پھر حضور انور نے انہیں قبول فرمایا، ۵۰ھ پچاس میں آپ کی وفات ہوئی،بقیع میں دفن ہوئیں۔(مرقات)

۵؎ آپ سودہ بنت زمعہ ہیں پہلے اپنے چچازاد سکوان ابن عمرو کے نکاح میں تھیں،ان کی وفات کے بعد حضور انور کے نکاح میں آئیں،بی بی خدیجہ کے بعد ان سے حضور نے نکاح کیا ہجرت سے پہلے ہی اور آپ نے اپنی باری آخر میں جناب عائشہ صدیقہ کو ہبہ کردی تھی، ۵۴ھ چون میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۶؎ آپ کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے،کنیت ام سلمہ،پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں ۴ھ چار یا تین میں ان کی وفات کے بعد حضور کے نکاح میں آئیں، ۵۹ھ انسٹھ میں وفات پائی،چوراسی سال عمر ہوئی،بقیع میں دفن ہوئیں۔

۷؎ باقی بیویاں حضرت زینب،ام حبیبہ،جویریہ اور میمونہ ہیں گویا پانچ ازواج کی جماعت یہ تھیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔بی بی زینب کا پہلا نام برہ تھا حضور نے زینب رکھا،آپ بنت جحش ہیں،آپ کی ماں امیّہ بنت عبدالمطلب ہیں حضور کی پھوپھی،آپ پہلے زید ابن حارثہ کے نکاح میں آئیں،ان کی طلاق کے بعد ۵ھ میں حضور کے نکاح میں آئیں،حضور انور کے بعد تمام بیویوں سے پہلے آپ کا انتقال ہوا،بڑی سخی خوف خدا والی تھیں، ۲۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی،ترپن سال عمر شریف ہوئی،بقیع میں دفن ہوئیں۔ام حبیبہ کا نام رملہ تھا،آپ ابو سفیان ابن صخر ابن حرب کی بیٹی ہیں،آپ کی والدہ صفیہ بنت ابوالعاص ہیں یعنی عثمان غنی کی پھوپھی،نجاشی بادشاہ نے آپ کا نکاح حضور سے کیا غائبانہ کہ آپ حبشہ میں تھیں حضور انور مدینہ منورہ میں نکاح ہوگیا،خود نجاشی نے چار سو دینار یا بارہ ہزار درہم مہر دیا۔حضور انور نے شرحبیل ابن حسنہ کے ذریعہ انہیں حبشہ سے مدینہ منورہ بلایا،بی بی جویریہ بنت حارث ابن خرام غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنی مصطلق ۵ھ پانچ میں قید ہوکر آئیں،حضرت ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئیں،انہوں نے آپ کو مکاتبہ کردیا انکی کتابت حضور نے ادا کی پھر آزاد کرکے نکاح میں لے لیا،آپ کا نام بھی برہ تھا جو حضور نے بدل کر جویریہ رکھا،ربیع الاول ۵۶ھ چھپن میں وفات ہوئی، ۶۵ھ پینسٹھ سال عمر ہوئی۔بی بی

میمونہ بنت حارث بلالیہ عامریہ آپ کا نام بھی برہ تھا،حضور نے میمونہ رکھا آپ پہلے مسعود ابن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں،آپ ان سے الگ ہوکر ابو درہم کے نکاح میں آئیں،ان کی وفات کے بعد حضور انور کے نکاح میں آئیں ذی قعدہ ۷ھ عمرہ قضاء میں مقام سرف میں آپ سے حضور نے نکاح کیا وہاں ہی زفاف ہوااور وہاں ہی آپ کی وفات و قبر واقع ہوئی،جس جگہ زفاف ہوا وہاں ہی قبر بنی۔سرف مکہ معظّمہ سے دس میل ہے،آپ حضرت عباس کی سالی عبداللہ ابن عباس کی خالہ ہیں اسماء بنت عمیس کی بہن ہیں۔ (مرقات)

۸؎ یعنی ام سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا کہ حضور انور لوگوں سے علانیہ فرمادیں کہ جو بھی کوئی ہدیہ بھیجنا چاہے وہ بھیج دیا کرے حضور جہاں بھی ہوں حضرت عائشہ کی باری کا انتظار نہ کیا کرے۔

۹؎ یعنی ہمارے صحابہ کا رجحان قلبی جناب عائشہ کی طرف اتفاقی نہیں بلکہ من جانب اللہ ہے،اللہ کی وحی بھی صرف انہیں کے بستر میں آتی ہے تم میں سے کسی کے بستر میں نہیں آتی،جب ربانی تحفہ انہی کے بستر میں آتا ہے تو اگر مخلوق کا تحفہ انہی کے گھر میں آئے تو کیا بعید۔چنانچہ آیت "اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ"حضرت عائشہ کے بستر میں آئی۔(مرقات)ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

ان کے بستر میں وحی آئے رسول اللہ پر　　　اور سلام خادمانہ بھی کریں روح الامین

۱۰؎ یہ ہے حضرت ام سلمہ کا ایمان آپ سمجھیں کہ حضرت عائشہ کی ایذا حضور انور کی ایذا ہے اور حضور کی ایذا رب تعالٰی کی ایذا ہے،یہ کفر یا کفر کا باعث ہے۔

۱۱؎ وہ بیویاں یہ سمجھیں کہ شاید ام سلمہ کے کہنے سے حضور انور کو ایذا ہوتی ہو جناب فاطمہ کے عرض کرنے سے ایذا نہ ہوگی لہذا یہ اعتراض نہیں کہ ازواج مطہرات نے حضور کی ایذا کیوں گوارا کی۔

۱۲؎ یعنی اے فاطمہ تم عائشہ صدیقہ سے محبت و الفت کرو اور کوئی بات ایسی نہ کرو جو انہیں تکلیف دے کیونکہ انکی تکلیف سے مجھے تکلیف ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے محبت حضور انور سے محبت ہے،ان سرکار سے عداوت حضور سے عداوت ہے،ان سرکار کی تکلیف حضور کی تکلیف ہے۔

۱۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں مذکور تھی ہم نے اس باب میں بیان کردی اور مرآت میں وہاں ہی یہ عرض کردیا گیا کہ ثرید یعنی روٹی شوربا بوٹیاں ایک جان کی ہوئی بہترین غذا ساری غذاؤں سے افضل کہ وہ زود ہضم،نہایت ہی مقوی،بہت مزے دار،چبانے سے بے نیاز،بہت صفات کی جامع غذا ہے ایسے ہی حضرت عائشہ صورت سیرت،علم عمل،فصاحت فطانت،ذکاوت، عقل،حضور کی محبوبیت وغیرہ ہزارہا صفات کی جامع ہیں۔حق یہ ہیں کہ آپ ساری عورتوں حتی کہ خدیجۃ الکبریٰ سے بھی افضل ہیں،آپ بہت احادیث کی جامع علوم قرآنیہ کی ماہر بی بی ہیں رضی اللہ عنہا۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے جہان والی عورتوں میں جناب مریم بنت عمران،خدیجہ بنت خویلد،فاطمہ بنت محمد اور آسیہ فرعون کی بیوی کافی ہیں[1](ترمذی)

1 یعنی مرد تو بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں یہ چار بیبیاں بہت کامل ہوئیں،دوسری روایت میں اس کے بعد یہ ہے **وفضل عائشہ علی سائر النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام**۔خیال رہے کہ حضرت عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما کے متعلق تین قول ہیں:ایک یہ کہ جناب عائشہ بی بی خدیجہ سے افضل ہیں،دوسرے اس کے برعکس،تیسرے اس میں خاموشی اس میں احتیاط ہے۔امام سیوطی نے نقایہ میں فرمایا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جناب مریم و فاطمہ تمام عورتوں سے افضل ہیں اور تمام ازواج مطہرات میں عائشہ و خدیجہ افضل ہیں ہم نے جناب فاطمہ زہرا کے شان میں عرض کیا ہے۔شعر

نبی کی لاڈلی بانو ولی کی ماں شہیدوں کی   یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ جناب جبریل ان کی صورت سبز ریشمی ٹکڑے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے عرض کیا یہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیوی ہیں[1](ترمذی)

1 یہ مضمون پہلے گزر چکا ہے۔خیال رہے کہ جناب عائشہ صدیقہ کے فضائل ریت کے ذروں،آسمان کے تاروں کی طرح بیشمار ہیں،آپ رب تعالٰی کا تحفہ ہیں جو حضور انور کو عطا ہوئیں،آپ کی عصمت و عفت کی گواہی خود رب تعالٰی نے قرآن مجید میں سورۂ نور میں دی حالانکہ جناب مریم اور یوسف علیہ السلام کی عصمت کی گواہی بچے سے دلوائی گئی۔

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ   ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

بنت صدیق آرام جان نبی   اس حریم براءت پہ لاکھوں سلام

امت کو تیمّم کی آسانی آپ کے صدقہ سے ملی،حضور کا وصال آپ کے سینہ پر ہوا،حضور کی آخری آرام گاہ آپ کا حجرہ ہے،آپ کا لعاب حضور کے ساتھ وصال کی وقت جمع ہوا،آپ کے بستر میں وحی آتی تھی،آپ خود صدیقہ ہیں اور صدیق کی بیٹی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جناب صفیہ کو خبر پہنچی کہ حضرت حفصہ نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا[1] تو وہ روئیں ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

	تشریف لائے جب کہ وہ رو رہی تھیں فرمایا کیوں روتی ہو آپ بولیں کہ مجھے بی بی حفصہ نے کہا ہے کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نبی کی بیٹی ہو۲ تمہارے چچا نبی ہیں اور تم نبی کی بیوی ہو تو تم پر حفصہ کیسے فخر کرتی ہیں۳ پھر فرمایا اے حفصہ اللہ سے ڈرو۴(ترمذی،نسائی)

۱؎ کیونکہ بی بی صفیہ حیی ابن اخطب یہودی کی بیٹی تھیں،جناب حفصہ نے بطور طعن یہ کہا اس لیے جناب صفیہ روئیں۔

۲؎ کیونکہ حیی ابن اخطب حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور بی بی صفیہ ان کی بیٹی۔خیال رہے کہ حیی ابن اخطب کو اولاد نبی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کفر کیوجہ سے انہوں نے اپنا رشتہ نبی سے توڑ دیا،چونکہ بی بی صفیہ مؤمنہ ہیں لہذا نبی کی اولاد سے ہیں،کفر مؤمن سے رشتہ توڑ دیتا ہے"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ"کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نہ رہا"اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ"۔

۳؎ یعنی اے صفیہ تم کو تین عظمتیں حاصل ہیں:تم ایک نبی حضرت ہارون کی بیٹی ہو،حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھتیجی ہو اور میری بیوی ہو تم کو تین نبیوں سے نسبت حاصل ہے۔خیال رہے کہ حضرت حفصہ بنت عمر کو بھی یہ نسبتیں حاصل ہیں آپ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں،حضرت اسحاق علیہ السلام کی بھتیجی ہیں اور حضور کی زوجہ ہیں لہذا مطلب یہ ہے کہ حفصہ تم سے افضل نہیں بلکہ برابر ہیں۔(مرقات)

۴؎ یعنی اے حفصہ طعنے غیبت ایذا رسانی تمہاری شان سے بعید ہے۔گزشتہ سے توبہ کرو آئندہ اس سے بچی رہو یہ باتیں جاہلیت کی عادات سے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال جناب فاطمہ کو بلایا۱ ان سے کچھ سرگوشی کی آپ روئیں پھر ان سے کچھ بات کی تو آپ ہنسیں۲ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو میں نے ان کے رونے اور ان کے ہنسنے کے متعلق پوچھاتو بولیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ وفات پاجائیں گے۳ تو میں روئی پھر مجھے خبر دی کہ میں سوا مریم بنت عمران کے جنتی عورتوں کی سردار ہوں۴ تو میں ہنسی۵(ترمذی)

۱؎ یہ راوی کا وہم ہے،یہ واقعہ فتح مکہ کے سال نہیں ہوا بلکہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے سال ہوا ہے حضور کی وفات شریف کے قریب جیساکہ پہلے گزر چکا۔(مرقات)

۲؎ پہلے گزر چکا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ نے اس رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی تو جناب فاطمہ نے بتانے سے انکار کردیا پھر حضور کی وفات کے بعد ام المؤمنین نے وہ ہی سوال فرمایا تب آپ نے بتادیا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کی خبر تھی کہ اب قریب ہے یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔

۴؎ دوسری روایت میں یہ ہے کہ اے فاطمہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ کو ملوگی یہ دونوں باتیں حضور نے فرمائیں،یہ کلام مبارک بھی اور وہ بھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۵؎ یہ حدیث ازواج مطہرات کے فضائل میں اس لیے لائی گئی کہ اس میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ذکر ہے اور بی بی مریم بھی حضور کی زوجہ ہیں جنت میں۔(مرقات و اشعہ)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ جناب مریم سے افضل نہیں بلکہ ان کے برابر میں یہ ذکر ہے افضیلت کا،رہی محبوبیت وہ ظاہر ہے کہ جناب فاطمہ کو زیادہ عطا ہوئی۔ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا شعر

مریم ازیک نسبت عیسیٰ عزیز — ازسہ نسبت حضرت زہرا عزیز

نور چشم رحمۃ للعالمین — آن امام الاولین و آخرین

بانوئے آں تاجدار ھل اتی — مرتضٰی مشکل کشا شیر خدا

مادر آں مرکز پر کار عشق — مادر آں قافلہ سالار عشق

رشتہ آئیں حق زنجیر پاست — پاس فرمان جناب مصطفٰی است

ورنہ گرد تر تبش گردیدمے — سجدہا برخاک دے پاشیدمے

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حدیث مشکل نہ ہوئی کبھی بھی پھر ہم نے جناب عائشہ سے پوچھا مگر ہم نے ان کے پاس ان کا علم پایا ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

۱؎ یعنی اصحاب رسول اللہ کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال ہوتا اور وہ مشکل کہیں حل نہ ہوتی تو جناب عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہوتے ان کے پاس یا تو اس کے متعلق حدیث مل جاتی یا کسی حدیث سے اس مسئلہ کا استنباط مل جاتا۔از آدم تا ایں دم کوئی بی بی ایسی عالمہ فقیہہ پیدا نہ ہوئیں جیسی جناب عائشہ رضی اللہ عنہا ہوئیں،آپ علوم قرآنیہ علوم حدیث کی جامع تھیں،بڑی محدثہ بڑی فقیہہ۔صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں کسی نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حج و عمرہ میں صفا و مروہ کی سعی واجب نہیں صرف جائز ہے کیونکہ رب نے فرمایا:"**فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا**"کہ ان کے سعی میں گناہ نہیں،آپ نے جواب دیا اگر یہ سعی واجب نہ ہوتی تو یوں ارشاد ہوتا"**لا جناح علیہ ان لایطوف بھما**۔دیکھو اس ایک جواب میں اصول فقہ کا کتنا دقیق مسئلہ حل فرمادیا کہ واجب کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب نہ کرنے میں گناہ،جائز کی پہچان یہ ہے کہ اس کے نہ کرنے میں گناہ نہ ہو،یہاں آیت میں پہلی بات فرمائی گئی ہے۔

روایت ہے حضرت موسیٰ ابن طلحہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے زیادہ کسی کو فصیح و بلیغ نہ دیکھا[1](ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی۔	

[1] حضرت عائشہ صدیقہ علاوہ قرآن و حدیث و فقہ کے عالم ہونے کے بڑی شاعرہ،علم و انساب میں بڑی کامل،فصاحت و بلاغت میں بے مثال عالمہ تھیں کیوں نہ ہوتیں کہ محبوبہ محبوب رب العالمین تھیں،حضرت ابوبکر صدیق کی لخت جگر نور نظر تھیں،ہم سب کی باعث ناز قابل فخر ام محترمہ جن کے گیت قرآن گاتا ہے۔خیال رہے کہ موسیٰ ابن طلحہ تابعی ہیں،آپ نے بہت صحابہ سے ملاقات کی ہے،۱۰۴ھ ایک سو چار میں وفات پائی۔

باب جامع المناقب

منقبتوں کا مجموعہ ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ پچھلے بابوں میں صحابہ یا خاص صحابہ کرام کی خاص جماعتوں کے فضائل کا ذکر تھا اس باب میں بغیر تقرر متفرق صحابہ و اہل بیت کے فضائل کا ذکر ہوگا اس لیے اسے **جامع المناقب** فرمایا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میرے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا ہے میں اس کے ساتھ جنت میں جس جگہ جانا چاہتا ہوں وہ مجھے وہاں ہی لے کر اڑ جاتا ہے ۲؎ میں نے یہ خواب بی بی حفصہ سے کہی جناب حفصہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش فرمائی ۳؎ تو فرمایا کہ تمہارے بھائی نیک آدمی ہیں یا عبداللہ نیک آدمی ہیں ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ عبداللہ ابن عمر ابن خطاب قرشی عدوی ہیں،بچپن میں اپنے والد ماجد کے ساتھ ایمان لائے،اول درجہ کے متبع سنت تھے،آپ نے اپنی زندگی میں ایک ہزار غلام آزاد کیے،آپ ہمیشہ عملًا حجاج ابن یوسف کی مخالفت کرتے تھے،حجاج نے کسی کے ذریعہ آپ کے پاؤں میں زہریلا برچھا چبھوادیا اس سے آپ کی وفات ہوئی،آپ کی ولادت حضور پر وحی کی ابتداء ہونے سے ایک سال پہلے ہوئی،وفات تہتّر میں ہوئی،حضرت زبیر کی شہادت سے تین ماہ بعد چوراسی سال عمر ہوئی،مقام ذی طویٰ میں دفن کیے گئے رضی اللہ عنہ،خندق کے بعد سارے غزوات میں شریک ہوئے۔

۲؎ یعنی میرے ہاتھ میں ریشمی رومال ہے جو پیروں کا کام دیتا ہے جہاں جانا چاہتا ہوں وہاں اڑائے جاتا ہے اور میں جنت میں ہوں رومال سفید ریشم کا ہے جیساکہ بعض روایات میں ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی حضور انور کی ہیبت کی وجہ سے میں نے یہ خواب براہ راست سرکار سے عرض نہ کی بلکہ اپنی ہمشیرہ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی۔

۴؎ یعنی حضرت عبداللہ نے جو ریشمی رومال دیکھا ہے وہ ان کے نیک اعمال ہیں،اس کی سفیدی وہ ان کا اخلاص ہے،اس کی صفائی یہ ان کے دل کی صفائی سے لہذا عبداللہ بڑے نیک صالح مخلص دیندار ہیں۔خیال رہے کہ جیسے نبی کی خواب وحی ہوتی ہے ویسے ہی نبی کی تعبیر بھی وحی ہوتی ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن عمر کا مؤمن صالح متقی ہونا وحی

الٰہی سے ثابت ہوا،یوسف علیہ السلام نے ان قیدیوں سے فرمایا تھا"قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡہِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ"تم نے خواب دیکھی ہو یا نہ دیکھی ہو جو میں نے تعبیر دے دی اس کا فیصلہ ہوگیا۔معلوم ہوا کہ تعبیر نبی رب کی وحی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام لوگوں میں حضور سے زیادہ مشابہہ طریقہ میں سیرت میں اور ہدایت میں ام عبد کے بیٹے ہی ہیں۱جب سے وہ اپنے گھر سے نکلتے ہیں وہاں لوٹنے تک ہم کو یہ خبر نہیں کہ وہ اپنے گھر میں جب اکیلے ہوتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۲(بخاری)	

۱ ابن ام عبد حضرت عبداللہ ابن مسعود کی کنیت ہے،آپ کی ماں کی کنیت ام عبد ہے،کبھی کسی کو ماں کی طرف بھی نسبت کردیتے ہیں جیسے عبداللہ ابن ام مکتوم۔

۲ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود جب تک باہر ہوں اور ہم ان کو دیکھتے ہیں تب تک تو ان کی ہر ادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ ہوتی ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اندرون خانہ ان کے حالات کیسے ہوتے ہیں یہ بدگمانی نہیں بلکہ تعریف میں احتیاط ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آئے ہم بہت عرصہ ٹھہرے۱ہم یہ ہی سمجھتے رہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں ہیں۲کیونکہ ہم ان کا اور ان کی والدہ کا بہت ہی آنا جانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھتے تھے۳(مسلم،بخاری)	

۱ یعنی ہم دونوں بھائی یمن کے رہنے والے تھے وہاں سے مدینہ منورہ آئے،مسلمان ہوئے عرصہ تک مدینہ میں رہے اور یہ سمجھتے رہے۔

۲ حضرت عبداللہ ابن مسعود مشہور صحابی ہیں،قدیم الاسلام ہیں،حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے جب حضور دار ارقم میں جلوہ افروز نہیں ہوئے تھے،آپ چھٹے مسلمان ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک،وضو کا لوٹا،نعلین شریف آپ ہی کے ہاتھ رہتی تھی خصوصًا سفر میں،آپ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی جنگ بدر اور تمام غزوات میں شرکت کی،حضور انور نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی،آپ گندمی رنگ درمیانہ قد عہد فاروقی میں کوفہ کے حاکم اور خزانچی بھی رہے، ۳۲ھ میں وفات پائی،بقیع شریف میں دفن ہوئے،ساٹھ سال سے زیادہ عمر ہوئی،خلفاء راشدین کے بعد سب سے بڑے فقیہ صحابی ہیں،امام اعظم ابوحنیفہ انہی کے متبع ہیں۔

۳ یعنی آپ اور آپ کی والدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ میں اس قدر آتے جاتے تھے بغیر روک ٹوک اور بغیر اجازت طلب کیے کہ ہم سمجھے کہ آپ بھی اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔حضور انور نے آپ سے فرما

دیا تھا کہ تم کو ہمارے گھر میں آنے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں بے اجازت بے روک ٹوک آجایا کرو،ہاں اگر ہم تم کو اشارۃً کسی وقت کھنکار کر یا کسی اور طریقہ سے منع کردیا کریں تو رک جایا کرو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید چار شخصوں سے سیکھو ۱؎ عبداللہ ابن مسعود ۲؎ ابو حذیفہ کے مولیٰ سالم ۳؎ ابی ابن کعب اور معاذ ابن جبل ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی قرآن مجید کی تلاوت اس کے مضامین اس کے احکام اس کے اسرار ان صحابی سے خصوصیت کے ساتھ سیکھو۔خیال رہے کہ یہ چار صحابہ قرآن سکھانے والے ہیں اور حضرت خلفاء راشدین قرآن چلانے والے،اسے جاری کرنے والے ہیں لہذا اس فرمان کا یہ مقصد نہیں کہ ان حضرات سے علوم قرآنیہ حاصل نہیں ہوئے ہر ایک کی ڈیوٹی علیحدہ ہے۔بعض روایات میں ہے کہ یہ چار حضرات قرآن مجید کے حافظ تھے،انہوں نے براہ راست قرآن حضور انور سے سیکھا اور یاد کیا۔

۲؎ آپ قرآن مجید کے بڑے عالم فقیہ ہیں حتی کہ امام اعظم اکثر احکام میں آپ کی اتباع کرتے ہیں رضی اللہ عنہما۔

۳؎ جناب سالم اصطخر یعنی ملک فارس کے تھے،آپ مہاجرین اولین کی امامت کرتے تھے یعنی حضور کی تشریف آوری سے پہلے حالانکہ ان میں حضرت عمر موجود تھے اور ابو حذیفہ کا نام ہشام ہے،آپ عتبہ ابن ربیعہ ابن عبدالشمس ہیں،حضور انور کے دار رقم میں تشریف لانے سے پہلے ایمان لائے۔

۴؎ ابی ابن کعب سید القراء ہیں کاتب وحی ہیں،حضرت عمر آپ کو سید المسلمین کہتے تھے،معاذ ابن جبل کے فضائل تو بے حدوبیشمار ہیں،حضور انور نے انہیں یمن کا حاکم بناکر بھیجا تھا۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے علقمہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں شام پہنچا تو میں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر میں نے عرض کیا الٰہی مجھے نیک ساتھی ہم نشین عطا فرما ۲؎ پھر میں ایک قوم کے ساتھ گیا ان میں بیٹھا تو ایک بوڑھے بزرگ آئے حتی کہ میرے برابر بیٹھ گئے ۳؎ میں نے کہا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا ابوالدرداء ہیں ۴؎ میں نے کہا کہ میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ مجھے نیک ہم نشین نصیب کرے تو اللہ نے مجھے آپ کو میسر کیا وہ بولے تم کون ہو میں نے کہا میں کوفہ والوں میں سے ہوں ۵؎ فرمایا کیا تمہارے پاس ام عبد کے بیٹے نہیں جو حضور کے نعلین اور تکیہ والے ہیں ۶؎ اور وضو کے لوٹے والے ۷؎ اور تم میں تو وہ بھی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی زبان پر شیطان سے	

	امان دی ہے یعنی حضرت عمار۸اور کیا تم میں حضور کے رازدار نہیں جن رازوں کو ان کے سواء کوئی نہیں جانتا ۹یعنی حضرت حذیفہ۱۰(بخاری)

۱آپ مشہور تابعی ہیں،حضرت عبداللہ ابن مسعود کے ساتھیوں میں سے ہیں،حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے مگر آپ کی زیارت نہ کرسکے(اشعہ)آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔

۲یعنی میں نے دمشق کی جامع مسجد میں نفل پڑھ کر یہ دعا کی کہ خدایا میں پردیس میں آیا ہوں مجھے یہاں اچھا ساتھی عطا فرما۔خیال رہے کہ جب کسی جگہ سفر میں جاوے تو وہاں کے نیک لوگوں سے ملنے کی کوشش کرے کسی بزرگ کے مزار پر حاضری دے تو ان شاءاللہ سفر مبارک ہوگا میرا تجربہ ہے۔

۳سبحان اللہ! جنس جنس کے پاس پہنچ گئی اللہ تعالٰی کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو اہل کو اہل تک پہنچاتے ہیں۔ (مرقات)

۴ابوالدرداء مشہور صحابی ہیں،تارک الدنیا اصحاب صفہ میں سے ہیں،حضرت سلمان فارسی کے عقد مواخات والے بھائی ہیں۔

۵من انت کے معنی تھے تم کون ہوں آپ نے جواب دیا کہ میں اہل کوفہ میں سے ہوں یہ بھی ایک طرح کی پہچان ہے۔

۶یعنی کوفہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود ہیں جو گھر حضر سفر میں حضور کے ساتھی ہیں۔نعلین شریف اٹھانے کی ضرورت سفر میں ہوتی ہے،تکیہ اٹھانے کی ضرورت گھر میں اور جو حضور کا ساتھی ہر جگہ کا ہو وہ حضور انور کے علوم کا حامل بھی ضرور ہی ہوگا،تمہارے شہر میں جب ایسے عالم موجود ہیں تو تم کو کسی کی کیا ضرورت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلے اپنے شہر کے علماء سے علم حاصل کرے پھر دوسرے علماء سے۔

۷یعنی حضور کے وضو اور استنجاء کا لوٹا آپ ہی اٹھاتے تھے گویا ہر جگہ ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔

۸یہ تفسیر کسی راوی کی ہے۔یعنی صاحب اسرار سے حضرت عمار ابن یاسر مراد تھے،حضرت عمار بڑے جلیل القدر صحابی ہیں،آپ نے راہِ خدا میں بڑی سے بڑی تکالیف اٹھائی ہیں،مشرکین مکہ نے آپ کو زندہ آگ میں ڈالا حضور انور نے دعا کی کہ الٰہی عمار پر آگ ٹھنڈی کردے جیسے جناب خلیل پر آگ ٹھنڈی کی تھی،بعض روایات میں ہے کہ جب آپ آگ میں ڈالے گئے تو حضور ان پر گزرے اور آگ سے خطاب فرمایا یا نار کونی بردا و سلاما علی عمار کما کنت علی ابراھیم۔(مرقات)معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم پر خدا نے آگ ٹھنڈی کی اور عمار پر باذن پروردگار حضور نے آگ ٹھنڈی کی،آپ تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضور نے آپ کا نام طیب و مطیب رکھا تھا،آپ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،اسی میں شہید ہوئے ۳۷ھ میں تیرانوے سال عمر ہوئی،آپ کے والد کا نام یاسر تھا والدہ کا نام سمیہ جو نہایت بے دردی سے کفار مکہ کے ہاتھوں شہید ہوئیں۔

۹یعنی حضور انور کے خصوصی اسرار صرف حذیفہ کو معلوم ہیں جیسے تاقیامت منافقین کے نام پتے ان کے نسب وغیرہ۔(مرقات)

۱۰؎حذیفہ کی کنیت عبداللہ ہے،آپ کی والد کا نام جبل ہے،لقب یمان آپ نے ۳۵ میں مدائن میں وفات پائی۔حضرت عثمان کی شہادت کے چالیس دن بعد(مرقات)بار بار حضرت عمر پوچھا کرتے تھے اے حذیفہ تم مجھ کو تو منافقوں میں سے نہیں پاتے ہو میرے اندر کوئی نفاق تو نہیں فرمایا ہرگز نہیں مگر تمہارے دسترخوان پر چند کھانے ہوتے ہیں تحقیق کی تو ایک انڈے کی زردی سفیدی الگ الگ پکائی گئی تھی۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے ابو طلحہ کی بیوی وہاں دیکھی ۱؎اور میں نے اپنے سامنے آہٹ سنی وہ بلال تھے ۲؎(مسلم)	

۱؎ ان بی بی کا نام ام سلیم ہے اولًا مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں،اس سے حضرت انس پیدا ہوئے وہ مشرک ہوکر مارا گیا،اس کے بعد آپ ایمان لائیں،ابو طلحہ نے آپ کو پیغام نکاح دیا،آپ نے فرمایا کہ تم اسلام قبول کرو یہی میرا مہر ہے۔چنانچہ وہ بھی مسلمان ہوئے اور آپ ان کے نکاح میں آئیں،حضور انور کو ان سے بہت ہی محبت تھی۔

۲؎معراج کی شب میں نے جنت میں جاتے وقت اپنے آگے حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی کہ آپ مجھ سے آگے جنت میں جارہے ہیں،یہ وہ نقشہ دکھایا گیا جو قیامت میں حضور کے جنت میں جاتے وقت ہوگا کہ حضرت بلال حضور سے آگے آگے ہٹو بچو کرتے ہوئے خادمانہ شان سے جائیں گے،آج حضرت بلال کو معراج نہیں ہوئی تھی یہ حدیث نوافل کے باب میں گزر چکی ہے۔خیال رہے کہ بلال ابن رباح ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ پہلے امیہ ابن خلف کے غلام تھے مکہ معظمہ میں سب سے پہلے آپ نے اپنا اسلام ظاہر کیا،بدر اور تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،آخر میں دمشق میں رہے وہاں ہی ۲۰ھ بیس ہجری میں وفات ہوئی تریسٹھ سال عمر پائی،فقیر نے قبر شریف کی زیارت کی ہے۔آپ نے امیہ ابن خلف کے ہاتھوں اسلام کی خاطر بہت ہی مصیبتیں جھلیں امیہ ابن خلف جنگ بدر میں مارا گیا اور بری طرح بدن چھید چھید کر مارا گیا،رب تعالٰی نے حضرت بلال کا اس سے بدلہ لیا۔امام احمد نے روایت کی کہ سات شخصوں نے پہلے اسلام ظاہر کیا:حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم،ابوبکر،عمار،سمیہ،صہیب،بلال،مقداد ان میں سے حضرت بلال کو بہت سخت ایذائیں پہنچیں۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ آدمی تھے تو مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کو نکال دیں کہ یہ لوگ ہم پر جرأت نہ کریں ۱؎فرماتے ہیں کہ وہ چھ آدمی میں اور ابن مسعود اور ہذیل کے ایک صاحب اور بلال اور دو شخص اور تھے جن کا نام نہیں لیتا ۲؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ بات آئی جو رب نے چاہا حضور نے دل میں کچھ سوچا ۳؎تب اللہ نے یہ آیت	

اتاری اور آپ انہیں نہ نکالیں جو شام سویرے اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۴ (مسلم)	

۱؎ یعنی اگر ان چھ فقراء ومساکین کے ہوتے ہوئے ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو ان کو ہم سے برابر ہمسری کرنے کی جرأت ہوجائے گی لہذا پہلے ان لوگوں کو اپنے سے ہٹا دیں پھر ہم آپ کی مجلس میں حاضر ہوں گے آپ کا کلام سنیں گے، اگر دل نے مانا تو اسلام قبول کرلیں گے۔

۲؎ غالبًا وہ حضرات حضرت خباب اور عمارہ ہیں کسی مصلحت سے ان کا نام نہیں لیا۔خیال رہے کہ حضرت خباب ابن ارت تمیمی ہیں،حضور کے دار ارقم میں جانے سے پہلے اسلام لائے،اﷲ کی راہ میں بہت ستائے گئے آخر میں کوفہ میں رہے،وہاں ہی وفات پائی، ۳۷ھ میں تہتّر سال عمر ہوئی۔(مرقات)

۳؎ یعنی آپ کے دل میں خیال گزرا کہ ایک خاص وقت ان سرداروں کے لیے خاص کردیا جائے کہ اس وقت کوئی مسکین موجود نہ ہواور سرداروں کو تبلیغ کی جاوے۔ممکن ہے کہ یہ مسلمان ہوجاویں اسلام قبول کرلینے پر ان کے دل سے تکبروغرور نکل جائے گا یہ خیال کوئی برا نہ تھابلکہ تبلیغ اسلام کے لیے تھا۔

۴؎ یعنی اے محبوب ان مساکین غرباء کو اپنی کسی مجلس سے علیحدہ نہ کروہر وقت انہیں حاضری کی اجازت دو یہ لوگ دن رات یعنی ہمیشہ مجھے یاد کرتے ہیں دنیاوی لالچ سے نہیں بلکہ صرف میری رضا کے لیے۔اس فرمان عالی میں ان بزرگوں کے ایمان،اخلاص،تقویٰ و طہارت کی گواہی دی گئی۔خیال رہے کہ لفظ مرید یہاں سے ہی لیا گیا ہے یعنی اﷲ کی رضا کا ارادہ کرنے والا،یریدون وجھه سے لفظ مرید مشتق ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے ان سے فرمایا اے ابو موسیٰ تم کو داؤد علیہ السلام کی سی خوش آواز عطا ہوئی ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آل داؤد میں لفظ آل زائد ہے۔داؤد علیہ السلام نہایت خوش آواز تھے کہ جس مجلس میں آپ زبور کی تلاوت کرتے اس مجلس سے جنازے نکلتے تھے۔(اشعۃ اللمعات)حضرت ابو موسیٰ بھی بہت ہی خوش آواز تھے۔خیال رہے کہ حضرت ابو موسیٰ کا نام عبداﷲ ابن قیس ہے،مکہ معظّمہ میں ایمان لائے،حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر کشتی والوں کے ساتھ خیبر میں پہنچے، ۲۰ھ میں حضرت عمر نے امیر لشکر بنا کر بھیجا،آپ نے اہواز فتح فرمایا،شروع خلافت عثمانی تک آپ بصرہ میں رہے پھر وہاں سے کوفہ آگئے،مکہ معظّمہ میں وفات پائی ۵۲ھ ہجری میں وہاں ہی دفن ہوئے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چار صاحبوں نے قرآن جمع کیا ۱؎ ابن ابی کعب،معاذ ابن جبل،زید ابن ثابت اور ابو زید،انس سے کہا گیا کہ ابو زید کون ہے فرمایا میرے ایک چچا ہیں ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں جمع قرآن سے مراد حفظ قرآن ہے یعنی حضور انور کے زمانہ حیات شریف میں ان چار صاحبوں نے پورا قرآن مجید حفظ کرلیا تھا یہ حافظین قرآن تھےکیونکہ قرآن کو کتابی شکل میں خلافت عثمانی میں جمع کیا گیا۔خیال رہے کہ یہاں انصاری خزرجی حفاظ مراد ہیں یعنی اس قبیلہ کے چار صاحبوں نے قرآن حفظ کیا ورنہ بہت مہاجرین نے بھی حفظ کیا تھا۔

۲؎ابو زید کا نام سعید ابن عمیر یاقیس ابن سکن ہے،انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ہی اتنے صحابہ نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا جس سے قرآن کا تواتر قائم رہے۔چنانچہ جنگ یمامہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے بہت ہی قریب ہوئی یعنی شروع خلافت صدیق میں اس میں ستر صحابہ حافظ شہید ہوئے،جو حفاظ صحابہ زندہ رہے اور جو اس جنگ میں شریک ہی نہ ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔چنانچہ حضرات خلفاء راشدین حافظ تھے اور اگر اس زمانہ پاک میں زیادہ حافظ نہ بھی ہوں تب بھی تواتر قرآن میں فرق نہیں آتا کہ آیات قرآنیہ کے حفاظ سارے صحابہ ہی تھے۔حضرات انس کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے خزرج قبیلہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں چار حافظ قرآن ہیں۔

لطیفہ: ایک بار انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں مناظرہ ہوا اوس نے کہا کہ ہمارا قبیلہ افضل ہے کیونکہ غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ امین کاتب اور جن کی لاش کی حفاظت شہد کی مکھیوں نے کی یعنی عاصم ابن ثابت اور جن کی موت پر عرش الٰہی ہل گیا یعنی سعد ابن معاذ ہم ہی ہیں تو خزرج بولے کہ جناب چار حافظ قرآن ہمارے قبیلہ میں ہیں: زید ابن ثابت،ابو زید،معاذ بن جبل اور ابی ابن کعب۔(مرقات)بہرحال خدا کے فضل سے ہر زمانہ میں ہزارہا حافظ رہے اور موجود ہیں لہٰذا تواتر قرآن باقی ہے۔

روایت ہے خباب ابن ارت سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اللہ کی رضا تلاش کرتے تھے تو ہمارا ثواب اللہ پر ہوگیا ۱؎ہم میں سے بعض وہ تھے جو چلے گئے اپنا ثواب کچھ نہ چکھا۲؎ان میں سے جناب مصعب ابن عمیر ہیں۳؎جو احد کے دن شہید ہوئے تو ان کے لیے اتنا کپڑا نہ ملا جس میں انہیں کفن دیا جاوے سواء ایک چادر کے کہ ہم جب ان کے سر ڈھکتے تو ان کے پاؤں نکل جاتے اور جب ان کے پاؤں ڈھکتے تو ان کا سر نکل جاتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے ان کا سر ڈھانپ دو اور ان کے پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۴؎بعض ہم میں وہ ہیں جن کے پھل پک گئے تو وہ انہیں چن رہا ہے۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی بفضلہٖ تعالٰی ہماری ہجرت قبول ہوئی کیونکہ خالص اللہ کے لیے ہماری ہجرت تھی اخلاص کے لیے اجرو ثواب لازم ہے۔
۲؎ یہاں اجر سے مراد دنیاوی نفع ہے جو مؤمن کے لیے ثواب عاجل یعنی نقد معاوضہ ہوتا ہے یعنی بعض مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے فتوحات غنیمتیں وغیرہ کچھ نہ دیکھیں اور شہید ہوگئے۔
۳؎ حضرت مصعب ابن عمیر قرشی عبدری ہیں، جلیل القدر صحابی ہیں،اسلام سے پہلے بڑے نازونعم میں پرورش پاتے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ اولٰی کی بیعت کے بعد انہیں مدینہ منورہ تبلیغ کے لیے بھیج دیا تھا آپ لوگوں کے گھروں میں جاکر تبلیغ کرتے ہر دورہ میں ایک دو مسلمان کرلیتے تھے حتی کہ وہاں ایک جماعت مؤمن ہوگئی پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ نے مدینہ منورہ میں جمعہ شروع کیا پھر اگلے سال ستر اہل مدینہ کو لے کر حج میں آئے اور دوسری بیعۃ عقبہ میں شریک ہوئے(مرقات)آپ کی شہادت غزوہ احد میں ہوئی۔
۴؎ کفن تین طرح کا ہوتا ہے: کفن سنت،کفن کفایت،کفن ضرورت۔حضرت مصعب ابن عمیر کو بعد شہادت کفن ضروت بھی پورا نہ ملا یعنی ایک کپڑا جسم کا کچھ حصہ کپڑے سے ڈھانپا گیاکچھ حصہ گھاس سے،ایک بار حضرت مصعب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے نہایت ہی معمولی لبا س میں بیٹھے تھے جس میں چمڑے کے پیوند تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا دیکھو یہ کس نازونعم میں پلے اور اب اسلام کی خاطر کس حالت میں ہیں۔(مرقات)
۵؎ یعنی ہم مہاجرین میں سے بعض وہ حضرات ہیں جنہوں نے اسلامی فتوحات دیکھیں،مال غنیمت حاصل کیے،آرام پایا۔ خیال رہے کہ ان فتوحات کے دیکھنے غنیمت پانے سے ان حضرات کا اُخروی ثواب کم نہیں ہوگیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ سعد ابن معاذ کی موت سے عرش ہل گیااور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا رحمان کا عرش سعد ابن معاذ کی موت سے ہل گیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حدیث شریف بالکل ظاہری معنی پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں واقعی عرش اعظم نے حرکت کی تھی جیسے احد شریف حضور کی قدم شریف پڑنے پر ہلا تھا،رب فرماتاہے:"وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ" عرش میں حس وحرکت ہے،رہا یہ کہ کیوں ہلا اس میں چند احتمال ہیں: (۱)آپ کی روح جب عرش پر پہنچی تو وہ نہایت خوشی سے جھوما(۲)حاملین عرش کو مطلع کرنے کے لیے اس نے جنبش کی(۳)آپ کی روح کی تعظیم و تکریم کے لیے ہلا۔اعلٰی حصرت فرماتے ہیں۔شعر

واسطہ محبوب کا دنیا میں جو سنی مرے   یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ بندہ صالح ملا   فرش پر ماتم پڑے وہ طیب و طاہر گیا

بعض شارحین نے کہا کہ اس سے مراد حاملین عرش ملائکہ جھوم گئے مگر پہلا قول قوی ہے۔خیال رہے سعد ابن معاذ انصاری اشہلی اوسی ہیں،پہلی بیعت عقبہ کے بعد دوسری بیعت سے پہلے مدینہ منورہ میں ایمان لائے،آپ کے اسلام پر بہت سے بنی اشہل کے لوگ ایمان لائے،حضور نے آپ کو سید الانصار کا لقب دیا،آپ غزوہ بدرواحد میں شریک ہوئے، غزوہ خندق میں آپ کے کندھے پر تیر لگا وہ خون نہ ٹھہرا حتی کہ ذی قعدہ ۵ھ پانچ میں وفات ہوگئی، ۳۷ سال عمر شریف ہوئی،بقیع میں دفن ہوئے۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حریر کا جوڑا پیش کیا گیا ۱ حضور کے صحابہ اسے چھونے اور اس کی نرمی سے تعجب کرنے لگے ۲ تو فرمایا کیا تم اس کی نرمی سے تعجب کرتے ہو سعد ابن معاذ کے جنت میں رومال اس سے اچھے اور اس سے زیادہ نرم ہیں ۳ (مسلم،بخاری)	

۱ یہ ریشمی جوڑا کسی عجمی بادشاہ نے حضور کی بارگاہ میں بطور ہدیہ بھیجا تھا اہل مدینہ کے لیے یہ ایک عجیب کپڑا تھا۔

۲ کیونکہ یہ مدینہ منورہ میں ایک عجیب شے تھی اس سے پہلے اہل مدینہ نے یہ چیز نہ دیکھی تھی۔

۳ مناديل جمع ہے منديل کی جس کا مادہ ندل ہے بمعنی میل،چونکہ رومال سے میل صاف کیا جاتا ہے اس لیے اسے مندیل کہتے ہیں۔یعنی حضرت سعد ابن معاذ کے ہاتھ منہ پونچھنے والے رومال بھی اس کپڑے سے زیادہ خوبصورت اور نرم ہیں،جب ان کے رومال کی یہ کیفیت ہے تو ان کے پہننے کے کپڑے کیسے ہوں گے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور ہر جنتی کا مکان اس کا لباس تک جانتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلیم سے ۱ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ انس آپ کا خدمت گار ہے اس کے لیے اللہ سے دعا فرمایئے حضور نے فرمایا الٰہی ان کا مال ان کی اولاد زیادہ کر اور انہیں تو جو عطا فرماوے اس میں برکت دے ۲ حضرت انس فرماتے ہیں اللہ کی قسم کہ میرا مال بہت زیادہ ہے ۳ اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج تقریبًا سو سے زیادہ ہیں ۴ (مسلم،بخاری)	

۱ حضرت ام سلیم حضرت انس کی والدہ ہیں،اپنے فرزند حضرت انس کو لڑکپن میں حضور کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا،حضرت انس حضور ہی کے پاس رہتے تھے۔

۲ یہ آخری کلمہ بہت ہی جامع ہے یعنی مال،اولاد،ایمان،عزت و آبرو جو بھی توانہیں عطا فرمائے اس میں برکت دے، برکت اور کثرت کا فرق ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

۳؎ چنانچہ حضرت انس مدینہ منورہ کے بڑے مالداروں میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں مالی کثرت برکت دونوں عطا فرمائی تھیں۔(مرقات)

۴؎ امام ابن حجر نے شرح شمائل شریف میں فرمایا کہ حضرت انس کی مذکر اولاد ایک سو پچیس ہوئی جو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی یعنی بیٹے پوتے نواسے وغیرہم اور آپ کے باغ میں سال میں دوبار پھل آتا تھا۔(مرقات) خیال رہے کہ حضرت انس ابن مالک ابن نضر خزرجی کی کنیت ابوحمزہ ہے،دس سال کی عمر میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، خلافت فاروقی میں بصرہ میں تبلیغ دین کے لیے رہے، ۹۱ھ اکیانوے میں وفات پائی،ایک سو تین سال کی عمر ہوئی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کی کثرت وبرکت اللہ کی نعمت ہے جب کہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہے اس زمانہ میں علماء کو رب فاسق امیروں سے غنی فرمادے۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شخص کے متعلق جو روئے زمین پر چلتا ہو یہ کہتے نہیں سنا کہ وہ جنت والوں سے ہے سواء عبداللہ ابن سلام کے متعلق ا؎ (مسلم،بخاری)	

ا؎ شاید یہ حدیث اس وقت کی ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ مبشرہ وغیرہم دیگر صحابہ کرام کے جنتی ہونے کی خبر نہیں دی تھی۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ ابوبکر جنتی ہیں،عمر جنتی ہیں یا حسنین جوانان جنت کے سردار ہیں،فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں وغیرہ۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت سعد کا مطلب یہ ہے کہ آج جو لوگ زندہ ہیں زمین پر چل رہے ہیں ان میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً نام لے کر جنتی نہیں فرمایا سواء حضرت عبداللہ ابن سلام کے کیونکہ باقی حضرات مبشرین نہیں اس وقت وفات پاچکے تھے،عبداللہ ابن سلام ہی رہ گئے تھے اگرچہ حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی مبشر بالجنتہ ہیں مگر اپنا نام نہیں لیا انکسار کے طور پر،یا حضرت سعد نے اپنی بشارت براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی دوسرے ذریعوں سے سنی تھی اور حضرت عبداللہ ابن سلام کی بشارت خود سنی تھی۔بہرحال یہ حدیث دوسری بشارات کے خلاف نہیں اس کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں مثلًا یہ کہ نو مسلم یہودیوں میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت نہ دی بجزان کے۔واللہ ورسولہ اعلم!

روایت ہے حضرت قیس ابن عباد سے ا؎ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب آئے جن کے چہرے پر انکسار کا اثر تھا لوگ بولے کہ یہ جنت والوں میں سے ہیں انہوں نے دو رکعت پڑھیں جن میں اختصار کرلیا ۲؎ پھر نکل گئے اور میں ان کے پیچھے گیا میں نے کہا کہ آپ جب مسجد میں آئے تو لوگوں	

نے کہا یہ صاحب جنتیوں میں سے ہیں وہ بولے خدا کی قسم کسی کو مناسب نہیں کہ کسی کے متعلق وہ کہے جو جانتا نہ ہو۳ میں تم کو بتاتا ہوں کہ یہ کیوں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک خواب دیکھا تھا میں نے وہ خواب حضور پر پیش کیا تھا۴ میں نے دیکھا کہ گویا میں ایک باغ میں ہوں اس کی فراخی اس کی سرسبزی بیان کی اس کے بیچ میں لوہے کا ایک ستون ہے جس کا نچلا حصہ زمین میں ہے اور بالائی حصہ آسمان میں اس کے بالائی حصہ میں ایک دستہ ہے۵ مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ میں نے کہا کہ میں طاقت نہیں رکھتا تو میرے پاس ایک خادم آیا۶ اس نے میرے پیچھے سے میرے کپڑے اٹھائے تو میں چڑھ گیا حتی کہ اس کے اوپر پہنچ گیا پھر میں نے دستہ پکڑ لیا ۷ مجھ سے کہا گیا کہ مضبوطی سے پکڑ لو پھر میں جاگ پڑا وہ میرے ہاتھ میں ہی تھی میں نے یہ خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ۸ تو فرمایا کہ یہ باغ اسلام ہے اور یہ ستون اسلام کا ستون ہے ۹ اور یہ دستہ عروہ وثقی ہے ۱۰ تم مرتے دم تک اسلام پر رہو گے ۱۱ یہ صاحب حضرت عبداللہ ابن سلام تھے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،زاہد متقی بصری ہیں،انہیں حجاج ابن یوسف نے باندھ کر شہید کیا،بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

۲؎ یعنی میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب جن کے چہرے پر خشوع خضوع خوفِ الٰہی کے آثار تھے آئے۔خیال رہے کہ عجزونیاز دلی ہوتا ہے مگر اس کا اثر چہرے پر نمودار ہوتا ہے،رب فرماتاہے:"**سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ**"وہاں سجدہ کے اثر سے مراد پیشانی کا داغ نہیں بلکہ چہرے کا نور ہے جو کثرت سجود خصوصًا تہجد کی وجہ سے نمودار ہوتا ہے۔

بندہ مؤمن کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اسی لیے آیت میں **فی وجوھھم** فرمایا **فی جباھھم** نہ کہا داغ صرف پیشانی میں ہوا ہے مگر نور پورے چہرے میں۔

۳؎ آپ کا یہ کلام انتہائی عجز و نیاز پر مبنی ہے ورنہ صحابہ کرام ان کا جنتی ہونا یقین سے جانتے تھے کہ جس زبان پاک سے انہوں نے قرآن پاک سنا اسی سے یہ سنا تھا کہ عبداللہ ابن سلام جنتی ہیں جیسے قرآن یقینی ہے ایسے ہی حضور

کے سارے فرمان یقینی ہیں،اس زبان سے جھوٹ کبھی نہیں نکلتا،سونے کی کان سے لوہا نہیں نکل سکتا حضور کی زبان سے جھوٹ نہیں نکل سکتا صلی اللہ علیہ وسلم۔یہ فرق ہے ہمارے اور صحابہ کرام کے ایمان و اعمال میں کہ ان حضرات کے ایمان و اعمال رجسٹری شدہ ہیں۔ہمارے ایمان و اعمال کی خبر نہیں قبول ہیں یا نہیں،ہم مؤمن مریں گے یا کافر،اللہ تعالیٰ ان کے صدقے سے ہمیں ایمان پر خاتمہ نصیب کرے۔آمین! یا اس کلام کا منشا یہ ہے کہ اے قیس یہ لوگ جو مجھے جنتی کہہ رہے ہیں صرف اپنی رائے سے نہیں کہتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے کہتے ہیں،یہ سچے ہیں پھر آپ نے اگلا واقعہ بیان فرمایا،یہ مطلب حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں بیان کیا۔خیال رہے کہ کسی کے متعلق لوگوں کے منہ سے نکلنا کہ یہ ولی ہے یہ جنتی ہے اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔حضور فرماتے ہیں **انتم شهداء الله فی الارض**،رب فرماتاہے:"**لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ**"حضور غوث پاک خواجہ اجمیری داتا ہجویری یقینی جنتی ہیں کیسے معلوم ہوا مؤمنوں کی گواہی سے۔

۴؎ یہ بیان ہی اس چیز کا جس کی وجہ سے لوگ حضرت عبداللہ کو جنتی کہہ رہے تھے۔خیال رہے کہ جس خواب کی تصدیق و تعبیر پیغمبر کی طرف ہوجاوے وہ خواب وحی الٰہی کی طرح یقینی ہوتی ہے خواہ کسی کی خواب ہو۔چنانچہ اسلامی اذان حضرات صحابہ کرام کی خواب سے جاری کی گئی کیونکہ حضور انور نے اس کی تائید فرمادی،دو کافر قیدیوں کی خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے دے دی تو وہ ہوکر رہی"**قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ**"۔

۵؎ عروہ کے بہت معنی ہیں حلقہ،گرہ دستہ غرضکہ پکڑنے کی ہر چیز کو عروہ کہا جاتا ہے،رب فرماتاہے:"**فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى**"۔

۶؎ **منصف** میم کے کسرہ سے ص کے فتح سے،بنا ہے **نصف نصفة** سے بمعنی **خدم خدمة**،اس کے معنی ہیں خدمت گار ملازم۔

۷؎ یعنی اس نے جوں ہی میرا پیچھے سے کرتا اٹھایا میں خود ہی اس ستون کے کنارے پر پہنچ گیااور وہ کڑا یا دستہ میں نے مضبوطی سے تھام لیا۔

۸؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے ان کی خوابیں سنا کرتے تھے تعبیر بھی خود ہی دیا کرتے تھے بلکہ کبھی اپنی خواب شریف بھی بیان فرماتے تھے مع تعبیر کے اس لیے حضرات صحابہ اپنی خوابیں حضور پر پیش فرماتے تھے یہ واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

۹؎ یعنی یہ ستون جو تم نے باغ کے درمیان دیکھا یہ اسلام کا ستون ہے جس پر اسلام قائم ہے اور جو مسلمان بننے کا مدار ہے۔

۱۰؎ اسے **عروہ وثقی** اس لیے فرمایا کہ اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ نہیں۔**وثقی** مونث ہے **اوثق** کا جس کا مصدر **وثوق** ہے بمعنی پختگی و مضبوطی۔

۱۱؎ یعنی وہ دستہ وگرہ بھی مضبوط ہے اور تمہارا پکڑنا بھی مضبوط،ان شاءاللہ ایمان پر جیو گے ایمان پر مرو گے،حضور کے اس فرمان سے حضرت عبداللہ کے ایمان کی رجسٹری ہوگئی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ثابت ابن قیس ابن شماس انصار کے خطیب تھے۱؎ جب یہ آیت اتری کہ اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو آخر آیت تک۲؎ تو جناب ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے غیر حاضر ہوگئے۳؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب سعد ابن معاذ سے پوچھا۴؎ فرمایا ثابت کو کیا ہوا کیا وہ بیمار ہیں تب سعد ان کے پاس گئے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان فرمایا تو ثابت بولے کہ یہ آیت نازل ہوچکی ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب میں حضور کی بارگاہ میں اونچی آواز والا ہوں تو میں تو دوزخیوں میں سے ہوں۵؎ یہ ماجرا حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ وہ تو جنت والوں سے ہیں۶؎ (مسلم)

۱؎ آپ انصاری خزرجی ہیں، ۱۲ھ بارہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔خطیب بمعنی فصیح تاریخ دان عالم انساب ہے۔

۲؎ تمام سلاطین و حکام اپنے آداب مجلس خود بناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ سلطان کونین ہیں جن کے آداب دربار خود رب تعالٰی نے بنائے اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات پر بھی جاری فرمائے۔یہ آیت کریمہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں حضور کے آستانہ عالیہ میں عرض و معروض کرنے کا طریقہ سکھایا جارہا ہے۔خیال رہے کہ یہاں گفتگو کا ذکر ہے کہ دوران گفتگو میں کسی کی آواز حضور کی آواز سے اونچی نہ ہو اس سے اذان وغیرہ دوسرے موقعہ مستثنٰی ہیں وہ تو بلند آواز سے ہی ہوں گے۔

۳؎ یعنی شرم کی وجہ سے بارگاہ عالی میں حاضر نہ ہوئے کہ میں تو بارہا وہاں اونچی آواز سے بول چکا ہوں میرے اعمال ضبط ہوچکے اب کس منہ سے حاضر ہوؤں،یہ غیرت قوت ایمان کی علامت ہے۔

۴؎ حضرت سعد ابن معاذ جناب ثابت کے پڑوسی اور ان کی قوم سے تھے انہیں ثابت کے حالات کی زیادہ خبر ہونی چاہیے تھی اس لیے حضور نے آپ سے پوچھا۔خیال رہے کہ سعد ابن معاذ ۵ھ میں وفات پاگئے اور سورۂ حجرات ۹ ہجری میں نازل ہوئی تو یہ واقعہ کیونکر درست ہوا لہذا حق یہ ہے کہ اس سورت کی اگلی آیات "لَا

تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ "بعد میں نازل ہوئیں"لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوٰتَكُمْ" پہلے نازل ہوچکی تھی۔(مرقات)

۵؎ یعنی اس آیت کریمہ کے حکم سے میں دوزخی ہوں تو اس جنتیوں کے بادشاہ عالم پناہ کی بارگاہ میں کس منہ سے جاؤں، نار نور کے پاس کیسے جائے یہ ہے انتہائی خوفِ الٰہی کیونکہ اس آیت کریمہ میں بے ادبی سے اونچی آواز سے بولنا مراد ہے جو چیخ کر بولنے کا عادی ہو وہ مراد نہیں،حضور کی بے ادبی کفر ہے اور کفر آگ کا موجب ہے۔(مرقات)

۶؎ یعنی اس خوف کی وجہ سے ان کے ایمان کی رجسٹری ہوگئی کہ انہوں نے انتہائی خوف سے اپنے آپ کو اس آیت کی زد میں محسوس کیا۔سبحان اللّٰہ! حضرت ثابت ابن قیس کی شہادت یوں ہوئی کہ غزوہ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب کے مقابل خلافت صدیقی ۱۲ھ؁ میں ہواجہاد کے وقت آپ نے کفن پہنا،خوشبو ملی،پھر میدان جنگ میں داخل ہوئے اعلیٰ درجہ کا جہاد کیا اور شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔(مرقات)حضور کے فرمان کا یوں ظہور ہوا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم بیٹھے تھے کہ سورۂ جمعہ اتری ۱؎ تو جب یہ آیت نازل ہوئی ان میں سے دوسرے جو ابھی ان سے نہ ملے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ لوگ کون ہیں ۲؎ فرمایا اور ہم میں سلمان فارسی تھے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان پر رکھا ۳؎ پھرفرمایا کہ اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو ان میں سے بعض لوگ اسے پالیتے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ جمعہ مدنیہ ہے اور نماز جمعہ بعد ہجرت فرض ہوئی ہے۔جن لوگوں نے کہا کہ نماز جمعہ قبل ہجرت فرض ہوچکی تھی ادا کی گئی بعد ہجرت وہ قوی نہیں،جن حضرات نے حضور کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا وہ جمعہ نہ تھا بلکہ نوافل تھے،یہ حضرات اس دن جمع ہوجاتے تھے نوافل پڑھ لیتے تھے۔لہذا یہ حدیث اس واقعہ کے خلاف نہیں کہ حضرات صحابہ نے حضور انور کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی مدینہ میں جمعہ شروع کردیا تھا۔

۲؎ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے بھی ہادی ہیں جو صحابہ کو نہ ملے بعد میں پیدا ہوں گے،اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس فرمان عالی کا کس جماعت کی طرف اشارہ ہے۔

۳؎ حضرت سلمان فارسی اصفہان کے باشندے ہیں،رامہرمز کی اولاد ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،اصفہان ایران کا مشہور شہر ہے،آپ کے والدین آتش پرست تھے،آپ کو ایک عیسائی راہب کی صحبت ملی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات آپ کو سنائیں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے شوق میں نکل کھڑے ہوئے یہود نے پکڑ کر آپ کو فروخت کردیا،دس سے زیادہ مالکوں کی ملکیت میں رہے آخر جوئندہ پائندہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس پہنچے اس نے آپ کو مکاتب کردیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کا روپیہ ادا کرکے آپ کو آزاد کردیا لہذا آپ حضور کے آزاد کردہ

ہیں۔آپ کی عمر تین سو پچاس سال ہوئی،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے آپ کی ملاقات ہے یعنی آپ عیسیٰ علیہ السلام کے تابعی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی آپ کے فضائل بے شمار ہیں،مدائن میں ۵۳ھ تریپن میں وفات پائی۔(اکمال،مرقات)

۴؎ اس فرمان عالی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کی بڑی ہی منقبت ہے،آپ فارسی النسل ہیں،انہیں کی طرف حضور انور کا اشارہ ہے۔بعض احادیث میں رجل واحد ہے یعنی سلمان کے ہم وطن لوگوں میں ایک شخص(ابوحنیفہ)یا چند لوگ ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی اس شان کے مالک ہوں گے کہ اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو وہاں سے اتار لاتے،دیکھ لو آج امام اعظم کے کیسے فیوض جاری ہیں۔یہاں لمعات نے فرمایا کہ عرب میں صحابہ زیادہ ہیں اور عجم میں تابعین زیادہ ،عجمیوں نے دین کی بڑی خدمات انجام دیں اجتہاد،استنباط،تفقہ عجم میں بہت رہا۔(لمعات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی اپنے ان بندوں کو یعنی ابوہریرہ کو اور ان کی ماں کو اپنے مؤمن بندوں کا پیارا بنادے اور مؤمنین کو ان کا محبوب بنادے۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی جناب ابوہریرہ اور انکی والدہ مسکین اور بےکس ہیں خدا انہیں کس والا بس والا بنادے،مسلمانوں کو یہ دونوں پیارے ہوں مسلمان انہیں پیارے ہوں۔چنانچہ حضرت ابوہریرہ تمام صحابہ کی آنکھوں کے تارے رہے اور رب نے انہیں اتنا مال دیا کہ ریشمی رومال سے جوتے صاف کرتے پیر پونچھتے تھے،خلافت حیدری میں حضرت علی کو بھی پیارے تھے اور امیر معاویہ کو بھی،کھانا امیر معاویہ کے ساتھ کھاتے تھے اور نماز حضرت علی کے پیچھے پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ کھانا معاویہ کا مزے دار ہے نماز علی کے پیچھے لذیذ ہے۔

روایت ہے حضرت عائذ ابن عمرو سے کہ ابو سفیان حضرت سلمان اور صہیب اور بلال پر گزرے۱؎ جو ایک جماعت میں تھے تو ان حضرات نے کہا کہ اللہ کی تلواریں اللہ کے دشمن کی گردن میں اپنی جگہ پر نہ گزریں۲؎ تو جناب ابوبکر بولے کہ کیا تم قریش کے بوڑھے اور ان کے سردار کے متعلق یہ کہتے ہو۳؎ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ کو خبر دی۴؎ تو فرمایا اے ابوبکر شاید تم نے ان حضرات کو ناراض کردیا اگر تم نے انہیں ناراض کردیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کردیا۵؎ تب ابوبکر ان حضرات کے پاس آئے بولے اے میرے بھائیو کیا میں نے تم کو رنجیدہ کردیا وہ بولے	

	نہیں اے میرے بھائی اللہ تم کو بخشے٦ (مسلم)

١ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے جب کہ ابوسفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر صلح ہوجانے کی وجہ سے مدینہ منورہ آیا جایا کرتے تھے کیونکہ وہاں ان کی دختر حضرت ام حبیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔(مرقات،اشعہ)

٢ یعنی اب تک اتنے جہاد ہوئے مگر ہماری تلواروں نے ابو سفیان کی گردن نہ کاٹی اللہ کی تلواروں سے مراد غازی مجاہدوں کی تلواریں ہیں جو راہِ الٰہی میں چلتی تھیں۔دشمن خدا سے مراد ابوسفیان ہیں کیونکہ اس وقت تک وہ کافر تھے۔

٣ یعنی ابوسفیان قرشی ہیں اور قرشیوں کے سردار ہیں اور ہمارے مدینہ میں امان سے آئے ہوئے ہیں تم ان کے لیے ایسے سخت لفظ بول رہے ہو ایسا نہ ہو کہ پھر ان سے جنگ چھڑ جائے آپ کا یہ فرمان نہایت ہی نیک نیتی پر مبنی تھا۔

٤ یعنی عرض کیا کہ یارسول اللہ ان حضرات نے ابوسفیان سے یہ کہا تھا میں نے یہ کہا مگر میری نیت نیک تھی من وعن سب کچھ عرض کردیا۔

٥ یعنی اے ابوبکر نیت تمہاری بالکل درست ہے مگر اس میں ایک کافر کی حمایت کی اور مؤمنوں کی تادیب کی مہک آرہی ہے ممکن ہے کہ اس وجہ سے ان حضرات کے دلوں کو صدمہ پہنچا ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی مساکین و غربا خصوصًا مساکین صحابہ کی رضا خوشنودی میں ہے،اس کی ناراضی ان حضرات کی ناراضی میں ہے۔

دلا خوش باش کان سلطان دین را　　　　بدر ویشاں ومسکیناں سرے ہست

٦ عرب میں **یغفر اللہ لك** اظہار خوشی کے لیے کہتے ہیں وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے،رب فرماتاہے:"**عَفَا اللّٰہُ عَنۡكَ لِمَ اَذِنۡتَ لَھُمۡ**"۔اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی رنجشیں بہت جلد دور کرلینی چاہئیں،جس سے شکایت ہو اس سے براہ راست مل کر صفائی کرلینی چاہیے۔آج مسلمان اس سبق کو بھول گئے اسی وجہ سے انکی آپس کی رنجشیں ختم نہیں ہوتیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار سے محبت ہے اور منافقت کی نشانی انصار سے بغض ہے١ (مسلم،بخاری)

١ یعنی سارے انصار سے عداوت صرف دین کی ہی وجہ سے ہوسکتی ہے کسی خاص انصاری کی مخالفت دنیاوی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے اسی لیے یہاں انصار جمع ارشاد ہوا۔انصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے ایسے انوکھے میزبان ہیں کہ ان کی مثال آسمان و زمین نےنہ دیکھی تھی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب کے احسانات کے بدلے ہم نے کردیئے مگر ابوبکر صدیق دوسری روایت میں ہے کہ انصار کے احسانات کا بدلہ نہیں ہوسکا،قیامت میں رب سے دلوایا جاوے گا ان احسانات کو یاد رکھو اور ان سے محبت کرو کہ وہ ہمارے نبی کے محسن ہیں تو ہم سب کے محسن ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

	روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ انصار سے محبت نہ کرے گا مگر مؤمن اور ان سے عداوت نہ کرے گا مگر منافق ۱؎ تو جس نے ان سے محبت کی اللہ اس سے محبت کرے، جس نے ان سے بغض رکھا اللہ اس سے ناراض ہو ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یعنی انصار سے وہ ہی محبت کرے گا جو کامل مؤمن ہوگا اور انصار سے بغض وہ ہی رکھے گا جو اعتقادی یا عملی منافق ہو گا، ایمان دل میں ہے مگر اس کی علامات ظاہری جسم میں موجود ہیں۔

۲؎ یہ کلمات دعااور بدعا کے ہیں یعنی اے اللہ انصار کے محبین سے تو محبت فرما اور انصار کے دشمنوں سے تو دشمنی فرما۔اس سے روافض زمانہ عبرت حاصل کریں۔خیال رہے کہ یہاں دینی محبت و عداوت مراد ہے،خیال رہے کہ انصار کا نام پہلے ابناء قبلہ تھا،قبلہ ان کی مورث اعلیٰ تھیں جن میں اوس و خزرج دونوں جمع ہوجاتے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کا نام انصار رکھا رب تعالٰی کو یہ نام قبول ہوا اس نے بھی انہیں اسی نام سے یادفرمایا "مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ" جیسے مدینہ منورہ کا نام پہلے یثرب تھا حضور نے اس کا نام مدینہ رکھا قرآن مجید نے بھی اسے مدینہ ہی فرمایا۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ کچھ انصاری لوگوں نے کہا جب اللہ نے اپنے رسول کو ہوازن کے مال غنیمت میں بہت کچھ دیا ۱؎ آپ قریشی لوگوں کو سو سو اونٹ دینے لگے ۲؎ تو انصار نے کہا کہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے بلند کرے آپ قریش کو تو دیتے ہیں ہم کو چھوڑتے ہیں ۳؎ حالانکہ ہماری تلواریں کفار کے خون سے ٹپک رہی ہیں ۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس بات کی خبر دی گئی ۵؎ تو حضور نے انصار کو بلایا انہیں چمڑے کے ایک خیمہ میں جمع کیا ان کے ساتھ کسی کو نہ ٹھہرنے دیا ۶؎ جب وہ سب جمع ہوگئے تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا کہ مجھ کو تمہارے متعلق کیا خبر پہنچی ہے تو ان کے سمجھ دار بولے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے سمجھ داروں نے تو کچھ نہیں کہا رہے ہم میں سے نو عمر لوگ

	انہوں نے کہا ہے کہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھائے آپ قریش کو دیتے ہیں انصار کو چھوڑتے ہیں حالانکہ ہماری تلواریں ان کے خون سے ٹپک رہی ہیں ۸؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو دیتاہوں جو ابھی نئے نئے کفر سے لوٹے ہیں میں انکی تالیف قلب کرتا ہوں ۹؎ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر واپس ہوؤ ۱۰؎ انصار بولے ہاں یارسول اللہ ہم راضی ہیں ۱۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ہوازن حضرت حلیمہ دائی کے قبیلہ کا نام تھا یہ مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان آباد تھا،ان سے جو جنگ ہوئی اس کا نام جنگ حنین ہے کیونکہ اس جگہ کو حنین کہتے ہیں ان سے بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔چنانچہ اس غزوہ میں چھ ہزار قیدی چوبیس ہزار اونٹ چار ہزار اوقیہ چاندی چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں،بعض روایات میں ہے کہ بکریاں بے شمار تھیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ چنانچہ حضور نے اس موقع پر ابو سفیان کو ایک سو اونٹ عطا فرمائے یہ عطیہ بہت ہی زیادہ تھا اسی طرح اور نو مسلموں کو عطیے دیئے مہاجرین اور انصار کو ان سے کم عطیے دیئے۔

۳؎ عربی میں **یغفر اللہ** اور **غفر اللہ** یا **عفا اللہ** کسی کلام کی تمہید کے لیے بولا جاتا ہے،رب فرماتاہے:"**عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَھُمۡ**"لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ **نعوذ باللہ** حضور انور یہ گناہ کررہے رب ان کا یہ گناہ بخشے یہ بات تو کفر ہے۔

۴؎ یعنی ہماری تلواروں سے ابھی تک ان کفار کے خون ٹپک رہے ہیں ہماری تلواریں ابھی ان کے خون سے خشک بھی نہیں ہوئیں۔مقصد یہ ہے کہ جنگ کوتو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ابھی ابھی تو ہوئی ہے اس عبارت میں قلب ہے جیسے **عرضت الناقۃ علی الحوض** اصل میں یوں تھا **عرضت الحوض علی الناقۃ**۔

۵؎ کسی نے حضور انور سے یہ عرض کیا مگر غیبت یا شکایت کے لیے نہیں بلکہ اصلاح کے لیے کہ ان حضرات کی اصلاح ہوجائے۔خیال رہے کہ انصار کا یہ عرض کرنا حضور انور پر بدگمانی کے لیے نہ تھابلکہ مقصد یہ تھا کہ شاید ہمارے جہاد اور قربانیاں بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں اگر قبول ہوتیں تو ہم کو انعام پورا ملتا،یہ خوف الٰہی کی انتہا ہے لہذا ان حضرات کا یہ عرض کرنا کمال ایمان تھا کفر نہ تھا اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے توبہ نہیں کرائی بلکہ انہیں وہ بشارت دی جو آئندہ مذکور ہے۔

۶؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چمڑے کے خیمہ میں انصار کو جمع فرمایا اور حکم دیا کہ یہاں انصار کے سواء اور کوئی نہ رہے ان سے کچھ راز کی باتیں کرنا ہیں۔

۷؎ مطلب یہ ہے کہ یہ کلام کم عقلی کی وجہ سے صادر ہوا جوشیلے جوانوں نے کہہ دیا ہے ہم لوگوں نے یہ کچھ نہیں کہا۔

۸؎ یہ ہے اقرار قصور کہ جو کچھ ہوا تھا صاف صاف عرض کردیاآخرت میں بھی اپنے قصور کا اقرار کرنا معافی کا ذریعہ ہوگا انکار جرم سے غضب آجاوے گا۔شعر

عذر بد تراز گنہ کا ذکر کیا　　　ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجئے

۹؎ مقصد یہ ہے کہ میرا کسی کو زیادہ عطیے دینا اس کی زیادہ مقبولیت کی علامت نہیں ہے اور کسی کو کم دینا اس کی عدم مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔آج ہم نے جن لوگوں کو زیادہ عطیے دیئے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ابھی قریب میں فتح مکہ کے دن ایمان لائے ہیں،ابھی انکے دل میں میری اور اسلام کی محبت اچھی طرح رچی نہیں میری اس دادودہش سے ان کے دلوں میں میری محبت زیادہ ہوگی اور میری محبت سے اللہ تعالٰی قرآن مجید اور اسلام کی محبت بڑھے گی۔خیال رہے کہ حضور کی محبت حضور کی عظمت ساری محبتوں عظمتوں کی اصل ہے۔ہم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں حضور کی عظمت نہیں ان کے دلوں میں نہ قرآن مجید کی عظمت ہےنہ خدا تعالٰی کی نہ اسلام کی۔دیکھ لو نجدی لوگ قرآن مجید کی کعبہ معظّمہ کی کیسی بے حرمتی کرتے ہیں اعلٰی حضرت نے فرمایا۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں　　　اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

۱۰؎ سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز عشق سے لبریز فرمان ہے کہ مؤلفۃ القلوب نو مسلم لوگ تو اس پر خوشی خوشی اپنے گھر جائیں کہ انہیں مال بہت مل گیا اور تم اس پر خوش خوش لوٹو کہ تم کو مال تھوڑا ملا مگر میں اور میری محبت کاملہ تم کو نصیب ہوگئی تم میرے ہوچکے اور میں تمہارا ہوچکا جب میں تمہارا ہوگیا تو کونین بلکہ خالق کونین تمہارا ہوگیا۔

لطیفہ: ایک بار میں نے حضرت محدث کچھوچھوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں عرض کیا کہ نماز میں مزہ نہیں آتا دل نہیں لگتا کیا کروں،فرمایا پڑھتے تو ہو میں نے کہا ہاں پڑھتا ہوں،فرمایا تم بڑے خوش نصیب ہو میں نے کہا وہ کیسے، فرمایا جسے نماز میں مزہ آئے وہ تو مزے کے لیے پڑھتا ہے اور جس کو مزہ نہ آئے وہ رب کے لیے پڑھتا ہے ان کے اس جواب کالطف مجھے اب تک آرہا ہے بہت ہی تسکین ہوئی ۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا　　　تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

۱۱؎ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر راضی ہیں اور راضی رہیں گے کچھ نہ ملے حضور مل جاویں پھر کیا کمی ہے۔

جنت نہ دیں تیری رویت ہو خیر سے　　　اس گل کے آگے کیاحاجت برگ وبر کی ہے

کسی نے کیاخوب کہاہے

رضینا قسمۃ الجبار فینا　　　لنا علم وللجھال مال

فان المال یفنی عن قریب　　　وان العلم باق لایزال

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہم انصار میں سے ایک صاحب ہوتے ۱؎ اور اگر لوگ ایک	

	جنگل میں چلیں اور انصار دوسرے جنگل میں یا دوسری گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کے جنگل یا ان کی گھاٹی میں چلوں۲ اور انصار اندرونی لباس ہیں اور باقی لوگ بیرونی لباس ہیں۳ تم میرے بعد ترجیح دیکھوگے تو صبر کرنا حتی کہ تم مجھ سے حوض پر ملو۴(بخاری)۵

۱؎ یہاں نسب ولادت کا ذکر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشرف ترین نسب سے ہیں بلکہ نسبت کا ذکر ہے یعنی اگر رب تعالٰی نے ہم کو ہجرت کی عزت نہ دینا ہوتی تو ہم مدینہ منورہ میں پیدا ہوتے اور اپنے کو مہاجر نہ کہتے بلکہ انصاری کہتے، چونکہ ہجرت نصرت سے افضل ہے اس لیے رب نے ہماری ولادت مکہ معظّمہ میں کی اور ہمارا قیام مدینہ منورہ میں کیا اور ہم نبی مہاجر کہلائے۔اس سے معلوم ہوا کہ مہاجرین صحابہ انصار صحابہ سے افضل ہیں،قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوتا ہے"مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ"یعنی مہاجرین کا ذکر پہلے انصار کا بعد میں باقی تمام مسلمانوں سے انصار افضل ہیں۔

۲؎ جنگل اور اسکے رستہ کو وادی کہتے ہیں،پہاڑی راستوں کو شعب،یہاں رائے اور خیال مراد ہے یعنی اگر تمام جہان کی رائے ایک ہو اور انصار کی رائے دوسری ہو تو میں انصار کی رائے کے موافق رائے دوں گا تمام کی راؤں پر انصار کی رائے کو ترجیح دوں گا،یہ مطلب نہیں کہ میں انصار کی اتباع کروں گا سارا جہان حضور کا متبع ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کسی شخص یا کسی قوم کے متبع نہیں ان سے ارشاد ہے"اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ"۔

۳؎ شعائر بنا ہے شعر سے بمعنی جسم کے بال جو لباس جسم سے بالکل متصل رہے اسے شعار کہتے ہیں کہ وہ بالوں سے ملا ہوتا ہے اور جو لباس اس شعار کے اوپر پہنا جاوے وہ دثار کہلاتا ہے جیسے بنیان یا شلوکہ کا شعار ہے اور اس کے اوپر والے کپڑے کرتہ واسکٹ،اچکن دثار ہیں یعنی جیسے شعار جسم سے متصل رہتا ہے ایسے ہی انصار مجھ سے ملے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا اخلاص ان کی خدمت دوسرے عام مؤمنوں سے بہت زیادہ ہے۔الناس سے مراد عام مؤمنین ہیں حضرات خلفاء راشدین یا فاطمہ زہرا و حسنین کریمین اس میں داخل نہیں۔

۴؎ یعنی میرے بعد بعض اسلامی بادشاہ تم پراور لوگوں کو ترجیح دیں گے بلکہ تمہارے حق دوسروں کو دیں گے تو تم ان سے بغاوت نہ کرنا بلکہ صبر کرنا۔چنانچہ سلاطین اموی کے زمانہ میں عمومًا انصار کو نظر انداز کیا جاتا رہا حضور کی پیش گوئی درست ہوئی۔اس فرمان عالی میں انصار کے مؤمن ہونے،ایمان پر خاتمہ،حضور کے پاس حوض پر حاضر ہونے غرضکہ بے شمار فضائل کی خبر ہے۔اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم ان باتوں کو دنیا میں برداشت کرنا ہم حوض پر اور جنت میں ان سب کا بدلہ کردیں گے۔

۵؎ فتح کے دن ابو سفیان ایمان لائے حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ ابوسفیان کو فخر و بڑائی بڑی محبوب ہے اس لیے کچھ بڑائی ان کو عطا فرمائی جاوے تب حضور انور نے انکے گھر کو دارالامان بنادیا،اعلان فرمادیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اسے امان ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے فتح مکہ کے دن ۱؎ تو فرمایا جو ابو سفیان کے گھر میں گھس جاوے اسے امان ہے اور جو ہتھیار کو رکھ دے اسے امان ہے ۲؎ تو انصار بولے کہ ان محبوب کو اپنے کنبہ سے محبت اور اپنے وطن کی رغبت ہوگئی ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوگئی ۴؎ فرمایا کیا تم نے یہ کہا ہے کہ ان محبوب کو اپنے کنبہ کی محبت اپنے وطن کی رغبت ہوگئی ایسا ہرگز نہیں ہے ۵؎ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ کی اور تمہاری طرف ہجرت کرلی ہے ۶؎ اب میری زندگی تمہاری زندگی میں ہے اور میری وفات تمہاری موت میں ہے ۷؎ وہ بولے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اللہ رسول پر بخل کی وجہ سے ہے ۸؎ فرمایا کہ اللہ رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تم کو معذور جانتے ہیں ۹؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام ابوسفیان ابن صخر ابن حرب ہے، اموی قرشی ہیں، واقعہ فیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، فتح مکہ کے دن اسلام لائے، غزوہ حنین میں شریک ہوئے، طائف کے غزوہ میں آپ کی ایک آنکھ شہید ہوئی، غزوہ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی، ۳۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، بقیع شریف میں دفن ہوئے۔ (کمال، مرقات)

۲؎ یعنی جو بھی ہتھیار جنگ ڈال دے اپنے کو غیر مسلح کرلے اس کا بھی خون معاف ہے اسے امان ہے۔

۳؎ انصار کا حضور انور کو الرجل کہنا توہین کے لیے نہیں یہ لفظ عظمت وتوقیر کے لیے بھی بولا جاتا ہے، فرشتے قبر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آراد کھا کر پوچھتے ہیں **ما کنت تقول فی حق ھذا الرجل** وہاں بھی الرجل تعظیم کے لیے ہے، ہاں اہانت یا برابری کے لیے حضور انور کو رجل کہنا کفر ہے۔ لہذا فقہاء کرام کا فرمان کہ حضور انور کو رجل یا رجیل کہنا کفر ہے بالکل درست ہے کہ وہاں توہین یا برابری کے دعویٰ کے لیے کہنا مراد ہے۔ انصار نے جب یہ دیکھا کہ ابو سفیان، ہندہ، عکرمہ ابن ابوجہل کو معافی دے دی بلکہ ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیئے تب وہ سمجھے کہ شاید اب حضور انور مکہ معظمہ میں رہائش اختیار فرمالیں گے ہمارا مدینہ ویران ہوجاوے گا، وہ حضرات سمجھے کہ حضور کے عطیے اہل مکہ کی محبت کی بناء پر ہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ سے اتنی محبت ہے تولا محالہ خود مکہ معظمہ سے بھی محبت ہے، پھر آپ مکہ معظمہ کو اب کیوں چھوڑیں گے۔

۴؎ یعنی رب تعالٰی نے اپنے محبوب سے بذریعہ وحی فرمایا کہ آج فتح مکہ کی سب کو خوشی ہے انصار غمگیں ہیں آپ کے فراق کے اندیشہ سے ان کا اندیشہ دور فرمایئے انہیں بھی خوش کیجئے۔

۵؎ یعنی میں نے ان لوگوں کو یہ عطیے اس وجہ سے نہیں دیئے ہیں کہ مجھے تمہارے مقابلہ میں ان سے زیادہ محبت ہوگئی اور میں تم کو چھوڑکر ان میں آن بسوں گا بلکہ ان پر عطایا کی بارش انہیں اسلام پر پختہ کرنے کے لیے ہے۔

٦؎ یعنی ہم اللہ کے بندے اللہ کے رسول ہیں اور رسول کے ہر کام میں استقامت ہوتی ہے ہم نے جو قدم اٹھایا وہ پیچھے نہ ہٹے گا ہم مہاجر بن کر غیر مہاجر نہ بنیں گے۔

۷؎ یعنی خاطر جمع رکھو اب میں اپنی زندگی اور موت میں تم کو نہیں چھوڑوں گا ہم تم ہی میں جئیں گے اور تم میں وفات پائیں گے۔

۸؎ یعنی یارسول اللہ ہم لوگ آپ پر بہت بخیل ہیں ہم نہیں چاہتے کہ آپ ہم کو چھوڑ کر اور جگہ رہیں۔

نیناں میں جو آن بسو تو نیناں جھانپ ہی لوں　　ناہیں میں دیکھوں اور کو نا توئے دیکھن دوں

سبحان اللہ! حضرات انصار مال کے ایسے سخی کہ انہوں نے اپنا سب کچھ حضور انور پر نچھاور کردیا مگر حضور پر ایسے بخیل کہ ذرا سی جدائی کی تاب نہیں اس بخل پر لاکھوں سخاوتیں نثار ہوں، یہ بخل عین عبادت بلکہ روح عبادات بلکہ جان ایمان ہے۔

۹؎ یعنی میں تم کو سچا اور محبت کا پکا مانتا ہوں میرا تم کو صادق جاننا رب تعالٰی کا جاننا ہے لہٰذا اللہ رسول تم کو سچا جانتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کے لیے ایک ضمیر تثنیہ لانا بالکل جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بچوں عورتوں کو دیکھا ایک شادی سے آتے ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے ۱؎ فرمایا الٰہی تو جانتا ہے اے انصار تم لوگ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارے ہو الٰہی تو جانتا ہے اے انصار تم لوگ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارے ہو یعنی انصار ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ انصاری لوگ ایک شادی سے خوش و خرم آرہے تھے حضور ان کو خوش دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے اور ان کی خوش خرمی کھڑے ہوکر ملاحظہ فرمانے لگے جیسے ماں باپ اپنی اولاد کی خوشی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں حضور پر تمام جہان کے ماں باپ کی محبتیں قربان ہوں،وہ امت خصوصًا انصار کی خوشی دیکھ کر کیوں خوش نہ ہوں گے،حضور ہماری خوش خرمی سے خوش ہوتے ہیں،ہمارے رنج و ملال سے غمگیں ہوتے ہیں "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" حضور انور نے خواب میں اپنی امت کو سمندر کا سفر کرتے دیکھا نہایت شان و شوکت سے تو حضور خوش خوش بیدار ہوئے تھے۔

۲؎ اس کلام میں التفات ہے پہلے رب تعالٰی سے عرض کیا کہ الٰہی تو گواہ رہ یا اے اللہ تو جانتا ہے،پھر انصار سے خطاب فرمایا کہ تم لوگ مجھے بہت پیارے ہو۔انصار فرماکر راوی نے یہ بتایا کہ یہ کلام صرف ان لوگوں سے نہیں تھا بلکہ سارے انصار سے تھا یعنی سارے انصار مجھے بہت پیارے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ جناب ابوبکر و

عباس انصار کی مجلسوں سے کسی مجلس پر گزرے وہ حضرات رو رہے تھے ۱؎ تو ان دونوں نے کہا کہ تم کو کیا چیز رلاتی ہے وہ بولے کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ہم نشینی یاد آگئی ۲؎ تو ان دونوں میں سے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور کو اس کی خبر دی ۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ نے اپنے سر پر چادر کے کنارہ کی پٹی باندھی ہوئی تھی آپ منبر پر چڑھے اور اس دن کے بعد پھر کبھی نہ چڑھے ۴؎ اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ میں تم لوگوں کو انصار کے متعلق وصیت کرتا ہوں ۵؎ کیونکہ یہ لوگ میرے خاص مشیر اور میرے خاص ہیں ۶؎ یہ لوگ وہ حق ادا کرچکے جو ان پر تھا اور وہ حق باقی رہ گیا جو ان کا ہے ۷؎ تو ان کے نیکوں سے قبول کرو اور ان کے بروں سے در گزر کرو ۸؎ (بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات شریف کا ہے جب کہ کئی دن حضور دولت خانہ سے باہر تشریف نہیں لائے شدت مرض کی وجہ سے،انصار نے جمال جہاں آرا کچھ روزنہ دیکھا تو تڑپ گئے۔

در فراق تو مرا چوں سوخت جان ۔۔۔ چوں نہ نالم بے تو اے جان جہاں

۲؎ یعنی ہم لوگوں کو وہ مبارک گھڑیاں یاد آرہی ہیں جب ہم پروانوں کی طرح شمع جمال محمدی کے گرد قربان ہوتے تھے، ہائے وہ ساعتیں کہاں گئیں۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا ۔۔۔ خوشا وہ وقت کہ طیبہ تھا مقام اس کا

یہ ہے حضرات صحابہ کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ایک ذرہ ہم کو بھی عطا کرے۔

ذرہ عشق نبی ازحق طلب ۔۔۔ سوزِ صدیق و علی ازحق طلب

۳؎ یہ حاضر ہونے والے حضرت عباس تھے جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔عرض کیا کہ حضور آپ کے فراق میں بہت بے چین ہیں ایک جھلک حضور انہیں دکھادیں۔

۴؎ یعنی حضور انور کا یہ آخری وعظ بلکہ عام صحابہ کو آخری دیدار تھا اس وقت سارے اہلِ مدینہ کا کیا حال ہوا ہوگا رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔

لذت بادہ عشقش ز من مست مپرس ۔۔۔ ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

۵؎ اس میں خطاب یا تو مہاجرین سے ہے یا سارے اہل مدینہ سے یا اپنے بعد والے خلفاء سے یا تاقیامت سارے مسلمانوں سے۔

۶؎ کرش کاف کے فتحہ اور ر کے کسرہ سے ،بروزن کشف۔اس کے چند معنی ہیں:معدہ،کنبہ،چھوٹے بچے جماعت،مشیرکار یہاں سارے معنی درست ہیں اور عبیہ خاص لباس رکھنے کی صندوقچی۔بہرحال مطلب یہ ہے کہ انصار میرے خاص راز دار لوگ ہیں۔

۷؎ یعنی بیعت عقبہ میں انصار نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ کی مدد کریں گےآپ مدینہ منورہ تشریف لائیں ہم ہر طرح آپ پر نثار ہوں گے،ہم نے ان سے ثواب جنت،رحمت،بخشش کا وعدہ کرلیا ہے،انہوں نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہمارا وعدہ باقی ہے،رب فرماتاہے:"اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الْمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمْ وَ اَمْوٰلَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ"۔ (لمعات،مرقات،اشعہ)

۸؎ یعنی اگر ان میں سے کوئی انصاری تم میں سے کسی کا کوئی قصور کرے پھر معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول کرلو اور اگر وہ معذرت کرنے نہ آوے تب بھی اسے معافی دے دو،نہ اس سے دنیا میں بدلہ لو نہ آخرت میں بدلہ لینے کی نیت کرو،یہ میرے محسن ہیں ان سے اچھا سلوک کرو۔(مرقات)یہ مطلب نہیں کہ انصار کو گناہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔محسن اور مسیئ کے یہ ہی معنی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں باہر تشریف لائے جس میں حضور کی وفات ہوئی ۱؎ حتی کہ منبر پر جلوہ گر ہوئے تو اللہ کی حمدوثنا کی ۲؎ پھر فرمایا کہ بعد حمد کے جان لو کہ لوگ بڑھیں گے اور انصار گھٹیں گے ۳؎ حتی کہ ایسے ہوجائیں گے جیسے کھانے میں نمک ۴؎ تو میں تم میں سے جو بھی کسی ایسے عہدہ کا مالک ہو جس میں کسی قوم کو نفع اور دوسروں کو نقصان پہنچا سکے ۵؎ تو وہ ان کے نیکوں سے قبول کرے اور برائی کرنے والوں سے درگزر کرے ۶؎ (بخاری)	

۱؎ غالبًا یہ پہلے ہی واقعہ کا ذکر ہے جو ابھی مذکور ہوا اور ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس مذکورہ واقعہ سے پہلے کا ہو کیونکہ اس پہلے واقعہ کے بعد تو حضورانور نہ باہر تشریف لائے نہ خطبہ فرمایا۔

۲؎ حمدوثناء ہم معنی ہوتے ہیں کبھی ان میں یوں فرق کرتے ہیں کہ حمد وہ جو رب تعالٰی کی طرف سے الہام ہو،ثنا وہ جو بندہ اپنی کوشش سے کرے،یا حمد نعمتوں پر رب کی تعریف کو کہتے ہیں اور ثناء اس ذات کریم کی صفات عالیہ کے ذکر کو کہتے ہیں۔واللہ ورسولہ اعلم!

۳؎ یعنی مہاجرین کی اولاد دنیا میں بکثرت ہوگی مگر انصار کی اولاد بہت کم ہوگی یا مدینہ منورہ میں مہاجرین کی اولاد بہت رہے گی انصار کی اولاد بہت کم ہوگی،اب سارے مدینہ منورہ میں صرف ایک گھرانا انصار کا ہے یعنی حمزہ ابوالجود کا

گھرانہ۔دیکھ لو آج سید،علوی،عباسی بہت ہیں انصاری بہت تھوڑے بلکہ قریبًا نہیں ہیں بعض لوگ بناوٹی انصاری ہیں،بعض شارحین نے کہا کہ مہاجرین تا قیامت ہوتے رہیں گے کہ ہجرت قائم ہے مگر انصار خصوصًا حضور انور کے مددگار انصار جو ہونا تھے وہ ہولیے اشعہ میں اسی کو اختیار کیا۔

۴؎ یعنی اگرچہ انصار کم ہوجائیں گے مگر اسلام کی لذت و عمدگی انہی سے قائم ہوگی جیسے کھانے میں نمک ہوتا ہے تھوڑا مگر سارے کھانے میں لذت اس ہی کی ہوتی ہے،تاقیامت اسلام کی بہاریں انہیں انصار سے ہیں جنہوں نے حضور انور کی مہمانی کا حق ادا کیا،نمک مصلح طعام ہے اور انصار مصلح اسلام۔(اشعہ)

۵؎ یعنی میرے بعد تم مہاجرین میں جوکسی اعلیٰ یا معمولی عہدہ پر فائز ہو وہ میری یہ وصیت یاد رکھے۔

۶؎ اسی کی شرح ابھی گزر چکی کہ اس سے مراد قانون شکنی بغاوت ارتداد وغیرہ نہیں بلکہ شخصی ذاتی معاملات میں قصور و کوتاہی مراد ہےیعنی اگر کوئی انصاری کسی سے کوئی اچھا سلوک کرے تو وہ دوگنا تگنا بدلہ بطور شکریہ ادا کرے اور اگر کوئی انصاری کسی سے کوئی ذاتی بدسلوکی کرے تو وہ میری خاطر اس سے درگزر کرے کہ انصار میرے محسن میرے میزبان ہیں رضی اللہ عنہم۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی انصار کو انصار کی اولاد کو انصار کی اولاد کی اولاد کو بخش دے۱؎(مسلم)

۱؎ اس فرمان عالی میں یا تو انصار سے مراد صحابہ انصاری ہیں اور اولاد انصار سے مراد تابعین انصاری اور اولاد اولاد انصار سے مراد تبع تابعین انصاری ہیں یا تاقیامت ساری اولاد انصار مراد ہے یعنی بمعنی اولاد۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت ابواسید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انصار کے گھروں میں بہتر گھرانہ بنو نجار ہیں پھر بنی عبدالاشہل پھر بنی حارث ابن خزرج پھر بنی ساعدہ۱؎اور انصار کی سارے گھرانوں میں خیر ہے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ چاروں انصار کے قبیلے ہیں ان سب کا لقب انصار ہے۔عیسیٰ علیہ السلام کے مددگاروں کا نام نصاریٰ تھا اور حضور کے مددگاروں کا نام انصار ہوااور غیر خدا سے مدد لینا حرام یا شرک ہوتا تو یہ دونوں نام مشرکانہ ہوتے اور انہیں نصاریٰ یا انصار کہنا شرک ہوتا۔

۲؎ یعنی ان چار خاندانوں کے علاوہ اور جس قدر انصاری خاندان ہیں سب میں خیر ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ان چار خاندانوں نے حضور انور کی خاص خدمات انجام دی ہوں گی۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیر اور مقداد کو بھیجا۱؎ دوسری روایت میں بجائے مقداد کے ابو مرثد ہیں۲؎تو

	فرمایا کہ تم جاؤ حتی کہ خاخ کے باغ میں پہنچو۳؎ وہاں ایک بوڑھی عورت ہے۴؎ جس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لو ۵؎ چنانچہ ہم چلے کہ ہم کو ہمارے گھوڑے دوڑا رہے تھے حتی کہ ہم باغ میں آئے ۶؎ تو ہم اس بوڑھی کے پاس تھے ہم نے کہا خط نکال دو وہ بولی میرے پاس کوئی خط نہیں ہم نے کہا یا خط نکال ورنہ کپڑے اتار ۷؎ تب اس نے اپنی چوٹی سے خط نکالا ۸؎ ہم وہ خط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو اس میں حاطب بن بلتعہ کی طرف سے مکہ والے مشرکوں کی طرف پیغام تھا وہ مشرکوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کاموں کی خبر دے رہے تھے ۹؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حاطب یہ کیا ۱۰؎ وہ بولے یارسول اللہ حضور مجھ پر جلدی نہ کریں ۱۱؎ میں قریش میں ایک الحاقی شخص ہوں میں خود قریش میں سے نہیں ہوں اور جو مہاجرین آپ کے ساتھ ہیں ان کی قریش سے قرابت داریاں ہیں جن سے وہ مکہ میں ان کے مالوں ان کے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہیں ۱۲؎ میں نے چاہا کہ جب مجھے ان سے نسبی رشتہ حاصل نہیں تو میں ان پر ایک احسان کردوں جس سے وہ میرے عزیزوں کی حفاظت کریں ۱۳؎ میں نے یہ کام نہ تو کفر کی وجہ سے کیا نہ اپنے دین سے پھرتے ہوئے اور نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوکر ۱۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے تم سے سچ کہا ۱۵؎ جناب عمر بولے یارسول اللہ مجھے چھوڑیئے میں اس منافق کی گردن مار دوں ۱۶؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدر میں حاضر ہوئے ہیں ۱۷؎ تمہیں کیا خبر شاید اللہ تعالٰی نے بدر والوں پر توجہ فرمائی ہے ۱۸؎ فرمایا ہو کہ جو چاہو کرو ۱۹؎ تمہارے لیے جنت واجب ہوچکی ۲۰؎ اور ایک روایت میں ہے کہ میں تم کو بخش چکا تب اللہ تعالٰی نے یہ آیت

	اتاری کہ اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۱۲(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ مقداد ابن عمرو کندی ہیں،آپ چھٹے مسلمان ہیں،آپ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں فوت ہوئے،مدینہ منورہ میں لاکر دفن کیے گئے،ستر سال عمر پائی، ۳۳ھ تینتیس میں وفات ہوئی۔

۲؎ ابو مرثد کا نام کناز ابن حصین غنوی ہے،بدر وغیرہ تمام غزوات میں حاضر ہوئے، ۱۲ھ میں وفات ہوئی،۶۶ چھیاسٹھ سال عمر ہوئی۔حق یہ ہے کہ یہ چاروں حضرات اس خدمت کے لیے بھیجے گئے تھے:حضرت علی،زبیر،مقدار اور ابو مرثد غنوی۔(مرقات)

۳؎ خاخ مدینہ منورہ کا ایک باغ تھا جو مکہ معظمہ کے راستہ پر واقع تھا مدینہ پاک سے قریب ہی تھا اب وہ گم ہوچکا ہے۔

۴؎ **ظعینه** پردہ نشین عورت کو کہتے ہیں۔اس عورت کا نام سارہ تھا،مکہ کی رہنے والی تھی،قریش کی آزاد کردہ تھی،چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار مکہ کا مدینہ منورہ میں جانا آنا ہوگیا تھا،اس سلسلہ میں یہ بھی مدینہ منورہ آئی تھی۔

۵؎ یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کہ مدینہ منورہ سے یہ عورت کفار مکہ کے نام ایک خط جاسوسی کا لے کر چلی جو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپا رکھا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے اس کا علم عطا فرمایا تھا اگرچہ وہ عورت جاسوسی کے جرم میں قتل کے قابل تھی مگر حضور انور نے نہ تو اس کے قتل کا حکم دیا نہ اس کی گرفتاری کا صرف یہ فرمایا کہ وہ خط اس سے لے لو اسے مکہ معظمہ جانے دو کیونکہ اس کے قتل سے کفار مکہ سے جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ تھا۔منشاء الٰہی یہ تھا کہ بغیر سخت جنگ کے فتح مکہ ہوجائے ادھر وہ جاسوسی میں ناکام بنادی گئی تھی۔

۶؎ یعنی ہم نے گھوڑے دوڑائے باغ میں آکر ہی دم لیا کسی جگہ ٹھہرے نہیں تاکہ وہ آگے نہ چلی جائے یہ ہے صحابہ کرام کا حضور کے فرمان عالی پر قوی عمل۔

۷؎ بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے **لتخرجن الکتاب او لنجردنك**،یہ الفاظ بخاری **باب من شهد بدرا** میں ہیں یعنی یا تو خط نکال ورنہ ہم تجھے بالکل ننگا کرکے تیری تلاشی لیں گے۔یہاں اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ یا تو تو خط نکال ورنہ ننگی ہو تلاشی دے۔اس سے معلوم ہوا کہ کافرہ عورت کا نہ کوئی احترام ہے نہ اس کا کوئی پردہ،اسے ننگا کرکے تلاشی لینا بروقت ضرورت ممنوع نہیں بلکہ فاسقہ عورت کا احترام کوئی نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو زنا کی سزا میں کوڑے مارے،کوڑوں کے درمیان اس کا دوپٹہ اتر گیا لوگوں نے کہا حضور اس کا پردہ،فرمایا اس نے اپنا احترام خود ہی ختم کردیا۔(دیکھو شامی)اگر وہ عورت خط نہ دیتی تو جناب علی شیر خدا اسے ننگا کرکے ہی اس کی تلاشی لیتے اور خط حاصل کرتے۔

۸؎ بعض روایات میں ہے کہ اس نے اپنی کمر سے یہ خط نکالا ہوسکتا ہے کہ اس کی چوٹی بہت دراز ہو کمر تک پہنچی ہو اس میں سے اس نے خط نکالا ہو لہذا دونوں روایات درست ہیں۔(مرقات)یہاں **عقاص** بمعنی چوٹی ہے۔

۹؎ یہ کلام راوی کا ہے جس میں اس واقعہ کی خبر دی گئی حاطب کے لکھے ہوئے یہ الفاظ نہ تھے۔(مرقات)

۱۰؎ یہ سوال اظہار غضب کے لیے ہے اسلام کی جاسوسی سخت جرم ہے کہ اس سے قوم ملک،ملت سب ہی کو نقصان ہوتا ہے۔

۱۱؎ میں ہوں تو مجرم مگر سزا دینے میں حضور کچھ توقف فرمائیں میرا عذر سن لیں۔

۱۲؎ یعنی سارے مہاجرین مکہ کی کفار مکہ سے قرابتداریاں اور ان مہاجرین کے عزیز و اقارب مال گھر بار مکہ معظّمہ میں ہیں کفار مکہ ان قرابت داریوں کی وجہ سے ان مہاجرین کے عزیزوں مال گھر بار کو چھیڑتے نہیں بلکہ ایک طرح کی حفاظت ہی کرتے ہیں ان سب کے گھر بار بال بچے عزیز و اقارب وہاں محفوظ ہیں۔

۱۳؎ یعنی میرے عزیزواقارب گھر بار بھی مکہ معظّمہ میں ہیں مگر میری کفار مکہ سے قرابت کوئی نہیں میں نے چاہا کہ ان پر یہ احسان کردوں کہ مسلمانوں کے ارادے کی انہیں خبر دے دوں وہ اگرچہ کافر ہیں مگر احسان فراموش نہیں۔شاید اس احسان کی وجہ سے وہ میرے گھر بار وغیرہ کی حفاظت کریں حاطب نے فتح مکہ کی تیاریوں کی کفار کو خبر دی تھی کہ ہوشیار ہوجاؤمکہ معظّمہ پر مسلمان حملہ کرنے والے ہیں۔

۱۴؎ یہ جملہ پہلے کلام کی تاکید یا تفسیر ہے یعنی نہ تو میں اسلام سے پھر گیا ہوں نہ کفر سے راضی ہوا ہوں،نہ کفار کا غلبہ چاہتا ہوں نہ مسلمانوں کی مغلوبیت سے راضی ہوں۔

۱۵؎ یعنی حاطب جو زبان سے کہہ رہے ہیں وہ ہی ان کے دل میں ہے واقعی وہ ہیں مسلمان یہ حرکت ان سے غلط فہمی کی بنا پر ہوگئی۔

۱۶؎ یعنی یارسول اللہ اگرچہ حاطب ہیں تو مسلمان حضور نے ان کے ایمان کی تصدیق فرمادی مگر انہوں نے کام منافقون کا سا کیا ہے،مجھے اجازت دے دیں میں قتل کردوں تاکہ دوسروں کو آئندہ جاسوسی کی ہمت نہ پڑے ان کا قتل سیاسی اور ملکی انتظام کے لیے مناسب ہے،حضرت عمر نے حضور انور کی **نعوذ باللہ** تردید نہ کی نہ حاطب کو عقیدے کامنافق مانا بلکہ سیاسی طور پر قتل کرنا چاہا اسی لیے تو حضور سے اجازت مانگی اگر وہ حاطب کو واقعی جاسوس سمجھتے تو بغیر پوچھے ہی انہیں قتل کردیتے،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عمر پر عتاب نہ کیا یہ نہ فرمایا کہ جب میں انہیں مؤمن کہہ رہا ہوں تو تم انہیں منافق کیوں کہتے ہو لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔خیال رہے کہ حضور کے زمانہ پاک میں منافقین کو قتل نہیں کیا جاتا تھا مگر جب ان کا کفر یا دینی نقصان ظاہر ہوتا تو وہ قابل قتل ضرور ہوجاتے تھے۔جاسوسی تو وہ جرم ہے جس سے مسلمان کا قتل بھی جائز ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت عمر کا اجازت قتل مانگنا حضور انور کے اس فرمان عالی سے پہلے تھا روایت کے الفاظ میں تقدیم تاخیر ہے پہلی بات مرقات نے فرمائی دوسری بات اشعۃ اللمعات نے۔

۱۷؎ لہذا ان کا احترام کرو حاضرین بدر واجب الاحترام ہیں ان میں کوئی منافق یا کافر نہ تھا نہ ہے نہ ہوسکتا ہے۔

۱۸؎ حضور انور کا شاید فرمانا بھی یقین کی بنا پر ہوتا ہے،حضور کا شاید ہمارے یقین سے بڑھ کر ہے۔شاید اس لیے فرمایا کہ اہل بدر اعمال سے بے نیاز نہ ہوجاویں(اشعہ) یا **لعل** فرمانا حضرت عمر کے لحاظ سے ہے جیسے رب بندوں سے فرماتا ہے"لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"۔(مرقات)

۱۹؎ اس جملہ کی شرح فضائل عثمان ابن عفان کے باب میں عرض کی جاچکی ہے کہ اس فرمان عالی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اہلِ بدر کو گناہوں یا کفروشرک کی اجازت دے دی گئی بلکہ مقصد یہ ہے کہ رحمت الٰہی تمہارے شاملِ حال رب کی دستگیری تمہاری دامن گیر ہے جو چاہو کرو،تم وہ کام کرسکو گے ہی نہیں جو دوزخ کا ذریعہ ہو،جن کے دلوں پر رب کی رحمت ہووہ دل گناہوں کی طرف مائل ہی نہیں ہوسکتا جیسے پرندہ کے پر کاٹ کر کہا جائے کہ تو جہاں چاہے اڑتا پھر۔

۲۰؎ یہ گزشتہ فرمان کی دلیل ہے یعنی جنت تمہارے لیے میں نے واجب کردی اب تم دوزخ والے کام نہیں کرسکتے لہذا اے عمر جناب حاطب کا یہ عمل کفر و شرک یا گناہ والا نہیں ہوسکتا یہ غلط فہمی سے حاطب نے کیا ہے لہذا ان سے کچھ نہ کہو۔

۲۱؎ اس آیت میں رب تعالٰی نے ان حضرات خصوصًا حضرت حاطب کو **الذین امنوا** سے خطاب فرمایا۔معلوم ہوا کہ ان سے یہ جو کچھ سرزد ہوا وہ کفر نہ تھا۔خیال رہے کہ بدر والوں سے اخروی مغفرت کا وعدہ ہے دنیاوی سزا انہیں مل سکتی ہے۔چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسطح ابن اثاثہ کو تہمت کی سزا اسی کوڑے جاری فرمائی جب وہ حضرت عائشہ صدیقہ کی تہمت میں شریک ہوگئے حالانکہ وہ بدری تھے۔خیال رہے کہ حضرت حاطب نے اپنے اس عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کا خیال تک نہ کیا تھا ورنہ کفر ہوتا انہوں نے اپنے سے کفار کی اذیت دفع کرنے کی کوشش کی تھی،ان کا خیال تھا اس سے حضور انور کو کوئی نقصان نہ پہنچے گامکہ معظّمہ فتح ہوکر رہے گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت رفاعہ ابن رافع سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ۲؎ عرض کیا کہ آپ لوگ اپنے میں بدر والوں کو کیسا شمار کرتے ہیں۳؎ فرمایا مسلمانوں میں بہترین یا اس طرح کی اور بات کہی۴؎ وہ بولے کہ یوں ہی فرشتوں میں وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے ۵؎ (بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابو معاذ تھی،انصاری ہیں،بدرواحد اور سارے غزوات میں شریک ہوئے،جنگ جمل و صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،امیر معاویہ کی سلطنت کی ابتداء میں وفات پائی۔(مرقات)

۲؎ غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ حضرات صحابہ سے بیان کیا ہوگا انہوں نے حضور سے سن کرروایت کیا اور ہوسکتا ہے کہ ان حضرات نے حضرت جبریل کو حاضر ہوتے ہوئے یہ عرض کرتے سنا ہو اور اگرچہ حضرت جبریل شکل انسانی میں تھے مگر اس گفتگو سے یہ حضرات پہچان گئے ہوں کہ آپ جبریل ہیں۔

۳؎ یعنی یارسول اللہ حضور اور صحابہ کرام اہلِ بدر کو اپنے مؤمنوں میں سے کس درجہ کا سمجھتے ہیں۔**تعدون** میں خطاب حضور انور اور صحابہ کرام سے ہے اور **ما** فرمانا نہایت ہی موزوں ہے،یہاں **من** کی جگہ نہیں ہے **ما** بمعنی کیف ہے یا **ما** درجہ کے لیے ہے۔

۴؎ اس جواب شریف سے معلوم ہوا غزوہ بدر میں شریک ہونے والے حضرات ان صحابہ سے افضل ہیں جو شریک نہ ہوئے۔خیال رہے کہ حضرت عثمان غنی بدر میں حکمًا شریک تھے کہ ان کے لیے ان کا گھر میدان بدر بنادیا تھا کیونکہ وہ حضور انور کے حکم سے گھر میں رہے جناب رقیہ بنت رسول اللہ کی تیمار داری کے لیے حضور جسے جو چاہیں بنادیں،اگر چاہیں تو گجرات کو مدینہ بنا دیں،ہر مؤمن کی قبر ان شاءاللہ مدینہ ہوگی۔شعر

بنادو میرے سینہ کو مدینہ   نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

۵؎ پانچ ہزار فرشتے بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے تھے یہ دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت میکائیل و اسرافیل علیہم السلام بھی ہوں گے۔

روایت ہے حضرت حفصہ ۱؎ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امید کرتا ہوں کہ جو بدر یا حدیبیہ میں حاضر ہوا وہ ان شاءاللہ دوزخ میں نہ جاوے گا ۲؎ میں بولی یا رسول اللہ کیا رب تعالٰی نے یہ نہ فرمایا کہ تم میں کوئی نہیں مگر دوزخ پر ضرور وارد ہوگا ۳؎ فرمایا تو کیا تم نے نہیں سنا کہ فرماتا ہے پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے ۴؎ اور ایک روایت میں ہے کہ ان شاءاللہ کوئی وہ شخص جس نے درخت کے نیچے بیعت کی شجرہ والوں میں سے وہ دوزخ میں نہ جائے گا ۵؎ (مسلم)	

۱؎ آپ جناب حفصہ بنت عمر فاروق زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم سارے مسلمانوں کی ماں رضی اللہ عنہا،آپ کے حالات بیان ہوچکے۔

۲؎ حضور انور کا یہ فرمان کہ میں امید کرتا ہوں بالکل یقین کے لیے ہے اور ان شاءاللہ فرمانا شک کے لیے نہیں بلکہ بابرکت کے لیے ہے،یا اس کے معنی ہیں اللہ کے فضل سے جیسے رب فرماتاہے:"لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ"۔اہل بدر اور اصحاب حدیبیہ یقینًا جنتی ہیں ان کا ایمان،تقویٰ،خاتمہ بالخیر،حساب قبر میں کامیابی،حساب حشر میں سرخروئی،پل طراط سے بخیریت گزر جانا سب کچھ رجسٹری شدہ ہے۔

۳؎ ام المؤمنین حفصہ سمجھیں کہ آیتِ کریمہ میں لفظ واردھا بمعنی داخلھا ہے اس لیے آپ نے یہ سوال فرمایا کہ رب فرماتا ہے کہ ہر شخص کو دوزخ میں ضرور جانا پڑے گا۔

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ دوزخ جنت کے راستہ میں ہے لہذا جنت کو جاتے ہوئے وہاں سے مؤمنوں کو بھی گزرنا پڑے گا،کفار تو اس پل سے گر کر آگ میں داخل ہوجائیں گے مؤمنین بخیریت وہاں سے گزر جائیں گے۔

۵؎ خیال رہے کہ اس بیعت کے موقعہ پر حضرت عثمان غنی حضور کے بھیجے ہوئے نمائندہ رسول بن کر مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے صلح کی بات چیت کرنے،حضور نے اپنے ایک ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور دوسرے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ محمد کا ہاتھ ہے میں خود عثمان کی طرف سے بیعت لے رہاہوں لہٰذا وہ بہ طریق احسن اس بیعت میں شریک تھے۔اس غیر حاضری پر کروڑوں حاضریاں قربان ہو،بیعت الرضوان میں حضرت خضر و الیاس علیہما السلام بھی شریک تھے جیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار چار سو تھے ۱؎ ہم سے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ تم آج سارے زمین والوں سے بہتر ہو ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی جب مسلمان مدینہ منورہ سے حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تو تیرہ سو تھے راستہ میں چودہ سو ہوگئے وہاں پہنچنے پر پندرہ سو لوگ آکر ملتے رہے تعداد بڑھتی رہی لہٰذا تینوں روایتیں درست ہیں۔

۲؎ **انتم** میں وہ دونوں نبی بھی داخل ہیں جو زمین پر ہی زندہ ہیں یعنی حضرت خضر و الیاس علیہم السلام،عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہیں وہ اس سے خارج ہیں کہ وہ زمین والے نہیں۔خیال رہے کہ افضل صحابہ خلفاء راشدین ہیں،پھر عشرہ مبشرہ،پھر بدر والے،پھر حدیبیہ والے۔(از مرقات) یہ دونوں نبی اس بیعت میں شامل تھے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھاٹی پر کون چڑھے گا یعنی مرار گھاٹی پر ۱؎ اس سے وہ گناہ معاف ہوں گے جو بنی اسرائیل سے معاف ہوئے تھے ۲؎ تو اس پر پہلے جو چڑھا وہ ہمارے سوار تھے بنی خزرج پھر لوگ تانتا باندھ کر چڑھے ۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب کی بخشش ہوگئی سواء اس سرخ اونٹ والے کی ۴؎ تو ہم اس کے پاس پہنچے ہم نے اس سے کہا آتیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء مغفرت فرمادیں ۵؎ وہ بولا کہ میرا اپنی گمی چیز پالینا تمہارے صاحب کی دعاء مغفرت سے مجھے زیادہ پیارا ہے ۶؎ (مسلم) حضرت انس کی حدیث کہ حضور نے ابی ابن کعب سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں ۷؎ فضائل قرآن کے بعد باب میں ذکر کردی گئی ۸؎

۱؎ مرار میم کے پیش یا کسرہ یا فتحہ سے ایک پہاڑی ہے بہت سخت اور خاردار۔راہِ حدیبیہ جاتے ہوئے حضور انور نے صحابہ کو اس پہاڑی پر چڑھنے کی رغبت دی تاکہ آس پاس کا حال دیکھ لیں کہیں کفار مکہ گھات میں نہ بیٹھے ہوں۔(اشعہ)اس چڑھنے پر بڑی بخشش کا وعدہ فرمایا۔

۲؎یہاں معاف ہونے سے مراد معاف ہونے کا وعدہ ہے اور اشارہ ہے اس آیت کریمہ کی طرف"اُدۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ نَّغۡفِرۡلَکُمۡ خَطٰیٰکُمۡ"بنی اسرائیل نے حکم الٰہی نہ مانا کہ بجائے حطۃ کے حنطۃ کہا ان پر عذاب آگیا۔اس کا واقعہ ہماری تفسیر نعیمی پارہ اول اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو۔

۳؎لہٰذا یہ سب لوگ جنتی ہوئے مگر بنی خزرج اول درجے کے جنتی اسی لیے ان کا ذکر علیحدہ فرمایا۔

۴؎یہ سرخ اونٹ والا عبداللہ ابن ابی منافق تھا یہ راہ ہی میں رہ گیا،صلح حدیبیہ میں شریک نہیں ہوا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ہر ایک کے انجام سے خبردار ہیں جانتے ہیں کہ کون قابلِ بخشش ہے کون نہیں۔

۵؎حضرات صحابہ کرام کا اس کے پاس جانا اسے حاضری بارگاہ عالی کی رغبت دینا اس فرمان عالی کے اظہار اور اس کی منافقت دکھانے کے لیے تھا کہ واقعی وہ بخشش کے قابل نہیں،حضور انور نے بالکل درست فرمایا ہے وہ حضرات حضور کی خبر میں شک یا تردد کی وجہ سے نہیں گئے تھے اب تک یہ چھپا ہوا تھا آج اس کی پردہ دری ان حضرات کے اس واقعہ سے ہوئی۔

۶؎اس کا وہی سرخ اونٹ یا کوئی اور چیز گم ہوگئی تھی یہ اس کی تلاش میں تھا کہ ان حضرات نے اسے بارگاہِ رسالت میں حاضری کے لیے مشورہ دیا۔اسکے جواب کا مقصد یہ ہے کہ مجھے وہ گم شدہ اونٹ حضور انور کی دعاء مغفرت سے زیادہ پیارا ہے مجھے وہ تلاش کرنے دو یہ بھی کفر ہے اور حضور انور کو اس طرح صاحبکم کہنا بھی کفر۔اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ رسول یا نبی نہیں صرف ساتھی ہیں وہ بھی تمہارے ہیں میرے ساتھی بھی نہیں،رب تعالٰی نے حضور انور کوہمارا صاحب فرمایا"مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی"وہ حضور انور کی نعمت اور صحابہ کرام کی منقبت ہے یعنی وہ ذات تمہارے دل و دماغ دین ایمان جان کی ساتھی ہے کہ سب ساتھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں مگر وہ محبوب تم کو کہیں نہیں چھوڑتے،آیۃ کریمہ"وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا یَسۡتَغۡفِرۡ لَکُمۡ رَسُوۡلُ اللہِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَہُمۡ وَ رَاَیۡتَہُمۡ یَصُدُّوۡنَ وَ ہُمۡ مُّسۡتَکۡبِرُوۡنَ"اسی طرف اشارہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور سے بے نیاز ہونا اپنے کو ان کا محتاج نہ جاننا یہ سمجھنا کہ میں خود ہی خدا تعالٰی سے سب کچھ لے لوں گا مجھے حضور کی کیا ضرورت ہے صریحی کفر ہے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا شعر

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا | ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

۷؎اس کی شرح اور اس کے فوائد وہاں ہی بیان ہوچکے کہ اس فرمان عالی میں چند اشارہ ہیں: ایک یہ کہ حضرت ابی بن کعب کی بارگاہ الٰہی میں بڑی ہی عظمت ہے کہ رب تعالٰی نے ان کا ذکر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے

کیا۔دوسرے یہ کہ استاذ معلم اپنے شاگرد کو خود پڑھ کر سنائے یہ بھی سنت ہے۔تیسرے یہ کہ حضرت ابی بن کعب قاریوں کے امام ہیں۔(مرقات)

۸؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں مذکور تھی ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے باب فضائل القرآن کے بعد ذکر دی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا کہ ان لوگوں کی پیروی کرو جو میرے بعد میرے صحابہ ہیں ابوبکروعمر کی۱؎ اور جناب عمار کا طریقہ اختیار کرو۲؎ اور ام عبد کے بیٹے کے عہد و پیمان مضبوطی سے پکڑو۳؎ اور حذیفہ کی روایت میں ہے کہ تم کو جو چیز ابن مسعود دیں اس کی تصدیق کرو۴؎ بجائے اس کے کہ ام عبد کے بیٹے کا عہد مضبوط تھامو۔(ترمذی)	

۱؎ من بعدی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ میرے بعد ان کی پیروی کرنا،دوسرے یہ کہ میرے بعد جو خلیفہ ہوں گے ان کی پیروی کرنا،ان کی اطاعت کرنا کیونکہ ان کی اطاعت میری اطات ہوگی۔

۲؎ حضرت ابوبکر و عمر کے لیے اقتداء ارشاد ہوا اور جناب عمار کے لیے اهتداء کیونکہ اقتداء قول اور فعل دونوں کی ہوتی ہے مگر اهتداء صرف فعل یعنی کام میں ہوتی ہے یعنی جناب عمار کو تم جو کرتے دیکھو تم بھی عمل کرو کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں ان کا کوئی عمل ہدایت سے خالی نہیں۔

۳؎ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود جس چیز کا تم کو عہد کریں اور تم کو جس چیز کی تاکید کریں اس پر ضرور عمل کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود فقہاء صحابہ میں سے ہیں،ہمارے امام صاحب آپ کے پیرو کار ہیں۔چنانچہ جب صدیق اکبر کی خلافت کا مسئلہ پیش آیا تو پہلے آپ نے ہی فرمایا کہ یہ خلافت بالکل درست ہے کیونکہ صدیق اکبر کو تو ہمارے دین کا پیشوا خود حضور انور بنا گئے پھر انکے سوا ہماری دنیا کا پیشوا کون ہوسکتا ہے۔

۴؎ اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ حضور انور جناب ابن مسعود کو خلافت راشدہ کی خبر دے چکے تھے انہوں نے اس خلافت کی تائید و تصدیق کی۔اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضور انور نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ بنادوں پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تم پر عذاب آجائے گا لیکن جو تمہیں حذیفہ خبر دیں اس کی تصدیق کرو،دیکھو وہاں

حضرت حذیفہ کی تصدیق کو خلافت کے مسئلہ سے ملایا گیا پھر حضرت حذیفہ نے خبر دی کہ حضور نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی کرنا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناتا تو لوگوں پر ام عبد کے فرزند کو بناتا ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اس حدیث میں امارت سے مراد کسی خاص لشکر کا امیر بنانا ہے یا کسی موقعہ پر اپنی حیات شریف میں آپ کو اپنا خلیفہ بنانا ہے جیسے کہ غزوہ تبوک میں تشریف لے جاتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا خلیفہ بنایا تھا۔اس سے مراد خلافت معروفہ نہیں کہ اس میں قرشی ہونا ضروری ہے غیر قرشی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور حضرت ابن مسعود قرشی نہیں ہیں۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت خیثمہ ابن ابی سبرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے نیک ہم نشین میسر فرمائے تو اس نے میرے لیے جناب ابوہریرہ میسر فرمائے ۲؎ میں ان کے پاس بیٹھا میں نے کہا کہ میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے کوئی نیک ہم نشین میسر کرے تو مجھے آپ دیئے گئے ۳؎ فرمایا تم کہاں کے ہو میں نے کہا کوفے والوں میں سے ہوں میں یہاں بھلائی تلاش کرنے اسے حاصل کرنے آیا ہوں ۴؎ تو فرمایا کیا تم میں سعد ابن مالک نہیں جو مقبول الدعاء ہیں ۵؎ اور ابن مسعود نہیں جو حضور کی طہارت شریف کے منتظم اور نعلین پاک والے ہیں ۶؎ اور حذیفہ نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدان ہیں اور کیا عمار نہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان سے امان دی اور کیا سلمان نہیں جو دو کتابوں یعنی انجیل اور قرآن والے ہیں ۷؎(ترمذی)	

۱؎ آپ خیثمہ بن عبدالرحمٰن ابن ابی سبرہ جعفی ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،ایسے سخی تھے کہ آپ کو دو لاکھ روپیہ میراث میں ملے سب علماء پر خرچ کردیئے۔(مرقات)

۲؎ یعنی میں اپنے وطن کوفہ سے مدینہ منورہ طلب علم کے لیے یا کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا تو میں نے یہ دعا کی۔اس سے معلوم ہوا کہ طلب علم کے لیے سفر بزرگوں کی سنت ہے،جس شہر میں جائے وہاں کے بزرگوں سے

ضرور ملے ورنہ وہاں کے مشہور مزارات پر حاضری دے کہ یہ بھی مقبولوں سے ملاقات ہے۔لاہور جاؤ تو حضور داتا صاحب قدس سرہ کے آستانہ پر حاضری دو،سرہند شریف سے گزرو تو حضور مجدد صاحب کے آستانہ پر ضرور حاضری دو،اجمیر شریف جاؤ تو خواجہ صاحب کے مزار پر انوار پر حاضری دو۔

۳؎ یعنی اے صحابی رسول آپ کی ملاقات میری اس دعا کی مقبولیت کا اظہار ہے یہ ملاقات اتفاقی نہیں رب تعالٰی کا خاص عطیہ ہے۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ملاقات اللہ کی نعمت ہے۔

۴؎ یہاں خیر سے مراد علم باعمل ہے جسے قرآنی اصطلاح میں حکمت کہا جاتا ہے"**وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا**"۔

۵؎ مالک نام ہے ابی وقاص کا آپ سعد ابن ابی وقاص ہیں،آپ کے حالات اور مقبول الدعاء ہونے کی وجہ پہلے بیان ہوچکی ہے۔

۶؎ یعنی کوفہ ہی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رہتے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین بردار اور وضوء کا لوٹا اٹھانے والے صحابی ہیں،جن کو اللہ یہ خدمت نصیب فرمائے سوچ لو وہ کیسے خوش نصیب اور کیسے شان والے ہوں گے۔

۷؎ حضرت سلمان فارسی پہلے عیسائی بنے اور انجیل شریف پر عامل رہے،پھر مسلمان ہوکر قرآن کریم پر عمل کرتے رہے،آپ نے کسی کو اپنے والد کا نام نہیں بتایا جب پوچھا جاتا کہ آپ کے والد کون ہیں تو کہتے اسلام اور میں اسلام کا بچہ ہوں،ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے رہے،آپ کی عمر اور آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمان نے عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے۔(اشعہ)مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ آپ کی عمر ساڑھے تین سو برس تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور انور سے پانچ سو ستر سال پہلے ہوئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکراچھے آدمی ہیں،عمر اچھے آدمی ہیں،ابو عبیدہ ابن جراح اچھے شخص ہیں۱؎ اسید ابن حضیر اچھے شخص ہیں۲؎ ثابت ابن قیس ابن شماس اچھے شخص ہیں،معاذ ابن جبل اچھے شخص ہیں،معاذ ابن عمرو بن جموح اچھے شخص ہیں۳؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ ان بزرگوں کے حالات زندگی بیان ہوچکے ہیں۔حضور انور کا ان حضرات کے متعلق فرمانا کہ یہ حضرات اچھے ہیں ان کی انتہائی عظمت کی دلیل ہے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

رضا قسمت ہی کھل جاوے جو جیلاں سے خطاب آئے کہ تو ادنی سگ درگاہ دربار معالی ہے

۲؎ آپ انصاری اوسی ہیں،دوسری بیعت عقبہ میں شریک ہوئے،بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے، ۲۵ھ پچیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۳؎ آپ انصاری خزرجی ہیں،بیت عقبہ میں آپ مع اپنے والد عمرو ابن جموح کے شریک ہوئے،آپ نے اپنے بھائی معاذ ابن عفراء کے ساتھ مل کر ابوجہل کو قتل کیا،معاذ ابن عمرو نے ابوجہل کا پاؤں پکڑ کر اسے پچھاڑا جس پر عکرمہ ابن ابوجہل نے آپ کا ہاتھ کندھے سے کاٹ دیا،آپ کے بھائی معاذ ابن عفراء نے ابوجہل کو ذبح کردیا اسے سسکتا ہوا چھوڑا،حضرت عبداللہ ابن مسعود نے اس ملعون کا سر کاٹا،حضرت معاذ کی وفات خلافت عثمانیہ میں ہوئی۔(مرقات)غالبًا یہ حضرات ایک مجمع میں جمع ہوں گے کہ حضور انور نے ان سب کو اس کرم نوازی سے نوازا(اشعہ)کہ ان کے فضائل جمع فرمائے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۱؎ علی،عمار اور سلمان۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی تمام مؤمنین جنت کے جویاں ہیں اور جنت ان تین شخصوں کی طالب وجویاں ہے،سب طالب جنت ہیں اور یہ تین حضرات مطلوب جنت۔

۲؎ حضرت علی و عمار تو باغیوں میں گھرے ان سے بہت دکھ اٹھائے اور حضرت سلمان کفار کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھا چکے تھے،کئی جگہ فروخت ہوئے سب لوگوں نے آپ کو غلام بنائے رکھا،آخر کار محبوب کے قدم تک پہنچ گئے جنت ان کی مشتاق نہ ہو تو کس کی ہو۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ جناب عمار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی تو فرمایا انہیں اجازت دے دو خوب آئے پاکیزہ اور پاکباز۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی حضرت عمار بذات خود بھی پاکیزہ ہیں اور ان کے اخلاق،عادات،افعال،احوال بھی پاکیزہ۔طیب سے ذاتی پاکیزگی مراد ہے اور مطیب سے صفاتی اخلاقی پاکیزگی مراد۔خیال رہے کہ اکثر ظاہری پاکیزگی کو طہارت کہتے ہیں اور پاکیزگی کو طیب۔طہارت کا مقابل ہے نجاست اور طیب کا مقابل ہے خباثت۔کپڑا ناپاک تھا دھودیا طاہر ہوگیا،بکری ذبح کردی گئی تو طیب ہوگئی۔مگر یہ قاعدہ اکثریہ ہے کبھی ذاتی اور اندرونی پاکیزگی کو بھی طہارت کہہ دیتے ہیں،رب فرماتاہے:"وَ یُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا"۔تزکیہ،تطہیر،تطییب ان میں نفیس فرق ہے۔طیب صفت مشتبہ اور مطیب باب تفعیل کا اسم مفعول فرما کر بہت ہی فضائل بیان فرمادیئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عمار کو کبھی دو چیزوں میں اختیار	

نہیں دیا گیا مگر آپ نے ان میں سے سخت ترین کو اختیار کیا ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بجائے اشدھما کے ارشدھما ہے مگر عام نسخوں میں اشدھما یعنی سخت ترین۔مطلب یہ ہے کہ حضرت عمار کے سامنے جب ایسے دو کام پیش کیے گئے جن میں سے ایک جائز تھا مگر آسان اور دوسرا بہتر تھا مگر دشوار تو آپ نے بہتر اور مشکل کو اختیار فرمایا،یہ عمل ان کے اپنے ذاتی معاملہ میں تھامگر دوسروں کے لیے آپ نے ہمیشہ آسان عمل اختیار کیا۔لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ عمار کو جب دو کاموں کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے آسان کو اختیار فرمایا یعنی دوسروں کے لیے۔خیال رہے کہ مشکل ترین اور بہترین عمل اختیار کرنا طریقت ہے اور آسان و جائز کام کو اختیار کرنا شریعت ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی اعلیٰ مستحب اور جائز آسان کام میں اختیار دیا گیا تو حضور نے ہمیشہ آسان عمل اختیار فرمایا یہ اپنی امت پر کرم نوازی تھی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب سعد ابن معاذ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافق بولے کہ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے یہ ہلکا پن ان کے بنی قریظہ میں فیصلہ کی وجہ سے ہے ۱؎ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ یہ جنازہ فرشتے اٹھائے ہوئے تھے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ ان منافقوں نے یہ سمجھا کہ جنازہ ہلکا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس نیک اعمال نہیں یا بہت کم ہیں نیکیوں کا وزن ہوتا ہے تو بولے کہ چونکہ انہوں نے بنی قریظہ کا پنچ بننے پر فیصلہ یہ کیا تھا کہ ان کے جوان قتل کردیئے جاویں اور بچے چھوڑ دیئے جاویں یہ ظلم تھا جس کی وجہ سے ان کی نیکیاں برباد ہوگئیں اور جنازہ ہلکا ہوگیا حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کے وقت فرمایا تھا کہ تم نے فرشتہ کا حکم دیا،حضور انور جسے عدل فرمادیں اسے یہ بدنصیب ظلم کہتے تھے۔

۲؎ یعنی حضرت سعد کا جنازہ تمہارے کندھوں پر برائے نام تھا حقیقتًا تو اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔خیال رہے کہ نیک اعمال میں بھی وزن ہوتا ہے اور برے اعمال میں بھی مگر نیکی کا وزن اوپر کو جاتا ہے کہ اس میں نورانیت ہے اور گناہوں کا وزن نیچے آتا ہے کہ اس میں مادیت اور ظلمانیت ہے،کثیف چیز نیچے گرتی ہے لطیف اوپر جاتی ہے،رب فرماتا ہے"اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ"یہ ہی قول صوفیاء کا ہے،دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد کے جنازہ پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آسمان نے کسی ایسے پر سایہ نہ کیا اور نہ زمین نے اپنے اوپر	

ایسے کو اٹھایا۱ جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۲(ترمذی)	

۱ خضراء سے مراد آسمان ہے کہ اس کا رنگ نیلا مائل بہ سبز ہے،غبراء سے مراد زمین ہے کہ اس کا رنگ غبار آلود ہے مگر آسمان کا رنگ دیکھنے میں نہیں آتا کہ وہ شفاف ہے،یہ نیلا رنگ جو نظر آتا ہے وہ آسمان کا نہیں بلکہ ہوا کا ہے یا خلا کا اس لیے مختلف آسمانوں کے تارے ہم کو نظر آتے ہیں کوئی آسمان حجاب یا آڑ نہیں بنتا کیونکہ وہ شفاف ہیں۔

۲ان جیسے فرمانوں میں یا تو حصر اضافی ہوتا ہے یا اس سے بعض ہستیاں مستثنیٰ ہوتی ہیں لہذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابوذر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق سے زیادہ سچے ہیں،رب فرماتاہے:"قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً"الخ۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آسمان نے کسی ایسے پر سایہ نہ کیا زمین نے کسی ایسے کو نہ اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہوا۱اور زیادہ وفادار ہو وہ عیسیٰ ابن مریم سے مشابہہ ہیں یعنی ترک دنیا میں۲(ترمذی)	

۱ لھجه لام کے فتحہ ہ کے سکون سے بمعنی بانی یا نوک زبان یا کلام یا طریقہ بیان۔(مرقات)حضرت ابوذر غفاری حق گوئی میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے اس کی وجہ سے کبھی دکھ بھی پاتے تھے،آپ مکہ معظّمہ میں آکر مسلمان ہوئے جب کہ کفار کا بہت زور تھا اور بار بار مجلس کفار میں آکر اپنے اسلام و ایمان کا اعلان کرتے رہے اور ان کے ہاتھوں بہت ہی ایذا پاتے رہے۔

۲چنانچہ حضرت ابوذر کا مذہب یہ تھا کہ مال رکھنا حرام ہے جو پاؤ فورًا خرچ کردو وہ اس پر عامل تھے۔

تج ڈال مال دھن کوکوڑی نہ رکھ کفن کو　　　جس نے دیا ہے تن کودے گا وہی کفن کو

خلافت عثمانیہ میں حضرت عثمان سے فرمایا کرتے تھے کہ تم نے مال کیوں جمع کیا ہے یہ تو حرام ہے اور زہد کی احادیث پیش کیا کرتے تھے عیسیٰ علیہ السلام نے نہ کہیں مکان بنایا نہ مال جمع فرمایا۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ جب انہیں موت آئی تو فرمایا کہ تم چار شخصوں کے پاس علم تلاش کرو عویمر یعنی ابوالدرداء۱ سلمان اور ابن مسعود اور عبداللہ ابن سلام کے پاس۲جو پہلے یہودی تھے۳پھر اسلام لائے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ وہ جنت والوں کے دس میں سے دسویں ہیں۴	

(ترمذی)	

۱؎ حضرت ابو الدرداء کا نام عویمر ابن عامر ہے،انصاری خزرجی ہیں،درداء آپ کی بیٹی کا نام ہے،آپ بڑے عالم فقیہ تھے، ۳۲ھ بتیس میں دمشق میں وفات پائی۔(مرقات)
۲؎ یعنی علم دین یا علم حلال و حرام ان چار شخصوں سے تم کو بہ آسانی اور بہ فراوانی حاصل ہوگا۔
۳؎ اس میں حضرت عبداللہ ابن سلام کی تعریف ہے کہ آپ یہودی تھے،پھر طلب حق اور طلب علم میں اپنی رضا و رغبت سے حضور انور کو دیکھتے ہی ایمان لائے۔
۴؎ اس فرمان عالی کی چند شرحیں ہوسکتی ہیں:(۱)حضرت عبداللہ ابن سلام عشرہ مبشرہ میں سے ایک کی مثل ہیں درجات اور فضائل میں(۲)آپ جنت میں جاتے وقت دسویں ہوں گے کہ نوجنتی آپ سے جنت میں پہلے داخل ہوں گے دسویں آپ(۳)جنت میں مختلف قسم کی جماعتیں ترتیب وار جائیں گی آپ دسویں جماعت میں ہوں گے کہ نو جماعتیں آپ سے پہلے داخل ہوں گی دسویں جماعت آپ کی داخل ہوگی(۴)نو مسلم یہودی جو جنت میں جائیں گے ان میں سے دسویں نمبر میں آپ ہوں گے(مرقات،اشعہ)لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ آپ تو عشرہ مبشرہ میں سے نہیں ہیں پھر یہ فرمان عالی کیونکر درست ہوا۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کسی کو خلیفہ بنادیتے۱؎ فرمایا اگر میں تم پر خلیفہ مقرر کردوں پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو عذاب میں گرفتار ہوجاؤ گے۲؎ لیکن جو تم کو حذیفہ خبر دیں اس کو سچ مانو۳؎ اور جو تم کو عبداللہ پڑھائیں تم پڑھو۴؎(ترمذی)	

۱؎ پہلے تو حضرات صحابہ نے انتظار کیا کہ حضور انور خود ہی کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں مگر جب حضور انور نے یہ نہ کیا تو خود زبانی عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اپنا خلیفہ نامزد فرمادیں۔
۲؎ اس ارشاد عالی کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ تم میرے نامزد خلیفہ کی میرے بعد نافرمانی کرو تو تم پر دنیا میں عذاب آجاوے گا،دوسرے یہ کہ تم میرے نامزد کرنے کی مخالفت کرو تو تم پر عذاب آجاوے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور انور نے خلیفہ مقرر نہ کیاورنہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں یوں ہی حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے ہمراہیوں پر دنیا میں عذاب آجاتا کہ یہ حضرات ان کے مخالف رہے۔اس سے پر لطف بات یہ معلوم ہوئی کہ لوگوں نے خدا تعالٰی کے نامزد کردہ نبی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ان پر دنیا میں عذاب نہ آیا لیکن اگر حضور کے نامزد کردہ خلیفہ کی مخالفت کرتے تو عذاب آجاتا،حضور کا انتخاب فرمانا حضور کی نامزدگی بہت اہم ہے۔

ادب گاہے است زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

صوفیاء فرماتے ہیں۔ مصرع باخدا دیوانہ و با مصطفٰی ہشیار باش

بعض مجذوبوں نے جوش میں انا اللہ کہہ دیا مگر انا محمد کہنے کی جرأت کسی میں نہ ہوئی۔

۳؎ یعنی میرے بعد جو بات حضرت حذیفہ کہیں اسے سچ ماننا،جسے وہ خلیفہ کہیں وہ خلیفہ برحق ہے اس لیے حضور انور نے خلافت کے مطالبہ پر یہ ارشاد فرمایا اور ظاہر ہے حضرت حذیفہ نے جناب صدیق و فاروق کی خلافت کا اقرر کیا لہذا وہ خلیفہ برحق ہیں،حضرت حذیفہ حضور انور کے صاحب راز صحابی ہیں،حضور کے دل کی باتوں دلی ارادوں پر مطلع ہیں،آپ جانتے ہیں کہ حضور کے ارادہ قلبی میں کون کون حضرات کب کب خلیفہ ہوئے ہیں۔

۴؎ یعنی حضرت ابن مسعود تلاوت قرآن میرے فرمانوں کے متعلق جو تم کو ہدایت کریں اسے مان لینا۔حضرت حذیفہ دنیاوی فتنوں سے لوگوں کو ڈرانے والے تھے اور حضرت ابن مسعود اخروی فتنوں سے لوگوں کو ڈرانے والے،ان دونوں نے خلفاء راشدین کی خلافت دل سے قبول کی اور مانی۔چنانچہ حضرت ابن مسعود جناب صدیق اکبر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ حضور انور نے انہیں ہمارے دین کا امام بنادیا تو ہم انہیں اپنی دنیا کا امام کیوں نہ بنائیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ لوگوں میں کوئی نہیں جسے فتنہ پہنچے مگر میں اس پر خوف کرتا ہوں سواء محمد ابن مسلمہ کے۱؎ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم کو فتنہ نقصان نہ دے گا۲؎	

۱؎ آپ انصاری ہیں سواء تبوک کے سارے غزوات میں شریک ہوئے،آپ کے ہاتھ پر حضرت مصعب ابن عمیر ایمان لائے،۷۷ ستتر سال عمر ہوئی ۴۳ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حفاظت کی گارنٹی دے دی پھر انہیں کوئی فتنہ کیسے بہکا سکتا ہے آپ حضور کی امان میں ہیں،چنانچہ آپ فتنوں کے زمانہ میں گوشہ نشین ہوگئے اور وفات تک رہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کے گھر میں چراغ دیکھا تو فرمایا اے عائشہ میں نہیں سمجھتا مگر یہ کہ اسماء کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا۱؎ تو تم لوگ اس کا نام نہ رکھنا حتی کہ میں اس کا نام رکھوں چنانچہ حضور نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور آپ نے ہاتھ سے چھوہارے سے ان کی تحنیک کی۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی آج تہجد کے وقت ہم نے حضرت زبیر ابن عوام کے گھر سے چراغ کی روشنی دیکھی ہے یہ بے وقت روشنی بتا رہی ہے کہ ان کے فرزند پیدا ہوا۔

۲؎ یعنی حضور انور نے اپنے منہ میں چھوہارا یا کھجور چباکر زبان کی نوک سے آپ کے تالو پر لگادیا یہ ہے تحنیک۔خود ہی حضور نے آپ کا نام رکھا،آپ کے فضائل بے شمار ہیں،آپ حضرت زبیر ابن عوام کے بیٹے ہیں،اسماء بنت صدیق کے نور نظر صدیق اکبر کے نواسے عائشہ صدیقہ کے بھانجے حضرت صفیہ یعنی حضور کی پھوپھی کے پوتے،آٹھ سال کی عمر میں حضور کے دست اقدس پر بیعت کی،آپ کو حجاج ابن یوسف نے سترہ جمادی آخرہ ۷۳ھ منگل کے دن سولی دی،

۶۴ھ میں حجاز،یمن،عراق،خراسان کے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی،آپ نے لوگوں کو اپنی سلطنت میں آٹھ حج کرائے بڑے عابد زاہد تھے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی عمیرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ انہوں نے جناب معاویہ۱ کے لیے فرمایا الٰہی انہیں ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا اور ان سے ہدایت دے۲(ترمذی)

۱ اس سے حضرت معاویہ ابن ابوسفیان مراد ہیں معاویہ ابن حکم یا معاویہ ابن جاہمہ مراد نہیں۔جب حدیث میں مطلقًا معاویہ آتا ہے تو آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲اس دعا میں امیر معاویہ کو تین دعائیں دی گئیں: آپ لوگوں کو ہدایت دیں،خود بھی ہدایت پر رہیں،آپ مکمل و کامل ہدایت پر رہیں،ہدایت عامہ تو تمام صحابہ کرام کو حاصل ہے یہاں ہدایت سے مراد کوئی خاص ہدایت ہے حکومت،ملک رانی،فقہ وغیرہ کی ہدایت۔(مرقات)امام احمد نے بروایت عرباض ابن ساریہ سے روایت کی کہ حضور نے دعا کی الٰہی معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم دے،انہیں عذاب سے بچالے،انہیں شہروں پر تسلط دے،دوسری روایت میں ہے کہ اے معاویہ جب تم بادشاہ بنو تو سخت گیر نہ ہونا نرمی کرنا۔(اشعہ)آپ قرشی اموی ہیں،آپ کی ماں ہند بنت عتبہ ہیں،حضور کے کاتب وحی یا کاتب خطوط رہے،اپنے بھائی یزید ابن ابوسفیان کے بعد شام کے حاکم ہوئے عمر فاروق کے زمانہ میں پھر آخر عمر تک یعنی چالیس سال حاکم رہے یعنی بیس سال حاکم چار سال عہد فاروقی میں،بارہ سال خلافت عثمانیہ میں،چار سال خلافت حیدری،پھر امام حسن سے صلح کے بعد بیس سال تک سلطان رہے،یہ صلح ۴۱ھ اکتالیس میں ہوئی اٹھتّر سال عمر پائی،رجب ۶۰ھ میں دمشق میں وفات ہوئی،آپ کے پاس حضور کا تہبند،چادر،قمیض،کچھ بال کچھ ناخن تھے،مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں کفن دینا اور میری ناک اور منہ میں ناخن و بال رکھ دینا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تو اسلام لائے مگر عمرو ابن عاص ایمان لائے۱(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد قوی نہیں۔

۱ یہاں لوگوں سے مراد فتح مکہ کے دن اسلام لانے والے لوگ ہیں کہ وہ لوگ اس وقت ڈر و خوف سے مسلمان ہوگئے بعد میں اللہ کی رحمت حضور کی کرم نوازیوں سے پختہ مؤمن بنے مگر حضور عمرو ابن عاص جب شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں پہنچے وہاں شاہِ حبشہ کے ایمان لانے کی کیفیت دیکھی تو وہاں سے مدینہ منورہ آئے اور نہایت شوق و ذوق سے ایمان لائے بغیر کسی خوف یا لالچ کے۔ایک بار حضور انور نے انہیں ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت صدیق وفاروق بھی تھے پہلے آپ کے دل میں حضور سے اور صحابہ کرام سے سخت عداوت تھی پھر حضور پر ایسے فدا

اور قربان ہوئے کہ سبحان اللہ! خلافت فاروقی میں فاتح مصر آپ ہی ہیں،آپ فتح مکہ سے دو سال پہلے ایمان لائے اور حضور انور سے یہ شرط کرکے ایمان لائے کہ میرے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جاویں۔(مرقات و اشعہ)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے تو فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے کہ میں تم کو دل شکستہ دیکھتا ہوں[۱] میں نے عرض کیا کہ میرے والد شہید ہوگئے اور بچے اور قرض چھوڑ گئے[۲] فرمایا کیا میں تم کو اس کی بشارت نہ دوں جس سے اللہ نے تمہارے والد سے ملاقات کی ہے[۳] میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا اللہ نے کسی سے بھی کبھی کلام نہ کیا مگر پردے کے پیچھے سے اور تمہارے والد کو زندہ کیا تو ان سے منہ در منہ کلام فرمایا[۴] فرمایا اے میرے بندے مجھ سے تمنا کر میں تجھے دوں گا[۵] انہوں نے عرض کیا اے رب مجھے زندہ کرتا کہ دوبارہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں[۶] تو رب تعالٰی نے فرمایا کہ ہمارا قانون جاری ہوچکا ہے کہ وفات یافتہ لوٹائے نہ جائیں گے[۷] تب یہ آیت اتری کہ جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں مردہ نہ سمجھو[۸] (ترمذی)	

[۱] حضور انور کا یہ سوال واقعہ غزوہ احد کے بعد کا ہے جیساکہ جواب سے معلوم ہورہا ہے۔یہ سوال عالی اگلی کرم نوازی کی تمہید ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور امت کے دکھ درد سے بے خبر ہیں،حضور کو ہر ایک کے ہر درد کی خبر ہے،یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا"وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی"اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے یہ اگلے کلام کی تمہید تھی۔

[۲] یعنی مجھ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں باپ کاسایہ سر سے اٹھ گیا،قرض اور بہنوں کا بوجھ مجھ ناتجربہ کار پر پڑگیا اب میں کیا کروں۔

[۳] یعنی اے جابر اپنے والد کے اخروی درجات سنو جس سے تمہارا غم غلط ہوجاوے ان فکروں سے تمہاری توجہ ہٹ جاوے،آخرت کی نعمت ادھر کا دھیان ایسا ٹیکا ہے جس سے دنیا کے رنج و غم و تکالیف محسوس نہیں ہوتے۔

[۴] یعنی بعد موت رب تعالٰی شہداء سے کلام تو فرماتا ہے مگر آج تک اس نے اپنا دیدار کسی شہید کو نہیں دیا تمہارے والد پہلے وہ شہید ہیں جنہیں دیدار بھی دیا کلام بھی کیا لہذا تمہارے والد شہداء میں دوسرے شہیدوں سے افضل ہیں۔

مسئلہ: اس زندگی میں بلاواسطہ رب نے کلام کسی سے نہ کیا سواء موسیٰ علیہ السلام کے،بعد وفات قیامت سے پہلے کسی کو دیدار نہیں دیا سواء عبداللہ کے،اس زندگی میں کسی کو اپنا دیدار نہیں دیا سواء ہمارے حضور کے جو معراج میں عطا ہوا،بعد موت ہر شخص رب کا کلام سنے گا صدق عبدی یا کذب عبدی یہ سننا قبر کے حساب کے بعد ہوگا اور مؤمن کو دیدار الٰہی قیامت میں ہوگا پھر جنت میں ہوا کرے گا۔

۵؎ یعنی رب تعالٰی نے ان کو اپنا دیدار بھی دیا اور بلاواسطہ کلام بھی اور کرم کا کیا۔معلوم ہوا کہ جو کچھ عالم ارواح میں ہورہا ہے حضور کی نظر مدینہ منورہ سے دیکھ رہی ہے اور جو کچھ وہاں گفتگو ہورہی ہے حضور مدینہ منورہ سے سن رہے ہیں، جب لا مکان کے کام و کلام حضور یہاں دیکھ سن رہے ہیں تو یقینی بات ہے کہ ہر جگہ کے کام و کلام حضور سنتے دیکھتے ہیں کیونکہ مدینہ منورہ سے وہ عالم ارواح دور ہے ہمارا گجرات قریب ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ اپنی زندگی میں رب کو راضی کرے تو ان شاءاللہ بعد موت رب ہم کو راضی کرے گا،ہم یہاں اللہ رسول سے پوچھ پوچھ کر کام کریں ان شاء اللہ وہاں رب تعالٰی ہم سے پوچھ پوچھ کر انعام دے گا۔

۶؎ یعنی مجھے جو مزہ تیری راہ میں سر کٹانے میں آیا وہ کسی چیز میں نہ آیا مولیٰ تمنا ہے کہ پھر دنیا میں جاؤں اور تیرے نام پر سر کٹاؤں۔

۷؎ یعنی ہمارا یہ قانون نہیں کہ جسے امتحان لے کر پاس کردیں،اس کا دوبارہ امتحان لیں تم تو اول نمبر پاس ہو کر آگئے اب دوبارہ امتحان کیسا۔خیال رہے کہ مرنے کے بعد دنیا میں لوٹ کر نہ آنا یہ رب کا قانون ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر مردوں کا زندہ ہو کر آنا یہ ان کی خصوصیت ہے قانون اور خصوصیات میں فرق ہے،یوں ہی حضور انور کا اپنے والدین کو زندہ کرنا انہیں کلمہ پڑھانا صحابی بنانا حضور کی خصوصیات سے ہے۔

۸؎ یہاں تو ارشاد ہے کہ شہداء کو مردہ مت سمجھو مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ شہداء کو مردہ نہ کہو۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے پچیس بار دعاء مغفرت کی۱؎ (ترمذی)

۱؎ یا تو ایک ہی مجلس میں پچیس بار ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی یا متعدد موقعوں پر دعائیں فرمائیں۔خیال رہے کہ حضرت جابر ابن عبداللہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری اسلمی ہیں،بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،شام اور مصر میں قیام رہا،چورانوے سال عمر پائی،۷۴ھ ہجری میں وفات پائی،جنت البقیع میں دفن ہوئے،مدینہ منورہ کے آخری صحابی ہیں،آپ کی وفات پر مدینہ منورہ میں صحابہ کا دور ختم ہوگیا۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت سے پریشان بال غبار میں اٹے ہوئے پرانے کپڑے والے جن کی پرواہ نہ کی جاوے اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ پوری کردے۱؎ ان میں سے براء ابن مالک ہیں۲؎ (ترمذی،بیہقی دلائل النبوۃ)

۱؎ یعنی میری امت میں بعض غرباء مساکین جن کی کوئی نہ سنے وہ عنداللہ ایسے مقبول ہوں گے کہ اگر وہ کہہ دیں کہ خدا کی قسم تو جنتی ہے یا قسم خدا کی تجھے بیٹا ملے گا یا قسم اللہ کی کل بارش ہوگی تو اللہ تعالٰی ان کی قسم کی لاج رکھتے ہوئے یہ کام کردے،بزرگوں سے دعاء کرانے کی اصل یہ حدیث بھی ہے۔اللہ بے قراروں کی سنتا ہے یا بے قرار بنو یا کسی بے قرار سے دعا کراؤ"اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ"۔

۲؎ آپ حضرت انس ابن مالک کے بھائی ہیں،احد اور بعد کے غزوات میں شریک رہے،بڑے جانباز بہادر تھے،ان غزوات کے علاوہ موقعوں پر ایک سو کفار مبارزین کو قتل کیا(مرقات)جنگ یمامہ میں بڑی دلیری سے لڑے، ۱۰ھ میں وفات ہوئی۔(اشعہ)

روایت ہے ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگاہ رہو میرے وہ خاص لوگ جن کی طرف میں رجوع کرتا ہوں میرے گھر والے ہیں۱؎ اور میرے اندرونی مشیر کار انصار ہیں تو ان کے خطاکاروں سے درگزر کرو اور ان کے نیک کاروں سے نیکی قبول کرو۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔	

۱؎ اہل بیت میں ازواج پاک اولاد مطہرات سب ہی داخل ہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی کی شرح پہلے گزر چکی کہ اس میں خطاب یا ساری امت سے ہے یا اسلام کے خلفاء اور بادشاہوں سے کہ اگر کوئی انصاری کسی کے ذاتی معاملہ میں کچھ زیادتی کمی کر دے تو اسے یہ سمجھ کر معاف کرو یہ ہمارے رسول کے میزبان بے مثال ہیں ان کا ہم سب پر احسان عظیم ہے۔اس پوری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے آپ نے گھر والوں اور جماعت انصار سے بہت ہی محبت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بغض رکھے گا انصار سے کوئی وہ شخص جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔	

۱؎ یعنی جس کے دل میں ایمان ہے وہ جنس انصار سے یا سارے انصار سے بغض نہ رکھے گا۔(مرقات)لہذا اگر کسی شخص کا کسی انصاری سے کسی ذاتی معاملہ میں اختلاف ہوجائے اس کے متعلق یہ حکم نہیں،یا اگر انصاری کی کوئی بات خلاف قانون اسلامی ہونے کی وجہ سے قبول نہ کی جائے وہ اس حکم کی زد میں نہیں۔حضور کے پردہ فرمانے کے بعد انصار نے کہا تھا کہ ایک امیر ہم میں سے چاہیے ایک تم مہاجرین میں سے تو حضرت ابوبکر صدیق نے ان کی یہ رائے یہ حدیث پیش کرکے رد فرمادی کہ الخلافة فی القریش۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ ابو طلحہ سے راوی ہیں	

	کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قوم کو سلام کہوا کیونکہ جیسا میں جانتا ہوں وہ لوگ پاک باز صبر والے ہیں۲(ترمذی)

۱؎ اقریٔ اگر الف کے زبر اور رے کے کسرہ سے ہو تو اس کے بعد علیٰ نہیں آتا اور اگر الف کے کسرہ اور رے کے فتحہ سے ہو تو بعد میں علیٰ آتا ہے،اقریٔ علی فلان یہاں پہلی قراءۃ ہے۔غالبًا کسی جگہ انصار جمع ہوئے ہوں گے حضرت ابوطلحہ بھی وہاں جا رہے ہوں گے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کو ان کے ذریعہ سلام کہلایا۔معلوم ہوا کہ کسی خاص شخص کو بھی سلام بھیجنا جائز ہے اور خاص قوم کو عام لوگوں کو بھی،یہاں قومك سے مراد انصار ہیں کیونکہ ابو طلحہ خود انصار ہیں۔

۲؎ یعنی ہم انصار کو سلام اس احترام کی وجہ سے بھیج رہے ہیں جو ان کا ہمارے دل میں ہے اور احترام کی وجہ ان کی یہ دو صفات ہیں تقویٰ پرہیزگاری اور مصیبتوں جہادوں میں صبر۔اعفه جمع ہے عفیف کی بمعنی پاک دامن،صبر ص اور ب کے پیش سے جمع صابر کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ حاطب کا غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۱ حاطب کی شکایت حضور سے کرتا تھا تو بولا یا رسول اللہ حاطب دوزخ میں جائیں گے۲ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوئے ہیں۳(مسلم)

۱؎ یہ حاطب وہ ہی حاطب ابن ابی بلتعہ ہیں جنہوں نے حضور انور کے ارادے کی خبر اہل مکہ کو بھیجی تھی جس کا واقعہ پہلے گزر چکا۔

۲؎ یا تو اس لیے حاطب دوزخ میں جائیں گے کہ انہوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کفار کے لیے کی یا اس لیے کہ وہ مجھ پر بہت ظلم کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی دوزخ میں نہیں جاسکتے کہ وہ غزوہ بدر اور بیعت الرضوان دونوں میں شریک ہوئے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک میں شرکت کرنے والا بھی جنتی ہے،ان کا جاسوسی کا قصور رب تعالٰی نے معاف کردیااور وہ تجھ پر ظلم نہیں کرسکتے جسے تو ظلم سمجھتا ہے وہ ظلم نہیں ہے۔خیال رہے کہ نبی کے صحابی ظالم نہیں ہوتے۔حضرت سلیمان کے صحابہ کے متعلق چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا تھا"لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ وَ ھُمْ لَا یَشْعُرُوۡنَ"کہ تم کو وہ لوگ اپنے پاؤں سے کچل نہ دیں حالانکہ انہیں خبر نہ ہو۔معلوم ہوا کہ چیونٹی کا بھی عقیدہ ہے کہ نبی اور نبی کے صحابی ظالم نہیں ہوتےوہ چیونٹیوں پر بھی ظلم نہیں کرتے،اگر چیونٹی بھی ان کے پاؤں سے کچل جائے تو ان کی بے خبری بے توجہی کی وجہ سے کچل جائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اگر تم منہ پھیرو گے تو رب دوسری قوم تمہارے سوا بدل لائے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ۱؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ لوگ کون ہیں جن کے متعلق اللہ نے ذکر فرمایا کہ اگر ہم منہ پھیریں تو وہ ہماری عوض بدلہ میں لائیں جائیں گے پھر وہ ہم جیسے نہ ہوں گے ۲؎ تو حضور نے جناب سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مارا پھر فرمایا کہ یہ اور ان کی قوم ہے ۳؎ اگر دین ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اسے پالیتے ۴؎ (ترمذی)

۱؎ اس آیت کریمہ میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے کہ اگر تم لوگ دین اسلام کی خدمت نہیں کرو گے تو تمہاری جگہ رب تعالٰی دوسری قوم سے خدمت دین لے لے گا،تم دین کے حاجتمند ہو دین تمہارا حاجت مند نہیں تب وہ سوال ہوا جو آگے مذکور ہے۔

۲؎ یعنی یارسول اللہ وہ کون خوش نصیب ہیں جو ہمارے فیل ہوجانے کی صورت میں دین کو وہ سنبھالیں گے اور اس صورت میں وہ ہم سے اچھے ہوں گے اس قوم کا تعین فرمایئے۔

۳؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں بلکہ انکے معتقدین کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوحنیفہ حضرت سلمان فارسی کے ہم وطن اور ہم قوم یعنی فارسی النسل ہیں،امام اعظم اور ان کے شاگردوں نے دین کی وہ خدمات کیں جسے زمانہ یاد رکھے گا۔اب بھی دنیا میں دو تہائی مسلمان حنفی ہیں باقی ایک تہائی میں سارے لوگ حدیث و آیات سے ایسے مسائل مستنبط فرمائے کہ سبحان اللہ!

۴؎ فرس فرما کر حضور انور نے ظاہر فرمادیا کہ اس فرمان عالی میں اشارہ سارے عجم کی طرف نہیں ہے بلکہ اہل فارس مراد ہیں یعنی امام ابوحنیفہ کیونکہ صرف آپ ہی فارسی النسل ہیں آپ کے سوا کوئی امام فارسی نہیں،امام اعظم کے دادا حضرت زوطی حضرت علی کی محبت میں ایران چھوڑ کر کوفہ آبسے اس لیے آپ کوفی ہوئے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عجمیوں کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان پر یا ان کے بعض پر زیادہ بھروسہ رکھتا ہوں جتنا مجھ کو تم پر یا تمہارے بعض پر بھروسہ ہے ۱؎ (ترمذی)

۱؎ **بکم** اور **ببعضکم** میں خطاب مطلقًا اہل عرب سے ہے یعنی بعض عجمی لوگ بعض عربیوں سے افضل ہوں گے ایمان میں تقویٰ میں،علم میں،عمل میں،اجتہاد میں لہذا اس فرمان سے نہ تو لازم آتا ہے کہ غیر صحابی صحابی سے افضل ہوجاویں اور نہ یہ کہ عجمی عربی سے افضل ہوں۔

مسئلہ: جنس عربی جنس عجمی سے افضل ہے مگر بعض عجمی افراد بعض عربی افراد سے افضل ہیں۔چنانچہ عجمی مؤمن عربی کافر سے، عجمی مخلص عربی منافق سے، عجمی عالم عربی غیر عالم سے، عجمی مجتہد عربی غیر مجتہد سے افضل ہے۔

مسئلہ: کوئی غیرصحابی کسی صحابی سے افضل بلکہ برابر نہیں ہو سکتا،تمام جہان کے علماء صلحاء اولیاء غوث و قطب ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے،وہ حضرات صحبت یافتہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،آسمان ہدایت کے تارے،اسلام کے ستون ہیں،ایمان کے معیار ہیں،تقویٰ کی کسوٹی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نبی کے سات برگزیدہ حافظین ہوئے۱؎ اور مجھے چودہ عطا فرمائے گئے ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں فرمایا میں اور میرے دونوں بیٹے جعفر،حمزہ۲؎ ابوبکر،عمر،مصعب ابن عمیر،بلال،سلیمان،عمار،عبداللہ ابن مسعود،ابوذر،مقداد۳؎(ترمذی)

۱؎ **نجباء** جمع ہے **نجیب** کی بمعنی شریف یا منتخب اور برگزیدہ اور **رقباء** جمع ہے **رقیب** کی بمعنی حافظ و نگہبان یعنی ہر نبی کے ان کی امت میں سات امتی ان کے منتخب اور ان نبی کے پاسبان ہوتے تھے مگر ہم کو اللہ تعالٰی نے ایسے برگزیدہ چودہ افراد عطا فرمائے۔

۲؎ جعفر ابن ابی طالب تو حضرت علی کے بھائی ہیں اور حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب حضور انور کے چچا اور آپ کے رضاعی بھائی ہیں،حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے حضور کو بھی دودھ پلایا ہے اور جناب حمزہ کو بھی۔آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے، آپ کا خطاب اسد اللہ ہے،نبوت کے دوسرے سال ایمان لائے،بدر میں شریک ہوئے اور احد میں شہید ہوئے،آپ کو وحشی ابن حرب نے شہید کیا،حضور انور سے دو یا چار سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔(مرقات)

۳؎ معلوم ہوا کہ ان چودہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص قسم کا ایسا قرب حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں دوسرے حضرات کو اور قسم کی خصوصیات حاصل ہیں۔اس چمن میں ہر پھول کا رنگ و بو علیحدہ ہے۔تمام احادیث پر نظر رکھنی چاہیے،علماء دین نے ساری احادیث کے مطالعہ سے جو مراتب حضرات صحابہ کے معلوم کیے ہیں ان پر اعتقاد رکھو کہ ان کی نظر ساری روایات پر تھی۔

روایت ہے حضرت خالد ابن ولید سے[1] فرماتے ہیں کہ میرے اور عمار ابن یاسر کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی تو میں نے گفتگو میں ان پر بہت سختی کی[2] عمار میری شکایت کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے پھر خالد پہنچے[3] فرمایا عمار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کررہے تھے تو خالد ان پر بہت سختی کرنے لگے[4] ان کی سختی بڑھتی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے[5] کچھ کلام نہیں فرماتے تھے جناب عمار رونے لگے[6] بولے یارسول اللہ کیا حضور خالد کو دیکھتے نہیں[7] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا جو عمار سے دشمنی کرے خدا اس سے دشمنی کرے اور جو عمار سے بغض رکھے خدا اس سے ناراض ہو[8] خالد فرماتے ہیں کہ پھر میں نکلا تو مجھے حضرت عمار کی خوشنودی سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہ تھی[9] پھر میں نے ان سے ان کی رضا کا برتاؤ کیا تو وہ راضی ہوگئے[10]

[1] آپ مخزومی ہیں،آپ کی والدہ لبانہ صغریٰ ہیں یعنی حضرت ام المؤمنین میمونہ کی ہمشیرہ،زمانہ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے،حضور انور نے آپ کو لقب سیف اللہ دیا، ۲۱ھ اکیس میں وفات ہوئی،مقام حمص شام میں آپ کا مزار ہے،عبداللہ ابن عباس آپ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔(اکمال،مرقات)

[2] یہاں سختی سے مراد گالی یا تہمت نہیں ہے بلکہ سخت آواز سے بات کرنا مراد ہے جیسے کہ غصہ میں ہوا کرتا ہے کہ آواز اور طرح کی نکلتی ہے،یہ جھگڑا کسی ذاتی معاملہ میں ہوا ہوگا نہ کہ دینی مسئلہ میں۔

[3] یہ قول یا تو کسی راوی کا ہے کہ خالد آئے یا خود خالد ہی کا ہے رضی اللہ عنہ کہ اپنا نام لے کر بیان کیا یہ نہ فرمایا کہ میں آیا۔

[4] یعنی حضرت خالد جوش غصہ میں حضور انور کے سامنے جناب عمار پر سختی کرنے ان سے غصہ سے کلام کرنے لگے ابھی دربار عالی سے واقف نہ تھے یا اسوقت تک آداب آستانہ کی آیات نہ آئی تھیں اس لیے آپ پر بے ادبی کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

[5] حضور انور نے اس خاموشی میں بہت کچھ فرمادیا تھا جسے حضرت خالد نہ سمجھ سکے غصہ کی وجہ سے۔حضور کی اداؤں میں تامل اور غور سکون قلب سے ہی ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی وہ سکون قلب نصیب کرے جو حضور کی اداؤں تک پہنچائے۔

۶؎ حضرت عمار اپنی بے بسی جناب خالد کی سختی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی ان تینوں کو دیکھ کر رو پڑے پس رونے ہی کی دیر تھی دریائے رحمت جوش میں آگیا۔مولانا فرماتے ہیں ؎

تانہ گرید ابر کے خند و چمن　　　تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

زور رابگزار زاری رابگیر　　　رحم سوئے زاری آید اے فقیر

۷؎ یعنی حضور کیا میری بے بسی اور خالد کی سختی پر توجہ نہیں فرماتے یہاں دیکھنے سے مراد توجہ فرمانا ہے۔

۸؎ قربان ان اداؤں کے ایک دعا میں سب کچھ فرمادیاحضرت خالد کا غصہ ٹھنڈا کردیا،عمار کا طرہ آفتاب تک پہنچادیا،دونوں کے دلوں کو ملادیا،جناب عمار کا درجہ اور مقام سمجھا دیا اس کا نتیجہ وہ ہوا جو آگے مذکور ہے۔

۹؎ یعنی حضور کی اس دعا شریف سے میرے دل کی دنیا بدل گئی اس دل میں عمار کی محبت عزت و عظمت بھر گئی آپ اس مجلس پاک سے اٹھے بھی اس لیے کہ حضرت عمار کو علیحدگی میں بلا کر معافی مانگ لیں اپنی گزشتہ کوتاہی کا کفارہ کرلیں رضی اللہ عنہما،اب حضرت خالد کو جناب عمار سب سے زیادہ محبوب ہوگئے انہیں راضی کرنے کو اولین فرض سمجھنے لگے۔

۱۰؎ چنانچہ حضرت خالد ان کے سینے سے لپٹ گئے ان سے معافی مانگی ان کے سامنے بہت ہی تواضع کی اور جس قدر اسباب رضا ہوسکتے تھے وہ سب جمع کرکے انہیں منالیا۔خیال رہے کہ آخرکار حضرت عمار جناب علی کے ساتھ تھےاور جماعت امیر معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئےمگر امیر معاویہ اس حدیث کی زد میں نہیں آتے کیونکہ وہاں اختلاف رائے تھا عداوت نہ تھی جیسے برادران یوسف علیہ السلام اور حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام کہ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے یا بی بی ہاجرہ سے اختلاف تھا بغض نہ تھا نہ عداوت تھی۔یہ بات یاد رکھو یہاں دنیا میں تو حضور دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں قیامت کا نقشہ بھی حضور کے دم سے بدل جائے گا۔شعر

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن خوف سے ہر کلیجہ دہل جائے گا

اوڑھ کر کالا کمبل وہ آجائیں گے حشر کا سارا نقشہ بدل جائے گا

روایت ہے حضرت ابو عبیدہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے ۱؎ اور یہ اپنے کنبے کے بہترین جوان ہیں ۲؎ (احمد)	

۱؎ یعنی اللہ کی تلواریں دو قسم کی ہیں:مشہور تلوار اور غیر مشہور حضرت خالد ان میں سے ایک ہیں جو مشرکین و کفار پر اللہ نے سونتی ہے۔

۲؎ یعنی حضرت خالد قبیلہ بنی مخزوم میں بہترین بندے اور صالح مرد ہیں۔دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مرفوعًا روایت کی کہ خالد اللہ کی تلوار ہیں،حمزہ اللہ رسول کے شیر ہیں،ابو عبیدہ ابن جراح اللہ رسول کے امین ہیں،حذیفہ ابن یمان صفی الرحمٰن ہیں(یعنی اللہ کے چنے ہوئے بندے)عبدالرحمٰن ابن عوف اللہ کے تاجروں میں سے ہیں۔(مرقات)خیال رہے کہ حضور انور جس کو بھی خطاب دیتے ہیں بالکل درست اور برمحل دیتے

ہیں،حضور کے خطابات دنیاوی حکومتوں کے نہیں کہ نرے جاہل کو شمس العلماء بڑے بزدل کو خان بہادر کے خطاب دیئے جاتے ہیں۔

روایت ہے بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے چار شخصوں کی محبت کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ ہم کو ان کے نام بتائیں۲؎ فرمایا علی ان میں سے ہیں یہ تین بار فرماتے رہے۳؎ اور ابوذر اور مقداد اور سلمان ہیں کہ مجھے ان سے محبت کا حکم دیا اور خبر دی کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے۴؎(ترمذی)فرمایا کہ یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔	

۱؎ یوں تو رب تعالٰی ہر مؤمن و متقی خصوصًا ہر صحابی سے محبت کرتا ہے "یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ" مگر ان چار حضرات سے خصوصی محبت فرماتا ہے محبت کی بہت نوعیتیں ہوتی ہیں۔

۲؎ تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں اللہ رسول کے پیارے ہمارے بھی پیارے ہونے چاہئیں۔

۳؎ بار بار فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان چاروں میں فرد اعلٰی ہیں۔

۴؎ یہ اس اجمال کی تفصیل ہے جو اجمال ابھی گزرا یہ حضرات اللہ کے محبوب کیوں نہ ہوں۔حضرت علی کے فضائل و مناقب ہماری شمار سے سواء ہیں،ابوذر بڑے عابد تھے،بڑے تارک الدنیا صحابی ہیں،حضرت مقداد چھٹے مؤمن ہیں بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،آپ حضرت عثمان غنی کی خلافت میں فوت ہوئے،انہیں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور حضرت سلمان تو اہل بیت میں شمار ہیں،تین سو سال حضور کی تلاش میں پریشان سرگرداں رہے آخر کار پہنچ گئے،چٹائیاں بنا کر روزی کماتے اسی پر گزارہ کرتے تھے اپنی غنیمت اور وظیفے کو فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔(اشعہ)یہ حضرات شکل انسانی میں فرشتے بلکہ فرشتوں سے افضل تھے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرمایا کہ جناب عمر فرماتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور عتیق ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا۱؎(بخاری)	

۱؎ پہلا لفظ سید آپ نے حقیقتًا فرمایا دوسرا سید تواضع اور انکسار کے طور پر کیونکہ حضرت بلال سے حضرت عمر افضل ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ سیادت سے افضیلت لازم نہیں آتی جیسے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ سے بڑھ کر سید نہ دیکھا حالانکہ آپ نے خلفاء راشدین کو دیکھا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق دو طرح ہمارے سید ہیں ایک تو بذات خود دوسرے ہمارے سید کے آقا،جب حضرت بلال کی وفات کی خبر ہوئی تو آپ روتے تھے اور فرماتے تھے۔شعر

اُٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا | اٹھ گیا آج نقیب چشم پیغمبر
اقبال کس کے لطف کا یہ فیض عام ہے | رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

روایت ہے حضرت قیس ابن ابی حازم سے[1] کہ جناب بلال نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا کہ اگر آپ نے مجھے اپنی ذات کے لیے خریدا ہے تو مجھے رکھیے اور اگر آپ نے مجھے اللہ کے لیے خریدا ہے تو مجھے اللہ کے عمل کے لیے چھوڑ دیجئے[2] (بخاری)	

[1] آپ قبیلہ بنی احمس سے ہیں، اسلام لانے مدینہ منورہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے تھے، کوفہ کے تابعین میں سے ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے آپ نے نو صحابہ سے روایت کی یعنی سواء عبدالرحمٰن ابن عوف کے یہ آپ کی خصوصیت ہے، غزوہ نہروان میں حضرت علی کے ساتھ تھے، سو برس سے زیادہ عمر ہوئی، ۹۸ اٹھانوے میں وفات ہوئی۔(مرقات)

[2] حضور انور کی وفات کے بعد حضرت بلال تاب فراق نہ لاکر دمشق جانے لگے تب حضرت صدیق نے کہا اے بلال مدینہ میں رہو ہم کو اپنی دلنواز اذان سنایا کرو تب آپ نے حضرت صدیق سے یہ عرض کیا۔بعض روایات میں ہے کہ آپ نے عرض کیا اے میرے مولیٰ اب میں مسجد نبوی حضور سے خالی نہیں دیکھ سکتا۔شعر

چہ مشکل ترازیں برعا شق راز | کہ بسے دلدار بیند جاء دلدار

چنانچہ آپ شام کے قافلہ کے ساتھ دمشق چلے گئے وہاں ہی ۲۰ ہجری میں وفات پاگئے۔(اشعہ)اس گنہگار نے قبر انور کو بوسہ دیا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض کیا کہ میں بھوکا ہوں[1] تو حضور نے اپنی بعض ازواج کے پاس بھیجا[2] وہ بولیں اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں[3] پھر دوسری کے پاس بھیجا انہوں نے بھی اسی طرح کہا اور سب نے اسی طرح کہا[4] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کون مہمان بنائے گا اللہ اس پر رحم کرے[5] تو انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے جنہیں ابو طلحہ کہا جاتا تھا[6] وہ بولے یارسول اللہ میں چنانچہ وہ انہیں اپنے گھر لے گئے[7] اپنی بیوی سے بولے کیا تمہارے پاس کچھ ہے وہ بولیں نہیں	

سوائے میرے بچوں کے کھانے کے۸؎ فرمایا تم انہیں کسی چیز سے بہلا دینا سلا دینا۹؎ پھر جب ہمارا مہمان آئے تو انہیں دکھانا کہ ہم کھارہے ہیں۱۰؎ جب وہ اپناہاتھ کھانے کے لیے بڑھائیں تو تم چراغ کی طرف ٹھیک کرنے کے بہانے کھڑی ہونا اسے بجھا دینا۱۱؎ انہوں نے ایسا ہی کیا یہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھالیا انہوں نے بھوکے رات کاٹ دی۱۲؎ پھر سویرا ہوا یہ رسول اللہ کے پاس حاضر ہوئے۱۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی خوش ہوا یا راضی ہوا فلاں اور فلاں سے۱۴؎ ایک روایت میں ہے تو یوں ہی مگر ابوطلحہ کا نام نہیں لیا ہے اس کے آخر میں یہ ہے کہ تب اللہ نے یہ آیت اتاری اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ انہیں خود بھوک ہو۱۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ **مجھود** بنا ہے جھد سے بمعنی مشقت اس کے معنی ہیں مشقت رسیدہ،مراد ہے بھوکا کہ بھوک بھی ایک سخت مشقت ہے۔(مرقات)

۲؎ یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر کچھ کھانا ہو تو ایک بھوکے کے لیے بھیجو۔معلوم ہوا کہ نیکی کی ابتداء اپنےاور اپنے گھر سے کرنی چاہیے۔

۳؎ یعنی سواء پانی کے کوئی چیز نہ کھانے کی ہے نہ پینے کی ہمارا گھر ان سب سے خالی ہے۔اللہ اکبر! یہ ہے اس دولت خانہ کا حال جہاں سے اللہ کی نعمتیں تمام جہان میں تقسیم ہورہی ہیں جن کے لنگر سے زمانہ پل رہا ہے۔شعر

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں　　　دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

۴؎ یہ واقعہ اور ان جیسے واقعات فتح خیبر سے پہلے کے ہیں(مرقات)فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر زوجہ صاحبہ کو ایک سال کی کھجوریں جو وغیرہ عطا فرمادیتے تھے۔

۵؎ **یضیّف** یا باب تفعیل سے ہے یا باب افعال سے دونوں کے ایک معنی ہیں یعنی مہمان بنانا اسے کھانا کھلانا۔

۶؎ آپ کا نام زید ابن سہل انصاری ہے،حضرت انس کے سوتیلے والد جن کا مزار مقدس بصرہ میں ہے،آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں۔

۷؎ رحل سامان کو بھی کہتے ہیں اور سامان رکھنے کی جگہ یعنی گھر کو بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی گھر۔(اشعۃ اللمعات)

۸؎یعنی ہمارے گھر میں اتنا تھوڑا کھانا ہے کہ ہم تو کھائیں گے نہیں صرف بچوں کو کھلائیں گے وہ بھی بقدر ضرورت ہی کھلائیں گے اسی لیے قوت فرمایا طعام نہ فرمایا۔
۹؎یعنی ناسمجھ چھوٹے بچے بھوکے ہیں وہ بھوکے آسانی سے سونہ سکیں گے مگر انہیں کسی صورت سے بہانہ سے سلادینا سلانے کا حکم اس لیے دیا کہ بچے مہمان کو کھانا دیکھ کر صبر نہ کرسکیں گے،روئیں گے شور مچائیں گے اس وجہ سے مہمان نہ کھا سکے گا۔
۱۰؎اس زمانہ میں مہمان بغیر میزبان کے کھانا نہیں کھاتا تھااس لیے ان کو مہمان کے ساتھ کھانا ضروری تھا اور اس وقت پردہ فرض نہ ہوا تھا،نیز یہ بی بی صاحبہ بہت بوڑھی تھیں لہٰذا یہ دونوں میاں بیوی مہمان کے ساتھ کھانے میں مشغول ہوئے۔(مرقات)
۱۱؎یعنی ہم تم دونوں مہمانوں کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھیں پھر تم چراغ کی درستی کے بہانہ سے چراغ کو ہاتھ لگانا اور کھانس کر چراغ گل کردینا،دیا سلائی اس زمانہ میں موجود نہ تھی اس لیے چراغ دوبارہ روشن نہ ہوسکے گا ہم تم جھوٹ موٹ کھاتے اور اپنے منہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے رہیں اور خالی منہ چلاتے رہیں تاکہ مہمان سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور وہ پیٹ بھر کر کھالے۔
۱۲؎یعنی سارا گھر بھوکا سویا اور مہمان کو سیر کردیا۔
۱۳؎یا تو نماز فجر پڑھنے مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوئے یا بعد نماز حضورانور سے ملاقات کرنے حاضر ہوئے۔مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں الی رسول اللہ ہے تو غدا بمعنی ذھب ہے،عام نسخوں میں علی رسول اللہ ہے کیونکہ غدا میں اقبل کے معنی شامل ہیں۔(مرقات)
۱۴؎ان جیسی عبارتوں میں عجب یا ضحك بمعنی رضی ہوتا ہے یعنی اللہ تعالٰی ان کے اس کام سے راضی ہوگیا یا ان سے راضی اور خوش ہوگیا۔رضا سے مراد خصوصی رضا ہے اللہ تعالٰی ہر مؤمن سے راضی ہے اور قسم کی رضا اور ہر متقی پرہیزگار سے راضی ہے دوسری قسم کی رضا،ان حضرات سے راضی ہے خصوصی رضا وہ ہی یہاں مراد ہے،فرماتاہے:"لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ"۔
۱۵؎یہ آیت انصار کی تعریف میں آئی ہے کہ یہ لوگ اپنی اور اپنے بال بچوں کی حاجت روک کر بھی دوسروں کی حاجت روائی کردیتے ہیں اس کے نزول کا سبب یہ ہی واقعہ ہے۔خیال رہے کہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ پہلے خویش بعد میں درویش مگر عشق و رضا کا فتویٰ یہ ہے کہ پہلے درویش بعد میں خویش،چونکہ یہ شخص حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا بھیجا ہوا تھا لہٰذا حضرت ابو طلحہ نے اس کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھا۔حضرت عمر کا آدھا مال خیرات کرنا آدھا مال گھر والوں کے لیے رکھنا شریعت تھا مگر حضرت صدیق اکبر کا اپناسارا مال خیرات کرنا گھر میں جھاڑو دے دینا حکم طریقت تھا لہٰذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں کہ جناب ابوطلحہ نے اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر اجنبی شخص کو روٹی کیوں کھلادی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں اترے تو لوگ گزرنے لگے۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھنے لگے،اے ابوہریرہ یہ کون ہے میں کہتا فلاں تو آپ فرماتے یہ اچھا بندہ ہے اور کہتے یہ کون ہے میں کہتا فلاں تو فرماتے یہ برا بندہ ہے۲؎ حتی کہ خالد ابن ولید گزرے تو حضور نے فرمایا یہ کون ہے۳؎ میں نے کہا کہ خالد ابن ولید ہیں تو فرمایا خالد ابن ولید اچھے بندے ہیں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۴؎(ترمذی)

۱؎ یہ واقعہ یا تو فتح مکہ کے سفر کا ہے یا کسی دوسرے سفر کا کہ اس دوران میں ایک منزل پر نزول فرمایا اور یہ واقعہ پیش آیا۔

۲؎ خیال رہے کہ کسی کی برائی کرنا اس کے سامنے یا پیچھے جائز ہے جب کہ دوسرے کو اس کے فساد سے بچانا مقصود ہو محض گلہ مقصود نہ ہو،غیبت حرام ہے مگر غیبت میں چند شرطیں ہیں:مسلمان کی غیبت ہو اس کا چھپا ہوا عیب بیان کیا جاوے اور دلی غصہ و حسد کی بنا پر بیان ہو لہذا اس حدیث پاک پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ غیبت ہے۔

۳؎ حضور انور حضرت خالد ابن ولید کو پہچانتے ہیں مگر یہ سوال انہیں گواہ بنانے کے لیے ہے سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور خیمہ میں تھے حضرت ابوہریرہ باہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کی آہٹ سن کر یہ سوال کیا۔

۴؎ اس فرمان عالی کی شرح ابھی کچھ پہلے ہوچکی ہے۔بہت صحابہ اللہ کی تلوار ہیں ان میں سے حضرت خالد بھی ہیں جیسے اسد اللہ حضرت علی مرتضٰی بھی ہیں اور جناب امیرحمزہ بھی۔

	روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ انصار نے عرض کیا یا نبی اللہ ہر نبی کے خاص تابعین ہیں ہم نے آپ کی اتباع کی ہے۱؎ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالٰی ہمارے تابعین ہم میں سے بنائے۲؎ چنانچہ حضور نے یہ دعا کی۳؎(بخاری)

۱؎ یعنی اللہ تعالٰی نے ہم کو یہ توفیق بخشی کہ ہم حضور کے خاص خدام خاص متبع ہوئے یہ توفیق اس کی مہربانی ہے۔

۲؎ اس گزارش کے چند معنی ہوسکتے ہیں قوی اور ظاہر معنی یہ ہیں کہ تاقیامت جتنے مسلمان ہم انصار کی پیروی اور اطاعت کریں وہ کل قیامت میں ہمارے ہی زمرہ میں ہمارے ساتھ ہوں،اللہ تعالٰی جو درجات ہم کو عطا فرمادے ان سب کو دے لہذا اس میں ان شاءاللہ ہم سب مسلمان داخل ہیں،یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ہماری اولاد کو بھی انصاری کہا جاوے۔

۳؎حضور انور نے یہ دعا کی اور رب تعالٰی نے ارشاد فرمایا"مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ"۔

روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں کہ ہم عرب کے قبیلوں میں کوئی ایسا نہیں جانتے جو انصار سے زیادہ شہیدوں والا ہے اور قیامت میں زیادہ عزت والا ہو۱؎ بولے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ انصار میں احد کے دن ستر شہید کیے گئے بیر معونہ میں ستر اور صدیق اکبر کے زمانہ میں یمامہ کے دن ستر۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی ہم تمام صحابہ میں یہ مشہور تھا اور ہے کہ انصار کا قبیلہ دنیا میں زیادہ شہیدوں والا ہے اور آخرت میں بہت درجات والا کہ یہ لوگ حضور کے میزبان معاونین اسلام اللہ رسول کے نام پر قربان ہیں انہیں میں زیادہ شہید ہیں۔
۲؎دوسری جماعتوں میں اتنے حضرات شہید نہیں ہوئے۔چنانچہ غزوہ احد میں انصار چونسٹھ شہید ہوئے اور مہاجرین چھ،بعض روایات میں ہے کہ ستر انصار شہید ہوئے اور مہاجرین میں صرف امیرحمزہ۔

روایت ہے حضرت قیس ابن ابی حازم سے فرماتے ہیں کہ بدر والوں کا عطیہ پانچ پانچ ہزار تھاحضرت عمر نے فرمایا کہ میں ان کو بعد والوں پر فضیلت دوں گا۱؎ (بخاری)ان بدر والوں کے نام جو بخاری کی جامع میں بیان کیے گئے۲؎نبی محمد ابن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم۳؎عبداللہ ابن عثمان یعنی ابوبکر صدیق قرشی۴؎عمر ابن خطاب عدوی۵؎عثمان ابن عفان قرشی جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دختر رقیہ کی تیمار داری کے لیے پیچھے چھوڑا اور ان کے لیے حصہ الگ رکھا۶؎علی ابن ابی طالب ہاشمی۷؎ایاس ابن بکیر۸؎ بلال ابن رباح یعنی ابوبکر صدیق کے غلام۹؎حمزہ ابن عبدالمطلب ہاشمی۱۰؎حاطب ابن ابی بلتعہ جو قریش کے حلیف تھے۱۱؎ابو حذیفہ ابن عقبہ ابن ربیعہ قرشی۱۲؎حارثہ ابن ربیع انصاری جوبدر کے دن شہید ہوئے۱۳؎ اور وہ حارثہ ابن سراقہ ہیں جو اوپی میں مقرر تھے۱۴؎خبیب۱۵؎ ابن عدی انصاری،خنیس ابن حذافہ سہمی۱۶؎رفاعہ ابن رافع انصاری۱۷؎رفاعہ ابن عبدالمنذر ابو لبابہ انصاری۱۸؎	

	زبیر ابن عوام قرشی۱۹ زید ابن سہل یعنی ابوطلحہ انصاری۲۰ ابو زید انصاری۲۱ سعد ابن مالک زہری۲۲ سعد ابن خولہ قرشی۲۳ سعید ابن زید ابن عمرو ابن نفیل قرشی۲۴ سہل ابن حنیف انصاری۲۵ ظہیر ابن رافع انصاری۲۶ اور انکے بھائی۲۷ عبداللہ ابن مسعود ہذلی۲۸ عبدالرحمٰن ابن عوف زہری۲۹ عبیدہ ابن حارث قرشی۳۰ عبادہ ابن صامت انصاری۳۱ عمرو ابن عوف جو بنی عامر ابن لوی کے حلیف تھے۳۲ عقبہ ابن عمرو انصاری۳۳ عامر ابن ربیعہ عنزی۳۴ عاصم ابن ثابت انصاری۳۵ عویم ابن ساعدہ انصاری۳۶ عتبان ابن مالک انصاری۳۷ قدامہ ابن مظعون۳۸ قتادہ ابن نعمان انصاری۳۹ معاذ ابن عمرو ابن جموح ۴۰ معوذ ابن عفراء۴۱ اور ان کے بھائی مالک ابن ربیعہ ابو اسید انصاری۴۲ مسطح ابن اثاثہ ابن عباد ابن عبدالمطلب ابن عبدمناف۴۳ مرارہ ابن ربیع انصاری۴۴ معن بن عدی انصاری۴۵ مقداد ابن عمرو کندی جو بنی زہرہ کے حلیف ہیں۴۶ ہلال ابن امیہ انصاری۴۷ اللہ تعالٰی ان سب سے راضی رہے۔

۱؎ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے جو وظیفے مقرر فرمائے تو فی انصاری پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ تھے دوسروں کے وظیفے اس سے کم تھے اور حضرت عمر نے اس زیادتی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ حضرات درجات میں دوسروں سے افضل ہیں۔

۲؎ اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں وہاں کفار ایک ہزار تھے،امام بخاری نے یہاں ۴۴ حضرات کے نام ذکر کیے ہیں کچھ حضرات کے نام متفرق مقامات پر ذکر کیے اس بخاری میں ان کا تذکرہ مختلف حیثیتوں سے کیا کچھ نام بالکل ذکر نہ کیے،یہ نام یکجا اس لیے ذکر کیے کہ ان ناموں کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اگر اصحاب بدر کے نام پڑھ کر دعائیں کی جائیں تو ان شاءاللہ قبول ہوں۔ (اشعہ)یہ نام حروف تہجی کی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں سواء حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے۔

۳؎ سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کیا برکت کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ حضور انور اس وقت شانہ بہ شانہ سپاہیوں کے ساتھ تھے موجودہ زمانہ کی طرح نہ تھے کہ لڑتے ہیں سپاہی دور دور رہتے ہیں بڑے لوگ۔

۴؎ آپ کا نام شریف عبداللہ ہے،لقب عتیق،خطاب صدیق،قرشی ہیں،تیم ابن مرہ کے خاندان سے ہیں،اسلام سے پہلے آپ کا نام عبد رب الکعبہ تھاحضور انور نے عبداللہ رکھا۔(اشعہ)آپ کے والد بھی مؤمن صحابی ہیں،ان کا نام عثمان ہے،کنیت ابو قحافہ،حضرت صدیق بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح رہے،بدر کی رات عریش میں آپ کی حفاظت میں رات بھر تلوار لیے عریش کے اردگرد گھومتے رہے جدھر سے آہٹ پاتے ادھر ہی پہنچ جاتے تھے۔(مرقات)عریش وہ ہی جگہ ہے جہاں آج مسجد عریش ہے یہاں حضرات صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھپّر سا بچھا دیا تھاجہاں اللہ کے محبوب نے رات بھر دعائیں مانگیں تھیں اس فقیر نے یہاں ایک رات گزاری ہے۔

۵؎ آپ عدی ابن کعب کی اولاد سے ہیں،آپ کے خاندان کا نام عدوی ہے،یہ قریش کا مشہور خاندان ہے،آپ کا نام عمر لقب فاروق اعظم ہے،آپ دراز قد خوبصورت تھے،آپ کی پیش گوئی توریت میں بھی ہے،قدرتی طور پر آپ کی ہیبت دلوں میں تھی، آپ کی خلافت ساڑھے دس سال ہوئی،تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی آپ کے حالات شروع مرآت میں بیان ہوچکے۔

۶؎ آپ کے حالات مذکور ہوچکے ہیں۔آپ حکمًا بدر میں شریک ہوئے یعنی مدینہ منورہ میں آپ کا گھر آپ کے لیے بدر کا میدان بنادیا گیا آپ کا لقب ذوالنورین ہے کیونکہ آپ کے نکاح میں حضور کی دو صاحبزادیاں تھیں رقیہ و کلثوم۔

۷؎ آپ کے فضائل و کمالات ذروں اور تاروں کی طرح بے شمار ہیں،آپ کی کنیت ابو تراب ہے،لقب اسد اللہ الغالب،پیر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی منگل کو آپ ایمان لائے سات سال کی عمر میں،پست قد،سرخ رنگ،بڑی آنکھیں،گھنی داڑھی، وسیع العلم،نہایت بہادر دلیر،زاہد و سخی تھے،آپ کی خلافت پانچ سال ہے،۱۷ رمضان شریف شب جمعہ کو کوفہ میں ابن ملجم مرادی کے ہاتھوں زخمی ہوئے،۲۱ رمضان میں شہید ہوئے،عمر شریف تریسٹھ سال۔

۸؎ آپ لیثی ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،دارارقم میں ایمان لائے،۳۴ھ میں وفات ہوئی۔

۹؎ آپ حضور کے مؤذن خاص ہیں،آپ پہلے امیہ ابن خلف کے غلام تھے آپ کو وہ سخت ایذائیں دیتا تھا،فتح مکہ کے دن کعبہ کی چھت پر پہلے آپ ہی نے اذان دی،دمشق میں ۲۰ھ میں وفات پائی۔(اشعہ)اس فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔**الحمدللہ!**

۱۰؎ آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے حضور کے چچا اور رضاعی بھائی بدر میں شریک احد میں شہید ہوئے،حضور سے چار سال عمر میں زیادہ تھے،آپ کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب ہے یعنی حضرت آمنہ کی بہن،فرشتوں کو دیکھا گیا کہ آپ کی میت کو غسل دے رہے ہیں اور حنظلہ کو بھی۔(اشعہ)

۱۱؎ آپ کے حالات کچھ بیان ہوچکے ہیں۔آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،بدروخندق وغیرہ غزوات میں شریک ہوئے، ۳۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،عمر پینسٹھ سال ہوئی،آپ کا اہلِ مکہ کو خط لکھنا وہ پکڑا جانا پہلے مذکور ہوچکا ہے۔

۱۲؎ آپ کے نام میں اختلاف ہے۔مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام ہشام ابن عتبہ ابن ربیعہ ابن عبدالشمس ہے،فضلاء صحابہ میں سے ہیں،صاحب ہجرتین ہیں،غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے،ترپین ۵۳ سال عمر ہوئی۔(اشعہ)

۱۳؎ ربیع حارثہ کی ماں کا نام شریف ہے،والد کا نام سراقہ ہے،آپ انصار کے پہلے شہید ہیں۔

۱۴؎ آج کل کی زبان میں نظارہ کا ترجمہ اوپی ہے جو جنگ میں کسی اونچی جگہ بیٹھ کر دشمن کی نگرانی کرتا ہے اور اپنی فوج کو مطلع کرتا ہے۔

۱۵؎ آپ اوسی ہیں،بدر میں شریک ہوئے،غزوہ رجیع ۳ھ؁ میں کفار کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے،انہوں نے آپ کو مکہ معظّمہ لاکر بنوحارث کے ہاتھ فروخت کردیا،آپ نے بدر کے دن بنو حارث کے سردار کو قتل کیا تھا اس کی اولاد نے آپ کو خریدا اور سولی دی،آپ پہلے سولی یافتہ ہیں آپ کی سولی کا واقعہ بہت مشہور ہے،آپ نے سولی کے وقت عرض کی کہ خدایا کوئی نہیں جو میرا سلام میرے حبیب تک پہنچادے تو ہی پہنچادے چنانچہ حضرت جبریل نے آپ کا سلام حضور تک پہنچایا۔(اشعہ)آپ کے متعلق یہ شعر ہیں

لے سجناں میں توڑ نباہی جان دتی راہ تیرے حشر دہاڑے شرماں تلیوں رکھ لیں پردے میرے
مردے ویلے یار نہ ڈٹھا ایہہ افسوس ودہیرا چنگا سجناں کدوں کرینگا فیر میرے دل پھیرا

۱۶؎ آپ بی بی حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پہلے خاوند ہیں،غزوہ بدر میں شریک ہوئے احد میں زخمی ہوئے،مدینہ منورہ آکر اس زخم سے وفات پائی،پہلے حبشہ کے مہاجر تھے پھر مدینہ منورہ کے مہاجر ہوئے،ان کی وفات کے بعد بی بی حفصہ حضور انور کے نکاح میں آئیں۔(مرقات،اشعہ)

۱۷؎ دونوں باپ بیٹے صحابی انصاری ہیں،بدر اور تمام غزوات میں شامل رہے،جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے،امیر معاویہ کی شروع سلطنت میں فوت ہوئے۔

۱۸؎ ابولبابہ انہیں رفاعہ کی کنیت ہے،آپ انصاری ہیں،بیعت عقبہ میں شریک ہوئے۔قوی یہ ہے کہ آپ کو بدر کے موقعہ پر مدینہ منورہ میں حفاظت کے لیے رکھا گیا مگر غنیمت سے حصہ دیا گیا،حضرت علی کی خلافت میں وفات ہوئی،ایک موقعہ پر اپنے کو ستون سے باندھ دیا تھااب تک اس ستون کا نام ستون ابولبابہ یا ستون توبہ ہے مسجد نبوی شریف میں ہے۔(اشعہ،مرقات)

۱۹؎ آپ حضور کے پھوپھی زاد بھائی ہیں صدیق اکبر کے داماد یعنی صفیہ کے بیٹے اسماء کے خاوند،جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ شہید ہوئے،وادی سباع میں دفن ہوئے،پھر وہاں سے آپ کی میت بصرہ پہنچائی گئی ان کی قبر مشہور ہے۔ آپ کو ابن جرموز نے جو حضرت علی کا سپاہی تھا شہید کیا پھر حضرت علی کو اس نے اس قتل کی بشارت دی آپ نے فرمایا تو دوزخی ہے میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ زبیر کا قاتل دوزخی ہوگا۔(اشعہ)

۲۰؎ آپ حضرت انس کے سوتیلے والد ام سلیم کے خاوند ہیں،زید ابن سہل آپ کا نام ہے،ابو طلحہ کنیت،بارہا آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں۔بیعت عقبہ اور بدروغیرہ میں شامل ہوئے،بڑے امیر وسخی تھے ۳۱ء؁ اکتیس میں وفات ہوئی،ستتر سال عمر ہوئی۔(مرقات)

۲۱؎ آپ قرآن کے جامع اور قرآن کے حافظ صحابی ہیں آپ کے نام میں اختلاف ہے یا سعد ابن عمر ہے یا قیس ابن سکن۔

۲۲؎ آپ ہی کو سعد ابن وقاص کہا جاتا ہے،عشرہ مبشرہ سے ہیں،حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر اسلام لائے،حضور نے آپ سے فرمایا تھا اے سعد تیر مار تجھ پر میرے ماں باپ فدا،مقام عقیق میں وفات پائی،مدینہ منور ہ میں دفن ہوئے

۵۵ھ پچپن ہجری امیر معاویہ کی سلطنت میں وفات ہوئی،ستر سال سے زیادہ عمر ہوئی،بہت ممالک اسلامیہ کے فاتح آپ ہی ہیں۔
۲۳؎ آپ یمنی ہیں،حجۃ الوداع میں مکہ مظمہ میں وفات پائی۔(اشعہ)
۲۴؎ آپ حضرت عمر کے بہنوئی ہیں،آپ ہی کے ذریعہ حضرت عمر ایمان لائے،مقام عقیق میں وفات پائی ۵۰ھ پچاس میں،عمر شریف ستر سال سے زیادہ ہوئی،عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،آپ کے والد زید ابن عمر نے حضور سے ملاقات کی ہے مگر ظہور نبوت سے پہلے انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کے نام کے ذبیحہ نہ کھائے انہیں موحد جاہلیت کہا جاتا ہے۔
۲۵؎ آپ اوسی ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضرت علی نے آپ کو مدینہ منورہ کا حاکم بنایا پھر فارس کا،کوفہ میں ۸۳ھ میں وفات پائی،حضرت علی نے آپ کی نماز پڑھائی۔
۲۶؎ آپ اوسی ہیں،بیعت عقبہ ثانیہ اور بدر وغیرہ میں حاضر ہوئے۔
۲۷؎ ان کے بھائی کا نام مظہر ابن رافع ہے۔
۲۸؎ آپ کے فضائل بے شمار ہیں پہلے ذکر ہوچکے۔آپ خلافت فاروقی اور شروع خلافت عثمانی میں کوفہ کے افسر مال رہے،پھر مدینہ منورہ میں رہے، ۳۲ھ میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئے،ساٹھ سال سے زیادہ عمر ہوئی۔
۲۹؎ آپ بھی عشرہ مبشرہ سے ہیں،زہرہ ابن کلاب کی اولاد سے ہیں،واقعہ فیل سے دس سال بعد ولادت ہوئی،ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے،اولًا حبشہ کی طرف ہجرت کی،احد میں بیس سے زیادہ زخم کھائے،آپ کے پیچھے حضور نے فجر کی ایک رکعت پڑھی ہے،غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہوئے اس کے کفارہ میں چار ہزار درہم خیرات کیے پھر چالیس ہزار دینار پھر پانچ سو گھوڑے پانچ سو اونٹ غازیوں کو دیئے،حضور کی وفات کے بعد ازواج پاک کی بہت ہی خدمت کی،آپ کی چار بیویاں تھیں انہیں دس ہزار دینار میراث ملی،خلافت عثمان میں وفات ہوئی۔(اشعہ)
۳۰؎ آپ کی کنیت ابوالحارث ہے،قدیم الاسلام ہیں بدر کے دن ولید ابن عتبہ کو آپ نے للکار کر مقابلہ میں بلایا اور دونوں ایک دوسرے کے وار سے فوت ہوئے۔(اشعہ)
۳۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،انصار کے نقیب تھے،دونوں بیعت عقبہ میں شریک ہوئے،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جامعین قرآن میں سے ہیں،بیت المقدس میں وفات پائی بیاسی سال عمر ہوئی۔
۳۲؎ آپ قدیم الاسلام ہیں،آپ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی"تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ"مدینہ منورہ میں رہے،امیر معاویہ کے آخری زمانہ میں وفات ہوئی۔
۳۳؎ آپ کی کنیت ابو مسعود انصاری ہیں،بدری ہیں،مشہور صحابی ہیں،بعض نے فرمایا کہ آپ کا گھر بدر میں تھا غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے لہذا لفظ بدری سے امام بخاری کو دھوکا ہوا واللہ اعلم! ۴۱ھ اکتالیس میں وفات ہوئی۔(مرقات و اشعہ)
۳۴؎ آپ قبیلہ بنی عنزہ سے ہیں،عنزہ آپ کے خاندان کے مؤرث اعلیٰ کا نام ہے،صاحب ہجرتین ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، ۳۲ھ بتیس میں وفات پائی۔

۳۵؎ آپ کی کنیت ابوسلیمان ہے،انصاری ہیں،بدر میں شریک ہوئے،غزوہ رجیع میں آپ ہی کا واقعہ ہے کہ مشرکین نے جب آپ کا سر کاٹنا چاہا تو اللہ تعالٰی نے آپ کی لاش کی حفاظت کرنے کے لیے شہد کی مکھیاں اس پر بھیج دیں جس سے مشرکین آپ کی لاش تک نہ پہنچ سکے پھر لاش مبارک کو سیلاب بہا کر لے گیا،آپ کی قبر کہیں نہیں بنی،بنو لحیان نے آپ کو شہید کیا تھا۔(مرقات،اشعہ)

۳۶؎ آپ انصاری اوسی ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،آپ کی وفات بعض کہتے ہیں کہ حضور انور کی حیات شریف میں ہی ہوگئی تھی،بعض کہتے ہیں کہ آپ کے بعد ۶۶ھ چھیاسٹھ سال عمر پائی۔(اشعہ)

۳۷؎ آپ خزرجی اوسی ہیں،بدر میں حاضر ہوئے باوجودیکہ نابینا تھے،آپ ہی کا یہ واقعہ ہے کہ آپ نے عرض کیا تھا کہ میں اپنی معذوری کی وجہ سے مسجد مقدس میں حاضر نہیں ہوسکتا ہوں حضور میرے گھر تشریف لا کر ایک گوشہ میں دو رکعت ادا فرمالیں تاکہ میں وہاں نماز پڑھا کروں وہ جگہ مسجد خانہ بنالوں حضور انور نے قبول فرمایا تھا،آپ کی وفات امیر معاویہ کے زمانہ میں ہوئی رضی اللہ عنہ۔(اشعہ)

۳۸؎ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ماموں ہیں،دو ہجرتوں والے ہیں،بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،حضرت عمر نے آپ کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا پھرمعزول فرمادیا، ۶۸ھ ارسٹھ سال عمر پائی، ۳۶ھ چھتیس میں وفات ہوئی۔(اشعہ)

۳۹؎ آپ حضرت ابوسعید خدری کے اخیافی بھائی ہیں،بیعت عقبہ اور بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، ۲۳ھ تئیس ہجری میں وفات ہوئی،حضرت عمر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔(مرقات)

۴۰؎ آپ خزرجی انصاری ہیں،بیعت عقبہ اور بدر وغیرہ میں شریک ہوئے،آپ ہی نے معاذ ابن عفراء کے ساتھ مل کر ابو جہل کو قتل کیا،آپ نے ابوجہل کا پاؤں کاٹ کر اسے زمین پر گرایا عکرمہ ابن ابوجہل نے آپ ہی کا ہاتھ کاٹ دیاجو بعد میں حضور نے اپنے لعاب شریف سے جوڑ دیا۔

۴۱؎ آپ معاذ کے بھائی ہیں،عفراء آپ کی ماں کا نام ہے،جب ابوجہل زمین پر گر گیا تو اس کی گردن آپ نے کاٹی پھر وہ سسک رہاتھا کہ اس خبیث کا سر حضرت عبداللہ ابن مسعود نے تن سے جدا کیا۔غرضکہ ابوجہل کے قتل میں تین صحابہ کی جماعت شریک ہوئی اللہ نے اس عظیم الشان کارخیر میں ایک جماعت کو حصہ دیا،ان کے ایک بھائی عوف ہیں جو بدرمیں شہید ہوئے۔ (مرقات)

۴۲؎ یہ بھی حضرت معاذ و معوذ کے بھائی ہیں ان تینوں کی ماں عفراء بنت عبید ابن ثعلبہ ہیں،بدرواحد اور تمام غزوات میں شامل ہوئے، ۶۰ھ ساٹھ میں وفات پائی،۷۷ ستتر سال عمر ہوئی آخر میں نابینا ہوگئے تھے،سب سے آخری بدری آپ ہی فوت ہوئے،آپ کی وفات سے زمین اہل بدر صحابہ سے خالی ہوگئی۔(اشعہ،مرقات)مالک نام ہے اور ابو اسید کنیت ہے۔

۴۳؎ آپ کا نام عوف ہے،مسطح آپ کا لقب ہے،بدراحد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی تہمت میں آپ بھی شریک ہوگئے تھے،آپ کو تہمت کی سزا اسی کوڑے لگائے گئے،جب آپ کا وظیفہ حضرت ابوبکر صدیق نے بند فرمادیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا

اُولِی الْقُرْبٰی "تب آپ نے وظیفہ جاری کردیا اسی آیت میں حضرت صدیق کو اولو الفضل یعنی بعد رسول ساری مخلوق سے افضل فرمایا گیا۔ہم نے عرض کیا ہے۔

تیرے مداح نبی تیرا ثنا گو اللہ　　　حق اولو الفضل کہے ا ور پیمبر صدیق

مسطح کی وفات ۳۴ھ میں ہوئی ۵۶ سال عمر پائی۔(مرقات وغیرہ)

۴۴؎ آپ انصاری عامری ہیں تیسرے وہ ہیں جو غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے جن کا بائیکاٹ کیا گیا تھا پھر ان کی توبہ رب نے قبول فرمائی "وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ "وہ تین حضرات حضرت کعب ابن مالک،ہلال ابن امیہ،مرارہ ابن ربیع ہیں اسی آیت کی وجہ سے سورۃ کا نام سورۂ توبہ ہے۔

۴۵؎ آپ بدری صحابی ہیں،تمام غزوات میں شریک ہوئے،خلافت صدیقی میں غزوہ یمامہ میں شریک ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حضرت زید ابن خطاب کا بھائی بنایا یہ دونوں ایک ہی دن میں شہید ہوئے۔

۴۶؎ مقداد کے والد عمرو نے قبیلہ بنی کندہ سے معاہدہ کیا تھا ان کے حلیف تھے اس لیے انہیں کندی کہا جاتا ہے۔حضرت مقداد نے مقام جرف میں وفات پائی یعنی مدینہ منورہ سے تین میل دور وہاں سے آپ کی میت جنت البقیع میں لائی گئی جہاں آپ دفن ہوئے، ۳۳ھ تینتیس میں وفات ہوئی ستر سال عمر پائی۔

۴۷؎ آپ ہی تیسرے وہ صاحب ہیں جو غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہوسکے انہوں نے ہی اپنی بیوی کو شریک ابن صحماء سے تہمت لگائی تھی اور لعان کیا تھا۔یہ کل پینتالیس نام ہوئے،ان ناموں کی توسل سے جو دعا مانگی جاوے ان شاءاللہ قبول ہوگی،بعض عارفین اصحابِ بدر کے نام کے وظیفے پڑھتے ہیں۔

باب ذکر الیمن و الشام و ذکر اویس القرنی

یمن اور شام کا ذکر ۱ اور اویس قرنی کا تذکرہ ۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یمن یا تو بنا ہے یمین سے بمعنی داہنی جانب بائیں کی مقابل،چونکہ یہ مکہ معظّمہ سے داہنی طرف ہے اس لیے اس علاقہ کو یمن کہا جاتا ہے،یا بنا ہے یمن بمعنی برکت سے،چونکہ یہ متبرک علاقہ ہے لہذا یمن کہا جاتا ہے۔یہ علاقہ عرب کا پانچواں صوبہ ہے آج کل اس کا دارالخلافہ عدن ہے۔شام اس علاقہ کا نام ہے جو فلسطین سے متصل ہے اس کا دارالخلافہ آج کل دمشق ہے۔یا تو شام مقابل ہے یمن کا بمعنی بائیں جانب،چونکہ یہ مکہ معظّمہ سے بائیں طرف ہے لہذا شام کہلاتا ہے،یا سام ابن نوح علیہ السلام کی طرف نسبت ہے استعمال میں بجائے سام کے شام ہوگیا،اس زمین میں کچھ سفید سرخ کالے نشانات ہیں جیسے جسم پر تل،عربی میں تل کو شامہ کہتے ہیں ان وجوہ سے اسے شام کہتے ہیں۔یہاں یمن اور شام کے ذکر سے مراد مطلقًا ان کا ذکر ہے خواہ س سرزمین کا ذکر ہو یا وہاں کے باشندوں کا۔

۲؎ بعض لوگ قرن سے مراد وہ جگہ سمجھے ہیں جو نجد والوں کا میقات یعنی جاء احرام ہے جسے قرنی منازل کہتے ہیں مگر یہ غلط ہے وہ قرن تو طائف کے پاس ہے۔حضرت اویس جہاں رہتے تھے وہ قرن یمن کی ایک بستی ہے جو قرابن رومان ابن ناجیہ ابن مراد نے بسائی یہ قرن حضرت اویس کے مورث اعلیٰ تھے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس یمن سے ایک صاحب آئیں گے جنہیں اویس کہا جاتا ہے ۱؎ انہیں یمن میں صرف ان کی ماں ہی روکے ہوئے ہے ان کو برص کی سفیدی تھی تو انہوں نے اللہ سے دعا کی اللہ نے وہ دور کردی سوا دینار یا درہم کی جگہ کے تو تم میں سے جو ان سے ملے تو وہ اس کے لیے دعا مغفرت کریں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تابعین میں بہترین وہ صاحب ہیں جنہیں اویس کہا جاتا ہے ۳؎ ان کی ایک ماں ہیں انہیں برص کی سفیدی تھی ان سے	

	عرض کرنا کہ وہ تمہارے لیے دعاء مغفرت کریں۴؎ (مسلم)

۱؎ آپ اویس ابن عامر ہیں،پہلے مراد میں پھر قرن میں رہے اس لیے آپ کو مرادی قرنی کہا جاتا ہے۔آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر آپ کی والدہ کے پاس کوئی خدمت گار نہ تھا اس لیے ماں کو چھوڑ کر حاضر خدمت نہ ہوئے،آپ کے بائیں پہلو پر برص کا سفید داغ تھا جو آپ کی بارہا دعا سے تھوڑا سا رہ گیا تھا۔آپ خلافت فاروقی میں حج کو آئے پھر حضرت عمر نے پوچھا کہ آپ کہاں رہنا پسند کرتے ہیں عرض کیا کہ کوفہ میں چنانچہ آپ عرصہ تک کوفہ میں رہے،جنگ نہاوند یا جنگ صفین میں شہید ہوئے،اکمال نے صفین فرمایا ہے مگر اشعۃ اللمعات نے نہاوند کو ترجیح دی ہے۔

۲؎ چونکہ حضرت اویس قرنی حضرت عمر کے زمانہ ہی میں حج کو آنے والے تھے اس لیے اس علیم و خبیر صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت عمر ہی سے یہ فرمایا مگر فرمایا یہ کہ تم صحابہ میں سے جو بھی اویس کو پائے وہ اپنے لیے ان سے دعا کرائے۔اس سے معلوم ہوا کہ افضل بھی مفضول صالح سے دعا کرائے۔حضرات صحابہ جناب اویس سے کہیں افضل ہیں مگر ان حضرات کو جناب اویس سے دعا کرانے کا حکم دیا گیا۔ایک بار حضور انور نے حضرت عمر سے جب کہ وہ عمرہ کرنے مکہ معظمہ جارہے تھے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی دعا میں نہ بھولنا۔

۳؎ امام احمد نے فرمایا کہ افضل تابعین جناب سعید ابن مسیب ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت اویس قرنی ہیں ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے،بعض فرماتے ہیں کہ حضرت سعید ابن مسیب علوم شرعیہ میں افضل ہیں اور حضرت اویس عشق رسول کے لحاظ سے افضل لہذا یہاں حدیث میں دوسری افضیلت مراد ہے۔(مرقات)

۴؎ حضرت اویس قرنی کے فضائل کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں۔چنانچہ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں ان کے فضائل کی بہت احادیث جمع فرمائی ہیں۔ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں،ابو نعیم نے حلیہ میں،بیہقی نے دلائل میں،ابو یعلی نے اور ابن مندہ نے بہت احادیث اس قسم کی نقل فرمائی ہیں ہم صرف چند حدیثیں نقل کرتے ہیں:(۱)ابن عساکر نے بروایت سعید ابن مسیّب حضرت عمر فاروق سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضور انور نے مجھ سے فرمایا میری امت میں ایک شخص اویس قرنی ہے ان کے جسم پر برص کا داغ تھا ان کی دعا سے وہ درست ہوا تھوڑا سا باقی رہا اگر ان سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام پہنچانا اور ان سے اپنے لیے دعا کرانا وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں،اگر وہ رب پر قسم کھالیں تو رب ان کی قسم پوری فرمادے،وہ میری امت کی شفاعت کریں گے ان کی شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مضر کی عمر برابر لوگ بخشے جائیں گے۔حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی حیات میں پھر حضرت صدیق کی خلافت میں تلاش کیا مگر نہ پایا میں نے انہیں اپنی خلافت کے زمانہ میں پایا یہ حدیث بہت دراز ہے۔(اشعہ) (۲)ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی حضرت عمر بہت روز تک حضرت اویس کی آمد کے منتظر رہے،حجاج میں تلاش کرتے تھے ایک بار آپ کو پتہ لگا کہ مراد سے حجاج کا قافلہ آیا ہے آپ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قافلہ میں پہنچے پوچھا کیا تم میں اویس نامی کوئی شخص ہے ایک شخص نے کہا کہ میرا ایک بھتیجا ہے بہت کمزور و غریب انہوں نے فرمایا ہم اس کی تلاش میں ہیں،کہا وہ عرفات کے قریب قافلہ کے اونٹ چرا رہے

ہیں،یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے ان سے ملاقات ہوئی فرمایا کیا تم اویس ہو؟ کہا ہاں،کیا تم قرنی مرادی ہو فرمایا ہاں،کیا تمہارے پہلو پر برص کے داغ کا کچھ بقیہ ہے فرمایا ہاں،کہا ہم کو دکھایئے انہوں نے کرتا اٹھا کر داغ دکھایا،حضرت عمر و علی دونوں نے دوڑ کر اس داغ کے بوسے لیے پھر فرمایا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام فرمایا ہے اور ہم کو دعا کرانے کا حکم دیا ہے آپ ہم دونوں کے لیے دعا کریں،اولًا اویس نے معذرت کی مگر پھر دعا کی۔(اشعہ)ہم نے بعض بزرگوں کو فرماتے سنا کہ بعض صحابہ نے حضرت اویس سے کہا کہ تم نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کی بولے کیا تم نے زیارت کی ہے فرمایا ہاں کہا بتاؤ محبوب کے سر داڑھی اور ریش بچی میں کتنے کتنے بال سفید تھے،صحابہ نے کہا ہم نے شمار نہیں کیے،فرمایامجھ سے پوچھ لو میں نے گن لیے ہیں سر شریف میں چودہ بال سفید تھے داڑھی مبارک میں پانچ ریش بچی میں ایک۔واللہ اعلم! ہم نے عرض کیا ہے۔

گو میسر نہیں سالک کو حضور بدنی　　روح حاضر ہے مگر مثل اویس قرنی

جسم ہندی ہے مرا جان ہے میری مدنی　　یا خدا دور کسی طرح ہو بعد بدنی

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا تمہارے پاس یمن والے آئے[1] یہ لوگ طبیعت کے ملائم اور دلوں کے نرم ہیں[2] پیارا ایمان یمنی ہے اور حکمت یمنی ہے[3] اور فخر و تکبر اونٹ والوں میں ہے[4] اور سکون و وقار بکری والوں میں ہے[5] (مسلم،بخاری)	

[1] یہ فرمان عالی جب ہوا جب کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء یمن سے حضور انور کی خدمت میں وفد بن کر آئے تھے۔(اشعہ)

[2] فواد اور قلب ان میں بہت طرح فرق کیا گیا ہے۔قلب پورے دل کو کہتے ہیں فواد دل کے اندرونی حصہ کو،قلب دل کو کہتے ہیں فواد دل سے اوپری غلاف کو،یہ غلاف اگر باریک ہو تو نصیحت جلد قبول کرلیتا ہے اس لیے افئدہ کے لیے ارق ارشاد ہوابمعنی باریک اور قلب کے لیے الین فرمایا گیا یعنی نرم۔قلب اور فوادیوں ہی رقت و لین ان کے متعلق صوفیاء کرام کے عجیب عجیب اقوال ہیں اس کی کچھ بحث ہم نے تفسیرنعیمی ختم اللہ علی قلوبھم کی تفسیر میں کی ہے۔یعنی یمن والے نرم ملائم طبیعت والے ہوتے ہیں ان میں احکام الٰہیہ قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ زمین کے طبقات کا اثر لوگوں کی طبیعتوں پر پڑتا ہے کسی جگہ کے لوگ بہت نرم دل ہوتے ہیں جیسے یمنی اور کسی جگہ کے لوگ بہت سخت دل جیسے نجد۔

[3] یعنی بمقابلہ مشرقی نجدیوں کے مجھے یمن کے لوگوں کا ایمان ان کا علم بہت پیارا ہے یہاں حجاز اور حضرات صحابہ کے مقابل یہ فرمان نہیں ہے۔(از اشعہ)یعنی یمنی لوگوں کے دل ایمان،عرفان،حکمت کی کان ہیں ان کے مقابل لوگوں

کا ذکر آگے آرہا ہے۔الحمدللہ کہ اہل سنت کے عقائد کے امام ابوموسیٰ اشعری ہیں جو یمنی ہیں انہیں کے متبعین اشاعرہ کہلاتے ہیں۔(دیکھو اشعہ) مرقات نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی اس زمانہ کے یمنی لوگوں کے متعلق ہے۔

۴؎ یعنی جو لوگ اونٹ گھوڑے پالنےچرانے ان کی تجارت میں بہت مشغول رہتے ہیں ان میں عموماً غرور وتکبر پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ قیمتی مال ہے ان کا مالک اپنے کو بڑا امیر خیال کرتا ہے دوسرے کو ذلیل۔

۵؎ یعنی جو لوگ بکریاں پالتے ان کی تجارت کرتے ہیں وہ عموماً بمقابلہ اونٹ والوں گھوڑے والوں کے دل کے نرم ہوتے ہیں ان میں تکبروغرور نہیں ہوتا۔اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کی صحبت بھی انسان پر اثر کرتی ہے،جب جانوروں کی صحبت اثر کرتی ہے تو کفار اور مؤمنوں کی صحبت میں بھی ضرور اثر ہوگا۔(مرقات،اشعہ)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کفر کا سرا مشرق کی طرف ہے۱؎ اور فخر و غرور سے رہنے والے اونٹ گھوڑے والوں میں۲؎ اور خیمے میں رہنے والے شور مچانے والوں میں۳؎ اوراطمینان بکری والوں میں ہے۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ مشرق سے مراد یا تو ملک فارس ہے یا مدینہ منورہ کا شرقی علاقہ جہاں سے دجال نکلے گا یا اس سے مراد نجد کا علاقہ ہے کہ وہاں سے فرقہ وہابیہ پیدا ہوا۔(مرقات،اشعہ)نجدیوں سے اسلام کو بڑے نقصانات پہنچے ان کے حملے اہل اسلام پر ہوئے۔

۲؎ گھوڑے والوں اونٹ والوں کے معنی ابھی عرض کیے گئے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اکثر انسان جب گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں تو دل میں کچھ فخر آجاتا ہے۔(مرقات)غالبًا یہاں نفسانی لوگ مراد ہوں گے ورنہ گھوڑے اور اونٹ کی سواری سنت ہے،رب فرماتاہے:"وَ اَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ"۔

۳؎ وبر کہتے ہیں بھیڑ کی اون کو یہاں مراد اونی خیمے ہیں۔بدوی لوگ اکثر جنگلوں میں اونی خیموں میں رہتے ہیں اہل وبر سے وہ ہی مراد ہیں۔فداد بمعنی شور مچانے والا یعنی بدوی اور بادیہ نشین لوگوں میں فخروتکبر زیادہ ہوتا ہے جو خیموں میں جنگل میں رہتے ہیں جانور چراتے ہیں ان کے پیچھے شور مچاتے ہیں ان تک علم کی روشنی بہت کم پہنچتی ہے،اب بھی عرب کے بادیہ نشین بدویوں میں یہ دیکھا جارہا ہے۔

۴؎ اس لیے اکثر انبیاءکرام نے بکریاں چرائی ہیں اس سے ملک رانی سیکھنے میں مدد بھی ملتی ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دلوں کی سختی اور ظلم مشرق میں ہے۱؎ اور ایمان حجاز والوں میں ہے۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی عرب کا جو علاقہ مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہے نجد وہاں کے لوگوں کے دل سخت ہیں وہ لوگ ظالم ہیں۔

۲؎ حجاز وہ علاقہ ہے جس میں مکہ معظّمہ،مدینہ منورہ،طائف،خیبر وغیرہ واقع ہیں،اس علاقہ کے خصوصًا مدینہ منورہ کے لوگ بہت کامل الایمان ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی ہم کو ہمارے شام میں برکت دے۱؎ الٰہی ہمارے یمن میں برکت دے۲؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے نجد میں۳؎ فرمایا الٰہی ہم کو ہمارے شام میں برکت دے الٰہی ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے۴؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اور ہمارے نجد میں مجھے خیال ہے کہ تیسری بار میں فرمایا۵؎ کہ وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے۶؎ اور وہاں شیطانی گروہ نکلے گا۷؎(بخاری)	

۱؎ یعنی خدایا ہمارے شام کے مسلمانوں کے دین و دنیا میں برکتیں عطا۔فرما شام کو یمن پر اس لیے مقدم فرمایا کہ شام ہی میں قیامت قائم ہوگی،وہ ہی فلسطین سے متصل ہے اور فلسطین میں بیت المقدس عمان وغیرہ واقع ہیں،چھل ابدال وہاں ہی رہتے ہیں،بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ بھی شام ہی کا ایک شہر ہے بہرحال شام بہت افضل علاقہ ہے۔

۲؎ یمن حضرت اویس قرنی کا وطن ہے وہاں کا ایمان وہاں کی حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔بعض لوگوں نے فرمایا کہ مکہ معظّمہ یمن کا ایک شہر ہے یمن ولیوں کا علاقہ ہے،اہل مدینہ کے لیے اکثر غلے دانہ یمن سے آیا کرتے ہیں۔(مرقات)

۳؎ اس عرض میں درخواست دعا ہے یعنی یاحبیب اللہ ہمارے نجد کے لیے بھی برکت کی دعا کریں۔

۴؎ مکہ معظّمہ حضور کی ولادت گاہ ہے مدینہ منورہ حضور کی دفن گاہ ہے،یہ دونوں شہر یمن اور شام سے خاص تعلق رکھتے ہیں اس لیے خاص طور پر ان دونوں علاقوں کے لیے خصوصیت سے دعائیں فرمائی جاری ہیں۔(مرقات)

۵؎ یعنی مجھے اس میں شک ہے کہ حضور انور نے دوسری بار میں یہ اگلا کلام ارشاد فرمایا یا تیسری بار میں اس فرمان عالی میں ترددوشک نہیں ہے بلکہ اس میں تردد ہے کہ کس وقت فرمایا۔

۶؎ نجد عرب کا پانچواں مشہور صوبہ ہے یہ ایسا منحوس خطہ ہے کہ حضور رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی دعا سے محروم رہا دعا بھی ایسے جوش کے وقت کی یعنی نجد کا خطہ میری دعا کے لائق نہیں اس خطہ کے مقدر میں فتنے زلزلے ہیں۔چنانچہ پہلے خوارج اور مرتدین نجدسے نکلے پھر عراق سے پھر فارس پھر خراسان سے پھر تاتار سے۔(حاشیہ اشعۃ اللمعات)زلزلے سے مراد ظاہر زلزلے بھی ہیں اور دلوں کے زلزلے انقلابات بھی۔(مرقات)

۷؎ قرن کے بہت معنی ہیں: ساتھی،سینگ،گروہ یہاں بمعنی گروہ ہے۔حضور فرماتے ہیں **خیر القرون قرنی** یعنی نجد سے شیطانی گروہ نکلے گا،چنانچہ وہاں سے عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین یعنی وہابی فرقہ نکلا جس کے فتنے آج

بھی دنیا کو ہلائے ڈالتے ہیں۔بعض وہابی کہتے ہیں کہ یہاں نجد سے مراد کوئی اونچی جگہ ہے یہ مشہور علاقہ مراد نہیں۔یہ تاویل ایسی ہے جیسے مرزا قادیانی کہتا ہے کہ "یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ"میں احمد سے مراد میں غلام احمد ہوں یا مسیح سے مراد میں مسیح قادیاں ہوں جیسے وہ تحریف ہے ایسے ہی یہ تحریف ہے۔جب یمن و شام سے خاص علاقے مراد ہیں یعنی مشہور شام یمن ہیں ایسے ہی نجد سے مراد بھی وہ ہی مشہور علاقہ ایسے معانی کرنے سے قرآن و حدیث سے ایمان اٹھ جاوے گا"اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ"سے دعا مراد لے لو"اٰتُوا الزَّكٰوةَ"میں زکوۃ سے مراد صفائی پاکی لے لو سارے شرعی احکام ختم ہوجائیں گے۔نعوذباللّٰہ یا قرن بمعنی شیطان کا سینگ ہے یطلع سے یہی معلوم ہوتا ہے۔نجدیوں کو شیطان کا سینگ فرمانے کی تین وجہیں ہیں:(۱)سینگ والے جانور کے سارے جسم سے سخت تر سینگ ہی ہوتے ہیں یہ ٹولہ بھی انبیاء اولیاء کی عداوت میں شیطان سے سخت ہے کیونکہ شیطان نے کہا تھا کہ میں سب کو بہکاؤں گا سوائے تیرے محبوبوں کے"اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ"مگر یہ فرقہ ہمیشہ نبیوں ولیوں کے پیچھے ہی پڑا رہتا ہے۔(۲)ہمیشہ سینگ والا جانور سینگوں ہی سے لڑتا ہے کہ سامنے والے کے مقابل سینگ کرتا ہے خود پیچھے سے سینگوں پر زور لگاتا ہے"تَؤُزُّهُمْ اَزًّا"۔(۳)سینگ والا جانور جب کسی گھر میں گھستا ہے تو پہلے سینگ داخل کرتا ہے باقی اعضاء بعد میں شیطان دوزخ میں پہلے ان کو داخل کرے گا پیچھے خود جائے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے وہ جناب زید ابن ثابت سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف نظر کی پھر فرمایا الٰہی ان کے دل ادھر لگادے۱ اور ہم کو ہمارے صاع میں اور ہمارے مد میں برکت دے۲ (ترمذی)

۱ یعنی اہلِ یمن کے دلوں میں ہماری محبت پیدا فرمادے انہیں ایمان کی دولت سے مالا مال کردے۔اہلِ مدینہ پر رزق کی تنگی تھی یمن میں دانے پھل کثرت سے تھے ان کے ادھر آنے سے اہلِ مدینہ کو دنیاوی فائدے تھے اور انہیں دینی فائدے اس لیے یہ دعا فرمائی۔(مرقات،اشعہ)

۲ یعنی یمن میں ہمارے لیے مدوصاع میں برکت دے۔خیال رہے کہ چار مد کا ایک صاع ہوتا تھا اور وہ صاع قریبًا ساڑھے چار سیر کا لہذا ایک سیر سے کچھ زیادہ کا ہوا بہرحال اس سے مراد ہے وہاں کے رزق میں برکت۔ایک روایت میں ہے کہ الٰہی مکہ کے لیے تیرے خلیل نے دعا کی مدینہ کے لیے تیرے حبیب دعا کرتے ہیں کہ یہاں کے

صاع مد میں مکہ سے دگنی برکتیں عطا فرما(مرقات)ممکن ہے کہ بارك لنا میں بھی اہلِ مدینہ کے ناپ تول میں برکت مراد ہو۔

روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کو خوشخبری ہو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کس لیے فرمایا اس لیے کہ اللہ کے فرشتے اس پر اپنے پر بچھائے ہوئے ہیں۱(احمد،ترمذی)	

۱چونکہ چالیس ابدال ہمیشہ شام کے شہر دمشق میں رہیں گے اس لیے وہاں فرشتے حفاظت کے لیے مقرر ہیں۔معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی برکت سے ملک میں حفظ و امان رہتی ہے۔خیال رہے کہ اس سے یہ لازم نہیں کہ شام میں کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی ہاں دوسرے مقامات سے کم یا وہاں کفر و گناہ کم ہوں گے جیسے ہر انسان کے ساتھ حفاظتی فرشتے رہتے ہیں مگر پھر بھی انسان کو تکلیف پہنچ جاتی ہے کہ یہ تکلیف رب تعالٰی کے حکم سے آتی ہے اس وقت فرشتے حفاظت نہیں کرتے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضر موت کی طرف سے ایک آگ نکلے گی۱جو لوگوں کو جمع کردے گی ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو حضور کیا حکم دیتے ہیں فرمایا تم شام کو اختیار کرنا۲(ترمذی)	

۱حضر موت یمن کا ایک مشہور شہر ہے وہاں کے ایک قبیلہ کا نام بھی حضر موت ہے یہاں شہر حضر موت مراد ہے غالبًا یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔ظاہر یہ ہی ہے کہ آگ سے مراد یہ ہی محسوس آگ ہے اور اس آگ کا نکلنا قیامت کی علامتوں میں سے ایک بڑی علامت ہے اور ہوسکتا ہے کہ آگ سے مراد فتنہ و فساد کی آگ ہو اور اس سے کوئی خاص فتنہ مراد ہو جو لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے یہ بھی قریب قیامت ہی ہوگا۔(مرقات،اشعہ)

۲اگر پہلی خبر میں آگ سے مراد مخصوص آگ ہے تب مطلب یہ ہوگا کہ تم اس وقت ملک شام چلے جانا کیونکہ وہ آگ سب لوگوں کو شام میں لے جاوے گی جہاں قیامت قائم ہوگی تم اس افراتفری سے وہاں نہ پہنچنا پہلے ہی آرام سے پہنچ جانا اور اگر آگ سے مراد فتنہ و فساد کی آگ تھی تو اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ایسے موقعہ پر ملک شام کے علماء کے عقائدان کے سے اعمال اختیارکرنا کہ اس وقت وہ لوگ حق اور ایمان کی کسوٹی ہوں گے یا اس فتنہ و فساد میں تم شام میں رہنا کہ اس وقت شام کی حفاظت فرشتے کرتے ہوں گے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی۱تو	

	لوگوں میں بہتر وہ ہے جو حضرت ابراہیم کی ہجرت گاہ میں جاوے۲؎اور ایک روایت میں ہے کہ زمین والوں میں بہترین وہ ہے جو جناب ابراہیم کی ہجرت گاہ کو لازم پکڑے۳؎اور زمین میں بدترین باشندے رہ جائیں گے کہ ان کی زمین انہیں پھینکے گی ان سے اللہ کی ذات ناراض ہوگی۴؎انہیں آگ جمع کرے گی بندروں اور سؤروں کے ساتھ۵؎ان کے ساتھ رات گزارے گی جہاں وہ رات گزاریں اور قیلولہ کرے گی جب وہ قیلولہ کریں۶؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس فرمان عالی میں ہجرت بعد ہجرت سے مراد یا تو بار بار ہجرتیں ہیں یعنی اسلام میں آگے پیچھے ہجرتیں ہوتی ہی رہیں گی دیکھ لو آج بھی ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت کئی بار ہوئی یا پہلی ہجرت سے مراد ہے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت جو شروع اسلام میں ہوچکی اور دوسری ہجرت سے مراد وہ آخری ہجرت جب مسلمانوں کو دنیا میں کہیں پناہ نہ ملے گی اور وہ ہر جگہ سے نکلنے اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہوں گے دوسرا احتمال قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ابراہیم علیہ السلام کوفہ کے علاقہ میں پیدا ہوئے مقام کوثی میں مگر وہاں رہ نہ سکے کفار نے بہت تنگ کیا تو مصر ہوتے ہوئے شام میں مقیم ہوئے۔خیال رہے کہ فلسطین اور شام دونوں علاقے ملے ہوئے ہیں۔چنانچہ اب بیت المقدس سے دمشق موٹر کار کے ذریعہ صرف ڈہائی گھنٹہ کا راستہ ہے ہوائی جہاز سے چند منٹ کا اس لیے فلسطین اور شام کو ایک دوسرے پر بول دیا جاتا ہے۔ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں آکر مقیم ہوئے تھے وہاں ہی آپ کی قبر شریف ہے یعنی الخلیل میں جو بیت المقدس سے تین میل فاصلہ پر ہے۔

۳؎کیونکہ شام کا علاقہ اس وقت فتنوں فسادوں سے محفوظ ہوگا۔خیال رہے کہ یہاں مہاجر جیم کے فتح سے ہے بمعنی ہجرت گاہ۔ایک وقت وہ بھی آئے گا جب مسلمانوں کو سواء مدینہ منورہ کے کہیں امان نہ ملے گی وہ دوسرا زمانہ ہوگا لہذا یہ حدیث اس فرمان عالی کے خلاف نہیں کہ اسلام مدینہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔

۴؎ قذر کے لفظی معنی پلیدی بھی ہوتے ہیں اور نفرت اور گھن کرنا بھی یہاں دونوں معنی مراد نہیں ہوسکتے کہ اللہ تعالٰی ان سے پاک ہے لہذا قذر بمعنی ناراضی ہے یعنی دنیا بھر میں وہ کفار و مشرکین رہیں گے جن سے لوگ بھی نفرت کریں اور اللہ تعالٰی بھی ناراض ہو مسلمانوں کو ان میں رہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

۵؎ بندروں سے مراد کفار کے بچے ہیں اور سؤروں سے مراد بڑے کفار یا ان سے مراد یہ جانور ہی ہوں پہلے معنی کو شارحین نے ترجیح دی ہے۔

۶؎اس کی شرح باب علامات قیامت میں گزرچکی۔

روایت ہے ابن حوالہ سے[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معاملہ اس حد تک ہوجاوے گا کہ تم لوگ متفرق لشکر ہوجاؤ گے کوئی لشکر شام میں اور کوئی لشکر یمن میں اور کوئی لشکر عراق میں ہوگا[2] ابن حوالہ نے کہا یارسول اللہ میرے لیے کوئی جگہ اختیار فرمایئے اگر میں یہ وقت پاؤں[3] تو فرمایا کہ تم شام کو اختیار کرنا کیونکہ وہ اللہ کی زمین میں بہترین زمین ہے[4] کھچ آئیں گے اس کی طرف[5] اس کے بہترین بندے لیکن اگر تم نہ کرسکو تو اپنے یمن کو اختیار کرنا اور تالابوں سے پانی پینا[6] کیونکہ اللہ عزوجل نے میرے لیے شام اور شام والوں کی ضمان دی ہے[7] (احمد،ابوداؤد)	

[1] ابن حوالہ صحابی ہیں،اسدی ہیں،شام میں رہے،وہاں ہی انتقال ہوا، ۸۵ھ پچاسی میں وفات ہوئی۔(جامع الاصول،اشعہ)

[2] یعنی ایک وقت ایسا آوے گا جب کہ مسلمان متفرق ہوکر اپنے وطن چھوڑ کر جگہ جگہ کھو جائیں گے۔

[3] اگرچہ حضرت حوالہ کو یہ خبر تھی کہ یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا اس وقت میں حیات نہ ہوں گا مگر پھر یہ سوال فرمایا تاکہ اس کا جواب لوگ سن لیں اور اس وقت جو مسلمان ہوں وہ اس پر عمل کریں۔

[4] ارض اللہ سے مراد زمین کے وہ علاقے ہیں جن میں اس وقت لوگ پھیل جائیں گے یعنی اس وقت تمام زمین سے شام بہتر ہوگی لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ بہترین زمین تو مکہ معظّمہ ہے اور مدینہ منورہ اور بیت المقدس ہے یا خیر سے مراد ہے امن کی جگہ یعنی اس وقت امن کی جگہ شام ہوگی۔

[5] یعنی اس وقت اللہ کے مقبول بندے شام میں جمع ہوجائیں گے دوسرے علاقوں میں ایسے مبارک اجتماع نہ ہوں گے۔معلوم ہوا کہ جہاں اللہ کے مقبول بندوں کا اجتماع ہو وہ جگہ بہترین جگہ ہوجاتی ہے،مقبولوں کے قرب سے زمین بھی اشرف ہوجاتی ہے۔

[6] غدار جمع ہے غدیر کی بمعنی تالاب یعنی یمن کے تالابوں سے خود بھی پانی پینا اور اپنے جانوروں کو بھی پانی پلانا کہ وہاں کا پانی بھی برکت والا ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کوئی کسی کو وہاں کے تالابوں کے پانی سے نہ روکے اس پر سب کا حق ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے مقبول بندوں کے قریب کا پانی بھی برکت والا ہو جاتا ہے۔حضرت خضر علیہ السلام کے قریب والا پانی آبِ حیات ہے جہاں بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہوگئی،رب فرماتاہے:"فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا"۔

ے یعنی رب تعالٰی نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں ہم شام والوں کو محفوظ رکھیں گے۔اللہ تعالٰی ان کی جان کو بھی ان کے ایمان کو بھی اس علاقہ کو اس وقت کفار کے شر سے بچائے گا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت شریح ابن عبید ۱ سے فرماتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس شام والوں کا ذکر ہوا اور عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین ان پر لعنت کیجئے ۲ فرمایا نہیں ۳ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوں گے ۴ وہ حضرات چالیس مرد ہیں جب ان میں ایک وفات پاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے شخص کو بدل دیتا ہے ۵ ان کی برکت سے بارشیں برستی ہیں،ان کے ذریعہ دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے ۶ ان کی برکت سے شام والوں سے عذاب دفع ہوتا ہے ۷

۱ آپ تابعی ہیں،حمص کے بڑے پایہ کے عالم ہیں،حضرمی ہیں۔

۲ عراق میں کوفہ حضرت علی کا دارالخلافہ تھا اور شام میں دمشق حضرت امیر معاویہ کا دارالخلافہ تھا،اس زمانہ میں ان بزرگوں میں سخت اختلاف تھا،حضرت علی کے حاشیہ نشینوں میں سے بعض نے حضرت علی سے عرض کیا کہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت فرمائیں اس زمانہ میں جنگ کے زمانہ میں دونوں فریق ایک دوسرے پر لعنت کرتے تھے اس رواج کے مطابق یہ عرض کیا گیا۔

۳ یعنی شام اور شام والوں پر لعنت کرنا جائز نہیں یا ان پر میں لعنت نہیں کروں گا نہ تو کسی کا نام لے کر نہ اجمالی لعنت کسی وصف کے ساتھ۔خیال رہے کہ نام لے کر لعنت کرنا صرف کفار کے لیے ہے اور مرے کافر پر بھی نام لے کر لعنت جب درست جب کہ اس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم ہو مگر کسی صفت سے لعنت کرنا گنہگار مسلمان پر بھی جائز ہے جیسے جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔آپ نے شام اور اہلِ شام کی اس قدر عظمت کی کہ وصف کے ساتھ بھی ان پر لعنت جائز نہ رکھی۔

۴ یعنی امیر معاویہ اور ان کے لشکر والے لعنت کے مستحق نہیں اگر وہ لعنت کے مستحق ہوتے تو انہیں رب تعالٰی شام جیسی مبارک زمین میں نہ رکھتا اور وہ شام والے نہ ہوتے۔

۵؎ اولیاء اللہ دو قسم کے ہیں: تشریعی ولی اور تکوینی ولی۔تشریعی ولی یعنی اللہ سے قرب رکھنے والے اولیاء حضور کی امت میں بے شمار ہیں جہاں چالیس صالح مسلمان جمع ہوں وہاں ایک دو ولی ضرور ہوتے ہیں مگر تکوینی ولی جو دنیا کے انتظام کرتے ہیں یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں ان کی قسمیں بہت ہیں ہر قسم کی تعداد جداگانہ ہے۔چنانچہ ہمیشہ امت رسول میں تین سو ولی حضرت آدم کے قلب پر،چالیس ولی موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر،سات ولی حضرت ابراہیم کے قلب پر،پانچ ولی حضرت جبریل کے قلب پر اور تین ولی حضرت میکائیل کے قلب پر،ایک ولی حضرت اسرافیل کے قلب پر۔جب یہ ایک فوت ہوجاتا ہے تو ان تین میں سے ایک اس کی جگہ لگادیا جاتا ہے اور پانچ میں سے ایک ان تین اور سات میں سے ایک ان پانچ میں اور چالیس میں سے ایک ان سات میں اور تین سو میں سے ایک ان چالیس اور کسی صالح مسلمان کو ان تین سو میں شامل کرکے یہ تعداد پوری کردی جاتی ہے غرضکہ یہ مذکور تعداد پوری رہتی ہے۔چالیس ابدال کا یہاں ذکر ہے ایک قطب اور سات اوتاد،پانچ امنا وغیرہ وہ یہ ہی ہیں۔خیال رہے کہ ان اولیاء میں کوئی قلب محمد رسول اللہ پر نہیں ہوتا کیونکہ قلب مصطفیٰ ایسا بے مثال ہے کہ عالم امر عالم امکان عالم اجسام کسی جگہ اس کی مثل ہوسکتا ہی نہیں کسی ولی کا قلب حضور جیسا نہیں ہوسکتا۔حضور کے زمانہ پاک میں قطب حضرت اویس قرنی کے چچا عصام فخری کو کہا جاتا ہے۔واللہ اعلم!(مرقات)

۶؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو شخص یا جو اسلامی فوج چہل ابدال کو اپنی پشت کی طرف لے کر کفار سے مناظرہ یا ان پر حملہ کرے ان شاءاللہ کامیاب ہوگا ان کی سمتیں تاریخ وار ہماری کتاب الوظائف میں مطالعہ کرو۔

۷؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کا وسیلہ برحق ہے اللہ اچھوں کے صدقے بروں کی مشکلیں حل کردیتا ہے اور ان سے مصیبتیں ٹال دیتا ہے۔خیال رہے کہ جن چالیس ولیوں کا یہاں ذکر ہے انہیں ابدال کہتے ہیں کیونکہ ان کے مقامات ان جگہ بدلتی رہتی ہے کبھی مشرق میں کبھی مغرب میں کبھی جنوب میں کبھی شمال میں مگر ان کا ہیڈ کواٹر شام ہے۔

روایت ہے ایک صحابی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا عنقریب شام فتح ہوگا ۱؎ تو جب تم اس میں کوئی منزل کا اختیار دیئے جاؤ تو اس شہر کو اختیار کرنا جسے دمشق کہا جاتا ہے ۲؎ کہ وہ جگہ مسلمانوں کی پناہ ہے لڑائیوں سے اور سامان کا خیمہ ۳؎ اس میں وہ زمین ہے جسے غوطہ کہا جاتا ہے ۴؎ دونوں حدیثیں احمد نے روایت کیں۔	

۱؎ چنانچہ خلافت صدیقی میں شام فتح ہونے کی ابتداء ہوئی اور خلافت فاروقی میں وہ مکمل فتح ہوا حضور کی یہ پیش گوئی بالکل درست ہوئی۔

۲؎ یعنی اگر تم اس زمانہ میں کسی وجہ سے حجاز کا علاقہ چھوڑو دوسرے کسی علاقہ میں رہائش اختیار کرو تو شام کی رہائش اختیار کرنا خصوصًا اس کے شہر دمشق کی۔

۳؎ یعنی شام خصوصًا دمشق کا علاقہ مسلمانوں کی پناہ گاہ ہوگا۔**فسطاط** بڑے شہر کو بھی کہتے ہیں اور خیمہ کو بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

۴؎ غوطہ دمشق کا فنائی علاقہ ہے جہاں باغات کھیت وغیرہ کثرت سے ہیں یہ مسلمانوں کا مرکز بنے گا،فقیر نے وہ جگہ دیکھی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خلافت مدینہ میں ہے اور سلطنت شام میں۱؎

۱؎ یعنی خلافتِ راشدہ کا دارالخلافہ مدینہ منورہ میں ہوگا،یہ حکم اکثریہ ہے کلی نہیں کیونکہ حضرت علی نے اپنا دار الخلافہ کوفہ کو مقرر فرمالیا اور اسلام کی سلطنت کادارالخلافہ شام میں ہے چنانچہ امیر معاویہ کا دارالخلافہ دمشق رہا۔اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:ایک یہ کہ امیر معاویہ اسلام کے سلطان برحق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیش گوئی فرمائی۔دوسرے یہ کہ امیر معاویہ امام حسن سے صلح فرمانے کے بعد بھی سلطان ہی رہے خلیفہ نہیں ہوئے خلافت تو امام حسن پر ختم ہوچکی کہ حضور نے اسے ملک فرمایا۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے ایک نور کا ستون دیکھا جو میرے سر کے نیچے سے چمکتا ہوا نکلا حتی کہ شام میں ٹھہر گیا۱؎(بیہقی دلائل النبوۃ)

۱؎ ظاہر یہ ہوا کہ نورانی ستون سے خلافت نبویہ امارت مصطفویہ کی طرف اشارہ ہے کہ مدینہ منورہ میں خلافت قائم ہوئی پھر سلطنت بن کر دمشق میں ٹھہری۔

	روایت ہے حضرت ابو الدرداء سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی جنگ کے دن مسلمانوں کی پناہ گاہ غوطہ ہے جو اس شہر کے کنارہ میں ہے جسے دمشق کہا جاتا ہے۱؎یہ شام کے بہترین شہروں میں ہے۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی قیامت کے قریب جو بڑی بڑی جنگیں ہوں گی ان میں مسلمانوں کو دمشق میں پناہ ملے گی وہ جگہ انکی پناہ گاہ ہوگی۔

۲؎ شام ایک ملک ہے جس میں بہت شہر ہیں حمص،دمشق وغیرہ،دمشق ان سب میں افضل شہر ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن سلیمان سے فرماتے ہیں کہ عجمی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ سارے شہروں پر غالب آجاوے گا سواء دمشق کے۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یہ کوئی ظالم یا کافر بادشاہ ہوگا جو جبرًا ہر جگہ قبضہ کرے گا مگر دمشق پر قبضہ نہ کرسکے گا۔حضور انور کے مدینہ کی تو یہ شان ہے کہ وہاں دجال بھی نہ پہنچ سکے گا اس وقت فرشتے اس خطے کی حفاظت کریں گے۔خیال رہے کہ دمشق میں صرف وہ ظالم بادشاہ راج نہ کرسکے گا،یہ مطلب نہیں کہ وہاں کبھی کوئی ظالم بادشاہ نہ ہوگا،نیز یہاں مدائن سے مراد غالبًا شام کے سارے شہر ہیں۔

باب ثواب ھٰذہ الامۃ

اس امت کے ثواب کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں ایسے ہی حضور کی امت ساری امتوں کی سردار ہے،رب فرماتاہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" حتی کہ نبیوں رسولوں نے تمنا کی کہ ہم حضور کی امت ہوتے۔(اشعہ)اس امت کے بہت سے فرقے ہوں گے۔یہاں جو فضائل بیان ہوں گے ناجی فرقے کے فضائل ہیں ناری فرقوں کے یہ فضائل نہیں۔حضور فرماتے ہیں کہ میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے ایک ناجی ہے باقی ناری۔(ازمرقات)نجات والے ناجی فرقے کی علامت یہ ہے کہ اس میں اولیاء اللہ ہوتے رہیں گے،رب فرماتاہے:"وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"اور فرماتاہے:"صِرٰطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ"۔معلوم ہوا کہ ایسے فرقے میں رہنا چاہیے جس میں صادقین یعنی اولیاء اللہ ہوں گے،جس شاخ میں سبزہ پھل پھول ہوں اس کو جڑ کا فیض مل رہا ہوتا ہے،جو شاخ ان چیزوں سے خالی ہو اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہوتا ہےوہ آگ میں جلانے کے قابل ہوتی ہے،سواء اہل سنت کے کسی فرقے میں اولیاء اللہ نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ گزشتہ امتوں کی عمروں کے مقابلہ میں تمہاری عمر وہ ہے جو عصر کی نماز کے درمیان سے سورج ڈوبنے کے درمیان ہے۱؎اور تمہاری اور یہودونصارٰی کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کچھ مزدوروں سے کام کراتے ہیں توکہے کون شخص ہے جو میرا کام کرے ایک ایک قیراط پر تو یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا پھر مالک نے کہا کہ کون شخص ہے جو دوپہر سے عصر کی نماز تک میرا کام کرے گا ایک ایک قراط پر۲؎تو نصارٰی نے دوپہر سے عصر کی نماز تک ایک ایک قیراط پر کام کیاپھر اس نے کہا کہ کون میرا کام کرے گا نماز عصر سے سورج	

	ڈوبنے تک دو دو قیراط پر،آگاہ رہو کہ تم ہی وہ ہو جو عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دوگنی ہے۳؎ تو یہودونصاریٰ غصہ ہوکر بولے کہ کام میں ہم زیادہ ہیں اور عطیے کم ہیں۴؎ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہارے حق میں سے کچھ کم کیا وہ بولے نہیں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں دوں۵؎(بخاری)

۱؎ یہاں اجل بمعنی عمر ہے نہ کہ بمعنی موت،رب فرماتاہے:"وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ"اور آیتِ کریمہ "اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ"میں اجل بمعنی موت ہے وہ یہاں مراد نہیں۔یعنی پچھلی امتوں کے لحاظ سے اے میری امت والو تمہاری عمریں بہت کم ہیں لہذا تمہارے کام بھی تھوڑے ہی ہوں گے۔

۲؎ یعنی یہود کا عمل بہت زیادہ ہے ثواب تھوڑا اور عیسائیوں کے اعمال اگرچہ یہود سے کم ہیں مگر ثواب ان کا اتنا ہی یہود کی برابر،یہود کے احکام شرعیہ بہت سخت تھے عیسائیوں کے نرم لہذا یہ تشبیہ بہت موزوں ہے۔

۳؎ اس تشبیہ سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے کیونکہ وہ ظہر کے وقت سے کم ہے اگر ایک مثل پر شروع ہوجاتا تو ظہر کے وقت کے برابر بلکہ زیادہ بھی ہوجایا کرتا لہذا یہ حدیث امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کی قوی دلیل ہے۔

۴؎ دیکھو شمسون یہودی نے ایک ہزار مہینے اللہ تعالٰی کی عبادت کی یعنی سوا اکیاسی سال مسلمانوں سے کہا گیا کہ "لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ"تمہارے لیے ایک شب قدر ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے کہ تم صرف اس رات میں عبادت کرلو تو تم کو اس شمسون اسرائیلی سے زیادہ ثواب ملے گا تو ظاہر ہے کہ ان قوموں کو شکایت ہوگی کہ مسلمانوں پر اس رحم و کرم کی وجہ کیا ہے۔خیال رہے کہ یہ مقابلہ اصلی یہودیوں عیسائیوں سے ہے جو اس زمانہ میں تھے جب کہ ان کا دین منسوخ نہیں ہوا تھا،اب جب کہ ان کا دین منسوخ ہوچکا تو انہیں کسی عمل کا کوئی ثواب نہیں کیونکہ ثواب کے لیے ایمان شرط ہے کٹی ہوئی شاخ پانی سے سرسبز نہیں رہ سکتی۔

۵؎ یعنی فضل عدل کے خلاف نہیں تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا پورا تم کو دے دیا گیا۔خیال رہے کہ یہ تشبیہ صرف زیادتی میں ہے ورنہ مسلمانوں کا ثواب ان قوموں سے دوگنا نہیں بلکہ سات سوگنا اور اس سے زیادہ تک ہے پھر اسلامی احکام ان کے احکام سے بہت نرم،ان پر چوتھائی مال زکوۃ ہم پر چالیسواں حصہ،ان کے لیے ترک دنیا ثواب ہمارے لیے رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف میں پوری زندگی ترک دنیا کا ثواب،حضور کے صدقے سے ان کو ہم سے کوئی نسبت ہی نہیں۔معلوم ہوا کہ نسبت بڑی بہاریں دکھاتی ہے مسلمانوں کی یہ عظمتیں صرف حضور کی نسبت سے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں مجھ سے بہت محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے ا ان میں سے ہر ایک تمنا کریگا وہ اپنے گھر بار مال کے عوض مجھے دیکھ لیتا ۲ (مسلم)	

۱ اس فرمان عالی میں تاقیامت ہم جیسے دور مجور مسلمانوں کی عزت افزائی ہے،اس فرمان پاک کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بعد کے لوگ حضرات صحابہ سے افضل ہوں گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کی بن دیکھے مجھ سے محبت بہت ہی زیادہ قابل قدر ہوگی۔نوعیت محبت میں افضیلت اور چیز ہے کیفیت میں افضیلت کچھ اور۔تمام امت بلکہ ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتی،وہ حضرات اسلام کی صف اول کے مقتدی ہیں جو امام المرسلین کو دیکھتے حضور کی سنتے ہیں،بعد کے لوگ پچھلی صفوں کے ہیں جو امام کی حرکات و کلام ان حضرات کے ذریعہ جانتے مانتے ہیں۔

۲ باھله میں ب عوض کی یعنی تمنا کریں گے کہ ہماری جان مال اولاد سب کچھ فدا ہوجاوے مگر ایک نظارہ جمال جہاں آراء کا میسر ہوجاوے،آج مدینہ منورہ کی گلیاں دیکھنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرتے ہیں مگر بعض کو میسر نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں ایک جماعت اللہ کے حکم پر قائم رہے گی انہیں وہ نقصان نہ دیں گے جو انہیں رسوا کریں ا نہ وہ جو ان کی مخالفت کریں حتی کہ اللہ کا حکم آوے گا ۲ حالانکہ وہ اس حال پر ہوں گے ۳ (مسلم،بخاری)اور حضرت انس کی حدیث ان من عباد اللہ قصاص کے بیان میں ذکر کردی گئی ۴	

۱ گزشتہ امتیں اپنے نبی کے کچھ عرصہ بعد ساری کی ساری گمراہ ہوجاتی تھیں یہ حضور انور کی خصوصیت ہے کہ تاقیامت آپ کی امت ساری گمراہ نہیں ہوگی بلکہ ایک فرقہ حق پر ضرور رہے گا اور اس حق والے فرقہ میں حق گو علماء مشائخ پیدا ہوتے رہیں گے۔

۲ یعنی کوئی دنیاوی طاقت والا انہیں اپنی طاقت سے نقصان نہیں پہنچاسکے گا اگر ساری قوم بھی مخالف ہوجائے تو ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی،ان کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئے گی،ان کا مشن ناکام نہ ہوگا،دیکھ لو حضرت حسین کے مقابل ساری یزیدی طاغوتی طاقت آگئی مگر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔شہادت اور تکلیف اور چیز ہے ناکامی کچھ اور لہذا حدیث واضح ہے۔بعض محدثین فقہاء علماء اولیاء اللہ شہید ہوگئے مگر اپنا کام کرتے رہے۔حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی انہیں تکلیف یا نقصان نہ پہنچا سکے گا مطلب وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا۔امر اللہ سے مراد قیامت ہے،قیامت سے

مراد قرب قیامت ہے جب تک کہ اسلام موجود ہے لہذا یہ حدیث اس فرمان عالی کے خلاف نہیں کہ قیامت جب آئے گی تو اس وقت دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔

۳؎ اس گروہ سے مراد علماء محدثین فقہاء غازیان اسلام اور استقلال والے مؤمنین سب ہی ہیں۔

۴؎ یعنی مصابیح میں وہ حدیث اس جگہ تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے وہاں بیان کردی ہے یعنی اللہ کے بعض بندے وہ ہیں کہ اگر اللہ تعالٰی پر قسم کھالیں تو وہ ان کی قسم پوری فرمادے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کی مثل اس بارش کی سی ہے کہ خبر نہیں کہ اگلی خیر ہے یا پچھلی ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی جیسے موقع پر آنے والی بارشوں کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں بارش مفید تھی باقی بے کار بلکہ ساری بارشیں فائدہ مند ہوتی ہیں کہ اگلی بارش سے کھیتوں کی نشوونما ہوتی ہے آخر بارشوں سے دانہ وغیرہ کا پکنا اسی طرح میری ساری امت میں خیر ہے حضرات صحابہ میں بھی اور ان کے بعد تاقیامت مسلمانوں میں بھی کہ یہ سب لوگ دین کی مختلف خدمات انجام دیتے رہیں گے، یہ مطلب نہیں کہ حضور کو علم نہیں کہ صحابہ افضل ہیں کہ بعد کے لوگ۔ چنانچہ زمانہ نبوی سے آج تک مختلف شکلوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اگرچہ حضرات صحابہ افضل ہیں **خیر القرون قرنی** مگر کوئی مؤمن بے کار نہیں۔ (مرقات،اشعہ) یہ فرمان عالی ایسا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ وہ قوم ڈھلے ہوئے حلقے کی طرح ہے خبر نہیں کہ اس کے کنارے کہاں ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے شعر

ان الخیار من القبائل واحد   وبنو حنیفۃ کلھم اخیار

خلاصہ یہ ہے کہ میری امت کے اگلے پچھلے ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہیں خیر وخوبی میں وابستہ ہیں کوئی خوبی سے خالی نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جعفر سے وہ اپنے والد سے راوی وہ اپنے دادا سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوجاؤ خوشی سناؤ کہ میری امت کی مثال بارش کی ہے نہیں کہا جاتا کہ اس کی پچھلی اچھی ہے یا کہ اگلی ۲؎ یا اس باغ کی سی ہے جس میں سے ایک سال	

	ایک فوج نے کھایا پھر ایک سال دوسری فوج نے کھایا۳ شاید کہ آخری فوج چوڑائی میں زیادہ چوڑی ہو اور گہرائی میں زیادہ گہری اور حسن میں زیادہ اچھی ہو۴ وہ امت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے جس کا اول میں ہوں اور اس کے درمیان مہدی ہوں اور آخر مسیح ہوں۵ لیکن اس کے درمیان ٹیڑھی فوج ہے نہ وہ مجھ سے ہیں نہ میں ان سے۶ (رزین)

۱ اس فرمان عالی میں جدہ کی ضمیر حضرت امام جعفر صادق کی طرف ہے،امام جعفر صادق محمد باقر کے بیٹے ہیں اور امام باقر کے والد،امام زین العابدین ان کے والد امام حسین ابن علی ابن ابی طالب ہیں اس اسناد کو محدثین سلسلۃ الذہب کہتے ہیں یعنی سونے کی زنجیر۔(مرقات)

۲ یعنی ساری امت خیر ہے ایک شاعر کہتا ہے۔شعر

تشابه یوماه علینا فاشکلا　　　فما نحن ندری ای یومیه افضل

ایوم بداء العمر ام یوم باسه　　　وما منهما الا اغز مجهل

۳ یعنی باغ کے پھل جس بہار میں بھی کھاؤ لذت وہی ہوگی،میرے اسلام و احکام کے پھل تاقیامت جب بھی کھاؤ لذت و رحمت وہ ہی ہوگی،نیز ہر زمانہ میں علماء اولیاء،مجاہدین شہداء ہوتے رہیں گے یہ قرآن اورہماری ذات کریم یہ نعمتیں تاقیامت تقسیم کرتے رہیں گے اور دنیا ان سے فیوض پاتی رہے گی۔

۴ یعنی ممکن ہے کہ ایک باغ سے اگلی فوج کے مقابلہ میں آخری فوج زیادہ کھائے اور اس باغ کے پھلوں سے مختلف قسم کے رس شربت عرق وغیرہ تیار کرے اور لوگوں کو مختلف طریقوں سے استعمال کرائے اسی طرح ہوسکتا ہے کہ میری امت کے آخری لوگ اس قرآن کی گہرائیوں میں زیادہ جائیں اس سے طرح طرح کے رس تیار کریں۔دیکھ لو کہ علم حدیث،اسماء الرجال،فقہ،اصول فقہ،تفسیر،شریعت اور طریقت کے چار چار سلسلے بعد ہی میں علماء کرام نے اسی قرآن و حدیث سے تیاری کیے یہ ہے اس پیش گوئی کا ظہور،اس زبان کا ہر لفظ لوہے کا خط ہوتا ہے اس کے باوجود افضیلت مطلقًا صحابہ کرام ہی کو حاصل ہے۔

۵ اگرچہ حضرت مسیح اور امام مہدی ایک ہی زمانہ میں ہوں گے مگر چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات امام مہدی کے بعد ہوگی امام مہدی پہلے وفات پائیں گی اس لیے امام مہدی کو وسط اور حضرت مسیح کو آخر فرمایا۔

۶ یعنی میرے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام و امام مہدی کے درمیان ٹیڑھی اور بے دین جماعتیں بھی ہوں گی جیسے مرزائی،چکڑالوی،وہابی بہائی وغیرہم میں ان سے بیزار ہوں وہ میرے نہیں میں ان کا نہیں،جو حضور کا نہ ہو وہ رب کا بھی نہیں ہوتا۔شعر

ان کےدر کا جوہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے نزدیک مخلوق میں کون زیادہ پیارے ایمان والا ہے ۱؎ عرض کیا فرشتے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں ۲؎ بولے تو نبی حضرات،فرمایا وہ حضرات کیوں ایمان نہ لائیں ان پر تو وحی اترتی ہے ۳؎ لوگوں نے عرض کیا کہ تو ہم،فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ میں تو تمہارے درمیان ہوں ۴؎ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ساری مخلوق میں پیاری ایمان والی وہ قوم ہے جو میرے بعد ہوگی وہ لوگ صحیفے پائیں گے جن میں وہ کتاب ہوگی وہ کتاب کی ہر چیز پر ایمان لائیں گے ۵؎

۱؎ خلق سے مراد سارے اہلِ ایمان ہیں خواہ فرشتے ہوں یا جنات یا انسان یعنی ان سارے مؤمنوں میں زیادہ قابلِ قدر کس کا ایمان ہے،یہاں افضیلت کا ذکر نہیں۔

۲؎ صحابہ کرام سمجھے کہ اس سوال کا مقصد افضیلت کی تحقیق فرمانا ہے اس لیے انہوں نے فرشتوں کا نام لیا کہ وہ نورانی اور معصوم مخلوق ہے اسے رب تعالٰی سے بہت ہی قرب حاصل ہے،جواب میں فرمایا کہ ان کی افضیلت میں شک نہیں مگر جہاں اسباب ایمان بہت کم ہوں اور ایمان کامل ہو،دین کی خدمت مکمل ہو وہ بات فرشتوں میں موجود نہیں ان کا ایمان حیرت انگیز نہیں۔

۳؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی کیا گیا کہ حضرات انبیاءکرام کا ایمان بھی حیرت کا باعث نہیں کیونکہ وہ وحی الٰہی اور وحی والے فرشتے کو دیکھتے ہیں ان کے اسباب ایمان بہت موجود ہیں لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ کسی کا ایمان نبی کے ایمان کے برابر ہوسکے۔

۴؎ یعنی تم نے مجھ کو دیکھا،مجھ پر وحی الٰہی آتے دیکھی،میرے معجزات دیکھے،حضرت جبریل کو شکل انسانی میں آتے دیکھا تمہارے لیے بھی ایمان لانے کے بہت اسباب ہیں وہ لوگ بتاؤ جن کے لیے اسباب ایمان نہ ہوں یا کم ہوں مگر وہ ایمان میں بہت پختہ ہوں۔

۵؎ یعنی میری وفات کے بعد سے تاقیام قیامت جو لوگ ایمان لائیں گے،جو صرف میرا نام سن کر ایمان لائیں گے وہ ایمان بہت ہی قابل قدر اور حیرت انگیز ہوگا کہ ان کا ایمان ہر طرح ایمان بالغیب ہوگا،فرشتوں نبیوں کا ایمان بالشھادۃ ہے حضرات صحابہ کا ایمان بعض چیزوں پر بالغیب ہے بعض پر بالشھادۃ۔حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ نے حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی شان اور ان کے معجزات کو آنکھوں دیکھا خدا کی قسم ایمان

تو ان کا ہوگا جنہوں نے یہ کچھ نہ دیکھا اور ایمان لائیں گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی"یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ"۔(مرقات،اشعہ)خیال رہے کہ شعر

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا حضور کا نام ایمان بخش ہے آج غازی عبدالقیوم،غازی عبدالرشید،غازی علم دین نے حضور کی عزت پر اپنے سر دے دیئے یہ ہے اس حدیث کا ظہور۔صحف سے مراد قرآن مجید کے صحیفے ہیں یا احادیث،فقہ،صوفیاء و علماء کی تصنیفات کے اوراق۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن علاء حضرمی سے[1] فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس نے خبر دی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا[2] کہ فرماتے ہیں کہ اس امت کے آخر میں ایک ایسی قوم ہوگی جن کو اگلوں کا سا ثواب ہوگا[3] وہ بھلائی کا حکم دیں گے برائی سے روکیں گے اور فتنوں والوں سے لڑیں گے[4] یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیں۔

[1] عبدالرحمٰن تو تابعی ہیں مگر ان کے والد علاء کا نام عبداللہ ہے،حضر موت کے رہنے والے ہیں،حضور انور کے زمانہ میں بحرین کے حاکم مقرر ہوئے،حضرت صدیق اکبر فاروق اعظم نے انہیں قائم رکھا،ان کی وفات ۱۴ھ چودہ ہجری میں ہوئی،دیکھو اکمال،مرقات وغیرہ۔

[2] سننے والے صحابی کا نام نہ لیا اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ تمام صحابہ عادل ہیں ان کا نام معلوم نہ ہو تو حدیث مجہول نہیں بنتی۔

[3] یعنی میری امت کے آخری لوگ اگرچہ میرے صحابہ کے سے اعمال نہیں کرسکیں گے مگر اجروثواب میرے صحابہ کا سا پائیں گے۔خیال رہے کہ ثواب اور چیز ہے درجہ اور مرتبہ کچھ اور ہے،ہوسکتا ہے کہ کسی کا ثواب حضرات صحابہ کے برابر ہوجاوے مگر کسی کا درجہ ان کے برابر نہیں ہوسکتا اگر بادشاہ کسی سپاہی کو وزیر کے برابر یا وزیر سے زیادہ انعام دے دے تو سپاہی کا عہدہ وزیر کے برابر نہیں ہوسکتا۔

[4] یہ اس فرمان عالی کی وجہ ہے یعنی جو فتنے روافض خوارج وہابیوں مرزائیوں وغیرہم کے ہوں ان فتنوں کا مقابلہ وہ ہی لوگ کریں گے اس لیے ان کو ثواب حضرات صحابہ کا سا ملے گا۔خیال رہے کہ قتال یعنی جہاد تلوار سے بھی ہوتا ہے،قلم سے بھی زبان سے بھی یہاں قتال ان سب کو شامل ہے،اسی طرح اچھی باتوں کا حکم بری باتوں سے روکنا بھی تلوار سے،قلم سے زبان سے عمل سے ہر طرح سے ہوتا ہے یہ فرمان ان سب کو بھی شامل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشخبری ہو اسے جس نے مجھے

دیکھا اور سات بار خوشخبری ہو اسے جس نے مجھے نہ دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۱؎(احمد)	

۱؎ یہاں لفظ سبع یعنی سات تحدیدوحد بندی کے لیے نہیں بلکہ بیان کثرت کے لیے ہے یعنی بے شمار برکتیں خوشخبریاں ان لوگوں کو ہوں جو مجھ پر ایمان لائیں گے مگر مجھے بغیر دیکھے ہوئے صرف اور صرف میرا نام سن کر مجھ پر فدا ہوں گے۔یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں حاکم نے مستدرک میں بروایت حضرت ابو امامہ روایت کی۔

روایت ہے ابن محیریز سے۱؎فرماتے ہیں میں نے ابو جمعہ سے کہا۲؎(جو ایک صحابی ہیں)کہ ہم کو ایسی حدیث سنایئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو فرمایا ہاں میں تم کو ایک کھری حدیث سناتا ہوں۳؎ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کیا ہمارے ساتھ ابو عبیدہ ابن جراح بھی تھے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی ہم سے بہتر ہے ہم اسلام لائے ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کیا۴؎فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد ہوں گے مجھے دیکھا نہ ہوگا اور مجھ پر ایمان لائیں گے۵؎ (احمد،دارمی)اور رزین نے ابوعبیدہ سے روایت کی ان کے اس قول سے کہ عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی ہم سے اچھا ہے آخر تک۔	

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،ابومحیریز کنیت ہے،تابعی ہیں،بہت ہی متقی پرہیزگار تھے۔(اشعہ)

۲؎ ابو جمعہ کے نام شریف میں اختلاف ہے ان کا نام یا تو حبیب ابن سباع ہے یا جنید ابن سباع صحابی ہیں،آخر میں شام میں قیام رہا۔(مرقات)

۳؎ جید بنا ہے جودۃ سے بمعنی اچھی،کھری جو تم کو دین و دنیا میں بہت ہی نافع ہو۔

۴؎ آپ کے یہ کلمات اپنی تعریف نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں کا اقرارہے یعنی رب تعالٰی نے ہم کو ایسی نعمتوں سے مالا مال فرمایا اس کا شکر ہے اس نے ہم کو ایمان،اسلام،جہاد،صحابیت،حضور کے دیدار سے مشرف فرمایا۔

۵؎ یعنی تم کو اللہ تعالٰی نے صحابیت،دیدار جمال یار وغیرہ نعمتوں سے مشرف فرمایا ہے تو ان لوگوں کو اس نعمت سے مالا مال کرے گا کہ وہ مجھے بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے،مجھ پر جان و مال فدا کریں گے،دین کی بڑی خدمات انجام دیں گے،فتنوں میں گھرے ہوں گے مگر دین پر قائم رہیں گے،اس خاص نعمت میں وہ تم سے بڑھ جائیں گے۔خیال رہے کہ یہ جزوی فضیلت ہے مطلقًا فضیلت صحابہ کرام ہی کو حاصل ہے۔

روایت ہے معاذ ابن قرہ سے۱؎وہ اپنے والد سے راوی	

فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب شام والے بگڑ جائیں گے تو تم میں بھلائی نہ ہوگی۲؎ اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ فتح مند رہے گا انہیں نقصان نہ پہنچاسکے گا وہ جو انہیں رسوا کرے حتی کہ قیامت قائم ہوجاوے۳؎ابن مدینی کہتے ہیں کہ وہ حدیث والے حضرات ہیں۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی۵؎	

۱؎ آپ تابعی ہیں،جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے اور ۱۱۳ھ ایک سو تیرہ میں وفات پائی،آپ کی کنیت ابو ایاس ہے، بصری ہیں،آپ کے والد قرہ ابن ایاس قرنی ہیں۔

۲؎ یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔شام ابدال کا مرکز ہے وہاں آخر تک ایمان رہے گا،جب وہاں کفر چھا جائے اور کوئی مؤمن نہ رہے تو سمجھو کہ شام کے ابدال ختم ہوگئے اور دنیا اولیاء اللہ سے خالی ہوگئی،دنیا کا اولیاء اللہ سے خالی ہونا قیامت کی آمدت ہے۔چنانچہ جب قیامت آوے گی تو روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔خیال رہے کہ اس وقت مدینہ منورہ ویران ہوچکا ہوگا وہاں کوئی آبادی نہ ہوگی،روضہ انور کی حفاظت جنگلی جانور کرتے رہیں گے لہذا حدیث پاک پر یہ اعتراض نہیں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ مدینہ منورہ پہلے ہی بگڑ چکا ہوگا وہاں کفروشرک پھیل چکا ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھی فاسد یعنی کافر بلکہ فاسق العقیدہ نہ تھے ورنہ اس وقت ہی قیامت آجاتی کیونکہ امیر معاویہ کا دارالخلافہ دمشق تھا،امیر معاویہ کی سلطنت پر شام والے متفق تھے یزید پلید کی حکومت پر اہل شام بھی متفق نہ تھے۔

۳؎ اس فرمان عالی کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر چکی کہ حضور کی امت میں ایک جماعت تاقیامت حق پر رہے گی حضور کی ساری امت گمراہ نہ ہوگی اور وہ جماعت حقہ ان شاءاللہ غالب رہے گی،کوئی ان کو فنا نہ کرسکے گا وہ حضرات اپنے مقصد میں یعنی دین اسلام کو باقی رکھنے میں ہمیشہ کامیاب رہیں گے۔

۴؎ حدیث والوں سے مراد آج کل کے وہابی نہیں جو اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں ان بیچاروں کو نہ حدیث کی خبر ہے نہ ان کا حدیث پر عمل،نہ انہوں نے فن حدیث کی کوئی خدمت کی،ان بیچاروں کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ سنت اور حدیث میں کیا فرق ہے ورنہ یہ لوگ اپنے کو اہل سنت کہتے نہ کہ اہل حدیث بلکہ اس سے مراد حضرات محدثین کرام اور فقہاء عظام ہیں جنہوں نے اپنی عمریں اس فن شریف کی خدمت میں گزاریں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ اصحاب حدیث سے مراد اہلِ سنت و الجماعت ہیں۔خیال رہے کہ ہر فقیہ محدث ضرور ہوگا کیونکہ علم فقہ بغیر حدیث دانی نہیں حاصل ہوتا۔

۵؎ یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں سے صحیح ہے بعض سے حسن۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت کی بھول چوک	

	سے در گزر کی۱؎اور جس پر وہ مجبور کیے جاویں۲؎(ابن ماجہ،بیہقی)

۱؎ خطا اور نسیان دونوں مقابل ہیں عمد کے،خطاء میں مانع یاد ہوتا ہے مگر کام کا ارادہ نہیں ہوتا جیسے روزہ دار نے کلی کی بغیرارادہ پانی حلق سے اتر گیایہ ہوئی خطا،نسیان میں کام تو ارادہ سے ہوتا ہے مگر مانع یاد نہیں ہوتا جیسے روزہ دار کو روزہ یا د نہ رہا اور اس نے کھا پی لیا۔اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے میری امت پر یہ کرم فرمایا کہ ان کی بھول چوک معاف فرمادی،اس میں ان پر نہ گناہ ہوگا نہ پکڑاگرچہ بعض صورتوں میں ان دونوں پر احکام شرعیہ مرتب ہوجاتے ہیں جیسے نماز میں بھول کر بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا قتل خطاء میں کفارہ یا دیت لازم ہوجاتے ہیں،نماز کا واجب بھول جانے سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔

۲؎یعنی مسلمان جو برا کام مجبورًا کرلے تو وہ گنہگار نہ ہوگا لہذا مجبورًا منہ سے کفریہ بات بول دینے والا کافر نہ ہوگا، مجبورًا شراب پلائے جانے والا گنہگار نہ ہوگا۔غرضکہ یہاں مجبور سے عصیان کی نفی ہے احکام کی نفی نہیں اس لیے یہاں تجاوز فرمایا یعنی رب نے در گزر فرائی لہذا مجبور کی طلاق واقع ہوجاتی ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔خیال رہے کہ ہر جرم کی مجبوری علیحدہ ہے کفر بکنے کے لیے خطرہ جان ضروری ہے،جبرًا طلاق و نکاح کے لیے دوسرے جبر بھی کافی ہیں اس کی بحث کتب فقہ کتاب الاکراہ میں مطالعہ فرماؤ۔

	روایت ہے بہز ابن حکیم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا رب تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی۲؎فرمایا تم ستر امتیں پوری کرو گے۳؎تم اللہ پر ان سب سے بہتر اور عزت والے ہو۴؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ آپ بہز ابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ ہیں،قشیری بصری ہیں،حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،ثقہ ہیں لہذا یہ روایت معاویہ ابن حیدہ سے ہے۔

۲؎اس آیت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:تم لوگ اللہ کے علم میں بہترین امت تھے تمہارا انتخاب پہلے ہی ہوچکاتھا یا یہ کہ تم بہترین امت ہو۔حق یہ ہے کہ اس میں خطاب ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ اس امت میں اگرچہ گنہگار بھی ہیں مگر چونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے اس لیے اس خیریت میں وہ بھی داخل ہیں،موتی کیچڑ میں سن کر بھی موتی رہتا ہے بشرطیکہ حضور سے وابستہ رہیں۔

۳؎ستر سے مراد یا بیان زیادتی ہے جیسے اردو میں لفظ بیسیوں،یا ستر کا عدد مراد ہے یعنی دنیا میں بڑی بڑی امتیں ستر گزریں۔خیال رہے کہ بعض انبیاء کرام ایسے گزرے جن کا کوئی امتی نہ بنانہ کوئی ان پر ایمان نہ لایا،بعض پر صرف

ایک آدمی ایمان لایا،بعض پر دو چار،بعض پر کچھ اور زیادہ مگر جن نبیوں پر بڑی جماعتیں ایمان لائیں جنہیں امت کثیر کہا جاوے وہ کل ستر ہیں انہتّرہم سے پہلے ستر کا عدد امت رسول اللہ نے پورا کیا۔

؎ یعنی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں یوں ہی آپ کی امت تمام امتوں سے افضل بلکہ حضور کے صحابہ تمام نبیوں کے اصحاب سے افضل،حضور انور کے اہل بیت تمام نبیوں کے اہل بیت سے افضل بلکہ حضور انور کا مکہ،مدینہ منورہ دوسرے نبیوں کی بستیوں سے افضل،حضور کی ازواج پاک تمام نبیوں کی ازواج سے افضل غرضکہ افضلیت حضور کے دم قدم سے وابستہ ہیں۔

الحمدللہ! کہ مرآت شرح مشکوۃ دو رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ پنجشنبہ کو شروع ہوکر آج اکیس رمضان ۱۳۸۸ھ پنجشنبہ کے دن دس بجے دوپہر کو ختم ہوئی،آج اس گنہگار نے حضرت علی مشکل کشا شیر خدا،جناب فاطمہ زہرا،عائشہ صدیقہ،خدیجۃ الکبریٰ، شہداء بدر رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عرس کرکے مرآت کو ختم کیا،ان تمام حضرات کی وفات و شہادت ماہ رمضان ہی میں ہے،رب تعالیٰ قبول فرماوے اور اسے میرے لیے کفارہ سیئات وصدقہ جاریہ بنائے۔جو صاحب اس سے فائدہ اٹھائیں وہ مجھ گنہگار کی مغفرت کی دعا کریں کہ اسی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔شعر

اے کہ برمامی روی دامن کشاں   از سر اخلاص الحمد سے بخواں

و صلی اللہ تعالٰی علی حبیبہٖ سیدنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتہٖ وھو الرحم الرحمین !

احمد یارخاں نعیمی اشرفی،مقیم گجرات(مغربی پاکستان)

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ ۱۲،دسمبر ۱۹۶۸ء

احادیث مبارکہ کی اقسام اورتعریفیں

(۱) مرفوع: وہ حدیث جسکی اسناد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور صحابی کہے نبی کریم نے فرمایا۔

(۲) موقوف: وہ حدیث جسکی اسناد صحابی تک پہنچے جیسے راوی کہے کہ فلاں صحابی نے یہ فرمایا۔

(۳) مقطوع: وہ حدیث جسکی اسناد تابعی تک پہنچے جیسے امام اعظم فرمائیں کہ صحابی نے فرمایا۔

(۴) اثر: وہ حدیث جو کسی طریقے سے حضور سے منقول ہو۔

(۵) خبر: وہ حدیث جس میں نبی کریم صحابہ اور تابعین سے روایت ہو اور تاریخی واقعہ ہو۔

(۶) حدیث: وہ کلام جسکی روایت نبی کریم یا صحابہ یا تابعین سے ہو اور کسی عمل کا ذکر ہو۔

(۷) مرسل: وہ حدیث جسکی اسناد میں صحابی کا ذکر رہ جائے تابعی کہے یہ حضور نے فرمایا۔

(۸) معضّل: وہ حدیث جسکی اسناد کے درمیان سے دو یا تین راوی رہ جائیں۔

(۹) منقطع: وہ حدیث جسکی اسناد میں چند جگہ سے ایک ایک یا زیادہ راوی رہ جائیں۔

(۱۰) مدلّس: وہ حدیث جس کا راوی اپنے اس شیخ کا ذکر نہ کرے جس سے اس نے حدیث سنی بلکہ اس کے اوپر کے راوی کا نام لے۔

(۱۱) مضطرب: وہ حدیث جس کے متن یا اسناد میں راویوں کی کمی زیادتی ہو یا آگے پیچھے ذکر ہو یا تبدیلی ہو جائے۔

(۱۲) عنعنہ: وہ حدیث جس کو صرف عَنْ سے روایت کیا جائے۔

(۱۳) شاذ: وہ حدیث جس کا راوی غیر معروف ہو اور ثقہ راویوں کی روایت کے مخالف روایت ہو۔

(۱۴) مردود: وہ حدیث جس کے تمام راوی ثقہ نہ ہوں۔

(۱۵) محفوظ: وہ حدیث جس کے سارے راوی ثقہ ہوں مگر اس کے مقابل ثقہ حدیث ہو لیکن ترجیح اس ثقہ حدیث کو ہو۔

(۱۶) معلل: وہ حدیث جس کی صحت میں بہت سے گہرے اور ہلکے اسباب اور علتیں ہوں۔

(۱۷) متابعًا: وہ حدیث جس کا راوی کسی دوسرے راوی کی حدیث کی مطابقت کرے۔

(۱۸) حسن: وہ حدیث جس کے راوی میں ضبط بالکل نہ ہو۔

(۱۹) ضعیف: وہ حدیث جس کے راوی میں نہ عدل ہو نہ ضبط اور صحیح حدیث کی کوئی شرط اس میں نہ ہو۔

(۲۰) متروک: وہ حدیث جس کے راوی پر دنیاوی کلام میں عام جھوٹ بولنے کا اتہام لگا ہو مگر روایت حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو۔

(۲۱) موضوع: وہ حدیث جس کے راوی کا جھوٹ اکثر حدیث کی روایت میں ہوتا ہو یا راوی خود اقرار کرے یا قرینوں سے معلوم ہو۔

(۲۲) مبہم: وہ حدیث جس کے راوی کا نام اور اس کی ذات اس کے حالات اس کا ثقہ ہونا معلوم نہ ہو سکے۔

(۲۳) غریب: وہ حدیث صحیح جس کا ایک راوی مشہور ہو۔

(۲۴) عزیز: وہ صحیح حدیث جس کے دو راوی معلوم ہوں۔

(۲۵) مشہور: وہ حدیث جس کے بہت سے راوی معلوم ہوں۔

(۲۶) متواتر: وہ حدیث جس کے اتنے زیادہ راوی ہوں نبی پاک کے زمانہ سے لیکر آج تک جن کو جھوٹا نہ کہا جا سکے۔

(۲۷) متّصل: وہ حدیث جس کا راوی سند کے درمیان میں سے رہ نہ جائے۔

(۲۸) معلقًا: وہ حدیث جس کی سند کے شروع میں سے کوئی راوی رہ گیا ہو۔

(۲۹) مدرج: وہ حدیث جس کا راوی اپنے یا اپنے غیر کے کلام کو صحابی یا تابعی کی طرف سے درج کر دے کسی غرض کے لیے۔

(۳۰) حسن ذاتی: وہ حدیث جس کے راوی میں ضبط بالکل نہ پایا جائے۔

(۳۱) حسن لغیرہ: وہ ضعیف حدیث جس کے روایت کے راستے بہت سے ہوں اور اس کا ضعف ضروری ہو۔

(۳۲) صحیح: وہ حدیث جس کا راوی مکمل عدل اور ضبط اور یاد داشت والا ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۳۳) صحیح لذاتہ: وہ حدیث جس کا عدل اور ضبط کمال طور پر راوی میں موجود ہو۔

(۳۴) صحیح لغیرہ: وہ حدیث جس کے راوی کا عدل اور ضبط کمزور ہو۔

(۳۵) مختلط: وہ حدیث جس کے راوی کا حافظہ بڑھاپے یا نابینا ہونے یا اس کی کتابیں گم ہونے کی وجہ سے کمزور پڑ جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمال ترجمہ اکمال

یعنی

حالات صحابہ وتابعین

آج بتاریخ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ، ۱۲ دسمبر ۱۹۶۸ء پنجشنبہ کو بفضل اللہ تعالٰی میں مرآت شرح مشکوۃ شریف کی تصنیف سے فارغ ہوا،دل چاہا کہ مؤلف مشکوۃ حضرت ولی الدین ابن عبداللہ محمد ابن عبداللہ خطیب بغدادی کے رسالہ اکمال کا ترجمہ کر دوں جو فنِ اسماء الرجال میں مختصر مگر جامع رسالہ ہے،آج تاریخ دن مہینہ مبارک ہے اس لیے میں نے یہ کام اللہ کے نام سے آج ہی شروع کردیا ہے رب تعالٰی تکمیل کی توفیق دے قبول فرمائے۔اس رسالہ میں اکمال کے ترجمہ کے ساتھ حاشیہ اکمال وغیرہ سے کچھ اضافہ بھی ہوگا،اس کا نام **اجمال فی ترجمۃ اکمال** رکھتا ہوں،اس میں حرف تہجی کے ترتیب سے اولًا صحابہ کرام پھر تابعین عظام پھر صحابیات کے نام مع مختصر حالات درج ہوں گے۔

حالات صحابہ وتابعین

باب الالف صحابہ کرام

(۱)حضرت انس ابن مالک: آپ کا نام انس ابن مالک ابن نضر ہے،کنیت ابو حمزہ ہے،خزرجی انصاری ہیں،حضور انور کے خادم خاص آپ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان ہیں،جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو جناب انس کی عمر دس سال تھی،جب حضور انور کی وفات ہوئی تو آپ بیس سالہ تھے،دس سال تک مسلسل حضور انور کی خدمت کی، خلافت فاروقی میں آپ بصرہ منتقل ہو گئے وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی،آپ بصرہ کے آخری صحابی ہیں، ۹۱ھ میں وفات ہوئی،ایک سو تین سال عمر ہوئی،بعض نے فرمایا ۹۹ سال عمر ہوئی،آپ کے اولاد اسی۸۰ یا سو۱۰۰ہے،اٹھتّر لڑکے اور دو لڑکیاں یعنی اولاد در اولاد آپ سے بہت مخلوق نے روایت لیں۔خلاصہ میں ہے کہ آپ کی احادیث ایک ہزار دو سو چھیاسی ہیں جن میں سے ایک سو اڑسٹھ حدیثیں متفق علیہ ہیں اورتراسی۸۳ احادیث بخاری کی اکہتّر ۷۱ مسلم کی۔

(۲)انس ابن مالک کعبی:آپ کی کنیت ابو امامہ ہے،آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے مسافر حاملہ اور مرضعہ کے روزے کے متعلق،آخر میں بصرہ میں رہے،آپ سے ابن قلابہ نے روایت کی رضی اللہ عنہ۔

(۳)انس ابن نضر: آپ انصاری بنی نجار سے ہیں،انس بن مالک کے چچا ہیں،غزوہ احد میں تیس سے زیادہ نیزوں تلواروں کے زخم کھاکر شہید ہوئے،انہیں کے متعلق یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی"مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ"الخ۔

(۴)انس ابن مرثد: آپ کا نام انس ابن مرثد ابن ابی مرثد کنانہ ابن حصین ہے،بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام انیس ہے،ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی،آپ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے،بعض کے خیال میں آپ سے ہی حضور انور نے فرمایا تھا کہ اے انیس ان کی بیوی کی طرف جاؤ اگر وہ اقرار زنا کرے تو اسے رجم کردو،آپ کی وفات

۲۰ بیس ہجری میں ہوئی،آپ خود اور آپ کے بھائی والد دادا سب صحابی ہیں،آپ سے سہل ابن حنظلہ حکم ابن مسعود نے روایت کیں۔

(۵)اسید ابن حضیر: آپ انصاری اوسی ہیں،آپ دوسری بیعت عقبہ میں شریک ہیں،آپ نقیبوں میں سے تھے،دونوں بیعت عقبہ میں ایک سال کا فاصلہ ہے،آپ بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،آپ سے جماعت صحابہ نے روایت لیں،مدینہ منورہ میں ۲۰ھ بیس میں خلافت فاروقی میں وفات ہوئی،بقیع میں دفن ہوئے۔

(۶)ابو اسید: آپ کا نام ابو اسید ابن مالک ابن ربیعہ ہے،انصاری ہیں،ساعدی ہیں،تمام غزوات میں شریک ہوئے،اپنی کنیت میں مشہور ہیں،آپ سے بہت مخلوق نے روایات کی، ۶۰ھ ساٹھ میں وفات ہوئی اٹھتر سال کی عمر ہوئی،آخر میں نابینا ہوگئے تھے،آپ سب سے آخری بدری ہیں کہ آپ کی وفات سے زمین بدری صحابہ سے خالی ہوگئی۔

(۷)اسلم:آپ کی کنیت ابو رافع ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام،آپ کا ذکر رے کی تختی میں ہوگا۔

(۸)اسمر:آپ اسمر ابن مضرس ہیں،طائی ہیں،آپ کا شمار بصرہ کے بدویوں میں ہے صحابی ہیں۔

(۹)اشعث ابن قیس:آپ اشعث ابن قیس ابن معدیکرب،کنیت ابو محمد ہے،کندی ہیں،کندہ کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،اس وفد کے سردار تھے،یہ واقعہ ۱۰ء میں ہوا،آپ زمانہ جاہلیت میں بھی اپنی قوم کے محترم سردار تھے،اسلام میں بھی بڑے معزز حضور کی وفات کے بعد اسلام سے مرتد ہوگئے تھے پھر خلافت صدیق میں دوبارہ مسلمان ہوئے،آخر میں کوفہ میں رہے وہاں ہی وفات ہوئی،امام حسن ابن علی نے جنازہ پڑھایا ۴۰ چالیس میں وفات ہوئی۔

(۱۰)اشیم ضبابی:آپ قبیلہ ضباب ابن کلاب کے اولاد سے ہیں،آپ سے علم فرائض میں صرف ایک حدیث مروی ہے۔

(۱۱)ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:آپ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن شریف سے مدینہ منورہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے،سولہ مہینہ عمر پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

(۱۲)الاعزالمازنی:آپ اعزابن مزنی ہیں،صحابی ہیں،اہل کوفہ سے ہیں،آپ سے حضرت ابن عمر اور معاویہ ابن قرہ نے روایات کیں۔

(۱۳)ابیض:آپ ابیض ابن جمال ماربی السبائی ہیں،یمن میں قیام رہا،آپ مارب کے رہنے والے ہیں جو یمن کا ایک شہر ہے صنعاء کے قریب۔

(۱۴)اقرع ابن حابس:آپ تمیمی ہیں،فتح مکہ کے بعد بنی تمیم کے وفد میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے،زمانہ جاہلیت اور اسلام میں بڑی عزت والے تھے خراسان کے لشکر میں موجود تھے۔

(۱۵)ابوالازہر:آپ انماری ہیں،شام میں قیام رہا،آپ سے خالد ابن معدان وغیرہم نے روایات لیں۔

(۱۶)اکیدردومہ:آپ اکیدر ابن عبدالملک ہیں،آپ کو دومۃ الجندل کہا جاتا ہے،آپ نے حضور کی خدمت میں ہدایا بھیجے، حضور انور نے آپ سے خط وکتابت کی ان کا ذکر باب الجزیہ میں آتا ہے۔اکیدر تصغیر ہے اکدر کی،دومہ شام و حجاز کے درمیان ایک شہر ہے۔

(۱۷)اوس ابن اوس:آپ کو اوس ابن ابی اوس بھی کہا جاتا ہے،قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،عمرو ابن اوس کے والد ہیں۔

(۱۸)ایاس ابن بکیر:آپ قبیلہ بنی لیث سے ہیں،بدر وغیرہ غزوات میں شریک ہوئے،جب حضور دار ارقم میں تھے تو ایمان لائے،۳۴ چونتیس میں وفات پائی۔

(۱۹)ایاس ابن عبداللہ:آپ دوسی مدنی ہیں،آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے بیوی کو مارنے کے متعلق۔

(۲۰)اسامہ ابن زید:آپ اسامہ ابن زید ابن حارثہ ہیں،قبیلہ بنی قضاعہ سے ہیں،آپ کی ماں کا نام برکت ہے،کنیت ام ایمن حضور کی دودھ کی والدہ وہ آپ کے والد جناب عبداللہ کی لونڈی تھیں اور اسامہ حضور کے غلام اور غلام زادے تھے کہ زید ابن حارثہ بھی حضور کے غلام تھے،اسامہ اور زید حضور کے بڑے پیارے تھے،حضور کی وفات کے وقت اسامہ بیس سال کے تھے،حضرت عثمان کی شہادت کے بعد آپ وادی قرالی میں رہے وہیں وصال ہوا،بعض نے کہا کہ آپ کی وفات ۵۴ چون میں ہوئی،ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ ہی قوی ہے۔

(۲۱)ابی ابن کعب:آپ انصاری خزرجی ہیں،کاتب وحی تھے آپ ان چھ صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے زمانہ نبوی میں قرآن مجید حفظ کیا اور ان فقہاء صحابہ میں سے ہیں جو زمانہ نبوی میں فتویٰ دیتے تھے صحابہ میں بڑے قاری تھے۔حضور انور نے آپ کی کنیت ابوالمنذر رکھی تھی اور عمر فاروق نے ابوالطفیل،حضور انور نے آپ کو خطاب دیا سید انصار،عمر فاروق نے خطاب دیا سیدالمسلمین کا،آپ نے مدینہ منورہ میں ۱۹ھ انیس ہجری میں وفات پائی یعنی خلافت فاروقی میں۔

(۲۲)اسامہ ابن شریک:آپ ذبیانی ثعلبی ہیں،کوفہ میں آپ کی احادیث زیادہ مشہور ہوئیں۔

(۲۳)افلح:آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یاام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں آزاد کردہ۔

(۲۴)ایفع ابن ناکور:آپ ذوالکلاع کے نام سے مشہور ہیں،یمن کے رہنے والے ہیں،اپنی قوم کے سردار تھے،جب ایمان لائے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خط لکھا کہ اسود عنسی کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو،جنگ صفین میں امیر معاویہ کے ساتھ تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے،آپ کو اشتر نخعی نے قتل کیا ۳۷ھ میں۔

(۲۵)انجشہ:آپ حبشی غلام تھے،حضور انور کی خدمت میں رہتے تھے،بڑے خوش آواز حدی خواں تھے،ایک بار آپ سے ہی حضور انور نے فرمایا تھا کہ اے انجشہ اپنی حدی یعنی گیت بند کردو میرے ساتھی کچی شیشیاں ہیں،آپ سے چند صحابہ نے روایات لیں۔

(۲۶)ابو امامہ باہلی:آپ ابو امامہ صدی ابن عجلان باہلی ہیں،اولًا مصر میں حمص میں رہے وہاں ہی وفات پائی،آپ شام کے آخری صحابی ہیں کہ آپ کی وفات سے زمین شام صحابہ سے خالی ہوئی، ۹۱ھ اکیانوے میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۲۷)ابو امامہ انصاری:آپ کا نام سعد ابن سہیل ابن حنیف ہے،انصاری اوسی ہیں مگر اپنی کنیت سے مشہور ہوئے۔ حضور انور کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،حضور نے آپ کا نام سعد اور کنیت ابوامامہ رکھی،حضور سے کچھ سن نہ سکے کہ بہت چھوٹے تھے اس لیے بعض محدثین نے آپ کو تابعی کہا ہے،آپ مدینہ منورہ کے بڑے علماء میں سے تھے، اپنے والد اور ابو سعید خدری وغیرہ صحابہ کے صحبت یافتہ ہیں،بانوے سال عمر ہوئی، ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔

(۲۸)ابو ایوب انصاری:آپ کا نام خالد ابن زید ہے،آپ انصاری خزرجی ہیں،تمام جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے،آپ کی وفات قسطنطنیہ میں ہوئی جسے اب استنبول کہتے ہیں، ۵۱ھ میں آپ کی وفات ہے امیر معاویہ کے زمانہ میں جب یزید ابن معاویہ کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا گیا تو آپ اس لشکر میں تھے بیمار ہوگئے جب مرض زیادہ ہوا تو وصیت کی کہ جب میں وفات پاجاؤں تو میری میت اپنے ساتھ رکھنا،جب تم دشمن کے مقابل صف آرا ہو تو مجھے اپنے قدموں کے نیچے دفن کرنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا آپ کی قبر قسطنطنیہ کے شہر پناہ کے پاس ہے اب تک مشہور ہے۔اس قبر کا اب تک بہت ہی احترام ہے لوگ آپ کی قبر کی برکت سے شفا حاصل کرتے ہیں انہیں شفا ملتی ہے،آپ سے بہت حضرات نے احادیث روایت کی ہیں۔خیال رہے کہ آپ ہی مدینہ منورہ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے پہلے میزبان ہیں۔(مترجم)

(۲۹)ابوامیہ مخزومی:آپ صحابی ہیں،آپ کا شمار اہلِ حجاز میں ہوتا ہے،آپ سے ابو المنذر نے احادیث نقل فرمائیں حالات زندگی معلوم نہیں ہوسکے۔

(۳۰)امیہ ابن مخشی:آپ بنی خزاعہ سے ہیں،ازدی ہیں،آپ کا شمار بصرہ والوں میں ہوتا ہے،آپ سے ایک حدیث کھانے کے متعلق مروی ہے جسے آپ کے بھتیجہ مثنی ابن عبدالرحمٰن نے روایت کیا۔

(۳۱)امیہ ابن صفوان:آپ امیہ ابن خلف کے پوتے ہیں،جمحی ہیں،اپنے والد صفوان سے احادیث روایت فرماتے ہیں۔

(۳۲)ابواسرائیل:آپ صحابی ہیں،آپ نے ہی نذر مانی تھی کہ خاموش رہیں گے روزہ رکھ کر دھوپ میں کھڑے رہیں گے سایہ میں نہ بیٹھیں گے حضور انور نے اس کے توڑنے کا حکم دیا،فرمایا کہ بیٹھو کلام کرو اور سایہ لو حضرت ابن عباس و جابر نے آپ سے احادیث لیں۔

(۳۳)آبی اللحم:آپ کا نام خلف ابن عبدالملک ہے یا عبداللہ ہے،غفاری ہیں،چونکہ آپ گوشت قطعًا نہیں کھاتے تھے اس لیے آپ کا لقب آبی اللحم ہوا یعنی گوشت کے انکاری،یا اپنے زمانہ جاہلیت میں بتوں کے نام پر ذبیحہ کا گوشت کبھی نہ کھایا،غزوہ حنین میں شہید ہوئے۔

الف۔۔۔تابعین عظام

(۱)اویس قرنی:آپ اویس ابن عامر ہیں،کنیت ابو عمرو ہے،قرن جو یمن کا شہر ہے وہاں کے رہنے والے ہیں،حضور انور کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ کرسکے،حضور انور نے آپ کے مدینہ آنے کی بشارت دی تھی،حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ سے ملاقات ہے،گوشہ نشینی اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھے،۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ شریک ہوئے۔

(۲)ابان ابن عثمان:آپ حضرت عثمان غنی کے فرزند ہیں،قرشی ہیں،تابعی ہیں،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں،یزید ابن عبدالملک کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۳)ایوب ابن موسیٰ:آپ ایوب ابن موسیٰ ابن عمرو ابن سعید ابن عاص ہیں،اموی ہیں،بڑے فقیہ تھے،۱۳۳ھ ایک سو تینتیس میں وفات پائی۔

(۴)امیہ ابن عبد اللہ:آپ امیہ ابن عبداللہ ابن خالد ابن اسید ہیں،مکی ہیں،ثقہ ہیں،خراسان کے حاکم رہے، ۸۰ھ اسی میں فات پائی۔

(۵)اسلم:آپ کی کنیت ابو خالد ہے،حضرت عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام حبشی تھے،آپ کو ۱۱ھ گیارہ میں حضرت عمر نے مکہ معظّمہ میں خریدا،ایک سو چودہ برس عمر ہوئی،مروان ابن حکم کی حکومت میں وفات پائی۔

(۶)ارزق ابن قیس:آپ حارثی ہیں،تابعی ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

(۷)اعمش:آپ کا نام سلیمان ابن مہران ہے،اسدی ہیں،کابلی ہیں،کابل قبیلہ اسد کا ایک قبیلہ ہے،۶۰ ساٹھ برس عمر ہوئی،آپ کی ولادت مقام رے میں ہوئی وہاں سے کوفہ لاکر آپ کو ایک کابلی آدمی کے ہاتھ فروخت کردیا گیا،آپ مشہور محدث بھی ہیں قاری بھی،آپ سے ایک خلقت نے علمی فیض لیے،۱۴۸ ایک سواڑتالیس میں وفات ہوئی،علماء کوفہ اکثر آپ کے شاگرد ہیں۔

(۸)اعرج:آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن ہرمزمدنی ہے،بنی ہاشم کے آزادکردہ غلام ہیں،مشہور ثقہ تابعی ہیں،مقام اسکندر میں ۱۲۰ ایک سو بیس میں وفات پائی۔

(۹)اسود:آپ اسود ابن ہلال محاربی ہیں،حضرت عمرو ابن معاذ اور ابن مسعود سے ملاقات بھی ہے اور اخذ روایات بھی ۸۴ھ چوراسی میں وفات ہوئی۔

(۱۰)ابراہیم ابن میسرہ:آپ طائف کے رہنے والے ہیں،تابعی ہیں،ثقہ ہیں۔

(۱۱)ابراہیم ابن عبدالرحمٰن:آپ کے دادا کا نام عوف ہے،ابراہیم کی کنیت ابواسحاق ہے،زہری قرشی ہیں،بچپن میں حضرت عمر فاروق اعظم سے ملاقات ہوئی،۹۶ چھیانوے میں وفات ہوئی،پچھتّر سال عمر پائی۔

(۱۲)ابراہیم ابن اسماعیل:آپ اشہلی ہیں،آپ دن کے روزہ دار رات کے شب بیدار تھے،دار قطنی وغیرہ نے کہا کہ آپ متروک الحدیث ہیں،۱۶۵ ایک سو پینسٹھ میں وفات پائی۔

(۱۳)ابراہیم ابن فضل:آپ مخزومی ہیں،محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں،آپ سے حضرت وکیع اور ابن نمیر وغیرہ نے احادیث لیں۔

(۱۴)اسحاق ا بن عبداللہ:آپ انصاری ہیں،مدنی ہیں،تابعی ہیں،امام مالک آپ کو بہت سے محدثین پر ترجیح دیتے تھے،آپ نے ۱۳۲ ایک سوبتیس میں وفات پائی۔

(۱۵)اسحاق ابن راہویہ:آپ کی کنیت ابو یعقوب ہے،نام اسحاق ابن ابراہیم تیمی ہے مگر مشہور ہیں ابن راہویہ سے، مسلمانوں کے مضبوط ستون اسلام کی چمکتی ہوئی نشانی،محدث فقیہ متقی صحیح حافظہ والے،بہت صفات کے جامع،طلب علم کے لیے خراساں،عراق،حجاز،یمن،شام کے سفر کیے،پھر وفات تک نیشاپور میں رہے،۷۴ چوہتر سال عمر ہوئی،۲۳۸ھ میں وفات ہوئی،آپ کے فضائل شمار سے باہر ہیں۔بخاری،مسلم ترمذی وغیرہ محدثین نے آپ سے روایت لیں۔

(۱۶)ابواسحاق سبعی:آپ کا نام عمرو ابن عبداللہ سبعی ہیں،ہمدانی کوفی ہیں،حضرت علی و ابن عباد وغیرہم سے ملاقات ہے،مشہور محدث ہیں،حضرت عثمان کے خلیفہ بننے کے دو سال بعد پیدا ہوئے،۱۲۹ ایک سو انتیس ہجری میں وفات ہوئی۔(رضی اللہ عنہم)

(۱۷) ابواسحاق ابن موسیٰ:آپ انصاری مدنی ہیں،بعد کوفہ میں رہے،بغداد میں حضرت سفیان ابن عیینہ وغیرہم سے فن حدیث حاصل کیا ۲۴۴ھ دوسو چوالیس میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۱۸)ابو ابراہیم اشہلی:آپ انصاری ہیں،آپ سے یحیٰی ابن کثیر نے روایت کی۔

(۱۹)ابو اسرائیل:آپ کا نام اسمٰعیل ابن خلیفہ ملائی ہے،۱۶۹ ایک سو انہتّر میں وفات ہوئی۔

(۲۰)ابو ایوب مراغی:آپ عقیلی ہیں،حضرت جویریہ اور ابوہریرہ سے روایات لیں رضی اللہ عنہم۔

(۲۱)ابوالاحوص:آپ کا نام عوف ابن مالک ابن فضیلہ ہے،اپنے والد اور حضرت ابن مسعود وغیرہم سے روایات لیں۔

(۲۲)الاحوص:آپ ابن جواب ہیں،اہل کوفہ سے ہیں،آپ سے علی ابن مدینی نے روایت لیں،۲۲۱ دوسو اکیس میں وفات ہوئی۔

(۲۳)ابوالاحوص:آپ کا نام سلام ابن سلیم حافظ ہیں،آپ سے چار ہزار احادیث مروی ہیں،ثقہ ہیں،۱۷۹ ایک سو اناسی میں وفات ہوئی۔

(۲۴)ابی ابن خلف:اس کا بھائی امیہ ابن خلف ہے،یہ ابن وہب کے پوتے ہیں،ابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن اپنے ہاتھ شریف سے قتل کیا،امیہ بدر میں مارا گیا،ان بے دینوں کے نام تابعین کی فہرست میں نہیں آنا چاہیے تھا۔(مترجم)

الف۔۔۔صحابیات

(۱)اسماء بنت ابوبکر الصدیق:آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں،حضور انور کی سالی،آپ کا نام لقب ذات النطاقین یعنی دوکمر بند والی ہے کیونکہ ہجرت کی رات آپ نے اپنے کمر بند کے دو ٹکڑے کرکے ایک ٹکڑے سے حضور انور کے سفر کا توشہ باندھا تھادوسرا ٹکڑا اپنے استعمال میں رکھا،یا دوسرے سے حضور کے سفر کا مشکیزہ باندھا،آپ حضرت عبداللہ ابن زبیر کی والدہ ہیں،مکہ معظّمہ میں ایمان لائیں،آپ سے پہلے صرف سترہ آدمی ایمان لائے تھے آپ اٹھارویں مؤمنہ ہیں،اپنی ہمشیرہ حضرت عائشہ صدیقہ سے دس سال بڑی ہیں،اپنے فرزند عبداللہ ابن زبیر کی شہادت سے دس دن بعد وفات ہوئی،ان کے سولی سے اترنے کے بعد ۱۰۰ برس عمر ہوئی،۷۳ تہتر میں مکہ معظّمہ میں وفات ہوئی رضی اللہ عنہا۔

(۲)اسماء بنت عمیس:آپ حضرت جعفر ابن ابو طالب کی زوجہ ہیں،اپنے خاوند کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں ہی آپ کے بیٹے محمد،عبداللہ،عون پیدا ہوئے،پھر مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئیں،حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے آپ سے نکاح کیا ان سے محمد ابن ابوبکر پیدا ہوئے،حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد حضرت علی کے نکاح میں آئیں ان سے یحیٰی ابن علی پیدا ہوئے،آپ سے بہت صحابہ نے روایات لی ہیں۔

(۳)انیسہ بنت خبیب:آپ انصاریہ ہیں،صحابیہ ہیں،اہلِ بصرہ میں آپ کا شمار ہے،آپ کے بھانجے خبیب ابن عبدالرحمٰن نے آپ سے احادیث روایات کیں۔

(۴)امیمہ بنت رقیقہ:آپ کے والد عبداللہ ہیں اور رقیقہ بنت خویلد آپ کی والدہ ہیں،آپ کی والدہ بی بی خدیجہ کی بہن ہیں،آپ اہلِ مدینہ سے ہیں۔

(۵)امامہ بنت ابی العاص:آپ ابوالعاص ابن ربیع کی بیٹی ہیں،آپ کی والدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت فاطمہ زہرا کی وفات کے بعد حضرت علی نے آپ سے نکاح کیا،حضرت فاطمہ زہرا نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بھانجی امامہ سے نکاح کرنا یہ نکاح زبیر ابن عوام کے اہتمام سے ہوا رضی اللہ عنہا۔

ب۔۔صحابہ کرام

(۱)ابوبکر الصدیق:آپ کا نام شریف عبداللہ ابن عثمان(ابوقحافہ)ابن عامر ابن عمرو ابن کعب ابن سعد ابن تیم ابن مرہ ہے یعنی ساتویں والد مرہ میں حضور سے ملتے ہیں،آپ کا لقب صدیق بھی ہے عتیق بھی،حضور نے فرمایا کہ جسے آگ دوزخ سے عتیق دیکھنا ہو وہ ابوبکر کو دیکھے۔حضور انور کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے،زمانہ جاہلیت اور اسلام میں کبھی بھی حضور انور سے الگ نہ ہوئے،آپ سب سے پہلے مؤمن ہیں قدرت خدا ہے کہ آپ کی کنیت ابوبکر ہے یعنی اولیت والے،ابو معنی والے،بکر معنی اولیت "سَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا"آپ ایمان،ہجرت،بعد رسول وفات وغیرہ سب میں اول ہی رہے۔(مترجم)آپ سفید رنگ دبلا بدن ہلکے رخسارے چہرہ پر رگیں ظاہر آنکھیں کچھ دھنسی ہوئی پیشانی اوبھری ہوئی مہندی اور وسمہ کا خضاب لگاتے تھے،آپ خود صحابی ہیں،والدین صحابی ہیں،ساری اولاد صحابی پوتے پوتے نواسی نواسے صحابی کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں جیسے یوسف علیہ السلام چار پشت کے نبی ہیں۔گروہ انبیاء میں صرف آپ کو یہ شرف حاصل ہے،یوں ہی جماعت صحابہ میں آپ ہی ہیں جو چار پشت کے صحابی ہیں،آپ کی ولادت مکہ معظّمہ میں واقعہ فیل کے دو سال چار ماہ بعد ہوئی،مدینہ منورہ میں بائیس جمادی آخر ۱۳ھ؁ تیرہ منگل کی رات مغرب و عشاء کے درمیان آپ کی وفات ہوئی،تریسٹھ سال عمر ہوئی،آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو غسل آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے دیا اور نماز حضرت عمر نے پڑھائی،آپ کی خلافت دو سال چار ماہ ہے،آپ سے بہت تھوڑی احادیث مروی ہیں کیونکہ آپ کی حیٰوۃ شریف حضور کے بعد بہت تھوڑی ہے،روضہ رسول میں دفن ہیں۔

(۲)ابوبکرہ:آپ کا نام نفیع ابن حارث ابن کلدہ ہے،ثقفی ہیں،آپ غزوہ طائف کے موقعہ پر ایک کنوئیں کی رسی کے ذریعہ جسے عربی میں بکرہ کہتے ہیں،لٹک کر حضور انور کی خدمت میں پہنچے حضور انور نے فرمایا تم ابوبکرہ یعنی رسی والے ہو،آپ غلام تھے حضور نے آپ کو آزاد کیا،بصرہ میں قیام رہا وہاں ہی وفات ہوئی،۴۹ انچاس میں وفات ہوئی۔

(۳)ابو برزہ:آپ کا نام فضلہ ابن عبید ہے،اسلمی ہیں،پرانے مسلمان ہیں،عبداللہ ابن خطل کو حضور کے حکم سے آپ نے قتل کیا تھا،حضور انور کی وفات تک ہر غزوہ میں حضور کے ساتھ رہے پھر بصرہ چلے گئے،خراسان کے غزوہ میں شریک ہوئے،مقام مرو میں آپ کی وفات ہوئی ۶۰ھ؁ ساٹھ میں۔

(۴)ابو بردہ:آپ کا نام ہانی ابن نیاز ہے ستر صاحبوں کے ساتھ دوسری بیعت عقبہ میں شریک ہوئے،بدروغیرہ غزوات میں شرکت کی آپ حضرت براء ابن عازب کے ماموں ہیں،آپ کی اولاد کوئی نہیں،شروع زمانہ امیر معاویہ میں وفات پائی تمام جنگوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے۔

(۵)ابوبصیر:آپ کا نام عتبہ ابن اسید ہے،ثقفی ہیں،پرانے مؤمنین سے ہیں،غزوہ حدیبیہ میں آپ کا ذکر آتا ہے،حضور کے زمانہ حیات میں ہی وفات پاگئے تھے۔

(۶)ابوبصرہ:آپ کا نام حمیل ابن بصرہ غفاری ہے۔

(۷)ابوالبشیر:آپ کا نام قیس ابن عبید ہے،انصاری مازنی ہیں،ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ ان کے نام کا یقینی علم نہ ہوسکا۔آپ صحابی ہیں،آپ سے ایک جماعت نے احادیث لیں،بہت لمبی عمر پائی،جنگ حرہ کے بعد وفات ہوئی۔
(۸)ابوالبدّاح:آپ کا نام غالبًا عاصم ابن عدی ہے،بعض کے خیال میں عاصم کے بیٹے کی کنیت ابوالبداح ہے ان کی کنیت ابو عمرو ہے،بعض نے آپ کو تابعی مانا ہے مگر قوی یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں، ۱۱۷ھ ایک سو سترہ میں وفات پائی چوراسی سال عمر ہوئی۔
(۹)براء ابن عازب:آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے،انصاری حارثی ہیں، ۲۴ھ چوبیس میں کوفہ پہنچے اور حضرت علی کے ساتھ جنگ جمل،صفین اور غزوہ نہروان میں شریک ہوئے،مصعب ابن زبیر کے زمانہ میں کوفہ میں وفات پائی۔
(۱۰) بلال ابن رباح:آپ حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام ہیں،سب سے پہلے مکہ معظّمہ میں آپ نے اپنا اسلام ظاہر کیا بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے،آخر میں شام میں رہے،آپ کی اولاد کوئی نہیں،آپ سے صحابہ و تابعین کی جماعت نے روایات لیں،۲۰ بیس میں دمشق میں وفات پائی،باب صغیر میں دفن ہوئے،۶۳ تریسٹھ سال عمر پائی۔بعض نے کہا کہ حلب میں وفات ہے باب اربعین میں آپ کی قبر ہے مگر پہلی بات قوی ہے۔مترجم احمد یار کہتا ہے کہ فقیر نے دمشق میں آپ کی قبر انور کی زیارت کی ہے بی بی سکینہ کی قبر سے متصل ہے،آپ نے اسلام کی خاطر اپنے پہلے مولیٰ امیہ ابن خلف کے ہاتھوں بہت تکالیف برداشت کیں۔امیہ جمحی خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو طرح طرح کی ایذائیں دیتا تھا اللہ کی شان کہ وہ مردود غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں چھیدا گیا اور حضرت بلال کے ہاتھوں جہنم میں پہنچا۔حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سید ہیں،انہوں نے ہمارے سید کو آزاد فرمایا۔
(۱۱) بلال ابن حارث:آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے،مزنی ہیں،آپ اشعر میں رہے،۸۰ اسی سال عمر ہوئی،۶۰ میں وفات پائی۔
(۱۲)بریدہ ابن حصیب:آپ اسلمی ہیں،غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے مگر اس میں شریک نہ ہوئے،بیعت الرضوان میں موجود تھے مدینہ منورہ کے باشندے تھے،پھر بصرہ چلے گئے،وہاں سے خراسان کے جہاد میں گئے وہاں ہی شہید ہوئے یعنی یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں، ۶۲ھ میں وفات ہوئی،مرو میں آپ کی قبر شریف ہے۔
(۱۳)بشیر ابن معبد:آپ ابن خصاصیہ کے لقب سے مشہور ہیں،خصاصیہ آپ کی ماں ہیں جن کا نام کبشہ ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔
(۱۴)بسر ابن ابی ارطاۃ:آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے اور آپ کے باپ کا نام عمیر عامری قرشی ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ نے حضور انور کا فرمان عالی نہیں سنا کہ اس زمانہ میں آپ بہت چھوٹے تھے مگر اہل شام کہتے ہیں کہ سنا ہے،واقدی فرماتے ہیں کہ حضور انور کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،آخری عمر میں مخبوط الحواس ہوگئے تھے امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔
(۱۵)بدیل ابن ورقاء:آپ خزاعی ہیں،آپ جنگ صفین کے موقعہ پر قتل کیے گئے،آپ کو خود آپ کے بیٹے نے قتل کیا، بعض نے فرمایا کہ حضور انور کے زمانہ میں قتل کیے گئے،آپ کے بیٹے کا نام عبداللہ ہے۔

(۱۶)ابنا بسر: ان دونوں کا نام عطیہ اور عبداللہ ہے ان کا بیان عین کی تختی میں آئے گا۔ان سے صرف ایک حدیث کھجور مکھن کے ساتھ کھانے کے متعلق مروی ہے۔

(۱۷)بیاضی:آپ بیاضہ ابن عامر کی اولاد ہیں،آپ کا نام عبداللہ ابن جابر ہے،صحابی ہیں۔

ب۔۔۔تابعین عظام

(۱) بلال ابن یسار:آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید کے پوتے ہیں یعنی یسار زید کے بیٹے ہیں مگر یہ زید زید ابن حارثہ نہیں،وہ دونوں حضرات صحابی ہیں اور بلال تابعی۔

(۲) بلال ابن عبداللہ:آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے بیٹے ہیں،قرشی ہیں،عدوی ہیں،ثقہ اور مقبول الحدیث ہیں۔

(۳)بسر ابن محجن:آپ دیلمی حجازی ہیں،ابن مندہ نے آپ کو صحابی کہا ہے،امام بخاری وغیرہ نے انہیں تابعی فرمایا،آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

(۴)بہز ابن حکیم:آپ بہز ابن حکیم ابن معاویہ ابن حیدہ ہیں،قشیری بصری ہیں،آپ کے متعلق علماء میں اختلاف رہا، بخاری و مسلم نے آپ کی کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

(۵)بشر ابن مروان:آپ مروان ابن حکم کے بیٹے ہیں،اموی ہیں،قرشی ہیں،عبدالملک ابن مروان کے بھائی ہیں،اسی کی طرف سے آپ عراق کے حاکم رہے۔

(۶)بشیر ابن رافع:آپ نے یحییٰ ابن کثیر وغیرہ سے احادیث نقل کیں،ابن معین نے آپ کو قوی کہا۔

(۷)بشر ابن ابی مسعود:آپ کے والد ابو مسعود بدری ہیں،صحابی ہیں،آپ سے بہت سے محدثین نے روایات لیں۔

(۸)بشیر ابن میمون:آپ نے اپنے چچا اسامہ ابن اخدری سے احادیث روایت کیں۔

(۹)بجالہ بن عبدہ:آپ تمیمی ہیں،جزء ابن معاویہ کے کاتب تھے،مکی ہیں،ثقہ ہیں،اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے،عمران ابن حسین سے روایت لیں۔

(۱۰)ابوبردہ:آپ کا نام عامر ابن عبداللہ ابن قیس ہے یعنی ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے ہیں کہ عبداللہ ابن قیس ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے،آپ حضرت علی کے ساتھ رہے،قاضی شریح کے بعد کوفہ کے قاضی رہے حجاج ابن یوسف نے آپ کو معزول کیا،اپنے والد اور حضرت علی سے احادیث نقل کیں۔

(۱۱)ابو بکر ابن عیاش:آپ مخزومی ہیں،تابعی ہیں،حضرت عائشہ اور ابوہریرہ سے احادیث سنیں۔

(۱۲)ابو بکر ابن عبداللہ ابن زبیر:آپ اسدی ہیں،علماء دین میں سے اعلیٰ درجہ کے عالم ہیں،چھیانوے سال عمر پائی،۱۵۳ایک سو ترپن میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۱۳)ابو بکر ابن عبدالرحمٰن کا ذکر عین کی تختی میں آوے گا،آپ حمیدی ہیں،امام بخاری کے استاذ ہیں۔

(۱۴)ابوالبختری:آپ کا نام سعید ابن فیروز ہے،آپ نے چاند دیکھنے کے متعلق حدیث روایات کی۔

ب۔۔۔صحابیات

(۱) بریرہ:آپ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ،ابن عباس، عروہ ابن زبیر سے روایات لیں۔مترجم کہتا ہے کہ آپ کے فضائل بہت ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت کے موقعہ پر آپ نے نہایت نفیس طرح پاکدامنی بیان فرمائی آپ کے ذریعہ تین فقہی مسائل ثابت ہوئے۔

(۲) بسرہ:آپ بسرہ بنت صفوان ابن نوفل ہیں،قرشیہ اسدیہ ہیں،ورقہ ابن نوفل کی بھتیجی ہیں۔

(۳) بہیسہ:آپ فزاریہ ہیں،صحابیہ ہیں،آپ نے اپنے والد سے بھی روایت لیں ہیں۔

(۴) ام بجید:آپ کا نام حواء بنت یزید ابن سکن ہے،انصاریہ ہیں،اسماء بنت یزید کی بہن ہیں۔

(۵) بنانۃ: حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،عبدالرحمٰن ابن حبان کی آزادہ کردہ لونڈی ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت لیتی ہیں۔

ت۔۔۔صحابہ کرام

(۱) تمیم داری:آپ کا نام تمیم بن اوس ہے، قبیلہ بنی عبدالدار سے ہیں، پہلے عیسائی تھے، ۹ھ نو اسلام لائے،آپ ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرتے تھے، کبھی ایک آیت بار بار پڑھتے تھے حتی کہ ایک رکعت میں سویرا ہو جاتا تھا،آپ ایک رات سوگئے حتی کہ تہجد نہ پڑھ سکے تو اس کے کفارہ میں ایک سال تک نہ سوئے تمام رات عبادت ہی کرتے رہتے،اولًا مدینہ منورہ میں رہے پھر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام منتقل ہوگئے وہاں ہی وفات پائی،سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ سے روشنی آپ ہی نے کی آپ نے دجال اور جساسہ کا واقعہ حضور اکرم سے بیان کیا۔

ت۔۔۔تابعین کرام

(۱) ابو تمیمہ:آپ کا نام طریف ابن خالد جہمی ہے،یمن کے باشندے تھے،پھر بصرہ میں رہے،آپ نے بہت صحابہ سے ملاقات کی ہے، ۹۵ھ پچانوے میں وفات پائی۔

ث۔۔۔صحابہ کرام

(۱) ثابت ابن قیس ابن شماس:آپ انصاری خزرجی ہیں،احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے،عظیم الشان صحابی ہیں،آپ کے لیے حضور انور نے جنت کی گواہی دی،حضور انور کے خطیب تھے۔۱۲ بارہ ہجری میں غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے جو عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب سے ہوا۔

(۲) ثابت ابن ضحاک:آپ کی کنیت ابو زید ہے،انصاری خزرجی ہیں،بچپن میں بیعت الرضوان میں حضور انور سے بیعت کی واقعہ ابن زبیر میں وفات ہوئی۔

(۳) ثابت ابن وحداح:آپ انصاری ہیں،آپ غزوہ احد میں خالد ابن ولید کے برچھے سے شہید ہوئے،بعض مؤرخین کا قول ہے کہ آپ نے بستر پر وفات پائی۔واللہ و رسولہ اعلم!

(۴) ثوبان:آپ ثوبان ابن بجدہ ہیں،کنیت ابو عبداللہ ہے،آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کردیا،آپ حضور انور کی وفات تک سفر وحضر میں حضور کے ساتھ رہے،پھر شام کی بستی رملہ میں قیام رہا وہاں سے حمص چلے گئے، ۵۴ھ چون میں وہاں ہی وفات پائی آپ سے بہت لوگوں نے احادیث لیں۔

(۵)ثمامہ ابن اثال:آپ حنفی یعنی قبیلہ حنیفہ سے ہیں،یمامہ والوں کے سردار،آپ حضور انور کی خدمت میں قید کرکے لائے گئے انہیں حضور انور نے چھوڑ دیا آپ چلے گئے،پھر غسل کرکے کپڑے دھوکر حضور انور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

(۶)ابوثعلبہ:آپ کا نام جرہم ابن ناشب ہے،آپ خشنی ہیں،بیعت الرضوان میں حضور سے بیعت کی،حضور نے آپ کو آپ کی قوم کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجاساری قوم آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئی،آخر میں شام میں رہے، ۷۵ھ پچھتّر میں وہاں ہی وفات پائی۔

ث۔۔۔تابعین عظام

(۱)ثابت ابن ابی صفیہ:آپ کی کنیت ابو حمزہ ہے،کوفی ہیں،امام محمد ابن باقر سے روایات لیں،۱۴۸ ایک سو اڑتالیس میں وفات پائی۔

(۲)ثابت ابن اسلم:آپ کی کنیت ابو محمد ہے،بنانی ہیں،تابعی ہیں،اہلِ بصرہ سے ہیں،مشہور محدث ہیں،حضرت انس کے ساتھ چالیس سال رہے،چھیاسی[۸۶] سال عمر پائی،۱۲۳ ایک سوتئیس میں وفات پائی۔

(۳)ثمامہ ابن حزن:آپ قشیری ہیں،آپ نے متعدد صحابہ سے ملاقات کی ہے جیسے حضرت عمر اور عبداللہ ابن عمر اور ابو الدرداء اور عائشہ صدیقہ۔

(۴)ثور ابن یزید:آپ قبیلہ بنی کلاع سے ہیں،شامی ہیں،حضرت خالد ابن معدان سے ملاقات ہے، ۱۵۵ھ ایک سوپچپن میں وفات ہوئی۔

ج۔۔۔صحابہ کرام

(۱)جابر ابن عبداللہ:آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،سلمی ہیں،بہت احادیث آپ سے مروی ہیں،آپ بدر وغیرہ اٹھارہ غزوات میں شریک ہوئے،حضور انور کی وفات کے بعد شام و مصر گئے،آخر نابینا ہوگئے تھے،آپ کی عمر چورانوے سال ہوئی ۷۴ھ چوہتّر میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی،آپ مدینہ منورہ کے آخری صحابی ہیں کہ آپ کی وفات سے زمین مدینہ صحابی سے خالی ہوگئی۔

(۲)جابر ابن سمرہ:آپ کی کنیت ابو عبداللہ عامری ہیں،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں،کوفہ میں قیام رہا وہاں ہی وفات ہوئی ۷۴ھ چوہتّر میں وفات ہے،ایک جماعت نے آپ سے احادیث لیں۔

(۳)جابر ابن عتیک:آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے،۹۱ سال عمر ہوئی ۶۱ھ میں وفات ہوئی۔

(۴)جبار ابن صخر:آپ انصاری سلمی ہیں،بیعت عقبہ اور بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے،بیعت عقبہ میں آپ ستر میں سے ایک تھے۔

(۵)جریر ابن عبداللہ:آپ کی کنیت ابو عمرو ہے،حضور انور کی وفات کے سال آپ ایمان لائے،خود فرماتے ہیں کہ میں وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لایا،آخر میں کوفہ میں رہے،پھر بستی قرقیس میں وفات پائی، ۵۱ھ اکیاون میں وفات ہے۔

(٦) جندب ابن عبداللہ: آپ عبداللہ ابن سفیان کے بیٹے ہیں،بجلی علقی ہیں،علق بجل کا ایک خاندان ہے واقعہ عبداللہ ابن زبیر کے چار سال بعد وفات پائی۔
(٧) جبیر ابن مطعم: آپ کی کنیت ابو محمد ہے،قرشی نوفلی ہیں،فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے،مدینہ منورہ میں رہے، ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
(٨) جریر ابن خویلد: آپ اسلمی مدنی ہیں،صفہ والوں میں سے ہیں، ۶۱ھ اکسٹھ میں وفات ہوئی۔
(٩) جعفر ابن ابی طالب: آپ ہاشمی و مطلبی ہیں،حضرت علی مرتضٰی کے بڑے بھائی،آپ کا لقب ذوالجناحین بھی ہے یعنی دو پروں والے اور طیار بھی یعنی اڑنے والے،آپ اکتیس لوگوں کے بعد ایمان لائے یعنی بتیسویں مؤمن ہیں،حضرت علی سے دس سال بڑے ہیں،صورت و سیرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ تھے،آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ ابن جعفر اور دوسرے بہت صحابہ نے احادیث روایت کیں،اکتالیس سال عمر پائی ٨ آٹھ ہجری غزوہ موتہ میں اس طرح شہید ہوئے کہ آپ کے جسم شریف کے سامنے والے حصے میں نوے زخم تھے تلواروں نیزوں کے۔مترجم کہتا ہے کہ آپ کی شہادت کی خبر حضور انور نے مدینہ منورہ میں دی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور خبر شہادت دے رہے تھے،آپ نے مدینہ منورہ میں نماز جنازہ اور بعد نماز دعاء مغفرت فرمائی،آپ کے فضائل بہت ہیں ان چار میں سے ایک ہیں جنکی غائبانہ میت حاضر کی گئی۔
(١٠) جارود: آپ کا نام بشر ابن عمرو ہے،جارود لقب ہے،عبدی ہیں،٩ نو میں حضور انور کی خدمت میں وفد عبدالقیس میں حاضر ہوئے،بعد ازاں مصر میں رہے۔اور فارس میں قتل کیے گئے ٢١ اکیس خلافت فاروقی میں آپ کی شہادت ہے۔
(١١) جبلہ ابن حارثہ: آپ کلبی ہیں اور زید ابن حارثہ کے بھائی ہیں،زید سے بڑے ہیں،زید کو حضور نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔
(١٢) ابو جہیم: آپ کا نام ابوجہیم ہے،بعض نے فرمایا کہ عبداللہ ابن حارث ابن صمہ ہے،صحابی ہیں،انصاری ہیں۔
(١٣) ابو جحیفہ: آپ کا نام وہب ابن عبداللہ ہے،عامری ہیں،کوفہ میں رہے،نو عمر صحابہ میں سے ہیں،آپ کے بلوغ سے پہلے حضور انور کی وفات ہوئی، ۷۴ھ چوہتّر میں کوفہ میں وفات ہوئی،صحابی ہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت تمیزوہوش دیکھا ہے۔
(١٤) ابو جمعہ: آپ انصاری ہیں،آپ کے نام میں اختلاف ہے کہ حبیب ابن سباع ہے یا جنید ابن سباع یا کچھ اور،آپ شام میں رہے،صحابی ہیں۔
(١٥) ابوالجعد: بعض نے فرمایا کہ یہ ہی آپ کا نام ہے،بعض نے کہا کہ آپ کا نام وہب ہے۔
(١٦) ابو جندل: آپ سہیل ابن عمر قرشی عامری کے بیٹے ہیں،مکہ معظّمہ میں ایمان لائے،باپ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں،آپ نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر انہیں بیڑیوں میں اپنے کو حضور انور تک پہنچایا پھر آپ کے عجیب واقعات ہوئے، خلافت فاروقی میں وفات پائی۔
(١٧) ابو جہیم: آپ کا نام عامر بن حذیفہ ہے،عدوی قرشی ہیں،حضور انور نے آپ ہی سے کپڑا خریدا،اپنی کنیت میں مشہور ہیں۔
(١٨) ابوجری: آپ کا نام جابر ابن سلیم ہے،تمیمی ہیں،بصرہ میں رہے،بہت کم روایت آپ سے ہیں۔

(۱۹)ابو جمیل:کتاب الزکوۃ میں ان کا ذکر آتا ہے،نام اور احوال کا پتہ نہیں۔

ج۔۔۔تابعین عظام

(۱) جعفر صادق:آپ جعفر ابن محمد بن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب ہیں،صادق لقب ہے،ابو عبداللہ کنیت ہے، سادات اہل بیت سے ہیں،یحیٰی ابن سعید ابن جریج،مالک ابن انس،سفیان ثوری،ابن عیینہ اور امام ابوحنیفہ سے روایات لیں، ۸۰ھ اسی میں ولادت ۱۴۸ھ ایک سو اڑتالیس میں وفات ہے،ارسٹھ سال عمر ہوئی،مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں اپنے والد محمد باقر اور دادا امام زین العابدین کے پاس دفن ہوئے،مترجم نے زیارت کی ہے۔

(۲) جعفر ابن محمد:آپ محمد ابن ابی عثمان کے فرزند ہیں،طیالسی ہیں،کنیت ابو الفضل، ۲۸۲ھ دوسوبیاسی میں وفات ہے۔

(۳)ابو جعفر قاری:آپ کا نام یزید ابن قعقاع ہے، قاری ہیں،مدنی ہیں،مشہور تابعی ہیں،عبداللہ ابن عیاش کے آزا دکردہ غلام ہیں۔

(۴)ابو جعفر:آپ کا نام عمیر ابن یزید ہے خطمی ہیں جماعت صحابہ سے ملاقات ہے۔

(۵)ابوالجویریہ:آپ کا نام حطان ابن حقاف ہے،جرمی ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

(۶)ابوالجوزا:آپ کا نام اویس ابن عبداللہ ہے،ازدی ہیں،بصری ہیں، ۸۳ھ تراسی میں قتل کیے گئے۔

(۷)حزاء ابن معاویہ:آپ تمیمی ہیں،آپ سے بجالہ وغیرہم نے احادیث روایت کیں۔

(۸)جمیع ابن عمیر:آپ تمیمی ہیں،اہل کوفہ سے ہیں،حضرت عمر عائشہ صدیقہ وغیرہم سے احادیث سنیں۔

(۹)ابن جریج:آپ کا نام عبدالملک ابن عزیز ابن جریج ہے،مکی ہیں،آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح علم دوسروں نے جمع نہیں کیا، ۱۵۰ھ ایک سوپچاس میں آپ کی وفات ہوئی۔

ج۔۔۔صحابیات

(۱)جویریہ:آپ بنت حارث ہیں، ۵ھ پانچ ہجری میں غزوہ مریسیع میں تھے جسے غزوہ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں،گرفتار ہوکر آئیں اور حضرت ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئیں،انہوں نے آپ کو مکاتب کردیا،حضور انور نے آپ کی کتابت کا روپیہ ادا کرکے آپ کو آزاد کرکے آپ سے نکاح کرلیا لہذا آپ ام المؤمنین ہیں،آپ کا پہلا نام برہ تھا حضور انور نے بدل کر جویریہ نام رکھا،آپ نے پینسٹھ سال عمر پائی،ربیع الاول ۵۶ھ چھپن میں وفات ہوئی،آپ کے بہت فضائل ہیں۔

(۲)جدامہ:آپ جدامہ بنت وہب ہیں،اسدیہ ہیں،مکہ معظّمہ میں ایمان لائیں حضور انور سے بیعت کرکے اپنی ساری قوم کو چھوڑ دیا حضور کی خدمت میں رہیں۔

ح۔۔۔صحابہ کرام

(۱)حمزہ:آپ عبد المطلب کے بیٹے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی کیونکہ ثویبہ نے حضور کو بھی دودھ پلایا ہے اور آپ کو بھی،آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے،لقب اسد اللہ،نبوت کے دوسرے سال ایمان لائے،آپ کے ایمان لانے سے اسلام کو بہت قوت ملی،غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ احد میں شریک ہوئے،وحشی ابن

حرب نے آپ کو شہید کیا،حضور انور سے عمر میں چار سال زیادہ تھے،مختلف زمانوں میں حضور نے اور حمزہ نے ثویبہ کا دودھ پیا ہے،حضرت علی عباس اور زید ابن حارث نے آپ سے احادیث لیں۔

(۲)حمزہ ابن عمرو:آپ اسلمی ہیں اہلِ حجاز سے،۸۰ اسی سال عمر ہوئی،۶۱ھ اکسٹھ میں وفات ہوئی۔

(۳)حذیفہ ابن یمان:آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،عبسی ہیں،آپ کے والد کا نام حسیل ہے،یمان لقب ہے،حضرت حذیفہ حضور انور کے صاحب اسرار رازدار ہیں،حضرت عثمان کی شہادت کے چالیس دن بعد آپ کی وفات مدائن میں ہوئی وہاں ہی آپ کی قبر شریف ہے، ۳۵ھ میں وفات ہے۔

(۴)حسن ابن علی:آپ کی کنیت ابو محمد ہے،سبط رسول اللہ،ریحانہ رسول،سید شباب اہل جنت آپ کے القاب ہیں۔۱۵ رمضان ۳ھ تین ہجری میں آپ کی ولادت ہے،۵۰ میں وفات،جنت البقیع میں مزار مقدس ہے۔اپنے والد ماجد علی مرتضٰی کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ ہوئے،چالیس ہزار سے زیادہ لوگوں نے موت پر آپ سے بیعت کی لیکن آپ نے مسلمانوں میں خونریزی دفع کرنے کے لیے امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست برداری فرمالی،یہ واقعہ ۱۵ جمادی اولیٰ ۴۱ اکتالیس کو ہوا قریبًا چھ ماہ خلافت کی،آپ کی وفات زہر دیئے جانے سے ہوئی،۲۹ انتیس صفر یا چار ربیع الاول شنبہ کی شب ہوئی،اس کے متعلق اور بھی قول ہیں مگر چہارم ربیع الاول قوی ہے۔(مترجم از کتاب ہشت بہشت)

(۵)حسین ابن علی:آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور سبط رسول،ریحانہ رسول،سید شباب اہل جنت آپ کے القاب ہیں،آپ پانچ شعبان ۴ چار ہجری کو حضرت فاطمہ زہرا کے شکم پاک سے پیدا ہوئے،آپ حسن کی ولادت سے پچاس رات بعد حضرت حسین کی حاملہ ہوئی تھیں اور حضرت حسین کی شہادت دسویں محرم ۶۱ اکسٹھ جمعہ کے دن بعد زوال مقام کربلا میں ہوئی،کربلا عراق میں کوفہ اور حلہ کے درمیان مشہور بستی ہے آپ کو سنان ابن انس نخعی نے یا شمر ذی الجوشن نے شہید کیا،خولی ابن یزید اصبحی نے آپ کا سر مبارک تن شریف سے جدا کیا پھر یہ ہی خولی عبید اللہ ابن زیاد گورنر کوفہ کے پاس پہنچا اور کچھ اشعار پڑھ کر انعام کا طالب ہوا۔ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ میری رکاب سونے چاندی سے بھردے کیونکہ میں نے بڑے بادشاہ زادے کو قتل کیا ہے،میں نے اسے تیری خاطر قتل کیا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے اشرف ہے جس کا نسب بہترین ہے،حضرت حسین کے ساتھ آپ کے خاندان کے یعنی اولاد بھائی بھتیجے تئیس ۲۳ اشخاص شہید ہوئے،آپ شہادت کے وقت اٹھاون سالہ تھے آپ سے حضرت ابوہریرہ،امام زین العابدین فاطمہ اور سکینہ بنت حسین نے احادیث نقل فرمائیں۔اللہ کی شان کہ ۶۷ سرسٹھ میں عین عاشورہ کے دن عبید اللہ ابن زیاد قتل کیا گیا،اسے مالک ابن اشتر نخعی نے قتل کیا اس کا سر مختار کے پاس بھیجا مختار نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے پاس اور عبداللہ ابن زبیر نے امام زین العابدین کے پاس بھیجا۔مترجم کہتا ہے کہ پھر مختار بھی مارا گیا،اس کی قبر کوفہ میں ہے میں نے دیکھی ہے،تنور نوح کے پاس ہے۔

(۶)حسان ابن ثابت:آپ کی کنیت ابو الولید ہے،انصاری خزرجی ہیں،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص شاعر ہیں، شاعروں کے سرتاج ابو عبید کہتے ہیں اہل عرب متفق ہیں کہ شاعروں سے افضل شاعر حسان ہیں،آپ نے ۴۰ھ

چالیس سے پہلے حضرت علی مرتضٰی کی خلافت میں وفات پائی ایک سوبیس سال عمر ہوئی،ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں۔

(۷)حکم ابن سفیان:آپ ثقفی ہیں،سفیان کے یا حکم کے بیٹے ہیں یعنی یا تو حکم ابن سفیان ہیں یا سفیان ابن حکم،بعض محدثین فرماتے ہیں کہ آپ تابعی ہیں مگر قوی یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں ابن عبدالبر نے صحابی مانا ہے۔

(۸)حکم ابن عمرو:آپ کو غفاری کہا جاتا ہے اس لیے نہیں کہ آپ قبیلہ بنی غفار سے ہیں بلکہ اس لیے کہ آپ غفار ابن ملیل کے بھائی کی اولاد سے ہیں،بصرہ میں رہے مقام مرد میں وفات پائی،بعض کے نزدیک بصرہ میں پانچ سال رہے وہاں ہی وفات ہوئی مگر مقام مرد میں حضرت بریدہ اسلمی کے ساتھ ایک جگہ دفن ہوئے۔

(۹)حنظلہ ابن ربیع:آپ تمیمی ہیں،آپ کو کاتب کہا جاتا تھا کیونکہ آپ کاتبِ وحی رہے ہیں،حضور انور کے بعد آپ مکہ معظّمہ چلے گئے وہاں سے مقام قرقس گئے وہاں ہی رہے،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات ہوئی آپ سے ابو عثمان اور یزید ابن شخیر نے احادیث لیں۔

(۱۰)حاطب ابن ابی بلتعہ:آپ کے والد کا نام عمرو ہے یا راشد،ابو بلتعہ ان کی کنیت ہے،بدر اور خندق وغیرہ میں شریک ہوئے،پینسٹھ سال عمر پائی،۳۰ تیس میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

(۱۱)حویصہ:آپ سعود ابن کعب کے بیٹے ہیں،انصاری حارثی ہیں،محیصہ کے بڑے بھائی ہیں مگر اپنے چھوٹے بھائی محیصہ کے بعد ایمان لائے،غزوہ احد خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

(۱۲)حبیش ابن خالد:آپ خزاعی ہیں،فتح مکہ کے دن حضرت خالد کے ساتھ تھے اور شہید ہوئے،آپ کے بیٹے ہشام نے آپ سے روایات لیں۔

(۱۳)حبیب ابن مسلمہ:آپ قرشی فہری ہیں،آپ کو حبیب الروم کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے روم پر بہت جہاد کیے آپ مقبول الدعا تھے،ملک شام میں ۴۲ بیالیس میں وفات ہوئی۔

(۱۴)حکیم ابن حزام: آپ کی کنیت ابو خالد ہے،قرشی ہیں،اسدی ہیں،حضرت خدیجہ کے بھتیجے ہیں،کعبہ معظّمہ میں ولادت ہوئی واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے،زمانہ جاہلیت اور اسلام میں قریش کے سردار تھے،مکہ کے سال ایمان لائے،ایک سوبیس سال عمر ہوئی،۵۴ چون میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی،آپ نے جاہلیت میں ساٹھ سال گزارے اور اسلام میں ساٹھ سال پہلے مؤلفۃ القلوب میں سے تھے پھر پختہ مؤمن ہوئے،اسلام سے پہلے آپ نے سو غلام آزاد کیے اور سو اونٹ اللہ کی راہ میں خیرات کیے۔

(۱۵)حکیم ابن معاویہ: آپ نمیری ہیں،امام بخاری نے فرمایا کہ آپ کے صحابیت میں شک ہے۔

(۱۶)حکیم ابن وجوح: آپ انصاری ہیں،آپ کی احادیث مدینہ منورہ میں مشہور ہیں،آپ کو بہت ایذائیں دے کر قتل کیا گیا۔

(۱۷)حبشی ابن جنادہ: آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں دیکھا۔

(۱۸)حجاج ابن عمرو: آپ انصاری مازنی ہیں،اہلِ مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۱۹)حارثہ ابن سراقہ: آپ انصاری ہیں،آپ کی ماں کا نام ربیع ہے یعنی حضرت انس ابن مالک کی پھوپھی،آپ غزوہ بدر میں شریک اور شہید ہوئے،آپ انصار میں پہلے شہید ہیں جو بدر میں شہید ہوئے۔

(۲۰)حارثہ ابن وہب: آپ خزاعی ہیں،عبید اللہ ابن عمر ابن خطاب کے اخیافی بھائی،آپ کا شمار اہلِ کوفہ میں سے ہے۔

(۲۱)حارثہ ابن نعمان: آپ فضلاء صحابہ میں سے ہیں،غزوہ بدر احد اور تمام غزوات میں شامل ہوئے،آپ ہی کا وہ واقعہ ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر گزرے حضور کے ساتھ ایک صاحب اور بھی تھے آپ نے سلام کیا ان صاحب نے جواب دیا جب آپ واپس ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے میرے پاس والے شخص کو دیکھا تھا میں نے عرض کیا ہاں،فرمایا وہ جناب جبریل تھے انہوں نے تمہارے سلام کا جواب دیا،آخر میں آپ نابینا ہوگئے آپ مشہور صحابی ہیں۔

(۲۲)حارث ابن حارث: آپ اشعری ہیں،اہلِ شام میں آپ کا شمار ہے۔

(۲۳)حارث ابن ہشام: آپ مخزومی ہیں،ابوجہل ابن ہشام کے بھائی ہیں،حجاز میں بڑے شریف شمار ہوتے تھے،فتح مکہ کے دن ایمان لائے آپ کے لیے حضرت ام ہانی بنت ابوطالب نے حضورانور سے امان مانگی حضور نے امان دے دی اور آپ کو سو اونٹ عطا فرمائے،آپ مکہ معظّمہ سے شام چلے گئے تھے،شوق جہاد میں وہاں ہی رہے،۱۵ پندرہ جنگ یرموک میں خلافت فاروقی میں شہید ہوئے۔

(۲۴)حارث ابن کلدہ: آپ ثقفی ہیں،طبیب ہیں،ابوبکر صدیق کے آزادکردہ غلام ہیں۔حق یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں اول اسلام میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۲۵)ابوحبہ: آپ کا نام ثابت ابن نعمان ہے،انصاری بدری ہیں،آپ کے نام میں اختلاف ہے،بدر میں شریک ہوئے،احد میں شہید ہوئے۔

(۲۶)ابوحمید: آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن سعد ہے، انصاری خزرجی ساعدی ہیں،آپ سے ایک جماعت نے احادیث لیں وفات امیر معاویہ کے آخری دور میں ہوئی۔

(۲۷)ابوحذیفہ: آپ کا نام ہشم یا ہشیم ہے،عتبہ ابن ربیعہ کے بیٹے ہیں،غزوہ بدر،احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،۵۳ ترپین سال عمر ہوئی،غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے خلافت صدیقی میں۔

(۲۸)ابو حنظلیہ: آپ کا نام سہیل ابن عبداللہ ہے حنظلیہ ہیں،حنظلیہ آپ کی پر دادی کا نام ہے۔

ح۔۔۔تابعین عظام

(۱)حارث ابن سوید: آپ تیمی کوفی ہیں،فضلاء تابعین میں سے ہیں،حضرت عبداللہ ابن زبیر کے آخر دور میں وفات پائی۔

(۲)حارث ابن مسلم: آپ تیمی ہیں،آپ کی احادیث اہلِ شام میں مشہور ہیں۔

(۳)حارث ابن اعور: آپ عبداللہ اعور کے بیٹے ہیں،حارثی ہیں،ہمدانی ہیں،حضرت علی مرتضٰی کے خاص صحبت یافتہ ہیں، آپ علم فقہ علم فرائض میں بہت مشہور تھے لوگ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے،۶۵ پینسٹھ میں کوفہ میں آپ نے وفات پائی۔

(۴)حارث ابن شہاب: آپ حرمی ہیں،لوگوں نے آپ کو ضعیف کہا ہے۔
(۵)حارث ابن وجیہ: آپ راسی یعنی بنی راس سے ہیں،مالک ابن دینار سے احادیث نقل کرتے ہیں۔
(۶)حارثہ ابن مضرب: آپ عبدی کوفی ہیں،مشہور تابعی ہیں،حضرت علی اور ابن مسعود سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
(۷)حارثہ ابن ابی الرجال: آپ نے اپنے والد اور اپنی دادی عمرہ سے روایت لیں مگر آپ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔
(۸)حفص ابن عاصم: آپ عاصم ابن عمر ابن خطاب کے بیٹے ہیں،قرشی عدوی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،حضرت ابن عمر سے روایت لیتے ہیں۔
(۹)حفص ابن سلیمان: آپ کی کنیت ابو عمرو ہے،قبیلہ ابن اسد کے آزاد کردہ ہیں،علم قراءت میں بڑے محقق ہیں،علم حدیث میں نہیں۔امام بخاری کہتے ہیں کہ محدثین نے آپ کو چھوڑ دیا ہے،نوے سال عمر ہوئی،۱۰۸ ایک سو آٹھ میں وفات پائی۔
(۱۰)حسن ابن عبداللہ: آپ سبائی ہیں،کوفہ میں حضرت علی کے ساتھ رہتے تھے،حضرت علی کی شہادت کے بعد مصر چلے گئے،۱۰۰ سو ہجری میں وفات پائی۔
(۱۱)حکیم ابن معاویہ: آپ قشیری ہیں،بدوی ہیں،اپنے والد سے احادیث لیتے ہیں۔
(۱۲)حکیم ابن اثرم: آپ نے ابوتمیم سے روایات لیں صدوق یعنی سچے ہیں۔
(۱۳)حکیم ابن ظہیر: آپ فراری ہیں،علقمہ ابن مرثد وغیرہ صحابہ سے ملاقات ہے،امام بخاری کہتے ہیں کہ متروک الحدیث ہیں۔
(۱۴)حرام ابن سعید: آپ محیصہ کے پوتے ہیں،کنیت ابونعیم ہے،انصاری حارثی ہیں،ستر سال عمر ہوئی،۱۱۳ ایک سو تیرہ میں وفات پائی۔
(۱۵)حماد ابن سلمہ: آپ دینار کے پوتے ہیں،کنیت ابو سلمہ ہے،ربیعہ ابن مالک کے آزاد کردہ ہیں،حمید طویل کے بھانجے ہیں،بصرہ کے علماء میں سے ہیں ،اتباع سنت اور عبادات میں مشہور ہیں ،۱۶۷ ایک سوسرسٹھ میں آپ کی وفات ہے،ابن مبارک،وکیع،یحیٰی ابن سعید آپ کے شاگرد ہیں۔
(۱۶)حماد ابن زید: آپ ازدی ہیں ،ثابت بنانی وغیرہ صحابہ سے ملاقات ہے ،سلیمان ابن مالک کے زمانہ میں پیدا ہوئے، ۱۹۹ ایک سو ننانوے میں وفات ہوئی نابینا تھے۔
(۱۷)حماد ابن ابی سلیمان: آپ کے والد کا نام مسلم اشعری ہے ،کنیت ابو سلیمان ابراہیم ابن ابو موسیٰ اشعری کے آزاد کردہ ہیں ،کوفی ہیں،ابراہیم نخعی سے ملاقات ہے ،آپ سے شعبہ اور سفیان ثوری نے روایات لی ہیں ،اپنی زمانہ کے بڑے عالم تھے ،۱۲۰ ایک سو بیس میں وفات ہے۔
(۱۸)حماد ابن ابی حمید: آپ مدنی ہیں،زید ابن اسلم سے روایت لیتے ہیں،ضعیف ہیں۔
(۱۹)حمید ابن عبدالرحمٰن: آپ عبدالرحمٰن ابن عوف کے بیٹے ہیں،زہری قرشی مدنی ہیں،جلیل الشان تابعی ہیں،تہتّر سال عمر ہوئی،۱۰۵ ایک سو پانچ میں وفات ہوئی۔

(۲۰) حمید ابن عبدالرحمٰن حمیری: آپ بصری ہیں، ثقہ ہیں، حضرت ابوہریرہ،ابن عباس سے ملاقات ہے۔
(۲۱)حسن بصری: آپ کے والد کا نام ابوالحسن ابوسعید ہے،زید ابن ثابت کے آزاد کردہ ہیں ،ابو سعید کے والد کا نام یسار ہے اور ربیع بنت نضر نے آزاد کیا تھا ،خواجہ حسن بصری کی ولادت عہد فاروقی میں ہے ،جب آپ کی خلافت کے دو سال باقی تھے تب حسن بصری مدینہ میں پیدا ہوئے ،حضرت عمر نے آپ کوتحنیک کی(پہلی گڑتی دی)آپ کی والدہ جناب ام سلمہ کی خدمت کرتی تھیں ،کبھی آپ کی والدہ کام میں ہوتیں آپ روتے تو حضرت ام سلمہ اپنا پستان آپ کے منہ میں دے دیتی تھیں آپ چوستے رہتے اگرچہ دودھ ان میں بالکل نہ ہوتا تھا مگر اس پستان شریف کی برکت آپ کو یہ پہنچی کہ آپ علوم کے امام ہوگئے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد آپ مدینہ منورہ سے بصرہ چلے گئے۔حق یہ ہے کہ آپ کی ملاقات حضرت علی سے ہوئی ہے مگر مدینہ منورہ میں نہیں ہوئی کیونکہ جب حضرت علی بصرہ تشریف لے گئے تب آپ وادی قری میں تھے،آپ نے بہت صحابہ سے روایت کیں اور بہت سے تابعین تبع تابعین نے آپ سے احادیث لیں، آپ اپنے وقت میں ہر فن و علوم عبادت و زہد و تقویٰ میں امام تھے،ماہِ رجب ۱۱۰ ایک سو دس میں آپ کی وفات ہوئی۔ مترجم کہتا ہے کہ آپ حضرت علی کے خلیفہ ہیں اور طریقت کے تین سلسلے قادریہ،چشتیہ،سہروردیہ آپ سے چلتے ہیں، فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔
(۲۲) حسن ابن علی راشد: آپ واسطی ہیں،ابوالاحرص وغیرہ سے روایت کرتے ہیں،صدوق ہیں ۲۳۷ھ دوسو سینتیس ہجری میں وفات ہے۔
(۲۳)حسن ابن علی ہاشمی: اعرج سے روایت کرتے ہیں،امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہیں کہ ان کی روایات قابلِ قبول نہیں۔
(۲۴)حسن ابن ابی جعفر: آپ جعفری ہیں، متقی آدمی تھے ۱۶۷ ایک سو سرسٹھ میں وفات ہوئی۔
(۲۵)حنظلہ ابن قیس زرقی: آپ انصاری ہیں،مدینہ منورہ کے قابل اعتبار لوگوں میں سے ہیں۔
(۲۶)حبیب ابن سالم: آپ نعمان ابن بشیر کے آزاد کردہ ہیں،ان کے کاتب ہیں۔
(۲۷)حرب ابن عبید اللہ: آپ ثقفی ہیں،آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے،آپ کی حدیث یہودونصاریٰ پر عشر مقرر کرنے کے متعلق ہے۔
(۲۸)حجاج ابن حسان: آپ حنفی ہیں،اہلِ بصرہ سے ہیں،حضرت انس ابن مالک وغیرہم سے احادیث سنیں۔
(۲۹)حجاج ابن حجاج: آپ اسلمی ہیں،بصری ہیں،محدثین نے آپ کو ثقہ فرمایا ہے،۱۳۱ ایک سو اکتیس میں وفات پائی۔
(۳۰)حجاج ابن یوسف: ثقفی ہے عبدالملک ابن مروان کی طرف سے عراق اور خراسان کا حاکم تھا،مقام واسط میں مرا، ماہ شوال ۹۴ چورانوے میں وفات ہوئی،۵۴ چون سال عمر ہوئی اس کی موت کا قصہ حرف سین میں سعید بن جبیر کے حالات میں مذکور ہوگا۔
(۳۱)ابوحیہ: ان کا نام عمرو بن نصر ہے،خارقی ہمدانی ہیں،حضرت علی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
(۳۲)ابو حرہ: ان کا نام حنیفہ ہے،رقاشی ہیں،آپ سے ایک حدیث مروی ہے۔
(۳۳)ابو حزم: آپ ابوبکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم حضرت ابوحیہ اور ابن عباس سے روایات لیتے ہیں۔

ح۔۔۔صحابیات

(۱)حفصہ بنت عمر: آپ ام المؤمنین ہیں،حضرت عمر کی صاحبزادی،آپ کی ماں کا نام زینب بنت مظعون ہے۔حضور انور سے پہلے خنیس ابن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں،ان کے ساتھ ہجرت کی،غزوہ بدر کے بعد خنیس فوت ہوگئے،حضرت عمر نے جناب ابوبکر صدیق سے عرض کیا کہ حفصہ سے نکاح کرلو حضرت عثمان سے بھی یہ ہی کہا اس کے بعد حضور انور نے پیغام دیاچنانچہ ۳ ہجری میں حضور کے نکاح میں آئیں،ایک بار حضور انور نے انہیں ایک طلاق دے دی تھی مگر پھر رجوع فرمالیا کیونکہ وحی الٰہی آئی کہ حفصہ آپ کی زوجہ ہیں،جنت میں بھی وہ بہت نمازی قائم اللیل ہیں۔آپ سے جمات صحابہ اور تابعین نے روایات لیں،شعبان ۴۵ پینتالیس میں وفات ہوئی،مدینہ منورہ میں قبر انور ہے،مترجم نے زیارت کی ہے رضی اللہ عنہا۔

(۲)حلیمہ بنت ابی ذویب: آپ حضور انور کی دودھ کی والدہ ہیں،بی بی ثویبہ کے بعد حضور انور کوآپ نے ہی آخر تک دودھ پلایا،اس وقت آپ کے ساتھ عبداللہ ابن حارث کو بھی دودھ پلایا،آپ کی بڑی بیٹی شیما حضور انور کو گود میں کھلاتی لوریاں دیتی تھیں دو سال دو ماہ بعد یا پانچ سال بعد آپ کی والدہ آمنہ کے پاس پہنچاگئیں،آپ سے حضرت عبداللہ ابن جعفر نے احادیث سنیں،آپ حلیمہ سعدیہ کے لقب سے مشہور ہیں،قبیلہ ہوازن سے تھیں،اس قبیلہ سے غزوہ حنین میں جنگ ہوئی،مسلمانوں کو فتح ہوئی مگر بعد ہوازن مسلمان ہوگئے،حضور انور نے ان کے قیدی جو غلام بنائے گئے تھے واپس کردیے کہ وہ حلیمہ کے اہل قرابت تھے رضی اللہ عنہا۔(مترجم)

(۳)اُم حبیبہ: آپ کا نام شریف رملہ ہے،ابو سفیان ابن صخر ابن حرب کی بیٹی ہیں،والدہ کا نام صفیہ بنت عاص ہے حضرت عثمان غنی کی پھوپھی لہذاآپ عثمان غنی کی پھوپھی زاد ہیں۔اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے کب اور کہاں ہوا۔قوی یہ ہے کہ ۶ھ میں نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ نے زمین حبشہ میں آپ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جبکہ حضور مدینہ منورہ میں تھے،چار سو دینار یا چار لاکھ درھم مہر اپنے پاس سے دیا،حضور انور نے شرحبیل ابن حسنہ کو بھیجا وہ آپ کو مدینہ منورہ حضور کے پاس لائے،بعض نے کہا مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نکاح ہوا جو عثمان غنی نے کیا، ۴۴ھ چوالیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،آپ سے بہت حضرات نے بہت احادیث روایت کیں ہیں رضی اللہ عنہا۔

(۴)ام حسین: آپ اسحاق کی بیٹی ہیں،احمسی ہیں،حجۃ الوداع میں حضور انور کے ساتھ شریک ہوئیں۔

(۵)اُم حرام: آپ ملحان ابن خالد کی بیٹی ہیں،انصاریہ نجاریہ ہیں،جناب ام سلیم کی بہن ہیں،حضور کے دستِ اقدس پر ایمان لائیں بیعت کی،عبادہ ابن صامت کی زوجہ ہیں،حضور انور آپ کے گھر میں قیلولہ (دوپہر کا آرام)فرمایا کرتے تھے، اپنے خاوند کے ساتھ روم میں غازیہ مجاہدہ ہونے کی حالت میں وفات پائی،آپ کی قبر مقام قرنس میں ہے،آپ سے آپ کے بھانجے حضرت انس نے اور آپ کے خاوند عبادہ ابن صامت نے روایات لیں،آپ کی وفات خلافت عثمانیہ میں ہے رضی اللہ عنہا۔

(۶)حمنہ: آپ جحش کی بیٹی ہیں،حضور انور کی سالی ہیں یعنی حضرت زینب بنت جحش کی بہن ہیں،بنی اسد قبیلہ سے ہیں، مصعب ابن عمیر کی زوجہ ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تو آپ طلحہ ابن عبید اللہ کے نکاح میں آئیں۔

ح۔۔۔تابعیات

(۱)حسناء: آپ معاویہ کی بیٹی ہیں،صرمیہ ہیں،آپ سے عوف اعرابی نے احادیث روایت کیں،بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کا نام حنساء بنت معاویہ ہے،آپ کے چچا کا نام حارث ہے ان سے احادیث روایت کرتی ہیں۔

(۲)حفصہ: آپ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر الصدیق کی صاحبزادی ہیں یعنی حضرت صدیق اکبر کی پوتی منذر ابن زبیر ابن عوام کی زوجہ۔

(۳)ام حریر: آپ طلحہ ابن مالک کی آزاد کردہ ہیں انہیں طلحہ سے روایات لیتی ہیں۔

خ۔۔۔صحابہ کرام

(۱)خالد ابن ولید: آپ قرشی مخزومی ہیں،آپ کی والدہ لبابہ صغریٰ ہیں یعنی ام المؤمنین میمونہ کی بہن زمانہ جاہلیت میں سرداران قریش سے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیف اللہ کا خطاب دیا،حضرت ابن عباس آپ کے خالہ زاد ہیں،خلافت فاروقی میں ۲۱ھ اکیس میں وفات ہوئی،شام کے مشہور شہر حمص میں آپ کا مزار ہے،دمشق میں ایک سڑک کا نام شارع خالد ابن ولید ہے فقیر نے زیارت کی ہے(مترجم) عظیم الشان شخصیت ہیں۔

(۲)خالد ابن ہوذہ: آپ عامری ہیں،آپ اور آپ کے بھائی حرملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد بن کر آئے یہ دونوں مؤلفۃ القلوب سے ہیں،انہی خالد سے حضور انور نے ایک غلام ایک لونڈی خریدی تھی انہیں کے لیے،حضور انور نے عہد لکھ کر دیا تھا۔

(۳)خلاد ابن سائب: آپ کے دادا کا نام بھی خلاد ہے خزرجی انصاری ہیں،اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

(۴)خباب ابن ارت: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،آپ تمیمی ہیں،زمانہ جاہلیت میں غلام بنالیے گئے تھے پھر آپ کو قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت نے خرید کر آزاد کردیا،حضور انور کے دار ارقم میں جانے سے پہلے آپ ایمان لائے،آپ ان میں سے ہیں جنہیں اسلام کی وجہ سے بہت ایذائیں دی گئیں،آپ نے بہت صبر کیا آخر میں کوفہ میں رہے وہاں ہی وفات ہوئی، آپ کی عمر ۷۳ تہتّر سال ہوئی ۳۷ھ میں وفات پائی۔

(۵)خارجہ ابن حذافہ: آپ قرشی عدوی ہیں،قرش کے شہ سواروں میں سے تھے،آپ کو لشکروں میں ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا،آپ مصر کے باشندوں میں شمار ہوتے ہیں،آپ کو ایک خارجی نے عمرو ابن عاص سمجھ کر شہید کیا، یہ خارجی ان تین سے ایک تھا جنہوں نے حضرت علی معاویہ،عمرو ابن عاص کے قتل کا بیڑا تھاامیر معاویہ تو بچ گئے حضرت علی شہید کردیئے گئے ،عمرو بن عاص کے دھوکے میں خارجہ شہید کیے گئے،عمرو بچ گئے ۴۰ چالیس ہجری میں آپ کے قتل کا واقعہ ہوا۔

(۶)خزیمہ ابن ثابت: آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے،انصاری ہیں،انہی کا لقب ذوالشہادتین ہے کیونکہ آپ اکیلے کی گواہی دو گواہوں کے برابر تھی،غزوہ بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے، حضرت عمار ابن یاسر کی شہادت کے بعد آپ نے تلوار سونتی اور قتال کرتے رہے حتی کہ قتل ہوگئے،آپ سے بہت صحابہ نے روایات لیں۔

(۷)خزیمہ ابن جزء: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، سلمٰی ہیں،آپ سے آپ کے بھائی حبان ابن جزء نے احادیث روایت کیں۔

(۸)خزیم ابن اخرم: آپ شداد ابن عمرو بن فاتک کے پوتے ہیں،اسدی ہیں،کبھی انہیں خزیم ابن فاتک بھی کہہ دیتے ہیں۔

(۹)خبیب بن عدی: آپ انصاری اوسی ہیں،بدر میں شریک ہوئے،غزوہ رجیع ۳ تین میں کفار کے ہاتھوں قید ہوگئے، انہیں مکہ معظّمہ میں حارث ابن عامر کی اولاد نے خرید لیا،بدر کے دن خبیب نے حارث کافر کو قتل کیا تھااس کا بدلہ لینے کے لیے حارث کی اولاد نے خریدا،آپ ان کے ہاں قید رہے،پھر مقام تنعیم میں انہیں سولی دی سب سے پہلی سولی اسلام میں انہیں کو دی گئی۔بخاری میں ہے کہ خبیب نے حارث کی ایک لڑکی سے استرہ مانگا پاکی کرنے کے لیے اس کا بچہ خبیب کی ران پر آبیٹھا وہ یہ دیکھ کر ڈر گئی کہ کہیں خبیب میرے بچے کو استرے سے ذبح نہ کردیں،آپ نے فرمایا تم ڈرو مت میں تیرے بچے کو کوئی تکلیف نہ دوں گا،وہ عورت مسلمان ہونے کے بعد کہا کرتی تھی کہ میں نے خبیب جیسا قیدی آج تک نہ دیکھا،وہ اپنی قید میں انگور کھاتے تھے یہ غیبی رزق تھا جو انہیں ملتا تھا،جب انہیں سولی کے لیے حرم کی زمین سے باہر لے چلے تو فرمایا مجھے دو رکعت پڑھنے کی اجازت دے دو آپ نے ہلکی رکعتیں پڑھیں اور فرمایا کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ مجھے قتل سے ڈر ہے تمہارے اس خیال کو دفع کرنے کے لیے میں نے نماز مختصر پڑھی ہے ورنہ دراز پڑھتا،پھر آپ نے چند شعر پڑھے اور سولی چڑھ گئے آپ کا یہ واقعہ مشہور ہے۔

(۱۰)خنیس ابن حذافہ: آپ سہمی قرشی ہیں،حضرت حفصہ بنت عمر فاروق کے پہلے خاوند ہیں،غزوہ بدر واحد میں شریک ہوئے،پھر ایک زخم کی وجہ سے مدینہ منورہ میں وفات پائی اولاد کوئی نہیں،آپ کی وفات کے بعد بی بی حفصہ سے حضور انور نے نکاح کیا۔

(۱۱)ابو خراش: آپ کا نام حدرد ہے،اسلمی ہیں۔

(۱۲)ابو خلاد: آپ کے نام اور نسب کا پتہ نہیں چلا آپ سے ایک حدیث ہے۔

خ۔۔۔ تابعین عظام

(۱)خیثمہ ابن عبدالرحمٰن: آپ ابو سیرہ جعفی کے پوتے ہیں،ابو سیرہ کا نام یزید ابن مالک ہے،خیثمہ عظیم الشان تابعی ہیں، ابو واصل سے پہلے فوت ہوئے،حضرت علی اور ابن عمر وغیرہم سے احادیث سنیں،دو لاکھ روپیہ میراث میں ملے سارے علماء پر خرچ کر دیئے۔

(۲)خالد ابن معدان: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،شامی ہیں،حمص کے رہنے والے ہیں،فرماتے ہیں کہ میں نے ۷۰ ستر صحابہ سے ملاقات کی ثقہ ہیں،طرسوس میں ۱۰۴ ایک سو چار میں وفات پائی۔

(۳)خالد ابن عبداللہ: آپ واسطی ہیں،طحان میں بڑے متقی پرہیزگار تھے،تین بار اپنے وزن کی چاندی خیرات کی،۱۷۷ میں یا ۱۸۲ ایک سو بیاسی میں وفات ولادت ایک سو دس میں۔

(۴)خارجہ ابن زید: آپ زید ابن ثابت کے بیٹے ہیں،انصاری مدنی ہیں،تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے ساتھ بڑے فقہا میں سے ہیں،۱۹۹ ایک سو ننانوے میں وفات پائی۔

(۵)خارجہ ابن صلت: آپ تمیمی براجمی ہیں،تابعی ہیں،حضرت عبداللہ ابن مسعود وغیرہم صحابہ سے ملاقات ہے۔
(۶)خشف ابن مالک: آپ قبیلہ بنی طے سے ہیں،حضرت عمرو ابن مسعود وغیرہ صحابہ سے ملاقات ہے۔
(۷)ابو خزامہ: آپ یعمر کے فرزند ہیں،بنی حارث ابن سعد قبیلہ سے ہیں،تابعی ہیں۔
(۸)ابو خلدہ: آپ کا نام خالد ابن زیاد ہے،ثقہ تابعی ہیں،تمیمی سعدی بصری ہیں۔

خ۔۔۔صحابیات

(۱)خدیجہ بنت خویلد: آپ خویلد ابن اسد کی بیٹی ہیں،قرشیہ ہیں،پہلے ابو ہالہ ابن زرارہ کے نکاح میں تھیں پھر عتیق ابن عائذ کے نکاح میں آئیں،پھر آپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا،اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی اور حضور انور کی عمر پچیس سال آپ مسلمانوں کی پہلی ماں ہیں یعنی حضور کی پہلی زوجہ،آپ کی زندگی میں حضور نے کسی اور بیوی سے نکاح نہیں کیا سب سے پہلے حضور پر ایمان لائیں،حضور کی ساری اولاد آپ سے ہی ہے سواء حضرت ابراہیم کے کہ وہ ماریہ قبطیہ سے ہیں،ہجرت سے تین سال پہلے آپ کی وفات ہوئی۔بعد نبوت دس سال حضور کی خدمت میں رہے،۶۵ پینسٹھ سال عمر پائی،پچیس سال حضور کے ساتھ رہیں،مقام حجون میں قبر شریف ہے۔مترجم نے زیارت کی ہے اب اس جگہ کو جنت معلیٰ کہتے ہیں۔
(۲)خولہ بنت حکیم: آپ حضرت عثمان ابن مظعون کی زوجہ ہیں،نہایت نیک صالحہ بی بی ہیں۔
(۳)خولہ بنت ثامر: آپ انصاریہ ہیں،خولہ بنت ثامر ہیں یا خولہ بنت قیس ابن مالک ابن نجار ثامر قیس کا لقب ہے مگر درست یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔
(۴)خولہ بنت قیس: آپ جہنیہ ہیں،آپ سے نعمان ابن خربوذ نے روایات لیں۔
(۵)خنساء بنت خزام: آپ خذام ابن خالد کی بیٹی ہیں،انصاریہ ہیں،اسدیہ ہیں،آپ سے حضرت عائشہ و ابو ہریرہ جیسے صحابہ نے احادیث لیں۔
(۶)ام خالد: آپ خالد ابن سعید ابن عاص کی والدہ ہیں،اموی ہیں،آپ حبشہ میں پیدا ہوئیں،بچپن میں مدینہ منورہ میں لائی گئیں پھر آپ سے حضرت زبیر ابن عوام نے نکاح کیا،بہت صحابہ نے آپ سے روایات لیں۔

د۔۔۔صحابہ کرام

(۱)دحیہ کلبی: آپ دحیہ ابن خلیفہ ہیں،قبیلہ بنی کلب سے ہیں۔مشہور صحابی ہیں،احد اور اس کے بعد والے غزوات میں شریک ہوئے،حضور انور نے آپ کو ۶ھ چھ میں قیصر روم کے پاس تبلیغ کے لیے بھیجا،قیصر روم ہرقل دل سے حضور پر ایمان لایا اس کے درباری ایمان نہ لائے،حضرت جبریل علیہ السلام انہیں کی شکل میں آیا کرتے تھے،امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ ملک شام میں رہے،بہت لوگوں نے آپ سے نے آپ سے احادیث لیں۔
(۲)ابو الدرداء: آپ کا نام عویمر ابن عامر ہے،انصاری خزرجی ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہیں،درداء آپ کی بیٹی کا نام ہے، اپنے گھر والوں کے بعد ایمان لائے،آپ بڑے فقیہ عالم ہیں،شام میں قیام رہا،دمشق میں آپ کی قبر ہے، ۳۲ھ بتیس میں وفات پائی،مترجم نے قبر شریف کی زیارت کی ہے۔

د۔۔۔تابعین

(۱)داؤد ابن صالح: آپ داؤد ابن صالح ابن دینار ہیں،تمار ہیں،انصاری مدنی ہیں۔
(۲)داؤد ابن حصین: آپ عمرو ابن عثمان ابن عفان کے آزاد کردہ ہیں،۱۳۵ ایک سو پینتیس میں وفات پائی،۷۲ بہتّر سال عمر ہوئی،آپ سے عکرمہ نے روایات لیں۔
(۳)ابن دیلمی: آپ کا نام ضحاک ابن فیروز ہے،دیلم ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے اس طرف کے رہنے والے ہیں اس لیے آپ کو دیلمی کہا جاتا ہے۔
(۴)ابوداؤد کوفی: آپ کا نام بقیع ابن حارث ہے،نابینا ہیں،کوفہ کے رہنے والے ہیں۔

د۔۔۔صحابیات

(۱) ام الدرداء: آپ کا نام خیرہ بنت ابی حدود ہے،اسلمیہ ہیں،حضرت ابوالدرداء کی زوجہ ہیں،بڑی عالمہ زاہدہ فاضلہ صحابیہ ہیں،عبادات میں مشہور ابوالدرداء سے دو سال پہلے وفات پائی،خلافت عثمانیہ میں شام کے علاقہ میں فوت ہوئیں۔

ذ۔۔۔صحابہ کرام

(۱)ابوذر غفاری: آپ کا نام جندب ابن جنادہ ہے،عظیم الشان صحابی ہیں،حضور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ آکر ایمان لائے،آپ پانچویں مؤمن ہیں،پھر اپنی قوم میں واپس گئے،پھر غزوہ خندق کے بعد حضور انور کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے،پھر خلافت عثمانیہ میں مقام ربذہ میں رہے وہاں ہی وفات پائی،۳۲ میں آپ کی وفات ہے،آپ اسلام سے پہلے بھی موحّد تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔
(۲)ذومخبر: آپ شاہ حبشہ کے بھتیجے ہیں حضور انور کے خاص خادم۔
(۳)ذوالیدین: آپ کا نام خرباق ابن ساریہ،لقب ذوالیدین،صحابی ہیں،حجازی ہیں،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار نماز میں سہو ہوگیا تو آپ ہی نے اس کی اطلاع عرض کی تھی۔

ر۔۔۔صحابہ کرام

(۱)رافع ابن خدیج: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،حارثی ہیں،انصاری ہیں،غزوہ احد میں آپ کو تیر لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہارا گواہ ہوں پھر عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں یہ ہی زخم ہرا ہوگیا،اس زخم سے آپ کی وفات ہوئی،آپ کی وفات مدینہ منورہ میں۷۳ تہتّر میں ہوئی،۸۶ چھیاسی سال عمر پائی،ایک خلقت نے آپ سے روایات لیں۔
(۲) رافع ابن عمرو: آپ غفاری ہیں،اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے،حضرت عبداللہ ابن ارفع نے آپ سے احادیث نقل کیں۔
(۳)رافع ابن مکیث: جہنی ہیں،حدیبیہ میں حاضر ہوئے،بہت لوگوں نے آپ سے روایات لیں۔
(۴)رفاعہ ابن رافع: آپ کی کنیت ابو معاذ ہے،زرقی انصاری ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں حاضر ہوئے،جنگ جمل و صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے،امیر معاویہ کی سلطنت میں وفات پائی۔
(۵)رفاعہ ابن سموال: آپ قرظی ہیں،آپ نے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں آپ کی مطلقہ بیوی نے عبدالرحمٰن ابن زبیر سے نکاح کیا تھا۔

(٦)رفاعہ ابن عبدالمنذر: آپ انصاری ہیں،آپ کی کنیت ابو لبابہ ہے،آپ کا ذکر لام کی تختی میں ہوگا۔

(٧)رویفع ابن ثابت: آپ سکن کے پوتے ہیں،انصاری ہیں آپ کا شمار اہل مصر میں ہے،امیر معاویہ نے آپ کو ٤٦ چھیالیس میں طرابلس المغرب کا حاکم بنایا تھا،آپ کی وفات یا تو مقام برقہ میں ہوئی یا شام میں۔خیال رہے کہ افریقہ امیر معاویہ نے ٤٧ میں فتح کیا دیکھو اشعۃ اللمعات جلد ثالث صفحہ ٤٤٧ کتاب الجہاد قسمۃ الغنائم۔(مترجم)

(٨)رکانہ ابن عبد یزید: آپ رکانہ ابن عبد یزید ابن ہاشم ابن عبد المطلب ہیں،آپ قرشی ہیں،حضرت عثمان کے زمانہ تک رہے،بعض نے فرمایا کہ ٤٢ بیالیس میں وفات پائی،آپ اہل حجاز سے ہیں۔

(٩)ریاح ابن ربیع: آپ اسیدی ہیں،آپ کی احادیث اہل بصرہ میں مشہور ہیں۔

(١٠)ربیعہ ابن کعب: آپ کی کنیت ابو افراس ہے،اسلمی ہیں،اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے،اہل صفہ سے تھے،حضور کے خاص خادم ہیں،سفر و حضر میں حضور کے ساتھ رہے،٦٣ تریسٹھ میں وفات پائی،آپ نے ہی حضور سے جنت مانگی اور حضور نے عطا کی۔(مترجم)

(١١)ربیعہ ابن حارث: آپ ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں یعنی حضور انور کے چچازاد صحابی ہیں،خلافت فاروقی ٣٢ھ میں وفات ہے،حضور انور نے آپ ہی کے متعلق فتح مکہ کے دن فرمایا کہ میں ربیعہ ابن حارث کا خون معاف کرتا ہوں کہ آپ ہی کا بیٹا زمانہ جاہلیت میں قتل کیا گیا تھا جس کا نام آدم تھا۔

(١٢)ربیعہ ابن عمرو: آپ جرشی ہیں،واقدی نے کہا کہ آپ قتل کیے گئے۔

(١٣)ابورافع: آپ کا نام اسلم ہے،حضور انور کے آزاد کردہ ہیں،کنیت میں مشہور ہیں،قبطی تھے اولًا حضرت عباس کے غلام تھے انہوں نے حضور کی خدمت میں دے دیا یعنی مالک کردیا،غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے انہوں نے ہی حضور انور کو حضرت عباس کے ایمان کی خبر دی تو حضور نے خوشی میں آپ کو آزاد کیا،عثمان کی شہادت سے کچھ پہلے وفات پائی۔

(١٤)ابو رمثہ: آپ ابن رفاعہ ابن یثربی ہیں،تمیمی ہیں،القیس ابن زید ابن مناۃ ابن تمیم کی اولاد سے ہیں،آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے عمارہ نام ہے یا کچھ اور آپ اپنے والد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے،آپ کا شمار اہلِ کوفہ میں ہوتا ہے۔

(١٥)ابو رزین: آپ لقلیط عامر ابن صبرہ ہیں،آپ کا ذکر لام میں ہوگا۔

(١٦)ابو ریحانہ: آپ شمعون ابن یزید کے بیٹے ہیں،قرظی ہیں یعنی بنی قریظہ کے حلیف ہیں ورنہ انصاری ہیں۔آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں،آپ کی بیٹی کا نام ریحانہ ہے بڑے عالم زاہد تارک الدنیا تھے آخر میں شام میں قیام رہا۔

ر۔۔۔تابعین عظام

(١)ابو رجاء: آپ کا نام عمران ابن تمیم ہے،عطاردی ہیں،حضور انور کی زندگی پاک میں ایمان لائے مگر زیارت نہ کرسکے عالم باعمل تھے حضرت عمر سے روایات لی ہیں،١٠٧ ایک سو سات میں وفات ہے بڑے قاری تھے قرات میں مشہور ہیں۔

(٢)ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن: آپ جلیل القدر تابعی ہیں،فقہاء مدینہ سے تھے،آپ سے امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہم نے روایات لیں،١٣٦ ایک سو چھتیس میں وفات ہے۔

(۳)رعل ابن مالک: آپ رعل ابن مالک ابن عوف ہیں،اسی قبیلہ رعل سے ہیں جن پر حضور انور نے بہت روز قنوت نازلہ پڑھی،آپ کی قوم نے قراء کو شہید کیا تھا۔

ر۔۔۔صحابیات

(۱)ربیع بنت معوذ: آپ مشہور صحابیہ ہیں،انصاریہ ہیں،مدینہ منورہ اور مصر میں آپ کی احادیث بہت مشہور ہیں۔
(۲)ربیع بنت براء: آپ حضرت انس بن مالک کی پھوپھی ہیں اور حارثہ ابن سراقہ کی والدہ انصاریہ ہیں مگر بخاری شریف میں ہے کہ آپ ربیع بنت نضر کی والدہ ہیں۔
(۳)رمیصاء: آپ ام سلیم بنت ملحان کی والدہ ہیں اور ام سلیم حضرت انس ابن مالک کی ماں ہیں،ان کا ذکر سین کی تختی میں آوے گا۔

ز۔۔۔صحا بہ کرام

(۱)زید ابن ثابت: آپ انصاری ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب ہیں،ہجرت کے بعد سے وفات پاک تک کاتب رہے،صحابہ کرام میں بڑے فقیہ ہیں،علم میراث کے امام ہیں،قرآن مجید جمع کرنے والی جماعت کے امیر ہیں کہ آپ نے اپنی جماعت کے ساتھ خلافت صدیقی میں قرآن مجید جمع کیااور عہد عثمانی میں اسے مصاحف میں نقل فرمایا،آپ سے بڑی مخلوق نے احادیث روایت کیں،پچاس سال عمر پائی ۴۵ پینتالیس میں وفات شریف ہوئی۔
(۲)زید ابن ارقم: آپ کی کنیت ابو عمرو ہے،انصاری خزرجی ہیں،آخر میں کوفہ میں رہے،۶۶چھیاسٹھ میں وہاں ہی وفات ہوئی۔آپ کا نسب یوں ہے زید ابن ارقم ابن زید ابن قیس ابن نعمان آپ ہی کے ذریعہ عبداللہ ابن ابی کا نفاق ظاہر ہوا،آپ ہی کی تصدیق میں سورۂ منافقین نازل ہوئی،مختار ابن عبدالملک ابن مروان کے زمانہ ۶۶ میں وفات ہوئی۔(مترجم)
(۳)زید ابن خالد: آپ جہنی ہیں،کوفہ میں رہےوہاں ہی وفات پائی،پچاس سال عمر ہوئی،۷۸ اٹھتّر میں وفات ہوئی۔
(۴)زید ابن حارثہ: آپ کی کنیت ابو اسامہ ہے،آپ کی ماں سعدہ بنت ثعلبہ ہیں،بنی معن قبیلہ سے آپ کی والدہ آپ کو لے کر اپنی قوم کی طرف چلیں،آپ پر معن ابن ابی الجریر والوں نے حملہ کردیا آپ کو غلام بنالیا،اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی،آپ کو عکاظ بازار میں لائے آپ کو حکیم ابن حزام نے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا،جب حضرت خدیجہ حضور کے نکاح میں آئیں تو انہوں نے آپ کو حضور انور کی خدمت عالیہ میں پیش کردیاحضور انور نے قبول فرمالیا،اس کے بعد آپ کے والد حارثہ اور چچا کعب آپ کا فدیہ لے کر حضور کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یہ ہمارا بیٹا ہے ہم کو عنایت کردیا جائے حضور نے فرمایا کہ زید کو اختیار ہے چاہیں میرے پاس رہیں چاہیں تمہارے پاس آپ نے فرمایا رسول اللہ میرے گھر بار ماں باپ قرابت دار آپ پر فدا آپ پر قربان میں تو آپ ہی کے پاس رہوں گا آپ جیسا محسن اور محبت والا میں نے کوئی نہیں دیکھا حضور انور آپ کو بیت اللہ شریف میں لائے اور فرمایا کہ حاضرین کعبہ گواہ رہو کہ میں نے زید کو اپنا بیٹا بنالیاچنانچہ آپ کو زید ابن محمد کہا جانے لگا،پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور آیت کریمہ "اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ" نازل ہوئی تب آپ کو زید ابن حارثہ کہا گیا،بعض مؤرخین نے کہا کہ پہلے آپ ہی حضور پر ایمان لائے حضور انور نے پہلے تو اپنی لونڈی ام ایمن سے آپ کا

نکاح کیاجن سے اسامہ ابن زید پیدا ہوئے،پھر زینت بنت جحش سے آپ کا نکاح کیا،آپ حضور کے محبوب ترین صحابی ہیں قرآن مجید میں صرف آپ کا نام آیا ہے اور کسی صحابی کا نام نہیں آیا"فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا"۔آپ غزوہ موتہ ۸ آٹھ میں شہید ہوئے،اس لشکر کے آپ ہی امیر تھے،آپ نے پچپن سال عمر پائی،غزوہ موتہ جمادی اول ۸ آٹھ میں ہی ہوا۔

(۵)زید ابن خطاب: آپ قرشی عدوی ہیں،حضرت عمر فاروق کے بڑے بھائی ہیں،مہاجرین اولین سے ہیں،حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،خلافت صدیقی میں غزوہ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۶)زید ابن سہیل: آپ کی کنیت ابوطلحہ ہے اسی میں مشہور ہوئے،آپ کا ذکر طاء کی تختی میں ہوگا۔

(۷)زبیر ابن عوام: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،قرشی ہیں،آپ کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی آپ اور آپ کی والدہ بڑے پرانے مؤمنین میں سے ہیں،آپ سولہ برس کی عمر میں ایمان لائے آپ کے چچا نے آپ کو دھوئیں کی سزا دی تاکہ اسلام چھوڑ دیں مگر نہ چھوڑا تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے سب سے پہلے آپ نے اللہ کی راہ میں تلوار سونتی احد میں حضور انور کے ساتھ ثابت قدم رہے،آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں،آپ کو عمرو ابن جرموز نے بصرہ کے قریب مقام سفوان میں قتل کیا،۳۶ میں چونسٹھ سال عمر ہوئی پھر بصرہ لاکر آپ کو دفن کیا گیا،مقام وادی السباع میں آپ کی قبر زیارت گاہ عام ہے۔مترجم نے زیارت کی ہے۔

(۸)زیاد ابن لبید: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،زرقی ہیں،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضور نے حضر موت پر حاکم مقرر کیا،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات ہوئی۔

(۹)زید ابن حارث: آپ صدائی ہیں،آپ نے جب حضور سے بیعت کی تو آپ کے سامنے اذان دی آپ کا شمار بصرہ والوں میں ہے۔

(۱۰)زراع ابن عامر: آپ عامر ابن عبدالقیس کے بیٹے ہیں،وفد عبدالقیس میں حضور کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر ایمان لائے،آخر میں بصرہ میں رہے۔

(۱۱)زاہر ابن اسود: آپ اسلمی ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،آخر میں کوفہ میں رہے۔

(۱۲)زرارہ ابن ابی اوفی: آپ صحابی ہیں،حضرت عثمان کے زمانہ میں آپ کی وفات ہے۔

(۱۳)ابو زید: آپ کے نام میں اختلاف ہے سعید ابن عمیر ہے یا قیس ابن سکن،آپ نے حضور انور کے زمانہ میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔

(۱۴)ابوزہیر نمیری: آپ قبیلہ نمیر سے ہیں،آخر میں شام میں رہے۔

(۱۵)زبیدی: آپ قبیلہ زبیدہ میں سے ہیں،آپ کا نام منبہ ابن سعد ہے،لوگ کہتے ہیں کہ آپ صحابی ہیں۔واللہ اعلم!

ز۔۔۔تابعین عظام

(۱)زبیر ابن عدی: آپ ہمدانی کوفی ہیں،علاقہ رے کے حاکم تھے،تابعی ہیں،۱۳۱ ایک سو اکتیس میں وفات ہوئی،حضرت انس سے ملاقات ہے۔

(۲)زبیر عربی: آپ نمیری ہیں،بصری ہیں،حضرت ابن عمر سے ملاقات ہے۔

(۳)زیاد ابن کسیب: آپ عدوی ہیں،اہلِ بصرہ میں آپ کا شمار ہے۔
(۴)زہر ابن معبد: آپ کی کنیت ابو عقیل ہے،قرشی مصری ہیں،اپنے دادا عبداللہ ابن ہشام سے احادیث لیتے ہیں،آپ کی احادیث مصر میں مشہور ہیں۔
(۵)زہیر ابن معاویہ: آپ کی کنیت ابو خیثمہ ہے،جعفی کوفی ہیں،حافظ ثقہ تھے،۱۷۴ ایک سو چوہتر میں آپ کی وفات ہوئی۔
(۶)زمیل ابن عباس: آپ تابعی ہیں،آپ نے اپنے مولٰی حضرت عروہ سے روایات لی ہیں۔
(۷)زہری: آپ کا نام محمد ابن عبداللہ ابن شہاب ہے،کنیت ابوبکر،زہرہ ابن کلاب کے قبیلہ سے ہیں،مدینہ منورہ کے علماء فقہاء محدثین میں سے ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات ہے،حضرت عمر ابن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ میں نے کوئی عالم بالسنہ ان سے بہتر نہ دیکھا،کسی نے حضرت مکحول سے پوچھا کہ آپ نے بڑا عالم کسے پایا وہ بولے امام زہری ابن شہاب کو پوچھا پھر کون،فرمایا ابن شہاب پوچھا پھر کون،فرمایا ابن شہاب،ماہ رمضان ۱۲۴ ایک سوچوبیس میں آپ کی وفات ہے۔
(۸)زرابن حبیش: آپ کی کنیت ابو حریم ہے،اسدی کوفی ہیں،ایک سو بیس سال عمر ہوئی ساٹھ سال جاہلیت میں گزارے اور ساٹھ سال اسلام میں،عراق کے بڑے قاریوں میں سے ہیں،حضرت عمر اور ابن مسعود سے ملاقات ہے،آپ سے ایک مخلوق نے فیض لیا۔
(۹)زرارہ ابن ابی اوفی: آپ کی کنیت ابو حاجب ہے،جرشی ہیں،بصرہ کے قاضی رہے،حضرت ابن عباس وغیرہم سے ملاقات ہے،ایک بارآپ نے یہ آیت پڑھی"فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ"اس پر بے ہوش ہوکر گرے اور فوت ہوگئے،آپ کی وفات ۹۳ ترانوے میں ہے۔
(۱۰)زیادہ ابن حدیر: آپ کی کنیت ابومغیرہ ہے،اسدی کوفی ہیں،حضرت عمر و علی سے ملاقات ہے۔
(۱۱)زید ابن اسلم: آپ کی کنیت ابو اسامہ ہے،حضرت عمر فاروق کے آزادکردہ ہیں،مدنی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،۱۳۶ ایک سوچھتیس میں وفات ہوئی۔
(۱۲)زید ابن طلحہ: آپ سے حضرت سلمہ ابن صفوان زرق نے روایات لیں۔
(۱۳)زید ابن یحیٰی: آپ دمشقی ہیں،ثقہ ہیں۔
(۱۴)ابو زبیر: آپ کا نام محمد ابن اسلم ہے،مکی ہیں،حکیم ابن حزام کے آزاد کردہ ہیں،۱۲۵ میں وفات ہے۔
(۱۵)ابوزراعہ: آپ کا نام عبید اللہ ابن عبدالکریم رازی ہے،آپ امام حافظ ثقہ ہیں،حدیث کے ماہر مشائخ کے عارف،جرح تعدیل والے ہیں،۲۰۰ دو سو میں ولادت ہے اور دوسو چونسٹھ میں وفات ہے۔**واللہ اعلم!** مترجم کہتا ہے کہ صحابہ کا زمانہ ۲۰۰ تک نہیں ہے پھر یہ تابعی کیسے ہوئے۔

ز۔۔۔صحابیات

(۱)زینب بنت جحش: آپ کا نام برہ تھاحضور انور نے بدل کر زینب رکھا،آپ حضور کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی ہیں،پہلے زید ابن حارثہ کے نکاح میں تھیں انہوں نے طلاق دے دی تب حضور انور کے نکاح میں آئیں،یہ نکاح ۵ پانچ

میں ہوا انہی کے متعلق رب تعالٰی نے فرمایا"فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا"۔تمام لڑکیوں کے نکاح ان کے ماں باپ کرتے ہیں ان کا نکاح حضور انور سے رب نے کیا۔(مترجم)حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر متقی پرہیزگار سچی زبان والی کوئی بی بی نہ دیکھی،آپ بڑی سخیہ صلہ رحمی کرنے والی اپنے ہاتھ سے روزی حاصل کرکے صدقہ و خیرات کرنے والی تھیں۔ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضور کی خدمت میں آپ پہنچیں یعنی پہلے آپ کی وفات ہوئی،ترپن سال عمر پائی،۲۰ بیس یا اکیس میں وفات ہوئی،مدینہ منورہ میں دفن ہیں۔مترجم نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

(۲)زینب بنت عبداللہ: آپ عبداللہ ابن معاویہ کی بیٹی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی زوجہ ثقفیہ ہیں،آپ سے حضرت ابن مسعود،ابو سعید خدری اور عائشہ صدیقہ نے روایات لیں۔

(۳)زینب بنت ابی سلمہ: ان کا نام برہ تھا،حضور انور نے زینب رکھا،آپ حضور کی سوتیلی بیٹی ہیں یعنی ام المؤمنین ام سلمی کی دختر،آپ ملک حبشہ میں پیدا ہوئیں،عبداللہ ابن زمعہ کے نکاح میں آئیں،اپنے زمانہ کی بڑی فقیہہ عالمہ بی بی تھیں، واقعہ حرہ کے بعد وفات ہوئی۔

ز۔۔۔تابعیات

(۱)زینب بنت کعب: آپ کعب ابن عجرہ کی بیٹی ہیں،انصاریہ ہیں،قبیلہ بنی سالم سے ہیں۔

س۔۔۔صحابہ کرام

(۱)سعدابن ابی وقاص: آپ کی کنیت ابو اسحاق ہے،آپ کے والد یعنی ابو وقاص کا نام مالک ابن وہیب ہے،آپ قرشی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،پرانے مؤمن ہیں،سترہ سال کی عمر میں ایمان لائے،آپ تیسرے مؤمن ہیں اور آپ نے سب سے پہلے کفار پر تیر چلایا تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،آپ بڑے مقبول الدعا تھے،آپ کا لقب مجاب الدعوات تھا لوگ آپ کی دعا سے بہت ہی ڈرتے تھے کیونکہ حضور انور نے آپ کے لیے دعا کی تھی **اللهم سدد سهمه واجب دعوته** خدایا سعد کا نشانہ اور دعا کبھی خالی نہ جائے حضور انور نے آپ سے اور حضرت زبیر سے فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ان کے سوا کسی سے نہ فرمایا۔آپ کی وفات اپنی منزل عتیق میں ہوئی جو مدینہ منورہ سے قریب ہے لوگ میت شریف مدینہ منورہ لائے مروان ابن حکم نے آپ کا جنازہ پڑھایا کہ اس وقت وہ ہی حاکم مدینہ تھا،بقیع شریف میں دفع ہوئے،۵۵ پچپن میں وفات ہے،ستر سال سے زیادہ عمر شریف ہوئی،عشرہ مبشرہ میں آخری وفات آپ کی ہے،آپ کو حضرت عمروعثمان نے کوفہ کا حاکم بنایا تھا،آپ سے سے ایک خلقت نے احادیث روایت کیں۔

(۲)سعد ابن معاذ: آپ انصاری اشہلی اوسی ہیں، مدینہ منورہ میں ایمان لائے،دونوں بیعت عقبہ کے درمیان آپ کے اسلام پر بہت سے اشہلی لوگ مسلمان ہوگئے،انصار میں سب سے پہلے آپ کا گھرانہ ایمان لایا،حضور انور نے آپ کو سید الانصار کا لقب دیا،اپنی قوم کے سردار تھے جلیل القدر صحابی ہیں،آپ غزوہ بدر واحد میں شریک ہوئے،احد میں حضور کے ساتھ ثابت قدم رہے غزوہ خندق میں آپ کے شانہ پر ایک تیر لگا اس کا خون نہ ٹھہرا اور ایک ماہ بعد وفات ہوگئی یعنی ذی قعدہ ۵ میں وفات ہوئی ۳۷ سال عمر شریف ہوئی بقیع میں دفن ہوئے۔

(۳)سعد ابن خولہ: غزوہ بدر میں شریک ہوئے،حجۃ الوداع مکہ معظّمہ میں وفات ہوئی۔
(۴)سعد ابن عبادہ: آپ کی کنیت ابو ثابت ہے،انصاری ساعدی خزرجی ہیں،بارہ نقیبوں میں آپ بھی تھے،انصار کے سردار تھے،انصار کو اس کا اقرار تھا،آپ کی وفات خلافت فاروقی ۱۵ پندرہ میں ہوئی،شام کے علاقہ میں مقام حوران میں اپنے غسل خانہ میں مردہ پائے گئے لوگوں کو آپ کی موت کا علم نہیں ہواحتی کہ کسی غیبی آواز نے ان کو آپ کی موت کی خبر دی،کہا جاتا ہے کہ آپ کو جنات نے قتل کیا انہوں نے ہی اس شعر سے آپ کے قتل کی خبردی۔

نحن قتلنا سید الخزرج سعد ابن عبادۃ　　　ورمیناہ بسھمین فلم نخط فوادہ

(۵)سعید ابن الربیع: آپ انصاری خزرجی ہیں،غزوہ احد میں شہید ہوئے،حضور انور نے آپ کے ساتھ عبدالرحمٰن ابن عوف کا بھائی چارہ کرایا،آپ اور خارجہ ابن زید ایک قبر میں دفن کیے گئے۔
(۶)سعید ابن زید: آپ کی کنیت ابوالاعور ہے،قرشی ہیں،عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،بڑے پرانے مؤمن ہیں،بدر کے سوا سارے غزوات میں شریک ہوئے،بدر میں آپ حضرت طلحہ ابن عبداللہ کے ساتھ ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش پر مامور تھے اس لیے حضور انور نے آپ کو بدر کی غنیمت سے حصہ دیا،حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب آپ کی بیوی تھیں جن کے ذریعہ حضرت عمر کو ایمان ملا،آپ مقام عتیق میں فوت ہوئے،مدینہ منورہ لاکر بقیع میں دفن کیے گئے،ستر سال سے زیادہ عمر پائی،۵۱ اکیاون میں وفات ہوئی۔
(۷)سعید ابن حریث: آپ قرشی مخزومی ہیں،پندرہ سال کی عمر میں فتح مکہ میں شریک ہوئے،پھر کوفہ میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے،آپ کی اولاد کوئی نہیں،آپ سے عمرو ابن حریث نے احادیث لیں۔
(۸)سعید ابن عاص: آپ قرشی ہیں،ہجرت کے سال پیدا ہوئے،قرشی سردار تھے،مصحف عثمان کے لکھنے والوں میں سے ایک آپ بھی ہیں،حضرت عثمان نے آپ کو کوفہ کا حاکم بنایا،آپ نے طبرستان فتح کیا،۵۹ انسٹھ میں وفات ہوئی۔
(۹)سعید ابن سعد: آپ سعد ابن عبادہ کے بیٹے ہیں،انصاری ہیں،بعض محدثین نے آپ کو صحابی مانا ہے،آپ حضرت علی کی طرف سے یمن کے حاکم تھے۔
(۱۰)سبرہ ابن معبد: آپ جہنی ہیں،مدینہ منورہ میں رہے،مصریوں میں آپ کا شمار ہے۔
(۱۱)سہل ابن سعد: آپ ساعدی انصاری ہیں،آپ کی کنیت ابو العباس ہے،آپ کا نام پہلے حزن تھاحضور انور نے سہل رکھا، حضور انور کی وفات کے وقت آپ پندرہ سال کے تھے،آپ کی وفات ۹۱ میں مدینہ منورہ میں ہوئی،مدینہ منورہ میں آخری صحابی آپ ہی فوت ہوئے کہ آپ کی وفات سے مدینہ صحابہ سے خالی ہوگیا۔
(۱۲)سہل ابن حنیف: آپ انصاری اوسی ہیں،بدروغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،حضور کے بعد حضرت علی کے ساتھ رہے،مدینہ پاک پھر فارس کے حاکم رہے،۳۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔
(۱۳)سہل ابن بیضاء: آپ اور آپ کے بھائی سہیل دونوں کی ماں کا لقب بیضاء ہے نام وعد،والد کا نام وہب ابن ربیعہ ہے،آپ مکہ معظّمہ میں ایمان لاچکے تھے مگر اپنا ایمان چھپائے رہے حتی کہ بدر میں کفار کے ساتھ آئے اور قید ہوگئے مگر حضرت عبداللہ ابن مسعود نے گواہی دی کہ میں نے انہیں مکہ میں نماز پڑھتے دیکھا تب چھوڑ دیئے گئے،مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی حضور انور نے آپ کا اور آپ کے بھائی سہیل کا جنازہ مسجد نبوی میں پڑھایا۔

(۱۴)سہل ابن ابی حیثمہ: آپ کی کنیت ابو محمد یا ابو عمارہ ہے،انصاری اوسی ہیں،۳ ہجری میں پیدا ہوئے،کوفہ میں قیام رہا،آپ کا شمار اہلِ مدینہ سے ہے،مصعب ابن عمیر کے زمانہ میں آپ کی وفات ہے۔

(۱۵)سہل ابن حنظلیہ: خیال رہے کہ حنظلیہ یا تو آپ کی دادی ہیں یا ماں،آپ کے والد کا نام ربیع ابن عمرو ہے حضرت سہیل بیعت الرضوان میں شریک تھے،آپ دنیا سے کنارہ کش عبادات ریاضات میں مشغول تھے اولاد کوئی نہیں ہوئی، امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۱۶)سہیل ابن عمرو: قرشی عامری ہیں،جندل کے والد ہیں،قریش کے سردار ہیں،غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے،حضرت عمر نے عرض کیا کہ اس کے دانت نکال دیئے جاویں تاکہ یہ کبھی آپ کے خلاف تقریریں نہ کرسکے یہ بہت اعلیٰ مقرر تھے،حضور انور نے فرمایاکہ جلدی نہ کروعنقریب یہ درست ہوجائے گا،یہ صلح حدیبیہ میں حضور کی بارگاہ میں کفار کے نمائندے بن کر آئے تھے،حضور انور کی وفات کے بعد جب لوگ مرتد ہونے لگے تو آپ نے ارتداد سے روکا،۱۸ اٹھارہ میں عمواس کی طاعون میں وفات ہوئی،بعض نے فرمایا کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے،آپ کے فضائل بہت ہیں۔

(۱۷)سہیل ابن بیضاء: آپ قرشی ہیں،پرانے مسلمان ہیں،دو ہجرتوں والے ہیں،پہلے مکہ معظّمہ سے حبشہ کو ہجرت کی،پھر وہاں سے مدینہ منورہ،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،حضور کی حیات شریف میں وفات پائی۹ نو ہجری میں جب کہ حضور انور غزوہ تبوک سے واپس ہوئے،اولاد کوئی نہیں۔

(۱۸)سمرہ ابن جندب: آپ انصار کے حلیف تھے،حافظ قرآن تھے،حضور انور سے بڑے فیوض پائے،۵۹ انسٹھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

(۱۹)سلیمان ابن صرد: آپ کی کنیت ابو المطرف ہے،خزاعی ہیں،عالم عابد ہیں،کوفہ میں رہے،ترانوے سال عمر ہوئی۔

(۲۰)سلیمان ابن بریدہ: آپ اسلمی ہیں،بہت صحابہ سے روایات لیتے ہیں،۱۵ پندرہ میں وفات ہوئی۔

(۲۱)سلمہ ابن اکوع: آپ کی کنیت ابو مسلم ہے،اسلمی ہیں،مدنی ہیں،بیعت الرضوان میں شامل ہوئے،بڑے بہادر تھے، پیدل کی لڑائی میں مشہور تھے،اسی برس عمر پائی،مدینہ منورہ میں۷۴ چوہتّر میں وفات ہوئی۔

(۲۲)سلمہ ابن ہشام: آپ قرشی مخزومی ہیں،حبشہ کے مہاجرین میں سے ہیں،بہترین صحابی ہیں،ابوجہل کے بھائی ہیں، پرانے مؤمن ہیں،اللہ کی راہ میں آپ نے بہت ایذائیں جھیلیں،مکہ معظّمہ میں قید کرلیے گئے تھے،حضور انور نے قنوت نازلہ میں جن مؤمنین معذبین کے لیے چالیس دن دعائیں کیں ان میں آپ بھی ہیں،غزوہ بدر میں اسی قید و بند کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے،خلافت فاروقی میں۱۴ چودہ میں جنگ مرج الصغیرمیں شہید کیے گئے۔

(۲۳)سلمہ ابن صخر: آپ انصاری بیاضی ہیں،آپ کا نام سلیمان ہے،انہوں نے ہی اپنی بیوی سے ظہار کیا تھاپھر صحبت کرلی تھی،اللہ کے خوف سے بہت گریہ وزاری کرتے تھے،آپ کی احادیث صحیح نہیں ہوتیں۔

(۲۴)سلمہ ابن محبق: آپ کی کنیت ابو سنان ہے اورمحبق کا نام صخرابن عتبہ ہذلی ہے،اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۲۵)سلمہ ابن قیس: آپ اشجعی ہیں،آپ کا شمار اہلِ کوفہ میں ہے۔

(۲۶)سلمان فارسی: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،آپ حضور انور کے آزاد کردہ ہیں،آپ فارسی النسل رام ہرمز کی اولاد سے ہیں،فارس کے شہر اصفہان کے علاقہ کے رہنے والے تھے،تلاش دین میں دیس چھوڑ پردیسی بنے،پہلے عیسائی بنے ان کی کتابیں پڑھیں بہت مصیبتیں جھیلیں حتی کہ انہیں بعض عربیوں نے غلام بنالیا اور یہود کے ہاتھ فروخت کردیاان کے آقانے انہیں مکاتب کردیا،حضور انور نے ان کا مال کتابت اداکرکے آزاد کردیا،آپ دس سے زیادہ آقاؤں کے پاس پہنچے حتی کہ حضور انور تک پہنچ گئے،حضور انور نے فرمایا کہ سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں،جنت ان کی مشتاق ہے،بڑی عمر پائی ڈھائی سو بلکہ ساڑھے تین سو سال عمر ہوئی،ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کماکر کھایا صدقہ کیا،مدائن میں وفات ہوئی وہاں ہی مزار ہے، ۵۳ھ میں وفات ہے۔مترجم کہتا ہے کہ مدائن کا نام اب سلمان پاک ہے یہ جگہ بغداد شریف سے۳۰ تیس میل ہے،ان کے ساتھ حذیفہ ابن یمان اور جابر کے مزارات ہیں،فقیر نے زیارت کی ہے۔مدینہ منورہ کے عوالی میں سلمان کا باغ ہے اس میں دو کھجور کے درخت حضور کے لگائے ہوئے ہیں،فقیر نے زیارت کی ہے۔

(۲۷)سلمان ابن عامر: آپ ضبی ہیں،اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے،بہت کم عمر صحابی ہیں یعنی لڑکپن میں حضور کی زیارت کی ہے۔

(۲۸)سفینہ: آپ کا نام رباح یا رومان ہے،لقب سفینہ،ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے ایک صحابی نے تھک کر اپنی تلوار،ڈھال نیزہ وغیرہ انہیں دے دیا اور بہت سامان انہوں نے لادا ہوا تھاحضور انور نے فرمایا کہ تم تو ہمارے سفینہ یعنی کشتی ہو تب سے آپ کا لقب سفینہ ہوا،یہ حضور انور کے آزاد کردہ غلام ہیں،بعض نے فرمایا کہ آپ حضرت ام سلمہ کے غلام تھے انہوں نے آپ کو آزاد کیا اس شرط پر کہ زندگی بھر حضورانور کی خدمت کریں۔مترجم کہتا ہے کہ حق یہ ہی ہے کہ حضور انور کے غلام ہیں کیونکہ آپ نے جنگل میں شیر سے کہا تھا کہ اے ابو حارث میں رسول اللہ کا غلام ہوں جس پر شیر دم ہلاتا ہوا آپ کے ساتھ ہولیا،آپ بدوی ہیں یا فارسی النسل۔

(۲۹)سالم ابن معقل: آپ حضرت حذیفہ ابن عتبہ ابن ربیعہ کے آزاد کردہ ہیں،ملک فارس کے شہر اصطخر کے رہنے والے ہیں،بہترین شاندار صحابی ہیں،قاریوں میں آپ کا شمار ہے،حضور انور نے فرمایا تھا کہ چار شخصوں سے قرآن لو: ابن مسعود،ابی ابن کعب،سالم ابن معقل اور معاذ ابن جبل،آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

(۳۰)سالم ابن عبید: آپ اشجعی ہیں،اہلِ صفہ سے ہیں،آپ کا شمار اہلِ کوفہ میں ہے۔

(۳۱)سراقہ ابن مالک: آپ مالک ابن جعشم کے بیٹے ہیں،مدلجی کنانی ہیں،اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے،بڑے شاعر تھے ۲۴ھ چوبیس میں وفات ہے۔مترجم کہتا ہے کہ ہجرت میں آپ ہی کا وہ واقعہ ہوا تھاحضور کو پکڑنے نکلے تھے مگر آپ پر ایمان لے آئے آپ کو حضور نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ہاتھ میں شاہ فارس کے کنگن دیکھتا ہوں۔

(۳۲)سفیان ابن اسید: آپ حضرمی شامی ہیں،حضرت جبیر وغیرہم نے آپ سے روایات لیں۔

(۳۳)سفیان ابن ابی زہیر: آپ ازدی ہیں،بنی شنوءہ سے ہیں،حجازی محدث ہیں۔

(۳۴)سفیان ابن عبداللہ: آپ عبداللہ ابن ربیعہ کے بیٹے ہیں،کنیت ابو عمرو ہے،ثقفی ہیں،طائف والوں میں سے ہیں، حضرت عمر فاروق کی طرف سے طائف کے حاکم رہے۔

(۳۵)سنجرہ: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،ازدی ہیں۔

(۳۶)سائب ابن یزید: آپ کی کنیت ابو یزید ہے،کندی میں ۲ دو ہجری میں پیدا ہوئے،حجۃ الوداع میں اپنے والد کے ساتھ شریک ہوئے،اس وقت سات سال کے تھے، ۸۰ھ اسی میں وفات ہے۔

(۳۷)سائب ابن خلاد: آپ کی کنیت ابو سہلہ ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،۹۱اکیانوے میں وفات پائی۔

(۳۸)سوید ابن قیس:آپ کی کنیت ابو صفوان ہے،آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

(۳۹)ابو سیف قین: آپ جناب ابراہیم ابن رسول اللہ کے دودھ کے والد ہیں،آپ کا نام براء ابن اوس ہے،انصاری ہیں، آپ کی بیوی جو جناب ابراہیم کی دودھ کی والدہ ہیں،ان کا نام ام بردہ ہے۔

(۴۰)ابوسعید خدری: آپ کا نام سعد ابن مالک ہے،انصاری خدری ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہیں،آپ حافظ ہیں،بہت احادیث کے راوی ہیں،بہت صحابہ تابعین نے آپ سے روایات لیں،۷۴چوہتّر میں وفات ہوئی،چوراسی سال عمر پائی جنت البقیع سے باہر آپ کی قبر انور ہے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کے برابر،مترجم فقیر نے زیارت کی ہے۔

(۴۱)ابو سعید ابن معلٰی: آپ کا نام حارث ابن معلٰی ہے،انصاری زرقی ہیں،چونسٹھ سال عمر ہوئی۶۴ چونسٹھ ہی میں وفات پائی۔

(۴۲)ابو سعید ابن ابی فضالہ: آپ حارثی انصاری ہیں،کنیت ہی آپ کا نام ہے،اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۴۳)ابو سلمہ: آپ عبداللہ ابن الاسد کے بیٹے ہیں،مخزومی قرشی ہیں،حضور انور کے پھوپھی زاد بھائی ہیں یعنی جناب برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند،حضور انور سے پہلے ام سلمہ کے خاوند تھے،ان کی وفات کے بعد ام سلمہ حضور کے نکاح میں آئیں،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،مدینہ منورہ میں وفات پائی ۴ھ چار میں۔

(۴۴)ابوسفیان: آپ صخر ابن حرب ابن امیہ کے بیٹے ہیں،اموی قرشی ہیں،امیر معاویہ کے والد واقعہ فیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے،قرشی ہیں،زمانہ جاہلیت میں قریش کے سردار ان کے علمبردار تھے،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،مؤلفۃ القلوب سے تھے،غزوہ حنین میں حضور انور کے ساتھ تھے،حضور نے اس غزوہ میں آپ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا عطا فرمایا،غزوہ طائف میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی،غزوہ یرموک یعنی عہد فاروقی میں دوسری آنکھ شہید ہوگئی کہ اس میں پتھر لگا آپ سے حضرت عبداللہ ابن عباس نے احادیث لیں، ۳۴ھ چونتیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،جنت البقیع میں دفن ہوئے،ام المؤمنین جناب ام حبیبہ آپ کی دختر ہیں یعنی آپ حضور انور کے خسر ہیں۔ (مترجم)

(۴۵)ابوسفیان ابن حارث: آپ حارث ابن عبدا لمطلب کے بیٹے ہیں یعنی حضور انور کے چچازاد،نیز حضور کے دودھ شریکے بھائی بھی ہیں کہ حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ نے آپ کو بھی دودھ پلایا ہے،بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام مغیرہ ہے،بعض نے فرمایا کہ مغیرہ آپ کے بھائی کا نام ہے اور آپ کا نام یہ کنیت ہی ہے،زمانہ جاہلیت کے شعراء میں سے تھے حضور انور کی ہجو میں اشعار لکھا کرتے تھے،حضرت حسان ابن ثابت آپ کے اشعار کا اشعار میں جواب دیتے تھے۔پھر جب اسلام لائے تو عمر بھر کبھی حضور کے سامنے شرم و حیاء سے نگاہ اونچی نہ کی فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے،حضرت علی نے آپ سے کہا تھا کہ ابوسفیان تم آستانہ عالیہ میں جاکر یہ آیت حضور انور کے سامنے پڑھ دینا"تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ"یعنی اللہ نے آپ کو بڑی عزت دی ہے ہم خطاکار ہیں

آپ نے یہ ہی کیا۔حضور انور نے نظر رحمت سے دیکھا اور جواب دیا"لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ"یعنی تم پر آج کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں بخشے یہ فرما کر آپ کا اسلام قبول فرمایا دامن رحمت میں جگہ دے دی آپ کی موت کا واقعہ یہ ہوا کہ آپ حج کو گئے سر منڈایا نائی نے آپ کے سر پر جو غدود تھا کاٹ دیا اس پر بیمار ہوگئے اور حج میں ہی فوت ہوگئے عقیل ابن ابی طالب کے گھر میں دفن ہوئے،حضرت عمر فاروق نے جنازہ پڑھایا وفات ۲۰ میں ہوئی۔

(۴۶)ابو سمح: آپ کا نام ایاد ہے حضور انور کے خاص خادم یا آپ کے آزاد کردہ ہیں خبر نہیں کہ وفات کب اور کہاں ہوئی۔

(۴۷)ابو سہلہ: آپ کا نام سائب ابن خلاد ہے آپ کا ذکر گزر چکا ہے۔

س۔۔۔تابعین عظام

(۱)سعید ابن مسیب:آپ کی کنیت ابو محمد ہے،قرشی مخزومی ہیں،مدنی ہیں،خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے جبکہ آپ کی خلافت کو دو سال گزرے تھے آپ کو سید التابعین کہا جاتا ہے،فقہ حدیث،زہد،تقویٰ ورع میں یکتا تھے،حضرت ابوہریرہ کی احادیث،عمر فاروق کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔صحابہ کرام کی بڑی جماعت سے ملاقات ہے بہت تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔مکحول فرماتے ہیں کہ میں نے طلب علم میں زمین چھان ماری ابن مسیب سے بڑا عالم نہ پایا،آپ نے چالیس حج کئے ۹۳ھ ترانوے میں وفات ہوئی۔

(۲)سعید ابن عبدالعزیز:آپ تنوخی ہیں،دمشق میں امام اوزاعی کے ہم زمانہ ہیں،شام کے رہنے والے،امام احمد فرماتے ہیں کہ شام میں ان سے بہتر محدث نہیں آپ نماز میں گریہ وزاری کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو دوزخ میرے سامنے ہوتی ہے،ستر سال سے زیادہ عمر پائی ۶۷ سرسٹھ میں وفات ہوئی۔

(۳)سعید ابن ابی الحسن:ابوالحسن کا نام یسار ہے آپ بصری ہیں،آپ کی وفات اپنے بھائی سے ایک سال پہلے ہوئی ۱۰۹ھ ایک سو نو میں وفات ہے۔

(۴)سعید ابن حارث: آپ حارث ابن معلیٰ کے بیٹے انصاری ہیں،مدینہ منورہ میں قاضی رہے مشہور تابعی ہیں۔

(۵)سعید ابن ابی ہند: آپ حضرت سمرہ کے آزاد کردہ ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

(۶)سعید ابن جبیر: آپ اسدی کوفی ہیں،شاندار تابعی ہیں،شعبان ۹۳ ترانوے میں آپ کو حجاج ابن یوسف نے قتل کیا اس سال رمضان یا شوال میں حجاج مرگیا آپ کے قتل کے بعد حجاج کسی کو قتل نہ کرسکا۔جب حجاج نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو پہلے بہت بحث مباحثہ کیا،پھر جلاد کو قتل کا حکم دیا آپ اس حکم پر بہت ہنسے وجہ پوچھی تو فرمایا تیرے ظلم اور رب تعالٰی کے حلم پر ہنستا ہوں،جب ذبح کے لیے آپ کو لٹایا گیا تو آپ یہ پڑھ کر قبلہ رو لیٹے"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ"الخ۔حجاج بولا انہیں غیر قبلہ کی طرف لٹاؤ تو آپ نے پڑھا"فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ"حجاج بولا انہیں اوندھا لٹاؤ،آپ نے پڑھا"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ"الخ،حجاج بولا انہیں ذبح کردو آپ بولے اے حجاج میرے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا گواہ رہ تیرا میرا فیصلہ رب کے ہاں ہوگا،پھر آپ نے دعا کی

الٰہی اب میرے بعد تو حجاج کو کسی کے قتل پر قابو نہ دے چنانچہ آپ کو ذبح کردیا گیا آپ کے قتل کے بعد حجاج پندرہ دن زندہ رہا اس کے پیٹ میں زخم ہوگیا حکیم کو بلایا گیا اس نے گوشت کی بوٹی دھاگے میں باندھ کر اس کے حلق کے اندر لٹکائی۔جب نکالی تو وہ خون سے لتھڑی ہوئی تھی اس نے کہا کہ اب تو بچ نہیں سکتا۔وہ چیختا تھا کہ مجھے سعید ابن جبیر سے پناہ نہیں وہ مجھے سونے نہیں دیتے جب میں سونے کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرا پاؤں پکڑ کر جھنجھوڑتے ہیں اسی حالت میں حجاج مرا، حضرت سعید کا مزار عراق کے شہر واسط میں ہے آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(۷)سعید ابن ابراہیم: آپ ابراہیم ابن عبدالرحمٰن ابن عوف کے فرزند ہیں،زہری قرشی ہیں،مدینہ کے قاضی رہے،بہتّر سال عمر پائی،۱۲۵ ایک سوپچیس میں وفات ہوئی۔

سعید ابن ہشام: آپ انصاری ہیں،حضرت ابن عمر،عائشہ صدیقہ وغیرہم سے ملاقات ہے۔

(۸)سفیان ابن دینار: آپ تمار ہیں،کوفی ہیں،حضور کی قبر کی زیارت کی ہے۔

(۹)سفیان ثوری: آپ سفیان ابن سعید ہیں،ثوری کوفی ہیں،اپنے زمانہ میں امام المسلمین حجۃ اللہ علی الخلق تھے،فقیہ، مجتہد،محدث،عابد،زاہد اور متقی تھے،حدیث وغیرہ علوم کے جامع تھے۔قطب اسلام تھے ارکان دین میں سے تھے سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ ۹۹ھ میں پیدائش ہے بڑے بڑے محدثین فقہاء آپ کے شاگرد ہیں،بصرہ میں ۱۶۱ ایک سو اکسٹھ میں وفات پائی۔

(۱۰)سفیان ابن عیینہ: آپ بنی ہلال کے مولٰی تھے ۱۰۷ھ ایک سو سات میں پندرہ شعبان کوفہ میں پیدا ہوئے،آپ وقت کے امام عالم حجۃ زاہد تھے ایک خلقت نے آپ سے احادیث لیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اگر امام مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز سے علم جاتا رہتا آپ یکم رجب ۱۹۸ ایک سو اٹھانوے میں مکہ معظّمہ میں فوت ہوئے،حجون میں دفن ہوئے،۷۰ حج کیے۔

(۱۱)سلیمان ابن حرب: آپ بصری ہیں،مکہ معظّمہ کے قاضی رہے علماء بصرہ سے ہیں،آپ سے دس ہزار احادیث مروی ہیں،کبھی آپ نے کوئی کتاب ہاتھ میں نہ لی ابو حاتم فرماتے ہیں کہ بغداد میں ان کے مدرسہ میں حاضر ہوا چالیس ہزار شاگرد آپ کی مجلس درس میں دیکھے صفر ۱۴۰ ایک سو چالیس میں پیدا ہوئے،۱۵۸ ایک سو اٹھاون میں طلب علم حدیث کے لیے نکلے انیس سال حضرت حماد کے ساتھ رہے آپ سے امام احمد وغیرہ نے احادیث لیں ۲۲۴ دو سو چوبیس میں وفات ہوئی۔

(۱۲)سلیمان ابن ابی مسلم: آپ کا لقب احول ہے مکی تابعی ہیں،حجاز کے ثقہ و معتبر لوگوں میں سے ہیں،اس زمانہ کے امام تھے۔

(۱۳)سلیمان ابن ابی حیثمہ: آپ قرشی عدوی ہیں،فضلاء مسلمین میں سے ہیں،جلیل الشان تابعی ہیں۔

(۱۴)سلیمان ابن مولٰی میمونہ: یہ سلمان ابن یسار کے علاوہ اور صاحب ہیں۔

(۱۵)سلیمان ابن عامر: آپ سلیمان ابن کندی ابن عامر ہیں،مرو کے باشندے ہیں۔

(۱۶)سلیمان ابن یسار: آپ کی کنیت ابو ایوب ہے،ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں،آپ کے بھائی ابن یسار بھی اہل مدینہ سے ہیں،عظیم الشان تابعی فقیہ،فاضل ثقہ،عابد،متقی تھے آپ سات فقہاء میں سے تھے تہتر سال عمر پائی ۱۰۷ ایک سو سات میں وفات ہوئی۔

(۱۷)سالم ابن عبداللہ: آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے بیٹے ہیں،کنیت ابو عمرو ہے،قرشی،عدوی مدنی ہیں،فقہاء مدینہ اور افضل تابعین سے ہیں،۱۰۶ ایک سو چھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

(۱۸)سالم ابن ابی الجعد: آپ کے والد کا نام رافع کنیت ابوجعد ہے آپ کوفی ہیں،تابعین کے ثقہ ہیں،۹۷ ستانوے میں آپ کی وفات ہے۔

(۱۹)سیار ابن سلامہ: آپ کی کنیت ابو المنہال ہے،بصری تمیمی مشہور تابعی ہیں۔

(۲۰)سماک ابن حرب: آپ ذہلی ہیں،کنیت ابو مغیرہ ہے آپ سے دوسو احادیث مروی ہیں،ابن مبارک نے آپ کو ضعیف کہا ۱۲۳ ایک سو تئیس میں وفات ہوئی۔

(۲۱)سوید ابن وہب: آپ ابن عجلان کے شیخ ہیں۔

(۲۲)ابو سائب: آپ ہشام ابن زہرہ کے آزاد کردہ ہیں،تابعی ہیں۔

(۲۳)ابو سلمہ: آپ اپنے چچا عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن عوف سے روایات لیتے ہیں،زہری قرشی ہیں،سات فقہاء میں سے ہیں،مدینہ منورہ کے باشندے تھے۔بہتّر سال عمر پائی چورانوے میں وفات ہوئی۔

(۲۴)ابو سورہ: آپ نے اپنے چچا ابو ایوب اور عدی ابن حاتم سے روایات لیں ابن معین نے آپ کو ضعیف کہا ہے،امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو فرماتے سنا کہ یہ منکر الحدیث ہیں۔

س ---صحابیات

(۱)سودہ بنت زمعہ: آپ ام المؤمنین یعنی زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،آپ پہلے اپنے چچا زاد سکران ابن عمرو کے نکاح میں تھیں ان کی وفات کے بعد حضور کے نکاح میں آئیں،حضور انور نے آپ سے نکاح مکہ معظّمہ میں ہجرت سے پہلے بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد کیا گویا ہماری پہلی ماں حضرت خدیجہ ہیں،دوسری ماں بی بی سودہ ہیں،مدینہ منورہ کی طرف آپ نے ہجرت کی آخر میں آپ نے اپنی باری جناب عائشہ صدیقہ کو دے دی تھی ۵۴ھ چون میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۲)ام سلمہ: آپ کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے،پہلے حضرت ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں، ۴ھ چار میں جب ابو سلمہ کا انتقال ہوگیا تو حضور انور کے نکاح میں آئیں۔اسی سال شوال کے مہینہ میں نکاح ہوا آپ کی عمر چوراسی سال ہوئی ۵۹ انسٹھ میں وفات ہوئی۔آپ سے آپ کی بیٹی زینب اور عائشہ صدیقہ وغیرہما نے روایات لیں۔

(۳)ام سلیم: آپ ملحان کی بیٹی ہیں،آپ کا نام سہلہ یا رمانہ یا ملیکہ یا غمیصہ یارمیصا ہے،آپ کا نکاح مالک ابن نضر سے ہوا جو حضرت انس کے والد ہیں،حضرت انس مالک ابن نضر کے بیٹے ہیں،آپ کے شکم سے پھر مالک مشرک ہو کر ہی قتل ہوا،آپ ایمان لائیں ابو طلحہ نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا آپ بولیں کہ اگر تم مسلمان ہوجاؤ تو تم سے نکاح کرلوں گی اور

سواء اسلام کے کوئی مہر نہ لوں گی چنانچہ ابو طلحہ ایمان لائے اور آپ سے نکاح کیا،ایک مخلوق نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

(۴)سبعہ بنت حارث: آپ اسلمیہ ہیں،سعد ابن خولہ کی زوجہ سعد کی وفات،حجۃ الوداع میں مکہ معظّمہ میں ہوئی۔

(۵)سہیمیہ بنت عمیر: آپ مزینہ ہیں،رکانہ ابن عبد زید کی بیوی ہیں۔

(۶)سلامہ بنت حر: آپ ازدیہ یا فزاریہ۔

(۷) سلمٰی: آپ رافع کی والدہ اور ابو رافع کی بیوی ہیں،حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی دائی یعنی دودھ کی ماں ہیں،حضرت فاطمہ کو بنت عمیس کے ساتھ غسل میت دیا۔

ش۔۔۔صحابہ کرام

(۱)شداد ابن اوس: آپ کی کنیت ابو یعلٰی ہے انصاری ہیں،حضرت حسان بن ثابت کے چچا زاد بھائی ہیں،آخر میں بیت المقدس میں رہے پچھتّر سال عمر ہوئی،۸۵ پچاسی میں وفات پائی،شام میں مزار ہے،عبادہ ابن صامت اور ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ انہیں علم و حکمت عطا ہوئی۔

(۲)شریح ابن ہانی: آپ کی کنیت ابو المقدام ہے،حارثی ہیں،حضور انور نے آپ کے والد کی کنیت ابو شریح رکھی چنانچہ ہانی ابن یزید کی کنیت ابو شریح ہے حضرت علی کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

(۳)شرید ابن سوید: آپ ثقفی ہیں،حضر موت کے رہنے والے۔

(۴)شکل ابن حمید: آپ عبسی ہیں،آپ سے آپ کے بیٹے شبیر نے روایات لیں۔

(۵)شریک ابن سحماء: خیال رہے کہ سحماء آپ کی ماں کا نام ہے آپ کے والد کا نام عبدہ ابن مغیث ہے،آپ کو ہی بلال ابن امیہ نے زنا کی تہمت لگائی تھی اپنی بیوی سے اور پھر لعان کیا تھا،آپ اپنے والد عبدہ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے رضی اللہ عنہم۔

(۶)ابو شبرمہ: خیال رہے کہ شبرمہ شین کے پیش با کے سکون سے ہے آپ صحابی ہیں،حضور انور کے زمانہ پاک میں ہی آپ کی وفات ہوگئی تھی۔

(۷)ابوشریح: آپ کا نام خویلد ابن عمر ہے،کعبی عدوی،خزاعی ہیں،فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے ۶۸ اڑسٹھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،اپنی کنیت میں مشہور ہے۔

ش۔۔۔تابعین کرام

(۱)شقیق ابن ابی سلمہ: آپ کی کنیت ابو وائل ہے اسدی ہیں حضور انور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے فرماتے ہیں کہ میں حضور انور کے ظہور نبوت کے وقت بیس سال کا تھا جنگل میں اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا بہت صحابہ سے ملاقات ہے،حضرت ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں ہیں،بڑے محدث اور ثقہ تھے ۹۹ھ میں یا حجاج کے زمانہ میں وفات پائی۔

(۲)شریق ہوزنی: تابعی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ سے احادیث لیں۔

(۳)شریک ابن شہاب: آپ حارثی بصری ہیں،حضرت ابو برزہ اسلمی سے احادیث کے راوی۔

(۴)شریح ابن عبیدہ: آپ حضرمی ہیں چند صحابہ سے روایات لیتے ہیں۔
(۵)شعبی: آپ کا نام شرحبیل ہے،کوفی ہیں،خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے،پانچ سو صحابہ سے ملاقات ہے،فرماتے ہیں میں نے کبھی کوئی حدیث کاغذ پر نہیں لکھی یعنی دل میں لکھیں۔ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں عبداللہ ابن عباس امام تھے پھر اپنے زمانہ میں شعبی پھر اپنے زمانہ میں سفیان ثوری اور امام زہری کہتے ہیں کہ علماء چار ہوئے: مدینہ منورہ میں سعید ابن مسیب،کوفہ میں امام شعبی،بصرہ میں خواجہ حسن بصری اور شام میں مکحول،آپ نے بیاسی سال عمر پائی ۱۰۴ ایک سو چار میں وفات ہوئی۔
(٦)ابن شہاب: آپ کا نام زہری ہے آپ کے حالات ز کی تختی میں بیان ہوچکے ہیں۔

ش۔۔۔صحابیات

(۱)شفاء بنت عبداللہ: آپ قرشیہ عدویہ ہیں،آپ کا نام لیلیٰ ہے لقب شفاء ہجرت سے پہلے ایمان لائیں بڑی عقل و سمجھ والی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر تشریف لاتے تھے وہاں آرام فرماتے تھے آپ نے حضور کے لیے بستروتہبند علیحدہ رکھا ہوا تھاجس میں حضور آرام فرماتے تھے۔مترجم کہتا ہے کہ حضور انور کو پہلے دودھ آپ نے ہی پلایا۔
(۲)ام شریک: آپ انصاریہ ہیں،فاطمہ بنت قیس کی عدت کے بیان میں آپ کا ذکر آتا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ام شریک عتبہ انصاری کی زوجہ ہیں۔خیال رہے کہ ایک ام شریک قرشیہ بھی ہیں جولوی ابن غالب کی اولاد سے ہیں،یہ انصاریہ ہیں۔

ص۔۔۔صحابہ کرام

(۱)صفوان ابن عسال: آپ مرادی ہیں،کوفہ میں قیام رہا۔
(۲)صفوان ابن معطل:آپ کی کنیت ابو عمرو ہے سلمی ہیں،تمام غزوات میں شریک ہوئے،حضرت ام المؤمنین کی تہمت کا واقعہ آپ ہی کے متعلق ہوا،آپ بڑے متقی اور صاحبِ خیر شجاع تھے،۱۰دس میں غزوہ آرمینیا میں شہید ہوئے،ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی مشہور صحابی ہیں۔
(۳)صفوان ابن امیہ: آپ امیہ ابن خلف کے بیٹے ہیں،جمحی قرشی ہیں،فتح کے دن بھاگ گئے تھے عمیر ابن وہب نے آپ کے لیے امان حاصل کی۔حضور انور نے امن دے دی عمیر آپ کو تلاش کرکے لائے آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوکر بولے عمیر نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مجھے اس شرط پر امان دی ہے کہ میں دو ماہ تک سفر میں رہوں حضور انور نے امان عطا فرمائی آپ حنین اور طائف میں شریک ہوئے،حضور انور نے آپ کو غنیمت سے بہت مال عطا فرمایا آپ ہجرت کرکے مدینہ منورہ حاضر ہوئے،آپ کی بیوی آپ سے ایک ماہ پہلے ایمان لائیں۔صفوان کے ایمان لانے پر حضور نے آپ کا نکاح قائم رکھا،حضرت صفوان نے مکہ معظّمہ میں ۴۲ بیالیس میں وفات پائی،آپ غزوہ طائف میں ایمان لائے۔
(۴)صخرابن وداعہ: آپ غامدی ہیں،ازدی ہیں،طائف میں رہے۔
(۵)صخر ابن حرب: آپ کی کنیت ابو سفیان ہے امیر معاویہ کے والد،آپ کا ذکر سین کی تختی میں ہوچکا ہے۔

(٦)صہیب ابن سنان: آپ عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ ہیں،تیمی ہیں،آپ کی کنیت ابو یحیٰ ہے آپ کا وطن موصل کے علاقہ میں تھا،رومیوں نے ان پر حملہ کیا آپ کو غلام بنالیا اس وقت آپ بچے تھے پھر رومیوں میں آپ کی پرورش ہوئی حتی کہ آپ کو عبداللہ ابن جدعان نے خرید کر آزاد کیا۔آپ اور عمار ابن یاسر ایک ہی دن مکہ معظّمہ ایمان لائے،جب کہ حضور انور دار ارقم میں تھے اور اس وقت تک تیس سے کچھ زیادہ آدمی مسلمان ہوئے تھے مکہ معظّمہ میں آپ کو اسلام کی وجہ سے بہت سخت ایذائیں دی گئیں،پھر آپ مدینہ منورہ ہجرت کرکے آگئے،آپ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی "وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ" نوے سال عمر ہوئی،مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت بقیع میں دفن ہوئے۔

(٧)صعب ابن جثامہ: آپ لیثی ہیں،ودان اور ابواء میں قیام پذیر رہے تھے،خلافت صدیقی میں وفات ہے۔

(٨)صنابحی: آپ اسی نام سے مشہور ہیں کیونکہ آپ صنابح ابن زاہر ابن عامر قبیلہ سے ہیں جو مراد کے خاندان میں سے ہے آپ کا اصلی نام عبداللہ ہے۔

(٩)ابو صرمہ: آپ کا نام مالک ابن قیس ہے مازنی ہیں،بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

ص۔۔۔تابعین عظام

(١)صالح ابن خوات: آپ انصاری مدنی ہیں،ابو سہل ابن ابی حثمہ سے آپ کی ملاقات ہے۔

(٢)صالح ابن درہم: آپ باہلی ہیں،حضرت ابوہریرہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

(٣)صالح ابن حسان: مدنی ہیں،بصرہ میں رہے امام بخاری کہتے ہیں،منکر الحدیث ہیں۔

(٤)صخر ابن عبداللہ: آپ عبداللہ ابن بریدہ کے بیٹے ہیں،اپنے والد اور دادا سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

(٥)صفوان ابن سلیم: آپ زہری ہیں،حمید ابن عبدالرحمٰن ابن عوف کے آزاد کردہ ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،اہلِ مدینہ سے ہیں،بندگانِ صالحین سے ہیں،چالیس سال زمین سے پیٹھ نہ لگائی،زیادہ سجدہ کی وجہ سے پیشانی میں گڑھا پڑ گیا تھا کبھی بادشاہی عطیہ قبول نہیں کیا آپ کے بہت فضائل ہیں،١٣٢ ایک سو بتیس میں وفات پائی۔

(٦)ابوصالح: آپ کا نام ذکوان ہے سمان اور زیات لقب ہے مدنی ہیں،چونکہ تیل اور گھی کوفہ لے جاتے تھے اس لیے آپ کے یہ القاب ہوئے۔ام المؤمنین جویریہ بنت حارث کے آزاد کردہ ہیں،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

ص۔۔۔صحابیات

(١)صفیہ: آپ حی ابن اخطب کی بیٹی ہیں،بنی اسرائیل سے ہیں،حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں،پہلے کنانہ ابن ابی حقیق کے نکاح میں تھیں جو جنگ خیبر میں مارا گیا یعنی محرم ٧ سات میں آپ قید ہو کر آئیں اور دحیہ کلبی ابن خلیفہ کلبی کے حصہ میں آئیں،حضور انور نے سات غلام انہیں دے کر ان سے خرید لیں انہیں آزاد فرما کر خود ان سے نکاح فرمالیا یعنی ام المؤمنین ہیں،٥٠ پچاس میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی،بقیع میں دفن ہوئیں،آپ سے حضرت انس اور عبداللہ ابن عمرو غیرہما نے احادیث روایت کیں۔

(۲)صفیہ بنت عبدالمطلب: آپ حضورانور کی پھوپھی ہیں،اسلام سے پہلے حارث ابن حرب کے نکاح میں تھیں اس کی موت کے بعد عوام ابن خویلد کے نکاح میں آئیں ان سے حضرت زبیر پیدا ہوئے،بہت عمر پائی خلافت فاروقی ۲۰ بیس میں وفات پائی تہتّر سال عمر ہوئی مدینہ منورہ کے قبرستان میں بقیع میں دفن ہوئیں۔

(۳)صفیہ بنت ابی عبید: آپ ثقفیہ ہیں،مختار ابن ابی عبید کی بہن ہیں،عبداللہ ابن عمر کی زوجہ حضور انور کی صحبت یافتہ ہیں،آپ کے کلام سنے مگر کسی حدیث کی حضور سے روایت نہیں کی حضرت عائشہ حفصہ وغیرہم سے روایات لیتی ہیں۔

(۴)صفیہ بنت شیبہ: آپ جمحی ہیں۔حق یہ ہے کہ آپ نے حضور انور سے احادیث روایت نہیں کیں۔

(۵)صماء بنت بسر: آپ مازنیہ ہیں،صحابیہ ہیں،آپ کا نام بہیمہ ہے،صماء لقب ہے۔

ض۔۔۔صحابہ کرام

(۱)ضماد ابن ثعلبہ: آپ قبیلہ ازدشنوءہ سے ہیں،اسلام سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دوست تھے آپ طبیب بھی تھے اور دوم درود کرنے والے بھی اسلام کی ابتداء میں ہی مسلمان ہوگئے تھے،جب حضور انور نے آپ کو قرآن سنایا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کلمات سمندر کی تہہ تک پہنچے ہوئے ہیں،حضرت ابن عباس وغیرہ نے آپ سے روایات لیں ہیں۔

(۲)ضحاک ابن سفیان: آپ کلابی عامری اہل مدینہ سے ہیں،نجد جایا کرتے تھے،حضور انور نے آپ کو آپ کی قوم کا حاکم بنایا،آپ سو پہلوانوں کے برابر سمجھے جاتے تھے بہادری کی وجہ سے،خطرہ کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر شریف کے پاس ننگی تلوار لے کر کھڑے ہوتے تھے حفاظت کے لیے۔

ض۔۔۔تابعین عظام

(۱)ضحاک ابن فیروز: آپ دیلمی تابعی ہیں،آپ کا شمار اہلِ بصرہ میں ہے۔

(۲)ضرار ابن صرد: آپ کی کنیت ابو نعیم ہے،لقب طحان،کوفی ہیں،معتمر ابن سلیمان سے آپ کی ملاقات ہے علی ابن منذر وغیرہ آپ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

ط۔۔۔صحابہ کرام

(۱)طلحہ ابن عبید اللہ: آپ کی کنیت ابو محمد ہے،قرشی ہیں،عشرہ مبشرہ سے ہیں،پرانے مؤمن ہیں،سوا بدر کے تمام غزوات میں شریک ہوئے،بدر کے دن حضور انور نے انہیں سعید ابن زید کے ساتھ ابوسفیان کے قافلہ کی تحقیق کے لیے بھیجا تھا آپ عین بدر کے دن واپس ہوئے،احد کے دن حضور انور کی حفاظت اپنے ہاتھ سے کی،چوبیس زخم کھائے ہاتھ کی انگلی بے کار ہوگئی،بعض روایات میں ہے کہ اس دن آپ نے پچھتّر زخم کھائے تلواروں نیزوں وغیرہ کے،جمل کے واقعہ میں جمعرات کے دن ۳۰ھ تیس میں بیس جمادی آخرہ کو شہید ہوئے،چونسٹھ سال عمر پائی بصرہ میں دفن ہوئے،مترجم نے قبر شریف کی زیارت کی ہے۔

(۲)طلحہ ابن براء: آپ انصاری ہیں،حضو انور کے زمانہ پاک میں آپ کی وفات ہوئی،حضور انور نے جنازہ پڑھایااور دعا کی کہ الٰہی تو اس سے راضی ہوکر ملاقات فرما اہل حجاز میں آپ کا شمار ہے۔

(۳)طلق ابن علی: آپ کی کنیت ابو علی ہے حنفی یمانی ہیں،طلق ابن ثمامہ بھی آپ کو کہا جاتا ہے۔

(۴)طارق ابن شہاب: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے بجلی کوفی ہیں،حضور انور کی زیارت کی مگر آپ سے احادیث بہت ہی کم مروی ہیں،خلافت صدیقی وفاروقی میں۳۳ تینتیس جہاد کیے اور ۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۵)طارق ابن سوید: آپ صحابی ہیں،آپ سے ایک حدیث شراب کے متعلق مروی ہے۔

(۶)طفیل ابن عمرو: آپ دوسی ہیں،مکہ معظّمہ میں ہی ایمان لے آئے تھے،پھر اپنی قوم میں چلے گئے،حضور انور کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے،حضور انور کی وفات تک وہاں ہی رہے۔حق یہ ہے کہ خلافت صدیقی میں یمامہ کے جہاد میں شہید ہوئے،آپ کا شمار اہل حجاز میں ہے۔

(۷)ابو طفیل: آپ کا نام عامر ابن واثلہ ہے لیثی کنانی ہیں،حضور انور کی صحبت پاک میں آٹھ سال رہے ۱۰۲ ایک سو دو میں وفات ہوئی آپ آخری صحابی ہیں کہ آپ کی وفات سے زمین صحابہ سے خالی ہوگئی۔

(۸)ابو طیبہ: آپ کا نام نافع ہے محیصہ ابن مسعود انصاری کے غلام تھے حجام تھے یعنی فصد کھولنے والے جراح آپ نے حضور کی فصد کھولی۔(مترجم)

(۹)ابو طلحہ: آپ کا نام زید ابن سہل ہے،انصاری نجاری ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہیں،حضرت انس کے سوتیلے والد اعلیٰ درجہ کے تیر انداز تھے حضور انور نے فرمایا کہ لشکر میں ابو طلحہ کی صرف آواز بڑی جماعت سے بہتر ہے ۷۷ ستتر سال عمر پائی ۳۱ھ اکتیس میں وفات ہوئی بیعت عقبہ میں ستر انصاریوں کے ساتھ آپ آئے تھے۔پھر غزوہ بدر وغیرہ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔آپ سے ایک جماعت نے روایات کیں۔

ط۔۔۔تابعین عظام

(۱)طلحہ ابن عبداللہ: آپ عبداللہ ابن کریز کے فرزند ہیں،خزاعی ہیں،تابعی ہیں اہل مدینہ سے ہیں۔بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

(۲)طلحہ ابن عبداللہ: آپ عبداللہ ابن عوف کے بیٹے ہیں۔زہری قرشی ہیں،مشہور تابعی ہیں،اہل مدینہ سے ہیں،بڑے سخی تھے اپنے چچا عبدالرحمٰن ابن عوف سے احادیث لیتے، ۹۹ھ ننانوے میں وفات ہوئی۔

(۳)طلق ابن حبیب: آپ عنزی بصری ہیں،بہت عبادت گزار تھے بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

(۴)طفیل ابن ابی ابن کعب: آپ انصاری ہیں،تابعی ہیں،آپ کی احادیث حجاز میں بہت مشہور ہیں۔

(۵)طاؤس ابن کیسان: آپ خولانی ہمدانی یمانی ہیں،اصل میں فارسی النسل ہیں،بڑے عالم و عامل تھے،۱۰۵ ایک سو پانچ میں وفات ہوئی۔

(۶)ابو طالب: آپ کا نام عبد مناف ابن عبدالمطلب ابن ہاشم قرشی ہاشمی ہیں،حضور انور کے چچا حضرت علی کے والد ماجد ہیں،آپ نے حضور انور کی پرورش کی اور بڑی حفاظت کی آپ کی وفات کے بعد کفار مکہ نے حضور انور کو بہت ایذا دیں۔آپ کی اور جناب خدیجہ کی وفات میں صرف ایک ماہ پانچ دن کا فاصلہ ہے،ابو طالب کی وفات کے بعد ہی حضور انور تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔خیال رہے کہ ابو طالب نے شرعی ایمان قبول نہیں کیا ورنہ ان کا شمار اول درجے کے صحابہ میں ہوتا،آپ کی بیوی فاطمہ بنت اسد اور آپ کے بیٹے علی،عقیل اور جعفر ایمان لائے،ابوطالب نے ایمان قبول

نہیں کیا،فاطمہ بنت اسد کی قبر مدینہ منورہ میں ہے۔فقیر نے زیارت کی ہے،آپ نے جناب آمنہ کی طرح حضور انور کی پرورش کی۔

(۷)ابن طاب: یہ وہ صاحب ہیں جن کی طرف کھجور کی ایک قسم منسوب ہے جسے رطب ابن طاب کہتے ہیں۔

ظ۔۔۔صحابہ کرام

(۱)ظہیر ابن رافع: آپ حارثی انصاری اوسی ہیں،دوسری بیعت عقبہ میں شریک ہوئے،پھر بدروغیرہ غزوات میں شامل ہوئے۔خیال رہے کہ ظہیر کے والد رافع یہ اور ہیں رافع ابن خدیج نہیں ہیں۔

ع۔۔۔صحابہ کرام

(۱)عمر ابن خطاب: آپ کا لقب فاروق ہے،کنیت ابو حفص عدوی قرشی ہیں،نبوت کے چھٹے یا پانچویں سال ایمان لائے آپ سے پہلے چالیس مرد گیارہ عورتیں مسلمان ہوچکے تھے۔بعض نے فرمایا کہ آپ سے چالیس مؤمنوں کا وعدہ پورا ہوا آپ کے ایمان لانے کے دن مکہ میں اسلام چمکا تین دن پہلے حضرت حمزہ ایمان لاچکے تھے۔آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب آپ کے ایمان کا ذریعہ بنیں اس دن حضور انور دارارقم میں تھے،صفا کے پاس جب آپ وہاں پہنچے تو جناب حمزہ حضور انور کے پاس تھے آپ نے دروازہ بجایا حاضرین بارگاہ باہر آئے جناب حمزہ نے پوچھا کون ہے لوگوں نے کہا عمر ہیں حضور انور باہر نکلے آپ کے دامن کو جھٹکا دیا آپ کھڑے نہ رہ سکے بیٹھ گئے دو زانو حضور نے فرمایا اے عمر کیا ابھی تمہارے ایمان کا وقت نہیں آیا آپ نے فورًا کلمہ پڑھ لیا،حاضرین نے خوشی سے نعرہ تکبیر لگایا جو حرم شریف میں سنا گیا آپ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں،حضور انور نے فرمایا خدا کی قسم تم حق پر ہو عرض کیا پھر ہم چھپتے کیوں ہیں۔چنانچہ مسلمان دو صفوں میں نکلے ایک میں حضرت حمزہ تھے دوسری صف میں حضرت عمر آپ کے سینے سے چکی کی سی آواز نکل رہی تھی آپ کو اور حضرت حمزہ کو کفار قریش نے مؤمنین کی صف میں دیکھا تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ گئی بہت غمگیں ہوئے حضور نے آپ کو فاروق کا لقب دیا جب آپ ایمان لائے تو جبریل امین حاضر خدمت ہوکر بولے یارسول اللہ آج حضرت عمر کے ایمان پر فرشتوں میں مبارکباد کی دھوم مچی ہے۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں اگر تمام دنیا والوں کے علوم ایک پلہ میں رکھے جاویں اور حضرت عمر کا علم دوسرے پلہ میں تو حضرت عمر کا علم وزنی ہوگا۔حضرت عمر کی وفات سے نو حصے علم اٹھ گیا دسواں حصہ باقی رہ گیا،آپ حضور کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے،پہلے آپ ہی کا لقب امیرالمؤمنین ہوا ابو بکر صدیق کے بعد آپ خلیفہ ہوئے،آپ چھبیس ذی الحجہ ۲۳ھ تئیس بدھ کے روز ایک یہودی غلام ابو لولو کے خنجر سے محراب النبی میں نماز فجر پڑھاتے ہوئے شہید کیے گئے اور دسویں محرم اتوار کے دن ۲۴ھ کو پہلوئے مصطفوی میں گنبدِ خضرا کے اندر دفن کیے گئے ساڑھے دس سال خلافت کی تریسٹھ سال عمر پائی،حضرت صہیب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔خیال رہے کہ آپ سے پانچ سو انتالیس احادیث مروی ہیں دس حدیثیں متفق علیہ ہیں،نو حدیثیں صرف بخاری میں ہیں پندرہ حدیثیں مسلم میں ہیں۔(مترجم از حاشیہ)عمر کے معنی ہیں آباد کرنے والے آپ نے اسلام کو آباد کیا آپ کی شہادت سے اسلام گویا یتیم ہوگیا۔(مترجم)

(۲) عمرابن ابی سلمہ: آپ کے والد ابو سلمہ کا نام عبداللہ ابن عبدالاسد ہے،آپ مخزومی قرشی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں یعنی جناب ام سلمہ کے فرزند آپ حبشہ میں پیدا ہوئے، ۲ ہجری میں حضور انور کی وفات کے وقت نو سال کے تھے عبدالملک ابن مروان کی حکومت میں ۸۳ تراسی میں وفات پائی۔

(۳) عثمان ابن عفان: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اموی قرشی ہیں،آپ شروع اسلام میں ہی حضرت ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے انہیں کے ہاتھ پر اسلام لائے ابھی حضور انور دارارقم میں نہیں گئے تھے آپ نے حبشہ کی طرف دو ہجرتیں کیں آپ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکے کیونکہ آپ کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ بیمار تھیں حضور انور کے حکم سے مدینہ منورہ میں رہے حضور نے بدر کی غنیمت سے حصہ آپ کو دیا، نیز صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت الرضوان میں جسمًا شریک نہ ہوئے کیونکہ حضور انور نے آپ کو اپنا نمائندہ بنا کر اہل مکہ کے پاس صلح کی بات چیت کرنے بھیجا تھااور یہ بیعت آپ کے پیچھے ہوئی تھی اس خبر پر کہ عثمان کو اہل مکہ نے شہید کردیا۔حضور انور نے اپنے بائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور آپ نے داہنے ہاتھ کے متعلق فرمایا کہ یہ محمد مصطفٰی کا ہاتھ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور بیعت کی چونکہ حضور انور کی دو بیٹیاں رقیہ و کلثوم آگے پیچھے حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں اسی لیے آپ کا لقب ذوالنورین ہے یعنی دو نور والے۔آپ یکم محرم ۲۴ چوبیس کو خلیفہ بنے بیاسی سال عمر پائی بارہ برس خلافت کی آپ کو اسود تجیبی مصری نے یا کسی اور نے شہید کیااور جنت البقیع کے کنارے پر دفن ہوئے،شہادت اٹھارہ ذی الحجہ جمعہ کے دن ۳۵ پینتیس کو ہوئی۔

(۴) عثمان ابن عامر: آپ کی کنیت ابو قحافہ ہے حضرت ابوبکر صدیق کے والد ماجد ہیں،قرشی تیمی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے خلافت فاروقی تک زندہ رہے ۱۴ھ چودہ میں فات پائی ۹۷ ستانوے سال عمر ہوئی آپ سے ابوبکر صدیق اور اسماء بنت صدیق نے روایات لیں۔

(۵) عثمان ابن مظعون: آپ کی کنیت ابو سائب ہے جمحی قرشی ہیں، تیرہ مردوں کے بعد ایمان لائے دو ہجرتیں کیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے،زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہ پی آپ مدینہ منورہ میں پہلے مہاجرین ہیں جن کی وفات ہوئی ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد وفات پائی،حضور انور نے آپ کی میت کی پیشانی چومی بعد دفن فرمایا کہ تم ہمارے بہترین پیش رو ہو،جنت بقیع میں دفن ہوئے،بڑے عابد زاہد تھے آپ سے آپ کے بیٹے سائب نے اور بھائی قدامہ ابن مظعون نے احادیث لیں۔

(۶) عثمان ابن طلحہ: آپ عبدری،قرشی جمحی ہیں، ۴۲ بیالیس میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی۔

(۷) عثمان ابن حنیف: آپ انصاری ہیں، سہل کے بھائی ہیں،آپ کو حضرت عمر نے سواد عراق اور جہانیہ کا حاکم بنایا تھا وہاں کے باشندوں کفار پر جزیہ قائم کیا تھا پھر حضرت علی نے بصرہ کا حاکم بنایا وہاں سے آپ کو طلحہ و زبیر نے نکال دیاجب کہ وہ دونوں جنگ جمل میں وہاں آئے پھر آپ کوفہ میں رہے امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی آپ سے بہت لوگوں نے روایات لیں۔

(۸) عثمان ابن ابو العاص: آپ ثقفی ہیں،آپ کو حضور انور نے طائف کا حاکم بنایا آپ وہاں حضرت عمر کی خلافت کے دو سال تک حاکم رہے، حضرت عمر نے آپ کو وہاں سے ہٹا کر عمان اور بحرین کا حاکم بنایا آپ حضور انور کی خدمت میں

وفد بنی ثقیف میں آئے تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۹ انتیس سال تھی،آپ۱۰ دس ہجری میں آئے تھے آخر میں بصرہ میں رہے۔وہاں ہی وفات ہوئی ۵۱ اکیاون میں وفات پائی۔حضور انور کی وفات کے بعد جب بنی ثقیف نے مرتد ہوجانے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم تم آخر مؤمنین ہو اب اول مرتدین نہ بنو۔چنانچہ وہ لوگ اس حرکت سے باز رہے خواجہ حسن بصری وغیرہم نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

(۹)علی ابن ابی طالب: آپ کی کنیت ابو الحسن بھی ہے اور ابو تراب بھی قرشی ہاشمی ہیں،حضور انور کے چچازاد بھائی اور داماد،بعض نے فرمایا کہ مردوں میں سب سے پہلے آپ ایمان لائے اس وقت آپ کی عمر شریف دس بارہ سال تھی سوا تبوک کے سارے غزوات میں حضور انور کے ساتھ شریک ہوئے،غزوہ تبوک میں حضور انور نے مدینہ منورہ اور اپنے گھر بار کا انتظام فرمانے کے لیے آپ کو مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا اور فرمایا تم کو مجھ سے وہ ہی نسبت ہے جو حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی آپ گندمی رنگ بڑی آنکھوں والے بڑے پستہ قد تھے اٹھارہ ذی الحجہ جمعہ کے دن یعنی عین شہادت عثمان غنی کے دن ۳۵ پینتیس کو خلیفہ ہوئے،آپ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی نے اٹھارہ رمضان المبارک جمعہ کے دن ۴۰ھ چالیس میں آپ پر حملہ کیا تین دن بعد آپ کی وفات ہوئی،آپ کو حسنین کریمین اور عبداللہ ابن جعفر نے غسل دیا،امام حسن نے نماز پڑھائی،عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی،خلافت چار سال نو مہینہ چند دن ہوئی۔مترجم کہتا ہے کہ آپ کے فضائل بے شمار ہیں،آپ کے گھر میں حضور انور نے اور حضور کے گھر میں آپ نے پرورش پائی،آپ ہی نسل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہیں،کوفہ کے قریب نجف اشرف میں مزار پر انوار ہے فقیر نے زیارت کی ہے۔حضرت علی سے پانچ سو چھیاسی احادیث مروی ہیں جن میں بیس متفق علیہ ہیں نو بخاری کی ہیں اور پندرہ مسلم میں۔(خلاصہ)

(۱۰)علی ابن طلق: آپ حنفی یمامی ہیں،آپ سے سلم ابن سلام نے روایات لیں۔

(۱۱)عبدالرحمٰن ابن عوف: آپ کی کنیت ابو محمد ہے زہری قرشی ہیں،عشرہ مبشرہ سے ہیں،حضرت ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے دو ہجرتوں والے ہیں،حضور کے ساتھ سارے غزوات میں شریک ہوئے،غزوہ احد میں حضور کے ساتھ ثابت قدم رہے غزوہ تبوک میں حضور انور نے آپ کو مدینہ منورہ میں چھوڑا غزوہ احد میں بیس سے زیادہ زخم کھائے پاؤں میں زخم کی وجہ سے لنگ ہوگیا تھا۔واقعہ فیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے اور ۳۲ بتیس میں وفات ہوئی بہتّر سال عمر ہوئی بقیع میں دفن ہوئے،آپ کے پیچھے حضور انور نے فجر کی ایک رکعت نماز پڑھی۔(مترجم)

(۱۲)عبدالرحمٰن ابن ابزی: آپ خزاعی ہیں،نافع ابن عبدالحارث کے آزاد کردہ ہیں،کوفہ میں قیام رہا حضرت علی نے خراسان کا حاکم مقرر فرمایا۔حضور انور کے پیچھے بہت نمازیں پڑھیں ہیں،کوفہ میں وفات پائی وہاں ہی مزار واقع ہے۔

(۱۳)عبدالرحمٰن ابن ازہر: آپ قرشی ہیں،عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھتیجے ہیں،غزوہ حنین میں شریک ہوئے،آپ کے بیٹے عبدالحمید نے آپ سے احادیث لیں۔

(۱۴)عبدالرحمٰن ابن ابی بکر: آپ صدیق اکبر کے صاحبزادہ ہیں،عائشہ صدیقہ کے سگے بھائی کہ دونوں کی ماں ام رومان ہیں،حدیبیہ کے سال اسلام لائے ابوبکر صدیق کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، ۵۳ھ میں وفات ہے۔

(۱۵)عبدالرحمٰن ابن حسنہ: آپ کی ماں کا نام حسنہ ہے باپ کا نام عبداللہ ابن مطاع ہے ماں کی نسبت سے مشہور ہیں۔

(۱۶)عبدالرحمٰن ابن شرحبیل: آپ شرحبیل ابن حسنہ کے بیٹے ہیں یعنی عبدالرحمٰن ابن حسنہ کے بھتیجے صحابی ہیں،فتح مصر میں شریک تھے۔

(۱۷)عبدالرحمٰن ابن یزید: آپ یزید ابن خطاب کے بیٹے ہیں یعنی عمر فاروق کے بھتیجے عدوی قرشی ہیں،آپ کو آپ کے دادا ابولبابہ حضور کی خدمت میں لائے حضور نے آپ کی تحنیک کی(گڑتی دی)اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا دعا برکت کی جب آپ چھ سالہ تھے تو حضور انور کی وفات ہوگئی،حضرت عمر سے روایات لیں عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں وفات ہوئی عبدالرحمٰن ابن عمر سے پہلے۔

(۱۸)عبدالرحمٰن ابن سمرہ: آپ قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،پھر حضور انور کے ساتھ رہے آپ کا شمار اہل بصرہ سے ہے ۵۱ اکیاون میں وہاں ہی وفات پائی ایک خلقت نے آپ سے روایات لیں۔

(۱۹)عبدالرحمٰن ابن سہل: آپ انصاری ہیں،خیبر میں قتل کیے گئے،قسامۃ کا واقعہ آپ ہی کا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

(۲۰)عبدالرحمٰن ابن شبل: آپ انصاری ہیں،اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۲۱)عبدالرحمٰن ابن عثمان: آپ تیمی قرشی ہیں،طلحہ ابن عبداللہ کے بھتیجے ہیں،آپ سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

(۲۲)عبدالرحمٰن ابن ابی قراد: آپ اسلمی ہیں،اہل حجاز میں آپ کا شمار ہے۔

(۲۳)عبدالرحمٰن ابن کعب: آپ کی کنیت ابو یعلیٰ ہے مازنی انصاری ہیں،غزوہ بدر میں شریک ہوئے ۲۴ چوبیس میں وفات پائی آپ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی"تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ"الخ۔

(۲۴)عبدالرحمٰن ابن یعمر: آپ دیلمی ہیں،صحابی ہیں۔خراسان گئے ہیں،کوفہ میں رہے ہیں۔

(۲۵)عبدالرحمٰن ابن عائش: آپ حضرمی ہیں،اہلِ شام میں آپ کا شمار ہے آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے۔حق یہ ہے کہ آپ سے کوئی حدیث مرفوع مروی نہیں آپ کی روایت مرسل ہے۔

(۲۶)عبدالرحمٰن ابن ابی عمیرہ: آپ قرشی ہیں،شامی ہیں،آپ کی صحابیت یقین سے ثابت نہیں،مضطرب الحدیث ہیں۔

(۲۷)عبداللہ ابن ارقم: آپ زہری ہیں،قرشی ہیں،فتح مکہ کے سال اسلام لائے،حضور انور کے کاتب رہے پھر جناب صدیق و فاروق کے،حضرت عمر نے آپ کو افسر مال بنایا تھا،پھر عثمان غنی نے مگر خلافت عثمانی میں آپ نے استعفا دے دیا اسی خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(۲۸)عبداللہ ابن ابی اوفی: آپ کے والد ابی اوفی کا نام علقمہ ابن قیس ہے آپ اسلمی ہیں،صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر اور ان کے بعد والے غزوات میں شریک ہوئے حضور انور کی وفات تک مدینہ منورہ میں رہے،پھر کوفہ چلے گئے،آپ کوفہ کے آخری صحابی ہیں کہ آپ کی وفات سے کوفہ صحابہ سے خالی ہوگیا،ستاسی سال عمر ہوئی امام شعبی وغیرہ نے آپ سے روایات لیں۔

(۲۹)عبداللہ ابن انیس: آپ جہنی انصاری ہیں،احد اور اس کے بعد کے غزوات میں شامل رہے،۵۴ چون میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۳۰)عبداللہ ابن بسر: آپ سلمی مازنی ہیں،آپ کے ماں باپ بھائی عطیہ بہن صماء سب صحابی ہیں،شام میں رہے مقام حمص میں وفات پائی آپ کی موت اچانک وضو کرتے ہوئے ہوئی آپ شام کے آخری صحابی ہیں کہ آپ کی وفات سے شام صحابہ سے خالی ہوگیا بعض نے فرمایا کہ وہاں کے آخری صحابی ابو امامہ ہیں۔

(۳۱)عبداللہ ابن عدی: آپ قرشی زہری ہیں،قدیر اور عسفان کے درمیان قیام رہتا تھا۔

(۳۲)عبداللہ ابن ابی بکر: آپ حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے ہیں،حضور انور کے ساتھ طائف میں شریک ہوئے وہاں ہی آپ کو ابو محجن ثقفی نے تیر مارا شوال گیارہ میں شروع خلافت صدیقی میں وفات پائی آپ پرانے مؤمنین میں سے ہیں۔

(۳۳)عبداللہ ابن ثعلبہ: آپ مازنی عدوی ہیں،حضور انور کی ہجرت سے چار سال پہلے پیدا ہوئے اور ۸۹ھ نواسی میں وفات پائی،فتح مکہ کے سال حضور انور کی زیارت کی حضور نے آپ کے چہرہ پر ہاتھ شریف پھیرا۔

(۳۴)عبداللہ ابن جحش: آپ اسدی ہیں،ام المؤمنین زینب بنت جحش کے بھائی ہیں،حضور انور کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان لائے دو ہجرتیں کیں اور مقبول الدعا تھے بدر میں شریک ہوئے،غزوہ احد میں شہید ہوئے،پہلے آپ نے غنیمت کے پانچ حصہ کیے ایک حصہ حضور انور کا اور چار مجاہدین کے پھر قرآن مجید نے آپ کی تائید کی"وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ"الخ۔آپ کسی سریہ میں گئے تھے وہاں کی غنیمت میں سے پانچواں حصہ حضور کے لیے نکال لیا،آپ کو ابوالحکم ابن اخنس نے شہید کیا،آپ کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہوئی حضرت حمزہ کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیے گئے۔

(۳۵)عبداللہ ابن ابی الحمساء: آپ عامری ہیں،بصرہ والوں میں آپ کا شمار ہے۔

(۳۶)عبداللہ ابن جعفر: آپ حضرت جعفر ابن ابی طالب کے فرزند ہیں،آپ کی والدہ بی بی اسماء بنت عمیس ہیں،حبشہ میں آپ کی پیدائش ہے،حبشہ میں آپ اسلام میں پہلے ہیں جو پیدا ہوئے،آپ نے نوے سال عمر پائی ۸۰ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی بڑے سخی تھے،آپ کا لقب بحرالجود تھا،بڑے خوش طبع اور حلیم تھے،بعض کہتے ہیں کہ اسلام میں ان جیسا سخی نہیں پیدا ہوا۔

(۳۷)عبداللہ ابن جہم: آپ انصاری ہیں،حضرت بسر ابن سعید نے آپ سے روایات لیں۔

(۳۸)عبداللہ ابن جزء: آپ کی کنیت ابوالحارث ہے سہمی ہیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے،آخر میں مصر میں قیام رہا ۸۵ پچاسی میں مصر میں وفات ہوئی۔

(۳۹)عبداللہ ابن حبش: آپ خشنی ہیں،آپ کا شمار اہل حجاز میں ہے۔

(۴۰)عبداللہ ابن ابی حدرد: آپ کے والد کا نام سلامہ ابن عمرو ہے کنیت ابو الحدرد اسلمی ہیں،صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے،پھر خیبر اور بعد کے غزوات میں،۸۱ اکیاسی سال عمر ہوئی اے اکتّر میں وفات پائی۔

(۴۱)عبداللہ ابن حنظلہ: آپ انصاری ہیں،آپ کے والد حنظلہ غسیل الملائکہ ہیں کہ انہیں فرشتوں نے غسل میت دیا عبداللہ حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے،حضور انور کی وفات کے وقت آپ سات سال کے تھے آپ انصار کے سردار

تھے یزید کے مقابل اہل مدینہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اسی وجہ سے فتنہ حرہ میں آپ قتل کیے گئے ۶۳ تریسٹھ میں۔

(۴۲)عبداللہ ابن حوالہ: آپ ازدی ہیں، شام میں قیام رہا ۸۰ سنہء اسی میں شام میں وفات پائی۔

(۴۳)عبداللہ ابن خبیب: آپ جہنی ہیں، انصار کے حلیف ہیں، حجازی صحابی ہیں۔

(۴۴)عبداللہ ابن رواحہ: آپ انصاری خزرجی ہیں، انصار کے نقیب ہیں، بیعت عقبہ میں شریک ہوئے، پھر سواء فتح مکہ باقی تمام غزوات، بدر، احد، خندق وغیرہ میں شریک ہوئے کیونکہ آپ غزوہ موتہ ۸ آٹھ میں امیر تھے وہاں شہید ہوئے، آپ بڑے شاعر تھے حضور انور نے آپ کے اشعار بہت شوق سے سنے ہیں، مشہور صحابی ہیں۔

(۴۵)عبداللہ ابن زبیر: آپ کی کنیت ابوبکر ہے اسدی قرشی ہیں، حضور انور نے آپ کو آپ کے نانا جناب صدیق اکبر کی کنیت ابوبکر عطا فرمائی اور انہیں کا نام عبداللہ رکھا، آپ اسلام میں مہاجرین میں پہلے بچے ہیں جو پیدا ہوئے، ایک ہجری میں ابوبکر صدیق نے کان میں اذان دی مقام قبا میں بی بی اسماء بنت صدیق اکبر کے شکم شریف سے پیدا ہوئے، آپ انہیں حضور کی خدمت میں لائیں حضور انور نے چھوہارے سے تحنیک کی آپ کے پیٹ میں سب سے پہلے حضور کا لعاب پہنچا، پھر حضور نے آپ کو دعا برکت دی آپ کے سر اور چہرے پر کوئی بال نہ تھا، آپ بہت زیادہ نماز روزے کے عادی تھے آپ کے والد حضرت زبیر والدہ بنت صدیق نانا خود صدیق دادی بی بی صفیہ حضور کی پھوپھی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ ہیں، آٹھ سال کی عمر میں حضور سے بیعت کی آپ کو حجاج ابن یوسف نے مکہ معظّمہ میں ۱۷ سترہ جمادی آخرہ ۷۳ھ تہتّر منگل کے دن سولی دے کر ہلاک کیا ۶۴ چونسٹھ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی تھی، حجاز، یمن عراق خراسان وغیرہ کے مسلمانوں نے آپ کی بیعت کرلی تھی بجز شام کے مسلمانوں نے آپ نے اپنی خلافت میں آٹھ حج لوگوں کو کرائے۔

(۴۶)عبداللہ ابن زمعہ: آپ قرشی، اسدی ہیں، آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہے۔

(۴۷)عبداللہ ابن زید: آپ زید ابن عبدربہ کے فرزند ہیں، انصاری خزرجی ہیں، بیعت عقبہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے، اسلامی اذان آپ نے ہی خواب میں دی تھی ایک ہجری میں، چونسٹھ سال عمر پائی، مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

(۴۸)عبداللہ ابن زید ابن عاصم: آپ انصاری مزنی ہیں، بدر میں شریک نہ ہوئے، احد میں شریک ہوئے، آپ نے حضرت وحشی کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، آپ ۶۳ تریسٹھ میں حرہ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔

(۴۹)عبداللہ ابن سائب: آپ قرشی مخزومی ہیں، اہل مکہ نے قرأت ان سے سیکھی، آپ شہادت ابن زبیر سے پہلے مکہ معظّمہ میں فوت ہوئے۔

(۵۰)عبداللہ ابن سرجس: آپ مزنی بصری ہیں، آپ کی احادیث بصرہ والوں میں بہت مشہور ہیں۔

(۵۱)عبداللہ ابن سلام: آپ کی کنیت ابویوسف ہے اسرائیلی ہیں، یوسف علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، بنی عوف ابن خزرج کے حلیف تھے بنی اسرائیل کے چوٹی کے عالم تھے حضور انور نے آپ کے جنتی ہونے کی شہادت دی آپ کے بیٹوں یوسف اور محمد وغیرہما نے آپ سے روایات لیں، مدینہ منورہ میں ۴۳ تینتالیس میں وفات ہوئی آپ کے فضائل بہت ہیں، آپ کے متعلق بہت آیات ہیں۔(مترجم)

(۵۲)عبداللہ ابن سہل: آپ انصاری حارثی ہیں،عبدالرحمٰن کے بھائی اور محیصہ کے بھتیجے خیبر میں آپ ہی کو قتل کیا گیا واقعہ مشہور ہے۔

(۵۳)عبداللہ ابن شخیر: آپ عامری ہیں،قبیلہ بنی عامر کے وفد میں آپ بھی تھے جو حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

(۵۴)عبداللہ ابن صنابحی: کا نام ابو عبداللہ ہے بعض نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے مگر قوی یہ ہے کہ صنابحی تو صحابی ہیں مگر آپ کے بیٹے تابعی ہیں۔

(۵۵)عبداللہ ابن عامر: آپ عبداللہ ابن کریز کے بیٹے ہیں،قرشی ہیں،حضرت عثمان غنی کے ماموں زاد ہیں،حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے،حضور نے آپ کو اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا دی،حضور کی وفات کے وقت آپ تیرہ سال کے تھے آپ سے کوئی حدیث مروی نہیں حضرت عثمان نے بصرہ اور خرسان کا حاکم کیا،آپ قتل عثمان تک وہاں ہی حاکم رہے،امیر معاویہ کے زمانہ میں مستعفی ہوگئے،بڑے سخی کریم تھے خراسان کے فاتح آپ ہی ہیں،آپ ہی کی ولایت میں کسریٰ قتل کیا گیا آپ نے ہی بصرہ کی نہر کھدوائی فارس کے بہت سے شہر خراسان اصفہان آپ نے ہی فتح کیے ۵۹ انسٹھ میں وفات پائی آپ کے بہت فضائل ہیں۔

(۵۶)عبداللہ ابن عباس: آپ حضور انور کے چچا زاد بھائی ہیں،آپ کی والدہ لبابہ بنت حارث ہیں،یعنی ام المؤمنین میمونہ کی بہن ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے،حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی،حضور انور نے آپ کو علم و حکمت کی دعائیں دیں آپ کا لقب حبر الامت ہے یعنی مسلمانوں کے بڑے عالم،آپ نہایت حسین عالم فقیہ مجتہد تھے،حضرت عمر نے آپ کو اپنا مشیر خاص بنایا تھا ہر بات میں جلیل القدر صحابہ کے ساتھ آپ سے بھی مشورہ کرتے تھے آخر میں نابینا ہوگئے تھے ۶۸ اڑسٹھ میں طائف میں وفات پائی،اکہتّر سال عمر ہوئی۔مترجم نے قبر انور کی زیارت کی ہے آپ سے ایک خلق نے روایات لی ہیں۔

(۵۷)عبداللہ ابن عمر: آپ قرشی عدوی ہیں،حضرت فاروق کے فرزند اپنے والد کے ساتھ مکہ معظّمہ میں ایمان لائے،بدر میں لڑکپن کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔حق یہ ہے کہ غزوہ احد میں بھی حضور انور نے ان کے بچہ ہونے کی وجہ سے شریک نہیں کیا،غزوہ خندق میں شریک ہوئے،غزوہ احد میں آپ چودہ سالہ تھے،بڑے عابد زاہد محتاط اور متبع سنت تھے،حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو دنیا نے اپنی طرف راغب کرلیا سواء حضرت عبداللہ ابن عمر کے،حضرت میمون ابن مہران فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر جیسا متقی،ابن عباس جیسا عالم نہ دیکھا۔حضرت نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر نے ایک ہزار غلام آزاد کیے،ظہور نبوت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اور ۷۳ تہتّر میں حضرت ابن زبیر کے قتل کے تین مہینہ بعد وفات پائی،آپ کی وصیت تو یہ تھی کہ آپ کو حل میں دفن کیا جاوے مگر حجاج نے ایسا نہ کرنے دیا تو آپ ذی طویٰ میں دفن کئے گئے مہاجرین کے قبرستان میں۔آپ کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حجاج نے جمعہ کا خطبہ دراز کیا آپ نے فرمایا کہ سورج تیرا انتظار نہ کرے گا وہ بولا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اندھا کردوں آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو ایسا کرسکتا ہے کہ تو ایک احمق شخص ہے جو ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے،نیز آپ حج میں حجاج سے پہلے ہی عرفہ میں حضورانور کی قیام گاہ میں جا کر ٹھہر جاتے تھے ان وجوہ سے حجاج آپ سے کینہ

رکھنے لگا،اس نے ایک شخص سے کہا اس نے زہریلا نیزہ آپ کے تلوے میں چبھودیا راہ چلتے ہوئے اس سے آپ کی موت واقع ہوئی،چوراسی یا چھیاسی سال آپ کی عمر ہوئی آپ کے فضائل بہت ہیں۔

(۵۸)عبداللّٰہ ابن عمرو ابن عاص: آپ سہمی قریشی ہیں،آپ اپنے والد سے پہلے ایمان لائے آپ کے والد آپ سے تیرہ سال بڑے تھے،آپ بڑے عالم حافظ تھے،آپ نے حضور انور سے احادیث لکھنے کی اجازت حاصل کی،آپ کی وفات میں بڑا اختلاف ہے آپ کی وفات ۶۳ھ حرہ کے واقعہ میں ہوئی یا ۷۳ تہتّر میں یا ۶۷ سرسٹھ میں مکہ معظّمہ میں یا ۵۵ میں طائف میں یا ۶۵ میں مصر میں،یعلیٰ ابن عطاء اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابن عمرو کے لیے سرمہ تیار رکھتی تھی تاکہ لگا کر سوئیں مگر آپ چراغ گل کردیتے تھے پھر خوفِ خدا سے رویا کرتے تھے حتی کہ آپ کی آنکھیں ابھر گئی تھیں یعنی خراب ہوگئیں تھیں۔

(۵۹)عبداللّٰہ ابن مسعود: آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے،ہزلی ہیں،پرانے مؤمنین سے ہیں،حضرت عمر فاروق سے کچھ پہلے ایمان لائے بلکہ آپ اسلام کے چھٹے صاحب ہیں کہ آپ سے پہلے صرف پانچ آدمی ایمان لائے تھے حضور انور کے خاص خادم تھے حضور کے صاحب اسرار تھے سفر میں حضور انور کی نعلین مسواک وضو کا برتن آپ کے پاس رہتا تھا بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،حضور انور نے آپ کے جنتی ہونے کی گواہی دی اور فرمایا کہ میں اپنی امت کے لیے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن مسعود پسند کریں اور وہ چیز ناپسند کرتا ہوں جو ابن مسعود ناپسند کریں،اخلاق عادات طورطریقہ میں حضور انور سے بہت ملتے جلتے تھے دبلے دراز قدم گندمی رنگ تھے حضرت عمر کے زمانہ بلکہ شروع خلافت عثمانیہ میں بھی کوفہ کے حاکم رہے،پھر بیت المال کے محافظ پھر مدینہ منورہ آگئے وہاں ہی ۳۲ میں وفات ہوئی،ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی خلفاء راشدین نے آپ سے احادیث لیں۔مترجم کہتا ہے کہ صحابہ کرام میں بڑے فقیہ صحابی ہیں حتی کہ امام اعظم ابوحنیفہ آپ کی اتباع کرتے ہیں۔

(۶۰)عبداللّٰہ ابن قرط: آپ ازدی شمالی ہیں،آپ کا نام پہلے شیطان تھاحضور انور نے عبداللّٰہ رکھا اہلِ شام میں آپ کا شمار ہے ابو عبیدہ ابن جراح کی طرف سے حمص کے امیر رہے ۵۶ چھپن میں قتل کیے گئے روم میں شہید ہوگئے۔

(۶۱)عبداللّٰہ ابن غنام: آپ بیاضی ہیں،آپ کا شمار اہل حجاز میں سے ہے۔

(۶۲)عبداللّٰہ ابن مغفل: آپ مزنی ہیں،بیعت رضوان میں شریک ہوئے اولًا مدینہ منورہ میں پھر بصرہ میں رہے آپ ان گیارہ میں سے ہیں جنہیں حضرت عمر نے بصرہ بھیجا لوگوں کو علم فقہ سکھانے کے لیے،آپ نے بصرہ میں ۶۰ ساٹھ میں وفات پائی،آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایات لیں حسن بصری فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ان سے افضل کوئی نہ ہوا۔

(۶۳)عبداللّٰہ ابن ہشام: آپ قرشی تیمی ہیں،اہل حجاز میں آپ کا شمار ہے آپ کو آپ کی والدہ زینب بنت حمید بچپن میں حضور انور کی خدمت میں لے گئیں،حضور انور نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا دعا کی بچپن کی وجہ سے بیعت نہ لی۔

عبداللّٰہ ابن یزید: آپ خطمی انصاری ہیں،صلح حدیبیہ میں سترہ سالہ تھے وہاں شریک ہوئے،حضرت ابن زبیر کے زمانہ میں کوفہ کے گورنر رہے اسی زمانہ میں کوفہ میں وفات پائی،امام شعبی آپ کے کاتب یعنی میر منشی تھے۔

(۶۴)عاصم ابن ثابت: آپ کی کنیت ابو سلیمان ہے،انصاری بدری ہیں،غزوہ رجیع میں،جب بنی لحیان نے آپ کو قتل کرکے آپ کا سر کاٹ لیا تو لاش کی حفاظت شہد کی مکھیوں نے کی آپ عاصم ابن عمر ابن خطاب کے نانا ہیں،آپ کے قتل کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضور انور نے دس آدمیوں کی جماعت بھیجی جناب عاصم کو ان کا امیر بنایا یہ لوگ جب مکہ معظّمہ اور عسفان کے قریب پہنچے تو ان کا دو سو آدمیوں بنی لحیان نے پتہ لگایا کھوج لیتے ہوئے یعنی مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں کے نشان کے ذریعہ ان لوگوں تک پہنچ گئے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہم گھر گئے تو انہوں نے ایک ہموار جگہ میں پناہ لے لی،کفار بولے اپنے کو ہمارے حوالے کردو تم کو امان ہے،عاصم نے کہا کہ مجھے کفار کی امان کی اطمینان نہیں خدایا اپنے حبیب کو ہماری خبر پہنچادے،کفار نے تیروں سے عاصم سمیت سات صحابہ کو شہید کردیا حضور انور نے صحابہ کرام کو مدینہ میں بیٹھے ہوئے اس واقعہ کی خبر دی جب کفار قریش کو پتہ لگا کہ عاصم شہید کر دیئے گئے تو انہوں نے اپنے آدمی آپکی لاش پر بھیجے تاکہ ان کا کوئی عضو کاٹ کر لاویں،اللہ تعالٰی نے آپ کی لاش پر شہد کی مکھیاں اس قدر بھیج دیں کہ کوئی کافر آپ تک نہ پہنچ سکا پورا واقعہ بخاری شریف میں ہے۔

(۶۵)عامر رام: حق یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں،ایک آدھ روایت بھی آپ سے ہے۔

(۶۶)عامر ابن ربیعہ: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے عزی ہیں،دو ہجرتیں کیں بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، پرانے مؤمن ہیں،۳۲ بتیس میں وفات پائی۔

(۶۷)عامر ابن مسعود: آپ مسعود ابن امیہ ابن خلف کے بیٹے ہیں یعنی امیہ کے پوتے صفوان ابن امیہ کے بھتیجے۔حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،آپ سے ایک مرسل حدیث ترمذی نے کتاب الصوم میں روایت کی ابن مندہ اور ابن عبدالبر نے آپ کو صحابی مانا ہے ابن معین کہتے ہیں کہ آپ تابعی ہیں۔

(۶۸)عائذ ابن عمرو: آپ مدنی ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،آخر میں بصرہ میں رہے۔

(۶۹)عباد ابن بشر: آپ انصاری ہیں،سعد ابن معاذ سے پہلے مدینہ منورہ میں اسلام لائے بدروغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،کعب ابن اشرف کے قتل میں آپ شریک ہوئے،فضلاء صحابہ سے ہیں۔

(۷۰)عباد ابن عبدالمطلب: آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے،آپ سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

(۷۱)عبادہ ابن صامت: آپ کی کنیت ابوالولید ہے انصاری سالمی ہیں،نقیب انصار تھے،عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک ہوئے،پھر بدروغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،حضرت عمر نے آپ کو شام کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا آپ حمص میں مقیم رہے پھر وہاں سے فلسطین چلے گئے رملہ یا بیت المقدس میں وفات پائی،بہتّر سال عمر پائی ۳۴ چونتیس میں وفات ہوئی،مشہور صحابی ہیں۔

(۷۲)عباس ابن عبدالمطلب: آپ حضور انور کے چچا ہیں،حضور انور سے دو سال بڑے تھے آپ کی والدہ نمر بن قاسط قبیلہ کی ایک بی بی تھیں آپ پہلی وہ بی بی ہیں جنہوں نے کعبہ معظّمہ کو ریشمی اور اعلٰی درجہ کے غلاف پہنائے کیونکہ ایک بار حضرت عباس گم ہوگئے تھے تو انہوں نے نذر مانی تھی کہ خدایا میرا بچہ مل جاوے تو میں کعبہ کو بہترین غلاف پہناؤں گی،زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس خادم کعبہ حجاج کو زمزم دینے والے اور کعبہ کو آباد کرنے والے تھے،جو طواف کعبہ کرنے آتا اس سے آپ تقویٰ و طہارت کا عہد لیتے تھے آپ نے اپنی وفات کے وقت ۷۰ ستر غلام

آزاد کیے،واقعہ فیل سے پہلے پیدا ہوئے،اٹھاسی سال عمر پائی،بارہ رجب جمعہ کے دن ۳۲ بتیس کووفات ہوئی بقیع میں دفن ہوئے،آپ پہلے مسلمان ہوچکے تھے مگر اپنا ایمان ظاہر نہ کرتے تھے بدر میں کفار جبرًا آپ کو اپنے ساتھ لائے تھے،حضور انور نے اعلان فرمایا تھا کہ کوئی عباس کو قتل نہ کرے وہ مجبورًا لائے گئے ہیں،اسی غزوہ میں ابو یسر یعنی کعب ابن عمر نے آپ کو قید کرلیا تھا،آپ فدیہ دے کر چھوٹے مکہ معظّمہ واپس گئے پھر مہاجر ہوکر مدینہ منورہ آئے۔مترجم کہتا ہے کہ فتح مکہ کے لیے حضور جارہے تھے اور حضرت عباس مکہ سے مدینہ آرہے تھے کہ راہ میں ملاقات ہوئی حضور نے فرمایا کہ عباس خاتم المہاجرین یعنی آخری مہاجر ہیں،جنت البقیع میں آپ کی قبر ہے حضرت فاطمہ زہرا کے پاس،فقیر نے زیارت کی ہےاللہ پھر نصیب کرے۔

(۷۳)عباس ابن مرداس: آپ کی کنیت ابو الہیثم ہے سلمی ہیں،بڑے شاعر تھے فتح مکہ سے کچھ پہلے ایمان لائے،مؤلفۃ القلوب سے تھے پھر کامل مؤمن ہوئے،آپ نے زمانہ جاہلیت میں بھی شراب نہیں پی۔

(۷۴)عبدالمطلب ابن ربیعہ: آپ ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب ابن ہاشم کے بیٹے ہیں،قرشی ہیں،مدینہ منورہ میں رہے،پھر دمشق چلے گئے وہاں ہی ۶۲ باسٹھ میں آپ کی وفات واقع ہوئی۔

(۷۵)عبداللہ ابن محصن: آپ انصاری خطمی ہیں،اہلِ مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۷۶)عبیدابن خالد: آپ سلمی بہزی ہیں،مہاجر ہیں،آخر میں کوفہ میں رہے۔

(۷۷)عتاب ابن اسد: آپ قرشی اموی ہیں،فتح مکہ کے دن اسلام لائے حضور نے اسی سال آپ کو مکہ معظّمہ کا حاکم مقرر فرمایا یعنی حنین کی طرف روانگی کے وقت حضور انور کی وفات تک آپ مکہ کے حاکم رہے خلافت صدیقی میں بھی اسی عہدے پر رہے ۱۳ تیرہ میں خاص صدیق اکبر کے وفات کے دن آپ نے مکہ معظّمہ میں وفات پائی سرداران قریش میں سے ہیں۔

(۷۸)عتبہ ابن اسید: آپ کی کنیت ابو بصیر ہے،ثقفی ہیں اور بنی زہرہ کے حلیف ہیں،پرانے مؤمنین میں سے تھے غزوہ حدیبیہ میں آپ کا ذکر آتا ہے آپ نے ہی مکہ والوں پر حملہ کیا جو آپ کو پکڑنے مدینہ منورہ آئے تھے آپ ہی کے متعلق حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تو جنگ بھڑکانے والا ہے،قصہ مشہور ہے حضور انور کے زمانہ ہی میں وفات ہوئی۔مترجم کہتا ہے کہ آپ نے ہی پانی کے گھاٹ پر ان مسلمانوں کی جماعت جمع کرلی جو مکہ معظّمہ میں کفار کے ہاتھوں قید تھے آپ نے ہی کفار مکہ کا یہ راستہ بند کردیاجس پر وہ چیخ اُٹھے۔

(۷۹)عتبہ ابن عبدالسلمی: بعض نے فرمایا کہ انہی کا نام عتبہ ابن نذر ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ دو حضرات ہیں،ان کا نام عتلہ تھاحضور انور نے عتبہ رکھاغزوہ خیبر میں شریک ہوئے،چورانوے سال عمر پائی ۸۷ ستاسی میں حمص میں وفات ہوئی،واقدی کہتے ہیں کہ آپ شام کے آخری صحابی ہیں جن کی وفات سے شام صحابہ سے خالی ہوگیا۔

(۸۰)عتبہ ابن غزوان: آپ مازنی ہیں،پرانے مؤمن ہیں،پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی،پھر مدینہ منورہ کی طرف،بدر وغیرہ میں شریک ہوئے،آپ ساتویں مسلمان ہیں،حضرت عمر نے آپ کو بصرہ کا حاکم بنایا،پھر آپ حضرت عمر کے پاس آئے تو آپ نے وہاں ہی واپس فرمادیا راستے میں انتقال ہوا ۵۷ سال عمر ہوئی ۱۵ میں وفات ہوئی۔

(۸۱)عداء ابن خالد: آپ خالد ابن ھوزہ کے بیٹے ہیں،عامری ہیں،فتح مکہ کے بعد ایمان لائے،دیہات میں رہتے تھے اہل بصرہ میں آپ کی احادیث مشہور ہیں۔

(۸۲)عدی ابن حاتم: آپ حاتم طائی(مشہور سخی) کے بیٹے ہیں،آپ کا نسب نامہ یہ ہے عدی ابن حاتم ابن عبد ابن سعد طائی ہے سخی ابن سخی ہیں،شعبان ۷ سات میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لائے کوفہ میں قیام رہا،جنگِ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے،اسی جنگ میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی،صفین اور نہروان میں شریک ہوئے،ایک سو بیس سال عمر ہوئی ۶۷ سرسٹھ میں کوفہ میں وفات پائی بعض نے فرمایا کہ مقام فرفیسا میں وفات ہوئی۔

(۸۳)عدی ابن عمیرہ: آپ کندی حضرمی ہیں،اولا کوفہ میں رہے پھر جزیرہ میں وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی ہے۔

(۸۴)عرباض ابن ساریہ: آپ کی کنیت ابو نجیح ہے،سلمی ہیں،صفہ والوں میں سے تھے شام میں رہے وہاں ہی ۷۵ پچھتّر میں وفات ہوئی مشہور صحابی ہیں۔

(۸۵)عرفجہ ابن اسعد: آپ وہ ہی صحابی ہیں جن سے حضور نے فرمایا کہ تم چاندی کی ناک لگا لو پھر فرمایا سونے کی ناک لگالو جنگ کلاب میں آپ کی ناک جاتی رہی تھی۔

(۸۶)عروہ ابن ابی الجعد: آپ بارقی ہیں،حضرت عمر نے آپ کو کوفہ کا حاکم بنایا۔

(۸۷)عروہ ابن مسعود: آپ صلح حدیبیہ میں کافروں کی طرف سے آئے تھے خود کافر تھے،پھر ۹ نو میں جب حضور طائف سے واپس ہوئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لائے آپ کے نکاح میں اسوقت بہت عورتیں تھیں حضور انور نے حکم دیا چار رکھو باقی کو علیحدہ کردو،پھر حضور سے اجازت لے کر اپنے گھر واپس گئے اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی انہوں نے انکار کیا آپ فجر کے وقت اپنے گھر کی چھت پر چڑھ گئے وہاں اذان دی کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھا،ایک ثقفی نے آپ کو وہاں ہی تیر مارا جس سے آپ شہید ہوگئے،حضور انور کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو فرمایا کہ عروہ سورۂ یٰسین والے کی مثل ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو رب کی طرف بلایا تھاانہوں نے بھی انہیں اسی وجہ سے قتل کردیا تھا۔

(۸۸)عطیہ ابن قیس: آپ سعدی ہیں،صحابی ہیں،یمن اور شام میں آپ کی احادیث مشہور ہیں۔

(۸۹)عطیہ ابن بسر: آپ مازنی ہیں،عبداللہ ابن بسر کے بھائی ہیں،آپ سے ایک حدیث ثرید اور چھوہارے کے کھانے کے متعلق مروی ہے،حضرت مکحول نے آپ سے روایت کی ہے۔

(۹۰)عطیہ قرظی: آپ بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے تھے،آپ کے والد کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

(۹۱)عقبہ ابن رافع: آپ قرشی ہیں،افریقہ میں شہید ہوئے کہ ۳۶ چھتیس میں آپ کو ہریر نے قتل کیا آپ کا ذکر خواب کی تعبیروں کی حدیث میں آتا ہے۔

(۹۲)عقبہ ابن عامر: آپ جہنی ہیں،عتبہ ابن ابی سفیان کے بعد امیرمعاویہ کی طرف سے مصر کے حاکم رہے پھر امیر معاویہ نے آپ کو معزول کردیا ۵۸ اٹھاون میں مصر میں آپ کی وفات ہوئی آپ سے چند صحابہ اور بہت تابعین نے احادیث نقل کیں۔

(۹۳)عقبہ ابن حارث: آپ قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے آپ کا شمار اہلِ مکہ میں ہے۔

عقبہ ابن عمرو: آپ کی کنیت ابو مسعود ہے آپ کا ذکر میم کی تختی میں آوے گا۔

(۹۴)عکاشہ ابن محصن: آپ اسدی ہیں، بنی امیہ کے حلیف تھے، آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے وہاں بڑی تکالیف اٹھائیں بعد میں تمام غزوات میں شریک ہوئے، بدر میں آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور انور نے آپ کو کھجور کی قچی (چھڑی) دے دی وہ آپ کے ہاتھ میں تلوار بن گئی، خلافت صدیقیہ میں آپ افضل صحابہ میں شمار ہوتے تھے، ۵۴ چون سال عمر پائی، آپ کی بہن ام قیس نے اور بہت صحابہ نے آپ سے احادیث لیں، آپ کے بڑے عجیب عجیب واقعات مشہور ہیں، آپ ان حضرات میں سے ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔(مترجم)

(۹۵)عکرمہ ابن ابوجہل: آپ عمرو ابن ہشام مخزومی قرشی یعنی ابوجہل کے بیٹے ہیں، آپ کو اور ابوجہل کو حضور انور سے سخت عداوت تھی مشہور شہسوار تھے فتح مکہ کے دن یمن کو بھاگ گئے پھر آپ کی بیوی ام حکیم بنت حارث آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی، حضور انور نے دیکھ کر فرمایا مرحبا مہاجر سوار تو یہ آپ پر ایمان لے آئے یعنی فتح مکہ کے موقعہ پر آٹھ میں آپ کا اسلام بہت ہی مقبول ہوا، ۱۳ تیرہ میں غزوہ یرموک میں شہید ہوئے، باسٹھ سال عمر ہوئی، حضور انور نے جناب ام سلمہ سے فرمایا تھا کہ میں نے جنت میں ابوجہل کا ایک درخت دیکھا جب عکرمہ ایمان لائے تو فرمایا کہااے ام سلمہ یہ ہے ہماری خواب کی تعبیر، ایک بار عکرمہ نے حضور انور سے شکایت کی کہ لوگ مجھے اللہ کے دشمن کا بیٹا کہتے ہیں حضور انور نے خطبہ فرمایا کہ جو جاہلیت میں سردار تھے وہ اسلام میں بھی سردار رہیں گے جب کہ فقیہ ہوں، شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ میں فرمایا کہ حضور نے حکم دیا تھا کہ کوئی عکرمہ کے سامنے ابوجہل کو برا نہ کہے۔ (مترجم)

(۹۶)علاء حضرمی: حضرمی کا نام عبداللہ ہے، چونکہ آپ حضر موت کے رہنے والے تھے اس لیے حضرمی کہلاتے تھے آپ حضور انور کی طرف سے بحرین کے حاکم تھے، حضرت ابوبکر و عمر نے بھی آپ کو اسی عہدے پر رکھا حتی کہ آپ کی وفات ۱۴ چودہ میں ہوگئی۔

(۹۷)علقمہ ابن وقاص: آپ لیثی ہیں، حضور انور کی حیات شریف میں پیدا ہوئے، غزوہ خندق میں شریک ہوئے، عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں وفات پائی، مدینہ منورہ میں قبر شریف ہے۔

(۹۸)عمار ابن یاسر: آپ عنسی ہیں، بنی مخزوم قبیلہ کے آزاد کردہ آپ کے والد یاسر اپنے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں مکہ معظّمہ آئے حارث اور مالک تو یمن چلے گئے یاسر مکہ معظّمہ رہ گئے اور انہوں نے ابوحذیفہ ابن مغیرہ سے حلف کرلیا اور ابو حذیفہ نے اپنی لونڈی سمیّہ کا نکاح یاسر سے کردیا ان سے عمار پیدا ہوئے ابوحذیفہ نے انہیں آزاد کردیا حضرت عمار پرانے مؤمنین سے ہیں اسلام کی وجہ سے آپ کو مکہ والوں نے بہت ہی دکھ دیئے تاکہ اسلام چھوڑ دیں، ایک بار آپ کو آگ میں زندہ ڈال دیا اتفاقًا حضور انور وہاں سے گزرے آگ سے فرمایا اے آگ عمار پر اسی طرح ٹھنڈی سلامتی والی ہوجا جس طرح حضرت ابراہیم پر ہوئی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ مہاجرین اولین سے ہیں، بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے، حضور انور نے آپ کا نام طیب مطیب رکھا یعنی صاف ستھرے، جنگ صفین میں آپ حضرت علی کے ساتھ تھے اس میں قتل ہوئے یعنی ۳۷ میں ترانوے سال عمر پائی۔

(۹۹)عمرو ابن احوص: آپ کلابی ہیں، آپ سے آپ کے بیٹے سلیمان نے احادیث روایت کیں۔

(۱۰۰)عمرو ابن اخطب: آپ کی کنیت ابو زید ہے اسی میں مشہور ہیں،انصاری ہیں،کئی غزوات میں حضور انور کے ساتھ حاضر ہوئے حضور انور نے آپ کے سر پر دستِ اقدس پھیرااور حسن و جمال کی دعا فرمائی،سو برس سے زیادہ عمر ہوئی مگر سر اور ڈاڑھی میں صرف چند بال سفید ہوئے،آپ سے بہت صحابہ نے احادیث نقل فرمائیں۔

(۱۰۱)عمرو ابن امیہ: آپ ضمری ہیں،بدرواحد میں مشرکوں کے ساتھ آئے تھے مگر احد سے واپسی پر مسلمان ہوگئے عرب کے مشہور بہادر تھے،مسلمانوں کے ساتھ پہلے غزوہ معونہ میں شریک ہوئے،آپ کو عامر ابن طفیل نے اس غزوہ میں قید کرلیا پھر چھوڑ دیا، ۶ھ میں حضور انور نے آپ کو دعوتِ اسلام کے لیے حبشہ بھیجا،آپ کا شمار اہل حجاز میں ہے امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی بعض نے فرمایا کہ ۶۰ ساٹھ میں وفات ہے۔

(۱۰۲)عمرو ابن حارث: آپ خزاعی ہیں،ام المؤمنین جویریہ کے بھائی ہیں،آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

(۱۰۳)عمرو ابن حریث: آپ قرشی مخزومی ہیں،حضور انور کو دیکھا حضور سے سنا ہے حضور انور نےآپ کے سر پر ہاتھ پھیرااور دعا برکت کی حضور انور کی وفات کے وقت آپ بارہ سال کے تھے کوفہ کے حاکم رہے،۸۵ پچاسی میں وفات پائی کوفہ میں دفن ہوئے۔

(۱۰۴)عمروابن حزم:آپ کی کنیت ابوضحاک ہے،انصاری ہیں،غزوہ خندق میں شریک ہوئے،اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی،حضور انور نے آپ کو نجران کا حاکم بنایا ۵۳ ترپن میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۱۰۵)عمروابن سعید: آپ قرشی ہیں،دوہجرتوں والے ہیں،پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی پھر مدینہ منورہ میں رہے حضرت جعفر ابن ابی طالب کے ساتھ خیبر کے سال مدینہ پہنچے،۱۳ تیرہ میں شام میں شہید کیے گئے۔

(۱۰۶)عمرو ابن سلمہ: آپ مخزومی ہیں،حضور انور کا زمانہ پایا اپنی قوم کی امامت کرتے تھے کیونکہ ان میں قرآن کے زیادہ قاری آپ ہی تھے کہا گیا ہے کہ اپنے والد کے ساتھ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے،آخر میں بصرہ میں رہے،آپ چھ سال کی عمر میں اپنی قوم کی امامت کرتے تھے،سجدہ میں آپ کے چوتڑ کھل جاتے تھے۔

(۱۰۷)عمرو ابن عاص: آپ سہمی قرشی ہیں،۵ یا ۸ آٹھ میں اسلام لائے آپ اور خالد ابن ولید اور عثمان ابن طلحہ ایک ساتھ آکر مسلمان ہوئے،حضور انور نے آپ کو عمان کا حاکم بنایا حضور کی وفات تک آپ حاکم رہے پھر حضرت عمر عثمان اور معاویہ نے آپ کو حاکم بنایا،مصر آپ نے ہی فتح کیا اور وفات تک مصر کے حاکم رہے حضرت عثمان نے چار سال تو آپ کو عامل رکھا پھر معزول کردیا،پھر امیر معاویہ نے اپنی حکومت میں وہاں کا حاکم بنایا نوے سال عمر ہوئی ۴۳ تینتالیس میں وفات پائی آپ کے بعد آپ کے بیٹے عبداللہ ابن عمرو مصر کے حاکم ہوئے جنہیں،حضرت معاویہ نے معزول کردیا،بہت لوگوں نے آپ سے روایات لیں جیسے عبداللہ ابن عمر قیس ابن ابی حازم وغیرہم۔

(۱۰۸)عمرو ابن عبسہ: آپ کی کنیت ابونجیح ہے سلمی ہیں،پرانے مؤمنین میں سے ہیں حتی کہ بعض نے فرمایا کہ آپ چوتھے مسلمان ہیں،حضور انور نے آپ کو مؤمن صحابی بنا کر فرمایا تھا کہ ابھی اپنے وطن جاؤجب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے تب ہمارے پاس آجانا۔چنانچہ آپ کو فتح خیبر کی جب خبر ملی تو حضور کی خدمت میں آئے اور وہاں ہی رہے آپ کا شمار اہلِ شام میں ہوتا ہے۔

(۱۰۹)عمرو ابن عوف: آپ انصاری ہیں،بدر میں شریک ہوئے اور مدینہ منورہ میں رہے۔

(۱۱۰)عمرو ابن عوف مزنی: آپ بڑے پرانے مؤمنین سے ہیں،آپ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی"تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ"مدینہ منورہ میں رہے وہاں ہی امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔
(۱۱۱)عمرو ابن حمق: آپ خزاعی ہیں،صحابی ہیں،۵۱ میں موصل میں قتل کیے گئے۔
(۱۱۲)عمرو ابن مرہ: آپ کی کنیت ابو مریم ہے جہنی ہیں یا ازدی،اکثر غزوات میں شریک ہوئے،شام میں قیام رہا اور امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔
(۱۱۳)عمرو ابن قیس: آپ قرشی عامری ہیں،آپ کا دوسرا نام عبداللہ ہے آپ ہی کو ابن ام مکتوم کہتے ہیں،نابینا تھے آپ کی والدہ کا نام عاتکہ ہے آپ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد یا خالہ زاد بھائی ہیں،مکہ معظّمہ میں اول ہی میں ایمان لائے آپ نے مصعب ابن عمیر کے ساتھ ہجرت کی مہاجرین اولین میں سے ہیں،حضور انور نے آپ کو بارہا مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور سفر میں تشریف لے گئے آخری بار حجۃ الوداع کے موقعہ پروفات مدینہ منورہ میں ہوئی بعض کہتے ہیں کہ غزوہ قادسیہ میں شہید ہوئے۔مترجم کہتا ہے کہ سورۂ "عبس و تولی"آپ ہی کے متعلق نازل ہوئی،اس سورۃ کے نزول کے بعد حضور انور آپ کے لیے اپنی چادر بچھادیتے تھے۔
(۱۱۴)عمرو ابن تغلب: آپ عبدی ہیں یعنی قبیلہ بنی عبدالقیس سے آپ سے خواجہ بصری وغیرہم نے احادیث لیں۔
(۱۱۵)عکراش ابن ذویب: آپ تمیمی ہیں،اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے آپ اپنی قوم کے صدقات لے کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
(۱۱۶)عمران ابن حصین: آپ کی کنیت ابو نجید ہے خزاعی ہیں،کعبی ہیں،خیبر کے سال ایمان لائے تا وفات بصرہ میں رہے ۵۲ باون میں آپ کی وفات ہے،آپ فضلاء صحابہ سے تھے،مترجم کہتا ہے کہ آپ کو حضرت عمر نے علم سکھانے کے لیے بصرہ بھیجا ابن سیرین کہتے ہیں کہ بصرہ میں کوئی صحابی آپ سے افضل نہ تھاآپ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔(کاشف)
(۱۱۷)عمیر: آپ آبی اللحم کے آزاد کردہ غلام غفاری حجازی ہیں،غزوہ خیبر میں اپنے مولیٰ کے ساتھ حاضر ہوئے،حضور انور کو دیکھا ہے،حضور کی احادیث حفظ کی ہیں،آپ سے ایک جماعت نے روایات لیں۔
(۱۱۸)عمیر ابن حمام: آپ انصاری ہیں،بدر میں شریک اور شہید ہوئے،خالد ابن اعلم نے آپ کو شہید کیا آپ انصار میں پہلے شہید ہیں جو راہِ خدا میں شہید ہوئے۔
(۱۱۹)عوف ابن مالک: آپ اشجعی ہیں،غزوہ خیبر اور اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے،بنی اشجع کا جھنڈا فتح مکہ کے دن آپ کے ہاتھ میں تھا،آخر میں شام میں رہے وہاں ہی ۷۳ تہتّر میں وفات پائی۔
(۱۲۰)عویم ابن ساعدہ: آپ انصاری اوسی ہیں،دونوں بیعت عقبہ میں اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،قوی یہ ہے کہ آپ خلافت فاروقی میں فوت ہوئے،عمر ۶۵ پینسٹھ سال ہوئی،حضرت عمر نے آپ سے روایت کی۔
(۱۲۱)عویمر ابن عامر: آپ کی کنیت ابو الدرداء ہے اسی کنیت میں مشہور ہیں،دال کی تختی میں آپ کا ذکر ہوچکا ہے۔

(۱۲۲)عویمر ابن ابیض: آپ انصاری عجلانی ہیں،بعض نے فرمایا کہ یہ وہ ہی عویمر ہیں جن کا لعان کا واقعہ احادیث میں آتا ہے۔بعض کا قول ہے کہ وہ عویمر دوسرے ہیں ان کا نام عویمر ابن حارث ابن زید ابن حارثہ ابن جد ابن عجلان ہے۔

(۱۲۳)عیاض ابن حمار: آپ تیمی مجاشعی ہیں،اہلِ بصرہ میں آپ کا شمار ہے حضور انور کا ان پر بہت کرم تھا۔

(۱۲۴)عصام مزنی: آپ صحابی ہیں،بہت ہی کم روایات کرتے ہیں۔

(۱۲۵)عتبان ابن مالک: آپ خزرجی سالمی ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

(۱۲۶)عمارہ ابن خزیمہ: آپ خزیمہ ابن ثابت کے بیٹے ہیں،انصاری ہیں،اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

(۱۲۷)عمارہ ابن رویبہ: آپ ثقفی ہیں،اہل کوفہ میں آپ کا شمار ہے بہت لوگوں نے آپ سے روایات لیں۔

(۱۲۸)عرس ابن عمیرہ: آپ کندی ہیں،آپ سے آپ کے بھتیجے عدی نے روایات لیں۔

(۱۲۹)عیاش ابن ابی ربیعہ: آپ مخزومی قرشی ہیں،ابوجہل کے اخیافی بھائی ہیں،بڑے پرانے مؤمن ہیں،حضور انور کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان لائے آپ نے پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی،جب آپ ہجرت کرکے آئے تو ابوجہل اور اس کا بھائی حارث ابن ہشام آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ماں نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم کو دیکھے بغیر سائے میں نہ بیٹھے گی تم مکہ چلو تاکہ تمہاری ماں سایہ لے،چنانچہ آپ ان دونوں کے ساتھ مکہ معظّمہ چلے گئے،انہوں نے وہاں لے جا کر آپ کو قید کردیا اور بہت ایذائیں دیں حضور انور نے قنوت نازلہ میں آپ کے لیے دعائیں فرمائیں الٰہی عیاش ابن ربیعہ کو نجات دے آپ خلافت فاروقی میں شہید ہوئے۔

(۱۳۰)عابس ابن ربیعہ: آپ عطیفی ہیں،فتح مصر میں شریک ہوئے آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے آپ سے روایات لیں۔

(۱۳۱)ابو عبیدہ ابن جراح: آپ کا نام عامر ابن عبداللہ ابن جراح ہے فہری قرشی ہیں،عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،اس امت کے امین ہیں،حضرت عثمان ابن مظعون کے ساتھ ایمان لائے پھر ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تمام غزوات میں شامل رہے احد میں ثابت قدم رہے خود کے دو حلقے جو حضور انور کے سر کے زخم میں گڑھ گئے تھے آپ نے نکالے جس سے آپ کی ثنایا دانت گر گئے،یہ واقعہ غزوہ احد میں ہوا طاعون عمواس میں وفات ہوئی ۱۸ اٹھارہ میں اٹھاون سال عمر ہوئی حضرت معاذ ابن جبل نے آپ کا جنازہ پڑھایا مقام بیسان میں دفن ہوئے حضور انور سے فہر ابن مالک میں مل جاتے ہیں۔مترجم کہتا ہے کہ آپ اسلام کے بڑے جرنیل ہیں،شام کے فاتح آپ ہی ہیں،حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں خلافت ان کے سپرد کردیتا۔(حاشیہ)

(۱۳۲)ابوالعاص ابن ربیع: آپ کا نام مقسم یا لقلیط ہے حضور انور کے داماد ہیں،یعنی حضرت زینب بنت رسول اللہ کے خاوند غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے آئے تھے،مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوگئے،پھر چھوڑے گئے مکہ معظّمہ جا کر پھر حضور انور کی خدمت میں مہاجر بن کر آئے حضور انور آپ سے اور آپ کی وفاداری صادق الوعد ہونے کی وجہ سے بہت خوش تھے،خلافت صدیقی میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے،بہت صحابہ نے آپ سے احادیث لیں۔

(۱۳۳)ابو عیاش: آپ کا نام زید ابن صامت ہے انصاری زرقی ہیں،چالیس ہجری کے بعد وفات پائی۔

(۱۳۴)ابو عمر ابن حفص: آپ حفص ابن مغیرہ کے بیٹے ہیں،مخزومی ہیں،آپ کا نام عبدالمجید یا احمد ہے۔

(۱۳۵)ابو عبس عبدالرحمان: آپ ابن جبیر کے بیٹے ہیں،حارثی ہیں بدر میں شریک ہوئے،۳۴ چونتیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے ۷۰ ستر سال عمر ہوئی۔

(۱۳۶)ابو عسیب: آپ حضور انور کے آزاد کردہ غلام ہیں آپ کا نام احمر ہے۔

ع۔۔۔تابعین عظام

(۱)عبداللہ ابن بریدہ: آپ اسلمی ہیں،مرو کے قاضی رہے،مشہور تابعی ہیں،حضرت ابوہریرہ وغیرہ صحابہ سے ملاقات ہے،آپ سے بہت احادیث منقول ہیں،مرو میں مزار ہیں۔

(۲)عبداللہ ابن ابی بکر: آپ ابوبکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم کے بیٹے ہیں،انصاری مدنی علماء مدینہ سے ہیں،بہت سچے امام احمد فرماتے ہیں کہ آپ کی احادیث شفاء ہیں،۷۰ ستر سال عمر ہوئی ۱۳۵ ایک سو پینتیس میں وفات پائی۔

(۳)عبداللہ ابن زبیر: آپ کی کنیت ابو بکر حمیدی قرشی اسدی ہیں،امام شافعی کے ساتھ مصر میں رہے حتی کہ امام شافعی کی وفات ہوگئی پھر آپ مکہ معظّمہ واپس آئے امام بخاری نے آپ کی بہت احادیث اپنی کتاب بخاری میں روایت کیں ۲۱۹ دو سو انیس میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی اسلام کے بڑے خدمت گزار ہیں۔

(۴)عبداللہ ابن مطیع: آپ قرشی عدوی ہیں،مدنی ہیں،حضور انور کے زمانہ شریف میں پیدا ہوچکے تھے آپ کے والد آپ کو حضور انور کی خدمت میں لے گئے تھے،آپ کے والد کا نام عاص تھا حضور نے مطیع رکھا عبداللہ سرداران قریش سے تھے جب اہلِ مدینہ نے یزید کی سلطنت سے علیحدگی کی تو آپ کو ہی اپنا امیر بنایا،آپ صرف قریش کے امیر تھے اور قریش کے علاوہ کے امیر عبداللہ ابن حنظلہ غسیل ملائکہ تھے،آپ حضرت عبد اللہ ابن زبیر کے ساتھ مکہ معظّمہ میں قتل کیے گئے ۷۳ تہتّر میں آپ کو عبداللہ ابن زبیر نے کوفہ کا حاکم بنایا وہاں سے مختار ابن ابوعبید نے آپ کو نکال دیا۔

(۵)عبداللہ ابن مسلمہ: آپ مسلمہ ابن قعنب کے بیٹے ہیں،تمیمی مدنی ہیں،بصرہ میں قیام رہا مالک ابن انس کے ساتھیوں میں سے ہیں،ہشام ابن سعد وغیرہم سے ملاقات ہے ۲۲۱ھ دوسو اکیس میں محرم میں مکہ معظّمہ میں آپ کی وفات ہے سواء ابن ماجہ کے باقی صحاح میں آپ کی احادیث موجود ہیں۔

(۶)عبداللہ ابن موہب: آپ فلسطینی شامی ہیں،فلسطین کے قاضی رہے حضرت تمیم داری وغیرہ سے ملاقات ہے آپ سے عمر ابن عبدالعزیز نے روایات لیں۔

(۷)عبداللہ ابن مبارک: آپ مروزی ہیں،بنی حنظلہ کے مولیٰ ہیں،آپ امام ربانی متقی فقیہ،حافظ،زہد متقی سخی ثقہ ہیں،اسمٰعیل ابن عیاش فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر ابن مبارک جیسا نہیں کوئی اچھی خصلت ایسی نہیں جوابن مبارک میں موجود نہ ہو آپ بغداد میں رہے ۱۱۸ ایک سو اٹھارہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ میں وفات پائی۔

(۸)عبداللہ ابن حکیم: آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ کرسکے بعض لوگوں نے آپ کو صحابی کہا ہے مگر حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،آپ بغداد میں رہے،آپ کی ملاقات حضرت عمر،و ابن مسعود،حذیفہ سے ہے۔

(۹)عبداللہ ابن ابی قتیس: آپ کی کنیت ابو الاسود ہے شامی عطیہ ابن عازب کے آزاد کردہ غلام ہیں،حضرت عائشہ سے روایات لیں۔

(۱۰)عبداللہ ابی عصم: آپ کوفی حنفی ہیں،آپ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ثقیف میں ایک جھوٹا اور فسادی ہوگا،حضرت ابن عمر اور ابو سعید سے ملاقات ہے۔

(۱۱)عبداللہ ابن محیریز: آپ جمحی قرشی ہیں،عظیم الشان تابعی بہت نیک و صالح بزرگ ہیں،رجاء ابن حیوۃ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ حضرت ابن عمر کی عبادت پر فخر کرتے تھے اپنے ہم عابد ابن محیریز کی عبادت پر فخر کرتے ہیں،آپ کی وفات سو ہجری سے پہلے ہے۔

(۱۲)عبداللہ ابن مثنی: آپ مثنی ابن عبداللہ ابن انس ابن مالک کے بیٹے ہیں،اپنے چچاؤں سے روایت کرتے ہیں،صالح متقی ہیں۔

(۱۳)عبداللہ ابن عمر ابن حفص: آپ عبداللہ ابن عمر ابن حفص ابن عاصم کے بیٹے ہیں،عمری ہیں،ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں،۱۷۱ ایک سو اکہتر میں وفات پائی۔

(۱۴)عبداللہ ابن عتبہ: آپ عتبہ ابن مسعود کے بیٹے ہیں،ہزلی ہیں،عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے ہیں،مدنی ہیں،کوفہ میں رہے آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ ہوئی،عظیم الشان تابعی ہیں،کوفہ کے ہیں،حضرت عمر فاروق وغیرہ سے ملاقات ہے آپ کی وفات بشرابن مروان کے زمانہ میں ہوئی کوفہ میں آپ کی قبر ہے۔

(۱۵)عبداللہ ابن مالک: آپ مالک ابن بحینہ قشب کے بیٹے ہیں،آپ کی والدہ بحینہ بنت حارث ابن مطلب ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات ہوئی یعنی ۵۴ یا۵۸ میں۔

(۱۶)عبداللہ ابن مالک: آپ کی کنیت ابو تمیم ہے آپ جیشانی ہیں،مصری ہیں۔

(۱۷)عبداللہ ابن مالک ہمدانی: آپ ہمدانی ہیں،حضرت علی و ابن عمروعائشہ رضی اللہ عنھم سے روایات لیتے ہیں۔

(۱۸)عبداللہ ابن عبد الرحمٰن: ابن ابی حسین آپ مکی قریشی تابعی ہیں،ابوطفیل سے ملاقات ہے تابعین کی ایک جماعت نے حتی کہ امام مالک ثوری نے آپ سے احادیث لیں۔

(۱۹)عبداللہ ابن عبیداللہ ابن ابی ملیکہ:ابو ملیکہ کا نام زہیر ابن عبداللہ ہے تمیمی قریشی احول ہیں،مشہور تابعی ہیں،حضرت ابن زبیر کے زمانہ میں عالم و قاضی تھے ۱۱۷ ایک سو سترہ میں وفات پائی۔

(۲۰)عبداللہ ابن شقیق: آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے عقیلی بصری ہیں،مشہور تابعی ہیں۔

(۲۱)عبداللہ ابن شہاب: آپ کی کنیت ابو الحرب ہے خولانی ہیں،تابعین کے دوسرے طبقے میں ہیں،آپ کی احادیث کوفہ میں مشہور ہیں۔

(۲۲)عبید اللہ ابن رفاعہ: ابن رافع انصاری زرقی ہیں۔

(۲۳)عبید اللہ ابن عبداللہ ابن عمر: آپ کی کنیت ابوبکر ہے اہل مدینہ سے ہیں،اپنے بھائی سالم سے پہلے فوت ہوئے،ثقہ ہیں،امام زہری کے شیخ ہیں۔

(۲۴)عبید اللہ ابن عدی ابن خیار: قرشی ہیں،حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے مگر زیارت نہ کی،ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں وفات پائی۔

(۲۵)عبید ابن عمیر: آپ کی کنیت ابو عاصم ہے لیثی حجازی ہیں،مکہ مکرمہ کے قاضی رہے،حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے،عظیم الشان تابعی ہیں،حضرت عبداللہ ابن عمر سے پہلے وفات پائی۔
(۲۶)عبدالرحمٰن ابن کعب ابن مالک: انصاری ہیں اور تابعین مدینہ سے ہیں۔
(۲۷)عبدالرحمٰن ابن اسود: آپ قرشی زہری ہیں،مشہور تابعین مدینہ سے ہیں۔
(۲۸)عبدالرحمٰن ابن یزید ابن حارثہ: انصاری مدنی ہیں،حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے مگر ملاقات نہ ہوئی ۹۸ اٹھانوے میں وفات پائی۔
(۲۹)عبدالرحمٰن ابن ابی لیلےٰ: انصاری ہیں،جب خلافت فاروقی کے چھ سال رہ گئے تھے تب پیدا ہوئے یا تو مقام وجیل میں قتل کیے گئے یابصرہ کی نہر میں ڈوب گئے،بعض نے فرمایا ۸۳ تراسی میں دیر جماجم میں گم ہوگئے آپ نے بہت صحابہ سے احادیث لیں۔
(۳۰)عبدالرحمٰن ابن غنم: آپ اشعری شامی ہیں،آپ نے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں پائے حضور انور کے زمانہ میں ایمان تو لائے مگر زیارت نہ کرسکے جب حضور انور نے حضرت معاذ ابن جبل کو یمن بھیجا تب آپ ان کے ساتھ رہے اور پھر ان کی وفات ہوگئی شام کے مشہور فقیہ تھے حضرت عمر فاروق سے ملاقات ہے ۷۸ اٹھتر میں وفات ہوئی۔
(۳۱)عبدالرحمٰن ابن ابی عمرہ: حضرت ابو عمرہ کا نام عمرو ابن محصن ہے انصاری بخاری ہیں،مدینہ منورہ کے قاضی رہے ثقہ ہیں۔
(۳۲)عبدالرحمٰن ابن عبداللہ ابن ابی صعصعہ: آپ مازنی انصاری ہیں،۱۳۹ ایک سو انتالیس میں وفات واقع ہوئی۔
(۳۳)عبدالرحمٰن ابن ابی عقبہ: آپ مجبیر ابن عتیک کے آزادکردہ غلام ہیں،انصاری ہیں،ابی عقبہ کا نام رشید ہے۔
(۳۴)عبدالرحمٰن ابن عبدالقاری: آپ حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے مگر ملاقات نہ ہوئی امام واقدی نے آپ کو صحابی کہا مگر صحیح یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں،حضرت عمر فاروق سے ملاقات ہے اٹھتر سال عمر ہوئی اور ۸۱ اکیاسی میں وفات پائی۔
(۳۵)عبدالرحمٰن ابن عبداللہ: آپ کی ماں ام حکم بنت ابو سفیان ابن حرب ہیں،آپ کو امیر معاویہ نے کوفہ کا امیر بنایا۔
(۳۶)عبدالرحمٰن ابن ابی بکر: تابعی ہیں،آپ سے آپ کے بیٹے محمد نے روایات لیں۔
(۳۷)عبدالرحمٰن ابن ابی بکرہ: آپ انصاری بصری ثقفی ہیں،۱۴ میں بصرہ میں پیدا ہوئے جب کہ مسلمان وہاں پہنچے آپ بصرہ میں پہلے وہ بچے ہیں جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے،آپ نے اپنے والد اور حضرت علی سے روایات لیں۔
(۳۸)عبدالرحمٰن ابن عبداللہ ابن ابی عمار: آپ مکی ہیں،آپ سے ایک جماعت نے روایات لیں۔
(۳۹)عبدالرحمٰن ابن یزید ابن اسلم: آپ مدنی ہیں،لوگوں نے آپ کو ضعیف کہا ہے ۱۸۲ ایک سو بیاسی میں وفات ہوئی۔
(۴۰)عبدالعزیز ابن رفیع: آپ اسدی آپ مکی ہیں، کوفہ میں قیام رہا مشہور تابعی ہیں،نوے سال سے زیادہ عمر ہوئی حضرت ابن عباس اور انس ابن مالک سے روایات لیں۔

(۴۱)عبدالعزیز ابن جریج: آپ مکی ہیں،حضرت عائشہ اور ابن عباس سے ملاقات ہے۔
(۴۲)عبدالعزیز ابن عبداللہ: آپ فقہاء مدینہ سے ہیں،بغداد میں رہے وہاں علم حدیث کی خدمت کی ۱۶۴ ایک سو چونسٹھ میں وفات ہوئی وہاں ہی مقابر قریش میں دفن ہوئے۔
(۴۳)عبدالملک ابن عمیر: آپ قرشی کوفی ہیں،یہ نسبت قرش کی طرف ہے نہ کہ قریش کی طرف کوفہ کے قاضی رہے کوفہ کے مشہور تابعی ہیں،بڑے عالم ثقہ تھے ایک سوتین سال عمر ہوئی اور ۱۳۶ ایک سو چھتیس میں وفات ہوئی۔
(۴۴)عبدالواحد ابن ایمن: آپ مخزومی ہیں اور قاسم ابن عبدالواحد کے والد ہیں،مشہور تابعی ہیں۔
(۴۵)عبدالرزاق ابن ہمام: آپ کی کنیت ابوبکر ہے اپنے وقت کے بڑے علماء سے ہیں،آپ نے بہت کتب تصنیف کی ہیں،امام احمد وغیرہم کے شیخ ہیں،پچاسی سال عمر ہوئی ۲۱۱ دوسو گیارہ میں وفات پائی،ابن جریج و معمر سے ملاقات ہے۔
(۴۶)عبدالحمید ابن جبیر: آپ جمحی ہیں،اپنی پھوپھی صفیہ اور ابن مسیب سے روایات لیتے ہیں۔
(۴۷)عبدالمہیمن ابن عباس ابن سہل: ساعدی اپنے والد اور ابی حازم وغیرہ سے روایات لیتے ہیں۔
(۴۸)عبدالاعلیٰ ابن مسہر: آپ غسانی ہیں،اہلِ شام کے شیخ ہیں،بڑے فصیح عالم ہیں اس لیے قید کیے گئے کہ آپ خلق قرآن کے قائل نہ تھے چنانچہ آپ جیل میں بھیجے گئے رجب ۲۲۸ھ دوسو اٹھائیس میں فوت ہوئے۔
(۴۹)عبدالمنعم ابن نعیم: آپ اسواری ہیں،ایک جماعت صحابہ سے ملاقات ہے۔
(۵۰)عبدخیر ابن یزید: آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے ہمدانی ہیں،آپ نے حضور انور کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے،حضرت علی کے خاص ساتھیوں سے ہیں،کوفہ میں رہے ایک سوبیس سال عمر ہوئی۔
(۵۱)عمران ابن حطان: آپ دوسی ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ ابن عمر وغیرہ سے روایات لیتے ہیں۔
(۵۲)عمرو ابن شعیب: ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سہمی ہیں،آپ نے اپنے والد شعیب،ابن مسیب،طاؤس وغیرہم سے روایت لی بخاری مسلم نے ان کی کوئی حدیث نہ لی کیونکہ ان کی روایات میں عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے خبر نہیں ہوئی کہ جدہ سے ان کے اپنے دادا محمد مراد ہیں یا والد یعنی شعیب کے دادا ابن عمرو ابن عاص مراد ہیں محمد تابعی ہیں اور عبداللہ ابن عمرو صحابی ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ حدیث متصل ہے یا مرسل نیز شعیب نے اپنے دادا عبداللہ ابن عمرو سے ملاقات نہیں کی لہذا ان کی احادیث میں تدلیس ہے اس وجہ سے بخاری مسلم نے انکی احادیث نہ لیں۔
(۵۳)عمرو ابن سعید: ثقیف کے آزاد کردہ غلام ہیں،بصری ہیں حضرت انس سے احادیث لیتے ہیں۔
(۵۴)عمرو ابن عثمان: ابن عفان اپنے والد عثمان غنی اور اسامہ ابن زید سے روایت لیں۔
(۵۵): عمرو ابن شرید: آپ ثقفی تابعی ہیں،اہلِ طائف سے ہیں،اپنے والد اور ابن عباس وغیرہما سے احادیث لیتے ہیں۔
(۵۶)عمرو ابن میمون: آپ اودی ہیں،زمانہ جاہلیت پالیا ہے حضور انور کی حیوۃ شریف میں ایمان لائے مگر ملاقات نہ کرسکے کوفہ کے عظیم تابعی ہیں،حضرت عمر،معاذ بن جبل ابن مسعود سے ملاقات ہے رضی اللہ عنہم ۷۴ چوہتّر میں وفات پائی۔

(۵۷) عمرو ابن عبداللہ: آپ سبیعی ہیں، کنیت ابو اسحاق ہے آپ کا ذکر الف کی تختی میں ہوچکا۔
(۵۸) عمرو ابن عبداللہ: ابن صفوان آپ جمحی قرشی ہیں، یزید ابن شیبان سے ملاقات ہے۔
(۵۹) عمروابن دینار: آپ کی کنیت ابو یحییٰ ہے، سالم ابن عبداللہ ابن عمر وغیرہم سے ملاقات ہے۔
(۶۰) عمرو ابن واقد: آپ دمشقی ہیں، یونس ابن میسرہ سے ملاقات ہے لوگوں نے آپ سے احادیث لینا چھوڑ دیا ہے۔
(۶۱) عمرو ابن مالک: آپ کی کنیت ابو ثمامہ ہے جاہلی ہیں، آپ کا ذکر کسوف اور غصب میں آتا ہے۔
(۶۲) عمر ابن عبدالعزیز: ابن مروان ابن حکم: آپ کی کنیت ابو حفص ہے اموی قرشی ہیں، آپ کی والدہ ام عاصم بنت عاصم ابن عمر ابن خطاب ہیں، ان کا نام لیلےٰ ہے ۹۹؁ نناوے میں سلیمان ابن عبدالملک کے بعد خلیفۃ المسلمین ہوئے اور ۱۰۱ ایک سو ایک ماہ رجب میں حمص کے قریب دیر سمعان میں وفات پائی مدت خلافت دو سال پانچ ماہ اور چند دن ہے کل چالیس سال عمر ہوئی، عبادت، تقویٰ، زہد اور پاکدامنی حسن اخلاق میں بے مثال تھے، خصوصًا زمانہ خلافت میں تو ہر صفت اور بھی اعلیٰ ہوگئی تھی جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ کے مکان سے رونے کی آوازیں آئیں، پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی لونڈیوں کو کہا ہے کہ اب میں تمہارے حقوق ادا نہیں کرسکتا تو اب تم میں سے جو چاہے اسے آزاد کردوں اس پر وہ لونڈیاں رو رہی ہیں، عتبہ ابن نافع نے آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے پوچھا کہ مجھے جناب عمر کے حالات بتاؤوہ بولیں کہ جب سے آپ خلیفہ بنے ہیں آپ نے غسل جنابت نہیں کیا نہ صحبت سے نہ احتلام سے حتی کہ وفات ہوگئی اور بولیں کہ ہوسکتا ہے کہ اور لوگ روزے نماز میں ان سے بڑھ جاویں مگر خوفِ خدا میں ان جیسا کوئی نہ ہوگا آپ رات کو گھر میں آتے تو اپنے کو سجدے میں گرادیتے روتے اور دعائیں مانگتے حتی کہ نیند آجاتی پھر آنکھ کھلتی تو گریہ و زاری شروع ہوجاتی رات بھر یہ ہی حال رہتا، وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے مہدی تھے آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ آپ نے بنی امیہ کے تمام مظالم بند کئے دبائے ہوئے حقوق ادا کیے ان کی بری رسمیں مٹائیں حتی کہ خطبہ جمعہ میں بنی امیہ بنی ہاشم پر تبرے کرتے تھے اور اس کے برعکس آپ نے اس کی بجائے خطبوں میں صحابہ اور اہلبیت کے صلوۃ و السلام کو داخل کیاجو آج تک جاری ہے یہ ذکر سنت حضرت عمر ابن عبدالعزیز ہے۔
(۶۳) عمر ابن عطا ابن خواری: آپ مکی ہیں، تابعی ہیں، آپ کی احادیث مکہ معظّمہ میں بہت مشہور ہیں، عمومًا آپ حضرت ابن عباس سے احادیث لیتے ہیں۔
(۶۴) عمر ابن عبداللہ ابن ابی خثعم: یحییٰ ابن ابی کثیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔
(۶۵) عثمان ابن عبداللہ ابن اوس: ثقفی ہیں، اپنے چچا عمر اور اپنے دادا سے روایت لیتے ہیں۔
(۶۶) عثمان ابن عبداللہ ابن موہب: آپ سیمی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ وغیرہ سے راوی۔
(۶۷) علی ابن عبداللہ ابن جعفر: آپ ابن مدین کے نام سے مشہور ہیں، ابن مہدی کہتے ہیں کہ آپ اپنے وقت میں سب سے بڑے محدث تھے، نسائی کہتے ہیں کہ شاید اللہ نے آپ کو علم حدیث کے لیے ہی پیدا کیا ہے ذی قعدہ ۲۳۴ دوسو چونتیس میں وفات ہوئی تہتّر سال عمر ہوئی۔
(۶۸) علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب: آپ کی کنیت ابو الحسن لقب امام زین العابدین سادات اہل بیت سے ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کوئی قرشی نہیں دیکھا آپ کی عمر ۵۸ اٹھاون

سال ہوئی ۹۴ میں وفات ہوئی جنت بقیع میں اپنے تایا امام حسن کے ساتھ دفن ہیں،مترجم کہتا ہے کہ امام حسین کے تینوں بیٹوں کا نام علی ہے علی اکبر علی اوسط علی اصغر،حضرت علی اکبر اور علی اصغر تو کربلا میں شہید ہوئے علی اوسط یعنی امام زین العابدین وہاں سے بچ کر آئے بقیہ زندگی بغیر روئے ہوئے کبھی پانی نہ پیا آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

(٦٩)علی ابن منذر: آپ کوفی ہیں،بڑے عابد زاہد ہیں،پچپن حج کیے ثقہ ہیں،بہت ہی صادق ہیں،امام نسائی کہتے ہیں کہ شیعہ تھا ٢٥٦ دو سو چھپن میں‌ہی فوت ہوا لقب طریقی ہے۔

(٧٠)علی ابن زید: قرشی بصرہ کے تابعی ہیں،اصل میں مکی تھے رہے بصرہ میں انس ابن مالک وغیرہ سے ملاقات ہے ۱۳۰ ایک سوتیس میں وفات ہے۔

(٧١)علی ابن یزید: آپ ہانی ہیں،محدثین کی ایک جماعت نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

(٧٢)علی ابن عاصم: آپ واسطی ہیں،یحیٰی بکاء اور عطاء ابن سائب وغیرہما سے ملاقات ہے بہت لوگوں نے آپ کو ضعیف کہا آپ کے پاس ایک لاکھ حدیثیں تھیں نوے ۹۰ سال سے زیادہ عمر پائی۔

(٧٣)علاء ابن زیاد: ابن مطر آپ عدوی بصری ہیں،شام میں قیام رہا ۹۴ میں وفات ہوئی۔

(٧٤)عطاء ابن یسار: آپ کی کنیت ابو محمد ہے ام المؤمنین میمونہ کے آزاد کردہ غلام ہیں،مدینہ منورہ کے مشہور تابعی ہیں،چوراسی سال عمر ہوئی ۹۷ ستانوے میں وفات پائی۔

(٧٥)عطاء ابن عبداللہ: آپ خراسانی ہیں،شام میں رہے ۵۰ پچاس میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵ ایک سو پینتیس میں وفات پائی،مالک ابن انس نے آپ سے روایات لیں۔

(٧٦)عطاء ابن ابی رباح: آپ کی کنیت ابو محمد ہے آپ ہاتھ پاؤں سے بے کار ایک آنکھ سے محروم تھے آخر میں نابینا ہوگئے تھے مکہ معظّمہ کے بڑے فقیہ تھے امام اوزاعی کہتے ہیں کہ آپ مقبول ترین لوگوں سے ہیں،امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ علم کا خزانہ اللہ جسے چاہے دے اگر علم نسب سے ملتا ہوتو حضور انور کی صاحبزادی اس کی مستحق ہوتیں دیکھو عطاء ابن ابی رباح حبشی تھے مگر علم کے خزانے انہیں ملے،سلمہ ابن کہیل فرماتے ہیں کہ میں نے تین شخص دیکھے جن کا علم محض رضا الٰہی کے لیے تھا: عطاء،طاؤس،مجاہد حضرت عطاء کی عمر ۸۸ اٹھاسی سال ہوئی اور ۱۱۵ ایک سو پندرہ میں وفات ہوئی بہت صحابہ سے ملاقات کی ابن عباس ابوہریرہ ابو سعید خدری وغیرہم۔

(٧٧)عطاء ابن عجلان: آپ بصری ہیں،حضرت انس وغیرہ سے ملاقات ہے بعض لوگوں نے انہیں متّہم کیا۔

(٧٨)عطاء ابن سائب ابن یزید: آپ ثقفی ہیں،آپ کی وفات ۱۳۶ ایک سو چھتیس میں ہے۔

(٧٩)عدی ابن عدی: آپ کندی ہیں اپنے والد اور دوسرے صحابہ سے روایات کرتے ہیں۔

(٨٠)عدی ابن ثابت: آپ اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں عدی کے دادا کا نام دینار ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ مجھے ان کا نام معلوم نہیں۔

(٨١)عیسیٰ ابن یونس ابن اسحاق: علم حفظ عبادت میں مشہور تھے آپ ایک سال حج کرتے تھے ایک سال جہاد ۱۸۷ ایک سو ستاسی میں وفات پائی۔

(۸۲)عامر ابن مسعود: آپ قرشی تابعی ہیں،ابراہیم ابن عامر کے والد ہیں۔
(۸۳)عامر ابن سعد: ابن ابی وقاص: آپ زہری قرشی ہیں،۱۰۴ ایک سو چار میں وفات پائی۔
(۸۴)عامر ابن اسامہ: آپ کی کنیت ابو الملیح ہے ہزلی بصری ہیں بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔
(۸۵)عاصم ابن سلیمان: احول آپ بصری تابعی ہیں،حضرت انس وحفصہ سے ملاقات ہے ۱۴۲ ایک سو بیالیس میں وفات ہے۔
(۸۶)عاصم ابن کلیب: آپ حرمی کوفی ہیں،آپ کی احادیث نماز،حج اور جہاد کے متعلق ہیں۔
(۸۷)عروہ ابن زبیر ابن عوام:آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے قرشی اسدی ہیں،حضرت زبیر اور والدہ اسماء اور عائشہ صدیقہ سے روایات لیتے ہیں،۲۲ بائیس میں ولادت ہے آپ مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں،ابن شہاب کہتے ہیں کہ آپ علم کے دریا ہیں۔
(۸۸)عروہ ابن عامر: آپ قرشی تابعی ہیں،حضرت ابن عباس وغیرہ سے احادیث لیتے ہیں۔
(۸۹)عبید ابن عمیر: آپ کی کنیت ابو عاصم ہے لیثی حجازی ہیں،مکہ معظّمہ کے قاضی رہے حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے،بعض نے آپ کو صحابی مانا ہے مگر قوی یہ ہے کہ تابعی ہیں،حضرت ابن عمر سے پہلے وفات پائی۔
(۹۰)عبید ابن سباق: حجازی ہیں،حضرت زید ابن ثابت سہل ابن حنیف وغیرہما سے روایات لیتے ہیں۔
(۹۱)عبید اللہ ابن زیاد: کلبی ہے یزید ابن معاویہ کی طرف سے امام حسین کے مقابل لشکر کشی کرنے والا یہ ہی تھا اس وقت یہ ہی کوفہ کا گورنر تھا یزید کی طرف سے،یہ خود موصول میں ابراہیم ابن مالک اشتر نخعی کے ہاتھوں مارا گیا ۶۶ چھیاسٹھ میں مختار ابن عبید کی حکومت میں۔
(۹۲)عکرمہ: آپ حضرت عبداللہ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں،کنیت ابو عبداللہ ہے بربر کے رہنے والے ہیں،فقہاء مکہ سے ہیں،آپ سے ایک مخلوق نے روایات لی ہیں،۸۰ اسی سال عمر ہوئی ۱۰۷ ایک سو سات میں وفات پائی کسی نے سعید ابن جبیر سے پوچھا کہ کیا کوئی آپ سے بڑا عالم ہے فرمایا عکرمہ۔
(۹۳)علقمہ ابن ابی علقمہ: ابو علقمہ کا نام بلال ہے،حضرت عائشہ صدیقہ کے آزاد کردہ غلام ہیں،بہت صحابہ کرام سے ملاقات ہے جیسے حضرت انس وغیرہ۔
(۹۴) عوف ابن وہب: تابعی ہیں،کنیت ابو جحفہ ہیں۔
(۹۵)ابو عثمان ابن عبدالرحمٰن ابن ملی: آپ نہدی بصری ہیں،زمانہ جاہلیت پایا ہے حضور انور کا زمانہ پایا ہے مگر زیارت نہ کرسکے ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں گزارے قریبًا ایک سو تیس سال عمر ہوئی، ۹۵ھ پچانوے میں وفات پائی۔
(۹۶)ابو عاصم: آپ شبانی ہیں،امام بخاری کے شیخ۔
(۹۷)ابو عبیدہ ابن محمد ابن یاسر: آپ عنسی ہیں، حضرت جابر سے ملاقات ہے۔
(۹۸)ابو عمیر ابن انس ابن مالک انصاری: آپ کا نام عبداللہ ہے اپنے والد انس کے بعد بہت دراز عرصہ زندہ رہے اپنی پھوپھی سے روایات لیتے ہیں۔

(۹۹)ابوالعشریٰ: آپ کا نام اسامہ ابن مالک ہے، دارمی ہیں، اپنے والد سے روایات لیتے ہیں، آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے قوی یہ ہے کہ نام اسامہ ہے۔

(۱۰۰)ابوالعالیہ: آپ کا نام رفیع ابن مہران ہے ریاحی بصری ہیں، حضرت صدیق اکبر سے ملاقات ہے حضرت عمر فاروق اور ابی ابن کعب سے روایات لیتے ہیں، حفصہ بنت سیرین فرماتی ہیں کہ ابوالعالیہ کہتے تھے کہ میں نے تین بار قرآن مجید حضرت عمر کو سنایا ہے حضور انور کی وفات کے دوسال بعد آئے، ۹۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۱۰۱)ابوالعلاء ابن یزید ابن عبداللہ ابن شخیر: حضرت عائشہ صدیقہ سے روایات لیں، ۱۱۱ھ ایک سو گیارہ میں وفات پائی۔

(۱۰۲)ابوعبدالرحمٰن: آپ کا نام عبداللہ یزید ہے مصری ہیں، عامری ہیں۔

(۱۰۳)ابوعطیہ: آپ عقیلی ہیں مالک ابن حویرث سے ملاقات ہے آپ بنی عقیل کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

(۱۰۴)ابوعاتکہ حضرت انس سے روایات لیتے ہیں۔

ع۔۔۔صحابیات

(۱)عائشہ صدیقہ: ام المومنین ہیں ابوبکر صدیق کی دختر آپ کی ماں ام رومان بنت عامر ابن عویمر ہیں، حضور انور نے آپ سے نکاح کا پیغام دیا نبوت کے دسویں سال مکہ معظّمہ میں آپ سے نکاح کیا یعنی ہجرت سے تین سال پہلے،۲ دو ہجری شوال میں مدینہ منورہ میں رخصتی ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف صرف نو برس تھی،نو سال حضور انور کے ساتھ رہیں حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال تھی،آپ کے سواء کسی کنواری بیوی سے حضور انور نے نکاح نہیں کیا بے مثال عالمہ فقیہہ فصیحہ فاضلہ تھیں حضور انور سے بہت ہی احادیث روایت فرمائیں تاریخ عرب پر بڑی خبر تھی،اشعار عرب پر بڑی نظر تھی مدینہ منورہ میں ۱۷ سترہ رمضان منگل کی رات وفات ہوئی،وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات میں دفن کیا جاوے آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں، آپ پر حضرت ابوہریرہ نے نماز پڑھائی مروان ابن حکم کی طرف سے اس وقت مروان مدینہ کے حاکم تھے امیر معاویہ کا زمانہ خلافت تھا۔مترجم کہتا ہے کہ صرف آپ کے بستر میں حضور پر وحی آئی حضرت جبرئیل آپ کو سلام کرتے تھے آپ پر بہتان لگاتو سورۂ نور کی قریبًا اٹھارہ آیتیں آپ کی براءت میں نازل ہوئیں یعنی حضرت مریم اور حضرت یوسف کو بہتان لگا تو بچے گواہ مگر محبوبہ محبوب رب العالمین کو بہتان لگا تو خودرب تعالیٰ گواہ رضی اللہ عنہا۔

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ   ان کی پر نورصورت پہ لاکھوں سلام

خلاصہ تہذیب میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے دو ہزار دوسو دس احادیث مروی ہیں جن میں ایک سو چوہتر متفق علیہ ہیں یعنی بخاری مسلم دونوں کی روایات اور چون احادیث صرف بخاری کی ہیں اڑسٹھ احادیث صرف مسلم کی،عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو اشعار کا عالم نہ پایا۔(حاشیہ)

(۲)عمرہ بنت رواحہ: آپ انصاریہ ہیں، نعمان ابن بشیر کی والدہ آپ سے بشر ابن سعد نے احادیث لیں۔

(۳)ام عمارہ: آپ کا نام نسیبہ بنت کعب ہے انصاریہ ہیں، بیعت عقبہ میں شریک ہوئیں پھر اپنے خاوند زید ابن عاصم کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئیں،پھر بیعت الرضوان میں اور غزوہ یمامہ میں خود جہاد کیا حتی کہ آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا اور جسم پر بارہ زخم نیزوں تلواروں کے کھائے بہت لوگوں نے آپ سے روایات لیں۔

(۴)ام العلاء: آپ انصاریہ صحابیہ ہیں، خارجہ ابن زید ابن ثابت کی والدہ ہیں، حضور انور آپ کی بیماری میں آپ کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔
(۵)ام عطیہ: آپ کا نام نسیبہ بنت کعب یا بنت حارث ہے انصاریہ ہیں، بہت صحابیات نے آپ سے احادیث روایت کیں اکثر حضور انور کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئیں،زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں رضی اللہ عنہا آپ کے بہت فضائل ہیں۔

ع۔۔۔تابعیات

(۱)عمرہ بنت عبدالرحمٰن: آپ عبدالرحمٰن ابن سعید ابن زرارہ کی دختر ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کی پرورش کی آپ نے ان ہی سے بہت احادیث روایت کیں ۱۰۳ ایک سو تین میں وفات ہوئی۔

غ۔۔۔صحابہ کرام

(۱)غضیف ابن حارث: آپ شمالی ہیں، کنیت ابو اسماء ہے شامی ہیں،حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے،حضور سے بیعت کی بعض لوگوں نے آپ کو تابعی کیا مگر قوی یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں۔
(۲)غیلان ابن سلمہ: آپ ثقفی ہیں، فتح طائف کے بعد ایمان لائے ثقیف کے سرداروں میں سے تھے بڑے شاعر اور عبادت گزار تھے،حضرت عمر فاروق کی خلافت میں وفات پائی۔

غ۔۔۔تابعین کرام

(۱)غالب ابن ابی غیلان: ابن خطاف بصری ہیں بکر ابن عبداللہ سے ملاقات ہے۔
(۲)غریف ابن عیاش ابن دیلمی: آپ نے حضرت واثلہ ابن اسقع سے ملاقات کی۔
(۳)ابو غالب: آپ کا نام حزور ہے باہلی بصری ہیں،عبدالرحمٰن ابن حضرمی کے آزاد کردہ غلام ہیں ابو امامہ سے روایات لیں۔

ف۔۔۔صحابہ کرام

(۱)فضل ابن عباس: ابن عبدالمطلب آپ حضور انور کے چچا زاد ہیں، حضور کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے اور ثابت قدم رہے حجۃ الوداع میں حضور کے ساتھ تھے حضور انور کو غسل وفات دینے والوں میں آپ بھی تھے،پھر شام میں جہاد کرتے رہے اردن کے علاقہ میں وفات پائی،اکیس سال عمر ہوئی اپنے بھائی عبداللہ اور حضرت ابوہریرہ سے روایات کرتے ہیں۔
(۲)فضالہ ابن عبید: آپ انصاری اوسی ہیں، احد اور اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے،بیعۃ الرضوان میں شامل ہوئے،امیر معاویہ کی طرف سے دمشق کے قاضی رہے جب کہ وہ صفین کی جنگ میں گئے،۵۳ھ زمانہ معاویہ میں وفات پائی۔
(۳)فجیع ابن عبداللہ: آپ عامری ہیں، اپنی قوم کے نمائندے بن کر حضور انور کی خدمت میں آئے اور حضور سے احادیث سنیں۔

(۴)فروہ ابن مسیک: آپ مراوی غطیفی ہیں، اہل یمن سے ہیں، ۹ نو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے خلافت فاروقی میں کوفہ چلے گئے شاعر بھی تھے بہت عابد زاہد تھے۔
(۵)فروہ ابن عمرو: آپ بیاضی انصاری ہیں بدر وغیرہ میں حاضر ہوئے۔
(۶)فیروز دیلمی: آپ حمیری فارسی ہیں، صنعاء میں رہے آپ نے یمن میں اسود عنسی مدعی نبوت کو قتل کیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بالکل قریب یہ واقعہ ہوا،خلافت عثمانیہ میں وفات ہوئی،آپ سے ضحاک اور عبداللہ نے روایات لیں۔

ف۔۔۔تابعین

(۱)فرافصہ ابن عمیر حنفی: تابعین مدینہ سے ہیں، حضرت عثمان سے روایات لی ہیں، آپ سے قاسم ابن محمد وغیرہ نے روایات لیں۔
(۲)فروہ ابن نوفل: آپ اشجعی کوفی ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
(۳)ابن فرک: آپ کا نام احمد ابن زکریا ابن فارسی لغوی ہے،لغت کے بڑے ماہر تھے ہمدان میں رہے،آپ کے والد کا لقب فراس تھا،اپنے زمانہ میں بڑے عالم مصنف شاعر تھے۔

ف۔۔۔صحابیات

(۱)فاطمہ کبریٰ: آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادی ہیں، والدہ خدیجۃ الکبریٰ ہیں، لقب زہرا اور سیدۃ النساء العالمین ہے،ظہور نبوت سے پانچ سال قبل مکہ معظّمہ میں آپ کی ولادت ہے۔مترجم کہتا ہے کہ آپ حیض و نفاس سے پاک تھیں۔(ہشت بہشت)رمضان ۲ دو ہجری میں حضرت علی سے آپ کا نکاح ہوا بقر عید کے مہینہ رخصتی ہوئی آپ سے حسن، حسین، محسن تین بیٹے اور زینب،ام کلثوم،رقیہ تین بیٹیاں ہوئیں،حضور انور کی وفات سے چھ ماہ بعد تین رمضان سہ شنبہ ۱۱ھ دن میں وفات پائی اٹھائیس سال عمر ہوئی۔

نبی کی لاڈلی بانو ولی کی ماں شہیدوں کی　　　یہاں جلوہ نبوت ولایت کا شہادت کا

(۲)فاطمہ بنت ابی حبیش: آپ قرشیہ اسدیہ ہیں،انہیں کو استحاضہ کا خون بہت آتا تھا،عبداللہ ابن جحش کی زوجہ ہیں عروہ ابن زبیر اور حضرت ام سلمہ نے ان سے روایات لیں۔
(۳)فاطمہ بنت قیس: آپ قرشیہ ہیں، حضرت ضحاک کی بہن اولین مہاجرات سے ہیں، جمال و عقل میں کمال رکھتی تھیں پہلے ابو عمرو ابن حفص کے نکاح میں تھیں انہوں نے طلاق دے دی تو حضور انور نے حضرت اسامہ ابن زید سے آپ کا نکاح کردیا۔
(۴)فریعہ بنت مالک ابن سنان: آپ حضرت ابو سعیدخدری کی بہن ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئیں،آپ سے زینب بنت کعب بن عجرہ نے احادیث روایت کیں۔
(۵)ام الفضل: آپ کا نام لبابہ بنت حارث ہے،حضرت عباس ابن عبدالملک کی زوجہ ہیں عامریہ ہیں،ام المؤمنین میمونہ کی بہن ہیں۔مشہور یہ ہے کہ جناب خدیجۃ الکبریٰ کے بعد عورتوں میں آپ ہی ایمان لائیں آپ سے بہت احادیث مروی ہیں حضور انور کی چچی ہیں۔

(۶)ام فروہ: آپ انصاریہ ہیں، حضور انور سے بیعت کی قاسم ابن غنام نے آپ سے روایات لیں۔

ف۔۔۔تابعیات

(۱)فاطمہ صغریٰ: آپ حضرت حسین ابن علی ابن ابی طالب کی بیٹی ہیں،قرشیہ ہاشمیہ ہیں،حسن ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں،ان کی وفات کے بعد عبداللہ ابن عمرو ابن عثمان ابن عفان کے نکاح میں رہیں۔

ق۔۔۔صحابہ کرام

(۱)قبیصہ ابن ذویب: آپ خزاعی ہیں، ایک ہجری میں پیدا ہوئے،آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیاتو حضور سرکار نے آپ کو فقہ اور بلندی درجات کی دعا دی ابوالزناد کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہ چار حضرات فقہاء شمار کیے جاتے تھے: ابن مسیب،عروہ ابن زبیر،عبدالملک ابن مروان،قبیصہ ابن ذویب،۸۶ میں آپ کی وفات ہوئی،ابن عبدالبر کے علاوہ دوسرے محدثین نے آپ کو صحابی نہیں مانا شام کے تابعین سے مانا ہے۔

قبیصہ ابن مخارق: آپ ہلالی ہیں حضور انور کی خدمت میں اپنی قوم کے نمایندے بن کر آئے اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۲)قبیصہ ابن وقاص: آپ سلمی ہیں، بصرہ میں رہے انہیں لوگوں میں آپ کا شمار ہے۔

(۳)قتادہ ابن نعمان: آپ انصاری ہیں،بیعت عقبہ میں شریک ہوئے،بدروغیرہ غزوات میں شامل رہے حضرت ابو سعید خدری آپ کے ماں شریک بھائی ہیں،۶۵ پینسٹھ سال عمر ہوئی ۲۳ تئیس میں وفات پائی،فضلاء صحابہ سے ہیں۔

(۴)قدامہ ابن عبداللہ: آپ کلابی یا عامری ہیں، پرانے مؤمنین سے ہیں، مکہ معظّمہ میں رہے حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔

(۵)قدامہ ابن مظعون: آپ قرشی جمحی ہیں،حضرت عبداللہ ابن عمر کے ماموں ہیں،حبشہ کے مہاجرین سے ہیں، بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،آپ سے عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عامر نے احادیث لیں ۶۸ اڑسٹھ سال عمر ہوئی ۳۶ چھتیس میں وفات پائی آپ کے بہت فضائل ہیں۔

(۶)قطبہ ابن مالک: آپ ثعلبی ہیں، کوفی ہیں،حضور کی خدمت میں رہے۔

(۷)قیس ابن ابی غرزہ: آپ غفاری کوفی ہیں،آپ سے ابو وائل وغیرہم نے احادیث لیں۔

(۸)قیس ابن سعد ابن عبادہ: آپ کی کنیت ابو عبداللہ انصاری خزرجی ہیں، افاضل صحابہ سے ہیں، جنگی تدابیر میں بہت ماہر تھے،اپنی قوم کے سردار تھے حضور انور کی بارگاہ میں بڑے عزت یافتہ تھے،حضرت علی کی طرف سے مصر کے حاکم رہے،حضرت علی کی شہادت تک کبھی ان سے جدا نہ ہوئے،۶۰ساٹھ میں وفات پائی،قیس ابن سعد عبداللہ ابن زبیر: قاضی شریح اور احنف کے چہروں پر کبھی بال نہ آئے داڑھی نہ اُگی۔

(۹)قیس ابن عاصم: آپ کی کنیت ابو قبیصہ ہے یا ابو علی تمیمی ہیں،بنی تمیم کے وفد میں حضور انور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، ۹ھ نو میں ایمان لائے جب یہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ یہ خیمہ والوں کے سردار ہیں،علم اور حلم میں مشہور تھے،اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۱۰)قرظہ ابن کعب: آپ انصاری خزرجی ہیں، احد وغیرہ غزوات میں شریک ہوئے،حضرت علی نے آپ کو کوفہ کا حاکم بنایا،آپ ہی کی خلافت میں کوفہ میں وفات پائی،امام شعبی وغیرہ نے آپ سے احادیث لیں۔

(۱۱)قرہ ابن ایاس: آپ مزنی بصری ہیں، آپ کے بیٹے معاویہ نے آپ سے احادیث لیں ازارقہ نے آپ کو قتل کیا اور کسی نے آپ سے احادیث نہ لیں۔

(۱۲)ابوقتادہ: آپ کا نام حارث ابن ربعی ہے حضور انور کے پیادہ سپاہیوں میں سے ہیں، ۵۴ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بعض نے فرمایا کہ خلافت حیدری میں کوفہ میں فوت ہوئے،ستر سال عمر ہوئی،تمام غزاوت میں شریک ہیں۔

(۱۳)ابو قحافہ: آپ کا نام عثمان ابن عامر ہے حضور ابوبکر صدیق کے والد ہیں،عین کی تختی میں آپ کا ذکر ہوچکا ہے۔

ق۔۔۔تابعین عظام

(۱) قاسم ابن محمد ابن ابوبکر الصدیق: آپ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں، عظیم الشان تابعی ہیں، آپ اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے۔یحیٰی ابن سعید کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں ایسا کوئی نہ پایا جو قاسم سے افضل ہو آپ نے بہت صحابہ سے احادیث روایت کیں حتی کہ عائشہ صدیقہ اور امیر معاویہ کی بھی ستر سال عمر ہوئی ۱۰۱ ایک سو ایک میں وفات پائی۔خیال رہے کہ آپ کی بیٹی فروہ بنت قاسم کا نکاح امام باقر سے ہوا ان کے بطن سے امام جعفر پیدا ہوئے تو صدیق اکبر تمام سیدوں کے نانا ہیں اور علی مرتضٰی سیدوں کے دادا۔(مترجم)

(۲) قاضی ابن عبدالرحمٰن: آپ شامی ہیں، عبدالرحمٰن ابن خالد کے آزاد کردہ غلام ہیں اپنے زمانہ میں بہترین بزرگ تھے۔

(۳)قبیصہ ابن ہلب: آپ طائی ہیں، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں آپ کے والد صحابی ہیں۔

(۴)قعقاع ابن حکیم: آپ مدنی تابعی ہیں، حضرت جابر اور ابو یونس سے ملاقات ہے۔

(۵) قطن ابن قبیصہ: آپ ہلالی ہیں، اہل بصرہ سے ہیں اور سجستان کے حاکم رہے۔

(۶) قتادہ ابن دعامہ: آپ کی کنیت ابو الخطاب ہے سدوسی ہیں، نابینا تھے حافظ تھے غضب کے حافظ پایا تھا۔خود فرماتے ہیں کہ جو کچھ میرے کان سنتے ہیں وہ میرا دل محفوظ کرلیتا ہے،عبداللہ ابن سرجس سے روایت لیتے ہیں،۱۰۷ ایک سو سات میں وفات پائی۔

(۷) قیس ابن عباد: آپ بصری ہیں، بصرہ کے تابعین میں سے ہیں، جماعت صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۸) قیس ابن ابی حازم: آپ احمسی بجلی ہیں زمانہ جاہلیت کو پایا ہے آپ حضور انور سے بیعت کرنے مدینہ منورہ آئے تو معلوم ہوا کہ قریب ہی وفات شریف ہوچکی ہے،آپ کوفہ کے تابعین میں سے ہیں،عشرہ مبشرہ سے روایات لیتے ہیں سواء عبدالرحمٰن ابن عوف کے آپ کے سواء کسی تابعی نے نو عشرہ مبشرہ سے احادیث نہیں لیں،نہروان میں حضرت علی کے ساتھ تھے آپ نے سو برس سے زیادہ عمر پائی،۹۸ اٹھانوے میں وفات ہوئی،نہروان خوارج پر جہاد کیا۔

(۹) قیس ابن مسلم ابن کثیر: آپ نے حضرت ابو الدرداء سے روایات لیں۔

(۱۰)ابوقلابہ: آپ کا نام عبداللہ ابن زید ہے جرمی ہیں، مشہور تابعی ہیں،حضرت انس وغیرہ سے ملاقات ہے شام کے علماء میں سے ۱۰۶ ایک سو چھ میں شام میں وفات پائی۔

(۱۱)ابن قطن: آپ کا نام عبدالعزیز ابن قطن ہے،جاہلی ہیں، دجال کی احادیث میں آپ کا نام آتا ہے۔

(۱۲)قزمان: یہ وہ شخص ہے جس نے ایک غزوہ میں بہت اچھی طرح جنگ کی حضور انور نے فرمایا کہ یہ دوزخی ہے آخر کار خودکشی کرکے مرا،اسے تابعی کہنا درست نہیں۔(مترجم)

ق۔۔۔صحابیات

(۱)قیلہ بنت مخرمہ: آپ صحابیہ ہیں، آپ سے آپ کی دو پوتیوں صفیہ حبیبہ بنت علیہ نے روایات لیں غالبًا یہ وہی قیلہ ہیں جو جمعہ کے دن کچھ لپٹا سا پکا کر بیٹھ جاتی تھیں صحابہ کرام آکر کھاتے تھے،فرماتے ہیں کہ ہم کو جمعہ کے دن کا انتظار ہوتا تھاقیلہ کے اس کھانے کی وجہ سے۔واللہ اعلم! (مترجم)

(۲)ام قیس بنت محصن: آپ عکاشہ ابن محصن کی بہن ہیں، مکہ معظّمہ کے پرانے مسلمانوں میں سے ہیں پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ حاضر ہوگئیں۔

ک۔۔۔صحابہ کرام

(۱)کعب ابن مالک: آپ انصاری خزرجی ہیں، بیت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے،بدر کی حاضری میں اختلاف ہےسواء تبوک کے باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے حضور انور کے خاص شاعروں میں سے ہیں، غزوہ تبوک میں تین صاحب پیچھے رہ گئے تھےجن کا بائیکاٹ کیا گیا ان میں سے ایک آپ تھے دوسرے ہلال ابن امیہ ہیں، تیسرے مرارہ ابن ربیعہ آپ کے متعلق سورۂ توبہ میں قبول توبہ کی آیات نازل ہوئیں آپ سے ایک جماعت نے روایت کی ۷۷ ستتر سال عمر شریف پائی،۵۰ پچاس میں وفات ہوئی آخر میں نابینا ہوگئے۔

(۲)کعب ابن عجرہ: آپ بلوی ہیں، کوفہ میں رہے مدینہ منورہ میں وفات پائی،پچھتّر سال عمر ہوئی ۵۱ھ اکیاون میں وفات پائی۔

(۳)کعب ابن مرہ: آپ بسہری ہیں، سلمٰی ہیں،اردن میں رہے،۵۹ انسٹھ میں وفات پائی۔

(۴)کعب ابن عیاض: آپ اشعری ہیں، اہل شام میں آپ کا شمار ہے آپ سے حضرت جابرجبیر ابن نفیر وغیرہما نے روایات لیں۔

(۵)کعب ابن عمرو: آپ انصاری سلمی ہیں، بیعت عقبہ اور بدر میں حاضر ہوئے،غزوہ بدر میں آپ نے ہی حضرت عباس کو گرفتار کیا تھا ۵۵ پچپن میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۶)کثیر ابن صلت: ابن معدیکرب آپ کندی ہیں، حضور انور کی حیات شریف میں پیدا ہوئے،آپ کا نام قلیل تھاحضور انور نے کثیر رکھا،بہت صحابہ سے روایات لیتے ہیں۔

(۷)کرکرہ: آپ حضور انور کے سامان کے منتظم ہوا کرتے تھے،سفروں اور غزوات میں آپ کا ذکر غلول میں آتا ہے، کرکرہ میں دونوں کاف کو فتح حاصل ہے۔

(۸)کلدہ ابن حنبل: آپ اسلمی ہیں، صفوان ابن امیہ کے سوتیلے بھائی ہیں، آپ کو عبدالمعمر ابن حبیب نے یمن کے سوق عکاظ سے خریدا انہیں حلیف بنایا وفات تک مکہ معظّمہ میں رہے۔

(۹)ابوکبشہ: آپ کا نام عمرو ابن سعد انماری ہے شام میں قیام رہا۔

ک۔۔۔تابعین عظام

(۱)کعب احبار: آپ کا نام کعب ابن مانع ہے،کنیت ابو اسحاق ہے،مشہور ہیں، کعب احبار کے نام سے قبیلہ حمیر سے ہیں،حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے مگر زیارت نہ کرسکے خلافت فاروقی میں اسلام لائے اور خلافت عثمانیہ میں ۳۲ بتیس میں مقام حمص میں وفات پائی۔

(۲)کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عوف: مزنی آپ مدنی ہیں۔

(۳)کثیر ابن قیس: یا قیس ابن کثیر،آپ کا ذکر قاف کی تختی میں ہوچکا ہے۔

(۴)کریب ابن ابی مسلم: آپ عبداللہ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

(۵)ابو کریب ابن محمد ابن علاء: آپ ہمدانی کوفی ہیں،ابوبکر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، ۲۴۸ دو سو اڑتالیس میں وفات ہوئی۔

ک۔۔۔تابعیات

(۱)کبشہ بنت کعب ابن مالک: آپ عبداللہ ابن ابی قتادہ کی زوجہ ہیں، بلّی کے جھوٹے کے متعلق آپ کی حدیث مشہور ہے۔

(۲)کریمہ بنت ہمام: آپ سے خضاب کے متعلق حدیث مروی ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتی ہیں،ہمام میم کے پیش یا میم کے فتحہ سے۔

(۳)ام کرز: آپ خزاعیہ ہیں، چند احادیث آپ سے مروی ہیں خصوصًا عقیقہ کی حدیث۔

(۴)ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط مکہ معظّمہ میں اسلام لائیں پیدل ہجرت کی مکہ معظّمہ میں کنواری تھیں مدینہ منورہ میں زید ابن حارثہ کے نکاح میں آئیں،جب حضرت زید غزوہ موتہ میں شہید ہوگئے تو زبیر ابن عوام سے نکاح کیا انہوں نے طلاق دے دی تو عبدالرحمٰن ابن عوف کے نکاح میں آئیں ان سے ابراہیم اور حمید پیدا ہوئے جب ان کے یہ خاوند فوت ہوئے تو عمرو ابن عاص سے نکاح کیا انہیں کے نکاح میں فوت ہوئیں،آپ حضرت عثمان غنی کی سوتیلی بہن ہیں۔

ل۔۔۔صحابہ کرام

(۱)لقلیط ابن عامر ابن صبرہ: آپ کی کنیت ابو رزین ہے عقیلی مشہور صحابی ہیں اہل طائف سے ہیں۔

(۲)لقمان ابن باعو: آپ ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ کے بیٹے ہیں،بعض نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تھے بنی اسرائیل کے قاضی تھے،بعض نے کہا کہ آپ مصر کے حبشی غلاموں میں سے تھے اکثر کا قول یہ ہے کہ نبی نہ تھے حکیم تھے آپ کا ذکر کتاب الرقاق کی احادیث میں ہے(نہ معلوم مؤلف نے انہیں صحابہ کی فہرست میں کیوں داخل کیا)(مترجم)

(۳)لبید ابن ربیعہ: آپ عامری ہیں، شاعر ہیں،اپنی قوم بنی جعفر ابن کلاب کے وفد میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے،زمانہ جاہلیت اور اسلام میں بہت عزت والے تھے آخر میں کوفہ میں رہے ۴۱ اکتالیس میں وفات ہے ۱۵۷ ایک سو ستاون سال عمر پائی۔

(۴)ابو لبابہ: آپ کا نام رفاعہ عبدالمنذر ہے اوسی انصاری ہیں، بیعت عقبہ غزوہ بدر اور تمام غزوات شریک ہوئے،بعض نے کہا کہ بدر میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ حضور انور کے حکم سے مدینہ منورہ میں انتظام کے لیے رہے مگر آپ کو غنیمت سے حصہ دیا گیا حضرت علی کی خلافت میں وفات پائی۔

(۵)ابن لبیبہ: آپ کا نام عبداللہ ہے آپ کا ذکر صدقات کی وصولی میں آتا ہے۔

ل۔۔۔تابعین عظام

(۱)لیث ابن سعد: آپ کی کنیت ابو الحارث ہے مصر کے فقیہ ہیں خالد ابن ثابت فہمی کے آزاد کردہ ہیں، ۹۴ چورانوے میں مصر کے علاقہ میں پیدا ہوئے،۱۶۱ ایک سواکسٹھ میں بغداد آئے خلیفہ منصور نے آپ کو مصر کا حاکم بنانا چاہا آپ نے انکار کردیا یحیٰی ابن بکیر فرماتے ہیں کہ میں نے لیث سے بڑھ کر کوئی کامل نہ دیکھا قتیبہ ابن سعید کہتے ہیں کہ لیث کی سالانہ آمدنی بیس ہزار دینار تھی مگر آپ پر کبھی زکوۃ واجب نہ ہوئی شعبان ۱۷۵ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۲)ابن ابی لیلیٰ: آپ کا نام عبدالرحمٰن قاسم ابن ابی لیلیٰ یسار ہے انصاری ہیں، خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے،جب کہ ان کی خلافت کو چھ سال گزر گئے،۸۳ تراسی میں بصرہ کی ایک نہر میں ڈوب کر وفات ہوئی،بہت صحابہ سے ملاقات ہے کوفہ کے تابعین میں سے ہیں،آپ کے بیٹے محمد کو بھی ابن ابی لیلیٰ کہا جاتا ہے وہ کوفہ کے قاضی تھے مشہور فقیہ تھے خیال رہے کہ محدثین جب ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں تو یہ ہی مراد ہوتے ہیں اور جب فقہاء ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں تو آپ کے بیٹے مراد ہوتے ہیں،یہ محمد ۷۴ میں پیدا ہوئے اور ایک سو اڑتالیس میں وفات پائی۔

(۳)ابن لہیعہ: آپ کا نام عبداللہ ہے کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے، حضرمی ہیں، فقیہ ہیں، مصر کے قاضی تھے،بہت محدثین سے ملاقات ہے،یحیٰی ابن بکیر اور قتیبہ مصری کہتے ہیں کہ آپ ضعیف الحدیث ہیں، احمد ابن حنبل کہتے ہیں کہ مصر میں ان جیسے کوئی محدث نہ ہوسکا آپ حدیث کے حافظ اتقان و ضبط والے ہیں، ۱۷۴ ایک سو چوہتر میں وفات پائی۔

ل۔۔۔صحابیات

(۱)لبابہ بنت حارث: آپ کی کنیت ام الفضل ہے،آپ کا ذکر ف کی تختی میں ہوچکا ہے۔

م۔۔۔صحابہ کرام

(۱)مالک ابن اوس: ابن حدثان آپ بصری ہیں، آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے آپ کی احادیث بہت تھوڑی ہیں ہاں صحابہ کے آثار آپ سے بہت مروی ہیں، ۹۲ بانوے میں مدینہ میں وفات پائی مشہور ہستی ہے۔

(۲)مالک ابن حویرث: آپ لیثی ہیں، حضور انور کی خدمت میں وفد بن کر آئے اور حضور کے پاس بیس دن رہے آخر میں بصرہ میں قیام رہا وہاں ہی ۹۴ چورانوے میں وفات پائی۔

(۳)مالک ابن صعصعہ: آپ انصاری مازنی ہیں، بصرہ میں رہے احادیث کم روایت کرتے ہیں۔

(۴)مالک ابن ہبیرہ: آپ سکونی ہیں،اہل شام میں آپ کا شمار ہے امیر معاویہ کی طرف سے لشکروں کے سردار رہے روم پر جہاد کیا یہ جہاد امیر معاویہ کے زمانہ میں ہوئے۔

(۵)مالک ابن یسار: آپ سکونی پھر عوفی ہیں، شام میں قیام رہا آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے۔

(٦)مالک ابن تیہان: آپ کی کنیت ابو الہیثم ہے انصاری ہیں، عقبہ میں شریک ہوئے،٢٠ بیس خلافت فاروقی میں وفات پائی بعض مؤرخین نے کہا کہ ٣٧ سینتیس میں صفین میں وفات پائی۔
(٧)مالک ابن قیس: آپ کی کنیت ابو صرمہ ہے آپ کا ذکر صاد کی تختی میں ہوچکا ہے۔
(٨)مالک ابن ربیعہ: آپ کی کنیت ابو اسید ہے اپنی کنیت میں مشہور ہیں،الف کی تختی میں آپ کا ذکر ہوچکا۔
(٩)ماعزابن مالک: اسلمی ہیں،مدنی ہیں آپ کو ہی سنگسار کیا گیا تھا آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ نے ایک حدیث روایت کی۔
(١٠)مطر ابن عکاس: آپ اسلمی ہیں اہل کوفہ سے ہیں، آپ سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔
(١١)معاذ ابن انس: آپ جہنی ہیں اہل مصر سے ہیں، آپ کے بیٹے سہل نے آپ سے احادیث لیں۔
(١٢)معاذ ابن جبل: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری ہیں، خزرجی ہیں، بیعت عقبہ دوم میں ستر صحابہ میں آپ بھی تھے بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،حضور انور نے آپ کو یمن کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا،اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے حضرت عمر نے ابوعبیدہ ابن جراح کے بعد آپ کو شام کا حاکم بنایا اڑتیس سال عمر پائی ١٨ اٹھارہ میں طاعون عمواس میں وفات ہوئی۔
(١٣)معاذ ابن جبل: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری ہیں، خزرجی ہیں، بیعت عقبہ دوم میں ستر صحابہ میں آپ بھی تھے بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے حضور انور نے آپ کو یمن کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا،اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے حضرت عمر نے ابوعبیدہ ابن جراح کے بعد آپ کو شام کا حاکم بنایا اڑتیس سال عمر پائی ١٨ھ اٹھارہ میں طاعون عمواس میں وفات ہوئی۔
(١٤)معاذ ابن عمرو ابن جموح: آپ انصاری خزرجی ہیں، بیعت عقبہ اور غزوہ بدر میں شریک رہے آپ بھی اور آپ کے والد عمرو بھی،آپ نے معاذ ابن عفراء کے ساتھ مل کر ابوجہل کو قتل کیا،عبدالرحمٰن ابن اسحاق کے فرزند کہتے ہیں کہ آپ نے ابوجہل کی ٹانگ کاٹی اور اسے زمین پر پچھاڑا ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے آپ کا ہاتھ کندھے سے کاٹ کر گرادیا اتنے میں معاذ ابن عفراء نے ابوجہل پر دوسرا وار کرکے اسے ٹھنڈا کردیاسسک رہا تھاکہ عبداللہ ابن مسعود نے اس کا سر کاٹ ڈالا حضور انور نے ابوجہل کی لاش تلاش کرائی اس کے قتل پر سجدہ شکرادا کیاآپ نے خلافت عثمانی میں وفات پائی۔
(١٥)معاذ ابن حارث ابن رفاعہ: آپ انصاری زرقی ہیں، آپ کی والدہ عفراء بنت عبید ابن ثعلبہ ہیں، آپ اور رافع ابن مالک خزرجی انصاری ہیں پہلے مؤمن ہیں، آپ اور آپ کے دونوں بھائی عوف اور معوذ بدر میں شریک ہوئے دونوں بھائی وہاں ہی شہید ہوئے،آپ کے متعلق اختلاف ہے،بعض کہتے ہیں آپ بدر میں زخمی ہوئے پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پائی بعض کی رائے ہے کہ خلافت عثمانیہ میں آپ کی وفات ہے آپ سے بہت صحابہ نے روایات لیں۔
(١٦)معوذ ابن حارث: آپ کی والدہ کا نام عفراء ہے بدر میں شریک ہوئے،آپ نے معاذ ابن عمرو کے ساتھ مل کر ابوجہل کو قتل کیا آپ کھیت اور باغ والے تھے۔

(۱۷) مسطح ابن اثاثہ ابن عباد ابن عبدالمطلب ابن عبدمناف: قرشی مطلبی ہیں بدر،احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی تہمت میں آپ بھی شریک ہوگئے تھےآپ کو تہمت کی سزا میں کوڑے لگائے گئے آپ کا نام عوف ہے مسطح لقب چھپن سال عمر ہوئی ۳۴ھ میں وفات پائی۔مترجم کہتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت عائشہ کے معاملہ میں آپ کا وظیفہ بند کردیا تھا اس کے متعلق یہ آیت آئی"وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ"الخ جس پر آپ نے وظیفہ جاری کردیارضی اللہ عنہم اجمعین۔
(۱۸) مسور ابن مخرمہ: آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے زہری قرشی ہیں، عبدالرحمٰن ابن عوف کے بھانجے ہیں، ۲ دو ہجری میں مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے،۸ آٹھ میں آپ کو مدینہ منورہ میں لایا گیا ذی الحجہ میں حضور انور کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی،اس کے باوجود آپ نے حضور سے احادیث سنیں بڑے فقیہ دیندار پرہیزگار تھے شہادت عثمان غنی تک آپ مدینہ منورہ میں رہے پھر مکہ معظّمہ چلے گئے امیر معاویہ کی وفات تک وہاں رہے یزید کی بیعت سے انکار کردیا جب یزید کی فوجوں نے مکہ معظّمہ پر حملہ کرکے اس پر پتھر برسائے منجنیق سے اس وقت آپ حطیم میں نفل پڑھ رہے تھی ایک پتھر آپ کے لگا جس سے آپ کی وفات ہوگئی،یہ واقعہ ربیع الاول ۶۴ چونسٹھ میں ہوا آپ سے ایک خلقت نے روایات لیں۔
(۱۹) مسیب ابن حزن: آپ کی کنیت ابو سعید ہے آپ قرشی مخزومی ہیں، اپنے باپ حزن کے ساتھ ہجرت کی،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،آپ سے آپ کے بیٹے سعید ابن مسیب نے احادیث لیں۔
(۲۰) مستورد ابن شداد: آپ فہری قرشی ہیں، اہل کوفہ سے ہیں، مصر میں قیام رہا،حضور انور کی وفات کے وقت یہ لڑکے تھے مگر حضور سے سماع ثابت ہے۔
(۲۱) مغیرہ ابن شعبہ: آپ ثقفی ہیں، خندق کے سال ایمان لائے پھر مہاجر ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے،آخر میں کوفہ میں رہے ستر سال عمر ہوئی ۵۰ پچاس میں وفات ہوئی،امیر معاویہ کی طرف سے حاکم رہے آپ کا مزار کوفہ میں ہے مشہور صحابی ہیں۔
(۲۲) مقدام ابن معدیکرب: آپ کی کنیت ابو کریمہ ہے،کندی ہیں، اہل شام میں آپ کا شمار ہے اکیانوے سال عمر ہوئی ستاسی ہجری میں شام میں وفات پائی،بہت احادیث کے آپ راوی ہیں،مشہور صحابی ہیں۔
(۲۳) مقداد ابن اسود: آپ کے والد نے قبیلہ بنی کندہ سے حلف کیا تھا اس لیے آپ کو کندی کہا جاتا ہے۔اسود نے آپ کی پرورش کی تھی اس لیے ابن اسود کہا جاتا ہے آپ چھٹے مؤمن ہیں، آپ سے حضرت علی اور طارق ابن شہاب وغیرہما نے احادیث لیں ستر سال عمر ہوئی ۳۳ تینتیس میں وفات پائی آپ کی وفات مدینہ منورہ سے تین میل دور مقام جرف میں ہوئی وہاں سے آپ کو مدینہ منورہ لایا گیا بقیع میں دفن کیا گیا۔
(۲۴) مہاجر ابن خالدابن ولید ابن مغیرہ: آپ مخزومی قرشی ہیں،حضور انور کے زمانہ میں بچے تھے،جنگ جمل و صفین میں آپ تو حضرت علی کے ساتھ تھے مگر آپ کے بھائی عبدالرحمٰن امیر معاویہ و عائشہ صدیقہ کے ساتھ تھے،جمل میں آپ کی ایک آنکھ زخمی ہوکر بیکار ہوگئی اور صفین میں آپ قتل ہوئے حضرت علی کے ساتھ رہے۔

(۲۵)مہاجر ابن قنفذ: آپ قرشی تیمی ہیں آپ کا نام عمرو ابن خلف ہے آپ کا لقب مہاجر ہے آپ کے والد کا لقب قنفذ۔ قوی ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے بعض نے فرمایا کہ پہلے ہی ایمان لا کر ہجرت کرکے آگئے تھے حضور انور نے فرمایا یہ سچے مہاجر ہیں، آخر میں بصرہ میں رہے وہاں ہی وفات پائی۔

(۲۶)معیقیب ابن ابی فاطمہ: آپ دوسی ہیں، سعید ابن ابی العاص کے آزاد کردہ غلام ہیں بدر میں شریک ہوئے،مکہ مظمہ میں اول ہی سے ایمان لائے حبشہ ہجرت کرکے گئے وہاں ہی رہے حتی کہ حضور انور مدینہ منورہ تشریف لائے،حضرت ابوبکر و عمر نے آپ کو بیت المال کا افسر مقرر فرمایا، ۴۰ھ چالیس میں وفات پائی۔

(۲۷)معقل ابن یسار: آپ مزنی ہیں، بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،بصرہ میں رہے نہر معقل آپ ہی کی طرف منسوب ہے، ۶۰ھ میں وفات پائی عبید اللہ ابن زیاد کی حکومت میں۔

(۲۸)معقل ابن سنان: آپ اشجعی ہیں، فتح مکہ میں حاضر ہوئے،کوفہ میں قیام رہا جنگ حرہ میں قتل کیے گئے باندھ کر۔

(۲۹)معن ابن عدی: آپ بلوی ہیں، آپ اپنے بھائی عاصم کے ساتھ بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے،غزوہ یمامہ میں یعنی خلافت صدیقی میں شہید ہوئے،حضور انور نے آپ میں اور زید ابن خطاب میں مواخاۃ(بھائی چارہ) کیا تو یہ دونوں حضرات بیک وقت شہید ہوئے ایک ہی جگہ۔

(۳۰)معن ابن یزید ابن اخنس سلمی: آپ،آپ کے والد اور دادا سب صحابی ہیں، مشہور ہے کہ آپ غزوہ میں شریک ہوئے،اہل کوفہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۳۱)مجمع ابن جاریہ: آپ انصاری مدنی ہیں، آپ کا باپ جاریہ منافق تھا،مسجد ضرار بنانے والوں میں سے تھا،مجمع بڑے عالم قاری تھے۔مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے آدھا قرآن مجید آپ سے لیا ا میر معاویہ کے آخر زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۳۲)محجن ابن ادرع: آپ اسلمی پرانے مؤمن ہیں، دراز عمر پائی امارت امیر معاویہ کے آخر میں وفات ہوئی۔

(۳۳)مخنف ابن سلیم: آپ غامدی ہیں، حضرت علی نے آپ کو اصفہان کا حاکم بنایا اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۳۴)مدعم: آپ حبشی غلام تھے رفاعہ ابن زید کے غلام تھے انہوں نے حضور انور کی خدمت میں پیش کردیا آخر تک حضور کے غلام رہے آپ کا ذکر غلول میں آتا ہے مشہور واقعہ ہے۔

(۳۵)مرداس ابن مالک: آپ اسلمی ہیں، بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،اہل کوفہ میں آپ کا شمار ہے آپ سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے۔

(۳۶)محیصہ ابن مسعود: آپ انصاری حارثی ہیں، اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے غزوہ احد،خندق اور بعد کے غزوات میں شرکت کی۔

(۳۷)مخارق ابن عبداللہ: اہل کوفہ میں آپ کا شمار ہے آپ کی حدیث میں بہت اختلاف ہے آپ سے صرف آپ کے بیٹے قانلوس نے روایت کی۔

(۳۸)مجاشع ابن مسعود: آپ سلمی ہے ماہ صفر ۳۶ھ یوم جمل میں قتل ہوئے۔

(۳۹)مخرمہ عبدی: آپ کے نام میں اختلاف ہے مخرمہ یا مخرفہ،سوید کی حدیث میں آپ کا ذکر آتا ہے آپ کی وفات ۵۴ چون ہجری میں ہوئی۔

(۴۰)مرارہ ابن ربیع: آپ عامری انصاری ہیں، بدر میں شریک ہوئے جو تین حضرات غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے ان میں ایک آپ بھی تھے جن کی قبولیت توبہ کا ذکر سورۂ توبہ میں ہے۔

(۴۱)مصعب ابن عمیر: آپ قرشی عبدری ہیں، جلیل القدر صحابہ سے ہیں، پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر بدر میں شریک ہوئی،حضور انور نے آپ کو عقبہ کی دوسری بیعت کے بعد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ آپ وہاں کے مسلمانوں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دیں ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں پہلا جمعہ آپ نے اپنے اجتہاد سے پڑھا اسلام سے پہلے آپ بڑے عیش و طرب میں پلے بڑھے اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے بعد اسلام تارک الدنیا ایسے ہوئے کہ موٹے لباس سے آپ کا جسم کھردرا ہوگیا بعض مؤرخین نے فرمایا کہ حضور نے پہلی بیعت عقبہ کے بعد آپ کو مدینہ منورہ بھیجا آپ انصار کے گھروں میں جاکر تبلیغ دین کرتے تھے آپ کی ہر تبلیغ پر ایک دو آدمی مسلمان ہوئے تھے حتی کہ انصاری میں اسلام عام پھیل گیاتب آپ نے حضور انور سے جمعہ قائم کرنے کی اجازت چاہی جو مل گئی آپ پھر دوسری بیعت عقبہ کے موقعہ پر ستر انصار کے ساتھ مکہ معظّمہ آئے چند دن مکہ معظّمہ میں قیام کرکے واپس مدینہ منورہ چلے گئے یہ واقعات حضور انور کی ہجرت سے پہلے ہے چالیس سال کی عمر ہوئی اور غزوہ احد میں شہید ہوئے جن کے متعلق یہ آیت آئی"رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ"ان میں آپ بھی داخل ہیں حضور انور کے دارارقم میں جانے کے بعد آپ ایمان لائے۔

(۴۲)معاویہ ابن ابی سفیان: آپ قرشی اموی ہیں، آپ کی ماں ہند بنت عتبہ ہیں، آپ فتح مکہ کے دن ایمان لائے مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں، آپ حضور انور کے کاتب وحی تھے،بعض مؤرخین نے کہا کہ آپ کاتب وحی نہ تھے بلکہ دوسری تحریریں حضور انور کی طرف سے لکھتے تھے آپ سے حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابوسعید خدری نے احادیث لیں خلافت فاروقی میں اپنے بھائی یزید ابن ابوسفیان کے بعد شام کے حاکم بنے پھر وفات تک وہاں ہی حاکم رہے حکومت کی،خلافت فاروقی میں چار سال خلافت عثمانیہ میں پورے بارہ سال پھر خلافت حیدری اور خلافت امام حسن میں اس طرح بیس سال حکومت کی پھر مستقل سلطان اسلام بن کر بیس سال سلطنت کی ۴۱ اکتالیس میں امام حسن نے آپ کو خلافت سونپ دی خود علیحدہ ہوگئے رجب ۶۰ ساٹھ میں وفات پائی دمشق میں دفن ہوئے،اڑتالیس سال عمر ہوئی آخر عمر میں لقوہ ہوگیا تھا آپ وفات کے وقت کہتے تھے کہ کاش میں ایک قرشی شخص ہوتا جو ذی طویٰ گاؤں میں رہتا حکومت میں حصہ نہ لیتا آپ کے پاس حضور انور کے تبرکات،بال ناخن شریف تہنبد تھے وصیت کی کہ مجھے حضور انور کے تہبند میں لپیٹا جائے ہونٹوں ناک نتھنوں آنکھوں میں حضور کے بال ناخن رکھ دینا،پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کردینا۔مترجم کہتا ہے آپ کی عمر شریف کے بیان میں غلطی غالبًا کاتب نے کی،آپ کی عمر اٹھتر سال ہوئی حق یہ ہے کہ آپ کاتب وحی رہے اور آپ نے اپنا اسلام فتح مکہ کے دن ظاہر فرمایا ایمان پہلے ہی لاچکے تھے عمرہ قضا میں حضور انور کی حجامت آپ ہی نے کی تھی جیساکہ بخاری میں ہے کاتب بجائے **ثمان و سبعون** کے **ثمان واربعون** لکھ گیا امیر معاویہ کے صحیح حالات شریفہ ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

(۴۳)معاویہ ابن حکم: آپ سلمی ہیں، مدینہ منورہ میں بہت آتے جاتے رہتے تھے ۱۱۷ ایک سوسترہ میں وفات ہوئی آپ سے کثیر اور عطا نے روایات لیں۔
(۴۴)معاویہ ابن جاہمہ: آپ سلمی ہیں، آپ کا شمار اہل حجاز میں ہے۔
(۴۵): مروان ابن حکم: سلمی ہے قرشی اموی ہے عبدالملک کا والد اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دادا ہے، ۲ھ یا خندق کے سال پیدا ہوا حضور انور نے اس کے باپ حکم کو مدینہ منورہ سے طائف کی طرف جلا وطن کردیا یہ ساتھ گیا اس لیے حضور انور کو دیکھ نہ سکا لہذا صحابی نہیں،خلافت عثمانیہ میں حکم کو مدینہ منورہ آنے کی اجازت ملی تب یہ بھی ساتھ میں آیا،۶۵ پینسٹھ میں دمشق میں فوت ہوا اس نے حضرت عثمان علی سے روایات لیں اور اس سے عروہ ابن زبیر امام زین العابدین نے روایات لیں،مترجم کہتا ہے کہ جس جرم کی بنا پر حضور انور نے حکم کو مدینہ منورہ سے نکالا اس نے توبہ کرلی تب حضرت عثمان نے واپس بلالیا پھر حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں بھی اسے مدینہ منورہ سے نہ نکالا لہذا نہ حضرت عثمان پر کوئی اعتراض ہوسکتا ہے نہ حضرت علی پر،التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ یہ بات خیال میں رہے۔
(۴۶)مرہ ابن کعب: آپ نہدی ہیں، آپ کا شمار اہل شام میں ہے ۵۵ پچپن میں اردن میں وفات ہوئی۔
(۴۷)مزیدہ ابن جابر: آپ بصری ہیں، آپ سے متعدد تابعین نے روایات لیں۔
(۴۸)مسلم قرشی: آپ مسلم ابن عبداللہ ہیں یا عبید اللہ بن مسلم ہیں۔
(۴۹)مطلب ابن ابی وداعہ: آپ کے والد ابووداعہ کا نام حارث ہے سہمی قرشی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے پھر کوفہ میں بعد میں مدینہ منورہ میں رہے آپ کے والد بدر کے دن قید کرلیے گئے تھے تو آپ ان کا فدیہ یعنی چار ہزار درہم لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے،آپ سے متعدد صحابہ و تابعین نے روایات لیں۔
(۵۰)مطلب ابن ربیعہ: ابن حارث ابن عبدالمطلب ابن ہاشم آپ قرشی ہاشمی ہیں،حضور انور کے زمانہ میں بچے تھے فتح افریقہ کے لیے مصر گئے ۲۹ میں۔
(۵۱)محمد ابن ابی بکر صدیق: آپ کی کنیت ابو القاسم ہے حجۃ الوداع میں ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے یعنی آٹھ میں آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں، ۳۸ اڑتیس میں امیر معاویہ کے ساتھیوں نے آپ کو قتل کیا اور گدھے کی کھال میں بھرکر نعش جلادی آپ کے بیٹے قاسم نے آپ سے روایات لیں۔
(۵۲)محمد ابن حاطب: آپ قرشی جمحی ہیں، آپ خود اور آپ کے ماں باپ آپ کے بھائی حارث اور چچا خطاب سب ہی صحابی ہیں، حبشہ میں پیدا ہوئے،۷۴ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی سب سے پہلے آپ ہی کا نام محمد رکھا گیا۔
(۵۳)محمد ابن عبداللہ ابن جحش: آپ قرشی اسدی ہیں،ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے،اپنے والد کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ معظمہ آئے پھر وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔
(۵۴)محمد ابن عمرو ابن حزم: آپ انصاری ہیں، آپ کے والد حضور انور کی طرف سے نجران کے حاکم تھے،آپ وہاں ہی ۱۰ میں پیدا ہوئے،حضور نے آپ کے والد کو حکم دیا کہ اس بچے کی کنیت ابو عبدالملک رکھو آپ بڑے فقیہ تھے،ترپن سال عمر ہوئی ۶۳ ترسیٹھ میں حرہ کے دن قتل کیے گئے۔

(۵۵)محمد ابن ابی عمیرہ: آپ مزنی ہیں، آپ کا شمار اہلِ شام میں ہے۔

(۵۶)محمد ابن مسلمہ: آپ انصاری حارثی ہیں سواء تبوک کے تمام غزوات میں شامل ہوئے،حضرت عمروغیرہ سے آپ نے روایات لیں،فضلاء صحابہ سے ہیں،۷۷ سال عمر ہوئی اور ۴۳ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۵۷)محمود ابن لبید: آپ انصاری اشہلی ہیں، حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے،امام بخاری فرماتے ہیں کہ آپ صحابی ہیں مگر امام مسلم نے آپ کو تابعین میں شمار کیا،۹۶ چھیانوے میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۵۸)معمر ابن عبداللہ: آپ قرشی عدوی ہیں، پرانے مؤمنین سے ہیں اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۵۹)مغیث: آپ جناب بریدہ کے خاوند ہیں خود آل ابی احمد کے آزاد کردہ ہیں اور آپ کی زوجہ جناب عائشہ صدیقہ کی آزاد کردہ۔

(۶۰)منذر ابن ابی اسید: آپ ساعدی ہیں، آپ جب پیدا ہوئے تو حضور انور کی خدمت میں لائے گئے حضور نے آپ کو اپنی ران شریف پر لٹایا اور آپ کا نام منذر رکھا۔

(۶۱)ابو موسیٰ اشعری: آپ کا نام عبداللہ ابن قیس ہے مکہ معظّمہ میں ایمان لائے پھر حبشہ ہجرت کر گئے پھر کشتی والوں کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے راہ میں خیبر میں حضور سے ملاقات ہوگئی،حضرت عمر فاروق نے آپ کو ۲۰ بیس میں بصرہ کا حاکم بنایا آپ نے اہواز کاعلاقہ فتح کیا شروع خلافت عثمانیہ تک آپ بصرہ کے حاکم رہے،پھر حضرت عثمان نے آپ کو معزول کرکے کوفہ کا حاکم بنادیا،آپ حضرت عثمان کی شہادت تک کوفہ کے حاکم رہے،حضرت علی نے آپ کو امیر معاویہ کے مقابلہ میں اپنا پنچ مقرر کیا تھا،اس کے بعد آپ مکہ معظّمہ چلے گئے وہاں ہی ۵۲ باون میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۶۲)ابو مرثد غنوی: آپ کا نام کناز ابن حصین ہے،غنوی ہیں، اپنی کنیت میں مشہور ہیں، آپ اور آپ کے بیٹے مرثد غزوہ بدر میں شریک ہوئے، ۱۲ھ میں وفات پائی۔

(۶۳)ابو مسعود: آپ کا نام عقبہ ابن عمرو ہے،انصاری بدری ہیں، دوسری بیعت عقبہ میں شریک ہوئے،اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ بدر میں شریک نہیں ہوئے،آپ ایک بار بدر کے کنویں پر اترے تھے اس لیے آپ کو بدری کہا جاتا ہے،آخر میں کوفہ میں رہے خلافت علی میں یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۶۴)ابو مالک اشعری: آپ کا نام کعب ابن عاصم ہے اشعری ہیں،خلافت فاروقی میں وفات پائی۔

(۶۵)ابو محذورہ: آپ کا نام سمرہ ابن معیرہ ہے یا اوس ابن مغیرہ حضور انور کی طرف مکہ معظّمہ میں مؤذن تھے ۵۹ھ میں وفات پائی آپ نے مکہ معظّمہ سے ہجرت نہیں کی وہاں ہی رہے۔

(۶۶)ابن مربع: آپ کا نام زید یا یزید ابن مربع ہے،انصاری ہیں اہل حجاز میں آپ کا شمار ہے۔

م۔۔۔تابعین عظام

(۱)محمد ابن حنفیّہ: آپ محمد ابن علی ابن ابی طالب ہیں،کنیت ابوالقاسم ہے آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر حنفیّہ ہیں،یمامہ کے غزوہ میں وہ قید ہوکر مدینہ منورہ لائی گئیں حضرت علی کو دی گئیں،اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ میں نے خولہ

کو دیکھا سندی سیاہ فام تھیں آپ سے آپ کے بیٹے ابراہیم نے روایات لیں آپ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی ۸۱ اکیاسی میں مدینہ میں وفات پائی۔

(۲) محمد ابن علی بن حسین ابن علی ابن ابی طالب: آپ کی کنیت ابوجعفر ہے لقب امام باقر ہے اپنے والد امام زین العابدین اور حضرت جابر سے روایت لیتے ہیں، آپ سے آپ کے بیٹے امام جعفر صادق نے روایت لیں،آپ کی ولادت ۵۶ چھپن میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور وفات ۱۱۸ھ ایک سو اٹھارہ میں مدینہ پاک میں ہوئی تریسٹھ سال عمر پائی بقیع میں دفن ہوئے چونکہ آپ وسیع العلم تھے لہذا آپ کو باقر کہا گیا۔

(۳) محمد ابن یحیٰی ابن حبان: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں، آپ مالک ابن انس کے مشائخ سے ہیں امام مالک آپ کا بڑا احترام کرتے تھے انکی عبادت زہد تقویٰ فقہ،علم کا اکثر تذکرہ کرتے تھے،آپ کی عمر ۷۴ چوہتّر سال ہوئی ۱۲۱ ایک سو اکیس میں مدینہ منورہ میں وفات پائی آپ سے ایک جماعت نے روایات لیں۔

(۴) محمد ابن سیرین: آپ کی کنیت ابوبکر ہے آپ انس ابن مالک کے آزاد کردہ ہیں، انس ابن مالک،ابن عمر اور ابوہریرہ سے روایات لیتے ہیں، آپ بڑے عابد عالم فقیہ زاہد محدث تھے مشہور جلیل القدر تابعی ہیں مختلف علوم میں مشہور ہیں۔ مورق عجلی کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے زیادہ کوئی فقیہ عابد نہ دیکھا۔خلف ابن ہشام کہتے ہیں کہ رب نے ابن سیرین کو خشوع و خضوع خوش خلقی عطا فرمائی تھی لوگ جب انہیں دیکھتے تھے خدا یاد آتا تھا،اشعث کہتے ہیں کہ محمد ابن سیرین سے جب کوئی شرعی مسئلہ پوچھا جاتا تو ان کا چہرہ فق ہوجاتا تھا،مہدی کہتے ہیں کہ ہم ابن سیرین کے پاس بیٹھتے تھے مختلف تذکرے کرتے تھے مگر جب موت کا ذکر آتا تو آپ کا چہرہ فق ہوجاتا اور ہم سے اجنبی ہوجاتے گویا پہلا والا حال تھا ہی نہیں آپ کی عمر ۷۷ ستتر سال ہوئی ۱۱۰ ایک سو دس میں وفات ہوئی۔مترجم نے قبر انور کی زیارت کی ہے بصرہ کے قریب ہی ہے خواجہ حسن بصری اور محمد ابن سیرین ایک ہی حجرہ میں آرام فرماہیں،آپ تعبیر خواب کے امام مانے جاتے ہیں، آپ کا تعبیر نامہ مشہور ہے۔

(۵) محمد ابن سوقہ: آپ کی کنیت ابوبکر ہے غنویٰ کوفی ہیں، آپ گناہ سے بہت بچتے تھے ایک لاکھ درہم اپنے بھائیوں میں خرچ کیے۔

(۶) محمد ابن عمرو: ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب حضرت جابر سے روایات لیتے ہیں۔

(۷) محمد ابن سلیمان: آپ الباغندی ہیں،کنیت ابوبکر ہے،واسطی ہیں،بغداد میں رہے ۲۸۳ دو سو تراسی میں وفات پائی۔

(۸) محمد ابن ابی بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم: آپ انصاری ہیں، مدنی ہیں، اپنے والد کے بعد آپ مدینہ منورہ کے حاکم رہے اپنے بھائی عبداللہ سے بڑے تھے،آپ کے والد ۱۲۰ میں فوت ہوئے،آپ کی عمر ۷۲ بہتر سال ہوئی اور ۱۳۲ ایک سو بتیس میں وفات پائی۔

(۹) محمد ابن منکدر: آپ تیمی ہیں،حضرت جابر،انس ابن زبیر وغیرہم سے روایات لیتے ہیں آپ سے سفیان ثوری امام مالک نے روایات لیں،ستر سال سے زیادہ عمر ہوئی اور ۱۳۰ ایک سوتیس میں وفات پائی زہد عبادت دینداری،صدق و امانت فقہ میں مشہور تھے۔

(۱۰) محمد ابن منتشر: آپ ہمدانی ہیں، مسروق کے بھتیجے ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ ابن عمر سے روایات لیتے ہیں۔

(۱۱)محمد ابن صباح: آپ کی کنیت ابو جعفر ہے،بزار دولابی ہیں کتاب السنن کے مصنف ہیں،بخاری مسلم احمد وغیرہم نے آپ سے روایات نقل کیں،آپ ثقہ حافظ تھے ۲۲۷ دوسوستائیس میں وفات ہوئی۔
(۱۲)محمد ابن خالد: آپ سلمی ہیں، آپ کے والد تابعی ہیں دادا صحابی ہیں ان سے روایات لیتے ہیں۔
(۱۳)محمد ابن زید ابن عبداللہ ابن عمر فاروق: اپنے دادا اور حضرت ابن عباس سے روایات لیتے ہیں ثقہ ہیں۔
(۱۴)محمد ابن کعب: آپ قرظی مدنی ہیں، ایک جماعت صحابہ سے روایات لیتے ہیں ۱۰۸ ایک سو آٹھ میں وفات پائی۔
(۱۵)محمد ابن ابی مجالد: آپ کوفی تابعی ہیں، آپ سے ابواسحاق نے روایت کی۔
(۱۶)محمد ابن قیس ابن مخرمہ:آپ قرشی حجازی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ اور ابوہریرہ سے روایات لیتے ہیں۔
(۱۷)محمد ابن ابراہیم: آپ قرشی تمیمی ہیں حضرت علقمہ وغیرہ سے ملاقات ہے۔
(۱۸)محمد ابن ابی بکر عوف: آپ ثقفی ہیں حجازی ہیں حضرت انس سے راوی۔
(۱۹)محمد ابن مسلم: آپ کی کنیت ابوالزبیر ہے آپ کا ذکر زا کی تختی میں ہوچکا۔
(۲۰)محمد ابن قاسم: آپ کی کنیت ابو خلاد ہے نابینا تھے ابو العباس نام سے مشہور ہے اصل آپ کی یمامہ ہے ولادت ایک سو اکیانوے میں اہواز میں ہوئی پرورش بصرہ میں ہوئی اپنے زمانہ میں قوت حافظہ فصاحت و بلاغت فی البدیہی جواب دینے میں مشہور تھے،۲۸۳ دو سو تراسی میں وفات پائی۔
(۲۱)محمد ابن فضل ابن عطیہ:اپنے والد اور زیاد ابن علاقہ سے روایات لیتے ہیں،۱۸۰ ایک سو اسی میں آپ کی وفات ہوئی۔
(۲۲)محمد ابن اسحاق: آپ مدنی ہیں، قیس ابن مخرمہ کے آزاد کردہ ہیں، تابعی ہیں، انس ابن مالک اور سعید ابن مسیب سے روایات لیں آپ سے اکابر علماء نے احادیث لیں جیسے یحیٰی ابن سعید سفیان ثوری امام نخعی ابن عیینہ وغیرہم آپ سیر غزوات،اخبار،قصص انبیاء علم حدیث قرآن فقہ کے بڑے ہی عالم تھے،بغداد میں رہے وہاں ہی خدمت حدیث کی وہاں ہی ۱۰۵ ایک سو پانچ میں وفات ہوئی وہاں ہی کے مقبرہ خیزران جانب شرقی میں دفن ہوئے۔
(۲۳)مسدد ابن مسرہد: آپ بصری ہیں حماد ابن زید اور ابو عوانہ سے روایات لیتے ہیں، ۲۲۸ دو سو اٹھائیس میں وفات پائی۔
(۲۴)مجاہد ابن جبر: آپ کی کنیت ابو حجاج ہے عبداللہ ابن سائب مخزومی کے آزاد کردہ ہیں، مکہ معظّمہ کے عظیم الشان تابعی وہاں کے فقیہ بڑے قاری قرأت کے امام مفسرین کے پیشوا ہیں، ۱۰۰ ایک سو میں وفات ہوئی آپ مشہور تابعی ہیں۔
(۲۵)مہاجر ابن مسمار: آپ زہری خاندان کے آزاد کردہ ہیں، عامر ابن ابی وقاص سے روایات لیتے ہیں، ثقہ ہیں، آپ سے ابوذیب نے احادیث لیں۔
(۲۶)مکحول ابن عبداللہ: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے شامی ہیں، غزول کابل میں گرفتار ہو کر آئے قبیلہ بنی قیس یا بنی لیث کے آزاد کردہ ہیں، امام اوزاعی کے استاذ ہیں۔امام زہری فرماتے ہیں کہ علماء کاملین چار ہیں: مدینہ منورہ میں ابن مسیب،کوفہ میں شعبی،بصرہ میں خواہ حسن بصری،شام میں مکحول،مکحول کے زمانہ میں ان جیسا مفتی کوئی نہ تھا آپ فتویٰ

دیتے وقت پہلے لاحول الخ پڑھتے تھے پھر فتوے دیتے پھر کہتے کہ یہ میری شرعی رائے ہے رائے غلط بھی ہوسکتی ہےاور صحیح بھی بہت صحابہ سے ملاقات ہے ۱۱۸ ایک سو اٹھارہ میں وفات پائی ایک خلق خدا نے آپ سے فیض لیا۔

(۲۷)مسروق ابن اجدع: آپ ہمدانی کوفی ہیں، حضور انور کی وفات سے پہلے ایمان لائے خلفاء راشدین سے ملاقات کی اپنے وقت کے بڑے فقیہ عالم تھے مرہ ابن شرحبیل کہتے ہیں کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق جیسا نہ جنا۔امام شعبی کہتے ہیں کہ اگرکوئی گھرانہ جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو وہ یہ لوگ ہیں اسود،علقمہ،مسروق،محمد،ابن منتشر کہتے ہیں کہ خالد ابن عبداللہ بصرہ کے حاکم تھے،ایک بار انہوں نے مسروق کو تیس ہزار روپیہ ہدیہ کیے اس وقت مسروق بہت حاجت مند تھے مگر آپ نے قبول نہ کیے بچپن میں چورالیے گئے تھے اسی لیے آپ کو مسروق کہا جاتا ہے آپ کی وفات کوفہ میں ۶۲ باسٹھ میں ہوئی۔

(۲۸)مرثد ابن عبداللہ: آپ کی کنیت ابوالخیر ہے یزنی مصری ہیں جماعت صحابہ سے ملاقات ہے۔

(۲۹)مالک ا بن مرثد: آپ اپنے والد مرثد سے روایات لیتے ہیں آپ سے سماک ابن ولید وغیرہ روایات لیتے ہیں۔

(۳۰)مسلم ابن ابی بکرہ: آپ ثقفی تابعی ہیں اپنے والد سے احادیث لیتے ہیں۔

(۳۱)مسلم ابن یسار: آپ جہنی ہیں، ترمذی نے آپ سے بروایت عمر حدیث نقل کی بخاری فرماتے ہیں کہ آپ نعیم سے وہ حضرت عمر سے راوی ہیں۔

(۳۲)مصعب ابن سعد ابن ابی وقاص:آپ قرشی ہیں، اپنے والد اور حضرت علی سے روایات لیتے ہیں۔

(۳۳)معن ابن عبدالرحمٰن ابن عبداللہ ابن مسعود: آپ ہزلی ہیں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

(۳۴)معدان ابن طلحہ: آپ یعمری ہیں،حضرت عمر ابوالدرداء اور ثوبان سے روایات لیتے ہیں۔

(۳۵)معمر ابن راشد: آپ کی کنیت ابو عروہ ہے،بنی ازد کے آزاد کردہ ہیں یمن کے عالم ہیں، عبدالرزاق نے آپ سے دس ہزار احادیث لیں اٹھاون سال عمر ہوئی،۱۵۳ ایک سو ترپن میں وفات پائی۔

(۳۶)مہلب ابن ابی صفرہ: آپ ازدی ہیں، آپ کے درجات مشہور ہیں اور خوارج سے آپ کی جنگیں مشہور ہیں،آپ کی وفات عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں ۸۳ تراسی میں خراسان کے علاقہ مرو میں ہوئی بصرہ کے تابعی ہیں۔

(۳۷)مورق ابن مشمرج: آپ کی کنیت ابو المعتمر ہے عجلی بصری ہیں، حضرت ابو ذر،انس،ابن عمروغیرہم صحابہ سے روایات لیتے ہیں۔

(۳۸)موسیٰ ابن طلحہ: آپ کی کنیت ابوعیسٰی ہے،تیمی قرشی ہیں،۱۰۴ ایک سو چار میں وفات پائی۔

(۳۹)موسیٰ ابن عبداللہ: آپ جہنی کوفی ہیں مجاہد اور مصعب وغیرہما روایات لیتے ہیں۔

(۴۰)موسیٰ ابن عبیدہ: آپ زیدی ہیں محدثین نے آپ کو ضعیف کہا ہے ۱۵۳ ایک سو ترپن میں وفات پائی۔

(۴۱)مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر: آپ عامری بصری ہیں،حضرت عثمان ابن ابی العاص اور ابوذر سے روایات لیتے ہیں، ۸۷ ستاسی کے بعد وفات پائی۔

(۴۲)معاذ ابن زہرہ: آپ سلمی کوفی تابعی ہیں۔

(۴۳)معاذ ابن عبداللہ ابن حبیب: آپ جہنی مدنی ہیں اپنے والد سے روایات لیتے ہیں۔

(۴۴)مخلد ابن خفاف: آپ حضرت عروہ سے روایات لیتے ہیں۔
(۴۵)مختار ابن فلفل: آپ مخزومی کوفی ہیں حضرت انس سے ملاقات ہے۔
(۴۶)مختار ابن ابی عبید ابن مسعود: یہ ثقفی ہے اس کے والد صحابی ہیں، مختار ہجرت کے سال پیدا ہوا مگر حضور انور کی زیارت نہ کرسکا عبداللہ ابن عصمہ فرماتے ہیں کہ مختار وہ ہی جھوٹا ہے جس کے متعلق حضور انور نے فرمایا تھا کہ ثقیف میں ایک جھوٹا ہوگا یہ شخص پہلے علم فضل اور عمل میں مشہور تھا دل کا چور تھا جب یہ حضرت عبداللہ ابن زبیر سے الگ ہوا اور سلطنت کا خواہاں ہواتو اپنے بغض وبدعقیدگی ظاہر کرنے لگا اس سے بہت سی حرکات خلاف دین ظاہر ہوئیں، حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد اس نے یزیدیوں سے بدلہ لینے کا اعلان کیا تاکہ اس ذریعہ سے سلطنت حاصل کرے اسی حال پر رہا حتی کہ مصعب ابن زبیر کے زمانہ میں ٦٧ سرسٹھ میں قتل کیا گیا۔ مترجم کہتا ہے کہ اس کی قبر کوفہ میں ہے شیعہ اس کی زیارت کرتے ہیں، فقیر نے دیکھی ہے عبداللہ ابن زیاد کو اسی نے قتل کرایا پھر وحی کا دعویدار ہوگیا۔
(۴۷)مغیرہ ابن زیاد: آپ بجلی موصلی ہیں، عکرمہ مکحول وغیرھما سے روایات لیتے ہیں، احمد ابن حنبل کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہیں صحابی نہیں۔
(۴۸)مغیرہ ابن مقسم: آپ کوفی فقیہ ہیں، نابینا تھے آپ فرماتے تھے کہ میرے کان میں جو پڑجاتا ہے وہ میرے حافظہ سے نہیں نکلتا ۱۳۳ ایک سو تینتیس میں وفات ہے۔
(۴۹)مثنی ابن صباح: آپ یمنی پھر مکی ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث میں نرم ہیں، ۱۴۹ ایک سو انچاس میں فوت ہوئے۔
(۵۰)معاویہ ابن قرہ: آپ کی کنیت ابوایاس ہے بصری ہیں، اپنے والد اور حضرت انس اور عبداللہ ابن معقل سے روایات لیتے ہیں۔
(۵۱)معاویہ ابن مسلم: آپ کی کنیت ابو نوفل ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایات لیتے ہیں۔
(۵۲)میناء: آپ عبدالرحمٰن ابن عوف کے آزاد کردہ ہیں خود ان سے اور حضرت عثمان و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایات لیتے ہیں۔
(۵۳)ابوالملیح: آپ کا نام عامر ابن اسامہ ہے ہذلی بصری ہیں جماعت صحابہ سے روایات لیتے ہیں۔
(۵۴)ابو مودود: آپ کا نام عبدالعزیز ابن سلیمان ہے مدنی ہیں، ابوسعید خدری سے ملاقات ہے ثقہ ہیں، مہدی کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔
(۵۵)ابوماجد: حنفی ہیں، حضرت ابن مسعود سے ملاقات ہے، امام ترمذی کہتے ہیں کہ ابوماجد ضعیف ہیں امام بخاری کی نظر میں۔
(۵۶)ابومسلم: آپ کا نام عبداللہ بن نوب ہے خولان حضرت ابوبکر و عمر سے ملاقات ہے ٦٣ھ تریسٹھ میں وفات پائی آپ کے بڑے فضائل ہیں۔
(۵۷)ابومطوس: اپنے والد سے ورایت کرتے ہیں اور آپ سے حضرت خبیب ابن ابی ثابت روایت کرتے ہیں۔
(۵۸)ابن مدینی: آپ کا نام علی ابن عبداللہ ہے، آپ کا ذکر ع کی تختی میں ہوچکا۔

(۵۹) ابن مثنی: آپ عمر ابن عبداللہ ابن مثنی ابن انس ابن مالک ہیں، انصاری بصری ہیں، امام احمد ابن حنبل، امام بخاری وغیر ہم کے استاذ ہیں، بڑے امام تھے، ہارون رشید کے زمانہ میں بصرہ کے حاکم رہے پھر بغداد کے حاکم رہے پھر بصرہ واپس آگئے، ۱۱۸ھ ایک سو اٹھارہ میں پیدا ہوئے اور دو سو پندرہ میں وفات پائی۔

(۶۰) ابن ابی ملیکہ: آپ کا نام عبداللہ ابن ابی عبداللہ، آپ کا ذکر ع کی تختی میں ہو چکا۔

(۶۱) محاربی: آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن محمد ہے اعمش اور یحیٰی وغیر ہم سے روایات لیتے ہیں آپ حافظ تھے، ۱۹۵ھ ایک سو پچانوے میں وفات ہوئی۔

م۔۔۔ صحابیات

(۱) میمونہ: آپ میمونہ بنت حارث ہیں بلالیہ عامریہ ہیں بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام برہ تھا، حضور انور نے میمونہ نام رکھا، آپ پہلے مسعود ابن ثقفی کے نکاح میں تھیں اس نے آپ کو طلاق دے دی پھر آپ سے ابو رہم نے نکاح کیا ان کی وفات کے بعد حضور انور کے نکاح سے مشرف ہوئیں حضور نے آپ سے نکاح ذیقعدہ ۷ھ سات میں عمرہ قضاء کے موقع پر مقام سرف میں کیا جو مکہ معظّمہ سے دس میل ہے وہاں ہی آپ کی وفات ۶۱ھ اکسٹھ یا ۵۱ھ میں واقع ہوئی، وہاں ہی آپ دفن ہوئیں بلکہ عین نکاح کی جگہ ہی آپ کی قبر شریف ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس نے آپ کا جنازہ پڑھایا، آپ ام الفضل زوجہ عباس کی بہن ہیں، اسماء بنت عمیس کی بھی بہن ہیں، حضور انور کی آخری زوجہ آپ ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس کی خالہ ہیں رضی اللہ عنھا آپ سے حضرت ابن عباس اور جماعت صحابہ نے روایات لیں۔

(۲) ام منذر: آپ بنت قیس ہیں، انصاریہ یا عدویہ ہیں، حضور انور کی صحابیہ ہیں۔

(۳) ام معبد بنت خالد: آپ کا نام عاتکہ ہے خزاعیہ ہیں، آپ مدینہ منورہ کے راستہ میں جھونپڑے میں رہتی تھیں حضور انور ہجرت کے دوران آپ کے جھونپڑے میں تشریف لے گئے وہ وہاں ہی یا بعد میں مدینہ منورہ میں آکر ایمان لائیں آپ کا یہ واقعہ مشہور ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ حضور انور نے آپ کے ہاں خشک بکری سے جو کہ ابھی بکرے تک نہ پہنچی تھی دودھ نکالا خود پیا صدیق اکبر کو پلایا ان کے سارے برتن دودھ سے بھر دیئے دوپہری میں آرام فرمایا دوپہر ڈھلے روانہ ہوگے بعد میں خاوند آیا اپنا جھونپڑہ نور سے معمور اور دودھ سے بھرپور دیکھ کر تعجب سے پوچھا کہ یہ کیا آپ بولیں۔

تھوری دیر ہوئی اک آیا کالیاں زلفاں والا ۔۔۔ دو گھڑیاں اس گھر وچہ بیٹھا کر گیا نور اوجالا

(۴) ام معبد بنت کعب ابن مالک: آپ انصاریہ ہیں، دونوں قبلوں کی طرف آپ نے نماز پڑھی ہے آپ کے بیٹے معبد نے آپ سے روایات لیں، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ ام معبد کعب ابن مالک انصاری کی زوجہ ہیں اور کعب ابن مالک کی زوجہ دوسری ام معبد ہیں، تاریخ بخاری میں ایک باب میں ہے کہ معبد کعب ابن مالک انصاری کے بیٹے ہیں وہ اس کی تائید کرتی ہے۔

(۵) ام مالک: آپ بہزیہ ہیں صحابیہ ہیں۔

م۔۔۔ تابعی بیویاں

(۱) معاذہ بنت عبداللہ: آپ عدویہ ہیں حضرت علی وعائشہ سے روایات لیتی ہیں، ۸۳ھ تراسی میں وفات ہے۔

(۲) مغیرہ: آپ حجاج ابن حسان کی بہن ہیں انس ابن مالک سے روایات لیتی ہیں۔

ن۔۔۔ صحابہ کرام

(۱) نعمان ابن بشیر: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری ہیں، آپ پہلے وہ ہیں جو انصار میں بعد اسلام پیدا ہوئے، حضور کی ہجرت کے بعد جب آپ آٹھ سال سات مہینہ کے تھے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی آپ خود اور آپ کے والدین صحابی ہیں کوفہ میں رہے امیر معاویہ کے زمانہ میں کوفہ کے حاکم رہے، پھر حمص کے پھر آپ نے لوگوں کو عبداللہ ابن زبیر کے بیعت پر رغبت دی اس پر آپ کو ۶۴ھ چونسٹھ میں قتل کردیا گیا۔

(۲) نعمان ابن عمرو ابن مقرّن: آپ مزنی ہیں آپ مزنیہ کے چار سو آدمیوں کے ساتھ حضور انور کے خدمت میں حاضر ہوئے تھے اولًا بصرہ میں پھر کوفہ میں رہے خلافت فاروقی میں نہاوند کے لشکر کے حاکم تھے، ۲۱ھ اکیس میں اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔

(۳) نعیم ابن مسعود: آپ اشجعی ہیں، غزوہ خندق میں حضور انور کی خدمت میں مہاجر ہو کر آئے آپ ہی جنگ احزاب میں ابو سفیان اور بنی قریظہ کے درمیان رابطہ پیدا کئے ہوئے تھے، جنگ احزاب میں ابو سفیان کفار کے سردار تھے یہ ان کے خاص مددگار ایلچی، آپ کا واقعہ مشہور ہے آپ کی وفات خلافت عثمانیہ میں ہوئی بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ جنگ جمل میں قتل کئے گئے۔

(۴) نعیم ابن ہمّار: آپ غطفانی ہیں آپ سے ابو ادریس روایت کرتے ہیں۔

(۵) نعیم ابن عبداللہ: آپ قرشی عدوی ہیں، نحام کے نام سے مشہور ہیں، بعض نے فرمایا کہ آپ نعیم ابن نحام ابن عبداللہ ہیں، مکہ مکرمہ میں اول ہی سے اسلام لائے، بعض نے فرمایا کہ حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے مگر اپنا ایمان چھپائے رہے، چونکہ اپنی قوم کے سردار تھے اس لئے آپ کی قوم نے آپ کو ہجرت نہ کرنے دی بنی عدی کے یتیموں اور بیوگاں پر بہت خرچ کرتے تھے لوگ بولے کہ آپ کسی دین میں رہیں ہمارے پاس ہی رہیں آخر کار حدیبیہ کے سال ہجرت کر کے حضور کے پاس پہنچے، خلافت صدیقی کے آخر میں غزوہ اجیاد میں شہید ہوئے۔

(۶) ناجیہ ابن جندب: آپ اسلمی ہیں، حضور انور کے بدنوں کے محافظ رہے بعض نے فرمایا کہ آپ ناجیہ ابن عمرو ہیں، اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے، آپ کا نام ذکوان تھا حضور انور نے ناجیہ رکھا کہ آپ نے قریش سے نجات پائی، امیر معایہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

نبیشۃ الخیر: آپ ہذلی ہیں، اہل بصرہ میں آپ کا شمار ہے، وہاں ہی آپ کی احادیث مشہور ہیں۔

(۷) نوفل ابن معایہ: آپ دیلمی ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپ نے زمانہ جاہلیت میں ساٹھ سال گزارے اور زمانہ اسلام میں بھی ساٹھ سال گزارے بعض نے فرمایا کہ آپ کی عمر ایک سو سال ہوئی آپ فتح مکہ میں شریک ہوئے، اہل حجاز میں آپ کا شمار ہے، یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۸) نواس ابن سمعان: آپ کلابی ہیں، شام میں رہے ایک جماعت نے آپ سے روایات لیں۔

(۹) نفیع ابن حارث ثقفی: آپ کی کنیت ابو بکرہ ہے، آپ کا ذکر ب کی تختی میں ہو چکا۔

(۱۰) نافع ابن عتبہ ابن ابی وقاص: آپ زہری ہیں، حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھائی، فتح مکہ کے دن ایمان لائے آخیر میں کوفہ میں رہے۔

(۱۱) ابو نجیح: آپ کا نام عمرو ابن عتبہ ہے، آپ کا ذکر عین کی تختی میں ہو چکا۔

ن۔۔۔تابعین عظام

(۱) نافع ابن سرجس: آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ ہیں، دیلمی ہیں، عظیم الشان تابعی ہیں، حضرت ابن عمر اور ابو سعید خدری سے روایات لیتے ہیں اور آپ سے زہری امام مالک وغیرہ مشہور محدثین ثقہ علماء نے روایات لیں، حضرت ابن عمر کی اکثر روایات آپ سے مروی ہیں، امام مالک فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت ابن عمر کی احادیث حضرت نافع سے سن لیتا ہوں تو مجھے کسی اور سے سننے کی پرواہ نہیں ہوتی، ایک سو سترہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۲) نافع ابن جبیر ابن مطعم: آپ قرشی حجازی ہیں اپنے والد اور حضرت ابوہریرہ وغیرہم سے روایات لیتے ہیں آپ سے امام زہری نے روایات لیں۔

(۳) نافع ابن غالب: آپ کی کنیت ابو غالب ہے درزی تھے یا باہلی تھے بصرہ والوں میں آپ کا شمار ہے۔

نبیہ ابن وہب: آپ کعبی حجازی ہیں ابان ابن عثمان اور کعب وغیرہم سے روایات لیتے ہیں۔

(۴) نضر ابن شمیل: آپ کی کنیت ابو الحسن ہے مازنی ہیں، مقام مرو میں رہے وہاں ہی ۲۰۳ھ دوسو تین میں وفات پائی آپ لغت نحو اور علم ادب کے امام ہیں۔

(۵) ناصح ابن عبداللہ: آپ محلمی ہیں آپ کا ذکر شفقت ورحمت کے باب میں آتا ہے۔

(۶) نفیلی: آپ کا نام عبداللہ ابن محمد ابن علی ابن نفیل ہے حافظ ہیں، امام احمد آپ کا بہت احترام فرماتے تھے، ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے بڑھ کر حافظ نہ دیکھا آپ دین اسلام کے رکن تھے، ۲۳۴ دوسو چونتیس میں وفات ہوئی آپ کے فضائل بہت ہیں۔

(۷) نجاشی: آپ حبشہ کے بادشاہ تھے آپ کا نام اصحمہ ہے، حضور انور پر ایمان لائے فتح مکہ سے پہلے آپ کی وفات ہوئی حضور انور نے مدینہ میں جماعت صحابہ کو لے کر آپ کی نماز جنازہ پڑھی، ابن منذر نے آپ کو صحابی فرمایا مگر حق یہ ہے کہ تابعی ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ نجاشی نے مسلمان مہاجروں کو اپنے ملک میں امان دی، حضرت جعفر طیار سے قرآن مجید سن کر ایمان لائے حضرت ام حبیبہ کا نکاح حضور انور سے غائبانہ آپ نے کیا، عمرو ابن عاص کو آپ کے ذریعہ ایمان ملا یعنی آپ وہ تابعی ہیں جن سے ایک صحابی کو ایمان ملا، عرصہ تک آپ کی قبر سے نور نکلتا دیکھا گیا آپ کے متعلق یہ آیت اتری "وَ اِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ"، رضی اللہ عنہ۔

(۸) ابو نضر: آپ کا نام سالم ابن امیہ ہے، عمر ابن عبید ابن معمر قرشی کے آزاد کردہ ہیں مدنی ہیں، تابعین میں سے ہیں امام مالک، ثوری وغیرہم آپ سے روایات لیتے ہیں۔

(۹) ابو نضرہ منذر ابن مالک: آپ عبدی ہیں بہت صحابہ سے ملاقات ہے بصری ہیں، حسن بصری سے کچھ پہلے وفات پائی۔

(۱۰) ابن نواحہ: اس کا نام عبداللہ تھا یہ مسیلمہ کذاب کی طرف سے ابن اثال کے ساتھ حضور انور کی خدمت میں آیا تھا اس کا پیغام لے کر، حضور نے فرمایا تھا کہ اگر ایلچی کا قتل جائز ہوتا تو میں تم کو قتل کردیتا، مسیلمہ کے قتل کے بعد یہ مسلمانوں میں شامل ہوگیا، یہ اپنی قوم بنی حنیفہ کا امام تھا جب حضرت ابن مسعود کوفہ کے حاکم تھے تب یہ مسیلمہ کی جماعت کے ساتھ آکر ایمان تو قبول کرلیا مگر اس کا ایمان قبول نہیں کیا، چنانچہ قرظہ ابن کعب کو حکم دیا انہوں نے اسے قتل کیا یہ مسیلمہ کو نبی مانتا تھا، مسیلمہ سے جنگ خلافت صدیقی میں ہوئی۔

و ـــ صحابہ کرام

(۱) واثلہ ابن اسقع: آپ لیثی ہیں، جب حضور انور غزوہ تبوک کی تیاری فرمارہے تھے تب آپ ایمان لائے، مشہور یہ ہے کہ آپ نے تین سال حضور انور کی خدمت کی صفہ والوں سے تھے پہلے بصرہ میں رہے پھر شام میں آپ کا گھر دمشق سے تین کوس دور بلاء میں تھا پھر بیت المقدس چلے گئے وہاں ہی وفات پائی سو برس عمر ہوئی۔

(۲) وہب ابن عمیر: ابن وہب جمحی آپ بدر کے دن قید ہوئے، پھر آپ کے والد آپ کو چھڑانے کے لیے مدینہ منورہ آئے مگر حضور کو دیکھ کر ایمان لے آئے حضور انور نے آپ پر احسان فرماتے ہوئے آپ کو قید سے آزاد کردیا اس کرم کریمانہ پر آپ بھی مسلمان ہوگئے گویا نبی کی

صورت دیکھ کر عمیر ایمان لائے سیرت دیکھ کر وہب مؤمن ہوئے بارگاہ نبوی میں وہب کی بڑی عزت تھی حضور انور فتح مکہ کے زمانہ میں آپ کو دعوت اسلام دینے کے لیے صفوان ابن امیہ کے پاس بھیجا آپ کی وفات شام میں مجاہدانہ شان سے ہوئی۔

(۳) وابصہ ابن معبد: آپ کی کنیت ابو شداد ہے اوسی ہیں، کوفہ میں رہے پھر جزیرہ میں رہے مقام رقہ میں وفات ہوئی۔

(۴) وائل ابن حجر: آپ حضرمی ہیں، حضر موت کے سرداروں میں سے آپ بھی سردار تھے آپ کے والد یعنی حجر وہاں کے بادشاہ تھے وائل حضور کی خدمت میں وفد بن کر آئے حضور انور نے آپ کی آمد سے پہلے خبر دیدی کہ وائل ابن حجر دور دراز زمین حضر موت سے بخوشی و رغبت اللہ رسول کی طرف آرہے ہیں وہ بادشاہوں کی اولاد ہیں جب آپ حضور انور کے پاس پہنچے تو حضور انور نے مرحبا کہا اپنے پاس بلایا ان کے واسطے اپنی چادر شریف بچھادی اس پر انہیں بٹھایا اور دعا کی کہ وائل ان کی اولاد اولاد کی اولاد ان کی اولاد کی اولاد میں برکت دے اور حضر موت کے قبیلوں کا سردار بنایا آپ کے بیٹے عبدالجبار اور علقمہ وغیرہم آپ سے روایات لیتے ہیں۔

(۵) وحشی ابن حرب: حبشی ہیں، مکہ کے سوڈانی ہیں، جبیر ابن مطعم کے غلام آپ نے غزوہ احد میں حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اس زمانہ میں آپ کافر تھے پھر غزوہ طائف کے بعد ایمان لائے خلافت صدیقی میں غزوہ یمامہ میں آپ شریک ہوئے، مسیلمہ کذاب کو آپ نے ہی قتل کیا آپ کہا کرتے تھے میں نے اس نیزہ سے خیر الناس اور شر الناس دونوں کو قتل کیا ہے شام میں رہے حمص میں وفات پائی آپ سے آپ کے بیٹے اسحاق اور حرب نے روایات لیں۔ مترجم کہتا ہے کہ حضور انور نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہارا ایمان تو ہم نے قبول فرمالیا مگر آئندہ ہمارے سامنے نہ آنا تم کو دیکھ کر مجھے مظلوم شہید حمزہ یاد آتے ہیں، چنانچہ آپ گوشہ نشین ہوگئے اور حضور انور کی وفات کے بعد نکلے ایک آن کے صحابی ہیں۔

(۶) ولید ابن عقبہ: آپ کی کنیت ابو وہب ہے، قرشی ہیں، حضرت عثمانی غنی کے اخیافی بھائی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے اس وقت آپ قریب البلوغ تھے حضرت عثمان نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا بڑے شاعر اور نامور قرشی مقام رقہ میں وفات پائی۔

(۷) ولید ابن ولید: آپ قرشی مخزومی ہیں، حضرت خالد ابن ولید کے بھائی غزوہ بدر میں بحالت کفر قید کئے گئے آپ کے بھائی خالد اور ہشام نے آپ کو فدیہ دیکر آزاد کرایا فدیہ ادا ہو چکنے کے بعد آپ اسلام لائے کسی نے کہا کہ فدیہ سے پہلے تم مسلمان کیوں نہ ہوگئے فرمایا تاکہ تم یہ نہ کہو میں قید و بند کے ڈر سے مسلمان ہوا ہوں کفار مکہ نے آپ کو اسلام کی وجہ سے قید کر دیا حضور انور نے آپ جیسے مجبور مظلوم مسلمانوں کی خلاصی کی دعا کے لیے قنوت نازلہ پڑھی پھر آپ مکہ معظّمہ سے چھوٹ کر مدینہ منورہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے، عمرہ قضاء میں شریک ہوئے، آپ سے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ نے روایات لیں۔

(۸) ورقہ ابن نوفل ابن اسد: آپ قرشی ہیں، زمانہ جاہلیت میں عیسائی بن گئے تھے توریت کے بڑے تھے بہت بوڑھے اور نابینا تھے ام المؤمنین خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ مترجم کہتا ہے کہ حضور انور کی تصدیق سب سے پہلے آپ نے کی پہلی وحی حضور انور نے بی بی خدیجہ کو سنائی آپ حضور کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ (بخاری شریف)

(۹) ابو واقد: آپ کا نام حارث ابن عوف ہے لیثی ہیں، پرانے مؤمن ہیں، آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہے مگر مکہ معظّمہ میں رہے وہاں ہی وفات پائی پچھتّر سال عمر پائی، ۶۷ھ سرسٹھ میں وفات ہوئی، فج میں دفن ہوئے۔

و۔۔۔ تابعین عظام

(۱) وہب ابن منبہ: آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے صنعانی ہیں، اولاد فارس سے ہیں، حضرت جابر و ابن عباس سے ملاقات ہے ۱۱۴ھ ایک سو چودہ میں وفات ہے۔

(۲) وبرہ ابن عبدالرحمٰن: کنیت ابوخزیمہ ہے حارثی ہیں، حضرت ابن عمرو سعید ابن جبیر سے ملاقات ہے۔

(۳) وکیع ابن جراح: کوفی ہیں، قیس ابن غیلان کے قبیلہ سے ہیں، نیشاپور کے علاقہ کے ہیں، بغداد میں آئے وہاں خدمت حدیث کی وہاں کے مشائخ سے احادیث لیں جو ثقہ اور قابل اعتماد محدث تھے امام ابوحنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے ۹۹ھ میں پیدائش ہے ۱۷۹ھ ایک سوانا سی میں وفات، مکہ معظمہ سے لوٹتے ہوئے مقام قید میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے، امام ابوحنیفہ سے کچھ سنا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ آپ امام شافعی کے استاذ ہیں، بڑے درجہ والے ہیں۔

(۴) وحشی ابن حرب: اپنے والد حرب اور اپنے دادا سے روایات لیتے ہیں اہل شام میں آپ کا شمار ہے۔

(۵) ابووائل: آپ کا نام شقیق ابن سلمہ ہے اسدی کوفی ہیں، زمانہ جاہلیت واسلام دونوں پائے مگر حضور انور کی زیارت نہ کر سکے، فرماتے ہیں کہ میں حضور انور کی نبوت سے پہلے دس سال کا تھا جماعت صحابہ سے روایات لیتے ہیں ثقہ ہیں، حضرت ابن مسعود کے خاص ہیں، حجاج کے زمانہ میں وفات پائی، ثبت ہیں حجۃ ہیں۔

ہ۔۔۔صحابہ کرام

(۱) ہشام ابن حکیم: ابن حزام آپ قرشی اسدی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے فضلاء صحابہ سے ہیں، وعظ و نصیحت بہت فرماتے تھے بہت حضرات نے حتی کہ حضرت عمر نے آپ سے روایات لیں اپنے والد سے پہلے ۵۴ھ چون میں وفات پائی۔

(۲) ہشام ابن عاص: آپ حضرت عمروابن عاص کے بھائی ہیں، پرانے مؤمن ہیں، مکہ معظّمہ میں ایمان لائے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر جب انہیں پتہ لگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے آئے ہیں آپ بھی مدینہ منورہ آگئے بہترین صحابی ہیں، ۱۳ھ تیرہ غزوہ یرموک میں شہید ہوئے یعنی خلافت فاروقی میں۔

(۳) ہشام ابن عامر: آپ انصاری ہیں، بصرہ میں رہے آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہم نے روایات لیں۔

(۴) ہلال ابن امیہ: آپ واقفی انصاری ہیں، بصرہ میں رہے وہاں ہی وفات پائی غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہوسکے آپ پر بھی عتاب ہوا آپ نے ہی اپنی بیوی کو شریک ابن صحماء سے الزام لگایا۔

(۵) ہذال ابن ذباب: آپ کی کنیت ابونعیم ہے اسلمی ہیں، آپ سے آپ کے بیٹے نعیم وغیرہم نے روایات لیں۔

(۶) ابوہریرہ: آپ کے نام اور نسب میں بہت ہی اختلاف ہے، زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالشّمس یا عبد عمرو تھا اسلام میں آپ کام نام عبد اللہ یا عبدالرحمٰن ہوا۔ قوی یہ ہے کہ آپ دوسی ہیں، حاکم اور ابواحمد کہتے ہیں کہ آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن صخر ہے مگر نام گم ہو کر رہ گیا خیبر کی فتح کے سال ایمان لائے اور غزوہ خیبر میں شریک ہوئے، پھر حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے علم کا بہت شوق تھا ہر دم حضور کے ساتھ رہتے تھے اللہ نے آپ کو غضب کا حافظہ دیا تھا آپ نے ایک بار حضور انور کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں حضور کے فرمان بھول جاتا ہوں فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ آپ نے پھیلائی حضور انور نے کچھ پڑھ کر دم فرمایا آپ نے چادر سینے سے لگائی پھر حافظہ بہت ہی قوی ہو گیا، امام بخاری کہتے ہیں کہ آپ سے آٹھ سو حضرات سے زیادہ نے رویات لیں حتی کہ حضرت ابن عباس ابن عمر، جابر، انس نے بھی، آپ کی عمر اٹھتر سال ہوئی، ۵۷ھ ستاون یا اٹھاون میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

(۷) ابوالہیثم: آپ کا نام مالک ابن تیہان ہے، آپ کا ذکر میم کی تختی میں گزر گیا۔

(۸) ابوہاشم: آپ کا نام شیبہ ابن عتبہ ابن ربیعہ ہے قرشی ہیں، بعض نے کہا کہ آپ کا نام ہشام ہے امیر معاویہ ابن ابوسفیان کے ماموں ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے خلافت عثمانیہ میں وفات پائی فاضل صالح تھے۔

ہ۔۔۔تابعین عظام

(۱) ابو ہند: آپ یسار کے بیٹے ہیں، یسار حضور کے حجام تھے جنہوں نے حضور انور کی فصد لگائی، بنی بیاضہ کے آزاد کردہ تھے۔

(۲) ہشام ابن عروہ ابن زبیر: آپ کی کنیت ابوالمنذر ہے قرشی مدنی ہیں، مدینہ منورہ کے مشہور تابعی ہیں، بڑے محدث ہیں، بڑے علماء سے ہیں، حضرت ابن زبیر ابن عمرو وغیرہم سے روایات لیتے ہیں، بغداد میں خلیفہ منصور کے پاس تشریف لے گئے، ۶۱ھ اکسٹھ میں پیدا ہوئے، ۱۴۶ھ ایک سو چھیالیس میں وفات پائی رضی اللہ عنہم۔

(۳) ہشام ابن زید ابن انس ابن مالک: آپ انصاری ہیں، اپنے دادا انس سے روایات لیتے ہیں، بصرہ والوں میں آپ کا شمار ہے ایک جماعت نے آپ سے روایات لیں۔

(۴) ہشام ابن حسان: آپ قردوسیوں کے آزاد کردہ ہیں، آپ ہی فرماتے ہیں کہ گن لو جنہیں حجاج نے باندھ کر قتل کرایا ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے آپ کی وفات ۱۴۷ھ ایک سو سینتالیس میں ہے، قردوس قاف کے پیش سے ہے۔

(۵) ہشام ابن عمار: آپ کی کنیت ابوالولید ہے سلمی دمشقی مقری ہیں، حافظ تھے دمشق کے خطیب تھے بانوے سال عمر ہوئی ۲۴۵ھ دو سو پینتالیس میں وفات پائی بڑے محدثین نے آپ سے روایات لیں۔

(۶) ہشام ابن زیاد: آپ کی کنیت ابوالمقدام ہے محدثین نے آپ کو ضعیف کہا ہے۔

(۷) ہشیم ابن بشیر: آپ سلمی واسطی ہیں، بہت سے صحابہ سے سنا ہے، ۱۰۴ھ ایک سو چار میں پیدائش ہے اور ۱۸۳ھ ایک سو تراسی میں وفات۔

(۸) ہلال ابن علی ابن اسامہ: آپ اپنے دادا ہلال ابن ابی میمونہ کی طرف منسوب ہیں فہری ہیں، حضرت انس عطاء ابن یسار وغیرہم سے روایات لیتے ہیں۔

(۹) ہلال ابن عامر: آپ مزنی ہیں، اہل کوفہ میں آپ کا شمار ہے رافع مزنی سے ملاقات ہے۔

(۱۰) ہلال ابن یساف: آپ اشجع کے آزاد کردہ ہیں، حضرت علی کی زیارت کی ہے۔

(۱۱) ہلال ابن عبداللہ: آپ کی کنیت ابوہاشم ہے باہلی ہیں، امام بخاری نے فرمایا کہ منکر الحدیث ہیں۔

(۱۲) ہمام ابن حارث: آپ نخعی تابعی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ ابن مسعود وغیرہم سے روایات لیتے ہیں۔

(۱۳) ہود ابن عبداللہ ابن سعد: آپ مصری ہیں اپنے دادا مزیدہ سے روایات لیتے ہیں۔

(۱۴) ہبیرہ ابن مریم: حضرت علی وابن مسعود سے روایات لیتے ہیں قوی نہیں ہیں، ۶۶ چھیاسٹھ میں فوت ہوئے۔

(۱۵) ہذیل ابن شرحبیل: آپ ازدی کوفی ہیں عبداللہ ابن مسعود سے ملاقات ہے۔

ابوالہیّاج: آپ کا نام حبان ابن حصین ہے اسدی ہیں، عمار ابن یاسر کے کاتب تھے جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت علی و عمار سے ملاقات ہے۔

ہ۔۔۔صحابیات

(۱) ہند بنت عتبہ: آپ ابوسفیان کی زوجہ اور امیر معاویہ کی ماں ہیں، فتح مکہ کے دن ابوسفیان کے بعد ایمان لائیں ان دونوں کو حضور انور نے ان کے نکاح پر قائم رکھا بڑی فصیحہ عاقلہ تھیں جب حضور انور نے خطبہ عالیہ میں عورتوں سے فرمایا کہ شرک نہ کرو چوری نہ کرو تو آپ نے پوچھا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں مجھے خرچ پورا نہیں دیتے تو فرمایا کہ تم بقدر ضرورت ان کی جیب سے نکال سکتی ہو پھر فرمایا کہ زنا نہ کرو تو آپ بولیں کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کرسکتی ہے فرمایا اپنے بچوں کو قتل نہ کرو آپ بولیں کہ ہمارے لوگ تو بدر میں قتل ہوگئے آپ کی وفات

خلافت فاروقی میں ہوئی آپ اور صدیق اکبر کے والد ابو قحافہ نے ایک ہی دن وفات پائی حضرت عائشہ نے آپ سے روایات لیں۔ مترجم کہتا ہے کہ احد کے دن ہندہ نے حضرت امیر حمزہ کی کلیجی نکال کر چبائی ان کے اعضاء نہانی کا ہار گلے میں ڈالا مگر پھر غزوہ یرموک میں بڑی بہادری سے جہاد کیا اس غزوہ کی فتح کا سہرہ آپ کے سر رہا احد کے دن کا بدلہ کر دیا ان کا احترام چاہیئے۔

(۲) ام ہانی: آپ کا نام فاختہ بنت ابی طالب ہے حضرت علی کی بہن ہیں اسلام کے ظہور سے پہلے حضور انور نے آپ کو اپنے نکاح کا پیغام دیا اور ہبیرہ نے بھی پیغام دیا ابو طالب نے ہبیرہ سے آپ کا نکاح کر دیا پھر ظہور اسلام کے بعد آپ ایمان لے آئیں، ہبیرہ کافر رہا تو حضور انور نے نکاح ختم فرمادیا جیسا کہ اسلامی قانون ہے، پھر حضور انور نے اپنے نکاح کا پیغام دیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت فرمادی کہ میں بہت بچوں والی بی بی ہوں حضور کو تکلیف ہوگی آپ سے حضرت علی ابن عباس وغیرہم نے روایات لیں، مترجم کہتا ہے کہ آپ ہی کے گھر سے حضور انور کو معراج ہوئی۔

(۳) ام ہشام بنت حارثہ ابن نعمان: آپ صحابیہ ہیں آپ سے ایک جماعت نے روایات لیں۔

ی۔۔۔صحابہ کرام

(۱) یزید ابن اسود: آپ سوائی ہیں اہل طائف میں آپ کا شمار ہے۔

(۲) یزید ابن عامر: آپ سوائی حجازی ہیں، غزوہ حنین میں مشرکین کے ساتھ تھے پھر اس کے بعد ایمان لائے آپ سے سائب ابن یزید نے روایات لیں۔

(۳) یزید ابن شیبان: آپ ازدی ہیں صحابی ہیں، آپ سے کئی صحابہ نے روایات لیں۔

(۴) یزید ابن نعامہ: آپ صنبی ہیں، آپ حنین میں مشرکین کے ساتھ تھے بعد میں اسلام لائے، امام ترمذی نے کہا کہ آپ نے حضور انور سے کچھ سنا نہیں۔

(۵) یحیٰی ابن اسید ابن حضیر: آپ انصاری ہیں، حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے، فضل قراءت کے بیان میں آپ کا ذکر آتا ہے بحالت ہوش و سمجھ حضور انور کو دیکھا مگر آپ سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

(۶) یوسف ابن عبداللہ ابن سلام: آپ کی کنیت ابو یعقوب ہے اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، حضور انور کے زمانہ میں پیدا ہوئے حضور کی خدمت میں لائے گئے، حضور انور نے آپ کو اپنی گود میں لیا نام یوسف رکھا سر پر ہاتھ پھیرا۔

(۷) یعلیٰ ابن امیہ: آپ تمیمی حنظلی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے حنین طائف تبوک میں شریک ہوئے، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے اور قتل ہوئے۔

(۸) یعلیٰ ابن مرہ: آپ ثقفی ہیں، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک میں شریک ہوئے، آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

(۹) ابوالیسر: آپ کا نام کعب ابن عمر ہے آپ کا ذکر کاف کی تختی میں ہو چکا۔

ی۔۔۔تابعین کرام

(۱) یزید ابن ہارون: آپ ہارون اسلمی ہیں واسطی لوگوں کے آزاد کردہ بغداد میں آئے وہاں خدمت حدیث کی پھر واسط چلے گئے وہاں ہی وفات پائی، ۱۱۸ھ ایک سو اٹھارہ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۷ھ دو سو سترہ میں وفات پائی حافظ ثقہ زاہد تھے ابن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ کوئی حافظ نہیں دیکھا۔

(۲) یزید ابن زریع: آپ کی کنیت ابو معاویہ ہے حافظ ہیں، امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ آپ بصرہ میں تحقیق حدیث کے ملجاوماوی ہیں، اکیاسی سال عمر ہوئی اور شوال ۱۸۲ایک سو بیاسی میں وفات پائی۔

(۳) یزید ابن ہرمز: آپ ہمدانی مدنی ہیں، بنی لیث کے مولیٰ ہیں حضرت ابوہریرہ سے ملاقات ہے۔

(۴) یزید ابن ابی عبید: آپ سلمہ ابن اکوع کے آزاد کردہ ہیں کئی صحابہ سے ملاقات ہے۔

(۵) یزید ابن رومان: آپ کی کنیت ابو روح ہے اہل مدینہ میں آپ کا شمار ہے۔

(۶) یزید ابن اصم: آپ ام المؤمنین میمونہ کے بھانجے ہیں حضرت میمونہ وابوہریرہ سے ملاقات ہے۔

(۷) یزید ابن نعیم ابن ہزال: آپ اسلمی ہیں، اپنے والد اور حضرت جابر سے روایات لیتے ہیں۔

(۸) یزید ابن زیاد: آپ دمشقی ہیں زہری ہیں اور سلیمان ابن حبیب سے ملاقات ہے۔

(۹) یعلیٰ ابن ملک: تابعی ہیں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ سے روایات لیتے ہیں۔

(۱۰) یعیش ابن طغفہ ابن قیس: آپ غفاری ہیں آپ کے والد صفوان والوں سے تھے۔

(۱۱) یعقوب ابن عاصم ابن عروہ ابن مسعود: آپ ثقفی ہیں، حجازی ہیں، حضرت ابن عمر سے ملاقات ہے۔

(۱۲) یحییٰ ابن خلف: آپ باہلی ہیں، ۲۴۲ھ دوسو بیالیس میں وفات پائی۔

(۱۳) یحییٰ ابن سعید: آپ انصاری مدنی ہیں، بہت صحابہ سے ملاقات ہے بنی امیہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی تھے پھر سلطان منصور آپ کو عراق میں لایا وہاں مقام ہاشمیہ کا قاضی رکھا وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی ۱۴۳ھ ایک سو تینتالیس میں، علم حدیث وفقہ کے امام تھے عالم متقی زاہد صالح تھے فقہ اور دینداری میں مشہور زمانہ تھے۔

(۱۴) یحییٰ ابن حصین: آپ اپنی دادی ام حصین سے روایت کرتے ہیں۔

(۱۵) یحییٰ ابن عبدالرحمٰن ابن حاطب ابن ابی بلتعہ: آپ مدنی ہیں جماعت صحابہ سے روایات لیتے ہیں۔

(۱۶) یحییٰ ابن عبداللہ ابن سجمر: آپ صنعانی ہیں، فروہ ابن مسک سے روایت لیتے ہیں۔

(۱۷) یحییٰ ابن ابی کثیر: آپ کی کنیت ابوالیسر ہے یمامی ہیں اصلی باشندے بصرہ کے تھے پھر یمامہ چلے گئے تھے حضرت انس ابن مالک سے ملاقات ہے۔

(۱۸) یونس ابن یزید: آپ ایلی ہیں، قاسم عکرمہ اور زہری سے ملاقات ہے، ۱۵۹ھ ایک سوانسٹھ میں وفات ہے۔

(۱۹) یونس ابن عبید: بصری ہیں، حسن بصری محمد ابن سیرین کے شاگرد ہیں، ۱۳۹ھ ایک سوانتالیس میں وفات ہے۔

ی۔۔۔صحابیات

(۱) یسیرہ: آپ کی کنیت ام یاسر ہے انصاریہ ہیں مہاجرین میں سے ہیں۔

۲۴ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ، ۱۳مارچ ۱۹۶۹ء پنجشنبہ ۹بجے صبح

نسب نامہ

سیدنا عبداللہ کے صرف ایک فرزند ہی ہوئے یعنی حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جناب عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے فرزند ہیں نسب شریف یہ ہے۔

اولاد عبدالمطلب ابن ہاشم:

آپ کی کل چھ بیویاں ہوئیں جن کی اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) صفیہ بنت حجیر ابن زباب ابن سوادہ ابن عامر ابن صعصعہ از نسل نضر ابن کنانہ،آپ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا حارث۔

(۲) فاطمہ بنت عمرہ ابن عائذ ابن عمران ابن مخزوم ابن یقظہ ابن مرہ،آپ کے بطن سے چھ لڑکیاں اور چار لڑکے پیدا ہوئے۔

لڑکیاں: عاتکہ،برہ،اردی،الیمہ،بیضاء،ام کلیم۔

لڑکے: زبیر،ابوطالب،عبدالکعبہ،عبداللہ۔

(۳) بنی بنت ہاجرہ: از اولاد خزاعہ،ابولہب،عبدالعزیٰ۔

(۴) ہالہ بن رہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب،آپ سے ایک بیٹی چار بیٹے ہوئے۔

بیٹی: صفیہ۔بیٹے: مقوم،حجل،مغیرہ،حمزہ۔

(۵) نبطہ بنت خباب ابن کلیب از نسل ترار آپ کے بطن سے تین بیٹے ہوئے: ضرار،قثم،عباس۔

(۶) منمعہ بنت عمرو ابن مالک از نسل خزاعہ کے بطن سے ۲ بیٹے ہوئے: غیداق،مصعب۔

عبدالمطلب کی کل ۷ لڑکیاں اور سولہ لڑکے ہوئے۔بعض مؤرخین نے فرمایا غیداق حجل ہی کا نام ہے اور عبدالکعبہ مقوم کا نام،قثم کوئی نہیں۔اس حساب سے آپ کے تیرہ بیٹے ہوئے۔عبدالکعبہ کا نام عامر لقب شیبہ ہے،آپ ۴۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۵۷۹ء میں انتقال ہوا،بیاسی سال عمر ہوئی کثیر الاولاد تھے۔

اولاد ہاشم آپ کا نام عمر ہے

آپ کی چھ بیویاں ہوئیں اور اولاد یعنی بیٹے بیٹیاں۔

(۱) سلمہ بنت عمرہ ابن زید بخاری آپ سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی: عبدالمطلب،رقیہ۔

(۲) ہندبنت عمرہ: ابن ثعلبہ خزرجی ان کے شکم سے صرف ایک بیٹا ہوا،صفی۔

(۳) قیلہ بنت عامر ابن مالک ابن جزعہ کے شکم سے صرف ایک بیٹا ہوا،اسد۔

(۴) اسیمہ بنت عدی ابن عبداللہ ابن دینار: آپ کے شکم سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں: نضلہ،شفاء۔

(۵) واقدہ بنت عدی آپ کے شکم سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں: صعیفہ،خالدہ۔

(۶) عدی بن حبیب ثقفیہ: آپ کے بطن سے صرف ایک لڑکی ہوئی،حنّہ۔

عبد مناف کی اولاد آپ کا نام مغیرہ ہے

آپ کی کل تین بیویاں ہوئیں اور ان کے بطن سے چھ لڑکے لڑکیاں ہوئیں۔

(۱) عاتکہ کبریٰ بنت مرہ ابن بلال: آپ کے شکم سے تین بیٹے پانچ بیٹیاں ہوئیں،بیٹے: عبدالشمّس،ہاشم،مطلب۔بیٹیاں: مرہ،حنہ،ہالہ،قلابہ۔

(۲) واقدہ بنت عامرہ ابن عبد کے شکم سے تین بیٹے ہوئے: ابوعبیدہ،ابوعمرو،نوفل۔

(۳) قبیلہ ثقیف کی ایک عورت تھی جس کے بطن سے ایک لڑکی ریطہ ہوئی۔

خیال رہے کہ عبدالشمّس کے بیٹے کا نام امیہ ہے اور ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب ہیں اور مطلب کے تین بیٹے ہوئے: حصین،طفیل،عبیدہ۔

نسب نامہ صحابہ واہلبیت!

ابو بکر صدیق: آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس ہیں، ان سے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹے: عبداللہ، عبدالرحمٰن، محمد، بیٹیاں: اسماء، عائشہ صدیقہ، ام کلثوم۔ ام کلثوم کی ولادت آپ کی وفات کے بعد ہوئی عائشہ صدیقہ کا نکاح حضور انور سے ہوا، حضرت اسماء کا نکاح زبیر ابن عوام سے ہوا جن سے عبداللہ ابن زبیر پیدا ہوئے محمد ابن ابو بکر حضرت علی کی طرف سے والیٔ مصر ہوئے ان کے بیٹے قاسم فقیہ اعظم تھے، آپ کی بیٹی یعنی فروہ کا نکاح ام باقر سے ہوا ان سے امام جعفر صادق پیدا ہوئے۔

عمر فاروق: آپ کے چھ بیٹے ہیں: عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن (ابو شحمہ) زید، مجیر، عاصم ان میں سے زید ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا کے بطن شریف سے پیدا ہوئے۔ آپ کی دو بیٹیاں ہیں: حفصہ، رقیہ۔ حفصہ حضور انور کے نکاح میں آئیں۔ یہ جو مشہور ہے کہ ابو شحمہ کو شراب یا زنا کی سزا دی گئی بلکل غلط ہے۔ (تذکرۃالموضوعات مؤلفہ محمد طاہر اور کتاب اہل بیت)

عثمان غنی: آپ کے نکاح میں حضور انور کی دو بیٹیاں آگے پیچھے آئیں: ام کلثوم، رقیہ۔ ام کلثوم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، رقیہ سے عبداللہ ابن عثمان پیدا ہوئے جو چھ سال کی عمر میں وفات پاگئے، آپ کے کل آٹھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹے: عبداللہ اکبر، عمرو، ابان، خالد، عمر، عبدالملک، سعید، ولید۔ بیٹیاں: مریم کبری، ام سعید، عائشہ، ام ابان، ام ایوب۔ عائشہ بنت عثمان کا نکاح امام حسن ابن علی سے ہوا، ام ایوب عبدالملک ابن مروان کے نکاح میں آئیں۔

علی مرتضٰی: آپ کی کل نو بیویاں اور بہت اولاد۔ فاطمہ زہرا حسن، حسین بیٹے، زینب، ام کلثوم بیٹیاں۔ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق سے ہوا، ان سے حضرت زید ابن عمر اور رقیہ بنت عمر پیدا ہوئے (فروع کافی جلد دوم، باب تزویج) حضرت عمر کی شہادت کے بعد ام کلثوم کا نکاح محمد ابن جعفر سے ہوا ان کے بعد عون سے نکاح ہوا عون کے نکاح میں ام کلثوم فوت ہوئیں۔ (کتاب المعارف کتاب اہل بیت)

ام بنن بنت حرام: ان کے شکم سے چار بیٹے ہوئے: عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان۔

لیلٰی بنت مسعود: آپ کے شکم سے دو بیٹے ہوئے: عبداللہ، ابو بکر۔

اسماء بنت عمیس: آپ کے شکم سے دو بیٹے ہوئے: یحیٰی، محمد۔ یہ تمام مذکورہ حضرات کربلا میں شہید ہوئے۔

امامہ: آپ کے بطن سے ایک بیٹے محمد پیدا ہوئے۔

خولہ بنت جعفر حنفِیہ: آپ خلافت صدیقی میں غزوہ یمامہ میں گرفتار ہو کر آئیں حضرت علی کے نکاح میں دی گئیں آپ سے محمد ابن حنفِیہ پیدا ہوئے۔

صہبہ بنت ربیعہ تغلبی: آپ کے شکم سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

ام سعید بنت عروہ: آپ سے بھی تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

محیاء بنت امرء القیس: آپ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ خیال رہے کہ امام حسن و حسین کی اولاد سید کہلاتی ہے اور عباس، جعفر، محمد ابن حنفِیہ کی اولاد علوی کہلاتی ہے۔

امام حسن (ابو محمد) امام حسن کے نکاح قریبًا ایک سو ہوئے آپ کے بیٹے چودہ تھے بیٹیاں چھ۔ بیٹے: حسن مثنی، حسین، طلحہ، اسماعیل، عبد اللہ، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمٰن، عبداللہ، ابو بکر، قاسم، عمر، یزید، زید۔ عمر، قاسم، عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے۔ بیٹیاں: فاطمہ، ام سلمہ، ام عبداللہ، ام الحسین، رملہ، ام الحسن۔ امام حسن کا نکاح عائشہ بنت عثمان سے ہوا، ان کے شکم سے ابو بکر ابن حسن اور عمر ابن حسن پیدا ہوئے، نیز

آپ کا نکاح حفصہ بنت عبد الرحمٰن ابن ابو بکر صدیق سے ہوا لہٰذا امام حسن حضرت صدیق اکبر کے پوتے داماد ہیں، حضور غوث اعظم عبد القادر جیلانی عبد اللہ ابن حسن ابن علی کی اولاد سے ہیں آپ حسنی حسینی سید ہیں۔

امام حسین (ابو عبد اللہ) آپ کے گیارہ بیٹے ہیں اور چار بیٹیاں۔ تفصیل یہ ہے کہ بیٹے: عابد، علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد حمزہ، ابو بکر، جعفر، یزید، عمر۔ بیٹیاں: فاطمہ کبریٰ، رقیہ، سکینہ، فاطمہ صغریٰ۔ آپ کے چار بیٹے: علی اصغر، علی اکبر، ابو بکر اور عمر کربلا میں شہید ہوئے۔ عابد، زید، ابراہیم، یزید، محمد، حمزہ سے نسل چلی۔

سکینہ بنت حسین کا شام کی قید میں مر جانے کی روایت بالکل غلط ہے۔ آپ زندہ رہیں اور مصعب ابن زبیر کے نکاح میں آئیں، ان کی وفات کے بعد آپ عبد اللہ ابن عثمان ابن عفان کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا، پھر اصبغ ابن عمیر ابن عبد العزیز ابن مروان کے نکاح میں آئیں، آپ یعنی سکینہ کی وفات خلیفہ ہشام کے زمانہ میں ہوئی بلکہ تاریخ داں حضرات پر مخفی نہیں کہ بعد شہادت امام حسین بقیہ اہل بیت کو قیدی بنانا جیل میں رکھنا یہ بھی محض بناوٹی ہے جو رلانے کے لیے گڑھا گیا ہے۔

زین العابدین: آپ کا نام عابد ہے، لقب علی اوسط، خطاب زین العابدین، آپ کی والدہ بی بی شہر بانو بنت یزد گرد شاہ ایران ہیں، شہر بانو ایران کی شاہزادی تھیں جو خلافت فاروقی میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آئیں، حضرت عمر نے فرمایا کہ شاہزادی شاہزادے کو دی جاوے گی اور امام حسین سے آپ کا نکاح کر دیا، ان کے شکم سے امام زین العابدین پیدا ہوئے، آپ کے بیٹے گیارہ اور بیٹیاں چھ۔ تفصیل یہ ہے بیٹے: محمد باقر، جعفر، ابو الحسن، زید، عبد اللہ، عبد الرحمٰن، سلیمان، عمر، اشرف، حسن اصغر، حسن اکبر علی۔ بیٹیاں: خدیجہ، زینب، عالیہ، ام کلثوم، ملیکہ، ام الحسن، ام الحسین۔ محمد، باقر، عبد اللہ، عمر، اشرف، زید شہید ہوئے۔

امام باقر: امام محمد باقر کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹے: جعفر، عبد اللہ، رضا، عبید اللہ، ابراہیم۔

بیٹیاں: زینب، ام سلمی۔

امام باقر کی بیوی فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن ابو بکر صدیق کے شکم سے امام جعفر پیدا ہوئے، امام باقر کا انتقال ۱۱۷ھ ایک سو سترہ ہجری میں ہوا۔

امام جعفر: آپ کے نو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

بیٹے: موسیٰ کاظم، حسن، مطہر، اسمٰعیل، ہادی، اسحاق، محمد، عبس، علی۔

بیٹیاں: ام فروہ، اسماء، فاطمہ، اسماء مسکین۔

عجیب انکشافات:

تاریخ آئینہ تصوف، مجمع العارف، برحاشیہ حلیۃ المتقین طبع ایران اور کتاب اہل بیت میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کی والدہ خدیجہ بنت امام زین العابدین ہیں اور آپکی زوجہ فاطمہ مسکین بنت امام جعفر صادق ہیں۔ **و اللہ و رسولہ اعلم!**

موسیٰ کاظم:

آپ کی بہت اولاد ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔ بیٹے: امام رضا، ابرہیم، عباس، قاسم، اسمٰعیل، جعفر، ہارون، حسن، احمد، محمد، حمزہ، عبد اللہ، اسحاق، عبید اللہ۔

بیٹیاں : فاطمہ کبریٰ، فاطمہ صغریٰ، رقیہ، کلیمہ، ام ابیہہ، رقیہ صغریٰ، کلثوم، ام جعفر، لبابہ، زینب، خدیجہ، علیاء آمنہ حسینہ، بریہمہ، عائشہ، ام سلمہ، میمونہ، کلثوم صغریٰ۔ تحقیق یہ ہے کہ امام رضا کے صرف ایک صاحبزادے تھے محمد تقی بعض مؤرخین نے فرمایا کہ آپ کے بیٹے پانچ تھے بیٹی ایک۔

بارہ امام

علی مرتضی، امام حسن، امام حسین، زین العابدین، محمد باقر، امام جعفر صادق، موسیٰ کاظم، علی رضا، محمد جواد، علی عسکری، حسن خالص ابو محمد، محمد الحجہ، ابو القاسم۔

شجرہ نسب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عبد اللہ

عبد المطلب : علی ابن ابی طالب

ہاشم :

عبد مناف : آمنہ بنت وہب، عثمان ابن عفان، ابن ابو العاص ابن امیہ ابن عبد الشمس۔

قصی : زبیر ابن عوام ابن خویلد ابن اسد ابن عزی، خدیجۃ الکبریٰ۔

کلاب : عبد الرحمٰن ابن عوف ابن عبد یغوث ابن حارث ابن زہرہ، سعد ابن ابی وقاص ابن مالک ابن وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ۔

مرہ : خالد ابن ولید ابن مغیرہ ابن عبد اللہ ابن عمر ابن مخزوم ابن یقطہ، ابو بکر صدیق ابن ابو قحافہ ابن عامر ابن طلحہ ابن عبد اللہ ابن عثمان ابن کعب ابن سعد ابن تیم۔

کعب : عمر ابن خطاب ابن نفیل سعید ابن زید ابن عمرو ابن عبد العزیٰ ابن رباح ابن عبد اللہ ابن قرط ابن رواح ابن عدی۔

لوی :

غالب :

فہر : ابو عبیدہ ابن عبد اللہ ابن جراح ابن وہب ابن ضمہ ابن حارث۔

مالک :

نضر :

کنانہ :

خزیمہ :

مدرکہ :

الیاس :

مضر :

نزار :

معد :

عدنان:

مرتب حکیم الامت مفتی احمد یار خاں مدظلہ العالی